سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

عرض ناشر

"موت کے سوداگر" کتابی شکل میں پیش خدمت ہے۔ ڈائجسٹوں میں اب تک جو سلسلے وار کہانیاں شائع ہوئی ہیں ان میں "دیوتا" کے بعد یہ سب سے طویل سلسلہ ہے اور مقبولیت میں سب سے آگے ہے۔

کافی عرصے سے قارئین کی یہ خواہش تھی کہ اس کہانی کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے لیکن پچھلے چند سالوں سے کتابوں کی اشاعت پر جو بحران آیا ہوا ہے اس کی وجہ سے نئی کتابوں کی اشاعت سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ کاغذ کی منگائی اور چھپائی وبائنڈنگ کے ہوشربا نرخ تو کتابوں کی اشاعت میں مانع تھے ہی کہ ڈاک خانے والوں نے بھی ڈاک کے اخراجات بے تحاشا بڑھادیے۔ مزید ستم یہ ڈھایا کہ 2 کلو سے بڑے پیکٹ بک پوسٹ کے ذریعے نہیں بھیجے جاسکتے (حالانکہ اخبارات اور رسالوں پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہے) جس کی وجہ سے کتابوں کا "بھیجنا" بھی ناممکن ہوگیا۔

ان حالات کی وجہ سے بے شمار ادارے بند ہوچکے ہیں اور باقیہ بھی سسک رہے ہیں۔

کتابیات پبلی کیشنز بھی پچھلے کئی سالوں سے اس گرداب میں پھنسا ہوا ہے اور نئی کتابوں کی اشاعت بالکل بند کررکھی ہے۔

چونکہ ایک عرصے سے قارئین کا اصرار تھا کہ **"موت کے سوداگر"** کتابی شکل میں شائع کی جائے اور یہ کہانی اس قدر منفرد، دلچسپ اور مقبول ہے کہ نفع نقصان سے ماورا اس کی اشاعت ادارے کے لئے باعث افتخار ہے۔ بلاشبہ یہ ادارے کی گڈول میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

اس کہانی کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس کے مصنف اقلیم علیم ہیں جو کہ محدود رسائل میں لکھتے ہیں اور کم لکھتے ہیں لیکن جو بھی لکھتے ہیں، خوب لکھتے ہیں۔ ان کی ہر تحریر مقبولیت کے ریکارڈ قائم کرتی ہے۔

اس کہانی کی اب تک جو اقساط شائع ہوچکی ہیں وہ تقریباً 13- 14 حصوں میں آئیں گی مزید اقساط جیسے جیسے سسپنس میں شائع ہوتی رہیں گی، کتابی شکل میں پیش کی جاتی رہیں گی۔

ہمیں امید ہے کہ کہانی کی اس کتابی شکل کو قارئین پذیرائی بخشیں گے۔ پذیرائی بخشنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ اس کتاب کو خرید کر پڑھیں، مانگ کر نہیں۔ آپ کے اس عمل سے ہمارا حوصلہ بڑھے گا اور ہم مزید اچھے اچھے سلسلے آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔

"موت کے سوداگر" کے بعد عنقریب ہم ماہنامہ سرگزشت کی مقبول سلسلے وار کہانی "تاوان" بھی کتابی شکل میں پیش کریں گے۔

مخلص

اعجاز رسول

27/10/98

ایک نوجوان کی خود نوشت جواپنوں کے ہاتھوں برباد ہوکر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ اُن نوجوانوں کی داستانِ عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ اُن زرپرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کن چمک نے بینائی سے محروم کردیا۔ موت کے اُن سوداگروں کا ماجرا جواپنے بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں زہر پلا رہے ہیں۔

سپنس کا ایک تعمیری سلسلہ۔ دولتمندوں کی کہانی، دولتمندوں کی عبرت کے لیے

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ہم تینوں وسیع و عریض مکان سے ملحق سرسبز لان پر بیٹھے کافی پینے میں مصروف تھے اور ہم سے کچھ دور پورچ کے کنارے ایک ملازم مستعد کھڑا ہوا تھا کہ ہم میں سے کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ فوری طور پر فرمائش کی تکمیل کر سکے۔

پورچ میں آگے پیچھے ہم تینوں کی گاڑیاں موجود تھیں۔ ہمارے علاوہ وہاں ملازمین بھی موجود تھے لیکن اس کے باوجود پوری عمارت پر ایک پُرہول سا سناٹا طاری تھا جو ہمیشہ سے جیوا ہاؤز کا طرۂ امتیاز رہا تھا لیکن اس وقت وہ سناٹا مجھے کاٹ رہا تھا۔ کوئی اجنبی وہاں آجاتا تو اسے سب سے پہلے یہی احساس ہوتا کہ اس عمارت میں کوئی سنگین واردات رونما ہو چکی ہے یا ہونے والی ہے اور آنے والے لمحوں کی اس دہشت نے عمارت کے باسیوں سے خوشی کی ہر امنگ چھین لی ہے۔

"باقاعدہ اجلاس نہ ہوتا تو اسکاچ کا ایک دور ضرور چلتا!" میں نے ماحول کے بوجھل پن کو دور کرنے کے لیے دعوت آمیز لہجے میں کہا۔

"نہیں بابا!" طارق بوکھلا کر بولا۔ "جہانگیر ڈسپلن کے معاملے میں بہت سخت ہے۔ اسے شبہ بھی ہو گیا تو بس سمجھ ہی جائے گا۔"

نادر نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور بید کی کرسی میں پہلو بدلتے ہوئے الجھن آمیز لہجے میں بولا۔ "پتا نہیں، وہ کہاں رہ گیا چھ بجنے والے ہیں۔"

"نہ ایک منٹ آگے، نہ پیچھے۔ وہ وقت کا پابند ہے، ٹھیک چھ بجے ہی آئے گا۔" طارق نے غیرارادی طور پر اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو دو منٹ باقی ہیں۔"

میں طارق کی طرف متوجہ ہو گیا اور چند ثانیوں تک پُرخیال انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ ہم سے بھاگتا ہے۔ ہمارے ساتھ کم سے کم وقت گزارنے کی کوشش کرتا ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" طارق نے اعتراف کیا۔ "وہ ہم سے الگ تھلگ رہنے کی کوشش کرتا ہے شاید اس لیے کہ وہ ہمارا سربراہ ہے۔"

"سربراہ ہونے سے پہلے وہ ہمارا دوست ہوا کرتا تھا۔" میں نے انھیں یاد دلایا۔ "لیکن اب یاری دوستی کو وہ بالکل فراموش کر بیٹھا ہے۔ میرا بس چلے تو اسے ہلکی سی سرزنش ضرور کروں تاکہ اسے ماضی کے رشتے یاد آجائیں۔"

"سرزنش ؟" نادر خان یوں ہنسا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ "مگر کس بنا پر؟ محض اس لیے کہ اجلاسوں میں وہ عین وقت پر پہنچتا ہے، ہم سے گپ شپ میں وقت برباد نہیں کرتا اور میٹنگ ختم ہوتے ہی واپس چلا جاتا ہے؟"

"مشکل یہی ہے۔" طارق گہرا سانس لے کر بولا۔ "اس کا رویّہ ہمیں ضرور چبھتا ہے لیکن اس کی کسی کوتاہی کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی۔ ہم اس کے بارے میں صرف اسی قدر جانتے ہیں جتنا کام کی حد تک ہمارے سامنے آتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے سر پر اور بھی فکریں سوار

رہتی ہوں۔"

عین اسی وقت سیاہ رنگ کی ایک دمکتی ہوئی سیلون کار کھلے ہوئے پھاٹک میں داخل ہوئی اور پورچ میں پہلے سے موجود گاڑیوں کے پیچھے رُک گئی۔

میرے ساتھ ان دونوں نے بھی بیک وقت اپنی رسٹ واچز پر نگاہیں ڈالیں اور ان کے چہروں پر مایوسی پھیل گئی کیونکہ جہانگیر روایت کے مطابق بروقت پہنچا تھا۔

میں انھیں چھیڑ ضرور رہا تھا لیکن ڈسپلن کا بہت زیادہ خیال رکھتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے کرسی چھوڑ دی اور ان دونوں نے بھی میری تقلید کی۔ ہم لان سے برآمدے میں پہنچے تو دراز قامت جہانگیر بھی لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہم سے آن ملا۔

"ہیلو ایوری باڈی!" اس نے ہاتھ لہرا کر خوش دلی سے کہا۔ وہ دونوں اخلاقاً مسکرائے اور میں نے دل پر جبر کر کے ہونٹوں کو قدرے پھیلا لیا۔ اس کی طرف سے بڑے پن کا اظہار مجھے ہمیشہ سے کھلتا تھا۔ وہ ہم میں سے تھا۔ بُرے دنوں میں ہم چاروں ہم نوالہ اور ہم پیالہ رہے تھے لیکن ہم سے اپنے احکامات کی تعمیل کراتے کراتے وہ خود سر سا ہوگیا تھا جیسے پیدائشی طور پر وہ ہم پر مسلط رہا ہو۔

عمارت کے داخلی دروازے پر دو قوی الجثہ اور مضبوط آدمی مجسموں کی طرح ایستادہ تھے۔ ان کے ہاتھ جیبوں میں تھے جو بادی النظر ہی میں پھولی ہوئی اور وزنی محسوس ہو رہی تھیں لیکن ہم میں سے کسی کے لیے بھی وہ نئی بات نہیں تھی لہٰذا ہم سب ان کے قریب سے گزر کر اس پرشکوہ عمارت میں داخل ہو گئے۔

داخلی ہال میں جہانگیر ہم سے آگے ہولیا جیسے ہمارے لیے وہ عمارت اجنبی رہی ہو۔ میں نے دل ہی دل میں اسے ایک گندی سی گالی دی لیکن عملاً ایک مجبور مقتدی کی طرح اس کے پیچھے نادر اور طارق کے ساتھ چلتا ہوا چند راہداریوں سے گزرنے کے بعد جیوا ہاؤز کے اس مخصوص کمرے میں پہنچ گیا جہاں ایک بڑی سی میز کے گرد صرف چار ہی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

سب کی نشستیں مخصوص تھیں لہٰذا ہر ایک نے کسی تکلف یا اہتمام کے بغیر اپنی جگہ سنبھال لی۔

"تمھاری وجہ سے یہ اجلاس ڈیڑھ منٹ کی تاخیر سے شروع ہو رہا ہے۔" اپنی نشست سنبھالنے کے بعد میں نے اپنی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے جہانگیر کو مخاطب کیا۔

"مجھے جتانے کی ضرورت نہیں ڈیبی!" اس کا لہجہ خشک اور سنجیدہ تھا۔ "چھ بجے ہمیں یہاں پہنچنا تھا اور میں بروقت آگیا تھا۔ اجلاس کی ابتدا یا انتہا کے بارے میں کسی کو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں میں اپنی فرائض داریاں خوب جانتا ہوں۔"

اس کا جواب ضرورت سے زیادہ تلخ تھا لیکن وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، بظاہر درست ہی تھا۔ مجھے مجبوراً خاموشی اختیار کرنا پڑی اور میں اپنی جیب ٹٹول کر اپنے دل کو تسلی دینے میں مصروف ہوگیا۔

کمرے کی فضا پر سکوت طاری رہا۔ نادر اور طارق جہانگیر کی طرف دیکھ رہے تھے اور وہ بے پروائی کے ساتھ سگریٹ سلگانے میں مصروف تھا۔

"کچھ عرصے سے ہماری سرگرمیاں مسلسل روبہ زوال ہیں۔" جہانگیر نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے ایک ایک لفظ سوچ کر بول رہا ہو۔ میرا جی چاہا کہ کھل کر اس اجلاس کا مقصد بیان کر کے اس کا بھرم توڑ دوں لیکن میرے لیے اپنے ہی بنائے ہوئے اس حصار کو توڑنا ممکن نہیں تھا۔ معاملات کی باگ ڈور بظاہر اس کے ہاتھ میں تھی اور مجھے ایک معمولی ماتحت کی طرح اس کی کہی ہوئی ہر بات پر توجہ دینی تھی۔

"چھوٹے چھوٹے گروپ ٹریڈ میں آگئے ہیں۔" نادر خان مدافعانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "وہ جس مارجن پر کام کر رہے ہیں وہ ہمارے لیے ناقابلِ قبول ہے۔ ہم نے مجبوراً اپنی سرگرمیاں محدود کی ہیں کیونکہ ہم پالیسی سے انحراف نہیں کر سکتے....."

"لوگوں کو راستے سے....." میں نے بولنا چاہا لیکن جہانگیر شاید اس روز خاص طور سے میری کاٹ پر تُلا ہوا تھا۔ وہ میرا فقرہ پورا ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔

"جو ہو چکا اسے بھول جاؤ۔" غنیمت یہ تھا کہ اس بار اس کا لہجہ نرم ہی تھا۔ "ہم یہاں گڑے مردے اکھاڑنے کے لیے جمع نہیں ہوئے۔"

"میں اس میٹنگ کی وجہ جاننے کا منتظر ہوں۔" اس کے خاموش ہونے پر میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"ہمیں کام آگے بڑھانا ہے۔" جہانگیر نے باری باری ہم میں سے ہر ایک کا جائزہ لیتے ہوئے پُرعزم لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن طریقہ؟" نادر خان نے دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔ "اس وقت بھی شہر کے صرف وہی اڈے ہم سے مال لے رہے ہیں جنھیں تھوڑے سے داموں کے مقابلے میں اپنی ساکھ اور رازداری زیادہ عزیز..."

"ہم ایک نئی چیز بازار میں لائیں گے۔" جہانگیر کا لہجہ تجسس آمیز تھا۔

"افیم، چرس، شراب، عرق، حشیش، مارفین اور پیتھیڈین سب ہی بازار میں ہیں۔" طارق نے پہلی بار زبان کھولی۔ "دیسی مال کی بھی سیکڑوں قسمیں ہیں....."

"صرف بیس کے نام گناتے چلو۔" جہانگیر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ سراسر تادیبی تھا۔

"اوہ سوری۔" طارق معذرت خواہانہ لہجے میں جلدی سے بولا۔

"وہ تو میں نے ایسے ہی کہہ دیا تھا۔"

"جب کہنے کے لیے کچھ نہ ہو تو خاموش رہنا بہتر ہوتا ہے۔"

جہانگیر غرایا۔

"لہجہ قابو میں رکھو ۔۔۔" اس بار میں خاموش نہ رہ سکا۔ طارق محاورۃً کہہ رہا تھا۔"

"تمھیں دخل اندازی کی ضرورت نہیں۔" جہانگیر بگڑ گیا۔ "یہ میری اور طارق کی بات ہے۔"

میں نے بے پروائی سے شانے اُچکائے اور اسی لہجے میں بولا۔

"پھر ہمارا یوں جمع ہونا شاید بے سود ہے۔ ہم باہمی افہام و تفہیم کے لیے جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی غلطیوں کی نشاندہی ہمارا بنیادی فرض ہے جس سے روگردانی نہیں کی جاسکتی۔"

"خاموش رہو۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ اس کی آواز سے غراہٹ ختم ہوگئی تھی لیکن لہجے میں تلخی بدستور باقی تھی۔ "مجھے سبق پڑھانے کی ضرورت نہیں۔ یہ نہ بھولو کہ میں تم لوگوں کا سربراہ ہوں۔"

"میں مانتا ہوں ۔" میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو قدرے خم دیتے ہوئے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "مگر مائی ڈیئر سر! اپنی سربراہی کا وقار قائم رکھو۔ تم کسی پرائمری اسکول کے ہیڈ ماسٹر نہیں ہو۔"

"بزنس میٹنگ میں ہمیں ذمے داری کے ساتھ حصہ لینا چاہیے۔" اس نے قدرے توقف کے بعد دھیمی آواز میں کہا۔ "بے تُکی باتیں وقت برباد کرتی ہیں۔"

"ہم میں سے کوئی بھی دانستہ وقت ضائع نہیں کرتا۔" میں نے بھی مصالحانہ لہجہ اختیار کرلیا۔ "اصل بات یہ ہے کہ جب ہم ایک دوسرے کی نیت پر اعتماد کرتے ہیں تو ہمیں آپس میں طنز اور تضحیک کا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔"

"چھوڑو یار!" طارق مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "چھوٹی موٹی باتوں کی تو اب عادت سی ہوگئی ہے۔ میں کسی کی بات کا بُرا نہیں مانتا۔"

"میں بھی جھگڑا نہیں کررہا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "تم بہت فراخ دل ہو، تمھیں کوئی بات بُری نہیں لگتی لیکن مجھے یا نادر کو بُرا محسوس ہوسکتا ہے۔ میں پہلے بھی کئی بار زبان کھولتے کھولتے خاموش رہ گیا۔ ہم نے باہمی اعتماد کی فضا برسوں میں قائم کی ہے اور میں اسے برقرار دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"گویا گروپ کا سارا درد تمھارے جگر میں ہے۔" جہانگیر غصّے کے باوجود بے بسی کے ساتھ ہنس پڑا۔ "میں معاملات کو بگاڑ رہا ہوں؟"

"یہ منصب میرے پاس بھی رہا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "میں جو کچھ کہتا ہوں نیک نیتی کے ساتھ کہتا ہوں۔"

جہانگیر میرے چبھتے ہوئے ریمارک پر بل کھا کر رہ گیا مگر مُنہ سے کچھ نہ بولا۔

"شاید تم کسی نئی چیز کا ذکر کرنے والے تھے۔" نادر خان نے کہا۔ وہ بہت زیرک آدمی معلوم ہوتا تھا اور تلخیوں کو بروقت ٹالنے میں خاصا ماہر تھا۔

"نئی چیز۔" جہانگیر اپنی جھلاہٹ کو پُرخیال لہجے میں چھپاتے ہوئے بڑبڑایا۔ "ہیروئن ہماری منڈی کے لیے ایک اچھوتی چیز ہوگی۔"

"لیکن یہ نام تو نیا نہیں ہے۔" طارق نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں۔" جہانگیر نے پہلی بار اس پر کسی برہمی کا اظہار کیے بغیر کہا۔ "لیکن مقامی ٹریڈ کے لیے یہ نام تقریباً نیا ہے۔ ہیروئن جہاں جہاں پہنچی اس کی بے پناہ مانگ ہے لیکن اس کی رسد ناقابل ذکر ہے۔ اس کی عالمی ڈیمانڈ اور سپلائی میں ایک زبردست خلا ہے پھر ہماری منڈی کے لیے یہ اچھوتی چیز ہوگی۔ اس کے مُنہ مانگے دام ملیں گے۔"

"مُنہ مانگے دام۔" نادر خان کہنیوں کے بل میز پر آگے جُھک آیا۔ "تم جانتے ہو کہ ہمارے یہاں نشہ کرنے والے معاشرے کے کس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں؟"

"ہمارا معاشرہ آسمان سے نہیں اُترا نادر خان!" جہانگیر نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر کہا۔ "امریکہ کے خوشحال گھرانوں سے بنگلہ دیش کے ننگے بھوکے دہقانوں تک وہی لوگ منشیات کا سہارا لیتے ہیں جو ناآسودہ ہوں۔ مغرب میں محرومی کا احساس کچھ اور ہے، یہاں کچھ اور۔ عسرت زدہ طبقے کے لوگ کچھ دیر کے لیے خیالی جنت خریدنے کے لیے زیادہ فیاضی سے خرچ کرتے ہیں۔"

"مگر یہاں سستے نشے بآسانی دستیاب ہیں۔ لوگ انھیں استعمال کررہے ہیں، انھیں سستی چیزوں سے ہٹا کر ادھر راغب کرنا اتنا آسان نہ ہوگا۔" نادر خان نے کہا۔

جہانگیر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "میری باقاعدہ بریفنگ ہوئی ہے۔ مجھے کامیابی کا پورا یقین ہے۔ شاید تمھیں سمجھانا میرے لیے دشوار ثابت ہو۔"

"مگر ہم بتدریج الگ ہوتے ہوتے دوبارہ کیوں اس طرف راغب ہوں۔" میں نے اعتراض کیا۔

"اس لیے کہ یہ ہماری ضرورت ہے۔" جہانگیر نے براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "میں نہیں مانتا، آج کے حالات بہت مختلف ہیں۔ ہم خاصے ذرائع کے مالک ہیں، ان چکروں میں پڑے بغیر بھی اپنی ضروریات اور ذمے داریاں آسانی سے پوری کرسکتے ہیں۔"

"تم شاید سات برس پہلے کے حالات سے آج کا موازنہ کررہے ہو۔" جہانگیر کے لبوں پر زہرخند ابھر آیا۔ "اس وقت ہم سب بے سروسامان تھے۔ ہم نے اپنی خوشی سے یہ دھندا شروع کیا اور آج ہم اس پر مجبور ہیں۔"

"تو یہ اُوپر کی تجویز ہے؟" میرا لہجہ یک بیک بے جان ہوگیا۔

"میں اتنا حریص نہیں ہوں۔" جہانگیر کی آواز سپاٹ تھی۔" اس کرسی پر بیٹھ کر میں کسی کی نمائندگی کرتا ہوں۔ اس کے حکم کی خود تعمیل کرنا اور تم سے کرانا میری ذمے داری ہے۔"

"اس کے لیے تو کسی بحث کی ضرورت ہی نہیں تھی۔" میری آواز میں شکست اور بے بسی کے اثرات سمٹ آئے اور میں کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔

"غلطی تم تینوں کی ہے کہ میری بات پوری ہونے سے پہلے اپنے اعتراضات لے بیٹھے۔" جہانگیر کے لہجے میں تھوڑا سا غرور سمٹ آیا۔" ہمیں یہاں ہیروئن کی مارکیٹ پیدا کرنی ہے۔"

"مارکیٹ کیا ہے؟" نادر خان نے سوال کیا۔

"تین کروڑ سالانہ خالص منافع دینا ہے اور وہ بھی فی الحال۔" جہانگیر نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر صاف آواز میں کہا۔

تینوں کے منہ سے تحیر آمیز آوازیں نکل پڑیں۔

"اسٹاک میں جو کچھ موجود ہے اسے فوراً تلف کرا دو۔" جہانگیر کہتا رہا۔" میرے پاس سیمپل آ گئے ہیں، ایک ہزار پیکٹ مارکیٹ میں کھلبلی مچا دیں گے۔"

"اسٹاک اونے پونے نہ بیچ دیا جائے؟" نادر خان نے سوال کیا۔

"میں شاید اسی لیے تم لوگوں کا سربراہ بنایا گیا ہوں کہ اتنی بات میں بغیر کسی وضاحت کے سمجھ گیا تھا۔" جہانگیر ہنس کر بولا۔" مجھے معلوم ہے کہ تمھارے پاس خاصا اسٹاک ہے۔ تم ناک کے سامنے دیکھتے ہو لیکن اوپر والے لمبی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ ہم لوگ مارکیٹ میں مال نہیں دیں گے تو دوسروں کو کمانے کا موقع ملے گا، قحط میں دام بڑھا دیں گے۔ گاہک بوکھلا جائیں گے اور کوئی توڑ تلاش کریں گے۔ ادھر تمھارے آدمی مفت اور سستے داموں سیمپل لے کر نکل پڑیں گے۔ انھیں ہر طرف ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ تجربہ بتاتا ہے کہ ہیروئن نئے آدمی کو چھ سات دن میں اور پرانے نشہ باز کو محض چار دن میں اپنا عادی بنا لیتی ہے ...."

"اور اس وقت تک ہمارے پاس کمرشل لاٹ آ چکی ہو گی جسے بازار میں ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔" طارق تحسین آمیز لہجے میں بولا۔

"مال ہاتھ کھینچ کر دیا جائے گا۔" جہانگیر دھیمی آواز میں بولا۔ "ایک دفعہ مارکیٹ پیدا ہو جائے تو ہر ایک مال مانگے گا مگر ہمیں داموں کو اپنی سطح پر لے جانا ہے۔"

"مشکل یہ ہے کہ ایکسپورٹروں سے ہمیں رابطہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ورنہ ہم چرس کا اسٹاک ضائع کرنے کے بجائے انھیں فروخت کر سکتے ہیں۔ مالی نقصان سے بھی بچ جائیں گے اور مقامی مارکیٹ بحران کی زد میں آ جائے گی۔ سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی سلامت رہے گی۔" نادر خان اس صریح نقصان سے ہر صورت میں بچنا چاہ رہا تھا۔

"اوپر والے مال واپس لے کر خود بھی اس کی بیرون ملک نکاسی کا بندوبست کر سکتے تھے مگر وہاں سے براہِ راست اتلاف کا حکم ملا ہے۔"

"لمبا کھیل ہے۔" میں بڑبڑایا۔" میں اب کچھ کچھ سمجھ چلا ہوں۔ ہمارے پاس کراچی اور مضافات کی چار ماہ کی ضروریات کا ذخیرہ ضرور ہو گا، اس کی تباہی کا مطلب ہے کہ اوپر والے عالمی مارکیٹ کا بھی جائزہ لے چکے ہیں، ادھر بحران آیا تو پہلے ہی ہلّے میں وارے کے نیارے ہو جائیں گے۔"

"اوہ خدا!" نادر اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے بولا۔" ضرور یہی بات ہے، ضرور یہی بات ہے۔ اوپر جو فیصلہ ہوتا ہے بہت سوچ سمجھ کر ہوتا ہے، ہمارے لیے اس میں سر کھپانا بے سود ہے بس جو حکم ملے آنکھیں بند کر کے اس پر عمل کرنا چاہیے۔"

"آنکھیں بند کر کے نہیں، آنکھیں کھول کر مائی ڈیئر نادر خان!" جہانگیر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کرسی چھوڑ دی اور ہم تینوں بھی اُٹھ گئے۔

جہانگیر کرسی سے اُٹھ کر سیدھا ایک قدِ آدم فولادی تجوری کی طرف گیا۔ میں ٹہلتا ہوا جہانگیر کی کرسی کی طرف آیا پھر میرا داہنا ہاتھ پھرتی سے جیب سے باہر آ گیا، نادر خان طارق سے کچھ بات کرنے میں منہمک تھا۔ وہ دونوں کچھ اس طرح کھڑے تھے کہ ان کی توجہ میری طرف نہیں تھی اور جہانگیر ہماری طرف پشت کیے تجوری کھولنے میں مصروف تھا۔ میں گردوپیش کا جائزہ لے کر پھرتی سے نیچے جھکا اور پھر بجلی کی سی سرعت سے میرا داہنا ہاتھ میز کے نیچے رینگ گیا۔

لمحہ بھر بعد میں ٹہلتا ہوا ان دونوں کے قریب پہنچا تو نہ صرف میرے ہاتھ خالی تھے بلکہ جیب بھی قدرے ہلکی ہو چکی تھی۔

"ڈینی ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔" نادر خان پُرجوش لہجے میں طارق سے کہہ رہا تھا۔" معلوم ہوتا ہے کہ چرس کے بعد اب ہیروئن کا طوفان آنے والا ہے۔ اوپر جو لوگ بھی ہیں وہ واقعی بیدار مغز ہیں۔ چرس کا مقابلہ بڑھ گیا تو ہیروئن لے آئے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ مال کہاں سے آئے گا۔ ویسے وہ کمانے کے فن میں طاق معلوم ہوتے ہیں منصوبہ بنایا ہے تو مال بھی فراہم کریں گے۔"

"چلو اب تک ہیروئن کا نام ہی سنتے رہے ہیں اب اس کا دھندا بھی کر لیں گے۔" طارق نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔

اسی اثنا میں جہانگیر نے فولادی تجوری سے پولی تھین کے تین ہلکے پھلکے تھیلے نکال لیے تھے جن کے حجم کے مقابلے میں وزن نہ ہونے کے برابر معلوم ہو رہا تھا۔

"یہ کسی حساب میں نہیں ہوں گے۔" جہانگیر نے ایک ایک تھیلا ہمارے سپرد کرتے ہوئے کہا۔ پھر خاص طور پر نادر خان کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔" چرس کا سارا اسٹاک فوراً ضائع کرنا ہو گا۔ اس کے لیے سمندر سب سے بہتر رہے گا۔ اوپر والوں کو ہماری پل پل کی خبر رہتی ہے۔ یہ کام پہلی فرصت میں ہونا چاہیے۔ جس نے بھی لالچ کیا وہ خود جوابدہ ہو گا

اور بے موت مارا جائے گا۔"

"تم فکر نہ کرو، جو بات طے ہوگئی اس پر حرف بہ حرف عمل ہوگا۔" نادر خان نے پوری سنجیدگی کے ساتھ اسے یقین دلایا اور تھیلے میں بھری ہوئی پڑیوں کا جائزہ لینے لگا۔

"کھلے بازار کے علاوہ یونیورسٹی اور کالجوں کو نہ بھولنا۔" جہانگیر نے چونک کر کہا جیسے اسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔ "آج تک کسی نے بھی ان اداروں پر براہ راست توجہ نہیں دی ہے۔ اس محاذ پر منظم طریقے سے محنت کی گئی تو کامیابی کے روشن امکانات ہیں۔"

"یہ کام میں کروں گا۔" طارق نے پیشکش کی۔ "پارٹ ٹائم کی ملازمت کی تلاش میں بہتیرے طالب علم میرے پاس آتے رہتے ہیں۔ اس وقت بھی ایک لڑکا کام کر رہا ہے، اسی کو ٹھٹو لنے سے ابتدا کروں گا۔ وہ شاید یونیورسٹی میں پڑھتا ہے۔"

"تم لوگ جس طرح چاہو کام کرو لیکن یہ خیال رہے کہ اُوپر والوں کے نزدیک ساری اہمیت نتائج کی ہے۔" جہانگیر نے یاد دلایا۔ "بے سود کوششوں پر کسی کی خوشنودی میسر نہ آسکے گی۔"

آپس میں باتیں کرتے ہم راہداری میں نکل آئے جس کے سرے پر چیوا ہاؤز کا وہ ملازم کھڑا ہوا تھا جس نے ہمیں لان پر کافی سرو کی تھی۔

نکاسی کے راستے پر دونوں محافظ بدستور اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے پتھر کے بے جان مجسموں کی طرح اٹل کھڑے ہوئے تھے جیسے انھیں اپنے فرائض کے علاوہ دوسری باتوں سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

پھر چاروں گاڑیاں یکے بعد دیگرے وہاں سے روانہ ہوگئیں۔ میں گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے دل ہی دل میں اس سچویشن کے بارے میں سوچنے لگا جو جہانگیر سے فون پر میری گفتگو کے نتیجے میں پیدا ہوسکتی تھی۔

٭

ہم میں سے کسی کا بھی ماضی قابل فخر نہیں تھا۔

جہانگیر اپنے زمانے کا چھٹا ہوا بدمعاش تھا۔ تین قتل اس کی ذات سے منسوب کیے جاتے تھے لیکن تمام تر شبہات کے باوجود کسی ایف آئی آر میں اس کا نام نہ آسکا۔ پولیس نے اپنی روایتی تفتیش کے دوران اسے حراست میں ضرور لیا لیکن جسمانی تشدد کا حربہ آزمانے کی جرأت کوئی نہ کرسکا۔ بدمعاشوں کے بارے میں خرابی یہی تھی کہ ان کا کینہ مثالی ہوتا تھا، شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ کوئی نامی گرامی شخص تھانے کی زیادتیوں کو قانونی تقاضے سمجھ کر خندہ پیشانی سے بھولا ہو اس لیے مار دھاڑ کے سارے پیشہ ورانہ نسخے چھوٹے موٹے جوا چکوں کے مقدر میں آتے تھے جو جرم کے سنگدلانہ مظاہرے سے تھانے میں آپھنسنے والے شرفا عبرت پکڑتے تھے اور صاحبان قضا و قدر کے لہجوں میں تلخی پیدا ہونے سے پہلے ہی نذرانے کا اہتمام کرکے اپنی چمڑی سلامت نکال لے جانے کی فکر میں مبتلا ہوجاتے تھے۔

جہانگیر جاہل مگر دلیر آدمی تھا اور مجھ سے اپنی دوستی پر فخر کیا کرتا تھا۔ کراچی میں جب سے ہمارا ساتھ ہوا تھا ہم نے ہر اچھے بُرے موقع پر پوری طرح ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا۔

جہانگیر اکثر میرے عملی شعبدوں کے گن گاتا رہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں لاأبالی طبیعت کے باوجود اپنے کسرتی جسم کے ہر عضو سے پوری طرح کام لیتا ہوں۔ ذہانت، مکاری اور چرب زبانی کے سلسلے میں وہ تہ دل سے میری بالادستی کا قائل تھا کیونکہ اس کے برعکس مجھے کالج تک تعلیم حاصل کرنے کے مواقع ملے تھے جو میں نے اپنی الجھن کے سبب ضائع کردیے اور کالج کی فضا میں ڈیڑھ سال گزارنے کے بعد کوئی سند لیے بغیر جرائم کی دنیا کی طرف چلا آیا۔

جہانگیر کی معرفت میں نادر خان اور طارق سے متعارف ہوا تھا۔ نادر خان آزاد علاقے میں زرعی زمینوں کا مالک تھا جہاں بھنگ کاشت ہوتی تھی اور وہ اس سے اعلیٰ قسم کی چرس کشید کرکے سرحد پار فروخت کیا کرتا تھا۔ پھر اس کا دل اپنے افغان خریدار کی بھتیجی پر آگیا۔ وہ بہانے تراش کر بار بار اس کا مہمان ہونے لگا اور آخر لڑکی کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

راز و نیاز بڑھتے رہے اور ایک رات نادر خان لڑکی کو ساتھ بھگا لایا۔ اسے معلوم تھا کہ اس طرح اس نے ایک دلیر خاندان کو اپنے لہو کا پیاسا بنالیا ہے مگر وہ محبت میں اندھا ہو رہا تھا۔ لڑکی کو سیدھا کراچی لایا اور اس سے نکاح کرلیا۔

لڑکی کے مشتعل رشتے داروں نے نادر خان کے گاؤں پر دھاوا بول دیا۔ زبردست تصادم ہوا، فصلیں جلادی گئیں، طرفین کے دو دو آدمی مارے گئے، کئی مکان نذر آتش کردیے گئے اور نادر خان ان حالات سے بے پرواہ — کراچی میں روپوش ہوکر اپنی محبت کے تشنہ خوابوں کی تکمیل میں کھویا رہا۔ اثاثہ ختم ہونے کو آیا تو اس نے چرس فروشی کا سہل روزگار اختیار کرلیا۔

طارق بظاہر شریف اور سادہ لوح نظر آتا تھا لیکن اپنے دور کا کامیاب ترین جعل ساز تھا۔ اپنی لمبی لمبی ٹیڑھی میڑھی انگلیوں کی مدد سے پیچیدہ تحریر اور دستخطوں کی ایسی مکمل نقل کرتا تھا کہ اسے اصل سے الگ کرنا مشکل ہوجاتا تھا لیکن اسی کے ساتھ وہ کاہل الوجود بھی واقع ہوا تھا۔ ایک آدھ لمبا ہاتھ مار کر مہینوں عیش کرنے کا عادی تھا اور کمال کی بات یہ تھی کہ جعلسازی کے الزام میں کبھی نہیں پکڑا گیا تھا البتہ بظاہر کوئی روزگار نہ ہونے کے باوجود خوشحال زندگی گزارنے کی بنا پر دو بار چوری کے بے بنیاد شبے میں حوالات کی سیر کرچکا تھا۔

لیکن ان تینوں کے برعکس میرا ماضی قابلِ فخر نہ ہونے کے باوجود المناک ضرور تھا۔

میں اپنے والد مرحوم کی دوسری بیوی کی اکلوتی اولاد تھا۔ میں نے جس عسرت زدہ اور پراگندہ گھریلو ماحول میں ہوش سنبھالا اس کی بنا پر ہمیشہ یہ سوچتا رہا کہ محدود ترین آمدنی اور چھوٹے سے بوسیدہ گھر کی موجودگی میں وہ کیا مجبوری رہی ہوگی جس کی بنا پر والد صاحب نے دوسری شادی کا فیصلہ کیا۔

سوتیلی والدہ کو میں نے ہوش سنبھالتے ہی بڑی ماں کہنا شروع کیا تھا۔ وہ بہت تند خو خاتون تھیں اور میری والدہ کے ساتھ ان کا رویہ ہمیشہ جارحانہ رہا۔ یہی حال میرے دو سوتیلے بھائیوں کا تھا۔ وہ نہ میری والدہ کا احترام کرتے تھے اور نہ مجھے منہ لگاتے تھے۔ جب بھی زبردستی ان کے ساتھ کھیل کود میں شامل ہونے کی کوشش کی، حقارت سے دھتکار دیا گیا۔

آپس کی معرکہ آرائیوں اور دشنام طرازی کو والد صاحب کی محدود آمدنی سے شہ مل رہی تھی۔ دو کمروں کے بوسیدہ سے مکان کی وجہ سے بھی امن و سکون کی فضا بمشکل برقرار رہ پاتی تھی۔

ایک چھت کے نیچے دو عورتوں کی موجودگی والد صاحب کو زیادہ عرصے تک راس نہ آسکی اور وہ ہمیں اپنا نوشتۂ تقدیر پورا کرنے کے لیے بے سہارا چھوڑ کر انتقال کر گئے۔ اس وقت میری عمر شاید چار سال کی تھی اور میں اپنی بیوہ ماں کی سسکیوں میں چھپا ہوا درد سمجھنے کے قابل نہیں تھا۔

بڑی ماں اور سوتیلے بھائیوں کی چیرہ دستیاں دن بدن بڑھتی رہیں۔ بڑی ماں میری والدہ کو اکثر نحوست کے طعنے دینے لگیں اور چند ماہ کی کوششوں کے نتیجے میں انھوں نے میدان اس حد تک ہموار کر لیا کہ ایک دن انھوں نے رُوح فرسا معرکے کے بعد میری روتی اور بلکتی ہوئی ماں کو گھر سے نکالا تو پاس پڑوس میں سے کوئی بھی مداخلت کی ہمت نہ کر سکا۔

اس دن مجھے پتا چلا کہ ہم دونوں ماں بیٹے دنیا میں بالکل بے سہارا رہ گئے تھے۔ والدہ نے فوری طور پر اپنی ایک سہیلی کے گھر پناہ لی لیکن خود اس کا گھر بہت مختصر اور ناکافی تھا۔

خوش قسمتی سے ماں تعلیم یافتہ تھیں اس لیے تھوڑی سی تگ و دو کے بعد ایک نوکری مل گئی جس کے سہارے سر چھپانے اور آتشِ شکم سرد کرنے کا بندوبست ہو گیا۔

ہنگامی ضرورت کے تحت ماں نے نئے محلے کی ایک عورت کو اپنی منہ بولی بہن بنا لیا اور مجھے اس کے بچوں کے ساتھ اسکول میں داخل کرا دیا۔ صبح ماں مجھے اسکول بھیج کر دفتر چلی جاتی۔ چھٹی کے بعد میں بچوں کے ساتھ محلے والی خالہ کے گھر کھانا کھاتا اور شام کو ماں کی واپسی تک اسی کے گھر میں کھیلتا رہتا۔

اس وقت مجھے ماں کی زبانی پتا چلا کہ والد مرحوم ایک سرکاری دفتر میں معمولی سی ملازمت کرتے تھے لیکن وہاں رشوت کی آمدنی بے حساب تھی۔ والد صاحب سمجھتے تھے کہ وہ اسی کرسی سے ریٹائر ہوں گے لہٰذا کبھی بُرے وقت کے بارے میں نہیں سوچا، جو کماتے تھے، بے دردی سے خرچ کر دیتے تھے۔ اپنا بوسیدہ مکان کرائے پر دے کر خود اچھی آبادی میں ایک مکان کرائے پر لیا ہوا تھا۔ رشوت کی لائی خوشحالی نے انھیں احساس دلایا کہ پہلی بیوی اگر جاہل ہے تو اسے پڑھانے لکھانے کے مقابلے میں دوسری شادی آسان ثابت ہوگی اور یوں وہ میرے قریب المرگ نانا سے ان کی بیٹی کا رشتہ لینے پہنچ گئے۔ نانا کی صحت جواب دے چکی تھی۔ وہ مرنے سے پہلے بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے لہٰذا لوگوں سے والد صاحب کی آسودہ حالی کا ذکر سن کر رشتے پر آمادہ ہو گئے اور یوں قدرت نے میری ولادت کی داغ بیل ڈال دی۔

میری ولادت سے چند ماہ پہلے اچانک والد صاحب ایک چکر میں آگئے اور انھیں غیبی سہارے فراہم کرنے والی کرسی سے معزول کر کے ایک ایسی جگہ تعینات کر دیا گیا جہاں تنخواہ کے سوا کسی قسم کی کوئی امید نہیں تھی۔ والد صاحب بہت پریشان ہوئے لیکن خاصے دن کرائے کے مکان میں اس امید میں رہتے رہے کہ شاید کسی طرح دوبارہ پرانی کرسی پر بحال ہو سکیں اور جب اس زرخیز کرسی کے دوبارہ ملنے کی امید بالکل ہی ختم ہو گئی تو گھر کے ماحول میں تنگدستی کے آسیبی سائے منڈلانے لگے تھے جس کا اظہار اس چھت کے نیچے رہنے والی دو سوکنوں کی تلخ لڑائیوں کے علاوہ آسائشوں میں کمی سے بھی ہوتا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ کرائے کا مکان چھوڑنا پڑا اور والد صاحب کو اپنی دوہری ذمے داریوں کے ساتھ اسی مختصر اور بوسیدہ چار دیواری میں پناہ لینی پڑی جسے اچھے دنوں میں بڑی ماں نے حقارت کے ساتھ انسانوں کے رہنے کے ناقابل بتانے کے باوجود ایک مجبور گھرانے کو کرائے پر دیا ہوا تھا۔

ماں کماتی رہی اور میں پڑھتا رہا۔ ماں کو میری تربیت کے بارے میں بہت فکر تھی کیونکہ اپنی ملازمت کی وجہ سے اس کا بیشتر وقت مجھ سے دور گزرتا تھا۔ جب بھی ہم یکجا ہوتے وہ اپنے عبرتناک ماضی کے حوالے سے مجھے اچھی اچھی نصیحت آموز کہانیاں سناتی لیکن ایسے موقعوں پر میرا ذہن عموماً کسی دھندلی سی دلدل میں ڈوبا رہتا۔

وقت گزرنے کے ساتھ معمول میں صرف اتنی تبدیلی آئی کہ اسکول سے میری واپسی اپنے گھر ہونے لگی۔ والد صاحب کی وفات کے صدمے سے ماں مدتوں بہت اُداس رہی۔ اکثر مجھے سینے سے لپٹا کر گھنٹوں رویا کرتی تھی۔ گھر میں ماں کی دلچسپی کا مرکز صرف میری ذات تھی۔ اسے مجھ پر ناز تھا۔ اس نے کم سنی ہی میں میری ذات سے مستقبل کے بہتیرے سنہرے خواب وابستہ کر لیے تھے۔ وہ باتیں کرتی۔ بعض باتیں میری محدود عقل میں نہ سماتیں تو میں سوالات کی یلغار کر دیتا اور وہ پیشانی پر شکن لائے بغیر میرے ہر سوال کا بے تکان جواب دیے جاتی۔ اس کی ساری گفتگو کا محور ایک ہی ہوتا تھا۔ بدی کتنی بھی سر چڑھ کر ناچے، اس کا انجام آخرکار

عبرت ناک ہوتا ہے اور سچائی غالب آکر رہتی ہے۔

لیکن وہ کبھی نہ بتا سکی کہ سچائی کتنی دیر میں غالب آتی ہے۔

میری ذہنی تربیت کی یہ رفتار کچھ ایسی تھی کہ بچپن ہی میں میری شوخیاں سنجیدگی کی آغوش میں گم ہو گئیں۔ اپنے ہم سنوں کی باتیں مجھے سطحی اور بے مقصد معلوم ہونے لگیں اور میں ان کے بجائے بڑوں میں اپنا وقت گزارنے لگا کیونکہ ماں کی عدم موجودگی میں دن بھر مجھے کھلی آزادی ہوتی تھی۔

شعور بیدار ہونے کے ساتھ ایک سوال تسلسل کے ساتھ میرے ذہن میں سر ابھارنے لگا کہ ہمارے دو نفری گھرانے کی مالی ذمے داریوں کا بوجھ اٹھانا کس کی ذمے داری تھی؟

گرد و پیش میں مجھے کوئی ایسی عورت نظر نہیں آئی جو ملازمت کرتی ہو۔ محلے سے باہر اسکول اور دفتر جانے والیوں کے بارے میں میری رائے یہ تھی کہ وہ کسی مجبوری کے بجائے محض وقت گزاری کے لیے ایسا کرتی ہیں ورنہ اپنے گھر کی کفالت مرد کی ذمے داری ہے خواہ اس کی عمر کچھ بھی ہو۔

میں پڑھ ضرور رہا تھا لیکن مخصوص ذہنی تربیت کے باعث کبھی ہم جماعتوں میں نہ گھل مل سکا۔ میرے ساتھی میری قامت اور جسامت کے باعث مجھ سے ڈرتے تھے۔ جب بھی کسی نے میرے منہ لگنے کی کوشش کی میں نے بے دریغ اسے پیٹ کر رکھ دیا لیکن یہ اطلاعات کبھی بھی میرے گھر تک نہ پہنچ سکیں۔

نویں جماعت میں پہنچتے ہی میں نے تعلیم ترک کر کے ملازمت کا ارادہ ظاہر کیا تو ماں نے مجھے پیٹ کر رکھ دیا۔ وہ مجھے پڑھا لکھا کر بڑا آدمی بنانا چاہتی تھی جبکہ میرے لیے وہ ہم عمر لڑکے مثال بنے ہوئے تھے جو کم سنی ہی میں دکانوں، کارخانوں اور گیراجوں میں کام کرتے تھے۔

ماں کی آرزوئیں میری ذات میں تضاد ابھارنے کا سبب بن گئیں۔ پراگندہ گھریلو ماحول کے بعد یتیمی اور ماں کی ملازمت نے میرے اندر ہلچل سی مچا دی تھی۔ میں نے ایک آدھ جگہ کام حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ہر جگہ سے کم سنی اور صاف ستھرے لباس کے باعث مذاق میں ٹال دیا گیا۔

لیکن وہ ناکامیاں میرے آڑے نہ آسکیں۔ میں مسلسل اسی جستجو میں لگا رہا کہ کسی بھی قیمت پر اتنا کمانے کے قابل ہو جاؤں کہ ماں کو ملازمت کی ضرورت نہ رہے۔ اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے جائز راستے بند پا کر میرا ذہن غلط راستوں پر بھٹکنے لگا۔

اسکول میں میرا ایک ہم جماعت کسی اچھے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور اکثر خاصی رقم ساتھ لاتا تھا۔ ایک بار فیس کی ادائیگی کے دن میں نے اس کی کتاب میں سو کا نوٹ دیکھا جو وقفے کے دوران میں موقع پا کر کسی نے اس کی کتاب سے نکال لیا۔ فیس کی ادائیگی کا وقت آیا تو اسکول میں سنسنی پھیل گئی۔ دسویں جماعت میں ہر ایک سے فرداً فرداً اس چوری کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ کلاس ٹیچر نے بستوں کے علاوہ ہر طالب علم کی جامہ تلاشی بھی لی جو بے سود رہی لیکن اس مرحلے پر ایک چغل خور ہم جماعت نے کلاس ٹیچر کو بتایا کہ وقفے کے دوران اس نے مجھے اس لڑکے کی کتابوں میں گھستے دیکھا تھا۔

اس چشم دید گواہی کے سامنے آتے ہی میں سُن ہو کر رہ گیا پھر میرے دل و دماغ میں لاوا سا اُبلنے لگا۔ میں کلاس ٹیچر کی موجودگی کی پروا کیے بغیر چغل خور کے خلاف سخت ترین بد کلامی پر اُتر آیا۔ نقصان اٹھانے والا بے چارہ بالکل خاموش رہا اور میری دوبارہ تلاشی کے بعد جب کلاس ٹیچر کو میری بے گناہی کا یقین آگیا تو انھوں نے چغل خور کو بے بنیاد الزام تراشی پر ملامت کی اور اسے مجھ سے معافی مانگنے پر مجبور کر دیا۔

لیکن میرے دل میں قہر اور انتقام کا الاؤ دہکتا رہا۔ اس نے بھری جماعت میں مجھ پر الزام لگا کر میری توہین کی تھی۔ دوسری بار جامہ تلاشی لے کر میری تذلیل کی گئی تھی۔ میں نے سو کا نوٹ دیکھا ضرور تھا لیکن اپنی خواہش کے باوجود اسے نکالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اگر میں نے وہ چوری کی ہوتی تو شاید اس کھلی تذلیل کو مکافات عمل سمجھ کر خاموش رہتا لیکن اس روز میرے لیے اس بہتان کا ردِ عمل برداشت کرنا دشوار ہو گیا۔

چھٹی ہوتے ہی میں نے اسکول سے باہر اس چغل خور کو گھیر لیا۔ گالیوں کے مختصر سے تبادلے کے بعد دونوں اپنے بستے ایک طرف پھینک کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ خونخوار انداز میں مقابلہ شروع ہوا۔ میں اپنے حریف کو دفن کر دینے کے درپے تھا لیکن وہ مجھ سے خائف ہونے کے باوجود جسمانی طور پر مجھ سے بہتر تھا۔ میں اپنی ناکامیوں پر جھلا کر احتیاطی تدابیر بھلا بیٹھا اور حریف کے چند شدید گھونسوں نے مجھ پر چودہ طبق روشن کر دیے۔

اسی عالم میں میری نگاہ زمین پر بکھری ہوئی کتابوں کے درمیان چمکتے ہوئے بلیڈ پر پڑی اور میں نے ایک لحظہ بھی ضائع کیے بغیر بلیڈ اٹھا کر اپنے حریف کا پیٹ چاک کر دیا۔

خون دیکھتے ہی تماشائیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ اساتذہ اطلاع پاتے ہی جائے واردات پر پہنچ گئے۔ میرے شکست خوردہ حریف کو اسپتال بھیج دیا گیا، مجھے خاصی سوچ بچار کے بعد پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔

حوالات میں ماں مجھ سے ملنے آئی تو بلک بلک کر رو رہی تھی اس کا غرور ٹوٹ گیا تھا، میں سر جھکائے سلاخوں کے سہارے خاموش کھڑا رہا۔

حوالات میں میں نے دو راتیں بسر کیں جو میری زندگی میں ہمیشہ کے لیے سنگِ میل بن گئیں کیونکہ وہاں میرے ساتھ ایک چور اور دوسرا جواری بند تھا۔ ان کے چہرے بے رونق اور وحشت زدہ تھے لیکن ان کی باتوں سے زندگی کا تجربہ چھلک رہا تھا۔ انھوں نے سمجھایا کہ مدافعانہ انداز میں زندہ رہنے کی کوشش کرنے والوں کو پیچھے والے روند کر آگے نکل جاتے ہیں۔ زندہ رہنے کا بس ایک ہی باعزت طریقہ ہے کہ آدمی

مسلسل پیش قدمی کرتا ہے اور حق نہ ملے تو ہاتھ بڑھا کر چھین لے۔

میرے حریف کا زخم خوش قسمتی سے سطحی ثابت ہوا۔ پھر شاید اساتذہ نے بھی اس کے والدین کو سمجھایا کہ ان کے فرزند نے شرارت یا غلط فہمی میں مجھ پر اشتعال انگیز الزام لگایا تھا لہٰذا میرا جرم اس قدر سنگین نہیں تھا کہ میرا مستقبل برباد کر دیا جاتا۔

لڑکے کے والدین شریف لوگ تھے۔ انھوں نے شکایت واپس لے لی اور مجھے رہائی مل گئی۔

میں حوالات سے نکلا تو مجھے اپنے اندر ایک جرأت مندانہ سی تبدیلی محسوس ہوئی۔ طبیعت سے خوف کا عنصر غائب ہو چکا تھا اور میں منفی راستوں کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگا تھا۔

ماں کئی روز مجھ سے ناراض رہی، ہر وقت مجھے ملامت آمیز نظروں سے گھورتی رہتی۔ وہ اپنی حق تلفیاں خاموشی سے سہتی آئی تھی لہٰذا اس کا خون ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ چڑھتا ہوا خون اپنی تذلیل اور توہین کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔

میٹرک پاس کر کے میں کالج میں پہنچا تو وہاں ایسے ساتھیوں کا انکشاف ہوا جو تاش پر جُوا کھیلنے کے شوقین تھے پھر ایک روز میں اپنے حوالات کے ساتھیوں سے سیکھی ہوئی شارپنگ آزمانے کے لیے ان کے ساتھ شامل ہوا۔ نتائج حوصلہ افزا رہے اور میں باقاعدگی کے ساتھ اس ٹولی کی نشستوں میں شریک ہونے لگا۔ محرومیوں کے اتھاہ سمندر میں اس دور میں مجھے بس وہی جیت نصیب ہوئی جہاں میں نے مکاری کے ساتھ دھوکے بازی کا سہارا لیا ورنہ ہر طرف شکست ہی کے ڈیرے نظر آتے تھے جن سے بچ کر آگے بڑھنے کا خیال سراب معلوم ہوتا تھا۔

میں سیکنڈ ایئر میں تھا تو ایک بار کوئی جواری مجھے میری کسی بے ایمانی پر ٹوک بیٹھا۔ میں نے بے خوفی کے ساتھ اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔ اس بار میرا حریف میرے ہاتھوں لہو لہان ہو گیا۔ میں سچائی پر تھا تو بلیڈ کا سہارا لیے بغیر پٹائی سے نہ بچ سکا تھا۔ اس بار میرا حریف سچا تھا لیکن اس کی سچائی کو میرے بے رحم ہاتھوں نے لہو لہان کر دیا تھا۔

قتل عمد کا مقدمہ بنا اور میں ایک بار پھر گرفتار ہو گیا۔ اس مرتبہ میں حوالات میں اکیلا تھا لیکن دو برس پہلے کے ان ساتھیوں کی یادیں میرے ذہن میں تازہ تھیں جنھوں نے زندگی کے بارے میں مجھے دو راتوں ہی میں بہت کچھ سکھا دیا تھا۔

اس بار میری نگاہیں منتظر رہیں لیکن ماں مجھ سے ملنے نہ آئی۔

تیسرے دن عدالت میں پیشی ہوئی تو ماں برآمدے میں ایک وکیل کے ساتھ نظر آئی، آنکھیں ورم آلود تھیں اور چہرے کے ایک ایک نقش سے دلی کرب کا اظہار ہو رہا تھا، مجھے دیکھ کر اس نے مُنہ دوسری طرف پھیر لیا۔

پہلی سماعت مختصر ثابت ہوئی۔ میری پیروی کے لیے ایک وکیل موجود تھا۔ جب اس نے عدالت کو بتایا کہ مضروب کو صرف کھلے زخم آئے تھے لیکن اس کی حالت خطرے سے باہر تھی تو استغاثہ کے وکیل کو ڈاکٹری رپورٹ کی روشنی میں اس سے اتفاق کرنا پڑا اور مجھے پانچ ہزار کی ضمانت پر رہا کرنے کا حکم صادر کر دیا گیا۔

ماں عدالت سے غائب تھی لیکن پیشکار کی میز پر اس کی چار طلائی چوڑیاں اور بُندوں کی ایک جوڑی پڑی ہوئی تھی۔ ماں نے مجھ سے ناراض ہونے کے باوجود میری رہائی کے لیے اپنے سہاگ کی آخری نشانیاں بھی داؤ پر لگا دی تھیں۔

وکیل کو شاید ماں سے پیشگی فیس مل چکی تھی کیونکہ اس نے میری ضمانت کے کاغذات بہت جلد مکمل کرا لیے اور ہتھکڑی کھلوا کر مجھے آزاد کرا دیا۔

میں اداس چہرے اور بوجھل دل کے ساتھ گھر لوٹا تو دروازہ مقفل تھا لیکن وہ تالا میرے لیے نیا تھا۔ میں مُنہ بولی خالہ کے گھر گیا تو ایک دل گداز کہانی میری منتظر تھی۔

ماں، میری گرفتاری کی خبر ملتے ہی بڑی ماں کی دہلیز پر مدد کی بھیک لینے گئی تھی لیکن وہاں اسے ننگی گالیوں سے نواز کر دھتکار دیا گیا۔ سوتیلے بیٹوں نے ماں کو اپنی چوکھٹ تک پار نہ کرنے دی اور اسے دھکے دے کر واپس لوٹا دیا۔ ماں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس بار معاملہ طول کھینچے گا لہٰذا وہ وکیل تک جا پہنچی۔ پھر اس کی فیس ادا کرنے کے لیے اس نے محلے والوں کو گھر کا تقریباً تمام سامان فروخت کر دیا جو بہت زیادہ نہیں تھا۔ اس نے فوری طور پر مکان خالی کر کے مالک مکان سے وہ رقم بھی لے لی جو پیشگی دی ہوئی تھی۔ ماں نے دو راتیں خالہ کے گھر میں بسر کیں۔ دن بھر وہ کہیں غائب رہتی تھی۔ بڑی ماں کا قصہ سنانے کے بعد اسے چُپ سی لگ گئی تھی۔ خالہ کو کچھ بتائے بغیر چپکے چپکے وہ رات بھر روتی رہتی۔ اس روز وہ صبح سویرے خالہ سے اپنا کہا سنا معاف کرا کے نکلی تھی۔ خالہ کے استفسار پر اس نے بتایا کہ اس روز میری پیشی تھی اور وکیل نے پیشی ہوتے ہی ضمانت کی اُمید دلا دی تھی۔ اس نے بتایا کہ رہائی کے بعد وہ اپنے بیٹے کو محلے میں لا کر شرمسار نہیں کرے گی بلکہ کہیں اور گھر تلاش کرے گی۔

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ لاہور اتنا بڑا شہر تھا۔ ماں نہ جانے کہاں روپوش ہو گئی تھی۔ قانون کی قید سے رہا کرا کے مجھے اپنی فکر میں گرفتار کر دیا تھا۔

میں کسی اندھے، بہرے اور گونگے کی طرح گرد و پیش سے بالکل لاتعلق، اپنے خیالات کی آندھیوں میں کھویا کئی گھنٹوں تک بے مقصد لاہور کی سڑکیں ناپتا رہا۔ قدم رُکے تو میں چونک پڑا کیونکہ سامنے وہی مانوس چوکھٹ تھی جہاں سے پہلے باپ کا جنازہ گزرا، پھر میں ماں کے دامن سے لپٹا مقدر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے انسانوں کے بے رحم جنگل میں

دھکیل دیا گیا اور دو روز پہلے اسی دہلیز سے بڑی ماں کے جوان بیٹوں نے اپنی سوتیلی ماں کی رہی سہی آبرو کا جنازہ بھی نکال دیا۔

میں نے پوری قوت سے دروازے پر لات ماری، پٹ پُرشور آواز سے لرز کر رہ گئے۔ اندر سے بڑی ماں کی گرجدار بوڑھی آواز اُبھری اور پھر دروازہ کھل گیا۔

جھریوں دار بوڑھے چہرے پر غصے کے آثار نمایاں تھے، میری صورت دیکھتے ہی بڑی ماں کی آنکھوں میں نفرت اور قہر کے کوندے لپکنے لگے۔ ان کی چنگھاڑتی ہوئی آواز میں قاتل... خونی اور بدمعاش کے الفاظ سن کر پڑوس کے کئی دروازوں پر پردوں کے پیچھے ہلچل سی مچ گئی۔

"ماں کہاں ہے؟" میں نے مضبوطی سے بڑی ماں کے دونوں شانے دبوچ کر ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔

جوانی کو قہر بردوش دیکھ کر بڑھاپے کا غصہ ہراس میں بدل گیا۔

"پرسوں آئی تھی، اب پتا نہیں کہاں ہوگی!"

میں کسی مشینی پتلے کی طرح واپس مڑ گیا۔ دماغ میں ایک عجیب سی گونج بچی ہوئی تھی جیسے وہاں اچانک خلا واقع ہوگیا ہو۔ میں چلتا رہا' دو دن تک کم و بیش مسلسل ہی چلتا رہا۔ تھک جاتا تو کہیں بھی کسی بلاک یا پارک میں پڑ جاتا اور پھر چلنے لگتا۔

دوسرا دن گزرنے کے بعد اخبار میں ماں کی تصویر دیکھی۔ وہ مر چکی تھی۔ اس نے شاید بیٹے کے مستقبل سے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کر لی تھی کیونکہ اس کی نیلی اور اکڑی ہوئی لاش نور جہاں کے مزار سے دُور ریلوے لائن کے ایک طرف ٹیلے کی اوٹ سے ملی تھی۔

میرے ذہن کا خلا پُر ہوگیا، گونج ختم ہوگئی اور حواس کام کرنے لگے۔ میرے لیے وہ زندگی کا بدترین سانحہ تھا لیکن میری آنکھ میں ایک بھی آنسو نہ آیا۔ ماں نے اپنی زندگی ختم کر کے دکھوں کے جھمیلے سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لی تھی۔ سوتیلے بیٹوں سے تو دھکے کھا ہی رہی تھی، زندہ رہتی تو شاید میری بکھری ہوئی ذات سے بھی اسے دکھ ہی ملتے رہتے۔

لاہور نے مجھے ٹھکرا دیا تھا، بھائی صورت دیکھنے کے روادار نہیں تھے، سوتیلی ماں قاتل، خونی اور بدمعاش سمجھتی تھی، قانون نے سگی ماں کے سہاگ کی نشانیاں رہن رکھ کر مجھے آزاد فضا میں سانس لینے کا حق دیا تھا۔ ماضی کا ایک ایک لمحہ میری نگاہوں میں گھومنے لگا۔ گزرے ہوئے اور سنے ہوئے واقعات سے بس ایک ہی نتیجہ سامنے آتا تھا کہ میں رشوت کی کوکھ سے جنم لینے والا ایک ایسا وجود تھا جسے کوئی اپنانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

سرکاری مُردہ خانے میں میں نے ماں کا آخری دیدار کیا اور پھر رات کے اندھیرے میں اس گھر کی دیوار پھاند کر اندر گھس گیا جس کی چوکھٹ سے میری ماں رسوا کر کے لوٹائی گئی تھی۔ اس بار میں نے اپنا حق چھین لیا تھا۔

میرے منہ پر رومال بندھا ہوا تھا اور ہاتھ میں چاقو تھا لیکن غنیمت یہ ہوا کہ بڑی ماں سمیت اس گھر کے مکین صحن میں بے خبر سوتے رہے۔ سوتیلے بھائیوں کو یوں بے بس اور بے خبر اپنی دسترس میں دیکھ کر میرے دل میں نفرت کا ایک شعلہ سا لپکا لیکن میں سر جھکا کر اندر چلا گیا۔ شاید وہ دونوں کمانے لگے تھے کیونکہ گھر سے مجھے خلافِ توقع رقم کے علاوہ کچھ زیور بھی مل گئے اور میں بڑی ماں کے پُرغرور وجود پر حقارت آمیز نگاہیں ڈالتا گھر سے نکل گیا۔

اور یوں میں کراچی چلا آیا۔ حالات کے بے رحم دھارے میں پے در پے زخم کھانے کے بعد میرے دل میں اپنی محرومیوں اور اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا پورا احساس موجود تھا جس نے میرے وجود میں ساری منفی قوتوں کو بیدار کیا ہوا تھا۔

چوری کے مال پر اس شہر نگاراں میں عیش کرتے ہوئے شیدے کی تلاش میں بھٹکتا رہا جو لاہور کی حوالات میں ملنے والوں کا استاد تھا اور چوتھے روز اس سے ملنے میں کامیاب ہوگیا۔

شیدے کی زندگی کا فلسفہ بہت سیدھا سادا تھا۔ دھونس، ٹھگی اور دھاندلی۔

وہ مار دھاڑ سے نفرت کرتا تھا لیکن اس قدر فطین اور مکّار تھا کہ جس کام کا فیصلہ کر لیتا اسے محض زبانی جمع خرچ سے ہی کر گزرتا تھا۔

اس کی شاگردی میں میں نے اس کے فلسفے کی عملی تربیت میں حصّہ لینا شروع کیا تو وہ میری کارکردگی سے بہت خوش ہوا کیونکہ اس کی آمدنی میں معتدبہ اضافہ ہوا تھا جس میں سے میرا حصّہ بھی ادا کیا جاتا تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے میرے منہ سے تنویر علی سن کر بُرا سا منہ بنا کر کہا تھا کہ دادا گیری میں ایسا ہلکا پھلکا نام نہیں چلتا۔ جسم اور کاٹھی کی مناسبت سے میرا نام ڈینی، فینی جیسا دھانسو قسم کا ہونا چاہیے اور اسی دن سے میں نے تنویر علی کے بجائے ڈینی کے نام سے خود کو متعارف کرانا شروع کر دیا۔

لیکن میرا ساتھ شیدے کو راس نہ آیا' وہ ایک معاملے میں اندر ہوگیا اور میں نے باہر رہتے ہوئے اپنے ہاتھ پیر پھیلانے شروع کر دیے۔

اسی دور میں جہانگیر مجھ سے آٹکرایا پھر اسی کے ذریعے نادر خان اور طارق سے دوستی ہوئی جو دن بدن گہری ہوتی چلی گئی۔ ہمارا شام کا ٹھکانا صدر کا ایک سستا شراب خانہ تھا جہاں دن بھر کے اپنے اپنے دھندوں سے نمٹ کر ہم چاروں بلاناغہ جمع ہوتے تھے۔ اس دوران میں ہم چاروں نے مل جل کر کئی خطرناک کام بھی سرانجام دیے لیکن اس گہرے تعلق کے باوجود میں نے ان تینوں کو اپنے ماضی کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔ ماں کی یاد دل پر بوجھ بننے لگتی تو میں عموماً کسی گوشۂ تنہائی میں دل کا غبار ہلکا کر لیتا اور پھر مسکراتے چہرے کے ساتھ اپنے معمولات

میں مصروف ہوجاتا۔

حالات اسی ڈگر پر چلتے رہے۔ پھر ایک روز میں دوپہر کو تالا کھول کر اپنی کوٹھری میں داخل ہوا تو فرش پر ایک بند لفافہ پڑا ہوا ملا۔ میرے لیے بند کمرے میں اس لفافے کی موجودگی حیرت ناک تھی لہٰذا میں نے لفافہ چاک کرکے فوراً ہی وہ مختصر سا خط پڑھ ڈالا۔ اس میں ہم چاروں کو مستقل بنیادوں پر خطیر ماہانہ آمدنی کی پیشکش کی گئی تھی۔ رضامندی کی صورت میں مجھے اگلے دن سرخ قمیص پہن کر ٹھیک پانچ بجے شام میٹروپول ہوٹل کے قریب لگے ہوئے لیٹر بکس کے پاس پہنچنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ تحریر کے اختتام پر نہ کوئی نام تھا اور نہ دستخط۔

اسی شام میں نے انھیں وہ خط دکھایا تو سب ہی اس سنسنی خیز پیشکش پر پُرجوش نظر آنے لگے۔ کافی دیر تک اس پُراسرار پیغام پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ خط میں ہماری آمدنی کا ذکر تو موجود تھا لیکن کام کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

ہم چاروں نیک نام نہیں تھے جو کوئی ہم سے اصلاحی کام کی توقع رکھتا۔ پیغام بھیجنے والا نہ صرف میرے ٹھکانے سے واقف تھا بلکہ اسے ہم چاروں کی گہری دوستی کا بھی علم تھا، پھر پیغام جس پُراسرار انداز میں ہم تک پہنچایا گیا تھا، اس سے ظاہر تھا کہ ہمیں بلانے والے کے مقاصد کچھ زیادہ نیک نہیں تھے۔

فیصلہ کیا گیا کہ کام کرنا یا نہ کرنا تو بعد کی بات ہے کم از کم اگلے دن مقررہ مقام پر جاکر یہ تو دیکھا جائے کہ بلانے والا کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟

اگلے دن میں مقررہ لباس میں ٹھیک پانچ بجے میٹروپول ہوٹل کے پاس والے لیٹر بکس کے قریب جا کھڑا ہوا۔ وہ تینوں مختلف مورچوں سے میری نگرانی کررہے تھے تاکہ ساری کارروائی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے کسی بھی لمحے اچانک ہی مافیا کی سربراہی ملنے والی ہو۔ میں اپنے قریب سے گزرنے والوں کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا تاکہ غفلت کے نتیجے میں مجھ سے مطلوبہ آدمی کو پہچاننے میں غلطی نہ ہوجائے۔

میں ساڑھے چھ بجے تک کسی احمق کی طرح اس لیٹر بکس کے قریب کھڑا سوکھتا رہا لیکن کوئی مجھ سے ملنے نہ آیا اور میں مایوس ہوکر اس سلسلے میں کسی کے مذاق کے امکانات پر غور کرنے لگا۔ ان تینوں کو بھی سخت کوفت ہوئی اور ہم بددلی کے ساتھ اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف روانہ ہوگئے۔

اگلی شام ہم شراب خانے میں اسی تلخ تجربے کے بارے میں گفتگو کررہے تھے کہ میزوں پر سرو کرنے والے ہندو لڑکے نے مجھے فون کال کی اطلاع دی اور میں چونک پڑا۔

میرے ذہن میں دُور دُور تک ایسا کوئی نام نہیں تھا جو کسی بھی وجہ سے مجھ سے اس شراب خانے کے فون پر رجوع کرتا لیکن وہ جو بھی تھا اتنا باخبر ضرور تھا کہ اس مے کدے میں میری موجودگی کے اوقات سے پوری طرح واقف تھا۔

فون پر ایک خواب ناک سی آواز سنائی دی۔ کاؤنٹر والا میرے سر پر مسلط، اشتباہ آمیز نگاہوں سے میری طرف دیکھے جارہا تھا لہٰذا میں "ہوں ہاں" سے زیادہ کچھ نہ بول سکا، بس سنتا ہی رہا اور پھر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کردیا گیا۔

"ہمیں محمود آباد بلایا گیا ہے۔" میں نے واپس اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں انھیں آگاہ کردیا۔

"کون تھا؟" جہانگیر نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں کاؤنٹر والے کی وجہ سے کچھ پوچھ ہی نہیں سکا۔" میں نے کہا۔ "شاید وہی خط والا تھا کیونکہ اس نے کل پانچ بجے میری موجودگی پر خوشی کا اظہار بھی کیا تھا۔"

"تو پھر چلو جلدی سے۔" طارق نے اپنا گلاس ایک ہی گھونٹ میں خالی کردیا۔

ہم چاروں ٹیکسی سے محمود آباد کے لیے روانہ ہوگئے۔ ٹیکسی چھوڑ کر بتائے ہوئے پتے پر پہنچنے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

اس مختصر لیکن پختہ مکان میں دقیانوسی وضع کا ایک ادھیڑ عمر شخص ہمارا منتظر تھا۔ اس نے ہمیں دیکھتے ہی بلا استفسار اندر بُلالیا۔

مکان مناسب اور خاصا محفوظ تھا۔ آبادی کے سرے پر واقع ہونے کی وجہ سے وہاں پڑوسیوں کی غیر ضروری دخل اندازی کا خطرہ بھی نہیں تھا۔ ہمیں ادھیڑ عمر شخص نے جس کمرے میں بٹھایا وہاں فون بھی موجود تھا۔

لیکن مجھے ادھیڑ عمر کی منمنی آواز سن کر سخت مایوسی ہوئی تھی کیونکہ فون پر بولنے والے کی آواز خواب ناک ضرور تھی مگر لاغر ہرگز نہیں تھی۔ مجھے توقع تھی کہ محمود آباد کے مکان میں فون کرنے والا بذاتِ خود ہمارا منتظر ہوگا لیکن وہاں صورت ہی کچھ اور تھی۔

"یہ مکان ڈینی کے نام پر لیا گیا ہے۔" ادھیڑ عمر ہم میں سے کسی سے مخاطب ہوئے بغیر عمومی لہجے میں کہہ رہا تھا غالباً اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ہم میں سے ڈینی کس کا نام ہے۔ "سال بھر کا ایڈوانس دیا ہے، چار سو کرائے کے علاوہ بجلی، گیس اور فون کے بل ادا کرنے ہوں گے۔"

"اور کام؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"اس سے آگے مجھے کچھ نہیں معلوم۔" وہ صوفے سے اٹھ گیا پھر فون کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا۔ "باقی ہدایات تمھیں

وں پر ملیں گی۔"

"تو ہمیں یہیں رُک کے رہنا ہوگا؟" نادر نے چونک کر سوال کیا۔ شادی کو کئی برس ہو جانے کے باوجود وہ کم ہی گھر سے باہر رات بسر کرنے پر رضامند ہوتا تھا۔

"کم از کم پہلی فون کال تک۔" ادھیڑ عمر کی لاغر سی آواز گونجی۔ "چابیوں کا گچھا یہاں رکھا ہے۔ اب میں چلوں گا۔"

میرے لیے وہ صورتِ حال ناقابلِ فہم سی تھی۔ پہلے مجھے سیٹر پول کے قریب بلایا گیا۔ وہ وہاں مجھ سے ملنے کے بجائے کوئی محض مجھے دیکھتا ہوا گزر گیا اور اب محمود آباد کے اس مکان میں بلا کر میزبان خود لاپتا تھا۔ نے دیے کہ وہ مدقوق بڈھا سامنے آیا تھا تو وہ بھی تھا اور اس کے لوازم ہمارے رحم و کرم پر چھوڑ کر یوں واپس جا رہا تھا جیسے ہم اس مکان میں مستقل قیام کے پروگرام کے تحت وہاں بلائے گئے ہوں اور ابھی تک کام کے سر پیر کا بھی پتا نہیں تھا۔

میں نے لپک کر اس کا راستہ روک لیا۔ "اور پہلی کال کب تک آئے گی؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں؟" وہ بے چارگی سے شانے اُچکا کر رہ گیا۔

"کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ فون آنے تک تم ہمارے ساتھ رکو؟" میں نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کر کے سوال کیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" وہ سپاٹ آواز میں بولا۔ "ہم اسی قدر کرتے ہیں جتنا حکم ملے۔ میرے لیے ہدایت تھی کہ یہاں کا چارج تمھارے حوالے کر کے فوراً چلا جاؤں۔"

"اور اگر یہ کوئی جال ہو؟"

"تم خود آئے ہو یہاں، میں نے تو نہیں بلایا تھا تمھیں۔"

میں لاجواب ہو گیا مگر پھر مجھے فوراً ہی ایک نیا سوال سوجھ گیا۔ "تم ہمارے لیے اجنبی ہو۔ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ تم نے اس مکان کا چارج صحیح آدمیوں کو دیا ہے؟"

"یہ میری ذمے داری ہے۔" معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسکراہٹ سے قطعاً ناآشنا تھا۔ "میں چار آدمیوں کا منتظر تھا، میں مطمئن ہوں کہ تم چار ہی ہو۔"

"یہ اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"ہوا کرے، مجھے یہ سوچنے کا حکم نہیں ملا تھا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"جانے دو، جانے دو اسے۔" جہانگیر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اگر یہ حکم کے بغیر سوچ بھی نہیں سکتا تو ایسے چڑی کے غلام کا یہاں کیا کام؟"

میں نے راستہ چھوڑ دیا اور وہ بُرا مانے بغیر نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آنا اور غصے سے عاری کوئی مشین ہو۔

ہم چاروں ٹیلی فون کے گرد بیٹھے پُرجوش لہجے میں اس سنسنی خیز صورتِ حال کے بارے میں تبادلۂ خیال کرتے رہے اور آخر فون کی گھنٹی چیخ ہی پڑی۔

میں نے بلاتوقف ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"ہیلو! مکان پسند آیا؟" وہی بھاری اور غنودہ سی آواز میرے کانوں میں گونجی اور میرا دورانِ خون یک بیک تیز ہو گیا۔

"جج.... جی ہاں۔" میں بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مگر کام....؟"

"کام بھی مل جائے گا۔" بولنے والے کے لہجے میں کسی جھیل جیسا ٹھہراؤ تھا۔ "ایک بات ہمیشہ کے لیے نوٹ کر لو کہ کسی بھی قسم کا کوئی تحریری ریکارڈ نہیں رہنا چاہیے۔ پہلے خط کو بھی جلا دو۔ اب تم اسی مکان میں رہو گے اور میرا رابطہ براہِ راست تم سے ہوگا۔"

"بہتر۔" میں اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"تمھیں بلیک گولڈ کھپانا ہے۔" غنودہ آواز گونج رہی تھی۔ "تم چاروں پر کافی عرصے سے میری نگاہ تھی، محنت کرو گے تو میں تمھیں آسمان پر پہنچا دوں گا۔"

میرا تنفس تیز ہو گیا۔ "ہم پوری کوشش کریں گے، مارکیٹ میں گھسنا ہمارے لیے دشوار نہیں ہوگا۔"

"تم چاروں کو الگ رہنا ہے۔ پس پردہ رہ کر کارکنوں کا جال پھیلاؤ، میں تقسیم کا منظم بندوبست چاہتا ہوں۔"

وہ تینوں سانس روکے امید بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھے جا رہے تھے۔

"بہتر۔ کیا آپ میرے ساتھیوں سے بات کریں گے؟" میں اس پُراسرار آدمی کی آواز سن کر ہیجان میں مبتلا ہوا جا رہا تھا۔

"نہیں۔" سختی سے کہا گیا۔ "میں اپنی ذات کی طرح آواز کی بھی غیرضروری تشہیر نہیں چاہتا، میری گفتگو صرف تم سے ہوگی، اپنا ٹیلی فون ہمیشہ تم ہی اٹھاؤ گے۔"

"بہت بہتر۔" میں نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔ لحظہ بہ لحظہ وہ اجنبی آواز میرے وجود پر اپنی گرفت مضبوط کرتی چلی جا رہی تھی۔

"اب میں کل رات بات کروں گا، سات بجے فون کے قریب موجود رہنا۔"

"بہتر۔ مم، مگر کیا ہم چاروں کو اب اسی مکان میں رہنا ہوگا؟" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے سے پہلے مجھے ہوش آ گیا۔

"تمھارے ساتھیوں کے لیے ضروری نہیں ہے مگر تم یہیں رہو گے۔ یہاں ٹیلی فون کی وجہ سے رابطے کی آسانی رہے گی مجھے۔

”پھر تمہاری کھولی بہت تنگ و تاریک ہے۔ اس عفونت زدہ علاقے کے مقابلے میں تم یہاں آرام سے رہو گے۔“

”یہاں کا ساز و سامان.....“

میرا فقرہ ادھورا رہ گیا۔ ”جو کچھ ہے مالک مکان کی ملکیت ہے مگر کرائے میں شامل ہے۔ کل شام سات بجے یاد رکھنا۔“

دوسری طرف سے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

”کیا کہہ رہا تھا؟“

میرا ہاتھ کریڈل کی طرف بڑھتے ہی بیک وقت ان تینوں نے بے چینی کے ساتھ سوال کیا۔ ان کی اشتیاق آمیز نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

”بلیک گولڈ۔“ میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کوئی لمبی چڑھائی طے کر کے آیا ہوں۔

”وہ مارا۔“ نادر خان خوشی سے اچھل پڑا۔ ”مجھے معلوم تھا، کراچی وفاؤں کا شہر ہے، اسے بے وفا کہنے والے خود غدار ہیں، یہ تو میری لائن مل گئی مجھے۔“

جہانگیر اسے گھورنے لگا۔ ”پہلے ڈپٹی کو اپنی بات پوری کرنے دو۔“

”ہمیں شہر میں چرس کی تقسیم کا نظام قائم کرنا ہے۔“ میں انہیں بتانے لگا۔ ”باقی ہدایات کل ملیں گی فی الحال اسی قدر بتایا ہے۔“

”کل کب آئے گا وہ؟“ جہانگیر نے سوال کیا۔

”شاید وہ کبھی سامنے نہ آئے۔“ میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔ ”ساری ہدایات فون پر ملیں گی۔ اسی لیے اس مکان کا بندوبست کیا گیا ہے۔“

”کام بہت آسان ہے، لوگ دھندا کر ہی رہے ہیں، انہیں توڑ کر اپنے ساتھ ملانا ہے۔ دو چار سے تو میں صبح ہی بات کر لوں گا۔“ سات سال پہلے کا نادر خان اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے بے چین تھا۔

”ابھی تم کچھ نہیں کرو گے نادر خان!“ میں نے تادیبی لہجے میں کہا۔ ”پہلے ہمیں پوری طرح سمجھنا ہے کہ وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ بازار سے مختلف انداز میں سامنے آئے ہیں۔ وہ ہم سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں کہ حتی الامکان خود پس پردہ رہیں اور نچلی سطح پر آدمی تیار کریں۔“

”بات معقول ہے۔“ طارق نے تائید کی تھی۔ ”بھرم رکھا جائے تو بازار میں ہوا کھڑا ہو جاتا ہے اور بے ایمانی کا امکان معدوم ہو جاتا ہے اس طرح ہم چھوٹے موٹے رقیبوں سے بھی محفوظ رہ سکیں گے۔“

اگلی شام مجھے جو ہدایات ملیں وہ واضح اور قابلِ عمل تھیں۔ پہلی کھیپ پانچ کلوگرام کی ملنا تھی جو ہمیں مقررہ قیمت پر بازار میں پہنچانا تھی۔ اس رقم میں سے بیس فیصد کمیشن وضع کرنے کے بعد بقیہ رقم ایک لفافے میں سربمہر کر کے رکھنی تھی، تین دن بعد جو شخص دوسری کھیپ لاتا وہ پہلی کھیپ کی رقم کا سربمہر لفافہ بھی لے جاتا۔

مال اور رقم کی آمد و رفت میں گو کسی گھپلے کا امکان نہیں تھا مگر پھر بھی بلیک گولڈ کے الفاظ باہمی شناخت کا کوڈ مقرر کیے گئے تھے۔

طریقۂ کار کے بارے میں جب میں نے وضاحت چاہی تو بس اسی قدر بتایا گیا کہ ہم چاروں کو حتی الامکان پس منظر ہی میں رہنا ہے۔ غنودہ آواز والے کے محتاط رویے کی بنا پر میں اس کا کوئی نمبر یا حوالہ پوچھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اس کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ حسبِ ضرورت وہ خود ہی مجھے فون کرتا ہے گا گویا سارے روابط یکطرفہ ہوں گے۔

زیرِ زمین دنیا میں خود کو پوشیدہ رکھنے کا تصوّر اس سے قبل میرے لیے سراسر خیالی تھا۔ اکثر میں فلموں میں ایسے کردار دیکھتا رہا تھا جو اپنے قریبی ساتھیوں سے بھی اپنی شخصیت کو راز رکھتے تھے اور کامیابی سے بڑے بڑے گروہوں کی سربراہی کرتے تھے مگر میں عملی دنیا کا آدمی تھا اور اس کی تلخ حقیقتوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ حقیقی زندگی میں ایسے کردار اپنانے والے کبھی کامیاب ہوتے نہیں دیکھے گئے تھے۔

جرائم کی دنیا میں ہر شخص بزعمِ خود تیس مار خاں بنا رہتا ہے اور اس وقت تک اپنی ذات پر کسی کی برتری تسلیم نہیں کرتا جب تک اس کے ہاتھوں خاک چاٹنے پر مجبور نہ ہو جائے یا پھر شورہ پشتوں کے غول میں اس کا نام چلتا ہے جس کی پشت پناہی مضبوط ہو۔ بہت سی بااثر شخصیات کسی بدنام شخص کی سرپرستی کرتی تھیں، یوں اسے سرِعام من مانی کی اجازت مل جاتی۔ قانون کے محافظ اس کی سرگرمیوں سے درگزر کرتے رہتے اور کوئی بڑا جرم سرزد ہو جاتا تو بااثر سرپرست قانون کی توجہ دوسری سمتوں میں مبذول کرا دیتے۔

ایسے بدنام لوگوں سے ہر ایک ڈرتا تھا، نام اور جرائم کی تشہیر ہی ان کی بالادستی کا سبب بنتی تھی اور کوئی ان کے آڑے آنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ میں نے تو ایسے بھی واقعات دیکھے اور سنے تھے کہ کسی بااثر شخصیت کے پروردہ غنڈے نے کسی کا خون کر دیا مگر واقعاتی اشاروں کے باوجود وہ گرفت میں نہ لیا گیا بلکہ دو چار کمزور ہسٹری شیٹروں کو بند کر کے تشدد شروع کر دیا گیا مگر وہ لوگ بدترین تشدد سہنے کے باوجود اصل قاتل کی نشاندہی کی جرأت نہ کر سکے جس کے جرم کے وہ عینی شاہد ہوتے کیونکہ ان کی سچی شہادت ان کی ہی موت کا پروانہ بن سکتی تھی اور یوں کوئی گواہ نہ ہونے کے باعث قاتل اپنے ہتھیار سجائے نئے شکار کی تلاش میں لگا رہتا۔

ناموں کے اس دور میں اپنی ذات کو تاریکی میں رکھ کر کسی بڑے دھندے کا خواب دیکھنا ناقابلِ یقین ضرور تھا مگر شاید غیر حقیقی نہیں کیونکہ میں بذاتِ خود اس پُراسرار تجربے سے گزر رہا تھا اور پوری سنجیدگی

سے اس کا انجام دیکھنا چاہتا تھا۔
پھر کام کا آغاز ہو گیا۔
ابتدا میں قدرے دشواری ہوئی مگر پھر ہمارا دھندا اس سُرعت سے بڑھا کہ ہم خود حیران رہ گئے۔ چوتھے ہی مہینے ہم چاروں اس قابل ہو چکے تھے کہ شہر کے پسندیدہ علاقوں میں اپنے مکان خرید سکیں۔ مارکیٹ سے ملنے والی اطلاعات کا نچوڑ یہ تھا کہ ہمارے ذریعے تقسیم ہونے والی چرس اپنی نوعیت کے اعتبار سے عمدہ اور خالص ترین تھی۔ جو اڈے اسے خالص فروخت کرتے ان کے مستقل گاہکوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور ملاوٹ کرنے والے اونچی شرح سے منافع کما رہے تھے۔

شہر میں کسی کو علم نہیں تھا کہ چھوٹے موٹوں کو نکال باہر کر کے مارکیٹ پر قبضہ کرنے والا کوئی پردہ نشین تھا جو سارا کاروبار محض اپنی آواز کے سہارے چلا رہا تھا۔ حریفوں کو صرف اسی قدر معلوم تھا کہ ٹینی جہانگیر، نادر اور طارق اس دھندے کے رُوحِ رواں ہیں۔

جب ہم چاروں کے نام حریفوں کے کانوں تک پہنچے تو پانی سر سے گزر چکا تھا۔ ہم چاروں ہی جرائم کی دنیا کے گھاگ لوگوں میں سے تھے اور پھر ہماری رہنمائی کرنے والا بہت عالی دماغ تھا، مال کی کھپت بڑھتے ہی اس نے ہمیں اپنے اثاثوں کو پوشیدہ رکھنے کی سخت ہدایت کی، پھر ہمیں علیحدہ علیحدہ جز وقتی اسٹیٹ ایجنسیاں چلانے کا مشورہ دیا۔

ہم نے چھوٹے پلاٹوں کی خرید و فروخت سے ابتدا کی۔ دس ہزار کی خریداری کے کاغذات چھ ہزار میں بنوائے، پھر بیس کی فروخت تیس میں ظاہر کی۔ یوں قانونی طور پر تکلیل سے واجبات ادا کر کے چھ ہزار کی سرمایہ کاری پر چوبیس ہزار منافع ظاہر کر دیا۔ دو چار ہی سودوں میں ہم اس قابل ہو چکے تھے کہ کسی مواخذہ کے بغیر اپنی مرضی کے مطابق بود و باش اختیار کر سکیں۔

ہمیں اُبھرنے کی ترکیب سمجھانے کے بعد باس نے بھی ہم پر سے اثاثوں کو پوشیدہ رکھنے کی پابندی ہٹا دی۔

حریفوں کے ایما پر پولیس نے نادر خان اور جہانگیر پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر ان کی اچانک خوشحالی کا ٹھوس قانونی جواز دیکھنے کے بعد کوئی کچھ نہ کر سکا اور حریف منہ دیکھتے رہ گئے۔

لائن میں موجود دوسرے لوگوں کے برعکس ہم چاروں نے آبکاری اور پولیس کے عملے سے کوئی ربط ضبط نہیں رکھا کیونکہ بھاری مقدار میں چرس لانا اور لے جانا ہماری ذمے داری نہیں تھی۔ مال ہمیشہ مختلف جگہوں پر اور نئے نئے طریقوں سے پہنچایا جاتا تھا اور کہیں ذخیرہ کیے بغیر محض چند گھنٹوں میں کاروں کے ذریعے شہر میں پھیلا دیا جاتا تھا۔

اندرونِ ملک سے شہر تک چرس کی سپلائی لائن کیسے قائم تھی، یہ ہم چاروں میں سے کسی کے علم میں نہیں تھا۔ جب کبھی مال پکڑے جانے کی اطلاعات آتیں تو ہم فوری طور پر اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے اور ہر بار کوئی نہ کوئی معروف نام سامنے آجاتا۔

مارکیٹ کے جانے پہچانے لوگوں کا مال پکڑا جاتا تھا مگر گمنام کی سپلائی بحال تھی۔

اس سلسلے میں میری اپنی سوچ تھی۔ میرا خیال تھا کہ ہمارا سربراہ بھی آبکاری اور پولیس سے دور ہی دور رہتا ہے۔ عموماً سننے میں آتا تھا کہ آنے والی بیشتر منشیات محکمہ آبکاری کے عملے کے بعض اراکین کی رضامندی سے آتی ہیں۔ یہ رضامندی خاصے مہنگے داموں خریدی جاتی تھی۔ پھر یوں ہوتا کہ کسی کھیپ کی مخبری ہو جاتی یا پولیس کو اپنے ذرائع سے اطلاع مل جاتی تو آبکاری کے محکمے کو ناکارہ ثابت کرنے اور نیچا دکھانے کے لیے پولیس فورس پورے وسائل کے ساتھ حرکت میں آتی اور کروڑوں کی منشیات کی ضبطی کا ایک کارنامہ اخبارات کی سرخیوں میں دمک اٹھتا، کبھی کبھار یوں بھی ہوتا کہ آبکاری حکام اپنا وجود ثابت کرنے کے لیے کوئی کھیپ پکڑ لیتے اور اعلیٰ افسران کی اچانک نگرانی کا عذر تراش کر عملے کو منشیات فروشوں کے سامنے رُوسیاہی سے بھی بچا لیتا۔ دونوں صورتوں میں وہی لوگ نشانہ بنتے تھے جنھیں چند اہلکاروں کی خوشنودی مطلوب رہتی تھی جبکہ ہمارا باس ایک ماہر کارروائی کو اپنی ذات کی طرح اندھیرے میں رکھنے کا عادی تھا۔

چند ماہ یہ سلسلہ یونہی جاری رہا۔ اس دوران میں ... مسلسل کام کرتا رہا۔ پھر میں نے شہر بھر ... والی انگریزی فلم "گاڈ فادر" دیکھی تو اس کے طلسم ... گیا۔ میں نے وہ بار بار دیکھی اور میرے دل میں وہ مقام حاصل کرنے کی آرزو انگڑائیاں لینے لگی جہاں آدمی کے ذرا ذرا سے مفاد کے لیے اس کے جاں نثار خود کو داؤ پر لگا دیتے ہیں اور وہ خود معاشرے میں بلند رتبے پر فائز رہتا ہے۔ وہ دُہری زندگی میرے لیے جس قدر پُراسرار تھی، اس سے کہیں زیادہ پُرکشش تھی۔

نقطۂ آغاز میرے سامنے تھا، میں کسی ایسے آدمی کے لیے کام کر رہا تھا جو گمنام تھا، مجھے یقین تھا کہ اس نے دوسرے شہروں میں بھی اپنے کارندے پالے ہوئے تھے۔ میں اس تنظیم میں کسی اہم تر منصب کے خواب دیکھنے لگا۔

پھر میں نے اپنی خواہش کا اظہار اس گمنام باس پر کر ہی دیا۔

میں خود پس پشت چلا جانا چاہتا تھا، میں نے تجویز پیش کی کہ جہانگیر کو گروپ کا سربراہ مقرر کر دیا جائے۔

باس کا رابطہ بدستور مجھ ہی سے رہتا اور اس آواز کا راز برقرار رہتا اور میں اس سے ملنے والے احکام کسی درمیانی آدمی کے رُوپ میں فون پر جہانگیر کو سنا دیتا، یوں عملی طور پر جہانگیر گروپ کا سربراہ بن جاتا۔ اسے قطعاً علم نہ ہو پاتا کہ اسے احکام دینے والا اس کا سربراہ نہیں بلکہ

عملی طور پر میں خود ہوں۔

"مگر تم کیوں اس تبدیلی کے خواہاں ہو؟" گمنام سربراہ نے میری پوری بات سننے کے بعد اسی بھاری اور غنودہ آواز میں سوال کیا تھا۔

"کام کے ساتھ کاروباری رفتار بھی بڑھ رہی ہے سر!" میں نے ادب سے جواب دیا تھا "ہم میں نمبر تین کوئی نہیں ہے.... اگر میں کسی چکر میں آگیا تو سارا کام رک جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ جہانگیر کو آگے لایا جائے، میں بخوشی اس کی سربراہی تسلیم کرلوں گا... اگر خدانخواستہ اسے نقصان پہنچا تو میں پھر اپنی جگہ سنبھال لوں گا۔"

"تم بہت چالاک ہو ڈیئر!" ایک گہرے سانس کے ساتھ کہا گیا "یہ اچھی بات ہے کہ تمہاری مستقبل پر بھی نگاہ ہے، تجویز اچھی ہے میں کل جواب دوں گا۔"

اور پھر اگلے دن میری تجویز پر حکم صادر کر دیا گیا اور مجھے تازہ احکام سنائے گئے جو جہانگیر تک پہنچانے تھے۔

جہانگیر ان دنوں اپنے نئے مکان میں عیش کر رہا تھا اور وہاں فون کی سہولت بھی میسر تھی۔ میں نے نمبر ملایا تو پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو!" میرے کانوں میں جہانگیر کی بوجھل آواز آئی۔

"شراب پی رہے ہو تم؟" میں بدلی ہوئی آواز میں مارتھ پلیس میں غرایا۔ مجھے اندازہ تھا کہ یہ وقت جہانگیر کی شراب نوشی کا تھا۔

"تت.... تم کون ہو؟" جہانگیر کی آواز سے خوف جھلک رہا تھا۔

"اپنے حواس یکجا کرو اور پوری توجہ سے میری بات سنو۔" میں نے لہجے کی درشتگی میں کمی نہ آنے دی "آج سے ڈپٹی کے بجائے تم سربراہ ہو۔"

"اوہ.... سر! معاف کیجیے گا، میں پہچان نہیں سکا تھا۔" جہانگیر کی آواز میں بوکھلاہٹ عود کر آئی۔ حکم سنتے ہی اس نے فرض کرلیا تھا کہ سربراہ بذاتِ خود اس سے مخاطب ہے۔ "پہلے کبھی آپ کی آواز سننے کا موقع نہیں ملا تھا۔"

"اب احکام تمہاری معرفت ملا کریں گے۔" میں غرایا۔ "سب کو اس تبدیلی سے باخبر کردو۔" اتنا کہہ کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

چند منٹ بعد ہی میرے فون کی گھنٹی بجی اور میں نے زیرِلب مسکراتے ہوئے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف حسبِ توقع جہانگیر ہی تھا۔

"تم کیا کر رہے ہو؟" جہانگیر نے چھوٹتے ہی سوال کیا تھا۔

"تمہیں مبارکباد دینے کا موڈ بنا رہا تھا۔" میں نے اپنی اصلی آواز لیکن بے جان لہجے میں کہا۔

"اوہ تو تم باخبر ہو، کیا میرے پاس آسکتے ہو؟"

"اب تو تم حکم دو، تعمیل کرنا ہی پڑے گی۔" میں نے آواز میں اداسی پیدا کرتے ہوئے جواب دیا۔

"بکواس مت کرو اور فوراً چلے آؤ، ہم کھانا ساتھ کھائیں گے۔"

میں اس کے گھر پہنچا تو فرطِ مسرت سے جہانگیر کا چہرہ دمک رہا تھا، مجھے دیکھتے ہی سیدھا اپنی خوابگاہ میں لے گیا۔

"یار آج اس نے مجھے فون کیا تھا۔" اس نے حیرت اور مسرت سے مغلوب لہجے میں کہا جیسے وہ فون کال اس کے لیے بہت بڑا اعزاز رہی ہو؟

"مجھے خوشی ہوئی کہ میرے سر سے ایک بوجھ ہٹ گیا۔"

"شاید وہ ہم سب کو بہت قریب سے جانتا ہے۔" جہانگیر کی آواز میں ہیجان برقرار تھا "جانتے ہو اس کا پہلا جملہ کیا تھا؟"

میں احمقانہ انداز میں سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"اسے معلوم تھا کہ وہ میرا شراب نوشی کا وقت تھا۔" جہانگیر پرزور لہجے میں بولا "اس نے بلا کسی تمہید کے ہی بارے میں سوال کیا تھا۔"

"ظاہر ہے وہ اپنے ماتحتوں کے بارے میں اتنا باخبر نہ رہے تو اتنا بڑا بزنس کیسے سنبھال سکے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"حیرت ہے؟" جہانگیر کے لیے اپنے ہوش پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا "وہ ہمارے بارے میں اس حد تک جانتا ہے اور ہم اس سے بالکل لاعلم ہیں۔"

"اس چکر میں بھی نہ پڑنا ورنہ وہ دوسروں کی عبرت کے لیے تمہاری کھال میں بھس بھروا دے گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"کہہ تو تم ٹھیک ہی رہے ہو۔" جہانگیر پھریری لے کر بولا۔ "اس کی آواز بھی کسی خونخوار بلڈ اگ کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔"

میں دل ہی دل میں مسکرایا مگر بظاہر سنجیدگی برقرار رکھی اور یوں اس مختصر سے گروہ میں قیادت پرامن طور پر تبدیل ہوگئی۔

میں ہر میٹنگ میں موجود ہوتا تھا۔ فاضل وقت بھی زیادہ تر جہانگیر کے ساتھ گزارتا تھا لہٰذا میں نے دوسری حیثیت میں جہانگیر کو ہدایات دیتے ہوئے کئی بار ایسی باتوں کا حوالہ دیا کہ جہانگیر خوفزدہ ہوگیا۔

ابتدا میں اس نے دو چار بار مجھ سے ذکر بھی کیا کہ سربراہ ہم لوگوں کی سرگرمیوں سے بہت زیادہ باخبر رہتا ہے، اسے پل پل کی خبریں ملتی رہتی ہیں مگر پھر اس نے ذکر کرنا بھی چھوڑ دیا۔ شاید اسے خیال آگیا تھا کہ وہ سربراہ کا نائب ہے اور میں اس کا ماتحت۔

میری ان حرکتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہانگیر پر اپنے نادیدہ باس کی دہشت بیٹھ گئی اور وہ ہر وقت اس سے خائف رہنے لگا۔

میں نے ان دنوں جہانگیر کا بہت ساتھ دیا اور ہمارا کاروبار پہلے سے زیادہ بڑھنے لگا مگر وہ صورت زیادہ دن برقرار نہیں رہی۔

ہمارے ایک ہرکارے نے ہماری خطیر رقم مال آگے بیچ کر

ہضم کر لی اور کسی دوسری پارٹی کے لیے کام شروع کر دیا۔
جہانگیر کے لیے یہ ایک چیلنج تھا۔ وہ محض ایک آدمی ٹوٹنے کا سرسری واقعہ نہیں تھا بلکہ دوسرے کارندوں کے لیے ایک راہ تھی۔ اگر لطف الرحمٰن ایک ہی جھٹکے میں پونے دو لاکھ خورد برد کر سکتا تھا تو دوسرے بھی طالع آزمائی کر سکتے تھے۔
اس نے معاملے کو سلجھانے کی کوشش کی مگر لطف الرحمٰن کسی طرح ہاتھ نہ آیا ـــــ جہانگیر غبن کی رقم اپنی جیب سے سربراہ کو ادا کر چکا تھا مگر اس واقعے کے مضمرات کے پیشِ نظر اسے میرا مشورہ قبول کرنا پڑا اور اس نے تیسرے ہی دن مجھے لطف الرحمٰن کی بدنیتی سے آگاہ کر دیا۔
میں اس معاملے میں بھرپور دلچسپی لے رہا تھا، اس طرح گمنام سربراہ کی قوت، صلاحیت اور طریقۂ کار کا پوری طرح اندازہ ہو سکتا تھا۔ میں نے جہانگیر سے ملنے والی اطلاع من و عن آگے بڑھا دی۔
"تین دن کی تاخیر کیوں ہوئی خبر دینے میں؟" میں نے غنودہ آواز کا برہم لہجہ پہلی بار سنا تھا۔
"جہانگیر اس بد معاملگی کو خود نمٹانا چاہ رہا تھا۔"
"مگر مجھے تم جواب دہ ہو۔ میں روز تم سے بات کرتا ہوں، مجھ سے ذکر کرنا تمہاری ذمے داری تھی۔" مجھ کو جھاڑ سنائی گئی۔
"پہلی گڑبڑ تھی، اس لیے معذرت خواہ ہوں۔" میں نے خفت آمیز لہجے میں کہا۔
"فی الحال کام کو یکسر بھول جاؤ اور کل کا دن ایسے پبلک مقامات پر گزارو جہاں ضرورت پیش آنے پر تمہاری موجودگی کے دو چار گواہ بھی مل سکیں۔ کل شام چار بجے سے رات کے گیارہ بجے تک یہ احتیاط برقرار رہنا چاہیے، اس کے بعد سب آزاد ہوں گے۔"
"او۔ کے۔ سر!" میں پھریری لے کر بولا اور لائن بے جان ہو گئی۔
ایسی ہدایات کا مطلب میں خوب سمجھتا ہوں۔
میں نے فون پر جہانگیر سے وہ خبر کسی ردِعمل کے اظہار کے بغیر سنی تھی لہٰذا نیا حکم دیتے ہوئے میں نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔
میں نے جہانگیر کو بدلی ہوئی آواز میں ایسی بے بھاؤ کی سنائی کہ وہ اپنے ہمدرد دوست کے طور پر مجھے فون کرنے کے بجائے خود ہی دوڑا چلا آیا۔
"یار! وہ تو درندہ ہے بالکل درندہ۔" جہانگیر نے رسمی گفتگو کے بعد بھینچے ہوئے لہجے میں مجھ سے کہا۔ "تھوڑی دیر پہلے میں نے لطف الرحمٰن کی بے ایمانی کی اطلاع دی تو خاموشی سے سنتا رہا پھر ابھی ابھی دوبارہ ٹیلیفون آیا تو بری طرح برس رہا تھا۔"
"غلطی تمہاری ہے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "تمھیں اس معاملے میں فوراً اس سے ہدایات لینا چاہیے تھیں۔ ساکھ ایک بار بگڑ جائے تو بنانی مشکل ہو جاتی ہے۔ شکر ادا کرو کہ ان تین دنوں میں کسی اور کی نیت میں فتور نہیں آیا ورنہ لطف الرحمٰن کی جگہ اس وقت کئی نام ہمارے سامنے ہوتے۔"
"اگر میری عقل ماؤف ہو گئی تھی تو تم لوگ ہی کچھ پھوٹے ہوتے۔"
وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا پھر قدرے سکوت کے بعد نسبتاً دھیمے لہجے میں بولا۔ "کل شام چار بجے سے گیارہ بجے تک ہم چاروں کو اپنی مصروفیات کے گواہ تیار رکھنے کا حکم ملا ہے۔"
میں نے چونکنے کی اداکاری کی۔ "یعنی لطف الرحمٰن۔" اتنا کہہ کر میں نے زبان سے ٹرچ کی آواز نکالتے ہوئے اپنی گردن کے آگے شہادت کی انگلی پھیری۔
"معلوم یہی ہوتا ہے۔" جہانگیر کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرانے لگے۔ "میں تو کل شام ہی سے کسی ہوٹل میں جم جاؤں گا، شناسا بھی مل جائیں گے اور ہوٹل کا عملہ بھی ہوگا... ضرورت پیش آئی تو بہتیرے گواہ مل جائیں گے۔"
"شاید آج کل بلیرڈ ٹورنامنٹ چل رہا ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ میں کافی دیر سے اس بارے میں سوچ رہا تھا۔ "طارق بھی اس میں حصہ لے رہا ہے۔ کیوں نہ کل شام ہم چاروں ساتھ ہی کلب چلیں۔ بلیرڈ روم اور کلب میں خاصی رونق ہوگی۔"
جہانگیر تیار ہو گیا۔
یہ ان دنوں کا قصہ ہے جب قانون امتناع کا دور تک پتا نہیں تھا اور شہر کے ہر تفریحی مرکز میں شامیں رنگین اور مخمور ہوا کرتی تھیں۔ اگلی شام ہم چاروں نے حسین چہروں اور مہکتے لباسوں کے ہجوم میں کلب کے سبزہ زار اور بلیرڈ روم میں گزاری جہاں ہیجان انگیز ماحول میں اسنوکر چیمپئن شپ منعقد ہو رہی تھی۔
اس سے اگلی صبح کے اخبارات میں ایک لرزہ خیز قتل کی تفصیلات موجود تھیں۔ متوفی کو گردن کاٹ کر ہلاک کیا گیا تھا۔ اس کی لاش ایک بوری میں بند منگھو پیر کی پہاڑیوں سے برآمد ہوئی تھی۔ پولیس کے لیے متوفی نامعلوم تھا مگر لاش کے مسخ شدہ چہرے کی تصویر ہم چاروں کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ وہ ہمارا غدار لطف الرحمٰن تھا۔
میں وہ خبر پڑھ کر سہم گیا۔ کسی نادیدہ ہاتھ کا وار اس سے بھی بھیانک ہو سکتا تھا۔
تنظیم کے پس پشت جو کوئی بھی تھا اس کے ہاتھ بہت لمبے تھے اور اپنے فیصلوں کو نافذ کرنے کی بھرپور قوت رکھتا تھا اور یہ بات میرے لیے تشویش کا باعث تھی۔
اگلے دن خبریں چھپیں کہ متوفی منشیات فروش تھا اور وقوعہ کی شام سات بجے گھر سے ایک بریف کیس میں رقم لے کر نکلا تھا لیکن

اسے زندہ گھر لوٹنا نصیب نہ ہو سکا۔ اس کے گھر والے رقم کی مالیت کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے نہ ہی پولیس کسی نتیجے پر پہنچ سکی کیونکہ لاش موجود تھی مگر بریف کیس کا کہیں سراغ نہ مل سکا تھا۔ پولیس سرجن کے اندازے کے مطابق آٹھ اور نو بجے کے درمیان مقتول کو کسی تیز دھار آلے سے ذبح کیا گیا تھا۔

دو دن بعد گمنام آدمی نے فون کیا تو اس کی آواز ہمیشہ کی طرح پُرسکون اور غنودہ تھی۔ کام کی باتوں کے علاوہ اس نے کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ میری ہمت پڑی کہ اس سے لطف الرحمٰن کے قتل کے بارے میں کچھ پوچھتا۔

پولیس تفتیش کے سلسلے میں جہانگیر اور نادر تک بھی پہنچی کیونکہ لطف الرحمٰن براہ راست نادر کے تابع تھا اور جہانگیر اس وقت تک پولیس کے اعلیٰ حکام کو جرائم سے اپنی دستبرداری کا یقین نہیں دلا سکا تھا مگر کلب میں موجودگی کے گواہ مل جانے کے بعد پولیس نے دوبارہ ان کا بھی رُخ نہیں کیا۔

وہ ہمارے ساتھ بددیانتی کا پہلا واقعہ تھا۔ پولیس کے لیے وہ قتل ایک معمہ بنا رہا لیکن جاننے والے جانتے تھے کہ لطف الرحمٰن کا قتل اس کی بددیانتی کا شاخسانہ تھا۔ اس کے نتیجے میں ہمارے مالی لین دین کے حالات پہلے سے کہیں زیادہ استوار ہو گئے۔

بازار میں منشیات کا دھندا کرنے والوں کو اچھی طرح علم تھا کہ لطف الرحمٰن نے بددیانتی کا ارتکاب کیا تھا اور ایک خطیر رقم ہضم کر کے دوسری پارٹی سے منسلک ہو گیا تھا لیکن اس کی موت کے بعد اس رقم کا کہیں پتا نہ چل سکا لہٰذا لوگ یہی نتیجہ اخذ کر سکے کہ اپنے قتل سے پہلے لطف الرحمٰن بریف کیس میں رقم لے کر گھر سے روانہ ہوا تھا۔ شاید اس کے ہاتھوں زک اٹھانے والے نے اس کی لالچی طبیعت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس پر جال ڈالا تھا۔ وہ کسی نفع بخش سودے کی امید میں رقم لے کر لالچ کی زنجیر میں بندھا خود اپنے قاتل کے پاس جا پہنچا اور قاتل نے رقم اپنی تحویل میں لے کر اسے کیفرِ کردار کو پہنچا دیا۔

اس سفاکانہ واردات نے اندر سے مجھے ہلا کر رکھ دیا اور میرے دل میں بغاوت یا کسی بلند منصب کی امید کمزور پڑنے لگی۔

جو شخص اپنے باغیوں کو اتنی مہارت اور چالاکی کے ساتھ اپنے انتقام کا نشانہ بنا سکتا ہے اس سے الجھنا آسان کام نہیں تھا۔ ذرا سا بھی شبہ ہونے پر وہ مہلت دیے بغیر کہیں بھی کوئی وار کر سکتا تھا۔

اس کے معاملے میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ مجھ سے بخوبی واقف تھا لیکن میرے لیے اس کی ذات گمنام تھی۔ میں صرف اس کی آواز سے آشنا تھا لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کی اصل آواز رہی ہو جب مجھ جیسا آدمی آواز بدل کر جہانگیر کو اپنی سربراہی کے رعب میں لے سکتا تھا تو باس کے لیے فون پر اپنی آواز بدل لینا کون سا وقت طلب مسئلہ تھا؟

میں نے سنجیدگی کے ساتھ سوچا کہ اس آسیبی تنظیم سے کنارہ کش ہو جاؤں، برسوں کی مجرمانہ سرگرمیوں کے نتیجے میں میں اتنے اثاثے جمع کر چکا تھا کہ محنت اور ایمانداری سے کام کرتا تو قانون کو پامال کیے بغیر نہایت آسانی کے ساتھ اپنا معیارِ زندگی برقرار رکھ سکتا تھا۔

لیکن اس تنظیم سے چھٹکارا اس قدر آسان نہیں تھا۔

سربراہ نے مجھے اس وقت اپنے وسائل کا سہارا دے کر آگے بڑھایا تھا جب میں شہر کے ایک عفونت زدہ علاقے میں تنگ سی کوٹھری میں رہتا تھا۔ میرا تجربہ اس کے لیے بیش قیمت اثاثہ تھا جس سے وہ آسانی سے ہرگز دستبردار نہ ہوتا۔

پھر وہ اپنی ذات کی رازداری کے سلسلے میں اس قدر حساس تھا کہ اپنی آواز کی غیر ضروری تشہیر تک سے گریز کرتا تھا۔ محض اسی وجہ سے اس نے جہانگیر کو براہِ راست احکام دینے کے بجائے میرا وسیلہ برقرار رکھا تھا تاکہ میرے سوا کوئی اس کی آواز سے واقف نہ ہو سکے۔

پھر کیا وہ اپنی تنظیم سے ایک ایسے آدمی کی کنارہ کشی برداشت کر لیتا جو جہانگیر، نادر اور طارق کے علاوہ خود اس کی آواز سے بھی واقف تھا؟

یہ ایک بڑا وسیع سوالیہ نشان تھا جس کا جواب میرے نزدیک نفی کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ میرے تل جانے پر شاید وہ مجھے زبانی طور پر علیحدگی کی اجازت دے دیتا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ اس کے بعد میری لاش بھی شہر کے کسی ویرانے ہی سے دستیاب ہو گی نہ قاتل پکڑا جا سکے گا اور نہ قتل کے اسباب روشنی میں آ سکیں گے۔

میں نے وہ خیال ترک کر دیا تھا بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ میرا وہ فیصلہ بالکل درست اور منطقی تھا۔ حالات میری توقع کے برعکس تیزی سے تبدیل ہوئے اس بارے میں میری کہانی سے زیادہ اہمیت واقعات کے تسلسل کی ہے کیونکہ بہت سے واقعات سراسر میری لاعلمی میں رونما ہوئے جن کی تفصیلات مجھے دوسرے ذرائع سے ملیں لہٰذا آگے آپ ان بنیادی واقعات کی تفصیل پڑھیں گے جو آپ بیتی کے انداز سے ہٹ کر لکھے گئے ہیں لیکن کچھ محدود اوراق کے بعد میں دوبارہ آپ کو اپنی کتھا سناؤں گا کیونکہ اس موڑ سے کہانی کا محور میری ذات ہی رہی ہے اس میں دوسروں کا دخل ثانوی ہو کر رہ گیا ہے۔

❁

جہانگیر گھر پہنچ کر لباس تبدیل کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ وہ قمیص مسہری پر اچھال کر تیزی سے فون کی طرف جھپٹا۔

اس کا خیال تھا کہ دوسری طرف اس کا گمنام سربراہ ہو گا مگر

ریسیور کان سے لگاتے ہی اسے طارق کی آواز سنائی دی اور اس کا منہ بن گیا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"میں ایک اہم بات پوچھنی بھول گیا تھا۔" طارق کی آواز معذرت خواہانہ تھی۔

"دوبارہ بھولنے سے پہلے پوچھ ڈالو ورنہ سکھ کی نیند نہ سو سکو گے۔" جہانگیر نے مضحکانہ لہجے میں کہا۔

"آج رات مجھے ایک ڈلیوری دینی ہے، اس کا کیا کروں؟" الجھن آمیز لہجے میں پوچھا گیا۔

"اتنی اہم بات تم میٹنگ میں پوچھنی بھول گئے؟" جہانگیر ملامت آمیز لہجے میں بولا۔

"بس چوک ہو گئی۔"

"احکام وہی تھے جو میں نے بتائے۔"

"یعنی فوری طور پر سب کچھ بند۔"

"میٹنگ کے بعد یہی صورت حال ہے۔" جہانگیر کو اس پر غصہ آنے لگا۔

"مگر میں ایڈوانس لے چکا ہوں۔"

"ہوں۔ یہ معاملہ ذرا مختلف ہے۔" جہانگیر سوچ میں پڑ گیا پھر ذرا ہی بولا "یہ کب کا واقعہ ہے؟"

"آج صبح سودا ہوا تھا۔"

"احکام نئے سودوں کے بارے میں تھے۔" جہانگیر نے بلا پس و پیش اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ "ڈلیوری کر دو۔"

"تھینک یو۔" کہہ کر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

مگر جہانگیر کو قمیص پہننی نصیب نہ ہو سکی۔ اس کے پلٹتے ہی فون کی گھنٹی دوبارہ بجنے لگی تھی وہ زیر لب بڑبڑاتا ہوا مڑا اور جھلاہٹ کے عالم میں ریسیور اٹھا لیا۔

مگر فون پر وہ مانوس غراہٹ سنتے ہی اس کی جھلاہٹ کافور ہو گئی کیونکہ اس بار دوسری طرف اس کا باس تھا۔

یہ اس کا معمول تھا کہ ہر میٹنگ کے بعد وہ فون کر کے جہانگیر سے رپورٹ ضرور لیتا تھا۔

"تو لوٹ آئے تم اپنی میٹنگ سے۔"

اس کا استہزائیہ لہجہ سن کر جہانگیر چونک پڑا۔ وہ گفتگو کا آغاز ہمیشہ نرم لب و لہجے سے کیا کرتا تھا یہ اور بات تھی کہ اس کی نرم آواز میں بھی جہانگیر کو دبی دبی غراہٹ کا احساس ہوتا رہتا تھا مگر اس وقت تو باس کے تیور ہی کچھ اور تھے۔

"یس سر!" وہ عجلت کے ساتھ بولا "ہدایات پہنچا دی گئی ہیں۔... اگلا سگنل ملتے ہی سپیل بازار میں پھیلا دیے جائیں گے۔"

"بس یہی کچھ ہوا اجلاس میں؟"

باس کے لہجے کی چبھن جہانگیر کے لیے ناقابل برداشت ہونے لگی اور اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں ابھر آئیں۔

باس اس کی رپورٹ سے مطمئن نہیں تھا اور اس سے مزید کچھ سننے کا متمنی تھا۔ مگر کیا؟ یہ جہانگیر نہ سمجھ سکا۔

معاً اس کا ذہن طارق کی تازہ فون کال کی طرف گیا۔ اسے اندازہ تھا کہ باس بہت زیادہ باخبر آدمی تھا، شاید اسے طارق کی الجھن کا علم تھا۔

"ایک سودا آج صبح ہوا تھا۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "ایڈوانس لیا جا چکا تھا، اس لیے اس کی ڈلیوری کسی وقت دے دی جائے گی۔"

"غیر ضروری باتیں مت کرو۔" غصیلی غراہٹ ابھری۔ "میں تم سے میٹنگ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

"سوری سر!" جہانگیر بوکھلا گیا۔ "بس یہی ہوا تھا میٹنگ میں۔ میں نے آئندہ حکمت عملی کے بارے میں بھی بریف کر دیا تھا۔"

"ہوں۔" ریسیور میں زہریلی آواز گونجی۔ "ڈینی کیا بکواس کر رہا تھا؟"

"وہ..... وہ مہنگے داموں پر معترض تھا۔" جہانگیر کی گھبراہٹ میں اضافہ ہو گیا اور اسے اپنے پیٹ میں بل سے اٹھتے محسوس ہونے لگے۔ اسے دوسری طرف سے بولنے والے کی سفاکانہ ہنسی سنائی دی۔ "وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ تم بتدریج الگ ہوتے ہوئے دوبارہ کیوں اس طرف راغب ہو رہے ہو؟"

"جج..... جی۔" جہانگیر پھنسی پھنسی آواز میں کراہا۔

"اور تمہارے نزدیک اس کی یہ موشگافی ناقابل ذکر تھی؟" پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا گیا۔

"وہ سمجھ رہا تھا کہ تجویز میری ہے۔" جہانگیر کے لیے بولنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بولنے والے نے میٹنگ میں موجود نہ ہونے کے باوجود ڈینی کے الفاظ من و عن کیسے دہرا دیے تھے؟

وہ ڈینی کے بڑبڑانے والے رویے کی بنا پر خود بھی اس سے اکثر نالاں رہتا تھا مگر وہ اس کا جاں نثار دوست تھا۔ اس کے بارے میں جہانگیر سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ سربراہ سے اس کی شکایت کرے مگر اب باس خود ڈینی کے بارے میں کرید رہا تھا۔

"وہ تمہارے احکام کا پابند تھا۔" جہانگیر کو پھنکار سنائی دی۔ "اسے یہ جرأت کیسے ہوئی کہ اس قسم کی بکواس کرے؟"

"بس ذرا وہ زیادہ بولتا ہے۔" جہانگیر اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کرتے ہوئے نقاہت زدہ آواز میں بولا۔

"مجھے اس کے لب و لہجے سے بغاوت کی بو آ رہی تھی۔" سرد اور بے رحمانہ لہجے میں کہا گیا۔ "شاید اس کا علاج کرنا پڑے گا۔"

جہانگیر کانپ اٹھا... علاج کا مطلب وہ بخوبی سمجھتا تھا۔

"اس بار اسے معاف کر دیں، آئندہ محتاط رہے گا۔"
جہانگیر گھگھیایا۔

لائن پر چند ثانیوں کے لیے سکوت چھا گیا جیسے وہ سوچ میں پڑ گیا ہوں۔ اس کی پُرسکون آواز سنائی دی "تم ذمے دار آدمی ہو، تمہاری سفارش کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ یاد رکھو کہ میں ہر وقت اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں۔"

"مجھے اندازہ ہے سر!" جہانگیر جھجکتے ہوئے بولا "مگر میں حیران ہوں کہ آپ لفظ بلفظ ہر بات سے واقف ہیں۔"

مختصر سی ہنسی پُرغرور تھی "جیوا ہاؤز پوری طرح بگڈ ہے۔ میں میلوں دور ہونے کے باوجود اس چھت کے نیچے لیے جانے والے سانسوں کی آواز بھی سن سکتا ہوں۔ وہاں بہت کچھ کہا جاتا ہے، یہ اور بات ہے کہ میں غیر ضروری باتوں میں سر نہیں کھپاتا۔"

جہانگیر کے بدن میں سنسناہٹ دوڑ گئی "میرے لیے آپ کی ذات حیرت ناک ہے سر! وہاں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جس پر بگ ہونے کا شبہ کیا جا سکے۔"

"اس چکر میں بھی نہ پڑنا" تادیبی لہجے میں کہا گیا "تم کبھی ان کا سراغ نہیں پا سکو گے... ہاں میٹنگ روم میں نصب آلے کے ریسیور میں کچھ فنی خرابی ہو گئی ہے تو مجھے ایک عارضی ٹرانسمیٹر وہاں پہنچانا پڑا۔ وہ ننھا سا طاقتور ٹرانسمیٹر تمہاری کرسی کے پاس میز کی نچلی سطح سے چپکا ہوا ہے۔ میرا پرانا ریسیور ٹھیک ہو چکا ہے چاہو تو نیا ٹرانسمیٹر نکال کر تلف کر دو۔"

جہانگیر سُن رہ گیا۔ اس کا ذہن ماضی کے ان تبصروں میں الجھ گیا جو وہ جیوا ہاؤز میں کرتا رہا تھا... کہیں اس کے منہ سے کوئی ایسی غیر ذمے دارانہ بات نہ نکلی ہو جو اس کی گرفت کا سبب بن جائے کس قدر بے بس تھا وہ سربراہ کے سامنے۔

"بہت بہتر سر!" اسے اپنی آواز کسی گہرے کنویں کی تہہ سے ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی۔

بغیر کسی جواب کے سلسلہ منقطع ہو گیا اور جہانگیر ریسیور کریڈل پر ڈال کر تھکے ہوئے انداز میں مسہری پر گر گیا۔

اس کا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا، بدن میں چیونٹیاں رینگ رہی تھیں اور تنفس کی رفتار تیز ہو چکی تھی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اسی وقت جیوا ہاؤز کی طرف دوڑ لگا دے اور کانفرنس ٹیبل کے نیچے سے ٹرانسمیٹر اکھاڑنے کے بعد اس عمارت کو ادھیڑ کر رکھ دے مگر خوف کے باعث اسے اپنی خواہش دبانی پڑی۔ اسے واضح طور پر ایسی کسی حماقت کے ارتکاب سے روکا گیا تھا۔

گروپ میں اس کی سربراہی کا آغاز بہت اچھے انداز میں ہوا تھا۔ مگر پھر غیر محسوس طریقے پر اس کی ذات پر سربراہ کی گرفت مضبوط ہوتی چلی گئی اور اب وہ اپنے سائے سے بھی خوف محسوس کر رہا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ اب وہ اپنے پُراسرار سربراہ کی مرضی کے بغیر آزادی سے سانس بھی نہ لے سکے گا۔ بظاہر وہ آزاد تھا مگر حقیقت میں کسی نادیدہ ذات کا قیدی۔

وہ بستر پر چت پڑا چھت کو گھورتے ہوئے گہرے گہرے سانس لیتا رہا۔ غنیمت یہ تھا کہ ان دنوں اس کی بیوی لاہور گئی ہوئی تھی ورنہ وہ یقینی طور پر اس سے خاصی کڑی باز پرس کرتی اور اس کے لیے جواب دہی مشکل ہو جاتی۔

اس کی بیوی لاہور کے ایک معزز گھرانے کی بیٹی تھی جس کا کراچی میں بھی کاروبار تھا۔ گو ان کی شادی روایتی انداز میں ہوئی تھی مگر وہ جہانگیر کو بے حد چاہتی تھی۔

اس کے نزدیک جہانگیر ایک اوسط درجے کی ٹیکسٹائل فیکٹری کا بلا شرکت غیرے مالک تھا جہاں سے اسے معقول آمدنی تھی، وہ اس کے خفیہ کاروبار سے قطعی لاعلم تھی۔

اور جہانگیر کے لیے اس کا خفیہ کاروبار ہی سب کچھ تھا۔ اس میں کما کر اس نے اسٹیٹ ایجنسی کی آڑ لی اور اپنے اثاثوں کے اظہار کی ایک قانونی راہ نکال لی پھر مکان کے بعد وہ فیکٹری کی خریدی۔ جب اس کے پاس پیسہ آیا تو کسی نے بھی اس کے ماضی کے بارے میں زیادہ جستجو نہیں کی اور رفتہ رفتہ وہ معاشرے کا ایک آبرومند رکن بن گیا۔

اب اسے آمدنی کے ساتھ اپنی یہ آبرو بھی بہت عزیز تھی۔

✠

چرس کے مضمرات خاصے تباہ کن تھے۔

بھنگ کے پودے کی کاشت بہت آسان تھی اور پھر اس سے چرس کی تیاری بہت زیادہ دشوار نہیں تھی۔ ملکی قانون سے ماورا [illegible] ملک میں چرس فروش فخریہ اپنی دکانوں پر پہاڑی بکروں کی سفید بالوں والی کھال کی نمائش کیا کرتے تھے جو اس طریقۂ کار کی تشہیر کا ایک جانا بوجھا ذریعہ تھی جس کی مدد سے بہترین چرس تیار کی جاتی تھی۔

چرس کی ایک گولی چار سے چھ گھنٹوں کے لیے کافی ہوتی تھی۔ گہری سیاہی مائل سبز گولی کو دیا سلائی کی حرارت نرم کر دیتی تھی پھر اسے تمباکو میں ملا کر ہتھیلی پر خوب اچھی طرح رگڑا جاتا تھا تاکہ دونوں [illegible] یک جان ہو جائیں۔

پھر اس تمباکو سے بھری ہوئی سگریٹ کے گہرے گہرے کش دوسرے ہی عالم کی سیر کرانے لگتے تھے۔

آنکھیں بتدریج سرخ ہو کر بہتے ہوئے خونِ کبوتر کا رنگ اختیار کر لیتیں، دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتیں، پیاس کا احساس بڑھنے لگتا سینے پر کھنچاؤ طاری ہو جاتا، ہلکی سی غنودہ کیفیت لطافت کے ایک

معدہ میں ہچکولے دینے لگتی اور بھوک کھل جاتی۔

مگر پینے والوں کو ان اثرات کا نہ زیادہ احساس ہوتا تھا، اور نہ انہیں ان سے کوئی غرض تھی۔ ان کے لیے چرس ایک ایسا سستہ نشہ تھا جس کی مدد سے ذہن عالمِ سرور میں کھو کر زمان و مکاں کے احساس سے یکسر عاری ہو جاتا تھا۔

چرس کے سہارے آٹھ گھنٹے کام کرنے والا مزدور پلک جھپکائے اور تکان محسوس کیے بغیر سولہ اور اٹھارہ گھنٹے تک کام کر سکتا تھا، کراچی سے حیدرآباد تک پہنچ کر اونگھنے والا ٹرک ڈرائیور کہیں رکے بغیر ملتان تک مسلسل ڈرائیونگ کر سکتا تھا۔

اس کے مضر اثرات سے نشے باز بے خبر تھے یا جان بوجھ کر اس بارے میں سوچنا نہیں چاہتے تھے۔ نئے عادی تو آسانی سے اعصابی اختلال کا شکار ہو جاتے تے جو عادی تھے ان کے بھی اعصابی ردِ عمل میں ہم آہنگی برقرار نہ رہتی، بصارت کے زاویے بدل جاتے، خدوخال سے لے کر سراپا تک بدلا بدلا نظر آنے لگتا اور سب سے بڑا اثر قوتِ فیصلہ پر پڑتا، جو گاڑی چند سو گز دور ہوتی میلوں دور نظر آتی، سامنے سے سڑک کے وسط میں آتا ہوا دیو ہیکل ٹرک کچی پٹری پر چلتا ہوا نظر آتا اور ریلوں ہولناک حادثے رونما ہوتے، متعدد ہلاک ہو جاتے، جو بچ رہتے وہ بھی زخموں سے چور ہوتے یا زندگی بھر کے لیے معذور ہو جاتے لیکن ان تباہ کاریوں کے باوجود چرس مقبول تھی۔ روز بروز اس کا استعمال بڑھتا جا رہا تھا۔ سستی آبادیوں میں ٹھکانا بنانے کے بعد یہ وبا معزز گھرانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی اور شہر میں چرس کی روزانہ کھپت منوں کی مقدار میں ہو رہی تھی۔

مگر ماہرین کو ایک ہی امید تھی۔ ابلاغِ عامہ کے ذرائع سے چرس کی تباہ کاری کی تشہیر لوگوں کو غول در غول اس وبا میں مبتلا ہونے سے بچا سکتی تھی اور جو اسے ترک کرنا چاہتا تھا تھوڑی سی قوتِ ارادی کے ساتھ اسے ترک کر سکتا تھا، چونکہ چرس کا چنگل بہت زیادہ ہولناک نہیں تھا۔ دو چار دن کی طلب، سستی اور تکان کے بعد اس کے اثرات یکسر ختم ہو سکتے تھے۔

ان امیدواروں کے ساتھ ہی ایماندار اہل کاران چور دروازوں کا بھی قلع قمع کرنے میں مصروف تھے جن سے گزر کر یہ زود اثر نشہ معاشرے کی رگوں میں سرایت کرتا جا رہا تھا۔

پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے گوشے گوشے میں چرس مقبول ہو رہی تھی، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے گروپ اجتماعی تلذذ میں مبتلا ہو رہے تھے، موسیقار اس کے سرور میں لافانی دھنیں تلاش کرنے کے دعویدار تھے، طالبعلموں میں یہ شوق فیشن بن رہا تھا۔ اداکار اس کے دم لگا کر سیٹ پر گھنٹوں تیز ترین روشنیوں میں کام کرتے رہتے تھے اور پھر نیا شاٹ دینے کے لیے تیار رہتے۔ زندگی کا کوئی شعبہ اس وبا سے محفوظ نہیں تھا۔

ملکی مفاد کو اپنی نفع داری سمجھنے والی حکومت پوری قوت کے ساتھ اس لعنت کا قلع قمع کرنے میں مصروف تھی عالمی ادارے حرکت میں آ چکے تھے اور ساری کوششیں اس ایک نکتے پر مرکوز تھیں کہ ان زمینوں کو بانجھ کر دیا جائے جہاں برگِ حشیش کے پنپنے کے آثار ہوں، اس کے پیداواری مراکز کو نیست و نابود کیے بغیر اس زرعی لعنت سے نجات ناممکن تھی۔

مگر یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ جنوبی امریکہ، شمالی افریقہ اور ایشیا کے دشوار گزار علاقوں میں اس منفعت بخش فصل کی کاشت جاری تھی۔ وہ علاقے اوّل تو ویسے ہی بیرونی عناصر کی پہنچ سے باہر تھے اور جہاں پہنچا بھی جا سکتا تھا وہاں شہری قوانین کی رسائی نہیں تھی۔

یونیسکو کا نارکوٹک ڈرگس کا کمیشن اپنے طویل اجلاسوں میں انسدادِ منشیات کی پالیسیوں میں رخنے ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں بند کرنے کی راہیں تلاش کر رہا تھا اور بین الاقوامی نارکوٹکس کنٹرول بورڈ اپنے پورے انتظامی اختیارات بروئے کار لا رہا تھا لیکن اس طوفان میں کسی کمی کے دور دور تک آثار نہیں تھے بلکہ وہ دن بدن بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

شہر میں انسدادِ منشیات کے بارے میں ایک بین الاقوامی سیمینار ہو رہا تھا جس میں دنیا کے چیدہ چیدہ ماہرین شریک تھے۔

وہ سر جوڑے تدبیریں کر رہے تھے اور شہر میں ہزار ہا لوگ اپنے گاڑھے خون پسینے کی کمائی سے چرس خرید رہے تھے، دم لگا رہے تھے اور اپنی دنیا میں مگن تھے۔

اس دوران میں جب آبکاری کے محکمے کو مخبروں سے یہ اطلاع ملی کہ شہر میں اچانک چرس کا قحط پڑ گیا ہے تو پورے محکمے میں حیرت کی ایک خوشگوار لہر دوڑ گئی۔ چند ایسے بھی تھے جو اس خبر کو اپنے سہانے مستقبل کے لیے فالِ بد سمجھ کر منہ لٹکائے بیٹھے تھے۔

پچھلے چار پانچ ہفتوں میں نہ پولیس نے کوئی بڑا چھاپہ مارا تھا نہ آبکاری کے حکام نے بھاری مقدار میں مال پکڑا تھا، ساری کارروائی گھومتے پھرتے آوارہ گرد لوگوں تک محدود تھی جن کے قبضے سے دو چار سو گرام مال، برآمد ہوتا تھا، ایسے زرخیز ماحول میں چرس کا قحط ایک انوکھی سی بات لگتی تھی لہٰذا اعلیٰ افسران ذاتی طور پر ان اطلاعات کی تصدیق پر تل گئے۔

گل باز خان شہر کے ایک مشہور ترین اڈے کا مالک تھا۔ ٹھرے اور چرس سے اعلیٰ ولایتی شراب تک ہر شے اس کے ٹھکانے

پر مل جاتی تھی لیکن اڈے کے قرب و جوار میں ان اشیا کا استعمال ممنوع تھا۔ ضرورت مند آتے اور رقم ادا کر کے مطلوبہ نشہ ساتھ لے جاتے۔ اپنے اس کاروبار کے تحفظ کے لیے وہ ماہانہ ایک بھاری رقم متعلقہ ایجنسیوں کو ادا کرتا تھا لیکن جب چرس کا بحران پیدا ہوا تو گل باز کی آمدنی بُری طرح متاثر ہوئی کیونکہ اس علاقے میں سب سے زیادہ کھپت چرس ہی کی تھی۔

جب اس کی آمدنی میں فرق آیا تو اس نے بھتے کی رقم میں بھی نمایاں کمی کر دی۔ اس نے درمیانی آدمی کو رقم میں کمی کا سبب بتا دیا تھا جس کی تصدیق پچھلے ہفتوں میں مخبروں کی اطلاعات سے ہوتی تھی مگر جب اپنے مفادات پر ضرب پڑی تو لوگ یقین نہ کر سکے کہ ان کی چشم پوشی کے باوجود شہر میں چرس کا بحران ہے۔

اس بے یقینی کا ایک ہی نتیجہ برآمد ہوا اور گل باز خان کی نیت پر شبہ کیا جانے لگا۔

اسے اس کے اڈے پر گھیرنا نامناسب تھا، وہاں اس کے حواریوں کے علاوہ گاہک بھی اس کے حامی ہو جاتے اور پارٹی سنگین دشواریوں سے دوچار ہو سکتی تھی لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ گل باز خان کو تھانے میں بلا کر بازپرس کی جائے۔

اسے بلانا بھی ایک مسئلہ تھا، وہ لاکھ ناپسندیدہ اور غنڈہ سہی لیکن باقاعدہ خراج گزار رہا تھا۔ اس کے بھتوں کی باقاعدگی نے اسے بہت خود سر اور بد زبان بنا دیا تھا یہی وجہ تھی کہ گشت والے بھی اس کے اڈے سے کنی کاٹ کر نکلتے تھے۔

اس کی اپنے اڈے پر کسی سرکاری اہلکار کی موجودگی سے برہمی کا جواز بھی تھا جس کا وہ برملا اظہار کرتا پھرتا تھا۔ اس کے گاہکوں میں نشئیوں کے ساتھ شرفا کی بھی معقول تعداد تھی جو نشے کے ساتھ عزت کے بھی شوقین تھے، ان ہی کا اعتماد قائم رکھنے کے لیے گل باز خان بھاری رقوم ادا کرتا تھا تاکہ اس کے گاہک بلا کسی خوف یا تردد کے اس کے اڈے پر آتے رہیں۔

آخر کار ایک نئے اے۔ ایس۔ آئی کو طلبی کا پیغام گل باز خان تک پہنچانے پر مامور کیا گیا۔ اسے سمجھا دیا گیا تھا کہ وہاں جاتے ہوئے وہ وردی کے بجائے سادہ لباس استعمال کرے۔

وہ سادہ پوش جوان افسر گل باز خان کے اڈے پر پہنچا تو وہاں لوگوں کی خاصی آمد و رفت جاری تھی۔ وہ افسر سیدھا کاؤنٹر پر جا پہنچا۔

گل باز خان اپنے گاہکوں کے چہرے خوب پہچانتا تھا، ایک اجنبی کو سامنے پایا تو اس کی تیوریوں پر بل آ گئے۔

”گل باز خان تم ہی ہو؟“ افسر نے اپنی تسلی کے لیے سوال کیا۔ وہ اس کا نام ہی سنتا رہا تھا، صورت آشنا نہیں تھا، بس اندازے سے کاؤنٹر پر چلا گیا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ کاؤنٹر والے نے درشت لہجے میں پوچھا۔

”تھانیدار صاحب نے تمھیں بلایا ہے۔“ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

”خوب۔“ وہ مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تضحیک آمیز انداز میں مسکرایا اور پھر کاؤنٹر کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ اس نے افسر کا بازو تھاما اور [illegible] بیٹھک میں گھس گیا۔

”ہاں اب بتاؤ کیا کہہ رہے تھے؟“ وہ دروازے کی [illegible] چڑھا کر پلٹا تو اس کی نگاہیں خشمناک ہو رہی تھیں۔

”تمھیں تھانیدار صاحب نے بلایا ہے۔“ نوجوان افسر نے [illegible] سے کام لیتے ہوئے کہا۔

”کیا کام ہے؟“

”مجھے نہیں معلوم۔“

”سنو دوست!“ گل باز خان گستاخانہ انداز میں اس [illegible] کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”تم سادہ لباس میں ہو اس لیے میں [illegible] تا کہ تم کون ہو، تمھاری ٹھکائی کرا کے باہر پھنکوا سکتا ہوں، پوچھ [illegible] تو کہہ دوں گا کہ تم نے ہنگامہ کرنے کی کوشش کی تھی اور یہاں [illegible] لوگ میری بات کی گواہی دیں گے، چاہوں تو تمھیں آبکاری والوں [illegible] حوالے بھی کر سکتا ہوں جو تمھارے قبضے سے آدھا کلو چرس کی برآمدگی [illegible] کہانی سنائیں گے جو تم نے بیچنا چاہتے تھے۔“

”مگر کیوں؟ یہ سب تم کیوں کرو گے؟“ نوجوان افسر [illegible] غصے کے باوجود موقع کی نزاکت بھانپ چکا تھا۔ اس نے سمجھ [illegible] کہ وہ نادانستگی میں بھیڑیوں کے غول میں آ پھنسا تھا۔

”اس لیے کہ مجھے تم پر شبہ ہے۔“ گل باز اپنی بائیں مونچھ [illegible] مروڑتے ہوئے مکارانہ لہجے میں بولا۔ ”مجھے آج تک تھانے میں [illegible] کرنے کی نوبت نہیں آئی ہے۔“

”میں سرکاری گاڑی میں آیا ہوں جو ڈرائیور سمیت اگلے نکڑ پر موجود ہے۔“

”اوہ، تو اس جیپ میں تم ہی آئے ہو۔“ گل باز خان کا لہجہ نرم پڑ گیا۔ ”اس جیپ کی آمد کی اطلاع تو مجھے تمھارے آنے سے پہلے مل گئی تھی۔۔۔ جیپ وہاں کیوں چھوڑ دی؟“

نوجوان افسر تاؤ کھا کر رہ گیا۔ ”سنا تھا کہ تم اپنے اڈے پر سرکاری گاڑی اور وردی پسند نہیں کرتے اس لیے جیپ وہاں چھوڑ کر سادہ لباس میں آیا ہوں۔“

"ذرا ٹہلنے کا موڈ تھا۔" پہلا جواب اس نے سوچا لیکن اس
بھی بات کو خوشامد سمجھتے ہوئے گول کر گیا اور ٹہلنے کی بات چھیڑ دی۔
"تم چلو، میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے دروازے
کی کنڈی کھول دی۔

جب وہ افسر باہر نکلنے کے لیے گل باز خان کے قریب سے
گزرا تو اس نے مربیانہ انداز میں اس کی کمر پہ ہاتھ رکھ دیا۔ "بُرا نہ
ماننا میری کسی بات کا.... تمھاری طرح ہمارا پیشہ بھی ایسا ہی ہے
یہ ہر ایک کو اس وقت تک مشکوک سمجھتے ہیں جب تک وہ خود کو
قابلِ اعتماد نہ ثابت کر دے۔"

وہ افسر وہاں سے نکلا چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی تھانے کی حدود میں ایک چم چم کرتی ہوئی
سفید کار داخل ہوئی۔ اس میں اگلی نشست سے دو دراز قامت مسلح
آدمی اترے جن کے ہولسٹروں میں ریوالوروں کے دستے چمک رہے
تھے ان میں سے ایک نے عقبی دروازہ کھولا اور گل باز خان سینہ
تانے نیچے اتر کر عمارت کی طرف بڑھ گیا۔

نخوت آمیز اشاروں سے شناساؤں کے سلام کا جواب دیتے
ہوئے وہ سیدھا انچارج کے کمرے میں گھستا چلا گیا۔

اندر پُرتپاک فقروں کا تبادلہ ہوا اور گل باز خان ایک کرسی
پر جم گیا۔ وہاں تین افسر موجود تھے۔

"کیسے یاد کیا مجھ ناچیز کو؟" اس نے بیٹھتے ہی سوال کر ڈالا۔

"دھندا کیسا چل رہا ہے؟" معنی خیز لہجے میں سوال کیا گیا۔

"مندا ہے.... آپ لوگوں کو دے دلا کر بیٹھے کا خرچ بھی
نہیں نکل رہا۔" وہ بے پروائی کے انداز میں بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا
ہو رہا ہے۔"

"سمجھ میں تو ہماری بھی نہیں آ رہا گل باز خان!" دوسرے افسر
نے کہا۔ "اسی لیے تمھیں یہاں تک آنے کی تکلیف دی ہے۔"

"مارکیٹ میں مال ایک دم نایاب ہو گیا ہے۔" گل باز خان کرسی
پر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ "کسی قیمت پہ نہیں مل رہا۔"

"باہر کی کوئی پارٹی تو نہیں آ گئی شہر میں؟"

گل باز خان ہنسا۔ "کوئی پارٹی وارٹی نہیں آئی بس اوپر سے مال
نہیں آ رہا۔"

"کوئی ایک ہی پارٹی تو دھندا نہیں چلا رہی۔"

"بڑی پارٹی ایک ہی ہے جس کی مٹھی میں پورا شہر ہے۔"
گل باز خان یوں بولا جیسے کوئی بزرگ نوآموز بچوں سے مخاطب
ہو۔ "جو چھوٹے موٹے ہیں وہ اپنی چاندی کر رہے ہیں، ملاوٹ کیا
ہوا مال اصل سے چار گنا داموں پر بیچ رہے ہیں۔"

"خیر یہ تمھارا اپنا معاملہ ہے۔" انچارج اکتائے ہوئے
لہجے میں بولا۔ "آج قحط ہے تو کل مال کی فراوانی بھی ہو گی اور تم بھی
سونا کماؤ گے...."

"مارکیٹ بڑی مشکل سے بنتی ہے تھانیدار صاحب!" گل باز
خان اس کی بات کاٹ کر قدرے طنزیہ لہجے میں بولا۔ "جو گاہک
ایک بار دوسرے اڈے پر لگ گئے وہ سمجھو ہاتھ سے گئے، ان
چند دنوں کا اثر سال ڈیڑھ سال سے پہلے قابو میں نہیں آئے گا۔"

"اونچ نیچ دیکھنا تمھارا کام ہے۔" انچارج کا لہجہ فیصلہ کن
تھا۔ "ہم سے جو وعدہ ہے اس پر تمھیں ہر حال میں عمل کرنا ہو گا۔"

"میں جو دے چکا اس سے زیادہ میرے بس سے باہر ہے۔"
گل باز خان نے خشک لہجے میں کہا۔ "اگلے مہینے تو شاید یہ بھی نہ دے
سکوں، اڈے پر میل کا مال نہ ہو تو دھندا بڑی تیزی سے چوپٹ ہوتا
چلا جاتا ہے۔"

"تو پھر اڈہ بند کر دو۔"

"شاید یہ بھی کرنا پڑ جائے مگر ابھی کچھ دن انتظار کرنا پڑے
گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے کرسی چھوڑ دی اور کھڑا ہو گیا۔

"کہاں چلے؟" انچارج نے اپنے بید کے سرے سے میز کی سطح بجاتے
ہوئے سوال کیا۔

"یہ رش کا وقت ہے۔" گل باز خان اپنی رسٹ واچ پر نگاہ
ڈالتے ہوئے بولا۔ "پیغام ملا تو دوڑا چلا آیا، پھر کبھی فرصت کے
وقت آؤں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی گل باز خان!" انچارج
نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ "اب
تم ہمارے مہمان رہو گے۔"

گل خان کے چہرے پر زلزلے کے آثار ابھر آئے۔

"مجھے ایسا مذاق پسند نہیں ہے تھانیدار صاحب!" لہجے سے برہمی
ٹپک رہی تھی۔

"بیٹھو" انچارج بید زور سے میز کی سطح پر مار کر دہاڑا۔
پھر دو تین ثقیل گالیاں دے کر بولا۔ "مذاق کروں گا میں تجھ سے؟"

گل باز خان کھڑا کینہ توز نگاہوں سے انچارج کو گھورتا
رہا۔ اس کا چہرہ غصّے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

بقیہ دونوں افسروں نے حفظِ ماتقدم کے طور پر اپنے سروس
پستول نکال لیے تھے۔

"بیٹھ جاؤ گل باز! اس وقت تم حراست میں ہو۔" ان میں
سے ایک نے پستول کی آہنی نال کو جنبش دیتے ہوئے سرد
لہجے میں کہا۔

گل باز خان کی قہر بار نگاہیں بولنے والے کے چہرے سے
پھسلتی ہوئی پستول پر رک گئیں۔ معاً اسے احساس ہوا کہ بلادستی

کے گھمنڈ میں وہ چوہے دان میں آ پھنسا ہے مگر یہ احساس بھی اس کے دماغ میں کھولتے ہوئے لاوے کو سرد کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

"میں دیکھ لوں گا۔" وہ کسی زخمی بھیڑیے کی طرح غرایا۔ "ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔ میرا بال بھی بیکا نہ ہو سکے گا۔"

اور پھر وہ بُری طرح چیخ پڑا۔ انچارج نے پوری قوت سے بید اس کے سینے پر مارا تھا۔ گل باز خان نے جھلا کر بید کا سرا پکڑ لیا اور دوسرے ہی جھٹکے میں اسے چھین لینے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ چیخ پکار معمولی بات نہیں تھی۔ تھانے کی حدود میں کسی کی اور قسم بازی قابلِ دست اندازی پولیس تھی۔

اردلی نے گھبرا کر اندر جھانکا اور پھر برآمدے میں سیٹی کی تیز آواز گونجتی چلی گئی۔ آناً فاناً میں دس بارہ مسلح اور غیر مسلح سپاہی دندناتے ہوئے کمرے میں گھس آئے۔

"لے جاؤ اسے دھکے مار کر۔" انچارج غصّے سے بے قابو ہو کر دہاڑا۔ "بند کر دو حوالات میں۔"

"اور باہر گاڑی میں اس کے باڈی گارڈ بھی ہیں سر، اس کے ساتھ۔" سپاہیوں سے دو سپاہیوں سے نکال کر اردلی نے بتایا۔

"دیکھ لوں گا تمہیں۔۔۔ کیا سمجھا ہے انھوں نے قانون کو؟" وہ دہاڑا۔

دو سپاہیوں نے بازوؤں میں ہاتھ دے کر گل باز خان کو جکڑ لیا، تیسرا بندوق کے کندے سے اسے آگے دھکیلنے لگا، بقیہ سپاہی اس سے پہلے ہی اپنے سربراہ کے حکم کی تعمیل میں گل باز خان کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے نکل گئے تھے۔

گل باز خان اور اس کے دونوں حیرت زدہ محافظوں کو جب تنگ اور نیم روشن حوالات میں آہنی سلاخوں کے پیچھے دھکیلا گیا تو احساسِ شکست سے اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ شاید نوآموز اے۔ ایس۔ آئی کی بددعا اس کا دبدبہ نگل گئی تھی ورنہ وہ کبھی رسوا نہ ہوا تھا۔

اس کے باڈی گارڈز غیر مسلح کیے جا چکے تھے اور وہ حیران پریشان اپنے آقا کی زبان سے کچھ سننے کے منتظر تھے مگر وہ خاموشی سے ایک دیوار سے جا لگا تھا۔

نشہ کوئی بھی ہو، بہت موذی ہوتا ہے۔ غرور اور بالادستی کا نشہ ہو تو حشر گل باز خان جیسا ہوتا ہے۔ مگر شاید نشے کے بغیر کام بھی نہیں چلتا۔ مزدور اپنے دن بھر کے دکھ درد اور تھکان کو نشے میں اڑا دیتا ہے، سیٹھ کاروباری رقابتوں اور گھاٹے منافع کے دکھڑوں کو ڈبل وہسکی کے گلاس میں گھول کر پی جاتا ہے، اداکار کسی قبر کے سرہانے اپنی بے وفا محبوباؤں کی گنتی کو بوتلوں کی قبر میں دفن کر دینے کی کوشش کرتا ہے۔۔۔ نشہ لوگ اس لیے کرتے ہیں کہ اعصاب کو سکون مل سکے، خمار کی ایک دلفریب کیفیت طاری ہو جائے اور جب لوگ قانون کو سُلانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے رشوت کی خواب آور گولیاں استعمال کراتے ہیں۔

جب تک اثر رہتا ہے، قانون اپنی ضخیم کتابوں میں بند میٹھی نیند سویا رہتا ہے اور جہاں خواب آور گولیوں کی مقدار میں کمی ہوئی پوری قوت سے انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتا ہے، اندھی آنکھیں خوردبین بن جاتی ہیں، معاشرے کے رِستے ہوئے ناسوروں کے بارے میں یکایک الہام ہونے لگتا ہے، مظلوم ناموں کا [illegible] شروع ہو جاتا ہے۔

انچارج کو وہ مظلوم سماجی کارکن یاد تھے جو بارہا وفود لے لے کر اس کے آستانے پر حاضری دے چکے تھے، وہ علاقے کو منشیات سے پاک دیکھنا چاہتے تھے لیکن جاننے کے باوجود گل باز خان کا نام لینے سے ڈرتے تھے اور انچارج ہمیشہ تان اسی ایک نکتے پر توڑتا تھا کہ اس کی کتابیں صاف ہیں، عملہ کسی اڈے سے لاعلم ہے، وہ لوگ کسی فرد یا اڈے کی نشاندہی کریں تو وہ اس انکشاف کی بنیاد پر کارروائی کریں۔

اس کی دانست میں ان مظلوموں کی داد رسی کا موقع آ گیا تھا۔ اس نے فوری طور پر ماتحت عملے کو دوڑا کر ان میں سے دو سربرآوردہ افراد کو تھانے میں بلوا لیا۔ وہ اپنی جملہ خطائیں یاد کرتے اور لقمۂ فریادی بنے انچارج کے حضور پہنچے تو خلافِ توقع یہ انکشاف سن کر حیران رہ گئے کہ سر توڑ کوشش کے بعد تھانے والوں نے علاقے میں منشیات کے ایک خفیہ اڈے کا سراغ لگا لیا تھا جہاں ان کی موجودگی میں چھاپہ مارنے کی تیاریاں مکمل تھیں۔

تھانے میں عملہ زیادہ تھا اور سواریاں کم۔ وہ دونوں شریف آدمی پریشان ہو گئے کہ کہیں اس فنی دشواری کی بنا پر ان کی دعاؤں کی قبولیت کی ساعتِ سعید نہ گزر جائے لہٰذا قریبی گھروں سے دو گاڑیاں ادھار لی گئیں اور یہ پُرشکوہ جماعت دشمن کی کمین گاہ پر دھاوا بولنے روانہ ہو گئی۔

گل باز خان کے اڈے پر تو کیا، اس کے قرب و جوار میں بھی کبھی پولیس نہیں دیکھی گئی تھی اور جب پولیس وہاں پہنچی تو اُسے سجا سجایا میدان خالی ملا۔

گلیوں میں پھیلے ہوئے مخبروں میں سے کسی نے اڈے پر پولیس کی آمد کی خبر پہنچا دی تھی اور جو جس حال میں تھا وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔ دیسی وہسکی، بیئر کے کریٹ، غیر ملکی وہسکی، مینڈریکس، پیتھیڈین، افیم، کیا تھا جو اس اڈے سے نہ برآمد ہوا۔ کمی تھی تو

بس چوبس کی جوان دلوں شہر میں عنقا ہو رہی تھی۔

محلے داروں کی موجودگی میں مشیر نامے تیار ہوئے، سامان کی فہرست بنائی گئی اور اڈہ سیل کر دیا گیا۔ گرفتاری کوئی نہ ہو سکی۔

تھانیدار اور اس کے عملے نے کسی کو ہوا بھی نہ لگنے دی کہ گل باز خان اپنے دو ساتھیوں سمیت پہلے ہی حوالات میں تھا۔

"یہ بُرا ہوا کہ وہ نکل گیا۔" واپسی میں ایک سماجی کارکن تشویش زدہ لہجے میں بولا۔ "وہ یہی سمجھے گا کہ ہماری مخبری پر چھاپہ مارا گیا ہے.... اب وہ ہم سے ضرور انتقام لے گا۔"

تھانیدار ہنسا اور مربیانہ لہجے میں بولا "قانون امن پسند شہریوں کو پورا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ آپ فکر نہ کریں، اس کی گرفتاری تک آپ دونوں کے گھروں پر ایک ایک مسلح سپاہی کا پہرا رہے گا۔ .. ابھی تو پوری رات پڑی ہے، ہم شہر کا کونا کونا چھان ماریں گے، وہ ہاتھ نہ آیا تو ہماری ساری کارروائی رائیگاں جائے گی اور وہ یعنی شہر کے کسی اور حصے میں معصوم شہریوں میں اپنی زہر فروشی کا جال پھیلا لے گا۔"

تشویش کا اظہار کرنے والوں کی آنکھوں میں ممنونیت کے جذبات امڈ آئے۔

گھر لوٹتے ہوئے وہ دونوں نہ صرف خوش تھے بلکہ تہہ دل سے اپنے علاقے کے تھانیدار کی شرافت اور ہمدردی کے معترف بھی تھے کیونکہ اس نے انھیں محض زبانی بہلاوا نہیں دیا تھا۔ چلتے ہوئے حسب وعدہ بندوقوں سے لیس دو سپاہی بھی ساتھ کر دیے تھے اور ان کی موجودگی میں سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ ان دونوں کے گھروں کے قرب وجوار میں گل باز خان کا سایہ بھی نظر آئے تو بے دریغ اسے گولی مار دو۔

مگر گل باز خان کے ستارے اچھے تھے کہ اس نے ان میں سے کسی مکان کا رُخ نہیں کیا پھر صبح کے چار بجے تھانے سے آنے والے ایک قاصد نے باری باری ان دونوں کو جگا کر خوشخبری سنائی کہ گل باز خان اپنے دو آدمیوں سمیت اسی علاقے کے ایک تالے سے گرفتار کر لیا گیا۔

مسلح سپاہی قاصد کے ساتھ لوٹ گئے۔

ان دونوں کو اس وقت زحمت دینے کے بجائے صبح تھانے بلایا گیا تھا تاکہ ملزموں کی شناخت کے ساتھ ضابطے کی دوسری کارروائیاں بھی پوری کرا سکیں۔

اگلی صبح وہ دونوں تھانے پہنچے تو روزنامچہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا جس میں پچھلی رات کے چھاپے کی تفصیل درج تھی۔

"اس کا کیا کرنا ہے؟" ایک نے سوالیہ نگاہوں سے انچارج کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"چھاپے میں آپ دونوں بھی شریک تھے۔ اس رپورٹ پر اپنے تصدیقی دستخط کر دیں۔" انچارج نے سکون سے کہا۔

"پھر تو اسے پڑھنا ہو گا۔"

وہ دونوں روایتی مُنشیانہ رسم الخط اور زبان میں لکھی ہوئی رپورٹ پڑھنے لگے جس میں جا بجا قانونی دفعات کے حوالے سے مختلف اقدامات درج تھے۔

چھاپے کے دوران گل باز خان اور اس کے دو ساتھیوں کی گرفتاری کا ذکر پڑھ کر وہ چونک پڑے کیونکہ اس مرحلے پر رپورٹ خلاف واقعہ تھی۔

"وہ تینوں اڈے سے تو نہیں پکڑے گئے تھے۔"

"مقدمہ مضبوط بنانے کے لیے یہی کہنا پڑے گا۔" انچارج مضبوط لہجے میں بولا۔ "اگر یہ ظاہر کیا گیا کہ ان تینوں کو چھاپے کے کئی گھنٹے بعد کسی اور جگہ سے پکڑا گیا تھا تو قانوناً انھیں بڑا ملزم قرار نہ دیا جا سکے گا اور وہ ضمانت پر رہا ہو جائیں گے۔"

"مگر عدالتی کارروائی سے تو نہ بچ سکیں گے۔"

"مقدمے میں شروع سے جھول رہا تو زیادہ سے زیادہ انھیں چند ماہ کی سزا ہو سکے گی اور وہ رہا ہو کر پھر وہی دھندا شروع کر دیں گے۔" تھانیدار کی بات میں خاصا وزن تھا۔ "میری تو پوری کوشش یہی ہے کہ علاقے کو ہمیشہ کے لیے اس بدنام آدمی سے نجات مل جائے۔ ایسے چالاک لوگ روز روز قانون کی گرفت میں نہیں آتے.... ایک بار دس بارہ سال کی سزا کاٹ کر جیل کی سلاخوں سے باہر آئے گا تو دوبارہ سر اٹھانے کی ہمت نہ کرے گا۔"

تھانیدار کی نیت سراسر مخلصانہ تھی۔ ان دونوں کی سلامتی بھی اسی میں تھی کہ گل باز خان ضمانت پر رہا ہوئے بغیر سیدھا لمبی مدت کے لیے جیل بھیج دیا جائے۔ وقتی جوش اور معاشرتی خدمت کا جذبہ ایک الگ چیز تھی مگر اس وقت وہ سنگین حقائق سے دوچار تھے۔

محلے برادری کے معزز اور عیال دار ارکان تھے اگر گل باز خان رہا ہو جاتا تو انتقام لینے کے لیے ان کے گھروں کو آگ لگا سکتا تھا، کسی چوراہے پر انھیں زدوکوب کر سکتا تھا یا ان کے بال بچوں پر ہاتھ ڈال سکتا تھا اور وہ ایمانداری سے اپنی سماج دوستی کی یہ قیمت ادا کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھے۔

"مگر وہاں تو لوگوں کے ٹھٹ لگ گئے تھے۔" دوسرے نے نیم رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے ایک نکتہ اٹھایا تھا۔ "یہ افواہ تو پھیل ہی گئی ہو گی کہ اڈے سے سارے ملزم فرار ہو چکے تھے۔"

"سب دور کے تماشائی تھے۔" تھانیدار مکارانہ انداز میں

مسکرایا۔ "استغاثے کے گواہ تو آپ دونوں ہوں گے۔ بدنام مجرموں
کو ہم لوگ چوری چھپے ہی گرفتار کرتے ہیں۔۔۔ انھیں سامنے لایا جائے
تو ہجوم مشتعل ہو کر ایسے مجرموں کی بوٹیاں اڑا سکتا ہے۔"

تھانیدار شروع سے اب تک معقول استدلال سے کام لیتا
آیا تھا۔ گل بازخان سے علاقے کے لوگوں کو شدید نفرت تھی مگر اس
کی بدمعاشیوں اور چیرہ دستیوں کے خوف سے لوگ اس سے سلام
دُعا رکھنے پر مجبور تھے۔ ان حالات میں کسی کو کیا پڑی تھی کہ عدالت
میں پولیس کے موقف کو چیلنج کر کے گل بازخان کی طرفداری کرتا۔

وہ تھانیدار سے متفق ہو گئے اور اس کی ہدایت پر اپنے
دستخط کر دیے۔

تھانیدار انھیں گل بازخان اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری
کے رموز ذہن نشین کرانے لگا۔

*

شام کے اخبارات میں جلی سرخیوں میں گل بازخان کے
اڈے پر پولیس کے ڈرامائی چھاپے اور نہایت اہم گرفتاریوں کی خبر
موجود تھی۔

ڈینی نے بڑی دلچسپی سے ان تفصیلات کو پڑھا اور زیرِ
لب مسکرانے لگا۔

اخباری نمائندوں کو گل بازخان یا اس کے ساتھیوں سے
نہیں ملنے دیا گیا تھا لہٰذا اس کارروائی کا دوسرا رُخ سامنے نہ
آسکا تھا۔

مگر ڈینی بہت گھاگ تھا۔ سُرخیاں دیکھتے ہی اس نے رائے
قائم کر لی تھی کہ گل بازخان کی پولیس والوں سے ان بن ہو گئی ہو گی۔

ان لوگوں سے چپقلش کا عموماً ایک ہی سبب ہوتا تھا کہ ان
کے زیرِ اقتدار علاقے کا کوئی بڑا آدمی ان کے مطالبات تسلیم کرنے
سے انکار کر دے یا طے شدہ شرائط میں کٹوتی کر کے عہد شکنی کا ارتکاب
کرے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایماندار افسر اپنے علاقے میں کسی بھی
قیمت پر کسی برائی کو نہیں پنپنے دیتا تھا اور بدی کا بیج پھوٹتے ہی
اس کی بیخ کنی کر گزرتا تھا۔

مگر گل بازخان کا معاملہ دوسری قسم میں نہیں شمار کیا جا سکتا
تھا۔ وہ دس برس سے اس علاقے میں ڈنکے کی چوٹ پر اڈہ چلا رہا
تھا۔ امتناع شراب تو خیر نئی چیز تھی مگر دوسری خطرناک منشیات کا
خریدنا، بیچنا، رکھنا یا استعمال کرنا ہمیشہ سے جرم تھا۔

اس اعتبار سے نہ گل بازخان کا جرم نیا تھا نہ علاقے کا۔۔۔
تھانیدار تبدیل ہوا تھا جو ڈینی جیسا خرانٹ آدمی اس خوش فہمی کا
شکار ہو جاتا کہ وہ چھاپہ کسی نیک نیت افسر کی مستعدی کا نتیجہ تھا۔
ایک رائے قائم کرنے کے بعد اس کے لیے واقعات کی
کڑیاں ملانی آسان ہو گئیں۔

چرس کی کھپت کے اعتبار سے گل بازخان کے اڈے
کا شمار شہر کے بڑے اڈوں میں کیا جاتا تھا اور وہ شروع ہی
سے نادر خان کے معتمد تاجروں میں شامل تھا۔

نادر خان اس سے بارہا کہتا رہا تھا کہ گل بازخان ان
لوگوں میں سے ہے جو اپنی ذات پر بدترین تشدد سہنے کے باوجود
زبان نہیں کھولتے، جسے حقیقی معنوں میں راز تصور کر لیں وہ بات
اپنے ساتھ قبر ہی میں لے جاتے ہیں مگر پیسے کے معاملے میں وہ
بنیے کی کاروباری ذہنیت کا مالک تھا پیسے پیسے کے لیے سودے
بازی کرتا تھا۔

ان لوگوں کو چرس کے ذخائر تباہ کیے پانچ دن ہونے
والے تھے، اس دوران میں ان کے ذریعے ایک تولہ چرس بھی بازار
میں نہیں گئی تھی اور ہیروئن کے سیمپل بھی اگلی ہدایات تک
روک لینے کا حکم مل گیا تھا لہٰذا بازار میں عجیب افراتفری پھیلی
ہوئی تھی۔

جن لوگوں کی سپلائی کا انحصار اس گروپ پر تھا بلبلائے
پھر رہے تھے۔ ہزاروں روپے روزانہ کی آمدنی سے محرومی کے
ساتھ ہی ان کا مستقبل بھی خطرے میں پڑ گیا تھا۔

آمدنی میں اس خطیر کمی سے دل برداشتہ ہو کر شاید گل بازخان
نے بھتے کی رقم میں کٹوتی کرنے کی کوشش کی ہو گی اور شاید یہی
تنازعہ بڑھ گیا ہو گا جس کا نتیجہ اس کے اڈے پر چھاپے کی صورت
میں رونما ہوا تھا۔

ڈینی کو یقین تھا کہ وقتی پریشانیوں کے باوجود گل بازخان
بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا کیونکہ اپنے تحفظ کے معاملے میں
وہ بلا کا عیار تھا۔ جس جگہ اڈہ قائم تھا وہ اس کے ایک ملازم کی
ملکیت تھی۔ اسے پوری رقم ادا کرنے کے باوجود کاغذات اپنے
نام منتقل نہیں کرائے تھے اور اس کی ملازمت برقرار رکھتے
ہوئے اتنی ڈھیل دی ہوئی تھی کہ اڈے کے بیشتر معاملات اس
کی مرضی سے طے پاتے تھے اور نئے آنے والے عموماً اسی کو
گل بازخان سمجھتے تھے۔

پولیس زیادہ مستعدی دکھاتی تو اس ملازم کو گھیر لیتی۔
سارا الزام اسی کے سر جاتا اور گل بازخان دوبارہ آزاد ہو جاتا۔

پھر وہی ہوتا جو زیرِ زمین مجرمانہ دنیا میں ایسے قربانی کے
بکروں کے لیے ہوا کرتا تھا۔ بچنے والے اپنے ملازم کی وفاداری
کے صلے میں نہ صرف جیل میں اس کی خبرگیری کرتے تھے بلکہ اس کی
قید کی پوری مدت میں اس کے اہل و عیال کی جملہ مالی ذمہ داریوں
کا بوجھ بھی اٹھاتے تھے۔

بڑے مجرموں کے اس روایتی سلوک کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ
...کے گرد رہنے والوں میں سے ہر ایک اپنے گھر بار سے بےفکر
...ران کے مفادات کے لیے لڑتا تھا اور سزا سے رہائی کے بعد
...مان کا حواری بنا ہوا نظر آتا تھا۔

فکرمندی کی بات صرف اتنی تھی کہ گل باز خان جیسا جہاں
...دیدہ شخص اپنے اڈے سے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا حالانکہ
...شیات فروشی کا بنیادی اصول یہ تھا کہ خطرہ اچانک سامنے
...جائے تو مال کی پروا کیے بغیر ٹھکانے سے بھاگ نکلو، خواہ
...کوشش میں تشدد یا تھوڑی بہت خونریزی کی نوبت ہی
...وں نہ آ جائے۔ ایک بار جائے واردات سے فرار کے بعد
...می گرفتار بھی ہو جائے تو بےیقینی کے خوف کے باعث کوئی اس
...ے خلاف گواہی دینے کو تیار نہیں ہوتا یہ عدم تعاون قانون اور
...س کا نفاذ کرنے والوں کو بےبس بنا دیتا ہے۔

ایسے رسوائے زمانہ لوگوں کی بریت پر لوگ بھانت بھانت
...بولیاں بولتے ہیں۔ قانون اور اس کا تحفظ کرنے والوں کو تنقید
...نشانہ بناتے ہیں لیکن ان چشم دید گواہوں کی بزدلی کے بارے
...کوئی نہیں سوچتا جو محض اپنے خوف کے باعث آنکھوں دیکھے
...قعات کو زبان پر لانے کی جرأت سے محروم ہوتے ہیں اور یوں
...اشرے پر یلغار کرنے والے بھوکے درندوں کے غول میں ایک
...ئی بھیڑیے کا اضافہ کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

یہ سب خالص نظریاتی باتیں تھیں جن سے ڈینی کو صرف
...ی حد تک دلچسپی تھی کہ وہ رجحانات برقرار رہیں جن سے اس
...آمدنی کو تقویت ملتی رہے۔ وہ معاشرے کی اصلاح کا داعی
...یں تھا جو لوگوں کو ان کی بزدلی پر شرم دلا کر انھیں گل باز خان
...ے خلاف سامنے لانے کے لیے نکل کھڑا ہوتا۔

ان دھندوں سے وہ اتنا کما چکا تھا کہ اب آزادانہ طور
...ایمانداری سے زندگی گزار سکتا تھا۔ چاروں کے گروپ میں وہ
...یلا آدمی تھا جس نے اپنی ناجائز آمدنی کو نہایت سرعت سے
...شک و شبہے سے بالاکر لیا تھا۔

ابتدا میں جائدادوں کے دھندے کا مشورہ گمنام سربراہ
...ے ملا تھا پھر ڈینی نے عقل پر زور دیا تو اسے بہتیرے دوسرے
...ستے بھی نظر آ گئے۔ ان میں انعامی بونڈ سب سے سہل نظر آئے۔

کسی ضرورت مند اور غریب کے لیے دس بیس ہزار یا لاکھ
...دو لاکھ کا انعام بہت بڑی بات تھی جس کے ذریعے وہ اپنی حسرت
...بہ زندگی کے بہت سے موہوم خوابوں کو عملی شکل دے سکتا تھا۔
...س لیے وہ انعام کا انکشاف ہوتے ہی بینک کا رخ کرتا تھا مگر وہاں
...س پر انکشاف ہوتا کہ کاؤنٹر سے انعام کی وصول یابی اس قدر
سہل کام نہیں تھا۔

بڑے انعام کی صورت میں انعامی بونڈ، اپنے شناختی کارڈ
کی فوٹو کاپی کے ساتھ کاؤنٹر پر جمع کرانا پڑتا تھا جہاں سے دس پندرہ
دن بعد کی تاریخ دے دی جاتی تھی بہت سے بےصبرے لوگوں کے
لیے اتنے دنوں تک اپنی آرزوؤں پر قابو پانا محال ہوتا تھا پھر ایسے
میں کوئی نیک فرشتہ ان کے کان میں امید کا پیغام پھونکتا تھا اور وہ
قطار سے الگ ہو کر باہر آ جاتے۔

اسٹیٹ بنک کی عالی شان عمارت سے باہر فٹ پاتھ پر چلتے
پھرتے مسیحاؤں کی ایک دنیا آباد رہتی تھی جو بڑی دلفریب شرائط
پر ایسے عجلت پسند لوگوں کی حاجت روائی کے لیے سراپا انکسار بنے
گھومتے رہتے تھے۔

ان کے پاس نہ شناختی کارڈ کا چکر ہوتا نہ دس پندرہ روز
انتظار کی زحمت بلکہ مالیت کے تناسب سے وہ انعام کی نقد رقم
میں چند سو کا اضافہ بھی کر دیتے تھے یوں دس ہزار کے انعام کے
بجائے ضرورت مند کو کسی گلی کوچے میں خاموشی سے ساڑھے دس، گیارہ
ہزار نقد مل جاتے، بونڈ کی مالیت الگ سے ادا کی جاتی اور انعام
پانے والا گھر پہنچنے تک اسی سوچ میں کھویا رہتا کہ لمبی قطار، دس
پندرہ روز کے انتظار اور ہزار پانچ سو کے نقصان میں ایسا کیا مزہ
ہے جو ایک دو نہیں درجنوں بنک سے باہر خدمتِ خلق میں اپنا وقت
اور پیسہ برباد کرتے رہتے ہیں۔

دوسری طرف یہی مسیحا ڈینی جیسے لوگوں کے درد کا درماں
ہوتے تھے۔ انعامی رقم کی مالیت کے لحاظ سے پانچ سے پچیس فیصد
تک کمیشن پر انعامی بانڈ ضرورت مندوں کو بیچ کر اپنی لگائی ہوئی رقم مع
منافع وصول کر لیتے تھے۔

ڈینی نے اس طرح کتنے ہی انعامی بونڈ خریدے اور اپنے
شناختی کارڈ کی نقول کے ساتھ بنک میں جمع کرا کے لاکھوں کی رقم
وصول کی۔ اس ہیر پھیر میں اسے تھوڑا سا نقصان ضرور ہوا لیکن
اس نے بہت جلد اپنے کھرے اثاثوں کی مالیت لاکھوں تک پہنچا
لی جس پر کوئی انگشت نمائی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ قانونی طور پر اس
کے پاس انعام یافتہ بونڈ کی ملکیت کا ہر ثبوت موجود تھا جس کی تصدیق
بنک سے کی جا سکتی تھی۔

اس رقم سے اس نے قلیل عرصے میں ایک بڑی پلاسٹک
فیکٹری خرید لی تھی اور اپنی شاہانہ بودوباش کے جملہ اخلاقی اور قانونی
جواز پیدا کر لیے تھے۔

وہ ہمیشہ سے تحکم اور تعیش کا عادی تھا مگر جب بھی اسے
یہ خیال آتا کہ وہ ایک بےنام آقا کے سامنے قطعی بےبس ہے
تو وہ اپنے اوپر جھلا جاتا... اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ ہر

چیز کا مالک ہوتے ہوئے بھی بالکل تہی دست ہو... اس کی انانیت اسے ہمیشہ اس منزل کی طرف اکساتی رہتی تھی جہاں اسے ہر ایک سے باز پرس کا مکمل اختیار ہو مگر اسے روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ ہو۔ بالکل گاڈ فادر کی طرح۔

ڈینی اپنے شاندار دفتر میں میز پر اخبار پھیلائے انھی سوچوں میں گم تھا کہ انٹر کام کی گھنٹی نے اس کے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

انٹر کام پر اس کی سیکرٹری ہی ہو سکتی تھی۔ اس نے کاہلانہ انداز میں ریسیور اٹھایا تو وہ اسے ملاقات کے لیے دو لڑکیوں کی آمد کی اطلاع دے رہی تھی۔

ڈینی چونک پڑا۔ اُس کی دوستی کے حلقے میں صنفِ نازک کی اکثریت تھی۔

اس کے ذہن کی اسکرین پر یکے بعد دیگرے بہت سے حسین پیکر آتے چلے گئے مگر وہ کوئی اندازہ قائم نہ کر سکا۔

وہ اصولوں کا پابند آدمی تھا۔ دفتر میں صرف کاروبار سے دلچسپی لیتا تھا۔ اس کی سیکرٹری خاصی خوب صورت اور پرکشش لڑکی تھی اور شاید اس کی نگاہِ التفات کی منتظر بھی مگر ڈینی نے کبھی اس کے بارے میں سوچا تک نہ تھا، ساری فضولیات دفتر سے باہر کرتا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ اس نے اپنی تمام دوست لڑکیوں کو دفتری اوقات میں فون وغیرہ کرنے سے بھی منع کیا ہوا تھا۔

ایسے میں کسی لڑکی کا دفتر آنا حیرت انگیز تھا۔

پھر اسے خیال آیا کہ سیکرٹری ایک نہیں دو لڑکیوں کی بات کر رہی تھی۔

ہو سکتا ہے کہ وہ چندے وغیرہ کے لیے آئی ہوں۔ اس نے سوچا اور ماؤتھ پیس میں سیکرٹری سے کہا۔ "انھیں اندر بھیج دو۔"

چند ثانیوں بعد سیکرٹری نے دروازہ کھولا اور دھوپ کے چشمے ہاتھوں میں لیے، دو حسین اور جوان العمر لڑکیاں اس کے دفتر میں آ گئیں۔

انھوں نے اندر آتے ہی ڈینی کو سلام کیا، ایک دفتر پر سرسری نگاہیں دوڑانے لگی اور دوسری دلکش آواز میں اپنا تعارف کرانے لگی۔

وہ دونوں ایک مشہور مقامی کالج میں زیرِ تعلیم تھیں اور اپنی سالانہ تقریبات کے موقع پر شائع کیے جانے والے سووینئر کے لیے اشتہار لینے آئی تھیں۔

بولنے والی ڈینی کو بہت ذہین اور شوخ نظر آئی۔ اس نے انھیں بیٹھنے کی پیشکش کی جو شکریے کے ساتھ قبول کر لی گئی۔

دوسری لڑکی نے بیٹھتے ہی اپنا قدرے وزنی چرمی بیگ میز پر رکھا اور اس میں سے کئی رسالے نکال کر ڈینی کی طرف بڑھا دیے۔

"یہ ہمارے پچھلے سووینئر ہیں۔" دوسری لڑکی کی آواز ڈینی کے کانوں میں رس گھولنے لگی۔ "دراصل ہماری یونین کا بجٹ بہت محدود ہوتا ہے اس لیے ہمیں آپ جیسے کرم فرماؤں کو زحمت دینی پڑتی ہے۔ اس طرح اشتہارات کے ذریعے رسالے کا خرچ نکال کر اتنی رقم بچ جاتی ہے کہ کالج کا سالانہ فنکشن بہتر طریقے سے منعقد کیا جا سکے۔"

ڈینی بلا مقصد رسالوں کی ورق گردانی کرنے لگا۔

"بڑی خوشی ہوئی مس....!" ڈینی کہتے کہتے مستفسرانہ انداز میں رک گیا۔

مترنم آواز والی نے کرسی میں بے چینی سے پہلو بدلا اور دھیمی آواز میں بولی۔ "غزالہ اور یہ میری ساتھی عابدہ ہیں۔"

غزالہ نے دوسری کا نام بلا وجہ ہی بتایا ورنہ اس کے چہرے پر چھائی ہوئی متانت اور سنجیدگی دیکھتے ہی ڈینی کے ذہن میں عابدہ، زاہدہ اور عفت آرا جیسے نام کلبلائے تھے۔

"مجھے خوشی ہے مس غزالہ کہ آپ نے دو ٹوک لفظوں میں سووینئر کی اشاعت کا مقصد بتا دیا۔ ورنہ اس سے پہلے لوگ محض تشہیری فوائد گنوا کر اشتہار لینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔" ڈینی نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"تشہیری فائدے بھی شاید ہوتے ہوں۔" اس بار عابدہ کی آواز سنائی دی اور ڈینی کو مجبوراً اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ تم وہ بھی خاصی خوش شکل مگر اس کے بشرے پر زندگی کی چہکتی گنگناتی رونق کے بجائے گمبھیر سنجیدگی کے ڈیرے تھے اور خدشہ تھا کہ وہ بیٹھے بیٹھے اچانک زندگی کی بے ثباتی پر خشک تقریر شروع کر دے گی۔

"مگر سووینئر کا مقصد ایک محدود حلقے میں اپنی سرگرمیوں کے تعارف کے ساتھ مالی وسائل کی فراہمی بھی ہوتا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "ہمیں کئی جگہ خاصی مایوسی ہوئی کیونکہ بہت سے ناکام ادیب یا شاید ان کے ناشرین نے ادبی گداگری شروع کی ہوئی ہے۔ بے مغز کتاب کی تقریب رونمائی پر سووینئر کا اہتمام ہوتا ہے۔ کتاب ردی میں تل جاتی ہے یا مفت تقسیم ہوتی رہتی ہے البتہ سووینئر کے اشتہارات سارے خرچے نکال کر بھی دس پانچ ہزار کا منافع دے جاتے ہیں۔"

"لہٰذا بیشتر اشتہارات وہ لوگ لے اڑتے ہیں۔" غزالہ نے اس کی بات میں وقفہ آتے ہی مسکرا کر کہا۔ "اور ہمیں معذرتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔"

ڈینی کھلے دل سے ہنسا۔ "آپ لوگ میری معلومات میں اضافہ کر رہی ہیں ورنہ میں تو آج تک رونما ہونے والی کتابوں کے خالقوں کو بلند پایہ سمجھ کر مرعوب ہوتا رہا ہوں۔"

"اس میں استثنیٰ بھی ہوتا ہے۔" عابدہ نے ابرو اٹھا کر کہا۔ "بعض ادیب اور شاعر واقعی اس پائے کے ہوتے ہیں کہ ان کی تخلیق سوونیئر تو کیا ضخیم رسائل چھپے جائیں مگر جو رَو چل پڑی ہے، وہ ییں بھی بہائے لیے جا رہی ہے۔"

"ایسی تقریبات میں تقریریں بھی بڑی زوردار ہوتی ہیں۔ زر اپنے موصوف کو اس کے عہد کا نادر الوجود شاہکار قرار دینے تلے رہتے ہیں۔" ڈینی نے عابدہ کو اکسایا۔

غزالہ کے ہونٹوں پر دبا دبا سا تبسم پھیل گیا۔

"مہمان بڑی احتیاط سے بلائے جاتے ہیں..... تقریر کا قع صرف انھیں دیا جاتا ہے جن سے تنقید کا ذرا بھی خطرہ نہ ہو۔" بدہ شاید اس بارے میں پہلے سے بھری بیٹھی تھی۔ "وہ یہ سب تحسین ہی کے پلیٹ فارم ہوتے ہیں، بس من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو والی ت ہوتی ہے۔"

"دراصل عابدہ خود بھی افسانہ نگار ہیں۔" غزالہ نے مسکراتے ئے کہا۔ "اس لیے ان کی معلومات خاصی ہیں۔ کچھ لوگوں نے ان کا بھی ونیئر نکال دینا چاہا تھا اور یہ سارے رموز سمجھائے تھے مگر یہ تیار یں ہوئیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے افسانوں کا مجموعہ ابھی تک ی ناشر کا منتظر ہے۔"

"اوہ۔" ڈینی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ اسے غزالہ کی باتوں لطف آ رہا تھا۔ "گویا یہ سوونیئر کو بھی کچھ مسر سمجھتی ہیں..."

عابدہ غزالہ کو گھورتے ہوئے بولی۔ "یہ بالکل یہی بات ہے۔ غیر ضروری تعریف و توصیف اندر کے فنکار کو لوری دے دے سلا دیتی ہے اور اس کے فن کا ارتقا رک جاتا ہے۔"

ڈینی سنجیدہ ہو گیا۔ عابدہ نے جوش میں ثقیل الفاظ کا استعمال روع کر دیا تھا۔ ڈینی کو اندیشہ ہوا کہ اسے چھوٹ دی گئی تو وہ اس وشگوار ملاقات کی ہلکی پھلکی فضا کو برباد کر دے گی۔

"آپ کتاب خود شائع کریں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "ناگوار نہ ہو تو اس کے اخراجات میں پورے کروں گا...."

"آپ ہمارے کالج کی تقریب میں ضرور آئیے گا۔" عابدہ سے پہلے غزالہ بول پڑی۔ "اس دوران میں یہ کوئی فیصلہ کر لیں گی۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک لفافہ ڈینی کی طرف بڑھا دیا۔ فافہ ڈینی کی کمپنی کے منیجنگ ڈائریکٹر کے نام تھا اور پہلے سے لکھا ہوا تھا۔

"اور آپ کا ریٹ کارڈ؟" ڈینی نے لفافے میں سے کارڈ نکال کر پڑھنے کے بعد کہا کیونکہ وہ کالج کی سالانہ تقریب کا دعوت نامہ تھا۔

عابدہ نے ایک چھپا ہوا فارم اسے دے دیا۔

"پچھلا ٹائیٹل بک کر لیں۔" ڈینی نے سرسری لہجے میں کہا۔

"بہت بہت شکریہ جناب!" غزالہ اس فیاضانہ رویے پر قدرے بوکھلا گئی۔

ڈینی نے انٹرکام پر سیکریٹری کو ہدایت کی کہ اکاؤنٹنٹ کو چیک بک سمیت اس کے کمرے میں بھیج دے اور چند ہی منٹ بعد اس نے کالج کے نام کراسڈ چیک دستخط کر کے غزالہ کے آگے ڈال دیا۔

پچیس فیصد کے بجائے پورے معاوضے کا پیشگی چیک دیکھ کر غزالہ کی آنکھوں میں ممنونیت کے جذبات امڈ آئے۔

"اشتہار کا مواد کب عنایت کریں گے؟" اس نے چیک تہہ کر کے پرس میں رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"کل شام فون کر لیجیے مجھے۔" ڈینی نے دراز سے اپنا وزٹنگ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا جس پر صرف اس کا نام اور گھر کا فون نمبر پتے سمیت درج تھا۔ وہ غزالہ کی آواز سننے کا ایک اضافی موقع ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ دونوں اس کا شکریہ ادا کر کے کرسیوں سے اٹھ گئیں۔ اس روز کے لیے دفتر میں کوئی قابل ذکر کام باقی نہیں رہا تھا۔ ڈینی کے دل میں خواہش ابھری کہ انھیں اپنی کار میں لفٹ دینے کی پیشکش کرے لیکن اس نے اپنی خواہش کو دبا لیا۔

پہلی ملاقات میں وہ کسی بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی اپنے عملے کو کسی قسم کی چہ میگوئیوں کا موقع دینا چاہتا تھا۔

ان کے جانے کے چند منٹ بعد وہ بھی اٹھا اور اپنی کار جہانگیر کے گھر کی طرف جانے والے راستے پر ڈال دی۔ وہ پچھلے دو دن سے اپنا کچھ وقت اس کے ساتھ مل بیٹھ کر گزارنا چاہتا تھا۔ لیکن مصروفیات میں الجھا رہا تھا اب اس کے پاس وقت تھا تو وہ اس کو استعمال کرنا چاہتا تھا۔

جہانگیر کے بارے میں پچھلے کئی دن سے اس کے دل میں ایک پھانس سی چبھ رہی تھی اور وہ اس بارے میں جلد از جلد کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا تھا۔

چند روز پیشتر اس نے میٹنگ کے بعد میز کے نیچے خود ہی ٹرانسمیٹر چھپایا تھا جس کا نہ کوئی ریسیور تھا اور نہ ہی کوئی دوسرا مصرف... بس اس طرح وہ جہانگیر کو اپنے پوشیدہ رویے سے بہت زیادہ خوفزدہ کرنا چاہتا تھا۔

میٹنگ کے بعد اس نے جہانگیر کو فون کر کے خاصا مطعون کیا تھا اور اس پر یہ ظاہر کیا تھا کہ دور ہونے کے باوجود وہ میٹنگ کی پوری کارروائی سے باخبر رہتا ہے۔ اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے اس نے جہانگیر کو پوشیدہ ٹرانسمیٹر کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔

جہانگیر سے گفتگو کے دوران ڈینی نے جس طرح اپنے بارے میں شبہات کا اظہار کیا تھا اس کے پیش نظر اسے پورا یقین تھا کہ جہانگیر فوری طور پر اس سے رابطہ قائم کر کے اسے لعن طعن کرے گا اور آئندہ جیوا ہاؤز کی میٹنگوں میں محتاط رہنے کا مشورہ دے گا لیکن جہانگیر نے اس معاملے میں بالکل ہی چپ سادھ لی تھی۔ گو ان دونوں کی کسی ملاقات کی نوبت نہیں آسکی تھی لیکن دوبار فون پر ضرور گفتگو ہوئی تھی اور جہانگیر نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

اب ڈینی بذاتِ خود اس معاملے کو دیکھنا چاہتا تھا۔

ڈینی کے لیے اپنے ہمدردانہ رویّے کے اظہار کے باوجود جہانگیر دل میں نجانے کیا منصوبہ لیے بیٹھا تھا۔

ڈینی اس کے گھر پہنچا تو جہانگیر نے خوشگوار حیرت سے اس کا استقبال کیا۔

ان دنوں جہانگیر کی بیوی لاہور گئی ہوئی تھی لہٰذا وہ شاید اس مہلت سے پوری طرح فائدہ اٹھا رہا تھا کیونکہ ڈرائنگ روم میں وہ اکیلا نہیں تھا۔

"مجھے علم ہوتا کہ تم مصروف ہو گے تو فون کر کے آتا۔" ڈینی نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کچھ نہیں۔" جہانگیر فضا میں ہاتھ لہرا کر قدرے ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ "یہ بتاؤ کہ اس وقت تمہارا کیسے آنا ہوا؟" ڈینی کے شوخ لہجے نے اس کا موڈ خراب کر دیا تھا۔

"بس کئی دن ہو گئے تھے، سوچا ملتا ہی چلوں۔" ڈینی نے کہا۔

"تم بیٹھو۔ میں ابھی دس منٹ میں آتا ہوں۔" جہانگیر اٹھتے ہوئے بولا۔ اسی کے ساتھ لڑکی نے بھی صوفہ چھوڑ دیا۔

جانے سے پہلے اس نے اپنے ایک ملازم کو آواز دی۔

"دیکھو کون آیا ہوا ہے۔" جہانگیر نے ملازم سے کہا۔ "کیبنٹ سے بوتل اور گلاس وغیرہ لے آؤ، یہ جتنی دیر میں ایک گلاس ختم کرے گا، میں لوٹ آؤں گا۔"

ملازم دانت نکالتا ہوا اندر چلا گیا اور جہانگیر اس لڑکی سمیت نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

جہانگیر وعدے کے مطابق بہت جلدی لوٹ آیا۔

"ہر معاملے میں ٹانگ اڑاتے ہو۔" جہانگیر صوفے میں گرتے ہوئے خوشدلی سے بولا۔ "نئی نئی دوستی میں ذرا سی احتیاط کرنی پڑتی ہے۔"

"ورنہ چڑیا اُڑ جاتی ہے۔" ڈینی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔

"یہی سمجھ لو۔" جہانگیر بولا۔ "ویسے میں کئی دن سے تمہیں ایک بات سمجھانی چاہ رہا تھا۔"

"وہ کیا؟" ڈینی اپنے لبوں کو زبان سے تر کرتے ہوئے بولا۔

"تم بہت زیادہ بولتے ہو۔" جہانگیر نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کم اور سوچ سمجھ کر بولنے والے زیادہ فائدے میں رہتے ہیں۔"

"کیا کہہ دیا میں نے تمہیں؟"

"میں تمہاری بکواس کی پروا نہیں کرتا۔ لیکن یہ انکشاف کر کے تمہیں شاید زیادہ خوشی نہ ہو کہ جیوا ہاؤز کا چپہ چپہ بگڑ ... رہے۔"

"نہیں۔" ڈینی نے بے یقینی کے انداز میں چونکنے کی اداکاری کی۔

"پچھلی میٹنگ میں تم نے جو بے سروپا باتیں چھیڑی تھیں ان کے حوالے سے مجھ سے باز پرس کی گئی ہے۔" جہانگیر نے ... سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"کس نے کی باز پرس؟"

"باس کے علاوہ اور کون کر سکتا ہے؟" جہانگیر ... سوال داغ دیا۔

"لیکن اسے کیا خبر کہ وہاں کیا باتیں ہوئیں؟" ڈینی ... آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ جیوا ہاؤز میں جگہ جگہ خفیہ ... لگے ہوئے ہیں اور وہ ہم سے دور رہ کر بھی ایک ایک لفظ ... رہتا ہے۔"

"میں نہیں مان سکتا۔" ڈینی نے بے یقینی کے ساتھ کہا۔ ... رپورٹ تم خود دیتے ہو اور اب اپنا خلوص جتانے کے لیے ... کی کہانی سنا رہے ہو۔"

"میں خود حیران رہ گیا تھا۔" جہانگیر اپنے لیے گلاس ... کرتے ہوئے بولا۔ "اس نے بعض باتیں لفظ بلفظ دہرائی تھیں ... مجھے تنبیہ کی تھی کہ اس عمارت میں جا بجا بگ نصب ہیں ... عارضی ٹرانسمیٹر تو خود میں نے وہاں سے نکالا ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"ہدایت کے مطابق ضائع کر دیا۔" جہانگیر بولا۔ "آئندہ تمہیں بہت زیادہ محتاط رہنا ہو گا۔"

"بہت زیادہ برہم ہوا ہو گا؟" ڈینی نے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے سوال کیا۔

"بمشکل اسے راضی کر سکا۔" جہانگیر سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔ "ورنہ وہ تو تمہیں سزا دینے پر تُلا ہوا تھا اور اس کی سزا معمولی ہرگز نہ ہوتی۔"

"اس سے تمہاری بات کب ہوئی تھی؟"

"میٹنگ کے بعد۔ وہ تو اس کا سدا کا معمول ہے۔"

"اور تم آج پانچویں دن بعد مجھے بتا رہے ہو۔" ڈینی نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"میں غصے میں تھا۔" جہانگیر نے ایماندارانہ لہجے میں کہا "شاید تم سے ذکر ہی نہ کرتا مگر تفصیل جانے بغیر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آتے۔"

ڈینی اس کی طرف دیکھ کر اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دینے لگا۔

O

جس رات ہیروئن بازار میں پہلی مرتبہ تقسیم کی گئی لوگوں نے زیادہ داموں کی بنا پر اس میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لی مگر اگلے دن بازار میں اسی کا چرچا تھا۔

نشے بازوں کے لیے ہیروئن سنسنی خیز ثابت ہوئی تھی۔ سرور، لذت اور گرد و پیش پھیلے ہوئے دکھوں سے بے خبری کا ایسا قیامت خیز امتزاج پہلے کبھی ان کے تجربے میں نہیں آیا تھا۔

اُن کے آدمیوں کو ہیروئن قیمتاً بازار میں فروخت کرنے کا حکم ملا تھا جس میں قیمت کا تعین ان ہی پر چھوڑ دیا گیا تھا، لگے بندھے اصولوں کے تحت کام کرنے والوں کے لیے یہ چھوٹ بہتی گنگا بن گئی اور بازار کی خستہ حالی میں ہر ایک نے بڑھ چڑھ کر دام کمائے۔

اگلے دن چرس کی بھی ایک بڑی کھیپ شہر میں آگئی۔ مال کی کمی کو سنہری موقع سمجھتے ہوئے کچھ نئے لوگوں نے قدم جمانے کی کوشش کی تھی اور چھوٹے موٹے منشیات فروشوں نے بھی پورے وسائل جمع کر کے مارکیٹ پر قبضہ جمانے کی کوشش کی تھی۔

یہ صورتِ حال کچھ مناسب نہیں تھی لیکن حیرت کی بات تھی کہ چرس بازار میں آجانے کے باوجود بہت سے لوگ ہیروئن کے طلبگار تھے۔

پہلے دن کا کوٹہ خاصی مقدار میں جاری کیا گیا تھا اس لیے دوسرے دن بھی ہیروئن کے نئے پنچھیوں کو مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا لیکن تجربے کار دلالوں اور اڈے کے مالکان نے پہلے ہی ہلے میں بازار کا رُخ بھانپ لیا تھا لہٰذا ہر طرف سے مال کی طلب شروع ہو گئی تھی۔

اس غیر متوقع صورتِ حال سے وہ چاروں ہی بوکھلائے ہوئے تھے۔ جہانگیر سے چینی سے باس کے فون کا منتظر تھا اور تھوڑے تھوڑے وقفوں سے اس بارے میں ڈینی کا دماغ بھی چاٹ چکا تھا لیکن ڈینی احمق نہیں تھا جو اس نازک مرحلے پر اپنے طور پر جہانگیر سے رابطہ قائم کر کے اسے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کا موقع دیتا اسے خود باس کے فون کا انتظار تھا۔

چرس کی سپلائی سے اچانک ہاتھ کھینچ لینے کی بنا پر بازار میں ان کے آدمیوں کی ساکھ خاصی بگڑ گئی تھی مگر انھوں نے یہ امید دلاتے ہوئے بازار سے اپنا رابطہ قائم رکھا کہ جلد ہی وہ 'نیا مال' بازار میں لانے والے ہیں۔ نیا مال کیا ہوگا؟ یہ نہ ان کارندوں کو معلوم تھا اور نہ وہ آگے کچھ بتا سکتے تھے۔

پھر جب ان ہی ذرائع سے ہیروئن بازار میں پھیلی اور تیزی سے مقبول ہوئی تو ان کی ساکھ حیرت ناک طور پر بحال ہوتی نظر آنے لگی جس کا ثبوت خطیر مالیت کے فوری آرڈر تھے۔

ڈینی سخت اضطراب سے دوچار تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس بار وہ وقت پر بازار کی ضروریات نہ پوری کر سکے تو ہمیشہ کے لیے بازار سے باہر ہو جائیں گے۔

ان کی لاکھوں کی ریل پیل کا سارا انحصار ان چھوٹے چھوٹے اڈوں پر تھا جو شہر کی گنجان آبادیوں میں گلی گلی پھیلے ہوئے تھے اور گاہکوں کو دو چار یا دس روپے کا مال فروخت کرتے تھے۔

ان اڈوں میں کوئی باہمی ربط نہیں تھا، خودرو طریقے پر ان علاقوں میں ابھرتے اور پھر چھپتے چلے گئے جہاں مقامی آبادی میں منشیات کی سرپرستی کا ڈھکا چھپا رجحان موجود تھا۔ لاکھوں کے مال کا ہیر پھیر کرنے والوں کے لیے ان خود رو اڈوں کے متوازی اپنی تنظیم قائم کرنا اور اسے اسی قدر کامیابی سے چلانا ناممکنات میں سے تھا۔ دوسری طرف خرابی یہ تھی کہ ایسی کسی کوشش کے نتیجے میں بڑی آسامیوں کے گریبان بآسانی پولیس کی دسترس میں آجاتے لہٰذا نچلی سطح پر سارا لین دین ان ہی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ لوگ شہر میں قائم چند بڑے مراکز سے واقف تھے اور اپنی ضرورت کی جملہ منشیات ان مراکز سے تھوک داموں پر لے آتے تھے اور ان کی خوردہ فروخت سے بھاری 'انتظامی اخراجات' کے علاوہ خطیر منافع بھی کماتے تھے۔

ایکسائز، محکمۂ پولیس یا کسی دوسری ایجنسی کی طرف سے کارروائی ہوتی تو یہی خودرو اڈے نشانہ بنتے اور بڑے لوگوں کا بھرم قائم رہتا۔

ان حالات میں اگر چھوٹے اڈوں کے مالکان مال کی فراہمی میں بے یقینی کی صورتحال کے پیش نظر کسی مال یا پارٹی سے متنفر ہو جاتے تو اس کے لیے مقامی بازار میں اپنا وجود برقرار رکھنا دشوار ہو جاتا تھا اس خدشے کے پیش نظر ڈینی پریشان تھا۔

اس کا باس ہیروئن بازار میں لے آنے کا حکم دینے کے بعد سے غائب تھا۔ پچھلا دن اس سے کسی رابطے کے بغیر گزرا تھا

اور وہ دوسرا دن تھا۔
مجبوری یہ تھی کہ ڈینی کو نہ اس کے کسی ٹھکانے کا علم تھا اور نہ وہ اس کی شخصیت سے واقف تھا جو اپنے طور پر اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتا۔
آخر شام کے چھ بجے فون کی گھنٹی بجی اور ڈینی نے جھپٹ کر ریسیور اٹھالیا۔
"تجربہ کامیاب رہا ہے۔" دوسری طرف سے وہی جانی پہچانی بھاری اور غنودہ آواز سنائی دی۔
"خدا کا شکر ہے سر!" ڈینی نے اطمینان کا گہرا سانس لے کر کہا۔ "ہم بوکھلائے ہوئے ہیں۔ شہر میں لوگ فوراً مال چاہتے ہیں۔"
"پچھلی بار کھلی چھوٹ تھی، اب ہم اپنے دام لیں گے۔"
"پہلی ڈلیوری کے ساتھ ہی اگلے دام بتا دیے گئے تھے پارٹیاں اس پر آمادہ ہیں بلکہ رقوم پیشگی دینے کو تیار ہیں۔"
"سیدھے گلشن اقبال چلے آؤ۔" خلاف معمول پہلی بار اسے کہیں پہنچنے کا حکم دیا گیا "وہ حسن اسکوائر دیکھا ہوا ہے تمہارا؟"
"لیس سر!"
"اس بار طریقۂ کار میں تبدیلیاں کی گئی ہیں.... تم ٹیکسی سے ہٹ کر جو راہ عبور کرتے ہی بائیں ہاتھ پر فلیٹوں کی طرف گھومنے والی سڑک کے کنارے اناسی کے ماڈل کی سرخ کرولا کھڑی ہوگی ڈرائیونگ سیٹ والا تمہارے بلیک گولڈ گنے پر گہرے ہاؤنڈز کا حوالہ دے گا، باقی باتیں وہی سمجھائے گا۔"
"کار کا نمبر کیا ہوگا سر؟" ڈینی نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔
"اسے بھول جاؤ، وہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" خشک لہجے میں کہا گیا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔
ڈینی ریسیور کو ہاتھ میں لیے چند ثانیوں تک یوں گھورتا رہا جیسے اس میں سے کسی کے نکل پڑنے کی توقع ہو پھر اسے آہستگی سے کریڈل پر ڈال دیا۔
وہ ایک پیر کرسی پر رکھ کر ہولے ہولے اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔
اس سے پیشتر باس سارے احکام اس کو اسی انداز میں دیا کرتا تھا جیسے وہ سب ڈینی کو خود کرنا ہو مگر برسوں پہلے طے شدہ طریقۂ کار کے تحت ڈینی غراتی ہوئی مخصوص آواز میں وہ ہدایات جہانگیر کو سنا کر مطمئن ہو جاتا تھا۔
مگر اس بار وہ کیا کرے؟
احکام پہلے کی طرح دیے گئے تھے، طریقۂ کار میں تبدیلیوں کا بھی ذکر تھا مگر وہ یہ پوچھنا بھول گیا تھا کہ وہ ہدایات اسے جہانگیر تک پہنچانی تھیں یا خود ہی حسن اسکوائر کی طرف دوڑ لگانی تھی۔

وہ کئی منٹ تک سوچتا رہا پھر اسی نتیجے پر پہنچا کہ اسے شک کا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ بدلے ہوئے حالات میں اگر وہ جہانگیر کو آگے کر دیتا تو شاید حقیقی معنوں میں اس کا ماتحت ہو کر رہ جاتا کیونکہ جہانگیر اسے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات کی ہوا بھی نہ لگنے دیتا اور پھر جہانگیر کے نئے طریقۂ کار سے متعارف ہونے کے بعد باس بھی یہ سوچ سکتا تھا کہ درمیان میں ڈینی کا رابطہ کیوں برقرار رکھا جائے جب کہ پچھلے برسوں میں اس دوہرے نظام کی افادیت کبھی سامنے نہیں آئی تھی۔
ڈینی یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ حتی الامکان اندرونی داؤ پیچ سے واقف رہنا چاہتا تھا تاکہ برسوں کے خواب کی تکمیل کے راستے کی تلاش جاری رکھ سکے۔
اس نے کپڑے تبدیل کیے اور جوتے پہن کر گھر سے نکل آیا۔ گھر میں ایک بوڑھی ملازمہ اور خانساماں کے علاوہ صرف چوکیدار ہی تھا۔ ان تینوں نے اسے پیدل جاتے ہوئے بہت حیرت سے دیکھا کیونکہ وہ پہل قدمی تک کا عادی نہیں تھا۔
شہر کے اس پرسکون علاقے کی آبادی آسودہ حالوں پر مشتمل تھی اس لیے قرب و جوار کی ذیلی سڑکوں پر کسی ٹیکسی کے ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہاں سے حسن اسکوائر تک کا فاصلہ چند منٹ کا تھا اس لیے وہ ٹہلتا ہوا کشمیر روڈ کی طرف بڑھ گیا۔
ٹیکسی ملنے کے چند منٹ بعد وہ حسن اسکوائر پر اتر چکا تھا۔
اس نے دور چوراہے سے ہی اس کار کا دھندلا سا خاکہ دیکھ لیا تھا جو طے شدہ مقام پر موجود تھی مگر براہ راست ادھر جانے کے بجائے ڈینی پان والے کے کیبن کی طرف ہو لیا۔
سگریٹ کا نیا پیکٹ خرید کر وہ آگے بڑھا تو پارک کی ہوئی گاڑیوں کے درمیان کرسیاں ڈالے تین مسلح سپاہی نظر آئے جو فرصت کے چند خوشگوار لمحوں کی تلاش میں آنے ہوئے جوڑوں کی قانونی نگرانی پر مامور رہتے ہوئے غیر قانونی طور پر اپنی نگاہیں سینک رہے تھے۔
ڈینی اور آگے بڑھا تو اس کی آنکھوں پر پڑنے والی روشنیوں کا انعکاس پیچھے رہ گیا۔ اس نے اندھیرے میں ایک کنارے سے کھڑی ہوئی کار کے خدوخال پہچان لیے، وہ یقیناً اناسی کی کرولا تھی۔
ڈینی بلا جھجک آگے بڑھتا چلا گیا۔ سرخ رنگ کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد رکنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔
اناسی کی اس سرخ کرولا کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک قوی الجثہ شخص براجمان تھا۔ ڈینی اس کے قریب پہنچ کر کھلی ہوئی کھڑکی پر جھکا اور اس شخص نے مشینی انداز میں "گہرے ہاؤنڈز" کہہ کر کار کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔

سامنے سے آکر اسی سمت میں مڑنے والی ایک کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ڈینی نے دیکھا کہ کرولا والا خطرناک چہرے کا مالک تھا۔

وہ گھوم کر ڈرائیور کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا اور کار چند گز بڑھنے کے بعد یونیورسٹی روڈ پر مڑ گئی۔

ریلوے لائن عبور کرنے کے بعد کار داہنی طرف گھوم گئی خطرناک صورت والے کی تمام تر توجہ سڑک پر مرکوز تھی اور ڈینی اپنی طرف سے گفتگو میں پہل نہیں کرنا چاہتا تھا کہ مبادا اس کی کوئی حرکت خطرناک صورت والے کے ذریعے باس کے علم میں آکر اس کی ناپسندیدگی کا باعث بنے۔

کار تیزی سے دائیں بائیں گھومتی رہی پھر ایک ایسے مکان کے سامنے رک گئی جو آبادی میں ہونے کے باوجود الگ تھلگ نظر آ رہا تھا۔

چار سو گز کے مکانات کی آخری قطار میں وہ سرے کا مکان تھا جس کے ایک طرف نیم پختہ سڑک تھی اور سامنے وسیع میدان پھیلا ہوا تھا جس کے ایک حصے میں تاریکی کے باوجود، تاروں کی چھاؤں میں جھاڑیوں کے ہیولے نظر آ رہے تھے۔ باقی حصہ شاید علاقے کے بے فکرے نوجوانوں نے صاف کر کے کھیلنے کے قابل بنا لیا تھا لیکن ڈینی کے لیے اس میدان سے زیادہ وہ مکان اہم تھا۔

ڈینی عرصۂ دراز سے اپنے گمنام باس کے لیے کام کر رہا تھا لیکن اس کے نام و نشان تک سے بے خبر تھا۔ وہ مکان کوئی پہلا ٹھکانا تھا جو باس کے حوالے سے اس کی نگاہوں میں آیا تھا۔

خطرناک صورت آدمی نے گاڑی سے اتر کر دروازہ لاک کر دیا، ڈینی نے بھی اس کی تقلید کی پھر پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھل گئی۔ اس میں سے ایک استخوانی چہرہ نمودار ہوا اور فوراً ہی غائب ہو گیا۔ وہ دونوں اس کھڑکی نما دروازے سے جھک کر گزر گئے۔

اندر ڈرائنگ روم میں مخالف سمت کے اندرونی دروازے سے تقریباً ان کے ساتھ ہی ایک حسین لیکن پختہ عمر کی عورت نمودار ہوئی اس کے چہرے پر ہلکی سی حیرت نمایاں تھی۔

"آج بغیر اطلاع کیسے آنا ہوا؟" عورت نے جس لب و لہجے میں خطرناک صورت والے سے سوال کیا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان دونوں کے مراسم خصوصی نوعیت کے حامل تھے۔

"ذرا ایک کام سے آیا ہوں۔" خطرناک صورت والا بولا۔ تو اس کی آواز سن کر ڈینی کو مایوسی ہوئی حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کا پراسرار باس کسی بھی مرحلے پر اتنا غیر محتاط نہیں ہو سکتا کہ براہِ راست اس کے سامنے آ جائے۔

"تم اندر جاؤ اور ہو سکے تو ایک پیالی چائے پلوا دو۔" خطرناک صورت والا اس سے کہتے ہوئے ایک صوفے پر اس طرح بیٹھ گیا کہ بیک وقت ڈرائنگ روم کے دونوں دروازے اس کی نگاہ میں رہیں۔

عورت کے اندر چلے جانے کے بعد ڈینی بھی بیٹھ گیا۔ چند سیکنڈ کے لیے سکوت رہا پھر خطرناک صورت والا ڈینی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "ان دنوں ٹیلیفون بہت زیادہ مخدوش ہو گیا ہے۔ بات کرتے کرتے درمیان میں کوئی اور لائن مل جاتی ہے اس طرح اہم گفتگو کسی غیر متعلق آدمی تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ اس لیے فوری طور پر فون کا استعمال ترک کر دیا گیا ہے۔"

"مجھے خود بھی پچھلے دنوں ایسا تجربہ ہو چکا ہے۔" ڈینی بولا۔ "درمیان میں آنے والا اگر دخل اندازی کے بجائے خاموش رہے تو ساری گفتگو لفظ بلفظ سن سکتا ہے۔"

"یہ کوئی عارضی خرابی نہیں ہے۔" خطرناک صورت والا اسے بتانے لگا۔ "پچھلے دنوں لائنوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ شہر بھر میں کھدائیاں ہو رہی ہیں، ساری لائنیں گڈمڈ ہو کر رہ گئی ہیں۔ یہ خرابی دور ہونے کے بجائے دن بدن بڑھتی ہی جائے گی۔"

"تو پھر رابطے کا ذریعہ کیا ہو گا؟"

"ٹرانسمیٹر۔" خطرناک صورت والے نے یہ کہتے ہوئے جیکٹ کی اندرونی جیب سے ایک مختصر سا جیبی ٹرانسمیٹر نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

ڈینی نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"پہلے کبھی استعمال کیا ہے؟" اس نے سوال کیا اور ڈینی نے صاف دلی سے اس معاملے میں اپنی لاعلمی کا اعتراف کر لیا۔

"سرخ بٹن دبانے سے یہ آن ہو جاتا ہے اور دوسری طرف سے آنے والا پیغام براہ راست سنا جا سکتا ہے۔" وہ ڈینی کو بتانے لگا۔ "دندانے دار ناب کو گھما کر آواز میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے دوسری طرف کا پیغام مکمل ہونے کے بعد سیاہ بٹن دبا کر جواب نشر کیا جا سکتا ہے۔"

"یعنی سیاہ بٹن دبانے کے بعد ہی یہ ٹرانسمیٹر بنتا ہے۔ ورنہ ریسیور رہتا ہے؟"

"تم بالکل ٹھیک سمجھے۔" خطرناک صورت والا تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ "ایسے لاسلکی آلات یکطرفہ کام کرتے ہیں اگر دونوں بیک وقت بولنا شروع کر دیں تو کوئی بھی دوسرے کی آواز نہ سن سکے گا۔ اس پر گفتگو کے لیے تمہارا شناختی کوڈ ڈی ون ہو گا۔"

"اس پر میں کس سے رابطہ قائم کر سکوں گا؟"

اس کا منہ بن گیا۔ "یہ مجھے نہیں معلوم جس جس کے پاس ایسا ٹرانسمیٹر ہو گا، اس سے تم بات کر سکو گے کیونکہ یہ صرف ایک مخصوص

فزی کونسی پر کام کرتا ہے۔"
ڈینی خاموش رہا۔

کیسا عجیب اتفاق تھا کہ چند روز قبل اس نے جہانگیر کو مرعوب کرنے کے لیے جیوا ہاؤز میں ایک ٹرانسمیٹر چھپایا تھا اور غالباً اسی وقت اس کا باس ترقی یافتہ مواصلاتی رابطے کو اپنانے کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن ڈینی اس شخص پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ ٹرانسمیٹر وغیرہ سے مانوس ہے۔

"آج رات کے لیے پچھلے انتظامات برقرار رہیں گے پھر تم لاتعلق ہو جاؤ گے۔"

"کس سے؟" ڈینی نے حیرت سے پوچھا۔

"سوالات مت کرو۔" وہ شخص چڑ گیا۔" جتنا مجھے بتایا گیا ہے وہی دہرا رہا ہوں۔ پچھلے انتظامات کیا تھے؟ یہ تمھیں معلوم ہونا چاہیے لاتعلقی کس سے اختیار کرنی ہے، یہ تمھیں خود سمجھ لینا چاہیے۔ آئندہ تم ہدایت ملے بغیر اس مکان کا رُخ نہیں کرو گے، یہاں تمھیں ایک خاص مقصد سے لایا گیا ہے۔"

اسی وقت عورت چائے کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہوئی اور وہ خاموش ہو گیا۔

وہ عورت اس قدر موقع شناس تھی کہ ٹرے میں صرف دو پیالیاں لائی تھی اور ٹرے تپائی پر رکھنے کے بعد فوراً واپس چلی گئی۔

"نام کیا ہے تمھارا؟" چائے نوشی کے دوران میں غیرارادی طور پر ڈینی سوال کر بیٹھا اور جواب ملنے سے قبل ہی اسے خود بخود اپنی حماقت کا احساس ہو گیا مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ خطرناک صورت والا اسے خشمناک نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"غیرضروری سوالات کے بجائے اپنے کام سے کام رکھو۔" وہ غرایا۔" آئندہ اتفاقاً کہیں ٹکرا بھی گئے تو انجان بن کر قریب سے گزر جانا۔"

ڈینی سر کو خفیف سی جنبش دے کر رہ گیا۔ اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتا تھا؟

چائے پینے کے بعد وہ شخص ڈینی کو ایک اندرونی کمرے میں لے گیا جہاں ایک دیوار کے سہارے بڑی سی لکھنے کی میز پڑی ہوئی تھی اور دو بڑی دیوارگیر الماریوں میں کھسکنے والے شیشوں کے پیچھے ضخیم کتابیں ترتیب سے سجی ہوئی تھیں۔

اس شخص نے میز کی دراز سے انک پیڈ اور ایک سفید کاغذ نکالا اور کاغذ کو میز کی ہموار سطح پر پھیلا کر رومال سے صاف کرنے لگا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اپنا کام کرتے کرتے اس نے ڈینی سے کہا اور وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

اگلے ہی لمحے اس نے اسی دراز سے گتے کی ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکالی اور اس میں سے تہہ ہو جانے والا پری فوکسڈ کمپاؤنڈ لینس نکال کر کھول لیا جو عموماً جوہری ہیرے اور دیگر قیمتی پتھروں کی تراش کے مشاہدے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

اس لینس کو کاغذ کے مختلف حصوں پر کھسکا کر اس سے آنکھ لگائے وہ کاغذ کی سطح کا جائزہ لیتا رہا پھر مایوسانہ انداز میں کاغذ کو مروڑ کر ایک طرف پھینک دیا۔ دراز سے برآمد ہونے والے دوسرے کاغذ کا بھی یہی حشر ہوا۔ آخر اس نے دراز کرید کر آرٹ پیپر کا ایک ٹکڑا برآمد کیا اور اس کو باریک بینی سے جانچنے لگا۔

ڈینی اس وقت خود کو پرلے درجے کا احمق سمجھ رہا تھا۔ اس شخص نے ڈینی کو یوں نظرانداز کیا ہوا تھا جیسے اسے اپنے ساتھ وہاں لا کر وہ یکسر فراموش کر بیٹھا ہو۔

اس دوران میں اس کی حرکات و سکنات سے ڈینی اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ مکان اس حد تک اس شخص کا دیکھا بھالا تھا کہ وہ اس اندرونی کمرے کی رائٹنگ ٹیبل کی درازوں میں موجود رہنے والی چیزوں تک سے واقف تھا۔

"گڈ۔ اب آجاؤ تم۔" چند ثانیوں بعد خطرناک صورت والا اس کی طرف مڑا۔

ڈینی اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اسے بھی عدسے کے ذریعے کاغذ کی چکنی سطح پر کوئی نادیدہ تحریر پڑھنے کی دعوت دی جائے گی لیکن اس نے کالی سیاہی والا انک پیڈ ڈھکن ہٹا کر ڈینی کی طرف کھسکا دیا۔

"اس کاغذ پر اپنا انگوٹھا لگا دو۔" خطرناک صورت والا کہہ رہا تھا۔" ذرا پیڈ سے اچھی طرح سیاہی لینا مجھے بالکل بے داغ اور مکمل نشان چاہیے۔"

اس نادرشاہی حکم پر ڈینی جھلا گیا۔ اتنی چھان بین کے بعد ایک سادہ کاغذ پر اس کے انگوٹھے کا نشان لینے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟

"اگر کوئی تحریر درکار ہے تو میں دستخط بھی کر سکتا ہوں۔" ڈینی نے اپنی کھوپڑی کو قابو میں رکھتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

"یہ میں بھی جانتا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔" اس نشان سے مجھے ایک صاف ستھری اور شارپ تصویر بنانی ہے۔"

ڈینی نے داہنے انگوٹھے کو انک پیڈ کی نرم اور نم سطح پر دبانے کے بعد انگوٹھے کا نشان سفید کاغذ پر منتقل کر دیا۔

خطرناک صورت والے نے عدسے سے اس نشان کا جائزہ لیا پھر بال پوائنٹ قلم سے نشان کے گرد دائرہ بنا کر باقی ماندہ کاغذ پر بے مقصد آڑی ترچھی لکیریں بنا دیں۔

"اب تو مطمئن ہو کہ یہ کاغذ کسی غلط مقصد کے لیے استعمال نہیں ہو سکے گا؟"

"مطمئن پہلے بھی تھا۔" ڈینی بولا "بس یہ غلط فہمی ہوگئی تھی
م شاید مجھے جاہل مطلق سمجھ رہے ہو۔ اس لیے زبان کھولی تھی۔"
"اب تم میری گاڑی لے جاؤ۔" خطرناک صورت والے نے
ب سے چابی نکال کر ڈینی کی طرف بڑھا دی "کسی محفوظ مقام پر
ی نشست اور پشت گاہ کو ہٹا کر دیکھ لینا۔"
"کیا ہے اس میں؟" اضطراری طور پر پھر ایک سوال ڈینی کی
ن سے بہہ نکلا۔
"میں خود لاعلم ہوں۔" اس بار خطرناک صورت والا پرسکون
تھا۔
وہ ڈینی کو پھاٹک تک چھوڑنے آیا۔
کشادہ اور سنسان سڑک پر آہستہ رفتار سے کار چلاتے ہوئے
ی کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ مولو فریکوئنسی ٹرانسمیٹر ملنے کے
ے محسوس ہو رہا تھا جیسے تنظیم میں اس کا درجہ بڑھا دیا گیا ہو۔
رقی کے اس احساس کے باوجود سب کچھ پہلے جیسا تھا۔
اسے ترقی کی خبر شاید ایک معمولی آدمی کے ذریعے دی گئی
جیسے اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں تھا۔ جتنا بتایا گیا تھا، سربراہ تو
اس کے سائے سے بھی وہ اب تک لاعلم تھا۔ کسی معمولی مجرم کی
ح اس کے انگوٹھے کا نشان لیا گیا تھا اور وہ اچھی طرح جانتا تھا
ں کی شناخت کے لیے اس کی دس میں سے ایک انگلی کا نشان
کافی ہوتا ہے۔
اسے لاتعلق ہونے کا مبہم سا حکم ملا تھا۔ مگر کس سے؟
اس باس کی ماتحتی میں تو اس کا تعلق بس اپنے تین ساتھیوں
سے تھا یا پھر بازار کے دو دلال اس سے مال لے جاتے تھے۔
جتنا سوچ رہا یہی خیال مستحکم ہوتا چلا گیا کہ اسے رات گزارنے کے
جہانگیر، طارق اور نادر سے کنارہ کر لینا چاہیے۔
اس کا مطلب ہے کہ اسے کوئی نئی ذمے داری سونپی جانے
الی تھی، ایسی صورت میں شاید مقامی دھندا براہ راست جہانگیر کی
یل میں دے دیا جاتا۔
یہ خیال آتے ہی وہ چونک پڑا۔ اب تک جہانگیر اور باس
درمیان وہ رابطے کا کام سرانجام دیتا رہا تھا اور اپنی شخصیت کو
پردہ رکھتے ہوئے متعدد مواقع پر جہانگیر کو غیر ضروری لعن طعن
ر چکا تھا۔ بلکہ اپنے مستقبل کے خوابوں کی تکمیل کی امید میں اس نے
انگیر کو اسی طرح اپنی آواز کا قیدی بنانا چاہا تھا جس طرح وہ خود
ں کی غنودہ آواز کا اسیر تھا۔ اس کوشش میں وہ اس حد تک چلا
تھا کہ جیوا ہاؤز میں ٹرانسمیٹر چھپا کر خود ہی جہانگیر پر اس کا انکشاف
ی کر دیا تھا۔ اس کی یہ حرکات باس کے احکام سے بالا تھیں۔ اگر
انگیر براہ راست باس کا ماتحت ہو جاتا تو خدشہ تھا کہ کسی وقت
ڈینی کی ان حرکات کا راز فاش ہو جاتا اور وہ لاکھ حیلہ جوئی کرتا۔ باس
کی نگاہوں میں اپنا برسوں کا بنا بنایا بھرم کھو بیٹھتا۔
پھر اچانک ایک ہولناک خیال نے اس کے ذہن میں سر
ابھارا اور وہ جھرجھری لے کر رہ گیا۔
کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ باس کو کسی طرح جیوا ہاؤز والے
ڈرامے کی خبر مل گئی ہو اور اس نے کسی سزا سے پہلے اپنی آگاہی کی
علامت کے طور پر وہ ٹرانسمیٹر اس تک پہنچایا ہو جو خطرناک صورت
والے نے اسے دیا تھا۔
اس کے چہرے کے عضلات تن گئے اور زبان میں اینٹھن
ہونے لگی۔ وہ لاکھ بے خوف اور بلند حوصلہ سہی لیکن جانتا تھا کہ نادیدہ
دشمن سے مقابلے میں کوئی صلاحیت کام نہیں آتی۔ اندھیرے میں کہیں
سے بھی چلائی گئی ایک سچی گولی ہر بے جگر اور عالی حوصلہ کے سینے میں
ایک بھیانک غار بنا سکتی تھی۔
غیر ارادی طور پر ایکسلیریٹر پر اس کے پاؤں کا دباؤ بڑھ گیا۔
عقبی نشست اور پشت گاہ میں چھپے ہوئے مال کے بارے
میں اسے یقین تھا کہ وہ ہیروئن ہوگی۔ کیا بدلا ہوا طریق کار یہی تھا
کہ وہ چارے کے طور پر کام شروع کر دے۔ کسی غیر معروف آدمی
کے بجائے مقررہ ٹھکانوں سے پیکٹ جہانگیر تک پہنچاتا رہے۔
اگر بدلا ہوا طریقۂ کار یہی تھا تو یہ ترقی کے بجائے تنزلی تھی۔
وہ الجھ کر رہ گیا تھا۔ جتنا سوچ رہا تھا، آخری خیال ہی
قرین قیاس معلوم ہوتا تھا۔ وہ ٹرانسمیٹر کسی سزا سے پہلے علامتی تنبیہ
تھی اور یہ بھی سزا ہی تھی کہ اسے تنظیم اور فروخت کے اہم شعبے سے
ہٹا کر محض مال ڈھونے پر لگا دیا گیا تھا۔
اس نے اپنی کار جیوا ہاؤز کے راستے پر ڈال دی۔
شہر میں اس کے لیے وہی ایسا محفوظ ترین ٹھکانا تھا جہاں
وہ عقبی نشست اور پشت گاہ میں چھپے ہوئے مال کا جائزہ لے
سکتا تھا اور ٹرانسمیٹر پر باس یا کسی اور سے رابطے کی کوشش بھی کر
سکتا تھا تا کہ ذہن پر چھایا ہوا بوجھ ہلکا کر سکے۔

جیوا ہاؤز ایک خاصی پرانی عمارت تھی جو ایک وسیع خطۂ
زمین پر تعمیر تھی۔ اس کے سامنے کم از کم ایک ہزار مربع فٹ پر پھیلا
ہوا سرسبز لان تھا جس میں دیواروں کے سہارے رنگ برنگے
موسمی پھولوں کے تختے اگے ہوئے تھے۔ دونوں پہلوؤں پر احاطے
کی دیواروں کے ساتھ ناریل اور آم کے بلند و بالا درخت اگے ہوئے
تھے جن پر موسم میں کثرت سے پھل آتے تھے۔
ابتدا میں ان کا کام محدود تھا۔ للذا بغیر کسی ٹھکانے کے
چلتا رہا مگر جب کام بڑھا اور وہ کو اپڑزادر کھویوں سے اپنے

مکانات میں منتقل ہوئے تو اپنی سرگرمیوں کو پوشیدہ رکھنے کے لیے انھیں شدت سے کسی خفیہ اور محفوظ ٹھکانے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

اس ضرورت کے اظہار پر پاس نے خود ہی جیوا ہاؤز کی نشاندہی کی تھی۔ وہ عمارت کلفٹن کے ایک ایسے علاقے میں واقع تھی جہاں شاید ہی کوئی رہائشی پلاٹ خالی رہا ہو مگر تعمیرات کے اس ہجوم میں وہاں بنا ہوا ہر مکان ایک تنہا اکائی کی طرح نظر آتا تھا۔

علاقے کے مکینوں کی مصروفیات بھی اس قدر ہمہ گیر اور ان کی ذات کے خول میں سمٹی ہوئی تھیں کہ آپس میں کوئی معاشرتی رابطہ نہیں تھا۔ لے دے کے ملازمین ہی اپنے کاموں سے فراغت پانے کے بعد کسی درخت کے سائے میں مل بیٹھتے تھے اور ان کے درمیان اپنے مالکان کی سرگرمیوں کے بارے میں پُرجوش لیکن رازدارانہ تبادلۂ خیال کا سلسلہ چھڑ جاتا تھا۔

ان دنوں وہ تینوں جائدادوں کی خرید و فروخت کا کاروبار ترک کر چکے تھے۔ البتہ طارق بدستور وقت گزاری کے لیے اس کام سے چمٹا ہوا تھا اس وجہ سے جیوا ہاؤز کو کرائے پر حاصل کرنے کی ذمے داری اسی کے سر ڈال دی گئی۔

چھان بین سے پتا چلا کہ وہ عمارت سندھ کے ایک معزز زمیندار گھرانے کی ملکیت تھی جس کے نوجوان آبائی پیشے کو اختیار کرنے کے بجائے یکے بعد دیگرے ترکِ وطن کر کے امریکہ میں جا بسے تھے اور وہاں خاصی اچھی زندگی گزار رہے تھے۔ جیوا ہاؤز پر مستقل تالا پڑا رہتا تھا۔ سال میں ایک آدھ بار گاؤں سے کوئی شہر آتا تو چند دنوں کے لیے اس کا تھوڑا سا حصہ آباد ہو جاتا پھر وہی ویرانی اور اداسی چھا جاتی۔

ایسے میں طارق نے جیوا ہاؤز کے عمر رسیدہ قانونی مالک کا کھوج نکال کر اسے دو ہزار روپے ماہانہ کرائے کی پیشکش کی تو وہ بخوشی قبول کر لی گئی۔

بوڑھے زمیندار کا خیال تھا کہ عمارتیں آباد ہی اچھی رہتی ہیں ان کے در و دیوار پر انسانی ہاتھ لگتے رہیں تو عمارت کا حسن برقرار رہتا ہے۔

اور ہوا بھی یہی۔ ابتدا میں جیوا ہاؤز میں صرف ایک ملازم رکھا گیا جو کل وقتی چوکیدار کے ساتھ وہاں کا مالی بھی تھا۔ چند ہی ہفتوں میں جیوا ہاؤز کا زرد اور خزاں رسیدہ لان بہاروں کے رنگ بکھیرنے لگا۔ تیز ہوا کے ساتھ پختہ روشوں پر خزاں کے نوحے گنگنانے والے خشک پتے بھی مفقود ہو گئے اور محض ایک آدمی کے قدموں کی برکت سے اس ویران عمارت میں جا بجا زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔

مال پہنچانے والے جیوا ہاؤز نہ ہی پہنچتے تھے اور جہانگیر وہاں

ان سے نیا مال وصول کر کے پرانی کھیپ کی رقم ایک سیل بند لفافے میں انھیں دے دیتا تھا مگر جب چرس کے بازار میں تیزی ہوئی تو ان کے پاس بڑی کھیپیں آنے لگیں۔ ایک لاٹ کئی دن کے لیے کافی ہوتی اور یہ ذخیرہ جیوا ہاؤز ہی میں محفوظ کیا جانے لگا۔

وہ چاروں وہاں آتے جاتے رہتے تھے مگر مالی ہر وقت وہیں رہتا تھا۔ اسی دوران میں جیوا ہاؤز میں چوری ہو گئی۔

عمارت اتنے بڑے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی کہ اکیلے آدمی کے لیے اس کی چوکیداری ناممکن تھی۔ مالی اپنے عقبی کوارٹر میں رہا اور چور اگلے حصے کی ایک کھڑکی سے اندر گھس کر قیمتی کیسٹ پلیئر، ٹیلی وژن، قیمتی غیر ملکی شراب کی بہت سی بوتلیں اور دیگر آرائشی اشیا نکال لے گئے۔

وہ لوگ رپورٹ کرتے تو پولیس کے سوال جواب میں اپنے رازوں کی پردہ دری کا خوف تھا، خاموش رہتے تو چوروں کی حوصلہ افزائی ہوتی۔

وہ تو غنیمت ہوا کہ چور گیراج کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ چوری والی رات بھی وہاں تین من سے زائد چرس موجود تھی جو ان کی سرگرمیوں کے راز فاش کرنے کے لیے کافی تھی۔

عمارت ایک فرضی نام سے حاصل کی گئی تھی، جہانگیر نے اسی نام سے رپورٹ درج کرا دی۔ وہ معاملہ ان کی توقع سے [illegible] سیدھا ثابت ہوا۔

علاقے کی اہمیت کے پیشِ نظر پولیس کی مستعدی تھی یا ان کی خوش نصیبی کہ اگلے ہی دن دو چور گرفتار کر لیے گئے جو اسی علاقے کے چوکیدار ثابت ہوئے۔ تھانے میں مار پڑی تو انھوں نے ہوکا [illegible] کر سب کچھ اُگل دیا اور سارا مال برآمد کر لیا گیا۔

مگر وہ لوگ ہوشیار ہو گئے تھے، انھیں مکان [illegible] اشیا سے زیادہ فکر اپنے اسبابِ تجارت کی طرف سے لاحق تھی۔ باہمی مشورے سے فوری طور پر دو بدنام غنڈوں کو تنخواہ [illegible] بنا لیا گیا اور وہ اپنے غیر قانونی اسلحے سے لیس جیوا ہاؤز میں [illegible] گئے ان کا کام دن رات جیوا ہاؤز کی حفاظت کرنا تھا۔

بعد میں جہانگیر کو پتا چلا کہ چوروں کی گرفتاری پولیس کی مستعدی سے زیادہ چوری کی شراب کی مرہونِ منت تھی [illegible] تو وہ شوقین چور خود بھی اپنی جسارت پر سہمے رہے پھر [illegible] دھکا دیا تو شراب پر منہ مار بیٹھے۔

وہ اپنے مالکان کے گھروں سے پھینکی جانے والی خالی بوتلوں کو ہمیشہ اشتیاق کی نگاہوں سے دیکھتے رہے تھے۔ دو چار بوتلیں انھوں نے پاک کر کے اپنے مصرف میں بھی لی تھیں مگر بھری ہوئی مہر بند بوتلیں دیکھنے کا وہ پہلا موقع تھا۔ لہٰذا ایک کو [illegible]

زہ بند کر کے انھوں نے بوتل کھول لی۔
ان کی دس پشتوں میں بھی کسی نے شراب نہیں چکھی تھی مگر موں وغیرہ میں لال پری کا جادو دیکھتے رہے تھے۔ جو سر ے کر بولتا تھا۔ پینے کا سلیقہ انھیں خاک نہیں تھا بس گلاسوں انڈیل کر کچھ ملائے بغیر چڑھانے لگے اور آناً فاناً میں پوری بوتل چوس گئے۔
اتنی شراب تو کسی ہاتھی کو بھی دیوانہ کر دینے کے لیے ہوتی۔ وہ بے چارے کس گنتی میں تھے، بس آپس میں لڑ پڑے لڑتے لڑتے کوٹھری کا دروازہ توڑ کر باہر آ گئے۔
مالک مکان کے سکون میں خلل پڑا تو باہر آیا اور دور ہی ان لڑتے ہوئے درندوں کو پھٹکارنے لگا جو جھوم جھوم کر ایک رے کے سائے پر جھپٹ رہے تھے۔ جب ان پر ڈانٹ پھٹکار نداز نہ ہوئی تو آگے بڑھا۔ آدمی تجربے کار تھا۔ ان کے چڑھتے ئے سانسوں کے بھبکے سے معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا اور گھر کے زے سے بند کر کے تھانے فون کر دیا۔
پولیس آئی اور انھیں لے گئی۔ ٹھنڈے پانی کی بالٹیوں کے ضربید برسنے شروع ہوئے تو ان کا سارا نشہ ہرن ہو گیا اور رافات کا دفتر کھل گیا۔
اس کے بعد جیوا ہاؤز میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا۔ لوگ کسی دخل اندازی کے بغیر اسے مسلسل استعمال کرتے آ رہے ۔ محافظوں نے ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھا تھا۔ ان لوگوں کی میوں کے بارے میں کسی تجسس کا مظاہرہ نہیں کیا تھا مگر وہ بُرے ے تھے اور اتنا اندازہ بآسانی لگا سکتے تھے کہ وہ چاروں اس عمارت س مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔
ڈینی وہاں پہنچا تو گہری فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔
کار کا ہارن سن کر چوکیدار نے پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھولا سرخ رنگ کی کار دیکھ کر چونک پڑا کیونکہ وہ اس کے لیے ن پہچانی نہیں تھی۔
"پھاٹک کھولو صلاح الدین!" ڈینی نے اسے متذبذب انداز ں کار کی طرف آتے دیکھ کر اونچی آواز میں کہا ساتھ ہی ہیڈ لیمپس کر دیے تاکہ سامنے کی تیز چمک ختم ہونے کے بعد چوکیدار ونڈ بلڈ کے پیچھے اسے پہچان سکے۔
یہی ہوا اور پھاٹک کھول دیا گیا۔ پھاٹک کھلتے ہی اندر سے دنوں مسلح آدمی اپنے مخصوص انداز میں جیبوں میں ہاتھ ڈالے برآمدے سا آ چکے تھے۔
ڈینی گاڑی پورچ میں لے جانے کے بجائے عمارت کی بغل ں واقع پختہ روش پر لیتا چلا گیا جس کے اختتام پر عقبی دیوار کے ساتھ گیراج بنا ہوا تھا۔ کار وہاں بند کر کے وہ نیچے اتر آیا اور واپس پورچ کی طرف چل دیا۔
دونوں محافظوں نے اسے سلام کیا اور وہ سر کی جنبش سے جواب دیتا ہوا بولا: "ذرا گاڑی کا خیال رکھنا، جتنی دیر میں اندر ہوں تم باہر ہی رہنا۔"
یہ کہہ کر وہ تیزی سے عمارت میں گھستا چلا گیا۔ گلشنِ اقبال والے شخص سے ملاقات کے بعد وہ بہت زیادہ پراگندہ ہو چکا تھا اور فوری طور پر اپنی نئی حیثیت کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھا۔
سب سے پہلے اس نے ڈائننگ روم کی دیوار گیر چوبی الماری میں سے بوتل نکال کر اپنے لیے بلیک ڈاگ کا ایک ڈبل پیگ بنایا۔ پھر کانفرنس روم میں جا گھسا۔
اندر سے دروازہ بند کرنے کے بعد اس نے گلاس سے دو گھونٹ لیے پھر جیب سے ٹرانسمیٹر نکال لیا۔ ایسے آلات ڈینی کے لیے اجنبی نہیں تھے مگر اس ٹرانسمیٹر پر کوئی لیبل نہیں تھا جس کی مدد سے وہ اس کی قوت یا فری کوئنسی معلوم کر سکتا، البتہ اس کا اندازہ تھا کہ اس کا حیطۂ عمل چند میل سے زیادہ نہ ہوگا جس کا مطلب تھا کہ وہ صرف شہر ہی کے لیے کارآمد تھا۔
ٹرانسمیٹر کے سیل کمپارٹمنٹ میں بیٹری موجود تھی۔ ڈینی نے ٹرانسمیٹر کا انٹینا باہر کھینچ کر سُرخ بٹن دبایا اور اپریٹس آن ہو گیا جس کا اظہار اسپیکر اور کنڈنسڈ مائیکروفون پر لگی ہوئی جالی کے اوپر روشن ہو جانے والے سرخ نقطے سے ہو رہا تھا۔
والیوم ناب کو بتدریج گھماتے ہوئے ڈینی نے آواز اس حد تک بڑھائی کہ اسپیکر پر منتشر منتشر ریڈیائی لہروں کا دھیما دھیما ہنگم شور گونجنے لگا جس کا مطلب تھا کہ وہ اپریٹس اس بند کمرے میں بھی بخوبی کام کر رہا تھا۔ وصول ہونے والے ریڈیائی اشاروں کی آواز معقول سطح تک کم کرنے کے بعد ڈینی نے آخر کار آلے پر لگا ہوا سیاہ بٹن دبایا اور ٹرانسمیٹر منہ کے قریب لانے کے بعد بولا: "ہیلو! ڈی ون کالنگ، اوور۔" اتنا کہہ کر اس نے سیاہ بٹن پر سے انگلی ہٹا لی اور دھڑکتے دل کے ساتھ جوابی سگنل کا منتظر رہا لیکن کئی سیکنڈ گزر گئے اور ریسیور پر سناٹا چھایا رہا۔
اس نے تھوڑے تھوڑے وقفے سے تین مرتبہ پیغام نشر کیا لیکن مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ معاً اسے خیال آیا کہ وہ اپنی شناخت تو نشر کر رہا تھا لیکن جسے مخاطب کرنا چاہ رہا تھا اس کی شناخت سے لاعلم تھا اگر اس جیسے ٹرانسمیٹر ایک سے زائد لوگوں کے پاس موجود تھے، تو وہ اس کی آواز سننے کے باوجود اس وقت تک جواب نہ دیتے جب تک انھیں یہ علم نہ ہو جاتا کہ ڈی ون کس سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اتنے عرصے میں ڈینی نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ اس

کا باس ڈسپلن کا سختی سے پابند تھا اور اس کا کوئی بھی ماتحت کسی معاملے میں بے اعتدالی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔

"ڈینی ون کالنگ۔" ایک مرتبہ پھر وہ سیاہ بٹن دبا کر بولا۔ "جو کوئی بھی سُن رہا ہو، میری آواز کا جواب دے۔۔۔ اوور۔" اور بٹن چھوڑ دیا۔

لیکن دوسری طرف وہی سناٹا۔ اتھاہ سناٹا چھایا رہا۔

ڈینی نے ٹرانسمیٹر بند کیے بغیر جیب میں رکھ لیا۔ اسے امید تھی کہ انٹینا کے بغیر بھی شاید وہ اشارے پکڑ لے گا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ باس اس سے رابطہ قائم کرنا چاہے اور محض ٹرانسمیٹر آف ہونے کی وجہ سے وہ اس موقع کو گنوا بیٹھے۔

پھر اس نے باہر آ کر جہانگیر کو فون کیا۔ وہ گھر پر نہیں تھا لیکن کلب کے برج روم میں مل گیا۔

"میں انتظار کر رہا ہوں، فوراً جیسے ہو چلے آؤ۔" جہانگیر کی آواز سنتے ہی اس نے جیوا ہاؤز کے مخفف حروف استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"خیریت تو ہے نا؟" ڈینی کے اس خلافِ معمول رابطے پر جہانگیر کا بوکھلا جانا قدرتی امر تھا۔

"ہاں ہاں۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "لیکن یہ خیال رہے کہ میں یہیں تمہارا منتظر ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" ڈینی نے اس کا جواب سنا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

بیس منٹ میں جہانگیر جیوا ہاؤز آ پہنچا۔ ڈینی برآمدے ہی میں اس کا منتظر تھا۔

"کیا بات ہے؟ تم یہاں کیسے ہو؟" جہانگیر نے کار سے اترتے ہی تشویش آمیز لہجے میں سوال کیا۔ غیر قانونی دھندا کرنے والوں کے لیے معمول سے ہٹی ہوئی کوئی بھی بات خوف اور تشویش کا باعث بن ہی جایا کرتی ہے۔

ڈینی برآمدے سے نیچے اتر کر جہانگیر کی کار کے بانٹ سے ٹک گیا۔ "ادھر گاڑی کھڑی ہے۔" اس نے عمارت کے بائیں پہلو والی راہداری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس میں پیچھے مال ہے۔"

"اوہ۔" جہانگیر کا چہرہ کھل اٹھا مگر یکبارگی وہ چونک کر ڈینی کو گھورنے لگا۔ "یہ مال کون لایا ہے؟"

"میں۔" ڈینی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"کیوں؟ یہ تبدیلی کیسے ہوئی؟" جہانگیر اسے اشتباہ آمیز نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولا۔

"میں خود حیران ہوں۔" ڈینی بدستور پرسکون رہا۔ "ہم حکم کے بندے ہیں، جو حکم ملا اس پر عمل کر لیا، چاہو تو سبب خود دریافت کر لینا۔"

جہانگیر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ اسے یاد آیا نامعلوم باس جیوا ہاؤز میں ہونے والی ہر گفتگو سننے پر قادر لہٰذا سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔

دونوں محافظوں نے حکم ملتے ہی سُرخ کرولا کی عقبی نشست اور پشتگاہ باہر نکال دی اور ان کے پیچھے چھپے ہوئے کپڑے کے چار تھیلے سامنے آ گئے جنھیں محض غلاف کے طور پر استعمال کیا گیا ورنہ ان میں جو کچھ موجود تھا۔ اس کی مقدار بہت قلیل تھی۔ جہا نے ایک تھیلا اٹھایا تو وہ تقریباً خالی تھا۔ تھوڑا سا وزن سمٹ نیچے جمع ہو گیا تھا۔

دونوں محافظوں کو نشست واپس لگا دینے کا حکم دے وہ تھیلے اندر لے آئے۔

ان تھیلوں میں دو دو سو گرام کی پلاسٹک کی سیل کی ہو شفاف تھیلیوں میں بھورے رنگ کی آٹھ کلو گرام ہیروئن موجود تھ

"یہ بہت اچھا ہوا۔ آج رات یہ مال پارٹیوں کو پہنچ جانا چاہ" جہانگیر نے کھولے ہوئے تھیلے کو دوبارہ بند کرتے ہوئے کہا۔ "تم کتن لے جاؤ گے؟"

"میری ڈیلنگ احمد یار اور ٹائیگر سے ہے۔" ڈینی نے سُ ہوئے لہجے میں کہا۔ "دونوں ہی ایک ایک کلو مانگ رہے تھے طا یا نادر میں سے کوئی ان سے مل لے گا۔"

"مگر کیوں؟" جہانگیر نے چڑ کر سوال کیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس کا جواب نہیں دے سکتا آج رات کے بعد تم تینوں میں سے کوئی بھی مجھ سے ملنے یا رابط قائم کرنے کی کوشش نہ کرے۔" ڈینی نے خطرناک صورت والے ملی ہوئی ہدایات کی روشنی میں اپنے اخذ کیے ہوئے نتائج بیا کر دیے۔

"پولیس کی نگاہوں میں آ گئے ہو؟" جہانگیر نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ نہیں کہہ سکتا۔" ڈینی نے یہ اعتراف کرتے ہوئے کو جہانگیر کے سامنے بہت حقیر محسوس کیا۔ "پابندی ہٹ گئی تو ہی تم لوگوں سے ملوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔" جہانگیر جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ مقصد تھا کہ ڈینی وہاں سے روانہ ہو جائے۔

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ ڈینی نامعلوم سربراہ کے عت میں آیا ہوا ہے۔ وہ غیر ضروری طور پر ایک لمحے کے لیے بھی کا قرب برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

ڈینی جہاندیدہ آدمی تھا۔ اس نے جہانگیر کا بدلا ہوا بھانپ لیا۔ اس کا دل چاہا کہ اسے گریبان سے پکڑ کر بے ت

گالیاں سنا ڈالے مگر اس نے بمشکل اپنے غصے پر قابو پایا اور باہر آکر سُرخ کرولا ہی میں گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔
وہ شدید غصے کے عالم میں کار ڈرائیو کر تا رہا۔ چوراہے سے وہ اس سڑک پر ہو لیا جو گزری اور ڈیفنس سوسائٹی کے درمیان سے گزرتی ہوئی کورنگی روڈ سے جا ملتی تھی۔
وہ اپنے خیالات کی رو میں کھویا ہوا تھا کہ جیب میں جھنجھناہٹ محسوس کر کے چونک پڑا۔ یہ یاد آتے ہی اس کے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی کہ اس کی جیب میں پڑا ہوا ٹرانسمیٹر مسلسل آن تھا۔
اس نے پھرتی سے ٹرانسمیٹر نکالا اور انٹینا قدرے باہر کھینچ لیا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس پر ایک بھرائی ہوئی غنودہ سی آواز سنائی دی اور ڈینی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔
کوئی ڈی ون کو پکار رہا تھا۔ ریڈیائی لہروں کے دھیمے دھیمے شور میں وہ آواز قدرے بھرائی ہوئی محسوس ہوئی تھی لیکن ڈینی برسوں سے وہ آواز سنتا آیا تھا۔ وہ آواز ہر وقت اس کے اعصاب پر سوار رہتی تھی۔ لہٰذا اس سے شناخت میں کوئی غلطی نہیں ہوئی۔
اس نے جلدی سے ایریٹس اپنے بائیں ہاتھ میں لیا اور وہ آواز معدوم ہوتے ہی انگوٹھے سے سیاہ بٹن دبا کر بول پڑا۔
"ڈی ون ریسیونگ سر۔۔۔ اوور۔"
"خوب۔ تم اس وقت کہاں ہو؟۔۔۔ اوور۔"
"سن سیٹ ہلے وارڈ پر کورنگی روڈ کی طرف آ رہا ہوں۔" ڈینی نے جواب دیا۔ "مجھے اس کار کا کیا کرنا ہو گا سر؟ اوور۔"
"وہی بتا رہا ہوں۔" غنودہ لہجہ ترش ہو گیا۔ "لبرٹی ہوٹل سے بائیں ہاتھ گھوم کر جہاں بھی جگہ ملے۔ گاڑی پارک کر دینا چابی ایش ٹرے میں ڈال دینا، گاڑی لاک کرنے کی ضرورت نہیں ۔۔۔ اوور۔"
"سامنے سے ٹریفک آ رہا ہے۔" ڈینی نے جلدی سے کہا۔ "کسی کی نگاہ نہ پڑ جائے، میں ابھی بات کرتا ہوں سر۔۔! اوور۔"
یہ کہہ کر اس نے ٹرانسمیٹر گود میں ڈال لیا۔
"مجھے تمھاری محتاط روی اور پیش بینی بہت پسند ہے۔" ریسیور سے آواز آنے لگی۔ "اب تم اسے آف کر دو، گھر پہنچنے کے بعد رابطہ قائم کرنا۔ برٹی سے اپنے گھر تک تمھیں زیادہ نہیں چلنا پڑے گا۔ اوور اینڈ آل۔"
ایریٹس بے جان ہو گیا۔
ڈینی نے دوبارہ سُرخ بٹن دبایا جو باہر آ گیا۔ جالی پر لگا ہوا سُرخ نقطہ روشنی سے محروم ہو گیا۔ ڈینی نے انٹینا دبا کر ایریٹس جیب میں ڈال لیا۔
باس کی سحر انگیز آواز سن کر اس کا غصہ کافور ہو چکا تھا۔
باس کا لہجہ نہ صرف نرم اور حسبِ معمول تھا بلکہ اس نے ڈینی کی محتاط روی اور پیش بینی کی تعریف بھی کی تھی جس کا مطلب تھا کہ اس کے سارے اندیشے محض خیالی تھے۔ نئے انتظامات اگر یوں ہی برقرار رہتے تو بھی تحقیر آمیز ہرگز نہیں تھے۔
اپنی مست خیالی میں شارع قائدین کا چوراہا عبور کر کے طارق روڈ پر پہنچنے کی فکر میں وہ مزارِ قائد سے آنے والی ایک تیز رفتار کار سے ٹکرانے سے بال بال بچا پھر ٹریفک کے ہجوم میں رینگتا ہوا لبرٹی ہوٹل کے سگنل تک پہنچ گیا۔
اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ بازار بند ہو چکا تھا اور طارق روڈ پر بھی پارکنگ کی جگہیں خالی تھیں مگر ڈینی کو ہدایت پر عمل کرنا تھا لہٰذا اس نے گاڑی بائیں طرف گھمائی اور ذرا آگے فٹ پاتھ کے کنارے سے پارک کر دی۔
جیبوں میں ہاتھ ڈالے گھر کی طرف لوٹتے ہوئے وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ باس کی فون کال کے بعد مخمصے میں پڑنے کے باوجود اس نے خود ہی گلشنِ اقبال جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اگر وہ اپنے بجائے جہانگیر کو بھیجنے کی حماقت کر بیٹھتا تو باس کی آواز تک کا سامنا کرنے کے قابل نہ رہ جاتا۔
گھر پہنچتے ہی اس نے خود کو خوابگاہ میں محصور کر لیا اور ٹرانسمیٹر آن کر کے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا جو فوراً ہی بار آور ہوئی۔
"تو تم گھر آ گئے۔" باس کی آواز سنائی دی۔ اس بار ریڈیائی شور نہ ہونے کے برابر تھا اور آواز بہت واضح تھی۔ "احکام پر عمل درآمد ہو گیا؟ اوور۔"
"یس سر! اوور۔" ڈینی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔
"رپورٹ۔۔۔ اوور۔"
"مال جہانگیر کے حوالے کر دیا۔ میرے گاہکوں کو وہ کسی کے سپرد کر دے گا اور کل سے وہ تینوں مجھ سے قطعی لاتعلق ہو جائیں گے۔۔۔ اوور۔" آخری فقرہ ڈینی نے خوفزدہ آواز میں ادا کیا تھا۔
"ویری گڈ۔" باس کے تحسین آمیز کلمات نے اس کا خون بڑھا دیا۔ "ہدایت میں نے دانستہ مبہم رکھی تھی مگر تمھارا فیصلہ درست تھا۔ یہ تمھارے امتحانات کی ابتدا ہے۔ میں تمھیں بڑے کاموں کے لیے تیار کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ اوور۔"
"میں شکر گزار ہوں سر!" ڈینی اس وقت خود کو بادلوں سے بھی اوپر اُڑتا محسوس کر رہا تھا۔ "مگر ان تینوں کا کیا ہو گا؟ اوور۔"
بے یقینی کے ساتھ کیا گیا۔ اس کا ہر فیصلہ درست ثابت ہوتا جا رہا تھا۔

"چند روز تک تمھارے لیے کوئی کام نہیں ہے۔ تم پہلے کی طرح فون پر ہدایات دیتے رہو گے۔ بعد میں کوئی راہ نکالی جائے گی۔ میں تمھیں ان سے الگ کر کے یہ یقین کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی سرکاری ایجنسی تو تمھاری طرف متوجہ نہیں ہے۔۔۔ اوور۔"
وہ خلافِ معمول بہت کھُل کر بات کر رہا تھا۔ برسوں میں پہلی بار ڈینی نے اس کی زبان سے اپنے کسی سوال کا جواب سنا تھا۔ اس کا دل شیر ہو گیا۔
"میں ہمیشہ محتاط رہا ہوں سر۔۔۔ اوور۔"
"مجھے معلوم ہے۔ مگر طریقۂ کار دوسرا ہے۔ ہاں ایک بات ضروری ہے۔ تمھاری فیکٹری منافع دینے کے باوجود ایک آڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی مگر اس کا برقرار رہنا ضروری ہے۔ آئندہ چند روز میں وہاں ایسا طریقۂ کار اپنانے کی کوشش کرو کہ تمھاری دس پندرہ روز کی غیر حاضری کام پر اثر انداز نہ ہو سکے۔۔۔ اوور۔"
ڈینی کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ باس نے پہلی بار اس کے نجی کاروبار کے بارے میں زبان کھولی تھی۔ "میں دیکھ لوں گا سر! ویسے وہاں سارا حساب لگا بندھا ہے۔ ہر مشین کا پیداواری ہدف مقرر ہے۔ مالی معاملات کئی ہاتھوں سے گزرنے کے بعد مکمل ہوتے ہیں۔ کوئی رقم لے کے بھاگے تو دوسری بات ہے۔ ورنہ غبن کے امکانات معدوم ہیں۔۔۔ اوور۔"
"روزانہ رات نو بجے سے گیارہ بجے تک تم ایریئس آن رکھو گے۔" اس نے کہا۔ "چاہو تو اس دوران اہم معاملات پر خود بھی بات کر سکتے ہو۔۔۔ اوور۔"
"بہت بہت شکریہ سر!۔۔ اوور۔" ڈینی کے لیے وہ زندگی کا خوشگوار ترین دن ثابت ہو رہا تھا۔ فون پر ہر وقت لیے دیے رہنے والا نادیدہ باس اس پر اتنا مہربان تھا کہ اسے اپنی مرضی سے بھی بات کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔
"کل رات شاید میں نہ مل سکوں لیکن مقررہ اوقات میں تم ایریئس آن رکھو گے۔۔۔ اوور اینڈ آل۔"
ٹرانسمیٹر کے رسیور سے آواز آنی بند ہو گئی اور ڈینی کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی رنگین اور سہانا خواب دیکھتے دیکھتے اچانک اس کی آنکھ کھل گئی ہو۔

❋

اگلے دن وہ بہت ہی خوش تھا۔ اس کے ذہن پر چھائے ہوئے تفکرات کے سارے بادل چھٹ چکے تھے اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ آخر کار اس کے ترقی کے سفر کا آغاز ہو گیا تھا۔
دفتر سے روانگی سے پہلے اس نے میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹ پلٹ کیے تو ان کے درمیان سے غزالہ کا دیا ہوا دعوت نامہ اس کی گود میں آگرا اور غزالہ کا تر و تازہ، ہنستا مسکراتا سراپا اس کی چشمِ تصور میں مجسم ہو گیا۔
سوونیئر کے لیے اشتہار لے جانے کے اگلے دن اس نے اشتہاری مواد کے لیے ڈینی کی ہدایت کے مطابق اس کے گھر فون کیا تھا جو ڈینی نے خود ریسیو کیا تھا۔
اشتہار کے بارے میں فون کی تجویز تو ڈینی نے محض اس کی مترنم آواز سننے کے ایک بہانے کے طور پر تجویز کی تھی۔ ورنہ اشتہار بک کراتے ہوئے ڈینی فیصلہ کر چکا تھا کہ اس صفحہ پر کمپنی کے نام کے ساتھ بس کالج کے طلبا و طالبات کے لیے نیک خواہشات شائع کرائے گا۔
غزالہ نے فون پر سلام کے بعد ہی میٹر کے بارے میں پوچھا تھا۔
"تیار ہے۔۔۔ اگر آپ کہیں مل سکیں تو ابھی دے سکتا ہوں۔" ڈینی نے مکارانہ لہجے میں کہا تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ کب کون سا حربہ کارگر ہوتا ہے۔
"اوہ۔" وہ شاید الجھن میں پڑ گئی تھی پھر اس کی جھجکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ مجھے ڈکٹیٹ کرا دیں؟ میں چھپنے سے پہلے پروف آپ کو دکھا دوں گی۔"
وہ دھیمے سے ہنس دیا۔ "میں آپ کو کسی الجھن میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ پھر کسی دن پر رکھ لیں۔"
"شاید آپ نے دعوت نامہ نہیں دیکھا۔" اس کی آواز سے پریشانی اور معذرت مترشح تھی۔ "پرسوں شام ہمارا فنکشن ہے۔ سوونیئر چھپ رہا ہے، بس ٹائیٹل باقی ہے، کل چھپائی ختم ہونے کے بعد ہی پرسوں وہ بائینڈ ہو کر تیار ہو سکتا ہے۔۔۔ پلیز آپ مجھے بتا دیں۔"
اس کی آواز میں التجا تھی، ڈینی کچھ نادم سا ہو گیا۔ "پھر ایسا کریں کہ ایک تہنیتی سطر کے ساتھ کمپنی کا نام چھاپ دیں۔"
"اور آپ کا میٹر؟"
"اسے بھول جائیں، مجھے آپ کی سہولت زیادہ عزیز ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے آہستہ سے کہا۔
"دد۔۔۔ دراصل میرا اس وقت گھر سے نکلنا دشوار ہے۔" وہ دبی دبی خوشامدانہ آواز میں بولی تھی۔ "مجھے امید ہے کہ آپ نے برا نہ مانا ہو گا۔"
"ہرگز نہیں۔" ڈینی نے فراخ دلی سے کہا۔
"تو پھر آپ آ رہے ہیں نا ہمارے فنکشن میں؟" غزالہ نے پُر امید لہجے میں سوال کیا تھا۔
"پوری کوشش کروں گا۔"
اس شام اس کے پاس کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ باس

کی جانب سے چند دن کے لیے کھلی چھوٹ مل گئی تھی بس رات کو اسے تین گھنٹے تک اپریٹس آن رکھ کر باس کے کسی پیغام کا انتظار کرنا تھا۔

دفتر سے گھر پہنچ کر ڈینی نے دیر تک غسل کیا پھر وسکی کا ایک لارج پیگ لے کر بیٹھ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ موڈ بنانے کے لیے ایک ڈبل پیگ بہت موثر ثابت ہوتا ہے۔

لباس تبدیل کر کے وہ خراماں خراماں غزالہ کے کالج پہنچا تو وہاں ایک میلے کا سا سماں تھا۔ ڈینی کار پارک کر کے نیچے اترا تو کالج کے پھاٹک سے ایک اسمارٹ سا طالب علم اس کی طرف لپکا جس کے شانے پر لگا ہوا سبز اور سرخ ساٹن کا پھول یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ فنکشن کے انتظامی گروپ سے وابستہ تھا۔ ڈینی نے اسے کارڈ دکھایا تو وہ احترام سے اسے اندر لے آیا۔

خورد و نوش کی اشیا کے مختلف اسٹالز کے درمیان سے گزرتے ہوئے ڈینی نے لاؤڈ اسپیکر پر گونجتی ہوئی آواز سنی تو چونک پڑا۔

کوئی مقرر مدلل انداز میں نوجوان نسل پر منشیات کے تباہ کن اثرات کا ذکر کر رہا تھا۔

ڈینی میدان میں شامیانوں کے نیچے قناتوں کی دیواروں میں گھرے ہوئے پنڈال میں پہنچا تو وہاں رنگ و بو کا ایک سیلاب آیا ہوا تھا جوان اور شگفتہ چہروں کا ایک ہجوم وہاں سکون سے بیٹھا تقریر سن رہا تھا۔ اس میں شوخ و شنگ لڑکے بھی تھے اور سنجیدہ رو لڑکیاں بھی۔

روسٹرم پر ایک عینک پوش چہرہ موجود تھا۔ اسٹیج کی صدارتی کرسی پر شیروانی میں ملبوس ایک متین اور وجیہہ شخص چند لوگوں کے درمیان موجود تھا۔ ان میں شاید طلبا بھی تھے اور ان کے مدرس بھی مگر ان سب سے زیادہ جو چیز ڈینی کی توجہ کا مرکز بنی۔ وہ عقبی قنات پر لگا ہوا لمبا سا سفید بینر تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت پنڈال میں ایک مذاکرہ ہو رہا تھا جس کا موضوع 'نئی نسل اور منشیات کی تباہ کاریاں' تھا۔

ڈینی سرچ لائٹوں کی تیز روشنی سے بچتا ہوا ایک قنات کے ساتھ پڑی عقبی کرسیوں میں سے ایک پر براجمان ہو گیا۔ وہ خوش پوش ضرور تھا لیکن اس کے چہرے کی پختگی دور ہی سے بتا دیتی تھی کہ وہ پڑھنے پڑھانے کی عمر سے برسوں پہلے گزر چکا ہے۔ لہٰذا ایک دو طالب علم اس کی طرف لپکے۔

"سر آپ آگے چلے جائیں، مہمانوں کے لیے اسٹیج کے قریب بندوبست کیا گیا ہے۔" ایک لڑکے نے آگے بڑھتے ہوئے صوفوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"شکریہ۔" ڈینی اخلاقاً مسکرایا۔ "میں یہیں ٹھیک ہوں، چند تقریریں سن کر چلا جاؤں گا۔"

"آپ کا یوں اکیلے بیٹھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔" وہ شانے اچکا کر بولا۔ "اگر آپ بتا سکیں کہ کس نے مدعو کیا ہے تو شاید میں ان ہی کو تلاش کر سکوں۔"

ڈینی کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اس نے ڈینی کے دل کی بات پڑھ لی تھی۔ "دو طالبات میرے دفتر آئی تھیں۔۔۔ شاید غزالہ اور عابدہ نام تھے ان کے۔" درمیان میں وہ لحظہ بھر کے لیے یوں رکا تھا جیسے ان کے نام سوچ رہا ہو۔

"اوہ۔ وہ ہری مرچ تو ابھی یہیں تھی۔" وہ بے اختیار بول پڑا۔

"کون؟" ڈینی نے حیرت سے پوچھا۔

نوجوان طالب علم کے چہرے پر خجالت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ "معاف کیجیے گا، گستاخی ہو گئی، دراصل عابدہ اپنی تنک مزاجی کے لیے خاصی مشہور ہے۔"

"مگر آپ نے کہا کیا تھا ان کو؟" ڈینی حوصلہ افزا انداز میں مسکرایا۔

لڑکا جواب دیے بغیر سر جھٹکتا وہاں سے چلا گیا۔

تقریر ختم ہو چکی تھی، اناؤنسر دوسرے مقرر کی آمد کا اعلان کر رہی تھی۔

چند منٹ بعد ہی وہ دونوں ہانپتی ہوئی وہاں آ پہنچیں شاید تیز تیز چلتی ہوئی آئی تھیں۔

"بڑا اچھا ہوا کہ آپ آ گئے۔" غزالہ نے اس سے اگلی قطار کی کرسی گھما کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "شاہد نے کسی مہمان کے بارے میں بتایا تو خیال آپ ہی کی طرف گیا تھا۔"

عابدہ نے ادب سے سوونیئر ڈینی کی طرف بڑھا دیا جس کے عقبی سرورق پر ڈینی کی پلاسٹک فیکٹری کا تہنیتی پیغام موجود تھا۔

"وعدہ کر لیا تھا اس لیے آ گیا، بمشکل وقت نکال سکا ہوں۔" ڈینی اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "بس چند منٹ بعد اجازت چاہوں گا۔"

"ارے!" غزالہ نے معصومانہ حیرت سے کہا۔ "تو آپ ورائٹی پروگرام نہیں دیکھیں گے ہمارا؟"

اور ان میں گفتگو چل پڑی۔ ڈینی کا خیال تھا کہ شاید وہ اس کے پاس زیادہ دیر نہیں رکیں گی تاکہ کسی کی نگاہوں میں نہ آ سکیں مگر وہ بے تکلفانہ انداز میں جمی رہیں۔ ڈینی نے جو کچھ سوچا۔ وہ اس کے دل کا چور تھا مگر لڑکیوں کا دل صاف تھا۔ وہ اپنے ادارے سے تعاون کرنے والے ایک مخیر شخص کی مہمانداری

کر رہی تھیں جس میں کوئی برائی نہیں تھی۔

مذاکرہ کب ختم ہوا اور کب مہمانِ خصوصی کو اختتامی تقریر اور پھر تقسیم انعامات کے لیے بلایا گیا، ڈینی کو معلوم ہی نہ ہو سکا۔

پھر وہ اچانک اپنی کرسی سے اچھل پڑا اور حیرت اور بے یقینی کے ساتھ اسٹیج کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں صدارتی کرسی والا متین اور وجیہہ شخص روسٹرم پر مائیک کے سامنے کھڑا تھا۔

"نوجوان دوستو اور بزرگ ساتھیو! مجھے خوشی ہوئی کہ آج یہاں مذاکرے کے شرکا نے بہت معلوماتی تقریریں کیں" مہمانِ خصوصی کی ٹھہری، بھاری اور غنودہ سی آواز فضا میں کسی لاہوتی گونج کی طرح پھیل رہی تھی اور ڈینی کے رگ و ریشے میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔ وہ کسی سحر زدہ معمول کی طرح سر اٹھائے اس کے افکارِ عالیہ سنے جا رہا تھا۔

"کیا ہوا؟ کیا بات ہے تنویر صاحب؟" اس کے بشرے کی کیفیت اچانک بدل جانے پر غزالہ بوکھلا گئی۔ اس کی ترنم ریز آواز ڈینی کو بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔

وہ پھریری لے کر پھیکے پن سے مسکرا دیا۔ "نن... نہیں... کچھ نہیں، مجھے باتوں باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔"

"منشیات اس مشینی دور کا ایک موذی تحفہ ہیں۔ زہر زندگی کو ختم کرتا ہے مگر یہ انسانی ذہن کو تباہ کر کے اسے ایک بے مصرف ڈھانچا بنا دیتی ہیں۔" غنودہ آواز فضا پر محیط تھی۔ "اگر اس بڑھتے ہوئے ریلے کے سامنے بند نہ باندھا گیا تو معاشرہ تباہی سے دوچار ہو جائے گا..."

ڈینی نے کرسی چھوڑ دی۔ ہیجان کی شدت سے اس کا حلق سوکھنے لگا تھا، وہ زبان تر کرنے کے لیے بے چین تھا۔ وہ روشنیوں سے بچتا ہوا پنڈال سے باہر آ گیا۔

غزالہ اور عابدہ اس کے پیچھے پیچھے تھیں۔

ڈینی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ جس آواز نے برسوں سے اسے اپنا قیدی بنایا ہوا تھا۔ وہ یوں سرِ عام فضا میں گونج رہی تھی۔

کیمپس کے ہاسٹلوں میں عجیب اضطراب کی سی کیفیت طاری تھی جو طلبا محض پڑھنے کی خاطر وہاں مقیم تھے، ان کے لیے تو خیر سب کچھ معمول کے مطابق ہی تھا مگر ایسے لوگ اکثریت میں ہونے کے باوجود معاشرتی زندگی میں اتنے سرگرم نہیں تھے۔ ہاسٹل کی رونق، مردان خان، عبدالوہاب، جبار، نوری السید اور طلحہ جیسے لوگوں کے دم سے تھی جو نصابی معاملوں سے ذرا پرہیز ہی کرتے تھے مگر غیر نصابی سرگرمیوں اور دوسروں کی پگڑیاں اچھالنے میں پیش پیش رہتے تھے۔

وہ لوگ مختلف علاقوں بلکہ ملکوں سے تعلق رکھتے تھے مگر ان میں ایک شوق مشترک تھا جس نے انھیں سارے امتیازات بھلا کر شیر و شکر ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ اکثر رات گئے بھی ایک دوسرے کے دروازوں پر دستک دیتے یا وہاں سے برآمد ہوتے نظر آتے تھے کیونکہ ان کا نشہ مشترک تھا جو سستا ہونے کے ساتھ ہی کارگر بھی تھا، بس ذرا آنکھیں ہی سرخ ہوتی تھیں۔ ورنہ طاقت، ہمت اور جرأت کے سارے سوتے ہوئے سوتے ایک ساتھ بہہ نکلتے تھے، جو جس دھن میں لگ جاتا، لگا ہی رہتا۔ محبت کا ذکر آتا تو آوازوں میں رقت طاری ہو جاتی، دلربا نازنینوں کے نام لیتے ہوئے آنکھوں کے گوشے نم ناک ہو جاتے اور ایسے میں اگر کسی کے منہ سے کوئی تلخ بات نکل جاتی تو وہ ہڑبونگ اور مار دھاڑ مچتی کہ وارڈن کی دھمکی کے بغیر ہنگامہ فرو ہی نہ ہوتا مگر رات گئی، بات گئی کے مصداق اگلی صبح وہ پھر اکٹھے ہوتے۔ ایک دوسرے کا تھوڑا بہت خون بہا لینے کے باوجود بھی ان کی آپس کی محبت میں **کوئی کمی نہیں آتی تھی۔**

اس وقت بھی وہ سب ہاسٹل سے باہر ایک لان میں موجود تھے، سب ہی تھکے تھکے، مضمحل اور اداس نظر آ رہے تھے۔

"سارا شہر رو رہا ہے"، مردان خان جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "پتا نہیں سالی کہاں غائب ہو گئی۔ کل سارے شہر کے دھکے کھانے کے بعد سبیلہ سے چار گنے داموں پر ایک پوا لایا تھا جو اڑ گیا، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے گزارا ہوگا۔"

"وہ ٹیکسی بھی شہر میں کہیں نظر نہیں آتی؟" جبار نے پوچھا۔ "تم تو آج بھی گئے تھے۔"

"گیا تھا مگر بھاڑ جھونک کر آ گیا" مردان خان برا سا منہ بنا کر بولا۔ "ٹیکسی نظر آ جاتی تو ڈرائیور ہی کی گردن پر سوار ہو کر تھوڑی بہت لے آتا۔"

"تلی بے چاری بھی تڑپ رہی ہے۔" عبدالوہاب ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔ "تھوڑی دور چلتی ہے تو ٹانگیں کانپنے لگتی ہیں اور آنکھوں کے سامنے دھندلاہٹ سی ناچ جاتی ہے... ہائے، مجھے تو اس کا غم کھائے جا رہا ہے۔"

لان پر دو تین زہریلے قہقہے ابھرے مگر ان میں زندگی نام کو نہیں تھی، کھوکھلے اور بیزار بیزار سے قہقہے جیسے خوشی سے محرومی کے بعد مایوس ہو کر وہ زندگی کی ہر حقیقت کا مضحکہ اڑانے پر تل گئے ہوں۔

"اب تو کیمپس کے زیرِ تعمیر حصوں میں بھی جانے کی پابندی لگ گئی ہے، پھر کیسے دوستی چل رہی ہے اس کے ساتھ؟" عدنان نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "اس کا پیچھا چھوڑ دو پیارے! وہ بیک وقت تین چار کو الو بنا رہی ہے، مقابلہ کراتی ہے اپنے چاہنے والیوں میں۔"

ہر سب سے تحفے بٹورتی رہتی ہے ۔"
"ختم کرو یہ بکواس ۔" نوری السعید اکتائے ہوئے لہجے میں
انگریزی میں بولا۔ وہ اُردنی طالب علم تھا، چار برس سے یونیورسٹی میں
سٹ رہا تھا مگر ماسٹرز کی ڈگری اب بھی ایک خواب بنی ہوئی تھی۔
ردو خوب سمجھ لیتا تھا لیکن بولنے پر قادر نہیں تھا۔" یہ سوچو کہ اب
یا ہوگا؟"
"مینڈرکس ٹرائی کی جائے ۔" کسی نے تجویز پیش کی اور سب کے
نہ بن گئے ۔

ان کی یہ بحث و تمحیص گزشتہ کئی دنوں سے یونہی چل رہی
ی۔ چرس کی نایابی پر وہ دوسرے نشوں کے بارے میں بھی تبادلۂ
ل کرتے رہے تھے مگر کہیں متفق نہ ہو سکے تھے۔ ان دنوں شراب
صول سب سے آسان تھا مگر وہ ایک مہنگا نشہ تھا۔ ایک آدھ
ر تو اس کی عیاشی کی جا سکتی تھی لیکن روز شراب پینے کا وہ تصوّر
ں نہیں کر سکتے تھے۔ اس میں اور بھی کئی خرابیاں تھیں۔ اسے رکھنا
ر چھپانا دشوار تھا، پینے کے لیے ایسی جگہ ضروری تھی، جہاں بے فکری سے
بلتہ گلاس تیار کر کے ایک ایک گھونٹ میں خالی کیے جائیں۔ اس
بو بھی ایک بڑا مسئلہ تھی جسے ساتھیوں تک سے نہیں چھپایا جا
لتا تھا۔ اگر کبھی اچانک وارڈن وغیرہ سے سامنا ہو جاتا تو محض بو
ی وجہ سے پکڑے جانے کا خطرہ رہتا جس کا انجام جامعہ سے دو تین
رس کے لیے اخراج سے کم پر ہرگز نہ ہوتا جب کہ چرس سستی، سدا بہار
ور استعمال میں نہایت آسان تھی۔

سُلگائے بغیر ایک عام آدمی کے لیے بے بُو تھی۔ جب اس کی
راوانی تھی تو وہ ڈنکے کی چوٹ عام سگریٹوں کے ساتھ چرس بھری ہوئی
گریٹیں بھی جیبوں میں لیے پھرتے تھے اور کسی کو شبہ نہیں ہوتا تھا پھر
جب موڈ ہوا، ہجوم سے کٹ کر کسی گوشے یا میدان میں ہو لیے۔
دیا سلائی کا شعلہ لپکا اور گہرے، حیات آفریں سکون کی لہریں سگریٹ
کے سلگتے ہوئے سرے سے نکلنے والے بل کھاتے ہوئے سرمئی دھویں میں
انگڑائیاں لینے لگتیں۔ جلتی ہوئی چرس کی بُو ہوا کے جھونکوں میں جلد
ہی تحلیل ہو جاتی تھی ایسے میں اگر کوئی اچانک آجاتا تو سگریٹ بجھائی
اور میدان صاف۔

"اسکوٹر کی چابی دو مجھے ۔" نوری السعید نے اٹھتے ہوئے
عبدالوہاب سے کہا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اس نے گھاس پر لیٹے لیٹے ٹانگیں پسار
کر پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"لِل... لی کے پاس ۔" مردان خان نے للی کا نام کھینچ کر کہا
اور فضا میں بے اختیار قہقہے گنگنا اٹھے۔

"میں ذرا اسٹینڈ تک چکر مار کر آتا ہوں۔" نوری السعید نے
عبدالوہاب سے چابی لیتے ہوئے کہا۔" شاید آج وہ آ ہی جائے ۔"

"مشکل ہے ۔" طلحہ نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے
مایوسانہ لہجے میں کہا۔" آٹھ بج رہے ہیں، اب کیا آئے گا ۔"

لیکن طلحہ کا تبصرہ نوری السعید کو نہ روک سکا۔ وہ اسکوٹر کی
چابی گھماتا ہوا ہاسٹل کی طرف چل دیا جہاں گاڑیاں پارک رہتی تھیں۔

وہ پوائنٹ پر پہنچا تو وہاں شہر جانے والی آخری بس اپنے
چند مسافروں سمیت روانگی کے لیے تیار تھی۔ اس کے سوا دور تک
کسی سواری کا نام و نشان نہیں تھا۔ اس کی مایوسی میں مزید اضافہ ہو
گیا مگر واپس لوٹنے کے بجائے اس نے معاملے کی پوری تفتیش کی ٹھان
لی۔ اسے معلوم تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور جامعہ کے ایک مالی کا واقف کار تھا
اور جب بھی ادھر آتا، مالی سے ضرور ملتا تھا لہٰذا اس نے اسکوٹر کا
رخ اس طرف کر دیا جہاں درجہ چہارم کے ملازمین کے کوارٹر بنے
ہوئے تھے چند ہی منٹ میں وہ کوارٹروں کے درمیان پہنچ گیا لیکن پھر
خود ہی چکرا کر رہ گیا۔

چرس کے بغیر شاید اس کا ذہن بھی ناکارہ ہو چلا تھا۔ وہ وہاں
تک تو دوڑا چلا آیا تھا مگر نہ مالی کے مکان سے واقف تھا، نہ اس
کا نام جانتا تھا۔ بس ایک حد تک صورت آشنا ہی تھا۔ ایسی صورت
میں وہاں کے رہنے والوں سے محض حلیہ اور خدوخال بتا کر مالی کا
گھر دریافت کرنا اسے مناسب محسوس نہ ہوا۔ وہ ایک غیر ملکی طالب علم
تھا اور ایسا مشکوک رویّہ اختیار کر کے مالی کے لیے کوئی دشواری نہیں
کھڑی کرنا چاہتا تھا۔

ان دنوں کچھ لڑکوں کی احمقانہ بے پروائیوں سے جامعہ کی
حدود میں عموماً اور ہاسٹلز میں خصوصاً منشیات کے استعمال کی خبریں
انتظامیہ کو مل چکی تھیں اور اس امر پر سخت تشویش کا اظہار کیا جا
رہا تھا کہ جامعہ کی حدود میں منشیات کیسے پہنچتی ہیں؟

غور و خوض کے بعد جو نتائج اخذ کیے گئے ان میں جامعہ کی
حدود میں واقع اِکّا دکّا دکانوں، کینٹین کے عملے اور جامعہ کے نچلے
درجے کے کم تنخواہ یافتہ ملازمین پر شبہات کا اظہار کیا گیا تھا جو اضافی
آمدنی کے لالچ میں اس لعنت کے فروغ میں معاون ہو سکتے تھے۔
عام خیال یہ تھا کہ شاید ایسے مشتبہ افراد کو بے نقاب کرنے کے لیے
ان پر نگاہ بھی رکھی جا رہی تھی۔

ان لوگوں کو منشیات کی فراہمی میں اندر کے کسی آدمی کا دخل
نہیں تھا۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور جبّار کے ذریعے ان سے متعارف ہوا تھا۔
جبّار اس کی ٹیکسی میں شہر سے یونیورسٹی لوٹ رہا تھا کہ راستے میں اچانک
ڈرائیور نے سگریٹ نوشی شروع کر دی۔ دھویں کی مخصوص بو پہچانتے
ہی جبّار بے چین ہو گیا۔ وہ اس وقت بھی چرس کا تھوڑا بہت عادی
تھا لہٰذا اس نے بے تکلفی سے ڈرائیور سے سگریٹ مانگی جو قدرے حیرت

کے اظہار کے ساتھ اسے دے دی گئی۔

"تم بھی گولی لگاتے ہو بالو؟" ڈرائیور نے پوچھا تھا۔

"ارے اسی سے تو زندگی کا مزا ہے۔" جبار نے سگریٹ کا کسیلا دھواں اپنے پھیپھڑوں میں بھرتے ہوئے کہا۔ "مل جاتی ہے تو پی لیتے ہیں ورنہ ترستے رہتے ہیں۔"

"کہاں سے لیتے ہو؟"

"ایک دوست کو سبیلہ کا ایک اڈہ معلوم ہے، وہ شہر آتا ہے تو تھوڑی بہت لے جاتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اور لڑکے بھی پیتے ہیں۔" ڈرائیور کی آواز پُرخیال ہو گئی تھی۔ "کتنے ہوں گے پینے والے؟"

"پندرہ بیس کو تو میں خود جانتا ہوں۔"

ڈرائیور نے ٹیکسی کی رفتار سست کر دی۔ "اس کا مطلب ہے کہ یہاں مال نکلنے کا آسرا ہے۔" اس نے گردن گھما کر سوال کیا تھا۔

"کیا تم چرس بیچتے ہو؟" جبار نے حیرت سے پوچھا۔

"بس جی، کچھ کہنے کی بات نہیں۔" ڈرائیور حسرت بھرے لہجے میں بولا تھا۔ "کرائے کم تھے تو دو پیسے بچ بھی جاتے تھے، جب سے پٹرول میں آگ لگی ہے اور ہمارے کرائے بڑھائے گئے ہیں، دھندا ہی چوپٹ ہو گیا۔ لوگ گھنٹہ آدھا گھنٹہ بس، منی بس کا انتظار کر لیتے ہیں لیکن ٹیکسی کے بارے میں نہیں سوچتے۔ اب تو سفید پوش لوگ بھی ڈھیٹ بن کر بال بچوں کو بسوں میں دھکے کھلوانے لگے ہیں۔ گزارے کے لیے ہمیں بھی کچھ ہاتھ پیر چلانے پڑتے ہیں۔"

"یونیورسٹی میں تمہارا کام خاصا چلے گا۔" جبار نے رائے ظاہر کی تھی۔ "مگر بس ادھار کسی سے نہ کرنا..."

"اجی اپنا ہر ایک سے کیا واسطہ۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا تھا۔ "میں کالج کے لڑکوں کو خوب جانتا ہوں، ادھار کی عیاشی ہر ایک کو اچھی لگتی ہے۔ دس حساب صاف کر دیتے ہیں تو دو چار کنگلے بھی نکل آتے ہیں جن سے ادھار کی واپسی کا مطالبہ کرو تو دس پانچ ساتھی لا کر ٹھکائی کر ڈالتے ہیں، تھوڑے دن میں نے ناظم آباد میں ٹھیلے پر حلیم بھی بیچی ہے صاحب! شام کو کالجوں کے پاس کھڑا ہو جاتا تھا۔ ان لڑکوں سے نمٹنا اپنے بس سے باہر ہے بس جس سے تم سامنا کرا دو گے اسی سے لین دین رکھوں گا۔"

"پھر کب سے آؤ گے؟"

"کل آؤں گا مال لے کر۔" اس نے گہرا سانس لے کر کہا تھا۔ "ٹھیک ساڑھے پانچ بجے آخری بس اسٹینڈ پر پہنچوں گا اور اسی وقت تم بتا دینا کہ پھر کب آؤں۔"

"تو روز نہیں آؤ گے؟"

"ارے کیوں مرواؤ گے صاحب!" وہ ہنس پڑا۔ "روز آنے لگا تو ٹیکسی ہر ایک کی نگاہوں میں کھٹکنے لگے گی۔ دن کے آنے کا وقت بھی بدلتا رہے گا۔ تم بھی آدمی بدل بدل کر بھیجنا، ایسے دھندوں میں بڑی احتیاط کرنی پڑتی ہے۔"

"مگر نئے آدمی تمہیں کیسے پہچانیں گے؟"

"ویسے تو ٹیکسی کا نمبر بھی ہے مگر یہ میری اپنی نہیں، ہو سکتا ہے کہ خراب ہو جائے یا کسی دوسرے مالک کی گاڑی چلانے لگوں، اچھا یہی رہے گا کہ ہر دفعہ کے لیے پہلے سے کوڈ مقرر کر لو جو اپنی شناخت بتائے گا، پیسے دے کر مال لے جائے گا۔"

"پہلے سے اگلی ملاقات کا دن، وقت اور کوڈ مقرر کرنا بڑا مشکل ہوگا۔"

ڈرائیور پُراعتماد انداز میں ہنسا۔ "مثلاً اب میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ کل شام ساڑھے پانچ بجے اسی ٹیکسی میں آنے والا آدمی مجھ سے سفید ہاتھی کہے گا اور میں میٹر گرا کر اسے ٹیکسی میں بٹھا لوں گا۔ ٹیکسی چلنے کے بعد وہ مجھے سو روپے دے گا اور میں اس کی ہتھیلی دے کر تھوڑے فاصلے پر اسے اتار دوں گا اور اسے اگلی ملاقات کے بارے میں بتا دوں گا۔"

وہ چرس بہت عمدہ لاتا تھا اور شروع سے طے شدہ پروگرام کے تحت پورے گروپ کی ضروریات ایک ہی آدمی لے آتا تھا۔ باری باری وہ سب ہی ہر بار ایک نئے کوڈ کے ساتھ اس ڈرائیور سے مل چکے تھے۔ اس کے آنے کا وقت بھی بدلتا رہا تھا لیکن صبح دس بجے سے پہلے اور شام چھ بجے کے بعد نہیں آیا تھا۔ پروگرام کے مطابق اسے چار دن پہلے شام کے چار بجے بام پھلی کہنے والے کو مال دینا تھا مگر مردان خان پانچ بجے تک کے انتظار میں جھک مارنے کے بعد مایوس و نامراد لوٹ آیا تھا۔ اس جانکاہ واقعے کی خبر سینہ بہ سینہ گروپ کے تمام اراکین تک پہنچ گئی تھی۔

ان کا گروپ بتدریج بڑھتے بڑھتے بائیس لڑکے لڑکیوں پر مشتمل ہو گیا تھا جو سب کے سب مختلف ہاسٹلز میں مقیم ہوتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو ایک دوسرے کو برداشت کر سکتے تھے۔ ورنہ وہ بہتیرے دوسرے طلبا کو بھی جانتے تھے جو چرس کے عادی تھے مگر اپنی عادات و اطوار کی بنا پر ان میں گھل مل نہیں سکتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے لیے چرس کی فراہمی کا ذریعہ سب سے راز ہی رکھا تھا۔ ورنہ انھیں اندیشہ تھا کہ کوئی نک چڑھا ان کی تذلیل کے لیے انتظامیہ سے مخبری کر کے ان کے کسی ساتھی کو چرس سمیت رنگے ہاتھوں نہ پکڑوا دے۔

نوری السعید واپس ہاسٹل کی طرف جاتے ہوئے مسلسل ان کے بارے میں سوچتا رہا جو لوگ پکیس کی ٹولی سے باہر تھے

بھی یقیناً کچھ نہ کچھ ذرائع رہے ہوں گے۔ اس نے سوچا کہ اس بُرے وقت میں انا کو ایک طرف رکھ کر اگر انھیں ٹٹولا جائے تو شاید بات بن ہی جائے۔

یہ فیصلہ کرتے ہوئے اس کے ذہن میں یوسف کا نام کلبلا رہا تھا جو فلسطین کا باشندہ تھا، حکومتِ پاکستان کے وظیفے پر جامعہ میں کیمسٹری میں آنرز کر رہا تھا۔ وظیفے کی رقم خاصی بڑی تھی۔ لہٰذا وہ بڑی فراخدلی سے رہتا تھا۔ ایک سیکنڈ ہینڈ کار بھی رکھی ہوئی تھی جس میں آئے دن اپنی دوست لڑکیوں کو تفریحی مقامات پر لے جاتا رہتا تھا۔ نوری السعید اور اس جیسے دوسرے غریب عرب طلبا سے وہ دور دور ہی رہتا تھا۔ سامنا ہوتا تو بات رسمی مزاج پرسی سے آگے نہ بڑھتی مگر نوری السعید کو پورا یقین تھا کہ وہ چرس کا عادی ہے۔ وہ دونوں ہم جماعت تھے اور نوری السعید نے کلاس روم میں بھی ہمیشہ اس کی آنکھوں میں سُرخ ڈورے تیرتے دیکھے تھے جو چرس نوشی کی پہلی اور بنیادی پہچان ہوتی ہے۔

یوسف کا کمرہ اندر سے بند تھا اور کئی عرب لڑکوں کے ہنسی مذاق کی آوازوں کے ساتھ ہی کیسٹ پر بجتے ہوئے عربی نغمے کے بول بھی سنائی دے رہے تھے۔ نوری السعید دروازے پر پہنچ کر لحظہ بھر کے لیے جھجکا پھر آہستہ سے دروازے پر دستک دے ڈالی۔

اندر کیسٹ بجتا رہا، آوازیں تھم گئیں پھر انگریزی میں ایک سخت آواز گونجی "کون ہے؟"

"میں نوری السعید ہوں" وہ عربی میں بولا "ذرا ایک ضروری کام ہے تم سے"

کنڈی گرائی گئی، دروازہ تھوڑا سا کھولا گیا اور یوسف اس کے سامنے آگیا "ہاں، کیا بات ہے؟"

اس کے سانسوں میں ڈرائی جن کی دھیمی سی مگر واضح بُو رچی ہوئی تھی۔ اندر باتیں دوبارہ شروع ہو چکی تھیں، دروازے کی جھری میں سے نوری السعید کو کسی کے ہاتھ میں تھامے ہوئے ایک بے ہودہ انگریزی رسالے کی تصاویر نظر آئیں پھر وہ یوسف کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے یوسف سے اس بے رُخی کی امید نہیں تھی کہ وہ اسے اندر آنے کو بھی نہیں کہے گا اور محض دروازے سے ٹالنے کی کوشش کرے گا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمھاری محفل میں مخل ہوا" نوری السعید نے معذرت آمیز لہجے میں کہا "دراصل ایک الجھن تمھارے دروازے تک لے آئی ہے، اگر تم تھوڑی سی چرس ادھار دے سکو"

"یہ محتاج گھر نہیں ہے بھائی!" وہ مضحکانہ لہجے میں بولا "نشہ کرنے کا شوق ہے تو ہاتھ پھیلانے کے بجائے مال پیدا کرو"

نشے باز نشے کے بغیر چوہے سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ یہی حال نوری السعید کا بھی تھا، یوسف کے زہریلے کٹیلے الفاظ اس کے سر پر سے گزر گئے "مال بہت ہے مگر چرس ناپید ہو گئی ہے" اس نے کہنا چاہا مگر یوسف نے درمیان ہی سے بات اچک لی۔

"ہمارے پاس ہوتی تو جن نہ پی رہے ہوتے" یوسف نے خشک لہجے میں کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں تمھاری جھولی میں کچھ نہ ڈال سکوں گا" یہ کہہ کر اس نے نوری السعید کی روانگی کا انتظار کیے بغیر دروازہ بند کر کے بولٹ چڑھا دیا۔

وہ واپسی کے لیے سیڑھیاں اتر رہا تھا تو یوسف کے کمرے سے پُرشور قہقہوں کی گونج اُبھری اور دھیمے دھیمے اس کی کھوپڑی سلگنے لگی۔ یوسف نے یقیناً اپنے ساتھیوں سے اس کا تذکرہ تضحیک آمیز لہجے میں کیا تھا جو وہ یوں خوش ہو رہے تھے۔ وہ مٹھیاں بھینچے تیزی سے سیڑھیاں اترتا چلا گیا اور پھر اسکوٹر اسٹارٹ کر کے اپنے دوستوں کی طرف روانہ ہو گیا۔

❂

حامد کے لیے طارق کی شخصیت نہایت عجیب و غریب اور پُراسرار تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اسے اسٹیٹ ایجنسی کے کام اور آمدنی سے کوئی دلچسپی ہی نہ ہو۔ ساری باگ ڈور منیجر کے ہاتھ میں تھی جو نہایت بے ایمان آدمی تھا۔

حامد چار بہنوں کا بڑا بھائی اور ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کے والد صاحب ٹیلیگراف اکاؤنٹس آفس میں کلرک تھے۔ ان کی تنخواہ اتنی قلیل تھی کہ گاڑی بمشکل چل رہی تھی۔ اگر سر چھپانے کو سرکاری کوارٹر نہ ہوتا تو شاید اس تنخواہ میں زندہ رہنا بھی دشوار ہو جاتا۔ اس کے گھر کا ماحول خالص مشرقی انداز کا تھا جہاں باہمی رشتوں کا احترام بنیادی عنصر ہوتا ہے۔ اس نے گریجویشن کیا تو سب گھر والوں کو امید تھی کہ وہ کسی کے کہے سُنے بغیر خود ہی ملازمت کی جستجو میں لگ جائے گا کیونکہ دوسروں کی طرح گھر کے حالات اس کے بھی سامنے تھے۔ مہنگائی دن بدن بڑھتی جا رہی تھی، تن ڈھانکنے کو تو موٹا جھوٹا کافی ہوتا مگر آتشِ شکم سرد کرنے کی کوئی سستی صورت باقی نہیں رہی تھی۔ پہلے گوشت کی جگہ دال پکانے سے خرچہ چوتھائی رہ جاتا تھا مگر اب انھیں دال بھی عیاشی کے زمرے میں محسوس ہونے لگی تھی کیونکہ داموں میں گوشت کے منہ آنے لگی تھی۔ لہٰذا آخری تاریخوں میں بھانت بھانت کی چٹنیاں تیار کی جاتی تھیں۔

ایک طرف گرانی اور تنگدستی کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف بادا جان کی تنخواہ میں بیس روپے سالانہ کا اضافہ جس سے کوئی بات بنتی نظر نہیں آتی تھی۔ جس دن حامد کے امتحان ختم ہوئے اسی دن سے اس نے ملازمت کے لیے تگ و دو شروع کر دی مگر شہر بھر کی خاک چھاننے اور جوتیاں چٹخانے کے باوجود اسے کہیں نوکری کی آس

نہ مل سکی۔ ایسا نہیں تھا کہ شہر میں نوکریاں ہی ختم ہوگئی تھیں، کام بہت تھے مگر بات صرف اتنی تھی کہ کراچی میں پڑھے لکھے ضرورت سے زیادہ ہوگئے تھے، شہر کی بیشتر آبادی تعلیم یافتہ تھی اور پھر تعلیمی ادارے ہر سال ہزاروں سرٹیفکیٹ، ڈپلومے اور ڈگریاں دیے جارہے تھے۔ آخر شہر کے بینک، دفاتر اور کارخانے انھیں کہاں تک کھپائے چلے جاتے۔

ہاں جاہلوں کا اس شہرِ خرافات میں قحط تھا تو ان کے لیے بڑے کام تھے جنھیں کوئی پڑھا لکھا اپنانے کو تیار نہیں تھا۔ فروٹ یا سبزی کا ٹھیلا، پان کا خوانچہ، مال کا لادنا اتارنا، پتھر توڑنا، سڑکیں کھودنا ہر طرف کام ہی کام بکھرے ہوئے تھے جو حامد کے کسی کام کے نہ تھے۔ تنگ آکر اس نے تدریس کے شعبے میں مقدر آزمانا چاہا تو خود کو لاچار پایا، زیادہ جدوجہد کی تو اپنی قیمت کا اندازہ ہوا کہ تین چار سو روپے میں کسی نجی اسکول میں پرائمری کے بچوں کی استادی مل سکے گی۔ سارے ور آزمانے کے بعد اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ کم از کم ماسٹرز کی ڈگری ضرور حاصل کرے گا تاکہ کم از کم لیکچرز کے طور پر اپنی عملی زندگی کی باعزت ابتدا کرسکے۔ تین چار سو روپے تو وہ کسی اور طرح بھی کما لے گا۔

جُز وقتی ملازمت کی تلاش میں وہ اس دفتر میں پہنچا تھا۔ خوش قسمتی سے اس دن طارق خود موجود تھا۔ منیجر کو اپنی مطلق العنان بادشاہی میں کسی کا دخل گوارا نہیں تھا لیکن مالک کے سامنے وہ مجبور تھا، طارق نے اسے تین سو روپے ماہانہ پر ملازم رکھ لیا۔ اسے شام چھ سے آٹھ بجے تک ایجنسی جاکر کچھ اندراجات کرنے ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس نے ایجنسی کے ٹائپ رائٹر پر قدرے مہارت حاصل کرلی تو کرائے نامے، رسیدیں، فروخت کے معاہدے اور دوسری دستاویزات بھی ٹائپ کرنے لگا۔ ایک روز طارق نے اسے ٹائپ کرتے دیکھا تو خوش ہوکر بیک جنبشِ ابرو اس کی تنخواہ پانچ سو تک پہنچا دی۔

وقت گزرنے کے ساتھ حامد پر منیجر کی بے ایمانیاں ظاہر ہونے لگیں۔ دلالی کوئی رسیدی کاروبار تو تھا نہیں جس کا ریکارڈ رہتا۔ منیجر بیشتر سودے بالا ہی بالا نمٹا کر کمیشن ہضم کر جاتا اور صرف اسی قدر کام کا اندراج کرتا کہ دفتر کے اخراجات نکلنے کے بعد ہزار بارہ سو روپے مالک کو بھی پہنچتے رہیں۔ ابتدا میں حامد نے اس بے ایمانی کی شکایت کرنے کا ارادہ کیا مگر طارق کی عدم دلچسپی کو دیکھتے ہوئے خاموش ہی رہا۔ وہ کسی پیچیدگی میں پڑ کر اس صاف ستھری روزی کو گ[illegible]انا نہیں چاہتا تھا جس کی وجہ سے اس کے گھر میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں۔

طارق اس دن کئی ہفتوں بعد دفتر آیا تھا اور گاڑی سے اتر کر سیدھا اندرونی دفتر میں چلا گیا جہاں سفید میز کے پیچھے گھومنے والی کرسی پر منیجر بیٹھا اپنے حواریوں سے گپ شپ لڑاتا رہتا تھا۔ طارق کے اندر جاتے ہی تین آدمی باہر نکلے اور کاغذات بغلوں میں دبائے وہاں سے روانہ ہوگئے، چند ثانیوں بعد منیجر بھی باہر آگیا۔ اس کے بشرے سے ناگواری کا اظہار ہو رہا تھا۔

"جاؤ، صاحب تمھیں بلا رہے ہیں۔" اس نے منہ بنا کر د[illegible] لہجے میں کہا اور حامد نے خوشگوار حیرت کے ساتھ اپنی کرسی چھوڑ[illegible] اندرونی کمرے کی طرف بڑھتے بڑھتے حامد نے پلٹ کر دیکھا[illegible] حیران رہ گیا۔ منیجر شیشے کے دروازے سے سڑک کا منظر دیکھتے ہو[illegible] سگریٹ سلگانے میں مصروف تھا جس کا مطلب تھا کہ منیجر کو باہر روک کر طارق[illegible] اسے تخلیے میں اندر بلایا تھا۔

حامد کا دل تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا۔ اسے چھوتے ہی گم[illegible] گزرا کہ طارق شاید اپنے منیجر کی جانب سے شک میں مبتلا ہوگیا[illegible] اور اپنی رائے کی تائید یا تردید کے لیے اس سے اکیلے میں بات[illegible] چاہتا ہے۔ اس کے اندر داخل ہونے پر طارق نے اسے دروا[illegible] بند کرنے کو کہا تو حامد کا گمان یقین میں بدل گیا اور وہ دون[illegible] ہاتھ پشت پر باندھ کر مودبانہ انداز میں میز کے سامنے جا کھڑا ہوا[illegible]

"بیٹھ جاؤ۔" طارق نے کرسی کو قدرے جھلاتے ہوئے نر[illegible] آواز میں کہا اور حامد نے شکریہ ادا کرکے ایک کرسی سنبھال لی۔[illegible] کا دل اس وقت کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اور طارق کی تجربہ[illegible] نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"تم محنتی اور ایماندار آدمی ہو حامد!" چند ثانیوں کے تو[illegible] کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ "پہلے دن کے انٹرویو میں تم نے[illegible] اور اپنی ذمے داریوں کے بارے میں مجھے کھل کر سب کچھ بتا دیا تھا[illegible] سے مجھے خوشی ہوئی اور شاید یہ تمھارے گھریلو حالات سے ا[illegible] واقفیت کا ہی نتیجہ ہے کہ میں مسلسل تمھاری آمدنی بڑھانے کے امکا[illegible] پر غور کرتا رہا ہوں۔"

"میں آپ کا ممنون ہوں سر! کہ آپ مجھ پر اتنے مہربان ہیں[illegible] حامد نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔ "ورنہ کون اپنے ملازمین کے لیے[illegible] اتنا فکر مند ہوتا ہے۔ جب کہ میں شاید اپنے فرائض میں کوتاہی کا[illegible] مرتکب ہوتا رہا ہوں۔" وہ تھوڑا سا جذباتی ہونے لگا۔

"میں سمجھا نہیں کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" طارق نے حیرت سے پیشانی پر بل ڈال کر سوال کیا۔

"منیجر صاحب[illegible] اس دفتر اور اپنے منصب کا . . ."

"شش۔" طارق نے اسے ٹوک کر خاموش کر دیا اور سنجیدگی سے بولا۔ "تمھاری ہی طرح وہ بھی محنتی ہے مگر بے ایمان ہے، میں نے اسے آٹھ سو پر ملازم رکھا تھا اور آج بھی اس کی یہی تنخواہ ہے جب کہ تم دو تین گھنٹوں کے لیے یہاں آکر پانچ سو کما لیتے ہو، میں اس[illegible]

بات کا قائل ہوں کہ جو جس کے مقدّر میں ہے اسے مل کر رہتا ہے۔ وہ ایماندار ہوتا تو آج میں اسے ڈھائی تین ہزار دے رہا ہوتا مگر وہ یہی رقم میری لاعلمی میں اڑا رہا ہے، میری چشم پوشی کی بھی وجہ ہے۔ میرے دوسرے کام ہیں، میں یہاں زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔ وہ میرا دیکھا بھالا آدمی ہے، میرے لیے یہی کافی ہے کہ یہ ادارہ قائم ہے اور اپنے اخراجات کے علاوہ کچھ نہ کچھ دے ہی رہا ہے۔"

"جی یہ تو درست ہے۔" حامد نے مرعوب ہو کر کہا۔ طارق کی سوچ بہت صاف ستھری اور منطقی محسوس ہوئی تھی اسے۔

"مگر تم نوجوان آدمی ہو۔" طارق پھر کہنے لگا۔ "تم پر اپنے گھر کی بھاری ذمّے داریاں ہیں جن کے بوجھ تلے تمھاری ذات دب کر رہ گئی ہے ورنہ تمھارے بھی بہت سے خواب ہوں گے، آرزوئیں ہوں گی جن کی تم تکمیل چاہتے ہو مگر پیسے کے بغیر یہ محال ہے۔"

"آپ نے میرا ایک بڑا بوجھ ہلکا کیا ہے سر!" حامد نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔ "آپ کے یہاں آنے سے قبل میں نے گریجویشن کی بنیاد پر شہر بھر میں کل وقتی ملازمت حاصل کرنے کے لیے جوتیاں چٹخائیں لیکن کہیں بات نہ بن سکی۔ اب خدا کا شکر ہے کہ یہاں سے ملنے والے پانچ سو روپوں میں سے اپنے تعلیمی اخراجات نکال کر بھی گھر والوں کا خاصا ہاتھ بٹا رہا ہوں۔ ورنہ میرے لیے تو زندہ رہنا بھی دشوار ہو جاتا۔"

"پانچ سو روپے۔" طارق نے میز پر جھکتے ہوئے دہرایا۔ "تم کب تک اس پر گزارا کر سکو گے؟ تمھاری محنت اور ایمانداری کو دیکھتے ہوئے شاید میں اگلے برسوں میں دو چار سو اور بڑھا دوں لیکن یہ آمدنی تمھاری امنگوں کا ساتھ نہ دے سکے گی۔ میں تو خیر جاہل آدمی ہوں، تم پڑھے لکھے ہو، اچھی طرح جانتے ہو گے کہ افراطِ زر کیا ہے۔ پیسے کی قدر و قیمت دن بدن تیزی سے گھٹتی جا رہی ہے۔ جو کام کل سیکڑوں میں ہو جاتے تھے، آج اس کے لیے ہزاروں درکار ہیں اور یہ سلسلہ بس چلے ہی جا رہا ہے، پتا نہیں اس کا اختتام کہاں اور کیسے ہو گا؟"

حامد خاموش رہا۔ طارق کی ہر بات اس کے دل کو لگ رہی تھی، اس کی دُکھتی رگوں کو چھیڑ رہی تھی۔ وہ خود بھی شہر کی کشادہ اور صاف ستھری سڑکوں پر رواں دواں نت نئی گاڑیوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ مارٹن کوارٹر کے شکستہ و بوسیدہ مکان سے نکل کر یونیورسٹی جاتے ہوئے گلشنِ اقبال میں بنے ہوئے وسیع اور دلکش مکانات کو حیرت سے دیکھتا اور سوچتا تھا کہ وہاں بسنے والوں نے کساد بازاری کے اس دور میں اتنے مالی وسائل کہاں سے اور کیسے جمع کیے ہوں گے مگر وہ یہ سب طارق سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ طارق خود ہی اس کے دل میں مچلتی آرزوؤں کو پڑھتا جا رہا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم میری عزت کرتے ہو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "میرا احترام کرتے ہو، صرف اس لیے کہ میرے پاس وسائل ہیں، میں تمھاری محنت کے صلے میں تمھیں معقول معاوضہ دے رہا ہوں، اس میں کمی آ جائے گی تو تم مجھ سے نگاہیں بدل لو گے، اس دور میں انسان کی عزت، آبرو، حیثیت اور مقام کا تعلق صرف پیسے سے ہے، خواہ وہ کسی بھی طرح کمایا گیا ہو۔ پیسہ کمانے کے لیے بڑے ہیر پھیر کرنے پڑتے ہیں مگر اس کے بعد آدمی مطمئن ہوتا ہے کیونکہ اس پیسے کو وہ اپنی مرضی سے استعمال کر سکتا ہے۔"

"آپ درست کہہ رہے ہیں۔" حامد نے دھیمی آواز میں کہا۔ "یہ تو کھلی کھلی باتیں ہیں۔ میں خود بھی نہ جانے کیسے کیسے خواب دیکھتا ہوں مگر میں اناڑی ہوں، پیسہ کمانے کے راستے میری سمجھ میں نہیں آتے۔"

"اور اگر میں کوئی تجویز پیش کروں؟" طارق نے کہا۔ "کوئی آسان سا راستہ۔ کوئی ایسا کام جس کے لیے سرمائے کے بجائے بس تھوڑی سی ہمت اور ہوشیاری کی ضرورت ہو؟"

"میں سر کے بل تیار ہوں۔" حامد نے پُراشتیاق لہجے میں کہا۔ طارق کی امید افزا گفتگو نے اس کا دورانِ خون تیز کر دیا تھا اور اس کے تصور میں چمکتی دمکتی نئی نئی گاڑیوں کے ہیولے چکرانے لگے تھے۔ مارٹن کوارٹر کے اس بوسیدہ مکان کی بنیادوں سے ایک خوبصورت سا بنگلہ ابھرتا محسوس ہو رہا تھا۔

طارق ایک گہرا سانس لے کر گھومنے والی کرسی کی پشتگاہ سے ٹک گیا۔ "نہیں۔ میں زبان کھول کر اپنا بھرم نہیں کھونا چاہتا۔ تم ایک ایماندار نوجوان ہو اور ایمانداری کے روایتی مفہوم کے قائل معلوم ہوتے ہو، شاید یہ کام تم نہ کر سکو۔"

حامد کا چہرہ لٹک گیا۔ "کون دیکھتا ہے سر! ایمانداری اور بے ایمانی کوئی اٹل چیزیں نہیں ہیں۔ کسی کی گردن کاٹے بغیر اگر دو پیسے حاصل کر لیے جائیں تو میں اسے کسی طرح بے ایمانی نہیں سمجھتا۔"

طارق اس کی طرف دیکھتا رہا، اس کی نگاہوں سے بے اعتباری مترشح تھی۔ "بالفرض میں تم سے یہ کہوں کہ تم اپنے حلقوں میں ہیروئن متعارف کراؤ جس کی فروخت میں تمھارا معقول منافع شامل ہو گا تو شاید تم میری دماغی صحت پر شبہہ کرنے لگو گے۔"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں مجھے۔" حامد نے احتجاج کیا۔ "میرے لیے یہ کام ایک سنسنی خیز تجربہ ہو گا، میں اسے چیلنج سمجھ کر قبول کروں گا لیکن سوال یہ ہے کہ میں ہیروئن کہاں سے لاؤں گا، کون اعتماد کرے گا مجھ پر؟"

"یعنی تم ایمانداری کو ایک ڈھکوسلا سمجھتے ہو؟"

حامد چونک پڑا مگر فوراً ہی سنبھل گیا۔ "ہیروئن کو اگر کشتہ طلا

کہہ کر فروخت کیا جائے تو ایمانداری مجروح ہوتی ہے سر! اسے اس کے اصل نام سے بیچنے میں ایمانداری پر کیا حرف آتا ہے ہے؟"

"تمہارا ضمیر منشیات فروشی پر تمھیں ملامت نہیں کرے گا؟"

حامد کا حوصلہ بڑھ گیا تھا، اس کے لبوں پر تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ضمیر تو اب بھی ملامت کرتا ہے سر! اور یہ ملامت زیادہ شدید ہے۔ چار بہنوں میں سے دو شادی کے قابل ہیں اور میں اس قابل بھی نہیں کہ ان کی شادی کر سکوں۔ میرے باپ نے اپنی ساری عمر کلرکی میں گزار دی ہے۔ ان کی تنخواہ میں پیٹ بھرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ اگر میری بات پر شبہہ ہو تو کبھی آخری تاریخوں میں ہمارے گھر کا حال دیکھیں، بات بات پر ہر ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کو دوڑتا ہے، میں خود بارہا یہ سوچ چکا ہوں کہ جب ان کی آمدنی اتنی قلیل تھی تو انھیں بچوں کی کیا ضرورت تھی؟ انہیں پہلے دن سے فیملی پلاننگ پر عمل کرنا چاہیے تھا۔ بچے پیدا کیے، انھیں بھوک اور افلاس کے سائے میں پال کر جوان کیا اور اب انھیں دیکھ دیکھ کر سہمتے رہتے ہیں، چار بیٹیوں کا بوجھ کم نہیں ہوتا سر! وہ دوہری رفتار سے بوڑھے ہو رہے ہیں اگر میں بھی ضمیر کے بہکاوے میں الجھا رہا تو حشر ان سے مختلف نہ ہوگا مگر میں سسک سسک کر زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ زندگی بس ایک بار ملتی ہے اس کا جو لمحہ گزر گیا سو گزر گیا، وہ دوبارہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔"

طارق دلچسپی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ وہ تو اسی لیے اسے چھیڑ رہا تھا، اس کی انا پر ہلکے ہلکے تازیانے لگا رہا تھا کہ وہ اپنے خول سے باہر نکلے اور اس کے خیالات سن کر اسے خاصی خوشی ہوئی تھی۔

"تو میں سمجھ لوں کہ تم تیار ہو؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد طارق نے سوال کیا۔

حامد نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا مگر اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اب تک حامد یہی سمجھ رہا تھا کہ طارق نے محض اس کے حوصلے کا اندازہ لگانے کے لیے ہیروئن کا ذکر چھیڑا تھا مگر وہ اس کے اقرار کا منتظر تھا۔

"میں تیار ہوں سر!" اس نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔

"گڈ۔" طارق تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ "مگر جو کچھ بات ہوئی ہے وہ تمھاری ذات سے آگے نہیں بڑھے گی۔" اس کا لہجہ یک بیک گمبھیر ہو گیا۔ "مجھے تمھاری کوئی خاص ضرورت نہیں ہے بس تمھاری مدد کرنا چاہتا ہوں، یونیورسٹی میں ہیروئن تمھارے ہاتھوں متعارف ہوگی، اپنی حدود سے باہر تم ایک پڑیا بھی نہیں بیچو گے کیونکہ علاقے مختلف لوگوں میں بٹے ہوئے ہیں اور کوئی بھی اپنی حدود میں دوسرے کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتا۔"

حامد کے ذہن میں وہ چہرے گردش کرنے لگے جن کے بارے میں یونیورسٹی میں مشہور تھا کہ وہ منشیات کے عادی ہیں، جبار، للی، توقیر، اسلم، عاشق، بیسیوں نام تھے، وہ کسی سے بھی کام کا آغاز کر سکتا تھا۔

"طریقہ کار کیا ہوگا؟" اس نے دھیمی آواز میں سوال کیا۔

"اس دفتر میں یہ تمھارا آخری دن ہے، آئندہ تم یہاں سے کوئی واسطہ نہیں رکھو گے۔" طارق نے پیڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کل شام سات بجے تمھیں ایک جگہ پہنچنا ہے۔ پتا نوٹ کر لو۔"

حامد نے اس کا بتایا ہوا پتا لکھ لیا۔ اس پتے پر اسے [illegible] نامی کسی شخص سے مل کر کالے گلاب کا حوالہ دینا تھا۔ بقیہ ہدایات موتی داد اسے حاصل ہونی تھیں جو شاید طارق کا کوئی خاص آدمی تھا۔

تھوڑی دیر بعد طارق نے منیجر کو اندر بلا کر حامد کا حساب بیباق کرنے کی ہدایت کی تو اسے خاصی خوشگوار حیرت ہوئی، اس بات کی تھی کہ حامد کے کام سے خوش ہونے کے باوجود طارق نے یکایک اسے نکال دینے کا فیصلہ کیا تھا اور خوشی اس بات کی تھی کہ اس کے راستے کی رکاوٹ دور ہو رہی تھی اور گیارہ مہینے کے صبر کے بعد اسے دوبارہ من مانی کرنے کی چھوٹ مل رہی تھی۔

حساب کر کے منیجر نے بارہ دن کی تنخواہ کے دو سو روپے جیب سے فوراً حامد کو ادا کر دیے اور وہ خاموشی سے سر جھکا کر وہاں سے چلا گیا۔

"پتا ہے میں نے اسے کیوں نکالا ہے؟" حامد کے چلے جانے کے بعد طارق نے چبھتے ہوئے لہجے میں منیجر سے سوال کیا۔ منیجر بے بسی سے شانے ہلا کر رہ گیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر رحم انگیز معصومیت چھائی ہوئی تھی۔

"میں ڈسپلن کا سخت پابند ہوں۔" طارق سرد لہجے میں بولا۔ "وہ تمھارا ماتحت تھا مگر اس نے تمھارے ہیر پھیر کے واقعات بتانے چاہے تھے، میں یہ پسند نہیں کرتا کہ ایک ایسا آدمی تمھارے نیچے کام کرتا رہے جو تمھیں بے ایمان سمجھتا ہو۔"

منیجر کا چہرہ دھواں ہو گیا اور وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔ "اسے غلط فہمی ہوئی ہوگی جناب... میں تو ہمیشہ اپنے فرائض ایمانداری سے سرانجام دینے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔"

"فریدوں پاشا کا مکان کس نے فروخت کرایا تھا؟" طارق نے اسے گھورتے ہوئے زہریلی آواز میں پوچھا۔

منیجر کی آنکھوں کے سامنے تاریک دائرے ناچنے

رق اس قدر بے خبر نہیں تھا جتنا وہ سمجھتا رہا تھا۔ فریدوں پاشا مکان واقعی اس کی معرفت فروخت ہوا تھا اور سودے کی تکمیل ے بارہ ہزار روپے کمیشن کے طور پر ملنے تھے لیکن یہ رقم ایجنسی حساب میں ڈالنے کے بجائے وہ بالا ہی بالا اڑا گیا تھا۔ اپنی صفائی ں اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن زبان نے ساتھ نہیں دیا اور وہ فقرے ابتدا کرنے کی کوشش میں ہکلاتا ہی رہ گیا۔

"اب تک جو ہوا، سو ہوا۔" طارق نے ٹھہری ہوئی آواز ں کہا تو منیجر کی ذرا جان میں جان آئی۔ "یہ نہ بھولو کہ تمھیں ملازم ھنے سے پہلے یہ ایجنسی میں خود چلاتا تھا۔ میری معلومات کے بہتیرے رائع ہیں، آئندہ کوئی خیانت ہوئی تو میں تمھاری چمڑی ادھیڑ ڈالوں گا۔"

"آئندہ آپ کو کوئی شکایت نہ ہوگی۔" اس نے رو دینے والی واز میں کہا اور طارق نے کرسی چھوڑ دی۔

❁

سکندر علی کا نام ڈینی کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔ اسے ورالیقین تھا کہ غزالہ کے کالج کے فنکشن میں اس نے جو آواز سنی تھی ہ سو فیصد اس کے پُراسرار سربراہ کی تھی۔ وہی آواز، وہی غنودہ سا ب ولہجہ جیسے وہ سننے والے کو سو جانے کی ترغیب دے رہا ہو۔

ڈینی پنڈال سے نکلا تو دونوں لڑکیاں بھی اس کے ساتھ ساتھ تھیں اور اس کے رویّے میں یکایک رونما ہونے والی تبدیلی ر حیران تھیں لیکن ہمت نہیں پڑی تھی کہ اس سے زیادہ باز پرس کرتیں۔

یہ اتفاق ہی تھا کہ ڈینی نے اسٹیج کے قریب مہمانوں کے یے بچھائے گئے صوفوں کے بجائے عقبی حصّے میں پڑی ہوئی کرسیوں ر بیٹھنے کا فیصلہ کیا تھا اور یوں اس کے گمنام باس کو پنڈال میں س کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو سکا تھا۔ پنڈال سے نکلتے ہوئے بھی ڈینی نے احتیاط رکھی تھی کہ روسٹرم پر منشیات کے خلاف تقریر کرنے والا مہمانِ خصوصی اس کی شکل نہ دیکھ سکے۔ ڈینی سوچ رہا تھا کہ اگر وہ ابتدا ہی میں اگلے صوفوں پر جا بیٹھا ہوتا تو وہ شخص لازماً اسے پہچان لیتا کیونکہ وہ ہر ایک کو جانتا تھا مگر اس کی ذات سب کے لیے ایک راز تھی پھر شاید وہ اپنے راز کے تحفظ کی خاطر اس مذاکرے کے اختتام پر اپنی تقریر کا پروگرام ہی منسوخ کرا دیتا لیکن اتفاقات نے صورتحال کو بالکل ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔

پنڈال سے باہر میدان میں لگے ہوئے ایک اسٹال پر غزالہ اور عابدہ کے ساتھ چائے پیتے ہوئے ڈینی نے آہستہ آہستہ خود پر قابو پا لیا اور مسکراتے ہوئے غزالہ سے مخاطب ہوگیا۔ "آپ کی ذات بہت دلچسپ ہے، باتوں ہی باتوں میں کافی وقت گزر گیا لیکن مجھے اندازہ نہ ہو سکا۔"

"مگر مہمانِ خصوصی کی تقریر شروع ہوتے ہی آپ کو اچانک کیا ہوگیا تھا؟" عابدہ نے اس کی طرف جھک کر سوال کیا۔

"مہمانِ خصوصی کی آواز سن کر ہی میں چونکا تھا۔ ورنہ آپ کی باتوں میں کھویا ہوا تھا۔" ڈینی نے خصوصی طور پر غزالہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"مگر آپ کے تو چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔" غزالہ نے ہنستے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔ "میں تو سہم ہی گئی تھی۔"

"آج ساڑھے آٹھ بجے ایک پارٹی کے ساتھ میری اہم میٹنگ مقرر تھی۔" ڈینی نے مسکراتے ہوئے بات بنائی۔ "لاکھوں کا سودا ہونے کی امید تھی لیکن آپ کی میٹھی میٹھی باتوں میں ڈوب کر مجھے اندازہ ہی نہ رہا کہ ساڑھے آٹھ کب بجے۔"

"اوہ۔" غزالہ سنجیدہ ہو گئی۔ "یہ تو بہت برا ہوا... اگر آپ نے پہلے ہی اپنی مصروفیت کی نوعیت بتا دی ہوتی تو میں آپ کو بر وقت یاد دلا دیتی۔ اب آپ کو دوبارہ میٹنگ کا وقت مقرر کرنا ہوگا۔"

"اس کی نوبت نہیں آئے گی۔" وہ لہجے میں ہلکے سے تاسف کا تاثر شامل کرتے ہوئے بولا۔ "داموں پر بات الجھی ہوئی تھی، میری غیر حاضری کو میری عدم دلچسپی سمجھا گیا ہوگا۔"

ڈینی ان دونوں کے ساتھ اسٹال میں بیٹھا باتیں کرتا رہا لیکن اس کے کان لاؤڈ اسپیکر پر گونجتی ہوئی غنودہ آواز پر لگے رہے۔ مہمانِ خصوصی کی تقریر زیادہ طویل نہیں تھی لیکن اس کے ایک ایک لفظ سے منشیات کے فروغ سے گہری نفرت کا اظہار ہو رہا تھا۔

اس نے باتوں ہی باتوں میں لڑکیوں سے مہمانِ خصوصی کے بارے میں دریافت کیا تو اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہ شہر میں خاصا مقبول آدمی تھا۔ اس کا نام سکندر علی تھا۔ وہ شہر کی کئی سماجی اور معاشی بہبود کی تنظیموں کا روحِ رواں تھا۔ اجتماعی فلاح کے کاموں میں نہ صرف اپنا وقت دیتا تھا بلکہ بوقتِ ضرورت مالی اعانت سے بھی دریغ نہیں کرتا تھا۔ طلبا میں وہ اتنا ہر دل عزیز تھا کہ سوونیر میں اس کا پیغام بھی شامل تھا۔

معلومات حاصل ہو جانے کے بعد ڈینی وہاں سے اٹھ گیا۔ اس بار لڑکیوں نے ورائٹی شو کے لیے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی اور وہ باہر آکر کار میں تیز رفتاری کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

گھر پہنچنے کے بعد ڈینی نے ٹیلیفون ڈائرکٹری سنبھال لی اور تھوڑی سی محنت کے بعد سکندر علی کا فون نمبر تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ نمبر اور مکان کا پتا ایک کاغذ پر نوٹ کر کے اس نے ڈائرکٹری ایک طرف پھینکی اور خود فون پر جھک گیا۔ تیسری گھنٹی پر ریسیور اٹھایا گیا تھا۔ بولنے والے کی آواز سے ڈینی نے اندازہ لگایا کہ وہ کوئی ملازم تھا۔ اس کے استفسار پر ملازم نے بتایا کہ وہ گھر پر نہیں تھا اور نہ ہی

وہ اس کی واپسی کے بارے میں کوئی اندازہ لگا سکا تھا۔ فون بند کر کے ڈینی نے رسٹ واچ دیکھی تو ٹرانسمیٹر آن کرنے کا وقت گزرے چند منٹ ہو چکے تھے۔

اس نے سُرخ بٹن دبا کر آپریٹس آن کیا اور اس کا انٹینا باہر کھینچ کر آپریٹس ایک تپائی پر رکھ دیا۔

لباس تبدیل کر کے وہ سستانے کے لیے بستر پر دراز ہوا تو اس کے ذہن میں باس کے الفاظ گونجنے لگے۔ اس نے پچھلی رات ہی ڈینی سے کہہ دیا تھا کہ شاید اگلے دن مقررہ اوقات میں اس سے رابطہ نہ ہو سکے۔ باس کو پہلے سے اندازہ رہا ہوگا کہ وہ کالج کے مذاکرے کی صدارت سے جلدی فارغ نہ ہو سکے گا۔

وہ سکندر علی کی آواز کے بارے میں پُر یقین ہونے کے باوجود ایک عجیب سی بے یقینی کا شکار تھا اور جلد از جلد ایک بار پھر اپنے باس کی آواز سن کر اپنی تسلی کرنا چاہتا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنے باس کی پُراسرار شخصیت سے اس قدر سرسری انداز میں متعارف ہو سکے گا۔ پھر اسے یاد آیا کہ اس کے باس نے ٹرانسمیٹر ملنے کے بعد اسے بھی رابطہ قائم کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ یہ یاد آتے ہی اس نے آپریٹس اٹھایا اور اس کا سیاہ بٹن دبا کر تھوڑے تھوڑے وقفے سے پیغام نشر کرنے لگا۔

وہ تقریباً دس منٹ تک اس لاسلکی آلے پر مصروف رہا لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ آخر کار ڈینی نے آپریٹس آف کر کے الماری کے ایک خفیہ خانے میں مقفل کر دیا۔ اور کنڈی گرا کر خوابگاہ سے نکل آیا۔ اسے یک بیک بھوک کا احساس ستانے لگا تھا۔

کھانے کے دوران بھی اس کا ذہن مسلسل اسی مسئلے میں الجھا رہا۔ وہ کئی برس سے اس کے لیے کام کر رہا تھا لیکن اس سے واقف نہیں تھا۔ البتہ آواز سے اس قدر مانوس تھا کہ اسے ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔ پھر غزالہ کے کالج میں اس نے سکندر علی کی آواز مائیکروفون کے راستے لاؤڈ اسپیکر پر گونجتی سُنی جو پُراسرار باس کی آواز سے مطابقت رکھتی تھی، ڈائرکٹری سے نمبر تلاش کر کے اس نے سکندر علی کے گھر فون کیا تو وہ موجود نہیں تھا۔

اسی طرح ٹرانسمیٹر پر باس سے بھی رابطہ قائم نہ ہو سکا۔ یہ سب نکتے ایک ہی سمت کی نشاندہی کر رہے تھے۔ سکندر علی جو ایک طرف ہر دل عزیز شخصیت کا مالک اور سماج دشمن حرکتوں کا کٹر مخالف تھا، اپنے دوسرے روپ میں منشیات کا ایک بڑا کاروبار چلا رہا تھا۔ اس میں نت نئی راہیں تلاش کر رہا تھا۔ چرس عام ہو جانے کے بعد مقامی بازار میں ہیروئن متعارف کرا رہا تھا اور اسی پر بس نہیں تھی بلکہ اپنے آدمیوں کے ساتھ مالی بد دیانتی کا ارتکاب کرنے والے کو بھی وہ بے داغ طریقے پر ٹھکانے لگا چکا تھا۔

ڈینی محسوس کر رہا تھا کہ اسے رواروی میں ترقی کا دوسرا ... مل گیا تھا۔

اس کے ذہن میں خیالات کی آندھیاں سی چل رہی تھیں پہلا خیال تو یہی آیا تھا کہ وہ سکندر علی کی زندگی کا چراغ گل کر کے بآسانی اس کی جگہ لے سکتا ہے اور پھر سارے دھندے پر اس کا تصرف ہوگا لیکن تھوڑی دیر بعد خیال آیا کہ وہ تو اس کی سرگرمیوں کے بارے میں بالکل اندھیرے میں تھا آخر وہ اسے مار کر کس دھندے پر قابض ہو سکے گا؟ اس کی ساری معلومات جہانگیر، طارق اور ... تک محدود تھیں۔ وہ پُراسرار باس کا فراہم کیا ہوا مال اس کے مقرر داموں پر بازار میں پھیلا دیتے تھے اور ایک وقت میں ان کے پاس زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس لاکھ کا مال یا اتنی رقم ہوتی تھی سکندر علی کا پتہ صاف کر کے ڈینی زیادہ سے زیادہ اس رقم پر قبضہ کر سکتا تھا مگر اس کے بعد دھندا جاری رکھنا اس کے لیے مشکل ہوتا کیونکہ باس کی دوسری سرگرمیوں سے وہ یکسر لاعلم تھا۔

وہ مال کہاں سے فراہم کرتا تھا؟ ان چاروں کے علاوہ وہ کن لوگوں سے کام لیتا تھا؟ اس کی دیگر سرگرمیاں کیا تھیں؟ آمدنی کے دوسرے ذرائع کیا تھے؟ یہ سب بہت ٹیڑھے سوال تھے۔ ان معلومات کے بغیر باس کی جگہ لینے کا تصور بھی احمقانہ ہوتا۔

اگلے دن وہ دفتر میں بھی ان ہی خیالات میں کھویا رہا۔ دفتر سے اٹھا تو سیدھا گھر جانے کے بجائے گارڈن ایسٹ کے علاقے کی پیچ در پیچ گلیوں میں جا گھسا۔ ٹیلیفون ڈائرکٹری کے مطابق سکندر علی کی رہائش اسی علاقے میں تھی۔ پتے کے بارے میں وہ کسی سے معلوم نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے وسیع مکانات کے پھاٹکوں پر باہر لگے ہوئے نمبروں کے سہارے کافی دیر تک گلیوں میں بھٹکتا رہا اور آخر کار مطلوبہ مکان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ زرد رنگ کی ایک دو منزلہ عمارت تھی جس کے گرد احاطہ موجود تھا۔ سرے کا وہ مکان بظاہر ایک عام سا مکان تھا جس پر بادی النظر میں غیر آباد ہونے کا شبہ ہوتا تھا۔ مکان کے پھاٹک کے ساتھ والے ستون پر پلاسٹک کی تختی پر سکندر علی کا اور مکان نمبر درج تھا۔ ڈینی دھیمی رفتار سے مکان کے سامنے سے گزرتا ہوا عقبی سڑک پر آیا اور پھر اس کی کار تیز رفتاری سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

رات کو اس نے مقررہ اوقات کا آغاز ہوتے ہی ٹرانسمیٹر آن کر دیا۔ اپنی طرف سے رابطے میں پہل کرنے سے قبل وہ کچھ انتظار کرنا چاہتا تھا۔ چند منٹ بعد ہی اسے ٹرانسمیٹر پر پُراسرار باس کی غنودہ آواز سنائی دی اور وہ لپک کر آپریٹس کے قریب پہنچ گیا

"ماڈی ون رسیونگ سر! اوور۔" باس کا سگنل ختم ہوتے ہی ڈینی نے سیاہ بٹن دبا کر کہا۔

"کیا خبر ہے؟ اوور۔" سوال کیا گیا۔

"میں نے کسی سے رابطہ قائم نہیں کیا سر! حکم کے مطابق گوشہ نشینی اختیار کرلی ہے... اوور۔"

"گڈ۔" جذبات سے عاری سپاٹ لہجے میں کہا گیا۔ "لیکن باخبر رہنے میں کوئی ہرج نہیں ہے، آج شام کے اخبارات دیکھے تھے تم نے؟ اوور۔"

"نہیں سر!" ڈینی نے اپنے دل کی دھمک کنپٹیوں میں محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "آئندہ میں ان اخبارات کا مطالعہ اپنے معمول میں شامل کرلوں گا... اوور۔"

"کل رات گئے قائد آباد میں دو گروہوں میں تصادم ہوا ہے۔ دونوں کا تعلق منشیات فروشوں سے تھا۔ ایک آدمی ہلاک ہوا، تین زخمی ہوئے ہیں۔ مجھے اس واقعے کی تفصیلی رپورٹ درکار ہے کب تک فراہم کرسکو گے؟ اوور۔"

"ابھی کوشش کرتا ہوں سر! اوور۔" اس نے مستعد لہجے میں کہا۔

"حماقت کی ضرورت نہیں۔" دوسری طرف سے ناگواری کے ساتھ کہا گیا۔ "واقعہ تازہ ہے، پولیس کے ساتھ علاقے میں اس کے مخبر بھی سرگرم ہوں گے، یہ کام خود کو مشکوک بنائے بغیر صبح تم بہتر طور پر کرسکو گے... اوور۔"

"ہوسکتا ہے جہانگیر کو اس بارے میں کچھ معلوم ہو... اوور۔"

"اس سے بھی بات کرلو، میرا مدعا صرف اتنا تھا کہ تم براہِ راست ان لوگوں سے نہ ملو۔" باس کی آواز ابھری۔ "اگر بالکل ہی کٹ کر رہ گئے تو کام چلانا دشوار ہوجائے گا۔ فون کی حد تک تمہیں کھلی آزادی ہے... اوور۔"

"او کے سر! اوور۔" اس [illegible] پر اس نے خوشی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"کل صبح تم گلشنِ اقبال کے اسی مکان میں چلے جاؤ، جہاں پہلے لے جائے گئے تھے۔" ایک بات طے ہوجانے کے بعد باس دوسرے موضوع کی طرف آگیا۔ "وہاں وہی عورت موجود ہوگی۔ تم اسے اینی زولا کہہ کر مخاطب کروگے اور وہ ایک بریف کیس تمہارے حوالے کرے گی۔ اسے احتیاط سے اپنے ساتھ لے آنا۔ وہ بریف کیس بہت قیمتی اور نازک ہے جسے تمہارے لیے تیار کرایا گیا ہے۔ اس کے دونوں سروں پر سلیٹ جیسے دو ہموار مستطیل موجود ہوں گے جو اندر نصب چھوٹے سے کمپیوٹر سے منسلک ہیں۔ تم پہلے بائیں پھر داہنے مستطیل پر اپنا انگوٹھا رکھو گے تو نشان پہچان کر کمپیوٹر خود بخود تالا کھول دے گا۔ اس کے علاوہ کسی بھی ذریعے سے بریف کیس کھولنے کی کوشش کی گئی تو اندرونی استر میں پوشیدہ بارودی مادہ بریف کیس سمیت اس پر زور آزمائی کرنے والے کے ٹکڑے اڑا دے گا... اوور۔"

"مجھے مادام اینی زولا کے پاس کب پہنچنا ہے سر؟ اوور۔" ڈینی نے مرعوب ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"نہ مادام نہ مس، تم اسے اینی زولا کہو گے۔" باس نے تادیبی لہجے میں کہا۔ "یہ اس کا نام نہیں تمہارا کوڈ ہے، نو اور بارہ کے درمیان تم کسی بھی وقت وہاں پہنچ سکتے ہو لیکن اس سے غیر ضروری طور پر بے تکلف ہونے کی ضرورت نہیں... اوور۔"

"میں سمجھ گیا سر! ہدایت پر حرف بہ حرف عمل ہوگا.. لیکن مجھے اجازت ہے کہ میں اس بریف کیس کو کھول سکوں؟... اوور۔" اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"نہ صرف کھولو گے بلکہ کل رات میں تم سے اس کے بارے میں تفصیلی بات کروں گا... اب تم آپریٹس آف کرکے بے فکری سے سو سکتے ہو... اوور اینڈ آل۔" دوسری طرف سے خاموشی چھا گئی۔ ڈینی نے گہرا سانس لے کر سرخ بٹن دبایا اور وہ ٹرانسمیٹر رسیور آف ہوگیا۔

ڈینی کو اجازت مل چکی تھی لہٰذا اس نے فوراً ہی فون پر جہانگیر کو کھٹکھٹانے کا فیصلہ کرلیا۔ دوسری طرف دو بار گھنٹی بجی اور تیسری بار درمیان ہی میں رسیور اٹھا لیا گیا۔ "ہیلو جہانگیر اسپیکنگ۔" ڈینی کے کانوں میں بوجھل آواز آئی۔

"کیا اس وقت تم اس قابل ہو کہ میں کچھ اہم بات کرسکوں؟" ڈینی نے چبھتے ہوئے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"میں نارمل ہوں باس!" بوکھلائی ہوئی آواز میں جواب دیا گیا۔ "شام کو تھوڑی سی لی تھی، شاید آواز پر اسی کا اثر ہے۔"

"مال تمہیں مل گیا تھا؟"

"جی، ڈینی کے ذریعے۔" دبی دبی آواز میں کہا گیا۔

"میں لکیر کا فقیر نہیں ہوں۔" ڈینی زہریلے لہجے میں بولا۔ "حالات اور مواقع کی نزاکت کے پیشِ نظر اپنی کھوپڑی بھی استعمال کرتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ مارکیٹ کی کیا رپورٹ ہے؟"

"حیرتناک تیزی کے فوراً بعد بازار ایک دم ٹھنڈا ہوتا نظر آرہا ہے۔" جہانگیر نے رک رک کر کہا۔ "بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چند روز کے بحران سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہر ایک بلیک گولڈ کے چکر میں پڑ گیا اور اس وقت بازار میں منوں مال آگیا ہے۔"

"شام کے اخبارات دیکھے تھے؟" ڈینی نے اپنے اوپر آزمایا جانے والا سوال دہرایا۔

"شاید آپ راجو کے اڈے پر ہنگامے کی بات کر رہے ہیں،"

مجھے اخبار سے پہلے اس کی اطلاع مل گئی تھی، بعد میں اخبار بھی دیکھا مگر اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے یہ معاملہ ذرا سنگین بھی ہو سکتا ہے۔"
جہانگیر اس سے کہیں زیادہ باخبر تھا۔

"جو کچھ معلوم ہے، رُکے بغیر دہرا جاؤ، جہاں ضرورت محسوس ہوگی ٹوک دوں گا۔"

"راجو قائد آباد کے علاقے میں دیسی شراب بیچتا ہے، تین چار دن سے اس نے کسی سے لے کر مہنگے داموں چرس بھی بیچنی شروع کر دی، علاقے میں چرس کا دھندا کرنے والوں نے اسے روکنا چاہا لیکن وہ باز نہ آیا اور کل رات گئے ہمارے دلال نے راجو کے اڈے پر مسلح دھاوا بول دیا۔ ہوٹل اور اس کے پیچھے واقع ساقی خانے کو آگ لگا دی۔ آدھے گھنٹے تک گولیاں چلیں جس کے نتیجے میں راجو کا بھائی مارا گیا۔ پولیس نے بہت سے آدمیوں کی گرفتاری کے لیے چھاپے مارے لیکن جو ملوث تھے وہ سب روپوش ہو چکے تھے البتہ سات دوسرے آدمی پکڑے گئے ہیں۔"

"ویری گڈ۔" ڈینی اسے بے ساختہ داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم آنکھیں کھلی رکھتے ہو، ہمارا آدمی کسی قیمت پر پولیس کی تحویل میں نہ جانا چاہیے ہو سکے تو اسے شہر سے ہی نکلوا دو۔"

"او کے باس!" جہانگیر کی سعادت مندانہ آواز سنائی دی۔ "ویسے نئی لائن پر بھی کام شروع کر دیا گیا ہے۔"

"کون کام کر رہا ہے؟" ڈینی نے سوال کیا۔

"طارق نے یونیورسٹی کے ایک ضرورت مند اور غریب طالبعلم پر ڈورے ڈالے ہیں اور وہ فوری طور پر مال بیچنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔" جہانگیر نے بتایا۔ "امید ہے کہ وہاں بہت جلد کامیابی ہوگی۔"

"شہر کے دوسرے کالج بھی زرخیز ثابت ہو سکتے ہیں۔" ڈینی نے اسے یاد دلایا۔ "اپنے آدمیوں کو ہر طرف پھیلا دو، اگر ابھی سے پوری کوشش نہ کی گئی تو آخر میں ٹارگٹ پورا نہ ہو سکے گا۔"

"میں خود بھی پرانے اڈوں کے بجائے نئے علاقوں پر توجہ دینے کے بارے میں سوچ رہا ہوں، آپ فکر نہ کریں باس! میں پوری کوشش کروں گا کہ ٹارگٹ میں کسی قسم کی کمی نہ ہونے پائے۔"

"بس یہ خیال رہے کہ یہ ہم سب کی بقا کا سوال ہے۔" ڈینی نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

❁

دوست محمد ان پڑھ لیکن سیدھا سادا محنتی انسان تھا۔ بچپن سے محنت کرتے کرتے جوان ہو گیا تھا لیکن کبھی راتوں رات لکھپتی بننے کے خواب نہیں دیکھے تھے جب اس نے رکشا چلانا شروع کیا تو اسے یہ جان کر حیرت ہوئی تھی کہ میٹر کی مرمت کا کام کرنے والے دراصل گراریوں کی ردوبدل میں پیسے کماتے تھے ان کا ہنر یہ تھا کہ وہ گاہک کی مرضی کا کام بھی کر دیتے تھے اور سرکاری سیل جوں کی توں نظر آتی تھی۔ گراریوں کی اس ردوبدل کے نتیجے میں سواریوں سے کرائے کی مد میں رقم کی وصولی میں حسب مرضی اضافہ کیا جاسکتا تھا مگر دوست محمد کو خوشی تھی کہ اس کا میٹر صرف بیس پیسے فی میل زیادہ دکھاتا ہے جب کہ شہر کی سڑکوں پر بہتیرے ایسے رکشے چل رہے تھے جن کے میٹر کم و بیش اصل سے ڈیوڑھا کرایہ ظاہر کرتے تھے۔ شاید وہ اس گراری کو بھی درست کرا لیتا لیکن اس نے پہلے دو تین دن میں ہی حساب لگا لیا تھا کہ میٹر بالکل درست کرانے کے بعد مالک کو دی جانے والی یومیہ رقم، پٹرول اور تیل کا خرچ اور پولیس والوں کے ناگہانی ناشتہ پانی کے اخراجات نکال کر وہ ایک وقت کی روٹی بھی بمشکل کھا سکے گا اور اگر کبھی ٹریفک پولیس کے کسی گشتی مورچے کا سامنا ہو گیا تو مالک کی گرہ سے رقم دینی ہوگی یا حوالات کی ہوا کھانی ہوگی لہٰذا اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اسی قدر ایمانداری پر اکتفا کرے جو اس کے زندہ اور آزاد رہنے میں بھی معاون ہو سکے۔

پھر غیر محسوس طریقے پر دن بدن اس کے اخراجات بڑھنے لگے تو وہ پریشان رہنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کی گھر والی پیسے کہاں اُڑائے دے رہی تھی۔ اس سے بات کرتا تو وہ بازار کے بھاؤ سنانا شروع کر دیتی۔ اس کی صاف ستھری سوچ کو تنگ دستی کا زنگ لگنا شروع ہو گیا اور اس نے سواریوں کو ریزگاری لوٹانی بند کر دی کچھ لوگ چند پیسوں کی پروا بھی نہ کرتے، بعض برا سا منہ بنا کر زیر لب بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھ جاتے جو ذرا زیادہ ڈھیٹ ہوتے انھیں نوٹ لوٹا کر وہ خود ریزگاری کا مطالبہ کر ڈالتا لیکن یہ طریقہ بھی زیادہ دن کارگر نہ رہا، بڑھتی ہوئی مہنگائی دن بدن اس کی دسترس سے باہر ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے پاس کوئی ہنر بھی نہیں تھا کہ رکشا چلانے کے بجائے دوسرا کام کر لیتا جس میں زیادہ آمدنی کے مواقع ہوتے۔

کافی سوچ بچار کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ اسے ایک شفٹ کے بجائے دو شفٹوں میں رکشا چلانا چاہیے۔ مالک اس تجویز پر بہت خوش ہوا کیونکہ دوست محمد رکشے کو اپنی روزی سمجھ کر اس کی قدر کرتا تھا جب کہ دوسری شفٹ والا ڈرائیور رکشے کو اپنی مہارتوں کے اظہار کا واحد ذریعہ سمجھتا تھا لہٰذا اگلے ہی دن سے دوست محمد کو دونوں شفٹوں کے لیے رکشا مل گیا۔

اس وقت تک وہ نشہ کرنے والوں کو دل سے برا سمجھتا تھا وہ جب بھی کسی اڈے پر کھڑا ہوتا اسے دو چار ڈرائیور حلقہ بنائے چرس بھری سگریٹوں کے دم لگاتے نظر آتے مگر وہ دعوت ملنے کے باوجود کبھی ایسی کسی محفل میں شریک نہیں ہوا۔

مگر جب پہلا دن ڈھلا اور اسے سیٹ پر بیٹھے شہر کی سڑکیں

ناچتے شام ہوگئی تو اس پر تکان طاری ہونے لگی۔ بے اختیار اس کا دل چاہا کہ سواری اتار کر رکشا گھر لے جا کر کھڑا کر دے، دل کھول کر نہائے پھر چائے پی کر بستر پر دراز ہو جائے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا کیونکہ وہ رش کا وقت تھا۔ خالی رکشا گلی سے نکل کر جونہی سڑک پر آتا بہت سے ہاتھ اسے روکنے کے لیے بے تابانہ فضا میں ہلنے لگتے۔ انھیں نظر انداز کر کے اسے خالی ہاتھ ہی گھر لوٹنا پڑتا کیونکہ مالک کو دو شفٹوں کی دوگنی رقم دینی تھی جو اس وقت بمشکل ہی پوری نکلتی۔

نیو ٹاؤن کی سواری اتار کر وہ سیدھا جمشید روڈ پر ہو لیا اور پھر اس نے ڈرتے ڈرتے ایک پان والے سے بنی بنائی دو سگریٹیں خریدیں، ان میں سے ایک سلگا کر رکشا اسٹارٹ کیا اور شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ سگریٹ ختم کرنے سے پہلے ہی اسے اپنے وجود میں توانائی سی ابھرتی محسوس ہوئی جیسے وہ تازہ دم ہو گیا ہو۔ ذہن بالکل خالی تھا اور اس خالی پن میں سرور کی ایک عجیب سی کیفیت تھی، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ دوسری سگریٹ سلگا لے لیکن کیپری سینما سے سواریاں مل گئیں جن کی موجودگی میں وہ بدبودار سگریٹ نہیں سلگانا چاہتا تھا۔

رفتہ رفتہ وہ چرس کا عادی ہوتا چلا گیا۔ سنگل شفٹ میں گھر کا خرچہ پورا کرنا مشکل تھا اور چرس کے بغیر ڈبل شفٹ کی ڈیوٹی ناممکن تھی۔ لہٰذا اس سمجھوتے کے تحت گھر کی گاڑی بھی مزے سے چلنے لگی اور وہ خود فراموشی کے ایک لذت انگیز احساس میں ڈوبا رہنے لگا۔

لیکن چند روز پہلے اس نے باری باری کئی ٹھکانے چھانے مگر چرس کہیں سے نہ مل سکی۔ سویرے ہی سے اس کا بدن ٹوٹنے لگا، بار بار معدے میں کڑک چائے کی پیالیاں انڈیلنے کے باوجود جمائیوں پر جمائیاں آتی رہیں، آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ اسے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا وجود ادھورا رہ گیا ہو۔ اس دن اپنی روایتی نرم خوئی کے باوجود کئی سواریوں سے اس کی تو تکار ہوئی، ایک سے ہاتھا پائی ہوتے ہوتے رہ گئی، دوپہر ہوئی تو وہ اپنے ذہن پر گرفت کھو چکا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اگر وہ کچھ دیر اور سڑک پر رہا تو کسی کو کچل دے گا یا کوئی بس اس پر سے گزر جائے گی۔ وہ سخت بیزاری اور جھلاہٹ کے عالم میں گھر لوٹ آیا۔

شوہر کے خلاف معمول جلد گھر لوٹ آنے پر بیوی نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ازدواجی تصرفات سے کام لینا چاہا تو وہ بھڑک اٹھا، کھانا آیا تو اس میں مرچیں تیز اور نمک کم محسوس ہوا آخر گھر کے سارے محاذوں پر سکوت طاری کرانے کے بعد وہ بستر پر گر گیا۔

اس کے لیے وہ چند روز زندگی کے بدترین دن تھے ہر روز وہ سوچتا کہ قوتِ ارادی سے کام لے گا، پورے وقت رکشا چلائے گا لیکن شہر کے ہنگاموں میں آتے ہی اس کے اعصاب انتشار کا شکار ہو جاتے۔ اس سے دو چھوٹے موٹے حادثے بھی ہوئے مگر چرس کے بغیر وہ آدھے دن سے زیادہ کام نہ کر سکا۔ جمع پونجی سے رقم ملا کر مالک کو اس کا حصہ ادا کرنا پڑا کیونکہ اپنی ساری پسند اور ناپسند کے باوجود وہ ادھار سے سخت نفرت کرتا تھا۔

پھر ایک دن دوست محمد کے ترسے ہوئے کانوں نے ایک ٹھکانے پر امید کا پیغام سنا۔ چرس تو نہیں تھی لیکن ہیروئن مل سکتی تھی وہ مہنگی تھی مگر اثر بھی اس کا دو آتشہ تھا۔ دوست محمد نے جیب سے نوٹ نکال کر دکاندار کے حوالے کیے اور پڑیا لے کر وہاں سے چلا آیا۔ اس نے بھورے رنگ کا وہ حیرتناک سفوف سگریٹ کے ذریعے استعمال کیا تو زبان پر گھلتے ہوئے لطیف ذائقے کی پُراسرار مقناطیسی لہریں اپنی رگ و پے میں کوندتی محسوس ہوئیں اور پھر وہ تیزی سے خود کو تندرست و توانا محسوس کرنے لگا۔ اس کے اعصاب پر چھائی ہوئی کھولت یوں صاف ہو گئی تھی جیسے تیز برسات نے مکان کے در و دیوار سے برسوں کی جمی ہوئی گرد دھو ڈالی ہو۔

ہیروئن چرس کے مقابلے میں مہنگی ضرور تھی لیکن دوست محمد کو استعمال میں سستی محسوس ہوئی۔ اثر میں وہ نہایت تیز تھی۔ دوست محمد کا خیال تھا کہ اگر قریب المرگ آدمی بھی اس کی ایک پڑیا لیتا تو ایک بار پھر بری لے کرانوکی یا محمد علی باکسر تک سے بھڑ جانے پر تل جاتا۔

پھر چند روز کے بحران کے بعد بازار میں چرس کی بھرمار ہو گئی لیکن دوست محمد ہیروئن ہی خریدتا رہا جو اسے آزادی، صحتمندی اور توانائی کے سرور انگیز تصور سے مالامال کر دیتی تھی مگر اس کی یہ عیش کوشی زیادہ دن جاری نہ رہ سکی۔ صبح سویرے وہ گولیمار سے رکشا لے کر نکلا تو ایک گلی کے نکڑ پر جناح اسپتال کی سواری مل گئی۔ صبح کا وقت تھا، سڑکوں پر زیادہ ٹریفک نہیں تھا۔ لہٰذا وہ دل کھول کر رکشا بھگانے لگا تاکہ اس سواری کو اتارنے کے بعد کالا پُل کے علاقے سے ہیروئن کا تازہ کوٹہ خرید سکے۔ پچھلے دنوں میں اس نے شہر میں ہیروئن ملنے کے کئی ٹھکانے دریافت کر لیے تھے لیکن کالے پُل یا جیل روڈ کے علاوہ کہیں سے خریدنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ بیچنے والے اپنے جانے پہچانے گاہکوں کو یا ان کی سفارش پہ آئے قابلِ اعتماد لوگوں کو ہی ہیروئن بیچ رہے تھے۔ چرس کی طرح اس نشے تک ہر کس و ناکس کی رسائی نہیں تھی۔

اس دن شاید دوست محمد کے ستارے گردش میں تھے کیونکہ جونہی وہ تیز رفتاری سے نمائش کا چوراہا گھومنے لگا اچانک اس کی نگاہ سڑک پر گرے ہوئے موبل آئل پر پڑی جو شاید کسی گاڑی وغیرہ سے گرا تھا اور کافی بڑے رقبے میں پھیلا ہوا تھا۔ دوست محمد نے بریک پیڈل پر پاؤں رکھ کر رفتار کم کرنے کی کوشش کے

ساتھ رُخ بدل کر چکنی سڑک سے بچنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکا اور رکشا ایک پل میں قلابازی کھا کر گھسٹتا ہوا چوراہے کی منڈیر سے جا ٹکرایا۔ رکشا پلٹتے ہی دوست محمد اچھل کر دور جا گرا تھا مگر سوار آہنی پائپوں اور کینوس کے مضبوط جال میں پھنسا ہوا تھا۔

دوست محمد نے اٹھ کر رکشے کے پچکے ہوئے ڈھانچے میں پھنسے ہوئے مسافر کی مدد کے لیے جانا چاہا لیکن اس کی داہنی پنڈلی سے ران تک درد کی ایک ناقابلِ بیان ٹیس دوڑ گئی اور پھر وہ درد اور اذیت میں ڈوبی ہوئی نگاہوں سے اپنی خون میں لتھڑی ہوئی شلوار کو دیکھنے لگا۔

دھماکا بہت زوردار ہوا تھا۔ اس لیے پولیس چوکی پر مامور عملہ فوراً جائے حادثہ پر آ پہنچا۔ بے ہوش مسافر کو شکستہ ڈھانچے سے نکالا گیا تو اس کا سر اور چہرہ لہو کی سُرخی میں ڈوبا ہوا تھا اور یوں وہ دونوں جناح اسپتال کے بجائے سول اسپتال کے شعبۂ حادثات میں پہنچا دیے گئے۔

دوست محمد کو شدید چوٹیں آئی تھیں مگر وہ ہڈیوں کی ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ رہا تھا لہٰذا ضابطے کی کارروائی اور مرہم پٹی کے بعد اسے جنرل وارڈ کے ایک بستر پر ڈال دیا گیا جہاں اس کے سر پر ایک سپاہی مسلّط تھا۔ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ زیرِ حراست مریض کے طور پر اس بستر پر پڑا ہوا تھا۔

ایک بجے تک وہ اپنا بیان وغیرہ قلمبند کرا کے فارغ ہو چکا تھا۔ وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور وہ بستر پر پڑا پہلو بدلتا رہا پھر اسے اپنا حلق سوکھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس وقت تک شاید گھر والی کو خبر نہیں ملی تھی اس لیے نرم دل سپاہی توجہ سے اس کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ دوست محمد نے ایک ہی سانس میں اس کا لایا ہوا گلاس خالی کر دیا مگر حلق بدستور سوکھا محسوس ہو رہا تھا۔ جب حلق میں کانٹے پڑنے لگے تو وہ پھر پانی کے لیے کراہا مگر پانی اس کی پیاس کا درماں نہ بن سکا، حلق سوکھا جا رہا تھا، زبان اینٹھ رہی تھی، جسم برف کی طرح ٹھنڈا ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا پھر بدن کے مساموں سے پسینہ پھوٹنے لگا، دل بیٹھتا ہوا محسوس ہونے لگا، کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں جیسے تیز ہوائیں کسی آسیب زدہ حویلی کے بوسیدہ در و دیوار کے روزنوں سے زور کرتی گزر رہی ہوں۔

وہ گھبرا گیا۔ اسے یاد آیا کہ اس کا ہیروئن لینے کا وقت گزر چلا ہے لیکن اس کا ذہن کوئی فیصلہ کرنے کے قابل نہیں تھا۔ نجانے وہ خون بہہ جانے کے بعد دی جانے والی دواؤں کے اثرات تھے یا ہیروئن کی طلب۔ اس نے کربناک انداز میں اپنا سر جھٹکنا شروع کر دیا۔

اسے سانس رُک رُک کر آ رہے تھے جیسے سینہ یک بیک تنگ ہو گیا ہو، اعصاب پر ہلکا سا تشنج طاری ہو چلا تھا، آنکھیں سلگ رہی تھیں۔ کبھی اسے یوں نظر آتا جیسے چھت سے جھولتا ہوا پنکھا سیکڑوں فٹ کی بلندی پر خلا میں معلق ہو پھر اچانک ہی وہ پنکھا اپنی چھاتی سے چند انچ اوپر رُکا ہوا نظر آتا۔ نگاہوں کے اس فریب سے چھٹکارا پانے کے لیے اس نے اپنا سر ایک پہلو کی طرف گھمالیا اور برابر میں پڑا ہوا دوسرے مریض کا پلنگ اور قریبی بینچ پر بیٹھی ہوئی سوگوار سی عورت نظر آنے لگی جس کی پشت دوست محمد کی جانب تھی۔

چھوٹے چھوٹے سانسوں کی وجہ سے اس کے پھیپھڑوں کو تازہ ہوا مناسب مقدار میں نہیں مل رہی تھی۔ لہٰذا اس کے تنفس کی رفتار تیز ہو گئی، حلق بالکل سوکھ گیا۔ اینٹھی ہوئی زبان ہونٹوں پر پھیری تو ڈر گیا، ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی کھردری دیوار کو چاٹ لیا ہو، اسی لمحے بینچ پر بیٹھی ہوئی چالاک عورت اپنی جگہ سے جنبش کیے بغیر اچانک اپنی بینچ مریض کے بستر سمیت اتنی دور دھکیل لے گئی کہ اس کا وجود دوست محمد کو ایک موہوم سے ہیولے کی طرح نظر آنے لگا پھر وہ مسہری پہلے سے بھی زیادہ قریب گھسیٹ لائی سیٹیوں کے شور میں دوست محمد کے کانوں میں عجیب عجیب آوازیں گونجنے لگیں، دماغ میں پتلے پتلے بانسوں جیسے جسموں والے کریہہ صورت سائے ناچنے لگے جو اس کا مضحکہ اڑا رہے تھے، وہ بے حس و حرکت بستر پر پڑا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بینچ والی عورت کو دیکھتا رہا۔

وہ عورت شاید اپنی پشت پر بھی دیکھ سکتی تھی۔ کیونکہ وہ اسے ستانے پر تلی ہوئی تھی۔ وہ تیزی سے بستر کو بہت دور دھکیل لے گئی اور اگلے ہی لمحے اسے گھسیٹ کر دوست محمد کی آنکھوں سے آ لگی۔

جب بار بار یہی ہونے لگا تو وہ دونوں مٹھیاں بھینچ کر کربناک آواز میں پوری قوت سے چیخ پڑا ”بند کرو... ہا... آ... بند کرو... یہ حرکتیں“

چیختے ہوئے اس نے بستر سے اٹھنے کی کوشش بھی کی تھی مگر اسے ہر طرف دھندلاہٹ ہی دھندلاہٹ دکھائی دے رہی تھی جس میں بانسوں جیسے جسموں پر تربوز نما چہرے مضحکانہ انداز میں مسلسل مسکرائے جا رہے تھے۔ دوست محمد نے ہذیانی انداز میں بے مقصد آوازیں نکالتے ہوئے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے اور سر مسہری کے آہنی پائپ پر دے مارا۔

اس کی نگرانی پر مامور سپاہی نے اگر اسے فوراً ہی نہ دبوچ لیا ہوتا تو وہ مسہری سے نیچے گر گیا ہوتا۔

اس ہذیانی چیخ پکار میں کراہتے ہوئے مریض اپنا دکھ بھول گئے۔ دوست محمد کے بستر کے گرد تماشا دیکھنے والوں کی بھیڑ لگنے لگی۔ ہر شخص اسے عبرت کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور اس کی حالت کے بارے میں سرگوشیوں میں اظہارِ خیال کر رہا تھا۔

"دماغ میں بخار چڑھ گیا ہے۔" ایک عمر رسیدہ عورت سہمی
ئی آواز میں دوسری سے کہہ رہی تھی۔
"او میرے مولا!" ایک ادھیڑ عمر مریض دونوں ہاتھ ملتے ہوئے
دینے والی آواز میں کراہا۔ "جرا آنکھیں تو دیکھو بے چارے کی، کیسا
پ رہا ہے بس ابھی یہ جندہ نہیں بچے گا۔ میرے مولا! ہم سب
ادھر سے جندہ نکال دے۔" اس کی دہشت بالکل بجا تھی کیونکہ
ست محمد کی آنکھوں کی پتلیاں اوپر چڑھ گئی تھیں اور کھلے ہوئے
نٹوں میں چمکتی ہوئی سفیدی بھیانک لگ رہی تھی۔ اس کے
ن پر شدید کپکپاہٹ طاری تھی اور سپاہی کے علاوہ کوئی اس کے
یب جانے کو تیار نہیں تھا۔

یہ ہنگامہ معمولی نہیں تھا۔ دو میل نرسوں کے ساتھ آر ایم او
راً ہی آ پہنچا۔

دوست محمد کی حالت دیکھ کر کالج سے تازہ تازہ نکلے ہوئے
اکٹر کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ بادی النظر میں وہ سمجھا تھا کہ مریض شاید
ی موذی نشے کا عادی ہوگا مگر دوست محمد کی تو حالت ہی عجیب
ی۔ وہ مینڈریکس، راکٹ، ہیپاٹیٹس بی اور مارفیا کے عادی مریضوں
نشہ ٹوٹنے کی حالت میں بارہا دیکھ چکا تھا مگر اس قسم کا کیس وہ
لی بار دیکھ رہا تھا۔

فوری طور پر ایک سینئر ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ اس نے آتے
بستر کے گرد لگی ہوئی بھیڑ کو منتشر کیا اور دونوں میل نرسوں سے
رست محمد کے کانپتے ہوئے جسم کو قابو میں کر لیا۔ ڈاکٹر نے دوست محمد
ی حرکتِ قلب دیکھی، خون کا دباؤ چیک کیا، پپوٹے سرکا کر پتلیاں دیکھنے
ی کوشش کی اور پھر بڑبڑاتے ہوئے مریض کی یخ بستہ پیشانی پر ہاتھ رکھتے
وئے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

"مریض کسی خطرناک نشے کا عادی ہے۔" اس نے نوجوان ڈاکٹر
سے مخاطب ہو کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بڑی عجیب علامات ہیں سر!" نوجوان ڈاکٹر نے انگریزی میں
کہا۔ "یہاں مارفین سب سے موذی نشہ ہے مگر یہ علامات اس کی بھی
ظر نہیں آتیں۔ اسی وجہ سے میں الجھ گیا تھا۔"

"کوئی بھی نشہ ہر مریض پر یکساں اثر نہیں کرتا۔" سینئر ڈاکٹر
نے بھی اس بار انگریزی کا سہارا لیا تھا۔ "کمزور اعصاب کے لوگ
نشہ نہ ملنے پر بدترین ردِعمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ
سی قسم کا کیس ہو یا پھر یہاں ہیروئن بھی بازار میں آ گئی ہے۔"
آخری فقرہ اس نے پُرخیال اور تشویشناک لہجے میں ادا کیا تھا۔
فی الحال اسے مارفین دے دو، ہوش میں آنے کے بعد دیکھیں گے
کہ یہ کیا کہتا ہے۔ اس دوران خون ٹیسٹ کرا لو اس کا۔"

❁

اپنی زولا، اپنی زولا۔

گلشن اقبال کی طرف جاتے ہوئے ڈینی کا ذہن مسلسل اسی لفظ یا نام کی تکرار کیے جا رہا تھا۔ پتا نہیں اس کا تعلق کس زبان سے تھا۔ باس سے گفتگو ختم ہونے کے بعد بھی یہ نام اس کے ذہن پر ٹھوکریں لگاتا رہا تھا اور سونے سے قبل وہ کافی دیر تک ڈکشنری کھولے اس میں ممکنہ حروفِ تہجی کے تحت صفحات کھنگالتا رہا لیکن یہ لفظ کہیں نظر نہ آیا۔ اس سے پہلے بارہا وہ کوڈ ورڈز سے دوچار ہوتا رہا تھا لیکن ہمیشہ اردو یا انگریزی کے جانے بوجھے نام یا الفاظ ہی باہمی شناخت کا ذریعہ مقرر کیے گئے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسے اپنی زولا جیسا بیہودہ لفظ استعمال کرنا تھا جو اپنی اجنبیت اور غیر معمولی صوتی آہنگ کے باعث اس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔

پچھلی بار وہ سُرخ کرولا والے کے ساتھ گلشن اقبال کے اس مکان پر گیا تھا تو وہاں رہنے والی عورت سے بھی اس کا سامنا ہوا تھا۔ نہ صرف سامنا ہی ہوا تھا بلکہ کرولا والے کی فرمائش پر اس نے چائے بھی پلائی تھی۔ اپنی وضع قطع اور بول چال کے اعتبار سے وہ عورت سو فیصد مقامی نظر آتی تھی۔ اس وقت ڈینی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ مشرقی عورت براہ راست اس کے باس کی آلۂ کار ہوگی۔ اس نے یہ رائے قائم کی تھی کہ شاید خطرناک صورت والے کی اس عورت سے گہری آشنائی تھی اور وہ اسے بتائے بغیر اس کا مکان اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا رہتا ہوگا۔

اسے ایک مرتبہ پھر بلاوجہ غصہ آنے لگا۔ ایک مقامی عورت کے لیے اپنی زولا جیسا نامانوس کوڈ ورڈ مقرر کرنا اس کے نزدیک حماقت تھی لیکن وہ مجبور و محکوم ماتحت تھا۔ اپنے باس کی ہر عقلمندی اور حماقت کو ہنستے کھیلتے برداشت کرنا اس کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا۔ اپنی شدید ترین خواہش کے باوجود بھی وہ اس کوڈ ورڈ میں تبدیلی کرنے پر قادر نہیں تھا۔

مکان کے پھاٹک کے عین سامنے اس نے دانستہ انجن کو خاصی ریس دے کر اگنیشن آف کیا لیکن مکینوں کو کسی کی آمد سے باخبر کرنے کی یہ ترکیب بار آور ثابت نہ ہو سکی اور نیچے اتر کر اسے پختہ ستون میں لگے ہوئے اطلاعی گھنٹی کے پش بٹن کو دبانا پڑا۔ اسے توقع تھی کہ حسبِ سابق اس بار بھی ملازم فوراً ہی ذیلی دروازے سے طلوع ہو کر اس کی آمد کا مدعا دریافت کرے گا مگر ایسا نہ ہوا۔

چند سیکنڈ کے سکوت کے بعد پختہ فرش پر کسی زنانہ سینڈل کی ایڑیوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی اور پھر ذیلی دروازہ کھول دیا گیا۔ خاتون نے جونہی جائزہ لینے کے لیے ذیلی دروازے سے سر باہر نکالا ڈینی نے اپنے ذہن میں کلبلاتا ہوا وہ بیہودہ کوڈ ورڈ دے ڈالا۔

"اوہ... اندر چلے آؤ۔" عورت نے اپنا سر واپس اندر کرتے

ہوئے کہا اور ڈینی ذیلی دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ اسے حیرت تھی
کہ پہلی بار سادہ اور گھریلو نظر آنے والی وہ عورت اس وقت سر سے
پیر تک فیشن میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس نے بغیر آستینوں کا ٹی شرٹ نما
بلاؤز اور جینز پہنی ہوئی تھی۔ چہرہ غازہ کی تہہ میں گلنار ہو رہا تھا اور
لبوں پر گلابی رنگ جما ہوا تھا۔ وہ اس کی مستانہ چال کے بارے میں
کوئی نادر سی تشبیہ سوچتے ہوئے اس کی تقلید میں ڈرائنگ روم میں
داخل ہوا جہاں وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف مڑ گئی: "دو منٹ بیٹھو
میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ اندرونی دروازے سے گزر کر غائب ہو گئی۔ اس کے سینڈلز
کی کھٹ کھٹ چند ثانیوں تک گونجنے کے بعد معدوم ہو گئی اور ڈینی
یہی سوچتا رہ گیا کہ پہلے تاثر کے بارے میں انگریزی کہاوت کس قدر
گمراہ کن ہے۔ پہلی ملاقات میں ان دونوں کا سامنا ضرور ہوا تھا لیکن
براہ راست گفتگو کی نوبت نہیں آئی تھی لیکن اس وقت وہ ڈینی
سے اس قدر اعتماد سے بے تکلفانہ مخاطب ہوئی تھی جیسے ان میں
پرانی شناسائی ہو۔

واپسی میں اس کے داہنے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا ایک بریف
کیس جھول رہا تھا جو بادی النظر میں عام ساخت کا نظر آ رہا تھا۔
وہ سیدھی اسی ڈبل صوفے پر آ بیٹھی جس پر ڈینی بیٹھا ہوا تھا
اور بریف کیس اس نے اپنی ٹانگوں پر رکھ لیا پھر مسکراتے ہوئے
دلآویز نگاہوں سے ڈینی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی: "نام کیا
ہے تمہارا؟"

"اینی زولا" ڈینی نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"اور میرا؟" اس نے شوخ لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں بتاؤ گی تو تمہیں بھی اینی زولا ہی سمجھتا رہوں گا۔" ڈینی
نے اپنی سنجیدگی میں فرق نہ آنے دیا۔ اسے یاد تھا کہ باس نے
اسے اس عورت سے غیر ضروری طور پر بے تکلف ہونے سے منع کیا
تھا۔ اس کا خیال تھا کہ پہلی ملاقات میں ہلکا پھلکا تاثر چھوڑنے والی
وہ عورت خاصی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی جو ڈینی کا جواب سن کر
فراخ دلی سے کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں ہی بیک وقت اینی زولا ہوں؟"

"انگریزی قاعدے سے قطعی ہو سکتا ہے۔ بلکہ انگریزی میں تو
یہی ہوتا ہے۔" ڈینی بدستور سنجیدہ رہا۔

"وہ کیسے؟" عورت بیگ پر ہاتھ رکھے مسلسل ہنسے جا رہی تھی۔

"مسٹر اور مسز کے ساتھ، بلکہ کوئی لڑکی ہو تو وہ مس اینی زولا
ہو سکتی ہے۔"

"تو میں تمہیں لڑکی نظر نہیں آتی؟" اس نے قدرے بگڑ کر
سوال کیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں عجلت میں ہوں ورنہ
ڈینی نے بلاوجہ رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ وہ
خاصی شوخ تھی اور وہ بھی اس سے الجھنے میں دلچسپی رکھ
لیکن باس کی خصوصی ہدایت نے اسے سرد مہری پر مجبور کر د
"عجلت" اس نے طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے برا
ڈینی کی طرف بڑھا دیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں سے ڈر
ڈینی اس توہین آمیز ریمارک پر بس لیے گھور کر
پھر کچھ کہے بغیر اٹھا اور بریف کیس سمیت باہر نکلا چلا آیا
کار میں آ بیٹھا۔ اس عورت نے باہر جھانکنے یا کوئی الوداع
کے بغیر ذیلی کھڑکی بند کر لی۔

گھر لوٹتے ہوئے ڈینی مسلسل اسی عورت کے بار
سوچتا رہا۔ نہ جانے وہ کون تھی اور ان لوگوں کے درمیا
کی کیا حیثیت تھی۔ خطرناک صورت والے شخص کے بعد وہ دو
شخصیت تھی جس سے ڈینی اپنے باس کے ذریعے متعارف ہ
ورنہ مدت سے وہ یہی سوچتا رہا تھا کہ شہر میں باس کے رابط
رابطے میں صرف وہی تھا یا پھر اس کے ذریعے جہانگیر نادر
طارق تھے مگر نئے تجربات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ باس کے
کرنے والوں کی تعداد اتنی محدود نہیں تھی۔ اس عورت اور
صورت والے کے علاوہ نہ جانے کتنے لوگ اس نادیدہ شخصیت
سے ہوں گے۔

پھر قابلِ غور بات یہ بھی تھی کہ باس نے دو ٹوک
کے لگے بندھے معمول سے ہٹ کر ڈینی کو اس عورت سے غیر ض
طور پر بے تکلف ہونے سے منع کیا تھا جب کہ وہ ڈینی سے
ہونے اور فریبِ حسن میں مبتلا کرنے پر تلی ہوئی تھی جس کا ایک واضح
یہ تھا کہ باس اس عورت کی فطرت سے بخوبی واقف تھا
دانست میں ایسی واقفیت براہِ راست اور بے تکلفانہ مرا
بغیر ممکن نہیں تھی۔ یعنی باس اس عورت کی اور وہ باس کی شخ
سے بخوبی واقف تھی۔ یہ خیال آتے ہی ڈینی نے سوچا کہ حیثیت
عورت وہ بری نہیں تھی۔ خوش مزاج اور خوش گفتار تھی اگر و
کی لاعلمی میں اس سے دوستی کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو با
رسائی آسان ثابت ہو سکتی تھی۔ اس عورت کو اعتماد میں
تصدیق بھی کی جا سکتی تھی کہ بظاہر مخیّر، نرم دل، ہمدرد اور
دوست نظر آنے والا اسکندر علی ہی ان کا سرغنہ تھا۔

گھر پہنچ کر کار سے اترتے ہوئے وہ باس اور گلفش
والی مست خرام دلربا کو بھول کر بریف کیس میں الجھ گیا اور
سیدھا اپنی خوابگاہ میں پہنچ گیا۔ جوتے اتار کر وہ چند ثانیوں
اس سیاہ بریف کیس اور اس کے دستے کے دونوں جب

سورتی سے نصب سلیٹ نما مستطیلوں کو دیکھتا رہا پھر بریف کیس
سہری بیٹھ گیا پہلے اس نے اپنا داہنا انگوٹھا داہنی طرف کے مستطیل
ا پھر چند ثانیوں بعد یہی عمل بائیں طرف والے مستطیل پر آزمایا لیکن بریف کیس
کا توں رہا۔ ڈینی نے ڈھکن پکڑ کر قدرے اوپر اٹھانا چاہا لیکن
بستور مقفل تھا جس کا مطلب تھا کہ باس نے اسے کھولنے کے لیے
رتیب بنائی تھی اس میں تبدیلی کر کے بریف کیس کو بحفاظت
ولنا ناممکن تھا۔

دوسری بار ڈینی نے بائیں مستطیل سے ابتدا کی اور پھر داہنے
طیل پر انگوٹھا رکھتے ہی کلک کی ہلکی سی آواز آئی اور بریف کیس
ھکن اچھل کر قدرے اوپر آ گیا۔ ڈینی نے جھری کے قریب سے
کر ڈھکن اٹھایا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ بریف
میں کچھ کاغذات کے اوپر ہی پولی تھین کی دو شفاف تھیلیوں
بھورے رنگ کا نہایت باریک سفوف نظر آ رہا تھا۔ ڈھکن کی
رونی سطح پر کلپ کے ذریعے اعشاریہ تین دو کا خودکار اسمتھ اینڈ
وڈنی پستول لگا ہوا تھا اسی کے ساتھ جلد کی رنگت کے باریک
بکل دستانوں کی کئی جوڑیاں موجود تھیں۔ اس نے کسی چیز کو چھوئے
بریف کیس کی ساخت کا جائزہ لینا شروع کیا تو اسے بنانے والے
ہنرمندی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

بریف کیس کی تہہ معمول کے مطابق تھی البتہ اس کی دیواریں
معمولی طور پر موٹی تھیں۔ غالباً نشاناتِ انگشت کی شناخت کرنے
کمپیوٹر اور کمپیوٹرائزڈ تالا اگلی دیوار کی موٹائی میں پوشیدہ تھا جبکہ
رودی مادہ اور اس میں دھماکا پیدا کرنے والی بیٹریاں بغلی دیواروں
اس طرح ضم تھیں کہ استر اور شاید اس کے بعد دفتی ادھیڑے
بغیر انھیں دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ ڈینی کو یقین تھا کہ اس حفاظتی غلاف
میں بھی کہیں نہ کہیں ایسے مہلک تار پوشیدہ ہوں گے جو اندرونی ساخت
میں خلل کے باعث آپس میں شارٹ ہو کر طاقتور بارودی مادے
کو موثر بنا دیں لہٰذا اس نے اس بریف کیس کے بارے میں اپنے
ذہن میں ابھرنے والے سارے تجسس کو وہیں دفن کر دیا اور ہیروئن کی
تھیلیوں کے نیچے دبے ہوئے کاغذات نکال لیے۔

اوپر کے سادہ حفاظتی کاغذ کے نیچے ابھری ہوئی گول مہر
والا ایک چھپا ہوا سرٹیفکیٹ تھا جس پر ڈینی کی تصویر چسپاں تھی۔
سرٹیفکیٹ کسی ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کا تھا جس کے مندرجات کے
مطابق ڈینی اس فرم کا اسسٹنٹ سیلز منیجر تھا۔ سرٹیفکیٹ کے اختتام پر
فرم کے چیئرمین کے قلمی دستخط تھے جن سے نام پڑھنے میں نہیں آتا تھا۔
ابھری ہوئی بے رنگ مہر اس طرح لگائی گئی تھی کہ ڈینی کی تصویر کا
کچھ حصہ بھی اس کی زد میں آ گیا تھا اور یوں تصویر بدلنا تقریباً
ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ فرم کے نام کے ساتھ اوپری گوشوں میں
تین ٹیلی فون نمبر، تار کا پتا اور ٹیلکس نمبر درج تھے۔ نام کے نیچے لاہور
کے مال روڈ کا ایک پتا درج تھا۔

ڈینی اس تصدیق نامے کو دیکھ کر چکرا کر رہ گیا۔

ایک طرف تو باس اتنی رازداری برت رہا تھا کہ برسوں سے
سامنے آئے بغیر محض آواز سے سارا کام چلا رہا تھا۔ محض اپنی آواز کی
غیر ضروری تشہیر سے بچنے کے لیے اس نے جہانگیر سے براہ راست
بات نہیں کی تھی بلکہ ڈینی کے ذریعے سارے احکام دیتا رہا تھا
یا اب اس نے ایک ایسا تصدیق نامہ اس کے حوالے کر دیا تھا جس
پر اس کے ایک ادارے کا نام، پتا، فون نمبر، تار کا پتا اور ٹیلکس نمبر
تک موجود تھا جس کے سہارے اس کی ذات کا سراغ لگا لینا نہایت
آسان ثابت ہو سکتا تھا۔

اس کے نیچے چار ٹیلکس تھے جن میں سے دو ایمسٹرڈم کی
کسی فرم کی جانب سے ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کو بھیجے گئے تھے اور بقیہ
دو ایشین سنڈیکیٹ کے جوابات کی نقول تھیں۔ ان چاروں میں گریے
کلاتھ کی خرید اور داموں کے بارے میں تذکرہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا
تھا جیسے ایمسٹرڈم کی فرم ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ سے گریے کلاتھ کی
ایک بڑی مقدار مستقل بنیادوں پر درآمد کرنا چاہتی تھی مگر نمونے
کی منظوری اور داموں کی وجہ سے معاملہ التوا میں پڑا ہوا تھا۔ دیگر
کاغذات ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے لیٹر فارم پر ٹائپ کیے ہوئے
تھے اور ان کا تعلق بھی اسی سودے سے معلوم ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ
بکرے کی شکل کا ایک نقرئی ٹائی پن بھی موجود تھا۔

اپنے شناخت نامے کے ساتھ ان کاغذات کی موجودگی سے
ڈینی نے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا کہ اسے ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے
نمائندے کے طور پر اس سودے کو تکمیل تک پہنچانا تھا اور یہ تو
ظاہر ہی تھا کہ گریے کلاتھ کی برآمد محض ایک کاروباری آڑ تھی ورنہ
وہ سارا قصہ ہیروئن ہی سے متعلق تھا۔

اس نے بریف کیس اپنی الماری میں مقفل کیا اور کھانا کھا کر
فیکٹری روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچا تو دوسرے کاروباری پیغامات کے
علاوہ اسے سیکرٹری سے معلوم ہوا کہ کوئی عورت دو بار اس کے لیے فون
کر چکی تھی اور اس کی عدم موجودگی کی اطلاع پا کر نہایت تجسس اور
بے چینی کے عالم میں یہ جاننا چاہا تھا کہ وہ کس وقت تک دفتر آئے
گا اور آئے گا بھی یا نہیں۔ سیکرٹری نے جب اس عورت کا نام جاننا
چاہا تو اس نے کوئی جواب دیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔ دوسری بار محض
آواز اور ڈینی کے بارے میں سوالات کی یکسانیت سے سیکرٹری نے
اندازہ لگایا تھا کہ بولنے والی وہی تھی۔

اس عورت کی دونوں فون کالز گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان
آئی تھیں لہٰذا ڈینی کا ذہن گلشن اقبال والی خوش مزاج عورت کی

طرف گیا لیکن اسے ڈینی کی فیکٹری کا فون نمبر کیسے ملا؟ اسے یہ تو ضرور بتایا گیا ہو گا کہ کوئی شخص اینی زولا کے حوالے سے اس کے پاس آئے گا لیکن اسے یہ کیسے معلوم ہوا کہ آنے والا ڈینی ہو گا؟ وہ تنظیم سے وابستہ تھی تو مقررہ طریقے سے ہٹ کر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کا کیا مطلب تھا؟ پھر جب ڈینی اس سے ملا تو اس نے اشارۃً بھی ایسی کوئی بات نہیں کہی جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ اس نے ڈینی کے لیے اس کے دفتر فون کیا تھا۔ یہ سب ایسے پیچیدہ سوال تھے کہ وہ الجھن میں پڑ گیا۔ نجانے گروہ میں اس کا کیا مقام تھا اور وہ ڈینی میں کیوں اتنی دلچسپی لے رہی تھی؟ گھر پر بھی اس نے ڈینی کو اپنے دام میں پھنسانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اگر ڈینی کو باس کی خصوصی ہدایت یاد نہ ہوتی تو شاید وہ خود بھی اس کی لگاوٹ کا شکار ہو کر بہک جاتا۔

دوسرے کاموں میں مصروف ہونے سے پہلے معمول کے مطابق وہ ڈاک کے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔

وہ جاپان سے آیا ہوا پلاسٹک مولڈنگ اور ایکسٹروژن مشینوں کے بارے میں لٹریچر دیکھنے میں مصروف تھا کہ فون کی گھنٹی کی مدھم آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے ریسیور اٹھایا تو آپریٹر کی آواز سنائی دی ”سر! کوئی خاتون آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔ پہلے بھی آپ کی غیر موجودگی میں دو بار ٹرائی کر چکی ہیں۔“

ڈینی کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ یقیناً اسی عورت نے دو بار آپریٹر کے توسط سے سیکرٹری سے بات کی ہو گی۔ اس نے سوچا اور پھر آپریٹر سے کہا ”لائن دے دو۔“

”ہیلو، تنویر صاحب؟“ ہلکی سی کلک کے بعد ریسیور میں ایک نسوانی آواز ابھری تو ڈینی کی پیشانی پر تحیر آمیز شکنیں نمودار ہو گئیں کیونکہ وہ مترنم اور رسیلی آواز اس کے لیے نئی نہیں تھی۔ بالمشافہ اور فون پر، دونوں ہی طرح وہ اس آواز کے سحر سے آشنا ہو چکا تھا۔

”جی بول رہا ہوں۔“ اس نے ماؤتھ پیس میں سنجیدہ اور باوقار لہجے میں کہا۔

”مم... میں ایک الجھن میں پڑ گئی ہوں۔“ جھجکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”پتا نہیں میں غیر ارادی طور پر جھوٹ کیوں بول بیٹھی؟“

”آپ خاصی پریشان معلوم ہوتی ہیں مس غزالہ!“ وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ”فرصت ہو تو چلی آئیے کسی گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر سکون سے باتیں کر لیں گے۔“

”بڑی عجیب بات ہوئی ہے تنویر صاحب!“ وہ اس کی بات ان سنی کر کے بولی۔ ”سالانہ فنکشن ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے لیکن اس بار فنکشن کے دو روز بعد پروگرام میں مدعو کیے جانے والوں

کی فہرست بنائی جا رہی ہے اور یہ بھی پوچھا جا رہا ہے کہ [illegible] سے کس کس کے مہمانوں نے پروگرام میں شرکت کی تھی؟“

”کیوں؟“ ڈینی نے تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔ ”یہ [illegible] کر رہا ہے؟“

”یہ سارے کوائف فنکشن کی استقبالیہ کمیٹی کا سیکرٹری [illegible] کر رہا ہے۔ مجھے بیس کارڈ دیے گئے تھے، میں نادانستگی میں [illegible] کا تذکرہ گول کر گئی اور اس سے ایک کارڈ ضائع ہونے کا بہانہ [illegible]

ڈینی وہ خبر سن کر تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا مگر بظاہر [illegible] ہوئے بولا۔ ”اوہ، تو اس جھوٹ کی الجھن ہے تمہیں [illegible] دھیان [illegible] وہ اسے آپ کے بجائے تم سے مخاطب کر بیٹھا تھا، خیال آیا تو [illegible] سے نکل چکا تھا مگر اسے خوشی ہوئی کہ غزالہ نے اس انداز تخاطب [illegible] کوئی اعتراض نہیں کیا تھا یا بالفاظ دیگر وہ بے تکلفی قبول کر [illegible] لہٰذا لحظہ بھر کے توقف کے بعد اس نے اپنی بات جاری ر[illegible] ہوئے کہا۔ ”مگر اس جھوٹ کی ضرورت کیا تھی تمہیں؟“

”آپ نجانے میرے بارے میں کیا سوچیں گے؟“ غزا[illegible] آواز خفت آمیز تھی۔ ”اس روز آپ نے اپنے رویے میں [illegible] تبدیلی کے بارے میں مجھے اور عابدہ کو بھی بتایا تھا مگر یہ با[illegible] میرے ذہن سے چپکی رہی کہ شاید مہمانِ خصوصی کی تقریر [illegible] ہی آپ پریشان ہو گئے تھے لہٰذا میرے منہ سے غیر ارادی [illegible] پر ایک جھوٹ نکل گیا جسے نبھانے کے لیے مجھے ایک کارڈ [illegible] ہونے کا عذر تراشنا پڑا۔“

ڈینی کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے اپنی دانست [illegible] دونوں لڑکیوں کو موقع پر ہی مطمئن کر دیا تھا لیکن غزالہ خ[illegible] چالاک معلوم ہوتی تھی۔ اس نے ڈینی کا بہانہ سن ضرور لیا تھا [illegible] اس کا ذہن معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ اب وہ مزید بات [illegible] غزالہ کے شبہے کو تقویت نہیں دینا چاہتا تھا۔ مگر ساتھ ہی [illegible] کے لیے بھی بے چین تھا کہ آخر استقبالیہ کمیٹی کا سیکرٹری وہ [illegible] کیوں پھیلا رہا تھا؟

”چلو میں بھی اسے نباہ لوں گا۔“ وہ ہنستے ہوئے بے [illegible] سے بولا۔ ”پتا نہیں تمہیں کیا وہم تھا۔ ورنہ میری دانست [illegible] سچ بولنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔“

”اوہ، اصل بات تو ابھی سنی ہی نہیں آپ نے۔“ غزا[illegible] آواز سے دبا دبا سا جوش نمایاں تھا۔ ”سیکرٹری نے کسی کو بھی [illegible] چھان بین کے بارے میں کچھ نہیں بتایا، بس یہی کہتا پھر رہا [illegible] کہ خورد و نوش سمیت جملہ انتظامی اخراجات کی فی کس شرح [illegible] چاہ رہا ہے تاکہ دوسرے مواقع پر اخراجات کا صحیح اندازہ رہے [illegible] عابدہ کی کلاس میں پڑھتا ہے، ان میں خاصی دوستی ہے، مجھے [illegible]

پتا چلا ہے کہ سیکریٹری ساری تفصیلات سکندر علی کے ایما پر
ج کرتا پھر رہا ہے۔"
ڈینی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ تو کیا باس کو اس کی
ں موجودگی کا احساس ہو گیا تھا؟
وہ بمشکل اپنے لہجے میں لاتعلقانہ بے پروائی قائم رکھ سکا۔
سکندر علی کون ہے؟"
"بھول گئے؟" غزالہ تیزی سے بولی۔ "وہی تو مذاکرے میں
مانِ خصوصی تھا اس دن... اسی نے سیکریٹری سے بیرونی مہمانوں
فہرست مانگی ہے جو اس شام مذاکرے میں موجود تھے... اب
یئے میری الجھن بجا ہے یا نہیں؟" اس کا لہجہ داد طلب تھا اور
وہ سچ بول رہی تھی تو اس نے فہرست سے ڈینی کا نام حذف
کے اسے ایک بہت بڑی دشواری سے بچا لیا تھا۔
"تمہاری الجھن تو خیر بجا ہے۔" اس بار ڈینی کو سنجیدہ ہو جانا
ا۔ "لیکن سکندر علی کے دماغ میں کون سا کیڑا کلبلایا ہے جو اس نے
ونی مہمانوں کی فہرست مانگی ہے اور پھر تمہارا سیکریٹری بھی کاٹھ
لو ہے کہ آنکھیں بند کر کے اس کے حکم پر چل پڑا۔"
"سکندر علی نے اس روز اعلان کیے بغیر کمیٹی کو دس ہزار
عطیہ دیا ہے۔ تاکہ وہ زیادہ بڑے پیمانے پر ایسے ہی ایک اور
اکرے کا انعقاد کرے جس میں سماجی کارکنوں کے علاوہ ایکسائز،
یس اور دوسرے اعلیٰ سرکاری حکام کو بھی بلایا جائے۔" غزالہ
انے لگی۔ "لہٰذا اس سے تعاون تو ہمارے کالج کے ہر طالب علم کی
لاتی ذمے داری ہے۔ پھر اس نے فہرست کی طلبی کا بہت مضبوط
از بھی پیش کیا ہے۔ فنکشن کے اگلے دن، یعنی کل اسے ایک گمنام
مکی آمیز خط ملا ہے جس میں اسے انسدادِ منشیات کی مہم جاری
ھنے پر بدترین نتائج کا سامنا کرنے کی دھمکی دی گئی ہے۔ خط کالج
ں کی جانے والی تقریر کے حوالے سے ہے اور سکندر علی کا خیال
ہے کہ مہمانوں میں کوئی ایسی کالی بھیڑ بھی تھی جو شرافت اور کسبِ حلال
کے پاکیزہ لبادے کی آڑ میں منشیات فروشی میں بھی ملوث ہے۔ وہ
سرگرم اور فعال آدمی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ مہمانوں کی فہرست دیکھ
کر شاید وہ خط بھیجنے والے کو پہچان لے گا۔"
ڈینی کا دل ڈوبنے لگا۔ معاملہ کسی حد تک اس کی سمجھ میں
آ گیا تھا۔ اس کا باس یقینی طور پر سکندر علی ہی تھا۔ شاید گھر جا کر
س نے سوونیئر کے آخری سرورق پر ڈینی کی فرم کا نام تہنیتی پیغام
کے ساتھ دیکھا ہو گا اور پھر اس الجھن میں گرفتار ہو گیا ہو گا کہ کہیں
ڈینی بھی اس مذاکرے کے مہمانوں میں شامل نہ رہا ہو اور یوں اس
کی آواز سن کر اپنے سربراہ کی پُراسرار شخصیت کے راز سے واقف ہو
گیا ہو۔ اس کے پاس اپنے خدشے کی تصدیق یا تردید کے لیے اس
سے بہتر کوئی طریقہ نہیں تھا جو اس نے اختیار کیا تھا۔ کسی ایک
فرد کے بارے میں چھان بین کے بجائے اس نے سارے ہی شرکا
کے نام مانگ لیے تھے اور غزالہ نے محض جھوٹی حس کے سہارے
ڈینی کا نام چھپا لیا تھا۔ ورنہ اپنی شخصیت کا راز فاش ہو جانے
کے خوف سے سکندر علی، ڈینی کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ
بھی کر سکتا تھا کیونکہ معاشرے میں اپنی انسان دوستی، سماجی خدمات،
فیاضانہ مالی اعانت اور خدا ترسی کی ہر دل عزیز خوبیاں اس نے
منشیات فروشی سے کمائے ہوئے کالے دھن کے سہارے ہی
برقرار رکھی ہوئی تھیں اور اس جیسا محتاط آدمی کبھی یہ خطرہ مول نہ
لیتا کہ کوئی اس کے چہرے سے عزت، شرافت، امانت، دیانت،
سخاوت اور شجاعت کا دبیز غلاف نوچ کر اس میں چھپے ہوئے
منشیات فروش کو معاشرے اور قانون کے سامنے بے نقاب کر سکے۔
وہ دل کی گہرائیوں سے غزالہ کا احسان مند تھا لیکن اس
لڑکی سے اپنی احسان مندی کا اعتراف نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا معتدل
لہجے میں بولا۔ "میں پھر یہی کہوں گا کہ تم نے جھوٹ بول کر خود کو
بلاوجہ ذہنی عذاب میں مبتلا کیا ہے۔ یہ محض ایک اتفاق تھا کہ میں
مہمانِ خصوصی کی آواز سن کر محویت سے چونکا تھا اور پھر دل ہی دل
میں اپنے کاروباری خسارے کا ملال کرتا رہ گیا۔ اگر تمہاری پریشانیوں
کا خیال نہ ہوتا تو میں اب بھی تمہیں یہی مشورہ دیتا کہ استقبالیہ
کمیٹی کے سیکریٹری سے رجوع کر کے اپنے بیان کی تصحیح کرا لو۔ ایسے
پیچیدہ معاملات میں جھوٹ آخر کار تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے۔"
"میری پریشانی؟" غزالہ کی آواز تحیر آمیز تھی۔ "تصحیح کرانے میں
کیا پریشانی لاحق ہو سکتی ہے مجھے؟"
"معاملہ خطرناک دھمکیوں کا ہے۔" ڈینی نے کہا۔ "فہرست درست
کرا کے تم خواہ مخواہ نگاہوں میں آ جاؤ گی اور پھر سکندر علی نے اگر خوف زدہ
ہو کر معاملہ پولیس کے سپرد کر دیا تو وہ سب سے پہلے تم پر اپنی توجہ
مرکوز کرے گی اور تم محض اس بنا پر مشکوک سمجھ لی جاؤ گی کہ پہلی بار
تم نے جھوٹ بول کر دانستہ ایک نام چھپانے کی کوشش کی تھی۔"
"اوہ میرے خدا!" ریسیور پر غزالہ کے گہرا سانس لینے کی آواز
سنائی دی۔ "اس حد تک تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ خیر میں جو
کچھ بتا چکی اس میں ترمیم نہیں کروں گی اور آپ بھی بھول جائیں
گے کہ اس فنکشن میں آئے تھے۔"
"کس فنکشن کی بات کر رہی ہو؟" ڈینی نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"ارے وہی ہمارے کالج کا بور مذاکرہ۔"
"کب کی بات ہے یہ؟" ڈینی بدستور سنجیدہ رہا اور یکبارگی اس
کے کانوں میں جلترنگ بج اٹھے۔ غزالہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔
"تو آپ میرے کہتے ہی بھول بھی گئے؟"

"حکم کا بندہ ہوں۔" ڈینی نے ذو معنی سا جواب دیا۔ غزالہ کے بارے میں اس کے دل میں پہلے ہی دن سے ایک نرم سا گوشہ موجود تھا اور وہ اس سے بے تکلفی پیدا کرنے کا یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا اسے تو یہی سوچ سوچ کر خوشی ہو رہی تھی کہ بے دھیانی میں وہ اسے ناراض کیے بغیر آپ کے بجائے تم سے مخاطب کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ "جب چاہو آزما سکتی ہو۔"

"کافی دیر ہو گئی، فون بند کر دوں؟" وہ سنجیدہ ہو گئی۔

"ایک بات تو ہم دونوں بھول ہی رہے ہیں۔" ڈینی نے چونک کر کہا اور "ہم دونوں" کی مٹھاس میں کھو گیا۔

"وہ کیا؟" غزالہ کے استفسار میں باوقار سنجیدگی آ گئی تھی۔

"کہیں عابدہ میرا نام نہ لے بیٹھے۔" ڈینی نے خدشہ ظاہر کیا۔

"وہ اپنی دنیا میں کھوئی رہنے والی ایک بے ضرر سی لڑکی ہے۔ اسے خبر ہی نہیں کہ میں نے کیا لکھوایا ہے، نہ وہ فہرست دیکھے گی، نہ منہ کھولے گی، اس کی طرف سے میں بے فکر ہوں، آپ بھی پریشان نہ ہوں۔"

"اچھا فون نمبر کیا ہے تمھارا؟" ڈینی نے ڈھٹائی کے ساتھ سوال کیا۔

"جب میں خود آپ کو فون کر لیتی ہوں تو اس کی کیا ضرورت ہے؟" سنجیدہ ہو جانے کے باوجود وہ ڈینی کی جسارتوں پر برافروختہ نہیں تھی۔

"کبھی مجھے بھی ضرورت پڑ سکتی ہے، میرا دل بھی چاہ سکتا ہے بات کرنے کو۔" ڈینی گویا مچل گیا۔

"نمبر بتا بھی دوں گی تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔" اس کا لہجہ استفسار طلب تھا جیسے ڈینی کی زبان سے نمبر جاننے کا کوئی زیادہ بہتر جواز سننا چاہتی ہو۔

"ایسا کوئی نقصان بھی نہ ہوگا، میں بہت شریف اور شائستہ انسان ہوں۔"

وہ شاید بے اختیار ہنس پڑی۔ "مگر میرے ڈیڈی اتنے شائستہ نہیں ہیں کہ آپ کی فرمائش پر مجھے فون پر بلا دیں گے۔"

"میں ایسے وقت فون کروں گا جب وہ گھر پر ہی نہ ہوں۔" ڈینی نے صدق دل سے معصومانہ لہجے میں کہا۔ اس خوبصورت سی لڑکی کے لیے اس کا دل موم ہوا جا رہا تھا۔

"وہ ریٹائرڈ کرنل ہیں تنویر صاحب!" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔ "سارا دن گھر پر رہتے ہیں اور خود ہی فون ریسیو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"تم نمبر تو بتاؤ، مردانہ آواز سنائی دی تو بولے بغیر فون بند کر دوں گا۔"

"زنانہ آواز سے بات کریں گے؟"

"ظاہر ہے۔" ڈینی نے بلا سوچے سمجھے کہا۔

وہ پھر ہنس پڑی، پہاڑی جھرنوں جیسی رل ترل ڈینی کے کانوں میں گنگنا اٹھی۔ "میری امی بھی نیم فوجی ہیں، اگر آپ سے ذرا بھی لغزش ہو گئی تو مجھے فون کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیا جائے گا، اب کم از کم فون کر تو لیتی ہوں۔"

"پلیز غزالہ!" اسے بے تکلفی سے پکارتے ہوئے ڈینی کا دل سینے میں تیزی سے دھڑک اٹھا۔ "تم یقین کرو کہ میری وجہ سے کسی دشواری میں نہیں پڑو گی، میں تمھاری آواز پہچانے بغیر منہ ہی نہ کھولوں گا۔"

اور غزالہ نے اسے اپنا نمبر لکھوا دیا۔

وہ جب تک دفتر میں رہا۔ اس کا رواں رواں خوشی سے سرشار رہا۔ اس کا خیال تھا کہ مبہم کنایوں میں وہ غزالہ تک اپنی بات پہنچانے میں کامیاب ہو گیا تھا جس کا جواب زیادہ حوصلہ افزا نہیں تو مایوس کن بھی نہیں تھا۔ اس کی زندگی میں صنف نازک کی وقعت کبھی ایک کھلونے سے زیادہ نہیں رہی تھی۔ پیتے ہوئے وہ اچھی گفتگو ضرور پسند کرتا تھا لیکن استعاروں اور شاعرانہ تعلیوں کا اس نے کبھی سہارا نہیں لیا تھا۔ مائل بہ کرم نگاہوں کو خوب پہچانتا تھا، مختصر رفاقت کو پسند کرتا تھا اور پھر انھیں بھول جاتا تھا مگر غزالہ نے اس کی ذات کے کچھ نازک سے گوشوں کو چھیڑا تھا، چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے بارے میں محض گوشت پوست کے ایک خوبصورت پیکر کی طرح نہیں سوچ سکا تھا اور اس ابتدا کی انتہا دیکھنے کا تہہ دل سے متمنی تھا۔

دفتر کا وقت ختم ہوا تو وہ وہاں سے کینٹ اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اسکاچ کا شوقین تھا اور گھر پر اس کا مناسب ذخیرہ رہتا تھا مگر اس دن گھر پر آخری بوتل زیر استعمال تھی جس کے ختم ہونے سے پہلے وہ نیا مال حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ جب تک قانون امتناع نافذ نہیں ہوا تھا اسے کبھی دشواری نہیں ہوئی تھی۔ شہر کی کسی بھی دکان سے من پسند بوتل خرید لیتا تھا لیکن پابندی کے بعد ذرا الجھن پیدا ہو گئی تھی۔

شراب کی درآمد اور فروخت کی اجازت تھی تو ڈھائی سو روپے میں عمدہ وسکی کی بوتل مل جاتی تھی جبکہ اس پر درآمدی ڈیوٹی کی شرح بہت زیادہ تھی لیکن سیاسی ہنگاموں میں ڈولتی ہوئی حکومت نے آخری داؤ کے طور پر عوام کی مذہبی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش میں امتناع شراب کا قانون نافذ کر کے پرانے پاپیوں کی نیندیں اڑا دی تھیں۔ چند روز بازار میں ایسا سناٹا رہا جیسے ولایتی سے دیسی تک کشیدنی کا آخری قطرہ بھی نالیوں میں بہا دیا گیا ہو مگر پھر چور دروازے کھل گئے۔ ڈھونڈنے والوں کو نگینے چنے ٹھکانوں سے ملنے لگی۔ سمندر سودے کرنے والے شاید اسی موقع کی تاک میں تھے کراچی کے ساحلوں

ہر دوسری اشیا کے ساتھ بھانت بھانت کی شرابوں کے کریٹوں سے
ری ہوئی لانچیں آنے لگیں بغیر ڈیوٹی کا مال پہلے سے بھی مہنگے داموں
سیدا جانے لگا اور اس پر طرہ یہ کہ گاہکوں کو پسند ناپسند کا بھی
عتیار نہ رہا جو ملتی لینی پڑتی۔ کالے کتے کے شوقین سفید گھوڑے
و بغل میں دبائے پھرتے اور خوش ہوتے کہ کچھ مل تو گیا۔ ساقی خانے
یران ہو گئے، مے کدوں کی محفلیں اجڑ گئیں مگر جو پیے بغیر سونا نہ جانتے
تھے، ان رندوں نے اپنے گھروں میں ایک گوشۂ خرابات بنا لیا۔
یسا معلوم ہوتا تھا جیسے شہر کی ہنستی، کھنکتی، رنگین سماجی زندگی کو
سی کی نگاہ کھا گئی ہو۔

پینے والے دربدر مارے مارے پھرتے رہے اور پھر ان
کے مہربان میدان میں آ گئے۔ اس بار نرخ چار سو سے شروع ہوا اور
پھر بڑھتا ہی رہا لیکن کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

ڈینی شروع ہی سے مرجینا کا گاہک تھا۔ وہ قوی اعصاب
ی مالک ایک ادھیڑ عمر عورت تھی جو کینٹ سے کانٹی نینٹل جانے
الی سڑک کے بائیں جانب اپنے وسیع و عریض آبائی مکان کے ایک
صے میں رہتی تھی۔ اس کا شوہر موہن داس بڑا مرنجاں مرنج آدمی
تھا۔ گھر میں فرش دھونے سے کھانا پکانے تک سارا کام خود کرتا تھا۔
وٹھی کے مختلف حصوں میں مقیم کرائے داروں کے ٹپکتے ہوئے نل
در اکھڑے ہوئے فیوز بھی درست کر لیتا تھا اور آنے والے گاہکوں
و بھی سنبھالتا تھا۔ وہ لاولد جوڑا کوٹھی کے صرف تین کمروں پر
ابض تھا اور بقیہ عمارت کا کرایہ ان کی گزر اوقات کے لیے کافی تھا
گر پھر بھی وہ غیر قانونی مے فروشی کرتے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ
رجینا کوکین کی عادی ہے لیکن ڈینی کو اس سے کوئی غرض نہیں
ھی، کبھی کبھار مرجینا اچھے موڈ میں ہوتی تو اسے ایک آدھ پیگ
پنی طرف سے بھی پلا دیتی تھی۔ نجانے اس کے ذرائع کیا تھے کہ
بدترین قحط کے زمانے میں بھی اس نے اپنے پرانے گاہکوں کو کبھی
مایوس نہیں کیا تھا بس مال روک کر دیتی تھی تاکہ ہر ایک کو کچھ نہ کچھ
مل ہی جائے۔

ڈینی نے ویران گلی میں گھومنے کے بعد تیسرے مکان میں
کار روک دی۔ اس وسیع و عریض کوٹھی کا وہ سالخوردہ چوبی پھاٹک
مرجینا اور موہن کے تصرف میں تھا اور ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ کرائے داروں
کی آمد و رفت کے لیے دوسرے تین پھاٹک موجود تھے۔

مرجینا ہمیشہ کی طرح برآمدے میں بید کی کرسی پر براجمان
تھی۔ یہ اس کا سدا کا معمول تھا کہ گرمی، سردی اور برسات میں
شام چار بجے سے سات بجے تک برآمدے میں ایسے زاویے سے
اپنی کرسی پر بیٹھی رہتی تھی کہ اس کی نگاہوں سے بچ کر چوہے کا
بچہ بھی کھلے ہوئے پھاٹک کو عبور نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اس کی
دکانداری کا وقت ہوتا تھا۔ ٹھیک سوا سات بجے دونوں میاں بیوی
گھنٹی کا سوئچ آف کر کے اندر سے دروازے مقفل کر لیتے تھے پھر کوئی
خواہ عمارت کے داخلی دروازے سے سر ٹکراتا ہی رہے، اندر سے کوئی
جواب نہیں ملتا تھا۔

ڈینی انجن بند کر کے پختہ فرش پر چلتا ہوا برآمدے کی طرف
بڑھا تو مرجینا نے ورم آلود ہونٹوں پر تھوڑا سا زور دے کر سر کو
ہولے ہولے جنبش دیتے ہوئے اس کا استقبال کیا اور جواباً ڈینی بھی
مسکرانے لگا۔

"اے موہن!" بڑھیا نے کراری آواز میں اپنے شوہر کو پکارا
پھر چند ثانیوں کے بعد سر اٹھا کر دوبارہ دہاڑی "اے موہن! کدھر
مر گیا تم؟"

فوراً ہی استخوانی چہرے اور اکہرے بدن والا موہن داس
کھیسیں نکالتا ہوا آ موجود ہوا۔ اس اثنا میں ڈینی دوسری خالی کرسی
پر بیٹھ چکا تھا۔ "یس سر!" موہن داس نے کسی مودب خادم کے انداز
میں سر کو قدرے خم دے کر کہا۔

"کیا مال ہے؟" ڈینی نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"زبردست" وہ شہادت کی انگلی کو انگوٹھے سے ملا کر حلقہ
بناتے ہوئے بولا۔ اس عمل میں اس کی بائیں آنکھ خود بخود دب
گئی تھی۔ "بلیک لیبل، ریڈ لیبل، وائٹ ہارس، بلیک ڈاگ، شیواز،
کوئن این۔ آج سب ملے گا۔ نیا مال آیا ہے۔"

مرجینا نے اسے ایک گندی سی گالی دی۔ "۔۔۔۔ واڈکا تیرا
باپ لے گیا ساری۔"

"مرجینا!" موہن نے کربناک لہجے میں احتجاج کیا۔ "مجھے
معلوم ہے کہ ڈینی بابو سفید نہیں پیتا۔"

مرجینا نے دوسری گالی کسی پتھر کو دی ہوتی تو وہ غیرت سے
چٹخ گیا ہوتا۔ "ریڈ لیبل لیا ہے کبھی اس نے؟ پھر تو نے اس کا نام
کیوں لیا؟"

ڈینی کے لیے وہ کوئی نیا تجربہ نہیں تھا لہٰذا جھگڑے کے
طول پکڑنے سے پہلے ہی دخل دے بیٹھا۔ "بلیک ڈاگ کا کریٹ
لے آؤ۔"

مرجینا زیر لب کچھ بڑبڑاتی رہی، موہن پھرتی سے اندر
غائب ہو گیا۔ ڈینی نے جیب سے پچاس کے نوٹوں کی گڈی نکال کر
مرجینا کی طرف بڑھا دی۔

"کتنا ہے؟" مرجینا نے گڈی گنے بغیر بے پروائی سے اپنی
جیکٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"پانچ ہزار۔" ڈینی نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"ٹو ففٹی اور مانگتا ہے۔" وہ بولی۔ "کوسٹ گارڈز نے دو

لانچ پکڑ لیا ہے، مال ایک دم مہنگا ہو گیا۔"
ڈینی نے ایک لفظ بھی کہے بغیر پرس نکال کر ڈھائی سو روپے اسے دے دیے۔

"کل پرسوں تک شاید ساڑھے پانچ سو ہو جائے گا۔" بڑھیا نے نوٹ جیب میں اڑستے ہوئے اسے پیشگی اطلاع دی۔" دونوں لانچوں پر فل لوڈ تھا، مارکیٹ میں مال شارٹ ہونے والا ہے۔ دو تین کریٹ اور لے جاؤ۔"

ڈینی ہنس پڑا۔" تم سارا دن تو گھر میں گھسی موہن پر برستی رہتی ہو پھر تمھیں مارکیٹ کی خبریں کہاں سے مل جاتی ہیں ؟"

مرجینا نے پُرغرور انداز میں اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی پھر بولی۔" ہمارا سپلائر مارکیٹ کا کنگ ہے، وہ جو بولتا ہے ہو کر رہتا ہے، کل ہم کو ایک کسٹم آفیسر بھی بولا تھا کہ دو چار دن میں پورا کوسٹ سیل ہونے والا ہے۔ وہ بیچارہ ہفتے میں ایک بوتل سے زیادہ نہیں خرید سکتا مگر کل سات بوتل لے گیا ہے۔۔"

ڈینی اس کی بات پوری ہونے سے قبل اٹھ گیا کیونکہ موہن اخبار میں لپٹا ہوا گتے کا وزنی کارٹن اٹھائے باہر آ رہا تھا۔ اس نے کارٹن ڈکی میں رکھوایا اور وہیں سے ہاتھ ہلا کر مرجینا کو الوداع کہتا ہوا روانہ ہو گیا۔

گھر پہنچ کر وہ دیر تک نیم گرم پانی کے شاور کے نیچے کھڑا رہا۔ اس کے ذہن میں رہ رہ کر غزالہ کے ہنستے مسکراتے فقروں کی بازگشت گونج رہی تھی اور وہ اپنے وجود میں ایک عجیب سی سنسنی ابھرتی محسوس کر رہا تھا جس سے وہ ابھی تک ناآشنا تھا۔ نہانے کے بعد لباس تبدیل کرتے ہوئے وہ غیر ارادی طور پر گنگنانے لگا مگر خوابگاہ میں آتے ہی وہ چونک پڑا۔ اسے رات میں باس سے بات کرنی تھی مگر اس سے پہلے جہانگیر سے گفتگو کرنی ضروری تھی تاکہ لانڈھی والے واقعے کی مکمل رپورٹ کے علاوہ دوسرے معاملات سے بھی پوری طرح آگاہی حاصل کر سکے۔

اس نے فون پر جہانگیر کا نمبر ملایا تو پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا مگر ریسیور پر نسوانی آواز سنائی دی جسے وہ فوراً پہچان گیا۔ ڈینی کی حیثیت میں وہ بارہا جہانگیر کی بیوی سے مل چکا تھا اور وہ بھی اس کی اصل آواز پہچانتی تھی۔ تو وہ لاہور سے لوٹ آئی ہے۔ ڈینی نے سوچا پھر بدلی ہوئی آواز میں ریسیور پر جہانگیر کے لیے دریافت کیا۔ وہ ڈینی کی اس آواز کی اہمیت سے یوں واقف تھی کہ جہانگیر اس کی کال سننے کے لیے ہر وقت اپنی ہر مصروفیت ترک کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔

چند ثانیوں بعد جہانگیر لائن پر تھا۔" یس باس!" اس کی آواز میں بڑھتے ہوئے سانسوں کا آہنگ بھی شامل تھا۔ شاید وہ مکان کے کسی دور افتادہ گوشے سے دوڑتا ہوا فون تک پہنچا تھا۔

"راجو کے اڈے کا کیا رہا؟" ڈینی نے بدلی ہوئی غراتی آواز میں براہ راست سوال کیا اور فوری طور پر اسے خیال آیا کہ اس کے اور باس کے درمیان رابطے کے لیے ٹیلی فون مخدوش تھا تو اس کے اور جہانگیر کے مابین بھی فون پر کھلی گفتگو خطرناک تھی۔ شہر میں لائنوں کا نظام گڈمڈ ہو رہا تھا۔ ان کی گفتگو میں کوئی بھی تیسرا کراس کنکٹ ہو سکتا تھا اور اگر وہ خاموش رہتا ان کے علم میں لائے بغیر پوری گفتگو سن سکتا تھا۔

"ساتوں نے اعتراف کر لیا ہے۔" جہانگیر کہہ رہا تھا۔" ان کی نشاندہی پر دو ملزم اور پکڑے گئے ہیں۔۔"

"اعتراف کر لیا ہے۔" ڈینی تحیر زدہ لہجے میں غرایا۔" مگر تم تو کہتا تھا کہ وہ غیر متعلقہ لوگ تھے۔"

"یس سر!" جہانگیر کی آواز سنائی دی۔" لاوارث لفنگوں سے کسی بھی قسم کا اعتراف کرانا پولیس کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے، جو پکڑے گئے ان میں سے کسی کی بھی پشت پر مضبوط ہاتھ نہیں ہیں۔ لہٰذا تشدد نے انھیں اعتراف پر مجبور کر دیا۔ اب ہمارے آدمی محفوظ ہیں، وہ خود بھی اپنے وسائل بروئے کار لے آئے ہیں، پولیس منظم حملے کے بجائے شرابیوں کے باہمی تصادم کے امکانات کی روشنی میں تفتیش کر رہی ہے۔"

"گڈ۔" ڈینی کی غراہٹ تحسین آمیز تھی۔" میں چاہوں گا تم پس پردہ رہ کر گرفتار ہونے والوں کے گھرانوں کی مالی مدد کرتے رہو، رہائی کے بعد وہ تمھارے اچھے کارکن ثابت ہو سکیں گے۔"

"بازار بالکل مندا ہو گیا ہے سر!" جہانگیر کی جھجکتی ہوئی تشویش زدہ آواز ابھری۔

"کیوں؟" ڈینی کو اس اطلاع پر بلاوجہ ہی غصہ آ گیا جیسے بازار کی مندی میں جہانگیر ذاتی طور پر قصوروار ہو۔

"بلیک گولڈ سر!" جہانگیر کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔ "حالانکہ نئے مال کی رپورٹ بہت حوصلہ افزا ہے۔ آج سول اسپتال میں ایک رکشا ڈرائیور حادثے کے بعد داخل ہوا ہے، وہ چار دن سے لے رہا تھا۔ آج اسپتال میں ہونے کی وجہ سے ڈوز نہ لے سکا حالت غیر ہو گئی، سنا ہے کہ ڈاکٹر خود اسے ڈوز دینے پر مجبور ہو گئے"

"اچھی خبر ہے لیکن یہ اثرات تو تمھیں پہلے ہی بتا دیے گئے تھے"

"جی بلیک گولڈ کے ٹریفک کی روک تھام کے لیے انٹرنیشنل نارکوٹکس کنٹرول بورڈ کا ایک وفد ان دنوں شہر میں آیا ہوا ہے" جہانگیر بتا رہا تھا۔" اس کے سربراہ ڈاکٹر وسیلر نے بھی آج اس مریض کو دیکھا اور بعد میں اخباری نمائندوں پر اپنی تشویش کا اظ

...با کہ شاید ڈائی ایسی ٹائل مارفین بھی آخر کار کراچی کے زیر زمین بازار
...ہں آگئی ہے۔ ڈاکٹر ولسیلر نے اسے بدترین خطرے کی گھنٹی قرار
...یا ہے۔"

ڈینی ہنسا تو اس کی آواز میں درندگی نمایاں تھی۔ "سنو!
...سب بے کار لوگ ہیں، آتے جاتے رہیں گے مگر فائلیں موٹی کرنے
...ے سوا کچھ نہ کر سکیں گے۔ یہ اچھا ہوا کہ اس نے پریس کانفرنس کر
...لی، اس کے بیان کی اشاعت سے تشہیر ہوگی اور جو لوگ ابھی
...ب اس سرور سے نا آشنا ہیں، وہ بھی اس کی تلاش میں نکل
...ھڑے ہوں گے۔ کیا اس کا بیان کسی اخبار میں چھپا ہے؟"

"نہیں سر! یہ ابھی شام کا واقعہ ہے۔ شاید صبح کے اخبارات
...ں آجائے، آج شام کے اخبارات میں تو لیس رکشے کے حادثے
...ی خبر ہے۔"

ڈینی نے فون بند کر دیا اور اسکاچ کی بوتل لے بیٹھا۔
دنیا کا چکر ہی کچھ عجیب تھا۔ ہلکے سے سرور کے عالم میں
...س نے سوچا۔

فکر اور نشہ۔ جدید مشینی دور کی بس یہی ایک پہچان رہ
...ئی تھی۔ ورنہ قتل وغارت گری سے چوری اور بے ایمانی تک
...ارے ہی واقعات پتھر کے عہد سے اس خلائی دور تک ہوتے
...ی چلے آرہے تھے اور آج بھی شہروں کے ہنگاموں سے دور،
...لہلاتے کھیتوں میں گھری، ہوئی دیہاتی آبادیوں میں جہاں جدید
...ہذیب کے قدموں کی چاپ نہیں گونجی تھی، جہاں کے نیلے نیلے
...ساف آسمان کو ملوں کی دھواں اگلتی چمنیوں نے نہیں دھندلایا
...تھا، جہاں کے غبار آلود اور کچے راستوں کی سوندھی خوشبو میں تیل
...ور ڈیزل کی کثیف بدبو شامل نہیں ہوئی تھی وہاں بھی گندم،
...کپاس گنے اور جوار کی قد آدم فصلوں میں عزت، غیرت، عیش وعشرت
اور پھر قتل وغارت کے واقعات روز ہی رونما ہورہے تھے۔ دشمنیاں
بھی خوب پروان چڑھ رہی تھیں، کھڑی فصلوں کو آگ لگائی جاتی
تھی۔ مکینوں کو اندر بند کر کے مکان کا محاصرہ کر کے آگ لگا دی
جاتی تھی اور پھر اس وقت تک آسمان کی طرف گولیاں چلائی
جاتی تھیں جب تک مکان کا ایک بھی تنکا راکھ ہونے سے بچ
رہتا یا کوئی آواز جلتے اور سلگتے ہوئے ملبے میں سسکتی رہتی، مویشی
بھی آئے دن کھولے جاتے اور غفلت کا تاوان لے کر لوٹائے جا
تے تھے۔ کمی تھی تو ان دیہاتوں میں دو ہی چیزوں کی تھی۔ فکر
اور نشہ۔ کوئی دہقان فکر کا روگ نہیں پالتا تھا، غیرت نے جوش
مارا تو لاٹھی، کلہاڑی، رائفل یا کچھ نہ ملا تو زور بازو کے بل پر
گھر سے نکلا، دشمن کو للکارا، موت کی نیند سلایا اور خود تھانے جا
پہنچا یا گھر آکر گہری نیند سو گیا۔

مگر یہاں پُراسرار باس کو اپنی ذات چھپائے رکھنے کی فکر
تھی، اپنا مال بیچنے اور پیسہ کمانے کی فکر تھی، ڈینی کو سکندر علی کی
فکر تھی، اسے بے نقاب کر کے خود سربراہی سنبھالنے کی فکر تھی، جہانگیر
کو ہیروئن کی منڈی کا روگ لگا ہوا تھا، مرجینا کو شاید زیادہ مقدار
میں آئی ہوئی واڈ کا اپنے گاہکوں کے سر تھوپنے کی فکر تھی، ڈاکٹر ولسیلر
بے چارہ عالمی فکروں میں گھلے جا رہا تھا، بھاگ بھاگ کر ہلکان ہو
رہا تھا اور ہر ایک کو ان تفکرات سے چھٹکارے کے لیے خود فریبی
کا سہارا درکار تھا۔ چند ایسے لمحوں کی طلب تھی جن میں نہ کوئی دکھ ہو
نہ فکر۔ انسان بس اپنی ذات کے خول میں بند مسرت، انانیت اور
لذت کے سمندر میں غرق رہ سکے، عملی زندگی میں نہ سہی تو بھرپور تصور
ہی میں اپنے دل کے ارمان نکال سکے۔ یہ ڈینی کا ایمان تھا کہ اگر
چنڈو، مدک، گانجے، افیم، کوکین، ہیروئن اور چرس کے دم لگانے والے
مفلسوں کی مخمور نگاہوں میں رقصاں تصورات کی عکس بندی ممکن ہو تو
وہ سب ان خوفناک آسیبوں سے نبرد آزما نظر آئیں جو عالم ہوش
میں ان کے جسموں اور دماغوں کو خونی جونکوں کی طرح تباہ کرتے
رہتے ہیں۔ کوئی اپنے ولی نعمت کی چڑھتی ہوئی تیوریوں کو اپنی
ایڑیوں سے رگڑتا نظر آئے تو کوئی اپنے سیٹھ کے پُرجلال چہرے پر
پھٹی ہوئی جوتیاں برساتا نظر آئے۔

ڈینی ان مفلسوں کو عملی نہ سہی تصوراتی تسکین پہنچانے کا
بندوبست فراہم کرتا تھا، وہ پہلے چرس اور اب ہیروئن بیچ کر کماتا
تھا اور خود شراب کا نشہ کرتا تھا، مرجینا اس کے لیے شراب بیچتی
تھی اور خود کوکین کھاتی تھی۔ بالکل گول چکر تھا جس کا نہ کوئی
آغاز تھا نہ انجام۔

تیسرا ڈبل پیگ معدے میں تہ نشین ہوا تو ڈینی کو جہانگیر
کی تشویش یاد آئی، ہیروئن کو بازار میں آئے چند ہی روز ہوئے
تھے اور وہ ابھی سے اس کے لیے فکرمند تھا۔ احمق نے ذرا بھی
سوچا ہوتا تو اپنی گونگی اور بے جان ہیروئن کا کسی چہکتی ہوئی زندہ
ہیروئن سے ہی موازنہ نہ کر لیتا جو ادائیں دکھا سکتی ہے، اپنے
خواص خود گنوا سکتی ہے، ابرو کی جنبش، نگاہوں کے اشارے، ہونٹوں
کی مسکان، زبان کی شوخی، سراپا کا نکھار، بالی عمریا کی مار، سانسوں کے
آہنگ، رخساروں کے رنگ۔ غرض ہزار مورچوں سے وار کرسکتی ہے مگر
وہ بھی فوراً کامیاب نہیں ہوتی چکھے اور پرکھے بغیر تو کوئی بھی کسی
نشے کو نہیں اپناتا۔ ڈینی کو یقین تھا کہ ہیروئن ضرور کامیاب ہوگی
کیونکہ اس کا نشہ تیز تھا کسی کمسن ہیروئن کی طرح۔ عام لوگ تو
بیچارے اتنے سادہ لوح ہوتے ہیں کہ پردے پر ہیروئن کا ناچتا
تھرکتا عکس دیکھنے کے لیے بخوشی دس بیس روپے خرچ کرآتے ہیں۔
تو بھلا وہ ایسی ہیروئن کیوں نہ خریدتے جو ہر طرح ان کے

تصرف میں ہوتی۔

اس نے ڈھکن ہٹا کر بوتل سے گلاس بھرنا چاہا لیکن بوتل الٹی ہوگئی اور اس میں سے کچھ برآمد نہ ہوا۔ وہ بوتل قالین پر لڑھکا کر آپ ہی آپ مسکرادیا۔ "چڑھ گئی ہے ڈینی بیٹے!" اس نے سوچا۔ "اب بس کرو ورنہ۔۔۔"

اس سے آگے سوچتے ہی وہ بوکھلا گیا۔ کچھ دیر بعد اسے باس سے بات کرنی تھی لیکن اس وقت حواس میں ہونے کے باوجود وہ اپنے بارے میں زیادہ پُراعتماد نہیں تھا کیونکہ اسے یاد آگیا تھا کہ وہ احمقانہ طور پر دو ہیروئنوں کا موازنہ کرنے بیٹھ گیا تھا۔

وہ سگریٹ سلگا کر اٹھا اور باہر آگیا۔ میز تیار تھی اسے دیکھتے ہی سالنوں کی ڈشیں بھی لگادی گئیں اور وہ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ اچار اس نے نہایت فراخ دلی سے اپنی پلیٹ میں ڈالا تھا۔ پینے کے معاملے میں وہ بہت گھاگ تھا۔ نشے کو اڑانے اور بڑھانے کے رموز سے اچھی طرح واقف تھا۔ کھانا کھا کر اٹھا تو کھویا ہوا اعتماد بحال ہوچکا تھا، بس سر میں گرانی کا ہلکا سا احساس باقی تھا۔

باہر شاید چوکیدار ریڈیو سن رہا تھا جس پر کوئی لوچدار آواز غزل سرا تھی۔ وہ ٹہلتے ہوئے سننے لگا۔ غزل کے بعد ایک تقریر شروع ہوئی تو وہ خوابگاہ میں لوٹ آیا لیکن ہلکے ہلکے سرور میں ڈوبے ہوئے ذہن میں حسرت بھری آواز میں گاتے ہوئے چار مصرعے مسلسل گونجتے رہے۔

کاش ایسا ہو کہ اب کے بے وفائی میں کروں
تو پھرے قریہ بہ قریہ، کو بہ کو میرے لیے
میں تو لامحدود ہوجاؤں سمندر کی طرح
تو بہے دریا بہ دریا، جو بہ جو میرے لیے

بہت اچھوتا خیال تھا مگر ڈینی ہونے کے ناتے ذہن کے لیے بس خیال ہی تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کسی ملاقات میں موقع پیدا کرکے یہ شعر غزالہ کو ضرور سنائے گا۔

مقررہ وقت پر اس نے ٹرانسمیٹر ریسیور آن کیا تو خلافِ توقع چند ہی ثانیوں بعد اسے باس کی مخصوص غنودہ آواز سنائی دی۔

ڈینی نے کال اکنالج کرنے کے بعد باس کا اشارہ ملتے ہی اپنی رپورٹ شروع کردی۔ گلشنِ اقبال والی عورت کی بے تکلفی کا تذکرہ دانستہ گول کر گیا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم پہلے امتحان میں کامیاب ہوگئے۔۔۔ اوور۔"
ڈینی کی بات مکمل ہونے پر باس کی آواز ابھری۔

"کون سا امتحان سر؟ اوور۔" ڈینی نے حیرت سے سوال کیا۔

"اس نے ہدایات کے مطابق تمھیں الجھانے کی کوشش
مگر تم بچ نکلے۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تم ترغیب سے کس حد
سکتے ہو کیونکہ اب تمھیں ایک اہم کام دیا جانے والا ہے،
میں عورت سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔ خیر
بعد میں ہوگی، پہلے رپورٹ مکمل کرو۔۔۔ اوور۔"

ڈینی نے جہانگیر سے ملی ہوئی معلومات دہرانی شرو
راجو کے اڈے پر قتل، آتش زنی، گرفتاریوں اور اعترافات
سول اسپتال میں رکشہ ڈرائیور کے داخلے اور ڈاکٹر ولسیلر کے
ذکر چھیڑ دیا۔

"تم بہت اچھے جا رہے ہو۔" باس واقعی اس پر مہرباں
"ڈاکٹر ولسیلر کل واپس جا رہا ہے، اگر چند روز یہاں رکتا تو ہم
ایسا اسکینڈل کھڑا کرتا کہ ہیروئن کا نام ایک دم ہر طرف گو
چاہو تو اب بھی کوشش کرسکتے ہو کہ اس کے سامان میں ہزار
گرام ہیروئن پہنچا دو اور پھر کلکٹر کسٹم کو کسی پبلک بوتھ سے فو
ڈاکٹر ولسیلر کی یہ ناکام کوشش ساری دنیا کے اخبارات میں نما
میں جگہ پائے گی۔۔۔ اوور۔"

"میں کوشش کروں گا سر!" ڈینی نے دھڑکتے دل
کہا۔ "لیکن ایسی کوشش کے بعض اثرات ہمارے لیے بد تر
ہوسکتے ہیں۔ ڈاکٹر ولسیلر یونیسکو کا آدمی ہے اور اسے بہتیری م
حاصل ہوں گی۔۔۔ اوور۔"

"ہوں۔" دوسری طرف سے پُرخیال لہجے میں کہا گیا۔
اعتماد کا اہل ثابت کرتے جا رہے ہو، تمھارا خیال درست ہے
بھی ہے کہ داؤ الٹ جائے اور مقامی حکام پوری قوت سے
کی بیخ کنی پر تل جائیں۔ سوئے ہوئے شیر کو جگانا کسی بھی طرح
ثابت نہ ہوسکے گا۔۔۔ اوور۔"

"شکریہ سر!" ڈینی کا سینہ خوشی سے پھول گیا۔ پُراسرار
اس کے لیے لاکھ ناپسندیدہ سہی لیکن تھا اس کا باس ہی اور
زبان سے نکلے ہوئے داد و تحسین آمیز کلمات بھی اس کے لیے ا
رکھتے تھے۔ "لیکن فوری توجہ کا طالب یہ امر ہے کہ چرس بازا
آتے ہی ہیروئن کی اٹھان گر گئی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم
شروع کرنے والوں نے چرس کی افراط ہوتے ہی دوبارہ لے
لیا ہے۔۔۔ اوور۔"

"اس کا مجھے پہلے سے اندازہ تھا۔ اس کے لیے تمھا
ساتھیوں کو ذرا آگے بڑھنا پڑے گا۔" غنودہ آواز پُرسکون
"ہمارے سامنے صرف تین نشانے ہیں۔ چرس، شراب اور
تمھیں ان کے خلاف میدان میں آنا پڑے گا۔۔۔ اوور۔"

"میں سمجھا نہیں سر! اوور۔" ڈینی نے حیرت کے ساتھ

"پولیس اور آبکاری کے محکموں میں اب بھی ایماندار افسر موجود ہیں۔ تمہارے ساتھی ان سے تعاون کریں گے۔ چرس، شراب اور دیسی نشوں کے بارے میں خود گمنام رہ کر مخبری کریں گے اور پے در پے چھاپے پڑوائیں گے۔ اسی طرح میدان صاف ہو سکے گا۔ اوور۔"

ڈینی کے ذہن میں بے اختیار موہن داس کی مظلوم صورت اور مرجینا کا بجھا ہوا چہرہ ابھر آیا۔ "بڑی انوکھی تدبیر ہے سر! ڈھنگ سے کام کیا گیا تو چند ہی روز میں میدان صاف ہو جائے گا۔ مگر ایک بات میرے ذہن میں مسلسل کھٹک رہی ہے... اوور۔"

"ادھوری بات مت کیا کرو۔" تادیبی لہجے میں کہا گیا۔ "کیا الجھن ہے تمہیں؟"

"میری اور جہانگیر کی گفتگو سن لیے جانے کا امکان ہے۔"

ڈینی نے پژمردہ لہجے میں کہا۔ نرم سی پھٹکار سن کر چند ثانیے پہلے ابھرنے والا سارا جوش پل بھر میں کافور ہو گیا تھا۔ "نئے پروگرام کی بھنک بھی کسی غیر متعلقہ آدمی کے کانوں میں پڑ گئی تو ہم دشواریوں میں پڑ جائیں گے... اوور۔"

"میں فوری طور پر تنظیم نو کر رہا ہوں، نیا کام روایتی طریقے پر نہ چل سکے گا۔ آج شام جیوا ہاؤز میں تمہارے نام ایک دستی پارسل پہنچا ہے جس میں دو ٹرانسمیٹر ریسیور موجود ہیں۔ ان میں سے ایک تمہارے پاس رہے گا، دوسرا جہانگیر کے پاس، اسی قسم کا تیسرا اپریٹس میرے پاس ہے۔ ایک اپریٹس پر نشر کیا جانے والا پیغام بیک وقت بقیہ دو آدمی سن سکیں گے۔ آئندہ پیغام رسانی اسی ذریعے سے ہوگی۔ تمہارا کوڈ بدستور ڈی ون رہے گا، جہانگیر ڈی ٹو کہلائے گا اور میری شناخت بی فور ہوگی، اس طرح میں براہِ راست بھی ڈی ٹو کو ہدایات جاری کر سکوں گا۔ پارسل میں ایک چھپا ہوا بروشر بھی ہے، بقیہ تفصیلات کے لیے اسے غور سے پڑھ لینا... اوور۔"

"اور موجودہ اپریٹس کا کیا ہوگا سر؟ اوور۔" ڈینی نے سوال کیا۔

"وہ صرف میرے اور تمہارے درمیان رابطے کے لیے ہے وہ الگ فریکوئنسی پر کام کرتا ہے اور اس پر ہونے والی گفتگو کوئی اور نہیں سن سکے گا، ہاں، اب یہ بتاؤ کہ تم نے بریف کیس کا جائزہ لے لیا تھا؟ اوور۔"

"یس سر!" ڈینی نے جلدی سے کہا۔ "لیکن میں ان کاغذات سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکا۔ اوور۔"

"ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ دستکاری کی اشیا کا ایک برآمدی ادارہ ہے جس کے کاروباری روابط انگلینڈ، یورپ اور امریکہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ تم اس فرم کے نمائندے ہو۔ گرے کلاتھ ہیروئن کے لیے ایک خفیہ نام ہے۔ ایمسٹرڈم کی فرم نمونہ دیکھ کر آرڈر کنفرم کرے گی۔ وہ فرم بھی دراصل ہالینڈ اور اٹلی کی ایک مشترکہ سنڈیکیٹ کی ملکیت ہے۔ اس کے نمائندے سے ایک میٹنگ میں تمہیں معاملات نمٹانے ہیں... اوور۔"

"میں تیار ہوں سر! اوور۔" مقامی دھندے سے بین الاقوامی سودوں میں اختیارات ملنے کی اطلاع نے اس کے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑا دی تھیں۔

"پرسوں صبح کے ایل ایم کی ایمسٹرڈم سے براہ لندن آنے والی پرواز پر تمہیں ٹوکیو کے لیے سفر کرنا ہے۔" باس اسے بتا رہا تھا۔ "پوری مہم میں تم باریک دستانے استعمال کرو گے۔ تاکہ کہیں بھی تمہاری انگلیوں کے نشانات باقی نہ رہیں۔ سفر کے لیے تم ایسا سوٹ منتخب کرو گے جس کے ساتھ گہرے نیلے رنگ کی سادہ ٹائی پہن سکو اور اس پر تم بکرے کی شکل والا نقرئی ٹائی پن لگاؤ گے۔ فرسٹ کلاس میں موجود ایجنٹ ٹائی کے رنگ اور ٹائی پن سے تمہیں پہچان کر خود تمہاری طرف متوجہ ہوگا اور تم سے تمہاری داہنی پنڈلی کے فریکچر کے بارے میں دریافت کرے گا، تم اسے آپریشن کے نتیجے میں صحت یابی کی اطلاع دو گے۔ اس ابتدائی شناخت کے بعد تم کو وہ اپنا مصدقہ شناخت نامہ دکھائے گا جس پر اس کی تصویر اور اس کی فرم کی مہر ہوگی۔ تم پولی تھین کی سربمہر تھیلی اسے دے دو گے۔ وہ بنکاک میں اتر جائے گا اور تم ٹوکیو اترو گے۔ اگلے دو تین روز میں وہ ٹوکیو پہنچ کر تم سے ملے گا اور ضروری نکات کی وضاحت کے بعد گرے کلاتھ کی گانٹھوں کا باقاعدہ تحریری آرڈر دے دے گا۔ بس یہ یاد رکھنا کہ دام انہیں بتائے جا چکے ہیں جس میں کمی بیشی کا تمہیں کوئی اختیار نہیں ہے بقیہ معاملات میں تم آزاد ہو گے۔ ٹوکیو ایئرپورٹ پر تم گروپ ٹورز آرگنائزرز نامی ادارے کے کاؤنٹر پر سوکوموتو نامی شخص سے رجوع کرو گے۔ تمہارا شناخت نامہ دیکھنے کے بعد وہی تمہاری رہائش کا بندوبست کرے گا، اپنی ضروریات کے لیے تم اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکو گے... اوور۔"

"او۔کے۔ سر! میں فوری تیاری شروع کر دیتا ہوں۔ جہانگیر کے لیے ٹرانسمیٹر جیوا ہاؤز ہی میں چھوڑ دوں گا۔ بلکہ آپ اجازت دیں تو اب میں کسی گمنام آدمی کا ڈھونگ ختم کر کے جہانگیر سے اپنی اصل آواز میں گفتگو کرنی شروع کر دوں؟ اوور۔"

"نہیں۔" سخت لہجے میں کہا گیا۔ "تنظیم کو ماتحتوں کے لیے حتی الامکان پیچیدہ بنائے رکھو، تمہاری دوہری شخصیت ہر لحاظ سے سود مند رہے گی لیکن یہ یاد رکھنا کہ ڈی ون، بی فور کا ماتحت اور ڈی ٹو کا افسر ہے... اوور۔"

"او۔کے۔ سر!" ڈینی نے دھیمی آواز میں کہا۔ "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اسے مجھ پر ذرا بھی شبہ نہیں ہے۔ جب میں اپنے

سامنے کہی ہوئی باتوں پر سربراہ کے طور پر اسے تادیب کرتا ہوں تو وہ بوکھلا جاتا ہے اور اب تو شاید وہ اپنے سائے سے بھی محتاط رہتا ہے... اوور۔"

"تم خود ذمے دار آدمی ہو، اچھی بری باتوں کو سمجھتے ہو، آئندہ چھوٹے موٹے مسائل اپنی صوابدید کے مطابق حل کر سکتے ہو، اہم معاملات میں مجھ سے مشورہ کر سکو گے اور ہاں طارق سے اب ہر ایک کو دور ہی رکھو، مجھے شبہ ہے کہ وہ کسی کی نگاہوں میں آگیا ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

آپریٹس بے جان ہوگیا۔ ڈینی نے اس کا سوئچ آف کر دیا۔ طارق کے بارے میں آخری ہدایت سن کر وہ پریشان ہوگیا تھا۔ اگر باس کا خدشہ درست تھا تو طارق کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

*

جہانگیر نے باس سے تو کہہ دیا تھا کہ راجو کے اڈے پر حملے اور اس کے بھائی کے قتل کے سلسلے میں گرفتار ہونے والوں کے اعتراف کے بعد اس کے آدمی محفوظ ہوگئے تھے لیکن خود اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔ اس نے اپنا دل لاکھ ٹٹولا لیکن اپنی بے اطمینانی کا کوئی جواز نہ پا سکا۔

راجو کی طرف سے اسے یقین تھا کہ وہ حملہ آوروں کے بارے میں سختی سے اپنی زبان بند رکھے گا۔ وہ اپنے علاقے کا نوجوان اور ابھرتا ہوا بدمعاش تھا جسے اپنے زورِ بازو پر بہت ناز تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بار بار کی تنبیہہ کے باوجود وہ قحط کے دنوں میں چرس فروشی میں ہاتھ ڈالنے سے باز نہ آیا۔ شاید وہ اپنے اڈے پر حملہ آور ہونے والوں سے بخوبی واقف تھا لیکن پولیس کے سامنے ان کے نام ظاہر کر کے زیرِ زمین دنیا میں اپنی جگ ہنسائی نہیں کرانا چاہتا تھا۔ جرائم کی دنیا میں یہ ایک لگا بندھا اصول تھا کہ آپس کے اختلافات ہر حال میں خود ہی طے کیے جائیں، تصادم کی نوبت آتی تو فضا اس وقت تک بارود اور انسانی لہو کی بو سے رچی رہتی جب تک پولیس جائے واردات پر نہ پہنچ جاتی اور اس کے آتے ہی فریقین رضاکارانہ جنگ بندی کر کے میدان سے بھاگ لیتے۔ اگر ایک آدھ زخمی پولیس کے ہاتھ لگ بھی جاتا تو سراسر لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے خود کو فساد کی زد میں آیا ہوا بے گناہ راہگیر ثابت کرتا اور یوں پولیس کو باہمی رقابتوں سے دور رکھ کر سارے جھگڑے آپس میں نمٹائے جاتے تھے۔

فکر کی ایک موہوم سی وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ پولیس ان ساتوں کے اعتراف کی اصلیت سے واقف تھی۔ افسران خوب جانتے تھے کہ متفرق مقامات سے گرفتار ہونے والوں نے محض ہولناک تشدد سے اپنی جان بچانے کے لیے اقبالِ جرم کیا تھا۔ ایسے میں اگر کوئی محنتی آڑے آ جاتا تو اپنے طور پر تفتیش جاری رکھتے ہوئے اصل مجرموں کی تا لگا رہتا مگر متعلقہ علاقے میں ہر ایک نے ہی اقبالِ جرم کے ساتھ فائل پراسیکیوٹنگ برانچ کو بھجوانے میں عافیت سمجھی تھی۔

پھر بھی جہانگیر فون پر گفتگو ختم ہوتے ہی گھر سے نکل

"کہاں جا رہے ہو؟" اسے روانگی پر آمادہ دیکھ کر اس کی بیوی نے سوال کیا تھا۔

"ایک ضروری کام ہے۔" جہانگیر نے اسے سمجھاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تھوڑی دیر میں لوٹ آؤں گا۔"

"فون پر کس سے بات ہوئی تھی تمھاری؟" اس نے بار اس پُراسرار فون کے بارے میں سوال کیا۔

"ایک دوست تھا۔" جہانگیر نے موضوع کو وہیں ختم کر کے لیے بات بنائی۔

"میں نہیں مان سکتی۔" اس نے بے یقینی سے کہا۔ "دو سے یوں ادب سے سر کہہ کر بات نہیں کی جاتی۔ وہ جب بھی کرتا ہے، تم معلق ہو جاتے ہو۔"

جہانگیر خفت آمیز انداز میں ہنس پڑا۔ "ارے بھئی دوس جگہ ہے، دراصل وہ ایک اہم افسر ہے۔ ذرا خوشامدی واقع ہے لہٰذا میں بھی اسے مکھن لگا لیتا ہوں۔"

"میں فون اٹھاتی ہوں تو ایسے خشک لہجے میں کرتا ہے جیسے تمھیں اپنا زرخرید سمجھتا ہے۔ میں نے آج... تک اپنی زبان بند رکھی لیکن آئندہ میں یہ سب برداشت نہیں گی اس سے کہو کہ گھر فون نہ کیا کرے۔" وہ شاید کافی دنوں بھری بیٹھی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو، میں کوشش کروں گا کہ وہ گھ نہ کرے، مگر خدا کے لیے تم اس سے کوئی بدتمیزی نہ کر بیٹھنا

"مجھے آئے ہوئے تیسرا دن ہو رہا ہے لیکن تمھیں ا تک فرصت نہیں ملی ہے۔ بس یہ یاد رکھنا۔" اس کی بیوی لہجے میں یہ کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی اور وہ وہاں سے روان

اس کا رابطہ قاسم بھائی تک محدود تھا۔ شہر کے مضاف علاقوں میں مال کی تقسیم کا کام وہی سرانجام دیتا تھا۔ قاسم کھارادر میں اپنے ٹھکانے پر موجود تھا۔ جہانگیر کو دیکھتے ہی اس طرف آیا اور جہانگیر اسے گاڑی میں بٹھا کر ٹاور کی طرف ہو لیا۔

"غلام قادر کو کچھ دن کے لیے پنجاب بھیج دو۔" قاسم بھا کے استفسار پر جہانگیر نے اپنا مدعا ظاہر کیا۔

"مگر کیوں؟" قاسم بھائی نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ سا ادھر اپنے فلیٹ میں آرام سے رہتا پڑا ہے، پولیس کا باپ بھی

س پہنچ سکتا پھر تم کیوں اس کا فکر کرتا ہے سیٹھ؟ ابھی اس کا
ملہ میرے اوپر چھوڑ دو۔ ذرا بھی گھٹالا ہو دے تو بس میری گردن
ر دینا۔"

ویران سڑکوں پر بے مقصد ڈرائیونگ کرتے ہوئے جہانگیر
نکل اسے آمادہ کرسکا کہ وہ اگلی صبح کی پہلی پرواز سے غلام قادر
لاہور روانہ کردے تاکہ معاملہ ختم ہونے تک اطمینان رہے کیونکہ
م قادر ہی راجو کے اڈے پر حملہ کرنے والوں کا سرغنہ تھا۔

پھر قاسم بھائی اسے مندی کا رونا سناتا رہا۔ اس کا اصرار تھا
مرف ہیروئن کے بجائے چرس کا دھندا بھی ساتھ ساتھ جاری
ہا جائے تاکہ کارندے بھی دو پیسے کماتے رہیں اگر ایک مرتبہ آدمی
ٹ گئے تو انھیں یکجا کرنے میں دانتوں پسینہ آجائے گا۔ جہانگیر اسے
ی مفروضہ اسکیم کے سہانے خواب دکھاتا رہا اور پھر اسے اس کے
کانے پر اتار کر واپس ہولیا۔

گھر پہنچ کر کھانے سے فراغت کے بعد وہ روٹھی ہوئی
ی کی دلجوئی میں مصروف ہوگیا۔ کھانے سے فارغ ہونے
بعد وہ دونوں خوش گپیوں میں مصروف تھے تو ناگہانی فون
نعنٹی چیخنے لگی اور جہانگیر نے بیوی سے پہلے لپک کر فون اٹھالیا
سری طرف سے ڈینی کی آواز سن کر جہانگیر کا منہ بن گیا۔ "کہو
ا بات ہے؟"

"انگارے چبا رہے ہو، معلوم ہوتا ہے کہ بھابی سے پھٹکار
ن کر بیٹھے ہو۔" ریسیور میں ڈینی کی معنی خیز آواز ابھری۔

"میں ذرا مصروف ہوں اس وقت۔" جہانگیر نے کنکھیوں سے
ی کی طرف دیکھتے ہوئے قدرے بلند آواز میں کہا۔ "اگر کوئی خاص
م نہ ہو تو میں صبح فون کرلوں گا۔"

"فوراً جیوا ہاؤز چلے آؤ، میں یہیں تمہارا منتظر ہوں۔" ڈینی
آواز اسے زہر محسوس ہونے لگی۔

"کل پر رکھ لو، اس وقت میں شہر کی خاک چھان کر ابھی
ا ہوں۔" اس نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"اوپر کا حکم ہے، باز پرس ہوئی تو تمہارا عذر دہرا دوں گا۔"
ینی کی سپاٹ آواز آئی۔

"اچھا، میں آرہا ہوں۔" جہانگیر نے شکست خوردہ لہجے
ں کہا اور ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"اب کہاں جارہے ہو؟" اس کے کانوں میں بیوی کی تلخ
واز آئی، شاید اس نے جہانگیر کا آخری فقرہ سن لیا تھا۔

"ایک پارٹی کا فون تھا۔" وہ بے بسی سے بیوی کی طرف
یکھتے ہوئے جھوٹ بولا۔ "کچھ کاغذات پر میرے دستخط ہونے رہ
ئے ہیں اور وہ لوگ صبح لاہور جارہے ہیں ورنہ میں تو معاملہ کل

پر ٹال رہا تھا۔"

"دیکھو جہانگیر!" اس کی بیوی اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ گئی اور
سنجیدہ لہجے میں کہنے لگی۔ "ہماری شادی کو ایک سال ہونے والا
ہے اور اس دوران میں تمہاری مصروفیات میرے اور تمہارے
درمیان خلیج سی بنی رہی ہیں، تمہارے پاس خدا کا دیا سب کچھ موجود
ہے پھر تم اس قدر الجھے الجھے کیوں رہتے ہو؟ تمہارے بغیر یہ گھر
مجھے کھانے کو دوڑتا ہے مگر تم گھر میں ٹکتے ہی نہیں۔"

"رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہوجائے گا ڈارلنگ!" وہ زبردستی
مسکرایا۔ "تم گھر میں اکیلی تو نہیں رہتیں ..."

"ملازموں کو میں اپنی تنہائی کا ساتھی نہیں بنا سکتی۔" وہ
جہانگیر کی بات کاٹ کر تنک کر بولی۔ "ان سے دل کی بات نہیں
کرسکتی، ان کے ساتھ گھومنے نہیں جاسکتی، آخر تم یہ کیوں نہیں
سمجھتے کہ تم پر۔ تمہارے وقت پر میرا بھی کچھ حق ہے۔"

"میں سب کچھ سمجھتا ہوں سلمیٰ!" وہ اس کے شانے پر ہاتھ
رکھ کر نرم اور شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "لیکن برسوں کے معمولات
دھیرے دھیرے ہی تبدیل ہوں گے، تمھیں اندازہ نہیں ہے کہ میری
ذات کن گورکھ دھندوں میں الجھی ہوئی ہے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ پردیس میں بیاہنے کے بعد میں اس
قدر تنہا ہوجاؤں گی۔" وہ اپنا منہ دوسری طرف پھیر کر رندھی
آواز میں بولی۔ "مگر خیر۔ مجھے تم سے بھی کوئی شکایت نہیں ہے
میں اس وقت کا انتظار کروں گی جب تم سونے کے علاوہ بھی گھر
کی کچھ افادیت سمجھنے لگو گے۔"

وہ اندر چلی گئی اور جہانگیر بھاری قدموں سے چلتا باہر
نکل آیا۔ وہ سلمیٰ کو کیسے بتاتا کہ اپنے وقت کے استعمال میں وہ
خود آزاد نہیں ہے، اس کا لمحہ لمحہ اس غراتی ہوئی آواز کے اختیار
میں ہے جس سے وہ خود متنفر تھی اور جہانگیر باحیثیت ہو جانے
کے باوجود بھی اس سے کنارہ کش نہیں ہوسکتا تھا۔

جیوا ہاؤز کے راستوں پر کار ڈرائیو کرتے ہوئے جہانگیر مسلسل
ڈینی کے بارے میں سوچتا رہا۔ جب سے جہانگیر کو گروپ کا
سربراہ بنایا گیا تھا، ہر معاملے میں باس سے اسے براہ راست ہدایات
ملتی رہی تھیں اور وہ خوش اسلوبی سے ان ہدایات پر عمل کرتا
چلا آیا تھا۔ کوئی کام ایسا نہ تھا جس میں اس نے ہاتھ ڈالا ہو اور
کامیابی نہ ہوئی ہو۔ بجز گل باز خان کے معاملے کے۔ گل باز کے
سلسلے میں تھانے نے اس قدر مکمل اور بھرپور کارروائی کی تھی کہ
اس پر عائد مختلف الزامات میں سے کم از کم تین دفعات نے اس کے
جرائم کو ناقابلِ ضمانت بنا دیا تھا مگر پھر بھی مذاکرات جاری تھے
لاکھ ڈیڑھ لاکھ پر بات بننے کی امید تھی جس کے نتیجے میں دو بنیادی

گواہ منحرف ہوجاتے اور یوں گل باز خان قابلِ ضمانت ملزموں کے زمرے میں آجاتا۔

لیکن جہانگیر کی اس اعلیٰ کارکردگی کے باوجود پچھلے کچھ عرصے سے ڈینی اونچا اُڑ رہا تھا۔ باس نے اسی کے ذریعے ہیروئن جیوا ہاؤز بھجوائی تھی اور اب دوسری بار ڈینی نے پھر اسے وہاں طلب کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ اسے دوبارہ کوئی اہم کام سونپا گیا تھا۔

جیوا ہاؤز میں دونوں محافظ برآمدے میں موجود تھے اور ڈینی آرام سے پاؤں پسارے ایک صوفے پر براجمان تھا۔

"یہ پیکیٹ ہے تمھارے لیے۔" ڈینی نے اپنے برابر میں رکھا ہوا خاکی کاغذ میں لپٹا ہوا پیکیٹ جہانگیر کی طرف بڑھاتے ہوئے نیچی آواز میں کہا۔ "شاید اس میں ایک ٹرانسمیٹر ہے جس پر باس ڈی ون کے حوالے سے تم سے بات کرے گا۔" جہانگیر پیکیٹ ہاتھ میں لیے اسے گھورتا رہا، اس وقت وہ ڈینی کے سامنے خود کو خاصا حقیر محسوس کر رہا تھا اور ڈینی کہے جا رہا تھا "یہ خاص ساخت کا ٹرانسمیٹر ہے 'آف' ہونے کے باوجود اس کا اطلاعی سرکٹ آن رہتا ہے اور ریڈیائی اشارہ موصول ہونے پر اس میں سے گھڑی کی ٹک ٹک جیسی آواز پیدا ہوتی ہے۔ آن کر کے دوسری طرف کا پیغام سنا جا سکتا ہے اور سبز بٹن دبا کر اپنا پیغام نشر کیا جا سکتا ہے۔"

"اونچے اڑ رہے ہو آج کل۔" ڈینی کے مقابل بیٹھتے ہوئے جہانگیر کوشش کے باوجود طنز کرنے سے باز نہ رہ سکا۔ ڈینی نے بوکھلا کر اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور جہانگیر کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ جیوا ہاؤز میں لیے جانے والے سانسوں کی آواز بھی باس کے کانوں سے محفوظ نہیں رہتی۔ یہ یاد آتے ہی وہ بات بنانے کے لیے بولا۔

"تم سے تو ملاقات کو بھی ترس گئے ہیں ہم لوگ۔"

ڈینی بہت مکار تھا، فوراً ہی جہانگیر کی قلابازی کا مطلب سمجھ گیا اور داہنی آنکھ دبا کر بولا۔ "ہم لوگ تو تمھارے اور دوسروں کے حکم کے غلام ہیں۔ کبھی پردہ نشین ہو جاتے ہیں، کبھی میدان میں آجاتے ہیں۔"

چند منٹ تک اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد وہ دونوں ساتھ ہی باہر نکلے تھے۔ برآمدے سے پورچ میں اترنے کے بعد جہانگیر اس کا ہاتھ تھام کر اسے کھلے ہوئے لان کی طرف لیتا چلا گیا اور پھر اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "تم نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیوں کیا تھا؟" اس معاملے میں جہانگیر کی الجھن بجا تھی کیونکہ اس کی دانست میں جیوا ہاؤز میں بگ نصب ہونے کا معاملہ ایک راز تھا۔ جسے باس نے فون پر اس پر ظاہر کیا تھا اور ڈینی کو اس راز سے لاعلم ہونا چاہیے تھا مگر اس نے جس طرح جہانگیر کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ معاملے سے پوری طرح باخبر تھا اور جہانگیر یہ بھول چکا تھا کہ ہمدردی میں وہ خود اسے جیوا ہاؤز میں بگس کی موجودگی کی دے چکا تھا۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جیوا ہاؤز کے ملازمین رکھے ہوئے ہیں لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ ان کی وفادار نے بھی خریدلی ہوں گی۔ میں جو کچھ کرتا ہوں، احکام کے کرتا ہوں۔ اس بارے میں تمھارے طنز آمیز تبصرے اگر ملازم کے ذریعے باس تک پہنچ جائیں تو شامت آجائے گی کا جواب سن کر جہانگیر مطمئن ہو گیا کہ وہ مخبری کے خفیہ نظ بے خبر تھا۔

"میں جا رہا ہوں، تم چند منٹ بعد نکلنا۔" جہانگیر کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"تو کیا بس یہی ایک سوال پوچھنے کے لیے مجھے لا لائے تھے؟" ڈینی نے مضحکانہ لہجے میں سوال کیا اور جہانگ قہر آلود نگاہوں سے گھورتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف بڑھتا ڈینی نے وہیں رک کر اپنے لیے سگریٹ سلگا لی۔

جہانگیر تیزی سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے گھر پہنچا تو کے باہر سڑک کے کنارے کتھئی رنگ کی ٹویوٹا مارک ون چونک پڑا کیونکہ طارق کی کار وہ اچھی طرح پہچانتا تھا لیکن حیرت یہ تھی کہ وہ ایسے ناوقت اس کے پاس کیوں آیا اپنی گاڑی پورچ میں بند کر کے وہ اندر پہنچا تو ڈرائنگ روم میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا اور چہرے سے ہوائیاں ا رہی تھیں۔ صوفے کی سائڈ ٹیبل پر چائے کی آدھی پیالی مو جس کا مطلب تھا کہ اسے وہاں آئے کافی دیر ہو چکی تھی نے اسے مصروف رکھنے کے لیے چائے بھجوا دی تھی۔ وہ جہ دیکھتے ہی بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنی نشست سے اٹھ ک

"کیا بات ہے؟ اس وقت کیسے آئے ہو؟" جہانگ ناخوشگوار لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"میں خطرے میں ہوں جہانگیر!" وہ اس کے قر سرسراتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "تمھیں معلوم ہے گھر میں اکیلا رہتا ہوں۔ تین دن سے مجھے ایسا محسوس ہو جیسے کچھ لوگ ہر وقت میری نگرانی کر رہے ہوں۔ پہلے اسے وہم سے زیادہ اہمیت نہیں دی لیکن کل رات ت یقین میں بدل گیا ہے۔" وہ سرگوشیانہ لہجے میں کہے جا رہا حد ہو گئی، آٹھ بجے حیرتناک طور پر میرے مکان کی بجلی پھر میں نے تاروں کی چھاؤں میں کئی انسانی ہیولوں کو

احاطے میں چلتے پھرتے دیکھا پھر اس سے قبل کہ وہ مکان کا گھیراؤ کرتے یا اندر داخل ہوتے، میں عقبی راستے سے چوروں کی طرح باہر نکلا اور خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کر کے بھاگ نکلا۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں مَیں نے کم از کم تین آدمیوں کو چھلانگیں لگا کر باڑھ میں روپوش ہوتے دیکھا تھا۔"

"اور سیدھے یہاں چلے آئے؟" جہانگیر کا لہجہ تلخ اور اہانت آمیز تھا۔

"پھر کہاں جاتا؟" طارق نے حیرت سے سوال کیا۔ "پتا نہیں وہ کون لوگ تھے اور مجھ سے کیا چاہتے تھے؟"

"روئے زمین پر تم سے بڑا احمق ملنا مشکل ہے طارق!" جہانگیر دانت پیستے ہوئے بولا۔ اس کی رگ بس ڈیبی سے ہی دبتی تھی۔ ورنہ طارق اور نادر پر تو وہ بُری طرح حاوی رہتا تھا۔ "اگر تمہاری کہانی درست ہے تو وہ تمہیں تمہارے ہی گھر میں چوہے کی طرح گھیر سکتے تھے، بجلی اڑا کر احاطے میں نقل و حرکت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہیں خوفزدہ کر کے گھر سے باہر ہانکنا چاہتے تھے صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ ایسے مخدوش حالات میں تم کس محفوظ ٹھکانے کا رُخ کرتے ہو۔ تم اپنی دانست میں انھیں چکمہ دے کر نکلے مگر ان کے کسی آدمی نے ضرور تمہارا پیچھا کیا ہوگا اور تم کاٹھ کے اُلو کی طرح اپنے تعاقب میں اسے یہاں لے آئے۔ ایسے ہی بودے تھے تو نکلنے سے پہلے مجھے فون کر لیا ہوتا۔"

"کوشش کی تھی۔" طارق اس سے نگاہیں چراتے ہوئے بے جان لہجے میں بولا۔ "مگر میرے گھر کی لائن بے جان تھی، شاید انھوں نے باہر سے تار کاٹ دیے تھے۔"

"اور راستے میں کہیں فون نہیں تھا؟" جہانگیر نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "تم بالکل ڈفر ہو طارق! پتا نہیں میں تمھیں کیسے برداشت کر رہا ہوں۔ اپنی حماقتوں سے نہ صرف تم خود مرو گے بلکہ مجھے بھی بے موت مرواؤ گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" طارق بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی تھی۔ ورنہ یہاں آنے سے پہلے مجھے تمھیں سے فون کر لینا چاہیے تھا۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ اب میں کیا کروں؟"

"گھر پر کچھ مال وغیرہ تو نہیں ہے؟" قدرے توقف کے بعد جہانگیر نے سوال کیا اور طارق نے اپنا سر نفی میں ہلا دیا جس پر جہانگیر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "پھر تم اپنے کسی ایجنٹ سے دو آدمیوں کا بندوبست کرو اور خفیہ طریقے سے اپنے گھر میں گھسنے کی کوشش کرو۔ میدان صاف ہو تو اگلی ہدایات تک وہیں محدود ہو جاؤ، تصادم کی نوبت آجائے تو شہر میں کہیں بھی روپوشی اختیار کر کے مجھ سے فون پر رابطہ قائم کرنا۔"

"اور اگر۔۔۔" طارق نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن جہانگیر نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بولا۔ "تم ذرا بیٹھو۔ میں ابھی چند منٹ میں واپس آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اندر اپنی خوابگاہ کی طرف جانے کے بجائے اوپری منزل پر جانے والے زینوں کی طرف ہو لیا کیونکہ اسے اپنی جیب میں رکھے ہوئے آپریٹس پر ہلکی سی ٹک ٹک سنائی دینے لگی تھی اور وہ بیوی کی نظروں سے قطعی محفوظ رہ کر اس آلے کو استعمال کرنا چاہتا تھا۔

اوپر پہنچ کر اس نے زینوں کے اختتام پر لگا ہوا دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا اور روشنیاں جلاتے ہوئے ایک کمرے میں جا گھسا۔

آپریٹس نکال کر اس نے ایریل باہر کھینچا اور سوئچ آن کر دیا۔ فوراً ہی اسے بھنبھناتی ہوئی آواز سُنائی دی جس میں غراہٹ کا عنصر نمایاں تھا۔ "ہیلو۔ ڈی ون۔ کالنگ ڈی ٹو۔۔۔ اوور۔"

"ڈی ٹو ریسیونگ سر! اوور۔" جہانگیر نے دھڑکتے دل کے ساتھ ٹرانسمیٹر پر پہلی بار اپنی آواز نشر کی۔

"ڈیبی سے تمھیں جو کچھ معلوم ہوا، اس میں یہ اہم اضافہ اور کر لو کہ بی فور ہم دونوں سے برتر ہے۔ وقتاً فوقتاً تمھیں اس سے بھی براہ راست ہدایات ملتی رہیں گی۔ اس کے علاوہ تم طارق سے دور رہو گے۔۔۔ وہ خطرناک ہو گیا ہے۔ اوور۔"

"وہ میرے ڈرائنگ روم میں موجود ہے سر!" جہانگیر نے کہا اور پھر وہ سب دہراتا چلا گیا جو طارق سے سن چکا تھا۔

پھر جونہی اس نے اپنی بات مکمل کر کے لائن اوور کی، ریسیور پر ڈی ون کے بجائے ایک نئی بھرائی ہوئی آواز سنائی دینے لگی۔ "اٹ از بی۔ فور کالنگ ڈی۔ ٹو! طارق کو تمھارا مشورہ مناسب ہے۔ اس نے براہ راست تمھارے پاس آکر حماقت کی ہے، یہ اس سے تمھاری آخری ملاقات ہوگی۔ اس سے یہ ضرور معلوم کرنا کہ اس کا پیچھا کرنے والوں میں چوڑے شانوں والا ایسا کوئی دراز قامت شخص تو نہیں تھا جو ہلکی سی لنگڑاہٹ کے ساتھ بائیں ٹانگ پر زور ڈال کر چلتا ہو۔ اوور۔"

"او کے۔ سر!" جہانگیر نے جواب دیتے ہوئے اپنی آواز میں ہلکی سی لرزش محسوس کی۔ "حکم پر لفظ بلفظ عمل ہوگا۔ اوور۔"

"طارق کا معاملہ میں خود دیکھ رہا ہوں، کوئی بھی اہم پیش رفت ہو تو تم مجھے براہ راست رپورٹ دو گے۔" وہی آواز سنائی دی پھر وہ دوسرے شخص سے مخاطب ہو گیا۔ "ڈی ون! اب تم اپنی بات مکمل کر سکتے ہو۔"

"ڈی۔ ٹو! تمھیں اب تھوڑی سی محنت کرنی ہے۔" ڈی ون کی آواز ابھری۔ "تم اپنے آدمیوں سمیت گمنام رہ کر ہیروئن کے علاوہ

ہر نشے کی مخبری کرو گے۔ چند روز میں شہر سے چرس، شراب اور دوسرے نشوں کا صفایا ہو جانا چاہیے۔ اوور۔"

"میرے آدمی شہر میں کہرام مچا دیں گے سر! اوور۔" جہانگیر پر جوش لہجے میں بولا۔ یہ احساس اس کے لیے بہت شدید تھا کہ وہ بیک وقت نائب سربراہ اور سربراہ سے مخاطب تھا۔ اس اعزاز کے ساتھ ہی اسے اپنی جانب سے رابطہ قائم کرنے کی اجازت بھی مل گئی تھی۔

"وِش یو آل دی لک... اوور اینڈ آل۔" اختتامی کلمات کے ساتھ ہی ڈی۔ ون کی آواز معدوم ہو گئی۔

جہانگیر نے ٹرانسمیٹر آف کر کے جیب میں رکھا اور چند ثانیوں بعد بشاش چہرے کے ساتھ نیچے ڈرائنگ روم میں جا پہنچا جہاں طارق اس کے انتظار میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ سیڑھیوں پر جہانگیر کے قدموں کی چاپ سنتے ہی وہ اس کی طرف گھوم گیا تھا۔

"جو لوگ تمھیں ہراساں کر رہے ہیں، ان میں کشادہ شانوں والا کوئی ایسا لمبا تڑنگا آدمی بھی ہے جو بائیں ٹانگ پر تھوڑا سا لنگڑاتا ہو؟" جہانگیر نے اس کے قریب پہنچ کر سوال کیا تو طارق حیرت سے اچھل پڑا اور اس کی آنکھوں کے ڈھیلے کشادہ ہو گئے۔

"تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" اس نے حیرت اور بے یقینی کے عالم میں سوال کیا۔

"سوال کرنے کے بجائے جواب دو۔" جہانگیر نے اہانت آمیز لہجے میں کہا۔

"تین دن پہلے اسی پر میری توجہ مبذول ہوئی تھی۔ تقریباً تین گھنٹے تک میں شہر کے مختلف مقامات پر اسے اپنے آس پاس ہی دیکھتا رہا تھا۔ وہ سفید رنگ کی فاکسی میں تھا پھر جب فریئر روڈ پر وہ سیدھا میرے پیچھے آنے کے بعد ایک گلی میں گھس گیا تو میں نے اسے نظرانداز کر دیا۔ آج شام شیر شاہ میں وہ مجھے چند لمحوں کے لیے دوبارہ نظر آیا تھا۔ پھر میں اسے تلاش کرتا ہی رہ گیا لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔"

"اسے میں دیکھ لوں گا۔" جہانگیر نے پُراعتماد لہجے میں کہا "تم جاؤ اور جو کچھ میں نے بتایا ہے اس پر عمل کرو۔"

"ذرا ایک فون کر لوں؟" طارق نے لجاجت سے کہا اور جہانگیر نے بے پروائی سے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

❁

جیسے ہی طارق کی کتھئی ٹویوٹا آگے بڑھی، جہانگیر کے مکان سے کچھ دور ایک تاریک گلی میں کھڑی ہوئی سفید فاکسی بھی سڑک پر رینگ آئی اور طارق کی کار کے پیچھے روانہ ہو گئی۔ اس کے اسٹیئرنگ وھیل پر کشادہ شانوں اور مضبوط جسم والا ایک طویل قامت شخص موجود تھا جس کی رگ رگ سے چالاکی اور ذہانت کا اظہار ہو

رہا تھا۔ اس نے اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس روشن نہیں کیے تھے اس کے باوجود وہ یوں مہارت سے کار چلا رہا تھا جیسے سارے اس کے دیکھے بھالے ہوں۔ وہ مناسب فاصلے سے طارق کی پیچھا کرتا رہا پھر جونہی کتھئی ٹویوٹا ایک مصروف سڑک پر گ کشادہ شانوں والے نے فاکسی کے ہیڈ لیمپس روشن کر لیے

رات ڈھل رہی تھی اس لیے سڑک پر ٹریفک خا لہٰذا اگلی کار تیز رفتاری سے جا رہی تھی۔ گارڈن روڈ پر اگ اچانک بائیں جانب فٹ پاتھ کے کنارے رُکی اور اسٹریٹ لا کی ناکافی روشنی میں دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے دو آدمی لپکے اور کار میں سوار ہو گئے، اگلے ہی لمحے کتھئی ٹویوٹا پھر آگے روا

کشادہ شانوں والے کے چہرے پر تشویش کے آثار ابھر آ پتا نہیں وہ دونوں کون تھے اور طارق نے انھیں اپنی کار کیوں بٹھایا تھا۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے طارق کے پیچھے لگا ہ لیکن اس کے بارے میں کوئی خاص بات معلوم کرنے میں کام نہیں ہو سکا تھا۔ طارق کا ایک دو مشکوک افراد سے میل جول ا تھا لیکن اس سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس جیسا ما رکھنے والے لوگ حالات بدل جانے کے باوجود بھی اپنے بُرے د کے دوستوں سے زندگی بھر میل جول رکھنے پر مجبور ہوتے ہ کیونکہ ان ہی کے سامنے وہ کھلے دل سے ہر قسم کی گفتگو کر ا ہیں۔ نئے دوستوں سے تو بس ایسی ہی رسمی باتیں کی جا سکتی ہیں سے اپنے بے پناہ تموّل اور اختیار کا اظہار کیا جا سکے۔

لیکن عیسٰی خان بھی بہت باخبر آدمی تھا۔ کشادہ شانو بارہ برس سے اس کے لیے کام کر رہا تھا اور اس نے عیسٰی خ کے اندازے شاذ و نادر ہی غلط ثابت ہوتے دیکھے تھے عیسٰی بظاہر شہر کا ایک معروف ٹرانسپورٹر تھا جس کے ٹرکوں کا بیڑہ کرا اور ملک کے بالائی شہروں کے درمیان سامان کی نقل و حمل م مصروف رہتا تھا لیکن اس کی اصل آمدنی اس غیر قانونی ما نقل و حمل سے تھی جو افغانستان کے راستے اسمگل ہو کر ملک م تھا لیکن جب سے افغان فضاؤں میں سُرخ انقلاب کے پھریرے لہ لگے تھے، عیسٰی خان کی آمدنی بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ ابتدا وہ حالات میں کسی بہتری کا انتظار کرتا رہا لیکن دوستی کے معاہ کی آڑ میں پڑوس سے مسلح افواج افغانستان میں گھس آئیں۔ لم پر سرخ ٹینک گڑگڑانے لگے۔ دوسری طرف افغان سرزمین پ بیرونی مداخلت کے خلاف مزاحمت شروع ہو گئی، سادہ لوح ا آزادی کے متوالے، غیور افغانوں نے ہتھیار سنبھال کر پہاڑوں ا مورچے جمائے تو ان کی مدد میں اپنا اسلحہ اور افرادی قوت دا لگانے والے دوست جوشِ غضب میں باؤلے ہو گئے۔ وہ تو بتد

فوجیوں، ٹینکوں، توپوں اور ہزاروں ٹن بارود کی تباہی مول لے کر دوستی کا پرچم سربلند رکھنے کی کوشش کر رہے تھے مگر غیور شہری اور قبائلی انھیں خوش آمدید کہنے کے بجائے غاصب اور مداخلت کار قرار دے رہے تھے پھر وہی ہونے لگا جو انتقام کی صورت میں ہوتا ہے جس علاقے میں کسی فوجی قافلے پر حملہ ہوتا وہاں قرب وجوار کی آبادیوں سے ہر مرد کو گرفتار کر کے جنگی بیگار یا دوسری خدمات پر لگا دیا جاتا۔ آبادیوں پر طیارے مشین گنوں سے گولیاں برساتے، زیادہ غصہ آجاتا تو بمباری سے بھی دریغ نہ کرتے۔

جو محض تماشائی تھے، ان حالات سے وہ بھی دل برداشتہ ہوتے چلے گئے۔ اپنی ہی سرزمین پر دوستوں کے ہاتھوں جنگی قیدیوں جیسا سلوک بھگتنا ان کے بس سے باہر تھا۔ لہٰذا تباہ حال، بھوکے اور پریشان کنبوں پر مشتمل قافلے سرحد پار ہجرت کرنے لگے۔ پہاڑوں میں بارود و آہن کا تصادم روز بروز شدید ہونے لگا کوئی دن ایسا نہ جاتا جب روپوش باغیوں کی تلاش میں چٹانوں کے ریزے نہ اڑائے جاتے ہوں۔

حالات سے مایوس ہو کر عیسٰی خان نے چرس کی لائن پکڑ لی۔ وہ عزت دار آدمی تھا، اس لیے بڑے دھندے کا خطرہ مول لیے بغیر برسوں محدود مقدار میں چرس شہر میں لاتا رہا اور اپنے اعتماد کے چار چھ آدمیوں کے ذریعے معقول رقم کماتا رہا پھر پچھلے دنوں چرس کا قحط پڑا تو عیسٰی خان جیسے قناعت پسند کی بھی رال ٹپک پڑی۔ اس کا تجربہ تھا کہ چرس فروشی میں سب سے تگڑا نفع خوردہ فروش کو حاصل ہوتا ہے لہٰذا اس نے لانڈھی والے راجو کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اپنا مال شہر میں اونے پونے داموں ادھر ادھر پھینکنے کے بجائے راجو کے ذریعے فروخت کرانے لگا لیکن چند روز بھی نہ گزرے تھے کہ راجو کے اڈے پر مسلح حملہ ہوا۔ ہوٹل راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا اور فائرنگ کے نتیجے میں راجو کا بھائی ہلاک ہو گیا۔ راجو نے اس واقعے کے بارے میں پولیس سے ذرا بھی تعاون نہیں کیا لیکن عیسٰی خان کے سر پر سوار ہو گیا۔ اس کا قیاس تھا کہ اس کے اڈے کی تباہی میں غلام قادر کا ہاتھ تھا۔ اس نے حملہ آوروں میں سے کئی کو بارہا غلام قادر کی اردلی میں دیکھا تھا مگر غلام قادر واردات کے بعد ایسا غائب ہوا تھا کہ خود اس کے جاں نثار اسے شہر بھر میں ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔

عیسٰی خان غیور آدمی تھا۔ اتنی معلومات سامنے آنے کے بعد اس کا قبائلی خون بھی جوش مارنے لگا اور اس نے غلام قادر کو برآمد کرنے کی ذمے داری کشادہ شانوں والے پر ڈال دی۔ اس نے پہلے ہی دن پتا لگا لیا کہ کسی زمانے میں غلام قادر، طارق کا گہرا دوست تھا اور اب وہ اسے اچھی طرح ہراساں کرنے کے بعد اچانک ہی اس پر ہاتھ ڈالنا چاہتا تھا۔ تاکہ اس سے غلام قادر کا پتا معلوم کر کے عیسٰی خان کے سامنے سرخروئی حاصل کر سکے۔

جمشید روڈ تک تعاقب بآسانی جاری رہا خطرناک صورت والے کا اندازہ تھا کہ طارق کو آخر تک اپنے تعاقب کا شبہ نہ ہو سکا تھا وہ ایک ویران گلی کے تاریک نکڑ پر فاکسی روک کر طارق کی کار کو اس کے احاطے میں مڑتے دیکھتا رہا اور پھر اپنی کار گلی میں موڑ کر اندھیرے میں پارک کر دی۔ چند ثانیوں بعد وہ کار سے نکلا۔ اور اسے لاک کر کے آہستہ آہستہ طارق کے مکان کی طرف بڑھنے لگا۔

گرد و پیش میں ہر طرف ویرانی کا راج تھا کشادہ شانوں والے نے پھاٹک سے اچک کر اندر کا جائزہ لیا۔ جہاں ہر طرف اتھاہ سناٹے کی حکمرانی تھی، وہ ہتھیلیوں پر زور دے کر کسی بندر کی سی پھرتی سے اچھلا اور اگلے ہی لمحے ہلکی سی دھمک کے ساتھ اندر کود گیا۔ کچی زمین پر وہ کئی سیکنڈ تک اکڑوں بیٹھا چوکنے انداز میں کسی ردعمل کا انتظار کرتا رہا مگر وہاں بدستور ایسا سناٹا چھایا رہا جیسے قرب وجوار میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا ذی روح موجود نہ ہو۔ وہ آہستگی سے پنجوں کے بل کھڑا ہو گیا۔

آخری راتوں کا تھکا ہارا چاند اس وقت بادلوں کی اوٹ میں تھا، وہ اپنی بائیں ٹانگ پر زور دے کر قدرے لنگڑاتا ہوا اس سمت میں بڑھنے لگا جدھر اندر داخل ہونے کے لیے وہ ایک غیر محفوظ کھڑکی کا پہلے ہی انتخاب کر چکا تھا پھر جونہی وہ عمارت کے قریب پہنچا، عقب میں جھاڑیوں کی اوٹ سے ایک بے آواز شعلہ لپکا اور اس کی عقبی پسلیاں توڑتا ہوا بائیں پہلو میں اتر گیا۔ اس کے حلق سے ایک موہوم سی آواز نکلی، دونوں ہاتھ بے بسی سے فضا میں لہرائے اور پھر وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح کچی زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

طارق کے لیے وہ خبر سنسنی خیز ثابت ہوئی جو جہانگیر کے ذریعے فون پر ملی تھی۔

"لا... آش!" اس نے بے یقینی سے ماؤتھ پیس میں دہرایا۔ "تمھیں کیسے معلوم کہ میرے لان میں ایک لاش پڑی ہے؟"

"شاید تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ تمھارا فون جو ڈیڈ ہو کر رہ گیا تھا، یک بیک کیسے کام کرنے لگا؟" جہانگیر کا لہجہ تلخ اور طنزیہ تھا۔

"اوہو... ہو ہو۔" طارق بوکھلا کر بولا۔ "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ میں قسم کھا سکتا ہوں کہ تمھارے پاس روانہ ہونے سے پہلے میرا فون ڈیڈ تھا۔"

"مرنے والا تمھارا تعاقب کرتا ہوا میرے گھر تک آیا تھا۔"

جہانگیر کی آواز زہریلی ہوگئی۔ "اور یہاں سے تمہارے پیچھے ہی گیا تھا تمہارے اندر گھسنے کے بعد وہ دیوار سے اندر کودا اور دھر لیا گیا۔ وہاں موجود ہمارے آدمی نے اسے ٹھکانے لگانے کے بعد تمہارے فون کے باہر سے کٹے ہوئے تار جوڑے تھے، اگر اوپر والے اپنی آنکھیں کھلی نہ رکھیں تو تم کسی روز ہمیں جہنم کے دہانے میں ہی دھکیل دو گے۔"

"اب مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟" طارق نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"دونوں آدمی تمہارے پاس موجود ہیں؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس سے پوچھا گیا۔

"ہاں۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھے پی رہے ہیں۔" طارق نے جلدی سے جواب دیا۔

"تمہارے مکان سے تھوڑی دور ایک تاریک گلی میں مرنے والے کی سفید فوکسی کھڑی ہے، دستانے پہن کر لاش اس میں ڈالو اور کار ماری پور کے علاقے میں چھوڑ دو، کہیں بھی تم تینوں میں سے کسی کی انگلیوں کے نشانات نہ رہنے چاہئیں۔" جہانگیر کی آواز ابھری پھر ذرا سے توقف کے بعد اس نے پھر سوال کیا۔ "وہ دونوں قابلِ اعتماد ہیں نا؟"

"مر جائیں گے مگر زبان نہ کھولیں گے۔" طارق نے کہا۔ "اس قابل نہ ہوتے تو میں ہرگز انھیں ساتھ نہ لاتا۔"

اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی لائن بے جان ہوگئی اور وہ ریسیور رکھ کر تشویش زدہ انداز میں اپنی پیشانی مسلتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا جہاں اس کے دونوں مسلح ساتھی رات بھر کی بیگار کے خیال سے اسکاچ پیتے ہوئے ببیسہ پوائنٹ پر ری کھیل کھیل کر دل بہلا رہے تھے۔

طارق کے چہرے کی اُڑی اُڑی رنگت دیکھتے ہی وہ چونک پڑے۔ "خیریت تو ہے باس؟" ان میں سے ایک نے خالص بازاری لب ولہجے میں سوال کیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ فون پر کوئی بُری خبر سن کر آئے ہو۔"

"تمھیں جس کام سے لایا تھا وہ نمٹ گیا۔" طارق گہرا سانس لے کر بولا۔ "باہر لان میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔ جسے پوری احتیاط کے ساتھ ٹھکانے لگانا ہے۔"

"چلو۔" وہ دونوں ہی بیک وقت اٹھ گئے۔ "کہیں کسی مین ہول میں گھسیڑ دیں گے، وقت بھی بڑا اچھا چنا ہے اس نے مرنے کے لیے۔"

"باہر کہیں اس کی گاڑی موجود ہے۔" طارق ہاتھ سے انھیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "میں اسے دیکھ کر آتا ہوں پھر ہم لاش اسی میں ڈالیں گے اور گاڑی لاش سمیت شہر کے دور افتادہ حصے میں چھوڑ آئیں گے۔"

دونوں خاموش رہے، طارق نے اپنا اسکاچ کا آدھا گلاس خالی کیا اور پھر باہر کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

باہر ہر طرف سکوت اور سناٹے کی حکمرانی تھی۔ طارق جیب میں ہاتھ ڈالے چند ثانیوں تک احاطے کا جائزہ لیتا رہا۔ باہر اس کی نگاہیں تاریکی میں پڑے ہوئے ایک بڑے سے بے حس و حرکت ڈھیر پر جم گئیں۔ اس نے جیبی ٹارچ نکالی اور اسی طرف چل دیا۔

وہ مضبوط جسم والے کسی دراز قامت شخص کی لاش تھی۔ مرنے والا شاید آخری لمحات میں نہایت کرب کے عالم سے گزرا تھا کیونکہ اس کے دونوں گھٹنے پیٹ کے ساتھ جڑے ہوئے تھے اور چہرہ سینے کی طرف مُڑ کر زمین سے لگا ہوا تھا۔ طارق نے ٹھوکر سے اس کا سر سیدھا کیا اور ٹارچ کی روشنی میں اس کا چہرہ دیکھتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں، کیونکہ وہ کشادہ شانوں والا وہی شخص تھا جو اپنی بائیں ٹانگ پر زور دے کر قدرے لنگڑاتا ہوا چلتا تھا اور جس کے بارے میں جہانگیر نے اس سے خاص طور پر سوال کیا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ جہانگیر نے خطرے کی اطلاع ملنے کے آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر ایسا مکمل بندوبست کر لیا تھا کہ اسے ہراساں کرنے والا کسی شور شرابے کے بغیر نہایت خاموشی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

لاش کا بغور جائزہ لینے کے بعد طارق اس کے بدن کو ہاتھ لگائے بغیر جیبوں کی تلاشی لینے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ دنیا کا کوئی بھی ماہر کپڑوں پر سے نشاناتِ انگشت نہیں لے سکتا تھا۔ طارق نے مرنے والے کی جیب سے ریوالور اور چاقو نکالا پھر دونوں چیزوں کو رومال سے صاف کر کے واپس ڈال دیا اور دوسری جیبیں ٹٹولنے لگا۔ آخر کار پتلون کی جیب سے اسے مطلوبہ چیز مل گئی۔ اس کی چین میں کار کی چابی کے علاوہ دوسری چابیاں بھی تھیں لیکن اس وقت طارق کی دلچسپی صرف فوکسی کی چابی تک محدود تھی۔

وہ باہر آیا تو گلی میں دور تک سناٹے کا راج تھا۔ وہ بلا تامل ایک طرف ہولیا اور پھر اسے ایک بغلی گلی میں سفید فوکسی بھی نظر آگئی جو ایک پھیلے ہوئے درخت کے سائے میں خاصی تاریکی میں کھڑی ہوئی تھی۔ گاڑی پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر وہ رُکے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔ تاکہ کسی پھاٹک کی اوٹ میں اونگھتے ہوئے کسی چوکیدار کی غنودہ نگاہوں میں نہ آسکے۔ وہ چکر کاٹ کر دوسرے راستے سے گھر پہنچا تو دونوں اسے باہر ہی ٹہلتے ہوئے ملے۔

"یہاں کیا کر رہے ہو تم دونوں؟" طارق نے ان کے قریب پہنچ کر قدرے تادیبی لہجے میں پوچھا۔

"وزن ہلکا کر رہے تھے۔" ان میں سے ایک بولا "کُل ساڑھے تین سو روپے، ایک چاقو اور ایک ریوالور ملا ہے۔"

"دستانے پہنو اور اگلی گلی میں سے سفید فوکسی ادھر لے آؤ۔" طارق نے کی چین دوسرے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"دستانے تو ہر وقت جیب میں رہتے ہیں باس" وہ چابی لے کر فخریہ لہجے میں بولا "جب سے اپنی ہسٹری شیٹ کھلی ہے دستانوں کے بغیر مرے ہوئے کتے کو بھی ہاتھ لگانا چھوڑ دیا ہے۔"

طارق اندر سے باریک جھلی جیسے دستانے پہن کر نکلا تو دروازہ مقفل کر دیا۔ اتنی دیر میں دوسرا آدمی لاش کو سیدھا کر چکا تھا جو گرم ہونے کے باعث ابھی تک اکڑی نہیں تھی پھر گاڑی آتے ہی اگلی سیٹ جھکا کر وہ لاش عقبی پائدان میں ٹھونس دی گئی۔ اس وقت ان تینوں کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ دو دروازوں والی کار ہنگامی صورتحال میں کس قدر لونگی ثابت ہوتی ہے۔

ان میں سے ایک ڈرائیونگ سیٹ پر جم گیا۔ دوسرا پچھلی نشست پر چلا گیا، طارق نے پسنجر سیٹ سنبھال لی اور پھر وہ قافلہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔ جمشید روڈ سے گلشن اقبال ہوتے ہوئے وہ حسن اسکوائر سے لیاقت آباد کی طرف مڑ گئے۔ وہاں سے ناظم آباد سے گزر کر پُل عبور کیا اور سائٹ میں حبیب بنک سے بخیر و عافیت گزر گئے جہاں سڑک کے وسط میں بنے ہوئے پختہ آئی لینڈ پر تین سپاہی اپنی بندوقوں سمیت براجمان تھے لیکن ان میں سے کسی کو فوکسی پر شبہ نہ ہوا اور وہ دندناتے ہوئے شیر شاہ سے بھی گزر گئے۔

گلبائی سے ذرا پہلے سڑک ویران تھی۔ آس پاس کوئی خوانچہ فروش یا چھوٹا ہوٹل بھی نہیں تھا۔ لہٰذا طارق کے ایما پر کار سڑک سے اتار کر کچے میں جھاڑیوں کے قریب روک دی گئی اور چابی اگنیشن میں لگی چھوڑ کر وہ تینوں تھوڑے تھوڑے وقفے سے اتر کر مختلف سمتوں میں چل پڑے۔

طارق کے ستارے اچھے تھے کہ سڑک عبور کرتے ہی اسے ایک خالی رکشا مل گیا۔ حالانکہ ڈرائیور اسی طرف جا رہا تھا مگر پھر بھی ناظم آباد پہنچانے کے لیے میٹر سے دو روپے زائد کا مطالبہ کر ڈالا جو طارق کو منظور کرنا پڑا اور وہ ہوائی گھوڑا اسے لے کر برق رفتاری سے آگے روانہ ہو گیا۔

آتے ہوئے سارے راستے طارق کا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا رہا تھا کیونکہ وہ لوگ فوکسی میں ایک لاش کے ساتھ سفر کر رہے تھے اور اگر راستے میں کہیں بھی روک لیے جاتے تو گلو خلاصی ناممکن ہو کر رہ جاتی مگر اس بار اس کا دل خیر تھا اور وہ خود اس آسان گلو خلاصی پر خوش تھا لیکن اس خوشی میں بھی اس نے اپنا بنیادی اصول فراموش نہیں کیا تھا کہ جائے واردات سے مجرم کو براہ راست اپنے ٹھکانے کا رخ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اکثر پولیس کے اہلکار کڑیاں ملاتے ملاتے اس نکتے کے سہارے مجرم کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس کا ارادہ تھا کہ ناظم آباد اتر کر بس کے ذریعے لسبیلہ جائے گا اور وہاں ایرانی کے ہوٹل میں لمبے پانی والی کڑک چائے پی کر گھر روانہ ہو گا لیکن رکشا کی دم توڑتی ہوئی رفتار نے اس کے پُرسکون منصوبوں کا تسلسل توڑ دیا۔

ڈرائیور انجن کو نیوٹرل کر کے کسی کا نام لیے بغیر بے مقصد مغلظات بکے جا رہا تھا اور پھر طارق کو اس کی برہمی کا جواز بھی نظر آ گیا۔ اگلا چوک آنے والا تھا مگر اس سے ذرا پہلے پہرے پر مامور ایک سپاہی اپنی بندوق ہاتھ میں تھامے اس طرح سڑک کے وسط میں کھڑا ہوا تھا۔ جیسے اس تک پہنچنے سے پہلے رکشا نہ روکا گیا تو وہ بندوق کا کندا مار کر اسے پیچھے الٹ دے گا۔

رکشے کی رفتار کے ساتھ ہی ڈرائیور کی آواز بھی دھیمی ہوتی چلی گئی اور جب اس نے بائیں طرف بجلی کے کھمبے کے قریب کچے میں اتار کر رکشا روکا تو اس کی خوش مزاجی بھی بحال ہو چکی تھی۔ فوراً ہی دو سپاہی رکشے کی طرف لپکے اور گردنیں لمبی کر کے یوں طارق کے ارد گرد جھانکنے لگے جیسے وہ اپنی بغل میں کوئی ایٹم بم چھپائے لیے جا رہا ہو۔

"نیچے اترو۔" ایک سپاہی اپنی مونچھ کو بل دیتے ہوئے کڑکدار آواز میں طارق سے گویا ہوا اور وہ بے چون و چرا نیچے اتر گیا۔

"کدھر جا رہے ہو اتنی رات کو؟" وہ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اپنی اشتباہ آمیز نگاہیں طارق کے چہرے پر مرکوز کر کے معنی خیز لہجے میں بولا۔

"ارے جانا کہاں ہے، ناظم آباد جا رہے ہیں سنتری بادشاہ!" رکشا ڈرائیور نے خوشامدانہ لہجے میں دخل اندازی کی۔

"تو چپ رہ اوئے۔" دوسرا سپاہی اس کی گدی پر ہاتھ جما کر گرجا۔

"ناظم آباد۔" طارق نے اپنے چہرے میں پیوست ہوتی ہوئی تابکار نگاہوں کا سامنا کرتے ہوئے حتی الامکان نرمی سے جواب دیا۔

"اور کہاں سے آ رہے ہو اتنی رات کو؟" وہ ناقدانہ نظروں سے طارق کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"ایک دوست کے گھر سے۔"

"ہاتھ سر پر رکھو۔" دوسرا سپاہی بھی اپنے ساتھی کی مدد کو آ گیا اور طارق کے ہاتھ بلند ہوتے ہی اس کی تفصیلی تلاشی لینے میں

مصروف ہوگیا ان میں سے کوئی بھی اس کے ہاتھوں پر چڑھے
ہوئے جلد کی رنگت کے دستانوں کو دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو
سکا تھا لیکن تلاشی لینے والے نے اس کی جیب سے ساری رقم
نکال لی تھی۔

سپاہی نے نوٹ گنے اور دو سو کی رقم اپنی جیب میں ڈال
کر بائیس روپے طارق کو تھمادیے۔

"اور باقی رقم؟" طارق نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے نرم
آواز میں احتجاج کیا۔

"پکڑو اسے۔" وہ طارق کو جواب دینے کے بجائے اپنے
ساتھی سے مخاطب ہوکر بولا۔ "ایک سو نو میں اندر کریں گے
اس آوارہ گرد کو، واردات کے لیے موقع تلاش کرتا پھر رہا ہے اتنی
رات کو، اور پھر ہمارے منہ لگتا ہے۔"

"اور اس گھڑی کی رسید کہاں ہے؟" دوسرے سپاہی نے
آس پاس میدان صاف دیکھتے ہوئے طارق کی بائیں کلائی پر
جھپٹا مارا اور رسٹ واچ اتار کر اس کا معائنہ کرتا ہوا بولا۔ "صورت
پھکڑوں جیسی اور سیکو لگائے گھوم رہا ہے، مجھے تو یہ بھی چوری کی
معلوم ہوتی ہے۔"

"یہ میری اپنی ہے۔" طارق غصے اور بےبسی کے عالم میں
بولا۔ "کوئی رسیدیں ساتھ نہیں لیے پھرتا، تم نے سمجھا کیا ہے مجھے؟"

"لگاؤ جی ایک سو نو اس پر۔" اس نے بندوق کندھے سے
لٹکاتے ہوئے کہا۔ "حوالات کا شوقین معلوم ہوتا ہے... بید پڑیں
گے تو سب قبول دے گا۔"

اسی وقت رکشا ڈرائیور اپنی نشست سے اتر آیا اور طارق
کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے پچکارتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں بولا۔
"آجاؤ بابوجی! کیوں سنتری بادشاہوں سے الجھ رہے ہو؟ حوالات
لے گئے تو مٹی خراب ہوجائے گی۔"

طارق بےبسی سے سپاہیوں کو گھورتا ہوا رکشے میں جا بیٹھا
اور ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کرکے آگے دوڑ لگادی کسی سپاہی
نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"تمہارا مقدر خراب تھا بابو!" ڈرائیور ہمدردانہ لہجے میں
بولا۔ "گھڑی اور پیسے تو گئے ہی تھے، زیادہ بحث کرتے تو چھٹانک
بھر چرس تمہاری جیب میں ڈال کر برآمد کرلیتے اور حوالات میں
بند کردیتے۔ رات بے رات رکشا ٹیکسی میں سفر کرنا اسی لیے لوگ
چھوڑ رہے ہیں، ہاں پرائیویٹ کار میں لاش لے کر بھی شہر میں گھومتے
رہو تو کوئی مائی کا لال تمہیں نہیں روکے گا۔"

اس کے آخری تبصرے پر طارق چونکا مگر پھر پُرسکون
ہوگیا کیونکہ رکشا ڈرائیور نے وہ بات محض مثال کے طور پر کہی تھی۔

رکشا ڈرائیور خاصا شریف ثابت ہوا، طارق ناظم آ
اترا تو اس نے میٹر سے دو روپے تو کجا، اصل کرایہ بھی لینے
کردیا۔ اس کی دانست میں طارق مظلوم تھا جس کی وہ زیاد
زیادہ یہی مدد کرسکتا تھا۔

❋

پچھلی رات بہت ہنگامہ خیز رہی تھی، ڈینی نے ایک
بوتھ سے مرجینا اور موہن داس کے خلاف مخبری کردی تھی ا
پولیس نے اپنی فہرست سے باہر کے اس اڈے پر چھاپہ ما
میں نہایت چابکدستی کا مظاہرہ کیا تھا اور غالباً اطلاع ملنے کے
بعد ہی بھاری نفری نے اس عمارت کا محاصرہ کرلیا تھا۔ پو
افسران کافی دیر تک گھنٹیاں بجاتے رہے پھر دروازے پر د
بھی دی لیکن اندر موت کا سا سکوت چھایا رہا آخر جب پولی
کی موجودگی کا اعلان کرکے دروازہ توڑنے کی دھمکی دی گئی
موہن داس نے دروازہ کھول دیا جس کا ستا ہوا استخوانی چہ
خوف سے زرد ہو رہا تھا اور اندر سے مرجینا کی گالیوں
آوازیں آرہی تھیں۔

اندر مرجینا کوکین کے نشے میں دھت تھی اور موہن
اس کے پاؤں داب رہا تھا۔ اس نے چھاپہ مارنے والے پو
افسران کو بتایا کہ مرجینا جوانی سے اس قیمتی اور موذی نشے کی عا
تھی۔ جب وہ دھت ہوجاتی تو اس کی پنڈلیوں میں شد
درد شروع ہوجاتا تھا اور موہن داس کسی سعادتمند شوہر کی ط
اس وقت تک مرجینا کی پنڈلیاں دباتا رہتا تھا۔ جب تک
وہ غافل ہوکر گہری نیند نہ سوجاتی تھی اگر ایک لحظہ کے لیے
موہن کے ہاتھ رکتے تو مرجینا تڑپ تڑپ کر اسے گالیاں د
لگتی تھی۔ اسی تماشے کی وجہ سے ہر شام وہ دونوں اپنے گھر
محصور ہوجاتے تھے۔

اس کے مکان سے روسی واڈکا کی اسی بوتلیں اور مختل
برانڈ کی اسکاچ کی ایک سو اڑتیس بوتلیں برآمد ہوئیں جو موہن
کے بیان کے مطابق ایک دن پہلے انھوں نے خریدی تھیں۔ ا
طرح ڈینی کے اس قیاس کی توثیق ہوگئی کہ مرجینا کے پاس وا
کا خاصا ذخیرہ آگیا تھا جسے وہ کسی نہ کسی طرح اپنے گاہکوں
سرمنڈھنے کی فکر میں تھی۔

ڈینی نے یہ تفصیل مزے لے لے کر صبح کے اخبار میں
پڑھی تھی ورنہ رات کو تو وہ پولیس کو اطلاع دینے کے بع
بے فکری سے لمبی تان کر سوگیا تھا۔

وہ اخبار کے آخری صفحے پر پہنچا تو اس کی سرسری نگاہیں
ایک تین کالمی سرخی پر مرکوز ہوگئیں۔ پولیس کی ایک گشتی جماعت

بل ایریا میں گلبائی کے قریب مشکوک حالت میں کھڑی ہوئی
ے سفید فوکس ویگن دریافت کی تھی جس کے عقبی پائدان میں
ے دراز قامت اور مضبوط بدن والے شخص کی تازہ لاش پڑی
ئی تھی۔ لاش کی حالت سے ظاہر تھا کہ متوفی پر عقب سے چند
ٹ کے فاصلے سے بڑے بور کے پستول سے فائر کیا گیا تھا اور
ی بائیں پہلو میں دل کو چھیدتی ہوئی سینے سے پار ہوگئی تھی۔
ش کی دریافت رات گئے ایسے وقت عمل میں آئی تھی کہ اخبار
آخری کاپی طباعت کے لیے تیاری کے آخری مراحل میں
۔ لہٰذا متوفی کے بارے میں زیادہ تفصیلات دستیاب نہ ہو
تھیں لیکن ڈینی کے لیے معاملے کی تہ تک پہنچنا دشوار
یں تھا۔ کیونکہ پچھلی رات ٹرانسمیٹر پر باس کی زبان سے بائیں
ٹ پر لنگڑانے والے کسی دراز قامت کا ذکر سنتے ہی اس کا
ن عیسٰی خان کے معتمد خاص مقرب خان کی طرف گیا تھا جو
ون کی زد میں نہ آنے کے باوجود بھی مشکوک سرگرمیوں میں
رث رہا کرتا تھا۔

اسے یقین تھا کہ مقرب خان کے قتل میں پچھلی رات
گفتگو کا دخل ضرور تھا پھر اسے افسوس ہونے لگا کہ وہ
ت اپنے معمول سے پہلے کیوں سوگیا۔ عین ممکن تھا کہ بعد میں
ں یا جہانگیر نے اس سے رابطہ قائم کرنا چاہا ہو اور ناکامی ہوئی ہو۔

اسے ایک بے نام سی خلش ستانے لگی۔ دوسرا ٹرانسمیٹر ملنے
بعد پہلی خرابی تو یہ ہوئی کہ جہانگیر کو براہ راست بی فور سے
بطے کی اجازت مل گئی اور دوسری خرابی مقرب خان کے مقدر
ں واقع ہوئی تھی جس کے اسرار و رموز سے ڈینی یکسر لاعلم تھا
ر نئی ذمے داریوں کے ساتھ اسے بقیہ لوگوں سے دور رہنے
ہدایت کی گئی تھی۔ ورنہ وہ کسی سے مل بیٹھ کر پوری صورتحال
ے آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔

آخر وہ دوسرا ٹرانسمیٹر لے بیٹھا۔ جس پر جہانگیر کے علاوہ
فور سے بھی رابطہ قائم کیا جاسکتا تھا اور بی فور کے لیے پیغام
ر کرنے لگا دوسرے نشریے کے بعد ٹرانسمیٹر کے ریسیور پر ایک
والی آواز سنائی دی "بی فور اس وقت باہر ہے، پیغام نوٹ
راود اسے پہنچا دیا جائے گا۔ اوور۔"

یہ ڈینی کے لیے ایک نئی دریافت تھی کہ بی فور کی غیر حاضری
ں اس کی ٹرانسمیٹر کالز کو عورت ریسیو کرتی تھی، اس کا ذہن
پھر اسی عورت کی طرف گیا جس سے وہ اپنی زوولا کے حوالے
سے ملا تھا مگر فوراً ہی اسے یہ خیال سر سے جھٹک دینا پڑا کیونکہ
ٹرانسمیٹر والی آواز گلشن اقبال والی عورت کی آواز سے یکسر مختلف
تھی "کوئی خاص پیغام نہیں ہے۔" ڈینی نے چونک کر جواب دیا۔

"دوبارہ رابطہ قائم کرلوں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

پھر وہ جہانگیر سے رابطے کی کوشش کرنے لگا اور اس میں
بھی فوری کامیابی ہوئی۔ جہانگیر پہلے ہی پیغام کے جواب میں
لائن پر آگیا۔

"رپورٹ... اوور۔" ڈینی نے اس کا جواب سنتے ہی
اپنی بدلی ہوئی مخصوص آواز میں مبہم سا سوال کیا۔

"شاید آپ کو علم ہوگا کہ رات بی فور نے مجھے طارق کے
مکان کے لان میں ایک لاش کی موجودگی کی اطلاع دی تھی۔" جہانگیر
بتانے لگا اور ڈینی خاموشی سے سنتا رہا۔ "دراصل ہمارا ایک آدمی
پہلے سے اس لنگڑے کا پیچھا کر رہا تھا۔ یہ مجھے بی فور سے معلوم
ہوا تھا، بہرحال طارق نے ہدایت کے مطابق لنگڑے کی لاش
اسی کی کار میں ڈال کر مل ایریا میں چھوڑ دی۔ جہاں سے وہ
پولیس کے ہاتھ لگ گئی۔ طارق نے اپنے احاطے سے واردات
کا ہر نشان مٹا دیا ہے۔ اوور۔"

"یہ رپورٹ تمھیں براہ راست بی فور کو دینی تھی۔" ڈینی
ٹرانسمیٹر میں کسی بھیڑیے کی طرح غرایا۔ "میں اپنے معاملے کی
رپورٹ چاہتا ہوں۔ اوور۔"

"سوری سر!" جہانگیر گڑبڑا گیا۔ "دراصل وہ واقعہ میرے ذہن
پر سوار ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہمارے آدمی اس
سُرعت سے کارروائی کرسکتے ہیں۔ آپ کی ہدایت کے مطابق میں
نے احکام جاری کردیے تھے، چنڈو سے ولایتی شراب تک ہر
نشے کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ آج کے اخبار میں مرجینا کے
اڈے پر چھاپے کی خبر ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ کارروائی ہمارے
ہی کسی آدمی کے ایما پر کی گئی ہو... اوور۔"

"مجھے جلد از جلد نتائج چاہئیں ڈی ٹو!" ڈینی نے اسے
متنبہ کیا۔ "غیر ضروری باتوں کے بارے میں سوچ کر اپنی ذہنی
صلاحیتیں برباد نہ کرو، بی فور ہم دونوں کا سربراہ ہے اور اگر
اپنے وسائل سے کام لینے پر تل جائے تو اس سے زیادہ غیر العقول
کام سرانجام دے سکتا ہے۔ [illegible] در اینڈ آل۔" ڈینی نے آخری
فقرے محض یہ سوچ کر [illegible] بی فور کی نیابت کرنے والی
اپنے اپریٹس پر ان دونوں کی گفتگو سن رہی ہوگی۔

جہانگیر سے گفتگو کے بعد ڈینی کے ذہن سے [illegible]
کی دھند صاف ہوگئی اور وہ وار[illegible] کی کڑیاں [illegible]
کامیاب ہوگیا۔ بی فور ان چار [illegible]
دوسرے وسائل بھی رکھتا تھا جس کا [illegible]
والے مرد اور گلشن اقبال والی عورت [illegible]
شاید وہ اپنے ایسے ہی آدمیوں کے [illegible]

کی نگرانی بھی کرتا رہتا تھا۔ اسی طرح اسے علم ہوا ہوگا کہ وہ لنگڑا طارق کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ لہٰذا اس نے مقرب خان کا پیچھا کرنے والے کو آخری کارروائی کا حکم دیا ہوگا جس کے نتیجے میں اس کا پتا صاف کر دیا گیا۔ بی فور نے ٹرانسمیٹر پر جہانگیر سے گفتگو کے دوران جس طرح بائیں ٹانگ پر لنگڑانے والے دراز قامت کا حوالہ دیا تھا، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس معاملے سے بے خبر نہیں تھا بلکہ شاید یہ بھی جانتا تھا کہ مقرب خان کس کے ایما پر طارق کو ہراساں کر رہا تھا۔

دن میں ڈینی ٹوکیو کے سفر کی تیاری میں اپنے ٹریول ایجنٹ کے ساتھ مصروف رہا لیکن اس کو اس وقت خوشی ہوئی، حسب ویزا، زرمبادلہ اور کے ایل ایم کا کنفرمڈ ٹکٹ اس کے ہاتھ میں آگیا۔ اس وقت ساڑھے تین بج رہے تھے لیکن ڈینی فیکٹری واپس جانے کے بجائے گھر کی طرف ہولیا۔ وہ بی فور کی کال کا اس قدر شدت سے منتظر تھا کہ باتھ روم میں نہاتے ہوئے بھی اس نے ٹرانسمیٹر ایک ریک پر رکھا ہوا تھا۔

شام کے چھ بجے دوسرے ٹرانسمیٹر پر ٹک ٹک کی آواز سنائی دی تو وہ دوڑتا ہوا اپنے کمرے میں جا پہنچا۔ دروازہ بند کرکے اپریٹس بند کر دیا۔

"بی فور کالنگ ڈی ٹو... اوور۔" آواز سنائی دی اور ڈینی کا منہ لٹک گیا۔ باس غیر ضروری طور پر جہانگیر کو اس پر فوقیت دے رہا تھا۔

"ڈی ٹو ریسیونگ سر... اوور۔" دوسری آواز جہانگیر کی تھی۔

"اسٹینڈ بائی رہو اور غور سے ایک ایک لفظ سنتے رہنا، یس ڈی ون کو ایک اہم کام سونپ رہا ہوں جو اگر آج مکمل نہ ہوا تو تمھیں سنبھالنا ہوگا۔" باس کی غنودہ آواز سنائی دی پھر قدرے توقف کے بعد اس نے ڈینی کے لیے سگنل نشر کیا۔ جس کا جواب ڈینی نے حسب معمول بدلی ہوئی آواز میں دیا۔ باس سے دوسرے ٹرانسمیٹر پر وہ اپنی اصلی آواز میں گفتگو کرتا تھا کیونکہ اس آپریٹس پر کسی دوسرے کے سننے کا امکان نہیں تھا لیکن اس وقت جہانگیر بھی گفتگو سن رہا تھا لہٰذا دوسری شخصیت برقرار رکھنی ضروری تھی۔

"مرجینا کی تباہی میں کس کا ہاتھ ہے ڈی ون! اوور۔" باس نے سوال کیا۔

"میں نے ہی پولیس کو ادھر متوجہ کیا ہے سر!" ڈینی نے بدلی ہوئی کھردری آواز میں کہا۔ "وہ عرصے سے میری نگاہ میں تھی... اوور۔"

"ہمیں بس تین چار ہفتوں کے لیے میدان صاف کرنا ہے تاکہ نئے مال کے لیے مارکیٹ بنا سکیں۔ اس کے بعد ہمیں … سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ اس لیے نئی مہم پر پورے وسائل … ہونے چاہئیں۔ اوور اب ایک اہم قصہ سنو! طارق کے … میں مارے جانے والے کا نام مقرب خان ہے اور وہ عیسیٰ … نامی کسی شخص کے لیے کام کرتا ہے۔ عیسیٰ خان نے … راجو کے اڈے کو چرس کی فروخت کے لیے استعمال کر … مگر تمھارے آدمیوں نے اسے تباہ کر دیا۔ مقرب خان کو … کہ راجو کے اڈے پر حملے میں طارق کا بھی کچھ نہ کچھ ہاتھ … لیے وہ اس کا پیچھا کرتا رہا تھا مگر اس کے قتل نے عیسیٰ … خوفزدہ کرنے کے بجائے بھڑکا دیا ہے۔ شاید اسے علم … کہ مقرب موت سے پہلے طارق کی راہ پر لگا ہوا تھا۔ و … طارق سے براہ راست بھڑ جاتا۔ اس کا قبائلی خون جوش … ہوا ہے مگر میں خون خرابے سے حتی الامکان گریز کرنا چاہ … عیسیٰ خان لالچی آدمی ہے، تم فون پر اپنا نام ظاہر کیے بغ … آفر دو کہ اگر وہ چرس کے دھندے سے الگ رہے تو … سے ماہانہ ایک رقم ملتی رہے گی، رقم کا تعین میں تم پر چھ … مگر آخری حد پچاس ہزار سے تجاوز نہ ہونی چاہیے … اوو …

"تو کیا ہم واقعی یہ رقم اسے ادا کریں گے؟" … اوو … نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں۔" باس کی غنودہ آواز ابھری تھی۔ "اگر وہ را … جائے تو ادائیگی پیشگی اور فوری ہوگی مگر سارا کام خود کو … لائے بغیر کرنا ہوگا۔ اوور۔"

"اس خطیر رقم کی ادائیگی کے لیے تو سامنے آنا … سر! اوور۔"

"شہر میں بہت سے غیر معروف لیٹر بکس ہیں۔ جن م … دن میں صرف ایک بار ڈاک نکالی جاتی ہے۔ تم ایسے … لیٹر بکس کا انتخاب کرکے اس کے تالے کی دو چابیاں تیار کر … اور ایک کسی ذریعے سے عیسیٰ خان کو بھجوا دو گے پھر لیٹر … ڈاک نکالے جانے کے بعد تالا کھول کر رقم کا پیکٹ اس … ڈال کر تالا لگا دو گے اور عیسیٰ خان کو فون کر دو گے کہ وہ … چابی استعمال کرکے اس لیٹر بکس سے رقم کا پیکٹ نکال … ممکن ہو تو تم دور رہ کر جائزہ بھی لے سکتے ہو۔ ورنہ … بھی ضرورت نہیں۔ وہ رقم لینے کے بعد منکر نہیں ہوگا۔"

"میں سمجھ گیا سر!" ڈینی نے دل ہی دل میں باس … کی بے ضرر تجویز کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا … اسے دوسری بار رقم دینے کی نوبت ہی نہ آئے اور ہمار … پوری مارکیٹ میں چھا جائے۔ اوور۔"

"تم عقل مند ہو۔" بلاتامل کہا گیا۔ "یہ بھی میدان صاف کرنے کی ایک ترکیب ہے لیکن ہر ایک کو ہم خطیر رقم نہ دے سکیں گے۔ عیسٰی خان کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کے دو آدمی مارے جا چکے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ رقم کے لالچ میں وہ چرس گردش کے ساتھ ہی دونوں معاملوں کی تفتیش سے بھی کنارہ کش ہو جائے، وہ پیروی کرتا رہا تو پولیس بھی بال کی کھال نکالنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اوور۔"

"میں عیسٰی خان سے ابھی رجوع کرتا ہوں سر! اوور۔"

"معاملات طے کر کے تم ڈی ٹو کو بریف کر دینا۔ رقم کی ادائیگی وہی کر دے گا۔ اوور اینڈ آل۔" بی فور نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

ڈینی عیسٰی خان کے ٹرانسپورٹ کے دھندے سے واقف تھا۔ اس لیے ٹیلی فون ڈائرکٹری میں اس کے نمبر تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ڈینی نے پہلے اس کے گھر فون کیا۔ لیکن وہ وہاں موجود نہیں تھا لیکن دفتر میں وہ مل گیا۔

"عیسٰی خان! میں تمہارا ایک دوست اور ہمدرد بول رہا ہوں۔" ڈینی نے نرم اور دوستانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے تم سے کچھ اہم بات کرنی ہے، کیا تم دفتر میں اکیلے ہو؟"

"بولو، بولو کیا بات ہے؟" عیسٰی خان کی اکھڑی اکھڑی آواز سنائی دی۔ "ادھر سب ہمارا دوست، برادر لوگ ہے۔ لیکن تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام تم جو چاہو رکھ سکتے ہو، لیکن ہوں تمہارا خیر خواہ۔" ڈینی نے جواب دیا۔ "شاید آج کل تم پریشان ہو، تمہارے دو ساتھی بھی تم سے بچھڑ چکے ہیں، میں اسی سلسلے میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ ایسے نقصانات کا سلسلہ دراز نہ ہونے پائے۔"

"اوہ!" عیسٰی خان کی تحیر آمیز آواز سنائی دی پھر وہ شاید ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر کسی سے مخاطب ہوا تھا۔ "اوئے شہباز خان! تم لوگ باہر ٹھہرو، میں بات کر کے تمہیں اندر بلاؤں گا۔" پھر قدرے سکوت کے بعد وہ ڈینی سے مخاطب ہو گیا۔ "تو مقرب خان کو تم نے مارا ہے؟" اس کا لہجہ سرد اور جذبات سے یکسر عاری تھا۔

"تم اپنے نتائج اخذ کرنے کے لیے آزاد ہو۔ میں بس اتنا کہوں گا کہ مقرب خان اپنی حماقت کی وجہ سے مارا گیا اور جو بھی اس کی تقلید کرے گا، اسی انجام سے دوچار ہو گا۔"

"تو صرف یہی دھمکی دینے کے لیے فون کیا ہے تم نے؟" عیسٰی خان کی آواز تلخ ہو گئی۔ "قسم پروردگار کی اگر تمہاری پرچھائیں کا بھی پتا چل گیا تو میں خود اپنے ہاتھوں سے تمہاری ہڈیوں کا سرمہ بناؤں گا۔ آخر تم نے مجھے سمجھا کیا ہے؟ اور تمہاری یہ مجال کہ تم نے میرے آدمی پر ہاتھ ڈالا؟"

"جوش و انتقام کی باتیں ناتجربہ کار نوجوان کو زیب دیتی ہیں خان! تمہیں نہیں۔" ڈینی بدستور پرسکون رہا۔ "تمہیں قیامت تک بھی معلوم نہ ہو سکے گا کہ مقرب خان پر کیا گزری تھی۔ میں تمہیں زیادہ الجھانا نہیں چاہتا۔ اس لیے معاملے کی بات طے کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا معاملہ؟" عیسٰی خان کے لہجے میں بدستور برہمی باقی تھی۔

"تم عزت دار آدمی ہو۔ ظاہر ہے کہ چرس کی خرید و فروخت میں اپنی گرفتاری پسند نہیں کرو گے۔"

"بکواس ہے یہ۔" عیسٰی خان بھڑکے ہوئے لہجے میں بولا۔ "چرس سے میرا کیا واسطہ؟ میں ایسے دھندوں میں نہیں پڑتا۔"

"پھر راجو سے شاید پولٹری فارم چلانے کے لیے شراکت ہوئی تھی تمہاری؟" ڈینی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "مجھے بے خبر نہ سمجھو خان! پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی میں نے تم سے براہ راست بات کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

عیسٰی خان نے راجو کو ایک گندی سی گالی دی، پھر بولا۔ "اب شاید تم اپنی زبان بند رکھنے کی قیمت چاہتے ہو؟"

"میں بلیک میلر نہیں ہوں عیسٰی خان!" ڈینی ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "بس اتنا چاہتا ہوں کہ تم شریف آدمی ہو، اپنے ٹرانسپورٹ کے دھندے پر توجہ دو، چرس کا لین دین تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ اس سے اپنا دامن صاف رکھو۔"

"اور بھوکے مرو۔" عیسٰی خان کی زہریلی آواز ریسیور پر ابھری۔ "شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ ٹرانسپورٹ کے کاروبار میں دھن برستا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے یکے بعد دیگرے دو تین ثقیل گالیاں دیں پھر بولا۔ "ڈیزل مہنگا، سڑکیں خراب اور اسپیئر پارٹس سونے کے مول ملتے ہیں۔ مقابلہ اتنا سخت ہے کہ جس کے پاس پندرہ بیس ہزار روپیہ ہے۔ وہ قسطوں پر ٹرک لے کر ٹرانسپورٹر بن جاتا ہے اور روپے کے بدلے بارہ آنے میں مال اٹھاتا ہے۔ جب جائز دھندے کا یہ حال ہو تو آدمی بال بچوں کا پیٹ کہاں سے بھرے؟"

"میں تمہیں دس، پانچ ہزار روپے مہینہ دینے کو تیار ہوں۔" ڈینی نے پیشکش کی۔

"خیرات۔" عیسٰی خان کا لہجہ تحقیر آمیز تھا۔ "ابھی میں اتنا کنگال نہیں ہوا ہوں، صبح شام میرے دسترخوان پر دس بیس مہمان ضرور ہوتے ہیں۔"

"تم غلط سمجھے۔" ڈینی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "یہ اس بات کی قیمت ہوگی کہ تم چرس کا دھندا نہیں کرو گے۔"

"اب سمجھا۔ تم مجھے میدان سے باہر رکھنا چاہتے ہو۔"

"جو ٹرانسپورٹ کا حال ہے، وہی ہمارا بھی ہے۔" ڈینی نے

کہا "ہم اپنی روزی میں کسی کو شریک نہیں ہونے دیں گے، راجو کو ساتھ ملا کر تم نے حشر دیکھ ہی لیا مگر ہم سیدھی انگلیوں سے گھی نکالنا چاہتے ہیں، تم نہ مانو گے تو ایک روز اپنے آخری آدمی کو بھی اپنے ہاتھوں سے مٹی دے کر تنہا رہ جاؤ گے پھر تمھیں میری پیشکش یاد آئے گی۔"

"لیکن دس ہزار کم ہے۔" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد عیسیٰ خان کی گمبھیر آواز آئی۔ وہ سیانا آدمی تھا اور اس نے ڈینی کے الفاظ کا حقیقی وزن محسوس کر لیا تھا۔ "مجھے کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا، آزاد علاقے سے میرے مخصوص آدمی مال لاتے ہیں اور بازار میں پہنچا دیتے ہیں، میں بیٹھے بٹھائے اس سے کئی گنا منافع کما لیتا ہوں۔"

"یہ پرانی بات ہے عیسیٰ خان!" ڈینی نے نرم لہجے میں کہا "مگر اب ایسا نہ ہو سکے گا، مقرب خان سے ہم نے سب معلوم کر لیا تھا، تمھارے آدمی اور ان کا طریقۂ کار ہماری نگاہوں میں ہے۔ نفع تو درکنار اب تم اصل بھی وصول نہ کر سکو گے۔ روز تمھارے آدمی ہلاک یا زخمی ہوں گے تو پولیس بھی تم سے اُکتا جائے گی اور پھر ساتھ دینے کے بجائے تم ہی کو اندر کر دے گی۔ خوش فہم کے بجائے حقیقت پسند بننے کی کوشش کرو۔"

"کم از کم بیس ہزار ماہانہ ہونے چاہئیں۔" عیسیٰ خان کے لہجے سے ظاہر تھا کہ اس نے تذبذب کے ساتھ اپنا مطالبہ پیش کیا تھا۔

"کچھ نہ کرنے کے بیس ہزار۔" ڈینی نے استہزائیہ لہجے میں کہا "خدا کا خوف کرو عیسیٰ خان!" کہنے کو اس نے کہہ دیا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ خوش تھا کہ باس کے دیے ہوئے ٹارگٹ سے کہیں کم پر بات بنتی نظر آ رہی تھی۔

"ابھی ایک بات کرو۔" اس بار عیسیٰ خان کی آواز میں اعتماد کی توانائی تھی "پندرہ سے ایک پیسہ کم نہیں ہوگا۔"

"چلو منظور۔" ڈینی نے خوش دلی سے کہا "لیکن تم یا تمھارا آدمی ایک تولہ مال بھی کہیں نہیں دے گا۔"

"حرام سمجھو۔" عیسیٰ خان نے اسے یقین دلایا "تو بات پکی ہو گئی نا؟"

"بالکل پکّی، بلکہ اس مہینے کی رقم تمھیں کل پیشگی مل جائے گی۔" ڈینی نے کہا۔

"دھوکا تو نہیں ہوگا؟"

"کس بات کا دھوکا؟" ڈینی نے سوال کیا "تم سے کچھ خریدا نہیں جا رہا جو ہم رقم دیے بغیر اڑا لے جائیں گے۔ رقم ملتی رہے گی تو تم پابند رہو گے۔ رقم نہ ملی تو بازار میں اپنی مرضی کا مال پھینکنے کے لیے پوری طرح آزاد ہو گے۔"

"پھر رقم کس وقت لاؤ گے کل؟" عیسیٰ خان نے احمقانہ سوال کی خفت چھپانے کے لیے دوسرا سوال کیا

"تم سے میں یا میرا کوئی آدمی نہیں ملے گا" ... ہو جانے کے بعد ڈینی کا لہجہ قدرے آمرانہ ہو گیا "تم ... کھانے سے غرض ہونی چاہیے، پیڑ گننے سے نہیں، رقم ... غروب ہونے سے پہلے کسی نہ کسی طرح تمھیں مل جائے ..."

"ٹھیک ہے، میں انتظار کروں گا۔" اپنی قیمت ... کے بعد عیسیٰ خان کی آواز کی تندی رفع ہو گئی تھی۔ ڈینی ... کامیابی پر مسکراتے ہوئے فون بند کر دیا۔

اگلی صبح وہ ٹوکیو کے لیے روانہ ہونے والا تھا، ... لیے یہ مشن بہت پُراسرار تھا۔ گو جرائم کی دنیا سے اس کا ... پرانا تھا مگر ایک بین الاقوامی پرواز پر محض حلیے یا کوڈ ... ذریعے ایک اجنبی سے ملاقات کا تصور اس کے لیے بالک... تھا۔ کسی بھی شہر یا ملک میں ایسی ملاقات مخدوش ہو سک... لیکن جہاز پر مختلف مقامات سے مختلف منزلوں کے لیے ... ہونے والے مسافروں کی گفتگو پر کوئی چالاک ترین سرا... بھی شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ ڈینی کو ماننا پڑا تھا کہ ان کا ... انتہائی ذہین آدمی تھا اور خطرات کو ٹالنے میں خصوصی ملکہ ... غیر ملکی پارٹی سے ہیروئن کے نمونے کی منظوری ... اس نے عمدہ پروگرام ترتیب دیا تھا پھر عیسیٰ خان کو مو... کی رقم کی ترسیل کے لیے بھی اس نے بے داغ منصوبہ تج... ورنہ ڈینی کو سامنے آئے بغیر عیسیٰ خان کو رقم دینا ناممک... آ رہا تھا۔

لیکن دونوں ہی طریقے خاصے مہنگے تھے۔ عیسیٰ خ... چرس فروشی سے روکنے کے لیے پندرہ ہزار روپے ماہانہ ... ڈینی کی سمجھ سے بالا تھی۔ پھر دوسری ٹوکیو کے سفر اور د... کی صورت میں ڈینی ہزاروں روپے خرچ کرنے والا تھا ... طور پر آمدنی ہی میں سے ادا ہونے تھے۔

ہیروئن کے بارے میں ڈینی لاعلم تھا۔ کیوں کہ ... نئے دور کا ایک نیا نشہ تھا مگر چرس وغیرہ کے بارے ... اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے تیار کرنے والے واجبی ... ساتھ اسے فروخت کرتے تھے پھر درجہ بدرجہ کئی ہاتھو... گزرنے کے بعد چرس کے ٹکڑے اصل سے کئی گنا دامو... گاہکوں کو فروخت کیے جاتے تھے جس کی وجہ اس کی مذکو... نقل و حمل، کئی افراد کا نفع اور پھر مال پکڑے جانے کی صورت... ہونے والے نقصان کے پیشگی ازالے کے لیے مال کی بنیاد...

بس اضافہ ایسے عناصر تھے جو بظاہر خطیر نظر آنے والے نفع کو کم کر دیتے تھے پھر انتظامی اخراجات اور امتناعی اداروں سے وابستہ بعض بد دیانت اہلکاروں کے لگے بندھے نذرانے اس کے علاوہ تھے۔ ان تمام امکانات کی روشنی میں اگر ایک پیسے میں تیار ہونے والی چرس کی گولی نشے بازوں کو ڈیڑھ روپے میں فروخت کی جاتی تھی تو یہ قیمت جائز ہی تھی۔

تھوک داموں اور خوردہ قیمتِ فروخت میں اس زبردست فرق کو اخبارات میں عموماً رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا جاتا تھا۔ ایک عام قاری کو اس دھندے میں درپیش الجھنوں کا کوئی علم نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا وہ دونوں قیمتوں کے فرق کو اس کالے دھندے کا نفع تصور کرتا تھا اور پھر بہت سے کچے ذہن راتوں رات لکھپتی بننے کے چکر میں اس راہ کو اختیار کر بیٹھتے تھے اور یوں پیشہ ور منشیات فروشوں کو بازار میں ایسے طالع آزماؤں کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا جو انفرادی طور پر بہت کم مقدار لاتے تھے لیکن ایسے سیکڑوں شوقینوں کی وجہ سے بعض علاقوں میں طلب اور رسد کا توازن خاصا بگڑ جاتا تھا۔

ڈینی کے نزدیک عیسیٰ خان بھی ایک شوقیہ منشیات فروش تھا۔ جو فاضل آمدنی کے چکر میں چرس کا کام کرنے لگا تھا لیکن اس جیسا فردِ واحد بھی ڈینی کے باس کے لیے اتنا اہم ہو گیا تھا کہ اسے راستے سے ہٹانے کے لیے ماہانہ ایک بڑی رقم کی ادائیگی برداشت کرنی پڑ گئی تھی۔

بہرحال ڈینی خوش تھا کہ وہ نت نئے اسرار و رموز سیکھتا جا رہا تھا۔ مقامی رابطے تو خیر اس کی نگاہ میں تھے ہی، مگر ایک بار کسی مضبوط بین الاقوامی گروہ سے مل بیٹھنے کے بعد وہ زبردست کارنامے دکھا سکتا تھا۔

اس کا ذہن اپنے باس کی پُراسرار شخصیت میں الجھ گیا۔ وہ کس قدر خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ معاشرے میں اپنی دوہری حیثیت برقرار رکھے ہوئے تھا۔ سکندر علی کے روپ میں وہ بدی کا دشمن اور نیکیوں کا پیغام بر تھا۔ مگر وہی سکندر علی جب باس یا بی۔ فور کی کینچلی بدلتا تو بدی کے ان داتا کا بھیانک روپ دھار کر ہر طرف سے نیکیوں کی بیخ کنی پر تل جاتا۔

ڈینی نے فیصلہ کر لیا کہ ٹوکیو سے واپسی پر وہ سکندر علی کے مکان میں ضرور نقب لگائے گا۔

کے ایل ایم کی اس مخصوص پرواز پر ڈینی کی نشست مخصوص تھی مگر پھر بھی وہ مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے ہی ائیرپورٹ پہنچ گیا۔ اس نے بریف کیس سے پستول نکال کر گھر پر ہی چھوڑ دیا تھا اور باریک دستانے گھر سے نکلتے ہوئے ہاتھوں پر چڑھا لیے تھے۔ اسے کچھ ایسا محسوس ہوا تھا جیسے باس اس کی انگلیوں کے نشانات ہالینڈ کی فرم کے نمائندے تک بھی نہ پہنچانا چاہتا ہو۔ لہٰذا وہ اسی نوع کی احتیاط بروئے کار لایا تھا۔

ہیروئن کے سفوف کی ایک سربمہر تھیلی اس نے اپنے انڈر ویئر میں چھپائی ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ایک بار بحفاظت جہاز پر سوار ہونے کے بعد وہ ٹوائلٹ میں کسی خطرے کے بغیر اس تھیلی کو نکال کر کوٹ کی اندرونی جیب میں منتقل کر سکے گا۔ دوسری تھیلی وہ گھر ہی چھوڑ آیا تھا۔

ائیرلائن کے کاؤنٹر پر اس نے اپنے مختصر سے سوٹ کیس کا وزن کرانے کے بعد بورڈنگ کارڈ سمیت بیگیج ٹکٹ حاصل کیا اور پھر بے پروائی سے بریف کیس کو جھلاتا ہوا سیکورٹی والوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس مقام پر تجربے کار افراد مامور تھے جو شہادت یا مخبری سے زیادہ اپنے تجربے کے سہارے تخریبی عناصر کو پہچان سکتے تھے مگر ڈینی بھی اناڑی نہیں تھا۔ اپنے تاثرات پر اسے مکمل کنٹرول حاصل تھا اور اسے یقین تھا کہ اس کے دل کی دھڑکنیں بھی معمول پر تھیں۔ وہ قریب پہنچا تو اس کا بارودی بریف کیس ایکسرے مشین میں چلتی ہوئی بیلٹ پر ڈال دیا گیا، اس کے پہلوؤں اور پشت پر ہاتھ پھیر کر سرسری جامہ تلاشی لی گئی اور پھر اسے اندر جانے کی اجازت مل گئی جہاں امیگریشن حکام نے اس کے پاسپورٹ پر ملک سے اخراج کی مہر لگا کر اس کی روانگی کے مراحل مکمل کر دیے۔

ڈینی بے پروائی سے لاؤنج میں بیٹھا رہا اور جب اس کی پرواز کی روانگی کے لیے تیاری کا اعلان کیا گیا تو وہ لاؤنج سے نکل آیا۔ اس پرواز پر کراچی سے فرسٹ کلاس میں پرواز کرنے والے کل دو مسافر تھے۔ ڈینی اپنے ادھیڑ عمر ساتھی کے ہمراہ وین میں سوار ہوا اور پھر جہاز میں پَروں سے آگے لگی ہوئی سیڑھی کے قریب ضابطے کی آخری کارروائیوں کے بعد دیوہیکل طیارے پر سوار ہو گیا۔

فرسٹ کلاس کیبن میں پہلے سے صرف تین مسافر موجود تھے۔ تینوں ہی سفید فام تھے مگر ان میں دو مرد تھے اور تیسری ایک جواں سال عورت جو کھڑکی کے قریب والی نشست میں دھنسی صبح کی تیز دھوپ میں کھڑکی سے باہر رن وے پر کچھ دیکھ رہی تھی۔

ڈینی نے اپنی نیلی ٹائی پر لگے ہوئے بکرے کی شبیہ والے نقرئی ٹائی پن کو دانستہ چھیڑا، ایک سفید فام غیر ملکی اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ تھوڑا سا مسکرایا اور ڈینی بھی اخلاقاً مسکرا دیا۔ اس کا دل اچانک تیزی سے دھڑکنے لگا تھا کہ ہالینڈ اور اٹلی کے سنڈیکیٹ کے نمائندے نے شاید اسے پہچان لیا تھا۔

وہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا لیکن بے چینی کا شکار رہا۔ اس

کی نگاہیں غیر ارادی طور پر بار بار اس سفید فام کی طرف اٹھ رہی تھیں جو اسے دیکھ کر مسکرایا تھا مگر وہ اپنے گرد و پیش سے بے خبر اپنی گود میں پھیلے ہوئے اخبار کے مطالعے میں منہمک تھا۔

تھوڑی دیر بعد طیارے سے سیڑھیاں ہٹائی گئیں۔ دروازے بند کر دیے گئے۔ کارگو کی لوڈنگ غالباً پہلے ہی مکمل ہو چکی تھی۔ لہٰذا انجن اسٹارٹ کر دیے گئے۔ دلنوازی ائیر ہوسٹس نے اپنے سدا بہار سراپا سے کیبن کو رونق بخشی اور پھر پیجنگ سسٹم پر طیارے کے کپتان کی آواز گونجنے لگی۔ وہ کراچی سے بمبئی کے لیے پرواز کی نوید سنا رہا تھا۔ مسافروں نے اپنی نشستیں سیدھی کیں۔ پھر کیبن میں حفاظتی بیلٹ کے آہنی بکلوں کی آواز سنائی دینے لگی۔

ڈینی بہت چوکنا بیٹھا ہوا تھا۔ لہٰذا جب سفید فام دوشیزہ نے قدرے اچک کر پہلی بار کیبن میں ہونے والے اضافے کا جائزہ لیا تو ڈینی اس کی ستواں ناک، بھرے بھرے رخساروں اور جھیل جیسی گہری نیلی آنکھوں کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ مقررہ ملاقات سے نمٹنے کے بعد وہ اس حسین لڑکی کو اپنے ساتھ ایک جام کی پیشکش ضرور کرے گا۔

طیارہ کئی منٹ تک فضا میں آگے بڑھنے کے ساتھ اوپر اٹھتا رہا۔ ڈینی کو اپنے سینے پر ہلکے سے دباؤ کا احساس ہو رہا تھا۔ کان بھی بار بار سن ہوئے جا رہے تھے لیکن وہ اپنے جبڑوں کو بھینچ کر ٹیک آف کے اس اثر کا ازالہ کرتا رہا۔ آخر کار طیارہ مقررہ بلندی پر پہنچ گیا، تمباکو نوشی کی ممانعت کی سرخ روشنیاں پہلے ہی بجھ چکی تھیں، حفاظتی بیلٹ باندھنے کی ہدایت بھی معدوم ہو گئی اور ڈینی نے گہرا سانس لے کر حفاظتی بیلٹ کا بکل کھول دیا۔

اس نے سفید فام کی طرف دیکھا اور بھنا کر رہ گیا۔ وہ اس قدر انہماک سے اخبار کے مطالعے میں ڈوبا ہوا تھا جیسے محض اسی وجہ سے اس نے سفر کا فیصلہ کیا ہو، ڈینی اپنی نشست سے اٹھا اور ٹوائلٹ کی طرف بڑھ گیا۔

ٹوائلٹ کا دروازہ بند کر کے اس نے آئینے میں دیکھا کہ کوٹ کے بٹن کھلے ہوئے ہونے کے باعث اس کی نیلی ٹائی اور اس پر لگا ہوا نقرئی ٹائی پن بالکل واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ اس نے برا سا منہ بنایا اور پھر انڈرویئر سے ہیروئن کے نمونے کی تھیلی نکال کر کوٹ کی اندرونی جیب میں منتقل کرنے میں مصروف ہو گیا۔

لباس درست کر کے اس نے باہر نکلنے کی نیت سے دروازہ کھولا تو خوشگوار حیرت اس کے چہرے پر مجسم ہو گئی کیونکہ تنگ سی راہداری میں نیلی آنکھوں والی بانکی نار ٹوائلٹ خالی ہونے کی منتظر تھی اور اس کے داہنے ہاتھ کی لمبی لمبی مخروطی انگلیوں میں سلگتی ہوئی سگریٹ دبی ہوئی تھی۔

وہ لحظہ بھر کے لیے اندر ٹھٹکا تھا مگر لڑکی بے ساختہ فوراً ہی بول پڑی ”اتنا نہ گھورو مجھے۔“

ڈینی مسکراتا ہوا باہر آیا تو اس نے سگریٹ کا کش لے کر دھواں بے تکلفی سے ڈینی کے چہرے پر چھوڑ دیا اور ہاتھ سے ٹائی پن کو چھوتے ہوئے بولی ”اس کے بجائے زہر ہی لٹکا لیا ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔“ پھر اس سے قبل کہ ڈینی جواب میں کچھ کہتا۔ اس نے پھرتی سے ٹوائلٹ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ ڈینی اپنی نشست کی طرف واپس چلا تو اس کے سر و رسے لڑکھڑا رہے تھے۔

”سفر اچھا کٹے گا۔“ اس نے دل ہی دل میں سوچا اور اپنی نشست پر آ بیٹھا۔ اس نے اپنا زاویہ ایسا رکھا تھا کہ لڑکی کی خالی سیٹ اس کی نگاہ میں تھی۔ ڈینی کو دیکھ کر مسکرانے والا سفید فام اپنے چہرے پر متانت طاری کیے بدستور اخبار کے مطالعے میں غرق تھا۔

چند منٹ بعد ڈینی پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ وہ لڑکی ٹوائلٹ سے واپس آ کر اپنی جگہ پر بیٹھنے کے بجائے اس کے برابر والی خالی سیٹ پر آ بیٹھی تھی۔

”اگر ناگوار نہ ہو تو۔۔۔“ بیٹھنے کے بعد اس نے مسکراتے ہوئے صاف اور شستہ انگریزی میں ڈینی سے کہا۔

”بڑی خوشی سے۔“ ڈینی نے فراخ دلی سے کہا ”اجنبیوں کی ہم نشینی میں بڑا لطف آتا ہے۔“

”اسی لیے یہ سینے سے لگائے پھر رہے ہو۔“ اس نے ٹائی پن کی طرف اشارا کرتے ہوئے شوخ لہجے میں چوٹ کی۔

ڈینی نے دل ہی دل میں باس کے والدین کی شان میں کچھ نازیبا کلمات ادا کیے پھر مسکرا کر بولا ”ایک حسین کی دی ہوئی یادگار ہے۔“

”خاصا وزنی معلوم ہوتا ہے۔“ لڑکی نے سنجیدگی سے کہا لیکن اس کی آنکھیں مسلسل مسکرائے جا رہی تھیں۔

”نہیں۔۔۔“ ڈینی نے اس بے ہودہ موضوع سے جان چھڑانے کے لیے بے پروائی سے کہا ”ایک ڈیڑھ تولے کا ہوگا۔“

”پھر لنگڑا کیوں رہے تھے؟“ اس نے سنجیدگی سے سوال کیا اور ڈینی بھنا گیا لیکن اس نے ڈینی کو بولنے کا موقع دیے بغیر اپنی بات جاری رکھی ”داہنی پنڈلی کا فریکچر کیسا ہے؟“

ڈینی ایک گہرا سانس لے کر پشت گاہ سے ٹک گیا اور سپاٹ آواز میں بولا ”آپریشن کے بعد اب ٹھیک ہے۔“

”مجھے تو اب بھی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔“ وہ تشویش

ے میں بولی: "ذرا کچھ دور چل کر دکھاؤ۔"

"چپ چاپ بیٹھی رہو، تم نے میرا سارا موڈ غارت کر دیا۔"
نی اس کی طرف جھک کر دھیمے لہجے میں بولا۔ "مجھے اندازہ نہیں
تا کہ اس بکرے کی والدہ تم ہی ہو۔"

"اکانومی میں چلے آؤ، پچھلی نشستیں خالی ہیں، وہیں بیٹھ کر
یں کریں گے۔" اس نے بھی رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "لندن سے
ہاں تک اکیلے پن کی وجہ سے اکتا گئی ہوں۔"

لڑکی کو ڈینی کی طرف جھکے ہوئے دیکھ کر پچھلی نشست پر
سی کو خواہ مخواہ کھانسی کا دورہ پڑ گیا مگر ڈینی نے پلٹنے کی زحمت
ہیں کی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے پیچھے کراچی سے سوار ہونے والا
دھیڑ عمر بیٹھا ہوا تھا اور شاید اس ڈھلتی ہوئی عمر میں بھی
ریبے پن کا شکار تھا۔

لڑکی اٹھ کر اپنی نشست پر چلی گئی اور ڈینی ایئر ہوسٹس
سے اسکاچ کے دو پیگ کی فرمائش کرتا ہوا فلائٹ کچن سے
ہوتا ہوا طویل راہداری کی طرف بڑھ گیا۔ اکانومی کلاس میں
شستوں کے درمیان پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ اس پرواز پر
سافروں کی تعداد واقعی کم تھی۔ عقبی نشستیں تو کم و بیش خالی ہی
پڑی ہوئی تھیں۔ ڈینی عقبی کچن سے ملحق درمیانی چار نشستوں
یں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ چند ثانیوں بعد فرسٹ کلاس کیبن کی
یئر ہوسٹس ٹرے میں اسکاچ کے دو پیگ لیے اسے ڈھونڈتی ہوئی
وہاں آ پہنچی اور اگلی سیٹ کے پیچھے لگی ہوئی ٹرے سیدھی کر کے
ڈینی کے لیے پیمانہ وہاں رکھ دیا پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ "دوسرا
کسے دوں سر؟"

"یہیں رکھ دو، وہ بھی آتی ہی ہوگی۔" ڈینی نے معنی خیز
لہجے میں کہا اور ایئر ہوسٹس نے تفہیمی انداز میں اپنے سر کو جنبش
دیتے ہوئے دوسرا بلوریں پیگ بھی وہیں رکھ دیا۔ وہ اپنے کیبن کی
طرف گئی ہی تھی کہ ڈینی کو نیلی آنکھوں والی آتی نظر آئی۔ اس نے
ہاتھ ہلا کر اسے اشارہ کیا اور وہ اٹھلاتی ہوئی ڈینی کے برابر میں
آ بیٹھی۔

"میں سمجھ رہا تھا کہ اخبار بین میرا مطلوبہ آدمی ہے۔" اس
کے آ جانے پر ڈینی نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"انتہائی بور آدمی ہے۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "میں
نے اس سے مل بیٹھنے کی کوشش کی تھی مگر اس نے موسم سے
بات شروع کر کے موسمی سیاروں پر اپنی معلومات کا اظہار کرنا شروع
کر دیا۔ ویسے اس معاملے میں عموماً سرد مہر ہی ثابت ہوتے ہیں۔"

"بین الاقوامی تجربہ رکھتی ہو۔" ڈینی کو طنز کرنے کا موقع
ہاتھ آ گیا۔ "ایشیائیوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"بکروں کے عاشق ہوتے ہیں۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی
پھر پیگ اٹھایا اور کچھ کہے بغیر ڈینی کی طرف لہرا کر منہ سے لگا لیا۔

"کاش تم مجھے کسی اور موقع پر ملی ہوتیں۔" ڈینی پیگ
سے اپنے لبوں کو تر کرتے ہوئے بولا۔ "پھر میں دیکھتا کہ تم
کیسے اتنا بولتی ہو۔"

اس نے اپنا وینٹی بیگ کھولا اور ایک تہہ کیا ہوا کاغذ
نکال کر ڈینی کی طرف بڑھا دیا۔ ڈینی نے پیگ سے دوسرا
گھونٹ لے کر کاغذ کی تہیں کھولیں تو لڑکی کی تصویر سامنے آ گئی۔
وہ ایمسٹرڈم کی الشلے ہاؤز نامی فرم کے لیٹر پیڈ پر ٹائپ کیا ہوا
شناخت نامہ تھا۔ جس کی رو سے ویرا لائیڈ نامی وہ لڑکی الشلے ہاؤز
کی سفری ایجنٹ تھی جسے فرم کی جانب سے کاروباری سودوں کے
پورے اختیارات حاصل تھے۔ ڈینی نے کوٹ کی اوپری جیب
سے اپنا ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کا شناخت نامہ نکال کر اسے تھما دیا
جو اس نے سرسری نظر ڈال کر اسے لوٹا دیا۔ باہمی شناخت کے
مراحل طے ہو چکے تھے۔ لہٰذا ڈینی نے فوری طور پر اپنا بوجھ ہلکا
کرنے میں عافیت سمجھی اور نائیلون کی تھیلی میں بند پولی تھین کا وہ
لفافہ لڑکی کے حوالے کر دیا جس میں ہیروئن کا سربمہر نمونہ موجود تھا۔
لڑکی نے وہ تھیلی فوری طور پر اپنے بلاؤز میں چھپا لی۔

"اس کام کے لیے الشلے ہاؤز والوں کو کوئی مرد نہیں ملا تھا؟"
ڈینی نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"عورتوں سے عموماً نرم سلوک کیا جاتا ہے۔" وہ مسکرائی۔

"مرد آسانی سے بے وقوف بھی بن جاتے ہوں گے؟"

"عورت کے معاملے میں تو پیدائشی بے وقوف ہوتے
ہیں۔" ویرا نے برجستہ کہا۔ سامنے سے آتی ہوئی ایئر ہوسٹس نے
ان دونوں کو مسکرا کر دیکھا اور تیز قدموں سے چلتی ہوئی عقبی
کچن میں روپوش ہو گئی۔

❁

انسپکٹر یاور سخت پریشان تھا۔ مخبری اوپر ہوئی تھی اور
اسے ہدایت ملی تھی کہ فوری طور پر نیشنل ہائی وے کی ناکہ بندی
کرا لے جہاں سے زرد رنگ کی ایک ڈاٹسن وین سے کئی من
چرس شہر لائی جانے والی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ زرد وین عبداللہ
کی ملکیت تھی اور اس میں اسی کا مال آتا تھا جس کے لیے وہ
ماہانہ ایک بھاری رقم اس کے محکمے کو ادا کرتا تھا۔ تاکہ اس کے
کارندوں کی سرگرمیوں سے چشم پوشی اختیار کی جاتی۔ اس بندوبست
کے نتیجے میں آج تک اس کا مال نہیں پکڑا گیا تھا مگر آج یہ
صورت حال بدلتی نظر آ رہی تھی۔

پہلے اس نے سوچا کہ کسی طرح عبداللہ کو ہوشیار کر دے

تاکہ وہ فوری طور پر نیشنل ہائی وے سے کوئی گاڑی آگے دوڑا دے اور زرد وین کا راستہ تبدیل کر دیا جائے لیکن خاصی سوچ بچار کے بعد اس نے اپنا یہ ارادہ ملتوی کر دیا کیونکہ ایسی خبریں زیادہ دن راز نہیں رہتی تھیں۔ ایک بار یہ خبر پھیل جاتی تو انسپکٹر یاور اپنے محکمے کے بڑوں کے عتاب سے نہ بچ سکتا۔

حکمِ حاکم، مرگِ مفاجات کا مفہوم پہلی بار صحیح معنوں میں اس کی سمجھ میں آیا اور وہ کارروائی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ سرکل آفس سے جیپ حاصل کر کے ڈرائیور کو ٹنکی میں پٹرول ڈلوانے بھیجا پھر اسلحہ خانے سے فاضل راؤنڈز حاصل کیے اور دس بجے دفتر سے ایک سب انسپکٹر اور دو سپاہیوں سمیت جیپ میں ڈرائیور کے ہمراہ ملیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان لوگوں کی حتی الامکان یہی کوشش ہوتی تھی کہ جرائم پیشہ افراد کا گھیراؤ آبادی سے باہر نکل کر کیا جائے تاکہ تصادم کی نوبت آجائے تو قرب و جوار میں کسی بے گناہ شہری کے ہلاک یا زخمی ہونے کا امکان نہ رہے۔

اس نے ملیر سٹی سے آگے نکل کر پُل سے پہلے اپنی جیپ ایک طرف رکوالی اور آدمیوں کو مختلف مقامات پر پوشیدہ رہنے کی ہدایت دے کر اپنی جیپ میں آ بیٹھا۔ وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور جب اس کی رسٹ واچ نے بارہ بجائے تو وہ اکتاہٹ کا شکار ہونے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ عبداللہ کی گاڑی ہفتے میں ایک دو بار اندرونِ ملک سے بھوسے کے بوروں کی آڑ میں چرس لے کر آتی تھی لیکن اس کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔

آخر ایک بجے کے قریب سادہ لباس میں پُل پر مامور سپاہی نے وسل بجا کر نیچے والوں کو سگنل دیا اور وہ تیار ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد پُل پر زرد وین نظر آئی جس کے عقبی حصے میں خشک بھوسے کے پھٹے پرانے بوروں کا انبار لدا ہوا تھا۔ پُل پر کھڑے ہوئے سادہ پوش سپاہی نے بندوق کی نال کے اشارے سے زرد وین کو روکنا چاہا لیکن اس کی رفتار کم ہونے کے بجائے یک بیک تیز ہو گئی۔ شاید اس کے ڈرائیور نے مسلح سادہ پوش کو دیکھ کر خطرہ بھانپ لیا تھا۔

پُل والے سادہ پوش سپاہی نے وارننگ کے طور پر گولی چلا دی جو زرد وین سے گزوں دور سے گزر گئی پھر جوں ہی وہ گاڑی پُل سے نیچے آئی، دونوں سمتوں سے اس پر فائر کیے گئے، گولیاں اس کی آہنی باڈی سے ٹکرا کر ضائع ہو گئیں مگر وین کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ یاور کو تو شبہ ہوا تھا کہ ڈرائیور کے برابر میں بیٹھے ہوئے شخص نے شاید ریوالور سے اپنی سمت میں فائر بھی کیا تھا۔ وہ اچھل کر جیپ میں سوار ہو گیا۔

محکمے میں ایسی سنگین کارروائیوں کی نوبت شاذ و نادر ہی آتی تھی لیکن عملہ خوب جانتا تھا کہ ایسے مواقع پر انھیں کیا کرنا ہ
لہٰذا جب جیپ کا انجن بیدار ہوا تو سب آدمی اس میں ہو چکے تھے۔

انسپکٹر یاور اپنے محکمے کی کہن سالی سے ہمیشہ سے بیز
بوڑھے افسران میں بیشتر لکیر کے فقیر تھے اور اس اصول پر رکھتے تھے کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے، اگر کوئی باوردی کسی مجرم کو للکار بیٹھے تو مجرم کو فوراً ہاتھ سے بلند کر کے خود کو قانون کے حوالے کر دینا چاہیے۔ وہ لوگ اپنے افسرا سے جدید اسلحہ یا تیز رفتار گاڑیاں مانگتے ہوئے بھی جھجکتے ت ایسی کسی فرمائش کو اپنی افسرانہ شان کی ناکامی کا اعتراف تصو تھے۔ اس رویے کا نتیجہ تھا کہ محکمے میں برسہا برس سے ا بندوقیں زیرِ استعمال تھیں جو ملک کے بٹوارے کے بعد حصے آئی تھیں۔ کئی بار ایسا بھی ہو چکا تھا کہ نازک مواقع پر ان بندو نے چلنے سے انکار کر دیا تھا مگر ہر بار ان ہی کے کل پرزے کرنے پر اکتفا کیا جاتا تھا۔ گاڑیاں تھیں تو وہ اپنے موجد زمانے کی یادگار تھیں جن میں مجرموں کی جدید اور تیز رفتا کے تعاقب کا خیال ہی مضحکہ خیز معلوم ہوتا تھا۔ وہ تو غنیمت کہ چھ سلنڈروں والی جیپیں جب پٹرول کی گرانی کے باعث بازار میں نہ کھپ سکیں تو انھیں اسمبل کرنے والے سرکاری ادار بھاری نقصان سے بچانے کے لیے سیکڑوں جیپیں مرکزی صوبائی محکموں کو فروخت کرا دی گئیں۔ اس مالِ غنیمت سے چھ سلنڈروں والی ایک جیپ انسپکٹر یاور کے دفتر ک حصے میں آئی تھی اور اس مہم میں وہ اسی پر نکلا تھا۔ خیال تھا کہ محکمے میں ایک وہی گاڑی حقیقی معنوں میں کار

جیپ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ زرد وین ک
میں روانہ ہوئی اور پھر لحظہ بہ لحظہ دونوں گاڑیوں کا درمیا کم ہونے لگا۔ انسپکٹر یاور نے اپنی طرف سے جھک کر ایک بھی جھونک مارا۔

زرد وین والے شاید اس خیال میں تھے کہ ماہانہ
وجہ سے انھیں پورا پورا تحفظ حاصل ہے۔ لہٰذا اِکا دکا فائ باوجود وہ صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن جیپ تیزی سے بڑھتی ہی رہی تو شاید ان کے ہاتھ پیر گئے اور زرد وین اسی رفتار پر کچے میں اتار دی گئی۔ غبا کثیف بادل میں کچھ دور دوڑنے کے بعد زرد وین رک گئی۔ جیپ اس کے پہلو میں جا کر رکی تو وین میں کسی پتا نہیں تھا۔ عبداللہ کے آدمی خطرہ بھانپ کر مال سمیت چھوڑ کر کسی طرف بھاگ نکلے تھے۔

انسپکٹر یاور نے بذاتِ خود ڈرائیونگ کیبن کی تلاشی لی لیکن اس میں سے بے مصرف کاغذات اور فلمی اداکاراؤں کی بیہودہ تصاویر کے تراشوں کے علاوہ کوئی کارآمد چیز دستیاب نہ ہو سکی۔ گاڑی کے رجسٹریشن کے کاغذات سے ڈرائیونگ لائسنس تک کسی چیز کا پتا نہیں تھا۔

وہ باہر نکلا تو سپاہی اپنی بندوقیں جیپ میں چھوڑ کر ٹرک بھوسے سے بھرے ہوئے ٹاٹ کے بورے نیچے گرا رہے تھے اور اس کے ساتھ آیا ہوا سب انسپکٹر ان بوروں کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ انسپکٹر یاور بھی اس تلاشی میں شریک ہو گیا۔ اس دوران میں لانڈھی سے شہر جانے والی کئی گاڑیاں بھی وہاں رک گئی تھیں۔ جیپ کی سرکاری نمبر پلیٹ اور چند سرکاری وردیوں کی موجودگی نے اس تماش بین مجمع میں قیاس آرائیوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا لیکن انسپکٹر یاور نے ڈانٹ ڈپٹ کر ان لوگوں کو زرد وین سے دور ہی رکھا ہوا تھا۔

بھوسے کے بورے زمین پر گرتے رہے لیکن ان میں سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی لیکن جب وین پر چند بورے رہ گئے تو تہ میں کورے لٹھے کے تھیلے نظر آنے لگے۔ سپاہیوں کے ہاتھوں میں اچانک تیزی آ گئی اور بورے گرا کر وہ سب وین پر چڑھ گئے۔

بوروں کے نیچے چھپے ہوئے تھیلے تعداد میں چھ تھے۔ ان کے منہ زرد رنگ کے موٹے دھاگے سے سلے ہوئے تھے۔ چاقو کے ذریعے پہلے تھیلے کا منہ کھولا گیا تو ان سب کی نگاہیں چمکنے لگیں۔ اس میں سیاہی مائل سبز رنگ کی چرس بھری ہوئی تھی۔

پھر یکے بعد دیگرے تمام تھیلے کھول دیے گئے، وہ سب چرس سے بھرے ہوئے تھے اور کسی بھی تھیلے میں اس کی مقدار پچیس تیس سیر سے کم نہیں تھی۔

انسپکٹر یاور نے چرس کے تھیلے جیپ کے پچھلے حصے میں لدوائے اور ایک باوردی سپاہی کو زرد وین کی نگرانی پر مامور کر کے واپس شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ پیشہ ورانہ اعتبار سے اس کی کارروائی کامیاب رہی تھی۔ جس پر اسے خوش ہونا چاہیے تھا لیکن اس کے چہرے سے فکرمندی جھلک رہی تھی۔ بازار میں چار ساڑھے چار من چرس کے خاصے دام مل سکتے تھے۔ اسے خدشہ تھا کہ عبداللہ اپنے اس نقصان کو خاموشی سے برداشت نہیں کرے گا۔ اس کی پہلی اور فوری انتقامی کارروائی تو یہی ہوتی کہ وہ مقررہ رقم کی ادائیگی کا سلسلہ یکلخت موقوف کر دیتا۔ اس کا دوسرا ردِعمل جس سے یاور سخت پریشان تھا یہ ہوتا کہ وہ ہمیشہ کے لیے یاور سے بدظن ہو جاتا۔ عبداللہ دل کا اتنا نیک آدمی تھا کہ یاور بھولے بھٹکے جب بھی اس سے ملنے چلا جاتا، معاہدے کی رقم سے قطع نظر، وہ کچھ کہے سنے بغیر اسے ہزار پندرہ سو روپے پکڑا دیتا تھا۔ تازہ کارروائی کے نتیجے میں یاور اپنے اس محسن سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو چکا تھا۔

"سارے تھیلے مال خانے میں جمع ہوں گے؟" راستے میں سب انسپکٹر کے سرگوشیانہ سوال نے انسپکٹر یاور کو چونکا دیا۔

یاور ایک لحظے کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ موقع غنیمت تھا، ایک آدھ تھیلا غائب کر کے وہ سب خاصی رقم کما سکتے تھے لیکن وہ عبداللہ کا مال تھا جسے ہضم کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ اسے خود تو نقصان ہوا ہی تھا مگر وہ اس سے کسی اور کو بھی فیض نہیں اٹھانے دیتا۔ تھیلوں کی تعداد یا مال کی مقدار میں ذرا بھی کمی ہوتی تو وہ بلاجھجک چھاپہ مارنے والوں پر خورد برد کا الزام لگا کر ان کی بھی گردن پھنسوا دیتا اور وہ مہینوں محکمہ جاتی تحقیقات میں الجھے رہتے۔

"ہاں۔ ایک تولے کا بھی ہیر پھیر نہ ہونا چاہیے۔" انسپکٹر یاور نے سنجیدگی سے کہا۔ "ورنہ عبداللہ سارے شہر میں ڈنکے پٹوا دے گا۔"

جیپ دفتر کے احاطے میں داخل ہوئی تو اس کے استقبال کے لیے سارا عملہ باہر نکل آیا۔ لوگ انسپکٹر یاور اور اس کے ساتھیوں کو کامیاب چھاپے پر مبارکباد دے رہے تھے۔ ان سب کے لیے وہ کارروائی بہت اہمیت کی حامل تھی۔ یاور سے بغض رکھنے والے البتہ خاموش تھے اور اس وقت کا انتظار کر رہے تھے جب عبداللہ وہاں پہنچ کر اودھم مچاتا لیکن اس منفی پہلو کے باوجود وہ یاور کی بڑی کامیابی تھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے اعلیٰ حکام کو چھاپے کی کامیابی کی اطلاع دے دی تھی اور وہ کسی بھی لمحے اخباری نمائندوں کے جھرمٹ میں برآمد ہونے والی بھاری مالیت کی منوں چرس کے معائنے کے لیے پہنچنے والے تھے۔

دفتر کا ہر شخص جیپ سے اتارے گئے تھیلوں تک پہنچنے کے لیے بے تاب تھا۔ جیسے محکمۂ آبکاری میں برسوں کی ملازمت کے باوجود انھوں نے کبھی چرس نہ دیکھی ہو لیکن یاور ان کوششوں کا مطلب خوب سمجھتا تھا۔ تھیلے لاوارث چھوڑ دیے جاتے تو وہاں چرس کی لوٹ مار مچ جاتی جس کے ہاتھ جتنی لگتی، لے بھاگتا اور جب مال خانے کی تحویل میں دینے کے لیے وزن کیا جاتا تو ساری کمی بیشی کی ذمے داری انسپکٹر یاور اور اس کے ساتھ جانے والوں پر عائد کر دی جاتی لہٰذا اس نے فوری طور پر تھیلوں کے منہ باندھ کر انھیں دفتر ہی کے ایک کمرے میں مقفل کرا دیا۔

❁

الگزینڈر ڈیڑھ ماہ سے یوں ہی کھڑا تھا۔ اسے خریدنے

والوں میں باہمی اختلاف تھے یا مزدور میسّر نہیں تھے، وجہ کچھ بھی رہی ہو لیکن گڈانی بیچ والے یہ جانتے تھے کہ اس دیوہیکل تیل بردار جہاز پر توڑ پھوڑ کا آغاز نہیں ہو سکا تھا۔ ان دنوں تو ویسے بھی چڑھتے چاند کی وجہ سے پانی بہت بڑھ چکا تھا جن جہازوں پر آہنی ڈھانچوں کی کٹائی اور توڑ پھوڑ کا کام ہو رہا تھا، ان سے بھی مال اتارنے کا سلسلہ کئی روز سے موقوف تھا جس دن بھی پانی ذرا اترتا، دیوہیکل کرینیں حرکت میں آتیں اور سیکڑوں ٹن لوہا اور فولاد شہر کے کارخانوں اور دکانوں کی طرف روانہ ہونا شروع ہو جاتا۔

بظاہر پانی میں اپنے لنگروں کے سہارے ڈولتا ہوا الگزینڈر ویران نظر آرہا تھا اور ساحل سے اس کا تاریکی میں ڈوبا ہوا وسیع و عریض ڈھانچا پھیکی چاندنی میں کسی آسیب کی طرح نظر آرہا تھا۔ لیکن اس کے نچلے حصے میں دو آدمی تشویش زدہ انداز میں خاموش بیٹھے سگریٹیں پھونک رہے تھے۔ ویسے تو ان کا ٹھکانا ایک ایسے اندرونی کیبن میں تھا۔ جہاں نرم بستروں سمیت جملہ آسائشیں میسّر تھیں اور وہ بیٹریوں سے چلنے والی روشنیاں بھی بے دھڑک استعمال کرتے تھے کیونکہ وہاں ہونے والی روشنی کا طیارے یا ہیلی کاپٹر کے علاوہ کسی اور ذریعے سے دیکھا جانا ناممکنات میں سے تھا۔ لیکن اس وقت وہ جہاز کے بغلی حصے میں ایسی جگہ موجود تھے، جہاں دو پورٹ ہولز کے شیشے غائب تھے اور ان میں سے خنک سمندری ہوا آرہی تھی۔ وہ دونوں بار باران پورٹ ہولز سے تاحدِ نظر پھیلے ہوئے سیاہ سمندر کی طرف دیکھتے اور پھر اپنی جگہ آبیٹھتے۔

یہ دوسرا موقع تھا کہ وہ الگزینڈر کو استعمال کر رہے تھے ورنہ اس سے پہلے وہسکی اور دوسری غیر ملکی شرابیں لانے والی لانچ ان کے مخصوص روشنی کے اشاروں کے ذریعے مقررہ مقام پر پہنچتی اور رات کی تاریکی میں ولایتی شراب کی ہزاروں بوتلیں گڑھے میں ڈال کر اوپر سے ریت ڈال دی جاتی اور پھر ان کے آدمی تھوڑی تھوڑی مقدار میں اس نشان زدہ جگہ سے زمین کھود کر بوتلیں لے جاتے رہتے تھے۔ جب تک وہاں سے آخری بوتل بھی نہ چلی جاتی، چوبیس گھنٹے ان کا ایک نہ ایک مسلح آدمی دور رہ کر بوتلوں کی اس اجتماعی قبر کی حفاظت کرتا رہتا تھا۔

اس طریقے میں دوہرا فائدہ تھا۔ لانچ سے مال اتار کر براہِ راست شہر منتقل کرنے کے لیے ساحل کے ان چند گنے چنے حصوں میں سے کسی کا انتخاب کرنا پڑتا تھا، جہاں ٹرک وغیرہ کی رسائی آسان ہو اور ایسا ہر ساحلی علاقہ حکام کی نگرانی میں رہتا تھا پھر ٹرک پر مال بار کرتے ہوئے اگر چھاپہ پڑ جاتا تو لانچ آدمیوں سمیت کھلے سمندر میں فرار ہو جاتی مگر مال کے ساتھ ٹرک بھی پکڑا جاتا جس کے ذریعے اصل ذمے داروں تک بآ رسائی ہو سکتی تھی لیکن گڑھوں میں مال دفن کرنے میں بڑی سہول تھیں۔ اس کارروائی کے لیے دشوار گزار ساحلی علاقے بھی منتخ کیے جا سکتے تھے کیونکہ وہاں سے تھوڑی تھوڑی مقدار میں ما نکال لے جانے کا کام جیپوں یا ایسی ہی دوسری فور وہیل ڈرا گاڑیوں سے لیا جا سکتا تھا پھر اگر چھاپہ پڑتا تو صرف مال پکڑا جاتا، کوئی ایسی چیز پولیس یا کوسٹ گارڈز کے ہاتھ نہ لگ جس سے مال درآمد کرنے والے کی نشاندہی کا امکان ہوتا۔ بڑی آسانی یہ تھی کہ اندھیری راتوں میں لدے ہوئے ٹرک شہر کی طرف سفر بآسانی نگاہوں میں آسکتا تھا جب کہ قسطوں میں مال لے جانے کے لیے چھوٹی گاڑیاں دن دہاڑے بھی پورے اطمینان سے استعمال کی جا سکتی تھیں۔

مگر جب سے اسمگلنگ کا انسداد کرنے والے ادارو کو اپنے حریفوں کے مقابلے میں اپنی کسمپرسی کا احساس ہوا تھا حالا بدل گئے تھے۔ اس مہم میں اخبارات نے بھی بھرپور طریقوں سرکاری اداروں کا ساتھ دیا تھا، سب سے مضبوط جواز یہ تھا کہ فرسودہ مواصلاتی ذرائع اور دقیانوسی ہتھیاروں سے برق رفتا نقل و حمل کے مالک اور اسٹین گنوں سے مسلح اسمگلروں سے مقابلہ کرنا خودکشی اور قانون کو مذاق کا نشانہ بنانے کے مترادف اس مہم کے نتیجے میں کوسٹ گارڈز کو طاقتور انجنوں وا فور وہیل ڈرائیو گاڑیوں کا بیڑہ مل گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں ر اور پتھریلے ساحلی علاقے بھی ان کے گشت کی زد میں آگئے تھے پھر جدید قسم کی دور مار رائفلیں ملنے کے بعد تو صورتحال ہی ب کر رہ گئی تھی۔ محکمے کے افسران اپنی کارگزاری دکھانے کے کچھ عرصے سے بحری راستوں کی دن رات کڑی نگرانی کرا رہے اور شہر میں مال کی آمد دھیمی پڑ گئی تھی۔

ان دونوں کو کچھ علم نہیں تھا کہ الگزینڈر کس کی ملکیت انھیں تو بس یہ حکم ملا تھا کہ چوری چھپے اس ناکارہ جہاز میں د ہو جائیں اور کھلے سمندر کے رُخ پر واقع پورٹ ہولز کے شیشے توڑ کر جہاز پر مال اتروانے کا بندوبست کریں۔

الگزینڈر بالکل خالی تھا۔ اس لیے اس کے پورٹ ہو سطح سمندر سے خاصے بلند ہو گئے تھے لیکن پچھلی بار اندھیری را میں جہاز کے ساتھ لگنے والی لانچ کے عملے نے نہایت آسانی ساتھ گتے کے ڈبوں میں بند بوتلیں الگزینڈر کے نچلے حصے م اتار دی تھیں۔ وہ دونوں مال اتروانے کے بعد رات کے اندھ

ہیں پانی میں تیرتے ہوئے واپس ہو گئے تھے لیکن آج جہاز پر پہنچنے کے بعد یہ دیکھ کر حیران رہ گئے تھے کہ پچھلے ہفتے جہاز پر اتارے جانے والے مال کا کہیں پتا نہیں تھا۔

ان کا خیال تھا کہ توڑنے کے لیے خریدے جانے والے جہازوں پر دیگر ساز و سامان کے علاوہ رنگ روغن، تیل، بال بیرنگز اور فاضل پرزہ جات کی پیٹیوں کی بھی کثیر مقدار موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا ان ہی کے ساتھ شراب کا ذخیرہ بھی ڈنکے کی چوٹ پر جہاز سے نکال لیا گیا تھا جس کا مطلب تھا کہ جہاز خود ان کے مالک کی ملکیت تھا یا وہ اس میں حصے دار تھا۔ ورنہ اتنے اعتماد سے الگزینڈر کو اپنے بحری اڈے کے طور پر استعمال نہ کر پاتا۔

"سوا بارہ بج رہے ہیں۔" لمبوترے چہرے والے نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔

"بس سمندر کی طرف نگاہ رکھو، کسی بھی وقت اشارہ مل سکتا ہے۔" دوسرے نے اپنی گود میں پڑی ہوئی ٹارچ سے کھیلتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد کافی دور، گہرے سیاہ سمندر کے سینے پر ایک سرخ روشنی چمکی جو چند ثانیوں تک برقرار رہ کر معدوم ہو گئی۔ وہ دونوں بے چینی سے اٹھ کر پورٹ ہول کے قریب پہنچ گئے۔ جہاز کے نچلے حصے سے ٹکرا کر دم توڑتی ہوئی موجوں کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھاگ اُڑ کر ان کے چہروں سے ٹکرانے لگے۔

چند سیکنڈ تک ان دونوں کی نگاہیں سمندر کے اسی حصے کی طرف جمی رہیں جدھر سرخ روشنی چمکتی دکھائی دی تھی پھر دوسرے نے اپنی ٹارچ کا رخ اسی طرف کر کے اسے جلا دیا اور ٹارچ کے شیشے سے سبز روشنی خارج ہونے لگی۔ تین بار ان اشاروں کا تبادلہ ہوا پھر دوسرے نے اپنی ٹارچ نیچے ڈال دی۔

وہ دونوں پورٹ ہول سے گہرے سیاہ سمندر میں جھانکتے رہے جہاں لہریں ہی لہریں نظر آ رہی تھیں پھر بادلوں سے ڈھکے ہوئے آسمان کا کوئی حصہ صاف ہوا اور دھندلائی ہوئی چاندنی ہر طرف تیر گئی۔ اس پھیکی روشنی میں انھیں ایک لانچ کا تاریک ہیولا نظر آیا جو بتدریج واضح ہوتا جا رہا تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد وہ لانچ کوئی آواز پیدا کیے بغیر الگزینڈر سے آلگی، اس کا انجن شاید لہروں کے شور میں پہلے ہی بند کر دیا گیا تھا۔ اس لانچ سے دو قوی الجثہ افراد رسّہ تھامے یکے بعد دیگرے الگزینڈر پر کود آئے اور انھوں نے وہ موٹا رسّہ ایک مضبوط آہنی ستون سے باندھ دیا۔ اسی کے ساتھ گتے کی دس دس بوتلوں کے سائز کی پیٹیاں برق رفتاری سے اتاری جانے لگیں، لمبوترے چہرے والا آنے والوں کا ہاتھ بٹانے لگا، دوسرا الگ کھڑا پیٹیاں گنتا رہا۔

اندھیرے میں بجلی کی سی سُرعت سے نقل و حرکت کرتے ہوئے ملاح اس وقت بھوت نظر آ رہے تھے، شاید مال کی منتقلی ان کے لیے اہم ترین مرحلہ تھا کیونکہ وہ سب ہی خاموش اور سنجیدہ تھے، بس ان کے ہاتھ اور پیر مشینی انداز میں چل رہے تھے۔

یہ کارروائی چل ہی رہی تھی کہ اچانک اندر والے چونک پڑے کیونکہ باہر سے یک بیک تیز روشنی کا انعکاس اندر در آیا تھا، لانچ کے عرشے سے کئی تحیر آمیز چیخیں اُبھریں پھر پے در پے کئی چھپاکے سنائی دیے، شاید کچھ لوگ بوکھلا کر سمندر میں کود گئے تھے۔

"جو جہاں ہے وہیں رُکا رہے۔" باہر میگا فون پر ایک تحکم آمیز آواز گونجی۔ "تمھاری لانچ اس وقت کوسٹ گارڈز کے نرغے میں ہے۔"

وہ آواز سنتے ہی جہاز کے اندر موجود لوگوں میں سنسنی پھیل گئی اور اندھیرے میں جس کا جدھر منہ اٹھا، وہ اُدھر بھاگ لیا۔ باہر شراب لانے والی لانچ روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ غالباً اس پر دو طرف سے سرچ لائٹوں کی روشنی پھینکی جا رہی تھی اور فضا میں دو انجنوں کی غراہٹیں گونج رہی تھیں شاید کوسٹ گارڈز کی لانچیں اپنی تمام روشنیاں گل کر کے ساحل پر لنگر انداز جہازوں کے قریب سے ہوتی ہوئی دو سمتوں سے نمودار ہوئی تھیں۔

لمبوترے چہرے والے نے آگے بڑھ کر پورٹ ہول کے ٹوٹے ہوئے شیشے سے باہر جھانکا تو اسے لانچ کے عرشے پر کئی آدمی ہاتھ اٹھاتے ہوئے نظر آئے، دوسری طرف لانچ دھیمے دھیمے ہلکورے لیتی ہوئی جہاز سے دور سرک رہی تھی۔ شاید کسی نے ادھر فرار ہوتے ہوئے آہنی ستون سے بندھا ہوا رسّہ کھول دیا تھا۔ تاکہ لانچ والوں کو بھاگ نکلنے کا موقع ملے تو وہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔

چند ثانیوں بعد اس لانچ کے عرشے پر کوسٹ گارڈز کا باوردی اور مسلح عملہ بھی نظر آنے لگا۔

❋

شہر میں ایک عجیب سی کیفیت تھی معلوم ہوتا تھا کہ پولیس اور دوسرے محکمے منشیات فروشوں...... کی روزی بند کرنے پر تل گئے ہیں۔ زیرِ زمین دنیا کے ذہین لوگ بھی حیران تھے کہ یک بیک پولیس کی کارکردگی کی شرح اتنی بہتر کیسے ہو گئی، آبکاری والوں کو منشیات کی آمد و رفت کا علم کیسے ہونے لگا۔ کوسٹ گارڈز صحیح وقت اور مقام پر کارروائی کیسے کر رہے تھے۔ بس ایسا معلوم ہو رہا تھا، جیسے کسی درویش نے قانون نافذ کرنے والے تمام اداروں کے

اہلکاروں کو کوئی تعویذ گھول کر پلا دیا ہو جس کے نتیجے میں انھیں جرائم اور مجرم اچانک ہی نظر آنے شروع ہو گئے ہوں۔

ایک دن کی قلیل مدت میں منوں کے حساب سے چرس پکڑی گئی تھی، ولایتی شراب کی سیکڑوں بوتلیں ضبط کی گئی تھیں۔ لیاری اور کورنگی کے علاقے میں دیسی شراب تیار کرنے کی دو بھٹیاں تباہ کی گئی تھیں، اس کے علاوہ چھوٹے موٹے چھاپے گنتی سے خارج تھے۔ ایک دن کی اس کارروائی نے زیر زمین دنیا کے سربرآوردہ لوگوں کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا جس کے نتیجے میں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے لی مارکیٹ کے ایک ٹھکانے پر صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے جمع ہوتے تھے۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ بڑے چھاپوں کے سلسلے میں مخبری ہوئی ہے۔" عبداللہ نے ہر ایک کا جائزہ لیتے ہوئے گمبھیر آواز میں کہا۔ "مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے کارکنوں میں کسی طرح کالی بھیڑیں شامل ہو گئی ہیں۔ ورنہ میں اتنا جانتا ہوں کہ اس طرح بے خبری میں میرا مال کبھی نہیں پکڑا گیا۔"

"کالی بھیڑیں!" لعل خان نے فکر مندانہ لہجے میں دہرایا۔ "اگر تمھاری بات درست ہے تو کالی بھیڑیں خاصی منظم معلوم ہوتی ہیں۔ سب نے ایک ہی دن اپنی اپنی معلومات حکام تک پہنچائی ہیں۔ بات ذرا سمجھ میں نہیں آتی۔"

"مجھے ایکسائز کے ایک سپاہی نے خود بتایا ہے!" عبداللہ لعل خان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "اگر سرکل کی بات ہوتی تو شاید کچھ بھی نہ ہوتا مگر مخبری اوپر ہوئی تھی اور اوپر کے احکام ٹالنا نچلے عملے کے بس سے باہر ہوتا ہے۔"

"اپنے اپنے گریبان میں نگاہ ڈالو۔" مکھن خان کی پاٹ دار آواز گونجی۔ "ایسا تو نہیں کہ اپنے اپنے لالچ میں ہم خود ہی ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہوں۔"

چند سیکنڈ تک مجمع پر موت کا سا سناٹا طاری رہا۔ نگاہیں دوسروں کے چہروں پر پھسلتی رہیں، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہر ایک دوسروں کی زبان سے اعترافات سننے کا منتظر ہو۔ پھر اچانک سب نے ایک ساتھ بولنا شروع کر دیا۔ ہر بولنے والا مکھن خان کی رائے پر سخت برہمی کا اظہار کر رہا تھا جیسے اس نے ان سب کو کوئی گندی سی گالی دے ڈالی ہو۔ ہر ایک کا یہی خیال تھا کہ آپس کی رقابتیں علیحدہ بات تھی۔ ایسے معاملات کو وہ آپس میں نمٹانا خوب جانتے تھے، ان میں کوئی اتنا گرا ہوا نہیں تھا کہ اپنے کسی رقیب کو زک پہنچانے کے لیے سرکاری اہلکاروں سے مدد کے لیے رجوع کرتا۔

"پھر یہ بتاؤ کہ شہر میں ایک دم کیا ہونے لگا ہے؟" مکھن خان کا گونجیلا سوال اس ملے جلے شور پر حاوی تھا۔ "کوئی تو وجہ ہو اس کی۔"

"بھائی میں تو سیدھی سی بات جانتا ہوں۔" لعل خا دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ہم دھندا کرنے والے لوگ ہیں، قا سے مقابلہ کرنے میں سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔ جب تک بدمعاشیاں چل رہی ہیں، چپ چپاتے ہاتھ کھینچ لو، ذرا سناٹا ہ تو پھر میدان میں آجاتیں گے۔"

"تم لوگ تو موٹی اسامیاں ہو۔" ٹھاکر کے نام سے مشہو دلال کی طنزیہ آواز ابھری۔ "دس پانچ دن غوطہ لگایا تو جمع پونجی پر گزارا کر لو گے مگر ہمارے بندوں کا کیا ہوگا جو روز کے روز مال بیچ کر اپنا دال دلیا کماتے ہیں۔"

"یہ حل تو سب کو معلوم ہے لعل خان!" عبداللہ کا لہجہ طنزیہ تھا۔ "ہم یہاں صرف اس لیے جمع ہوئے ہیں کہ اس مخبری کا توڑ کریں اور پتا چلائیں کہ شہر میں کون ہمارے دھند کا دشمن ہو رہا ہے؟"

"پتا چلا لو تو مجھے بھی بتا دینا میرے بھائی!" لعل خان کے ہ پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ "اس کے دس جوتے میں بھی لگاؤں"

"اڈوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی مگر ڈر کے مار آج زیادہ تر ٹھکانے بند پڑے ہیں۔" ٹھاکر متاسفانہ لہجے میں بولا "لڑکے بھوکے مر جائیں گے۔"

"یہاں اپنی چمڑی کی فکر ہے اور یہ لڑکوں کو رو رہا ہے۔" چوہدری برہم ہو گیا۔ "ایسے نشے باز نشے کے بغیر سو نہیں سکتا، اڈے بند ہیں تو کیا ہوا آس پاس چل پھر کر دھندا ہو ہوگا۔ ایسے میں گاہک بھی خوشی خوشی ایک کا سوا دے جاتا ہے۔"

"ایک آدھ روز گاڑی چل جائے گی مگر پھر مال کہاں ملے گا؟" ٹھاکر بولا۔ "شہر کے مائی باپ تو سب یہاں جمع ہیں۔"

"تو اپنا دل چھوٹا نہ کر بھائی!" مکھن خان پھر بول پڑا۔ "کوئی پنچایت نہیں ہے جس کا فیصلہ سب مانیں گے۔ جو خطرہ مول لے گا، وہ دوگنا نفع بھی کمائے گا۔ یہاں سب ہاں میں ہاں ملا گے مگر باہر ہر ایک اپنی مرضی کرے گا۔"

وسیع کمرے میں ایک مرتبہ پھر شور ہونے لگا۔ مکھن خان کو لتاڑنے میں وہی لوگ پیش پیش تھے جو اس سنگین صورت حال میں رسک لے کر ایک کے چار بنانے کی فکر میں پڑے ہوئے تھے۔ انھیں ڈر تھا کہ مکھن خان کی بار بار کی تکرار پر کہیں اس بے قاعدہ اجلاس میں کوئی ایسی تجویز نہ منظور کر لی جائے جس کے نتیجے میں ان کے سنہرے خوابوں کی تکمیل کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جا اور یوں وہ اجلاس کسی نتیجے پر پہنچے بغیر برخواست ہو گیا۔

جہانگیر کا سینہ فخر سے پھولا ہوا تھا۔ اس کے آدمیوں نے
ری محنت سے کام کیا تھا۔ طارق اور نادر نے بھی بہت پھرتی
ائی تھی جس کے نتیجے میں شہر میں روایتی نشوں کا کال پڑ گیا
ا اور زیر زمین دھندے کرنے والوں پر ایسا سوگ طاری ہوا
ا جیسے وہ سب اپنے قریبی اعزہ کو اجتماعی قبر میں دفن کر کے
ٹے ہوں۔

اسے عیسیٰ خان کو رقم پہنچانے کا کام بھی سونپا گیا تھا۔ جو
س نے نہایت خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔ اس
ایک کارکن کسی زمانے میں مشہور نقب زن رہ چکا تھا۔ پھر ایک
ردات میں موقع سے رنگے ہاتھوں گرفتاری کے بعد پانچ سال
قید بامشقت سنائی گئی تو اس نے دل ہی دل میں آئندہ کے
یے اس کام سے توبہ کر لی تھی۔ جیل سے باہر آیا تو اسے اپنی
وبہ یاد تھی۔ لہٰذا اس نے کوئی سیدھا سادا دھندا اختیار کرنا
ا لیکن ہر جگہ اس کا ماضی آڑے آتا رہا۔ جھوٹ بول کر ایک
وٹل میں نوکری کر بھی لی لیکن تیسرے دن جب ایک جیب تراش
نے ہوٹل کے مالک کو اس کے داغ دار ماضی سے آگاہ کیا تو اسے
ین دن کی اجرت دیے بغیر کھڑے کھڑے نوکری سے جواب
سے دیا گیا لیکن اس نے ایسے بدترین حالات میں بھی نقب زنی
ے پرانے پیشے سے رجوع نہیں کیا اور جب نوبت فاقوں تک
ہنچ گئی تو وہ ایک چرس فروش سے جا ٹکرایا پھر رفتہ رفتہ وہ
ہانگیر کے کارندوں میں شامل ہو گیا۔ جہانگیر کو معلوم تھا کہ وہ محض
یک نظر تالا دیکھنے کے بعد چابی تیار کر لینے کے فن میں ماہر تھا لہٰذا
س نے اپنے طے کردہ لیٹر بکس کی دوہری چابیاں بنوانے کے لیے
سی کا انتخاب کیا اور دونوں چابیوں کی کارکردگی سے مطمئن ہونے
کے بعد ایک چابی لفافے میں بند کر کے ایک گداگر کے ذریعے
عیسیٰ خان کو بھجوادی۔ وہ دور کھڑا اس وقت تک گداگر کی
نگرانی کرتا رہا تھا جب تک وہ عیسیٰ خان کے دفتر میں نہ داخل
ہو گیا۔ چند منٹ بعد اس نے ایک پبلک بوتھ سے عیسیٰ خان کو
فون کیا اور چابی کے بارے میں اپنے استفسار کا جواب اثبات
میں سن کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

شام ڈھلے رقم لیٹر بکس میں بند کر کے جہانگیر نے اسے
دوبارہ فون کیا اور لیٹر بکس کا محل وقوع بتاتے ہوئے رقم حاصل
کرنے کا طریقہ بتایا تو عیسیٰ خان کو پہلی بار اس چابی کی افادیت
کا علم ہوا۔ پھر نصف گھنٹے بعد ہی جہانگیر نے اس امر کی تصدیق
کر لی کہ پوری رقم عیسیٰ خان کو مل گئی تھی۔

مگر ان کامیابیوں کے باوجود وہ خاصا اداس تھا۔ کیونکہ
ٹرانسمیٹر پر بار بار کی کوششوں کے باوجود ڈی ون کی طرف سے
کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ ایک بار بی فور کے لیے پیغام نشر
کیا تو دوسری طرف سے کسی نسوانی آواز نے بی فور کی عدم موجودگی
کی اطلاع دیتے ہوئے اس سے پیغام دریافت کرنا چاہا لیکن جہانگیر
نے کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ بی فور نے ایسے کسی موقع کے
لیے اسے کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔

پولیس، کوسٹ گارڈز اور آبکاری کے عملے کی بھرپور کارروائی
کے نتیجے میں فوری طور پر تو بازار میں سناٹا چھا گیا تھا لیکن بعض
ذرائع نے ہیروئن کی فوری خریداری میں دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔
اسے یہ اطلاعات نادر اور طارق سے مل تھیں اور اس نے انھیں
فوری طور پر سودے کرنے کا اختیار دے دیا تھا۔

اسے قوی امید تھی کہ نئی حکمت عملی کے نتیجے میں ہیروئن کی
مانگ میں ایک دم تیزی پیدا ہو گی۔ وہ برآمدے میں بید کی
آرام کرسی پر نیم دراز تھا کہ اچانک اس کی بیوی سلمیٰ کی آواز
نے اسے چونکا دیا۔ "یہاں بیٹھے کیا سوچ رہے ہو؟ معلوم ہوتا
ہے کہ تمھیں دن بدن تنہائی سے پیار ہوتا جا رہا ہے۔"

جہانگیر اس کی طرف مڑا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "جب
سے تم لاہور سے آئی ہو، ہر وقت تنقید کا موقع تلاش کرتی رہتی
ہو۔ میں منتظر تھا کہ تم چائے لے کر یہیں آؤ گی۔"

"چائے خواب گاہ میں پڑے پڑے ٹھنڈی ہو چکی ہے۔"
وہ اس کے سامنے پڑی ہوئی خالی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔
"تم سچ سچ بتاؤ جہانگیر! تمھیں کیا پریشانی ہے؟ تم ہر وقت
چپ چپ سے رہتے ہو، زیادہ وقت باہر گزارنے کی کوشش
کرتے ہو اور گھر میں ہوتے ہو تو مجھ سے بچے بچے پھرتے ہو
جیسے مجھ سے اکتا گئے ہو۔ میں اس گھر میں اور اس شہر میں صرف
تمھاری وجہ سے آئی ہوں، تم خود ہی انصاف سے بتاؤ کہ میں
کب تک اور کس دل سے تمھارا یہ رویہ برداشت کروں؟"

"تم تو اچھی خاصی تقریر کر لیتی ہو۔" جہانگیر نے بات مذاق
میں اڑانے کی کوشش کی مگر سلمیٰ کے بشرے پر چھائی ہوئی سنجیدگی
میں فرق نہ پڑتے دیکھ کر اسے بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔ "تمھیں وہم
ہونے لگا ہے سلمیٰ! بس تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ میں تم سے دور
رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لہٰذا میری ہر حرکت کو تم اسی زاویے
سے دیکھتی ہو۔"

وہ چند ثانیوں تک اسے ملامت آمیز نظروں سے گھورتی
رہی پھر اداس لہجے میں بولی۔ "مجھے مجبور نہ کرو جہانگیر! ایسا نہ
ہو کہ تم سے میرے سوال کا جواب ہی نہ بن پڑے۔"

"یہی تو خرابی ہے کہ تم سوچتی زیادہ ہو۔" وہ کرسی میں سیدھا

ہوتا ہوا بولا۔" اگر یہ بات دل میں رکھنے کے بجائے مجھ سے تبادلۂ خیال بھی کرتی رہا کرو تو اس ذہنی گھٹن سے بچی رہو گی جو تمھیں میرے خلاف اکساتی رہتی ہے۔"

"اچھا پھر یہ بتاؤ کہ میاں بیوی میں ایسا کون سا پردہ ہوتا ہے کہ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے میں تم کم از کم دو بار خود کو مختلف کمروں میں بند کر چکے ہو۔" تھوڑے سے توقف کے بعد وہ جارحانہ لہجے میں پوچھ بیٹھی اور جہانگیر کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ٹرانسمیٹر پر ڈی ون یا بی فور سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ سلمٰی کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو گیا ہے لیکن وہ اس کی ایک ایک لمحہ نگرانی کر رہی تھی۔

"مجھے ایک پرانی ڈائری کی تلاش ہے۔" جواب دیتے ہوئے اس نے خود اپنے چہرے پر کمزوری غالب آتی محسوس کی۔" وہی ڈھونڈ رہا تھا۔"

"اندر سے بولٹ چڑھا کر؟" اس نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "مجھے بتایا ہوتا، میں خود تمھیں اس نابکار ڈائری کی تلاش میں مدد دیتی۔"

"بولٹ نہیں چڑھایا تھا، صرف دروازہ بند کیا تھا۔" جہانگیر نے تھکے ہوئے انداز میں مزاحمت کی کوشش کی۔

"جھوٹ مت بولو جہانگیر!" سلمٰی کی تیوریاں تن گئیں۔" تم سمجھ رہے تھے کہ میں غافل ہوں مگر میں ایک ایک لمحے تمھاری نگرانی کر رہی تھی۔ میں نے دروازے پر دباؤ ڈال کر دیکھا تھا۔ مگر وہ اندر سے بند کر لیا گیا تھا۔ پرانی ڈائری تلاش کرنے کے لیے آخر اتنی رازداری کی کیا ضرورت تھی؟"

جہانگیر اسے غصیلی نگاہوں سے گھورنے لگا۔" بڑے شرم کی بات ہے کہ تم اپنے شوہر کا پیچھا کرتی ہو۔ کمرہ بند بھی تھا تو کیا غضب ہو گیا، میں اکیلا ہی تھا نا، یا میرے ساتھ تم نے کسی پری کو اس کمرے میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا جو اس قدر تجسس میں مبتلا ہو گئیں۔"

"میں بس بتلائے دیتی ہوں کہ ان حالات میں یہاں رہنا میرے بس سے باہر ہے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔" اگر تم نے اپنا رویہ تبدیل نہ کیا تو میں یہاں رہ کر پاگل ہونے کے بجائے لاہور جانا پسند کروں گی۔"

وہ اٹھ کر چلی گئی اور جہانگیر سوچ میں پڑ گیا۔ ان چاروں میں ڈینی اور طارق مجرد تھے۔ جب کہ نادر خان اور وہ خود شادی شدہ تھا۔ جہاں تک نادر خان کا تعلق تھا، اس کی بیوی برسوں سے جانتی تھی کہ اس کا شوہر الٹے سیدھے دھندوں سے روزی کماتا

ہے۔ لہٰذا اس کے بھڑکنے کا امکان ہی نہیں تھا۔ پھ[ر] حکم کا بندہ تھا۔ اس کی ذمے داری صرف اتنی تھی کہ حکم ملے وہ بجا لائے اور اپنے آدمیوں کے ذریعے [ا] تعمیل کرائے۔ اس سے آگے وہ اپنے وقت کا خود ما[لک] لیکن جہانگیر پر بھاری ذمے داریاں عائد تھیں۔ وہ اپنے آدمیوں کو تقسیم کار اور پھر ان کی کارکردگی کے لیے جوا[بدہ] اسے اپنے شب و روز پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ جب [...] کا رابطہ برقرار تھا، ڈی ٹو دن یا رات کے کسی بھی حص[ے] سے رجوع کر بیٹھتا تھا اور اب ٹرانسمیٹر مل جانے کے [...] دشواری پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اس اپریٹس پر متعلقہ ا[...] طرح رابطہ قائم کرے کہ سلمٰی کے شبہات کو مزید تقویت [...]

گھر میں ہر وقت ٹرانسمیٹر اپنے سینے سے لگا[...] کہ کہیں اچانک اس پر کوئی کال نہ آ جائے۔ کہیں [...] اندیشہ تھا کہ کسی وقت اس کی لاعلمی میں سلمٰی ٹک ٹک سن کر اس کی طرف متوجہ نہ ہو جائے۔ اگر کسی وقت [...] سے قریب ہونے کی کوشش کرتی تو لباس میں ٹرانسمی[ٹر] کا راز فاش ہو جانے کے خوف سے اسے مضحکہ خیز رو[یے] پر مجبور ہونا پڑتا۔ پھر رات کو سونے سے قبل وہ ٹرانسم[یٹر] کی نظر سے بچا کر گیراج میں مقفل کرنا نہ بھولتا تھا۔ اس [پر] غور کیا تو اسی نتیجے پر پہنچا کہ سلمٰی کی برہمی بلاجواز نہیں [...] وہ خود ہی اسے اپنی طرف سے بدظن کرتا رہا تھا۔ اس [...] میں ڈینی کے ذریعے ملنے والے ٹرانسمیٹر کا بڑا دخل تھا۔

اس نے فیصلہ کر لیا کہ جب بھی کسی سے رابط[ہ] [...] اپنے گلے کی اس گھنٹی کے بارے میں ضرور کوئی فیصل[ہ] [...] اسے دن رات جان سے لگائے پھرنے کے بجائے اگ[ر] [...] کے تبادلے کے اوقات مقرر ہو جاتے تو اس کی بیشتر الجھ[نیں] [دور] ہو سکتی تھیں اور وہ سلمٰی کو کسی شبے کا موقع دیے بغیر مق[...] میں ٹرانسمیٹر سمیت اپنی کار میں گھر سے باہر جا سکتا تھا۔

گروہ کے تعلق کے علاوہ ڈینی اس کا پرانا اور گہرا [دوست] تھا۔ نامعلوم باس نے جہانگیر تک ٹرانسمیٹر بھی اسی کے ذ[ریعے پہنچایا] تھا۔ لہٰذا جہانگیر نے سوچا کہ ڈی ٹو یا بی فور سے اس موض[وع پر] بات کرنے سے قبل ڈینی سے مشورہ کر لے لیکن فوراً ہی [...] کہ ان دنوں ڈینی سے ان سب کو دور رہنے کے احکا[مات ملے] ہوئے تھے جس کی خلاف ورزی کا مطلب اوپر والوں ک[ے] عتاب کو دعوت دینا تھا۔

سلمٰی جن تیوروں کے ساتھ اٹھ کر گئی تھی، ان کی [...] جہانگیر کو اندازہ تھا کہ وہ خواب گاہ میں مسہری پر تکیے میں [...]

...رو رہی ہوگی۔ وہ اسے دل و جان سے چاہتا تھا اور اس
...زردگی میں جہانگیر کے ارادے کا قطعی دخل نہیں تھا۔ لہٰذا
...اس خیال سے اٹھا کہ خواب گاہ میں جا کر اپنی سلمیٰ کو منائے گا
...برآمدے میں دوسرا قدم بڑھاتے ہی اسے اپنی جیب سے
...لک کی آسیبی آواز سنائی دینے لگی اور وہ بوکھلائے ہوئے
...زمیں اندر داخل ہو کر تیزی سے سیڑھیاں عبور کرتا ہوا اوپر
...لی چھت پر پہنچ گیا۔
اس نے آپریٹس آن کیا تو اس پر بی۔ فور بھرائی ہوئی
...ازمیں اسے پکار رہا تھا۔
"تمھاری کارکردگی بہت شاندار جا رہی ہے۔" بی۔ فور نے
...نگیر کا جوابی سگنل سننے کے بعد کہا۔ "اخبارات کے علاوہ بازار سے
...نے والی خبریں بھی بہت حوصلہ افزا ہیں بس کچھ دن اور یہی
...رت حال برقرار رہنی چاہیے۔ مال کی کیا پوزیشن ہے؟ اوور۔"
"اگلی ہدایات تک دباؤ برقرار رہے گا سر!" اس نے
...بی آواز میں کہا۔ "آج نئی صورتِ حال کے بارے میں بلیک مارکیٹ
...علاقے میں بازار کے سربرآوردہ لوگوں کا ایک اجلاس بھی
...را تھا جو کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہو گیا، دوسری طرف بازار میں
...رے مال کی فوری مانگ پیدا ہو گئی ہے... اوور۔"
"آج سے ہر روز ایک تازہ کھیپ جیوا ہاؤز پہنچتی رہے
...، مال لانے والے دو افراد ہوں گے، وہ اپنا نام بلیک برادرز
...ائیں گے، رقم بھی ان ہی کو ادا کی جائے گی... عیسیٰ خان کا
...عاملہ کیا رہا؟ اوور۔"
"اسے مقررہ طریقے سے رقم پہنچا دی گئی۔ اوور۔" جہانگیر
نے مختصراً بتایا۔
"اسے ادا کی جانے والی رقم تم پہلی ادائیگی میں سے منہا کر
لوگے، عیسیٰ خان پر کچھ دن نگاہ رکھنی ہوگی کہ وہ دوبارہ چرس
فروشی میں ملوث نہ ہونے پائے... اوور۔"
"طارق کے بارے میں کیا حکم ہے سر؟ اوور۔" اس نے
ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔
"اچھا کیا کہ تم نے یاد دلا دیا، اسے فی الحال الگ ہی رکھو،
مقرب خان ضرور راستے سے ہٹا دیا گیا لیکن اس کے کئی ساتھی
قتل والی شام طارق کو ہراساں کرتے رہے تھے، وہ واقف
ہو لگے کہ مقرب خان اپنے قتل سے پہلے کس کی راہ پر تھا، ہمیں
کچھ روز تک ان کے ردِ عمل کا انتظار کرنا ہوگا... اوور اینڈ آل۔"
سلسلہ منقطع ہونے کے بعد جہانگیر نے آپریٹس آف نہیں
کیا۔ بی فور نے تو اپنی بات مکمل کر لی تھی لیکن اس کی بات
شروع ہی نہ ہو سکی تھی۔ لہٰذا اس نے دوبارہ رابطہ قائم کر لیا۔

"اب کیا بات ہے... اوور۔" دوسری طرف سے
بی فور نے جواب دیتے ہوئے سوال کیا۔
"میرا ذاتی مسئلہ ہے سر! میری بیوی میری سرگرمیوں سے
لاعلم ہے، ٹرانسمیٹر کی وجہ سے مجھے الجھن ہے کہ یہ اس کی
نگاہ میں نہ آجائے۔" جہانگیر نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "مجھے گھر
میں ہوتے ہوئے بھی محتاط رہنا پڑتا ہے کہ نہ جانے کب آپ
کی کال آجائے۔ اوور۔"
"پھر کیا چاہتے ہو؟ اوور۔" بی فور کی آواز سے ناگواری
مترشح تھی۔
"سر! اگر کوئی دشواری نہ ہو، میرا مطلب ہے کہ کام کو متاثر
کیے بغیر پیغامات کے تبادلے کے لیے کوئی وقت مقرر ہو سکے
تو میرے لیے بہت آسانی پیدا ہو جائے گی۔" اس نے کہا۔ "اور
میں بہت سی گھریلو دشواریوں سے بچ جاؤں گا۔ اوور۔"
"میں تمھاری الجھن سمجھ رہا ہوں۔" سپاٹ لہجے میں جواب
ملا۔ "مجھے کال کرنی ہوگی تو آٹھ اور سوا آٹھ کے درمیان کروں
گا، تم اپنی ضرورت کے تحت کسی بھی وقت رجوع کر سکتے ہو،
اگر میں نہ ملوں تو بی فور کی کال ریسیو کرنے والی لڑکی کو بلاجھجک
پیغام نوٹ کرا سکتے ہو... اوور۔"
"بہت بہت شکریہ سر!" جہانگیر تشکر آمیز لہجے میں بولا۔ "آپ
نے میری بہت بڑی دشواری رفع کر دی ہے۔ اوور۔"
"اوور اینڈ آل۔" دوسری طرف سے اختتامی فقرہ ادا
کرکے بات ختم کر دی گئی اور جہانگیر ٹرانسمیٹر آف کر کے نیچے
اتر آیا۔ وہ خواب گاہ میں پہنچا تو سلمیٰ اس کی توقع کے عین مطابق
بستر پر اوندھی پڑی سسکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔
جہانگیر نرم قالین پر بے آواز قدموں سے آگے بڑھا اور
آپریٹس الماری پر ڈال کر سلمیٰ کے قریب پہنچ گیا۔

❂

اس سفر سے قبل مشرقِ بعید کے بارے میں ڈینی کے خیالات
کچھ زیادہ اچھے نہیں تھے کیونکہ اس کی دانست میں ستواں ناک اور
بڑی بڑی آنکھیں حسن کے دو بنیادی لوازم تھے۔ ان اوصاف کی
موجودگی میں ہر رنگ اور نسل کی عورت کو دلکش قرار دیا جا سکتا
تھا لیکن جہاں قومی پیمانے پر چپٹی ناکیں پائی جاتی ہوں اور پھولے
ہوئے پپوٹوں میں بھنچی ہوئی آنکھیں عام ہوں، وہاں حسن کا تصور
ہی بے معنی تھا البتہ سستی خرید و فروخت کے لیے وہ اس علاقے
کو جنت تصور کرتا تھا لیکن ٹوکیو پہنچنے کے بعد اس کے سارے
پرانے نظریات درہم برہم ہو کر رہ گئے تھے۔ ٹوکیو کے پُرہجوم
راستوں، بازاروں اور تفریح گاہوں میں ایسی بے شمار دراز قد

جاپانی لڑکیاں نظر آئیں جن کے خدوخال اس خطے کی روایات کے برعکس خاصے تیکھے تھے لیکن ڈینی تو بس چپٹی ناکوں اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں پر ہی ریشہ خطمی ہوتا رہا۔ تصویروں کے برعکس نسوانی حسن اپنی تمام تر لطافتوں کے ساتھ ان زندہ پیکروں میں ہی جھلکتا تھا جو اپنے ایک ایک نقش سے مقامی معلوم ہوتے تھے۔

ہوٹل سے اس شخص کو فون کیا، جس کے ذریعے اس نے رہائشی ہوٹل کا انتخاب کرنے کے علاوہ خاصی مقدار میں مقامی کرنسی بھی حاصل کی تھی۔ سوکوموتو ایک جاپانی نژاد خوش مزاج نوجوان تھا۔ جس سے ڈینی ائیرپورٹ پر باس کی ہدایت کے مطابق ملا تھا اور وہ فوراً ہی ڈینی کے ساتھ ائیرپورٹ سے شہر روانہ ہوگیا تھا۔

"میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں دوست۔" ڈینی نے فون پر سوکوموتو کی آواز پہچانتے ہی انگریزی میں کہا۔

"کسی سے لڑ تو نہیں بیٹھے؟" سوکوموتو نے گھبرائے ہوئے لہجے میں بلاتوقف سوال جڑ دیا۔

"جیب خاصی ہلکی ہوچکی ہے، اس سلسلے میں تم کہاں تک میری مدد کرسکو گے؟ میرا خیال ہے کہ یہاں رہتے ہوئے مجھے اخراجات پر قابو پانا دشوار ثابت ہوگا۔"

"اوہ! تم نے تو مجھے پریشان کردیا تھا۔" دوسری طرف سے ایک گہری سانس کی آواز کے ساتھ کہا گیا۔ "پیسے کی بالکل فکر نہ کرو، ہوٹل میں ہی ٹھہرے رہو، میں تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہوں۔"

اس کے جواب سے ڈینی کو خاصا اطمینان ہوا اور اس نے انٹرکام پر روم سروس کو فون کرکے ساکی کی بوتل کمرے ہی میں منگوالی اور سوکوموتو کے انتظار میں اپنے حسین تجربات کی یادوں میں کھو گیا۔

کراچی سے روانہ ہوتے ہوئے وہ وہاں کے سارے حساب چکا کر چلا تھا۔ باس کی ہدایت کے مطابق روانگی سے پچھلی رات اس نے دونوں ٹرانسمیٹر گلشنِ اقبال والی عورت کو پہنچا دیے تھے۔ جس سے وہ اپنی زولا کے حوالے سے مل چکا تھا لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ اس دوسری ملاقات میں اس عورت کا رویہ سنجیدہ اور باوقار رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ پچھلی بار اس نے باس کی ہدایت پر ڈینی کا امتحان لینے کے لیے دانستہ شوخیوں اور آوارہ مزاجی کا ڈرامہ رچایا تھا۔

اپنے سفر کا پہلا مرحلہ اس نے نہایت خوش اسلوبی سے طے کیا تھا۔ نہ صرف کراچی ائیرپورٹ سے ہیروئن نکال لانے میں کامیاب ہوگیا تھا بلکہ وہ پیکٹ دورانِ پرواز ویرا لائیڈ کے حوالے کرکے اس اہم ترین بار سے سبکدوش ہوگیا تھا۔ خوش قسمتی تھی کہ ایمسٹرڈم کے الیشلے ہاؤز والوں نے و[illegible] کو اس مشن کے لیے منتخب کیا تھا جو اپنے فرائض کے [illegible] زندگی کے بارے میں بھی بہت حساس تھی۔ [illegible] کے محدود کیبن کے بجائے اس نے اپنا بیشتر سفر [illegible] کی عقبی نشستوں پر ڈینی کے ساتھ طے کیا تھا۔ [illegible] اوقات کی تبدیلی کے مدنظر ائیرلائن کے عملے نے جہا[ز] کے کودر گرا کر دھندلائی ہوئی روشنیوں میں مسافروں [illegible] بندوبست کیا تو وہ دونوں وہسکی سے مستقل شغل کرتے [رہے]۔ آخرکار وہ بنکاک ائیرپورٹ پر اس سے بچھڑ گئی۔ سارے راستے اس سے یہ پوچھنے کی مہلت [illegible] نہیں کب تک اس سے ٹوکیو میں آکر ملے گی۔

اس سفر میں ڈینی اس ادھیڑ عمر شخص کی ذہنی [illegible] بھی خاصا محظوظ ہوا تھا جو کراچی سے اس کے ساتھ فر[سٹ کلاس] میں سوار ہوا تھا اور اسی کے پیچھے بیٹھا تھا۔ [illegible] کیبن سے غائب ہونے پر شاید وہ تجسس [illegible] اور پھر آخرکار اپنی بڑھی ہوئی توند پر پتلون سنبھالتا [illegible] کلاس کی راہداری کے اس آخری گوشے میں آ پہنچا [جہاں] وہ دونوں محض ریڈنگ لائٹس جلائے زندگی کے کچھ [illegible] پہلوؤں پر گفتگو کرنے میں مصروف تھے۔

ان پر اچانک نگاہ پڑتے ہی بڈھا [illegible] تھا پھر ڈھٹائی سے مسکراتا ہوا ان کے قریب آ [illegible] کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار ابھر آئے تھے اور غصیلے انداز میں اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ مگر وہ معذ[رت خواہانہ] لہجے میں ڈینی سے اردو میں مخاطب ہوا تھا۔ "پان تو [ہوگا] آپ کے پاس؟"

"سپاری ہے، اگر اس سے گزارہ ہوجائے۔" [illegible] جلے بھنے لہجے میں کہا۔

ڈینی کے رویے نے اسے ایک دم پسپائی اختیا[ر کرنے] پر مجبور کردیا اور وہ زیرِ لب کچھ ناقابلِ فہم الفاظ بڑبڑ[اتا] واپس ہولیا۔

اگر ویرا کے بچھڑنے کے بعد وہ بوڑھا اس کا ہم[سفر ہوتا] تو شاید ڈینی اسے فرسٹ کلاس کیبن میں مزید لعن طعن [illegible] غنیمت یہ ہوا کہ وہ بھی بنکاک ہی میں اتر گیا۔ ڈینی کو [illegible] تھا کہ طیارہ چھوڑنے کے بعد اگر اس نے ویرا سے بے[تکلف] ہونے کی کوشش کی تو وہ اسے پیٹ کر رکھ دے گی۔

پھر ٹوکیو ائیرپورٹ پر سوکوموتو جیسا مہربان ملا [illegible]

توقع سے کہیں زیادہ خوش مزاج ثابت ہوا۔ ڈینی اس کے بارے
میں تسلسل کے ساتھ ایک فکر میں مبتلا تھا۔ اس نے جس انداز میں
ڈینی کی خبر گیری کی تھی، اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تنظیم کے
ارکان میں سے تھا۔ لیکن اس کی قومیت ڈینی کے نزدیک بے
اعتباری کا سب سے بڑا سبب تھی۔ اگر وہ پاکستانی ہوتا، تو ڈینی
یہ سمجھ سکتا تھا کہ وہ شروع سے تنظیم کا رکن رہا ہو گا اور یہ وفاداری
وطن سے نکلنے کے بعد بھی برقرار رہی لیکن موجودہ صورتِ حال
میں وہ یہ سوچنے پر مجبور تھا کہ آخر اس کے باس کے اثر و رسوخ
کا دائرہ کتنا وسیع ہے؟ جس دن سے ڈینی نے باس کے لیے
کام شروع کیا تھا، وہ تہہ دل سے اس کی مکاری اور بہترین
منصوبہ بندی کا قائل تھا لیکن اسی کے دوران وہ خود کو ایک مقامی
تنظیم کا رکن سمجھتا رہا تھا مگر سوکو موتو سے متعارف ہونے کے بعد
وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ کیا اس کا باس کسی بین الاقوامی
گروہ کا سربراہ تھا؟ وہ ڈینی کے لیے برسوں محض ایک غنودہ آواز
بنا رہا جو اپنے ماتحتوں سے ہر کام لینے پر قادر تھی۔ اس کا یہ
بھرم شاید ہمیشہ قائم رہتا لیکن ڈینی نے غزالہ کے طفیل اس کے
کالج کے ایک مذاکرے میں راجہ سکندر علی کی بھاری اور غنودہ
آواز گونجتی سن لی تھی۔ جسے وہ ہزاروں آوازوں میں الگ
پہچان سکتا تھا لیکن حالات نے اسے مزید پیش رفت کی اجازت
نہ دی اور وہ ٹوکیو آ پہنچا مگر اب اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ
کراچی واپس پہنچ کر راجہ سکندر علی کو اس کے نرم اور محبت آمیز
خول سے باہر ضرور دیکھے گا۔
شاید وہ دیر تک یہی سب سوچتا رہتا لیکن دروازے
پر ہونے والی دستک نے اسے چونکا دیا۔ اس نے دروازہ کھولا۔
تو سوکو موتو کا مسکراتا ہوا صحت مند چہرہ اس کے سامنے موجود
تھا۔ اس نے سر کو قدرے خم دے کر ڈینی کو تعظیم دی اور پھر
مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ ڈینی نے ہاتھ ملاتے ہوئے
اسے اندر کھینچ کر دروازہ بند کر لیا۔
"کہاں لٹ گئے آج تم؟" سوکو موتو اپنا بریف کیس میز پر
ڈالتے ہوئے ڈینی کے مقابل صوفے پر جم گیا۔
"حبیب اجازت دے تو یوں دن میں ہزار بار لٹنے کو
تیار ہوں۔" ڈینی گہرا سانس لے کر بولا "میرا تو خیال ہے کہ مشرق
میں جس قدر دور سفر کرتے جاؤ، عورت اسی قدر پُراسرار ہوتی
چلی جاتی ہے ننھی سی اپنی ذات میں سکڑی سہمی لیکن بڑے سے
بڑے شہ زور مرد کو اپنے اشاروں پر نچانے کا فن جانتی ہے۔"
"شاید کسی گیشا سے ٹکرا گئے آج۔" سوکو موتو سگریٹ سلگاتے
ہوئے ہنسا "اس کے چسکے میں پڑ کر ہر سال سیکڑوں جاپانی مرد
اپنے گھر برباد کر لیتے ہیں اور اب تو گھریلو لڑکیاں بھی اپنے
شوہروں کو قابو میں رکھنے کے لیے مساج خانوں میں باقاعدہ
تربیت لینے لگی ہیں۔"
"اب آ ہی گیا ہوں تو جی بھر کر ٹوکیو دیکھنا چاہتا ہوں۔"
ڈینی نے ندیدے لہجے میں کہا "بظاہر مشینی انداز میں چلتے
پھرتے ہجوم میں ایک اجنبی سیاح کے لیے ہزاروں دلکشیاں
مچلتی نظر آتی ہیں۔"
"رقم کی فکر نہ کرو لیکن نوسر بازوں سے ذرا ہوشیار رہنا۔"
اس نے بے پروائی سے کہا "یہاں ایسے بہتیرے لوگ پڑے ہیں
جو موٹی اسامیوں کو تاڑ کر مشہور کمپنیوں کے جعلی شیئرز یا ایک کے
چار بنانے کا لالچ دے کر خاصی رقمیں اینٹھ لیتے ہیں اور پھر ان
کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔"
"برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں۔" ڈینی نے دھڑکتے
دل کے ساتھ سوال کیا اور جب سوکو موتو نے ساکی کا گلاس بناتے
بناتے سر ہلا کر اسے اجازت دی تو وہ بولا "اتنی رقم تم مجھے
کس حساب میں دو گے؟"
سوکو موتو نے سر اٹھایا تو وہاں یک بیک سنجیدگی چھا گئی
تھی "میرا امتحان لینا چاہ رہے ہو یا واقعی اس معاملے میں لاعلم ہو؟"
ڈینی سٹپٹا گیا۔ اس کے لیے فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا کہ کیا
کہے پھر فوراً ہی جواب بھی سوجھ گیا "لاعلم نہ ہوتا تو رقم کے
بارے میں اتنا فکرمند ہوتا۔"
"تم سیدھے ایمسٹرڈم سے ہی آ رہے ہو نا؟" سوکو موتو نے
اس قدر پُراعتماد لہجے میں سوال کیا تھا کہ غیر ارادی طور پر ڈینی
کا سر اثبات میں ہل گیا اور سوکو موتو حیرت سے کہنے لگا "تو تمہیں
وہاں نہیں بتایا گیا کہ ہم الیشلے ہاؤز کے پرانے خادم ہیں۔ ان کے
مہمانوں کی دیکھ بھال ہمارے ادارے کی ذمے داری ہے، اگر میری
اطلاعات درست ہیں تو ان کا ایک اور بھی مہمان صبح شام میں
آنے والا ہے جو تمہارے ساتھ قیام کرے گا۔"
ڈینی کے سر سے گویا ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ اس کا
مطلب تھا کہ سوکو موتو کا اس کے باس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔
باس نے ٹوکیو میں رہنمائی کے بارے میں اسے وہی کچھ بتایا تھا،
جو اسے الیشلے ہاؤز سے معاملات طے کرتے ہوئے معلوم ہوا تھا۔
وہ دل ہی دل میں حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ لوگ کس قدر
منظم تھے کہ خود یورپ میں ہوتے ہوئے پاکستان سے ایک سودا
کر رہے تھے اور سودے کی آخری تفصیلات طے کرنے کے لیے
ٹوکیو جیسے دور افتادہ شہر میں دو نمائندوں کی ملاقات کے جملہ
انتظامات کیے ہوئے تھے۔

"میں اب تک مذاق کر رہا تھا تم سے۔" ڈینی نے سنجیدگی سے کہا۔ اسے اچانک ہی یاد آگیا تھا کہ اس غیر ملکی مشن پر روانگی کا حکم دینے سے پہلے باس نے اپنی زولا کے حوالے سے اس کا ایک خاصا کٹھن امتحان لیا تھا جس میں اسے صرف یہی دیکھنا مقصود تھا کہ ڈینی کسی خوبصورت عورت کے ناز و انداز کے مقابلے میں کس حد تک مدافعتی صلاحیتوں کا مالک تھا جس کا مطلب تھا کہ اسے خاص طور پر عورتوں کے بارے میں محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ ورنہ وہ باس کی نگاہوں میں گر سکتا تھا۔

"حسن کو بس دیکھنے کی حد تک پسند کرتا ہوں۔" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "اپنے سر پر سوار کرنا پسند نہیں کرتا۔"

"تو پھر وہ دو لڑکیاں؟" سوکوموتو نے حیرت سے سوال کیا۔

ڈینی کی سنجیدگی برقرار رہی تھی۔ "میں تو یہ دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ تم لوگوں نے زمینی رقبے کی کمی کو عمارتوں کی بلندی سے کس طرح پورا کیا ہے۔"

سوکوموتو کی ہنسی میں فخر کا عنصر شامل تھا۔ "جن کارخانوں کے لیے کئی کئی ایکڑ زمین درکار ہوتی ہے۔ انھیں ہم نے چند سو مربع گز زمین پر تعمیر کیا ہے۔ مشینوں کو زمین پر پھیلانے کے بجائے منزل بمنزل اوپر لے گئے ہیں۔ ایسا نہ کرتے تو آج جاپان میں پیدل چلنے کو جگہ نہ ہوتی۔"

وہ کچھ دیر اور ڈینی کے پاس رکا رہا پھر رقم اس کے حوالے کر کے لوٹ گیا۔ ڈینی یہ سوچ کر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتا رہا کہ اسے بروقت ہوش آگیا تھا۔ ورنہ وہ کسی بڑی بے احتیاطی کا شکار ہو سکتا تھا۔

رات کے کھانے کے لیے وہ نیچے اترا تو ڈائننگ ہال میں کوئی میز خالی نہیں تھی بلکہ متعدد جوڑے راہداریوں وغیرہ میں کھڑے کسی میز کے خالی ہونے کے منتظر تھے۔ ڈینی رنگ و بو کے اس طوفان سے گزرتا بال روم کی طرف بڑھ گیا جدھر سے موسیقی کا شور ابل رہا تھا۔ بال روم میں بھی فلور کے اطراف میں وہی حال تھا۔ ڈینی کسی خالی میز کی تلاش میں وہاں چکراتا پھر رہا تھا کہ اچانک پیچھے سے کسی نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر پلٹا تو اوہیری کو اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس لڑکی کے ساتھ وہ اپنے وقت کا کچھ بہترین حصہ گزار چکا تھا۔

"تم یہاں کہاں گھوم رہی ہو؟" ڈینی نے اس کو اپنے ہمراہ ایک گوشے میں لے جاتے ہوئے حیرت سے سوال کیا کیونکہ اوہیری نے اسے بتایا تھا کہ وہ رات کے ایک کالج میں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔

"آج کالج میں چھٹی ہے، تم سے خاصی رقم مل گئی تھی۔ لہٰذا سوچا کہ آج کی شام اپنی مرضی کی کسی تفریح میں گزار لو[ں]" پلکیں جھپکاتے ہوئے معصومانہ لہجے میں بولی۔ "ویسے اِدھر رُخ کرتے ہوئے خیال تھا کہ شاید تم بھی مل ہی جاؤ۔ تم نے نام تو بتا دیا تھا لیکن کمرہ نمبر نہیں بتایا تھا۔ ورنہ شاید تمھ[ارے] دروازے پر دستک ضرور دیتی۔"

"میرے ملنے کا خیال کیوں تھا تمھارے ذہن میں" اس کی مردانہ انا کو ابھارنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"شاید تم میری بات کو کاروباری حربہ سمجھو مگر یہ ح[قیقت] ہے کہ تمھاری ذات میں مجھے اپنائیت سی محسوس ہوئی" دھیمے سے بولی۔

"تو پھر آؤ، اوپر ہی چلتے ہیں۔" ڈینی نے اس کے پر ہاتھ رکھ کر مڑتے ہوئے کہا۔ "میں کھانا کھانے کے اترا تھا لیکن ڈائننگ ہال میں بہت بھیڑ ہے، کمرے میں ہی منگوا لیں گے۔"

اوہیری بے چون و چرا اس کے ساتھ ہو لی۔ ڈینی کمرے میں کچھ دیر اس سے والہانہ انداز میں گفتگو کرتا اس کا ذہن تمام جزئیات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا جب وہ کھانے کے لیے روم سروس کو ہدایات دینے انٹرکام کی طرف متوجہ ہوا تو اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ ا حقیقتاً وہ نہیں تھی جو خود کو ظاہر کرتی تھی۔ اس کے معص میں ایک مکار اور عیار شکاری عورت پوشیدہ تھی جو اعتماد کے ساتھ چھوٹے بڑے کو یکساں طور پر شکار کر سک

کھانے کے دوران ڈینی نے غیر متوقع طور پر اوہ ایک ٹیڑھا سوال کر ڈالا۔ "جھوٹ کے بارے میں تمھ خیال ہے؟"

اوہیری نے چونک کر اس کی طرف دیکھا لیک کے ساتھ سر جھکائے اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ تھا۔ "زیادہ بُرا فعل کوئی نہیں ہے لیکن تمھیں اچانک اس میری رائے جاننے کا خیال کیسے آگیا؟" اس نے الجھے الجھے لہجے میں پوچھا۔

"اس لیے کہ تمھاری باتوں میں تضاد ہے اوہ" ڈینی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا اور کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ "میں نے اس کمرے میں ساتھ اپنا وقت بلا وجہ برباد نہیں کیا تھا۔ تم اس ہوٹل نہیں آئی تھیں بلکہ تمھارا مقصد ہی مجھ سے مل بیٹھنا تھا"

"یعنی تمھارا مطلب ہے کہ میں جھوٹ بولتی رہی سے؟" اس کا دہانے کی طرف بڑھتا ہوا چمچہ درمیان

گیا۔
"مجھے مزید بنانے کی کوشش نہ کرنا۔" ڈینی نے سپاٹ اور
ہ لہجے میں کہا۔" ہو سکتا ہے کہ میں یہ کہنے پر مجبور ہو جاؤں
لی بار بھی تم مجھ سے اتفاقاً نہیں بلکہ سوچے سمجھے منصوبے کے
ن ٹکرائی تھیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری ذات
تمہاری دلچسپی کس لیے ہے؟"

اوہیری نے کھانے سے ہاتھ روک لیا اور میز پر سے
ری نیپکن اٹھاتے ہوئے آزردہ لہجے میں بولی۔" اگر تم یہی
نے ہو تو میرا یہاں رُکنا بے سود ہے، مجھے فوری طور پر چلے
چاہیے۔"

"تم اپنی مرضی سے واپس بھی نہ جا سکو گی۔" ڈینی خطرناک
یں مسکرایا۔" میرے سوال کا جواب ملنا ضروری ہے۔"

"تم مجھے زبردستی نہیں روک سکتے۔" اس نے بوکھلائے ہوئے
یں کرسی چھوڑ دی۔" میں اب ایک لمحہ بھی تمہارے ساتھ نہیں
تی۔"

ڈینی نے پھرتی سے اس کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا۔" خاموشی
بیٹھی رہو، اودھم مچاؤ گی تو باہر بھیڑ جمع ہو جائے گی۔ میں تو
ں بالکل اجنبی ہوں لیکن ہزاروں کی بھیڑ میں تمہارے دس
شناسا نکل ہی آئیں گے اور تم تماشا بن کر رہ جاؤ گی۔ میں
یس کو یہ بتاؤں گا کہ تم نے میرا بٹوہ لے بھاگنے کی کوشش کی تھی۔"

ڈینی کے الفاظ کے ساتھ اوہیری کے تنے ہوئے عضلات
یلے پڑتے چلے گئے اور جب وہ خاموش ہوا تو اوہیری تھکے
ئے شکست خوردہ انداز میں کرسی پر گر گئی۔ ڈینی نے اس کی
ئی اپنی مضبوط گرفت سے آزاد کر دی۔" تم مجھ سے کیا چاہتے
؟ کیسا شبہ کر رہے ہو مجھ پر؟" وہ اس سے نگاہیں چار کیے
ربھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"بات چھیڑی تو اپنے شبہات کے بارے میں، میں خود بھی
یادہ پُر یقین نہیں تھا۔" ڈینی نے اس کی طرف توجہ دیے
ر کہا۔" لیکن تم نے اپنے ردِ عمل سے میرے شبہات کی تصدیق کر
ی ہے۔"

"تمہیں موٹی اسامی سمجھ کر تمہارے پیچھے لگی تھی۔" اس نے
نا چاہا لیکن ڈینی نے سختی سے اس کی بات کاٹ دی۔
"یہ گھسی پٹی کہانیاں میرے ساتھ نہیں چلیں گی اوہیری!"
ں بار وہ ترش لہجے میں بولا تھا۔" سچ بول کر تم مجھے اپنا دوست
ر ہمدرد پاؤ گی۔"

اوہیری کی نگاہوں سے خوف جھلکنے لگا۔" مجھے جانے دو۔"
وہ ملتجیانہ لہجے میں بولی تھی۔" مجھے روک کر میرے ساتھ تم اپنے
حق میں بھی کانٹے بو رہے ہو۔"

"اوہ، تو اس کا مطلب ہے کہ تمہیں میرے پیچھے لگانے
والے اچھے لوگ نہیں ہیں۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔" پھر تو مجھے
ان کے بارے میں ضرور بتاؤ کیونکہ میں خود بھی اتنا نیک نہیں ہوں۔"

وہ بے بسی سے ڈینی کی طرف دیکھتے ہوئے گہرے گہرے
سانس لینے لگی۔" میں... مجھے کچھ نہیں معلوم، میں بس اسی قدر
جانتی ہوں۔ جتنا مجھے بتایا جاتا ہے۔"

"میرے بارے میں کیا ہدایات ملی تھیں؟" ڈینی نے اسے خود
سے کچھ اگلنے پر آمادہ نہ پاکر سوالات کے ذریعے کریدنے
کا فیصلہ کر لیا۔

"گروپ ٹوورز آرگنائزرز کے غیر ملکی مہمانوں کی نگرانی کی جاتی
ہے، تم پرواز سے اترنے کے بعد ان کے پاس پہنچے تو اس
وقت میری باری تھی۔" وہ خوفزدہ اور دھیمے لہجے میں بولی۔

"نگرانی لڑکیاں ہی کرتی ہیں؟"

"مردوں کے لیے لڑکیاں اور عورتوں کے لیے مرد مقرر ہیں۔
اس طرح رسائی آسان ہو جاتی ہے۔"

"نگرانی کا مقصد کیا ہوتا ہے؟"

"ان لوگوں کے ذریعے یہاں قیام کرنے والوں کی آمد کا
مقصد معلوم کرنا ہوتا ہے، ہو سکتا ہے اسمگلنگ وغیرہ کا کوئی چکر ہو۔"

"یہ سلسلہ کب سے جاری ہے؟"

"شاید زیادہ سے زیادہ دو ہفتے ہوئے ہوں گے، اس
دوران میرے لیے تم دوسرے آدمی تھے، پہلی بار ایک سفید فام
تھا۔" وہ سرگوشیانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے بار بار خوفزدہ
نگاہوں سے یوں بند دروازے کو دیکھے جا رہی تھی، جیسے اسے
ڈر ہو کہ کسی بھی لمحے کوئی دروازہ کھول کر اندر نہ گھس آئے۔

"اور وہ کون لوگ ہیں؟" ڈینی نے اہم ترین سوال کیا۔

"مجھے کچھ نہیں معلوم، ہمارا واسطہ ائیرپورٹ کاؤنٹر سے ہے۔
جہاں سے غیر ملکیوں کو معاوضے پر گائڈ فراہم کیے جاتے ہیں، شہر
میں بھی ان کے کئی دفاتر ہیں۔"

"تم کتنے عرصے سے ان کے ساتھ ہو؟"

"دو سال سے کام کر رہی ہوں۔" وہ ڈینی کے سوال کا مقصد
سمجھتے ہوئے بولی۔" مگر اس عرصے میں صرف اسی قدر سنا ہے کہ اس
کاروبار کا تعلق فینگ پو سے ہے۔ جاپان کے کئی شہروں میں اس
کے جوئے خانے بھی ہیں جہاں ہر روز لاکھوں ین ٹھوڑے جاتے ہیں۔"

"اور فینگ پو خود کہاں رہتا ہے؟" ڈینی نے سوال کیا۔" تم
مطمئن رہو، یہ معلومات میری ذات تک محدود رہیں گی، ان کی وجہ

سے تم پر کوئی عتاب نازل نہ ہوسکے گا۔"

"وہ مرد نہیں کوئی عورت ہے۔" اوہیری نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "اس خطے میں اس سے بدتر قانون شکن شاید ہی پیدا ہوا ہو، خود پولیس آج تک اس کے ٹھکانے کا پتا لگانے میں ناکام رہی ہے۔ ورنہ وہ آج تک آزاد نہ ہوتی۔"

وہ اتنی کھل گئی تھی کہ ڈینی کو پھر اس کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرتے ہوئے اسے تسلیاں دینی پڑیں کیونکہ اس کے ذریعے ڈینی کو ایک سنسنی خیز اطلاع ملی تھی اور شاید خود سوکوموتو بھی اس بات سے لاعلم تھا کہ اس کی تنظیم کی سرگرمیوں میں کوئی اور بھی گہری دلچسپی لے رہا تھا۔

اوہیری کے انکشافات کی روشنی میں ڈینی کو اب یہ بات قرینِ قیاس نہیں معلوم ہو رہی تھی کہ گروپ ٹوڈ آرگنائزرز کا دائرہ کار صرف اسی قدر تھا، جتنا سوکوموتو نے بتایا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو ان میں فینگ پو کی خفیہ دلچسپی بے معنی ہو کر رہ جاتی تھی۔ راجہ سکندر علی یا باس کی پُراسرار شخصیت سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ ایشلے ہاؤز، ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ اور گروپ ٹوڈ آرگنائزرز میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ ڈینی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یکایک کس گورکھ دھندے میں پھنس گیا ہے اگر اوہیری اس سے دوبارہ نہ ٹکرائی ہوتی تو یہ بکھیڑا سرے سے پھیلا ہی نہ ہوتا اور وہ ویرلائیڈ سے ملاقات کے بعد اطمینان سے پاکستان روانہ ہو جاتا لیکن اب یہ ضروری ہو گیا تھا کہ وہ فینگ پو کے بارے میں اپنے طور پر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔

فینگ پو کے بارے میں اوہیری کی معلومات سنی سنائی باتوں پر مشتمل تھیں جن میں کچھ افسانوی رنگ بھی نمایاں تھا۔ ان کے مطابق فینگ پو اس خطے کی روایات کے برعکس دراز قامت اور خاصی صحت مند عورت تھی جس کے حسن کے بارے میں اسے دیکھنے والوں کے ذریعے نہایت مبالغہ آرائیاں پھیلتی رہی تھیں۔ کہا جاتا تھا کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد جاپان میں سکونت اختیار کر لینے والے ایک امریکی کارپورل اور اسپتال میں اس کی دیکھ بھال پر مامور ایک جاپانی نرس کی محبت کے نتیجے میں وہ پیدا ہوئی تھی۔ امریکی کارپورل اس کی ولادت کے دوسرے ہی سال ایک حادثے کا شکار ہو کر مر گیا۔ فینگ پو کی ماں اپنے شوہر کی موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکی اور ذہنی توازن کھو بیٹھی جس کے نتیجے میں فینگ پو ایک یتیم خانے میں پروان چڑھی۔ ابتدا میں وہ بہت نرم خو اور ملنسار تھی لیکن یتیم خانے کا منتظم اس کے پیچھے لگ گیا۔ وہ کافی عرصے تک اس بوڑھے کے ظلم خاموشی سے سہتی رہی لیکن جب وہ حد سے بڑھنے لگا، تو ایک روز وہ یتیم خانے سے فرار ہو گئی کیونکہ

منتظم اپنی دلچسپی کے باعث فینگ پو کو کسی صنعتی تربیتی ادا
داخلہ دلانے کے بجائے اپنے پاس روکے رکھنے پر تلا ہوا
پھر فینگ پو نے ایک لڑکے سے شادی کر لی جو
سے جرائم پیشہ لوگوں کا آلۂ کار تھا۔ کچھ عرصے بعد کسی دوسر
کے لوگوں نے اس کے گھر پر حملہ کیا اور فینگ پو کے
کے شوہر پر بازپُرس کے سلسلے میں ناقابلِ بیان تشدد کر
اسے زبان کھولنے پر آمادہ کرنے کے لیے انھوں نے
کے ساتھ بھی اس کی نگاہوں کے سامنے سفاکانہ سلوک
واقعہ کے دوسرے روز فینگ پو کا شوہر بے ہوشی کی
میں چل بسا۔ فینگ پو نے اپنے شوہر کی آخری رسومات
زخمی شیرنی کے تیوروں کے ساتھ شرکت کی پھر وہ اچانک
ہو گئی۔ چند روز بعد وہ شام ڈھلے یتیم خانے کے منتظم
گئی اور ملازمین کے بیان کے مطابق منتظم ہنسی خوشی ا
ساتھ چلا گیا۔ اگلی صبح اس کی مسخ شدہ لاش ایک ساحل
سے دریافت ہوئی۔ وہ فینگ پو کے انتقام کا پہلا نشا
کے بعد وہ اپنے شوہر کے قاتلوں کے پیچھے لگ گئی او
رفتہ زیرِزمین دنیا میں اس کے نام کی دھاک بیٹھ گ
اس کے پے در پے جرائم کے ارتکاب کا قلع قمع
کے لیے پولیس نے بے شمار ٹھکانے کھنگالے لیکن فینگ
کہیں ہاتھ نہ آ سکی۔ ایک خیال یہ بھی تھا کہ اس نے ا
قامت اور جسامت کی وجہ سے خود کو چھپائے رکھنے
پلاسٹک سرجری کا سہارا لیا تھا اور یوں مردانہ روپ میں
پورے علاقے میں دندناتی پھرتی تھی۔

"تم اچھی لڑکی ہو۔" گفتگو کے اختتام پر ڈینی نے
لہجے میں کہا۔ "تم اس گفتگو کا کہیں حوالہ نہیں دو گی مجھ
تمہاری سلامتی اس نکتے سے وابستہ ہے۔ مجھے افسوس ہے
پہ سچ بولنے پر آمادہ کرنے کے لیے مجھے تھوڑا ترش رو
کرنا پڑا۔"

"لیکن یہ سب جان کر تم نے کیا حاصل کر لیا؟"
کے لہجے میں ملال نمایاں تھا۔

"یہ تم نہیں سمجھ سکو گی۔" ڈینی مسکرایا۔ "میرا خیال
کسی خاص وجہ سے میرے پیچھے لگائی گئی ہو۔"

"اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ تمہارے ہاتھ بھی صا
ہیں۔" اس نے تیکھے لہجے میں کہا۔ وقت گزرنے کے سا
وہ اپنی ابتدائی دہشت پر غالب آ چکی تھی۔

"جو چاہو سمجھ لو۔" ڈینی نے بے پروائی سے کہا۔ "فی
میں عدیم الفرصت ہوں۔ موقع ملا تو تمہیں بتاؤں گا

ںدالی معلومات میرے کس کام آسکتی ہیں "
اپنے بارے میں زیادہ خوش فہمی میں نہ رہنا" اس نے کہا۔
سے پہلی ملاقات کے بعد میں نے رپورٹ دے دی تھی
تم اپنے ماحول سے اکتا کر تفریح کے لیے آئے ہوئے لاابالی
رشاہ خرچ سیاح ہو مگر اس کے باوجود مجھے دوبارہ تمہاری
ش میں بھیجا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ انھیں تمہارے بارے میں کچھ
نک مل گئی ہو "

میں اپنی حفاظت کر سکتا ہوں " ڈینی نے سگریٹ سلگاتے
رئے کہا "اگر اعتراض نہ ہو تو ذرا اپنا پتا دے دو تاکہ میں
ت ضرورت تم سے مل سکوں "

اوہیری نے بلا تامل اپنے اپارٹمنٹ کا پتا اس کے
الے کر دیا۔

اس واقعے کو گزرے دو دن ہو چکے تھے لیکن ویرا لائیڈ
بھی تک نہیں پہنچی تھی۔ اس دوران میں سوکو مو تو روز ہی اس
سے ملنے آتا رہا تھا لیکن ڈینی نے اوہیری یا فینگ پو کے بارے
یں اس سے کوئی بات نہیں کی تھی کیونکہ اس کے بارے میں
ینی نے اپنے ابتدائی اندازوں میں خاصی ترمیم کر ڈالی تھی۔ اس
ے ایشلے ہاؤز کا ذکر سننے کے بعد ڈینی اس سے محتاط رہا کرتا
ھا کیونکہ سوکو مو تو ان لوگوں میں سے نظر آتا تھا جو اپنی خوش
لی اور بذلہ سنجی سے بآسانی لوگوں کا اعتماد جیت لیتے ہیں۔
لین ضرورت پیش آنے پر بے دریغ ہر ایک کی گردن کٹوانے
ر تل جاتے ہیں۔

اوہیری کے اعترافات کے بعد ڈینی نے اپنے باس کے
رے میں خاصا غور کیا تھا۔ وہ ابھی تک سمجھ نہیں سکا تھا کہ
سکندر علی اپنے دوسرے روپ میں کراچی کی مقامی مارکیٹ کے
علاوہ منشیات کی بین الاقوامی منڈیوں میں کتنے اثر و رسوخ کا
مالک تھا؟

اس سفر پر روانگی سے پہلے اس نے جس طرح ڈینی کو
عورتوں سے دور رہنے کا بالواسطہ مشورہ دیا تھا، اس سے یہ
نتیجہ اخذ کرنا تو سامنے کی بات تھی کہ عیش و عشرت میں آدمی
ایسی بے اعتدالیوں کا مرتکب ہو سکتا ہے جو اسے ناقابلِ
تلافی نقصان پہنچا سکتی ہیں لیکن اس کا دوسرا پہلو ذرا معنی خیز تھا۔
اس نے ڈینی کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ کہیں وہ پہلے
سے جاپان میں فینگ پو کی ریشہ دوانیوں سے واقف تو نہیں تھا؟

●

حامد اپنی فرض داریوں اور ضروریات سے پریشان ضرور
تھا اور اسی وجہ سے طارق کی تجویز پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو
گیا تھا لیکن بنیادی طور پر وہ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے ناآشنا
ایک اناڑی نوجوان تھا۔ وہ طارق کی ہدایت کے مطابق موتی دلوا
سے ملا تو وہ بہت مہربان ثابت ہوا۔ اس نے حامد کو مال دینے
سے پہلے کام کرنے کے طریقوں اور احتیاطی تدابیر سے آگاہ کیا۔
پھر اسے ہیروئن کی پڑیاں دے دیں۔ پہلے دن حامد گھر میں وہ
پڑیاں لے کر داخل ہوا تو دل ہی دل میں خود کو چور محسوس کر
رہا تھا۔ مختصر سے گھر میں والدین کے علاوہ چار بہنوں کے ہوتے
ہوئے کوئی بھی جگہ اتنی محفوظ نہیں تھی کہ وہ پڑیاں بے فکری کے
ساتھ وہاں رکھ سکتا۔ بوسیدہ چوبی الماری سے باورچی خانے میں
کسی خالی ڈبے تک اس نے ہر چیز کا جائزہ لیا لیکن کہیں دل
مطمئن نہیں ہوا۔ اسے بس یہی خوف تھا کہ وہ قیمتی پڑیاں لاعلمی
کے باعث گھر کے کسی فرد کے ہاتھوں ضائع نہ ہو جائیں۔ آخر اس
نے کپڑوں کے مشترکہ جستی ٹرنک میں وہ پڑیاں ایک اخباری کاغذ
میں لپیٹ کر چھپا دیں اور اس کے بعد سارا وقت گھر ہی میں منڈلاتا
رہا۔ رات کو وہ سویا تو اسے عجیب عجیب خواب نظر آتے رہے
جن میں وہ شاہانہ شان و شوکت سے اعلیٰ حلقوں میں گھومتا
رہا۔ صبح آنکھ کھلی تو سر پر مارٹن کوارٹر کی وہی مہربان چھت سایہ
فگن تھی جو برسات میں ٹپکنے کے باوجود برسوں سے ان سب کو
اپنی مہربان آغوش میں چھپائے ہوئے تھی۔ وہ بعجلت تیار ہوا
اور مال لے کر یونیورسٹی جانے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

یونیورسٹی میں حامد نے اپنی مہم کا آغاز جبار سے کیا جس
سے اس کے دوستانہ مراسم تھے لیکن اس کی چرس نوشی کی عادت کے
باعث حامد اس سے ذرا دور ہی دور رہا کرتا تھا۔ حامد کو موتی
دادا نے پہلی کھیپ مفت دی تھی۔ لہٰذا حامد نے اِدھر اُدھر کی گفتگو
کے بعد موقع پیدا کر کے ہیروئن کی پانچ پڑیاں اس کے حوالے کر دیں۔

اگلے دن جبار بڑی بے تابی سے اس سے ملا تھا۔ ہیروئن
صحیح معنوں میں ایک ایسا نشہ تھی جس کے بارے میں جبار صرف سوچا
ہی کرتا تھا۔ اس نے حامد سے مزید پڑیوں کا مطالبہ کیا تو حامد
نے سادگی سے اسے ٹال دیا "وہ تو کسی نے مجھے ذاتی استعمال کے
لیے دی تھیں جو میں نے تمہارے حوالے کر دیں "

"یار خدا کے لیے" جبار اس کے سامنے گڑگڑایا "جب سے
چند روز کے لیے چرس کا قحط پڑا تھا، اس کا مزہ بھی جاتا رہا ہے۔
سنا تو ہم نے بھی تھا کہ شہر میں ہیروئن ملنے لگی ہے لیکن نہ اس
کے کمال کا علم تھا، نہ کسی ٹھکانے کا۔ یہ دو سو روپے رکھ لو کسی
طرح کل پڑیاں لیتے آنا "

حامد نے تھوڑے سے تذبذب کا مظاہرہ کرنے کے بعد
اس سے رقم لے لی مگر ساتھ ہی اس سے قسم بھی لے لی کہ وہ اس

کا نام راز میں رکھے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ دوستی ہی دوستی میں وہ منشیات فروش مشہور ہو جائے اور یوں حامد نے جامعہ میں اپنے کام کا آغاز کر دیا تھا۔ دو تین ہی دنوں میں جبار اس سے خاصی مقدار خریدنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے ہر بار چرس نوشوں کے حلقے کے مزید ارکان نئے نشے کی طرف راغب ہوتے جا رہے تھے۔

موتی دادا سے مفت میں ملنے والی پڑیوں سے حامد نے پندرہ سو روپے کمائے اور جب وہ دوبارہ موتی دادا سے ملا تو اس میں اعتماد کی ایک نئی لہر پیدا ہو چکی تھی۔ موتی دادا نے پھر کچھ نصیحتوں کے ساتھ اسے مال دے دیا جس کی ادائیگی اگلی مرتبہ کرنی تھی۔ اس نے حامد پر واضح کر دیا تھا کہ وہ مال نقد بیچنے کے اصول پر سختی کے ساتھ کاربند تھا لیکن محض اس کی حوصلہ افزائی اور سفارش کی بنیاد پر اسے ادھار مال دے رہا تھا۔

حامد کے لیے نیا کام سنسنی خیز ہونے کے ساتھ ہی مالی اعتبار سے بے حد کشش انگیز تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ چند مہینوں کے ہیر پھیر میں وہ اس قابل ہو سکے گا کہ غربت کی سلگتی ہوئی آگ میں زندہ رہنے کی جدوجہد کرنے والے اپنے گھرانے کو معاشی انقلاب کا مژدہ سنا سکے۔

لیکن اسے کام کا آغاز کیے چند ہی روز گزرے تھے کہ اخباری اطلاعات نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ شہر میں جا بجا بھاری مقدار میں منشیات پکڑی جا رہی تھیں اور اخبارات میں منشیات کے ساتھ اس کا بیوپار کرنے والوں کی تصاویر بھی شائع ہو رہی تھیں لیکن ایک بات اس کے لیے حیران کن تھی کہ منشیات کی لمبی فہرست میں ہیروئن یا اس کے سوداگروں کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ اسے خوف آنے لگا کہ کہیں کسی روز بدنامی کا یہی طوق اس کے گلے کی زینت بھی نہ بن جائے۔

اگلے روز وہ موتی دادا کے پاس گیا تو کچھ پریشان تھا۔ "شہر کے حالات خراب ہیں دادا! سوچتا ہوں کچھ دن کے لیے ہاتھ کھینچ ہی لوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ک...ں ؟" موتی دادا کی تیوریوں پر بل پڑ گئے اور اس کی محبت آمیز نرم آواز میں للکار پیدا ہو گئی "مرد ہو کر عورتوں کی سی باتیں سوچ رہے ہو۔ ارے یہ موقع تو شاید تمہارے ہی مقدر سے پیدا ہوا ہے۔ چرس، شراب، ٹھرا، راکٹ، سب ہی نشے پکڑے جا رہے ہیں مگر ابھی تک اپنے مال کا نام خبروں میں کہیں نہیں آیا، میرا تو خیال ہے کہ اب ہمارے مال کی مانگ بڑھے گی۔ ایسے میں پانچوں گھی میں اور سر کڑھائی میں ہوتا ہے۔"

موتی دادا کی لگائی ہوئی ضرب خاصی شدید تھی۔ وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔ "بس سوچ رہا تھا کہ ستارے گردش میں نہ آ جائیں۔"

"دیکھو میاں!" موتی دادا اس کی طرف جھک
"میں ہوں تو بس جاہل آدمی لیکن تھوڑا بہت اخبار
ہوں، یہ بتاؤ کہ تم نے کسی چھوٹے موٹے کی گرفتار
بھی پڑھی ہے؟"

حامد کے پاس اس سوال کا جواب نفی کے علا
نہیں تھا۔

"بیس برس سے اسی کام کی روٹی کھا رہا ہوں
نے فخر آمیز لہجے میں بتایا۔ "یہ سارے چھاپے چھوپے
دکھانے کے لیے مارے جاتے ہیں، چار چھ مہینے میں
نہ ہو تو سرکار اپنے محکمے ہی بند کر دے' اور یہ چھاپے
بڑوں کے لیے ہوتے ہیں، پچیس پچاس پڑیوں کو کوئی نہیں

"مگر دادا! اخبار میں چرس کی ایک دو گولیاں رکھ
گرفتاری کی خبریں آتی رہتی ہیں۔" حامد کو اس خزانے
میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔

موتی دادا نے یوں سر ہلایا جیسے حامد نے کوئی
بات کہہ دی ہو۔ "میاں! بچے ہو ابھی... یوں پکڑے جا
اکثر بے گناہ ہوتے ہیں بس دشمنی میں کوئی خود ہی گولیاں
میں ڈال کر پکڑ لیتا ہے۔ قانون تو قانون ہے نا، تمہارے
چاہے ایک تولہ ہو یا ایک من، جرم تو برابر سمجھا جائے
دفعہ ایک ہی لگتی ہے لیکن تم یہ سب نہ سوچو، تمہاری
سب سے محفوظ ہے، پولیس کی کیا مجال کہ یونیورسٹی میں گھ
پر ہاتھ ڈال سکے۔"

حامد لاجواب ہو گیا۔ موتی دادا کی بے لاگ باتو
اس کے دل سے خوف زائل کر دیا تھا۔ وہ موتی دادا
لے کر واپس چلا آیا۔

اگلی صبح یونیورسٹی میں جبار صبح ہی صبح ایڈمنسٹریشن
کے پاس مل گیا اور فوراً ہی اسے ایک طرف لیتا چلا گیا
ہو گیا، "کل وہ خبر سنی تھی تم نے کہ ایرو کلب کے پاس
ایک ٹیکسی ڈرائیور کو ہلاک کر دیا؟"

"ہاں، شہر سے آنے والوں سے سنا تھا۔" حامد نے
سے کہا۔ "لیکن واپسی میں وہاں کچھ بھی نہیں تھا، شاید پولیس
کے ساتھ ٹیکسی بھی لے گئی تھی۔"

"وہ یہاں کیمپس میں چرس لاتا تھا۔" جبار نے رازدا
میں کہا۔ "مطیع اللہ اسے پہچانتا تھا، اس نے راستے میں
کی لاش دیکھی تھی۔"

"تو تمہیں تشویش کیوں ہے؟" حامد اس کے پرجوش
پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"اب کیمپس میں چرس نہیں ملے گی۔" وہ دائیں بائیں نگاہ
ڈالتے ہوئے بولا۔"موقع غنیمت ہے۔ اگر تم ساتھ دو تو اپنے
روپے پانی کا خرچ مفت میں نکل آئے گا۔"

"وہ کیسے؟" حامد نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے تحیر زدہ لہجے
میں سوال کیا۔

"سارے چرسی اپنے یار ہیں۔" وہ حامد کے کندھے پر ہاتھ
رکھ کر بولا۔"سب کو آہستہ آہستہ ہیروئن پر لگا لوں گا۔"

"کیوں دوسروں کو بھی برباد کرتے ہو اپنے ساتھ؟" حامد نے
بے نیت ہنستے ہوئے اوپری دل سے کہا۔"اس سے تمہیں کیا
حاصل ہوگا؟"

"سنو گے تو اچھل پڑو گے، پہلے یہ بتاؤ کہ تم ہیروئن کہاں سے
لاتے ہو؟"

حامد کو اس کی باتوں میں گہری دلچسپی تھی کیونکہ ہیروئن کی
فروخت روکنے سے اس کا مالی مفاد وابستہ تھا لیکن جبار کی حد سے
بڑھی ہوئی دلچسپی دیکھ کر اس نے تھوڑی سی برہمی کا اظہار ضروری
سمجھا اور بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔"دیکھو یار! یہ میرا دھندا
نہیں ہے، بس یاری دوستی میں تمہیں پُڑیاں لا دیتا ہوں، جیسے
مجھے قسم لی ہے اسی طرح آگے بھی رازداری کا وعدہ کرنا پڑا تھا۔
اب کہیں تمہاری فرمائشیں پوری ہوتی ہیں۔"

"اچھا خیر، جانے دو۔" جبار جلدی سے بولا۔"تم مال لاتے
ہو، میں آگے بیچوں گا لیکن تین روپے فی پڑیا کمیشن لوں گا۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حامد اس بات پر ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"بڑی گندی سوچ ہے تمہاری، میں دام کے دام تمہیں
پڑیاں لا کر دیتا ہوں، آنے جانے کا کرایہ تک میرا اپنا خرچ
ہوتا ہے۔ تمہیں شرم نہیں آتی مجھ سے کمیشن کا مطالبہ کرتے
ہوئے...۔"

"ارے ارے سنو تو۔" جبار اس کی برہمی دیکھ کر بوکھلا گیا
"تم میری بات کا مطلب نہیں سمجھے یا شاید مجھ سے ہی غلطی ہو
گئی... میرا مقصد یہ تھا کہ تم واقعی سستا مال لاتے ہو، جو پڑیا
کیمپس میں لاتے ہو، بازار میں اس کے دام تیس روپے ہیں۔
قیمت خرید نکال کر پانچ روپے بچتے ہیں۔ ان میں سے دو تمہارے
تین میں کماؤں گا۔"

حامد کا سارا غصہ بناوٹی تھا جو جبار کے سامنے اپنی پوزیشن
صاف رکھنے کے لیے ضروری تھا لیکن اسے جبار کے حساب کتاب
پر حیرت ضرور ہوئی تھی۔"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں مجھ پر
اعتبار نہیں تھا، اس لیے دام معلوم کرنے کے واسطے شہر میں
دھکے کھاتے پھرے۔"

"اوہو۔" وہ بے بسی سے دونوں ہاتھ فضا میں لہراتے
ہوئے بولا۔"تم تو ہر بات کا غلط مطلب نکالنے پر تلے ہوئے
ہو۔ بھائی ہیروئن تو ہر ایک کو مل بھی نہیں رہی ہے۔ بس
اتفاقاً ہی اس کے دام میرے علم میں آ گئے، اسی کا نتیجہ ہے کہ
اس وقت تم سے بات کر رہا ہوں۔"

"مجھے ایسے پیسوں کی ضرورت نہیں۔" حامد نے نرمی
اختیار کرتے ہوئے کہا۔"جو بچے تم ہی رکھ لینا، میں منشیات کا
سپلائر بننا پسند نہیں کرتا۔"

"نہ اس آدمی کا پتا بتاؤ گے جس سے مال لاتے ہو، نہ
خود شریک ہونے کو تیار ہو تو مجھے کیا خاک بچے گا۔" جبار بددل
ہو کر بولا۔"لحاظ مروت میں دو چار روز کچھ مال لاتے رہو گے
لیکن طلب بڑھ گئی تو پھر کیا ہوگا، تم پیٹھ دکھا دو گے اور
میری ٹھکائی ہو جائے گی۔"

تھوڑی سی بحث کے بعد حامد نے گویا اس کے دباؤ
کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور بے بسی کے ساتھ بولا۔"تم
نے پیسے بنانے کی ترکیب تو خوب سوچی ہے لیکن جو لوگ کل
تک پچیس کی پڑیا لیتے رہے ہیں، وہ اتنی آسانی سے تیس دینے
پر آمادہ نہیں ہوں گے۔"

جبار داہنی آنکھ دبا کر فتحمندانہ انداز میں ہنسا۔"میں تمہاری
طرح نرا گھامڑ نہیں ہوں، لوگ کہتے ہیں کہ نشے سے دماغ ناکارہ
ہو جاتا ہے اور میرا تجربہ ہے کہ نشہ عقل کو تیز کرتا ہے، میری
مانو تو تم بھی شروع کر دو، میں پہلے ہی دن سے اٹھائیس روپے
فی پڑیا وصول کر رہا ہوں، تمہارے حصے کے دو روپے تو
اب بڑھاؤں گا جس کو تیس دینے میں اعتراض ہوگا، وہ شہر کی
خاک چھان کر خود ہی راہ راست پر آ جائے گا۔"

❋

وہ بظاہر گرد و پیش سے بے پروا، بالکل باؤلا نظر آتا تھا،
لیکن اپنے مطلب کا بہت پکا تھا۔ اسے قاسم بھائی سے دو ہزار
روپے مہینہ تنخواہ ملتی تھی اور کام صرف اتنا تھا کہ قاسم بھائی
کے ٹھکانے سے ہیروئن کے چھوٹے چھوٹے مگر بیش قیمت پیکٹ
اپنی ہنڈا ففٹی کی باسکٹ میں ڈالے اور اپنے علاقے میں اڈوں
پر تقسیم کر دے۔ اس کے علاقے کی حدود بہت واضح تھیں۔ ایک
طرف نیپیر روڈ سے شروع ہو کر گارڈن روڈ پر ختم ہوتی تھی اور
دوسری طرف نشتر روڈ سے چندریگر روڈ کے چھوٹے بڑے متعدد
ٹھکانے اس کے ذمے تھے۔ جہاں چندریگر روڈ ختم ہوتا تھا، وہاں
سے گارڈن روڈ تک حدود ذرا پیچیدہ تھیں لیکن وہ اپنا علاقہ خوب
پہچانتا تھا۔ ڈیڑھ دو گھنٹے میں سارا کام نمٹا کر فارغ ہو جاتا تھا۔

قاسم بھائی نے جب سے ہیروئن کا دھندا شروع کیا تھا وہ
بہت خوش تھا حالانکہ اس کی تنخواہ وہی کی وہی رہی تھی لیکن
وہ تجربہ کار آدمی تھا۔ شراب اور چرس کا کام بھی کر چکا تھا۔ بلکہ
قاسم بھائی کی منوں چرس اسی کے ہاتھ سے گزری تھی لیکن شراب
سے وہ ہمیشہ خائف رہا۔ آخری بوتل سے چھٹکارا پانے تک بڑی
احتیاط کرنی پڑتی تھی۔ پیکنگ خراب ہو جائے تو بوتلیں آپس
میں ٹکرا کر ایسی آوازیں پیدا کرتی تھیں کہ سننے والا خواہ مخواہ متوجہ
ہو جائے۔ پھر جھٹکا لگنے کی صورت میں بوتلیں ٹوٹنے کا خوف
الگ سر پر سوار رہتا تھا۔ ذرا بھی شراب بہہ نکلے تو ہر ایک
پر اپنی اصلیت آشکارا کر دیتی ہے پھر سب سے بڑی مصیبت
وزن کی تھی۔ چرس نسبتاً آسان جنس تھی۔ چھوٹی بڑی ٹکیوں کے
نہ کھنکنے کا ڈر نہ ٹوٹنے اور بہنے کا خوف۔ بس ایک بو ذرا سی
تشویش کا باعث بنتی تھی جو مضبوط قوتِ شامہ والا دور ہی سے
سونگھ سکتا تھا مگر ہیروئن ہر عیب سے عاری تھی۔ اس بے زبان
نشے کی ایک ہتھیلی اتنی مالیت کی ہوتی تھی کہ اگر شراب لی جاتی تو
ٹرک درکار ہوتا اور چرس کے لیے منی ٹرک۔

لیکن وہ خوب جانتا تھا کہ اس بساط پر اس کی وقعت
پیدل سے زیادہ نہیں ہے جو ہوشیاری سے چلے تو شہ پر شہ
دیتا چلا جاتا ہے لیکن ذرا بھی بہکے تو بچنے کی مہلت نہیں ملتی
بے رحمی سے پیٹ دیا جاتا ہے۔ اپنے اس مقام کو پہچان لینے کے
بعد وہ بہت محتاط تھا۔ قاسم بھائی اس کے سامنے ہمیشہ سیٹھوں
جیسے بے مہار رویے کا مظاہرہ کرتا تھا جسے وہ خندہ پیشانی سے
برداشت کر جاتا لیکن اسے یقین تھا کہ قاسم بھائی کسی کا غلام ہے اپنے
اس یقین کے باوجود اس نے کبھی تجسس میں پڑنے کی ضرورت نہیں
سمجھی تھی مگر جب قاسم بھائی نے اسے بتایا کہ وہ دوسری پارٹیوں
کے بڑے مال کی صحیح خبر پر پانچ ہزار روپے انعام دے گا تو اس
کی کھوپڑی پر بھی تجسس سوار ہو گیا۔

پانچ ہزار روپے کا مطلب تھا اس کی ڈھائی ماہ یعنی پچھتر
دنوں کی تنخواہ۔ لہٰذا فاضل وقت میں وہ شہر میں آوارہ گردی کرنے
لگا۔ اخباروں میں مال کی پکڑ دھکڑ اور چھاپوں کی خبر کو وہ غور سے
پڑھتا تھا کیونکہ اس کی لائن کی خبریں ہوتی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ
ہیروئن حکام کی دسترس سے قطعی باہر تھی۔ شاید شہر میں نیا ہونے
کی وجہ سے یہ نشہ کسی کے لیے بھی توجہ کا مستحق قرار نہیں پایا
تھا۔ اس کے علاوہ اس نے نوٹ کیا کہ ولایتی لیبلوں سے بکنے
والی دیسی شراب کی کوئی بھٹی بھی زد میں نہیں آئی تھی۔ جب کہ
ٹھرے کی کئی بھٹیاں پکڑی جا چکی تھیں۔

پکڑا نا پانی ہونے کی وجہ سے اسے معلوم تھا کہ شہر میں استعمال
شدہ خالی بوتلوں کے بیوپاری شہر بھر سے جمع ہونے وا
میں سے ہر میل کی بوتلیں الگ الگ کر کے ہزاروں
میں ضرورت مندوں کو مہنگے داموں فروخت کرتے
میں ایک دو ایسے تھے جو شراب کی خالی بوتلیں نوادر
جمع کرتے تھے۔ لائسنس یافتہ ٹھکانوں، بندرگاہ پر لنگرا
والے جہازوں، ہوائی اڈے پر بین الاقوامی طیاروں کی
والے عملے اور شہر کے نالوں اور کوڑا گھروں سے بوتلیں
اور کاغذ چننے والوں کے ذریعے ان کے پاس غیر ملکی
خالی بوتلوں کے انبار جمع ہو جاتے تھے جو لاٹ کی صو
پندرہ سے بیس روپے فی بوتل تک فروخت ہوتی تھیں
خالی بوتلوں کے مصرف سے خوب آگاہ تھے اور اپنی اس
کے بھرپور دام وصول کرتے تھے۔

ان سے غیر ملکی شراب کی خالی بوتلیں خریدنے
بھر میں دو یا تین ہی پارٹیاں تھیں اور ان میں بھی ا
سمجھوتہ تھا کہ ہر ایک کے برانڈ الگ تھے کیونکہ خالی بو
مال کمانے کے لیے المونیم کے چھپے ہوئے ڈھکنوں سے
والی مشینیں بھی ضروری تھیں جو باہر سے خاصی مہنگی آتی
شاید ہر ایک کے پاس ایک ہی تھی۔ ان بوتلوں میں مقا
پر بنائی ہوئی بہتر قسم کی شراب بھر کر بوتلیں غیر ملکی مشینوں
کی جاتیں۔ ان پر مقامی طور پر چھپے ہوئے اصل سے مشا
لگائے جاتے اور یہ بوتلیں شراب کے رسیاؤں کو غیر ملکی
طور پر مہنگے داموں بیچ دی جاتی تھیں۔ جب سے ملکی قا
کا دشمن ہوا تھا پینے والوں کے لیے انتخاب کی مہلت ہی
تھی۔ ہر باحیثیت شرابی کی کھوپڑی میں ایک ہی سودا
تھا کہ جس برانڈ کی بھی مل جائے لیکن ہو غیر ملکی۔ اس ڈ
پڑنے کی وجہ سے اچھے اچھے پینے والے ذائقے کی تمیز
تھے۔ بس ایک ہی پہچان رہ گئی تھی کہ بوتل اور لیبل وا
کیونکہ ان کی دانست میں ملک میں ایسی عمدہ بوتلوں کی
ناممکن تھی۔ اگر انہیں علم ہو جاتا کہ کوڑا گھروں اور گند
میں پھینکی ہوئی ان ہی کی بوتلیں دوبارہ بھر کر ان کے
میں اتار دی جاتی ہیں تو شاید ہر شرابی بوتل خالی کرنے
اپنا سر پھوڑتا یا نہ پھوڑتا، بوتل کو ضرور توڑ دیتا۔

اس نے سوچا کہ اسے کسی ایسی فیکٹری کا سراغ لگا
سے انعام کی رقم وصول کرنی چاہیے لیکن ساری معلومات
باوجود اس کے پاس کوئی نقطۂ آغاز نہیں تھا۔ یہ معلوم تھا
میں وہ دھندا کیسے ہو رہا ہے لیکن یہ پتا نہیں تھا کہ اس
کون ملوث ہے۔

اس نے بوتل والی گلی کے کئی چکر لگائے لیکن گہری گہری
یک اور پُراسرار دکانوں میں کہیں شراب کی پرانی بوتلیں نظر
ہر ایک صاف ستھرا اور کھرا کام کر رہا تھا۔ ایک آدھ جگہ
لیکن غیر ملکی خوشبویات، کریموں یا لوشنوں کی خالی بوتلیں
رہی تھیں۔ آخر وہ اپنی ہنڈا ففٹی ٹیکسی اسٹینڈ پر مقفل
لائٹ ہاؤس سنیما کے پہلو میں نالے پر بنی ہوئی پختہ
ں کی طرف بڑھ گیا جن کے اندرونی رُخ پر پرانے کپڑوں کا
ہوتا ہے اور سڑک کے رُخ پر چھوٹے چھاپہ خانوں سمیت
دکار خانے پھیلے ہوئے ہیں۔

اس روز ان دکانوں کی ایک خرابی اس کی نگاہ میں آئی۔
ی بلند تھیں کہ سڑک پر چلتے ہوئے راہ گیر کے لیے سیڑھیاں
لیے بغیر اندر کا جائزہ لینا ناممکن تھا۔ اسے ہمیشہ سے خیال رہا
ان چھاپہ خانوں میں شاید کرنسی نوٹوں کے علاوہ ضرورت
ر چیز چھاپی جاتی ہو لیکن وہ پہلے پریس میں گھسا تو اس کی
ں دیکھتے ہی اندر سے ایک نوجوان سوالیہ انداز میں اس کی
دیکھتا سیڑھیوں تک آگیا پھر کچھ اس انداز میں اسے گھورنے
یسے اسے کسی قیمت پر اندر نہ گھسنے دے گا۔

نوجوان کے تیور اتنے درشت تھے کہ اس نے پوچھے
ینا مدعا ظاہر کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔ "مجھے کچھ لیبل
انے ہیں۔"

"ہمیں دو مہینے تک فرصت نہیں ہے۔" نوجوان نے
کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "اس
بعد ڈیزائن لے کر آنا۔" وہ خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔

تیسری دکان میں ایک بزرگ صورت شخص کا رویہ بہت
ثابت ہوا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی ایک طرف پڑے
ئے لیبلوں کے وہ بنڈل دیکھ لیے جن پر میڈ اِن جاپان
میڈ اِن یو ایس اے کے ساتھ بعض مشہور مصنوعات کے نام
ہوئے تھے۔

"میرا نام مولا بخش ہے، کسی ذریعے سے آپ تک پہنچا
ں۔" اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "ولایتی پانی کے
ہزار لیبل چھپوانے ہیں۔"

"بھائی! ہم کھیلے کے کام نہیں کرتے۔" بزرگ صورت شخص
ملائمت سے جواب دیا۔ "ولایتی پانی کے علاوہ جو لیبل ہوں
پنے کو تیار ہیں۔ ویسے بھیجا کس نے ہے آپ کو؟"

"شیخ صاحب نے بھیجا تھا۔" مولا بخش نے بلاتامل ایک
ی نام لے دیا۔ "آپ نہیں کرتے تو پھر کون کرتا ہے؟"

"کئی ہیں۔" حوصلہ افزا جواب ملا۔ "لیکن سلطان کے پاس
تمہارا کام سستا ہو جائے گا۔ اس کے پاس اپنے بلاک ہیں،
وہیں چلے جاؤ۔"

سلطان کے پریس کا پتا معلوم کر کے مولا بخش وہاں سے
بھی لوٹ آیا اور تھوڑی دیر میں قریبی گلی میں واقع اس مختصر
سے چوبی دفتر میں پہنچ گیا جس کے عقب سے بیک وقت چھپائی
کی کئی مشینیں چلنے کی آواز گونج رہی تھی۔

وہاں اس نے ایک زود اثر دوا کے اشتہار چھپوانے کی بات
چھیڑتے ہوئے اس مختصر سے دفتر کا جائزہ لے ڈالا لیکن وہاں
اسے مطلب کی کوئی چیز نظر نہ آئی۔ اپنے استفسار کا جواب بھی
حسبِ توقع نفی میں ملا۔ "نالے پر چلے جاؤ، اشتہار وشتہار وہیں
چھپتے ہیں۔"

اگلے دن اس نے دو گھنٹے اس پریس کے قرب وجوار
میں ضائع کیے اور جب ایک کار وہاں رُکی تو وہ ذرا چوکنا ہو
گیا۔ کار والا چوبی دفتر میں چلا گیا۔ چند منٹ بعد پریس کا مالک
کاغذ میں چاروں طرف سے لپٹے ہوئے بنڈل لے کر باہر نکلا
جو کار کی عقبی نشست پر رکھ دیے گئے اور جب وہ کار وہاں
سے روانہ ہوئی تو مولا بخش ایک موہوم سی امید کے سہارے
اس کے پیچھے ہو لیا۔ وہ کار واپس گھوم کر ایم اے جناح روڈ پر
نکلی پھر ٹریفک سگنل سے حسن علی آفندی روڈ پر گھوم کر
فریئر روڈ پر آگئی۔ اس تعاقب کا اختتام گلشنِ اقبال میں نیپا چورنگی
سے ذرا پہلے بائیں سمت کی صاف ستھری آبادی میں ہوا۔ وہ کار
ایک ایسے بنگلے میں داخل ہوئی تھی جس پر کاسمیٹکس بنانے والے
کسی ادارے کا بورڈ آویزاں تھا۔

مولا بخش کو کچھ علم نہیں تھا کہ کار میں شہر سے کس قسم کے
لیبل لائے گئے تھے اور کاسمیٹکس فیکٹری کے نام پر درحقیقت
گلشنِ اقبال کے اس بنگلے میں کیا ہو رہا تھا۔ اس کے ذہن پر تو
بس پانچ ہزار روپے سوار تھے جو اسے شہر کی سڑکیں ناپنے پر
مجبور کر رہے تھے۔ ایک طویل چکر کاٹ کر وہ دوبارہ بنگلے کے
سامنے سے گزرا تو اس کے نتھنوں میں اسپرٹ کی ہلکی سی بُو آئی
لیکن اس بنا پر وہ کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ کاسمیٹکس
کی تیاری میں بھی اسپرٹ بنیادی اہمیت رکھتی تھی۔

اس بنگلے کی احاطے کی دیواریں خاصی بلند اور محفوظ تھیں۔
پھاٹک بھی اس وضع کا تھا کہ اس کے بند ہونے کی صورت میں
اندر کی صورتحال کی جھلک دیکھنی بھی ناممکن تھی اور اندر پورچ میں
شاید اتنی جگہ تھی کہ مال کی لدائی اور اُترائی بآسانی ہو سکتی تھی۔

دو دن برباد کرنے کے بعد مولا بخش کو اپنے شبہات پر
یقین ہونے لگا کیونکہ اس مکان سے روانہ ہونے والا مال رازدارانہ

طریقے پر نکلتا تھا لیکن ٹیپو سلطان روڈ کے ایک مکان پر گتے کے
وزنی کارٹن اترتے دیکھ کر بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان
میں کاسمیٹکس کے ہلکے پھلکے سامان ... سے وزنی مال ہے۔ لہٰذا
وہ سیدھا قاسم بھائی کے ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گیا۔ تاکہ اس
کو خوش خبری سنا کر اپنے انعام کا مطالبہ کر سکے۔

"خبر ٹھیک نکلی تو تیرا ...۔" قاسم بھائی نے اس کی
کتھا سن کر بے پروائی سے کہا اور ... کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔

"کب تک انتظار کرنا پڑے گا؟" اس نے مایوسانہ لہجے میں
سوال کیا۔

"ارے مرتا کیوں ہے، کل تک سب معلوم پڑ جائے گا۔"
قاسم بھائی نے چیخ کر کہا۔ "چل اب بھاگ جا یہاں سے۔"

اور وہ وہاں سے واپس چلا آیا۔

ڈینی پانچویں دن لوٹ آیا۔ اس کی دانست میں دورہ
زبردست کامیابی سے ہمکنار ہوا تھا۔ باس کے لیے تو اس نے
وہی لگا بندھا کام سرانجام دیا تھا جو اس کے سپرد کیا گیا تھا لیکن
ذاتی طور پر اس کی معلومات اور روابط میں خاصا اضافہ ہوا تھا۔

ویرا لائیڈ بنکاک میں تین دن گزارنے کے بعد ٹوکیو پہنچی
تھی اور سوکوموتو اسے براہ راست ڈینی کے پاس لے آیا تھا۔ پھر
اس نے ڈینی کے کمرے میں بیٹھے بیٹھے انٹرکام پر ویرا کے لیے
اسی فلور پر ایک کمرہ بک کرایا تھا۔ کمرے کی چابیاں ملنے کے بعد
وہ یہ کہتا ہوا رخصت ہو گیا کہ وہ جاتے ہوئے کاؤنٹر پر ادائیگی
کرتا جائے گا، ویرا جب بھی نیچے اترے رجسٹر میں اپنے دستخط
ثبت کر دے۔

اس کے جاتے ہی ویرا ڈینی کے ڈبل بیڈ پر دراز ہو کر
نشیلی آواز میں بولی تھی: "تھک گئی ہوں، تھوڑی دیر یہیں
آرام کروں گی، ذرا دروازہ اندر سے مقفل کر لو اور ڈینی نے
راہداری میں کھلنے والے دروازے کے گول دستے میں لگا ہوا بٹن
دبا کر دروازہ مقفل کر دیا۔

ویرا کے بارے میں ڈینی پہلے ہی اندازہ لگا چکا
تھا کہ وہ خاصی چالاک لڑکی ہے۔ لہٰذا اصل موضوع پر بات کی
نوبت ہی نہ آنے دی اور ڈینی نے بھی اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

پھر جب گفتگو ہوئی تو پتا چلا کہ بنکاک میں ان لوگوں کی
ہیروئن ٹیسٹنگ لیبارٹری میں بجلی کے شارٹ سرکٹ سے آگ
لگنے کے باعث کنٹرول سرکٹ ناکارہ ہو کر رہ گئے تھے۔ جن کی
مرمت کے انتظار میں ویرا کو بنکاک میں رکے رہنا پڑا۔ ڈینی کے
دیے ہوئے نمونے کی ٹیسٹ رپورٹ تسلی بخش تھی۔

ایشلے ہاؤز والوں کو ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کی
نمونے کے مطابق ایمسٹرڈم میں ہیروئن کی ڈلیوری کے
امریکی ڈالر فی کلوگرام دیے گئے تھے جو انہیں منظور تھے
شیڈول میں وہ تبدیلی چاہتے تھے۔ ابتدا میں پانچ
وہ ایمسٹرڈم، لندن اور اوسلو میں چاہتے تھے۔ یہ نکتہ
خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔ اسے علم تھا کہ دنیا
ہوائی اڈوں پر منشیات کی خفیہ درآمد کی روک تھام
انتظامات تھے جن کے باعث کہیں مال نکال لے جانا
تھا اور کہیں تقریباً ناممکن۔ اسی وجہ سے مختلف مقامات
کے داموں میں زمین آسمان کا فرق پایا جاتا تھا لیکن
یورپ کے داموں میں تقریباً دس گنا فرق نے اس کی
کھول دی تھیں۔

ایشین سنڈیکیٹ والوں نے اپنے مال کے جو
تھے، وہ ایمسٹرڈم کے خطرات کو مدنظر رکھتے ہوئے د
وہاں سے ہیروئن لندن اور اوسلو اسمگل کرنی آسان ہوتی
کے مقامات میں تبدیلی پر اصرار نہ کرتی لہٰذا ڈینی نے
داری اپنے سر لینے کے بجائے اسی رات خفیہ اشاروں
سنڈیکیٹ کے لاہور کے پتے پر ٹیلکس روانہ کر دیا۔ اس
تھا کہ گرے کلاتھ اسی دام پر لندن اور اوسلو میں بھی
چند گھنٹوں بعد وہیں ڈینی کو جوابی ٹیلکس موصو
میں ہدایت تھی: "لندن اور اوسلو کے لیے دس فیصد پر
کوشش کرو لیکن اس وجہ سے سودا خراب نہ ہونا چا
ڈینی نے ویرا کی لاعلمی میں ہوٹل سے ہی
جب جواب ملنے کے بعد اس نے ویرا سے پریمیم کی با
وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکرا دی: "وہ
پہلے ہی ادا کر چکی ہوں۔"

"لندن اور اوسلو خطرناک مقامات ہیں۔ وہاں
پکڑ لیا جاتا ہے۔" ڈینی نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ "پرا
کم از کم دس فیصد اضافہ ہو جائے گا۔"

ویرا نے اسے ٹالنے کی بہتیری کوشش کی، نہ
سے ذرا بھی تجاوز نہ کرنے کی مجبوری کا عذر پیش کیا ل
سے ہتھیار ڈالنے والا نہیں تھا۔ بات منوانے کی حد تک
مطالبے پر ڈٹا رہا اور آخر کار ساڑھے چھ فیصد پر ما

وہ سارا کام غیر قانونی تھا لیکن ایشلے ہاؤز وا
اشاراتی ہیر پھیر کے ذریعے باقاعدہ دستاویزات بنائی
جن پر ویرا نے اپنے قلم سے کچھ ترمیمی اندراجات کیے
ڈینی کے دستخط لے کر دو نقلیں اس کے حوالے کر دیں

پلاسٹک کے سیاہ ڈبے میں رکھ دیا اور پھر الماری سے اپنا ذاتی ریوالور نکال کر چیک کرنے لگا۔ کراچی واپس پہنچنے کے بعد اس نے پاس سے ملا ہوا پستول دوبارہ بریف کیس میں ڈال دیا تھا اور اس رات اسے استعمال کرنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ رات گئے گارڈن ایسٹ کے علاقے میں ایک وسیع احاطے میں واقع اس زرد مکان میں ضرور داخل ہوگا جہاں سکندر علی مقیم تھا۔

سکندر علی کے بارے میں سوچتے ہوئے اس کا ذہن غزالہ کی طرف بھٹک گیا اور وہ مضطرب ہو کر فون پر اس کا نمبر ملانے لگا۔ دوسری گھنٹی پر فون اٹھا لیا گیا اور ڈینی کو اس پر ایک تحکم آمیز مردانہ آواز گونجتی۔ "نائی وی۔"

ڈینی کی رگ رگ یک بیک بھڑک اٹھی، شاید بولنے والا غزالہ کا باپ ہی تھا جو اپنی بیٹی کی وجہ سے فون کے بارے میں بہت محتاط تھا۔ "آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟" وہ شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

"میں کرنل زوار زیدی بول رہا ہوں، سمجھے؟" دوسری طرف سے بولنے والا غصیلے لہجے میں بولا۔

"نام مردانہ اور آواز اتنی باریک؟" ڈینی نے اسے سلگانے کے لیے کہا اور انگریزی میں گالیاں سنتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

اس وقت غزالہ سے بات ہونی ممکن نہیں تھی لہٰذا وہ پھر سکندر علی کے بارے میں سوچنے لگا۔ شکل صورت سے وہ سیدھا سادا آدمی نظر آتا تھا لیکن ڈینی کو یقین تھا کہ اسی صورت میں وہ خوفناک آدمی پوشیدہ تھا جو برسوں سے اسے اپنے اشاروں پر نچاتا چلا آ رہا تھا۔

ہر طرف گہرے سکوت اور سناٹے کی حکمرانی تھی۔ آخری تاریخوں کا تھکا ہارا چاند آسمان کی بیکراں وسعتوں میں کہیں کھویا ہوا تھا، ٹمٹماتے ہوئے تاروں کی چادر میں بھی تسلسل نہیں تھا کیونکہ آسمان پر آوارہ بدلیوں کے ٹکڑے تیرتے پھر رہے تھے۔ ایسے میں گارڈن ایسٹ کے اس علاقے میں اسٹریٹ لائٹس کا قحط سا نظر آ رہا تھا۔ کئی کئی کھمبے چھوڑ کر جو اکا دکا یرقان زدہ بلب روشن تھے، وہ اپنے قرب و جوار میں بھی اندھیرا دور کرنے میں ناکام تھے بلکہ کہیں کہیں موجود وہ روشن دھبے اندھیرے کی اس مہیب چادر کو اور زیادہ ہولناک بنا رہے تھے۔ مکانوں کی بیرونی روشنیاں بچت کے خیال سے یا قومی پیمانے پر توانائی کے بحران کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بند تھیں اور ان مکانوں کے مکین اپنی چار دیواریوں میں گہری نیند کے مزے لے رہے تھے اور ان ہی میں وسیع احاطے میں واقع وہ دو منزلہ عمارت شامل تھی جس کے مکین نے ڈینی کو رات کے اس پہر بستر میں پڑے رہنے کے بجائے سڑک پیمائی پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ سکون سے کار ڈرائیو کر رہا تھا کیونکہ گلیوں میں اس وقت دور دور تک میدان صاف تھا، چھوٹی آبادی ہوتی تو شاید ڈینی کا ایک آدھ چوکیدار سے ٹکراؤ ہو گیا ہوتا لیکن وہاں شہر کے باثروت لوگ مقیم تھے اور ہر احاطے میں وہاں کا تنخواہ دار چوکیدار مقیم تھا جو شاید مالکان کی بے فکری کی نیند کے انتظار میں جاگنے کے بعد رات گئے خود بھی سو جاتا ہوگا۔ لہٰذا ڈینی اس وقت خود کو رات کا شہزادہ تصور کر رہا تھا جو اپنی من مانی کرنے کو آزاد ہو۔

اس کی جاپانی کار کا بے آواز انجن اس مہم میں اس کا خاصا مددگار تھا، صرف تاریک سڑک پر دور تک پھیلتی ہوئی ہیڈ لیمپس کی روشنیوں کا انعکاس ہی اس علاقے میں اس کی نقل و حرکت کی چغلی کھا رہا تھا۔ جب اس نے آخری گلی میں کار گھمائی تو روشنیاں گل کر دیں، سڑک کے ساتھ ہی ڈیش بورڈ پر بھی اندھیرا پھیل گیا اور ڈینی کی کار پُراسرار آسیبی انداز میں اس دیکھے بھالے راستے پر بڑھتی رہی۔

دوسرے مکانوں کی طرح زرد رنگ کی دو منزلہ عمارت بھی گھور اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ڈینی اس عمارت کے احاطے کی دیوار کے ساتھ ہی بغلی سڑک پر گھوم گیا۔ ادھر اندھیرا زیادہ گہرا تھا۔ تھوڑی دور نکلنے کے بعد ایک جگہ ڈینی نے ہینڈ بریک کھینچ کر گاڑی روکنی چاہی، کار کی رفتار کم ضرور ہوئی لیکن اس کے سو فٹ سے پہلے رُکنے کے آثار نظر نہ آئے تو ڈینی نے بریک پیڈل پر رکھ دیا اور کار کے عقب میں سرخ روشنیاں جل اٹھیں جس کا انعکاس ڈینی کو ونڈ شیلڈ پر لگے ہوئے عقب نما آئینے میں نظر آ رہا تھا، بریک لائٹس کی اس روشنی سے بچنے کے لیے وہ ہینڈ بریک آزما رہا تھا جو کھڑی ہوئی کار کو اپنی جگہ پر روکے رکھنے کے لیے تو بہت موثر تھے لیکن چلتی ہوئی کار کو روکنے میں اتنے کارگر نہیں تھے۔ کار کنارے سے روکتے ہی اس نے اگنیشن آف کیا، اپنی نشست کے نیچے سے اپنا ریوالور اٹھایا اور پھرتی کے ساتھ کار سے باہر آ گیا۔ اس نے محض شور کی وجہ سے دروازہ بہت احتیاط اور آہستگی سے بند کیا اور اسے مقفل کیے بغیر واپس چل دیا۔ وہ پہلی بار چوروں کی طرح کسی مکان میں گھسنے جا رہا تھا کہ اگر اسے ہنگامی طور پر واپس بھاگنا پڑا تو کار کا غیر مقفل دروازہ اس کا کام بہت آسان کر دے گا۔

اس کے بدن پر پوری آستینوں والی سیاہ جیکٹ اور سیاہ پتلون تھی، پیروں میں کریپ سول والے کالے جوتے اور ہاتھوں پر ماس سے ملے ہوئے جھلی جیسے باریک دستانے چڑھے ہوئے تھے۔ ریوالور اس نے کار سے اترتے ہی اپنی جیکٹ کی داہنی جیب

میں ڈال لیا تھا۔
وہ تیز قدموں کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے دیواروں کے ساتھ ہولیا اور پھر کہیں بھی روشنی کی زد میں آئے بغیر تاریکی کے ایک جزو کی طرح مطلوبہ عمارت کے احاطے کی بغلی دیوار کے قریب پہنچ گیا جو اس کی دانست میں آخری سرے پر عمارت کے عقبی حصے پر واقع تھی ۔ سکندر علی کا مکان حالانکہ کونے پر واقع تھا لیکن احاطے میں صرف اسی رخ پر پھاٹک بنایا گیا تھا جو نسبتاً کشادہ سڑک پر واقع تھا۔ ڈینی جس سمت میں تھا، وہاں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سپاٹ دیوار پھیلتی چلی گئی تھی اور اس میں کئی جگہ اندر لگے ہوئے درختوں کی شاخیں یوں باہر جھکی ہوئی تھیں کہ تھوڑی سی کوشش کے بعد ان میں جھول کر بآسانی اندر کودا جا سکتا تھا۔

ڈینی کے دل میں بس ایک خوف تھا کہ کہیں اندر کودتے ہی رکھوالی کے کتوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس نے تھوڑے سے توقف کے بعد اُچک کر ایک مضبوط سی شاخ پکڑی اور پھر وہ کسی بندر کی طرح کلائیوں کے زور پر اپنا بدن اوپر اٹھاتا چلا گیا۔ شاخ پر پہنچنے کے بعد وہ احتیاط سے احاطے کے اندر پھیلے ہوئے اس درخت کے گھنے حصے میں پہنچ کر دو شاخوں کے درمیان بیٹھ گیا مگر اس کے کان اندر سے اُبھرنے والی کسی آہٹ کے منتظر رہے۔

چند ثانیوں بعد اس نے درخت سے ایک خشک ٹہنی توڑ کر لان پر اُچھال دی، شاخ گرنے کی ہلکی سی آواز پیدا ہوئی جو رکھوالی کے کتوں کو ادھر متوجہ کرنے کے لیے کافی تھی لیکن کئی منٹ گزرنے کے بعد بھی اندر پھیلا ہوا سناٹا بدستور برقرار رہا وہ شاخوں کے درمیان سرکتا ہوا درخت کے انتہائی اندرونی حصے کی طرف بڑھنے لگا کیونکہ اس گھنیرے درخت کی کئی شاخیں اس سمت میں نیچے کودنے میں معاون ثابت ہو سکتی تھیں جب کہ ڈینی خود بھی اندر اترنے کے لیے تنا استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔

شاخوں کے اندھیرے کنج میں اس نے اپنی جیب سے سیاہ نائیلون کا تھیلی نما ایک نقاب نکالا اور اپنے چہرے پر منڈھ لیا اس طرح وہ سر سے پیر تک سیاہ پوش ہو گیا۔ نقاب میں آنکھوں اور نتھنوں کے مقام پر پہلے سے ایسے سوراخ موجود تھے کہ ڈینی کو دیکھنے یا سانس لینے میں دشواری نہیں ہو رہی تھی۔

وہ درخت کی ایک لچکیلی شاخ کے سرے پر آ کر ہلکی سی دھمک کے ساتھ نیچے لان پر کود گیا اور احتیاطاً چند ثانیوں تک کسی بھی حرکت کیے بغیر اسی جگہ زمین پر ہاتھ جمائے اُکڑوں بیٹھا رہا پھر اسی جگہ سے اٹھا اور پھرتی کے ساتھ دوڑتا ہوا عمارت کی دیوار سے جا لگا اور اسی طرح دیوار کے سہارے عمارت عقبی حصے کی طرف بڑھنے لگا۔ راستے میں آنے والی نچلی کی تمام کھڑکیاں تاریک تھیں۔ جو کھلی ہوئی تھیں، ان میں آہنی گرل لگی ہوئی تھی جس کے باعث ڈینی کو اس راہ سے داخلے کے امکانات کو یکسر مسترد کرنا پڑ گیا۔ اس پہلو سے گز ڈینی نے پورے عقبی حصے کا بھی جائزہ لے ڈالا مگر ادھر بھی ساری راہیں مسدود نظر آئیں بس لے دے کر کوڑے دان قریب ایک دروازہ تھا جس کا ہینڈل گھماتے ہی اسے اندر مقفل ہونے کا اندازہ ہو گیا۔ وہ دروازہ یقینی طور پر کچن سے ملحق کسی ایسی راہداری میں کھلتا تھا جہاں مکینوں سے زیا ان کے ملازمین کا عمل دخل رہتا ہو گا۔

ڈینی نے پھرتی کے ساتھ دوسرے پہلو کا بھی معائنہ ڈالا اور ادھر سے ناامید ہو کر کوڑے دان کے قریب وا عقبی دروازے پر لوٹ آیا۔ اسے قفل شکنی میں کوئی خاص مہا نہیں تھی لیکن یہ ضرور جانتا تھا کہ دروازوں میں نصب مقف دوسرے تالوں کے مقابلے میں آسانی سے کھولے جا سکتے ہیں۔

ان امکانات کے لیے وہ گھر سے تیار ہو کر چلا تھا لہٰذا کی جیب میں قفل شکنی کے بنیادی لوازمات موجود تھے۔ یہ شا اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ چند ہی ثانیوں میں دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ دروازے کے عقب میں دور کہیں مدھم روشنی ہو رہی تھی جو اس مکمل تاریکی میں بہت زیادہ محسوس رہی تھی۔ ڈینی سناٹے سے مطمئن ہو کر اندر رینگ گیا دروازہ بآہستگی بند کر دیا۔

وہ بمشکل چار فٹ چوڑی راہداری تھی جس میں مصالحوا وغیرہ کی بو رچی ہوئی تھی۔ داہنی سمت پر پہلا دروازہ کچن میں ک تھا۔ اس کے برابر میں اسٹور بھی ڈینی کے لیے بے سود تھا لیکن بائیں طرف کا اکلوتا دروازہ کھولتے ہی اسے محتاط ہو جانا پڑا کیو باہر سے آنے والے مدھم سے انعکاس میں کمرے میں ایک چارپا نظر آ رہی تھی۔

ڈینی نے دروازہ بند کر کے جیب سے ریوالور نکالا ا چارپائی پر سوئے ہوئے شخص کے سرہانے پہنچ گیا۔ اس نے اپ کارروائی کے آغاز کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا جہاں وہ دروازے پر بھی نگاہ رکھ سکتا تھا۔

سویا ہوا شخص عمر رسیدہ اور کمزور جسم کا مالک نظر آ تھا۔ ڈینی نے اچانک ہی اس کے منہ پر سختی سے اپنا بایاں ہا جما دیا۔ سوتے سوتے نازل ہونے والی اس ناگہانی افتاد ڈینی کے شکار کو بوکھلا دیا اور وہ چیخنے کی ناکام کوشش کرتا

"باہر نکلو اور اس کے کمرے کی طرف چلو۔" ڈینی نے بڑھ کر اسے ٹھوکا دیا۔ وہ جسمانی طور پر ڈینی سے اتنا کمزور تھا کہ شور اور ہنگامہ آرائی کے علاوہ کسی طرح ڈینی کے خلاف اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا تھا۔

اس راہداری کے اختتام پر وہ بائیں طرف گھومے تو وہاں چھت میں لگا ہوا ایک بلب روشن تھا۔ اس شخص نے روشنی میں آنے کے بعد مڑ کر خوفزدہ نگاہوں سے ایک بار ڈینی کا جائزہ لیا اور پھر جلدی سے سر گھما لیا۔ اسے سیاہ پوش ڈینی کی صورت میں اپنے سر پر موت مسلط نظر آ رہی تھی۔

آخر وہ ایک بند دروازے کے سامنے رک گیا۔ ڈینی نے بڑھ کر احتیاط سے ہینڈل پر تھوڑی سی قوت صرف کی۔ لیکن وہ دروازہ بھی مقفل ثابت ہوا۔

" دستک دے کر اسے بتاؤ کہ سیٹھ صاحب اچانک واپس آ گئے ہیں اور اس سے ملنا چاہتے ہیں۔" ڈینی نے اس کے کان میں سرگوشی کی اور وہ چھری کے نیچے آئے ہوئے کسی بکرے کی طرح بے بسی سے سر ہلا کر رہ گیا۔

دستک کے جواب میں اندر سے اُبھرنے والی جھلائی ہوئی خوابناک نسوانی آواز ڈینی کے کانوں کو کچھ شناسا محسوس ہوئی۔ ملازم سے اس لڑکی کی اصلیت معلوم ہو جانے کے بعد وہ خود سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ وہی لڑکی نہ ہو جو باس کی غیر موجودگی میں ٹرانسمیٹر پر اس کے پیغامات وصول کرتی تھی۔

"دروازہ کھولو مس صاحبہ! میں فقیر محمد ہوں۔" بوڑھے نے نسوانی آواز کے استفسار پر کہا۔ "سیٹھ صاحب واپس لوٹ آئے ہیں اور تمھیں بلا رہے ہیں۔"

بوڑھے کے الفاظ کارگر ثابت ہوئے اور قفل میں چابی گھومنے کی آواز کے بعد خوابگاہ کا دروازہ کھل گیا۔

روشن راہداری میں ریوالور سے مسلح ایک سیاہ پوش کو دیکھتے ہی دروازے میں نمودار ہونے والی خوبصورت عورت کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں اور چیخنے کے لیے اس کے لب ہلے ہی تھے کہ ڈینی ریوالور کی بھیانک نال کو جنبش دے کر غرایا۔ "خاموش، ذرا بھی آواز نکالی تو یہیں ڈھیر کر دوں گا۔"

عورت نے اپنے ہونٹ یوں سختی سے بھینچ لیے جیسے اسے اپنے اعصاب پر قابو نہ رہا ہو اور وہ اپنے کسی غیر ارادی ردِعمل سے خوفزدہ ہو۔

ڈینی نے شب خوابی کے لبادے میں ملبوس اس کے سراپا کو وزدیدہ نگاہوں سے دیکھا پھر اسے اندر دھکیل کر بوڑھے سمیت خود بھی اس کی خوابگاہ میں داخل ہو گیا۔ اندر پہنچتے ہی اس

...طرح بیدار ہو گیا۔

...میرے ہاتھ میں بھرا ہوا ریوالور ہے۔" ڈینی دھیمی آواز ...زایا۔ "ذرا بھی آواز نکالی تو بھیجے میں گولی اتار دوں گا۔"

ڈینی کے الفاظ کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اس کے شکار نے ...ی وحشیانہ گرفت سے اپنا دہانہ آزاد کرانے کے لیے ماہی ...ب کی طرح مچلنا یکلخت موقوف کر دیا۔ "میں ہاتھ ہٹا رہا ...، لیکن میری بات یاد رکھنا۔" ڈینی نے ریوالور اس کے چہرے ...سامنے نچاتے ہوئے کہا اور اس کے دہانے سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔

ڈینی کے پنجۂ ستم سے نجات پاتے ہی وہ پھرتی سے ...پائی سے اتر گیا اور پھر اندھیرے کے باوجود اسے ڈینی کا ...پا سیاہ پوش سراپا نظر آ گیا اور اس کی آنکھیں خوف سے پھیلتی ...لیں۔ "تت... تم کون ہو؟" اس کے لبوں سے سرسراتی ہوئی ...زدہ سی آواز نکلی۔

"گھر میں اس وقت کتنے لوگ موجود ہیں؟" ڈینی نے سرد ...بے رحمانہ لہجے میں سوال کیا۔

"میرے اور مس صاحبہ کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔" وہ خوفزدہ ...زمیں گگھیایا۔ "آخر تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

" تمھاری مس صاحبہ کا عاشق ہوں۔" ڈینی بھیانک لہجے ...غرایا۔ "وہ اس اکیلے گھر میں تمھارے ساتھ کیا کر رہی ہے؟"

" وہ دن رات یہیں رہتی ہے۔" بوڑھا ملازم ہکلایا۔ "رات ...ٹھ صاحب اچانک زمینوں پر چلے گئے۔ ورنہ وہ بھی یہاں ...جود ہوتے۔"

"اور سیٹھ صاحب کے بیوی بچے؟" ڈینی نے سوال کیا۔

...سکندر علی کی غیر موجودگی کی اطلاع پر حیرت ہوئی تھی لیکن ملازم ...وضاحت نے اسے مطمئن کر دیا تھا۔ عمارت میں کسی لڑکی کی ...جودگی کا علم ہو جانے کے بعد اس کی نگاہ میں اس بوڑھے ...زم کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی تھی لیکن وہ پیش قدمی سے ...پہلے اس سے بھی ہر وہ بات اگلوا لینا چاہتا تھا جو اس کے ...علم میں تھی۔

"بیوی بچے تو سب گاؤں میں رہتے ہیں۔" بوڑھے ملازم ...نے بے بسی سے جواب دیا۔ "کبھی کبھار دو چار دن کے لیے ...تے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔"

"مس صاحبہ کون ہے؟" ڈینی نے اگلا سوال کیا۔

"سیٹھ صاحب نے اسے دو مہینے پہلے گھر میں ڈالا ہے، ...کہتی ہے کہ ان کی سیکرٹری ہوں۔" بوڑھے کے لب و لہجے میں ...نفرت کی ہلکی سی بُو ابھر آئی تھی۔ "اللہ ہی آگے کا حال جانتا ہے، ...میں تو بس اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔"

نے بوڑھے کی کنپٹی پر ایک جچا تلا ہاتھ رسید کیا اور وہ اپنے حلق سے ہچکی کی صورت میں آواز خارج کرتا ہوا فرش پر بچھے ہوئے قالین پر ڈھیر ہو گیا۔

"تت... تم نے اسے... اسے کیوں مار ڈالا؟" عورت پھٹی پھٹی نگاہوں سے ایک ڈھیر کی صورت میں پڑے ہوئے بوڑھے کے بدن کو دیکھتے ہوئے خوفزدہ آواز میں ہکلائی۔

"اپنی اور تمہاری ملاقات کا کوئی چشم دید گواہ نہیں چھوڑنا چاہتا۔" ڈینی کا لہجہ بدستور سخت اور کھردرا رہا۔ "بکو گی تو تمہارا بھی یہی حشر کرتے ہوئے مجھے ذرا بھی افسوس نہیں ہوگا۔ اس وقت تم بالکل میرے رحم و کرم پر ہو۔"

"تم چاہتے کیا ہو؟" اس کے بدن پر طاری ہونے والی کپکپی ڈینی کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

"گفتگو، نقدی اور زیورات کی نشاندہی پھر عیش۔" ڈینی نے بے پروائی سے اس کے شکن آلود بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا پھر اس خوابگاہ میں نگاہیں دوڑاتے ہوئے بولا۔ "پہلے یہ تو بتاؤ کہ تمہارے سیٹھ نے اپنی ایک خوبصورت ملازمہ کو یہ پرتعیش کمرہ کیوں دیا ہوا ہے؟"

اس نے اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر کمزور آواز میں بولی۔ "میں سیٹھ صاحب کی سیکرٹری ہوں، کوٹھی میں تقریباً سارے ہی کمرے خالی پڑے رہتے ہیں۔ اس لیے میری پسند کا ایک کمرہ مجھے مل گیا۔"

"اور تمہارا کام کیا ہے یہاں؟" ڈینی تنظیم سے متعلق اپنی زبان سے کچھ کہے بغیر اس عورت کی زبان کھلوانا چاہتا تھا کیونکہ وہ باس کو ہوشیار ہونے کا موقع دینے کے بجائے اپنی آمد کو چوری کی واردات کا رنگ دینا چاہتا تھا۔

"سیٹھ صاحب کی کاروباری مصروفیات بہت وسیع ہیں۔" وہ سہمی ہوئی آواز میں بتانے لگی۔ "میں دن رات گھر پر رہتی ہوں اور ان کی غیر موجودگی میں آنے والے پیغامات نوٹ کر کے ان تک پہنچاتی ہوں۔" پھر ایک لمحے کے لیے رک کر تھوک نگلتے ہوئے بولی۔ "گھر میں شاید تمہیں کہیں بھی رقم یا زیورات نہ مل سکیں کیونکہ آج تک میں نے پورے گھر میں کہیں بھی تجوری نہیں دیکھی جو گھر میں رکھی جانے والی ایسی اشیا کے لیے ضروری ہوتی ہے۔"

ڈینی اس سے گھما پھرا کر کئی منٹ تک سوالات کرتا رہا۔ لیکن اس کی زبان سے کوئی کارآمد بات نہ اگلوا سکا۔ براہِ راست پوچھ گچھ کرتا تو وہ اعترافات کے نتیجے میں بہت کچھ بتانے پر مجبور ہو جاتی لیکن اس طرح باس چوکنا ہو جاتا۔ اس کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ عزالہ کے کا [illegible] دفتر میں ڈینی کی فیکٹری کا تعینی

اشتہار دیکھ کر ان لوگوں کے بارے میں چھان بین جو اس فنکشن میں مدعو یا موجود تھے۔

ڈینی شاید اس عورت کے سراپا کو بھی نظ لیکن اس کے ذہن کی کسی تہہ میں یہ بات جم گئی تھ ہونے کے ساتھ ہی باس کی منظورِ نظر بھی تھی اور اس اپنے باس کی بالواسطہ تذلیل کر سکتا تھا۔ باس کے ہاتھ انا ہمیشہ ہی چوکے کھاتی رہی تھی مگر اس وقت اپنی ا کا ایک ذریعہ سامنے تھا جس سے استفادہ اپنی فتح داری تصور کر اس نے عورت کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو اس بوڑھے ملازم کے ساتھ کر چکا تھا اور اپنی تلاشی کی مہ کمرے سے کر دیا۔

اس پورے کمرے کی تلاشی میں صرف چند سو ایک قیمتی گھڑی ڈینی کے ہاتھ لگی۔ وہ تلاشی کے دو آنے والی کوئی بھی قیمتی چیز چھوڑنا نہیں چاہتا تھا تا واردات کے بارے میں سکندر علی کا ذہن چوری کے ا کسی طرف مبذول نہ ہو سکے۔

الماریوں اور ڈریسنگ ٹیبل کے بعد ڈینی نے ا کے سرہانے رکھی ہوئی سائڈ ٹیبل کی اوپری دراز کھولی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کیونکہ وہاں بالکل ویسا ٹرانسمیٹر موجود تھا، جو ان دنوں ڈینی کے زیرِ استعمال تھ وہ محض آواز کی مشابہت کی بنا پر سکندر علی پر اپنا باس ہونے کا شبہ کرتا رہا تھا لیکن ٹرانسمیٹر اس شبے کی صداقت تھا۔ جو ڈینی کے سامنے آیا تھا۔

سکندر علی کی غیر موجودگی میں وہ ٹرانسمیٹر اس عورت میں موجود تھا جس کا مطلب تھا کہ اس عورت کی آوا کی جھلک کے بارے میں ڈینی کا شبہ غلط نہیں تھا۔ با موجودگی میں یقینی طور پر وہی سارے پیغامات وصول کر اسے اپنی حماقت پر افسوس ہونے لگا اگر اس نکتے پہ کر لیا ہوتا تو یہ بات سمجھ میں آ جاتی کہ سکندر علی کی غیر ٹرانسمیٹر عورت کی تحویل میں ہونا چاہیے۔ اگر اسے پہ سے قبل ڈینی خوابگاہ کی تلاشی لے کر وہ ٹرانسمیٹر برآمد کر کے حوالے سے عورت سے خاصی معلومات حاصل کی جا اس نے ٹرانسمیٹر چھیڑے بغیر سائڈ ٹیبل کی دراز بند کر دی

پھر وہ ان دونوں کو اسی کمرے میں مقفل کر کے کے ایک ایک کمرے میں مارا مارا پھرتا رہا لیکن کہیں کارآمد چیز نہ مل سکی۔ کھڑکی کے شیشوں کے پار سے روشنی کے متوجہ ہو جانے کے اندیشے کے باعث وہ ہر جگہ

بعدد روشنی سے کام لیتا رہا۔ اس دوران اسے جو بھی چھوٹی
ی قیمتی شے نظر آئی، اسے وہ اپنی جیبوں میں منتقل کرنا نہیں
لا تھا۔

نچلی منزل کے ایک کمرے کے مقفل دروازے پر اپنے
اروں کے استعمال کے بعد وہ اندر داخل ہوا تو اس پُرتعیش
گاہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جہاں وی سی آر، رنگین ٹیلی ویژن اور
ڈیشنر کے علاوہ باتھ روم سے ملحق باکس روم میں کئی جدید ورزشی
ینیں بھی موجود تھیں جن کا مطلب تھا کہ اس کمرے کو استعمال کرنے
اپنے اصولوں کا بہت پابند اور نپی تلی زندگی گزارنے کا قائل تھا۔
دیگر خوابگاہوں اور کمروں کے مقابلے میں اس خوابگاہ کے
زمات سے صاف ظاہر تھا کہ وہ سکندر علی کے زیرِ استعمال رہتی
ی۔ اس کمرے کی تلاشی کے دوران ڈینی ہر چیز کو واپس اس کی جگہ
ینے کے بارے میں بہت محتاط رہا۔ اس کا خیال تھا کہ واپسی پر
دروازہ بھی مقفل کر دے گا تاکہ راجہ سکندر علی اپنے کمرے کو
سم کی چھیڑ چھاڑ سے محفوظ پاکر بدستور خوش فہمی میں مبتلا رہے
ر ڈینی بے خبری میں حسبِ مرضی اس پر اپنا وار آزما سکے۔

ایک دراز میں ڈینی کو جیبی ڈائری ملی جس میں جا بجا بے تُکے
مہمل فقرے لکھے ہوئے تھے۔ ان فقروں میں کچھ نام بھی تھے
ن ان خفیہ پیغامات کے مفہوم کے بغیر نام بے سود تھے۔ ڈینی کو
تو معلوم تھا کہ دنیا کے مختلف ممالک میں خفیہ سرکاری ایجنسیاں
ر بعض منظم جرائم پیشہ پیغام رسانی کے لیے عجیب و غریب مہمل
ر مبہم طریقے اور فقرے اختیار کرتے ہیں لیکن وہ کسی بھی
رپٹوگرافی سے باخبر نہیں تھا پھر بھی اس نے فرصت کے
وقات میں مغززنی کے خیال سے اس ڈائری میں سے چند سطریں
ب سادہ کاغذ پر نقل کر لیں۔

اس ڈائری کی ورق گردانی کرتے ہوئے ڈینی نے آخری
صفحات پر ناموں کے ساتھ فون نمبر دیکھے جو حروفِ تہجی کے
عتبار سے مقررہ صفحات پر درج تھے لیکن اسے یہ دیکھ کر شدید
یرت ہوئی کہ اس کا نام کہیں موجود نہیں تھا لیکن حرف ڈی کے
تحت اس کا نمبر درج تھا۔ نمبر سے پہلے ڈیش لگا کر کسی حوالے کے
لیے ایک نمبر لکھا ہوا تھا پھر اسی صفحے پر جہانگیر کا نمبر بھی نظر
یا جس سے پہلے دو کا ہندسہ درج تھا۔

فوری طور پر ڈینی کے ذہن میں ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ وہ
ڈی ون تھا اس لیے ڈی والے صفحے پر نام کے بجائے ون
لکھ کر اس کا نمبر درج کیا گیا تھا، جہانگیر ڈی ٹو تھا۔ لہٰذا اس کے
نمبر کی نشاندہی دو کے ہندسے سے کی گئی تھی۔ سکندر علی خود
ی فور تھا اس کا مطلب تھا کہ یہ سب اشارے بلا سبب نہیں

تھے بلکہ تنظیم میں ہر ایک کا درجہ اور مرتبہ ظاہر کرتے تھے۔ حروفِ
تہجی کا ہر پہلا حرف بعد والے سے برتری رکھتا تھا، اسی طرح پہلا
نمبر دوسرے نمبروں پر برتر تھا۔

ڈینی اس نکتے پر جتنا غور کرتا رہا، اس کا خیال پختہ ہوتا
چلا گیا۔ وہ ڈی ون ہونے کی بنا پر ڈی ٹو سے برتر تھا مگر بی فور
کا ماتحت لیکن بی فور یقینی طور پر کسی بی ون، بی ٹو یا بی تھری کا
ماتحت ہوگا اور شاید بی اور ڈی کے درمیان کچھ ایسے لوگ
بھی ہوں جن کی شناخت کے لیے سی کا حرف مقرر ہوا۔ اسے
گلشنِ اقبال والی عورت یاد آئی، سُرخ کرولا والا وہ خطرناک
صورت مرد یاد آیا جس نے اسے گلشنِ اقبال لے جا کر اس کے
انگوٹھے کا نشان حاصل کیا تھا۔

ایک نئے جوش کے تحت وہ فون نمبر والے صفحات کا
دوبارہ جائزہ لینے لگا لیکن اے سے زیڈ تک اسے صرف چار ایسے
نمبر مل سکے جو ناموں کے بجائے ہندسوں کے حوالے سے درج تھے۔
ان چار کے علاوہ دو نمبر اس کے اور جہانگیر کے فون کے تھے۔

اس کے لیے ایک اور نکتہ بھی قابلِ غور تھا کہ ڈائری
میں نادر اور طارق کے فون نمبر نہیں تھے جس کا مطلب یہ تھا
کہ بغیر کوڈ والے افراد گروہ کے عام ارکان تصور کیے جاتے تھے
جن کا بس اپنے اوپر والے سے واسطہ ہوتا تھا لیکن تنظیم میں ان
کا کوئی باقاعدہ مقام نہیں تھا۔

ڈینی نے وہ چاروں نمبر درج کر لیے اور ڈائری واپس
رکھ دی۔ اس وقت پہلی بار اسے احساس ہوا کہ وہ تن تنہا ایک
بڑی تنظیم کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ تنظیم کے ایک فرد کے
خلاف بغاوت ہر گروہ میں عموماً اسی رنگ میں دیکھی جاتی تھی
اور سرکشی اختیار کرنے والوں کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کیا جاتا
تھا۔ پھر وہ لوگ اس قدر منظم تھے کہ باہمی رابطوں کے لیے
فرسودہ طریقوں کے بجائے جدید ذرائع استعمال کر رہے تھے۔
تحفظ اور راز داری کے معاملے میں اس قدر حساس تھے کہ ڈینی کو
ضروری کاغذات رکھنے کے لیے ایک ایسا بریف کیس فراہم کیا گیا
تھا، جسے صرف وہی اپنے انگوٹھے کے نشان کے سہارے کھول
سکتا تھا، کوئی دوسرا زبردستی اس بریف کیس کو کھولنے کی کوشش کرتا
تو خوفناک بارودی دھماکے سے کاغذات کے ساتھ خود اس کے
بھی چیتھڑے اُڑ جاتے اور کاغذات کا راز فاش نہ ہونے پاتا۔

یہ خیال آتے ہی ڈینی کو خوف محسوس ہونے لگا کہ کہیں
سکندر علی کی خوابگاہ میں بھی خفیہ طور پر کوئی ایسا تباہ کن حفاظتی نظام
نصب نہ ہو جسے لاعلمی میں چھیڑتے ہی وہ اس کا نشانہ بن جائے۔
فی الوقت اس کے لیے یہی کامیابی کافی تھی کہ اس نے سکندر علی

کے بارے میں اپنے شبہات کو یقین میں بدل لیا تھا اور اسی کے ساتھ تنظیم سے وابستہ چار افراد کے فون نمبر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اگر ڈائری میں درج نمبروں کے بارے میں ڈینی کے اندازے درست تھے تو بی ون، بی ٹو اور سی ون کے ساتھ ہی اسے اے ٹو کا نمبر بھی معلوم ہو چکا تھا اور اے ٹو کو صرف ایک شخص یعنی اے ون کو جوابدہ ہونا چاہیے تھا جو تنظیم کا اصل سربراہ ہوتا۔ اس طرح ڈینی کے لیے صرف دو عہدیدار باقی رہ گئے تھے۔ جن کے سامنے آجانے سے پورا گروہ اس کی نظروں میں آ سکتا تھا ان میں ایک اے ون تھا اور دوسرا بی تھری۔

سکندر علی کی خوابگاہ سے باہر نکل کر دروازہ مقفل کرنے میں اسے کئی منٹ صرف ہو گئے پھر وہ ان ہی راستوں سے عمارت سے نکلتا چلا گیا جن سے وہاں تک پہنچا تھا۔ کوڑے دان کے قریب کھلنے والا عقبی دروازہ اس نے مقفل نہیں کیا تھا۔ کیونکہ دروازے کے علاوہ وہ اندر بھی اپنے داخلے کے دو جیتے جاگتے گواہ چھوڑ آیا تھا جو اپنے ساتھ پیش آنے والے سارے واقعات اپنے مالک کے گوش گزار کر دیتے۔

پھولی ہوئی جیبوں کے ساتھ وہ درخت کی جھکی ہوئی شاخوں کے ذریعے باہر کودا تو اس کی رسٹ واچ صبح کے سوا تین بجا رہی تھی۔ اس نے وہیں ٹھہر کر اپنے چہرے سے نائیلون کا سیاہ تھیلی نما نقاب اتارا اور چہرے سے پسینہ صاف کرتا ہوا اپنی کار کی طرف چل دیا جو بدستور اپنی جگہ پر موجود تھی۔

کار اسٹارٹ کر کے وہ روشنیاں جلائے بغیر وہاں سے روانہ ہوا اور دو موڑ گھومنے کے بعد ہیڈ لیمپس آن کر دیے۔

ڈینی کی سرگرمیاں تو ہمیشہ سے مشکوک رہی تھیں لیکن اس کے گھریلو ملازمین کے لیے اس کے سارے معمولات ٹھیک ٹھاک ہی تھے۔ کیونکہ گھر میں اس نے اپنی ذات کو ہر شبہے سے بالا رکھا تھا۔ اس کے ملازمین معقول معاوضہ اور مالک کے بہتر سلوک کے باعث اس کے وفادار تھے لیکن گھر واپس لوٹتے ہوئے ڈینی سوچ رہا تھا کہ وہ پہلی بار پوری رات باہر گزار کر گھر لوٹ رہا تھا کہیں اس کے ملازمین شبہات میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

بی فور سے ٹرانسمیٹر پر گفتگو کے بعد ہی ڈینی نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ رات کے ڈیڑھ یا دو بجے سکندر علی کے مکان میں گھسے گا لیکن اتنی رات گئے گھر سے روانہ ہونے سے بجائے وہ دس بجے ہی گھر سے نکل گیا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ چلتے ہوئے اس نے بوڑھی خادمہ سے کسی پارٹی میں شرکت کا ذکر کر دیا تھا مگر اس وقت ڈینی کی حالت پارٹی سے واپسی کی نشاندہی نہیں کر رہی تھی۔

اس نے گلووکمپارٹمنٹ میں کاغذات کے نیچے سے اسکاچ کی نصف بوتل نکالی اور کار ڈرائیو کرتے ہوئے لافے کو آرام آرام سے اپنے معدے میں انڈیلنے لگا کہ علاوہ اگر بوڑھی خادمہ اس کی واپسی کے انتظار میں ہو تو دور ہی سے شراب کی بدبو کے بھبکے سونگھ کر بارے میں مطمئن ہو جائے۔

گیٹ پر ڈینی کی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی ہی اس کے چوکیدار نے مانوس ہارن کا انتظار کیے بغیر کھول دیا اور ڈینی دانستہ اونچی آواز میں گنگناتے ہوئے اندر لیتا چلا گیا۔ اس کے کار سے اترنے تک بوڑھی خاد ساتھ خانساماں بھی کہیں سے برآمدے میں آ گیا تھا۔ ڈ جھومتے ہوئے وہ تین سیڑھیاں عبور کیں اور لڑکھڑائی میں بولا "ارے... تم دونوں جاگ رہے ہو ابھی تک خاموش اور ترحم آمیز نگاہوں سے اپنے شرابی مالک کو اور وہ سیدھا اپنی خوابگاہ میں داخل ہو کر محبوس ہو گیا۔

لباس تبدیل کرنے سے پہلے وہ سکندر علی کے لائی ہوئی قیمتی اشیا کا پیکٹ بنانا چاہتا تھا تاکہ دن میں گزرتے ہوئے انھیں کسی گٹر یا نالے میں پھینک د

*

اصولاً مال کی فروخت میں اضافہ ہونے کے سا کو خوش ہونا چاہیے تھا اور وہ پہلے دو چار روز کو محسوس بھی کرتا رہا تھا۔ اس کی ایماندارانہ رائے تھی کہ کرتے ہوئے وہ بیس پچیس پڑیاں روز بھی فروخت اپنی دانست میں اسے بڑی کامیابی تصور کرتا کیونکہ اس ڈھائی تین ہزار روپے ماہانہ کی آمدنی ہونے لگتی جو اس خواب و خیال سے بھی زیادہ تھی لیکن جبار نے اس کے ساتھ کی کایا پلٹ کر رکھ دی تھی۔ دوسرے ہی دن اس نے اگلے روز کے لیے پچاس پڑیوں کی فرمائش کی تھی۔ وہ تو کچھ نہ کہہ سکا لیکن اس کے دل میں ایک بے نام سی خ ہو گئی تھی۔

جبار یونیورسٹی میں ایم اے کے آخری سال میں اور شہر ہی میں رہتا تھا لیکن شام تک اپنا بیشتر وقت حدود ہی میں گزارتا تھا۔ دوسرے من چلوں کی طرح دوستوں کا حلقہ خاصا وسیع تھا جن میں سے بیشتر ہاسٹل تھے۔ اپنی ان مصروفیات کی وجہ سے تعلیمی معاملات سے ذرا ہی بہتر تھا اور اساتذہ اس سے نالاں رہتے میں موجود ہوتے ہوئے بیشتر کلاسیں گول کر جاتا تھا

...ماتا خیر سے جمع کراتا اور وہ بھی عجلت میں کسی اور سے نقل
...ہوئے ہوتے تھے۔ ابتدا میں اساتذہ نے اسے راہِ راست پر
...نے کی خاصی کوششیں کیں لیکن اس پتھر میں جونک نہ لگتی
...کہ انھوں نے جبار کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ ایسا معلوم
...تا تھا کہ وہ تعلیم کے حصول کے بجائے محض وقت گزاری
...لیے یونیورسٹی آتا ہے اور ساری زندگی طالب علم ہی بنے رہنے
...تلا ہوا ہے۔

اس کی مصروفیات بھی ڈھکی چھپی نہیں تھیں، تھوڑے
...ڑے وقفوں سے نسبتاً محفوظ گوشوں میں چھپ کر اپنے دوستوں
...ساتھ چرس نوشی کرتا پھر اس کی ٹولی کسی اسامی کے انتظار میں
...بن میں جم جاتی، وہاں کے ہنگامے سے اکتا جاتے تو وہ لوگ
...ور گیمز میں کود پڑتے۔ جبار مزاج کے اعتبار سے ذرا رنگیلا
...ع ہوا تھا لہٰذا دوستوں کی آنکھ بچا کر لائبریری میں جا گھستا
...ر وہاں کسی گوشے میں کسی لڑکی کو چھیڑتا ستاتا یا پھر ڈھٹائی
...ساتھ کسی کو سیڑھیوں پر ہی گھیر لیتا۔ لڑکیوں کو اپنی افسانوی
...تگو میں الجھانے کے لیے عموماً وہ نوٹس یا اسائنمنٹس سے بات
...روع کرتا اور ...یت مہارت کے ساتھ زندگی کی بے ثباتیوں،
...نات میں کھلے ... ...وں اور اپنی اداس اور تنہا ذات کا
...ر چھیڑ کر قصیدہ گوئی پر اتر آتا۔

اس کی شناسا تمام لڑکیاں اس کی اس بے ضرر عادت سے
...تف تھیں اور آپس میں اسے کبل کے نام سے یاد کرتی تھیں۔
...نظر آجاتا تو دور ہی سے کترا کر نکل جانے کی کوشش کرتیں اگر
...امنا ہو جاتا تو بعض بہانہ کر کے جان چھڑا لیتیں، جو ذرا نرم دل
...یں وہ اس کی مسکین صورت اور عاجزانہ لہجے پر ترس کھا کر
...سے کچھ وقت دے دیتی تھیں۔

دوپہر کے کھانے پر وہ ہاسٹل میں کسی نہ کسی کا بن بلایا
...مان بن جاتا پھر وہیں کسی کمرے میں رمی کی بازی جم جاتی، فلش
...ھی روز کا معمول تھی اور یوں وہ عموماً اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی
...اپس لوٹتا تھا۔

ان حالات میں اگر اس کی شناسائی کا حلقہ وسیع تھا تو
...یرت کی بات نہیں تھی لیکن حامد کو تشویش اس بات کی تھی کہ
...ہیں وہ اپنے تین روپے پڑیا کے لالچ میں اندھا دھند ایسے خریدار
...نہ بنالے جو اس کے ساتھ حامد کی بھی رسوائی کا سبب بن جائیں۔

اس شام حامد پچاس پڑیوں کے مطالبے کے ساتھ موتی دادا
...سے ملا تو وہ چونک پڑا۔ "کیا بات ہے میاں؟ ایک دم ہی تیزی
...پر آگئے ہو، ذرا دیکھ بھال کر کام کرو، ایسا نہ ہو کہ زیادہ آمدنی
...کے لالچ میں کسی اندھے کنویں میں جا گرو۔"

وہ ہنس پڑا۔ "دادا! ایسی بات نہیں ہے، بس لڑکوں کو
چرس ملنا بند ہو گئی ہے اس لیے ادھر زور ہو گیا ہے۔"

حامد کے جواب نے موتی دادا کو مطمئن کر دیا کیونکہ وہ خود
شہر میں یہی رجحان دیکھ رہا تھا مگر اپنے جواب سے حامد خود زیادہ
مطمئن نہیں تھا۔ یونیورسٹی میں پہلے دن پانچ پڑیوں کی فروخت سے
ابتدا کرنے کے بعد وہ بتدریج دس پندرہ پڑیوں کے اوسط پر آیا
تھا جس کے مقابلے میں پچاس کی تعداد چونکانے والی تھی۔

"بس ایک بات کا خیال رکھنا۔" موتی دادا نے رازدارانہ لہجے
میں اسے سمجھایا۔ "جن لوگوں کو مال دیتے ہو انھیں کبھی مایوس
نہ کرنا۔ ورنہ ایک تماشا کھڑا ہو جائے گا۔"

"میں سمجھا نہیں دادا!" حامد نے حیرت سے کہا۔ "پڑیاں
جیسی لے جاتا ہوں، ویسی ہی آگے بڑھا دیتا ہوں، نہ ملاوٹ کرتا
ہوں، نہ دو کی تین بناتا ہوں، پھر بھلا خریداروں کو کس بات سے
مایوسی ہو گی؟"

"بہت بھولے ہو میاں!" موتی دادا کے لہجے میں ہلکا سا
طنز جھلک رہا تھا۔ "ہیروئن بیچتے ہو اور تماشے کا مطلب نہیں
جانتے۔ جو اس کے عادی ہو جاتے ہیں، انھیں وقت پر نشہ
ملنا چاہیے۔ ورنہ حالت خراب ہونے لگتی ہے۔ دو چار پڑیاں
فالتو ہی رکھا کرو، ایسا نہ ہو کہ کسی دن کوئی محروم رہ جائے اور
پھر اودھم شروع کر دے۔"

حامد کو جھرجھری سی آگئی۔ اسے اپنے عسرت زدہ گھرانے
کی مالی مجبوریوں نے ہیروئن فروخت کرنے کی راہ پر تو ڈال
دیا تھا لیکن اس کے اندر کا انسان ابھی زندہ تھا۔ اسے ایک
لمحے کے لیے اپنی ذات سے کراہت سی محسوس ہونے لگی کہ اگر ہیروئن
کا نشہ ایسا ہی موذی تھا کہ انسان کو اپنا غلام بنا لیتا تھا، تو وہ
اس زہر کو اپنے ساتھیوں میں کیوں پھیلا رہا تھا؟ محض چند سکوں
کی خاطر اپنی مادرِ علمی کی آغوش میں تربیت لینے والے ہونہار
ذہنوں کو کیوں برباد کر رہا تھا۔

لیکن اس کے دماغ نے ضمیر کے اس احتجاج کو رد کر دیا
جو ہیروئن استعمال کر رہے تھے، وہ حامد کے ملوث ہونے سے
پہلے بھی نشہ کرتے تھے۔ یونیورسٹی کی صاف ستھری فضا میں چرس
کے دھوئیں کی کثافت اور بدبو وہ بارہا خود محسوس کر چکا تھا۔ اگر وہ
ملوث نہ ہوتا تو چرس کے عادی اپنے نشے کی نایابی سے بوکھلا کر
خود ہی ان ذرائع سے رجوع کر لیتے جو ہیروئن سمیت انھیں ہر نشہ
فراہم کر سکتے تھے اور پھر اس کے اپنے ماحول اور معاشرے نے
اسے کیا دیا تھا جو وہ اس کی فکر میں جائز اور ناجائز کے چکر میں پڑتا۔
اس نے تو یونیورسٹی میں بھی یہی دیکھا تھا کہ اپنے لباس اور

وضع قطع سے غریب نظر آنے والے طلبا آئے دن آسودہ حالوں کی تحقیر آمیز نگاہوں کا نشانہ بنتے رہتے ہیں' انھیں کوئی گروپ خود میں ضم کرنے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔ وہ تنہا تنہا سے یونیورسٹی آتے اور کتابوں سے سر کھپا کر اپنے گھر لوٹ جاتے۔

صرف اس کے تائب ہونے سے کچھ بھی نہ ہوتا۔ سب کام اپنی ڈگر پر ہوتے رہتے۔ چرسی چرس کے دم لگاتے رہتے اور ہیروئن کے عاشق اسے اپنی جان کا روگ بنائے رہتے۔ بس اسی قدر ہوتا کہ اسے اپنے خوابوں کی تکمیل کا جو موقع ملا تھا، وہ ضائع ہو جاتا اور پھر شاید وہ بھی اپنے باپ کی طرح اپنی چار بہنوں کے لیے کچھ کیے بغیر محض سوچ سوچ کر قبل از وقت بوڑھا ہو جاتا۔ یہ ہیروئن ہی کی مہربانی تھی کہ چند ہی روز میں اس کے گھر میں نئے کپڑے کی بھینی بھینی، سوندھی سوندھی مہک پھیلنے لگی تھی جس سے وہ سب برسوں سے ترسے ہوئے تھے۔ محدود آمدنی میں دو وقت پیٹ بھرنا ہی مشکل تھا تو نئے کپڑے کہاں سے بنتے۔ بس ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ جو جوڑے برسوں سے زیرِ استعمال چلے آرہے ہیں کہیں سے اُدھڑنے نہ پائیں بلکہ سارا مسئلہ اُدھڑنے ہی کا رہتا تھا کیونکہ خلائی دور کی ترقیوں میں سے مارٹن کوائٹرز کے اس گھرانے کے حصے میں بس نائیلون اور ٹیٹرون کے ملبوسات ہی آئے تھے۔ جن کی سلائیاں دُھل دُھل کر جواب دے جاتی تھیں مگر تانا بانا گھسنے کے باوجود اپنی جگہ برقرار رہتا تھا۔

اس نے اپنے ضمیر کی احمقانہ ملامت کو ذہن سے جھٹک کر موتی دادا کو پچھلے مال کے پیسے ادا کیے۔ نیا مال وصول کیا اور گھر لوٹ آیا۔

اگلی صبح خلافِ معمول جبار اسٹاپ پر ہی اس کا منتظر تھا۔ وہ پڑھائی کے معاملات میں جتنا پیچھے تھا، یونیورسٹی پہنچنے کے معاملے میں اسی قدر آگے تھا۔ بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ محض شب بسری کے لیے گھر جاتا ہو۔ اس کا وہاں دل ہی نہیں لگتا تھا، کلاسوں کے اوقات سے قطع نظر وہ اپنے علاقے سے یونیورسٹی کے لیے چلنے والی پہلی بس سے وہاں پہنچ جاتا تھا۔ اس نے بس سے اترتے ہی حامد کو جا لیا۔

وہ دونوں ٹہلتے ہوئے ایڈمنسٹریشن بلاک کے عقبی حصے کی طرف بڑھ گئے پھر حامد نے اپنے ریگزین کے بیگ کی زِپ کھول کر گاؤن اور نوٹس کی موٹی فائل کے درمیان رکھا ہوا پیکٹ نکال کر اسے تھما دیا۔

"اچھا خدا حافظ۔" جبار پیکٹ لیتے ہی بولا۔ "ایک بجے آڈیٹوریم کے دروازے پر ملوں گا۔"

"پیسے؟" حامد نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ایک بجے ساتھ لیتا آؤں گا۔" وہ جاتے جاتے مڑ کر ا
حامد کو ہکا بکا چھوڑ کر آگے بڑھتا چلا گیا۔

حامد کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے جسم سے خون نچوڑ لیا ہو۔ کئی سیکنڈ تک اس کا دماغ ماؤف رہا۔ پھر بس سائیں سائیں کی آواز گونجتی رہی پھر بمشکل اس نے خو پایا اور شکست خوردہ انداز میں فیکلٹی کی طرف چل دیا۔

اس سے پہلے جبار ہمیشہ اسے نقد رقم دے کر ہی پڑیاں لیتا رہا تھا۔ آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ بغیر قیمت مال لے گیا تھا۔ حامد کو اگر ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ جبار اس ایسی حرکت کرے گا تو وہ رقم لیے بغیر اپنا بیگ ہی نہ کھو

وہ اس کام میں نو آموز تھا۔ جبار کے جاتے ہی ا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اس کو شبہ ہو رہا تھا کہ جبار نے مہارت سے اسے بے وقوف بنایا تھا۔ پہلے نقد ادائیگی پر خریدتا رہا پھر دو روپے فی پڑیا اضافی آمدنی کا لالچ دے اس کا اعتماد حاصل کر لیا۔ اس واقعہ سے پہلے بھی جبار اسے روپے فی پڑیا کے حساب سے نقد پیسے دیتا رہا تھا پھر اس سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایک دم پچاس پڑیوں کا مطا جس پر حامد کے ساتھ ہی موتی دادا کو بھی حیرت ہوئی تھ وہ پیسے دیے بغیر پچاس پڑیاں لے بھاگا تھا جن کی مالی کے حساب سے ساڑھے بارہ سو ہوتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ چکر دے گیا تھا۔ معاملہ چونکہ ایک نشے کی فروخت سے متعل لہٰذا اسے پورا اعتماد رہا ہوگا کہ حامد زک اٹھانے کے باو کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔

پہلے پیریڈ میں حامد کلاس روم میں موجود تھا لیکن معمول نوٹ لینے کے بجائے خالی الذہنی کے عالم میں خلا جا رہا تھا۔ لیکچر اس کی سماعت سے بالا ہی بالا گزر رہا تھا۔ و یہ سوچ رہا تھا کہ اتنی بڑی رقم کا نقصان کہاں سے پورا ک بلاشبہ اس نے پچھلے دنوں اس سے کہیں زیادہ رقم کمائی مستقل آمدنی کی امید پر ساری رقم گھر کی مدتوں سے رُکی ضروریات پر خرچ کر چکا تھا۔ نہ جانے اس اطلاع پر موتی کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔ اس کی یہی مہربانی تھی کہ پچھلے پی نیا مال اُدھار دے دیتا تھا۔ وہ یہی سمجھتا کہ حامد مال بی کھا گیا ہے۔ پھر جس طرح حامد لُٹنے کے باوجود خاموش ر مجبور تھا، اسی طرح موتی دادا بھی اسے خائن سمجھنے کے باو سے رجوع نہ کرتا بلکہ غنڈہ گردی اور تشدد کے ذریعے ا بولنے پر مجبور کرتا۔

ذرا سی بے پروائی سے صورتِ حال یک بیک اتنی

تھی کہ خوف کے باعث حامد کے پیٹ میں بل اٹھنے لگے اور
ڈھ کی ہڈی میں چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہونے لگیں۔ کلاس
اختتام پر اس کی حالت اس قدر ابتر تھی کہ کئی ہم جماعتوں نے
رک کر اس کی مزاج پرسی کی اور وہ دوسری کلاس اٹینڈ کرنے
بجائے بھیڑ سے الگ ہو کر ایک گوشے میں جا بیٹھا۔

اس کے ذہن میں خیال ابھرا کہ وہ ذہنی طور پر اس وقت
پڑھنے پڑھانے کے لیے ناکارہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا وقت برباد کرنے
کے بجائے کیوں نہ فوری طور پر شہر واپس لوٹ جائے اور موتی دلوا
بلا کم و کاست پوری کہانی سنا ڈالے تاکہ خدشوں میں گرفتار ہو کر
خون خشک کرنے کے بجائے وہ فوری طور پر حقائق کا سامنا
کرے لیکن پھر ایک موہوم سی اُمید اُبھری کہ لُٹنے کا یقین ہونے
کے باوجود کم از کم ایک بجے تک انتظار کرنا چاہیے۔ شاید جبّار
کے دل میں نیکی آجائے اور وہ کسی عُذر کے ساتھ تھوڑے
بہت پیسے اس کے حوالے کر دے۔ یہ امید بڑی کمزور سی تھی۔
دن دوسری طرف حامد کو موتی دادا کے دن بھر کے معمولات کا
علم نہیں تھا۔ وہ اس سے شام ہی میں ملتا رہا تھا۔ اگر اسی وقت
شہر لوٹ جاتا تو موتی دادا کے ملنے یا نہ ملنے کے بارے میں کچھ
نہیں کہا جا سکتا تھا۔

وہ بے کلی کے عالم میں خزاں رسیدہ زرد لان کے ایک
دور اُفتادہ گوشے میں جا لیٹا جہاں تنہائی میں شناساؤں کی مداخلت
کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔

ایک بجے تک اس نے ایک ایک لمحہ ناقابلِ بیان کرب
اور اضطراب کی حالت میں گزارا، اسے یوں محسوس ہو رہا تھا،
جیسے کسی ہولناک جُرم کی پاداش میں اسے سولی پر لٹکایا جانے والا ہو۔
ایک بجنے کے چند منٹ بعد وہ آڈیٹوریم پہنچا تو خوشی کی
شدت سے اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں کیونکہ جبّار اس
سے پہلے وہاں موجود تھا۔ اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر اس
کی طرف لپکا۔ "تیرہ سو پچاس ہیں اس میں۔" اس نے خاکی رنگ
کا لفافہ حامد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا جو اس نے کچھ کہے سُنے
بغیر اپنے بیگ میں ڈال لیا۔

حامد مقررہ وقت پر جبّار کو رقم سمیت وہاں موجود پا کر
دل ہی دل میں اپنی خام خیالی پر نادم ہو رہا تھا۔ اچھا ہی ہوا
کہ اس نے ایک بجے تک انتظار کرنے کا فیصلہ کر ڈالا تھا۔ ورنہ
وہ خود کو ناقابلِ تصور دشواریوں میں ڈال چکا ہوتا۔

"کل اتنی پڑیاں لانا۔" جبّار نے اس کے ساتھ بس اسٹاپ
کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "امید ہے کہ سب نکل جائیں گی، آج
کمال تو چھٹی ہو گیا۔"

"یہ مال تم کہاں کھپائے جا رہے ہو؟" حامد نے حیرت کے
ساتھ سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"یہ میرا ٹریڈ سیکرٹ ہے۔" وہ مکارانہ انداز میں مسکرایا۔ "تمہیں
بتا دیا تو کل پتا بھی صاف کر سکتے ہو... تم لکھ کر رکھ لو کہ میں
چار چھ ہی دن میں سو سے اوپر چلا جاؤں گا۔"

"چرس کا کیا حال ہے یہاں؟" حامد نے محض اپنی معلومات
کی غرض سے سوال کیا۔

"یہاں کیا، شہر تک میں میدان صاف ہے۔" اس نے بُرا
سا منہ بنا کر بے پروایانہ انداز میں کہا۔ "سنا ہے کہ ہیروئن نسبتاً
آسانی سے ملنے لگی ہے۔ ہم لوگوں نے بڑے موقع سے اس کام
میں ہاتھ ڈالا ہے، پڑھنے لکھنے میں اب کوئی خاص چارم نہیں
رہا، گریجویشن کے بعد بھی جوتیاں چٹخانے کے بعد مشکل سے ہزار،
آٹھ سو کی نوکری ملتی ہے، اس کام میں لیڈی لک ذرا بھی ساتھ
دے گئی تو وارے کے نیارے ہو جائیں گے۔"

"بس یہ یاد رکھنا کہ میں غریب ہوں، مال یا رقم میں ذرا
بھی گڑبڑ ہوئی تو بے موت مارا جاؤں گا۔" حامد نے موقع پاتے
ہی اپنے دل کی خلش الفاظ میں بیان کر دی۔

"فکر نہ کر دیار! ہم بھی کنگلے ہیں۔" وہ حامد کی کمر پر ہاتھ
مار کر ہنسا۔ "اب تو دونوں کا نفع نقصان ایک ساتھ ہے، کچھ دن
مال کما کر چھٹیوں میں پشاور کا چکر لگائیں گے۔ سنا ہے وہاں آزاد
علاقہ قریب ہونے کی وجہ سے منشیات بہت سستی ہیں۔"

حامد سر ہلا کر رہ گیا، وہ تو یہ سوچ رہا تھا کہ جبّار اس

معاملے میں اتنا پُرجوش کیوں ہے۔

پھر چند ہی دنوں میں اس کی سوچ بچار دھری کی دھری رہ گئی، جبّار ایک سو دو پڑیاں فروخت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اسی کے ساتھ اس نے حامد کو بتا دیا کہ پوری رقم کی ادائیگی اسی دن ہونی دشوار ہے۔ بعض گاہک ادھار بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا ادائیگی میں کم از کم ایک دن کی رعایت تنی ضروری ہوگئی تھی۔

حامد فکرمند ہوگیا لیکن جب اس نے جبّار کا ذکر کیے بغیر موتی دلواسے اس الجھن کا ذکر کیا تو اس نے چٹکی بجاتے میں مسئلہ حل کر دیا۔ وہ حامد سے ایک دن کا ادھار تو پہلے ہی کرتا تھا۔ اس کی رُوداد سن کر تین دن پر راضی ہوگیا۔ "تیسرے دن حساب صاف ہو جانا چاہیے' جتنی رقم نقد مل جائے پہنچا دیا کرو۔ کیونکہ پاس رکھنے میں گڑبڑ بھی ہو سکتی ہے' جیب کٹ سکتی ہے۔ تمھارا کام بہت اچھا جا رہا ہے' شہر میں اور بھی تو کا... ن میں بھی تمھارے یار دوست ہوں گے' وہاں کوشش کیوں نہیں کرتے؟"

"کروں گا دادا!" وہ پُراعتماد لہجے میں بولا "پہلے ذرا یونیورسٹی کی مانگ میں ٹھہراؤ آجائے پھر کسی سے بات کروں گا۔"

"جس سے بھی بات کرو پہلے اس کا آگا پیچھا دیکھ لینا۔"

موتی دادا حسبِ موقع اسے مشورہ دینے سے نہیں چُوکتا تھا۔ "کیونکہ اس کی ذمّے داری تم پر ہوگی۔"

"فکر نہ کرو' انتخاب سے پہلے تم سے بھی ملا دوں گا۔"

"نہیں بابا!" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے کان چھُوتے ہوئے بوکھلا کر بولا۔ "کالج کے لونڈوں سے میں ڈرتا ہوں کہیں آخر عمر میں مٹی پلید نہ ہو جائے' تمھیں بھی یوں ملا لیا کہ سفارش پر آئے تھے مجھے کسی سے ملنے ملانے کی ضرورت نہیں' آدمی کو دیکھنا بھالنا تمھاری ذمّے داری ہوگی۔"

رقم کی ادائیگی میں مہلت مل جانے پر حامد خوشی خوشی واپس لوٹ آیا اور اگلے دن جبّار کو مال دیتے ہوئے اس سہولت سے آگاہ کر دیا۔

جبّار اس کام کے بارے میں بہت زیادہ سنجیدہ تھا۔ حامد کو یوں محسوس ہوتا جیسے ان دنوں جبّار صرف ہیروئن کی فروخت کے لیے ہی یونیورسٹی آتا ہو۔ مال لے جانے کے بعد وہ کچھ رقم واپسی سے پہلے حامد کے حوالے کر دیتا اور بقیہ رقم اگلی صبح مال لیتے ہوئے اسے ادا کر دیتا۔ لین دین کے معاملے میں وہ اتنا کھرا ثابت ہو رہا تھا کہ بعض اوقات حامد دل ہی دل میں یہ سوچ کر شرمندہ ہو جاتا کہ ایک موقع پر اس نے جبّار جیسے آدمی کی نیک نیتی پر شبہ کیا تھا۔

یونیورسٹی کی حدود میں باہمی لین دین کو دوسرے طلبا کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنے کے لیے جبّار نے بھی حامد جیسا سیاہ بیگ استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ دونوں ملتے تو بڑی خوبصورت طریقے سے اپنے بیگ تبدیل کر لیتے تھے پھر دوسرے کو زبانی اس میں موجود رقم یا پڑیوں کی تعداد بتا کر دیتے جس میں ذرا بھی فرق نہیں ہوتا تھا۔

جبّار کے ملنے سے حامد کی آمدنی میں دو روپے تو سیدھا سا اضافہ ہوگیا تھا۔ تعداد بڑھنے سے ہونے والی اس کے علاوہ تھی۔ اس کا جوان چڑھتا ہوا خون تھا، لہٰذا اس خوشحالی کو اپنی ذات تک محدود نہ رکھ سکا۔ ماں باپ بہنوں کے روتے بسورتے اور فکرمند چہروں پر خوشی کی لہر دیکھنے کی امید میں گھر میں موقع بے موقع فیاضی کا مظاہرہ کرنے لگا۔ گھر میں نئے ٹوان ون کی گونجیلی آواز میں نغمے بھی گونجنے لگے اور پڑوسن سے وقت دریافت کرنے کے بجائے گھر میں صرف سیل سے چلنے والا نیا وال کلاک آگیا بلکہ حامد نے میز کے سامنے والے بازار سے چاروں بہنوں کو ہندسوں میں وقت بتانے والی سنہری اور روپہلی الیکٹرونک گھڑیاں بھی لا دیں۔

ماں باپ اندھے ہوں تو انھیں اپنی ضرورتوں اور تمناؤں خواہشوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اولاد رشوت لے، چوری کرے یا جیبیں کاٹتی پھرے۔ وہ اس کی دی ہوئی ہر رقم کو بلا پوچھ گچھ خون پسینے کی کمائی تصور کر لیتے ہیں اور اپنے نفس کی صلیب پر اکلِ حلال کے بنیادی فلسفے کو الٹا لٹکا دیتے ہیں مگر جہاندیدہ باپ تنگ دستی کے باوجود عزت کو عزیز رکھتا تھا اور جانتا تھا کہ حق... بے رحم دنیا میں پیسہ اتنی آسانی سے نہیں ملتا جتنی بے پر... سے اس کا اکلوتا بیٹا فیاضیوں کے مظاہرے کرنے لگا تھا۔ ایک دن موقع پا کر اس نے بیٹے کو گھیر لیا۔ چاروں لڑکیاں پڑوس کی کسی تقریب میں گئی ہوئی تھیں اور ماں صحن میں چارپائی پر لیٹی اپنے ٹوان ون پر روح کی غذا نوش کرنے میں مصروف تھی۔

"آج کل کیا کر رہے ہو بیٹے؟" باپ نے بڑے ساتھ حوصلہ افزا لب و لہجے میں بات چھیڑی۔ "ماشاء اللہ تم بڑھ کر گھر کا بوجھ اٹھانے لگے ہو۔"

حامد نے چونک کر باپ کی طرف دیکھا مگر اس کی آنکھوں میں اپنے لختِ جگر کے لیے انتہائی پیار کے سوا کچھ نہ تھا۔ سوال ٹیڑھا تھا مگر حامد اسے مسکراہٹ میں اڑا گیا۔ "کچھ نہیں اسی اسٹیٹ ایجنسی میں جا رہا ہوں بابا! مالک اچھا آدمی ہے دفتری کام کے علاوہ تھوڑی سی محنت کرتا ہوں تو جائیداد کے سودے میں تھوڑی بہت دلالی بھی مل جاتی ہے۔"

"ذرا خیال رکھنا بیٹے!" باپ کے لہجے میں کرب اُمڈ آیا جیسے اپنے بیٹے سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن کہہ نہ پا رہا ہو

پیے کا لالچ بہت برا ہوتا ہے، میں تمھیں زندگی بھر کوئی آسائش
ہم نہ کر سکا کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی محرومیوں کا حساب چکانے
لیے تم کونٹوں کی دلالی میں پڑ جاؤ، ہاتھوں کی سیاہی پھر دُھل
انی ہے مگر چہرے کی کالک ہر ایک کو لے ڈوبتی ہے۔ تم
ود سمجھ دار ہو۔" اس نے لحظے بھر کے لیے خاموش ہو کر تھوک
نگلتے ہوئے اپنا گلا تر کیا۔ پھر بولا "اپنا اچھا برا سمجھتے ہو لیکن
ابھی تم نے دنیا نہیں دیکھی، بس یہی ایک فکر ذرا پریشان کر دیتی ہے۔"
"آپ بے فکر رہیں بابا! حامد نے بڑھ کر بوڑھے باپ
کے دونوں شانے تھام لیے "گھر کے نام کو بٹا نہیں لگاؤں گا!
پ زیادہ نہ سوچا کریں۔ آپ نے کیا نہیں دیا ہمیں؟ یہی کیا
کم ہے کہ آج میں کہیں کڑی مزدوری کرنے کے بجائے بے فکری
سے تعلیم حاصل کر رہا ہوں۔"

بوڑھے باپ کے ہونٹوں کے گوشے کپکپائے اور آنکھوں
سے دو موتی گود میں لڑھک گئے اور وہ رُندھی ہوئی آواز
میں بولا "جب قدرت نے مجھے کچھ نہیں دیا تو میں تمھیں کیا دیتا
بیٹے؟ نہ سر چھپانے کو اپنا ٹھکانہ ہے نہ . . ."

"ہاں ہاں، اب سب ہو جائے گا۔" حامد کی ماں شاید
اپنے شوہر کی آواز سنتے ہوئے صحن سے کمرے میں آئی تھی "تم
سے تو کچھ بھی نہیں ہوا" اب اللہ رکھے میرے حامد کو، دیکھنا
تھوڑے ہی دنوں میں . . ." اپنی روانی میں بولتے بولتے اچانک
اس کی نگاہ اپنے شوہر کے چہرے کی جھریوں میں لرزتی ہوئی
آنسوؤں پر پڑی اور وہ سٹپٹا گئی "ارے تم رو رہے ہو . . کیا کہہ دیا
اس نے تم کو؟" وہ لپک کر شوہر کی دلجوئی کے لیے آگے بڑھی
اور حامد دل گرفتہ ہو کر کمرے سے نکل گیا۔

اس روز اس نے صدقِ دل سے فیصلہ کیا کہ اپنی آمدنی
کا ایک ایک پیسہ احتیاط سے جمع کرے گا اور پندرہ بیس ہزار
کی پونجی بنانے کے بعد ہیروئن فروشی ترک کر دے گا۔ اس
نے جھوٹ بول کر اپنے باپ کو تو مطمئن کر دیا تھا لیکن خود اچھی طرح
جانتا کہ وہ ایک غلط کام میں ملوث ہے۔ باپ سے چھپنے
سے اس کے اندر کی وہ کمزور آواز ذرا زور پکڑ گئی تھی جو اپنی
مجبوریوں کی خاطر حامد نے خود گھونٹ رکھا تھا۔ کچھ دن تک
جبار کے ساتھ معاملہ کسی گڑبڑ کے بغیر خوش اسلوبی سے چلتا رہا۔
پھر ایک دن وہ اچانک غائب ہو گیا۔ حامد اس کی نیک نیتی
کا دل سے معترف ہو چکا تھا۔ لہٰذا یہ گمان بھی نہیں ہوا کہ جبار
کے دل میں بے ایمانی آگئی ہوگی مگر اسے تشویش ضرور ہو گئی۔
اس کا اندازہ تھا کہ جبار کو اچانک کوئی مجبوری بھی پیش
آگئی ہوتی تو وہ محض حامد کو اطلاع دینے ضرور آتا پھر اس

نے سوچا کہ جبار یونیورسٹی کے کسی دور افتادہ حصے میں نہ پھنس
گیا ہو۔ اس نے پہلے دو لیکچرز چھوڑ دیے اور ادھر اُدھر
منڈلاتا رہا۔ اس کی بے چین نگاہیں ہر لحظے جبار کی منتظر تھیں
لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ آخر حامد جبار کے ساتھ آنے والے
لڑکے سے ملا تو پتا چلا کہ اس روز جبار سرے سے بس میں
سوار ہی نہیں ہوا تھا۔

اس نے بے دلی سے صرف ایک لیکچر اٹینڈ کیا مگر اس
کا ذہن الجھا رہا۔ پیریڈ ختم ہوا تو وہاں رُک کر وقت ضائع کرنے
کے بجائے واپسی کا فیصلہ کر چکا تھا۔

وہ واپسی کے لیے بس اسٹاپ پر کھڑا ہوا تھا کہ اچانک
سامنے سے کسی لڑکی نے ہاتھ لہرا کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنے
کی کوشش کی۔ حامد نے اس کے سراپا پر غور کیا تو اسے پہچان
گیا۔ وہ جبار کی ہم جماعت تھی۔ خوش شکل ہونے کے ساتھ منسوڑ
بھی واقع ہوئی تھی، کوشش کے باوجود حامد کو اس کا نام یاد نہ
آسکا لیکن وہ اپنی جگہ رُک کر اس کا انتظار کرنے کے بجائے
اخلاقاً اس کی طرف بڑھ گیا۔

"آپ حامد ہی ہیں نا؟" اس نے قریب آتے ہی پُراعتماد
لہجے میں سوال کیا۔

"جی ہاں" حامد نے شرافت سے کہا۔ لڑکیوں سے ہمیشہ
وہ محتاط اور شائستہ طریقے پر پیش آتا تھا۔

"کمبل آپ سے کوئی کتاب لے گیا تھا جو اسے آج لوٹانی
تھی۔" وہ سنجیدگی سے بتانے لگی "لیکن آج وہ اچانک بیمار
پڑ گیا ہے، آپ کو کسی وقت گھر پر بلایا ہے۔"

"یہ کس کا ذکر کر رہی ہیں آپ؟" حامد نے حیرت سے
پوچھا کیونکہ اس نے اپنی کوئی کتاب کسی کو نہیں دی تھی اور
ذہن کے بعید ترین گوشے میں بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ جبار
پیغام رسانی کے لیے اس لڑکی کو استعمال کر بیٹھا ہو گا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "تو آپ اپنے دوست کی عُرفیت
سے بھی لاعلم ہیں؟ جبار نے آج صبح سویرے کہیں سے فون
کیا تھا میرے گھر، ہم عموماً شہر سے ایک ہی بس میں یونیورسٹی
آتے ہیں لیکن آج وہ نہیں آسکا۔"

"اوہ" حامد نے جلدی سے کہا "میں صبح سے پریشان
تھا، وہ کتاب دراصل میں نے بھی کسی سے اُدھار لی ہوئی تھی۔
لیکن مجھے جبار کے گھر کا پتا نہیں معلوم تھا۔"

"اس کا بھی یہی خیال تھا" لڑکی نے اپنے پرس میں سے
ایک مُڑا تُڑا کاغذ نکال کر حامد کو دے دیا "اسی لیے اس
نے مجھے پتا لکھوا دیا تھا۔"

حامد نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ مسکراتی ہوئی واپس چلی گئی۔

جبار نے مختصر سی مدت کے لین دین میں حامد پر اپنا اتنا اعتبار قائم کر لیا تھا کہ وہ رقم کی طرف سے زیادہ فکر مند نہیں تھا لیکن حامد کو موتی دادا کی ہدایت کا خوف لاحق تھا۔ اسے ڈر یہ تھا کہ جبار کی غیر حاضری میں ہیروئن کے کسی رسیا کو اگر وقت پر نشہ نہ ملا تو کہیں کیمپس میں کوئی تماشا نہ کھڑا ہو جائے۔ اس طرح ہیروئن فروشی کا جو سلسلہ رازدارانہ طریقے پر چل رہا تھا، جامعہ کے اساتذہ اور انتظامی ذمے داروں کی نگاہ میں آسکتا تھا۔ جس کے نتائج خاصے سنگین ہو سکتے تھے لہٰذا حامد نے گھر جا کر اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے فوری طور پر جبار سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

پی ای سی ایچ ایس کے علاقے سے وہ بس طارق روڈ کی حد تک واقف تھا۔ جہاں کبھی کبھار دوستوں کے ساتھ قدرت کی صناعی کے حسین شاہکار دیکھنے چلا جاتا تھا۔ لہٰذا وہ یونیورسٹی سے سیدھا طارق روڈ پہنچا جہاں ایک اسٹیٹ ایجنسی سے رجوع کرنے کے بعد اسے صحیح رہنمائی مل گئی اور وہ سوسائٹی کے قبرستان کے احاطے کی طویل دیوار کے مقابل بنے ہوئے مکانات میں جبار کا مکان تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ جگہ بھی محلِ وقوع کے اعتبار سے عجیب و غریب تھی۔ سڑک کے پار وسیع احاطے میں ہزاروں انسان زندگی کی حرارت کھو کر منوں مٹی کے نیچے ابدی نیند سو رہے تھے۔ پہلو بہ پہلو ہر ایک کے حصے میں وہی دو گز جگہ آئی تھی جو جیتے جاگتے اور لڑتے جھگڑتے انسانوں کا آخری مقدر ہوتی ہے۔ شاہ کے پہلو میں گدا کی ابدی آرام گاہ تھی اور گدا کے قدموں میں اپنے وقت کا کوئی فرعون سکون سے ابدی نیند سویا ہوا تھا اور زندوں کی آبادی کو مُردوں سے الگ کرنے والی سڑک کے اس پار پُرشوکت مکانوں میں زندگی اپنے تمام رنگوں کے ساتھ رقص کناں تھی۔ ہر شخص زندگی کی دوڑ میں دوسروں کو اتنا پیچھے چھوڑ جانا چاہتا تھا کہ انھیں وہ بس ایک سراب کی مانند اپنے سے آگے، اور آگے نظر آتا رہے مگر کوئی اس کے قدموں کی گرد بھی نہ پا سکے اور اس دوڑ میں شاید کسی کو یاد نہیں رہ گیا تھا کہ زندگی اور موت میں کتنا کم فاصلہ ہے۔ درمیان میں حائل ایک سڑک کا یا شاید اس سے بھی کم۔

مکان کا نمبر درست ہی تھا لیکن مکانیت خاصی پیچیدہ نظر آ رہی تھی، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس دو منزلہ مکان میں کئی خاندان مقیم ہوں۔

حامد نے آخر کار کال بیل کا بٹن دبا ہی دیا۔ نچلی کے داہنے حصے میں گھنٹی کا کرخت شور بلند ہوا اور تھوڑ کے ساتھ دروازہ کھول کر ایک صحت مند آدمی غصیلے تیور کے ساتھ باہر نکلا لیکن حامد پر نگاہ پڑتے ہی خجالت آمی میں مسکرانے لگا۔ "معاف کیجیے گا، گھنٹی کی آواز سن کر غصہ تھا، دن بھر محلے کے بچے تنگ کرتے رہتے ہیں، باہر نکل کوئی نظر نہیں آتا۔"

"جبار موجود ہیں؟" حامد نے نرم لہجے میں سوال کیا۔

"اسی طرف اوپری منزل پر چلے جائیں۔" صحت مند نے خشک لہجے میں کہا اور حامد کے ردِ عمل کا انتظار کیے واپس اپنے گھر میں گھس گیا۔ جیسے جبار کے مکان کی تلاش سلسلے میں اسے حامد کی غلطی ناگوار گزری ہو۔

اوپری منزل پر پرانی وضع کی ایک عمر رسیدہ خاتون حامد سے جبار کا نام سنتے ہی اسے اندر بلا لیا۔ "آجاؤ بیٹے تو بستر پر پڑا ہوا ہے، خدا جانے کہاں جھگڑا کر کے آیا ہے کہتا ہے کہ بس سے گر گیا ہے۔"

جبار جس ڈھب سے یونیورسٹی آتا تھا، اس سے حا نے بھی اندازہ لگایا تھا کہ وہ کسی متوسط گھرانے سے تعلق ہے لیکن گھر میں پہلا قدم رکھتے ہی اس کے وجود میں کر کی ایک لہر سی دوڑ گئی کیونکہ گھر میں بے سروسامانی کے آ نمایاں تھے۔ بوڑھی عورت کی رہنمائی میں حامد ایک کمر میں داخل ہوا تو جبار ایک چارپائی پر چادر اوڑھے کسی گٹھ کی طرح بے حس و حرکت پڑا گہری نیند سو رہا تھا۔ دوسر چارپائی خالی تھی، حامد اسی پر بیٹھ گیا۔

"جبار!" بوڑھی عورت نے اس کی پیشانی پر ہتھیلی جما مامتا بھرے لہجے میں اسے پکارا۔ "دیکھ بیٹا! کون آیا ہے سے ملنے۔"

ر نے کراہ کر کروٹ لی اور کراہتے ہوئے کسلمندانہ انداز میں آنکھیں کھول دیں پھر حامد کو پہچانتے ہی اس پر ال بوکھلاہٹ طاری ہوئی کہ چادر پھینک کر سیدھا ہو بیٹھا۔ اس کے رویے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے بھرے مجمع میں اس کے کپڑے اتار دیے ہوں۔ وہ ملامت آمیز لہجے میں اپنی ماں سے کہہ رہا تھا۔ "اسے یہاں کہاں بلا لیا، مرغی خانے میں بٹھا دیا ہوتا، باہر کسی ہوٹل میں بیٹھ جاتے۔"

"ہوٹل میں بیٹھ جاتے۔" اس کی ماں نے دکھ بھر لہجے میں دہرایا۔ "بخار میں پھنک رہا ہے، بستر پر کروٹ ب

ہوئے ہانپنے لگتا ہے اور میں تجھے باہر نکلنے دیتی۔" یہ کہتی
ہوئی وہ اس کمرے سے چلی گئی اور جبار معذرت خواہانہ، خفت آمیز
لہجے میں حامد سے مخاطب ہوگیا "یار! خیال نہ کرنا، یہاں
تو بیٹھنے کے لیے جگہ بھی نہیں ہے۔ ۔ ۔"
حامد نے نرمی سے اس کی بات کاٹ دی "تم آرام
سے لیٹے رہو، میں بھی کسی حویلی میں نہیں رہتا۔ ۔ یہ بتاؤ کہ یہ
حال کیا ہو رہا ہے تمہارا؟" اس کا سوال بجا تھا کیونکہ جبار کی
دونوں آنکھوں کے نیچے نیل پڑے ہوئے تھے، رخساروں پر
ورم تھا اور پیشانی کے زخم پر ٹیپ سے پٹی چپکی ہوئی تھی۔ ایسا
معلوم ہو رہا تھا، جیسے وہ ذرا ہی دیر پہلے باکسنگ کے کسی معرکے
میں ناک آؤٹ ہونے کے بعد گھر لوٹا ہو۔
"کل شام ٹھکائی ہوگئی۔" وہ اس کی طرف جھک کر خفت آمیز
سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "وہ تین تھے، اچانک ہی گھیر کر مارنا شروع
کر دیا، اگر مجمع میں سے کسی نے پولیس کی ہانک نہ لگائی ہوتی
تو شاید حال اور بھی برا ہوتا۔"
"کیا ہوا تھا؟" حامد نے آگے سرک کر تجسس آمیز لہجے میں
سوال کیا۔
"میں حسب معمول طارق روڈ پر کھڑا ہوا تھا کہ اچانک ہی
وہ تینوں میرے سر پر سوار ہوگئے اور مارنا شروع کر دیا، وہاں
بھیڑ لگ گئی لیکن مجمع میں سے کسی نے بھی مداخلت کی ہمت
نہیں کی، کیونکہ انھوں نے مداخلت کرنے والے کی ہڈیاں توڑ
ڈالنے کا اعلان کر دیا تھا۔" وہ دھیمی آواز میں بتا رہا تھا۔ "پولیس
کا نام سن کر فرار ہونے سے پہلے ان میں سے ایک نے دھمکی
دی کہ اگر میں نے آئندہ وہاں ہیروئن فروخت کرنے کی کوشش
کی تو وہ مجھے جان ہی سے مار دیں گے۔ اس وقت مرمت کا
سبب میری سمجھ میں آیا تھا۔"
"تو تم ہیروئن بیچ رہے تھے وہاں؟" حامد نے تحیر آمیز
لہجے میں کہا۔ اس کے ذہن میں وہ ہدایات گھوم گئیں جو اسے
مال ملنے سے پہلے دی گئی تھیں۔ ان میں اہم ترین شرط یہ
تھی کہ وہ جامعہ کی حدود سے باہر ایک پڑیا بھی نہیں بیچے گا
کیونکہ دوسرے لوگ اپنی حدود میں کسی کی مداخلت برداشت
نہیں کریں گے۔
"یونیورسٹی میں اتنا مال کہاں نکلتا۔" اس کے ورم آلود
ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تیر گئی "سنا تھا کہ اس معاملے
میں طارق روڈ کا علاقہ بہت زرخیز ہے لیکن یہ نہیں معلوم تھا
کہ اس سے زیادہ خطرناک بھی ہے۔"
"تم نے بہت برا کیا۔" حامد بڑبڑایا۔ "تمھیں یونیورسٹی سے
باہر نہیں نکلنا چاہیے تھا، اگر اس وقت واقعی پولیس پہنچ جاتی
تو کیا ہوتا؟ تمھارے ساتھ میری گردن بھی پھنس جاتی۔"
"ضرورتیں اندھی ہوتی ہیں دوست!" وہ سر جھکا کر آہستہ
سے بولا۔ "اب تم نے میرا گھر تو دیکھ ہی لیا ہے، میں اتنا لاابالی
نہیں ہوں، جتنا خود کو ظاہر کرتا ہوں۔ یونیورسٹی میں زیادہ سے
زیادہ پچاس ساٹھ پڑیاں روز بک جائیں گی۔ طارق روڈ پر
پاؤں جم جاتے تو دو سو بھی کم پڑ جاتیں۔" اس کے لہجے میں حسرت
ابھر آئی۔

حامد اس کی بات سن کر حیران رہ گیا۔ وہ شروع سے ہی
جبار کو نشے کا عادی ایک خوشحال اور لاابالی لڑکا سمجھ رہا تھا
لیکن وہ تو خود اپنے دکھوں کے بوجھ تلے دبا ہوا نظر آ رہا تھا۔
"لیکن تم تو خود نشے کے عادی ہو؟" حامد نے تحیر آمیز لہجے
میں سوال کیا۔ "یہ ضرورتوں کا قصہ کہاں لے بیٹھے؟"
اس نے متاسفانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔ "شاید
تمھیں یہ سن کر حیرت ہو کہ میں نے آج تک اپنا ایک پیسہ بھی
کسی نشے پر خرچ نہیں کیا۔ ان لوگوں کے ساتھ چرس کی سگریٹیں
ضرور پی لیتا تھا مگر اس کا عادی نہیں ہوں۔ مجھے تاشوں میں
ہاتھ کا کمال حاصل ہے، ان لوگوں میں رہ کر روز تیس چالیس
روپے کھینچ لیتا تھا۔ پھر تم سے ہیروئن ملی تو انھیں مونڈنے کا ایک
اور ذریعہ ہاتھ آ گیا۔ ۔ ۔" اچانک وہ خاموش ہو کر داہنی طرف کی
پسلیاں تھام کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ حامد نے اس کے
چہرے کی حالت سے اندازہ لگایا کہ اتنی دیر بیٹھے رہنے کے باعث
اس کی چوٹوں میں درد بڑھ گیا تھا۔ تو اس نے سہارا دے کر
جبار کو واپس لٹا دیا۔
اسی اثنا میں جبار کی ماں حامد کے لیے چائے لے آئی اور
شکایتی لہجے میں بولی۔ "بیٹا! تم ہی کچھ معلوم کرو اس سے۔ گھر آیا
تو کپڑے تار تار تھے اور یہ خود خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ بھلا بس
سے گرنے میں بھی کہیں ایسی چوٹیں لگتی ہیں۔ اللہ کرے اس کے
ہاتھ گل جائیں جس نے میرے لال کو اس بری طرح مارا ہے۔"
جبار نے کراہتے ہوئے اپنی ماں پر برہمی کا مظاہرہ کیا تو وہ
جلدی سے وہاں سے لوٹ گئی اور جبار دروازے کی طرف
دیکھتے ہوئے کربناک انداز میں مسکرا دیا۔ "ماں ہے نا بیچاری۔
دل بہت چھوٹا ہے اس کا، تم ہی بتاؤ میں اس سے اور کیا بہانا
کرتا؟ وہ تو مجھے لانے والے پولیس تھانے کے چکر میں ملوث
ہونے کے خوف سے مجھے نیچے چھوڑ کر فوراً ہی بھاگ گئے۔ ورنہ
اماں کو ان سے ضرور سچی بات معلوم ہو جاتی۔"
"اب تم چار چھ دن مکمل آرام کرو۔ دوا تو لے رہے ہو نا؟"

حامد نے کہا۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مال، ور پیسوں کا ذکر کیسے شروع کرے۔

"دوا لے رہا ہوں۔" اس نے دیوار گیر طاق میں رکھی ہوئی دواؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"وہ تو غنیمت ہوا کہ کپڑے پھٹنے کے باوجود رقم گرنے سے محفوظ رہی۔ ورنہ میں تو تمھیں منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہتا۔" اس نے مطلب کی بات خود ہی اُگل دی اور حامد کے اعصاب پر چھایا ہوا تناؤ یک بیک دور ہوگیا۔

"یہ سوچو کہ تمھاری غیر حاضری میں کیمپس میں کیا بنے گا؟" حامد نے پُرخیال لہجے میں کہا۔"لوگوں کو وقت پر ہیروئن نہ ملی تو وہ ذہنی عدم توازن کا شکار بھی ہو سکتے ہیں۔"

"میں نے تمھیں اسی لیے بلایا ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ ماں نے فون کرنے کے لیے بمشکل نیچے اُترنے دیا تھا صبح سویرے ... وہ اوپر سے بیگ اتار لو۔"

حامد نے اس کی بتائی ہوئی جگہ سے بیگ اُتار لیا۔"اس میں پچھلے حساب کے بقایا سات سو پندرہ روپے ہیں، بچی ہوئی تین پُڑیاں بھی اسی میں ہیں۔" جبّار نقاہت زدہ آواز میں اسے بتانے لگا۔"کیمپس میں بتیس لگے بندھے گاہک ہیں۔ تم بتیس تھیلیوں کا ایک بند پیکٹ بنا کر مردان خان کو دے دینا، وہ قابلِ اعتماد لڑکا ہے اور گروپ کے سارے خریداروں کو جانتا ہے۔ اسے یہی بتانا کہ میں بس سے گر کر زخمی ہوگیا ہوں، وہ دوا مریضوں کو پہنچا دے اور پیسے تم ہی کو دے دے۔ یہ ظاہر نہ کرنا کہ تم ہیروئن کے چکر سے واقف ہو۔ وہ خود ہی ساری بات سمجھ کر رقم کے بارے میں بتا دے گا۔ ہوسکے تو میرے حصّے کے پیسے مجھے پہنچا دینا۔ کیونکہ کل رات بھی انجکشن اور دواؤں میں سو سوا سو روپے خرچ ہوگئے تھے۔"

"اس میں سے کچھ پیسے رکھ لو۔" حامد نے رقم والا بیگ کھولتے ہوئے کہا۔ جبّار نے لاکھ انکار کیا مگر حامد نے دو سو روپے زبردستی اس کے سرہانے تکیے کے نیچے رکھ دیے۔ وہ اس بات سے بہت متاثر ہوا تھا کہ جبّار نے اپنی تنگ دستی کے باوجود مار پیٹ کی آڑ لے کر رقم ہضم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بلکہ پوری احساسِ ذمّے داری کے ساتھ گھر بُلا کر رقم اس کے حوالے کر دی تھی۔

"دو تین روز کی بات ہے۔" جبّار نے کہا۔"بس ذرا بگڑے ہوئے چہرے پر سے نیل اور ورم زائل ہو جائے تو یونیورسٹی آنے لگوں گا۔"

"اگر مردان خان قابلِ اعتماد ہے تو تم بے فکر رہو۔" حامد نے اٹھتے ہوئے کہا۔"ویسے میں روز تمھارے پاس آتا رہوں گا۔"

وہ وہاں سے روانہ ہوا تو اس کا ذہن جبّار کی حما
سے پیدا ہونے والی صورتِ حال میں اُلجھا ہوا تھا۔ جبّار علا
منشیات فروشوں کی نگاہوں میں آجانے کی وجہ سے مارا گ
لیکن ان میں سے کسی کو بھی علم نہیں رہا ہوگا کہ وہ کہاں
مال لا کر بیچتا ہے۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ شہر کے
ہیروئن فروشوں کا موتی دادا سے تعلق ہوتا۔ ان حالات میں ا
جبّار کا قصہ گول کر جاتا تو موتی دادا کو کانوں کان بھی خبر
کہ کہیں اس کی ہدایات سے انحراف کیا گیا ہے لیکن مشکل یہ
تھی کہ طارق روڈ کی مارکیٹ کے سہارے جبّار نے اسے ب
لاعلم رکھ کر فروخت ایک سو بیس پڑیوں کے لگ بھگ پ
تھی۔ اس اضافے کے بعد حامد اچانک تیس چالیس کے او
آجاتا تو موتی دادا اس سے اس کمی کے بارے میں ضرور باز
کرتا اور اس کے پاس سچ کے اعتراف کے سوا کوئی چارۂ کار
نہ رہتا۔

اس اعتراف کے نتائج خود حامد کے حق میں مضر ہو
سکتے تھے۔ موتی دادا اس خلاف ورزی پر ناراض ہو کر اپنی
سے حامد کا نام خارج کر سکتا تھا لیکن راستے بھر غور و خوض
بعد حامد اس نتیجے پر پہنچا کہ آئندہ کے لیے اپنی راہ سیدھی ر
کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ پوری کتھا موتی دادا کے گوش گزا
اپنا فیصلہ اسی پر چھوڑ دے۔

موتی دادا سے ملاقات کا مرحلہ تو شام کو پیش آنا تھا
کے لیے فوری کام یہ تھا کہ اپنے بیگ میں موجود پڑیوں میں
بتیس کا پیکٹ تیار کرے تاکہ یونیورسٹی واپس جا کر مردان خا
ذریعے ضرورت مندوں کی حاجت روائی کر سکے۔

مکھن خان اپنے پیشے میں بہت بدنام آدمی تھا۔ اس کا
ہر شخص کے لیے کھلی کتاب کی مانند تھا کیونکہ موج میں آ کر
محفل میں فخریہ لہجے میں خود ہی اپنی کہانی لے بیٹھتا تھا۔ جس
رُو سے اس کی ولادت باسعادت ہونے کے بجائے فطرت
قوانین کے سراسر منافی تھی کیونکہ وہ نیپیئر روڈ پر ایک بائی جی
بطن سے پیدا ہوا تھا جو کوشش کے باوجود اپنے اس گناہ کو کبھی
باقاعدہ کھاتے میں نہ ڈال سکی تھی۔ یہاں باپ بنانے کی دھمکی
کر اپنے یہاں آنے والے کئی شرفا سے اس کی ولادت کے اخ
کے نام پر خاصی معقول رقمیں اینٹھنے میں ضرور کامیاب ہو
لیکن مکھن خان نے طبلے کی تھاپ اور پائل کی جھنکار میں ہو
سنبھالا تو اسے اس کے باپ کا نام نہ بتا سکی۔

شروع سے اس کی کمزور ذات کو کسی باپ کے نام کا

اسہارا مل جاتا تو شاید اس کی تعلیم و تربیت پر بھی توجہ دی
نی لیکن اسے ابتدا ہی سے پیسے بٹورنے کے ڈھب پر ڈال
گیا۔ بالی جی کے ہر خریدار کو باپ بنا کر وہ جونک کی طرح اس
یٹ جاتا اور اس وقت تک خلوت سے سرکنے کا نام نہ
پیٹ جاتا اور اس وقت تک بِن بلائے باپ سے دو چار روپے نہ ہتھیا لیتا۔
جب تک بِن بلائے باپ سے دو چار روپے نہ ہتھیا لیتا۔
اں کی ابتدائی تربیت کے بعد چھری چکاری اور مار دھاڑ
ں اس نے ملکہ حاصل کیا۔ پھر اس کے ہاتھوں ایک دو قتل بھی
رزد ہو گئے لیکن گواہوں اور کسی ٹھوس ثبوت کی عدم موجودگی
باعث وہ قانون کی گرفت سے آزاد ہی رہا اور آخر کار منشیات
دشی اختیار کرلی۔ اس کا اندازہ تھا کہ کم سے کم خطرات مول لے کر
قرترین مدت میں پیسہ کمانے کے لیے وہ بہترین پیشہ تھا۔ اس
ھندے میں اس نے خاصا مال اور نام کمایا تھا۔ منشیات سے
تعلق جملہ امور میں اس کی رائے دھیان سے سُنی جاتی تھی لیکن
سے دکھ تھا کہ مال کی پکڑ دھکڑ کے سلسلے میں ہونے والی میٹنگ
یں اس کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی تھی۔ جمع ہونے والے سب
وگ اپنی اپنی بولیاں بول کر کسی نتیجے پر پہنچے بغیر منتشر ہو گئے تھے۔

لیکن مکھن خان کا ذہن مسلسل اس مسئلے میں اُلجھا رہا۔ آبکاری
ور پولیس کی کارروائیوں کے نتیجے میں اپنی سرگرمیوں سے عارضی
طور پر دستبرداری اسے توہین آمیز محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اتنے مالی
وسائل کا مالک تھا کہ چند روز کی آمدنی اس کے لیے بے وقعت
تھی بس یہ توہین اور شکست کا احساس ہی تھا کہ وہ مصائب کے
ناگہانی آغاز کے بارے میں سوچے جا رہا تھا اور پھر اس کے
ذہن میں آیا کہ عبداللہ جیسے کروڑپتی سے لے کر ٹھاکر جیسے
بے مایہ دلال تک اس اجلاس میں موجود تھے لیکن عیسٰی خان
غیر حاضر تھا جسے مقرب خان کی موت کی صورت میں سب سے
بھاری نقصان اٹھانا پڑا تھا۔

عیسٰی خان کا شمار شہر کے پردہ نشین منشیات فروشوں میں
ہوتا تھا۔ خود سامنے نہ آکر وہ اپنی دانست میں خود کو محفوظ تصور
کرتا تھا لیکن بازار میں دھندا کرنے والے باخبر لوگ اچھی طرح
جانتے تھے کہ مقرب خان شہر میں کس کا مال بیچتا ہے اور مقرب خان
کچھ دن پہلے پُراسرار طور پر مار ڈالا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ
عیسٰی خان اپنے سب سے وفادار آدمی سے محروم ہو گیا تھا اور
اس قابل نہیں رہا تھا کہ حالات معمول پر آنے پر بھی مال بازار میں
پہنچا سکے۔ اس کی رگوں میں قبائلی خون دوڑ رہا تھا۔ لہٰذا اسے
مقرب خان کی ہلاکت پر برہم ہونا چاہیے تھا۔ کاروبار کے لیے
نہ سہی، مقرب خان کے قاتلوں تک رسائی کی فکر میں اسے اجلاس
میں آنا چاہیے تھا لیکن وہ غیر حاضر رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ

وہ بذاتِ خود عیسٰی خان سے مل کر یہ نکتہ صاف کرنے کی کوشش کرے گا۔

عیسٰی خان نے اپنے دفتر میں اس کا استقبال تحیر آمیز گرمجوشی سے کیا۔ "آج تم کیسے ادھر نکل آئے مکھن خان؟" اس نے پُرجوش مصافحہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اکیلے میں کچھ بات کرنا ہے عیسٰی خان!" مکھن خان نے سنجیدگی سے کہا اور عیسٰی خان ہاتھ تھام کر اسے دفتر کے عقبی کمرے میں لے گیا جہاں فرش پر دبیز قالین کے ساتھ کئی گاؤ تکیے بھی دیواروں کے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ اندر پہنچ کر عیسٰی خان نے دروازہ بند کر لیا۔

"تم میٹنگ میں نہیں آئے تھے؟" مکھن خان نے اس کے ہمراہ قالین پر بیٹھتے ہوئے براہِ راست مطلب کی بات چھیڑ دی۔

"ہاں - پیغام تو ملا تھا۔" اس نے حیرت سے کہا۔ "لیکن میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ تمہاری برادری کے اجلاس میں میرا کیا کام تھا؟"

"برا نہ ماننا عیسٰی خان!" مکھن خان اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "ہم بازار میں آنکھیں کھول کر رہتے ہیں اور برادری کے اندر، باہر والوں کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں، تمہیں اپنا سمجھ کر اس اہم اجتماع میں بلایا گیا تھا۔"

"کیوں؟" عیسٰی خان نے تیوریاں چڑھا کر سوال کیا۔ "یاری دوستی اپنی جگہ ہے لیکن تمہاری لائن سے اپنا کیا واسطہ؟"

"جاننے والے جانتے ہیں کہ مقرب خان تمہارا مال بیچتا تھا۔" مکھن خان نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "تم اس سے انکار نہیں کر سکتے۔"

"خدا غارت کرے۔" عیسٰی خان مٹھیاں بھینچ کر غصیلے لہجے میں بولا۔ "بدنام کر دیا مجھے اس خدائی خوار نے... وہ اپنے فعل کا خود ذمے دار تھا، مجھے کیا معلوم کہ یہاں سے جانے کے بعد وہ کیا کرتا ہے۔ برے کام کا انجام ہی برا ہوتا ہے، میں اس کا شریک کیوں ہونے لگا؟"

وہ کسی طرح پکڑائی دینے کے لیے تیار نہیں تھا، اس کا رویہ دیکھ کر مکھن خان حیران رہ گیا اور براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "اچھی طرح سوچ لو عیسٰی خان! اگر یہی بات ہے تو اب بازار میں تمہارے نام سے دھندا کرنے والے بے دریغ مار دیے جائیں گے۔"

عیسٰی خان کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے تشویش کے سائے دوڑ گئے۔ مکھن خان کو امید ہوئی کہ شاید اس کا وار کارگر ہو گیا ہے لیکن عیسٰی خان نے فوراً ہی سنبھالا لے لیا اور پُرسکون لہجے میں بولا۔ "دھندا کرنے والے موم کے پتلے نہیں ہوتے مکھن خان! لیکن میری طرف سے تمہیں پوری اجازت ہے، میں نے نہ کبھی غلط دھندا کیا ہے اور نہ کروں گا۔ کل کو اگر تم خود کو میرا آدمی کہنا شروع کر دو تو مجھے کیا علم ہوگا۔ مجھے تو مقرب خان کے مرنے کے بعد پتا چلا ہے کہ وہ بازار میں چرس سپلائی کرتا تھا۔"

"میرا یہاں آنا بے سود ثابت ہوا ہے عیسٰی خا" نے اٹھتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "میرا خیال تھا کہ تمہارا پرانا نمک خوار تھا، اور کچھ نہیں تو تم اس کے خو کے لیے ہی مجھ سے تعاون کرو گے۔"

"وہ میرا وفادار تھا اور مجھے اس کی موت کا غم مکھن خان! لیکن میں اس کی موت سے لاتعلق ہوں، وہ میں نہ مارا گیا ہوتا تو پھر میں دیکھتا کہ اس کی لاش گرا روئے زمین پر کہاں امان ملتی ہے۔"

ان دونوں نے مسکراتے ہوئے الوداعی مصافحہ کیا میں لڑاکا مرغوں کی سی چمک لیے ایک دوسرے کو گھور

مکھن خان نے بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے اپنی کا کے دفتر سے خاصی دور چھوڑی تھی۔ وہ بوجھل قدمو طرف چل دیا لیکن راستے ہی میں مستریوں جیسے لباس ایک دراز قامت شخص نے اسے آلیا۔ "صاب! مجھے بات کرنی ہے، ادھر اگلے نکڑ پر آجاؤ۔" تیز سرگوشیا میں کہتے ہوئے وہ شخص سرعت کے ساتھ آگے بڑھتا

اس کے حلیے سے مکھن خان نے اندازہ لگا لیا تھا کے ٹرکوں پر کام کرنے والا کوئی مستری یا کلینر تھا لیکن پُراسرار رویے کا سبب فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہ مکھن خان کار اسٹارٹ کر کے آگے روانہ ہوا تو وہ د شخص نکڑ پر کھڑا تجسس آمیز انداز میں عقب سے آ کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ مکھن خان نے دو بار ہا بجایا تو وہ چونکا اور اس کا اشارہ پاتے ہی لپک کر کار کا

"بیٹھ جاؤ۔" مکھن خان نے کہا اور وہ پھرتی سے د کر اس کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔ مکھن خان گیئر میں ڈال کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

دراز قامت اجنبی چند ثانیوں تک بے چینی سے پہلو بدلتا رہا پھر ٹریفک صاف دیکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں عیسٰی خان اول درجے کا جھوٹا آدمی ہے، وہ ساری باتیں تم ہے، مقرب خان اسی کے کام میں مارا گیا ہے۔"

مکھن خان نے سر گھما کر تیکھی نظروں سے اس کا جائ خشک لہجے میں بولا۔ "بہتر ہوگا کہ پہلے اپنا تعارف کرا دو۔"

"مقرب خان میرا بھائی تھا، اسی نے مجھے عیسٰی خان کلینر بھرتی کرایا تھا۔" وہ بتانے لگا۔ "میرا نام عقرب خان ہے" سے ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے مقرب خان میرے اور سلطان شاہ

ہم تینوں اندھیرے میں ایک آدمی کے بنگلے میں اترے تھے۔ وہ
ہم سے ڈر کر بھاگ نکلا اور مقرب خان ہمیں واپسی کا حکم
اس کے پیچھے چلا گیا۔ رات کو وہ ڈیرے پر واپس نہیں لوٹا
اگلی صبح اپنی کار میں اس کی لاش ملی۔
اس کے انکشاف پر مکھن خان چونکا مگر لہجے میں عدم دلچسپی
برقرار رکھتے ہوئے بولا: "تمھیں یہ سب پولیس کو بتانا چاہیے تھا،
پاس کیوں چلے آئے؟"
عیسیٰ خان نے ہم دونوں کو زبانیں بند رکھنے کا حکم دیا
ہے۔" عقرب خان نفرت آمیز لہجے میں بولا: "وہ مقرب خان
قاتلوں سے مل گیا ہے یا پولیس سے ڈرتا ہے۔ مگر صاب!
خان میرا بڑا بھائی تھا، میرا خون اُبل رہا ہے، عیسیٰ خان
ڈر نہ ہوتا تو کم از کم اسی آدمی کو مار ڈالتا جس کے بنگلے میں
اترے تھے۔ میں تمھیں جانتا ہوں، میں نے چھپ کر تمھاری
عیسیٰ خان کی باتیں سنی ہیں۔ تم مقرب خان کے ہمدرد معلوم
ہوتے ہو لیکن عیسیٰ خان نے تمھارے سامنے اپنی ساری قمّے داری
مرنے والے پر ڈال دی۔ شاید میری بات سے تمھیں کچھ
مل جائے۔ یقین کرو کہ تم مقرب خان کے انتقام کے لیے اس
کے دشمنوں پر وار کرنے میں مجھے پیش پیش پاؤ گے۔"
"لیکن عیسیٰ خان تمھیں اس کی اجازت کب دے گا؟"
خان نے لوہا گرم دیکھ کر اس کی اَنا پر وار کیا۔
"میں اس کا زرخرید نہیں ہوں مکھن خان!" وہ تلملا کر بولا۔
بازار کے بڑے ضرور ہو مگر آدمی کی پہچان نہیں کر سکتے، زیادہ تاؤ
دلایا تو قسم رب العزت کی۔ ابھی عیسیٰ خان کے سینے میں گولی اتار
دوں گا پھر پوچھوں گا کہ تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟"
"کوئی ہتھیار بھی ہے تمھارے پاس؟" مکھن خان نے نرم لہجے
میں سوال کیا۔ اناڑی نہایت آسانی کے ساتھ کھلاڑی کے جال میں
پھنستا جا رہا تھا۔ عقرب خان نے اندرونی جیب سے ریوالور نکال
کر اس کی گود میں ڈال دیا۔
"رکھ لو اسے۔" مکھن خان نے کہا: "مجھے یقین آ گیا کہ تم سچے ہو۔
عیسیٰ خان بہت کمینہ اور احسان فراموش آدمی ہے، وہ میرا پروگرام
بدلنے کے لیے اپنے کسی آدمی کو بھی میرے پیچھے لگا سکتا تھا۔" وہ
نشاندہیوں کے لیے خاموش ہوا پھر بولا: "اچھا اس آدمی کا نام بتاؤ
جس کے مکان میں تم تینوں کودے تھے۔"
"نام نہیں معلوم، ہمیں مقرب خان نے بس اسی روز تھوڑی
دیر کے لیے ساتھ لیا تھا ورنہ وہ شہر بھر میں کسی غلام قادر کو
ڈھونڈتا پھر رہا تھا جس نے عیسیٰ خان کو کوئی بڑی چوٹ دی
تھی۔" عقرب خان بتا رہا تھا: "مقرب خان کا خیال تھا کہ وہ
آدمی ضرور غلام قادر کی نشاندہی کر سکے گا کیونکہ کسی زمانے
میں دونوں گہرے دوست تھے۔"
غلام قادر کا نام آتے ہی مکھن خان چونک پڑا۔ شہر کے
مضافاتی علاقوں کا وہ بدنام ترین شورہ پشت تھا۔ "تو پھر ابھی
کام شروع کر دیتے ہیں؟" اس نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔
"ہاں ہاں۔" عقرب خان پُرجوش لہجے میں بولا: "ابھی اور
اسی وقت چلو۔"
اور تھوڑی دیر بعد اس کی کار عقرب خان کی نشاندہی پر
طارق کے مکان کے سامنے رک گئی۔ مکھن خان نے انجن بند کر دیا۔
نام کی تختی پڑھ کر مکھن خان کی پیشانی پر تشویش آمیز لکیریں
ابھر آئیں۔ پورا شہر واقف ہو یا نہ ہو لیکن وہ اچھی طرح جانتا
تھا کہ طارق کا تعلق کسی بہت طاقتور گروپ سے تھا اور شہر میں
چرس سپلائی کرتے کرتے اس نے اچانک اپنی لائن بدل لی تھی۔
وہ خود تو پسِ پردہ رہ کر ایک اسٹیٹ ایجنسی اور کچھ چھوٹا موٹا
کاروبار چلاتا تھا لیکن بعض وفادار اور بعض پرانے دلالوں کے
ذریعے ہیروئن شہر میں پھیلانے لگا تھا۔
پھر اچانک ہی اس کے ذہن کی ساری گرہیں کھلتی
چلی گئیں۔
چھاپوں اور مال کی پکڑ دھکڑ کے سلسلے میں اہم ترین نکتہ
جسے سارے پرانے پاپی مسلسل نظر انداز کیے جا رہے تھے، یہ تھا
کہ چھاپوں میں چرس، افیم اور راکٹ سے لے کر ولایتی شراب تک
ہر نشہ پکڑا جا رہا تھا لیکن ہیروئن کی سپلائی کسی خلل کے بغیر
برقرار تھی۔
خواہش کے باوجود وہ فوری طور پر طارق کے مکان میں
گھسنے کی ہمت نہ کر سکا۔
"کس سوچ میں پڑ گئے؟ اترو گاڑی سے۔" اسے سوچ
میں ڈوبا دیکھ کر عقرب خان نے کہا۔
"ابھی نہیں... ذرا سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہو گا۔" مکھن خان
نے کہا: "اس وقت یہی کافی ہے کہ تم نے مجھے گھر دکھا دیا، اب
میں مقرب خان کے قاتلوں کو گریبان سے پکڑ سکوں گا۔"
"مگر یہ فرض تو میں خود انجام دینا چاہتا ہوں، تم بس
اشارہ کر کے دیکھو۔" نوجوان عقرب خان نے احتجاج کیا۔
مکھن خان نے اگنیشن کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ واپس کھینچ
لیا اور عقرب خان کے دفورِ جوش سے تمتماتے ہوئے چہرے پر
نظریں جما کر بولا: "تم مُصر ہو تو ابھی ابتدا کیے دیتے ہیں۔ تم اندر
چلو، میں چند منٹ بعد آتا ہوں۔ کوئی بھی سامنے آئے اور مزاحمت
پر آمادہ ہو تو بے دریغ گولی مار دینا۔"

عقرب خان کچھ سمجھے بوجھے بغیر اس مکار کی چال میں آگیا اور سینہ پھلائے ہوئے کار سے اتر گیا۔

مکھن خان زیر لب مسکراتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اب وہ بیک وقت عیسیٰ خان اور طارق کو بوکھلا کر رکھ دے گا۔ کیونکہ کسی نے بھی عقرب خان کو اس کے ساتھ آتے نا دیکھا ہوگا۔

طارق کے مکان کے قریب سفید کار سے ایک آدمی کو اترتے دیکھ کر خطرناک صورت والے کے ہونٹوں پر سفاکانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

کئی روز سے وہ اپنے نمبر دو کے ساتھ بارہ بارہ گھنٹے بعد ڈیوٹی بدل کر طارق کی لاعلمی میں اس کی نگرانی کر رہا تھا۔ چوبیس گھنٹے ان دونوں میں سے ایک نہ ایک سائے کی طرح طارق کے تعاقب میں لگا رہتا تھا لیکن ابھی تک کوئی قابل ذکر بات نوٹ نہیں کی جاسکی تھی۔ بی فور کا خیال تھا کہ طارق بعض حریفوں کی نگاہ میں آجانے کے باعث تنظیم کے لیے خطرناک ہو گیا تھا۔ اس کی جگہ کوئی عام رُکن ہوتا تو کبھی کا راستے سے ہٹا دیا گیا ہوتا۔ کیونکہ دوسروں کی نگاہوں میں آکر مخدوش ہو جانے والے اراکین زخمی اور بیمار گھوڑوں کی طرح گولی مار کر ختم کر دیے جاتے تھے مگر طارق برسوں پرانا ایک تجربہ کار رُکن تھا۔ اس کی ذات سے پیدا ہونے والے خطرات کی واضح نشاندہی کے بغیر، بی فور اس سے محروم ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اسی لیے اس کی کُل وقتی نگرانی کا بکھیڑا پھیلایا گیا تھا اور اس وقت خطرناک صورت والا اپنی سُرخ کرولا کے تاریک شیشے چڑھائے، ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ بی فور کے خدشات کبھی بے بنیاد نہیں ہوتے۔

تاریک ونڈ شیلڈ کے اس پار کار سے اترنے والا دراز قامت سایہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا کہ سفید کار کی باڈی میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوا اور پھاٹک کی طرف بڑھنے والے نے چونک کر اپنا سر پیچھے گھمایا، شاید سفید کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز نے اسے بھڑکایا تھا، ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص کا ہاتھ اپنی سمت کی کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر نکلا اور ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ گولی دراز قامت کے سر میں پیوست ہوگئی۔ وہ جس انداز میں تیورا کر فٹ پاتھ پر ڈھیر ہوا اسی سے خطرناک صورت والے نے اندازہ لگا لیا کہ فائر کرنے والے کا نشانہ قابل رشک تھا۔

اس نے اضطراری طور پر اپنی کار کا انجن اسٹارٹ کیا اور سفید کار کے آگے بڑھ جانے کے بعد خود بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ وہ خود بھی کسی پیشہ ور قاتل سے کم نہیں تھا لیکن اپنی نگاہوں کے سامنے کسی دوسرے کے ہاتھوں ایک ...
سفاکانہ قتل پر اس کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی ... والے کے ابتدائی پُراعتماد رویے کے بعد سفید کار کے ... ہونے پر اس کا چونکنا اس امر کی دلیل تھا کہ مرنے والا ... شکار ہوا تھا۔ جسے وہ اپنا دوست سمجھ رہا تھا، اس نے ... میں اس پر وار کر ڈالا تھا مگر خطرناک صورت والا ... کہ قاتل نے اس سفاکی کے مظاہرے کے لیے طارق ... مکان کا انتخاب کیوں کیا تھا؟

اگر وہ طارق کو کسی چکر میں پھنسوانا چاہتا تھا تو ... گھر کے قریب دن دہاڑے کسی کو گولی مارنے سے ... کہ رات کی تاریکی اور سناٹے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ... لاش ڈال دی جاتی لیکن سفید کار والے نے اس آسان ... خطرناک طریقے کے بجائے ایسی راہ منتخب کی تھی جس ... کی نشاندہی کے زیادہ امکانات موجود تھے۔ خطرناک صو... کافی دیر تک سوچنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ سفید ... نے محض طارق کو دہشت زدہ کرنے کے لیے وہ طر... اختیار کیا تھا۔ شاید وہ اسے جتانا چاہتا تھا کہ جس آسانی ... نے ایک آدمی کو وہاں گولی مار دی تھی، اسی طرح کسی ... بے خبری میں طارق کے سر کا نشانہ بھی لے سکتا تھا۔

وہ خیالات کی رو میں کھویا رہا، ہوش اس وقت ... بڑی سڑک سے ذیلی گلیوں میں کئی موڑ گھومنے کے بعد ... نے خود کو پھر بڑی سڑک پر پایا۔ مین روڈ پر گھومتے ... کار کی رفتار یک بیک تیز ہوگئی۔ خطرناک صورت والے ... اپنی کار کی رفتار بڑھا دی۔ شاید قاتل کو اپنے تعاقب ... گیا تھا اور اسی کی تصدیق کے لیے تیز رفتاری اختیار کی ... پہلے اس نے بے مقصد کئی گلیوں میں چکر کاٹے تھے۔

شہر کی بھری پُری سڑکوں پر سفید کار کی رفتار ... حد تک تیز تھی اور قاتل بریک اور اسٹیئرنگ وھیل پر ... کا مظاہرہ کرنے پر تلا ہوا تھا، اس کی پوری کوشش یہی ... تھی کہ تعاقب کرنے والے کو کہیں ٹریفک کے ہجوم میں ... ہوا چھوڑ کر خود اس مشینی سیلاب میں روپوش ہو جائے لیکن ... کرولا والا بھی دھن کا پکا تھا۔ وہ مسلسل سفید کار کے پیچھے ... ایک دو مقامات پر اسے خدشہ ہوا کہ کہیں اس کا شکار ... نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے تو اس نے سُرخ بتی جلنے ... کے باوجود سگنل پر رُکنے سے گریز کیا اور اگلی کار کے ... ہی رہا۔

اگر سفید کار والا محض ایک مشکوک شخص ہوتا تو خط...

ت والا شاید اس کے تعاقب میں اتنی سرگرمی کا مظاہرہ نہ کرتا
وہ طے شدہ قاتل تھا اور اپنے جرم کا ثبوت طارق کے بنگلے
ریب چھوڑ آیا تھا۔ اس کا سراغ کھو دینے کی صورت میں
ر کی کڑی بازپرس سے جان بچنی محال تھی۔
آخر اگلی کار شہر کے پسماندہ علاقوں کی طرف گھوم گئی۔ بسم اللہ
اور منگھو پیر کے بعد پل عبور کر کے وہ پٹھان کالونی کی
بڑھنے لگی۔ رفتار بڑھانے کا کوئی فائدہ نہ ہونے کے
اس نے اعتدال کے ساتھ ڈرائیونگ شروع کر دی تھی۔
بار خطرناک صورت والے کا دل چاہا کہ اس کے پہلو میں جا کر
دباتے ہوئے اسے روکنے کی کوشش کرے لیکن وہ اس کے
میں جانے کی ہمت نہ کر سکا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ مسلح ہے
پنے نشانے پر پوری طرح قادر ہے، اگر خود کو گھرا ہوا محسوس
ے خونریزی پر اتر آیا تو وہ اس کی زد میں آنے سے نہ بچ
گا۔

قصبہ کالونی کے بعد ویران سڑک شروع ہو گئی اس وقت
اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ دونوں حریف ایک
ے کی موجودگی سے باخبر تھے اور اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ
میں سے جس کا ہاتھ بھاری پڑ گیا، وہ دوسرے کے ساتھ ذرا
رعایت سے کام نہیں لے گا۔
خطرناک صورت والے کو احساس ہوا کہ قاتل کہیں اسے
انے کی کوشش نہ کر رہا ہو۔ وہ خود اس قدر کھل کر سامنے آ
نے کے بعد چوہے بلی کے اس کھیل میں وقت برباد کرنا
ود سمجھ رہا تھا۔ اسے بی فور کی طرف سے ہر قیمت پر طارق
حفاظت اور اس کے ممکنہ دشمنوں کی نشاندہی کا حکم ملا تھا۔ اس
لیے ہر قیمت کا اشارہ معنی خیز تھا اور وہ اچھی طرح جانتا تھا
اس ہدایت کی روشنی میں وہ اپنے طور پر کیا کچھ کر سکتا ہے۔
اس نے سیٹ کے نیچے سے اپنا بھرا ہوا پستول نکال کر
د میں رکھ لیا، دوسری بار وہ نیچے جھکا تو اس کے ہاتھ میں
مہلک ہتھیار آ گیا جو بھاگنے والے قاتل کا قصہ ہی تمام کر سکتا
منگھو پیر کے تھانے کے سامنے سے دونوں گاڑیاں آگے
ر گئیں اور جب وہ دوسری بار ویرانے میں کچھ دور نکل آئے
خطرناک صورت والے نے اپنی پوزیشن سے فائدہ اٹھانے کا
یصلہ کرتے ہوئے اپنی کار کی رفتار بڑھا دی۔
دونوں کاروں کا درمیانی فاصلہ تیزی سے کم ہونے لگا
طرناک صورت والے نے بائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر
ہنے میں بھرا ہوا پستول تھام کر ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال لیا۔
گلی کار کے اچانک رکنے کی صورت میں وہ اپنی کار کچے میں

آتار لے جانے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔
ضروری حد تک قریب آ جانے کے بعد اس نے لحظہ
بھر کے لیے رفتار ذرا سست کی اور اگلی کار کے داہنے عقبی ٹائر
پر فائر کر دیا۔ پہلی بار نشانہ خطا گیا، اگلی کار کے ڈرائیور نے صورتحال
بھانپتے ہی اپنی کار کو سڑک پر لہرانے کے لیے داہنی طرف
اسٹیئرنگ کاٹا تو ایک قلیل سے وقفے کے لیے عقبی ٹائر کا زیادہ
حصہ خطرناک صورت والے کے پستول کی زد میں آ گیا اور اس بار
بارودی دھماکے کے ساتھ فضا ٹائر پھٹنے کی آواز سے گونج اٹھی۔
خطرناک صورت والے نے جلدی سے پستول برابر والی نشست
پر ڈال کر دستی بم اٹھایا اور دانتوں سے پن کھینچ کر اگلی کار پر
اگلے وار کے لیے تیار ہو گیا۔
اگلی کار کا ایک ٹائر ناکارہ ہو چکا تھا لیکن وہ بدستور سڑک
پر دوڑ رہی تھی۔ خطرناک صورت والا رفتار بڑھا کر اس حد تک
اگلی کار کے قریب پہنچ گیا کہ رفتاروں میں ذرا سی بھی تبدیلی کسی
بدترین حادثے کا بہانہ بن سکتی تھی۔ اگلی کار والے نے عقب نما
آئینے میں اسے سر پر سوار دیکھا تو کھڑکی سے بے مقصد دو
فائر پیچھے جھونک مارے جو رائیگاں گئے اور خطرناک صورت
والے نے اپنی کار پھرتی سے بائیں طرف کچے میں اتارتے ہوئے
دستی بم سفید کار پر اچھال دیا۔
خوفناک دھماکے سے لحظہ بھر پہلے ہی وہ اسٹیئرنگ بائیں
طرف گھما چکا تھا ورنہ اس کی سرخ کرولا اس ڈھانچے میں جا گھستی
ہوتی جو بم پھٹنے کے بعد وجود میں آیا تھا اور تھوڑی دور گھسٹنے کے
بعد بیچ سڑک میں رک گیا تھا۔
سفید کار پر پھینکا جانے والا بم طاقتور اور شاید آتش گیر
تھا کیونکہ آناً فاناً میں سفید کار شعلوں میں گھر گئی تھی۔
خطرناک صورت والا ناہموار کچے میدان میں خاصی دور جا کر
اپنی کار پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکا۔ وہ احتیاط اور سست
روی سے سڑک کی طرف واپس آیا تو دھڑا دھڑ جلتی ہوئی کار
میں شعلوں اور کثیف دھوئیں کے درمیان ایک انسانی ہیولا
جانکنی کی جدوجہد میں مبتلا نظر آیا۔ شاید دھماکے سے زخمی
ہونے کے باعث قاتل بروقت کار سے نکلنے میں کامیاب نہیں
ہو سکا تھا۔
وہ انجن بند کر کے نیچے اتر آیا۔ اس کی نگاہوں میں
سفاکانہ سی لاتعلقی رچی ہوئی تھی اور ہونٹوں پر تضحیک آمیز
مسکراہٹ تھی۔ اس نے پستول والا ہاتھ بلند کیا اور پھر ایک شعلہ
سفید کار میں پھنسے ہوئے بدنصیب قاتل کے سر میں پیوست ہو گیا۔
اگر قاتل نشانے کا پکا تھا تو وہ خود بھی اناڑی نہیں تھا۔

اپنے شکار کی لاش کو قیمتی چتا میں جلتا چھوڑ کر وہ تیز رفتاری کے ساتھ شہر کی طرف واپس روانہ ہوگیا۔

وہ طارق کے مکان سے خاصی دور ایک محفوظ گلی میں اپنی کار پارک کرنے کے بعد جائے واردات پر پہنچا تو وہاں پولیس کے عملے کے ساتھ تماشائیوں کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ طارق کے مکان کا پھاٹک کھلا ہوا تھا اور اندر موجود سرکاری گاڑیوں اور وردیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ طارق کو پولیس افسران نے فوری طور پر شامل تفتیش کر لیا تھا۔

***

فائر کی آواز اور پھر ایک دلدوز چیخ سن کر طارق بے چین ہوگیا۔ آوازیں بہت قریب کی تھیں۔ وہ مٹھیاں بھینچے بے بسی کے عالم میں خوابگاہ میں ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے تکیے کے نیچے سے ریوالور نکال کر اس کے راؤنڈز چیک کیے اور سیفٹی کیچ ہٹا کر ریوالور تھامے پھر اسی انداز میں ٹہلنے لگا۔

اوپر والوں سے اس کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ سارے احکام جہانگیر سے ملتے تھے اور آخری حکم یہ تھا کہ وہ ان تینوں سے دور رہے گا، حتیٰ کہ فون پر بھی ان سے رابطہ قائم نہیں کرے گا، خواہ دنیا ہی ادھر کی ادھر کیوں نہ ہو جائے پھر یہ عجیب اتفاق تھا یا اوپر والوں کی کوئی سازش کہ تین دن سے اس کا فون بالکل بے جان پڑا ہوا تھا۔

جہانگیر نے گوشہ نشینی کا حکم دیتے ہوئے اسے یہ ضرور بتایا تھا کہ اس کی دن رات حفاظت کی جائے گی لیکن طارق جب بھی کسی ضرورت کے تحت گھر سے نکلا، اپنے قرب و جوار میں کسی ایسے آدمی کی نشاندہی میں کامیاب نہ ہو سکا جسے اپنا محافظ یا نگراں سمجھ سکتا۔ ویسے مقرب خان والے واقعہ کے بعد سے وہ خود اتنا شرمسار اور خوفزدہ تھا کہ کبھی کبھی گھر کی تنہائی سے بھی اسے ہول آنے لگتے تھے۔ وہ جہانگیر سے اس کے حکم کا سبب دریافت کرنے کی جرأت تو نہ کر سکا لیکن یہ اندازہ ضرور لگا لیا تھا کہ مقرب خان کے بعد بھی معاملہ صاف نہیں ہوا تھا اور باس مقرب خان کے ہمدردوں کو اس کی ذات کے سہارے دوسروں تک رسائی کا ذرا بھی موقع نہیں دینا چاہتا تھا اور طارق خود بھی نادانستگی میں مخالفین کا آلۂ کار نہیں بننا چاہ رہا تھا۔

لیکن وہ فائر کس نے کیا؟ چیخ کس کی تھی؟ کہیں اس کے نادیدہ محافظوں نے تو کسی دشمن کو موت کے گھاٹ نہیں اتار دیا تھا؟ وہ سوچتے سوچتے مضطرب ہو کر خوابگاہ سے باہر نکل آیا اور پھر ڈرائنگ روم کی کھڑکی کا پردہ ہٹاتے ہی اسے اپنے احاطے کی نیچی دیوار کے قریب سر ہی سر نظر آئے۔ اس نے فوراً ہی پردہ چھوڑ دیا۔ خوابگاہ میں واپس آکر ریوالور کا سیفٹی کیچ چڑھایا اور اسے چھپا کر باہر نکلنے کے لیے تیار ہوگیا۔

مرنے والا اس کے پھاٹک سے چند گز دور کچے فٹ پاتھ پر منہ کے بل پڑا ہوا تھا، اس کے سر سے بہنے والا خون کچھ مقدار میں دور تک پھیل گیا تھا۔ اس نے غور سے متوفی کا جائزہ لیا لیکن اسے پہچاننے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کے کپڑوں پر جا بجا تیل اور گریس کے دھبوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ متمول لوگوں کی اس بستی کا رہنے والا نہیں تھا بلکہ کہیں اور سے وہاں پہنچا تھا۔

وہ لاش کا جائزہ لینے کے بعد سوچ میں ڈوبا اندر لوٹا تھا کہ ہجوم میں پولیس پولیس کا شور بلند ہوا اور وہ برآمدے میں رک کر پولیس کی آمد کا منظر دیکھنے لگا لیکن وہ زیادہ دیر تک تماشائی نہ رہ سکا کیونکہ لاش کا اس کے پھاٹک کے قریب پایا جانا اسے اس واردات میں گواہ بنانے کے لیے کافی تھا۔

لاش اس کے لیے اجنبی تھی اور دوسروں کی طرح اس نے بھی کچھ نہیں دیکھا تھا مگر پھر بھی لاش اٹھائے جانے تک پولیس افسران نے اسی کے مکان میں اپنا عارضی دفتر جما لیا۔ یہ سنسنی خیز خبر ملی کہ مرنے والے کے پاس سے ایک بھرا ہوا ریوالور بھی برآمد ہوا اور تفتیشی افسران کچھ اور الجھ گئے۔

مرنے والا یقینی طور پر اس علاقے کا باشندہ نہیں تھا، اس کے ... اور میلے ہاتھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کہیں سے کام کر کے آیا تھا لیکن وہ کس سواری سے وہاں پہنچا؟ اس کے پاس بھرا ہوا ریوالور کیوں تھا؟ وہ کس کی گولی کا نشانہ بنا؟ قاتل کیسے فرار ہوا؟ اس نے مقتول کے خاتمے کے لیے اسی جگہ کا انتخاب کیوں کیا؟ یہ سوالات ایسے تھے جن کے جوابات کی تلاش ... رضاکارانہ پیش قدمی کرنے والوں سے بار بار سوالات کیے گئے۔ طارق بھی اس بازپرس کی زد میں آتا رہا لیکن اس پراسرار واردات کے سلسلے میں کسی سے کوئی مدد نہ مل سکی اور لاش اٹھائے جانے کے بعد تیسرے پہر پولیس کا عملہ بھی بے نیل و مرام واپس لوٹ گیا۔

طارق کا ارادہ وہ شام کلب میں گزارنے کا تھا لیکن ... کی اس دلیرانہ واردات نے اسے اندر سے مضمحل کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کے ستارے ہی گردش میں آگئے تھے جو اس پر لاشوں کی برسات شروع ہوگئی تھی۔ مقرب خان کی لاش سے پیچھا چھڑائے پورا ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ مقدر نے دوسری لاش چوکھٹ پر لا ڈالی تھی۔ ویسے متوفی کے پاس سے بھرے ہوئے ریوالور کی برآمدگی کی اطلاع ملنے کے بعد اسے خاصی حد تک یقین ہو چلا تھا کہ مقتول کا تعلق مخالفین کے کسی کیمپ

روہ اسی کے مکان میں گھسنے کی نیت سے آیا تھا کہ باس
ف سے مامور کیے ہوئے کسی نادیدہ محافظ کی گولی اسے
گئی۔

ذہنی طور پر وہ اس قدر پراگندہ تھا کہ رات کو خاصی
ل کوششوں کے بعد سونے میں کامیاب ہو سکا لیکن اسے پوری
ونے کا موقع نہ مل سکا۔ کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس
اسے چھیڑ گیا تھا، یہ اسے یاد نہ آسکا، البتہ آنکھ کھلی تو کمرے
یرو واٹ کے بلب کی مدھم سی روشنی میں ایک جسیم انسانی
اس کی مسہری کے قریب موجود تھا۔ اچانک طارق کے دل کی
کنیں تیز ہوگئیں اور خوف کے باعث جسم کے سارے مساموں
ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ بہہ نکلا۔

"گھبراؤ نہیں، میں تمہارا دوست ہوں۔" اجنبی نے بھاری
دھیمی آواز میں کہا۔ "بستر چھوڑ کر اپنے اوسان درست کرو،
تم سے کچھ اہم گفتگو کرنی ہے۔" اس کے لب و لہجے اور اطوار
گہرا اطمینان جھلک رہا تھا جیسے طارق کے کمرے میں گھسنے سے
اس نے پوری عمارت کا جائزہ لے کر اس کی تنہائی کا اندازہ
لیا ہو اور اب کسی کی جانب سے دخل اندازی کا کوئی خوف نہ ہو۔

طارق نے بستر سے اٹھتے ہوئے متجسس نگاہوں سے اس کا
زہ لیا تو یہ دیکھ کر اسے خاصا سکون حاصل ہوا کہ اجنبی کے دونوں
ں ہاتھ اس کے پہلوؤں میں جھول رہے تھے۔ اگر وہ کسی بری
ت سے اس کی خوابگاہ میں داخل ہوا ہوتا تو اس کے کسی اضطراری
عمل سے اپنے بچاؤ کے لیے کوئی ہتھیار ضرور سنبھالے ہوتا۔
نے مسہری کے سرہانے ٹٹولتا ہوا سوئچ دبا کر خوابگاہ روشن کر دی۔

وہ دراز قامت اور صحتمند آدمی تھا جس کی آنکھوں میں اس
ت خوابناک اداسی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ
درجہ خوفناک اور کئی جگہ سے کٹا پھٹا ہوا تھا۔ بدن پر خاکی پتلون
اسی رنگ کی سستی سی جیکٹ چڑھی ہوئی تھی۔ مجموعی طور پر
طارق کو کوئی اچھا آدمی نظر نہیں آیا۔ اس کا ذہن فوری طور پر
پنے پھاٹک سے باہر پیش آنے والی قتل کی دلیرانہ واردات کی
طرف بھٹک گیا۔ اس نے سوچا کہ اگر اس کی حفاظت کے لیے کسی
یک آدمی کو مامور کیا گیا ہوتا تو شاید وہ اتنی بے خوفی سے مشتبہ
آدمی کو گولی کا نشانہ نہ بنا پاتا اور وہ فٹ پاتھ پر دم توڑنے کے
بجائے ریوالور بدست طارق تک پہنچ گیا ہوتا۔ اسے بے اختیار
اس بدمعاش نما آدمی کی ذات میں اپنائیت سی محسوس ہونے لگی۔

"تم بیٹھو، میں ذرا منہ پر پانی کے دو چھینٹے مار کر آتا ہوں۔" طارق
نے بستر سے اترتے ہوئے کہا اور خود ملحقہ باتھ روم میں گھس گیا۔

چند منٹوں بعد وہ تولیے سے منہ پونچھتا ہوا باتھ روم سے
باہر نکلا تو یہ دیکھتے ہی ٹھٹک کر رہ گیا کہ اجنبی آرام سے ایک کرسی
پر بیٹھا اس کا پستول اپنے ہاتھوں میں پچکار رہا تھا۔ طارق کو اپنی
حماقت پر افسوس ہونے لگا کہ وہ تکیے کے نیچے سے پستول نکالے بغیر
کیوں وہاں سے ہلا لیکن اگلے ہی لمحے اجنبی نے اس کے ذہن سے
تفکرات صاف کر دیے۔ "یہ بری بات ہے کہ تم نے میری بات پر
آنکھیں بند کر کے اعتماد کر لیا، میری جگہ کوئی دشمن ہوتا تو اس وقت
آسانی کے ساتھ تمہیں تمہارے ہی پستول کا نشانہ بنا سکتا تھا۔" یہ
کہتے ہوئے اس نے بیٹھے بیٹھے پستول طارق کی طرف بڑھا دیا۔

طارق نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے پستول
اس سے لے لیا اور مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "دوستی اور
دشمنی چہرے پر نظر آجاتی ہے لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم کس
حوالے سے میرے دوست کہے جا سکتے ہو؟"

"جسے تم جوابدہ ہو، وہی میرا بھی باس ہے۔" خطرناک صورت
والے کے خدوخال میں گمبھیر سی سنجیدگی رچی ہوئی تھی جیسے وہ برسوں
سے ہنسنے کی صلاحیت سے محروم ہو۔

"جہانگیر نے بھیجا ہے تمہیں؟" طارق نے متجسس لہجے میں
سوال کیا۔

"تم اسے کسی نام سے بھی پکارو، باس صرف باس ہوتا
ہے۔" خطرناک صورت والے نے سپاٹ لہجے میں مبہم سا جواب دیا۔
"فی الحال اعتماد کی فضا قائم کرنے کے لیے یہی کافی ہے کہ میں
نے تمہاری غفلت کے نتیجے میں ہاتھ آیا ہوا بھرا ہوا پستول تمہیں لوٹا
دیا ہے۔ بیٹھ جاؤ اور سوچ کر میرے سوالات کے جواب دو۔" طارق
کرسی کھینچ کر اس کے مقابل بیٹھ گیا تو اس نے کام کی بات چھیڑ دی۔
"قتل کی واردات کے بارے میں تمہارے ساتھ پولیس کا رویہ کیسا تھا؟"

"سرسری انداز میں پوچھ گچھ کی گئی تھی۔ بس ایک سوال ذرا ٹیڑھا
تھا کہ قاتل نے مقتول کو مارنے کے لیے اسی جگہ کا انتخاب کیوں کیا؟
لیکن کسی کے بھی پاس اس کا جواب نہیں تھا۔ وہ کہیں بھی مارا جاتا،
یہ سوال ضرور پیدا ہوتا۔ اسی لیے میں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔"

"لاش تو دیکھی ہوگی تم نے؟ مرنے والا کون تھا؟" اجنبی کی
سرد اور اداس آنکھیں مسلسل طارق کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"میرے لیے اجنبی تھا۔" طارق نے اپنی کرسی میں پہلو بدلتے
ہوئے جواب دیا۔ "لیکن تمہاری نگاہوں کی داد نہ دینا زیادتی ہوگی
کہ تم نے اس کے اندر داخل ہونے سے پہلے ہی اس کے عزائم
بھانپ کر اس کا پتا صاف کر دیا، اس کے پاس سے بھرا ہوا ریوالور
برآمد ہوا تھا۔"

"عیسیٰ خان کے آدمی تمہارے پیچھے کیوں لگے تھے؟" وہ کسی
سانپ کی طرح پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"شاید غلام قادر پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں میری طرف متوجہ ہوئے ہوں" تھوڑے سے تذبذب کے بعد طارق نے جواب دیا۔ "میں بازار سے ملنے والی خبروں پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔ سنا ہے کہ غلام قادر سے عیسیٰ خان کی کچھ ٹھن گئی ہے۔"

"غلام قادر سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" اجنبی نے سوال کیا۔

"وہ میرا پرانا دوست ہے" طارق نے کہا۔ "کبھی کبھار ہم کارڈز کھیلنے کے لیے جمع ہوتے رہتے تھے۔"

"غلام قادر آج کل کیا کر رہا ہے؟" اجنبی نے ایک گہرا سانس لے کر سوال کیا۔

"یہ نہیں معلوم" طارق نے صاف دلی سے اعتراف کر لیا۔ "ایک دوسرے کے کام کاج کے بارے میں ہم زیادہ بات نہیں کرتے، ویسے ان دنوں وہ خاصا خوشحال نظر آتا ہے۔"

"تم جو کچھ کر رہے ہو، اس کے پیشِ نظر یہ لاعلمی عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔" اجنبی کرسی سے اٹھ گیا۔ "غلام قادر آج کل ہیروئن بیچ رہا ہے۔"

"نہیں۔" تحیّر اور بے یقینی کے عالم میں طارق اُچھل پڑا۔ "کون سا علاقہ تھا اس کے پاس؟"

"ضروری نہیں کہ شہر کا ہر شخص کسی نہ کسی علاقے میں محدود ہو۔" اجنبی نے ٹہلتے ہوئے کہا۔ "میں بس اتنا جانتا ہوں کہ وہ ہماری سیلز فورس کا آدمی ہے، تم سے نہ سہی کسی اور بڑے سے اس کا رابطہ ہوگا۔ میرا تعلق تنظیم کے انتظامی شعبے سے ہے، ہم سیلز فورس کو پسِ پردہ تحفظ فراہم کرنے کے ذمے دار ہیں۔ مختلف مواقع پر بارہا تمہاری نگرانی کی گئی۔ محض یہ دیکھنے کے لیے کہ کوئی تمہاری راہ پر نہ لگا ہوا ہو۔ یہ بدقسمتی رہی کہ ایسے کسی بھی موقع پر تمہیں اور غلام قادر کو یکجا نہیں دیکھا گیا ورنہ بروقت تمہیں اس سے دور رہنے کی ہدایت مل جاتی۔"

اجنبی کی گفتگو سن کر طارق کو اپنی اہمیت کا احساس ہونے لگا۔ جب سے اس نے جہانگیر، ڈینی اور نادر کے ساتھ مل کر کسی پُراسرار شخص کے لیے کام شروع کیا تھا، اس کا واسطہ ابتدا میں ڈینی اور پھر جہانگیر تک محدود رہا تھا۔ انھیں کس سے اور کس طرح ہدایات ملتی تھیں، یہ اسے معلوم نہیں تھا لیکن اب پہلی بار تنظیم کا ایک اہم آدمی کھل کر اس کے سامنے آیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ پُراسرار باس اپنے لیے کام کرنے والوں سے کبھی بھی غافل نہیں رہا تھا۔ اپنے ہر آدمی کی انفرادی کارگزاری سے بھی باخبر رہتا تھا۔ عیسیٰ خان کے آدمیوں سے چپقلش کے اس نازک دور میں اجنبی کا یوں اچانک اس سے آملنا اسے بے حد اہم محسوس ہو رہا تھا۔

اس کے ذہن میں ایک موہوم سا خیال یہ بھی اُبھرا تھا کہ کی ذمے داریوں میں کچھ اضافہ کیا جانے والا ہے۔ ورنہ ا باتوں سے اسے باخبر کرنا کیا معنی رکھتا تھا۔

"میں خود ہمیشہ محتاط رہا ہوں۔" طارق نے متاسفانہ کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو گیا؟"

"صرف ذرا سی بے احتیاطی۔" اس نے ٹہلتے ٹہلتے رواروی میں طارق کی گود میں پڑا ہوا پستول اٹھا لیا اور کھیلتے ہوئے بولا۔ "جب آدمی کسی بڑے چکر میں پڑتا اصول یہ ہوتا ہے کہ قانون شکن دھندے کرنے والے لوگوں سے دور رہے، صرف ان ہی سے رابطہ برقرار رکھ جن کے بغیر اپنا کام چلنا دشوار ہو۔" وہ ٹہلتے ٹہلتے رک کر طرف مڑ گیا اور زندگی سے عاری سپاٹ لہجے میں بولا۔ "شاید یہ بنیادی اصول یاد نہیں رہا، پہلے مقرب خان مارا آج کا ہنگامہ کھڑا ہو گیا، نجانے اس کا کیا انجام ہو کیونکہ کے سامنے تمہاری ذات موجود ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ تمہارے کسی نہ کسی پر ہاتھ ڈالنے میں کامیابی ضرور حاصل ہو جائے

طارق کے وجود میں سنسنی خیز بے چینی انگڑائیاں لینے لگی۔ ا گفتگو معنی خیز رُخ اختیار کرتی جا رہی تھی۔ اس کے اخذ کردہ نتائج صاف اور سادہ تھے جن کا مقصد تھا کہ فی الوقت کی ذات تنظیم کے رازدارانہ وجود کے لیے خطرہ بن گئی تھی۔

"مجھے احساس ہے۔" وہ اپنے لبوں پر زبان پھیرتے بولا۔ "اس صورتحال کے ازالے کے لیے میں سب کچھ کر تیار ہوں۔"

"گڈ۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ "ہم سب ایک کل پرزے ہیں، تنظیم کا وجود ہمارے ذاتی وقار اور پسند سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ عام حالات ہوتے تو میں اپنی تجاویز کو باخبر کرتا اور تمہیں اسی ذریعے سے ہدایات ملتیں جسے جوابدہ ہو لیکن موجودہ صورتحال بہت نازک ہے لہٰذا میں اگلے احکام ملنے تک روپوشی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہوں منظرِ عام سے غائب ہو جانے پر شاید تصادم تھم جائے

"میں فوراً اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔" طا نے اس کے خاموش ہوتے ہی کہا۔

"دشمنوں کے اپنے وسائل بھی خاصے مضبوط معلوم ہ شہر میں رہتے ہوئے شاید تم خود کو ان سے محفوظ نہ رکھ سکو نے کہا۔ "بہتر یہی ہوگا کہ تم کچھ عرصے کے لیے یہ شہر ہی چھو اور اندرونِ ملک کسی غیر معروف مقام پر روپوش ہو جاؤ

"یہ طریقہ سب سے بہتر رہے گا۔" اپنے انجام سے

طارق نے اس کی رائے سے تائید کرتے ہوئے کہا۔
"لیکن تمہارا امکان ان کی نگاہ میں ہے، تمہاری عدم موجودگی
کا فائدہ یہاں کا چپہ چپہ چھان ماریں گے اس لیے بہتر ہوگا کہ تم
ایسا ہر سراغ ضائع کر دو جو تنظیم کے کسی رکن سے تمہارے تعلق
پر ذرا بھی روشنی ڈال سکے۔" خطرناک صورت والے نے تجویز
پیش کی۔
"تم بے فکر رہو، میں ہر سراغ مٹا دوں گا۔"
"ابھی، فوراً کام شروع کر دو، میں چاہتا ہوں کہ رات کے
تاریکی چھٹنے سے فائدہ اٹھایا جائے، تم جہاں چاہو گے، میں تمہیں
پہنچا دوں گا۔"
طارق اٹھ گیا۔ خطرناک صورت والا درست ہی کہہ رہا تھا۔
اپنی گاڑی میں وہ کہیں بھی پہچانا جا سکتا تھا۔ بہتر ہوتا کہ وہ
فوری طور پر خطرناک صورت والے کی پیشکش قبول کرتے ہوئے
اپنا مکان چھوڑ دیتا۔
طارق کے پاس کوئی بہت زیادہ بکھیڑا نہیں تھا۔ چند
رقعے، رقم اور مال کے لین دین کا حساب اور ٹیلی فون ڈائری میں
لکھے ہوئے اہم نمبروں کے علاوہ وہاں کچھ اور نہ مل سکا۔ طارق
نے سارے کاغذات یکجا کر کے نذر آتش کیے اور راکھ نالی میں بہا
دی۔ اس کام سے نمٹ کر طارق لباس تبدیل کرنے کی نیت سے
خوابگاہ میں کپڑوں کی الماری کی طرف مڑا تو اچانک خطرناک صورت
والے نے طارق کے بھرے ہوئے پستول کی نال اس کی داہنی کنپٹی
سے لگا دی۔
"واپس مسہری پر چلو۔" اس کی آواز سرد اور سپاٹ تھی۔
طارق نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اس کی طرف دیکھا
اور پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔ "مذاق میں وقت ضائع نہ کرو...
تم... مجھے تیار ہونے دو۔" لیکن خطرناک صورت والے کی ویران
اور بے رحم آنکھوں میں تیرتی ہوئی سفاکی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ
پوری طرح سنجیدہ تھا۔
"جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔" اس نے طارق کی کنپٹی پر پستول کی
نال کا دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تنظیم کافی دن تک تمہارا مذاق
برداشت کرتی رہی لیکن تم نے اپنی مسلسل غیر ذمے داریوں سے اس
کی بقا داؤ پر لگا دی... اب حساب کا وقت آ گیا ہے۔"
"تم کیا چاہ رہے ہو؟" طارق بری طرح بوکھلا گیا۔ اب اسے
اپنی حماقتوں پر افسوس ہو رہا تھا۔ خطرناک صورت والا نہایت مکار
آدمی تھا اور شروع سے اس نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہر قدم
اٹھایا تھا۔ پہلے طارق کا بھرا ہوا پستول اسے لوٹا کر اس کا اعتماد
حاصل کیا اور جب صورتحال اس کی مرضی کے مطابق ڈھل گئی تو اس
نے سرسری انداز میں ایک بار پھر طارق کو نہتا کر دیا اور اب ہر سراغ
مٹوانے کے بعد وہ طارق کی جان کے درپے ہو گیا تھا۔
"بستر پر چلو، پھر بتاتا ہوں۔" اجنبی نے بھیانک لہجے میں کہا۔
شاید طارق کی مزاحمت اسے بری طرح کھل رہی تھی۔
موت کے چنگل میں آتے ہوئے کسی بے بس انسان کی
طرح طارق کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔ اجنبی نے اس
سے جو کچھ کہا وہ درست ہی تھا۔ طارق کے ذریعے تنظیم ایک بڑے
خطرے سے دوچار ہو سکتی تھی جس کا علاج طارق کی روپوشی میں
مضمر تھا لیکن اجنبی کچے کاموں کا عادی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ طارق
کو ہمیشہ کے لیے راستے سے ہٹانے پر تلا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں
طارق کا بھرا ہوا پستول تھا اور طارق اپنی خوابگاہ میں موجود تھا اگر
اجنبی اس کی کنپٹی میں گولی مار کر پستول اس کے ہاتھ میں تھما دیتا
تو اس کے قتل کو بآسانی خودکشی کا رنگ دیا جا سکتا تھا۔
ہر حلقے میں یہی سمجھا جاتا کہ طارق مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث
تھا اور اپنے پھاٹک پر ایک قتل کے بعد اسے پولیس کے متوجہ
ہونے کا خوف لاحق ہوا تو ضمیر کی خلش یا انجام کی دہشت سے
بوکھلا کر اس نے خودکشی کر لی پھر اگر مرنا ہی تھا تو وہ کسی خوفزدہ
چوہے کی طرح اپنے قاتل کے اشاروں پر کیوں چلے؟ وہ اس سے
توانا ضرور تھا لیکن ستارے یاوری کر جاتے تو بازی اس کے حق
میں بھی پلٹ سکتی تھی۔
مایوسانہ انداز میں مسہری کی طرف چھوٹے چھوٹے دو قدم
اٹھاتے ہی طارق بجلی کی سی سرعت سے پلٹا اور کسی جونک کی
طرح اجنبی سے لپٹ کر اس کے بھیانک چہرے پر وحشیانہ انداز میں
ٹکریں مارنے کی کوشش کرنے لگا۔ اجنبی، طارق کے مقابلے میں کسی
بھینسے کی طرح مضبوط اور طاقتور ضرور تھا لیکن اس کے شدید
ردعمل کے لیے تیار نہیں تھا لہٰذا طارق اپنی پہلی کوشش میں اسے
دھکیلتا ہوا دیوار تک لیتا چلا گیا۔ اس اثنا میں طارق کی کئی ٹکریں
اس کے چہرے پر بھی پڑیں اور وہ کسی مغلوب الغضب بھیڑیے کی
طرح غرا کر رہ گیا۔ اس نے اپنا پستول والا داہنا ہاتھ سر سے اوپر
اٹھایا ہوا تھا تاکہ طارق کو پستول پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نہ مل سکے۔
اجنبی کے قدم اکھاڑ دینے میں کامیابی پر طارق کا دل شیر
ہو گیا تھا۔ لہٰذا جب اس کے شکار کی پشت دیوار سے ٹکرائی تو طارق
نے اس کے بدن کو اپنی گرفت سے آزاد کر کے پھرتی کے ساتھ
اس کی پنڈلیاں تھامنے کی کوشش کی تاکہ ٹانگیں گھسیٹ کر اپنے
حریف کو سر کے بل فرش پر گرا سکے لیکن نیچے جھکتے ہی اس کے سر
پر قیامت سی ٹوٹ پڑی۔ اجنبی نے خاصی قوت کے ساتھ پستول
کا آہنی دستہ اس کے سر پر رسید کیا اور وہ اس کی ٹانگیں پکڑنے

کی حسرت دل میں لیے خود ہی فرش پر اوندھا ہوگیا پھر اس کی پیشانی پر وزنی جوتے کی شدید ٹھوکر نے طارق کا دماغ ہلا کر رکھ دیا۔ اس کے حریف نے بے رحمی کے ساتھ ایک ٹانگ پکڑ کر اسے واپس مسہری کی طرف گھسیٹا اور خود کو بے بس پا کر طارق نے اچانک ہی پوری قوت سے مدد کے لیے چلانا شروع کر دیا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اب بیرونی مداخلت کے بغیر وہ اجنبی دشمن کے چنگل سے آزاد نہ ہو سکے گا۔

طارق کی چیخوں کا خطرناک صورت والے پر فوری ردِعمل ہوا اور طارق کی تیسری چیخ بلند ہونے سے پہلے اس نے طارق کی داہنی کنپٹی میں اسی کے پستول سے پگھلا ہوا سیسہ اتار دیا اور پھر پستول وہیں لاش کے قریب پھینک کر تیزی سے نکاسی کے راستے کی طرف ہولیا۔

✳

جہانگیر جب تک اکیلا تھا، بہت بے خوف اور چالاک آدمی تھا لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ شادی کے بعد اس نے اپنی ذات کو ایک نادیدہ خول میں سمیٹ لیا تھا جس سے باہر کی دنیا اسے بھیانک اور ڈراؤنی نظر آنے لگی تھی۔ حالانکہ وہ برسوں اسی ماحول میں ڈنکے کی چوٹ پر پیسہ کماتا رہا تھا۔

پچھلے چند دنوں سے شہر میں پے در پے رونما ہونے والے واقعات نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے نادانستگی میں وہ ایسی آگ لگا بیٹھا ہو جس کے شعلوں سے اپنا دامن بچانا بھی مشکل ہوتا نظر آ رہا تھا۔

مخبری پر انعامات کی اسکیم توقع سے بڑھ کر کامیاب رہی تھی۔ شہر میں ایک ہفتے کے دوران اتنے بڑے پیمانے پر منشیات پکڑی گئی تھیں کہ پچھلی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی تھی۔ شہر کے بدنام حلقوں میں ہر طرف صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی پھر جب اسے منشیات فروشوں کے اجتماع کی خبر ملی تو وہ فکر مند ہوگیا۔ اس کے دل میں چور تھا اور اسے شبہ تھا کہ وہ لوگ مل بیٹھتے ہی اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ شہر میں ہر نشہ آور چیز کی بڑی بڑی کھیپیں پکڑی جا رہی تھیں لیکن ہیروئن کا کوئی کیس سامنے نہیں آیا تھا۔

ان میں ایک سے ایک بدنام مجرم شامل تھا۔ مکھن خان سے عبداللہ تک کئی ایسے بڑے منشیات فروش تھے جن کے ہاتھ کئی انسانوں کے خون سے آلودہ تھے لیکن کسی نہ کسی وجہ سے وہ آزادی سے دندناتے پھر رہے تھے۔ اگر ان کو شبہ ہو جاتا کہ جرائم کی دنیا میں رائج اخلاقیات سے انحراف کرتے ہوئے ہیروئن فروش اپنے مال کی مارکیٹ بڑھانے کے لیے دوسروں

کے خلاف مخبری جیسا اوچھا اور گھٹیا ہتھیار استعمال کر
تو وہ اس کے خون کے پیاسے ہو جاتے۔

شہر کے ہیروئن فروشوں کا سرغنہ وہ خود تھا کم
معلوم تھا کہ وہ کس کو جواب دہ ہے۔ دوسروں کا تو ذ
خود بھی بی فور اور ڈی ون سے لاعلم تھا۔ محض ان ک
بجا لانے پر مامور تھا۔ یہ درست تھا کہ وہ خود پس
تھا لیکن مال لانے، لے جانے والے کارندوں کو اچھی طر
کہ وہ جہانگیر سیٹھ کے لیے کام کر رہے ہیں۔ پھر جس طر
اُن پر اعتماد کرتا تھا اسی طرح ان چھوٹے بڑے دلالو
اپنے حلقے تھے، جہاں وہ اپنے دل کا بہت سا بوجھ ہلکا
یوں ہیروئن فروشی میں جہانگیر کی سربراہی شہر کے باخبر
افراد کے لیے ایک کھلا راز تھی۔

جب تک جہانگیر نے اپنے آدمیوں اور سرکا
کی ملی بھگت سے دوسروں کے گریبانوں پر ہاتھ نہیں
پوری طرح مطمئن تھا کہ شہر میں کوئی اس کے خلاف سر نہ
گا لیکن بی فور کی طرف سے دوسروں کی مخبری کے حکم
حالات بہت تیزی سے بدلے تھے اور جہانگیر کو دن ر
امکان نظر آنے لگا تھا کہ چھاپوں کی لہر میں لاکھوں گنوا
معاملے کی تہ تک پہنچے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے او
سے کوئی دل جلا اچانک ہی اسے آ دبوچے گا۔

ان وسوسوں کا توڑ کرنے کے لیے پہلے جہانگیر
دو مسلح پہرے داروں کا اضافہ کیا جو صرف رات میں اپ
دیتے تھے پھر ان کی سہولت کے لیے احاطے کی دیوار
ہوئی ناکارہ روشنیوں کے بوسیدہ تار بدلوائے گئے اور عما
چاروں طرف، رات بھر روشنیاں جگمگانے لگیں۔ اس پر
ہوئی تو اس نے ایک تجربہ کار ٹرینر کی خدمات کے ساتھ
نسل کے دو خونخوار کتے گھر کی رکھوالی کے لیے خرید لیے۔

اس کی بیوی سلمیٰ اپنے شوہر کی ان حرکات پر
میں مبتلا ہوگئی تھی۔ اس کی شکایات کے نتیجے میں جہانگ
معمولات میں توازن پیدا ہوگیا تھا۔ وہ باقاعدہ خاصا وق
بیوی کے ساتھ گزارنے لگا تھا۔ وقت ناوقت آنے وال
فون کالز کا سلسلہ بھی یکلخت موقوف ہوگیا تھا لیکن د
بعد ہی جہانگیر اچانک حفاظتی انتظامات میں اضافے کے
مبتلا ہوگیا۔

جب تک معاملہ مسلح پہرے داروں اور احاطے کی
تک محدود رہا، وہ خاموشی سے اپنے شوہر کی حرکات کو
کرتی رہی مگر اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ جہانگیر خاصا فکر

فا پھر جب گھر میں خوفناک جرمن شیفرڈ کتے لائے گئے
ہر شام ہی لان پر ان کا راج ہوگیا تو وہ خاموش نہ رہ سکی۔
"یہ کیا ہو رہا ہے؟ کس سے خطرہ ہے تمھیں، جواب یہ
کتے لے آئے ہو؟" اس نے چڑچڑے لہجے میں پوچھا تھا۔
"کچھ لوگ میرے دشمن ہو گئے ہیں۔" جہانگیر نے گلاس سے
ح کا ایک لمبا گھونٹ لیتے ہوئے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔ "میں
پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں بھی چوکنا ہوں۔"
"تم پولیس سے مدد کیوں نہیں لیتے؟ گھر کو تماشا بنانے
یا ضرورت ہے؟ احاطے میں رات بھر چراغاں دیکھ کر پاس
ں کے لوگ کیا سوچتے ہوں گے؟"
سلمیٰ کی بات معقول تھی، اس سے فوراً کوئی جواب نہ بن
مگر وہ خاموش رہ کر سلمیٰ کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔
پھر گلاس منہ سے لگا لیا۔ آتش بداماں لاوے نے معدے
پہنچتے ہی اس کا دماغ منور کر دیا اور اسے ایک معقول جواب
جھ گیا۔ "یہ میں بھی جانتا ہوں ڈارلنگ! لیکن پولیس بے نام
ں کا پیچھا نہیں کرتی۔ انھیں میں کس کا نام دوں گا جب کہ
خود اپنے دشمنوں سے لاعلم ہوں۔"
"تو تمھیں ان کے وجود کا علم کیسے ہوا؟" سلمیٰ کی بازپرس
منطقی ہوا کرتی تھی۔
"گمنام فون کالز پر گالیاں اور قتل کی دھمکیاں دی جاتی
۔" وہ شراب کے سہارے ہمیشہ بہت خوبصورت جھوٹ بول
تھا۔ "یہاں تک کہا گیا ہے کہ میں نے پولیس سے مدد لینے کی
ش کی تو وہ میری زندگی کا آخری دن ثابت ہوگا۔"
"ان دھمکیوں کی بنیاد پر پولیس کارروائی کرسکتی ہے۔" سلمیٰ
اصرار کیا۔
جہانگیر یوں ہنس دیا جیسے سلمیٰ نے کوئی احمقانہ بات کہہ
ہو۔ "تم اپنے ننھے سے ذہن کو ہلکان نہ کرو، اپنے معاملات میں
د سلجھا لوں گا۔ پولیس زیادہ سے زیادہ ایک آدھ سنتری لگا دے
جو رات بھر گیٹ پر بیٹھا اونگھتا رہے گا اور آنے والا کوئی
دیوار پھاند کر اندر گھس آئے گا۔ میں انھیں اشتعال دلانے کے
بجائے صرف یہ احساس دلانا چاہتا ہوں کہ میں اپنے طور پر بھی
مقابلے کا اہل ہوں۔ یہ خوف ہی انھیں مجھ سے دور
رکھ سکتا ہے۔"
جہانگیر کی کھینچی ہوئی تصویر اتنی خوف آور تھی کہ سلمیٰ نے
ہم کر بحث ترک کر دی۔
بیوی کی طرف سے اسے زیادہ الجھن نہیں تھی۔ پریشانی
بات کی تھی کہ ان گمبھیر حالات میں وہ بالکل تنہا رہ گیا تھا۔
بی فور یا ڈی ون پر اپنے خدشات ظاہر کر کے بزدلی کا خطاب
نہیں لینا چاہتا تھا۔ طارق پہلے ہی کچھ لوگوں کی نگاہوں میں
آیا ہوا تھا۔ اس سے میل جول میں اس قدر احتیاط برتی جا رہی
تھی کہ کھمبے سے اس کے گھر جانے والے ٹیلیفون کے تار کٹوا دیے
گئے تھے۔ تاکہ اضطرار کے عالم میں کہیں وہ اسے فون ہی نہ کر
بیٹھے۔ ڈینی ایسے موقع پر اپنی سدابہار کھوپڑی سے کئی اچھی تجاویز
برآمد کر سکتا تھا لیکن اس سے رابطے کی بھی ممانعت تھی۔ لے
دے کر بس نادر خان رہ گیا تھا جو مال ٹھکانے لگانے میں ماہر تھا
لیکن ذہنی مشقت سے جی چراتا تھا۔
پھر جب جہانگیر کو منشیات فروشوں کے اجتماع کی ناکامی
کی خبر ملی تو ذرا اس کی جان میں جان آئی۔ اسی دوران نادر خان
سے یہ شکایت بھی موصول ہوئی کہ طارق روڈ پر اس کے آدمیوں
کے علاقے میں ایک پڑھا لکھا لڑکا ہیروئن بیچنے لگا تھا۔ جسے
مار پیٹ کر وہاں سے بھگا دیا گیا تھا۔ اس کا ذہن فوری طور پر
طارق کی طرف منتقل ہوا جس نے یونیورسٹی میں کوئی شکار پھانسا
تھا لیکن اس سے رابطے کی پابندی کی وجہ سے بازپرس ناممکن
ہو کر رہ گئی تھی۔
واقعات کا تسلسل دن بدن بدترین رخ اختیار کرتا جا
رہا تھا۔ پچھلے دن اخبارات میں عقرب خان کی موت کی خبر آئی۔
اسے طارق کے گھر کے عین سامنے فٹ پاتھ پر گولی ماری گئی تھی۔
وہ عیسیٰ خان کے یہاں کلینر کے طور پر ملازم تھا اور اخبارات کے
مطابق اس کے بڑے بھائی مقرب خان کی لاش چند روز قبل
گلبائی کے علاقے میں اس کی اپنی کار کے عقبی پائیدان سے ملی
تھی۔ مگر جہانگیر اچھی طرح واقف تھا کہ عقرب خان اگر طارق
کے گھر سے باہر مارا گیا تھا تو مقرب خان کو طارق کے گھر کے
احاطے میں ہلاک کیا گیا تھا۔ وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ عقرب خان
اپنے بھائی کا انتقام لینے کے لیے بھرے ہوئے ریوالور سمیت
وہاں پہنچا تھا یا عیسیٰ خان اپنے معتمدِ خاص کے قتل کے انتقام
پر تلا ہوا تھا۔ صورتحال جو بھی رہی ہو، اس کے نتیجے میں باس
کی ہدایت کا جواز خاصا مضبوط نظر آتا تھا کہ طارق کی ذات ان
دنوں مندوش ہو گئی تھی اور اس سے رابطہ رکھنے کی صورت میں
بقیہ لوگوں کی بھی گردن پھنسنے کے خاصے قوی امکانات موجود تھے۔
اخبار کے آخری صفحے پر تین کالمی سرخی میں منشیات کی
دنیا کی بے تاج بادشاہ مکھن خان کی موت کی سنسنی خیز خبر تھی۔
اس کی موت سر میں پیوست ہونے والی، بڑے بور کے پستول
کی گولی سے واقع ہوئی تھی لیکن نامعلوم قاتل یا قاتلوں نے اسی
پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ مکھن خان کی کار پر طاقتور آتش گیر بم مار کر

اسے لاش سمیت نذرِ آتش کر دیا تھا۔ اخباری قیاسات میں مکھن خان
کے قتل کی واردات کو منشیات کے ناجائز کاروبار میں جنم لینے
والی رقابتوں کا شاخسانہ قرار دیا گیا تھا۔ ایک رائے یہ بھی تھی کہ
منشیات کے خلاف آبکاری اور پولیس کے محکموں کی مہم کے نتیجے
میں منشیات فروشوں میں باہمی تصادم کا آغاز ہو گیا تھا۔

منشیات کے خلاف جہانگیر کے آدمیوں کی پے در پے
مخبری نے حکام کو اپنے تازہ چھاپوں کو مہم کا روپ دینے پر مجبور
کر دیا تھا۔ ان ذرائع نے مہم کے حوالے سے جرائم پیشہ افراد میں
مستقبل میں مزید خونریزیوں کی بھی نشاندہی کی تھی۔

اس پس منظر میں جب جہانگیر نے تازہ اخبار کے پہلے
صفحے پر طارق کے سفاکانہ قتل کی خبر دیکھی تو لرز کر رہ گیا۔ پچھلی
تین وارداتوں کی طرح اس بار بھی قاتل لاپتا تھا۔ رات گئے اس
علاقے کے بعض رہنے والوں نے کسی کو دو مرتبہ کربناک آواز میں
مدد کے لیے چلاتے سنا تھا لیکن پھر وہ آوازیں معدوم ہو گئیں۔
چوکیداروں کی مدد سے طارق کے مکان کا تعین کر کے پولیس کو
اطلاع دی گئی تو اندر خوابگاہ میں طارق کی خون آلود لاش
دریافت ہوئی۔ آلۂ قتل لاش کے قریب ہی پڑا ہوا پایا گیا تھا
جس پر مقتول کی انگلیوں کے نشانات تھے۔

کنپٹی کے زخم کے گرد جمے ہوئے بارود کے ذرات بہت
قریب سے فائر کی کہانی سنا رہے تھے۔ وہ خودکشی بھی ہو سکتی تھی
لیکن مدد کے لیے رات کے سناٹے میں ابھرنے والی دو دلدوز
چیخیں اور کمرے میں پائے جانے والے مزاحمت کے آثار واضح طور
پر قتل کی نشاندہی کر رہے تھے۔

جہانگیر سکتے کے عالم میں کئی منٹ تک خالی خالی نظروں
سے طارق کی لاش کی تصویر دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ اسے اپنے
اعصاب میں اینٹھن سی محسوس ہونے لگی۔

مکھن خان کے قتل کے بارے میں وہ زیادہ پُر یقین نہیں
تھا لیکن یہ ضرور جانتا تھا کہ مقرب خان اور عقرب خان کے بعد
اس کا پرانا دوست اور رفیقِ کار طارق بھی آخر کار ہیروئن کی بھینٹ
چڑھ گیا تھا۔

اس نے دل گرفتہ انداز میں لباس تبدیل کیا اور کار میں
تیز رفتاری کے ساتھ جیوا ہاؤز کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس وقت
اس کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں اور وہ طارق کے
قتل کے حوالے سے نہایت جذباتی انداز میں اپنے مستقبل کے بارے
میں سوچ رہا تھا۔

باس سے طے ہو چکا تھا کہ اسے کوئی پیغام دینا ہو گا تو
وہ رات کے آٹھ اور سوا آٹھ بجے کے درمیان اس سے ٹرانسمیٹر
پر رابطہ قائم کیا کرے گا لیکن جہانگیر کو حسبِ ضرورت کسی بھ
وقت رابطہ قائم کرنے کی کھلی چھوٹ تھی اور وہ فوری طو
باس سے کچھ بے لاگ باتیں کرنا چاہتا تھا۔ بی فور نہ ملا
اس نے ڈی ون ہی سے بھڑ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

جیوا ہاؤز کے مستقل مکینوں کے لیے جہانگیر کی یو
صبح آمد تعجب خیز تھی لیکن ان میں کسی نے اس کا اظہار نہ
اور وہ ان مشینی انسانوں کی رسمی تعظیم قبول کرتا ہوا سیدھا
چلا گیا۔

تیسری کوشش میں ریسیور پر وہ بھاری اور خوابناک
سنائی دی جو دن رات جہانگیر کے اعصاب پر سوار رہتی تھی۔
ریسیونگ۔ کیا بات ہے؟ آج اس وقت کیسے کال کر رہے
اوور۔" باس کی آواز سنتے ہی اس کا سارا حوصلہ جواب دے گ

"بس... سر! آپ نے اخبار دیکھا ہے آج کا؟
اس نے سوال کرتے ہوئے اپنی آواز میں ہلکی سی لرزش محسو

"کیا ہے اس میں؟ وقت خراب کیے بغیر جلدی بات پ
کرو۔ اوور۔" باس نے خشک لہجے میں اسے ڈانٹ دیا اور
اپنی بے بسی پر دل مسوس کر رہ گیا۔

"طارق رات گئے مار دیا گیا۔ اوور۔" لہجے پر قابو پا
کے باوجود جہانگیر کی آواز بھرا گئی۔

"افسوس کے سوا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔" بی فور کا لہجہ غیر
تھا۔ "اپنے مصائب کا وہ خود ذمے دار تھا... ہم کوشش کے
اسے نہ بچا سکے... اوور۔" وہ پہلے سے باخبر تھا۔

جہانگیر چند ثانیے تک خاموش رہا پھر خود پر قابو پا
ہوئے بولا۔ "وہ مر گیا سر! مرنے والے واپس نہیں آیا کر
اس کی لاوارث لاش سرکاری مردہ خانے میں پڑی ہوئی
میں اسے وصول کر کے تدفین کرانا چاہتا ہوں... مرنے کے
تو شاید لاتعلقی کے احکام باقی نہیں رہے ہوں گے؟ اوور

"احمق بننے کی ضرورت نہیں۔" بی فور کی آواز بدستو
ہمدردانہ رہی۔ "اخبارات نے اس کا ماضی خاصا اچھالا ہے
آخری سرگرمیوں کے بھی کھوج میں ہوں گے... بدستور تماشا
بنے رہو... اس کے دشمن اس وقت زیادہ چوکنے ہوں گے
اور جو مرنے والے سے قرب جتائے گا اسی کے پاس پہنچ
جائے گا۔ اگر اتفاق سے پولیس بھی رجوع کر بیٹھے تو زیادہ
دکھانے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ تمہارے لیے یہی سود مند
گا... اوور۔"

"تو کیا میں اس لاوارث جنازے کو کندھا بھی نہ د
سکوں گا سر؟ اوور۔" وہ جذباتی لہجے میں بولا۔

ضرور دو۔" اس بار باس غصیلے لہجے میں غرایا تھا۔" لیکن اس
ےان چار آدمیوں کا بندوبست کر لینا جو تمہاری تدفین کرا
... اوور۔"
باس کے تند لہجے سے جہانگیر کو شدید ذہنی جھٹکا لگا اور
ا ہوش میں آگیا اور سارا جذباتی اُبال پانی کے بلبلے کی طرح
با: میں معذرت خواہ ہوں سر!" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا۔
ا اور میرا برسوں کا ساتھ تھا۔ اس کی موت نے میرا دماغ
ب کر دیا تھا... اوور۔"
" میں تمہاری کیفیت محسوس کر رہا ہوں۔" آپریٹس پر باس کی
ن اور خوابناک آواز سنائی دی۔" لیکن جب آدمی کی ذہنی حالت
ل پر نہ ہو تو اس کے لیے بہتر یہی ہوتا ہے کہ کچھ دیر کے
شہ نشین ہو کر نارمل ہونے کی کوشش کرے... آج تم خود کو
ب محدود کر لو... اوور۔"
باس کا لہجہ نرم تھا لیکن طارق اس کے الفاظ کی چبھن محسوس
بغیر نہ رہ سکا۔" میں ہدایت پر عمل کروں گا سر!... اوور۔"
"اس وقت تم کہاں ہو؟ اوور۔"
"جیوا ہاؤز میں سر! اوور۔" وہ پژمردہ لہجے میں بولا۔ طارق
یت پر باس کا ردِ عمل منطقی ضرور تھا لیکن جہانگیر کو اس سے
سرد مہری کی امید نہیں تھی۔ برسوں پرانے کارکن کی موت کو
ں غلطیوں کا خمیازہ قرار دے کر کنارہ کشی اختیار کر لینا اس کے
یک سراسر درندگی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بس جیتے جاگتے
چاق و چوبند غلاموں کا خریدار تھا۔ جو رازداری برقرار رکھتے
ئے اس کے ہر حکم کی بے چون و چرا تعمیل کر سکیں۔
"گڈ۔" باس کا لہجہ سپاٹ ہی رہا۔" آج اور کل جیوا ہاؤز کی
رت ویران رہے گی۔ واپسی سے پہلے ملازمین کو دو دن کی
ست دے کر فوراً روانہ کر دو، وہ پرسوں صبح واپس لوٹیں گے
کے جانے کے بعد عمارت مقفل کر دو، گاڑی باہر نکال کر پھاٹک
بھی تالا لگا دو اور ذیلی دروازے سے اندر جا کر چابیوں کا گچھا
لک کے ساتھ اندر لان کے داہنے گوشے میں رکھے ہوئے
س کے گملے میں دبا کر تم بھی چلے جاؤ۔ ذیلی کھڑکی کو باہر سے
ڈی لگا دینا... اوور۔"
"اوکے سر!" جہانگیر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور باس نے
تگو کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے شاید رابطہ منقطع کر دیا۔
جہانگیر آپریٹس واپس رکھتے ہوئے سوچ میں پڑ گیا۔ اسے
رت تھی کہ بی فور کو اپنی مصروفیات کے باوجود جیوا ہاؤز سے
تنی گہری واقفیت تھی کہ اس نے احاطے میں اندر کی طرف رکھے
ہوئے ایک مخصوص گملے کی نشاندہی تک کر دی تھی۔ اس کا مطلب

تھا کہ وہ جہانگیر کی لاعلمی میں نہ صرف جیوا ہاؤز میں داخل ہو
چکا تھا بلکہ وہاں کا تفصیلی جائزہ بھی لے چکا تھا۔ پھر اسے یاد آیا
کہ ڈی۔ ٹو نے اسے جیوا ہاؤز میں جابجا خفیہ ٹرانسمیٹرز کی موجودگی
کی اطلاع دی تھی جن پر وہ وہاں ہونے والی گفتگو کا ایک ایک
لفظ سنتا تھا۔ کئی مواقع پر اس نے ان کی میٹنگز میں کہی گئی باتیں
لفظ بلفظ دُہرائی تھیں۔ جب کہ جیوا ہاؤز حاصل کرنے کے بعد
جہانگیر کی دانست میں وہاں کوئی کام نہیں ہوا تھا۔
جو لوگ اس عمارت کے چپے چپے کو بگ کر سکتے تھے
ان کے لیے کسی گملے کی صحیح پوزیشن سے واقف ہونا ایسا دشوار
نہیں تھا لیکن وہ حکم جہانگیر کے لیے پریشان کُن تھا۔ اس کا
قیاس تھا کہ دو دن کے لیے عمارت خالی کرانے کے بعد بی فور
شاید وہاں مخبری کے کچھ اور آلات نصب کرانا چاہتا تھا۔
جہانگیر کی دانست میں جیوا ہاؤز میں کی جانے والی کوئی
بھی گفتگو اوپر والوں سے محفوظ نہیں تھی۔ لے دے کر اس
بندوبست میں ایک ہی اضافہ کیا جا سکتا تھا کہ مخصوص مقامات
پر متحرک فلمیں بنانے والے خودکار کیمرے نصب کیے جائیں جو ہر
نقل و حرکت کو سلولائیڈ کے فیتے یا وڈیو ٹیپ پر محفوظ کر لیں۔
آخر وہ سر جھٹک کر باہر برآمدے میں آگیا۔ وہ پوری طرح
تنظیم اور اپنے بڑوں کا وفادار تھا۔ لہٰذا اسے کسی بھی قسم کی نگرانی
سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔
اس نے جیوا ہاؤز کے تینوں ملازمین کو وہیں طلب کیا اور
انھیں پورے دو دن کی مکمل چھٹی کی خوش خبری سنانے لگا۔

ٹرانسمیٹر پر کال کا اشارہ موصول ہوتے ہی ڈینی نے اپنی
میز کے نچلے حصے میں لگا ہوا سوئچ دبا کر دروازے کے باہر
لگا ہوا سرخ بلب روشن کر دیا جس کا مطلب تھا کہ وہ اس وقت
تخلیے میں تھا اور اس کا کوئی ماتحت یا ملاقاتی انٹرکام پر سیکرٹری
کی معرفت اجازت لیے بغیر اندر نہیں آسکتا تھا۔
اس احتیاطی تدبیر کے بعد ڈینی نے آپریٹس آن کر کے
والیوم اس حد تک بڑھا دیا کہ اسے آواز سننے میں کوئی دشواری
نہ ہو۔ ریڈیائی لہروں کے مختصر سے خلل کے بعد رسیور پر ایک آواز
ابھری اور وہ چونک پڑا۔ ڈی ٹو کو نجانے اتنی صبح بی فور سے
کیا کام پیش آگیا تھا۔
وہ سگریٹ سلگا کر اپنی آرام دہ کرسی کی پشت گاہ سے
ٹک گیا۔ آپریٹس بدستور آن تھا اور ڈینی سکندر علی کی آواز کا
منتظر تھا۔
گارڈن ایسٹ کے زرد، دو منزلہ مکان میں اپنا وقت

گزارے اسے دو دن ہو چکے تھے۔ اس دوران میں اس نے سکندر علی کے مکان سے اٹھائی ہوئی قیمتی اشیا ایک نالے میں پھینک دی تھیں پھر وہ اخبارات میں ایک ممتاز سماجی کارکن اور مخیر انسان کے گھر میں ایک نقاب پوش کی ڈکیتی کی خبروں کا منتظر رہا لیکن اس واردات کا کہیں بھی ذکر نہ آیا، اس نے بی فور سے رابطے کی کوشش کی تو دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ دوسری فری کوئنسی پر بھی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بی فور کے ساتھ اس کی سیکرٹری بھی شہر چھوڑ گئی ہو۔

شہر میں عقرب خان اور مکھن خان کے بہیمانہ قتل کا اودھم ہوا تو اس نے ایک بار پھر باس سے رابطہ قائم کرنا چاہا لیکن دوسری طرف بدستور سکوت چھایا رہا اور ڈینی کی یہ آرزو دل ہی دل میں رہی کہ وہ باس کے مسکن پر اپنے چھاپے کے بعد باس کی آواز میں رونما ہونے والی تبدیلیاں خود سن سکے۔

ڈینی کے لیے سکندر علی کے مکان میں گزارے ہوئے چند گھنٹے اس کی زندگی کے اہم ترین لمحات میں سے تھے بعض اہم راز معلوم کرنے کے ساتھ اس نے جس بے فکری اور ریالادتی کے ساتھ سکندر علی کی تذلیل کی تھی، وہ اس کے لیے یادگار تھی، وہ بار ہا محض یہ سوچ سوچ کر لذت اندوز ہوتا رہا کہ جب باس کی خوبرو سیکرٹری نے سیاہ پوش لٹیرے کے ہاتھوں قیمتی اشیا سے محرومی کے ساتھ اپنی درگت بننے کا حال سنایا ہوگا تو سکندر علی نے خود کو اپنی بوٹیاں نوچنے پر مجبور پایا ہوگا۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بڑے بڑے مجرم عموماً انا کے پجاری ہوتے ہیں۔ تنہائی میں سرانجام دیے ہوئے کارناموں پر اندر ہی اندر پھولتے رہتے ہیں اور اسی طرح جب ان کی انا پر کوئی کاری ضرب لگ جائے تو اس کا کوئی گواہ موجود ہو یا نہ ہو، وہ پھن کچلے ہوئے کسی سانپ کی طرح تلملاتے ہیں اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتے جب تک اپنا انتقام نہ لے لیں یا پھر حریف کے مقابلے میں خود کو کسی کیچوے کی طرح حقیر پا کر صبر کرنے پر مجبور نہ ہو جائیں۔

سکندر علی بظاہر معاشرے کا ایک معزز اور مخیر رکن سہی لیکن وہ بنیادی طور پر ایک گروہ بند تھا اور اس کی سُبکی کے دو گواہ بھی موجود تھے لیکن پھر بھی وہ خاموش تھا، یہ بات ڈینی کو کچھ عجیب سی محسوس ہو رہی تھی۔

ٹرانسمیٹر پر وقفے وقفے سے جہانگیر کی آواز ابھرتی رہی پھر تیسری کوشش میں دوسری طرف سے باس کی آواز ابھری اور ڈینی بے اختیار میز کی طرف جھک آیا۔

باس کی آواز میں وہی پہلے جیسا دم خم تھا لہجے
تھا، نہ جھلاہٹ۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے سا
غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا ہو۔ جہانگیر نے طارق کے قتل
تو ڈینی یوں اچھلا جیسے اس پر اچانک بجلی کا ننگا تار
طارق سے اس کی دوستی بہت پرانی ہو چلی تھی
سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ چاروں بُرے دنوں کے سا
اور تنگی ترشی کے حالات میں پروان چڑھنے والی دوستی
گہری اور دیرپا ہوتی ہیں۔ جہانگیر کی زبان سے طارق کی
خبر سنتے ہی ڈینی کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے
پوری قوت سے گھونسہ رسید کیا ہو۔

وہ گھر سے نکلا تو ناشتے کی میز پر تازہ اخبارات
لیکن ناشتے کے دوران وہ مسلسل مقرب خان، عقرب خا
عیسیٰ خان کی مثلث میں اُلجھا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ
تھا اور حالات عیسیٰ خان کی شرارتوں کی نشاندہی کر رہے تھے لہٰذا
اپنے طور پر عیسیٰ خان کو سرزنش کرنے کی کوشش کرے۔ اسی لائحہ عمل
ہوئے اس نے خلافِ معمول اخبارات پر کوئی توجہ نہیں
لیکن اب جہانگیر کے ذریعے اسے وہ بدترین خبر ملی تھی۔

وہ حیرت اور صدمے کے عالم میں بُت بنا جہانگیر
سکندر علی کی گفتگو سنتا رہا۔ وہ سب کچھ سن اور سمجھ رہا
اسے آپریٹس سے اُبھرنے والی آوازیں کسی گہرے کنوئیں
اُبھرتی محسوس ہو رہی تھیں۔

ان دونوں کی گفتگو ختم ہو جانے کے بعد بھی و
کہنیاں ٹکائے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھامے بے حس
بیٹھا رہا پھر انٹرکام کی گھنٹی نے اسے چونکایا۔ اس کی
لیبر انسپکٹر کی آمد کی اطلاع دے رہی تھی۔

"اسے ظفر سے ملوا دو۔" ڈینی نے خشک لہجے میں
دے کر ریسیور رکھ دیا۔

پھر اسے کھلی ہوئی اوپری دراز میں رکھا ہوا
نظر آیا اور اس نے اسے آف کر کے ایریل اندر دبا
دراز بند کر دی۔

طارق قتل کر دیا گیا۔۔۔ اسے کسی نے مار دیا
کے ذہن میں بس مسلسل یہی ایک خبر نئے نئے الفاظ میں گو
رہی تھی اور اس کی آنکھوں کے گوشوں میں نمناک نمی تیر
تھی۔ بصارت دھندلانے لگی تو ڈینی نے جیب سے رومال
کر آنکھیں صاف کیں اور دل شکستہ انداز میں اپنی کرسی
زندگی تو یوں بھی بے ثبات اور غیر یقینی تھی لیکن
نے اپنی سرگرمیوں کے باعث اسے اور بھی مشکل بنا لیا تھا

ق مارا گیا تھا۔ کل ان میں سے کسی کی بھی باری آسکتی تھی پھر
چونک پڑا۔ اسے سکندر علی کے کہے ہوئے الفاظ یاد آنے لگے تھے۔
اس کی گفتگو سے ظاہر تھا کہ وہ طارق کے قتل سے باخبر
لیکن جب جہانگیر نے جذباتی صدمے کے زیرِ اثر اس سے
رات کے مطالعے کے بارے میں سوال کیا تو اس نے اپنی روایتی
بھری کا مظاہرہ کیا تھا جیسے طارق کا مار دیا جانا اس کے نزدیک
بڑی خبر نہ رہی ہو اور پھر اظہارِ افسوس بھی شرمناک حد
خود غرضانہ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ طارق اپنی ہی کسی غلطی کے
میں اس افسوسناک انجام سے دوچار ہوا ہو لیکن یہ تصور ہی
مانہ تھا کہ کوئی ذی ہوش شخص جانتے بوجھتے ہوئے خود کو موت
منہ میں جھونک بیٹھے۔ مرنے والا تو مر ہی چکا تھا اگر اس کے
ذرا نرم الفاظ استعمال کر لیے جاتے تو اس کے دوبارہ زندہ ہونے
امکانات نہیں تھے پھر سکندر علی نے کیوں ایسا سفاکانہ رویّہ
یار کیا؟ شاید وہ اس طرح جہانگیر کو بالواسطہ طور پر محتاط روی کی
بت سے آگاہ کر رہا ہو۔

ڈینی کو افسوس ہونے لگا کہ اس نے ان دونوں کی گفتگو
ں سنی؟ طارق سے کنارہ کشی کے احکام تو سب کے لیے تھے لیکن
ں کی موت کے بعد کم از کم کندھا تو دیا ہی جاسکتا تھا۔ اس نے طارق
جنازے کے بارے میں سکندر علی کی ہدایت سن لی تھی اور اس
یت کا جواز اسے وزنی محسوس ہوا تھا۔

بے خبر رہتا تو دوست کو کم از کم اپنے ہاتھوں مٹی تو
ے آتا لیکن اب وہ تذبذب کا شکار ہو گیا تھا۔

اسے یاد آیا کہ دروازے کے باہر سرخ بتی ابھی تک روشن
۔ اس نے فوراً سوئچ آف کر دیا پھر سیکرٹری سے اخبارات
والیے۔

اخبارات کے لیے مقرب خان کا قتل ایک پُراسرار معمّہ
اہوا تھا۔ لہٰذا انھوں نے عقرب خان اور طارق کی ہلاکت کے
انڈے مقرب خان سے ملانے کی کوشش کی تھی۔ تقریباً ہر اخبار
نے ایک ہی کہانی دُہرائی تھی جو ان حالات میں نہایت آسانی سے
سامنے آجاتی تھی۔

مقرب خان کی لاش طارق کے مکان سے میلوں دور
س کی کار میں ملی تھی لیکن اس کی حالت سے ظاہر تھا کہ کسی اور
مقام پر قتل کرنے کے بعد سفید فاکسی کو لاش ٹھکانے لگانے کے
لیے استعمال کیا گیا تھا۔ لاش کے لباس اور خون کے سوکھے ہوئے
لوتھڑوں سے چپکی ہوئی مٹی اور گھاس پھوس کی بنا پر ابتدا ہی سے
شبہ کیا جا رہا تھا کہ مقرب خان کا قتل کسی ایسے مقام پر ہوا ہو گا
جہاں سوکھی گھاس بکثرت موجود رہی ہو گی پھر عقرب خان مارا گیا
تو معاملہ مزید اُلجھ گیا لیکن طارق کے قتل ہوتے ہی پولیس کی
توجہ اس کے مکان کے گرد احاطے میں پھیلے ہوئے خزاں رسیدہ
لان پر مرکوز ہو گئی تھی۔

قیاس کیا جا رہا تھا کہ طارق خود مقرب خان کا قاتل تھا یا
وہ قتل اس کے اشارے پر کیا گیا تھا۔ اس جرم کا کوئی محرک
سامنے نہ ہونے کے باوجود کہانی کی بنیاد اسی مفروضے پر رکھی
گئی تھی۔ عقرب خان کو کسی طرح علم ہو گیا کہ اس کے بڑے بھائی
کے قتل میں طارق پوری طرح ملوث ہے لیکن طارق انتقامی
کارروائی کے ممکنہ خطرے سے واقف تھا جس وقت عقرب خان
بھرا ہوا پستول لے کر اس کے گھر کے قریب پہنچا اس نے تقریباً
عقرب کو دیکھا اور پہچانتے ہی اس پر گولی چلا دی اور آلۂ قتل
تلف کر دیا۔ طارق کے مکان کے اونچے برآمدے سے احاطے کی
قدرے نیچی دیوار کی طرف آتے ہوئے کسی شخص کی کھوپڑی کا نشانہ لینا
ماہرین کے نزدیک ہر اعتبار سے ممکن تھا۔ متبادل صورت یہ ہو
سکتی تھی کہ طارق کا کوئی ہمدرد باہر سے مکان کی نگرانی کر رہا ہو اور
اس نے عقرب کو مار ڈالا ہو۔ ادھر عقرب اور مقرب کا کوئی تیسرا
راز داں بھی تھا جو ان سے اس قدر قریب تھا کہ دوہرے قتل پر
مشتعل ہو کر کسی خطرے کی پروا کیے بغیر طارق کے گھر میں گھسا اور
اسے ہلاک کر کے رات کے اندھیرے میں آسانی سے فرار ہو گیا۔

تیسرے آدمی کا ذکر آتے ہی ڈینی کے ذہن میں جھماکا سا ہوا
اور اسے یاد آیا کہ جس رات مکان کی بجلی منقطع ہونے کے بعد طارق
بوکھلا کر جہانگیر کے گھر پہنچا اس رات اس کے احاطے میں بی فور
یا اس کے کسی آدمی نے مقرب خان کو ٹھکانے لگایا تھا جب کہ
طارق نے اندھیرے مکان سے فرار ہوتے ہوئے اپنے احاطے میں
کم از کم تین سایوں کو اُچھل کر جھاڑیوں میں روپوش ہوتے دیکھا تھا۔

مقرب خان اور اس کے بعد عقرب خان جہنم واصل ہو چکا
تھا لیکن تیسرا ابھی باقی تھا۔

غیر ارادی طور پر ڈینی کی مٹھیاں بھنچ گئیں، اس کی دانست میں
وہی تیسرا آدمی طارق کا قاتل تھا اور اس نے یہ حرکت عیسٰی خان کے
ایما پر کی تھی۔

اس نے اپنے طور پر عیسٰی خان کی گوشمالی کا مصمم ارادہ کر لیا۔
اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس بارے میں وہ باس سے
کوئی مشورہ نہیں لے گا، کہیں وہ اس اقدام کو طارق کی حمایت
میں کی جانے والی کارروائی قرار دے کر سرے سے مسترد ہی نہ کر
دے۔ اگر بعد میں بازپرس کی نوبت آتی تو وہ بآسانی یہ کہہ کر اپنی
گلوخلاصی کرا سکتا تھا کہ دو روز سے اس سے یا اس کی سیکرٹری کی
طرف سے جواب نہ ملنے کے باعث اس نے مجبوراً رابطہ قائم کرنے

کی کوششیں ترک کر دی تھیں اور طارق کے قتل کے معاملے کو اپنے طور پر دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

عیسٰی خان سے رابطے کے لیے وہ اپنا دفتری ٹیلیفون استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا سارے اخبارات کا سرسری مطالعہ کرنے کے بعد وہاں سے اٹھ گیا۔

راستے میں اس کی ذہنی رو ایک مرتبہ پھر سکندر علی کی طرف بھٹک گئی اور وہ سوچنے لگا کہ اس نے دو روز کے لیے جیوا ماڈز کو کیوں خالی کرایا ہے جب کہ اس عمارت سے بی فور کا براہِ راست کبھی بھی کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ ان چاروں نے ہی اس عمارت کا بندوبست کیا تھا۔ یہ ضرور تھا کہ اس کے حصول کا مشورہ اسی کی جانب سے ملا تھا۔ نجانے عمارت خالی کرانے سے وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔

ڈینی کو مبہم سا خیال پیدا ہوا کہ کہیں سکندر علی اس عمارت کو واقعی بگ نہ کرانا چاہتا ہو تاکہ اپنے ماتحتوں کے خیالات سے واقفیت حاصل کر سکے مگر ڈینی نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ اسے باس کی جگہ سنبھالنے کا خواب دیکھتے ہوئے ایک طویل مدت گزر گئی تھی۔ لیکن اس نے کبھی اپنے دل کی بات کسی پر ظاہر نہیں کی تھی اور ظاہر بھی کیا کرتا، وہ خود باس کی شخصیت سے لاعلم تھا۔ وہ تو غزالہ ایک بہانہ بن کر اس کی فیکٹری میں نہ پہنچی ہوتی تو شاید وہ ابھی تک باس کے راز سے بے خبر ہوتا۔ اصل بات یہ تھی کہ غزالہ خوش شکل اور خوش گفتار تھی۔ ڈینی اس کی ذات کے سحر سے متاثر ہوا اور اس کے کالج کے سوونیئر کے لیے اشتہار دے دیا اور اس کی دعوت پر کالج کے فنکشن میں بھی جا پہنچا جہاں لاؤڈ اسپیکر پر مہمانِ خصوصی کی آواز نے اچانک اس پر ایک راز ظاہر کر دیا جو برسوں سے معمہ بنا چلا آ رہا تھا اور طریقۂ کار کی روشنی میں ڈینی کو امید تھی کہ وہ کبھی بھی باس سے واقف نہ ہو سکے گا مگر اس دن محض آواز کی شناخت کی بنا پر اسے سکندر علی پر شبہ ہوا اور پھر نقاب پوش چور کے روپ میں اس کے مکان میں داخل ہو کر ڈینی نے ایسی بہت سی معلومات حاصل کر لیں جن کی بنا پر اس کا شبہ یقین میں بدل گیا۔

اسے سکندر علی کے مکان سے چار اہم فون نمبر بھی ملے تھے جو اس کی دانست میں تنظیم کے اہم ذمے داروں کے تھے۔ ان ہی سے ڈینی نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ بی فور اپنی جگہ مطلق العنان سربراہ نہیں تھا بلکہ اس سے اوپر بھی کچھ لوگ موجود تھے۔

ڈینی کا اندازہ تھا کہ جس طرح بی فور کی شخصیت اس کے ماتحتوں کے لیے گمنام تھی اور سارا کام برسوں سے محض آوازوں کی شناخت اور شناختی اشاروں کی بنیاد پر چل رہا تھا۔ اسی طرح اوپر والوں سے بی فور بھی لاعلم ہو گا لیکن سکندر علی کی ڈائری میں ان فون نمبروں کی موجودگی اس خیال کی نفی کر رہی تھی۔ فون نمبر تھوڑی سی محنت کے بعد یہ سراغ لگایا جا سکتا تھا کہ وہاں خفیہ نام سے کالز کرتا ہے۔

ڈینی دو روز سے مسلسل اسی سوچ بچار میں مبتلا کے مکان سے ملنے والے نمبروں پر کال کرنے سے پہلے وہ کو رائے قائم کرنا چاہتا تھا ورنہ کسی کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا راز فاش ہو گئے ہیں تو فوری طور پر طریقۂ کار اور ٹھکانے دیے جاتے اور برسوں بعد ہاتھ آنے والے سراغ ناکار رہ جاتے۔ اس کے پاس ان فون نمبروں کے علاوہ ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کا نام بھی تھا جہاں سے ابتدا کیا جا سکتا تھا لیکن ڈینی اوپر سے ابتدا کے بجائے نیچے سے کرنا چاہتا تھا۔ اس کی کامیابی کا پہلا زینہ سکندر علی تھا۔ سے چھلانگ لگانے کی کوشش میں وہ منہ کے بل گر سکتا تھا۔ اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ طارق کے قتل کا معاملہ کے بعد وہ اس اہم کام پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر دے

❋

عیسٰی خان سخت پریشان تھا۔ خوف اور تشویش کے باعث اس کی راتوں کی نیندیں اڑ گئی تھیں جس کا اظہار ورم آلود سرخ آنکھوں سے ہو رہا تھا۔ آمدنی میں اضافے لالچ میں اس نے جس کام کا آغاز بہت سہل اور محفوظ سمجھ اس کے انجام نے اس کا سکھ چین برباد کر دیا تھا کیونکہ کی قلیل مدت میں کم از کم پانچ انسانی جانیں اس گورکھ دھن بھینٹ چڑھ چکی تھیں۔

اپنے ٹرکوں کے ذریعے آزاد قبائلی علاقوں سے گاہے چرس منگوا کر معقول نفع پر مقامی بازار میں فروخت ک ہوئے عیسٰی خان نے کبھی ایسی بہیمانہ خونریزی کے بارے سوچا بھی نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کبھی ستارے گردش ہی گئے تو زیادہ سے زیادہ مال کی کھیپ پکڑی جائے گی اس کی ذمے داری متعلقہ ٹرک پر مامور اپنے ملازمین کے کر خود بری الذمہ ہو جائے گا۔

پھر اسے بازار میں چرس کے تھوک اور خوردہ دا درمیان نمایاں فرق نے کسی ایک اڈے سے کاروباری را کرنے پر اکسایا تو اس نے مقرب خان کے ذریعے راجو کو اپنا ملا لیا لیکن وہاں چند دن بھی سکون سے نہ گزرے تھے کہ ملک نے راجو کا اڈہ تباہ کر کے وہاں دل کھول کر فائرنگ خوف و ہراس پھیلایا جس کے نتیجے میں کئی افراد کے زخمی کے ساتھ راجو کا بھائی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

راجو نے اس حملے کے ذمّے داروں کو غلام قادر کے ساتھیوں کے طور پر پہچانا تھا لیکن اس نے پولیس کو ان کی نشاندہی کر کے اپنی جرائم پیشہ برادری کے مروّجہ اصول توڑنے اور پھر تفتیش کا نشانہ بننے کے بجائے پوری صورتحال عیسٰی خان کے گوش گزار کر کے اسے انتقامی کارروائی میں اپنا ساتھ دینے پر مجبور کیا اور عیسٰی خان کا قبائلی خون جوش میں آ گیا۔ اس وقت اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ مہم اس کے وفاداروں کے حق میں کس قدر خونریز ثابت ہوگی۔

اپنے آدمیوں میں مقرب خان اس کا معتمد خاص تھا اور عیسٰی خان کو پوری امید تھی کہ وہ اپنی ذہانت اور بے خوفی کے سہارے جلد ہی روپوش غلام قادر کا سراغ لگا لے گا۔ مقرب خان کئی دن شہر میں دھکے کھاتا رہا پھر ایک روز عیسٰی خان سے اجازت لے کر اس کے پاس ملازم اپنے چھوٹے بھائی عقرب خان اور ایک دوست سلطان شاہ کو ساتھ لے گیا۔ [عیسٰ]ی خان کے استفسار پر اس نے نہایت اعتماد سے بس اسی قدر بتایا کہ [وہ] اگلے چوبیس گھنٹوں میں غلام قادر کو اس کے بل سے گھسیٹ کر اس کے قدموں میں لا ڈالے گا۔ پھر اس کے انجام کا انحصار عیسٰی خان کی مرضی پر ہوگا۔

لیکن غلام قادر کی تلاش میں اس رات مقرب خان واپس نہ لوٹ سکا اور صبح اس کی لاش ملنے کی اطلاع آ گئی۔ عیسٰی خان کو اس سانحے کے بعد عقرب خان سے پتا چلا کہ پچھلی شام وہ دونوں مقرب خان کے ساتھ ایک مکان کی بجلی منقطع کر کے ایک مکان کے احاطے میں داخل ہوئے تھے۔ مقرب خان کا ارادہ تھا کہ اندر گھس کر وہاں رہنے والے سے کچھ باز پُرس کرے گا مگر وہ نوبت آنے سے پہلے ہی اس کا شکار خطرہ بھانپ کر گھر سے بھاگ نکلا اور مقرب خان نے اس کے تعاقب میں روانہ ہوتے ہوئے ان دونوں کو واپسی کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد مقرب خان پر کیا گزری؟ اس سے ہر ایک لاعلم تھا۔

بڑے بھائی کے اس وحشیانہ قتل پر عقرب خان تڑپ اٹھا۔ وہ اس شخص کے لہو سے اپنی انتقام کی پیاس بجھانا چاہتا تھا جس کے تعاقب سے اس کے بھائی کو زندہ لوٹنا نصیب نہ ہو سکا۔ مگر عیسٰی خان جہاندیدہ آدمی تھا۔ راجو کے بھائی کے بعد مقرب خان جیسے چالاک اور دلیر آدمی کے قتل نے اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ کہیں وہ نادانستگی میں شہر کے کسی طاقتور گروہ سے نہ الجھ بیٹھا ہو، لہٰذا اس نے عقرب خان کو سختی سے روک دیا اور اس حد تک محتاط رہا کہ نہ پولیس سے کوئی تعاون کیا اور نہ ہی وہ مکان دیکھنے کی کوشش کی جہاں قتل سے پہلے مقرب خان اپنے ساتھیوں سے علیحدہ ہوا تھا۔

بات یہ نہیں تھی کہ اسے مقرب خان کی ہلاکت پر افسوس نہیں تھا۔ اس کے قتل پر اسے یوں محسوس ہوا تھا، جیسے وہ اندر سے یک بیک کھوکھلا ہو گیا ہو اور اس کی عزیز ترین ہستی اس سے چھین لی گئی ہو مگر اس صدماتی کیفیت میں بھی وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کی کوئی بھی کوشش مقرب خان جیسے قابلِ اعتماد ملازم کے اتلاف کا ازالہ نہیں کر سکے گی بلکہ انتقام کے جذبے میں سرزد ہونے والی کوئی بھی بے احتیاطی خود اسے بھی لے ڈوبے گی۔

اگر قتل کے بارے میں اس شخص پر شبہ ظاہر کیا جاتا جس کے تعاقب سے مقرب خان واپس نہ لوٹ سکا تھا تو تفتیشی افسران اس شبہے کے محرکات جاننے کے سلسلے میں تیکھے سوالات کرتے اور اپنی پوزیشن کو بچانا عیسٰی خان کے لیے دشوار ہو جاتا مگر یہ زبان بندی بھی قتل و خونریزی کا سلسلہ دراز ہونے سے نہ روک سکی۔

مکھن خان نے اپنے طور پر صحیح اندازہ لگایا تھا مگر عیسٰی خان کے دو ٹوک رویے نے اسے مایوس ہو کر لوٹنے پر مجبور کر دیا تھا مگر اسی روز مکھن خان بے رحمی سے مار ڈالا گیا پھر عقرب خان کی خبر آئی تو عیسٰی خان پر دہشت طاری ہونے لگی۔ اسے یقین ہونے لگا کہ ان پے در پے واقعات کی پُشت پر شہر کا کوئی مضبوط اور منظم گروہ کام کر رہا ہے اور راجو کے اڈّے پر ہونے والے خونریز تصادم سے ایک ایسی کہانی کا آغاز ہوا تھا کہ جس نے بھی اس کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کی اسے فوری طور پر راستے سے ہٹا دیا گیا۔

اس حوالے سے اس کے ذہن میں وہ لوگ اُبھر آئے جنھوں نے چرس فروشی سے دستبردار ہونے کے عوض اسے ایک خطیر رقم وظیفے کے طور پر دینے کا وعدہ کیا تھا اور پھر خود سامنے آئے بغیر انھوں نے ایک لیٹر بکس کے ذریعے اسے پہلی قسط ادا کر دی تھی۔ شاید وہ ہر قیمت پر اپنے دھندے میں دخل انداز ہونے والوں کو دور رکھنے پر تُلے ہوئے تھے۔ خواہ اس مقصد کے لیے رقم صرف کرنی پڑے یا دو چار کا خون بہانا پڑ جائے۔

اس کا خیال تھا کہ وہ شخص اس گروہ کا کوئی خاص رُکن تھا جس کے پھاٹک کے قریب عقرب خان مارا گیا تھا لیکن وہ اہم شخص بھی نہ بچ سکا۔ اسے اس کے مکان میں مار دیا گیا تھا۔ اس نے اپنے سامنے میز پر پھیلے اخبار کو یوں خوفزدہ نگاہوں سے دیکھا جیسے وہ اس کی موت کا پروانہ ہو۔

اس کے دو ملازمین مارے جا چکے تھے۔ لہٰذا پولیس افسران تفتیش کے سلسلے میں اسے خاصی اہمیت دے رہے تھے۔ دوسری طرف اخبار والے ان وارداتوں کے پورے پس منظر سے لاعلم ہونے کے باوجود کسی ایسے تیسرے شخص کی موجودگی کے امکانات ظاہر کر رہے

تھے جو نہ صرف طارق کا قاتل تھا بلکہ ان واقعات پر پوری طرح روشنی بھی ڈال سکتا تھا۔

عیسٰی خان کے نزدیک یہ قیاس آرائیاں بے بنیاد تھیں۔ لیکن تیسرے آدمی کے تذکرے پر اس کا ذہن سلطان شاہ کی طرف مبذول ہو گیا تھا۔ سلطان شاہ مقرب خان کا گہرا دوست ضرور تھا لیکن دوستی کی خاطر قتل جیسے جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتا تھا۔ عیسٰی خان کو خوف تھا کہ کہانی کے کرداروں میں صرف سلطان شاہ ہی زندہ بچا تھا اور مجرم خاصے باخبر معلوم ہوتے تھے اگر انھیں بھنک بھی مل جاتی کہ طارق والے معاملے میں سلطان شاہ بھی مقرب خان کا شریکِ کار تھا تو وہ ہر قیمت پر اسے بھی ہلاک کرنے پر تُل جاتے۔

اپنے دو ملازموں کی ہلاکت پر وہ بہت دل برداشتہ تھا۔ سلطان شاہ بھی نامعلوم قاتلوں کا نشانہ بن جاتا تو شاید اس کی ساری ذہنی صلاحیتیں بھی جواب دے جاتیں اور وہ آسانی سے پولیس کی بے رحمانہ پوچھ گچھ میں پھنس جاتا۔

اس نے اخبار سمیٹتے ہوئے فیصلہ کیا کہ وہ سلطان شاہ کو سرحدی علاقوں کی طرف جانے والے پہلے ٹرک سے روانہ کر دے گا تاکہ وہ اپنے قبیلے میں کچھ عرصہ گزار کر قاتلوں کی دستبرد سے بچا رہ سکے۔

اس نے سلطان شاہ کی طلبی کے لیے کسی کو پکارا ہی تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی چیخ اٹھی اور عیسٰی خان نے ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے بولنے والے نے شاید عیسٰی خان کی آواز پہچان لی کیونکہ اس کے ہیلو کہتے ہی دوسری طرف سے ایک اجنبی آواز ابھری تھی۔ "مجھے ہر قیمت پر تیسرا آدمی درکار ہے عیسٰی خان! اگر آج رات اسے میرے حوالے نہ کیا گیا تو میں تمھاری اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔"

"کک... کون تیسرا آدمی؟" اس بے لاگ اور دھمکی آمیز طرزِ تخاطب پر عیسٰی خان جیسا مضبوط آدمی بھی بوکھلا کر رہ گیا۔

"انجان بننے کی کوشش نہ کرو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کس تیسرے آدمی کی بات کر رہا ہوں۔" لہجے میں درشتگی پیدا ہو گئی۔

"وہ سب اخباری ہرزہ سرائی ہے۔" عیسٰی خان نے آخری کوشش کے طور پر سنبھالا لیا۔ اسی اثنا میں وہ آدمی دفتر میں گھس آیا تھا جسے عیسٰی خان نے فون ریسیو کرنے سے پہلے آواز دی تھی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے لوٹا دیا۔ "ایسے کسی آدمی سے میں واقف نہیں ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔" اجنبی آواز نے اہانت آمیز لہجے میں اسے ڈانٹ دیا۔ "اخبار کے حوالے سے مجھے بہلانے کی کوشش نہ کرو، مجھے وہ آدمی چاہیے جو مقرب اور عقرب کے ساتھ اند مکان میں دیکھا گیا تھا۔"

عیسٰی خان کی پیشانی سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ پھوٹ اور وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "وہ ہر معاملے سے لاتعلق ہے تم کرو کہ ان دونوں کے ساتھ ایک بار وہاں جانے کے علا کا کوئی کردار نہیں تھا، اس کے ہاتھ صاف ہیں۔"

"یہ سب میں خود معلوم کر لوں گا، تمھیں وکالت کر کی ضرورت نہیں۔"

"لیکن وہ یہاں موجود نہیں ہے۔ کل رات پشاور لے جانے والے ٹرک کے ساتھ چلا گیا۔" عیسٰی خان نے دھڑ ہوئے دل کے ساتھ جھوٹ بولا۔

"اوہ۔" فون پر اجنبی کی غضبناک غراہٹ ابھری۔ "اسے پاتال میں بھی نہ چھوڑوں گا، نام کیا ہے اس کا؟"

"سلطان شاہ۔" عیسٰی خان شکست خوردہ لہجے میں بولا "وہ میرے یہاں کلینر ہے۔"

"پشاور میں وہ کہاں مل سکے گا؟"

"پارٹی کا مال اتروا کر وہ اپنے گاؤں چلا جائے گا، پشا میں اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔"

"گاؤں کا نام کیا ہے؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔" اس بار عیسٰی خان کے لہجے میں سچا کا اعتماد جھلک رہا تھا۔ "میں نے اسے کسی کی سفارش پر ملازم تھا، بس اتنا معلوم ہے کہ اس کا تعلق سدوزئی قبیلے سے ہے شا اسی حوالے سے اس کا پتا چل سکے گا۔"

دوسری طرف سے مزید کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ عیسٰی خان ریسیور کریڈل پر پٹخ کر گالیاں دیتے ہوئے اپنے اردلی پکارنے لگا۔

"سلطان شاہ کو بلاؤ۔" اردلی کی صورت دیکھتے ہی وہ دہاڑا اور پھر کرسی سے اٹھ کر کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

چند منٹ بعد سلطان شاہ کاٹن ویسٹ سے اپنے ہاتھوں کی سیاہی پونچھتا ہوا دفتر میں داخل ہوا تو اس کے چہرے پر تحیر کے آثار دور سے پڑھے جا سکتے تھے۔ عیسٰی خان اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے عقبی بیٹھک میں داخل ہوا۔

سلطان شاہ چپلیں چوکھٹ سے باہر اتار کر اندر داخل ہوا تو عیسٰی خان دونوں ہاتھ کمر پر باندھے اس کی طرف دیکھ رہا تھا

"کک.. کیا بات ہے خان بابا؟" اس نے بوکھلا کر تحیر زدہ لہجے میں سوال کیا۔ "تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو۔"

"میری بات سن کر تمھاری بھی نیند اڑ جائے گی سلطان شاہ

عیسٰی خان دھیمے مگر طنزیہ لہجے میں بولا "پہلے دروازہ بند کرو پھر میں بتاتا ہوں کہ تم نے مجھے کس مشکل میں پھنسا دیا ہے۔"

سلطان شاہ دروازہ بند کر کے پلٹا تو عیسٰی خان نے کہنا شروع کیا "اپنی غلطی کے نتیجے میں مقرب خان خود تو مارا ہی گیا لیکن اپنے ساتھ ہم سب کو بھی جیتے جی ایک عذاب میں مبتلا کر گیا۔ اپنی ہوشیاری کے زعم میں اس نے آخر تک مجھے ہوا نہ لگنے دی کہ وہ شہر میں کیا کرتا پھر رہا ہے۔ اس رات تم تینوں اس اندھیرے مکان میں اکٹھے دیکھ لیے گئے تھے جس کے نتیجے میں پہلے مقرب اور پھر عقرب مارا گیا، اب وہ تمھاری تلاش میں ہیں۔"

"بری خبر سنائی تم نے خان بابا!" سلطان شاہ خوفزدہ ہوئے بغیر سپاٹ لہجے میں بولا "تمھارے ہی حکم پر میں مقرب خان کے ساتھ گیا تھا، اب جو حکم دو گے اسی پر عمل کروں گا۔ ویسے موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ جس وقت اور جیسے لکھی ہوئی ہے آ کر رہتی ہے... میں بزدل نہیں ہوں۔"

"بزدلی اور مصلحت میں بڑا فرق ہوتا ہے سلطان شاہ!" عیسٰی خان نے نرم لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "دشمن پردے میں ہے اور ہم اس کے کھلے نشانے پر ہیں۔ کچھ پتا نہیں وہ کب وار کر جائے۔ تمھارے بارے میں میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ابھی تیار ہو کر فوراً اسٹیشن چلے جاؤ اور جو گاڑی ملے یہ شہر چھوڑ دو، اسی طرح تم ان کی گرفت میں آنے سے محفوظ رہ سکو گے۔"

"مگر خان بابا! میں کرایہ کہاں سے لاؤں گا؟"

"یہ لو" عیسٰی خان نے جیب سے سو سو کے پانچ نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "ہمارے دشمن درندگی پر اُتر آئے ہیں، انسانی خون کی یہ ارزانی اب میری برداشت سے باہر ہے، تم ان سے بچ گئے تو میں اسے اپنی جیت سمجھوں گا۔"

سلطان شاہ نے نوٹ خاموشی سے جیب میں ڈال لیے "گزارے کے لیے کچھ اور مل جائے تو میں احسان مند رہوں گا خان بابا! ادھر نوکری ذرا مشکل ہی سے ملتی ہے۔"

عیسٰی خان نے مزید پانچ سو روپے اس کے حوالے کر دیے۔

ایک موہوم سا امکان ڈینی کے ذہن میں بھی تھا کہ تیسرا شہر سے ہی نہ نکل گیا ہو لیکن عیسٰی خان نے جس لب و لہجے میں سلطان شاہ کی شہر سے روانگی کی اطلاع دی، اس نے ڈینی کو مشکوک کر دیا۔ عیسٰی خان نے اس کی پچھلی رات روانگی کا ذکر کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ سلطان شاہ، طارق کے قتل کی واردات رونما ہونے سے پہلے شہر سے بہت دور نکل چکا تھا لیکن ڈینی کو یہ بات بالکل غلط محسوس ہوئی تھی۔

اس نے عیسٰی خان کو مختصر ترین مہلت دینے کے ارادے سے اس کے دفتر کے قریبی بوتھ سے اسے فون کیا تھا اور کال ختم کرتے ہی اس کے قریب ایک ایسی جگہ اپنی کار پارک کی تھی جہاں سے وہ دفتر اور اس سے ملحقہ نیم پختہ ورکشاپ پر نظر رکھ سکے۔ اس کا اندازہ تھا کہ اگر سلطان شاہ اس وقت تک وہیں مقیم تھا تو عیسٰی خان اسے فوری طور پر دفتر بلکہ شہر سے نکال دینے کی کوشش کرے گا۔

وہ وہاں بیٹھا خاصی دیر تک سوچتا رہا کہ سلطان شاہ کے بارے میں کس طرح اپنی کارروائی کا آغاز کرے کیونکہ وہ تو اس کی شکل تک سے واقف نہیں تھا۔ اگر اس کا مطلوبہ آدمی اس کے سامنے سے بھی گزر جاتا تو وہ اسے پہچاننے کے قابل نہیں تھا۔

آخر کار اسے ایک انوکھی تدبیر سوجھ ہی گئی اور وہ کار کا انجن اسٹارٹ کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا۔

چند منٹ بعد وہ ایک مرتبہ پھر پبلک بوتھ سے عیسٰی خان کے دفتر کا نمبر ملا رہا تھا۔

"عیسٰی خان گڈز ٹرانسپورٹ کمپنی؟" سلسلہ مل جانے پر اس نے بھاری لہجے میں سوال کیا اور اثبات میں جواب ملتے ہی عیسٰی خان سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کر بیٹھا حالانکہ عیسٰی خان کی آواز وہ پہچان گیا تھا۔

"میں عیسٰی خان ہی بول رہا ہوں بابا!" اس کی آواز سے اکتاہٹ عیاں تھی۔

"میں کرائمز برانچ کا انسپکٹر یوسف بول رہا ہوں۔ ابھی ابھی کسی نے تمھارے آدمی سلطان شاہ کو گولی مار دی ہے۔ اس کی جیب سے ملنے والے ایک کاغذ پر اس کا نام اور تمھارا پتا ملا ہے تم فوراً پہنچو تاکہ لاش کی شناخت کے بعد اگلی کارروائی کی جا سکے۔"

"م... مگر سلطان شاہ تو یہاں موجود ہے" عیسٰی خان کا تحیر آمیز اضطراری جواب سنائی دیا اور ڈینی کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو پھر مرنے والا اس کا کوئی شناسا ہوگا" ڈینی نے بے پروایانہ لہجے میں عجلت سے کہا "موجود ہے تو اسے بھی ساتھ لیتے آؤ لاش لکڑی گراؤنڈ کے نکڑ پر پڑی ہے۔"

"میری طبیعت خراب ہے" عیسٰی خان کی آواز میں اضمحلال سمٹ آیا "مگر میں آرہا ہوں۔"

پھر جب عیسٰی خان کی کار دو مسافروں کو لے کر لکڑی گراؤنڈ

کی طرف روانہ ہوئی تو ٹریفک کے ہجوم میں ڈینی کی کار اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ عیسٰی خان ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔ اس کے پہلو میں ایک صحتمند نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔

ککری گراؤنڈ کے نزدیک پہنچ کر عیسٰی خان کی کار کی رفتار سست ہوگئی۔ شاید وہ انسپکٹر یوسف کی بتائی ہوئی جائے واردات تلاش کررہا تھا پھر میدان صاف دیکھ کر شاید یک بیک اس کی عقل ٹھکانے آئی اور اس نے اپنی کار تیز کردی۔

اس کی ڈرائیونگ میں رونما ہونے والی تبدیلی سے صاف ظاہر تھا کہ وہ دھوکے کا احساس ہوتے ہی خوفزدہ ہوگیا تھا۔

لی مارکیٹ پر ایک جگہ عیسٰی خان کی کار رکی اور دوسرے مسافر کو اتار کر آگے بڑھ گئی لیکن اب ڈینی کی توجہ کار کے بجائے اس سے اتارے جانے والے صحت مند نوجوان پر مرکوز تھی جس کے ہاتھ میں ایک پوٹلی بھی موجود تھی جسے لٹکائے وہ آہستہ آہستہ بس اسٹاپ کی طرف جارہا تھا۔

عیسٰی خان نے دھوکے کا احساس ہوتے ہی جس طرح اپنے نوجوان ساتھی سے پیچھا چھڑایا تھا' اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ نوجوان اپنی ذات کو درپیش سنگین خطرے سے پوری طرح باخبر نہیں تھا۔ ورنہ یوں آسانی سے کھلی فضا میں اپنے دشمن کے مہلک وار کا نشانہ بننے کے لیے نہ اتر پڑتا۔ بس اسٹاپ کی طرف بھی وہ سر جھکائے' اپنی دھن میں مگن بڑھا چلا جارہا تھا جیسے اسے اپنے گرد وپیش سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

ڈینی نے سست رفتاری سے کار آگے بڑھاتے ہوئے نوجوان کے پہلو میں روک دی پھر اسے سلطان شاہ کہہ کر پکارا تو وہ چونک پڑا۔

ڈینی نے مسکراتے ہوئے جھک کر اپنے برابر والی نشست کا دروازہ کھول دیا اور نوجوان کی حیرت کو نظرانداز کرتے ہوئے آہستہ سے بولا "بیٹھ جاؤ' میں عیسٰی خان کی طرح قدرناشناس نہیں ہوں' ہیرے اور پتھر کا فرق جانتا ہوں۔"

"مگر بھائی صاب! میں آپ کو نہیں جانتا۔" نوجوان متذبذب تھا۔

"دوست ہوں اور تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔" ڈینی مسکرایا اور ناتجربہ کار نوجوان اپنی جسمانی برتری کے گھمنڈ میں بےپروایانہ انداز میں سر جھٹک کر کار میں سوار ہوگیا۔ اس نے پرشور انداز میں دروازہ بند کرکے گویا ڈینی پر اپنی قوت کا اظہار کیا تھا۔

"کیسے دوست ہو اور کیا مدد کرنا چاہتے ہو؟" کار حرکت میں آنے کے کئی منٹ بعد بھی جب ڈینی خاموش رہا تو سلطان شاہ نے خود ہی سکوت توڑ دیا۔

"عیسٰی خان تم سے پیچھا کیوں چھڑانا چاہتا تھا؟" ڈینی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اس کا خیال ہے کہ کوئی مجھے مارنا چاہتا ہے۔ مگر تم اسے کیسے جانتے ہو؟" نوجوان نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"کبھی دوستی ہوا کرتی تھی ہماری۔" ڈینی نے گول مول سا جواب دیا۔ "تمھیں مارنے کی کوئی وجہ بھی رہی ہوگی؟"

"وجہ؟" سلطان خان نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر بولا۔ "تمہارے کپڑے قاعدے کے ہیں' دیکھنے میں شریف آدمی لگتے ہو لیکن جس طرح مرنے مارنے کی باتیں کررہے ہو' اس سے پتا چلتا ہے کہ اتنے شریف نہیں ہو۔"

"کیا مطلب؟" ڈینی نے چونک کر سوال کیا۔ "میں نے وجہ پوچھی تھی' اپنی شرافت کے بارے میں تمہاری رائے نہیں پوچھی تھی۔"

"اگر شریف آدمی ہو تو مجھے یہیں اتار دو۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں اپنی وجہ سے تمھیں کسی مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتا اور اگر دوسری لائن کے آدمی ہو تو میں خوشی سے تمھیں ہر بات بتاتا چلا جاؤں گا۔"

"دوسری لائن کا آدمی سمجھو مجھے۔" ڈینی نے کار کی رفتار برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ اسے سلطان شاہ کا دوٹوک انداز بہت پسند آیا تھا۔

"میں سات جماعت پڑھا ہوا ہوں۔" سلطان شاہ بتانے لگا۔ "دل میں امیر بننے کی خواہش لے کر کراچی آیا تھا مگر یہاں مرضی کا کوئی کام نہیں ملا تو عیسٰی خان کے پاس نوکری کرلی۔ ایک دن مقرب خان مجھے اور عقرب خان کو ساتھ لے کر کسی کے گھر میں جا گھسا تھا۔ پھر وہ دونوں بھائی مارے گئے اور خان بابا کہتا ہے کہ قاتل مجھے بھی مار دے گا کیونکہ اس رات میں نے مقرب خان کا ساتھ دیا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ مقرب خان کے مرنے کے بعد خان بابا مجھ پر بھروسا کرنے لگے گا مگر وہ ڈرتا ہے۔ اب میں شہر چھوڑ کر واپس جارہا ہوں۔"

"امیر بننے کی آرزو نہیں رہی اب؟"

"آرزو تو ہے مگر کوئی گھاس ڈالنے کو تیار نہیں۔" وہ افسردہ لہجے میں بولا۔ "مقرب خان نے بھی اپنے کاموں کی ہوا نہ لگنے دی۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس طرح خان بابا کی نظروں میں اس کی اہمیت کم ہو جائے گی۔"

"پھر تم نے مقرب خان کے قاتل کو کیوں مارا؟" ڈینی اچانک سوال کر بیٹھا۔ "تمھیں تو اس سے ہمدردی ہونی چاہیے تھی۔"

سلطان شاہ پھیکے انداز میں ہنسا۔ "دکھ تو یہی ہے کہ یہاں پیونٹی کا بھی خون کرنے کا موقع نہیں ملا اور اب ناکام واپس جارہا ہوں۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ مقرب خان کو مارنے والا

لوں تھا:
ڈینی کو یقین آگیا کہ وہ سچ بول رہا تھا۔ اس کے بارے
ں قائم کیے ہوئے نظریات اسے بے بنیاد نظر آنے لگے تھے اور
ں افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے بلا وجہ ہی اس کے پیچھے لگ کر
ت کے ساتھ ہی اپنی توانائی بھی برباد کی۔
"مقرب خان مجھے ساتھ ملا لیتا تو دونوں بہت فائدے
میں رہتے" سلطان شاہ کہہ رہا تھا "وہ پشاور کا رہنے والا تھا۔
یرا گاؤں قبائلی علاقے میں ہے۔ وہاں میرے چچا کا لڑکا لیبارٹری
چلا رہا ہے۔ اس سے گورے مال لے جاتے ہیں۔ ہم لوگ بھی
ہیروئن لاکر یہاں بیچتے تو بہت نفع ملتا۔"
ڈینی چونک پڑا "تم ہیروئن بنانے والوں سے واقف ہو؟"
"بس چچا کے لڑکے کو جانتا ہوں" سلطان شاہ نے صاف گوئی
سے کام لیتے ہوئے کہا "سنا ہے یہ بہت ٹیڑھا کام ہے۔ مومن خان
آفریدی نے پہلی فیکٹری لگائی تو بہت مال برباد کیا پھر تیس ہزار
تنخواہ پر جرمنی سے ایک آدمی کو بلایا تو کام قابو میں آیا۔ سنا ہے
کہ اب تو کئی لیبارٹریاں کھل گئی ہیں۔"
"شہر میں کوئی ٹھکانا ہے تمہارے پاس؟" ڈینی نے سوال
کیا۔ اپنے اوصاف کی بنا پر سلطان شاہ اسے کام کا آدمی نظر
آرہا تھا۔
"پٹھان کالونی میں ایک رشتے دار رہتا ہے۔ مگر تم یہ
کیوں پوچھ رہے ہو؟" اس نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔
"میں تم سے کام لینا چاہتا ہوں... عیسیٰ خان سے تمہارا
کیا فیصلہ ہوا؟"
"نوکری ختم کرکے ملک جا رہا ہوں... اس نے مجھے
ہزار روپے دیے ہیں۔"
"اور تنخواہ کیا ملتی تھی اس سے؟"
"روٹی اور سونے کی جگہ کے ساتھ سات سو ملتے تھے"
سلطان شاہ نے بتایا۔
"تو پھر آج سے خود کو ہزار روپے پر ملازم سمجھو" ڈینی نے
اس کے بائیں شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔
"کام کیا ہوگا؟" سلطان شاہ نے مسرت آمیز لہجے میں
سوال کیا۔
"وقت آنے پر بتا دیا جائے گا" ڈینی نے کار ایک طرف
روک دی اور جیب سے ہزار روپے کے نوٹ نکال کر اسے
تھما دیے "یہ تمہاری پیشگی تنخواہ ہے۔ اب تمہیں شہر سے
بھاگنے کی ضرورت نہیں، تمہارے دشمنوں سے میں خود نمٹ
لوں گا۔"

"مگر میں تم سے کیسے مل سکوں گا؟" سلطان شاہ نے
نوٹ اپنی جیب میں منتقل کرتے ہوئے سوال کیا۔
"اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی" ڈینی نے کہا۔
"پرسوں دوپہر کے بارہ بجے سول اسپتال کے گیٹ پر مل کر اپنا
پتا دے دینا، اگلا پروگرام وہیں بتاؤں گا۔"
سلطان شاہ نے گرمجوشی کے ساتھ ڈینی سے ہاتھ ملایا اور
کار سے اتر گیا۔ ڈینی سوچ رہا تھا کہ وہ جس کے قتل کا منصوبہ بنا
کر دفتر سے اٹھا تھا، اسے اپنے نمک خواروں میں شامل کرکے
گھر لوٹ رہا تھا۔ دراصل اس نے سلطان شاہ میں دلیری اور
وفا کی خوبیاں محسوس کر لی تھیں اور اندازہ لگایا تھا کہ باہر کا وہ
آدمی سکندر علی کے خلاف مہم میں اس کا جاں نثار ساتھی ثابت ہو
سکے گا جبکہ مقامی طور پر وہ کسی کو اعتماد میں نہیں لینا چاہتا تھا
کیونکہ کچھ پتا نہیں تھا، کون کس کے لیے کام کر رہا تھا۔

سکندر علی اس وقت شکست کی تصویر بنا اپنی خوابگاہ میں
مسہری پر نیم دراز تھا اور اس کی خوبصورت سیکرٹری بستر کے
قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھی اس کے لیے اسکاچ کا گلاس تیار
کر رہی تھی۔
"اس قدر اداس کیوں ہو ڈارلنگ؟" سیکرٹری نے گلاس
ایک ادا سے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے محبت آمیز لہجے میں کہا۔
"میں بکھر رہا ہوں رخشی!" بوجھل فضا میں اس کی اداس
اور خوابناک آواز ابھری "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میری ذات
میں ٹوٹ پھوٹ کے عمل کا آغاز ہو چکا ہو۔ دو دن گزر گئے ہیں
بے خواب راتیں میں نے بستر پر پہلو بدل بدل کر گزاری ہیں لیکن
چند گھڑی کے لیے سکون کی نیند نہیں سو سکا۔"
"تم اسے ذاتی توہین سمجھ رہے ہو، چوریاں تو بڑے بڑے
سورماؤں کے یہاں ہو جاتی ہیں اور وہ کچھ نہیں کر پاتے۔ پھر
اس رات تم گھر پر بھی تو نہیں تھے۔ یہی غنیمت ہے کہ یہ کمرہ اس
کی دست برد سے محفوظ رہا...."
"چور کسی کی آبرو پر ہاتھ نہیں ڈالتے" وہ اندر سے دکھی
معلوم ہو رہا تھا۔ اس کا ایک ایک لفظ اندرونی کرب میں ڈوبا
ہوا تھا "اس نے میری چھت کے نیچے تم پر ہاتھ ڈالا، یہ میرے
لیے بدترین گالی ہے... شاید تم اسے نہ سمجھ سکو کیونکہ تم ملکیت
کے تصور سے ناآشنا ہو، پھر وہ تمہارے کمرے سے ہر قیمتی چیز
لے گیا مگر تمہاری سائڈ ٹیبل کی دراز میں پڑا ہوا ٹرانسمیٹر چھوڑ
گیا۔ جاہل اور بے خبر تھا تو اسے کوئی قیمتی چیز سمجھ کر لے جاتا،
سمجھ دار تھا تو اسے چھوڑنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ وہ اسے کیوں چھوڑ

گیا۔ آپریٹس غائب ہوتا تو شاید میں اتنا پریشان نہ ہوتا جتنا اب ہوں۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس نے اسے بے وقعت جیبی ریڈیو سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہو۔" وہ نرم اور تشفی آمیز لہجے میں بولی پھر ہچکچاتے ہوئے بات جاری رکھی: "شاید میں نے اپنے بارے میں تمہیں بتا کر بلاوجہ پریشان کیا۔ تم میرے ماضی سے اچھی طرح واقف ہو۔ نہ میں پہلے عزت دار تھی، نہ اب تمہاری بیوی ہوں۔ یہی سوچ کر تمہیں صبر کر لینا چاہیے۔"

"بکواس مت کرو رخشی!" وہ اتنے تیز لہجے میں غرایا کہ وہ کانپ اٹھی۔ "تمہارا ماضی ضرور تمہارا اپنا تھا مگر اب میں تمہارے ایک ایک لمحے کا مالک ہوں، ماضی کے حوالے سے نہ تمہاری غلطی معاف کروں گا نہ کسی کا تصرف برداشت کر سکتا ہوں۔"

رخشی درست کہہ رہی تھی۔ وہ کبھی بھی آبرومند نہیں رہی تھی مگر سکندر علی نے اسے دیکھا تو پسند کر بیٹھا پھر اتفاق کہ اوپر والوں نے بھی اسے رخشی کو اپنے ساتھ رکھنے کا مشورہ دیا اور وہ اس کے گھر میں منتقل ہو گئی۔ وہ سکندر علی کے ہر روپ سے واقف تھی۔ لہٰذا اس نے اپنی آسانی کے لیے اسے سیکرٹری مقرر کر لیا مگر اس کا مزاج آمرانہ تھا۔ وہ اپنے تصرف میں آئی ہوئی ہر جاندار اور بے جان چیز کے بارے میں بہت حساس تھا اور اس بارے میں ذرا بھی نرمی نہیں دکھاتا تھا۔ چوری کی پُراسرار واردات نے اسے بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اگر اسے اپنے اور تنظیم کے غیر قانونی مفادات کا پاس نہ ہوتا تو وہ سارے وسائل داؤ پر لگا کر بھی چور کا سراغ لگانے سے منہ نہ موڑتا لیکن یہ چوٹ اسے خاموشی سے برداشت کرنی پڑی۔ چور کی تلاش تو کُجا وہ پولیس سے رجوع کرنے کی ہمت بھی نہ کر سکا۔ برسوں کی بنی بنائی ساکھ اسے خطرے میں نظر آ رہی تھی اور تابوت کی آخری کیل کسی بھی لمحے جڑی جا سکتی تھی۔

اس نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی جو شام کے ساڑھے پانچ بجا رہی تھی اور نو بجے سے پہلے اسے ایک اہم پیغام ملنے والا تھا جس کے انتظار میں وہ کھڑکیوں پر دبیز پردے کھینچے قمقموں کی دھیمی روشنی میں شراب سے دل بہلا رہا تھا۔

اس نے سوچا کہ ڈی ون گھر پہنچ چکا ہوگا۔ لہٰذا اس کے حصے کا کام نمٹا ہی لیا جائے اس نے اشارہ کیا اور رخشی نے ڈبل فری کوئنسی ٹرانسمیٹر اس کی طرف بڑھا دیا۔

سکندر علی نے ایریل باہر نکال کر آپریٹس آن کیا اور بٹن دبا کر آپریٹس کا سبز بلب آن کر دیا۔ اب وہ اسی فری کوئنسی پر ڈی ون سے بات کر سکتا تھا کہ کوئی تیسرا ان کی گفتگو نہ سن سکے۔

"اِٹ از بی فور کالنگ ڈی ون... اوور۔" اس ہوئی خوابناک آواز میں کہا اور چند ہی ثانیوں میں دوسری سے جواب مل گیا۔

"تمہیں ٹھیک ساڑھے نو بجے جیوا ہاؤز پہنچنا ہے ڈی

"او۔کے باس!" دوسری طرف سے مستعدانہ جواب ملا دن سے کوشش کے باوجود رابطہ قائم نہ کر سکا سر! پتا نہیں کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ شاید آپ کے تو علم میں ہو

"بے خبر رہ کر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔" سکندر علی خوابناک لہجے میں کہا۔ "وہ تمہارا اچھا کارکن تھا۔ اپنی غلطیو پر مارا گیا۔ اب اسے بھول کر اس کا بدل تلاش کرنے کی کرو... سب لوگ اسی کو روتے رہیں گے تو خود بھی جا ملیں گے... اوور۔"

"میں صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا سر! کہ اس کی مو سلسلے میں ہمیں تو کوئی قدم نہیں اٹھانا۔ اوور۔"

"کچھ نہیں۔" وہ بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی پیشا ہوئے بولا۔ "جو کچھ ہوا، اچھی طرح میرے علم میں ہے۔ یہ یہیں ختم سمجھو۔ تمہیں ٹھیک ساڑھے نو بجے جیوا ہاؤز پہنچنا عمارت ویران اور مقفل ہے۔ پھاٹک کے ذیلی دروازے سے کنڈی لگی ہوئی ہے، اسے کھول کر تم اندر جاؤ گے تو کے داہنے گوشے میں رکھے ہوئے کیکٹس کے گملے میں چابی چھپا ہوا ملے گا۔ پھاٹک کا قفل کھول کر تم گاڑی اندر گے اور روشنیاں جلانے کے بعد برآمدے ہی میں رکو گے۔"

"عمارت کے دروازے بدستور مقفل رہیں گے سر؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"احمق ہو۔" وہ قدرے جھلا گیا۔ "چابیاں ملنے کا مطلب کہ ہر قفل کھول دیا جائے۔ اوور اینڈ آل۔"

سلسلہ منقطع کر کے اس نے ٹرانسمیٹر مسہری پر ایک ڈال دیا۔ رخشی نے اسے اٹھا کر آف کر دیا۔

"اسے جیوا ہاؤز میں کیوں بلایا ہے؟" رخشی نے سے سوال کیا۔

وہ گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لے کر ہونٹوں پھیرتے ہوئے پھیکے انداز میں مسکرا دیا۔ "بس دیکھتی جاؤ میری حس بتا رہی ہے کہ آج کی رات فیصلہ کن ثابت ہونے والی

رخشی پھریری لے کر رہ گئی کیونکہ وہ سکندر علی کے لب و لہجے سے خوب واقف تھی جو وہ عموماً خطرناک مو اختیار کرتا تھا۔

باس کی اس کال نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ جیوا ہاؤز کی عمارت خالی کرانے کے بعد میری وہاں طلبی کا کیا جواز تھا؟ اگر وہاں بلائے جانے کا تعلق تنظیم کے عام امور سے تھا تو محافظوں کو رخصت کرنے کی سرے سے ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس سے پہلے بھی جیوا ہاؤز میں کسی غیر معمولی تبدیلی کے بغیر اہم ترین کام سرانجام دیے جا چکے تھے مگر اس بار انداز ہی کچھ بدلا ہوا تھا۔ میرے دل میں چور تھا کیونکہ میں رات کی سیاہی سے فائدہ اٹھا کر سکندر علی کے مکان میں واردات کا ارتکاب کر چکا تھا اور اس راز سے بھی آگاہ ہو چکا تھا کہ باس، بی فور اور سکندر علی ایک ہی شخصیت کے تین نام تھے۔ "تو کیا چوری کے سلسلے میں سکندر علی کو میری ذات پر شبہ ہو گیا تھا؟" میں نے سوچا اور میرے بدن میں سنسنی کی لہر سرایت کر گئی۔

اگر میرا یہ خدشہ درست تھا تو جیوا ہاؤز میں میرے لیے چوہے دان تیار کیا گیا تھا۔ وہاں رہنے والوں کو ہٹا دیا گیا تھا، جہانگیر کو بھی اس عمارت سے دور رہنے کا حکم دیا جا چکا تھا جس کا واضح مطلب تھا کہ ان دو دنوں میں اس عمارت میں جو کچھ ہوتا اس کا کوئی گواہ نہ ہوتا۔ اگر سکندر علی میری طرف سے شکوک میں مبتلا ہو ہی گیا تھا تو یقینی طور پر مجھے جیوا ہاؤز بلا کر خاموشی سے اپنا قیدی بنانا چاہتا تھا تاکہ کسی کی مداخلت کے خطرے کے بغیر مجھ سے تشدد آمیز بازپرس کا آغاز کر سکے اور میرے اعترافات کی روشنی میں میرے مستقبل کا فیصلہ صادر کر سکے جو میری دانست میں فوری سزائے موت سے ہرگز کم نہ ہوتا کیونکہ سکندر علی شہر کے معاشرتی اور سماجی حلقوں میں مقبول شخصیت کا مالک تھا۔ وہ ہرگز یہ گوارا نہ کرتا کہ اس کی دوہری شخصیت کے راز سے واقف ہونے والا کوئی شخص زندہ رہ سکے۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں؟ جیوا ہاؤز کا رخ کرتا تو تشدد اور پھر ہلاکت کا روح فرسا خطرہ ذہن میں منڈلا رہا تھا اور نہ جانے کی صورت میں بھی گلو خلاصی کی کوئی راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ سب سے پہلے تو حکم سے انحراف کرنے پر میں بغاوت کا مرتکب قرار پاتا پھر مقررہ وقت پر میری غیر حاضری اعترافِ جرم کے مترادف ہوتی اور مفاہمت کے موہوم ترین امکانات بھی معدوم ہو کر رہ جاتے۔

کافی سوچ بچار کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے مسلح ہو کر مقابلے کی تیاریوں کے ساتھ مقررہ وقت سے ذرا پہلے جیوا ہاؤز پہنچ جانا چاہیے تاکہ اپنے طور پر وہاں پائی جانے والی صورت حال کا جائزہ لے سکوں۔ اس فیصلے میں یہ عنصر بہت اہم ثابت ہوا تھا کہ اگر میری طلبی کسی اہم تنظیمی معاملے سے ہی متعلق تھی تو جیوا ہاؤز نہ جا کر میں خود کو بلاوجہ مشتبہ بنا لیتا اور اگر سکندر علی کی نیت میں کوئی فتور آ گیا تھا تو وہاں نہ جانے کے باوجود میں خود کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بننے سے نہیں بچا سکتا تھا۔ سارا انحصار بس اس بات پر تھا کہ میں کس حد تک مدافعت اور جوابی کارروائی کا اہل تھا۔

جب سے میں ہیروئن کے برآمدی معاملات میں ملوث ہوا تھا، مجھے جہانگیر، طارق اور نادر سے الگ رہنے کا حکم ملا ہوا تھا اور میں نے فون پر بھی ان میں سے کسی سے رابطہ قائم نہیں کیا البتہ ڈی ون کے طور پر باس کی غیر حاضری میں جہانگیر سے رپورٹ لیتا اور ہدایات جاری کرتا رہا تھا۔

نادر سے کبھی بھی میں نے ذہنی ہم آہنگی محسوس نہیں کی تھی۔ اس سے مراسم بڑھنے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ جہانگیر اور طارق کا گہرا دوست تھا اور ان کے ساتھ ہر کام میں شریک ہوتا تھا۔ طارق بے چارا مارا جا چکا تھا۔ اب لے دے کر جہانگیر ہی میرا ایسا قابلِ اعتماد ساتھی تھا جس سے میں ذرا کھل کر بات کر سکتا تھا اور اب تو طارق کے قتل نے ایک ایسی غیر معمولی صورت حال پیدا کر دی تھی کہ ہمارا باہمی رابطہ شاید ہدایات کی خلاف ورزی نہ سمجھا جاتا۔

میں نے فون پر نمبر ملایا تو دوسری طرف سے جہانگیر کی بیوی سلمیٰ کی آواز سنائی دی۔ "ڈینی بول رہا ہوں بھابی! کیا حال ہیں آپ کے؟" میں نے جہانگیر کو بلانے سے پہلے رسمی طور پر اس کی مزاج پرسی کر ڈالی۔

"حال خراب ہیں تنویر بھائی!" وہ شروع ہی سے ڈینی کے بجائے مجھے اصل نام سے پکارتی تھی۔ "آپ کے دوست آج کل حفاظت کے خبط میں مبتلا ہیں اور آپ بھی عرصے سے غائب ہیں ورنہ شاید آپ کی بات ان کی سمجھ میں آ جاتی۔"

"اوہو!" اپنے ذہن میں موجود خدشات کی بنا پر میں چونک پڑا۔ طارق مارا جا چکا تھا۔ میں خود خطرہ سر پر منڈلاتا محسوس کر رہا تھا اور اب جہانگیر کے بارے میں ایسی ہی خبر مل رہی تھی۔ "کیا ہوا؟ کس سے حفاظت کے بارے میں پریشان ہے جہانگیر؟"

"مجھے تو کچھ بتاتے ہی نہیں۔" ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز ابھری۔ "کچھ گمنام دشمن پیدا ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے گھر کو قلعہ میں تبدیل کر دیا ہے۔ پہلے مسلح محافظ رکھے اور اب دو منحوس صورت کتوں کا بھی اضافہ ہو گیا ہے جن کی وجہ سے میرا تو لان پر ٹہلنا تک بند ہو گیا ہے، ذرا فرصت ہو تو آپ خود یہاں آ کر تماشا دیکھیں۔ اس وقت بھی کتوں کے رکھوالے سے باتیں کر رہے ہوں گے۔"

"یہ تو عجیب بات بتا رہی ہیں آپ۔" میں فکرمندانہ لہجے میں

بولا" موقع ملا تو ابھی آتا ہوں، پہلے آپ فدا جہانگیر سے میری بات کرا دیں۔"

"آپ ہولڈ کریں، میں دیکھتی ہوں کہ وہ کہاں ہیں۔"

لائن پر سکوت چھا گیا اور میرے ذہن میں شیطانی چرخہ چل پڑا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں نادر بھی ایسے ہی حالات سے دوچار نہ ہو۔ شاید سکندر علی کو ہم چاروں سے کوئی خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور وہ ہمیں ایک دوسرے سے الگ کر کے ٹھکانے لگانے پر تُل گیا تھا۔ طارق کے قتل کے حالات سامنے نہیں آئے تھے مگر چند روز قبل اس کے احاطے میں مقرب خان کے پُراسرار قتل سے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ بی فور بذات خود یا اس کا کوئی آدمی طارق کے پیچھے لگا ہوا تھا اور اس حد تک با اختیار تھا کہ اس کے مکان کی چار دیواری میں اسے شبہے کا موقع دیے بغیر قتل کی واردات کا ارتکاب کرنے پر قادر تھا۔ عین ممکن تھا کہ اسی شخص نے بی فور کے ایما پر طارق کو اس کی خواب گاہ میں قتل کیا ہو اور خود صاف نکل گیا ہو۔

"ہیلو... کہاں مر رہے ہوئے ہو تم؟" ریسیور پر جہانگیر کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"میں تو جہاں ہوں سو ہوں، تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ فون کر کے خیریت ہی معلوم کر لیتے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں بہت پریشان ہوں یار،" جہانگیر کا لہجہ یک لخت دھیما اور رازدارانہ ہو گیا۔ "ہو سکے تو ادھر چلے آؤ، کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ طارق کا انجام تو تم نے آج کے اخبارات میں پڑھ ہی لیا ہو گا۔ اس سالے باس نے تو ہمیں توپ کے دہانے سے باندھ دیا ہے۔"

"اسی لیے کتوں کے پلوں کا سہارا لیا ہوا ہے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں طنز کیا۔

"فون پر بات نہیں ہو سکتی۔" اس نے جلدی سے اسی رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "سلمیٰ سُن گُن لینے کے چکر میں آس پاس ہی منڈلا رہی ہے۔ بس جلدی سے آ جاؤ، میرے پاس رائل سیلوٹ آئی ہوئی ہے۔ مزہ آ جائے گا۔"

"میں آ رہا ہوں، لیکن اپنے کتوں کو ذرا باندھ کر رکھنا۔"

"فکر مت کرو، سالے دو ہی دن میں میرے اشاروں پر چلنے لگے ہیں، ٹرینر بہت زبردست ملا ہے۔" جہانگیر کا جواب سن کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں نے برسوں بعد جہانگیر کو اس پرانے لب و لہجے میں بے تکلفی سے بات کرتے سنا تھا۔ ورنہ جب سے گروہ کی سربراہی اسے سونپی گئی تھی۔ وہ مجھے اپنا ماتحت سمجھ کر اکثر اپنی برتری کے اظہار پر تلا رہتا تھا یہ اور بات تھی کہ میں باس کے نمائندے کے طور پر اسے ڈانٹ پھٹکار کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتا تھا مگر ہمیشہ ہی مجھے یہ خلش رہتی تھی کہ کاش میں جہانگیر کو یہ جتا سکوں کہ بظاہر گروپ کی سربراہی مل جانے کے باوجود و ہی کو جواب دہ ہے۔

جہانگیر کے اس بدلے ہوئے رویے سے ظاہر ہو رہا بُرے حالات سے دوچار تھا اور اپنی مشکلات سے نجات تلاش کرنے کے لیے مجھ سے پرانے جگری مراسم کی تجدید پر تلا میرے لیے جہانگیر کے تفکرات سے زیادہ اہم بات یہ تھی خود پریشان تھا اور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے مجھے ہمراز کی ضرورت تھی۔ لہٰذا میں بھرا ہوا پستول ساتھ لے کر فوراً کی طرف روانہ ہو گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ جہانگیر کے گھر سے سیدھا کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔

جہانگیر کے مکان کے احاطے میں دور ہی سے چراغاں میرا ماتھا ٹھنکا پھر پھاٹک پر ہیڈ لیمپس کی روشنیاں پڑتے ہی کے برابر والے چھوٹے دروازے سے ایک رائفل بردار شخص با آیا۔ میں نے ہیڈ لیمپس گل کر دیے۔ رائفل بردار محافظ نے دو سے عقابی نظروں سے کار کے اندرونی حصے کا جائزہ لیا اور پھ غائب ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے میری کار کے لیے پھاٹک کھول دیا گیا۔ میں کار اندر پورچ تک لیتا چلا گیا۔

احاطے کی دیوار کے ساتھ آہنی کھمبوں پر لگے ہوئے سارے ہی بلب روشن تھے اور اس روشنی میں سرسبز لان پر شاید میرا منتظر تھا۔ وہ جیسے ہی میری کار کی طرف لپکا اس کے کھڑے ہوئے دو خونخوار کتے بھی اس کے ساتھ آگے بڑھے دروازہ کھولتے کھولتے ٹھٹک گیا۔ بڑے بالوں والی دُموں اور جیسی تھوتھنی والے وہ کتے اپنے چوکنے انداز سے بہت خطرناک آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بھی لمحے کسی پر جھ پڑیں گے۔

"اتر آؤ۔ میری موجودگی میں کچھ نہیں کہیں گے۔" جہانگیر یہ کہتے ہوئے میری سمت کا دروازہ کھول دیا اور میں جھجکتے ہو کار سے نیچے اتر آیا۔ ان میں سے ایک کتے نے سرخ آنکھیں پر مرکوز کر کے خونخوار جیسی آواز میں غرانا شروع کیا۔ میں درو کھلے ہوئے دروازے سے کار میں چھلانگ لگانے کے بارے سوچ ہی رہا تھا کہ جہانگیر کے ڈانٹنے پر اس کتے نے غرانا بند کر دم ہلاتے ہوئے اس کے پیر سونگھنے شروع کر دیے۔

"دیکھا تماشا تنویر بھائی!" ڈرائنگ روم میں داخل ہو ہی مجھے سلمیٰ کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ شاید وہ کسی کھڑکی کا پردہ ہٹائے سارا منظر دیکھ رہی تھی۔

"پتا نہیں تمہیں تاک جھانک میں کیا مزہ ملتا ہے" جہانگیر لہجے میں بولا۔ "دنیا جہان میں گھر کی حفاظت کے لیے کتے پالے جا

بن لے آیا تو بس تمھیں ان کا وجود ہی ناگوار گزر رہا ہے ہر بات
بن ایک تماشا نظر آنے لگا ہے تمھیں۔"
وہ شوخ انداز میں ہنستے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ میں نے
سوس کیا کہ وہ جہانگیر کو چڑا کر لطف اندوز ہو رہی تھی۔" اپنی تو جو
بھنیں ہیں سو ہیں، اس عورت نے الگ دماغ خراب کیا ہوا ہے۔"
ن کے چلے جانے پر جہانگیر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بڑبڑایا۔
"بھابی ذہین عورت ہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔" ان حرکتوں
ا کوئی منطقی جواز بتائے بغیر تم انھیں مطمئن نہیں کر سکو گے۔"
"میں اسے کیا بتاؤں؟" جہانگیر جھلا گیا۔" میری خود عقل ماؤف
ہو کر رہ گئی ہے، باہر نکلتے ہوئے بھی اب خوف آنے لگا ہے۔" پھر
یری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تجسس آمیز لہجے میں بولا۔" تم خوف زدہ
نہیں ہو طارق کے انجام سے؟"
"لازمی بات ہے۔" میں نے اس کی تائید کی۔" یہی معلوم نہیں
کہ وہ اپنوں کا نشانہ بنا، یا دشمنوں کی زد میں آیا... بے خبری میں
اسی کی طرح ہم بھی مارے جا سکتے ہیں۔"
جہانگیر چونک پڑا۔" اپنوں کا نشانہ؟ یہ کس بنا پر کہہ رہے
ہو تم؟"
"وہ کچھ لوگوں کی نگاہوں میں آ گیا تھا، ہو سکتا ہے کہ اس کی
وجہ سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے حفظِ ماتقدم کے طور پر اس کو راستے
سے ہٹا دیا گیا ہو۔"
"مگر میری بی فور سے بات ہوئی ہے۔" وہ بولا۔" اگر طارق کو
سزا ہی دی گئی ہوتی تو وہ ضرور تذکرہ کرتا۔"
"بی فور کون ہے؟" میں نے معصومانہ لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے
پوچھا اور جہانگیر سٹپٹا گیا۔ سب لوگ اس بات سے تو واقف تھے کہ
اسے کسی اور سے ہدایات ملتی ہیں لیکن بعد کے دوسرے انتظامات جہانگیر
نے اپنی ذات تک محدود رکھے تھے۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے
بے خیالی میں میرے سامنے بی فور کا نام کیوں لیا۔ اب وہ فوری طور
پر کوئی قلابازی بھی نہیں کھا سکتا تھا۔ ورنہ میں اس کی طرف سے
بدظن ہو جاتا۔
"پہلے جس سے ہدایات ملتی تھیں، وہ ڈی ون تھا۔" جہانگیر نے
تھوک نگلتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں کہا۔" بی فور اس سے اوپر ہے۔
اب وہ بھی براہِ راست مجھ سے بات کرنے لگا ہے لیکن یہ راز تم اپنی
ہی ذات تک محدود رکھنا۔"
"تو یوں کہو کہ آج کل اونچے اُڑ رہے ہو۔" میں معنی خیز لہجے
میں بولا۔
"مجھے تو لگتا ہے کہ یہ سب شامت کے آثار ہیں۔" وہ بے بسی
سے بولا۔" مخبری کی مہم چلا کر ہم نے اپنے پیروں پر خود کلہاڑی ماری
ہے۔ شہر میں باخبر لوگ جانتے ہیں کہ ہیروئن کا کاروبار میں چلا رہا
ہوں۔ بی فور اور ڈی ون تو محض دو آوازیں ہیں جن کے وجود سے
بس میں ہی واقف تھا یا اب تمھیں اس راز میں شریک کیا ہے۔
یہ بتاؤ کہ لاکھوں کا نقصان اٹھانے والوں کو اگر ہم پر مخبری کا شبہ
ہو جائے تو ہم کہاں ہوں گے؟"
"سوچ تو درست ہی ہے تمھاری۔" میں فکرمندانہ لہجے میں بولا۔
"لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں؟ جس دن کسی ہدایت سے انحراف کیا،
ہمارے خلاف کارروائی ہو سکتی ہے۔ ڈی ون ہو یا بی فور، وہ دونوں
پردہ نشین ہیں، لاکھوں کی آبادی میں محض آوازوں کی بنا پر ان کو تلاش
کرنا ناممکنات میں سے ہے۔"
"بس اسی فکر نے جان آدھی کی ہوئی ہے... ورنہ مال کی
نکاسی زوروں پر ہے اور روز بروز کھپت بڑھتی ہی جا رہی ہے۔"
"تم نے اچھا کیا کہ حفاظتی انتظامات کر لیے۔" میں نے مکّارانہ
لہجے میں کہا۔" جیوا ہاؤز کی طرح اب یہاں پرندہ بھی پر نہ مار سکے گا۔"
"اور جیوا ہاؤز کی بھی سن لو۔" میری توقع کے مطابق گفتگو کا
رُخ میری منزل کی طرف تبدیل ہو گیا۔" آج سے دو دن کے لیے
اسے خالی کرا لیا گیا ہے۔ عملے کو چھٹی دے کر تالے ڈلوا دیے گئے ہیں۔
پرسوں صبح سے پہلے تم بھی ادھر کا رخ نہ کرنا۔"
"اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟" میں نے پوچھا۔
"اللہ ہی جانتا ہے یا پھر بی فور کو معلوم ہوگا۔" جہانگیر اٹھتے
ہوئے بڑبڑایا۔" اب تو مجھے اس تصور ہی سے ہول آنے لگے ہیں
کہ میں برسوں سے ایک ایسے آدمی کے لیے کام کر رہا ہوں جس سے
ذرا بھی واقفیت نہیں ہے، کوئی بھی گڑبڑ ہوئی تو بس اپنی ہی گردن
پھندے کی زد میں آئے گی۔"
جہانگیر دیوار گیر الماری سے رائل سیلوٹ کی بوتل اور اس
کے لوازمات لے کر لوٹا تو میں نے ایک نازک سوال کر ڈالا۔
"کنارہ کشی کے بارے میں غور کر رہے ہو آج کل؟"
"ابھی یہ نوبت نہیں آئی۔" وہ پھیکی ہنسی کے ساتھ بولا۔
"کام دھندا سب چوپٹ پڑا ہوا ہے۔ آمدنی کا سارا انحصار اسی لائن
پر ہے۔ اوّل تو اتنی آسانی سے گلو خلاصی نہیں ہو سکے گی اور ہو بھی گئی
تو تھوڑے ہی دنوں میں وہ سارے اثاثے بک جائیں گے جو برسوں
کی محنت میں جمع کیے ہیں۔"
مجھے یہ اندازہ لگا کر خاصی تسلّی ہوئی کہ جہانگیر کو تنظیم کے بڑوں
کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا جس کا مطلب تھا کہ طارق کے بعد
ہم تینوں کی باری آنے کے سلسلے میں میرے خدشات سرے سے
بے بنیاد نہیں تو مبالغہ آمیز ضرور تھے اور میری جیوا ہاؤز میں طلبی
فی الوقت بہت زیادہ سنگین مضمرات کی حامل نہیں ہو سکتی تھی۔

پھر ہم اسکاچ وھسکی کے سرور سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اعتماد کی فضا میں گفتگو کرتے رہے۔ مجھ کو اس سے معلوم ہوا کہ نادر خان ان دنوں بہت تیز جا رہا تھا۔ اس کے بعض کارندے اس قدر پُرجوش تھے کہ طبقاتی نفرت اور ذاتی دشمنی کی بنیاد پر اپنے ناپسندیدہ افراد کے بچّوں کو بھی ہیروئن کی لت میں مبتلا کرنے پر تل گئے تھے اور اس مشن میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کر رہے تھے۔ ان سرگرمیوں پر نہ جہانگیر کو کوئی اعتراض تھا اور نہ ہی میں نے ندامت محسوس کی۔ ہم دونوں ہیروئن کے بیوپاری تھے۔ ہماری روزی اور خوشحالی ہیروئن کی فروخت سے وابستہ تھی اور ہم ہر اس حربے کے حق میں تھے جو ہمارے مال کی کھپت میں فروغ کا باعث بن سکے۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ اس مہم کی زد میں آنے والے کون لوگ تھے اور معاشرے کے کن طبقات سے وابستہ تھے۔

مجھ سے گفتگو کے دوران جہانگیر بار بار اپنی رسٹ واچ دیکھتا رہا۔ ایک بار میں نے اسے ٹوکتے ہوئے خود واپسی کا ارادہ ظاہر کیا لیکن جہانگیر نے زبردستی مجھے روک لیا۔ اس نے بتایا کہ آٹھ بجے اسے چند منٹ کے لیے ایک اہم کال کرنا تھی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ آٹھ اور سوا آٹھ کے درمیان بی فور یا ڈی ون کے پیغام کا انتظار کرنے کے لیے تخلیے میں جانے کا جواز پیدا کر رہا تھا۔

پھر آٹھ بجنے میں پانچ منٹ پر جہانگیر معذرت کرتے ہوئے اٹھ گیا۔ اس کے جاتے ہی میں نے بھی اٹھنے کا ارادہ کیا۔ میرا آپریٹس میری جیب میں موجود تھا اور میں پیٹ کی خرابی کے بہانے قریبی باتھ روم میں بند ہو کر بی فور اور جہانگیر کی متوقع گفتگو سننا چاہتا تھا لیکن اچانک ہی سلمٰی کی آمد نے مجھے بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا۔ شاید وہ آس پاس ہی منڈلا رہی تھی اور جہانگیر کو جاتے ہوئے دیکھ کر موقع غنیمت سمجھ کر مجھ سے بات کرنے کے لیے اندر آ گئی تھی۔

”کچھ بتایا انھوں نے آپ کو؟“ سلمٰی نے اندر داخل ہوتے ہی بلا کسی تمہید کے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا۔

”کچھ نہیں۔“ میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا پھر سلمٰی سے فون پر سنی ہوئی بات دہراتے ہوئے بولا۔ ”وہی گمنام دشمنوں والا قصّہ ہے۔ بہت پریشان ہے بے چارا، کوئی سامنے ہو تو کچھ کارروائی بھی کی جائے، اب اپنا گھر مضبوط کرنے کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا ہے؟“

”آپ کو کچھ نہیں معلوم۔“ سلمٰی جوشیلے لہجے میں بولی۔ ”جہانگیر کو سب معلوم ہے مگر وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتے۔ پہلے کسی کرخت آواز والے کے فون آتے رہتے تھے، وہ مجھ سے بھی بدتمیزی سے اور غراتے ہوئے لہجے میں بات کرتا تھا مگر جہانگیر اس سے بات کرتے ہوئے اُدھر ہو جاتے تھے، سر سر کرتے ہوئے منہ سوکھتا تھا۔ مجھے کبھی اس کا نام نہیں بتایا بس یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ وہ ایک بڑا افسر ہے۔ جب سے اس کا فون آنا بند ہوا ہے، یہ پریشان رہنے لگے ہیں... تو پورا یقین ہے کہ وہی بھیڑیا ان کی پریشانیوں کا ذمے دار ہے۔“

سلمٰی کی گفتگو میرے لیے چونکا دینے والی تھی۔ بظاہر ایک سیدھی سادی گھریلو خاتون تھی لیکن اپنے شوہر کے معاملات پر اس کی نظر بہت گہری تھی۔ جب تک باس خود جہانگیر سے رابطہ کرتا تھا، سارے معاملات فون پر ہی طے پاتے تھے اور میں آواز بدل کر جہانگیر کو احکامات جاری کرتا تھا۔ اس دوران میں کئی بار ایسا ہوا، نمبر ملنے پر میں نے سلمٰی کی آواز سنی، ایسے مواقع پر گفتگو محدود رکھنے کے لیے میں درشت لہجہ ہی اختیار کرتا تھا، اگر اس بنا پر وہ مجھے بھیڑیے کے لقب سے یاد کر رہی تھی تو میری دانست میں پوری طرح حق بجانب تھی لیکن اسے یہ علم نہیں تھا کہ فون کا استعمال ترک کرنے کے بعد ٹرانسمیٹر ریسیور کا استعمال شروع ہو گیا تھا اور اس کا شوہر ایک کے بجائے دو تُند خو افسران کے شکنجے میں پھنس گیا تھا۔

”اس وقت تک کچھ نہیں کیا جا سکتا جب تک جہانگیر زبان نہ کھولے۔“ یہ کہتے ہوئے میں صوفے سے اٹھ گیا، سلمٰی بھی دو قدم پیچھے سرکی، اس کی نگاہوں میں لمحہ بھر کے لیے عجیب سی امید بھری چمک ابھر کر معدوم ہو گئی تھی۔

”ب ب بیٹھیے نا، آپ کیوں اٹھ گئے؟“ وہ دوپٹہ درست کرتے ہوئے بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

”ذرا باتھ روم میں جاؤں گا۔“ میں خفت آمیز لہجے میں بولا۔ ”پیٹ میں کچھ گڑبڑ سی محسوس ہو رہی ہے۔“ یہ درحقیقت ایک بہانہ تھا، اصل بات یہ تھی کہ سلمٰی کے تیز مشاہدے کا علم ہو جانے کے بعد میں اس وقت ایک لمحہ کے لیے بھی وہاں نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ اگر اس وقت آپریٹس پر کال موصول ہونے کا اشارہ ملتا تو اس آواز پر سلمٰی میرے بارے میں بھی شبہات میں مبتلا ہو سکتی تھی۔ اس آپریٹس میں یہ ایک اچھائی یا خرابی تھی کہ اگر بی فور یا جہانگیر میں سے کوئی ایک دوسرے کے لیے پیغام نشر کرتا تو اس صورت میں بھی مجھے اشارہ موصول ہوتا اور میں سرخ بتی والی فری کوئنسی پر آپریٹس آن کر کے ان کی گفتگو سن سکتا تھا۔

سلمٰی میرے راستے سے ہٹ گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر مایوسی کی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی۔ شاید میرا رویّہ یا جواب اس کی توقع کے مطابق نہیں تھا۔ میں تقریباً دس منٹ تک باتھ روم میں بند رہا لیکن میرا آپریٹس بالکل بے جان رہا اور میں باہر آ گیا۔ ڈرائنگ روم میں رائل سلیوٹ کی بوتل دو خالی گلاسوں سمیت موجود تھی اور سلمٰی شاید میرے انتظار سے اکتا کر واپس جا چکی تھی۔

میں شراب کے معاملے میں بلانوش تھا، پھر سامنے رائل سلیوٹ جیسی وہسکی آنچ موجود ہو تو میں پے در پے کئی جام پی کر بھی اپنے حواس

پوری طرح کام لے سکتا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ خطرناک مواقع پر حواس بحال ہونا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ جسمانی پھرتی بھی ضروری ہوتی ہے لہٰذا میں نے جہانگیر کی غیر حاضری میں ایک چھوٹا پیگ لینے پر ہی اکتفا کیا تاکہ ساڑھے نو بجے جب میں جیوا ہاؤز پہنچوں تو اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو بھرپور طریقے پر بروئے کار لانے کے قابل ہوں۔

میں سگریٹ کے کش لیتے ہوئے گلاس سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا رہا۔ جہانگیر سے ملنے کے بعد اور کچھ ہوا یا نہ ہوا مگر میں ایک نمایاں تبدیلی ضرور محسوس کر رہا تھا کہ گھٹن کے احساس میں نمایاں کمی ہو چکی تھی اور میں اپنی مہم کو بھول کر یہ سوچ رہا تھا کہ سلمیٰ جیسی ہوشیار اور ذہین عورت سے جہانگیر اپنی سرگرمیاں کب تک پوشیدہ رکھ سکے گا؟ اور وہ سب کچھ جان گئی تو جہانگیر کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرے گی؟

جہانگیر سوا آٹھ تک کا مقررہ وقت بی فور کی کال کے انتظار میں گزار کر لوٹا تو مجھے معلوم تھا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی کیونکہ مجھے اپنے اپریٹس پر کوئی اشارہ نہیں ملا تھا لیکن جہانگیر کو دیکھتے ہی میں اس پر فقرہ کسنے سے باز نہ رہ سکا "کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے باس کی کال کا وقت تھا؟"

"جھک مار کر آیا ہوں۔" جہانگیر نے جھینپے ہوئے انداز میں بات اڑا دی "تم گلاس خالی کرو تاکہ دوسرا تیار کروں۔"

"میں صرف ایک ڈبل اور لے سکوں گا۔" میں نے اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے اعلان کیا "تمھیں آٹھ بجے فون کرنا تھا۔ مجھے ساڑھے نو بجے کسی سے ملنا ہے۔"

"کس سے؟" جہانگیر تجسس آمیز لہجے میں اضطراری طور پر سوال کر بیٹھا لیکن میں نے مسکرا کر سر کی جنبش سے انکار کر دیا "میرا ذاتی معاملہ ہے اس سے تمھیں کوئی دلچسپی نہ ہونی چاہیے۔۔ ویسے بے فکر رہو کسی خاتون سے وقت طے نہیں ہے۔"

خاصا وقت ہم نے باتوں میں گزارا پھر ٹھیک نو بجے میں اٹھ گیا۔ میں جہانگیر کو اپنی مصروفیت کے بارے میں بتا چکا تھا۔ لہٰذا اس نے مجھے روکنے پر اصرار نہیں کیا بلکہ خود مجھے چھوڑنے باہر کار تک آیا جہاں دونوں کتے میری کار سے ذرا دور لان پر چوکنے انداز میں بیٹھے ہوئے تھے۔

جہانگیر کے مکان سے نکلتے ہی میرے ذہن پر پھر تازہ مہم سوار ہو گئی لیکن اس بار میں زیادہ پریشان نہیں تھا۔ خاصے غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر مجھے سرزنش کے لیے جیوا ہاؤز کی ویران عمارت میں نہیں بلایا گیا ہے تو یقینی طور پر مجھ سے تنظیم کا کوئی اہم رکن ملنے والا تھا جو غیر متعلقہ افراد کی نگاہوں میں آئے بغیر اپنا کام کرنا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ ملاقات کے لیے اتنا بکھیڑا پھیلانے کی کیا ضرورت تھی کہ محافظوں کو ہٹانے کے ساتھ ہی جہانگیر کو بھی جیوا ہاؤز سے دور رہنے کی ہدایت دے کر چوکنا کیا جاتا۔ اس کی آسان سی ترکیب یہ ہوتی کہ شہر کے کسی بھی محفوظ علاقے میں مقررہ شناخت کے ذریعے مل بیٹھنے کے بعد دونوں فریق کسی کوڈ کے ذریعے ایک دوسرے کو پہچان لیتے۔ یوں ملاقات بھی ہو جاتی اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی کہ وہ کہاں اور کس لیے یکجا ہوئے تھے۔

آرام سے کار چلاتے ہوئے سوا نو بجے میں جیوا ہاؤز کے قریب پہنچ گیا۔ جہانگیر کا مکان روشنیوں میں نہایا ہوا تھا مگر جیوا ہاؤز کی عمارت تاریکی کی گہری چادر میں پوشیدہ تھی۔ دل میں ایک لمحہ کے لیے خیال پیدا ہوا کہ کہیں اندر قدم رکھتے ہی تاریکی میں کہیں سے کوئی ان دیکھی مصیبت نازل نہ ہو جائے لیکن میں ہر قیمت پر باس کی ہدایت پر عمل کر کے اس کے نتائج کا سامنا کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

جیوا ہاؤز کے مضبوط آہنی پھاٹک پر خلافِ معمول قفل پڑا ہوا تھا لیکن چھوٹے پھاٹک پر باہر سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔ میں نے کنڈی سرکا کر اندر قدم رکھا تو گھور اندھیرے میں جھینگروں کا تیز شور گونج رہا تھا۔ میں نے جیب سے پینسل ٹارچ نکال کر روشن کی اور کیکٹس کا وہ گملا تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا جس میں جیوا ہاؤز کی چابیاں دبی ہوئی تھیں۔ میں نے مٹی کرید کر چابیاں حاصل کیں اور پھر باہر نکل آیا۔

پھاٹک کا قفل کھول کر میں نے آہنی پٹ اندر کی طرف دھکیلے اور پھر اپنی کار اندر پورچ تک لیتا چلا گیا۔ برآمدے کے سوئچ بورڈ پر موجود تمام بٹن میں نے آن کر دیے اور برآمدے کے ساتھ ہی پورچ بھی روشن ہو گیا۔ پھاٹک کے سنگین ستونوں پر لگے ہوئے برقی قمقمے بھی جل اٹھے تھے۔ میں نے واپس آ کر پھاٹک بند کیا اور دوبارہ اندر کی طرف لوٹتے ہوئے اپنے پستول کا جائزہ لینے لگا تاکہ کسی مشکل وقت میں اسے بلا تردد استعمال کر سکوں۔

عمارت میں داخلے کے دروازے کا قفل کھول کر اندر کی روشنیاں جلاتا ہوا میں احتیاط سے آگے بڑھا تو مجھے کسی بھی چیز میں کوئی تبدیلی نظر نہ آئی۔ فرنیچر سے آرائشی اشیا تک سب کچھ جوں کا توں موجود تھا۔ فریج چل رہا تھا اور اس میں ولایتی بیئر کی چند بوتلیں اور ڈبے خورد و نوش کی دیگر اشیا کے ساتھ موجود تھے۔ میں پوری عمارت کا جائزہ لے کر برآمدے میں لوٹ آیا۔

میں نے اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور سات منٹ کا وقفہ دے کر سگریٹ سلگا لی۔ اس دوران میں مسلسل اپنی حفاظتی تدابیر کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ میں نے برآمدے سے پختہ فرش پر اتر کر اپنی کار کے اگنیشن میں سے چابی نکال کر

ڈرائیونگ سیٹ کے علاوہ باقی دروازے مقفل کیے اور پھر برآمدے اور پورچ کی روشنیاں گل کر دیں تاکہ باہر سے کوئی میری پوزیشن کا اندازہ نہ لگا سکے۔ روشنیاں بجھانے کے ساتھ ہی میں نے ادھ جلی سگریٹ بھی فرش پر پھینک کر جوتے سے مسل دی۔ اندھیرے کی پناہ میں مَیں خود کو نسبتاً پُرسکون اور پہلے سے زیادہ محفوظ محسوس کر رہا تھا اور میری نگاہیں آہنی پھاٹک کی طرف جمی ہوئی تھیں جہاں روشنی کے باعث ہر چیز صاف نظر آ رہی تھی۔

احاطے میں میری کار کے انجن کے ارتعاش کے باعث جھینگروں کی جھائیں جھائیں تھم گئی تھی جو تھوڑے سے وقفہ کے بعد دوبارہ گونجنے لگی تھی۔

اچانک مجھے اپنے آپریٹس پر کال سگنل موصول ہوا اور میں نے ستون کی آڑ لے کر آپریٹس آن کر دیا اور جالی پر لگا ہوا ننھا سا سرخ بلب جل اٹھا لیکن آواز بڑھانے کے باوجود مجھے کوئی پیغام نہ سنائی دیا مگر کال سگنل کی ٹک ٹک بدستور سنائی دے رہی تھی، میں ایک لحظے کے لیے الجھ گیا مگر پھر مجھے خیال آیا کہ شاید وہ کال باس سے رابطے والی فری کوئنسی پر موصول ہو رہی تھی۔ میں نے فری کوئنسی سلیکڑ بٹن دبایا۔ سرخ روشنی معدوم ہو گئی اور ننھا سا سبز نقطہ روشن ہوتے ہی ریسیور پر باس کی بھاری، خوابناک آواز گونجنے لگی۔

"ڈی وی ریسیونگ باس... اوور!" باس کا پیغام ختم ہوتے ہی میں نے آپریٹس منہ کے قریب لا کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا تو اچانک ہی میرے دل کی دھڑکنیں کافی ہو چکی تھیں اور میں اپنے وجود میں سنسنی کی لہریں سرایت ہوتی محسوس کر رہا تھا۔

"تم اس وقت کہاں ہو؟ اوور!" باس نے سوال کیا تو میں نے پہلی بار اس کی آواز میں نشے کا بوجھل پن محسوس کیا۔ میں نے باس کو اپنی جیوا ہاؤز میں موجودگی سے آگاہ کیا تو چند ثانیوں کے لیے لائن پر صرف ریڈیائی لہروں کا دھیما دھیما شور باقی رہ گیا۔

"سرخ کرولا میں ایک شخص تم تک پہنچ رہا ہے۔ اس کا کوڈ سی ون ہے۔ تمہیں اس کی ہدایات پر عمل کرنا ہے... اوور اینڈ آل" بوجھل اور خوابناک آواز میں ہدایت دینے کے ساتھ ہی دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ میں اندھیرے میں روشن سبز نقطے کو یوں گھورنے لگا جیسے وہ کسی بھی لمحے بھیڑیے کی کھوپڑی میں تبدیل ہونے والا ہو۔ باس کے آخری پیغام نے متوقع خطرے کے بارے میں میرے بیشتر شبہات زائل کر دیے تھے لیکن میں تشویش کا شکار ہو گیا تھا۔ نہ جانے آنے والا کس مقصد کے تحت آ رہا تھا؟ اس ملاقات میں ایسی کیا خاص مصلحت تھی کہ شہر کے کسی محفوظ علاقے کے بجائے جیوا ہاؤز کو خالی کرانے کے بعد اس ملاقات کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا۔ پھر آنے والا سی ون تھا۔ یہ میرے لیے اچنبھے کی بات تھی، میرے اندازے کے مطابق سی ون تنظیم کی کسی اہم شخصیت کا کوڈ ہونا چاہیے
مجھے سکندر علی کے مکان سے جو چار اہم فون نمبر ملے تھے،
میرے اندازے کے مطابق سی ون کا نمبر بھی شامل تھا لیکن
میں یہ پہلا موقع تھا کہ رقم یا مال لانے لے جانے والے فر
کے علاوہ کوئی ذمے دار شخص مجھ سے براہ راست ملنے والا تھا
اور خفیہ تنظیموں کے بارے میں ایک کلیے سے میں اچھی طرح
تھا کہ غیر ضروری طور پر کسی کو رازوں میں شریک نہیں کیا
کسی پر کوئی راز ظاہر کیا جاتا ہے تو اس سے قبل فیصلہ ہو چکا
کہ اعتماد میں لیے جانے والے کو جہنم واصل کرنا ہے یا اسے
ذمے داریاں سونپنی ہیں۔

سی ون اپنے ساتھ کیا خبر لا رہا تھا، وہ میرے لیے
تھی لیکن میں نے سمجھ لیا تھا کہ ہر دو صورتوں میں مَیں ایک اہم
کھڑا ہوا تھا۔ اگر سی ون موت کا ہرکارہ بن کر آ رہا تھا تو میر
مدافعت کے لیے پوری طرح تیار تھا اور اگر میرے منصب م
ہونے والا تھا تو یہ میری خوش نصیبی تھی کہ ترقی کے پہلے ہی ز
مجھے سی ون سے واقفیت حاصل ہو رہی تھی جس کے لیے
دو دنوں میں یمں فون نمبر کے حوالے سے نہ جانے کتنے منصو
اور بگاڑ چکا تھا۔

سکندر علی نے مجھے سرخ کرولا کے ذریعے سی ون
کی اطلاع دی تھی۔ میں اس سرخ کرولا کو ابھی تک نہیں بھ
جب مجھے گلشنِ اقبال میں حسن اسکوائر کے چوراہے سے ذرا آگے
اس روز بھی میں باس کی ہدایت پر حسن اسکوائر پہنچا تھا اور و
کرولا میں ایک خطرناک صورت والا مجھے یول کراسنگ سے آگ
آبادی میں اس مکان میں لے گیا تھا جہاں بعد میں بھی میں
کے حوالے سے ایک عورت سے مل چکا تھا۔ مجھے وہ آدمی اچھی
تھا جس کا چہرہ اپنے خد و خال اور پرانے زخموں کے نشانات کی
قاتل کی نشاندہی کرتا تھا۔ اس آدمی نے گلشنِ اقبال میں میر
انگوٹھے کے نشان لیے تھے۔ جن کی مدد سے وہ خوفناک ہلاد
کیس مکمل کیا گیا تھا جس کا قفل میرے داہنے انگوٹھے کے نشانات
بغیر کسی طرح نہیں کھل سکتا تھا۔ تو کیا وہی سی ون تھا؟

میں نے ایک مرتبہ پھر برآمدے اور پورچ کی روشنیا
دیں۔ اس بار میرا خیال تھا کہ سی ون اگر کسی بُری نیت سے آ
تو برآمدے میں اندھیرا دیکھ کر باہر ہی چوکنا ہو جاتا لہٰذا روش
جلانے کے بعد میں آہنی پھاٹک کے قریب ہی لان پر ٹہلنے
مجھ پر انتظار کا ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔ اگر میرے
پر جہانگیر کے گھر پر پی ہوئی رائل سیلوٹ کا سکون بخش سرور
نہ ہوتا تو میرے لیے یہ اضطراب برداشت کرنا محال ہو جاتا۔

آخر پھاٹک کے نچلے حصّے سے روشنی کی چادر پختہ روش کے خاصے حصّے پر پھیل گئی، اسی کے ساتھ کسی کار کا ہارن بھی بجایا گیا تھا۔

میں نے پھرتی کے ساتھ داہنے ہاتھ میں اپنا پستول سنبھالا اور کنڈی کھول کر پھاٹک کے ایک پٹ کو زور سے دوسری طرف دھکیلا اور دوسرے پٹ کو آڑ کے طور پر اپنے ساتھ پیچھے لیتا آیا۔ سرخ کرولا کا انجن غرایا اور تیزی سے روش طے کر کے اس کی کار میری کار کے پیچھے جا رکی۔

میں نے پھاٹک بند کیا اور پستول جیب میں ڈال کر روش پر چلتا ہوا برآمدے کی طرف بڑھنے لگا۔ پورچ میں روشنی ہونے کے باعث میں نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا کہ کار سے اترنے والا وہی میرا دیکھا بھالا خطرناک صورت والا آدمی تھا اور اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔

"ہیلو!" اس نے دور ہی سے مجھ کو مخاطب کیا تو اس کے لہجے سے برتری کا احساس نمایاں تھا۔ میں قریب پہنچا تو خطرناک صورت والے نے اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے گرمجوشی کی آڑ لے کر طاقت کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تو میں نے بھی اس کی انگلیوں پر دباؤ ڈالا اور وہ گرفت نرم کرتے ہوئے بے اختیار مسکرا دیا۔

"مزاج کے غصیلے معلوم ہوتے ہو۔" اس نے ہلکے سے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"شاید تمہارا ہاتھ زیادہ دب گیا۔" میں نے اپنی اندرونی کیفیت کے برعکس قہقہہ لگا کر کہا۔ "میں آسانی کے ساتھ اجنبیوں کی برتری قبول کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

خطرناک صورت والے نے بُرا سا منہ بنایا جیسے میری بے تکلفی اسے کھل گئی ہو پھر خشک لہجے میں بولا۔ "کیا ہم یہیں کھڑے رہیں گے؟"

"کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے گمبھیر لہجے میں سوال کیا اور خطرناک صورت والے کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اگر وہ آتے ہی اپنا تعارف کرا دیتا تو شاید میں اس کا یوں مضحکہ نہ اڑاتا۔

"میں سی ون ہوں۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

"اوہ۔ میں شرمندہ ہوں۔" میں نے فوراً ہی معذرت کر لی۔ "تم پہلے ہی بتا دیتے تو بہتر ہوتا۔۔۔ آؤ، اندر چلے آؤ۔"

میرا دل بے یقینی اور اندیشوں کا شکار تھا لیکن میں سی ون پر اپنی کوئی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا دل پر جبر کر کے اس سے آگے سیڑھیاں چڑھ کر برآمدے میں پہنچا اور اس کے لیے داخلی دروازہ کھول دیا۔ وہ میرے قریب سے گزرتے ہوئے اندر داخل ہوا تو اچانک ہی مجھ کو احساس ہوا کہ میری کوئی جیب ہلکی ہو گئی ہے۔ میں نے بوکھلا کر اپنی جیبیں ٹٹولیں تو پستول غائب تھا۔

"میرے پاس ہے۔" سی ون کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "یہ بھرا ہوا پستول کیوں ساتھ لائے تھے؟"

"ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔" میں نے دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے بڑھتے ہوئے کہا ـــ میں سوچ رہا تھا کہ سی۔ ون نہ صرف ہاتھ کی صفائی میں ماہر تھا بلکہ اس کی نگاہیں بھی بہت تیز تھیں۔ اسی وجہ سے میری وزنی جیب سی ون کی عقابی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے میرا پستول بے پروائی سے تپائی پر رکھ دیا پھر کہنیاں ٹانگوں پر جما کر آگے جھکتے ہوئے بولا۔ "تم سے میری یہ دوسری ملاقات ہے مگر مجھے خوشی ہے کہ تم نے رسمی شناخت کے بغیر مجھ پر بھروسا نہیں کیا، شاید اسی محتاط روی کی بنا پر تمہیں آگے لانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اب کراچی کی حد تک سارے معاملات تمہاری صوابدید پر منحصر ہوں گے اور تم اپنی مرضی کے مطابق تنظیم نو کر سکو گے۔"

"یہ منصب پہلے شاید بی فور کے پاس تھا؟" میں نے صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے سوال کیا۔ الجھن اور اندیشوں کے بعد سی ون سے ملاقات مجھے ایک نعمت معلوم ہو رہی تھی۔ چار میں سے ایک آدمی خود بخود میرے سامنے آ گیا تھا اور تنظیم کی جانب سے مجھے اعتماد کا اہل سمجھا گیا تھا۔

"تمہارا سوال غیر ضروری ہے۔" وہ خشک لہجے میں بولا۔ "اب بی فور سے تمہارا کوئی رابطہ نہیں رہے گا، پندرہ روز کی آزمائشی مدّت میں تم مجھ کو جواب دہ ہو گے، مستقل انتظامات سے اس کے بعد آگاہ کیا جائے گا۔ میرا تعلق تنظیم کے انتظامی اور حفاظتی شعبے سے ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ "اس میں ان لوگوں کے نام اور پتے ہیں، جنھیں تم اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکتے ہو۔ پولیس کے محکموں میں ان میں سے کسی کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ یہ معاوضہ پر کام کرنے والے لوگ ہیں۔ اگر ان میں سے کسی کو تم باقاعدہ اپنی ٹیم میں شامل کرنا چاہو تو مجھ سے مشورہ ضرور کر لینا۔"

اس کاغذ پر سترہ افراد کے نام اور پتوں کے ساتھ ان مقامات کے نام بھی ٹائپ کیے ہوئے تھے جہاں ان سے آسانی سے رابطہ قائم کیا جا سکتا تھا۔ "طارق کے بعد میرے پاس صرف دو آدمی رہ گئے ہیں فوری طور پر مزید ایک دو کا بندوبست بھی کرنا ہو گا۔" میں نے کاغذ پر سرسری نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

"اس کا مجھے بھی اندازہ تھا۔" اس کے ہونٹوں پر خفیف سی

مسکراہٹ تیر گئی۔" اس میں تین نام خط کشیدہ ہیں، میرے آدمیوں نے مسلسل ان کی نگرانی کی ہے، تم ان سے فی الفور رابطہ قائم کر سکتے ہو، لیکن یہ خیال رہے کہ تمہاری نئی حیثیت کا راز رہنا بہت ضروری ہے۔"

اس کی زبان سے نگرانی کا لفظ سنتے ہی میرے ذہن میں شبہات سر ابھارنے لگے۔ سی ون کا تعلق تنظیم کے انتظامی اور حفاظتی شعبے سے تھا۔ اپنے کوڈ اور حاکمانہ اندازِ گفتگو سے وہ ذمے دار آدمی معلوم ہو رہا تھا، اگر اس کے آدمی تنظیم کے لیے متوقع کارندوں کی تلاش میں لوگوں کا تعاقب کرتے تھے تو طارق کے کچھ لوگوں کی نگاہوں میں آجانے کے بعد اس کی نگرانی بھی لازماً سی ون کے آدمیوں نے کی ہوگی اور اگر طارق کو تنظیم کے لیے خطرناک سمجھ لیا گیا تھا تو شاید اس کے قتل کے ذمے دار بھی سی ون کے آدمی ہوں گے۔ مجھے یہ سوچ کر جھرجھری آگئی کہ اس وقت میں طارق کے قاتل کے سامنے موجود تھا۔

"باہر کے لیے مال کی روانگی میں کچھ تاخیر ہوگئی ہے۔" سی ون کہہ رہا تھا۔ "لیکن تم اگلے ہفتے میں کیریئرز کا بندوبست ضرور کرلو۔ لڑکے ہوشیار ہونے چاہئیں۔ ان کے ذریعے زیادہ سے زیادہ ایک کلو فی کس مال بھیجا جائے گا۔ تاکہ کسی کے پکڑے جانے کی صورت میں ساری رقم نہ ڈوب سکے۔"

میں خطرناک صورت والے کے مرتبے سے واقف ہونے کے بعد محتاط ہو گیا تھا۔ لہٰذا زیادہ بولے بغیر اس کی ہدایات سنتا رہا جو بیشتر طریقۂ کار کے بارے میں تھیں۔ پھر جب مجھے پتا چلا کہ سی ون کی کار میں کچھ سامان بھی موجود ہے جو مجھے اپنی تحویل میں لینا ہے تو میرے ذہن سے وہ الجھن بھی دور ہوگئی جو اس ملاقات کے لیے جیوا ہاؤز کے انتخاب کے سلسلے میں میرے ذہن میں موجود تھی۔ معاملہ گفتگو کا ہوتا تو یہ ملاقات شہر میں کہیں بھی ہو سکتی تھی لیکن ایسی صورت میں سامان کی تحویل ممکن نہ ہو پاتی۔ اس سامان میں مخصوص فری کوئنسی پر تین میل کے دائرے میں کام کرنے والے چھ جیبی ٹرانسمیٹرز، دوہری فریکوئنسی پر کام کرنے والے تین آپریٹس، ایک خودکار کال ریکارڈر، چھوٹے سیل کے ذریعے کام کرنے والے بارہ ٹائم بموں کی پیٹی، فوٹو سیل اور اس سے منسلک حفاظتی نظام اور دیگر مواصلاتی آلات کے علاوہ ایک چھوٹی ایکسرے مشین بھی شامل تھی۔ ان میں سے ایکسرے مشین اور ٹائم بموں کی پیٹی میں سکندر علی کی خواب گاہ میں دیکھ چکا تھا۔

عہدے میں اضافے کے ساتھ اس بیش قیمت اور تحیر انگیز سامان کی وصولیابی میرے لیے مسرت انگیز ہونے کے ساتھ فکر کا باعث بھی بن گئی۔ کیونکہ میرے پاس ایسی کسی جگہ کا بندوبست نہیں تھا جہاں کسی کو اپنی ذات پر شبہے کا موقع دیے بغیر وہ سامان چھپایا جا سکے مگر سی ون کے پاس اس دشواری کا حل موجود تھا۔ اس کے مشورے سے

پر وہ سارا سامان جیوا ہاؤز کے ایک ایسے کمرے میں منتقل کر دیا جو شروع سے ہی زیرِ استعمال نہیں تھا اور اس میں رسائی کے لیے ایک دروازے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔ سی ون کی رائے تھی کہ اس کمرے کی چابی میں اپنی تحویل میں رکھوں اور جہانگیر کے ذریعے کمرے کو ممنوعہ علاقہ قرار دلوا دوں تاکہ خود میرے سوا کوئی وہاں قدم رکھنے کی جرأت نہ کر سکے۔ کمرے کی کل وقتی حفاظت کے لیے سی ون میری مدد سے اس کمرے میں دروازے کی چوکھٹ کے اندر کھانچے میں فوٹو سیل نصب کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس کی کار میں موجود اوزاروں کی پیٹی سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اس کے بارے میں اس کے ذہن میں پہلے ہی سے واضح خاکہ موجود تھا اور وہ جملہ امکانات پر غور کرنے کے بعد پوری تیاری کے ساتھ وہاں آیا تھا۔ اس نے چوکھٹ میں سوراخ کر کے قبضوں والی سمت میں ایک ایسا سوئچ لگایا جو عموماً کاروں میں دروازہ کھلتے ہی اندر کی بتی روشن ہونے کے لیے دروازوں کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے۔ اس سوئچ کا تعلق اوپر لگے ہوئے عدسے کے پیچھے چلنے والے بلب سے تھا اور اس کے عین نیچے فرش میں سوراخ کر کے فوٹو سیل لگایا گیا جس کا تعلق ایک سوئچ بورڈ کے ذریعے خودکار کیمرے اور ... پیدا کار سے تھا۔ تنصیب سے فارغ ہو کر سی ون کی ... ان سب چیزوں کو نہایت عرق ریزی سے مربوط کرنے میں مصروف ہو گیا اور جب وہ اس نظام کی آزمائش کے لیے تیار ہوا تو میری رسٹ واچ پونے تین بجا رہی تھی۔

سی ون نے کیمرے کے ویو فائنڈر ... بار دروازے کا جائزہ لیتے ہوئے ٹرائی بورڈ کو صحیح جگہ جمایا اور اندر ... کا سوئچ آن کر کے بہت احتیاط سے باہر نکل آیا۔ دروازہ ... ہونے کے بعد یہ اندازہ لگانا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا کہ اس ... عہدہ پوشیدہ ہوگا۔ میں نے سی ون کی ہدایت پر احتیاط ... کر دروازے پر زور دیا۔ پٹ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کی طرف ... گیا۔ پھر میں اندر بڑھا۔ جوں ہی میں نے چوکھٹ عبور کرنا چاہی ... اندر سے کیمرے کی فلیش گن کا طاقتور جھماکا ہوا اور پھر ایک گونجیلی آواز سنائی دی۔

"... ... گھیر لو اس بدمعاش کو، یہاں سے زندہ نہ نکلنے پائے!"

میں اچھل کر باہر آگیا۔ میرے سانسوں کی رفتار تیز ہوگئی تھی اور تحیر زدہ آنکھیں سی ون کی طرف اٹھ گئیں جو میری بوکھلاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

تھوڑے سے وقفے کے بعد اندر سے ایک سرگوشی سی ابھری۔
"باہر نکلو! شاید وہ ابھی یہیں موجود ہے۔۔ راہداری سے نکل گیا تو ہاتھ نہ آسکے گا۔" اس کے فوری بعد چند قدموں کی آہٹیں ابھریں جو مدھم ہونے کے باوجود اتنی واضح تھیں کہ باہر سنائی دے رہی تھیں۔ اس کے

فضا پر سناٹا چھا گیا۔
"یہ آوازیں کیسی تھیں؟" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں سوال کیا
ی ون پہلی بار فراخ دلی کے ساتھ ہنس پڑا۔
"سادہ سا شعبدہ ہے لیکن کسی کو مداخلت سے روکنے کے لیے
ت کافی ہے۔" اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "کسی خودکار لفٹ کا
انہ بند ہوتے ہوئے اچانک کوئی دروازے کے درمیان آ جائے
روازہ خودبخود دوبارہ کھل جاتا ہے۔ اس نظام کو یہاں میں نے
ے اور ٹیپ سے منسلک کر دیا ہے۔ اندر قدم رکھتے ہی کیمرہ
ارے مجرم کی تصویر لے لے گا اور ٹیپ چل پڑے گا جس میں وہ
ازیں پہلے سے بھری ہوئی ہیں۔ چند فٹ کے بعد ٹیپ خالی ہے
پورا چلنے کے بعد ہی رکے گا۔ تمہیں بس یہ خیال رکھنا ہے کہ کیمرے
فلم موجود رہے۔ تصویر کا نمبر اور چرخیوں پر ٹیپ کی پوزیشن دیکھ کر
چل جائے گا کہ کمرے میں گھسنے کی کوئی ناکام کوشش کی گئی ہے،
پ ری وائنڈ کر دو گے تو یہ نظام دوبارہ اسی طرح کام کرے گا
نہ آوازیں غائب رہیں گی، کیمرے کی تصویر کے ذریعے مداخلت کا
م گرفت سے نہ بچ سکے گا۔"

میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ سی ون اپنے کام میں بہت
ر معلوم ہوتا تھا۔ اس نے چند گھنٹوں کی قلیل مدت میں اس
ز و سامان کے لیے وہ مضبوط حفاظتی نظام نصب کر دیا تھا۔ مجھے
ی طرح یاد تھا کہ سکندر علی کی خواب گاہ میں ایسی کوئی تنصیب میری
اہ سے نہیں گزری تھی۔ وہاں نہ کوئی کیمرہ چلا تھا اور نہ ٹیپ ریکارڈر
لین مجھے خوف محسوس ہونے لگا تھا کہ وہاں ایسا ہی کوئی متبادل
فاظتی نظام نہ رہا ہو جس نے خواب گاہ میں میرے داخلے کی نشاندہی
ردی ہو۔ غنیمت تھا کہ میں چہرے پر نائیلون کا تھیلی نما نقاب منڈھ کر
کندر علی کے مکان میں گھسا تھا۔ ورنہ دوسری صورت میں اس وقت
ی ون مجھے مزید ذمے داریاں سونپنے کے بجائے مجھ سے تشدد آمیز
پرس کر رہا ہوتا۔

پھر سی ون نے مجھے جملہ ساز و سامان کے استعمال اور افادیت
کے بارے میں سمجھایا اور دوہری فریکوئنسی کا ایک ٹرانسمیٹر لے کر
اں سے رخصت ہو گیا۔ جاتے جاتے اس نے مجھ کو بتا دیا تھا کہ
رانسمیٹر پر اس سے رابطے کے لیے سی ون کے بجائے سی کنگ کا نام
ستعمال کیا جائے کیونکہ عہدے تنظیم کے اندرونی رازوں میں شمار ہوتے
تھے اور میں جس کسی کو بھی دوہری فریکوئنسی والا ٹرانسمیٹر دیتا وہ ہماری
گفتگو سن کر اس راز سے واقف ہو سکتا تھا۔

اس کے چلے جانے کے بعد میں نے سامان والے کمرے کی
چابی گچھے سے نکال کر اپنی تحویل میں لی اور نشست گاہ سے پستول اٹھا کر
ریبان میں کھسکاتا ہوا عمارت سے باہر آ گیا۔ واپسی پر میں نے عمارت کو پہلے
کی طرح مقفل کر کے چابیاں دوبارہ کیکٹس کے گملے میں دبا دی تھیں
لیکن میں جیوا ہاؤز کو جہانگیر کے حوالے کرنے کے بجائے اپنے ٹھکانے
میں تبدیل کرنے کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔

❀

ماہرین کے لیے ہیروئن کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ امریکہ کے مشرقی
علاقوں میں منشیات زدہ افراد میں ستر فی صد سے زائد اس موذی نشے
کی عادت میں مبتلا پائے گئے تھے۔ برطانیہ میں برسوں پہلے یہ خطرہ بھانپ
لیا گیا تھا کہ طبی مقاصد کے لیے کیمیائی طریقوں سے حاصل کیا جانے والا
افیم کا وہ الکلائیڈ مغربی معاشرے میں ایک نشے کی حیثیت سے مقبول
ہونے لگا ہے لہٰذا انسانی جسم اور اعصاب پر اس کے تباہ کن، منفی
اثرات کے پیشِ نظر طبی فوائد قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا اور ۱۹۵۲ء
میں برٹش فارماکوپیا سے اسے خارج کر کے کسی بھی مقصد کے لیے
اس کی تیاری ممنوع قرار دے دی گئی۔ اقوام متحدہ کے کمیشن کے
جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۶۴ء میں امریکہ میں ہیروئن کے
عادی افراد کی تعداد نصف لاکھ سے متجاوز تھی اور برطانیہ میں ایسے افراد
کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے بھی کم تھی جبکہ اس معاملے میں مشرقِ بعید کے
بعض علاقے، مثلاً جاپان اور ہانگ کانگ برطانیہ سے کہیں آگے تھے
لیکن برصغیر میں افیم کی ٹنوں سالانہ پیداوار کے باوجود نشے باز ہیروئن
سے واقف نہیں تھے اور نہ ہی ان علاقوں میں ہیروئن کے استعمال کا
کوئی بگڑا ہوا کیس سامنے آیا تھا۔

دنیا کے مختلف علاقوں میں افیم کی پیداوار ہمیشہ سے عالمی
اداروں کے لیے تشویش کا باعث رہی تھی اور وہ بھارت کے علاوہ دنیا
کے بیشتر ممالک میں متعلقہ حکومتوں کی محدود اجازت کے بغیر افیم کی آزادانہ
کاشت کو خلافِ قانون قرار دلوا چکے تھے لیکن یہ جانتے تھے کہ پاک
افغان سرحد پر آزاد قبائلی علاقے اس فصل کی پوری زور و شور سے
کاشت کر رہے تھے اور ہر طرف تشویش پھیلی ہوئی تھی کہ اگر ان علاقوں
میں ہیروئن تیار کرنے میں کامیابی حاصل کر لی گئی تو پھر اس جنس کی
پیداوار اور غیر قانونی تجارت پر قابو پانا دشوار ہو جائے گا۔

چرس کے انسداد میں ادھوری کامیابیوں کا خمار اترنے سے
پہلے پاکستان کے خفیہ بازاروں میں ہیروئن متعارف ہونے کی اطلاعات
نے ہر ایک کو بوکھلا دیا۔ جاننے والے جانتے تھے کہ یہ ایک بڑی مہم
کی ابتدا تھی اور تجرباتی مرحلوں سے حاصل ہونے والا مال آزمائش کے
لیے مقامی منڈی میں پھینکا جا رہا تھا۔ پاکستان جیسے غریب اور ترقی پذیر
ملک میں ہیروئن پر بھاری نفع کمانا مشکل تھا لہٰذا تجارتی پیمانے پر
ہیروئن کی تیاری میں کامیابی ہوتے ہی طالع آزما اس جنس کو برطانیہ،
یورپ اور امریکہ کے بازاروں میں لے آتے جہاں مادی ترقیوں کے
تضادات سے الجھے اور اکتائے ہوئے نوجوان منہ مانگے داموں پر اس تیز

نشے کے خریدار تھے۔

یہ نشے اس قدر ہولناک تھے کہ یونیسکو کے تحت انٹرنیشنل نارکوٹکس کنٹرول بورڈ نے ڈاکٹر ولیسلر کی رپورٹ ملتے ہی ایک اعلیٰ سطحی اجلاس طلب کر لیا تھا جس میں امریکہ کے بیورو آف نارکوٹکس اینڈ ڈینجرس ڈرگس سے لے کر اہم پاکستانی افسران تک شریک تھے اور اس اجلاس کے انعقاد کے لیے کراچی کو منتخب کیا گیا تھا تاکہ علاقے میں سر اٹھانے والے فتنے کے بارے میں تمام تر تفصیلات بلا کسی دشواری کے کانفرنس کے شرکا کو فراہم کی جا سکیں بصورتِ دیگر اطلاعات اور ان پر کی جانے والی کارروائیوں پر مبنی والی ضخیم سرکاری فائلوں کا مختلف سرکاری محکموں سے یکجا کر کے بیرونِ ملک لے جایا جانا ناممکنات میں سے تھا۔

اس تفصیلی بریفنگ کے بعد سی ون نے کانفرنس کا ایک دعوت نامہ میرے حوالے کیا تھا۔ جو اس نے اپنے ذرائع سے انسدادِ منشیات کے ایک سرگرم قومی ادارے کے نام پر حاصل کیا تھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ شاید سکندر علی کسی موثر حیثیت میں اس ادارے سے وابستہ تھا اور اسی وابستگی کی بنا پر اسے دعوت نامہ جاری کیا گیا ہوگا جو سی ون نے میرے لیے حاصل کر لیا کیونکہ بدلے ہوئے انتظامات کے تحت سکندر علی یا بی فور کے خاصے اختیارات مجھے سونپ دیے گئے تھے۔ ایسی صورت میں میرے لیے رفتہ رفتہ متعلقہ اہم حلقوں میں رسائی حاصل کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اس سلسلے میں تنظیم کے مفادات سے سی ون بخوبی واقف تھا۔ اور اس معاملے میں فی الوقت حتی الامکان میری مدد پر تُلا ہوا تھا۔

غزالہ کے کالج کے فنکشن میں سکندر علی کی آواز پہچاننے کے بعد مجھے اس کی زبان سے منشیات کے خلاف دھواں دھار تقریر سن کر حیرت ہوئی تھی اور میں یہ سمجھا تھا کہ اس نے اپنی سماج دشمن شخصیت پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے سماجی بہبود کی تنظیموں اور فلاحی کاموں میں دلچسپی کا کامیاب ڈھونگ رچایا ہوا تھا۔ مگر سی ون سے کانفرنس کا پس منظر معلوم ہونے اور شرکت کا دعوت نامہ موصول ہونے کے بعد میں تنظیم کے پسِ پشت کام کرنے والوں کی منصوبہ بندی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ ایسے اداروں سے وابستگی کے ذریعے تنظیم کے اہم اراکین نہ صرف اپنی ذات کو ہر قسم کے شبہات سے بالاتر کر کے معاشرے میں ہر دل عزیز ہو جاتے تھے بلکہ بعض اہم اجتماعات میں بھی رسائی حاصل کر لیتے تھے۔ جہاں سے حاصل ہونے والی معلومات ان کے غیر قانونی کاروبار میں زبردست معاون ثابت ہو سکتی تھیں۔

سی ون سے ملنے والا دعوت نامہ اس امر کی دلیل تھا کہ میرے لیے کاروباری کامیابیوں کے ساتھ اپنے گردو پیش کے ماحول میں نیک نامی پیدا کرنا لازمی ہو گیا تھا تاکہ اوپر والوں کی مدد کے بغیر میں خود بھی اپنے آپ کو ایسے اجتماعات میں مدعو کیے جانے کا اہل ثابت کر سکوں۔

اس افتتاحی اجتماع میں مختلف ممالک سے آئے ہوئے تقریباً پندرہ غیر ملکی مندوبین کے علاوہ مقامی حکام کی بھی خاصی تعداد شریک تھی اور ملک کے علاوہ سماجی بہبود سے دلچسپی رکھنے والے ممتاز شہریوں اور اداروں کے ارکان کی محدود تعداد کو بطور مبصر مدعو کیا گیا تھا تاکہ منشیات کے سلسلے میں کیے جانے والے اقدامات سے وہ لوگ براہِ راست باخبر رہ سکیں۔ اس بارے میں بہت سے نکات ایسے بھی ہو سکتے تھے جو مصلحت یا مفادِ عامہ کے تقاضوں کے تحت اخبارات میں شائع نہ ہوتے لیکن مبصرین کی موجودگی میں متعلقہ حکام کو یہ یقین تھا کہ انہیں رائے عامہ کے طاقتور اور موثر حلقوں کی حمایت حاصل رہے گی۔

میں دیگر مبصرین کے ساتھ مخصوص گیلری میں اپنی نشست پر موجود تھا اور اپنے گردو پیش ہونے والی گفتگو سے اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس اجلاس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں انسدادِ منشیات کے لیے کیے جانے والے اقدامات اور ان کے نتیجے میں حاصل ہونے والی معلومات کے باہمی تبادلے کے بعد پاکستان میں ہیروئن کے متعارف ہونے کے بعد کے حالات سے نمٹنے کے لیے ایک مرکزی لائحہ عمل تیار کیا جائے کیونکہ یہاں تیار ہونے والی ہیروئن آخر کار دنیا کے مختلف علاقوں ہی میں فروخت ہوتی تھی۔ اس اعتبار سے یہ مسئلہ بہت سنگین تھا۔

"ہیروئن آج کی ایجاد نہیں ہے۔" ڈاکٹر ولیسلر کہہ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر گہری، تفکر آمیز لکیریں نمایاں تھیں اور بھوری چمکدار آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرا رہے تھے: "مغرب اور مشرقِ بعید میں یہ لعنت مدت سے موجود ہے لیکن برصغیر میں تجارتی پیمانے پر اس کی تیاری اور فروخت پہلی بار منظرِ عام پر آئی ہے۔ حالات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اسے ایک بھرپور اور منظم کوشش کے تحت بازار میں لایا گیا ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق یہ علاقہ افیم کی پیداوار میں ہمیشہ پیش پیش رہا ہے لیکن پہلے کوئی ہیروئن کی تیاری کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ آخر اس وقت وہ کیا حالات ہیں جن کے تحت ہیروئن کی تیاری کی ترغیب ملی ہے؟"

"یہاں بھی کبھی کبھار ہیروئن کی چھوٹی موٹی مقدار پکڑی جاتی رہی ہے۔" ایک مقامی افسر نے کھنکھار کر زبان کھولی۔ "لیکن ہر بار تفتیش کے نتیجے میں یہی ثابت ہوا کہ ہیروئن باہر سے یہاں لائی گئی تھی۔ سن اناسی میں کنار ویلی کے افغان قبائلی علاقے میں ملک زید اللہ خان نامی ایک با اثر سردار نے اپنے طور پر افیم سے ہیروئن بنانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر افغانستان میں بیرونی مداخلت پر قومی پیمانے پر مزاحمت کے باعث ہر طرف جنگ کے بادل پھیل گئے اور اس کو اپنا منصوبہ ترک کرنا پڑا کیونکہ اس کا پورا قبیلہ حکومت اور اس کے حامیوں کے خلاف ہتھیار لے کر اٹھ کھڑا ہوا

ربستیاں خالی کر کے پہاڑوں میں چلا گیا تھا۔ پھر غیر مصدقہ خبروں
ابق ہمارے قبائلی علاقے میں ایک جرمن کیمسٹ دیکھا گیا۔ اس کے
وتے ہی ہمارے یہاں ہیروئن کا غلغلہ کھڑا ہوا ہے۔"

ڈاکٹر ہل جے ڈالٹن!" جرمنی کے انسداد منشیات کے محکمے
ب سربراہ نے عینک درست کر کے اپنی فائل سے ایک نام
ہوئے زبان کھولی۔ "اسے دو ماہ پہلے پاکستان سے واپسی پر
رٹ کے ہوائی اڈے پر ایک کلو سات سو گرام ہیروئن سمیت
ر کیا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا ہے کہ وہ ہیروئن کی تیاری
مدد دینے کے لیے پاکستان گیا تھا۔ اسے ایک لاکھ جرمن مارک
ضے کے طور پر دیے گئے تھے لیکن وہ اس شہر یا مقام کی نشاندہی
کر سکا جہاں اسے لے جایا گیا تھا۔ پشاور سے آنکھوں پر
باندھ کر اسے پہاڑوں میں واقع ایک دیہی آبادی میں لے
گیا تھا۔ جہاں وہ ستائیس دن تک مومن خان نامی کسی شخص کا
ن رہا تھا۔ پھر اسی طرح اسے رات کی تاریکی میں آنکھوں پر پٹیاں
وکر واپس پہنچا دیا گیا۔" اس کی گفتگو نے مجھے چونکا دیا۔ اس کا
ب تھا کہ معاوضے کے علاوہ سلطان شاہ نے سچ ہی کہا تھا۔

"مومن خان ان علاقوں میں ایک عام سا نام ہے۔" جرمن
وب نے فائل کے مندرجات پڑھنے کے بعد سر اٹھایا تو ایک
پاکستانی افسر نے مدافعانہ لہجے میں احتجاج کیا۔ "مجرم بہت چالاک
ان کے طریقے محفوظ اور ناقابل گرفت ہیں لیکن ان علاقوں
خواندگی کا اوسط بہت کم ہے۔ افیم سے ہیروئن کی تیاری ان کے
ب و خیال میں بھی نہ آسکتی تھی لیکن ڈاکٹر ڈالٹن نے مومن خان کو
سکھایا ہے وہ راز نہیں رہے گا۔ مجھے ڈر ہے کہیں مومن خان
لیبارٹری سے سیکھنے والے اپنا کام نہ شروع کر دیں۔ اس سیلاب سے
لیے ہمیں ان لوگوں تک رسائی حاصل کرنا ہوگی جنھوں نے ڈالٹن
رابطہ قائم کیا تھا۔

"میں جانتا ہوں مسٹر اصغر!" نوجوان برطانوی افسر سگار کا دھواں
لتے ہوئے مسکرایا۔ "میں ان قبائلی علاقوں کے بارے میں بہت کچھ
سنتا رہا ہوں۔ میرے ماموں وہاں پولیٹیکل ایجنٹ رہے تھے۔ وہاں
ملہ ہاتھ ڈالا گیا تو درد سر کھڑا ہو جائے گا۔ ہمیں باہر سے ہی ابتدا
رنا ہوگی۔"

جرمن مندوب کا چہرہ گمبھیر ہو گیا۔ "پوری آبادی میں صرف
ومن خان انگریزی کے چند الفاظ سے واقف تھا اس نے ڈاکٹر ڈالٹن
واس کی تحریک کے مطابق ضرورت کی ہر چیز مہیا کی اور اس کی توقع
سے پہلے پورے طریقے پر عبور حاصل کر لیا۔" اس نے ایک لمحے کے
لیے خاموش ہو کر کانفرنس کے شرکا کا جائزہ لیا پھر دھیمی آواز میں بولا۔
"لیکن آپ لوگوں کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس ناخواندہ آدمی کے

لیے ڈاکٹر ڈالٹن کی خدمات حاصل کرنے والی ایک برطانوی عورت
تھی جو اس سے ویرا لائیڈ کے نام سے ملی تھی۔"

مومن خان کے بعد ویرا لائیڈ کا نام میرے لیے ایک دھماکے
سے کم نہیں تھا۔ اس کانفرنس میں یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے دنیا
یک بیک سکڑ کر محدود ہو گئی ہو۔ عیسیٰ خان کے نکالے ہوئے آدمی
سلطان شاہ سے میں مومن خان اور اس کی تجربہ گاہ میں ہیروئن کی
تیاری کے لیے آنے والے جرمن ماہر کی کہانی سن چکا تھا اور اب وہ
ویرا لائیڈ کے بارے میں بتا رہا تھا جو کراچی سے ٹوکیو کے سفر کے
دوران مجھے الشلے ہاؤز کے نمائندے کے طور پر ملی تھی۔ مجھے اپنے کانوں
پر یقین کرنا دشوار ہو گیا کہ ویرا جیسی لاابالی اور زندہ دل لڑکی اس بکھیڑے
میں اس حد تک ملوث ہو سکتی ہے کہ ایک طرف اس نے جرمنی
میں ڈاکٹر ہل جے ڈالٹن کو مومن خان کی ہیروئن تیار کرنے والی لیبارٹری
میں کام کرنے پر آمادہ کیا اور دوسری طرف الشلے ہاؤز کی نمائندگی کرتے
ہوئے مجھ سے ہیروئن کی خریداری کا معاملہ طے کرنے کے لیے لندن
سے بنکاک ہوتی ہوئی ٹوکیو پہنچی تھی۔ اس نیلی آنکھوں والی ساحرہ نے
دورانِ پرواز ہی مجھے اس طرح اپنی ذات کی دلچسپیوں میں الجھایا تھا
کہ ٹوکیو میں اس سے رخصت ہوتے ہوئے آخری لمحے تک میں اسے
ایک نرم و نازک لڑکی تصور کرتا رہا جو زندگی کے بارے میں نہایت
بے باکانہ نظریات پر یقین رکھتی تھی۔ اس دوران ویرا کی ذات میں
مجھے کوئی ایسی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آئی تھی جس کی بنا پر میں
اس کی ذات کو زیادہ اہم یا پُراسرار سمجھتا لیکن جرمن مندوب کے
انکشاف سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا اپنی تنظیم میں بہت زیادہ سرگرم تھی۔
لیکن بات پھر بھی الجھی ہوئی تھی۔ ویرا نے جرمن کیمسٹ کو
مومن خان کی معاونت پر آمادہ کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ خود یا
اس کی تنظیم ہیروئن کی تیاری کے سلسلے میں مومن خان کی کوششوں
میں دلچسپی لے رہی تھی اور یقینی طور پر اس سے رابطہ قائم کیا ہوا
تھا۔ اس کی خواہش پر جرمن کیمسٹ کو خطیر رقم کا لالچ دے کر پاکستان
بھیجا گیا اور مومن خان کے آدمی کسی بندوبست کے تحت اسے پہچان
کر اپنی تحویل میں قبائلی علاقے میں لے گئے اور کام پورا ہو جانے
کے بعد اسے واپس کر دیا۔ اس حد تک میری اپنی معلومات کی تصدیق
جرمن مندوب کے بیان سے ہوتی تھی لیکن یہ سمجھنا دشوار تھا کہ ہیروئن
کے ایک تیار کنندہ سے اتنے گہرے روابط ہوتے ہوئے ویرا لائیڈ یا
اس کی فرم الشلے ہاؤز نے ہیروئن کی خریداری کے لیے ایشین سنڈیکیٹ
لمیٹڈ سے کیوں رابطہ قائم کیا؟

"ویرا کا کیا ہوا؟" نوجوان برطانوی افسر اضطراری لہجے میں جرمن
مندوب سے سوال کر رہا تھا۔

جرمن مندوب نے مایوسانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔

اس کا کہیں سراغ نہ مل سکا جبکہ امیگریشن کے ریکارڈ سے اس نام کی کسی برطانوی عورت کی آمد یا روانگی کا کوئی اندراج نہیں ملا۔ غالباً اس کی سفری دستاویزات کسی دوسرے نام پر رہی ہوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ ویرا لائیڈ بھی اس کا کوئی مفروضہ نام ہو لیکن ڈاکٹر ڈالٹن اس کے لب و لہجے کی بنا پر پُریقین ہے کہ وہ برطانوی نژاد تھی۔"

"یہ نام میرے لیے نیا ہے۔" برطانوی افسر سگار کا دھواں اگلتے ہوئے بولا۔ "منشیات کا کام کرنے والوں میں شاید اس نام کی کوئی عورت کبھی ہمارے ریکارڈ پر نہیں رہی... مجھے حیرت ہے کہ..."

"اس قدر اضطراب مناسب نہیں مسٹر جوناس!" اطالوی مندوب نے درمیان ہی میں اس کی بات اُچک لی۔ "اتفاق ہے کہ وہ انگریز تھی... ہمیں اس وقت اپنی قومی انا سے ذرا آگے بڑھ کر بین الاقوامی سطح پر بات کرنی چاہیے۔ بُرے لوگ ہر قوم میں اور ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ جو زیادہ گھاگ ہوں، وہ اہم معاملات طے کرنے کے لیے معروف ناموں کے بجائے اجنبی چہرے سامنے لاتے ہیں۔ کیا فی الحال اتنا کافی نہیں ہے کہ ایک نیا نام تمہارے علم میں آ گیا ہے؟"

"یقیناً یقیناً۔" جوناس نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ پھر اس کی آواز میں تحقیر کے جذبات امڈ آئے۔ "میں جو کچھ کہہ رہا تھا مسٹر بردلو! اس کا تعلق قومی افتخار سے نہیں تھا۔ وہ جرمن کیمسٹ ایک اقبالی مجرم ہے، یہ بھی تو ممکن ہے کہ خود جال میں پھنس جانے کے باوجود اس نے اپنے ساتھیوں کو بچانے کے لیے لڑکی کے بارے میں حکام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہو؟"

"اور ہم گمراہ ہو گئے۔" جرمن مندوب نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ غصے سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا تھا۔ "تمہارا تبصرہ توہین آمیز تھا مسٹر جوناس! برسوں کے تجربے اور انسانی نفسیات کے مطالعے سے ہر پرانا تفتیشی افسر جھوٹ اور سچ میں تمیز کر سکتا ہے۔ میری پختہ رائے ہے کہ ڈاکٹر ڈالٹن نے ویرا لائیڈ کے بارے میں جو کچھ کہا وہ سچ پر مبنی تھا۔"

ان دونوں میں بحث چھڑ گئی۔ انگریز افسر کا رویہ تکبر پر مبنی تھا۔ لیکن میرے لیے وہ بحث غیر اہم تھی جرمن مندوب نے ویرا لائیڈ کے فرضی نام کا امکان ظاہر کر کے مجھے ایک ناقابلِ یقین اتفاق کی طرف بھی توجہ دلا دی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر ڈالٹن کو آمادہ کرنے والی نے اتفاقاً ہی وہ نام استعمال کر ڈالا ہو اور مجھ سے ملنے والی پورے معاملے سے لاتعلق ہو لیکن پھر بھی میرے لیے وہ سب حیرت انگیز تھا۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں عورتیں برطانوی نژاد تھیں۔ مجھے خیال آیا کہ کاش میں کارروائی میں مخل ہو کر ویرا کا حُلیہ دریافت کر سکتا لیکن میری وہ جسارت نہ صرف آداب کے خلاف ہوتی بلکہ میں اپنی ذات کو بلاوجہ ہر ایک کی توجہ کا مرکز بنا لیتا۔

میرے لیے اہم نکتہ یہ تھا کہ ویرا مجھ سے ملنے والی کا ذاتی نام تھا اور انگریزی قاعدے کے مطابق لائیڈ باپ سے ور[...] ملا ہوا خاندانی نام تھا۔ اگر ڈاکٹر ڈالٹن نے صرف ویرا کا نام [...] تو شاید میری دلچسپی اتنی نہ بڑھتی لیکن وہاں تو نام کے دونو[ں] حصے مشترک تھے۔

اجلاس میں تھوڑی سی گرمی کے بعد جوناس کی معذرت پ[ر] ختم ہو گئی تھی اور امریکی مندوب نے موضوع کو ایک یا موڑ دے [...]

"میرے لیے معزز جرمن دوست مسٹر شولز کا بیان خیال اف[...] ثابت ہوا ہے۔" امریکی نمائندہ کہہ رہا تھا۔ "افغانستان کے سرحدی [...] ان دنوں ہمارے لیے شدید سیاسی اہمیت اختیار کر گئے ہیں کیونکہ [...] سرزمین کے آزاد باشندوں پر باہر سے کھلی جارحیت کا ارتکا[ب] گیا ہے..."

"میں مداخلت کے لیے معذرت خواہ ہوں۔" بھارتی نما[ئندہ] شرمسار لہجے میں منمنایا۔ "لیکن میں مسٹر آرتھر کو یاد دلاؤں کہ یہ کو[...] سیاسی نہیں، خالص معاشرتی اور انتظامی نوعیت کا اجلاس ہے۔ افغان مسئلے پر امریکی موقف کا پوری طرح علم ہے لیکن میں درخوا[ست] کروں گا کہ اس افتتاحی اجلاس میں نرم لب و لہجہ اپنایا جائے تاکہ [...] پیمانہ ہو۔"

آرتھر کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے محسو[س] کیا کہ بعض دوسرے شرکا بھی زیرِ لب مسکرا رہے تھے اور بھارتی نما[ئندہ] ان سے نظریں چرانے کی کوشش میں اپنے سامنے میز پر رکھے ہو[ئے] کاغذات کی بے مقصد ورق گردانی میں مصروف ہو گیا تھا۔ میں [نے] سوچا کہ بھارتی نمائندہ آرتھر کو روکنے کے بجائے محض رسمی طور [پر] اپنا احتجاج ریکارڈ پر لا کر اپنی حکومت کی جانب سے اس عظیم پڑو[سی کا] حقِ نمک ادا کرنا چاہ رہا تھا، جو معاہدۂ دوستی کی آڑ میں اس کے [...] کو ایسی ہر مداخلت پر اخلاقی اور مالی مدد فراہم کرتا رہا تھا۔

"مجھے مسٹر پانڈے کے احساسات کا خیال ہے مگر سیاہ کو سیا[ہ اور] سفید کو سفید کے علاوہ کچھ اور نہیں کہا جا سکتا۔" آرتھر نے کہا اور پانڈ[ے] بدستور سر جھکائے کاغذات میں الجھا رہا اور یوں اس نے اپنے رد[عمل سے] میرے خیال کی تائید کر دی۔

"افغانستان کی صورتِ حال پر ہماری کڑی نظر ہے۔" آرتھر کہہ [رہا] تھا۔ "سولہ ماہ گزر چکے ہیں مگر کٹھ پتلی حکومت بیرونی اسلحے اور افرا[دی] قوت کے بے دریغ استعمال کے باوجود بغاوت پر قابو پانے میں نا[کام] رہی ہے۔ تباہ حال اور بے سروسامان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں [کے] قافلے بھاری تعداد میں سرحد پار کر رہے ہیں۔ سرحدی علاقے آئے د[ن] کی گولہ باری کے باعث مخدوش ہو چکے ہیں۔ باغیوں کی سرکوبی کے جواز [...] میں روسی ہوا باز ان پہاڑوں میں نیچی پرواز کر کے اندھا دھند گولیاں اور بم برساتے ہیں۔ ان حالات میں ہجرت کرنے والوں میں اتن[ا ...]

ن ٹولے کے مخبر بھی ہوتے ہیں . . . "

میرے لیے اعلیٰ پیمانے پر منعقد ہونے والے کسی اہم اجلاس
رت کا وہ پہلا موقع تھا مگر میں سُن رہا تھا کہ آرتھر موقع نکال کر
مسئلے پر اپنی حکومت کے موقف کے اظہار میں ضرورت سے
زادہ ہی بول رہا تھا۔ ورنہ اس اجلاس میں افغان مظلوموں کی
تصویر کشی کے بجائے محض ابتدائی فقرے ہی کافی تھے مجھے
تھی کہ بڑے ملکوں کے نمائندے بغض و عناد کے اظہار میں اس
ندے تھے، اگر ان کی چپقلش کا یہی عالم تھا تو اس پلیٹ فارم پر لایا
والا ہر مسئلہ اس کی زد میں آتا ہوگا۔ وہ تو غنیمت ہی تھا کہ اس
میں کوئی روسی نمائندہ نہیں تھا۔ ورنہ الزامات اور جوابی الزامات
رمار میں انسداد منشیات کا مقصد ہی پسِ پشت چلا جاتا۔

"افغان قبائل میں جمے ہوئے منشیات تیار کرنے کے ٹھکانے
ہو چکے ہیں یا ویران پڑے ہوئے ہیں اور ایسے لوگوں کی سرگرمیاں
سرحد کی دوسری جانب پھیلنے لگی ہیں۔" آرتھر کانفرنس کے شرکا کو
ہا تھا۔ "ہمیں مصدقہ اطلاعات ملی ہیں کہ سرحد پار آنے والوں میں
ت بنانے والے ٹولے کے مخبر ایسی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کر
ہیں۔ اگر مومن خان کی تعلیمی لیاقت کے بارے میں ڈاکٹر ڈالٹن
بیان کو درست مان لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باہر کی
سے تقریباً نا آشنا اور انگریزی سے نابلد اس شخص کے لیے ویرالائیڈ
م کرنے پر کیسے آمادہ کیا گیا ہوگا؟"

آرتھر نے رک کر ہال میں موجود کانفرنس کے شرکا کا جائزہ لیا۔
ے اٹھائے ہوئے نکات نے ہر ایک کو چونکا دیا تھا، ہال میں
ناٹا طاری تھا اور ہر ایک آرتھر کی زبان سے اس کے اٹھائے ہوئے
ال کا جواب سننے کا منتظر تھا۔

"مومن خان جیسے لوگ اپنے بازوؤں پر اعتماد کرتے ہیں۔" آخر
پُرسکون آواز میں بولا۔ "ہیروئن تیار کرنے کی کوششوں میں مومن خان
ماؤں کی خبر یقیناً ان مخبروں سے پوشیدہ نہیں رہی ہوگی۔ ان کے
ریعے یہ اطلاع روسی آقاؤں کو بھی مل گئی ہوگی۔ ان کے بیرونی ذرائع
مومن خان کے لیے ڈاکٹر ڈالٹن کی خدمات حاصل کرنے کا منصوبہ
یا جو کامیاب رہا۔ ہوسکتا ہے کہ ڈاکٹر ڈالٹن کی خدمات کا بھاری
معاوضہ بھی ان ہی نے ادا کیا ہو۔"

ہال میں کئی تحیر آمیز آوازیں ابھریں لیکن برونو آرتھر کے
جواب سے متفق نہیں تھا۔ "آخر روسیوں کو منشیات کی سرپرستی کی کیا
ضرورت ہے؟ پھر ہم یہاں دستیاب حقائق کے تبادلے اور اس
سے تعاون کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ کانفرنس کا ایجنڈا ابھی یہی
ہے یہاں اگر مفروضات پر بحث چھیڑ دی گئی تو کانفرنس لاحاصل ہی ثابت ہوگی۔
بہتر یہی ہوگا کہ ہم ایجنڈے کا خیال رکھیں۔ شاید اگلے اجلاس میں ہم
اپنے مفروضات کو حقائق کی صورت میں سامنے لا سکیں۔"

"مسٹر برونو ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" ڈاکٹر ولیسلر نے اپنا سربراہانہ
فیصلہ صادر کیا۔ "ہم حقائق تک محدود نہ رہے تو اُلجھ جائیں گے۔"

آرتھر کی پیشانی پر شکن تک نہ آئی، وہ بدستور مسکراتا رہا۔ ڈاکٹر
ولیسلر خاموش ہوا تو سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "ڈاکٹر ڈالٹن اور ویرالائیڈ کے
بارے میں سامنے آنے والے حقائق سے کچھ مفروضات سامنے آگئے
تھے لیکن میرے پاس جو مستند معلومات ہیں، وہ ان مفروضوں کی تصدیق
کے ساتھ ہی مسٹر برونو کے اس سوال کا جواب بھی فراہم کریں گی کہ
روسیوں کو منشیات کی سرپرستی کی کیا ضرورت ہے؟"

"یہ پہلو ہمارے لیے حیرت انگیز ہے۔" جوناس نے تجسس آمیز
لہجے میں کہا۔ شاید اسے خوشی ہوئی تھی کہ آرتھر نے روسیوں پر ملامت
کا آغاز کر کے ویرالائیڈ کا معاملہ دبا دیا تھا اور یوں وہ ایک مجرمہ
کی قومیت کے حوالے سے ندامت اٹھانے سے بچ گیا تھا۔

"مسئلہ بظاہر خالص معاشرتی نوعیت کا ہے۔" آرتھر نے قلم سے
کھیلتے ہوئے کہنا شروع کیا لیکن بدقسمتی سے اس میں سیاسی رنگ غالب
ہے۔ افغانستان میں ننگی جارحیت کے ارتکاب پر روس کو عالمی پیمانے
پر رسوائی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ رائے عامہ کھل کر ان حریت پسندوں
کی حمایت کر رہی ہے جنھیں ان کے اپنے ملک میں باغی قرار دیا جا رہا
ہے۔ روسی قیادت کا خیال تھا کہ افغانستان میں پیش قدمی کا انجام بھی
چیکوسلواکیہ جیسا ہوگا۔ چند روز اودھم ہوگا پھر لوگ بدلی ہوئی صورتحال
کو جوں کا توں تسلیم کر لیں گے لیکن یہ طالع آزمائی انھیں مہنگی پڑی ہے۔
دن بدن حریت پسندوں کی حمایت میں اضافہ ہو رہا ہے اور اب ان
کے سر پر یہی سودا سوار ہے کہ ان جنگجو جانبازوں کو بدنام کیا جائے۔
جنھیں اپنی جدوجہد جاری رکھنے کے لیے ہر لمحے اسلحے کی ضرورت ہے
انھوں نے ابتدا تیار کی ہوئی ہیروئن کی سستے داموں فراہمی سے کی تھی۔
جنگ آزما ٹولوں کے لیے اس وقت آزادی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔
وہ روسی اور مقامی فوجی قافلوں پر حملے کر کے ان کا اسلحہ اپنی مہمات
میں استعمال کرتے ہیں مگر وہ ان کے لیے ناکافی ہوتا ہے۔ وہ جائز
اور ناجائز، ہر طریقے سے اسلحہ حاصل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ
سادہ لوح افراد روسی ففتھ کالم کی ریشہ دوانیوں سے لاعلم ہیں۔ ان
کے بعض گروپ سستی ہیروئن مہنگے داموں فروخت کر کے اپنی جنگ کے
لیے مالی وسائل فراہم کر رہے ہیں۔ سازش کے پہلے مرحلے کی کامیابی کے
بعد پناہ گزینوں کے بھیس میں پھیلے ہوئے مخبروں کے ذریعے ہیروئن
تیار کرنے کی لیبارٹریاں قائم کرنے پر اکسایا گیا ہے۔ ہماری معلومات
کے مطابق پائندہ گل کے گروپ کی لیبارٹری کسی بھی وقت کام شروع
کر سکتی ہے۔ اسی کے ساتھ پاکستان کے آزاد قبائل بھی ان کی سازشی
لہر کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ پاکستان کو اپنا مجرم سمجھتے

ہیں جو ان کے باغیوں کو جائے پناہ فراہم کر رہا ہے۔ حالانکہ لاکھوں
تباہ حال افغان مہاجرین کی ان خیمہ بستیوں میں حکومت پاکستان اور
عالمی اداروں کی بھرپور کوششوں کے باوجود انسانی مجبوری اور بے بسی
کے دلدوز مناظر نظر آتے ہیں۔ ہیروئن کی سرپرستی کی اس مہم سے روسی
کئی محاذوں پر فائدہ اٹھانے کی فکر میں ہیں۔ ان کی سب سے کاری ضرب
کا نشانہ افغان حریت پسند ہیں۔ وہ پروپیگنڈے کے ذریعے ان کی
منشیات فروشی کو اچھال کر عالمی پیمانے پر ان کے کردار کو مسخ کرنا
چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ ہر قسم کی ہمدردیوں سے محروم ہو کر تنہا رہ جائیں
پھر ہیروئن کے غیر قانونی ٹریفک کی بڑی گزرگاہ کے طور پر پاکستان
کا نام سامنے آئے گا تو ہیروئن کی فراہمی سے متاثر ہونے والے
ممالک پاکستان کے بارے میں سخت رویّہ اختیار کرنے پر مجبور ہو
جائیں گے۔ ان کا تیسرا مفاد لمبی مدت کی منصوبہ بندی سے وابستہ
ہے۔ جب عالمی منڈی میں سونے سے تقریباً پانچ گنی قیمت پانے
والا یہ سفوف پاکستان میں کوڑیوں کے مول پھینکا گیا تو روسیوں کا کام
مقامی مجرموں اور مفاد پرستوں نے آسان کر دیا۔ پشاور سے کراچی تک
کے سفر میں باہر اسمگل کیا جانے والا یہ نشہ مقامی بازاروں میں بھی پھیل
گیا اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ قلیل سی مدت میں ہیروئن یہاں حیرتناک
سُرعت کے ساتھ مقبول ہوئی ہے اور اس وقت پاکستان میں اس
کے ہزاروں عادی موجود ہیں۔ چند برسوں میں یہ تعداد لاکھوں سے
تجاوز کر جائے گی۔ وہ ہیروئن کی لت ڈال کر پاکستانی معاشرے کو
کھوکھلا اور تباہ کر دینا چاہتے ہیں کیونکہ افغانستان کی سرزمین ان کی
آخری منزل نہیں ہے۔ ان کی نگاہ بحیرۂ عرب کے گرم پانیوں پر مرکوز
ہے جہاں بندرگاہیں سال بھر کھلی رہتی ہیں اور ان کے ذریعے
تیل کی دولت سے مالا مال مشرقِ وسطیٰ کے ریگزار ان کی دسترس میں
آجائیں گے۔ افغانستان خشکی سے گھرا ہوا ایک چھوٹا سا ملک ہے۔
اسے ٹھکانا بنا کر وہ آنے والے سالوں میں موقع ملتے ہی ایران
یا پاکستان میں گھس کر سمندر کا رخ کریں گے۔ حالات اور قرائن سے
ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ سمندر تک گزرگاہ کے لیے پاکستان کا انتخاب کر
چکے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جب وہ پیش قدمی کریں تو اس ملک کا
معاشرہ اور معیشت مقابلے کے قابل ہی نہ ہو لیکن اس میں ذرا دیر
ہے۔ افغانستان کے حالات پر پوری طرح قابو پائے بغیر وہ کسی دوسری
بین الاقوامی سرحد کو عبور کرنے کی حماقت نہیں کریں گے کیونکہ پیش قدمی
کرنے والوں کی سپلائی لائن میں افغان علاقے کی کلیدی اہمیت ہے
یہ لائن کٹ گئی تو بڑھنے والے چوہوں کی طرح گھیر کر مار دیے جائیں
گے اور پھر سال بھر کھلی رہنے والی بندرگاہوں پر قبضے کا روسی خواب
کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔“
امریکی نمائندہ آرتھر خاموش ہوا تو اجلاس میں تحیّر آمیز سرگوشیاں

پھیلتی چلی گئیں۔ اس کے انکشافات میرے لیے سنسنی خیز
نہیں کر پا رہا تھا کہ آرتھر نے جو کچھ کہا وہ واقعی سچ تھا
میں اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر کے اس نے ہیروئن کی
تجارت کے ڈانڈے زبردستی روسی سازشوں سے ملا
میرے لیے کانفرنس میں شرکت کا تجربہ لمحہ بہ لمحہ
ہو رہا تھا۔ مجھ جیسے درمیانی آدمی کے لیے باہر رہتے ہوئے
بھی ناممکن تھا کہ شہر کے غلیظ اور گنجان علاقوں میں پھر
میں ہیروئن کی پڑیاں بیچنے والے کسی بڑی سازش کے آلۂ
لیکن آرتھر نے جو کچھ کہا پورے اعتماد سے کہا تھا۔ کانفرنس
پُرجوش بحث کا آغاز ہو گیا تھا۔
دو گھنٹے بعد بارہ بجے افتتاحی اجلاس کی پہلی نشست
تو میں سوچوں کے ہجوم میں کھویا ہوا باہر نکل آیا۔ بائی
میری معلومات میں مزید اضافہ نہیں ہوا تھا اور مجھے افسوس
کہ منتظمین نے مبصرین کا دعوت نامہ دو گھنٹے کی افتتاحی نشست
کیوں محدود رکھا تھا۔
اپنے پیشے کے اعتبار سے میرے لیے وہ دو گھنٹے
تھے۔ اس کانفرنس میں کہا جانے والا ایک ایک لفظ ٹریڈ
بہت اہم تھا۔ شاید شرکا کے پاس بہت سا مواد تھا
معلوم تھا کہ پہلی نشست میں مبصرین بھی موجود تھے۔ لہٰذا
صرف وہی کچھ کہا تھا جسے وہ کانفرنس کے حوالے سے
کے ذرائع تک پہنچانا چاہتے تھے۔ کھانے کے وقفے کے
نشست اور اگلے اجلاسوں میں یقیناً کھل کر انکشافات کیے
بے فکری سے تبادلۂ خیال ہوتا، بولنے والے اپنی فراہم
اطلاعات کے تصدیقی ذرائع سے شرکا کو آگاہ کرتے اور
کی تیاری اور فروخت کو پوری قوت سے کچلنے کے لیے
کی جاتیں مگر میرے لیے اس تمام کارروائی سے واقف ہو
کوئی ذریعہ نہیں تھا۔
دوپہر کا کھانا میں عموماً فیکٹری ہی میں کھاتا تھا
اجلاس کے بارے میں سی ون کو رپورٹ دینا تھی۔ لہٰذا
کار اپنے گھر کے راستے پر ڈال دی۔
میں خوابگاہ میں جوتے اتار کر کھانے سے قبل
ایک جام پینے کی تیاری کر رہا تھا کہ ٹرانسمیٹر پر کال سگنل
ہونا شروع ہو گیا۔ شاید سی ون میری رپورٹ جاننے کے
لیے بے چین تھا۔
آپریٹس آن کرتے ہی مجھے ریسیور پر خطرناک صورت
کی درشت آواز سنائی دی: ”سی گنگ فار ڈی ون ... اوور“
”ڈی ون رسیونگ ... اوور“ میں نے اپنی اصل

...ں کہا کیونکہ اس وقت گفتگو اس فریکوئنسی پر ہو رہی تھی جو ...جیکے آپریشن کے دائرہ کار سے باہر تھی۔

"تو میرا قیاس درست ہی نکلا۔ تم لوٹ آئے کانفرنس سے؟"

...ور۔" ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔

"میرا جانا بہت کارآمد رہا۔" میں نے کہا۔ "جرمنی میں ڈاکٹر ڈالفی ...ی ایک کیسٹ پکڑا گیا ہے۔ اس نے اعتراف کیا ہے کہ وہ یرالائیڈ ...ی ایک انگریز لڑکی کے ایما پر اس نے ہمارے آزاد قبائلی علاقے ...ں مومن خان نامی کسی شخص کو ہیروئن کی تیاری کا طریقہ سکھایا ہے۔ ...یہ لیبارٹری پائندہ گل نامی افغان نے قائم کی ہے۔ ان کوششوں ...و امریکی نمائندے نے روسی سازش قرار دیا ہے... اوور۔"

"روسی سازش۔" اس کی تلخ ہنسی سنائی دی۔ "شاید کوئی روسی نہیں تھا وہاں ورنہ وہ امریکی سازش کی کہانی سناتا اور پھر آپس میں تلخ کلامی پر سارا قصہ ختم ہو جاتا۔ خیر تم تفصیل سناؤ امریکی نمائندے کی تقریر کی۔ اوور!"

میں نے اختصار کے ساتھ آرتھر کے انکشافات سنانے شروع کر دیے۔

"گڈ۔" اس کی آواز سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ "یہ لوگ ناک کے نیچے دیکھنے کے بجائے دوربین لگا کر دور کی کوڑی لانے کے عادی ہو گئے ہیں۔ انھیں چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ آج مال آنے والا ہے اسے جیوا ہاؤز میں کون وصول کرے گا؟ اوور۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ جیوا ہاؤز کی عمارت بدستور ویران تھی وہاں کے ملازمین اگلی صبح نو بجے لوٹنے والے تھے۔ فوری بندوبست یہی ہو سکتا تھا کہ میں خود وہاں پہنچ جاتا لیکن سی ون نے میری تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔ اس کا خیال تھا کہ ذمے داریوں میں اضافے کے بعد معمولی کاموں میں میرا یوں ملوث ہونا مناسب نہیں تھا۔ مال کی وصولیابی کسی اور ہی کو کرنا چاہیے۔

"لیکن میں جیوا ہاؤز کو ممنوعہ قرار دینے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اوور۔" میں نے کہا۔ مجھے یہ تو معلوم تھا کہ سی ون اختیارات کے سلسلے میں مجھ سے اوپر تھا اور کچھ دن کے لیے میں اسی کو جوابدہ تھا لیکن میری ذات پر اس کی گرفت نہیں تھی۔ اس سے متعارف ہونے کے بعد میں گفتگو میں بہت آسانی محسوس کر رہا تھا۔ جب کہ ...بل ازیں برسوں کے صوتی رابطے کے باوجود بات کرتے ہوئے ذہن ...پر خوف طاری رہتا تھا کہ کہیں کسی بات پر بھڑک کر وہ مجھے ہی ...سے نہ اکھڑ جائے۔ اس خوف کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ بی فور کی شخصیت ہمیشہ پردے میں رہی تھی جبکہ سی ون سے میں مل چکا تھا۔

"تمھیں اپنے فیصلوں کی آزادی ہے لیکن یہ سمجھ لو کہ تم جہانگیر سے بدستور کام لیتے رہو گے تو جیوا ہاؤز پر تمھارا تصرف اس سے پوشیدہ نہ رہ سکے گا اور وہ تم پر شبہ کرنے لگے گا۔ اسے راستے سے ہٹانا ہے تو اور بات ہے۔ اوور۔"

سرسری لہجے میں دیا گیا مشورہ سن کر میں پھریری لے کر رہ گیا۔

"تو کیا مجھے جہانگیر کے خاتمے کا اختیار بھی ہے؟ اوور۔"

"خود مختاری کا مطلب ہر طرح کی آزادی ہوتا ہے۔" اس کی طرف سے جواب آیا۔ "اب تم اوپر آ گئے تو بتانے میں کوئی ہرج نہیں... طارق کا قتل یاد ہے تمھیں؟ اوور۔"

"ہاں... اوور۔" میں نے سکتے کے عالم میں غیر ارادی طور پر کہا۔

"اپنی بے احتیاطی کی وجہ سے خطرہ بن جانے پر اسے راستے سے ہٹایا گیا تھا۔" سی ون کے انکشاف نے میرے ذہن میں چنگاریاں سی بھر دیں۔ "تمھیں بس نشاندہی کرنا ہو گی۔ باقی کام میرے آدمی کر لیں گے۔ اسی لیے ہم انتظامی اور حفاظتی امور سے متعلق سمجھے جاتے ہیں... اوور۔"

"جہانگیر میرے لیے کارآمد ہے۔" میں نے بولتے ہوئے اپنے وجود پر نقاہت سی طاری ہوتی محسوس کی۔ اس سے پہلے میں خود ان امکانات پر سوچ چکا تھا کہ کہیں طارق اپنوں ہی کی سنگدلی کا نشانہ نہ بنا ہو لیکن سی ون کی زبان سے وہ انکشاف سن کر مجھے گہرا صدمہ ہوا تھا۔ طارق نے برسوں جس کے لیے اپنے شب و روز ایک کیے، اسی کے ایما پر اپنے عبرتناک انجام کو پہنچا تھا۔ میرے دل میں سکندر علی کے لیے نفرت کے جذبات اور گہرے ہو گئے۔ اس کا قاتل سی ون رہا ہو یا اس کا کوئی آدمی، لیکن ایک بات طے تھی کہ طارق کا لہو بی فور کے اشارے پر بہایا گیا تھا اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ بی فور کے پردے میں اصل شخصیت سکندر علی کی تھی۔

"وہی جیوا ہاؤز میں ڈلیوری لے گا۔ اوور۔" میں نے اس پر جہانگیر کی اہمیت جتانے کے بعد اپنی بات مکمل کی۔

"آج رات نو بجے... اوور اینڈ آل۔" سی ون نے سلسلہ منقطع کر دیا اور میں سوچ میں ڈوبا اپنے لیے جام تیار کرنے لگا۔ اس وقت میرے ذہن میں آندھی چل رہی تھی۔ طارق میرا پرانا دوست تھا۔ ہم دونوں برسوں سے اکٹھے رہتے آئے تھے اور ایک دوسرے کے رازوں میں پوری طرح شریک تھے۔ اس رفاقت نے ہمارے درمیان محبت اور اعتماد کو جنم دیا تھا جو آخر تک قائم تھی۔

لیکن اس مخلص اور وفادار دوست کو سکندر علی نے سرد مہری کے ساتھ قتل کرا دیا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اسی وقت اسلحہ لے کر دندناتا ہوا اس کے مکان میں گھسوں اور اس نابکار کو جہنم واصل کر دوں لیکن میں مجبور تھا۔ اس حد تک مجبور تھا کہ سرکاری مردہ خانے سے اپنے عزیز دوست کی لاش اٹھوا کر اس کی تدفین تک نہ کرا سکا تھا اور مجبوری یہ تھی کہ میں اسی تنظیم کا کارندہ تھا جس نے سکندر علی کے

روپ میں ایک بھیڑیے کو پالا ہوا تھا جو بھوکا ہو تو اپنے ہی کسی کمزور ساتھی کو پھاڑ کھاتا ہے۔

سکندر علی نے جو کچھ کیا، اس کے سلسلے میں اسے تنظیم کا پورا تحفظ حاصل تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ذہنی سے ڈی ون بنائے جانے کے بعد اب مجھے رفتہ رفتہ بی فور کے اختیارات سونپے جا رہے تھے۔ اسی کے ساتھ سکندر علی کو شاید ترقی مل گئی تھی اور اس سے ٹکرانا ایک اعتبار سے تنظیم کے بڑوں کے قہر کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

میں نے یخ لبستہ، کندن رنگ سیال کے بڑے حصے کو گلاس سے معدے میں منتقل کیا اور پھر سکندر علی کا نمبر ملانے لگا۔ میرے لیے اس کی ذات اس قدر اہم تھی کہ ڈائرکٹری سے تلاش کیا ہوا اس کا فون نمبر میرے ذہن میں محفوظ تھا۔

دوسری گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا تھا۔ بولنے والے کی آواز سن کر میرے ذہن میں سکندر علی کے اس ملازم کا چہرہ گھوم گیا جو اس کے مکان میں سب سے پہلے میرے ہاتھ آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کا سیٹھ گھر پر موجود نہیں تھا۔ خاصا کریدنے کے بعد اس سے میں بمشکل اگلوا سکا کہ سکندر علی چند دنوں کے آرام کے لیے اپنے باغات میں گیا ہوا تھا۔ اس کی سیکرٹری بھی موجود نہیں تھی۔ ملازم سے پتا چلا کہ اس کا نام زینتی تھا اور سکندر علی کی روانگی سے پہلے ہی وہ اپنا سامان سمیٹ کر کہیں چلی گئی تھی۔

***

کھانے کے بعد طبیعت پر مایوسی کے ساتھ ہی کسلمندی بھی غالب آ گئی اور میں بستر پر دراز ہو گیا لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ رہ رہ کر طارق کے بھیانک قتل کی واردات ذہن میں ابھر رہی تھی۔ مشکل یہ تھی کہ میں کسی سے دل کا بوجھ بھی ہلکا نہیں کر سکتا تھا۔

میں ابھی اسی ادھیڑبن میں مبتلا بستر پر پہلو بدل رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔

ریسیور اٹھایا تو غزالہ کی زندگی سے بھرپور آواز سن کر میرے ذہن میں تازگی کی لہر دوڑ گئی۔ "میں تنویر ہی بول رہا ہوں غزالہ!" اس کے استفسار پر میں نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

"کہاں غائب ہیں آپ؟" اس کی سنجیدہ آواز میں شوخی عود کر آئی۔ "بے چاری عابدہ تو اس انتظار میں گھلی جا رہی ہے کہ اس کی کتاب کب شائع ہو سکے گی؟"

"اوہ۔" میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "اخراجات کا تخمینہ بتاؤ اور کتاب چھاپ ڈالو۔ دراصل میں نے دو مرتبہ تم سے بات کرنے کی کوشش کی تھی اور دونوں بار تمہارے والد صاحب کی آواز سنتے ہی فون بند کرنا پڑا۔ آواز ہی سے ریٹائرڈ کرنل معلوم ہوتے ہیں۔" میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے جھوٹ بولا۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ جاپان جانے سے پہلے میں نے صرف ایک بار اس کے گھر فون کر کے کرنل زا... کو چڑایا تھا اور غزالہ پر عائد گھریلو پابندیوں کی وجہ سے دوسری... کرنے کی ہمت ہی نہیں کر سکا تھا۔

میری وضاحت سن کر وہ اپنی مترنم آواز میں کھلکھلا کر ہ...
"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ گھر پر فون کرنا بے سود ہو گا۔"

"یہ بتاؤ کہ اس وقت کہاں ہو تم؟" میں اس کی بات در... سے اچک کر بولا۔ "میں فوراً پہنچتا ہوں۔"

"نہ نہ۔" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "ابھی میری ... باقی ہیں..."

لیکن میری ضد کے آگے اسے ہتھیار ڈالنے پڑے اور ... لہجے میں اپنے کالج سے ذرا دور کتابوں کی ایک مشہور دکان میں ... رضامند ہو گئی۔ میں پھرتی سے تیار ہو کر اس سے ملنے کے لیے ... گیا۔ نجانے اس لڑکی میں کیا خاص بات تھی کہ اس کی طرف میرا ... مائل ہوتا جا رہا تھا جبکہ دوسری عورتوں کی طرح سستی کسی پہلو... نظر نہیں آتی تھی۔

کتابوں کی دکان میں وہ اکیلی اور قدرے خوفزدہ سی تھی۔ ... داخل ہوا تو اس نے خریدی ہوئی اشیا کے دام ادا کیے اور میرے ... باہر نکل آئی۔ مجھے اس کی گھبراہٹ میں لطف آ رہا تھا لیکن وہ جا... وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی تاکہ اپنی سہیلیوں میں سے اتفاقاً کس... نگاہ میں نہ آ سکے۔ میں نے بڑھ کر دروازہ کھولا اور وہ بلا تکلف ... نشست پر بیٹھ گئی۔

فون پر تو میں پہلے بھی غزالہ سے اشاروں کنایوں میں ... کچھ کہہ گیا تھا اور اسی موقع پر آپ کا تکلف ختم کر کے اسے تم سے ... کیا تھا۔ جس پر اس نے احتجاج نہیں کیا تھا۔ اس حوصلہ افزائی نے آتش شوق کو اور بھڑکا دیا تھا۔

اس روز کلفٹن کے پرسکون ساحل پر سسکتی دم توڑتی موج... دھیمے دھیمے شور میں ہم بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور گزر... ہوئے لمحے کے ساتھ میرے دل پر غزالہ کے حسن اور سادگی کا نقش... ہوتا چلا گیا۔

اس کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا۔ ماں اور باپ ... علاوہ ایک بڑا بھائی تھا جو دس سال کی عمر سے کسی ایسے پیچیدہ عارضے میں مبتلا ہوا تھا کہ اسے اپنا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔ کبھی ... اس کی حالت اتنی بگڑ جاتی کہ وہ گھر میں توڑ پھوڑ مچانے لگتا اور ہر... والے پر جنون کے عالم میں جھپٹنے کی کوشش کرتا تھا۔ ایسے مواقع پر ... زبردستی کسی کمرے میں مقفل کر دیا جاتا تھا۔ اسے کئی ماہرین کو دکھایا ... لیکن کوئی بھی اس کی نارمل حالت واپس لانے میں کامیاب نہ ... دو ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ کسی نشہ آور دوا کی بھاری مقدار نے اس...

خلیوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا تھا لیکن غزالہ کی ماں نے
ں کو سختی سے مسترد کر دیا تھا۔
لیکن غزالہ کو شبہ تھا کہ ان دو ڈاکٹروں کی رائے صحیح تھی۔ میرے
پر غزالہ اپنے شبہے کے اسباب پر روشنی نہ ڈال سکی لیکن اتنا
کہ اسے اپنے گھر کے ماحول میں پیار اور محبت کے باوجود کبھی کبھی
کا سا احساس ہوتا ہے جیسے گھر میں کوئی ایسی بات ہو رہی ہو
ہے دانستہ لاعلم رکھا جا رہا ہو۔
ن باتوں کو سامنے لا کر وہ پوری سنجیدگی کے ساتھ مجھے یہ جتانا
تھی کہ مجھے اس سے دور ہی رہنا چاہیے لیکن میرے لیے
سے دامن بچانا مشکل نظر آ رہا تھا جو اس کی ذات میں
رہ تھی۔
اس سے ہلکی پھلکی باتیں کرتے ہوئے میں نے ایمانداری سے
کو ٹٹولا لیکن کہیں بھی نفس کی وحشیانہ طلب کو موجود نہ پایا۔
ت میں نے پہلی بار سوچا کہ میں کس راستے پر بڑھ رہا تھا۔
چاری شریف لڑکی میرے ظاہر سے متاثر تھی لیکن اسامی
مجھے اپنے جال میں پھانسنے کے بجائے بلا کم و کاست ہر پہلو
لا کر میرے راستے میں دیوار حائل کرنا چاہ رہی تھی مگر مجھے
سراپا مجسم پیار نظر آ رہا تھا۔ اس کی باتوں میں زندگی کے معصوم
بھلے ہوئے تھے، تعلیم اور ذہانت کے امتزاج نے اس کے حسن
چاند لگا دیے تھے۔ اس سے چھیڑ چھاڑ کر کے مجھے ناقابلِ بیان
مل رہی تھی۔ اس کے وجود میں ایسی محبت آمیز رعنائیاں رچی
تھیں کہ مجھے اس کے ساتھ بیٹھ کر لطف آ رہا تھا۔
لیکن اس کا انجام؟
یہ سوچتے ہی مجھے جھرجھری سی آ گئی۔ وہ اتنی صاف گو تھی کہ
نے اپنی ذات سے اپنے گھر تک، ہر بات مجھے بتا دی تھی لیکن
ابطے ظاہر کی آڑ میں پیش قدمی کر رہا تھا۔ میرا گندا باطن اس سے
رہ تھا۔ اگر اسے شبہ بھی ہو جاتا کہ وہ ماضی کے ایک مجرم اور حال
نشیات فروش کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے تو شاید دہشت سے چیخ
مار کر سے کود کر ویران ریتیلے ساحل پر کسی بھی طرف بھاگ نکلتی۔
واپسی میں میں نسبتاً خاموش تھا۔ میں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر
تنہا زندگی کا طویل سفر طے کیا تھا۔ مردوں اور عورتوں سے دوستی
ذریعے میں اپنا فاضل وقت محفلوں میں گزارتا تھا لیکن پھر بھی
بھی ذہن پر بے نام سی اداسی چھا جاتی تھی۔ ایسے لمحات میں میں
ذہن کو ٹٹولتا لیکن کبھی بھی اس اداسی کا سبب نہ جان سکا۔ مال و
دولت اور حسن و جمال کی نعمتیں ہر وقت میری دسترس میں رہتی تھیں۔
ن کے ہوتے ہوئے وہ اداسی میرے لیے ناقابلِ فہم ثابت ہوتی
لیکن اس روز ویران ساحل پر غزالہ سے باتیں کرتے ہوئے اچانک

ہی اس اداسی کا سبب دریافت ہو گیا تھا۔
اس کا تعلق میرے اندر کی تنہائی سے تھا۔ ہر قسم کے وسائل پر
تصرف کے باوجود میں تنہا تھا، حسینوں کے ہجوم میں میرا ذہن تنہائی
کے کربناک ویرانے میں بھٹک جاتا تھا اور جب اس ادھورے پن کا
احساس شدید ہو جاتا تو مزاج میں قنوطیت امڈ آتی۔
اپنی ادھوری ذات کے لیے مجھے کسی سہارے کی ضرورت تھی۔
کوئی ایسی ذات جو بھرپور اپنائیت کے ساتھ اپنا سب کچھ مجھے سونپ
سکے، ایک ایک لمحے میری خبرگیری کرے اور میں پورے اعتماد کے
ساتھ اسے اپنے دکھ سکھ کے مسائل میں شریک کر سکوں۔ زندگی کے
پُرپیچ راستوں پر لاتعداد حسین چہرے اور کشش انگیز پیکر میری راہ میں
آئے تھے لیکن ان کے بارے میں میں لمحوں کی سوداگری کے علاوہ
کوئی لطیف بات نہ سوچ سکا۔ غزالہ میری زندگی میں پہلی عورت
تھی جس نے مجھے اپنا باطن ٹٹولنے پر مجبور کر دیا تھا۔
میں نے اسے راستے میں کار سے اتارا تو میں فیصلہ کر چکا تھا کہ
زندگی کے سفر میں میسر آنے والے اس سائے کا ساتھ میں کبھی نہ
چھوڑوں گا۔ انجام کچھ بھی ہو لیکن میری پیش قدمی جاری رہنی چاہیے
تھی اور اس نے بھی خاموشی سے سر جھکا کر اگلے روز مجھ سے دوبارہ
ملنے کا اقرار کر لیا۔

* * *

رات نو بجے جہانگیر کو جیوا ہاؤز میں مال وصول کرنا تھا لیکن
اس سے رابطے کا وقت آٹھ اور ساڑھے آٹھ کے درمیان تھا۔
وقت کے اس تعین کا خیال آتے ہی میرا ذہن سلمٰی کی طرف
بھٹک گیا۔ مجھے اس کا وہ رویہ یاد آیا جو اس نے پچھلی رات میرے
ساتھ اختیار کیا تھا۔ جہانگیر کی موجودگی میں وہ ہمیشہ مجھے تنویر بھائی
کہتی تھی اور اس کا رویہ بھی مدافعانہ سا ہوتا تھا لیکن اس کی غیر حاضری
میں وہ ہمیشہ کھل کر نگاہیں چار کر کے بات کرتی تھی۔ مجھے اس کا پچھلی
رات کا رویہ یاد آیا جب میں پیٹ میں درد کا بہانہ کر کے صوفے سے
اٹھا تو لحظہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی تھی۔
شاید اسے خیال ہوا تھا کہ میں اس کی طرف پیش قدمی کروں گا لیکن
مجھے فرار پر آمادہ پا کر اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی تھی۔
وہاں مسئلہ یہ تھا کہ ان دونوں کے درمیان اعتماد کا فقدان
تھا۔ جہانگیر نے اپنا اصل روپ سلمٰی اور اس کے گھر والوں سے پوشیدہ
رکھ کر اسے اپنایا تھا۔ سلمٰی صرف اسی قدر جانتی تھی کہ جہانگیر ایک
اوسط درجے کی ٹیکسٹائل فیکٹری کا مالک ہے اور وہ اپنی اصل سرگرمیوں
کا راز برقرار رکھنے کی کوششوں میں اپنے اور سلمٰی کے درمیان اجنبیت کی
ایک خلیج کو پروان چڑھا رہا تھا۔ ان حالات میں اگر سلمٰی کے ذہن میں
اپنی نسوانی انا کی تسکین کی خاطر کوئی گرہ پیدا ہو رہی تھی تو وہ اتنی قصوروار

نہیں تھی۔ اس کی کج روی میں جہانگیر برابر کا ذمے دار ہوتا۔

لیکن میں اپنی اور عزالہ کی دوستی کا وہ انجام ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ کافی سوچ بچار کے بعد میں نے فی الحال حالات کو اپنے دھارے میں بہتا چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسی کے ساتھ میں مناسب وقت آنے پر عزالہ کو اپنی ذات کے پوشیدہ گوشوں سے بھی آگاہ کرنا چاہتا تھا تاکہ ہمارے درمیان کبھی کوئی غلط فہمی جنم نہ لے سکے۔

وال کلاک نے بلند آہنگ میں آٹھ بجنے کا اعلان کیا تو میں نے آپریٹس آن کر کے اسے سرخ روشنی والی فریکوئنسی پر سیٹ کیا اور ڈی ٹو کے لیے پیغام نشر کرنے لگا۔ جہانگیر کی طرف سے فوراً ہی جواب مل گیا لیکن اس کی آواز کے ساتھ ہی پس منظر میں کسی کار کے انجن کا دھیما شور بھی ریسیور پر سنائی دے رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس وقت وہ شہر کے کسی ویران علاقے میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

"تمھاری کار اس وقت جہاں بھی ہے۔ اس کا رخ جیوا ہاؤز کی طرف موڑ لو۔" میں نے بھاری آواز میں کہا۔ "ٹھیک نو بجے وہاں مال پہنچنے والا ہے۔ اس کی وصولی کے بعد تم فوراً واپس لوٹ آؤ گے... اوور۔"

"شاید آپ کو علم نہ ہو سر!" جہانگیر کی آواز سے ہچکچاہٹ کا اظہار ہو رہا تھا۔ "بی فور نے کل صبح نو بجے تک ہر ایک کو جیوا ہاؤز سے دور رہنے کا حکم دیا ہوا ہے... ویسے میں آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے تیار ہوں... اوور۔"

ٹرانسمیٹر پر اس کی بات درمیان سے کاٹنا ناممکن تھی، ورنہ میں اسے فقرہ مکمل بھی نہ کرنے دیتا۔ "مجھے سب معلوم ہے۔" میں درشت لہجے میں غرایا۔ "تم وہی کرو گے جو میں کہہ رہا ہوں لیکن جیوا ہاؤز میں تین نمبر کمرہ اب شجرِ ممنوعہ ہے۔ ہر ایک اس سے دور رہے گا۔ مجھ سے اس کمرے کی چابی نکال لی گئی ہے۔ اس ہدایت سے انحراف کی سزا بہت بھیانک ہوگی... اوور۔"

"او کے سر! اوور۔" جہانگیر کی آواز سے تکان کا اظہار ہونے لگا تھا۔

"ڈینی کے بارے میں پرانی ہدایت اب برقرار نہیں رہی۔ اس سے حسبِ ضرورت رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے لیکن جو کام اسے ملوث کیے بغیر ہو سکتا ہو، اس میں ڈینی کو الجھانے کی ضرورت نہیں۔ میں اسے ایک اہم کام میں استعمال کرنا چاہتا ہوں جس میں خاصے خطرات ہوں گے۔ خالی الذہن رہ کر وہ میرے لیے مفید ثابت ہوگا۔ بصورتِ دیگر اس کی ذراسی لغزش نہ صرف اسے لے ڈوبے گی بلکہ ہمیں بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اوور۔"

"اس کے آدمی فی الحال میں نے نادر کو سونپے ہوئے ہیں، ان کا کیا کرنا ہوگا؟ اوور۔"

"احمد یار اور ٹائیگر کو سنبھالنا نادر کے لیے دشوار نہیں ہو... معاملات خوش اسلوبی سے چل رہے ہیں تو اسی طرح چلنے د... ڈینی کو یہ اندازہ نہیں ہونا چاہیے کہ اسے کسی خطرناک موقع کے لیے پالا جا رہا ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

سلسلہ منقطع کرتے ہی میں خود بخود مسکرا دیا۔ اپنے بار... میں ایسی ہدایات جاری کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جہانگیر کو میرے بار... میں کوئی شبہ نہ ہو سکے لیکن مجھے اندیشہ تھا کہ طارق کے قتل... اپنے خوف کے باعث میری ہدایات اسے بہت سنگین محسوس ہو... گی۔ وہ سمجھ رہا ہو گا کہ طارق کے بعد اب میری باری آنے والی ہے۔

حالات تیزی سے بدل رہے تھے۔ سی ون کے رویے... ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے مجھ پر بھرپور اختیار حاصل نہیں تھا۔ بلکہ... کے قتل کے بارے میں اپنی زبان کھول کر اس نے ایک طرح میرے ساتھ دوستانہ رویے کا اظہار کیا تھا۔ پھر میرے اپنے اندا... مطابق اگر مجھے بی فور کے اختیارات سونپے جانے والے تھے تو... کو میرا ماتحت ہی ہونا تھا۔ اس اعتبار سے بی فور کے اختیارات منتقلی کے اس عارضی دور میں بھی تنظیم کے کسی ذمے دار آدمی... براہ راست جواب دہ نہیں تھا۔ سی ون کا کام صرف اتنا تھا کہ رپورٹ اوپر پہنچا دیتا اور اوپر سے آنے والے احکام سے مجھے... کر دیتا۔ اس عارضی دور میں میں کوئی بڑا قدم اٹھا کر تنظیم کے شکنجے... نکلنے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔

اب مجھے یہ دیکھنا تھا کہ سی ون کے انتظامی اور حفاظتی... کے افراد کس حد تک میری طرف متوجہ تھے۔ عزالہ کے ساتھ کلفٹن... ہوئے میں اس کی ذات کے سحر میں ایسا کھویا کہ تعاقب وغیرہ... دینے کا خیال ہی نہیں رہا۔ اس طرف سے بے فکر ہونے کے... میں بڑی کارروائی کا آغاز کر سکتا تھا۔ جس کے لیے سکندر علی کی ذا... میری راہ کا پہلا پتھر تھی۔

سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ سی ون کے بیان کی رو... میں وہ طارق کے قتل کا مجرم قرار پاتا تھا، پھر بظاہر تنظیم میں وا... آدمی تھا جو میرے، جہانگیر اور نادر کے بارے میں ہر اونچ نیچ... باخبر تھا۔ اگر اس کا پتا صاف ہو جاتا تو کام خاصا آسان ہو جا...

میں نے ایک بار پھر ان فون نمبروں کا جائزہ لیا جو... سکندر علی کی خوابگاہ میں ڈائری میں سے ملے تھے۔ ان م... ایک نمبر کراچی کا تھا۔ جب کہ بقیہ دو نمبر صرف چار ہندسوں... تھے۔ ان کے بارے میں یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ کس شہر کے ہو... جب کہ لاٹو کا نمبر پانچ ہندسوں پر مشتمل تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ... لاہور کا رہا ہوگا۔ میں اپنے شناخت نامے پر موجود ڈائیلنگ اسٹیشن... لینڈ کے نمبروں سے اس کا موازنہ کر چکا تھا لیکن وہ اس فرم کے... فون نمبروں سے مختلف تھا۔

جس کام کا آغاز کرنا تھا' اس میں تاخیر مناسب نہیں تھی۔ میرے کراچی کا جو نمبر موجود تھا وہ میں نے سکندر علی کی ڈائری میں سی کے ت آنے والے صفحات سے نوٹ کیا تھا اور اس نمبر سے پہلے ایک ہندسہ درج تھا یعنی میرے حساب سے وہ نمبر سِی ون کا ہونا چاہیے تھا۔
میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ وہ نمبر ملایا تو دوسری طرف ا سیکنڈ تک گھنٹی بجتی رہی اور آخر کار ریسیور اٹھا لیا گیا لیکن ریسیور ں نسوانی آواز سن کر میری امیدوں پر اوس پڑ گئی۔
اگر میں کوئی بات کیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیتا تو بولنے والی نبہ میں پڑ جاتی۔ لہٰذا میں نے آواز بدل کر نرمی سے سوال کیا: "شہلا مریم موجود ہیں؟"
"جی نہیں۔ یہاں کوئی شہلا نہیں رہتی۔" دوسری طرف سے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور میں نے بھی ایک گہرا سانس لے کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ اب میرے لیے ایک ہی راستہ باقی رہ گیا تھا کہ نمبروں کی ترتیب سے شائع ہونے والی ٹیلی فون ڈائرکٹری سے اس مشکوک نمبر کا پتا دیکھ کر مکان کی نگرانی کروں تاکہ اس کے بارے میں اپنے شبہات کی تصدیق یا تردید کے بعد یہ فیصلہ کر سکوں کہ دوسرے نمبروں پر سر کھپانا سود مند ثابت ہوگا یا محض وقت کی بربادی ثابت ہوگا۔

* * *

میں گھر سے دفتر کے لیے روانہ ہوا تو کشمیر روڈ پر گھومتے ہی ایک گلی سے سبز رنگ کی ڈاٹسن نمودار ہوئی اور میرے پیچھے ہو لی۔ عقب نما آئینے میں اس کے عکس کو میں نے خاص اہمیت نہیں دی۔ کیونکہ میرے اور اس کے درمیان تین گاڑیاں حائل تھیں اور صبح کے ان اوقات میں اس سڑک پر ہر لمحے خاصا ٹریفک رواں رہتا تھا لیکن میں اس دن گھر سے کچھ اہم فیصلے کر کے نکلا تھا لہٰذا اپنی منزل کا رخ کرنے سے پہلے یہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ کوئی میرا تعاقب نہ کر رہا ہو۔ چوراہے پر آ کر میں نے داہنے ہاتھ پر گھومنے کے بجائے اپنی کار سیدھے راستے پر رکھی۔ دو گاڑیاں داہنی طرف مڑ گئیں لیکن سیاہ کار اور سبز ڈاٹسن بدستور میرے پیچھے لگی رہی۔ شاہراہِ قائدین کے چوراہے سے سیاہ کار داہنی طرف گھوم گئی مگر میں نے بائیں موڑ کا انتخاب کیا اور شاہراہِ قائدین پر ڈرگ روڈ کی طرف ہو لیا۔ سبز کار کی رفتار دھیمی ہوئی پھر سیدھی آنے والی چند گاڑیوں کو راستہ دینے کے بعد وہ بھی اسی طرف ہو لی اور میں زیرِ لب مسکرا دیا۔
سبز ڈاٹسن میری نگاہوں میں آ چکی تھی مگر میں تعاقب کرنے والے کو ہوشیار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لہٰذا میں نے اگلے چوراہے سے کار دوبارہ بائیں طرف اپنے گھر جانے والے راستے پر گھما لی تاکہ تعاقب کرنے والا اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ میں راستے میں کوئی بھولی ہوئی چیز لینے یا کام نمٹانے کے لیے گھر واپس جا رہا ہوں۔ چوراہے سے گھومنے کے بعد سبز ڈاٹسن چند لمحوں تک عقب نما آئینے میں نظر آتی رہی اور پھر اچانک داہنی سمت کی کسی گلی میں غائب ہو گئی۔ اس کا ڈرائیور میری توقع کے مطابق عمل کر رہا تھا۔ مگر اس وقت میں اسے ڈاج دے کر نکلنے کے بجائے صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کس کار میں میرا تعاقب کیا جا رہا تھا۔ تاکہ وقتِ ضرورت میں اس پر اپنی توجہ مرکوز کر سکوں۔
گھر پہنچ کر میں نے بلا کسی ضرورت چند منٹ اپنے کمرے میں گزارے تاکہ تعاقب کرنے والے کے ساتھ ہی ملازمین کے پُرتجسس ذہنوں میں میری خلافِ توقع واپسی کا کوئی جواز سما سکے پھر پُرسکون انداز میں کشمیر روڈ کے راستے اپنی فیکٹری کی طرف روانہ ہو گیا۔ سبز ڈاٹسن اس بار بھی ٹریفک کے ہجوم کی آڑ میں پیچھے لگی ہوئی تھی۔
مجھے آخری موڑ گھومتے دیکھ کر جب سبز ڈاٹسن والے کو یقین ہو گیا کہ میں دفتر ہی جا رہا تھا تو وہ اپنی کار تیز رفتار سے سیدھی لیتا چلا گیا۔
دفتر میں روزمرہ کے معمول کی مصروفیات میں بمشکل ایک گھنٹہ صرف ہوا اور میں فون پر اس روز کے لیے طے شدہ دو تین کاروباری ملاقاتوں کے بارے میں معذرت کر کے دفتر سے روانہ ہو گیا۔
اس بار میری نگاہیں مستقل عقب نما آئینے پر جمی رہیں لیکن سبز ڈاٹسن کا کہیں پتا نہیں تھا۔ میں نسبتاً غیر معروف راستوں سے گزرتے ہوئے کافی دیر تک شہر میں ڈرائیونگ کرتا رہا لیکن کسی بھی ایسی گاڑی کو نوٹ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا جس پر تعاقب کا شبہ کیا جا سکتا۔
اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں برق رفتاری سے ملیر کی طرف روانہ ہو گیا جہاں گیراج کی آڑ میں میرا ایک پرانا دوست چوری کی گاڑیوں کو اونے پونے خرید کر پورے داموں پر فروخت کرنے کا دھندا کرتا تھا۔
صادق کا کام بظاہر بہت خطرناک تھا لیکن اپنی چالاکیوں کے سہارے اس نے اسے ایک فن میں تبدیل کر لیا تھا۔ شیر شاہ میں جہاں کباڑی از کار رفتہ گاڑیاں کھول کر پرزوں کی شکل میں فروخت کرتے تھے وہیں حادثوں میں تباہ ہونے والی کاریں اپنی آخری رسومات کے لیے آتی تھیں اور صادق اعتماد کے آدمیوں سے ایسی گاڑیوں کی کتاب' رجسٹریشن پلیٹیں اور کار کے ڈھانچے وغیرہ پر نصب دوسری شناختی پلیٹیں بھاری داموں پر خرید لیتا تھا۔ دوسری طرف چور بازار میں بھی اس کے گہرے روابط تھے' وہ تقریباً اسی ماڈل کی کوئی چوری کی کار خریدتا اور ورکشاپ کے عقبی شیڈ میں کار کی نمبر پلیٹیں اتار کر رنگ تبدیل کیا جاتا اور شیر شاہ سے خریدی ہوئی نمبر پلیٹوں کے سہارے باقی کام اطمینان سے پورا کیا جاتا' چیسز کی نمبر پلیٹ مہارت سے بدل دی جاتی۔ اگر انجن پر بھی نمبر پلیٹ ہوتی تو بڑی آسانی سے

اصل کی جگہ دوسری لگا دی جاتی ورنہ بلاک کے ساتھ ڈھلا ہوا نمبر گرائنڈر سے اڑا کر شیر شاہ سے خریدی ہوئی کتاب کے مطابق دوسرا نمبر ڈھالا جاتا اور انجن کو اعلیٰ قسم کے اسپرے پینٹ کا غسل دینے کے بعد کار ڈنکے کی چوٹ پر بازار کے داموں فروخت کے لیے تیار ہو جاتی۔

صادق چونکہ بنیادی طور پر جرائم کی دنیا کا آدمی تھا۔ لہٰذا دوسروں کے کام بھی آتا تھا۔ چوری کی کاروں کی نمبر پلیٹیں وہ بڑی حفاظت سے سنبھال کر رکھتا تھا اور پھر کسی ضرورت مند کو دو چار ہزار میں بیچ دیتا تھا۔ شہر میں کئی وارداتیں ایسی ہوئیں کہ عینی شاہدوں نے پولیس کو مجرموں کی کار کے نمبر بتائے جو تفتیش کے بعد کسی مسروقہ کار کے ثابت ہوئے لیکن مجرموں کی کار کے رنگ اور ماڈل سے لے کر ساخت تک جو بھی کوائف چشم دید گواہوں سے ملے۔ وہ مسروقہ کار سے بالکل مختلف تھے اور میں بھی اپنی مہم میں یہی ترکیب آزمانا چاہتا تھا۔

مجھے دیکھ کر صادق بہت تپاک سے ملا۔ اس سے میری دوستی نئی نہیں تھی۔ وہ میرا پرانا لاہوری یار تھا اور دوسرے ہم پیشہ لوگوں کے مقابلے میں میرا زیادہ ہی لحاظ کرتا تھا۔ اسے دکھ تھا تو بس اس بات کا کہ میں نے پلاسٹک فیکٹری لگانے کے بعد غلط قسم کے دھندوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ جسے ایک بار ...وں کی آمدنی کا چسکا لگ جائے وہ مرتے دم تک برقرار رہتا ہے۔ ...ہی میں نے کبھی اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی کیونکہ ...یک نامی کی نقاب اوڑھ کر قانون شکنی میں لطف ہی کچھ اور تھا۔

کسی مسروقہ کار کی نمبر پلیٹوں کے بارے میں میرا استفسار سُن کر وہ چونکا تھا۔ "خیر تو ہے راجہ جی ؟ کیا ارادے ہیں ؟" وہ لاڈ میں ہمیشہ مجھے راجہ جی ہی کہا کرتا تھا لیکن اس وقت صادق کی زبان سے وہ الفاظ سن کر بے اختیار میرے ذہن میں راجہ سکندر علی کا متین اور ...ہہ چہرہ اُبھر آیا۔

" ذرا ٹیڑھا معاملہ ہے ۔" میں نے رازدارانہ لہجے میں اسے بتایا۔ "یوں سمجھ لو کہ بڑھ کر وار نہ کیا تو خود مارا جاؤں گا۔" اس حد تک اسے اعتماد میں لینا ضروری تھا کیونکہ کسی واردات کے حوالے سے مسروقہ کار کے نمبر منظرِ عام پر آتے تو وہ معاملے کی تہ تک پہنچ جاتا اور پھر میری طرف سے اس کے دل میں ایسا میل آتا کہ میرے لیے اس کی تلافی دشوار ہو جاتی۔

" خون خرابے کی بات ہے ۔" وہ آنکھیں سکوڑ کر سوچ میں پڑ گیا پھر چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "پشاور کی فورڈ فالکن کی نمبر پلیٹیں ہیں۔ دو سال پرانا قصہ ہے، وہ پلیٹیں شاید میں نے تمہارے ہی لیے رکھی ہوئی تھیں ۔"

" چلیں گی، نکالو جلدی سے ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" تم بیٹھو۔ میں ابھی پندرہ منٹ میں لاتا ہوں ۔" وہ بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ "ایسی گھپلے کی چیزیں میں یہاں نہیں رکھتا۔ ذرا بھی اُنیس بیس ہو گئی تو پورے شہر کی چوریوں کا حساب دینا پڑ جائے گا۔"

وہ پندرہ منٹ سے پہلے ہی اپنی ویسپا پر لوٹ آیا... گتا لگا کر اس طرح کاغذ میں لپیٹی گئی تھیں کہ پیکٹ ... لع شکل کا... اسے دیکھ کر یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اس میں کسی کار کی ... ہوں گی۔ وہ مجھ سے ایک پیسہ بھی لینے کے لیے تیار نہیں تھا ... ایسے معاملات میں لین دین کی اہمیت سے خوب واقف تھا ... کے بعد وہ اصولی طور پر اس معاملے میں پوری طرح ملوث ہو ... کبھی بھول کر بھی اس لین دین کو زبان پر نہ لاتا جب کہ دوسری ... میں اس سے کہیں نہ کہیں بے احتیاطی سرزد ہو سکتی تھی۔ جب ... اصرار کیا تو یک بیک تین ہزار روپے سے محروم ہونا پڑ گیا۔

واپس لوٹتے ہوئے میں نے گتا اور کاغذ کھول کر راستے ... پھینک دیا اور دونوں نمبر پلیٹیں اپنے اس بریف کیس میں ... جو میں نے بی فور کی ہدایت پر گلشن اقبال والی عورت سے ... تھا۔ اس بریف کیس میں میرے بھرے ہوئے پستول کے ساتھ سرجیکل دستانے بھی موجود تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ جب ... سے سامنا ہو گا تو اسے یہ ضرور بتاؤں گا کہ اس کا دیا ہوا بریف ... اس مہم میں میرے لیے کتنا کارآمد ثابت ہوا۔

میرے پاس خاصا وقت تھا لیکن میں ایک بار تعاقب ... والے کی دسترس سے نکلنے کے بعد گھر یا فیکٹری جا کر دوبارہ اس الجھ... دوچار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ لہٰذا فوری طور پر کرائے کی کار کی تلاش ... شہر جا پہنچا اور تھوڑی ہی دیر بعد میں اپنی کار ایک مشہور ہو... پارکنگ لاٹ میں چھوڑ کر بریف کیس سمیت سفید کرولا میں سفر ... کمپری ہینسو انشورنس کی سہولت کے باعث کاریں کرائے ... دینے والے ان دنوں محض شناختی کارڈ اور ڈرائیونگ لائسنس ... بنیاد پر کاریں کرائے پر دے دیتے تھے جب کہ میں نے کرائے ... میں پیشگی ایک ہزار روپے بھی جمع کرا دیے تھے۔

پیٹرول کی ٹنکی بھروانے کے بعد میں نے ڈیش بورڈ کے ... حصے میں مائیلو میٹر سے منسلک چین الگ کر دی تاکہ میٹر سے ... چل سکے کہ میری تحویل میں اس کار نے کتنی مسافت طے کی ہے۔

اس ابتدائی تیاری کے بعد میں نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل ... دل کھول کر اپنے معدے کی تواضع کی اور تین بجے سے ذرا پہلے ... کے ساتھ شہر سے ٹھٹھہ کے لیے روانہ ہو گیا۔

* * *

ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں سکندر فارمز کا بورڈ نمایاں ... پر چمک رہا تھا۔

نیشنل ہائی وے پر سفر کرتے ہوئے میں نے اپنی مہم ... تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ کرائے کی کار کی اصلی نمبر پلیٹیں میری سیٹ ... کے نیچے پڑی ہوئی تھیں اور کار پر پشاور کی مسروقہ فورڈ فالکن ...

برگئے ہوئے تھے۔ میرے سر پر بُنی ہوئی سوتی ٹوپی منڈھی ہوئی تھی۔
آنکھوں پر بڑے فریم والی تاریک شیشوں کی عینک جمی ہوئی تھی اور
نتھنوں میں ٹھنسے ہوئے تاروں کے ذریعے گھنی مونچھیں پھنسی ہوئی
تھیں جن کا لمس مجھے اپنے اوپری ہونٹ پر گراں گزر رہا تھا لیکن
حفظِ ماتقدم کے لیے اسے برداشت کرنا ضروری تھا۔ سرجیکل دستانے
میں نے پہلے ہی ہاتھوں پر چڑھا لیے تھے اور پستول بریف کیس سے
اپنی جیب میں منتقل کر چکا تھا۔

سکندر فارمز میری توقع کے عین مطابق کسی باقاعدہ حد بندی سے
محروم ایک کھلا فروٹ فارم تھا جہاں کناروں پر قطاروں میں لگے ہوئے
پرانے درختوں سے احاطے کا کام لیا گیا تھا اور کچے راستے کے اختتام پر
کسی پھاٹک یا رکاوٹ سے محروم کشادہ راستہ نظر آ رہا تھا جو درختوں کے
درمیان سے ہوتا ہوا اندر تک چلا گیا تھا۔

قرب و جوار میں کوئی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے اس علاقے
میں پھلوں کے باغات ہر اعتبار سے محفوظ تھے۔ لہٰذا وہاں حفاظتی عملے
کی بھی زیادہ ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ میں نے کار باغ میں جانے
والے راستے پر گھمائی تو ہیڈ لیمپس گل کر دیے لیکن درختوں کے گھنے
سائے میں راج کرتی ہوئی تاریکی میں پارکنگ لائٹس کی روشنی میں
سست روی سے کار چلانے میں مجھے کوئی دقت پیش نہیں آئی اور
میں کسی بھی قسم کی مداخلت سے دوچار ہوئے بغیر اندرونی حصے
میں بنے ہوئے اس نیم پختہ کاٹیج تک پہنچ گیا جہاں برقی قمقموں کی
روشنی نظر آ رہی تھی اور فضا میں کسی جنریٹر کا کرخت شور گونج رہا تھا۔

میں کار سے اتر کر دروازہ لاک کر رہا تھا کہ بوسیدہ کپڑوں
میں ایک جواں سال آدمی عمارت کے قریب ہی کسی کنج سے نمودار
ہوا اور میرے قریب آ کر ٹھہر گیا۔ کار کی موجودگی کے باعث وہ مجھ
سے مرعوب نظر آ رہا تھا اور اس توقع پر خاموش کھڑا تھا کہ میں خود
ہی بلا استفسار اسے اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کروں گا۔

"سکندر صاحب کہاں ہیں؟" دروازہ لاک کر کے چابی جیب میں
ڈالتے ہوئے میں نے پُرسکون لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"اندر آرام کر رہا ہے سائیں!" اس نے سندھی لب و لہجے میں
اردو بولنے کی کوشش کرتے ہوئے خوشامدانہ انداز میں کہا۔ "نام بتاؤ تو
ابھی اندر خبر کر دیتا ہوں۔"

"تم ٹھہرو۔ میں خود ہی اندر جا رہا ہوں۔" میں نے اسے ٹٹولنے
والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو اس کے بشرے پر تذبذب کے
آثار ابھر آئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہا ہو لیکن
اپنا بات کی ابتدا کرنے کے لیے اسے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔
اس کے کچھ بولنے سے پہلے میں بے پروایانہ انداز میں کاٹیج کی
جانب بڑھ گیا اور وہ بے چارگی کے ساتھ وہیں کھڑا رہ گیا۔

کاٹیج کی ساخت بالکل سادہ تھی۔ مختصر سے برآمدے میں پہنچ
کر میں نے دروازہ کھولا تو خود کو ایک مکلّف اور آراستہ نشست گاہ
کی چوکھٹ پر پایا۔ اس سے نکلتے ہی ایک پتلا سا راستہ تھا۔ جس میں
تین دروازے تھے۔

میں اس راہداری میں پہنچا ہی تھا کہ الکحل کی تیز بُو میرے
نتھنوں سے ٹکرائی اور میں داہنا ہاتھ جیب میں ڈال کر اس بند دروازے
کی طرف بڑھ گیا جس کی جھریوں سے روشن لکیریں پھوٹ رہی تھیں۔

دروازہ پرانے طرز کا تھا۔ میں نے احتیاط سے اس پر دباؤ ڈالا
لیکن اندر سے شاید کنڈی لگی ہوئی تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو میدان
صاف تھا۔ باہر ملنے والا ملازم میرے پیچھے اندر داخل ہونے کی ہمت
نہیں کر سکا تھا۔ میں نے جیب سے پستول نکال لیا اور دیوار سے
چپک کر آہستہ سے دروازے پر دستک دے ڈالی۔ جواب میں اندر
سے لڑکھڑائی ہوئی خوابناک آواز ابھری جس میں غصے کا عنصر غالب تھا۔
وہ گالیوں کے ساتھ دستک دینے والے کا نام دریافت کر رہا تھا۔

میں نے جواب دینے کے بجائے پھر دروازہ بجایا فوراً ہی
اندر کھٹکے کی آواز پیدا ہوئی پھر میرے کانوں میں تحیر زدہ نسوانی آواز
گونجی "ارے۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے سیٹھ جی!" بولنے والی کا
لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ نہ مقامی تھی اور نہ سکندر علی کی سیکرٹری جس سے
میں ایک رات گارڈن ایسٹ کے مکان میں نہایت تفصیل سے
ملاقات کر چکا تھا۔

اندر سے سکندر علی کی غضبناک غراہٹ ابھری اور میں اچھل
کر کھلے ہوئے دروازے کے سامنے آ گیا۔

میرے سامنے ایک دبلی پتلی، خوبصورت سی عورت دونوں
ہاتھوں سے دروازہ کھولے کھڑی تھی۔ اپنی طرف اٹھے ہوئے پستول کی مہیب
نال دیکھ کر اس کی آنکھیں خوف سے پھیلتی چلی گئیں لیکن اس سے
قبل کہ اس کے حلق سے چیخ برآمد ہوتی، میں نے سفاکانہ لہجے میں اسے
خاموش رہنے کا حکم دیا اور پستول کی نال سے اسے اندر دھکا دے کر
کمرے میں گھس گیا۔

عورت سے مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میں سکندر علی کو مہلت
دیے بغیر بے بس کرنا چاہتا تھا۔ شاید اس نے میری آواز سن لی تھی
مگر میں نے دیکھ لیا کہ وہ سندھی طرز کی مسہری سے اٹھنے کی کوشش
کر رہا تھا۔ میں نے وحشیانہ پھرتی کے ساتھ عورت کی گردن کے
گرد ہاتھ ڈال کر بایاں ہاتھ مضبوطی سے اس کے دہانے پر جمایا
اور پستول سے اس کی داہنی کنپٹی بجا دی۔

میری گرفت میں لحظہ بھر کے لیے اس کا جسم تڑپا پھر اس کا
سارا وزن مجھ پر آ رہا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اسے قالین پر ڈال
دیا، میں سیدھا ہوا تو سکندر علی بستر سے نیچے آ چکا تھا۔

"ہاتھ اوپر اٹھالو، ورنہ بھیجا اڑادوں گا۔" میں نے پستول کو اضطراری طور پر جنبش دیتے ہوئے کہا اور اس کی خمار میں ڈوبی ہوئی سرخ سرخ آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی۔

"تم کون ہو؟" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کرکے سوال کیا۔ "اور یہاں کیا لینے آئے ہو؟" اپنی ہیئت میں اس وقت وہ نہایت مضحکہ خیز نظر آرہا تھا لیکن اس کے ہاتھ بدستور پہلوؤں میں جھول رہے تھے۔

"ہاتھ اٹھاؤ۔" میں الٹے قدموں دروازے کی طرف سرکتے ہوئے ہذیانی مگر دھیمی آواز میں غرایا۔ اس وقت میرے اعصاب پر یک بیک ناقابلِ برداشت تناؤ پیدا ہوگیا تھا اور میں اس سے الجھنے سے پہلے دروازہ بند کرکے کسی مداخلت کا امکان ختم کرنا چاہتا تھا۔ ویسے مجھے پورا یقین تھا کہ وہ آوازیں باہر تک نہیں پہنچی ہوں گی۔

سکندر علی نے آہستہ آہستہ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالیے۔

"تمہاری مونچھیں... یہ تو نقلی معلوم ہوتی ہیں۔" سنگین خطرے کو سر پر منڈلاتا دیکھ کر اس کا نشہ ہرن ہورہا تھا۔

"یہ مونچھیں باہر والوں کے لیے تھیں۔" دروازے کی کنڈی لگا کر میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "غور کروگے تو مجھے اچھی طرح پہچان لوگے، بی فور!"

وہ چونک پڑا، پھر بے یقینی کے ساتھ ساتھ بڑبڑایا۔ "ڈینی؟ نہیں نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا، میں بی فور نہیں ہوں۔"

"بازی الٹ چکی ہے۔ سکندر علی صاحب!" میں اس کی طرف بڑھتے ہوئے سرد، سفاکانہ لہجے میں بولا۔ "برسوں تم ایک آواز... بے نام آواز بن کر دن رات میرے اعصاب پر سوار رہے لیکن اب اگر تمہاری آواز اونچی ہوئی یا تم نے گڑبڑ کی تو بے دریغ گولی ماردوں گا... ورنہ ہوسکتا ہے کہ اپنے سوالوں کے جواب لے کر میں تمہیں زندہ چھوڑ دوں۔"

"تمہیں بہکایا گیا ہے۔" وہ بولا تو اس کی آواز پر کمزوری غالب آگئی تھی۔ "پتا نہیں، تم کس بی فور کی بات کررہے ہو۔"

"سنو!" میں نے اس کی پیشانی پر پستول کی نال سے ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔ "شاید تم آج بھی میرے لیے ایک پُراسرار آواز ہی بنے رہتے لیکن میں نے ایک کالج کے مذاکرے میں تمہاری لچھے دار تقریر سن کر آواز پہچان لی تھی پھر تمہارے مکان میں میں خود گھسا تھا۔ تمہاری حسین سیکریٹری کو بے ہوش کرکے تلاشی کے دوران اس کے کمرے میں آپریٹس دیکھا تھا، تمہاری خوابگاہ کی تلاشی لی تھی... وہاں تمہاری ڈائری سے کچھ نمبر بھی نوٹ کیے تھے..."

"اوہ خدا!" وہ بے اختیار بول پڑا، اس کا چہرہ تاریک پڑ گیا تھا۔ "تو میری تباہی کے ذمے دار تم ہی ہو۔ تم نے میری زندگی برباد کرڈالی، مجھے کسی قابل نہ چھوڑا، اب یہاں مجھ سے کیا [لینے] آئے ہو؟"

"چند سوالوں کے جواب۔" میں نے اس کے شکست [خوردہ] چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "طارق کو کس نے قتل کیا؟"

"وہ... وہ زندہ رہتا تو اپنے ساتھ مجھے اور تم سب کو لے ڈوبتا۔" وہ جلدی سے بولا۔ "اور مجھے تو تم سب ہی لے ڈ[وبے] وہ نگاہوں میں آیا تو راستے سے ہٹا دیا گیا لیکن تم نے میرے گھر میں گھس کر میرا بھرم تباہ کردیا۔ شاید میرا بھی وہی حشر ہوتا لیکن غنیمت یہ ہوا کہ تمہاری مداخلت کو چوری سمجھا گیا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا اب میں معزول ہوچکا ہوں اور دو مہینے تک اسی بیابان [میں] محدود رہوں گا۔"

"جہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں، ہر آسائش میسر ہے۔" [میں] نے قالین پر بے ہوش پڑی ہوئی عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحقیر آمیز لہجے میں کہا لیکن اس کی زبان سے معزولی کا [ذکر] سن کر مجھے اپنے اختیارات میں اضافے کا جواز مل گیا تھا۔ اس [کی] معزولی کے بعد مجھ سے کام لینے کا فیصلہ کیا جاچکا تھا۔

"بات الجھانے کی ضرورت نہیں۔" میں نے لحظہ بھر توقف کے بعد کہا۔ "مجھے دوٹوک جواب چاہیے، طارق کس کے حکم [پر] مارا گیا؟"

وہ یوں میری طرف دیکھتا رہا جیسے میرے چہرے [سے] میرے عزائم کا اندازہ لگانے کی کوشش کررہا ہو۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم سمجھ دار آدمی ہو۔ میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش [کرو] میں اس کی بے احتیاطی کو نظرانداز کرتا تو اس کی نگرانی کرنے والے مجھ سے بدظن ہوجاتے، ہوسکتا تھا کہ اوپر سے میرے بارے میں کوئی بھیانک فیصلہ صادر کردیا جاتا، پورا پورا کٹ تھروٹ بزنس تھا یہ، وہ نہ مرتا تو میں مارا جاتا۔"

"تم کس کو جواب دہ تھے؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

اس کی آنکھوں میں خوف سمٹ آیا اور وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟ اگر یہ سمجھتے ہو کہ ان سے ٹکرا کر کامیاب ہوسکو گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ کسی بھی لمحے ایک بکرے کی طرح ذبح کردیے جاؤ گے اور کوئی قاتل کا سراغ تک نہ پاسکے گا۔"

"کان کھول کر سن لو کہ میں نے اپنے راستے کا انتخاب کرلیا ہے۔" میں نے اسے خوف زدہ کرنے کی نیت سے کہا۔ "تمہاری تنظیم سے اب مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ لہٰذا مجھے سمجھانے کے بجائے سوالات کے جواب دو۔ ورنہ ذبح کردیے جاؤ گے۔"

"میں اس سے ناواقف ہوں۔" وہ تھوک نگلنے کی کوشش کرتے
بولا۔" ساری ہدایات ایم ٹی تھری ہنڈرڈ پر ملتی تھیں۔"

"ایم ٹی تھری ہنڈرڈ کیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ایم ٹی تھری ہنڈرڈ ایک طاقتور ٹرانسمیٹر ریسیور ہے جس کی
تین سو میل تک ہے۔ معزول ہونے سے قبل وہ میری تحویل
تھا۔" اس نے کہا اور مجھے وہ بھاری مواصلاتی سامان یاد آگیا
ون نے جیوا ہاؤز میں میری تحویل میں دیا تھا۔

"اس کا کوڈ کیا ہے؟ سی ون کی حیثیت کیا ہے؟ گلشن اقبال
اپنی زولا کون ہے؟ مجھے ان سب سوالات کے جواب
ہیں لہٰذا جو کچھ معلوم ہے، رُکے بغیر دہراتے چلے جاؤ کیونکہ میرے
وقت کم ہے۔"

"وہ بی ون کہلاتا ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہنا شروع کیا۔
اسی کو جواب دہ تھا لیکن میں اس سے واقف نہیں ہوں۔ سی ون
ماتحت ہے۔ وہ براہ راست مجھ سے ملتا رہتا ہے۔ وہ میرے
کام کرنے والوں کی وقتاً فوقتاً نگرانی کراتا رہتا تھا، اسی سے مجھے
چلا کہ مقرب خان، طارق کے پیچھے لگ گیا تھا۔ حالات بگڑ جانے
میری ہدایت پر اس نے مقربِ خان کو مار ڈالا پھر عقرب خان
مھن خان بھی اسی کے ہاتھوں مارے گئے لیکن امکان تھا کہ
مرنے والوں نے کچھ اور لوگوں کو بھی اعتماد میں لے رکھا ہو
معاملے کو طول دینے کے بجائے میں نے طارق کو مروانے کا
لہ کر لیا لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے ستارے گردش میں آ
ہیں۔ میرا بس چلتا تو میں اپنے گھر میں چوری کی خبر اپنی ذات تک
دود رکھتا لیکن رخشی پہلے ہی وہ خبر آگے بڑھا چکی تھی۔۔۔"

"رخشی کون؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"بی ون کے ایما پر میں نے اسے سیکریٹری رکھا تھا۔" وہ
نے لگا۔" وہ کال گرل کے روپ میں مجھ سے ٹکرائی تھی لیکن
میں جب خفیہ پیغامات کے سلسلے میں اسے اعتماد میں لینے کا حکم
تو عقدہ کھلا کہ رات دن اسے میری نگرانی کے لیے میرے سر پر
مسلط کیا گیا تھا۔ میرے معزول ہوتے ہی وہ میرا ساتھ چھوڑ کر چلی گئی
اسے شبہ ہو جاتا کہ تم صرف چور نہیں تھے بلکہ معلومات حاصل
کرنے کے لیے میرے گھر میں گھسے تھے اور میری خواب گاہ بھی
تمہاری دسترس سے محفوظ نہیں رہی تھی تو اس کی رپورٹ پر میرا
حشر بھی وہی ہوتا جو طارق کا ہوا۔"

"اور اپنی زولا کیا بلا ہے؟"

"بظاہر وہ ایک پیشہ ور عورت ہے لیکن دراصل سی ون
کے لیے کام کرتی ہے۔ کبھی کبھار میں بھی فون پر اس سے کام لے
رہا تھا۔ شہر میں بی فور کے طور پر میرا صرف پانچ افراد سے رابطہ تھا۔"
تم، جہانگیر، سی ون، رخشی اور پروین۔ ان میں صرف رخشی اور
سی ون کو میری اصلیت کا پتا تھا۔ ورنہ پروین کے لیے بھی میں
صرف ایک آواز تھا۔ میرے لیے اس کا کوڈ اپنی زولا مقرر تھا۔"

"مال کی آمد و رفت کا کیا ذریعہ ہے؟" اسے خوف زدہ دیکھ کر
میں حتی الامکان زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔

"مجھے ایم ٹی تھری ہنڈرڈ پر مال پہنچنے کی پیشگی اطلاع مل جاتی
تھی۔ باہر سے آنے والوں سے سی ون کا کوئی آدمی مال وصول
کرتا تھا اور میری ہدایت کے مطابق سی ون مال جیوا ہاؤز بھجوا
دیتا تھا۔ رقم کا سربمہر پیکٹ سی ون میرے سپرد کرتا تھا اور میں
ایک مقامی بینک کی برانچ میں نمبر ٹریڈ اکاؤنٹ کے حوالے سے
ایک شخص کو رقم دے کر سادے کاغذ پر رسید لے لیتا تھا۔ بی ون
کی طرف سے ایم ٹی تھری ہنڈرڈ پر رقم کی وصولیابی کی اطلاع ملنے
پر میں وہ رسید تلف کر دیتا تھا۔"

"مال کہاں سے آتا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ مجھے آج تک معلوم نہ ہو سکا۔" اس نے بے بسی سے سر کو
جنبش دیتے ہوئے کہا۔" سارا طریقۂ کار اس قدر پیچیدہ ہے کہ اپنی
ذمے داریوں سے آگے کسی کو کچھ معلوم نہیں ہو سکتا۔"

"اگر سارا طریقۂ کار اسی قدر پیچیدہ تھا اور تم بی۔ ون سے
واقف نہیں تو پھر تمہاری خواب گاہ میں موجود ڈائری میں اس کا
نمبر کیسے موجود تھا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ایک
ایک لفظ پر زور دے کر سوال کیا۔

"نہیں۔۔۔ اس میں تو کوئی نمبر نہیں تھا اس کا۔" راجہ سکندر علی
نے جلدی سے تردید کی۔

"مجھ سے اڑنے کی کوشش نہ کرو راجہ جی!" میں نے تلخ لہجے
میں کہا۔" ورنہ میں تمہارے حق میں ان سے کہیں زیادہ بُرا ثابت
ہوں گا۔ میں نے تمہاری ڈائری میں چالاکی سے لکھے ہوئے چار
فون نمبر دیکھے تھے، اگر میں تمہارے کوڈ سسٹم سے لاعلم ہوتا تو ان
نمبروں کو نظر انداز کر دیتا لیکن وہ میرے پاس محفوظ ہیں۔ اے۔ ٹو
سے سی۔ ون تک مجھے ان چاروں کی تفصیل چاہیے۔"

اسے خوف زدہ اور بے بس دیکھ کر شاید میں اس کی طرف
سے غافل ہو گیا تھا کیونکہ وہ غیر متوقع طور پر اپنی جگہ سے یوں
اچانک اُچھلا تھا، جیسے فرش سے اسپرنگوں نے اسے میری طرف
پھینکا ہو۔ وہ دراز قامت ہونے کے ساتھ خاصا صحت مند بھی تھا۔
لہٰذا جوں ہی وہ مجھ سے ٹکرایا میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور
پھر اس کے بھاری وجود تلے قالین پر گرتے ہوئے میں نے پستول
دور اچھال دیا کیونکہ کلائیوں پر اس کی بے رحمانہ گرفت کے نتیجے میں
مجھے خدشہ ہو گیا تھا کہ وہ جھٹکا دے کر مجھ سے پستول چھین لینے میں

کامیاب نہ ہو جائے۔

میری پشت قالین سے ٹکتے ہی سکندر علی نے غراتے ہوئے وحشیانہ قوت سے میری پیشانی پر ٹکر رسید کرنے کی کوشش کی لیکن میں تڑپ کر اس کا وار بچا گیا اور اسی کے ساتھ اس کی اٹھی ہوئی پشت پر پوری قوت سے دونوں گھٹنوں کی ضرب لگا کر اسے سر کے بل الٹ دیا۔ وہ میرے شانے کے قریب سے قلابازی کھاتا ہوا گزرا تو اس کی ایک ٹانگ میرے ہاتھ میں آگئی۔ میں نے قالین چھوڑ کر پھرتی سے اس کی ٹانگ مروڑنا چاہی لیکن اس نے میرے سینے پر لاتیں رسید کر کے مجھے پیچھے اچھال دیا۔

میں سنبھلا تو وہ بھی قالین سے اٹھ چکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ مہلت دیے بغیر مجھے دبوچنے کے لیے وہ میری طرف جھپٹے گا اور اس کا انداز بھی کچھ ایسا ہی خونخوار تھا مگر اچانک ہی اس نے میرے پستول کی طرف چھلانگ لگا دی۔

لمحے بھر کے لیے میں بوکھلا کر رہ گیا۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ اس کی کچھار میں داخل ہوا تھا اور میرا اندازہ تھا کہ میں بآسانی اسے اپنے اشاروں پر نچا سکوں گا لیکن اس مردود نے مکاری سے کام لے کر میری بازی الٹ دی تھی، ویسے مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ ہاتھا پائی کی نوبت آجانے کے باوجود اس نے اونچی آواز میں اپنے کسی آدمی کو ادھر متوجہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید اس کی وجہ نفسیاتی تھی۔ وہ بظاہر ایک معزز اور بُردبار آدمی تھا اور اس انداز میں مار دھاڑ کرتے ہوئے اپنے ملازمین کے سامنے تماشا نہیں بننا چاہتا تھا۔

میں اسے پستول پر قبضہ کرنے سے روکنے کے لیے تیزی سے اس کی طرف لپکا، اس کی پیشانی پر پڑنے والی میری بھرپور ٹھوکر نے اسے بلا کر رکھ دیا اور وہ اپنی غیر ارادی چیخ کو بمشکل ایک غضبناک غراہٹ میں دبا سکا لیکن پستول اس کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ ٹھوکر کھا کر اس نے لہولہان چہرے کے ساتھ قالین پر پڑے پڑے پینترا بدلا اور پھر کھڑے ہو کر کسی زخمی درندے کے سے تیوروں کے ساتھ مجھ پر پستول تان لیا۔

"شاید اب مجھے دوبارہ کھویا ہوا مقام مل جائے۔" وہ بائیں ہاتھ سے پیشانی کے زخم سے بہہ کر آنکھوں میں آنے والے خون کو صاف کرتے ہوئے فاتحانہ لہجے میں بولا۔ "کاش مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا ہوتا کہ میں اپنی آستین میں ایک سانپ پال رہا ہوں۔"

پستول کی مہیب نال کو سامنے پا کر میرے اوسان خطا ہو گئے تھے لیکن ذہن پھر بھی کام کر رہا تھا۔ "پستول پھینک دو بی فورا! تم امتحان میں کامیاب رہے ہو۔" میں نے بولتے ہوئے اپنا لہجہ پُرسکون رکھنے کی کوشش کی لیکن اپنی آواز کا کھوکھلا پن خود مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

اس کے خون آلود چہرے پر ایک لمحے کے لیے حیرت کے آثار غالب آئے مگر پھر وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ "اب کوئی فر[illegible] چل سکے گا، ہاتھ اوپر اٹھاؤ اپنے۔ میں دیکھوں گا کہ سی ون [illegible] کیا اگلواتا ہے۔ وہ تشدد دینے میں بے مثال مہارت رکھتا ہے۔"

"میرا کام صرف یہ دیکھنا تھا کہ تم رازوں کی حفاظت [illegible] حد تک جا سکتے ہو۔" میں نے دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھ[illegible] پُرسکون لہجے میں کہا کیونکہ وہ روانی میں کہہ گیا تھا کہ مار[illegible] بجائے وہ مجھے اپنا قیدی بنانا چاہتا تھا تاکہ اوپر والوں کو میری [illegible] سے آگاہ کر کے ان کی نگاہوں میں سرخروئی حاصل کر سکے۔ "اس میری حیثیت تنظیم کے نمائندے کی ہے، اگر تم نے میری وضاحت [illegible] باوجود کسی حماقت کا ارتکاب کیا تو جواب دہی کے خود ہی ذمے[illegible] ہو گے۔ سی ون میری یہاں آمد سے پوری طرح باخبر ہے اور اگ[illegible] رپورٹ ملنے میں تاخیر ہوئی تو وہ خود یہاں چڑھ دوڑے گا۔"

"تمھیں میری جوابدہی کے لیے فکر مند ہونے کی ضرور[illegible] نہیں۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "تم بھول رہے ہو کہ میں برسوں تم[illegible] سربراہ رہا ہوں۔ مجھے خوشی ہو گی اگر سی ون تمھاری تلاش میں [illegible] دوڑا آئے اور تمھیں میری قید میں دیکھے۔ اب پیچھے ہٹو اور دیوا[illegible] منہ لگا کر کھڑے ہو جاؤ۔ چلو، جلدی کرو۔"

میں نے بظاہر بے پروایانہ انداز میں دائیں بائیں نگاہیں د[illegible] اور پھر الٹے قدموں یوں پیچھے ہٹنے لگا کہ مسہری کے قریب رکھی [illegible] اونچی ٹیبل سے میرا فاصلہ بتدریج کم ہونے لگا۔ وہ میری اس چالا[illegible] نہ بھانپ سکا اور پھر ڈمپل اسکاچ کی زیرِ استعمال بوتل فضا میں [illegible] دیکھ کر اسے ہوش آیا تو تاخیر ہو چکی تھی، جھکائی دینے کے باوجو[illegible] پوری شدت سے اس کے داہنے شانے سے ٹکرائی اور اس کا پست[illegible] والا ہاتھ نیچے جھول گیا۔

دردناک آواز میں اس کے حلق سے میرے لیے مغلظا[illegible] کا طوفان اُبل پڑا اور میں نے تھوڑی سی محنت کے بعد پستول دو[illegible] حاصل کر لیا۔ اس بار سکندر علی کی اضطراری آوازیں [illegible] بلند تھیں کہ [illegible] مداخلت کا خوف ستانے لگا۔

"جلدی بتاؤ کہ وہ فون نمبر کس کس کے ہیں؟" میں نے پستو[illegible] کی نال اس کی کنپٹی میں اڑا کر سفاکانہ سرگوشی میں سوال کیا۔ وہ قہ[illegible] بے بسی کے ساتھ مجھے گھورنے لگا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا [illegible] وہ مجھے کچا ہی چبا جاتا۔

میں نے اندازہ لگایا کہ میرے سوال کا جواب اس کی بسا[illegible] سے باہر تھا۔ ہیروئن فروشی کی اس بساط پر نیچے سے اوپر تک ہر ایک بے بساط مہرہ تھا جسے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کس کے لیے

اور کب پٹوا دیا جائے گا اور اگر سکندر علی ان نمبروں کے بارے میں کوئی اہم بات جانتا بھی تھا تو اس وقت اس سے کچھ اگلوانا محال نظر آرہا تھا۔

میں نے اس کی کنپٹی سے پستول کی نال ہٹائی اور اگلے ہی لمحے پستول کے وزنی دستے کی ضرب نے اسے کسی شہتیر کی طرح نیچے ڈھیر کر دیا۔ میں نے پستول جیب میں رکھا اور میرے دونوں ہاتھ بے رحمی کے ساتھ اس کے نرخرے پر جم گئے۔

اس وقت تک میرا مقدر یاوری کر رہا تھا کہ باہر سے کسی نے مداخلت نہیں کی تھی لیکن پستول چلانے کی صورت میں معاملہ یک بیک بگڑ جاتا پھر میرے ہاتھوں پر باریک دستانے چڑھے ہوئے تھے لہٰذا میں اس وقت تک سکندر علی کے سینے پر چڑھ کر پوری قوت سے اس کا گلا دبائے رہا جب تک اس کا بدن میرے بوجھ تلے پھڑک پھڑک کر ساکت نہ ہو گیا۔

میں نے سندھی طرز کی مسہری کے سرہانے لگے ہوئے آئینے میں اپنا عکس دیکھا تو مونچھیں غائب تھیں جو وہیں قالین پر پڑی ہوئی مل گئیں۔ میں نے عجلت سے مونچھیں دوبارہ جمائیں اور کمرے کا آخری بار ناقدانہ جائزہ لے کر باہر نکل آیا مجھے امید تھی کہ باہر کی ناکافی روشنی میں میرے لباس پر خون کے دھبے نہیں دیکھے جا سکیں گے۔

کاٹیج سے باہر آیا تو سکندر علی کا نوجوان ملازم اندر کے ہنگامے سے بے خبر میری گاڑی کے قریب ایک پتھر پر بیٹھا کیسٹ پر قدرے اونچی آواز میں گانے سننے میں مگن تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے کیسٹ پلیئر کی آواز کم کر دی اور خود بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ رہا ہو گا کہ یوں بے دریغ راجہ فارمز میں گھس آنے والا اس کے مالک کا قاتل بھی ہو سکتا ہے۔

واپسی کے سفر میں صادق سے خریدی ہوئی جعلی نمبر پلیٹیں میں نے ایک محفوظ مقام پر گنجان جھاڑیوں میں پھینک دیں اور کرائے کی کار کی اصل نمبر پلیٹیں سیٹ کے نیچے سے نکال کر ان کی جگہوں پر لگا دیں۔ مونچھوں اور ٹوپی کو جیب میں منتقل کر لیا تھا کہ گھر پہنچ کر انھیں اطمینان سے نذرِ آتش کر سکوں۔

تنظیم کے خلاف میری باقاعدہ سازش کا آغاز بہت کامیاب رہا تھا۔ گاڑی کے نمبر کے حوالے سے زندگی بھر میرا سراغ نہیں لگایا جا سکتا تھا اور پولیس بڑی مونچھوں کی وجہ سے بھٹکتی رہ جاتی۔

سکندر علی کے ناپاک خون کے چھینٹوں نے مجھے تھوڑی سی پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا لیکن غنیمت یہ ہوا کہ سارے راستے میں کہیں بھی مجھے رکنا نہیں پڑا۔ اب صرف اسی قدر کام باقی رہ گیا تھا کہ فی الحال کرائے کی کار ہوٹل کے پارکنگ لاٹ میں مقفل کر کے اپنی کار میں گھر لوٹ جاؤں اور اگلی صبح میٹر چین مائیلومیٹر سے منسلک کر کے کرائے کی کار واپس کر دوں۔ اس طرح میٹر سے یہی ظاہر ہوتا کہ میری تحویل میں وہ کار بہت کم چلی ہے اور کسی کو گمان تک نہ ہوتا کہ اس کار میں ایک طویل سفر طے کر کے کسی کو موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔

ہوٹل کے پارکنگ لاٹ میں داخلے کے دو راستے تھے۔ جن میں سے ایک نسبتاً نیم تاریک تھا شاید ہوٹل کے مالکان نے اپنے اقامتی حصے میں آنے والے معزز گاہکوں کی عمومی نفسیات کو مدِنظر رکھتے ہوئے وہ اہتمام کیا تھا کیونکہ ان کی بہتیری سرگرمیاں رازداری کی متقاضی ہوتی تھیں۔ کون کس کے ساتھ وہاں آیا اور کب نشاط کے چند لمحے گزار کر واپس لوٹا، اس کا شمار شاید گاہکوں اور سرپرستوں کے ذاتی رازوں میں ہوتا تھا جن کی رازداری انتظامیہ کے اخلاقی فرائض میں شامل تھی مگر اس وقت میرے لیے وہ نیم روشن راستہ ایک نعمت سے کم نہیں تھا۔

* * *

گھر کی طرف لوٹتے ہوئے مجھے راستے ہی میں تکان کا احساس ہونے لگا۔ جب تک میں خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ ذہن پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح اپنا مشن پورا کر کے بحفاظت گھر واپس پہنچ جاؤں۔ مشن پورا ہو چکا تھا، طارق کے قتل کے ذمے دار کو میں نے آسانی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور ایک ایسے آدمی کو راہ سے ہٹا دیا تھا جو برسوں کے رابطے کے نتیجے میں شاید مجھ سے بہت زیادہ واقف ہو چکا تھا۔ جب میں اس کی طرف روانہ ہوا تو مجھے خیال تھا کہ اس کے منصب میں اضافہ ہو چکا ہے لیکن اس سے سامنا ہونے کے بعد جب اس کی زبانی مجھے یہ معلوم ہوا کہ میری نقب زنی کے باعث وہ معزول کیا جا چکا تھا تو مجھے دلی مسرت ہوئی کہ اسے زک پہنچانے کی کوششوں میں مجھے خاطر خواہ کامیابی ہوئی تھی۔

میں جلد از جلد گھر پہنچ کر تازہ پانی سے غسل کر کے تکان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ سکون سے اپنی اس وقت تک کی کارروائیوں کا جائزہ لے کر آئندہ کے لیے اپنا لائحہ عمل تیار کر سکوں پھر میں اپنے لباس پر لگے ہوئے خون کے چند چھوٹے چھوٹے دھبے ملازمین کی نگاہوں میں نہیں لانا چاہتا تھا۔ لہٰذا گھر میں کار سے اترتے ہی بریف کیس لے کر سیدھا اندر گھس گیا۔

غسل خانے میں سب سے پہلے میں نے نقلی مونچھوں اور سوتی ٹوپی کو آگ لگا کر ان کی راکھ نالی میں بہائی پھر کپڑوں سے خون کے داغ دھو ڈالے۔ زندگی میں سکندر علی برسوں ایک روگ کی طرح میری جان سے چمٹا رہا لیکن مرنے کے بعد اس کا خون تک اس قدر پھیکا ثابت ہوا کہ صابن کا پہلا ہاتھ لگتے ہی صاف

ہوگیا اور میں ان شہادتوں سے چھٹکارے کے بعد غسل میں مصروف ہوگیا۔

لباس تبدیل کر کے میں باہر آیا تو خواب گاہ کے دروازے پر بوڑھی خادمہ میری منتظر تھی۔ اس نے کھانے کے بارے میں دریافت کرنے کے بعد بتایا کہ میری غیر حاضری میں تین مرتبہ جہانگیر کا فون آیا تھا۔ میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ جہانگیر پابندی ہٹنے کے بارے میں مجھے اطلاع دینے کے لیے بے چین تھا۔ لہٰذا خادمہ کو کھانا لگانے کی ہدایت دے کر رخصت کرنے کے بعد میں فون پر اس کا نمبر ملانے لگا۔

"تم کہاں غائب تھے سارا دن؟" میری آواز سنتے ہی اس نے پُرخلوص لہجے میں سوال کیا۔ "نہ دفتر میں تمہارا پتا تھا، نہ گھر میں کسی کو کچھ معلوم تھا، مجھے تو تشویش ہوگئی تھی تمہارے بارے میں۔"

میں ہنس پڑا۔ "میں خاصا سخت جان ہوں، یوں چپ چپاتے نہیں جاؤں گا۔"

"کچھ دنوں سے خوف آنے لگا ہے۔" ریسیور پر اس کی آواز دھیمی ہوگئی۔ "ویسے ایک خوش خبری تھی تمہارے لیے، تم پر سے پابندیاں ہٹالی گئی ہیں لیکن تم ذرا ہوشیار ہی رہنا کہیں کسی خطرناک چکر میں نہ پھنس جاؤ۔"

"کیسا چکر؟" میں نے انجان بن کر سوال کیا۔ "اپنی تو زندگی ہی چکر میں گزر رہی ہے۔"

"ملاقات ہوگی تو بتاؤں گا۔ فی الحال تم اسٹینڈ بائی رہو گے۔" اس نے اسی رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"معلوم ہوتا ہے بھابی گھر پر نہیں ہیں جو اس قدر کھل کر بول رہے ہو۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کل ایک پارٹی میں جانا ہے۔ وارڈروب کھولے کپڑوں کا ڈھیر لگائے بیٹھی ہے۔ تم ذرا محتاط ہی رہنا، میرے بارے میں تمہارے منہ سے کوئی الٹی سیدھی بات نکل گئی تو مجھے سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ اس وقت کیا کہہ رہی تھی تم سے؟"

"تمہارے گمنام دشمنوں کی ہی بات ہو رہی تھی..."

"خیر خیر۔" وہ میری بات کاٹ کر جلدی سے بولا۔ "وہ تم سے ضرور بات کرے گی، اس کا خیال ہے کہ گہری دوستی کے ناتے سے تم مجھے راہِ راست پر لانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ میں اسے کیسے بتاؤں کہ میری الجھنیں کیا ہیں۔ ہوسکے تو کل دن میں کچھ وقت نکال کر مجھ سے مل لو۔"

"دوپہر کا کھانا تمہارے ہی ساتھ کھاؤں گا۔"

میری تجویز اسے پسند آئی۔ اگلی شام میرا غزالہ سے ملنے کا پروگرام تھا اور اسے کسی پارٹی میں شرکت کرنا تھی۔ لہٰذا اس پروگرام کے ساتھ ہماری گفتگو ختم ہوگئی اور میں کھانے کے کمرے کی طرف چل دیا۔

روزمرہ کے معمولات سے فارغ ہو کر میں بستر پر دراز ہوا۔ میرے ذہن پر سکندر علی کا خون سوار تھا۔ اس سے بیشتر مختلف رقابتوں میں بارہا خونریزی سے دوچار ہو چکا تھا۔ ان میں بہتیرے اپنے جسموں پر میرے زخموں کی نشانیاں سجائے زندہ ہیں لیکن اپنی تمام تر بے خوفی اور قانون شکنی کے باوجود میرے ہاتھ کبھی کسی قتل کا ارتکاب نہیں ہوا تھا۔

لیکن عجیب بات یہ تھی کہ اس سوچے سمجھے قتل کا میرے دل پر ذرا بھی بوجھ نہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ میں ذہنی طور پر ہمیشہ قتل و غارت گری پر آمادہ رہا ہوں لیکن سکندر علی کے معاملے میں کچھ دوسرے اسباب بھی کارفرما تھے۔

جن دنوں ہم چاروں اپنی چھوٹی موٹی مجرمانہ سرگرمیوں کے باوجود تنگ دستی کے دور سے گزر رہے تھے، اس وقت سکندر نے بذاتِ خود سامنے آئے بغیر ہمیں ایک مستقل کام کی پیش کش کی تھی اور پھر نہایت پُراسرار طور پر ہمارے گرد اس کا جال اتنا مضبوط ہوتا چلا گیا کہ ہم اس کی ذات سے واقف ہوئے بغیر اس کی آواز کے قیدی بنتے چلے گئے۔

اس دوران میں ہمیشہ ہی اس کا براہِ راست مجھ سے رابطہ رہا لیکن میں کوشش کے باوجود یہ بات نظرانداز نہ کر سکا کہ اس کا رویہ اہانت آمیز ہوا کرتا تھا۔ جیسے اس کی نگاہوں میں میری ذات کی کوئی وقعت نہ ہو اور شاید انا کے اس زخم ہی نے ابتدا میں مجھے باغیانہ خطوط پر سوچنے پر اکسایا اور میں اسے ختم کر کے اس کے غیر قانونی دھندے پر قابض ہونے کے سنہرے خواب دیکھنے لگا۔ میرا یہ خواب جس قدر دلکش تھا، اسی قدر دشوار بھی تھا لیکن میں نے اسے دوہرے انتظام پر آمادہ کر لیا۔

وہ مجھے احکام جاری کرتا اور میں بدلی ہوئی آواز میں دوہرا کر جہانگیر تک پہنچا دیتا۔ جہانگیر بے چارہ ہمیشہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہا کہ ہم چاروں میں اسے بڑا مقرر کر دیا گیا ہے اور میں نے بھی بارہا اشتعال انگیز لمحات آجانے کے باوجود کبھی اسے یہ جتانے کی کوشش نہیں کی کہ اس کا سارا بھرم میری وجہ سے قائم ہے۔ ورنہ درحقیقت وہ مجھی کو جوابدہ ہے۔

سکندر علی کے کام کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ مسلسل ایک ہی لائن پر چل رہا تھا۔ نہ جانے وہ کب سے شہر میں منشیات فراہم کر رہا تھا لیکن جب سے ہم چاروں اس کے جنگل میں پھنسے مسلسل سات برس تک شہر میں چرس ہی بانٹتے رہے۔ اسی دوران میں لطف الرحمٰن نامی ایک دلال نے ہمارا مال بیچ کر پونے دو لاکھ کی رقم اڑانے کی کوشش کی۔ حالانکہ جہانگیر نے وہ رقم اپنی گرہ سے ادا

ردی لیکن سکندر علی نے اس معاملے کو نظر انداز نہیں کیا اور
لطف الرحمٰن بے دردی کے ساتھ مار ڈالا گیا' اس واقعے نے جہاں
بازار میں لوگوں پر دھاک بٹھا دی۔ وہاں ہم چاروں پر بھی اپنے
نادیدہ باس کی دہشت میں اضافہ ہوگیا۔

پھر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بازار میں چرس کا
بحران پیدا کر کے ہیروئن متعارف کرائی گئی۔ فون کے روایتی رابطے
کے بجائے ٹرانسمیٹرز زیر استعمال آگئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے منصوبہ بندی
کے تحت کام کو اچانک ہی بڑھانے کا فیصلہ کر لیا گیا ہو۔ مجھے ڈی ون
کا منصب مل گیا۔ جہانگیر ڈی ٹو ہو گیا لیکن یہ ترقیاں بی فور کو راس
نہ آسکیں۔

غزالہ کے کالج کے فنکشن میں مَیں نے سکندر علی کی مائیکروفون
پر گونجتی ہوئی خوابناک آواز پہچان لی اور ایک ذرا سے اتفاق نے
اس کا برسوں کا طلسم پل بھر میں تباہ کر کے رکھ دیا۔

اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے شاید میں کچھ دن انتظار کرتا کیونکہ
اس کے مکان سے ملنے والے اشاروں سے یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ
ہیں مطلق العنان نظر آنے کے باوجود سکندر علی آزاد نہیں تھا بلکہ
اپنی کارکردگی کے لیے کسی اور کو جواب دہ تھا لیکن اسی اثنا میں
طارق کے بہیمانہ قتل نے مجھے مشتعل کر دیا۔ پہلے مجھے موہوم سا
خیال تھا لیکن سی ون نے اس کی تصدیق کر دی کہ طارق' سکندر علی
کے ایما پر ہی مارا گیا تھا۔

میں نے اسے کیفر کردار کو پہنچا دیا تھا لیکن بہت سی گتھیاں
ابھی تک الجھی ہوئی تھیں۔

بی فور سے اوپر جو لوگ بھی گروہ کے سربراہ تھے، بہت
زیادہ محتاط معلوم ہوتے تھے۔ سکندر علی کے بے نقاب ہونے کا
خطرہ محسوس کرتے ہی اسے معزول کر کے گوشہ نشینی اختیار کرنے پر
مجبور کر دیا اور اس کے اختیارات عارضی طور پر مجھے اور سی ون
کو مشترکہ طور پر سونپ دیے تھے لیکن مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ میں
کس کے لیے کام کروں گا۔

سی ون میرے سامنے تھا لیکن اس سے بھی زیادہ معلومات
حاصل ہونے کی امید نہیں تھی کیونکہ وہ بہرحال سکندر علی کا ماتحت
تھا اور اس نے اپنے کالج میں میرے روبرو جو کچھ بتایا، وہ بڑی حد
تک ناکافی تھا۔ نمبر ٹریڈ اکاؤنٹ کے حوالے پر رقمیں وصول کرنے
والے بینکار پر ہاتھ ڈالا جاتا تو شاید وہ بھی کچھ نہ بتا سکتا۔ اپنی ندولا
کے حوالے سے ملنے والی پیشہ ور عورت پروین سی ون کی معمولی
آلۂ کار تھی۔ اے ٹو' بی ون' اور بی ٹو کے فون نمبروں سے واقف
ہونے کے باوجود میں سکندر علی سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکا تھا۔
مجھے پہ تک علم نہیں تھا کہ ان نمبروں پر کس سے اور کس کوڈ کے

تحت گفتگو کی جا سکتی تھی۔ اگر یوں ہی نمبر ملا بیٹھتا تو معلومات میں
اضافے کے بجائے انھیں ہوشیار کر کے اس سراغ سے بھی ہمیشہ
کے لیے ہاتھ دھو بیٹھتا۔

لے دے کر بس ایک ہی نیا نام میرے سامنے آیا تھا۔
سکندر علی کی سیکرٹری کو میں نے غیر معمولی اہمیت نہیں
دی تھی۔ ٹرانسمیٹر پر اس کی آواز سن کر یہی سمجھتا رہا تھا کہ وہ بی فور کی
سیکرٹری یا زیادہ سے زیادہ ایک حسین دوست ہو گی۔ کیونکہ اس وقت
تک یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ سکندر علی اقتدار
کا سرچشمہ ہونے کے بجائے بساط کا ایک مہرہ ہو گا۔ اس نے مرنے
سے پہلے اعتراف کیا تھا کہ وہ لڑکی تنظیم ہی سے تعلق رکھتی تھی اور
اسے مددگار بنا کر سکندر علی کی نگرانی پر مامور کیا گیا تھا۔ اس کا مطلب
تھا کہ رخشی نامی وہ کال گرل کسی ایسے اہم آدمی سے واقف تھی جو
اپنی سلامتی کے لیے سکندر علی جیسے ماتحت کی سرگرمیوں سے باخبر
رہنا ضروری سمجھتا تھا اور شاید دوسروں کی بھی نشاندہی کر سکتا تھا۔

سکندر علی کا کانٹا دور ہو چکا تھا۔ اخبارات میں شائع ہونے
والی خبروں سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ پولیس اس واردات پر کس نہج
پر سوچتی ہے۔ اس دوران میں مَیں رخشی کا سراغ لگانے کی کوشش
کر سکتا تھا اور اس کام کے لیے میرے پاس سلطان شاہ جیسا پُرجوش
آدمی موجود تھا جو عیسیٰ خان کی ملازمت سے ٹھکرائے جانے کے بعد
میرے لیے ہر کام کو تیار تھا۔ اس کے بشرے سے میں نے اندازہ
لگا لیا تھا کہ وہ بے خوف ہونے کے ساتھ ہی آخری سانس تک
وفاداری کا دم بھرتے رہنے والوں میں سے تھا۔

تنظیم کے اس پُرپیچ طریقۂ کار نے مجھے الجھا کر رکھ دیا تھا۔
سکندر علی کے خلاف منصوبے سوچتے ہوئے میرے ذہن میں یہ
مفروضہ موجود رہا تھا کہ وہ تنظیم کا اصل سربراہ ہے لیکن حقائق اس
کی سراسر نفی کر رہے تھے۔ میں خود مدت سے جرائم کی دنیا سے
وابستہ تھا اور میں نے شہر میں کئی طاقتور گروہوں کی بالادستی کا دور
دیکھا تھا۔ ان میں کوئی بھی اس قدر پیچیدہ' موثر اور محفوظ تنظیم
بنانے کا اہل نہیں تھا۔ مجھے بے اختیار کھلے اجلاس میں امریکی نمائندے
آرتھر کے کہے ہوئے الفاظ یاد آگئے

روسی مداخلت کاروں کی آخری منزل افغانستان نہیں بلکہ
بحیرۂ عرب کی سال بھر کھلی رہنے والی گرم پانی کی بندرگاہیں تھیں۔
جہاں سے وہ صنعتی دنیا کی شہ رگ پر اپنا تسلط جما سکیں' اس مقصد
کے لیے وہ افغانستان کی سرزمین پر اپنا قبضہ مستحکم کر کے پیش قدمی
کرنا چاہتے تھے تاکہ دوسروں کی شہ رگ پر قبضے کے چکر میں ان
کی اپنی بڑھتی ہوئی سپاہ کی سپلائی لائن کی شہ رگ نہ کاٹی جا سکے۔
انھوں نے افغان حریت پسندوں کو عالمی رائے عامہ کی حمایت سے

محروم کرنے کے لیے انھیں منشیات فروشی میں الجھانا شروع کر دیا تھا۔ ایک بار وہ ہیروئن بیچ کر ہتھیار خریدنے کی راہ پر چل پڑتے تو ان میں سے ہزاروں خود اس نشے کی لت میں پڑ سکتے تھے۔ ہلکی پھلکی، رنگین فضاؤں میں دھند کی طرح تیرتے اور بکھرتے ہوئے ذہن آزادی اور غلامی کے فلسفے کو بھلا کر امن کی باتیں سوچنے لگتے تاکہ بارود کا دھواں ان کا نشہ نہ خراب کرے، بموں کے دھماکے ان کے مخمور ذہنوں کو بار بار نہ چونکا سکیں۔

مزاحمت پر اس دوطرفہ ضرب کے ساتھ تیسرا وار پاکستانی معاشرے پر ہوتا۔ ہیروئن جس راستے سے گزرتی وہاں ہزاروں کو گھائل کرتی جاتی۔ زردار ایک کے دس بنانے کے چکر میں اس کی تجارت کرنے لگتے اور مفلس چھوٹی چھوٹی پڑیوں میں اپنے خوابوں کی جنت کے خریدار بن جاتے اور چند برسوں میں یہ زوال پذیر معاشرہ کسی یلغار کو سہنے کے قابل نہ رہتا۔ اسی کے ساتھ پاکستان کی رسوائی کا آغاز ہو جاتا کیونکہ اس سرزمین پر بننے اور یہاں سے گزرنے والی ہیروئن آخر کار مغرب کے ان معاشروں میں پہنچی جاتی جہاں مشینی ماحول اور جنسی آزادیوں سے اکتائے ہوئے ذہن تفریح اور اپنے ماحول سے فرار کے لیے نت نئے نشوں کے متلاشی رہتے ہیں اور وہاں کے ذمے دار لوگ اس لعنت کی افزائش پر بوکھلا جاتے۔

مجھے گمان ہونے لگا کہ کہیں اس تنظیم کے پس پشت وہی ذہن کارفرما ہوں جن کی نشان دہی آرتھر کر چکا تھا اور یہ گمان بالکل ہی بے بنیاد نہیں تھا۔ تنظیم کی طرف سے مجھے ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کا اسسٹنٹ سیلز منیجر بنا کر ٹوکیو بھیجا گیا تھا۔ جہاز پر مغرب سے آنے والی ویرا لائیڈ نے ہالینڈ کی فرم اینسلے ہاؤز کے نمائندے کے طور پر مجھ سے ہیروئن کا نمونہ وصول کیا تھا اور پھر اس کانفرنس میں انکشاف ہوا کہ جرمن کیمسٹ، ڈاکٹر ڈالٹن کو مومن خان کی مدد کے لیے آمادہ کرنے والی ویرا لائیڈ نامی ایک انگریز لڑکی تھی۔ جو ڈاکٹر ڈالٹن کی گرفتاری کے بعد لاپتا ہو گئی۔ یہ سب کڑیاں ایک خاص سمت کی نشان دہی کر رہی تھیں۔

میں جس قدر سوچتا رہا اسی قدر پریشان ہوتا چلا گیا۔

میں حالات کے بے رحم دھارے میں خود ایک قانون شکن تھا۔ بچپن میں بلیڈ سے اپنے ایک ہم جماعت کا پیٹ کاٹا، دوسرے کو چاقو سے لہولہان کیا اور پھر ضمانت ہوتے ہی گھر سے رقم چرا کر کراچی بھاگ آیا۔ چوری، رہزنی اور غنڈہ ٹیکس کی وصولیابی پر میری روزی کا دار و مدار رہا۔ مجھے یاد نہیں تھا کہ میں نے کبھی محنت مزدوری سے ایک پیسہ بھی کمانے میں کامیابی حاصل کی ہو۔ پھر سکندر علی نے چرس فروشی اور اس کے بعد ہیروئن فروشی کی راہ دکھائی اور میں ایک پلاسٹک فیکٹری کا مالک ہونے کے باوجود روزی کمانے کے اس جائز ذریعے پر کبھی بھرپور توجہ نہ دے سکا کیونکہ سکندر علی کے چنگل سے فرار کی کوئی بھی کوشش خودکشی کے مترادف ہوتی۔

لیکن مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ قانون شکن ہونے کے باوجود میں کسی ملک دشمن سازش کا آلۂ کار بنوں۔ جرائم پیشہ ہونے کے باوجود حب الوطنی کے بارے میں میرا اپنا ایک معیار تھا۔ شاید سوچا جائے کہ میں خود غرض تھا اور میری سوچ یہ تھی کہ ہم اس ملک کے باشندے ہیں تو اسے بنانے کے ساتھ ہی بگاڑنا بھی ہمارا حق ہے۔ ہمارے ہوتے ہوئے دوسروں کو اس کی بیخ کنی پر توجہ دینے کی کیا ضرورت ہے لیکن یہ میرے ساتھ زیادتی ہو گی۔ میں ہی نہیں، نہ جانے کتنے لوگ حالات کے تحت مجبور ہو کر جرائم کی راہ اختیار کرتے ہیں لیکن یہ نہیں ہوتا کہ قانون شکنی کرتے کرتے وہ وطن دشمن ہو جائیں۔ میں نے خود دیکھا اور پرانے پاپیوں سے سنا کہ ہندوستان سے ہونے والی جنگوں میں ہر شخص جرائم سے کنارہ کش ہو کر ملک کی سلامتی اور فتح کے لیے دست بہ دعا تھا۔ چوروں اور لٹیروں نے شہریوں کے ساتھ مل کر خندقیں کھودیں اور ریت کی دیواریں اٹھائی تھیں۔

رات کی اس تنہائی میں میرے نزدیک ایک بار پھر وہی موڑ آ گیا تھا۔ آرتھر اور شولز نے جو کچھ بتایا، اگر وہ درست تھا تو معاملہ بہت سنگین ہو گیا تھا۔ ان کے پاس مشاہدے اور تجزیے تھے لیکن میرے پاس ایسی کڑیاں تھیں جو ان کے تجزیے کی تصدیق کرتی تھیں۔ بے اختیار میرا دل چاہا کہ اسی وقت بستر چھوڑ دوں اور کسی ذمے دار افسر کے سامنے سب کچھ اگلتا چلا جاؤں۔ جب قانون کا نفاذ کرنے والے ادارے پوری قوت کے ساتھ حرکت میں آئیں گے تو تنظیم کے معمولی کارندوں سے اس کے بڑوں تک کسی کو کہیں امان نہ مل سکے گی۔

میرے اعصاب پر اس خیال کے زیر اثر کافی دیر تک نشہ سا چھایا رہا۔ میں دل ہی دل میں امکانی کارروائیوں اور ان کے نتائج کے بارے میں سوچتا رہا مگر پھر اچانک مجھے ان دو سماجی کارکنوں کا عبرتناک حشر یاد آ گیا جو گل باز خان کا نام لیے بغیر ہمیشہ اس کے اڈے کے خلاف مہم چلاتے رہتے تھے اور پھر اپنے علاقے کے تھانے کے انچارج کی شہ پر خم ٹھونک کر چھاپے کی کارروائی میں شریک ہونے کی حماقت کر بیٹھے تھے۔

انچارج بھتے میں کمی کے معاملے میں گل باز خان کو رگیدنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اچانک ہی اس کے ذہن میں قانون کی بالادستی کا تصور بیدار ہو گیا پھر جب ڈیڑھ لاکھ کی بات ختم کر کے علاقے

ں اس کی بالادستی تسلیم کرلی گئی تو دفعات میں ردّوبدل ہوئی
ر گل بازخان ضمانت پر رہا ہوگیا اور اس کے رہا ہوتے ہی
ں کے حواریوں نے ایک سماجی کارکن کو اس بری طرح مارا کہ
ں کی ایک ٹانگ توڑ ڈالی' دوسرے کی موٹرسائیکل کو ایک
حلوم تیز رفتار کار نے اس بری طرح ٹکر ماری کہ وہ خود لہولہان
وکر اسپتال جا پہنچا اور علاقہ پولیس نے نقصِ امن کے خطرے کے
نت ان دونوں کو اسپتال ہی میں حراست میں لے لیا کیونکہ پولیس
و خدشہ تھا کہ وہ ان اتفاقی حادثات کو اپنے پرانے دشمن گل بازخان
ے خلاف مہم کا بہانہ بنا کر امنِ عامہ میں خلل ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

میرا سارا جوش ٹھنڈا ہوگیا۔ میں جس کسی کو اپنی کتھا سناتا وہ
ی دن کی طرح ہیروئن فروشی میں کسی بڑی سازش کے امکان کو
ظرانداز کرکے مجھے سکندر علی جیسے معزز اور ہر دل عزیز شہری کے
تل کے الزام میں اندر کرا دیتا اور پھر تفتیش کے روایتی انداز میں
یری وہ درگت بنائی جاتی کہ حب الوطنی کا سارا خمار ہرن ہوجاتا۔

قانون سے مدد لینے کی راہ مسدود تھی مگر میرے ہاتھ کھلے
ہوئے تھے۔ میں نے کسی کی مدد کے بغیر سکندر علی کو ٹھکانے لگا دیا
تھا۔ اب تک میری مہم ذاتی اقتدار کے لیے تھی جس میں طارق کے
قتل کے انتقام کا جذبہ بھی شامل ہوگیا تھا مگر اب میں نے عہد کر
لیا کہ تنظیم میں رہتے ہوئے' اپنی ذات کو ہر شبے سے بالا رکھ کر اس
کی جڑیں کاٹتا رہوں گا اور اپنی زد میں آئے ہوئے کسی شخص کو معاف
نہیں کروں گا۔

سکندر علی کو معزول کرکے تنظیم کے بڑے اپنے گھروں میں
مطمئن تھے۔ اس نے طارق کے لہو سے اپنے حفاظتی حصار کی بنیادیں
مضبوط کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میرے ہاتھوں کسمپرسی کے عالم میں
مر جا چکا تھا۔ یہ خبر جلد یا بدیر ان بڑوں کو مل ہی جاتی لیکن مجھے
خیال آیا کہ آوازوں سے کام چلانے والے ان سفاک بھیڑیوں کو
کیوں نہ ایک آواز ہی کے اسرار میں مبتلا کرکے خوف زدہ کیا جائے
خوف زدہ ہونے کے بعد ان سے ایسی حماقتوں کا ارتکاب یقینی
تھا جو میرے لیے مددگار ثابت ہوتیں۔

اس وقت تک میرے پاس جو کچھ معلومات تھیں ان کے
مطابق سب سے بڑی شخصیت اے لوٹی ہوسکتی تھی۔ مجھے یقین تھا
کہ کسی گمنام شخص کی طرف سے بی فور کے قتل کی خبر سن کر اس کی
نیند ضرور اڑ جائے گی۔

مجھے سکندر علی کے مکان سے ملے ہوئے چاروں نمبر زبانی یاد
تھے لیکن پھر بھی میں نے احتیاطاً وہ کاغذ دیکھ ہی لیا جس پر نمبر لکھے
ہوئے تھے اور پھر فون پر لاہور کا وہ نمبر ملانے لگا۔

لاہور کی ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے حوالے سے نکلنے کیوں

مجھے پورا یقین تھا کہ پانچ ہندسوں پر مشتمل وہ نمبر لاہور ہی کا ہوگا۔

اس سے پیشتر میں ان نمبروں پر اس لیے کسی سے بات کرنے سے گریز کرتا رہا کہ میرے پاس کوئی موضوع نہیں تھا اور نہ میں یہ جانتا تھا کہ ان نمبروں پر کسی مخصوص آدمی سے بات کرنے کے لیے کون سا کوڈ مقرر تھا لیکن سکندر علی کے قتل کے بعد میں بآسانی ایک دشمن کے طور پر بات کر سکتا تھا۔ اس میں زیادہ سے زیادہ ایک ہی خطرہ تھا کہ آئندہ کے لیے اس فون نمبر کا استعمال ترک کیا جاسکتا تھا لیکن کوئی خطرہ مول لیے بغیر پیش قدمی بھی ممکن نہیں تھی۔

دوسری گھنٹی پر نیند کے خمار سے بوجھل ایک نسوانی آواز نے فون ریسیو کیا۔ بے اختیار میری نگاہ ٹائم پیس پر گئی تو وہاں گیارہ بجنے والے تھے جس کا مطلب تھا کہ لاہور میں واقعی سونے کا وقت ہو گیا تھا۔

"صاحب موجود ہیں؟" میں نے شائستہ لہجے میں سوال کرتے ہوئے دانستہ وہ نام استعمال کیا کیونکہ پنجاب میں یہ لفظ ناموں کے ساتھ بکثرت استعمال ہوتا تھا اور پھر میرے مقصد کے لیے وہ نام ذو معنی بھی تھا لیکن فون پر خلاف توقع عورت کی آواز سن کر میں الجھن میں پڑ گیا تھا۔ اگر محض آواز کی بنیاد پر کوئی رائے قائم کرنا ہوتی تو میں بولنے والی کو سو فیصدی خانہ دار خاتون قرار دیتا۔

"یہاں اس نام کا کوئی بندہ نہیں رہتا۔" پنجابی لب و لہجے میں اردو بولتے ہوئے جواب دیا گیا۔ "آپ نے کس نمبر پر فون کیا ہے؟" نیند خراب کیے جانے کے باوجود اس کے لہجے میں ناگواری پیدا نہیں ہوئی تھی۔

میں نے نمبر دہرا دیا۔ "سکندر صاحب نے کل ہی مجھے یہ نمبر دیا تھا۔ ان سے ایک خاص بات کرنا تھی۔"

"نمبر تو یہی ہے۔" نسوانی آواز میں تشویش پیدا ہو گئی۔ "شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس نمبر پر سکندر نام کا کوئی بندہ نہیں ہے۔"

"شاید آپ کے شوہر. . ."

میں نے بات بڑھانا چاہی لیکن اس نے سخت لہجے میں میری بات کاٹ دی۔ "ایک بار میں نے کہہ دیا کہ یہاں کوئی نہیں ہے۔ اس گھر میں کوئی مرد نہیں رہتا۔ مہربانی کرو اور اب تنگ نہ کرنا. . . میں بوڑھی اور بلڈ پریشر کی مریضہ ہوں۔"

شاید وہ ریسیور ہاتھ میں تھامے میری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کا انتظار کر رہی تھی اور جب میں نے مایوسانہ انداز میں گہرا سانس لے کر ریسیور رکھا تو میرا ذہن اس ناکامی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

عورت نے جو کچھ کہا، شاید سچ ہی تھا۔ وہ بوڑھی بلڈ پریشر کی مریضہ اور ایک گھریلو عورت تھی۔ بقول اس کے وہاں کوئی مرد نہیں رہتا تھا۔ پھر وہ کون تھا جو اس نمبر پر اے ٹو کے طور پہ بات کرتا ہوگا؟

سکندر علی کی ڈائری میں خفیہ طور پر لکھا ہوا وہ نمبر یقینی طور پر اہم تھا لیکن میں اس کی اہمیت دریافت کرنے میں ناکام رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ نمبر کسی اور شہر کا نہ ہو اور میں فوراً ہی پنڈی کا کوڈ ڈائل کر کے وہ نمبر ملانے لگا۔

رات کا وقت تھا، اس لیے کاروباری رابطوں کا رش نہ ہونے کی وجہ سے لائن بآسانی مل گئی لیکن دوسری طرف سے انگیج ٹون آتی رہی۔ یک بیک میرے خون کا دوران تیز ہو گیا جو شخص رات کے گیارہ بجے بھی فون استعمال کر رہا ہو اس کے بارے میں لازمی طور پر پہلی بار کوئی اچھا تاثر نہیں ابھرتا۔ میں نے وقت گزارنے کے لیے سگریٹ سلگالی۔

چند منٹ کے بعد دوبارہ کوشش کی تو پھر وہی انگیج ٹون سننا پڑی پھر میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے بار بار وہی نمبر ملانے لگا لیکن دوسری طرف سے ہر بار وہی ایک ٹون گونجتی رہی۔

اس کے دو ہی اسباب ہو سکتے تھے کہ وہ نمبر خراب تھا یا پھر راولپنڈی میں سرے سے اس نمبر کا کوئی وجود نہیں تھا۔

میں نے اپنی کوششیں ترک کر دیں اور خیالات میں ڈوبا بستر پر دراز ہو گیا۔

* * *

اگلی صبح میرے لیے اس اعتبار سے انتہائی مایوس کن تھی کہ اخبارات میں میرے کارنامے کا سرے سے کوئی ذکر ہی موجود نہیں تھا۔ یہ امکان تو سراسر احمقانہ تھا کہ سکندر علی کی لاش دریافت نہ ہوئی ہو۔ وہ خود مارا گیا تھا لیکن باہر اس کے نہ جانے کتنے ملازم موجود رہے ہوں گے جن میں سے صرف ایک سے میرا سامنا ہوا تھا۔ پھر سکندر علی کے ساتھ بند کمرے میں ساقی گری کرنے والی عورت کو میں وہیں بے ہوش چھوڑ کر آیا تھا۔ اس نے ہوش میں آتے ہی یقیناً سب سے پہلے اپنے رنگین مزاج ساتھی کی لاش دیکھی ہوگی اور پھر اودھم مچا کر ہر ایک کو وہاں سمیٹ لیا ہوگا۔ بات صرف اتنی معلوم ہوتی تھی کہ قتل کی وہ واردات ٹھٹھہ کے ایک دور افتادہ علاقے میں شہری سہولتوں سے محروم زرعی جاگیر پر پیش آئی تھی لہٰذا وہاں سے خبر پہنچنے میں کافی سے زیادہ تاخیر ہوئی ہوگی اور یوں وہ خبر صبح کے اخبارات میں جگہ نہ پا سکی۔

میں روانگی کے لیے تیاری کر ہی رہا تھا کہ اچانک خلاف معمول مجھے اپنے ٹرانسمیٹر پر کال کا اشارہ موصول ہونے لگا۔ اس سے پہلے کبھی صبح صبح یوں کوئی پیغام نہیں آیا تھا لہٰذا میرے دل کا دھڑکنا

ہونے لگیں اور میں نے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کر کے
میٹر آن کر دیا۔
کال اس فریکوئنسی پر آ رہی تھی جو پہلے میرے اور بی فور
رابطے کے لیے مخصوص تھی اور سکندر علی کے بعد سی ون نے بھی
گفتگو کے لیے اسی کا انتخاب کیا تھا۔
"سی کنگ کالنگ ڈی ون۔ اوور!" آپریٹس آن ہونے کے
ریڈیائی شور میں چند لمحوں کے بعد آواز ابھری اور میں نے فوری
پر سی ون کے لیے اس پیغام کا جواب نشر کر دیا۔
"کل تم کہاں تھے؟" سی ون کی قدرے تلخ آواز سن کر میری
آنکھوں کے سامنے اچانک اندھیرا سا آ گیا۔ "شام کو میں نے تین بار
تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن تمہاری طرف سے مجھے کوئی
جواب نہیں ملا۔ اوور۔"
مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی غیر مرئی قوت نے میرے جسم
سے ساری توانائی نچوڑ لی ہو ـــــ سکندر علی کے قتل کی مہم پر روانہ
ہوتے ہوئے میں نے اپنے منصوبے کے ہر پہلو پر بھرپور توجہ دی
تھی اور مجھے یقین تھا کہ اپنی احتیاطی تدابیر کی وجہ سے میری ذات
کسی بھی شبہے کی زد میں نہ آسکے گی۔ کراچی سے سکندر فارمز تک کے
سفر میں آپریٹس میرے ساتھ رہا تھا لیکن میں اس کے بارے میں
ایک بہت بڑی بھول کا شکار ہوا تھا۔ مجھے یہ یاد ہی نہیں رہا تھا
کہ ایسے ہر مواصلاتی آلے کی کارکردگی کا ایک محدود دائرہ ہوتا ہے
جس سے باہر نہ کوئی سگنل وصول کیا جاسکتا ہے اور نہ کوئی پیغام کسی
دوسرے کے لیے نشر کیا جاسکتا ہے۔ وہ آپریٹس چونکہ شہری حدود
میں باہمی رابطے کے لیے مخصوص تھا لہٰذا جیبی ساخت کی بنا پر اس
کا دائرہ کار بمشکل دس پندرہ میل پر مشتمل رہا ہو گا۔ جبکہ سکندر علی
کے گناہوں کا حساب چکانے کے لیے میں اس سے کہیں دور نکل
گیا تھا اور اس ذرا سی بے احتیاطی کی بنا پر سی ون کو یہ اندازہ ہو
چکا تھا کہ میں کہیں دور گیا ہوا تھا۔
"کل مجھ سے غلطی ہو گئی۔" میں نے سنسناتے ہوئے ذہن
کے ساتھ اعتراف کیا۔ "آپریٹس میں گھر پر چھوڑ گیا تھا۔ میرا خیال تھا
کہ اس کی ضرورت شام ہی کو پیش آئے گی لیکن واپسی میں مجھے
نو بج گئے... اوور۔"
"کہاں رک گئے تھے؟" اس بار سی ون کا لہجہ جارحانہ تھا۔
"مجھے تفصیل چاہیے تمہاری مصروفیات کی۔ اوور۔"
میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بات بالکل تل گئی تھی، شاید
سی ون میری طرف سے شکوک کا شکار ہو گیا تھا۔ بے فکری اور
تحفظ کے بھرپور احساس پر چھا جانے والا وہ خطرہ اس موڑ پر میرے
لیے بہت مہیب تھا، میں نے لمحہ بھر میں سوچ لیا کہ اگر بات

بگڑ ہی گئی تھی تو مدافعانہ رویہ میری تباہی پر منتج ہو سکتا تھا لہٰذا
میں نے ندامت کے اظہار کے بجائے اچھلنے کا فیصلہ کر لیا۔
"کل ایک ڈیٹ تھی میری۔" میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔
"اس کی کیا تفصیل جاننا چاہتے ہو تم؟ میں خود محتاط رہتا ہوں،
میں نے اپنا ایک ایک لمحہ اپنی ذمے داریوں کے لیے وقف کیا
ہوا ہے۔ کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں کہ میں اپنے ذہن کو تازہ
کرنے کے لیے کسی تفریح میں دلچسپی لے سکوں؟ میں ایک مشین
بن کر تو زندہ نہیں رہ سکتا نا۔ اوور۔"
"تم بہک رہے ہو۔" اس کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔ "مجھے الہام
نہیں ہوا تھا کہ تم کسی نجی مصروفیت میں الجھے ہوئے تھے۔ یہ نہ
بھولو کہ فی الحال تم آزمائشی مرحلے سے گزر رہے ہو اور مجھ کو جوابدہ
ہو۔ تمھیں محتاط رہنا چاہیے۔ اوور۔"
"احتیاط ہی نے تمھیں شکایت کا موقع دیا ہے۔" اس بار
میں نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "گھر سے نکلتے
ہوئے مجھے علم تھا کہ میری کیا مصروفیات ہوں گی، میں ہر لمحے
آپریٹس اپنے ساتھ رکھتا ہوں، صبح بھی ساتھ ہی لے کر چلا تھا لیکن
راستے میں خیال آیا کہ ایسی ملاقاتوں میں فاصلے ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ
آپریٹس کی موجودگی سے واقف ہو سکتی تھی۔ لہٰذا میں خاص طور پر
راستے سے گھر لوٹا اور آپریٹس ایک الماری میں مقفل کر کے دوبارہ
دفتر کے لیے روانہ ہوا۔ اوور۔"
میں نے وہ فی البدیہہ قلابازی اس خیال سے کھائی تھی کہ
سی ون کو بنز ڈاٹسن والے سے ضرور علم ہوا ہو گا کہ دفتر جاتے
جاتے میں اچانک شاہراہ قائدین سے گھر کی طرف مڑ گیا تھا۔ اگر
میری اس خلاف معمول حرکت پر اس کو کوئی شبہ ہوتا تو میری بتائی
ہوئی کہانی کی روشنی میں وہ دور ہو جانا چاہیے تھا۔ غنیمت یہ تھا
بات بگڑتے بگڑتے سنبھلنے کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔
"تو صبح تم اس لیے دوبارہ گھر کی طرف لوٹے تھے؟" اس
نے خود ہی مجھ پر اپنی واقفیت کا اظہار کر دیا۔ "شاید تمھیں علم نہ
ہوا ہو لیکن تمہاری حفاظت کی جا رہی تھی۔ میرے آدمیوں سے بس
یہ چوک ہوئی کہ وہ دفتر سے تمہاری روانگی کے وقت غائب تھے
ورنہ ان ہی سے مجھے تمہاری مصروفیات کا علم ہو جاتا۔ تمھیں اپنا
دل بہلانے کی پوری آزادی ہے لیکن اس کے لیے تم مجھے پیشگی
اطلاع دے سکتے ہو تاکہ مجھے کوئی تشویش نہ ہو۔ ہمارا کام خطرناک
ہے۔ جب ہر طرف دوستوں کے ساتھ دشمن بھی موجود ہوں تو حالات
کسی بھی لمحے بدل سکتے ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ایسے موقع پر تم نے
آپریٹس گھر پر چھوڑ دیا تھا، بہرحال آئندہ اس طرح رابطہ نہیں ٹوٹنا
چاہیے۔ اوور۔"

"میں محتاط رہوں گا۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "ویسے حفاظت یا نگرانی کی اطلاع میرے لیے حیران کن ہے لیکن مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، تم اپنے طریقۂ کار پر عمل کر رہے ہو۔ اب مجھے یہ تسلی رہے گی کہ میں کہیں بھی تنہا نہ ہوں گا۔ اوور۔"

"اس کا غلط مطلب نہ لو۔" اس نے لائن اوور ہوتے ہی بلا توقف میری تصحیح کی "یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت ہی موجود ہوں۔ تمہیں ان پر انحصار کیے بغیر اپنی راہ اختیار کرنا ہے۔"

اس کی وضاحت سن کر میرے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ میری خوش قسمتی اور حاضر دماغی تھی کہ اس کا ہر وار میں نے اسی پر لوٹا دیا تھا اور وہ جارحانہ لہجے سے گفتگو کی ابتدا کرنے کے بعد مدافعت پر اتر آیا تھا۔

"آج نیا مال آیا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اس کے لیے تمہیں کوئی بندوبست کرنا ہوگا کیونکہ آدمی سات بجے جیوا ہاؤز پہنچے گا کل شام میں اسی لیے تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا تاکہ تم جہانگیر کو اطلاع دے سکو۔ کیونکہ اب اس سے تمہاری گفتگو رات کے آٹھ بجے سے پہلے ہونا ناممکن ہے۔ اوور۔"

"میں اس کا بندوبست کرلوں گا۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "میرا سامنے آنا مناسب نہیں، نادر کو براہِ راست ہدایت دی گئی تو اس کا دماغ خراب ہو سکتا ہے۔ سات بجے جہانگیر ہی مال وصول کرے گا۔ اوور۔"

"لیکن کیسے؟" میرا معاملہ نیا ہونے کے باعث سی ون ہر بات کی جزئیات میں دلچسپی لینے پر مجبور تھا۔ "اس سے رابطے کے لیے تو آٹھ اور سوا آٹھ کے درمیان وقت مقرر ہے، پھر تم کیا کرو گے؟ اوور۔"

"ہم سب آوازوں کے وفادار ہیں۔ وہ میری بدلی ہوئی آواز اچھی طرح جانتا ہے، میں اس ہنگامی ضرورت کے تحت فون پر اسے حکم دوں گا کہ وہ آٹھ کے بجائے بارہ بجے دن میری کال کا انتظار کرے۔ پھر سب کچھ طے ہو جائے گا۔ اوور۔"

"تم واقعی ذہین ہو۔" سی ون کا لہجہ تحسین آمیز تھا۔ "اب تک جو مال آتا رہا، وہ بڑی پُڑیوں میں تھا۔ قیمت کی وجہ سے بہت سے لوگ ادھر مائل نہ ہو سکے ہوں گے۔ اس کھیپ میں کم مقدار کی پُڑیاں ہیں جو ایک سے چار مرتبہ تک استعمال کی جا سکتی ہیں۔ یہ چھ روپے میں فروخت کی جائیں گی۔ تاکہ ہر ایک کی دسترس میں آجائیں۔ اوور۔"

"یہ بہت اچھا ہوا۔ گاہکوں کے لیے زیادہ مقدار کا احتیاط سے رکھنا بھی ایک مسئلہ تھا۔ اوور۔"

"اوپر والے ہر بات پر نگاہ رکھتے ہیں۔ جن لوگوں کے لیے کوئی چیز پیش کی جاتی ہے، ان کی سہولتوں کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے۔ پچیس اور تیس سے ایک دم چھ روپے کی پیکنگ آنے سے بازار میں تیزی آجائے گی۔ بازار میں پہلے ہی بہتیرے لوگ ایک کی پُڑیاں بنا کر پانچ پانچ روپے میں بیچ رہے ہیں۔ ان کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ اوور اینڈ آل۔"

اس کی آواز معدوم ہو گئی اور آپریٹس پر ریڈیائی لہروں کا شور باقی رہ گیا۔

* * *

سی ون سے طے شدہ پروگرام کے مطابق میں نے گھر سے نکلنے سے پہلے ڈی ون کے طور پر جہانگیر کو بارہ بجے اپنی کال کے انتظار کا حکم دیا تو وہ فون پر فوری طور پر میری آواز پہچان گیا اور میرے مزید کچھ کہے بغیر اس نے سمجھ لیا کہ میری اگلی کال لازماً آپریٹس پر ہوگی۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں گھر سے روانہ ہوا۔ کشمیر روڈ پر سست رفتاری سے کار چلاتا رہا۔ اس دوران میری نگاہیں مسلسل عقب نما آئینے میں پیچھے آنے والی کاروں کا جائزہ لے رہی تھیں اور مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ اس وقت کوئی ایسی کار پیچھے نہیں تھی جس پر تعاقب کرنے کا شبہ کیا جا سکتا۔ پھر بھی میں اپنے لگے بندھے راستے کے بجائے مزارِ قائد کے قریب والے چوراہے سے داؤد کالج جانے والے راستے پر ہو لیا۔ جیل روڈ سے اس سڑک پر ٹریفک کا ہجوم چلا آرہا تھا لیکن شہر سے اس طرف جانے والی سڑک تقریباً ویران ہی پڑی ہوئی تھی۔ میں بہت سست رفتاری سے اپنی کار چلاتا رہا اور پیچھے سے آنے والی اکا دکا گاڑیاں تیز رفتاری سے آگے نکلتی رہیں۔ جب مجھے پوری طرح یقین ہو گیا کہ اس وقت میرا تعاقب نہیں کیا جا رہا ہے تو میں نے اپنی کار واپس گھما لی۔ شاید میرے ستارے یاوری کر رہے تھے کہ مجھے کرائے کی کار واپس لوٹانے کا سنہری موقع میسر آ گیا تھا۔

اپنی کار میں نے دکانوں کے قریب سڑک کے کنارے پارک کی اور پھر ٹہلتا ہوا ہوٹل کی طویل راہداری سے گزر کر پارکنگ لاٹ کی طرف نکل گیا۔ وہاں میری چھوڑی ہوئی کرائے کی کار جوں کی توں موجود تھی۔ میں نے اطمینان سے گاڑی اسٹارٹ کی اور اس دفتر کی طرف روانہ ہو گیا جہاں سے وہ کار کرائے پر حاصل کی تھی۔ کار واپس لیتے ہوئے ان لوگوں نے خاصی باریک بینی سے ہر حصے کا جائزہ لیا۔ تاکہ کسی نقصان کی مد میں من مانا ہرجانہ وصول کر سکیں۔ میں خود ان سے الجھنے کے بجائے رسمی سی تکرار کے بعد ایسا ہر نقصان بھگتنے کے لیے تیار تھا لیکن وہ لوگ میری توقع کے برعکس خاصے شریف ثابت ہوئے اور محض کرائے کی رقم منہا کر کے باقی پیسے لوٹا دیے اور میں ٹیکسی کے ذریعے اس طرف

وگیا جہاں میں نے اپنی کار چھوڑی تھی۔
اس روز دفتری مصروفیات میں میرا دل نہ لگ سکا۔ رہ ی ایک خیال ذہن پر سوار ہوا جا رہا تھا کہ میرے ہاتھوں ایک رزد ہو چکا تھا لیکن ہر بار اندر کی آواز مجھے سہارا دیتی تھی کہ لی مصدقہ طور پر کم از کم دو آدمیوں کا قاتل تھا۔ سالوں پہلے ردشی کے معاملے میں لطف الرحمٰن غبن کرنے کے جرم میں تھا اور پھر طارق اس کے سفاکانہ فیصلے کا نشانہ بنا تھا۔ ان علاوہ اس نے مزید جن لوگوں کا لہو بہایا ہو، ان سے میں تھا۔ سکندر علی نے اپنے جرائم کے باوجود معاشرے میں ات پر سخاوت، ہمدردی اور مہربانی کا جو دلکش خول چڑھایا ا، اس کی بنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ تنظیم سے معزولی کے بعد س کی ذات پر کوئی شبہ نہیں کیا جاتا اور وہ اپنی طبعی موت وری آزادی کے ساتھ دندناتا پھرتا۔ وہ انسانوں کے بنائے قانون کی نگاہوں میں دھول جھونکنے میں پوری طرح ب ہو گیا تھا لیکن قدرت کا خاموش اور اٹل قانون اس کے یصلہ صادر کر چکا تھا اور اسے کیفر کردار کو پہنچانے کے لیے میرا ۔ کیا گیا تھا۔
میں بار بار اپنی میز پر موجود فائلوں کو دیکھتا لیکن ہر بار ں دھندلانے لگتے اور عبارت مفہوم سے عاری محسوس ہوتی۔ ی کشمکش میں بارہ بج گئے۔ میں نے اپنی میز کے نیچے لگا ہوا ن کر دیا۔ جو باہر چوکھٹ پر لگے ہوئے سرخ بلب سے منسلک س روشنی کی موجودگی میں انٹرکام پر اجازت لیے بغیر کوئی کمرے میں داخل نہیں ہو سکتا تھا لیکن پھر بھی میں نے زے کے گول ہینڈل کے وسط میں لگا ہوا بٹن دبا کر دروازہ سے مقفل کر لیا تا کہ بے دھیانی میں بھی کسی کے اندر داخلے کا ن باقی نہ رہے۔
پھر آپریٹس آن کر کے میں نے جہانگیر سے رابطہ قائم کیا۔ وہ ب توقع میری کال کا منتظر تھا۔ پہلے ہی پیغام پر اس کی طرف جواب مل گیا اور میں نے مختصر الفاظ میں اسے شام سات بجے اہاؤز میں مال وصول کرنے کی ہدایت دے کر سلسلہ منقطع کر یر ٹیلوں میں مال کی مقدار میں کمی اور نئے داموں کے بارے لاسے بعد میں بھی بتایا جا سکتا تھا۔
دو بجے میں جہانگیر کے دفتر پہنچا تو وہ بے چینی سے میرا ظر تھا۔
"میں تو سمجھا تھا کہ تم آج کا پروگرام بھول ہی گئے۔" اس نے ہر پھیلے ہوئے اخبارات سمیٹتے ہوئے کہا اور میں جواباً کچھ کہتے ے ایک دم چونک پڑا اور میں نے ہاتھ بڑھا کر اس سے اخبارات لے لیے۔
ایک اخبار میں ماتمی حاشیے کے ساتھ شہر کی مشہور اور معزز سماجی شخصیت کے دلدوز قتل کی خبر موجود تھی۔ بقیہ دو اخبارات میں وہ خبر پہلے صفحے پر نمایاں طور پر موجود تھی۔
"خس کم جہاں پاک۔" جہانگیر مجھے اس خبر کے مطالعے میں منہمک پا کر دھیمے سے بولا۔ میں نے سر اٹھایا تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔ "بہت بولتا رہتا تھا ہم لوگوں کے خلاف کسی دل جلے نے گردن ہی ناپ لی سالے کی۔"
"لیکن یہ بُرا ہوا۔" میں کوشش کے باوجود اپنے لہجے میں افسوس کا تاثر پیدا نہ کر سکا۔ "کتوں کے بھونکنے سے گاڑی نہیں رکتی لیکن گاڑی چلانے والے کتوں کو مارنے لگ جائیں تو خود مارے جاتے ہیں۔ جلی سرخیوں میں اس قتل کی ذمے داری منشیات فروشوں کے کسی منظم گروہ پر ڈالی گئی ہے۔ اس وقت تک نہ جانے کتنے افراد اندر ہو چکے ہوں گے۔"
وہ کرسی پر جھولتے ہوئے بے نیازی سے مسکرا دیا۔ "پوری خبر پڑھو گے تو دل کھول کر ہنسو گے، قسمت بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اس قتل کی کڑیاں پچھلے دنوں ہماری مخبری پر ہونے والی پکڑ دھکڑ سے ملائی گئی ہیں۔ اخبار کا خیال ہے کہ منشیات فروشوں کے خلاف

اس موثر ترین مہم میں سکندر علی کا ہاتھ رہا ہوگا لہٰذا وہ اس کی جان کے درپے ہوگئے۔ ایک کالج کے طالب علم لیڈر نے بھی بیان دیا ہے کہ اس کے کالج میں انسداد منشیات پر ہونے والے مذاکرے میں مہمان خصوصی کے طور پر تقریر کے بعد سکندر علی کو گمنام دھمکیاں ملی تھیں۔"

حالات کی اس ستم ظریفی پر میرا دل خوش ہوگیا۔ درحقیقت سکندر علی ہی بی فور کے طور پر منشیات فروشوں کے خلاف مہم کا روح رواں تھا اور یہ بات گھوم پھر کر اخبارات میں آ ہی گئی تھی۔ اب یہ اور بات تھی کہ اخبارات نے مقتول کے اس فعل کو سماج دوستی کا نام دیا تھا جبکہ بی فور کے روپ میں اس کی مہم شروع سے آخر تک بدنیتی پر مبنی تھی۔ پھر اس نے غزالہ کے کالج کے مذاکرے میں میری موجودگی کا کھوج لگانے کے لیے اپنے اعتماد کے طلبا سے جو فرضی عذر تراشا تھا، وہ اس کے قتل کا ایک جواز بن گیا تھا۔ گمنام دھمکیوں کے بعد قتل کے نتیجے میں پولیس اس طالب علم رہنما کو خصوصی حیثیت دیتی اور پھر فنکشن میں موجود بیرونی مہمانوں کی وہ فہرست بھی تفتیش کا حصہ بن جاتی جو سکندر علی کے ایما پر مرتب کی گئی تھی لیکن غزالہ کی چھٹی حس یا ذہانت کے باعث میرا نام اس میں شامل نہیں ہوا تھا۔

"پڑھ لوں گا پھر۔" میں نے اخبارات بے پروائی سے ایک طرف ڈال دیے۔ "یہ بتاؤ کہ آج بلانے کا کیا مقصد تھا؟"

"اِدھر آجاؤ، کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔" جہانگیر نے ملحقہ کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کھانے کے ساتھ باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔"

اندر جہانگیر کا ایک ملازم کھانا لگا چکا تھا۔ وہ مجھے پہچانتا تھا۔ اور شاید مجھے دیکھتے ہی اپنے کام میں مصروف ہوگیا تھا۔ کھانوں کی خوشبو اشتہا انگیز تھی۔ میں نے بیٹھتے بیٹھتے ایک شامی کباب کھانا شروع کر دیا۔

"تم باہر جاؤ۔" جہانگیر نے ملازم سے کہا۔ "ضرورت ہوگی تو بلا لیں گے۔" اور وہ سر جھکائے باہر نکل گیا۔

"یہ حالات کب تک یوں ہی چلتے رہیں گے؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے گہری سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"سب کچھ تم پر منحصر ہے۔" میں نے لقمہ نگل کر کہا۔ "میں تو تمھارے حکم کا پابند ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ محبت آمیز لہجے میں بولا۔ "دوستوں میں صرف تم اس قابل ہو کہ کوئی مشورہ دے سکو۔ مجھے تو اب وحشت ہونے لگی ہے، آخر وہ ہمارے سامنے کیوں نہیں آتا؟"

"جب سامنے آئے بغیر سارا کام چل رہا ہے تو وہ یہ خطرہ کیوں مول لے گا؟" میں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

وہ تشویش آمیز نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ "اگر کام میں رخنہ اندازی ہوئی تو بھی وہ سامنے نہیں آئے گا۔ آخر اسے اعتماد کیوں نہیں ہے ہم پر؟"

میں دھیمے سے ہنس دیا۔ "وہ انسانی نفسیات سے اچھی طرح واقف ہے۔ . . "

"میری تو آنکھیں کھل گئی ہیں طارق کے انجام سے۔" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ "تمھاری بات مسلسل میرے دماغ پر ہتھوڑے برساتی رہی ہے۔ جتنا سوچتا ہوں یہی نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ وہ اپنوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔" وہ ایک لحظے کے لیے ٹھٹکا پھر نیچی آواز میں بولا۔ "اور مجھے شبہ ہے کہ اب تمھاری باری آنے والی ہے۔"

اس کے الفاظ سن کر میں بری طرح چونک پڑا۔ "یہ کس بنا پر کہہ رہے ہو تم؟"

"پابندیاں ہٹالی گئی ہیں لیکن تم اسٹینڈ بائی رہو گے۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر رازدارانہ لہجے میں بولا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بوجھ ہٹ گیا ہو۔ اس نے میری باری آنے کے امکان کا ذکر اپنی نجی معلومات کی بنیاد پر نہیں بلکہ میری کہی ہوئی بات کے حوالے سے کیا تھا۔

"ڈی ون تمھیں کسی بُرے موقع کے لیے پال رہا ہے۔ احمد یار اور ٹائیگر بدستور نادر سے اٹیچ رہیں گے اور وقت پڑنے پر تم قربانی کے بکرے کے طور پر کسی خطرے میں جھونک دیے جاؤ گے۔" وہ کہے جا رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ بغاوت کی تیاریوں میں ایک اور مرحلہ خوش اسلوبی سے طے ہوگیا تھا۔ جہانگیر کے ذہن میں عدم تحفظ کا خطرہ جنم لے چکا تھا اور اس نے میرا اعتماد حاصل کرنے کے لیے بظاہر اندر کی ایک بات میرے سامنے اگل دی تھی لیکن میں اتنا احمق نہیں تھا کہ اپنے دل کی بات اس پر ظاہر کر دیتا۔

بی فور کی برسوں کی رفاقت میں میں نے بنیادی گر یہی سیکھا تھا کہ کامیابی کے لیے اپنی ذات کو پسِ پردہ رکھنا ضروری ہے۔ آدمی قانون شکن بن کر پیسہ تو کما لیتا ہے لیکن ہر وقت اپنے حریفوں کی کھلی زد پر رہتا ہے۔ گمنام رہے تو خطروں سے بچ کر معاشرے میں عزت اور نیک شہرت بھی کمانے لگتا ہے۔ جہانگیر میری چال میں آگیا تھا اور میں باآسانی اسے اپنے اشاروں پر چلا سکتا تھا۔

جہانگیر سے گفتگو کے بعد میں ذہنی طور پر خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ طارق کو مروانے
راجہ سکندر علی تھا جسے میں نے اپنے ہاتھوں اس کے انجام کو پہنچا
قاوریوں طارق کے لہو کا انتقام لے لیا تھا۔ جہانگیر بے چارے
علم نہیں تھا کہ طارق کیسے مارا گیا لیکن اس کے ذہن میں بھی
ات سر اُبھارنے لگے تھے اور اس نے اس موضوع پر مجھ سے
، کر کے میرے لیے ایک راہ پیدا کر دی تھی۔

اس سے پہلے میں بالکل تنہا تھا لیکن اب مجھے یقین تھا کہ
نگیر کے ذہن میں بھی باغیانہ خیالات پرورش پانے لگے تھے۔
بھی مرحلے پر میں اپنی کارروائیوں کا آغاز کرتا تو شاید جہانگیر کو
ادمیں لے کر اس سے کام لے سکتا تھا۔

سکون اور آسودگی کی اس لہر میں میرے ذہن میں غزالہ کا
ن سراپا اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ در آیا اور میرا دل بے اختیار
سے ملنے کے لیے مچل اُٹھا۔ وہ خوب صورت شعر یاد آنے لگے
یں نے محض اُسے سُنانے کے لیے یاد کیے ہوئے تھے۔

کاش ایسا ہو کہ اب کے بے وفائی میں کروں
تو پھرے قریہ بہ قریہ، کوبہ کو میرے لیے
میں تو لامحدود ہو جاؤں سمندر کی طرح
تو بہے دریا بہ دریا، جو بہ جو میرے لیے

میں نے جھجکتے ہوئے اس کے گھر کا نمبر ملا ہی لیا اور اس
ت مجھے یقین آگیا کہ طلب صادق ہو تو ہر مشکل خود بخود آسان
ہ جاتی ہے۔ فون پر غزالہ خود موجود تھی۔ باپ کہیں گیا ہوا تھا،
ں آرام کر رہی تھی۔ میں نے اسے مدعو کیا تو وہ خود ہی مل بیٹھنے کو
لی ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد میں مقررہ اسٹور کے قریب پہنچا تو وہ فٹ پاتھ
ہراساں سے انداز میں میری منتظر تھی۔ اسے لے کر میں فوراً ہی ایک
یک نام ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے
کی کوشش کرتی رہی اور میں راستے بھر اسے لطیف پیرائے میں
چھیڑتا رہا۔

ہوٹل پہنچنے تک اس کے مزاج کی شوخی بحال ہو چکی تھی اور
ں اس کے تیکھے فقروں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

ہوٹل کے فیملی کیبن میں تھوڑی سی تمہید کے بعد میں نے وفا
کا ذکر چھیڑا اور اس کا تجسس بیدار کرنے کے بعد وہ دونوں ہی
شعار اُسے سُنا ڈالے۔

"قطعی پسند نہیں آئے۔" خاموشی سے اشعار سُننے کے بعد
غزالہ نے شریر مُسکراہٹ کے ساتھ کہا اور میں مسکراہٹ کے ساتھ
اس کے رخساروں پر نمایاں ہونے والے دلکش گڑھوں کے حُسن میں
کھو گیا۔ "اندر کے کرب اور حسرت کے اظہار کی بات ہو تو شعر بہت
خوب صورت ہیں۔ چار مصرعوں میں محرومیوں کی ایک لمبی داستان
سمیٹ کر رکھ دی گئی ہے لیکن ان شعروں کو کسی مخصوص حوالے سے
ہٹ کر دیکھا جائے تو عورتوں کے لیے توہین آمیز ہیں۔"

"توہین آمیز ہیں؟" میں نے حیرت سے دُہرایا۔ "سادہ لفظوں
اور چھوٹے چھوٹے خوب صورت شعروں میں شاعر نے اپنی زندگی کا
نچوڑ پیش کیا اور تم اسے توہین آمیز کہہ رہی ہو؟"

"توبہ۔" وہ پھریری لے کر دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے
بولی۔ "کس قدر خوف ناک بددُعا ہے دوسرے مصرعے میں۔ وہ قریہ
بہ قریہ، کوبہ کو پھرے گی تو کیا شاعر کی آبرو ان کوچوں میں رسوا نہ ہو گی؟
اور پہلے مصرعے سے تو یوں لگتا ہے جیسے ازل سے بے وفائی عورت
کے خمیر میں ہے اور مرد بے چارہ پیدائشی معصوم، جسے حسرت ہی ہے
کہ کاش اسے بھی بے وفائی کا موقع نصیب ہو سکے۔ تنویر صاحب!
وفا تو عورت ہی کا حصّہ ہے.... شوہر مجرم اور بدکردار بھی ہو تو،
بیوی وفا کا عہد نباہتی رہتی ہے لیکن بیوی بدکردار ہو جائے تو شوہر
کبھی برداشت نہیں کرتا۔ انکشاف ہوتے ہی تشدد، طلاق یا پھر قتل
کی ایک سنسنی خیز واردات وجود میں آجاتی ہے.... اسے کیا نام
دیں گے آپ؟"

"ہر شعر کو شاعر کی آپ بیتی کیوں سمجھا جاتا ہے؟" میں نے کہنیاں
میز پر ٹکا کر سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔ "شعر تو ایک آفاقی حقیقت
ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کے کرب کو محسوس کر کے شاعر کو الہام
ہوا ہو۔ شعر اچھا ہوتا ہے یا خراب۔ حوالوں سے اس کی حیثیت
نہیں بدلتی۔ تم اسے مرد کی آواز کیوں سمجھ رہی ہو؟ ہو سکتا ہے کہ شاعر
نے کسی وفا گزیدہ نازنین کا دُکھ ان اشعار میں ڈھالا ہو۔"

وہ چونکی اور پھر شرمسار سی ہو گئی۔ "بحث میں آپ سے جیتنا تو
مشکل ہے لیکن مجھے حیرت ہے کہ آپ شعروں کا ذوق بھی رکھتے
ہیں۔ بظاہر تو آپ حقائق کی دنیا کے آدمی معلوم ہوتے ہیں جو خوابوں
سے دُور بھاگتے ہیں جب کہ شعر تو سراسر ایک خواب ہی ہوتا ہے۔
وصال پر شاید پورے ادب میں ایک بھی اچھا شعر نہ مل سکے۔ ہاں ہجر
اور فراق کے موضوع پر ہزاروں خوب صورت اشعار مل جائیں گے۔"

"جو دلِ حسن سے گھائل ہو جائے اس میں گداز آ جاتا ہے اور
اچھے شعروں کو ایک نیا مسکن مل جاتا ہے۔" میں نے شوخ نگاہوں سے
اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وصال ہوتے ہی اشعار بے دخل
کر دیے جاتے ہیں۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ کب تک اشعار یاد
کراتی ہو۔"

اس نے نگاہیں چُرا لیں اور کولڈ کافی کے گلاس کی طرف
متوجہ ہو گئی جس کی بیرونی سطح پر نمی کے قطرے موتیوں کی طرح جھلملا

رہے تھے۔" میں آپ کو سب کچھ بتا چکی ہوں، شاید میں آپ کے معیار پر پوری نہ اُتر سکوں۔" اس کا لہجہ اداس اور کھویا کھویا سا تھا۔ "میری شخصیت اُلجھی اُلجھی سی ہے۔ گھر میں ہمیشہ سے میں نے اپنے اور والدین کے درمیان ایک غیر مرئی سی دیوار محسوس کی ہے، اجنبیت اور شبہات کی اس فضا میں مَیں نے اپنی شناخت برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن پھر بھی میں اُلجھ سی گئی ہوں۔ ایسا لگتا ہے جیسے ایک چھت کے نیچے چار افراد کے کنبے کے بجائے چار اجنبی رہ رہے ہوں۔ تنہا اکائیوں کی طرح۔ بھائی پاگل ہے، ماں باپ اپنے خول میں مگن ہیں۔ ڈیڈی نے اپنی بیشتر عمر گھر سے باہر گزاری اور کبھی میری تربیت میں حصّہ نہ لے سکے لیکن اب ریٹائرمنٹ کے بعد اچانک ہی وہ توقع کرتے ہیں کہ میں ان کے اصولوں پر چلوں گی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ ہمارے درمیان بس ایسا واجبی سا تعلق ہے جو بس میں برسوں سے ہر روز ساتھ سفر کرنے والوں میں پیدا ہو جاتا ہے، رشتوں کی گرمجوشی بالکل نہیں ہے۔ میں آپ کو ایک اچھا دوست سمجھ کر کچھ خوشگوار لمحوں کی تلاش میں آپ کی طرف بڑھی تھی۔ میرا ذہن بالکل صاف تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ آپ سنجیدگی اختیار کرلیں گے۔" اس نے سر جھٹک کر نظریں اُٹھائیں اور مجھے اپنی طرف متوجہ پاکر بوجھل انداز میں مسکرا دی۔" میرا خیال ہے کہ ہم آپس میں ملنا ترک کردیں، کچھ دن شاید خلش ہوگی پھر ہم ایک دوسرے کو بھول کر اپنے اپنے راستوں میں کھو جائیں گے۔"

"اپنے بارے میں مَیں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔" سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اگر میں تعلق برقرار رکھنے پر تُلا رہوں تو تمہارا رویّہ کیا ہوگا؟"

"یہ آپ کی غلطی ہوگی۔" اس کی دھیمی آواز اُبھری۔

"پھر وہی میری بات۔" میں قدرے تیز لہجے میں بولا۔" میں تمہارے خیالات جاننا چاہتا ہوں۔"

"اعتماد نہ ہوتا تو اس ہوٹل کے فیملی کیبن میں یوں تنہا آپ کے ساتھ موجود نہ ہوتی۔" وہ میز کی سطح پر نظریں جمائے دھیمی اور سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔" لیکن مَیں آپ کو اُلجھانا نہیں چاہتی۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو کھُل کر نہیں کہی جاسکتیں۔"

میں چونک پڑا۔

اس نے بڑی عجیب سی بات کہہ ڈالی تھی۔ نہ جانے وہ کونسی باتیں تھیں جن کا وہ کھُل کر ذکر نہیں کرنا چاہتی تھی؟ مجھے گمان ہوا کہ کہیں اسے میری اصلیت کا علم نہ ہوگیا ہو۔ وہ بے حد ذہین لڑکی تھی اور سکندر علی کے معاملے میں اپنی خداداد ذہانت اور مضبوط قوتِ فیصلہ سے کام لے کر مجھے ایک بہت بڑی اُلجھن سے بچا چکی تھی۔ اگر اس نے سکندر علی کے ایما پر تیار کی جانے والی فنکشن میں شرکت کرنے والے بیرونی مہمانوں کی فہرست میں میرا نام درج کرا دیا ہوتا تو وہ خبیث لازماً میری طرف سے چوکنا ہو جاتا کہ میں نے مذاکرے میں اس کی تقریر سُن کر آواز کے سہارے اسے شناخت نہ کرلیا ہو۔ وہ اپنے شبے کی تصدیق یا تردید کے لیے سی۔ دن کو اشارہ کرتا اور اس کے شکاری کتے کسی سائے کی طرح ہر لمحے میرے تعاقب میں ہو لیتے پھر میں سکندر علی کے مکان کا رُخ کرتے ہی رنگے ہاتھوں پکڑلیا جاتا اور یوں شاید طارق سے پہلے میرے قتل کا فیصلہ صادر کر دیا جاتا لیکن غزالہ کی ذہانت سے میں بے خبری میں اس دردناک انجام سے دوچار ہونے سے نہ صرف بچ گیا تھا بلکہ میں نے بھیڑ کے روپ میں پوشیدہ اس بھیڑیے کو بآسانی جہنم واصل بھی کر دیا تھا۔

اس روز صبح کے اخبارات میں سکندر علی کے قتل کی خبر نہیں چھپ سکی تھی لیکن شام کے اخبارات نے اس واردات کو اس کی سماجی خدمات کے حوالے سے خاصا اُچھالا تھا لہٰذا غزالہ سے ملنے سے قبل میں نفسیاتی طور پر خاصے دباؤ کا شکار تھا کہ اس معاملے پر غزالہ کے ردِعمل کے جواب میں میرا رویّہ کیا ہونا چاہیے لیکن ہمیں اس ہوٹل میں بیٹھے ایک گھنٹے سے زائد وقت گزر چکا تھا مگر اس نے ایک بار بھی اس بارے میں کوئی ذکر نہیں چھیڑا تھا جس کا مطلب تھا کہ شام کے اخبارات اس کی نگاہ سے نہیں گزرے تھے۔ اس معاملے میں مجھے اس بات سے بے حد اطمینان تھا کہ میں نے فہرست سے اپنا نام حذف رکھنے کے سلسلے میں بہت محتاط رویّہ اختیار کیا تھا اور غزالہ پر یہی ظاہر کیا تھا کہ اس نے میرا نام چھپا کر غلطی کی تھی اور جب اس نے اپنی غلطی کے ازالے کے طور پر میرے نام کے اظہار کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے پولیس کی امکانی مداخلت اور پھر اس کے اپنے مشتبہ ہو جانے کا ذکر چھیڑ کر اسے خاموش رہنے کا مشورہ دیا۔ اس طرح نہ صرف وہ مطمئن ہوگئی بلکہ میں بھی ناگہانی مصائب سے محفوظ رہا۔

فوراً ہی میرے دل سے یہ شبہ دُور ہوگیا کہ غزالہ میری خفیہ مصروفیات کے جملہ یا کسی پہلو سے واقف ہو چکی تھی ۔۔ اس وقت وہ اپنی ذات کے حوالے سے بات کر رہی تھی لہٰذا جو کچھ بھی ناگفتہ باتیں رہی ہوں، اسی سے متعلق تھیں۔

لیکن میں اس کو پسند کر چکا تھا، سوچے سمجھے انداز میں اس کی طرف پیش قدمی جاری تھی لہٰذا اس کی اُلجھنوں سے دلچسپی پیدا ہونی لازمی تھی اس لیے میں پوچھ ہی بیٹھا۔" اجنبیت کی دیواروں میں تم اپنائیت کے خلوص کو شاید بالکل ہی بھول چکی ہو۔ میں تمہارا دوست، ہمدرد اور بہی خواہ ہوں۔ مجھ سے کھُل کر بات کرو.... ہم جیتے جاگتے انسان ہیں، ہر ایک میں خوبیوں کے ساتھ بہت سی

یاں بھی ہوتی ہیں۔ جب دو انسان مِل کر بیٹھتے ہیں تو ایک دوسرے
صرف ایک ہی پہلو پر غور نہیں کرتے، ان خوبیوں اور خامیوں کا
اعی توازن ہی کسی کی ذات کا مجموعی تاثر ہوتا ہے۔"
"آپ سنجیدہ اور بُردبار آدمی ہیں تنویر صاحب! میری ذات
کچھ بھی تو نہیں ہے۔ آپ کو زندگی کے ہر موڑ پر بہتیری لڑکیاں
یں گی، اس وقت شاید آپ کو خوشی ہو کہ آپ فیصلے کے لیے
اد ہیں۔ میری الجھنوں کی دلدل میں دھنسنے کے بجائے آپ میرا
ورہ قبول کیوں نہیں کرتے؟"
"تو کیا تم نے زندگی کا سفر اکیلے ہی طے کرنے کا فیصلہ کیا ہُوا
ہے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوال کیا۔
"فی الحال تو شاید ایسا ہی نظر آتا ہے کبھی تنہائی عذاب بن
ہی گئی تو اپنے جیسا کوئی ہم سفر تلاش کر لوں گی۔"
میرے دل سے ایک بوجھ سا ہٹ گیا۔ اس کی پہیلیوں نے
یرے ذہن میں اچانک ہی جس شبہے کو جنم دیا تھا وہ کسی ہم سفر کا
ذکر سنتے ہی دور ہو گیا۔ "تو کیا میں تم جیسا نہیں ہوں؟" میرے لہجے میں
ملامت آمیز شکایت پوشیدہ تھی۔
"آپ فرشتے ہیں تنویر صاحب!" اس کی آواز بھرّا گئی۔ "مجھے
شُبہ ہوا تھا، میرے ذہن میں فتور آیا تھا کہ شاید آپ کی عنایات
خود غرضانہ ہیں۔ میں ڈرتے ڈرتے لیکن محض ایک تجربے کی خاطر
آپ کی دعوت قبول کرنے کی ہمت کر سکی۔ میرا خیال تھا کہ شاید
ایک دو ملاقاتوں کے بعد آپ کچھ کہیں گے اور میں اپنا راستہ بدل
لوں گی لیکن آپ کی آنکھوں میں ہمیشہ معصوم سی چمک برقرار رہی
اور مجھے اپنی پراگندہ خیالی منہ چڑاتی رہی۔ آپ پارسا ہیں۔"
وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ شاید اس کی آنکھوں میں نمی اُمڈ
آئی تھی کیوں کہ بولتے بولتے وہ اچانک خاموش ہو گئی۔ میں نے
اسے رومال دیا تو اس نے اپنی آنکھیں خشک کیں اور ہم دونوں اپنے
اپنے خیالات کی پُرہجوم وادیوں میں کھوئے خاموشی کے ساتھ
کولڈ کافی کے گلاس خالی کرنے لگے۔
اس چھوٹے سے محدود کیبن میں مَیں اسے مزید چھیڑ کر آزردہ
نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا میں نے بل ادا کر کے کسی ویران شاہراہ پر
نکل جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
میرے لیے اس کا رویّہ بے حد حیرت انگیز اور ناقابلِ فہم تھا۔
میں تہیہ کر چکا تھا کہ اس کی مایوسی اور اداسی کا سبب جانے بغیر اسے
واپس نہ جانے دوں گا، خواہ سڑکوں کی خاک چھانتے پوری رات ہی
کیوں نہ گزر جائے۔
بڑی عجیب تھی وہ لڑکی میرے لیے۔ نہ جانے اس کی ذات
میں وہ کون سا سحر پوشیدہ تھا کہ اس نے مجھ جیسے شکاری کو بھی
بے بس کر کے دماغ و دل میں ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔
ان گنت نام تھے جو میری تنہا راتوں میں خوابوں کے جزیروں
کی طرح آتے جاتے رہے لیکن نفس کی حیوانی سطح سے اوپر کسی
لطیف انسانی جذبے کو بیدار نہ کر سکے اور ایک وہ تھی کہ اس سے
ملتے ہی نفس کلب بے رحم درندہ دُم دبا کر میرے لاشعور کے کسی نہاں خانے
میں دبک جاتا تھا اور شعور پر ایک ایسی مخمور سی کیفیت طاری ہو جاتی
تھی کہ بس اسے سامنے بٹھائے باتیں کرتے چلے جانے کو جی چاہتا
تھا۔
ہوٹل سے بل ادا کر کے ہم روانہ ہوئے تو وہ میرے برابر والی
نشست پر خاموش اور کھوئی کھوئی سی بیٹھی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں
آ رہا تھا کہ میں کس طرح اس سکوت کے خاتمے میں پہل کروں....
ہوٹل کی سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کی گفتگو کے حوالے سے میرے
ذہن میں ایک ہولناک سا خیال پیدا ہوا تھا اور اب اسی خیال نے
میری زبان پر مہر لگائی ہوئی تھی۔
شاید میں آپ کے معیار پر پوری نہ اتر سکوں۔ بہت
سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو کُھل کر نہیں کہی جا سکتیں۔ میری ذات میں
کچھ بھی تو نہیں ہے۔ میری اُلجھنوں کی دلدل میں دھنسنے کے بجائے
آپ میرا مشورہ قبول کیوں نہیں کرتے؟ کبھی تنہائی عذاب بن ہی
گئی تو اپنے جیسا کوئی ہم سفر تلاش کر لوں گی اور ان مبہم لیکن معنی خیز
اشاروں کے بعد میری پارسائی کا ذکر کرتے ہوئے دل گرفتہ ہو گئی
تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ چاہتے ہوئے بھی مجھے
اپنے ماضی کا کوئی ناخوشگوار تجربہ سنانے کی جرأت سے محروم ہو۔
شاید مجھ سے ملنے سے پہلے اس نے کسی سے محبت کی ہو اور
وفا کے نام پر اپنا دامن لہولہان کر لیا ہو۔ میرے دل کی دھڑکنیں
اس خوف سے تیز تر ہو گئی تھیں کہ میری ہمت افزائی پر کہیں وہ
اعتراف ہی نہ کر بیٹھے اور جب وہ بولنے پر آمادہ ہو جائے تو میں
سننے کو تیار نہ ہوں۔
میرے سُنائے ہوئے دو شعروں پر بات کرتے ہوئے وہ
کہہ ہی چکی تھی کہ عورت اپنے پسندیدہ مرد کی بدکرداری کے باوجود
اس سے وفادار رہتی ہے لیکن مرد کبھی عورت کی بے وفائی کو نظرانداز
نہیں کر سکتا۔ میں عجیب سے کرب میں مبتلا ہو گیا تھا، اس کی زبان
کھلوانا چاہتا تھا لیکن آرزو یہی تھی کہ میں اس سے اصرار کرتا رہوں اور
وہ انکار کرتی رہے۔ اگر وہ میرے سامنے اپنے ماضی کی کسی بھول کا
اعتراف کر بیٹھتی تو میری نگاہوں میں مقام کھو بیٹھتی۔ میں اسے چاہتا
تھا، شدّت سے چاہنے لگا تھا۔ میری خواہش تھی کہ اس سے کوئی
بھول سرزد بھی ہوئی ہو تو یہ راز وہ اپنے دل میں دفن رکھے کیوں کہ
اس قدر گہرا تعلق پیدا ہو جانے کے بعد اس کا کوئی بھی اعترافِ گناہ

میری اُنا پر گہرے گھاؤ کے مترادف ہوتا جس سے سنبھلنا شاید میرے بس سے باہر تھا۔ میں نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ سر جھکائے اپنے دامن سے اُلجھ رہی تھی۔

میں کسی زخمی پرندے کی طرح مضطرب تھا۔ ہوٹل سے نکلنے سے قبل ہر قیمت پر اس کی مایوسی اور اُداسی کا سبب جاننے کا تہیہ کر چکا تھا لیکن سیڑھیاں طے کرنے کے بعد زبان کھولتے ہوئے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ کس قدر عجیب اور متضاد تھے میرے جذبے، اس کی زبان سے ہر بات سُننے کا متمنی تھا لیکن اس کے آلودہ ہونے کے باوجود پارسائی کے فریب میں مبتلا رہنا چاہتا تھا۔

لیکن کیوں؟ رفتہ رفتہ ذہنی رویے کے بدلنے کے ساتھ ہی سوال اُبھرا۔ وہ ایک لغزش پر اندر ہی اندر گھلی جا رہی تھی اور میں اَن گنت لغزشوں کے باوجود کسی قسم کی ندامت قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ جب دونوں طرف یہی ہو تو کون کس کو پہلا پتھر مارے؟ پھر ماضی اس کا اپنا تھا جس سے مجھے کوئی تعلق نہ ہونا چاہیے تھا۔ ہاں، مجھ سے تعلق کے بعد وہ اپنے ایک ایک لمحے کے لیے مجھے جواب دہ ہوتی۔ پھر اگر خیانت کا ارتکاب ہوتا تو وہ ہر سزا کے قابل قرار پاتی اور وہی تو ایک نہیں تھی، اگر اس کی ندامت کا پس منظر جاننے کے بعد میرے دل میں اس کی طرف سے کراہت پیدا ہو جاتی تو میں آزاد تھا۔ وہ خود کہہ چکی تھی کہ مجھے زندگی کے ہر موڑ پر اپنے انتخاب کے بہتیرے مواقع ملیں گے۔ شاید میرے رویے کی تبدیلی اسے بھی گراں نہ گزرتی کیوں کہ ذہنی طور پر وہ پہلے ہی "اپنے جیسے" کسی ہم سفر کی تلاش پر آمادہ تھی۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟" اس کی دھیمی اور دلکش آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"ساحل کی طرف۔" میں نے اس سے نگاہیں چار کیے بغیر سنجیدگی سے کہا۔ "گرداب پیدا ہونے لگتے تو ساحل ہی محفوظ رہتا ہے۔ تمہاری ادھوری اور پُرپیچ گفتگو نے میرے ذہن میں آگ سی لگا دی ہے، جب تک کھل کر بات نہیں کرو گی، واپس نہیں لوٹوں گا۔"

"آپ کو ساحل مل جائے گا مگر مجھے گرداب سے نجات نہ مل سکے گی۔" وہ بولی۔ "آپ مجھے اچھے لگتے ہیں، میں چاہتی ہوں کہ ہم ایک دوسرے کے بارے میں خوش گوار یادیں سمیٹے ایک دوسرے سے رُخصت ہوں تاکہ کبھی کبھی آپ مجھے یاد کر لیا کریں۔ میری کتھا سُن کر آپ مجھ سے بدظن ہو گئے تو یہ دُکھ مجھے زندگی بھر تڑپاتا رہے گا۔"

میرے وجود میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، میرے نزدیک اس کا مفہوم بہت واضح تھا لیکن بات

چھیڑنے کے بعد پیچھے ہٹنا بزدلی کے مترادف تھا لہٰذا مجھے
پڑا۔ "تمہیں میری ذات سے اگر کوئی خوشی نہ مل سکی تو دُکھ بھی
گا۔ تم جو کچھ دل میں چھپائے بیٹھی ہو، وہ بلا تردد مجھے بتا ڈالو۔"

"آپ اصرار کر رہے ہیں تو سُنیں کہ میں طوائف
ہوں۔" اُس نے کہا۔

"یہ تمہارا نہیں تمہاری ماں کا قصور ہے۔ اپنی بات
مجھے اپنی آواز کسی گہرے کنویں کی تہ سے اُبھرتی ہوئی محسوس
کیوں کہ اس وقت میرا ذہن خلا میں معلق، اس کے کسی بدترین
کا منتظر تھا۔"

"ڈیڈی نے انھیں دیکھا، پسند کیا، ٹوٹ کر چاہا اور پھر
کر لی۔ شارق دوسرے سال اور میں چوتھے سال پیدا ہوئی۔"
کھوئے لہجے میں بول رہی تھی اور میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ
بندھن کے سائے میں ولادت کے باوجود وہ طوائف زادی
ہو سکتی تھی۔ "امی نے شادی کے بعد اپنے ماضی سے ہر
توڑ لیا لیکن وہ کوکین کی عادت ترک نہ کر سکیں...."

اس کا یہ انکشاف میرے اعصاب کے لیے کسی بم
ہولناک دھماکے سے کم نہیں تھا۔ بے اختیار میرے ذہن میں
کا تصور اُبھر آیا جو کوکین خریدنے کے لیے شراب بیچتی تھی۔
نے میری روزی چرس اور پھر ہیروئن کے دھندے میں لکھ دی
نفس کی شہ زوریوں کے بعد محبت کا سایہ نصیب ہوا تو اس
بنیادوں میں کوکین رچی ہوئی تھی۔

"ان کے اس شوق نے ہمارے گھر کو تباہ کر دیا۔ کامران
کے پاندان سے کوکین کھا کر بے ہوش ہوا تھا اور آج تک ہوش
میں نہ آ سکا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کامران نے میرے سا
سفوف کی وہ شیشی خالی کی تھی۔ میں آٹھ برس کی تھی لیکن
اس سفوف کی ہلاکت خیزی کا علم نہیں تھا۔ اسے ڈاکٹروں کو دکھا
دو نے کسی نشہ آور چیز کا خیال ظاہر کیا مگر اپنا جھوٹا بھرم رکھنے
لیے میری سنگدل ماں نے کامران کی حالت کو اچانک دورہ ظا
اس جھوٹ نے ڈاکٹروں کو اُلجھا دیا۔" اس کی دھیمی آواز میں نفرت
کی تلخی سمٹ آئی جیسے اس کے ذہن میں ماضی کا ہر منظر پھر تا
ہو گیا ہو۔ "کامران کا معدہ صاف نہ کیا جا سکا اور وہ ہمیشہ کے
پاگل ہو گیا۔ مجھے برسوں بعد علم ہوا کہ وہ سفوف کیا تھا۔ میر
ماں آج بھی ہر وقت مُنہ میں کوکین کا پان دبائے رکھتی ہیں۔ کام
سہما سکڑا بندروں کی سی حرکتیں کرتا ہے، شور مچاتا ہے تو اُ
بے رحمی سے مارا جاتا ہے اور چند روز کے لیے ایک کمرے
قید کر دیا جاتا ہے۔ میں امی اور ڈیڈی، دونوں کو کامران کی ب
کا ذمہ دار سمجھتی ہوں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان میں

بھی کے ضمیر پر کامران کے بارے میں کوئی بوجھ نہیں ہے۔"

"تمھارے ڈیڈی تو اصل قصّے سے بے خبر ہی رہے ہوں گے!" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ اس کی کہانی نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ میں منشیات فروش تھا اور اس کا ماضی بھی نشّے کی دُھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ ماں کوکین کی عادی تھی اور بڑا بھائی حادثاتی طور پر اس نشّے کے زیرِ اثر ہمیشہ کے لیے اپنا ذہنی توازن کھو چکا تھا۔ اگر جھوٹے بھرم پر غزالہ کی ماں کی مامتا حاوی ہو جاتی اور وہ اپنی بدنامی کی پروا کیے بغیر ڈاکٹروں کو کامران کے بارے میں حقیقت سے آگاہ کر دیتی تو شاید بروقت اس مظلوم کے معدے کی صفائی ہو جاتی اور وہ پاگل ہونے سے بچ جاتا لیکن اس عورت نے اپنی جھوٹی انا پر اپنی کوکھ سے جنم دیے بیٹے کی زندگی نہایت بے رحمی سے قربان کر دی تھی۔

"یہ گرہ برسوں میرے ذہن میں پروان چڑھتی رہی۔" وہ اسی تلخ لہجے میں بولی۔ "میرے ذہن میں روز بروز اس سفوف کے بارے میں تجسس بڑھتا رہا جو میری ماں کے استعمال میں رہتا تھا اور جسے کھا کر کامران پاگل ہوا تھا۔ اس واقعے کے بعد مجھے پورے گھر میں کہیں وہ سفوف نظر نہ آیا۔ شاید کامران کے ساتھ پیش آنے والے حادثے کے بعد وہ محتاط ہو گئی تھیں۔ کئی برس بعد جب مجھ میں ذرا سا حوصلہ پیدا ہوا تو میں نے علیحدگی میں ڈیڈی سے بات کی اور وہ میرے خدشات سُن کر اُداس ہو گئے۔ میرے اصرار پر انھوں نے بتایا کہ امی کوکین کی عادی ہیں ـــــ کامران کو جو نقصان پہنچنا تھا، وہ پہنچ چکا۔ اس معاملے میں گزرے ہوئے وقت کو واپس لانا ناممکن تھا اور نہ ہی کامران کا کامیاب علاج ہو سکتا تھا۔ اس سے پتا چلا کہ وہ پہلے سے واقف تھے لیکن امّی کے سامنے کچھ نہ کہہ سکے۔ جب ماں نے ہی اپنی مامتا کو قربان کر دیا تو باپ سے کیا شکوہ۔ باپ کے دل میں ویسے بھی اولاد کے لیے محبت کا جذبہ ذرا کمزور ہی ہوتا ہے۔"

"بہت عجیب کہانی ہے تمھاری!" میں جھرجھری لے کر بولا۔ "گھر کے ماحول میں اجنبیت اور لاتعلقی اسی لیے ہے کہ تم اپنی ماں کو مجرم سمجھتی رہی ہو لیکن میرے نزدیک نہ تمھاری ماں کا طوائف ہونا جُرم ہے اور نہ کامران کا پاگل پن میرے دل میں لگی ہوئی چنگاری کو سرد کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا علاج ممکن نہ ہو لیکن محبت اور ہمدردی کے ساتھ شاید اس کی زندگی میں بہتر تبدیلی آ سکے۔ ہم شادی کے بعد اسے اپنے ساتھ رکھیں گے، تم یقین کرو کہ میں اسے بوجھ نہیں سمجھوں گا۔"

اس نے حیرت اور بے اعتباری سے میری طرف دیکھا۔ "یعنی آپ کے نزدیک میری کہانی . . . میرا ماضی . . . میرا ماحول قابلِ قبول ہے؟"

میں نے کلفٹن کے ساحل پر برسوں سے ویران عمارت سے ذرا دور پختہ سڑک پر ایک ویران گوشے میں کار روک دی اور اس آسیبی عمارت پر لگی ہوئی اِکا دُکا سرچ لائٹس کے ہلکے انعکاس میں اس کے چہرے پر نگاہیں جما کر بولا۔ "تمھارا ماضی صاف اور بے داغ ہے غزالہ! تم نے جو کچھ بتایا وہ تمھاری ماں کا ماضی ہے جس کے لیے تمھیں ذمّے دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔" پھر لحظہ بھر توقف کے بعد دوبارہ بولا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم اپنے ماضی کی کسی بھول کے عذاب میں مبتلا ہو . . . میں تو شاید اسے بھی خاطر میں نہ لاتا۔ تم نے سچ بول کر میرے دل میں آگ سی بھڑکا دی ہے۔ میں اس بہانے تمھیں اجنبیت اور عدمِ اعتماد کے اس ماحول سے نکال کر خوشی محسوس کروں گا۔"

وہ خاموش بیٹھی رہی۔ دو بار وہ میری طرف متوجہ ہوئی لیکن مجھے مسلسل اپنی طرف نگراں دیکھ کر خاموشی سے سر جھکا لیا۔ "میں تمھارے جواب کا منتظر ہوں غزالہ!" میں نے اسے ٹوکا۔

"آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ آج کی باتیں ہیں تنویر صاحب!" وہ کمزور اور شکست خوردہ لہجے میں بولی۔ "لیکن یہ پرچھائیاں ہر جگہ میرا تعاقب کریں گی۔ میں اپنے دامن سے اپنی ماں کے ماضی کا داغ نہیں دھو سکتی۔ اور یہ بات چھُپنے والی نہیں ہے . . . کسی دوست یا رشتے دار کی کہی ہوئی کوئی بات آپ کے دل میں نشتر بن کر چبھ سکتی ہے . . . آپ معزز آدمی ہیں، اپنے حلقے میں کس کس کی باتوں اور نگاہوں کو کب تک برداشت کر سکیں گے؟ مجھ میں بہت حوصلہ ہے، اس لیے آج بھی زندہ ہوں۔ بہتر یہی ہو گا کہ مجھے تنہا چھوڑ دیں۔ کسی چور، بدمعاش، قاتل یا شرابی کے ساتھ میری گزر ہو سکے گی کیوں کہ اس میں پہلے سے دوسروں کے طعنے سُننے کا حوصلہ ہو گا لیکن وہ مجھے کبھی طعنہ نہ دے سکے گا۔"

چند ثانیوں کے لیے میں گُنگ ہو کر رہ گیا پھر رُک رُک کر بولا۔ "اگر میں کہوں کہ میں اس قدر معزز نہیں ہوں، جتنا نظر آتا ہوں تو تمھارا جواب کیا ہو گا؟"

اس کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ "مجھے بہلانے کی کوشش نہ کریں تنویر صاحب! میری خاطر اپنی ذات کی نفی اور تضحیک نہ کریں۔ میں امی اور ڈیڈی کی گفتگو سُن چکی ہوں۔ ڈیڈی ریٹائرڈ ہو چکے ہیں۔ کامران پاگل ہے اور امی کا شوق بہت مہنگا ہے۔ وہ میرے لیے کسی موٹی اسامی کی تلاش میں ہیں جو ان کے لیے بھی سہارا بن سکے . . . کیا کیا سننا چاہتے ہیں آپ میری زبان سے؟ میں کسی ہشت پا بلا کی طرح ہوں لیکن آپ کو اپنے جنگل میں نہیں پھانسنا چاہتی۔"

میں نے پہلی بار نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میرے اسامی بننے یا نہ بننے کا دارومدار تمھاری مرضی پر منحصر ہوگا۔ میں نے دُنیا دیکھی ہے پھر تم میرا ساتھ دو تو میں ہر ایک سے ٹکرا جانے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ مجھے مایوس کروگی تو وہ نہ جانے کس کے ساتھ تمھارا پلو باندھ دیں اور تم زندگی بھر دوسرے جہنم میں سلگتی رہو۔"

"یہ ناممکن ہے۔" اس کا لہجہ پُرعزم تھا۔ "ان کی گفتگو سننے کے بعد میں نے دو ٹوک الفاظ میں انھیں بتادیا ہے کہ اس بارے میں میری مرضی کے خلاف وہ مجھ پر کوئی فیصلہ نہ تھوپ سکیں گے، اسی لیے میرے فون وصول کرنے پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔ کوئی کال کرتی ہوں تو امی یا ڈیڈی میں سے کوئی آس پاس منڈلاتا ہی رہتا ہے۔ کبھی کبھی تو میں قنوطی ہو کر اس حد تک سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہوں کہ کہیں کامران کی تباہی میں امی کی کوئی سازش نہ رہی ہو۔ انھوں نے سوچا ہو کہ کامران کو راستے سے ہٹا کر مجھے اپنے اشاروں پر چلا سکیں گی کیوں کہ وہ جن لوگوں میں اپنا ماضی بسر کرتی رہیں، ان کے نزدیک بیٹیاں سونے کا انڈہ دینے والی مرغیاں ہوتی ہیں۔"

"تم کو کس نے بتایا تمھاری ماں کے ماضی کے بارے میں؟" میں نے قدرے تیز لہجے میں سوال کیا۔

میرے مزید کچھ کہنے سے پہلے وہ بول پڑی۔ "میں اس عمر سے یہ سب سنتی آئی ہوں جب مجھے اس کا مفہوم بھی معلوم نہیں تھا۔ ڈیڈی کے دوستوں کے بچے تک یہی سب کہتے تھے۔ بعض گھروں میں میرا داخلہ تک ممنوع تھا پھر اس تحقیر آمیز رویے کی بنا پر ڈیڈی دوستوں سے کنارہ کش ہوتے چلے گئے اور آج وہ بالکل تنہا ہیں۔ اچھی باتیں چھپی رہ جاتی ہیں تنویر صاحب! گندگی اچھل کر اُوپر آتی ہے۔" اس نے آہستگی سے اپنے شانے پر سے میرا ہاتھ ہٹا دیا۔ "آپ نے مجھے جو عزت دی، اس کے لیے میں ممنون ہوں لیکن ہم دو متوازی راستوں کے مسافر ہیں جو کبھی نہیں مل سکتے۔ آپ معزز اور نیک آدمی ہیں۔ ہاں آپ قانون یا معاشرے کے مجرم ہوتے تو شاید میں آپ کو اپنا سہارا بنا کر خوشی محسوس کرتی۔"

میں بے چینی سے اپنی نشست میں پہلو بدل کر رہ گیا اور پھر اضطراری طور پر سگریٹ سلگالی۔

"میں شراب پیتا ہوں غزالہ!" طویل سکوت کے بعد میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "اتنا پارسا نہیں ہوں، جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔"

اس بار پھر اس نے میری بات کاٹ دی۔ "پیتے ہوں گے۔" اس کا لہجہ ٹھوس لیکن لاپروایانہ تھا۔ "آپ جیسے مصروف کاروباری لوگوں کے لیے اپنی بے شمار اُلجھنوں سے فرار کے لیے شاید اس کی ضرورت رہتی ہے۔ آپ کو کوئی شرابی نہیں کہہ سکتا۔ شرابی تو صحیح معنوں میں وہ ہوتا ہے جو بیوی کا زیور بیچ کر بوتل خریدتا ہے۔ پی کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور گھر پہنچنے کے بجائے کسی گڑ... کو اپنا بستر سمجھ کر وہیں دراز ہو جاتا ہے۔ میں کسی ایسے آدمی کو ... خوشی سے اپنا لوں کیوں کہ میں امی اور ڈیڈی کی سازشیں ناکا... ان سے کامران کی دیوانگی کا انتقام لینا چاہتی ہوں۔ ایسے بُز... اور بے مایہ داماد سے بھلا وہ کیا لے سکیں گے۔"

میں لاجواب ہو گیا۔ بظاہر سیدھی سادی اور معصوم نظر... والی اس لڑکی کے خیالات بہت پختہ تھے۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اسے کس موقع پر کیا کہنا چاہیے، زندگی کے پُرپیچ راستوں کے بارے میں اسے خاصی معلومات حاصل تھیں۔ تکلف کی دیوار گرنے کے بعد وہ ہر موضوع پر بلا تکلف بول رہی تھی۔ اس کے اس ... سے مجھے ایک انوکھی سی راحت بھی ملی تھی کہ وہ بالکل ہی نوخیز ذ... کی مالک نہیں تھی بلکہ اپنے گردوپیش پر گہری نظر رکھتی تھی۔ پختہ ذ... ٹھوس ارادوں، دلکش چہرے اور پُرکشش سراپا پر مشتمل اس لڑ... کو اپنانے کی خواہش میرے دل میں شدید تر ہونے لگی لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اس کو کیسے اقرار پر آمادہ کروں۔

"مجبوریاں اور کمزوریاں ہر آدمی کے ساتھ ہوتی ہیں غزالہ!" ... نے سگریٹ کے کئی گہرے گہرے کش لینے کے بعد قدرے جذباتی لہ... میں کہا۔ "تم نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا، وہ باتیں بھی بتا دیں جو شاید کبھی میرے علم میں نہ آتیں لیکن تم نے میرے ظاہر سے دھوکا کھایا ہے۔ شاید تقدیر کو کچھ یوں ہی منظور تھا کہ ہم دونوں اپنے ضمیر کے مجرموں کی طرح یکجا ہوں اور پھر ایک دوسرے کو اپنی ان کہی کہانیاں سنائیں اور ایک دوسرے کی پناہ میں آجائیں . . . . میں قانون اور اس کے ساتھ شاید معاشرے کا بھی مجرم ہوں. . . . ."

"خدا کے لیے۔" وہ میری بات کاٹ کر اچانک ہی کرب آلود آواز میں بول پڑی۔ "مجھے بہلانے کے لیے کہانیاں نہ تراشیں . . ."

"میں تنہا ہوں غزالہ!" میں اس کا ہاتھ تھام کر تیز لہجے میں بولا۔ "بالکل ادھورا . . . . ہجوم میں بھی خود کو اکیلا محسوس کرتا ہوں کیوں کہ اپنی اصلیت صرف مجھے معلوم ہے، کسی سے دل کی بات نہیں کہہ سکتا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میری ذات کی تکمیل صرف تمھارے ساتھ ہو سکے گی۔ میں تمھیں بہلا نہیں رہا۔ جو کچھ بتا رہا ہوں، حقیقت ہی حقیقت ہے۔"

"میں بہت دُکھی ہوں تنویر صاحب!" وہ اداس لہجے میں بولی۔ "کامران کے المیے نے میری زندگی سے سب کچھ نچوڑ لیا ہے۔ اب تو بس ایک ہی حسرت ہے کہ کبھی موقع مل جائے تو ان لوگوں کو چُن چُن کر بے نقاب کروں جو ہمارے معاشرے کی جڑوں میں زہر دے رہے ہیں۔"

"ہاں ہاں۔ بولتی رہو، رُک کیوں گئیں؟" اسے خاموش پاکر میں نے اضطراری لہجے میں ٹوکا۔ اتنی دیر کی گفتگو میں پہلی بار وہ ایک ایسے موضوع کی طرف آئی تھی جو میرے لیے دلچسپی سے بھرپور تھا۔

"کامران میرے سامنے ہے۔ اس لیے میں اس کے حوالے سے سوچتی ہوں۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولنے لگی۔ "لیکن اس جیسے نجانے کتنے ہوں گے جو بھول میں یا دانستہ نشے کے ہاتھوں برباد ہو گئے۔ میرا بس چلے تو ان سب کو سنگسار کرا دوں جو دولت کی ہوس میں نشہ آور چیزوں کا گھناؤنا دھندا کرتے ہیں۔ کالج کے فنکشن میں میں نے پہلی بار سرگرمی سے حصہ لیا تھا کیوں کہ اس میں انسدادِ منشیات پر مذاکرے کا پروگرام بھی شامل تھا۔ اگر ایسے حریص لوگوں کا پتہ معلوم ہو جائے تو پھر کیسے چرس، افیم اور کوکین مل سکے گی۔ اپنی زندگی میں اگر کسی ایک آدمی کو بھی اسی جرم میں پکڑوا سکی تو میں سمجھوں گی کہ میں نے اپنا مقصد پالیا۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ "پھر سب سے پہلے مجھے سزایاب کراؤ۔"

اس بار وہ بُری طرح چونکی تھی۔ "کیوں؟"

"اس لیے کہ میں قانون اور معاشرے کا مجرم ہوں۔" میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "یہ اعتراف میں کسی کے سامنے نہیں کر سکتا لیکن تمھیں یہ جان کر حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ میں بھی منشیات فروش ہوں۔"

"آپ جھوٹے ہیں، میں نہیں مان سکتی۔" وہ بے یقینی کے انداز میں بڑبڑائی۔ "آپ اس وقت جذبات کی رو میں بہکے ہوئے ہیں اور ہر قیمت پر مجھے اپنانے پر تُل گئے ہیں اسی لیے ناکردہ گناہوں کا بوجھ اپنے سر تھوپنے پر آمادہ ہیں لیکن آپ بھول گئے ورنہ شاید کسی قتل کا اعتراف کرتے۔ میں کسی چور، قاتل، بدمعاش یا شرابی کے ساتھ تو گزارا کر سکتی ہوں لیکن کسی منشیات فروش کے ساتھ ہرگز نہیں۔ میری خاطر آپ اپنی ذات کو اتنا آلودہ نہ کریں۔"

"میں کماتا بھی ہوں... اُڑاتا بھی ہوں۔" میں نے اگنیشن آن کرتے ہوئے بوجھل لہجے میں کہا۔ "لیکن اپنی تنہائی میں کسی کو شریکِ سفر بنانے کے بارے میں کبھی نہ سوچ سکا کیوں کہ میں دوہری زندگی گزار رہا ہوں۔ میرا ظاہر کسی آئینے کی طرح شفاف ہے لیکن باطن دھندلایا ہوا ہے۔ یہ نہ جھوٹ ہے اور نہ جذبات کی رو میں کہی ہوئی کوئی سرسری بات۔"

وہ حیرت سے میری طرف دیکھتی رہی جیسے میں اس کے لیے کوئی عجوبہ رہا ہوں پھر اُداس لیکن تحیر زدہ لہجے میں بولی۔ "میرے لیے یہ بات ناقابلِ یقین ہے لیکن آپ سنجیدہ ہیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو دل کا بوجھ ہلکا کر لیں، میں یقین دلاتی ہوں کہ آپ کی یہ گفتگو ہمیشہ ایک راز بن کر میرے سینے میں دفن رہے گی۔"

میں نے اگنیشن آف کر دیا۔ میرے ذہن میں اپنے ماضی کا ایک ایک لمحہ یوں مجسم ہونے لگا جیسے کسی اسکرین پر ان واقعات کی فلم چلا دی گئی ہو۔ عسرت زدہ گھرانے میں بڑی ماں اور دو سوتیلے بھائیوں کے ظالمانہ سلوک سے ماں کی خودکشی تک میں نے اختصار کے ساتھ سارے واقعات اسے سُنا دیے۔ وہ حیرت، صدمے اور بے یقینی کے عالم میں میری کہانی سُنتی رہی اور جب میں لاہور سے روانگی کا ذکر کر کے خاموش ہوا تو وہ پھریری لے کر چونک پڑی۔

"یقین نہیں آتا۔" وہ غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں تو سمجھتی تھی کہ میری زندگی صدموں اور عدم تحفظ کا شکار رہی ہے۔ دوسروں کا ماضی ایسا نہیں ہو سکتا لیکن آپ مرد ہوتے ہوئے بدترین امتحانات سے گزرے ہیں۔ سچ ہے کہ جب تک انسان دوسروں کے دُکھوں کی راکھ نہ کریدے، اپنی یادوں کی چنگاریوں ہی میں سلگتا رہتا ہے۔"

"وہ میری زندگی کا پہلا باب تھا۔" میں نے بھاری لہجے میں کہا۔ "جو مکمل شکست پر ختم ہو گیا اور میں انسانیت کی اعلیٰ قدروں کو فراموش کر کے محض زندہ رہنے کی حیوانی خواہش دل میں لیے کراچی چلا آیا اور جرائم کے راستے پر پڑ گیا۔ بے یقینی کے اس دور میں ایک شخص نے معقول مستقل آمدنی کا سُنہرا خواب دکھا کر مجھے اپنے چنگل میں لے لیا اور آج تک میں اسی کے لیے کام کرتا چلا آ رہا ہوں، فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے میں چرس بیچتا تھا، اب ہیروئن کا کاروبار چلاتا ہوں۔"

"تو وہ پلاسٹک فیکٹری؟" وہ مجسم سوال بن گئی۔

"ناجائز آمدنی کے لیے بس ایک جائز آڑ سمجھ لو اُسے۔" میں نے بوجھل مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اس کی داغ بیل بھی کالے دھن ہی سے ڈالی گئی تھی اور آج وہ ایک بااعتبار ادارہ ہے۔"

"آپ تنہا ہیں۔ جب ایک آبرومند بنیاد قائم ہو گئی ہے تو منشیات فروشی سے کنارہ کش کیوں نہیں ہو جاتے؟ یہ تو سب سے بڑی لعنت ہے۔ اس کے شکار سسکتے ہوئے ڈھانچوں کی طرح زندگی گزارتے ہیں۔ کیا ان کے بارے میں کبھی سوچا ہے، آپ نے؟"

"اتنی شدت کے ساتھ تو نہیں۔ لیکن سوچا ضرور ہے۔" میں نے کہا۔ "میں خود اُکتا گیا ہوں۔ الگ ہونا چاہتا ہوں لیکن الگ نہیں ہو سکتا۔ جس دن اس ارادے کا اظہار کر بیٹھا، شاید وہ میری زندگی کا آخری دن ثابت ہو۔"

"اوہ..." وہ گہرا سانس لے کر بولی۔ "تو کسی بڑے گروہ کے چکّر میں پھنسے ہوئے ہیں آپ؟"

"مجھے آج تک یہی پتا نہیں چل سکا کہ میں کن لوگوں کے لیے کام کرتا ہوں۔ وہ بس ایک آواز ہے جس کی میں برسوں سے تعمیل کرتا چلا آرہا ہوں۔ نیچے والوں کو اچھی طرح جانتا ہوں، اوپر والوں سے لاعلم ہوں۔"

وہ پھر چونک پڑی۔ چند ثانیوں تک بے اعتباری سے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔ "وہ ایک آواز ہے۔۔۔ اور آپ اس دن کالج کے فنکشن میں ایک آواز ہی سن کر چونکے تھے بلکہ میں خوفزدہ کہوں تو شاید غلط نہ ہوگا۔۔۔۔ تو کیا آپ کو سکندر علی کی آواز کی بنا پر شبہ ہوا تھا کہ وہی آپ سے کام لیتا رہا ہے؟"

"اب ہمارے راز مشترک ہیں تمہارا اندازہ درست ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "تمہارے کالج کے سووینئر میں میری فیکٹری کا تہنیتی اشتہار دیکھ کر وہ خائف ہوگیا تھا کہ کہیں میں نے اس کی تقریر سن کر اسے پہچان نہ لیا ہو۔ اسی شبہے کی تصدیق یا تردید کے لیے اس نے ایک بہانہ تراش کر فنکشن کے بیرونی شرکا کی فہرست مرتب کرائی تھی اور تم نے فہرست سے میرا نام حذف کر کے مجھے ایک بہت بڑی دشواری سے بچالیا ورنہ وہ میرے پیچھے لگ گیا ہوتا۔"

"مم۔۔۔ مگر آپ نے تو حوصلہ افزائی کے بجائے اسے میری غلطی قرار دیا تھا۔" میرے پے در پے انکشافات نے اسے پریشان کردیا تھا۔ "مجھ سے یہاں تک کہا تھا کہ میں فہرست میں تصحیح کرادوں۔"

میں دھیمے سے مسکرا دیا۔ "وہ ابتدا تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس مرحلے پر تمہارے ذہن میں میری طرف سے کوئی شبہ پیدا ہو۔ تصحیح کا مشورہ دینے کے بعد دوسرے ہی سانس میں میں نے تمہیں اس کے مضمرات سے آگاہ کر کے روک بھی دیا تھا۔"

"اوہ خدا! تو اس کا مطلب ہے کہ سکندر علی بھیڑ کے روپ میں بھیڑیا ہے۔۔۔"

"شش۔۔۔" میں نے اسے درمیان ہی میں ٹوک دیا۔ "مُردہ لوگوں کو برا نہیں کہتے۔"

"ہائیں؟ وہ مر گیا؟" وہ غیر ارادی طور پر تقریباً چیخ ہی پڑی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت اس ساحلی گوشے کی ویرانی میں کچھ اور اضافہ ہوگیا تھا ورنہ آس پاس سے کوئی بھی اس کی آواز سن کر ہماری طرف متوجہ ہوسکتا تھا۔

"آج شام کے اخبارات میں اس کے قتل کی خبر موجود ہے۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"کس نے قتل کیا اسے؟" غزالہ کی سرسراتی ہوئی تجسس آمیز آواز میں خوف کا عنصر پیدا ہوگیا۔

"کوئی اور نہ مارتا تو شاید یہ کام میرے ہاتھوں سرانجام پاتا۔"

غزالہ کا ردعمل دیکھتے ہوئے میں نے اس مرحلے پر سچ سے گریز کرتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "اگر میرے لیے ان لوگوں سے نجات دشوار ہے تو میں ان میں شامل رہتے ہوئے ان کی بیخ کنی تو کرسکتا ہوں۔"

"اب تو اس کی ضرورت نہیں رہی ہوگی۔" اس نے مستفسرانہ لہجے میں کہا۔

میں اس کی خام خیالی پر ہنس دیا۔ "سکندر علی میرا سربراہ ہونے کے باوجود اس بساط کا ایک مہرہ تھا۔ اس کی باگ ڈور کسی اور کے ہاتھ میں تھی۔ اب وہی میری توجہ کا مرکز بنے گا۔"

"مجھے اب تک یقین نہیں آرہا ہے کہ۔۔۔ میں کوئی خواب نہیں دیکھ رہی۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔ "آپ کی تو کہانی عجیب وغریب ہے، میرے لیے یہ بہت سنسنی خیز تجربہ ہوگا کہ آپ کے ساتھ کسی گروہ میں شامل ہو کر اس کے مفادات کے خلاف کام کیا جائے۔"

میرے دل میں مسرت کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اس نے بالواسطہ الفاظ میں اپنی رضامندی کا اظہار کردیا تھا۔ میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور کار واپسی کی راہ پر ڈالتے ہوئے بولا۔ "یہ لوگ بے حد منظم ہیں خود اندھیرے میں رہ کر سارا کام چلا رہے ہیں۔ کوئی افتاد آتی ہے تو نیچے والے اس کا شکار ہوتے ہیں۔ قانون ان کے سامنے بے بس ہے۔ انہیں بے دست و پا کرکے مجھے بہت خوشی ہوگی لیکن یہ کام بہت صبر آزما ہے۔ فی الحال ان کی صفوں میں اپنی جگہ برقرار رکھنے کے لیے مجھے ان کی ہدایات پر چلنا ہوگا۔۔۔"

"مجھے گھر کے قریب ہی اتاریں۔ آج بہت دیر ہوگئی ہے۔" اس نے کہا۔ "لیکن کل شام میں گھر پر آپ کا انتظار کروں گی۔"

"تمہارے والدین کو اعتراض نہیں ہوگا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"میں آج ہی انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کردوں گی۔" اس کا لہجہ قدرے تلخ ہوگیا۔ "اس کے بعد اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جائے گی۔" ان کا خوف اس وقت تک تھا جب میں سنجیدہ نہیں تھی۔"

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے پھر میری مصروفیات کے بارے میں گفتگو چھیڑ دی اور میں اس کے سارے سوالات کے درست جوابات دیتا رہا۔ پوری گفتگو میں میں نے اس سے صرف ایک ہی بات چھپائی تھی کہ سکندر علی کا قاتل میں خود تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس مرحلے پر اتنا بڑا انکشاف کہیں اس کا سارا جوش ہی ٹھنڈا نہ کردے۔

○

غزالہ سے اس دوٹوک گفتگو نے میری کائنات ہی بدل کر رکھ دی۔ یوں تو جب سے میں نے اسے پہلی بار اپنے دفتر میں

ابدہ کے ساتھ دیکھا تھا، وہ میری نگاہوں میں سما گئی تھی اور میں اکثر
ن کے بارے میں سوچتا رہا تھا لیکن اس کی خوشنودی حاصل ہو جانے
کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری بے کیف زندگی میں
چانک رنگ ہی رنگ کھل اُٹھے ہوں۔

اس سے پہلے میری زندگی میں صنفِ نازک کی کوئی وقعت نہیں رہی تھی۔ ہمیشہ سے اسے ایک کھلونا سمجھتا آیا تھا پھر جن کو یں نے جانا تھا، ان کا کردار بھی کراہیت آمیز تھا۔ ظاہری چمک مک اور سکوں کی کھنک کہیں بھی ان کے قدموں کی زنجیر بن جاتی تھی۔ ان سے وقتی بہلاوے کے علاوہ میں کبھی کوئی آسودگی حاصل نہیں کر سکا تھا لیکن غزالہ نے پہلی بار مجھے چاہنے اور چاہے جانے کی لذت سے روشناس کیا تھا۔ اسے گھر کے قریب چھوڑنے کے بعد مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس سے پہلے میں بالکل ہی بے مقصد زندگی گزار رہا تھا۔ دنیا میں کوئی ایسا نہیں تھا جس کے جذبوں اور تمناؤں کا مرکز صرف اور صرف میری ذات ہوتی لیکن اب زندگی کے یہ تیور بدلنے والے تھے۔

خوشی کی بات یہ تھی کہ ہمارے درمیان کوئی دیوار باقی نہیں رہی تھی اور شاید وہ گھر سے باہر بھی میری سرگرمیوں میں ہاتھ بٹانے کے لیے پوری طرح تیار تھی۔

میں اس حسین شام کی یادوں میں کھویا ہوا بستر پر دراز تھا کہ اچانک ٹرانسمیٹر ریسیور پر کال سگنل موصول ہونے لگا۔ میں نے آپریٹس آن کر دیا۔ دوسری طرف سے سی۔ ون اپنے سی۔ کنگ کے مقررہ کوڈ سے مجھے پکار رہا تھا۔

"ڈی۔ ٹو ریسیونگ۔۔۔۔ اوور" میں نے دوبارہ اس کی کال سننے کے بعد جواب دیا۔

"تمہیں ان چیزوں کا طریقۂ استعمال یاد ہے نا، جو جیوا ہاؤز میں تمہاری تحویل میں دی گئی تھیں؟ اوور" اس نے سوال کیا۔

"یاد ہے" میں نے جواب دیا "لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ ایکسرے مشین کا کیا مصرف ہوگا؟ اوور"

"وقت آنے پر سب معلوم ہو جائے گا۔ فی الحال تمہیں جیوا ہاؤز پہنچنا ہے۔ دس بجے ایم۔ٹی۔تھری ہنڈرڈ پر کوئی اہم کال آئے گی۔ اوور"

"ایم۔ٹی۔تھری ہنڈرڈ؟" میں نے حیرت سے دہرایا "یہ کس چیز کا ذکر کر رہے ہو تم؟ اوور" مجھے سکندر علی سے معلوم ہو چکا تھا کہ ایم۔ٹی۔تھری ہنڈرڈ ایک وسیع حیطۂ عمل کا مواصلاتی آپریٹس تھا لیکن سی۔ ون نے وہ سامان میرے حوالے کرتے ہوئے اس مخصوص نام کے بجائے اس کے لیے ٹرانسمیٹر کا نام استعمال کیا تھا۔ لہٰذا میں نے اس نام پر حیرت کا اظہار ضروری سمجھا تھا کیونکہ وہ چالاک لوگ تھے اور ان سے کچھ بعید نہیں تھا کہ کب اور کس طرح میرا امتحان لے بیٹھتے۔

"ایم۔ٹی۔تھری ہنڈرڈ وہ ٹرانسمیٹر ریسیور کہلاتا ہے جو میں نے جیوا ہاؤز پہنچایا تھا۔ دس بجے تم اسے آن کر کے کال کے منتظر رہو گے۔ اوور"

"اور اس کا انٹینا؟ اوور" میں نے سوال کیا۔

"اس کا مائکرو اسکوپک انٹینا بہت طاقت ور ہے، اس کے لیے تمہیں کچھ نہیں کرنا ہوگا۔۔۔۔ اوور"

"لیکن وہ کال کس کی ہوگی؟ میں اسے کس طرح پہچانوں گا؟ اوور۔۔۔"

"تمہارے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ وہ کال ایم۔ٹی۔تھری ہنڈرڈ پر آئے گی" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "مجھ سے جو کچھ کہا گیا وہ میں نے تم تک پہنچا دیا ہے۔۔۔ اوور اینڈ آل"

آپریٹس پر صرف ریڈیائی شور باقی رہ گیا تھا لہٰذا میں نے اسے آف کر دیا۔

میں نے رسٹ واچ دیکھی تو میرے پاس بہت کم وقت رہ گیا تھا لہٰذا میں نے لباس تبدیل کیا اور جیوا ہاؤز کے لیے روانہ ہو گیا۔

اس عمارت کے محافظ اس وقت بھی اپنی جگہوں پر مستعد تھے۔ ان میں خوبی یہی تھی کہ کسی کی موجودگی یا غیر حاضری کی پروا کیے بغیر فرض شناسی کے ساتھ اپنا کام سرانجام دیتے رہتے تھے، لہٰذا پہلے ہی ہارن پر عمارت کا پھاٹک کھول دیا گیا۔

کار پورچ میں چھوڑ کر میں عمارت میں داخل ہوا اور کمرہ نمبر تین کا قفل کھول کر بدقت تمام فوٹو سیل کی زد سے بچ کر اندر داخل ہو گیا۔ مجھے اس حفاظتی آلے کی تنصیب کا علم تھا لہٰذا میں تو اس کی زد سے بچنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ بے خبری میں اندر داخل ہونے کی کوشش کرنے والا کوئی بھی شخص اس سے نہیں بچ سکتا تھا۔

اس کمرے میں ہر چیز جوں کی توں موجود تھی۔ نہ کیسٹ پلیئر چلا تھا اور نہ خودکار کیمرے کی فلم کا نمبر تبدیل ہوا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس کمرے میں حسبِ توقع کسی قسم کی مداخلت نہیں کی گئی تھی۔

میں سگریٹ سلگا کر کمرے میں موجود سامان کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔ خودکار کال ریکارڈر سی۔ ون اپنے ہاتھوں سے ایم۔ٹی۔تھری ہنڈرڈ سے منسلک کر گیا تھا لیکن اس طاقت ور آپریٹس پر کسی رابطے کے آغاز سے پہلے اسے آن نہیں کیا گیا تھا۔ اس آلے میں یہ خوبی تھی کہ اگر اسے آپریٹس کے ساتھ آن کر دیا جاتا تو ایم۔ٹی۔تھری ہنڈرڈ پر پیغام وصول ہوتے ہی ریکارڈر چل پڑتا اور تین منٹ بعد

خود بخود رُک جاتا۔ اس طرح میری غیر موجودگی میں بھی ان آلات پر میرے لیے ہدایات چھوڑی جاسکتی تھیں۔

ٹھیک دس بجے میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ آپریٹس آن کر دیا۔ وزنی آہنی آلے پر مختلف علامتی روشنیاں نمودار ہوتے ہی بند کمرے کی محدود فضا میں ریڈیائی لہروں کا دھیما دھیما شور گونجنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ اس بار تنظیم کے بڑوں میں سے کوئی مجھ سے مخاطب ہونے والا تھا اور یہ میرے لیے ایک نیک شگون تھا۔

"بی۔ ون کالنگ فار ڈی۔ ون۔۔۔۔ اوور۔" کچھ ہی دیر بعد ریڈیائی شور میں ایک دھیمی اور سپاٹ مردانہ آواز ابھری جس کا ایک ایک لفظ واضح تھا۔

"ڈی۔ ون ریسیونگ سر! اوور۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ بٹن دبا کر اپنا جواب نشر کیا پھر فوراً ہی مجھے اپنی غلطی کا بھی احساس ہوا کہ مراتب کا تعین میں نے اپنے اندازے سے کیا تھا جس کی تصدیق سکندر علی سے ہوئی تھی جب کہ تنظیم کی طرف سے مجھے کچھ نہیں بتایا گیا تھا کہ آپس میں بڑے چھوٹے کی کیا شناخت ہوگی۔ بس اس رویے کا ایک ہی جواز ہو سکتا تھا کہ ڈی۔ ون کے طور پر میں پہلے بی۔ فور کو جواب دہ تھا لہٰذا بی۔ ون بھی مجھ سے افضل ہو سکتا تھا۔

لیکن دوسری طرف سے میرے اس انداز پر توجہ نہیں دی گئی۔

"حالات ایک دم بگڑ گئے ہیں۔" ریسیور پر وہی دھیمی اور سپاٹ آواز گونج رہی تھی۔ "بی۔ فور کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ کچھ لوگ ہمارے پیچھے لگ گئے ہیں، اب سب کو محتاط رہنا ہوگا۔ کل نیشنل ہائی وے سے ٹرک نمبر پی آر صفر تین نو کے ذریعے ایک بڑی کھیپ آ رہی ہے۔ تمہارے آدمیوں کو ٹھیک پانچ بجے اٹھارہویں سنگ میل پر سیاہ رومال لہرا کر اسے روکنا ہے۔ ڈرائیور مرغ زرین کا حوالہ دینے والے کی ہدایات پر عمل کرے گا۔ اس مال کی فوری تقسیم کے بعد تم لوگوں کو کنارہ کش ہو جانا ہے۔ بقیہ ہدایات بعد میں ملیں گی۔ اس دوران میں تم ایم۔ ٹی۔ تھری ہنڈرڈ پر ہر شام سات بجے سے ساڑھے سات تک موجود رہو گے۔۔۔۔ اوور۔"

"میں سمجھ گیا سر!" میں نے سعادت مندانہ لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن یہ نہیں سمجھ سکا کہ بی۔ فور کے دشمن کون ہو سکتے ہیں۔ ویسے آج شام کے اخبارات میں سکندر علی کے قتل کی خبر شائع ہوئی ہے۔۔۔ اس سے تو بی۔ فور کا کوئی تعلق نہیں تھا؟ اوور۔"

"شاید تمہیں یہ سن کر حیرت ہو کہ وہی تمہارا بی۔ فور تھا۔"

بی۔ ون کا جواب سنتے ہی میرے لبوں پر آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اس نے اپنی ایک بڑی غلطی کی سزا بھگتی ہے۔ اگر اس کا فیصلہ التوا میں نہ ڈالا جاتا تو شاید قاتل کبھی اس تک نہ پہنچ پاتا۔ اب فکر اس بات کی ہے کہ قتل سے پہلے اس نے بی۔ فور سے نجانے کیا کچھ اگلوا لیا ہو۔۔۔۔ اوور۔"

میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ فیصلہ التوا میں ڈالنے کا کیا مطلب تھا۔ بی۔ ون کو خلش تھی کہ اس نے یا اس سے اوپر والوں نے فوری سزا کے بجائے سکندر علی کو زندہ کیوں رکھا۔ اگر طارق کی طرح اسے بھی مار دیا گیا ہوتا تو کم از کم باہر کا کوئی آدمی ان پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب نہ ہو سکتا۔

"ہم محتاط رہیں گے سر!" میں نے جواب دیا۔ "طارق کے بعد ہم کو دوسرا صدمہ پہنچا ہے یہ۔ اوور۔"

"طارق معمولی آدمی تھا۔" لہجہ قدرے بگڑ گیا۔ "اس کا صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ بی۔ فور کی اہمیت کسی فوری فیصلے میں مانع رہی۔ بہر حال ان باتوں سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر تمہیں فوری طور پر اختیارات دیے جا رہے ہیں۔ اب تم براہِ راست میرے تابع ہو گئے ہو۔ سی۔ ون تمہاری ہدایات اور مشوروں کے مطابق تم سے تعاون کرتا رہے گا۔ نچلے درجے پر مال کی تقسیم کا کام ڈی۔ ٹو کے سپرد کر دو۔ اب تم بی۔ فور اور وہ ڈی۔ ون کہلائے گا لیکن اسے اپنا نمبر ٹو منتخب کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ بدستور دوسرے لوگوں سے براہِ راست کام لیتا رہے گا۔۔۔۔ اوور۔"

"لیکن فی الحال تو کل کی کھیپ کے بعد کوئی کام ہی نہیں رہے گا۔۔۔۔ اوور۔"

"ڈی۔ ٹو کے نیچے والوں کو اس صورتِ حال کا اندازہ نہ ہونا چاہیے۔ انھیں خوب صورتی سے الجھائے رکھنا ہوگا۔ یہ معاملہ میں تمہاری صوابدید پر چھوڑتا ہوں۔ اس وقت شہر میں سکون ہے لیکن اینٹی ایڈکشن کیور سوسائٹی ہمیشہ انسدادی سرگرمیوں میں پیش پیش رہی ہے۔ سرکاری لیول پر بھی اسے تسلیم کیا جاتا ہے، انھیں عطیات دے کر اس میں رسوخ حاصل کرنا ہے۔ سکندر علی اس کا تاحیات رکن بنا ہوا تھا۔ فرصت کے اوقات میں تم اس طرف توجہ دینے کے ساتھ ایشلے ہاؤزر کے لیے آدمی تیار کرو کیوں کہ اگلے ہفتے مال روانہ ہونا ہے۔ اوور۔"

"بہتر سر!" میں نے جلدی سے کہا۔ "شاید آپ کو ماہرین کے اجلاس کی رپورٹ مل گئی ہوگی۔ وہاں جرمن نمائندے نے انکشاف کیا تھا کہ ڈاکٹر پی۔ جے۔ ڈالٹن کو مومن خان کے لیے کام کرنے پر آمادہ کرنے والی برطانوی نژاد لڑکی کا نام ویرا لائیڈ تھا جب کہ ٹوکیو میں مجھ سے معاملات طے کرنے والی کا بھی یہی نام تھا۔ یہ نکتہ مسلسل میرے ذہن میں چبھ رہا ہے۔ اوور۔"

"سوچنا اچھی بات ہے لیکن تم فضول بات پر سر کھپا رہے ہو۔

ے ملنے والی فرضی نام سے سفر کر رہی تھی۔ اگر ایشلے ہاؤز والوں
رسائی مومن خان جیسے لوگوں تک ہوتی تو وہ ہم سے کاروبار
ر رہے ہوتے۔"

اس کا جواب منطقی تھا لیکن میرا ذہن اس عجیب وغریب
بیانیت کو اتفاق تسلیم کرنے پر پھر بھی آمادہ نہ ہوسکا۔ اس کے
یتے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس بات کو اہمیت دینے کو تیار
یں لہٰذا میں نے مزید کسی سوال کا ارادہ ترک کر دیا۔

"شاید تم نے غور نہیں کیا کہ اس اجلاس میں شروع سے آخر تک
ے سروپا گفتگو ہوتی رہی۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "بڑی طاقتوں کا بس چلے
وہ دُنیا میں رونما ہونے والی قدرتی آفات کا الزام بھی ایک دوسرے
ر عائد کرنے لگیں۔ اب تم ایک نمبر نوٹ کرلو۔ یہ لاہور کا نمبر ہے۔"
س کے الفاظ سنتے ہی میرا دل کھوپڑی میں دھمکنے لگا۔ اور جب
س نے نمبر بتایا تو میں حیران رہ گیا کیوں کہ اس نمبر پر میں ایک بیمار
اور عمر رسیدہ عورت سے بذاتِ خود گفتگو کر چکا تھا۔ "اس پر
انتہائی ہنگامی ضرورت کے تحت تم رات ایک سے تین بجے تک
اپنے کوڈ کے تحت کوئی بھی پیغام دے کر ہدایات لے سکتے ہو....
یہ خیال رہے کہ یہ نمبر بدترین حالات میں رہنمائی کے لیے ہے۔ بلاوجہ
رابطے کی کوشش کروگے تو عتاب کو دعوت دوگے۔ عام حالات
میں ایم۔ٹی۔ تھری ہنڈرڈ پر مجھ سے بات کرسکتے ہو۔"

ان ہی موضوعات پر مختصر سی وضاحتی گفتگو کے بعد بی۔ ون
نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

میرے لیے وہ کال بہت اہم ثابت ہوئی تھی۔ سب سے
پہلی بات یہ تھی کہ سکندر علی کے قتل نے انھیں بوکھلا کر رکھ دیا تھا
اور وہ حفظِ ماتقدم کے طور پر کاروبار سے عارضی طور پر دستبردار ہونے
کے لیے تیار ہو گئے تھے لیکن ان کے عزائم بدستور بلند تھے۔ دوسری
طرف ویرا لائیڈ کے نام کی دوجگہ موجودگی نے مجھے جس اُلجھن میں
ڈالا ہوا تھا وہ اوپر والوں کو بھی ہونی چاہیے تھی لیکن بی۔ ون نے
اس نکتے کو جس سرسری انداز میں بھگتانے کی کوشش کی تھی اس
سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ عقل سے بالکل عاری ہے مگر وہ
تنظیم کا ایک ذمے دار رکن تھا۔ اپنے نازک فرائض کی بنا پر اس کی
ذہانت ہر شبہے سے بالاتر تھی۔ اس سے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا
تھا کہ وہ مجھے اس راز میں شریک کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ ویرا لائیڈ
اور اس کی سرگرمیاں اس وقت میرے لیے ثانوی نوعیت کی تھیں۔
فوری اہمیت اس بات کی تھی کہ ان لوگوں کا طریقۂ کار بتدریج سامنے
آتا جارہا تھا۔ شہر میں باہر سے مال کی ترسیل براہِ راست بی۔ ون
کی ذمے داری تھی۔ شہر پہنچنے تک ڈرائیور کو بھی علم نہ ہوتا کہ دوسرے
مال میں چھپائی ہوئی ہیروئن کہاں پہنچانی ہے بلکہ مجھے تو یہ بھی
شبہ ہونے لگا تھا کہ ڈرائیور کو کچھ خاص تھیلیوں کا علم تو ہوسکتا تھا،
لیکن یہ معلوم نہ رہا ہو کہ وہ بالائی علاقے سے ان تھیلوں میں کیا لے کر
چلا ہے پھر شہر سے اٹھارہ میل پرے سی۔ ون کے آدمی ڈرائیور سے
مل کر کسی محفوظ مقام پر مال کے تھیلے حاصل کر لیتے اور ان ہی میں
سے کوئی وہ مال جیوا ہاؤز میں جہانگیر کے حوالے کر دیتا۔ ایک طرف
پولیس، آبکاری اور دوسرے سرکاری محکموں کی زد سے محفوظ رہتے
ہوئے یہ غیر قانونی مشاغل جاری تھے اور دوسری طرف ایڈکشن
کیور سوسائٹی جیسے نیک نام اداروں میں گھس کر سرکاری اور نجی رجحانات
پر کڑی نگاہ رکھی جارہی تھی۔

مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ غزالہ میرے ساتھ مل کر اس صورتِ حال
سے لطف اندوز ہوگی اور اس کے ساتھ مل کر میں اس تنظیم میں آخرکار
ایسے منصب تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں گا جہاں میرے ایک
اشارے پر سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔

اے۔ ٹو کے بارے میں بھی معاملہ صاف ہوگیا تھا۔ شاید
سکندر علی کو بھی وہ نمبر کسی آڑے وقت کے لیے دیا گیا تھا لیکن میں
اس کی ڈائری سے وہ نمبر لے اڑا۔ نمبر لاہور ہی کا تھا۔ اس کا مقصد
تھا کہ خود کو مریض اور تنہا ظاہر کرنے والی عورت کا دامن صاف نہیں
تھا۔ اس نے مجھ سے خود کہا تھا کہ وہ کسی مرد کے بغیر اس نمبر والے
مکان میں رہتی ہے اور میں اس کے التجا آمیز لب ولہجے سے دھوکا
کھا گیا تھا۔ رات کے ایک سے تین بجے کے دوران یا تو وہ خود
اے۔ ٹو کے روپ میں پیغامات وصول کرتی تھی یا پھر رات کی
تاریکی میں اس کا کوئی شناسا وہاں پہنچ کر اپنے معمولات نمٹاتا
تھا۔ صورتِ حال جو بھی رہی ہو سی۔ ون کے علاوہ ایک اور چہرہ
میرے سامنے بے نقاب ہو چکا تھا۔ اب یہ میری سہولت پر منحصر
تھا کہ میں اس پر کب ضرب لگانے کا فیصلہ کروں۔ جہاں تک ایشین
سنڈیکیٹ لمیٹڈ نامی کاروباری ادارے کا تعلق تھا، میں نے اسے
بھلا دیا تھا۔ اس کے بارے میں لاہور پہنچے بغیر چھان بین آسان
نہیں تھی۔

ایم۔ٹی۔ تھری ہنڈرڈ سے منسلک کال ریکارڈر آن کر کے میں
نے وہیں سے اپنے آپریٹس پر سی۔ ون سے رابطہ قائم کیا اور اسے
اگلے دن آنے والے مال کے بارے میں بتاتے ہوئے یہ واضح کر دیا
کہ مال دس بجے جیوا ہاؤز پہنچایا جائے کیوں کہ جہانگیر سے اگلی رات
آٹھ بجے سے پہلے معمول کے مطابق رابطہ پیدا کرنا ممکن نہیں تھا۔

سی۔ ون نے میری ہدایات بہت سکون سے سُنیں اس
کا کوئی جواب ایسا نہیں تھا جس میں بالادستی کے خاتمے کی جھلاہٹ
پوشیدہ ہوتی۔ نہ ہی اس نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ م
مقررہ وقت پر کال وصول کرسکا تھا یا نہیں اور اگر بات ہوئی

تھی تو اس کا موضوع کیا رہا تھا۔ اس سے بات کرنے کے بعد میں
تین نمبر کمرے سے نکل آیا۔

میں اپنے خیالات کی رو میں کھویا ڈرائنگ روم میں پہنچا تو میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے کیوں کہ کمرے کے وسط میں جیوا ہاؤز کا ایک محافظ مجھ پر پستول تانے کھڑا تھا۔

"تین نمبر ممنوعہ علاقہ ہے ڈپٹی صاحب! تم ادھر کیوں گئے تھے؟" اس نے سرد اور لاتعلقانہ لہجے میں سوال کیا۔

اسے پستول بدست دیکھ کر پہلے تو میری کھوپڑی ہی بھڑک اٹھی تھی لیکن اس کا سوال سنتے ہی میرا غصہ ابلنے سے پہلے ٹھنڈا پڑ گیا۔ "اگر وہ ممنوعہ ہے تو تم نے اندر داخل ہوتے ہوئے مجھے روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"احکام سب کے لیے ہیں۔" وہ اسی لہجے میں بولا۔ "ہمیں علم نہیں تھا کہ تم خلاف ورزی کی نیت لے کر آئے تھے۔ مجھے افسوس ہے کہ اب تمھیں باس کی آمد تک یہیں ہماری قید میں رہنا ہوگا۔"

"میں پورے اختیار کے ساتھ تین نمبر میں گیا تھا۔" اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "جہانگیر سے بات کرلو تمھیں خود ہی غلط فہمی کا اندازہ ہوجائے گا۔"

"ہمیں ان کے گھر فون کرنے کی اجازت نہیں ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا، دوسرا اس کے قریب مشینی انداز میں خاموش اور ساکت کھڑا ہوا تھا۔ مجھے اپنی حماقت پر تاؤ آنے لگا۔ اگر میں سی۔ ون کا پیغام ملتے ہی جیوا ہاؤز کی طرف دوڑ لگانے سے پہلے جہانگیر سے بات کرلیتا تو وہ محافظوں کو باخبر کردیتا اور یوں سبکی کی نوبت نہ آتی۔

"میں بات کرتا ہوں اس سے۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور فون کی طرف بڑھ گیا۔

نمبر ملتے ہی دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا۔ بولنے والا جہانگیر خود تھا۔ میں نے بلا کسی تمہید اسے بتادیا کہ میں اس وقت جیوا ہاؤز کے کمرہ نمبر تین میں داخلے کے جرم میں محافظوں کی حراست میں ہوں۔

"تم وہاں کیوں گھسے؟" جہانگیر کی آواز میں تشویش امڈ آئی۔

"وہ ممنوعہ علاقہ ہے۔ غنیمت ہے کہ سلمیٰ اس وقت لاہور سے آئے ہوئے کچھ مہمانوں کے ساتھ فلم دیکھنے گئی ہوئی ہے ورنہ میں تم سے کھل کر بات بھی نہ کرپاتا۔"

"حکم کی تعمیل کی ہے میں نے۔" میں نے کنکھیوں سے چند قدم دور کھڑے ہوئے محافظوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر آواز دھیمی کرکے بولا۔ "تم چاہو تو تصدیق بھی کرسکتے ہو۔۔۔۔ شاید میرے لیے کسی خطرناک کام کا آغاز ہو ہی چکا ہے۔"

"یہ یاد رکھنا کہ غلط بیانی ثابت ہوگئی تو میں خود تمھیں
لوں گا۔" اس کا لہجہ تنبیہہ آمیز ہوگیا۔ "میں تمھاری کسی حماقت سے اپنی گردن نہیں پھنسواؤں گا۔"

"تم بے فکر رہو۔ غلط بیانی ثابت ہو تو گولی ہی مار دینا۔" نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

ریسیور پر جہانگیر کا ایک گہرا سانس ابھرا پھر آواز آئی۔ "ریسیور نورے کو دے دو۔"

نورا ریسیور کان سے لگائے چند سیکنڈ تک دوسری طرف ہدایات سنتا رہا پھر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اس کے ساتھی نے اپنا پستول جھکا لیا اور میں تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا۔

جہانگیر نے میری ہمدردی میں مجھ سے کسی خطرناک مہم کا
کرکے میرے لیے ایک ایسا بہانہ فراہم کردیا تھا جو اس وقت
نمبر میں میرے داخلے کا مؤثر جواز بن گیا تھا ورنہ دوسری صورت
جہانگیر میری طرف سے کھٹک سکتا تھا۔ یہ سوچتے ہوئے میں کار چلاتے ہوئے پہلے موڑ سے گھوما تو ایک اسٹریٹ لائٹ کے نیچے ویران سڑک پر ایک عورت کو کھڑے دیکھ کر چونک پڑا اور اگلے ہی لمحے میرے دل کی دھڑکنیں تیز تر ہوگئیں کیوں کہ وہ چہرہ زنانہ میرا شناسا تھا بلکہ وہ ہاتھ ہلا کر گاڑی رکوانے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ علاقہ اتنا مصروف اور محفوظ نہیں تھا کہ اتنی رات گئے کوئی جوان عورت ویران سڑک پر یوں تنہا نکل پڑنے کی ہمت کرتی۔ اگر وہ کسی سے مل کر لوٹ رہی تھی تو اس کے میزبانوں کو عورت ہونے کے ناتے اس کے ساتھ کم از کم اتنی اخلاقی مروت برتنا چاہیے تھی کہ اسے کچھ دور مصروف شاہراہ تک چھوڑ دیتے جہاں سے باآسانی کوئی سواری مل سکتی تھی۔ میرے لیے یہ فرض کرنا محال تھا کہ کارنشینوں کی اس آبادی میں اس کے ملاقاتی اس وقت اپنے اخلاق کے مظاہرے کے لیے کسی کار سے محروم رہے ہوں گے۔

جیوا ہاؤز سے یوں تو شہر جانے والی مصروف شاہراہ پر نکلنے کے کئی راستے تھے لیکن وہاں سڑکیں خراب تھیں یا راستہ طویل تھا۔ اس وجہ سے جیوا ہاؤز میں آمدورفت کے لیے مجھ سمیت ہر ایک وہی راستہ اختیار کرتا تھا۔ مجھے فوری طور پر یہی خیال ہوا کہ وہ میری واپسی کے انتظار میں وہاں کھڑی تھی اور اس نے میری گاڑی پہچان کر ہی روکنے کا اشارہ کیا تھا۔

اس کا مقصد جو کچھ بھی ہو، اسے پہچانتے ہی میرے ذہن میں تجسس بیدار ہوچکا تھا۔ میں نے اس کے قریب گاڑی روک کر پسنجر سیٹ کی کھڑکی کا شیشہ اتار دیا۔

آپ شہر جا رہے ہوں تو مجھے بھی راستے میں اُتار دیں۔" اس
پھر کی یک جھک آیا اور کار میں دھیمی دھیمی خوشبو کی آنچ گردش
لگی۔ مقدر کی عجیب ستم ظریفی تھی کہ چند ہی دن میں میں اس
طرح واقف ہو چکا تھا لیکن اس کے لیے میرا چہرہ تک نا آشنا
نے مسکراتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ پھرتی
دروازہ کھول کر میرے برابر والی نشست پر جم گئی — میں نے
سے کار آگے بڑھا دی۔
"بڑا عجیب علاقہ ہے یہ۔" وہ زیادہ وقت ضائع کیے بغیر
بعد ہی بول پڑی۔ "کافی دور سے چلی آرہی ہوں لیکن دور تک
سواری کا پتا نہیں ہے۔ اکیلی عورت کو دیکھ کر تو ہر کوئی شیر ہو
ہے۔" اس نے بڑی معصومیت کے ساتھ اپنی تشویش کا
کرتے ہوئے میرے ذہن میں منفی خیالات اُبھارنے کی
کوشش کی۔
"اکیلی عورت اور پھر آپ جیسی۔" میں نے اس کے خوبصورت
پر نگاہ ڈالتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔
"میرا نام رخشی ہے۔" مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے مجھے اصل نام
بتایا تھا۔ سکندر علی کے مکان میں میں چہرے پر نقاب منڈھ کر
چور کے روپ میں داخل ہوا تو وہ بھی میری زد میں آئی تھی۔ اس
میں نے اسے سکندر علی کی سکریٹری سمجھ کر انتقامی سلوک کیا
اور محض ہیرا پھیری کے بجائے بھرپور ڈکیتی کا ارتکاب کر بیٹھا
لیکن سکندر علی نے مرنے سے قبل مجھ پر اس کی اصلیت کا راز
فاش کر دیا تھا کہ سکریٹری یا مالک کے روپ میں وہ اوپر والوں کی طرف
سے مسلط کی گئی ایک نگراں تھی اور اسی نے چوری کی اطلاع اُوپر
پہنچا کر سکندر علی کی تباہی کی داغ بیل ڈالی تھی جس کے نتیجے میں وہ
دل ہو کر سکندر فارمز کے ویرانے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا لیکن وہاں
بری زد میں آکر اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ اس اعتبار سے وہ میرے
اہم تھی کہ سکندر علی سے اوپر والوں کی معتمدِ خاص تھی اور بی۔ فور
بارے میں اپنی رپورٹ انھیں پہنچاتی رہی تھی۔
وہ سکندر علی کو نگل چکی تھی۔ اس کے بعد بی۔ فور کا منصب
مل چکا تھا۔ شاید اسی وجہ سے وہ پورے ہتھیاروں سے لیس
میرے سامنے آئی تھی کہ میں اس کی اداؤں کا شکار ہو جاؤں اور
تنظیم کا کوئی بڑا مجھے اس آشنائی پر ملامت کرنے کے بعد مجھے
ٹھکانے لگانے کا حکم صادر کر دے۔ اس طرح میرا ایک ایک لمحہ اور
ہر مصروفیت تنظیم کے تابع ہو کر رہ جاتی۔
میں جانتے ہوئے بھی انجان بن کر اس سے نمٹنا چاہ رہا تھا اور
ان چند لمحوں کو امر بنانے کے لیے ذاتی تعارف پر اُتر آئی تھی جیسے
واقعی اس سے ناواقف ہوں۔ میں اسے ذرا بھی شبہے کا موقع دیے

بغیر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔
"ایک سہیلی سے ملنے آئی تھی۔ وہ بے چاری خود شہر چھوڑتی
لیکن اس کی کار کا سلف خراب ہو گیا۔ دھکا لگا کر کار اسٹارٹ کرنا
چاہی تو کلچ میں گڑبڑ ہو گئی اور میں فاصلے کا اندازہ کیے بغیر اپنے زعم میں
ٹیکسی کی تلاش میں چل پڑی۔" بولتے بولتے وہ دلربایانہ انداز میں
ہنس پڑی۔ "یہ سب تو بس بہانے تھے ورنہ مقدر میں آپ سے ملنا
تھا۔ . . . ویسے آپ کیا کرتے ہیں؟"
"جو کرنا پڑے، کر لیتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔
"آپ تو خاصے دلچسپ آدمی ہیں۔" وہ بے تکلف ہونے کی
نیت سے بلا وجہ قہقہہ مار کر بولی۔ "بڑی ذومعنی باتیں کرتے ہیں۔"
"اس کا ایک ہی مطلب ہے رخشی صاحبہ!" میں سڑک کی طرف
دیکھتے ہوئے بولا۔ "ملازمت کرتا ہوں، جو سیٹھ چاہتا ہے، کرنا
پڑتا ہے۔"
"دوستی کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟" اس بار وہ ہنسی
نہیں تھی لیکن آواز میں مٹھاس تھی۔
"لڑکیوں سے دُور رہتا ہوں، اسلام پسند ہوں۔" میں نے سنجیدگی
برقرار رکھی مگر وہ کھل اُٹھی۔
"اسلام پسند تو میں بھی ہوں بلکہ مسلمان ہوں لیکن کیا سارے
اسلام پسند آپ ہی جیسے ہوتے ہیں؟"
"بحث نہیں۔" میں نے سختی سے اسے ٹوک دیا۔ "آپ یہ
فرمائیں کہ کہاں اترنا پسند کریں گی؟"
"جہاں آپ چاہیں۔" اس نے دلآویز لہجے میں کہا اور میں خاموشی
سے سر ہلا کر رہ گیا۔
وہ اطمینان سے بیٹھی رہی اور میں نے کار کی رفتار بڑھا دی۔
چند منٹ بعد میں نے کلفٹن سے شہر جانے والی بارونق شاہراہ پر
سپر مارکیٹوں سے گھرا ہوا چوراہا گھوم کر کار روکی تو وہ چونک پڑی اور
استفہامیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔
"میرا خیال ہے کہ یہاں سے آپ کو سواری مل جائے گی۔"
میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔
"آپ دلآزاری کر رہے ہیں میری۔" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔
"دوبارہ ملاقات ہوئی تو دلجوئی بھی کر لوں گا۔ اس وقت میں
پریشان ہوں اور تنہائی چاہتا ہوں۔" میں نے اس سے پیچھا چھڑانے
کی نیت سے عاجزانہ لہجے میں کہا اور وہ مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں
سے گھورتے ہوئے کار سے اُتر گئی۔ غصے میں اس نے کار کا دروازہ
پوری طاقت سے بند کیا تھا جیسے اسے میرے مُنہ پر مارا ہو۔
میں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے اپنی کار کا انجن بند کر دیا۔
میں اس سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت رُکھائی سے پیش آنا

رہا تھا کیوں کہ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ جس انداز میں مجھ سے ٹکرائی تھی اس کے پیشِ نظر اسے آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا اور میں خود بھی اس موقع کو گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ میرے نزدیک اس کی ذات سی۔ ون سے زیادہ اہم تھی۔ اگر وہ میرے داؤ میں آ جاتی تو میں اس سے بہت کچھ اگلوا سکتا تھا۔

انجن بند ہوتے ہی وہ تیر کی طرح دوبارہ کار کی کھڑکی پر آ گئی تھی "کیا اب یہاں تماشا بنانے کا ارادہ ہے؟" اس کا چبھتا ہوا لہجہ ملامت آمیز تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ میری پرانی شناسا رہی ہو۔

"یہ پوچھنا بھول گیا تھا کہ دوبارہ ملاقات کہاں ہو سکے گی؟" میں نے ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس وقت میں پراگندہ ذہنی کا شکار نہ ہوتا تو تم مجھے بہت دلچسپ آدمی پاتیں۔"

اس نے بے پروایانہ انداز میں اپنا سر جھٹکا اور دروازہ کھول کر دوبارہ کار میں بیٹھ گئی۔ میرے خشک رویے میں رونما ہونے والی تبدیلی سے اس کی خود اعتمادی بحال ہو گئی تھی۔ "غنیمت ہے کہ تمہیں جلدی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اب سیدھے نکل چلو، مجھے صدر میں کسی مناسب جگہ پر اُتار دینا۔" میرا اندازِ تخاطب بدلتے ہی وہ بھی آپ سے تم پر آ گئی۔

"پہلے ہی بتا دیا ہوتا تو کیا بگڑ جاتا۔" میں نے انجن اسٹارٹ کر کے کار آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال تھا کہ تم عقل مند آدمی ہو۔" اس کا بگڑا ہوا موڈ تیزی سے بحال ہو چکا تھا۔ "اپنی منزل تمہاری مرضی پر چھوڑنے کا مقصد یہ تھا کہ فی الحال میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔"

"یہ ماننا ذرا مشکل ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "بے گھروں کا ایسا حلیہ نہیں ہوتا۔"

"تمہارے نہ ماننے سے میری صحت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔" وہ بے پروایانہ لہجے میں بولی۔ "حقیقت یہ ہے کہ ان دنوں میں اپنے ایک دوست کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ آج چابی اسی کے پاس ہے اور وہ بارہ ایک بجے سے پہلے گھر نہیں لوٹتا۔ مجھے یہ وقت تو کہیں نہ کہیں گزارنا ہی پڑے گا۔"

"اوہ۔" میں نے پُرخیال انداز میں ہونٹ سکوڑ کر سیٹی بجاتے ہوئے کہا۔ "تالا کھولنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے لیکن اس وقت مجھے واپسی کی عجلت ہے، پتا بتا دو تو دلجوئی کے لیے کل کسی وقت خود تمہارے گھر پہنچ جاؤں گا۔" میں باتوں ہی باتوں میں اس کا ٹھکانہ معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔

"ایسی غلطی بھی نہ کر بیٹھنا۔" وہ جلدی سے بولی۔ "میرا دوست یہ بات بالکل بھی برداشت نہیں کرے گا کہ مجھ سے کسی اور کے اتنے قریبی مراسم ہوں کہ وہ میرے ساتھ گھر تک لگا چلا آئے۔"

"پھر بھی رات کے بارہ ایک بجے گھر آتا ہے۔" میں نے ... لہجے میں کہا۔

"اس کا اپنا فعل ہے۔ میں اس کی بیوی تو ہوں نہیں جو اس کی بے اعتدالیوں پر روک ٹوک کر سکوں۔" اس نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "یہی کافی ہے کہ اس نے مجھے اپنے یہاں پناہ دی ہوئی ہے۔"

"پھر تمہارا گزارا کیسے ہوتا ہے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"بڑے احمق ہی ہو۔" وہ قدرے جھینپتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اتنی گفتگو کے بعد بھی اس سوال کی ضرورت باقی رہ گئی تھی؟" وہ بلا کی چالاک عورت تھی۔ اس نے پہلی ہی ملاقات میں بے تکلف ہونے کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ وہ بے گھر ہے۔ اس کا کھلا مطلب یہی تھا کہ وہ مجھے دعوت دے رہی تھی کہ مجھ میں ہمت ہو تو میں اسے اپنے ساتھ رکھ لوں۔

اپنا موجودہ پتا وہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ گول کر گئی تھی لیکن اس وقت اچانک ہی مجھے خیال پیدا ہوا کہ کہیں وہ سی۔ ون کے ساتھ نہ رہ رہی ہو۔ سکندر علی کی مخبری پر زخشی ... تھی اور اسے معزول کر کے گوشہ نشینی پر مجبور کرنے کے ... سی۔ ون نے سرانجام دیے تھے۔ خود سکندر علی نے مجھے بتایا تھا کہ بی۔ فور کے طور پر جن لوگوں سے اس کا رابطہ تھا ان میں سے سی۔ ون اور زخشی کے علاوہ کسی کو اس کی دوسری شخصیت کا علم نہیں تھا۔ اس طرح سی۔ ون اور زخشی کے مابین مفاہمت کے واضح امکانات موجود تھے۔

مجھے یاد آیا کہ جب میں نے سکندر علی کی خواب گاہ سے ملنے والے سی۔ ون کے نمبر پر فون کیا تھا تو دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی تھی۔ مجھے یقین ہونے لگا کہ وہ آواز زخشی ہی کی رہی ہو گی۔ اس وقت میرا ذہن اس امکان کی طرف متوجہ نہیں تھا لہٰذا میں اس کی آواز پہچان ہی نہ سکا۔

پھر میں نے دانستہ خاموشی اختیار کر لی۔ یہ بات یقینی تھی کہ وہ کسی کی ہدایت پر میرے پیچھے لگی تھی، ایسی صورت میں اگر میں گریز بھی کرتا تو وہ خود ہی دوبارہ مل بیٹھنے کی راہ نکالنے کی کوشش ضرور کرتی۔

"تو پھر کل مل رہے ہو؟" پل سے گزرتے ہوئے وہ میری توقع کے عین مطابق سوال کر ہی بیٹھی۔

"کل میں مصروف ہوں۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "اسی لیے پتا معلوم کر رہا تھا تاکہ جیسے ہی فرصت ملے، خود ہی تمہارے پاس پہنچ جاؤں۔"

"اور پرسوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس نے پوچھا۔

لہجے میں پوچھا۔

"پھر وہی کٹ حجتی"، میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں تمھیں بتا
ں کہ سیٹھ کی نوکری کرتا ہوں۔ اگر پرسوں سیٹھ نے کسی بیگار
ت دیا تو تم میرے انتظار میں اپنا سر پیٹتی رہ جاؤ گی۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ کار تیزی کے ساتھ فریئر ہال کے سامنے
رتی چلی گئی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ پنچھی کو اپنے جال میں
نے کے لیے اس کے پاس وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ اگلے دو
ومنے کے بعد کار الفنسٹن اسٹریٹ پر جا نکلتی اور اسے بادلِ
نہ کہیں نہ کہیں اُترنا ہی پڑتا۔

بڑی عجیب صورتِ حال تھی وہ بھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے
ا شکار سمجھ رہے تھے اور دامن بچاتے ہوئے اپنی اپنی گھاتوں
مصروف تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ میرے عزائم سے بے خبر
جب کہ میں اس کے ارادوں سے بخوبی واقف تھا لہٰذا میں
سکون تھا لیکن اس کا اضطراب لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

میٹروپول کے چوراہے سے گزرتے ہوئے وہ بول ہی پڑی۔
نے ایک فون نمبر بتایا تھا۔ نمبر میرے قیاسات کی سو فی صد
ید کر رہا تھا کیوں کہ سکندر علی کی ڈائری سے ملے ہوئے چاروں
مجھے زبانی یاد تھے۔ اس نے جو نمبر بتایا وہ بلا مبالغہ سی۔ ون
تھا۔

"جب فرصت ہو تو اس نمبر پر رِنگ کر لینا۔" وہ کہہ رہی
"اسی وقت کوئی پروگرام طے کر لیں گے۔ تم بھی عجیب آدمی ہو،
شان دار کار میں گھوم رہے ہو اور نوکری ایسے سیٹھ کی کرتے
ن کے مزاج کا پتا نہیں ہوتا۔"

"حکم کی تعمیل کے بجائے مزاج شناسی شروع کر دوں تو شاید
ی کے ساتھ اسی لمحے کار بھی چھن جائے۔ سیٹھ لوگ اکثر سنکی
خود پسند ہوتے ہیں۔ اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے ان کی ہاں
ہاں ملانا ہی پڑتی ہے۔"

"تو یوں کہو کہ درباری ملازمت ہے تمھاری۔" اگلی ملاقات کا
پروگرام طے ہو جانے کے بعد وہ مطمئن نظر آنے لگی تھی لہٰذا اس کا
نہ خاصا جان دار تھا۔ میں خاموشی کے ساتھ اس کی طرف دیکھ
رہ گیا۔

وہ امیلفی کی اس گلی کے نکڑ پر اُتر گئی جہاں ایک ہوٹل واقع ہے
اور میں سیدھا نکلتا چلا گیا۔ اس نے فون نمبر دے کر میری مشکل آسان
کر دی تھی ورنہ میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اتارنے کے بعد اس کے
ٹھکانے کا سراغ لگانے کے لیے اس کا پیچھا کروں گا۔

ایم۔ اے۔ جناح روڈ سے شاہراہِ قائدین ہوتا ہوا میں گھر
پہنچا تو باہر جہانگیر کی سیاہ سیلون دیکھ کر بے اختیار میرے حلق سے
ایک گہری سانس آزاد ہو گئی۔ دن میں وہ اپنے دفتر میں مجھ سے
خاصی بے تکلفانہ گفتگو کر چکا تھا۔ برسوں پُرانے اعتماد کی تجدید کے
بعد شاید اسے توقع ہو چلی تھی کہ میں تنظیم کے معاملات میں عام طریقۂ
کار سے ہٹ کر اسے سب کچھ بتا دوں گا۔ اس کی بیوی اپنے ہی
رشتے داروں کے ساتھ فلم دیکھنے گئی ہوئی تھی اور اسے یہ معلوم ہو چکا
تھا کہ میں جیوا ہاؤز کے تین نمبر میں داخل ہوا تھا لہٰذا وہ اپنے تجسس
پر قابو نہ رکھ سکا اور مجھ سے پہلے ہی میرے گھر آ کر جم گیا تھا تاکہ مجھ
سے تین نمبر کے اسرار دریافت کر سکے۔

وہ ڈرائنگ روم میں جوتوں سمیت سینٹر ٹیبل پر پاؤں پسارے
اطمینان سے بیٹھا تھا۔ کار کے انجن کی آواز سُن کر بھی اس نے
اُٹھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی شکایتی لہجے میں بول
پڑا۔ "کہاں چلے گئے تھے وہاں سے؟ خاصی دیر کر دی گھر پہنچنے میں۔"

"مزے مزے سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے آیا ہوں۔" میں
نے صوفے میں گرتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم اس وقت یہاں کیسے
نظر آ رہے ہو؟"

"تم تین نمبر میں کیا لینے گئے تھے؟" اس نے تجسس آمیز سرگوشیانہ
لہجے میں سوال کیا۔

"دوستی اپنی جگہ ہے لیکن ان معاملات میں کوئی بے احتیاطی
کر کے میں اپنی گردن نہیں پھنسوانا چاہتا۔" میں نے کم و بیش اسی کے
الفاظ اسے لوٹا دیے۔ "یہ غنیمت ہوا کہ تم نے جیوا ہاؤز والوں سے میری
گلو خلاصی کرا دی ورنہ صورتِ حال خاصی اُلجھ جاتی۔"

میرا جواب سُن کر وہ سٹپٹا گیا۔ "یہ نہ بھولو کہ میں دوست کے
علاوہ تمھارا باس بھی ہوں۔ تمھیں مجھ سے اتنی راز داری برتنے کی
کیا ضرورت ہے۔ اسٹینڈ بائی ہونے کے باوجود تم مجھ ہی کو جواب دہ ہو۔"

"میں خود حیران ہوں کہ تین نمبر میں میرا کیا کام تھا۔" میں نے اٹکنے
کے بجائے سادگی سے کہا۔ "گیا اور آدھے گھنٹے رُک کر باہر آ گیا۔ ہو
سکتا ہے کہ وہ صرف یہ دیکھنا چاہتا ہو کہ میں اپنے اس عجیب
تجربے کا ذکر کس کس سے کرتا ہوں۔"

"کس کی ہدایت پر گئے تھے وہاں؟" اس نے میری آنکھوں
میں جھانکتے ہوئے اُلجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ڈی۔ ون نے فون پہ حکم دیا تھا۔" میں نے بلا توقف کہہ ڈالا
اور اس کا چہرہ اُتر گیا۔

"آج نیا مال آیا ہے۔" اس نے تھوڑے سے توقف کے بعد
کہا۔ "پڑیاں اس بار چھوٹی ہیں۔ چھ چھ روپے میں سب چٹنی ہو جائیں
گی لیکن کام بڑھنے کے ساتھ میری تشویش میں بھی دن بدن اضافہ
ہوتا جا رہا ہے۔"

"غنیمت ہے کہ تمھیں کتوں اور مسلح محافظوں کا تو سہارا ہے۔

میں تو ہر وقت ہی کھلے نشانے پر ہوں۔ تم بتا ہی چکے ہو کہ ڈی۔ ون مجھے کسی خطرے میں جھونکنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔"

"وہ اور بات ہے۔" اس کی آواز پھر رازدارانہ ہو گئی۔ "طارق کے بعد ہم ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ مجھے ڈر پولیس کی طرف سے ہے۔ کسی وقت زد میں آگیا تو میری پوزیشن کیا ہوگی؟ تمہارا اندازہ بالکل دُرست نکلا۔ سکندر علی کے قتل پر پولیس پوری قوت کے ساتھ حرکت میں آئی ہے۔ شہر کے سات بڑے منشیات فروش اندر کر دیے گئے ہیں۔ چھوٹے موٹے کسی گنتی ہی میں نہیں ہیں۔ یوں سمجھو کہ اسے کسی وی آئی پی کا قتل سمجھا جا رہا ہے اور اعلیٰ حکام بذاتِ خود تفتیش میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"اوپر والے غافل تو نہ ہوں گے۔" میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ان سنگین حالات میں وہ خود بھی چند روز کے لیے اپنی سرگرمیاں ترک کر دیں۔ ایسے حالات میں معمولی اہلکار بھی عموماً کوئی بڑا کارنامہ کر گزرتے ہیں۔"

اس موضوع پر کچھ دیر تک تبادلۂ خیال کرنے کے بعد وہ واپس چلا گیا اور میں اگلی صبح کے بارے میں غور کرنے لگا۔

سکندر علی کو قتل کرنے تک مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا عہدہ مجھے ملنے والا تھا لیکن حالات نے اتنی تیزی سے پلٹا کھایا تھا کہ میں اپنی ترجیحات کا تعین بھی نہیں کر سکا تھا۔ فی الوقت تنظیم کی طرف سے میرے ذمے ایک کام تھا کہ ہیروئن کی برآمد کے لیے آدمی تیار کر دوں، اس کے علاوہ ساری الجھنوں کا تعلق میرے منصوبے سے تھا۔

سی ون میرے سامنے تھا۔ زخشی اس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ اس کے دیے ہوئے فون نمبر اور سکندر علی کے مکان سے ملنے والے نمبر میں ذرا بھی فرق نہیں تھا۔ اس نمبر کے ذریعے ان کا پتا آسانی معلوم کیا جا سکتا تھا اور ان پر ہاتھ ڈال کر کارروائی آگے بڑھائی جا سکتی تھی۔ دوسری طرف ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے بارے میں خاصے کوائف موجود تھے لیکن مجھے وہاں کامیابی کی موہوم سی اُمید تھی۔ بظاہر وہ ایک کاروباری فرم معلوم ہوتی تھی۔ اگر اس کے مالکان میں سے کوئی بالا ہی بالا ہیروئن کی تجارت کا مرتکب ہو رہا تھا تو اس پر ہاتھ ڈالے بغیر نیچے والوں سے کچھ معلوم کرنا ناممکن تھا۔ بی۔ ون اور بی۔ ٹو کے فون نمبرز کو میں نے فی الوقت نظرانداز کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن اے۔ ٹو کا نمبر میرے لیے اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ جب تک بی۔ ون نے وہ نمبر مجھے نہیں بتایا تھا، میں اس بارے میں ہر شبہے سے بالا تھا۔ میں بے دھڑک اس نمبر پر ایک بوڑھی سے بات بھی کر چکا تھا لیکن بدلے ہوئے حالات میں ایسی کوشش مخدوش بھی ہو سکتی تھی۔

تنظیم کے خلاف کارروائی کے سلسلے میں تین سمتیں کھلی ہوئی تھیں۔ سی۔ ون اور زخشی، ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ اور اے۔ ٹو۔۔۔ جب کہ میرے پاس صرف دو قابلِ اعتماد آدمی تھے۔ سلطان شاہ تو خیر تنخواہ دار جاں نثار بن چکا تھا لیکن آخری ملاقات کے بعد میں غزالہ کو بھی اپنا مددگار سمجھنے لگا تھا۔

میں خواب گاہ کی روشنیاں گل کیے کافی دیر تک اس بارے میں غور کرتا رہا لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا — میں نے اپنی پوزیشن بچائے رکھنے کے لیے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک میرا ہاتھ سب سے اوپر والے آدمی کے گریبان تک نہیں پہنچ جاتا، میں اپنی ذمے داریوں کو پوری مستعدی سے سرانجام دیتا رہوں گا۔

✵

اگلی صبح میرے ذہن میں سارے دن کی مصروفیات کا تانا بانا تیار ہو چکا تھا۔

سب سے پہلے میں نے ناشتے سے قبل ڈی۔ ون کی حیثیت سے جہانگیر کو فون کیا اور اسے ہدایت کی کہ حامد کے بارے میں تمام ممکنہ تفصیلات حاصل کر کے دس بجے ٹرانسمیٹر پر مجھ سے رابطہ قائم کرے۔

مجھے یہ تو معلوم تھا کہ طارق نے یونیورسٹی کی حدود میں ہیروئن کو متعارف کرانے کے لیے حامد نامی کسی طالب علم کو اپنے جال میں پھانسا تھا جس نے چند ہی روز میں قابلِ تعریف کارکردگی دکھائی تھی لیکن اس سے آگے اس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ باہر مال بھیجنے کے سلسلے میں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے حامد کارآمد ثابت ہو سکتا تھا لیکن اس پر بھرپور طریقے سے ہاتھ ڈالنے کے لیے اس کے بارے میں تفصیلی معلومات ہونی ضروری تھیں۔

دس بجے میں نے اپنے دفتر کی تنہائی میں جہانگیر کی کال ریسیو کی اور اس کی لمبی چوڑی کہانی سنتا رہا۔ حامد موتی دارا سے ہر شام سات بجے مال لینے آتا تھا۔ اس نے یونیورسٹی میں جبّار نامی ایک لڑکے کو اپنے ساتھ ملایا ہوا تھا جو حامد کی لاعلمی میں یونیورسٹی سے باہر بھی ہیروئن بیچنے لگا اور آخر کار اس علاقے کے ایجنٹوں کے ہاتھوں بری طرح مار کھا کر لالچ سے توبہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بعد وہ دونوں یونیورسٹی سے باہر شہر کے دوسرے کالجوں میں بھی پیر جمانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ شام کو چلنے والے ان مشہور کالجوں میں ان دونوں کی غیر متوقع پذیرائی ہوئی تھی کیونکہ وہاں تعلیم حاصل کرنے والے بیشتر طلبا زبردست معاشی دباؤ سے مجبور ہو کر دن میں کہیں ملازمت کرتے تھے اور دفتر سے واپسی پر اپنا تعلیم کا شوق

تھے۔ اس تھکا دینے والی دوہری مشقت کے باعث
پنے ناسازگار ماحول سے بغاوت اور فرار کے رجحانات
نے لازمی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دوسرے کالجوں کے مقابلے
منشیات کے عادیوں کی تعداد قابلِ ذکر تھی اور وہ صرف
استعمال کرتے تھے جو انھیں باہر سے خریدنا پڑتی تھی۔
جبار سے پہلے ہیروئن کے اثرات کی کہانیاں ان کالجوں
چکی تھیں لہٰذا جب طلبا نے اس بالا نشیں نشے کو اپنی
موجود پایا تو فوری طور پر اس کی طرف راغب ہو گئے جس
ہیں ان دنوں حامد موتی دادا کے کارندوں میں اہمیت
رنے لگا تھا۔

بہت محنتی اور قابلِ اعتماد لڑکا ہے سر! موتی دادا اس
ینوں سے بہت متاثر ہے اس میں آگے بڑھنے کی
زہ لگن موجود ہے۔ اوور۔" جہانگیر نے اپنے اختتامی
ے کے ساتھ مجھے بولنے کا موقع فراہم کر دیا۔

"گڈ۔" میں نے اس کی کوششوں کو سراہتے ہوئے کہا۔
چل کر یہ لڑکا ہمارے لیے کارآمد ثابت ہو سکتا ہے لیکن

اسے بھول جاؤ کیونکہ شہر میں حالات مخدوش ہو گئے
آج رات دس بجے جیوا ہاؤنڈ میں ایک اور بڑی کھیپ
پڑیوں کی صورت میں پہنچ رہی ہے۔ اس کی تقسیم کے
لیے احکام تک تم کنارہ کش رہو گے۔۔۔ اوور۔"

"او۔ کے سر!" جہانگیر کی آواز ابھری جس میں ہلکی سی
ابھر آئی تھی "کیا یہ حکم صرف میرے لیے ہے سر؟

"

میں دل ہی دل میں اس کی حالت کے بارے میں سوچ
پڑا۔ مخدوش حالات کے حوالے سے میری ہدایت اس
واقعی تشویش کا باعث بن سکتی تھی کیونکہ طارق کو
اثرات کے باعث سب سے پہلے الگ تھلگ کیا گیا تھا پھر
پتہ ہی صاف کر دیا گیا تھا۔ جہانگیر یہ سوچنے میں قطعی
تھا کہ کہیں اپنی کسی لغزش کی بنا پر وہ کسی کی نگاہ
آ گیا ہو اور اسی بنیاد پر فی الحال اسے جملہ سرگرمیوں سے
جا رہا ہو۔

"تم سے متعلق سب لوگ اس ہدایت پر عمل کریں گے۔" میں
بٹن دبا کر دی۔ ون کی سنجیدہ آواز میں بولا۔ "اسی
تو تمہارے منصب میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ اب تم
ون کہلاؤ گے۔ آج سے میرا کوڈ بی۔ فور ہو گا۔ اس
تم اپنی ذات تک محدود رکھو گے اور اب میرے سوا کسی
کسی حیثیت میں تمہارا رابطہ نہیں رہے گا۔ اوور۔"

"میں سمجھ گیا سر!" جہانگیر کی آواز میں یک بیک مسرت آمیز ارتعاش پیدا ہو گیا۔ "اس اعتماد اور عزت افزائی کے لیے میں شکر گزار ہوں۔ میں کوشش کروں گا کہ میری وجہ سے کہیں کوئی دشواری پیدا نہ ہو۔ اوور۔"

"لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم نے آخر اپنے گھر پر حفاظتی انتظامات میں اچانک اضافہ کیوں کیا ہے؟ تمہارے احاطے میں رات بھر چراغاں کی سی کیفیت رہتی ہے۔ تم کس سے خوفزدہ ہو؟ اوور۔"

جہانگیر کا جواب فوراً نہیں آیا۔ لائن پر چند ثانیوں کے لیے سکوت چھا گیا پھر اس کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری۔ "مم۔۔ میں کسی سے خوف زدہ نہیں ہوں سر! بس ایسے ہی خیال آ گیا تھا کہ بڑھتے ہوئے کاروبار کی بنا پر بازار میں کچھ نادیدہ دشمن بھی پیدا ہو سکتے ہیں جن سے تحفظ کا بندوبست ہونا چاہیے۔ ہیروئن سے بہت سے لوگوں کا دھندا بری طرح متاثر ہوا ہے، چرس کی مارکیٹ گر گئی ہے۔۔۔ بعض لوگوں نے تو یہ کھوج لگانے کی کوششیں شروع کر دی ہیں کہ تھوک داموں پر ہیروئن کہاں سے مل سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصے میں کچھ اور لوگ بھی میدان میں آ جائیں۔ اوور۔"

"یہ سب درست ہے لیکن اس طرح حفاظتی انتظامات کر کے تم نے اپنے گمنام دشمنوں پر اپنا خوف ظاہر کر دیا ہے۔ گھر کو قلعہ میں تبدیل کر کے تم خطرات کا سدباب نہیں کر سکتے، وہ گھر سے باہر تم پر وار کر سکتے ہیں۔ اوور۔"

"میں اس بارے میں بھی سوچ رہا ہوں سر!" اس کی آواز میں نکان کا عنصر پیدا ہو گیا۔ "میں چند روز میں اپنی کار بھی تبدیل کرنے والا ہوں۔ بلٹ پروف شیشوں والی ایک کار کا سودا ہو گیا ہے۔ دو چار روز میں بندرگاہ سے کلیئرنس ہوتے ہی مجھے ڈلیوری مل جائے گی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے یہ فکر کیوں دامن گیر ہو گئی ہے؟ اوور۔"

"شاید طارق کی موت نے تمہارے اعصاب پر اثر ڈالا ہے۔ رفتہ رفتہ اعتدال پر آ جاؤ گے۔ بلٹ پروف کار میں کوئی ہرج نہیں۔ وہ تمہارے وقار میں اضافہ کرے گی لیکن میرا مشورہ ہے کہ مسلح محافظوں کو ہٹا دو۔ چراغاں کی بھی ضرورت نہیں، کتنے اندھیرے میں بھی اجنبی کی بو پر حملہ کر بیٹھتے ہیں۔ میں ہرگز یہ پسند نہیں کروں گا کہ میرا کوئی آدمی اپنی کسی بے اعتدالی کی وجہ سے دوسروں کی توجہ کا نشانہ بنے۔ کبھی کبھار میرے آدمی بھی صرف اسی لیے تمہارا تعاقب کرتے ہیں کہ تمہاری نقل و حرکت کی آزادی کا یقین برقرار رہے جس دن کوئی تمہاری طرف متوجہ

ہوا اسی دن تم دشواریوں میں پڑ جاؤ گے۔ اوور اینڈ آل۔''

میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں نے اسے جو مشورہ دیا وہ حقیقت پر مبنی تھا۔ دوستی کی وجہ سے اس کی سلامتی مجھے عزیز تھی اگرسی۔ون اس کی احمقانہ احتیاطی تدابیر سے بھڑک جاتا تو شاید جہانگیر پر ہر وقت کوئی نہ کوئی مسلط کر دیا جاتا اور اس کل وقتی نگرانی کے نتیجے میں اس کی کوئی بھی کوتاہی اسے زیرِ عتاب لانے کا سبب بن سکتی تھی۔

جہانگیر کا تحفظ میرے لیے اس اعتبار سے بھی اہم تھا کہ تنظیم میں وہ میرے لیے سہارا ثابت ہو سکتا تھا۔ اکیلا رہ جانے کی صورت میں شاید میرا اعتماد کم ہو جاتا۔ ہم دونوں پر شہر کی مارکیٹ کا سارا دارومدار تھا۔ اس منفعت بخش منڈی کو برقرار رکھنے کے لیے اوپر والوں کو ہم دونوں میں سے ایک نہ ایک کی لازمی ضرورت تھی اور میں اس کمزوری سے اپنے مفادات کے لیے خاصا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

جہانگیر نے حامد کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس کی روشنی میں میرا پہلا فیصلہ یہ تھا کہ اس سے گھر پر ملاقات بے سود رہے گی۔ وہ تنظیم کا پوری طرح وفادار تھا۔ میں تنظیم کو درمیان میں لائے بغیر اسے کسی کام پر آمادہ نہیں کر سکتا تھا، اس سے یونیورسٹی میں ملنے میں بھی خاصی قباحتیں تھیں جن میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہاں بہت سے دوسرے طلبا بھی یہ محسوس کیے بغیر نہ رہتے کہ جب حامد شہر میں رہتا ہے تو ایک اجنبی کو اس سے ملاقات کے لیے جامعہ کی دور افتادہ حدود میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔

کراچی سے تین یورپی شہروں تک ہیروئن پہنچانے کے لیے میرا منصوبہ یہ تھا کہ حامد پر اپنی حیثیت ظاہر کیے بغیر اس وقت ہاتھ ڈالوں جب وہ موتی دادا سے مال لے کر لوٹ رہا ہو۔ ثبوت کی موجودگی میں اسے ذرا بھی دم مارنے کی جرأت نہ ہو گی اور وہ میری بلیک میلنگ کے دباؤ میں آ کر میرے لیے کام کرنے پر مجبور ہو جاتا۔

اس سے ملنے کے لیے سات بجے کا وقت ہی مناسب تھا جب کہ اسی شام میں نے غزالہ کے گھر پہنچنے کا بھی وعدہ کیا ہوا تھا لہٰذا میں نے تین بجے اسے فون کیا۔ اتفاقاً دوسری طرف وہ خود موجود تھی۔ جب میں نے اسے بتایا کہ شام کے بجائے میں اسی وقت اس کے گھر پہنچ رہا ہوں تو وہ بخوشی میرے استقبال کے لیے رضامند ہو گئی۔

میں دفتر سے غزالہ کے گھر کے لیے روانہ ہوا تو میرے دل و دماغ میں عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ میں ماضی سے اپنا رشتہ توڑ چکا تھا۔ لاہور سے نکلنے کے بعد مجھے احساس رہا کہ جیسے میں جنم جنم سے تنہا ہوں۔ باپ کے قتل اور ماں کی خودکشی کے بعد دنیا میں کوئی ایسا نہیں رہ گیا تھا جسے میں اپنا سمجھتا یا اس پر ناز کرتا۔

نہ سوتیلے بھائی مجھے اپنانے کو تیار ہوئے تھے نہ ماں نے اپنی سوکن کے اکلوتے بیٹے کو قبول کیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ غزالہ میرے بارے میں اپنے والدین کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر چکی ہو گی۔ وہ لاکھ برے اور خود غرض سہی لیکن ان کی بیٹی تھی۔ بیٹی کو بغاوت پر آمادہ دیکھ کر شاید انہوں نے خاموشی اختیار کر لی ہو لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ وہ میرے ماضی کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہیں گے جب کہ خود میرے لیے اپنا ماضی ایک بہت بڑا سوالیہ نشان تھا۔

ریٹائرڈ اور تند خو باپ، کوکین خور ماں اور پاگل بھائی پر مشتمل وہ گھرانا مجھے خوف آور سا محسوس ہو رہا تھا۔ ان کی کمزوریاں اپنی جگہ تھیں لیکن سوالی وہ نہیں تھے، میں ان کی بیٹی کا طلب گار تھا۔ ان کو پورا حق تھا کہ وہ اپنے ہونے والے داماد کے بارے میں ہر بات جاننے کی کوشش کریں۔ میرے لیے کسی گھریلو امتحان سے دوچار ہونے کا وہ پہلا موقع تھا۔ عموماً سارے ہی شادی شدہ لوگ زندگی میں ایک بار اس مرحلے سے ضرور گزرتے ہیں اور بیشتر افراد کے لیے یہ زندگی کا پہلا اور آخری تجربہ ثابت ہوتا ہے لیکن میرا معاملہ مختلف تھا۔ میں کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں نے اپنے بارے میں غزالہ کو سب کچھ بتا دیا تھا بجز قتل کی ایک واردات کے۔ لیکن غزالہ اس بات کو ہرگز پسند نہ کرتی کہ میری زندگی کے منفی پہلو اس کے والدین کے سامنے بے نقاب ہوں اور انہیں سود و زیاں کے فلسفے کے تحت غزالہ کی بھرپور مخالفت کا موقع مل جائے۔

خیالات کے اس بے ربط اور گمبھیر ہجوم میں کھویا ہوا میں غزالہ کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا۔ مختصر احاطوں میں ایک دوسرے سے الگ تھلگ بنے ہوئے مکانات پر مشتمل وہ آبادی خاصی خوب صورت اور صاف ستھری تھی۔ میں نے سڑک کے کنارے بریک لگا کر ایک مرتبہ نیم پلیٹ پر لکھا ہوا نمبر دیکھا پھر شیشے چڑھا کر نیچے اتر آیا۔

پھاٹک کے ستون میں لگا ہوا کال بیل کا بٹن دباتے ہی اندر پختہ روش پر کسی کے قدموں کی آواز ابھری اور پھر پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھول دی گئی۔ اس خلا میں سے تانبے جیسی دمکتی ہوئی رنگت کی کھوپڑی والا ایک متوسط قامت لیکن ادھیڑ

شخص نمودار ہوا جس کی آنکھوں میں شکوک و شبہات کی
پرچھائیاں لرزاں تھیں۔
"کرنل زوار زیدی صاحب؟" میں نے اس کی چبھتی ہوئی
استفہامیہ نگاہوں کے جواب میں بوکھلا کر کہا۔ اس کے تیور
دیکھتے ہوئے میں غزالہ کا نام بھی زبان پر لانے کی ہمت نہ کر
سکا تھا۔
"میں ہی ہوں۔" وہ مجھے سر سے پیر تک گھورتے ہوئے
کرخت آواز میں بولا۔ "کیا بات ہے؟"
میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہوگئیں۔ آثار
ایسے تھے جیسے میرا انٹرویو پھاٹک پر کھڑے کھڑے ہی
ہو جائے گا۔ اگر یہی غزالہ کا باپ تھا تو مجھے امید نہیں رہی تھی
کہ غزالہ اس سے اپنی بات منوا سکی ہوگی۔
ناامیدی کی اس لہر نے مجھے حوصلہ دیا۔ اگر نامراد واپس لوٹنا
ہے تو میں چوہے کی طرح دُم دبا کر کیوں لوٹوں۔ "غزالہ میری دوست
ہے۔ اس نے مجھے چائے پر بلایا ہے۔"
"ہوں۔" اس کے حلق سے ایسی ذو معنی غراہٹ ابھری جیسے
میں نے اس کے روبرو اپنے کسی سنگین جرم کا اعتراف کیا ہو
اور اسی لمحے میری نگاہوں میں تازگی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ غزالہ
تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی آئی تھی اور بے پروائی سے اپنے باپ کے
برابر میں آکھڑی ہوئی تھی۔ اس نے زیرِ لب مسکرا کر مجھے سلام
کیا پھر اپنے باپ سے مخاطب ہوگئی۔ "یہ تنویر ہیں ڈیڈی!
ان کا میں نے آپ سے ذکر کیا تھا۔" پھر باپ کی خشمناک
نگاہیں دیکھ کر میری طرف گھوم گئی۔ "اندر آئیے نا۔ آپ باہر
کیوں کھڑے ہیں؟"
"لڑکی!" کرنل زوار زیدی غصیلے لہجے میں غرایا۔ "تم اندر
جاؤ اپنی ماں کے پاس۔ یہ میرے ساتھ آرہے ہیں۔"
غزالہ نے بے بسی سے میری طرف دیکھا پھر سر جھکا کر مایوسانہ
انداز میں اندر چلی گئی۔
وہ خاموشی سے کھڑا رہا، شاید غزالہ کے اندر روپوش
ہونے کا منتظر تھا۔ اس کی پشت مکان کی طرف تھی لیکن میں
کھلی ہوئی ذیلی کھڑکی سے اندر تک دیکھ سکتا تھا۔ غزالہ نے
کمرے میں رک کر پلٹ کر میری طرف دیکھا اور نگاہیں چار
ہوتے ہی ہاتھ لہرا کر مجھے اندر چلے آنے کا اشارہ کیا۔ کرنل
زوار زیدی میری آنکھوں میں پیدا ہونے والی چمک بھانپتے
ہی اپنی پشت پر کسی گڑبڑ کا احساس کر کے تیزی سے پیچھے
مڑا تھا لیکن اس اثنا میں غزالہ ایک دروازے میں غائب
ہو چکی تھی۔

"آؤ۔" اس نے مڑ کر میری طرف دیکھے بغیر کہا اور اندر
داخل ہوگیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ غزالہ کو دیکھ لینے
کے بعد میری گھبراہٹ زائل ہو چکی تھی اور میں یک بیک
اس صورتِ حال سے لطف اندوز ہونے لگا تھا۔
ڈرائنگ روم سادگی لیکن قرینے سے سجا ہوا تھا۔ غزالہ
کا باپ اندر جا کر شاہانہ انداز میں ایک صوفے میں دھنس گیا۔
جب چند ثانیوں تک اس نے مجھے بیٹھنے کی پیش کش نہیں کی
تو میں بھی ڈھٹائی کے ساتھ اس کے مقابل جم گیا۔
وہ مجھے پُرخیال انداز میں گھورتے ہوئے ناخن سے نئے
سگار کا گوشہ کریدتا رہا پھر سر جھکا کر سگار سلگانے کے بعد
پہلی مرتبہ نرم لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ "کل مجھے غزالہ سے
معلوم ہوا لیکن تم نے اچھا نہیں کیا۔ وہ میری اکلوتی بچی ہے،
ہمیں آرزو تھی کہ اپنی پسند سے دیکھ بھال کر اس کی شادی
کرتے، لیکن کل میں اس کی زبان سے اس کا فیصلہ سن کر بھونچکا
رہ گیا۔ وہ تم سے بہت زیادہ متاثر معلوم ہوتی ہے ورنہ
اختلاف کے باوجود آج تک کبھی میرے سامنے زبان کھولنے کی
جرأت نہیں کر سکی تھی۔"
میرے دل میں خیال آیا کہ اولاد کے ساتھ آمرانہ سلوک
کے بارے میں اسے ایک ہلکا سا لیکچر دے ڈالوں۔ اسے بتاؤں
کہ ناپختہ ذہن بچوں کے ساتھ ایسا سلوک کر کے والدین ذہنی طور
پر انہیں بالکل تنہا اور لاچار چھوڑ دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہی
نکلتا ہے کہ ہمدردی اور محبت کا پہلا بول آدازِ دوست بن کر
ان کے دلوں میں اتر جاتا ہے لیکن میں خاموش رہا۔ مجھے
بڑی شدت سے یہ احساس تھا کہ اس وقت میں ایک ایسی
لڑکی کے دل شکستہ باپ سے مخاطب ہوں جو اپنے انتخاب کا
فیصلہ صادر کر چکی تھی۔
"تم کرتے کیا ہو؟" وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا۔
"ایک چھوٹی سی پلاسٹک فیکٹری ہے میری۔" میں نے
ٹھہرے ہوئے لہجے میں سنجیدگی کے ساتھ کہا۔
"صورت سے تعلیم یافتہ اور سلجھے ہوئے آدمی معلوم
ہوتے ہو۔" اس کی زبان سے پہلی مرتبہ وہ تعریفی الفاظ
سن کر مجھے تسلی ہوئی کہ غزالہ کی محنت بالکل ہی رائیگاں نہیں
گئی تھی بلکہ وہ کسی حد تک اپنے ادھیڑ عمر باپ کے دل
میں اترنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔
"کیا تم نے اپنا فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے؟" تعریف کے
بعد وہ پوچھ رہا تھا۔
"سوچ بچار نہ کی ہوتی تو شاید یوں آپ کے روبرو حاضر

ہونے کی جرأت نہ ہوتی مجھ میں۔" میں نے انکسار آمیز لہجے میں کہا۔" پھر غزالہ بھی بہت سمجھ دار ہے۔ اس نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی میرے جذبے کو زبان دی ہے۔"

وہ میری طرف دیکھتا رہا۔ سگار کے چند گہرے گہرے کش لے کر کثیف دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں بولا۔" شاید تم ہمارے گھریلو حالات سے باخبر نہیں ہو۔ چڑھتے ہوئے خون کا جوش آدمی کو اندھا کر دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ حقائق سے دوچار ہونے کے بعد تم ہم سے اکتا جاؤ۔ تمھیں کیا بتایا ہے غزالہ نے؟"

"آپ ریٹائرڈ ہیں۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔" کامران دس برس کی عمر سے ذہنی عدم توازن کا شکار ہے۔ بیگم صاحبہ کوکین کی عادت میں مبتلا ہیں۔ اس نے اپنا ذہن میرے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔ شاید اس کے علاوہ کوئی بات نہیں رہ گئی ہے۔"

اس کا چہرہ اتر گیا اور وہ ایک گہرا سانس لے کر شکست خوردہ انداز میں صوفے کی پشت سے ٹک گیا۔" تو اس نے تمھیں شمع کی لت سے بھی آگاہ کر دیا۔" اس کی آواز کرب انگیز تھی جیسے میری زبان سے اپنی بیوی کی عادت کا سن کر اسے ذہنی طور پر شدید دھچکا لگا ہو۔

"یہ سب کچھ بتا کر وہ مجھے خود سے دور رکھنا چاہ رہی تھی۔" میں نے اسے دلاسا دینے کے لیے مدافعانہ لہجے میں کہا۔" لیکن یہ راز میرے سینے میں دفن رہے گا۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ غزالہ نے بتا دیا اور بعد میں کسی بات کا کوئی خطرہ نہیں رہا۔"

"اگر تم دونوں اس حد تک ایک دوسرے کے رازوں میں شریک ہو تو شاید مجھے سوچنا ہی پڑے گا۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں ہولے سے بڑبڑایا۔" مجھے اس لڑکی کی طرف سے ہمیشہ سے خطرہ رہا ہے۔ اب تمھارے سامنے میں کبھی سر نہ اٹھا سکوں گا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں کرنل صاحب!" میں نے جلدی سے کہا۔" میں نے کوئی بات طنز کے پیرائے میں نہیں کی۔ غزالہ اپنی نجی زندگی کے ان گوشوں سے خائف تھی ورنہ شاید مجھے کچھ بھی نہ بتاتی۔"

"لیکن تم نہیں تو تمھارا خاندان..." اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات درمیان ہی سے کاٹ دی۔

"میرا کوئی خاندان نہیں ہے کرنل صاحب!... اپنی ذات میں زندگی کے راستے کا تنہا مسافر ہوں۔ اچھا ساتھ مل جائے تو پھیکی اور بے روپ زندگی میں کچھ نکھار آجائے گا ورنہ جیسی تیسی گزر ہی رہی ہے۔"

اس کے لیے اپنی کمزوریاں ہی کافی تھیں لہٰذا اس نے اس انکشاف پر کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ غالباً غزالہ اسے پہلے ہر بات بتا چکی تھی لیکن وہ اپنے طور پر تسلی کرنا چاہ رہا تھا۔

"ہم معمولی لوگ ہیں تنویر میاں!" اس کی آواز کا سارا رخصت ہو چکا تھا۔" شمع خود اپنی عادت سے تنگ آچکی ہے۔ کوکین چھوڑنے کی ہر کوشش کے نتیجے میں اس کی حالت اس قدر غیر ہو گئی کہ مجھے خوف آنے لگا کہیں وہ بھی کامران کی طرح اپنا ذہنی توازن نہ کھو بیٹھے۔ وہ کوکین کی غلام ہو کر رہ گئی ہے۔ بدنامی کے خوف سے باقاعدہ علاج سے گھبراتی ہے۔ میں ریٹائرڈ آدمی ہوں، پنشن میں بمشکل گزر ہو پاتی ہے پھر شمع کے لیے کے طور پر سونے کے مول کوکین بھی خریدنا پڑتی ہے۔ ان حالات میں اپنی دلوں کی خواہشوں کے باوجود ہم غزالہ کو کچھ بھی نہ دے سکیں گے۔"

میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔ وہ شخص یک بیک مجھے قابلِ رحم نظر آنے لگا تھا۔ جسموں کی منڈی سے ورثے میں ملی ہوئی کوکین کی عادت نے اس کی بیوی کے ذریعے اسے بھی نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ کرخت آواز جو اپنی ذات کا بھرم قائم رکھنے کے لیے گونجتی تھی، مجبوریوں کا ذکر آتے ہی نقاہت کا شکار ہو گئی تھی۔

کوکین اس کی بیوی کو مسلسل تباہی کے ہولناک غار کی طرف لیے جا رہی تھی۔ بیٹے کا دماغ الٹ چکی تھی اور وہ ان زخموں کو سینے پر سجائے زندہ تھا۔ وہ معاشرے کا محض ایک المیہ تھا جہاں ایک نشے نے پورے گھرانے کی زندگی میں دکھوں اور تلخیوں کا زہر گھولا ہوا تھا۔ ہمارے گرد و پیش میں کتنے اور ایسے افسانے بکھرے ہوئے تھے۔

ہیروئن انسانوں کو اپنا غلام بنانے میں کوکین سے کہیں آگے تھی۔ اس کی ہر پڑیا ایک نئے المیے کی بنیاد بن رہی تھی یا پرانے زخموں کو ناسور میں بدل رہی تھی اور میں اس زہرِ ہلاہل کا تقسیم کنندہ تھا۔

یوں تو میں کئی بار اس غیر قانونی دھندے سے کنارہ کش ہونے کے بارے میں سوچ چکا تھا لیکن ہر بار محرکات ذاتی تحفظ، آزادی اور بے خوفی کے تصورات پر مبنی رہے تھے۔ یونیسکو کے زیرِ اہتمام ہونے والے اجلاس میں امریکی مندوب کے انکشافات سن کر ایک مرتبہ قومی حمیت بھی جوش میں آئی تھی کہ ہم عقل سے محروم کٹھ پتلیوں کی طرح ایک بڑی سازش کے آلۂ کار بن رہے تھے لیکن غزالہ کے مکان میں اس روز میں نے پہلی بار انسانی اور اخلاقی سطح پر اپنے پیشے سے کراہت محسوس کی۔

ہے ذہن میں ہمیشہ سے یہ تصور جاگزیں تھا کہ میں نشے
ت میں معاشرے کے ناآسودہ اور کچلے ہوئے طبقوں
دل کی مسرت فراہم کرتا تھا۔ چرس اور ہیروئن کے دَم لگا
ئے مارفین'' اس جنت میں پہنچ جاتے تھے جہاں وہ
ے کی ہر قید اور پابندی سے آزاد ہو کر اپنی ذات کی کائنات
ر پا سرور بن کر ڈوب جاتے تھے۔ اس روز حقیقی معنوں
بار مجھے اندازہ ہوا کہ میں کتنی بڑی تباہی کا پیغام بر بنا
۔ نہ جانے کتنے کامران اپنی ماؤں کی مجبوریوں کا زہر نگل
ہمیشہ کے لیے دیوانگی کی بھیانک وادیوں میں جا
تھے۔ نہ جانے کتنی شمعیں اس زہر سے اپنے وجود
ملاک کے سرہانے ہی چراغ سحری کی طرح ٹمٹما رہی تھیں
میں ان ہولناک پڑیوں کی طلب مستقل بڑھ رہی تھی۔
مایوسیوں اور محرومیوں کے سائے کس کس رُخ سے
ے کے ہونہار ذہنوں کو نگلے جا رہے تھے جب کہ بظاہر
بہت امید افزا نظر آتا تھا۔ لوگوں میں خوشحالی بھی
روزگار کے مواقع بھی میسر تھے، خاندان کے بندھن کمزور
پڑ رہے تھے لیکن ایک دوسرے کے دکھ درد میں شرکت
بالکل ہی فنا نہیں ہوا تھا۔ ہر شخص بُرے وقت میں
عزیزوں یا ہمدرد دوستوں میں گھرا ہوا پایا جاتا تھا، اخلاقی
زندہ تھیں۔ وفا ابھی جنسِ نایاب نہیں ہوئی تھی مگر پھر
بیا سے شمع تک ہر ایک نشے کا طلب گار تھا جو چرس
ے تھے وہ اس میں لاکھوں کما رہے تھے، راکٹ بیچنے والوں
دن رات فرصت نہیں تھی، ہیروئن نے آتے ہی جدید
مواصلاتی اور دیگر ایجادات خریدنے کی قوت عطا کر دی
میری عقل چکرانے لگی۔

شاید یہ مشینی عہد کا ایک آفاقی عذاب تھا جو انسانوں
پر مسلط کر لیا تھا۔ مفلس سے سرمایہ دار تک ہر ایک
کا طلب گار اور خریدار بنا ہوا تھا۔ کوئی سکون کے لیے
چا رہا تھا اور کوئی اپنی محرومیوں کو چرس کے دھوئیں میں
رہا تھا۔

مجھے کرنل زدلر زیدی کی مسکین صورت پر رحم آنے لگا۔
ت کا نظام کس قدر عجیب اور ناقابلِ فہم تھا کہ اس نے ایک
ی پڑیا کو کھلے بازار سے اٹھا کر اپنی چار دیواری کا تحفظ
کیا تو نہ صرف اپنے ہم نفسوں کی ہمدردیاں کھو بیٹھا بلکہ
ے کے ایڈکشن کے عذاب میں مبتلا ہو گیا۔

''میرے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے کرنل صاحب!
سب آپ کا ہے۔'' میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''بیگم
صاحبہ یہاں بدنامی سے خوفزدہ ہیں تو تفریح کے بہانے انہیں
باہر لے جا کر علاج کرائیے۔''

کرنل کے ہونٹوں کے گوشے لرزنے لگے پھر اس کے حلق
سے بھرائی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔ ''تم بہت شریف لڑکے ہو
تنویر میاں! شاید قدرت نے تمہیں فرشتہ بنا کر ہماری طرف
بھیجا ہے۔''

''فرشتہ نہ کہیں۔'' میں جلدی سے بولا۔ ''میں خود بہت
گناہ گار ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میری یہی خدمت میری ان گنت
خطاؤں کے ازالے کا بہانا بن جائے۔''

میری نگاہوں میں ہیروئن کے فراق میں پاگلوں کی طرح
اپنے جسموں کو نوچتے اور ہذیانی انداز میں حیوانوں کی طرح چنگھاڑتے
ہوئے انسانوں کے غول ناچنے لگے۔ احساس کی بنیادوں میں کچوکے
لگ رہے تھے لیکن میں بے بس تھا۔ اس کرب سے نجات
کی ایک ہی صورت تھی کہ میں ہیروئن کی تجارت سے کنارہ کش
ہو جاؤں لیکن یہ بے سود تھا۔ الگ ہوتا تو شاید وہ مجھے خاموشی
سے مروا ہی دیتے اور میری جگہ کوئی نیا مہرہ استعمال کرنے لگتے۔
ان کا منظم کاروبار کسی روک ٹوک کے بغیر اسی طرح چلتا رہتا۔
ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر میں برسوں سے جو کچھ کرتا چلا آ
رہا تھا، اس کا کم از کم کفارہ یہی ہو سکتا تھا کہ ان کی صفوں میں
اپنا اعتماد برقرار رکھتے ہوئے مناسب موقع پر ان پر ایسی کاری
ضرب لگاؤں کہ وہ بھیانک تنظیم ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائے۔
اس آخری کوشش میں کامیابی کے لیے اگر مجھے جان بھی داؤ پر
لگانا پڑتی تو اس وقت میں اس کے لیے تیار تھا لیکن خودکشی
میرے بس سے باہر تھی۔

مجھے خوشی ہوئی کہ میرے اندر کا اچھا آدمی زندہ تھا۔
بس اسے بیدار کرنے کے لیے مناسب سی تدبیر کی ضرورت
تھی جو غزالہ کی صورت میں تقدیر نے فراہم کر دی تھی۔ اچھی
غزالہ بھی تھی لیکن حالات اور ماحول کی قیدی تھی۔ اپنے گھر
میں بچپن سے جوانی تک پہاڑ جیسی عمر گزارنے کے باوجود
کبھی اپنے والدین کا کرب نہیں سمجھ سکی تھی۔ انہیں کامران کی
دیوانگی کا ذمے دار سمجھ کر ہمیشہ ان سے دل ہی دل میں نفرت
کرتی رہی اور پھر یہاں تک رائے قائم کر لی کہ اس کی ماں اپنے
مہنگے شوق کی خاطر کسی سرمایہ دار سے اس کا سودا کر کے داماد
سے زندگی بھر زرِ تاوان وصول کرنا چاہتی ہے اور میں ایک
مختلف ماحول میں اس کے باپ سے ذرا سی دیر کی گفتگو میں
صحیح نتائج اخذ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ دونوں بیٹے
کے دماغ کو پہنچنے والے ناقابلِ تلافی نقصان پر اپنے ضمیر کے

مجرم بنے ہوئے تھے۔ غزالہ کی ماں کوشش کے باوجود کوکین چھوڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھی۔ طوائف ہونے کے طعنے سنتے سنتے وہ سب سے بچھڑ کر اکیلی رہ گئی تھی... شاید اس نے اپنا کوئی نیا معتقد بنا لیا تھا اور کوکین خور کہلا کر اس رفاقت سے ہاتھ دھو بیٹھنے سے خوف زدہ تھی اور بے چارہ باپ اپنے تمام وسائل داؤ پر لگا کر اپنے مختصر سے کنبے کی منتشر اور متضاد اکائیوں کو یکجا رکھنے کی دل گداز کوششوں میں مصروف تھا۔

غزالہ چائے کی ٹرالی ڈرائنگ روم میں لائی تو اس کے پیچھے ایک دراز قامت خاتون بھی چلی آرہی تھی۔ بڑھاپا اس کی دہلیز پر دستک دے رہا تھا لیکن اس عمر میں بھی اس کے تیکھے خدوخال غزالہ سے کہیں زیادہ دل کش تھے۔ دودھ سے زیادہ گوری رنگت میں شریانیں اور وریدیں دور ہی سے نظر آرہی تھیں۔ اس کے منہ میں پان دبا ہوا تھا اور بڑی بڑی سیاہ غلافی آنکھوں میں خون کے سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ غزالہ کی ماں ہے۔ میں اسے سلام کرتے ہوئے احتراماً اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ غزالہ نے سر اٹھا کر حیرت سے میری طرف دیکھا پھر ماہر سے سخت نظر آنے والے نرم دل باپ کے چہرے پر نگاہ دوڑائی اور مفاہمت کی فضا محسوس کرتے ہی اس کا چہرہ مسرت سے گلنار ہوگیا۔ وہ ایک لمحے کے لیے جھجکی اور پھر ٹرالی وہیں چھوڑ کر تیزی کے ساتھ واپس چلی گئی۔ باپ مزاحمت پر تلا ہوا تھا تو وہ پھاٹک سے نکل کر میرے روبرو آ کھڑی ہوئی تھی لیکن مفاہمت کے آثار دیکھ کر چند ثانیوں کے لیے بھی اس بند کمرے میں کسی کا سامنا نہ کرسکی تھی۔

مجھے بے اختیار ویرا لائیڈ یاد آگئی جو غزالہ کی سراسر ضد تھی۔ سچ ہی ہے کہ عورت مشرق میں ہو تو عورت ہی رہتی ہے لیکن سربستہ رازوں اور انوکھے جذبوں کی یہی امین جب مغرب کے نفس پرور معاشرے میں آنکھ کھولتی ہے تو حیا اور آبرو کے بوجھ سے اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ وہ مرد کے بہلاوے کا ایک جیتا جاگتا کھلونا بن کر رہ جاتی ہے۔

"شمع! یہ غزالہ کے دوست تنویر میاں ہیں۔" ادھیڑ عمر کرنل کی شفقت آمیز آواز نے مجھے چونکا دیا۔ بیوی کے بعد وہ مجھ سے مخاطب ہوگیا تھا۔ "اور بھئی یہ غزالہ کی ماں شمع ہیں۔"

اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقصاں ہوگئی۔

"بیٹھو بیٹے!"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی وحشی سانڈ نے میرے سینے پر ٹکر دے ماری ہو۔ اس کی آواز میں نقاہت تھی لیکن الفاظ میں اپنائیت کی مٹھاس رچی ہوئی تھی۔ برسہا برس کے بعد کسی نے مجھے بیٹا کہہ کر مخاطب کیا تھا اور مجھے بے اختیار ماں یاد آگئی تھی جس نے میرے مستقبل سے مایوس ہو کر ایک ویرانے میں خودکشی کرلی تھی۔

پنڈلیوں میں لرزش نمودار ہونے سے پہلے میں اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ غزالہ کی ماں میرے سامنے اپنے شوہر کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ اس وقت میں نے پہلی بار دیکھا کہ اس کا رنگ گورا ضرور تھا لیکن جسم میں خون کی کمی کے باعث سفیدی نے سیلاہٹ اختیار کرلی تھی۔ اس کی آواز بھی تھکی تھکی سی تھی جیسے بولنے میں اسے دشواری ہورہی ہو۔ اس کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے گلابی ڈوروں کی بنا پر میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ اس وقت بھی کوکین کے نشے میں تھی۔

کرنل ٹرالی اپنے آگے گھسیٹ کر چائے بنانے لگا۔

"بیٹی کے بعد تم نے ہمارے میاں پر بھی شاید ڈورے ڈال لیے۔" غزالہ کی ماں میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی تو اس کے لہجے میں سرد کی موہوم سی لغزش موجود تھی جسے کوئی تجربہ کار ہی محسوس کرسکتا تھا۔

میرے ساتھ کرنل بھی مسکرا دیا۔ "تنویر میاں بہت اچھے لڑکے ہیں شمع! مجھے خوشی ہے کہ غزالہ نے زندگی میں پہلی بار ایک صحیح کام کیا ہے۔" اس نے ہاتھ روکے بغیر بیوی سے کہا۔

"خدا انہیں ہمیشہ اچھا ہی رکھے۔" اس نے بزرگانہ لہجے میں کہا پھر گردن کو ایک ادا کے ساتھ ہلکا سا خم دے کر ازراہ تفنن بولی۔ "جسے آپ اچھا سمجھیں وہ خوش نصیب ہی ہوگا۔ بُرے تو ہم ہیں جو آپ کے پلے بندھ گئے۔"

اس نے جو کچھ کہا، مذاق ہی تھا۔ کرنل شاید ایسی گفتگو کا عادی تھا لیکن اس کے مخمور لہجے میں سسکتا ہوا کرب مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ وہ بے حد حسین اور پُروقار عورت تھی۔ نہ جانے اسے کس کے کس غلام نے جسموں کی منڈی میں نیلام چڑھایا تھا۔ اگر اس کا ماضی داغ دار نہ ہوتا تو شاید اس کی ذات اور بھی بھرپور ہوتی۔ شوہر نے اسے ایک جہنم سے تو نجات دلا دی تھی لیکن دوسرے روگ سے جان چھڑانا اس بے چارے کے بس سے باہر تھا۔

معاً اندر سے پے در پے دو ہذیانی چیخیں ابھریں اور میں چونک پڑا۔ غزالہ کی ماں کے چہرے پر اذیت کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے آنکھیں بند کرکے اتنی مضبوطی سے اپنے دانت بھینچے کہ اس کے جبڑوں کی وریدیں جلد پر ابھر آئیں۔ کرنل ٹرالی چھوڑ کر اندر لپکا تو میں بھی اس کے پیچھے ہولیا۔

غزالہ ایک بند کمرے کی کھڑکی کی آہنی گرل تھامے اندر جھانک رہی تھی۔ قدموں کی آواز سنتے ہی وہ پیچھے مڑی اور اضطراری لہجے میں

"ڈیڈی! اس نے خود کو زخمی کر لیا ہے ...." اس کے چہرے
پر وحشت اور تشویش کے سائے لرزاں تھے۔ آنکھوں میں ہلکی سی نمی
جیسے مجھے سن کر وہاں آنے سے پہلے تنہائی میں روتی رہی ہو۔
کمرے کا دروازہ مقفل تھا اور چابی باہر ہی دیوار پر لٹکی
ہوئی تھی۔ کرنل نے پھرتی سے دروازہ کھولا اور میں اس کے ساتھ
اس کمرے میں گھس گیا۔ ایک خوبصورت اور صحت مند نوجوان
پلنگ پر کہنیوں میں سر دیے چت پڑا ہوا تھا اور اس کی پیشانی سے
تازہ خون رِس رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت ناک ویرانی
چھائی ہوئی تھی جس میں دکھ یا تکلیف کا کوئی احساس نہیں تھا۔ اس
کا لباس صاف ستھرا تھا لیکن قمیص کی ایک آستین پھٹی ہوئی تھی۔ کمرے
کے ایک گوشے میں اسفنج کا نرم گدا پڑا ہوا تھا لیکن چادر چیتھڑوں
میں تبدیل ہو چکی تھی۔ تکیہ پھٹا ہوا تھا، اس کی روئی پورے کمرے
میں بکھری ہوئی تھی۔

"کامران... کامران بیٹے!" بوڑھے کرنل نے نوجوان کے
قریب فرش پر اکڑوں بیٹھ کر دردمندانہ لہجے میں اسے پکارا لیکن
وہ بدستور اسی لاتعلقانہ انداز میں فرش پر پڑا چھت کو گھورتا رہا
جیسے اس کی سماعت کام نہ کر رہی ہو۔

کرنل نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ "کسی کو نہیں پہچانتا۔
بس کبھی کبھی غزالہ سے باتیں کر لیتا ہے۔"

میں نے ترحم آمیز نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا بازو
پکڑا تو وہ اچھل کر فرش سے یوں اٹھتا چلا گیا جیسے بے خیالی میں اس
پر بجلی کا ننگا تار آ گرا ہو۔ وہ بندر کی سی پھرتی سے میری طرف
لپکا تو اس کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک کوند رہی تھی۔ میری چھٹی حس
نے فوراً ہی خطرے کا اعلان کر دیا۔ اگر میں اس کا حملہ روکنے کے
لیے بروقت تیار نہ ہوتا تو وہ اپنے بے پناہ زور میں مجھے پچھلی
دیوار تک رگیدتا چلا جاتا۔ وہ جیسے ہی مجھ پر جھپٹا، میں نے اپنے
پا فرش پر جما کر اسے اپنی بانہوں میں دبوچ لیا۔

میری سخت گرفت میں وہ ایک دو بار تڑپا اور پھر اس کے
اعصاب ڈھیلے پڑتے چلے گئے۔ اس نے میرے سینے سے لگ کر
اپنا سر میرے داہنے شانے پر ٹکا دیا۔ میں اسے سہارا دے کر
گدے کی طرف لایا اور وہ بلا چون و چرا گدے پر لیٹ گیا۔
غزالہ اس اثنا میں فرسٹ ایڈ کا ڈبہ لے آئی تھی جو کامران کی
ذہنی حالت کے پیشِ نظر غالباً ہر وقت گھر میں موجود رہتا تھا۔

میں نے فرسٹ ایڈ بکس میں سے روئی نکال کر اس بدنصیب
کی پیشانی کا زخم صاف کرنا شروع کیا تو اس نے کوئی مزاحمت نہیں
کی۔ اس کی ویران آنکھیں لاتعلقانہ انداز میں خلا کے کسی نکتے پر
جمی ہوئی تھیں۔ غزالہ اور اس کے بوڑھے باپ کے چہروں پر حیرت
کے آثار نمایاں تھے شاید میرے ساتھ کامران کا مفاہمانہ رویہ ان کی
توقعات کے برعکس تھا۔

"تم سب پاگل ہو،" وہ گدے پر لیٹے لیٹے بڑبڑایا جیسے کسی
نادیدہ آسیب سے مخاطب ہو۔ "میں تمہیں فنا کر دوں گا۔ میں تمہارا
شہنشاہ ہوں۔" پھر وہ قلقاری مار کر ہنس پڑا۔ میرا ہاتھ بہک گیا،
اس کی جنون آمیز ہنسی تھمی تو میں نے اس کی رگ دوبارہ پھڑکنے
سے پہلے ہی اس کے زخم کی ڈریسنگ کر دی۔

"یہ دے دیں اسے،" غزالہ نے ایک گولی میری طرف
بڑھاتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "آپ کی بات مان
لے گا۔"

اس نے سر گھما کر غزالہ کو گھور کر دیکھا اور پھر اداس لہجے میں
بولا۔ "تو کہاں چلی جاتی ہے، یہ سب ظالم ہیں، مجھے قید کر رکھا ہے
مجھے وہاں کب لے جائے گی؟"

"ابھی چلیں گے،" غزالہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے
دل پر جبر کر کے بولی۔ "دیکھو یہ کیا دے رہے ہیں؟"

اس نے فرمانبردارانہ انداز میں مجھ سے وہ مسکن گولی لے کر
پانی کے ساتھ حلق سے اتار لی۔ غزالہ کے باپ نے خاموشی سے
مجھے اشارہ کیا اور ہم دونوں غزالہ کو کامران کے پاس چھوڑ کر
باہر آ گئے۔

"ذہن بالکل ماؤف ہے۔" کرنل نے باہر نکل کر دلگیر لہجے
میں کہا۔ "یادداشت کا خانہ بالکل خالی ہے۔ میں نے کمرے سے
مسہری سمیت ہر چیز ہٹا دی ہے لیکن پھر بھی دیواروں سے
سر مارنے لگتا ہے۔ مجھے کئی مرتبہ مار چکا ہے، اپنی ماں کی تو صورت
تک دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ غزالہ کے لیے اس کے لاشعور میں
شاید کوئی احساس زندہ ہے۔ کیونکہ بدکلامی کے باوجود آج تک
کبھی اس کے ساتھ تشدد نہیں کیا۔ مجھے حیرت ہے کہ اس نے تم
سے خاموشی سے مرہم پٹی کرا لی، مجھ سے تو باقاعدہ ہاتھا پائی پر
اتر آتا ہے۔"

میں خاموش رہا۔ میرا طب یا نفسیات کے شعبے سے کوئی تعلق
نہیں تھا لیکن زمانے کی ٹھوکریں کھا کھا کر میں نے انسانوں کو پرکھنے
کا فن خوب سیکھ لیا تھا۔ غزالہ مجھے بتا چکی تھی کہ دو ماہرین نے
کامران کے بارے میں فیصلہ صادر کر دیا تھا کہ کسی موذی نشے کی بڑی
خوراک نے اس کے دماغ کے حساس خلیوں کو ہمیشہ کے لیے تباہ
کر دیا ہے لیکن مجھے اندازہ ہوا تھا کہ پاگل ہو جانے کے باوجود اس
کے کچھ احساسات زندہ تھے۔ غزالہ کے ساتھ اس کا رویہ حیرت ناک
تھا، بالکل ہی پاگل ہوتا تو رشتے کے تقدس کا احترام کیے بغیر
کبھی بھی اس کی درگت بنا سکتا تھا، پھر اپنی ماں کے ساتھ اس کا

رویہ شاید ہمیشہ یکساں ہوتا تھا جبھی وہ بیٹے کی کربناک چیخیں سننے کے باوجود اسے دیکھنے نہیں آئی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اسے اپنے باپ کی کمزوری کا اندازہ تھا لہٰذا اس سے جارحانہ سلوک پہ اتر آتا تھا مگر میری قوت کا اندازہ لگاتے ہی وہ بے چون و چرا میرے اشاروں پر چلنے لگا تھا۔

کوکین کے ڈسے ہوئے اس خوب صورت جوان کے لیے میرے دل میں ہمدردی اور امید کے جذبات امڈ آئے۔

☆

غزالہ کے گھر پر گزرا ہوا وقت میرے اعصاب پر آسیب بن کر سوار ہو گیا۔ زندگی میں پہلی بار میں نے کسی شے کے ہاتھوں ایک بہت بڑے گھر کی بربادی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ گھرانہ میرے لیے معاشرتی بربادی کا ایک مثالی المیہ تھا۔ ان میں سارے ہی کردار قابلِ رحم تھے۔ شمع سے غزالہ تک کسی پر بھی اس تباہی کی ذمے داری عائد نہیں کی جا سکتی تھی۔ کامران اپنی ماں کے پاندان سے کوکین کھا کر ضرور اس حال کو پہنچا تھا لیکن وہ بے چاری خود اس نشے کی اس حد تک غلام تھی کہ اپنے لہو کی بربادی کے باوجود اپنی طلب کا جہنم سرد کرنے پر مجبور تھی۔ ماں کا مجرم وہ تھا جس نے آبرو کی نیلام گاہ میں پہلی بار غزالہ کی ماں کو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے کوکین کا پہلا پان کھلایا تھا۔

قانون منشیات کا دشمن تھا۔ اس کی نگاہوں میں اسے بنانے، بیچنے اور استعمال کرنے والے سب یکساں مجرم تھے لیکن ان حالات کو ختم کرنا قانون کے دائرہ کار سے باہر تھا جو منشیات فروشی کے لیے زرخیز ثابت ہوتے تھے۔ ترقی کے ساتھ ساتھ ہر شخص کی سوچ کاروباری ہوتی جا رہی تھی۔ ہیروئن اور کوکین اس لیے استعمال نہیں ہو رہی تھی کہ وہ تیار کی جا رہی تھی بلکہ اس کی منفعت بخش تجارت کا سبب یہ تھا کہ معاشرے میں اس کی طلب موجود تھی۔ ہر شخص اسی کاروبار کا رسیا تھا جس کی طلب ہو اور ہر ایک اپنی چیز کو خریداروں کے رجحانات کے پیشِ نظر بہتر سے بہتر بنا کر بازار میں لا رہا تھا۔ ارتقا کا یہی تدریجی عمل نشوں کی صنعت میں بھی کارفرما تھا۔

چرس اور ہیروئن سے پہلے بھنگ گھوٹ کر پی جاتی تھی یا افیم کھائی جاتی تھی اور ان میں سے کوئی چیز انسانی صناعی کی زد میں نہیں آتی تھی۔ دونوں کا ماخذ دھرتی کا سینہ تھا۔ بیج سے کونپلوں، پودوں، پھول اور پھر پھل تک ہر مرحلہ قدرت کی فیاضیوں کا ایک شاہکار تھا لیکن ان نعمتوں کو ناآسودہ لوگوں نے اپنے درد کا درماں بنا لیا۔ برگ حشیش سے ابتدا ہوئی پھر گانجہ اور بھنگ سے ہوتے ہوتے نوبت چرس تک پہنچ گئی۔ دوسری طرف افیم نے ارتقائی سفر کا آغاز کیا تو مدک اور چانڈو جیسی دیسی چیزوں سے مارفین اور ہیروئن تک وجود میں آتی چلی گئی۔ میرے لیے یہ سمجھنا دشوار تھا کہ جب ہیروئن اور چرس کا نشہ بھی لوگوں کو ان کے تفکرات سے پناہ نہ دے سکے گا تو پھر کہاں سے اور کون سا نشہ آئے گا۔

نشے لوگوں کو برباد کر رہے تھے۔ فرد کی اکائی پر ضرب لگنے کے نتیجے میں معاشرے کی یک جہتی خطرے میں پڑتی نظر آ رہی تھی لیکن اس وبا کے تھمنے کے کوئی آثار نہیں تھے۔ میں خود اس برائی کے دوررس اثرات سے باخبر ہونے کے باوجود، اس کی نشوونما میں بھرپور حصّہ لینے پر مجبور تھا۔ ذہن میں اعلیٰ فلسفیانہ خیالات کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا لیکن عملاً میں موتی دادا کے اڈے سے تھوڑی دور حامد کی واپسی کا منتظر تھا جو تھوڑی ہی دیر پہلے ادھر گیا تھا۔

میں اسٹیئرنگ کے پیچھے بیٹھا سگریٹیں پھونکتا اور سوچتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ جواں سال اور خوش پوش لڑکا مجھے اس تنگ سی گلی میں سے نکلتا نظر آیا جہاں گنجان آبادی میں موتی دادا پھولی سی عمارت میں اپنا اڈا کامیابی سے چلا رہا تھا۔ حامد کو میں ذاتی طور پر نہیں جانتا تھا، بس جہانگیر سے ملنے والے حلیے کی بنا پر اسے پہچانا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا ایک بیگ جھول رہا تھا۔ بظاہر وہ بے پروائی کے انداز میں چلا آ رہا تھا لیکن اس کی متجسس نگاہیں کسی خالی سواری کی تلاش میں سڑک پر بھٹک رہی تھیں۔

جوں ہی وہ گلی سے اگلے پول تک پہنچا، میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور پھر اسے آگے بڑھا کر اس کے برابر میں روک دیا۔ کھڑکی میں سے میں نے دیکھا کہ چلتے چلتے وہ ٹھٹک کر رک گیا تھا پھر اس سے قبل کہ وہ میری کار کو نظر انداز کر کے آگے بڑھنے کا فیصلہ کرتا میں نے انجن بند کیے بغیر گیئر نیوٹرل کر کے ہینڈ بریک کا لیور کھینچا اور پھرتی سے کار سے نیچے آ گیا۔

اس نے کار کی چھت پر سے تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں دوستانہ انداز میں مسکرا دیا۔ "بیٹھ جاؤ۔ جہاں بھی جانا ہے میں اتار دوں گا۔"

"شکریہ۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں کسی اجنبی کا احسان لینا پسند نہیں کرتا۔" یہ کہہ کر اس نے آگے بڑھنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ میں نے اس کا نام لیا اور اس کے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔

"اجنبی احسان کرنے پر تلا ہوا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے

معنی خیز لہجے میں کہا۔ "پھر جو تمہارے نام سے واقف ہو وہ اتنا بھی اجنبی نہیں ہوتا، جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ بےفکر رہو میرا پولیس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا۔ "تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟"

"اتنے سوال؟" میں ہنس دیا۔ "گاڑی میں بیٹھ جاؤ مزے سے باتیں کریں گے، موتی دادا کے کسی آدمی نے دیکھ لیا تو کل سے مال نہیں ملے گا، وہ سمجھے گا کہ تم کوئی مخبر پیچھے لگا لائے ہو۔"

موتی دادا کے نام نے اس کے رہے سہے حوصلے پر بھی اوس ڈال دی اور وہ پیشانی پر تفکر آمیز شکنیں لیے گاڑی میں بیٹھنے لگا۔ میں نے بھی اس کے ساتھ ہی اپنی نشست سنبھال لی اور ہینڈ بریک چھوڑ کر کار آگے بڑھا دی۔

میں ونڈ شیلڈ سے باہر ٹوٹی پھوٹی سڑک پر نظریں جمائے ہوئے تھا لیکن بائیں آنکھ کے گوشے سے میں دیکھ رہا تھا کہ وہ بے تشویش زدہ انداز میں گھورے جا رہا تھا۔ آخر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ بول ہی پڑا۔ "میں تمہارے بولنے کا منتظر ہوں۔"

"تم کافی دنوں سے میری نگاہ میں ہو۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لیے کام کرو۔"

"کیا کام؟" بظاہر اس نے اچٹ کر سوال کیا تھا لیکن اس کا لہجہ کھوکھلا تھا۔

"پارسا بننے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ "موتی دادا کے پاس لوگ کس لیے آتے ہیں۔ یہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے اور یہ بھی یاد رکھنا کہ تم نے اس ملاقات کا کسی سے بھی ذکر کیا تو وہ تمہاری آزادی کا آخری لمحہ ثابت ہو گا۔ پورے گھر کو بند کروا دوں گا، کوئی ضمانت لینے والا بھی نہیں ملے گا۔"

وہ کچا کھلاڑی تھا، پہلی دھمکی سنتے ہی اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں ابھر آئیں۔ "کام کی نوعیت سمجھے بغیر میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" اس نے بےچارگی کے ساتھ کہا۔ میرے پے در پے حملوں نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

"موتی دادا کے بجائے تمہیں میرا مال بیچنا ہو گا۔" میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے تیر پھینکا۔

"یہ مشکل ہے۔" اس نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "اگر تم موتی دادا کو جانتے ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ انحراف کرنے والوں کے ساتھ وہ کیا سلوک کرتا ہے۔"

"میں تمہیں پورا تحفظ فراہم کروں گا۔" میں نے اسے حوصلہ دلایا۔

"میں نیا ضرور ہوں لیکن اس لائن سے خاصا واقف ہو گیا ہوں۔" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ "کوئی کسی کو تحفظ فراہم نہیں کرتا۔ سب اپنی ساکھ بچاتے ہیں۔ اس نے میرے ہاتھ پیر تڑوا دیے تو شاید تم بھی اس کے ایک دو آدمیوں کو معذور کرا دو لیکن میرا کیا بنے گا۔ میں تو زندگی بھر سسکتا ہی رہوں گا۔"

اس نئے پنچھی نے بہت بڑی بات کہہ دی تھی۔ مجھے بے اختیار طارق یاد آ گیا جسے سکندر علی نے اپنی ساکھ کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ جرائم کی دنیا میں کوئی کسی کا بچاؤ نہیں کرتا۔ سب اپنے مفادات کے لیے بھیڑیے بن جاتے ہیں اور جب اپنی ذات خطرے میں نظر آئے تو بلا تردد ہر ایک کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔

"تو اسے میں تمہارا انکار سمجھ لوں؟" میں نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔

"کوئی قابلِ عمل بات ہو تو میں تیار ہوں۔" اس نے جلدی سے وضاحت کی۔ "میں دیدہ و دانستہ کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں ہوں۔"

"اور اگر میں تمہیں باہر بھیجنا چاہوں؟" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

وہ چونک پڑا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "شاید تمہیں علم نہ ہو کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں، شوقیہ نہیں بلکہ مجبوری کے تحت کر رہا ہوں۔ میں پوری کے چکر میں آدھی سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتا۔ تمہیں بہتیرے ایسے لڑکے مل جائیں گے جو ہر قیمت پر دنیا دیکھنے کے خواہشمند ہیں تمہیں تو کیریئر ہی چاہیے نا؟"

وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ سمجھ دار نظر آ رہا تھا۔ شاید تلخ حالات نے اسے اپنے ماحول سے بہت جلد سیکھ لینے کا عادی بنا دیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اشارا پاتے ہی سمجھ گیا تھا کہ میں اس کے ذریعے 'مال' باہر بھیجنے کے چکر میں تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ شہر میں رہ کر نہایت خوش اسلوبی سے اپنا کام سر انجام دے رہا تھا اور میں اسے اس کی جگہ سے ہٹانا نہیں چاہتا تھا۔ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ باتوں ہی باتوں میں اسے اس قدر مجبور کر دوں کہ وہ خود ہی اپنے دوستوں کو متعارف کرانے پر آمادہ ہو جائے لیکن اس نے اپنی ذہانت سے فوراً ہی میرا مدعا بھانپ کر مجھے پیچیدہ گفتگو سے بچا لیا۔

"یہی سمجھ لو۔" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہارے سامنے ہوتے ہوئے میں دوسروں کی تلاش میں شہر میں دھکے کیوں کھاتا پھروں؟ میں تم سے اور تمہارے پس منظر سے

پوری طرح واقف ہوں، تم اس وقت بھی ٹریڈ میں ہو۔ تم سے بہتر آدمی مجھے کہاں ملے گا؟"

وہ سوچ میں پڑ گیا پھر چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولا "موتی دادا کو بھنک بھی مل گئی تو وہ اونچا اڑنے سے پہلے میرے پر کاٹ دے گا۔ میں تمھیں کئی نام دے سکتا ہوں۔ تم انھیں سیاحت کے ساتھ تھوڑا سا مالی مفاد بھی فراہم کرو گے تو وہ پوری رازداری اور اعتماد کے ساتھ تمھارے لیے کام کریں گے۔" آخر کار وہ اسی لائن پر آگیا۔ جو میں چاہ رہا تھا۔

"ان میں لڑکیاں بھی ہوں گی؟" میں نے مستفسرانہ لہجے میں کہا۔

"دیکھنا پڑے گا۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولا "بظاہر تو بہت سی لڑکیاں آزاد خیال نظر آتی ہیں لیکن ملک سے باہر نکلنا شاید کسی کے لیے بھی ممکن نہ ہو۔ ہاں اپنے شہر میں رہتے ہوئے وہ بہت کچھ کر سکتی ہیں۔"

"تمھاری گلوخلاصی کی ایک ہی صورت ہے۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "مجھے کل تک کم از کم تین آدمی فراہم کرو جو میرا مال باہر لے جاسکیں بعد میں بھی تمھیں وقتاً فوقتاً یہ کام کرنا ہوگا۔"

"تاکہ تم میری سرگرمیوں کے بارے میں اپنی زبان بند رکھو۔" اس کا انداز تلخ ہوگیا۔

"میں تمھیں بلیک میل نہیں کر رہا۔" میں نے جلدی سے کہا "تمھاری سرگرمیوں کا حوالہ نہ دیتا تو تم گفتگو کرنے پر بھی آمادہ نہ ہوتے۔ میں تمھیں ہر آدمی کے ایک ہزار روپے ادا کروں گا۔"

اس کی نگاہوں میں چمک عود کر آئی "پھر مجھے کوئی عذر نہیں لیکن کام شروع کرنے سے پہلے میں تمھارا طریقۂ کار ضرور جاننا چاہوں گا۔"

"جس دن آدمی مال لے کر روانہ ہوں گے، تمھیں تمھارا حصہ۔۔۔"

میں نے وضاحت کرنا چاہی لیکن اس نے درمیان سے میری بات کاٹ دی "مجھے اپنے حصے کی فکر نہیں۔ میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ تم بات سے پھرنے والوں میں سے نہیں ہو، میں یہ معلوم کرنا چاہ رہا ہوں کہ کیا ان لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہ سیاحت کی آڑ میں کیا کام کر رہے ہیں؟"

میں دل ہی دل میں اس کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ بات سنتے ہی اس کی تہ تک پہنچ جاتا تھا اور پھر کرید کر خامیوں یا کمزور پہلوؤں کو سامنے لے آتا تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ وہ روشن دماغ اور تعلیم یافتہ تھا اور جب ایسے لوگ جرائم کی طرف راغب ہو جائیں تو پوری طرح سمجھے بوجھے بغیر کسی جرم کا ارتکاب نہیں کرتے۔ اس نے جو سوال کیا، وہ بنیادی اہمیت کا حامل تھا اور یہی بات ہے کہ اس مرحلے پر میں اس کے جواب کے لیے تیار نہیں تھا لہٰذا میں نے سوچا کیوں نہ اسی سے جملہ امکانات کے بارے میں اس کی رائے معلوم کی جائے۔

"اگر فیصلہ تم پر منحصر ہو تو تم کیا کرو گے؟" میں نے اپنے خالی الذہن ہونے کا اعتراف کیے بغیر چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تاکہ وہ چیخ کر بھرپور انداز میں میری بات کا جواب دے۔

"انھیں مکمل طور پر لاعلم رکھ کر باہر بھیجنے کا تصور ہی احمقانہ ہوگا۔" اس نے چند ثانیوں کی پُرخیال خاموشی کے بعد ٹھیرے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا "کیونکہ کوئی اپنی گرہ سے ہزاروں روپے خرچ کر کے کسی کو بلاوجہ باہر نہیں بھیجتا پھر انھیں کسی خاص منزل پر کسی کو کوئی خاص چیز بھی پہنچانا ہوگی۔ لہٰذا انھیں اندھیرے میں رکھنا بے اعتمادی کے مترادف ہوگا۔ اس کے بعد دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں۔ مال ان کے حوالے کر کے اس کا تحفظ اور ترسیل ان پر چھوڑ دی جائے یا اپنے طور پر مال کسی غیر اہم چیز میں چھپا کر ان کے حوالے کیا جائے اور وہ اسے چھیڑے بغیر مقررہ آدمی تک پہنچا دیں۔"

"آخری صورت اختیار کی جائے گی۔" میں نے کہا "انھیں کسی آرائشی چیز میں چھپا کر مال دیا جائے گا لیکن مال کی اصل نوعیت سے وہ لاعلم رہیں گے تاکہ بڑا لالچ نیت میں فتور کا سبب نہ بن سکے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا "کیا وہ یقین کریں گے کہ انھیں محض ایک تحفے کی ترسیل کے لیے ہزاروں میل کے سفر پر بھیجا جا رہا ہے۔"

"اوہ۔" میں دھیمے سے ہنس پڑا "یوں سمجھ لو کہ وہ ہیروئن لے جائیں گے لیکن بتایا یہ جائے گا کہ وہ چرس کا سیمپل لے جا رہے ہیں۔ پیکنگ میں یہ اہتمام کر لیا جائے گا کہ وہ مال کی اصلیت سے واقف نہ ہوسکیں لیکن اس سے تمھارے لیے کیا فرق پڑے گا؟"

"اب مجھے خاصی حد تک ملوث ہونا پڑے گا۔" اس کے پاس جواب تیار تھا "مجھے اعتماد کے لوگوں سے بات کرنا ہوگی اور انھیں رازداری کی تاکید کے ساتھ یہ بتانا ہوگا کہ انھیں کوئی اہم چیز باہر لے جانی ہے۔ ورنہ میں سوچ رہا تھا کہ

انھیں تم سے متعارف کرادوں گا بقیہ معاملات تم خود طے کرلو گے۔"

"کل تم انھیں کس وقت لاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"پانچ بجے۔" وہ سوچتے ہوئے بولا۔ "تمھارا پتا ٹھکانا ہے؟"

"پھر پانچ بجے میں انڈس ہوٹل میں تمھارا انتظار کروں یں نے یہ سوچتے ہوئے ہوٹل کا نام لے دیا کہ کسی پبلک وغیرہ میں ملاقات طے کرنے میں وہ لوگ یہ سوچ کر سکتے تھے کہ جو شخص پہلی ملاقات کے لیے ڈھنگ کی جگہ ظام نہ کرسکے، وہ اپنی کنجوسی یا کوتاہ بینی کی وجہ سے انھیں ہی نہ دے۔

"ہوٹل کے بجائے گھر پر زیادہ آسانی سے گفتگو ہوسکتی " اس نے مشورہ دینے کے انداز میں کہا۔

"تو اپنے گھر پر بلالو۔"

وہ تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "دو کمروں کے بوسیدہ سے یں رازداری عنقا ہے۔ پھر اس چار دیواری میں لمبی ی باتیں ان تینوں کو مذاق محسوس ہوں گی۔ تمھارا اپنا گھر تو ہوگا؟"

"میں ڈیرہ غازی خان سے آیا ہوں اور انڈس ہوٹل ٹھہرا ہوا ہوں۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے ا۔ "میرا موجودہ کمرہ بے آرام ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آج ہی مجھے دوسرا کمرہ مل جائے۔ تم انکوائری سے میرے ے میں معلوم کرلینا۔ ٹھیک پانچ بجے میں تمھارا انتظار ں گا۔"

"تمھارے بارے میں تو اسی وقت معلوم کرسکوں گا جب را نام معلوم ہوگا۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

"اوہ۔" مجھے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ "میرا شہباز خان ہے۔ دراصل تم سے باتوں میں یوں محسوس ہو ہے جیسے ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہ ہوں۔"

"شہباز خان!" اس نے زیر لب دہرایا پھر قدرے قف کے بعد بولا۔ "اب واسطہ پڑ ہی گیا ہے تو تمھیں ایک رہ بھی دینا ہوگا۔ اس بارے میں موتی دادا کو اعتماد میں میں کوئی ہرج تو نہیں ہوگا۔"

"ایسا غضب بھی نہ کرنا۔" میں نے مصنوعی بوکھلاہٹ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "وہ تم کو روکے یا نہ روکے لیکن ضرور گڑبڑ کردے گا اور میرے آدمی روانگی سے پہلے ہی دھر جائیں گے۔"

"اس کا اور تمھارا مقابلہ ہی کیا۔" وہ بولا۔ "موتی دادا مقامی سپلائر ہے اور تم ایک ایکسپورٹر ہو۔ اصولاً تو اسے خاموش ہی رہنا چاہیے۔ دراصل میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جو آگے چل کر میرے لیے الجھن کا سبب بن جائے۔"

"تم بے فکر رہو۔ اسے بھنک بھی نہ مل سکے گی کہ تم نے کوئی دوسرا کام کیا ہے۔" میں نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا اور گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔

"اتنی بے مروتی مناسب نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہاں تک آگئے ہو تو مارٹن روڈ پر ہی اتار دینا۔ میں وہیں رہتا ہوں۔ اتنے کم فاصلے کے لیے کوئی سواری نہیں مل سکے گی۔" میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی گاڑی آگے بڑھا دی۔

وہ میری توقع سے کہیں بڑھ کر ہوشیار ثابت ہوا تھا لہٰذا اسے اتار کر میں فوراً ہی شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ انڈس ہوٹل میرے لیے کوئی نئی جگہ نہیں تھی۔ کبھی کبھار ماحول کی تبدیلی کے لیے میں وہاں بھی کمرہ کرائے پر لیتا اور وہاں اصل نام سے نہیں پہچانا جاتا تھا۔ جب بھی وہاں گیا شہباز خان کے ہی نام سے کمرہ حاصل کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انڈس ہوٹل کا نام لینے کے بعد میں نے حامد کو اپنا نام شہباز خان بتایا تھا۔ میں ویسے بھی اپنی اصلیت اس سے پوشیدہ ہی رکھنا چاہتا تھا۔

استقبالیہ کاؤنٹر پر میرا استقبال تپاک سے کیا گیا۔ کلرک خلافِ معمول مجھے تنہا دیکھ کر حیران ضرور ہوا تھا لیکن اس بارے میں کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں کرسکا تھا۔ میں نے دو دن کا پیشگی کرایہ ادا کرکے رجسٹر کے اندراجات کے مقابل شہباز خان کے نام سے دستخط کیے اور پھر ایک پورٹر کے ساتھ زینوں کی طرف چل دیا۔ جو کمرہ مجھے دیا گیا وہ پہلے سے صاف تھا۔ بستر سے غسل خانے میں صابن اور تولیے تک ہر چیز موجود تھی۔ میں نے پورٹر کو ٹپ میں پانچ روپے کا نوٹ دیا اور وہ کھیسیں نکالتا ہوا واپس چلا گیا۔

اس وقت میری رسٹ واچ میں سات بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ میں چند ثانیوں بعد باہر نکلا اور کمرہ مقفل کرکے عقبی زینوں سے نیچے اترتا چلا گیا۔

*

راستے میں اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ جہانگیر سے ٹرانسمیٹر پر میری گفتگو ہوئی تھی لیکن اس نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ میں اپنی نجی حیثیت سے میں جیوا ہاؤز کے کمرہ نمبر تین میں گھسا تھا۔ نجانے اس نے کیا سوچ کر یہ اطلاع اپنی ذات تک محدود رکھی تھی۔

اگر وہ ذکر چھیڑ دیتا تو مجھے بھی وہ چھوٹا سا لیکن اہم معاملہ یاد آ جاتا اور میں بی فور کی حیثیت سے اسے ہدایت جاری کر دیتا کہ آئندہ ڈپٹی کو نمبر تین میں بلا روک ٹوک جانے دیا جائے اور وہ یہ حکم جیوا ہاؤز کے محافظوں تک پہنچا دیتا۔ پچھلی بار میں نے جہانگیر سے بات کر کے محافظوں سے اپنی گلو خلاصی کرالی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ نئی ہدایت کی غیر موجودگی میں وہ میرے بارے میں محتاط رہیں گے اور مجھے اس بات کا موقع نہیں دیں گے کہ میں تین نمبر میں گھس سکوں۔

ہوا بھی یہی۔ میں جیوا ہاؤز کے پورچ میں کار سے اتر کر اندر چلا تو دو میں سے ایک محافظ میرے ساتھ ہو لیا۔

"کیا بات ہے نورے؟" میں نے قدموں کی چاپ پر پلٹ کر ناگوار لہجے میں سوال کیا۔ "یہ آج میرے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہو؟"

"ہم حکم کے بندے ہیں ڈپٹی صاحب!" وہ مجھ سے نگاہیں چار کر کے سنجیدگی سے بولا۔ "ہمیں تین نمبر کے بارے میں سخت احکام ملے ہوئے ہیں، کل تم موقع پا کر وہاں گھس گئے اور ہمیں واپسی پر تمہیں روکنا پڑا۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ جہانگیر کا پارہ نہیں چڑھا ورنہ وہ ہمیں سولی چڑھا دیتا۔" میری دانست میں وہ قطعی حق بجانب تھا۔

"مجھے تین نمبر ہی میں جانا ہے۔" میں نے رک کر کہا۔ "کل کے تجربے کے باوجود تم میری راہ میں حائل ہو رہے ہو، وہ حکم میرے لیے نہیں تھا۔ باہر جا کر اپنی ڈیوٹی سرانجام دو۔"

میری کوشش تھی کہ وقت ضائع کیے بغیر میں ٹرانسمیٹر تک پہنچ جاؤں۔

"نہیں سر۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "کل جو کچھ ہوا وہ کل ہی کے لیے تھا۔ آگے کے لیے کوئی حکم نہیں ملا تھا۔" اس کا مطلب ہے کہ تین نمبر سے تم بھی دور ہی رہو گے۔ ادھر گئے تو میں گستاخی کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" میں غصیلے لہجے میں یہ کہتے ہوئے فون کی طرف بڑھ گیا۔

سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے جہانگیر کی بیوی نے ریسیور اٹھایا تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی وہ کھل گئی۔ اس نے بہت شوخ اور جارحانہ لہجے میں میری مزاج پرسی کی تھی لیکن میرے اعصاب پر یہ فکر سوار تھی کہ گھڑی کی سوئیاں سات سے آگے سرک رہی تھیں۔ بی ون وقت پر مجھے ایم ٹی ہنڈرڈ پر موجود نہ پا کر برہم ہو سکتا تھا۔

میری طرف سے عجلت کے اظہار پر اس کا لہجہ خشک ہو گیا۔ چند ثانیوں بعد ہی دوسری طرف جہانگیر لائن پر آ گیا۔

"میں تین نمبر میں جانا چاہتا ہوں لیکن تمہارے آدمی میری راہ میں حائل ہیں۔" میں نے بلا کسی تمہید کے کہہ ڈالا۔

"آج پھر۔ لیکن کیوں؟" اس کا لہجہ تحیر آمیز تھا۔

"حکم۔" میں نے مختصراً کہا۔ "میرے پاس وقت کم ہے۔"

"لیکن مجھے اس بارے میں کوئی ہدایت نہیں ملی۔" اس کی آواز ابھری۔ لہجہ شکایت آمیز تھا۔ "تم نے اس بارے میں کل بھی مجھے ٹال دیا تھا۔"

"حقیقت بتائی تھی۔" میں بحث میں الجھنے کے بجائے ایسے فقروں سے کام چلا رہا تھا کہ قریب کھڑا ہوا نورا میرے جوابات سے گفتگو کی نوعیت کے بارے میں کوئی اندازہ نہ لگا سکے۔ "تم نے کل والا واقعہ بتایا تو کیا جواب ملا تھا؟"

"میری بات ہی نہیں ہوئی کسی سے۔" اس نے سفید جھوٹ بولا اور میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

"میں ریسیور نورے کو دے رہا ہوں۔" ماؤتھ پیس میں یہ کہہ کر میں نے ریسیور نورے کو تھما دیا اور یوں میری مشکل آسان ہو گئی۔ نورے کا تسلط ختم ہونے کے بعد میں پوری احتیاط کے ساتھ قفل کھول کر تین نمبر میں داخل ہوا تو مجھے مقررہ وقت سے پانچ منٹ کی تاخیر ہو چکی تھی۔ میں نے اندر سے دروازہ مقفل کیا اور پھر ایم ٹی تھری ہنڈرڈ آن کر دیا اور اس پر ریڈیائی لہروں کا دھیما دھیما شور سن کر میری جان میں جان آ گئی کہ اس وقت تک بی ون لائن پر نہیں آیا تھا۔

میں اطمینان سے سگریٹ سلگا کر کمرے میں ٹہلتا ہوا ٹیپ ریکارڈر کی طرف چلا گیا۔ اس میں کیسٹ جوں کا توں موجود تھا۔ پھر میں نے کیمرے کا جائزہ بھی لے ڈالا۔ اس میں بدستور پہلی فلم لوڈ تھی۔ آخر میں میں ایم ٹی تھری ہنڈرڈ سے منسلک کال ریکارڈر پر جھکا تو یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ اس میں کسی پیغام کی ریکارڈنگ ظاہر کرنے والا ننھا سا سرخ بلب روشن تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ میری غیر موجودگی میں آپریٹس پر کسی نے مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔

میں نے ایک بٹن دبا کر ریکارڈنگ کے لیے سیٹ کیے ہوئے سوئچ نارمل کیے پھر ٹیپ کو ری وائنڈ کرنے والا بٹن دبا دیا۔ مختصر سی گردش کے بعد کیسٹ رک گیا اور میں نے آواز کھول کر اسے چلا دیا۔

"بی ون فار بی فور۔" ریڈیائی شور کے پس منظر میں ریکارڈ کی ہوئی بی ون کی آواز بہت واضح تھی۔ "حالات بہت مخدوش ہو گئے ہیں۔ اگلی ہدایات تک ایم ٹی تھری ہنڈرڈ کو ہرگز استعمال نہ کرنا۔ ہدایات کے لیے کوئی اور ذریعہ اختیار کیا جائے گا۔

ل چند روز کے لیے روپوش ہو جاؤ۔ مجھے شبہ ہے کہ
تھری ہنڈرڈ کی فریکوئنسی باہر کے کسی آدمی کے علم میں
ے اور ہمارے پیغامات درمیان میں پکڑے جارہے ہیں۔
در کو خوف زدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ پچھلی ہدایات
رہیں گی۔ اوور اینڈ آل۔" کیسٹ گردش کرتا رہا لیکن آواز
ہو گئی تھی۔ میں نے بٹن دبا کر کیسٹ آف کر دیا۔
بی ون کا وہ پیغام میرے لیے ناقابلِ فہم تھا۔ اگر کوئی
اس فریکوئنسی سے واقف ہو چکا تھا اور اس پر ہونے
فت گو انٹرسیپٹ کر رہا تھا تو بی ون کا آخری پیغام بھی
نے سنا ہو گا اور یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ بی ون
اصلاتی نظام میں کسی کی مداخلت سے باخبر ہو چکا ہے،
نے فوری طور پر کسی فیصلہ کن کارروائی کا آغاز کر دیا ہو گا۔
ون وہ پیغام ریکارڈ نہ کراتا تو حریف کو ہوشیار کیے بغیر
سراغ لگانے کی کوشش کر سکتا تھا لیکن کچھ دیر تک غور
کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ بی ون کا وہ اقدام ایک
سے درست ہی تھا۔ وہ مجھے اور دوسروں کو ہوشیار
تا تو ہماری طرف سے کسی رابطے میں ایسی باتیں کہی جاسکتی
جو زیادہ بڑی تباہی کا پیش خیمہ بن جاتیں۔
میں اپنے ذہن میں اس گفت گو کو تازہ کرنے کی کوشش
نے لگا جو بی ون سے پچھلے روز ایم ٹی تھری ہنڈرڈ پر
ئی تھی۔ وہ گفت گو یاد آتے ہی میرے بدن کے سارے
موں کے دہانے کھل گئے کیونکہ پچھلے دن بی۔ ون سے
بار میری گفت گو ہوئی تھی اور اس میں معاملات کے سارے
اہم پہلو شامل تھے۔
اس گفت گو میں طارق اور سکندر علی کا نام آیا تھا اور ان
ثیت بھی زیرِ بحث آئی تھی۔ بی ون نے تو یہاں تک
رہا تھا کہ سکندر علی ہی تنظیم میں بی فور کے عہدے پر فائز
اسی حوالے سے ایڈکشن کیور سوسائٹی کا نام بھی آیا تھا اور
نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں مالی اعانت کے ذریعے اس
ائٹی میں گھسنے کی کوشش کروں۔ ایشلے ہاؤزا اور ویرا لائیڈ
نام بھی لیے گئے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسی
گو میں بی فور نے مجھے لاہور کا وہ فون نمبر بتایا تھا جس پر
ے ایک سے تین بجے کے درمیان اے ٹو سے ہنگامی
نا کے تحت براہ راست ہدایات لی جا سکتی تھیں۔
اگر وہ گفت گو درمیان میں کہیں سنی گئی تھی تو اے ٹو
اری شدید خطرے میں پڑ چکی تھی۔ اسی کے ساتھ ایڈکشن
رسائٹی میرے لیے چوہے دان کی صورت اختیار کر گئی
تھی۔ ادھر کا رخ کرتے ہی میرے لیے اس نامعلوم دشمن کی طرف
سے ناقابلِ تصور خطرات پیدا کیے جاسکتے تھے۔
اور ان سارے اندیشوں کی تصدیق کے لیے میرے پاس
صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی تھی۔
بی ون نے اسی گفت گو کے دوران مجھے اس ٹرک کے
بارے میں اطلاع دی تھی جو مال لے کر آرہا تھا۔ پروگرام کے
مطابق تقریباً دو گھنٹے پہلے، پانچ بجے شام سی ون کے آدمیوں
کو نیشنل ہائی وے کے اٹھارہویں سنگِ میل پر مخصوص اشاروں
اور علامات کے ذریعے ٹرک نمبر پی آر صفر تین نو کا چارج
سنبھالنا تھا۔ وہ گفت گو اگر کسی دشمن نے سنی تھی تو اس کا سب
سے پہلا وار اسی ٹرک پر ہونا چاہیے تھا۔ ٹرک کو ٹا جاسکتا تھا۔
یا اس پر کامیاب چھاپا پڑ سکتا تھا۔
میں نے فوری طور پر اپنا آپریٹس نکالا اور سی ون سے
رابطے کی کوشش کرنے لگا۔ دوسری کوشش میں اس کی طرف
سے جواب مل گیا۔ اس کی آواز پوری طرح پُرسکون تھی۔
"مال کا کیا رہا؟" میں نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔ "ٹرک
کہاں ہے؟ اوور۔"
"ٹرک کا مجھے علم نہیں۔ مال میرے آدمیوں کی تحویل میں
ہے۔ اوور۔" اس کا جواب سن کر مجھے خاصی تسلی ہوئی کیونکہ کسی
دشمن کے اوچھے وار کے نتیجے میں اس تنظیم کے بڑے میری
دسترس سے باہر نکل جاتے تو مجھے زندگی بھر اپنی اس ناکامی کا
قلق رہتا۔ ٹرک محفوظ تھا لہٰذا دو ہی صورتیں ممکن تھیں۔ یا تو
میری اور بی ون کی گفت گو کسی نے نہیں سنی تھی اور کسی بھی طرف
سے مجھے مقامی طور پر کسی فوری خطرے کا سامنا نہیں تھا یا گفت گو
سننے والا ٹرک پر آنے والے مال کے ذریعے کسی بڑے پر ہاتھ
ڈالنے کے چکر میں تھا۔
ان دونوں میں سے جو بھی صورتِ حال پیدا ہوئی تھی
وہ احتیاط کی متقاضی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں کوئی واضح
صورتِ حال سامنے آنے تک دور رہ کر جائزہ لیتا رہوں گا۔
بی ون کی طرف سے مجھ پر سے ہر پابندی ہٹالی گئی تھی۔ اس
طرح مجھے اپنے طور پر پیش قدمی کے لیے مہلت مل گئی تھی۔
"اگلی ہدایات تک ساری سرگرمیاں معطل رہیں گی۔ فی الحال
دو چار روز مجھ سے بھی رابطے کی ضرورت نہیں، فضا سازگار
ہوتے ہی میں خود رابطہ قائم کروں۔ اوور۔" میں نے بٹن دبا کر
سی ون سے کہا۔
"کیا کوئی بُری خبر ہے؟ اوور۔" سی ون کی آواز میں تشویش
اُمڈ آئی۔

اس کا وہ سوال غیر ضروری تھا لیکن وہ میرے لیے اس سے قریب ہونے کا اچھا موقع تھا۔ "بری خبر ضرور ہے لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تم کو کس حد تک اعتماد میں لے سکتا ہوں۔ اوور۔" میں نے شوشہ چھوڑا۔

"کیا یہ کافی نہیں کہ سکندر علی کے بعد تمہیں عارضی اختیارات میرے توسط سے ملے تھے اور بی ون سے ہدایات بھی میرے ہی ذریعے ملتی تھیں۔ اوور۔" اس نے پہلی بار سکندر کا نام لیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ اچھی طرح اس بات سے واقف تھا کہ کب کس کو کس حد تک اعتماد میں لینا ہے۔

"مجھے کل ہی پتا چلا کہ سکندر مجھ سے پہلے بی فور تھا۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "میرے لیے یہ ماننا دشوار ہے کہ وہ نہ مارا جاتا تو مجھے بی ون تمہارے ذریعے ہدایات دیتا۔ کیونکہ ایم ٹی تھری ہنڈرڈ تو میری تحویل میں تھا۔ اوور۔"

"میرا اس سے فون پر رابطہ تھا۔" قدرے توقف کے بعد سی ون کی آواز ابھری۔ "آج میں دو مرتبہ کوشش کر چکا ہوں لیکن ادھر سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔ یہ غیر معمولی بات ہے، اسی لیے میں پریشان ہوں۔ اوور۔"

میرے سر سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ سی ون نے ایک بہت اہم مسئلہ صاف کر دیا تھا۔ اس کے اس حد تک کھل جانے کے بعد میں نے بھی اسے اعتماد میں لینے کا فیصلہ کر لیا۔ "آج بی ون سے میری بات نہیں ہو سکی لیکن کال ریکارڈ پر اس کا پیغام موجود تھا۔ یہ بات تم اپنی ذات تک محدود رکھو گے۔ اسے شبہ ہے کہ ایم ٹی تھری ہنڈرڈ کسی کے آبزرویشن میں آ گیا ہے۔ اوور۔"

"یعنی فی الحال رابطہ ختم؟ اوور۔" سی ون کی تحیر آمیز آواز ابھری۔

"ہاں۔ حالات سازگار ہونے پر وہ خود رجوع کرے گا۔ اوور اینڈ آل۔"

میں نے ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ ایم ٹی تھری ہنڈرڈ بدستور آن تھا لیکن اس پر ہلکے ہلکے ریڈیائی شور کے علاوہ کوئی آواز نہیں تھی۔ میں نے اسے آف کیا اور پھر تین نمبر سے باہر نکل آیا۔

بی ون نے کسی ہنگامی ضرورت کے لیے مجھے لے ٹو کا لاہور کا نمبر دیا تھا۔ میری دانست میں وقت آ گیا تھا کہ میں رات کے ایک بجے کے بعد اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا۔

برسوں میں تنظیم کے ایک غیر اہم کارندے کی طرح محض سکندر علی کے احکامات پر عمل کرتا رہا۔ اس دوران میں میں نے خطیر رقم کمائی مگر تنظیم میں کوئی اہمیت حاصل نہ کر سکا۔ اب حالات بدلنے شروع ہوئے تو اتنی تیزی سے میری موافقت میں سازگار ہو چلے تھے کہ میں خود بی فور بن چکا تھا۔ سی ون اور رخشی میرے سامنے تھی، بی ون سے میری گفتگو ہو چکی تھی اور اب لے ٹو سے رابطہ قائم ہونے والا تھا۔ تنظیم کی بکھری بکھری سی کڑیاں بتدریج سامنے آتی جا رہی تھیں اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے تھوڑے ہی عرصے میں ان کڑیوں کو یکجا کر کے میں تنظیم کے اصل سربراہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

لے ٹو سے گفتگو اور حامد کے دوستوں سے ملاقات کے بعد میں فوری طور پر لاہور روانہ ہونے کا فیصلہ کر چکا تھا تاکہ بے یقینی کے اس ماحول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی صفوں میں انتشار پیدا کر سکوں۔

میں اپنے خیالات کی رو میں ڈوبا ہوا جیوا ہاؤز سے روانہ ہوا تو میرے ذہن کے کسی بعید ترین گوشے میں بھی یہ امکان موجود نہیں تھا کہ رخشی ڈھٹائی کے ساتھ دوبارہ مجھ سے آ ٹکرائے گی۔

وہ پوری حشر سامانیوں کے ساتھ اسی موڑ پر میری منتظر تھی جہاں اس سے پچھلی رات ملاقات ہوئی تھی۔ پہلے موڑ سے میری کار گھومی تو اس کا رخ میری ہی طرف تھا۔ اس نے گاڑی پہچان کر مجھے روکنے کے لیے ہاتھ اٹھا دیا تھا۔ میں تو خیر اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ تنظیم کے کسی بڑے کی طرف سے سکندر علی کی نگرانی کے لیے مامور کی گئی تھی اور اس کی معزولی اور پھر موت کے بعد میرے بی۔ فور بنتے ہی اسے میرے پیچھے لگا دیا گیا تھا تاکہ وہ میری پل پل کی مصروفیات پر نگاہ رکھ سکے لیکن اسے ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ میں اس کی اصلیت سے واقف ہو چکا ہوں۔ وہ نادانستگی کا اظہار کرتے ہوئے دانستہ مجھ سے ٹکرائی تھی اور مجھے مختلف حربوں سے گھائل کرنے کی ہر ممکن تدبیریں کر گزری تھی اور آخر کار اگلی ملاقات کا تعین میری مرضی پر چھوڑ کر رخصت ہو گئی تھی۔

پچھلی رات وہ دس بجے کے بعد وہاں ملی تھی اور اس روز ساڑھے سات بجے ہی وہاں کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے میرے معمولات سے بہت زیادہ آگاہی حاصل تھی۔ پچھلی رات کے بارے میں تو خیر یہ تصور کیا جا سکتا تھا کہ سی۔ ون نے اسے جیوا ہاؤز میں میری طلبی کے وقت سے آگاہ کر دیا ہو گا مگر اس وقت اس کے ظہور کا مطلب تھا کہ بی۔ ون یا کسی اور نے اسے بتا دیا تھا کہ اب میرے لیے روز سات بجے شام جیوا ہاؤز کے تین نمبر میں حاضری لگوانا ضروری ہو گیا ہے اور وہ جب چاہے مقررہ وقت پر اس موڑ پر مجھ کو پکڑ سکتی ہے۔ میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ اسے سب کچھ علم رہا ہو لیکن یہ نہیں معلوم ہو گا کہ حالات اچانک بدل گئے تھے اور مجھے غیر معینہ مدت کے لیے ایم ٹی تھری ہنڈرڈ کی حاضری سے نجات مل گئی تھی۔

لیکن وہ خوبصورت شکاری، سی۔ دن کے ساتھ رہتی تھی، جسے
اپائنٹمنٹ پہلے بدلے ہوئے حالات سے آگاہ کر چکا تھا۔ وہ گھر لوٹتی
تو اسے بھی ان حالات کا علم ہو جاتا۔ یوں وہ میرا سراغ کھو کر میری طرف
سے رابطے کے انتظار پر مجبور ہو جاتی۔

وہ نظر آ ہی گئی تھی تو میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا
فیصلہ کر لیا۔ حامد کے ساتھیوں سے اگلے روز ملاقات کے لیے شہباز
کے نام سے انڈس ہوٹل میں کمرہ حاصل کر چکا تھا اور ہوٹل والے
مجھے اچھی طرح جانتے تھے۔ لہٰذا میں بے خوف و خطر ہو کر رخشی کے ساتھ
وہاں جاسکتا تھا۔

میں نے کار روکی تو وہ بلاتردد مسکراتی ہوئی میرے ساتھ کی نشست
پر بیٹھ گئی۔ گاڑی کا انجن نیوٹرل میں دھیمے دھیمے غرا رہا تھا لیکن میں خاموشی
سے اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ میری طرف متوجہ
ہوئی تو نگاہیں چار ہوتے ہی لگاوٹ کے انداز میں مسکرانے لگی۔

"آج کس سے مل کر آ رہی ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے
سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"کسی سے بھی نہیں۔" شرمساری کے بجائے وہ دیدہ دلیری کے
ساتھ بولی۔ "میں تو ادھر آتی ہی رہتی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیا کر رہے
ہو؟ مجھ سے تو تم نے آج مصروفیت کا عذر کیا تھا۔"

"میرا سیٹھ یہاں رہتا ہے۔" میں نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے
کہا۔ "لیکن تم یہاں کیوں آتی رہتی ہو؟"

"خوشحال اور بے فکرے لوگوں کی بستی ہے۔" وہ بے پروائی سے
بولی۔ "نہ پکڑ دھکڑ کا اندیشہ ہوتا ہے، نہ کسی کو بھتہ دینا پڑتا ہے۔"

"ذلت کی آخری منزل پر پہنچ چکی ہو۔" میں نے کراہت آمیز
لہجے میں کہا۔ "کوئی تم سے گھر ملنے آئے تو تمہارا ساتھی برا مانتا ہے۔
تمہاری ان حرکتوں پر مجھے تو تم پر شبہ سا ہونے لگا ہے، کہیں لٹیروں
کی کسی ٹولی میں تو شامل نہیں ہو۔"

وہ ہنس پڑی۔ "لوٹا تو ایک ہی مرتبہ تھا۔ چادر کے تحفظ کے
خیال کے بعد ایک شام میں چادر اوڑھے کھڑی تھی۔ ایک شریف آدمی
سے لپٹ گئی پھر اسے دھمکایا کہ اس نے پرس خالی نہ کیا تو شور مچا دوں
گی۔ بیچارہ کوڑوں کے خوف سے لرز گیا اور مفت میں بائیس سو روپے
ہاتھ آ گئے۔ وہ تفریح تھی ورنہ لوگ خوشی سے لٹنے پر آمادہ ہوں تو دل
آزار لوٹنے کا کیا فائدہ۔ رہا میرا ساتھی، تو گھر کی حدود میں کسی کا وجود
برداشت نہیں کر سکتا۔ اسے میرے طور طریق کا علم ہے، کبھی کبھار مجھ سے
رقم کما لیتا ہے۔ میری وجہ سے اسے عیالدار شرفا کی آبادی میں
مکان ملا ہوا ہے، لوگ ہمیں میاں بیوی سمجھتے ہیں۔"

"تمہیں شرم نہیں آتی اپنے وجود پر؟" اس کے بے باکانہ
انداز گفتگو نے مجھے چڑا دیا اور میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"پہلے آتی تھی اب نہیں آتی۔" اس نے بلاتامل جواب دیا۔
"کئی جگہ ملازمت کی لیکن ہر جگہ حریص لوگوں کی ذلیل نگاہوں نے پیچھا
کیا۔ قلیل تنخواہ میں پہن لیا تو بھوکا رہنا پڑا، پیٹ بھر لیا تو پیرہن جواب
دینے لگے۔ جب سے ملازمت چھوڑ کر لاابالی کی زندگی اپنائی ہے، خوشحال
رہی ہوں۔"

"ملازمت ایک تم ہی نے نہیں کی ہوگی، ہزاروں کرتی ہیں۔"
اس کے عزائم سے واقف ہونے کے باوجود میں غصے کی رو میں آکر بحث
میں الجھ گیا۔

"برا لگتا ہے تو میری مدد کرو۔" وہ سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔ "سب
حرکتیں چھوڑ دوں گی۔ کوئی میری کفالت کرے تو مجھے پاگل کتے نے نہیں
کاٹا ہے کہ در بدر خوار پھروں۔"

میں فوراً ہی سنبھل گیا۔ وہ اوّل درجے کی مکار تھی۔ نہایت خوبصورتی
کے ساتھ گفتگو کو اپنی پسند کا رخ دے دیا تھا۔ میں ہنس پڑا۔ "مجھے کیوں
برا لگے گا؟ اگر تم گھناؤنی زندگی بسر کرنا چاہتی ہو تو کوئی بھی تمہیں نہ
روک سکے گا۔ بس ملازمت پیشہ لڑکیوں کو کوئی الزام نہ دو کیونکہ ہزاروں
لڑکیاں عزت اور آبرو کے ساتھ اپنے گھرانوں کو پال رہی ہیں۔"

"میں مذاق نہیں کر رہی۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "مجھے
اپنے ساتھی سے خوف آنے لگا ہے اور میں کسی بہتر ٹھکانے کی تلاش میں
ہوں۔ اس کی مصروفیات کچھ مشکوک سی ہیں، کسی دن اپنے ساتھ
مجھے بھی لے ڈوبے گا۔"

"اسے چھوڑ کر الگ کوئی مکان لے لو۔" میں نے بے اعتنائی سے
کہا۔ میں اس کے ساتھی کے ذکر سے دانستہ گریز کرنا چاہ رہا تھا۔

"نوکری کرنے والی اکیلی عورت ہر جگہ شبے کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔"

"پھر ایک پتا بتائے دیتا ہوں۔ سوسائٹی میں مسز خان کے
نام سے ایک جرمن بیوہ نے فرنچ اور جرمن سکھانے کا ٹیوشن سینٹر
کھول رکھا ہے۔ وہاں داخلہ لے لو۔ ہزار بارہ سو میں رہنے کے لیے کوئی
کمرہ بھی دے دے گی۔"

وہ شاید مسز خان کے بارے میں جانتی تھی۔ تنک کر بولی۔ "پھر
وہی مذاق۔ تم سنجیدہ نہیں ہو سکتے میرے بارے میں؟"

"اس لباس میں مشکل ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے
ہوئے بیچارگی سے کہا۔ "آج فرصت ہے تو کیوں نہ تمہیں سیر ہی کرا دوں۔"
میری بات سنتے ہی اس کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر سی آکر گزر گئی۔

راستے بھر وہ مسلسل میرے کان کھاتی رہی اور میں اس کے بارے
میں اپنی حکمت عملی کے بارے میں سوچتا رہا۔ جب گاڑی انڈس ہوٹل
کے قریب رکی تو وہ چونک پڑی۔ "یہ کہاں لے آئے تم مجھے؟"

"اس ہوٹل میں سنکی سیٹھ کا ایک کمرہ مستقل بک رہتا ہے۔"
میں نے مسکرا کر کہا۔ "آج اتفاق سے چابی میرے ہی پاس ہے۔"

"اور اگر تمہارا سیٹھ ادھر آنکلا؟" وہ مایوسانہ لہجے میں بولی۔

"اس کی فکر نہ کرو۔ یہ پچپن سال کی عمر میں جینز اور ٹی شرٹ پہن کر چھوکرا بنا پھرتا ہے لیکن بالکل بے ضرر ہے۔ بیس سال کی لڑکی سے دوسری شادی کر کے پھنس گیا ہے۔ وہ اسے شام کو گھر سے اکیلا نکلنے ہی نہیں دیتی۔ شام میں یہاں اس کی آمد کا کوئی خطرہ نہیں۔"

میں اس کے ہمراہ ہوٹل میں داخل ہوا تو عملے کے شناسا چہروں نے خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ استقبال کیا۔ میں نے کمرے میں پہنچ کر انٹرکام پر منیجر سے بات کی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ بے چارہ پرانے اخباری کاغذ میں لپٹی ہوئی کوئن این اسکاچ کی میگنم سائز بوتل لیے آپہنچا۔

منیجر کے جاتے ہی رخشی بھڑک گئی تھی۔ سب سے پہلے اس نے اسکاچ کی بوتل سے نفرت ظاہر کر کے مجھے [illegible] سے باز رکھنا چاہا لیکن میں باز آتا نظر نہ آیا تو اس نے طوعاً و کرہاً مجھے تو پینے کی اجازت دے دی لیکن خود دور جا بیٹھی۔

میں نے اس کے انکار کی پروا کیے بغیر دو گلاسوں میں ڈبل پیگ انڈیل کر برف کے ٹکڑے ڈالے تو وہ تشویش زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر میرے اصرار پر اسے پینی ہی پڑی۔ جس انداز میں اس نے گلاس سے پہلا گھونٹ لے کر اپنے لب تر کیے اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اناڑی نہیں تھی۔ غالباً وہ پی کر بہکنے کے خوف سے پرہیز کرنا چاہ رہی تھی۔ یہ نکتہ ذہن میں آتے ہی مجھے عقل آ گئی۔

چھوٹے چھوٹے گھونٹ اس کے معدے میں اترتے رہے، وہ خاموش بیٹھی رہی، اس کے بشرے سے فکر مندی کے آثار ہویدا تھے۔ یہ مے نوشی کا مسلمہ اصول ہے کہ فکر اور ذہنی دباؤ کی صورت میں نشہ کچھ زیادہ ہی سر چڑھ کر بولتا ہے لہٰذا اس کا پہلا گلاس خالی ہوا تو وہ سرور میں آ چکی تھی۔ اس نے فتح مندانہ نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر مجھے اپنا گلاس خالی کرنے کے لیے للکارا اور پھر دوسرا گلاس بنانے میں مصروف ہو گئی۔

اس کی آنکھوں میں خمار اترنے لگا، پہلے آواز بھاری ہوئی پھر زبان پر لکنت طاری ہونے لگی۔ تیسرا گلاس اس نے جھومتے ہوئے تیار کیا اور اس میں سے پہلا گھونٹ لیتے ہی اس کا سر بے اختیار میز پر جھکتا چلا گیا۔ میں نے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانے کے لیے اس سے چند بے مقصد سی باتیں کیں اور یہ اندازہ ہو جانے کے بعد کہ اس کا ذہن ہر گرفت سے آزاد ہو چکا تھا میں نے اچانک ہی مطلب کی بات چھیڑ دی۔ میری زبان سے سکندر علی کا نام سن کر اس نے میز پر سے سر اٹھائے بغیر..... اپنا داہنا ہاتھ فضا میں لہرایا اور لڑکھڑاتے ہوئے شکستہ لب و لہجے میں بڑبڑانے لگی۔ میں بمشکل اس کی اس ذہنی رو کو موڑنے میں کامیاب ہو سکا۔ میں نے تیسرے گلاس میں سے مزید کچھ سیال اس کے معدے میں اتارا اور میرے سوال کے جواب میں وہ کھکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کی اکھڑی اکھڑی ہنسی تھمی تو اس نے کسی اندھے کی طرح ٹٹولتے ہوئے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا جو میں نے آہستگی سے پرے رکھ دیا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ اگر اسے مزید پلا دی گئی تو وہ ناکارہ ہو کر رہ جائے گی۔

سی. ڈن کا اصل نام قاسم تھا اور وہ برسوں سے ایک دوسرے سے واقف تھے۔ اسے قاسم ہی نے تنظیم میں شامل کرایا تھا۔ سکندر علی کے علاوہ وہ صرف قاسم اور اس کے کام سے واقف تھی یا پھر اسے بی. ڈن کا نام معلوم تھا۔ سکندر علی کے بارے میں وہ اپنی رپورٹ اس کی لائن میں ایم. ٹی. تھری ہنڈرڈ پر بی. ڈن کو دیتی اور اسی سے براہ راست ہدایات حاصل کرتی تھی۔ نچلے درجے پر جدید مواصلاتی آلات کا استعمال ہیرو ڈن کے ساتھ شروع ہوا تھا لیکن ایم. ٹی. تھری ہنڈرڈ [illegible] سے پیرا استعمال چلا آ رہا تھا۔ اس لیے اس نے جو کچھ بتایا [illegible] یہ نیا نمبر تھا۔

اس وقت تک بی. ڈن سے میرا رابطہ قائم ہو چکا تھا لہٰذا رخشی میری معلومات میں کوئی اضافہ نہ کر سکی البتہ میرے ذہن سے یہ خیال نکل گیا کہ سکندر علی کی مخبری کے باعث وہ کسی بڑے سے واقف تھی اور اس سے باقاعدہ رابطہ رکھتی تھی۔ سکندر علی، قاسم اور رخشی سے شروع ہونے والی ہر کہانی بی. ڈن کے پراسرار نام پر ختم ہو جاتی تھی۔ اس سے اوپر اے. ٹو کا نام میرے سامنے تھا۔ اسی سے رجوع کر کے میں اپنی معلومات میں اضافہ کر سکتا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ ہوش میں آنے کے بعد رخشی کو ذہن پر چھائی والی دھند کے علاوہ کچھ یاد نہیں رہے گا لیکن میں اسے اس کی بھی ہر گفتگو کے حوالے سے خوفزدہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

گیارہ بجے میں نے کافی عرصہ بعد بدلی ہوئی آواز میں جہانگیر کے گھر فون کیا۔ دوسری طرف سے سلمیٰ کی آواز سنائی دی۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ اس درشت اور روکھی آواز سے سخت متنفر تھی جسے سنتے ہی اس کا شوہر اپنی چوکڑی بھول جاتا تھا لیکن اس وقت مجبوری تھی۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر گھر پر نہیں تھا اور میں نے مزید کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر حالات سازگار رہے اور جہانگیر خیر و عافیت گھر پہنچ گیا تو اس کی بیوی تلخ و ترش لہجے میں اسے میرے فون سے ضرور آگاہ کرے گی اور جہانگیر پہلی فرصت میں موقع نکال کر ٹرانسمیٹر پر مجھ سے رابطہ قائم کرے گا۔

رخشی کو میں انڈس ہوٹل کے کمرے میں بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ آیا تھا۔ اس کی حرکات و سکنات سے ظاہر ہو گیا تھا کہ شراب اس کے لیے نئی چیز نہیں تھی لیکن ابتدا میں اس نے مجھے محض اس

بوتل کھولنے سے باز رکھنا چاہتا تھا کہ خود اس کا تعلق شراب نوشوں
کی اس ندیدی قسم سے تھا جو ٹھنوں میں تو پہنچتے ہی سب کچھ فراموش
کر کے پینے کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں اور اس وقت تک
پیتے رہتے ہیں جب تک بوتل خالی نہ ہو جائے یا ان کے سامنے سے
ہٹا نہ لی جائے۔ تیسرے گلاس کے بعد میں نے بوتل ہٹا دی تھی اور
وہ گفتگو میں مصروف ہو گیا تھا۔ مجھ سے باتیں کرتے ہوئے معدے
میں اترتی ہوئی شراب کی گرفت اس کے ذہن پر لحظہ بہ لحظہ بڑھتی
گئی اور باتیں کرتے کرتے وہ بری طرح اونگھنے لگی اور یہاں تک کہ
بے ہوش ہو گیا۔

وہ کچھ عرصے پہلے مجھ سے ٹکرائی ہوتی تو شاید اس سے حاصل
ہونے والی معلومات میرے لیے سنسنی خیز ثابت ہوتیں لیکن اس مرحلے
پر بخشی کی ذات میرے لیے زیادہ سود مند ثابت نہیں ہوئی تھی۔ میں
اس کے گہری نیند سو جانے تک وہاں رکا رہا پھر باہر نکل آیا۔ دروازہ
مقفل کر کے چابی میں نے دروازے اور فرش کی درمیانی خلا سے
اندر سرکا دی تا کہ ہوش میں آنے کے بعد بخشی خود کو اس کمرے میں
پا کر دروازے کا رخ کرے تو چابی اس کی نگاہ میں آ جائے اور وہ
ہال میں کوئی غیر معمولی صورتحال پیدا کیے بغیر خاموشی سے واپس لوٹ
جائے۔ واپس لوٹتے ہوئے میں نے احتیاطاً منیجر کو بتا دیا تھا کہ میری دوست
کمرے میں آرام کر رہی ہے اور اگر وہ میری واپسی سے پہلے لوٹنا چاہے تو
اسے ٹیکسی منگوا دی جائے۔ منیجر پر میں نے اپنی واپسی کا ذکر محض اس
مصلحت کے تحت کیا تھا کہ کہیں وہ بخشی کو پریشان نہ کرے۔

اے۔ ٹو سے رابطے کا وقت رات کے ایک سے تین کے درمیان
بتایا گیا تھا مگر اس فون نمبر کے بارے میں میرا ذہن مسلسل الجھن کا شکار
تھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ مقررہ وقت سے پہلے ایک بار پھر اس نمبر کو
ملایا جائے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ ایک بجے سے قبل اس نمبر پر کس کا
تصرف ہوتا ہے۔ میں نے لاہور کا وہ نمبر ملایا جو پہلے سکندر علی کی ڈائری
سے اور پھر پی۔ ون سے ملا تھا تو مجھے خاصی دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ چوتھی
گھنٹی کے بعد ریسیور اٹھایا گیا تھا اور اس بار نیند میں ڈوبی ہوئی وہی عمر
رسیدہ آواز ابھری تھی جو میں اس نمبر پر پہلے بھی سن چکا تھا۔

"ذرا منظور صاحب کو بلا دیں۔" میں نے خوابناک نسوانی آواز
سنتے ہی کہا۔

"یہاں کوئی منظور صاحب نہیں ہوتے۔" اس عورت کی آواز
میں اکتاہٹ عود کر آئی۔

"پھر جو بھی مرد ہو، اسے بلا دیں۔" میں نے اس کی بات مکمل ہوتے
ہی کہا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ فوراً ہی سلسلہ منقطع نہ کر دے۔ اس
وقت میں اس سے قدرے تفصیلی گفتگو کرنا چاہ رہا تھا۔

"یہ غلط نمبر ہے، یہاں کوئی مرد نہیں ہے۔" عورت کی آواز
میں اکتاہٹ اور بیزاری بڑھ گئی۔

میں نے نمبر دوہرایا تو اس کی آواز میں بیزاری کے ساتھ ہلکی
سی حیرت بھی ابھر آئی۔ "نمبر یہی ہے، شاید سننے یا بتانے میں غلطی ہوئی
ہو گی، تم نے اس وقت میری نیند خراب کر کے میرے ساتھ ظلم کیا ہے،
مہربانی کر کے اب مجھے تنگ نہ کرنا، میں بیمار ہوں دوبارہ اٹھنا پڑا تو
میری حالت بگڑ جائے گی۔"

"لیکن مجھے منظور صاحب سے بہت ضروری کام ہے۔ انارکلی
میں ان کی جوتوں......" میں نے احتجاج آمیز لہجے میں کہنا چاہا لیکن
چڑچڑے انداز میں میری بات کاٹ دی گئی۔

"منظور ونظور کوئی نہیں رہتا یہاں۔ ایک واری بتا دیا،
شریف بندے ہو تو سمجھ جانا چاہیے" اور اسی کے ساتھ سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔
میں نے بھی پرخیال انداز میں ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ میرے لیے یہ
تجربہ حیرتناک تھا۔ عورت کا لب و لہجہ قطعی فطری تھا۔ اس کی بنا پر یہ
سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ جھوٹ بولی ہو گی۔ بیماری کے بارے
میں بھی اسے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اگر وہ خود ہی اے۔
ٹو تھی تو اس کی آواز میں بیزاری اور چڑچڑے پن کے بجائے تحکمانہ
وقار ہونا چاہیے تھا پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ رات کے سوا گیارہ
بجے ہی گہری نیند سو رہی تھی جس کی تصدیق اس بات سے ہوتی تھی
کہ ریسیور چوتھی گھنٹی کے بعد اٹھایا گیا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق
فون اس کے بستر سے اتنی دور تھا کہ کال ریسیو کرنے کے لیے اسے
بستر چھوڑ کر آنا پڑتا تھا۔ اگر وہ خود ہی اے۔ ٹو تھی یا کسی طرح اس سے
وابستہ تھی تو اصولی طور پر اسے فون اپنے سرہانے رکھ کر سونا چاہیے تھا
تا کہ اہم پیغامات بلا توقف وصول کر سکے۔ وہ تو ان میں سے معلوم ہو
رہی تھی جو رات گئے کال وصول کرنے کے بجائے غنودہ ذہن کے ساتھ
اس امید پر بستر میں دبکے رہتے ہیں کہ فون کرنے والا طویل انتظار
سے اکتا کر خود ہی سلسلہ منقطع کر دے گا۔

بہرحال اس تازہ تجربے نے میرے پچھلے مشاہدے کی توثیق
کر دی تھی اور ایک بجے کے بعد فون کر کے میں اس پراسرار معاملے
میں کوئی حتمی رائے قائم کر سکتا تھا لیکن ایک بجنے میں خاصی دیر تھی اور
میرے پاس ایک اور کام موجود تھا لہٰذا میں نے اسی کو نمٹانے کا فیصلہ
کر لیا۔

سی۔ ون کا فون نمبر ویسے تو مجھے سکندر علی کی ڈائری سے مل
ہی گیا تھا لیکن بخشی نے اپنے کسی دوست کی رہائش گاہ کے حوالے سے
وہی نمبر مجھے بتایا تھا۔ بخشی کو میں انڈس ہوٹل کے کمرے میں مقفل کر
آیا تھا، مجھے امید نہیں تھی کہ وہ چار پانچ گھنٹوں سے پہلے ہوش میں آ کر
ہوٹل چھوڑنے کے قابل ہو سکے گی۔ اس اعتبار سے اس گھر میں سی۔ ون
کو موجود ہونا چاہیے تھا اور میں بخشی کے ساتھ اسے بھی سبق دینے کا ارادہ

کر چکا تھا لہٰذا میں نے سی ون کا نمبر گھما ڈالا۔

"ہیلو!" دوسری طرف سے فوری طور پر جواب ملا تھا اور آواز یقینی طور پر سی ون کی تھی لیکن میں اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں نے اسے پہچان لیا ہے۔

"تم قاسم ہی بول رہے ہو نا؟" میں نے اپنی آواز تبدیل کیے بغیر طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔ لائن پر لحظہ بھر کے لیے سکوت چھا گیا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس نے بھی میری آواز پہچان لی تھی لیکن مخمصے میں پڑ گیا تھا کہ مجھ پر اس کا اظہار کرے یا نہ کرے۔ میں اپنی جگہ مطمئن تھا کیونکہ اس وقت گفتگو رخشی کے حوالے سے ہونا تھی۔

"تمہیں یہ نمبر کس نے دیا ہے؟" توقف کے بعد سوال کیا گیا۔

"تمہاری ماں نے، اس کے علاوہ اور کون دے سکتا ہے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اوہ۔" اس کی آواز میں اضطراب کی ایک ہلکی سی لہر تھی۔ "کہاں ہے وہ؟"

"ہونا تو اسے کسی کوڑا گھر میں چاہیے تھا لیکن میں اسے ایک ہوٹل میں بند کر آیا ہوں۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "شراب کی عادی ضرور ہے لیکن اسے ہضم کرنا اس کے بس سے باہر ہے۔ معلوم ہوتا ہے معدے کے بجائے ساری اس کے دماغ ہی میں پہنچی ہے۔"

"شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ اس طرح تم ایک جرم کا ارتکاب کر بیٹھے ہو؟" اس نے کہا۔

"اس کی اپنی زندگی بھی مجرمانہ ہی ہے۔ میں نے اسے بند کر دیا تو کون سا غضب ہو گیا؟"

"تم چاہتے کیا ہو؟" اس کی آواز میں تشویش پیدا ہو گئی۔

"فی الحال مقصد صرف اتنا تھا کہ تمہیں اس کے حشر سے آگاہ کر دوں۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "تم نے اسے کس مقصد سے میرے پیچھے لگایا تھا؟ کس کے لیے کام کر رہے ہو تم؟"

اس کی آواز الجھن آمیز ہو گئی۔ "تمہیں کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ مجھے کیا ضرورت تھی اسے تمہارے پیچھے لگانے کی؟ میں تو تم سے واقف بھی نہیں ہوں۔ یہ سب تم کس بنا پر کہہ رہے ہو؟"

"اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہا۔ اس نے نشے کی حالت میں کچھ انکشافات کیے تھے جن سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ دانستہ میرے پیچھے لگی ہوئی تھی تاکہ میری جملہ سرگرمیوں سے کسی کو باخبر کر سکے۔"

"پھر تو اس نے یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ وہ تمہاری سرگرمیوں کی اطلاع کسے دیتی؟" اس کی آواز میں امید کی ہلکی سی کرن عود کر آئی۔

"وہ تمہارے بارے میں بتا ہی چکی تھی، اس کے بعد یہ سوال میرے لیے بے معنی تھا۔ پھر وہ کسی بازپرس کے قابل بھی نہیں تھی۔ نشے کی رو میں خود ہی بولے جا رہی تھی، عورت ذات نہ ہوتی تو شاید میں تشدد کے ذریعے چند ہی منٹ میں اس کا سارا نشہ ہرن کر دیتا۔"

"اگر وہ بہک گئی تھی تو اس کی گفتگو لایعنی رہی ہوگی، اس کی بنا پر تم اسے حبسِ بے جا میں نہیں رکھ سکتے۔" اس کا لہجہ نرم اور مصالحت آمیز تھا۔ "میرا مشورہ ہے کہ اسے رہا کر دو۔ میں دیکھوں گا کہ اس نے تم سے کیا بکواس کی ہے؟"

"میرا مقصد بھی یہی تھا۔" میں نے مکارانہ لہجے میں کہا۔ "کمرہ مقفل کر کے میں چابی کمرے ہی میں ڈال آیا ہوں۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ خود ہی لوٹ آئے گی لیکن دوبارہ اس نے میرا رخ کیا تو میں کوئی رعایت نہیں برتوں گا۔ فون نمبر کے ذریعے تم تک پہنچنا بھی میرے لیے دشوار نہیں ہوگا۔ میں برا آدمی نہیں ہوں لیکن اپنے معمولات میں بیجا مداخلت سے نمٹنا اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"تمہارا غصہ بالکل بجا ہے۔" بالآخر توقف اس کی جاندار آواز ابھری۔ "وہ کس ہوٹل میں ہے؟ مجھے بتا دو تاکہ میں اسے وہاں سے لے آؤں۔ ایسا نہ ہو کہ نشے کی جھونک میں مزید دشواریاں مول لے بیٹھے۔"

"ایسا ہوا تو مجھے خوشی ہوگی۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "تھوڑی بہت سزا تو اسے ویسے بھی ملنی ہی چاہیے۔" یہ کہہ کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں نے تنظیمی امور سے متعلق کسی اشارے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میں اسے یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ میں نے رخشی کو کسی حریف کی جاسوسہ تصور کیا تھا۔ اس طرح نہ صرف رخشی کی گوشمالی کے امکانات پیدا ہو گئے تھے بلکہ آئندہ کے لیے اس کے مجھ پر مسلط کیے جانے کا امکان بھی ختم ہو کر رہ گیا تھا اور میرا مقصد بھی یہی تھا کہ میں سکندر علی کی طرح اپنی جملہ آزادیوں سے محروم نہ ہو سکوں۔ رخشی سے اور اس کے دوغلے کردار سے میں بخوبی واقف تھا لہٰذا اس کے جال سے صاف بچ نکلا تھا۔ دوسری طرف بی۔ ون کے آخری پیغام کے نتیجے میں جو صورتحال سامنے آئی تھی، اس کی روشنی میں مجھے قوی امید تھی کہ اوپر والے فوری طور پر کسی نئے چہرے کو میرے پیچھے لگانے کے بجائے اپنا وقت نئی صورتحال کے مقابلے میں صرف کریں گے اور میں کچھ عرصے کے لیے سکون سے اپنا وقت گزار سکوں گا۔ اس کے بعد مجھے بس ایک ہی احتیاط کرنا ہوتی کہ کسی اجنبی کو خود سے اس قدر قریب نہ آنے دوں کہ وہ مجھ پر مسلط ہو سکے۔

میری توقع کے عین مطابق بارہ بجے کے بعد ٹرانسمیٹر پہ جہانگیر کا پیغام موصول ہوا۔ میں نے آپریٹس آن کرتے ہی اس سے بی۔ فور کی حیثیت سے مال کے بارے میں سوال کیا جس پر اس نے بتایا کہ جیوا ہاؤز میں اس نے بحفاظت مال کی ڈلیوری لے لی تھی اور پھر سلدا مال آگے تقسیم کر دیا تھا۔ اس کی آواز دبی دبی اور تشویش ناک سی تھی۔ شاید وہ میری اس غیر معمولی کال کے سلسلے میں پریشان تھا لیکن میں نے مال کے بارے میں اس کی رپورٹ سننے کے بعد فوراً ہی سلسلہ

ع کر دیا۔

جہانگیر کے اس پیغام نے میرے لیے صورت حال کو خاصا سلجھا دیا تھا۔ بی۔ ون کے ریکارڈ کیے ہوئے پیغام میں خدشہ ظاہر کیا گیا تھا کہ ایم۔ ٹی تھری ہنڈرڈ کی ٹرانسمیشن فریکوئنسی کسی کے علم میں آگئی تھی۔ وہ اس پر نشر ہونے والے پیغامات سن رہا تھا لیکن جہانگیر تک کی رسائی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ پچھلی رات میری اور بی۔ ون کی گفتگو کسی غیر متعلقہ آدمی نے نہیں سنی تھی اور اگر سنی بھی تھی تو وہ اس قدر بے سر و سامان اور مجبور تھا کہ نیشنل ہائی وے کے اٹھارہویں میل پر ٹرک نمبر پی آر صفر تین نو کے خلاف بر وقت کوئی کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔

ایک بج کر تین منٹ پر میں نے انتہائی سنسنی کے احساس کے ساتھ لاہور کا وہ نمبر ملایا جس پر کچھ دیر قبل ایک بیمار عورت سے ذکر چکا تھا۔ آخری ہندسہ ڈائل کرتے ہی دوسری طرف سے ٹیون سنائی دی اور میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ کچھ دیر قبل بیمار اور مجبور ظاہر کرنے والی مقررہ وقت پر اپنی بیماری فراموش کر کے ہدایات و پیغامات جاری کرنے کے پُراسرار کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

تھوڑے سے توقف کے بعد میں نے دوبارہ نمبر ملایا تو دوسری گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھا لیا گیا اور پھر میرے کانوں میں ایک بھاری مردانہ آواز گونج اٹھی جس میں تحکم کا انداز نمایاں تھا۔

"مجھے اے۔ ٹو سے بات کرنی ہے۔" میں نے جھجکتے ہوئے اپنے مدعا کا اظہار کیا۔ اس کے بارے میں میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ وہ مرضی کے خلاف کوئی بات رونما ہونے پر فوراً ہی بھڑک جانے کا عادی رہا ہوگا۔

"بول رہا ہوں۔" وہ آواز درشت ہو گئی۔ "تم کون ہو؟"

"بی فور۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "مجھے بی۔ ون سے ہدایت ملی تھی کہ کسی ہنگامی......"

"وہ سب مجھے معلوم ہے۔" اس نے خشک لہجے میں میری بات کاٹ دی۔ "اس وقت فون کیوں کیا ہے؟ مختصر الفاظ میں اپنا مدعا بیان کر جاؤ، میرے پاس وقت کم ہے۔"

"میری غیر موجودگی میں بی۔ ون کا ایک پیغام ریکارڈ ہوا تھا جس کے مطابق بی۔ ون کو شبہ ہے کہ ایم۔ ٹی تھری ہنڈرڈ کا راز کسی کے علم میں آ گیا ہے اور وہ فریکوئنسی مخدوش ہو گئی ہے۔ مجھے رابطے کی کوشش ترک کر کے چند روز کے لیے روپوش رہنے کی ہدایت دی گئی ہے لہٰذا اس صورت حال نے مجھے الجھا دیا ہے۔"

"الجھنے کی ضرورت نہیں۔" اے۔ ٹو کا لہجہ پُرسکون تھا۔ "جو کہا گیا ہے اس پر عمل کرو۔ حالات سازگار ہوتے ہی تم سے رابطہ قائم کر لیا جائے گا۔ اس وقت تک خاموش بیٹھے رہو لیکن آنکھیں کھلی رہنی چاہئیں۔"

"میں پوری طرح محتاط ہوں۔" میں نے کہا۔ "لیکن میرے ساتھ عجیب واقعہ ہوا ہے۔ کل شہر میں لفٹ لینے کے بہانے ایک لڑکی مجھ سے ٹکرائی تھی۔ میں اس کی طرف سے مشکوک ہو گیا تھا لہٰذا اس کے دام میں نہ آیا۔ وہ آج پھر ملی تھی۔ میں نے اس کی اصلیت معلوم کرنے کی نیت سے اسے اسکاچ پلائی تو وہ بہک کر بہت سے سنسنی خیز انکشافات کرتی چلی گئی......"

"کہانی بنانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے خشک لہجے میں مجھے ٹوکا۔ "مختصر الفاظ میں اپنی بات کہنے کی عادت ڈالو۔"

"شاید وہ کسی دشمن کی آلۂ کار ہے۔ اس نے بتایا کہ سکندر علی کی نگرانی کرتی رہی تھی اور اب اسے مجھ پر مامور کیا گیا تھا۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

"نام کیا تھا اس کا؟" اے۔ ٹو کے انداز میں ترشی عود کر آئی۔

"رخشی۔" میں نے کہا۔ "اس نے مجھے ایک نمبر بھی دیا تھا جس پر وہ کسی دوست کے ساتھ رہتی ہے۔ اسے ہوٹل میں سوتا ہوا چھوڑ کر میں لوٹ آیا پھر میں نے اس کے ساتھی کو فون پر لعن طعن کرتے ہوئے تنبیہہ کی کہ اگر رخشی نے دوبارہ میرا پیچھا کیا تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ وہ آدمی لڑکی کی حرکات سے لاعلم معلوم ہوتا ہے۔"

"تو وہ نشے میں بولنے لگی تھی۔" اے۔ ٹو کی آواز میں غصے کے ساتھ ملال بھی واضح ہو گیا۔ "اسے چھوڑ دو۔"

"وہ آزاد ہی ہے۔" میں نے جلدی سے وضاحت کی۔ "ہوٹل کا کمرہ مقفل کر کے چابی اندر ہی ڈال آیا ہوں، ہوش میں آنے کے بعد وہ اپنی مرضی کی مالک ہوگی۔"

"اب تم اسے بھول جاؤ، سی۔ ون اسے دیکھے گا۔" اس کی آواز سرد اور معنی خیز تھی۔ "پی آر صفر تین نو کا کیا رہا؟"

میں چونک پڑا۔ وہ تنظیم میں اوپر کے درجے پر فائز تھا لیکن تمام سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر معلوم ہوتا تھا۔ مال لانے والے ٹرک کا نمبر اسے زبانی یاد تھا پھر اس نے جس انداز میں سی۔ ون کا ذکر کیا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان دونوں میں براہ راست رابطے کا بھی کوئی نہ کوئی ذریعہ موجود تھا جسے اختیار کر کے اے۔ ٹو اس تک اپنے احکام پہنچا سکتا تھا۔

"مال پہنچ گیا۔" میں نے جواب دیا۔ "کل اس بارے میں ایم۔ ٹی تھری ہنڈرڈ پر بی۔ ون نے تفصیلی گفتگو کی تھی، مجھے ڈر تھا کہ گفتگو کسی نے سنی ہوگی تو ٹرک خطرے میں پڑ جائے گا لیکن کہیں کوئی مداخلت نہیں ہوئی، مال وصول کر کے آگے بڑھایا جا چکا ہے۔"

"گڈ۔" اس کا لہجہ سپاٹ ہی رہا۔ "اگر میری معلومات درست ہیں تو باہر مال بھیجنے کے لیے آدمیوں کا بندوبست تمہارے ہی ذمے تھا۔"

"کچھ لوگ ملے ہیں۔ دو چار روز میں انتخاب کر لوں گا۔" میں

نے تفصیل سے گریز کرتے ہوئے کہا۔

"انتخاب مکمل ہوتے ہی تم مجھے اطلاع دو گے۔ اس کے علاوہ ہر سرگرمی موقوف رہے گی۔ تمہیں کسی اور معاملے میں مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھنے کی آواز سن کر میں نے بھی گہرا سانس لیتے ہوئے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

فون پر وہ مردانہ آواز میرے لیے غیر متوقع ثابت ہوئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ایک بجے سے پہلے بات کرنے والی عورت اپنے گھر میں کسی مرد کی موجودگی کے بارے میں مسلسل جھوٹ بولتی رہی تھی۔ یہ امکان بھی تھا کہ وہ کوئی خراب عورت ہو اور اے۔ ٹو سے اس کے مراسم کی نوعیت مشکوک رہی ہو۔ بہرحال یہ طے ہو گیا تھا کہ اے۔ ٹو کا نمبر وہی تھا اور ذرا سی محنت سے نمبر کے سہارے لاہور کے اس پتے کا سراغ لگا کر اس کا کھوج نکالا جا سکتا تھا۔

■

اگلی صبح کے اخبارات میں ایم۔ ٹی۔ تھری ہنڈرڈ کے حوالے سے ایک سنسنی خیز کہانی موجود تھی۔

خودکشی کی اس واردات کا تعلق اندرون سندھ کے ایک زرخیز دیہی علاقے سے تھا جہاں مٹھا خان نامی ایک باحیثیت زمیندار نے فوجی حکام کی کارروائی کا خدشہ محسوس کرتے ہی خود کو خوابگاہ میں محبوس کر کے رائفل کے فائر سے اپنی کھوپڑی چکنا چور کر لی تھی۔ واقعات کچھ یوں تھے کہ مٹھا خان اپنے علاقے کا بااثر اور سخت گیر جاگیردار تھا۔ اس نے شہر میں یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی لیکن اپنے جولانی مزاج کے پیشِ نظر وہ اپنا بیشتر وقت جاگیر پر گزارتا تھا جہاں اس کی حیثیت کسی مطلق العنان حکمراں سے کم نہیں تھی۔ اس کے ہاتھوں قرب و جوار کے لوگوں کی عزت و آبرو ہر وقت خطرے میں رہتی تھی۔ جب اور جسے چاہتا اپنی حویلی میں بلوا لیتا اور من مانے سلوک کے بعد اسے واپس بھیج دیتا۔ لوگ اس کے اثر و رسوخ سے زیادہ اس کی قوت سے خائف رہتے تھے کیونکہ وہ لٹیروں اور بدمعاشوں کی سرپرستی کے سلسلے میں خاصا بدنام تھا۔ جو لوگ اس کا حکم ماننے سے انکار کرتے وہ بہت جلد کسی عبرتناک واردات کا نشانہ بن جاتے تھے۔ مال و زر سے محرومی کے ساتھ ہی ان کی عورتوں کو اسلحے کے بل پر سرِعام رسوا کیا جاتا اور پھر واردات کرنے والے جنگلوں میں روپوش ہو جاتے جن کا کبھی سراغ نہیں مل سکا تھا۔ چند رپورٹیں پولیس تک بھی پہنچیں لیکن ان کا بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

اپنی طاقت کے گھمنڈ میں مٹھا خان نے ایک غریب شخص کی بیوی کو اپنی حویلی میں بزورِ طاقت بلوایا۔ اس کا مرد روزی کمانے کے سلسلے میں شہر میں مقیم تھا اور دوسرے تیسرے مہینے گھر آتا رہتا تھا۔

وہ عورت چار دن غائب رہی۔ بظاہر اس کے لواحقین قرب و جوار کے علاقوں میں اسے تلاش کرتے رہے لیکن سینہ بہ سینہ پھیلنے والی باتوں کے ذریعے بستی کے ہر فرد کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اسے مٹھا خان کے آدمی زبردستی اٹھا لے گئے تھے۔ پانچویں دن وہ ویران آنکھوں سے ایک ایک کو تکتی ہوئی واپس آئی۔ کچھ دیر گھر میں رکی اور کسی سے ایک لفظ کہے بغیر واپس لوٹ گئی۔ اپنے گاؤں میں کچھ دیر تک کسی اجنبی کی طرح بھٹکتے رہنے کے بعد اس نے تماشائیوں کے سامنے ایک کنویں میں کود کر خودکشی کر لی۔

اس کا شوہر واپس آیا تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ وہ اس کی بیوی کی خودکشی کے صحیح پس منظر پر روشنی ڈالتا۔ مٹھا خان کا تو ذکر ہی دور کی بات تھی، اسے یہ تک نہیں بتایا گیا کہ مرنے والی چار روز تک گھر سے غائب رہی تھی لیکن چند ہی روز میں رفتہ رفتہ اسے اندازہ ہو گیا کہ کچھ باتیں اس سے چھپائی جا رہی تھیں۔ وہ مٹھا خان کی شہرت سے بخوبی واقف تھا لہٰذا ایک دن اس کی حویلی میں جا پہنچا۔ اس مکار نے مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہوئے اسے اپنے پاس ملازمت کی پیشکش کی جو اس نے قبول کر لی۔

مرنے والی کا شوہر تہیہ کر چکا تھا کہ اس علاقے سے مٹھا خان کا نام ہمیشہ کے لیے مٹا دے گا۔ رفتہ رفتہ اسے اپنی بیوی کے ساتھ پیش آنے والی بدسلوکی کی تفصیلات بھی معلوم ہو گئیں اور وہ دن رات نیفے میں چھری لگائے کسی ایسے موقع کی تلاش میں رہنے لگا کہ ایک ہی وار میں [illegible] بھیڑیے کا خاتمہ کر سکے لیکن مٹھا خان اپنی حویلی میں ہر وقت خوشامدیوں کے محفوظ حلقے میں گھرا رہتا تھا۔ خوابگاہ میں جاتا تو اندر سے دروازہ مقفل رکھتا تھا۔ حویلی کے زنانے حصے میں کسی نامحرم مرد کی رسائی کا امکان ہی نہیں تھا کیونکہ دوسروں کی عزت کو کھلونا بنانے والے کو اپنی عزت بہت عزیز تھی۔

اپنی ان ہی کوششوں کے دوران میں چند روز قبل مرنے والی کے شوہر نے ایک روشندان سے عجیب منظر دیکھا کہ مٹھا خان اپنی مضبوط آہنی تجوری کے پٹ کھولے اندر رکھے ہوئے ایک صندوق کے سامنے بیٹھا تھا۔ صندوق میں کئی روشنیاں جل رہی تھیں اور اس میں سے کسی کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ آواز تھمتی تو مٹھا خان دھیمی آواز میں بولنے لگتا۔ کچھ دیر تک یہ حیرتناک تماشا جاری رہا پھر مٹھا خان نے اس صندوق کی تمام روشنیاں گل کر کے اسے تجوری میں مقفل کر دیا۔

یہ منظر دیکھ کر وہ ہیجان میں مبتلا ہو گیا۔ شہر میں اس نے کئی فلمیں دیکھی تھیں اور انگریزی فلموں کے طفیل ایسے راز و نیاز سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ اس کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ مٹھا خان اس سرحدی قصبے میں بیٹھ کر کسی دشمن کے لیے جاسوسی کا کام سرانجام دے رہا تھا۔ اپنی آبرو کے دشمن کو وطن کی آبرو پر دانت تیز

تے دیکھ کر اس کا خون کھول اٹھا۔ اس نے سوچا کہ قدرت نے ایک سنہری موقع فراہم کر دیا تھا۔ وہ اس کے ناپاک لہو سے دامن داغدار کیے بغیر اس وحشی بھیڑیے کو کیفر کردار کو پہنچا سکتا تھا۔ سی سے کچھ کہے بغیر خاموشی کے ساتھ گاؤں سے نکلا اور کئی میل کا ل سفر طے کر کے پولیس چوکی پر جا پہنچا۔ وہاں اس کی کہانی پر توجہ نے کے بجائے اس کے ساتھ تحقیر آمیز سلوک کیا گیا لیکن اس نے سب کچھ فراموش کر کے قسمیں کھا کھا کر انہیں یقین دلایا تو اسے وہیں ں کر ایک سپاہی کو تفتیش کے لیے سائیکل پر مٹھا خان کی حویلی کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

مٹھا خان نے سپاہی کی خاصی خاطر مدارات کیں اور اسے اپنی بے گناہی کا یقین دلا کر واپس لوٹا دیا اور چوکی کے انچارج نے اسے بے حساب گالیاں سناتے ہوئے چوکی سے دھتکار دیا۔

مرنے والی کا شوہر مٹھا خان کے خلاف نفرت اور انتقام کی آگ ں سلگ رہا تھا لیکن یہ جانتا تھا کہ اب اسے اپنے گاؤں میں کہیں ان نہ مل سکے گی۔ مٹھا خان کو سپاہی کے ذریعے مخبری کرنے والے ے نام کا علم ہو گیا ہو گا۔ اس کے خونخوار جاں نثار چپے چپے پر اسے لاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔ اس نے گاؤں کا رخ کیا تو مٹھا خان کی حویلی کی اونچی دیواروں کے پیچھے سسکا سسکا کر مار دیا جائے گا اور سی کو کانوں کان اس کے انجام کا علم بھی نہ ہو سکے گا۔

وہ رات اس نے کھیتوں میں چھپ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں گزاری، پھر صبح کا اجالا پھیلتے ہی چھپتا چھپاتا بس اسٹینڈ تک پہنچا اور پھر ضلع کے صدر مقام تک جا پہنچا۔ وہاں خاصی دشواریوں کے بعد وہ فوجی حکام تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ انہوں نے سنجیدگی کے ساتھ اس کا بیان سنا پھر پولیس چوکی والوں کے غیر ذمہ دارانہ رویے کا ذکر سنتے فوری کارروائی پر تیار ہو گئے۔

اسی کی رہنمائی میں فوجی جیپ گاؤں کی طرف روانہ ہوئی راستے سوالات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس نے افسروں کو یقین دلایا سب کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور وہ خود اس تجوری ان کی رہنمائی کرے گا۔ اگر اس کا الزام بے بنیاد ثابت ہو تو اسے دیتے گولی مار دی جائے۔

لیکن پولیس چوکی کے انچارج کی حماقت کھیل بگاڑ چکی تھی۔ مٹھا خان علم ہو چکا تھا کہ گھر کی بات باہر نکل چکی ہے۔ مخبری کرنے والے تلاش کی مہم ناکام رہی تھی لہٰذا جوں ہی اسے گاؤں کی حدود نفری سمیت ایک فوجی گاڑی کے داخلے کی خبر ملی تو اس نے سمجھ لیا اس کی بازی الٹ چکی ہے۔ اپنی دانست میں وہ علاقے کا سب سے عزت دار تھا اور اس کے نزدیک گرفتاری موت سے بڑی رسوائی تھی۔ اس کا سامنا کرنا اسے کسی بھی قیمت پر گوارا نہیں تھا۔

فوجی دستہ حویلی میں داخل ہوا تو وہاں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ مٹھا خان نے اپنی پیشانی پر رائفل سے فائر کر کے خودکشی کر لی تھی۔ اس کی کھوپڑی اور چہرے کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ ذاتی خوابگاہ میں اس کی بھیانک لاش کے قریب آہنی تجوری کھلی ہوئی تھی اور فرش پر وہ آہنی صندوق تاروں کی بدبو کے ساتھ سلگ رہا تھا، جس پر اسے کسی سے رازونیاز میں مصروف دیکھا گیا تھا۔

ماہرین کے مطابق وہ ایم ٹی تھری ہنڈرڈ ساخت کا طاقتور ٹرانسمیٹر تھا جو تین سو میل کے حیطۂ عمل میں بخوبی کام کر سکتا تھا۔ اس پوری خبر میں کہیں بھی منشیات کی ناجائز تجارت کا کوئی حوالہ نہیں تھا۔ مٹھا خان کی حویلی کی تفصیلی تلاشی لی جا رہی تھی اور ہر مستند ذریعے نے پڑوسی ملک کے لیے جاسوسی کے امکانات ظاہر کیے تھے۔

فرائض سے غفلت برتنے کے الزام میں متعلقہ پولیس چوکی کا عملہ معطل کر دیا گیا تھا اور پورے معاملے کی تفتیش فوجی حکام کر رہے تھے۔

مجھے پورا یقین تھا کہ وہ اپنی بھرپور صلاحیتیں استعمال کر کے بھی مٹھا خان کے اصلی خدوخال دریافت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے کیونکہ تحفظ تنظیم کا بنیادی اصول تھا جس کے تحت اس کے ذمے دار کسی قسم کا کوئی تحریری ثبوت اپنی تحویل میں نہیں رکھتے تھے۔ تلاشی لینے والوں کو کہیں سے کوئی سراغ نہ ملتا تو تفتیش کا سارا زور ایک پہلو پر مرکوز رہتا کہ مٹھا خان کسی پڑوسی ملک کا جاسوس تھا۔ اس شبہے کو ایم ٹی تھری ہنڈرڈ کے جلے ہوئے ڈھانچے سے تقویت ملتی کیونکہ اس کا دائرہ کار تین سو میل پر محیط تھا اور یہ فاصلہ سرحد پار کے کئی اہم شہروں تک جا پہنچتا تھا۔

میرے لیے یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا ہو چکی تھی کہ مٹھا خان ہی بی۔ دان تھا۔ غالباً اس نے آپریٹس کے بارے میں پوچھ گچھ کے لیے چوکی سے آنے والے سپاہی کے واپس لوٹتے ہی احتیاط کے طور پر میرے لیے پیغام ریکارڈ کرایا تھا۔ اس وقت اسے شبہ بھی نہیں ہو سکا ہو گا کہ آناً فاناً میں وہ معاملہ اس قدر سنگین ہو جائے گا کہ اسے خودکشی پر مجبور ہونا پڑے گا۔

میرے لیے اپنی نگاہوں پر یقین کرنا دشوار ہو رہا تھا..... بی۔ دان جو اڑتالیس گھنٹے قبل میرے لیے ایک پراسرار نام تھا، اس قدر بیچارگی کے عالم میں اپنے انجام کو پہنچا تھا کہ ذہن لامحالہ انسانی تدبیر سے ماورا، قدرت کی کارفرمائیوں کی طرف مبذول ہو جاتا تھا۔ میرے سامنے تو بی۔ دان کا نام اس وقت آیا تھا جب میں نے سکندر علی کو تنظیم کا مطلق العنان سربراہ سمجھتے ہوئے اس کے مکان میں گھس کر اس کی ڈائری کا جائزہ لیا تھا اور میری اس حرکت کے ساتھ ہی میرے لیے برکتوں کا نزول شروع ہو گیا تھا۔

رخشی جو دراصل بی دان کی مخبر تھی، جال بن کر سکندر علی سے

متعارف ہوئی تھی۔ اور اس کی تباہی کا سبب بن گئی۔ پہلے اس نے سکندر علی کو یوں الجھایا کہ اس کے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ رہی پھر اوپر والوں کے حکم پر سکندر علی کو وہ فتنہ اپنے سر پر مسلط کرنا پڑا۔ اس عورت نے سکندر علی کے مکان میں ایک چور کے گھسنے کی کہانی پہلی فرصت میں آگے بڑھادی اور اسے غفلت کا مجرم قرار دے کر معزول کر دیا گیا۔ اسی کے ساتھ اس کے اختیارات مجھے اور سی۔ دن کو مشترکہ طور پر مل گئے۔ برسوں میں پہلی بار تنظیم کا کوئی اہم کارندہ میرے سامنے آیا تھا لیکن سی۔ دن سے واقفیت میرے لیے کافی ثابت نہ ہوئی میرے نزدیک سکندر علی میرے راستے کی ایک مستقل رکاوٹ تھا لہٰذا میں نے اسے اسی کے فارم کے ویرانے میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔۔۔ اس کے قتل کی خبر نے بی۔ دن کو بوکھلا دیا۔ کسی گمنام دشمن سے محاذ آرائی کے اندیشے کے تحت اس نے براہ راست مجھ سے ایم۔ ٹی تھری ہنڈرڈ پر بات کی اور مجھے بی۔ فور کے مکمل اختیارات سونپ دیے لیکن مجھ سے براہ راست رابطہ اسے راس نہ آسکا۔ دوبارہ گفتگو کی نوبت آنے سے پہلے ہی اس نے خودکشی کر لی۔

تنظیم کے ان دونوں بڑوں کی تباہی کی پشت پر صنف نازک کا ہاتھ تھی۔ سکندر علی کی بربادی کی ابتدا رخشی کی مخبری سے ہوئی تھی اور بی۔ دن اس عورت کے شوہر کے انتقام کا نشانہ بنا تھا جسے اس نے کنویں میں کود جانے پر مجبور کر دیا تھا جس طرح اس حیادار عورت نے اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کا خاتمہ کیا تھا، اسی طرح درندہ صفت مٹھا خان کو اپنے ہاتھوں سے اپنی کھوپڑی کے چیتھڑے اڑانے پڑے تھے۔

حالات میری توقع کے برعکس بہت تیزی سے بدل رہے تھے اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میں بہت جلد اس تنظیم کا شیرازہ بکھیرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا میرے لیے خوشی کی بات یہ تھی کہ ایم۔ ٹی تھری ہنڈرڈ پر ہونے والی کوئی گفتگو کسی غیر متعلقہ آدمی نے نہیں سنی تھی۔ بی۔ دن نے اپنی غفلت اور بے احتیاطی پر پردہ ڈالنے کے لیے گفتگو سنے جانے کا عذر تراشا تھا تاکہ اپنے بے رحم ہرکاروں کے ہاتھوں مخبر کی گرفتاری تک ایم۔ ٹی تھری ہنڈرڈ کا استعمال ترک کرنے کا جواز پیدا کر سکے۔ اس طرح یہ خطرہ ٹل گیا تھا کہ کسی گمنام حریف کے اوچھے وار کے نتیجے میں تنظیم کا ہر وہ سراغ گم ہو جائے جو میرے علم میں آچکا تھا۔

ایشلے ہاؤز اور ایڈکشن کیور سوسائٹی سے اے۔ ٹو تک ہر راز محفوظ اور میری ذات تک محدود تھا۔

میں وہ خبر گھر سے پڑھ کر چلا تھا۔ وہیں میں نے بے یقینی کے عالم میں اس واقعہ کے نتائج و عواقب پر غور کیا تھا پھر دفتر پہنچنے تک اس معاملے میں میرا ذہن بالکل صاف ہو چکا تھا۔

دفتری معمولات میں نے حسبِ معمول پوری سرگرمی سے سرانجام دیے۔ عملے کے سینئر اراکین کے مختصر سے اجلاس میں آئندہ پندرھواڑے کے آرڈرز اور پروڈکشن شیڈول کے بارے میں حکمتِ عملی طے کی پھر تنہائی میسر آتے ہی غزالہ کے گھر کا نمبر ملانے لگا۔

دوسری طرف سے غزالہ کی ماں نے ریسیور اٹھایا۔ میں نے سلام کر کے اپنا نام بتایا تو اس نے ایک ہی سانس میں بہتیری دعائیں دے ڈالیں پھر مجھے لائن ہولڈ کرا کر غائب ہو گئی۔

چند ثانیوں بعد میرے کانوں میں غزالہ کی مترنم آواز رس گھول رہی تھی۔

"آج کالج نہیں گئیں تم؟" میں نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"دل نہیں چاہ رہا تھا" وہ دھیمے مگر شوخ لہجے میں بولی "کالج چلی جاتی تو اس وقت آپ کا فون کون سنتا؟"

"کامران کا کیا حال ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اس کی اتنی فکر نہ کریں آپ" کامران کے ذکر پر اس کی آواز ایک دم بجھ سی گئی۔ "وہ تو دن بھر دسیوں دفعہ موڈ بدلتا ہے..... رفتہ رفتہ ہم اس کے دوروں کے عادی سے ہو گئے ہیں۔"

مجھے افسوس ہونے لگا کہ میں نے کیوں وہ نازک موضوع چھیڑ کر اس کو دلگیر کیا۔ لحظہ بھر کے سکوت کے بعد میں نے پوچھا "تھوڑی دیر کے لیے باہر چلو گی میرے ساتھ؟"

"میں تو خود آپ سے بات کرنے کے لیے بے چین ہوں، پتا نہیں آپ نے امی اور ڈیڈی کو کیا گھول کر پلایا ہے کہ دونوں ہی کل شام سے آپ کے گن گا رہے ہیں۔" وہ ہلکی سی معصومانہ ہنسی کے ساتھ بولی۔

"میں پندرہ منٹ میں آرہا ہوں۔" میں نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں دفتر سے روانہ ہوا تو چند ہی منٹ بعد میں نے اپنے پیچھے اس سیاہ کار کی موجودگی محسوس کر لی جو پہلے موڑ سے اچانک نمودار ہوئی تھی اور محفوظ فاصلے سے میرے پیچھے چلی آرہی تھی۔ میں نے بڑی سڑک پر آتے ہی اپنی کار کی رفتار بڑھادی اور اسی لمحے سیاہ کار بھی ہوائی گھوڑے پر اڑنے لگی۔ چند منٹ کی کوشش کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ کار میرا تعاقب کر رہی تھی اور شاید اس میں بیٹھا ہوا شخص بھی سمجھ چکا تھا کہ میں نے اسے بھانپ لیا ہے۔

اس سے بیشتر میں سی۔ دن کے آدمیوں کو سبز کار میں اپنا پیچھا کرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ اس وقت شاید کوئی نیا آدمی میرے تعاقب میں لگایا گیا تھا۔ شہر کے معاملات تنظیم کے بڑوں کے لیے جتنے بھی مخدوش رہے ہوں، مجھے اپنی ذات کے بارے میں فوری طور پر کسی خطرے کا احساس نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ سیاہ کار والا سی۔ دن ہی کا آدمی

جو معمول کے مطابق میری دیکھ بھال پر مامور کیا گیا تھا لیکن اس
یں میں سی۔ون کے بارے میں بغض کا شکار ہو چلا تھا۔ایک اعتبار
دہ شہر میں میرے اختیارات کے لیے ایک کھلا چیلنج تھا۔اے۔ٹو
نگ سے قبل میں بی۔ون کے آخری احکام اسے بتا چکا تھا جن کے
ق اگلی ہدایات ملنے تک تمام سرگرمیاں موقوف رہنی تھیں۔جن
ں تعاقب وغیرہ کے معمولات۔۔۔بھی شامل تھے لیکن میرے پیچھے
ہوئی سیاہ کار سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ سی۔ون نے وہ حکم
انداز کر دیا تھا۔

تنظیم کے بڑے لوگوں کے مطابق ان دنوں حالات یک بیک
پوش ہو گئے تھے۔میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس مفروضے کا سہارا
کر سیاہ کار والے کی مرمت کر دی جائے۔اصولی طور پر کسی کو
یا میری اس کارروائی پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے تھا۔آخری احکام
مطابق ہیروئن کی پہلی کھیپ کی تقسیم کے بعد ساری کارروائیاں
طل تھیں۔اس طرح میرے لیے کھلا امکان تھا کہ تعاقب کرنے
لیں دشمن کا آدمی نہ ہو۔اس مفروضے کی آڑ لے کر میں بآسانی
بت بنا سکتا تھا۔اس طرح کم از کم سی۔ون کو سبق ضرور مل
ہ میرے بارے میں محتاط رویے پر مجبور ہو جاتا۔پھر میں یہ بھی
بتا تھا کہ اس مرحلے پر غزالہ کی ذات یا اس کا مکان ان
نگاہ میں آئے کیونکہ سی۔ون تنظیم کے حفاظتی اور انتظامی
مختار نگراں تھا لہٰذا غزالہ سے میرے مراسم کی بھنک ملتے ہی
ج میں پڑ جاتا کہ کہیں غزالہ کی رفاقت تنظیم کے لیے خطرات
نہ بن جائے۔اگر اس کی رپورٹ پر اوپر سے مجھے کوئی منفی
پی تازہ حکمت عملی کے تحت مجھے اس کی تعمیل کرنا پڑتی۔ایسے
ان سے بہتر یہی تھا کہ سی۔ون یا اس کے حواریوں کو غزالہ
انہ ملنے پائے۔

زالہ کے تحفظ کے بارے میں ایک مبہم لیکن اہم نکتہ اور

سکندر علی کو اس کی زرعی زمین پر گھیرنے کے سلسلے میں میں
احتیاط سے منصوبہ بندی کی تھی۔کرائے کی کار پر فرضی نمبر
ستعمال کرنے کے ساتھ ہی ناتجربہ کاری کے باوجود مصنوعی
ستعمال کر کے حلیہ تک بدلنے کی کوشش کر ڈالی تھی۔جو اس
امیاب رہی کہ ابھی تک میری ذات ہر خطرے سے محفوظ
اپنی منصوبہ بندی میں میں یہ بھول بیٹھا تھا کہ میرا دوہری
زولا ٹرانسمیٹر راجہ فارمز میں شہر کی کوئی کال موصول نہیں کر
میری چھوٹی سی بدقسمتی ہی تھی کہ جب میں راجہ فارمز کے کانچ
مدعلی کا قصہ تمام کر رہا تھا تو سی۔ون کو مجھ سے رابطے کی
سوس ہوئی اور جواب نہ ملنے پر وہ اس بارے میں فکر مندی
کا شکار ہو گیا بعد میں میں نے اس کے استفسار کو نجی معاملات میں
مداخلت قرار دے کر ٹالنا چاہا تو وہ اڑ گیا اور مجھے یہ بہانا کرنا پڑا کہ
اپنی ایک دوست کے ساتھ فرصت کے لمحات گزارنے کی نیت
سے میں آپریٹس گھر ہی پر چھوڑ گیا تھا تاکہ اس دوست پر آپریٹس کا
راز فاش نہ ہو۔بظاہر سی۔ون نے میری وہ وضاحت قبول کر لی
تھی لیکن مجھے اندیشہ تھا کہ سکندر علی کے قتل کی شام میری عدم
دستیابی کو وہ آسانی کے ساتھ فراموش نہ کر سکے گا۔غزالہ کا نام
سامنے آتے ہی وہ اس کے پیچھے لگ سکتا تھا تاکہ اس شام کے
بارے میں اس سے میرے بیان کی تصدیق یا تردید کرا سکے گو میں
نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ میں نے اپنا وقت کس کے ساتھ گزارا
تھا لیکن غزالہ سے میری دلچسپی اسے ایک ہی منطقی نتیجے پر پہنچنے میں مدد دیتی
جو میرے لیے قابل قبول نہیں تھا۔

میں مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے اپنی کار شہید ملت
روڈ پر لے گیا۔اس کشادہ سڑک پر تعاقب کرنے والے کو فاصلے
میں خاصا اضافہ کرنا پڑا۔میری نگاہیں سڑک کے ساتھ ہی عقب نما
آئینے میں اس کار کا بھی جائزہ لے رہی تھیں۔چڑھائی ختم ہونے کے
بعد ڈھلان میں اترتے ہوئے جوں ہی آئینے میں اس کار کا عکس
غائب ہوا،میں نے اپنی کار سڑک کے بائیں سرے پر روک دی۔
سیاہ کار بہت برق رفتاری کے ساتھ سڑک کے بلند ترین حصے پر
نمودار ہوئی تھی۔شاید اسے خوف تھا کہ کہیں میں اس کی نگاہوں سے
روپوش ہوتے ہی کسی گلی میں نہ گھوم جاؤں۔

میں نے سوچ سمجھ کر اپنی کار روکی تھی لیکن وہ اندھا دھند چلا
آ رہا تھا۔ڈھلان سے اترتے ہوئے اس کی کار کی رفتار اتنی تیز تھی کہ
وہ گاڑی الٹنے کا خطرہ مول لے کر بھی بریک لگاتا تو اس کے لیے مجھ
سے پہلے رکنا ناممکنات میں سے تھا۔اس کی کار آگے نکلتے ہی میں
اس کے پیچھے ہو لیا۔ذرا سی حاضر دماغی سے صورتحال یک بیک تبدیل
ہو چکی تھی۔کچھ دور نکلنے کے بعد اس نے بتدریج رفتار کم کرتے ہوئے
مجھے آگے نکلنے کا موقع فراہم کرنا چاہا لیکن میں نے اس کی کار سے چند
گز پیچھے اسی کی رفتار اختیار کر کے اسے جتا دیا کہ میں اس کے دام
میں پھنسنے کے لیے ہرگز تیار نہیں تھا۔

شہید ملت روڈ کے آخری چوراہے سے اس نے اپنی کار
واپس گھمائی۔میں بدستور اس کے پیچھے لگا رہا۔ہل پارک کے قریب
سے گزر کر وہ بائیں طرف مڑا پھر اسے ویران گلیوں کا رخ کرتے دیکھ کر
میرے تنفس کی رفتار تیز ہوتی چلی گئی آخر ایک جگہ سڑک ویران دیکھ
کر میں نے اپنی کار کی رفتار تیز کر لی۔ہارن کے جواب میں اس نے
داہنی طرف راستہ چھوڑا تو میں نے اپنی کار اس کے برابر میں لے کر
تیزی کے ساتھ بائیں طرف دبانا شروع کی اور رفتار کم کرتے ہوئے

اسے گھیر کر رک جانے پر مجبور کر دیا۔

وہ انجن بند کر کے خطرناک تیوروں کے ساتھ نیچے اترا۔ جسمانی اعتبار سے وہ مجھ سے کہیں برتر تھا لیکن یہ غنیمت تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ میں نے انجن بند کیے بغیر گیئر نیوٹرل کر کے ہینڈ بریک کھینچا اور دروازہ کھولتے ہی اس پر ٹوٹ پڑا۔ میرا حملہ اس کے لیے بالکل غیر متوقع تھا، شاید وہ تلخ کلامی سے آغاز کی توقع کر رہا تھا اس لیے جسمانی بچاؤ کے لیے تیار نہیں تھا۔ میرے بدن کی وحشیانہ جھونک میں وہ سڑک پر چاروں شانے چت جا گرا۔ میں اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ اس نے میرے گریبان پر ہاتھ ڈال کر ٹی شرٹ کی دھجیاں اڑا دیں اور میں نے طیش کے عالم میں دونوں مٹھیوں میں اس کے بال جکڑ کر اس کا سر پوری قوت سے کئی بار سڑک پر دے مارا۔ گریبان چھوڑ کر اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے مکوں سے میرے جبڑے سہلانے کی کوشش کی لیکن اس وقت تک سر کے عقبی حصے کی چوٹ اس کی بصارت پر اثر انداز ہو چکی تھی لہٰذا صرف دو اوچھے وار میرے چہرے کو کسی حد تک نشانہ بنا سکے اور میں نے برسوں کے بعد اپنے پرانے حربے کو آزماتے ہوئے اس کی پیشانی پر بھرپور ٹکر رسید کر دی۔ اس کے حلق سے بے اختیار ایک چیخ آزاد ہو گئی۔ اسی کے ساتھ میرے بوجھ تلے اس کا جسم یکبارگی فضا میں اچھلا اور وہ مجھے گرا دینے میں کامیاب ہو گیا۔ میری ٹکر کے نتیجے میں اس کی پیشانی پھٹ گئی تھی جس سے گاڑھے گاڑھے خون کی لکیریں چہرے پر بہہ نکلی تھیں۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو خون کی دھاریں اس کی آنکھوں میں اترنے لگیں۔ اس نے بے بسی اور جھلاہٹ کے عالم میں گالیاں دیتے ہوئے بائیں آستین سے خون صاف کرنے کی کوشش کی اور میں نے پوری قوت سے اس کا داہنا جبڑا سہلا دیا۔ اس کے حلق سے غضبناک غراہٹ ابھری لیکن وہ قدرے لڑکھڑاہٹ کے بعد فوراً ہی سیدھا ہو گیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نے مدافعت میں ذرا بھی کمزوری دکھائی تو ادھیڑ کر رکھ دیا جائے گا۔ اس بار میں نے سر جھکا کر پوری قوت سے اس کے پیٹ میں ٹکر رسید کی تھی۔ اس نے گرتے گرتے میری گردن دبوچنے کی ناکام کوشش میں شاید میری گردن کی جلد میں اپنے ناخنوں سے خراشیں ڈال دیں کیونکہ مجھے اچانک ہی اس حصے میں مرچیں بھر جانے کا احساس ہوا تھا۔ اٹھتے اٹھتے میں نے اس کی پسلیوں میں آخری ٹھوکر ماری اور اسے گالیوں کے درمیان کراہتا ہوا چھوڑ کر تیزی سے اس کی کار کی طرف لپکا۔ میری توقع کے مطابق چابی اگنیشن میں موجود تھی ــــ میں چابی لے کر اپنی کار میں بیٹھا تو وہ قریب المرگ سانڈ کی طرح چاروں ہاتھ پیروں کے سہارے سڑک سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس وقت میں خاصی خطرناک صورتحال سے دوچار تھا۔ میرے حریف کی حالت اتنی خراب تھی کہ کوئی متوجہ ہو جاتا تو میری گلو خلاصی دشوار ہو جاتی۔ لہٰذا میں فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ گاڑی کی چابی سے محرومی کے بعد وہ فوری طور پر کسی سے رجوع نہ کر سکے گا۔

میں پھٹی ہوئی ٹی شرٹ پر خون کے دھبوں اور گلے پر لمبی لمبی رستی ہوئی خراشوں کے ساتھ گھر پہنچا تو ملازموں میں تشویش اور افراتفری پھیل گئی لیکن جب میں نے مسکراتے ہوئے انہیں ایک لفنگے ڈرائیور سے ہلکے پھلکے تصادم کی مفروضہ کہانی سنائی تو انہوں نے مجھے تنہا چھوڑ دیا۔

میں نے فوری طور پر آئینے میں اپنے سراپا کا جائزہ لیا تو اپنی ہیئت پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ میرے بائیں ابرو کے قریب ورم آیا ہوا تھا اور گلے کی خراشیں سینے تک اتری ہوئی تھیں۔ غنیمت یہ تھا کہ حلیہ بگڑنے کے بعد مجھے گھر پہنچنے کے لیے بہت کم فاصلہ طے کرنا پڑا تھا جو ویران گلیوں پر مشتمل تھا ورنہ میں شہر کی کسی مصروف شاہراہ پر تماشا بن کر رہ جاتا۔

مجھے خوشی تھی کہ میں سی۔ ون کے کارندے کی خاطر خواہ ٹھکائی کرنے میں کامیاب رہا تھا۔ اب مجھے انتظار تھا کہ اس کے انجام سے واقف ہونے کے بعد سی۔ ون اپنے ردعمل کا اظہار کس طرح کرتا ہے۔

غسل کے بعد میں نے گلے کی خراشوں کو صاف کر کے ان پر ٹنکچر لگائی تو تکلیف کی شدت سے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لباس بدل کر میں نے ٹائی لگائی تو خراشیں ضرور چھپ گئیں لیکن میرے لیے بند کالر میں گردن ہلانا دشوار ہو گیا۔ اس کے باوجود بائیں آنکھ کے اوپر ابھرے ہوئے نیلے نشان سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے ساتھ کچھ نہ کچھ ہوا ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ جب ایک نشان چغلی کھا رہا ہے تو ٹائی لگا کر خود کو عذاب میں کیوں مبتلا کروں۔ بس یہی فرق پڑتا کہ غزالہ ذرا زیادہ پریشان ہو جاتی اور میں تو اس بات کے لیے مدت سے ترسا ہوا تھا کہ کوئی کبھی میرے لیے بھی پریشان ہو۔ میں نے ٹائی اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر ڈال دی اور دوبارہ گھر سے روانہ ہو گیا کیونکہ اچھی طرح اندازہ تھا کہ غزالہ فون پر بات ہونے کے بعد میرے انتظار میں ایک ایک منٹ گن گن کر گزار رہی ہوگی۔

■

اس نے میری گاڑی کا ہارن سنتے ہی فوراً پھاٹک کھولا تھا۔ شاید وہ پھاٹک سے ملحقہ لان پر میری آمد کی منتظر تھی۔ میں مسکراتے ہوئے گاڑی اندر مختصر سے پورچ میں لیتا چلا گیا کیونکہ اب میں اس گھرانے کا ایک رکن بن چکا تھا۔

"ادھر ہی آ جایئے۔" کار سے اترتے ہی میرے کانوں میں غزالہ کی آواز آئی۔ میں پلٹا تو لان پر پہلے سے میز اور دو کرسیاں پڑی ہوئی

اور وہ پھاٹک بند کر کے اسی طرف بڑھ گئی تھی۔
"امی اور ڈیڈی کو تو سلام کر لوں۔" میں نے نسبتاً نیچی آواز میں کہا۔
"امی نہا رہی ہیں۔ ڈیڈی باہر گئے ہوئے ہیں۔" اس نے ہتھیلی پر شہادت کی انگلی مارتے ہوئے دونوں کی مصروفیات گنوا دیں۔ "اب کدھر جائیں گے آپ؟"
"مجبوری ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تمہاری ہی دعوت قبول کرنا پڑے گی۔" یہ کہتے ہوئے میں اس کی طرف بڑھا تو میری آنکھ سے اوپر بنیل دیکھ کر وہ بے تابانہ انداز میں میری طرف لپکی۔
"یہ کیا ہوا آپ کو؟ کس سے لڑ کر آ رہے ہیں؟" اس نے تشویش زدہ لہجے میں کہا پھر قریب آتے ہی اس کی نگاہیں میری گردن کی خراشوں میں الجھ گئیں۔ "آپ تو بہت زخمی ہیں، کیا ہوا؟ کس سے لڑائی ہوئی؟"
اس کی انگلیوں کا حرارت آفریں لمس اپنی پیشانی پر محسوس کرتے ہوئے میں نے آنکھیں موند لیں اور ہولے سے بولا۔ "اس طرح مسیحائی کرو گی تو روز کسی نہ کسی سے سر پھٹول کر کے آیا کروں گا۔"
"مذاق میں نہ ٹالیں، سچ سچ بتائیں۔ کیا ہوا ہے آپ کو؟" وہ یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔
"اپنا تعاقب کرنے والے کو للکار بیٹھا تھا۔" میں نے آنکھیں کھول کر ایک کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "اسے لہولہان کرنے میں تھوڑی بہت چوٹیں آ گئیں لیکن میں نے ٹنکچر لگالی ہے، تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔"
"لیکن وہ بدبخت تھا کون؟ اور کس لیے آپ کے پیچھے لگا تھا؟" وہ سراپا تجسس بنی ہوئی تھی۔
میں آرام سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے ہنس پڑا۔ "تمہیں کیا بتاؤں؟ تمہیں تو کچھ بھی یاد نہ رہا ہو گا کہ میں کن لوگوں کے چنگل میں پھنسا ہوا ہوں اور کس طرح ان کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہوں۔"
"مجھے سب یاد ہے۔" اس نے میرے مقابل بیٹھتے ہوئے پُراعتماد انداز میں کہا۔ "سکندر علی نے آپ کو اس جال میں پھانسا تھا۔ وہ بی۔ ون کی حیثیت سے آپ سے کام لیتا تھا۔ آپ اس کے گھر میں گئے تو اس کی ڈائری سے اے۔ ٹو، بی۔ ون، بی۔ ٹو اور سی۔ ون کے فون نمبر لیے۔ سکندر کو غفلت کے الزام میں معزول کر دیا گیا۔ اس کے اختیارات آپ کو اور سی۔ ون کو بانٹ دیے گئے۔ اسی دوران کسی نے سکندر علی کو اس کے باغات میں ہلاک کر دیا۔ یہی بتایا تھا نا آپ نے؟"
"حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔" میں سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "اب میں خود بی۔ فور ہوں۔ کل تک بی۔ ون کو جوابدہ تھا لیکن اس نے خودکشی کر لی۔"
"ہائیں!" حیرت سے اس کی غزالی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں۔ "سکندر علی کو کسی نے مار دیا اور بی۔ ون نے خودکشی کر لی؟..... تت ...... تو کیا...... !" وہ میرے زخموں کی طرف اشارہ کر کے رہ گئی لیکن میں اس کا مدعا سمجھ گیا۔ وہ میرے زخموں کی بنا پر شبہ میں پڑ گئی تھی کہ بی۔ ون کہیں میرا ہی نشانہ نہ بنا ہو۔
"شاید تم نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آج کی سب سے بڑی خبر یہی ہے۔"
"تو۔ تو کیا مٹھا خان ہی بی۔ ون تھا؟" اس نے حیرت اور بے یقینی کے انداز میں سوال کیا۔
"حالات یہی بتاتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "ایم۔ ٹی تھری ہنڈرڈ کی برآمدگی کے بعد اس بارے میں کوئی شبہ ہی نہیں رہا کیونکہ اس سے رابطے کے لیے اسی قسم کا ایک آپریٹس میرے پاس بھی موجود ہے۔"
"لیکن اخبار میں تو ہیروئن کی تجارت کا ذرہ برابر بھی تذکرہ نہیں ہے۔ وہ تو کھلا ہوا غداری اور جاسوسی کا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔"
"وہ قدرت کے انتقام کا شکار ہوا ہے۔ انہیں اس کی حویلی سے جلے ہوئے آپریٹس کے علاوہ کوئی ثبوت نہیں مل سکا لہٰذا سارے قیاسات مخبر کی اطلاع پر مبنی ہیں۔ کسی کے گمان میں بھی نہ ہو گا کہ منشیات کے سوداگر اتنے نازک اور بیش قیمت مواصلاتی آلات استعمال کر رہے ہیں۔ لکھ کر رکھ لو کہ مٹھا خان کی اصل مصروفیات کی کسی کو بھنک بھی نہ مل سکے گی اور کچھ عرصے کی جدوجہد کے بعد غیر ملکی جاسوس کی خودکشی کی فائل داخلِ دفتر ہو جائے گی۔"
"لیکن آپ کس بنا پر اسے بی۔ ون قرار دے رہے ہیں؟" وہ قدرے سکوت کے بعد حیرت سے سنبھالا لیتے ہوئے بولی۔ "صرف آپریٹس کی یکساں ساخت تو اس اندازے کا جواز نہیں بن سکتی۔"
"صرف یہی یکسانیت میرے اندازے کی بنیاد نہیں ہے، اس کے پسِ پشت واقعات کا تسلسل ہے۔" یہ کہہ کر میں اسے مختصر الفاظ میں بی۔ ون کی پہلی فون کال سے ریکارڈ کیے ہوئے پیغام تک بتاتا چلا گیا اور وہ میری رائے سے متفق ہو گئی۔
"واقعی وہ بی۔ ون کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔" وہ تائیدی لہجے میں بولی۔ "لیکن اس نے آپ کو اے۔ ٹو کا جو نمبر دیا تھا اس کا کیا رہا؟ آپ نے بھی تو سکندر علی کی خوابگاہ سے اے۔ ٹو کا نمبر حاصل کیا تھا۔"
"دونوں نمبر یکساں تھے۔" میں نے انکشاف کیا اور اس کی آنکھوں میں تجسس کے سائے گہرے ہو گئے۔ میں نے اسے اس فون نمبر سے متعلق اپنے جملہ تجربات سنا ڈالے کیونکہ تنظیم سے باہر وہی میری

اکلوتی رازداں تھی۔

"یہ معاملہ تو حیرتناک اور ناقابلِ یقین معلوم ہوتا ہے۔" میرے خاموش ہونے پر وہ بولی۔" رات کے ایک سے تین بجے تک وہ نمبر اے۔ ٹو کے تصرف میں رہتا ہے۔ باقی وقت میں بیمار اور بوڑھی عورت کالیں ریسیو کرتی ہے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ وہ عورت اس کھیل میں پوری طرح ملوث ہے۔"

"نتیجہ اخذ کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔" یہ مت بھولو کہ رازداری تنظیم کا بنیادی اصول ہے۔ ہر اوپر والا اپنے ماتحتوں کے لیے محض ایک آواز ہوتا ہے۔ فون نمبر کے ذریعے اس عورت کے گھر کا آسانی سے سراغ لگایا جاسکتا ہے اور پھر اے۔ ٹو کو بے نقاب کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل رہ جائے گا۔ وہ اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اس نمبر کی مدد سے اے۔ ٹو تک پہنچنا اس قدر آسان نہیں ہوسکتا ورنہ یہ نمبر یوں تقسیم نہ کیا جاتا۔"

"لیکن اس نمبر پر آپ عورت کے علاوہ خود اے۔ ٹو سے بات کرچکے ہیں؟" اس نے تحیّر زدہ انداز میں کہا۔

"یہی تو ساری الجھن ہے۔" میں نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر کہا۔" سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا گورکھ دھندا ہے۔"

وہ چند ثانیوں تک پُرخیال انداز میں خاموش رہی پھر اس کی آنکھوں میں تیز چمک عود کر آئی۔" شاید میں معاملے کی تہ تک پہنچ گئی ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ ٹیلیفون ایکسچینج میں کوئی اے۔ ٹو سے ملا ہوا ہو اور وہ مقررہ اوقات میں وہ نمبر اے۔ ٹو کو منتقل کر دیتا ہو۔ وہ عورت بیمار اور بوڑھی ہے، اس کے رشتوں کو بھی علم نہ ہوتا ہوگا کہ رات کے ایک سے تین بجے تک اس کا فون ڈیڈ رہتا ہے مقررہ وقت گزرتے ہی وہ نمبر نارمل کر دیا جاتا ہوگا۔"

اس کی گفتگو سنتے ہوئے میرا ذہن اسی نکتے پر سوچنے لگا تھا۔ وہ خاموش ہوئی تو میں ذہنی طور پر اس طریقۂ کار کو مسترد کرچکا تھا۔" یہ امکان ضرور ہے لیکن ان کی محتاط روی کے پیشِ نظر ناقابلِ عمل ہے کیونکہ ایک آدھ بار تو کسی کو شبہ میں ڈالے بغیر ایسا کیا جا سکتا ہے، اسے روز کا معمول نہیں بنایا جاسکتا پھر ایکسچینج میں ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ اس معمول کو برقرار رکھنے کے لیے کئی افراد کو اعتماد میں لینا پڑے گا پھر ایکسچینج والا آدمی جس کے فطری تقاضے سے مجبور ہو کر اے۔ ٹو کی کالز بھی سن سکتا ہے۔ اس طرح تو رازداری کا پورا نظام ہی درہم برہم ہو کر رہ جائے گا اور میرے لیے یہ تسلیم کرنا ممکن ہے کہ اے۔ ٹو بذاتِ خود ٹیلی فون کے محکمے میں ملازم ہوگا اور اپنی سہولت کے لیے ہر خطرہ مول لے کر مقررہ اوقات میں اس نمبر کو عورت کے گھر سے ڈسکنکٹ کر کے ایکسچینج میں خود ساری کالز وصول کرتا ہوگا۔"

"اور رخشی کو آپ ایک معمولی مہرے سے زیادہ حیثیت دینے کو تیار نہیں۔" وہ تفکر آمیز انداز میں بولی۔" لیکن اے۔ ٹو اس کا نام سن کر چونکا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ آپ اسے نظر انداز کر کے غلطی کر رہے ہوں۔"

"وہ کیا؟ میرا تو خیال ہے سی۔ ون بھی اس نمبر کے راز سے واقف نہ ہوگا۔ پھر اے۔ ٹو سے میری ملاقات اس وقت ہوئی جب رخشی کو ہوٹل میں چھوڑے مجھے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سی ون اس عورت کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ مجھے تو اسے بھول جانے کا حکم مل ہی گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ ہرگز میرا رُخ نہیں کرے گی۔"

"ذرا غور کرلیں۔" وہ شریر لہجے میں بولی۔" کہیں گردن کی خراشیں اسی رخشی کے ناخنوں سے نہ آئی ہوں۔"

"میں پیش قدمی کرتا تو وہ مزاحمت کے بجائے خوشی سے میری حوصلہ افزائی کرتی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔" وہ کل شام ٹکرائی تھی جب کہ میرے زخم تازہ ہیں۔"

"آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ یہ زخم کیسے آئے؟" وہ سنجیدہ ہوگئی۔

"سی۔ ون تنظیم کے انتظامی اور حفاظتی شعبے کا سربراہ ہے۔ اس کے آدمی اکثر میرا تعاقب کرتے رہتے ہیں تاکہ یہ دیکھ سکیں کہ کوئی سرکاری ایجنسی یا دشمن کا کوئی آدمی میری راہ پر نہ لگا ہوا ہو۔ آج میں ایسے ہی ایک آدمی سے اُلجھ پڑا۔ وہ اس وقت بھی کہیں پڑا اپنے زخم چاٹ رہا ہوگا!"

"یہ تصادم کیوں مول لے بیٹھے آپ؟"

"میں تمھاری طرف آرہا تھا اور اس سے پیچھا چھڑانے کی کوئی صورت نہیں تھی لہٰذا اس سے بھڑ ہی گیا۔" میں نے اس کی تشویش سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔" میں نہیں چاہتا کہ میرے حوالے سے تم بھی ان کے کسی آدمی کی نگاہوں میں آجاؤ۔ انھوں نے گھر دیکھ لیا تو کسی بھی وقت دشواریاں کھڑی کر سکتے ہیں۔"

وہ پُراعتماد انداز میں مسکرانے لگی۔ شاید اسے خوشی ہوئی تھی کہ کوئی اس کے تحفظ کے لیے اس حد تک جانے کو تیار تھا۔" کب تک میں ان کی نگاہوں سے بچی رہوں گی؟ ہوسکے تو مجھے بھی ان کی صفوں میں گھس جانا چاہیے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی طرح میں رخشی کی جگہ، ان کی طرف سے آپ کی مخبری پر مامور کر دی جاؤں۔"

"آئندہ ایسا خیال بھی دل میں نہ لانا۔" میں نے تیز نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔" وہ بہت بڑے لوگ ہیں۔ ان کی نگاہوں میں انسانی لہو سے آبرو تک کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ رخشی بجانے

ہے؟لیکن ان کے مقاصد کے حصول کے لیے وہ گھناؤنے روپ ہے ٹکرائی تھی۔ اس نے ان کے مفادات کے لیے اپنا سب کچھ لگایا ہوا ہے لیکن جب اے۔ ڈو کو میں نے بتایا کہ نشے میں وہ بہت کچھ اگل گئی تھی تو اس کا لہجہ تلخ اور سفاکانہ ہو گیا تھا۔

"اور اگر انھوں نے اسے ہلاک کرنے کا ہی فیصلہ کر لیا؟"

"یہ اس کا اپنا مقدر ہوگا۔ میرا ضمیر صاف ہے۔ بس انسانیت کے ناتے سے تھوڑا سا ملال ضرور ہوگا۔"

وہ میز پر کہنیاں ٹکا کر اپنا چہرہ ہتھیلیوں کے درمیان لیے کچھ دیر تک خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی پھر دھیمی آواز میں بولی۔ "آپ ہمارے گھر کب منتقل ہو رہے ہیں؟"

"وہ کیوں؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"روپوشی کا حکم ملا ہے نا آپ کو؟" اس نے مجھے یاد دلایا۔ "کہیں بھٹکنے کے بجائے اس غریب خانے کی عزت افزائی کیوں نہیں کرتے؟ ہم سے چھپے رہیں گے۔"

"خیال بہت اچھا ہے لیکن میں اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر کل لاہور جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اے۔ ڈو کی گتھی وہاں جائے بغیر نہ سلجھے گی۔ پھر وہیں ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کا دفتر بھی ہے۔ شاید اس سلسلے میں بھی کوئی کام کی بات میرے علم میں آ جائے۔ میں مہلت ویسے ہی کارروائی کرنا چاہتا ہوں۔"

"پھر میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔"

"تم!" میں نے حیرت اور بے یقینی سے کہا پھر ناصحانہ انداز میں بولا۔ "میرا وقت وہاں بھاگ دوڑ میں گزرے گا۔ تم ہوٹل میں اکیلی رہ جاؤ گی۔"

"میں تو آپ کا ہاتھ بٹانا چاہتی ہوں۔" وہ کرسی پہ سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "آپ نے مجھے بتایا تھا کہ ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ لاہور کی ایک برآمدی فرم ہے لیکن اس آڑ میں منشیات کی اسمگلنگ کرتی ہے۔ اس نے اپنے نمائندے کے طور پر آپ کو باہر بھی بھیجا تھا۔ میرا خیال ہے اگر میں وہاں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تو ان کی اندرونی سرگرمیوں کا سراغ لگانا دشوار نہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اے۔ ڈو اس کے مالکان میں بھی شامل ہو۔"

اس کی تجویز واقعی شاندار اور خاصی محفوظ تھی۔ میں چند ثانیوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "تمھارا میرے ساتھ لاہور چلنا مناسب نہ رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ تمھارے والدین اس پر راضی نہ ہوں۔"

"ہونہہ!" اس نے برا سا منہ بنایا۔ "میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ اب ان کی زیادہ پروا نہیں رہ گئی ہے۔ آپ سے ملاقات ہونے سے پہلے امی اور ڈیڈی میری گستاخی پر سخت برہم تھے، پتا نہیں آپ نے ان پر کیا جادو کیا کہ زندگی میں پہلی بار میرے ایک فیصلے سے متفق ہو گئے ہیں۔"

"تم ان کی طرف سے شدید غلط فہمیوں میں مبتلا ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "مانا کہ وہ کامران کی تباہی کے ذمہ دار ہیں لیکن وہ حادثہ اتفاقی تھا اور تم اپنے دل میں نفرت کے بیج کو پروان چڑھاتی رہیں۔ وہ دونوں خود اپنے ضمیر کے مجرم ہیں۔ مجھے تو ان سے ہمدردی ہو گئی ہے۔ نفرت کی عینک سے تمھیں ان کا ہر فعل قابلِ ملامت نظر آتا ہے ورنہ وہ درحقیقت تمھارے خیر خواہ ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ ہرگز مجھے قبول نہ کرتے۔"

"ضمیر کے قیدی۔" اس نے سر جھٹک کر دہرایا۔ "تشدد، آتش زنی اور لوٹ مار میں ملوث ہو کر جیل جانے والوں کو ایمنسٹی انٹرنیشنل اس خطاب سے نوازتی ہے۔ اس اعتبار سے آپ درست ہی کہہ رہے ہیں۔" پھر اچانک اس کا لہجہ قدرے استہزائیہ ہو گیا۔ "امی کے ضمیر پر بوجھ ہوتا تو وہ مدتوں پہلے کوکین ترک کر چکی ہوتیں۔ وہ نشہ اس گھر کی فضا پر آج بھی حکمراں ہے۔"

"ہر کوشش ناکام ہو گئی، کوکین بہت موذی نشہ ہے عزالہ! تمھاری ماں اپنی اس عادت سے اکتا گئی ہے لیکن مجبور ہے۔"

"یہ سب ڈھکوسلا ہے۔" وہ بے پروائی سے بولی۔ "قوتِ ارادی مضبوط ہو اور احساسِ جرم بیدار ہو جائے تو پل بھر میں نشہ چھوٹ سکتا ہے۔۔۔ انھوں نے واقعی آپ کو خوب بہلایا ہے۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔" میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ "شاید تم ایڈکشن کی اصطلاح سے ناواقف ہو۔ اس کے لیے عادت کا لفظ بہت معمولی ہے۔ یہ بہت بھیانک مرض ہوتا ہے۔ کوکین، مارفین، ہیروئن، پیتھیڈین ایسے موذی نشے ہیں کہ آدمی کچھ عرصے تک تسلسل کے ساتھ استعمال کرے تو زندگی بھر کے لیے ان کا غلام بن کر رہ جاتا ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے ذہنی اور جسمانی معمولات کو برقرار رکھنے کے لیے نشے کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ وقت پہ مقررہ خوراک نہ لے تو تشنج، اعصابی اختلال، درد، مروڑ، اینٹھن اور ہولناک مایوسی کی گرفت میں آ کر حواس کھو بیٹھتا ہے۔ تمھارے ڈیڈی نے مجھے بتایا کہ امی اپنی ناکام کوششوں میں کئی بار کربناک اذیت سے گزر چکی ہیں اور تمھارے ڈیڈی نے خوفزدہ ہو کر انھیں کوکین لینے پر مجبور کیا کہ کہیں تمھاری ماں بھی کامران کی طرح ہمیشہ کے لیے دیوانگی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ تمھیں ان کے بارے میں اپنے رویّے پر نظرِ ثانی کرنا چاہیے۔"

میرے الفاظ اس کے لیے تحیّر خیز ثابت ہوئے۔ میں خاموش ہوا تو وہ بے یقینی کے عالم میں بڑبڑانے لگی۔ "او میرے خدا! تو امی کی وہ حالت کوکین چھوڑنے کے سبب ہوا کرتی ہے۔ تین بار میرے سامنے ان کی حالت غیر ہوئی اور میں ہر بار غصّے میں گھر سے چلی گئی۔ میں ہمیشہ یہی سمجھتی رہی کہ کوکین کی زیادتی اپنا رنگ دکھا

رہی ہے لیکن میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ مجھے کبھی اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ مجھے کسی نے کچھ نہیں بتایا۔ مجھے ہمیشہ اجنبیت کا احساس رہا جیسے میری لاعلمی میں یہاں چوری چھپے سازشیں کی جارہی ہوں۔ حقیقت بتائی جاتی تو میں اتنی بے مغز نہیں تھی کہ ان کا احترام نہ کرتی۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آج میں نے اس دیوار کو گرادیا۔" میں نے اسے ذہنی جھٹکے کے اثرات سے چھٹکارا دلانے کی نیت سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اِٹ از نیور ٹو لیٹ۔ تمھارے والدین کو تمھارے بدلے ہوئے رویّے سے بہت سہارا ملے گا۔ تمھارے ساتھ انھوں نے بھی غلطیوں کا ارتکاب کیا جس کی سزا ذہنی گھٹن کی صورت میں تم سب ہی بھگت رہے ہو۔"

"آپ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں ۔۔۔" وہ کھوئی کھوئی آواز میں بولی۔ "مجھے ندامت ہورہی ہے اپنے آپ پر۔ میں اب امی کا سامنا کیسے کرسکوں گی؟ ان کے بارے میں کتنی بہت گر کر سوچتی رہی ہوں۔" اس نے پھریری لے کر اپنی کنپٹیاں دونوں ہتھیلیوں سے دبالیں۔

وہ نفرت جو برسوں سے ماں اور بیٹی کے درمیان خاموشی سے پروان چڑھتی رہی، کس قدر چھوٹی غلط فہمی کی بنیاد پر پیدا ہوئی تھی۔ میرے لیے وہ زندگی کا ایک عجیب ترین تجربہ تھا۔ حقیقت کا انکشاف ہوتے ہی غزالہ اپنے ماضی کے رویّے کے بارے میں سوچ سوچ کر جذباتی ہیجان سے دوچار ہوتی رہی۔ میں بمشکل اسے قابو میں رہنے پر آمادہ کرسکا۔ پھر اسے ساتھ لے کر لان سے اندر گیا تو اس کی ماں ڈرائنگ روم میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔

میری صورت دیکھتے ہی اس کی نگاہوں میں محبت آمیز چمک پیدا ہوگئی۔ نقاہت آلودہ چہرے پر ممتا کا نور سمٹ آیا اور وہ اخبار تپائی پر ڈالتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔ پھر اس نے غزالہ کی بدلی ہوئی کیفیت دیکھی تو حیران سی نظر آئی لیکن اس سے پیشتر کہ وہ کچھ بولتی، غزالہ بے اختیار آگے بڑھی اور والہانہ انداز میں اپنی ماں سے لپٹ گئی۔

غزالہ کی پشت میری جانب تھی لیکن اس کے بدن کی لرزش سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس کے دل کی کدورت آنسوؤں کے سیلاب میں دھل رہی تھی۔ وہ بے آواز سسکیوں کے ساتھ روتی رہی۔ شمع کو کچھ علم نہیں تھا کہ اس کی بیٹی کس انقلاب سے دوچار ہوئی ہے لیکن اس پر بھی رقت طاری ہوچلی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں وہاں رُکا رہا تو شاید میری بھی آنکھیں نم ہوجائیں گی۔ میں سر جھکائے باہر نکل آیا اور دوبارہ لان پر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد کرنل زوار واپس لوٹا تو مجھے لان پر تنہا بیٹھے دیکھ کر بوکھلا گیا۔ "ارے تنویر میاں! تم اکیلے بیٹھے ہو؟ شمع کہاں ہے؟ غزالہ بھی گھر ہی پر تھی۔ آؤ میرے ساتھ اندر چلے آؤ۔"

"آپ بھی یہیں بیٹھ جائیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے احترام آمیز انداز میں کہا۔ "وہ دونوں اندر ایک جذباتی کشمکش سے گزر رہی ہیں۔ میں بھی انھیں چھوڑ کر باہر آبیٹھا ہوں۔"

"اوہ!" وہ بے چارہ پریشان ہوگیا۔ "پھر لڑ پڑی اپنی ماں سے۔ پتا نہیں کیوں بات بات پر شمع سے اُلجھ جاتی ہے۔"

"لڑائی نہیں۔ وہ اپنی ماں سے معافی طلب کررہی ہے۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا مگر اسے میری بات پر یقین نہ آسکا۔ اس کے لیے یہ بات ناقابلِ فہم تھی کہ برسوں کی کدورت پل بھر میں مٹ سکتی ہے۔ وہ اپنا تجسس مٹانے کی خاطر اندر جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ اچانک اسے میرے چہرے پر رونما ہونے والی تبدیلیوں کا خیال آگیا۔ میں نے چوٹوں کے بارے میں ایک قابلِ قبول عذر پیش کیا اور وہ سر ہلاتا ہوا بے تابانہ انداز میں اندر چلا گیا۔

سورج بلند ہونے کے ساتھ لان پر پھیلا ہوا سایہ بھی سکڑتا جارہا تھا۔ میں اٹھ کر گلاب کی کیاریوں کے قریب جا کھڑا ہوا۔ میرا ذہن بے نور مٹی اور غلاظت کے آمیزے سے نشو و نما پانے والے حسن کی رنگینیوں میں کھو گیا۔ پھر ذہنی رو غزالہ کی ماں شمع کی طرف بھٹک گئی۔ کس قدر صابر اور مہربان تھی وہ عورت بھی۔ بیٹی کے تحقیر آمیز اور جارحانہ رویّے کو خاموشی سے جھیلتی رہی۔ حد تو یہ ہے کہ گھر کی تلخیاں بھی اس کے لہجے کے دھیمے اور میٹھے آہنگ میں سرایت نہ کرسکیں وہ شریف النفس تھی اور اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی ایک عادت کامران کی بربادی کا باعث بن گئی تھی لہٰذا اس نے خندہ پیشانی کے ساتھ ہر توہین کو اپنے جرم کی سزا سمجھ کر تسلیم کرلیا تھا ۔۔۔ ماضی میں گزارے ہوئے بُرے دن بھی اس کے اندر کی نیک عورت کو نہیں بدل سکے تھے

چند منٹ بعد کرنل زوار زیدی مجھے ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ ماں بیٹی وہاں سے جاچکی تھیں۔ کچھ دیر بعد دونوں واپس آئیں تو شمع کے چہرے سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔ غزالہ منہ ہاتھ دھو کر آئی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں گریۂ ندامت کے آثار صاف پڑھے جا سکتے تھے۔ وہ سر جھکائے ماں کے ساتھ بیٹھ گئی۔

ان تینوں کے لیے وہ زندگی کی بہت سعید ساعتیں تھیں کہ گھر کی فضا پر چھائے ہوئے انتشار کے بادل غیر متوقع طور پر چھٹ گئے تھے۔ شاید غزالہ نے اس بارے میں اپنی ماں کو میرے کردار سے آگاہ کردیا تھا کیوں کہ وہ میری بہت زیادہ ممنون نظر آرہی تھی۔ محبت آمیز نگاہوں سے مسلسل مجھے ہی دیکھے جارہی تھی۔ گفتگو کی ابتدا ہوئی تو ہر ایک اپنی جگہ شرمسار اور اپنی ذات میں سمٹا ہوا تھا لیکن شمع کے حوصلہ افزا انداز نے تھوڑی ہی دیر میں فضا ہلکی کررکھ دی۔

"ہمیں معلوم ہوتا کہ تمہارے قدم اس گھر کے لیے اتنے مبارک ہوں گے تو غزالہ سے پہلے ہم خود تمہیں ڈھونڈ نکالتے۔" شمع نے ہلکے سرور آمیز دھیمے لہجے میں کہا۔ "سچ پوچھو تو ہم نے آج برسوں سے کھوئی ہوئی بیٹی دوبارہ حاصل کی ہے۔ ہمارے تو بس تم سے ملتے ہی فدا ہو بیٹھے تھے۔"

"نہ نہ۔" کرنل زوار جلدی سے بولا۔ "یہ الزام نہ لگاؤ مجھ پر۔ اس کے بعد کسی پر فدا ہونے کی ہمت نہیں رہی مجھ میں۔" پھر وہ غزالہ کی طرف متوجہ ہو گیا جو وہاں سے کھسکنے کے لیے پر تول رہی تھی۔ "لڑکی بھاگنے کی ضرورت نہیں جب تک تنویر میاں سر پہ سہرا نہیں لے جاتے، اس گھر میں تم ہی ان کی میزبان ہو۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں میاں بیوی وہاں سے چلے گئے۔

آنسوؤں کے مسلسل استعمال سے شاید شمع کی بینائی بھی متاثر ہو رہی تھی۔ اور وہ کافی دیر بعد میری چوٹیں دیکھ سکی تھی لیکن کرنل نے اس کے اظہار کو ہنسی میں اڑا دیا۔ "کچھ نہیں۔ مار دھاڑ تو مرد بچوں کی شان ہے۔ ہُوا ہوگا کچھ۔ آؤ ذرا کامران کی خبر لیں۔ وہ بھوکا ہوگا۔"

دم چلے گئے۔ میں غزالہ کو گھورتا رہا اور وہ سر جھکائے اپنے ناخنوں سے کھیلتی رہی۔ ایک دو بار اس نے کچھ کہنے کے لیے سر اٹھایا مگر میری نگاہوں کا سامنا کرتے ہی اس کی قوتِ گویائی جواب دے گئی۔

"کیا کہنا چاہ رہی ہو تم؟" میں نے شوخ لہجے میں اسے سہارا دیا۔ "ارادہ تو نہیں بدل گیا تمہارا؟"

اس نے شکایت آمیز نگاہوں سے مجھے گھورا پھر دھیمی آواز میں بولی۔ "میں آپ کے ساتھ لاہور چلوں گی۔"

"پھر وہی ہٹ دھرمی۔ والدین سے پوچھ لیا تم نے جو اتنے اعتماد سے فیصلہ سُنا رہی ہو؟"

"شاید اب انھیں مجھ سے زیادہ آپ پر اعتماد ہو گیا ہے۔" اس نے کہا۔ "آپ کے ساتھ کہیں بھی جانے پر انھیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ میں ان کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

"اور کالج کا کیا ہوگا؟"

"دس پانچ دن کی غیر حاضری سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر میں تو محض وقت گزاری کے لیے کالج چلی جاتی تھی۔ اب آپ کا ہاتھ بٹا کر زیادہ خوشی ہوگی۔ آپ کی خواہش نہ ہو تو اور بات ہے۔ میرا گریجویشن کا آخری سال ہے۔"

"اور وہاں تم بھیڑیوں کے بھٹے میں ملازمت کرو گی۔" میں نے سوال کیا۔

"ہرج ہی کیا ہے اس میں؟" اس نے جواب دینے کے بجائے سوال کر ڈالا۔ "اس خیال میں نہ رہیے گا کہ میں لڑکی ذات ہوں۔ میں اپنا تحفظ خوب کر سکتی ہوں۔ دو برس تک مارشل آرٹس کی باقاعدہ تربیت لی ہے۔"

"اوہ۔" میں نے ہونٹ سکیڑ کر استہزائیہ انداز میں کہا۔ "اب تو پانی سر سے گزر چکا ہے۔ پہلے بتایا ہوتا تو کچھ غور کرتا۔" پھر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "تم بضد ہو تو یہ تجربہ بھی سہی لیکن میں پھر بتا رہا ہوں کہ یہ لوگ بہت سفاک اور بے رحم معلوم ہوتے ہیں تمھیں اپنے سلنے تک ہوشیار رہنا ہوگا۔"

مجھے رضامند پاتے ہی اس کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا اور وہ پُرجوش انداز میں مجھے اپنا طریقۂ کار سمجھانے لگی جو بڑی حد تک کتابی محسوس ہو رہا تھا لیکن میں نے اسے کہیں لقمہ نہیں دیا۔ مجھے سب سے پہلی فکر کسی ٹھکانے کی تھی۔ ہوٹل میں رہتے ہوئے ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ میں ملازمت کی کوشش کی بدترین خطرات کو دعوت دینے کے مترادف ہوتی۔ ادھر کا رُخ کرنے سے پہلے لاہور کی کسی بستی میں معقول سا مکان حاصل کرنا لازمی تھا۔

میں وہاں سے روانہ ہوا تو ذہنی طور پر نہایت تر و تازہ تھا۔ غزالہ کے گھر والوں سے میرا کوئی لالچ وابستہ نہیں تھا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ جوں جوں اس گھر لنے سے میرے مراسم میں پختگی آ رہی تھی، اپنی ذات میں میرا اعتماد مستحکم ہوتا جا رہا تھا جیسے میری ذات کے تشنہ پہلوؤں کی تکمیل ہو رہی ہو۔

بی۔ ون تمام سرگرمیاں ترک کرنے کی ہدایت دے کر مکافاتِ عمل کے آفاقی فلسفے کے تحت جہنم واصل ہو چکا تھا۔ اے۔ ٹو نے اس کی ہدایت کی تائید کی تھی لیکن میری نگاہ میں اس ہدایت کی کوئی عملی اہمیت نہیں تھی۔ اخباری اطلاعات کی روشنی میں یہ وہم بھی دُور ہو چکا تھا کہ کہیں میری اور بی۔ ون کی گفتگو کسی نے نہ سُن لی ہو، لہٰذا ہر راز میری ذات تک محدود تھا اور یہ امکان باقی نہیں رہ گیا تھا کہ پیش قدمی کی صورت میں میں کسی ناگہانی جال میں پھنس جاؤں۔

لاہور میں ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ اور اے۔ ٹو کے بارے میں کھوج لگنے سے قبل میری ترجیحات میں اڈیکشن کیور سوسائٹی کا نام سرِ فہرست تھا جس کی تاحیات رکنیت سکندر علی نے اپنی نیک نامی کے بل پر چندے دے کر حاصل کر لی تھی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ سوسائٹی کون لوگ کن بنیادوں پر چلا رہے تھے اور اس پلیٹ فارم سے تنظیم کس طرح استفادہ کر رہی تھی۔

محمد علی ہاؤسنگ سوسائٹی میں تھوڑی دیر بھٹکنے کے بعد میں اس خوب صورت بنگلے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جس پر سوسائٹی کے نام کا بورڈ لگا ہوا تھا اور کھلے ہوئے پھاٹک میں سے وہ بڑا

بیرونی کمرہ نظر آرہا تھا جس پر باہر ہی سے کسی دفتر کا گمان ہوتا تھا۔ میں نے پھاٹک سے آگے بڑھ کر گاڑی ایک کنارے سے پارک کر دی اور دروازے لاک کرکے اس کھلے ہوئے پھاٹک سے اندر داخل ہو گیا پھر برآمدے کے ایک ستون کی اوٹ میں چوبی اسٹول پر اونگھتا ہوا اس ادارے کا ایک کارندہ بھی نظر آ گیا۔ میں اس کے قریب پہنچا تو وہ ستون سے سر ٹکائے آنکھیں موندے بیٹھا ہوا تھا۔ میرے قدموں کی چاپ بھی اس کے آرام میں خلل انداز نہیں ہو سکی تھی۔ میں نے نرمی سے اس کا شانہ چھوا تو اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

اس کی آنکھیں لال بھبھوکا ہو رہی تھیں۔ آنکھوں کی سکڑی ہوئی پتلیوں میں غیر معمولی چمک موجود تھی جسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ وہ علامات یقینی طور پر کسی نشے کے استعمال کی نشاندہی کر رہی تھیں۔ نشے کے روگ میں مبتلا مریضوں کے علاج کا دعویٰ کرنے والے ادارے میں ایک نشے باز کی موجودگی ہر اعتبار سے حیرتناک تھی۔

"سوسائٹی کا دفتر کدھر ہے؟" میں نے سوال کیا تو اس نے سامنے والے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا دیا۔

"اندر نسیم صاحب بیٹھے ہیں۔ وہ سوسائٹی کے سکریٹری ہیں۔"

"اور تم یہاں گولی لگائے بیٹھے ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے خشک اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کا چہرہ فق ہو گیا اور پھر وہ ہکلاتے ہوئے بمشکل میرے عائد کیے ہوئے الزام سے انکار کر سکا تھا۔

"جھوٹ مت بولو۔" میں نے دھیمی آواز میں اسے پھٹکارا۔ "میں نشے باز کو ہزاروں کے مجمع میں الگ پہچان سکتا ہوں۔ جھوٹ بولوگے تو ابھی کھڑے کھڑے نوکری سے نکلوا دوں گا۔"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر گھگھیانے لگا۔ "نسیم صاحب سے شکایت نہ کرنا صاحب۔ اب ڈیوٹی پر چرس کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا۔"

میں بند دروازے کا ہینڈل گھما کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ وسیع کمرہ ایئرکنڈیشنڈ تھا اور فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ کمرے میں دو میزیں پڑی ہوئی تھیں۔ بڑی میز کے عقب میں ریوالونگ چیئر خالی پڑی ہوئی تھی۔ دوسری میز کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر لیکن صحت مند آدمی اخبار کھولے بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اخبار میز پر ڈال دیا۔

"نسیم صاحب؟" میں نے اس کی میز کی طرف بڑھتے ہوئے استفسار طلب لہجے میں کہا اور وہ فوراً ہی مشینی انداز میں بول پڑا۔

"جی ہاں، میں ایڈکشن کیور سوسائٹی کا سکریٹری ہوں۔ تشریف رکھیے۔ کس سلسلے میں زحمت فرمائی آپ نے؟"

"آپ کی سوسائٹی کی نیک نامی یہاں کھینچ لائی۔" میں نے اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے کہا۔ "طریقۂ کار کا علم ہو تو شاید میں بھی آپ کے پروگرام میں کچھ حصہ لے سکوں۔"

"ہم منشیات کی عادت میں مبتلا مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔" وہ کسی مداری کے رٹائے ہوئے طوطے کی طرح بولنے لگا۔ "اور یہ خدمت بلامعاوضہ فراہم کی جاتی ہے۔ ہمارے اخراجات مخیر حضرات کے عطیات سے پورے ہوتے ہیں۔ سوسائٹی سماجی بہبود کے محکمے میں بھی رجسٹرڈ ہے لیکن سرکاری گرانٹ اخراجات کے مقابلے میں ناکافی ہوتی ہے۔"

میں نے دفتر کے لوازمات پر پھر ایک نگاہ دوڑائی۔ قالین، ایئرکنڈیشنڈ، الیکٹرک ٹائپ رائٹر، فون اور پردوں سے لے کر فرنیچر تک ہر چیز خاصی قیمتی تھی۔ اس کروفر کے پیش نظر سوسائٹی کے خطیر بجٹ کا اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا جو سرکاری امداد سے کسی بھی طرح پورا نہیں ہو سکتا تھا۔

"پہلے ہمارے پاس خاصی تعداد میں رضاکار موجود تھے۔ جو منشیات کی وبائی لہر کی زد میں آئے ہوئے گنجان علاقوں میں گھر گھر جا کر لوگوں کو منشیات کی تباہ کاریوں سے آگاہ کرتے تھے۔ ہمارا ارادہ ایک گشتی فلم یونٹ بھی قائم کرنے کا تھا تاکہ لوگوں کو فلمیں دکھا کر منشیات کے نقصانات سے آگاہ کیا جائے لیکن بعض مقامات پر غنڈوں نے ہمارے رضاکاروں کو بہت بے رحمی سے پیٹ ڈالا۔ اس وقت سے یہ سلسلہ روک دیا گیا ہے لیکن علاج معالجہ بدستور جاری ہے۔" وہ رکے بغیر مسلسل بولتا ہی چلا گیا۔ پھر اس نے دراز سے ایک کتابچہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ "اس کے مطالعے سے آپ کو ہماری کارکردگی کا اندازہ ہو سکے گا۔"

"مقامی انتظامیہ سے تحفظ حاصل کرکے اگر فلم شو کیے جائیں تو شاید انفرادی رابطے سے زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں۔" میں نے انگریزی زبان میں... چکنے کاغذ پر چھپے ہوئے کتابچے کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی تجویز زیرِ غور ہو۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "جو پالیسی مجھ تک پہنچتی ہے اس سے آگے مجھے کچھ علم نہیں ہوتا۔ کاغذی حد تک موبائل فلم یونٹ کی تجویز آج بھی زندہ ہے۔"

"سکریٹری ہوتے ہوئے آپ مجوزہ نکات سے لاعلم رہتے ہیں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"میں دراصل یہاں کل وقتی ملازم ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی۔ "پالیسی کا انحصار محسن صاحب پر ہوتا ہے جو سوسائٹی کے بانی اور چیئرمین ہیں۔"

"وہ کب ملتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"دراصل ان کا کاروبار بہت پھیلا ہوا ہے۔ اکثر بیرونی دوروں پر جاتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھار فرصت ملتی ہے تو یہاں بھی آ جاتے ہیں۔ وہ دوسری میز ان ہی کی ہے۔"

بے لیے یہ انکشاف عجیب سا تھا۔ "پالیسی کا انحصار ان پہ
مصروف رہتے ہیں تو سوسائٹی کا کام کیسے چلتا ہوگا؟"
وہ مربیانہ انداز میں ہنس دیا۔ "ان کے داماد بڑے سائیکیٹرسٹ
ہیں صاحب کی غیر موجودگی میں مجھے ان ہی سے ہدایات ملتی
ہیں۔ زیادہ تر اجلاسوں میں وہی محسن صاحب کی نیابت
ہیں۔"

بات کسی حد تک میری سمجھ میں آنے لگی تھی۔ مکان کے اندرونی
بچوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ جس کا مطلب تھا کہ اس کمرے
بقیہ مکان رہائشی مصرف میں لیا جارہا تھا۔ محسن صاحب کا
کیٹرسٹ تھا تو اس کا اپنا اسپتال یا مشاورتی کلینک ہونا
محسن صاحب نے مستحکم بنیادوں پر سوسائٹی قائم کر کے اپنے
ہاں میں دے دی تھی جس پر وہ خاصا مائل بہ کرم نظر آرہا تھا۔
ی بھی نشے کا استعمال ذہنی اور جسمانی اثرات مرتب کرنے کے
ادی طور پر نفسیاتی مرض ہی ہوتا ہے جس کے علاج کے لیے
یے سے رجوع کرنا لازمی ہوتا ہے تاکہ وہ مریض کی ان ذہنی
سلجھا سکے جن کی بنا پر نشے کی طرف رغبت پیدا ہوئی ہو۔
مجھے اس سوسائٹی میں دلچسپی پیدا ہونے لگی۔ ویسے بھی مجھے
ر سوسائٹی میں اثر و نفوذ پیدا کرنا تھا کیوں کہ یہ بی۔ون کا
تھا لیکن وہ میرا پہلا رابطہ تھا للذا نسیم مجھ سے کھل کر بات
رہا تھا۔ میں نے فوری طور پر اس جمود سے چھٹکارا پانے کے
ں غور کیا تو یہی تدبیر ذہن میں آئی کہ فوری طور پر چندے کی
ادائیگی کردی جائے۔
"چندہ ادا کرنے کی کیا صورت ہوگی؟" میں نے سرسری لہجے میں

نسیم کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے باچھیں پھیلا کر کہا۔ "وہ میں ہی
لیتا ہوں۔ آپ جس طرح چاہیں ادائیگی کرسکتے ہیں۔ آپ کو اس
کی رسید جاری کی جائے گی۔ ہمیں دیے جانے والے عطیات
قانون انکم ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہیں۔"
"پانچ ہزار کی رسید کاٹ دیں۔" میں نے جیب سے چیک بک
ہوئے کہا۔ "میں کراسڈ چیک دیے دیتا ہوں۔"
چیک وصول کرتے ہی اس کے رویے میں نمایاں فرق آگیا
ہائے کے لیے اس کے خلیقانہ اصرار کو نظرانداز نہیں کرسکا۔
گفتگو تو اس بار نسیم معلومات کا منبع ثابت ہوا۔ اس نے
کے چہرے پر بھی درد مندی اور بے لوث بھاگ دوڑ کے حوالے
ہ برتاؤ میرے لیے خاصا اہم تھا۔ اس کی حاشیہ آرائی حذف
حی طور پر معاملات کو سمجھ لینا دشوار نہیں تھا۔
اصل چکر یہ تھا کہ محسن کا ایک قریبی رشتے دار وزارت صحت و
سماجی بہبود میں ایک ایسے عہدے پر فائز تھا کہ بیک جنبش قلم کسی کو
بھی خطیر فائدہ پہنچا سکتا تھا۔ ان دنوں محسن مالی دشواریوں سے دوچار
تھا اور ایک مضافاتی بستی میں گھریلو استعمال کی کمتر درجے کی اشیا
قسطوں پر فروخت کرتا تھا۔ اپنے رشتے دار کے اختیارات سے فیضیاب
ہونے کے لیے اسی کی ایما پر محسن نے ایڈکشن کیور سوسائٹی کی بنیاد
ڈالی کیوں کہ ان دنوں منشیات کے بڑھتے ہوئے استعمال کے
خلاف بے چینی کی شدید لہر پھیلی ہوئی تھی اور سرکاری سطح پر اس
سمت میں کی جانے والی ہر کوشش کی سرپرستی کی جارہی تھی۔ ابتدا میں
محسن کی دکان کے پتے سے سوسائٹی نے صرف چھپے ہوئے خوبصورت
لیٹر پیڈ پر جنم لیا تھا لیکن قلیل سی مدت میں سوسائٹی کو متعلقہ محکمے
سے رجسٹریشن کے ساتھ ہی گرانٹ بھی مل گئی۔
گرانٹ کی رقم ہاتھ آتے ہی محسن نے محمد علی سوسائٹی کے اس
بنگلے میں دفتر قائم کیا اور ان ہی دنوں نسیم کو کل وقتی سیکریٹری کے
طور پر ملازم رکھ لیا۔ کام کی ابتدا برائے نام معاوضے پر سوشیالوجی کے
طلبہ اور طالبات کی جزوقتی خدمات سے ہوئی۔ مختلف آبادیوں کے
سروے کے دوران میں بہت سے پرجوش رضاکار بھی فراہم ہوگئے
پھر سروے رپورٹوں کے اعداد و شمار کی مدد سے اثر انگیز کتابچے چھپوائے
گئے جو سرکاری محکموں کے ساتھ اچھی شہرت رکھنے والے مخیر شہریوں
اور اداروں کو بھی ارسال کیے گئے۔ اس کے بعد وزارتِ صحت و
سماجی بہبود کے اس بڑے افسر کی صدارت میں ایک ہوٹل میں عصرانے
کے ساتھ انسداد اور ترک منشیات پر ایک تقریب منعقد کی گئی جس
میں معززین شہر بھی مدعو کیے گئے تھے۔ جلسے میں خطیر عطیات دیے گئے
کیوں کہ پروگرام بہت مؤثر اور کامیاب رہا تھا اور یوں ایڈکشن
کیور سوسائٹی ابتدا ہی سے مستحکم بنیادوں پر چل نکلی۔
دو ڈھائی سال بعد محسن کا وہ محسن رشتے دار اپنے عہدے
سے ریٹائر ہوگیا لیکن ایڈکشن کیور سوسائٹی کا نام تمام اہم سرکاری
محکموں کی فائلوں میں درج ہو چکا تھا للذا اپنے ماضی کی بنیاد پر
اسے تمام سرکاری رعایتیں ملتی رہیں اور رفتہ رفتہ سوسائٹی کی سالانہ
آمدنی کئی لاکھ روپے تک پہنچ گئی۔ اس کے تحت شہر کے تین علاقوں
میں منشیات کے عادی مریضوں کے علاج کے لیے مراکز قائم تھے،
جہاں اعزازی اور تنخواہ یافتہ ماہرین باری باری بیٹھتے تھے۔
سوسائٹی کے ساتھ ساتھ محسن کی کاروباری مصروفیات بھی
بڑھتی چلی گئیں لیکن سوسائٹی سے اس کی وابستگی برقرار رہی۔ اس
نے اپنی کوششوں سے سوسائٹی کے اسپتال کے لیے حکومت۔۔۔۔
سے ڈیڑھ ایکڑ زمین بھی حاصل کرلی تھی لیکن فنڈز کی کمی کے باعث
اس وسیع پلاٹ پر ایک کمرے اور سائبان سے زیادہ کچھ نہ بن سکا
تھا۔ سوسائٹی کے نام پر امپورٹ ڈیوٹی اور سیلز ٹیکس کی ادائیگی

سے مستثنیٰ بعض آلات اور مشینیں درآمد کے بعد بقول نسیم کے... بے مصرف پڑی ہوئی تھیں لیکن مجھے یقین تھا کہ ان سے محسن کا داماد کام لے رہا ہوگا۔

محسن اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ متعلقہ محکموں سے اس پلاٹ پر احاطے کے ساتھ دکانیں نکالنے کی اجازت مل جائے تو ان کی فروخت سے ہونے والی آمدنی سے اسپتال کی تعمیر کے کام کا آغاز کیا جا سکے۔ اسی کے ساتھ سوسائٹی اسپتال کی تعمیر کے لیے چندے کی فراہمی کی خصوصی مہم بھی شروع کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

نسیم نے بتایا کہ منشیات کے استعمال کی وبا خوفناک پیمانے پر فروغ پذیر تھی۔ غریب اور پسماندہ بستیوں کے ساتھ تعلیمی ادارے اور عزت دار خوشحال گھرانے بھی اس کی زد میں آئے ہوئے تھے جو بدنامی کے خوف سے عام مراکز سے رجوع نہیں کر سکتے تھے۔ ایسے لوگوں کی خاصی تعداد مشورے کے لیے سوسائٹی سے رجوع کرتی تھی۔ ایسے مریض عموماً محسن کے داماد سے اس کے نجی کلینک میں رازداری کے ساتھ علاج کو ترجیح دیتے اور یوں پُرامن بقائے باہمی کی بنیاد پر وہ سارا چکر چل رہا تھا۔

دو ہفتے بعد سوسائٹی کی جانب سے ایک اسٹڈی گروپ لیاری کے علاقے میں منشیات کی خرید و فروخت اور کھپت کے بارے میں ایک خفیہ سروے کرنے والا تھا۔ گروپ کے اراکین اپنی حیثیت اور مقاصد کا اظہار کیے بغیر مقامی آبادی میں گھل مل کر معلومات حاصل کرتے۔ میرے لیے نجی سطح پر کام کے انداز کو دیکھنے کا وہ ایک اچھا موقع تھا لہٰذا جب نسیم نے جھجکتے ہوئے مجھے اسٹڈی گروپ میں شمولیت کی دعوت دی تو میں بلا تامل تیار ہو گیا۔

میں وہاں سے روانہ ہوا تو نسیم میرا گرویدہ ہو چکا تھا اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں غزالہ کی ماں اور کامران کے سلسلے میں محسن کے داماد سے ضرور رجوع کروں گا تاکہ ان کے علاج کے ساتھ ہی اس شخص کو بھی قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع مل سکے۔

میں نے کار گلی میں گھمائی تو تاریک شیشوں والی سرخ کرولا کو اپنے مکان سے ذرا پہلے کھڑا دیکھ کر چونک پڑا۔ میرے لیے وہ کار نئی نہیں تھی۔ میں ایک سے زائد بار سہی دن کو اس میں دیکھ چکا تھا لیکن مجھے اس کی کار کا نمبر یاد نہیں تھا لہٰذا میں نے سر جھٹک دیا۔ شہر میں اس رنگ اور ماڈل کی تاریک شیشوں والی نہ جانے کتنی کاریں رہی ہوں گی۔ وہ ایک اتفاق بھی ہو سکتا تھا پھر سہی دن کو میرے پاس دوڑے آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اپنے تعاقب میں لگے ہوئے اس کے آدمی کی بے رحمی سے مرمت ضرور کی تھی لیکن اس بارے میں وہ آپریٹس پر بھی بات کر سکتا تھا۔

لیکن پورچ میں گاڑی سے اترتے ہی جب مجھے بتایا گیا کہ ڈرائنگ روم میں کوئی ملاقاتی ڈیڑھ گھنٹے سے میری واپسی کا انتظار کر رہا ہے تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ باورچی نے بتایا کہ خطرناک صورت والا ملاقاتی زبردستی انتظار کرنے پر مُصر تھا۔ اس نے دو تین مرتبہ میری تلاش میں فیکٹری بھی فون کیا تھا۔ گھر میں ایک ہی نمبر پر دو لائنیں ہونے کا واضح نقصان تھا کہ ملازمین کسی گستاخ ملاقاتی کو فون استعمال کرنے سے نہیں روک سکتے تھے۔ میں خواب گاہ میں جانے کے بعد ڈرائنگ روم والے فون کا سلسلہ منقطع کر دیتا تھا۔ یہ بات ملازم بھی جانتے تھے لیکن میری عدم موجودگی میں خواب گاہ مقفل ہونے کے باعث وہ کچھ بھی نہ کر سکے تھے۔

سہی دن ڈرائنگ روم میں داخلی دروازے کے عین مقابل براجمان تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ صوفہ چھوڑ کر اٹھ گیا۔ میں دروازے ہی میں رُک کر خشک نگاہوں سے اسے گھورنے لگا پھر سرد لہجے میں بولا۔ "تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"مجبوری۔" اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "مجھے یوں نہ گھورو، اندر چلے آؤ۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

"تم آپریٹس پر بھی بات کر سکتے تھے۔" میں نے اندر داخل ہوتے ہوئے دھیمے مگر ترش لہجے میں کہا۔

"تم نے اس پر رابطے سے منع کر دیا تھا۔" وہ سنجیدہ ضرور تھا لیکن اس کے انداز سے بے پروائی مترشح تھی جیسے اسے میرے ردِعمل کی کوئی فکر نہ ہو۔

"خوب۔" میں نے بیٹھتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "اور گھر پر دوڑے چلے آنے کی اجازت دے دی تھی؟ گھر معلوم تھا تو تم فون نمبر معلوم کر کے اس پر بھی بات کر سکتے تھے۔"

میرے چبھتے ہوئے لہجے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ ایک گہرا سانس لے کر میرے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"میں آیا تو کسی اور کام سے ہوں لیکن یہ بتا دوں کہ آج تم نے اچھا نہیں کیا۔" وہ بغور میری طرف دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔

"کیا اچھا نہیں کیا؟" میں نے انجان بن کر کھائی سے سوال کیا۔

"اسے اسپتال میں داخل کرانا پڑا ہے۔" وہ دھیمے اور پُرسکون انداز میں بولا۔ "تم نے میرے آدمی سے الجھ کر مجھ سے مخاصمت مول لینے کی کوشش کی ہے۔ تمہیں کیا ضرورت تھی اس پر ہاتھ اٹھانے کی؟"

"اوہ!" میں نے ہونٹ سکیڑ کر متحیر زدہ آواز میں کہا۔ "تو وہ سیاہ کار والا بھی تمہارا ہی آدمی تھا؟"

میری کامیاب اداکاری پر وہ سٹپٹا گیا اور اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔ "تو تمہیں شبہ تھا اس پر؟"

"شبہ۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "میرے تو وہم و گمان

ں نہ تھا کہ وہ تمھارا آدمی ہوگا۔ اس وقت حالات مخدوش ہیں۔
ہدایت شاید تمھیں بھی یاد ہوگی۔ پھر آج کے اخبارات دیکھنے
کے بعد تو میں ضرورت سے زیادہ چوکنا ہوگیا تھا۔ تمھارے آدمیوں
کو میں پہچانتا ہوں۔ سیاہ کار والے کو کسی گمنام دشمن کا ہرکارہ
سمجھ بیٹھا تھا۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ میں مسلح نہیں تھا اور وہ بہت
خوش قسمت جوان تھا ورنہ میں تو اسے ختم ہی کرنے پر تل گیا تھا۔"

اس کا چہرہ بگڑ گیا۔ جیسے مٹھاس کے دھوکے میں اس نے
کوئی کڑوی چیز چبا ڈالی ہو۔ "تم دشمن بھی سمجھے تھے تو اس سے الجھنے
کی کیا ضرورت تھی.... پیچھا چھڑا کر نکل جاتے۔ ان حالات میں ذرا سی
غلطی گردن کا پھندا بن سکتی ہے۔ اگر پولیس کی کوئی گشتی پارٹی
ادھر آ نکلتی تو کیا ہوتا۔ شاید تم طارق اور سکندر علی کا انجام بھول
گئے ہو۔"

"مجھے سب کچھ یاد ہے اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔" میں
نے سرد لہجے میں کہا۔ "مجھ پر اسی وجہ سے خون سوار ہوا تھا۔ میں یہ
برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ کسی دشمن کی نگاہوں میں آ جاؤں، جہاں
میں نے اسے گھیرا، وہ علاقہ میرا دیکھا بھالا ہے۔ اس کی چیخوں پر
مداخلت کا امکان پیدا ہوتے ہی میں بھاگ نکلا تھا۔" پھر فیصلہ کن
لہجے میں بولا۔ "جب تمام سرگرمیاں موقوف کرا دی گئی ہیں تو تعاقب
کا سلسلہ بھی فوراً بند ہونا چاہیے۔ ویسے بھی تمھارے آدمی اتنے
اناڑی ہیں کہ آسانی سے نگاہوں میں آ جاتے ہیں۔ آئندہ کے لیے یا
تو اپنے ہر آدمی کا چہرہ دکھاؤ یا انھیں محتاط رہنے کا مشورہ دو
ورنہ میرے ساتھ دوبارہ ایسی غلط فہمی پیش آ سکتی ہے اور اس
کا انجام خونریزی سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔"

"تم نے ابھی آج کے اخبارات کا حوالہ دیا تھا۔" وہ قدرے
توقف کے بعد ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "شاید تم بھی اسی نتیجے
پر پہنچے ہوگے کہ بی۔ ون ختم ہوگیا۔ ایم۔ ٹی تھری ہنڈرڈ کے
ذریعے ہم لوگوں کے لیے یہ بات راز نہیں رہی ہے۔ عام حالات
میں وہ تمھارے مشوروں کا پابند تھا لیکن خصوصی حالات میں
اسے بی۔ ون سے براہ راست ہدایات ملتی تھیں۔ اس کے آخری
انجام سے واقف ہونے کے بعد کل میں نے اے۔ ٹو سے رابطہ
قائم کیا تھا۔"

وہ خاموش ہو کر سگریٹ سلگانے لگا اور میں متجسس انداز
میں اس کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ سگریٹ کے دو گہرے
کش لے کر وہ میری طرف مخاطب ہوا۔ "کل تمھاری بھی تو اے۔ ٹو
سے بات ہوئی تھی؟" اس کا لہجہ پُر اعتماد اور تائید طلب تھا۔ میں
جواباً محض سر ہلا کر رہ گیا۔

"اس نے مجھے ہدایت کی ہے کہ کنارہ کشی کی اس عبوری مدت
میں بھی معمول کے مطابق میرے آدمی وقتاً فوقتاً لوگوں کی نقل و حرکت
پر نگاہ رکھیں گے۔ بی۔ ون کی موت کی خبریں آ جانے کے بعد میں
فی الحال براہ راست اے۔ ٹو کو جواب دہ ہوں۔ اس لیے میرے
آدمیوں کے بارے میں تمھیں مشورہ دینے کی ضرورت نہیں البتہ
آئندہ کی کسی غلطی کے ازالے کے بارے میں تمھاری تجویز معقول ہے،
میں اپنے آدمیوں سے کڑی باز پرس کروں گا کہ تمھاری نگاہوں سے
خود کو کیوں محفوظ نہ رکھ سکے۔

"میرے پاس وقت کم ہے۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ
ڈالتے ہوئے کہا۔ "تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تمھارے یہاں
آنے کا مقصد کیا تھا۔ میری دانست میں تم نے یہاں آ کر بہت بڑی
بے اعتدالی کا ارتکاب کیا ہے۔"

"مجھے احساس ہے۔" اس نے نیم باز آنکھوں سے میری طرف
دیکھتے ہوئے اعتراف کیا۔ "لیکن میں شدید الجھن سے دوچار ہوں۔
شاید کل تم نے اے۔ ٹو سے رخشی نامی لڑکی کی شکایت کی تھی۔ میں یہ
جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے آخری بار اسے کہاں دیکھا تھا؟"

اس کی سنجیدگی اور تشویش پر میں اس کی کامیاب اداکاری
کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ "اس سے کیا تعلق ہے تمھارا؟"

"اے۔ ٹو نے اسے ٹھکانے لگانے کا حکم دیا ہے لیکن میں سارے
شہر کی خاک چھان کر بھی اس کا سراغ نہیں لگا سکا۔ وہ کل شام سے
لاپتا ہے۔ تم نے اسے کہاں چھوڑا تھا؟"

میرا جی چاہا کہ اسے اس کی اداکاری پر کھری کھری سنا ڈالوں۔
میں نے رخشی سے ملنے والے نمبر پر فون کیا تو قاسم کے روپ میں بی۔ ون
کی آواز صاف پہچانی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ میں نے اس پر اپنی
شناخت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ میں اسے بتا چکا تھا کہ میں نے رخشی
کو مدہوش حالت میں انڈس ہوٹل میں چھوڑا تھا جہاں مقفل کمرے کی
چابی اندر ہی کھسکا دی تھی تاکہ وہ ہوش میں آ کر خاموشی سے واپسی کی
راہ اختیار کر سکے لیکن مجھے زبان بند ہی رکھنی پڑی۔ اس مرحلے پر میری
زبان سے طنز آمیز انکشاف سن کر وہ سوال کر سکتا تھا کہ میں نے اس
کی آواز پہچان ہی لی تھی تو اسی وقت معاملہ صاف کیوں نہیں کیا تھا؟

"انڈس ہوٹل کے کمرہ نمبر ایک سو دو میں وہ نشے میں دھت
پڑی ہوئی تھی۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"یہ تو تم مجھے بتا ہی چکے تھے۔" اس نے گہرا سانس لے کر کہا اور
میں چونک پڑا۔

"کب؟" میں نے تحیر زدہ انداز میں سوال کیا۔ "اس موضوع پر
تو تم سے میری بات ہی نہیں ہوئی تھی۔"

"تمھیں پوری بات ہی بتانا پڑے گی۔" وہ کمزور لہجے میں بولا۔
"دراصل وہ میرے ہی گھر میں رہ رہی تھی لیکن مجھے اس کی مصروفیات

کا قطعی علم نہیں تھا کیوں کہ میں خود اپنے کاموں کے سلسلے میں دن بھر بلکہ رات گئے تک گھر سے باہر رہتا ہوں۔ مجھے ذرا بھی علم نہیں کہ وہ تمھارے پیچھے کیوں لگی تھی اور اسے اس کام پر کس نے اکسایا تھا؟ کل رات تم نے اس کے بارے میں فون پر مجھے دھمکیاں دیں تو میں نے تمھاری آواز پہچان لی تھی۔ میرا خیال تھا کہ تم بھی میری آواز شناخت کر لوگے لیکن تم اس معاملے میں بالکل ہی اناڑی ثابت ہوئے۔ وہ رات بھر گھر نہیں لوٹی۔ اسی اثنا میں مجھے اے۔ ٹو سے اس کے بارے میں ہدایت مل چکی تھی۔ اکتا کر تین بجے میں نے ہوٹل فون کیا تو معلوم ہوا کہ زخشی رات سوا دو بجے سراسیمگی کے عالم میں وہاں سے ایک ٹیکسی میں روانہ ہوئی تھی اور اب میں اس کی تلاش میں ہوں۔"

"تو قاسم کے رُوپ میں فون پر تم ہی تھے؟" میں نے حیرت سے کہا لیکن حقیقی معنوں میں مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ اس نے کس مصلحت کے تحت میرے سامنے حقیقت کے اظہار کا فیصلہ کیا تھا؟

شاید اسے شبہ ہو گیا تھا کہ میں نے فون پر اس کی آواز پہچان لی تھی۔ اس طرح زخشی کے اعترافات کی روشنی میں سی ون کی طرف سے میرا بدظن ہونا لازمی تھا۔ اس نے میری نگاہوں میں اپنا مقام برقرار رکھنے کے لیے خود ہی بات کھول دی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی تھی کہ زخشی کا مجھ سے ٹکرانا اس کے یا تنظیم کے کسی پروگرام کا حصہ نہیں تھا جب کہ میرے لیے یہ بات ہر شبے سے بالاتر تھی کہ تنظیم کے کسی ذمے دار رکن نے سکندر علی کے بعد زخشی کو بالواسطہ طور پر میرے سر پر مسلط کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ اس کے ذریعے میری جملہ مصروفیات پر نگاہ رکھی جا سکے۔

"رُوپ کیا؟ میرا نام ہی قاسم ہے۔" اس نے خفت آمیز انداز میں کہا۔ "اب تم یہ بتاؤ کہ میں اسے کہاں سے پیدا کروں؟"

"تم ہوٹل سے تصدیق کر چکے ہو کہ میرا بیان درست تھا۔ وہ دونوں مرتبہ مجھے سڑک پر ہی ٹکرائی تھی۔ مجھے اس کے بارے میں ایک فون نمبر کے علاوہ کچھ بھی معلوم نہیں ہے اور وہ نمبر بقول تمھارے تمھارا اپنا ہے۔ ویسے میں اسے بالکل فراموش کر چکا ہوں کیوں کہ اے۔ ٹو نے مجھے یہی حکم دیا تھا۔ اس کے مطابق اب زخشی کو دیکھنا تمھاری ذمے داری ہے۔"

"میں دوستانہ حیثیت میں تمھارے پاس آیا ہوں۔" وہ مصالحانہ لہجے میں بولا۔ "آج تک ایسا نہیں ہوا کہ مجھے کوئی حکم ملا ہو اور میں اس کی تعمیل سے قاصر رہا ہوں۔ رات گئے اس کا نشہ اتر بھی گیا تھا تو ذہن ضرور دھندلایا ہوا ہوگا۔ ایسی حالت میں اسے سیدھا گھر واپس آنا چاہیے تھا لیکن اس کا تو سراغ ہی نہیں مل رہا۔"

"ویسے وہ عورت ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس کی پراگندہ ذہنیت بھانپ کر ڈرائیور کو شرارت سوجھی ہو۔ تمھیں انڈس ہوٹل سے ٹیکسی ڈرائیور کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہییں۔"

"مجھے بھی یہ شبہ ہوا تھا۔ میں ڈرائیور تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ بال بچے دار شریف آدمی ہے۔ اس کے ہاتھ صاف ہیں۔ اس نے زخشی کو ائیر پورٹ کے ایک ہوٹل پر اتارا تھا۔" ایک لمحے کے لیے رُک کر اس نے سگریٹ کا کش لیا۔ پھر تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں نے کوئی امکان نظر انداز نہیں کیا لیکن ٹیکسی سے اترنے کے بعد کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ ٹیکسی کو ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں لے جانے کے بجائے پھاٹک کے قریب سڑک ہی پر اتر گئی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے اسے نیم تاریک احاطے میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ٹیکسی کے روانہ ہوتے ہی دوبارہ باہر آگئی ہو۔"

"وہ خطرناک نیت سے میرے پیچھے لگی تھی۔ اس لیے ہوش میں آتے ہی خود کو کمرے میں مقفل پا کر سمجھ لیا ہوگا کہ شراب پی کر اس نے غلطی کی تھی۔ شاید وہ اس غلطی کے انجام سے بھی بے خبر نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے کہ جان کے خوف سے روپوش ہو گئی ہو۔" میں نے اس سے اپنی جان چھڑاتے ہوئے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

قاسم یاسی۔ ون کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی جیسے وہ باتوں میں اُلجھا کر میری زبان سے وہی نتیجہ سننے کا منتظر رہا ہو۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اگر وہ کہیں نظر آجائے تو فوری طور پر مجھے اطلاع دے دینا... حالات تمھارے سامنے ہیں لیکن اس کی تلاش میں تاخیر کو ہر صورت میں میری نااہلی سمجھا جائے گا۔"

"لیکن یہ بات ابھی تک صاف نہیں ہوئی کہ تم یہاں کیوں دوڑے چلے آئے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "کیا تم یہ سمجھ رہے تھے کہ میں نے اسے اغوا کر کے قید کیا ہوا ہے؟"

"ارے نہیں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "زخشی کے معاملے میں اے۔ ٹو نے بہت اختصار سے کام لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ تم سے مل کر معلومات میں کچھ اضافہ ہو سکے گا اور ہاں، اب آ ہی گیا ہوں تو یہ بھی سن لو کہ کسی مشن کے لیے تم جن آدمیوں کا انتخاب کرنے والے ہو، ان کے کوائف سے مجھے باخبر کر دینا تاکہ میں ان کے بارے میں تحقیقات کر کے تمھیں باخبر کر سکوں کہ وہ کس حد تک قابل اعتماد ثابت ہوں گے۔"

"لیکن اس بارے میں مجھے تو کچھ نہیں بتایا گیا۔" میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

"میں نے ہدایت تم تک پہنچا دی۔ عمل کرنا یا نہ کرنا تمھاری اپنی ذمہ داری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اے۔ ٹو کو یہ نکتہ بعد میں یاد آیا ہو۔ ہنگامی حالات میں ایسی گڑبڑ ہو ہی جاتی ہے۔"

اس کے بعد وہ تو چلا گیا لیکن میرے ذہن میں کئی بڑے بڑے

شان اُبھر آئے۔
بظاہر زخشی کے غائب ہونے کی معقول وجوہ موجود تھیں، جب
ندعلی تنظیم میں ڈی۔ فور کے عہدے پر فائز رہا، وہ مسلسل اس کے
ملط رہی۔ پھر اسی نے سکندر علی کے مکان میں چوری کی خبر
پہنچائی۔ اس دوران میں وہ دیکھ چکی تھی کہ کچھ لوگوں کی
میں آجانے کے باعث طارق کو انتہائی غیر جذباتی انداز میں
یا قاسم کے ہاتھوں ہلاک کرادیا گیا۔ پھر حفاظتی انتظامات سے
کے جرم میں سکندر علی کی جملہ خدمات کو فراموش کر کے معزول کر
دہ خود قاسم جیسے سفاک قاتل کے پاس پناہ گزیں ہوگئی۔ وہ
سے اچھی طرح واقف رہی ہوگی کہ وہ میری بادہ نوشی میں
ہوکر غلطی کی مرتکب ہوئی تھی اور میں نے زبردستی اسے اتنی
فی کہ وہ ہوش و حواس پر قابو نہ رکھ سکی۔ اس بے اعتدالی کی وجہ
معلومات حاصل کرنے کا سنہری موقع کھو چکی تھی، جس کی سزا
بھیانک ہوسکتی تھی اور وہ اس انجام سے بچنے کے لیے روپوش
لیکن میرا ذہن اس مفروضے کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔
قاسم نے زخشی کے بارے میں خاصی مکاری سے کام لیا تھا لیکن
رویے سے مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ زخشی کے معاملے
اپنی بے بسی کا گواہ بنانے آیا ہو۔ یہی سوچتے سوچتے اچانک
ال آیا کہ کہیں قاسم نے خود ہی زخشی کو نہ چھپا دیا ہو۔ ان دونوں
ہی مراسم تھے، اس بارے میں زخشی کا بے راہ رو ہونا میرے نزدیک
تھا۔ شاید قاسم زخشی کی تمام مجبوریوں اور کمزوریوں کو جاننے کے
دل کے ہاتھوں مجبور تھا اور جب اسے اے۔ فور کی جانب سے
کے بارے میں آخری حکم ملا تو اس نے حکم کی تعمیل کے بجائے زخشی کو
اور اس کی روپوشی کا ڈھونگ رچا کر میرے پاس دوڑتا چلا آیا تاکہ
بے گناہی کا گواہ بنا سکے۔
کھانے کے دوران میں میرا ذہن اسی گتھی میں اُلجھا رہا۔ پھر میں
اور پر اس معاملے کو دیکھنے کا فیصلہ کرلیا۔ سلطان شاہ کو میں ایک ہزار
فیس ادا کرچکا تھا۔ اس کا پتا میرے پاس موجود تھا۔ میری دانست
سے کام لینے کا وقت آگیا تھا۔
کھانے سے فارغ ہوکر میں پٹھان کالونی کی طرف روانہ ہوگیا۔
وہ گنجان آباد علاقہ میرے لیے نیا نہیں تھا تو اتنا مانوس
بھی تھا۔ ان دنوں ندی پر نیا پل تعمیر نہیں ہوا تھا اور سارا
ندی میں بنی ہوئی کھنڈر نما شکستہ اور ناہموار سڑک سے گزرتا
کی وجہ سے اس راستے پر تقریباً ہر وقت ٹریفک کا اژدہام رہتا
گلشن اقبال اور ناظم آباد سے ساٹھ ہوتا ہوا وہاں پہنچا اور
گاڑی نے بائیں ہاتھ پر اس مختصر سے ناہموار میدان میں پارک
ملک کے شمالی علاقوں کے لیے روانہ ہونے والی بسوں کا

اڈہ بنا ہوا تھا۔
کار کے دروازے مقفل کرکے میں پلٹا ہی تھا کہ دس گیارہ برس
کی عمر کا ایک سرخ و سفید بچہ میرے قریب آپہنچا اور شکستہ لیکن دھیمے لہجے
میں بولا "صاحب مال چاہیے؟ بڑھیا سلاجیت اور چرس دیکھے گا تو تیرا
طبیعت خوش ہوجائے گا!"
میدان میں چارپائیوں پر بیٹھے اور لیٹے ہوئے لوگوں کے لیے
نئی کار کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ ہر ایک بے فکری سے اپنی مصروفیات
میں کھویا ہوا تھا۔ پشاوری طرز کے مخصوص چائے خانوں میں چولھوں پر چڑھی
تام چینی کی کیتلیوں سے نکلنے والی بھاپ فضا میں دُور تک پھیل رہی تھی لیکن
اس کمسن لڑکے کی گفتگو مجھ تک محدود تھی۔ البتہ میں نے تقریباً فوراً ہی یہ
بھانپ لیا تھا کہ ایک دکان کے سامنے افغان طرز کے لباس میں ملبوس
ایک شخص پتھر پر بیٹھا میری طرف دیکھ رہا تھا۔
میرا دل چاہا کہ بات آگے بڑھا کر کم از کم غیر روایتی انداز میں دکاندار
سے ہی واقفیت حاصل کی جائے لیکن میرے پاس وقت کم رہ گیا تھا۔
میں اس لڑکے کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔
سڑک نما کھنڈرات کے کنارے کنارے بلندی سے بہہ کر آنے
والے گندے پانی کی متعفن نالیوں سے بچ کر تھوڑی دُور بڑھنے کے
بعد ہی مجھے وہ درزی خانہ نظر آگیا جہاں مجھے طوطی خان سے ملنا تھا۔
اس دکان کے ساتھ والی گلی میں داہنے ہاتھ پر ساتواں دروازہ سلطان شاہ
کے گھر کا تھا۔ دکان مل جانے کے بعد میں چاہتا تو با[illegible]نی براہ راست
اس کے دروازے پر دستک دے سکتا تھا لیکن اس نے مجھے بتا دیا تھا
کہ پہاڑی پتھروں اور گارے سے بنی ہوئی اس آبادی میں کسی اجنبی
کا دروازے پر دستک دینا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ بے وقت کی
مجبوری اور بات تھی لیکن اس وقت خود کو گلی میں سلطان شاہ کے
پڑوسیوں کی نگاہوں کا مرکز بنانا مناسب نہیں تھا۔
طوطی خان پگڑی اور واسکٹ میں ملبوس ایک باریش نوجوان
ثابت ہوا جو مشین کے عقب میں بیٹھا انہماک کے ساتھ سلائی میں
مصروف تھا۔ میرے استفسار پر اس نے داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کاجل
بھری آنکھوں سے میرا جائزہ لیا پھر مطلع کیا کہ وہ خود ہی طوطی خان
تھا۔ سلطان شاہ سے ملاقات کا مدعا سنتے ہی اس نے پلٹ کر پشتو
میں ایک لڑکے کو کچھ ہدایت دی اور وہ استری کا پلگ نکال کر فوراً ہی
گلی میں دوڑتا چلا گیا۔
طوطی خان نے لکڑی کا ایک شکستہ اسٹول مختصر سی دکان کے
باہر پتھروں سے بنے ہوئے چبوترے پر رکھ دیا۔ اس نے چائے پلانے
پر اصرار کیا لیکن میں نے عجلت کا بہانہ کرکے اسے ٹال دیا۔ پھر بھی اس
میں آتنا اخلاق پایا جاتا تھا کہ جب تک سلطان شاہ نہیں آیا، وہ کام چھوڑ کے
میری طرف متوجہ رہا کیوں کہ میں اس کا گاہک نہیں بلکہ اس کا مہمان تھا۔

سلطان شاہ کو دیکھتے ہی میں طوطی خان سے گرمجوشی سے ہاتھ ملا کر ستکی چبوترے سے نیچے اتر آیا اور سلطان شاہ کو ساتھ لے کر اپنی کار کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ تم مجھے بھول ہی گئے۔" سلطان شاہ پُرمسرت لہجے میں بولا۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ "کچھ دن اور نہ آتے تو میں دوسرے کام کی تلاش شروع کر دیتا۔"

"ایسی حماقت نہیں کرو گے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "تمہیں وقت پر تنخواہ ملتی رہے گی۔ چھوڑنا ہوگا تو پہلے بتا دوں گا۔"

"لیکن صاحب تنخواہ کے ساتھ کام بھی تو ہونا چاہیے۔" اس نے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔ "گھر پر پڑے پڑے ہاتھ پیروں میں زنگ لگ رہا ہے۔ زیادہ دن گھر پر پڑا رہا تو دیکھنے والے شبہ کرنے لگیں گے کہ میرے پاس اخراجات کے لیے رقم کہاں سے آ رہی ہے۔"

"عقل سے بھی ادھورے ہی ہو۔ اتنے بڑے شہر میں دو چار گھنٹے کہیں بھی گزار سکتے ہو۔ ویسے اب تمہارے لیے کام نکل آیا ہے۔" میں نے کہا۔

کار میں اسے ساتھ لے کر واپس روانہ ہوتے ہوئے میں نے اسے رخشی کے بارے میں ہر وہ امکانی شناخت بتانی شروع کر دی جو اس وقت مجھے یاد تھی۔ قاسم کے بارے میں مجھے اتنا زیادہ نہیں بتانا پڑا۔ اس کا چہرہ اتنا خوفناک اور منفرد تھا کہ اسے ہزاروں کی بھیڑ میں بھی آسانی سے پہچانا جا سکتا تھا۔

قاسم کا پتا میں نمبروں کی ترتیب والی ٹیلیفون ڈائرکٹری سے پہلے ہی نوٹ کر چکا تھا۔ جب سلطان شاہ کو یہ معلوم ہوا کہ اس پتے پر رہنے والے بدصورت شخص کے ذریعے اسے لڑکی کا سراغ لگانا ہے تو وہ پُرجوش نظر آنے لگا۔ میں نے اسے اس امکان سے بھی باخبر کر دیا تھا کہ رخشی کہیں قاسم ہی کے گھر میں روپوش نہ ہو۔

وہ آدمی قابلِ اعتماد تھا للٰہذا میں نے اسے اپنا فون نمبر یاد کرا دیا۔ اس نے نمبر نوٹ کرنا چاہا تو میں نے اسے سختی سے منع کر دیا۔ اس مہم میں اگر وہ پھنس جاتا تو اس کے پاس سے برآمد ہونے والا نمبر فوری طور پر میرے اور اس کے تعلق کی نشاندہی کر سکتا تھا۔ رازداری اور احتیاط کے بارے میں اسے مختصر سا لیکچر دے کر میں نے اسے لسبیلہ پر اتار دیا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق اسے آٹھ بجے فون پر مجھے اپنی کارکردگی کی اطلاع دینا تھی۔

میں ساڑھے چار بجے انڈس ہوٹل پہنچ گیا۔ وہاں منیجر مجھے دیکھتے ہی میری طرف لپکا تھا۔ اس نے رات گئے رخشی کی واپسی کے بارے میں بتاتے ہوئے اپنی دانست میں انکشاف کیا کہ صبح تین بجے کسی شخص نے ہوٹل فون کر کے رخشی کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کی تھیں جس میں رخشی کو لے جانے والی ٹیکسی کا نمبر بھی شامل تھا۔ رخشی کی بے وقت روانگی کے باعث استقبالیہ کلرک نے احتیاطاً نوٹ کر لیا تھا۔

"سب ٹھیک ہے تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں بے پروایانہ انداز میں اسے تسلی دیتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا لیکن وہ میرے پیچھے ہی لگا چلا آیا۔

"اور سر ایک فون اور آیا تھا ابھی تھوڑی دیر پہلے۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "وہ جاننا چاہتا تھا کہ آپ ہوٹل کے کس کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"ہاں، میرے پاس چار پانچ مہمان آنے والے ہیں۔" میں نے مڑ کر کہا۔ "ان ہی میں سے کوئی رہا ہوگا۔"

اس سے جان چھڑا کر اپنے کمرے میں پہنچا تو میرے ذہن پر ایک بوجھ سا سوار تھا۔ اگر قاسم یاسین واقعی رخشی کی محبت میں مبتلا تھا تو میرے لیے ایک الجھن کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسے یقینی طور پر یہ بات پسند نہ آئی ہوگی کہ میں نے رخشی کی چال اس حد تک اسی پر لوٹا دی تھی کہ .... اے۔ ٹو نے اس کے لیے سزائے موت کا فیصلہ صادر کر دیا تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ قاسم نے اے۔ ٹو کی حکم عدولی کا الزام اپنے سر لیے بغیر رخشی کو بچانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور غالباً خود ہی اسے کوئی کمیں گاہ فراہم کر کے اس کے لاپتا ہونے کی کہانی اس چالاکی سے پھیلا رہا تھا کہ اس کی تلاش کی مصنوعی مہم میں اس نے ہر اس شخص سے رابطہ قائم کر لیا تھا جو پچھلی رات کسی بھی طرح رخشی سے مل چکا تھا۔

رخشی کے بارے میں میرے محتاط رویے پر وہ دل ہی دل میں مجھ سے بدظن ضرور رہا ہوگا لیکن ایک تنظیم سے وابستگی کی بنا پر وہ کھل کر مجھ سے مخالفت مول نہیں لے سکا تھا کیوں کہ رخشی کے معاملے میں اے۔ ٹو کی ہدایت نے مجھے تحفظ فراہم کر دیا تھا لیکن میں اس وقتی کامیابی پر بالکل مطمئن نہیں تھا۔ قاسم میرے لیے دوست کے روپ میں چالاک دشمن کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اور وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے مجھ پر بے خبری میں کوئی مہلک وار بھی کر سکتا تھا۔

معاملہ اگر دوبدو تصادم کا ہوتا تو شاید مجھے اپنی فکر لاحق ہوتی۔ ایسی صورت میں طاقت اور ذہنی صلاحیتوں کے استعمال سے ہر خطرے کا تدارک کیا جا سکتا تھا لیکن موجودہ حالات میں صرف محتاط روی ہی کام آ سکتی تھی کیوں کہ میرے پاس اس کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں تھا۔ الیکٹرانکس اور دوسرے جدید حربوں کے بارے میں قاسم کی مہارت کا مظاہرہ میں جیوا ہاؤز کے تین نمبر کمرے میں ایم ٹی تھیا ہینڈسیٹ کی منتقلی وغیرہ کے موقع پر دیکھ ہی چکا تھا۔ اس کے لیے فوٹو سیشن سے کیمرے اور ٹیپ ریکارڈر کے بجائے کوئی بھی ہتھیار منسلک کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

ہاں اگر مجھے کسی طرح یہ ثبوت مل جاتا کہ زخشی واقعی اس کی
تحویل میں ہے تو نہ صرف میں خود براہ راست قاسم کی گوشمالی کر سکتا
رہے۔ ٹوکو صحیح صورت حال سے آگاہ کر کے قاسم کے خلاف
محاذ تیار کر سکتا تھا اور اس کا تمام تر انحصار سلطان شاہ کی
بی پر تھا۔

میں اسی ادھیڑ بُن میں مبتلا تھا کہ فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا
ریسیور اٹھانے پر آپریٹر نے مجھے کسی عورت کی کال کی اطلاع دے
حیران کر دیا۔ اس نے لائن ملائی تو ابھی ہیلو کے جواب میں میں
کی آواز فوراً پہچان لی۔

"تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" اس کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔
بس اندازے کی غلطی ہوئی کہ تمھاری مکاری نہ سمجھ سکی۔ تم
باپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ البتہ میں تمھاری زندگی تلخ کر
گی۔"

"اچھا نہیں تو کچھ ایسا بُرا بھی نہیں کیا۔" میں نے کہا۔ "بگاڑنا چاہتا
قابل بھی نہ چھوڑتا کہ تم اپنی ٹانگوں پر چل کر ہوٹل سے جا سکو۔
باپ کو مرے ہوئے مدت گزر چکی ہے۔ وہ تمھیں کیوں یاد
؟"

"مجھے معلوم ہے کہ تمھاری حیثیت چوہے کے غلام سے زیادہ نہیں
اس کی آواز تحقیر آمیز ہو گئی۔ "تم جس کے اشاروں پر ناچتے ہو،
بتا دینا کہ میری پشت پر مضبوط لوگ ہیں ...

"بڑے بد ذوق لوگ ہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر
کے ساتھ قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ
کیوں بھولی ہو؟"

"تم احمق ہو، اس لیے مجھے چابی سمیت بے ہوش چھوڑ گئے
تمھارا آقا اس بات کو درگزر نہ کر سکے گا کہ اسکے کسی آدمی کی مخبری کا اعتراف
والی آزادی سے زندہ رہ سکے ... اب تم مجھ سے ہوشیار رہنا۔"

"پیشگی انتباہ کا شکریہ۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن میں
بتانا چاہوں گا کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی کسی عورت
نہیں اٹھایا ہے۔"

"اب عورت ہی تم پر ہاتھ اٹھائے گی۔" اس کے ساتھ ہی ...
طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور لائن بے جان ہو گئی۔

زخشی کا یوں فون پر دھمکیاں دینا میرے اندیشوں کی تائید
تھا۔ اگر وہ قاسم کو اعتماد میں لیے بغیر روپوش ہوتی تو اس قلیل سی
میں کسی کی پشت پناہی حاصل ہونا ناممکن تھا اور اسے خوف
عالم میں خاموشی کے ساتھ اپنی کمین گاہ میں روپوش رہنا چاہیے
اس طرح کچھ عرصے بعد اس کا نام بھی ذہن سے محو ہو سکتا تھا

لیکن وہ مجرموں کے سے پیشہ ورانہ انداز میں مجھے للکار بیٹھی تھی۔ ہر قسم کی دھمکیاں دینے کے باوجود اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ خود بھی میرے اوپر والوں کے تابع تھی اور اس نے سزا کے خوف میں روپوشی کے ساتھ بغاوت کی راہ اختیار کی تھی۔

اسے مجھ سے بدلہ لینا ہی تھا تو مجھے ہوشیار کیے بغیر بے خبری میں کوئی بھی وار کر سکتی تھی۔ اس کے فون کرنے کا مقصد کچھ اور ہی معلوم ہوتا تھا اور اس منصوبے کے پس پشت لازماً قاسم کا ذہن کار فرما تھا۔

اس نے زخشی کو روپوش ظاہر کرنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی لیکن وہ میرے لہو کا پیاسا ہو گیا تھا۔ مجھ پر کوئی وار کرنے سے پہلے اس نے مجھے زخشی سے دھمکیاں دلوائی تھیں۔ اسے امید رہی ہوگی کہ یہ خبر میرے ذریعے اسے۔ ٹو تک پہنچ جائے گی۔ پھر جب قاسم مجھ پر حملہ آور ہوتا تو اپنی ذات کو ہر شبہ سے بالاتر رکھتے ہوئے اس کارروائی کو زخشی کے حامیوں سے منسوب کر کے اسے۔ ٹو کی جوابدہی سے صاف بچ جاتا۔

اگر میرا یہ قیاس درست تھا تو وہ رات میرے لیے محفوظ تھی۔ قاسم مجھے اتنا وقت ضرور دیتا کہ میں رات کے ایک سے تین بجے کے درمیانی وقفے میں اسے۔ ٹو کو فون پر زخشی کی دھمکیوں کی اطلاع دے سکوں۔ اس دوران میں مجھے خوفزدہ کرنے اور زخشی کی دھمکی میں زور پیدا کرنے کے لیے کوئی چھوٹی موٹی کارروائی کی جا سکتی تھی جس میں شاید میرے لیے زیادہ خطرہ نہ ہوتا۔ ہاں اگلی صبح سے اس محاذ پر بھرپور کارروائی کا آغاز ہو سکتا تھا۔

میرے خیالات کا تسلسل زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا۔ دستک کے جواب میں میں نے دروازہ کھولا تو حامد حسبِ وعدہ تین نوجوان اور خوش پوش لڑکوں کے ساتھ موجود تھا۔ میں راستہ چھوڑ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ میری نگاہیں ناقدانہ انداز میں ان تینوں کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی تھیں۔

اس وقت پہلی بار مجھے اپنی ایک غلطی کا احساس ہوا یا شاید قاسم کے پیدا کردہ خطرات کے باعث میں زیادہ حساس ہو گیا تھا کہ ان تینوں کو ایک ساتھ طلب کرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ لاکھ قابلِ اعتماد ہوں لیکن تھے ناتجربہ کار نوجوان ہی۔ اگر ان میں سے کوئی ایک پکڑا جاتا تو تشدد کے نتیجے میں دوسروں کی نشاندہی بھی کر سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ انتخاب کے بعد ان میں سے کسی کو دوسروں کے پروگرام سے واقف نہ ہونے دوں گا۔

ان میں سے دو یونیورسٹی کے طالب علم تھے۔ تیسرا شہر کے ایک کالج میں زیرِ تعلیم تھا۔ وہ تینوں ہی حامد کے قابلِ اعتماد دوست تھے اور ہر قیمت پر دنیا دیکھنے کے متمنی تھے۔ ان میں سے ایک ایسا

تھا جو اچھے نمبروں کے باوجود میڈیکل کالج میں داخلہ لینے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا اور اب مجبوراً آرٹس کر رہا تھا۔ اس کی دلی تمنا تھی کہ کسی طرح برطانیہ یا یورپ پہنچ کر کسی طبی درس گاہ میں داخلے کی کوشش کر سکے کیوں کہ خط و کتابت کی طوالت میں اسے مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آیا تھا البتہ یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ذاتی طور پر بھاگ دوڑ کر کے کہیں نہ کہیں کامیابی ہو سکتی ہے۔

دوسرا لاابالی مزاج کا مالک نظر آتا تھا اور ہمیشہ زندگی کے ہلکے پھلکے رخ پر نگاہ رکھنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ تیسرے کی طبیعت میں ادبافتی کا عنصر نمایاں تھا۔ شاید وہ مغربی ممالک کی نام نہاد آزادیوں کے قصے سن سن کر ان سے لطف اندوز ہونے پر تلا ہوا تھا لیکن ان سے گفتگو کے بعد میں حامد کے انتخاب کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا... انسانوں کی پرکھ کے بارے میں میرے تجربات کی روشنی میں ان تینوں میں ایک عنصر مشترک تھا۔ ان سے آسانی کے ساتھ کوئی راز اگلوانا تقریباً ناممکن ہی نظر آتا تھا۔ ہاں تشدد کے سامنے جسمانی مزاحمت جواب دے جاتی تو اور بات تھی۔

چائے وغیرہ پلانے کے بعد میں نے ان تینوں کو رخصت کر دیا۔ اس رسمی تعارف کے بعد میں بقیہ معاملات ہر ایک سے مختلف اوقات میں الگ الگ طے کرنا چاہتا تھا۔

"تم نے تو کوئی بات نہیں کی ان سے؟" تخلیہ ہوتے ہی حامد برہم ہو کر بولا اور میں اس کی جرأت مندی پر ہنس دیا۔

"بات الگ الگ ہو گی تاکہ ایک کو دوسرے کے پروگرام کا علم نہ ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ویسے تینوں ہی لڑکے کارآمد ہیں۔ اس طرح مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ ایک دوسرے کو کس حد تک اعتماد میں لیتے ہیں۔"

"اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ تم مجھے بھی گھسیٹو گے۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں کہہ چکا ہوں کہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے نہ مجھے لالچ ہے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں، میرے لیے وہی کافی ہے۔"

"اب تم ان تینوں میں سے ہر ایک سے الگ الگ ملو گے اور اسے بتاؤ گے کہ صرف اسی کا انتخاب ہوا ہے، باقی دو مسترد کر دیے گئے ہیں لہٰذا وہ فوری طور پر اپنا پاسپورٹ بنوانے کے لیے تصاویر تمہیں دے دے۔ ان تینوں کی تصاویر تم مجھے پہنچا دو گے بلکہ پاسپورٹ کے فارم بھی مکمل کروا لینا۔ ان کی فوٹو اسٹیٹ کی صورت میں کوائف میرے پاس محفوظ رہیں گے۔"

"تو وہی کیوں نہ اپنے پاسپورٹ بنوا لیں؟ فارم کی نقلیں میں تمہیں لا دوں گا۔"

"کسی دفتر میں ان کا ایک دوسرے سے سامنا ہو سکتا ہے۔ یہ کام میں خود کراؤں گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "تم دو تین روز میں ان سے فارم مکمل کرا لو۔ موقع ملتے ہی میں خود تم سے رابطہ قائم کر لوں گا۔"

اس کے لبوں پر تیکھا سا تبسم تیر گیا۔ "یہ بہت اچھی بات ہے کہ اب تک تم نے اپنے ٹھکانے کے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا۔ اس طرح مجھ پر کسی ذمے داری کا بار نہیں ہے۔"

"ٹھکانا۔" میں نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ دوسرے شہر سے آیا ہوں۔ یہاں میں اسی ہوٹل میں ٹھہرتا ہوں۔ آج رات ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔ واپسی ایک دو روز میں بھی ہو سکتی ہے اور ہفتہ بھی لگ سکتا ہے۔ اسی لیے میں نے خود رابطہ قائم کرنے کی بات کی تھی ورنہ مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔"

یہ کہتے ہوئے میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ حامد نے مجھے روک دیا۔ وہ ان تینوں کی روانگی کا پروگرام طے ہونے کے بعد ہی رقم لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اس کے چلے جانے کے بعد میں نے پچھلی رات کی بچی کھچی بوتل پُرسکون انداز میں اپنے معدے میں منتقل کی اور پھر کمرے کا الوداعی جائزہ لے کر باہر نکل آیا۔ کاؤنٹر پر حساب کتاب صاف کر کے تھوڑی دیر بعد میں باہر نکلا تو فضا پر خاصا دھندلکا پھیل چکا تھا اور کھمبوں پر لگے ہوئے اسٹریٹ لیمپس روشن ہو چکے تھے۔ میں نے رسٹ واچ کا جائزہ لیا تو آٹھ بجنے میں خاصی دیر باقی تھی۔ میں... اطمینان سے گھر پہنچ کر سلطان شاہ کے پیغام کا انتظار کر سکتا تھا۔

انڈس ہوٹل شہر کے اس قدیم کاروباری علاقے میں واقع تھا، جہاں زمین کا ہر انچ سونے کا مول رکھتا تھا لہٰذا عمدہ عمارت کے باوجود وہ ہوٹل پارکنگ کی سہولت کے معاملے میں بالکل ہی یتیم تھا۔ میں مختصر سے پورچ سے نکل کر فٹ پاتھ پر آیا اور اس گلی کی طرف چل دیا جہاں میں نے اپنی کار چھوڑی تھی۔

کار کا دروازہ کھولتے ہوئے میں بہت چوکنا تھا۔ میرے ذہن میں یہ امکان موجود تھا کہ کہیں قاسم یا اس کے کسی حواری نے موقع پا کر کوئی کارگزاری نہ دکھا دی ہو۔ ہوٹل میں زخشی کی کال سے یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ لوگ اس وقت میری انڈس ہوٹل میں موجودگی سے باخبر تھے اور ان کے لیے قرب و جوار میں تھوڑی سی تلاش کے بعد میری کار تک پہنچنا آسان تھا۔

دروازے کے کی ہول میں چابی گھماتے ہوئے مجھے کسی دھماکے کا خوف لاحق تھا لیکن جب کچھ بھی نہ ہوا تو اپنی ذہنی کیفیت پر مجھے خود ہی غصہ آنے لگا۔ سی ون یا قاسم لاکھ ذہین اور تکنیکی آدمی سہی لیکن میری ہی طرح ایک انسان تھا۔ اپنے ذہن پر اس کی ماہرانہ برتری کا خوف مسلط کر کے میں ناقابلِ تصور تباہی سے دوچار ہو سکتا تھا۔ میں نے سر جھٹک کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور اگنیشن آن کر کے انجن اسٹارٹ کیا اور تیزی کے ساتھ

ہے سے روانہ ہوگیا۔

میں کسی بھی واقعہ سے دوچار ہوئے بغیر بحفاظت گھر پہنچ گیا تو
رخشی اور قاسم کی حکمتِ عملی کے بارے میں اپنا پہلا خیال درست نظر
لگا۔ فون پر رخشی کی دھمکیوں کے بعد قاسم مجھے اتنی مہلت دینا چاہتا
یں فون پر اے۔ ٹو کو اس خطرے سے آگاہ کر سکوں۔ اگر میں قاسم
یتی کے بارے میں کچھ کہے بغیر اے۔ ٹو کو رخشی کے بارے میں آگاہ
تو وہ اس حوالے سے سی ون یعنی قاسم کو معاملہ صاف کرنے کی ہدایت
ر وہ رخشی کی روپوشی کے عذر کے ساتھ ہدایت کی تعمیل کا وعدہ کر لیتا
س طرح اسے میرے خلاف من مانی کارروائیوں کی کھلی چھوٹ مل
ہ میرے ساتھ پیش آنے والی ہر واردات کو وہ بلا تکلف رخشی اور
کے مفروضہ حمایتیوں سے منسوب کر دیتا۔

میرے لیے مشکل یہ تھی کہ قاسم تنظیم کے اہم اراکین میں شمار
تھا اور رخشی کے خلاف فیصلہ جاری ہونے تک پوری طرح تنظیم کا
ار بھی تھا جس کی بنا پر وہ اے۔ ٹو کے لیے قابلِ اعتماد تھا۔ اگر میں
ٹھوس ثبوت کے بغیر اس کے خلاف زبان کھولتا تو لازمی طور پر
ٹو کی ملامت کا نشانہ بن جاتا۔ وہ لوگ جو خطرے کا ذرا بھی امکان دیکھتے
اپنے اہم ترین کارندوں کو بے دریغ راستے سے ہٹانے پر تل جاتے
اس بات کو کبھی برداشت نہ کرتے کہ ان کا کوئی آدمی صرف ذہنی قلابازیوں
پر کسی دوسرے پرانے کارکن کو اپنی تنقید کا نشانہ بنائے۔ سی ون
کے مقابلے میں میری سرخروئی سلطان شاہ کی کارگزاری سے وابستہ
اگر وہ رخشی کے بارے میں سراغ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو
قاسم کے خلاف سخت ترین قدم بھی اٹھا سکتا تھا۔ گو اے۔ ٹو نے
بارے میں مجھے کوئی اختیار نہیں دیا تھا لیکن۔ مجھے یقین تھا کہ ہنگامی
حالت کے تحت کی گئی میری کارروائی پر وہ ضرور صاد کر دے گا۔

گھر میں گھستے ہی خانساماں نے تشویش زدہ صورت بنا کر مجھے
منٹ قبل کسی عورت کے فون کی اطلاع دی تو میں چونک پڑا۔
ن تھی؟ کیا کہہ رہی تھی وہ؟" میں نے اس سے ایک ہی سانس
دو سوال کر ڈالے۔

"صاحب! وہ خود کو آپ کی سوتیلی ماں کہہ رہی تھی۔" خانساماں
جھجکتے ہوئے کہا اور میرے وجود میں سنسنی کی ایک عجیب سی لہر سرایت
۔ آخر کار بڑی ماں کو اپنے اکلوتے سوتیلے بیٹے کا خیال آ ہی گیا تھا۔
رے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ برسوں پہلے اپنی چوکھٹ سے نفرت
حقارت کے ساتھ دھتکارنے کے بعد اب اچانک انہیں کیسے معلوم ہو
تھا کہ میں کراچی میں ہوں۔ یہی نہیں بلکہ اس قدامت پرست عورت
میرے فون نمبر کا بھی سراغ لگا لیا تھا۔ لمحہ بھر میں میرے ذہن
پردے پر لاتعداد تصویریں اور مناظر گزرتے چلے گئے۔ "آپ کو پیار
کہا ہے انہوں نے۔" خانساماں نے اپنی بات پوری کر ڈالی اور میرے دل

پر بوجھل پن طاری ہونے لگا۔ انسان طاقت اور اختیار کے نشے میں جو
چاہے سو کر لے لیکن وقت بہت ظالم ہوتا ہے اور کبھی نہ کبھی انسان
کے ضمیر کو کچوکے دے کر اپنے احتساب پر مجبور کر ہی دیتا ہے۔

"پتا لیا تھا تم نے ان کا؟" میں نے پُرجوش لہجے میں خانساماں
سے سوال کیا۔

اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار ابھر آئے۔ کچھ کہنے کے لیے
ہونٹ کھلے اور پھر بند ہو گئے۔ "کیا بات ہے؟ چپ کیوں ہو گئے ہو؟"
میں نے حیرت سے کہا۔ "کیا پتا معلوم کرنا بھول گئے؟"

"وہ... وہ جی، بس کیا بتاؤں، پہلے اس نے بدتمیزی سے آپ کے
بارے میں پوچھا تھا۔" وہ نظریں جھکا کر جھجکتے ہوئے کہنے لگا۔ "آواز سے
کوئی نوجوان عورت معلوم ہو رہی تھی۔ پہلے کبھی ایسا فون نہیں آیا... میں
نے نام پوچھا تو اس نے خود کو آپ کی ماں بتایا... جی میں پریشان ہو گیا۔ میں
نے اس سے کہا کہ آواز تو جوانوں جیسی ہے، صاحب کی والدہ تو عمر رسیدہ
ہوتیں۔ اس پر وہ ہنس پڑی اور کہا کہ وہ آپ کی سوتیلی ماں ہے۔ آپ کی
غیر موجودگی کی اطلاع پر اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ آپ آئیں تو آپ کو
اس کی طرف سے پیار کہہ دوں۔"

میرا خون کھول اٹھا۔ وہ حرکت یقینی طور پر رخشی ہی کی ہو سکتی تھی۔
اپنے اضطراری ردِعمل پر میں خانساماں کے سامنے خفت محسوس کر رہا تھا۔
اس نے کہنے کو تو سب کچھ کہہ دیا تھا مگر میری کیفیت سے بے خبر مجرمانہ
انداز میں بدستور نظریں جھکائے کھڑا تھا جیسے اپنے گستاخانہ قیاسات پر
میری طرف سے سخت سست سننے کا منتظر ہو۔

خانساماں نے پوری بات بتا دی تھی لہٰذا میں اس سے ایک لفظ
بھی کہے بغیر غصیلے انداز میں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ رخشی غصے کی
شکل میں رفتہ رفتہ میرے اعصاب پر سوار ہوتی جا رہی تھی۔

اسے انڈس ہوٹل تو خیر میں اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا لیکن اس
کے لیے اتنی جلدی میرے گھر کا پتا لگانا ناممکن تھا۔ میرے گھر کا نمبر اسے
یقیناً قاسم ہی سے ملا ہوگا۔ اس کے ہر اقدام سے میرا یہ یقین تقویت
اختیار کرتا جا رہا تھا کہ اس نے قاسم سے ساز باز کر لی تھی اور ان دونوں کا
اتحاد میرے لیے خطرناک تھا۔

میں نے ڈرائنگ روم والے فون کا تار نکال دیا اور خواب گاہ میں
ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو کر ایک رسالے کی ورق گردانی کرنے لگا کیونکہ
مجھے کسی بھی لمحے سلطان شاہ کی فون کال آنے کی توقع تھی لیکن وقت
دھیمے دھیمے سرکتا رہا۔ رسٹ واچ کی سوئیوں کا سفر جاری رہا۔ آٹھ کے
بعد سوا آٹھ بھی بج گئے لیکن فون بدستور بے جان رہا تو میرے ذہن پر
تشویش سوار ہونے لگی۔ رسالہ میری گود میں پھیلا ہوا تھا لیکن میرے
لیے سطروں پر نظریں جمائے رکھنا دشوار ہونے لگا تھا۔ آخر میں نے
اکتائے ہوئے انداز میں رسالہ ایک طرف ڈال دیا اور سگریٹ سلگا کر بے تابی

سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔
اچانک فون کی گھنٹی بجی تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ ریسیور کان سے لگاتے ہی زخشی کی آواز ابھری تھی۔

"کیا بات ہے؟" اس کی آواز پہچان کر میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"میرا پیغام تو مل ہی گیا ہو گا؟" وہ ہنس پڑی۔ "اب میں تمہارے پیچھے لگ گئی ہوں۔"

"تم چھچھوری حرکتوں پر اتر آئی ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میرا پیچھا نہ چھوڑا تو پچھتانے کا موقع بھی نہ مل سکے گا۔"

"میں نے تمہیں صرف یہی جتانے کے لیے فون کیا ہے کہ اس وقت تم میرے سامنے کتنے بے بس ہو۔" اس کے لہجے میں شوخی بدستور جاری رہی۔ "میں چاہتی تو تم اس وقت اسپتال میں زخمی یا مردہ حالت میں پڑے ہوتے۔"

میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی لیکن میں نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں سوال کیا۔ "پھر میں صحیح سلامت کیوں ہوں؟"

"تمہاری بے بسی سے لطف اندوز ہونا چاہتی ہوں۔" اس کی آواز آئی۔ "یقین نہ ہو تو اپنی کار کی ڈکی کھول کر دیکھ لو۔ اس میں ایک چھوٹا سا ٹائم بم رکھا ہوا ہے جو ٹھیک نو بج کر بیس منٹ پر پھٹ جائے گا۔ میں چاہتی تو اسے اگنیشن سے بھی منسلک کیا جا سکتا تھا۔ تم کار میں بیٹھ کر جیسے ہی اگنیشن میں چابی گھماتے کار کے چیتھڑے اڑ سکتے تھے۔"

"اطلاع کا شکریہ۔" میں نے اپنی تشویش پر قابو پاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اس حرکت کا کوئی مقصد بھی رہا ہوگا۔ بہتر ہے کہ اب وہ مقصد بھی بتا دو۔"

"وقت آنے پر وہ بھی معلوم ہو جائے گا۔" اس کا لہجہ سرسری تھا۔ "فی الحال اس ٹائم بم کو کسی ویرانے میں ٹھکانے لگانے کا بندوبست کر دو۔ یہ یاد رکھنا کہ ایک مرتبہ سیٹ کیے جانے کے بعد اب اسے کسی طرح بھی ناکارہ نہیں بنایا جا سکے گا۔ وہ مقررہ وقت پر ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ جائے گا۔"

اسی کے ساتھ اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں چند لمحے ریسیور ہاتھ میں لیے خالی الذہنی کے عالم میں بے حس و حرکت کھڑا رہا پھر ریسیور کریڈل پر ڈال کر تیزی سے خواب گاہ سے نکل آیا۔

پورچ میں پہنچ کر میں نے ڈکی کھولی تو میری نگاہیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ ڈکی کے وسط میں ایک ڈبے میں سیاہ رنگ کا ایک بیضوی خول رکھا ہوا تھا جس میں سے ٹک ٹک کی ہلکی سی آواز آ رہی تھی۔ میں نے آہستگی اور احتیاط سے وہ ڈبہ اٹھا لیا اور بم کا معائنہ کرنے لگا۔ زخشی نے جو کچھ کہا، درست ہی کہا تھا کیوں کہ بم کو حرکت میں لانے والا میکینزم اس آہنی خول کے اندر ہی پوشیدہ تھا۔ البتہ اس خول میں ایک جگہ سوراخ موجود تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اندرونی میکینزم کو سیٹ کرنے کے لیے اس سوراخ کے اوپر کوئی آلہ نصب تھا جسے کام پورا ہونے کے بعد اکھاڑ دیا گیا تھا۔

میں نے بم کو احتیاط سے اگلی نشست پر رکھا اور فوری طور پر تیز رفتاری کے ساتھ یونیورسٹی روڈ کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ ان اطراف میں پھیلے ہوئے کسی ویرانے میں اسے ٹھکانے لگا سکوں۔ اس وقت وہ بم میری نگاہوں میں سلطان شاہ کی فون کال سے زیادہ اہمیت اختیار کر گیا تھا۔

"وہ عورت اسی مکان میں تھی۔" سلطان شاہ کی آواز میں ہلکا سا خوف نمایاں تھا۔ "شام کے چھ بجے وہ خطرناک صورت والے مرد کے ساتھ دو سوٹ کیس وغیرہ لے کر تاریک شیشوں والی سرخ کرولا میں روانہ ہوئی تھی۔ میں نے ان دونوں کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی لمبے سفر پر روانہ ہو رہے ہوں۔ مجھے خوش قسمتی سے ایک پٹھان ٹیکسی ڈرائیور مل گیا۔ ہم زبان ہونے کی وجہ سے اس نے فوراً ہی میری کہانی پر یقین کر لیا۔ اس کے تعاون کی وجہ سے میں کامیابی کے ساتھ ان کا تعاقب کر سکا۔ خطرناک صورت والے نے دونوں سوٹ کیسوں سمیت عورت کو گلشنِ اقبال کے ایک بنگلے پر اتارا اور پھر فوراً ہی وہاں سے چل دیا تھا۔ انڈس ہوٹل کے قریب کی ایک گلی میں اس نے تمہاری جیسی کار کی ڈکی کھول کر اس میں کوئی چیز رکھی، پھر ڈکی بند کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ میں نے سہراب گوٹھ تک اس کا پیچھا کیا لیکن وہ کہیں رکتا نظر نہیں آیا۔ شاید وہ شہر سے باہر گیا ہے۔ میں وہاں سے واپس لوٹ کر گلشنِ اقبال والے مکان پر گیا لیکن پھر اندر جانے کا ارادہ ترک کر کے قرب و جوار سے معلومات حاصل کر کے ابھی ابھی فارغ ہوا ہوں۔ اسی وجہ سے مجھے رپورٹ دینے میں تاخیر ہو گئی۔"

اس کی کامیابی کی اطلاع میرے لیے کسی بڑی خوش خبری سے کم نہیں تھی۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ اس کا فون آنے تک میں اپنی کار کی ڈکی سے برآمد ہونے والے بم کو ایک ایسے ویرانے میں ڈال کر لوٹ آیا تھا جہاں اس کے دھماکے سے کسی جانی یا مالی نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ اعصاب پر سے بم کا خوف دور ہوتے ہی راستے میں مجھے یہ فکر لاحق ہو گئی تھی کہ کہیں سلطان شاہ میری عدم موجودگی کی خبر پا کر اپنے گھر واپس نہ لوٹ جائے اور پھر اس سے رپورٹ لینے کے لیے مجھے پٹھان کالونی کی طرف دوڑ لگانا پڑے۔

وہ شخص میری توقع سے بڑھ کر چالاک ثابت ہوا تھا ورنہ قاسم جیسے چالاک آدمی کو شبہے کا موقع دیے بغیر کامیابی سے اس کا تعاقب کرنا آسان کام نہیں تھا۔ اس نے نہ صرف زخشی کا نیا ٹھکانا دیکھ

تھا بلکہ میری کار کی ڈکی سے برآمد ہونے والے ٹائم بم کا معمہ بھی حل کر دیا تھا۔ اب یہ بات بالکل واضح ہو گئی تھی کہ قاسم نے خود رخشی کو چھپایا تھا اور اپنی دوست کے زیرِ عتاب آنے کا انتقام لینے کے لیے میرے پیچھے لگ گیا تھا۔

"گلشن اقبال میں ریلوے لائن سے آگے بائیں طرف کی ہوئی آبادی میں وہ سبز مکان تو نہیں تھا؟" میں نے اپنی نزولا کے حوالے سے متعارف ہونے والی پروین نامی کال گرل کے مکان کے بارے میں سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں، وہ مکان راشد منہاس روڈ پر داہنی طرف واقع ہے، سفید رنگ کا ایک منزلہ مکان ہے۔ اس کا پھاٹک مقفل تھا اور چابی عورت کے پاس موجود تھی۔" اس نے جواب دیا۔

"اس مکان میں ٹیلی فون کے تار تو جاتے نظر نہیں آئے تھے؟" میں نے موہوم سی اُمید پر سوال کیا کیوں کہ کسی اناڑی کے لیے ایسی جزئیات پر توجہ دینا بہت مشکل تھا لیکن میں صرف اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ آٹھ بجے کے قریب ڈکی میں ٹائم بم کی موجودگی کی اطلاع دینے کے لیے رخشی نے کہاں سے فون کیا تھا۔

"دوبارہ میں یہی سب دیکھنے گیا تھا۔" سلطان شاہ کے جواب نے مجھے حیران کر دیا۔ "اس گھر میں ٹیلی فون کی لائن گئی ہوئی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے مکان کا نمبر بھی بتا ڈالا اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ سلطان شاہ ایسے کاموں میں اتنا اناڑی نہیں تھا جتنا اپنے طور طریقے سے نظر آتا تھا۔

"اس مکان کے بارے میں اور کیا معلوم کیا تم نے؟" میں نے ...میں سوال کیا۔

"وہ سال ڈیڑھ سال پہلے ہی مکمل ہوا ہے۔ اس کا مالک وڈیرا ہے جو شروع میں چھ سات مہینے تک بال بچوں کے ساتھ یہاں رہا تھا لیکن بچوں کو آب و ہوا راس نہ آنے کی وجہ سے واپس چلا گیا۔ جب سے وہ مکان زیادہ تر مقفل رہتا ہے۔ کبھی کبھار کچھ دنوں کے لیے وڈیرے کے دوست اور مہمان آ جاتے ہیں۔ ہمیشہ انہیں لانے والا وہی خطرناک صورت آدمی ہوتا ہے جس کا میں نے سہراب گوٹھ تک پیچھا کیا تھا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ وڈیرے کا مقامی منیجر یا منشی ہے۔ بہت بدزبان اور بدمزاج آدمی ہے۔ ایک بار کسی محلے دار نے مکان کو مستقل آباد کرنے کے سلسلے میں اس سے بات کرنا چاہی تھی تو اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ مکان کرائے پر دے دیتے ہیں جن کو رنڈیوں کے لالے پڑے ہوں، وہ دس بیس مکان اور خریدنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔"

"گڈ۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "تم میری توقع سے کہیں زیادہ کارآمد ثابت ہوئے ہو۔ اب یہ بتاؤ کہ اگر گھر لوٹنے میں دیر ہوئی تو کوئی ہرج تو نہیں ہوگا؟"

"ہفتے بھر بھی گھر نہ گیا تو کسی کو پریشانی نہیں ہوگی۔" اُس نے فراخ دلانہ لہجے میں کہا۔ "بس تم کام بتاؤ مجھے۔"

"تمھیں یقین ہے کہ خطرناک صورت والا شہر سے باہر ہی گیا ہے؟"

"یقین کیا، بس اندازہ ہے۔" اس کی آواز اُبھری۔ "سپر ہائی وے پر اور کہاں جائے گا وہ؟"

اس کی بات معقول تھی۔ ان دنوں سپر ہائی وے پر پُل عبور کرنے کے بعد باڑہ کی طرز کا بازار تھا یا پھر خاردار تاروں کی باڑھ میں گھرے ہوئے وسیع قطعاتِ آراضی جہاں مستقبل میں رہائشی عمارتوں کی تعمیر کے منصوبے بن رہے تھے۔

"بہت احتیاط سے اس کے گھر کا جائزہ لے ڈالو اور پھر میرے پاس لوٹ آؤ۔" میں نے لحظہ بھر توقف کے بعد کہا۔

"لیکن کہاں؟"

میں نے اُسے اپنے گھر کے نمبر کے ساتھ ہی تفصیل کے ساتھ محلِ وقوع بھی بتا ڈالا۔ "لیکن یہ یاد رکھنا کہ احتیاط بہت ضروری ہے۔ اس کا گھر تمھارے لیے چوہے دان بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ چہرے پر رومال وغیرہ باندھ لینا تاکہ کوئی دیکھ بھی لے تو دوبارہ تمھیں شناخت نہ کر سکے۔" میں نے جیوا ہاؤز کے تین نمبر میں فوٹو سیل سے منسلک خودکار کیمرے کا تصوّر کرتے ہوئے کہا۔

اس کی ہنسی کی آواز اُبھری۔ "تم فکر نہ کرو۔ تمھارے شہر میں پہلے بیس پچیس دن مجھے چوریاں کر کے بھی پیٹ بھرنا پڑا ہے۔ اس کے بعد ہی مقرب خان نے کام سے لگوایا تھا۔"

سلسلہ منقطع کر کے میں سوچ میں پڑ گیا۔ رخشی یا ایل۔ ٹو۔

ان دونوں میں سے کون میرے لیے زیادہ اہم تھا؟

تنظیم کے سلسلے میں میں اپنے لیے ایک راستہ طے کر چکا تھا۔ میرے سامنے اصل مشن تنظیم کے سب سے بڑے شخص تک پہنچنا تھا اور اس وقت تک اوپر سے ملنے والے ہر حکم کی تعمیل کرنا تھی لیکن رخشی کی وجہ سے قاسم زبردستی میرے آڑے آ رہا تھا۔ اس معاملے میں بنیادی غلطی بی۔ ون سے ہوئی تھی اگر وہ مجھے براہِ راست رخشی کو مددگار کے طور پر ساتھ رکھنے کا حکم دیتا تو میرے لیے اس سے انکار ممکن نہیں تھا مگر بی۔ ون کو شاید رخشی کی صلاحیتوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد تھا اور وہ یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ میں بھی سکندر علی کی طرح اس کا شکار بن جاؤں گا۔ اب یہ میری یا رخشی کی بدقسمتی تھی کہ میں سکندر علی کے مکان میں اُسے دیکھ چکا تھا۔ پھر خود سکندر نے قتل سے

پہلے مجھے اس کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔ لہٰذا سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے میں رخشی کے دام میں پھنسنے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ نہ ہو سکا۔ اس کے مسلط ہو جانے کے بعد میرے لیے تنظیم کے خلاف اپنے خفیہ مشن کو آگے بڑھانا دشوار ہو جاتا۔ میں نے نہ صرف رخشی کو اس کی اپنی نگاہوں میں بے نقاب کر دیا بلکہ اے۔ ٹو کو بھی اس کے بارے میں آگاہ کر دیا اور وہ حسب توقع یہ بات برداشت نہ کر سکا کہ رخشی نے کام پر مامور ہوتے ہوئے اعتدال سے زیادہ شراب پی کر بہکے ہوئے ذہن کے ساتھ اپنے پوشیدہ عزائم کا راز فاش کر دیا۔

رخشی خود روپوش تھی اور قاسم اپنی دوست کی ناکامی پر جھلا کر میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اس کی ذہنی کیفیت جو بھی رہی ہو، وہ میرے حق میں بہت خطرناک ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے سلطان شاہ کے سامنے میری کار کی ڈکی میں ٹائم بم رکھ کر مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اگر وہ مجھے مارنا چاہتا تو اُسے رخشی کے ذریعے مجھے ہوشیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ٹائم بم کی دریافت سے پہلے تک میرا خیال یہ تھا کہ قاسم اس وقت تک خاموش رہے گا جب تک اُسے یہ یقین نہ ہو جائے کہ میں نے رخشی کی دھمکیوں کے بارے میں اے۔ ٹو کو اطلاع دے دی ہے۔ اس کے بعد وہ مجھ پر کہیں بھی وار کر سکتا تھا لیکن گاڑی میں بم رکھنے اور پھر خود ہی مطلع کرنے سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ فی الحال وہ مارنے کے بجائے اپنی قوت اور رسائی کا مظاہرہ کر کے مرعوب کرنا چاہ رہا تھا۔ پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ وہ واقعات جس تسلسل اور تیزی کے ساتھ رونما ہوئے تھے، ان کا منطقی تقاضا یہ تھا کہ میں پہلی فرصت میں اے۔ ٹو کو اپنی مشکلات سے آگاہ کروں۔ ان اطلاعات پر وہ میرے تحفظ کے بارے میں سی۔ ون ہی کا سہارا لیتا اور پھر قاسم کچھ وقت گزارنے کے بعد اے۔ ٹو کو مطلع کرتا کہ رخشی تنظیم سے ٹوٹ کر کسی اور گروہ سے جا ملی ہے اور میری ذات اُس کے آدمیوں کی نگاہ میں آگئی ہے۔ قاسم کی یہ اطلاع تنظیم میں میری شمولیت برقرار رہنے کے سارے امکانات یکسر ختم کر دیتی اور اے۔ ٹو میرے بارے بلا تاخیر وہی روایتی حکم جاری کر دیتا جو اس سے پہلے میرے علم میں تھا۔ ایک طرف اے۔ ٹو کی طرف سے موت کا پروانہ اور دوسری طرف قاسم کی قوت سامنے ہوتی تو شاید اس نازک موڑ پر قاسم میرے سامنے آجاتا۔ میں اس کی بالادستی تسلیم کر لیتا تو شاید وہ رخشی کی طرح مجھے بھی روپوش ہونے کا مشورہ دے کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا اور اگر میں جھکنے سے انکار کر دیتا تو وہ بلا تامل اے۔ ٹو کے حکم کو عملی جامہ پہنانے پر تُل جاتا۔

بظاہر اس تمام کھیل کا ایک ہی مقصد سمجھ میں آتا تھا کہ مقامی بازار میں ہیروئن کی غیر متوقع کھپت اور زبردست منافع دیکھ کر قاسم کی نیت خراب ہو گئی تھی۔ میرے ہٹ جانے سے ایک طرف تو تنظیم کے مقامی معاملات پر اس کی گرفت مضبوط ہو جاتی اور دوسری طرف وہ میرے تجربے اور تعلقات کو کام میں لا کر اپنے کاروبار کی داغ بیل ڈال دیتا۔ اگر میرے قیاسات دُرست تھے تو اپنا متوازی دھندا چلانے کا قاسم کا منصوبہ فوری نوعیت کا نہیں تھا۔ وہ نہ جانے کب سے یہ خواہش اپنے دل میں پال رہا ہو گا۔ یہ بس اتفاق ہی تھا کہ میرے ساتھ رخشی کا معاملہ بگڑنے سے اُسے اپنے خواب کو عملی جامہ پہنانے کا سنہرا موقع میسر آگیا۔ رخشی نہ اُس کی دوست رہی ہو گی اور نہ ہی راز داں ہو گی بلکہ اتفاقی ضرورتوں کے تحت وہ دونوں ایک دوسرے سے متعارف ہوئے ہوں گے اور قاسم نے موقع ملتے ہی رخشی کے نام سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہو گا۔

اپنی بدنیتی کو بروئے کار لانے کے لیے اس وقت قسمت بھی قاسم کا ساتھ دے رہی تھی۔ برسوں سے مستحکم بنیادوں پر چلتا ہوا کام اچانک ہی حادثات کی زد میں آگیا۔ پہلی کڑی سکندر علی نے اپنے عاجلانہ فیصلے سے فراہم کی تھی جب اُس نے مقرب خان کی نظروں میں آجانے کی وجہ سے سی۔ ون یعنی قاسم کے ہاتھوں طارق کو بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ اس ضمن میں تسلسل کے ساتھ چار آدمی مارے گئے جن میں مقرب خان پہلا اور طارق آخری مقتول تھا اور یہ چاروں خون قاسم ہی کے کھاتے میں شامل تھے۔ طارق کے قتل کے جذباتی اثرات کے تحت میں نے اپنی توجہ سکندر علی پر مرکوز کر دی اور اُس کی غیر حاضری میں، رات کے سناٹے میں اس کے مکان میں جا گھسا۔ میری اس کارروائی کے نتیجے میں سکندر علی کو بی۔ فور کے منصب سے معزول کر دیا گیا اور پھر وہ سکندر فارمز میں میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ مقامی افراتفری کی یہ فضا ابھی بننے نہ پائی تھی کہ مٹھا خان کی بدنصیبی اُسے للکار بیٹھی اور وہ ایم۔ ٹی۔ تھری ہینڈز کو نذر آتش کر کے خودکشی کرنے پر مجبور ہو گیا۔ کسی کو کانوں کان بھی علم نہیں ہو سکا تھا کہ مٹھا خان شہر میں ہیروئن کو تجارتی پیمانے پر متعارف کرانے والوں میں بی۔ ون کے اعلیٰ منصب پر فائز تھا لیکن اُس کی خودکشی نے تمام کڑیاں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ تنظیم کی مواصلاتی باقاعدگی ابتری کا شکار ہو گئی تھی اور وقتی طور پر اُوپر والوں کے لیے میری اور قاسم کی ذات پر اعتماد کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ فی الحال قاسم میری جان لینے کے درپے

تھا۔ سلطان شاہ اُس کے خالی مکان کی تلاشی لینے گیا ہوا خشی کی کمین گاہ میرے علم میں آچکی تھی۔ لہٰذا اس معاملے کو وز کے لیے ملتوی کرنا ممکن نظر آرہا تھا جب کہ ایل۔ ٹو کا فوری توجہ کا متقاضی تھا۔ شہر میں میری ذمّے داریوں کی ت ایسی تھی کہ عام حالات میں میرے لیے ایک دن کے لیے شہر چھوڑنا ناممکن تھا مگر اس وقت بی۔ ون کی خودکشی کے میں تمام سرگرمیاں یکلخت موقوف کر دی گئی تھیں۔ اگر میں یہ ے گنوا دیتا تو پھر مدتوں لاہور کا رُخ کرنے کی نوبت آتی نظر نہیں تھی۔ دوسری طرف ایل۔ ٹو کے بارے میں لاہور پہنچے بغیر معلومات ل ہونا دشوار تھیں۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ فی الحال رخشی اور قاسم کو بھول کر ہی کا رُخ کیا جائے۔ اس سفر میں سلطان شاہ میرے قابلِ اعتماد سہارا ثابت ہو سکتا تھا لیکن ایک بات طے تھی ہے رخشی کی دھمکیوں یا اپنی کار کی ڈکی میں پائے جانے والے م کے بارے میں ایل۔ ٹو کو ایک لفظ بھی نہیں بتانا تھا۔ اس بات کے نتیجے میں قاسم زیادہ کھل کر سامنے آنے پر مجبور ہو سکتا ۔ گلشنِ اقبال میں رخشی کی کمین گاہ کا پتا میرے پاس قاسم کے ف بہت مضبوط کارڈ تھا۔ میں جب بھی چاہتا، ایل۔ ٹو پر یقت منکشف کر کے قاسم کو مسلنے کے باضابطہ اختیارات ل کر سکتا تھا۔

شہر سے چند روز کے لیے روانہ ہونے سے قبل ضروری تھا ہیں نچلی سطح پر تنظیم کے کاموں کے بارے میں آخری رپورٹ ل کرتا۔ اس ضمن میں بی۔ فور کی حیثیت سے صرف جہانگیر سے رابطہ تھا۔ اس سے آگے بازار میں مال پھیلانا اور رقم وصول نا جہانگیر کی ذمّے داری تھی۔ میں بی۔ ون کا آخری پیغام سُننے بعد جہانگیر کو مخدوش حالات کے حوالے سے محتاط رہنے کی یت کر چکا تھا لیکن اس بے چارے کو نہ بی۔ ون کے بارے میں معلوم تھا، نہ وہ ایم۔ ٹی۔ تھری ہنڈرڈ کے وجود سے باخبر میرا خیال تھا کہ اس لاعلمی کی وجہ سے جہانگیر نے اخبارات ماخان کی خودکشی کی خبر سرسری انداز میں پڑھی ہوگی اور ذرا بھی اندازہ نہ ہو سکا تھا کہ اس وقت تنظیم کیسی کٹھن تھال سے دوچار تھی۔

جہانگیر سے اپارٹمنٹ پر رابطے کے لیے رات آٹھ سے سوا بجے تک کا وقت مقرر تھا جب کہ اس وقت نو بھی بج چکے بلکہ چاہتا تو بی۔ فور کی حیثیت سے اُسے فون کر کے اپارٹمنٹ نا کرنے کا حکم دے سکتا تھا لیکن اس طرح اس کی بیوی، سلمٰی تی تھی اور میں سلمٰی کی ہلکی سی باغیانہ روش کو پسند کرنے کے باوجود ان دونوں کی ازدواجی زندگی میں کسی نئی تلخی کا اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا میں نے اس سے اپنے طور پر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

دوسری طرف سے فون سلمٰی نے ریسیو کیا تھا۔ "کہاں غائب ہیں آپ؟" وہ میری آواز پہچان کر دلآویز لہجے میں بولی۔ "آنکھیں ترس گئی ہیں آپ کو دیکھنے کو؟"

"بس چکروں میں پھنسا ہوا ہوں اپنے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "جہانگیر کہاں ہے؟"

"لان پر کُتوں کی سیوا کر رہے ہوں گے۔" اس کے لہجے میں تلخی عود کر آئی۔ "محافظ ہٹا دیے ہیں، چراغاں ختم ہو گیا ہے۔ اب ساری توجہ ان منحوس کُتوں پر مرکوز ہے جن کی شکلیں دیکھ کر ہی مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔"

"ذرا بلا دیں گی اسے؟" میں نے اس کے نجی مسائل پر گفتگو سے گریز کرتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"آپ ہولڈ کریں۔" اس کا لہجہ یک بیک غصیلا ہو گیا۔ شاید اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ میں اس سے کترانے کی کوشش کر رہا تھا۔

چند منٹ بعد جہانگیر لائن پر آیا تو اس کی آواز خاصی جاندار تھی۔ "یار! کہاں غائب ہو تم؟"

"بس اسٹینڈ بائی ہوں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "دیکھنا ہے کہ کب اور کس محاذ پر جھونکا جاتا ہوں۔"

"کئی بار تم سے ملنے کا ارادہ کیا لیکن ہمت نہیں پڑی..... دن بھر کے کام سے تھک کر چُور ہو جاتا ہوں۔" کہتے کہتے اس نے تھوڑے سے توقف کے بعد ایک دم بات کا رخ بدل دیا۔

میرے لبوں پر معنی خیز تبسم ابھر آیا۔ "شاید بھابی آگئی ہیں جو تم نے ایک دم بات بدل دی۔"

ریسیور میں اس کی بے ڈھنگی سی ہنسی سنائی دی۔ "اوہ... ہاں ہاں .... تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ فرصت ہو تو چلے آؤ، تھوڑی دیر گپ شپ رہے گی۔"

"میری بھی ہمت نہیں پڑتی۔" میں نے ذومعنی لہجے میں کہا۔ "باخبر لوگ ہیں، اس میل جول کی بھنک بھی مل گئی تو حکم کی خلاف ورزی پر کوئی سزا سُنا دی جائے گی، تم میں حوصلہ ہو تو چلے آؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

"تم نے میرے دل کی بات کہی ہے۔" اس نے مبہم الفاظ میں اپنا ما فی الضمیر بیان کر دیا۔ "دال روٹی کے چکّر نے ہمیں کسی مصرف کا نہیں رکھا، بس وقت کے غلام ہو کر رہ گئے ہیں۔" پھر اس کا لہجہ اچانک رازدارانہ ہو گیا۔ "چلی گئی۔ تم ملنے کی کوئی صورت نکالو، میرے پاس کئی گرما گرم خبریں جمع ہو گئی ہیں۔"

"مثلاً؟" میں نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔
"اپنی سرگرمیاں بالکل موقوف کر دی گئی ہیں اور بازار میں کئی افغان بھی اپنا مال لے آئے ہیں۔ شاید اب اجارہ داری برقرار رکھنا مشکل ہو جائے۔"
"سرگرمیاں کیوں موقوف ہیں؟" میں نے انجان بن کر سوال کیا۔
"بس ایک ہی بات ہے کہ حالات مخدوش ہو گئے ہیں۔" اس نے بیزار لہجے میں کہا۔ "مجھے تو دور دور بھی کوئی خطرے والی بات نظر نہیں آتی۔ آخری کھیپ ٹھکانے لگانے کے بعد نئے حکم کا انتظار ہے۔"
"آج کل میرا پیچھا کیا جا رہا ہے۔ کسی وقت میدان صاف ہوا تو تمہاری طرف آؤں گا۔"
"پیچھا ہو رہا ہے۔" اُس کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "پھر کوئی خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں۔ کسی نے اِدھر کا رُخ کرتے دیکھ لیا تو بلاوجہ دونوں عتاب میں آ جائیں گے۔"
میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ خطرے کے امکان سے باخبر ہوتے ہی اُس کی مل بیٹھنے کی خواہش دب گئی تھی میں نے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔ "تین نمبر میں میرے داخلے کا کیا رہا؟ بات ہوئی تمہاری اس سے؟"
"بات تو ہوئی تھی لیکن وہ عجلت میں تھا، اس موضوع کو چھیڑنے کی نوبت ہی نہ آ سکی۔" اس نے کہا۔ "لیکن اس بارے میں تم ضرور کوئی اہم بات مجھ سے چھپا رہے ہو۔"
"کیسی اہم بات؟" میں نے تحیّر آمیز لہجے میں پوچھا۔
"یہ بات حلق سے نہیں اُترتی کہ تم تین نمبر میں بس کچھ وقت گزار کر باہر آ جاتے ہو۔" اُس کی آواز اُلجھن آمیز تھی۔ "تین نمبر کو ممنوعہ علاقہ قرار دیے جانے سے پہلے ایک دن کے لیے اس طرح خالی کرایا گیا تھا کہ وہاں چڑیا کا بچّہ بھی نہیں تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس دوران میں وہاں کچھ اہم چیزیں پہنچائی گئی ہوں گی لیکن تم نے ابھی تک اس کمرے میں کوئی غیر معمولی تبدیلی یا اضافے کا ذکر نہیں کیا۔"
"کچھ بھی نہیں ہے وہاں۔ یقین نہ ہو تو کسی وقت خود گھس کر دیکھ لو۔"
ریسیور میں اُس کی خوف زدہ سی ہنسی سنائی دی۔ "ہاں، مرنے کا ہی مشورہ دو گے، گھسنا تو دور کی بات ہے، اسے میرے ایسے کسی ارادے کا علم بھی ہو گیا تو کھال میں بھُس بھروا دے گا۔ ویسے تم بے فکر رہو، اب اس سے بات ہو گی تو میں تین نمبر میں تمہارے داخلے کا معاملہ بھی صاف کر لوں گا۔"
"کیونکہ یہ تمہاری ہی ذمّے داری ہے۔" میں نے لقمہ دیا۔ "جبوا ہاؤز تمہاری ہی تحویل میں ہے۔"
"تمہیں تین نمبر میں جانے کا حکم کون اور کس طرح دیتا ہے؟" وہ موضوع چھڑ جانے کے بعد اس کے ذہن میں تجسس بے دار ہو گیا تھا۔
"اس وقت ہم دونوں ہی کی عقل پر پتھر پڑے ہوئے ہیں۔" میں نے وہ سوال ٹالنے کی نیت سے چونکنے کی کامیاب اداکاری کرتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔
"کیوں؟ کیا ہوا؟" وہ ایک مرتبہ پھر بوکھلا گیا۔
"تعاقب کے ساتھ میرا فون بھی سُنا جا سکتا ہے۔ ہمیں فون پر گفتگو کرتے ہوئے محتاط ہی رہنا چاہیے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"خدا تم سے سمجھے۔" وہ شاید دانت پیس کر بولا۔ "تمہیں ہر بات دیر ہی سے سُوجھتی ہے، میری تو نیند اُڑ جائے گی۔"
"بہتری کی اُمید رکھو اور بدترین کے لیے تیار رہو۔" میں نے اُسے ایک انگریزی محاورے کا ترجمہ سنایا۔ "جو ہو گیا سو ہو گیا آئندہ محتاط رہنا۔ اگر یہ گفتگو سُنی گئی ہے تو صبح سے پہلے کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا، ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔"
وہ اتنا پراگندہ خاطر ہو گیا کہ اُس نے مزید کچھ کہے بغیر شاید ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور میں اُسے ٹالنے میں کامیابی پر مسکراتا ہوا ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔
وال کیبنٹ سے پرانی اسکاچ کی بوتل نکال کر میں نے ایک لارج پیگ تیار کیا اور اس میں برف کے ڈلے ڈال کر صوفے پر آ بیٹھا۔
سلطان شاہ کی واپسی کے انتظار میں سُست رفتاری کے ساتھ شراب نوشی کرتے ہوئے میں نے خانساماں کے ذریعے چوکیدار کو اطلاع بھیج دی تھی کہ سلطان شاہ نامی کوئی شخص مجھ سے ملنے کے لیے آئے تو اُسے بلاتامل اندر بلا لیا جائے۔ لہٰذا گیارہ بجے کے لگ بھگ سلطان شاہ چوکیدار کی رہنمائی میں نشست گاہ میں داخل ہوا تو اس کے بشرے پر حیرت کے آثار تھے۔ دروازے سے اندر گھسنے کے بعد وہ چند ثانیوں تک کھڑا گہری اور معنی خیز نگاہوں سے کمرے میں موجود اسباب کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر ایک گہرا سانس لے کر میری طرف بڑھتا چلا آیا۔
"تم تو خاصی بڑی آسامی معلوم ہوتے ہو۔" اُس نے میرے قریب بیٹھتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ مجھے یہ بات پسند آئی کہ وہ میری امارت کے مشاہدے سے مرعوب نہیں ہوا تھا۔
"احکام کی تعمیل کرتے رہے تو تھوڑے ہی دنوں میں تم بھی اسی ٹھاٹ باٹ سے رہ سکو گے۔" میں نے گلاس سے اپنے لبوں کو تر کر کے کہا۔ "آسامی بنانے کی کوشش کی تو شاید پچھتانے کا موقع بھی نہ مل سکے۔"

"جس میں وفا نہ ہو، وہ آدمی نہیں خنزیر کا بچہ ہوتا ہے۔" وہ
لہجے میں بولا۔ پھر داہنا ہاتھ چھاتی پر مار کر قدرے پُرجوش لہجے
ولا "حکم دے کر دیکھو، تمہارے پسینے پر دُشمن کا خون نہ بہا دوں
ر مار کر نکال دینا۔" لحظہ بھر کے لیے وہ خاموش ہوا پھر بولا۔
"آج کا کام مجھے پسند نہیں آیا۔"
"کیا ہوا؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا
"وہ گھر تو پورا بھوت بنگلہ ہے۔" وہ حسبِ عادت ایک
ا سانس لے کر بولا۔ "کوئی چور چکار ہوتا تو جوتے چھوڑ کر ہی
ل نکلا، لیکن میں نے بزدلی سے بھاگنے کے بجائے ڈٹ کر مقابلہ
نے کا فیصلہ کیا تو پتا چلا کہ وہاں نہ کسی آدمی کا وجود تھا نہ بھوت
بس کچھ شعبدے تھے جنہیں میں تہس نہس کر آیا۔"
"پوری تفصیل بتاؤ۔" میں نے اس کے کارنامے میں دلچسپی لیتے
ئے کہا۔ "شراب پیو گے؟ عمدہ قسم کی پرانی اسکاچ ہے۔"
"تم بھی مت پیو صاحب!" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "شراب
حرام ہے، میں نے زندگی میں کبھی اُسے ہاتھ نہیں لگایا۔"
"پھر تم کسی کا خون کیا بہاؤ گے؟" مجھے اس کے جواب سے ذرا
یوسی ہوئی تھی۔
"کیوں؟" وہ حیرت سے تیوریاں چڑھا کر بولا۔ "کسی کی طرف
ارہ تو کر کے دیکھو، اس کا سر گردن سے اتار کر تمہارے قدموں
ہ ڈالوں تو میرے منہ پر تھوک دینا۔"
"وقت آیا تو شاید تم انسانی خون کی حرمت کے بارے میں سوچنے
لگے۔" میں نے کہا۔
وہ اُلجھی اُلجھی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر آہستگی سے
لا "دیکھو صاحب! یہ سب مجھے نہیں معلوم۔ شراب حرام ہے تو
ن حرام ہے۔ خون میں ملتی ہے تو دماغ پر اندھیری چادر تان دیتی
ہے، رشتوں کا احساس مٹا دیتی ہے لیکن خون کی بات دوسری ہے۔
ں تمہارا ملازم ہوں۔ جو تمہارا دُشمن ہے، وہ میرا دُشمن ہے۔
تمہارے ہر حکم کی تعمیل میرا فرض ہے۔ تمہارے حکم سے منہ موڑا
وفادار کے بجائے دغاباز کہلاؤں گا اور میری روزی خراب
ہو جائے گی۔"
بہت ہی عجیب اور ناقابلِ فہم تھا اُس کا فلسفہ۔ بس ذہن
جہالت تھی، جو بات جم گئی وہ اپنی جگہ اٹل تھی اور دُنیا کی کوئی
قت اس میں تبدیلی نہیں لا سکتی تھی۔ اس کے نزدیک وفا کا بس
ایک مفہوم تھا کہ اپنے مالک کے حکم کی تعمیل میں ذہن پر کوئی زور
لے بغیر سر دھڑ کی بازی لگا دی جائے۔ میں نے نہ انسانی خون کی
رمت کے مسئلے کو مزید کریدا اور نہ اُس سے یہ دریافت کیا کہ اگر میں
ے شراب نوشی کا حکم دوں تو اس کا ردِ عمل کیا ہو گا؟ میرے لیے
کافی تھا کہ وہ میرا وفادار تھا اور اس معاملے میں بہت
کٹر واقع ہوا تھا۔
"ہاں تو وہ تفصیل نہیں بتائی تم نے؟" موضوع کی تبدیلی
کے ساتھ ہی میں اُس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات بھی
سُننے کے لیے بے چین تھا تا کہ قاسم یعنی سی۔ ون کے بارے میں کوئی
پختہ رائے قائم کر سکوں۔
"میں عقبی گلی سے احاطے کی دیوار پھاند کر بڑے سکون سے
اندر پہنچ گیا تھا۔" وہ بتانے لگا۔ "اندر کئی کمروں کی کھڑکیاں روشن
تھیں لیکن عمارت بالکل ویران نظر آ رہی تھی۔ میں نے دو مرتبہ پوری
عمارت کا طواف کیا لیکن ہر کھڑکی میں شیشوں کے پیچھے مضبوط آہنی
گرل لگی ہوئی تھی، جسے موڑنا میرے بس سے باہر تھا۔ عمارت سے احاطے
میں نکاسی کے لیے صرف دو دروازے تھے اور دونوں ہی مقفل تھے۔
میں نے قسمت آزمائی کے لیے عقبی دروازے کا انتخاب کیا۔ تالا کھولنا
میرے بس سے باہر تھا اور مکان خالی تھا لہٰذا تھوڑی سی کوشش
کے بعد میں نے لوہے کی ایک سلاخ اڑا کر دروازے یا تالے کو توڑنے
کی کوششیں شروع کر دیں۔ خاصی آوازیں پیدا ہوئیں لیکن کہیں سے
کوئی مداخلت نہیں ہوئی۔ دروازے نے جب جگہ چھوڑی تو میں
کئی منٹ تک دیوار سے لگا ہوا سُن گُن لیتا رہا لیکن اندر موت
کا سناٹا طاری تھا۔ پھر جوں ہی میں دروازہ کھول کر اندر گھسا
کہیں سے کرخت اور گونجیلی مردانہ آواز اُبھری 'پکڑ لو اس
بدمعاش کو۔ بچ کر نہ نکلنے پائے'، اسی کے ساتھ کچھ قدموں کی آوازیں
اُبھریں اور میں بوکھلانے لگا۔ وجود آہنی سلاخ لے کر بیرونی دیوار
سے چپک کر کھڑا ہو گیا تا کہ جیسے ہی کوئی ٹوٹے ہوئے دروازے
سے باہر نکلے میں اس کی کھوپڑی پر ضرب لگا سکوں۔ جب کافی
دیر تک نہ کوئی باہر نکلا، نہ کوئی آہٹ سنائی دی تو میں دھڑکتے ہوئے
دل کے ساتھ آگے بڑھا لیکن اس بار کچھ بھی نہیں ہوا۔ اندر سارے
دروازے غیر مقفل تھے اور وہاں کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ میں
اس کرخت مردانہ آواز کے بارے میں سخت پریشان تھا کہ ایک خوابگاہ
کا دروازہ کھولتے ہی پھر وہی آواز اُبھری اور میں اس سے
پھٹ جانے کے خیال سے جنون کے عالم میں کمرے میں گھس گیا۔
لیکن کمرہ خالی تھا اور ایک ٹیپ ریکارڈر سے وہ آواز اُبھر رہی تھی۔ میں
نے سلاخیں مار مار کر ٹیپ ریکارڈر کے ٹکڑے کر ڈالے۔ معاملہ
سمجھ میں آنے کے بعد ڈرائنگ روم میں میز کے نیچے دوسرا ٹیپ ریکارڈر
بھی مل گیا جس کا اسپیکر عقبی راہداری میں دروازے کے عین اُوپر
لگا ہوا تھا، میں نے جھلاہٹ میں وہ سب چیزیں برباد کر ڈالیں،
کیوں کہ خالی خواب گاہ میں مردانہ آواز سُن کر لحظہ بھر کے لیے میرا
ذہن کسی آسیبی چکر کی طرف چلا گیا تھا۔ پھر حقیقت سامنے آتے
ہی وہ پریشانی، غصّے اور جھلاہٹ میں بدل گئی تھی۔ پورے مکان

میں اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا لیکن اس خواب گاہ میں ایک ٹامی گن، ایک رائفل اور دو پستول موجود تھے۔ میں نے رائفل کی نال ٹیڑھی کر دی، ٹامی گن بھی توڑ دی، دونوں پستول ساتھ لے آیا۔"

"پستول کہاں ہیں؟" میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

وہ معنی خیز انداز میں ہنسا۔ "میں پاگل نہیں ہوں صاحب جو انھیں ساتھ لیے پھرتا۔۔۔ میں نے سوچا کہ پتا نہیں کتنی دیر تک تمہارا گھر ڈھونڈنا پڑے، بھاری جیبوں کو ہر ایک شبے کی نظر سے دیکھتا لہٰذا میں نے اس مکان سے نکلتے ہی دونوں پستول ایک تھیلی میں ڈال کر جھاڑیوں میں چھپا دیے تھے۔ اب جاتے ہوئے اُنھیں نکال لوں گا۔"

"وہاں کسی عورت کی رہائش کے آثار بھی ملے تمھیں؟" میں نے پوچھا۔

"ایسے ویسے۔" اُس نے بُرا سا منہ بنایا۔ "معلوم ہوتا ہے وہ بڑی بے ڈھنگی اور بے پروا عورت ہے۔ اس کے استعمال کے کپڑے وہاں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آج میں نے تمھیں دو کام سونپے جو تم نے بہت عمدہ طریقے سے سرانجام دیے۔ اب یہ بتاؤ کہ میرے ساتھ شہر سے باہر جانے کے لیے بھی تیار ہو یا۔۔۔؟"

"تیار نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا صاحب!" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ "حکم دو گے تو جہنم کے سرے تک بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔"

میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ اُس نے جو کچھ کہا وہ سادگی کے ساتھ محاورۃً ہی کہا تھا لیکن اس سادگی میں بھی وہ جہنم کے سرے تک ہی ساتھ دینے کو تیار تھا' اس سے آگے کا معاملہ مبہم چھوڑ دیا تھا۔ تھوڑے سے توقف کے بعد میں نے کہا۔ "اب تم یہیں ٹھہرو گے، کل ہم لاہور روانہ ہو جائیں گے۔"

"لیکن وہ دونوں پستول۔۔۔؟" اُس کے چہرے پر اچانک سوالیہ لکیروں کا جال سا اُبھر آیا۔

"وہ تمہارا مالِ غنیمت ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اُس کی فکر نہ کرو، ابھی جا کر لے آئیں گے۔"

اُس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ "وہ بہت مہنگے بکیں گے۔ ساتھ چلو گے تو میں پستول میر زمان کو دے آؤں گا، وہ کسی سے بھی سودا کر لے گا۔"

"اتنی عجلت کی ضرورت نہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "فی الحال کسی کو ان پستولوں کی ہوا بھی نہ لگنے دینا۔ رقم کی ضرورت ہے تو مجھے بتاؤ، میں تمہاری مدد کر دوں گا۔"

"ضرورت ورورت تو کچھ نہیں ہے۔" وہ کھچے ہوئے لہجے میں بولا۔ "بس ذرا شوق کی بات تھی، دشمن کا اسلحہ چھین لینا یا چُرا لینا بہت عزت کی بات ہے، میر زمان پستول دیکھے بغیر میری بات کا ہرگز یقین نہیں کرے گا۔"

"تم اپنی کسی سرگرمی کے بارے میں کسی کو ایک لفظ بھی نہیں بتاؤ گے۔" میں نے اس کے رجحانات کا اندازہ ہوتے ہی سخت لہجے میں کہا۔ "ورنہ کسی قابل ہونے سے پہلے ہی تمہارے ہاتھوں میں آہنی زیور سج جائیں گے۔۔۔ میرے ساتھ رہنا ہے تو رازداری پر سختی سے عمل کرنا ہو گا ورنہ تم اپنے ساتھ مجھے بھی مروا دو گے۔"

"چلو تم کہتے ہو تو یہ بھی سہی۔" اُس نے نیم دلی کے انداز میں کہا۔ "میر زمان میرے لیے بھائی کی طرح ہے، وہ کسی سے بھی ایک لفظ نہ کہتا۔ تمہاری خاطر میں اُسے بھی کچھ نہ بتاؤں گا لیکن بستر لانے کے لیے گھر تو جانا ہی ہو گا۔۔۔ لاہور کا سفر لمبا ہے۔ بستر کے بغیر میں لکڑی کی برتھ پر نہ سو سکوں گا۔"

"یہاں بستر بہت ہیں۔" میں نے اس کی محدود سوچ سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہم جہاز سے جائیں گے، ریل سے نہیں، تمھیں لباس بھی انگریزی وضع کا پہننا ہو گا۔"

"کوٹ پتلون تو خیر میں بھی کبھی کبھی پہنتا رہا ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "لیکن اب یہ نہ کہہ دینا کہ مجھے اپنا نام بھی بدلنا ہو گا۔"

"فی الحال نہیں تو ضرورت اور حفاظت کے پیشِ نظر کسی وقت نام بھی بدلنا پڑے گا۔ ان سب باتوں کے لیے خود کو تیار کر لو۔۔۔ ویسے تم داڑھی بڑھا لو تو یہ تبدیلی تمہارے حق میں بہتر رہے گی۔ عیسیٰ خان، اُس کے ملازمین یا پُرانے واقف کاروں میں سے کوئی تمھیں نہ پہچان سکے گا۔ ورنہ تمہارے بدلتے ہوئے حالات ہر ایک کو تمہارے بارے میں تجسس میں مبتلا کر دیں گے۔"

"یعنی تمہارے خیال میں اگر میں ماضی سے رشتے توڑ کر تمہارے ساتھ بالکل نئی زندگی کا آغاز کروں تو یہ میرے حق میں بہتر رہے گا؟" اُس نے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔

"تم بہت عقل مند ہو، کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔"

"بس پھر کل سے داڑھی بڑھتی چلی جائے گی۔"

کھانا اُس نے راستے میں ایک ہوٹل سے کھا لیا تھا لہٰذا میں اس کی یاددہانی پر قاسم کے مکان سے چُرائے ہوئے پستولوں کی بازیابی کے لیے اس کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

سلطان شاہ دیکھنے میں سادہ لوح لیکن عملاً بہت چالاک آدمی تھا۔ اُس نے وہ پستول ایک ایسی ویران جگہ پر جھاڑیوں کی جڑوں میں چھپائے تھے کہ وہ دو چار دن بھی وہاں پڑے رہتے تو اُن کی طرف کوئی متوجہ نہ ہوتا۔

گھر کی طرف واپس لوٹتے ہوئے میرے ذہن پہ کامیابی

خمار طاری ہونے لگا تھا۔ سلطان شاہ کی کہانی پہلے تو میں سطحی
ن کے ساتھ سنتا چلا گیا تھا لیکن اب مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ
طان شاہ نے قاسم کو بہت بڑی دشواری میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس
گھر میں کسی نامعلوم آدمی کی آزادانہ مداخلت تنظیم کے حفاظتی نقطۂ
سے بہت خطرناک تھی۔ یہ غفلت اس قدر سنگین تھی کہ سکندر علی
گھر میں میرے خفیہ داخلے کے نتیجے میں اسے ماضی کی تمام ترخدمات
باوجود بیک جنبشِ قلم معزول کر دیا گیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد
کہ سکندر علی نے سکندر فارمز پر میرے ہاتھوں مارے جانے سے
ل بڑی حسرت سے کہا تھا کہ اگر اس کا بس چلتا تو وہ اوپر والوں
اپنے گھر میں کسی نامعلوم اجنبی کے گھسنے کی ہوا بھی نہ لگنے دیتا
ن اس پر اوپر والوں نے رخشی کو مسلط کیا ہوا تھا۔ جس نے سکندر علی
واپسی سے پہلے ہی اوپر والوں کو اس سنگین واردات کی اطلاع
دی تھی۔ اس معاملے میں سکندر علی، رخشی کے ہاتھوں مار کھا
ہا تھا لیکن قاسم کے ہاتھ کھلے ہوئے تھے۔ اوّل تو رخشی اس
ی نگراں نہیں تھی بلکہ ایک دوست کی طرح اس کے ساتھ رہ رہی
ی۔ پھر سلطان شاہ کی مداخلت سے پہلے ہی قاسم نے رخشی کو
نے مکان سے گلشنِ اقبال منتقل کر دیا تھا لہٰذا اس کے مکان میں
نی بھی مداخلت کا کوئی گواہ نہیں تھا۔ اپنی تمام تر الجھن اور پریشانی
وجود وہ چاہتا تو اوپر والوں کو اس واقعے کی ہوا بھی نہ لگنے
اور اس طرح اپنے ریکارڈ کو بے داغ رکھنے میں کامیاب
نا۔

میرے لیے وہ معاملہ ثانوی تھا جسے لاہور سے واپسی کے
لے کرنا تھا۔ لہٰذا گھر پہنچ کر میں نے سلطان شاہ کو اس ہدایت
ساتھ سونے کے لیے ایک کمرہ دے دیا کہ وہ میرے ملاقاتیوں
نگاہوں سے حتی الامکان دور ہی رہے گا۔

میں نے یہ سوچ ہی لیا تھا کہ رخشی کی دھمکیوں یا کار کی ڈکی
ملنے والے ٹائم بم کے بارے میں اے۔ ٹو کو ایک لفظ بھی نہیں
ں گا تاکہ قاسم کا منصوبہ ناکارہ ہو کر رہ جائے۔ دوسری طرف
۔ ٹو نے بھی مجھے کسی قسم کے رابطے سے منع کر دیا تھا۔ بس باہر
لے جانے والوں کا انتخاب مکمل ہونے کے بعد مجھے اس کو
رع دینا تھی۔ اس لیے اے۔ ٹو کو فون کرنے کی کوئی ضرورت
ں تھی۔ میں نے اُس دن کا آخری پیگ بنا کر مسہری کے سرہانے
نائٹ لیمپ کا بلب آن کر کے روشنیاں گل کر دیں اور بستر پر
ہو گیا۔

ذہن پر سرور کی کیفیت طاری تھی لیکن نیند کا کوسوں بھی
یں تھا۔ میں بستر پر پڑا ایک ناول کا مطالعہ کرتا رہا۔ ناول
سپ تھا۔ بڑی طاقتوں کی سرد جنگ کی کہانی کو مغربی مصنف
ڈھنگ سے بڑھا لے گیا تھا کہ بعض خفیہ مقاصد کی تکمیل کے لیے

اُس نے روسی ایجنٹوں کے مضبوط حصار میں امریکی صدر کی بیوی
کی جگہ اُس کی ہم شکل اور تربیت یافتہ روسی جاسوسہ کو صدرِ امریکہ
کے ہمراہ دکھایا تھا۔ اس جاسوسہ کی تربیت اور اداکاری اس
قدر مکمل تھی کہ صدرِ امریکہ کو شبہ تک نہ ہو سکا تھا کہ اُس کی بیوی
واشنگٹن سے ہزاروں میل دور روسی قید میں تشدد کی صعوبتیں
جھیل رہی تھی اور اُس کے ساتھ ایک جاسوسہ موجود تھی۔ کہانی
میں میری دلچسپی اس لیے اور بھی بڑھ گئی تھی کہ میں یونیسکو کے تحت
ہونے والے کھلے اجلاس میں امریکی مندوب کی زبانی روسی عزائم
کی ناقابلِ یقین کہانی سن چکا تھا اور اُسی وقت سے یہ خیال مسلسل
میرے ذہن میں کچوکے لگا رہا تھا کہ اپنی سرزمین پر ہیروئن کی تیاری،
درآمد اور تجارت میں ملوث ہر چھوٹا بڑا مہرہ دانستہ یا نادانستہ
طور پر ایک بھیانک سازش کا آلۂ کار بنا ہوا تھا جس کے مقاصد
حصولِ زر سے زیادہ جغرافیائی اور سیاسی تھے۔

میں کہانی میں اس کے ایک کردار کی طرح ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک
خواب گاہ کے سناٹے میں فون کی گھنٹی چیخی اور چند ثانیوں کے لیے
میرے اعصاب بکھر کر رہ گئے۔ بے اختیار میری نگاہیں وال کلاک
کی طرف اُٹھ گئیں جو اس وقت دو بجے کے عمل کا اعلان کر رہا تھا۔
گھنٹی کی آواز دوبارہ کسی گھٹی گھٹی آسیبی چیخ کی طرح گونجی،
تو میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر ریسیور
اُٹھا لیا۔

لائن پر سناٹا رہا، شاید فون کرنے والا میری طرف سے گفتگو میں
پہل کا منتظر تھا لیکن میں دانستہ خاموش رہا پھر آخر ریسیور پر قاسم کی
آواز اُبھری "کیا تم جاگ رہے تھے؟"

"کیا یہی پوچھنے کے لیے میری نیند خراب کی ہے؟" میں غصیلے
لہجے میں غرایا۔ کثرتِ شراب نوشی سے میری آواز ویسے ہی بھاری
ہو رہی تھی۔ لہٰذا مجھے لہجے کو خمار آلود بنانے کے لیے اداکاری کی
ضرورت نہیں پڑی۔

"میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔" اس کا تھکا ہوا
لہجہ اس کے الفاظ کی عکاسی کر رہا تھا لیکن میرے دل میں اُس
کے لیے ہمدردی کی ذرا بھی رمق پیدا نہ ہو سکی کیوں کہ میں اچھی
طرح واقف ہو چکا تھا کہ وہ رخشی کے نام کی آڑ لے کر مجھے بلیک میل
کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ "ورنہ یوں بے وقت تمہیں
تنگ نہ کرتا۔"

"پریشانی کا سبب بھی بتا ڈالو۔" میں نے جذبات سے عاری،
سرد لہجے میں کہا۔ "ابھی وقت باقی ہے، میں تمہارے مسائل سے اوپر
والوں کو آگاہ کر دوں گا۔"

"نہ ... نہ۔" اُس کی کھُردری آواز میں بوکھلاہٹ عود
کر آئی۔ "یہ کوئی آفیشل معاملہ نہیں ہے، میں نے تمہیں دوست

سمجھ کر فون کیا ہے اور اس پریشانی کا تعلق تم سے بھی ہے۔"
"دوستی کا تو کوئی تعلق نہیں ہے ہمارے درمیان۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "کل تک تم میرے اُوپر تھے، آج تابع ہو... ایسے میں دوستی کی کوئی گنجائش کہاں نکل سکتی ہے؟"
"تو پھر معاملے کی بات ہی سہی۔" قدرے سکوت کے بعد اس کی آواز میں بھی تندی عود کر آئی۔ "رخشی کا کچھ پتا چلا؟"
"میں اس معاملے سے بالکل بری الزمہ ہوں، اس کا سراغ لگانا تمہارا کام ہے۔"
"تم سے اس کا کوئی رابطہ یا فون کال وغیرہ؟" میں اس کے لہجے کی بے چینی بھانپ گیا۔ رخشی نے پہلے مجھے فون پر دھمکیاں دیں پھر فون ہی پر کار کی ڈکی میں بم کی موجودگی سے آگاہ کیا تھا، اور اس نے دونوں بار یقیناً قاسم ہی کے مشورے پر عمل کیا تھا لیکن اس بارے میں میری پُراسرار خاموشی قاسم کو کھل رہی تھی۔ وہ اپنے حفاظتی اختیارات کی آڑ میں مجھ سے سچ اگلوانا چاہ رہا تھا لیکن میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔
"وہ بہت چالاک عورت ہے خطرہ بھانپ کر ہی روپوش ہوئی ہے۔ وہ کیوں مجھ سے رجوع کر کے کوئی خطرہ مول لینے لگی؟"
ریسیور پر اُس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی۔ "لیکن میری اطلاعات کچھ اور بتاتی ہیں۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔
"پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟" میں نے چڑچڑے لہجے میں سوال کیا۔
"صرف تصدیق کے لیے۔ رخشی نے مجھے فون کیا تھا کہ وہ تمہاری وجہ سے مصیبت میں پڑی ہے اور تمہیں ہرگز معاف نہیں کرے گی۔ بزدلی کے ساتھ وار کرنے کے بجائے اُس نے تمہیں فون کر کے اپنے عزائم سے آگاہ بھی کر دیا ہے۔" مجبوراً اسے ایک کہانی تراشنا ہی پڑ گئی۔
"میرے لیے یہ سمجھنا دشوار ہے کہ اُسے تم سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ تم تو اُسے مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔"
"تو تم اب بھی اس سے کسی رابطے سے انکار پر اڑے ہوئے ہو؟" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔
"گرمی کھانے کی ضرورت نہیں۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "شاید وہ ہم دونوں کو لڑوانا چاہتی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے شاید اسی کے کسی ساتھی نے مجھے فون کیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ قاسم کے گھر کا کباڑا کر دیا گیا، اس کے ستارے اچھے تھے جو وہ گھر پر نہیں ملا ورنہ ذبح ہی کر دیا جاتا۔ میں نے تو تم سے کریدنے کی کوشش نہیں کی کہ تمہارے گھر پر کیا ہوا؟"
"کچھ بھی نہیں ہوا۔" اُس کی آواز میں مدافعانہ بوکھلاہٹ نمایاں تھی۔ "میرے گھر میں میری مرضی کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا اور کیا بکواس کی تھی اس نے؟"
"مجھے بھی دھمکیاں دے رہا تھا۔ ہو سکتا ہے رخشی نے اسی کی بابت تمہیں بتایا ہو۔"
"ہو سکتا ہے۔" اس کی مصالحانہ آواز اُبھری لیکن وہ اُس کی کھلی منافقت تھی۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ میں رخشی کے بارے میں جھوٹ بول رہا تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ میری زبان سے اپنے گھر میں کسی کی مداخلت کا ذکر سُن کر وہ تذبذب میں پڑ گیا تھا اور اس بات کی اہمیت گھٹانے کی کوشش میں فی الوقت رخشی کے بارے میں میرا جھوٹ تسلیم کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔
"تمہیں پوری طرح ہوشیار رہنا چاہیے۔ کوئی بھی خطرہ محسوس ہو تو بے دریغ مجھ سے رجوع کرنا۔ ویسے فون کرنے والے کی آواز سے کچھ اندازہ تو لگایا ہو گا تم نے اس کے بارے میں؟"
"پختہ عمر کا کوئی کرانٹ آدمی معلوم ہوتا تھا۔ تمہارے بارے میں بہت نازیبا الفاظ استعمال کر رہا تھا، اس نے تو یہاں تک کہا تھا کہ وہ ہم لوگوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے اور جلد ہی ہماری اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔" میں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت شوشہ چھوڑا۔
"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا۔ اب میں اُسے بھی دیکھ لوں گا۔" اس کی آواز تفکر آمیز ہو گئی۔
"تم نے اپنی اُلجھن کے بارے میں نہیں بتایا ابھی تک؟" میں نے اُسے چھیڑا۔
"رخشی کے فون کا معاملہ تھا۔" اس کی آواز اس بار نرم تھی۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس معاملے کو کیسے ہینڈل کروں مگر اب تمہیں فون کرنے والا زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے میرا ہی رُخ کرے۔"
وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ مجھے یہ تاثر دینا چاہتا تھا جیسے اس کے گھر میں کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہ ہوا ہو اور میں نے اس پر کسی ردِ عمل کا اظہار کیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔
ہم دونوں کے درمیان سرد جنگ کے ساتھ ہی عملی معرکہ آرائی بھی جاری تھی اور ابھی تک ہر اعتبار سے میرا پلّہ بھاری تھا کیوں کہ اس کی اور رخشی کی ملی بھگت میرے سامنے آ چکی تھی۔ سلطان شاہ نے بچشم خود اُسے میری کار کی ڈکی میں کوئی ڈبا رکھتے ہوئے دیکھا تھا لیکن قاسم سمجھ رہا تھا کہ اُس کی ساری حرکات مجھ سے پوشیدہ ہیں۔ دوسری طرف سلطان شاہ نے اس کے گھر میں جو کارروائی کی تھی، اس کا رُخ میں نے کسی انجان شخصیت کی طرف موڑ دیا تھا مجھے پوری اُمید تھی کہ میری لاہور سے واپسی تک قاسم اُسی کے چکر میں

رہے گا

اگلی صبح سب سے پہلے میں نے فون پر غزالہ کو مطلع کیا کہ
ہو روانگی کے لیے تیاری مکمل کرلے۔ اس کے بعد میں نے
لال شاہ کو رقم دے کر بازار روانہ کر دیا تاکہ وہ اپنے لیے کچھ قمیصیں
پ اور ایک چھوٹا سوٹ کیس لے آئے۔ اس مرحلے پر میں اس کے
ز شہر میں کہیں دیکھا جانا پسند نہیں کرتا، اگر وہ لاہور کے سفر میں
دں کا پارسا ثابت ہو جاتا تو میرا ارادہ تھا کہ اسے مستقل طور پر غزالہ
ہاں پہنچا دوں گا۔ وہاں وہ گھریلو کام کاج کے ساتھ بظاہر چوکیدار
تے داری بھی سنبھال سکتا تھا اور جب مجھے ضرورت ہوتی، وہ
ے کام بھی آسکتا تھا۔

اگلے مرحلے پر میں نے جہانگیر کو بی۔ فور کی حیثیت سے فون کرکے
ی طور پر آپریٹس پر کال کرنے کی ہدایت کی اور دس منٹ بعد
س سے ٹرانسمیٹر ریسیور پر بات ہوگئی۔ ٹرک نمبر ایک۔ آر صفر تین نو
شہر پہنچنے والے مال کی مقدار اتنی کافی تھی کہ اس کے اندازے
مطابق پورا ہفتہ اطمینان سے گزر سکتا تھا۔ اس نے پہلی بار
ے تین نمبر میں داخلے کے بارے میں زبان کھولی تو میں نے
فور کی حیثیت سے اسے بتا دیا کہ فی الحال جیوا ہاؤن کے تین نمبر
ے میں میرے سوا ہر ایک کا داخلہ ممنوع رہے گا۔ پھر اس نے
بتے ہوئے بازار میں دوسرے ذرائع سے ہیروئن کی فروخت کا ذکر
ر دیا۔

"وہ لوگ کون ہیں اور کہاں سے مال لا رہے ہیں؟ اوور۔"
نے بدلی ہوئی آواز میں سوال کیا تھا۔

"فی الحال صرف دو آدمی نگاہوں میں آسکے ہیں سر۔" جہانگیر
ی آواز ابھری۔" اور وہ دونوں ہی افغان ثابت ہوئے ہیں۔ پتا
لا ہے کہ آزاد علاقے میں پائندہ گل نامی ایک افغان قبائلی
ردار ہیروئن بنا رہا ہے۔ وہ دونوں براہِ راست اسی سے مال
لے تھے۔ اس بار وہ چار چھ سو گرام پاؤڈر لائے تھے لیکن بھاری
ع کے باعث اگلی بار شاید دوگنی مقدار لائیں گے۔ اس کی نقل و
مل میں سہولت کے باعث کچھ اور لوگ بھی میدان میں آئے ہیں۔
یکن فی الحال ہمارے آدمیوں کی نگاہوں میں نہیں آسکے۔ اوور۔"

"ایسے ہر شخص پر کڑی نگاہ رکھو۔" یہ کہتے ہوئے میرے ذہن
امریکی نمائندے آرتھر کے الفاظ گھوم گئے۔ ہزاروں میل دور
دوسرے برِاعظم سے آنے والے اس شخص کی معلومات اس
یع تھیں کہ اس نے پائندہ گل کی ہیروئن ساز فیکٹری کا مال بازار
نے سے پہلے اس کی کامیابی کی اطلاع دے دی تھی۔ جہانگیر کی
ت پائندہ گل کے بارے میں آرتھر کی اطلاعات کی پوری پوری

تائید کر رہی تھی۔" ان دونوں افغانوں پر آدمی لگا دیے جائیں گے، ان کے کوائف کیا ہیں؟ اوور۔"

ان دونوں کے کوائف نوٹ کر کے میں نے سلسلہ منقطع کر دیا اور آپریٹس کی ٹرانسمیشن فری کوئنسی تبدیل کر کے سی ون سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"سی کنگ ریسیونگ۔" اس نے پہلی ہی کال کے جواب میں کہا۔ "ابھی ابھی میں دوسری فری کوئنسی پر تمہاری اور ڈی ون کی گفتگو سن رہا تھا۔ اسی لیے کال کیا ہے؟ اوور۔"

"واقعی تم بہت ذہین ہو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "پھر تم نے یہ بھی سن لیا ہو گا کہ نزار خان اور تازہ گل سہراب گوٹھ کی ایک سستی سی سرائے میں مقیم ہیں۔ انھیں بے رحمی کے ساتھ زدوکوب کر کے ہر اس چیز سے محروم کر دو جو ان کی تحویل میں ہو۔ انھیں دوسروں کے لیے عبرت کا شاہکار ہونا چاہیے۔ رقم کمانے کے لالچ میں اگر ہر ایک شخص ایک آدھ کلو ہیروئن کے ہیر پھیر میں لگ گیا تو مارکیٹ خراب ہو جائے گی، ایسی ہر کوشش کی حوصلہ شکنی ہونا چاہیے... اوور۔"

"پتہ ہی صاف نہ کرا دوں دونوں کا تاکہ ہیروئن پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ہر ایک کا پتہ پانی ہو جائے؟ اوور۔"

"نہیں۔" میں نے سختی سے کہا۔ "انھیں زندہ رہنا چاہیے تاکہ ان کی کہانی ان ہی کی زبانی پھیلے۔ انھیں اچھی طرح یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ انھیں شہر میں ہیروئن بیچنے کی پاداش میں سزا دی گئی ہے۔ وہ مر گئے تو ان کے قریبی دو چار لوگوں کے سوا کسی کو معلوم نہ ہو سکے گا کہ وہ کون تھے؟ اور کیوں مارے گئے؟ اوور۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ فوری طور پر میری رائے سے متفق ہو گیا۔ "اس واقعے کی تشہیر ہمارے مفاد میں ہو گی... اوور۔"

"وہ تمہاری طرف پہنچا یا نہیں؟ اوور۔" کام کی بات ختم ہوتے ہی میں نے اس کی دکھتی رگ چھیڑ دی۔

"کون؟ اوور۔" اس نے تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"وہی جس نے فون پر مجھے تمہارے گھر کا کباڑا ہو جانے کی اطلاع دی تھی۔ اوور۔" میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے میٹھے لہجے میں کہا۔

"میں تو اس کا انتظار ہی کر رہا ہوں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "اچھا ہوا کہ تم نے مجھے اطلاع دے دی، کوئی بھی اس طرف آیا تو زندہ بچ کر نہ جا سکے گا.... رخشی سے کوئی رابطہ ہوا تمہارا؟ اوور۔" اپنی صفائی پیش کرنے کے ساتھ ہی اس نے اپنی دانست میں مجھے ذہنی کچوکا دینے کی کوشش کی کیوں کہ اسی کے ایما پر رخشی نے مجھے فون پر پہلے دھمکیاں دی تھیں۔ پھر کار کی ڈکی میں ٹائم بم کی موجودگی کی اطلاع دی تھی لیکن میں رخشی سے کسی رابطے سے ہی صاف انکار کر رہا تھا۔

"فکر نہ کرو۔ رابطہ ہوتے ہی تمھیں مطلع کروں گا۔ میرا خیال ہے کہ اسے کوئی بڑبولا ساتھی مل گیا ہے جو دھمکیاں دینے کے معاملے میں حاتم ہے لیکن عملاً ناکارہ ہے... موقع ملا تو میں کسی تدبیر سے رخشی کو گھیر ہی لوں گا، پھر اس کی وہ درگت بناؤں گا کہ وہ بھی یاد رکھے گی... اوور۔"

"میں نے پورا شہر چھان مارا لیکن اس کا کہیں سراغ نہیں مل سکا۔ وہ جس انداز میں روپوش ہوئی ہے اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کچھ کر گزرنے پر تل گئی ہے اور آسانی کے ساتھ ہمارے ہاتھ نہ آ سکے گی لیکن پھر بھی اگر وہ تمہارے ہاتھ لگ ہی جائے تو اس پر تشدد وغیرہ کیے بغیر میرے حوالے کر دینا... وہ میرا کیس ہے، میں دیکھوں گا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ اوور۔"

میں ہنس پڑا۔ "ارے درگت سے میری مراد تشدد نہیں تھا۔ میں بالکل ہی پتھر نہیں ہوں۔ اچھی خاصی جمالیاتی حس کا مالک ہوں... اوور۔" میں نے بات بنا دی ورنہ درگت کا ذومعنی لفظ میں نے محض اس کا ردعمل دیکھنے کے لیے ہی استعمال کیا تھا۔ رخشی کا کردار کچھ بھی سہی لیکن وہ قاسم کی دوست تھی... اس نے اضطراری طور پر میرے تشدد سے اختلاف کیا تو میں نے اس کے دل میں رقیبانہ جذبات کو ہوا دے کر اس کی کھوپڑی کو گرما دیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس نے اپنے ردعمل پر قابو پانے کی کوشش کی ہو گی لیکن وہ بولا تو اس کی آواز میں تلخی موجود تھی۔

"تم جو چاہو کر سکتے ہو، میں تمھیں حکم نہیں دے سکتا لیکن بہتر یہی ہو گا کہ تم اس سے دور ہی رہو۔ وہ بہت چالاک ہے، تمھیں رجھا کر کسی چکنی مچھلی کی طرح تمہاری گرفت سے نکل جائے گی اور تم اس کی تلاش میں شہر کی خاک چھانتے رہ جاؤ گے۔ اوور۔"

"کہاں ہم اس منفرد صنف میں الجھ گئے۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "وہ ہاتھ آئے گی تو دیکھا جائے گا۔ فی الحال فوری طور پر نزار خان اور تازہ گل کا بندوبست کرو۔ اوور اینڈ آل۔"

باہر آ کر میں نے اپنا کمرہ مقفل کر دیا اور خانساماں کو ہدایت کر دی کہ سلطان شاہ لوٹ کر آئے تو میری واپسی تک اسے گھر پر ہی روک لیا جائے۔ اس طرف سے فارغ ہو کر میں دفتر کے لیے روانہ ہو گیا۔

راستے بھر میری نگاہیں عقب نما آئینے کا بار بار جائزہ لیتی رہیں لیکن مجھے پیچھے کوئی ایسی کار نظر نہ آئی جس پر تعاقب کرنے

شبہ کیا جا سکتا۔ میرے لیے یہ خوشی کی بات تھی۔ قاسم میرے ہاتھوں ایک آدمی کی بے رحمانہ پٹائی کے بعد محتاط ہو گیا تھا ورنہ نگرانی کرنے والوں سے پیچھا چھڑائے بغیر میرے لیے لاہور روانگی کے پروگرام پر عمل کرنا دشوار تھا۔

دفتر میں معمولات سے فارغ ہو کر میں نے عملے کے سینئر اراکین کو مختصر الفاظ میں بریف کرتے ہوئے آگاہ کیا کہ شہر میں باہر سے آئے ہوئے چند مہمانوں کی وجہ سے یہ امکان ہے کہ شاید میں دو چار دن دفتر پر توجہ نہ دے سکوں، لہٰذا جملہ معاملات انہیں ہی نمٹانے ہوں گے۔ میں نے یہ قدم اس لیے اٹھایا تھا کہ کہیں قاسم کو میری اچانک روپوشی کی بھنک نہ مل جائے۔ ایسی صورت میں وہ اپنا شک دور کرنے کی خاطر میرے دفتر سے بھی رجوع کر سکتا تھا۔

اپنے ایجنٹ سے کراچی تا لاہور آمدورفت کے تین اوپن ٹکٹ حاصل کر کے میں غزالہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ تینوں ٹکٹ شام کی پرواز کے لیے کنفرم تھے لیکن ان پر کسی مسافر کے نام کا اندراج نہیں تھا۔ میں ایئرپورٹ پر چیک ان ہونے سے پہلے ہر طرح محتاط رہنا چاہتا تھا۔ میں غزالہ کے گھر پہنچا تو وہ اپنے باپ کے ساتھ بازار گئی ہوئی تھی۔ اس کی ماں نے محبت اور ٹھاٹھ کے ساتھ میرا استقبال کیا۔

"تم دونوں کہاں جا رہے ہو بیٹا؟" اس نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد محبت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

'مر گئے!' میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ نجانے غزالہ نے اس سفر کے بارے میں اپنے گھر والوں کو کیا بتایا تھا، اگر میرے منہ سے کوئی متضاد بات نکل جاتی تو معاملہ گڑبڑ ہو سکتا تھا۔

"لاہور کا ارادہ ہے۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ مختصر ترین الفاظ استعمال کرتے ہوئے محتاط لہجے میں جواب دیا۔

"یہ تو ہمیں معلوم ہے۔" اس نے صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر ہموار آواز میں کہا۔ "لیکن نام کیا ہے اُس ڈاکٹر کا؟"

'ڈاکٹر؟' میری کھوپڑی پر گویا کوئی وزنی ہتھوڑا آگرا۔ مجھے بے اختیار غزالہ پر غصہ آنے لگا۔ اگر اس نے اپنے گھر والوں سے کوئی بہانا بنایا تھا تو اس کا فرض تھا کہ مجھے بھی ہوشیار کر دیتی۔ اب وہ خود غائب تھی اور میں کڑی مشکل سے دوچار ہو گیا تھا۔ میں چند سیکنڈ تک ہکلاتے ہوئے انداز میں شمع سے نگاہیں چراتا رہا پھر مجھے ایک گول مول سا جواب سوجھ ہی گیا۔ "ڈاکٹر شوکت علی۔ بہت مشہور ہے۔ بڑے بڑے مریضوں کا کامیاب علاج کر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ میں بڑی شفا دی ہے۔"

شمع کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر تبسم سا تیر گیا۔ "کامران کے بارے میں مشورہ کرو گے اس سے؟"

"جی.... جی ہاں۔" میں نے اطمینان کا گہرا سانس لیتے ہوئے جلدی سے کہا۔ اس نے کامران کا نام لے کر خود ہی میری مشکل آسان کر دی تھی اور اب میں اس سے گھنٹوں اس موضوع پر بات کر سکتا تھا۔ "بہت قابل آدمی ہے... بس گنے چنے کیس ہی لیتا ہے۔ لالچ تو اس کی طبیعت کو چھو کر بھی نہیں گزرا۔"

"تو کامران کو بھی ساتھ لے جاتے۔ بھلا مریض کو دیکھے بغیر وہ کیا بتا سکے گا؟" اس کے لبوں کا تبسم گہرا ہو گیا۔ بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں میں نشے کی ویرانی کی جگہ بچوں جیسی معصومانہ چمک اُبھر آئی۔

"کامران کو لے جانا غیر محفوظ ہو سکتا ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "اگر دوران سفر اس پر دورہ پڑ گیا تو دشواری پیدا ہو جائے گی۔ میری کوشش ہو گی کہ ڈاکٹر شوکت کو واپسی پر ساتھ ہی لے آؤں۔ اگر اسے بہت زیادہ مصروفیت ہوئی تو پھر کامران کو کار کے ذریعے لے جانا پڑے گا۔"

"اور جا کب رہے ہو؟" وہ بدستور مسکرائے جا رہی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اپنے ہونے والے داماد کو سامنے پا کر خوشی محسوس کر رہی ہو۔

"بس آج ہی۔ شام کی پرواز پر نشستیں محفوظ کرا لی ہیں میں نے۔" میں نے جیب سے ٹکٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"خدا تم دونوں کو سلامت رکھے اور ساتھ خیر کے واپس آؤ۔" وہ دعائیہ انداز میں بولی۔ "ہم تو زمین کا بوجھ بن کر رہ گئے ہیں بیٹے! شاید اب تمہاری خوشیاں دیکھ کر جینے کا حوصلہ مل جائے۔ ہمارے لیے تو یہی ایک خوشی برداشت سے باہر ہوئی جا رہی ہے کہ تمہارے طفیل غزالہ بیٹی نے ہم سے جیتے جی صلح کر لی ہے ورنہ اس کی نفرت سے جلتی ہوئی آنکھیں شاید قبر میں بھی ہماری روح کو بے چین ہی رکھتیں۔"

اسی اثنا میں غزالہ تقریباً دوڑتی ہوئی ڈرائنگ روم میں گھس آئی۔ شاید اُس نے باہر میری گاڑی دیکھ کر میری موجودگی کا اندازہ لگا لیا تھا اور سیدھی ادھر ہی آئی تھی کیونکہ اس کے ہاتھ میں پھولا ہوا شاپنگ بیگ جھول رہا تھا۔

"لو بیٹی! اب تم سنبھالو تنویر میاں کو۔" شمع تھکے ہوئے انداز میں اُٹھتے ہوئے بولی۔ "تھوڑی دیر بیٹھتے ہیں تو ہماری ہڈیاں تک دُکھنے لگتی ہیں۔" احتراماً میں کھڑا ہو گیا۔

"کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی؟" ماں کے جاتے ہی غزالہ نے تجسس آمیز سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"تم نے تو مروانے میں کسر نہیں چھوڑی تھی، بس کان پر سے گزر گئی....." میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اُسی لمحے کرنل زوار

زیدی پُرتپاک انداز میں میری مزاج پُرسی کرتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ بیوی کی طرح آدمی وہ بھی سمجھدار تھا۔ کھڑے کھڑے خوشدلی سے چند باتیں کرنے کے بعد لباس تبدیل کرنے کا بہانہ کر کے اندر چلا گیا اور ہم دونوں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھ گئے۔

"کوئی بہانا کیا تھا تو مجھے کیوں اندھیرے میں رکھا؟" میں نے غزالہ کو گھورتے ہوئے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"بس خیال ہی نہیں رہا تھا کہ آپ میری غیر موجودگی میں بھی گھر آ سکتے ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "ہوا کیا تھا؟"

"ہوتا کیا، تمھاری اماں جان اچانک ہی لاہور کے ڈاکٹر کا نام پوچھ بیٹھی تھیں۔" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "بس فوراً ہی مجھے ایک نام سوجھ گیا ورنہ خواہ مخواہ کرکری ہو جاتی۔"

"بازار میں مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا۔" وہ ہنستے ہوئے بتانے لگی۔ "لیکن یہ تسلی تھی کہ آپ خاصے حاضر دماغ ہیں۔ بات بگڑنے نہ دیں گے۔"

"بگڑنے میں کوئی کسر تو نہیں رہ گئی تھی۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "وہ کامران کو بھی ساتھ لے جانے کا مشورہ دے بیٹھی تھیں۔"

"کامران کو؟" اس کی مسکراہٹ ایک دم کافور ہو گئی اور آنکھوں میں تحیر کی جھلکیاں تیرنے لگیں۔ "مگر کیوں؟"

"میں نے ڈاکٹر شوکت علی کا نام لے کر خطرناک امراض میں اس کی مہارت کا ذکر کیا تو . . . ."

"مروا دیا آپ نے۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "اور اس پر کہہ رہے ہیں کہ کان پر سے گزر گئی۔"

"کیا مروا دیا؟" میں چیخ کر بولا۔ "حماقت خود تمھاری ہے اور الزام مجھ پر لگا رہی ہو۔ کیا کیا میں نے؟"

"آپ مریضوں والے ڈاکٹر کا ذکر کرتے رہے اور امّی نے کچھ نہیں کہا؟"

"کیا کہتیں، بس سمجھا ہی دیا اُنھیں کہ فی الحال کامران کو لے جانا مناسب نہ ہو گا۔ بہت دعائیں دے رہی تھیں۔"

"میں نے اُن سے ادب کے ڈاکٹر کا بہانا تراشا تھا۔" اُس کی وضاحت سنتے ہی میری کھوپڑی بھق سے اُڑ گئی۔ "میں نے اُن سے کہا تھا کہ ہم دونوں عابدہ کی کتاب پر ایک نامور نقاد سے تبصرہ لکھوانے لاہور جا رہے ہیں تاکہ جلد ہی اس کی اشاعت کا بندوبست ہو سکے۔"

"لیکن اُنھوں نے تو میری تردید میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔" میں نے کمزور مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"اُن میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔" وہ بولی۔

"اب تو صحت سے مجبور ہیں ورنہ دوسروں کی کمزوریوں سے خوب لطف اندوز ہوتی تھیں۔ میرا جھوٹ پکڑنے پر وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہی ہوں گی۔"

"لیکن میں اب اُن کا سامنا نہ کر سکوں گا۔" میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا سوچا ہو گا اُنھوں نے میرے بارے میں! یہی ناکہ میں بھی تمھاری طرح لااُبالی اور بہانے باز ہوں۔"

"آپ کو اس قدر سنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ ہنسنے لگی۔ "میں بات سنبھال لوں گی، لاہور میں ہمیں دونوں ہی کام کرنے ہیں۔ ایک میں نے بتا دیا، دوسرا آپ نے۔"

"لیکن یہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ ہم کامران جیسے قابلِ رحم لڑکے کا نام استعمال کریں۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"اس گھر کی فضا اب بالکل بدل گئی ہے تنویر صاحب!" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "شبہات کی دُھند صاف ہوتے ہی ہم تینوں حیرت ناک سرعت سے ایک دوسرے کے قریب آئے ہیں لیکن تمام تر بے تکلفی کے باوجود ہمارے معاشرے میں ابھی وہ مقام نہیں آیا کہ کوئی لڑکی کسی معقول بہانے کے بغیر اپنے دوست کے ساتھ باہر کہیں جانے کا ارادہ کر سکے ـــ وہ میری اپنی ذہنی اُپج تھی ورنہ امّی اور ڈیڈی تو آنکھیں بند کر کے آپ پر بھروسا کرنے لگے ہیں۔" وہ لحظہ بھر کے لیے خاموش ہو گئی پھر بولی۔ "ہم کامران کا نام ہرگز استعمال نہیں کر رہے ہیں، وہ تو آپ غلط فہمی میں پھنس گئے، مجھے یقین ہے کہ اس بے چارے کے لیے آپ مجھ سے زیادہ دُکھی نظر آتے ہیں ـــ انشاء اللہ اُسے بھی کسی نہ کسی کو دکھائیں گے۔"

میرے دل میں آئی کہ اُسے ایڈکشن کیور سوسائٹی کے بارے میں بتا دوں لیکن وہ موضوع بہت گنجلک تھا۔ ایک بار بات چھڑ جاتی تو پھر کافی وقت ضائع ہو جاتا للہٰذا میں نے اُسے روانگی کے پروگرام سے باخبر کرتے ہوئے کہا۔ "میں چھ بجے تمھیں لینے آؤں گا۔ تیار رہنا، زیادہ سامان لادنے کی ضرورت نہیں۔"

وہ چند ثانیوں تک پُرخیال انداز میں میری طرف دیکھتی رہی، پھر آہستہ سے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ یہ مناسب نہ ہو گا۔"

"کیا مناسب نہ ہو گا؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"ہمارا یہاں سے ایک ساتھ روانہ ہونا۔" اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "میرا ٹکٹ مجھے دے دیں، میں براہِ راست ائیرپورٹ پہنچ جاؤں گی۔ میدان صاف ہونے کا اطمینان کرنے کے بعد آپ مجھ سے آملیں۔"

اُس کی تجویز نہایت معقول تھی۔ روانگی سے پہلے میں شہر میں جتنا گھومتا، اُسی قدر میرے دیکھ لیے جانے کے خطرات پیدا ہو جاتے اور شاید کوئی میرے پیچھے بھی لگ لیتا۔ قاسم سے کچھ بعید

ں تھا کہ نجانے کس وقت وہ کیا حرکت کر بیٹھے لہٰذا میں فوری طور پر
دار کی رائے سے متفق ہو گیا اور ٹکٹ اُس کے حوالے کر کے وہاں
ہ آ بیٹھ گیا۔

گھر پہنچا تو پتا چلا کہ سلطان شاہ اپنے کمرے میں گھسا ہوا ہے۔ بلا
خود میرے قدم اس کے کمرے کی طرف اٹھ گئے۔

کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن اندر کا منظر دیکھتے ہی میرے
م ٹھٹک گئے۔ وہ ہلکی نیلی پتلون اور سفید قمیص پہنے قدِ آدم آئینے کے
سامنے کھڑا ٹائی باندھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آئینہ دروازے کے
مقابل ہونے کے بجائے بغلی دیوار کے ساتھ لگا ہوا تھا لہٰذا وہ میری
آمد سے باخبر نہ ہو سکا اور جسم کو بل دے دے کر انہماک کے ساتھ ٹائی
کی گرہ لگانے کی کوشش کرتا رہا۔

مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اپنی دانست میں کام پورا
کر کے اُس نے بڑے اسٹائل سے دونوں سرے پکڑ کر ٹائی کی گرہ
چست کرنے کی کوشش کی اور فوراً ہی بوکھلا گیا۔ صلیب کی اس
شکل کا پھندا اس کے گلے میں تنگ ہو گیا تھا۔ اُس نے فوری طور پر
ڈھیلی کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی گھبراہٹ سے مجھے اُس
ی کا اندازہ ہو گیا۔

وہ کسی سے مدد لینے کی نیت سے باہر کی طرف دوڑ لگانے
دے سے پلٹا تھا مگر کھلے ہوئے دروازے کے وسط میں
تے ہی اس کے سُرخ چہرے پر بے بسی کے آثار پھیلتے چلے گئے۔
بانے پہلی بار دیکھا کہ ٹائی کا حلقہ اس کی گردن کے گرد اس
گیا تھا کہ اس کے قرب و جوار کی رگیں پھول گئی تھیں، اور
پر بھی دباؤ نظر آ رہا تھا۔

یر پھنس گئی۔ ذرا اسے کھول دو، ورنہ قینچی سے کاٹ دوں
گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میرا تو دم گھٹنے لگا ہے۔"
تمہیں مشورہ کس نے دیا تھا ٹائی لگانے کا؟" میں نے اُس کی
ھتے ہوئے قہقہہ لگا کر سوال کیا۔

بس دُکان دار کی باتوں میں آ کر دو خرید لی تھیں تو سوچا کہ
بھی دیکھ لوں۔" اُس نے ٹھوڑی اُوپر اٹھاتے ہوئے
سے کہا۔

س کی ٹائی میں کچھ عجیب طریقے سے دوہری گرہ لگی ہوئی تھی۔
سے کھولتے ہوئے ہنس کر کہا۔ "میں نے انگریز بننے کے لیے
انتھا قمیص پتلون ٹائی کے بغیر بھی پہنی جا سکتی تھی۔"

س کا نے پھندے سے چھٹکارا ملتے ہی گلا سہلا کر ایک گہرا
یا اور ٹائی گلے سے اتار کر ایک طرف پھینک دی۔ "کوا ہنس
کی چال چلنے کی کوشش میں اپنی چال بھی بھول جاتا ہے۔" وہ خفت
ہنسی کے ساتھ بولا۔ "جیتے جی گلے میں پھندا لگانا اپنے بس
سے باہر ہے۔"

"کسی کسی وقت تمہارے بارے میں مجھے اُلجھن ہونے لگتی ہے۔"
میں نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"وہ کیوں؟" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"تمہارے بارے میں میرا اندازہ تھا کہ تم دلیر، وفادار اور
سادہ لوح آدمی ہو۔" میں نے اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے
تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم میری توقع سے کہیں بڑھ کر
چالاک اور محتاط ثابت ہو رہے ہو۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے گہرا سانس لے کر ہنس پڑا۔
"تم نے تو جان ہی نکال دی تھی میری۔ میں سوچ میں پڑ گیا تھا کہ مجھ
سے کیا خطا سرزد ہوئی ہے جو تم الجھنے لگے ہو۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ میں دو
وقت کی روٹی کی تلاش میں کراچی آ کر علیشی خان کے پاس نوکری
کر رہا تھا۔ روٹی کی طرف سے مجھے گاؤں میں بھی بے فکری تھی۔
بس مال بنانے کی دُھن میں کراچی کا رُخ کیا تھا۔ پہلے یہاں چھوٹی
چھوٹی چوریاں کر کے گزارا کیا۔ پھر مقرب خان نے نوکری دلا دی۔
وہ میرے ہی گاؤں کا رہنے والا تھا اور وہاں خاصا عزت دار تھا
لیکن اس نے مجھے اپنے دھندوں کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔ خود اعتمادی
میں کُتّے کی موت مارا گیا... جہاں تک ہوشیاری اور چالاکی کا
تعلق ہے تو تم آزاد علاقوں کی زندگی سے لاعلم ہو۔ وہاں یہ صلاحیتیں
پیدائشی ہوتی ہیں کیوں کہ ہم ساری عمر تقریباً حالتِ جنگ میں گزارتے
ہیں... آپس کی دُشمنیاں نسل در نسل چلتی ہیں اور ایک جھگڑا
نمٹنے سے پہلے دوسرے محاذ کھل جاتے ہیں... ذرا بھی چوک ہو
جائے تو بس موت ہی مقدر ہوتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تھوڑی سی تربیت سے تم بہت کارآمد
ثابت ہو سکو گے۔"

"وہ تو بعد کی بات ہے، ابھی تک تو تم نے مجھے اس قابل
بھی نہیں سمجھا کہ اپنے کام کے بارے میں ہی... کچھ بتا دیتے، مگر
میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ جو کہو گے آنکھیں بند کر کے
کروں گا اور پھر ایک دن تم مجھ پر اعتماد کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"
اس کا لہجہ پُراعتماد تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ شاید وہ وقت جلد ہی آ
جائے گا۔"

"شاید تمہیں دل چسپی نہ ہو، لیکن میرے پاس ایک خبر ہے۔"
اس نے مسکرا کر کہا۔

میں سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ "کیسی خبر؟"

"میں کپڑے لینے کے لیے صدر میں گھوم رہا تھا تو میں نے
دلاور خان کو دیکھا تھا۔" وہ بتانے لگا۔ "لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ

سکا۔ بہت سفاک اور بے رحم آدمی ہے۔ شہروں کی زندگی سے اُسے نفرت ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ یہاں مقرب خان اور عقرب خان کے خون کا انتقام لینے آیا ہے۔"

"ان دونوں سے اس کا کیا تعلق ہے؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ ان کا ماموں ہے۔ میرے آنے تک چھ خون کر چکا تھا۔ اُسے اپنے بھانجوں کے قاتل کی بھنک بھی مل گئی تو اس کی ہڈیاں تک چبا ڈالے گا۔"

میرے ذہن میں فوراً ہی ایک تدبیر اُبھر آئی۔ "وہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے؟"

سلطان شاہ نے بے پروائی سے شانے اُچکائے۔ "مجھے کیا معلوم، میں تو اس کی نگاہوں سے بچ کر نکل گیا تھا۔ بہت تند خو اور بد مزاج آدمی ہے۔ گاؤں میں بھی لوگ اس سے بلا ضرورت بات نہیں کرتے۔" پھر چونک کر بولا۔ "تمہیں اس کی ذات سے اچانک کیوں دلچسپی پیدا ہو گئی؟"

"خطرناک صورت والا ہمارا حریف ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "اور وہی مقرب خان اور عقرب خان کا قاتل بھی ہے۔ اگر دلاور خان کو اس کے پیچھے لگا دیا جائے تو حساب برابر ہو جائے گا۔"

اُس نے بُرا سا منہ بنایا۔ "یہ بات تھی تو مجھ سے ہی کہا ہوتا، چڑیا کے بچے کی طرح کہیں بھی اُسے مسل دیتا... مجھ سے اس کا پیچھا کراتے رہے اور اب پکا پکایا شکار دلاور خان کی گود میں ڈالنے کی سوچ رہے ہو۔"

"اس معاملے میں میں اپنے کسی آدمی کو ملوث نہیں کرنا چاہتا۔" میں نے اُس کے طنزیہ لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "بہرحال۔ اب تو ہمارے پاس وقت بھی نہیں ہے، واپسی پر دیکھا جائے گا، ہو سکتا ہے کہ دلاور خان خود ہی سراغ لگا کر اس تک پہنچ جائے۔"

"تو ہم جہاز ہی سے جائیں گے نا؟" روانگی کا ذکر آتے ہی فضائی سفر کے بارے میں اس کا شوق عود کر آیا۔

"ہاں۔ یہاں سے ہم الگ الگ روانہ ہوں گے۔" میں نے جیب سے ٹکٹ نکالتے ہوئے کہا۔ "یہ رہا تمہارا ٹکٹ لیکن یہ یاد رکھنا کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہونا چاہیے۔ لاہور میں تمہیں مجھ سے الگ ہی رہنا ہوگا۔"

"تم فکر نہ کرو۔" وہ ٹکٹ کی ورق گردانی کرتے ہوئے مسرور لہجے میں بولا۔ "تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی، پتا نہیں تم سے پہلے ملاقات کیوں نہیں ہوئی میری؟"

میں ہنستا ہوا اُس کے کمرے سے نکل آیا۔

رخشی کی پناہ گاہ میرے علم میں آ چکی تھی اور مجھے یقین تھا کہ وہ میری واپسی تک پوری بے خوفی کے ساتھ وہیں مقیم رہے گی۔ قاسم یا سی۔ ون کے بارے میں سلطان شاہ کی اطلاع میرے لیے حیرت ناک ثابت ہوئی تھی۔ رخشی کو محفوظ ٹھکانا فراہم کرنے کے بعد سپرائی ٹو سے کے ذریعے اس کی روانگی سے میرے ذہن میں بس ایک ہی خیال جنم لے رہا تھا کہ اسے لے۔ ٹو نے بی۔ ون کے معاملے کی چھان بین پر نہ مامور کر دیا ہو۔

سی۔ ون ابھی تک تنظیم میں اپنی اہمیت برقرار رکھنے میں کامیاب رہا تھا۔ جب کہ سکندر علی بُری طرح میری زد میں آ کر مارا گیا تھا اور اس کا منصب مجھے سونپ دیا گیا۔ اس کے بعد بی۔ ون کا نام سامنے آیا لیکن اس بے چارے کو زیادہ دنوں تک مجھ پر اپنی برتری جتانے کا موقع نہ مل سکا اور وہ اپنی ہی ایک حماقت کے ہاتھوں جہنم واصل ہو گیا۔ اس طرح میں براہِ راست لے۔ ٹو سے وابستہ ہو گیا تھا لیکن میں اس اعزاز کا اکلوتا مالک نہیں تھا۔ سی۔ ون کو بھی براہِ راست اسی سے ہدایات مل رہی تھیں۔

اس وقت میرے لیے یہ کام بہت آسان تھا کہ رخشی کے معاملے میں سی۔ ون کی حکم عدولی بلکہ بغاوت کی اطلاع لے۔ ٹو تک پہنچا کر اس کا پتہ صاف کرا دوں کیوں کہ لے۔ ٹو نے سی۔ ون کو رخشی کو ہلاک کرنے کا حکم دیا تھا لیکن اس مردود نے اس کو چھپا کر اُس کی روپوشی کا افسانہ تراش لیا تھا۔ اگر میں لے۔ ٹو کو گلشنِ اقبال کے اس مکان کے پتے سے آگاہ کر دیتا جہاں قاسم نے رخشی کو رکھ چھوڑا تھا تو دنیا کی کوئی طاقت ان دونوں کو لے۔ ٹو کی انتقامی کارروائی سے نہیں بچا سکتی تھی۔ اس تنظیم کی رفاقت میں میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اُن کے نزدیک وقتی کاروباری مفادات سے زیادہ اہمیت ڈسپلن کی تھی اور محض اسی کڑے ڈسپلن کے باعث اتنے عرصے سے رازداری کے ساتھ منشیات فروشی کا کام چل رہا تھا۔

بظاہر سی۔ ون کے راہ سے ہٹ جانے سے مجھے فائدہ ہو سکتا تھا۔ اس جیسے پرانے اور قابلِ اعتماد کارکن سے ہاتھ دھونے کے بعد لے۔ ٹو لامحالہ مجھے زیادہ اختیارات سونپنے پر مجبور ہو جاتا۔ اگر سی۔ ون کی جگہ باہر سے کوئی دوسرا آدمی بھی بھیجا جاتا تو مقامی معاملات کو سمجھنے کے لیے اُسے میری مدد کی ضرورت ہوتی اور یوں میں مقامی سطح پر بلا شرکتِ غیرے اپنی باضابطہ بالادستی قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا لیکن میں فوری فائدے کے بجائے اصل آدمی کی نشان دہی کرنا چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ لاہور پہنچنے کے بعد میں اس سمت میں کوئی بڑی کامیابی ضرور حاصل

وں گا۔ مختلف مدارج میں جس طرح لے۔ ٹو تک میری رسائی
تھی، اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ لے۔ ٹو کے اوپر والا ہی
کا اصل اور حقیقی سربراہ ہوگا اور اس کی گردن پر ہاتھ
تے ہی نیچے سے اوپر تک تنظیم کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔
لیکن پھر مجھے یونیسکو کے تحت ہونے والے کھلے اجلاس میں
مندوب، آرتھر کی مدلل تقریر یاد آگئی۔ اگر وہ سچا تھا تو لے۔ ٹو
کے اوپر والوں پر ہاتھ ڈالنے میں کامیابی اتنی آسان نہیں ہوتی
میں سمجھ رہا تھا اور پھر اگر منشیات کی اس غیر قانونی تجارت کے
پشت واقعی کوئی غیر ملکی سازش کارفرما تھی تو مقامی مہروں کا
یا کرنے کے باوجود اس تجارت کو روکنا ناممکن تھا۔ ایک دو
جاتے تو اُن کے غیر ملکی آقا معقول معاوضے پر دوسروں کو
جگہ مامور کر دیتے، لہٰذا بہتر یہی تھا کہ عجلت کے بجائے تحمل
کام لیا جاتا اور کسی بھی کارروائی سے پہلے اس کے مضمرات پر
طرح غور کر لیا جاتا۔

میں ایئرپورٹ کے لیے روانگی تک اسی اُدھیڑبُن میں اُلجھا رہا۔
روانگی کے لیے مجھے کوئی خاص تیاری نہیں کرنا تھی۔ البتہ احتیاط
پر سکندر علی سے ملا ہوا وہ بریف کیس میں نے تیار کر لیا تھا جس
ٹرونک قفل صرف میرے انگوٹھوں کے نشانات سے کھل سکتا
ر اگر اس کے ساتھ زبردستی کی جاتی تو خودکار میکنزم کے
وہ بریف کیس زبردست بارودی دھماکے کے ساتھ
ونابود ہو جاتا۔

سلطان شاہ مقررہ وقت پر ٹیکسی کے ذریعے ایئرپورٹ
کے ارادے سے نکلا تو میں نے اُسے روک لیا۔ وہ لاکھ ہوشیار
لاک سہی لیکن اُسے ابھی تک اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ہمارے
کس قدر منظم لوگ ہیں۔

قاسم شہر سے باہر گیا ہوا تھا لیکن امکان تھا کہ اُس نے
ہدایت سے انحراف کرتے ہوئے کسی کو میری نگرانی پر مامور
دیا ہو۔ اگر میرے مکان کے قرب و جوار میں اس کا کوئی گرگا
تھا تو میرے معمولات سے واقفیت کی جستجو میں وہ سلطان
طرف بھی متوجہ ہو سکتا تھا اور وہ بے خبری میں اُسے اپنے پیچھے
ٹ تک لے جاتا۔ ایسی صورت میں میری لاعلمی میں ایئرپورٹ
کی نگرانی ہو سکتی تھی۔ لہٰذا بہتر یہی تھا کہ سلطان شاہ
چھوڑنے کے بجائے میں اپنے ساتھ ہی لے جاتا تاکہ پوری
حال میری نگاہ میں رہتی۔

گھر سے روانہ ہونے کے چند منٹ بعد ہی میرے شبہے کی
ہو گئی۔ دن میں میری نگرانی کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی،
وقت ایک سفید کار میرے تعاقب میں لگی ہوئی تھی جس

میں صرف ایک ہی آدمی نظر آرہا تھا۔

”ہاتھ پیروں سے پوری طرح چاق و چوبند ہونا؟“ میں نے عقب نما آئینے کا جائزہ لے کر مسکراتے ہوئے سلطان شاہ سے سوال کیا۔

”ہاں، لیکن کیوں؟“ وہ میرے معنی خیز لہجے پر چونک گیا۔

”ایک سفید کار ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔ میں اُسے گھیرنے کی کوئی تدبیر کرتا ہوں، جیسے ہی تمھیں اشارہ دوں، نیچے اُتر کر اُسے کار سے باہر گھسیٹ لینا... تمھاری دو چار ضربیں ہی اس کے اوسان خطا کرنے کے لیے کافی ہوں گی لیکن اس کی کار کی چابی پر قبضہ کرنا نہ بھولنا تاکہ وہ دوبارہ تعاقب جاری نہ رکھ سکے۔“

اس نے اضطراری طور پر سر گھما کر فوراً ہی سفید کار دیکھ لی جو تین گاڑیوں کے بعد ہمارے پیچھے چلی آرہی تھی۔ ”اس کے تو میں دانت توڑ دوں گا۔“ وہ میرے خاموش ہونے پر جوشیلے لہجے میں بولا۔ ”لیکن اسے تم گھیرو گے کیسے؟ ذرا بھی شبہ ہو گیا تو وہ دُم دبا کر بھاگ نکلے گا۔“

”بس دیکھتے جاؤ۔“ میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

ٹریفک سگنل سے طارق روڈ پر گھومنے کے بعد میں نے اپنی کار پٹرول پمپ میں گھما دی۔ تعاقب کرنے والے کے لیے میری وہ حرکت غیر متوقع تھی۔ لہٰذا جس وقت میں نے اپنی کار پٹرول پمپ پر روکی تو سفید کار آگے نکلتی چلی گئی تھی۔

”وہ آگے رُکا ہوگا۔ بس اب تم جاؤ۔“ میں نے پمپ والے کو چابی دے کر سلطان شاہ سے کہا اور وہ ایک لفظ بھی کہے بغیر گاڑی سے اُتر کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا آگے روانہ ہو گیا۔

سلطان شاہ کو وقت دینے کی غرض سے میں نے پٹرول ڈلوانے کے بعد سروس بوائے سے انجن کا تیل اور ریڈی ایٹر میں پانی چیک کرایا۔ پھر پیسے ادا کر کے گاڑی کے ٹائروں میں ہوا چیک کرانے لگا۔

پنکچر لگانے والے کا لڑکا پہلے ٹائر کی ہوا دیکھ کر فارغ ہوا ہی تھا کہ اچانک طارق روڈ کی پُرسکون فٹ پاتھوں پر رواں ہجوم میں بھگدڑ اور سنسنی کے آثار پیدا ہو گئے۔ بیشتر لوگ اُسی طرف سر اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے تھے جدھر سلطان شاہ سفید کار والے کی گردن ناپنے گیا تھا۔

میرے اعصاب پر تناؤ سوار ہونے لگا، اس وقت میرے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا، سلطان شاہ کو زیادہ دیر تک وہاں چھوڑنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ کارروائی کا آغاز کر چکا تھا اور اس مصروف علاقے میں پولیس ہر واردات میں فوری طور پر ملوث ہو جاتی تھی کیوں کہ وہاں گشت کے لیے سپاہیوں کی

خاصی تعداد مامور تھی۔

اگلے دو پہیوں کی ہوا چیک ہوتے ہی میں نے سروس بوائے کو ایک روپیہ تھمایا اور تیزی سے کار پمپ سے باہر لے آیا۔ سڑک پر آتے ہی بائیں طرف، تھوڑے فاصلے پر ایک ہجوم نظر آیا۔ سڑک اور فٹ پاتھ پر پھیلے ہوئے ہر فرد کی کوشش تھی کہ ہجوم کے وسط میں پہنچ سکے۔

کچھ تو سڑک گھر گئی تھی، کچھ کارنشینوں کو اس ہنگامے کے بارے میں تجسس تھا لہٰذا ٹریفک رینگتا ہوا آگے ... بڑھ رہا تھا پھر اچانک ہی میرا دل باغ باغ ہو گیا کیوں کہ سلطان شاہ کسی عام تماشائی کی طرح بھیڑ سے یوں باہر نکلتا ہوا نظر آیا کہ کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

میں نے دو مرتبہ لمبا ہارن بجایا۔ جواباً دوسری گاڑیوں سے بھی شور بلند ہونے لگا لیکن اس اثنا میں سلطان شاہ میری گاڑی دیکھ چکا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا میری رینگتی ہوئی کار کی طرف آیا اور دروازہ کھول کر بے پروائی سے میرے پہلو والی نشست پر بیٹھ گیا۔

”کیا ہوا؟ بڑی آسانی سے لوٹ آئے؟“ میں نے اشتیاق آمیز لہجے میں سوال کیا۔

اس نے مٹھی میں دبی ہوئی چابی میری گود میں ڈال دی اور ہنستے ہوئے بولا ”اس کی تو ہڈیاں ہی سُرمہ ہو جائیں گی۔“

”اس کے ساتھ حرکت کیا کی تم نے؟“ میں نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

”بس گریبان پکڑ کر اُسے باہر گھسیٹتے ہوئے میں نے اُونچی آواز میں عورتوں سے پرس چھیننے پر ملامت کی تھی۔ آناً فاناً میں اس پر ہر طرف سے یلغار ہو گئی ... شاید قرب و جوار کے دُکان دار پیش پیش تھے۔ اُنھوں نے اُسے سنبھالا اور میں چابی نکال کر کھسک آیا۔ سچ پوچھو تو میں اُسے ایک بھی بھرپور ضرب نہ لگا سکا۔“

میں دل ہی دل میں اس کی مکاری کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

شاید یہ اتفاق ہی تھا کہ اس نے اپنے حریف پر کسی عورت سے پرس چھیننے کا الزام لگایا تھا لیکن یہ حقیقت تھی کہ ان دنوں طارق روڈ اور قرب و جوار کی گلیوں میں ایسے واقعات بکثرت ہو رہے تھے جن کی بنا پر اکیلی عورتیں اس علاقے میں خریداری سے گریز کرنے لگی تھیں اور شاید علاقے کے دُکان دار بھی دھندا خراب ہونے پر ایسے اُچکوں پر پھلائے ہوئے تھے جو اسکوٹر یا کار میں سوار ہونے کی وجہ سے کبھی گرفت میں نہیں آتے تھے۔ سلطان شاہ نے جوں ہی پرس چور کا شوشہ چھوڑا ہو گا، ہر ایک اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اس کے شکار پر ٹوٹ پڑا ہو گا جو پیدل آنے والی آفت سے بے خبر پٹرول پمپ سے میری کار کی روانگی کا منتظر تھا۔

مجھے خوشی تھی کہ سی۔ ون یا قاسم کے آدمیوں کو میرے ہاتھوں دوسری بار بھاری زک اٹھانا پڑی تھی لیکن اس بار میں لاہور روانگی کے باعث اس کی بے لبسی سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا تھا۔

سلطان شاہ نے اپنا رول اس خوش اسلوبی سے ادا کیا تھا کہ نہ اس کے جسم پر کہیں خراش آئی تھی، نہ لباس شکن آلود ہوا تھا۔ لہٰذا میں سیدھا ائیرپورٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ سلطان شاہ کی دی ہوئی چابیاں میں نے راستے ہی میں جھاڑیوں میں اُچھال دیں کیونکہ ہمارے لیے وہ بے مصرف تھیں۔

ان دنوں ائیرپورٹ پر پارکنگ کے باضابطہ طریقۂ کار کا نفاذ نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا میں نے بے فکری سے اپنی گاڑی ایک درخت کے سائے میں پارک کی اور دروازے مقفل کر کے سلطان شاہ کے ہمراہ لاؤنج کی طرف چل دیا۔

سڑک عبور کرتے ہوئے تاگہاں میری نظر کرنل زوار زیدی پر پڑی تو میں بوکھلا گیا۔ الگ الگ روانگی کا پروگرام طے کرتے ہوئے میں یہ بھول ہی گیا تھا کہ غزالہ کو کوئی نہ کوئی ائیرپورٹ پر چھوڑنے ضرور آئے گا۔ اگر میں تنہا ہوتا تو شاید مجھے کوئی فکر نہ ہوتی لیکن سلطان شاہ کی موجودگی کے بارے میں غزالہ کے باپ کو مطمئن کرنا دشوار ہو جاتا۔

میں کرنل زوار زیدی سے بچ کر سلطان شاہ کو ہدایت دینے کے بارے میں سوچنے بھی نہ پایا تھا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا اور بے تابانہ انداز میں ہاتھ ہلاتا ہوا بھیڑ سے نکل آیا۔ شاید غزالہ اندر جا چکی تھی اور وہ بے چارہ میری تلاش میں مسافروں کے ساتھ آنے والوں کی بھیڑ میں کسی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح چکراتا پھر رہا تھا۔

اس نے بے تابانہ انداز میں فٹ پاتھ سے اُتر کر سڑک کے کنارے ہی میرا استقبال کیا۔ ”اکیلے چلے آ رہے ہو؟ سامان کہاں ہے تمہارا؟“ اس نے استفسار کیا پھر اس کی نگاہیں میرے ساتھ کھڑے ہوئے سلطان شاہ پر مرکوز ہو گئیں۔ ”یہ کون ہے تمہارے ساتھ؟“

میں ہنس پڑا۔ ”یہ میرا پی۔ اے سلطان شاہ ہے، لاہور کا کوئی لمبا چوڑا پروگرام تو ہے نہیں لہٰذا ایک دو جوڑے بریف کیس ہی میں ڈال لیے ہیں۔“

”تو یہ سلطان شاہ بھی تمہارے ساتھ جہاز سے جائے گا؟“

کرنل کا ذہن اسی میں اُلجھ کر رہ گیا تھا۔

”ظاہر ہے۔“ میں نے آہستگی سے کہا۔

"چلو۔ تم آگے چلو" کرنل نے سلطان شاہ کو ٹوکا "ہم بات
ہے ہیں، یہاں تمہاری موجودگی ضروری نہیں۔" اس کا لہجہ
آمیز تھا جیسے مہرانی۔ اسے ہونے کے باعث سلطان شاہ
کا بھی غلام رہا ہو لیکن سلطان شاہ کی پیشانی پر شکن تک نہ
دہ وہ تفہیمی انداز میں سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

"یہ میرا بہت ہی قابلِ اعتماد مددگار ہے..." میں نے
ان شاہ کی اہمیت ذہن نشین کرانے کی نیت سے بات
ی لیکن کرنل نے بے پروائی کے انداز میں میری بات اڑا دی۔

"ہو گا... ضرور ہو گا... لیکن ہے تو وہ تمہارا ملازم ہی،
وں کو اتنا منہ نہیں لگانا چاہیے۔ کیا ضرورت تھی اُسے جہاز
لے جانے کی؟ ریل سے بھیج دیتے... اس طرح ملازم سر
ھ جاتے ہیں۔"

کرنل زدار زبدی نے جو کچھ کہا، میری ہمدردی ہی میں کہا تھا
اُس کی وہ کھلی مداخلت مجھے پسند نہیں آئی۔ پھر اصولی طور
خادم و مخدوم کے اس روایتی نظریے کا سخت مخالف تھا جو
غزالہ کے باپ کی کھوپڑی میں پوری جزئیات سمیت بُری طرح
ت نظر آ رہا تھا لہٰذا میں خاموش نہ رہ سکا۔

"اوّل تو یہ سر چڑھنے والوں میں سے نہیں ہے۔ پھر ریل سے
ک یہ لاہور پہنچے گا، میں شاید واپسی کے بارے میں سوچ
ں گا۔ ہر شخص اپنی ترجیحات کو خوب سمجھتا ہے۔"

"خیر۔ تمہاری مرضی ہے، میں نے تو بس ایک مشورہ دیا
" وہ جلدی سے بولا۔ "دراصل میں نے دس برس فوج میں انگریز
رکی سے یہی سیکھا کہ حفظِ مراتب کو نظر انداز کرنے والا کبھی
فتظم نہیں بن سکتا۔" پھر اُس نے میرے چہرے کے تاثرات
پ کر فوراً ہی موضوع بدل دیا "غزالہ چیک ان ہو گئی ہے میں
یے چینی سے تمہارا منتظر تھا۔"

"آپ بے فکر رہیں، میں اُسے دیکھ لوں گا" میں نے مسکراتے
ے نرم لہجے میں کہا پھر چند فقروں کے تبادلے کے بعد میں اس سے
مت ہو کر اندر روانہ ہو گیا۔

"یہ کون تھا؟" ہال میں پہنچنے کے بعد سلطان شاہ نے مجھ
سوال کیا۔

"مجھے اندازہ ہے کہ اس کا رویّہ تمہارے لیے اذیت ناک
ر گا لیکن اب اُسے بھول جاؤ، وہ مجھ سے علیحدگی میں بات
نے کے لیے بے چین تھا۔ تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر اس کا
خراب ہو گیا تھا ورنہ وہ دل کا بُرا آدمی نہیں ہے۔ میں نے
ان شاہ کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا اور وہ بے چارا مسکرا
ھ گیا۔

ہال مسافروں سے بھرا ہوا تھا لیکن غزالہ اس بھیڑ سے
الگ تھلگ میرے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی، مجھے دیکھتے ہی وہ
تیزی سے میری طرف لپکی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن
میرے ساتھ ایک اجنبی کی موجودگی کا احساس کرتے ہی کچھ کہے بغیر
ہونٹ بند کر لیے۔

"یہ سلطان شاہ ہے، میرا دستِ راست سمجھ لو۔" میں
نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لاہور میں تمہاری دیکھ بھال اسی کے
ذمے ہو گی۔" پھر میں سلطان شاہ سے مخاطب ہو گیا۔ "یہ میری
منگیتر، غزالہ ہے۔"

شاید سلطان شاہ کے لیے کسی خوب صورت لڑکی سے یوں
متعارف ہونے کا وہ پہلا موقع تھا۔ لہٰذا وہ بے بسی سے دانت
نکال کر رہ گیا۔ اور غزالہ میرے قریب کھسک آئی۔

"آپ کو کافی دیر ہو گئی" اس نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ "مجھے
تشویش ہونے لگی تھی۔"

"باتیں بعد میں ہوں گی، پہلے بورڈنگ کارڈ لے لوں" میں
نے مسکراتے ہوئے کہا اور سلطان شاہ کو ساتھ لے کر کاؤنٹر کے
سامنے لگی ہوئی قطار میں کھڑا ہو گیا۔

"باہر ملنے والا سُسر تو نہیں تھا تمہارا؟" سلطان شاہ نے
دھیمی آواز میں سوال کیا اور میں چونک پڑا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"بس اندازہ۔" وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھرپور
انداز میں مسکرایا۔ "پہاڑوں سے سمندر تک دیکھے تو چار صوبے
ہیں مگر بہت سی باتیں ہر جگہ مشترک ہیں، ہماری طرف بھی ہر شخص اپنے
داماد کو دھونس میں لینے پر تُلا رہتا ہے۔"

"تم احمق ہو... وہ مجھے دھونس میں نہیں لے رہا تھا بس
ذرا جھلّایا ہوا تھا۔"

وہ اس موضوع پر بلاوجہ مجھ سے اُلجھنے لگا اور میں بھی
وقت گزاری کے لیے اُس کی گفتگو میں دلچسپی لینے لگا۔ اس کا
خیال تھا کہ بعض علاقوں میں شادی کے لیے خطیر رقم لڑکیوں کے
والدین کو ادا کی جاتی تھی اور بڑے شہروں میں لوگ پیسے کے بل
پر اچھے داماد خریدنے کی فکر میں رہتے تھے لیکن داماد کے ساتھ
ہر سسر کا رویّہ ایک ہی ہوتا ہے، خواہ وہ زر خرید ہو یا خریدار۔
کاؤنٹر پر باری آنے پر ہی وہ موضوع ختم ہو سکا۔ بورڈنگ
کارڈ لینے کے بعد ہم تینوں سیکیورٹی کے مرحلے سے فارغ ہوئے
اور پھر لاؤنج کی طرف جانے والی راہداری میں داخل ہو گئے۔

"اسے ساتھ لینا تو ہمارے پروگرام میں شامل نہیں تھا۔"

عزالہ نے پُر تجسس لہجے میں پوچھا۔

"قابلِ اعتماد آدمی ہے۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا "ضرورت پیش آئی تو ہمارے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دے گا۔"

"لیکن وہاں ایسی نوبت ہی کیوں آئے گی؟"

"حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔ جب ہم جا ہی رہے ہیں تو کیوں نہ پوری تیاری کے ساتھ جائیں اور کچھ نہیں تو سلطان شاہ کم از کم تمہاری ہی دیکھ بھال کرتا رہے گا۔"

عزالہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تیر گئی۔ "تو یوں کہیے کہ اُسے میرے محافظ کے طور پر ساتھ لیا ہے لیکن آپ دیکھ لیں گے کہ کوئی بُرا وقت آیا تو میں اپنا دفاع خود ہی کر لوں گی اور وہ تماشا دیکھتا رہ جائے گا۔"

میں سر ہلا کر رہ گیا۔

وسیع و عریض کیبن کی فضا میں طیارے کے جیٹ انجنوں کا شور ایک دھیمے تسلسل کے ساتھ گونج رہا تھا۔ تقریباً ساری ہی نشستوں پر مسافر موجود تھے لیکن ہر ایک اپنے ہی خول میں مگن تھا۔ مجھے اور سلطان شاہ کو کھڑکی سے متصل نشستیں ملی تھیں۔ جب کہ عزالہ درمیانی حصے میں ہم سے خاصی دور بیٹھی تھی۔ طیارہ فضا میں بلند ہونے کے بعد جب حفاظتی بیلٹ باندھے رکھنے سے متعلق روشن ہدایات معدوم ہو گئیں تو میں نے سلطان شاہ کو آگے بھیج کر عزالہ کو اپنے ساتھ والی نشست پر بلا لیا تھا تاکہ لاہور میں اُترنے کے بعد کے پروگرام پر گفتگو ہو سکے۔

جب تک میں کراچی میں رہا، لاہور کا پروگرام بناتے ہوئے کسی بھی لمحے میری طبیعت میں کوئی جذباتی اُبال نہیں آیا لیکن طیارہ فضا میں بلند ہوتے ہی مجھے لاہور کی سرزمین سے اپنے بچپن اور لڑکپن کے جذباتی رشتے یاد آنے لگے۔

لاہور کی سرزمین پر میں نے اپنی اس بدنصیب ماں کی کوکھ سے جنم لیا تھا جو زیادہ دن تک اپنے سہاگ کی خوشیاں نہ منا سکی اور میں بچپن ہی میں یتیم ہو گیا۔ بڑی ماں جو میرے والد صاحب کی پہلی بیوی تھیں، بہت تُند خو اور تحکم پسند تھیں۔ ان کی میری ماں سے کبھی نہ بن سکی۔ دوسری طرف شاید ان ہی کی شہ پر میرے دونوں سوتیلے بھائی بھی میرے ساتھ تحقیر آمیز سلوک کرتے تھے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد ہم دونوں کچھ ہی دن اس چھت کے نیچے رہ سکے اور پھر ہمیں خانماں برباد کر دیا گیا۔

ماں۔ میرے وجود کی گہرائیوں سے ایک دردناک چیخ اُبھری جو لبوں تک پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ گئی۔ کس قدر قربانیاں دی تھیں میری ماں نے میرے لیے؟ کتنی آرزوؤں کے ساتھ مجھے تعلیم کے زیور سے آراستہ کر رہی تھی وہ؟ سہاگ سے محرومی کے بعد اس کے مستقبل کی ہر اُمید کا محور محض میری ذات بن کر رہ گئی تھی لیکن میں خود کو ماں کی اُمیدوں کا اہل ثابت نہ کر سکا۔

گمبھیر گھریلو فضا میں، میرے ذہن میں بچپن کی معصومانہ سوچ کبھی پیدا نہ ہو سکی۔ میں اپنے گرد و پیش میں یہی دیکھتا تھا کہ ہر گھرانے میں کفالت کی ذمے داری مردوں کے شانوں پر تھی۔ عورتیں محض گھریلو ذمے داریاں پوری کرتی تھیں جب کہ میری ماں گھر سنبھالنے کے ساتھ کمانے پر بھی مجبور تھی کیونکہ میں کسی قابل نہیں تھا۔

پھر ایک اچھے جذبے کے تحت میرا ذہن غلط راستے پر بھٹک گیا، پہلی بار ماں نے مجھے بے دردی سے پیٹا پھر خود بھی بلک بلک کر روئی مگر میرے ذہن میں کمانے کا تصور پختہ ہو چکا تھا اس میں جائز اور ناجائز کی کوئی تمیز نہیں تھی۔

میری اس روش کا انجام وہی ہوا جو ہونا تھا۔ میں پولیس کی گرفت میں آیا تو ماں کے سارے سہانے سپنے ریت کے خیالی گھروندوں کی طرح بکھر گئے۔ وہ میرے لیے زندہ تھی اور میں نے زندہ رہنے کے لیے تباہی کے راستے کو اپنا لیا تھا۔ پھر وہ بے چاری اپنی اس بھیانک شکست پر کس طرح سے زندہ رہتی؟

ماں نے خودکشی کر لی۔

بڑی ماں نے مجھے پناہ دینے سے انکار کر دیا۔

لاہور میرے لیے اجنبی ہو گیا اور میں نے سبزے کی گود میں لپٹے ہوئے اس سوندھے سہانے شہر کو چھوڑ کر کراچی کا رُخ کر لیا جہاں ہر طرف مشینوں کا راج تھا اور انسان بھی محض پیسہ بنانے کی مشین نظر آتے تھے۔ اس شہر میں سب ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔ قریب قریب سے آتے ہوئے اس شہر کے باسیوں میں آپس کی کوئی شناخت باقی نہیں رہی تھی۔ بس پیسہ ہی ایک حقیقت بن کر رہ گیا تھا۔ نہ کوئی کسی کو نسب سے جانتا تھا۔ نہ ذات سے پہچانتا تھا۔ تن پر اُجلے کپڑے سجائے، چار پہیوں پر سوار، اونچے اور وسیع مکانوں کے مکین اس شہر میں ہر اعتبار سے معزز سمجھے جاتے تھے۔

میرے لیے وہ صورتِ حال زرخیز تھی... میں نے کراچی میں قدم رکھتے ہی گناہوں کی فصل کی آبیاری شروع کر دی اور اس کام میں کبھی دال روٹی کا گھاٹا محسوس نہیں کیا۔ قانون کی دسترس سے دور رہتے ہوئے میں نے اپنا سفر جاری رکھا، پھر بی۔ فور کے ایک معمولی کارندے کی حیثیت سے دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹنے لگا۔

اور اس وقت میں بذاتِ خود بی۔ فور تھا۔

آبرو کی نقاب کے طور پر میں شہر میں ایک فیکٹری کا مالک تھا، لاکھوں کی ریل پیل تھی اور دوسری طرف میں شہر میں ہیروئن کی تقسیم اور فروخت کا ذمے دار تھا۔ معاشرے میں خفیہ طریقے

منشیات کا زہر پھیلانے میں مصروف تھا جس نے نہ جانے کتنی
لاؤں کے بھائیوں کے دماغ اُلٹ دیے تھے۔

کچھ عرصے پہلے تک میں نشے کی سوداگری کرتے ہوئے اسے
برا نہیں سمجھتا تھا لیکن اب میری سوچ میں انقلاب آچکا تھا۔
اپنی بقا کی جنگ سے صحیح سلامت گزر چکا تھا جس میں سب
جائز تھا۔ اب مجھے حق اور ناحق میں تمیز محسوس ہونے لگی تھی پھر
بلت کے اس وسیع سیلاب کا مخرج سرحد پار نظر آنے لگا تھا۔
وہ مفادات کے حصول کے لیے لوگوں کو دانستہ اس منفعت
ن اور مہلک کاروبار پر مجبور کیا جارہا تھا اور میں اس مہم کا ایک
بننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

پہلے میں لاہور سے نکلا تو مجھے بدی کی تلاش تھی، کمانے کی
ان راہوں کی جستجو تھی اور اب اسی برائی کی بیخ کنی کے
میں پی آئی اے کے دیوپیکر طیارے میں لمحہ بہ لمحہ لاہور سے
ب تر ہوتا جارہا تھا۔

وقت ہر درد کا بہترین درماں ہوتا ہے۔ اس کا صحیح
وم مجھے اسی وقت معلوم ہوا۔ برسوں پہلے، جب بڑی ماں
سوتیلے بھائیوں کے مظالم تازہ تھے تو میرے دل میں ذرا تک
کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں تھا لیکن اس وقت میں غزالہ کے
تھ بیٹھا کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

بڑی ماں لاکھ بری اور تندخو سہی لیکن میری ماں تھیں سگی
کو کھو دینے کے بعد میرے لیے وہ سوتیلا رشتہ بھی محترم ہو
تھا۔ پھر جس طرح وقت نے میری سوچ کا دھارا موڑ دیا
ا، مجھے یقین تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑی ماں
بھی اپنی زیادتیوں پر پشیمانی کا احساس ہونے لگا ہوگا شاید
ہی کبھی انھیں بھی اپنی سوکن اور اپنے سوتیلے بیٹے کی یاد
ستاتی ہو۔

میں نے فیصلہ کرلیا کہ لاہور میں اُترنے کے بعد میں غزالہ
سلطان شاہ کی حفاظت میں کسی اچھے ہوٹل میں ٹھہراؤں گا
خود بڑی ماں کی قدم بوسی کے لیے حاضری دوں گا۔ اگر انہوں نے
لگ کر گلے سے لگالیا تو ماضی کی تلخ یادوں کو فراموش کرکے ان
کے گھر رہوں گا۔ ٹھکرا دیا تو کم از کم میرے دل میں کوئی خلش باقی
نا رہے گی۔

"کس سوچ میں ڈوب گئے آپ؟" غزالہ کی دھیمی، ترنم ریز آواز
مجھے چونکا دیا۔

"لاہور پہنچنے کے بعد ہماری حکمت عملی کیا ہونا چاہیے؟" میں
اس کی طرف دیکھتے ہوئے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔

"ہمارا مقصد ایک ہی ہے لیکن محاذ مختلف ہیں۔" اس نے
سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے اُلجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے سنڈیکیٹ کی سرگرمیوں کے بارے میں کھوج لگانا
ہے اور آپ کو لے۔ ٹو کا سراغ لگانا ہے۔" وہ تقریباً سرگوشیانہ
لہجے میں بولی۔ "ہمیں الگ الگ رہ کر کام کرنا ہوگا تاکہ کسی ایک
کی وجہ سے دوسرے کے کام میں رکاوٹ پیدا نہ ہو، ویسے بھی ہم
الگ رہ کر ایک دوسرے کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"سطح سمندر سے پینتیس ہزار فٹ کی بلندی پر تمہاری عقل خوب
کام کر رہی ہے۔" میں نے کہا۔ "سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت میں
بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہا تھا۔"

"لیکن مشکل یہ ہے کہ میں پہلی مرتبہ لاہور آئی ہوں۔" وہ بولی۔
"ایسا نہ ہو کہ اجنبیت کی وجہ سے کسی ناگہانی دشواری سے
دوچار ہو جاؤں۔"

"اس کا کوئی حل سوچ لیا جائے گا۔ فی الحال تم ایرپورٹ
سے سیدھی ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل جاؤ گی۔ سلطان شاہ بھی وہیں
الگ کمرے میں تمہارے قریب رہے گا۔ باقی پروگرام بعد میں طے
کریں گے۔"

"اور آپ کہاں ٹھہریں گے؟" اس نے بھویں چڑھا کر
سوال کیا۔

"اب لاہور آ ہی گیا ہوں تو بڑی ماں سے ملنے کی کوشش
کروں گا... ان کی ممتا کو جوش آگیا تو ان ہی کے ساتھ ٹھہروں
گا ورنہ کسی ہوٹل کی راہ لوں گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آپ ماضی کی تلخیوں کو بھول کر ایسا سوچ
رہے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں ہمت نہیں کر پا رہی تھی
کہ آپ سے آپ کی سوتیلی ماں اور بھائیوں کا ذکر چھیڑ دوں۔ خون
کے رشتے اٹوٹ ہوتے ہیں، وہ آپ کو دیکھ کر خوش ہو جائیں گی۔"

میں بے اختیار مسکرا دیا۔ ہم دونوں کے حالات میں بڑی
حد تک یکسانیت پائی جاتی تھی۔

چند ہی روز پہلے کی بات تھی کہ وہ اپنی ماں سے سخت
برہم تھی اور میں اسے اس کی ماں کے خلوص کے بارے میں سمجھا
رہا تھا اور اِس وقت وہ مجھے اٹوٹ ستوں کا فلسفہ سمجھا
رہی تھی۔

"کیا میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہے؟" اس نے میرے
لبوں پر مسکراہٹ تیرتی دیکھ کر سوال کیا

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔" میں نے اُسے ٹالنا چاہا۔

"پھر آپ میری بات پر ہنس کیوں رہے تھے؟" اس کا لہجہ
اشتباہ آمیز تھا۔

"سوچ رہا تھا کہ کہیں تمہاری لاہور تک کی بھاگ دوڑ بے سود ہی ثابت نہ ہو۔" میں نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"ضروری تو نہیں کہ ایشین سنڈیکیٹ میں کوئی اسامی ضرور خالی ہو۔ جگہ خالی بھی ہوئی تو لازمی نہیں کہ وہ لوگ تمہیں منتخب کر ہی لیں، ایسی صورت میں بھلا تم کیا کر سکو گی؟"

"کوئی نہ کوئی راستہ تو نکالنا ہی ہوگا، میرے ذہن میں دو تین متبادل صورتیں ہیں، کوئی نہ کوئی تو کارگر ہو ہی جائے گی۔ آپ میری فکر نہ کریں، ایسا نہ ہو کہ میری اُلجھن میں آپ کا اپنا کام ادھورا رہ جائے۔"

کام کا ادھورا رہنا یا نہ رہنا تو آنے والے حالات پر منحصر تھا لیکن اس وقت طیارے کے کیبن کی راہداریوں میں ٹرالیاں گردش میں آنے کے سبب ہماری گفتگو ضرور ادھوری رہ گئی۔

نئے دور کی آسائشوں میں یہ بھی ایک بڑی سہولت ہے کہ دیوپیکر طیارے سیکڑوں مسافروں کو اپنے خول میں سمیٹ کر دنوں کے فاصلے گھنٹوں میں طے کر لیتے ہیں۔ تھوڑی سی گفتگو کے بعد مشروبات سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ طیارے کے پیجنگ سسٹم پر لاہور پہنچنے کا اعلان گونجنے لگا۔

میرے اشارے پر غزالہ اپنی جگہ واپس چلی گئی اور سلطان شاہ میرے پہلو میں اپنی نشست پر آ کر حفاظتی بیلٹ باندھنے لگا۔ پہلے فضائی سفر کے خوشگوار تجربے کا دبا دبا سا جوش اس کے چہرے کے ہر نقش سے پھوٹ رہا تھا اور لبوں پر ہلکی سی معنی خیز مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

"بہت خوش نظر آ رہے ہو؟" میں نے آہستگی سے اُسے چھیڑا۔

"اب تو تمہاری خوشی میں میری خوشی ہے۔" اس نے برجستہ جواب دیا۔ "تمہارا انتخاب واقعی لاجواب ہے، بھابی اچھے اخلاق والی معلوم ہوتی ہیں۔"

"لاہور میں تم اُسی کے قریب ایک کمرے میں رہو گے۔ اس کی نگہداشت تمہارے ذمے ہوگی۔" میں نے اُسے آگاہ کیا۔

"کیوں؟" وہ حیران سا نظر آنے لگا۔

"میں الگ رہوں گا۔ تمہیں ساتھ لانے کا اصل مقصد بھی یہی تھا۔"

"لیکن میرا تو خیال تھا کہ ہم کسی خطرناک مہم پر نکلے ہیں۔" اس کی حیرت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

"تمہارا خیال دُرست ہے۔ اسی وجہ سے غزالہ کی حفاظت ضروری ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن بھابی کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ اُلجھن آمیز لہجے میں بولا۔ "اس طرح تو ہماری توجہ بٹی رہے گی اور شاید ہم پوری یکسوئی کے ساتھ اپنا کام بھی سرانجام نہ دے سکیں۔"

"وہ اپنا کام کرے گی، میں اپنا کام کروں گا۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "وہ بے مقصد میرے ساتھ نہیں آئی ہے۔ ویسے وہ خود اپنی دیکھ بھال کر سکتی ہے لیکن مزید احتیاط کے طور پر میں تمہیں بھی لے آیا ہوں۔"

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "اوہ، تو بھابی بھی اس مہم میں ہمارا ساتھ دے گی۔"

"ہم کسی سے زور آزمائی یا آتشیں ہتھیاروں کی جنگ کرنے نہیں آئے ہیں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "یہ عقل کی لڑائی ہے۔ اس میں کامیابی ہوگئی تو پھر شاید خالص مردانہ جنگ ہوگی۔"

اس کی آنکھوں میں ہلکا سا جوش عود کر آیا۔ "اُس وقت تم دیکھنا کہ سلطان شاہ کس قدر کارآمد آدمی ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ جھلا کر دونوں ہتھیلیوں سے اپنے کان رگڑنے لگا۔

"کان بند ہو رہے ہیں؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میری قیاس آرائی پر وہ حیران رہ گیا۔

"جہاز میں عموماً ایسا ہوتا رہتا ہے، چیونگم کھانے کے انداز میں جبڑے چلاتے رہو گے تو کان کھلے رہیں گے۔"

اور وہ فوراً ہی یوں جبڑے چلانے لگا جیسے کسی مرغ کی ٹانگ چبا رہا ہو۔

تھوڑی دیر بعد جہاز لینڈ کر گیا۔ اگر غزالہ کے ساتھ ایک سوٹ کیس نہ ہوتا تو ہم فوراً باہر نکل گئے ہوتے۔ وہ انتظار میرے لیے خاصا صبر آزما تھا کیوں کہ دس منٹ بعد سامان کی پہلی کھیپ آنے کے بعد وقفہ طویل ہونے لگا۔ مسافروں کی بھیڑ میں ہر شخص گردن اٹھا اٹھا کر سامان لانے والی ٹرالی کو دیکھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ چند منٹ بعد پتا چلا کہ ایک پورٹر اپنے سپروائزر سے تیزی دکھانے کا حکم ملنے پر چراغ پا ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں مسافروں کے اسباب کو چھوڑ چھاڑ کر اس کے ساتھیوں نے رن وے پر ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا... خدا خدا کر کے کافی دیر بعد وہ ہنگامہ فرو ہوا اور اعلیٰ افسران کی مداخلت پر سامان کی آمد شروع ہو گئی۔

باہر نکلنے کے بعد ہم تینوں ایک ٹیکسی میں ایک بڑے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں تیسری منزل پر ایک دوسرے سے متصل دو کمرے بآسانی خالی مل گئے۔ میں غزالہ اور سلطان شاہ کو ان کے کمروں میں پہنچا کر وہاں سے لوٹ آیا۔

ٹیکسی میں اپنے آبائی محلے کی طرف جاتے ہوئے میں ناقابلِ بیان
ہیجان میں مبتلا ہونے لگا۔ میرے ذہن میں اس گلی کا ایک
شہ گھومنے لگا جس میں مَیں نے اپنے بچپن کا کچھ حصّہ نہایت
وں کے ساتھ گزارا تھا۔ میں اسی گلی میں باپ کے سائے
م ہو کر سوتیلے بھائیوں کے رحم و کرم پر رہ گیا تھا۔ وہ وقت
ا تھا۔ اس کے بعد بھی ایک طویل مدّت گزر چکی تھی، مجھے اُمید
وقت کے خاموش دھارے نے سوتیلے بھائیوں کے دلوں
ا اور نفرت کی آگ کو سرد کر دیا ہو گا اور جب طویل مدّت
، مجھے اچانک اپنے روبرو پائیں گے تو خون کا جوش ہر
پر حاوی ہو جائے گا اور وہ بے اختیار مجھے اپنے گلے سے
یں گے۔

ٹیکسی میرے بتائے ہوئے راستوں پر بڑھتی رہی، کھلی
کے بعد قدرے تنگ اور پُرپیچ راستوں کی باری آئی تو
ری توجّہ سے ڈرائیور کی راہنمائی کرنا پڑی لیکن اس نے ایک
ی روک دی تو میں چونک پڑا۔

"رک کیوں گئے؟ گلی میں تھوڑی ہی دُور چلنا ہے۔" میں نے
ٹوکا۔

"گاڑی آگے نہیں جا سکتی باؤ جی!" ڈرائیور نے میری طرف
گھما کر بے بسی سے دیکھا۔ "آگے کافی چوڑی کھلی ہوئی نالی
تہ بند کیا ہوا ہے۔"

یس بائیس برس کی پہاڑ جیسی مدّت گزر گئی تھی لیکن گلی کے
، پر وہ کھلی نالی جوں کی توں موجود تھی۔ پہلے بھی اس نالی کی
کوئی سواری گلی میں داخل نہیں ہو پاتی تھی۔ اس زمانے
یدے پہلوان کے بیٹے کے پاس محلّے کی اکلوتی موٹر سائیکل
ی تھی جسے لے جانے کے لیے اس نے نالی کے ایک
، پر تختہ رکھ کر مٹی اور گارے میں دبا دیا تھا۔ اس طویل مدّت
سطح پر بچانے کتنی بار نمائندے چُنے گئے تھے، لیکن وہ
الی جوں کی توں موجود تھی۔ شاید اس لیے کہ اس گلی کے
ت زدہ مکینوں میں کوئی بھی اس قابل نہیں ہو سکا تھا کہ
یدی ہوئی کار کو گھر کے دروازے پر کھڑا کرنے کا ارمان
کلے۔

ہ ادا کر کے اُترا اور گلی کی طرف بڑھتے ہوئے غیر ارادی
بائیں سرے پر نگاہ ڈالی تو دھندلائی ہوئی روشنی میں نالی
ارا شیدے پہلوان کے بیٹے کا تختہ تک جوں کا توں نظر آیا۔
محلّے کی غلاظت کو سمیٹ کر قریبی نالے میں دفن کرنے والی
الی اس قدر متعفن تھی کہ دیمک نے بھی اس تختے کا رُخ کرنے کی
نہیں کی تھی۔

اندر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ایستادہ اسٹریٹ لیمپس کی
ناکافی روشنی میں گلی میں خاصی رونق تھی۔ بچوں کی بھاگ دوڑ اور
چیخ پکار میں بڑوں کے ہیولے بھی نظر آ رہے تھے۔ میں ماضی کے
دُھندلکوں میں ڈوبا ہوا گلی میں آگے بڑھتا رہا، میری سحرزدہ نگاہیں
چہروں کا طواف کر رہی تھیں لیکن وہاں چھوٹے سے بڑے تک،
ہر چہرہ میرے لیے اجنبی تھا۔ البتہ گلی اور اس کے مکانات شناسا تھے۔
ان میں رنگ و روغن کا فرق آیا تھا یا پھر بعض در و بام سے بوسیدگی کے
آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ اس کے سوا سب کچھ وہی تھا جو میں نے برسوں
پہلے آخری بار دیکھا تھا۔

مشینی انداز میں میرے قدم اُٹھتے رہے اور پھر میں اس بند چوبی دروازے
کے سامنے ٹھہر گیا جس پر ٹاٹ کا پردہ جھول رہا تھا۔

پہلے میرے دل میں خیال آیا کہ اچانک ہی دروازہ کھول کر
اندر چلا جاؤں اور بڑی ماں کو حیران کر دوں لیکن مجھے اپنے اس خیال
پر زیادہ غور کرنے کی مہلت نہیں مل سکی۔ ایک اجنبی کو دروازے کے
سامنے رُکا ہوا دیکھ کر قریبی چبوترے سے ایک کڑیل نوجوان تیر کی
طرح میری طرف آیا تھا۔

"کیا بات ہے؟ کس سے ملنا ہے؟" اس نے کڑے تیوروں سے
میرے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

اپنے آبائی محلے میں اپنے ہی گھر کے سامنے وہ بازپُرس مجھے
کچھ پسند نہ آئی اور میں نے اُسے گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔
"جس سے ملنا ہے، اُسے خود تلاش کر لوں گا، تمھیں مشعلچی بننے
کی ضرورت نہیں۔"

اس نے غراتے ہوئے بلا تامل میرے گریبان پر ہاتھ ڈالنا
چاہا لیکن اُسی لمحے میرا بایاں ہاتھ تیزی کے ساتھ گردش میں آیا
اور وہ بے خبری میں کنپٹی پر گھونسا کھا کر لڑکھڑاتا ہوا زمین پر
گر گیا۔

شاید چبوترے پر بیٹھے ہوئے لڑکوں کی ٹولی اسی طرف
متوجّہ تھی کیوں کہ میرے حریف کے گرتے ہی گلی میں شور ہو گیا اور
پھر ہم دونوں کے دوبارہ صف آرا ہونے سے قبل ہمارے گرد
بھیڑ جمع ہو گئی۔ مجھ سے مار کھانے والا کئی لوگوں کی گرفت میں تھا
اور مغلظات بکتے ہوئے بار بار میری طرف جھپٹنے کی ناکام کوشش کر
رہا تھا۔ اسی اثنا میں شور و غل کے نتیجے میں گلی کے بہت سے مکانوں
کے دروازے کھل گئے تھے۔

ٹاٹ کے بوسیدہ پردے کے پیچھے بھی دروازہ وا ہو
میری نگاہیں مسلسل اسی طرف مرکوز تھیں، پردہ ہلا اور لمحہ بھر
لیے میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں، برجستہ میرے ذہن میں ٹاٹ میں
مخمل کی مثال اُبھری تھی کیوں کہ بڑی بڑی وحشت زدہ آنکھوں

سے سجا ہوا وہ حسین اور مخملی چہرہ کسی بھی دل میں آگ لگانے کے لیے کافی تھا۔

نجانے وہ کون تھی؟ بڑی ماں کے گھر میں کیا کر رہی تھی؟ پھر مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ بڑی ماں کی بہو یعنی میری بھاوج نہ رہی ہو۔ بہر حال وہ جو بھی تھی، اس محلے کی تھی اور شاید اسی کے حسنِ فتنہ خیز کے باعث گلی کے لڑکے اس چوکھٹ کی رضا کارانہ دربانی پر تلے رہتے تھے۔ میں کسی اور دروازے کے سامنے رکا ہوتا تو شاید کوئی مجھ سے کسی قسم کا تعرض نہ کرتا۔

وہ گھبرایا ہوا حسین و جوان چہرہ ایک جھلک دکھا کر بند دروازے کے پیچھے روپوش ہوا تو مجھے اچانک ہی اپنی خطرناک پوزیشن کا احساس ہوا۔

وہ لاکھ میرا آبائی گھر سہی مگر اس وقت میں محلے میں اجنبی تھا۔ اگر لوگوں کے اس غول کو میری نیت پر ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو بڑی مشکلات سے دوچار ہو سکتا تھا، لہٰذا میں نے فوراً ہی بولنا شروع کر دیا۔

"میں منشی اقبال مرحوم کا بیٹا ہوں... یہ ہمارا آبائی گھر ہے... میں اپنی بڑی ماں سے ملنے آیا تھا کہ یہ بلا وجہ مجھ سے الجھ پڑا۔" میں نے مجمع میں کسی کو مخاطب کیے بغیر اونچی آواز میں کہا۔

"جھوٹا ہے یہ......" میرا حریف غصیلے لہجے میں دہاڑا۔

"یہاں کون چھوٹی بڑی ماں رہتی ہے؟" کسی نے مضحکانہ لہجے میں دوسروں سے سوال کیا۔

"ضرور نازو کے گھر میں تاک جھانک کرنے آیا ہوگا۔" کسی اور نے رائے زنی کی۔

لیکن اس سے قبل کہ ایسے تبصرے مجمعے کو مشتعل کرتے، اچانک ایک بھاری آواز نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔ "ٹھہرو، مجھے بات کرنے دو اس سے۔"

میری نگاہیں اسی طرف اٹھ گئیں۔ ایک سفید ریش لیکن صحتمند شخص بھیڑ میں راستہ بناتا ہوا میری طرف بڑھ رہا تھا۔

"کون ہو تم؟" اس شخص نے میرے مقابل رک کر عقابی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے سوال کیا۔ "نام کیا ہے تمہارا؟"

"میں منشی اقبال مرحوم کا بیٹا ہوں، میرا نام تنویر ہے۔" میں نے پُر امید لہجے میں جلدی سے جواب دیا۔

"تنویر؟" سفید ریش شخص نے پُر خیال، دھیمے لہجے میں دہرایا جیسے مجھے شناخت کرنے کے لیے اپنے ذہن پر زور دے رہا ہو اور اس کی شکن آلود پیشانی کے نیچے دمکتی ہوئی آنکھوں کو میں نے اچانک ہی پہچان لیا۔

"ہاں۔ میں تنویر ہوں رمضان چاچا!" میں نے بے تابانہ لہجے میں کہا۔

میری زبان سے اپنا نام سن کر وہ چونک پڑا۔ بچپن کی بھولی بسری، موہوم سی یادوں کے ہجوم سے اس کا نام اچانک ہی میرے ذہن میں ابھرا تھا۔ وہ شخص ہمارا پرانا محلے دار تھا اور شاید واحد شخص تھا جس نے والد مرحوم کی وفات کے بعد ہمارے گھریلو جھگڑوں میں دخل انداز ہو کر اپنی سی ہر کوشش کر ڈالی تھی کہ بڑی ماں مجھے اور میری ماں کو دربدر کی ٹھوکریں کھلانے کے ارادے کو ترک کر دیں۔ مگر وہ بے چارہ ہمارے نوشتۂ تقدیر کو کسی طرح نہیں بدل سکا تھا اور جب ہمیں آخر کار گھر سے نکالا گیا تو وہ محض تماشا ہی دیکھتا رہ گیا۔

"تنویر؟" بوڑھے نے سر ہلاتے ہوئے شناسائی کے انداز میں دہرایا اور پھر اس کا محبت آمیز داہنا ہاتھ میرے شانے پر جم گیا "ہاں، مجھے یاد آ گیا۔ برسوں پرانی بات ہے، منشی اقبال کی وفات کے بعد تم اپنی ماں کے ساتھ یہاں سے نکالے گئے تو شاید تمہاری عمر چار پانچ برس کی تھی... اب تو ماشاءاللہ جوان ہو گئے ہو، کہاں ہو؟ اور آج ادھر کیسے آنکلے؟"

میں جواب میں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ بوجھل اور دل گرفتہ انداز میں خاموش کھڑا رہا۔ رمضان چاچا سے ہونے والی گفتگو نے گلی کے لڑکوں کو شرمندہ کر دیا تھا البتہ میرے ہاتھوں پٹنے والا بدستور مجھے خشمناک نگاہوں سے گھورے جا رہا تھا۔

"جاؤ۔ تم لوگ یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟" رمضان چاچا نے بزرگانہ شان سے ان سب کو جھڑکا۔ "یہ اسی گلی کا بچہ ہے۔ برسوں بعد ادھر آیا ہے۔ آؤ بیٹے!"

یہ کہتے ہوئے رمضان چاچا میرا ہاتھ تھام کر ایک طرف چل دیے۔

"مگر چاچا! اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔" میرے ہاتھوں پٹنے والے نے احتجاج آمیز لہجے میں شکایت کی۔

"دفع ہو جا۔" رمضان چاچا کی غراہٹ گونجی۔ "میں سب سن رہا تھا، سب دیکھ رہا تھا، پہلے تو نے ہی اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالا تھا، بدمعاش کہیں کا۔"

اور وہ بھی مایوسانہ انداز میں وہاں سے کھسک گیا۔

رمضان چاچا محبت آمیز اپنائیت کے ساتھ مجھے اپنے گھر کی بیٹھک میں لے گئے اور میرے بھرپور انکار کی پروا کیے بغیر میرے لیے چائے تیار کرالی۔ مجھ پر اس وقت ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔ دل و دماغ میں ایک عجیب سا ہیجان برپا تھا اور میری پوری کوشش تھی کہ جلد از جلد بڑی ماں اور سوتیلے بھائیوں کے

بات شروع کردوں۔

تنے عرصے سے تم کہاں تھے بیٹے؟" آخر کار رمضان چاچا کو
ے میں بات چھیڑنے کا خیال آ ہی گیا۔

راچی چلا گیا تھا۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "میرے شہر کی
پتنگ ہو گئی تھی لیکن کراچی میں اتنے برسوں میں مجھے ایک
ے بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوا۔"

وں۔" رمضان چاچا نے پُرخیال انداز میں اپنے سر کو یوں
ں جیسے برسوں پُرانی بھولی بسری یادوں کو ذہن میں مجتمع
ہوں پھر قدرے سکوت کے بعد بولے۔ "ماں کی موت
س شہر میں تمہارا رہ ہی کون گیا تھا، اچھا ہی ہوا کہ تم
موڑ دیا۔ وقت اور فاصلہ ہر زخم کے لیے مرہم کا کام دیتا
ہی دیکھ لو کہ آج تم بڑی ماں کو ڈھونڈتے اس محلے میں
جہاں سے بڑی بے دردی کے ساتھ نکالے گئے تھے..."

"بڑی ماں کہاں ہیں رمضان چاچا؟" میں نے موقع ملتے
بات کاٹ کر سوال کر ڈالا۔ "مجھے تو اب اپنے آبائی گھر کی
ہ اجنبی سی لگ رہی ہے۔"

ہ لوگ برسوں پہلے مکان بیچ کر چلے گئے۔" رمضان چاچا کی
ر پڑ گئی۔ "اب وہاں صادق بابو رہتا ہے۔ تمہارے بھائیوں
نے مکان خریدا تھا۔"

ہ لوگ خود کہاں گئے؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں

ا نہیں، پہلے سُنا تھا کہ وہ یہاں سے گھر بیچ کر گلبرگ چلے
تھوڑے دن کچھ محلے داروں سے بھی ملنا جلنا رہا پھر
نہیں۔ شاید انھوں نے گلبرگ والا مکان بھی چھوڑ دیا۔
لوائے پر گئے تھے۔"

انکشاف میرے لیے تحیر خیز تھا۔ نیم پختہ مکانوں پر مشتمل گندی
ے گلبرگ جیسے صاف ستھرے علاقے میں منتقلی کے لیے
لی حیثیت بہت ضروری تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ
سوتیلے بھائیوں نے اپنی محنت اور مشقت سے اپنے
ہی حد تک بدل لیے تھے۔

یا کام کر رہے تھے میرے بھائی؟" میں نے تجسس آمیز
رمضان چاچا سے سوال کیا۔

رمضان چاچا مغموم انداز میں ہنس دیے۔ "انھیں بھول
وہ ایک کوڑی سے بھی تمہاری مدد نہیں کریں گے۔
ہنے سے پہلے ہی ان کے دماغوں میں تکبر آ گیا تھا۔ جن
تھے برسوں روٹی ہانڈی کا ساجھا رہا" ان تک سے ملنا
چھوڑ دیا تھا۔"

میں پہلو بدل کر رہ گیا۔ رمضان چاچا نے میرے سوال کا مفہوم
غلط سمجھا تھا۔ "خدا کا شکر ہے چاچا کہ میں کسی کی مدد کا محتاج
نہیں ہوں۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے
کہ کام دھندے کی جگہ پر ہی کسی سے اُن کا پتا ٹھکانا معلوم
ہو جائے۔"

"محلے میں پوچھ گچھ کروں گا، شاید کسی کو کچھ معلوم ہو، فرصت
ملے تو کل شام کو چکر لگا لینا۔"

رمضان چاچا نے مجھے محلے کے اوباش لڑکوں سے تصادم
سے تو بچا لیا تھا لیکن اس سے آگے وہ میری کوئی مدد نہیں کر سکے لہٰذا
ان کے پاس تھوڑا وقت گزار کر میں وہاں سے لوٹ آیا۔

ہوٹل پہنچا تو غزالہ کو اتنی جلدی میری واپسی کی اُمید نہیں تھی۔
دستک کے جواب میں دروازہ کھول کر اس نے میری صورت
دیکھی تو حیران رہ گئی۔ "بہت جلد لوٹ آئے آپ؟" اس نے
تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ لوگ نہیں مل سکے غزالہ!" میں نے کمرے میں داخل
ہوتے ہوئے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں مل سکے؟" اس نے تحیر آمیز لہجے میں دُہرایا۔ "تو
اب کیا ہوگا؟"

"قدرت کو منظور ہوا تو شاید کوئی اتفاق ہی بہانا بن جائے
ویسے تو کوئی اُمید نہیں... نجانے وہ لوگ کہاں چلے گئے ہیں" میں
نے بستر پر جوتوں سمیت دراز ہوتے ہوئے کہا۔

پھر میرے ذہن میں خیالات کا تانا بانا اُلجھنے لگا۔ پہلے
بی فور کا صفایا ہوا اور اس کی جگہ کراچی کی حد تک سارے تنظیمی
معاملات میں مجھے خود مختار بنا دیا گیا۔ تین سو میل کی حد میں کام
کرنے والا طاقتور ٹرانسمیٹر ایم ٹی تھری ہنڈرڈ بھی میری تحویل
میں آ گیا۔ اس کے بعد پورے شہر میں صرف سی۔ ون یا قاسم ہی
ایک ایسا شخص تھا جو میری من مانیوں کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا
تھا۔ مگر اُسے میں نے نہایت خوب صورتی کے ساتھ دوسری اُلجھنوں
میں پھانس لیا تھا، پھر مجھ سے اُوپر والا بھی قدرت کے بھیانک
انتقام کا شکار ہو گیا۔ اخبارات میں اُسے مٹھا خان کہا گیا لیکن
تنظیم والوں کے لیے وہ بی۔ ون تھا۔ اس کی عبرت ناک خودکشی
کے بعد میرا براہِ راست لے۔ ٹو سے مواصلاتی رابطہ قائم ہو گیا۔

لے۔ ٹو کون تھا؟ اس کی نقاب کشائی کی دُھن میں ہی
میں کراچی سے لاہور تک دوڑا چلا آیا تھا۔ میرے پاس اس کا
صرف ایک ہی حوالہ تھا۔ وہ پُراسرار ٹیلی فون نمبر جس پر رات
ایک سے تین بجے تک خود لے۔ ٹو پیغامات وصول کر کے ہدایات

جاری کرتا تھا۔ بقیہ وقت میں اس نمبر پر ایک بوڑھی اور بیمار عورت کی آواز سنائی دیتی تھی۔

میں بڑی ماں کا سراغ لگانے میں ناکام رہا تھا۔ للٰہذا مجھے بھی لامحالہ ہوٹل میں ہی قیام کرنا تھا۔ اے۔ لو کی تلاش میں نکلنے سے پہلے میں یہ مسئلہ حل کرنا چاہتا تھا۔

وہ کمرہ عزالہ ہی کے نام پر بک ہوا تھا مگر وہ ڈبل بیڈ روم تھا، میں چاہتا تو اسی میں قیام کر سکتا تھا مگر میں نے اُسے مناسب نہ سمجھا۔ عزالہ کو میں نے پاکیزہ جذبوں کے ساتھ چاہا تھا، اور میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی وقت بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے۔

غنیمت ہوا کہ مجھے اُسی فلور پر ایک کمرہ مل گیا۔ چابی حاصل کرنے کے بعد میں اپنے کمرے میں جانے کی نیت سے اٹھا تو عزالہ کی استفسار طلب نگاہیں قدموں کی زنجیر بن گئیں۔

"کیا کھانا بھی ساتھ نہیں کھائیں گے؟" اس نے تشکایتی لہجے میں سوال کیا۔

"ہمیں انجان بن کر رہنا ہے عزالہ!" میں نے اُسے محبت آمیز لہجے میں سمجھایا "میری وجہ سے تم کسی دشواری میں بھی گرفتار ہو سکتی ہو۔ میں آج رات ہی سے اپنے کام کا آغاز کرنا چاہ رہا ہوں۔"

"آج رات سے؟" اس نے تحیّر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "مجھے اس گھر کا سراغ لگانا ہے جہاں وہ فون لگا ہوا ہے، ہو سکتا ہے کہ میں آج رات ہی اس گھر میں گھس کر صورتِ حال کا جائزہ لے ڈالوں۔"

"آپ اکیلے جائیں گے؟" اس کے لہجے میں تشویش اُمڈ آئی۔

"سوچ رہا ہوں کہ سلطان شاہ کو بھی ساتھ لے لوں۔ تم ذرا محتاط رہنا۔"

وہ آسودہ انداز میں ہنس پڑی۔ "ابھی کون سی احتیاط کی ضرورت ہے مجھے۔ میرا کام تو کل سے شروع ہو گا جب میں ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ سے رجوع کروں گی۔"

"کل نہیں۔" میں نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہاں جانے سے پہلے مجھے تمہاری رہائش کا کوئی بندوبست کرنا ہو گا۔"

"رہ تو رہی ہوں یہاں۔" اس نے میری بات نہ سمجھتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"اگر اس دفتر کی آڑ میں کوئی گھپلا ہو رہا ہے تو وہ لوگ تمہارے بارے میں چھان بین ضرور کریں گے اور انھیں کھٹکا لگانے کے لیے یہی ایک بات کافی ہو گی کہ تم ہوٹل میں رہ رہی ہو۔ تمہارے لیے کسی آبادی میں رہائش کا بندوبست کرنا ہو گا جہاں تمہارے بارے میں کوئی ہمدردانہ گواہی بھی دے سکے۔"

"بڑی ماں کا گھر تو ملا نہیں پھر اب کون سا ٹھکانا تلاش کریں گے؟"

"ابھی وہ محلہ باقی ہے جہاں میں نے ماں کے ساتھ اپنا بچپن گزارا تھا۔" میں نے دل میں درد کی ہلکی سی کسک محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "ماں کام پر چلی جاتی تھی تو میں اسکول سے واپسی کے بعد اپنا وقت ایک منہ بولی خالہ کے گھر گزارتا تھا، ہو سکتا ہے اس بار بھی وہی گھر میرا سہارا بن جائے۔"

عزالہ کو سمجھانے کے بعد میں اس کے کمرے سے نکل آیا۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر میں اندر داخل ہوا تو بلب روشن کرتے ہی حیران رہ گیا۔ کمرے کے وسط میں پڑی ہوئی گدّے دار کرسی پر سلطان شاہ نہایت اطمینان سے براجمان تھا۔

"تت.... تم یہاں کیسے؟" بدقت تمام میرے منہ سے نکلا۔

"میں ڈیوٹی پر ہوں۔" وہ مسکرایا۔ "میرے اور تمہارے کمروں کے سوئچ بورڈ شاید ایک ہی دیوار پر ہیں اور درمیان میں کوئی ناقص سا تار لگا ہوا ہے۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد میں تم دونوں کی ساری گفتگو سننے میں کامیاب ہو گیا، پھر سوچا کیوں نہ تم کو اچانک ہی حیران کر دوں۔"

"اور کمرے کی چابی کہاں سے آئی تمہارے پاس؟" میں نے اس کے مقابل مسہری پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"چابی!" وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسا اور پھر جیب سے ایک مڑا ہوا تار نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ "حکم دو تو سارے کمروں کے تالے ابھی ایک تار سے کھولتا چلا جاؤں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم خود کو میری توقعات کا اہل ثابت کر رہے ہو۔ کھانا تو کھا لیا ہو گا تم نے؟"

"الحمدللہ۔" اس نے فراخدلی سے کہا۔ "اب تم کام بتاؤ۔"

"تم یہیں ٹھہرو۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں کمرے سے نکل گیا۔ میں چاہتا تو نمبروں کی ترتیب والی ٹیلیفون ڈائرکٹری کمرے میں بھی منگوا سکتا تھا لیکن اس طرح میں اُسے زیادہ اہمیت نہیں دینا چاہ رہا تھا۔ نیچے اتر کر میں نے استقبالیہ کاؤنٹر سے وہ ڈائرکٹری لی اور ایک صوفے پر بیٹھ کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔

چند ہی منٹ بعد مجھے مطلوبہ نمبر مل گیا۔ وہ مسز دلدار بھٹی کے نام پر تھا جس کی سکونت ماڈل ٹاؤن کے علاقے میں تھی۔ میں نے وہ مختصر سا پتا ذہن نشین کر کے ڈائرکٹری استقبالیہ کلرک کو لوٹا دی۔

اصل مہم کے آغاز سے پہلے میں مطلوبہ ٹھکانے کا محلِ وقوع

ہ شین کرنا چاہتا تھا لہٰذا اسی وقت سلطان شاہ کو ساتھ
ر ہوٹل سے روانہ ہو گیا۔

ماڈل ٹاؤن وسیع اور پُرشکوہ مکانات پر مشتمل ایک صاف
مری آبادی تھی جہاں شہر جیسی بھیڑ بھاڑ کا دور تک پتا
ں نہ تھا۔ ٹیکسی چھوڑنے کے بعد ہم دونوں کو بمشکل ایک
نٹہ برباد کرنا پڑا اور آخر کار ہم اس وسیع احاطے کے سامنے
ہ گئے جہاں پھاٹک پر مسز دلدار بھٹی کے نام کی تختی
زاں تھی۔

اس علاقے میں ہر مکان وسیع احاطے میں گھرا ہوا دوسرے
انات سے بالکل الگ تھلگ واقع تھا اور خوبی کی بات یہ تھی
سامنے پختہ سڑک ہونے کے باوجود عقبی حصے میں تاریک
لیاں موجود تھیں جدھر شاید فراہمی اور نکاسیٔ آب کا
لہ واقع تھا۔

پہلے میرا خیال تھا کہ میں اس مکان میں رات گئے گھسنے
شش کروں گا مگر اس مکان پر اس وقت بھی بے رونقی
ی تھا۔ احاطے میں روشن دو تین بتیوں کے علاوہ عمارت
ں ایک ہی کھڑکی روشن نظر آ رہی تھی۔ میں نے رسٹ
پر نگاہ ڈالی تو وہ رات کے پونے گیارہ بجا رہی تھی۔

"کیا ارادہ ہے؟" سلطان شاہ نے مجھے رسٹ واچ کی طرف
پا کر معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"بس یہ تسلی کرنا ہے کہ اندر کتے تو نہیں کھلے ہوئے ہیں۔"
ے اُس کے ہمراہ ایک طرف چلتے ہوئے کہا۔

"ابھی پتا چل جاتا ہے۔" وہ یہ کہتے ہوئے واپس ہو لیا اور
یک لیمپ پوسٹ سے ٹیک کر وقت گزاری کے لیے سگریٹ
نے لگا مگر میری نگاہیں بدستور سلطان شاہ کا تعاقب
ی تھیں۔

بڑھتے ہوئے اس نے راستے میں جھک کر شاید چند پتھر
ئے اور پھر میں نے اُسے مسز دلدار بھٹی کے مکان کے قریب
رتے ہوئے مختصر سے وقفے سے دو بار کوئی چیز اندر احاطے
اچھالتے دیکھا۔ وہ میری توقع سے بڑھ کر ہوشیار ثابت ہو
ا۔ میں نے اُسے محض قابلِ اعتماد سمجھ کر اپنے ساتھی کے
ر منتخب کیا تھا لیکن وہ ہر مرحلے پر یہ ثابت کرتا آ رہا تھا کہ
ا ذہانت اور بروقت فیصلے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔

احاطے میں کتوں کی موجودگی کا اندازہ لگانے کے لیے سنسناتے
سنگباری سے بہتر کوئی نسخہ نہیں تھا۔ سلطان شاہ اپنی
ڈالی کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ اسٹریٹ لیمپس کی ننداسی
لا میں اس کا ہیولا دور تک بڑھنے کے بعد واپس آنے
لگا تھا۔

واپسی میں بھی اس نے مسز دلدار بھٹی کے مکان میں پتھر
اُچھالے اور اس بار چند ثانیوں کے لیے وہاں رُک کر اندر سے کسی
قسم کے ردِعمل کا انتظار کرتا رہا۔ اور آخر کار ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ
لیے میرے پاس آموجود ہوا۔

"لگتا ہے کہ اندر کوئی بھی نہیں ہے۔ نہ کُتا نہ کوئی چوکیدار۔"
اس نے آتے ہی پُراعتماد لہجے میں اعلان کیا اور میں اس کے شانے
پر ہاتھ رکھ کر اُسے اپنے ساتھ لیتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

وہ شہر کے آسودہ حال لوگوں کی آبادی تھی اور میں اچھی طرح
جانتا تھا کہ اس دور میں دولت آسانی کے ساتھ نہیں کمائی جاتی۔
اوّل تو دولت کی دیوی دور دور سے درشن کراتی رہتی ہے پھر
جب آتی ہے تو انسان کو احساس ہوتا ہے کہ پیسے کے ساتھ
اس نے کچھ روگ بھی کما لیے ہیں۔

ان میں سب سے بڑا روگ بے خوابی کا ہوتا ہے۔ بڑی
آمدنی کی بڑی فکریں سب سے پہلے راتوں کے سکون پر شب
خون مارتی ہیں اور انسان خواب گاہ کے اندھیرے میں نرم بستر کی
آغوش چھوڑ کر کھلے ہوئے دریچوں میں یوں آ کھڑا ہوتا ہے جیسے
اُسے کسی کا انتظار ہو۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی کھڑکی سے
اندھیرے میں بھٹکتی ہوئی نگاہیں مجھے اور سلطان کو وہاں مشتبہ
انداز میں کھڑا ہوا دیکھیں۔ لہٰذا میں نے چلتے چلتے اپنی بات
جاری رکھی۔

"میدان صاف ہے تو پھر ہمیں اسی وقت کام دکھانا ہوگا۔"
میں نے دَبے دَبے ہیجان آمیز لہجے میں کہا۔

"اندر کودو گے؟" اس نے آہستگی سے سوال کیا۔

"ہاں۔" میں نے قدرے تحیّر کے ساتھ کہا کیوں کہ اس کا سوال
کرنے کا انداز عجیب سا تھا، ویسے بھی وہ عموماً حکم کی تعمیل سے
غرض رکھتا تھا۔ سوالات کم ہی کرتا تھا۔

"اب تک تم جو کچھ بتاتے رہے، اس پر میں آنکھیں بند کر کے
عمل کرتا رہا ہوں۔" اس نے ٹھہرے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا
"لیکن ضرورت سے زیادہ بے خبری کسی وقت بھاری نقصان
کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ میں نے ہوٹل کے کمرے میں تمہاری
اور بھابی کی جو گفتگو سنی تھی، اس سے میں نے نتیجہ اخذ کیا تھا کہ
تمہیں اپنے کسی نامعلوم دشمن کی تلاش ہے۔ اگر تمہیں شبہ ہے کہ
تمہارا دشمن اسی مکان کو کمیں گاہ کے طور پر استعمال کر رہا
ہے تو تمہیں نہتا اندر نہیں گھسنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ
ان کے اندر کے انتظامات اتنے مضبوط ہوں کہ اُنھوں نے
احاطے کے حفاظتی پہلوؤں کو اہمیت دینے کی ضرورت ہی نہ

محسوس کی ہو۔"

"میں تصادم کے ارادے سے نہیں آیا۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "آج تو بس حالات کا اندازہ لگانا ہے۔ جہاں بھی ٹکراؤ کا خطرہ محسوس ہوا، اُلٹے قدموں لوٹ آؤں گا۔"

وہ سرہلا کر رہ گیا۔

"عمارت احاطے کے تقریباً وسط میں بنی ہوئی ہے۔ پچھلی گلی بالکل تاریک اور ویران ہوگی، میں اسی سمت سے اندر گھسنے کی کوشش کروں گا.....!"

"اور میں کیا کروں گا؟" میری بات پوری ہونے سے قبل وہ تجسس آمیز لہجے میں بول پڑا۔

"تم باہر رہ کر نگرانی کرو گے۔ بیرونی مداخلت کا خطرہ محسوس کرتے ہی ایک طویل سیٹی بجا دینا تاکہ میں نکلنے کی فکر کر سکوں، بس یہ بات ذہن میں رکھنا کہ اس مرحلے پر میں تصادم سے بچنا چاہ رہا ہوں ورنہ دُشمن ہوشیار ہوجائے گا اور ہم ایک بار پھر اندھیرے میں بھٹکتے رہ جائیں گے۔"

اپنے پروگرام پر گفتگو کرتے ہوئے ہم دونوں کافی دور نکل گئے۔ لیکن جب ہم دس منٹ بعد مذکورہ مکان پر اپنی طے شدہ ذمے داریاں سنبھالنے کے لیے ایک دوسرے سے الگ ہوئے تو ہمارے ذہنوں پر صورتِ حال کی سنگینی کا احساس کسی حد تک طاری ہو چلا تھا۔

اس وقت میری رسٹ واچ سوا گیارہ بجا رہی تھی۔ کراچی کی جاگتی راتوں کے لحاظ سے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی لیکن اس علاقے میں لاہور والوں کا اجتماعی انداز حاوی تھا۔ ہر سو سناٹا چھایا ہوا تھا، دور سے آوارہ کتوں کی آوازیں اُبھر اُبھر کر معدوم ہو رہی تھیں اور بیشتر مکانوں کے اقامتی حصے تاریک پڑے ہوئے تھے۔

میں عمومی رفتار سے چلتا ہوا اس نکڑ تک پہنچا، جہاں سے مجھے تاریک عقبی گلی میں گھسنا تھا۔ لحظہ بھر کے لیے رک کر میں نے قرب وجوار کا جائزہ لیا، میدان بدستور صاف پڑا ہوا تھا، سلطان شاہ کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید اس نے اپنے لیے کوئی بہت ہی بہتر کمین گاہ چنی تھی۔

میں پھرتی سے آگے بڑھا اور گلی میں پھیلی ہوئی تاریکی میں تحلیل ہوگیا۔ گلی تاریک لیکن صاف ستھری تھی۔ میں بائیں ہاتھ پر تیسرے احاطے کی سپاٹ دیوار کے قریب رک گیا۔ عام تعمیری رواج کے مطابق شاید کسی بھی مکان کے عقبی احاطے میں کوئی دروازہ یا پھاٹک نہیں تھا لیکن مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ شہری سہولتوں کی فراہمی کے لیے اسی عقبی گلی کو استعمال کیا گیا تھا۔ اندھیرے کا عادی ہو جانے کے بعد مجھے پانی، گیس اور بجلی وغیرہ کے لوازمات نظر آنے لگے تھے۔ اچانک ہی میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب میں نے اپنے مطلوبہ مکان کی دیوار کے تقریباً ساتھ کنکریٹ کی چوکی پر ٹیلی فون کی اُونچی سی کیبنٹ لگی دیکھی جس سے علاقے کے لوگوں کو کنکشن دیے گئے ہوں گے۔

میں اس آہنی کیبنٹ پر چڑھ کر باآسانی آٹھ فٹ اُونچی دیوار کے اس پار کا جائزہ لینے کے بعد اندر کود سکتا تھا۔

میں احتیاط کے ساتھ اس کیبنٹ پر چڑھا، دھیرے دھیرے سر اٹھا کر احاطے کے اندر پھیلی ہوئی ویرانی کا جائزہ لیا اور پھر تن بہ تقدیر ہو کر دیوار پر چڑھ کر نرم لان پر کود گیا۔

عمارت کے مکین میری توقع سے بڑھ کر بے فکرے اور بے پروا ثابت ہوئے۔ میں پھونک پھونک کر قدم آگے بڑھاتا رہا اور بدستور یکساں سناٹا چھایا رہا۔ نگہبانی کے لیے وہاں کتوں وغیرہ کا امکان تو پہلے ہی رد ہو چکا تھا اور اس وقت چوکیدار کی موجودگی بھی مشکوک سی نظر آ رہی تھی یا شاید وہ بھی اپنے آقاؤں کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد کسی گوشے میں جا سویا تھا۔

احاطے میں روشنی نہ ہونے کے برابر تھی لیکن اس کے باوجود میں نے اپنا رُخ عمارت کی عقبی سمت ہی کی طرف رکھا۔ سناٹے کی بنا پر سامنے کے رُخ پر کسی دروازے وغیرہ کے کھلے ہونے کی اُمید حماقت ہی ہوتی البتہ یہ امکان تھا کہ شاید کوئی کھلی ہوئی کھڑکی میرے لیے سہولت پیدا کر سکے۔

میرے حواس پوری طرح کام کر رہے تھے لیکن تمام تر حوصلے کے باوجود میرے اعصاب پر سنسنی چھائی ہوئی تھی جس کا سبب یہ احساس تھا کہ میں اس وقت اے۔ ٹو کی کمین گاہ میں موجود تھا۔

اے۔ ٹو جو موت کے سوداگروں کی ٹولی میں ایک پُراسرار نام تھا، جس کا وجود ہر شخص کے لیے ایک راز تھا لیکن میں اپنی کوششوں سے اس کی دہلیز پر چڑھ کر اُسے للکارنے کی پوزیشن میں آ چکا تھا۔

میں نے عقبی سمت کا پوری طرح سے جائزہ لے ڈالا لیکن کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آسکی۔ مکان کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ اس طرف کھڑکیاں ہی کم تھیں اور جو تھیں، وہ بند نظر آ رہی تھیں لیکن کونے پر پہنچتے ہی خوشی سے میرا دل بلیوں اچھل پڑا کیونکہ بغلی دیوار میں ایک کھڑکی کھلی ہوئی نظر آئی تھی جس کے شیشوں پر اندر سے آنے والی مدھم سبز روشنی کا ہلکا سا انعکاس ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کھڑکی کسی خوابگاہ میں کھلتی تھی۔ اے۔ ٹو یا اس کے کسی معتمد کی خوابگاہ کی دریافت میرے

ے معمولی بات نہیں تھی، میں دبے قدموں آگے بڑھا پھر رات
ا تاریکی میں دھیمے دھیمے سر اٹھا کر اندر کا جائزہ لینا چاہا تو یک
ت دو انکشافات ہوئے۔

اوّل تو کھلی ہوئی کھڑکی کے پیچھے چوبی فریم میں مضبوط آہنی
یل نصب تھی دوئم یہ کہ خوابگاہ میں پھیلی ہوئی مدھم سبز روشنی میں
ب انسانی ہیولا کھڑکی کی طرف پشت کیے، چادر اوڑھے بے خبر
رہا تھا۔

میرے وجود میں اضطراب کی لہر سرایت کر گئی، شکار
نے موجود تھا اور اپنے سر پر منڈلانے والے خطرے سے
خبر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر میں اسے
نی زیر کر سکتا تھا۔

میری نگاہیں بے چینی سے دیوار پر پھیلنے لگیں پھر اچانک
ں اپنی خوش نصیبی پر جھوم اٹھا۔ اس رات ستارے میرا ساتھ
رہے تھے، مَیں باآسانی اس خواب گاہ تک آ پہنچا تھا اور وہاں
ھسنے کی راہ بھی نظر آ رہی تھی۔

کمرے کے ایک سرے پر دیوار میں ایک چوکور خلا موجود
جسے اندر سے ہارڈ بورڈ لگا کر بند کر دیا گیا تھا۔ اس خلا کے
دو عدد دیوار گیر آہنی بریکٹ لگے ہوئے تھے جن سے ظاہر ہو
ا کہ وہاں کسی وقت ائیر کنڈیشنر لگا ہوا ہوگا جسے مستقل طور
رمت کے لیے ہٹا کر میرے لیے ایک راستہ تیار کیا گیا تھا۔

ہارڈ بورڈ پر میں نے باہر سے تبدریج دباؤ ڈالا تو چوبی فریم
نگ خوردہ کیلوں کی جگہ چھوڑنے کی مدّھم سی آواز پیدا ہوئی اور
نے فوراً دَم سادھ کر اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔ چند ثانیوں تک
ی طرح بیٹھا رہا پھر مَیں نے کھڑکی کے قریب پہنچ کر محتاط
میں اندر کا جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر دل کو تسلی ہوئی کہ بستر پر
ہوئے شکار کی پوزیشن میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

مَیں نے چوکنے انداز میں آہستہ آہستہ ہارڈ بورڈ کو اسکی جگہ سے اکھاڑ
س وقت میرے ... ذہن میں خیالات کی آندھیاں سی
ا تھیں۔ اے۔ ٹو کے فون نمبر کے ذریعے میں اس مکان میں
تھا۔ اس نمبر پر میری اے۔ ٹو سے بات بھی ہو چکی تھی لیکن
بر پر اے۔ ٹو سے بات کرنے کے لیے رات ایک سے تین
وقت مقرر تھا۔ ایک بجے سے پہلے اس نمبر پر کال ایک عمر
بوڑھی عورت نے وصول کی تھی جس کے بیان کے مطابق
ں کوئی مرد نہیں رہتا تھا۔

نجانے بستر پر کون سویا ہوا تھا؟ بوڑھی اور بیمار عورت
تو؟

ے میرے لیے اعصابی اضطراب پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا

لہٰذا مَیں نے آخری بار گرد و پیش کا جائزہ لیا اور پھر ائیر کنڈیشنر
کے کھلے ہوئے سوراخ میں سے گزر کر خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔

بستر پر دراز انسانی ہیولا بدستور بے حس و حرکت پڑا ہوا
تھا۔ مَیں آگے بڑھا اور پھر میرے وجود میں مایوسی کی لہر دوڑتی
چلی گئی۔

وہ ایک فربہ اندام بوڑھی عورت تھی جو دنیا و مافیہا سے
بے خبر گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ میری نگاہیں عورت سے ہٹ کر
کمرے کا طواف کرنے لگیں اور مجھے ایک گوشے میں تپائی پر رکھا
ہوا ٹیلی فون انسٹرومنٹ بھی نظر آ گیا۔ میں دبیز فرشی قالین پر تیزی
سے اس طرف بڑھا اور ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو فون پر
ٹون آ رہی تھی۔

میں نے ریسیور رکھنے سے قبل اپنی رسٹ واچ پر
نگاہ ڈالی تو وہاں رات کے پونے بارہ بج رہے تھے۔ میں نے
گہرا سانس لے کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

ٹیلی فون اور اس مکان تک میری رسائی ہو چکی تھی لیکن
اے۔ ٹو کے بارے میں کوئی سراغ ملتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ
عورت جس انداز میں گہری نیند سوئی ہوئی تھی اس کی بنا پر مجھے
یقین ہو چلا تھا کہ وہ واقعی بیمار تھی ورنہ عمر کی اس دہلیز پر انسان
اتنی گہری نیند کبھی نہیں سو سکتا۔ شاید اس پر کسی خواب آور دوا کے
گہرے اثرات تھے۔

اس مخصوص صورتحال میں میرے لیے ایک ہی راستہ
باقی رہ گیا تھا کہ میں اسی کمرے میں ٹھہر کر ایک بجنے کا انتظار کروں
اور پھر ٹیلی فون کے بارے میں رونما ہونے والی کسی متوقع تبدیلی کا
خود سراغ لگاؤں۔ محض اسی طرح میں کوئی پیش رفت کر سکتا تھا۔

اس خواب گاہ میں باہر کھلنے والی کھڑکی کے علاوہ دو دروازے
نظر آ رہے تھے۔ ان کے بارے میں یہ اندازہ لگا لینا ذرا بھی
دشوار نہیں تھا کہ ان میں سے ایک ملحقہ باتھ روم میں کھلتا تھا
اور دوسرا اس خواب گاہ کو عمارت کے اندرونی حصوں سے
ملاتا تھا۔

میں نے بڑھ کر اندرونی حصّے میں کھلنے والے دروازے کا
جائزہ لیا تو اندر سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔ مَیں نے اندر سے کنڈی
کھول کر دروازہ کھولا اور چند ثانیوں تک دوسری طرف چھائے
ہوئے گہرے سناٹے پر کان جمانے کے بعد نیم روشن راہداری
میں رینگ گیا۔

عمارت خاصی وسیع ثابت ہوئی لیکن وہاں چار نفوس ہی
دریافت ہو سکے جو سب گہری نیند سو رہے تھے۔ راہداری میں عمر
رسیدہ عورت کی خوابگاہ سے ملحق کمرے میں ایک جوان العمر لڑکی

سوئی ہوئی تھی یا پھر کچن کے قریب ایک کمرے میں دو ادھیڑ عمر ملازم سوتے نظر آئے۔

میں آگے بڑھتا ہوا مکان کا داخلی دروازہ کھول کر برآمدے میں نکل گیا لیکن وہاں کوئی بھی نظر نہ آیا۔ اس صورتحال سے حوصلہ پا کر میں برآمدے سے پختہ روش پر اترا اور تھوڑی دیر بعد یہ فیصلہ کرتا ہوا واپس لوٹ آیا کہ واپسی میں چوروں کی طرح عقبی دیوار پھاندنے کے بجائے میں پھاٹک کی ذیلی کھڑکی ہی استعمال کروں گا

واپسی پر میں عمارت کے اندرونی دروازوں کو حسبِ سابق بند کرنا نہیں بھولا تھا۔ اس تمام جائزے سے فارغ ہو کر میں دوبارہ بوڑھی عورت کی خوابگاہ میں پہنچا تو گھڑی کی سوئیاں بارہ کے ہندسے پر رکی ہوئی نظر آئیں۔ اس کا مطلب تھا کہ کچھ ہونے کے لیے مجھے کم از کم ایک گھنٹہ انتظار کرنا تھا۔

میں مسہری کے قریب فرشی قالین پر اس طرح دراز ہو گیا کہ سوئی ہوئی عورت پر نگاہ رکھ سکوں۔ طویل انتظار کے آغاز نے دل میں سگریٹ سلگانے کی خواہش کو جنم دیا لیکن میں نے فوراً ہی اپنی طلب کا گلا گھونٹ دیا۔ بڑھیا بیمار تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں اسے سگریٹ کی بُو سے الرجی نہ ہو۔ اگر میری سگریٹ نوشی کی بنا پر وہ کھانستی ہوئی بیدار ہو جاتی تو میرے پورے منصوبے پر پانی پھر سکتا تھا۔

قالین پر لیٹے لیٹے میرا ذہن سلطان شاہ کی طرف بھٹک گیا۔ عیسیٰ خان کے گروہ سے ٹوٹا ہوا وہ شخص اس وقت تک میرے لیے بہت کارآمد ثابت ہو رہا تھا۔ یوں تو میری تنظیم کی جڑیں دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ میرے نیچے کام کرنے والوں میں بھانت بھانت کے لوگ موجود تھے لیکن میری مجبوری یہ تھی کہ ان سب میں [illegible] اور صرف تنظیم کے مفادات کے لیے ہی کام لے سکتا تھا جب کہ میرے دل میں بغاوت جنم لے چکی تھی۔ اپنے باغیانہ منصوبوں کی تکمیل کے لیے صرف سلطان شاہ ہی ایسا آدمی تھا جس پر میں کھلے دل کے ساتھ اعتماد کر سکتا تھا۔

لے۔ ٹو تنظیم کا سربراہ اور بہت زیادہ باخبر آدمی تھا لیکن وہ بھی سلطان کے وجود سے باخبر نہیں تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ کراچی چھوڑنے تک میں نے اسے خود سے دور ہی رکھا تھا۔ اگر ایک بار وہ کھل کر سامنے آ جاتا تو شاید میرے لیے اس کی افادیت محدود ہو کر رہ جاتی۔

گھر سے ائیرپورٹ روانہ ہونے کے لیے پہلے میں نے سلطان شاہ کو ٹیکسی سے علیحدہ بھیجنے کا ارادہ کیا تھا لیکن بعد میں مصلحت کی بنا پر اسے ساتھ ہی لے کر روانہ ہوا تھا اور راستے میں میرے اندیشے کی تصدیق بھی ہو گئی کہ قاسم نے میری ہدایت سے انحراف کرتے ہوئے اپنے کسی گرگے کو میری نگرانی پر مامور کیا ہوا تھا۔

لیکن نگرانی کرنے والا اس قدر احمق تھا کہ خود کو میری نگاہوں سے پوشیدہ نہ رکھ سکا اور پھر میری ہدایت پر طارق روڈ پر سلطان شاہ نے اس کی یادگار طریقے پر مرمت کر ڈالی تھی۔

مجھے پورا یقین تھا کہ اپنے آدمی کے حشر کا علم ہونے کے بعد قاسم تلملاتا رہ جائے گا اور واقعات کی کڑیاں ملانے کے بعد اس دوسرے آدمی کی تلاش میں مصروف ہو جائے گا جسے اس کے گرگے نے مکان سے نکلتے ہوئے میرے ساتھ دیکھا تھا۔

مٹھا خان کی موت کے بعد حالات نے اچانک ڈرامائی موڑ لیا تھا اور عارضی طور پر لے۔ ٹو نے ہنگامی حالات کا اعلان کر کے باہمی روابط کو سختی سے محدود کر دیا تھا۔ ان حالات میں مجھے کراچی ہی میں رکنا تھا لیکن میں اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر لاہور آ پہنچا تھا۔ قاسم جب اپنی کوششوں کے بعد شہر میں میرا یا میرے معاون کا سراغ نہ پاتا تو یقینی طور پر الجھن میں پڑ جاتا للہذا میری کوشش یہی تھی کہ جلد از جلد اپنی مہم ختم کر کے واپس کراچی پہنچوں، اور حامد کے ذریعے حاصل ہونے والے تین نوجوان کارندوں کے ذریعے مال باہر بھیجنے کی کوشش کروں کیونکہ اس ہنگامی دور میں بھی لے۔ ٹو نے اس کام کو تعطل میں نہیں ڈالا تھا اور مجھے رابطہ رکھنے کی ہدایت دی تھی۔

سوئیوں کا سفر دھیمے دھیمے جاری رہا اور میرا ذہن خیالات کی دلدل میں ڈوبا رہا۔

میں بذاتِ خود فون نمبر کے حوالے سے لے۔ ٹو کا کھوج لگانے کی کوششوں میں مصروف تھا کیونکہ میرے علم کے مطابق اب تک وہی تنظیم کا سربراہ نظر آ رہا تھا لیکن تنظیم میں حروفِ تہجی اور نمبروں کے اشتراک سے عہدوں کی باہمی شناخت کا جو طریقہ رائج تھا اس کی بنا پر میرا یہ قیاس تھا کہ لے۔ ٹو سے اوپر دو ورنہ کم از کم ایک آدمی ضرور مامور ہونا چاہیے تھا اور اس کی امکانی شناخت لے۔ ون یا صرف لے ہونا چاہیے تھے۔

انسدادِ منشیات کے بارے میں ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس میں امریکی مندوب نے جو بھیانک تصویر کشی کی تھی وہ میرے ذہن میں ہر لمحے تازہ تھی۔ ہیروئن بیچنے والے ہر درجے کے لوگ بظاہر اپنے مالی مفادات کے لیے اس گھناؤنے کام میں مصروف تھے لیکن درحقیقت ان میں سے ہر شخص ایک بڑی سازش کا ایندھن بنا ہوا تھا۔ بیرونی دماغ منصوبہ بندیاں کر رہے تھے۔ ان کی نگاہیں طویل معیاد کے سیاسی اور معاشی مفادات پر مرکوز تھیں اور پاکستان کی سرزمین سے گزرنے والا ہیروئن کا ذرہ ذرہ انھیں اپنی سازش میں کامیابی کی منزل سے قریب تر لے جا رہا تھا۔

شاید لے۔ ٹوکسی بیرونی آقا کو ہی جوابدہ تھا۔ اے۔ ٹو لاہور
ہ کر کراچی تک کے معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا اس لیے
ازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ پاکستان کی حد تک تنظیم کے سارے
ے اس کی صوابدید پر منحصر تھے۔ شاید قرب و جوار کے ممالک
ٹریوں میں اس جیسے کئی اور بھی مقامی سربراہ رہے ہوں
ہ سب ایک ہی آقا کے تابع ہوں۔

تنظیم ہی کی جانب سے کچھ عرصے پہلے مجھے ایک بین الاقوامی
ے کی تکمیل کے لیے جاپان بھیجا گیا تھا۔ وہ سفر میں نے
کی ایک فرم ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے نمائندے کے طور
تھا، دوسری طرف سے آنے والی ایشلے ہاؤز کی نمائندہ تھی،
ے مذاکرات کے انتظار میں مجھ پر ایک خوفناک جاپانی
کے وجود کا انکشاف ہوا جو مقدّر کی بے رحم ٹھوکریں
کے بعد غنڈہ گردی اور گروہ بندی پر اُتر آئی تھی۔ اس کا
ہی منشیات کی اسمگلنگ کے گرد گھومتا تھا۔

مرد، عورت، مقامی اور غیر ملکی سب ہی دولت کمانے کی
ھڑ دوڑ میں نسلوں اور خاندانوں کو تباہی کے مہیب غار
یلنے پر تلے ہوئے تھے۔ غزالہ کی ماں کی دردناک زندگی کا
شاید تھا، کامران کی دیوانگی بھی آنکھوں دیکھی بات تھی۔
ہی تجربوں نے مجھے اور غزالہ کو موت کے سوداگروں کی بیخ
سایا تھا۔

میں اس وقت خوابگاہ کے فرشی قالین پر پڑا آنے
ات کا منتظر تھا اور شاید غزالہ بھی اپنے بستر پر پڑی ایشین
ٹ لمیٹڈ کے بارے میں اپنی حکمتِ عملی کے بارے میں سوچ
ی۔

اچانک میں چونک پڑا۔
خواب گاہ میں رکھے ہوئے ٹیلیفون کی گھنٹی ایک بار دھیمے
نک کر رہ گئی، میں چند ثانیوں تک گھنٹی بجنے کا منتظر رہا لیکن
لاتی آلہ بدستور خاموش رہا۔
بوڑھی عورت بدستور سو رہی تھی اور میری رسٹ واچ پورا
ا رہی تھی میں دھڑکتے دل کے ساتھ اٹھا اور فون کا ریسیور کان
ایا تو بے اختیار حلق سے ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔ ایک
فون کی لائن بے جان ہو چکی تھی میں چند ثانیوں تک ریسیور
لیے خالی الذہنی کے عالم میں کھڑا رہا پھر فوراً ہی میرا ذہن
نے لگا۔

وہ عورت سچی تھی، اس کا اے۔ ٹو سے کوئی تعلق نہیں۔
تبھی اس کا فون جس طرح بے جان ہوا، اس کی بنا پر مجھے
اندازہ درست ہوتا نظر آ رہا تھا کہ ٹیلی فون ایکسچینج میں

اے۔ ٹو کا کوئی ہرکارہ موجود تھا جو مقررہ اوقات میں وہ نمبر اے
ٹو کو منتقل کر دیتا تھا۔
پھر آخر رازداری کیسے برقرار تھی، ایکسچینج میں ڈیوٹیاں
بدلنے کی صورت میں کتنے آدمی اعتماد میں لیے گئے ہوں گے اور
کیا وہ فطری تجسّس کے تحت اے۔ ٹو کی فون کالز نہ سنتے
ہوں گے۔

میرے پاس وقت کم تھا، تین بجے سے پہلے پہلے کوئی کارروائی
ممکن تھی۔ پھر مجھے اندر آئے بہت دیر ہو چکی تھی، سلطان شاہ نہ
جانے کس طرح وقت گزار رہا تھا۔
ریسیور رکھ کر میں اسی راستے سے باہر نکلا جس کے ذریعے
کمرے میں گھسا تھا لیکن عمارت سے واپسی کے لیے احاطے کی
عقبی دیوار پھاندنے کے بجائے میں پھاٹک کی طرف ہو لیا۔
ذیلی راستے سے باہر نکل کر میں نے وہ آہنی کھڑکی اس
طرح بند کر دی کہ بادی النظر میں وہ محفوظ نظر آئے۔
پھاٹک کے ایک طرف ستون پر چوبی نیم پلیٹ پر مسز
دلدار بھٹی کا نام نظر آ رہا تھا۔ اسے ذہن نشین کر کے میں بے پروایانہ
انداز میں آگے بڑھتا چلا گیا جدھر سلطان شاہ سے ملاقات کی
امید تھی۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد میں سلطان شاہ کو تلاش
کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ عقبی گلی کی تاریکی سے نکل کر سامنے
آیا تو اس کے بشرے سے تکان اور بیزاری کے آثار مترشح تھے۔
"کہاں رہ گئے تھے؟" اس نے چھوٹتے ہی سوال کیا تھا۔
"مجھے تو فکر ہو چلی تھی کہ کہیں پکڑ ہی نہ لیے گئے ہو۔"
"اندر میدان صاف تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے پُرجوش
لہجے میں کہا۔ "میرا اندر گھسنا رائیگاں نہیں گیا۔ ایک بجتے ہی فون
بے جان ہو گیا اور مجھے یقین ہے کہ تین بجتے ہی لائن بحال ہو
جائے گی۔"
"میں سمجھا نہیں۔" وہ قدرے حیرت کے ساتھ بولا۔ "تمھاری
اور بھابی کی گفتگو میں کسی فون کا ذکر تو آیا تھا لیکن اس کا وقت
سے کیا تعلق تھا؟"
میں خفت آمیز انداز میں ہنس پڑا۔
وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ اپنی مہم کے سلسلے میں میں اسے
ساتھ تو لیے پھر رہا تھا لیکن میں نے اسے پوری طرح اپنے
مقاصد سے آگاہ نہیں کیا تھا، نہ ہی اس نے کسی مرحلے پر
ضرورت سے زیادہ کچھ جاننے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ وہ سراسر
حکم کا بندہ تھا اور یہ سمجھتا رہا تھا کہ میں کسی ارادے سے ایک
مکان میں چوروں کی طرح گھسوں گا اور وہ باہر رہ کر خطرے

کی صورت میں میرے اشارے کا منتظر رہے گا۔

"مجھے ایک آدمی کی تلاش ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا "اس سے رات کے ایک سے تین بجے تک ایک فون نمبر پر گفتگو کی جا سکتی ہے۔ وہ نمبر اسی گھر کا ہے۔ مقررہ اوقات کے علاوہ فون کرنے پر ایک بوڑھی اور بیمار عورت کی آواز سنائی دیتی ہے جو اس شخص سے سراسر لاعلم ہے۔ وہ عورت اس وقت بھی اپنی خوابگاہ میں بے خبر سو رہی ہے۔ پہلے اس کا فون صحیح تھا لیکن ایک بجتے ہی ناکارہ ہو گیا۔ شاید ایکسچینج سے...."

"بہت بڑی چوک ہو گئی مجھ سے۔" وہ گہرے متاسف لہجے میں بولا۔ "کاش تم نے یہ سب پہلے ہی بتا دیا ہوتا تو اس وقت تمہارا شکار تمہارے قبضے میں ہوتا۔"

"وہ کیسے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تمھیں وہ ٹیلیفون کیبنٹ یاد ہے جس پر چڑھ کر تم اندر کودے تھے۔" اس نے کہا اور میں نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ایک بجنے سے چند منٹ پہلے ایک دبلا پتلا پستہ قامت آدمی میری آنکھوں کے سامنے گندی گلی میں گھسا تھا۔" اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس نے اسی کیبنٹ کے پاس رک کر کچھ گڑبڑ کی تھی۔ میں نے اس کی ٹارچ کی روشنی میں کیبنٹ کا دروازہ کھلا دیکھا تھا۔ بمشکل چند منٹ بعد وہ کیبنٹ کا دروازہ بند کر کے دوسری طرف سے نکلا چلا گیا۔ میں سمجھا کہ محکمے کا کوئی فرض شناس ملازم ہو گا جو اتنی رات گئے کسی کی شکایت پر کام کرنے آیا ہے.... مجھے معلوم ہوتا تو میں اس مردود کو وہیں رنگے ہاتھوں چھاپ لیتا۔"

"تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔ "اب سارا معاملہ صاف ہو گیا۔ اس معاملے کا ایکسچینج سے کوئی تعلق نہیں۔ ساری گڑبڑ اسی کیبنٹ سے کی جاتی ہے۔ تاروں کی ذرا سی ردوبدل سے وہ نمبر کہیں اور منتقل ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ میرا مطلوبہ آدمی آس پاس ہی کہیں رہتا ہے اور اس کے فون کی لائن بھی اسی کیبنٹ سے نکلی ہے.... وہ پستہ قامت اب تین بجے پھر آئے گا اور تاروں کو واپس اصل جگہ جوڑ دے گا۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلے گا کہ کچھ ہوا تھا۔"

"ان ڈبوں سے اتنی بڑی گڑبڑ ہو سکتی ہے تو یہ کھلے کیوں رہتے ہیں؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"یہ مقفل رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس شخص نے کسی طرح اس کیبنٹ کی جعلی چابی بنوالی ہو یا شاید وہ پستہ قامت محکمے ہی کا کوئی لائن مین ہو۔"

"میں سمجھا۔" وہ تفہیمی انداز میں سر ہلا کر بڑبڑایا۔ "جبھی فون رکھنے والے زیادہ بل کو روتے رہتے ہیں۔ اگر تمہارا مطلوبہ آدمی ایک سے تین بجے تک دنیا جہان سے فون پر باتیں کرتا ہے تو بل بڑھیا کو ہی ملے گا جبکہ اس بیچاری کے فرشتوں کو بھی اس ردوبدل کا علم نہیں ہو گا۔"

میں نے اس سے کچھ نہیں کہا لیکن مجھے دل ہی دل میں اے۔ ٹو کی عیاری کا اعتراف کرنا پڑا۔ اس نے بہت ہوشیاری کے ساتھ چھان بین کے بعد اپنے مقاصد کے لیے مسز دلدار بھٹی کے فون نمبر کا انتخاب کیا تھا۔ اس نے اپنے وسائل سے معلوم کر لیا ہو گا کہ بڑھیا بیماری اور تنہائی کے سبب رات میں فون استعمال ہی نہیں کرتی۔ دوسری طرف وہ خود مقررہ اوقات میں اس نمبر پر صرف پیغامات وصول کرتا تھا۔ شاید خود کوئی بھی کال نہ کرتا ہو.... بل کی رقوم میں کوئی اضافہ نہ ہونے کی وجہ سے بیچاری بڑھیا پورے معاملے سے بے خبر تھی یوں اے۔ ٹو نے محض ایک آدمی کے ذریعے اپنی ذات کے گرد ایک حصار کھڑا کیا ہوا تھا۔ صرف فون نمبر کے ذریعے اس تک پہنچنا ناممکنات میں سے تھا۔ اگر کسی نے کھوج لگانے کی کوشش بھی کی ہو گی تو بڑھیا کے مکان تک پہنچ کر یہی سمجھا ہو گا کہ مسز دلدار بھٹی بھی اے۔ ٹو کے کھیل میں پوری طرح شریک ہے اور اے۔ ٹو شاید اسی کی چھت کے نیچے رہتا ہے۔ اس حد تک معلوم کرنے کے بعد تنظیم کے کسی رکن کی مجال نہیں تھی کہ اس معاملے پر مزید دماغ سوزی کرتا۔

مختلف سڑکوں سے گزر کر ہم ایسی سڑک پر نکلے جہاں سے واپسی کے لیے کسی سواری کے ملنے کے امکانات تھے تو سلطان شاہ چونک پڑا۔

"کیوں؟ اب کیا ارادہ ہے؟"

"واپسی۔" میں نے اس کی حیرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"تو کیا تین بجے اس ٹھگنے کو ناپنے کا ارادہ نہیں ہے؟" اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"گتھی سلجھ گئی ہے۔ اب اگلا قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا ہو گا۔ اس شخص کو تو کسی بھی وقت پکڑا جا سکتا ہے کیونکہ نمبروں کے ساتھ یہ کارروائی روز ہی ہوتی ہے۔"

"ضرور سوچو سمجھو۔" وہ بھاری آواز میں بولا۔ "لیکن یہ یاد رکھنا کہ میں بے کاری سے اکتا گیا ہوں۔ کسی وقت دماغ سنک گیا تو کسی کے بھی سر ہو جاؤں گا۔"

"فی الحال ہم غیر مسلح ہیں۔ اصولی طور پر تو مجھے ایسی حالت میں اس گھر میں بھی نہیں گھسنا چاہیے تھا۔ غلط کاموں میں معیت

نا نازل نہیں ہوتی، پھر لاہور میں ہمارے پاس کوئی ٹھکانا بھی
یں ہے۔ اسے پکڑ لیا تو قید کہاں کریں گے۔ آزاد کیا تو وہ
پنے باپ کو ہوشیار کر دے گا۔"

"قید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" وہ تیوریوں پر بل
ل کر بولا۔ "پوچھ گچھ کے بعد غرغرا دبایا اور قصہ ختم۔"

"مقررہ اوقات میں فون نمبروں میں ردو بدل نہ ہوا تو
ں اوپر والا ہوشیار ہو جائے گا، یہ نہ بھولو کہ ہمارا مقابلہ بہت
لاک اور منظم لوگوں سے ہے۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے
ہ پستہ قامت کو تو چھیڑنا ہی نہیں ہے... اب ہمیں کسی طرح
ں نمبر کا پتا چلانا ہے جس پر بڑھیا کا نمبر منتقل ہوتا ہے۔ میں
نے شکار کو بے خبری میں دبوچنا چاہتا ہوں۔ اسے میرے
ئم کی ذرا بھی بھنک مل گئی تو ہم دونوں کو کہیں امان نہ مل
ہم۔"

وہ یوں شانے اچکا کر رہ گیا جیسے میری باتیں اس کے
ابلِ فہم رہی ہوں۔

وہ براہِ راست مرنے مارنے والا آدمی تھا۔ ایسے معاملات
، سوچ بچار کا قائل نہیں معلوم ہوتا تھا۔

***

امکان تو نہیں تھا کہ میں آواز بدل کر فون کرتا تو اسے۔ ٹو
ان لیتا لیکن میں نے پھر بھی محتاط رہنا مناسب سمجھا۔
نچنے کے بعد میں نے غزالہ کو مسز دلدار بھٹی کے نمبروں پر فون
ں ہدایت کی تو اس کے استفسار پر مجھے اپنی کارکردگی
راسے سنانا پڑ گیا۔ سلطان شاہ اپنے کمرے میں چلا گیا
یں نے روانی میں اس کے بے تابانہ رد عمل کے بارے
بتا ڈالا اور غزالہ پھریری لے کر رہ گئی۔

"بہت خونخوار آدمی ہے وہ۔"

"خونخوار نہیں، جوشیلا اور ناتجربہ کار کہو۔" میں نے اس کی
"جو کام ذرا سی ذہنی ورزش سے ہو سکتا ہے وہ اسے
ت کے بل پر انجام دینا چاہتا ہے، تھوڑی سی تربیت
ندن بن جائے گا۔"

"ایک بات سچ سچ بتائیں۔" وہ براہِ راست میری آنکھوں
ے ہوئے سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"وہ کیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"سکندر علی کیسے مرا تھا؟"

"مجھے کیا پتا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "نہ مرتا تو ضرور چیر
ر اجاتا۔"

"سلطان شاہ تو صرف باتیں بنانا جانتا ہے ورنہ میں!
اندازہ ہے کہ اپنے دشمنوں کے حق میں آپ پتھر کی طرح سخت
اور بے رحم ہیں۔"

"یہ کیا قصہ لے بیٹھیں تم۔" میں نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ
کرتے ہوئے کہا۔ "آپریٹر کو نمبر دو جلدی سے۔"

اس نے ہوٹل کی آپریٹر کو مسز دلدار بھٹی کا نمبر دے دیا۔

تھوڑی دیر بعد آپریٹر نے اطلاع دی کہ نمبر میں کوئی
گڑبڑ ہے۔ نمبر ملتا ہے مگر دوسری طرف سے ریسیور اٹھانے
والا مسز دلدار بھٹی کا نام سنتے ہی رانگ نمبر کہہ کر سلسلہ منقطع
کر دیتا ہے۔

ریسیور رکھ کر وہ معنی خیز انداز میں میری طرف دیکھنے لگی۔

ہوٹل میں یہی ایک دشواری تھی کہ فون اپنی مرضی کے
مطابق استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا مگر پھر بھی میں نے ایک
راہ نکال ہی لی۔

غزالہ نے آپریٹر پر کال کی اہمیت واضح کرتے ہوئے
براہِ راست کمرے میں لائن مانگی اور آپریٹر نے فوراً ہی اس کی
درخواست قبول کر لی۔ پھر غزالہ نے نمبر ملانا شروع کیا تو ریسیور میرے
کان سے لگا ہوا تھا۔

پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا اور میرے کانوں میں
ہیلو کی مخصوص غراہٹ گونج اٹھی۔

میں نے جلدی سے غزالہ کو اشارہ کیا اور وہ اپنا منہ
ماؤتھ پیس کے قریب لے آئی۔ "مسز دلدار بھٹی موجود ہیں؟"
لیکن اس کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے اسے۔ ٹو نے غصیلے
انداز میں رانگ نمبر کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس نمبر پر اپنے
کانوں سے اسے۔ ٹو کی آواز سننے کے بعد ہر ثبوت سامنے
آ گیا تھا۔

"کون تھا؟" غزالہ نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"ہم صحیح خطوط پر آگے بڑھ رہے ہیں، وہی تھا جس
کی مجھے تلاش ہے۔"

"پھر اب کیا کریں گے آپ؟"

"ٹیلی فون کے محکمے کے کسی آدمی کو پکڑنا ہوگا۔ جہاں تک
میری معلومات کا تعلق ہے، کیبنٹ سے ہر نمبر کے لیے کیبل کا
ایک علیحدہ پیئر نکلتا ہے۔ یہ دیکھنا ہوگا کہ اس کیبنٹ پر مسز دلدار
بھٹی کے علاوہ اور کون کون سے نمبر ہیں پھر انھیں یکے بعد دیگرے
دیکھنا ہوگا۔"

"کیوں نہ چھپ کر اس آدمی کا پیچھا کریں جو رات کو تاریکی
میں گڑبڑ کرتا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ اسے۔ ٹو ہی کے مکان
میں رہتا ہو۔" اس نے تجویز پیش کی۔

"اوّل تو اس جیسے محتاط اور پُراسرار آدمی سے یہ امید نہیں کہ اس نے تار بدلنے والے کو اپنے گھر میں رکھ چھوڑا ہوگا ہوسکتا ہے کہ تار بدلنے والے کو خود علم نہ ہو کہ وہ کس کے لیے کام کر رہا ہے۔" اسے منہ کھولتے دیکھ کر میں نے جلدی سے وضاحت کی۔ "فون نمبر معلوم ہونا اور بات ہے لیکن آدمی سے وہ لاعلم ہوگا۔ بس کسی نہ کسی طرح اسے مقررہ وقت پر اپنا معاوضہ مل جاتا ہوگا۔ پھر اگر اسے تعاقب کا شبہ ہوگیا اور وہ کسی سے اس کا ذکر کر بیٹھا تو نہ صرف اسے مار دیا جائے گا بلکہ ہم ہمیشہ کے لیے اے۔ٹو کا سراغ کھو دیں گے۔ میں تنظیم کے طریقۂ کار سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہاں راز داری پہلی ضرورت ہے۔ اس کے لیے وہ کسی بھی مہرے کو پٹوانے سے دریغ نہیں کرے گا۔"

وہ پورے وجود سے کانپ گئی۔ "میرے تو رونگٹے کھڑے ہونے لگے ہیں۔ ہمیں صرف ایک آدمی کو تلاش کرنا ہے اور اس سے باز پُرس کرنی ہے لیکن آپ کی باتوں سے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ کوئی خونریز مقابلہ ہو۔ سلطان شاہ آپ کا ساتھی ہے اور خون کا پیاسا ہے۔ دوسری طرف آپ کا مقابل اے۔ٹو سے ہے جو اپنی ذات کو خطرات سے بالاتر رکھنے کے لیے کسی کا بھی لہو بہا سکتا ہے۔"

"مجبوری ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے بےپروائی سے کہا۔ "جب خون کے پیاسوں سے مقابلہ ہو تو ان ہی کے انداز میں جوابی کارروائی کی تیاری کرنا پڑتی ہے۔"

"میں تو اب کچھ اور ہی سوچ رہی ہوں۔" وہ پُرخیال انداز میں بولی۔

"وہ کیا ہے؟" میں نے پُرتجسّس لہجے میں سوال کیا۔

"اگر حالات اس قدر خوفناک ہیں تو کیوں نہ ہم کنارہ کشی اختیار کرلیں۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "دشمن پر غالب آنا تو بعد کی بات ہے، اگر آپ کو کچھ ہوگیا تو کیا ہوگا؟"

اس کی پیشانی پر فکرمندانہ لکیریں دیکھ کر میں ہنس پڑا۔

"فی الحال تو بڑا کمزور سا رشتہ ہے ہم دونوں کا۔ یعنی ہم مسلمان ہیں۔ ہندو ہوتے تو شاید تمھیں ستی ہونا پڑتا میرے بے جان جسم کے ساتھ۔"

وہ جھلا گئی۔ "بعض اوقات آپ بلاضرورت بولتے ہیں۔ مجھے اپنی نہیں، آپ کی سلامتی زیادہ عزیز ہے۔"

"میری مانو تو تم خاموشی سے کراچی واپس چلی جاؤ، ایسا نہ ہو کہ ایشین سنڈیکیٹ تمھارے لیے ایک بھیانک جال بن جائے۔ اکیلا رہ کر میں زیادہ یکسوئی سے اپنا کام کرسکوں گا۔"

وہ چند ثانیوں تک اپنی ٹھوڑی داہنی ہتھیلی پر ٹکائے پُرخیال نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔ "اب مجھے بھی اندازہ ہو رہا ہے کہ کہیں میری ذات آپ کے لیے دشواریاں نہ پیدا کردے، اکیلے رہ کر آپ اپنی پوری توجہ ایک ہی محاذ پر مرکوز کر سکیں گے پھر بھی جانے سے پہلے ایک بار میں ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے دفتر کا چکر ضرور لگاؤں گی، اس ادارے کی طرف سے میرے ذہن میں گہرا تجسّس انگڑائیاں لے رہا ہے۔"

"غنیمت ہے کہ تم نے بہت جلد خود ہی صورتحال کا اندازہ لگالیا، اگر مجھ سے ذرا بھی چوک ہوگئی تو مجھے قابو میں کرنے کے لیے وہ تم پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"سلطان شاہ اب کیا کرے گا؟" چند ثانیوں کے بعد غزالہ نے کسمساتے ہوئے سوال کیا۔

"کل تم ایشین سنڈیکیٹ جاؤ گی تو وہ دور رہ کر تمھاری نگرانی کرے گا، میں بھی یہاں سے جلد از جلد واپس لوٹنا چاہتا ہوں تاکہ کسی کو کراچی سے میری غیر حاضری کا علم نہ ہوسکے۔ اس ہنگامی دور میں بھی ایک اہم کام میرے سپرد ہے جسے اب مکمل ہوجانا چاہیے ورنہ میری پوزیشن مخدوش ہوجائے گی۔"

"کون سا اہم کام؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"کیریئرز کے ذریعے ہیروئن کی بیرون ملک اسمگلنگ۔" میں نے ایک بار پھر گہرا سانس لیا۔ "اس وقت تنظیم کی ساری سرگرمیاں معطل ہیں لیکن یہ کام بہرصورت ہونا ہے، آدمیوں کا انتظام کرتے ہی مجھے اے۔ٹو سے رابطہ پیدا کرنا ہوگا تاکہ اس سے بقیہ ہدایات لے سکوں۔"

"آپ گلے تک اس دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں۔" وہ تاسف آمیز لہجے میں بولی۔ "خدا کرے کہ ہم دونوں جلد ہی اس منحوس تنظیم کا شیرازہ منتشر کرنے میں کامیاب ہوجائیں۔"

میں اس کی معصوم سی خواہش پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ اگر محض بددعاؤں سے بدی کا مٹنا ممکن ہوتا تو شاید دنیا اس وقت جنت بن چکی ہوتی۔

٭٭٭

مکان وسیع و عریض تھا۔ پھاٹک سے لے کر در و دیوار تک، ہر چیز سے تزک و احتشام جھلک رہا تھا لیکن ان سب تاثرات پر ویرانی کا احساس بری طرح حاوی تھا۔

پھاٹک کے قریب دیوار پر چڑھی ہوئی پھولدار بیلوں کے سبز پتوں پر جمی ہوئی گرد کی تہوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہاں دیکھ بھال کا عنصر نہ ہونے کے برابر تھا۔ پھاٹک کے سامنے سے گزرتے ہوئے نجانے کیوں میری چھٹی حس نے وہاں

ویرانی کا اعلان کیا تھا۔
صبح میں نے غزالہ کی دیکھ بھال کے بارے میں سلطان شاہ کی بریفنگ کی تھی۔ اس کے بعد وہ دونوں الگ الگ ہوٹل سے روانہ ہو گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد میں کافی پیتے ہوئے مسلسل غزالہ کو درپیش امکانی خطرات کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر ذہنی رو میں تبدیلی کے خیال سے اخبار لے بیٹھا مگر خبریں پڑھنے کے باوجود ذہن میں چلتے ہوئے چرخے کا سلسلہ منقطع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔
دس بجے میں مشتبہ کیبنٹ کا نمبر لے کر علاقے کے ٹیلیفون ایکسچینج میں پہنچا تھا۔ وہاں تھوڑی دیر کے بعد میں سائیکل پر روانہ ہونے والے محکمے کے ایک کارکن سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا جو میری گفتگو سے مرعوب ہو گیا۔
میں نے اپنے مقصد پر آنے سے قبل سو روپے کا ایک نوٹ اسے تھمایا جسے اس نے کچھ کہے سنے بغیر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ شاید اس قسم کا لین دین اس کے معمولات میں شامل تھا البتہ نوٹ کی مالیت اس کے لیے حیران کن رہی تھی۔
کیبنٹ کا نمبر اس نے غور سے دیکھا تھا پھر چند منٹ میں واپسی کا وعدہ کر کے دفتر کی عمارت میں چلا گیا۔ جاتے جاتے اپنی سائیکل وہ میری تحویل میں دے گیا تھا۔
واپس آیا تو کاغذ کے پُرزے کی پشت پر سات نمبر درج تھے۔ اس نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ان نمبروں میں میرے دلچسپی لینے کا سبب کیا ہے۔
اس سے رخصت ہو کر میں نے جی۔ پی۔ او کال آفس سے نیومیریکل ڈائرکٹری لے کر نمبروں کے مطابق ساتوں پتے نوٹ کیے اور اپنی مہم پر روانہ ہو گیا۔
یکے بعد دیگرے میں نے ان ساتوں مکانوں کا جائزہ لے لیا جن میں ایک سنز دلدار بھٹی کا مکان تھا جو میرے نزدیک ہر طرح کے شبہے سے بالاتر ثابت ہو چکا تھا۔ بقیہ چھ میں سے پانچ مکان بارونق اور پوری طرح آباد تھے لیکن چھٹا اپنے تمام تر ترک و نشام کے باوجود مشتبہ نظر آ رہا تھا۔
اس ابتدائی جائزے کے بعد میں نے قرب و جوار میں گھوم پھر کر خاصا وقت برباد کیا۔ اس دوران میں معلوم ہوا کہ بقیہ پانچوں مکانات میں علاقے کے شرفا کا قیام تھا جو عیالدار ہونے کے ساتھ ساتھ لگے بندھے معمول کے عادی تھے۔ میرے نزدیک اس شہر میں کسی شخص کے معزز اور شریف ہونے کے لیے محض مالی اعتبار سے باحیثیت ہونا کافی تھا اور جب تک کسی آسودہ حال شخص کے بارے میں پولیس یا کسی اور ذریعے سے قانون کی خلاف ورزی کا انکشاف نہ ہو اس کے پڑوسی وغیرہ اسے معزز سمجھتے رہتے ہیں۔ اس فلسفے کی روشنی میں ان پانچوں امکانات کو بھی میں نے اپنی فہرست سے خارج نہیں کیا تھا لیکن چھٹا ویران مکان عملی سہولتوں کی بنا پر میری نگاہ میں زیادہ اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت میں دوبارہ اس ویران مکان کے قرب و جوار میں منڈلا رہا تھا۔
بظاہر وہاں مکمل ویرانی کا راج تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ اندر کوئی نہ کوئی رکھوالا ضرور مقیم ہوگا کیونکہ دونوں آہنی پھاٹکوں میں سے کوئی بھی باہر سے مقفل نہیں تھا۔
اس روز میں نے ہوٹل سے خالی ہاتھ نکلنے کی حماقت نہیں کی تھی۔ میری جیب میں وہ مختصر سا پستول بھرے ہوئے چیمبر کے ساتھ موجود تھا جو سی ون کے ذریعے بارودی بریف کیس میں مجھ تک پہنچا تھا۔
اس مکان میں داخلے کے لیے بقیہ تین سمتوں سے کسی کوشش کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ پشت اور دونوں پہلوؤں پر اس کے احاطے کی دیواریں دوسروں کے ساتھ مشترک تھیں۔ لے دے کر بس سامنے والی دیوار ہی سے کود کر یا پھاٹک کے ذریعے اندر داخل ہوا جا سکتا تھا۔
خود کو کسی کی نگاہ میں لائے بغیر میں چار بجے تک اسی علاقے میں منڈلاتا رہا پھر کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ایک قریبی فون بوتھ سے ہوٹل فون کر ڈالا۔
میں ہوٹل کے عملے پر غیر ضروری طور پر سلطان شاہ اور غزالہ کے تعلق کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا میں نے دو مختلف کالز میں آپریٹر سے ان کے کمروں کے نمبر مانگے لیکن دونوں بار ہی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔
ان دونوں کی ہوٹل سے طویل غیر حاضری میرے لیے باعثِ تشویش تھی لیکن اس وقت میں ان کے معاملے میں بے بس تھا لہٰذا میں نے دھندلکا پھیلتے ہی اپنی کارروائی کے آغاز کا فیصلہ کر لیا۔
ایک ہوٹل میں بھاری ناشتا کرنے کے بعد آخر کار ساڑھے چھ بجے میں اس مکان پر جا پہنچا۔
پھاٹک کے داہنی جانب والے ستون میں کال بیل کا پش بٹن نظر آ رہا تھا۔ میں نے تن بہ تقدیر ہو کر بٹن پر انگلی رکھ دی۔ چند سیکنڈ میں میں نے بٹن سے انگلی ہٹالی۔ اس دوران میں اندر سے کوئی بھی آواز نہیں سنائی دی۔ اگر وہ بٹن واقعی کسی گھنٹی سے منسلک تھا تو گھنٹی مکان کے کسی ایسے دور افتادہ گوشے میں نصب تھی جہاں سے اس کی آواز کا سنائی دینا ناممکنات میں سے تھا۔

تھوڑے تھوڑے وقفے سے تین کوششوں کے بعد مایوس ہو کر میں نے آہنی پھاٹک پیٹنے کا ارادہ کیا مگر فوراً ہی اسے ترک کر دیا۔ اگر وہ مکان واقعی ویران پڑا ہوا تھا تو اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے بجائے شور شرابا کر کے دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنا حماقت کے مترادف ہوتا۔

میں نے قرب و جوار کا جائزہ لیا لیکن شام کے دھندلکے میں مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جس کا خوف مجھے پیش قدمی سے روکنے کا باعث بنتا، میں پھرتی سے آہنی پھاٹک پر چڑھا اور اندر نیم پختہ روش پر کود گیا۔

میں کود کر اپنے قدموں پر سیدھا ہونے بھی نہ پایا تھا کہ سامنے سے بجلی کی سرعت کے ساتھ کوئی لپکا اور اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ مجھ پر آپڑا۔ میں اس ناگہانی مصیبت سے فوری طور پر اپنا کوئی دفاع نہیں کر سکا اور حلق سے بے معنی سی غراہٹ نکالتا ہوا، پشت کے بل اس کے نیچے ڈھیر ہو گیا۔

وہ جو کوئی بھی تھا، ضرورت سے زیادہ مغلوب الغضب معلوم ہوتا تھا اور مجھے ایک لمحے کی بھی مہلت دینے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ مجھے گراتے ہی اس نے اپنے چوڑے چکلے ہاتھوں سے وحشیانہ انداز میں میرا گریبان تھام لیا اور پھر میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں بھانپ لیا کہ وہ میرا آخری موقع تھا۔ اگر اس وقت میں غفلت سے کام لیتا تو وہ پوری قوت سے میرے چہرے پر ٹکر رسید کر کے مجھے پوری طرح زیر کر لیتا۔

سرعت کے ساتھ دونوں پہلوؤں سے میرے ہاتھ حرکت میں آئے اور اس سے قبل کہ وہ میرے چہرے پر ٹکر رسید کرنے میں کامیاب ہوتا میں نے دونوں ہتھیلیوں کے بھاری حصوں سے اس کی کنپٹیاں بجا دیں۔ میرے اس غیر متوقع وار نے لحظہ بھر کے لیے اس کے اوسان خطا کر دیے اور میں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اس خونخوار آدمی کو اپنے سینے سے اچھال پھینکا۔

مجھے اس کے بوجھ سے تو نجات مل گئی مگر اس کے ہاتھ جونکوں کی طرح میرے گریبان سے الجھے رہے، میں تڑپ کر زمین سے اٹھا اور اٹھتے ہی اس کے وزنی جبڑے پر ایک بھرپور مکہ رسید کر دیا۔

اس کے حلق سے خوفناک سی غراہٹ آزاد ہوئی اور وہ گریبان چھوڑ کر غضب ناک انداز میں میری کمر سے لپٹ گیا۔ اس کی گرفت اس قدر خطرناک تھی کہ میں شپٹا گیا۔ وہ زور لگا کر شاید میری کمر توڑ ڈالنا چاہتا تھا اور اسی کے ساتھ۔ مجھے اوپر اٹھا کر زمین پر پھینک دینے کے لیے بھی کوشاں تھا۔ میرے ہاتھ بھی اس کی گرفت میں پھنسے ہوئے تھے اور میں جیب سے پستول نکالنے کے معاملے میں بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔

میں پوری طرح چوکنا تھا اور اپنے بدن کو اکڑا لیا تھا، وہ بار بار کچکچا کر زور لگاتا تھا اور ہر بار مجھے رگیدتا ہوا پھاٹک سے کچھ دور لے جاتا تھا جہاں دھندلکا چھانے کے باوجود وسیع لان پر لمبی لمبی گھاس کے ساتھ خودرو پودوں پر مشتمل جھاڑ جھنکار نظر آ رہے تھے۔

ایک بار جیسے ہی مجھے چند ثانیوں کے لیے قدم جمانے کی مہلت ملی میرا داہنا گھٹنا تیزی سے حرکت میں آیا اور پوری قوت سے اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں گھس گیا۔

فوراً ہی اس کی گرفت ختم ہو گئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ تھامے، تکلیف سے کراہتا ہوا پیچھے الٹ گیا میرے لیے وہ موقع غنیمت تھا، میں نے پھرتی سے جیب میں ہاتھ ڈالا تو دل دھک سے رہ گیا۔ اس مار دھاڑ میں پستول میری جیب سے کہیں گر چکا تھا۔

میں اپنی بدنصیبی کو دل ہی دل میں کوس کر رہ گیا۔ میں غیر مسلح ہو چکا تھا اور میرا حریف جسمانی اعتبار سے مجھ سے کہیں برتر تھا۔ مجھے لمحے بھر کے لیے خیال آیا کہ شاید وہ بھی غیر مسلح ہی تھا۔ اس کے پاس کسی قسم کا اسلحہ موجود ہوتا تو میرے اندر کودنے پر وہ مجھ پر حملہ آور ہونے کے بجائے اسلحہ کی زد پر مجھے للکار کر اپنا قیدی بنانے کی کوشش کرتا۔

میرے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ فوری طور پر بھاگ کر لان پر پھیلے ہوئے خودرو جنگل میں پناہ لوں اور موقع ملتے ہی باہر فرار ہونے کی کوشش کروں یا پھر رک کر مقابلہ کروں اور اسے ہر قیمت پر نیچا دکھانے کی کوشش کروں۔

اس وقت بازی الٹ ضرور گئی تھی لیکن میری ذات بھیانک خطرات سے محفوظ تھی۔ اندھیرے کے باعث میرا حریف ہرگز میرے خدوخال کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ اگر وہ اے۔ ٹو کا ہی نمک خوار تھا تو میرے نکل جانے پر اپنے آقا کو کسی نامعلوم آدمی کی مداخلت کی اطلاع دیتا اور اے۔ ٹو شاید اس مکان کو استعمال کرنا ترک کر دیتا، ہو سکتا تھا کہ فون نمبر کے بارے میں اپنی حکمت عملی ... تا اور اس کے سراغ کے سلسلے میں مجھے از سر نو محنت کرنا پڑتی لیکن اسے بھول کر بھی مجھ پر شبہ نہ ہوتا۔ دوسری طرف اگر میرا حریف اپنی بے پناہ طاقت کے بل پر مجھے اپنا قیدی بنا لینے میں کامیاب ہو جاتا تو میرا انجام یقیناً عبرتناک ہوتا — باز پرس کے دوران میرے لیے اپنی شناخت چھپانی ناممکن ہوتی اور اے۔ ٹو اپنے ایک باغی ماتحت کے حق میں موت کا فیصلہ صادر

کرنے میں ذرا بھی تردد نہ کرتا۔
یہ سارے خیالات ایک تیز رفتار فلم کی طرح پل بھر میں ذہن میں گھوم گئے لیکن اس سے پیشتر کہ میں کوئی فیصلہ کرتا میرا وحشی حریف اپنی تکلیف پر قابو پا کے میری طرف پلٹ چکا تھا۔

اس بار وہ براہِ راست مجھ پر حملہ آور ہونے کے بجائے چند قدم دور رُک گیا تھا۔ جیسے حملہ کرنے کے لیے میرے کسی کمزور پہلو کا متلاشی ہو پھر اسی لمحے میں نے کسی گراری دار چاقو کے کھلنے کی آواز سنی اور میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو گئیں۔

صورتحال اچانک ہی گھمبیر ہو گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے چاقو کا پھل، اس کے ہاتھ کی جنبش کے ساتھ کسی کسی زاویے پر چمک اٹھتا تھا اور وہ دانت پیس کر مغلظات بکتا میری طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ طاقت کے گھمنڈ میں پُراعتماد تھا اور آخری وار کرنے سے پہلے بھپکیاں دے دے کر مجھے خوفزدہ کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا اور میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا جا رہا تھا، یوں ہم دونوں کے درمیان چند قدم کا فاصلہ مسلسل برقرار تھا۔

"آج تیرا نرخرا نہ کاٹا تو نام نہیں۔" وہ ایک مرتبہ پھر (چاقو) والا ہاتھ اچانک آگے بڑھا کر نفرت آمیز لہجے میں غرایا۔
اس بار مجھے وہ موقع نظر آ ہی گیا جس کے انتظار میں پسپائی اختیار کرتا ہوا تاریک لان کی طرف سرک رہا تھا۔ میں نے سُرعت کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑی اور اس پر جا پڑا۔ اسے میری پیش قدمی کی ذرا بھی توقع نہیں تھی پھر بھی آخری لمحے پر اس نے میری زد سے بچنے کی بہت کوشش کی لیکن میں نے اپنی کلائی پر چاقو کے پھل کی چند خراشوں کی پروا کیے بغیر اس کی داہنی کلائی اپنی گرفت میں لے کر پوری قوت سے موڑنا شروع کر دی۔

اس کے لیے شاید وہ مقابلہ کھیل تھا مگر میرے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ اس کا چاقو والا داہنا ہاتھ پیچھے تک مڑ جانے کے بعد میں نے ایک وحشیانہ جھٹکے کے ساتھ کلائی موڑ کر اس کے شانے کے نیچے کمر سے لگا دیا اور وہ تکلیف سے کراہتا ہوا بے اختیار قدرے آگے جھک گیا۔

میں مسلسل اور پوری زور لگاتا رہا تاکہ داہنے شانے کے جوڑ پر دباؤ میرے حریف کے لیے ناقابلِ برداشت ہو جائے اور وہ شانہ اکھڑنے سے پہلے چاقو چھوڑ دے۔

خاموش مگر جانگسل زور آزمائی جاری رہی۔ اس نے دو بار میری ٹانگوں پر لات مار کر میرا توازن بگاڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا پھر جب تیسری بار اس نے بائیں ٹانگ چلائی تو میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر اس کی وہی ٹانگ لپک لی اور وہ حلق سے

کر یہ آوازیں نکالتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ گرتے ہوئے اس کے حلق سے غیر ارادی طور پر نکلنے والی اوہ کی درد میں ڈوبی ہوئی آواز میرے لیے بہت فرحت بخش تھی۔

میں نے ذرا دور ہٹ کر دیکھا تو اس کا داہنا ہاتھ پسلیوں سے نیچے پیٹ کے نیچے دبا ہوا تھا اور وہ آہستہ آہستہ پہلو بدل رہا تھا۔ پھر اس کا لہولہان لباس سامنے آ گیا۔ گرتے ہوئے چاقو کا پھل بری طرح اس کے پیٹ میں اتر گیا تھا اور زخم سے تیزی سے خون بہہ کر زمین میں جذب ہو رہا تھا۔

اس نے کراہتے ہوئے بدقت تمام چاقو اپنے پیٹ سے باہر نکالا، اب وہ میری طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس نے کہنیاں ٹیک کر اٹھنا چاہا پھر ایک دم پشت کے بل زمین پر گر کر دونوں ہاتھوں سے یوں زخم کو تھامتا تھا جیسے کھلے ہوئے پیٹ سے آنتیں باہر نکل پڑنے کا خوف ہو۔

میں نے بڑھ کر بے رحمی سے اس کی کنپٹی پر ایک ٹھوکر رسید کی اور پھرتی سے پیچھے ہٹ آیا۔ اس وقت اپنے حریف کے بارے میں میرا دل نفرت یا ہمدردی کے جذبات سے یکسر عاری تھا۔ میری نگاہ میں وہ محض ایک مہرہ تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ نسبتاً خاموشی کے ماحول میں ہونے والے مقابلے کے بھیانک انجام کو اپنی یقینی موت کی صورت میں بھانپ کر کہیں وہ چیخ پکار شروع نہ کر دے تاکہ قرب و جوار کے لوگ ادھر متوجہ ہو جائیں اور میرے فرار کی راہیں مسدود ہو جائیں۔ ٹھوکر کھا کر وہ کراہا اور اس کا پورا بدن زمین سے کئی انچ اوپر اچھلا، اس کے بعد اس کی آواز معدوم ہوئی اور جسم ہلکے سے تشنج سے گزر کر ساکت ہو گیا۔

میں نے بہت احتیاط سے اس کا جائزہ لیا تو وہ واقعی بیہوش ہو چکا تھا۔ چاقو اس کے قریب ہی زمین پر پڑا ہوا تھا اور اس کے اپنے لہو میں ڈوب چکا تھا۔

اس کی نبضوں کی رفتار بھی قدرے سست ہو گئی تھی اور بہنے والے خون کی بھاری مقدار کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ اسے فوری طبی امداد نہ ملی تو وہ مر جائے گا۔

مقابلے کے کسی بھی مرحلے پر میں نے اسے قتل کرنے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ وہ ضرور میرا نرخرہ کاٹنے کے بارے میں ہرزہ سرائی کر رہا تھا جب کہ میں سراسر مدافعت ہی کرتا رہا اور اگر اس کے باوجود وہ مر رہا تھا تو یہ اس کا اپنا مقدر تھا جسے تبدیل کرنے کا نہ مجھے کوئی اختیار تھا نہ حق۔

طبلِ جنگ بج چکا تھا۔ اے۔ ٹو اور اس کی تنظیم کے خلاف میری جنگ کا آغاز ہو چکا تھا اور اس جنگ میں فتح کے لیے سب کچھ جائز تھا۔

جاں بلب دشمن کی موت کا انتظار کرنے کے بجائے میں اپنے گمشدہ پستول کی تلاش میں مصروف ہوگیا۔ میرے لیے اس کا حصول بہت ضروری تھا ورنہ اس معاملے میں میری ذات بے نقاب ہوسکتی تھی۔

ہم دونوں کا مقابلہ مختصر سے رقبے میں ہوا تھا لہٰذا جلد ہی میں اپنا پستول تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ مجھے یقین تھا کہ اصل عمارت میں داخلے کے لیے اب شاید اس ہتھیار کے استعمال کی نوبت نہیں آئے گی۔ اس عمارت میں اگر کوئی اور متنفس موجود ہوتا تو ضرور اپنے ساتھی کی مدد کو آتا۔ غالباً وہی اس عمارت کا اکلوتا رکھوالا تھا۔

بظاہر اس عمارت کا واحد مکین میرے ہاتھوں بے ہوش ہو کر موت کی راہ پر گامزن ہوچکا تھا اور عمارت میں میرے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن میں تنظیم اور اس کے بڑوں کے طریقۂ کار سے خوب واقف تھا۔ وہ لوگ ارتکاب جرم کے روایتی طریقوں کے عادی نہیں تھے بلکہ جدید دور کی ایجادات سے بھرپور استفادے کے قائل تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ سی۔ ون نے جیوا ہاؤز کے جس کمرے میں طاقتور ٹرانسمیٹر ایم۔ ٹی۔ تھری ہنڈرڈ نصب کیا تھا وہاں کسی کی مداخلتِ بے جا سے نمٹنے اور واقف رہنے کے لیے دوسرے شعبدوں کے علاوہ خودکار کیمرہ بھی نصب کیا گیا تھا تاکہ مداخلت کار کی تصویر لے کر بعد میں جوابی کارروائی کی جاسکے۔

ہر وہ جگہ جہاں آدمی کو نظرانداز کرکے کسی مشین پر اعتماد کیا جاسکتا تھا تنظیم میں وہاں مشینی بندوبست نافذ تھا اور اگر وہ عمارت واقعی کسی اہمیت کی حامل تھی تو وہاں بھی مخصوص حصّوں میں کیمرے یا کسی اور حفاظتی انتظام کی موجودگی کے تمام تر امکانات تھے۔

عمارت کی طرف بڑھنے سے قبل میں نے جیب سے نائلون کا موزے نما نقاب نکال کر سر۔۔۔۔۔ پر منڈھ لیا اور پھر احتیاط سے عمارت کے برآمدے کی طرف بڑھنے لگا۔

اس وقت میرے ذہن پر عجیب وغریب خیالات نے یلغار کی ہوئی تھی۔ موت کے سوداگر ہیروئن کی تجارت میں بے اندازہ پیسہ کما رہے تھے اور اس پیسے کی مدد سے اوپر والوں نے اپنے گرد ناقابلِ شکست حصار قائم کیا ہوا تھا۔ ان تک پہنچنا تو درکنار، ان کی شناخت تک ناممکن تھی۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ اس پُرشکوہ مکان میں داخلے کا راستہ محض ایک آدمی کی لاش سے گزرتا ہو۔

میری رفتار سست پڑگئی۔

کہیں برآمدے میں جابجا فوٹوسیل پوشیدہ نہ ہوں کہیں ان کا سلسلہ کسی خفیہ اور بے آواز گن سے منسلک ہو کر میرے فوٹوسیل کی زد میں آتے ہی اچانک نامعلوم سمت سے بے آواز گولیاں چلیں اور میرا بدن چھلنی ہو کر رہ جائے، میں پھریری لے کر رہ گیا۔ تاریکی میں ڈوبی ہوئی پُرشکوہ عمارت کے خدوخال مجھے آسیبی ہیولے کی طرح نظر آنے لگے۔

جیوا ہاؤز میں سی۔ ون نے ایم۔ ٹی۔ تھری ہنڈرڈ اور اس کے حفاظتی انتظام کی تنصیب میری موجودگی میں کی تھی اور میں فوٹو سیل کے کام کرنے کے اصول سے واقف تھا۔ فوٹوسیل اور روشنی کے مخرج کے درمیان شعاعیں منقطع ہوتے ہی حفاظتی نظام حرکت میں آسکتا تھا۔ اسے آزمانے کے لیے میرا بذاتِ خود اس خطرناک برآمدے پر چڑھنا ضروری نہیں تھا۔

میں فوراً ہی رک گیا۔ لان میں پھیلا ہوا جنگل میرے تجربے کے لیے خاصا مواد فراہم کرسکتا تھا۔

میں نے لان سے ایک قدآدم خودرو پودا جڑوں سمیت اکھاڑ لیا لیکن خاصی دیر وہاں بھٹکنے کے باوجود دوسرے لوازم دستیاب نہ ہوسکے آخر کار میں عمارت کے بغلی حصّے کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں مجھے دو کمروں پر مشتمل وہ رہائش گاہ بھی نظر آگئی جو شاید میرے شکار کے استعمال میں تھی۔ بلب جلانے پر وہاں ضرورت کی ہر چیز نظر آئی مگر انھیں استعمال کرنے والا باہر اپنے خون میں نہایا ہوا پڑا تھا۔

اس طرف تلاش کے دوران میں مجھے ایک بانس کا پھٹا ہوا لمبا سا ٹکڑا مل گیا جو غالباً نالیوں وغیرہ کی صفائی کے کام میں آتا ہو گا۔ میں وہ ٹکڑا روشن کمرے کے سامنے لے آیا۔

معاً مجھے اپنی کلائی پر آنے والی خراشوں میں سوزش کا احساس ہوا اور میں نے دیکھا کہ میری داہنی آستین کا نچلا حصّہ خون کے داغوں سے بھرا ہوا تھا۔ دو جگہ سے آستین بھی کٹی ہوئی تھی اور میں اس حالت میں ہوٹل تو درکنار، شہر کے کسی روشن یا بارونق علاقے کا رُخ بھی نہیں کرسکتا تھا۔

اس کمرے میں باقاعدہ طبی امداد کا تو کوئی سامان نہیں تھا البتہ آفٹر شیو لوشن کی خاصی مقدار موجود تھی۔ میں نے لوشن سے داہنی کلائی کی خراشوں کو صاف کیا جن میں صرف ایک ذرا گہری تھی مگر اس پر بھی خون کی پپڑی جم چکی تھی۔ پھر میں نے اپنی قمیص اتار کر ایک کاغذ میں لپیٹی اور اپنے حریف کے کپڑوں میں سے ایک بش شرٹ پہن کر باہر آگیا۔

پھٹے ہوئے بانس کے ٹکڑے کے سرے پر قدآدم پودے کو باندھ کر میں دوبارہ برآمدے کی طرف چل دیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے احتیاط سے دیوار کی اوٹ میں پوزیشن سنبھالی اور بانس کے ٹکڑے کو آہستہ آہستہ اس طرح آگے بڑھانے لگا کہ اس کے سرے پر بندھا ہوا پودا عمودی حالت میں رہے۔

وہ پودا برآمدے پر چند فٹ ہی بڑھا ہوگا کہ میں سناٹے
...لیا، بانس کا ٹکڑا میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میرے بدن
...ائے مساموں کے دہانے کھل گئے۔
...ہلکے سے تین کھٹکوں کے ساتھ تین گولیاں زناٹے کے
...پودے میں سے گزری تھیں، خاموش بے آواز ہتھیاروں سے
...تھے۔
...میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے برآمدے میں پڑے ہوئے پودے
...رتا رہا۔ اگر مجھے بروقت وہ احتیاطی تدبیر نہ سوجھی ہوتی تو اس
...پودے کی جگہ میرا چھلنی بدن تڑپ رہا ہوتا۔
بظاہر ویران اور غیر مخدوش نظر آنے والی اس عمارت میں
...جنبی مداخلت کار کے لیے موت کے بھیانک اور ناقابل
...ت پھندے کی موجودگی کا صاف مطلب تھا کہ میں خوش قسمتی
...بعہ عمارت میں داخل ہوا تھا۔
جیوا ہاؤز میں الیکٹرانک آلات سے منسلک حفاظتی نظام
...خود شاہد تھا اسی دن کے مکان میں اسی قسم کے غیر مہلک
...دھندے سے سلطان شاہ دوچار ہو چکا تھا اور اب اس
...دعریض مگر بظاہر غیر آباد عمارت میں فوٹو سیل سے منسلک
...ر بارودی ہتھیاروں کی خفیہ تنصیبات، سب ایک ہی سلسلے
...ماں تھیں اور یقینی طور پر اس عمارت کو اے۔ ٹو کے معاملات
...ں اہمیت حاصل تھی۔
عمارت کا خونخوار محافظ اپنے ہی ہتھیار سے بری طرح زخمی
...ا اور بے ہوشی کی حالت میں لحظہ بہ لحظہ موت کی وادی
...بڑھ رہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس بدنصیب کو عمارت
...ت پر مامور کرتے ہوئے اندر داخلے کی ممانعت ضرور
...دگی مگر وہ برآمدے میں نصب شیطانی جال سے سراسر لاعلم
...ہوگا تاکہ کبھی اس کے دل میں ہدایات سے انحراف
پیدا ہو تو وہ اس خودکار نظام کے تحت کیفرِ کردار کو
...ئے۔
...ئیں اے۔ ٹو کے ایک ٹھکانے میں داخل ہونے میں
...ہو چکا تھا۔ مقدر میری یاوری کر رہا تھا۔ محافظ میرے
...ضرر تھا، اندھیرے میں موجود خطرے سے میں باخبر ہو چکا
...لیے برآمدے میں کھلنے والے دروازوں کا رخ کرنے کا سوال
پیدا ہوتا تھا۔
رفتہ رفتہ میرے اعصاب پرسکون ہوئے تو میں وہاں سے
پہلے میں نے اپنے شکار کا جائزہ لیا تو وہ بدستور بے ہوش
...ی نگاہیں دھندلکے کی عادی ہو چکی تھیں پھر بھی میں نے
...ا کا جائزہ لیا تو زمین کے خاصے بڑے حصے پر خون کے داغ اور

لوتھڑے نظر آئے۔ میں اپنے جوتوں کو خون میں آلودہ ہونے
سے بچاتے ہوئے اس کے بے حس و حرکت بدن کے قریب
پہنچا اور نبضیں ٹٹولیں تو وہاں موت کا بھیانک سکوت طاری تھا۔
وہ میرا دشمن تھا مگر اس کی موت پر میں نے اپنے دل پر
بھاری پن سا محسوس کیا۔ وہ جو بھی تھا، بہت نچلے درجے کا آدمی
تھا اور نجانے کن مجبوریوں کے باعث گناہوں کی اس فصل کی
آبیاری کر رہا تھا۔ پھر مجھے بے اختیار طارق یاد آ گیا جسے تنظیم کے
بڑوں نے خطرات میں گھرا ہوا دیکھ کر کسی کتے کی طرح بے رحمی
سے مروا دیا تھا، میرا خون جوش کھانے لگا۔
اور طارق ہی نے حامد کے ساتھ اس کی مجبوریوں کا سودا
کیا تھا۔ ایک صاف ستھرے نوجوان اور امن پسند شہری کو اس
نے سنہرا باغ دکھا کر منشیات فروشی کے دھندے میں لگایا تھا۔
حامد کی اپنی مجبوریاں تھیں اور وہ محض ایک سمجھوتے کے تحت
اس کام میں ملوث ہوا تھا اور حد سے آگے بڑھنے پر ہرگز آمادہ
نہیں تھا۔ اگر وہ بدنصیب کسی موقع پر ایسے ہی کسی حادثے کا شکار
ہو جاتا تو بھی میں اسی طرح دل گرفتہ ہوتا کیونکہ وہ اور اس جیسے
بہت سے دوسرے اس گھناؤنے کاروبار میں شامل ہونے کے
باوجود ہمدردیوں کے مستحق تھے۔
حامد کے ذریعے میں نے کراچی میں چند ایسے لڑکوں اور
لڑکیوں کا بندوبست کیا تھا جو ہیروئن لے کر بیرونِ ملک سفر پر
روانہ ہوتے، یہ کام اتنا اہم تھا کہ اے۔ ٹو نے تمام سرگرمیاں
موقوف کرانے کے باوجود محض اس معاملے میں مجھے ہدایات لیتے
رہنے کا حکم دیا تھا اور میں کراچی چھوڑ کر لاہور آ بیٹھا تھا۔
مجھے بے چینی سی محسوس ہونے لگی۔
اس عمارت میں ایک خون ہونے کے بعد اے۔ ٹو لازماً
اس فون نمبر کے بارے میں محتاط ہو جاتا جس کے ذریعے میں اس
عمارت تک پہنچا تھا کیونکہ اس فون کا اس عمارت سے کوئی نہ
کوئی تعلق ضرور قائم تھا... بھیڑیا زخم کھانے کے بعد بہت چالاک
اور چوکنا ہو جاتا ہے۔ میرا یہی خیال اے۔ ٹو کے بارے میں تھا۔
اگر اس کی ذہنی رو اس بحران میں میری طرف منتقل ہو جاتی تو میری
اپنے ٹھکانے سے غیر حاضری میری پوزیشن کو مشکوک بنا سکتی تھی۔
اے۔ ٹو کو اپنے مدِمقابل کسی باخبر اور خطرناک حریف کی موجودگی سے
باخبر کرنے کے بعد میرا فوری کراچی لوٹنا بہت ضروری ہو گیا تھا۔
میں عمارت کی طرف بڑھا پھر میں نے وسیع و عریض رقبے پر
بنی ہوئی اس عمارت کا پورا طواف کر ڈالا لیکن کہیں بھی کوئی ایسا راستہ
تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا جس سے میرا اندر داخل ہونا ممکن
ہوتا۔ کھڑکیوں میں شیشے ضرور تھے لیکن شیشوں کے عقب میں ہر چوکھٹ

پر مضبوط آہنی گرل لگی ہوئی تھی جسے کاٹے بغیر اندر گھسنا ناممکنات میں سے تھا۔
کافی دیر غور و خوض کے بعد ایک تجویز میرے ذہن میں آ ہی گئی۔
برآمدے میں فوٹو سیل سے منسلک ہتھیار خود کار ضرور تھے مگر ان میں میگزین کی ایک محدود مقدار ہی لوڈ ہو سکتی تھی۔ چھ سات گولیاں اور پھر میدان صاف ہوتا۔
میں نے دوبارہ برآمدے کے سامنے اپنا محفوظ مورچہ سنبھال لیا پھر جونہی میں نے پھٹے ہوئے بانس کے ٹکڑے کو گھما کر برآمدے کے فرش پر پڑے ہوئے قد آدم خودرو پودے کو اوپر اٹھایا، دوبارہ تین کھٹکوں کے ساتھ تین فائر ہوئے اور گولیاں پودے سے گزر کر باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں کہیں دور جا گریں۔
جہاں تک مجھے معلوم تھا، بارودی ہتھیاروں میں پستول اور ریوالور ہی پر سائلنسر استعمال کیا جا سکتا تھا اور ان اسلحوں میں چیمبر ہونے کی وجہ سے گولیوں کی تعداد محدود ہوتی ہے۔ بھاری میگزین یا گولیوں کی پیٹیوں پر انحصار کرنے والے اسلحے کی ساخت نہ صرف بہت بھاری ہوتی ہے بلکہ اس کی آواز پر قابو پانا بھی ناممکن ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے چھ سات فائروں کے بعد برآمدہ خطرات سے عاری ہو جانا چاہیے تھا اور ہوا بھی یہی۔
میں اس قد آدم پودے کو بار بار آگے پیچھے سرکا کر فوٹو سیل کے نظام کو حرکت میں لاتا رہا اور ہر بار گولیاں چلتی رہیں مگر آٹھویں بار ٹریگرز کے کھٹکے ضرور سنائی دیے لیکن کوئی فائر نہیں ہوا۔
اپنے اطمینان کے لیے میں نے مزید دو کوششیں کیں جب ہر [illegible] میں نے پھٹے ہوئے بانس کے ٹکڑے کو کھینچ کر [illegible] پودے کو کھولا اور اجاڑ لان پر پھیلے ہو[illegible] میں پھینک دیا۔ بانس کی لکڑی واپس اس کی جگہ پر ڈ[illegible] بعد میں تفتیش کے لیے آنے والے اے۔ ٹو کے ہر کارندوں کو [illegible] معلوم نہ ہو سکے کہ ان کے اسلحے کو کس ترکیب سے خلاص کیا گیا [illegible]
[illegible] کی موجودگی کے خطرے کے پیش نظر میں نے اپنے چہرے پر [illegible] کی تھی۔ جب میں نے برآمدے کی [illegible] احتیاطی تجربات سے مطمئن ہو جانے کے باوجود [illegible] غیر معمولی حد تک تیز تھی۔
[illegible] برآمدے کے فرش پر پہنچا تو میرا دل [illegible] دھڑک رہا تھا، پنڈلیوں پر [illegible] سی لرزش طاری ہو چلی [illegible] سے [illegible] عبور کرلی [illegible] مخصوص وقفوں سے
تقریباً بیک وقت تین ٹرائیگر چلے اور میں آگے بڑھ گیا۔
میں نے برآمدے میں کھلنے والے نسبتاً کمزور دروازے کے ہفتی قفل پر ایک تار کے مڑے ہوئے سرے سے قسمت آزمائی کی اور ایک ڈیڑھ منٹ کی محنت کے بعد تالا کھل گیا۔
میں نے دروازے کے پٹ اندر دھکیلے تو نتھنوں سے عجیب سی بو ٹکرائی جیسے وہ دروازہ مدت دراز سے بند رہا ہو۔ میں نے جھجکتے ہوئے چوکھٹ عبور کر ڈالی، اس وقت میرے اعصاب پر ایک بار پھر تناؤ کی کیفیت طاری ہو چلی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں دوسری دفاعی لائن کے طور پر اندھیرے میں کوئی نیا شعبدہ میرا منتظر نہ ہو۔
باہر سے روشنی دیکھ لیے جانے کے خوف سے میں نے بلب روشن کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا، بس پنسل ٹارچ کی محدود روشنی میں پھونک پھونک کر قدم آگے بڑھاتا رہا۔ پیش قدمی کے ساتھ ہی میں سمتوں کو بھی ذہن نشین کرتا جاتا تھا تاکہ اندھیرے میں اس بھول بھلیاں سے واپسی ممکن ہو سکے۔
ہر طرف سے کھڑکیاں، دروازے بند ہونے کے باعث اندرونی فضا میں گھٹن اور عجیب سی بو رچی ہوئی تھی۔ بیرونی ساخت کی طرح اندر سے بھی وہ مکان بہت شاندار اور پوری طرح آراستہ تھا لیکن قدم قدم پر یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ کافی عرصے سے وہاں کی کوئی چیز انسانی استعمال میں نہیں آئی تھی۔ فرنیچر وغیرہ پر گرد کی باریک سی تہہ جمی ہوئی تھی جو نجانے کہاں سے گزر کر اندر پہنچتی رہی تھی۔ آخر کار قالین اور بیش قیمت فرنیچر سے آراستہ ایک لابی کے گوشے میں مجھے ٹیلیفون انسٹرومنٹ بھی نظر آ گیا۔ میں تیزی سے اسی طرف بڑھتا چلا گیا کیونکہ وہی میری پوری مہم کا مرکز تھا۔
فون کی تپائی کے نیچے تقریباً فون ہی کے سائز کا ایک خوبصورت چوکور ڈبہ رکھا ہوا تھا جس کے اوپر سرخ رنگ کا ایک بلب روشن تھا اور اس سے نکلنے والے تار فون کی ڈبیہ سے منسلک تھے۔ اسے دیکھ کر میرے منہ سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔
ان دنوں کراچی کے بہت سے دفاتر اور گھرانوں میں کارڈلیس ہینڈ فون رواج پا چکے تھے اور وہ میرے لیے نئی چیز نہیں تھے۔ فون کے ساتھ الیکٹرونک سرکٹ پر مشتمل بکس منسلک کرنے کے بعد ایک مختصر سے لاسلکی فون پر محدود حلقے میں چلتے پھرتے اس نمبر کی کالز ریسیو کرنے کے ساتھ حسب مرضی نمبر بھی ڈائل کیے جا سکتے تھے۔
اس عمارت کی حالت اور فون پر تنے ہوئے مکڑی کے جالوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس مکان سے فون کی سہولت

ت سے استعمال نہیں کی گئی مگر فون سے منسلک آپریٹس نے
یقہ کار واضح کر دیا تھا۔
میں نے اس آپریٹس کی نیم پلیٹ پر درج تفصیلات کا
نزہ لیا تو پتا چلا کہ اس کا دائرۂ کار سو میٹر پر مشتمل تھا۔ اس
مطلب تھا کہ اسے۔ ٹو اس عمارت میں داخل ہوئے بغیر سو
رکے فاصلے پر بآسانی اس نمبر پر آنے والی ہر کال وصول کر سکتا
۔ اس طرح ٹیلیفون تک پہنچ جانے کے باوجود اسے۔ ٹو کی
ب کشائی ناممکن ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے اپنی ذات کے گرد
م حصار کو برقرار رکھنے کے لیے اس قدر پیچیدہ طریقہ اختیار کیا
کہ اس تک رسائی کی کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی
۔ اول تو نمبر کے سہارے کی جانے والی ہر کوشش مسز دلدار بھٹی تک پہنچ کر
م ہو جاتی اور میں اپنی دانست میں بہت بڑی کامیابی حاصل
کے اس مکان تک آ بھی گیا تھا تو یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ خود...
۔ ٹو نے اس ویران عمارت میں قدم بھی رکھا ہو گا۔ عمارت
موجود فون سے منسلک آلے کا حیطۂ عمل سو میٹر پر مشتمل تھا
یہ ضروری نہیں تھا کہ اس حد میں اسے۔ ٹو مستقل طور پر قیام پذیر
۔ مقررہ اوقات میں چلتے پھرتے یا کسی ٹھکانے پر پہنچ کر
وہ پیغامات وصول کر سکتا تھا۔
اس ناکامی نے میری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ تنظیم
رازداری کے مرحلے میری توقعات سے کہیں بڑھ کر پیچیدہ اور
ار ثابت ہو رہے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ مدت دراز سے یہ
ا غیر قانونی کاروبار کامیابی کے ساتھ چل رہا تھا۔
ناکامی کے تکدر اور اشتعال کے عالم میں میں نے بر احتیاط
لائے طاق رکھ کر اس فون کا نمبر نوٹ کیا اور بیش قیمت
ا صوفے ادھیڑ کر فوم کو دیا سلائی دکھا دی۔
واپسی میں میں نے جا بجا مختلف مقامات پر سازوسامان
ک دکھاتے ہوئے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ میری واپسی کے دو
اہی گھنٹوں میں پوری عمارت آگ کے فلک بوس شعلوں کی
ٹ میں آ جائے گی۔
عمارت ویران اور غیر آباد تھی۔ احاطے کی دیواروں سے اصل
ت کا فاصلہ کافی زیادہ تھا لہٰذا اس آگ سے قرب و جوار کے
ات کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ اس سے پیشتر
ت عمارت سے باہر خشک گھاس پھوس تک پہنچتی اس علاقے
ادوسرے مکین شعلوں کی سرخی دیکھ کر فائر بریگیڈ کو طلب کر
رتے۔
اسے۔ ٹو کی ذات رازداری کے آہنی پردوں میں چھپی ہوئی
ن اس اہم عمارت میں آتش زنی اور وہاں سے برآمد ہونے
والی لاش اس کے اعتماد کو متزلزل کر سکتی تھی۔
میرا مقصد بھی یہی تھا کہ اسے کسی طاقتور حریف کی موجودگی
کا احساس دلا دوں تاکہ بوکھلاہٹ کے عالم میں اس سے غلطیوں
کا ارتکاب ہونے لگے اور میں کسی طرح اس کے گریبان پر ہاتھ
ڈال سکوں۔
واپسی کے لیے میں نے پھاٹک کی راہ اختیار کی اور تھوڑی
ہی دیر بعد ٹیکسی پکڑ کر ہوٹل جا پہنچا۔
غزالہ کمرے میں بے چینی سے میری منتظر تھی۔ اس کے
چہرے سے گھبراہٹ اور خوف کے آثار نمایاں تھے۔ میری
دستک کے جواب میں اس نے دروازہ کھول کر پھیکی مسکراہٹ
کے ساتھ میرا استقبال کیا تو میں نے فوراً ہی کسی گڑبڑ کے امکان
پر سوچنا شروع کر دیا۔
"یہ... یہ بش شرٹ ہے؟ آپ کی تو نہیں ہے یہ؟" اس
نے سب سے پہلا سوال یہی کیا تھا۔ وہ لاکھ تعلیم یافتہ اور روشن
خیال سہی مگر تھی ایک عورت ہی اور عورتوں کی نگاہیں لباس
کے بارے میں ضرورت سے زیادہ حساس ہوتی ہیں۔
میں نے کاغذ میں لپٹی ہوئی خون آلود قمیص ایک
طرف اچھال دی "میری قمیص گندی ہو گئی تھی اس لیے بدلنا
پڑ گئی، یہ بتاؤ کہ تم واپس کب آئیں؟"
"ابھی آٹھ بجے آئی ہوں۔" وہ آنکھیں بند کر کے جھرجھری
لیتے ہوئے بولی "آج کا تجربہ مجھے مدتوں یاد رہے گا، مجھے محسوس
ہو رہا تھا کہ شاید میں آج آپ تک پہنچ ہی نہ سکوں گی۔"
"تسلی سے مجھے تفصیل بتاؤ۔" میں نے اس کے شانے پر
ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا "عملی زندگی تصورات سے عموماً بہت
زیادہ کٹھن ہوتی ہے، خصوصاً جب واسطہ برے لوگوں سے ہو۔"
"ایشین سنڈیکیٹ تو مجھے بہت صاف ستھرا ادارہ محسوس
ہوا تھا۔" اس نے ایک کرسی میں بیٹھتے ہوئے کہا "دفتر شاید تین
کمروں پر مشتمل ہے۔ باہر دو مرد اور تین لڑکیاں اپنے کاموں میں
مصروف تھیں۔ میں نے ان ہی میں سے ایک سے [illegible] مدعا ظاہر
کیا تو تھوڑی دیر کے بعد مجھے دوسرے کمرے میں بھیج دیا گیا [illegible]
بہت خوبصورت اور شاندار دفتر تھا اور وہاں بڑی [illegible] سیاہ میز کے
پیچھے ایک نرم خو لیکن ادھیڑ عمر شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کو یہ جاننے
کی خواہش تھی کہ مجھے اس دفتر میں کس نے بھیجا [illegible] میں
نے اسے بتایا کہ میں ملازمت کی تلاش میں کئی دفاتر سے ہوتی
ہوئی اتفاقاً وہاں بھی پہنچ گئی تھی تو اس کے [illegible] اطمینان
کے آثار نظر آئے تھے پھر اس نے تعلیم [illegible]
میرے ذاتی کوائف کریدنے شروع کر دیے جس [illegible]

ایک گھسی پٹی کہانی تراشنی پڑ گئی۔ ارے کھانا بھی کھایا آپ نے؟"
بات کرتے کرتے وہ چونک کر بولی۔

میں کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر مسکرا دیا۔ "روم سروس کو ہدایت دے دو۔"

فون پر ہدایت دے کر وہ دوبارہ بتانے لگی۔ "میں پوری طرح محتاط رہی لیکن میرا خیال ہے کہ وہ میری طرف سے کھٹک گیا تھا۔ اس نے آزمائشی طور پر مجھے ایک لڑکی کے حوالے کر دیا۔ اور میں سارا دن مختلف فائلوں میں بکھرے ہوئے کاغذات کو ترتیب سے یکجا کر کے فائل کرتی رہی۔ سارے ہی کاغذات کا تعلق فرم کے برآمدی کاروبار سے تھا۔ غالباً دنیا کے بیشتر ممالک سے ان کے تجارتی روابط ہیں۔"

"تو اس میں الجھنے کی کیا وجہ تھی، تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہاری کوشش کامیاب رہی اور تمہیں ایشین سنڈیکیٹ لیمیٹڈ میں جگہ مل گئی۔"

"کھانے کے وقفے کے بعد نصیر خان نے دوبارہ مجھے بلایا تھا۔۔۔"

"نصیر خان کون؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"وہی ادھیڑ عمر شخص۔ باہر کام کرنے والی لڑکیوں سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ ادارے کا جنرل منیجر ہے۔ فرم کے ایم۔ ڈی کا کمرہ ہمیشہ خالی رہتا ہے، اسے عملے کے کسی فرد نے کبھی دفتر آتے نہیں دیکھا۔ عملاً نصیر خان ہی سیاہ سفید کا مالک نظر آتا ہے اس وقت وہ اپنے دفتر میں کچھ پی رہا تھا۔ فضا میں رچی ہوئی بو کی بنا پر مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ کسی قسم کی وائن پی رہا تھا کیونکہ ڈیڈی بھی کبھی کبھار یہ شوق کرتے ہیں۔ اس نے دوبارہ میری کہانی کا ذکر چھیڑ دیا۔ میں اس سے ایک آدھ جھوٹ بول چکی تھی جسے اس کی جرح کے جواب میں نہ نباہ سکی اور تین بجے کے قریب اس نے خشک سے لہجے میں مجھے دفتر سے رخصت کر دیا۔"

"کہانی کیا تراشی تھی تم نے؟"

"وہی روایتی سی چڑھتی عمر کی لغزش کی کہانی۔" وہ نظریں چراتے ہوئے خفت آمیز لہجے میں بولی تو اس کا چہرہ گلنار ہو گیا۔

"تفصیل نہیں بتاؤ گی؟" میں نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے ہوئے شوخ لہجے میں سوال کیا۔

"میں نے اسے اپنا نام پروین بتایا تھا۔ آبائی شہر پنڈی بتایا تھا۔ شاید یہی میری سب سے بڑی غلطی تھی کیونکہ میرا لب و لہجہ جھوٹ کی چغلی کھا رہا تھا۔ اس نے پنجابی میں ۔۔۔۔۔۔۔۔ دو تین سوال کیے تو میں نے جوابات اردو ہی میں دیے اور اسے بتایا کہ میں ایک شخص کے ہمراہ والدین کو چھوڑ کر خاموشی سے لاہور چلی آئی ہوں۔ پیسے ختم ہونے کے بعد دونوں ہی الگ الگ ملازمت کے لیے مقدر آزمائی کر رہے ہیں۔ اس نے میرا لاہور کا پتا پوچھا تو میں صرف اتنا بتا سکی کہ پرانی انار کلی میں اپنے ساتھی کے کسی عزیز کے گھر مقیم ہوں مکان نمبر وغیرہ مجھے معلوم نہیں۔ دوپہر میں اس نے مجھ سے میرا پنڈی کا پتا معلوم کیا اور میں بوکھلا گئی کیونکہ پنڈی میرے لیے قطعی اجنبی شہر ہے۔ اخبارات میں کبھی پڑھا ہوگا لہٰذا گوال منڈی کا نام لے دیا۔ اس نے لئی نالے کا ذکر چھیڑ دیا، راجہ بازار کے حوالے سے راستہ پوچھنے لگا۔ مکان کا نمبر تو میں نے الل ٹپ بتا دیا لیکن محل وقوع اور راستوں کے بارے میں پے در پے غلطیاں کرتی رہی کیونکہ اس کا رویہ فوراً ہی بدلنے لگا۔ آخر میں اس نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا کہ کسی جوان لڑکی کو اگر اپنے گھر واپسی کا راستہ معلوم نہ ہو تو اسے کسی اجنبی کے ساتھ باہر نہیں نکلنا چاہیے ورنہ وہ راستے کی تلاش میں زندگی بھر بھول بھلیوں میں بھٹکتی رہتی ہے۔"

"تین بجے سے آٹھ بجے تک تم کیا کرتی رہیں؟"

"دفتر سے نکلنے تک سلطان شاہ مجھے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ کسی سواری کی تلاش میں تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ گہرے رنگ کی ایک کرولا میرے پاس آ رکی۔ اس میں کوئی اوباش سا آدمی سوار تھا۔ اس نے مجھے میری منزل تک پہنچانے کی پیشکش کی جسے میں نے ٹھکرا دیا۔ اس نے گاڑی ذرا آگے بڑھائی اور انجن بند کر کے میرے راستے میں حائل ہو گیا۔ اس نے دھمکی دی کہ میں خاموشی سے گاڑی میں نہ بیٹھی تو وہ اس بھری پری سڑک سے زبردستی مجھے اٹھا لے جائے گا، چند ثانیوں تک اس سے تکرار ہوئی۔ شاید سلطان شاہ نے صورت حال دور ہی سے بھانپ لی۔ وہ اچانک نمودار ہوا پھر وہاں بھگدڑ مچ گئی کیونکہ سلطان شاہ نے اسے بری طرح مارنا شروع کر دیا تھا۔ میں تیزی سے علیحدہ ہو کر تماشائیوں میں مل گئی۔ سلطان شاہ بہت بے خوف اور دلیر ثابت ہوا۔ اس نے ذرا سی دیر میں اس شخص کو خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا پھر پھرتی سے اسی کی کرولا میں جا بیٹھا، چابی شاید اگنیشن میں موجود تھی۔ اس کے ہاتھ کا اشارہ پاتے ہی میں بھی تیزی سے آگے بڑھی اور کار میں جا بیٹھی۔ اس طرح ہم وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو سکے۔ ایک ویران علاقے میں اس نے گاڑی چھوڑ دی، اس کا خیال تھا کہ گاڑی کی وجہ سے ہم دوبارہ گھیرے جا سکتے ہیں۔ اس نے مجھے فوراً ہوٹل واپس لوٹ کر آپ کی واپسی تک کمرے میں محدود رہنے کا مشورہ دیا مگر میں خوف کے باعث آمادہ نہ ہوئی۔ دوسری طرف کپڑے پھٹ جانے اور خون کے دھبوں کی وجہ سے وہ دن کے اجالے میں لوگوں کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ مجبوراً ہم ویران علاقوں میں بھٹکتے

ہے، اندھیرا پھیلنے کے بعد ایک رکشے والے کو روکا تو اس نے سلطان شاہ کا حلیہ دیکھتے ہی اپنے کان پکڑ لیے۔ اس کا کہنا تھا کہ شام کے وقت شہر کے مختلف علاقوں میں پھٹے حال پھرنے والے ان نوجوان گداگروں کو نامعلوم قاتلوں نے گولیاں مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ یہ سن کر میں دہل گئی۔ آخر کار سلطان شاہ نے مجھے تنہا واپس پلٹنے پر آمادہ کر ہی لیا۔"

"اور وہ خود کہاں ہے؟"

"کچھ پتا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ابھی تک کسی ویرانے میں روپوش ہو۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ روم سروس کا ویٹر کھانا لے کر آیا تھا۔

کھانے کے دوران میں میں غزالہ کو اپنی مہم کا حال سناتا رہا اور وہ شدید حیرت کے عالم میں خاموشی سے پوری داستان سنتی رہی۔ میری کلائی کے زخم دیکھ کر وہ بے چین ہو گئی تھی لیکن میں نے ہنس کر اسے کھانے پر توجہ دینے پر مجبور کر دیا۔

"اب تک تو وہ عمارت شعلوں میں گھر چکی ہو گی۔" میرے خاموش ہونے پر اس نے تحیّر زدہ لہجے میں کہا۔

"شاید۔" میں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ایک دم کیا ہونے لگا۔" وہ سہمے ہوئے، الجھن آمیز لہجے میں بولی۔ "پہلے ہی راؤنڈ میں تشدد اور خونریزی کا یہ عالم ہے تو ہم کب تک خود کو بچا سکیں گے؟"

"ہمیں فوراً لاہور چھوڑ دینا ہو گا۔" میں نے پُر خیال لہجے میں کہا۔ "اگر نوجوان گداگروں کے قتل کے بارے میں رکشہ ڈرائیور سچا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سلطان شاہ مار دھاڑ کرنے کے باوجود شناخت نہیں کیا جا سکا۔ گداگروں کے قتل اور سلطان شاہ کے تصادم میں کوئی تعلق ہے تو گداگر شاید اسی کی قامت و جسامت کے رہے ہوں گے اور اس کے ہاتھوں پٹنے والا محض کوئی اوباش شخص نہیں تھا بلکہ وہ تمہارے اغوا کی ایک سوچی سمجھی سازش تھی جسے سلطان شاہ کی مداخلت نے ناکام بنا دیا۔ لاہور میں اب سب سے زیادہ خطرہ تمہارے لیے ہے وہ تمہیں کہیں بھی پہچان لیں گے۔"

بے اختیار اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ "آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔" وہ روہانسی آواز میں بولی۔ "میری وجہ سے آپ کے لیے دشواریاں پیدا ہو گئیں۔"

"کسی کام کا آغاز کیا جائے تو دشواریاں آتی ہیں۔ یہی کیا کم ہے کہ اس طرح ایشین سنڈیکیٹ لیمیٹڈ کا کردار کھل کر ہمارے سامنے آ گیا۔" میں نے اس کی دلجوئی کی خاطر کہا۔

"مجھے بہلانے کی کوشش نہ کریں۔" وہ اسی لہجے میں بولی۔

"اس کا کردار تو پہلے ہی سامنے تھا، آپ نے اس کے نمائندے کے طور پر مشرقِ بعید کا طویل سفر کر کے ایشلے ہاؤز والوں سے ہیروئن کی فروخت کا معاہدہ کیا تھا۔"

"وہ غیر اہم بات تھی۔ کسی بھی نام سے تم کاغذات چھپوا سکتی ہو۔ ایشین سنڈیکیٹ والوں کا نام اس کی لاعلمی میں محض شناخت کے لیے استعمال ہو سکتا تھا... سودا کرنے والی پارٹی کوئی اور ہی ہوتی... یہ نہ بھولو کہ رازداری کے معاملے میں یہ لوگ ضرورت سے زیادہ حساس ہیں۔ اے۔ ٹو نے رابطے کے لیے فون کا معاملہ اس قدر پیچیدہ بنایا ہوا ہے کہ کسی کو اس کے بارے میں بھنک بھی نہیں مل سکتی۔"

"اب خطرات سامنے آ ہی گئے ہیں تو پہلی پرواز سے کراچی لوٹ چلیں۔" اس نے ضد کی۔

"اوّل تو میں سلطان شاہ کو نہیں چھوڑ سکتا پھر ہماری روانگی اتنی آسان نہیں ہو گی، ہمارا مقابلہ ایک بڑی تنظیم سے ہے ائیر پورٹ اور ریلوے اسٹیشن پر ان کے آدمی تمہاری تلاش پر مامور ہوں گے۔ ان کی پوری کوشش یہی ہو گی کہ ہمیں لاہور ہی میں گھیر لیا جائے، اس عمارت میں آتش زنی کی خبر پا کر وہ لوگ جوشِ انتقام میں اپنے سارے وسائل دشمن کی تلاش میں جھونک دیں گے۔"

"اور دشمنوں میں وہ صرف مجھے ہی پہچان سکتے ہیں" اس نے اداس لہجے میں کہا پھر قدرے سکوت کے بعد بولی۔ "آپ کیسے کہتے ہیں کہ وہ میرے اغوا کی منظم سازش تھی۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ نصیر خان نے تمہیں کام میں لگا کر وقت حاصل کیا تھا تاکہ تمہارے بارے میں اپنے اوپر والے کو مطلع کر کے ہدایات لے سکے اور دفتر سے نکلتے وقت تمہاری نگرانی کا بندوبست کرا سکے۔ شاید ایسے کاموں میں وہ اپنے دفتری عملے کو ملوث نہیں کرتا۔ اوپر جو کوئی بھی ہے بہت چالاک ہے کیونکہ اس سے گفتگو کے بعد نصیر خان کا انداز ہی بدل گیا اور بقول تمہارے اس نے تمہارے جھوٹ کا اندازہ لگا لیا لیکن اوپر والا اس سے پہلے تمہیں اٹھوانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ تشدد کے سامنے مضبوط سے مضبوط عورت بھی بہت کمزور ثابت ہوتی ہے۔"

"ہیروئن کی تیاری اور تجارت میں بہت بڑے ہاتھ ملوث ہیں۔" چند ثانیوں کے بعد وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "پولیس اور حکومت کے بہتیرے طاقتور اور با اختیار ادارے بھی مل کر اس پر قابو نہیں پا سکے۔ مجھے تو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ ہم نے اس مہم کا آغاز کر کے ہی غلطی کی ہے۔ ہم انہیں تھوڑا بہت نقصان ضرور پہنچا سکتے ہیں لیکن ان کی بیخ کنی ناممکنات میں سے نظر آتی ہے۔"

"حکومت کے جن اداروں کا تم ذکر کر رہی ہو، ان کی ناکامی

کی ٹھوس وجوہ ہیں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔" چار چھ ہزار روپے
ماہانہ تنخواہ پانے والوں میں کالی بھیڑیں بھی ہوتی ہیں۔ اس کام میں
نفع کا تناسب سوگنا کے لگ بھگ ہے۔ جو بھی یہ کام کرتا ہے وہ
بھاری رشوتیں اور نذرانے دے کر کالی بھیڑوں کو خرید لیتا ہے اور
انسداد منشیات کی بہتر سے بہتر حکمت عملی بھی دھری رہ جاتی ہے،
میں ان کے اندر کا آدمی ہوں، مجھے اندازہ ہے کہ کس طرح ان کا منہ
کچلا جا سکتا ہے، تم دیکھو گی کہ ایک دن مجھے ضرور کامیابی ہوگی۔"

"میری بھی یہی آرزو ہے، میرا تو پورا گھرانہ برباد ہو گیا ہے نشے
کے ہاتھوں۔ مجھ سے بڑا، اس کا دشمن کون ہوگا لیکن قتل، خونریزی
انتقام اور بارود کی اس برسات میں آپ کب تک ٹھہر سکیں گے؟"

"نہ ٹھہر سکا تو مر ہی جاؤں گا۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ
کہا۔" میں سمجھوں گا کہ میں نے اس طرح زندگی بھر کے گناہوں کا
کفارہ ادا کر دیا۔۔۔ یہ کیوں بھول رہی ہو کہ فی الحال میں بھی ان ہی
میں سے ہوں۔ پہلے چرس تقسیم کرتا تھا اب ہیروئن کا تقسیم
کنندہ ہوں اور چاہتے ہوئے بھی ان سے گلو خلاصی نہیں حاصل
کر سکتا۔ میری آزادی ان کی تباہی سے وابستہ ہو کر رہ گئی ہے۔
کب تک میں گھروں کے چراغ گل کر کے اپنا سکھ اور چین برقرار
رکھ سکوں گا۔ کیا کامران کی ویران آنکھیں ہر وقت تمہیں نہیں
ڈستی رہتیں جب کہ اس کی بربادی میں تمہارا کوئی ہاتھ نہیں ہے لیکن
میں جب بھی کہیں کسی نشے کو ترسے ہوئے انسان کو کربناک
اذیتوں میں مبتلا دیکھتا ہوں تو بے اختیار میرے وجود پر ملامت
کا غبار چھانے لگتا ہے، میں تو کسی قیمت پر بھی اس مہم سے دستبردار
نہیں ہو سکتا غزالہ!"

کمرے میں سکوت چھا گیا۔ غزالہ کے پاس میرے دلائل کا
کوئی جواب نہیں تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر سلطان شاہ کے بارے میں سوچنے
لگا۔۔۔ اچانک فون کی گھنٹی نے کمرے میں چھایا ہوا سکوت توڑ دیا۔
غزالہ نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

ریسیور کان سے لگاتے ہی اس کے چہرے پر حیرت اور
مسرت کے آثار نظر آئے تھے۔ چند ثانیوں بعد اس نے کچھ کہے بغیر
ریسیور رکھ دیا اور مڑ کر مجھے بتایا کہ سلطان شاہ انٹرکام پر اپنی
بخیریت واپسی کی اطلاع دے رہا تھا۔

***

مقابلے میں سلطان شاہ کو بھی معمولی سے زخم آئے تھے
لیکن وہ بہت خوش تھا کہ طویل وقفے کے بعد اسے اپنی کسلمندی
دور کرنے کا موقع ملا تھا۔ کراچی سے روانگی کے وقت قاسم کے
گرگے کی ٹھکائی کو وہ چھیڑ چھاڑ سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار
نہیں تھا۔

غزالہ کو روانہ کرنے کے بعد وہ کافی دیر تک کسی بھولے
بھٹکے شکار کی تلاش میں بھیڑ بھاڑ سے دور بھٹکتا رہا پھر اس نے
چاقو کے زور پر ایک راہ گیر کو گھیر ہی لیا۔ اس کی قمیص اتروا کر
سلطان شاہ نے خود زیب تن کی اور اس بیچارے کی کنپٹی پر ایک
جچا تلا ہاتھ جڑ کے اسے بے ہوش کیا یوں وہ ہوٹل واپس آنے
کے قابل ہو سکا۔ اپنی خون آلود قمیص کی دھجیاں اس نے راستے
میں پھینک دی تھیں۔

اپنی کتھا سنانے کے بعد وہ میری کہانی جاننے کا شائق تھا۔
یوں مجبوراً مجھے ایک بار پھر اپنی کہانی دہرانی پڑی اور اس کی آنکھوں
کی چمک لحظہ بہ لحظہ بڑھتی چلی گئی۔

"کاش میں تمہارے ساتھ ہوتا۔ کم از کم اسے اپنے ہی ہاتھوں
ہرگز نہ مرنے دیتا۔" میرے خاموش ہونے پر اس نے ملال آمیز
لہجے میں کہا۔

"چاہے غزالہ اغوا ہو جاتی۔"

"نہ نہ۔" وہ جلدی سے بولا۔" میں تمہارے ساتھ جاتا تو بھابی
ہوٹل ہی میں رہتی۔ میرے حساب سے تو اس کا باہر نکلنا ہی غلط تھا۔
عورت بہت نازک ہوتی ہے، اس کی تو ہم آخر دم تک حفاظت
کرتے ہیں۔ اپنی عورت دشمن کے ہاتھ پڑ جائے تو مقابلے کے بغیر
ہی شکست مقدر بن جاتی ہے، پتا نہیں تم بھابی کو ساتھ کیوں
لے آئے۔"

اس کے بے لاگ تبصرے نے مجھے شرمندہ کر دیا۔" یہ اسی
کی ضد تھی مگر پہلے ہی تجربے نے اس کا سارا جوش ٹھنڈا کر دیا۔
آج کے واقعہ پر وہ تمہاری بہت احسان مند ہے۔"

"غرق کرو احسان کو۔" وہ اپنی رو میں بولا۔" اگر وہ اسے
لے جانے میں کامیاب ہو جاتا تو تم میری صورت دیکھنے کو ترس
جاتے، پگڑی پر گردن رکھ کر ہی میں اس بدنامی کا حساب پورا کر
سکتا تھا۔" پھر مجھے بولنے کا موقع دیے بغیر اس نے فوراً ہی موضوع
بدل دیا۔" اب آگے کیا ارادہ ہے؟"

"اب ہم پھر اندھیرے میں ہیں، لاہور رکنا اب بیکار ہے۔
ہمیں جلد از جلد کراچی واپس پہنچنا ہے تاکہ وہاں سے ہماری غیر حاضری
کا راز فاش نہ ہو سکے۔"

"اور نصیر خان کا کیا ہوگا؟" اس نے سوال کیا۔

"نصیر خان۔" میں چونک پڑا۔" ہاں۔ اسے بھی دیکھا جا
سکتا ہے، بظاہر وہ ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے سیاہ و سفید کا مالک
ہے لیکن کسی سے ہدایات ضرور لیتا ہے۔ اس ادارے کے ایم
ڈی کی شخصیت بھی بہت پراسرار ہے۔ نصیر خان سے کچھ نہ کچھ

معلومات ضرور حاصل ہوں گی۔"

"بس اس کا پتا دے دو، جہاں چاہو گے اسے گھسیٹتا ہوا لے جاؤں گا۔" اس نے کہا۔

میں آہستگی سے ہنس دیا۔ "لاہور میں ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں ہے اسے کہاں لے جاؤ گے؟"

"دیکھی جائے گی۔ تم پتا تو بتاؤ اس کا۔"

نصیر خان کے پتے کے لیے ایک مرتبہ پھر ٹیلیفون ڈائرکٹری سے رجوع کرنا پڑا۔

وہ بظاہر ہر بکھیڑے سے الگ تھلگ ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کا کام چلا رہا تھا لیکن درحقیقت منشیات کی غیر قانونی تجارت میں اس کا کردار کلیدی اہمیت کا حامل تھا۔ ہیروئن کی برآمدی تجارت کے لیے اسی نے ایک آرٹ فراہم کی ہوئی تھی اور بظاہر سیدھے سادے تجارتی سودوں میں اس زہر کی آمیزش کیا کرتا تھا۔ منزلِ مقصود پر اس کے گرگے عام تجارتی مال سے ہیروئن الگ کر کے خریداروں تک پہنچا دیتے ہوں گے اور غیر ملکی زرِمبادلہ میں رقم تنظیم کے حسابات میں جمع ہو جاتی ہو گی۔

نصیر خان کی اہمیت اس اعتبار سے بھی واضح ہو گئی تھی کہ غزالہ نے اس سے ملازمت کے لیے رجوع کیا اور انٹرویو کے دوران اپنی ذات کو شبہات سے بالاتر نہ رکھ سکی جس کے نتیجے میں دفتر سے نکلتے ہی اس کے اغوا کی کوشش کی گئی جو سلطان شاہ کی بروقت مداخلت کی بنا پر ناکام ہو گئی۔

نصیر خان کا پتا حاصل کرنے کے بعد میں نے دوبارہ غزالہ سے رجوع کرنا مناسب نہیں سمجھا اور ہم دونوں پوری تیاری کے ساتھ ہوٹل سے روانہ ہو گئے۔

رات کے ایک بجے وہ رہائشی علاقہ بالکل سنسان پڑا ہوا تھا۔ آبادی درمیانے درجے کے مکانات پر مشتمل تھی اور خاصی حد تک باقاعدہ تھی لہٰذا ہم تھوڑی سی تلاش کے بعد مطلوبہ مکان تک پہنچ گئے۔

یہ غنیمت تھا کہ ٹیلیفون ڈائرکٹری میں نصیر خان کے گھر کا پتا اور فون نمبر ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے ساتھ ہی درج تھا ورنہ عام صفحات میں نصیر خان کے نام سے کم از کم بیس مختلف افراد کے پتے اور فون نمبر درج تھے اور ان سب کی فرداً فرداً جانچ پڑتال کیے بغیر صحیح ٹھکانے پر پہنچنا ناممکنات میں سے تھا۔

دوسری کال بیل کے جواب میں بند دروازے کے عقب میں قدموں کی چاپ سنائی دی پھر ایک نسوانی آواز سنائی دی "کون ہے؟"

"دروازہ کھولو۔ نصیر خان کے لیے ایک اہم پیغام ہے۔"

میں نے سلطان شاہ کا شانہ دبا کر انتہائی دھیمی آواز میں کہا کہ اندر والی میرا جواب سن سکے۔

شاید اس عورت کے لیے اس قسم کا مبہم سا جواب غیر متوقع نہیں تھا کیوں کہ اس نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا تھا اور دو نقاب پوشوں پر نگاہ پڑتے ہی اس کی آنکھیں خوف سے پھیلتی چلی گئیں۔ خوف کے باعث غیر ارادی طور پر شاید وہ چیخ پڑتی لیکن سلطان شاہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس خوبصورت عورت کے دہانے پر مضبوطی سے اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کے پیچھے میں نے بھی اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

وہ دروازہ کھولتے ہی میرے ہاتھ میں موجود پستول کی جھلک دیکھ چکی تھی لہٰذا اس کی دہشت سے پھٹی ہوئی، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم نے ذرا بھی آواز نکالی یا کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو بے دریغ گولی مار دوں گا۔" میں نے پستول کی نال اس کی گردن سے لگاتے ہوئے سفاکانہ لہجے میں سرگوشی کی اور وہ بے بسی سے سر کو خفیف سی جنبش دے کر رہ گئی کیونکہ اس کا دہانہ بدستور سلطان شاہ کی بے رحمانہ گرفت میں تھا۔

اس اثنا میں میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ عورت صورتحال کی نزاکت سے بخوبی واقف ہو چکی تھی لہٰذا میں نے سلطان شاہ کو اشارہ کیا اور اس نے عورت کو آزاد کر دیا۔ آزادی ملتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں یوں رگڑی تھیں جیسے اسے اپنی بصارت پر شبہ ہو رہا ہو۔

"نصیر خان کہاں ہے؟" میں نے عورت کے قریب ہو کر سرگوشیانہ لہجے میں سختی سے سوال کیا۔

"اندر، خوابگاہ میں سو رہا ہے۔" اس کے حلق سے خوفزدہ سی منمناتی ہوئی آواز نکلی۔

"گھر میں تم دونوں کے علاوہ اور کتنے لوگ موجود ہیں؟"

"کوئی بھی نہیں۔" وہ میرے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول پر نظریں جما کر بے بسی سے بولی۔

"تم سے اس کا کیا رشتہ ہے؟"

"دوستی... میں... مم... میں کبھی کبھار ہی اس سے ملنے آتی ہوں۔"

نصیر خان کا پیشہ کچھ بھی رہا ہو لیکن دوستی کے معاملے میں وہ خوش نصیب تھا۔ پہلے میں نے اس عورت کو بے ہوش کرنے کے بارے میں سوچا لیکن پھر وہ ارادہ ملتوی کر دیا۔

میری رائے میں وہ زندگی اور زندہ دلی سے محبت کرنے والی ایک خوش باش عورت تھی جو عملی زندگی میں سمجھوتوں کی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھی لہٰذا اس کی طرف سے کسی چالاکی کا اندیشہ

نہیں تھا۔ وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ اس کے روایتی ہتھیار ہم دونوں کے لیے قطعی بے اثر تھے جب کہ میرا پستول کسی بھی لمحے اسے زندگی کی جملہ خوشیوں سے محروم کرنے پر قادر تھا۔

نصیر خان کی خوابگاہ تک اس نے بے چون و چرا ہماری رہنمائی کی جہاں وہ بستر پر پڑا ہوا بے خبر سو رہا تھا۔ سرہانے ایک تپائی پر بوتل اور گلاس کے علاوہ کمرے کی محدود فضا میں الکحل کی بو رچی ہوئی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کمرے میں محفلِ نشاط جمانے کے بعد وہ نشے میں بے سدھ پڑا ہوا تھا۔

اسے بیدار کرنے کے لیے سلطان شاہ کو خاصی محنت کرنا پڑی۔ نصیر خان نشے کے عالم میں یہی سمجھتا رہا کہ اس کے ساتھ والی اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ وہ بار بار سلطان شاہ کے ہاتھ جھٹک کر کچھ ناقابلِ فہم سے الفاظ بڑبڑاتا اور پہلو بدل کر پھر سو جاتا مگر جب اس کے سر پر ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا جگ انڈیلا گیا تو اس نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑ دیا۔

بالوں سے ٹپکتے ہوئے پانی سے گلوخلاصی کے لیے وہ سر جھٹک کر غصیلے لہجے میں کچھ بولا پھر اس کی جھپکتی ہوئی سرخ آنکھیں ہم دونوں پر پڑیں تو اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"یہ... یہ کون ہیں نشاط؟" اس نے ہکلاتے ہوئے تحیر زدہ لہجے میں عورت سے پوچھا۔ اس کی زبان پر بسیار نوشی کے سبب نشے کی لکنت طاری تھی۔

نشاط۔ اس کی زبان سے عورت کا نام سن کر میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ محفلِ نشاط کی ترکیب کا سب سے بہتر استعمال نصیر خان ہی کے ہاتھوں ممکن ہو سکتا تھا۔

"تم بے احتیاطی کے مرتکب ہوئے ہو نصیر خان! ہم تمھیں اس کوتاہی کی سزا دینے آئے ہیں لہٰذا جلد از جلد اپنے اوسان یکجا کرلو۔" میں نے دانستہ مبہم الفاظ استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"نن... نہیں۔ مجھ سے کوئی کک... کوتاہی نہیں ہوئی۔" وہ لکنت آمیز لہجے میں بولا۔ "تمھیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"غلط فہمی اسے ہوئی ہوگی جس کے تم نمک خوار ہو، ہم تو محض حکم کے بندے ہیں، دونوں ہاتھ سر پر رکھو اور بستر سے نیچے آجاؤ۔" میں نے اسے الجھاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

اس کا نشہ تیزی سے ہرن ہو چلا تھا۔ صورتِ حال کی سنگینی نے اس کے دل و دماغ سے سرور کی آخری رمق تک نچوڑ لی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ سر پر رکھے اور بستر سے نیچے آ گیا۔ بنیان اور انڈرویئر پر مشتمل لباس میں وہ بہت زیادہ مضحکہ خیز نظر آ رہا تھا۔

"مم... مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی، اگر میں چوکنا نہ ہوتا تو وہ مجھے جُل دے کر نکل جانے میں کامیاب ہو جاتی۔ میں نے اس کے عزائم بھانپ کر اوپر اطلاع دے دی تھی۔ اگر وہ بچ کر نکل گئی تو خالد قصور وار ہے، میرا تو اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔" وہ جلدی جلدی مدافعانہ لہجے میں بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ اب تک خالد کا حساب بے باق کیا جا چکا ہو۔" میں نے اپنی زبانی قلابازی پر کامیابی سے عمل کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارے سپرد صرف تمھارا معاملہ کیا گیا ہے۔"

"تمھاری شناخت؟" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ اس کے اوسان قدرے بحال ہو چلے تھے۔

"کوئی نہیں۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "شاید تمھیں معلوم نہیں کہ جس شخص کے بارے میں سزا کا فیصلہ صادر ہو چکا ہو وہ اپنے ہر اختیار اور حق سے محروم ہو جاتا ہے۔"

"پھر میں مزاحمت کروں گا۔" اس نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسی حالت میں فوراً مرنا چاہتے ہو تو مزاحمت ضرور کرو۔" میں نے پستول کی نال سے اس کے سراپا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ورنہ میں ذاتی طور پر تنظیم کے چند اصولوں کے خلاف ہوں، ہو سکتا ہے کہ مرنے سے پہلے تمھیں آخری بار اپنی پوزیشن کی وضاحت کا موقع دے دوں۔"

وہ کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار صاف پڑھے جا سکتے تھے۔

"اگر تمھیں کوئی حکم دیا ہی جا چکا ہے تو تم اس کی تعمیل کے پابند ہو۔" اس نے قدرے توقف کے بعد زبان کھولی تو اس کے لہجے سے بے اعتباری مترشح تھی۔ "تم مجھے کیا رعایت دے سکو گے؟"

"تم میرے سامنے اوپر والے سے بات کر سکتے ہو۔ اس نے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کر لی تو فون ہی پر مجھے واپسی کا حکم دے سکتا ہے ورنہ میں اپنے کام سے پوری طرح واقف ہوں۔"

اس دوران میں نشاط فرطِ خوف سے دبی دبی سسکیوں کے ساتھ رونے لگی تھی۔ گفتگو گمبھیر ہونے کے ساتھ اس کی رونے کی آواز بھی قدرے بلند ہونے لگی۔

"آواز بند کرو۔" سلطان شاہ جھلّاتے ہوئے لہجے میں اس پر برسا۔

"تم جو چاہے کرتے رہو لیکن خدا کے لیے مجھے واپس جانے دو۔" وہ روتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں بولی۔ "میں وعدہ کرتی ہوں کہ اپنی زبان بند رکھوں گی اور کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہوں گی۔"

"خاموش رہو ورنہ پچھتانے کا موقع بھی نہ مل سکے گا۔"

سلطان شاہ غرایا اور مشینی انداز میں وہ یک بیک خاموش ہو گئی۔ اس دوران میں نصیر خان کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"تمھاری باتیں مجھے کچھ عجیب سی لگ رہی ہیں۔" آخر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اس کی زبان کی لکنت اب ختم ہو چکی تھی اور وہ پوری طرح ہوش و حواس میں نظر آ رہا تھا۔

"کیا عجیب لگ رہا ہے تمھیں؟" میں نے پوچھا۔

"اس کو یہاں سے ہٹا دو تاکہ میں کھل کر بات کر سکوں۔" وہ نشاط کی طرف اشارہ کر کے بولا اور اس کی ریل گاڑی ایک بار پھر چل پڑی۔

اس بار وہ نہ صرف رو رہی تھی بلکہ نصیر خان کو برا بھلا بھی کہہ رہی تھی۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ نصیر خان کی شریکِ کار نہیں تھی۔ ان کا تعلق بس محدود سا تھا۔ نشاط کے لیے یہ انکشاف حیرتناک تھا کہ نصیر خان کسی ایسی تنظیم کا رکن تھا جو اپنے آدمیوں کی لغزش پر سزا کے فیصلے سنانے اور نافذ کرنے کا اختیار رکھتی تھی۔

"اسے دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔" میں نے سپاٹ لہجے میں سلطان شاہ سے کہا اور وہ اس کی فریاد پر کان دھرے بغیر اسے وہاں سے نکال لے گیا۔

ان دونوں کے نکل جانے پر لمحہ بھر کے لیے میری توجہ نصیر خان کی طرف سے ہٹی تھی کہ وہ حیرتناک سرعت کے ساتھ مجھ پر آ پڑا لیکن بے خبری کے باوجود میرا اضطراری ردِعمل بہت ہی وحشیانہ تھا۔ میں نے ٹریگر سے انگلی ہٹا کر آہنی پستول سے اس کے چہرے پر پے در پے ایسی بھرپور ضربیں لگائیں کہ وہ بلبلاتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں دبائے بری طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کی انگلیوں کے درمیان سے رسنے والے خون سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے ہاتھوں اس کا چہرہ ادھڑ کر رہ گیا تھا۔

اسی اثنا میں سلطان شاہ دھینگا مشتی کی آوازیں سن کر نشاط سمیت دوبارہ وہاں آ پہنچا۔

"نہیں۔" سلطان شاہ کو نصیر خان کی طرف لپکتے دیکھ کر میں نے اسے ٹوک دیا۔ "اسے میرے ہاتھوں خاصی سزا مل گئی ہے۔ موقع پاتے ہی اس نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔"

"اچھا کیا... یہ اسی قابل ہے۔" نشاط نے نفرت آمیز لہجے میں تبصرہ کیا۔ "محض کھلونا سمجھ رکھا تھا اس نے مجھے۔"

"سیدھے ہو کر جواب دو میرے سوالات کا۔" میں نے نصیر خان کی کمر پر آہستہ سے ٹھوکر مار کر کہا۔

"میں تمھارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔" اس نے اپنا خون آلود چہرہ اوپر اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کا چہرہ خون میں ڈوب کر اس قدر بھیانک ہو گیا تھا کہ نشاط نے جھرجھری لے کر اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"زبان بند رکھی تو میں چمڑی ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔"

"اب مجھ سے کوئی فریب نہیں چلے گا۔ تمھارا ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم میں سے جس کو جتنا حکم دیا جائے اسی قدر کام کرتا ہے۔ اپنی مرضی سے احکامات میں ردّوبدل نہیں کر سکتا۔ شاید تم اسی عورت کے ساتھی ہو؟"

"گڈ۔ پھر تمھیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ ہم کسی رورعایت سے کام نہیں لیں گے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "صبح کے اخبارات سے تمھیں پتا چلے گا کہ آج کا دن تم لوگوں پر کس قدر بھاری گزرا ہے۔"

اس کی آنکھوں میں بے یقینی سی لہرانے لگی۔ صبح کے اخبارات کا میں نے دانستہ ذکر کیا تھا تاکہ اسے زندگی کے امکانات کی طرف بھی توجہ دلا سکوں اور وہ میرا اشارہ بھانپ گیا تھا لیکن یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ میں واقعی رعایت دینے پر آمادہ تھا یا اسے بہلاوا دے رہا تھا۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" آخر زندہ رہنے کی امید اس کی ہٹ دھرمی پر غالب آ ہی گئی۔

"تم براہِ راست کس کو جوابدہ ہو؟"

"اپنی فرم کے ایم۔ ڈی کو۔" اس نے بلا توقف جواب دیا۔

"اس کا نام اور پتا؟" میں نے اپنے ہاتھ میں موجود اعشاریہ تین دو کے اسمتھ اینڈ براؤنی کو جنبش دے کر سوال کیا۔

"سب اسے باس ہی کہتے ہیں، کاغذات میں اس کا نام ٹی۔ اے ملک درج ہوتا ہے۔ پتے سے میں واقف نہیں۔" اس نے بلا جھجک جواب دیا جس کا مطلب تھا کہ وہ سچ ہی بول رہا تھا۔

"اس سے ہدایات کیسے لیتے ہو، اہم کاغذات پر تو اسی کے دستخط ہوتے ہیں، اس کا طریقۂ کار کیا ہے؟"

"مجھے فرم کے ہر معاملے میں پوری آزادی ہے۔ اس کی طرف سے مجھے مختار نامہ ملا ہوا ہے۔ ہر اہم اور غیر اہم کاغذ پر میرے ہی دستخط چلتے ہیں۔ کوئی خاص معاملہ ہو تو وہ خود فون کر لیتا ہے۔"

"تم نے اسے دیکھے بغیر ادارے کی ملازمت کیسے اختیار کر لی؟"

"میں چھ برس سے ہوں۔ مجھے ملازم رکھنے والا میری جگہ ہوا کرتا تھا۔ دو ماہ بعد باس نے فون پر براہِ راست مجھے پورا

چارج سنبھالنے کی ہدایت کی اور مجھے ملازم رکھنے والا اگلے روز ہی مجھے چارج دے کر رخصت ہوگیا۔ ایم ڈی سے براہِ راست ملاقات کی کبھی نوبت ہی نہیں آئی۔ نہ اس کے بعد چارج دینے والا کبھی نظر آیا۔"

"مختار نامہ وغیرہ تم تک کیسے پہنچا؟"

"ایسے معاملات ڈاک کے ذریعے طے پاتے ہیں۔"

"اور تمھیں کبھی یہ طریقۂ کار غیر فطری یا مشکوک محسوس نہیں ہوا؟"

"ہمیشہ ہی شبہات کا شکار رہا ہوں۔ لیکن مجھے خطیر تنخواہ مل رہی ہے، کوئی کسی فعل کے بارے میں باز پُرس نہیں کرتا تو مجھے کیا پڑی ہے کہ اس کا کھوج لگانے کی کوشش کروں؟"

"اور وہ کبھی دفتر نہیں آیا؟"

"کم از کم میرے علم میں نہیں۔" اس نے باوثوق لہجے میں کہا۔

"ہیروئن کی برآمد میں اسی کا ہاتھ ہے؟" میں نے براہِ راست سوال کیا تو اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"ہیروئن؟ ہرگز نہیں۔ ایشین سنڈیکیٹ دستکاریوں وغیرہ کا برآمدی ادارہ ہے.... ہیروئن یا ایسے کسی گندے دھندے سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔"

سلطان شاہ اس کے قریب کھڑا تھا۔ میرا اشارہ پاتے ہی اس نے نصیر خان کی گردن پر بھرپور ہاتھ رسید کیا اور وہ بل کر رہ گیا۔ "یہ زیادتی ہے.... سراسر زیادتی ہے۔" وہ اپنی گردن سہلاتے ہوئے احتجاج آمیز لہجے میں بولا۔

"سیدھا سادا کام کرتے ہو تو اس لڑکی کے دفتر سے نکلنے کے بعد اسے اغوا کرنے کی کوشش کیوں کی گئی تھی؟" میں نے اہانت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کاروباری رقابت....."

وہ اپنی بات پوری نہ کر سکا کیوں کہ اس بار سلطان شاہ نے پوری قوت سے اس کا جبڑا سہلا دیا تھا۔

"صرف سچ سننا چاہتا ہوں۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "ورنہ یہ یاد رکھنا کہ موت کی آرزو کے باوجود آسانی سے نہ مر سکو گے، تمہارا ایک ایک عضو کاٹ کر الگ کر دوں گا۔"

"خدا کے لیے مجھے جانے دو۔" نشاط رو دینے والے لہجے میں گڑگڑائی۔ "یہ سب مجھ سے نہ دیکھا جا سکے گا۔"

"آنکھیں بند کر لینا اپنی۔" سلطان شاہ نے بے رحمانہ لہجے میں کہا۔

"تم لوگ کون ہو؟" آخر نصیر خان نے تھوک نگلتے ہوئے سوال کیا۔

"تمھارے حریف۔" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "اب زیادہ دن اس میدان میں تمھاری اجارہ داری برقرار نہیں رہ سکے گی۔ تمھارا باپ صرف اسی لیے بار بار بدعہدی کا ارتکاب کرتا ہے کہ وہ خود پردہ نشین ہے جو مہرے ہمارے سامنے لاتا ہے ان کے پٹ جانے کا اسے ذرا بھی ملال نہیں ہوتا لیکن اب ہم اس چوہے کو اس کے بل سے نکال کر سرِعام رُسوا کریں گے۔"

"اس بارے میں وہ براہِ راست احکام جاری کرتا ہے۔" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"طریقۂ کار کیا ہوتا ہے؟"

"وہ براہِ راست مجھے فون پر مطلع کرتا ہے کہ فلاں انکوائری میں شوگر کی کتنی مقدار شامل ہوگی۔ اسی کے مطابق دام دیے جاتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ خاصا خوفزدہ نظر آنے لگا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ روزمرّہ کی دفتری خط و کتابت سے پوری طرح باخبر رہتا ہے؟"

وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

"دفتر میں آنے والی لڑکی کے بارے میں تم نے فون پر کس اوپر والے کو اطلاع دی تھی؟" اسے چند ثانیوں تک سوچنے کی مہلت دینے کے بعد میں نے سوال کیا۔

"اوہ خدایا۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا، اس کے خون آلود چہرے پر کرب میں ڈوبی ہوئی لکیریں ابھر آئیں۔ "میں کس امتحان میں پڑ گیا۔" ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے اعصاب بکھر کر رہ گئے ہوں۔

"جواب دو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" میں نے اسے دھمکی دی۔

"اتنا کچھ بتانے کے بعد اگر تم نے زندہ چھوڑ دیا تو وہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔ پہلے میں دھوکا کھا گیا تھا، اگر شبہ بھی ہو جاتا تو میری زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلتا۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔

"یہ اور بھی اچھا ہے۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ "ہم خود سے تو اسے بتانے سے رہے کہ ہمیں معلومات فراہم کرنے والے تم ہو۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ اسے ہٹا دو۔" وہ نشاط کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ بظاہر میری دوست ضرور ہے لیکن تم ان لوگوں کے طریقۂ کار سے واقف نہیں ہو، ہو سکتا ہے کہ مجھ پر نگاہ رکھنے کی نیت سے میرے قریب آئی ہو۔"

"یہ تمھارا اپنا معاملہ ہے، چاہو گے تو جاتے ہوئے اس کا

پتا صاف کر دیں گے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔
وہ ایک بار پھر بلک کر رو پڑی "نن... نہیں مجھے نہ مارنا، میں مرتے دم تک زبان نہیں کھولوں گی۔ میں کسی کی مخبری نہیں کرتی۔ میرا کسی سے کوئی واسطہ نہیں۔"
"ختم کرو۔" میں نے جھلّائے ہوئے لہجے میں نشاط کو ڈانٹا اور وہ سہم کر خاموش ہو گئی لیکن اس کے ہونٹوں کے لرزتے ہوئے گوشے اس کی ابتر حالت کی چغلی کھا رہے تھے۔
"لولو۔" اس بار میں نے نصیر کو ٹوکا۔
"اب اسے دوسرے کمرے میں بھیج دو۔" اس نے گویا ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔
"تاکہ تم دوبارہ مجھ پر حملہ کر سکو؟" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔
"اب کچھ باقی نہیں رہا، مزاحمت کس لیے کروں گا۔" اس کے لہجے میں بے پناہ مایوسی امڈ آئی تھی۔
سلطان شاہ میرے اشارے پر نشاط کو اپنے ہمراہ لے گیا۔
"مجھے کوئی بات ایم ڈی تک پہنچانی ہو تو میں اس نمبر پر رجوع کرتا ہوں۔" تخلیہ ہو جانے پر اس نے ایک فون نمبر دہراتے ہوئے کہا۔ "اس نمبر پر بلیک گن کے کوڈ سے ایک شخص سے بات ہوتی ہے جس کا اصل نام کمال ہے۔ وہ میرا پیغام آگے بڑھا دیتا ہے اور میں نے خط و کتابت کے بارے میں غلط کہا تھا۔ روزمرہ کی ساری خط و کتابت کی ایک نقل میں شام کو دفتر میں یکجا کر کے اپنی میز پر چھوڑ آتا ہوں۔ اگلی صبح وہ نقول دفتر سے غائب ہوتی ہیں۔ اگر ان میں کوئی قابلِ ذکر بات ہو تو ایم ڈی مجھے فون پر ہدایات دے دیتا ہے۔"
"یعنی چھٹی کے بعد کوئی دفتر میں داخل ہوتا ہے؟"
"آتا ہی ہوگا ورنہ فوٹو کاپیاں کہاں جاتی ہیں، یہ برسوں سے لگا بندھا معمول چلا آ رہا ہے۔" وہ اپنا سینہ رگڑتے ہوئے اداس لہجے میں بولا۔
"اور تم نے اس بارے میں کبھی جاننے کی خواہش محسوس نہیں کی؟"
"شدید خواہش کے باوجود کبھی جسارت نہ کر سکا۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "دفتر کا وقت صبح نو سے پانچ بجے تک ہے۔ مجھے سخت تاکید ہے کہ زیادہ سے زیادہ پانچ بج کر دس منٹ پر دفتر خالی ہو جانا چاہیے اور اگلی صبح نو سے پہلے کوئی بھول کر بھی دوبارہ دفتر کا رخ نہ کرے ورنہ عبرتناک سزا دی جائے گی۔"
"چوکیدار سے بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا؟"
"ڈر لگتا ہے، کہیں وہ بھی بلیک گن کا نمک خوار نہ ہو۔"
"نشاط کا کیا جغرافیہ ہے؟"
"دفتر میں کام کرتی ہے چار سال پہلے شادی ہوئی تھی۔ سات روز بعد شوہر نوکری کے سلسلے میں مشرقِ وسطیٰ چلا گیا۔ وہ بیوی کو بلانے سے کتراتا ہے۔ ہر سال چھٹیوں پر آتا ہے اور بہلاوے دے کر چلا جاتا ہے۔ نشاط کو ضد سی ہو گئی ہے کہ جب تک وہ مستقل طور پر نہیں آئے گا یا اسے اپنے پاس نہیں بلائے گا، وہ نوکری کرتی رہے گی۔ وہ خود کو نہ سہاگن سمجھتی ہے نہ بیوہ۔ بس اسی گھٹن میں گمراہ ہو گئی ہے۔ اس کی ماں کو شاید اپنی بیٹی کے دکھ کا احساس ہے کیونکہ وہ ہفتے عشرے میں ایک آدھ رات کی غیر حاضری پر اس سے کوئی باز پرس نہیں کرتی۔"
"پھر تمہیں اس پر شبہ کیوں ہے؟"
"حالات۔ جن حالات سے میں دوچار ہوں ان میں اپنے سائے سے بھی خوف آنے لگتا ہے۔ پھر یہ تو اس کی کہانی ہے۔ سچ نجانے کیا ہوگا۔"
"تم اپنے موجودہ حالات سے مطمئن ہو؟"
"جب تک تہی دست تھا ساری باتیں بہت سنسنی خیز اور شاندار نظر آتی تھیں۔ اب یکسانیت اور پابندیوں سے اکتا گیا ہوں لیکن نجات کے سارے راستے بند ہیں۔ میں چلتے پھرتے کسی کتے کی موت نہیں مرنا چاہتا۔"
"آئندہ تعاون کرو گے؟"
وہ بے جان انداز میں ہنسا۔ "کرنا ہی پڑے گا۔ پہلے ملازمت کے سلسلے میں بلیک میل ہو رہا ہوں اب غداری کے لیے تم ہر وقت دھونس دے سکتے ہو۔"
اس سے تین نام ایک فون نمبر معلوم ہوا تھا جو میں نے اس کی تصدیق کے بعد وہیں نوٹ کر لیا۔ اس کے علاوہ بھی اس سے بہت سی کارآمد باتیں معلوم ہوئی تھیں جن میں اہم ترین یہ تھی کہ ایشین سنڈیکیٹ کی آڑ میں کام کرنے والی خفیہ تنظیم کا کوئی اہم ہرکارہ پانچ بجے کے بعد اس دفتر میں ضرور آتا تھا۔
"تم صورت نہیں دکھاؤ گے اپنی۔" اس نے فرمائش کی۔
"حالات۔" میں نے اسی کے انداز میں دہرایا۔ "دکھانا ہوتی تو چھپانے کی کیا ضرورت تھی بھئی؟"
پھر میں نے آواز دے کر سلطان شاہ کو بھی وہیں بلا لیا۔
اس کی رائے تھی کہ روانگی سے پہلے ان دونوں کو اچھی طرح باندھ دیا جائے لیکن نصیر خان گڑگڑانے لگا۔ ہماری روانگی کے بعد وہ اپنی حالت درست کرنا چاہتا تھا تاکہ کسی اور کو اس کی بپتا کا علم نہ ہو سکے۔ آخر یہ طے پایا کہ فون کے تار کاٹ کر ان دونوں کو

ایک ایسے کمرے میں بند کر دیا جائے جہاں سے وہ تھوڑی دیر بعد آزاد ہوسکیں۔
انھیں کمرے میں بند کر کے ہم دونوں نے اپنے چہروں سے نقاب اتارے اور پھر نصیر خان کے مکان سے نکل کر اندھیرے میں تیزی سے ایک طرف بڑھ گئے۔
"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" کچھ دور نکل آنے کے بعد سلطان شاہ نے کہا۔
"بہت کچھ ہوا۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "ضروری نہیں کہ مار دھاڑ کے بغیر کوئی بڑی کامیابی نہ ہو۔"
"میں تو سمجھ رہا تھا کہ بھابی کے ساتھ ہونے والی زیادتی پر تم اس کی کھال گرا دو گے۔"
"اسے نقصان پہنچا ہوتا تو ضرور یہی کرتا لیکن وہ بعد میں بھی ہمارے کام آتا رہے گا۔ اس سے بہت کارآمد باتیں معلوم ہوئی ہیں۔"
"پھر اب کہاں کا ارادہ ہے؟"
"فی الحال ہوٹل۔" میں نے کہا۔ "ہم غزالہ کو بتلائے بغیر آئے ہیں وہ پریشان ہو رہی ہوگی۔"
وہ ہنسا۔ "عورت کو میں اسی لیے دُم کہتا ہوں۔"
"یہ کیا بات ہوئی؟"
"دُم کا کوئی مصرف نہیں ہوتا لیکن ہر وقت اس کی فکر ہی کرنا پڑتی ہے۔ بھابی ساتھ نہ ہوتی تو اسی ایک رات میں ہم نجانے کیا کچھ کر گزرتے۔"
"میں تھک گیا ہوں۔ پھر یہ بھی نہ بھولو کہ تمھاری بھابی ہی کی وجہ سے ہم نصیر خان پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوسکے ورنہ میں تو اس دفعہ شاید ایشین سنڈیکیٹ کا رُخ بھی نہ کرتا۔"
وہ معصومانہ شوخی کے ساتھ ہنسا۔ "چلو میں اپنی تصحیح کیے لیتا ہوں۔ ساری عورتیں دُم ہوتی ہیں علاوہ بھابی کے۔"

♣

اگلی صبح کے اخبارات کی چنگھاڑتی ہوئی سرخیاں رات کے واقعات سے بھری ہوئی تھیں۔
شہر کے ایک فیشن ایبل اور صاف ستھرے رہائشی علاقے کی ایک عمارت میں ہولناک آتش زنی ہوئی تھی جس کی اطلاع ملنے پر آگ بجھانے والا عملہ جائے وقوع پر پہنچا تو اس مکان کے احاطے سے خون میں لتھڑی ہوئی ایک بھیانک لاش دریافت ہوئی جس کا پیٹ بے رحمی کے ساتھ چاک کر دیا گیا تھا اور مقتول کی آنتیں نیم پختہ زمین پر بکھری ہوئی تھیں۔
آخری اطلاعات آنے تک آگ کے فلک بوس شعلوں پر قابو نہیں پایا جاسکا تھا۔ اخبارات کے اشاعت کے لیے جانے تک عمارت میں سے ہولناک دھماکوں کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا جس کی وجہ سے گرم راکھ، سلگتا ہوا ملبہ اور چنگاریاں دور تک اڑنے لگی تھیں لہٰذا آگ بجھانے والوں کو پیچھے ہٹنا پڑا جس کے نتیجے میں ان کی کارروائیوں کا اثر کمزور پڑ گیا۔
عینی شاہدوں کے مطابق وہ دھماکے بارودی محسوس ہو رہے تھے اور ان کا تسلسل آتش زدہ عمارت میں بھاری مقدار میں آتشگیر مادوں کے ذخیرے کی نشاندہی کر رہا تھا۔
دوسری خبر چلتی کاروں سے اندھا دھند فائرنگ کے ذریعے شہر کے مختلف علاقوں میں تین نوجوان گداگروں کے قتل کے بارے میں تھی۔ مقتولین میں کئی باتیں مشترک تھیں۔ وہ نوجوان اور صحت مند تھے، کیونکہ قامت وجسامت کم وبیش یکساں تھی تینوں کے جسموں پر پھٹے ہوئے لباس تھے۔
نامہ نگاروں کے قیاس کے مطابق تینوں وارداتوں کے مجرم ایک ہی تھے کیونکہ ہر واردات ایک ہی انداز میں کی گئی تھی۔ پولیس کی تفتیش جاری تھی لیکن اخبار والوں نے رائے ظاہر کی تھی کہ قاتلوں نے جنون کے عالم میں وہ قتل کیے تھے۔ شاید انھیں اپنے کسی ایسے حریف کی تلاش تھی جس سے وہ خود پوری طرح واقف نہیں تھے لیکن شبہ تھا کہ ان کے مطلوبہ شخص کا حلیہ مرنے والے بدنصیب گداگروں سے ملتا جلتا رہا ہوگا۔ تین مرنے والوں میں سے دو ذہنی طور پر قطعی ناکارہ اور بے ضرر تھے۔ اس بنیاد پر عام رائے یہی تھی کہ وہ تینوں دھوکے میں مارے گئے ورنہ قاتلوں کو تلاش کسی اور ہی کی تھی۔
کسی بڑی پیش رفت کا انحصار لاشوں سے نکالی جانے والی گولیوں کے تجزیے پر منحصر تھا۔ اگر وہ ایک ہی ہتھیار سے چلائی گئی تھیں تو پولیس اپنی ساری کوششیں ایک ہی سمت میں مرکوز کر دیتی ورنہ وہ تین مختلف معاملات تصور کیے جاتے۔
"یہ تو اودھم برپا کرا دیا آپ نے پورے شہر میں۔" غزالہ نے اخبارات ایک طرف ڈالتے ہوئے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔
"جب گروہ بند آپس میں ٹکراتے ہیں تو یہی کچھ ہوا کرتا ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔
"گروہ بند؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "آپ کب سے اس زمرے میں آ گئے؟"
"تمھارے ساتھ کراچی چھوڑتے ہی میرا گروہ بن چکا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ ہم صرف تین ہیں اور وہ لاتعداد۔ اور یہ تو ابتدائے عشق ہے، شاید یہ معاملہ کچھ زیادہ ہی سنگین صورت اختیار

کر لے گا۔"
"اس سے زیادہ کیا سنگین ہوگا؟"
"بارودی دھماکوں نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔
"ہاں۔ یہ تو میں بھول ہی گئی تھی، دھماکوں کا کیا چکر ہے؟"
"وہ یقیناً بارودی دھماکے ہیں، شاید اس عمارت میں اسلحہ اور بارود کے بڑے ذخائر پوشیدہ تھے جو حدت سے پھٹنے لگے ہیں۔ یہ لوگ بہت گھناؤنے کاموں میں ملوث نظر آتے ہیں۔"
"یعنی اسلحہ بھی بیچتے ہیں؟"
"جو لوگ ہیروئن جیسے سفوف کی سوداگری کرتے ہوں وہ اسلحے کی اسمگلنگ کا خطرہ ہرگز مول نہیں لے سکتے۔ ایک من ہیروئن سے وہ اتنا کما سکتے ہیں جو منوں اسلحے کی اسمگلنگ میں نہیں ملے گا، یہ تو کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔"
"مجھے بھی تو کچھ بتائیے نا۔"
"میں نے تمھیں بتایا تھا کہ بین الاقوامی سیمینار کے کھلے اجلاس میں کیا کچھ کہا گیا تھا۔ شاید وہ سب درست ہی تھا۔ ہیروئن ہمارے ملک کے لیے ایک نیا نشہ ہے۔ اس کی مہلک ٹکنالوجی خطیر رقوم صرف کر کے پہلے افغانستان برآمد کی گئی وہاں سے یہ فن سرحد پار ہمارے گھر پہنچا دیا گیا۔ یہ دراصل ہماری حکومت کے دشمنوں اور غیر ملکی ایجنٹوں کے لیے ایک کھلا انعام ہے جب لے تو اور اس کی تنظیم اس انعام سے فیضیاب ہو رہی ہے تو اسے فریقِ ثانی کے مفاد میں بھی کام کرنا پڑے گا۔ مجھے شبہ ہے کہ اس ویران عمارت میں جو اسلحہ آگ کی زد میں آیا ہے کسی مناسب موقع پر یہاں افراتفری اور انتشار پھیلانے کے لیے جمع کیا گیا تھا۔"
"لیکن آپ نے اسے تباہ کر دیا۔" وہ فخریہ لہجے میں بولی۔
"فخر نہ کرو غزالہ! یہ رونے کا مقام ہے۔ تنظیم کے بڑوں کو بھنک بھی مل گئی تو میں زندہ نہ رہ سکوں گا۔ وہ بہت رسوخ کے مالک ہیں، معاشرے میں باعزت مقام رکھتے ہیں۔ سکندر علی تمھیں یاد ہی ہوگا۔ اس دیسی مافیا سے ٹکرانا آسان نہیں ہے۔ اس اسلحے اور ہیروئن کے تعلق کے بارے میں میں جانتا ہوں لیکن پورے ملک میں ہر ایک اسے اسلحے کی اسمگلنگ کا سیدھا سا معاملہ سمجھے گا۔"
"آپ کسی سرکاری ایجنسی کے ذمہ دار افسر کو اعتماد میں لے سکتے ہیں؟" وہ بولی۔
"اور اس کے چند ہی گھنٹوں کے اندر میری کھوپڑی میں چند تولے پگھلا ہوا سیسہ اتار دیا جائے گا... تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ یہ لوگ تمھارے تصور سے کہیں زیادہ بااثر ہیں۔ ہر حلقے میں اعلیٰ درجے کے محب وطن شہری سمجھے جاتے ہوں گے۔ دفتروں کا کا اپنا لگا بندھا طریقۂ کار ہے سو وہاں معلومات ایک شخص تک محدود رکھ کر کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ فائل بنتی ہے اور بہت سے ہاتھوں سے گزرتی ہے ان ہی میں سے کوئی ہاتھ بکا ہوا ہوتا ہے اور یوں ہر مخلصانہ کوشش ناکام ہو جاتی ہے۔ مجھے راستے سے ہٹانے کے بعد وہ اس وقت تک محفوظ و مامون رہیں گے جب تک ان کی صفوں میں کوئی دوسرا باغی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کا نظام تم نے دیکھ ہی لیا کہ پوری کوشش کے باوجود اے۔ ٹو میرے لیے محض ایک خواب بنا ہوا ہے۔"
"مجھے حیرت ہے کہ پھر باقی راز کیسے محفوظ رہتے ہیں؟"
"ہر شخص اپنے مفاد کے پیچھے دوڑتا ہے اس سے آگے ہر ایک، خواہ وہ مجرم ہی ہو، محب وطن ہوتا ہے۔ ہیروئن کے سوداگر سمجھ رہے ہیں کہ وہ اپنے مفاد کے لیے کام کر رہے ہیں۔ سازشیں اور بیرونی دلچسپیاں ان کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ اگر انھیں عقل آ جائے تو شاید وہ آج ہی راہِ راست پر آ جائیں لیکن دولت کی بے پناہ ریل پیل نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے ہیں۔"
"میں نے کسی سے سنا تھا کہ ہماری حکومت منشیات فروشوں پر ظلم کرتی ہے۔ یہ ہمارے ملک کے لیے زرمبادلہ کماتے ہیں اور پھر مغرب کی نئی نسل کو نت نئے نشوں کے سرور میں الجھا کر ان سے اپنا صدیوں پرانا انتقام بھی لے رہے ہیں۔" وہ میری گفتگو سے متاثر ہو کر بولی۔
"یہ خام خیالی ہے۔ وہ اپنا سرمایہ غیر ملکوں میں رکھتے ہیں اس کا تھوڑا بہت حصّہ کالا دھن بن کر ملک میں آتا ہے تو معیشت کو استحکام دینے کے بجائے تباہ کرنے لگتا ہے... اور انتقام کی بات کرو تو ذرا کامران کو بھی یاد کر لو، وہ کون سے مغرب کا شہری ہے، اب تو گلی گلی ہیروئن بکنے لگی ہے۔ یہ نشہ مغرب تک تو بعد میں پہنچتا ہے پہلے اپنی گزرگاہوں پر تباہیاں بکھیرتا چلا جاتا ہے اور یہ راستے ہمارے گھروں کے دالان سے گزرتے ہیں۔"
"تو یہ چکر یوں ہی چلتا رہے گا؟" اس کے بشرے پر مایوسی ابھر آئی۔ نجانے کامران کے نام کا اثر تھا یا میری باتوں کا۔
"شاید نہیں۔" میں نے پُریقین لہجے میں کہا۔ "اب تک ساری کوششیں باہر سے ہو رہی تھیں۔ اب میں اندر سے بیخ کنی پر تُل گیا ہوں۔"
"اے۔ ٹو ہی تنہا تو ہیروئن نہیں بیچتا ہوگا؟"
"چھوٹے موٹے بے شمار لوگ ہیں لیکن میں نے اس تنظیم

کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اپنے ڈسپلن اور طریقۂ کار کے سبب عملاً وہ منشیات کی دنیا کا بے تاج بادشاہ ہے جس دن وہ تباہ ہوا، سارے خود رو تاجر چوہوں کی طرح اپنے بلوں میں دبک جائیں گے۔"

"نصیر خان بھی اس کی نشاندہی نہ کر سکا۔" وہ تاسف آمیز لہجے میں بولی۔

"وہ تو شاید لے۔ ٹو کے وجود سے بھی لاعلم ہے۔ وہ بہت نچلے درجے کا آدمی ہے لیکن بہت سی کام کی باتیں معلوم ہوئی ہیں اس سے۔"

"ان تین ناموں سے کوئی بات نہیں بنتی ہے؟"

اور میں چونک پڑا۔ "تم نے خوب یاد دلایا۔ تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کا موقع ملا ہے تو اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

"کیسی چھیڑ چھاڑ؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"نصیر خان سے ملنے والے دو نام میرا نشانہ بنیں گے۔" میں ہنستے ہوئے بولا۔ "کمال کا فون نمبر ہے میرے پاس، دوسرے کا نام خالد ہے۔ اس آتش زنی کے سلسلے میں پولیس بہت پریشان ہو گی۔ دو نام میں فراہم کیے دیتا ہوں۔ وہ پکڑے جائیں گے تو لے۔ ٹو کو ضرور تشویش لاحق ہو گی۔"

"لیکن کیسے؟" میری تجویز اس کی سمجھ میں نہ آ سکی۔

"آئی جی کو ایک گمنام فون کیے دیتا ہوں کہ کمال اور خالد کو آتش زنی اور اسلحے کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے اسی سلسلے میں خالد نے شبہے کی بنا پر تین گداگروں کو ہلاک کیا تھا لیکن ان لوگوں کا مطلوبہ دشمن ان کی نگاہوں سے بچ کر ہتھیاروں کے ذخیرے کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ پولیس الٹا لٹکا کر تھرڈ ڈگری آزمائے گی تو دونوں ہی بول پڑیں گے چھوٹے مجرموں کا معاملہ ہے لہٰذا اپنے سر سہرا باندھنے کے لیے کوئی مخبری کا ذکر نہیں کرے گا اور لے ٹو لو کھلا کر رہ جائے گا۔"

"واقعی بہت اچھی تجویز ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس پر پہلے غور نہیں کیا۔"

"یہ کیسے اندازہ لگا لیا تم نے؟"

"اس طرح تو آپ کراچی آنے والی ساری ہیروئن پکڑ وا سکتے تھے۔"

"وہ پورا انتظام بہت محفوظ ہے۔ جب تک مال میری یا میرے کسی آدمی کی تحویل میں آنے والا نہ ہو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ شہر میں کس راستے سے کتنا مال آ رہا ہے۔"

پھر میں اس کے کمرے سے اٹھ گیا۔ میرے پاس وقت کم تھا میں اپنا کام نمٹانے کے بعد جلد از جلد کراچی روانہ ہونا چاہتا تھا تاکہ حالات خراب ہونے سے پیشتر دوبارہ اپنی جگہ سنبھال سکوں۔

♦

سلطان شاہ میری تجویز سن کر جھوم اٹھا۔ "بس ایسے کام ہوتے ہیں تو میرا دل لگتا ہے گا، فون کہاں سے کرو گے؟"

"ڈائرکٹری سے نمبر لے کر باہر چلیں گے۔"

"پھر ایک چکر ادھر کا بھی ہو جائے گا، اخبار میں تو بڑا دھوم دھڑکا ہے تمہارے کارنامے کا، اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لوں گا۔"

ڈائرکٹری سے آئی جی، ڈی آئی جی اور دو تین دوسرے اعلیٰ افسران کے فون نمبر لے کر ہم ہوٹل سے باہر آ گئے۔ تھوڑے ہی فاصلے پر جنرل پوسٹ آفس تھا میں نے نمبر ڈائل کرنے شروع کیے تو پولیس کے اعلیٰ افسران میں سے کوئی بھی دفتر میں موجود نہیں تھا آخر میں نے ماڈل ٹاؤن پولیس اسٹیشن کا نمبر ملا کر ایس ایچ او کو وہ معلومات فراہم کیں تو اس کا پُر اخلاق لب و لہجہ میرے لیے قابل رشک تھا۔

وہ بے چارہ گفتگو کو طول دینے کا متمنی تھا لیکن میں طوالت کے مضمرات سے آگاہ تھا۔ ہمارا ملک لاکھ پسماندہ سہی لیکن پولیس والوں کے مطالبے پر شاید ٹیلیفون والے انھیں اس بوتھ کا سراغ فراہم کر ہی دیتے جہاں سے میں بات کر رہا تھا لہٰذا میں نے کام کی بات پوری کرتے ہی ریسیور کریڈل سے لٹکا دیا۔

اس کام سے نمٹ کر ہم رکشے کے ذریعے جائے واردات کی طرف روانہ ہو گئے۔

میرا خیال تھا کہ رکشا جلی ہوئی عمارت سے چند فرلانگ دور رکوا لیا جائے گا لیکن وہاں تو دور تک راستہ بند تھا، گلیوں میں اور راستوں میں انسانوں کے سر ہی سر نظر آ رہے تھے فضا میں دھواں اور بارود کی تیز بو رچی ہوئی تھی۔

کرایہ ادا کر کے ہم آگے بڑھے تو ایسا معلوم ہوا جیسے سارا لاہور لے۔ ٹو کی سیہ بختی کی ابتدا کا تماشا دیکھنے وہاں آمڈ آیا ہو۔

رفتہ رفتہ ہجوم ناقابل عبور ہوتا چلا گیا لیکن ہم لوگوں کے تبصروں کی پروا کیے بغیر کندھوں اور کہنیوں سے راستہ بناتے آگے پیچھے بڑھتے ہی رہے اور آخر کار وہ عبرتناک منظر نگاہوں کے سامنے آ ہی گیا۔

پوری وسیع عمارت جلنے کے بعد زمیں بوس ہو چکی تھی۔ بعض جگہ ملبہ سطح زمین سے بھی نیچے نظر آ رہا تھا ہر طرف سرخ رنگ کے فائر انجن نظر آ رہے تھے اور نیلی وردیوں والے کارکن تیز دھاروں کے ساتھ، کثیف دھواں اگلتے ہوئے ملبے پر پانی پھینک رہے تھے، پولیس کی بھاری نفری نے ملبے کے گرد وسیع گھیرا ڈالا ہوا تھا، اس گھیرے میں بہت سی فوجی گاڑیاں اور وردیاں بھی نظر

آ رہی تھیں۔ شاید اسلحہ اور بارود کی موجودگی کی بنا پر شہری حکام نے فوجی ماہرین کی مدد طلب کر لی تھی۔

میری نگاہیں پُرشکوہ عمارت کے غلیظ ملبے پر جمی ہوئی تھیں مگر کان گرد و پیش کے تبصروں پر لگے ہوئے تھے۔

لوگ جو کچھ کہہ رہے تھے اگر وہ سچ ہی تھا تو قدرت نے میرے ہاتھوں ایک بڑا کام انجام دلوایا تھا۔ لوگوں کے کہنے کے مطابق دھماکوں سے پورا علاقہ لرز اٹھا تھا، دو کمزور مکان گر گئے تھے۔ شیشے تو نجانے کتنے مکانات کے ٹوٹے تھے۔

ہمیں وہاں کھڑے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ اچانک خوابیدہ ملبے میں ایک ہولناک دھماکا ہوا، سیاہ ملبے اور دھوئیں کی ایک طویل و عریض چادر فضا میں اٹھتی چلی گئی اور مجمع میں بھگدڑ مچ گئی، میں سلطان شاہ کا ہاتھ تھامنے کے لیے پلٹا تو اس کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

اس بھگدڑ میں سلطان شاہ کو تلاش کرنے کی کوشش حماقت کے مترادف ہوتی لہٰذا میں نے بھی وہ مخدوش جگہ چھوڑ دی، میرے ذہن میں رہ رہ کر یہی سوال چبھ رہا تھا کہ اے ٹو سے تعلق رکھنے والی اس عمارت میں اسلحہ اور بارود کی موجودگی کا کیا مطلب تھا؟

میں نے اسلحہ کی غیر قانونی تجارت کے پہلو پر بہت غور کیا۔ لیکن وہ نقطہ یہ کسی بھی طرح فِٹ ہوتا نظر نہیں آیا۔ بات ہر پھر کر وہیں نظر آتی تھی کہ۔ اے ٹو جیسا محتاط اور منظم آدمی جب ہیروئن کی تھوڑی سی مقدار اسمگل کر کے کروڑوں کا نفع حاصل کرنے پر قادر تھا تو اسے کیا ضرورت تھی کہ وہ اسلحے کی اسمگلنگ کے پُرخطر کام میں ملوث ہوتا۔

بظاہر امکان یہی نظر آ رہا تھا کہ اے۔ ٹو کو اپنی خواہش کے برعکس، کسی دو طرفہ سمجھوتے کے تحت اسلحہ کے مُعاملات میں ملوث ہونا پڑا ہو گا۔ میں نے بذاتِ خود اس ویران عمارت کا جائزہ لیا تھا لیکن اندرونی حصّوں میں کہیں بھی ایسے آثار دریافت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا جن سے پتا چلتا ہو کہ وہ عمارت کسی کے استعمال میں رہی ہو۔ خاص طور پر فون پر تنے ہوئے مکڑی کے جالے سے تو یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ مہینوں سے کسی شخص نے اس عمارت میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کی تھی۔

اے۔ ٹو جو کوئی بھی تھا، بہت ذہین اور مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ میرے ہاتھوں سکندر علی مارا گیا پھر مٹھا خان نے خودکشی کر لی۔ اس کی حویلی سے فوجی حکام نے ایم۔ ٹی تھری ہنڈرڈ برآمد کر لیا جس کے نتیجے میں بالائی سطح پر مواصلاتی رابطہ بکھر کر رہ گیا لیکن اے۔ ٹو ثابت قدمی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہا۔

اب لاہور میں اس کے خلاف یک بیک کارروائیوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ فون والی ویران عمارت کا رکھوالا میرے خلاف مزاحمت کرتے ہوئے اپنے ہی چاقو سے بُری طرح زخمی ہو کر ہلاک ہو گیا، عمارت کو میں نے نذرِ آتش کر دیا اور اس آتشزنی کے نتیجے میں نہ صرف عمارت خاک ہوئی اور اسلحہ تباہ ہو گیا بلکہ اعلیٰ مقامی حکام بھی اس عمارت سے تعلق رکھنے والوں کی طرف متوجہ ہو گئے ہوں گے۔

دوسری طرف غزالہ ملازمت کی تلاش میں براہِ راست ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے دفتر جا پہنچی، اس ادارے سے یقینی طور پر اے۔ ٹو کے وسیع مفادات وابستہ تھے لہٰذا وہاں کا کرتا دھرتا اجنبیوں کے بارے میں بہت محتاط تھا، غزالہ اسے اپنی طرف سے مطمئن کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی اور نصیر خان نے ایک مشکوک لڑکی کے بارے میں کمال یا بلیک گن کو اطلاع دے دی اور وہ اطلاع یقینی طور پر مختلف مراحل سے ہوتی ہوئی اے۔ ٹو تک ضرور پہنچی ہو گی کیونکہ اس کا نظام ایسا تھا کہ وہ کسی کسی طرح ہر چھوٹی سے چھوٹی بات سے بھی باخبر رہتا تھا۔

پھر غزالہ کے اغوا کی کوشش ہوئی جسے سلطان شاہ کی بےباکانہ مداخلت نے بُری طرح ناکام بنا دیا۔ اس کے ہاتھوں پٹنے والے نے اشتعال کے عالم میں تین ایسے غیر متعلقہ آدمیوں کو سرِعام مروا دیا جو اپنے قد و قامت اور پھٹے ہوئے لباس کی بنا پر سلطان شاہ سے مشابہ تھے۔

پھر ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کا عملی سربراہ نصیر خان ہماری زد میں آ گیا۔ وہ اے۔ ٹو سے واقف نہیں تھا لیکن یہ ضرور جانتا تھا کہ وہ جن لوگوں کے لیے کام کر رہا تھا وہ اپنی صفوں میں کسی ایسے آدمی کا وجود برداشت کرنے کے عادی نہیں تھے جس کی وفاداری پر انہیں ذرا بھی شک ہو۔ خود مجھے بھی طارق مرحوم کے معاملے میں اے ٹو کے سنگدلانہ فیصلوں کا تجربہ ہو چکا تھا لہٰذا نصیر خان کی طرف سے مجھے پورا یقین تھا کہ وہ کسی بھی صورت میں میری مداخلت اور باز پرس کا معاملہ اپنی ذات سے آگے نہیں بڑھنے دے گا۔

اے۔ ٹو کے مفادات پر آخری ضرب لگاتے ہوئے میں نے پولیس کے محکمے کو بھی فریق بنا لیا تھا اور نصیر خان سے ملنے والے دو نام آتش زنی کی وارادات کے حوالے سے پولیس تک پہنچا دیے تھے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ متعلقہ پولیس افسر نے اپنی فرض شناسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رات ہی میں دونوں کو دھر لیا ہو گا۔ فون نمبر کے حوالے سے کمال تک رسائی بہت آسان تھی اور خالد غالباً لاہور کا کوئی مشہور غنڈہ تھا۔ انہیں تحویل

میں لیتے ہی پولیس والوں نے اپنے روایتی انداز میں تشدد آمیز
باز پرس کا سلسلہ شروع کر دیا ہوگا۔ اب یہ دونوں کی قوتِ
برداشت پر منحصر تھا کہ پولیس کی مار کے سامنے کیا کچھ
اعترافات کرتے۔

آتش زنی کے معاملے سے وہ واقعی لاتعلق تھے لیکن میں
نے اے۔ٹو کو الجھانے کے لیے پولیس افسر کو یہی بتایا تھا کہ وہ دونوں
عمارت کو آگ لگانے والے کی تلاش میں انتقاماً شہر میں
قتل وغارت گری کرتے پھر رہے ہیں اور ایسے ہر شخص کو ہلاک
کرنے پر تل گئے ہیں جو ان کے مطلوبہ دشمن سے ذرا سی بھی
مشابہت رکھتا ہو۔

دیکھنا یہ تھا کہ ان کارروائیوں کا اے۔ٹو پر کیا اثر ہوتا ہے؟
اے۔ٹو کے لیے یہ تصور کرنا بھی محال ہوتا کہ ان کارروائیوں
کے پس پشت میرا ہاتھ کار فرما ہے۔ خرابی بس یہ تھی کہ غزالہ
اس کے آدمیوں کی نگاہوں میں آگئی تھی۔

سارے گورکھ دھندے کی ابتدا اس فون نمبر سے
ہوئی تھی جس پر میں مخصوص اوقات میں اے۔ٹو سے بات کیا
کرتا تھا۔ ایم۔ٹی تھری ہینڈرڈ کا استعمال ترک کرنے کے بعد
اس نمبر کی اہمیت بڑھ گئی تھی لیکن عمارت کی تباہی کے بعد وہ نمبر
ناکارہ ہو کر رہ گیا تھا۔

واقعات کے تسلسل سے کوئی بھی یہ قیاس نہیں کر سکتا تھا کہ
کوئی فون نمبر کے ذریعہ سراغ لگا کر اس عمارت تک پہنچا ہوگا لیکن اے۔
ٹو کے زاویہ سے پوری صورتحال کچھ یوں بنتی تھی کہ غزالہ کسی گروہ
کی رکن تھی اور وہ گروہ کسی بنا پر اے۔ٹو کے مفادات کے درپے
ہو گیا تھا لہٰذا غزالہ نے ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ میں ملازمت
حاصل کرنے کی کوشش کی جب یہ کوشش ناکام ہوئی تو اس کے
ساتھیوں نے رکھوالے کو ہلاک کر کے عمارت کو آگ لگا دی۔ انہیں
یا کسی پولیس افسر کو بھی اندازہ ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ مرنے
والا اپنی بدنصیبی کا شکار ہوا تھا۔

ان حالات میں ہمارا لاہور میں رہنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ ایک
طرف غزالہ کی شناخت کا خطرہ تھا اور دوسری طرف میری کراچی
سے غیر حاضری کا راز فاش ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

بھیڑ بھاڑ سے باہر آنے کے بعد میں انارکلی کی طرف روانہ
ہو گیا تاکہ غزالہ کے لیے برقع خرید سکوں۔ ہمارے معاشرے
میں خواتین میں برقعے یا اسی قسم کے پردے کا رواج بہت تیزی
کے ساتھ ختم ہو چلا ہے۔ چند مستثنیات کو چھوڑ کر یہ رواج محض
بوڑھی خواتین یا تعلیمی اعتبار سے پسماندہ گھرانوں ہی کی بدولت
زندہ ہے جنھیں اس جدید عہد میں بھی اپنی روایات عزیز ہیں

لیکن میری دانست میں عورتوں کے لیے یہ عادت بہت بھلی
ہے کیونکہ اس طلسم کدۂ کائنات میں زندگی کے بارے میں رنگ عورت
ہی کے دم سے برقرار ہیں جو ہمیشہ سے اسرار کے پردوں میں
لپٹی رہی ہے اور عورت کی ذات سے وابستہ یہی اسرار اس کے
بارے میں مرد کے جذبۂ شوق کو مہمیز دیتے رہے ہیں۔ ایک
اعتبار سے برقع بھی عورت کے وقار میں اضافے کے ساتھ
اس کی پراسراریت میں بھی اضافہ کرتا ہے لہٰذا اشتہاری زیب
وزینت کے ساتھ کھلے بندوں پھرنے کے بجائے اگر معقول پردہ
استعمال کیا جائے تو بہت سے نامعقول تجربات سے گلوخلاصی ہو
سکتی ہے۔ میں اس بارے میں اور بھی نجانے کیا کیا سوچتا رہا۔
غزالہ کے سامنے برقع پیش کرنے سے پہلے میں خود کو ذہنی طور
پر اس عارضی تبدیلی کے لیے تیار کر رہا تھا۔ ورنہ یہ امکان بھی
موجود تھا کہ وہ خطرے کا احساس کرنے کے باوجود برقع پہننے
سے انکار کر دے۔

برقع کی خریداری کے بعد میں ہوٹل پہنچا تو سلطان شاہ
پہلے ہی وہاں موجود تھا۔

میں سیدھا اسی کے کمرے میں جا پہنچا۔

"تم کہاں رہ گئے تھے؟" دروازہ کھولتے ہی اس نے حیرت
کے ساتھ سوال کیا۔

"میں رہ گیا تھا یا تم مجھے چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے؟" میں نے
اسے غصیلی نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ "بھاگتے ہوئے لوگوں کے ریلے
میں پھنس گیا تھا، دھماکوں کے ساتھ ملبہ دور دور تک اڑ رہا تھا۔
اس سے پہلے بھی ملبے کی بوچھاڑ سے کئی تماشائی زخمی ہو چکے تھے۔
اس لیے وہاں بھگدڑ مچی تھی۔"

"ہم اب پہلی پرواز سے کراچی لوٹ رہے ہیں۔" میں نے
کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

"ذرا یہ دیکھ لو۔" اس نے میری بات سنی ان سنی کر کے
ایک مقامی اخبار کا ایک ورقی ضمیمہ میری طرف بڑھا دیا۔

سرخی دیکھتے ہی میں چونک پڑا۔ موٹے موٹے حروف میں
ملک کی تباہی کی ہولناک سازش کا انکشاف موجود تھا اور اس انکشاف
کا رشتہ عمارت میں آگ لگنے کی واردات سے جوڑا گیا تھا۔

میں نے سگریٹ سلگا کر جلدی جلدی پوری خبر پڑھ
ڈالی۔ تمن میں میرے لیے بہت سے دلچسپ نکات موجود تھے۔
لیکن سرخی سے متعلقہ مواد کہیں نظر نہیں آیا بس خبر کے آخر
میں ایک سطر میں نامہ نگار نے اس امید کا اظہار کیا تھا کہ اسلحے کی
موجودگی کا سلسلہ یقینی طور پر ملک کی تباہی کی کسی ہولناک سازش

سے متعلق تھا۔

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی سنسنی خیز خبری کے ذریعہ صحافت کو کامیاب کاروبار بنانے والے ملک بھر میں بالعموم یہی کر رہے تھے ہر خبر کا عنوان ڈھونڈ کر چھاپا جاتا تھا تاکہ قارئین کو سرخیوں میں الجھا کر بوگس متن کا خریدار بنایا جائے۔ بسا اوقات تو یوں بھی ہوتا تھا کہ سرخی کا پوری خبر میں ذکر بھی نہ ہوتا تھا۔

اس ادارے نے شہر کی سنسنی خیز فضا سے فائدہ اٹھانے کے لیے وہ ضمیمہ چھاپا تھا جس میں عام قارئین کے لیے کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن میرے لیے بہت سی اہم اطلاعات تھیں۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" مجھے خاموش پاکر سلطان شاہ نے ٹوکا۔

"یہی کہ اس ضمیمے میں کون سی اہم بات چھپی ہے۔" میں نے ہلکے سے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ساری خبریں پڑھی ہیں یا ایک ہی خبر پڑھ کر مراقبے میں چلے گئے تھے؟" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

اور اس بار میں نے ایک گوشے میں وہ چھوٹی سی اہم ترین خبر دیکھ لی۔

شہ سرخی کے ضمن میں میرے لیے بہت سی اطلاعات موجود تھیں۔ شدید آتش زنی اور پوری عمارت کی بربادی کے باوجود اس کی ملکیت کا کوئی دعویدار سامنے نہیں آیا تھا۔ پولیس شہری اداروں سے رجوع کرنے کے امکانات کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہاں سے ملنے والی لاش کی شناخت بھی نہیں ہو سکی تھی۔ پولیس نے شبہ کی بنیاد پر متعدد افراد کو حراست میں لے لیا تھا۔ بقیہ کارروائی کے لیے ملبے میں ہونے والے بارودی دھماکوں کے خاتمے کا انتظار تھا۔ تاکہ آتش گیر مادوں کے فوجی ماہرین ملبے کا جائزہ لے کر اس کے غیر مخدوش ہونے کا اعلان کر سکیں۔ اس کے بعد ہی ملبے وغیرہ کی تلاشی لے کر بچے کھچے آثار کی بنا پر تفتیش کی کارروائی آگے بڑھانی ممکن تھی۔

لیکن چھوٹی خبر میں واضح طور پر دو جانے پہچانے نام درج تھے۔

آتش زنی کی واردات کے بعد پورے شہر کی پولیس حرکت میں آگئی تھی اور ماڈل ٹاؤن پولیس اسٹیشن کے فرض شناس ایس۔ ایچ۔ او نے اپنے خصوصی ذاتی ذرائع سے کھوج نکال کر کمال نامی ایک مشتبہ ملزم کو حراست میں لیا تھا۔ اسی کے ساتھ مذکورہ افسر کو ایک اور نام کا علم ہوا تھا۔ کمال سے بڑی بازپرس کی گئی تو اس نے بوکھلا کر دوسرے ملزم خالد سے اپنے تعلق کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی کمین گاہ کی نشاندہی کر دی اور اسے بھی فوری طور پر گرفتار کر لیا گیا۔

گرفتاری اور ابتدائی بازپرس کے بعد رات گئے دونوں ملزموں کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ صبح سویرے جب پولیس اسٹیشن پر ذمہ دار افسران موجود نہیں تھے اور نچلے عملے کے اراکین بھی آرام کر رہے تھے، ایک شخص کھانے کا کچھ سامان لے کر تھانے پہنچا اور ملزمان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی جسے پہرے پر مامور سپاہیوں نے سختی سے رد کر دیا۔

وہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ تازہ قیدیوں سے ملاقات کی اجازت خلافِ مصلحت ہوتی ہے۔ عدالت سے جسمانی ریمانڈ حاصل کرنے سے پہلے ہی ملزمان کے بہی خواہوں کو تشدد کا علم ہو جاتے تو عدالت سے ریمانڈ لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس خالص تکنیکی بنیاد پر ملاقات کی تو اجازت نہیں دی گئی لیکن اجنبی کا لایا ہوا کھانا اس پیغام کے ساتھ ملزمان تک پہنچا دیا گیا کہ وہ خاطر جمع رکھیں، جلد ہی ان کی ضمانت کرالی جائے گی۔

کھانا کھاتے ہی دونوں ملزموں کی حالت اچانک بگڑنے لگی۔ پہرے دار سمجھے کہ وہ حوالات کا دروازہ کھلوانے کے لیے مکر کر رہے ہیں اور دروازہ کھلتے ہی فرار کی کوشش کریں گے۔ اس سے پیشتر کہ ذمہ دار افسران موقع پر پہنچ کر صورتحال کی سنگینی کا اندازہ لگاتے، دونوں نے چند ہی منٹ میں تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا۔ پولیس مرنے والوں کے لیے کھانا لانے والے کی تلاش میں تھی۔

میں نے گہرا سانس لے کر اخبار ایک طرف ڈال دیا۔

طارق کی ذات سے اے۔ٹو کو تنظیم کے لیے خطرات لاحق ہوتے محسوس ہوئے تو اس نے سی ون کے ہاتھوں اس کو سنگ دلی سے ہلاک کرا دیا۔ اب پھر اس نے وہی حرکت دہرائی تھی۔

مرنے والے اس کے آدمی تھے۔ اسے ہرگز یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کا کوئی آدمی پولیس کی نگاہ میں آتے جب کہ کمال اور خالد کو تو پولیس نے گرفتار کر ہی لیا تھا۔ اے۔ٹو کو خدشہ رہا ہوگا کہ وہ دونوں پولیس کے تشدد کے سامنے ہتھیار نہ ڈال دیں لہٰذا ان کی گرفتاری کی خبر ملتے ہی اس نے دوٹوک فیصلہ صادر کر دیا۔

"صورتحال یک بیک سنگین ہوگئی ہے۔" میں نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"لیکن اس طرح تم نے اپنے دشمن کو خود اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔" سلطان شاہ بولا۔ "شاید وہ سارے نقصانات خاموشی سے برداشت کر لیتا لیکن اپنے دو آدمیوں سے ہاتھ دھونے کا فیصلہ اس نے بڑے دکھ کے ساتھ کیا ہوگا۔"

میں آہستہ سے ہنس دیا۔ "وہ بہت بے درد انسان ہے بہت ٹھنڈے ماتھے کے ساتھ ایسے دوٹوک اور ظالمانہ فیصلے

صادر کرتا ہے۔۔۔۔ یہ تم نے کیسے کہہ دیا کہ میں اسے اپنی طرف متوجہ کر بیٹھا ہوں۔"

"اس کے دو خاص آدمی جو پکڑے گئے ہیں۔"

"میں تو ان کے وجود سے بھی لاعلم تھا۔" میں نے اس کی دلیل سن کر پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "غزالہ کے معاملے میں وہ سامنے آنے اور کیفرِ کردار کو پہنچ گئے، اس میں میری نشان دہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ساری توجہ غزالہ کی تلاش پر مرکوز رہے گی، اس کے بارے میں محتاط رہنا ہوگا۔"

"کیوں نہ نصیر خان کا ردِعمل دیکھا جائے۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "اب تک تو وہ بھی ان دونوں کے حشر سے باخبر ہو چکا ہوگا۔"

"وہ یقیناً خوف زدہ ہوگا۔" میں نے کہا۔ "اگر کسی کو یہ بھنک بھی مل گئی کہ مرنے والوں کی نشاندہی نصیر خان نے کی تھی تو اس کا انجام بھی مختلف نہ ہوگا۔"

"بات کرلو، آئندہ کے لیے لائن بنی رہے گی۔"

"لیکن اس وقت وہ دفتر میں ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ دفتر کا فون اس کی لاعلمی میں ٹیپ ہوتا ہو، ایسا ہوا تو وہ بے موت مرجائے گا۔" میں نے کہا۔

"وہ گفتگو ترکیب سے شروع کرنا۔ خطرہ ہوا تو وہ اجنبی بنا رہے گا ورنہ کھل کر بات کرے گا۔" اس وقت سلطان شاہ کا ذہن واقعی خوب کام کر رہا تھا۔

لاہور چھوڑنے سے پہلے ایک بار نصیر خان سے بات کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔

نیچے جاکر میں نے کاؤنٹر کے بجائے ایک طرف لگے ہوئے پبلک فون سے ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کا وہ نمبر ڈائل کیا جو میرے قیاس کے مطابق براہِ راست نصیر خان کے پاس ہونا چاہیے تھا۔

دوسری طرف سے حسبِ توقع نصیر خان نے ہی ریسیور اٹھایا۔

"جن آدمیوں نے لڑکی پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی، ان کا انجام تم نے دیکھ ہی لیا ہوگا۔" میں نے بدلی ہوئی آواز میں ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اوہ، تم کون ہو؟" اس کی آواز سے گھبراہٹ مترشح تھی۔

"ہم تک کبھی نہ پہنچ سکو گے، نقابوں کی کوئی شناخت نہیں ہوتی۔"

"پہیلیاں نہ بھجواؤ، کھل کر بات کرو، پتا نہیں تم کن کے انجام کی بات کر رہے ہو۔"

اس کی طرف سے اشارہ مل گیا تھا، پھر بھی میں نے وضاحت مناسب سمجھتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں یقین ہے کہ تمہارا فون ٹیپ نہیں کیا جا رہا۔"

"مطمئن رہو۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"رات تم نے کمال اور خالد کی نشاندہی کی تھی۔ میری مخبری پر پولیس نے دونوں کو پکڑ لیا مگر صبح سویرے انہیں حوالات میں زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔"

"اوہ۔" اس کی تحسین آمیز آواز سرگوشیانہ ہوگئی۔ "تمہیں کیسے علم ہوا؟"

"بازار میں ضمیمہ بک رہا ہے، خرید کر پڑھ لو۔" میں نے کہا۔ "یہ یاد رکھنا کہ تمہاری معمولی سی حماقت یا لغزش تمہیں بھی اس انجام سے دوچار کر سکتی ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں، بار بار اسے دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔" دوسری طرف سے خشک لیکن مدافعانہ لہجے میں کہا گیا۔ "خود میری سلامتی اب اسی میں پوشیدہ ہے کہ تم ہم لوگوں کی گرفت میں نہ آؤ۔ اس سلسلے میں، میں تمہیں ہوشیار کرنا چاہتا ہوں، وہ لڑکی تمہارے لیے دشواریاں پیدا کر سکتی ہے۔"

"کون لڑکی؟ جو تمہارے ساتھ تھی؟"

"جی نہیں۔" ہلکے سے طنز کے ساتھ کہا گیا۔ "جسے تم نے میرے دفتر میں ملازمت حاصل کرنے بھیجا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے، اسے تم ہی نہیں، تمہارے دفتر کے لوگ بھی پہچان سکتے ہیں۔"

"میرا دفتری عملہ ان سب کھیلوں سے لاتعلق ہے لیکن تم ہمارے کام کی نوعیت سے بخوبی واقف ہو بیٹے۔ دفتر میں ایک ایسا طاقتور اور خودکار کیمرہ خفیہ طور پر نصب ہے جس کے ذریعے میں اپنی میز کی دراز میں لگا ہوا بٹن دبا کر کسی بھی ملاقاتی کی تصویر لے سکتا ہوں اور اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو پاتا۔ ہمیں مشتبہ لوگوں کے بارے میں ہمیشہ محتاط رہنا پڑتا ہے، میرے لیے وہ لڑکی مشکوک تھی اور میں نے اس کی تصویر لے لی تھی۔"

"تم اسے ضائع کر سکتے ہو؟" اس کے انکشاف پر میں نے اپنے وجود میں خوف کی ایک سرد سی لہر سرایت ہوتی ہوئی محسوس کی۔

"دفتر بند ہونے کے بعد جو شخص کاغذات کی فوٹو کاپیاں لے جاتا ہے وہی کیمرے سے فلم بھی لے جاتا ہے وہ فلم کل شام ہی کسی اور کے قبضے میں جاچکی تھی۔ میں نے آج آتے ہی کیمرہ چیک کیا تو اس میں نیا رول موجود تھا۔ اس تصویر کی بنیاد پر وسیع پیمانے پر اس کی تلاش شروع ہو سکتی ہے۔"

"تم کہہ سکتے ہو کہ وہ تصویر کسی اور کی تھی، معاملہ دب جائے گا۔" اس وقت میں حقیقی طور پر ذہنی دباؤ میں آگیا تھا۔ اس

وقت سلطان شاہ کے مشورے پر نصیر خان کو فون کرنا بہت سودمند ثابت ہوا تھا ورنہ میں اس اہم ترین پہلو سے بے خبر ہی رہتا۔

"میرے بس سے باہر ہے۔" ریسیور میں اس کی معذرت خواہانہ آواز ابھری "جب میں نے دفتر سے فون پر کمال کو اس لڑکی کی آمد سے آگاہ کیا تھا تو اسی وقت ۔ بیٹھا تھا کہ میں نے لڑکی کی تصویر لے لی ہے۔"

"خیر۔ میں اسے بھی دیکھ لوں گا۔"

اسی وقت برابر والے بوتھ میں ایک عورت آ کھڑی ہوئی اور میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

چند ثانیوں تک میں خالی الذہنی کے عالم میں وہیں کھڑا رہا — پھر جب سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دوبارہ بحال ہوئی تو میں نے وہیں سے فون پر دوپہر کی پرواز سے اپنی تین نشستیں بک کرا لیں ٹکٹ ہمارے پاس موجود ہی تھے کیونکہ کراچی سے میں نے دو طرفہ ٹکٹ خریدے تھے۔

میں نے سلطان شاہ کو نئی اطلاع نہیں سُنائی لیکن اسے فوری طور پر ہوٹل چھوڑ کر ایئرپورٹ پہنچنے کی ہدایت کر دی۔ اسے کراچی پہنچنے کے بعد بھی ہم دونوں سے الگ رہ کر تنہا گھر پہنچنا تھا۔

اس سے فارغ ہو کر میں غزالہ کے پاس پہنچا تو وہ مختصر سا سامان سمیٹ کر واپسی کے لیے تیار نظر آئی۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے میری لائی ہوئی تھیلی کو دیکھ کر سوال کیا

"برقع۔" میں نے مختصر سا جواب دیا اسی کے ساتھ میں ناقدانہ نگاہوں سے اس کے خدوخال اور سراپا کا جائزہ لے رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ قدرت نے اسے ایسے بے پناہ حسن اور جسمانی تناسب سے نوازا تھا کہ ایک بار... دیکھنے والا دوبارہ انہایت آسانی سے اسے شناخت کر سکتا تھا۔

"یہ میرا پہلا موقع ہوگا۔" خلافِ توقع اس نے کسی مزاحمت کے بغیر کہا "برقع میں شدید الجھن ہوگی، ہو سکتا ہے کہ چال ہی بدل کر رہ جاتے۔"

"مجبوری ہے۔" میں نے شانے اچکا کر کہا "نہ صرف برقع پہننا ہوگا بلکہ کسی سگھڑ بی بی کی طرح نقاب بھی گرائے رکھنی ہوگی، اپنے گھر پہنچنے کے بعد ہی اس سے جان چھوٹ سکے گی۔"

"یہ تو ناممکن ہے۔" وہ احتجاج پر مجبور ہو گئی "جگہ جگہ اتنی ٹھوکریں لگیں گی کہ تماشا بن کر رہ جاؤں گی، یہ میرے بس سے باہر ہے۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو، معاملات بہت سنگین ہو گئے ہیں۔ ورنہ میں تمہیں ہرگز مجبور نہ کرتا۔" میں نے نیم ناصحانہ لہجے میں کہا۔

"ضرورت سے زیادہ احتیاط بھی گلے کا ہار بن سکتی ہے۔ اول تو آپ ان لوگوں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہیں، بالفرض ان میں سے کسی نے مجھے پہچان ہی لیا تو میں بھی اسے شناخت کر لوں گی، دفتر میں جن لوگوں نے مجھے دیکھا تھا میں ان سب کو جانتی ہوں۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا "یہی تو سب سے بڑی مشکل ہے۔ نصیر خان کے علاوہ دفتر کا کوئی آدمی اس معاملے میں ملوث نہیں ہے...."

"اور اس مردود کو تو آپ دونوں بھی پہچان لیں گے۔" اس نے میری بات درمیان ہی سے اچک لی۔

"دفتر میں خفیہ کیمرے سے تمہاری تصویر لی گئی تھی۔" ناچار مجھے اس کو بتانا ہی پڑا "ہمارے نصیر خان تک پہنچنے سے بہت پہلے سرِ شام ہی وہ فلم کوئی نکال لے گیا تھا۔ اب تک اس کے سیکڑوں پرنٹ بن چکے ہوں گے اور اس تصویر کی بنا پر لے ٹو کے ہرکارے ہر طرف تمہاری بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔"

حیرت اور خوف سے غزالہ کی غزالی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں اور وہ سرسراتی ہوئی خوف زدہ آواز میں بولی "مگر یہ آپ کو کیسے پتا چلا ہے؟"

"میں ابھی فون پر نصیر خان سے بات کر کے آ رہا ہوں۔ وہ خود تصویر کی وجہ سے فکرمند ہے ہم لوگ اسے۔ آ گئے تو اس کی بھی خبر نہیں ہوگی۔ ٹو کے ہاتھ"

"اب تو کوئی چارہ ہی نہیں رہا۔" وہ بے جان آواز میں بولی، اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا۔

"خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اس کی ہمت بندھائی "بس ذرا محتاط رہنا ہوگا۔"

وہ کچھ نہ بولی، اس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

❖

دیوپیکر طیارہ لاہور سے کراچی کے لیے روانہ ہوا تو کم و بیش ساری نشستیں بھری ہوئی تھیں۔ اس بار نہ چاہتے ہوئے بھی ہم تینوں کو برابر برابر نشستیں ملی تھیں لیکن سلطان شاہ ہم دونوں سے بالکل لاتعلق تھا مجھے خوشی تھی کہ وہ کام کے ساتھ اداکاری میں بھی خاصا کامیاب تھا۔

غزالہ کے لیے برقع شدید الجھن کا سبب بنا تھا لیکن ہوٹل کے کمرے میں تھوڑی سی مشق کے بعد وہ ایئرپورٹ روانہ ہوئی تو خاصی سنبھل چکی تھی چہرے پر جالی دار نقاب گرانے کے بعد وہ سر جھکائے یوں چلی تھی جیسے سورج کی روشنی میں چاردیواری

سے باہر کسی نے اس کا چہرہ نہ دیکھا ہو۔

ایئرپورٹ پر میں نے عقابی نگاہوں سے ہر طرف کا جائزہ لے ڈالا مگر کسی ایسے آدمی کی نشاندہی میں کامیاب نہ ہوسکا جس پر نگرانی کا شبہ کیا جاسکتا۔ جہاز میں سوار ہونے کے بعد مجھے پورا اطمینان ہوگیا کہ ہم لوگ کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر لاہور سے نکلنے میں کامیاب ہوچکے تھے۔

طیارے کے مقررہ بلندی پر پہنچ جانے کے بعد جب حفاظتی بند باندھنے کی روشن ہدایات غائب ہوگئیں تو بند کھلنے کی کھٹا کھٹ میں کئی مسافر نشستوں سے اٹھے اور عقبی سمت میں بڑھنے لگے۔ میں بظاہر بے پروایانہ انداز میں بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا لیکن میری نگاہیں ہر چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

کچھ نوجوان اپنی عادت سے مجبور مسافر لڑکیوں کو تکتے ہوئے گزر رہے تھے لیکن اس بھیڑ میں بھی مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہ آسکا جس پر کسی قسم کا شبہ کیا جاسکتا پھر طیارے کی نشستوں کے درمیان دونوں راہداریوں کے اگلے پچھلے سروں پر سروس ٹرالیاں گردش میں آگئیں۔

ایک ہوسٹس ٹرالی لیے ہمارے پاس آئی اور مسکراتے ہوئے گرم گرم لنچ ٹرے مسافروں کے سامنے ٹیبل پر لگاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ لنچ ٹرے رکھتے ہوئے اس نے کونے کی نشست پر موجود غزالہ سے کچھ بات کرنا چاہی تھی لیکن غزالہ کسی شرمیلی عورت کی طرح سکڑی سمٹی خاموش بیٹھی رہی۔

ابھی میں اپنے کھانے کی طرف متوجہ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ غزالہ ہلکی سی آواز کے ساتھ اچھلی اور ہماری عقبی نشستوں پر کھانا سرو کرنے والی ہوسٹس بے اختیار اس پر جھک گئی۔

غزالہ کے برقع کی ٹوپی اس کے سر پر سے کھسکی ہوئی تھی۔ اگر اس نے برقع مضبوطی سے تھاما نہ ہوا ہوتا تو یقیناً وہ بے پردہ ہوجاتی۔ ہوسٹس اس کے سامنے جھکی بار بار مشینی انداز میں معذرت کیے جارہی تھی۔ میک اپ کی دبیز تہہ کے باوجود اس کے چہرے پر خوف کی زردی چھائی ہوئی تھی۔

یہ سب اس قدر دھیمے انداز میں ہوا کہ آس پاس کے مسافر بھی کچھ نہ سمجھ سکے لیکن ہوسٹس کی معذرت اور غزالہ کی غصیلی منمناہٹ سے میں نے یہ اندازہ لگالیا کہ ایئر ہوسٹس کی کسی غلطی سے غزالہ کے سر سے برقع اترتے اترتے رہ گیا تھا۔

میں کینہ توز نگاہوں سے ایئر ہوسٹس کو گھورنے لگا۔

"سس... سر غلطی سے میرا ہاتھ ان کے سر سے لگ گیا تھا، میں شرمندہ ہوں —" مجھے اپنی طرف متوجہ پاکر وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں ہکلائی پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر ٹرالی کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"مجھے محسوس ہوا تھا جیسے اس نے دانستہ میرے سر سے برقع اتارنے کی کوشش کی۔" غزالہ میرے کان کے نیچے منمنائی۔ "اگر برقع میری کہنیوں کے نیچے دبا ہوا نہ ہوتا تو وہ کامیاب ہوگئی ہوتی۔"

میں کھانے سے فارغ ہوکر سیدھا فلائٹ کچن میں جا پہنچا جو خالی پڑا ہوا تھا۔ چند منٹ کے انتظار کے بعد مجھے وہی ایئر ہوسٹس راہداری میں آتی دکھائی دی لیکن میری جھلک دیکھتے ہی واپس لوٹ گئی۔ اس نے میرے تحکمانہ اشارے کو واضح طور پر دیکھ لینے کے باوجود نظر انداز کردیا تھا۔

میں نے غصے میں اس کے پیچھے جانے کا ارادہ کیا لیکن اسے عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ بات بڑھانے کی صورت میں میرے ساتھ غزالہ بھی جہاز کے تمام مسافروں کی نگاہوں کا مرکز بن جاتی۔

چند ثانیوں بعد وہی ایئر ہوسٹس چیف اسٹیورڈ کے ہمراہ فلائٹ کچن کی طرف آتی نظر آئی۔ میں سامنے سے ہٹ کر کچن میں سرک گیا۔

اسٹیورڈ نے آتے ہی ادب کے ساتھ مجھے سلام کیا پھر براہ راست بولنے لگا۔ "میں شرمندہ ہوں جناب۔ مجھے اپنی ندامت کے اظہار کے لیے الفاظ نہیں مل رہے۔ یہ جینی کی سراسر غلطی تھی جو اس سے اضطراری طور پر سرزد ہوگئی، یہ بے چاری خود اپنے کیے پر نادم ہے۔ دراصل اس کے ساتھ بھی کسی نے شرارت کی تھی۔"

"کیسی شرارت؟" میں دبی دبی آواز میں غرایا۔ "تمہارے پاس کے دو الفاظ کہہ دینے سے میری کوفت کا ازالہ تو نہیں ہوجاتا۔"

اس نے کچھ کہے بغیر ایک مڑا تڑا کاغذ جیب سے نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

"سیٹ نمبر جو بیس سی پر برقع میں ایک مرد سفر کررہا ہے کہیں ہائی جیکر نہ ہو۔" اس رقعہ پر جلدی میں گندے اردو رسم الخط میں لکھا ہوا تھا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

بدن کے سوداگر

2

دوسرا حصہ

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ہتھیار
یک لخت مارتے ہیں
مگر ان کا نشانہ خطا بھی
ہو جاتا ہے، ہیروئن مسکا مسکا
کر مارتی ہے اور اس کا نشانہ کبھی
خطا نہیں ہوتا۔ موت کی سوداگری
کرنے والے اُن بین الاقوامی فتنوں کی ہولناک
داستان جو ننگر طاقت و اقتدار کی بساط
اُلٹ کر من پسند مُہرے سجاتے ہیں۔ ان سفاک
اور درندہ صفت مسیحاؤں کا آلۂ کار بننے والے
ایک پُرعزم نوجوان کی ولولہ انگیز سرگزشت
جس نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ کر قہر و
جبروت کے ناخداؤں کو للکارا اور دہشت و
انتقام کی ہونا دیدہ زنجیر کو توڑ کر اُن
کے قدم اُکھاڑ دیے۔ اپنے دامن میں اندر
کی اَن گنت کہانیاں سمیٹے ہوئے پل پل
رنگ بدلنے والی ایک انوکھی
کہانی۔

حقیقت سے زیادہ فکر انگیز سسپنس کا ایک تحیر خیز سلسلہ

"اس بے چاری کو اچانک ہی یہ رقعہ اپنی جیب میں ملا۔ نجانے یہ کس کی حرکت تھی۔ اس کی سنگین غلطی ہے کہ اس نے کسی کو باخبر نہیں کیا اور خود ہی اس محترم خاتون کے سر سے بُرقع اتارنے کی احمقانہ کوشش کا ارتکاب کر بیٹھی۔ آپ چاہیں تو اس حرکت پر اس کے خلاف سخت ترین تادیبی کارروائی کی جاسکتی ہے جس کا انجام ملازمت سے برطرفی بھی ہو سکتا ہے۔" وہ معذرت کرتا رہا۔ میں نے تھوڑی سے گرمی دکھانے کے بعد معاملہ رفع دفع کر دیا۔

اس ائیر ہوسٹس کو کسی مسافر نے نہایت چالاکی کے ساتھ اپنا آلۂ کار بنایا تھا۔

میں واپس اپنی جگہ آ بیٹھا لیکن میرے ذہن پر تشویش طاری ہو چلی تھی۔ اس رقعہ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس پُراسرار ٹولہ کا کوئی ہرکارہ بھی سفر کر رہا تھا۔ گمان غالب تھا کہ اسے تصویر کی بنیاد پر غزالہ کی تلاش تھی۔ دوسری خواتین کو تو اس نے دیکھ ہی لیا تھا لیکن برقعے کی گری ہوئی نقاب کے باعث اس کا چہرہ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا لہٰذا اس نے رقعہ کے ذریعہ جہاز کے عملہ کو غزالہ کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ اس کا چھوڑا ہوا شوشہ اس قدر مضبوط تھا کہ جہاز اور مسافروں کے تحفظ کے لیے عملے کی طرف سے کارروائی ناگزیر ہو جاتی۔ وہ تو ائیر ہوسٹس جوش میں ایک بے ضابطہ حماقت کر بیٹھی جس کی بنا پر نہ صرف پرچہ لکھنے والے کا منصوبہ ناکام ہو گیا بلکہ ہماری بھی پیچیدہ رسمی کارروائیوں سے گلو خلاصی ہو گئی کیونکہ اپنی ناکام کوشش کے باوجود ائیر ہوسٹس نے یہ یقین کر لیا تھا کہ برقعے میں مرد نہیں، کوئی عورت ہی سفر کر رہی تھی۔

میرا ذہن مسلسل اسی گتھی میں اُلجھا رہا اور آخر کار میں اس نتیجے پر پہنچا کہ جس کسی نے بھی وہ حرکت کی تھی، اسی سمت میں بیٹھا ہوا تھا جدھر جینی نامی ہوسٹس سروکر رہی تھی۔ دوم یہ کہ وہ شخص ایسی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا جہاں سے وہ براہِ راست غزالہ پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔

میں نے غزالہ کے ساتھ اپنی جگہ تبدیل کر لی۔ اس طرح میں سرے والی نشست پر آ گیا۔ غزالہ میرے اور سلطان شاہ کے درمیان آ گئی۔ اس زاویے سے براہِ راست اور مسلسل غزالہ پر نظر رکھنا صرف ایک ہی مسافر کے لیے ممکن تھا۔ جو ہماری ہی قطار میں راہداری کے دوسری طرف بیٹھا ہوا تھا لیکن وہ تیرہ چودہ برس کا ایک معصوم سا لڑکا تھا۔

سیٹ نمبر ۲۴ بی والے اس لڑکے کے علاوہ بائیں طرف کی اگلی تین کونے والی نشستیں ضرور ایسی تھیں کہ وہاں بیٹھے ہوئے مسافر حسبِ مرضی سر گھما کر میری طرف دیکھ سکتے تھے۔

چند منٹ بعد میں نے اگلی نشست کے ایک مسافر

کو گردن پیچھے گھماتے دیکھا۔ بڑے شیشوں والی عینک کے پیچھے، اس عورت کی نگاہیں جونہی میری نگاہوں سے ٹکرائیں، اس کے چہرے پر لحظہ بھر کے لیے تحیر کے آثار نمودار ہوئے پھر اس کا چہرہ دوبارہ اپنی نشست کی پشتگاہ کی اوٹ میں روپوش ہو گیا۔

غالباً برقع پوش عورت کی جگہ میری موجودگی اس کے لیے حیران کن ثابت ہوتی تھی۔ ترشے ہوئے بالوں کے نیچے میک اپ کی تہ میں سنوارا ہوا اس کا چہرہ خاصا دلکش تھا، عمر تیس کے لگ بھگ رہی ہوگی لیکن اس کے چہرے کے کسی نقش سے بھی ایسی تجربہ کاری کا اظہار نہیں ہو رہا تھا جو منجھے ہوئے جرائم پیشہ لوگوں کا خاصہ ہوتی ہے۔

"میں بھی اس عورت کی طرف سے اُلجھن میں ہوں۔" غزالہ کی دھیمی آواز سُن کر میں چونک پڑا۔ وہ میری طرف جھکی ہوتی تھی اور شاید اس نے میری حکمتِ عملی بھی بھانپ لی تھی۔

"تو مجھ سے ذکر کیوں نہیں کیا؟"

"سوچ رہی تھی کہ محض اتفاق ہی نہ ہو، صورت سے سیدھی سادی معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا چہرہ مجھے کچھ شناسا لگ رہا ہے۔ اس نے کئی بار مڑ کر طائرانہ انداز میں پچھلی نشستوں پر نگاہ دوڑائی تھی۔"

"کہاں دیکھا تھا اسے؟" میں نے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ اس نے اپنے بال مختلف انداز میں بنائے ہوئے ہیں اور آنکھوں پر عینک بھی اضافی ہے۔ اگر یہ دو تبدیلیاں نہ ہوں تو مجھے یاد آجائے گا کہ اسے کہاں دیکھا تھا۔"

"سنڈیکیٹ کے دفتر میں بھی تم نے لڑکیوں کی موجودگی کا ذکر کیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا اور وہ چونک پڑی۔

"حد ہو گئی۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولی۔ "اس قدر سامنے کی بات ذہن میں نہیں آرہی تھی۔ اسی لیے ایک اور ایک کو گیارہ کہتے ہیں۔ اسے میں نے وہیں دیکھا تھا، مسز مراد کے نام سے تعارف ہوا تھا اس سے۔"

میرے لیے وہ انکشاف پریشان کن تھا۔

ان لوگوں نے پچھلے چوبیس گھنٹوں میں ہمارے ہاتھوں جو نقصانات اٹھائے تھے، ان کی بنا پر اگر وہ غزالہ کی تلاش میں اپنے سارے وسائل بھی جھونک دیتے تو مجھے حیرت نہ ہوتی۔ یہ بات بھی قرینِ قیاس تھی کہ غزالہ کے اغوا میں ناکامی کے بعد انہوں نے لاہور سے روانہ ہونے والی پروازوں کے مسافروں کی نگرانی شروع کرا دی ہو لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ مکمل پردے کے باوجود وہ لوگ غزالہ کی طرف کیوں کر متوجہ ہوتے اور پھر اس پرواز پر ایک ایسی عورت کو سوار کرا دیا جسے پہچان لینا غزالہ کے لیے دشوار ثابت نہ ہوتا جبکہ نصیر خان کی اطلاع کے مطابق ان لوگوں نے غزالہ کی تصویریں بھی حاصل کر لی تھیں۔ اور تصویر کی مدد سے ان کا کوئی بھی جہاندیدہ اور ہمارے لیے اجنبی ہرکارہ غزالہ کی تلاش کی مہم جاری رکھ سکتا تھا۔ اس کام کے لیے مسز مراد کا انتخاب میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ کافی دیر تک مسلسل سوچ بچار کے بعد میرے ذہن میں آخر کار ایک واضح سی تصویر بن ہی گئی۔

موت کے سوداگروں کے لیے مالی وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی اور وہ اپنے مفادات کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو پوری قوت کے ساتھ مٹا دینے کی صلاحیت رکھتے تھے لہٰذا پے در پے نقصانات کے بعد جب انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ غزالہ اور اس کے ساتھی ان تباہ کاریوں کے پس پشت کام کر رہے ہیں تو انہوں نے رسل و رسائل کے دیگر ذرائع سے علاوہ اپنے کارندوں کی ایک ٹولی ہوائی اڈے پر بھی مامور کر دی۔

یقینی طور پر اس ٹولی کے ہر فرد کو غزالہ کی تصاویر فراہم کی گئی ہوں گی لیکن ان کے رہنما دماغ نے اس نکتے کو بھی فراموش نہیں کیا تھا کہ غزالہ بھیس بدل کر انہیں جل دینے کی کوشش کر سکتی ہے۔ لہٰذا اس نے مسز مراد کو بھی چارے کے طور پر اس مہم میں جھونکنے کا فیصلہ کر لیا۔ مسز مراد یقینی طور پر کسی تجربہ کار شخص کی تحویل میں دے دی گئی ہوگی اور اس کی موجودگی کا مقصد صرف اتنا نظر آتا تھا کہ غزالہ اگر چھپ کر کسی پرواز سے فرار ہونے کی کوشش کرے تو مسز مراد کو مسافروں کی بھیڑ میں اپنے قریب دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتے۔ اور اضطراری طور پر اپنے کسی ساتھی کو مسز مراد کی سرکوبی پر مامور کر دے۔ ان کا دوسرا آدمی مسز مراد کی نگرانی پر مامور رہتا۔ اس طرح مسز مراد پر ہاتھ ڈالنے والا ان کی نگاہوں میں آجاتا۔ شاید وہ مسز مراد کو بچانے کی کوشش بھی نہ کرتے تاکہ غزالہ اور اس کے ساتھیوں کو میدان صاف ہونے کا یقین دلا سکیں۔ اس طرح وہ طویل تر نگرانی کے بعد بھرپور معلومات حاصل کر کے ہم پر کاری ضرب لگا سکتے تھے۔

اب یہ محض اتفاق ہی تھا کہ غزالہ ضرورت سے زیادہ احتیاط کی بنا پر ان کی نگاہوں میں آگئی۔

طیاروں کے ذریعے عموماً جس طبقے کے لوگ سفر کرتے ہیں ان میں سے زیادہ تر گھرانے پردے کی ان روایتی پابندیوں کو ضروری نہیں سمجھتے جہاں برقع ناگزیر ہو جاتا ہے اور جو خواتین

برقع استعمال کرتی ہیں وہ بھی عام طور پر چہرہ کھلا رکھتی ہیں یا زیادہ سے زیادہ نچلا چہرہ نقاب میں لپیٹ لیتی ہیں۔

اس پس منظر میں غزالہ برقع میں مکمل طور پر چھپی ہوئی ایئرپورٹ پہنچی تو لازماً وہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے ہوں گے۔ ایک طرف غزالہ نے کسی بھی لمحے جھک کر بے نقاب نہیں ہونے دیا دوسری طرف مسز مراد اپنے دفتر میں ملازمت کے لیے آنے والی لڑکی کو زندہ سلامت اپنی نگاہوں سے دیکھ چکی تھی۔ اس سے رجوع کیے جانے پر ان لوگوں کو فوری طور پر یہ اشارہ مل گیا ہوگا کہ برقع پوش مسافر خاتون قد و قامت کے لحاظ سے مطلوبہ لڑکی سے مشابہ ہے۔

اس دوران میں شاید مسز مراد نے دیدہ دانستہ غزالہ کے سامنے آنے کی کوشش کی ہو تاکہ اسے چونکا سکے لیکن غزالہ تو شبہے کے باوجود یاد نہ کر سکی کہ اسے کہاں دیکھا تھا۔

ان جیسے منظم لوگوں کے لیے اس طیارے پر سوار ہونا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اوپن ٹکٹ پر آخری لمحات میں بھی ایک دو نشستیں ملنے کا امکان رہتا ہے۔ لہٰذا مسز مراد کم از کم ایک اور ساتھی کے ہمراہ اس پرواز پر جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ جب وہ سامنے آکر بھی غزالہ کا ردِعمل دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تو اس کے ساتھی نے آخری حربہ آزمانے کا فیصلہ کیا ہوگا کیونکہ غزالہ کا سخت ترین پردہ اس کے شبہات کو مسلسل تقویت دیتا رہا ہوگا۔

رقعہ کے ذریعے ایئر ہوسٹس کو اکسا کر اس نے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہا لیکن ہوسٹس کی ناتجربہ کاری نے اس کا کھیل بگاڑ دیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ کراچی پہنچنے کے بعد مسز مراد تو اپنی راہ ہو لے گی لیکن اس کا گمنام ساتھی اس وقت تک جونک کی طرح ہمارا پیچھا کرتا رہے گا جب تک غزالہ کی شکل دیکھ کر اپنے شبہات کی تردید یا تصدیق نہ کر لے۔

اس کے گمنام ساتھی کی نشاندہی سے بھی زیادہ اہم بات یہ تھی کہ ان دونوں کو اتنی مہلت نہ دی جاتی کہ وہ اپنے کسی آدمی سے رابطہ قائم کر کے اسے تازہ ترین صورتحال سے باخبر کر سکیں۔ اگر اے۔ٹو کو ایک بار بھی یہ علم ہو جاتا کہ اس کے دشمن کراچی سے متعلق ہو سکتے ہیں تو اس کی جملہ انتقامی کارروائیاں اسی طرف مرکوز ہو جاتیں۔

آخر کار میں غزالہ کو وہیں چھوڑ کر ٹوائلٹ میں چلا گیا۔

"سیٹ نمبر بارہ بی والی عورت کو قابو میں کرنا ہے جہاز میں اس کا کوئی ساتھی بھی ہے جو میرا اور غزالہ کا تعاقب کر سکتا ہے، تعاقب کو ناکام بنانا تمہاری ذمہ داری ہے ایئرپورٹ سے میری کار تم لے لینا ہم ٹیکسی میں جائیں گے۔" کاغذ پر جلدی جلدی یہ پیغام نوٹ کر کے میں باہر آ گیا۔

میری غیر حاضری میں غزالہ پھر کونے والی نشست پر آ گئی تھی۔ میں اس کے اور سلطان شاہ کے درمیان بیٹھ گیا جو اس دوران بالکل لاتعلق بنا ہوا تھا۔

میں نے آہستگی سے وہ پیغام اس کی طرف بڑھا دیا۔ کار کی چابی پہلے ہی اس کی تحویل میں تھی۔

سلطان شاہ نے رفاقت کی مختصر سی مدت میں مجھے اپنی ذہنی صلاحیتوں کا قائل کر لیا تھا۔ اس نے پیغام لینے کے بعد بے پروائی سی مٹھی میں دبا لیا اور وہیں پڑھنے کے بجائے چند ثانیوں بعد اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ رقعہ پڑھنے کے لیے کسی گوشۂ عافیت کی تلاش میں اٹھا تھا جو ٹوائلٹ ہی ہو سکتا تھا۔

واپسی کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے سلطان شاہ نے گرمجوشی سے میرا ہاتھ دبایا۔ شاید اسے خوشی تھی کہ لاہور سے واپسی کے باوجود کھیل جاری تھا۔

تھوڑی دیر بعد حفاظتی بند باندھنے کی ہدایات کے ساتھ ہی لینڈنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دن کے اجالے میں روشنیوں کے شہر کراچی کا فضائی نظارہ کچھ ایسا قابلِ دید نہیں تھا۔ طویل دائرے میں شہر کا چکر کاٹتے ہوئے طیارے کی بلندی تیزی سے کم ہونے لگی پھر طیارے نے کراچی کی زمین چھو لی۔

رن وے پر رفتار کم ہونے کے بعد طیارہ کسی تھکے ماندے عفریت کی طرح رینگتا ہوا ٹیکسی وے پر اپنی مقررہ پارکنگ بے کی طرف جا رہا تھا کہ مسافروں میں ہلکی سی سرگرمی پیدا ہو گئی۔ حفاظتی بند کھولے جانے لگے حالانکہ حفاظتی اصولوں کے تحت جب تک بند باندھے رکھنے کی روشن ہدایات معدوم نہ ہو جائیں، مسافروں کو بدستور لینڈنگ پوزیشن ہی اختیار کیے رہنا چاہیے۔

پچھلی نشستوں کا ایک مسافر کچھ زیادہ ہی بے صبرا ثابت ہوا اور جہاز کے ساکت ہونے سے پہلے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے، خاصا قوی الجثہ اور طاقتور نظر آتا تھا۔ میں اس کے چہرے کی بس ایک ہی جھلک دیکھ سکا جو کچھ خوشگوار نہیں تھی۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا، جونہی وہ مسز مراد کے قریب سے گزرا، اس نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اسی لمحے طیارہ ٹھہر گیا اور مسافر نشستیں چھوڑ کر راہداریوں میں

جمع ہونے لگے۔

مسز مراد اس قوی الجثہ شخص سے تقریباً چپکی ہوئی کھڑی تھی کیونکہ اگلی نشستوں کے مسافروں نے باہر آ کر ان کی پیش قدمی کا راستہ مسدود کر دیا تھا۔ غالباً وہی مسز مراد کا ساتھی تھا اور اس نے روانگی سے پہلے مسز مراد کو ہدایات دینے کے لیے اس طریقہ کار کا انتخاب کیا تھا۔ وہ دونوں ایسے زاویے سے کھڑے تھے کہ میرے لیے یہ دیکھنا ناممکن تھا کہ ان میں سے کون بول رہا تھا اور کون خاموش سامع تھا۔

میں نے پلٹ کر سلطان شاہ کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں تفہیمی چمک لہرائی اور وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

میرا اندازہ تھا کہ سلطان شاہ کو اپنے شکار سے نمٹنے میں خاصی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ طیارے کے مسافر ہونے کی بنا پر دونوں ہی غیر مسلح ہوتے جبکہ حریف کو سلطان شاہ پر واضح جسمانی برتری حاصل تھی۔

سلطان شاہ کو پارکنگ لاٹ سے میری کار نکالنی تھی لہٰذا وہ طیارے سے اتر کر پہلی ہی بس سے لاؤنج کی طرف روانہ ہو گیا، مسز مراد اور اس کا ساتھی بھی اسی بس میں گیا تھا البتہ میں کسی تنگ نظر اور دقیانوسی شوہر کی طرح غزالہ کو ساتھ لیے تیسری بس کی طرف بڑھ گیا۔

لاؤنج سے سامان لانے والے کنویئر تک ان تینوں کا کہیں پتا نہیں تھا، میں آہستہ آہستہ باہر نکل آیا، مسز مراد فٹ پاتھ کے کنارے کھڑی کچھ سوچ رہی تھی۔ سلطان شاہ میری کار باہر لا چکا تھا لیکن قوی الجثہ شخص کا کہیں پتا نہیں تھا، میں نے بڑھ کر ایک خالی ٹیکسی کا عقبی دروازہ کھولا اور غزالہ سمیت پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

ٹیکسی چل پڑی، پھر چوراہا گھومتے ہوئے میں نے ایک دوسری ٹیکسی میں مسز مراد کے ساتھی کی جھلک بھی دیکھ لی۔

سلطان شاہ کو ویران راستے پر کسی کارروائی کا موقع دینے کے لیے میں نے اپنے ٹیکسی ڈرائیور کو دانستہ گلشنِ اقبال چلنے کی ہدایت دی تھی لیکن جب ہماری ٹیکسی ڈرگ روڈ اسٹیشن سے داہنی طرف مڑی تو میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی کیونکہ تعاقب میں آنے والی ٹیکسی زناٹے کے ساتھ سیدھی شہر کی طرف نکلی چلی گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد مجھے اپنی کار نظر آ گئی۔ اس میں سلطان شاہ کے ساتھ اگلی نشست پر کوئی اور بھی موجود تھا۔ میں الجھ کر رہ گیا، صورتحال میری توقع کے برعکس ہی نظر آ رہی تھی۔ آخر کار ڈرائیو ان سینما سے ذرا آگے، راشد منہاس روڈ پر وہ کار اتنی قریب آ گئی کہ میں نے سلطان شاہ کے برابر میں بیٹھی ہوئی مسز مراد کو واضح طور پر پہچان لیا اور مجھ پر اضطراب طاری ہونے لگا۔

راشد منہاس روڈ پر لیول کراسنگ سے ذرا پہلے میں نے ٹیکسی رکوالی۔

"ادھر کدھر جانا ہے صاحب؟" ڈرائیور نے حیرت سے پوچھا۔

"ٹہلتے ہوئے چلے جائیں گے۔" میں نے قریبی فلیٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جلدی سے اس کو میٹر سے دس روپے زائد ادا کر دیے کیونکہ اتنی دیر میں سلطان شاہ قریب آ چکا تھا۔

ٹیکسی آگے بڑھ گئی، سلطان شاہ نے کار ہمارے قریب روک دی۔

برقع پوش غزالہ کو مسز مراد شاید دور ہی سے ٹیکسی سے اترتے ہوئے پہچان چکی تھی لہٰذا اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، کار رکتے ہی اس نے دروازہ کھول کر اترنا چاہا لیکن سلطان شاہ نے مضبوطی کے ساتھ اس کا بازو جکڑ لیا۔

"لفٹ قبول کی ہے تو آسانی سے نہیں بھاگ سکو گی۔" کار میں بیٹھتے ہوئے سلطان شاہ کی زہریلی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی جس میں تضحیک کا عنصر بھی شامل تھا۔

"مجھے چھوڑ دو ورنہ شور مچا دوں گی۔" مسز مراد پھنسی پھنسی خوفزدہ آواز میں بولی۔

"ضرور کوشش کرو، گردن ہی دبا دوں گی۔" غزالہ نے پچھلی نشست پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے سلطان شاہ نے کار تیزی سے آگے بڑھا دی۔

"کیا اس نے خود ہی تم سے لفٹ مانگی تھی؟" غزالہ نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"نہیں۔ میں نے ہی منزلِ مقصود تک پہنچانے کی پیشکش کی تھی، شوقین مزاج معلوم ہوتی ہے، فوراً ہی کار میں آ بیٹھی۔ اب دیکھو کہاں پہنچتی ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پہلے اسے گھر ہی لے چلو، اس کی وجہ سے کہیں کوئی اور شناخت نہ کر لے، اس کا ساتھی کدھر گیا۔ وہ بھی تو پیچھے ہی آ رہا تھا ہمارے۔" میں نے زبان کھولی۔ اس اثنا میں غزالہ برقع اتار چکی تھی۔

"میں باہر نکلا تو مقرب خان کا بھانجا نظر آ گیا۔ وہ ٹیکسی چلاتا ہے۔ شریف مسافروں سے میٹر سے ایک پیسہ زیادہ نہیں لیتا لیکن مشتبہ لوگوں کو بری طرح ادھیڑتا ہے۔ بس میں نے اسے اشارہ کر دیا تھا اور بتا دیا تھا کہ بغیر سامان والا لمبا

چوڑا آدمی اس کو لینا ہے اگر وہ کسی کا پیچھا کرنا چاہے تو دھوکا دے کر اسے کسی پولیس اسٹیشن میں لے جاتے۔ وہ ادھر مڑنے کے بجائے سیدھا نکلا چلا گیا۔"

"اور یہ کیا کہتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی تک تو مجھے الو بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بھابی کے برقع پر نظر پڑتے ہی بدکنے لگی۔ ایسے معاملوں میں کچھ اناڑی معلوم ہوتی ہے۔" سلطان شاہ نے رائے دی۔

"تمہارے ساتھ کون تھا؟" میں نے مسز مراد کو اپنی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

اس نے میری بات کا جواب دینے کے لیے میری طرف سر گھمایا مگر غزالہ کے بے نقاب چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"اوہ۔ تو اس کا شبہ درست ہی تھا۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی تحیر آمیز آواز نکلی۔" وہ یہی کہہ رہا تھا کہ اس نے اپنی ساری عمر میں کسی عورت کو اتنی سختی سے پردہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

"اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ آج پہلی بار اسے ایئرپورٹ پر دیکھا تھا۔ وہ خود ہی مجھے پہچان کر میری طرف آیا تھا۔"

"تم ایئرپورٹ کس کی ہدایت پر پہنچی تھیں؟"

"صبح دفتر پہنچتے ہی فون پر حکم ملا تھا۔"

"نصیر خان؟" میں نے ٹٹولنے والے لہجے میں سوال کیا۔

وہ کانپ اٹھی۔" نہیں۔ وہ تو ڈسپلن کے معاملے میں بہت سخت ہے، اسے بھنک بھی مل گئی تو مجھے نوکری ہی سے نکال دے گا۔ اس سے تو میں اپنی ایک کزن کی بیماری کا بہانہ کر کے دفتر سے نکلی تھی۔"

"پھر حکم دینے والا کون تھا؟"

"مجھے آج تک پتا نہیں چل سکا بس فون پر اس کی آواز پہچان لیتی ہوں۔"

"کب سے کام کر رہی ہو اس کے لیے؟"

"شاید دو سال ہونے والے ہیں۔" وہ ابھی تک خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔

"ایک اجنبی کے لیے کام کرنے کی بات حلق سے نہیں اترتی۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجبوری۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔" ایک روز مجھے ڈاک سے اپنی کچھ ایسی تصاویر ملیں جنہیں دیکھ کر میری آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی تھی، وہ تصویریں میرے جاننے والوں تک پہنچ جاتیں تو میرے لیے خودکشی کے علاوہ کوئی راستہ باقی نہ رہتا۔ میں دن رات ان ہی کے بارے میں سوچتی رہی۔ پتا نہیں وہ کس نے بھیجی تھیں اور اس حرکت سے اس کا کیا مقصد تھا۔ تیسرے دن اس نے ان ہی تصویروں کے حوالے سے فون کیا تھا۔ اگر میں اس کے لیے کام کرنے پر آمادگی ظاہر نہ کرتی تو وہ مجھے بدنام کر دیتا۔ ویسے بھی میں بیوہ ہوں اور بیوہ عورتوں پر تہمتیں تراشنے کے معاملے میں لوگ ہر طرح کی آزادی محسوس کرتے ہیں... لل... لیکن میں یہ یقین دلاتی ہوں کہ میں نے آج تک کوئی بڑا جرم نہیں کیا۔"

"پھر کیا کرتی رہی ہو اس کے لیے؟"

"شاید وہ ہماری فرم کا کوئی حریف ہے۔ زیادہ تر نصیر خان اور اس کے کاروباری معاملات کی سراغ رسانی کراتا رہا ہے۔ بارہا دفتر کے کچھ کاغذات بھی غائب کراتے ہیں۔ شاید دفتر میں اس کا کوئی اور آدمی بھی ہے کیونکہ اڑاتے ہوئے کاغذات میں اپنی میز کی مخصوص دراز میں چھوڑ کر آتی تھی جو اگلی صبح غائب ہوتے تھے۔"

اس کی کہانی نصیر خان کے بیان سے میل کھاتی تھی۔ ایک طرف اس نے نصیر خان کو کھلی چھٹی دی ہوئی تھی اور دوسری طرف مسز مراد سے اس کی سرگرمیوں کی نگرانی کراتا رہتا تھا۔ یوں اپنی غیر موجودگی میں بھی وہ فرم کے جملہ معاملات کی پوری خبر رکھتا تھا۔

مسز مراد نسبتاً لاعلم تھی لہٰذا اس کا خیال تھا کہ اس کی مخصوص دراز سے کاغذات غائب کرنے میں دفتر کے کسی آدمی کا ہاتھ تھا لیکن نصیر خان بتا چکا تھا کہ چھٹی کے بعد کوئی دفتر میں داخل ہو کر نہ صرف اس کی میز کے کاغذات کی فوٹو کاپیاں بلکہ کیمرے سے استعمال شدہ فلم بھی نکال لے جاتا تھا لیکن دونوں ہی اس شخص کی نشاندہی سے قاصر تھے جو ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے معاملات کی پشت پر تھا۔

لے دے کر ٹی۔ لے ملک کا نام سامنے آیا تھا جو ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کا ایم ڈی تھا۔ وہ فرم لمیٹڈ تھی لہٰذا اس کا بورڈ آف ڈائریکٹرز ہونا بھی ضروری تھا لیکن نصیر خان ان تمام تفصیلات سے لاعلم تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ معلومات رجسٹرار آف کمپنیز یا کسی دوسرے سرکاری ادارے سے ہی مل سکتی تھیں۔

"تمہارے ساتھی کا نام کیا تھا؟" میں نے خالی الذہنی کے عالم میں بے مقصد سا سوال کیا۔

"پتا نہیں۔ مجھے ایئرپورٹ انکوائری کاؤنٹر پر کسی ایسے آدمی کا انتظار کرنے کا حکم ملا تھا جو مجھے بٹر فلائی کہہ کر

مخاطب کرتا رہے مجھے اس کے احکام کی تعمیل کرنا تھی۔"

"اور اس کے احکام کیا تھے؟"

"اس کے پاس پروین کی ایک صاف اور واضح تصویر تھی۔" اس نے غزالہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس نے بتایا کہ یہ عورت جُل دے کر لاہور سے نکلنے کے چکر میں ہے، ہمیں اس پر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔"

"جب اس کے پاس تصویر تھی تو تمہاری کیا ضرورت تھی؟"

"اس بات پر مجھے خود حیرت ہوتی تھی لیکن اسے اندیشہ تھا کہ پروین حلیہ بھی بدل سکتی ہے، ایسی صورت میں مجھے دیکھ کر وہ بوکھلا جاتی اور اس کا راز فاش ہو جاتا۔ پھر اس نے پردے کی بنا پر اس پر شُبہ کیا اور مجھے اس کی بات درست معلوم ہوئی۔ کیونکہ قد اور جسامت میری دیکھی بھالی تھی۔"

"ائیر ہوسٹس کو رقعہ کس نے پہنچایا تھا؟"

"رقعہ؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "مجھے کسی رقعہ کا علم نہیں البتہ اس نے کسی مُسافر سے میری جگہ ضرور بدلوائی تھی تاکہ میں آسانی کے ساتھ پروین پر نگاہ رکھ سکوں اور جب بھی وہ نقاب ہٹائے تو اسے پہچان لوں۔"

"کراچی اُترنے کے بعد کیا پروگرام طے ہوا تھا؟"

"اس نے مجھے ہدایت کی تھی کہ میں صدر کے ایک ہوٹل میں قیام کروں۔ اس نے اپنا پروگرام نہیں بتایا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ اپنی تسلی ہونے تک ہمارا پیچھا کرے گا۔"

"ان لوگوں کے لیے تم پہلے بھی کبھی ایسا کام کر چکی ہو؟"

"نہیں۔" اس نے تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ "مجھے پہلی بار باہر کا کوئی کام دیا گیا ہے۔"

"اگر انہیں بھنک بھی مل گئی کہ تم ہمارے ہتھے چڑھ گئی تھیں تو نہایت خاموشی سے تمہارا پتّہ صاف کر دیا جائے گا۔ تم جن لوگوں میں پھنسی ہوئی ہو وہ اوّل درجے کے قاتل اور بدمعاش ہیں۔"

"اوہ خدا! یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔" وہ خوف سے کانپنے لگی۔

"اور ہم بھی کچھ ایسے شریف لوگ نہیں ہیں۔" غزالہ نے غراتے ہوئے لقمہ دیا۔ "تم نے دیکھ ہی لیا کہ تمہارے ساتھی کو ہم نے کیا چکمہ دیا۔ اب آسانی کے ساتھ تمہاری بھی گردن مروڑ سکتے ہیں۔"

"مم... مجھے معاف کر دو۔" وہ تقریباً رونے لگی۔ "میں نے تو تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑا، میں وعدہ کرتی ہوں کہ اس بارے میں کبھی ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لاؤں گی۔"

شاید وہ ... یہ سچ ہی کہہ رہی تھی لیکن وہ ناتجربہ کار تھی جب کہ اس سے کام لینے والے بہت جہاندیدہ اور سفاک لوگ تھے اگر انہیں مسز مراد پر ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو اپنے پیشہ ورانہ تشدّد کے ذریعے اس کی زبان سے ہر بات اگلوا سکتے تھے دوسری طرف ہمارے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ اسے اپنے گلے کا ہار بنائے رکھتے۔ اس سے گلو خلاصی کی دو ہی صورتیں تھیں۔ اسے مار دیا جاتے یا رہا کر دیا جاتے۔

میری نگاہوں میں وہ ان لوگوں کی شریکِ کار نہیں تھی، شریکِ کار ہوتی تو پھر موت کی سوداگری کا انعام بھی موت سے ہرگز کم نہ ہوتا لیکن وہ حقیقی معنوں میں ان کی آلۂ کار تھی۔ اس لیے اسے رہا کرنا ہی مناسب تھا لیکن اس کی رہائی سے پہلے میں ذہنی طور پر اسے اس قدر الجھا دینا چاہتا تھا کہ کبھی اسے زبان کھولنے پر مجبور کر بھی دیا جائے تو وہ ان کی صحیح سمت میں رہنمائی نہ کر سکے۔

"زبان کھول کر تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی۔" میں نے سوچی سمجھی حکمتِ عملی کے تحت کہا۔ "خود اپنا ہی نقصان کرو گی۔ ان میں کچھ لفنگے اور قاتل ہیں لیکن ہماری ایک باقاعدہ تنظیم ہے، ایک آدمی کو نقصان پہنچا تو دس اس کی جگہ لے لیں گے اور صرف تنظیم ہی نہیں، ان سے دشمنی کے پیچھے ہمارا روایتی انتقامی جذبہ بھی کارفرما ہے۔ ان لوگوں نے ہمارے دو جیالوں کو مارا ہے اب جب تک ہم ان کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دیں گے خاموش نہیں بیٹھیں گے۔"

"تم یقین کرو۔ میرا ان کے کسی جُرم سے کوئی تعلق نہیں۔" وہ بدستور رو دینے والی آواز میں بولی۔ "اگر مجھے بلیک میل نہ کیا جاتا تو شاید میں چھوٹے موٹے کام بھی سرانجام نہ دیتی۔"

"اسی قدر پارسا تھیں تو ایسا مواد ان کے قبضے میں کہاں سے آ گیا جس کی بنا پر تم بلیک میل ہونے پر مجبور ہوئیں؟" غزالہ نے زہریلے لہجے میں دخل اندازی کی۔

اس کے ہونٹوں کے گوشے پھڑپھڑائے۔ اور وہ فریاد طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

شاید غزالہ مزید کچھ بولتی لیکن میں نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے خاموش کر دیا۔

سلطان شاہ نے بھی اس مرحلے پر اپنے مردِ دین کا ثبوت دیا اور کار چلاتے ہوئے غصے سے سر جھٹک کر پشتو میں نہ جانے کیا کیا بڑبڑانے لگا۔ مسز مراد نے سہمی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر التجا آمیز نگاہیں میرے چہرے

پر مرکوز ہوگئیں۔

"ہم نے عہد کیا ہے کہ دشمن سے تعلق رکھنے والے چڑیا کے بچے کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن تم عورت ذات ہو، میں تم کو موقع دینا چاہتا ہوں، میری خواہش اپنی جگہ مگر تم میرے ساتھی کو دیکھ رہی ہو کہ کس طرح بنکار رہا ہے میرے لیے ان سب کو مطمئن کرنا دشوار ہو جاتے گا۔"

"خدا کے لیے۔" وہ گڑگڑا کر رو پڑی "مجھے رہا کر دو، مجھے چھوڑ دو، میں بے گناہ ہوں۔"

"خاموش رہو نامراد عورت۔" غزالہ نے اسے جھڑک دیا اور وہ سہم کر چپ ہوگئی۔

"اسے یہیں اتار دو۔" گلشن اقبال سے گزرنے کے بعد نیو ٹاؤن پولیس اسٹیشن والے چوراہے پر میں نے سلطان شاہ سے کہا اور مسز مراد جلدی جلدی رومال سے اپنی آنکھیں صاف کرنے لگی۔

گاڑی رکتے ہی وہ اس قدر عجلت میں اتری تھی جیسے اسے اندیشہ رہا ہو کہ تاخیر ہونے کی صورت میں کہیں میں اپنا ارادہ نہ بدل دوں۔

گھر پر بے فکری سے ان واقعات پر غور کرنا شروع کیا تو اندازہ ہوا کہ روا روی میں ہم لوگ بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ آئے تھے۔ مسز مراد کا رویہ جو کچھ بھی رہتا، اس کا ساتھی اپنے اوپر والے کو ضرور یہ بتاتا کہ لاہور سے ایک مشتبہ عورت کراچی آئی تھی جس کے تعاقب کی کوشش ناکام بنادی گئی۔ یوں لے۔ ٹو کی توجہ کراچی کی طرف مبذول ہو جانی تھی۔

محض ان ہی اندیشوں کے پیش نظر میں نے غزالہ کو مکمل طور پر گھر میں محدود ہو جانے کی ہدایت دے ڈالی تھی کیونکہ ان لوگوں کے پاس غزالہ کی تصویر موجود تھی۔

واپسی پر پہلے غزالہ کو اس کے گھر چھوڑا گیا پھر سلطان شاہ میرے گھر سے بھرپور تیاری کر کے اس ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا تھا جہاں مسز مراد کو قیام کرنا تھا۔

اگر لے۔ ٹو کی توجہ کراچی کی طرف مبذول ہونی ہی تھی تو اس میں اس کے لیے دھمکی یا عبرت کا پہلو ہونا ضروری تھا۔ میں نے سلطان شاہ کو کھلی چھٹی دے دی تھی کہ وہ شخص مسز مراد کا رخ کرے تو اسے اغوا کر لیا جائے۔ اگر ناکامی کا خوف ہو تو بے دریغ اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔

اس نے جو کچھ اطلاعات لاہور پہنچائی ہوں، ان سے ہٹ کر بھی وہ بہت سی باتوں کا عینی شاہد تھا۔ دوسری طرف وہ واقعات کی روشنی میں لے۔ ٹو کا قابل اعتماد ساتھی نظر آرہا تھا لہٰذا اس کی ہلاکت میری نگاہ میں ضروری تھی۔

وہ معاملات تو بظاہر طے ہوتے نظر آرہے تھے لیکن کراچی کے معاملات سے میں قطعی طور پر لاعلم تھا جاتے ہوتے شہر میں ساری سرگرمیاں معطل کر دی گئی تھیں اور جہانگیر کا اندازہ تھا کہ ہیروئن کی آخری کھیپ شاید ایک ہفتے تک شہر کی ضروریات پوری کر سکے گی۔ اس کے بعد کے حالات کا انحصار اوپر کے احکام پر تھا۔

اس وقت تنظیم کے معاملات بھی عجیب پیچیدگی کا شکار تھے۔ بی ون یعنی مٹھا خان اپنے ہاتھوں خودکشی کر کے کیفر کردار کو پہنچ چکا تھا اور کسی کو علم نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی حویلی سے برآمد ہونے والا طاقتور ٹرانسمیٹر ریسیور، ایم۔ ٹی۔ تھری ہنڈرڈ ہیروئن کی مقامی اور بین الاقوامی تجارت میں استعمال ہو رہا تھا۔ فوجی ماہرین سے شہری حکام تک ہر ایک کا یہی خیال تھا کہ مٹھا خان کوئی غیر ملکی جاسوس تھا جس نے راز فاش ہونے کے خوف سے خودکشی کر لی۔

اس اہم واقعے کے بعد ہدایات لینے کے لیے ایم۔ ٹی تھری ہنڈرڈ کا استعمال ترک کر دیا گیا تھا۔ بی ون کی جگہ کسی اور کو مقرر کرنے کے بجائے لے۔ ٹو نے رات کے مقررہ اوقات میں بذات خود فون پر ہدایات جاری کرنے اور رپورٹیں وصول کرنے کی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ وہ جس فون کو اس کام کے لیے استعمال کرتا تھا اسے میں لاہور میں تباہ کر آیا تھا۔ اس طرح کراچی سے کوئی بھی کارکن لے۔ ٹو سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ لے۔ ٹو حسب مرضی کسی بھی نمبر سے مقامی اہلکاروں سے رجوع کر سکتا تھا۔

میں بذات خود بی ون کے منصب پر فائز تھا جو سکندر علی کی معطلی اور پھر ہلاکت کے نتیجے میں خالی ہوا تھا۔ سی۔ ون یا قاسم میرا ماتحت تھا لیکن اپنے اختیارات کی بنا پر وہ خاصا خودسر ہو گیا تھا۔ رخشی کے معاملے میں میرے ساتھ اس کا معرکہ جاری تھا۔ اس نے مجھے خوف زدہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی جو ناکام رہی مگر میں نے سلطان شاہ کے ہاتھوں اس کے خالی گھر میں خاصی ابتری پھیلا ڈالی تھی۔

دوسری طرف قاسم نے رخشی کو بھی گلشن اقبال کے ایک مکان میں چھپا دیا تھا تاکہ اسے لے۔ ٹو کے صادر کیے ہوئے سزائے موت کے فیصلے سے بچایا جا سکے کیونکہ وہ اس کی دوست تھی۔ قاسم نے اپنی طرف سے رخشی کی روپوشی کا ڈھونگ رچایا ہوا تھا مگر میں اس کی کمین گاہ سے واقف تھا اور کسی بھی وقت اس کی

اس حرکت کا انکشاف کر کے اسے لے۔ تو سے سنا یاب کر سکتا تھا۔"
کار رعایتیاں معطل کرتے ہوئے میرے ذمے صرف ایک
کام کیا گیا تھا کہ ہیروئن کی بیرونِ ملک اسمگلنگ کے لیے کیرئیرز
تیار کر کے براہ راست لے۔ تو کو اطلاع دوں۔ وہ کام میں حامد
کے ذریعے کسی بھی وقت سرانجام دے سکتا تھا۔

جب میں مخصوص ٹرانسمیٹر پر جہانگیر سے بات کرتا تھا تو
میری حیثیت بی۔فور کی ہوتی تھی جسے وہ براہِ راست جواب دہ
تھا لیکن بطورِ ڈینی وہ مجھے اپنا دوست بلکہ ماتحت سمجھتا تھا۔

میں نے خاصی سوچ بچار کے بعد اسی سے بات کرنے کا
فیصلہ کر لیا۔

سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے جہانگیر ہی نے ریسیور
اٹھایا تھا۔ پھر میری آواز پہچانتے ہی ایک دم پھٹ پڑا۔ "تم
بغیر کوئی اطلاع دیے کہاں غائب تھے؟ دو دن سے تمہیں
تلاش کر رہا تھا۔"

"شہر ہی میں تھا، ایسی کیا ضرورت پڑ گئی تھی میری؟"
میں نے ہنستے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ادھر چلے آؤ تو بتاتا ہوں۔" اس کے لہجے میں رازدارانہ
سنجیدگی عود کر آئی۔

"بھابی کہاں ہیں؟" میں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"خون نہ کھولاؤ میرا۔" اس کی غراہٹ سنائی دی۔
"اس سالی ہیڈ ماسٹرنی نے الگ دماغ خراب کیا ہوا ہے میرا۔
کل ہی کراچی میں اس کا کوئی ماموں دریافت ہوا ہے۔ کچھ دنوں
کے لیے اسی کے گھر گئی ہے۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔" میں نے خوش دلی کے
ساتھ کہا۔ "لیکن یہ یاد رکھو کہ بیوی سالی کبھی نہیں بن سکتی پہلا
رشتہ غصے کا ہے اور دوسرا سراسر پیار کا ہوتا ہے۔"

"ہوتا ہوگا جس کا ہوتا ہوگا۔" وہ رو میں کہہ گیا۔ "اپنی تو
سرے سے سالی بھی نہیں ہے کوئی۔"

میں نے اس کی بےبسی پر دل کھول کر قہقہہ لگایا پھر جلدی
پہنچنے کا وعدہ کر کے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

میں تیار ہو کر اس کے گھر پہنچا تو لان پر بدستور خونخوار
کتوں کا راج تھا جو اپنے رکھوالے کے پاس کھڑے لمبی لمبی زبانیں
باہر لٹکائے دُمیں ہلا رہے تھے۔

میں نے سُنا ہوا تھا کہ دُم دار جانوروں کے مزاج کا اندازہ
دُم کی حالت سے کیا جا سکتا ہے اور اس وقت وہ دُمیں صاحبانِ
دُم کے خوشگوار موڈ کا اعلان کر رہی تھیں لہٰذا میں بلاجھجک
کار سے اُتر کر اندر چلا گیا۔

جہانگیر نے میرے پُرتپاک رویے کا جواب قدرے
سرد مہری سے دیا پھر جب بیٹھنے کے بعد میں نے غور کیا تو اس
کے چہرے پر افسری برس رہی تھی لیکن میں نے اس پر کوئی
تبصرہ نہیں کیا۔

"کہاں غائب تھے تم؟" رسمی گفتگو کے بعد اس نے سنجیدگی
کے ساتھ سوال کیا۔

"مصروف تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس سے
آگے جاننا چاہو گے تو کچھ بھی نہ بتا سکوں گا۔"

"دیکھو ڈینی! دوستی اپنی جگہ ہے اور کام اپنی جگہ، یہ نہ
بھولو کہ تمہارے بارے میں بھی کسی کو جوابدہ ہوں۔" اس
کی سنجیدگی کچھ ضرورت سے زیادہ گہری ہو گئی۔

"تو کیا اس بارے میں جواب طلب کیا گیا ہے تم سے؟" میں
نے تحیّر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"بی۔فور لا پتا ہے، ٹرانسمیٹر پر کوئی جواب نہیں ملتا۔
سی ون پچھلے دو دنوں میں کم از کم پانچ بار تمہارے بارے
میں دریافت کر چکا ہے، شاید اسے میری اور تمہاری دوستی
کا بھی علم ہے۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹک
گیا۔ "یہ سی ون کون ہے؟"

"اوپر والے سب ہی فون پر کسی کٹکھنے کتے کی طرح
غراتے ہیں۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں ڈی ون ہوں اور بی فور
کا ماتحت ہوں تو سی ون بھی مجھ سے اوپر ہی ہوگا۔ اس نے
تحکم آمیز لہجے میں تمہارے بارے میں پوچھا تھا جب میں نے کسی
سی ون سے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ سٹری سٹری گالیوں پر اُتر
آیا۔" آخر میں اس کا لہجہ خفت آمیز ہو گیا۔

میرے لیے وہ لمحہ فکریہ تھا۔ قاسم میری تلاش میں اس
قدر دیوانہ ہو رہا تھا کہ ساری احتیاط بالائے طاق رکھ کر براہِ راست
جہانگیر سے رابطہ قائم کر بیٹھا تھا۔

"پھر تم نے کیا بتایا؟" میں نے اسے خاموش پاکر ٹوکا۔

"مجھے معلوم ہی کیا تھا جو اسے کچھ بتاتا۔ ہر بار اس نے ایک ہی
بات کہی کہ جب بھی تم سے ملاقات ہو، اس کا پیغام تم تک پہنچا دوں۔
مجھے حیرت ہے کہ اس سے تمہارا کیا واسطہ ہو سکتا ہے... تم تو
میرے ماتحت ہی ہو نا۔"

اپنی پریشانی کے باوجود میں اس کی بے یقینی پر ہنس پڑا۔
"یہ تو اسی سے پوچھنا تھا تم کو، میرے لیے تو سی ون بالکل نیا
نام ہے ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی غیر متعلق آدمی رہا ہو۔"

وہ خوف زدہ انداز میں ہنسنے لگا۔ "ہمیشہ دور کی کوڑی

لاتے ہو، بھلا وہ باہر کا آدمی کیوں ہونے لگا؟"
"خدا کرے کہ تم سے کوئی بے احتیاطی سرزد نہ ہوئی ہو۔"
میں سنجیدگی کے ساتھ بڑبڑایا۔"ہو سکتا ہے کہ وہ میرا یا تنظیم
کا دشمن رہا ہو اور اسے کہیں سے کوڈ سسٹم کی بھنک مل گئی ہو۔
تمہاری طرح وہ بھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ بی فور اور ڈی ون
کے درمیانی خلا کو کوئی سی ون ہی پر کر سکتا ہے۔"
وہ میرے قریب سرک آیا۔"خیر یہ تو ہماری آپس کی بات
ہے، میں بی فور سے اس کا ذکر ہی گول کر جاؤں گا۔"
"اور اگر اسے معلوم ہو ہی گیا؟" میں نے کہا۔"میں جیوا ہاؤز
بھی جاتا ہوں، وہ کہیں بھی مجھ سے رابطہ قائم کر سکتا ہے۔ میں بھی تو
آخر اسی کو جوابدہ ہوں نا۔ خواہ تمہارے ہی ذریعہ سہی۔"
"اتر آئے گھٹیا باتوں پر۔" وہ تیوریوں پر بل ڈال کر
روٹھنے والے انداز میں بولا۔"جواب دہی اپنی جگہ لیکن دوستی
بھی تو کوئی مقام رکھتی ہے۔ میری خاطر تم ذرا سا جھوٹ نہیں
بول سکتے؟"
"میں تو بڑے سے بڑا جھوٹ بول سکتا ہوں، تم خود
ہی ہر وقت مجھے ماتحتی کا احساس دلاتے رہتے ہو، یاد ہے
میرے آتے ہی تم نے کیا کہا تھا مجھ سے؟"
وہ میرے بازو پر ہاتھ مار کر کھلے انداز میں ہنس
پڑا۔"بڑے کم ظرف ہو، مذاق بھی برداشت نہیں ہوتا تم
سے، ارے ہم میں بھی بھلا افسری ماتحتی چل سکتی ہے؟"
"آئندہ مذاق کیا کرو تو پہلے سے بتا دیا کرو۔" میں
نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔" ورنہ تمہاری
بدمستیوں کے باعث کسی دن ہم بھوکے گیدڑوں کی طرح ایک
دوسرے کو نوچ کھائیں گے۔"
"کھانے کی بات بعد میں، پہلے تھوڑا شغل ہو جائے۔"
وہ ہنستے ہوئے اٹھ گیا۔
"تمہاری پسندیدہ بلیک ڈاگ ہے۔" اس نے گلاس
بنا کر واپس لوٹتے ہوئے کہا پھر ہم دونوں نے ایک دوسرے
کے جام صحت تجویز کیے اور ولایتی سیال اپنے معدوں
میں انڈیلنے لگے۔
"یار یہ سی ون بہت غیر ذمہ دار آدمی معلوم ہوتا ہے۔"
چند شاٹوں بعد وہ رازدارانہ لہجے میں بولا۔
"کیا تمہیں آنکھ مار بیٹھا تھا؟" میں نے سگریٹ کا دھواں
اس کے چہرے پر چھوڑتے ہوئے کہا۔
"اسے صرف تمہاری ہی فکر تھی، میں نے بازار کی
بات چھیڑنا چاہی تو اس نے سختی سے یہ کہہ کر بات کاٹ دی کہ
مناسب وقت پر خود بخود ہدایات مل جائیں گی۔"
"بازار کو کیا ہوا؟" میں نے تیوریاں چڑھا کر سوال کیا۔
"میرا اندازہ تھا کہ آخری کھیپ ایک ہفتہ کھینچ لے گی۔
مگر سارے اندازے غلط ہو گئے۔ بازار میں ایک دم مانگ
بڑھی ہے۔ دو دن میں مال نہ پہنچا تو شہر میں کہرام مچ جائے
گا۔ ہیروئن کا ایڈکشن واقعی بہت بھیانک ہوتا ہے۔ وقت
پر ڈوز نہ ملنے پر نشئی باز کی بدحالی بس دیکھی ہی جا سکتی ہے
بیان نہیں کی جا سکتی۔"
"تمہارا اندازہ کیسے غلط ہو گیا؟"
"باہر سے تھوڑی بہت ہیروئن لا کر کھلے بازار میں
بیچنے والے دو افغان ہمارے آدمیوں کی نگاہوں میں آگئے
تھے میں نے بی فور کو ان کے پتے سے آگاہ کر دیا تھا۔ دوسرے
دن وہ دونوں سہراب گوٹھ کی ندی سے تقریباً نزع کے
عالم میں اٹھائے گئے۔ انہیں بہت بے دردی سے مارا گیا تھا۔
تازہ گل نامی افغان کی کئی پسلیاں توڑ دی گئی تھیں۔ مکوں سے
چہرہ ادھیڑ کر رکھ دیا گیا تھا۔ دوسرا کوئی نزار خان تھا اس
کا تو سر کھول دیا گیا تھا، دونوں پنڈلیاں بھی توڑ دی گئیں تھیں۔
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حملہ آوروں نے انہیں جان سے مارنے
کے بجائے بری طرح زخمی کرنے پر کمر باندھی ہوئی تھی، ہر طرف
افواہیں ہیں کہ انہیں ہیروئن کی مارکیٹ میں گھسنے کی پاداش
میں لہولہان کیا گیا تھا لہٰذا سارے برساتی ہیروئن فروش
خوفزدہ ہو کر وقتی طور پر کنارہ کش ہو گئے ہیں۔ اب ان کے
گاہک بھی ہمارے آدمیوں سے رجوع کر رہے ہیں۔"
"سیدھی سی ترکیب ہے کہ نئی پارٹیوں کو مال نہ دو۔"
میں نے کہا۔
"یہی کیا ہے لیکن اب وہ ہمارے پرانے خوردہ فروشوں
سے مال مہنگے دام لے رہے ہیں، پچھلے چند دنوں میں بہتیرے
لوگوں کی تو چاندی ہو گئی ہے۔ پرانے لوگوں کے مطالبات کو
رد کرنا بس سے باہر ہے۔"
"نزار خان اور تازہ گل کے سلسلے میں کن لوگوں کے نام
لیے جا رہے ہیں؟"
"پولیس تو اسے افغان منشیات فروشوں کی باہمی چپقلش
سمجھ رہی ہے لیکن زیر زمین دھندوں سے تعلق رکھنے والے
باخبر حلقوں میں نادر کا نام ہوا بنا ہوا ہے کیونکہ طارق بے چارے
کے قتل کے بعد وہی بازار میں پیش پیش ہے۔"
"وہ تنہا تو نہیں ہے؟"
"سو پچاس بھی ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ وہی سب

ہے سینیئر ہے اسی لیے اس کا نام لیا جا رہا ہے؟"

" اگر اس معمولی سی تادیبی کارروائی نے تمہارے تخمینوں کو الٹ کر رکھ دیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ شہر میں ہیروئن کی حقیقی کھپت بہت بڑھ چکی ہے۔ ہم اس بازار کے سب سے بڑے حصے دار ضرور رہیں لیکن چھوٹے موٹے آدمی بھی خاصا کام کر رہے ہیں؟" میں نے اپنے گلاس سے آخری گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

" ایک بات پوچھوں؟" اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

" ضرور پوچھنا لیکن پہلے گلاس لبریز کر دو۔" میں نے گلاس کا پیندا میز کی چوبی سطح پر مارتے ہوئے کہا۔

وہ اٹھا اور بوتل کے ساتھ ہی آئس ٹرے بھی ساتھ لے آیا۔" مجھے معلوم ہے کہ اب تم پوری بوتل چوس کر ہی اٹھو گے۔" وہ میرے مقابل بیٹھتے ہوئے ہنس کر بولا۔

"غیر حاضری کا حساب بھی تو برابر کرنا ہے۔"

" کبھی تم نے موجودہ حالات پر غور کرنے کی کوشش کی ہے؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس نے بات چھیڑی۔

" کچھ دن پہلے بھی ہم یہی موضوع زیرِ بحث لا چکے ہیں" میں نے ابرو پر بل ڈال کر کہا۔

" کون سا موضوع؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

" یہی کہ ہم کھلی زد پر ہیں۔ بی فور سمیت ہر ایک پردے میں ہے، اونچ نیچ ہو گئی تو بے موت مارے جائیں گے، طارق کا انجام سامنے ہے۔ ایک طرف قانون اور دوسری طرف نادیدہ سربراہ ہم پر مسلط ہے۔"

وہ بے ایمان تھا۔ شاید اپنے گلاس میں پہلے ہی زیادہ ڈال کر لایا تھا کیونکہ آخری گھونٹ لینے کے بعد اس کی آواز میں سرور کی لہر عود کر آئی تھی۔" یہ تو خود غرضی کی باتیں ہیں، کبھی اخلاقی پہلو پر بھی غور کیا تم نے؟"

" ہائیں" میں نے حیرت سے آنکھیں نکال کر بے ساختہ کہا۔" یہ اخلاق کا دورہ کیسے پڑ گیا تم پر؟"

" چرس تک تو بات ٹھیک تھی۔ مل گئی تو نشہ کر لیا، نہ ملی تو بھی چرسی لما کھاتے تھے لیکن ہیروئن تو تباہی کا زہر پھیلا رہی ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے دو کیس دیکھ چکا ہوں یہ بدبخت نشہ وقت پر نہ ملے تو انسان جانور کی سطح سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ میں نے ان لوگوں کو اپنی آنکھوں سے سسکتے، بلکتے اور رگڑ رگڑاتے دیکھا ہے۔" اس کی آواز میں درد سمٹ آیا۔

" اگلی کھیپ وصول کرنے سے انکار کر دینا۔" میں نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بے رحمانہ انداز میں کہا۔

" تاکہ کوئی دندناتا ہوا آئے اور میری کھوپڑی میں پگھلا ہوا سیسہ اتار کر چلا جائے۔" اس نے چنخ کر تلخ لہجے میں کہا۔

" تمہارے کتنے کیسے آنے دیں گے؟"

" میرا مضحکہ نہ اڑاؤ، میں بہت دنوں سے خلش محسوس کر رہا ہوں۔" وہ بوجھل لہجے میں بولا۔" اکثر میری راتوں کی نیندیں اڑ جاتی ہیں... میں زیادہ عرصے یہ گاڑی نہ چلا سکوں گا۔"

میں غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لے کر اس کی بات کے وزن کا اندازہ کرتا رہا۔ اس کی مخمور نگاہوں میں واقعی کرب کے سائے لہرا رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، خلوصِ نیت سے کہہ رہا تھا۔

" میں نے بھی یہی محسوس کیا ہے۔" آخر کار میں نے اداس لہجے میں کہا۔" میں بھی اسی قسم کے ایک نشے کے شکار کو دیکھتا رہا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میرے ذہن میں غزالہ کی ماں شمع اور اس کے لڑکے کامران کا دردناک تصور پوری طرح واضح تھا۔" میرا خیال ہے کہ جس شخص کے ضمیر میں ذرا سی بھی جان موجود ہے، وہ ہیروئن کی سوداگری نہیں کر سکتا۔ موت تو بڑی آسان سی بات ہے ہم اس سے کہیں بھیانک جنس کے سوداگر بنا دیے گئے ہیں اور درمیانی آدمی تم سے ملنے والے مال میں ملاوٹ کرتے ہیں جنہیں اس کی لت لگ چکی ہے وہ لت پورا کرنے کے لیے مقدار بڑھاتے جا رہے ہیں اور اس کے سارے فائدے براہِ راست اے۔ ٹو کی جیب میں جاتے ہیں۔"

" فائدے پر لعنت بھیجو، مجھے تو کبھی کبھی اپنے وجود سے بھی کراہت محسوس ہونے لگتی ہے، اگر مجھے پہلے ہی دن یہ شبہ ہو جاتا کہ ہیروئن اس قدر تباہ کن نشہ ہے تو شاید میں وہیں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی کوشش کرتا۔" اس کی آواز میں اداسی کا عنصر گہرا ہوتا چلا گیا جو شاید نشے کا اثر تھا کیونکہ نشہ کسی بھی قسم کا ہو، انسان کو ذکی الحس بنا دیتا ہے اور اندر چھپے ہوئے سسکتے ہوئے جذبوں کو قوتِ گویائی عطا کر دیتا ہے، شاید یہی اثر لوگوں کو نشے کی طرف راغب کرتا ہے کہ عالمِ سرور میں وہ ہر وہ بات کہہ اور کر گزرتے ہیں جو عالمِ ہوش و خرد میں سوچنی بھی دشوار ہوتی ہے۔

معاشی ناآسودگیاں، طبقاتی منافرت، مشینی عہد کی آسائشوں کے حصول کی تھکا دینے والی جدوجہد اور بساط سے باہر مقابلے کی فضا میں غریب اور امیر، ہر ایک پسا جا رہا تھا۔ ہر شخص ہر

لمبے دورسے کی انا پر کاری وار کرنے پر تلا رہتا ہے، جن کے اعصاب ذرا مضبوط تھے وہ زندگی کے ان خود ساختہ عذابوں کو سہتے اس ابدی آرام گاہ میں جا اترتے تھے جہاں ان میں سے زندگی کا کوئی جھمیلا نہیں تھا اور جن کے کمزور اعصاب اس بوجھ سے چٹخنے لگتے تھے وہ سگریٹ سے شراب اور ہیروئن تک نشوں کی آغوش میں پناہ ڈھونڈنے میں مصروف ہو جاتے تھے جو جس قدر کمزور تھا وہ اسی قدر قوی تر نشے سے رجوع کر رہا تھا اور یوں موت کے سوداگر من مانے منافع کی فصل کاٹ رہے تھے۔

"کل کا اخبار نہیں دیکھا تم نے؟" وہ تھکی ہوئی سوگوار آواز میں کہہ رہا تھا۔ "کورنگی میں ایک نوجوان لڑکے نے نشے کے لیے رقم نہ دینے پر پہلے اپنی ماں کو ہلاک کیا، بہن نے مزاحمت کی تو اسے بھی لہولہان کر دیا۔ اس بے چاری کی پندرہ روز بعد شادی ہونے والی تھی، تم تصور نہیں کر سکتے کہ وہ بہن کا سہارا بننے کے بجائے اس کا زیور لے بھاگا اور بعد میں ایک سینما کے قریب سے ہیروئن کے نشے میں دھت گرفتار کر لیا گیا۔ پورا گھرانا تباہ ہو گیا، اب کون اس کی بہن کا ہاتھ تھامے گا۔"

"مجھے زیادہ دکھی نہ کرو یار۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "میں بھی یہ سب دیکھتا اور پڑھتا رہتا ہوں لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کوئی سامنے ہوتا تو اسے ہی ٹھکانے لگا دیتے۔"

"بی فور کا سراغ نکالو نا۔" اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا اور میں ہنس پڑا۔ بی فور اس کے سامنے بیٹھا تھا اور وہ اسی کا متلاشی تھا۔ وہ اندازہ کرنے سے قاصر تھا کہ تنظیم کس قدر پیچیدہ تھی اور اس میں بی فور کس قدر مجبور و بے بس تھا۔

"اسے مار دو گے تو باقی لوگ ہوشیار ہو جائیں گے یہ سی ون کا تم ہی نے انکشاف کیا ہے۔ وہ خود یا کوئی اور بی فور کی جگہ سنبھال لے گا، یہ چکر تو ختم نہیں ہو گا۔"

"کوئی تو ہو گا جس کے بل بوتے پر یہ سارا کھیل چل رہا ہو گا۔" وہ قدرے جھلا گیا۔

"مافیا کا نام سنا ہے تم نے؟ بس اسے منی مافیا سمجھ لو۔ اگر کسی دن ہماری تنظیم کا ماسٹر مائنڈ قدرتی موت کا شکار بھی ہو گیا تو ہمیں کچھ علم نہ ہو سکے گا، اس کا نمبر دو اس کی جگہ سنبھال لے گا اور یہ دھندا اسی انداز میں چلتا رہے گا جب تک نشوں کی طلب ختم نہیں ہو گی یہ چکر چلتا ہی رہے گا۔"

"چلتا رہے مجھے اس سے غرض نہیں۔ میں پورے معاشرے میں انقلاب نہیں لا سکتا۔ میری۔" اس نے جوش میں اپنے سینے پر ہاتھ مارا۔ "جہانگیر خان کی تو بس اتنی سی خواہش ہے کہ اب میرے ہاتھ اس کراہت آمیز دھندے میں ملوث نہ ہوں۔"

"چاہے اس کے لیے خون خرابا ہی کیوں نہ کرنا پڑے؟" میں نے چیلنج آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں ہاں۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولا۔ "ایک بار قصہ تو تمام ہو جاتے گا نا۔"

میں ہنس پڑا۔ "ابھی پی رہے ہو بیٹھے! ذرا سی لگی ہوئی ہے ذہن سے دھند صاف ہو گی تو ننھی منی سی بیوی کی بیوگی کا خیال آئے گا اور سارا جوش بلبلے کی طرح بیٹھ جائے گا۔"

"تم پھر بیوی کا ذکر نکال بیٹھے۔" وہ غصیلے لہجے میں غرایا۔ "بیوی میری ہے اور یاد تمہیں رہتی ہے۔"

"تم ہی اسے اہمیت دیتے ہو لہٰذا مجھے بھی اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔" میں نے موضوع کی نزاکت بھانپتے ہوئے محتاط لہجے میں کہا۔ مجھے معلوم تھا کہ شادی کے بعد ہی سے ان دونوں میں ٹھنی رہتی تھی اور اس کی بیوی سلمیٰ تو کئی بار میری حوصلہ افزائی کی کوششیں کر چکی تھی لیکن میں نے جہانگیر کی دوستی کے حوالے سے کسی بے جا اقدام سے ہمیشہ گریز ہی کیا جس کی بنا پر وہ مجھ سے چڑنے لگی تھی۔

"جس دن بہت زیادہ خیال رکھنے کی کوشش کی تمہاری گردن جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔" وہ نئے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لے کر بولا۔ "اسے جہنم میں ڈالو اور مجھے کوئی ترکیب بتاؤ، میں سنجیدگی کے ساتھ گلوخلاصی چاہتا ہوں۔"

"بس دعا ہی کر سکتا ہوں کہ سرگرمیوں کا موجودہ تعطل مستقل ثابت ہو اور تمہیں اگلی کھیپ ملنے کی نوبت ہی نہ آئے۔" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"یہ بھی ظلم ہو گا۔ ہیروئن کے آدھے سے زیادہ شکار پاگل ہو جائیں گے یا تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے، یہ ایسا موذی نشہ ہے کہ اپنا علاج بھی خود ہی ہے معالج تو بس نگرانی میں رکھ کر خوراک کی مقدار میں بتدریج کمی کرتا جاتا ہے۔"

"پھر ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ بی فور سے رابطہ ہو تو مرغے کی طرح بانگ دینی شروع کر دینا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"پھر بہکنے لگے۔" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

"درست کہہ رہا ہوں میرے عزیز۔ بی فور سمجھے گا کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے اور وہ تمہارا پیچھا چھوڑ دے گا۔"

"تم منافق اور دغا باز ہو۔" وہ جھلا کر بولا۔ "میری مدد ہی نہیں کرنا چاہتے، تم میرے ساتھ مل جاؤ تو میں دیکھتا ہوں کہ بی فور میرا کیا بگاڑ لیتا ہے۔"

"اگر ایسی ہی بات ہے تو پھر مل کر اگلی کھیپ پکڑوا دیتے ہیں، اندر سے مخبری ہوگی تو پھر خود ہی پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

اس نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا دیا۔ "ناممکن ... طریقہ کار کچھ ایسا ہے کہ مال کے ساتھ میں خود پکڑا جاؤں گا۔ آخری لمحے تک علم نہیں ہو پاتا کہ مال کہاں اور کیسے آ رہا ہے، پتا چلتا ہے تو اسی لمحے سے مال میری تحویل میں ہوتا ہے اور اس کی جواب دہی میری ذمہ داری ہوتی ہے۔"

میں اس کے برابر میں جا بیٹھا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "آج پہلی بار مجھے یقین آیا ہے کہ تم واقعی اپنے موجودہ دھندے سے متنفر ہو چکے ہو اب سے پہلے تک تمہاری گول مول باتوں سے میں یہی سمجھتا رہا کہ تم میری وفاداری کا امتحان لینے کی کوشش کرتے ہو۔ میں ضرور کوئی راہ نکالوں گا، لیکن یہ باتیں اپنی ذات تک ہی محدود رکھنا۔"

اس نے ایفائے عہد کے اظہار میں پُرجوش طریقے پر ہاتھ ملایا اور بولا۔ "لیکن یہ نہ بھولنا کہ میں بی فور سے سی ون کا ذکر بالکل نہیں کروں گا، کیا پتا سالا سنک ہی جائے۔"

"یہ حماقت نہ کرنا۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔ "اگر سی ون اندر کا آدمی ہوا اور بی فور کو اس بارے میں بتا بیٹھا تو وہ تمہاری طرف سے بدگمان ہو جائے گا۔ جواب دہی مشکل ہو جائے گی تمہارے لیے۔"

"بس تمہاری اسی حرکت سے میں چڑتا ہوں، پہلے خود ہی ایک بات کو دلائل سے صحیح ثابت کرتے ہوئے اور جب اسے مان لیا جائے تو اپنے ہی دلائل سے اسے یکسر رد کر دیتے ہو۔"

"اپنی عقل بھی تو استعمال کیا کرو، دوسروں کے دلائل پر اس قدر انحصار کرتے رہے تو بی فور تو کیا، چڑیا کے بچے سے بھی ٹکر لے کر نہ جیت سکو گے۔"

"دوسروں کی بات مت کرو، تمہیں میں عقلِ کل سمجھتا ہوں اسی لیے تمہاری ہر بات مان لیتا ہوں۔" وہ وضاحت آمیز لہجے میں بولا اور میں گلاس کی تلچھٹ صاف کر کے اُٹھ گیا۔

"کہاں چلے؟ ابھی تو بوتل کا پیندا خاصی دور ہے۔" وہ حیرت سے بولا۔

لیکن وہ مجھے روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ میرے ذہن پر سی ون یا قاسم کی طرف سے خلش سوار ہو گئی۔ آخر اسے میری ایسی کیا ضرورت تھی کہ وہ میری تلاش میں جہانگیر تک سے رجوع کر بیٹھا تھا۔

*

میں جہانگیر کے گھر سے سرور کے عالم میں روانہ ہوا تھا اور ڈرائیونگ سے لطف اندوز ہونے کے لیے کار ایک نسبتاً طویل لیکن غیر معروف راستے پر ڈال دی تھی کہ چند ہی منٹ بعد عقب سے ایک برق رفتار موٹر سائیکل غراتی ہوئی نمودار ہوئی اور آناً فاناً میری کار کے برابر آ گئی۔ لحظہ بھر کے لیے موٹر سائیکل کی رفتار دھیمی ہوئی اور وہ میری کار کے پہلو بہ پہلو دوڑتی رہی۔ میری چھٹی حس نے خطرے کا سگنل دیا لیکن اسی لمحے موٹر سائیکل سے کسی بے آواز ہتھیار سے فائر کیا گیا، شاید میں غیر شعوری طور پر کار کی رفتار بڑھا چکا تھا لہٰذا گولی مجھے نشانہ بنانے کے بجائے عقبی کھڑکی کا شیشہ توڑتی ہوئی کار کے کسی اندرونی حصے میں آ گھسی اور میرا ہاتھ اسٹیرنگ پر بہک گیا۔ اگر میں فوراً ہی بریک نہ لگاتا تو میری کار فٹ پاتھ پر کسی درخت یا بجلی کے کھمبے سے جا ٹکرائی ہوتی۔ اسی اثنا میں موٹر سائیکل سوار تمام روشنیاں گل کر کے انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔ مجھے اتنی بھی مہلت نہ مل سکی کہ اس کے حلیے کا ہی جائزہ لے سکتا، اپنی تمام روشنیاں گل کر کے اس نے نمبر دیکھ لیے جانے کا امکان بھی ختم کر دیا تھا۔ رہی میری کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی تو وہ اسٹیرنگ پر ہاتھ بہکنے کے باعث پہلے ہی سڑک کے بجائے فٹ پاتھ پر پڑ رہی تھی۔

اس نے رُک کر اپنے فائر کا نتیجہ دیکھنے کی حماقت نہیں کی تھی۔ انجن کی آواز ہی سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ موٹر سائیکل کا انجن بہت طاقتور تھا اور میرے لیے سنبھل کر اس کے تعاقب میں روانہ ہونا بے سود ہوتا۔

میں نے اپنی کار سڑک کے کنارے لگائی اور انجن بند کیے بغیر سگریٹ سلگا کر اس نامعلوم حملہ آور کے بارے میں سوچنے لگا۔ جس انداز میں گولی چلائی گئی تھی اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی اتفاق یا غلط فہمی نہیں تھی بلکہ ایک سوچا سمجھا قاتلانہ حملہ تھا۔

سی ون یا قاسم میری تلاش میں جہانگیر سے رجوع کر چکا تھا، شاید اسے میرے اور جہانگیر کے گہرے مراسم کا بھی علم تھا لہٰذا اس نے اپنے کسی گُرگے کو واضح ہدایات کے ساتھ جہانگیر کے گھر کی نگرانی پر مامور کر دیا تھا۔ وہ شخص ہدایات کی روشنی میں میری کار پہچاننے کے بعد اطمینان سے میری واپسی کا منتظر رہا پھر چلتی موٹر سائیکل سے مجھ پر ایک بے آواز فائر کر کے فرار ہو گیا، وہ تو میرے ستارے ہی اچھے تھے کہ کار کی رفتار میں اچانک اضافے کے باعث

اس کی چلائی ہوئی گولی میری کھوپڑی کے بجائے عقبی کھڑکی کے شیشے کے ٹکڑے اُڑا سکی تھی۔

سگریٹ کے چند گہرے کش لے کر میں نے کار آگے بڑھا دی۔

اس وقت شہر میں قاسم کے سوا کوئی میرا ایسا دشمن نہیں تھا جو میرے لہو کا پیاسا ہوتا اور اس کے جنون کے واضح اسباب موجود تھے۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ پہلے میں اس کا محکوم تھا پھر اسے ٹو کی عنایت سے حاکم بنا دیا گیا۔ دوسرا سبب رخشی کی ذات تھی۔ وہ قاسم کی دوست اور اسے ٹو کی ایجنٹ تھی پہلے اسے مخبری کے لیے سکندر علی کے پیچھے لگایا گیا۔ پھر جب مجھے بی فور کا منصب ملا تو اس نے مجھ پر ڈورے ڈالنے چاہے۔ وہ مجھے نہیں پہچان سکی لیکن میں نقاب پوش کے روپ میں اسے سکندر علی کے مکان میں ہر زاویے سے بخوبی دیکھ چکا تھا۔ مجھے پھانسنے کے لیے وہ خود میرے دام میں آ پھنسی اور جب اس کی بہکی بہکی کہانی میں نے اسے ٹو تک پہنچائی تو اس نے بلا تامل رخشی کے قتل کا سنگدلانہ فیصلہ صادر کیا جسے پایۂ تکمیل کو پہنچانا قاسم ہی کے فرائض میں داخل تھا اور قاسم کو مجبور ہو کر رخشی کو روپوش کرنا پڑا۔

وہیں سے میری اور اس کی ٹھنی تھی۔ بظاہر ہم دونوں تنظیم کے اہم اراکین تھے اور فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں ایک دوسرے سے تعاون کر رہے تھے لیکن ایک دوسرے پر وار بھی کرتے جا رہے تھے اور مجبوری یہ آ پڑی تھی کہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوتے بھی کسی ایک کو دوسرے کی چیرہ دستیوں کا شکوہ تو کجا اعتراف بھی کرنے کی جرأت نہیں تھی۔

میری دانست میں کچھ بعید نہ تھا اگر حملہ آور قاسم خود ہی ثابت ہوتا۔

گھر پہنچتے ہی چوکیدار سے خبر ملی کہ ڈرائنگ روم میں کوئی مہمان منتظر تھا جب کہ سلطان شاہ کافی دیر پہلے واپس آکر مہمان کی وجہ سے خوابگاہ میں جا گھسا تھا۔ پورچ سے ذرا آگے ایک نامانوس سی کار بھی موجود تھی۔

مہمان کے امکانی حدود اربعہ کے بارے میں سوچتے ہوئے کار پارک کر کے میں نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تو قاسم کی صورت دیکھ کر وہیں ٹھٹک گیا۔

"یہاں کیوں آئے ہو؟" میں نے وہیں کھڑے کھڑے سرد اور سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"فرائض کی انجام دہی نے مجبور کیا ہے۔" وہ خبیثانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "وہاں کیوں رک گئے، اندر چلے آؤ، تمہارا ہی گھر ہے یہ۔"

"میرا خیال تھا کہ میں تمہیں کچل آیا ہوں۔" میں نے آگے بڑھتے ہوئے اندھیرے میں تیر پھینکا۔

"کب کی بات ہے؟" اس کا لہجہ مضحکانہ تھا۔

"پندرہ بیس منٹ پہلے کی بات ہے۔" میں اس کے مقابل صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اور میں ڈیڑھ گھنٹے سے یہاں تمہارا منتظر ہوں، چاہو تو اپنے چوکیدار سے تصدیق کر سکتے ہو، ویسے کس بدنصیب کو کچل آئے ہو میرے دھوکے میں؟ مجھ سے اچانک کیا پرخاش ہو گئی تمہیں؟"

"ایک دوست کے گھر سے لوٹتے ہوئے کسی موٹر سائیکل سوار نے مجھ پر ناکام قاتلانہ حملہ کیا تھا۔" میں نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کی گولی خطا ہو گئی لیکن میں نے موٹر سائیکل سمیت اسے کار کے نیچے کچل دیا۔"

اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا لیکن اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا اور پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اتنے بدگمان کیوں ہو میری طرف سے، میری تم سے کون سی دشمنی ہے جو تم پر قاتلانہ حملہ کرتا۔"

"زمین کا دور لد گیا اب تو زن اور زر کے دو ہی بہانے رہ گئے ہیں۔ زر یا زن۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"پیسے کی نہ تمہیں کمی ہے نہ مجھے۔" وہ بولا۔ پھر عورت سے کیا مراد ہے تمہاری؟"

"کسی اور سے نہ پوچھ لینا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "عورت عورت ہوتی ہے، چاہے تم اسے کچھ بھی نام دے لو، رخشی کا کچھ پتا چلا؟"

"نہیں... اوہ سمجھا۔" وہ چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا۔ "کہیں تم مجھے اور رخشی کو ایک ہی کشتی کا مسافر تو نہیں سمجھ رہے ہو؟"

"میرے سمجھنے یا نہ سمجھنے سے حقائق تو نہیں بدل سکتے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ وہ خاموش ہی رہا۔

"وہ حملہ آور کون ہو سکتا ہے؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے سوال کیا۔

"ہو گا کوئی۔ اسے جہنم میں ڈالو۔" میں نے اس کے تجسس کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ کس فرض کی انجام دہی نے تمہیں یہاں آنے پر مجبور کیا ہے؟"

"تم دو روز سے کہاں تھے؟"

"سوال نہیں۔" میں نے سخت اور کھردرے لہجے میں کہا۔

"مجھے جواب چاہیے۔"

"میں تم سے نیچے ضرور ہوں لیکن سلامتی کے معاملات میں خود مختار ہوں۔ کل رات لے ٹو کو بھی تمہاری تلاش تھی۔۔"

"اسے میں خود جواب دے لوں گا، میری روپوشی کا تعلق بھی سلامتی کے معاملات سے ہی تھا جس کے بارے میں میں تمہیں آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔"

"بہرحال اب تمہاری راتیں اپنے گھر پر ہی گزریں گی۔۔ یہ میرا نہیں اوپر والے کا حکم ہے۔"

"تاکہ اگلا قاتلانہ حملہ کامیاب ہو سکے۔" میں نے زہر خند کے ساتھ کہا۔

"تم حد سے بڑھ رہے ہو۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا "میری تم سے کون سی دشمنی ہے؟"

"پتا نہیں۔" میں نے بے پروائی سے شانے اچکا کر کہا۔ "دلچسپ بات یہ ہے کہ مجھے جہانگیر کے گھر سے نکلنے کے بعد مارنے کی کوشش کی گئی تھی۔ تم کو میرے اور جہانگیر کے مراسم کا شاید پہلے سے علم ہے کیونکہ میری تلاش میں تم براہِ راست اس سے رجوع کرنے کی حماقت کا ارتکاب بھی کر بیٹھے ہو۔"

"اسی لیے تم مجھ پر شبہ کر رہے ہو؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ اپنے انداز سے وہ موضوع کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ "تمہیں مار کر بھلا مجھے کیا حاصل ہوگا؟"

"سوال تو معقول ہے۔" میں نے سر ہلا کر طنزیہ لہجے میں کہا "تم چاہتے تو میری کار کی ڈکی میں ٹائم بم بھی رکھوا سکتے تھے۔"

وہ بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا کیونکہ وہ میری کار کی ڈکی میں بم رکھوا چکا تھا۔ پھر رخشی نے ہمدرد بن کر فون پر مجھے انتباہ کیا تو میں نے بر وقت بم سے چھٹکارا حاصل کیا لیکن میں نے اس پورے واقعے کے سلسلے میں قاسم کو ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔ اس نے رخشی کے ذریعہ کئی کوششیں کی تھیں اور اس فراق میں تھا کہ میں اس سے اشارۃً بھی رخشی کے خطرے کا ذکر کروں تو وہ میرے کسی اور گروہ کی نگاہوں میں آجانے کا یقین دلا کر اسے ٹو سے میرے خاتمے کی ہدایت حاصل کر سکے۔ اس طرح وہ بآسانی مجھے اپنے اشاروں پر نچا سکتا تھا۔

ہم دونوں میں شدید سرد جنگ جاری تھی، دونوں ایک دوسرے کے حربوں سے واقف تھے لیکن کھل کر بات نہیں ہو رہی تھی۔

"اس دھمکی کا کیا ہوا جو کسی نے تمہارے گھر کو تباہ کرنے کے بارے میں دی تھی؟" میں نے اسے ذہنی کچوکا لگانے کی نیت سے وہ چبھتا ہوا سوال کیا۔

"کچھ کر گزرنے والے دھمکیاں نہیں دیتے۔" وہ فخریہ لہجے میں بولا۔ "ابھی تک تو کوئی نہیں آیا اور آیا تو زندہ لوٹ کر نہیں جا سکے گا، میں نے پورا انتظام کر لیا ہے۔"

میں اس کے جھوٹ پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔

"تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ میری تلاش میں تم اس قدر بے چین کیوں تھے؟"

"اس وقت حالات خراب ہیں، اپنے آدمی نگاہوں میں رہیں تو اچھا رہتا ہے، کل رات لے ٹو نے فون کیا تھا، اب ہم اس سے رابطہ قائم نہ کر سکیں گے کسی مجبوری کی وجہ سے لاہور کا نمبر ترک کر دیا گیا ہے ضرورت پڑنے پر وہ خود ہی رجوع کرے گا۔"

"اسی لیے راتیں گھر پر گزارنے کا مشورہ دے رہے تھے۔"

"ہاں۔" وہ چند لمحے کے لیے خاموش ہوا، اپنی رسٹ واچ پر اچٹتی سی نگاہ ڈالی پھر بولا۔ "ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ تم اپنے تعاقب کی کسی کوشش کو برداشت کیوں نہیں کر پاتے۔"

"اپنی آزادی پر ڈاکا کوئی بھی برداشت نہیں کرے گا۔" میں نے کہا۔ "جب بھی کوئی نگاہوں میں آگیا۔ تو احتجاج کروں گا۔ حفاظت کے لیے ساتھ رہنا اور بات ہے چوروں کی طرح چھپ کر تعاقب کرنا ذلیل حرکت ہے۔"

"دو روز پہلے میرے ایک آدمی کے ساتھ تم نے بہت برا سلوک کیا تھا، وہ ابھی تک اسپتال میں ہے، تمہارا آدمی ہجوم کو اکسا کر سرک گیا تھا اور لوگ اس وقت تک اسے مارتے رہے جب تک اس نے بے ہوشی کی اداکاری شروع نہیں کی۔"

"تم حکم بھی دو گے تو اب کم از کم وہ میرا پیچھا نہیں کرے گا۔"

معاً فون کی گھنٹی بجی، قاسم کی آنکھوں میں چمک سی کوند گئی۔

میں نے ڈرائنگ روم والے ایکسٹینشن کا ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تو دوسری طرف کی آواز سن کر میرے حلق سے ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔

"کہاں بھاگے پھر رہے ہو تم؟ میں نے تو کنوؤں میں بانس ڈلوا دیے ہیں تمہارے لیے۔" وہ آواز واضح طور پر رخشی کی تھی۔

"کیا کام پڑ گیا تھا؟" میں نے کنکھیوں سے قاسم کی طرف دیکھا وہ میری ہی طرف متوجہ تھا۔

"تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

"ابھی کر ڈالو۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا تاکہ قاسم میری

پوری بات نہ سن سکے۔

"کہیں مل لو نا۔" وہ شاید ٹھنک کر بولی تھی۔ "ابھی یا کل کسی وقت، جب تمہیں سہولت ہو۔"

"کل وقت دے دوں گا، اپنا نمبر بتا دو۔"

"ہائے۔" ریسیور پر اس کے گہرے سانس کی آواز ابھری۔ "اپنا تو نمبر ہی نہیں ہے کوئی۔ پبلک بوتھ سے بول رہی ہوں۔ ساتھی بنا لو تاکہ کم از کم تمہارے ہی نمبر کو اپنا کہہ سکوں۔"

"اور تمہارا وہ متعصب دوست کہاں جاتے گا؟" میں نے براہِ راست قاسم کی طرف گھوم کر دھیمی آواز میں کہا۔ وہ میری گفتگو کے بارے میں بے حد متجسس تھا لیکن مجھ سے نگاہیں چار کرنے کے بجائے ایک پینٹنگ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"میں اس سے اُکتا گئی ہوں، پھر بتاؤ کہاں مل رہے ہو؟"

"کل شام فریئر ہال کے نکڑ پر انتظار کروں گا... چھ اور سوا چھ کے درمیان۔" میں نے پیچھا چھڑانے کی نیت سے کہا ورنہ، درحقیقت میرا اس سے ملنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

سلسلہ منقطع ہوگیا۔ عورت دنیا کے کسی بھی خطے سے تعلق رکھتی ہو، مرد پر جال ڈالنے کے لیے وہی پتھر کے دور کے پرانے ہتھیار آزماتی ہے جو گندہ ہونے کے باوجود بہت کم ناکام ہوتے ہیں مگر میں تو اس کے سائے سے بھی دُور رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"بڑے خوش ہو کس کا فون تھا؟" قاسم نے بلاوجہ ہی بات چھیڑی۔

"ایک گل رنگ اور فیاض لڑکی کا فون تھا، سراپا دعوت بنی ہوئی تھی۔" میں نے اس کی دلچسپی بھانپ کر چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے نہیں ملتی کوئی ایسی... آج کل تو چاہت بھی کمرشل ہو کر رہ گئی ہے۔"

"کل شام چھ بجے فریئر ہال کے نکڑ پر مل لینا اس سے۔ فون کا عشق ہے، میری صورت سے ابھی تک ناآشنا ہے۔"

"نام کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔ مجھے یقین تھا کہ رخشی نے اسی کے ایما پر ایسے مقررہ وقت پر فون کیا تھا جب وہ میرے پاس موجود تھا اور اب وہ میری زبان سے رخشی کا نام سننے کا منتظر تھا لیکن میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔

"عورت کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے خود ہی کہا تھا۔"

وہ بے بسی سے میری طرف دیکھتا رہا پھر گہرا سانس لے کر بولا۔ "میں تم سے کچھ ذاتی باتیں کرنا چاہتا ہوں، میں نے تمہیں اور تم نے مجھے سمجھ لیا ہے، ہمیں برابری سے بات کرنا ہوگی۔"

"ہماری جو بھی گفتگو ہوگی، تنظیم کے حوالے سے اور اس کے دائرۂ کار میں ہوگی... رہی برابری تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم ہر حال میں مجھ سے جونیئر ہی رہو گے۔"

"سوچ لینا۔" وہ اُٹھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولا۔ "اگر ہم ایک دوسرے کے کام نہ آئے تو اپنے بھی کسی مصرف کے نہ رہیں گے۔" میں اس کے ہمراہ باہر آیا۔ اپنی کار کی طرف جاتے ہوئے اس نے روشنی میں میری کار کی عقبی کھڑکی کا ٹوٹا ہوا شیشہ دیکھا تو بے اختیار اسی طرف بڑھتا چلا گیا۔ "تم پر تو واقعی حملہ ہوا ہے۔" اس کا لہجہ تحیر آمیز تھا۔

"مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں سمجھا تم مذاق کر رہے ہو۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ بولا۔

"مجھے اب بھی یقین ہے کہ وہ تمہارا ہی آدمی تھا۔" میں نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا۔ "پہلے تو میں اسے واقعی قاتلانہ حملہ سمجھا تھا لیکن تم سے گفتگو کے بعد اندازہ ہو رہا ہے کہ اس نے دانستہ عقبی کھڑکی پر فائر کیا تھا۔ اس کا مقصد صرف مجھے خوف زدہ کرنا تھا تاکہ میں تمہاری برتری تسلیم کر لوں۔"

"وہ اس گروہ کا کارندہ بھی ہو سکتا ہے جس سے رخشی جا ملی ہے۔"

"اس ڈھونگ میں کچھ نہیں رکھا قاسم۔" اچانک ہی میں نے بات کھول دینے کا فیصلہ کر لیا۔ "میں دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں جسے تم من مانی پٹیاں پڑھا سکو، تم مجھ پر سرِ راہ فائر کروا سکتے ہو تو میرے ادنیٰ کارکن تمہارے گھر میں گھس کر تباہی بھی پھیلا سکتے ہیں، میں تشدد کا قائل نہیں ہوں۔ ورنہ تمہیں کب کا معذور کرا چکا ہوتا۔"

میرا لب و لہجہ اسے پسند نہیں آیا اور وہ ایک جھٹکے سے اپنی کار کا دروازہ کھول کر اندر جا بیٹھا۔

اس کی گاڑی پھاٹک سے نکل جانے کے بعد میں اندر گھسا تو سلطان شاہ پر نظر پڑی۔

"خون کھول رہا تھا میرا اس مکار کی باتوں پر۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔ "میں راہداری میں چھپا ساری باتیں سن رہا تھا۔ میں نے آتے ہی اس کی ایک جھلک دیکھ کر اسے پہچان لیا تھا اسی لیے اس کے سامنے نہیں آیا، تمہارے آنے سے پہلے اس نے تین مرتبہ کسی کو فون کیا تھا اور دبی دبی آواز میں گفتگو کرتا رہا تھا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں اب اس قصے کو نمٹا ہی دوں گا۔" میں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تمہاری مہم کا کیا رہا؟"

"میں نے اس کا کام تمام کر دیا۔" وہ سرسری لہجے میں بولا۔

"مقرب خان کے بھانجے کو اس نے مار ڈالا تھا، اس کی گردن ٹوٹی ہوئی لاش کارساز روڈ پر کھڑی ہوئی ٹیکسی میں پڑی ہوئی ملی ہے۔ جب وہ بے چارہ ہمارے پیچھے آنے کے بجائے اسے سیدھا لے گیا تو شاید وہ اسے بھی ہمارا ساتھی سمجھا ہوگا۔ خیر میں نے بھی انتقام لے ہی لیا۔"

"وہ کہاں مل گیا تھا تمہیں؟" میں نے پوچھا۔

"شام کو وہ ہوٹل پہنچا تھا، شاید مسز مراد سے ملنے آیا تھا لیکن میں نے اس تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کا کام تمام کر دیا۔ اس نے مقرب خان کے بھانجے کی گردن توڑی تھی میں نے اس کے دل میں چاقو کا پھل اتار دیا۔"

"کہاں پیش آیا یہ واقعہ؟"

"ہوٹل کے احاطے میں ہی موقع مل گیا تھا۔ پہلے ہی وار میں کام تمام ہو گیا، اسے چیخنے کی مہلت بھی نہ مل سکی۔"

"یہ بُرا ہوا۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "اسے ہوٹل سے دور ہانک کر مارتے تو بہتر ہوتا۔ لاش ہوٹل میں دریافت ہوگی لہٰذا عملے سے لے کر وہاں مقیم مسافروں تک کو شناخت کے لیے طلب کیا جائے گا۔ مسز مراد اسے دیکھ کر اپنے ردِعمل پر قابو نہیں پا سکے گی اور پولیس کی بے رحمانہ بازپرس کی زد میں آجائے گی۔"

"ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔" وہ پیشانی پر ہاتھ مار کر بڑبڑایا۔ "سب کچھ کر سکتا ہوں لیکن جب دماغ پر خون سوار ہو جاتا ہے تو عقل باریکیوں کو نظر انداز کرتی چلی جاتی ہے۔" پھر چونک کر بولا۔ "ہاں وہ تم پر حملے کا کیا چکر تھا؟"

"چلتی موٹر سائیکل سے بے آواز فائر کیا گیا تھا، پچھلی کھڑکی کا شیشہ برباد ہو گیا۔"

"کیا وہ واقعی اسی قاسم کا آدمی تھا؟" اس نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

"اسے بھول جاؤ، ایک طرف غزالہ کی تصویر کا معاملہ ہے، دوسری طرف لاہور کے معاملات ہیں، تیسرا محاذ قاسم کے خلاف کھلا ہوا ہے۔ موجودہ حالات میں ہم اتنے خطرات مول نہیں لے سکتے، قاسم کا معاملہ شاید آج نمٹ ہی جاتے۔"

"کچھ کر گزرنے کا ارادہ ہے؟" اس نے ٹٹولنے والے لہجے میں سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ آج لئے ٹو کا فون ضرور آئے گا... مجھے اس سے دو ٹوک بات کرنی ہوگی۔" میرے ذہن میں ایک واضح منصوبہ ترتیب پا رہا تھا۔

"یہ تو تم کر ہی لو گے لیکن مجھے رہ رہ کر مسز مراد کا خیال آ رہا ہے۔ وہ اپنے بے ساختہ ردِعمل کی بنا پر ضرور پولیس کی نگاہوں میں آجائے گی، اس کا بیان ہمارے حق میں زہر ثابت ہو سکتا ہے۔"

"جو ہو گیا، سو ہو گیا۔ اب اسے بھول جاؤ، وقت پڑنے پر دیکھی جائے گی۔"

◆◆◆

سلطان شاہ بہت زندہ دل اور یار باش آدمی تھا۔ ابتدا میں اجنبیت کے باعث وہ بہت کم بولتا تھا اور بولتا بھی تھا تو محتاط رہتا تھا لیکن اس رات تو اس نے قصے اور لطیفے سنا سنا کر مجھے بے حال کر دیا۔ میں کھانے کے بعد شراب نوشی کے شغل میں مصروف ہو گیا اور اس نے اداکاری اور صوتی تاثرات کے ساتھ اپنی زندگی کے عجیب و غریب تجربات سنانے شروع کر دیے۔

آہستہ آہستہ گفتگو بے تکلفانہ ہوتی چلی گئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس کی یادداشت لطیفوں سے بھی مالامال تھی۔

سفر اور مسلسل بھاگ دوڑ کے باعث میرے ذہن میں آرام کی خواہش ضرور موجود تھی لیکن میں کم از کم دو ڈھائی بجے تک ضرور جاگتے رہنا چاہ رہا تھا تاکہ لئے ٹو کی طرف سے فون آئے تو میں حاضر دماغی کے ساتھ گفتگو کر سکوں۔ اسی وجہ سے میں نے خوابگاہ میں جانے کے بجائے ڈرائنگ روم میں نشست جما رکھی تھی اور ملازمین کو سونے کی اجازت دے دی تھی۔

لاہور میں اس عمارت کی تباہی کے بعد لئے ٹو سے رابطہ ٹوٹ چکا تھا اور مجھے قوی امید تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں نئے انتظامات سے آگاہ کرنے کے لیے وہ ضرور فون کرے گا۔

آتش زنی کا واقعہ لاہور کے مقامی اخبارات میں تو آ گیا تھا لیکن رات گئے ہونے والی اس واردات کی خبر کراچی کے اخبارات میں جگہ نہیں پا سکی تھی۔ امکان یہی تھا کہ اگلی صبح کے اخبارات میں اس واقعے کی تفصیلی رپورٹنگ شائع ہوگی۔

ہم دونوں انتظار کی کیفیت کو بھلانے کے لیے باتوں میں مصروف تھے کہ ایک بج کر دس منٹ پر اچانک فون کی گھنٹی کسی خوفزدہ آسیب کی طرح چیخ پڑی اور میں نے جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو؟" دوسری جانب سے جانی پہچانی سرد اور سپاٹ آواز سنائی دی۔

"یس سر!" میں فوراً ہی مؤدب ہو گیا۔ میرے لہجے سے

سلطان شاہ کال کی نوعیت سمجھ گیا اور اس کے چہرے سے دبے دبے جوش کا اظہار ہونے لگا۔

"تم دو روز سے کہاں تھے؟" ریسیور پر اسے ٹو کی سرد اور کاٹ دار آواز کانوں کے راستے دماغ تک اترتی چلی گئی۔

"میں اہم کاموں میں مصروف تھا سر۔" اس نادیدہ شخص کی آواز سنتے ہی میرے وجود پر ہلکا سا لاشعوری خوف طاری ہو جاتا تھا جسے میں کوشش کے باوجود ذہن سے جھٹکنے میں کامیاب نہیں ہو پاتا تھا۔

"بکومت۔" وہ درندگی کے ساتھ غرایا۔ "مجھے تمہاری مصروفیات کی تفصیل درکار ہے، بسی دن تمہیں پورے شہر میں کہیں بھی تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا، کہاں تھے تم؟"

"میرا بیشتر وقت اسی کے پیچھے گزرا ہے سر۔"

"کیا؟" وہ بے یقینی کے عالم میں دہاڑا تھا۔

"اس کی مصروفیات کچھ عرصے سے مشکوک ہو...."

"پس منظر نہیں، میں تمہارے اخذ کیے ہوئے نتائج سننا چاہتا ہوں۔"

"رخشی نامی لڑکی کو قاسم نے گلشن اقبال کے ایک مکان میں چھپایا ہوا ہے اور ہر روز چوری چھپے اس سے ملنے جاتا ہے۔" میں نے مختصر ترین الفاظ میں وہ انکشاف کر ڈالا جسے سن کر اسے ٹو کو میری غیر حاضری فراموش کر دینی چاہیے تھی۔

اور ہوا بھی یہی، میرے خاموش ہونے کے بعد چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھا گیا پھر اس کی آواز ابھری۔

"بدترین خبر سنائی ہے تم نے۔ لڑکی کا فیصلہ صادر ہو چکا تھا مگر قاسم بتا رہا تھا کہ لڑکی روپوش ہو گئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ غداری پر تل گیا ہے۔ کہاں رکھا ہے اس نے لڑکی کو؟" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرا انکشاف سن کر اسے صدمہ ہوا تھا۔

میں نے گلشن اقبال کا وہ پتا دہرا دیا جو میں سلطان شاہ سے سن کر ذہن نشین کر چکا تھا۔

"لیکن تم اس کے پیچھے کیسے لگے؟"

"میں نے ایک بار قاسم کی کار میں لڑکی کی جھلک دیکھی تھی مجھے معلوم تھا کہ اس کا فیصلہ ہو چکا ہے مگر وہ زندہ تھی، دوسری طرف قاسم مجھ سے بھی مطمئن نہیں تھا۔ وقتاً فوقتاً اس کے آدمی میرے پیچھے لگے رہتے تھے لہٰذا ایک موقع پر اس کے آدمی کو الجھا کر میں نے روپوشی اختیار کر لی۔ کل رات میں نے آپ کو رپورٹ دینی چاہی لیکن فون پر سلسلہ نہ مل سکا۔"

"ہاں وہ نمبر اب ترک کر دیا گیا ہے، میں روز خود ہی فون کروں گا۔" وہ بولا۔ "اور کیا معلوم ہوا قاسم کے بارے میں؟"

"میں اس کے کارندوں سے لاعلم ہوں، اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتا ویسے وہ مشتبہ لوگوں سے ملتا رہا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے ہی آدمی رہے ہوں۔"

"تم بہت اچھے جا رہے ہو، قاسم میری لسٹ پر آ گیا ہے مگر فی الحال میں اسے ڈھیل دوں گا۔ میں ابھی اسے رخشی کی کمین گاہ کے پتے سے آگاہ کرتا ہوں، تمہیں اس پر نگاہ رکھنا ہو گی کہ اطلاع ملنے پر وہ کیا کرتا ہے۔"

"بہتر جناب! میں آنکھیں کھلی رکھوں گا۔"

"تمہیں یقین ہے کہ قاسم اس دوران میں کراچی ہی میں رہا ہے؟"

"یس سر! بالکل اسی طرح جیسے میں اپنے بارے میں پر یقین ہوں۔"

"لاہور میں کچھ مشتبہ لوگ نگاہوں میں آئے تھے۔" وہ موضوع چھیڑتے ہی میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ "ان میں سے ایک لڑکی کی تصویر لی گئی تھی، اس کی نقل تمہیں ڈاک سے بھیج دی گئی ہے، قاسم کو اس کی ہوا نہ لگنے دینا۔ اس لڑکی نے شاید کراچی کا رخ کیا ہے، اس کے ساتھ ایک مرد بھی تھا۔ لاہور سے ایک پرواز پر میرے دو آدمی اس برقع پوش مشتبہ لڑکی کے پیچھے لگے تھے لیکن برقع کی آڑ میں چھپے ہوئے چہرے کو بے نقاب کرنے سے پہلے اس کا سراغ کھو بیٹھے۔ آدمی نے جس ٹیکسی میں تعاقب کا آغاز کیا اس کا ڈرائیور بھی ان دونوں کا ساتھی تھا۔ تم چاہو تو ان دونوں سے مل سکتے ہو فالکن ہوٹل کے کمرہ نمبر اکیس میں مسز مراد ٹھہری ہے تم اس سے بڑ فلاتی کے کوڈ سے بلا تکلف گفتگو شروع کر سکتے ہو، وہی تمہیں کرامت سے ملوا سکے گی۔ وہ میرا بہت کارآمد آدمی ہے اس کے پاس بھی لڑکی کی تصویر موجود ہے۔ مسز مراد نے لڑکی کو بچشم خود دیکھا ہوا ہے۔"

"اوکے سر۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا پھر ایک سوال کی ہمت کر ہی ڈالی۔ "کیا یہ ضروری ہے کہ جس برقع پوش لڑکی کا کراچی تک پیچھا کیا گیا، وہی ہماری مطلوبہ لڑکی ہو۔"

"تعریف سے شاید کہر جم گئی ہے تمہاری کھوپڑی پر۔" ریسیور پر اس کی غصیلی آواز ابھری۔ "حالات واضح طور پر اسی سمت میں نشاندہی کر رہے ہیں۔ کرامت نے اپنے ٹیکسی ڈرائیور کو قابو کر لیا تھا لیکن اس کی زبان کھلوانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"میں پوری کراچی چھان ماروں گا سر۔" میرے لہجے میں منافقت

کاشائبہ تک نہیں تھا۔

"اگر قاسم نے خود ہی رخشی کو چھپا کر اس کی روپوشی کا ڈھونگ رچایا ہوا ہے تو شاید وہ بدنیتی کا شکار ہو گیا ہے۔ مجھے موہوم سا شبہ ہونے لگا ہے کہ کہیں وہ لڑکی اور اس کا ساتھی قاسم ہی کا فرستادہ نہ ہو۔ اسے بھنک مل گئی کہ میرے آدمیوں نے ان کے کراچی پہنچنے کا سراغ لگا لیا ہے تو وہ تلاش کی مہم کو کبھی کامیاب نہ ہونے دے گا۔"

میرا دل خوشیوں سے بلیوں اچھلنے لگا۔ ایک تیر سے نہایت خوبصورتی کے ساتھ دو شکار ہو گئے تھے۔ ایک طرف میری غیر حاضری کی جواب دہی کا مسئلہ حل ہو گیا تھا اور دوسری طرف لاہور کے واقعات کے بارے میں اے ٹو کے شکوک و شبہات کا رخ قاسم کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ اس جوڑ توڑ میں سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ غزالہ کی تصویر صرف میرے حوالے کی جا رہی تھی۔ قاسم کو اس معاملے سے بالکل الگ کر دیا گیا تھا لیکن مجھے حیرت تھی کہ سب کچھ سن لینے کے باوجود اے ٹو نے قاسم کے خلاف کوئی سزا تجویز نہیں کی تھی۔

"لاہور کے معاملات میں خاصی گڑبڑ ہوتی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اگر ان واقعات کی پشت پر قاسم ہی کا ہاتھ کارفرما ہے تو میں دیکھنا چاہوں گا کہ اس کے عزائم کیا ہیں۔ بازار کی صورت حال کیا ہے؟"

میں نے جہانگیر سے سنے ہوئے حالات من و عن دہرا دیے۔

"وہاں آج پہنچ چکا ہو گا یا رات میں کسی وقت پہنچ جائے گا، تمہیں اس میں دخل اندازی کی ضرورت نہیں، یہ شعبہ فی الحال قاسم ہی کی تحویل میں رہنے دو۔"

"بہتر جناب۔"

"سلسلہ منقطع ہونے کے بعد تمہارے پاس صرف دس منٹ ہوں گے اس کے بعد میں قاسم کو فون کروں گا۔" یہ کہہ کر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور میں نے اچھل کر سلطان شاہ کو گلے سے لگا لیا۔

"کیا ہوا؟ کیا ہو گیا؟" اس نے بوکھلا کر سنبھلتے ہوئے سوال کیا۔

میں نے مختصر الفاظ میں اے ٹو سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سنا دیا۔

"دیکھا جائے تو ایک ہی قلابازی نے سارے مسائل سلجھا دیے۔" وہ بولا۔ "بلکہ اس کی نگاہوں میں تمہارا مقام بڑھ گیا۔"

"تمہارے ہاتھوں مرنے والے کا نام کرامت تھا، مجھے اس سے ملنے کا مشورہ بھی دیا گیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ نصیر خان جھوٹا تھا، اے ٹو ہر معاملے میں اور ہر جگہ موجود ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اے ٹو ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے معاملات کسی تیسرے شخص کی معرفت چلا رہا ہو اس طرح وہ خود پس پردہ رہ کر بھی ہر بات سے باخبر رہ سکتا ہے۔"

"مسز مراد اسی دفتر میں کام کرتی ہے۔۔۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہیں یاد نہیں کہ نصیر خان کے حوالے پر وہ ڈر گئی تھی۔ نصیر خان کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ مسز مراد کو وہی تیسرا شخص یا اس کا کوئی گرگا بلیک میل کر رہا ہو گا۔"

"وہ بے چارہ مفت میں مارا گیا۔" وہ منہ بنا کر اداس لہجے میں بولا۔

"کون؟" میں نے اسے اپنے ہمراہ خواب گاہ کی طرف لے جاتے ہوئے سوال کیا۔

"مقرب خان کا بھانجا۔"

"کرامت تمہارے ہاتھوں مرنے سے پہلے اے ٹو کو پوری رپورٹ دے چکا تھا۔ اس نے ابھی ڈرائیور کے زیر ہو جانے کا ذکر تو کیا تھا لیکن یہ نہیں بتایا کہ زبان کھلوانے میں ناکام ہو کر کرامت نے اس کی گردن توڑ دی تھی۔"

"پھر اب کدھر جا رہے ہو تم؟" مجھے تیار ہوتے دیکھ کر اس نے سوال کیا۔

"حکم کی تعمیل۔" میں نے داہنی آنکھ دبا کر کہا۔ "جب قاسم، اے ٹو کی زبانی رخشی کے خفیہ ٹھکانے کا پتا سنے گا تو اس کی حالت قابل دید ہو گی۔"

"تم کہاں جا رہے ہو۔ میں بھی دیکھے لیتا ہوں اسے۔"

"اسے تم ہی دیکھو گے۔" میں نے جوتے پہنتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اس کے مکان کے قریب اتار کر میں گلشن اقبال چلا جاؤں گا، وہاں رخشی کو بھی دیکھنا پڑے گا، ایسا نہ ہو کہ قاسم فون ہی پر اسے خطرے سے آگاہ کر دے۔"

"خوب تو تم قاسم کے آنے تک اسے وہاں روکے رکھو گے اور میں قاسم کے تعاقب میں تم سے وہاں آملوں گا۔"

"ابھی سب قیاسات ہیں، ہو سکتا ہے کہ قاسم اے ٹو سے پتا ملتے ہی خوفزدہ ہو جائے اور اپنے ہاتھوں اپنی دوست کو ہلاک کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔"

وہ مزید بحث کیے بغیر پھرتی کے ساتھ تیار ہو کر میرے ہمراہ باہر آ گیا۔

"اسی زخمی کار میں چلو گے؟" اس نے عقبی کھڑکی کے

ٹوٹے ہوئے شیشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"یہ تمہارے ہی پاس چھوڑ دوں گا ورنہ اس کا تعاقب نہیں کر سکو گے، ذرا رخشی کے مکان کا محلِ وقوع سمجھا دو تو میں ٹیکسی سے وہاں پہنچ جاؤں گا۔" میں نے پروگرام میں تبدیلی کرتے ہوئے کہا۔

اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور مجھے رخشی کے مکان کا پتا سمجھانے لگا۔

گھر سے نکلنے سے قبل ہم دونوں ہتھیار لینا نہیں بھولے تھے۔

☼

راستے میں سلطان شاہ نے مجھے ایک ایسی جگہ اُتار دیا، جہاں سے مجھے آسانی کے ساتھ ٹیکسی مل سکتی تھی اور خود آگے بڑھتا چلا گیا۔

میں نے ٹیکسی سمیت گلیوں میں بھٹکنے کے بجائے راشد منہاس روڈ پر شادی ہال کے قریب ٹیکسی چھوڑ دی اور تھوڑی دیر تک گلیوں میں بھٹکنے کے بعد مطلوبہ پتے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

مطلوبہ مکان چار سو مربع گز کی تعمیرات کے علاقے میں واقع تھا۔ میں سلطان شاہ سے سن چکا تھا کہ اس محلے کے لوگ اپنی آبادی میں اس غیر آباد مکان کی طرف سے تشویش میں مبتلا رہتے تھے اور کئی بار قاسم سے اس مکان کو آباد کرنے کے مسئلے پر ناکام گفتگو بھی کر چکے تھے لہٰذا رخشی جیسی خوبرو لیکن تنہا لڑکی کے آباد ہونے سے ان کے شکوک میں اضافہ ہونا لازمی امر تھا۔

ان حالات میں اگر میں خاموشی سے مکان میں داخل ہونے کی کوشش کرتا اور اہلِ محلہ میں سے کسی کی نگاہ پڑ جاتی تو غیر ضروری طور پر ایک ہنگامہ کھڑا ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے مکان میں داخلے کے لیے باقاعدہ طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اطلاعی گھنٹی کا بٹن بجانے سے پہلے پھاٹک اور ذیلی کھڑکی پر دباؤ ڈال کر آزمایا تو دونوں ہی راستے اندر سے بند تھے۔ میں نے اطلاعی گھنٹی بجائی اور جواب میں کسی کے نمودار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

چند ثانیوں تک انتظار کے بعد میں نے دوبارہ پش بٹن پر انگلی رکھ دی۔ اس بار میں نے اندر سے گھنٹی کی آواز کی بازگشت بھی سننا چاہی لیکن ناکام رہا۔ معلوم ہوتا تھا کہ پش بٹن کو بجلی کی فراہمی منقطع کر دی گئی تھی۔

آہنی پھاٹک بجانے کا ردِ عمل حوصلہ افزا رہا۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد پھاٹک کے پیچھے پختہ فرش پر آہٹ سنائی دی۔ اسی کے ساتھ آواز اُبھری۔ "کون ہے؟"

"دروازہ کھولو۔" رخشی کی آواز پہچان کر میں نے بھدی آواز میں کہا۔

ذیلی کھڑکی کھلی اور گیٹ لیمپس کی روشنی میں غیر متوقع طور پر مجھے اپنے روبرو دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ "تم.... تم یہاں کیسے؟" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی تھی۔

"آ ہی گیا ہوں تو کیا اندر بھی نہ بلاؤ گی؟" میں نے تنقیدی کرتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا اور اس نے سمجھ لیا کہ مجھے باہر روکنے کی کوشش بے سود ثابت ہو گی۔

اس نے میرے لیے راستہ چھوڑ دیا، میں نے اندر داخل ہو کر پھاٹک بند کر دیا۔ اس کی طرف مڑا تو وہ عمارت کی طرف میری رہنمائی کے بجائے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے وہیں کھڑی تھی اور تشویش زدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"کیوں گھور رہی ہو؟" میں نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔ "میری بے بسی سے لطف اندوز ہونے کے طریقوں کے بارے میں تو نہیں سوچ رہیں؟"

اس کے ہونٹوں پر پھیکا سا تبسم تیر گیا۔ "بس اتنا بتا دو کہ تم یہاں تک کیسے پہنچے؟"

"ٹیکسی سے۔" یہ کہہ کر میں نے مصالحانہ انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "آؤ اندر بیٹھ کر سکون سے گفتگو کریں گے تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی، بس خاموشی سے میرے ساتھ چل دی۔ مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر وہ چند ثانیوں کے لیے اندر گئی اور واپس لوٹی تو اس کے ہاتھ میں دینٹی بیگ موجود تھا۔ اس میں دور ہی سے خاصا اُبھار نظر آ رہا تھا۔ رخشی کے چہرے پر سکون کے آثار سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی کہ اس بیگ میں بھرا ہوا ریوالور موجود تھا۔ لیکن میں خاموش ہی رہا وہ میرے سامنے بیٹھ گئی۔

اس وقت میرے دل میں رخشی کے بارے میں عجیب سے جذبات موجزن تھے۔ اس سے میرے مراسم کی نوعیت ملی جلی سی تھی۔ اس نے دوستی کی آڑ میں میرے سر پر مسلط ہونے کی کوشش کی تھی لیکن میں اس سے دامن بچاتا رہا تھا۔ پھر جب اس نے نشے کی حالت میں میرے سامنے بہت سے اعترافات کیے تو صورتحال ایک دم بدل گئی۔ ایس۔ٹو نے مجھ سے رخشی کے اعترافات سننے کے بعد اس کی ہلاکت کا حکم جاری کر دیا لیکن قاسم نے رخشی

سے اپنی دوستی نبھانے کے لیے اسے روپوش کر دیا۔ اس دوران میں میری کار میں ٹائم بم رکھوانے کے ساتھ ہی رخشی نے فون پر مجھے دھمکیاں بھی دی تھیں۔ اس اعتبار سے دوستی کے بجائے ہمارے درمیان سنگین قسم کی دشمنی کی دیوار حائل ہو گئی تھی۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اے۔ ٹو سے گلشنِ اقبال کے اس مکان کا پتا سننے کے بعد قاسم کیا قدم اٹھاتا۔ اگر وہ اس مکان میں آکر رخشی کو ٹھکانے لگاتا تو یہ نا اہلی کے اعتراف کے مترادف ہوتا۔ وہ کراچی میں رہتے ہوتے رخشی کے ٹھکانے سے لاعلمی ظاہر کرتا رہا اور اے ٹو کا لاہور سے دیا ہوا پتا درست ثابت ہو جاتا۔
دوسرا راستہ یہ تھا کہ قاسم رخشی سمیت غائب ہونے کی کوشش کرتا لیکن اس کی ایسی کوئی بھی کوشش خودکشی کے مترادف ہوتی۔ اے ٹو باغیوں کے خلاف کسی رعایت کا قائل نہیں تھا۔ وہ ان دونوں کے خاتمے کے لیے اپنے سارے وسائل داؤ پہ لگا سکتا تھا۔ ان حالات میں قاسم کے لیے ایک ہی راستہ قابلِ عمل رہ جاتا تھا کہ وہ رخشی کو گلشنِ اقبال کے اس مکان سے فوری طور پر ہٹا کر اے ٹو کو اطلاع دے دے کہ اس کے دیے ہوتے پتے پر رخشی نہیں مل سکی۔

قاسم کی ایسی ہی کسی حرکت کا سدِباب کرنے کے لیے اے ٹو نے مجھے اس پر نگاہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔ ان پیچیدہ حالات میں رخشی کا مستقبل بہت غیر یقینی نظر آرہا تھا۔ اس کے ٹھکانے کی اطلاع میں نے خود اے ٹو کو دی تھی، تاکہ اپنے لاپتا ہونے کا جواز پیش کر سکوں مگر حقیقت یہ تھی کہ رخشی کو اس گھر میں موجود پا کر میرے دل کے کسی گوشے میں بے نام سی خلش جنم لے چکی تھی۔

"میرے سوال کا جواب نہیں دیا تم نے۔" چند ثانیوں کے اعصاب شکن سکوت کے بعد رخشی نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ وینٹی بیگ پر قابض ہونے کے بعد وہ حیرت اور خوف کی ابتدائی لہر پہ قابو پا چکی تھی۔

"تم ایک لمحے کے لیے بھی میری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو سکی تھیں۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "تمہارے اس ٹھکانے کا مجھے پہلے ہی علم ہو گیا تھا۔ اب فرصت ملی تو چلا آیا۔"

"آنے کا سبب بھی بتا ڈالو۔" اس نے وینٹی بیگ کی زپ کھول لی تھی اور دایاں ہاتھ غالباً اس میں رکھے ہوتے ریوالور پہ تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ میں اس سے باخبر تھا۔ میں نے بھی اسے کچھ جتانے کی کوشش نہیں کی۔

"دوستی کی تجدید سمجھ لو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم دشمنی کر کے ابھی تک میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں تو میں نے سوچا کہ میں خود ہی تمہیں ایک موقع فراہم کروں۔ گلے ہاتھوں یہ بھی معلوم ہو جاتے گا کہ

مجھے خوف زدہ کر کے تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہی تھیں؟"

"تم اس شہر میں ہیروئن کی تجارت کے سب سے بڑے حصے دار ہو۔" چند لمحوں تک سوچنے کے بعد اس نے تائید طلب لہجے میں کہا مگر میں خاموش رہا۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "تم دیکھ چکے ہو کہ جو لوگ میرے ساتھ ہیں، وہ تمہیں کسی بھی وقت اور کہیں بھی ختم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہمیں تمہاری آمدنی میں اپنا حصہ چاہیے۔"

"خوب۔" میں طنزیہ لہجے میں بولا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم باغی ہو کر مقابلے پہ اتر آئی ہو۔"

"سیدھی سی بات ہے۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ "میں نے اپنی زندگی کا خوبصورت ترین عرصہ اس تنظیم کی جڑوں کو سینچنے میں صرف کیا لیکن میری ایک لغزش نے میری ساری خدمات پر پانی پھیر دیا.... میں آخر تک یہی سمجھتی رہی کہ تم میرے فریب میں آگئے ہو۔ اس لیے تمہارے ساتھ مے نوشی میں بے اعتدالی کی حد تک جا پہنچی اور.. تمہارا منصوبہ کامیاب ہو گیا، تم نے میری زبان کھلوالی ... میں مانتی ہوں کہ وہ میری غلطی تھی لیکن تم تنظیم.... کے اندر کے آدمی تھے۔ ہاں اگر میں نے باہر کے کسی آدمی پہ کوئی راز فاش کیا ہوتا تو واقعی بدترین سزا کی مستحق ہوتی۔ میرے بارے میں بہت سفاکانہ فیصلہ کیا گیا۔ تم کسی سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ آنکھیں بند کر کے زمین پر لیٹ جاتے اور جس کا جی چاہے اُسے بے رحمی کے ساتھ ذبح کر ڈالے۔"

"بات چھوٹی اور بڑی غلطی کی نہیں۔ تم نے ایک اصول توڑا تھا۔"

"تم اوپر کی سطح کے آدمی ہو۔" اس کا لہجہ تنفر آمیز ہو گیا۔ "میں نے بہت نچلی سطح سے تنظیم کے لیے کام کی ابتدا کی تھی۔ ہیروئن کے کاروبار کے فروغ میں خون پسینے کے ساتھ میری خودداری کا لہو بھی شامل ہے۔ میرے احساسات کو سمجھنا تمہارے لیے محال ہے۔"

"لیکن تم تنہا تنظیم سے نہیں لڑ سکتیں۔"

"میرے سامنے تو دو ہی راستے تھے لڑ کر زندہ رہوں یا سزائے موت کا فیصلہ قبول کر کے قتل ہو جاؤں۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "ابھی مجھ میں زندہ رہنے کا ولولہ موجود ہے اسی لیے میں نے پہلی راہ اختیار کی۔ اور یہ کیسے سمجھ لیا تم نے کہ میں تنہا ہوں، یہ تمہاری سنگین بھول ہے، میں بتا چکی ہوں کہ میرے ساتھ خاصے طاقتور لوگ ہیں..."

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم نے مجھے یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے لیکن مجھے فریب دینا تمہارے لیے اتنا آسان نہیں ہے۔ اگر قاسم کے دل میں تمہارے لیے نرم گوشہ نہ ہوتا تو میں دیکھتا کہ تم کتنے گھنٹے زندہ رہتیں۔"

میرے ان الفاظ پر وہ چونک پڑی اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ”یہ سب بکواس ہے، مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس شہر میں سزا کے تمام فیصلے اسی کے ہاتھوں نافذ ہوتے ہیں۔ وہ تو پورے شہر میں میری بو سونگھتا پھر رہا ہوگا۔“ وہ بولی تو اس کے لہجے میں اعتماد مفقود تھا۔

میں ہنس پڑا۔ ”تم بھول رہی ہو کہ میں شروع سے تمہاری نگرانی کر رہا ہوں۔ تمہیں اس مکان میں پہنچانے والا قاسم ہی تھا، میں چاہتا تو کسی بھی وقت تمہارا پتہ صاف کرا سکتا تھا۔ یہ تو بس تمہاری حرکت کا بدلہ تھا۔ تم نے میری کار میں ٹائم بم رکھوایا اور مجھے اطلاع بھی دے دی، اسی طرح مجھے سب کچھ معلوم تھا لیکن خاموش رہا۔ اب ہمارا حساب برابر ہے۔“

”میرے ساتھ جو لوگ ہیں، وہ ہیں۔ تمہارے قیاسات سے حقائق نہیں بدل سکتے۔“ اس نے اکتاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ بتاؤ کہ میرے مطالبے کا کیا جواب ہے تمہارے پاس؟“

”کیسا مطالبہ؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”شہر سے ہونے والی خطیر آمدنی میں حصہ۔“ اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

”تم پاگل ہو گئی ہو۔“ میں نے ہنس کر بے پروایانہ انداز میں کہا۔ ”اگر تنظیم کی جڑوں میں تمہارے پسینے کا ایک قطرہ بھی شامل ہے تو تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سارے معاملات بہت منطقی بنیادوں پر چلتے ہیں۔ حسابات میں کتنے ہاتھ ملوث ہوتے ہیں اور آمدنی میں سے ایک پیسے کی بھی خرد برد کا امکان نہیں ہے اور نہ ہی تنظیم کے بڑے کسی کا خراج گزار بننا پسند کریں گے۔ سزائے موت کی اطلاع نے تمہارے دماغ پر اثر ڈالا ہے، تمہیں مکمل آرام کی ضرورت ہے۔“

”تنظیم سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ اگر تم اصولی طور پر مطالبہ ماننے پر آمادہ ہو تو میرے پاس قابلِ عمل طریقۂ کار بھی موجود ہے۔ تنظیم کو اس لین دین کی ہوا بھی نہیں لگ سکے گی، ہر بات تمہاری سطح پر دفن ہو جائے گی۔“

”پہلے مرغی یا پہلے انڈے والی بات ہے۔“ میں نے بے پروایانہ انداز برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ ”تنظیم کی آمدنی میری جیب میں تو جاتی نہیں۔ میں تنظیم کا وفادار بھی ہوں لیکن شہر میں بلاوجہ کسی سے مخاصمت مول لینا نہیں چاہتا۔ اگر اپنی گردن بچائے رکھنے کے لیے کچھ کرنا پڑتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ساری بات بس طریقۂ کار کی ہے۔ طریقۂ کار محفوظ اور قابلِ عمل ہوا تو اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔“ میرا مقصد دراصل زخشی کی زبان کھلوانا تھا تاکہ اس کے سازشی منصوبے کا کچھ علم ہو سکے۔

اس مرحلے پر مجھے احساس ہوا کہ میں نے زخشی اور قاسم کی رفاقت کا انکشاف کر کے حماقت کا ارتکاب کیا تھا۔ اگر زخشی قاسم کے ہاتھوں مرنے سے قبل اسے اس نکتے سے آگاہ کر دیتی تو قاسم اے ٹو کی نگاہوں میں اپنا مقام برقرار رکھنے کے لیے، رازداری کی بنا پر میرے لہو کا پیاسا ہو جاتا۔ زیادہ بولنے کی وجہ سے میں نے اپنے لیے ایک بڑی دشواری پیدا کر لی تھی۔

”طریقۂ کار بہت سیدھا سا ہے۔ مقامی مارکیٹ میں تمہارے ذریعے معتبرہ مقدار میں ہمارا مال فروخت ہوگا اور روپے ہمارا حصہ ہوگا۔“ اس نے کہا۔

”دوسرے الفاظ میں ہمیں اپنے مال کی کھپت میں کمی کرنا پڑے گی۔“ میں نے دل ہی دل میں اس کی تجویز کو سراہتے ہوئے کہا۔

”ظاہر سی بات ہے۔“ اس بار زخشی کا لہجہ بے نیازانہ تھا۔

”شاید تم بھول رہی ہو کہ مقامی سربراہ کے طور پر مقررہ ٹارگٹ کا حصول میری ذمہ داری ہے اور اوپر والوں کی معلومات کا یہ عالم ہے کہ ٹارگٹ کبھی آسان ثابت نہیں ہوا ہے۔“

”یہ سب تمہارے سوچنے کی باتیں ہیں۔“

”تمہیں اس بکھیڑے کی ضرورت ہی کیا ہے، اپنا مال تم براہِ راست بھی بیچ سکتی ہو۔“

وہ مسکرانے لگی۔ ”جب تقسیم اور فروخت کا ایک مربوط نظام موجود ہے تو ہمیں پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت ہے..... پھر بتدریج ترقی کرتے کرتے اگر تم اوپر کے منصب پر پہنچ گئے تو پوری تنظیم ہی ہماری ہوگی۔“

”مجھ پر نگاہ کیوں ہے تمہاری؟“ میں نے جھنجلا کر سوال کیا۔

”جب سے تم سے ٹھنی، یہ منصوبہ بھی فروغ پانے لگا۔“

”لیکن میرے لیے یہ سب ناقابلِ قبول ہے۔“ میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ”میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ دشمنی مول لے کر کس طرح زندہ رہا جاتا ہے۔ میرے ساتھ کوئی حرکت کی گئی تو اگلی صبح ڈھیروں کٹے ہوئے سر شہر کے کوڑے دانوں سے برآمد ہوں گے۔“

”اس کی الٹ بھی ممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں کسی جوابی اقدام کی مہلت بھی نہ مل سکے۔“ سرد لہجے میں یہ کہتے ہوئے زخشی نے اچانک ریوالور نکال لیا اور ایک جھٹکے کے ساتھ صوفے سے اٹھ گئی۔

”رکھ دو اس کھلونے کو۔“ میں نے اس کی حرکت کا کوئی اثر لیے بغیر کہا۔ ”ایسی دھمکی سے تم مجھے مرعوب نہیں کر سکتیں۔“

”تم نے خود اپنے لیے ہر راستہ مسدود کر لیا ہے۔“ وہ فاتحانہ

انداز میں مسکرائی۔ "تم ایک بہت بڑی غلطی کر بیٹھے ہو۔ میرے اور قاسم کے باہمی اشتراک کی بات کتنی ہی غیر حقیقی کیوں نہ ہو لیکن عقل کو لگتی ہے، اگر تم اپنی اس نادر رائے کا اظہار اسے تو پر کر بیٹھے تو قاسم کے لیے ناقابلِ بیان دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ وہ میرا دوست ہے میں اسے کسی قسم کی الجھن میں گرفتار ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔"

"تو پھر دھمکانے سے کیا فائدہ، گولی ہی چلا دو۔"

"فی الحال تم میری تحویل میں ہو، تمہارا فیصلہ وہ خود ہی کرے گا۔"

"کیا خواب گاہ میں سویا ہوا ہے؟" میں نے مضحکانہ لہجے میں سوال کیا۔ "بلا کر فیصلہ جلدی کرا لو، مجھے سونے سے قبل کچھ ضروری کام بھی نمٹانے ہیں۔"

"دونوں ہاتھ اٹھا کر دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"تلاشی بے سود ہو گی۔" میں نے اسے تاؤ دلانے کی نیت سے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم جیسی کسی عورت سے مقابلے کے لیے دھماکا خیز ہتھیار لیے پھرنا میرے لیے کھلی بد ذوقی ہے، تم کچھ بھی برآمد نہ کر سکو گی۔"

"جو کہہ رہی ہوں، اس پر عمل کرو ورنہ پچھتاؤ گے۔" وہ جھلا کر ریوالور کی نال کو جنبش دیتے ہوئے بولی۔

"جو چاہو گی، وہی کروں گا، بس ایک بات کا جواب دے دو۔"

"بکو۔" وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر غصیلی نگاہوں سے مجھے گھورنے لگی۔

"جس روز قاسم نے تمہیں یہاں چھوڑا، اس دن وہ شہر سے باہر کہاں گیا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"آئے گا تو اسی سے پوچھ لینا۔" وہ چیخ کر بولی۔

"بتاؤ گی تو تمہارے ہاتھوں سکون سے مر سکوں گا، ورنہ یہ خلش ستاتی رہے گی۔"

"اوہو۔ شاید تمہیں کسی کا انتظار ہے جو مجھے باتوں میں الجھا رہے ہو۔" وہ چونک کر بولی۔ "چلو دیوار کی طرف، اب ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا تو دھماکے کی پروا کیے بغیر گولی چلا دوں گی۔"

"پڑوسی پہلے ہی تمہاری طرف سے غیر مطمئن ہیں، دھماکا ہوتے ہی یلغار ہو گی اور دونوں دھر لیے جائیں گے۔ ایسے حالات میں ملزمان کے حد سے گزرے بغیر بھی پولیس عموماً حدود کے تحت پرچہ کاٹتی ہے۔" میں نے اٹھ کر دیوار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ مجھے اس کی طرف سے کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا، میں جانتا تھا کہ مجھ سے سب کچھ اگلوائے بغیر وہ میرا بال بھی بیکا نہ کر سکے گی۔

اس نے پیچھے سے ٹٹول کر میری تلاشی لے ڈالی لیکن کچھ بھی برآمد نہ کر سکی۔ میں چاہتا تو اس وقت آسانی کے ساتھ اسے زیر کر سکتا تھا لیکن میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ آخر کار میرے۔۔۔ ساتھ کیا سلوک کرے گی۔

تلاشی سے مطمئن ہو کر اس نے مجھے دوبارہ صوفے پر بیٹھنے کی اجازت دے دی۔

"تو میری تجویز تمہارے لیے قابلِ قبول نہیں ہے؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ایسے فیصلے پل بھر میں نہیں کیے جا سکتے۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "فی الحال مجھے تمہاری تجویز سرے سے ہی ناقابلِ قبول نظر آ رہی ہے، ہو سکتا ہے وقت ملنے پر میں اس میں کوئی محفوظ اور قابلِ عمل پہلو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ اگر کوئی بات بنی تو وہ برابری کی بنیاد پر ہی ہو گی۔"

"برابری کی بنیاد پر ہی سہی، لیکن تمہیں اس پر عمل کرنا ہو گا۔"

"برابری کے لیے ایک فریق دوسرے پر ہتھیار نہیں اٹھاتا، شروع سے اب تک تمہارا رویہ ایک گھٹیا اور کند ذہن بلیک میلر کا سا رہا ہے۔ حالانکہ تمہارے پاس میرے خلاف کچھ بھی نہیں ہے جبکہ میں تنظیم کے ساتھ تمہاری بدنیتی سے پوری طرح واقف ہوں، بلیک میلنگ ہونا ہی ہے تو میری طرف سے ہو سکتی ہے، یہ کوشش تمہیں ہرگز راس نہیں آئے گی۔"

"حفظِ ماتقدم کو تم بلیک میلنگ نہیں کہہ سکتے۔" اس نے ریوالور گود میں ڈال لیا۔ "میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم اچانک یہاں آ پہنچو گے، پھر تمہارے ہی اصرار پر مجھے اپنا مقصد بھی ظاہر کرنا پڑا۔"

"تم اب بھی بضد ہو کہ تمہاری پشت پر قاسم کے علاوہ کچھ اور لوگ ہیں؟" میں نے ٹٹولنے والے لہجے میں سوال کیا۔

"جب تم سب کچھ جانتے ہو تو میری زبان سے کیوں سننا چاہتے ہو؟" وہ ہتھیار ڈالتے ہوئے بولی۔ "شہر میں ہیروئن کی تمام تر تجارت پر تمہارا اور قاسم کا کنٹرول ہے، اگر تم دونوں مل جاتے ہو تو اوپر والوں کو کسی بات کی ہوا بھی نہ لگ سکے گی۔"

بات کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ اس قسم کی ہیرا پھیری کے بارے میں قاسم براہِ راست مجھ سے بات کرتے ہوئے گھبراتا تھا کہ کہیں اس کا ہم خیال نہ ہونے کی صورت میں میں اس کے عزائم سے اوپر والوں کو باخبر نہ کر دوں لہٰذا وہ اپنی خواہش کو دل ہی دل میں پروان چڑھاتے ہوئے مناسب وقت کا منتظر رہا۔ اسی دوران میں رخشی پر میرا ہاتھ پڑ گیا اور اس کے اعترافات اس کے تابوت میں آخری کیل بن گئے۔ اسے تو نے اس کے قتل کا حکم دیا تو قاسم اسے عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ شاید وہ دل کے ہاتھوں مجبور تھا

وہ خود کھل کر میرے سامنے نہیں آسکا لیکن میرے
خلاف ایسے شواہد جمع کرنے کی بھرپور کوششوں میں مصروف
رہا جن کی بنا پر مجھے اپنے سامنے جھکا سکے اور دوطرفہ کمزوریوں
کی بنیاد پر بے خوف ہو کر سازشی منصوبے کے بارے میں بات
کرسکے۔ میرے محتاط اور جارحانہ رویے کی وجہ سے اس کی ہر کوشش
ناکام ہوتی چلی گئی۔ دوسری طرف رخشی سزا سے بچنے کے لیے روپوش
ہوگئی تھی اور اس کا مجھ سے متنفر ہونا قدرتی امر تھا۔ لہٰذا قاسم
نے اس پرخاش سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے میرے
خلاف رخشی کا ہوا کھڑا کر دیا۔ اس طرح وہ مجھے اس مقام پر لانا چاہتا
تھا جہاں میرے ساتھ مل کر آزادی کے ساتھ ہیروئن کی تجارت
میں حصہ داری کے امکانات کو عملی شکل دے سکے۔

لیکن اس کوشش میں بھی وہ ناکام ہی رہا۔ رخشی شروع
سے میری نگاہ میں تھی۔ شاید اس کی کمین گاہ کا پتا میری ہی ذات
تک محدود رہتا لیکن اے ٹو مجھ سے اس عرصے کے بارے میں جواب
طلب کر بیٹھا جو میں نے اس کے خلاف لاہور میں کارروائیاں کرتے
گزارا تھا اور مجھے اس غیر حاضری کے جواز پر اضافی معلومات کی
بنیاد پر ایک نئی کہانی تراشنا پڑ گئی جو سراسر قاسم کے خلاف تھی۔
قاسم باغی ہو گیا تھا اور اس نے رخشی کو چھپا کر اس کی
روپوشی کا سوانگ رچایا ہوا تھا۔ یوں قاسم اے ٹو کی لسٹ پر
آگیا۔ مگر اس نے مصلحتاً قاسم کے خلاف کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا۔
اس کہانی کی بنیاد پر مجھے کئی فوائد حاصل ہوئے جن میں اہم ترین
یہ تھا کہ میری غیر حاضری مشتبہ نہیں رہی تھی۔ کوئی یہ سوچ بھی نہیں
سکتا تھا کہ میں نے ہی کراچی سے لاہور جا کر تنظیم کے مفادات پر
کاری ضربات لگائی ہوں گی۔ بلکہ اے ٹو تو کھلے الفاظ میں کہہ
بیٹھا تھا کہ کہیں لاہور میں دیکھا جانے والا مشتبہ جوڑا قاسم ہی
کا فرستادہ نہ ہو۔ دوسری طرف اے ٹو کے پاس غزالہ کی تصویر
موجود تھی مگر اس نے غزالہ کی تلاش کی مہم سے قاسم کو قطعی لاعلم
رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کی تلاش کی ذمہ داری کلی طور پر مجھے
سونپ دی تھی۔ اس طرح غزالہ کو درپیش خطرات بہت محدود ہو کر
رہ گئے تھے ورنہ قاسم کے لیے اس کا کھوج نکالنا ناممکن نہ ہوتا۔

شہر میں ہیروئن کی ناجائز تجارت کو پھلتے پھولتے دیکھ
کر قاسم کی نیت میں فتور آچکا تھا لیکن وہ اکیلا کوئی ہیر پھیر نہیں
کرسکتا تھا۔ لہٰذا مجھے پوری طرح تنظیم کا وفادار سمجھتے ہوئے میری
کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں تھا۔ ادھر میں خود تنظیم
کی بیخ کنی پر تلا ہوا تھا۔ شاید میرے ارادوں کو تائید غیبی ہی
حاصل تھی کہ حالات تیزی سے موافق رخ اختیار کرتے جا
رہے تھے۔

جب میں نے موت کے سوداگروں کے خلاف اپنے مشن
کا آغاز کیا تو میں تنہا تھا لیکن اب لاہور میں ایشین سنڈیکیٹ
لمیٹڈ کے مختار عام، نصیر خان جیسا آدمی میرے ہاتھ میں تھا،
قاسم مالی مفادات کے لیے میرے ساتھ مل بیٹھنے پر آمادہ تھا
سکندر علی اور مٹھا خان جیسے اہم اور ضمیر فروش مہرے جہنم واصل
ہو چکے تھے لاہور میں اے ٹو کا ایک اہم ترین ٹھکانا خفیہ ٹیلی فون
اور اسلحہ کے ناجائز ذخیرے سمیت ہولناک آتشزنی میں تباہ
ہوگیا تھا۔ میری مخبری پر آتشزنی کے سلسلے میں اے ٹو کے وہ
دو آدمی گرفتار کر لیے گئے تھے جو لاہور میں ایشین سنڈیکیٹ کے
دفتر سے واپسی پر غزالہ کے اغوا کی ناکام کوشش میں ملوث تھے
وہ اے ٹو کے لیے اتنے اہم تھے کہ ان کی گرفتاری کو اپنے لیے
سنگین خطرہ تصور کرتے ہوئے اے ٹو نے ان دونوں کو حوالات
میں زہر دے کر ہلاک کرا دیا تھا۔ آثار یہ بتاتے تھے کہ اپنی ذات
پر پڑا ہوا دبیز نقاب برقرار رکھنے کے لیے وہ بڑی سے بڑی
خونریزی پر بھی آمادہ تھا۔

لاہور سے اے ٹو کے جو دو افراد میرے اور غزالہ کے
پیچھے لگے تھے ان میں سے کرامت نامی مرد کو سلطان شاہ نے ٹھکانے
لگا دیا تھا۔ رہی مسز مراد تو وہ بہت ہی غیر اہم عورت تھی اس
نے میرے سامنے جو کچھ کہا وہ اول تا آخر قابل یقین تھا اسے مہم
میں صرف اس لیے شامل کیا گیا تھا کہ وہ غزالہ کو بچشم خود دیکھ چکی تھی۔

وہ آزادی کے بدلے مجھ سے زبان بند رکھنے کا وعدہ کر
چکی تھی۔ لیکن وہ سیدھی اور اناڑی عورت تھی۔ بدقسمتی کی بات
یہ تھی کہ اس کا ساتھی کرامت اسی ہوٹل کے احاطے میں مارا گیا تھا
جہاں مسز مراد مقیم تھی۔ پولیس متوفی کی شناخت کے سلسلے میں
مسافروں سے ضرور رجوع کرتی اور کرامت کی بھیانک لاش
دیکھ کر مسز مراد کے لیے اپنا فطری ردعمل چھپانا ناممکن ہوتا۔
مرنے والے سے کسی تعلق کی بنا پر اس کا پولیس کی تحویل میں جانا
لازمی امر تھا اور اگر وہ کڑی بازپرس کے نتیجے میں بوکھلا کر
سب کچھ اگل بیٹھتی تو اس کے بیان کے حوالے سے یہ بات اخبارات
میں اور اے ٹو تک پہنچ سکتی تھی کہ ملازمت کی تلاش میں ایشین
سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے دفتر میں آنے والی لڑکی اور اس کے دو
ساتھیوں کو اس نے بچشم خود کراچی میں دیکھا تھا۔

مسز مراد کا پولیس کی تحویل میں جانا میرے لیے مضر تھا،
اسی کے ساتھ اے ٹو بھی اس بات کو ہرگز پسند نہ کرتا کہ قتل اور اس سے
متعلق مشتبہ اور پراسرار حالات کے حوالے سے ایشین سنڈیکیٹ کا
نام پولیس کی توجہ کا مرکز بنے، بدقسمتی یہ تھی کہ مسز مراد کے بارے
میں اے ٹو کو باخبر کرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا، جس وقت اس نے

مجھے فون کیا، بظاہر میں مسز مراد اور کرامت کے وجود سے لاعلم تھا
لیکن اسے لڑکی کی زبان سے ان دونوں کے بارے میں سُن لینے کے بعد
میں اس سے کھل کر بات کر سکتا تھا مگر میرے پاس اسے لڑکی سے
رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور اس کا فون اگلی رات سے پہلے آنے
کی توقع نہیں تھی۔

"کہاں کھوئے ہوئے ہو؟" مجھے سوچ میں مستغرق پا کر خوشی
نے ٹوکا۔

میں پہلو بدل کر مسکرا دیا۔ "اتفاقات پر غور کر رہا تھا۔
ہمارے مراسم کی ابتدا ہوئی تو ہمارے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں
رہا۔ اس کے بعد تمہارے تیور بدلے تو دشمنی پر اُتر آئیں، مجھ پر ریوالور
تان لیا اور اب پھر دوستانہ فضا میں بات کر رہی ہو۔"

"اٹل فیصلوں کے ساتھ زندگی عذاب ہو جاتی ہے۔" وہ دلفریب
مسکراہٹ کے ساتھ بولی "حالات کے ساتھ فیصلے بھی بدلتے رہنے
چاہئیں ورنہ زندگی پچھتاووں کا انبار بن کر رہ جاتی ہے۔"

"تمہیں تو کامیاب سیاستداں ہونا چاہیے تھا۔ سیاست کا
بہترین اصول ہی بے اصولی ہے" بس دھارے کے ساتھ ہی بہے جاؤ،
کامیابی قدم چومتی رہے گی۔" میں نے نئی سگریٹ سلگا کر کہا۔

"تم کام کی بات سے کیوں گریز کر رہے ہو؟" اس نے الجھن
آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ مجھے فیصلے کے لیے وقت درکار ہے۔"

"آخر کتنا وقت درکار ہے؟ میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم خاموشی
سے اس بارے میں کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"یہاں سے جانے کے بعد ہی کچھ سوچ سکوں گا۔" میں نے شوخ
لہجے میں کہا "تمہیں دیکھ کر پرانی یادیں ذہن کے دریچوں سے سر
ابھارنے لگتی ہیں اور عقل کند ہو کر رہ جاتی ہے۔"

"تو جاؤ، یہاں وقت کیوں برباد کر رہے ہو؟"

"ہائیں؟" میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا "تو یہ ننھا سا
آتشیں کھلونا کس خوشی میں نکالا تھا تم نے؟"

"بس اضطراری ردِ عمل کہہ لو۔" اس نے مسکراتے ہوئے
ریوالور گود سے اُٹھا کر وینٹی بیگ میں ڈالا اور اس کی زپ بند
کرتے ہوئے بولی "اب تو یقین آ گیا کہ میں تمہیں روکنے کی کوشش
نہیں کروں گی؟"

"مگر میں کچھ دیر یہاں رکنا چاہ رہا ہوں۔" میں نے کسلمندانہ
لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی "فوراً چلے جاؤ لیکن اتنا
یاد رکھنا کہ تمہارے کوئی فیصلہ کرنے تک یہ معاملات ہمارے درمیان
ہی رہیں گے اگر کوئی بات تنظیم کے بڑوں تک پہنچی تو اچھا نہ ہوگا۔"

"مجھے سبق پڑھانے کی کوشش نہ کرو، میں ان مبادیات
سے اچھی طرح واقف ہوں لیکن کان کھول کر سُن لو کہ میں یہاں
اپنی مرضی سے آیا ہوں اور اپنی ہی مرضی سے جاؤں گا۔ اس دوران
میں تم کافی کا ایک کپ بنا سکتی ہو۔"

"کسی کا انتظار تو نہیں ہے تم کو؟" وہ چونک کر بولی اور
میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو تم شرارت کے ارادے سے ادھر آئے تھے؟"

"کافی پیے بغیر ارادہ تبدیل ہونا مشکل ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک تمہاری نیت صاف نہیں ہے۔
میں تمہیں تنہا چھوڑ کر کچن میں نہیں جا سکتی۔ کون آنے والا ہے
یہاں؟"

"چلو میں بھی کچن میں ساتھ ہی چلتا ہوں، تین پیالیوں کا
پانی تیار کرنا کیونکہ قاسم بھی آنے والا ہی ہوگا۔"

"قاسم؟" اس کی آنکھوں میں تحیر ابھر آیا۔ "وہ کیوں آئے گا؟
تم اتنے یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"آئے گا تو یہ سب اسی سے پوچھ لینا۔" میں نے اُکتائے ہوئے
لہجے میں کہا اور صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "چلو میں کچن میں تمہارا
ہاتھ بٹانے کی کوشش کروں گا۔"

وہ اپنی جگہ کھڑی رہی۔ اس کی آنکھوں سے تذبذب جھانک
رہا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ کوئی جواب دیتی باہر سے آہنی پھاٹک کے
بجائے جانے کی آواز گونجنے لگی اور وہ چونک پڑی۔

"شاید قاسم پہنچ گیا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "یہ پش بیل کو
کیا ہوا جو دروازہ پیٹنا پڑتا ہے؟"

"بچے بلاوجہ تنگ کرتے ہیں اس لیے تار نکلوا دیا ہے۔" وہ جلدی
سے بولی "تم پھاٹک کھولو گے اور میں برآمدے سے تم پر نگاہ
رکھوں گی، اگر آنے والا کوئی اور ہوا تو اسے دروازے سے ہی
ٹال دینا۔ اس کے خلاف عمل کیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

"مجھ پر شبہ ہے تو تم خود ہی دیکھ لو۔" میں نے احتجاج آمیز
لہجے میں کہا۔

"چلو۔" وہ مجھے نکاسی کے راستے کی طرف دھکیلتے ہوئے
غرائی کیونکہ پھاٹک دوبارہ پیٹا جانے لگا تھا۔

کمرے سے نکل کر ہم دونوں برآمدے میں آئے تو چٹ چٹ
کی دو آوازوں کے ساتھ پورا برآمدہ تاریکی میں ڈوب گیا، اب
صرف دو گیٹ لیمپ روشن رہ گئے تھے جن کے گرد آلود شیشوں
نے روشنی کو پھاٹک تک ہی محدود کیا ہوا تھا۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟" میں نے پلٹ کر بوکھلاتے ہوئے
لہجے میں کہا "اندھیرے میں کسی گملے سے ٹھوکر لگی تو بھیجا باہر آ

روشن کر دو فوراً۔"
سکتا ہے۔ بتیاں
"دو جاؤ۔" اس نے مجھے پوری قوت سے آگے دھکیل دیا۔ "اندھیرے کے باعث میں آنے والے کی نگاہوں سے محفوظ رہوں گی۔ یہ تمہارے حق میں بھی بہتر ہوگا۔" اس کی آواز سرگوشیانہ تھی۔

آنے والے نے پھر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا اور میں کھانستا کنکھارتا ہوا پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔ "ٹھہرو بھائی! دروازہ کھول رہا ہوں، اسے اکھاڑ ہی نہ ڈالنا۔"

پھاٹک کا بولٹ سرکاتے ہی آنے والا زور رکھ کے کسی سانڈ کی طرح اندر گھس آیا۔ اس کے دونوں ہاتھ جیب میں تھے۔ اندر گھستے ہی اس نے داہنا ہاتھ جیب سے نکالا اور روزنی پستول کی نال میری پسلیوں میں اتار دی۔ وہ مکان اس کے لیے دیکھا بھالا تھا کیونکہ اس نے بائیں ٹانگ سے آہنی پھاٹک بند کیا اور میری طرف سے نگاہ ہٹائے بغیر بائیں ہاتھ سے پھاٹک کا بولٹ لگا دیا۔

گرد آلود شیشوں میں سسکتی ہوئی یرقان زدہ روشنی میں چہرے کی خراشوں کے باوجود میں نے اس بھیانک چہرے کو پہچان لیا۔ وہ قاسم ہی تھا اور غالباً کسی کے ہاتھوں پٹ کر آ رہا تھا۔

"اندر چلو۔" اس نے میری پسلیوں پر پستول کی نال کا دباؤ بڑھا کر غراتے ہوئے کہا۔ "آ گئے ہو تو اب یہاں تمہاری قبر ہی بنے گی۔"

"میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔" میں نے تکلیف اور جھنجھلاہٹ سے بے چین ہو کر اس کا ہاتھ ایک طرف جھٹک دیا اور اس کے امکانی ردِعمل سے محفوظ رہنے کے لیے برآمدے کی طرف چل دیا جہاں رخشی نے قاسم کو پہچان کر روشنی کر دی تھی۔

وہ کسی غضبناک شکاری کتے کی طرح میرے پیچھے لگا رہا۔ اور میں رخشی کے قریب سے گزر کر ڈرائینگ روم میں داخل ہو گیا۔

"یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟" اندر پہنچتے ہی قاسم نے غضبناک لہجے میں رخشی سے سوال کیا جو اس کے قریب کھڑی ہوئی تھی۔ قاسم کی دہکتی ہوئی سفاک نگاہیں میرے چہرے پر ہی مرکوز تھیں۔

"یہ... یہ اچانک ہی آیا تھا۔" رخشی اس کی حالت دیکھ کر لوکھلائی ہوئی تھی۔ "میں نے اس سے بات کی ہے، ہو سکتا ہے کہ ہماری تجویز قبول کر ہی لے، مگر فیصلے کے لیے کچھ مہلت چاہتا ہے۔"

"یہ دوغلا ہے۔" وہ نفرت آمیز لہجے میں بولا۔ "اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "اسے ٹوکو اس مکان کا پتا کس نے دیا تھا؟"

"میرے علاوہ کون دے سکتا ہے؟" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "میری یہاں موجودگی ہی اس سوال کا مسکت جواب ہے۔"

"اسے آگاہ کر کے خود یہاں کیوں دوڑے چلے آئے؟"

"رخشی کے تحفظ کے لیے۔" میں نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "مجھے ڈر تھا کہ اسے ٹو کی خوشنودی کے لیے کہیں تم اسے ہلاک ہی نہ کر بیٹھو... میں صرف اس سرد جنگ کا خاتمہ چاہتا ہوں جو میرے اور تمہارے درمیان چھڑی ہوئی ہے۔ میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا، آرام سے بیٹھ کر بات کرو، تمہاری حالت خاصی ابتر دکھائی دے رہی ہے۔"

"اسے ٹو کو تم نے کیا بتایا تھا؟"

"یہی کہ رخشی اس مکان میں روپوش ہے۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"روپوشی کا پس منظر تو ضرور بتایا ہوگا تم نے؟"

"ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ وہ مختصر اور کام کی بات سننا چاہتا تھا، پس منظر سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔"

"اس کمینگی کی کیا ضرورت تھی... اسے ٹو کی نگاہوں میں گرانا چاہتے تھے مجھے؟"

"گرانا چاہتا تو یہی بتاتا کہ تم نے خود ہی رخشی کو چھپایا ہوا ہے۔" میں نے صفائی کے ساتھ جھوٹ بولا۔ "لیکن میں نے یہ سب بتانا ضروری نہیں سمجھا۔"

"لیکن مجھے کیا معلوم کہ تم نے اس سے کیا بکواس کی ہوگی۔ اس کی تصدیق کا تو کوئی بھی ذریعہ نہیں ہے۔"

"نہ ہو۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "یہی کیا کم ہے کہ اس نے پھر تم ہی سے رجوع کیا ہے۔ رخشی کی روپوشی میں تمہارا نام ملوث ہوتا تو اسی کے ساتھ تم بھی مردود قرار پاتے اور سزا دینے کا اختیار تم سے چھین کر مجھے یا کسی اور کو منتقل کر دیا جاتا۔"

بات منطقی تھی، وہ سوچ میں پڑ گیا پھر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ہم دونوں کو گھیر کر ایک جگہ مارنے کی کوئی چال رہی ہو۔" وہ کام کی بات کرنے سے پہلے پوری طرح یقین کرنا چاہ رہا تھا کہ میں نے اسے ٹو کو اس کے خلاف بھڑکانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

"چال ہوتی تو میں رخشی سے ملنے کے بجائے چھپ کر تمہاری آمد کا انتظار کرتا پھر صرف دو گولیاں تم دونوں کو سلانے کے لیے کافی ہوتیں مگر میں یہاں خالی ہاتھ آیا ہوں۔ رخشی میری تلاشی لے چکی ہے۔"

"لیکن وہ خالی ہاتھ تو نہیں تھا جس نے تمہاری کار میں اس وقت میرا تعاقب کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"جب تم مجھ پر مصنوعی قاتلانہ حملہ کر کے خوفزدہ کرنے

کی کوشش کر سکتے ہو تو مجھے کس نے روکا ہے کہ تم پر سرِعام گولیاں برسانے کی کوشش نہ کروں؟ تمہارے مسلح آدمی اکثر میرا پیچھا کرتے رہے ہیں، میں نے تو کبھی اس پر برہمی ظاہر نہیں کی۔ جب چاہا سرِعام ان کی گوشمالی کر ڈالی؟"

"آج میں نے بھی یہی کیا ہے۔" وہ بھیانک انداز میں ہنسا۔ "تمہارا آدمی کہیں پڑا اپنے زخموں کو چاٹ رہا ہوگا۔"

سلطان شاہ کے بارے میں وہ اطلاع میرے لیے تشویشناک تھی۔ قاسم جسمانی طور پر سلطان شاہ سے کہیں برتر تھا۔ اس کے چہرے کی خراشیں ظاہر کر رہی تھیں کہ تصادم مہلک نہیں تو خونریز ضرور رہا ہوگا۔

"بات جلدی ختم کرو، تم نے میرا کام بڑھا دیا ہے۔ مجھے ابھی سے پہلے اپنے آدمی کو بھی دیکھنا ہوگا، تم نے اسے کہاں اور کس حال میں چھوڑا ہے؟"

وہ سفاکانہ انداز میں مسکرانے لگا، اس کے ادھ کھلے ہونٹوں کے پیچھے سفید دانتوں کی قطاریں وحشیانہ انداز میں چمک رہی تھیں۔ "اس کے ساتھ اپنی گاڑی کی بھی خبر لے لینا، سائٹ کے ویران علاقے میں میں نے اس کا پورا سائیڈ برباد کر ڈالا تھا، اسے کرین سے ہی اٹھوانا ہوگا۔"

"اور آدمی کس حال میں ہے؟" میں کوشش کے باوجود اس انکشاف پر اپنا سکون برقرار نہ رکھ سکا۔

"زخمی ہو گیا تھا، اسے میں اپنی کار میں ڈال لے گیا، فلٹر پلانٹ کی پہاڑیوں میں اسے ہوش آ گیا تھا۔ وہ مجھ پر حملہ کر بیٹھا اور میں نے وہیں نیچے گھسیٹ کر اسے ادھیڑ ڈالا۔" اپنے تشدد کی تفصیل بتاتے ہوئے اس کی آنکھیں یوں چمک رہی تھیں جیسے کسی بچے کی آنکھیں اپنے پسندیدہ کارنامے کی انجام دہی پر دمک اٹھتی ہیں۔

"لیکن اس نے بھی تمہیں معاف نہیں کیا۔" میں اس کے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب یہ سلسلہ بند ہونا چاہیے۔" رخشی نے دخل اندازی کر کے موضوع وہیں ختم کر دیا پھر قاسم سے بولی "یہ جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ تم آ گئے۔ اب کیا کہتے ہو؟"

"کیا طے ہوا؟" اس نے سوال کیا اور رخشی اسے میری اور اپنی گفتگو سے آگاہ کرنے لگی۔

"لیکن جانے سے پہلے یہ سن لو کہ اس پتے پر رخشی تمہیں نہیں مل سکی۔" رخشی کے خاموش ہونے پر قاسم مجھ سے مخاطب ہوا۔ "اب تم اس معاملے کو بھول جاؤ گے۔"

"ساری بات مجھ پر آ جائے گی۔ اسے ٹوکا سوال یہی ہوگا کہ میں نے اسے غلط اطلاع کیوں دی؟"

"تمہاری اطلاع درست تھی، تم اسی پر مُصر رہو گے، رخشی کسی پنجرے کی قیدی نہیں ہے اس کے ساتھ بھی کچھ لوگ ہیں۔ وہ خطرہ بھانپ کر میرے آنے سے پہلے یہ ٹھکانا چھوڑ کر چلی گئی۔"

"یعنی اب رخشی یہاں نہیں مل سکے گی؟"

"ظاہر ہے۔" اس نے جھلا کر کہا۔ "تمہارے جانے کے بعد ہی یہ مکان خالی کر دیا جائے گا۔ یہ یاد رکھنا کہ تمہاری وجہ سے رخشی پر ذرا بھی آنچ آئی تو میں تمہاری زندگی عذاب بنا دوں گا۔"

"آنچ۔" میں استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "وہ تو خود آگ سے کھیلتی رہی ہے اس کا پورا پیرہن داغ داغ ہے تم نہ جانے اسے کس آنچ سے بچانے کی فکر میں گھلے جا رہے ہو۔"

"بس دفع ہو جاؤ۔" وہ باہر کے راستے کی طرف ہاتھ اٹھا کر جھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں نے جو کچھ کہا ہے وہ تم اچھی طرح سمجھ چکے ہو۔ اس کی خلاف ورزی ہوئی تو پھر محاذ کھل جائے گا۔"

میں نکلا تو رخشی پھاٹک تک میرے ساتھ لگی چلی آئی۔

"دیکھ لیا تم نے چاہنے والے ایسے ہوتے ہیں۔" برآمدے میں آ کر اس نے فخر آمیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"چاہت ہی نہیں خلش بھی ہے اس کے دل میں۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "ایسا نہ ہوتا تو میرے طنز پر جھلا نہ جاتا۔"

اس سے قبل کہ وہ جواب دیتی میں پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھول کر باہر گلی میں نکل گیا۔

اس مکان کی دیوار کے ساتھ ہی قاسم کی کار کھڑی ہوئی تھی جس کا بایاں حصہ بُری طرح پچکا ہوا تھا۔ اس سے یہ قیاس کرنا دشوار نہیں تھا کہ اس نے سلطان شاہ کو بُری طرح سائیڈ مار کر کار کو الٹنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

☐

میری کار تصادم میں اس بُری طرح تباہ ہوئی تھی کہ مرمت کے باوجود اسے اصلی حالت میں واپس لانا ناممکنات میں سے نظر آ رہا تھا۔ اس طرف سے مایوسی کے بعد میں پیدل ہو گیا تھا اور گھر میں نقد رقم موجود ہونے کے باوجود اتنی رات گئے دوسری کار خریدنا ناممکن تھا۔ سلطان شاہ کو فلٹر پلانٹ کی پہاڑیوں سے لانے کے لیے اول تو کوئی ٹیکسی ڈرائیور راضی نہ ہوتا اور کسی کو زائد کرائے کا لالچ دے کر آمادہ کر بھی لیا جاتا تو اس سے یہ خطرہ لاحق رہتا کہ سلطان شاہ کی حالت دیکھ کر کہیں وہ پولیس کو اطلاع نہ کر دے۔ ان حالات میں نہ چاہتے ہوئے بھی میں جیوا باوز کا رُخ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ کیونکہ وہاں گیراج میں ہمیشہ ایک کار

موجود رہتی تھی جسے اہم مواقع پر شاذ و نادر ہی استعمال کیا جاتا تھا۔

جیوا ہاؤز ان دنوں مال کی وصولیابی کے علاوہ کسی اور مصرف میں نہیں تھا للہٰذا وہاں کے در و دیوار سے عجیب سی ویرانی ٹپک رہی تھی۔ محافظوں نے نہایت سپاٹ سنگی چہروں کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ ان ہی میں سے ایک نے مجھے بتایا کہ تین نمبر کمرے میں داخلے کے بارے میں مجھے استثنا حاصل ہو چکا تھا میں حسب خواہش کسی بھی وقت اس ممنوعہ کمرے میں داخل ہو سکتا تھا لیکن میرے لیے میری ہی جانب سے جاری ہونے والی وہ ہدایت جو محافظ نے سُنائی، بے سود ہو چکی تھی۔ متھا خان کی خودکشی کے بعد ایم ٹی تھری ہنڈرڈ کا استعمال ترک کیا جا چکا تھا جس کے بعد تین نمبر کا ہونا یا نہ ہونا برابر تھا۔

میں جیوا ہاؤز سے کار لے کر سید معافلڑ پلانٹ کی ویران پہاڑیوں میں جا پہنچا۔ سڑک سے اُتر کر چند سو گز بعد راستہ کار کے لیے دشوار گزار تھا لیکن میں کار کی خرابی کا خطرہ مول لے کر بڑھتا ہی رہا۔ آخر کار دو ٹیلوں کے درمیان مجھے زمین پر ایک ڈھیر سا پڑا ہوا نظر آ ہی گیا جس کے گرد آوارہ کتوں کا ایک غول جمع تھا۔

انجن کی آواز اور ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سلطان شاہ کے زخموں سے لہو چاٹتے ہوئے آوارہ کتے بھونکتے ہوئے وہاں سے بھاگ لیے اور میں نے قریب پہنچ کر کار کا انجن بند کر دیا۔ ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں سلطان شاہ پتھریلی زمین پر بیہوش پڑا ہوا تھا، دونوں آنکھوں کے نیچے ورم آلود نیل پڑے ہوئے تھے۔ نچلے پپوٹوں پر سوجن کے باعث دونوں آنکھیں بند ہو کر رہ گئی تھیں۔ داہنے ابرو سے ذرا اوپر پیشانی پھٹی ہوئی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی پیشہ ور باکسر نے آہنی کلپ پہن کر اس کے چہرے پر طبع آزمائی کی ہو۔ قاسم کے بدن کی ساخت ہی سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کی ہڈیوں میں فولاد کی سی طاقت رچی ہوئی ہے۔ مجھے فکر بس یہ تھی کہ اس مقابلہ میں سلطان شاہ کہیں اپنی دو چار ہڈیاں نہ تڑوا بیٹھا ہو۔ کیونکہ اس کے سانسوں کا آہنگ بھی بگڑا ہوا تھا۔

میں اسے کار میں ڈال کر برق رفتاری سے واپس ہو لیا۔ اس کی نازک حالت کے پیش نظر میں نے اسے گھر لے جانا مناسب نہ سمجھا اور ایک پرائیویٹ اسپتال جا پہنچا، راستے میں میں نے طبی عملے کی اشتباہ آمیز باز پُرس کے لیے ذہنی طور پر خود کو تیار کر لیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ طبی امداد لیے جانے کے دوران ہوش میں آتے ہی وہ پشتو زبان میں بڑبڑانا شروع کرے گا لہٰذا مادری زبانوں کے فرق کی بنیاد پر اسپتال میں میں نے خود کو اس کا دوست ظاہر کرتے ہوئے دوستوں کے باہمی جھگڑے کی کہانی سُنائی۔

جب پر عملے نے پولیس سے رجوع کرنے کی بات چھیڑ دی۔ اسی اثنا میں کسی نرس سے اطلاع پا کر اسپتال کا سیٹھ نما مالک سفید گاؤن پہنے آ موجود ہوا۔ اس کے سامنے میں نے بہترین طبی امداد کے عوض فراخدلانہ اخراجات کا ذکر چھیڑا تو اس بے چارے کے رگ و پے میں انسانی ہمدردی کا لاوا کھولنے لگا۔ یوں انسانی جان کو ضابطوں پر ترجیح دیتے ہوئے فوری طور پر دیکھ بھال کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو پہلا گھنٹہ گزرنے سے پہلے ہی ہوش آ گیا۔ ورم سے بھنچے ہوئے پپوٹوں کی درمیانی جھریوں سے مجھے اپنے قریب دیکھ کر اس نے مُسکرانا چاہا لیکن پھٹے ہوئے ہونٹوں نے اُسے روک دیا۔

وہ لوگ اسے اسپتال میں داخل کرنے پر مُصر تھے کیونکہ بدقسمتی سے اس وسیع عمارت میں مریضوں کی آبادی کم ہی نظر آ رہی تھی۔ دوسری طرف ضابطوں کے حوالے سے عملے نے میری استطاعت کا اندازہ لگا لیا تھا للہٰذا وہ سلطان شاہ کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کرنے کے درپے ہو گئے تھے۔ لیکن اس کی جملہ ہڈیوں کی سلامتی کی اطلاع پانے کے بعد میں اسے ساتھ لے جانے پر اَڑ گیا اور آخر کار ساڑھے تین ہزار روپے کی ادائیگی کے بعد لے چھٹی مل ہی گئی۔

”تمہاری کار تباہ ہو گئی۔“ اسپتال سے روانہ ہونے کے بعد وہ بگڑی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ زخموں کے باعث اس کے لیے صحیح تلفظ ادا کرنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔

”سب کچھ بھول جاؤ، تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔“

”اس نے کار لٹا کر مجھے حواس باختہ کر دیا، میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایسی حرکت کر گزرے گا... میرے خدا! جب اس سے دوبدو ٹکراؤ ہوا تو میں ہل کر رہ گیا۔ کسی دیو کی طرح طاقتور تھا وہ۔“

”مجھے معلوم ہے کہ تم کسی کمزور آدمی سے نہیں پٹے ہو۔ بس اب خاموش ہو جاؤ۔“ میں نے غصیلے لہجے میں کہا اور وہ واقعی خاموش ہو گیا۔

گھر پہنچا تو وال کلاک صبح کے چار بجا رہا تھا۔ پوری رات بھاگ دوڑ کی نذر ہو گئی تھی اور تھوڑی دیر بعد اُجالا ہونے والا تھا لیکن میرا کام ختم نہیں ہوا تھا۔ منرمراد کا مسئلہ ذہن میں رہ رہ کر بچھو کی طرح ڈنک مار رہا تھا۔

تکان کے غلبے سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے میں نے برف کے ڈلوں میں بے حساب مقدار انڈیل کر کم از کم چار گنا پیمانہ تیار کیا اور تلخ لاوے کے گھونٹ معدے میں اتارتا فون کے قریب

جا بیٹھا۔

"کسے فون کر رہے ہو؟" سلطان شاہ نے اذیت ناک لہجے میں کہا اور میں اس پر برس پڑا۔

"خاموش نہیں رہو گے تو کمرے میں مقفل کر کے تنہا چھوڑ دوں گا۔ جو ہو رہا ہے بس خاموشی سے دیکھتے رہو۔ زیادہ ذہنی قلابازیوں کی ضرورت نہیں، زیادہ مجبور کر دگے تو کوئی خواب آور دوا دے دوں گا۔"

میں نے ڈائریکٹری میں تلاش کر کے اس ہوٹل کا نمبر ملایا جہاں مسز مراد مقیم تھی تو دوسری گھنٹی پر ایک غنودہ سی نسوانی آواز نے کال وصول کی۔ جب میں نے مسز مراد سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو آپریٹر کی آواز سے نیند کا خمار ایک دم دور ہو گیا، لہجے میں بھی بیزاری کی جگہ تجسس پیدا ہو گیا۔

"آپ کون بول رہے ہیں؟" اس نے پُر اشتیاق لہجے میں سوال کیا۔

"وہ میری بھانجی ہے۔" میں نے دبنگ لہجے میں کہا۔ "تمہیں میرے شجرے سے کیا غرض ہے؟"

"اوہ غلط نہ سمجھیں جناب۔" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی۔ "ہم خود ان کے کسی عزیز یا واقف کار کی تلاش میں تھے۔ آپ ذرا ہولڈ کریں، میں منیجر صاحب کو اٹھاتی ہوں۔" اور وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر لائن پر سے غائب ہو گئی۔

بمشکل ایک یا ڈیڑھ منٹ بعد فون پر منیجر کی آواز سنائی دی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے گہری نیند سے بیدار کیا گیا ہے۔ "آپ مسز مراد کے ماموں ہیں۔۔۔؟ زحمت نہ ہو تو فوراً ہوٹل چلے آئیں یا اپنا پتا بتا دیں یا فون نمبر دے دیں۔ مسز مراد ایک مشکل سے دوچار ہو گئی ہیں۔ ہوٹل کے رجسٹر میں لکھوایا ہوا پتا مفروضہ ثابت ہوا ہے، ان کے کمرے سے بھی کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس سے ان کے پتے ٹھکانے کا علم ہو سکے۔"

"وہ کوئی یتیم یا لاوارث لڑکی نہیں ہے، میں ابھی آ رہا ہوں۔" میں نے اسی دبنگ اور غصیلی آواز میں کہا۔ "لیکن پتا تو چلے کہ وہ کہاں ہے؟ کیا مصیبت مول لے بیٹھی ہے؟"

"ایک قتل کا معاملہ ہے جناب!" ریسیور پر منیجر کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ہوٹل کے احاطے میں ایک اجنبی کا قتل ہو گیا تھا۔ لاش کی شناخت کے لیے پولیس نے ہوٹل میں مقیم مسافروں سے بھی رجوع کیا۔ مسز مراد مقتول پر نظر پڑتے ہی ہذیانی انداز میں چلانے لگیں اور اسی عالم میں بے ہوش ہو گئیں۔ وہ پولیس کی حراست میں سول اسپتال میں داخل ہیں اور میرے ستارے گردش میں آئے ہوتے ہیں۔ پولیس مجھے گرفتاری کی دھمکیاں دے رہی ہے کیونکہ مسز مراد کا دیا ہوا مستقل پتا غلط ثابت ہوا ہے۔۔۔ اب میں ہر مسافر کے سچ اور جھوٹ کی تصدیق تو نہیں کر سکتا۔ آپ کتنی دیر میں آ رہے ہیں جناب عالی؟"

"بس میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" میرا جواب سُن کر اس کے منہ سے دعائیہ کلمات کا سیلاب بہ نکلا تھا۔ میں نے اس کے خاموش ہونے کا انتظار کیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

یہ بھی غنیمت تھا کہ مسز مراد پولیس کو کوئی بیان دیے بغیر اسپتال جا پہنچی تھی مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس قسم کے معاملات میں وہ بالکل اناڑی تھی۔ غیر متوقع طور پر کرامت کی لاش سامنے آنے پر صدمے سے ہوش و حواس کھو بیٹھی ہو گی لیکن اسے پولیس کی حراست سے نکالنا بہت دشوار تھا۔ قانونی طور پر بیان دینے تک اس کی جان نہیں چھوٹ سکتی تھی۔ پھر بیان کی بنیاد پر تفتیشی حکام اگر اسے گرفتار کرنے کا فیصلہ ہی کر لیتے تو اس کی عدالت میں پیشی سے قبل ضمانت دشوار تھی۔ میں اس ادھیڑ بُن میں مبتلا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

"تم جاگ رہے ہو؟" پہلی گھنٹی ختم ہونے سے پہلے ہی میں نے ریسیور اٹھایا تو کانوں میں اسے لوگی آواز رس گھول گئی۔

"ہاں جناب! حالات کچھ ایسے ہی ہو گئے ہیں۔"

"رخشی کا کیا رہا؟" اس نے اپنے مخصوص انداز میں نپا تلا سوال کیا۔

"قاسم سیدھا اسی پتے پر پہنچا تھا لیکن مکان خالی تھا، واپسی پر وہ خاصا بوکھلایا ہوا تھا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ادھر کا رُخ کرنے سے پہلے اس نے رخشی کو ہوشیار کر دیا ہو؟"

"سب کچھ ممکن ہے جناب! میری تو عقل ہی کام نہیں کر رہی۔ میں مسلسل اس کی نگرانی کرتا رہا ہوں، وہ وہیں مقیم تھی اب پتا نہیں کہاں غائب ہو گئی؟"

"قاسم پر کڑی نگاہ رکھو۔۔۔ وہ کام کا آدمی ہے، میں سوچ سمجھ کر اس کے بارے میں فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"بہتر جناب۔ وہ ایک پل کے لیے بھی میرے آدمیوں کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو سکے گا۔"

"تم کن حالات کا ذکر کر رہے تھے؟"

"پچھلی شام کسی نے کرامت کو اس ہوٹل کے احاطے میں ہلاک کر دیا، جہاں مسز مراد مقیم تھی۔ آپ سے اطلاع ملنے کے بعد مسز مراد سے رجوع کرنے کی کوشش کی گئی تو اسے پولیس کی تحویل میں اسپتال منتقل کیا جا چکا تھا۔"

کھیل دلچسپ ہوتا جا رہا ہے۔" ریسیور پر اس کی آواز قدرے خوابناک ہو گئی۔ جیسے قتل و خون کی خبر سن کر اس کے حواس پر نشہ چڑھ رہا ہو۔ "ذرا تفصیل تو بتا ڈالو۔"

میں نے مختصر ترین الفاظ میں اپنی معلومات کا نچوڑ اس کو سنا دیا۔

"اس وقت کیا حال ہے اس کا؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے سوال کیا۔

"بیان دینے کے قابل نہیں ہو سکی ہے۔" میں نے اندازے کی بنا پر اعتماد سے کہہ ڈالا۔

"وہ بہت کم جانتی ہے لیکن جو کچھ جانتی ہے، اس کا افشا ہماری کاروباری ساکھ کی تباہی کے لیے کافی ہو گا۔ اگر اسے پولیس کی تحویل سے نکالنا ناممکن ہے تو اسے اسپتال ہی میں ختم ہو جانا چاہیے۔"

اس کا فیصلہ سن کر میرے اعصاب جھنجھنا اٹھے، سنگدلی اور سفاکی کے ایسے بھیانک تیور کبھی میرے تصور میں بھی نہیں آ سکے تھے۔ مسز مراد عملاً باہر کی عورت تھی، اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ ایشین سنڈیکیٹ کی ملازمہ تھی اور اس کے بیان سے اس گھناؤنے برآمدی کاروباری ادارے کی نیک نامی پر حرف آ سکتا تھا للٰہذا نہایت سرد مزاجی کے ساتھ اس کے قتل کا حکم جاری کر دیا گیا تھا، جیسے وہ انسان نہیں، کوئی حقیر سی چیونٹی ہو۔ بے بس، مجبور اور غیر اہم۔

"میں یہ حکم قاسم تک پہنچا دوں گا۔" میں نے اپنے دل و دماغ میں ابھرتی ہوئی نفرت کی لہر پر قابو پا کر آہستگی سے کہا۔

"اس کام کے لیے وہی مناسب رہے گا۔" اس کی آواز پر خونریزی کا خمار اور گہرا ہو گیا۔ "کرامت کے قتل کا مطلب ہے کہ وہ اس مشتبہ جوڑے کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اگر اس جوڑے کو تخریب کاری کے لیے لاہور بھیجنے والا قاسم ہی تھا تو اس کو اب مسز مراد کی بھی جستجو ہو گی، وہ یہ کام خوشی سے انجام دے گا۔"

"یس سر۔" میں جواب میں اس کے علاوہ اور کچھ نہ کہہ سکا، لائن بے جان ہو چکی تھی۔

اے ٹو ذہنی اعتبار سے بہت برتر تھا، کرامت کے قتل سے اس نے صحیح نتائج اخذ کیے تھے، اسے یہ اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ کرامت کو مارنے والوں کو مسز مراد کی طرف سے بھی خلش ہو گی، فرق صرف اتنا تھا کہ میری کامیاب حکمتِ عملی کی بنا پر وہ مجھے نظر انداز کر کے قاسم کو سارے مصائب کا ذمے دار سمجھ رہا تھا۔

میرے دل میں اس کی طرف سے نفرت میں اضافے کے ساتھ ہی ذہن پر جھلاہٹ طاری ہونے لگی۔ اتنا کچھ کر گزرنے کے باوجود میں اے ٹو کی خود اعتمادی کو متزلزل نہیں کر سکا تھا۔ وہ شوریدہ سر، طوفانی لہروں میں گھری ہوئی کسی دیو پیکر چٹان کی طرح بدستور اپنی جگہ اٹل تھا اور لہریں اس کے قدموں میں مچل مچل کر دم توڑ رہی تھیں۔ اس کے لہجے میں وہی تحکم اور غرور تھا جس نے آواز بن کر نجانے کتنے منہ زوروں کو غلام بنایا ہوا تھا۔ اس کے الفاظ میں طاقت تھی اور پے در پے زخم کھانے کے باوجود وہ حوالات کی سلاخوں کے اس پار سے لے کر ہسپتال کے بستر تک اپنے فیصلوں کو نافذ کرنے پر قادر تھا۔ اور یہ محض اس لیے تھا کہ وہ اپنے وفاداروں سے دشمنوں تک سب کے لیے ایک بے نام آسیبی سایہ تھا، وہ خود کسی پر اور کہیں بھی وار کر سکتا تھا مگر دوسروں کے لیے وہ ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی بھاری اور خوابناک آواز کے سوا کچھ نہ تھا جسے نہ وہ پکڑ سکتے تھے، نہ تباہ کر سکتے تھے۔

میرا جی چاہا کہ اسی وقت اٹھوں اور ہر اس فرد اور شے کو تباہ کرتا چلا جاؤں جس سے اے ٹو کے مفادات وابستہ تھے۔ گو کلاس میں برف کے ڈلوں کو گھلاتا ہوا، سارا سیمابی سیال میرے معدے میں اتر چکا تھا لیکن ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔ کوئی بھی اندھا دھند اقدام میری ساری کوششوں پر پانی پھیر سکتا تھا۔ میرا سفر صحیح سمت میں جاری تھا، خرابی بس اسی قدر تھی کہ مجھے اپنی جاں سوز کوششوں کا مطلوبہ صلہ نہیں مل رہا تھا۔

اے ٹو کے نام پر اپنی سلامتی کو داؤ پر لگانے والے خالد اور کمال اپنے آقا کے اشارے پر حوالات کی سلاخوں میں محفوظ ہونے کے باوجود موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تھے اور اب شمیر حیات سے ایک بیتہ اور جھڑنے والا تھا۔ اے ٹو کے آسیبی وجود کو ایک اور انسانی جان کی بھینٹ درکار تھی، ہیروئن کے سیلاب میں ہر طرف تباہی اور بربادی کے سودے کرنے والا اپنی سلامتی کے لیے یکے بعد دیگرے انسانی لاشوں کے ڈھیر لگاتا جا رہا تھا۔ اور میں اپنی تمام تر نیک خواہشات کے ساتھ اس کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور تھا۔

دل گرفتگی کے عالم میں میں قاسم کا نمبر ملانے لگا تاکہ اس خونخوار درندے کو ایک سہمے سکڑے ہوئے، بے ضرر شکار کی اطلاع دے سکوں۔

اگلی صبح کے اخبارات سنسنی خیز خبروں سے بھرے ہوئے تھے۔ لاہور کے واقعات کی تازہ ترین تفصیلات کراچی کے اخبارات تک پہنچ گئی تھیں مختصر سی اشاعت کے

ایک مقامی اخبار میں مسز مراد کے قتل کی خبر بھی پہلے صفحے پر موجود تھی۔ اسے ایک اجنبی ڈاکٹر کے بھیس میں دیکھنے آیا تھا۔ اسپتال کے عملے نے اس کے پیشہ ورانہ حلیے کی بنا پر اسے روکنا مناسب نہیں سمجھا اور مسز مراد کے بستر کے قریب بینچ پر اونگھتا ہوا ڈیوٹی کانسٹیبل اسے اسپتال کے عملے کا کوئی فرض شناس ڈاکٹر سمجھتا رہا۔ اس نے خواب آور دواؤں کے اثر کے تحت سوتی ہوئی مسز مراد کا معائنہ کیا، سپاہی سے کچھ سوالات کیے اور پھر مریضہ کو ایک انجکشن لگا کر واپس چلا گیا۔

اس کے جانے کے دس منٹ بعد ہی مریضہ کے منہ سے نیلے جھاگ نکلنے لگے، بدن اینٹھنے لگا پھر اس نے طبی عملے کی نگاہوں کے سامنے سسک سسک کر دم توڑ دیا۔ پراسرار اجنبی کی تلاش کی کوششیں بے سود ہی ثابت ہوئیں۔

مسز مراد کرامت کے قتل کے سلسلے میں سامنے آئی تھی۔ اخبارات میں کرامت کو نامعلوم مقتول قرار دیا گیا تھا کیونکہ اس کے پاس سے کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی تھی جس سے اس کی شناخت میں مدد ملتی البتہ اس گمنام مقتول کے جوتوں پر لاہور کی ایک کمپنی کا نام درج تھا لہٰذا سارے قیاسات میں یہی فرض کیا گیا تھا کہ مقتول لاہور کا باشندہ تھا۔ گو مقتول اور مسز مراد کا کوئی تعلق سامنے نہیں آسکا تھا لیکن مسز مراد کے ردعمل کی بنا پر ان دونوں کو ایک دوسرے کا ساتھی تصور کر لیا گیا تھا پھر کہانی سیدھی سادی ہو گئی تھی۔ اخباری وقائع نگار نے دلائل کی بنیاد پر کراچی میں ہونے والے دوہرے سفاکانہ قتل کا تعلق لاہور کے پچھلے دن کے واقعات سے قائم کر دیا تھا۔

لاہور کی ایک بڑی عمارت میں بھیانک آتش زنی کے نتیجے میں نہ صرف اس عمارت کے ایک احاطے سے لاش برآمد ہوئی بلکہ عمارت میں موجود غیر قانونی اسلحے اور بارود کے ذخیرے کا بھی انکشاف ہوا جو نامعلوم مقاصد کے تحت وہاں جمع کیا گیا تھا۔ اسی شام لاہور میں گمنام قاتلوں نے اندھا دھند تین گداگروں کو ہلاک کیا جس سے اس شبہ کو تقویت ملتی تھی کہ جنونی قاتلوں کو مقتول گداگروں جیسی جسامت والے کسی ایسے دشمن کی تلاش تھی جو کسی مقابلے میں لباس تار تار ہونے کے بعد بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ پھر پولیس نے کسی گمنام مخبر کی اطلاع پر آتش زنی کے شبے میں کمال اور خالد نامی دو افراد کو حراست میں لیا لیکن باقاعدہ بازپرس کے آغاز سے پہلے ہی ان دونوں کو حوالات میں زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا تاکہ وہ مجرموں کے اہم راز فاش نہ کر سکیں پھر کراچی میں نامعلوم شخص مارا گیا اور مسز مراد پولیس کی نگاہوں میں آگئی۔ اسے بھی کچھ اہم باتیں معلوم تھیں لہٰذا اس سے پیشتر کہ وہ اپنا بیان دیتی اسے بھی ختم کر دیا گیا۔

نامعلوم مقتول کے لاہور کے بنے ہوئے جوتوں اور خالد، کمال اور مسز مراد کے قتل کے یکساں طریقۂ کار کی بنا پر ان سب معاملات کو ایک ہی کڑی میں پرو کر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا تھا کہ ملک میں بڑے پیمانے پر اسلحے کی اسمگلنگ اور تجارت جاری تھی۔ اور اسی میں اجارہ داری وغیرہ برقرار رکھنے کی خاطر زیرزمین دنیا کے کوئی دو طاقتور گروہ آپس میں ٹکرا گئے تھے، ہر فریق دوسرے کو بدترین جانی اور مالی نقصان پہنچانے پر تلا ہوا تھا۔ لیکن اس تصادم سے پولیس کو دور رکھنے کے معاملے میں دونوں ہی فریق یکساں پالیسی پر کاربند تھے کہ اپنے کسی ایسے کارندے کو پولیس کی تحویل میں زندہ نہ چھوڑا جائے جو اہم کاروباری راز فاش کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہو۔

اخباری وقائع نگار بہت ذہین تھا۔ اس نے اپنے تجربے اور بے لاگ تجزیے کی بنیاد پر واقعات کی کڑیاں بہت خوبصورتی کے ساتھ یکجا کی تھیں لیکن افسوس اور حیرت کی بات یہ تھی کہ لمبے چوڑے متن میں کہیں بھی ہیروئن جیسے موذی نشے کا ذکر نہیں آیا تھا جس کی سوداگری وہ سارے گل کھلا رہی تھی۔

ملک کے شہری حلقوں میں منشیات کے بڑھتے ہوئے استعمال کے خلاف بالعموم اور ہیروئن کی مقبولیت کے خلاف خاص طور پر غصے، تشویش اور اضطراب کی لہر پھیل رہی تھی جس میں انسدادِ منشیات کے ذمہ دار ادارے بھی سخت تنقید کا نشانہ بن رہے تھے۔ اس ضمن میں رائے عامہ کے دباؤ سے مجبور ہو کر آئے دن خصوصی مہمات چلائی جا رہی تھیں جن میں دس بیس گرام ہیروئن بیچنے والے خوردہ فروش ہی پکڑے جاتے تھے، کوئی بڑا سوداگر کبھی ہاتھ نہیں آسکا تھا۔ دوسری طرف لے ٹو نے اپنے گھناؤنے کاروبار پر اس قدر دبیز غلاف چڑھایا ہوا تھا کہ میرے بڑے بڑے اقدامات بھی ہیروئن کی تجارت کو اخبارات کی سرخیوں میں جگہ نہیں دلوا سکے تھے۔

سکندر علی جن دنوں کراچی میں ہیروئن کا بادشاہ تھا، ان ہی دنوں میرے دل میں بغاوت کے جذبے نے سر ابھارا تھا۔ پھر مسلسل کوششوں کے بعد میں اسے جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن اخبارات میں کہیں بھی اس شخص کے لیے مذمت کا ایک لفظ شائع نہیں ہو سکا، ہر طرف ایک ہی ذکر تھا کہ سکندر علی شہر کا بہت مخیر اور سماج دوست باشندہ تھا اور اسے محض اس وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا کہ وہ منشیات کے خلاف ہر مہم میں پیش پیش رہتا تھا، سکندر علی مرگیا، اس کا منصب بھی مجھے سونپ دیا گیا لیکن شہر میں کسی کو علم نہ ہو سکا کہ کراچی کتنا آسودہ

گھروں میں ہیروئن سے زہر کو متعارف کرانے اور پھیلانے والوں کا سرغنہ سکندر علی تھا۔

پھر مٹھا خان جو بی ون کے منصب پر فائز ہو کر بجانے کتنی مقدار میں اور کتنے شہروں میں ہیروئن کی تجارت کو کنٹرول کرتا تھا، اپنے ہی ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا تو اس بار بھی ہیروئن کے بارے میں ایک لفظ کا انکشاف نہیں ہوا۔ اس کی حویلی سے ایم پی تھری ہینڈرڈ ساخت کا طاقتور ٹرانسمیٹر ریسیور سیٹ برآمد ہوا جو ملک گیر پیمانے پر موت کی سوداگری میں اہم ترین مواصلاتی ذریعے کا کردار ادا کرتا تھا لیکن کسی کو اس حقیقت کا گمان تک نہ ہو سکا، اسے یقینی طور پر کسی ملک دشمن کے لیے جاسوسی کا کردار سمجھ لیا گیا۔ ہر حلقے میں اس واقعے پر دل کھول کر طبع آزمائی کی گئی لیکن کوئی بھی معاملے کے اصل رُخ کو نہ پہچان سکا۔

پھر اب لاہور میں میرے ہاتھوں اسے ٹو کا ایک اہم ترین ٹھکانا برباد ہوا تھا لیکن اس بار بھی اخبارات میں کہیں ہیروئن کا نام نہیں آنے پایا تھا۔ اخبارات قیاس آرائیوں سے بھرے ہوتے تھے مگر سارا زور صرف اسلحے کی اسمگلنگ پر تھا، آدمی مر رہے تھے، بھاری مالی نقصان ہو رہا تھا لیکن ہیروئن کا نام دبیز پردوں میں چھپا ہوا تھا کیونکہ اسے ٹُو اس سفوف سے اپنا ہزاروں گنا نقصان بھی پورا کر سکتا تھا، اسے ایک سے ایک جائیداد مل سکتی تھی، وفادار لڑاکوں کی ٹولیاں زرخرید غلام بنائی جا سکتی تھیں لیکن ایک مرتبہ ہیروئن کی تجارت کا راز فاش ہو جاتا یا وہ گھناؤنا کاروبار اس کے قبضے سے نکل جاتا تو اس کا متبادل تلاش کرنا ناممکنات میں سے تھا۔

اخباری حوالوں سے سامنے آنے والی اطلاعات اور اصل صورتحال کا موازنہ کرتا ہوا میں فیکٹری جا پہنچا۔ وہاں سے میری غیر حاضری کافی طوالت اختیار کر گئی تھی۔ وہاں کے بہتیرے کام ایسے تھے جو میرا عملہ کافی مدت تک میری کسی مدد کے بغیر چلا سکتا تھا لیکن پھر بھی بعض قانونی ضابطوں کی خانہ پُری کے لیے کاغذات پر میرے دستخط ضروری تھے۔ دفتری عملے نے خوشگوار حیرت کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ میں اپنے کمرے میں پہنچا تو خطوط کا ایک انبار میرا منتظر تھا۔

طے شدہ طریقہ کار کے مطابق سیکرٹری نے عام ڈاک سے آئے ہوئے خطوط، رجسٹرڈ خطوط سے الگ رکھے تھے۔ میں نے سرسری انداز میں خطوط کا جائزہ لینا شروع کیا اور چوتھی کوشش میں لاہور سے آتے ہوئے ایک لفافے سے عزالہ کی تصویر برآمد کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ اخبارات میں کرامت کے قتل کے سلسلے میں ساری ہی تفصیلات شائع ہوتی تھیں ساری جزئیات پر اس حد تک توجہ دی گئی تھی کہ جوتے بنانے والی کمپنی کا نام تک سامنے آ گیا تھا لیکن کسی بھی خبر میں مرنے والے کے پاس سے عزالہ کی تصویر کی برآمدگی کا ذکر نہیں تھا جبکہ مسز مراد نے مجھے خود بتایا تھا کہ لاہور سے چلتے ہوتے کرامت کے پاس عزالہ کی تصویر موجود تھی۔ اگر وہ تصویر ضائع ہو گئی تھی تو مجھے کوئی پروا نہیں تھی لیکن کسی پولیس افسر نے تفتیش کی خاطر دانستہ تصویر کا ذکر گول کر دیا تھا تو یہ میرے لیے تشویش کی بات تھی۔

قاسم کی کاٹ کرنے کے تنظیم کی طرف سے عزالہ کی تلاش کی ذمہ داری مجھے سونپ دی گئی تھی اور میرا خیال تھا کہ وہ آزادانہ طور پر شہر میں نقل و حرکت کر سکے گی لیکن کرامت کے پاس موجود تصویر کو میں بھلا ہی بیٹھا تھا۔ وہ کاپی اگر پولیس کے ہاتھ لگ گئی تھی تو عزالہ کے لیے گھر سے باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

یہ خیال آتے ہی میں مضطرب ہو گیا، فون پر اس قسم کی گفتگو مناسب نہیں تھی، عزالہ بلاوجہ ضرورت سے زیادہ پریشان ہو جاتی پھر لاہور سے واپسی کے بعد میں اسے گھر چھوڑنے گیا تو کسی سے ملے بغیر ہی واپس آ گیا تھا للہذا ضرورت اور موقع کی مناسبت سے میں نے دفتر چھوڑ دیا۔

گھر پہنچا تو وہاں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی کرنل زمار زیدی سیدھا میری طرف آیا تھا اور چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان بلا تمہید ہی بولنے لگا "غغ.... غضب ہو گیا تنویر میاں! وہ جنون کے عالم میں کمرے سے نکل آیا ہے ہر طرف توڑ پھوڑ اور بربادی مچا دی ہے، اس کی ماں راہداری میں بے ہوش پڑی ہے، کہیں وہ شمع کو مار ہی نہ ڈالے۔"

میرے ذہن میں ایک فلم سی تیزی سے گزر گئی، اگر کامران اپنی ماں کو ہلاک کر بیٹھتا تو گھر والوں کی مرضی کے بغیر بھی وہ پولیس کیس ضرور بنتا، تفتیش ہوتی، سب کے بیان لیے جاتے اور عزالہ کو پولیس کے سامنے پیش ہونا پڑتا جبکہ کرامت کے پاس سے اس کی تصویر امکانی طور پر پولیس کی تحویل میں جا چکی تھی۔

میں عزالہ کے باپ کو وہیں چھوڑ کر دوڑتا ہوا اندر گھستا چلا گیا۔ ڈرائنگ روم میں عزالہ نہایت خوفزدہ حالت میں کھڑی اندر جانے والے راستے کی طرف دیکھے جا رہی تھی اور ادھر سے توڑ پھوڑ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں ڈرائنگ روم سے نکل کر راہداری میں داخل ہوا تو عزالہ کی ماں، شمع فرش پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی اور راہداری کے سرے پر عزالہ کے والدین کی خواب گاہ سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے وہاں آوارہ بد

روحیں آپس میں لڑ رہی ہوں۔

میں خواب گاہ کے دروازے پر پہنچتے ہی ٹھٹک کر رک گیا۔ کامران ہاتھ میں ایک ڈنڈا لیے، اول فول بکتے ہوئے اسے چاروں طرف یوں گھماتے جا رہا تھا جیسے وہ ہر طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہو اور اگر اس نے ایک لمحے کے لیے بھی ہاتھ روکا تو وہ سب مل کر اسے دبوچ لیں گے، لاٹھی کی زد میں آنے والی ہر چیز ٹوٹ پھوٹ رہی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کا قد آدم آئینہ چور چور ہو چکا تھا، آرائشی سامان ٹوٹ کر فرش پر بکھرا ہوا تھا، خود کامران بھی اس خیالی مقابلے میں زخمی ہو چکا تھا لیکن اسے اپنی چوٹ کا احساس ہی نہیں تھا۔

پھر وہ اپنی پشت پر موجود کسی خیالی دشمن کے سر پہ ڈنڈا رسید کرنے کی نیت سے پیچھے گھوما تو اچانک ہی اس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ اس کے ہاتھ تھم گئے، بے رونق اور ویران آنکھیں کسی تاثر کے بغیر خوف زدہ انداز میں مجھ پہ جم کر رہ گئیں اور میں مدافعت کے لیے تیار ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مجھے اپنے دشمنوں کا سرغنہ سمجھ کر مجھ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتا ہو لیکن اس نے مجھے دیکھ کر حیرت ناک ردعمل کا مظاہرہ کیا۔

اس نے ڈنڈا فرش پر پھینک دیا، چہرے کے تنے ہوئے عضلات ڈھیلے پڑ گئے اور وہ سر جھکا کر زیر لب مہمل سے الفاظ بڑبڑاتا ہوا میرے قریب سے گزر گیا۔

عزالہ کے ساتھ کرنل زوار زیدی بھی میرے تعاقب میں راہداری میں آ پہنچا تھا۔ میں کامران کو دیکھنے کے لیے پلٹا تو... ان دونوں کے تحیر زدہ چہروں پر نگاہ پڑی۔ وہ حیرت سے کامران کو دیکھ رہے تھے جو دیوانگی کو بھول کر شریفانہ انداز میں سر جھکائے چلا جا رہا تھا۔ ان دونوں ہی کے لیے کامران کے رویے کی تبدیلی ناقابل فہم تھی۔

"کامران!" میں نے پُراعتماد لہجے میں اسے آواز دی لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بدستور مشینی انداز میں آگے ہی بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے راہداری میں بے ہوش پڑی ہوئی اپنی ماں سے بھی کوئی تعرض نہیں کیا تھا لیکن مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ کھلے لان میں نکل کر دوبارہ سرکشی کے موڈ میں نہ آ جائے لہٰذا میں لپک کر آگے بڑھا اور اس کا بازو تھام لیا۔ وہ کسی سدھائے ہوئے جانور کی طرح بے چون و چرا میرے ساتھ چلتا رہا اور میں نے اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا۔

وہاں میں نے تنہا ہی اس کے زخموں کو صاف کر کے ابتدائی طبی امداد بہم پہنچائی۔ اس دوران میں عزالہ یا کرنل میں سے کوئی کمرے میں نہیں آیا تھا۔ کامران کو میرے ساتھ مفاہمانہ رویہ اختیار کرتے دیکھ کر وہ دونوں شاید بے ہوش شمع کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے تھے۔

اپنے کام سے فارغ ہو کر میں نے کامران کو اسی کمرے میں مقفل کر دیا اور ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ وہاں عزالہ کی ماں پنکھے کے نیچے ایک صوفے پر پڑی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی نشیلی آنکھوں میں کرب کے سائے لہرا رہے تھے، مجھے دیکھتے ہی اس کے سوکھے ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ ابھر آئی اور آنکھوں میں ممتا بھرے پیار کا نور پوری طرح چمکنے لگا۔

"آؤ بیٹے!" وہ نقاہت زدہ آواز میں بولی۔ "اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔ ورنہ آج تو اس کے تیور بہت خراب تھے۔ نجانے تم سے کیوں اتنا ڈرتا ہے؟"

"ڈرتا نہیں ہے، بس پہلا تجربہ اس کے ذہن کے کسی بے نام گوشے میں جم کر رہ گیا ہے۔" میں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"پہلا تجربہ کیسا؟" کرنل نے حیرت سے پوچھا۔

"یہی کہ میں جسمانی طور پر اس سے برتر ہوں، پہلی مرتبہ میں نے مضبوطی سے اسے جکڑ لیا تھا۔"

"پھر تو خوف ہی ہوا نا۔" کرنل مایوسانہ لہجے میں بولا۔ "ڈنڈوں کی مار دھاڑ سے تو بڑے سے بڑا پاگل بھی خوف کھاتا ہے۔"

خوف تو بالکل لاشعوری کیفیت ہوتی ہے، میں سمجھا تھا کہ تم کچھ اور کہو گے، شاید کامران کے ذہن کا کوئی حصہ ناکارہ ہونے سے بچ گیا ہو۔"

"میرا اندازہ ہے کہ اس کے ذہن کا کوئی حصہ محفوظ ہے۔" میں نے کہا۔ "ورنہ عزالہ کے ساتھ اس کا رویہ مختلف نہ ہوتا۔ اس کے ساتھ آج تک کامران نے کبھی کوئی بدتمیزی نہیں کی۔"

"کاش وہ نارمل ہو سکے۔" شمع دردناک لہجے میں بولی۔ "جس دن اسے پرانی حالت میں واپس دیکھ لوں گی، جرم اور گناہ کا احساس میرے ذہن سے منتقل ہو جائے گا... اب تو ہر وقت اسے دیکھ کر کڑھتی رہتی ہوں۔"

اچانک مجھے اڈکشن کیور سوسائٹی یاد آ گئی۔ "آپ فکر نہ کریں، میں انشاء اللہ جلد ہی کامران کا علاج کراؤں گا۔"

"کہاں؟" شمع نے بے اختیار سوال کیا۔ "کیا لاہور میں کوئی بندوبست کر آئے ہو بیٹا؟"

میری اور عزالہ کی نگاہیں چار ہوئیں پھر ندامت کے بوجھ سے میرا سر جھک گیا۔ شمع کی آواز میں امید اور التجا رچی ہوئی تھی۔

"لاہور نہیں، یہیں کراچی میں علاج ہو گا کامران کا۔"

میں نے آہستگی سے کہا۔
"علاج کے دعویدار تو بہتیرے ہیں اس شہر میں مگر میری رسائی ٹھگوں سے آگے نہ ہو سکی۔" کرنل زوار زیدی نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "مریض کا علاج مرض نہیں، جیب دیکھ کر کیا جاتا ہے.... تم نے کس سے رجوع کیا ہے یہاں؟"
"شہر میں ایڈکشن کیور سوسائٹی کے نام سے انسدادِ منشیات کا ایک ادارہ کام کر رہا ہے...؟" میں نے تمہید شروع کی لیکن غزالہ کے باپ نے سوسائٹی کا نام سنتے ہی میری بات کاٹ دی۔
"اوہ..... اس سوسائٹی کا نام نہ لو، میں ان کے چکر میں بھی پھنس چکا ہوں۔ شاندار دفتر لیے بیٹھے ہیں، مفت سماجی خدمات کے نام پہ بھاری سرکاری گرانٹ حاصل کر کے سوسائٹی کے بانی اور چیئرمین نے اپنے کاروبار کو خوب وسعت دے لی ہے۔ شاید محسن نام ہے اس فراڈ کا... میں کئی بار اس سے مل چکا ہوں۔ چندہ دے کر ادارے کا رکن بھی بن چکا ہوں۔ ایک خیراتی سے ادارے میں کامران کو دو مرتبہ بھیجا تھا، دونوں مرتبہ ناقابلِ عمل کاغذی علاج تجویز کر کے لوٹا دیا...."
"مگر میں...." میں نے اس کی بات کاٹنی چاہی لیکن اس نے مجھے موقع ہی نہیں دیا۔
"پہلے میری پوری بات سن لو، پھر اپنی کہنا۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کامران کے بارے میں میری بے چینی بھانپ کر محسن نے مجھے اکبر سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا، معلوم ہے اس نے کیا فیس طلب کی تھی؟ دس ہزار روپے اور وہ بھی پیشگی۔ شاید میں اس جال میں پھنس بھی جاتا لیکن مجھے بروقت پتا چل گیا کہ اکبر سائیکاٹرسٹ ہونے کے ساتھ محسن کا داماد بھی ہے تو میرا دل اس کی طرف سے کھٹا ہو گیا، وہ سوسائٹی تو اب اکبر کے لیے بڑے گھرانوں کی موٹی آسامیاں پھانسنے کا اڈہ بن کر رہ گئی ہے۔"
اس بار میں کچھ بھی نہ بول سکا۔ کرنل زوار زیدی بھرپور تجربے سے گزر چکا تھا اور محسن کے داماد کی اصلیت دیکھ چکا تھا جب کہ میں خود بھی کامران کو اسی کے پاس لے جانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔
"تم کیا کہہ رہے تھے بیٹے؟" غزالہ کی ماں نے مجھے خاموش پاکر پُرامید لہجے میں ٹوکا۔
"اکبر لالچی ضرور ہے مگر میں نے اس کی تعریف سنی ہے۔" میں نے اپنی بات بنانے کے لیے کھلا جھوٹ بولا۔
"ہمارے میاں کیا کرتے پھرتے ہیں، ہمیں تو کچھ پتا نہیں چلتا، اگر وہ اچھا معالج ہے تو دس ہزار کی یہ قربانی بھی سہی، اتنی رقم تو میرے ایک آدھ زیور کی فروخت سے حاصل ہو سکتی ہے۔"
"پھر وہی بکواس۔" میرے احتجاج کرنے سے پیشتر کرنل بھڑک اٹھا۔ "میں اپنی پنشن بیچ کر بھی رقم پیدا کر سکتا ہوں۔ زیور کا نام کیسے لیا تم نے؟ نجانے یہ زیور کا نام ہر وقت تمہاری زبان کی نوک پر کیوں دھرا رہتا ہے؟"
شمع سہم گئی۔ اس کے زردی مائل سفید چہرے سے رہی سہی سرخی بھی کافور ہو گئی اور اس کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار نظر آنے لگے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس وقت اگر اسے ذرا سا سہارا نہ دیا گیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے گی۔
"زیور عورت کو سب سے عزیز ہوتا ہے۔" میں نے زبردستی مسکراتے ہوئے صورتحال کی سنگینی کو ختم کرنے کی نیت سے کہا۔ "امی بھی عورت ہی ہیں لیکن آپ اپنی پنشن کو کیوں لے بیٹھے۔"
"شمع جب زیور کا نام لیتی ہے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ مجھے میری، قلیل سی آمدنی کا احساس دلا رہی ہو، اس کی یہ بات مجھے گالی محسوس ہوتی ہے۔" کرنل بدستور غصیلے لہجے میں بولا۔
"زیور عزیز ہوتا ہے مگر اولاد عزیز تر ہوتی ہے۔" شمع میری مداخلت سے حوصلہ پاکر اپنے خشک ہوتے ہوئے لبوں کو زبان سے تر کرتے ہوئے بولی۔ "میں عمر کی اس منزل پر ہوں جہاں زیور اور آرائش کی ضرورت نہیں رہتی پھر میں دھیمے دھیمے اس آگ کا ایندھن بھی بنتی جا رہی ہوں جو میں نے خود ہی لگائی تھی۔" اس کے لہجے میں ٹوٹ کر اداسی امڈ آئی۔ "کچھ پتا نہیں کہ زندگی کے کتنے سانس باقی رہ گئے ہیں مجھے تو بس اتنی ہی تمنا ہے کہ اپنی زندگی میں کامران کو ہوش وحواس میں دیکھ لوں۔ ایک بار وہ امی کہہ کر مجھ سے لپٹ جائے تو مجھے قرار آ جائے گا، رہی غزالہ، تو اب مجھے اس کی طرف سے بے فکری ہے....!"
"بس بس۔" کرنل اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرنے کے باوجود لہجے کی ترشی پر قابو نہ پا سکا۔ "زیادہ لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت نہیں..... ابھی پٹ سے بے ہوش ہو جاؤ گی اور سیوا مجھ ہی کو کرنی پڑے گی۔"
ان دونوں کے درمیان مصالحانہ فضا پیدا ہوتے دیکھ کر میں پلٹا تو غزالہ وہاں سے غائب تھی، میں بھی خاموشی کے ساتھ باہر کھسک گیا۔ برآمدے میں پہنچتے ہی غزالہ نظر آ گئی۔ وہ لان کے ایک دور افتادہ گوشے میں بیٹھی گلاب کی کیاریوں میں کچھ کرید رہی تھی۔ میں برآمدے سے اتر کر سیدھا اسی کی طرف ہو لیا۔
مجھے دیکھتے ہی غزالہ خجالت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوتی۔ "طے کر آئے جھگڑا؟"

"ایسی چھوٹی موٹی جھڑپیں ازدواجی زندگی میں دلچسپی کو برقرار رکھتی ہیں۔" میں نے شرارت آمیز لہجے میں کہا "سب کچھ مرضی کے مطابق پُرسکون انداز میں ہوتا چلا جائے تو دونوں فریق زندگی کی یکسانیت سے اکتا جاتے ہیں۔"

"کیا اکبر واقعی اچھا سائیکٹرسٹ ہے؟" اس نے اپنی غزالی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے پوچھا جیسے اسے میری غیر متوقع قلابازی پر یقین نہ رہا ہو۔

"تمہیں شبہ کیوں ہے اس میں؟" میں نے سنجیدگی کے ساتھ جوابی سوال کر ڈالا مجھے اندازہ تھا کہ کامران کی بیماری اس گھرانے کے لیے حساس ترین موضوع تھا اور میں اس بارے میں اپنے خلوص کو شبہات میں ڈالنا پسند نہیں کرتا تھا۔ "لالچ ایک الگ چیز ہے، اس کا پیشہ ورانہ مہارت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں آپ۔" وہ دھیمے سے بولی۔ "آج کل تو جس کے ہاتھ میں خدا نے ذرا بھی شفا دی ہے، لالچ کا شکار ہو گیا ہے۔ نفع بخش کارخانوں اور ہوٹلوں کے بجائے دھڑا دھڑ فور اور فائیو اسٹار اسپتال کھلتے جا رہے ہیں...."

"ان میں بے لوث معالج بھی ہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "مستحق مریضوں کو ادویات تک خود فراہم کرتے ہیں بات بس اتنی ہے کہ جو بے غرض ہیں وہ اپنی تشہیر پسند نہیں کرتے اور حرص کے ماروں کی کہانیاں پھیلتی چلی جاتی ہیں۔"

"خیر جو آپ بہتر سمجھیں کریں۔ اب تو وہ مجھ سے زیادہ آپ کا بھائی ہے۔"

"اوں ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے تردید کی۔ "ان رشتوں میں ہیر پھیر ممکن نہیں، ہونے والا سالا بھائیوں سے زیادہ عزیز ہو سکتا ہے مگر بھائی ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

وہ بوکھلا کر دوبارہ گلاب کے پودوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس کی یہی ادا مجھے پسند تھی۔ روشن خیال اور تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اندر سے وہ ایک خالص مشرقی لڑکی تھی جس کے خمیر میں حیا کا عنصر بہت بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

"پھولوں سے کھیل رہی ہو یا کانٹوں سے الجھ رہی ہو؟" میں نے ایک قدم بڑھ کر سوال کیا۔

"دانستہ کوئی کانٹوں سے نہیں الجھتا۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے بولی۔ "نگاہیں پھول کی نرم و نازک پتیوں سے فریب کھاتی ہیں۔ چبھن ہوتی ہے تو اچانک ہی کانٹوں کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔" پھر اس نے یک بیک موضوع بدل دیا۔ "لاہور سے واپسی کے بعد یہاں کی صورتحال نہیں بتائی آپ نے۔"

"صورتحال سنگین ہے۔" میں نے یہ کہتے ہوئے جیب سے تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

"یہ... یہ کہاں سے آئی آپ کے پاس؟" اس نے تحیر زدہ لہجے میں سوال کیا کیونکہ جیتے جاگتے رومانس میں میں نے کبھی اس سے کوئی تصویر لینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔

"یہ تصویر غالباً ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے دفتر میں لی گئی تھی مجھے سخت ہدایات کے تحت موصول ہوئی ہے اور ہر قیمت پر کراچی میں تمہارا سراغ لگانا ہے۔"

"اوہو" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "آج کل تو کچھ زیادہ ہی اچھے جا رہے ہیں، میری تلاش کا کام آپ ہی کو سونپا گیا ہے۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہوا؟"

"شہر سے میری غیر حاضری کو بُری طرح محسوس کیا گیا، پورا کھیل ہی بگڑتا نظر آ رہا تھا، میں نے اپنی غیر حاضری کے جواز میں ایک کہانی تراشی جو قبول کر لی گئی۔" یہ کہہ کر میں اسے مختصر الفاظ میں گزرے ہوئے واقعات سے آگاہ کرنے لگا۔

"یہ تو بڑا اہم موڑ ثابت ہوا ہے۔" میرے خاموش ہونے پر وہ مسرت آمیز لہجے میں بولی۔ "ایک طرف آپ اسے ٹو کی نگاہوں میں اپنا مقام پیدا کر رہے ہیں، دوسری طرف تنظیم کے اندر کے لوگ آپ کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اب جلد ہی یہ سارا گورکھ دھندا بکھر کر رہ جائے گا۔"

"اس قدر خوش فہمی بھی اچھی نہیں، جو کچھ ہو رہا ہے نہ ہونے سے بہتر ہے لیکن اسے ٹو کی ذات اپنی جگہ محفوظ ہے، اتنی جدوجہد کے بعد بھی اس کے بارے میں کوئی ہلکا سا سراغ بھی نہیں مل سکا ہے دوسری طرف وہ اس قدر مستعد اور چوکنا ہے کہ کسی قسم کا کوئی بھی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

"اس کے لیے سب سے بڑا خطرہ تو یہ ہے کہ وہ ابھی تک آپ پر اندھا دھند اعتماد کیے جا رہا ہے۔"

"حالات کی مہربانی ہے، قاسم کے بارے میں اس کے رویے سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ اپنے خاص آدمیوں کے بارے میں وہ ذرا فکر مند ہو گیا ہے۔ اس نے قاسم کے خلاف کوئی سخت فیصلہ صادر کرنے کے بجائے اس پر نگاہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ شاید وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ اگر خود ہی شکوک و شبہات کی بنا پر اپنے آدمیوں کو مرواتا رہا تو جلد ہی بالکل اکیلا رہ جائے گا اور اس کا نظام بگڑ جائے گا۔"

"یعنی اس کی سنگدلی اور سفاکی میں کمی آ گئی ہے؟"

"یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" میں نے کہا "مسز مراد معمولی مہرے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی لیکن اسے ٹو نے اس کی گرفتاری

کو اپنے حق میں مُضر سمجھتے ہوئے پولیس کی تحویل میں مروا دیا۔"
"مروا دیا"! وہ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں تقریباً
چیخ پڑی "یہ کب کا قصہ ہے؟"
"آج اُجالا.... ہونے سے پہلے وہ اسپتال میں ختم کر
دی گئی۔" میں نے بتایا۔ شاید غزالہ کے گھر وہ اہم اخبار نہیں آتا تھا،
جس میں مسز مراد کی موت کی خبر شائع ہوئی تھی۔ "اس کے قتل کے
بارے میں ہدایت میرے ہی ذریعے قاسم تک پہنچی تھی، اس نے
اطلاع ملتے ہی اپنا کام دکھا دیا۔"
وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر وہیں بیٹھ گئی "یقین
نہیں آتا.... انسانی لہو کی اتنی ارزانی میری سمجھ سے باہر ہے۔ وہ
جو کوئی بھی ہے کسی بدترین ذہنی مرض میں مبتلا ہے ورنہ ذرا ذرا
سی بات پر یوں خونریز فیصلے نہ کرتا۔ کسی صحیح الدماغ آدمی کے لیے
تو ایک خون کا بوجھ بھی ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔"
"وہ جنونی ہے، اسی لیے تم کو محتاط رہنا ہوگا۔" میں نے
اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔
"مجھے؟ کیوں؟ میرا اس سے کیا تعلق؟" اس نے بڑی بڑی
وحشت زدہ نگاہیں میری طرف اٹھا کر سوال کیا۔
"بدقسمتی سے تعلق پیدا ہو گیا ہے، نصیر خان کے دفتر میں
لی جانے والی تصویر کو تمہیں ہر لمحے ذہن میں رکھنا ہوگا ورنہ ناقابلِ
تصور پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں...."
"مگر وہ تصویر تو آپ کے حوالے کی گئی ہے اور میں لاہور
جانے سے رہی۔"
"تصویر میرے پاس ضرور ہے لیکن یہ نہ بھولو کہ بدلے
ہوئے حالات میں مشتبہ لڑکی اس کے لیے بے پناہ اہمیت اختیار
کر گئی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ تصویر لے کر اس کا کوئی خاص آدمی براہِ راست
یہاں پہنچ جائے اور اپنے طور پر تمہاری تلاش کی متوازی مہم
شروع کر دے.... اس سے بھی بڑا خطرہ اس تصویر کی طرف سے
ہے جو مسز مراد کے مقتول ساتھی کے پاس تھی۔ اس کے قتل کی
خبروں میں کہیں بھی اس کے پاس سے کسی تصویر کی برآمدگی کا
ذکر نہیں ہے...."
"واقعی یہ تشویش کی بات ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی
"وہ کسی کے بھی ہاتھ لگ سکتی ہے، پولیس والے بھی اس کا ذکر
گول کر سکتے ہیں، ایسا ہوا تو تصویر کے حوالے سے کسی بھی وقت
کوئی اسکینڈل جنم لے سکتا ہے۔"
"بس میں یہی جتانا چاہ رہا تھا.... تم سختی سے گھر میں محدود
رہو گی، کوئی یقینی صورتحال سامنے آنے تک یہ احتیاط کرنی ہی پڑے
گی۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔
"یہ بہت مشکل ہوگا۔" وہ تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑائی۔
"کامران کے ناکارہ ہونے کی وجہ سے گھر کے بہتیرے کاموں کا
انحصار مجھ پر ہے.... ایسی خانہ نشینی سے تو اتی بھی پریشان
ہو جائیں گی۔"
"کاموں کے لیے ملازم رکھ لو، گھر سے کسی ضرورت کے تحت
نکلنا ہی پڑے تو برقع استعمال کرنا۔"
"یہ اور بھی مشکل ہوگا۔" وہ بولی۔ "برقع تو شبہات کو اور
بھی ہوا دے گا۔" وہ چند ثانیوں خاموشی کے ساتھ سوچتی رہی پھر
بولی "کیوں نہ میں بال ترشوالوں...."
"کیا یہ آسان ہوگا؟"
"بہت زیادہ۔ بلکہ یہی صورت قابلِ عمل ہو سکتی ہے۔
صرف اتی سے ذرا سا جھوٹ بولنا ہوگا کہ آپ کو ترشے ہوئے بال
پسند ہیں، وہ آپ کا بہت احترام کرتی ہیں، فوراً اجازت مل
جائے گی۔"
"پھر ایسا ہی کر لو کٹے ہوئے بالوں اور عینک سے چہرہ
بڑی حد تک بدل جائے گا.... لیکن اس کے باوجود بھی تم گھر سے کم
ہی باہر نکلو گی۔"
اسی وقت کرنل زوار زیدی مجھے آوازیں دیتا برآمدے
سے نکل آیا اور میں غزالہ کو وہیں چھوڑ کر اس کی طرف بڑھ گیا۔
"کہاں تھے تم؟ میں سارے کمروں میں تلاش کر کے آ رہا ہوں"
مجھے دیکھتے ہی اس نے بزرگانہ شان سے پھٹکارا۔
"کامران کے بارے میں سوچ رہا تھا، آج ہی اکبر سے ملتا ہوں"
میں نے خفت کے ساتھ کہا۔
"میں تمہیں روکتا نہیں لیکن میرا دل اس پر مائل نہیں۔"
میں کچھ دیر کے لیے اس کے پاس بیٹھا لاہور کے بارے
میں مفروضہ مصروفیات کے قصے سناتا رہا پھر بات گھما پھرا کر
اسے بھی اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی میرا خیال
تھا کہ وہ اکبر سے مل چکا تھا۔ لہٰذا مجھے براہِ راست اس تک سے
جا سکتا تھا تنہا جانے کی صورت میں مجھے اڈیکشن کیور سوسائٹی کے
سیکریٹری، نسیم سے رجوع کرنا پڑتا۔ لیکن کرنل زوار زیدی
سختی کے ساتھ اپنے انکار پر اڑا رہا اور میں وہاں سے اُٹھ گیا۔
وہاں سے روانہ ہو کر میں محمد علی ہاؤسنگ سوسائٹی کے
اس بنگلے پر پہنچا جس کے بیرونی کمروں میں سوسائٹی کا شاندار
دفتر قائم تھا اور اندرونی حصہ رہائشی استعمال میں تھا۔ دفتر کے
باہر روایتی چپڑاسی ملازم بیٹھا اونگھ رہا تھا جسے میں پہلی بار چپڑاسی نوشی

پر ڈانٹ چکا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی پہچان گیا اور سلام کرنے کے ساتھ ہی رازدارانہ لہجے میں انکشاف کیا کہ وہ چرس نوشی کی عادتِ بد ترک کر چکا تھا۔ لیکن اس کی جھنجھیاتی ہوئی سرخ آنکھیں اس کے کھلے جھوٹ کی چغلی کھا رہی تھیں۔

"نسیم صاحب موجود ہیں؟" میں نے اس سے رسماً دریافت کیا۔

"جی صاحب۔ آج تو محسن صاحب بھی آئے ہوئے ہیں۔" اس نے خوشامدانہ انداز میں دانت نکال کر کہا۔

میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وسیع ایئرکنڈیشنڈ کمرے میں گھستے ہی میرے نتھنوں میں کیوبا کے بیش قیمت سگار کی خوشبو در آئی، دروازہ بے آواز تھا، دبیز فرشی قالین کے سبب قدموں کی چاپ بھی نہیں پیدا ہوتی تھی۔ لیکن دفتر کے خوابناک ماحول میں کھلے ہوئے دروازے سے پڑنے والی تیز روشنی نے ان تینوں کو میری طرف متوجہ کر دیا تھا۔ دروازہ بند ہوا تو اندر پھر وہی دھیمی دھیمی سی روشنی باقی رہ گئی، جو کھڑکیوں پر پڑے ہوئے دبیز پردوں کے باعث رات کا سماں پیدا کر رہی تھی۔

چند قدم بڑھنے کے بعد میری نگاہیں اس ناکافی روشنی کی عادی ہوئیں تو میں بے اختیار چونک پڑا۔

ایڈکشن کیور سوسائٹی کا سیکریٹری اپنی میز کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ دوسری بڑی میز کے پیچھے ریوالونگ چیئر میں ایک لحیم شحیم اور گورا چٹا شخص دانتوں میں سگار دبائے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے میز کی دوسری جانب قاسم براجمان تھا مجھے وہاں دیکھ کر اس کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار نظر آئے تھے لیکن اس نے مجھے مخاطب کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

میں اپنی حیرت پر قابو پا کر، بظاہر قاسم کو نظر انداز کرتا ہوا نسیم کی میز کی طرف بڑھ گیا۔

"آیئے آیئے، تنویر صاحب، کیسے مزاج ہیں؟" نسیم نے کرسی سے اٹھ کر پُرتپاک لہجے میں میرا استقبال کرتے ہوئے کہا۔ غالباً میرا نقد عطیہ اس کے لیے خاصا غیر متوقع رہا تھا اور اسی وجہ سے اسے میرا نام یاد رہ گیا تھا۔

اس سے ہاتھ ملا کر بیٹھتے ہوئے میں نے پلٹ کر سرسری انداز میں دوسری بڑی میز پر نگاہ ڈالی تو قاسم کہنیوں کے بل میز پر جھکا دوسرے آدمی سے دھیمے لہجے میں باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ نسیم کے مقابل بیٹھنے کے بعد میرے لیے گھوم کر ان دونوں کی طرف دیکھنا مشکل تھا لہٰذا میں نسیم سے گفتگو میں مصروف ہو گیا۔

"یہ دوسرے صاحب کون ہیں؟" رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے نسیم سے سوال کیا۔

"ارے یہی تو محسن صاحب ہیں؟" اس نے گویا میری کم علمی پر حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "سوسائٹی کے بانی اور چیئرمین۔"

"وہ تو میں نے اندازہ لگا لیا تھا۔" میں نے ہلکے سے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میں ان کے ملاقاتی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

"وہ محسن صاحب کے دوست اور سوسائٹی کے قابلِ قدر سرپرست قاسم صاحب ہیں....!"

اس کی زبان سے قاسم کا اصل نام سن کر میں نے مضحکانہ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "صورت سے تو چھٹے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔" یہ تبصرہ کرتے ہوئے میں نے دھیمی آواز کر لی تھی۔

"ان کی صورت پر نہ جایئے۔" نسیم نے بھی آواز مدھم ہی رکھی۔ "بڑا دردمند دل پایا ہے انہوں نے مستقل عطیات دیتے رہتے ہیں، کوئی اچانک ضرورت پیش آ جائے تو اس سے بھی منہ نہیں موڑتے۔"

"آپ کے بھی بڑے بے نام مہربان پائے جاتے ہیں اس شہر میں، یہ کوئی معروف شخصیت تو نہیں معلوم ہوتے۔" میں نے اسے اکسانے کے انداز میں کہا۔ دراصل میں اس سے یہ معلوم کرنا چاہ رہا تھا کہ قاسم جیسا وحشی اور خونی انسان ایڈکشن کیور سوسائٹی میں کس حیثیت سے پہچانا جاتا تھا؟

"نہیں صاحب، خاصے باحیثیت آدمی ہیں۔" نسیم میری توقع کے مطابق اُچھٹ کر بولا۔ "بہت بڑا برآمدی کاروبار ہے ان کا۔ لاہور میں واقع ایشین سنڈیکیٹ نامی فرم کے مالک یا پارٹنر ہیں۔ کراچی میں بھی دفتر ہے۔"

اس کے انکشافات پر میری کھوپڑی گھوم کر رہ گئی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایشین سنڈیکیٹ کا نام قاسم کے لیے مانوس ہو گا مگر نسیم دوسری ہی کہانی سنا رہا تھا۔

پھر میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور میں بے اختیار پھریری لے کر رہ گیا۔ قاسم بظاہر کراچی میں تنظیم کے مفادات کا پس پردہ نگران تھا اور اپنے کام کی انجام دہی کے سلسلے میں اس کے ہاتھ کئی انسانوں کے خون سے آلودہ تھے۔ یہ درست تھا کہ وہ ہمیشہ ہی بہت زیادہ محتاط رہتا تھا اور کبھی بھی کسی واردات کے سلسلے میں اس کا نام مشتبہ افراد کی فہرست میں نہیں آ سکا تھا لیکن پھر بھی وہ ہر وقت قانون کی گرفت کے خطرے سے دوچار تھا۔ کسی بھی معاملے میں ذرا سی لغزش اسے براہِ راست ہتھکڑیاں لگوا سکتی تھی جبکہ اسے تو اس قسم کے لوگوں سے فاصلہ برقرار رکھنے کا قائل تھا لیکن قاسم کے معاملے میں صورتحال مختلف نظر آ رہی تھی ایک طرف وہ قتل و خونریزی سے ہیروئن کی ترسیل تک عملی کاموں میں

پوری طرح ملوث تھا اور دوسری طرف اسے ایشین سنڈیکیٹ جیسے اہم ادارے کے حوالے سے اپنا تعارف کرانے کی چھوٹ ملی ہوئی تھی جس کی نیک نامی پر حرف آنے کے خوف سے اسے ٹو نے مسز مراد کو ٹھکانے لگوا دیا تھا۔ اس کے علاوہ رخشی کے معاملے میں بھی اسے ٹو کا رویہ ناقابلِ فہم تھا۔ ایک طرف یہ عالم کہ جس کسی پر ذرا سا شبہ بھی ہو جائے تو [illegible] کے خلاف سزا کا فیصلہ صادر کر دیا جائے لیکن جب میں نے اسے رخشی کے معاملے میں قاسم کی بدنیتی سے آگاہ کیا تو اس نے قاسم کو اہم آدمی قرار دیتے ہوئے اسے اس حد تک ڈھیل دینے کا فیصلہ کر لیا کہ بعض کام بھی اسی کے ذریعے انجام دیتا رہا۔

مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ میں [illegible] بذاتِ خود ہی تنظیم کا سرغنہ نہ ہو اور اس نے پورے حالات سے [illegible] کے لیے بظاہر نچلے درجے کی رکنیت اختیار کی ہوئی ہو۔ اپنی ذات کو شبہات سے بالاتر رکھنے کے لیے وہ اپنے کسی بھی قابلِ اعتماد تنخواہ دار کو اسے ٹو کا نام دے کر لاہور میں بٹھا سکتا تھا جبکہ تمام تر اختیارات اور قوت کا سرچشمہ وہ خود ہی تھا۔

اس نظریے میں بس ایک ہی جھول تھا کہ اپنی منصوبہ بندی اور طریقۂ کار کی بنا پر اسے ٹو بہت اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ اور قاسم ان خوبیوں سے محروم نظر آتا تھا۔

اگر قاسم خود ہی تنظیم کا سرغنہ تھا تو وہ میرے ساتھ کوئی بھیانک کھیل کھیل رہا تھا۔ بظاہر میری کراچی سے غیر حاضری کے جواز کو قبول کر چکا تھا مگر ساتھ ہی رخشی کے ذریعے مجھے تنظیم سے غداری پر اکسا رہا تھا۔ رخشی براہِ راست تو مجھ پر تسلط قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی لیکن نئے نظریے کی روشنی میں وہ اپنا وہی کردار بخوبی سرانجام دے رہی تھی۔ شاید قاسم میری طرف سے شبہات کا شکار ہو چکا تھا۔ اور مختلف حربوں کے ذریعے میری نیت کا کھوج لگانے پر تُل گیا تھا۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب مجھے قاسم سے ضرورت سے زیادہ محتاط رہنا ہوگا کیونکہ مجھ سے سرد جنگ کے دوران وہ میری تخریبی کارروائیوں کی صلاحیت کا بخوبی اندازہ کر چکا تھا اور مجھ پر بھروسا کرتا، اس کی منصوبہ بندی میں ایسے امکانی پہلوؤں کو ہرگز نظر انداز نہ کرتا۔

لیکن اڈکشن کیور سوسائٹی سے اس کا کیا تعلق تھا؟ وہ پس منظر میں رہ کر کام کرنے والا آدمی تھا۔ تنظیم کے معاملات میں اسے عام روابط یا اپنی نیک نامی کی تشہیر کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی پھر وہ اس ادارے کے لیے خطیر رقم کیوں برباد کر رہا تھا؟ میرے اس سوال کا جواب صرف محسن ہی دے سکتا تھا۔

"غیر ہوں گے کوئی تیس مار خان یہ میں نے اکتاتے ہوئے لہجے میں نسیم سے کہا۔" میں تو ایک ضروری کام سے آیا تھا۔ اگر محسن صاحب کے پاس وقت ہو تو ذرا ان سے گفتگو کرنی چاہوں گا۔"

"بالکل تشریف لے جایئے۔" اس نے سراپا اخلاق بن کر کہا میں نے سر گھمایا تو قاسم کا کہیں پتا نہیں تھا اور محسن میز پر رکھے ہوئے کاغذات کے مطالعے میں مصروف تھا۔ دھواں اگلتا ہوا سگار اس کے دہانے میں یوں دبا ہوا تھا جیسے وہ پیدائشی طور پر وہیں نصب رہا ہو۔ نسیم نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے محسن سے موزوں الفاظ میں میرا تعارف کرایا اور میں نے محسن کے ایما پر وہی کرسی سنبھال لی جس پر چند ثانیوں قبل قاسم براجمان تھا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" محسن نے دانتوں سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔ اس کی انگلیوں میں تین عدد بیش قیمت انگوٹھیاں جھلملا رہی تھیں "نسیم نے مجھے بتایا تھا کہ آپ سوسائٹی کے پروگرام میں خاصی دلچسپی لے رہے ہیں، غالباً لیاری میں ہونے والے مجوزہ سروے میں بھی آپ شریک ہونا چاہتے ہیں۔"

"یقیناً۔" میں نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "مگر فی الوقت میں ایک مشورے کے لیے حاضر ہوا تھا۔"

"حکم۔" وہ سگار ایش ٹرے میں رکھ کر ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"میرے ایک واقف کار کا نوجوان بچہ کسی نشے کے ہاتھوں ذہنی توازن برباد کر بیٹھا ہے اس کے علاج کے لیے میں آپ کے مشورے کا طالب ہوں عزت دار گھرانا ہے بدنامی سے بھی ڈرتے ہیں اور بچے کا علاج بھی کرانا چاہتے ہیں۔"

"منشیات کی وبا کی لہر آبادی کے نچلے طبقوں میں زیادہ پھیلی ہوئی ہے۔" وہ پُرخیال انداز میں کہنے لگا "اور سوسائٹی کے سارے پروگرام آبادی کے ان ہی طبقات کے لیے تیار کیے جاتے ہیں۔ شاید سوسائٹی کے مراکز آپ کو پسند نہ آئیں۔ وہاں بھانت بھانت کے جاہل لوگ آتے ہیں اور اپنے مریضوں کے لیے اودھم برپا کیے رہتے ہیں، میری رائے میں اگر آپ اپنے مریض کا علاج نجی طور پر کرائیں تو زیادہ بہتر رہے گا، بعض اداروں کی کارکردگی سے میں خود مطمئن ہوں۔"

"میں نے اکبر نامی کسی صاحب کی تعریف سُنی ہے۔" میں نے انجان بن کر کہا۔

"درست سنی ہے۔" وہ جلدی سے بولا "معزز اور خوشحال گھرانوں کو میں خود وہیں جانے کا مشورہ دیتا ہوں اس کلینک میں سائنٹیفک طریقوں سے اڈکشن کا علاج کیا جاتا ہے . . ."

"لیکن میرے مریض کا مسئلہ اڈکشن نہیں ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر تصحیح کی "وہ کوئی نشہ نہیں کرتا، اس کا ذہنی توازن اس قدر خراب ہو چکا ہے کہ اسے کسی چیز کا ہوش ہی نہیں رہا"

"آپ اکبر سے مل لیں"۔ اس نے اپنی میز کی دراز سے اکبر کے کلینک کا کارڈ نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں اسے فون کیے دیتا ہوں، آپ کے آدمی کو وہاں وی آئی پی کی حیثیت دی جائے گی۔"

میرے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے نمبر ملا کر فون پر اکبر سے گفتگو شروع کر دی اور اسی دوران میں شام کے لیے وقت بھی مقرر کر دیا۔ اس نے پوری گفتگو میں کہیں بھی اپنے اور اکبر کے رشتے کا اظہار نہیں کیا تھا، میں نے بھی اس دکھتی رگ کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ اور وہاں سے اٹھ گیا۔

کامران کو اسی شام میں نے کیور کلب میں داخل کرا دیا۔ وہاں کا ماحول پرسکون، صاف ستھرا اور متاثر کن تھا۔ خرابی بس ایک ہی تھی کہ وہاں کے اخراجات بہت ہی ہوشربا تھے۔ اکبر تقریباً پون گھنٹے تک ایک مخصوص کمرے میں کامران کے ساتھ بند رہا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد اس نے اپنے تجزیے کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ کامران کی حالت نارمل ہونے کے قوی امکانات موجود ہیں لیکن نفسیاتی علاج کا مرحلہ بہت صبر آزما تھا۔ نتائج برآمد ہونے میں تین چار مہینوں کی نوبت بھی آ سکتی تھی۔ جب میں نے اخراجات کا تخمینہ دریافت کیا تو اس نے یومیہ اخراجات کی سرسری تفصیل سنا ڈالی جس کے مطابق تین چار مہینوں میں تیس سے چالیس ہزار روپے تک خرچ ہونے کا امکان تھا۔ اس مرحلے پر میں نے اسے یاد دلایا کہ وہ مریض کے باپ کو دس ہزار روپے کا تخمینہ دے چکا تھا تو اس نے یہ کہہ کر مجھے لاجواب کر دیا کہ وہ مریضوں کا علاج کرتا ہے ٹھیکیداری نہیں کرتا۔ اگر اس نے کرنل زوار زیدی سے ایسی کوئی بات کی ہو گی تو وہ مریض کے تفصیلی معائنے سے پہلے محض اندازے کی بنا پر کی ہو گی جس کا حوالہ دینا بھی مناسب نہیں تھا۔ میں خاموشی کے ساتھ کیور کلب کے خزانچی کے پاس دس ہزار روپے پیشگی جمع کرا کے لوٹ آیا۔ اس علاج گاہ کی سہ منزلہ عمارت کے تمام کمرے ایئر کنڈیشنڈ اور آرام دہ تھے جہاں پہرے کی حد تک مریضوں کی پرائیویسی کی نگہداشت کی جاتی تھی۔

کامران کو میں تنہا ہی لے کر آیا تھا۔ غزالہ کے ساتھ حفاظت کی مجبوری تھی۔ اس کی ماں مستقل روگی تھی اور باپ اکبر سے متنفر تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ میں اکبر سے ملاقات کے بعد کامران کو واپس گھر لے آؤں گا۔

اسپتال کے ایک معاون کے ہمراہ کامران کو لفٹ کے ذریعہ تیسری منزل پر اس کے کمرے میں پہنچا کر میں واپس روانہ ہو گیا۔ راستے میں میں غزالہ کے گھر ٹھہرا تو وہاں ماحول پر سوگوار سی اداسی طاری تھی۔ گو کامران اس گھر میں ایک اجنبی کی طرح بوجھ بن کر رہ رہا تھا اور گھر والوں پر اس کی دیکھ بھال کی صورت میں ناگوار ذمہ داری بھی عائد تھی لیکن بنیادی طور پر وہ اس گھر کا رکن تھا لہٰذا اس چھت کے نیچے اس دیوانے کی کمی محسوس کی جا رہی تھی۔

"کیا رائے ہے ڈاکٹر کی؟" شمع نے مجھے دیکھتے ہی دردمندانہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

"کامران کا مرض قابلِ علاج ہے لیکن نتائج برآمد ہونے میں کافی وقت لگ سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو مجھے تو یہ سب بکواس ہی معلوم ہوتی ہے" کرنل زوار زیدی نے تلخ لہجے میں تبصرہ کیا۔ "مریض کی صحت یابی کی امید دلائے بغیر وہ ایک دھیلا بھی وصول نہیں کر سکتا، جس دن اس نے اندازہ لگا لیا کہ کامران کے علاج کے اخراجات ہماری برداشت سے باہر ہو گئے ہیں، اسی دن وہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر ہماری امیدوں پر پانی پھیر دے گا۔"

"جس دن اس کی بدنیتی کا کوئی ثبوت سامنے آیا اسی دن میں اس کی عزت اتار کر رکھ دوں گا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "میں ذاتی تجربے کے بغیر مفروضات میں الجھنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"ان میں یہی خرابی ہے بیٹے۔" شمع نے محبت آمیز لہجے میں کہا۔ "انہیں اپنی پہچان پر بڑا ناز ہے کہ بس جس کے بارے میں کوئی رائے قائم کر لیتے ہیں، اسی پر اڑ جاتے ہیں.....۔"

"اور آج تک میری کوئی رائے غلط ثابت نہیں ہوئی۔" وہ فخریہ لہجے میں بولا۔ "اب یہی دیکھ لو کہ میں نے تنویر کو نیک اور سعادت مند سمجھا تھا اور اس نے ابھی تک ہمیں مایوس نہیں کیا۔"

"غزالہ نظر نہیں آ رہی۔" میں نے موضوع بدلنے کی نیت سے چونک کر کہا۔

"وہ بے وقوف کامران کے کمرے میں گھسے روئے جا رہی ہے.... جاؤ، شاید تم ہی اسے سمجھا سکو۔" غزالہ کے باپ نے مجھے شہ دی اور میں بلا تامل وہاں سے اٹھ گیا۔

کامران کے کمرے کے دروازے پر میں رک گیا کیونکہ غزالہ اپنے فاترالعقل بھائی کے میلے بستر پر اس کے تکیے میں منہ چھپائے سسک سسک کر رو رہی تھی۔ رونے کے ساتھ اس کے بدن پر تشنج کی سی کیفیت بھی طاری تھی۔ جیسے وہ اس وقت شدید جذباتی ہیجان میں مبتلا ہو۔

"غزالہ!" میں نے آہستگی سے اسے آواز دی اور وہ ہڑبڑا کر بستر سے اٹھ گئی۔ اس کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور آنکھوں میں سرخی رچی ہوئی

تھی۔ نجانے وہ کتنی دیر سے اسی طرح روتے جارہی تھی۔
مجھے دیکھ کر اس نے جلدی جلدی اپنی آنکھیں خشک کیں
پھر زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی بستر سے اُٹھ
کھڑی ہوئی۔ "کامران کہاں ہے؟" اس نے سوال کیا تو اس کی
آواز بھرائی ہوئی تھی۔

میں نے اسے کامران کے بارے میں تفصیلات بتانی
شروع کیں اور ہم دونوں مکان کے عقبی حصّے سے نکل کر
ٹہلتے ہوئے لان پر نکل آئے۔

کچھ دیر بعد جب اس کا موڈ بحال ہوا تو میں نے اس کے
سامنے ایک پہیلی رکھ دی۔

"نہیں۔ میں کچھ نہیں سمجھ سکی۔" اس نے حیرت سے پلکیں
جھپکاتے ہوئے کہا۔

"ایڈکشن کیور سوسائٹی کے دفتر میں ایک جانا پہچانا شخص
دکھائی دیا تھا، نام بوجھو تو مان لوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے
تھوڑی سی وضاحت کی۔

"جانا پہچانا؟" اس نے آہستگی سے دہرایا پھر مجھ سے سوال کیا
"کیا میں بھی اس سے واقف ہوں؟"

"کم از کم نام سے واقف ہو۔"

"قاسم؟" اس نے بے یقینی کے ساتھ پوچھا اور میں
اچھل پڑا۔

"اس کا نام کیسے آگیا ذہن میں؟"

وہ مسکرادی۔ "میرے اور آپ کے درمیان گنے چُنے
نام ہی مشترک ہیں، محسن کا وہاں ملنا حیرت کا باعث نہیں ہو
سکتا تھا کیونکہ وہ سوسائٹی کا کرتا دھرتا ہے، اس کے بعد دو نام
ہی رہ گئے تھے، جہانگیر یا قاسم۔"

"شاید تمہیں یہ سن کر حیرت ہو کہ کراچی میں بھی ایشین سنڈیکیٹ
لمیٹڈ کا دفتر موجود ہے اور سوسائٹی میں قاسم اس کاروباری
ادارے کے شریک کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔"

"یہ تو عجیب سی خبر سنائی آپ نے۔" وہ بے اعتباری کے
عالم میں بولی۔ "اس جیسے خونی اور قاتل کو اے ٹو نے اجازت
کیسے دے دی کہ وہ ایشین سنڈیکیٹ کا نام استعمال کرتا پھرے؟"

"یہی الجھن تو مجھے بھی ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "ایک طرف
اے ٹو کو ایشین سنڈیکیٹ کی نیک نامی اس قدر عزیز ہے کہ
اس پر حرف آنے کے خوف سے اس نے مسز مراد کو اسپتال میں
مروادیا اور دوسری طرف قاسم کو کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے اس کا تو
کام ہی ایسا ہے کہ وہ کسی وقت بھی پکڑا جاسکتا ہے۔"

"پ... اور ایڈکشن کیور سوسائٹی سے اس کے تعلق کی نوعیت
کیا ہے؟"

"اللہ بہتر جانتا ہے... سیکرٹری کے بیان کے مطابق
تو قاسم سوسائٹی کا سرپرست، فراخدلی کے ساتھ ان کی مالی
اعانت کرتا رہتا ہے۔"

"راجہ سکندر علی کی طرح اس نے بھی دوسرا بہروپ رچایا
ہوا ہے، بھیڑیے کے ساتھ بھیڑ بھی بنا ہوا ہے، لیکن اسے یہ ناٹک
رچانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اسے تو پس پردہ رہ کر ہی اپنے
فرائض انجام دینے ہوتے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ کسی بُرے وقت کی پیش بندی کررہا
ہو... یا ہوسکتا ہے کہ تنظیم میں کسی اعلیٰ حیثیت کا حامل ہو
اور محض حالات سے باخبر رہنے کے لیے نچلی سطح پر کام کرتا ہوا
نظر آرہا ہو۔"

"سیکرٹری بھی بے چارہ آلۂ کار معلوم ہوتا ہے اصل بات
تو محسن ہی کو معلوم ہوگی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ انسدادِ منشیات
کے ادارے کی آڑ میں محسن بھی ہیروئن فروخت کرتا ہو؟"

"براہِ راست ملک سے باہر اسمگل کرتا ہو تو دوسری بات
ہے ورنہ مقامی بازار کے لوگوں سے پوشیدہ رہنا ناممکنات
میں سے ہے، بہرحال کی ترسیل اور تقسیم قاسم کی نہیں جہانگیر
کی ذمہ داری ہے، یہ تو کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے میرا خیال
ہے کہ قاسم کو اب گھیرنا ہی پڑے گا۔"

"کاش میں آپ کی مدد کرسکتی، لاہور جاکر تو میں نے خود اپنے
پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔"

"تمہاری یہی مدد کچھ کم نہیں ہے کہ نصیر خان ہمارے ساتھ
مل گیا ہے اور ہم اے ٹو کے کچھ آدمیوں کی نشاندہی کرنے میں
کامیاب ہوچکے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ہم اپنے کسی بھی حربے سے
اے ٹو کے اعتماد کو متزلزل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔"

وہ خاموش رہی اور میں سگریٹ سلگانے میں مصروف
ہوگیا۔ چند ثانیوں بعد اس نے بوجھل سی آواز میں سکوت
توڑ دیا۔ "آپ نے اچھا کیا کہ کامران کو اسپتال میں داخل کرادیا
لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ میں اسے دیکھنے کے لیے آسانی سے نہ
جاسکوں گی۔"

"آسانی یا مشکل کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا... فی الحال
تم ادھر کا رُخ بھی نہیں کروگی۔"

"کیوں؟ برقع اوڑھ کر جانے میں کیا مضائقہ ہے؟"

"یہ اچھا ہی ہوا کہ ایڈکشن کیور سوسائٹی سے قاسم کا تعلق
بروقت سامنے آگیا۔ میں نے تو اس قدر احتیاط سے کام لیا ہے
کہ اسپتال میں تمہارے گھر کا پتا بھی درج نہیں کرایا۔ کامران

کے مستقل رہائشی پتے کے طور پر اپنے مکان کے کوائف درج کرائے ہیں۔ تاکہ یہ گھر کسی بھی طرح قاسم کی نگاہوں میں نہ آسکے۔"

"آپ شاید قاسم کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔"

"سوسائٹی کے دفتر میں ہم دونوں نے براہِ راست ایک دوسرے کو دیکھا تھا لیکن اس کی لاتعلقی دیکھ کر میں بھی انجان بن گیا جس طرح مجھے اس کی وہاں موجودگی پر حیرت ہوئی تھی اسی طرح وہ بھی میری آمد کا سبب جاننا چاہے گا اس نے بعد میں یقیناً محسن یا نسیم سے رجوع کیا ہوگا اور میرے لائے ہوئے مریض کی حیثیت سے کامران کی ذات اس کے لیے دلچسپی کا سبب بنی ہوگی۔" میں نے کہنا شروع کیا "اسے وقتاً فوقتاً میرے ہاتھوں زک اٹھانی پڑی ہے اور وہ لامحالہ اس نئے حوالے سے میرے بارے میں کچھ اور بھی جاننا چاہے گا۔ اس مقصد کے لیے وہ اپنے آدمیوں کو کامران کے ملاقاتیوں کی نگرانی پر بھی مامور کرسکتا ہے۔ وہ بہت خبیث آدمی ہے۔ تمہارے سامنے آتے ہی میری کمزوری بھانپ لے گا۔ اور ہمارے لیے نئی دشواریاں کھڑی کردے گا۔"

"یعنی میں مہینوں کامران سے نہ مل سکوں گی؟" اس کی آواز میں مایوسی امڈ آئی۔

"ہوسکتا ہے کہ ہفتے عشرے میں حالات سازگار ہوجائیں۔" میں نے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "لیکن فی الحال تمہیں خود پر بڑا قابو رکھنا ہوگا۔۔ میں کامران کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا۔"

"حالات کا رُخ موڑنے کے لیے اب کیا سوچا ہے آپ نے؟" قدرے توقف کے بعد اس نے سوال کیا۔

"ذہن میں کچھ ابھرا سا خاکہ موجود ہے تنہائی میں بیٹھ کر لائحہ عمل مرتب کرنے کی کوشش کروں گا۔ اب صبر کی انتہا ہوچلی ہے۔ اُس کی ذات کو بے نقاب ہوجانا چاہیے۔"

وہ دھیمے سے ہنس پڑی۔ "آپ تو یوں کہہ رہے ہیں جیسے کسی مورتی کی نقاب کشائی کرنا ہو، وہ بہت شاطر آدمی معلوم ہوتا ہے اور اب تو وہ نامعلوم دشمنوں کی جانب سے چوکنا بھی ہوگیا ہے۔"

"وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں ہے۔۔۔ ہم جیسا ایک عام انسان ہے کہیں نہ کہیں اس سے لغزش ضرور ہوگی اور ہمیں اسی سے فائدہ اٹھانا ہوگا۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "آپ کو سوچنے کے لیے تنہائی کی ضرورت ہے اور تنہائی میں بوتل آپ کی رفیق ہوتی ہے۔۔۔ آخر آپ یہ عادت ترک کیوں نہیں کردیتے؟"

"یہ توقع کیوں کرتی ہو کہ موت کی سوداگری کرنے کے بھی

میں پُرسکون رہ سکوں گا۔۔ شاید یہی میری ہلکی پھلکی سی سزا ہے کہ ذہنی آسودگی کو ترسا ہوا ہوں۔۔۔ پیتا ہوں تو کچھ دیر کے لیے ساری الجھنیں بھول جاتا ہوں۔ لیکن وہ وقت بھی جلد ہی آئے گا کہ مجھے ایسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

تھوڑی دیر بعد میں وہاں سے رخصت ہوگیا۔

راستے میں میرا ارادہ جہانگیر سے ملنے کا تھا لیکن سلطان شاہ کی وجہ سے میں نے وہ ارادہ ملتوی کردیا۔ وہ خاصا زخمی تھا اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ گھر پر اکیلا پڑے پڑے اکتا نہ گیا ہو۔ اس کی خبرگیری کے بعد بھی میں جہانگیر سے رجوع کرسکتا تھا کیونکہ ان دنوں وہ بیوی کے خوف سے آزاد بے فکری کے دن گزار رہا تھا۔

جہانگیر کے دل میں پروان چڑھنے والے باغیانہ خیالات سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ میرے اکسانے پر وہ کئی بار اس تنظیم سے اپنے تنفر کا اظہار کرچکا تھا لیکن ہر بار میں نے ایک حد تک پہنچنے کے بعد موضوع کو ٹال دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اب اسے اعتماد میں لینے کا وقت آگیا تھا۔

ایک طرف قاسم تنظیم سے باغی ہوگیا تھا اور مقامی منڈی میں اے ٹو کے مالی مفادات کو زک پہنچا کر میرے ذریعے دولت بٹورنی چاہتا تھا، دوسری طرف جہانگیر بھی تنظیم کے گندے کاموں سے دست بردار ہوکر عزت کے ساتھ گمنامی کی زندگی گزارنے کا آرزومند تھا، میں اپنی خفیہ سرگرمیوں کے ذریعے اے ٹو کے ذہن میں نادیدہ دشمنوں کا ہوا کھڑا کرچکا تھا لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ میں قاسم اور جہانگیر کو اپنے ساتھ ملا کر محاذ کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتا۔ مزے کی بات یہ ہوتی کہ میرے مفادات کے لیے کام کرتے ہوئے قاسم اسی خوش فہمی میں مبتلا رہتا کہ سارا گورکھ دھندا اسی کے اشارے پر چلایا گیا ہے۔

لیکن یہ سارے مفروضات اسی وقت درست ثابت ہوتے جب قاسم واقعی نچلے درجے کا آدمی ہوتا جب کہ اس کے بارے میں میرے ذہن میں ہولناک خدشات جنم لے چکے تھے، بعض اہم واقعات کی کڑیاں یکجا کرنے سے اس کی شخصیت پر تنظیم کے مقتدرِ اعلیٰ کا گمان ہوتا تھا۔

اپنے منصوبے کے مطابق کسی بھی پیش رفت سے پہلے میں اس بات کا یقین کرنا چاہتا تھا کہ قاسم میرے ساتھ کوئی گہری چال نہیں چل رہا تھا۔ ایک بار اس کی صحیح حیثیت کا تعین ہونے کے بعد معاملات آگے بڑھائے جاسکتے تھے۔ یقین دہانی اور بازپرسی کا یہ مرحلہ بھی میں جہانگیر کی موجودگی میں انجام دینا چاہتا تھا تاکہ آئندہ کے لیے میرے اور اس کے درمیان باعتماد

بنیادیں استوار ہوسکیں۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ ہم دونوں کی منزل قاسم سے قطعی مختلف تھی۔ اگر وہ واقعی ملے ٹو نہیں بلکہ اس کا کارندہ تھا تو بظاہر اس کی کھوپڑی پر زن کے ساتھ ہوس زر سوار تھی۔ وہ بھاری رقم کما کر لے ٹو کے حوالے کرنے کے بجائے میرے ساتھ مل کر خود ہضم کرنا چاہتا تھا جبکہ ہم دونوں اس گھناؤنے کام سے ہی تائب ہونا چاہتے تھے۔

اسی ادھیڑبن میں کھویا ہوا میں گھر پہنچا تو سلطان نے اپنے ادھڑے ہوئے ورم آلود چہرے پر مسکراہٹ سجا کر میرا استقبال کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کے پپوٹوں کی نیلاہٹ گہری ہوگئی تھی۔ ورم آلود آنکھوں میں خاصی جھری پیدا ہوگئی تھی۔ مگر سوجے ہوئے ہونٹوں نے مسکراہٹ کے ساتھ ڈراؤنا انداز اختیار کرلیا تھا۔

"تمہارے لیے دو بار فون آچکا ہے۔" اس نے سرہانے رکھے ہوئے فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کون تھا؟" میں نے اس کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"جہانگیر۔ بہت بوکھلایا ہوا تھا۔ تمہارے لیے پیغام چھوڑنے کے باوجود پچھلے بیس پچیس منٹ میں دوبار فون کرچکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"تمہارا کیا حال ہے؟" میں نے مسہری پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ خشک لہجے میں بولا۔ "جس حال میں ہوں ٹھیک ہوں، لیکن اب تم میری مزاج پرسی نہ کرنا، گالی سی محسوس ہوتی ہے۔"

"کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بس ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مزاج پرسی کے بہانے تم مجھے چڑا رہے ہو، اس مقابلے کا خیال آتے ہی میری کھوپڑی چٹخنے لگتی ہے... وہ لاکھ طاقتور سہی لیکن مجھے نجانے کیا ہوگیا تھا کہ میں اس کے ہاتھوں پٹتا ہی چلا گیا۔ جب تک میں بھی اپنے ہاتھوں سے اس کا حلیہ نہ بگاڑ لوں گا، چین نہیں آئے گا۔"

"اگر وہ تم سے صلح کرنا چاہے؟" میں نے سوال کیا۔

اس نے منہ بگاڑ کر صلح کی شان میں کچھ نازیبا کلمات کہے پھر بولا۔ "جب تک اس پر جوابی وار نہ کرلوں، صلح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہمارے قبیلے میں دشمن کے ہاتھوں پٹنے کے بعد صلح کا مطلب بزدلی اور نامردی ہوتا ہے... یہ تو ہتھیار ڈالنے سے بھی زیادہ شرمناک ہے۔"

"لیکن اب تم قبیلے میں نہیں، میرے ساتھ رہ رہے ہو۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"رہ بھی رہا ہوں، تمہارا نمک بھی کھا رہا ہوں لیکن رگوں میں وہی قبائلی خون زور مار رہا ہے، جو شہ رگ کٹنے سے پہلے ہار ماننی نہیں جانتا، یہ اب میرا اور اس کا ذاتی معاملہ ہے۔"

"اور اگر بدلے ہوئے حالات کے تحت ہمیں اس سے مل بیٹھنا پڑ جائے تو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر سوال کیا۔

"تمہاری کسی مصلحت کا تقاضا ہوا تو فی الحال میں بھی اس سے مل بیٹھوں گا لیکن میرے دل میں انتقام کی آگ بھڑکتی رہے گی، تمہارا کام نکلتے ہی میں اس پر ٹوٹ پڑوں گا... انتقام کے لیے تو ہم لوگ ساری ساری عمر انتظار کرتے ہیں لیکن اسے بھولنا ہمارے مزاج کے خلاف ہے۔ اسے چھوڑو، تم کیا بحث لے بیٹھے ابھی تو میں باہر نکلنے سے بھی معذور ہوں، وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا کہ کیا کرنا ہے۔ تم اپنے دوست کی تو خبر لو۔"

میں چونک کر فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

دوسری طرف سے پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا گیا۔

جہانگیر کی آواز سے واقعی تشویش نمایاں تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟ میں ابھی ابھی گھر پہنچا ہوں۔"

"اوہ... کہاں مر گئے تھے تم؟" میری آواز پہچانتے ہی وہ پھٹ پڑا۔ "میں بہت پریشان ہوں، فوراً میرے پاس پہنچو۔"

"لیکن ہوا کیا ہے...؟"

میں نے کچھ جاننے کی نیت سے پوچھنا چاہا لیکن اس نے میری بات درمیان ہی سے کاٹ دی۔ "فون پر بات نہیں ہوسکتی بس بلا تاخیر چلے آؤ، میں انتظار کررہا ہوں۔"

پھر اس نے میرا جواب سننے کی زحمت کیے بغیر سلسلہ منقطع کردیا، میں نے بھی ایک گہرا سانس لے کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ "وہ واقعی پریشان ہے، میں اس کی طرف جا رہا ہوں۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا اور فوراً ہی واپس چل دیا۔ اس بار میں پستول اور کچھ فاضل راؤنڈز ساتھ لینا نہیں بھولا تھا۔

میں نے جہانگیر کے مکان کے پھاٹک پر رک کر ہارن بجایا تو کئی منٹ کے انتظار کے بعد آہنی پھاٹک کھولا گیا......

ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سامنے چوکیدار کے بجائے جہانگیر خود ہی نظر آرہا تھا۔ اس کا داہنا ہاتھ گاؤن کی جیب میں پڑا ہوا تھا، میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ جہانگیر کی اس جیب میں ریوالور موجود تھا۔

میں تیزی سے کار کو پورچ میں بڑھا لے گیا۔ مجھے

یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ چوکیدار کے ساتھ ہی مکان میں کتوں کا دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

میں اگنیشن آف کر کے چونکنے انداز میں نیچے اترا تو جہانگیر پھاٹک بند کر کے تیز تیز قدموں سے واپس آتا نظر آیا۔ قریب آ کر وہ رُکے بغیر میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے ساتھ اندر لیتا چلا گیا جیسے باہر کی کھلی فضا میں اسے کسی سے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو۔

"کیا قیامت ہے؟ یہ سب بھاگ دوڑ کیسی ہے؟ مجھے کچھ تو بتاؤ۔" میں نے اس کے پُراسرار رویّے پر احتجاج کرتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یہ دیکھ رہے ہو؟" اس نے ہیجان آمیز دھیمے لہجے میں فرشی قالین پر بکھرے ہوئے شیشے کے ٹکڑوں اور پتھروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مین سوئچ آف کر کے پورے مکان میں اندھیرا کر دیا گیا تھا پھر اچانک ہی مکان کے شیشوں پر پتھراؤ شروع ہو گیا۔ اندھیرے میں باڑھ کے قریب مجھے تین ہیولے نظر آئے تھے جو پورے جوش و خروش سے پتھراؤ کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے ان میں سے ایک کو زخمی بھی کر دیا تھا میری طرف سے بے آواز فائرنگ کا آغاز ہوتے ہی وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے، اندھیرے میں باہر نکلنے سے پہلے میں نے تمہیں فون کیا تو تم غائب تھے، مجبوراً میں نے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا تو گیراج میں لگا ہوا مین سوئچ آف تھا... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کون لوگ تھے اور کیا چاہتے تھے؟"

"کتے کیا کر رہے تھے تمہارے؟"

"کتے عقبی حصے میں بے ہوش پڑے تھے، قریب ہی لان پر اُبلے ہوئے گوشت کے کچھ پارچے پڑے ہوئے تھے، شاید ان پارچوں میں کوئی خواب آور دوا شامل تھی، باہر سے وہ ٹکڑے اندر اچھال کر پہلے کتوں کو خاموش کیا گیا پھر روشنی گل کر دی گئی، پہلے چوکیدار بجلی کی خرابی کا سُراغ لگانے گیراج کی طرف گیا تو کئی آدمیوں نے اسے بے خبری میں دبوچ کر باندھ دیا۔ دوسری طرف سے کتوں کا رکھوالا گیراج میں پہنچا تو اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ ان دونوں کے دہانوں میں بے رحمی سے کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ انہیں میں نے ہی اس عذاب سے نجات دلائی تھی۔ وہ دونوں کوارٹر کے اندر پڑے اب خوف سے گھگھیا رہے ہیں۔"

"انہوں نے کسی کو دیکھا تو ہوگا؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"اندھیرے میں خاک نظر آتا... انہیں تو یہ بھی ہوش نہیں کہ حملہ آور کتنے تھے، دونوں ہی درجنوں کی کہانی سُنا رہے ہیں۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔

"تمہیں یہ کیسے پتا چلا کہ تم نے ان میں سے ایک کو زخمی کر دیا تھا؟"

"فائر کے بعد ہلکی سی بے اختیار چیخ سنائی دی تھی، ادھر لان پر خون کا دھبہ بھی موجود ہے۔"

"ان قدِ آدم شیشوں کے ٹوٹنے سے خاصا شور ہوا ہوگا۔ آس پاس سے کسی نے دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی؟" میں نے وسیع و عریض چوبی فریموں پر نگاہ ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

وہ تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "یہ لالو کھیت نہیں ہے میرے دوست جہاں کمروں کی دیوار سے دیوار ملی ہوتی ہے ایک گھر میں گڑبڑ ہو تو پورا محلہ جمع ہو جاتا ہے.... یہاں کوئی دوسرے کے پھٹے میں ٹانگ نہیں اڑاتا... اوّل تو کسی نے شور سُنا ہی نہیں ہوگا اور سُن بھی لیا ہوگا تو اسے میرے گھر کی گڑبڑ سے زیادہ اپنی حفاظت کی فکر لاحق ہو گئی ہوگی۔"

اسی وقت میری نگاہ دیوار کی جڑ میں پڑے ہوئے ایک پتھر پر پڑی اور میں نے لپک کر اسے اُٹھا لیا۔ اس چٹانی پتھر کے ساتھ نائیلون کی مضبوط ڈوری کے ذریعے ایک کاغذ بندھا ہوا تھا، وہ عجیب پتھر دیکھ کر جہانگیر بھی اضطراری طور پر میرے قریب آ گیا۔

بھورے رنگ کے مضبوط پیکنگ پیپر پر سُرخ مارکر سے موٹے اُردو حروف میں ایک مختصر سا دھمکی آمیز پیغام تحریر تھا۔

"پتھروں کی طرح دستی بم بھی برسائے جا سکتے ہیں۔"

وہ تحریر دیکھ کر میرے ذہن سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا ورنہ میں شروع سے مسلسل یہی سوچ رہا تھا کہ اتنی جدوجہد کے بعد ان گمنام حملہ آوروں نے صرف پتھراؤ پر کیوں اکتفا کیا؟

اس رقعے سے صاف ظاہر تھا کہ حملہ آوروں کا مقصد صرف جہانگیر کو خوف زدہ کرنا تھا اس دھما چوکڑی کے ذریعے وہ اسے بے بسی اور عدم تحفظ کا احساس دلانا چاہتے تھے جس میں وہ پوری طرح کامیاب رہے تھے۔

لیکن اس دھمکی کا مقصد کیا تھا؟ خود جہانگیر کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"بازار میں تو کسی سے مخاصمت مول نہیں لے بیٹھے ہو؟" میں نے پُرتفکر لہجے میں سوال کیا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ بڑبڑایا۔ "مخاصمت تو اسی وقت ہوتی ہے جب کوئی حریف سامنے ہو... پھر حملہ آور تعداد میں کئی تھے، یہ تو کوئی منظم سازش معلوم ہوتی ہے۔"

"تم یہ واقعہ اپنی ذات تک ہی محدود رکھو گے۔" میں نے

چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا۔
"کیا مطلب؟" وہ بری طرح چونک پڑا۔
"طارق کا حشر یاد ہے نا؟ وہ اسی لیے مارا گیا تھا کہ کچھ لوگ اس کے پیچھے لگ گئے تھے، مجھے صحیح حالات کا تو علم نہیں لیکن قیاس یہی کہتا ہے کہ مرنے سے پہلے وہ اسی قسم کی صورتحال سے دوچار تھا۔"
"ہاں... لیکن وہ لوگ بہت باخبر ہیں۔"
"شاید اب وہ طلسم بھی ٹوٹ جائے گا۔" میں نے قہقہہ مار کر کہا اور وہ یوں مجھے گھورنے لگا جیسے اس میری ذہنی صحت پر شبہ رہا ہو۔
"کھل کر بات کرو۔ اس وقت بھی میں بہت پریشان ہوں۔"
"تیار ہو جاؤ، ہم اسی وقت جیوا ہاؤز چل رہے ہیں، تمہاری بہت سی الجھنیں رفع ہو جائیں گی۔"
"یہ اچانک جیوا ہاؤز کی کیا سوجھ گئی تم کو؟"
"میرا پہلے سے پروگرام تھا، تمہارے ساتھ پیش آنے والے واقعے کے بعد اس میں زیادہ تاخیر مناسب نہیں ہوگی۔"
"اور کون ہوگا وہاں؟" وہ میری طرف سے بے اعتمادی کا شکار نظر آنے لگا تھا۔
"فی الحال کوئی نہیں، بعد میں سی ون کو بلانے کا ارادہ ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکرا کر کہا۔
"اور وہ دوڑا چلا آئے گا۔" اس نے کھلے انداز میں میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی۔ "پھر تم سے واسطہ کیا ہے اس کا؟"
"تیاری کرو، پھر خود ہی دیکھ لینا، آج شاید تمہارے لیے انکشافات کی رات ہوگی۔"
کافی دیر بعد میں اسے اپنی سنجیدگی کا یقین دلاسکا اور وہ لباس تبدیل کرنے چلا گیا۔
میں نے اس کی کیبنٹ سے اپنا پسندیدہ برانڈ نکال کر ایک گلاس تیار کیا اور اپنے ذہن میں آنے والے لمحات کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔ میں نے جو کچھ سوچا ہوا تھا، وہ بہت خطرناک تھا۔ لیکن ایسا کوئی قدم اٹھائے بغیر بہتیری گتھیاں سلجھانی ناممکن تھیں۔
تھوڑی دیر بعد جہانگیر سیاہ سوٹ پہن کر آگیا۔ اس وقت تک اس کے دونوں ملازمین کی حالت قدرے بہتر ہو چکی تھی۔ جہانگیر نے ان دونوں کو ہدایت کی کہ اس کی روانگی کے بعد پھاٹک بند کر کے وہ دونوں باہر ٹھہرنے کے بجائے خود کو کسی ایسے کمرے میں محبوس کرلیں جس تک کسی بیرونی آدمی کی رسائی کا امکان نہ ہو۔ پھر باہر ہم بھی پھٹنے لگیں تو وہ باہر نکلنے کی حماقت نہ کریں۔ جہانگیر کی واپسی پر وہ اس کی کار کا ہارن پہچان کر باہر نکل سکتے تھے۔
"میں غیر مسلح ہوں۔" باہر نکل کر اس نے آہستہ سے مجھے باخبر کیا مگر میں خاموش رہا۔
اگر میں قاسم کو جیوا ہاؤز کے ملازمین اور طلب کرتا تو وہ تنہا ہرگز نہ آتا بلکہ اس کے آدمی مناسب فاصلے سے اس کی حفاظت کرتے رہتے جبکہ جیوا ہاؤز آنے کے لیے اسے ایسے کسی انتظام کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس سنگین اور محفوظ عمارت میں اسے میں باآسانی اپنی مرضی پر چلا سکتا تھا۔
"کم از کم اپنا پروگرام تو بتا دو مجھے۔" طویل خاموشی کے بعد جہانگیر نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔
"شاید تمہیں علم نہ ہو کہ طارق کا قتل سی ون کے ہاتھوں ہوا تھا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تمہارے معاملے میں اگر کچھ ہونے والا ہے تو وہ ضرور باخبر ہوگا۔"
"لیکن... لیکن تم تو میرے ماتحت ہو... تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ میرے لیے تو طارق کی موت آج بھی ایک معمہ بنی ہوئی ہے۔" پھر چونک کر بولا۔ "کہیں تم یہ تو جتانا نہیں چاہ رہے کہ تم اپنے طور پر تنظیم کے خلاف کام شروع کر چکے ہو۔"
"بہت دیر میں سمجھے۔" میں طنزیہ لہجے میں بولا۔ "بس ایک بات کا خیال رکھنا کہ جیوا ہاؤز میں تمہیں ہر حال میں میرا ساتھ دینا ہے۔ اس کے خلاف ہوا تو تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔"
"تو کیا تم براہِ راست سی ون سے بھڑ جانے کا فیصلہ کر چکے ہو؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔
"اس کا انحصار تو خود اس کے رویے پر ہوگا۔" میرے اس جواب کے ساتھ ہی کار میں خاموشی چھا گئی۔
تھوڑی دیر بعد میں نے کار جیوا ہاؤز کے پھاٹک پر روک دی۔ وہ وسیع و عریض عمارت مکمل تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دور سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہاں برسوں سے ویرانی کا راج ہو لیکن مخصوص انداز میں ہارن بجانے کے چند ہی لمحوں بعد پھاٹک کھل گیا۔ اندر جھانکتے ہوئے گھور اندھیرے میں کار کی پارکنگ لائٹس کی روشنی بھی خاصی تیز محسوس ہو رہی تھی۔ اس روشنی کے انعکاس میں میں نے تاریک برآمدے میں دو گرانڈیل سایوں کو ستونوں کی اوٹ میں سرکتے دیکھا۔
ہم دونوں گاڑی سے اترے تو جیوا ہاؤز کے سفاک محافظ ہمیں پہچان کر سامنے آ گئے۔ "تھوڑی دیر بعد ایک مہمان آئے گا، اس کی جامہ تلاشی لے کر اندر پہنچا دینا۔" میں نے ان سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔
"تمہیں ان کو جو کچھ ہدایت دینی تھی، میرے ذریعے دیتے،

ان کے نزدیک تم میرے ماتحت ہو۔" اندر داخل ہونے کے بعد جہانگیر میرے کان کے نیچے منمنایا۔

"ان کے لیے یہی کافی ہے کہ تم نے میری ہدایت سے اختلاف نہیں کیا۔" میں نے روشنی آن کرتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں کہا اور فون کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے قاسم کا نمبر ڈائل کیا تو جہانگیر قریب کھڑا میری ایک ایک حرکت کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"تم فوراً جیوا ہاؤز چلے آؤ۔" سلسلہ ملتے ہی میں نے... براہ راست کہا

"جیوا ہاؤز؟" اس کی آواز تحیر آمیز تھی۔ "مگر کیوں؟"

"کچھ معاملات طے کرنے ہیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"اس وقت میں نہ آسکوں گا، تھکا ہوا ہوں۔" اس کا لہجہ بھی سرد ہو گیا۔ "کل کسی وقت کیس اور رکھ لو۔"

"میں اس وقت بی فور کی حیثیت سے تمہیں حکم دے رہا ہوں۔ آج اور اسی وقت تمہیں آنا ہے۔" میں نے غرا کر کہا۔ میرے منہ سے بی فور کا نام سنتے ہی جہانگیر کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"ٹھیک ہے، میں پندرہ منٹ لوں گا۔" ریسیور میں قاسم کا جواب سنائی دیا۔

"بس یہ یاد رکھنا کہ میں اس وقت بھی جیوا ہاؤز میں تمہارا منتظر ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"یہ تم نے کیا بکواس شروع کر دی۔" میرے فارغ ہوتے ہی جہانگیر لوکھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں تمہیں جیوا ہاؤز کی چھت کے نیچے من مانی کی اجازت نہیں دے سکتا، وہ یہاں ہونے والی ہر بات سے باخبر ہو جاتا ہے۔"

"مائی ڈیئر بے بی جہانگیر!" میں نے اس کی ٹھوڑی چھو کر گمبھیر سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "میں جو کچھ کر رہا ہوں، پوری ذمہ داری کے ساتھ کر رہا ہوں، اس کے لیے میں تمہاری اجازت کا محتاج نہیں ہوں۔"

"اس خیال میں بھی نہ رہنا۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔ "اس چھت کے نیچے میرا حکم چلتا ہے، میں تمہیں کسی فراڈ کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔"

اس کی عقل سنک گئی تھی لہٰذا مجھے مصالحانہ لہجہ اختیار کرنا پڑا۔ "یہ کوئی فراڈ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ میں ہی بی فور ہوں اور شروع سے اب تک تم مجھ ہی کو جواب دہ رہے ہو۔"

وہ مجھے یوں گھورنے لگا جیسے میرے سر پہ یک بیک سینگ نکل آتے ہوں پھر بے اعتباری سے بولا۔ "میں نہیں مان سکتا۔ اس کی تو آواز سے اوسان خطا ہونے لگتے ہیں۔ تم یقیناً کسی لمبے چکر میں معلوم ہوتے ہو۔"

"چکر ہمیشہ گول ہوتا ہے۔" میں نے آواز بدل کر بی فور کے خشک لہجے میں کہا۔ "اگر تم اب بھی نہ ملنے تو مجھے تمہاری تھوڑی سی گوشمالی کرنی پڑے گی۔"

میری بدلی ہوئی آواز سن کر اس کے قدم لڑکھڑا گئے، اگر وہ فوراً ہی قریبی کرسی میں نہ دھنس گیا ہوتا تو یقیناً فرش پر گر گیا ہوتا۔ "تت... تم نے یہ راز اتنے دن تک مجھ سے چھپائے رکھا!" وہ لقاہت آمیز شکایتی لہجے میں بولا۔

"مجبوری۔" میں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔ "اگر اب بھی تم نے کھل کر مجھے اعتماد میں نہ لیا ہوتا تو میں بدستور بی فور ہی بنا رہتا۔ تنظیم میں ہر مرحلے پہ رازداری سب سے زیادہ اہم سمجھی جاتی ہے۔"

"اور اسی رازداری کی خاطر تم نے ٹھنڈے ملک کے ساتھ طارق کے قتل کا فیصلہ صادر کر دیا۔ تمہارے ہاتھ اپنے ایک جگری دوست کے خون سے لتھڑے ہوتے ہیں۔"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اس قسم کے فیصلے اعلیٰ ترین سطح پہ کیے جاتے ہیں۔ مجھے ایسے کسی فیصلے کی بھنک بھی مل جاتی تو راتوں رات طارق کو سمندر پار کسی ملک کی طرف فرار کرا دیتا۔"

"بڑا زہر گھولا ہے تم نے میری زندگی میں۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تم جانتے تھے کہ سلمیٰ ہمیشہ میری طرف سے شاکی رہتی ہے پھر بھی تم وقت بے وقت مجھے تنگ کرتے رہے، وہ مجھے اس آواز کا غلام سمجھتی ہے۔"

"ماضی کو بھول جاؤ، وہ ایک عارضی دور تھا جو ہم سب کے لیے عذاب بن گیا تھا، آج سے ہم ایک نئے دور کا آغاز کر رہے ہیں لیکن دوسروں کے لیے وہی پرانا طلسم برقرار رہے گا۔"

"اب بھی یقین نہیں آتا کہ تم ہی بی فور ہو۔" وہ مسلسل میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"شاید تمہیں راجہ سکندر علی کا نام یاد ہو، پہلے وہ بی زیرو ہوا کرتا تھا۔ ان دنوں میں ڈی دن تھا اور اس سے احکام لے کر تم تک پہنچایا کرتا تھا۔"

"وہ تو شاید قتل کر دیا گیا تھا۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "بہت عجیب اور نیک دل آدمی تھا، اخبارات نے اس کے قتل کی خبر سیاہ حاشیوں کے ساتھ چھاپی تھی۔"

"وہ اس کا بہروپ تھا، راجہ سکندر علی کا اصل روپ موت کے سوداگر کا تھا، دیکھا جائے تو اس شہر میں ہیروئن جیسے

موذی اور تباہ کن نشے کو متعارف کرانے والا وہ ہی تھا۔"
"اس کے مرنے کے بعد سے تم بی فور ہو؟" جہانگیر نے سوال کیا۔
"ہاں۔ اور جسے میں نے یہاں بلایا ہے وہ سی ون ہے۔ طارق کا قاتل۔ اس کا اصل نام قاسم ہے۔ وہ بے ایمان ہو گیا ہے۔ مقامی مارکیٹ کی کھپت میں خطیر حصے کے خواب دیکھ رہا ہے ...."

"اچھا ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ "اصل بات یہ ہے کہ وہ بھی تنظیم کے مفادات کے خلاف کام کرنا چاہتا ہے۔ تنظیم کو کمزور کر کے ہی بتدریج ختم کیا جا سکتا ہے اور اس کے خاتمے کے بغیر ہماری گلو خلاصی ناممکن ہے۔ آخر تم کیوں قاسم سے تصادم مول لینے پر تل گئے ہو؟"

"میں اس کی طرف سے کچھ شبہات کا شکار ہو گیا ہوں ... آج وہ معاملہ صاف کرنا چاہتا ہوں، اگر میرے شبہات بے بنیاد ہیں تو ہم تعاون کریں گے۔ بصورتِ دیگر آج یہی عمارت اس کا مدفن بنے گی۔"

"مجھے دیکھ کر وہ اُچٹ گیا۔" جہانگیر نے خدشہ ظاہر کیا۔
"اُچٹنے دو۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "وہ مجھ سے معاملات طے کرنا چاہتا ہے لیکن میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہیں ساتھ لیے بغیر آگے نہیں بڑھوں گا۔ ایسے معاملات میں ایک اور ایک عموماً گیارہ ہوتے ہیں۔"

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی پھر قاسم کا قہربار چہرہ سامنے آ گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ چلتے ہوئے لنگڑا رہا تھا۔ اس کے پیچھے جیوا ہاؤز کا ایک محافظ موجود تھا جو قاسم کے اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر کے غالباً واپس لوٹ گیا۔
پہلے قاسم کی نگاہیں مجھ سے چار ہوئیں تو وہ قہربار تھیں۔ پھر جونہی اس کی نگاہ جہانگیر پر پڑی، اس کا چہرہ یک بیک پھول ہو گیا۔ وہ تبدیلی اس قدر نمایاں تھی کہ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔
"رک کیوں گئے، چلے آؤ، یہاں کوئی غیر نہیں ہے۔" اسے رکتے دیکھ کر میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔
"آج میری کھلی ہوئی تذلیل ہوئی ہے۔" وہ صوفے کی طرف بڑھتے ہوئے غصیلے لہجے میں غرایا۔ اپنے چہرے پر رونما ہونے والے تغیر پر وہ فوراً ہی قابو پا چکا تھا۔

"کیا غصے کی شدت سے لنگڑا رہے ہو؟" میں نے تمسخر آمیز لہجے میں سوال کیا۔
"... تمہارے محافظوں نے تلاشی لے کر مجھے نہتا کیا ہے۔" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے غصیلی آواز میں بولا۔ "میں نے احتجاج کرتے ہوئے واپس جانا چاہا تو مجھے گنوں کی زد پر لے کر مطلع کیا گیا کہ جیوا ہاؤز آنے والا آتا اپنی مرضی سے ہے مگر اس کی واپسی بڑوں کے فیصلے کی تابع ہوتی ہے۔"
"میزبانی کا عام فہم اصول ہے، اس پر چراغ پا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے سلگنے والے میٹھے لہجے میں سوال کیا۔
"دیکھ لوں گا تمہیں بھی دیکھ لوں گا۔" وہ سر ہلا کر غرایا۔ "بہت جلد میں بھی تمہاری میزبانی کروں گا۔"
"تم نے اپنی لنگڑاہٹ کے اسباب پر روشنی نہیں ڈالی۔" میں اس کی جھلاہٹ سے لطف اندوز ہونے لگا تھا۔
"میرے پاس وقت کم ہے، جس مقصد سے بلایا ہے براہِ راست اسی پر بات کرو تو بہتر ہے۔"
"آج ایڈکشن کیور سوسائٹی میں تم ٹھیک ٹھاک نظر آ رہے تھے، میں جاننا چاہوں گا کہ تمہاری ٹانگ کیسے خراب ہوئی کیونکہ آج شام ہی جہانگیر نے اپنے مکان میں ایک نامعلوم حملہ آور کو زخمی کیا تھا۔"
"تو تمہارا خیال ہے کہ وہ حملہ آور میں ہی تھا؟" وہ اچانک ہی ہنس پڑا۔
اس کی ہنسی اس وقت بے ربط سی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ معاملے کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کر رہا ہو۔ میں یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ "جہانگیر نے حملہ آور پر بے آواز ریوالور سے فائر کیا تھا۔ میں بذاتِ خود تمہارا زخم دیکھوں گا۔ اگر یہ گولی سے آیا ہے تو تمہیں بہت سی وضاحتیں کرنی ہوں گی، کسی اور طرح سے زخمی ہوئے ہو تو مجھے اس کی تفصیلات سے کوئی سروکار نہ ہو گا۔"
وہ چند ثانیوں تک ہونٹ بھینچے باری باری مجھے اور جہانگیر کو گھورتا رہا پھر سرد لہجے میں بولا۔ "تو کیا اس وقت مجھے اسی باز پرس کے لیے بلایا گیا تھا؟"
"اصل بات تو بعد میں سامنے آئے گی، تمہاری لنگڑاہٹ نے اچانک ہی ایک نئے خیال کو جنم دیا ہے، اب تو اسی کے بعد کوئی بات ہو سکے گی۔"
"وہ حملہ میں نے ہی کرایا تھا۔" قدرے توقف کے بعد وہ بول پڑا۔ "یہ بدقسمتی ہے کہ میرے ساتھیوں کا بال بھی بیکا نہیں ہوا مگر میری پنڈلی ادھڑ گئی لیکن اس ہنگامے کا مقصد جہانگیر کو کوئی نقصان پہنچانا نہیں تھا۔"
"وہ تو خشت زنی سے صاف ظاہر ہے، ہزاروں روپے کے شیشے چکنا چور ہو گئے اور دھمکی الگ کہ پتھروں کی جگہ گھر پر بم بھی برسائے جا سکتے ہیں۔"
"میرا قیاس ہے کہ جہانگیر کے بارے میں میری اور تمہاری سوچ ایک ہی ہے۔" حملے کے اعتراف کے بعد وہ پُرسکون ہو گیا تھا۔
"کوئی الزام ہو لے ہے؟"

"جہانگیر کی یہاں موجودگی بتا رہی ہے کہ تم نے اسے اعتماد میں لینے کا فیصلہ کر لیا ہے' میرا طریقہ کار ذرا لمبا تھا میں اسے خوفزدہ کر کے اپنے ساتھ ملانا چاہتا تھا اسے توڑے بغیر ہم دونوں کی کوئی بھی حکمتِ عملی کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔"

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں تمہاری تجویز قبول کر ہی لوں گا؟" میں نے سگریٹ سلگا کر سوال کیا۔

"میں کوئی نیا کام تو نہیں کرنا چاہتا، جو کر رہے ہو وہی کرتے رہو گے اگر طریقہ کار کی ذرا سی تبدیلی سے آمدنی میں دس پندرہ گنا اضافہ ہو سکتا ہے تو اس سے کون انکار کر سکے گا۔"

"لیکن میں ابھی تک تمہاری حیثیت سے مطمئن نہیں ہوا۔"

"حیثیت تو تمہاری ہے، ایک فون کیا تو میں دوڑا چلا آیا۔ یہاں محافظوں سے عزت اتروالی، میں تو بالکل بے حیثیت آدمی ہوں۔"

"ایڈکشن کیور سوسائٹی سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔" اس نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"مشہور سماجی اداروں سے وابستگی میرے فرائض کا ایک حصہ ہے، ایسے روابط سے اندر کی خبریں معلوم کرنے میں سہولت رہتی ہے اور شخصیت پر بھی ایک خوشنما خول چڑھ جاتا ہے۔"

"گڈ۔" وہ تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ "تم ایمانداری پر آمادہ ہو تو مجھے بھی کھلے دل سے بات کرنی چاہیے سوسائٹی سے میرا تعلق صرف مجبوری کا ہے' اصل واسطہ محسن سے ہے وہ ہیروئن کا بڑا خریدار ہے۔"

"خریداری کے معاملات سے تمہارا کیا واسطہ؟"

"مقامی مارکیٹ سے میں واقعی لاتعلق ہوں محسن بیشتر مال ایکسپورٹ کرتا ہے' تھوڑا بہت اس کے داماد کی علاج گاہ میں فروخت ہوتا ہے... چونکو نہیں۔ اکبر منشیات فروش نہیں ہے' دراصل ہیروئن کے عادی مریضوں کا علاج بھی ہیروئن ہی ہے، نپی تلی مقدار کی خوراکیں بتدریج گھٹائی جاتی ہیں۔ نشہ ایک دم بند کر دو تو مریض بدترین حالات کا شکار ہو سکتا ہے' اکبر کو سرکاری کوٹہ بہت کم ملتا ہے یہ کمی وہ ہمارے مال سے پوری کرتا ہے۔"

"اور ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ سے کیا تعلق ہے تمہارا؟"

"سینئر ڈائریکٹر ہوں اس کا۔" وہ داہنی آنکھ دبا کر بولا۔ "تم نے تو باقاعدہ سراغرسانی کرائی ہے میرے خلاف۔"

"اس فرم کی مصروفیات کیا ہیں؟"

"کچھ بھی نہیں۔ سات برس سے میں اس سے منسلک ہوں۔ آج تک ایک ڈھیلے کا بھی کام نہیں کیا۔ نکل روڈ کی ایک عمارت کے ایک کمرے میں سات کاغذی فرموں کے دفاتر ہیں۔ بس ہر فرم کی ایک میز اور کرسی پڑی ہوتی ہے۔ ایشین سنڈیکیٹ ان ہی میں سے ایک ہے۔"

"لمیٹڈ فرم تو اس طرح برقرار ہی نہیں رہ سکتی۔" میں نے اعتراض کیا۔

"تمہارے سامنے ہی ہے... جیب میں پیسہ ہو تو یہاں کیا ممکن نہیں، پھر سنا ہے کہ فرم کا ہیڈ آفس لاہور میں ہے' وہاں کچھ نہ کچھ ہوتا ہی ہوگا، کراچی میں تو برائے نام دفتر ہے۔"

"اس کے ڈائریکٹر کیسے بنے تھے؟"

"ایک روز راجہ سکندر علی نے اطلاع دی تھی، بیٹھے بٹھائے یہ منصب مل گیا۔ کچھ روز بعد فرم کے ایم ڈی کی طرف سے ایک باضابطہ خط بھی ملا تھا۔ تنخواہ باقاعدگی سے ملتی ہے' اس کے عوض کبھی کبھار بعض دستاویزات پر دستخط کرنے پڑتے ہیں۔ اس سے آگے مجھے کچھ علم نہیں۔"

کم از کم اس وقت وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، درست ہی کہہ رہا تھا، کیونکہ اس کے جوابات بے تکان اور نپے تلے تھے' ان میں کہیں بھی کوئی جھول نہیں تھا۔ اس نے میرے ہر اعتراض کو اپنے معقول جوابات سے دور کر دیا تھا لیکن ابھی بھی دو نکات تشنہ تھے' اول یہ کہ اسے ٹو نے رخشی کے معاملے میں اس کی باغیانہ روش سے باخبر ہونے کے باوجود اسے ڈھیل کیوں دے رکھی تھی اور دوم یہ کہ اسے ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ سے تعلق کے اظہار کی کھلی چھوٹ کیوں دی ہوئی تھی؟

ان میں سے دوسرے سوال کا بالواسطہ جواب تو مل ہی گیا تھا وہ سات برس سے اس فرم سے منسلک تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ جن دنوں ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ ایک بے حیثیت فرم تھی، ان دنوں قاسم کو اس سے وابستہ کیا گیا تھا، پھر فرم ترقی کرتی رہی لیکن کراچی میں قاسم کا نام بدستور اس کے ساتھ چلتا رہا۔

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق تھا وہ خاصا ٹیڑھا تھا۔ میں نے قاسم کو بتایا تھا کہ رخشی کے معاملے میں میں نے اسے ٹو کے سامنے پوری طرح بے نقاب نہیں کیا تھا اس اعتبار سے میں اس سے وہ سوال دریافت ہی نہیں کر سکتا تھا مگر پھر مجھے اچانک ایک چال سوجھ گئی۔

رخشی کا جو بھی کردار تھا، وہ اپنی جگہ تھا لیکن یہ حقیقت تھی کہ قاسم اس کی چاہت میں اس حد تک دیوانہ تھا کہ اس نے رخشی کے خاتمے کے لیے اسے ٹو کے حکم سے روگردانی کرتے ہوئے خود ہی رخشی کو چھپا کر اس کی روپوشی کا ڈرامہ کھڑا کر لیا تھا۔ اب اگر وہ خود ہی اسے ٹو تھا تو اسے رخشی کی روپوشی کے بارے میں فکرمند ہونے

کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور اگر وہ واقعی اے ٹو کا کوئی ماتحت تھا تو اسے روپوشی کا راز بہت عزیز ہونا چاہیے تھا۔
اس کی آزمائش کے لیے میں نے اس پر آخری ہتھیار بھی آزمانے کا فیصلہ کر ہی لیا۔
"اور اب رخشی کی طرف آجاؤ۔" میں نے سکوت توڑتے ہوتے کہا۔
"کیا مطلب؟" میرے الفاظ پر وہ بری طرح چونکا تھا۔
"سمجھنے کی کوشش کرو تو مطلب صاف ظاہر ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "تمہیں جیوا باؤ زبلا کر غیر مسلح کر دیا گیا ہے یہاں میرے ساتھ جہانگیر ایک گواہ کی حیثیت سے موجود ہے، تم کھل کر اس کے سامنے اپنے باغیانہ عزائم کا اظہار کر چکے ہو لہٰذا میں تمہیں بدنیتی اور بغاوت کے جرم میں یہاں قید کر کے اے ٹو کو سارے معاملات سے آگاہ کر دوں گا اور تمہارے مقدر کا فیصلہ اسی کی صوابدید پہ منحصر ہوگا...."
"یہ... کمینگی کی انتہا ہے... میں تمہیں فنا کر دوں گا۔" وہ غصے سے کانپتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا مگر میں نے اسی وقت اپنا پستول نکال کر اس کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔
"یہی نہیں بلکہ رخشی کی نئی کمین گاہ بھی میری نظر میں آچکی ہے۔" میں نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔ "میں اے ٹو کو بتا دوں گا کہ اس کی مجرمہ اب کہاں مقیم ہے، باقی معاملات وہ خود نمٹالے گا۔"
"تت.... تم کتے سے بدتر ہو ڈینی.... تم نے دغا کی ہے میرے ساتھ۔" وہ غصے میں آپے سے باہر ہوا جا رہا تھا۔
"کتے میں وفا ہوتی ہے قاسم ڈارلنگ۔" میں نے اسے سلگایا۔
"میں تو اب بھی اے ٹو کا وفادار ہوں، تم اپنے اس محسن سے دغا کرنے پر تلے ہوتے ہو جو برسوں سے تمہیں پال رہا ہے۔"
"غلطی میری ہے۔" وہ بھراتی ہوئی آواز میں بولا۔ "تمہارے بارے میں اب تک میرے تمام اندازے غلط ثابت ہوتے آتے ہیں میں سمجھا تھا کہ تم واقعی کسی مریض کے علاج کے لیے اتفاقاً ایڈکشن کیور سوسائٹی آپہنچے ہو، مجھے ذرا بھی اندازہ ہو جاتا کہ تم میری ٹوہ پہ وہاں پہنچے ہو تو اسی دفتر میں تمہارا قصہ پاک کر دیتا۔"
"اب اے ٹو کا کوئی ہرکارہ بے خبری کے عالم میں رخشی کا نرخرا جا دبوچے گا...."
اس کے بشرے پر ناقابل بیان کرب کی لہریں ابھر کر معدوم ہو گئیں۔ "مجھے پتا چل گیا تھا کہ تم اکبر کے اسپتال جاؤ گے اس چوک یہ ہوئی کہ رخشی کو ہوشیار نہیں کیا.... ذرا سی احتیاط کر لیتا تو تمہارے فرشتے بھی اس تک نہ پہنچ سکتے۔" پھر وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔ "مگر تم اب بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔"
میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ قاسم نے غصے اور مایوسی کے عالم میں خود ہی انکشاف کر دیا تھا کہ رخشی اکبر کے اسپتال میں روپوش تھی۔ اس وقت مجھے شدت سے احساس ہوا کہ دنیا بہت مختصر سی جگہ ہے یہ اور بات ہے کہ انسان زندگی بھر ایک کونے اتر میں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں لیکن کسی کا سراغ نہیں لگا پاتے۔ ہاں، کوئی کہیں تھک ہار کر سستانے بیٹھ جائے تو بہت سے جانے پہچانے چہرے نظر آجاتے ہیں۔
"میں اس کا کچھ نہیں بگاڑنا چاہتا۔" میں نے پستول جیب میں رکھتے ہوتے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "مجھے شبہ تھا کہ کہیں اے ٹو نے تمہیں میری آزمائش پہ مامور نہ کیا ہو۔ اب میں مطمئن ہوں گا۔"
وہ تھکے تھکے انداز میں صوفے پر گر گیا۔
"مگر میں ابھی تک کچھ نہیں سمجھ سکا۔" جہانگیر نے الجھن آمیز لہجے میں پہلی بار زبان کھولی۔
"ہی فورسے تم مل چکے ہو۔" میں نے اپنے سینے پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اور یہ سی ون ہے۔ اے ٹو کا خونخوار ماتحت۔" میں نے قاسم کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "تنظیم کے لیے کام کرتے ہوتے ہم نے ایک عمر گزار دی ہے اب قاسم کا خیال ہے کہ ہمیں اپنا مستقبل بھی سنوارنا چاہیے.... اس کے لیے ہم تینوں کو تعاون کرنا ہوگا۔"
"ٹھہرو۔" قاسم نے فضا میں ہاتھ بلند کر کے مجھے خاموش کر دیا۔ "میں اسے پوری بات سمجھاتا ہوں۔"
اور وہ نپے تلے انداز میں جہانگیر کو بریف کرنے لگا۔

ڈینی

"اور تم اسی کشتی کے سوار ہو جس میں میں سفر کر رہا ہوں۔" قاسم نپے تلے لہجے میں جہانگیر سے کہہ رہا تھا۔ "ہم سب آج سے پہلے ایک دوسرے کے لیے محض کوڈ ورڈز کی شناخت رکھتے تھے لیکن مدتوں بعد یہ مرحلہ آیا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے سامنے اپنے اپنے اصل روپ میں موجود ہیں۔ سی ون بی فور اور ڈی ون کے گورکھ دھندے ہمارے سربراہ نے اسی لیے پھیلائے ہوئے تھے کہ ہم نہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں اور نہ کبھی یکجا ہو سکیں۔ یہ اتفاق ہے یا بدقسمتی کہ ان دنوں درمیانی رابطے بکھر کر رہ گئے ہیں اور میرے ساتھ ہی ڈینی کا بھی براہ راست اے ٹو سے رابطہ ہے مگر ہمارے لیے اس کی شخصیت آج بھی ایک ڈراؤنا راز ہے۔ ہم برسوں سے اپنی جانوں پر کھیل کر اس بے نام آسیبی سائے کے لیے دولت کما رہے ہیں مگر ہر لمحے یہ خوف رہتا ہے کہ کہیں بھی ذرا سی لغزش ہوئی تو برسوں کی خدمات کو یکسر فراموش کر کے موت کا حکم نامہ جاری کر دیا جائے گا.... اس شہر میں ہیروئن کی ساری تجارت

ہم تینوں کے ہاتھ میں ہے۔ ڈینی مقامی تنظیم کا سربراہ ہے۔ میرے لیے بعض احکام اوپر سے بھی آتے ہیں مگر اصولی طور پر میں ڈینی ہی کی ہدایات کا تابع ہوں۔ تم مال شہر میں پھیلاتے ہو اور پیسہ جمع کرتے ہو اور تم بھی ڈینی ہی کو جوابدہ ہو اور میری ایک اضافی ذمہ داری یہ ہے کہ تم دونوں کی حفاظت اور نگرانی کرتا رہوں اور اگر کسی مرحلے پر تمہاری ذات سے تنظیم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا خطرہ لاحق ہو تو براہِ راست سربراہ کو خبر دے کر ہنگامی ہدایات حاصل کروں۔"

"اتنی لمبی تمہید کی ضرورت نہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "اختصار سے کام لو، جہانگیر دودھ پیتا بچہ نہیں ہے۔"

"سارے مقامی معاملات پر ہم تینوں کی گرفت مضبوط ہے.... ان حالات میں کیا یہ ضروری ہے کہ ہم اے ٹو کے لیے کماتے کماتے مر جائیں؟" وہ پُرزور لہجے میں بولتے بولتے لحظہ بھر کے لیے ڈرامائی انداز میں خاموش ہوا پھر بولنے لگا۔ "کیوں نہ ہم خود اپنی خوشحالی پر توجہ دیں؟"

"کم از کم مجھے تو کوئی مالی دشواری نہیں ہے۔" جہانگیر بولا۔ "میں تو اس زندگی سے اکتا گیا ہوں۔"

"کنارہ کشی جیتے جی ناممکن ہے۔" قاسم نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "تنظیم کا سربراہ بہت محتاط آدمی ہے۔ وہ کبھی کوئی خطرہ مول نہیں لیتا۔ اس کے فیصلے سرد، غیر جذباتی اور بے رحمانہ ہوتے ہیں۔ تم اندر کے آدمی ہو۔ الگ ہونا چاہو گے تو تمہاری خواہش سے باخبر ہوتے ہی وہ تمہاری جان کے درپے ہو جائے گا۔"

میں نے جہانگیر کو آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ میرا مدعا سمجھ گیا۔

"جان سب کو عزیز ہوتی ہے، یہی خوف تو آج تک اس کی غلامی پر مجبور کرتا رہا ہے۔"

"لیکن اب ہم اس کے غلام نہیں رہیں گے۔" قاسم پوری شدومد کے ساتھ اپنے مؤقف کی حمایت میں دلائل دے رہا تھا۔ "میری تجویز یہی ہے کہ اسے اندھیرے میں رکھ کر ہم اپنا مال آگے بڑھائیں۔ جب یہی دھندا کرنا ہے تو اس کے لیے کیوں، اپنے لیے کیوں نہ کیا جائے؟"

"اپنی آمدنی میں کٹوتی وہ زیادہ دن تک برداشت نہیں کرے گا۔" جہانگیر نے منہ بنا کر کہا۔

"اس کے لیے فضا سازگار ہے۔ نزار خان اور تازہ گل کا قصہ ابھی تازہ ہے۔ اسے ڈینی باور کراتا رہے گا کہ حیرتناک سُرعت کے ساتھ چھوٹے سپلائرز کی تعداد بڑھی ہے۔ شمالی سرحدوں سے تھوڑی مقدار میں مال لانے والوں کی تعداد بڑھ جائے تو تم کتنوں کو مارو گے، شہر میں قتلِ عام تو کرنے سے رہے۔"

"اور وہ ڈینی کی باتوں پر ایمان لا کر گھر بیٹھا رہے گا، اسے شہر کی خبریں نہیں ملیں گی؟"

"وہ لاہور میں رہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ مجھ سے رپورٹ طلب کرے گا اور میری رپورٹ ڈینی کی کہانی کی لفظ بلفظ تائید کرے گی۔"

"اتنی بڑی منڈی وہ یوں آسانی سے نہیں چھوڑے گا۔" جہانگیر نے اس کے استدلال کا اثر قبول کیے بغیر مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "وہ لاہور میں رہتا ہو یا پشاور میں لیکن یہ بات سب جانتے ہیں کہ کھپت کے اعتبار سے کراچی سب سے بڑی منڈی ہے۔ [illegible] کی آمدنی سے محرومی کے آثار پیدا ہوتے ہی وہ خود کراچی دوڑا آئے گا اور اگر اسے ہماری ملی بھگت کا شبہ بھی ہو گیا تو ہم تینوں کو [illegible] کی مہلت دیے بغیر وہ خاموشی کے ساتھ ہی سفرِ آخرت پر روانہ کر دے گا۔"

"کراچی آ کر بھی وہ کچھ نہ کر سکے گا۔" قاسم نے پُرزور لہجے میں کہا۔ "ہیروئن شوکیسوں میں سجا کر کھلے عام دکانوں پر نہیں بیچی جاتی۔ [illegible] سے لے کر خوردہ فروشوں تک، سب زیرِ زمین دنیا کے آدمی ہیں۔ کسی اجنبی کے لیے ان تک رسائی حاصل کرنا آسان نہیں ہے۔ وہ زیادہ کھل کر سامنے آیا تو ہو سکتا ہے کہ کوئی سرپھرا اسے سرکاری مخبر سمجھ کر خود ہی ٹھکانے لگا دے۔"

چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوچا کہ قاسم کی تیاری بہت بھرپور تھی۔ وہ شاید کافی عرصے سے ان خطوط پر سوچ رہا تھا اور اپنی خفیہ سازش کے ہر پہلو سے اچھی طرح واقف تھا۔

اے ٹو کے بارے میں یہ بات یقینی تھی کہ وہ کوئی معمولی حیثیت کا مجرم نہیں تھا۔ اسے معاشرے میں باعزت مقام حاصل تھا اور اسی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لیے اس نے خود سامنے آنے کے بجائے ایک مفروضہ نام کی آڑ لی ہوئی تھی۔ اس کے ہر حکم اور فیصلے سے ذہانت اور وسیع النظری جھلکتی تھی جسے اختیار کرنا کسی معمولی جرائم پیشہ شخص کے بس کی بات نہیں تھی اور اگر یہ قیاسات درست تھے تو اس جیسے آدمی کے لیے براہِ راست زیرِ زمین دنیا کے سرکردہ لوگوں سے رابطہ قائم کرنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔

"اور تم مال کہاں سے فراہم کرو گے؟" جہانگیر نے سکوت توڑتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔" وہ پہلی بار مسکرایا۔ اتنی گفتگو کے بعد اس کی خود اعتمادی بحال ہو چلی تھی۔

"ایک آدمی پر کچھ بھی نہیں چھوڑا جا سکتا...." جہانگیر نے عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "شروع ہی میں اس غلطی کی بنیاد رکھ دی گئی تو کل تم بھی ہمارے لیے کوئی ہوّا کھڑا کر سکتے ہو۔"

"وہ میرا اپنا بندوبست ہو گا، اس سے تمہیں کوئی غرض نہ ہونی چاہیے، البتہ آمدنی میں ہم تینوں برابر کے حصے دار ہوں گے۔" قاسم نے کہا۔

"جہانگیر کے سوال کا تعلق آمدنی ہی سے ہے۔" میں نے

اسے ٹوکا۔

"وہ کیسے؟" اس نے تحیر آمیز لہجے میں، میری طرف گھوم کر سوال کیا۔

"مال کہاں سے اور کس دام آرہا ہے؟ اس کا علم ہوئے بغیر آمدنی کا تعین کیسے ہو سکے گا؟"

میرا سوال شاید اس کے لیے غیر متوقع تھا وہ لمحہ بھر کے لیے خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا پھر تاسف آمیز لہجے میں بولا۔

"اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ تمھیں میری نیت پر شبہ ہے۔"

"اپنی بدنیتی تو تم خود ہی ثابت کر چکے ہو۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "اے ٹو کے لیے کام کرتے کرتے اب تم خود غرضی پر اتر آئے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اب بھی تم خالص آمدنی میں تیسرے حصے کے علاوہ خریداری میں اپنا کمیشن وصول کرتے رہو، اس لیے ہر بات کا علم ہونا ضروری ہے۔"

"شمالی علاقے سے ایک قبائلی آیا ہوا ہے۔ وہ سرحدی دڑوں میں واقع ہیروئن تیار کرنے کی تین فیکٹریوں سے واقف ہے۔ اس کی معرفت سستے داموں خالص مال مل سکتا ہے۔"

"وہ خود بیچنے کے بجائے تمھیں کیوں دینے لگا؟" جیوا ہاؤز کے زیر سایہ جہانگیر کی عقل خوب کام کر رہی تھی۔

"اگر کراچی کے پانی نے اسے بزدل نہ بنا دیا ہوتا تو نکلنے وہ یہاں کیا کچھ کر گزرا ہوتا۔ اب تو وہ خود ہیروئن کے نشے کا عادی ہو گیا ہے۔" قاسم نے کہا۔

"کون ہے وہ؟" جہانگیر غیر ارادی طور پر پوچھ بیٹھا۔

"دلاور خان....!" قاسم کا جواب سنتے ہی میں چونک پڑا۔

"یہ وہی مقرب خان اور عقرب کا ماموں تو نہیں ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا تو اس بار وہ چونک پڑا۔

"ہاں وہی.... مگر تم اسے کیا جانو؟"

"مجھے معلوم ہے۔" میں طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ "وہ اپنے بھانجوں کے سفاکانہ قتل کی خبر پا کر انتقام لینے کی نیت سے یہاں پہنچا تھا، بہت بے خوف اور سفاک آدمی ہے۔ کمال ہے کہ انتقامی فطرت کا مالک ہونے کے باوجود وہ تمھارے وجود میں اپنے بھانجوں کے لہو کی بو محسوس نہ کر سکا۔"

قاسم کے ہونٹوں پر کسی بے رحم درندے جیسی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "وہ کلاشنکوف لے کر کراچی پہنچا تھا۔ اپنے بھانجوں کے قاتل کی تلاش کی مہم اس نے ایسے دیوانہ وار انداز میں شروع کی کہ میرے آدمیوں کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ سکا اور میری ہدایت پر انھوں نے دلاور خان سے دوستی گانٹھ لی۔ پہلے وہ نشے کے نام سے کانوں کو ہاتھ لگاتا تھا اب ہیروئن کا نشہ پورا کرنے کی دھن میں کلاشنکوف تک بیچ چکا ہے۔ اب اگر میں اس کے سامنے اعتراف بھی کر لوں کہ عقرب اور مقرب کا قاتل میں ہوں تو وہ مجھ پر ہتھیار تو کجا ہاتھ تک نہ اٹھا سکے گا کیونکہ میں اس کا محسن ہوں.... نہ صرف اس کی نشے کی ضرورت پوری کرتا ہوں بلکہ اسے کراچی جیسے شہر میں سر چھپانے کا ٹھکانا بھی فراہم کیا ہوا ہے۔"

"وہ خود نشے کا عادی ہو گیا ہے تو تمھاری کیا مدد کر سکے گا؟" جہانگیر نے سوال کیا۔

"اسے ساتھ لے کر میں خود سرحد پار افغان علاقے میں جاؤں گا۔ وہ تو درمیان کا آدمی ہے۔ مال بنانے والوں سے تعارف کرانے کے بعد اس کا کام ختم ہو جائے گا۔ دام اور دیگر شرائط میں خود طے کروں گا۔"

"پورے ملک کو ہیروئن ان ہی اطراف سے سپلائی ہوتی ہے۔ حالات بتاتے ہیں کہ اے ٹو ان کا بہت بڑا گاہک ہے۔ اگر اسے وہاں سے تمھاری خریداری کی بھنک مل گئی تو کیا ہوگا؟" جہانگیر کسی بھی خطرے کو نظر انداز کرنے کو تیار نہیں تھا۔

"نشے کے سوداگر نام نہیں پیسہ پہچانتے ہیں.... میں کوئی بھی فرضی نام اختیار کر سکتا ہوں۔ خود دلاور خان کو آج تک میرا اصل نام معلوم نہیں۔"

"مقامی بازار سے تمھارا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔" جہانگیر نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔" اس نے خلوص دل سے کہا۔ "یہ تو پورے معاملے کا اہم ترین نکتہ ہے۔ تم میرے ساتھ ہیر پھیر کرو گے تو میں مال کی فراہمی روک دوں گا۔ میں تمھارے ساتھ کوئی فریب کروں تو تم میرے مال کی فروخت کا سلسلہ موقوف کر سکتے ہو۔ ایسے تحفظ کے بغیر گاڑی چلنی محال ہے۔"

"تو پھر کب جا رہے ہو تم، مال کی خریداری کے لیے؟" میں نے موضوع سمیٹتے ہوئے سوال کیا۔

"کسی بھی وقت.... لیکن تمھیں ایک یقین دہانی کرانا ہوگی۔" اس نے کہا۔

"کیسی یقین دہانی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"اب تم رخشی کو بھول جاؤ گے، وہ ایک مریضہ کے روپ میں اکبر کے اسپتال میں رہ رہی ہے اسے تمھاری ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔"

"تکلیف یقیناً نہیں پہنچے گی لیکن اسے بھول جانا فی الحال مشکل ہوگا۔" میں نے اسے سلگانے کی نیت سے کہا۔ "وہ مجھ سے بہت قریب رہی ہے، اس رشتے سے اس سے ملتے رہنے پر تمھیں کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے۔"

قاسم کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ وہ بولا تو اس کا لہجہ زخم خوردہ سا تھا۔ "وہ میری بیوی نہیں، محض ایک اچھی دوست ہے۔ ہم ایک دوسرے کے راستے میں کبھی دیوار نہیں بنے، اگر وہ

تم سے ملنا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ میرے لیے یہی کافی ہوگا کہ تم اسے ٹو کو اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دوگے۔"

"یہ میرا وعدہ ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے ہاتھ بڑھا دیا جو نیم دلی کے ساتھ تھام لیا گیا۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" جہانگیر نے اپنے گھر کی طرف واپس لوٹتے ہوئے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"بہت کچھ ہوا ہے.... بس اب تم تماشا دیکھتے جاؤ۔ اسے ٹو کی بربادی کا آغاز ہو چکا ہے۔ بہت جلد وہ خود سامنے آنے پر مجبور ہو جائے گا یا اچانک ہم سب سے رابطہ ختم کرکے گوشہ نشین ہو جائے گا۔"

"مگر یار وہ ہے بڑا ذہین۔ بڑے کتابی انداز میں اپنا گروہ چلا رہا ہے۔ حد یہ ہے کہ رقم کی وصولیابی میں اس نے بنک کو ملوث کیا ہوا ہے پھر بھی پردہ نشین ہے۔ آخر ٹمبر ٹریڈا کاؤنٹ کے حوالے سے رقم وصول کرنے والا آگے کس کو ادائیگی کرتا ہوگا وہاں تو اسے سامنے آنا چاہیے۔"

میں ہنس پڑا۔ "رقم کسی کھاتے میں جمع نہیں ہوتی، اکاؤنٹ کے حوالے سے دی جاتی ہے۔ اسے بھی ہنڈی ہی کا ایک طریقۂ کار سمجھ لو۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ رقم ملک میں کسی کو بھی ادا نہ کی جاتی ہوگی بلکہ کسی غیر ملکی اکاؤنٹ میں منتقل کر دی جاتی ہوگی..... مجھے شبہ ہے کہ اسے ٹو کوئی بگڑا ہوا کاروباری ہے اور اس نے اصل دھندے کو چھوڑ کر مال بنانے کا آسان طریقہ اختیار کیا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آڑ کے لیے اس نے دو چار کاروباری گورکھ دھندے بھی پھیلا رکھے ہوں۔" آخری فقرے ادا کرتے ہوئے میرے ذہن میں ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کا نام گھوم رہا تھا۔

"کاروباری آدمی کتنا بھی بگڑ جائے، قتل و غارتگری کے سفاکانہ فیصلے کبھی صادر نہیں کر سکتا۔" اس نے بے اعتباری سے کہا۔

"اشیائے خورد و نوش میں سستے اور مہلک اجزا کی ملاوٹ، ناقابلِ استعمال اور متروک دواؤں کی فروخت اور تشہیر بھی اقدامِ قتل سے کم نہیں....."

"ایک وار میں کسی کو ہلاک کر دینا اس سے قطعی مختلف ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ "ملاوٹ کرنے والا کسی خاص دشمن کو نشانہ نہیں بناتا، اسے تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا بیچا ہوا زہر کون استعمال کرے گا۔ ان سب کا اثر دھیمے دھیمے ہوتا ہے اور وجۂ قتل کبھی سامنے نہیں آتی لیکن اسے ٹو تو گولیاں چلواتا ہے اور شاید اپنے دشمن کے انجام سے لطف اندوز بھی ہوتا ہو۔"

"پیسہ کمانے کی ہوس انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔" میں نے پُرزور لہجے میں کہا۔ "شاید تمھیں یقین نہ آئے لیکن میں جانتا ہوں کہ اسے ٹو کا تعلق ایک معتبر کاروباری ادارے سے ہے جو برآمدات کی آڑ میں ہیروئن کی اسمگلنگ کرتا ہے۔"

"اس کے باوجود تم اسے ٹو تک نہیں پہنچ سکے؟" وہ حیرت سے بولا۔

"ادارہ موجود ہے لیکن سربراہ تک رسائی ناممکن ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" اس نے بے اعتباری سے کہا۔ "کاروباری ادارہ قائم ہے تو اس کے روزمرہ کے کاموں کی انجام دہی کون کرتا ہوگا؟"

"ملازم ایسے ہی مواقع پر کام آتے ہیں جو کام لوگ خود نہ کرنا چاہیں یا نہ جانتے ہوں، ان ہی کے لیے تنخواہ دار رکھے جاتے ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ملازم تو اس سے واقف ہوں گے؟" میرے انکشافات اس کے لیے ناقابلِ یقین ثابت ہو رہے تھے۔

"اس نے ایک شخص کو بلیک میل کرکے اپنا مختارِ عام مقرر کیا اور وہی سارے کام چلاتا ہے۔ اس نے آج تک اس شخص کی صورت نہیں دیکھی جس کے لیے وہ کام کرتا ہے۔"

"تم کہتے ہو تو مانے لیتا ہوں ورنہ یہ بات قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوتی.... شاید مافیا کی تنظیم بھی اس قدر پُراسرار نہ ہوگی۔ آدمی کو کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی کے سامنے تو آنا ہی پڑتا ہے۔"

"اب ہم مل ہی بیٹھے ہیں تو کچھ روز میں ہر چیز تمھارے سامنے آجائے گی۔" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "اب یہی دیکھ لو کہ ہم برسوں کے ساتھی ہیں لیکن تمھیں بھول کر بھی شبہ نہیں ہوا ہوگا کہ شناختی کوڈ کی آڑ میں میں ہی تمھیں ساری ہدایات دیتا تھا۔"

"بعض اوقات تو زندگی تلخ کر دیتے تھے تم۔" وہ بڑبڑایا۔

"تمھیں ستانے میں مزہ آتا تھا، جب بھی تمھاری بیگم بھڑکی ہوئی ہوتی تھی، میں دانستہ تم سے رجوع کر بیٹھتا تھا۔ اس کے بعد تمھاری دکھ بھری کہانی سننے میں بڑا لطف آتا تھا۔"

"لعنت ہو تمھارے لطف پر۔" وہ خجالت آمیز لہجے میں بولا۔ "اگر اس وقت مجھے تم پر شبہ بھی ہو جاتا تو تمھیں گولی ہی مار دیتا۔ تمھیں اندازہ نہیں کہ تمھاری ان بونگی حرکتوں کی بنا پر کئی بار میرے گھر میں بدترین تلخیوں نے جنم لیا تھا۔ ایک بار تو سلمیٰ میکے لوٹنے پر تل گئی تھی۔"

"بیوی بھی عجیب شے ہے۔" میں نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "ساتھ رہے تو آدمی پیچھا چھڑانے کے چکر میں رہتا ہے اور جانے کا نام لے تو شوہر مجنوں کا باپ بن جاتا ہے...."

"ابھی تمھارے منہ سے یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔" وہ بڑبڑایا

منہ بنا کر بولا۔" شادی کرلو پھر بہتیری باتیں خود بخود سمجھ میں آجائیں گی۔"
" تو پھر رشتہ تلاش کرونا کوئی۔" میں نے اسے چھیڑنے کی نیت سے کہا۔
" کیا تم واقعی سنجیدہ ہو؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
" سامنے دیکھو ورنہ کار اڑا بیٹھو گے۔" میں نے کہا۔" سنجیدہ ہونے کے لیے سر کے بل کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اب مجھے بھی کسی وقت تنہائی کا احساس کھانے لگتا ہے۔"
" دیکھو، میں بتاؤں گا۔" وہ پُرخیال انداز میں بولا۔ غالباً اس کے ذہن میں دو چار نام پہلے سے موجود تھے میں نے خاموشی ہی میں عافیت سمجھی۔ اگر غزالہ کو اس گفتگو کی بھنک بھی مل جاتی تو صدمے سے اس کا برا حال ہو جاتا۔
ہم جہانگیر کے گھر واپس پہنچے تو کئی بار ہارن بجانے کے بعد پھاٹک کھولا گیا۔ غالباً ملازمین اس کی ہدایت کے مطابق واقعی عمارت کے اندرونی حصوں میں دبکے ہوئے تھے۔
" یہ رخشی کون ہے؟" ڈرائنگ روم میں گلاسوں میں برف کے ڈلے ڈالتے ہوئے جہانگیر پوچھ بیٹھا۔
" ایک لڑکی ہے۔" میں نے اپنا گلاس سنبھالتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔" دیکھو گے تو پسند کرو گے۔"
" پسند ہے تو اسی سے بات کیوں نہیں کرتے؟" جہانگیر نے اتنی سادگی سے سوال کیا کہ میری کھوپڑی بھنا گئی۔
" ملے بغیر ہی تمہاری عقل خبط ہو کر رہ گئی ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔" تم نے سنا نہیں تھا کہ قاسم سے اس کے کیسے مراسم ہیں۔ ایسی آبرو باختہ عورت کے بارے میں تو سوچنا بھی بدذوقی ہے۔"
" خفا ہو گئے۔" اس نے میرے گلے میں ہاتھ ڈال دیا۔" میں تو بس یہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ تم کہیں اور تو دلچسپی نہیں لے رہے۔ اسی لیے رخشی کا ذکر نکال بیٹھا تھا۔"
میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے محض مذاق میں ایک شوشا چھوڑا تھا اور وہ احمق شاید درمیانی عرصے میں بھی میری شادی کرانے کے امکانات پر غور کرتا رہا تھا۔
" بس اب زبان بند رکھو۔" میں نے اس موضوع سے پیچھا چھڑانے کے لیے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔" کسی اور کا نام لیا تو منہ پر گلاس خالی کر دوں گا۔"
اسی وقت ملحقہ راہداری سے فون کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی اور جہانگیر گلاس لیے ادھر ہو لیا۔ دوسری گھنٹی کے دوران میں ہی شاید اس نے ریسیور اٹھا لیا تھا کیونکہ گھنٹی ادھوری رہ گئی تھی۔
" تمہارا فون ہے ڈینی!" اس نے وہیں سے خوشدلانہ لہجے میں ہانک لگائی۔
میں نے چونک کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ جہانگیر کے گھر میرے لیے کون فون کر سکتا تھا؟
" کون ہے؟" راستے میں اس کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔
" یہ تو تم ہی بتا سکو گے۔" وہ شوخ لہجے میں بولا۔" جو بھی ہے آواز بڑی سریلی پائی ہے۔"
نسوانی آواز کا اشارہ پاتے ہی میرا ذہن غزالہ کی طرف گیا تھا لیکن اسے نہ جہانگیر کے گھر کا نمبر معلوم تھا اور نہ ہی یہ علم تھا کہ اس وقت میں وہاں موجود تھا۔
" ہیلو۔" میں نے تپائی سے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔
" بولنے کی ضرورت نہیں، بس خاموشی سے میری بات سنتے جاؤ۔" ریسیور میں ابھرنے والی اے ٹو کی سرد اور خوابناک آواز پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے کانوں میں اترتی چلی گئی۔" میں شام سے تمہیں ٹرائی کر رہا ہوں مگر تم لاپتا ہو۔ میں بیس منٹ بعد تمہارے گھر فون کروں گا، فوراً وہاں پہنچو۔"
اور میرے جواب سے پہلے ہی دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔
میں چند ثانیوں تک بے جان ریسیور کان سے لگائے کسی بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ میرے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں اور دل کی دھڑکن بہت تیز ہو گئی تھی۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اے ٹو کو مجھ سے کون سا اہم کام آ پڑا تھا کہ میری تلاش میں اسے جہانگیر کے گھر فون کرنے کی ضرورت پیش آ گئی؟
ریسیور کریڈل پر ڈال کر میں نے وہیں کھڑے کھڑے گلاس خالی کر دیا۔
" بڑی مختصر سی گفتگو ہوئی تمہاری؟" جہانگیر نے مجھے واپس لوٹتے دیکھ کر حیرت سے کہا۔
" کام کی باتیں مختصر ہی ہوتی ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔
" ہوں۔" اس نے مجھے گھورتے ہوئے سر کو جنبش دی۔" بلاوا تو نہیں تھا تمہارا؟"
" بس یہی سمجھ لو، میں جا رہا ہوں۔ ذرا ضروری کام ہے۔"
میں نے بے پروائی اختیار کرتے ہوئے کہا لیکن ابتدائی جھٹکے سے سنبھلنے کے بعد یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ کیا اے ٹو ہی نے آواز بدل کر جہانگیر کو دھوکا دیا تھا یا اس سے پہلے فون پر واقعی کوئی عورت رہی تھی؟ اور اگر وہ کوئی عورت ہی تھی تو یقیناً اے ٹو

کی رازداں رہی ہوگی۔ شاید روپ کے ساتھ اس کے بہروپ سے بھی واقف رہی ہو مگر وہ تھی کون؟

جہانگیر نے عجلت پر میرا مضحکہ اڑایا۔ عورتوں کی فطرت اور ان سے دوستی کے فلسفے پر ایک مختصر سی تقریر جھاڑ کر مجھے روکنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ ہم تینوں کے سازشی اتحاد کے بعد وہ اے ٹو کی پہلی اور نہایت غیر معمولی فون کال تھی اور میں ہر قیمت پر مقررہ وقت پر گھر پہنچنا چاہتا تھا لہٰذا اس کے ہر مشورے کو ٹال کر فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو گیا۔

سلطان شاہ گھر پر نہایت بے چینی کے ساتھ میرا منتظر تھا۔ وقت گزاری کے لیے وہ میز پر پتے پھیلا کر اکیلا ہی کچھ کھیلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ کارڈز سمیٹ کر اٹھ گیا۔

"بیٹھے رہو۔ تکلف کی ضرورت نہیں۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ "دو چار دن جم کر احتیاط کر لو گے تو بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"میں ٹھیک ہوں، میری پروا نہ کرو۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "گھر میں پڑے پڑے بس یہی سوچتا رہا کہ تم نجانے کیا کرتے پھر رہے ہو... تمھارے بارے میں چار مرتبہ فون بھی آ چکا ہے، کوئی تم سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔"

"مرد تھا یا عورت؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"مرد ہی تھا، چاروں بار تمھاری غیر موجودگی کی اطلاع پاتے ہی مزید کچھ کہے بغیر اس نے فون بند کر دیا تھا۔"

"اے ٹو تھا وہ! اسی کی ہدایت پر میں اس وقت یہاں پہنچا ہوں۔"

"اس سے کیسے رابطہ ہو گیا تمھارا؟"

میں اسے تفصیل سنانے لگا اور وہ حیران رہ گیا پھر میں نے اسے قاسم سے ہونے والے سمجھوتے سے بھی باخبر کر دیا۔ اسی ضمن میں دلاور خان کا ذکر بھی آ گیا کیونکہ اس کی کراچی آمد کی اطلاع مجھے سلطان شاہ سے ہی ملی تھی۔

"بڑا دکھ ہوا اس کا انجام سن کر۔" وہ متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "دلاور خان وہ آدمی تھا جس کی صورت دیکھ کر دشمنوں کے اوسان خطا ہو جاتے تھے۔ ہر وقت جان ہتھیلی پر لیے مرنے مارنے پر آمادہ رہتا تھا مگر اب ہیروئن کا عادی ہونے کے بعد کسی خارش زدہ کتے سے بھی بدتر ہو کر رہ گیا ہوگا۔ قاسم واقعی بہت مکار ہے۔"

"یہ یاد رکھنا کہ اب وہ ہمارا ساتھی ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اپنے عہد کی پابندی کروں گا۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "جس دن تمھارا اشارہ مل گیا اس کے سارے بدن کو اس طرح داغ دار کروں گا کہ وہ عمر بھر کے لیے معذور ہو کر رہ جائے گا۔"

"شاید اب اے ٹو کا آخری وقت قریب آ گیا ہے جو حالات

خود بخود سازگار ہوتے جا رہے ہیں۔ فی الحال ہمیں اپنی ساری توجہ اسی ایک محاذ پر رکھنی چاہیے ورنہ ہم غلطیوں کا ارتکاب کر بیٹھیں گے۔"

میں اس سے باتیں کرنے کے ساتھ رسٹ واچ کا بھی جائزہ لیتا جا رہا تھا۔ اے ٹو کے دیے ہوئے وقت سے دس منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی تو میں نے پھرتی کے ساتھ ریسیور اٹھا لیا۔

"مشتبہ جوڑے کا کیا رہا؟" ریسیور اٹھاتے ہی مجھے اے ٹو کی خشک اور تحکم آمیز آواز سنائی دی۔

"آج ڈاک سے مجھے لڑکی کی تصویر مل گئی ہے۔ میں نے اس کی کئی نقلیں بنوا کر اپنے آدمیوں کو دی ہیں لیکن ابھی تک کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ جھوٹ بولا۔

"اس لڑکی کو ہر قیمت پر تلاش کرنا ہے۔" اس کے لہجے میں ترشی عود کر آئی۔ "تمھاری ناکامی کی صورت میں مجھے کچھ اور سوچنا پڑے گا۔"

اس کے آخری الفاظ کسی ہتھوڑے کی طرح میری سماعت سے ٹکرائے مگر میں نے سنبھالا لے کر جلدی سے کہا۔ "میں پوری کوشش کر رہا ہوں جناب.... شاید کچھ وقت لگے لیکن کامیابی ضرور ہوگی۔"

"مجھے تمھاری کوششوں سے نہیں، نتائج سے دلچسپی ہے۔" اس کے الفاظ میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔ "تم وقت چاہتے ہو اور میرے لیے ہر لمحہ بہت قیمتی ہے.... شہر میں مال کی کیا پوزیشن ہے؟"

"مال اب پہنچنا چاہیے ورنہ سپلائی میں خلل پڑنے کے امکانات ہیں۔"

"کل آدھا ٹن مال آ رہا ہے، اسی کے ساتھ مختلف ساخت کے چار سوٹ کیس ہیں۔ ان میں پرانے کپڑے وغیرہ بھرے ہوئے ہیں، انھیں تلف کرا دینا۔ تمھارے کیریئرز اپنا سامان ان ہی سوٹ کیسوں میں لے جائیں گے۔ ہر سوٹ کیس کی جیب میں ایک رقعہ موجود ہے جس پر بیرونی ممالک میں سوٹ کیس وصول کرنے والے کا نام، پتا اور کوڈ درج ہے۔ تمھارے آدمی وہ سوٹ کیس مقررہ آدمی کو دے کر لوٹ آئیں گے۔ آدمی تیار ہیں تمھارے؟"

"جی ہاں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "سب طالب علم ہی ہیں۔"

میں نے مال کے بارے میں دریافت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ جس انداز میں سوٹ کیسوں کی ترسیل کا ذکر کر رہا تھا اس کی بنا پر یہ سمجھ لینا دشوار نہیں تھا کہ ہیروئن کی طے شدہ مقدار پہلے ہی سے ان سوٹ کیسوں میں چھپا دی گئی تھی۔

"یہ ان چاروں کا آزمائشی سفر ہوگا۔ سوٹ کیس عام ساخت کے اور بالکل خالی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس حد تک محتاط اور قابل اعتماد ہیں۔ اگلے پھیرے میں ان سے اصل کام لیا جائے گا۔" اس نے یہ انکشاف کر کے مجھے چونکا دیا لیکن میرا اندازہ تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ اگر پہلی بار خالی سوٹ کیس ہی بھیجنے تھے تو وہ میں بھی بازار سے خرید کر دے سکتا تھا۔ باہر سے سوٹ کیس

آنے کا مطلب تھا کہ ان کی کسی خفیہ تہہ میں مال چھپا دیا گیا تھا جس کا بادی النظر میں سراغ لگانا ناممکنات میں سے تھا۔
"قاسم پر مسلسل نگاہ رہنی چاہیے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اس پر دن بدن شبہات بڑھتے جا رہے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے میرا جواب سنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اگلا دن میرے لیے بہت مصروفیت لے کر طلوع ہوا۔
میں ناشتے کی میز پر ہی تھا کہ جہانگیر کا فون آ گیا۔ اس سے پتا چلا کہ پچھلی رات مال کی فروخت کے حساب کتاب پر نادر کا ایک بڑی پارٹی سے تصادم ہو گیا اور نادر نے بے دریغ گولیاں چلا کر تین افراد کو لہولہان کر دیا۔ اپنی اس حماقت کی پاداش میں وہ گرفتار ہونے سے بال بال بچا تھا لیکن پولیس اس کی تلاش میں تھی اور وہ رات گئے پناہ لینے کے لیے جہانگیر کے گھر جا پہنچا تھا۔
"اسے اپنے گھر سے فوراً ہٹاؤ اور کسی عدالت سے اس کی ضمانت قبل از گرفتاری کا بندوبست کراؤ، ایسا نہ ہو کہ تم خود کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ۔"
"میں بھی یہی سوچ رہا تھا... آج صبح سویرے مال پہنچا ہے، اس میں چار سوٹ کیس تمہارے لیے ہیں، وہ میں نے جیوا ہاؤز کے ڈرائنگ روم میں رکھوا دیے ہیں، جب چاہو وہاں سے لے لینا۔"
"زیادہ بڑے یا وزنی تو نہیں ہیں؟"
"تمہاری گاڑی میں آ جائیں گے، کیا آیا ہے ان میں؟"
"پرانے کپڑے بھرے ہوئے ہیں، مجھے اطلاع ملی تھی کہ وہ رات تک پہنچیں گے۔"
"سمجھا۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ "شاید ان کی ساخت میں گنجائش رکھی گئی ہو گی...."
"باتوں میں وقت ضائع نہ کرو، پہلے نادر کا بندوبست کرو، باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔"
سلسلہ منقطع کر کے میں نے اپنی تیاری مکمل کی اور سیدھا اکبر کی علاج گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ادھر کا رخ کرنے کا دُہرا مقصد تھا۔ اول تو کامران کی خبر گیری، دوئم وہاں رخشی کا سراغ لگانا۔
قاسم پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں رخشی کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیتا۔ میرے لیے قاسم کا یہ انکشاف حیرتناک ثابت ہوا تھا کہ رخشی صحتمند ہوتے ہوئے بھی نفسیاتی اور منشیات کے عادی مریضوں کے درمیان پناہ گزیں تھی۔
میں نے اسپتال پہنچ کر اسپتال میں موجود مریضوں کی فہرست پر نگاہ دوڑائی تو اس میں تین عورتوں کے نام ضرور موجود تھے مگر رخشی کا نام کہیں نہیں تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ کسی مفروضہ نام کے تحت وہاں مقیم تھی۔
کامران اپنے کمرے میں آرام دہ بستر پر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ مجھے اس کے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر فلور پر موجود خوبصورت ڈیوٹی نرس تیزی سے کمرے میں آ گئی تھی۔
"اسے ڈسٹرب نہ کیجیے گا۔" وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی ملتجیانہ لہجے میں بولی تھی۔ "مریض اس وقت ٹرانکولائزر کے زیرِ اثر ہے۔"
"یہاں اس کی پہلی رات تھی، تنگ تو نہیں کیا آپ لوگوں کو؟" میں نے خوش اخلاقی کے ساتھ سوال کیا۔
"نہیں۔ کوئی خاص پریشانی تو نہیں ہوئی۔"
"عام مریضوں کے مقابلے میں ایڈکٹ زیادہ ہی دشوار ثابت ہوتے ہوں گے۔" میں نے بات بڑھاتے ہوئے کہا۔
وہ پھریری لے کر مسکرا دی۔ "شروع میں مریض سب کچھ بھول جاتا ہے، اسے بس نشہ ہی یاد رہتا ہے۔ ہیروئن کے مریضوں کی حالت تو بہت قابلِ رحم ہوتی ہے، کبھی کبھی تو ترس کھا کر نشہ فراہم کرنے کی ہمدردانہ خواہش ہمارے دل میں بھی جنم لینے لگتی ہے۔"
"عورتیں زیادہ خطرناک ہو جاتی ہیں یا مرد؟"
اس نے آنکھیں سکوڑ کر اپنے سر کو ایک ادا سے جنبش دی پھر بولی۔ "عورتوں کی حالت زیادہ ابتر ہوتی ہے۔"
"لیکن آپ کی ایک مریضہ تو بالکل ہی نارمل لگتی ہے۔" میں نے موقع پاتے ہی مطلب کی بات چھیڑ دی۔
"کس کو دیکھ لیا آپ نے؟" وہ پہلی بار قدرے بے تکلفانہ لہجے میں بولی۔
"کل نیچے ریسپشن کے قریب دیکھا تھا۔" یہ کہہ کر میں نے بلا تامل رخشی کا حلیہ دُہرا دیا۔
"اوہ وہ حنا۔" وہ ایک دم ہنس پڑی۔ "بہت دلچسپ لڑکی ہے۔ دو تین دن پہلے ہی آئی ہے اور ابھی تک بالکل نارمل ہے۔ فائل سے پتا چلا کہ کبھی کبھی اسے اچانک ہسٹیریا جیسے دورے پڑتے ہیں۔"
مریضوں میں گھری رہنے والی اس نرس کو اس بے ضرر سی گفتگو سے شاید خاصی خوشی ہوئی تھی کیونکہ وہ کچھ دیر تک وہیں رکی رہی۔ اس نے مجھے تسلی دی کہ میں کامران کی طرف سے بالکل بے فکر رہوں کیونکہ اس علاج گاہ میں علاج کے ساتھ مریضوں کی جملہ ضروریات کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔
اس کے جانے کے بعد میں کامران کے کمرے سے رخصت ہو کر اوپری منزل کے ساتویں کمرے پر جا پہنچا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک کے جواب میں کنڈی گرانے کی آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔

میرے سامنے رخشی موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا اور آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت جھانک رہی تھی۔

"اندر آنے کو نہیں کہو گی؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سکوت توڑا۔

"تت.... تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"تم میرے آدمی کی نگرانی میں یہاں پہنچی تھیں۔" میں نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "میں بتا چکا ہوں کہ تم مجھے فریب نہیں دے سکو گی، میں کسی آسیب کی طرح پاتال تک تمہارا پیچھا کروں گا۔"

"یعنی تم مل بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہو؟" وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"آیا تو اسی لیے ہوں۔" میں نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "دیکھنا ہے کہ تم کہاں تک پیش قدمی کرتی ہو۔"

"مذاق نہیں، میں سنجیدگی سے پوچھ رہی ہوں۔"

"میں سنجیدہ ہوں۔ قاسم سے بات طے ہو گئی ہے۔ ہم مل کر کام کریں گے، تمہارے بارے میں اس نے چھوٹ دے دی ہے۔ تمہیں اعتراض نہ ہو تو وہ ہمارے مراسم سے چشم پوشی برتتا رہے گا۔"

"میں کوئی بے جان مجسمہ نہیں ہوں۔" وہ چیخ کر بولی۔ "جو وہ میرے بارے میں ایسے فیصلے صادر کرے۔ اپنی پسند اور ناپسند میں خود سمجھتی ہوں، اسے مشورے دینے کا کوئی حق نہیں۔"

"میں اسے بتا دوں گا۔" میں نے خلوص دل کے ساتھ کہا۔

"اپنی اوقات جان کر اسے زیادہ خوشی نہیں ہو گی۔"

"کیا اس وقت مجھے صرف یہ جتانے آئے ہو کہ تم میری یہاں موجودگی سے باخبر ہو؟"

"یہ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہاں سے اب کہاں جاؤ گی؟"

"کچھ روز یہیں رہنے کا ارادہ ہے۔ یہ جگہ محفوظ بھی ہے اور پرسکون بھی۔"

"باہر کس سے خطرہ ہے؟ ہمارا آپس کا معاملہ تو نمٹ ہی گیا ہے؟"

"فی الحال میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اے ٹو نے براہ راست کسی کو میری تلاش میں روانہ کر دیا ہو۔ وہ جب لڑتا ہے تو بیک وقت سارے امکانی محاذ کھول دیتا ہے۔ تم نے اسے میرے پیچھے لگا کر اچھا نہیں کیا۔"

"اے ٹو کے بارے میں تم اور کیا جانتی ہو؟"

"بہت کچھ اور کچھ بھی نہیں۔" اس نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"کسی اجنبی کے لیے بہت کچھ جانتی ہوں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں۔" وہ دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "ایسی کوئی بات میرے علم میں نہیں جو اس کی ذات پر روشنی ڈال سکے۔"

"پھر تمہارے پاس وقت برباد کرنا بیکار ہے۔"

اس نے مجھے روکنا چاہا لیکن میں وہاں سے رخصت ہو گیا۔ دفتر پہنچ کر سب سے پہلے میں نے غزالہ کو فون کیا اور اسے کامران کی خیریت سے آگاہ کیا تو میری توقع کے مطابق وہ بہت خوش ہوئی اور احسان مندانہ لہجے میں میری ہمدردی کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ اس نے مجھے دوپہر کے کھانے پر گھر بلانا چاہا لیکن میں نے شام میں چکر لگانے کا وعدہ کر کے معذرت کر لی۔

دو بجے تک دفتر کے کاموں سے فارغ ہو کر میں جیوا ہاؤز کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں کار سے اترتے ہی محافظوں نے وہ اطلاع دہرائی جو میں جہانگیر سے سن چکا تھا۔ ڈرائنگ روم میں ہاتھ سے بنے ہوئے درمیانی سائز کے چار چرمی سوٹ کیس موجود تھے۔ انہیں کھولا تو اندر واقعی استعمال شدہ کپڑے بھرے ہوئے تھے۔ سوٹ کیس خالی کر کے میں نے انہیں ہر طرح الٹ پلٹ کر دیکھ لیا لیکن کوئی ایسی بات نوٹ نہ کر سکا جو کسی خفیہ تہہ کی نشاندہی کرتی ہو البتہ ہر سوٹ کیس کی جیب میں ایک ٹائپ کیا ہوا رقعہ موجود تھا۔ تین غیر ملکی ناموں اور کوڈ ورڈز کے ساتھ مغربی یورپ کے مختلف شہروں کے تفصیلی پتے اور فون نمبر موجود تھے جبکہ چوتھے میں نیویارک کے کسی گیسولین اسٹیشن پر کام کرنے والے پاکستانی کیشیئر کا نام پتا درج تھا۔

میری دانست میں وہ سوٹ کیس ساتھ لیے پھرنا حماقت ہوتا۔ حامد کے ذریعہ منتخب کیے ہوئے کیریئرز کو میں اپنا گھر دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ کسی ہوٹل میں کمرہ حاصل کر کے پرانا طریقہ کار استعمال کرتا تو سوٹ کیس لے جانے والے غیر ضروری طور پر لوگوں کی نگاہوں میں آتے اور کھیل خراب ہو جاتا لہٰذا میں نے اس بار جیوا ہاؤز کو اڈے کے طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

شام کے وقت میں موتی دادا کے اڈے سے تھوڑی دور رک گیا۔ پہلی بار میں نے حامد پر اسی طرح ہاتھ ڈالا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک بار ہیروئن کی فروخت میں ملوث ہو جانے کے بعد حامد کے لیے اس کام سے کنارہ کش ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ لہٰذا یہ بات اٹل تھی کہ وہ مقررہ وقت پر موتی دادا سے مال لینے آتا۔

تھوڑی ہی دیر بعد مجھے اس کی جھلک نظر آئی تو میں نے انجن اسٹارٹ کر کے کار آگے بڑھا دی۔ وہ ہارن کی آواز سن کر چونکا

اور کار پہچانتے ہی اس کا چہرہ اتر گیا۔ میرے کسی اشارے کا انتظار کیے بغیر وہ دروازہ کھول کر پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا اور میں نے کار آگے بڑھا دی۔

"کیا بات ہے آج کچھ اداس نظر آرہے ہو؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد میں نے اسے چھیڑا۔

"تمھیں دیکھ کر دلی صدمہ ہوا ہے۔" اس نے سر اٹھائے بغیر بوجھل مگر دو ٹوک لہجے میں کہا اور میرے ردِ عمل پر توجہ دیے بغیر کہتا رہا، "میں تو سمجھ رہا تھا کہ شاید تم سے جان ہی چھوٹ گئی۔ ہو سکتا ہے تم کسی حادثے میں کہیں مر کھپ گئے ہو لیکن تم پھر موجود ہو۔ یہ میرے لیے کوئی خوشی کی بات تو نہیں ہے۔"

"کوّوں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "صاف گوئی اچھی بات ہے مگر اتنی بے باکی بعض اوقات مہنگی پڑ جاتی ہے۔"

"کتنی مہنگی پڑے گی؟" وہ مضحکانہ لہجے میں بولا۔ "جان سے زیادہ تو کچھ نہیں لے سکتی۔ میں آج کل ویسے ہی زندگی سے بیزار ہوں۔ اپنے وجود تک سے گھن آنے لگی ہے۔"

"کیوں؟ تم نے کلا تو نہیں کاٹا کسی کا؟"

"کسی کو زندگی بھر کے لیے معذور اور اپاہج بنا دینے کو میں قتل سے بڑا گناہ سمجھتا ہوں۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔

"معذور اور اپاہج؟" میں نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ "کیا تصادم ہو گیا تھا کسی سے؟"

"تصادم تو پہلے روز سے جاری ہے۔ یونیورسٹی میں ایک دکا تماشے میں نے اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں۔ آدمی کا ہاتھ پیر ٹوٹ جائے تو اس کے باقی حواس کام کرتے رہتے ہیں لیکن نشہ ٹوٹ جائے تو آدمی نہ زندہ رہتا ہے نہ مردہ کہلاتا ہے اور ہیروئن کے عادیوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ پرانے عادی، نئے پنچھیوں کو پھانستے ہیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی غلطیوں کا تاوان دوسروں کو گمراہ کر کے وصول کر رہے ہیں۔ میں زیادہ مقدار فراہم کرنے میں تردد کرتا ہوں تو لڑکے مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ میں نے اس گھناؤنے دھندے میں ضرورت سے زیادہ کما لیا ہے اور اب مجھ پر ہوس طاری ہو گئی ہے۔"

"یعنی مال روک کر دام بڑھانے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"یونیورسٹی میں ہیروئن کو میں نے خود متعارف کرایا مگر اب اپنی حرکت سے میں خوفزدہ ہوں۔ مجھے اپنی عافیت کی فکر لاحق ہو رہی ہے۔ اب تک شاید میں اس دھندے سے تائب ہو گیا ہوتا لیکن یونیورسٹی میں رہتے ہوئے ایسا کرنا میرے لیے ناممکن ہے۔ نشہ بازوں کا دباؤ اتنا شدید ہے کہ مجھے چھٹی کے دنوں میں بھی فراہمی برقرار رکھنی پڑتی ہے۔ جس دن ناغہ کیا وہ لوگ مار مار کر میرا حشر خراب کر دیں گے۔"

"تو یونیورسٹی کو خیرباد کہہ دو۔" میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے کہا۔

"اور ایک پیشہ ور منشیات فروش بن جاؤں۔" اس کا لہجہ بے حد زہریلا ہو گیا۔ "لیکن تم سے کیا شکوہ۔ تمھارا تو سارا وجود ہی شاید ایسی آمدنی پر پلا بڑھا ہو مگر میرے اپنے مستقبل کے خواب ہیں۔ بارہ برس یونیورسٹی سے باہر پڑھتا رہا اب ڈیڑھ سال جامعہ میں گزار چکا ہوں۔ اتنی ہی مدت اور باقی رہ گئی ہے۔ اس کے بعد شاید میں تمھاری طرح شان و شوکت سے تو نہ رہ سکوں لیکن عزت کی روزی کمانے کے قابل ضرور ہو جاؤں گا۔"

اس نے مجھ پر بدترین اور گھناؤنا طنز کیا تھا لیکن میں اسے پی گیا۔ میں گمراہ ضرور تھا لیکن میرا ضمیر زندہ تھا جو ہر قدم پر نیکی اور بدی کا امتیاز واضح کرتا رہتا تھا۔ اندر سے میری بھی وہی خواہش تھی جو حامد کی تھی لیکن وہ انسان ہی کیا جو اپنی ہر آرزو کو پایۂ تکمیل کو پہنچا لے۔ میں اسے چھیڑنے سے باز نہ رہ سکا۔

"برس میں دو مہینے پڑھائی ہوتی ہے۔ ڈیڑھ دو برس اور گزار لیا تو کون سا تیر مار لو گے۔ کاغذ کا ایک پرزہ ملے گا جسے کوئی نہیں پوچھتا۔ شہر میں ہزاروں ڈگری یافتہ گھومتے پھرتے ہیں۔ ملازمت کے ساتھ ہی انھیں لٹ پرالس دکانوں پر سستے اور مضبوط جوتوں کی تلاش رہتی ہے جو ملازمت ملنے تک ساتھ دے سکیں۔"

میری نگاہیں بظاہر سڑک پر مرکوز تھیں مگر میں کن انکھیوں سے اس ناپختہ کار لڑکے کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ لاجواب تو ہو گیا تھا مگر مجھے خونخوار نگاہوں سے گھورے جا رہا تھا۔

"تم ذہین، تعلیم یافتہ اور نوجوان ہو۔ جاہل جرم کرتا ہے اور اپنی لغزشوں سے پکڑا جاتا ہے۔ ذہین آدمی کوئی کام کرتا ہے تو اس کی گرفت ناممکن ہوتی ہے۔ عمر کا ہر لمحہ جو تم گزار رہے ہو لوٹ کر نہیں آئے گا۔" میں نے توقف کے بعد اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "معاشرے میں بہتیرے موقع شناس جائز اور ناجائز کی تفریق میں پڑے بغیر دونوں ہاتھوں سے پیسہ بٹور رہے ہیں اور تم جیسے بیسیوں ضرورت مند ہر روز ان کی چوکھٹوں پر حاضری دیتے ہیں۔ محض اس امید میں کہ روزی ملے تو جبری روزوں سے نجات ملے۔"

"میرا دماغ خراب مت کرو۔" وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یہ بتاؤ کہ آج مجھ پر کیوں نظر کرم کی ہے؟"

"سوچ رہا تھا کہ تمھیں بھی ایک بار باہر کی دنیا دکھا دوں۔"

"اندر کی دنیا میں تم جیسے مل جائیں تو باہر جانے کی کیا ضرورت

ہے۔" وہ جلے بھنے لہجے میں بولا اور میں بمشکل بے ساختہ مسکراہٹ کو ہونٹوں پر طلوع ہونے سے روک سکا۔ "خضر بن کر گمراہ کرنے کے بجائے اپنا مدعا بیان کرو۔ میں تمھاری کار میں گھومتا ہوا دیکھا جانا بھی پسند نہیں کرتا۔ کیا خبر کل ہی میرے دروازے پر پولیس دستک دے رہی ہو۔"

"تمھارے دوستوں کی روانگی کا وقت آگیا ہے ...... ان سے میری فوری ملاقات ضروری ہو گئی ہے۔"

"کیا تم انھیں معاف نہیں کر سکتے؟" اس نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔ "تمھیں اپنی دنیا میں بہت سے تجربہ کار لوگ مل جائیں گے پھر نئے خون کو کیوں گندہ کرتے ہو؟"

"تجربہ کاروں کو صرف ہم ہی نہیں، ہمارے دشمن، سرکاری ادارے بھی پہچانتے ہیں، وہ جہاز پر قدم رکھنے سے پہلے دھر لیے جائیں گے۔ نئے چہروں کے لیے ایسا کوئی خطرہ نہیں ہوتا اور پھر تمھارے دوستوں پر مفت میں دنیا دیکھنے کی دھن سوار رہنے میں انھیں نظر انداز کر دوں گا تو وہ کسی اور کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔ میرے مزاج کی نرمی کا اندازہ تم اسی بات سے کر سکتے ہو کہ تمھاری جو گستاخانہ تقریر میں نے خاموشی سے سن لی، اس پر کوئی دوسرا تم پر بہت پہلے ہاتھ اٹھا چکا ہوتا۔"

"میں اٹھنے والے ہاتھوں کو جھکانا بھی جانتا ہوں۔" اس وقت وہ واقعی شیر ہو رہا تھا۔ "تم یہ بتاؤ کہ ان سے کب اور کہاں ملنا چاہتے ہو؟"

میں اسے جیوا ہاؤز کا محل وقوع سمجھانے لگا۔ وہ ان لوگوں کو اگلے دن لانے پر مصر تھا لیکن تھوڑی سی بحث کے بعد ایک ڈیڑھ گھنٹے میں وہاں پہنچنے پر تیار ہو گیا۔

اسے راستے میں اتار کر میں نے گاڑی کا رخ گھر کی طرف کر لیا کیونکہ اس ڈیڑھ گھنٹے کے لیے میرے پاس تفریح یا آوارہ گردی کے علاوہ کوئی مصروفیت باقی نہیں رہی تھی۔ گھر جا کر میں اس دوران میں تازہ دم ہو کر بآسانی قبل از وقت جیوا ہاؤز پہنچ سکتا تھا۔

میں اپنے خیالات کی رو میں ڈوبا گھر پہنچا تو پھاٹک پر ہی چوکیدار نے مجھے سرِ شام کسی مہمان کی آمد کی اطلاع دی لیکن وہ مہمان کے حلیے کے علاوہ اس کی کوئی شناخت نہ بتا سکا۔ اس کے کہنے کے مطابق مہمان کو میری آمد تک ڈرائنگ روم ہی میں محدود رکھنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن وہ مالکانہ دھونس کے ساتھ پورے گھر میں دندنا رہا تھا۔ اس دوران میں اس نے سلطان شاہ کے ساتھ بھی خاصا وقت گزارا تھا۔

میں چند ثانیوں تک کھلے ہوئے پھاٹک میں گاڑی روکے اس عجیب و غریب مہمان کے بارے میں سوچتا رہا۔ نجانے وہ کون تھا؛ واقعی دوست ہی تھا یا دوست کے روپ میں کوئی بڑا دشمن جو کوئی پرانا حساب چکانے کے لیے ایسے بے باکی کے ساتھ میرے گھر میں گھس آیا تھا۔

ہونہہ، جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔ میں نے سر جھٹک کر اور ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھا دی۔ اگر وہ میرا دشمن ہی تھا تو یہ کھلی ہوئی بزدلی تھی کہ وہ میرے گھر میں دندناتا پھر رہا تھا اور میں اپنے گھر کی دہلیز پر کھڑا مخمصے کا شکار تھا۔ کار پورچ میں روکنے سے قبل میں نے ڈیش بورڈ کے خانے سے بھرا ہوا ریوالور نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا تاکہ کسی فوری ہنگامے میں تہی دستی کی بنا پر پچھتانا نہ پڑے۔

میں کار سے اتر ہی رہا تھا کہ اندر سے ایک دراز قامت اور صحت مند شخص برآمدے میں نکل آیا۔ شاید پختہ فرش پر میری کار کے ٹائروں کے تیز شور نے اسے کسی کی آمد کا اشارہ دیا تھا۔

وہ جو بھی تھا، میرے لیے قطعی اجنبی تھا۔

چوڑے چکلے شانوں اور کسرتی بدن پر کڑھا ہوا بے داغ سفید کرتا اسے بہت سج رہا تھا۔ آنکھوں میں عقابی چمک کو ندر رہی تھی، چہرے پر ہلکی سی کرختگی پائی جاتی تھی جو شاید ہونٹوں پر موجود پتلی ترشی ہوئی مونچھوں کے باعث تھی۔ اس نے اپنے صحت اور گھونگھریالے بالوں میں ہاتھ پھیر کر براہِ راست میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور اسی کے ساتھ اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ مچلنے لگی۔

"مجھے یوں نہ گھورو۔" اس نے مسکراتے ہوئے نرم آواز میں کہا۔ "اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو میں بھی تمھیں نہیں جانتا لیکن میرا خیال ہے کہ تم ہی تنویر ہو۔"

"ہوں تو تنویر ہی۔" میں نے برآمدے کی سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ "لیکن میں چاہوں گا کہ تم بھی اپنا تعارف کرا دو۔"

جوں ہی میں نے آخری سیڑھی عبور کی اس نے اچانک مجھے دونوں بانہوں میں سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ "تعارف کرا دوں؟ ارے تم اپنے حسن کو نہیں پہچانتے۔" اس کے لہجے میں محبت آمیز شکوہ تھا، اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور برسوں پرانے واقعات ذہن میں گزرنے لگے۔

بڑی ماں اور ان کے دو بیٹے، جنھوں نے مجھے اور میری ماں کو والد صاحب کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد محض اس لیے گھر سے نکال دیا تھا کہ ہم ان کے لیے سوتیلے تھے۔ میں اپنی بدنصیب ماں کے ساتھ گھر سے نکالا گیا تو میری عمر کل چار برس کی تھی پھر چودہ برس کی عمر میں میں نے اپنے ایک ہم جماعت کو طیش کے عالم

میں بلیڈ کی تیز دھار سے زخمی کیا تو میری ماں اس چوکھٹ کا رُخ کرنے کی ہمت تک نہ کرسکی پھر پندرہ برس کی عمر میں جب مجھے ایک ساتھی پر قاتلانہ حملے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تو ماں اس دہلیز پر جا ہی پہنچی لیکن اسے وہاں سے دھتکار دیا گیا۔ ماں نے گھر کے اثاثے سے اپنے سہاگ کی نشانیاں تک فروخت کر کے میری ضمانت پر رہائی کا بندوبست کرایا اور خود مجھ سے ملے بغیر ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئی۔

میں اس کی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز تھا۔ اس نے مجھے اپنے خونِ جگر سے پالا تھا مگر میں بگڑ گیا کیونکہ میرا خمیر رشوت سے اٹھا تھا۔ میرے باپ منشی اقبال نے رشوت کی آمدنی سے بدمست ہوکر دوسری شادی رچائی تھی۔ اس طرح میں رزقِ حرام سے پیدا ہوا تھا۔ یہ سب میرے اختیار سے ماورا باتیں تھیں لیکن اپنی جگہ اٹل تھیں۔ ماں کی تمام تر کوششیں بھی مجھے سیدھی راہ پر نہ رکھ سکیں اور میں حالات کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ماں کی خودکشی کے بعد میں نے لاہور چھوڑ دیا۔ وہاں کے عدالتی ریکارڈ کے مطابق شاید میں آج بھی مفرور مجرم تھا لیکن کراچی میں کوئی میرے ماضی سے واقف نہیں تھا۔ ایک غزالہ تھی جسے میں نے ہی سب کچھ بتا دیا تھا۔

بڑی ماں اور ان کے بیٹوں نے مجھ پر بڑے ستم ڈھائے تھے لیکن وقت ہر درد کو بھلا دیتا ہے۔ چند روز پہلے جب میں اے ٹو کی تلاش میں لاہور گیا تو میرے دل میں ہوک سی اٹھی تھی، میں بڑی ماں کی تلاش میں اپنے پرانے محلے میں پہنچا تھا لیکن وہاں سے ان کا کوئی سراغ نہ ملنے کے بعد مایوس واپس لوٹ آیا تھا اور اب میرے گھر کے برآمدے میں ایک کڑیل جوان مجھے اپنے سینے سے چمٹائے لہو کے حوالے سے اپنی شناخت بتا رہا تھا تو وہ بڑی ماں کے دو بیٹوں میں سے ایک کے علاوہ بھلا اور کون ہوسکتا تھا۔ میرا خون کا رشتہ تو بس دو سوتیلے بھائیوں ہی سے تھا۔

یہ تمام خیالات ذہن میں پل بھر میں آکر گزر گئے اور میرے لبوں سے کانپتی ہوئی مسرت آمیز آواز برآمد ہوئی "کک کون..... تصویر بھائی؟"

"تصویر علی لاہور میں ہے۔" وہ پُرجوش انداز میں میری پیٹھ تھپکتے ہوئے بولا "اسے یقین نہیں تھا کہ میں کراچی جیسے، آدمیوں کے گنجان جنگل میں تمھیں تلاش کرسکوں گا۔"

"بڑی ماں کیسی ہیں؟" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا اپنے سوتیلے بھائی سے برسوں بعد غیر متوقع ملاقات کے باعث مجھ پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہوچلی تھی۔ وقت نے ہر دکھ اور درد بھلا دیا تھا اور اس وقت صرف یہی احساس پورے وجود میں گونج رہا تھا کہ ملنے والا میرے باپ کی اولاد ہے۔

اور شاید اس کی حالت بھی مختلف نہیں تھی۔ اس نے ہم ماں بیٹے کے ساتھ زیادتیاں کی تھیں لیکن اب شاید اپنے کیے پر پشیمان تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ وہ لاہور سے مجھے ڈھونڈتا ہوا کراچی میں میرے گھر آ پہنچا تھا۔

"بڑی ماں ٹھیک ہیں۔" وہ میرے شانے پر محبت آمیز انداز میں ہاتھ رکھ کر اندر جاتے ہوئے بولا "وقت وقت کی بات ہے۔ بائیس برس پہلے انھوں نے تمھیں، تمھاری ماں کے ساتھ گھر سے نکال دیا تھا مگر اب تمھارا نام سنتے ہی تڑپ اٹھی تھیں۔ بڑی آرزو ہے انھیں تم سے ملنے کی ۔۔۔ پرانی باتوں کو یاد کر کے اکثر روتی رہتی ہیں۔"

"پرانی باتوں کا ذکر نہ کرو توقیر بھائی۔" میری آواز بے اختیار رُندھ گئی "میرے لیے تو یہی بہت بڑی بات ہے کہ تم ماضی پر خاک ڈال کر مجھ سے ملنے چلے آئے ہو۔"

وہ ڈرائنگ روم میں آکر بے فکری سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا اور بغور میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا "بالکل ہی بدل گئے ہو تم تو ۔۔۔ ہر نقش بدل گیا ہے تمھارا ان سات آٹھ برسوں میں۔"

میں بھی والہانہ انداز میں مسکرا دیا "میں خود تمھیں نہیں پہچان سکا تھا، خون کا حوالہ نہ دیتے تو شاید مجھ سے کوئی گستاخی بھی سرزد ہوجاتی۔"

"ہاں۔ وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں۔" وہ پہلو بدل کر شوخ لہجے میں بولا "جیب ہلکی کرلو اپنی، کہیں بے دھیانی میں گولی چل ہی نہ جائے۔"

میں خفت آمیز انداز میں سر جھکا کر اندر چل دیا۔ اتنی ہمت نہیں ہوسکی تھی کہ ریوالور کے بارے میں کوئی وضاحت کرتا یا اسی کے سامنے جیب خالی کرلیتا۔ سیفٹی کیچ چڑھا کر میں نے ریوالور تکیے کے نیچے رکھا اور دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا۔

اس وقت خوشی سے میرا رواں رواں جھوم رہا تھا جیسے کھوئی ہوئی کوئی قیمتی شے واپس مل گئی ہو۔

"تمھارے ملازم بہت پریشان تھے۔" توقیر مزے لے لے کر بتا رہا تھا "میں نے انھیں تم سے اپنا رشتہ نہیں بتایا تھا، بس تمھیں پوچھتا ہوا اندر گھس آیا تھا۔ وہ مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھائے رکھنا چاہتے تھے، میں نے تمھاری غیر موجودگی میں پورے گھر کا سروے شروع کیا تو وہ بوکھلا گئے تھے۔" پھر چونک کر بولا "ہاں وہ اندر کون پڑا ہوا ہے؟ خاصا زخمی معلوم ہوتا ہے۔"

"میرا ایک دوست ہے کچھ غنڈوں سے الجھ گیا تھا۔" میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"باتیں مزے کی کرتا ہے ۔۔۔ وہ زخمی پڑا ہے، تمھارے جیب میں کوئی آتشیں اسلحہ تھا، آج کل کام کیا کررہے ہو تم؟" اس

نے دھیمے مگر معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"ایک چھوٹی سی پلاسٹک فیکٹری ہے۔" میں نے منکسر المزاجی کے ساتھ کہا۔ "آج کل کراچی کا ماحول کچھ خراب ہے — یہاں رات کے اندھیرے میں چوریوں کے ساتھ دن دہاڑے ڈاکے بھی پڑنے لگے ہیں — حفاظتِ خود اختیاری کے لیے کچھ نہ کچھ بندوبست تو رکھنا ہی پڑتا ہے۔"

"ابھی تک اکیلے ہی ہو....؟" اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"گھر بنا لیا ہے تو اب آباد بھی کر ہی لوں گا۔" میرے جواب پر وہ ہنس پڑا اور مجھے یک بیک یہ خیال آیا کہ آخر اسے میری کراچی میں موجودگی کا علم کیسے ہوا اور اس نے میرا پتا کیسے تلاش کر لیا۔

"تمھیں اچانک خیال کیسے آ گیا میرا؟" میں نے سوال کیا۔

"چند روز پہلے بازار میں اچانک رمضان چاچا سے مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔" اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "اسی نے بتایا تھا کہ کچھ دن پہلے تم ہم لوگوں کو ڈھونڈتے ہوئے پرانے محلے میں پہنچے تھے اور ناکام لوٹ آئے تھے۔ میں نے بڑی ماں کے سامنے ذکر کیا تو وہ بے چین ہو گئیں۔ ان ہی کے اصرار پر یہاں آیا ہوں۔"

"لیکن میرا پتا کہاں سے ملا؟"

"ٹیلی فون ڈائرکٹری میں تنویر علی تین ہی ہیں۔ باری باری تینوں نمبروں پر فون کیا اور یہاں چلا آیا کیونکہ دوسرے دونوں لب و لہجے سے ہی سندھی معلوم ہو رہے تھے، یہاں سے تمھارے کسی ملازم نے بتایا کہ اس کا صاحب پنجابی ہے، اصل نام خدا جانے کیا ہے مگر ڈینی صاحب کہلاتا ہے — تم ڈینی کب سے بن گئے؟"

"بس دوستوں نے ایک نام دے دیا اور وہی چل پڑا، اب تو مجھے بھی وہی نام مانوس لگتا ہے۔"

"لاہور ہماری ہی تلاش میں گئے تھے یا کوئی اور کام تھا؟" اس نے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

"کاروباری جھمیلا تھا۔ لاہور چھوڑنے کے بعد پہلی بار وہاں گیا تھا، لاہور کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی بے اختیار پرانے رشتے یاد آنے لگے تھے۔ یہ سوچ کر پرانے محلے میں گیا تھا کہ سر جھکا کر بڑی ماں کو سلام کروں گا، انھوں نے سر پر ہاتھ رکھ دیا تو سمجھوں گا کہ زندگی کا ایک خالی خانہ آباد ہو گیا۔"

اس کی سیاہ عقابی آنکھوں میں چمک گہری ہو گئی اور وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ "میں نے کیبنٹ دیکھا ہے تمھارا، پینے کے معاملے میں خاصا ستھرا ذوق رکھتے ہو — کیوں نہ اس ملاقات کو یادگار بنانے کے لیے ایک دور ہو جائے۔"

ملازم قریب ہی میرے اشارے کا منتظر تھا، چند ہی لمحوں میں ٹرالی سجا کر لے آیا۔

"تم کیا کر رہے ہو؟" میں نے گلاس تیار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"چھوٹا سا کاروبار ہے اپنا بھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ معقول آمدنی ہو جاتی ہے۔"

"اور تصویر بھائی؟"

"ہم دونوں ساتھ ہی کام کر رہے ہیں۔" وہ گلاس سے اپنے لبوں کو تر کرتے ہوئے بولا۔

"بڑی ماں کی صحت کیسی ہے؟" مجھے برسوں بعد ان رشتوں کے بارے میں بات کرنے کا موقع ملا تھا تو میں مسلسل ہی گفتگو میں مصروف رہنا چاہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہیں — ضعیفی تو خود ہزار بیماریوں کی ایک بیماری ہے، چند برس پہلے لقوہ ہو گیا تو چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی تھیں پھر موتیا سے ایک آنکھ کی بینائی جاتی رہی، دوسری آنکھ بھی دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے — جس دن سے تمھارا ذکر سنا بس یہی کہہ رہی ہیں کہ رہی سہی بینائی ضائع ہونے سے پہلے ایک بار تنویر اور اس کی بیوی سے ملا دو تاکہ ان دونوں کو جی بھر کر دیکھ سکوں۔"

میرا دل بھر آیا۔ "میں چلوں گا، ضرور چلوں گا بلکہ تمھارے ساتھ ہی چلوں گا، ابھی شادی تو نہیں کی لیکن بڑی ماں اپنی ہونے والی بہو کو ضرور پسند کریں گی۔"

"اوہ۔" وہ بھویں چڑھا کر بولا۔ "تو عشق لڑا رہے ہو آج کل۔"

میں ہنس پڑا۔ ہنسی بوجھل سی تھی۔ "عشق دماغ کے خلل کا دوسرا نام ہے، اسے میں نے سنجیدگی کے ساتھ دیکھا، پرکھا اور پھر چاہا ہے، بہت سلجھی ہوئی اور خوبصورت لڑکی ہے۔"

"خوش قسمت ہو کہ تمھیں اپنے معیار کی لڑکی مل گئی، ہم دونوں بھائی تو فیصلہ کر چکے ہیں کہ زندگی ہنستے کھیلتے، اکیلے ہی گزار دیں گے۔"

معاً میں چونک پڑا۔ میں نے حامد کو جیوا ہاؤز پہنچنے کا وقت دیا ہوا تھا۔ گلاس خالی کر کے میں نے توقیر علی سے معذرت چاہی تو وہ صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک کر مسکرانے لگا۔ "بوتل اور گلاس میسر ہو تو پھر وقت آسانی سے گزر جاتا ہے مگر اکیلے میں زیادہ لطف نہیں آتا — کہو تو ٹرالی تمھارے زخمی دوست کے کمرے میں لے جاؤں۔"

"اسے مدعو بھی نہ کر بیٹھنا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "اس معاملے میں پورا پٹھان اور کٹر مسلمان ہے، برا مان جائے گا۔"

"جاؤ۔ ہو سکے تو واپسی پر ہماری ہونے والی بھابی کو لیتے آنا۔" اس نے برف کے قتلے گلاس میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "ذرا معلوم تو ہو کہ تمھاری پسند کا معیار کیا ہے۔"

"کافی دیر ہو جائے گی۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "آنے کو وہ آجائے گی مگر میں مناسب نہیں سمجھتا۔ اس سے کل ملوا دوں گا تمھیں۔"

وہاں سے نکل کر میں سلطان شاہ کے پاس پہنچا تو وہ منہ پھلائے بستر پر دراز تھا۔ اس کی آنکھوں میں ناراضگی کے آثار دور ہی سے دیکھے جا سکتے تھے۔

"ہو گئی فرصت تمھیں؟" وہ مجھے دیکھتے ہی طنزیہ لہجے میں بولا۔ "ایسی محبت تو میں نے سگے خون میں بھی نہ دیکھی ہو گی۔" شاید ملازمین سے اسے معلوم ہو گیا تھا کہ مہمان سے میرا کیا رشتہ تھا۔

"مرچیں نہ چباؤ، ہم برسوں کے بعد ملے ہیں۔" میں نے آہستگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "میں تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔"

"میں تم سے کچھ اہم باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے لاڈلانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے بس دس منٹ دے دو۔"

"میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "واپس آکر ایک گھنٹے تک تمھارے پاس بیٹھوں گا۔ مجھے مقررہ وقت پر کہیں پہنچنا ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ اچانک ہی اس کی نگاہیں میرے چہرے سے ہٹ کر عقب میں کسی چیز پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ میں نے سر گھمایا تو توقیر علی گلاس تھامے خوابگاہ کے دروازے میں کھڑا تھا۔

مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی وہ مسکرانے لگا۔ "ایک بات بھول گیا تھا، باہر جا رہے ہو تو واپسی پر میرے لیے کچھ پنیر لیتے آنا۔ میں رات میں عموماً کھانے کے بجائے پنیر کے پارچوں پر گزارا کرتا ہوں۔"

میں اسی کے ہمراہ سلطان شاہ کے کمرے سے باہر نکل آیا۔

"اگر میں اس کے پاس بیٹھ کر شغل کرتا رہوں تو اسے کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟" راہداری میں توقیر نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے سوال کیا۔

"اعتراض تو نہیں کرے گا مگر اندر ہی اندر سلگتا رہے گا — ویسے بھی وہ تکلیف میں ہے، تمھیں بور کرے گا، میں جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔"

میں نے ایک ملازم کو توقیر کے لیے خوابگاہ صاف ستھری کرنے کی ہدایت کی اور تیز رفتاری کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گیا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں جیوا ہاؤز کے ملازمین نے حامد اور اس کے ساتھیوں کو باہر ہی سے نہ لوٹا دیا ہو کیونکہ اس بارے میں میں نے انھیں کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔

ان تینوں کے لیے میری آمد غیر متوقع ثابت ہوئی۔ یہ تو اکثر ہوتا رہا تھا کہ میں شام ڈھلے ان کے گھر پہنچ کر رات گئے واپس لوٹتا تھا لیکن اتنی دیر سے وہاں پہنچنا میرے معمولات کے خلاف تھا۔

غزالہ کی ماں کوکین کی آخری خوراک لے کر گہری نیند سو چکی تھی اور کرنل زوار زیدی وقت گزارنے کے لیے غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھا شطرنج کھیل رہا تھا۔

"یہ مجھ سے مسلسل تین بازیاں ہار چکی ہے۔" کرنل ڈرائنگ روم میں پہنچتے ہی مجھ سے پُرجوش لہجے میں بولا۔ "اور دیکھو اب پھر اس پر رخ کی شہ پڑ رہی ہے، یہ بازی بھی بچنی مشکل ہے۔"

"سعادت مند اولاد والدین سے ہار کر خوشی محسوس کرتی ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

زوار زیدی بھڑک اٹھا۔ "یعنی میرے کھیل میں کوئی کمال ہی نہیں ہے۔"

"یہ کمال ہی تو ہے کہ چوتھی بازی بھی آپ کے ہاتھ میں ہے۔" میں نے جلدی سے بات بنائی پھر لمحہ بھر توقف کے بعد سوال کیا۔ "کامران کے پاس گئے تھے آپ؟"

"گیا تھا۔" اس نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "بہت اداس اور خاموش تھا وہ — غزالہ بہت فکرمند ہے اس کی طرف سے۔"

"میں اسی لیے آیا ہوں۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "میں بھی صبح گیا تھا۔ دس پندرہ دن کے بعد ہی اندازہ ہو سکے گا کہ اس پر علاج کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ فی الحال تو اتنا بھی کافی ہو گا کہ اسے جنونی دورے نہ پڑیں۔"

"یہ سب اسی کو سمجھاؤ۔" وہ غزالہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا۔ "یہ سمجھ رہی ہے کہ ہم نے اکتا کر کامران کو وہاں ڈال دیا ہے۔"

"تمھارے ڈیڈی بڑے ہوشیار ہیں۔" تخلیہ ہوتے ہی میں نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔ "بیچارے کبھی بھی کباب میں ہڈی نہیں بنتے۔ مجھے ایسے لوگ بے حد پسند ہیں جو اپنی روایات سے محبت کرنے کے باوجود نئی نسل کے راستے کی دیوار نہیں بنتے۔"

"میں کامران سے ملنے کب جا سکوں گی؟" اس نے اداس لہجے میں سوال کیا۔

"کوئی راہ نکالوں گا، ذرا انتظار کرو۔" میں نے اس سے نگاہیں چار کیے بغیر کہا۔ "آج صبح میں کامران کے پاس گیا تو نخشی سے بھی ملا تھا۔ وہ نام تبدیل کر کے ہسٹیریا کی مریضہ کی حیثیت سے وہاں داخل ہے۔"

"اسے کامران کی وہاں موجودگی کا علم ہے؟" اس نے جلدی سے سوال کیا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" میں نے کہا۔ "اس طرف سے تم بے فکر رہو — ویسے ایک خبر ہے تمھارے لیے۔"

"کیسی خبر؟" اس نے نگاہیں اٹھا کر معصومانہ حیرت سے سوال کیا۔

"لاہور سے میرا سوتیلا بھائی آج مجھے تلاش کرتا گھر آ پہنچا ہے۔" میں نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔ "بڑی ماں زندہ ہیں اور مجھ سے ملنے کے لیے بے چین ہیں۔"

"وہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

"میرے گھر۔ اور سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ ماضی کی غلطیوں پر خود نادم ہے۔"

"سیدھے ادھر ہی سے آ رہے ہیں آپ۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "اپنوں سے ملنے کی خوشی بھی عجیب ہوتی ہے۔"

"وہاں سے جیوا ہاؤز گیا تھا۔" میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "آج چار لڑکوں کو اے ٹو کی ہدایت پر سوٹ کیس دیے ہیں جو انھیں یورپ کے مختلف شہروں میں پہنچانے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ان میں ہیروئن چھپائی گئی ہوگی۔"

"سوٹ کیس کہاں سے لیے تھے؟"

"وہ اے ٹو نے مال کے ساتھ ہی بھیجے تھے۔ ان میں پرانے کپڑے بھرے ہوئے تھے جو تلف کر دیے گئے۔"

"آپ کے بھائی کو آپ کے گھر کا علم کیسے ہو گیا؟" تھوڑے سے توقف کے بعد عزالہ نے سوال کیا۔

لاہور میں ایک پرانے محلے دار سے میری آمد کا علم ہوا تھا۔ یہاں آ کر ٹیلیفون ڈائرکٹری سے پتا تلاش کر لیا۔"

"دو سوتیلے بھائی تھے نا آپ کے؟ یہاں کون آیا ہے؟"

"تصویر علی بڑے بھائی کا نام ہے، ان سے چھوٹا بھائی توقیر علی یہاں آیا ہے۔"

"کتنا عجیب اتفاق ہے کہ آپ تینوں ہی کے ناموں کا مخفف ٹی۔ اے ہے اور لاہور میں ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے سربراہ کا نام بھی ٹی۔ اے ملک ہی بتایا گیا تھا۔" وہ پرخیال لہجے میں بولی اور میں چونک پڑا۔ ابھی تک اس پہلو پر میں نے غور ہی نہیں کیا تھا کہ کہیں آنے والا میرے سوتیلے بھائی کے روپ میں اے۔ ٹو کا فرستادہ کوئی مخبر نہ ہو۔

ناموں کے مخفف کی یکسانیت میرے لیے قطعی غیر اہم تھی لیکن عزالہ کے اٹھائے ہوئے نکتے نے میرے ذہن میں کھٹنے دریچے کھول دیے تھے۔

میں نے چار سال کی عمر کے بعد پندرہ سال کی عمر میں صرف اس رات لمحہ بھر کے لیے اپنے سوتیلے بھائیوں کو سوتے ہوئے دیکھا تھا جب میں چوری کی نیت سے بڑی ماں کے مکان میں کودا تھا اور میرے لیے ان دونوں کو پہچاننا تقریباً ناممکن تھا۔ اپنے گھر کے برآمدے میں نووارد سے پہلی ملاقات پر میں نے محض قیاس سے کام لیا تھا۔ نووارد نے خون کے رشتے کا حوالہ دیا اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ میرا سوتیلا بھائی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ اے ٹو کو کسی طرح میرے خاندانی حالات کی بھنک مل گئی ہو اور اس نے میرے بارے میں تحقیقات کے لیے ان معلومات کا سہارا لینے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ اگر ایسا ہی تھا تو نووارد توقیر علی بن کر میرے گھر میں پناہ لینے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس نے مجھے یہ بھی جتا دیا تھا کہ وہ میرے لاہور کے سفر سے باخبر تھا جب کہ میں نے اے۔ ٹو کو اپنی غیر حاضری کے حقیقی جواز سے بے خبر رکھتے ہوئے یہ بتایا تھا کہ اس عرصے میں میں قاسم کی نگرانی میں مصروف رہا تھا۔

میں نے اپنے ذہن پر خاصا زور دیا لیکن دونوں سوتیلے بھائیوں میں سے کسی کی کوئی ایسی شناختی علامت یاد نہ کر سکا جس کی بنا پر میں انھیں پہچاننے میں کامیاب ہو پاتا۔

"یہ اتفاق عجیب ضرور ہے لیکن اتنا اہم بھی نہیں۔" میں نے عزالہ سے کہا۔ "اس طرح تو خود میری ذات بھی شبہ کی زد میں آ جاتی ہے۔"

"ٹی۔ اے ملک کا نام میرے سامنے بھی آیا تھا مگر میں نے آپ کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ کے نام کے مخفف حروف کیا ہیں لیکن اس بار حالات مختلف ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس بار آنے والا لاہور سے آیا ہے اور وہی شہر اے۔ ٹو کا گڑھ ہے، ایشین سنڈیکیٹ کا دفتر بھی وہیں ہے۔"

"یہ بڑی عجیب بات ہوگی کہ آنے والا میرے سوتیلے بھائی کے بجائے کوئی اجنبی ثابت ہو... پھر بھلا اے۔ ٹو کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں اپنے گھر والوں کی تلاش میں اپنے پرانے محلے میں پہنچا تھا۔"

"آپ کے لاہور جائے بغیر یہ گتھی نہ سلجھ سکے گی۔"

"توقیر کے مطابق بڑی ماں میرے ساتھ میری بیوی کو بھی دیکھنے کی متمنی ہیں۔" میں نے موضوع کی سنگینی کم کرنے کے لیے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔ "میں نے توقیر سے کہا تھا کہ بیوی کہاں، البتہ میں انھیں ہونے والی بیوی سے ضرور ملوا سکتا ہوں اور بڑی ماں سے پہلے وہ خود تم سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔"

"اگر وہ کوئی فراڈ ہے تو میرا اس کے سامنے جانا خطرے سے خالی نہ ہوگا۔ اے۔ ٹو کا آدمی ہے تو اس نے میری تصاویر بھی دیکھی ہوں گی، فوراً ہی پہچان لے گا۔"

"میں تمھارے پاس معاملہ سلجھانے آیا تھا مگر تم نے بات کچھ زیادہ ہی الجھا دی ہے۔ اب مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟"

"میں نے تو صرف امکانات کی نشاندہی کی ہے، فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔"

"تم ابھی تک گھما پھرا کر بات کر رہی ہو، کھل کر بات کرو تاکہ میرے لیے کسی فیصلے پر پہنچنا آسان ہو سکے۔ اس وقت کی کوئی لغزش ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

"لاہور میں آپ کے بھائیوں کا ذریعۂ معاش کیا ہے؟"

"کوئی کاروبار کر رہے ہیں دونوں بھائی مل کر۔"

"کاروبار کی تفصیل تو ضرور بتائی ہو گی انھوں نے۔" اس نے گہری سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"نہیں، میں نے زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کی۔"

"میرے ذہن میں ایک موہوم سا شبہ سر اُبھار رہا ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ منشیات کے کاروبار کی پشت پر آپ کے بھائیوں میں سے کوئی ہو...؟"

"مجھے شبہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی اے۔ ٹو جیسا باصلاحیت ہو اور بالفرض توقیر یا تصویر ہی نے یہ چکر چلایا ہوا ہے تو توقیر نے میرے پاس دوڑے چلے آنے کی حماقت کیوں کی؟"

"وہ اے۔ ٹو نہیں، بچھڑا ہوا بھائی بن کر آیا ہے اور اس کی آمد کا بہت ہی خاص مقصد ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "تمھارے ذہن میں جو کہانی ترتیب پا رہی ہے وہ میں سمجھ رہا ہوں۔ ان میں سے کوئی ایک اے ٹو ہے اور انھیں مدت سے معلوم ہے کہ ڈیبی کے طور پر انھوں نے اپنے سوتیلے بھائی کو کراچی کی مارکیٹ سونپی ہوئی ہے۔ انھیں مجھ پر پورا اعتماد تھا لیکن پچھلے دنوں لاہور میں کئی بھاری نقصانات اٹھانے کے بعد ایک مشتبہ مرد اور عورت کا حوالہ سامنے آیا جو کراچی پہنچنے کے بعد ان کے آدمیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر غائب ہو گئے۔ اس عرصے میں میری غیر حاضری پر باز پرس کی گئی تو میں نے ایک معقول بہانہ تراش لیا اور اس بارے میں ان شبہات کا رُخ قاسم کی طرف ہو گیا۔ اس دوران میں بدقسمتی سے لاہور میں ہمارے والد صاحب کا پرانا دوست رمضان چاچا تصویر یا توقیر سے جا ٹکرایا۔ اس کی زبانی انھیں علم ہو گیا کہ جن دنوں لاہور میں ان کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے، میں کراچی میں نہیں لاہور میں مقیم تھا اور بڑی ماں کی تلاش کے سلسلے میں رمضان چاچا سے بھی ملا تھا۔ توقیر صرف اسی لیے کراچی آیا ہے کہ میری بغاوت کے سلسلے میں .... مزید کریدیاں تلاش کرنے کے ساتھ ہی اس عورت کا بھی سراغ لگا سکے جس نے ایسٹرن سنڈیکیٹ لمیٹڈ میں ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"اور اسی لیے وہ سب سے پہلے آپ کی منگیتر سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔" اس نے میرے رُکتے ہی بولنا شروع کر دیا۔ "وہ اپنے خلاف ہونے والی باغیانہ سازش کی وسعت کا تعین کرنا چاہتا ہے، کسی یقینی نتیجے پر پہنچنے کے بعد وہ ایک سرے سے دشمنوں کا صفایا شروع کر دے گا اور ہمیں سنبھلنے کی مہلت بھی نہ مل سکے گی۔"

"لیکن اس کہانی کی بنیاد اسی ایک مفروضے پر ہے کہ اے ٹو کے پردے میں تصویر یا توقیر میں سے کوئی ہے۔ ایسا ہے تو پھر توقیر کو بڑی ماں کا ذکر درمیان میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"وہ دشمن نہیں، دوست بن کر آیا ہے، آپ کی جذباتی کمزوری سے کھیل کر اپنا کام نکالنا چاہتا ہے۔ بڑی ماں کے نام پر آپ سب مجھے لازماً سامنے لے آئیں گے۔ مجھے پہچانتے ہی وہ اپنی حکمتِ عملی کو آخری شکل دے ڈالے گا اور شاید آپ کو مہلت دیے بغیر کسی ناقابلِ بیان دشواری میں ڈال دے گا۔"

"اسے آزمانا میرے لیے زیادہ دُشوار نہیں ہو گا۔ تمھارے بارے میں اسے امید میں رکھ کر میں وقت لے لوں گا۔ تمھارے سامنے آئے بغیر وہ کبھی کھل کر سامنے نہیں آئے گا۔"

"مجھے تو یہ سوچ کر ہی ہول آنے لگے ہیں کہ آپ نے اپنے ایک بدترین دشمن کو اپنی چھت کے نیچے پناہ دی ہوئی ہے۔ اگر میرے اندازے درست ہیں تو آپ کے بھائی آج بھی آپ کے ازلی دشمن ہیں، وہ ابھی تک اس بات کو فراموش نہیں کر سکے ہیں کہ آپ کی والدہ نے بڑی ماں کے اقتدار کا بٹوارا کرایا تھا۔"

"اگر یہ بٹوارا کوئی جرم ہی تھا تو سب سے بڑے مجرم میرے والد صاحب ہی ٹھہرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے حقیقی وسائل پر قناعت کرنے کے بجائے رشوت کی اندھی آمدنی کے بل پر دوسری شادی کا جرم کیا تھا اور جب وہ معتوب ہو کر اس زرخیز کرسی سے محروم ہوئے تو دونوں میں سے کسی بیوی کے ساتھ انصاف نہ کر سکے۔"

"وہ فوت ہو گئے، آپ کی والدہ نے خودکشی کر لی۔ آپ کا جرم یہ ہے کہ ابھی تک زندہ ہیں۔ ایسی دشمنیاں تو نسل در نسل چلتی ہیں۔ آپ کے بھائی متعصب اور تنگ نظر معلوم ہوتے ہیں۔"

"کاش تمھارے سارے قیاسات غلط ہوں۔" میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "درست نکلے تو رزقِ حلال کا فلسفہ اٹل ثابت ہو جائے گا۔"

"میری خود بھی آرزو ہے کہ کاش میں غلط سوچ رہی ہوں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "لیکن آپ کی آخری بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔"

"ہمارا گھرانہ مدتوں رشوت کی آمدنی پر پھلتا پھولتا رہا۔ سب کی پرورش رزقِ حرام سے ہوتی رہی اور انجام سامنے ہے۔ ماں نے خودکشی کر لی، بڑی ماں معذوری کی زندگی گزار رہی ہیں۔ میں بدی کے راستوں کا مسافر ہوں اور اگر تمھارے اندیشے درست ہیں تو تصویرا اور توقیر بھی اپنے لیے جہنم خرید رہے ہیں۔ پرورش تو ان کی بھی اسی رزقِ حرام سے ہوئی تھی نا؟"

کمرے کی فضا پر بوجھل اور سوگوار سی خاموشی چھا گئی۔

میرے لیے سب سے آسان راستہ یہ تھا کہ سجے سجائے گھر کو لات مار کر کہیں گمنام سا ٹھکانا بنا لیتا اور دور رہ کر توقیر کے ردِعمل پر نگاہ رکھتا۔ وہ جھوٹا تھا تو میری اچانک روپوشی پر جھلا کر انتقامی حربوں پہ اتر آتا، سچا تھا تو دو چار دن انتظار کرنے کے بعد لاہور واپس ہو لیتا لیکن اس اقدام میں خرابی یہ تھی کہ سلطان شاہ خراب اور خستہ حالت میں میرے گھر میں پڑا ہوا تھا۔ وہ میرے بیشتر رازوں کا امین تھا اور اگر میں غائب ہو جاتا تو توقیر اسے یرغمال بنا کر اس کے ساتھ بدترین سلوک کر سکتا تھا جو مجھے کسی صورت بھی گوارا نہ تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ اے۔ٹو جو برسوں سے ایک آواز کی صورت میں پوری تنظیم پر حکمرانی کر رہا ہے، یوں اچانک توقیر کے روپ میں سامنے آ جائے گا۔" آخر کار میں نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

"یقین کہاں، ابھی تو صرف شبہات ہی ہیں جو غلط بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"اب مجھے خیال آ رہا ہے کہ سلطان شاہ بھی مجھے روک کر کوئی خاص بات کہنا چاہ رہا تھا لیکن عجلت کی وجہ سے میں نے اسے ٹال دیا، پھر عین وقت پر توقیر بھی وہاں آ گیا تھا۔"

"آپ کو اس سے ضرور بات کرنا چاہیے۔ توقیر کی سب سے پہلے تو اسی سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ توقیر کیا جاننا چاہ رہا تھا۔"

"ہاں، آج اس سے ضرور بات کروں گا۔ اسی کے ساتھ اسے گھر سے کہیں اور منتقل بھی کرنے کی کوشش کروں گا۔ حالات نے اچانک کوئی پلٹا کھایا تو وہ چوہے دان میں پھنس رہ جائے گا۔"

پھر میں فون پر قاسم کے نمبر ملانے لگا۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا تھا۔

"کیا خیر خبر ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"کچھ نہیں دلاور خان سے بات ہو گئی ہے۔ ایک دو روز میں اس کے ساتھ چلا جاؤں گا۔"

"اس وقت میں باہر سے بول رہا ہوں، میرے پاس ایک مہمان ٹھہرا ہوا ہے۔ معمول کی گفتگو کے لیے تم مجھے گھر فون کر سکتے ہو لیکن آپس کے معاملات میں ذرا محتاط ہی رہنا، میری طرف سے اشارہ ملے بغیر کوئی ہلکی بات نہ کر بیٹھنا۔"

"کیا اوپر سے کوئی آیا ہوا ہے؟" اس نے بے ساختہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

"ارے نہیں، میرا بھائی دوسرے شہر سے آیا ہوا ہے، صرف اسی لیے احتیاط کا مشورہ دیا ہے کہ کہیں وہ دوسری لائن پر ہماری گفتگو نہ سن لے۔ میں گھر والوں میں نیک نام ہی رہنا چاہتا ہوں۔"

"تم بے فکر رہو۔" اس کا جواب سن کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔" غزالہ تحسین آمیز لہجے میں بولی۔ "اگر توقیر کا تنظیم سے ذرا بھی تعلق ہے تو مجھے بہت محتاط رہنا ہوگا۔ جب وہ ایم کی تھری ہنڈرڈ جیسے نازک مواصلاتی آلات تک رسائی رکھ سکتا ہے تو الیکٹرونکس کے چھوٹے موٹے شعبے اختیار کر کے گفتگو سننا یا ریکارڈ کرنا اس کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوگا۔"

"صبح میں آپ کی کال کا انتظار کروں گی۔" مجھے روانگی پر آمادہ پا کر اس نے کہا اور اسی لمحے کرنل زوار زیدی کہیں سے مجھے آوازیں دیتا ہوا وہاں آ موجود ہوا۔

❋

راستے میں میرا ذہن اسی گتھی میں الجھا رہا۔ میں اپنے دونوں بھائیوں کی صلاحیتوں سے اتنا مرعوب نہیں تھا کہ انھیں کسی منظم منصوبہ بندی کا اہل سمجھ لیتا لیکن غزالہ کی باتیں بھی بے وزن نہیں تھیں۔

میں گھر پہنچا تو توقیر ڈرنکس ٹرالی سمیت ڈرائنگ روم سے خواب گاہ میں منتقل ہو چکا تھا۔ اس نے خواب گاہ میں آرام کرسی سے اٹھے بغیر میرا استقبال کیا۔ اس کی سیاہ عقابی آنکھوں میں گہرے خمار کے ڈورے تیر رہے تھے اور تپائی پر طلائی رنگ سیال کا بھرا ہوا گلاس موجود تھا۔ غالباً وہ میرے چلے جانے کے بعد سے مسلسل ہی پیتا رہا تھا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ نہ اس کی زبان پر لکنت تھی نہ حواس میں انتشار، وہ نہایت سکون کے ساتھ آرام کرسی پر جما فضا میں دھوئیں کے مرغولے بکھیر رہا تھا۔

پنیر کے ڈبے اس کے حوالے کر کے میں لباس تبدیل کرنے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ عجلت میں لباس بدل کر جب تیسرے کمرے میں گیا تو سلطان شاہ ٹیبل لیمپ کی مدھم روشنی میں بستر پر بے حس و حرکت پڑا ہوا نظر آیا۔ میں نے واپس لوٹنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ وہ پہلو بدل کر دھیمی آواز میں مجھے پکار بیٹھا۔

میں لپک کر اس کے قریب جا پہنچا اور اس طرح اس پر
...ک گیا کہ دروازہ لگا ہوں ہی رہ سکے۔
"تھوڑی دیر بعد تم زخموں میں شدید تکلیف سے بے چین
...نے کی اداکاری شروع کر دینا۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں
...دی جلدی کہنا شروع کیا۔ "میں اسے فتنے کا موقع دیے بغیر
...یں پہلی فرصت میں یہاں سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر منتقل
...نا چاہتا ہوں۔"

"میں بھی تم کو یہی بتانا چاہ رہا تھا۔" وہ بولا۔ "نو وارد سے تمھاری
...ری بھی رشتے داری رہی ہو لیکن وہ مجھے ذرا بھی پسند نہیں آیا ہے،
...یں نے اس کی آنکھوں میں خون کی پیاس جھلکتی دیکھی ہے۔"
"جو کہوں وہ کرتے جاؤ، باقی سب کچھ میں دیکھ لوں گا۔" یہ
...ہہ کر میں اس کے پاس سے ہٹ گیا اور سیدھا توقیر کے کمرے
...یں جا پہنچا۔ وہ بدستور اسی حالت میں نظر آیا، جس میں میں نے چند
...منٹ قبل اسے چھوڑا تھا۔
"تم بلانوش معلوم ہوتے ہو۔" میں نے اس کے مقابل
...رسی سنبھالتے ہوئے کہا۔ "یہ عادت کچھ اچھی نہیں ہے۔ ہر کام
...یں اعتدال ہونا چاہیے۔"
"ہر کام میں اعتدال سے کام لے سکتا ہوں، بس یہی ایک
...کمزوری ہے۔" اس نے ٹھہرے ہوئے، پُرسکون لہجے میں کہا۔ "کیا تم
...نہیں لوگے؟"
"تصویر بھی تمھیں نہیں ٹوکتے؟" میں نے اپنے لیے گلاس سیدھا
...کرتے ہوئے سوال کیا۔
"وہ خود میرے ساتھ پیتا ہے، مجھے کیسے روکے گا۔" اس نے قہقہہ
...مار کر کہا۔
"بس یہی بہت بڑی خرابی ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ
کہا۔ "چھوٹے بڑے کا لحاظ ہر قیمت میں برقرار رہنا چاہیے۔ یہ احترام
بھی ختم ہو جائے تو بُرے بھلے کی تمیز اٹھ جاتی ہے، اب ان میں
اتنی جرأت ہی پیدا نہیں ہو سکتی کہ تم کو ٹوک سکیں اور یہ بھرم
توڑنے میں نام نہاد بزرگ عموماً خود ہی پہل کرتے ہیں۔"
"بھرم!" وہ تحقیر آمیز انداز میں ہنسا۔ "بعض لوگ اسے بھی بھرم
کا درجہ دیتے ہیں، یہ سب بیکار باتیں ہیں۔ کام کی بات تو بس
ایک ہی ہے ؎

واعظ شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر
یا وہ جگہ بتا کہ جہاں پر خدا نہ ہو

"تم دونوں کی عادت سے بڑی ماں کو تو بہت دکھ ہوتا ہوگا؟"
"تم کچھ اور بات نہیں کر سکتے؟" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔ "پیتے
ہو تو تمھیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ان فضول باتوں سے نشہ
ٹوٹنے لگتا ہے....."

میں اچانک ہی کھانسنے لگا اور اسے مجبوراً خاموش ہو جانا پڑا۔
میری کھانسی مختلف سُروں میں بلند ہوتی رہی اور وہ صبر و
سکون سے میرے سنبھلنے کا منتظر رہا۔ جب مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں
کھانس کھانس کر گلے میں خراشیں نہ پڑ جائیں تو بتدریج خاموش
ہونے میں ہی عافیت نظر آئی۔
"کیا پھیپھڑے خراب ہیں تمھارے؟" میرے خاموش ہونے
پر اس نے نہایت اطمینان سے سوال داغ دیا۔
"اے..... لے ٹو۔" اتنا کہتے ہی کھانسی دوبارہ چل پڑی
لیکن مجھے اس کے چہرے پر ذرا بھی تبدیلی کے آثار نظر نہ آئے، وہ
گلاس ہاتھ میں تھامے مسلسل پُرسکون انداز میں مجھے دیکھے جا رہا تھا۔
تیر خالی گیا تھا لہٰذا میں نے غیر ضروری مشقت ترک کر دی
اور یوں گلے کو سہلانے لگا جیسے کھانسی سے واقعی خراشیں آ گئی ہوں۔
"کیا ہوا لے ٹو کو؟" توقیر نے خفیف ترین جذباتی تغیر کے بغیر
سوال کیا۔
"ایک نئی سگریٹ نظر آئی تھی۔ کے ٹو کے مقابلے پر لے ٹو
نام تھا۔ پیکٹ خرید کر آٹھ دس سگریٹیں پی گیا تھا جب ہی سے گلا
خراب ہے۔" میں نے سوچا سمجھا عذر پیش کر دیا۔
"اس نام کی کوئی سگریٹ میری نگاہ سے نہیں گزری۔" اس کا
لہجہ بالکل سپاٹ اور بیانیہ تھا۔
"نہیں گزری ہوگی، باہر کی بنی ہوئی تھی وہ۔"
"نام بڑا بے ہودہ رکھا سگریٹ کا۔" وہ مسکرانے لگا تھا۔ "لے ٹو
سے بھلا کیا بات بنی، نام رکھنا ہی تھا تو لے دن رکھا ہوتا، کم از کم
وقار تو ہوتا نام میں۔"
"تم کیا کام کر رہے ہو لاہور میں؟" میں نے قدرے توقف کے
بعد سوال کیا۔
"شاید یہ سوال دوسری بار کیا ہے تم نے۔" اس بار اس کے لہجے
میں ہلکی سی چبھن پوشیدہ تھی۔
"کیونکہ پہلی بار جواب ادھورا ملا تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے
ٹکڑا لگایا۔ "کاروبار تو ضرور کر رہے ہو گے لیکن لائن کیا ہے تمھاری؟
میں خود بھی آج کل سنجیدگی سے کسی نئے کام کے بارے میں سوچ رہا
ہوں۔ ایکسائز ڈیوٹی نے پلاسٹک کے بڑے کارخانوں کی کمر توڑ
کر رکھ دی ہے، چھوٹی موٹی دکانوں میں ڈائیاں اور مشینیں لے کر
بیٹھنے والے بازار پر چھائے ہوئے ہیں۔ دانہ لے کر محض مزدوری پر
کام کر رہے ہیں۔"
"ہر دھندے کا یہی حال ہے۔" وہ گلاس سے ایک گھونٹ
لے کر بے پروایانہ انداز میں بولا۔ "ایمانداری سے تو گزارا بھی مشکل
ہو گیا ہے۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہیروئن

کی تجارت کی جائے ، باہر کا ایک بھی پھیرا لگ گیا تو برسوں تک کمانے کی فکر سے آزادی مل جائے گی ۔“

” تو پھر کوشش کیوں نہیں کرتے ؟“

” کوشش ۔“ وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا ۔” کوشش سے کچھ نہیں ہوتا ۔ جس دن معقول دام دینے والا کوئی گاہک ٹکرا گیا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اسی کے پیچھے ہو لوں گا ۔“ وہ لحظہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر بولا ۔” یار تم ہماری ہونے والی بھابی کو نہیں لائے ۔“

” میں گیا تھا ، وہ گھر والوں کے ساتھ کسی شادی میں گئی ہوئی تھی ۔“

” اسے تمہارے ساتھ شہر سے باہر جانے پر اعتراض تو نہیں ہو گا ؟“

” کیوں ؟ باہر کہاں لے جانا ہے اسے ؟“ میں نے حیرت سے سوال کیا ۔

” بڑی ماں کی فرمائش تھی ، مل کر فوراً ہی لوٹ آنا ۔“

” بہو بن کر آجائے گی تو بڑی ماں بھی اس سے مل لیں گی ، کبھی اسے باہر لے جانے کا اتفاق نہیں ہوا ۔ روایت پسند گھرانا ہے ، انکار کر دیا تو خواہ مخواہ ندامت ہو گی ۔“

” تو تم تو میرے ساتھ چلو گے نا ؟ بڑی ماں مجھے اکیلا گھر میں نہیں گھسنے دیں گی ۔“

” ضرور ۔“ میں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ۔” میرے لیے تو عین سعادت ہو گی ۔“

اسی لمحے اندر سے سلطان شاہ کے کراہنے کی آواز آئی اور میں وہاں سے اٹھ گیا ۔ میں بوکھلانے کی اداکاری کرتا ہوا اس کے کمرے میں پہنچا تو توقیر میرے پیچھے لگا ہوا تھا ۔

سلطان شاہ کربناک انداز میں بستر پر پہلو بدل رہا تھا ، شاید اس نے میرے ساتھ توقیر کو بھی دیکھ لیا تھا لہٰذا اس نے ہم دونوں کو یکسر نظر انداز کر دیا اور بدستور شدید تکلیف میں مبتلا ہونے کی اداکاری کرنے لگا ۔

” اس کی حالت بگڑ رہی ہے .... ڈاکٹر کو بلاؤ ۔“ توقیر نے گمبھیر آواز میں مجھے مشورہ دیا ۔

” اسے اسپتال منتقل کرنا ہو گا ۔“ میں نے تشویش زدہ لہجے میں کہا ۔” ڈاکٹر اسے داخل کرنے پر مُصر تھا لیکن یہ زبردستی میرے ساتھ لوٹ آیا ۔۔۔ ڈاکٹر نے یہی کہا تھا کہ چوٹیں وقت گزرنے کے بعد ستائیں گی ۔“

” تو کھڑے کیا ہو ، ابھی لیے چلتے ہیں اسے ۔“

ایک لمحے کے لیے میں سٹپٹا کر رہ گیا ۔ میں نقل و حرکت سے معذور سلطان شاہ کو توقیر کی نگاہوں سے دور نکال لے جانا چاہتا تھا اور وہ اس مرحلے پر میرے سر پر مسلط ہوا جا رہا تھا لیکن میں نے فوراً ہی سنبھالا لے لیا ۔” تم فکر نہ کرو ، بلاوجہ سارا لطف غارت ہو جائے گا ، میں اسے چھوڑ کر ابھی واپس آتا ہوں ۔“

تھوڑی سی بحث کے بعد میں اسے روکنے میں کامیاب ہو گیا اور سلطان شاہ کو اسی کی مدد سے اپنی کار کی عقبی نشست پر منتقل کر دیا ۔

میں لباس تبدیل کر کے بعجلت گھر سے روانہ ہوا تو بھرا ہوا پستول میرے پاس موجود تھا ۔

گاڑی تھوڑی دور نکلتے ہی سلطان شاہ سیدھا ہو بیٹھا ۔

” تمہیں اس شخص سے ہوشیار رہنا ہو گا ۔۔۔ تمہاری غیر موجودگی میں سارا زور تمہاری لاہور کی مصروفیات پر دے رہا تھا ۔ مجھ سے اگلوانے کی کوشش کی تھی کہ میں بھی تمہارے ساتھ لاہور گیا تھا مگر میں نے صاف انکار کر دیا ۔“

” غزالہ کے بارے میں تو کچھ نہیں پوچھا تھا اس نے ؟“

” نہیں .... ارے .... رے .... اس گلی میں کہاں گاڑی موڑ رہے ہو ؟“ میرے اچانک اسٹیئرنگ کاٹنے پر وہ بری طرح بوکھلا گیا ۔” ادھر راستہ بہت تنگ ہے ۔“

” دیکھتے رہو ، مجھے سب معلوم ہے ۔“ میں نے عقبی آئینے سے نگاہیں ہٹائے بغیر کہا ۔” ہمارے نکلتے ہی تھوڑے فاصلے سے ایک کار ہمارے پیچھے لگی تھی ، مجھے شبہ ہے کہ ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے ۔“

” اوہ ۔ یہ تو برا ہوا ۔“ وہ اضطراری لہجے میں بولا ۔” میں غیر مسلح ہونے کے ساتھ زخمی بھی ہوں ، تصادم ہو گیا تو تمہارے لیے بوجھ بن جاؤں گا ۔۔۔ کوئی اسلحہ ہے تمہارے پاس ؟“

” اسلحہ بھی ہے ۔۔۔ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ، اپنے اوسان بحال رکھو ۔ پچھلی گاڑی میں صرف ایک ہی آدمی نظر آ رہا ہے ۔۔۔ لو وہ بھی ادھر ہی مڑ گئی ۔“

” اس کی رفتار خاصی تیز ہے ۔“ سلطان شاہ نے شاید مڑ کر پیچھے آنے والی کار کا جائزہ لیا تھا ۔” وہ غالباً تعاقب کرنے کے بجائے ٹکراؤ کے موڈ میں ہے ۔۔۔ اپنا پستول مجھے دے دو ۔“

میں نے بے چون و چرا اپنا بھرا ہوا پستول اس کے حوالے کر دیا کیونکہ عقبی کار کی روشنیاں تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں اور میں ڈرائیونگ کے ساتھ اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے معذور تھا ۔

گلی ختم ہوتے ہی میری کار پھر کشادہ سڑک پر نکل آئی ۔ دوسری کار بدستور پیچھے لگی ہوئی تھی اور درمیانی فاصلہ بتدریج کم ہوتا جا رہا تھا ۔

پیچھے آنے والی کار کا انجن خاصا جاندار تھا کیونکہ میں ایکسلریٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھانے کے باوجود درمیانی فاصلہ بڑھانے میں

کامیاب نہ ہو سکا بلکہ لمحہ بہ لمحہ وہ کار قریب ہوتی جا رہی تھی۔
جب میں نے اس مجبوری کو محسوس کر لیا تو اپنی گاڑی کی رفتار بھی کم کر دی کہ کہیں تیز رفتاری کے باعث کسی حادثے سے دوچار نہ ہو جاؤں۔

تعاقب میں آنے والی کار کی روشنیاں آناً فاناً میں سر پر آگئیں۔

"اسے راستہ دے دو۔" سلطان شاہ پُرجوش لہجے میں بولا۔
"وہ اوورٹیک کر کے ہمارا راستہ بلاک کرنے کی فکر میں ہے جیسے ہی برابر میں آئے گا، میں اسے گولیوں پر رکھ لوں گا۔"

وہ جو کچھ سوچ رہا تھا اس وقت وہی سب سے مناسب تھا۔ میرے لیے کوئی انتخاب باقی نہیں رہا تھا، اگر میں اسے آگے نکلنے سے روکنے کی کوشش کرتا تو وہ نہایت آسانی سے فائر کر کے عقبی ٹائروں کو ناکارہ کر کے مجھے کار روکنے پر مجبور کر سکتا تھا۔

میں نے اپنی کار بائیں طرف ڈھالی، پچھلی کار کی روشنیوں کا رُخ قدرے تبدیل ہوا اور جوں ہی وہ سرعت سے میری کار کے برابر میں آئی، مختصر سے وقفے سے میرے کان کے پیچھے دو ہولناک بارودی دھماکے ہوئے۔ برابر والی کار کی کھڑکیوں کے شیشوں کے ٹکڑے اڑ گئے، اس میں سے دبی دبی سی ایک چیخ بھی گونجی لیکن اس کار کی رفتار کم ہونے کے بجائے یک بیک تیز ہو گئی۔ اس اثنا میں میں یہ یقین کر چکا تھا کہ اس کار میں ایک ہی آدمی موجود تھا۔

میری گاڑی کو اوورٹیک کرنے کے بعد تعاقب کرنے والی کار میرے ہیڈلیمپس کی زد میں آئی تو میں چونک پڑا۔ قاسم کی سرخ کرولا کو میں اس کے نمبروں سمیت اچھی طرح پہچانتا تھا۔ میرا ذہن اُلجھ گیا۔

قاسم کو میرے تعاقب کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟ کیا معاہدے کی ابتدا ہی میں اس کی نیت میں فتور آگیا تھا؟

اس وقت صورتِ حال بالکل ہی بدل چکی تھی۔ قاسم کی کار آگے دوڑ رہی تھی اور ہم اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ فائرنگ کے شور پر کسی نے بھی ہمارا پیچھا کر کے اپنی جان خطرے میں ڈالنے کی حماقت نہیں کی تھی بلکہ جو اِکا دُکا گاڑیاں اس سمت میں آ رہی تھیں وہ بھی شاید ذیلی گلیوں میں جا گھسی تھیں اور عقب نما آئینے میں سڑک دور تک صاف نظر آ رہی تھی۔

قاسم کی کرولا کے انجن کی کارکردگی کا مجھے خوب اندازہ تھا کیونکہ ایک بار وہ کار میرے تصرف میں بھی رہ چکی تھی لیکن آگے نکلنے کے بعد اُس کی رفتار خاصی کم تھی۔ تعاقب کرنے والا فرار ہونا چاہتا تو اس کے لیے راستہ کھلا ہوا تھا، پھر آخر اس آنکھ مچولی کا کیا مطلب تھا؟

"وہ پھر الجھنے پر آمادہ ہے۔" سلطان شاہ کی تشویش زدہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔
"یہ قاسم کی کار ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔
"اوہ، تو وہ بدمعاش ابھی سے شرارت پر اتر آیا ہے، مجھے تو پہلے ہی اس کی صورت پر تاؤ آتا رہا ہے۔ وہ آگے جا رہا ہے تو تم اپنا راستہ کیوں نہیں بدل لیتے؟"

"مجھے کوئی بات کھٹک رہی ہے، رفتار کم رکھ کر وہ مجھے اپنے تعاقب پر اکسا رہا ہے، میں دیکھوں گا کہ وہ آخر چاہتا کیا ہے۔"

دونوں گاڑیاں تاریک اسٹیڈیم روڈ پر دوڑتی ہوئی، راشد منہاس روڈ پر گھوم گئیں۔ دو نمبر ڈرائیو ان سینما سے ذرا آگے اچانک قاسم کی کار رک گئی اور ڈرائیونگ سیٹ پر سے ایک ہیولا نیچے اتر آیا۔

میں نے بے اختیار بریک پیڈل پر پاؤں رکھ دیا کیونکہ اگلی کار سے اترنے والا قاسم بذاتِ خود تھا۔ ہیڈلیمپس کی روشنی میں وہ ہاتھ اٹھا کر مجھے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا، دوسرا خالی ہاتھ پہلو میں جھول رہا تھا اور بظاہر اس کی جیبیں بھی خالی نظر آ رہی تھیں۔

"ہوشیار رہنا، کہیں اس میں بھی کوئی چال نہ ہو۔" مجھے کار روکنے پر آمادہ پا کر سلطان شاہ نے وارننگ دی۔
"تم تیار رہو، وہ ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کرے تو بے دریغ گولی مار دینا۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

میری کار رکتے ہی قاسم تیر کی طرح برابر والی کھڑکی پر آیا تھا اور غراتے ہوئے بولا تھا۔ "تم نے میرا شانہ ادھیڑ کر رکھ دیا ہے۔ یہی میری ہمدردی کا بدلہ تھا؟"

اس کا بایاں شانہ واقعی لہولہان تھا کیونکہ گہرے رنگ کی قمیص اس مقام پر خون میں لتھڑی ہوئی تھی۔

"تمہیں میرا تعاقب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے ترش لہجے میں سوال کیا۔

"اس وقت میرے آدمی تین گاڑیوں میں تمہارے مکان کے گرد منڈلا رہے ہیں۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ چلتے وقت میں قریب ہی تھا اور تمہیں نکلتے دیکھ کر میں نے خود تمہارے پیچھے آنے کا فیصلہ کر لیا، میں تو موقع پا کر راستے میں تمہیں روکنا چاہ رہا تھا تاکہ تمہیں بدترین خطرات سے خبردار کر سکوں اور تم نے مجھ پر فائر جھونک مارے۔"

میری ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اس کے آدمی میرے مکان کی نگرانی کیوں کر رہے تھے؟ وہ مجھے کن خطرات سے باخبر کرنا چاہ رہا تھا؟

"فائرنگ تک مجھے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ کون میرا تعاقب کر رہا ہے، وہ تو جب تمہاری کار سامنے آئی تو مجھے پتا چلا کہ

تمھاری ہے ۔۔۔ باہر نہ کھڑے رہو، اندر آجاؤ۔ کوئی گشتی پارٹی آگئی تو بلاوجہ باز پرس شروع ہو جائے گی۔"

"میں گاڑی یہاں نہیں چھوڑ سکتا، تم کدھر جا رہے ہو؟" اس نے رکھائی سے سوال کیا۔

"اکبر کے اسپتال کا ارادہ تھا، اسے وہاں داخل کرانا ہے۔"

"اوہ۔ شاید اس کے ساتھ زیادتی ہی کر بیٹھا تھا میں ۔۔۔" قاسم نے متاسفانہ لہجے میں کہنا چاہا۔

"بکواس مت کرو۔" سلطان شاہ اس کی بات کاٹ کر کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا۔ "مجھے تمھاری کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں ۔۔۔ تمھیں شاید یہ سن کر زیادہ خوشی نہ ہو کہ تمھارے اوپر لاعلمی میں گولیاں میں نے ہی برسائی تھیں۔"

"چلو حساب برابر ہو گیا۔" قاسم نے خلافِ توقع نرم لہجے میں کہا پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "تم چلو، میں بھی وہیں پہنچتا ہوں، اکبر میرا شناسا ہے، وہاں میرے زخم کی ڈریسنگ کسی الجھن کے بغیر ہو جائے گی۔"

وہ اپنی کار میں جا بیٹھا اور میں آگے روانہ ہو گیا۔ میں اندازہ لگا چکا تھا کہ اکبر بہت حریص انسان تھا جب وہ رخشی جیسی مجرمہ کو مریضہ بنا کر اپنی علاج گاہ میں پناہ دے سکتا تھا تو معقول رقم کی توقع میں سلطان شاہ کو بھی صحت مند ہونے تک اپنے مرکز میں رکھ سکتا تھا۔

دونوں گاڑیاں آگے پیچھے علاج گاہ کے احاطے میں داخل ہوئیں۔ میں سلطان شاہ کو گاڑی میں چھوڑ کر قاسم کے ساتھ اندر گیا اور چند ہی منٹ میں سلطان شاہ کے لیے ایک کمرہ مل گیا کیونکہ اس مرکز کے نچلے عملے کے لوگ بھی اکبر اور قاسم کے مراسم سے واقف تھے۔

ہم سلطان شاہ کو لے کر کمرے میں پہنچے تو ایک ڈاکٹر دو نرسوں اور ڈریسنگ ٹرالی سمیت وہاں قاسم کا منتظر تھا۔ اس نے فوراً ہی قاسم کی قمیص اتروا کر اس کے زخم کی صفائی شروع کر دی۔ میں موقع پا کر وہاں سے نکلا اور رخشی کے دروازے پر جا پہنچا۔ پہلی ہی دستک کے جواب میں اس نے دروازہ کھول دیا اور مجھے دیکھ کر حیرت سے پلکیں جھپکانے لگی۔

"خدا خیر کرے۔ ایک دن میں دوسری بار کیسے نظر آ رہے ہو یہاں؟"

"آنکھیں سینکنے کے لیے آیا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سنا ہے کہ ہسٹیریا کے دورے میں مریض لباس بھی تار تار کر دیتا ہے، تمھارے دورے کے اوقات کیا ہیں آج کل؟"

"قاسم اسے پسند نہیں کرے گا کہ تم حد سے تجاوز کرنے لگو۔"

وہ شوخ لہجے میں بولی۔

"مشکل یہی ہے کہ تمھارے معاملے میں آج تک حد کا تعین نہیں ہو سکا، ویسے قاسم بھی اس وقت اسی چھت کے نیچے موجود ہے، چاہو تو اسے بھی یہاں بلا لوں۔"

"قاسم؟ کہاں ہے وہ؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"ایک کمرے میں مرہم پٹی کرا رہا ہے، اسے گولی لگ گئی ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور وہ بے چین ہو کر اپنے کمرے سے راہداری میں نکل آئی۔

"کیا ہوا؟ کس نے گولی ماری اسے؟" اس نے میرا بازو تھام کر گھبرائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"بد قسمتی اور غلط فہمی کی بنا پر میرے ہی آدمی کا نشانہ بن گیا۔" میں نے اس کے ہمراہ نچلے فلور پر جاتے ہوئے کہا۔ "ستارے اچھے تھے کہ شانے پر سطحی زخم آیا ہے ورنہ گولی کھوپڑی میں بھی اتر سکتی تھی۔"

اس کا کردار جیسا بھی رہا ہو مگر وہ قاسم کے لیے اپنے دل میں محبت رکھتی تھی۔ جب تک اس نے قاسم کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیا، اس کی بے قراری قابلِ دید تھی اور یہی وہ مقام تھا جہاں مشرقی عورت کی شناخت الگ ہو جاتی ہے۔

ڈریسنگ کے بعد جب عملے کے ارکین چلے گئے تو رخشی قاسم کے شانے کو سہلاتے ہوئے بستر پر دراز سلطان شاہ کو گھورنے لگی اور وہ بوکھلا کر چھت کی طرف تکنے لگا۔

"یہ میرا ساتھی ہے۔" میں نے اسے مطلع کیا۔ "اس رات قاسم نے نہایت بے دردی کے ساتھ اس پر ہاتھ اٹھایا تھا اور آج اسی کی چلائی ہوئی گولی سے زخمی ہوا ہے۔"

"تو اس رات کا بدلہ لیا ہے تم نے قاسم سے۔" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"جو کچھ ہوا، غلط فہمی میں ہوا ہے۔" میں ان کے پیچھے تھا یہ لوگ مجھے نہ پہچان سکے ۔۔۔ آج رات حالات نے ایک بالکل نئی کروٹ لی ہے، ڈینی اچانک عتاب میں آ گیا ہے۔"

"کھل کر بات کرو، اب تو یہاں کوئی غیر نہیں ہے۔" میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

"آج شام مجھے اسے ٹو سے براہِ راست تمھارے مکان کی نگرانی کا حکم ملا تھا، وہاں سے نکلنے والے ہر شخص کا تعاقب کر کے اس کے کوائف جمع کرنے ہیں جو کل صبح اسے ٹو کو دینے ہوں گے۔" وہ مجھے بتانے لگا۔ "دوسری طرف تم نے آج ہی مجھے فون پر احتیاط برتنے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ تمھارے پاس کوئی مہمان ٹھہرا ہوا ہے میرا خیال ہے کہ تمھارے مہمان کی موجودگی اسے ٹو کو پسند نہیں آئی

ہے اور وہ تمہارے بارے میں کڑی چھان بین کرانا چاہتا ہے۔"

"لیکن اے ٹو تو لاہور میں ہے۔ اسے کیا خبر کہ ڈینی کے پاس کون ٹھہرا ہوا ہے؟" رخشی نے اعتراض داغ دیا۔

"یہ میرا اندازہ ہے، ہو سکتا ہے کہ ہم لوگوں کے علاوہ بھی اے ٹو کی اطلاعات کا کوئی اور ذریعہ ہو۔" قاسم نے کہا۔ "مجھے پورا یقین ہے کہ صبح مجھ سے سوال کیا جائے گا کہ ڈینی زخمی کو لے کر کہاں گیا تھا؟"

"بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ ڈینی نے زخمی کو کہاں چھوڑا تھا؟" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی تصحیح کی۔

"بالکل۔" قاسم نے میری تائید کرتے ہوئے کہا۔ "اسے یہاں داخل کرا کے تم اکیلے ہی گھر واپس جاؤ گے۔"

"اب تو سوچ رہا ہوں کہ گھر جانا مناسب بھی ہو گا یا نہیں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ گھر جانے کے ساتھ ہی ناقابلِ بیان مشکلات کا سلسلہ شروع ہو جائے۔"

"لیکن یہ ہو کیا رہا ہے اور اس کا سبب کیا ہے؟" رخشی نے مجھ سے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ اے ٹو یا اس کا کوئی اہم کارکن کراچی میں موجود ہے۔" میں نے کہا۔

"اوہ! تمہارا اشارہ اپنے مہمان کی طرف تو نہیں ہے۔" قاسم نے تحیر آمیز لہجے میں دریافت کیا۔

"مجھے اسی پر شبہ ہے۔" میں نے ایمانداری سے کہا۔ "قاسم کو میرے گھر کی نگرانی پر لگا کر نہ صرف اس کی حفاظت کی جا رہی ہے بلکہ میرے ملنے جلنے والوں کی فہرست بھی مرتب کی جا رہی ہے۔"

"جس میں کسی عورت کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔" قاسم نے ڈرامائی انداز میں لقمہ دیا۔

"عورت کا ذکر کہاں سے آ گیا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"مجھے حکم دیا گیا تھا کہ اگر تمہارے مکان میں کوئی عورت دیکھی جائے تو اسے ہر قیمت پر اغوا کر لیا جائے۔" قاسم نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے پیچھے آ گیا ہوں مگر میرے آدمی اس حکم کی تعمیل کریں گے، آخر تمہارے حوالے سے اے ٹو کو کس عورت کی تلاش ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے رخشی کا شریکِ کار سمجھ رہا ہو۔" میں نے ان کے ذہنوں کو غلط راہ پر ڈالنے کے لیے غزالہ کے بجائے رخشی کو ملوث کرتے ہوئے کہا۔

"ایسی صورت میں وہ نگرانی اور اغوا کا حکم مجھے ہرگز نہ دیتا کیونکہ تم میرے اور رخشی کے بارے میں اسے گمراہ کر چکے ہو۔"

"یہی تو اہم نکتہ ہے۔" میں نے پُرزور لہجے میں کہا۔ "اسے اب خیال آیا ہو گا کہ کہیں میں شروع ہی سے جھوٹ نہ بولتا رہا ہوں، رخشی کے ساتھ خود ہمدردی کرتا رہا اور الزام تمہارے سر رکھ دیا۔"

"خیر، یہ سب فضول باتیں ہیں — اصل سنسنی خیز خبر یہ ہے کہ اے ٹو کا کوئی اہم کارندہ ڈینی کا مہمان ہے۔ کیوں نہ ہم بالا ہی بالا اس پر ہاتھ ڈال دیں۔" رخشی نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "اس کا بال بھی بیکا ہوا تو اے ٹو، قاسم کی زندگی جہنم بنا دے گا۔"

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ آنے والا تمہارا بھائی ہے جو کسی دوسرے شہر سے یہاں پہنچا ہے۔" قاسم نے سوال کیا۔ "پھر اب اس پر شبہات کیوں پیدا ہو رہے ہیں؟"

"یہ حقیقت ہے کہ وہ میرے بھائی کے ہی روپ میں آیا ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ مجھے اپنے بھائی کو دیکھے ہوئے ایک مدت ہو چکی ہے اور میں اس کو شناخت کرنے سے قاصر ہوں۔"

"تو تم جا کر اسے براہِ راست کیوں نہیں گھیر لیتے؟" قاسم نے سوال کیا۔ "تشدد کے سامنے تو گونگے بھی بولنے لگتے ہیں۔"

"اب مشکل ہے — ابھی تک تو مٹھی بند تھی، اب کھل سی ہے۔ اے ٹو میرے گرد اپنا جال کس رہا ہے۔ اسے جس کسی پر شبہ ہو جائے اس کی زندگی کی مہلت ختم ہو جاتی ہے، اب تو میرا سامنے آنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہو گا۔ میں دور رہ کر ہی مدافعت کر سکوں گا۔"

"یعنی اب اپنے گھر ہی نہیں جاؤ گے؟" سلطان شاہ نے بے یقینی کے ساتھ سوال کیا۔

"زندگی کی کوئی قیمت نہیں لگائی جا سکتی سلطان شاہ — مکان تو سیکڑوں بنا لیے جائیں گے۔ میری مستقل آمدنی کا ذریعہ فیکٹری کی صورت میں برقرار ہے، میں ہفتوں بھی ادھر کا رخ نہ کروں تو میرا کام چلتا رہے گا۔"

"مکان اور فیکٹری کو تباہ بھی کیا جا سکتا ہے۔" رخشی نے خیال انگیز لہجے میں کہا۔ "زک پہنچانی جو ٹھہری۔"

"میری ایک ایک کیل کا انشورنس ہے۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "مجھے مالی طور پر زک پہنچانا مشکل ہے۔"

میں ان سے گفتگو کر رہا تھا لیکن میرے ذہن میں صورتِ حال کی بہت مہیب تصویر ابھار رہی تھی۔ رمضان چاچا سے میری ملاقات فیصلہ کن ثابت ہوئی تھی۔ اس شخص کی گواہی نے اے ٹو کی نگاہوں میں مجھے جھوٹا ثابت کر دیا تھا اور توقیر کوئی اٹل فیصلہ کر کے میرے پاس پہنچا تھا لیکن فیصلے پر عمل کرنے سے پہلے وہ

میرے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہا تھا تاکہ مجھے ابھاکر، میری وساطت سے غزالہ پر ہاتھ ڈال سکے۔ غزالہ کے سامنے آتے ہی میری بازی ختم ہو جاتی اور توقیر مجھ پر آخری وار کر گزرتا۔

اس وقت قاسم کا مجھ سے آٹکرانا بہت کارآمد ثابت ہوا ورنہ اس سے پہلے تو میرے ذہن میں صرف شبہات ہی تھے جنھیں قاسم کی کہانی نے یقین میں بدل دیا تھا۔

"اب مجھے کیا کرنا ہے؟ میں ساری رات یہاں نہیں رک سکتا" قاسم نے سوال کیا۔

"تمھیں دو کام کرنے ہیں" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اوّل تو دلاور خان کے ساتھ سرحدی علاقوں میں جانے کا پروگرام ملتوی کر دو کیونکہ حالات ناموافق ہیں دوئم یہ بھول جاؤ کہ میں سلطان شاہ کے ساتھ یہاں مقیم ہوں۔"

"تمھارے بارے میں اسے لڑکو تو کچھ نہ کچھ بتانا ہی ہوگا۔ وہ صبح فون کرے گا مجھے۔"

"کہہ دینا کہ رات بھر مکان سے کوئی کہیں نہیں گیا" سلطان شاہ نے کہا۔

قاسم بوجھل انداز میں ہنس دیا۔ "ڈیتی کے مشتبہ مہمان کو کیوں بھول رہے ہو تم؟ اگر وہ اسے لڑکا مخبر ہے تو میرا جھوٹ فوراً پکڑا جائے گا۔"

"تم کہہ سکتے ہو کہ ہمیں سول اسپتال پہنچا کر تم واپس لوٹ گئے تھے" میں نے سوچتے ہوئے کہا اور سب ہی نے اس خیال کی پوری طرح تائید کی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمھاری آنکھیں کھل گئیں" زخشی اور قاسم کے رخصت ہونے کے بعد سلطان شاہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "مجھے تو تمھارا بھائی پہلی ہی نظر میں فراڈ معلوم ہوا تھا۔"

"میں دن ہی میں غائب ہو جاتا لیکن تمھیں اس کے چنگل سے نکالنا ضروری تھا" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "میرے روپوش ہوتے ہی تم اس کی جھلاہٹ کا نشانہ بن جاتے اور شاید تمھارا سراغ پانا بھی دشوار ہو جاتا۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب کھلی جنگ شروع ہو گئی ہے، کاش میں جلد از جلد تمھارا ساتھ دینے کے قابل ہو سکوں۔"

"ابھی تو ایک اور مشکل پیدا ہو گی۔ قاسم نے شاید اس پہلو پر غور ہی نہیں کیا ہے۔"

"وہ کیا؟" اس نے اپنی کھوپڑی سہلاتے ہوئے سوال کیا۔

"قاسم کے ساتھ مل کر کام کرنے کا جو سمجھوتہ ہوا ہے اس میں بنیادی بات یہ ہے کہ میں تنظیم میں اپنی رکنیت سے بھرپور فائدہ اٹھاؤں گا۔ اگر میں باہر ہو گیا تو وہ مجھے حصہ دار کیوں رکھے گا؟"

"اس کا تو باپ بھی رکھے گا، وہ اسے تو کے ساتھ رہ کر غلطی کرے گا تو تم اس کی قیمت وصول کرنے کے حقدار ہو گے۔ نہ مانا تو اسے اٹھا کر آزاد علاقے میں لے جاؤں گا۔"

"وہ بعد کی بات ہے۔ ویسے بھی وہ آدمی میرے لیے غیر اہم ہے۔ میرا مشن تو اس تنظیم کی بیخ کنی ہے اور شاید اب اس کا وقت آ پہنچا ہے۔"

***

اگلی صبح سب سے پہلے میں نے گاڑی سے گلو خلاصی حاصل کی اور اسے کھارادر کے علاقے میں ایک جگہ چھوڑ دیا۔ کار کی وجہ سے شہر میں کہیں بھی مجھے آسانی سے پہچانا جا سکتا تھا۔

ایک کال آفس سے جہانگیر کو فون کیا تو میری آواز پہچانتے ہی وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں شروع ہو گیا۔ رات کے تین بجے اسے لڑنے اسے گہری نیند سے بیدار کر کے فون پر میری تلاش کا حکم دیا تھا اور وہ بیچارہ نیند کی جھونک میں فون کرنے کے بجائے خود ہی میرے گھر دوڑا چلا گیا تھا جہاں توقیر نے خشمناک تیوروں کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ گھر میں عجیب سا سماں تھا۔ اتنی رات گئے ملازمین ڈرائنگ روم میں توقیر کے سامنے موجود تھے اور وہ ان سے میرے امکانی ٹھکانوں کے بارے میں معلوم کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

توقیر جہانگیر کے لیے اجنبی تھا لیکن اس کے تحکمانہ طرزِ عمل کی وجہ سے جہانگیر اس سے گفتگو کو طول دینے کی ہمت نہ کر سکا اور واپس ہو لیا۔ واپسی میں سارے راستے اس کا تعاقب کیا گیا اور پانچ بجے دوبارہ اسے لڑ کی کال آ گئی۔ میرا سراغ نہ ملنے پر وہ سخت برہم تھا۔

جہانگیر نے مجھ سے اس بارے میں بہت سے سوالات کرنے چاہے۔ مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ میرا ٹھکانا دریافت کیا لیکن میں نے اسے سنگین خطرات کے حوالے سے ٹال کر سخت ہدایت کر ڈالی کہ میرے فون کا تذکرہ اپنی ذات تک ہی محدود رکھے پھر میں نے سرسری انداز میں غزالہ کو بھی حالات سے آگاہ کر دیا... تفصیلات میں جائے بغیر میں نے صرف اس قدر بتایا کہ خطرہ بھانپ کر میں نے اپنی قیام گاہ کو خیرباد کہہ دیا تھا اور کامران کی علاج گاہ کے ایک کمرے میں رہائش اختیار کر رہا تھا۔ وہ مصر ہو گئی کہ یہ محدود مدت میں اس کے گھر پر گزار لوں لیکن بدقت تمام میں نے اسے اپنا ہم نوا بنا ہی لیا۔

ان دونوں اہم کاموں سے فارغ ہو کر میں نے اپنے گھر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے اپنے ایک ملازم کی ... آواز سنائی دی۔ چند گھنٹوں کے اعصابی تناؤ میں توقیر نے شاید ان

ب کی زندگی تلخ کر کے رکھ دی تھی۔
میری آواز پہچانتے ہی وہ بیچارہ بلک کر رو پڑا۔
"تمہارا بھائی عجیب پاگل آدمی ہے صاحب۔" اس نے
تے روتے بتایا۔ "تین بجے مار مار کے سب کو اٹھا دیا اور پوچھنے
کا کر تمہارا صاحب کہاں ہے؟ پھر کئی دفعہ فون کیا، کبھی اصلی آواز
ں بولتا تھا کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر جن آ گیا ہو،
واز بالکل ہی بدل جاتی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں
ر کہاں جائیں۔ تم گھر کب آؤ گے صاحب؟"
"میری طرف سے تم سب آزاد ہو رحمت۔" میں نے نرم
شفقانہ لہجے میں کہا۔ "میں خطرے میں ہوں۔ کچھ پتا نہیں کہ
ب تک گھر نہ آ سکوں۔ تم لوگ گھر سے جو کچھ لے سکتے ہو لے کر
اموشی سے کسی طرف نکل جاؤ۔ توقیر اس وقت کہاں ہے؟"
"پتا نہیں صاحب۔" میری الوداعی باتیں سن کر اس کی
الت غیر ہونے لگی۔ "ایک کالی گاڑی آئی تھی، اسی میں کہیں گیا
ہے۔ شراب تو پانی کی طرح پیتا ہے۔ آپ کا سارا سامان بھی بکھیر
ڈالا ہے، پتا نہیں کیا ڈھونڈ رہا تھا۔"
میں نے اسے تسلی دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔
رحمت سے گفتگو کے بعد میرے ذہن سے رہی سہی دھند
بھی صاف ہو گئی۔ اگر توقیر آواز بدل کر فون کر رہا تھا تو یقینی طور
پر وہ خود ہی اسے لوٹ رہا تھا۔ وہ پورے اعتماد کے ساتھ مجھے اپنے
شکنجے میں جکڑنے کی نیت سے لاہور سے کراچی آیا تھا۔ اپنی
دانست میں اس نے عزالہ کو سامنے لانے کے لیے بڑا خوبصورت
ناٹک رچایا تھا لیکن اس کی سب تدبیریں دھری کی دھری رہ گئی
تھیں۔ عزالہ اپنے گھر کی چار دیواری میں محفوظ و مامون تھی اور
میں قطعی آزاد۔
علاج گاہ کی طرف واپس لوٹتے ہوئے میں نے سوچا کہ کیوں
نہ میں توقیر کے لیے زندگی کو ذرا دشوار تر بنا دوں۔ وہ میرا سوتیلا
ہی سہی لیکن بڑا بھائی تھا۔ بچپن میں اس نے بڑی ماں اور دوسرے
بھائیوں سے مل کر مجھے گھر سے بے گھر کیا۔ میری سگی ماں کی
بے آبروئی کی، پھر اسے لوٹ کے نام سے برسوں مجھے آلۂ کار بنا کر
منشیات فروشی میں ملوث کیا اور جب ان ساری دشواریوں کے
بعد میں نے اپنی زندگی کا ایک طرز بنا لیا اور گھر بسانے کی آرزو
شرمندۂ تکمیل ہوتی نظر آنے لگی تو پوری قوت اور جبروت کے ساتھ
مجھ پر براہ راست ہاتھ ڈالنے آ پہنچا تھا۔
راستے ہی سے میں نے پولیس کے ایک اعلیٰ ترین افسر
کو فون کر دیا۔ توقیر یا اسے لوٹ سے میری جنگ چھڑ چکی تھی اور جنگ
میں ہر بات جائز ہوتی ہے۔

واپسی پر میں نے سلطان کو صرف یہی بتایا کہ میں کار سے
پیچھا چھڑانے گیا تھا۔ اگر اسے زیادہ تفصیلات بتا دیتا تو وہ جوش
میں باہر نکل پڑنے پر تل جاتا جب کہ میرے لیے اسے سنبھالنا
دشوار ہوتا۔
شام کا دھندلکا پھیلنے کے ساتھ ہی میری طبیعت پر اضطراب
طاری ہونے لگا۔ میں پولیس کی کارروائی کے نتائج دیکھنے کے لیے
بے چین تھا لیکن میرا اپنے گھر کے قرب و جوار میں پایا جانا میرے
حق میں بدترین ثابت ہو سکتا تھا۔
وہ رات میں نے سگریٹیں پھونک پھونک کر بے چینی سے
جاگتے ہوئے بسر کی۔ سلطان شاہ یہی سمجھتا رہا کہ میں حالات کی
وجہ سے پراگندگی کا شکار ہوں۔ جب کہ حقیقت یہ تھی کہ مجھے
پولیس کی کارروائی کی جانب سے خدشہ لاحق تھا۔ میں نے اپنی
دانست میں ہر وہ حربہ استعمال کیا تھا جو پولیس کو کسی بڑی کارروائی
پر اکسا سکے لیکن یہ اندیشہ بھی تھا کہ اس گمنام اطلاع کو یکسر نظر انداز
کر دیا جائے۔
لیکن صبح کا اخبار دیکھتے ہی میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔
پہلے صفحے پر جلی سرخی میں ایک بڑے چھاپے کی تفصیل درج
تھی اور خبر کے نیچے میرے مکان کی تصویر موجود تھی۔ اخباری
اطلاعات کے مطابق مقامی پولیس نے ایک قاتل اور منشیات
کے بدنام اسمگلر کی موجودگی کی اطلاع پر بھاری جمعیت کے ساتھ
مکان کو محاصرے میں لے کر اندر داخل ہونے کی کوشش کی تو
باوردی پولیس والوں پر عمارت سے اسٹین گن سے گولیوں کی
بوچھاڑ ماری گئی جس کے نتیجے میں دو سپاہی شدید زخمی ہو گئے۔
یوں باقاعدہ فائرنگ کے تبادلے کا آغاز ہو گیا۔ جب محصور عمارت
پر پولیس کا دباؤ بڑھنے لگا تو عمارت کے مختلف حصوں سے آگ
کے ہولناک شعلے بھڑک اٹھے۔ اسی کے ساتھ فائرنگ بھی ہوتی
رہی۔ آخری خبر آنے تک پولیس جلتی ہوئی عمارت میں گھسنے میں
کامیاب ہو چکی تھی۔ اندر سے فائرنگ کا سلسلہ موقوف ہو چکا
تھا۔ متعدد فائر انجن آگ بجھانے میں مصروف تھے اور سلگتے
ہوئے ملبے سے ایک لاش برآمد کی جا چکی تھی۔
لاش کی برآمدگی کی خبر پڑھتے ہی میرے ذہن کو ایک جھٹکا
سا لگا اور میں نے شکست خوردہ انداز میں اخبار اپنی گود میں ڈال
لیا۔ کیوں کہ متوفی کا جو حلیہ خبر میں درج تھا وہ میرے معمر ملازم
رحمت کا تھا۔
میں اخبار کے مطالعے میں منہمک تھا، رحمت کی ناگہانی
موت پر مجھے دلی صدمہ ہوا تھا، مکان کے سلگتے
ہوئے ملبے سے اس کی لاش کی برآمدگی کی خبر پڑھنے کے بعد

میں خاصی دیر تک دوبارہ اخبار نہ دیکھ سکا تھا لیکن پھر مجھے خود پر جبر کرنا پڑا۔ توقیر، اے ٹو یا اس کے کسی بے جگر ہرکارے سے میری کھلی جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ اور اس جنگ میں ایک ایک لمحہ قیمتی تھا جسے میں رحمت کے سوگ میں گزار کر مزید دشواریاں مول لے سکتا تھا۔

رحمت کا تعلق انسانوں کی اس قبیل سے تھا جس کے خمیر میں وفا کا عنصر فراوانی کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جس در سے اپنی روزی کماتے ہیں اس کے تحفظ کے لیے جان بھی دینے کو آمادہ رہتے ہیں اور جذبے کی شدت بسا اوقات اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ مالک سے زیادہ دردمند نظر آتے ہیں۔

رحمت کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا۔ اس سے فون پر بات ہوئی تو میں نے اسے اپنی ضرورت کا سامان لے کر گھر سے نکل جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس وقت توقیر بھی مکان پر نہیں تھا۔ رحمت بابا کے لیے زندگی بھر کی خدمت کا صلہ سمیٹنے اور پھر کسی بے نام راستے پر نکل جانے کا سنہرا موقع موجود تھا۔ لیکن اس نے بُرا وقت آنے پر وہ چوکھٹ چھوڑنی گوارا نہیں کی جس پر وہ برسوں سے اچھا وقت گزارتا آیا تھا۔ شاید دو کے کر ملازموں نے اس کھلی چھوٹ سے فائدہ اٹھایا تھا مگر رحمت بابا میرے گھر کا نگہبان بن کر وہیں ڈٹا رہا۔

توقیر سیاہ گاڑی میں گھر سے چلا گیا پھر شاید واپس لوٹا ہوگا اور اس نے رحمت بابا کو اپنی جھنجلاہٹ آمیز زیادتیوں کا نشانہ بنایا ہوگا، پھر پولیس کی کارروائی کا آغاز ہوا، فضا میں بارود کی دھماکوں کی بُو پھیلتی گئی لیکن رحمت بابا نے گھر کو لاوارث چھوڑ کر بھاگ جانا گوارا نہیں کیا۔ اور آخر کار توقیر گھر میں پٹرول چھڑک کر آگ کے شعلوں اور دھوئیں کی اوٹ میں وہاں سے فرار ہو گیا۔

رحمت بابا شاید آگ میں گھرا، اپنی جان سے بے پروا، بھیانک شعلوں سے لڑتا رہا، مالک کے اثاثوں کو بچانے کی فکر میں اُس نے اپنی جان کی پونجی بھی گنوا دی۔

رحمت بابا سے میرا لہو کا رشتہ نہیں تھا اور وہ میرے مال ومتاع کے لیے اپنی جان تک قربان کر بیٹھا تھا۔ اور جن سے میرا لہو کا قریب ترین رشتہ تھا وہ اپنے مال کے لیے روزِ ازل ہی سے میری جان کے دشمن ہو رہے تھے۔ رشتوں کا کھیل بھی کس قدر عجیب ہوتا ہے۔ یکسر ناقابلِ فہم اور ناقابلِ یقین سا۔

رحمت بابا سے مجھے یہ تو معلوم ہو ہی چکا تھا کہ توقیر کے نام سے میرے گھر میں ٹھہرا ہوا شخص میری غیر موجودگی میں بار بار فون کرتا رہا تھا، کبھی اپنی اصل آواز میں اور کبھی بدلے ہوئے لب ولہجہ میں۔ اس سے یہ صاف ظاہر تھا کہ وہ توقیر رہا ہو یا نہ رہا ہو مگر اے ٹو مزدور تھا۔

اے ٹو بنفسِ نفیس شہر میں موجود تھا، اسے معلوم ہو چکا تھا کہ میں نے اپنی غیر حاضری کے بارے میں جھوٹ بولا تھا۔ جب لاہور میں اس کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے تو میں کراچی میں نہیں لاہور ہی میں مقیم تھا... اسے شبہ ہو چکا تھا کہ لاہور میں جس لڑکی نے ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے دفتر میں ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی وہ میری منگیتر غزالہ تھی اور محض اس پہ ہاتھ ڈالنے کے لیے اسے کھیل کو طول دینا پڑا ورنہ مجھے تو وہ جب چاہتا مسل سکتا تھا۔ اس بہانے میں اس کے چنگل سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن وہ خود میری بُو پر لگا ہوا تھا۔ اس نے قاسم اور اس کے آدمیوں کو میرے خلاف مامور کیا ہوا تھا۔ وہ تو غنیمت تھا کہ اس مہم کی ابتدا سے پہلے ہی قاسم سے میرا سمجھوتہ ہو چکا تھا ورنہ وہ مجھے بے خبری میں کہیں بھی چھاپ سکتا تھا مگر مسئلہ یہی تھا۔ قاسم سے میرا جو کچھ سمجھوتہ ہوا، اُسکی بنیاد یہی تھی کہ تنظیم میں مجھے ایک خاص مقام حاصل تھا اور مجھے اسی مقام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے باہمی مفاد کے لیے کام کرنا تھا۔ لیکن اب یک بیک اے ٹو سے میرا تصادم ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں میرا نام تنظیم کے غداروں کی فہرست میں آ گیا تھا۔ ایسی صورت میں میرے لیے قاسم سے کیے ہوئے معاہدے کے مطابق اپنا کردار انجام دینا ناممکن تھا۔ وقتی ہنگامے میں قاسم کو یہ سوچنے کی مہلت نہیں مل سکی تھی لیکن کسی بھی لمحے وہ ان حقائق کا اندازہ لگا سکتا تھا اور عین ممکن تھا کہ وہ خود میری جگہ لینے کے شوق میں میری بیخ کنی پر تُل جاتا۔ میرا قلع قمع کر کے وہ نہ صرف اپنی ذاتی کدورتوں کا حساب بے باق کر سکتا تھا بلکہ فوری طور پر اے ٹو کا منظورِ نظر بھی بن سکتا تھا اس طرح وہ میری مدد کے بغیر تنظیم میں رہتے ہوئے خود اپنے مفادات کو آگے بڑھا سکتا تھا۔

اچانک کمرے کے دروازے پہ دستک ہوئی اور سلطان شاہ کی بھی نیند اُچٹ گئی۔ وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنی خمار آلود آنکھیں جھپکاتے ہوئے میری طرف دیکھنے لگا۔ اسی اثنا میں بے تابانہ انداز میں دوبارہ دستک دی گئی اور میں جھپٹ کر دروازے کے قریب جا پہنچا۔

"کون ہے؟" میں نے جیب میں موجود پستول کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے سوال کیا۔

"دروازہ کھولو۔" راہداری سے قاسم کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی اور میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ قاسم زور لگا کر یوں اندر گھس آیا جیسے عقب سے کسی گینڈے نے اُسے ٹکر رسید کی ہو۔

"کیا ہو گیا؟ اس قدر بوکھلائے ہوئے کیوں ہو؟" میں نے

اُسے اپنے ہاتھوں پر دو کتے ہوئے سوال کیا۔

"دروازہ بند کر کے اندر سے بولٹ کر دو۔" اس نے سنبھلتے ہوئے بے چینی کے ساتھ کہا۔

میں دیکھ چکا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے لہٰذا فوراً ہی دروازہ بند کر دیا۔ واپس پلٹا تو وہ کرسی میں دھنسا خالی خالی نظروں سے اخبار کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ تم نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔" میرے متوجہ ہونے پر اس نے وحشت زدہ لہجے میں کہا۔

"جو ہو رہا ہے تمھارے سامنے ہی ہے، میری کس غلطی کا حوالہ دے رہے ہو۔" میں نے پُراعتماد مسکراہٹ کے ساتھ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمھارے گھر کون ٹھہرا ہوا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"میرا بھائی! میں تمھیں پہلے ہی بتا چکا تھا۔" میں نے پُرسکون انداز میں کہا۔

"تم غلط کہہ رہے ہو.... وہ بذاتِ خود اے لو تھا۔" اس نے بے یقینی کے ساتھ کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "اے لو بھی تو تم جیسا کوئی انسان ہی ہے، کوئی آسمانی مخلوق تو نہیں ہے وہ۔ لیکن تمھیں یہ خیال کیوں کر پیدا ہوا؟"

"کل رات میں نے اس کا پیچھا کیا تھا۔" وہ کھوئی کھوئی آواز میں بولا جیسے کسی ڈراؤنے خواب کا ذکر کر رہا ہو۔ "میں اپنے آدمیوں سمیت تمھارے گھر کی نگرانی کر رہا تھا کہ رات گئے جہانگیر اپنی سیاہ بلٹ پروف کار میں وہاں پہنچا۔ چند منٹ بعد وہ واپس روانہ ہوا تو میں نے اس کا پیچھا شروع کر دیا۔ کار کے ٹنٹڈ شیشوں کے باعث مجھے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ کار میں اور کون تھا۔ جہانگیر سیدھا جیوا ہاؤز پہنچا۔ وہاں سے نصف گھنٹے بعد اس کی واپسی ہوئی تو راستے میں کھڑکی کے اُتارے ہوئے شیشے میں سے بس میں اس کی ایک ہی جھلک دیکھ سکا۔ وہ سر سے پیر تک سیاہ پوش تھا۔ اس نے دُور ہی سے تحکمانہ اور پُریقین انداز میں ہاتھ اٹھا کر مجھے واپسی کا اشارہ کیا اور میں نے سیاہ کار کا تعاقب ترک کر دیا اور واپس تمھارے گھر پہنچا۔ وہاں رات بھر نہ وہ کار واپس لوٹی نہ ہی پُراسرار سیاہ پوش نظر آیا۔ پھر رات ہی میں کسی وقت پولیس کی بھاری نفری اسلحے سے لیس وہاں دھاوا بولنے آ پہنچی۔ پولیس کی گاڑیاں دیکھتے ہی میں نے اپنے آدمیوں سمیت پسپائی اختیار کر لی۔ ہم اس علاقے سے نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ پہلی بار فضا اسٹین گن کے نغموں سے گنگنا اٹھی پھر یک بیک رائفلوں کا شور گونجنے لگا۔ شاید تمھارے مکان سے مزاحمت میں اسٹین گن چلائی گئی تھی۔ اس کے جواب میں پولیس والوں نے رائفلوں کا استعمال شروع کر دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب مکان میں کوئی نہیں تھا تو مزاحمت کس نے شروع کی؟"

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ جہانگیر کی کار میں اے لو ہی تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"صبح پانچ بجے اس نے مجھے فون کیا تھا اور اس بات پر شاباش دی تھی کہ میں نے محض قیاس سے اسے پہچان کر حکم کی تعمیل کر ڈالی ورنہ وہ فائر کر کے میری گاڑی کے ٹائر پھاڑ دینے کا ارادہ کر چکا تھا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ شروع ہی سے تعاقب سے باخبر تھا۔" میں نے کہا۔ "یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ پہلے تو وہ تمھیں اپنے پیچھے لگا کر جیوا ہاؤز تک لے گیا مگر واپسی میں تعاقب کرنے سے تمھیں روک دیا۔"

"ہاں۔ یہ بات تو واقعی اہم ہے۔" وہ بڑبڑایا "میں نے اس پر غور ہی نہیں کیا تھا۔"

"چاہتے تو جہانگیر سے معلوم کر سکتے تھے کہ واپسی پر اس نے سیاہ پوش کو کہاں اتارا تھا؟"

"اس کے فون کی گھنٹی بج رہی ہے لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔"

"ایسا ہونا ناممکن ہے، بیوی کے علاوہ اس کے ملازمین بھی گھر پر ہی ہوتے ہیں۔" میں نے تردد آمیز لہجے میں کہا پھر اس سے سوال کیا۔ "صبح اس نے خود ہی اپنی کراچی میں موجودگی کا ذکر کیا تھا؟"

"ہاں ابتدا اسی بات سے ہوئی تھی۔ پھر تمھارے اور سلطان شاہ کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اسے تم دونوں کے سول ہسپتال پہنچنے کی کہانی سُنا دی.... جانتے ہو تازہ ہدایات کیا ہیں؟"

میں غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیے بغیر استفسار طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"ہر قیمت پر تمھیں اغوا کر کے جیوا ہاؤز میں بند کرنا ہے، مزاحمت کی صورت میں بے دریغ تشدد کی کھلی چھوٹ ہے۔" وہ میری طرف جُھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔

"پھر کیا ارادہ ہے تمھارا؟" سلطان شاہ نے پہلی بار زبان کھولی۔ قاسم نے یوں چونک کر اس کی طرف دیکھا جیسے اب تک اس کی وہاں موجودگی سے بے خبر رہا ہو پھر میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ یہ بتاؤ کہ اے لو آج تک تمھارے

گھر میں کیسے گھس آیا؟

"وہ واقعی میرا بھائی ہے۔" میں نے قاسم سے چال چلنے کا فیصلہ کرتے ہوئے دو ٹوک لہجے میں کہا۔ "وہ بھائی بن کر میرے گھر ٹھہرا تھا لیکن اپنی گفتگو کے باعث میری نگاہوں میں مشکوک ہو گیا تھا۔ اسے شبہ ہے کہ میں رخشی کے بارے میں کوئی اہم بات چھپا رہا ہوں۔ اس نے گھما پھرا کر مجھ سے کئی ٹیڑھے سوالات کیے۔"

قاسم کا چہرہ اُتر گیا۔ "تم نے رخشی کے معاملے میں شروع ہی سے پے در پے غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے۔ جب تک وہ رخشی کو پا بہ سلاسل اپنے سامنے نہ دیکھ لے گا اسے نہیں بھولے گا۔" اس نے کہا۔

"اور اس چکر میں اس نے بلی چوہے کا کھیل شروع کرا دیا ہے۔" میں نے آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "سیٹی بج چکی ہے، اب جو چوکنا ہوگا وہ جیت جائے گا۔"

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"وہ رخشی کی تلاش میں ہے شاید اس بارے میں تم بھی اس کی نگاہوں میں مشکوک ہو۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں رخشی کی نشان دہی کر سکتا ہوں لہٰذا اس نے تمھیں میری تلاش پر مامور کر دیا ہے۔ تمھیں اپنی شہر میں موجودگی سے بھی باخبر کر دیا ہے تاکہ تمھارا جذبۂ وفاداری جوش میں آ جائے اور تم مجھے اس کا قیدی بنوانے میں سر دھڑ کی بازی لگا دو، تمھارے ہاتھوں یہ چوٹ کھانے کے بعد میں لامحالہ سب کچھ اُگل بیٹھوں گا اور یوں تم خود زیرِ عتاب آ جاؤ گے۔"

"میں اس حد تک تو کڑیاں نہیں ملا سکا تھا لیکن مجھے بھی شبہ تھا، وہ خود تمھارے گھر میں مقیم تھا نگرانی کے باعث مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں بلکہ تینوں بیک وقت اسی چھت کے نیچے مقیم تھے۔ وہ چاہے تو خود بھی تمھیں گھیر سکتا ہے۔"

"یہ کام وہ تمھارے ہاتھوں انجام دلانا چاہتا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "تاکہ میرے دل میں تمھارے لیے نفرت کے جذبات کو ہوا مل سکے۔"

"کیا تمھیں پہلے سے معلوم تھا کہ لے ٹو تمھارا بھائی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"مبہم سا شبہ تھا جو یقین میں کبھی نہ بدل سکا۔" میں نے صفائی سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ "عملی زندگی میں اس نے اپنی ذات پر کند ذہنی اور غبی پن، ایسا لبادہ اوڑھا ہوا ہے کہ اس پر لے ٹو جیسے کا شبہ کرنا محال ہے۔"

تمھارا مکان برباد کر دیا گیا ہے۔" اس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "وہاں اس بری طرح چوطرفہ آگ لگی تھی کہ کوشش کے باوجود کچھ نہ بچایا جا سکا۔ اصل مجرم پولیس کے ہاتھ نہ آ سکا، ملبے سے ایک ادھ جلی لاش برآمد ہوئی ہے۔ اب پولیس لامحالہ تمھارا رُخ کرے گی۔"

یہ ایک ایسی اُلجھن تھی جس کے بارے میں میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ روپوش رہتا تو۔۔۔ لے ٹو کی انتقامی کارروائیوں سے بچاؤ کا امکان موجود تھا۔ لیکن پولیس کی مشتبہ فہرست میں میرا نام بھی مشتبہ افراد کے خانے میں درج ہو جاتا۔ پولیس مکان کے حوالے سے میری پلاسٹک فیکٹری تک جا پہنچتی اور میرے لیے دشواریوں میں اضافہ ہو جاتا اور اگر ان دشواریوں کے سدِباب کے لیے میں پولیس کے سامنے آتا تو لے ٹو کسی بھی لمحے بے خبری میں مجھ پر اپنا وار کر سکتا تھا لیکن میں نے قاسم کے سامنے اپنی کسی کمزوری کا اعتراف نامناسب سمجھتے ہوئے بات ٹال دی۔

"جو ہوگا دیکھا جائے گا، پولیس میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"لیکن پولیس اچانک ہی تمھارے مکان پر کیسے چڑھ دوڑی؟ یقینی طور پر کسی نہ کسی نے لے ٹو کے خلاف مخبری کی ہوگی ورنہ یہ نوبت ہی نہ آتی۔" اس کا لہجہ اشتباہ آمیز تھا۔

"خبر میں تو ایک قاتل اور اسمگلر کی نشاندہی کا تذکرہ ہے، محکمے نے تفصیلات شاید جاری ہی نہیں کیں۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا اور وہ پُرخیال انداز میں سر ہلانے لگا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ مخبری تمھارے خلاف ہوئی ہو، میرا اندازہ ہے کہ دو چار خون تمھارے ہاتھوں بھی سرزد ہوتے ہوں گے اور تم منشیات کے اسمگلر نہ سہی، بڑے سوداگر ضرور ہو۔"

میں دل ہی دل میں اس کی کم فہمی پر ہنس دیا۔ میں اسے کیسے بتاتا کہ مخبری کرنے والا میں خود ہی تھا۔ البتہ میں نے اتنی رعایت ضرور کی تھی کہ پولیس کو مجرم کا نام نہیں بتایا تھا۔

"تمھارا اندازہ درست ہے۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ساری مہم میرے خلاف رہی ہو اور بدقسمتی سے لے ٹو اس کی زد میں آ گیا ہو۔"

"پھر اب میں کیا کروں؟" قاسم نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"شہر میں پورے زور و شور سے مجھے تلاش کرتے رہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ مجھے پکڑنے میں کامیاب ہو ہی جاؤ، بس یہ یاد رکھنا کہ ہمارے درمیان باہمی تعاون کا ایک معاہدہ وجود میں آ چکا ہے۔"

کیسا معاہدہ؟" اس نے حیرانگی سے کہا۔ "میری دانست میں تو اب حالات یکسر بدل چکے ہیں۔ تم نے تنظیم میں اپنا مقام کھو دیا ہے۔ اب کس طرح ہمارے ساتھ مل کر چل سکتے ہو؟"

آخر کار میرا خدشہ سامنے آ ہی گیا تھا۔ لیکن میرے ذہن میں اس کا توڑ موجود تھا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم لے ٹو سے ملی ہوئی ہدایات

پر عمل کرنے پر آمادہ ہو؟"

"اصولاً مجھے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔" اس نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔" لیکن تمہاری آزادی سے میری سلامتی بھی وابستہ ہو گئی ہے۔ تشدد کے نتیجے میں تم میرے کے خلاف خاصا زہر اگل سکتے ہو لہٰذا میں تمہیں چھوٹ دینے پر مجبور ہوں لیکن کام اور نفع کی تقسیم سے اب تمہارا کوئی تعلق نہ ہوگا، وہ میرا اور جہانگیر کا نجی معاملہ ہوگا۔"

"تم رخشی کو بھول رہے ہو.... اس کی سلامتی کو تم معمولی نفع کی تقسیم پر قربان نہیں کر سکو گے۔"

"میں اس کی طرف سے بے فکر ہوں، وہ رات ہی یہاں سے نکل کر کسی محفوظ مقام پر منتقل ہو چکی ہے۔ اب تم اس کا سایہ بھی نہ پا سکو گے۔" اس نے انکشاف کرتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا۔" اب میرے اور تمہارے درمیان پُرامن بقائے باہمی کی واحد شرط یہی ہے کہ تم رخشی اور میرے تعلقات کے بارے میں زبان بند رکھو گے اور میں تمہیں نظر انداز کرتا رہوں گا۔ جس دن تمہاری ذات سے رخشی کو کوئی زک پہنچی، میں پوری قوت کے ساتھ تمہارے مقابل آ جاؤں گا۔"

مجھے اپنے حلق میں تلخی کا سا احساس ہونے لگا۔ اس وقت میں قاسم سے اپنی شرائط منوانے سے قاصر تھا۔ لیکن میرے لیے یہی ایک مہلت کافی تھی کہ وہ فقیر کے حکم کے باوجود مجھے رعایت دینے پر آمادہ تھا۔

"بس یہی ایک شرط ہے تمہاری؟" میں نے پُراعتماد لہجے میں سوال کیا۔ پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر کہا۔" اس کا میں احترام کروں گا لیکن میرے بغیر تم جہانگیر کو شریک نہ رکھ سکو گے۔"

"خوش فہمی ہے تمہاری۔" وہ طنزیہ انداز میں ہنسا۔" جب تک تم اندر کے آدمی تھے، اور بات تھی اب تو شاید وہ تم سے کھلے بندوں ملنا بھی گوارا نہیں کرے گا، میں نے اے ٹو کو دور سے دیکھا ہے لیکن جہانگیر کسی سعادت مند ڈرائیور کی طرح اسے شہر میں لیے گھوم رہا تھا۔ اے ٹو نے اسے تمہاری طرف سے چوکنا کر دیا ہوگا۔"

"وقت آنے پر سب دیکھ لیا جائے گا۔"

"کاش اس نے تمہیں زندہ پکڑنے کا حکم نہ دیا ہوتا تو بس میری ایک ہی گولی کافی ہوتی۔ تم میرے راز سینے میں لیے منوں مٹی کے نیچے سو جاتے اور اے ٹو اس کارکردگی پر فی الفور مجھے تمہارا خالی کیا ہوا منصب سونپ دیتا۔" اس نے حسرت بھرے لیکن بے خوف لہجے میں کہا۔ اور میرا خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگا۔

"اے ٹو کے حکم کو بھول جاؤ اور اپنے دل کی حسرت نکالنے کی کوشش کر دیکھو۔ انجام تمہیں جاگتی آنکھوں دیکھنا نصیب نہ ہو سکے گا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"واللہ! ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا تم کو۔ ٹھوکروں سے اڑا کے رکھ دوں گا۔" سلطان شاہ غضبناک لہجے میں بولا۔

قاسم اچانک ہی ہنس پڑا۔" تم دونوں تو سنجیدہ ہی ہو گئے۔ وہ تو مذاق کی بات تھی۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہارا ٹھکانا کہاں رہے گا؟ گھر تو اس قابل نہیں رہا تھا۔"

"فی الحال اسی عمارت کو ہوٹل سمجھیں گے، سلطان شاہ کی دیکھ بھال بھی ہوتی رہے گی۔" میں نے اضطراری طور پر اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے کسی وقت موقع نکال کر ملنے آؤں گا لیکن تم ذرا محتاط رہنا۔ اے ٹو جب تک شہر میں ہے، باہر نکلنے سے گریز ہی کرنا ورنہ مارے جاؤ گے بے موت۔ تمہارے بارے میں بات کرتے ہوئے وہ کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرا رہا تھا۔"

"میں اپنا تحفظ کر سکتا ہوں، تم میری فکر نہ کرو۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا اور وہ کرسی سے اٹھ گیا۔ اُس کے جاتے ہی سلطان شاہ بستر سے اتر پڑا۔" کیا فیصلہ کیا تم نے؟"

"قاسم بدنیت آدمی ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "عقل مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم پہلی فرصت میں ٹھکانا چھوڑ دیں۔ اس کی نیت بدلنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

"میرا بھی یہی اندازہ تھا۔ اسے ابھی سے بی فور کے منصب کے خواب آنا شروع ہو گئے ہیں۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ رخشی کو یہاں سے نکال کے لے گیا ہے۔"

"فیصلہ تو بہت سہل نظر آ رہا ہے لیکن اس پر عمل کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔" میں نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔" اگر اس کی نیت میں فتور ہے تو باہر اس کے آدمی ہمارے استقبال کے لیے تیار ہوں گے۔"

"کیوں نہ ہسپتال کے عملے سے مدد لی جائے۔" اس نے خیال ظاہر کیا۔

"یہ نہ بھولو کہ اکبر قاسم کا گہرا دوست ہے۔ قاسم کے آدمی اگر موجود ہوئے تو ہسپتال کے احاطے سے باہر ہی ہوں گے۔ احاطے میں کئی ایمبولینس گاڑیاں میں نے دیکھی تھیں۔ ان ہی میں سے کوئی لے بھاگیں گے... تم یہ بتاؤ کہ اپنے قدموں پہ چل سکو گے؟"

"چل تو میں پہلے بھی سکتا تھا لیکن اب بہت افاقہ ہے، یہاں کا علاج بہت مؤثر معلوم ہوتا ہے۔" بولتے بولتے وہ چونک پڑا۔" لیکن ہم جائیں گے کہاں؟"

"ٹھکانا میرے ذہن میں ہے، تم بس دیکھتے جاؤ۔"

چند ثانیوں بعد میں سلطان شاہ کو سہارا دے کر کمرے سے باہر راہداری میں لے آیا تاکہ ہسپتال کے عملے کو ہم پہ کوئی شبہ نہ ہو۔ میری ہدایت پہ سلطان شاہ نے زندگی سے اکتائے

ہوئے کسی مریض کی سی اداکاری شروع کردی تھی۔

ہمیں دیکھتے ہی ڈیوٹی کاؤنٹر سے کرخت صورت والا ایک میل نرس ہماری طرف لپکا تھا۔ "ارے... رے! آپ مریض کو کہاں لیے جارہے ہیں؟"

"بستر پر پڑے پڑے اُکتا گیا ہے۔" میں نے کسی پیدائشی تیماردار کی طرح معصوم لہجے میں کہا۔ "تھوڑی دیر لان پر ٹہلے گا تو طبیعت بہل جائے گی۔"

اس وقت میری رسٹ واچ آٹھ بجا رہی تھی۔ اور ڈیوٹی کاؤنٹر سے ملحقہ کمرے میں عملے کی کثرت اور چہل پہل سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس وقت شاید ڈیوٹی تبدیل ہو رہی تھی۔ لہٰذا کسی نے ہم پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اور ہم بآسانی عمارت سے باہر نکل آئے۔

احاطے میں تین ایمبولینس گاڑیاں موجود تھیں۔ ان میں سے ایک میں ڈرائیور اپنی نشست پر براجمان اخبار پڑھ رہا تھا میں میدان صاف پاکر اس کے قریب جا پہنچا۔

"زحمت نہ ہو تو ذرا ہمیں سڑک تک چھوڑ دو جہاں سے ٹیکسی مل سکے۔" میں نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔

"ٹیکسی کیوں؟" اس نے نگاہیں اٹھا کر سلطان شاہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "اندر سے پرچی بنوالو، گھر ہی چھوڑ آؤں گا۔ تمہارے مریض کی حالت خراب نظر آ رہی ہے۔"

"یہی تو مشکل ہے۔" میں نے کہا۔ "اندر ڈیوٹی بدل رہی ہے اور اسے بیٹھنا محال ہو رہا ہے۔"

اس نے غصیلے لہجے میں ڈیوٹی بدلنے والوں کو ایک ثقیل گالی دی اور اخبار سیٹ پر ڈال کر نیچے اُتر آیا۔ "کہاں جانا ہے؟ مجھے بتاؤ میں ایک منٹ میں پرچی لے کر آتا ہوں۔"

اس اثنا میں، میں اگنیشن میں لگی ہوئی چابی دیکھ چکا تھا اور میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر ڈرائیور نے چابی ساتھ لے جانے کی کوشش کی تو میں اس سے چابی چھین لوں گا۔ لیکن وہ بیچارا خدمتِ خلق کا مارا، میری زبان سے عزیز آباد کا نام سنتے ہی چابی چھوڑ چھاڑ کر تیر کی طرح عمارت کے داخلی دروازے کی طرف ہو لیا۔

سلطان شاہ لپک کر دوسری نشست پر جا بیٹھا اور میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ ایمبولینس کا انجن خفیف سی ہچکی لے کر بیدار ہوا اور میں گاڑی برق رفتاری سے احاطے سے باہر نکال لایا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں دوسری گاڑی میں ہمیں پکڑنے کی کوشش نہ کی جائے لہٰذا سائرن آن نہیں کیا تھا اور تیزی کے ساتھ پیچ در پیچ گلیوں میں گھستا چلا گیا۔ جب چند منٹ بعد بھی عقب نما شیشے میں میدان صاف نظر آ رہا تو میں ایمبولینس بڑی سڑک پر نکال لایا۔

اگلا مسئلہ خاصا گمبیر تھا کہ ایمبولینس سے کہاں جان چھڑائی جائے اسے جہاں بھی روکتا، سلطان شاہ ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن جاتا کہ ایمبولینس سر راہ چھوڑ کر مریض کے لیے سواری کی تلاش کیوں کی جارہی ہے اور سلطان شاہ بھی اس وقت بیکار ثابت ہوا، میری تشویش سے آگاہ ہوتے ہی اس نے پٹیاں کھول ڈالیں مگر اسی اثنا میں مجھے ایک بہتر تجویز سوجھ گئی، میں نے ایمبولینس جناح اسپتال کے راستے پر ڈال دی۔

ہسپتال کے احاطے میں داخل ہو کر میں نے ایمبولینس عمارت کے عقب میں ایکسرے کے شعبے کے قریب چھوڑ دی اور سلطان شاہ سمیت عمارت سے گزر کر سامنے نکل آیا۔

ہسپتال میں بھانت بھانت کے مریضوں کا ہجوم تھا جو سلطان شاہ سے کہیں زیادہ ابتر حالت میں تھے لہٰذا کسی نے بھی ہم پر توجہ نہیں دی۔ سیڑھیاں اُترتے ہی مریضوں سے خالی ہونے والی ایک ٹیکسی مل گئی اور میں نے ڈرائیور کو بلا تامل کرنل زوار زیدی کے مکان کا پتا بتا دیا۔

پھاٹک عزالہ کے باپ نے خود ہی کھولا تھا۔

اپنے دروازے پر مجھے ٹیکسی ڈرائیور کو ادائیگی کرتے دیکھ وہ حیران رہ گیا۔ "ارے۔ تم ٹیکسی سے آئے ہو، گاڑی کیا ہوئی تمہاری؟"

"ایک حادثے میں تباہ ہو گئی، یہ اسی سے زخمی ہوا تھا۔" میں نے بل ادا کر کے جلدی سے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"مگر دوسری کار بھی تو تھی تمہارے پاس؟" اس نے جیوا ہاؤز والی کار کے حوالے سے دریافت کیا۔ اس کے نزدیک ایک کار کی تباہی اور اس حادثے میں سلطان شاہ کے زخمی ہونے سے زیادہ قابلِ تشویش یہ امر تھا کہ میں ٹیکسی میں وہاں پہنچا تھا۔

"وہ چوری ہو گئی۔" میں نے اس سے پیچھا چھڑانے کی نیت سے کہا۔

"اوہو!" وہ پھاٹک بند کرتے کرتے حیرت سے اُچھل پڑا۔ "کار چوری ہو گئی اور تم اس قدر مطمئن ہو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس کی بازیابی کے لیے کیا کیا تم نے؟"

"گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی کار انشورڈ تھی۔ دس پندرہ دن میں نہ ملی تو انشورنس کمپنی سے پوری کلیم کی رقم مل جائے گی۔ فی الحال مجھے پورے سکون اور تخلیے کی ضرورت ہے۔" میں نے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور وہ سر کو جنبش دے کر رہ گیا۔

"یہ تو وہی نوکر ہے نا تمہارا جو تمہارے اور عزالہ کے ساتھ لاہور گیا تھا۔" خاموشی کے ساتھ چلتے چلتے سلطان شاہ کو پہچان کر وہ پھر بول پڑا۔

"نوکر نہیں یہ میرا دستِ راست ہے کرنل صاحب!"
میں نے اس کے توہین آمیز تبصرے پر اپنا غصہ برداشت کرتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔ "بلکہ آپ اسے دوست بھی سمجھ سکتے ہیں میرا۔"

"ہاں.... آں.... ایک ہی بات ہے۔" وہ میرے لہجے کی چبھن محسوس کیے بغیر منہ بنا کر بولا۔ "اب وہ نوابی زمانہ لد گیا تنویر میاں! جب نوکروں کو مصاحب، درباری اور رتن کہا جاتا تھا۔ آج کل یہ سب نہیں چلتا۔" غنیمت یہ ہوا کہ پھر اس نے چونک کر خود ہی موضوع بدل دیا۔ "ارے آج اتنی صبح کیسے اِدھر آ نکلے؟"

"کچھ مسائل میں اُلجھ گیا ہوں۔" میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے نرمی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ دو چار روز کے لیے آپ ہی کے گھر ڈیرا ڈالنا پڑ جائے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ شوق سے رہو، تمہارے لیے کامران کا کمرہ ٹھیک کرائے دیتا ہوں، یہ سرونٹ کوارٹر میں رہ لے گا۔ وہاں سے ذرا کاٹھ کباڑ ہٹانا ہوگا۔"

میں اندر ہی اندر کھول کر رہ گیا۔ کرنل زوار زیدی انگریزوں کے زمانے کا تربیت یافتہ افسر تھا اور کسی بھی قیمت پر طبقاتی امتیاز کو فراموش کرنے کے لیے تیار نہیں تھا یا شاید وہ فرق اس کے لاشعور سے چپک کر رہ گیا تھا۔ میری بار بار کی وضاحت کے باوجود وہ سلطان شاہ کو میرے برابر کی حیثیت میں قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ دو چار روز کے قیام میں کرنل سلطان شاہ کو اپنے رویے سے اتنا مشتعل نہ کر دے کہ وہ بدتمیزی پر اُتر آئے۔

لیکن سلطان شاہ بہت سمجھدار آدمی تھا۔ اس نے میرے چہرے پر شدید قسم کی ناگواری کے اثرات بھانپ لیے تھے اور بات سنبھالنے کے لیے فوراً ہی دخل دے بیٹھا۔ "کوئی فرق نہیں پڑتا، سرونٹ کوارٹر کی صفائی میں دقت ہوئی تو میں باہر ہی کوئی ٹھکانہ بنا لوں گا۔ تم دونوں میری فکر نہ کرو۔"

شاید میں خود بھی غزالہ کے گھر میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ اندر نہ ٹھہراتا لیکن کرنل جس طرح بار بار سلطان شاہ کو اس کی حیثیت جتا رہا تھا، وہ انداز مجھے گراں گزر رہا تھا۔ اس نے خود زبان کھولی تو میں لاتعلقانہ انداز میں صوفے میں گر گیا۔

اسی وقت غزالہ بھی ڈرائنگ روم میں آ پہنچی اور مجھے سلطان شاہ کے ہمراہ براجمان دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اسے دیکھتے ہی کرنل زوار زیدی خاموشی کے ساتھ اندر چلا گیا۔

"لمبی کہانی ہے، آرام سے سناؤں گا۔" اس کے چہرے پر تحیر کی جھلکیاں تیرتی دیکھ کر میں نے جلدی سے کہا۔ "پہلے ہمارے لیے ناشتے کا بندوبست کراؤ۔"

وہ کچھ کہے بغیر مسکراتی ہوئی واپس لوٹ گئی۔

میں سلطان شاہ کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے راہداری میں رکھے ہوئے فون کی طرف بڑھ گیا۔ اس وقت میری رسٹ واچ صبح کے سوا نو بجا رہی تھی جب کہ پلاسٹک فیکٹری میں ساڑھے آٹھ سے کام شروع ہو جاتا تھا۔

"سر صبح سویرے فیکٹری کھلنے سے پہلے کوئی توقیر صاحب آپ سے ملنے آئے تھے۔" میری آواز پہچانتے ہی سیکریٹری نے بتایا۔ "ہم لوگوں کے آنے تک وہ باہر ہی گاڑی میں بیٹھے رہے، پھر پندرہ بیس منٹ اندر بھی انتظار کیا۔ جاتے ہوئے پیغام چھوڑا ہے کہ آپ پہلی فرصت میں ان سے مل لیں۔"

"توقیر صاحب!" میں نے پُرخیال لہجے میں دُہرایا۔ "حلیہ کیا تھا ان کا؟"

جواب میں اس نے جو حلیہ بتایا وہ سو فیصدی توقیر ہی پر صادق آتا تھا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے کس بوتے پر اس دیدہ دلیری کا مظاہرہ کیا تھا؟

"سر وہ عجلت میں اپنا بریف کیس بھی بھول گئے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "اس کا کیا کیا جائے؟"

"بریف کیس!" میرے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی اور دورانِ خون یک بیک تیز ہو گیا۔ "اسے ہاتھ تو نہیں لگایا کسی نے؟"

"یس.... یس سر!" میرے وحشت زدہ لہجے پر وہ بوکھلا گئی۔ "میں نے اسے اپنے پاس رکھ لیا ہے.... لل.... لیکن اسے کھولنے کی کوشش نہیں کی۔"

"لائن مین صاحب کو دے دو اور اپنا کمرہ فوراً چھوڑ دو۔" میری آواز ہیجان آمیز ہو گئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ توقیر نے وہ بریف کیس وہاں دیدہ دانستہ چھوڑا ہوگا۔ بریف کیس کے معاملے میں تنظیم کی ہولناک تکنیک سے میں ذاتی طور پر واقف تھا۔ خود میری تحویل میں ایک ایسا بارودی بریف کیس رہ چکا تھا، جسے کھولنے میں ذرا سی بے احتیاطی بربادی کا سبب بن سکتی تھی۔

لائن مین میرا قابلِ اعتماد ادھیڑ عمر کلرک تھا۔ لائن پر اس کی فوراً تشویش زدہ آواز ابھری تھی۔ "السلام علیکم سر! آپ خیریت سے تو ہیں نا؟"

"میں خیریت سے ہوں، تھوڑی دیر پہلے ایک ملاقاتی کوئی بریف کیس بھول گیا ہے۔ ذرا احتیاط سے اس سے کان لگا کر دیکھو کہ کوئی آواز تو نہیں آ رہی؟ اسے کھولنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔"

"ہاں، اس میں سے ٹِک ٹِک کی بہت مدھم سی آواز آ رہی ہے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس کی کانپتی ہوئی آواز ریسیور پر ابھری۔ "اور.... اور شاید آج کے اخبار میں....."

"ہاں ہاں؟" میں نے اضطرار کے عالم میں اس کی بات کاٹ دی۔ "میرا گھر جلا دیا گیا ہے، کوئی دشمن پیچھے لگ گیا ہے اور میں نے روپوشی اختیار کر لی ہے.... اس بریف کیس میں یقیناً طاقتور ٹائم بم ہے۔ اسے ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر کسی ویرانے میں ڈلوا دو۔" میں نے اس کا جواب سُنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں چند ثانیوں تک سکتے کے عالم میں وہیں کھڑا رہا، میرے بدن کے سارے مساموں سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ مکان کو جلا کر راکھ کر دینے کے بعد توقیر نے اپنی دانست میں فیکٹری کی تباہی کا سامان بھی کر دیا تھا۔ پلاسٹک فیکٹری میں خام مال کے سارے ذخائر ایسے مادّوں پر مشتمل تھے جو تیزی سے آگ پکڑتے ہیں۔ اگر وہ طاقتور بریف کیس بم عمارت میں پھٹ جاتا تو چشم زدن میں آگ ملتہب کر دوں، گودام اور فیکٹری میں پھیل جاتی اور متعدد افسران اور کارکن سمجھنے سے پہلے ہولناک آگ اور زہریلے دھوئیں میں گھر کر اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔ توقیر میرے اندازوں سے کہیں زیادہ سرد مزاج اور سنگدل ثابت ہو رہا تھا۔ میں نے جہانگیر کے گھر فون کیا تو محتاط رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ توقیر اے ٹو کے رُوپ میں اس کے سامنے آ چکا تھا۔ اسے میرے اور جہانگیر کے قریبی مراسم کا پوری طرح علم تھا اور وہ جہانگیر کے علم میں لائے بغیر کسی بھی شبدے کے ذریعے اس کا فون ٹیپ کر سکتا تھا۔

دوسری گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا، میری آواز پہچانتے ہی جہانگیر ہذیانی کیفیت میں پھٹ پڑا۔ "تصادم کا راستہ اختیار کر کے تم نے تباہی کو دعوت دی ہے ڈیبی! اب بھی کچھ نہیں بگڑا سامنے آ کر ہتھیار ڈال دو۔"

"میں برسوں سے کان دبائے کام کرتا چلا آ رہا تھا، مجھے تو تصادم کی راہ پر دھکیلا گیا ہے اور اب میں بھی تنظیم کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے پر تل گیا ہوں۔ اے ٹو کو تم جلد ہی میری ٹھوکروں میں سسکتا دیکھو گے۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے محفوظ رابطے کے بارے میں کس طرح دریافت کروں کہ اے ٹو کو بھنک بھی نہ مل سکے۔

"تم کتے کی موت مار دیے جاؤ گے ڈیبی!" اس کی آواز فرطِ خوف سے واضح طور پر لرز رہی تھی۔ "پورے شہر میں تمہاری تلاش جاری ہے، مکان جلا دیا گیا، فیکٹری بھی تباہ ہو چکی ہو گی، بھرپور تنظیم کے سامنے تم زیادہ دن نہیں ٹِک سکو گے، کوڑی کوڑی سے محتاج ہونے کے بعد ایک دن کسی پاگل کی طرح موت کو پکارتے خود سڑکوں پر نکل آؤ گے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میں نے تمہارے بزدل اور پردہ نشین اے ٹو کو سامنے آنے پر مجبور کر دیا ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "آج تک وہ اپنے محکوموں کے ذریعے دشمنوں کا شکار کیا کرتا تھا۔ لیکن میرا مقابلہ وہ خود کر رہا ہے۔ مہمان بن کر میزبان کے مکان کو آگ لگانا دلیری نہیں بزدلی ہے۔ اس نے فیکٹری میں جو بریف کیس چھوڑا تھا وہ کسی ویرانے ہی میں پھٹ سکے گا اور وہ اس اطراف میں بھی نہ پھٹک سکے گا۔ میں نے پورا حفاظتی بندوبست کر لیا ہے۔"

"آج شام سات بجے کے بعد مجھے فون نہ کرنا، میں بیوی کو گھر لا رہا ہوں، یہ ہرگز نہیں چاہوں گا کہ ان قصّوں کی بھنک اس کے کان میں بھی پڑے۔" تھوڑے سے توقف کے بعد اس کی ترش آواز سُنائی دی اور اس کی عقلمندی پر میرا دل خوش ہو گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کی بیوی سلمیٰ پچھلے تین دن سے کراچی میں موجود اپنے کسی اکلوتے رشتے دار کے گھر ٹھہری ہوئی تھی۔ گویا گھر پر مجھے کبھی رجوع کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی لیکن اپنی طرف سلمیٰ کے جھکاؤ اور اس سے نوک جھونک کے باعث مجھے وہاں کا فون نمبر بھی معلوم تھا۔ جہانگیر نے مجھے جتا دیا تھا کہ شام کو وہ اپنی بیوی کو لینے جائے گا اگر میں چاہوں تو اس سے بے خوف و خطر اس جگہ بات کر سکتا ہوں۔

"کم از کم اتنا تو بتا ہی دو کہ میرے گھر کو آگ لگانے کے بعد اب وہ کہاں مقیم ہے؟" میں نے گفتگو کو قدرتی رنگ دینے کے لیے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"ان باتوں کو بھول جاؤ ڈیبی! تم اب دوستوں کی صف میں سے نکل کر دشمنوں میں مل گئے ہو، یہ یاد رکھنا کہ اب میں خود بھی تمہاری جستجو میں ہوں، اگر تم راہِ راست پر نہ آئے تو پرانی رفاقت کے حوالے سے مجھے تمہارے انجام پر دُکھ ہو گا۔"

"زیادہ دُکھ ہو تو درویشی مرہم لگا لیا کرنا، بادی کے مارے ہوئی تکلیف میں بھی اکسیر کا حکم رکھتا ہے ملے ٹو کو بھی خاصا افاقہ ہو گا۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا اور دوسری طرف سے جلتے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا گیا۔

پھر میں نے دوبارہ فیکٹری کا نمبر ملایا تو لیڈی سیکریٹری کی آواز سے سراسیمگی ٹپک رہی تھی۔ میری ہدایت پر اس نے لائن فوراً ہی متین کو منتقل کر دی۔

"وہ بریف کیس میں نے بھجوا دیا ہے سر" وہ فوراً ہی بولنے لگا۔ "ہاکس بے کے راستے میں بہت بڑا ویرانہ ہے.... فیکٹری سے وہی جگہ قریب ترین تھی۔ صبح جلے ہوئے مکان کی تصویر دیکھ کر مجھے محض شبہہ ہوا تھا لیکن آپ کی تائید نے سب کو فکر کر دیا ہے۔ آخر وہ کون ہے جو آپ کی جان کے ساتھ مال کا بھی دشمن ہو رہا ہے؟"

"کوئی سامنے آئے تو بتا بھی چلے متین صاحب! میں

نے کہا: "بظاہر کوئی بلیک میلر ہے۔ تین دن قبل فون کر کے چھ لاکھ روپے طلب کیے تھے جس کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میرے انکار پر اس نے بس اسی قدر کہا تھا کہ دو روز میں مطلوبہ رقم فراہم نہ کی گئی تو گھر سے کاروبار تک ہر طرف بربادی ہی بربادی نظر آئے گی۔"

"لیکن اخبار میں تو کسی قاتل اور اسمگلر کے حوالے سے خبر شائع ہوئی ہے سر!" اس کا لہجہ تحیر آمیز تھا۔

"فی الحال میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔ تم میری جانب سے پولیس میں رپورٹ درج کرا دو موقع ملنے پر میں اعلیٰ حکام سے خود مل لوں گا۔ ہو سکے تو فیکٹری پر پولیس کے مسلح گارڈ لگوا لو لیکن رپورٹ میں بریف کیس کا ذکر نہ کرنا۔"

"بریف کیس کا معاملہ تو میری ذات تک محدود ہے لیکن جہاں وہ پھینکا جائے گا، وہاں اگر کوئی شدید دھماکا ہوا تو فیکٹری میں بات ضرور پھیلے گی۔ ویسے بھی لوگ بریف کیس کو یوں پھینکو لئے جانے پر چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔"

"پھر یہ قصہ بھی بتا دینا اس طرح پولیس گارڈ آسانی سے مل جائے گی۔ فیکٹری میں اپنے چوکیداروں کی تعداد بھی بڑھا دو کوئی بھی مشکوک آدمی نظر آئے تو بے دریغ گولی چلا دیں۔ اور ہاں! توقیر کا نام بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں، میں سب معاملات سنبھال لوں گا لیکن ضرورت پڑنے پر آپ سے کہاں رابطہ ہو سکے گا؟"

"میں شہر ہی میں ہوں لیکن ٹھکانے بدلتا رہوں گا۔ تم فکر نہ کرو، میں خود ہی روزانہ بات کر لیا کروں گا۔" یہ کہہ کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

ریسیور رکھ کر مڑا تو غزالہ ناشتے کی ٹرالی لیے راہداری ہی میں کھڑی شاید میری گفتگو سنتی رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ سنجیدگی اور تشویش کے سائے لرزاں تھے۔

"مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی بڑی گڑبڑ ہے ورنہ آپ ہمارے گھر کا رخ ہرگز نہیں کرتے۔"

"فوری طور پر یہی ایک محفوظ ٹھکانا سجھائی دیا تھا شہر میں، بس آنکھیں بند کر کے اِدھر ہو لیا۔" میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ وہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی میرے ساتھ چل رہی تھی۔

"یہ بلیک میلر کا چکر کہاں سے آ گیا؟" اس نے سوال کیا۔

"مفروضہ قصہ ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "کل رات توقیر کھل کر سامنے آ گیا، وہ خود ہی لے ڈوبے۔" ناشتے کے دوران میں نے اسے اختصار کے ساتھ پورے واقعات سے آگاہ کر دیا۔

"اوہ تو وہ اخبار میں آپ ہی کے مکان کی خبر شائع ہوئی ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے ہنستے ہوئے اعتراف کیا۔ "وہ تو غنیمت ہے کہ کرنل صاحب نے میرا گھر نہیں دیکھا تھا ورنہ وہ اس قدر سوالات کرتے کہ میرے ہاتھ پاؤں پھول جاتے۔"

"انھیں نہیں بتایا آپ نے؟"

"تم بھی ذکر نہ کرنا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ میرے بارے میں ان کی رائے خراب ہو جائے۔"

"اب میرا باہر نکلنا خطرناک ثابت ہوگا، آپ بھی بظاہر گھر چکے ہیں پھر اب کیا حکمتِ عملی اختیار کریں گے؟"

"میرے سامنے دو کام سب سے اہم ہیں۔" میں نے چائے کی پیالی خالی کرتے ہوئے کہا۔ "سب سے پہلے پولیس کے کسی اعلیٰ عہدیدار سے مل کر اپنی پوزیشن کی وضاحت کرنی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ روپوشی میں پولیس بھی میرے وارنٹ جاری کرا دے۔ اس کے بعد جہانگیر سے ملنا ہوگا۔"

"اس قصے کو یہیں دفن کیوں نہیں کر دیتے؟"

"توقیر مجھے زندہ دفن کر دے گا، کسی باغی کو زندہ چھوڑنا اس کی سرشت کے خلاف ہے۔"

"آپ کو پورا یقین ہے کہ آپ کے گھر ٹھہرنے والا آپ کا سوتیلا بھائی تھا؟"

"رمضان چاچا کے حوالے سے اور کون آ سکتا ہے؟ اسے یہ کیسے معلوم ہوا کہ لاہور کے پرانے محلے میں میری رمضان چاچا سے ملاقات ہوئی تھی۔ ابھی تک تو میں ساری مہم منشیات فروشی کے خلاف چلا رہا تھا مگر اب اس میں ذاتی عنصر بھی شامل ہو گیا ہے۔ سوتیلے بھائیوں نے مجھے جیتے جی مٹا دینے کی ہر ممکن کوشش کر لی تھی لیکن میں اپنے ہاتھوں اپنا مستقبل بنانے میں کامیاب ہو گیا تو اب وہ کیوں میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔"

"اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ تم اتفاقاً ان کے لیے کام کرتے رہے تھے یا انھوں نے دانستہ تمھیں اپنا شکار بنایا تھا۔" سلطان شاہ نے پہلی بار زبان کھولی۔ "اگر دوسری بات درست ہے تو تم سے قطع تعلق کرنے کے باوجود انھوں نے تم پر کڑی نگاہ رکھی تھی۔ مجھے تو یہ اپنے ہی قبائل کا قصہ نظر آتا ہے۔ پہاڑوں کے چپے چپے پر تمھیں انتقام کی کہانیاں بکھری ہوئی ملیں گی۔ انتقام بہت عجیب اور حیوانی جذبہ ہے جس طرح شیر مرے ہوئے جانور پر منہ نہیں ڈالتا بلکہ زندہ شکار کو زیر کرتا ہے اسی طرح بہتیرے انسانوں میں یہ حیوانی جذبہ ہوتا ہے۔ انہیں کمزور دشمن سے انتقام لینے میں مزا نہیں آتا۔ وہ برسوں اس کے پنپنے پھلنے پھولنے کا انتظار کرتے ہیں۔ بعض اوقات تو خود اسے

سہارا دے کر یہ بوستان چڑھاتے ہیں اور جب طاقت اور خوشحالی کے نشے میں وہ سرشار ہوتا ہے تو گھات لگا کر اس کا قصہ تمام کر دیتے ہیں۔"

"نہیں سلطان شاہ۔ بیسویں صدی کا انسان ایسا درندہ نہیں ہو سکتا۔" غزالہ بھیوڑی نے کربے اعتباری کے ساتھ بولی۔ "جس ماحول میں انتقام اس حد تک رچ بس جائے وہاں انسان رہ ہی نہیں سکتا۔ دہشت سے گھٹ کر مر جائے گا۔"

"میں نے اپنی آنکھوں سے یہ کھیل دیکھے ہیں بی بی جی۔" وہ عارفانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اکبر زئی اور نواخیل کے دو خاندانوں میں برسوں پرانی دشمنی تھی۔ آخری خون اکبر زئی کے ایک نوجوان کا ہوا تھا۔ وہ لوگ گھات میں رہے اور نواخیل والے کسی وبائی زد میں آکر ایک ایک کرکے مرتے چلے گئے۔ اس گھرانے میں ایک نو سال کا بچہ ہی باقی بچ سکا۔ اکبر خیل والے کھلے بندوں کہتے پھرتے تھے کہ وہ اس یتیم ولاوارث کو اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک اس کی چار دیواری میں اس کی لاش پر نوحہ اور بین کرنے والیاں آباد نہ ہو جائیں۔ انہوں نے پورے تیس برس انتظار کیا بی بی جی! اور تیس برس بعد جب وہ دو بیویوں کا شوہر اور آٹھ بچوں کا باپ ہو چکا تھا تو انہوں نے اپنے دشمن کو گھوڑی سے نیچے گرا کر چٹانوں میں ذبح کر دیا...... کہانی نہیں، یہ ابھی تین چار برس کا قصہ ہے۔"

"بے شک ایسا ہوا ہوگا۔" میں نے کہا۔ "لیکن مجھ سے اب وہ کس بات کا انتقام لینا چاہتے ہیں... میرے باپ نے کوئی جاگیر تو نہیں چھوڑی تھی جو میں نے ہتھیا لی ہو۔"

پھر کرنل زدار زیدی کے آجانے سے گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہو گیا اور ہم تینوں وہاں سے اٹھ گئے۔

"کہاں جا رہے ہو؟" کرنل زیدی نے ملاقات کے [illegible] میرے شانے پر ہاتھ مار کر سوال کیا۔

"سرونٹ کوارٹر صاف کرائیں گے۔" میں نے خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "یہ زخمی ہے، اسے آرام کی ضرورت ہے۔"

وہ مجھے شانے پر ہاتھ رکھے ایک گوشے میں لیتا چلا گیا پھر میرے کان میں رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "دیکھو! انسانوں اور اپنے خدمت گاروں کے لیے دل میں ہمدردانہ جذبات رکھنا بہت اچھی بات ہے لیکن اس کا بے جا اظہار ڈسپلن کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے، ملازم سرکشی بھی اختیار کر سکتے ہیں۔"

"میرے پاس نہ ملازموں کی بٹالین ہے کرنل صاحب! اور نہ میں کوئی کمان دار ہوں۔ ملازم، نوکر، غلام، دوست یا ہمدرد جو بھی کہہ لیں، بس یہی ایک ہے میرے ساتھ، سرکش ہوتا ہے تو ہو جائے۔ میں اس کے نخرے بھی اٹھا لوں گا۔" میں نے اس کی حاکمانہ ذہنیت سے بیزار ہو کے کہا۔

"خیر! یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے، میں اس میں دخل نہیں دیتا۔" اس نے میرے تیور بھانپ کر فوراً ہی پسپائی اختیار کرلی۔ "لیکن یہ بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے؟ مجھے دال میں کچھ کالا نظر آرہا ہے۔"

"ایک پرانی دشمنی رنگ دکھا رہی ہے، آپ فکر نہ کریں، دو چار دن میں سب ٹھیک کرلوں گا۔"

"کون ہے تمہارا دشمن؟ مجھے بتاؤ، میں اس کا خون پی جاؤں گا۔" وہ ایک دم غصے میں آگیا۔

"ابھی تک وہ سامنے نہیں آیا۔ بس قیاس ہی ہے۔ یقین ہوتے ہی آپ سے مشورہ ضرور کروں گا، اکیلا رہ کر تو میں کچھ بھی نہ کرسکوں گا۔" اس سے پیچھا چھڑانے کی نیت سے میں نے نرمی سے کہا اور فخر سے اس کا سینہ پھول گیا۔

آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر میں خود ہی چونک پڑا تھا۔ بال باریک ترشوانے کے بعد میں نے اپنے سیاہ بالوں کی رنگت بادامی کرنے کے لیے نائس این ایزی کلر شیمپو استعمال کیا جس نے میرے خدوخال ہی بدل کر رکھ دیے تھے پھر سنہرے فریم اور سفید شیشوں والی عینک لگانے کے بعد میں ذہن کے بجائے کسی غیر ملکی یونیورسٹی کا پروفیسر نظر آنے لگا تھا۔ لیکن میرا وہ حلیہ بھی کوتوالی کے دروازے پر کھڑے ہوئے بندوق بردار سنتری کو متاثر نہ کرسکا۔ اس نے خاصے کرخت لہجے میں مجھے سیڑھیوں پر ہی روک لیا۔

"کس سے ملنا ہے تمہیں؟" اس نے مشکوک نگاہوں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"ایس پی صاحب سے ملنا ہے۔" میں نے متانت کے ساتھ جواب دیا۔

"کس کی چھٹی لائے ہو؟" اس نے تھوڑا سا سنبھالا لے کر لہجہ [illegible] نرم کرلیا۔ شاید سفارشیوں کا خوف خاصے تجربے کے بعد [illegible] کے مزاج میں شامل ہوا تھا۔

"[illegible] کی نہیں۔" میں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "آخر [illegible] مجھے ہی کیوں روک کر کھڑے ہو گئے، اور لوگ بھی تو بلا روک [illegible] اندر جا رہے ہیں؟"

"ہم یہاں ہر ایک کی نہیں مشکوک آدمیوں کی دیکھ بھال کے لیے کھڑے کیے گئے ہیں، آج کل شہر میں دہشت گرد آئے ہوئے ہیں، تم ان کے ساتھی تو نہیں ہو؟"

"یہ ایس پی صاحب ہی بتا سکیں گے۔ میں ان کا دوست ہوں۔" بازپرس کو طوالت اختیار کرتے دیکھ کر مجھے مجبوراً جھوٹ کا سہارا لینا پڑا اور میرا حربہ کام کر گیا۔

اس نے ایڑیاں بجائے بغیر پھرتی سے دونوں پاؤں ملا کر مجھے سیلوٹ مارا پھر مسکراتے ہوئے بولا: "ایسا تھا تو پہلے ہی بتانا تھا نا صاحب جی! اندر جا کر سیدھے ہاتھ مڑ جائیں وہیں صاحب کا دفتر ہے۔"

خاصے انتظار کے بعد ایس پی کے دفتر میں باریابی کی اجازت مل سکی۔ مسئلہ صرف اتنا تھا کہ میں نے باہر والوں کو اپنی ملاقات کا مقصد بتانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ لیکن اندر نسبتاً جواں سال پولیس افسر کے پُرتپاک رویّے سے دوچار ہوتے ہی انتظار کی ساری کوفت زائل ہو گئی۔

"میں سوسائٹی کے علاقے میں ہونے والی پولیس ریڈ کے سلسلے میں حاضر ہوا تھا۔" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہی مطلب کی بات چھیڑ دی۔

"آپ کا نام پتا؟" اس نے فوراً ہی پیڈ اپنے آگے سرکا کر قلم سنبھال لیا اور میں نے بلا تامل مطلوبہ کوائف دُہرا دیے۔

"اوہ، تو اس مکان میں آپ ہی رہتے ہیں؟" اس نے پتا سنتے ہی ہونٹ سکوڑ کر کہا اور مجھے خوشی ہوئی کہ پولیس کے اعلیٰ افسران شہر میں ہونے والی اہم وارداتوں کے بارے میں بعض باتیں زبانی بھی یاد رکھتے ہیں۔

"جی ہاں۔ وہ مکان میری ہی ملکیت ہے۔" میں نے دیکھا کہ اس نے میرے بولنے سے قبل ہی میز پر رکھے ہوئے ڈکٹا فون کا سوئچ آن کر دیا تھا مگر میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ "شہر میں میری ایک پلاسٹک فیکٹری ہے جسے میں نے برسوں کی محنت کے بعد کسی مقام پر پہنچایا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ اس ساری مدت میں کسی سے میری چپقلش ہوئی ہو لیکن تین دن قبل میری حیرانی کی انتہا نہ رہی جب کسی نامعلوم آدمی نے مجھے گھر پر فون کر کے چھ لاکھ روپے کا مطالبہ کیا۔ میرے انکار پر اس نے دھمکی دی تھی کہ دو دن میں مطلوبہ رقم فراہم نہ کی گئی تو میرا مکان اور کاروبار تباہ کر دیا جائے گا۔ میں نے اس کال کو کوئی اہمیت نہیں دی لیکن کل میری عدم موجودگی میں میرے مکان پر ایک خونیں ڈراما ہوا جس میں نہ صرف میرا سارا اثاثہ جل کر راکھ ہو گیا بلکہ میرا ایک پرانا خدمت گار بھی ہلاک ہو گیا۔ پھر آج صبح سویرے ایک نامعلوم ملاقاتی میری فیکٹری پہنچا اور تھوڑے سے انتظار کے بعد لمبا ہرا نیا بریف کیس بھول کر واپس چلا گیا۔ بعد میں عملے نے توجہ دی تو بریف کیس سے کسی گھڑی کی آواز سنائی دے رہی تھی، ٹائم بم کا خطرہ محسوس کرتے ہی وہ بریف کیس ماری پور روڈ کے قریب پھنکوا دیا گیا۔ میری کل رات سے حالت ابتر تھی اور میں خوفزدہ تھا۔ میں نے اپنے آدمیوں کو پولیس سے رجوع کرنے کی ہدایت کر دی تھی لیکن خود شہر میں چھپتا پھر رہا تھا۔ میرا دشمن نادیدہ ہے وہ جب پولیس کو مدعو کر کے میرے مکان کو خاکستر میں تبدیل کر سکتا ہے تو مجھے ٹھکانے لگانا اس کے لیے بہت آسان ہو گا۔"

"وہ شاید آپ کو نقصان نہ پہنچائے۔" وہ بغور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ کا زندہ رہنا اس کے لیے سود مند ہو گا۔ اسے رقم درکار ہے جو وہ آپ کو خوفزدہ کر کے وصول کرنا چاہتا ہے۔ بریف کیس دس بج کر دو منٹ پر ماری پور کے ویرانے میں ایک دھماکے سے پھٹ گیا تھا۔ فوجی ماہرین اس کے ٹکڑوں کا تجزیہ کر رہے ہیں۔ دھماکہ بے حد طاقتور تھا اور خیال ہے کہ اس میں آتشگیر مادّہ بھرا ہوا تھا۔ ویرانے کے بجائے وہ بم فیکٹری میں پھٹا ہوتا تو آگ پر قابو پانا دشوار ہو جاتا۔"

"اوہ خدا!" میں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"اتنی آسانی سے سمجھ میں نہیں آئے گا۔" ایس پی کا بدلا ہوا طنزیہ لہجہ سن کر میں چونک پڑا۔ "یہ بتاؤ کہ اپنے سر کے بالوں کا رنگ کب تبدیل کیا ہے؟" مجھے حیرت تھی کہ بالوں کے رنگ کی تبدیلی کا اندازہ اس نے کیسے لگا لیا۔

"آج صبح۔" میں نے حیرت اور بے چارگی کے ساتھ کہا۔ "یہ عینک بھی صبح ہی خریدی ہے تاکہ وہ پہلی نظر میں مجھے نہ پہچان سکے ورنہ میں تو شہر کی بھری پُری سڑکوں پر بھی خود کو تنہا محسوس کر رہا ہوں۔"

"تمھاری فیکٹری کے کسی افسر نے تھانے میں رپورٹ درج کرائی تھی۔ اندراج کے بعد وہ واپس چلا گیا لیکن ماری پور میں دھماکے کے بعد وہ پولیس کی تحویل میں ہے کیونکہ تمھارے بارے میں وہ کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکا۔ تم روپوشی کے بجائے براہِ راست پولیس سے رجوع کرتے تو شاید خاصی دشواریوں سے بچ جاتے۔"

"دشواریاں؟" میں نے حیرت سے دُہرایا۔ "میں بتا رہا ہوں کہ میں رات سے حواس باختہ تھا، میں تو یہی فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ اب کہاں پناہ لوں، وہ کہیں بھی مجھ پر ہاتھ ڈال سکتا ہے۔"

"اسی لیے بالوں کو رنگتے ہوئے یہ بھول گئے کہ تمھارے ہاتھوں اور چہرے کے بالوں کے گہرے سیاہ رنگ میں کہیں بھی سُرخی کی جھلک نہیں ہے۔ ہمارے نقطۂ نظر سے تمھاری کہانی مضبوط ضرور ہے لیکن قابلِ قبول نہیں ہے۔ تمھارا مکان پورے اسباب سمیت بیمہ شدہ تھا۔ تمھارا تو ذرا بھی نقصان نہیں ہو گا۔ سارا بوجھ انشورنس کمپنی کو اٹھانا ہو گا۔"

"معاوضہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا جناب۔" میں نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "مکان کی بے شمار چیزوں سے مجھے جذباتی لگاؤ تھا، مجھ سے عافیت کا احساس چھن چکا ہے۔ اس ذہنی

عذاب کی قیمت کون چکا سکے گا؟"

"تفتیش سے سب کچھ سامنے آجائے گا۔" وہ پُرسکون لہجے میں بولا۔ "تمہارا موجودہ پتا کیا ہے؟"

"ابھی تو دربدر پھر رہا ہوں، شاید کسی ہوٹل میں پناہ لینی پڑے گی۔" میں نے دل ہی دل میں جل تو جلال تو کا ورد کرتے ہوئے کہا کیونکہ ایس پی سے ملنے کے بعد تو مسئلہ اور الجھتا نظر آرہا تھا۔

"تمہیں حراست میں لینے کے لیے فی الحال اتنا ہی کافی ہے کہ مکان کے ایک حصے سے شراب کی پڑی ہوئی بوتلوں کی خاصی تعداد ملی ہے۔" اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"بہتیرے گھروں میں امتناع کے باوجود پرائیویٹ بار موجود ہیں، میری بدنصیبی ہے کہ آگ مکان کے ساتھ ہی یہ بھرم بھی چاٹ گئی۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں اپنی اس خامی سے انکار نہیں کروں گا۔"

وہ میری طرف دیکھتے ہوئے کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر پُرخیال لہجے میں بولا۔ "تم معزز آدمی معلوم ہوتے ہو لیکن ابھی تفتیش ابتدائی مراحل میں ہے۔ میں تمہیں صرف اس شرط پر چھوڑ سکتا ہوں کہ شہر میں، فوراً اپنا ٹھکانا تلاش کرکے مجھے اپنے پتے سے آگاہ کرو اور پولیس سے اپنا رابطہ برقرار رکھو۔"

"میں ان ہدایات پر پوری طرح عمل کروں گا۔" گلوخلاصی کا امکان پیدا ہوتے ہی میں نے خلوصِ دل سے کہا اور اس نے مجھے اپنے اسٹینو کے کمرے میں بھیج دیا۔ میں ملحقہ کمرے میں پہنچا تو اسٹینو ریسیور کان سے لگائے شاید ایس پی سے میرے ہی بارے میں ہدایات لے رہا تھا۔ اندر میں جو کچھ کہتا رہا تھا وہ نوٹس کی صورت میں باہر قلمبند ہوتا رہا تھا۔ اسٹینو نے آڑی ترچھی لکیروں کو پڑھتے ہوئے مجھ سے مزید بہت سے سوالات کیے اور پھر ٹائپ رائٹر پر کاغذ چڑھا کر ٹائپنگ میں مصروف ہوگیا۔

بیان کی تیاری کے بعد شناخت کا مرحلہ آیا جو شناختی کارڈ اور کریڈٹ کارڈ نے حل کردیا اور یوں ڈیڑھ گھنٹے بعد مجھے وہاں سے واپسی کی اجازت مل گئی۔

باہر نکلتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ پولیس کے ملوث ہونے کی وجہ سے میرے لیے الجھنیں بڑھ گئی تھیں جنہیں نظرانداز کرکے میں پولیس کی مخاصمت مول لے سکتا تھا۔ اس سینئر پولیس افسر سے مل کر مجھے ایک ہی فائدہ ہوا تھا کہ بالوں کی رنگت میں تبدیلی کی ایک خامی سامنے آگئی تھی۔ قریب سے کوئی اور بھی محسوس کرسکتا تھا۔

کوتوالی سے نکل کر میں اپنی فیکٹری کے معاملات سے متعلق قانونی مشیر کی طرف ہولیا۔ اس سے میری خاصی بے تکلفی تھی لیکن وہ آواز سن کر بھی فوراً مجھے نہ پہچان سکا۔ رسمی گفتگو کے بعد میں نے من وعن وہی کہانی اس کے سامنے دُہرادی جو میں کوتوالی میں سُنا چکا تھا۔

"یہ تم نے بہت اچھا کیا کہ ایس پی سے مل لیے۔" میرے خاموش ہونے پر اس نے کہا۔ "معاملہ پیچیدہ ہے۔ اس میں تمہاری کم ازکم ایک حاضری ضروری تھی، بس اب تم مختارنامے پر دستخط کردو باقی معاملات میں خود دیکھ لوں گا۔ میرا ایک ساتھی ایسے ہی معاملات ہاتھ میں لیتا ہے۔"

"اور متین بے چارے کا کیا ہوگا؟"

"میرا واسطہ تو نہیں پڑا لیکن بار میں سُنا ہے کہ موجودہ ایس پی بہت معقول آدمی ہے ہوسکتا ہے کہ تمہارے کہنے ہی اس نے فون پر متعلقہ تھانے کو ہدایات جاری کردی ہوں۔"

"انشورنس کا قصہ بھی تم ہی کو نمٹانا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ تم فکر نہ کرو۔ میں کل ہی متین سے پالیسی منگوا کر دیکھ لوں گا، اسی کے مطابق سروے کرا کر کلیم داخل کردوں گا ہر چیز بھی بس رسمی سا ہوگا کیونکہ وہاں جلے ہوئے مکان کے ڈھانچے کے علاوہ بچا ہی کیا ہوگا۔ آگ لگنے کے بعد تم گئے تھے ادھر؟"

میں خوفزدہ انداز میں ہنس پڑا۔ "فطری ردِعمل تو یہی ہونا چاہیے تھا اور شاید نامعلوم بلیک میلر بھی وہاں میرا منتظر رہا ہو اسی خوف سے میں نے اُدھر کا رُخ نہیں کیا۔"

"تم کاروباری لوگ واقعی بہت ڈرپوک ہوتے ہو۔" اس نے قہقہہ مار کر کہا۔ "جرم کے مقابلے کے بجائے قیمت ادا کرنے کو تیار رہتے ہو اور شاید تم ہی لوگوں کی وجہ سے ملک میں رشوت کی وبا پھیل رہی ہے۔"

"یہ تو سراسر الزام ہے۔" میں نے احتجاج کیا۔

"الزام نہیں حقیقت ہے، سرکاری اہل کار من مانی قانونی تاویلیں نکال کر تمہیں بلیک میل کرتے ہیں اور تم بڑے نقصان کے ڈر سے انھیں چیلنج نہیں کرپاتے۔ ان کی مٹھی گرم کرکے کام نکال لیتے ہو، رفتہ رفتہ یہ ان کی عادت بن گئی ہے۔ اب تو شاید بیشتر اہلکار ان قانونی موشگافیوں کے حافظ ہوچکے ہیں جن کے سہارے تمہاری دُکھتی رگیں دبائی جاسکتی ہیں۔"

"یہ کسی ایک طبقے کا نہیں پورے معاشرے کا قصور ہے۔ صرف کاروباری طبقے کو تم الزام نہیں دے سکتے۔"

"اصل ملزم وہی ہے کیونکہ سرکار سے سب سے زیادہ تعلق اسی طبقے کا ہوتا ہے اور پھر معاشرہ آسمان سے تو نازل نہیں ہوتا یہی اور تم ہی معاشرے کے ارکان ہیں۔ جب حکومت کو سب سے زیادہ محاصل ادا کرنے والے طبقے ہی حق کے لیے لڑنے کے بجائے بُرائی کی پرورش کرنے لگیں گے تو کیا ہوگا؟ محکوم خود ہی بزدل ہوں تو حاکم ظالم سے ظالم تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔"

علم کی فصل ملال کی روزی سے کبھی سیراب نہیں ہوتی۔ کیونکہ
بی تنخواہ بڑھانے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ ہاں وہ دوسروں کی
جیبوں اور تجوریوں پہ ڈاکے ڈال سکتے ہیں اور تمہارے چاروں
طرف یہی ہو رہا ہے۔

وہ بے فکر اور آسودہ حال تھا لہٰذا اسے ٹھنڈے کمرے
میں بیٹھے ہوئے اصلاح معاشرہ کی تقریریں سوجھ رہی تھیں فلاحی
مملکت کے خواب آ رہے تھے اور میں موت کے سوداگروں کے
سربراہ ٹوکر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ بولتا رہا اور میں نیم دلی
کے ساتھ بحث میں حصہ لیتا رہا اور اس کی تقریر میں پہلا وقفہ آتے
ہی میں نے اس کا دفتر چھوڑ دیا۔

غزالہ کا گھر میرے لیے ایک بہتر اور محفوظ ٹھکانا تھا لیکن
وہاں رہنے میں کچھ الجھنوں کا اندیشہ بھی سر ابھارنے لگا تھا ایک
طرف اے ٹو میری راہ پر لگا ہوا تھا، دوسری طرف قاسم کی طرف سے
میں مطمئن نہیں تھا۔ وہ فطرت کے اعتبار سے لالچی اور خود غرض
ثابت ہوا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ وہ مجھے دھوکے میں رکھ کر پھنسانے
کی کوشش کرے گا تاکہ اے ٹو کی خوشنودی حاصل کر کے تنظیم
کے مقامی ڈھانچے میں میرا چھوڑا ہوا منصب حاصل کر سکے اور
یوں اے ٹو کے ساتھ رہتے ہوئے اپنے مال کی نکاسی کی راہ
بھی ہموار کر سکے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی ذات کے
سوا کسی کے وفادار نہیں ہوتے۔ اسے نہ مجھ سے کوئی ہمدردی
تھی نہ وہ اے ٹو کا خیر خواہ تھا لیکن قاسم کا اپنا مفاد اسی میں تھا کہ
وہ مجھے چھوڑ کر اے ٹو سے جا ملے۔ تیسرا مسئلہ پولیس کی صورت
میں سامنے آ گیا تھا۔ بظاہر میں نے خود کو پولیس کی پہنچ اور صبر آزما
کارروائیوں سے محفوظ کر لیا تھا لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ
کب میرا رُخ کر بیٹھیں۔

ایسی صورت میں میری وجہ سے غزالہ کا مکان ان میں سے
کسی کی بھی نگاہ میں آ سکتا تھا اور یوں غزالہ کے لیے خطرہ جنم
لے سکتا تھا کیونکہ میرے ساتھ تو قیصر پوری شدومد کے ساتھ
اس... لڑکی کی بھی تلاش میں تھا جو میرے ساتھ لاہور
گئی تھی۔ اپنے دفاع کے ساتھ غزالہ کا تحفظ شاید میرے لیے
دشوار تر ہو جاتا اور میں بری طرح اے ٹو کی گرفت میں آ جاتا
لہٰذا بہتر یہی تھا کہ میں فوری طور پر اپنا ٹھکانا تبدیل کر لیتا۔

اس معاملے میں شہر میں واقع مشہور ہوٹل میرے لیے
مخدوش ہو سکتے تھے لہٰذا میں نے ایئرپورٹ کے نواح میں
واقع ایک ہوٹل کو ترجیح دی اور اسی طرف روانہ ہو گیا۔

ہوٹل میں مفروضہ نام سے کمرہ حاصل کرنے کے بعد
میں نے وہیں سے غزالہ کو فون کیا تو وہ میرے بارے میں
تشویش میں مبتلا تھی۔

"سلطان شاہ باہر نکلنے کی فکر میں ہے۔" میری روداد سننے
کے بعد اس نے مجھے باخبر کیا۔ "اسے میں بمشکل گھر میں روک
سکی ہوں۔"

"باہر کیا کام ہے اسے؟" میں نے تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"وہ قاسم کی طرف سے بہت زیادہ بدظن ہے، کہتا ہے
کہ میں دلاور کو اس کے قبضے سے نکال لاؤں گا۔"

"عجیب احمق آدمی ہے۔ ہمیں کیا فائدہ ہوگا اس سے؟"
میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اس کی منطق ہی نرالی ہے کہ ہمیں فائدہ ہو یا نہ ہو قاسم
کو زبردست نقصان ہوگا اور اس کی منصوبہ بندی دھری رہ
جائے گی جو وہ اپنا مال بازار میں لانے کے لیے کر رہا ہے۔"

"اس سے کہو کہ فی الحال صبر کرے، جب تک اے ٹو شہر
میں ہے ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔ قاسم کے بارے میں ہمارے
ذہن میں صرف شبہات ہیں، جب تک وہ اپنے رویے سے ان
شبہات کی تصدیق نہ کر دے، ہمیں بلاوجہ نیا محاذ کھولنے سے گریز
کرنا چاہیے۔ اس دوران میں وہ جسمانی طور پر بھی سنبھل جائے گا۔"

غزالہ ہنس پڑی۔ "یہی تو سب سے بڑی خرابی ہے۔ وہ
اپنی تکلیف پر بری طرح جھنجلایا ہوا ہے... اس تذکرے پر ہی
بھڑک اٹھتا تھا اور کہہ رہا تھا کہ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"موقع ملا تو میں رات میں چکر لگاؤں گا... بولتا بہت
ہے لیکن میری ہدایت کے خلاف عمل نہیں کرے گا، اسے
بتا دینا کہ تمہاری مجھ سے بات ہو چکی ہے۔"

"ڈیڈی کامران کو دیکھنے کے لیے اسپتال جانا چاہ رہے
تھے لیکن میں نے انہیں روک دیا..."

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔" میں نے اس کی بات کاٹ
کر تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "حالات کا یہ رُخ میری نگاہوں
سے بالکل ہی اوجھل تھا، ہمیں کچھ دن کے لیے کامران سے
دور ہی رہنا ہوگا۔"

"کیوں؟" اس نے معصومانہ لہجے میں سوال کیا۔ "میں نے
تو ڈیڈی کو بس اضطراری طور پر ادھر جانے سے روک دیا
تھا۔ میرے ذہن میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔"

"یہی بات تو مجھے پسند ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"مجھے لگتا ہے تمہارے لاشعور میں کوئی طاقتور ریڈار لگا ہوا
ہے جو تمہیں آنے والی مشکلات سے خبردار کر دیتا ہے اور
تم شعوری طور پر کسی خطرے سے واقف ہوئے بغیر اس
مشکل کا توڑ کر لیتی ہو۔ شاید تمہیں یاد نہیں کہ کامران کو اکبر کی
علاج گاہ میں داخل کرانے سے پہلے میں سفارش کے لیے
ایڈکشن کیور سوسائٹی کے دفتر گیا تھا جہاں قاسم پہلے سے سوسائٹی

کے بانی، محسن کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا ہم دونوں نے ہی ایک دوسرے کو دیکھا تھا لیکن آپس میں بالکل انجان بن گئے تھے۔ اب اگر قاسم کو وہ ملاقات یاد آگئی تو وہ محسن سے مل کر باآسانی یہ معلوم کر لے گا کہ میں کسی مریض کے علاج کے سلسلے میں آیا تھا، اس کے بعد وہ فوری طور پر میرے اور کامران کے تعلق کا سراغ لگائے گا کیونکہ میں نے کامران کو اپنے گھر کے پتے سے داخل کیا تھا۔ کرنل صاحب کے نام اور پتے سے دانستہ گریز کیا تھا۔"

"اوہ — اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جو بھی کامران کی عیادت یا دیکھ بھال کے لیے جائے گا، وہ قاسم یا اس کے آدمیوں کی نگاہ میں آسکتا ہے۔" اس کی تشویش زدہ آواز ابھری۔

"یہ عارضی احتیاط ہے۔" میں نے اسے دلاسا دیا۔ "دو تین روز میں معاملات صاف ہو جائیں گے۔ جہانگیر سے گفتگو یا ملاقات کے بعد ہی میں کسی نتیجے تک پہنچ سکوں گا۔"

"میں انتظار کروں گی، کوشش کر کے رات چکر لگا ہی لیں۔"

"گاڑی کی وجہ سے ڈیڈی کو پریشانی تو نہیں ہو رہی؟"

"کوئی پریشانی نہیں ہے.... آپ کی ضروریات اس وقت مقدم ہیں۔"

چھ بجے میں نے اس نمبر پر فون کیا جہاں جہانگیر کی بیوی گئی ہوئی تھی۔ جہانگیر کے بارے میں استفسار پر مجھے انتظار کرنے کے لیے کہا گیا اور چند ہی ثانیوں بعد سلمیٰ کی زندگی سے بھرپور آواز ریسیور میں گونج اٹھی۔

"ڈینی بول رہا ہوں...."

"اوہو — آج تو بڑا مبارک دن ہے کہ آپ کی آواز سنائی دے رہی ہے۔" میرا نام سنتے ہی وہ بات کاٹ کر چہکنے لگی۔ "آج کل کہاں غائب ہیں آپ؟"

"اسی شہر میں رہ رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"گھر آنا کیوں چھوڑ دیا ہے۔ ان کے دوستوں میں ایک آپ ہی سے میں دل کی کچھ باتیں کر لیتی تھی اور بوجھ ہلکا ہو جاتا تھا، کیا مجھ سے کچھ ناراض ہو گئے ہیں؟"

میں بے ڈھنگے پن سے ہنس دیا۔ "بھلا آپ سے کیوں ناراض ہونے لگا، میرا بس چلے تو روز ہی آپ کے گھر کے چکر لگاتا رہوں، بس جہانگیر سے محتاط رہتا ہوں، آپ کے معاملے میں وہ بہت زود حس ہے۔ کسی دن کوئی تلخ بات کہہ بیٹھا تو ہماری برسوں کی دوستی جاتی رہے گی۔"

"آپ مجھے بنا رہے ہیں۔" اس کے لہجے میں بے یقینی سے زیادہ خوشی پوشیدہ تھی۔

"جسے قدرت نے دستِ خاص سے بنایا ہو اسے میں کیا بنا سکوں گا۔" میں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔ "کیا جہانگیر ابھی تک نہیں آیا ادھر؟"

"شاید نشے کی رو میں کسی کتے کے گلے میں بانہیں ڈالے بیٹھے ہوں گے۔" اس کی آواز تلخ ہو گئی۔ "نجانے وہ مجھ سے کیوں دور دور بھاگتے ہیں۔ میں اتنی بری تو نہیں ہوں۔"

"اچھی اور بری کی بات نہیں۔" میں نے اس کمزور پہلو سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس کی اپنی کچھ الجھنیں یا کاروباری پریشانیاں ہوں۔"

"تو مجھے اعتماد میں کیوں نہیں لیتے؟ اگر میں ان کی الجھنیں دور نہ کر سکی تو کم از کم گھر کی فضا میں غلط فہمیوں کے جنم لینے کا امکان تو ختم ہو جائے گا۔"

"باہمی اعتماد کی فضا رفتہ رفتہ اور دو طرفہ رویے سے جنم لیتی ہے۔ موقع ملا تو میں اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔" میں نے قصہ مختصر کرنے کے لیے اس کی بات کاٹ کر نرم لہجے میں کہا۔

"خدا کرے کہ جہانگیر آپ کی بات سمجھ سکے۔ اس شہر میں تو بس ایک آپ ہی میرے ہمدرد ہیں۔" تلخی کے اعتدال پر آتے ہی اس کا لہجہ ایک مرتبہ پھر ذومعنی ہو گیا۔

"اس عنایت کا شکریہ۔" میں نے دل ہی دل میں خود کو احمق محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "جہانگیر آئے تو اس کو میرا دوسرا فون آنے تک نہیں روک لیں، مجھے اس سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"میں گھر فون ہی نہ کرا دوں آپ کو؟"

"میں گھر پر نہیں ہوں، تھوڑی دیر بعد ایک اور جگہ پہنچ کر فون کروں گا۔" میں نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ میرے نئے ٹھکانے سے واقف ہو سکے جہانگیر نے میرے مکان میں آتشزدگی کے بارے میں سلمیٰ کو نہ بتا کر عقلمندی کا مظاہرہ کیا تھا اور میں سلمیٰ کی لاعلمی دور نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"انھیں تو فون کرتے ہی رہتے ہیں، کبھی کبھار مجھ سے بھی بات کر لیا کریں۔" اس کی دھیمی اور سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔ "ملنے کا وقت نہ ہو تو کم از کم فون ہی کرتے رہا کریں۔ اس گھر میں میں خود کو بالکل تنہا اور اداس پاتی ہوں۔"

"میں کوشش کروں گا۔" میں نے گفتگو کو اختصار دیتے ہوئے سلسلہ منقطع کر دیا۔

سلمیٰ شکل و صورت، عمر اور سراپا کے اعتبار سے ایسی گئی گزری نہیں تھی کہ اسے نظر انداز کیا جا سکے جس دن سے وہ جہانگیر کے ساتھ کراچی آئی تھی، میں جہانگیر سے اپنی دوستی کی بنیاد پر اس کے ساتھ بے تکلفانہ انداز میں پیش آتا رہا تھا لیکن جب جہانگیر

کی وقت، ناوقت کی پراسرار سرگرمیوں کی بنا پر ان دونوں کے درمیان کدورت کی بنیاد پڑی تو سلمیٰ کے جھکاؤ کے تیور کچھ بدلنے لگے لیکن میں ہمیشہ اس سے اپنا دامن بچاتا ہی رہا۔

میرا اندازہ تھا کہ وہ بہت زیادہ تلون مزاج تھی۔ اگر جہانگیر اس پر بھرپور توجہ بھی دیتا رہتا تو کچھ عرصے کے بعد وہ زندگی کی اس یکسانیت سے اکتا جاتی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اگر میں اس کی مل بیٹھنے کی دعوت قبول کر بیٹھتا تو کچھ عرصے کے بعد وہ مجھے اپنے گردوپیش میں بھی دیکھنا پسند نہیں کرے گی۔ ایسے مرحلے پر وہ میرے خلاف جہانگیر کے بھی کان بھر سکتی تھی جب کہ ان دنوں میں جہانگیر کی دوستی سے ہاتھ دھونے کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا لیکن اب حالات میں ایک نمایاں تبدیلی رونما ہو چکی تھی اور میری ترجیحات میں بھی ردوبدل ہو چکا تھا۔

توقیر یا اے ٹو کھل کر میرے سامنے آ چکا تھا اور جہانگیر میرا لاکھ دوست اور خیر خواہ سہی لیکن اس کے دل میں اے ٹو کی طرف سے دہشت جاگزیں ہو چکی تھی پھر حالیہ دنوں میں توقیر نے خود کو ایک سیاہ پوش سائے کے روپ میں جہانگیر پر ظاہر بھی کر دیا تھا ان حالات میں جہانگیر کے لیے توقیر کی ہدایات سے سرتابی کرنا ناممکنات میں سے ہو کر رہ گیا تھا۔

اپنے دل میں میرے لیے تمام تر ہمدردیاں رکھنے کے باوجود اگر وہ مجھ سے تعاون کرنے سے انکار کر دیتا تو میں تنظیم سے بالکل کٹ کر رہ جاتا۔ مجھے اندر کے معاملات کی ہوا بھی نہ لگنے پاتی اور یوں موت کے سوداگروں کا شیرازہ بکھیرنے کا خواب کبھی شرمندۂ تکمیل نہ ہو پاتا۔ میں نے محض ان ہی اندیشوں کی بنا پر اس وقت خلافِ معمول پہلی بار سلمیٰ کی تھوڑی سی حوصلہ افزائی کی تھی۔ اے ٹو کے لیے کام کرتے ہوئے میں نے بھی چند ایسے شعبدوں سے واقفیت حاصل کر لی تھی کہ وقت ضرورت سلمیٰ سے مل کر جہانگیر کے فون پر ہونے والی ہر گفتگو سن سکتا تھا۔ اس طرح میں جہانگیر کی لاعلمی میں بہت سی معلومات حاصل کر سکتا تھا۔

نصف گھنٹے بعد میں نے ہوٹل کی لابی میں لگے ہوئے پبلک فون بوتھ سے دوبارہ اس نمبر پر فون کیا تو ریسیور سلمیٰ ہی نے اٹھایا اور اطلاع دی کہ جہانگیر وہاں پہنچ چکا تھا۔

"تت... تم بے موت مار دیے جاؤ گے۔" فون پر آتے ہی وہ دبی دبی ہذیانی آواز میں بولا تھا۔ "تمہارے گرد گھیرا بہت تیزی کے ساتھ تنگ کیا جا رہا ہے، تم نے براہ راست سامنے آ کر بہت بھیانک غلطی کی ہے۔"

"تم گھاس کھا گئے ہو۔" میں نے ترش لہجے میں کہا۔ "مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا تھا کہ میں خود بخود سامنے آنے کی حماقت کرتا۔ وہ خود ہی میرے گھر مہمان بن کر آ پہنچا تھا۔"

"اوہ۔" ریسیور پر اس کی تحیر آمیز آواز سنائی دی۔ "اس کا مطلب ہوا کہ قاسم ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ تو کیا اے ٹو واقعی تمہارا سوتیلا بھائی ہے؟"

"کم از کم اب میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔"

"تم تو اس کے عتاب میں آ ہی گئے ہو۔" وہ فون پر دھیمی آواز میں گھگھیانے لگا۔ "تم غیر شادی شدہ ہو، مکان تباہ ہونے کے بعد کہیں بھی پناہ لے سکتے ہو، روپوش ہو کر اس کا مقابلہ کر سکتے ہو لیکن خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے ساتھ میں بھی بے رحمی کے ساتھ روند ڈالا جاؤں۔"

"لیکن ہم تینوں تو اے ٹو کے خلاف ایک معاہدے کے پابند ہیں میرے دوست!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اسے بھول جاؤ، سب بھول جاؤ۔" وہ ہذیانی انداز میں بولا۔ "اس وقت مجھے اے ٹو کی شخصیت اور صلاحیت کا اندازہ نہیں تھا۔ کل رات میں نے سوا دو گھنٹے اس کے ساتھ گزارے تھے۔ وہ اس قدر وحشی، سرد مزاج اور سفاک ہے کہ مجھے حیرت ہے کہ میرا ہارٹ فیل کیوں نہ ہوا۔ اسے میں نے تمہارے گھر کے قریب کے ایم سی اسپورٹس کمپلیکس کے پھاٹک سے ذرا آگے اتارا تھا لیکن جانتے ہو اس نے رات کہاں بسر کی تھی؟"

"میرے گھر کو آگ لگا کر کسی ویرانے میں جا سویا ہو گا۔" میں نے مضحکانہ لہجے میں کہا۔

"تمہارے گھر میں آگ لگنے کی خبر تو میں نے اخبار میں دیکھی۔ اس وقت تک مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ صبح اس نے فون پر مجھے اطلاع دی کہ وہ سلمیٰ کی خوابگاہ میں موجود ہے۔ تمہارے گھر میں آگ لگا کر وہ مسلح چوکیداروں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر میرے گھر میں آ گھسا تھا، فون کی ایک لائن میرے کمرے میں ہے، دوسری سلمیٰ کی خوابگاہ میں رہتی ہے۔ اے ٹو نے اسی کو انٹرکام کے طور پر استعمال کیا تھا۔"

"تمہارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ تمہاری لاعلمی میں وہ تمہاری بیوی کی خوابگاہ میں گھس آیا۔"

"تم گدھے ہو۔" اس کی خفت آمیز آواز ابھری۔ "سلمیٰ تو گھر پر ہی نہیں تھی۔ تمہارا فون آیا وہ گھر پر ہی موجود تھا، میرا خیال ہے کہ اس نے میری اور تمہاری گفتگو لفظ بہ لفظ سنی ہو گی۔"

"میں بھی اسی ڈر سے محتاط رہا تھا۔ یہ بتاؤ کہ اب کہاں مل رہے ہو؟"

"میں تم سے نہ مل سکوں گا، تمہارے لیے کچھ بھی نہ کر سکوں گا ڈیئر!" وہ جلدی سے بولا۔ "تم میرے گہرے دوست ضرور ہو لیکن میں بلاوجہ اپنی گردن کٹوانی پسند نہیں کروں گا۔ وہ تمہارے لہو کا پیاسا ہو رہا ہے اسے کسی ملی بھگت کا شبہ بھی ہو گیا تو میرے

ٹکڑے اڑا کر رکھ دے گا۔"

" تم سے تو قاسم ہی بہتر ہے۔" میں نے اسے چھیڑنے کی نیت سے کہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔

" اس کے فریب میں بھی نہ آنا، وہ دوست بن کر دغا دینے والوں میں سے ہے۔" اس کی اضطراری آواز سنائی دی۔" اسے بھی شدت سے تمہاری تلاش ہے۔ صبح تک شاید تم گلشن اقبال میں کہیں روپوش تھے اور ذرا سی مہلت ملتے ہی اسے جل دے کر وہاں سے نکل بھاگے، تمہارے بارے میں اس نے مجھ سے بھی پوچھ گچھ کی تھی۔ میں نے اسے بتا دیا کہ تمہارا فون ضرور آیا تھا لیکن میں نے کسی بھی قسم کے تعاون سے انکار کر دیا لیکن شاید میں اسے پوری طرح مطمئن نہیں کر سکا۔"

" وہ خود تمہارے پاس آیا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

" نہیں۔ فون کیا تھا۔"

" اس وقت اے ٹو کہاں تھا؟"

" میرا خیال تھا کہ وہ خوابگاہ میں ہی ہوگا، میں نے ایک ملازم کے ہاتھ ناشتہ بھجوایا تو کمرہ خالی پڑا ہوا تھا۔ وہ جس طرح آیا تھا، اسی طرح ہم سب کی لاعلمی میں واپس چلا گیا۔"

" تمہیں کیسے اندازہ ہوا کہ قاسم تمہارے جوابات سے مطمئن نہیں تھا؟"

" اس وقت بھی سرخ کرولا باہر منڈلا رہی ہوگی۔ گھر سے نکلتے ہی میرا پیچھا شروع کر دیا گیا تھا، شاید وہ قاسم ہی کا کوئی آدمی ہے اور اس توقع میں میرا تعاقب کر رہا ہے کہ میں کہیں نہ کہیں تم سے ملنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے علاوہ وہ میرے تعاقب کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے؟"

" تمہارا اندازہ سو فیصد درست ہے۔" میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔" یہ وہی سرخ کرولا تو نہیں ہے جس کی کھڑکیوں کے شیشے تاریک ہیں؟"

" ہاں وہی ہے۔" فوری طور پر اس کا جواب ملا۔

" وہ قاسم کی کار ہے۔ وہ خود تمہارا پیچھا کر رہا ہے۔ تم کم از کم بیس منٹ بعد گھر سے نکلنا، میں اسے اچھی طرح سبق دینے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

" ہرگز نہیں۔" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔" میں کہہ چکا ہوں کہ تمہاری وجہ سے اپنی گردن نہیں کٹواؤں گا۔ میں فوراً یہاں سے نکل رہا ہوں، تم نے اس پر حملہ کرایا تو وہ سمجھ جائے گا کہ میں نے تعاقب کا اندازہ لگا کر یہاں سے فون پر کسی کو کارروائی کی ہدایت کی تھی۔"

" سمجھنے دو، تم پر کیا حرف آئے گا۔" میں نے مصالحانہ لہجے میں کہا۔" تمہیں کیا معلوم کہ سرخ کرولا کس کی ہے، تم اسے کسی دشمن کی گاڑی بھی سمجھ سکتے ہو۔"

" نہیں ڈینی، نہیں۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔" حالات بدل گئے ہیں، اب میں ایک لمحے کے لیے بھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا، مجھے اپنی چمڑی بہت زیادہ عزیز ہے۔ فی الحال ہم دونوں کا مفاد اسی میں ہے کہ تم مجھے اور میری دوستی کو بھول جاؤ۔ اگر کبھی میں اے ٹو کے تسلط سے نجات پانے میں کامیاب ہو گیا تو ہم نئے سرے سے، مضبوط تر بنیادوں پر اپنی دوستی کی ابتدا کر سکیں گے۔ فی الحال میں تمہاری کسی توقع پر پورا نہ اتر سکوں گا، اپنی بقا کی جنگ تمہیں تنہا لڑنی ہوگی۔ حالات نے اجازت دی تو میں بس اتنا کر سکوں گا کہ کسی دوراہے پر تم سے آمنا سامنا ہو جائے تو تمہیں پہچاننے کے بجائے کسی اجنبی کی طرح سر جھکائے گزر جاؤں، موجودہ حالات میں یہ رعایت بھی نہ دے سکوں گا۔"

ایک دن میں وہ دوسری چوٹ تھی۔ صبح قاسم نے آنکھیں پھیر کر مجھے اپنی بے بسی کا احساس دلایا تھا اور اب برسوں پرانے دوست جہانگیر نے اکیلا چھوڑ دیا تھا۔

میں نے مزید کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ اس وقت میرے دل میں اچانک ہی ایک آگ سی بھڑک اٹھی۔ دل چاہا کہ میں خود، ہیروئن خرید کر بلا قیمت ملک کے چپے چپے میں پھیلا دوں اور پھر اے ٹو سے پوچھوں کہ اس کی بادشاہت کہاں چلتی ہے، وہ کس جنس کی سوداگری کرتا ہے اور دشمنوں کو کس بوتے پر زیر کرتا ہے؟

لیکن وہ ایک لمحاتی ابال تھا۔ ایک شکست خوردہ انسان کے وجود میں دہکتے ہوئے انتقام کے لاوے کا ابال۔ جس کا حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا کوئی اندھا دھند قدم اٹھا کر میں خود اپنے لیے دشواریاں پیدا کر لیتا۔

بات صرف اتنی تھی کہ پچھلی رات تک میں شہر میں موت کے سوداگروں کا مطلق العنان حکمران تھا۔ توقیر میرے گھر میں مقیم تھا مگر پھر بھی میرا سکہ چل رہا تھا پھر چند لمحوں میں میرے اقتدار کا گھروندا ٹوٹ گیا جو میرے محکوم تھے، وہ مجھے آنکھیں دکھانے لگے تھے، حاکم میرے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ نہ صرف میرا بلکہ وہ میری ساتھی کے خون کا بھی طلبگار ہو رہا تھا۔ اس اچانک انقلاب پر اگر میں اپنی انا کے آگے ہتھیار ڈال دیتا تو کامیابی محض خواب بن کر رہ جاتی۔

میرے ذہن میں سلطان شاہ کا سنایا ہوا قصہ سر ابھارنے لگا۔ بیسویں صدی کے مہذب انسان کے بارے میں عزالدین خوش فہمی کا شکار تھی۔ بیسویں صدی میں بھی پتھر کے زمانے کا انسان سانس لے رہا تھا، وہی خونی اور درندہ صفت انسان جو موقع پاتے ہی کمزور کو پھاڑ کھانے پر تلا بیٹھا رہتا تھا فرق صرف اتنا تھا کہ بیسویں صدی میں مذہب اور معاشرت کے نام پر اس درندے

نے اپنے چہرے پر خوشنما لیکن پُرفریب خول سجا لیے تھے ورنہ اندر
وہی وحشی موجود تھا۔ مایوسی کے ان لمحات میں میرے ذہن میں
پیدا ہونے والے خلا میں کچھ فلسفہ بھی زور مارنے لگا۔ پتھر کے
دور کا انسان خونخوار اور خون آشام تھا بس دو چار کے لیے کیونکہ اس
کے ہتھیار بھونڈے اور کم تباہ کن تھے لیکن بیسویں صدی کا انسان
اپنے خود کار ہتھیاروں اور نت نئی ایجادات کے سہارے قوموں،
معاشروں بلکہ پوری نسل انسانی کے لیے خطرہ پیدا کرسکتا ہے۔
جوہری طاقتوں کے سربراہ بھی تو عام سے انسان ہی ہیں جنھیں
کرۂ ارض پر نسل انسانی کو فنا کرنے کے ہولناک فیصلوں کا اختیار
حاصل ہے۔ کمپیوٹر صدر امریکہ کے نشاناتِ انگشت کو پہچانتا ہے
بس ننھا سا انگلی ایک بٹن پر پڑنے کی دیر ہے اور کرۂ ارض پر
ہر طرف آگ، دھماکوں، پگھلے ہوئے لاوے اور تابکاری کا طاغوتی
رقص ایٹمی موسیقی کی زہرہ گداز دھنوں پر شروع ہوجائے گا۔ صدر
امریکہ کا ہو یا روس کا "اس کا دماغ پھرتے کتنی دیر لگتی ہے۔
دوسروں کی طرح ان پر اگر کسی وقت پتھر کے زمانے کی جبلت
حاوی آگئی تو کیا ہوگا؟

عزالہ کے قیاسات یکسر غلط تھے۔ انسان ہر دور میں درندہ
رہا ہے اور درندہ بن سکتا ہے، خون کی بُو سے اسے خاص رغبت
ہے۔ اکبر زئی اور لنڈ اخیل والوں جیسی کہانیاں ہر طرف عام ہیں اور
میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہو رہا تھا۔ اکبر زئی والوں نے بھرپور اور
پُرشکوہ انتقام کے لیے تیس برس انتظار کیا تھا اور مجھے بھی انتظار
کرنا تھا، وقت کا تعین میرے اختیار سے باہر تھا لیکن یہ بات اٹل
تھی کہ مجھے صبر اور تحمل سے کام لینا تھا کیونکہ اس معرکے میں میں
تنہا رہ گیا تھا۔

لیکن وہ لڑائی بڑی پہلودار تھی۔ میرا اصل دشمن تو قیر تھا اور
شاید تصور بھی جو سیکڑوں میل دور لاہور میں بیٹھا بساط پر مہروں کو
آگے پیچھے سرکا رہا تھا لیکن ان کے پیادے میری نگاہوں میں تھے۔
جہانگیر، قاسم، رخشی یا الشین سنڈیکیٹ والے نصیر خان کو زک پہنچا
کر میں اپنے اصل دشمن کو قدرے ہراساں کرسکتا تھا۔

میں نے فوراً ہی ہوٹل چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا۔

جہانگیر سے میری بات ہوچکی تھی، اس نے مجھ سے تعاون
کرنے سے صاف انکار کردیا تھا، قاسم اپنی سرخ کرولا میں مسلسل
اس کا تعاقب کررہا تھا اور جہانگیر نے مجھے موقع فراہم کرنے کے
لیے اپنی روانگی میں تاخیر کرنے سے صاف انکار کردیا تھا مجھے یقین تھا کہ
مکمل ناامیدی سے قبل قاسم کافی دیر تک جہانگیر پر نگاہ رکھے گا اور اگر جہانگیر
اپنی بیوی، سلمیٰ کو لے کر گھر کی طرف روانہ ہوچکا تھا تو اس کے
مکان کے اطراف میں قاسم کی موجودگی کے قوی امکانات موجود تھے۔
میرے پاس کرنل زوار زیدی کی سالخوردہ سی کار تھی جو
کتابی اصولوں کے مطابق کئی برس پہلے مرحوم و مغفور ہوچکی تھی
لیکن جس طرح ریٹائرڈ کرنل زندہ تھا اسی طرح اس کی گاڑی بھی
اس سے رسم وفا نباہ رہی تھی میں ہوٹل سے روانہ ہوکر خراماں خراماں
دس بارہ منٹ میں جہانگیر کے مکان پر جا پہنچا۔ وہاں نہ صرف سڑک
پر دور دور تک سرخ کرولا کا پتا نہیں تھا بلکہ جہانگیر کے مکان پر
بھی بے رونقی کا راج تھا۔ جس کی بنا پر میں نے اندازہ لگایا کہ اس
وقت تک جہانگیر گھر نہیں پہنچا تھا۔

اس مفروضے کے بعد میں نے جہانگیر کے سسرالی عزیز
کے مکان کا رُخ کرنے کے بجائے وہیں ٹھہرنے کو ترجیح دی
اور ایک تناور درخت کے نیچے، اندھیرے میں گاڑی روک
کر کھڑا ہوگیا خود کار پستول میں نے جیب سے نکال کر گود میں رکھ
لیا تھا اور ٹریگر کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا تھا۔

اس وقت فرصت میسر تھی اور ذہن میں خیالات کی یلغار
ہو رہی تھی ایسے میں سگریٹ نوشی کی خواہش کچھ بے جا بھی نہیں
تھی لیکن میں نے خود ہی اپنی اس خواہش کا گلا گھونٹ دیا۔ ویسے
تو میری کار اندھیرے ہی کا جزو نظر آرہی تھی لیکن دور سے
اندھیرے میں کسی جگنو کی طرح چمکتا ہوا سگریٹ کا سرا دیکھ کر کوئی
بھی ادھر متوجہ ہوسکتا تھا۔

دن کے اوقات میں وہ علاقہ نہ بے رونق تھا اور نہ غیر آباد
لیکن رات کے ان ابتدائی لمحات میں وہاں ہر طرف سکوت ہی سکوت
پھیلا ہوا تھا۔ وسیع و عریض احاطوں میں گھری ہوئی کوٹھیوں کے مکین
اپنے در و دیوار میں محبوس، اپنی دلچسپیوں میں کھوئے ہوئے تھے اور
ان کے ملازمین شاید ان کے تجسس میں اپنی حسرتوں کا حساب چکانے
میں مشغول تھے لہٰذا اس وقت وہاں ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔

خاصے وقفے سے اس سڑک پر تین گاڑیاں گزریں اور میں
ان کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں اپنی نشست پر بس کسمسا کر رہ گیا
لیکن ان میں سے کسی کی منزل قرب و جوار میں نہیں تھی لہٰذا میں نے
انھیں نظر انداز کردیا لیکن تقریباً دس منٹ بعد جو چوتھی کار آئی وہ
سڑک پر دھیمی ہوکر جہانگیر کے مکان کے آہنی پھاٹک کے سامنے
مڑ گئی اور اس کے عقب میں آنے والی پانچویں کار وہاں سے بظاہر
آگے بڑھ کر یک بیک داہنی گلی میں گھوم گئی۔ اس کار کی اپنی
روشنیوں کے انعکاس میں میں بس اسی قدر دیکھ سکا کہ داہنی گلی
میں مڑنے والی کار کا رنگ سرخ تھا۔

حالات پوری طرح میرے سامنے تھے۔ جب جہانگیر کے
مکان کے سامنے کھڑی ہوئی کار کے پہلے ہی ہارن پر پھاٹک
کھول دیا گیا تو وہ کار اندر چلی گئی اور میرے لیے یہ اندازہ لگانا
دشوار نہ رہا کہ اس کار میں جہانگیر شاید اپنی بیوی سلمیٰ سمیت گھر
واپس پہنچا تھا۔

سیاہ کار کے اندر جانے کے لمحہ بھر بعد جب میں اپنی کار کا انجن اسٹارٹ کر کے اسے آگے بڑھانے کے بارے میں تذبذب کا شکار تھا تو میری کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں آگے والی دائیں گلی میں سے سرخ کرولا باہر نکل کر جہانگیر کے مکان کی طرف گھومتی نظر آئی اور میں نے اضطراری طور پر پستول ہاتھ میں لے لیا۔

سرخ کرولا قریب سے گزری تو اس میں بس ایک ہی ہیولا نظر آیا جو ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔ میں نے کسی اضطراری ردعمل کے طور پر وہ مشاہدہ کرتے ہی پستول اٹھا کر گولی داغ دی۔ ایک ہولناک دھماکا ہوا اور سرخ کرولا سڑک پر لہرانے کے بعد سیدھی ہوئی۔ شاید میرا نشانہ خطا ہو گیا تھا۔ میں نے گیئر میں ڈال کر کرنل کی ڈھانچہ کار کو واپس گھمایا اور سرخ کرولا کے پیچھے ڈال دیا۔

چند ثانیوں بعد کرولا کی عقبی روشنیاں میری کار کے ہیڈلیمپس کی زد میں تھیں میں نے پرجوش انداز میں اپنی کار کی رفتار بڑھا دی اور درمیانی فاصلہ تیزی سے کم ہونے لگا لیکن اس سے قبل کہ سرخ کرولا میری فائرنگ رینج میں آتی درمیانی فاصلہ چند سکنڈ کے لیے تیزی سے بڑھا اور پھر مستقل ہو گیا۔ کرولا والے کے اس رویے نے مجھے چونکا دیا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ محفوظ فاصلے پر رہتے ہوئے یہ اندازہ قائم کرنا چاہ رہا ہو کہ اس کا تعاقب کون کر رہا تھا۔

میرے لیے خوشی کی بات صرف اتنی تھی کہ ایک فائر ہونے کے باوجود اس بے رونق رہائشی علاقے میں میری کار کے عقب نما آئینے میں سڑک ویران نظر آ رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد دونوں گاڑیاں آباد علاقے کو پیچھے چھوڑ کر یونیورسٹی جانے والی ویران سڑک پر نکل آئیں۔ حسن اسکوائر اور راشد منہاس روڈ والے چوراہے سے آگے سڑک بالکل تاریک اور سنسان تھی۔ اس آخری چوراہے پر بنی ہوئی پولیس چوکی پر بھی سناٹا ہی تھا کیونکہ وہاں سے گزرتے ہوئے بھی دو کاروں کی دوڑ عملے کے کسی رکن کی توجہ حاصل نہیں کر سکی تھی۔

یونیورسٹی سے آگے نکلتے ہی سرخ کرولا اچانک سڑک کے کنارے روک دی گئی۔ اس کے ڈرائیور کا وہ منصوبہ سوچا سمجھا تھا جب کہ مجھے ہنگامی طور پر بریکوں سے کام لینا پڑا اور یوں رکتے رکتے بھی میری کار سرخ کرولا کے اتنے قریب پہنچ گئی کہ ادھر سے کیا جانے والا فائر بونٹ کے آس پاس کے کسی حصے میں جا گھسا۔ میں نے عجلت کے عالم میں انجن بند کیا اور دروازہ کھول کر کار سے نیچے اتر گیا۔

شاید میرے حریف کی نگاہیں بہت تیز تھیں کیونکہ میرے نیچے اترتے ہی اس کی طرف سے دوسرا فائر ہوا، اگر میں اس وقت سینے کے بل کچی زمین پر نہ پڑا ہوا ہوتا تو گولی اندھیرے کے باوجود میرے بدن کا کوئی حصہ چاٹ گئی ہوتی۔ میں زمین پر پڑے پڑے جھاڑیوں کی طرف لڑھک گیا۔ دوسری طرف سے مسلسل کے ساتھ مزید دو فائر ہوئے اور بے اختیار میرے حلق سے ایک چیخ آزاد ہو گئی۔ جھاڑیوں میں پہنچنے کے بعد لمحہ بھر کے لیے میں ساکت پڑا یہ سوچتا رہا کہ آخر میرے بدن پر کہاں زخم آیا تھا جو اضطراری چیخ بلند ہو گئی تھی لیکن یہ احساس بہت خوشگوار ثابت ہوا کہ میرے بدن میں کہیں کوئی ٹوٹ پھوٹ رونما نہیں ہوئی۔

میرا حریف چار فائر کر چکا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس کے پستول کے چیمبر میں مزید دو یا تین گولیاں باقی تھیں لیکن زیادہ امکان یہی تھا کہ اس کے پاس فاضل میگزین بھی رہا ہو گا جس کے بل پر وہ رات بھر مجھے اس ویرانے میں چھپے رہنے پر مجبور کر سکتا تھا جب کہ میرا کل اسلحہ ایک فائر کے بعد چھ گولیوں پر مشتمل تھا۔

میرا خیال تھا کہ اسلحہ کی کمی کو میری غیر ارادی چیخ سے خاصی تقویت مل تھی۔ اگر قاسم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا کہ اس نے اپنی کسی گولی سے مجھے زخمی کر دیا ہے تو وہ مجھے گھیرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ میں نے جھاڑیوں میں پناہ لینے کے بعد احتیاط سے سرخ کرولا کی سمت میں دیکھا تو تاروں کی چھاؤں میں وہاں سناٹا نظر آیا۔ قرب و جوار میں قاسم تو کیا، کسی بھی ذی روح کا وجود نہیں تھا۔ پھر میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اونچی اونچی خود رو جھاڑیوں کا جائزہ لینے لگا۔

سناٹا۔ ہر طرف گمبھیر سناٹا طاری تھا۔ معاً مجھے احساس ہوا کہ میں ایک جگہ رک کر اپنے لیے مشکلات کو دعوت دے رہا تھا۔ میں جہاں کار سے اترا تھا عملاً وہیں موجود تھا اگر قاسم مکاری کے ساتھ پیش قدمی کر رہا تھا تو وہی مقام اس کا نشانہ ہونا چاہیے تھا کیونکہ اس کی دانست میں زخمی شکار کے لیے اندھیرے میں زیادہ دور نکلنا دشوار ہوتا۔

میں نے خود رو جھاڑیوں میں مزید اندر گھس کر حشرات الارض کا خطرہ مول لینے کے بجائے واپس سڑک پر نکل آنے کا فیصلہ کیا اور پھر سرعت کے ساتھ کہنیوں کے بل زمین پر رینگتا ہوا سڑک پر آیا اور اپنی کار کے پیچھے سے گھوم کر اسی کی اوٹ میں اپنا مورچہ جما کر بیٹھ گیا۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا چلا گیا لیکن صورت حال میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی تو مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں قاسم گھات لگائے اس انتظار میں نہ بیٹھا ہو کہ میں کار میں فرار ہونے کی کوشش کروں گا۔

میں نے ایک پتھر اٹھا کر ہولے سے جھاڑیوں میں اچھالا

دیا۔اس حرکت کا ردِعمل توقع کے عین مطابق ہوا۔اندھیرے
میں ایک دھماکے کے ساتھ شعلہ سا تیرتا ہوا نمودار ہوا اور اسی
طرف معدوم ہوگیا جہاں میں نے پتھر پھینکا تھا۔اسی کے ساتھ
قاسم کی کمین گاہ بھی میری نظروں میں آگئی۔سڑک پر موجود ہونے
کی وجہ سے شعلے کا مخرج میری نظروں میں آگیا تھا بلکہ فائر سے
پیدا ہونے والے مدھم سے بارودی انعکاس میں میں نے
دو چمکتی ہوئی آنکھیں بھی دیکھ لی تھیں جو فوراً ہی اندھیرے کا
جزو بن گئیں میں نے گھٹنوں کے بل سڑک پر پوزیشن لے کر ہاتھ
سیدھا کیا اور اسی سمت میں گولی چلادی میرا وار کارگر رہا کیونکہ قاسم
کی دردناک چیخ سو فیصد حقیقی تھی۔میں نے بلاتوقف اسی زاویے
پر دوسرا بھی فائر کردیا اور اس بار بھی ستاروں نے میری یاوری
کی کیونکہ اس بار قاسم کی آواز میں اذیت کے ساتھ غیظ و غضب
کی جھلاہٹ بھی شامل تھی۔

اس بار شاید اس نے بھی میری پوزیشن دیکھ لی تھی۔وہ غصے
کے عالم میں ٹرائیگر دباتا ہی چلا گیا۔دو گولیاں سنسناتی ہوئی آئیں
اور کار کی باڈی سے ٹکرا کر دم توڑ گئیں۔اس کے بعد فضا میں محض
ٹرائیگر کی کھٹ کھٹ گونج کر رہ گئی۔میں نے پوری قوت سے قاسم
کی کمین گاہ کی طرف دوڑ لگادی۔

اس نے غصے اور جھنجلاہٹ میں خود ہی اپنا بھرم کھول
دیا تھا۔سات گولیاں چلانے کے بعد اس کے پستول کا چیمبر خالی
ہوچکا تھا اور میں اسے دوبارہ چیمبر لوڈ کرنے کا موقع دیے بغیر اس
پر ٹوٹ پڑنا چاہتا تھا۔

میرے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز نے اس کے اوسان
خطا کردیے اور اس نے پوری قوت سے اپنا آہنی پستول مجھ پر
کھینچ مارا۔شاید اپنی چالاکی کے زعم میں وہ بھی فاضل راؤنڈز
نہیں لایا تھا۔پستول میری پنڈلی سے ٹکرایا تو میں درد کی شدت
سے وہیں بیٹھتا چلا گیا۔میں نے پوری قوت سے دانت بھینچ کر
درد کی ناقابلِ برداشت لہر پر قابو پانے کی کوشش کی اور پھر
لپک کر قاسم پر ٹوٹ پڑا جو جھاڑیوں میں گھسنے کی کوشش
کررہا تھا۔

وہ زخمی ہونے کے باعث اپنے پیروں پر کھڑا ہونے
کے قابل نہیں تھا۔پہلے ہی وار میں میں نے اسے بری طرح
رگید کر رکھ دیا۔جبڑوں پر پڑنے والے مکوں نے غالباً اس کے
سارے دانت ہلا کر رکھ دیے تھے لیکن وہ سمجھ چکا تھا کہ اب
اس نے ہاتھ پیر ذرا بھی ڈھیلے چھوڑے تو زندہ نہ رہ سکے گا۔اس
نے وحشیانہ ماری پروا کیے بغیر میرے نرخرے پر ہاتھ ڈالنے
کی کوششیں شروع کردیں اور میں اسے چھوڑ کر اٹھ گیا۔

اس نے میری ٹانگوں سے لپٹ پڑنے کی کوشش کی لیکن
میں نے ٹھوکروں سے اسے پیچھے الٹ جانے پر مجبور کردیا۔

”ٹھٹ۔۔۔ٹھہرو۔۔۔ڈڈ۔۔۔ڈینی۔۔۔میری۔۔۔بب۔۔۔
بات سنو۔“ وہ بری طرح ہانپتے اور کراہتے ہوئے بولا۔شاید اس
دوران میں مغلظات کے تبادلے میں، آواز کی بنا پر وہ مجھے
پہچان چکا تھا۔

لیکن اس وقت میرے سر پر خون سوار ہوچکا تھا۔قاسم
کے ہاتھ طارق سمیت متعدد انسانوں کے خون میں آلودہ تھے
اور وہ میری آزادی کا بھی دشمن ہوچکا تھا۔اپنے مفاد کے لیے
اس نے اے ٹو کے خلاف میرے ساتھ سمجھوتہ کیا لیکن اے ٹو
کی خوشنودی کے ذریعے بڑا فائدہ ملنے کی اُمید پر مجھ سے دغا
کرنے پر تل گیا۔ایسے خود غرض، قاتل اور غدار کو زندہ چھوڑنا
اپنی ذات پر ظلم کے مترادف ہوتا۔

وہ قتل و غارتگری کا بازار گرم کرنے کے باوجود قانون
کی گرفت سے محفوظ تھا، زندہ رہتا تو نجانے اور کتنے انسانوں
کو موت کے گھاٹ اتارتا۔میں نے پوری قوت سے اس کی
پسلیوں میں ٹھوکر رسید کی اور پھر اپنا بھرا ہوا پستول لے کر آگے
بڑھا اور اس کی نال سے قاسم کے ہلتے ہوئے دانتوں پر ضرب لگائی تو وہ
بری طرح تڑپ اٹھا۔پھر اس سے قبل کہ وہ میرے اگلے قدم کا اندازہ لگاتا
میں نے اس کے سینے پر گھٹنا رکھ کر پستول کی مہیب نال اس کے دہانے میں
ڈالی اور فوراً ہی ٹرائیگر دبادیا گولی اسکے دہانے سے گزر کر اس کا بھیجا پھاڑتی
ہوئی باہر نکل گئی۔

اس کے حلق سے ایک لرزہ انگیز ادھوری سی چیخ نکلی
اور پھر اس کا بدن خاک میں اچھلنے لگا۔

اسے وہیں ویرانے میں تڑپتا چھوڑ کر میں وہاں سے
واپس ہولیا۔

سکندر علی کے بعد قاسم تنظیم کا دوسرا اہم رکن تھا جو
میرے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچا تھا۔وہ بذاتِ خود خونی تھا اپنے
مالی مفاد کے لیے شہر میں ہیروئن کی منڈی پھیلانے کے چکر میں
تھا، توقیر کے اشارے پر میرے لیے خطرہ بن چکا تھا لیکن پھر
بھی اس خون پر میرا دل بوجھل ہوگیا تھا۔

مجھے کسی مجرم کو سزا دینے کا کوئی اختیار نہیں تھا اس فرض
کی انجام دہی کے لیے ملک میں متعدد ادارے کام کررہے
تھے لیکن مجبوری یہ ہے کہ جرائم کے انسداد کے قوانین میں جابجا
جھول پائے جاتے ہیں۔وکالت کا فن اس قدر ترقی پاچکا ہے کہ
سچ کی جڑیں تلاش کرنے میں مدتیں لگ جاتی ہیں، گواہ پے در پے
پیشیوں اور ذاتی سطح کی تکلیف اور زہریلی جرح سے اکتا کر گواہیوں

سے دستبردار ہو جاتے ہیں اور ان سب مراحل سے گزرنے کے بعد جب قانونِ تعزیر حرکت میں آتا ہے تو سزائیں مضحکہ خیز نظر آتی ہیں کیونکہ کتابوں میں وہی درج ہیں۔ اس دور میں جرم کے محرکات تیزی سے بدل رہے ہیں، معاشرے پر جرم کے اثرات ہمہ گیر ہوتے جا رہے ہیں لیکن ان سب کی روک تھام کے لیے وہی ایک صدی پرانا قانون چلا آ رہا ہے جس کی موجودگی میں کوئی عادل چاہتے ہوئے بھی کڑی سزائیں تجویز نہیں کر سکتا۔

قاسم قاتل تھا لیکن اس کے اعترافات کے باوجود اسے قاتل ثابت کرنا میرے لیے ناممکن تھا، وہ ہیروئن کی تجارت کا پشت پناہ تھا لیکن اسے کون ثابت کرتا؟ اسے قانون کی تحویل میں دے کر میں خود کو اسی گورکھ دھندے میں الجھا لیتا۔ اے ٹو ہوشیار ہو جاتا، قاسم کو بہترین قانونی مشاورت فراہم کی جاتی اور میری انسدادِ منشیات کی مہم ادھوری رہ جاتی، توقیر کا غیر قانونی کاروبار دن رات پھلتا پھولتا رہتا اور توقیر کسی روز موقع پا کر راستے میں پڑے ہوئے کسی روڑے کی طرح مجھے ٹھوکر مار کر ہمیشہ کے لیے اپنے راستے سے ہٹا دیتا۔

میری دانست میں آئینی اصلاحات اور طرزِ حکومت سیاستدانوں کے محبوب مشاغل ہیں۔ ایک عام شہری کا تعلق صرف قانون سے ہوتا ہے جس میں کبھی کوئی بڑی تبدیلی نہیں آتی۔ ایک دیہاتی یہ جاننا چاہتا ہے کہ کوئی اس کے مویشی چرا کر لے جائے اور ان کی واپسی کے لیے بھنگ یا زرتاوان طلب کرے تو قانون اس کی کیا مدد کرتا ہے اور اس بارے میں آج بھی وہی قانون رائج ہے جو برسہا برس پہلے انگریز نے اپنے مفادات کی پرورش کے لیے اس سرزمین پر رائج کیا تھا جس کا بنیادی فلسفہ یہ تھا کہ قانون میں ابہام رکھا جائے تاکہ وقتِ ضرورت اس ابہام کا فائدہ سرکار پرستوں کو دیا جا سکے۔ انگریز چلا گیا، جمہوریت سے آمریت تک بھانت بھانت کے نظام ملک میں رائج ہوتے رہے۔ آئین بنتے اور بگڑتے رہے لیکن قانون وہی نوآبادیاتی چلے آتے ہیں۔ فرق صرف اتنا پڑا ہے کہ پہلے ابہام کا فائدہ سرکار پرستوں کو ملتا تھا لیکن آزادی کے بعد ایسا ہر فائدہ زر پرستوں کو منتقل ہو چکا ہے۔ انگریز صرف ضرورت کے وقت ابہام کا سہارا لیتا تھا، آج ابہام لوگوں کی جیبوں سے پیسہ نکلوانے کا ذریعہ بنا ہوا ہے اور ضرورتوں کے باقاعدہ نرخ طے پا چکے ہیں۔ سرکار پریشان ہے، آمدنی کم ہوتی جاتی ہے، کالا دھن مسلسل بڑھ رہا ہے۔ فکر ہے کہ کس کس کو کیا کیا رعایتیں دے کر یہ اگلوایا جائے۔ لوگ دور دور کی کوڑی لاتے ہیں لیکن ناک کے نیچے کس نے دیکھا ہے؟

شاید ان نامعقول خیالات کی رو مجھے بالکل ہی بہا لے جاتی لیکن اسی اثنا میں میں غزالہ کے گھر پہنچ گیا۔ ہارن بجایا تو مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ پھاٹک کھولنے والا سلطان شاہ تھا۔

"کیا کوئی اور نہیں ہے گھر میں؟" میں نے گاڑی اندر لے جا کر اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔

وہ کھڑکی پر جھکا اور کسی شریر بچے کی طرح قلقاری مار کر ہنس پڑا۔ "تمھارا حلیہ بتا رہا ہے کہ کسی سے لڑ کر آ رہے ہو لیکن جھگڑے کا غصہ مجھ پر تو نہ اتارو نا۔"

میں نے گاڑی آگے بڑھا دی اور پھر چونک پڑا۔ برآمدے میں غزالہ کا پُرتشویش چہرہ میرے سامنے تھا۔

"کہاں سے آ رہے ہیں؟" کار سے اترتے ہی اس نے میرے پھٹے ہوئے اور خون آلود کپڑوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں سوال کیا اور میں بے اختیار ہنس پڑا۔

"اس وقت تم شوہر سے اکتائی ہوئی کوئی روایتی بیوی معلوم ہو رہی ہو۔"

"یہ حلیہ کیا بنایا ہوا ہے آپ نے؟" اس نے میرے قریب آ کر کھلے ہوئے گریبان میں سے نظر آنے والی گردن اور سینے کی خراشوں پر اپنی مخروطی انگلیاں پھیرتے ہوئے دریافت کیا۔

"تصادم۔" میں نے سر کو قدرے خم دیتے ہوئے کہا۔ "اور تصادم میں پھول اور کلیوں کا تبادلہ تو نہیں ہوتا نا۔"

"اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔" سلطان شاہ نے دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا۔ "بی بی جی نے مجھے ایسی زبردست گولیاں دی ہیں کہ میرا سارا درد کافور ہو گیا ہے، کل سے میں تمھیں تنہا باہر جانے نہ دوں گا۔"

"بی بی جی گولیاں دینے کی ماہر ہیں۔" میں نے ازراہِ مذاق کہا۔ "کون سی گولی دی انھوں نے تم کو؟"

"ہومیو پیتھی میں ہڈیوں کی چوٹ کی ایک بہت مؤثر دوا ہے، وہی خوراک دی تھی اسے اور یہ پورے گھر میں دوڑتا پھر رہا ہے۔" غزالہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"بس یہ خیال رکھنا کہ سلطان شاہ دوڑتا ہوا گھر سے باہر نہ نکل جائے۔" میں نے سلطان شاہ کی کمر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

غزالہ کے والدین غالباً سو چکے تھے کیونکہ مکان میں سناٹا چھایا ہوا تھا لیکن غزالہ اور سلطان شاہ میں عجیب سی مفاہمت پیدا ہو چکی تھی۔ غزالہ میرے ساتھ لگی میرے کمرے تک چلی آئی اور اس کی آڑ میں سلطان شاہ بھی وہیں آ پہنچا۔

"اب آپ بتائیں کہ کیا کر کے آ رہے ہیں؟" غزالہ نے میرے بستر پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا اور سلطان شاہ کی نا قدرانہ نگاہیں میرے

م میں کسی ٹوٹ پھوٹ کے امکانات کا جائزہ لینے میں مصروف
ہو گئیں —
"قاسم سے آج نجات مل گئی۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے
ہوئے کہا اور پستول جیب سے نکال کر ایک طرف رکھ دیا۔" وہ
بہت اونچا اڑ رہا تھا اور کسی بھی وقت میرے لیے خطرہ بن
سکتا تھا۔"
"یہ تم نے برا کیا۔" سلطان شاہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔" وہ
تو میرا شکار ہونا چاہیے تھا۔"
"ہر وقت بچوں جیسی باتیں نہیں کرتے۔" میں نے قدرے
ترش لہجے میں کہا۔" ضروری نہیں تھا کہ وہ تمہاری گرفت میں آ ہی
جاتا۔ میں اسے بمشکل تمام گھیرنے میں کامیاب ہو سکا تھا۔"
پھر ان دونوں کے استفسار پر میں انھیں دن بھر کی
کارگزاری سے آگاہ کرنے لگا۔
"جہانگیر نے تمہارا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا تھا؟"
میرے خاموش ہوتے ہی سلطان شاہ نے تحیر اور بے یقینی کے
عالم میں سوال کیا۔
"دوستی اپنی جگہ ہے، اس وقت وہ ابے ٹو کی طرف سے
جان کے خوف میں مبتلا تھا اسی وجہ سے مجھ سے کنارہ کشی اختیار
کرنا چاہ رہا تھا لیکن اب اسے بھی اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنا ہو گی۔"
"کیا اس سے بھی بھڑنے کا ارادہ ہے؟" غزالہ نے سوال کیا۔
"نہیں اس نے برا وقت پڑنے پر دوستی کو بالائے طاق رکھ
دیا مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ البتہ معلومات اگلوانے کے لیے
اسے بلیک میل ضرور کر سکوں گا، قاسم کا انجام اسے بہت کچھ سوچنے
پر مجبور کر دے گا۔"
"یہ باتیں تو اب ہوتی رہیں گی، آپ لباس کیوں نہیں بدل لیتے؟"
"میں نہاؤں گا۔" میں نے کسلمندانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"شاید میری دائیں پنڈلی زخمی ہو گئی ہے، پہلے اس کی ڈریسنگ کر دو۔"
وہ بیچاری فوراً ہی میری پنڈلی لے بیٹھی۔ میں نے بھی اس وقت
پہلی بار زخم دیکھا تو پنڈلی کی ہڈی نیلی پڑی ہوئی تھی۔ کئی جگہ سے
جلد ادھڑ کر زخم پر خون کے لوتھڑے جم گئے تھے۔
"بہت بری طرح چوٹ آئی ہے۔" غزالہ نے زخم صاف
کرتے ہوئے کہا۔" ورم بھی آ گیا ہے کہیں ہڈی نہ ٹوٹ گئی ہو۔"
"ہڈی ٹوٹی ہوتی تو اپنے قدموں پر کھڑا ہونا بھی دشوار ہو جاتا۔
بس تم ڈریسنگ کر دو، دو چار روز میں زخم ٹھیک ہو جائے گا۔"
"قاسم کی موت سے ایک اور بھی مسئلہ حل ہو گیا ہے۔" غزالہ
بولی۔" آپ کے چکر میں وہ کامران تک پہنچ کر تنگ کر سکتا تھا لیکن
اب وہ خطرہ ٹل گیا ہے۔"

میں سگریٹ سلگاتے ہوئے ہنس دیا۔" بشرطیکہ وہ پہلے ہی
اس بارے میں زخشی کو باخبر نہ کر چکا ہو۔"
"وہ کچھ بھی نہیں کر سکے گی۔" سلطان شاہ نے حقارت آمیز
لہجے میں کہا۔" شاید قاسم کی موت کی خبر ہی اس کا حوصلہ ختم کر کے
رکھ دے گی ہمیں اس کے بارے میں سوچ کر اپنا دماغ کھپانے
کی ضرورت نہیں۔"
"تم اسے اچھی طرح نہیں جانتے" میں اسے بہت قریب
سے دیکھ چکا ہوں ایک زمانے میں وہ ابے ٹو کے لیے تنظیم کے
ایک اڈے کے خلاف سراغ رسانی کرتی رہی ہے اور پھر اسے قاسم
سے بہت گہرا لگاؤ تھا کل رات جب میں نے اکبر کی علاج گاہ
میں اسے قاسم کے زخمی ہونے کی خبر دی تھی تو وہ بری طرح
بے چین ہو گئی تھی۔ قاسم کا بدلہ لینے کے لیے وہ خود بھی حرکت
میں آ سکتی ہے۔"
"لیکن وہ تنہا ہو گی، قاسم کی پشت پر تنظیم کی قوت تھی' آپ
کے خلاف وہ زیادہ کھل کر وار نہیں کر سکے گی کیونکہ وہ خود بھی ابے ٹو
کے عتاب میں آئی ہوئی ہے۔" غزالہ بولی۔
"وہ بات پرانی ہو گئی، اس وقت توقیر کو شبہ تھا کہ لاہور میں
الشین سنڈیکیٹ اور دوسرے نقصانات سے اس کا بھی کوئی
تعلق رہا ہو گا۔ اب ہر بات صاف ہو چکی ہے وہ زخشی کو دوبارہ
اپنے ساتھ ملا کر فائدے میں رہے گا۔"
"میرے خیال میں تم نے قاسم کو مار کر غلطی کی ہے ——"
سلطان شاہ پرخیال لہجے میں بولا۔" اسے بری طرح مار پیٹ کر
زندہ چھوڑ دیتے تو بہتر ہوتا۔ کم از کم ہمیں یہ تو معلوم تھا کہ ہمارا دشمن
کون ہے، اس کے مرنے کے بعد اس کی جگہ خالی نہیں رہے
گی اور آنے والا ہمارے لیے اجنبی ہو گا۔"
"ہوا کرے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔" اس سے ہمیں
کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ ہمارا اصل محاذ اب کراچی نہیں لاہور
میں کھلے گا۔ قاسم کی موت کے بعد شاید توقیر یہاں نہیں رکے گا۔"
"یہ پتا نہیں چل سکا کہ وہ کراچی میں کہاں مقیم ہے؟" غزالہ
نے سوال کیا۔
"وہ اپنی ذات کو بہت زیادہ پُراسرار بنائے رکھتا
ہے۔ کل رات بھی وہ جہانگیر اور اس کے ملازمین کی لاعلمی میں اسی
کے گھر میں سوتا رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ آج کسی نئے ٹھکانے
پر ہو۔"
یہ کہتے ہوئے اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ میں اس
مرحلے پر جیسوا ہاؤز کو یکسر بھلا بیٹھا تھا۔ توقیر اس عمارت میں
پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو لیکن تنظیمی ڈھانچے میں اس عمارت کی اپنی

ایک اہمیت بھی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میری آخری معلومات کے مطابق ایم ٹی تھری ہنڈرڈ نامی متروک ٹرانسمیٹر ریسیور اپنے ناقابلِ شکست حفاظتی نظام سمیت جیوا ہاؤز ہی کے ایک کمرے میں موجود تھا۔

پولیس کو جیوا ہاؤز کی طرف متوجہ کرنا شاید اس قدر سہل ثابت نہ ہوتا کیونکہ وہ عمارت شہر کے ایسے حصے میں واقع تھی جہاں بسنے والوں کی کثرت بارسوخ امرا پر مشتمل تھی اور پولیس باقاعدہ ثبوت کے بغیر وہاں کسی بھی کارروائی پر آمادہ نہ ہوتی میں نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے خود ہی ادھر کا رخ کرنا چاہیے البتہ اس بار میں غیر ضروری تخریب کاری یا آتش زنی میں اپنی صلاحیتیں صرف نہ کرنے کے بارے میں پختہ ارادہ کر چکا تھا۔

غزالہ نے سختی کے ساتھ اس وقت جیوا ہاؤز جانے کی مخالفت کی اور سلطان شاہ بھی اس کا ہم نوا ہوگیا مجبوراً مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے میں لباس وغیرہ بدل کر فارغ ہوا تو غزالہ میرے لیے کھانا لے آئی۔ غنیمت یہ تھا کہ کرنل زوار زیدی اپنے لگے بندھے اصولوں کے مطابق بہت دیر پہلے مقررہ وقت پر سو چکا تھا، وہ جاگ رہا ہوتا تو میری حالت کے بارے میں پے در پے سوالات کر کے مجھے زندگی سے بیزار کر دیتا۔

کھانے کے بعد میں نے ہوٹل واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تو غزالہ مجھے وہیں روکنے پر مصر ہوگئی اسے شبہ ہوگیا تھا کہ کہیں میں ہوٹل واپسی کے بہانے جیوا ہاؤز کی طرف نہ جا نکلوں۔

جب وہ ہمیں چھوڑ کر چلی گئی تو سلطان شاہ میرے قریب آ بیٹھا۔

"اب بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے ہو؟" اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں، فی الحال تو بالکل خالی الذہن ہوں۔" میں نے فضا میں دھواں بکھیرتے ہوئے کہا۔

"اس وقت کی نہیں، میں آئندہ حکمت عملی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

"حکمت عملی تو لاہور پہنچ کر ہی سامنے آسکے گی۔"

"تم شاید کچھ الجھ گئے ہو کہیں اسے لوٹے سے خوفزدہ تو نہیں ہوگئے؟" اس نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

میں بے اختیار مسکرا دیا "کس بات سے اندازہ لگایا تم نے؟"

"کچھ کھوئے کھوئے سے نظر آنے لگے ہو تم۔"

"مجھے نہ خوف ہے نہ تشویش، بس ایک ہی خیال مجھے کھائے جارہا ہے کہ زندگی میں بہتیرے اتفاقات رونما ہوتے رہتے ہیں لیکن میرے ساتھ سنگین ترین اتفاق ہوا ہے، برسوں پہلے جس قصے کو لاہور میں دفن کرنے کے بعد میں نے کراچی میں نئی زندگی کی ابتدا کرنے کی کوشش کی وہ آج پھر میرے سامنے ہے۔ ایک ہی باپ کی اولادیں ایک دوسرے کے سامنے ہیں۔ میرا اندازہ ہے یا وہ مجھے فنا کردیں گے یا میں ان پر غالب آجاؤں گا لیکن یہ بھائیوں کا اور خونی کھیل میرا مقدر کیوں بن گیا ہے؟"

"بدل ڈالو اس مقدر کو، معاف کردو اپنے بھائیوں کو۔"

"میں انھیں معاف کردوں لیکن وہ میرے لہو کے پیاسے ہیں، میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

"انھیں بھول کر کسی بھی گمنام سمت میں نکل جاؤ پھر کسی مقام پر ڈیرا ڈال دو جہاں وہ تمہارا سایا بھی نہ پا سکیں۔"

"بات میرے مشن کی آپڑی ہے سلطان شاہ۔ ذاتی دشمنی کو میں بھول سکتا ہوں لیکن میں نے ہیروئن کی تجارت کی بیخ کنی کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے، توقیر اور تصویر اس گھناؤنی تجارت کے روحِ رواں ہیں۔ وہ دانستہ مجھ سے مخاصمت رکھتے ہیں اور میں بے خبری میں ان سے دشمنی مول لے بیٹھا ہوں۔ اس مشن میں میرے ساتھ صرف تم ہی نہیں غزالہ بھی میری ہم سفر ہے۔"

"میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔" وہ پُرخلوص لہجے میں بولا۔ "لیکن ایمانداری کے ساتھ سوچو کہ تم ان کا کیا بگاڑ لو گے ان کالے دھندوں میں بے حساب آمدنی ہوتی ہے ایک توقیر کی جگہ خالی ہوگا تو دس نئے توقیر پیدا ہو جائیں گے جب تک نشے کے طلبگار ختم نہ ہوں گے، ہر نشے کی تجارت پروان چڑھتی رہے گی۔"

"یہ سب نظریاتی باتیں ہیں، انھیں میں بے عملی کے جواز سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ ایسے دھندے قانون کے خوف سے کبھی ختم نہیں ہوتے کیونکہ سزا کے مقابلے میں لالچ کا عنصر ہمیشہ بہت بڑا ہوتا ہے۔ آج شہر میں ہیروئن بیچنے والوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ شہر میں کوئی ایسا سر پھرا بھی پیدا ہوگیا ہے جو ہر ہیروئن فروش کو موت کے گھاٹ اتارنے پر تلا ہوا ہے تو تم دیکھنا کہ دو چار ہی وارداتوں کے بعد سب موت کی سوداگری سے تائب ہو جائیں گے۔"

"تو پھر یہی کام کیوں نہیں شروع کر دیتے؟"

"چھوٹے موٹے لوگ ضرور تائب ہو کر دوسرے منفعت بخش کاموں کی طرف راغب ہو جائیں گے لیکن منظم تجارت بدستور چلتی رہے گی بلکہ اور زیادہ پھلے پھولے گی کیونکہ توقیر جیسے لوگ خطرات کا مقابلہ کرنے کی طاقت اور صلاحیت رکھتے ہیں، میرا اندازہ ہے ملک میں ہیروئن کی اسّی فیصد سے زیادہ تجارت ان کی تنظیم کے قبضے میں ہے۔ ہاں ان کی جڑیں اکھاڑنے کے لیے دوسروں کو خوفزدہ کر کے گوشہ نشین کرانا آسان ہوگا۔"

ہو؟"
"تو پھر لاہور کب چل رہے ہو؟"
"لاہور جانے سے پہلے کامران کی دیکھ بھال کا کوئی معقول بندوبست کرنا ہوگا۔ وہ بے چارہ آج کل بری طرح نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ میں اندازہ لگانا چاہوں گا کہ کامران کے ذریعے غزالہ پر یا مجھ پر تو ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کی جائے گی اس کے بعد ہم بے فکری کے ساتھ لاہور روانہ ہو جائیں گے۔"

وہ اس وقت تک دھیمی آواز میں مجھ سے باتیں کرتا رہا جب تک میری آواز پر نیند کا خمار نہ چھانے لگا پھر میرا ذہن نیند کی پُرکیف وادیوں میں دھنستا چلا گیا۔

اس وقت شاید صبح کے چار بجے کا عمل تھا اور میں گہری نیند سویا ہوا تھا کہ اچانک زلزلہ سا آگیا۔ میں ہڑبڑا کر بیدار ہوا تو ایک نرم سا نسوانی ہاتھ میرے دہانے پر جم گیا۔ نیند کی جھونک میں ہونے کے باوجود میں نے غزالہ کے وجود کی جانی پہچانی خوشبو فوراً ہی شناخت کر لی۔

"گھر میں کوئی گھس آیا ہے۔" اس نے خوف سے کانپتی ہوئی آواز میں میرے کان کے قریب سرگوشی کی۔ "شاید وہ کوئی کھڑکی توڑ کر اسٹور روم میں داخل ہو چکا ہے لیکن اسٹور کا دروازہ باہر سے مقفل ہے۔ میں نے اپنے کانوں سے اس دروازے پر زور آزمائی کی آوازیں سنی ہیں۔"

میں خاموشی کے ساتھ ننگے پاؤں بستر سے اتر پڑا۔

"میں بھی چلوں؟" کمرے کی تاریک فضا میں سلطان شاہ کی سرگوشی گونجی اور میں چونک پڑا۔ وہ وہیں فرش پر پڑا سو رہا تھا اور شاید آہٹیں سن کر بیدار ہو گیا تھا۔

"تم غزالہ کے ساتھ اسٹور کے اندرونی دروازے پر پہنچو۔ میں باہر سے گھوم کر اسٹور روم میں داخل ہوتا ہوں۔" میں نے ٹٹول کر اپنا پستول سنبھالتے ہوئے کہا۔

غزالہ خوفزدہ تھی لہٰذا فطری طور پر وہ پیچھے ہی رہی سلطان شاہ دروازے کی طرف بڑھا لیکن پھر اُلٹے قدموں اندھیرے میں اندر لوٹ آیا۔

مجھے اپنی حیرت کو الفاظ میں ڈھالنے کی مہلت نہ مل سکی کیونکہ فوراً ہی دروازے کے خلا میں ایک دیو قامت انسانی ہیولا نظر آیا جس کے ایک ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا، شاید اسی نے سلطان شاہ کو الٹے قدموں کمرے میں لوٹنے پر مجبور کیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں غزالہ کی غیر ارادی چیخ کھیل ہی نہ بگاڑ دے لیکن اس بے چاری نے خوف سے لرزنے کے باوجود ذرا بھی آواز نہ نکالی۔ شاید وہ اس کھیل میں اپنے باپ کی شرکت کے بارے میں زیادہ فکرمند تھی۔

"ہینڈز اپ!" دیو قامت اجنبی نے بھاری سرگوشیانہ آواز میں حکم صادر کیا۔ اسی اثنا میں میں تاریکی کا فائدہ اٹھا کر اپنا پستول بستر پر ڈال چکا تھا، میں نے فوراً ہی دونوں ہاتھ سر سے بلند کر لیے۔

غزالہ نے سر گھما کر مایوسانہ انداز میں میری طرف دیکھا اور پھر میری تقلید میں مشینی طور پر اس کے ہاتھ بھی بلند ہو گئے لیکن سلطان شاہ جو نووارد سے سب سے قریب تھا، اس نازک مرحلے پر اپنا کام دکھا گیا۔

ہاتھ اٹھاتے اٹھاتے اس نے سر جھکا کر پوری قوت سے دوڑ لگائی اور کسی سانڈ کی طرح نووارد کے پیٹ میں وحشیانہ ٹکر رسید کر کے اسے پیچھے الٹ دیا۔

نووارد نے گرتے گرتے گولی چلا دی، کھٹ کی آواز کے ساتھ گولی نکلی اور چھت سے ٹکرا کر کسی گوشے میں جا گری۔ اس کے پستول پر یقینی طور پر سائلنسر لگا ہوا تھا۔

اجنبی جسمانی طور پر سلطان شاہ سے کہیں برتر تھا پھر سلطان شاہ زخمی بھی تھا لیکن اس وقت اس کے وجود میں نجانے کہاں سے اتنی قوت عود کر آئی تھی کہ اس نے ایک لحظے کے لیے بھی اپنے حریف کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اسی اثنا میں میں سلطان شاہ کی مدد کے لیے آگے بڑھا تو اجنبی کے دونوں ہاتھ خالی نظر آئے سنبھلنے کی کوشش میں پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

میں نے اس کی پنڈلیوں پر دو تین بھرپور ٹھوکریں لگائیں وہ کربناک لیکن دبی دبی آواز میں کراہا اور اسی وقت راہداری کرنل کی آواز سے گونج اٹھی۔

"کون ہے؟ جو جہاں ہے وہیں ٹھہرے ورنہ میں گولی مار دوں گا۔"

اس کی تحکمانہ آواز سنتے ہی اجنبی کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے پھر شاید کرنل ہی نے راہداری کا بلب روشن کر دیا دوسری طرف غزالہ نے کمرے میں روشنی کر دی۔

حملہ آور کے ساتھ ہی میں نے بھی حیرت سے پلکیں جھپکا کر کرنل کو دیکھا جو نہایت اطمینان سے خالی ہاتھ راہداری میں کھڑا اجنبی کو گھور رہا تھا۔ ہتھیار دشمنی ہونے پر اس نے بڑھ کر سائلنسر لگا ہوا پستول فرش سے اٹھا لیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟" وہ غصیلی آواز میں دہاڑا۔

"میں اسے دیکھ لوں گا۔ آپ غزالہ کو ساتھ لے جائیں۔" میں نے نرم لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"غزالہ؟" کرنل نے حیرت سے کہا پھر سوال کیا۔ "کہاں ہے وہ؟"

اور غزالہ کمرے سے نکل کر خوف سے کانپتی ہوئی راہداری میں باپ کے سامنے آگئی۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" وہ گونجیلی آواز میں بولا۔ "میں خود دیکھوں گا کہ یہ بدمعاش کون ہے اور اس نے میرے گھر میں گھسنے کی جرأت کیسے کی؟"

غزالہ سر جھکائے وہاں سے چلی گئی۔ اس اثنا میں اجنبی اپنے قدموں پر کھڑا ہو چکا تھا اور یوں گھر جانے پر خائف نظر آ رہا تھا۔ روشنی ہونے کے بعد وہ میرے اور سلطان شاہ کے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔ وہ قاسم کے ساتھیوں میں سے تھا اور میرا تعاقب کرنے پر ایک بار سلطان شاہ کے ہاتھوں خاصی مار کھا چکا تھا۔

"یہاں کیا لینے آئے تھے؟" سلطان شاہ نے اس کے چہرے پر الٹے ہاتھ کا تھپڑ رسید کرتے ہوئے تلخ لہجے میں سوال کیا اور کچھ کہے بغیر کینہ توز نگاہوں سے اسے گھورنے لگا۔

"بولو!" کرنل غصے کے عالم میں دہاڑا اور وہ چونک پڑا۔

"میرا کسی سے الجھنے یا کچھ لے جانے کا ارادہ نہیں تھا۔" وہ بھاری لہجے میں، مدافعانہ انداز میں بولا۔ "میں تو بس یہ دیکھنے کے لیے اندر داخل ہوا تھا کہ یہاں کون کون چھپا ہوا ہے؟"

"تمہیں یہاں کس نے بھیجا تھا؟" میں نے آگے بڑھ کر سرد لہجے میں سوال کیا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے تلخ لہجے میں بولا۔ "قاسم سے میرا رابطہ قائم ہو گیا ہوتا تو شاید اس وقت میری جگہ وہی موجود ہوتا۔"

"اس گھر کی نشاندہی کس نے کی تھی؟"

اس کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری اور سلطان شاہ نے بلا تامل اس کے چہرے پر تھپڑ رسید کر دیا۔ اس بار آنے والے کے دہانے کے سرے سے خون کی پتلی سی لکیر بہہ نکلی۔

"پٹتے رہو گے تو عافیت میں رہو گے۔" میں نے بدستور سرد لہجے میں کہا۔ "زیادہ اڑنے کی کوشش کی تو ڈھیر کر کے یہیں کسی گوشے میں دفن کر دیے جاؤ گے، کسی کو تمہارے انجام کی بھنک بھی نہ مل سکے گی۔"

میرا وہ روپ کرنل زوار زیدی کے لیے تحیر آمیز تھا۔ وہ مجھے یوں حیرت سے دیکھ رہا تھا جیسے میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔

"آج دوپہر قاسم نے مجھے گلشن اقبال میں اکبر کی علاج گاہ پر مامور کیا تھا۔" وہ آستین سے خون کی لکیر صاف کرتے ہوئے بولا۔ "وہاں مجھے کامران نامی ایک مریض کے ملاقاتیوں پر نگاہ رکھنی تھی اور ایک آدھ کا تعاقب بھی کرنا تھا تاکہ اس کا ٹھکانا دیکھ سکوں۔ آج شام کو پھر وہاں پہنچا تو میں چوکنا ہو گیا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے کرنل کی طرف اشارہ کیا تھا اور کرنل میری استفسار طلب نگاہوں کے جواب میں اثبات میں سر ہلانے لگا تھا۔

"واپسی پر میں نے اس کا تعاقب کیا تو یہ گھر نگاہ میں آیا۔ قرب و جوار میں رہنے والوں سے تسلی بخش معلومات نہ مل سکیں۔ دوسری طرف قاسم سے بھی کوئی رابطہ نہ ہو سکا لہٰذا آج رات میں نے خود مکان میں گھسنے کا ارادہ کر لیا۔ کم از کم مجھے اتنا ضرور معلوم تھا کہ آج صبح سے قاسم پوری شدت کے ساتھ تمہاری تلاش میں تھا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا لیکن یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں اندر گھس کر خود الجھ گیا۔"

"آپ جائیں۔ اب اس سے میں نمٹ لوں گا۔" میں نے غزالہ کے باپ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"دل کھول کر میرے سامنے اس کی مرمت کر دیں پھر اسے پولیس کے حوالے کر دیں گے۔" کرنل نے تیز لہجے میں کہا۔ "اسے اور اس کا باپ قاسم کون ہے، میں اسے بھی پکڑواؤں گا۔ آخر ان لوگوں نے خود کو سمجھ کیا رکھا ہے۔"

"میں سب ٹھیک کر لوں گا۔ آپ جا کر آرام کریں۔" میں نے نرم لہجے میں دوبارہ اسے سمجھانے کی کوشش کی اور غنیمت یہ ہوا کہ اس بار اس نے بے چون و چرا میری بات مان لی۔

"اس پستول کا کیا کرو گے؟" اس نے ہاتھ میں تھامے ہوئے بے آواز ہتھیار کے بارے میں دریافت کیا۔

"اسے ضبط سمجھیے۔ فی الحال ساتھ لے جائیں، بعد میں کہیں تلف کر دیں گے۔"

میں کرنل کی آنکھوں میں ابھرنے والی چمک سے اندازہ لگا چکا تھا کہ اس بے آواز، قیمتی پستول پر اس کی نیت خراب ہو رہی تھی۔ میرے مشورے کے بعد وہ کچھ کہے بغیر مڑا اور رخصت ہو لیا۔

میدان صاف ہونے پر میں اسے اپنے کمرے میں لے آیا۔ کرنل کے بھیج دیے جانے پر میرے شکار کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"رخشی کہاں ہے؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"میں کسی رخشی کو نہیں جانتا۔"

"وہ عورت جو پہلے قاسم ہی کے ساتھ رہتی تھی۔" میں نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"اوہ۔ مسز قاسم! اسے کافی دنوں سے نہیں دیکھا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ شہر سے باہر ہی ہو۔"

"قاسم کے ٹھکانے کہاں کہاں ہیں؟"

کے معاملات سے زیادہ واقف نہیں ہیں۔
"ہم لوگ اس معاوضے پر ہم سے مختلف کام لیا کرتا تھا"
"اس کے لیے انجام دیے جانے والے کاموں کی نوعیت کیا ہوا کرتی ہے؟"
"اس دنیا کے لیے تم بھی اتنے اجنبی نہیں ہو" اس کے لہجے میں اعتماد لوٹ آیا تھا" معاوضے پر عموماً وہی کام دوسروں سے کرائے جاتے ہیں جن میں پکڑے جانے کا زیادہ خطرہ ہو۔ بعض اوقات اس کے لیے چھوٹے موٹے کام بھی سرانجام دیے ہیں"
"اور اگر میں قاسم ہی سے نجات حاصل کرنا چاہوں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
"کم از کم میرے لیے ناممکن ہے" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "میں اس کا بہت پرانا نمک خوار ہوں"
"اس کے ساتھ تم کتنے آدمی ہو؟"
"مستقل تو بس مجھ ہی کو سمجھو، ضرورت کے تحت تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی ہے"
"وقت کیوں برباد کر رہے ہو" اچانک سلطان شاہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا "اس نمک حلال کو بھی اس کے آقا تک پہنچا دو، دونوں مل کر بہت خوش ہوں گے"
"قاسم کہاں ہے؟" وہ چونک کر بولا۔
"وہ بھی خود ہی چوہے دان میں آ پھنسا تھا، اپنے ستاروں کی گردش سے تم ہمارے ہاتھ لگ ہی گئے ہو تو اب ہمارے لیے ایک کام سرانجام دینا ہوگا، انکار کی صورت میں تمھیں اپنے فیصلے پر افسوس کرنے کی مہلت بھی نہ مل سکے گی"
"کیا کام؟" اس نے تشویش زدہ لہجے میں سوال کیا۔
"جیوا ہاؤز کا نام تمھارے لیے اجنبی تو نہ ہوگا؟"
"وہی ڈیفنس والی عمارت؟" اس نے بے چینی کے ساتھ اپنے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے تائید طلب لہجے میں کہا اور میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا "وہ تو بہت خوفناک عمارت ہے"
"تمھیں ہماری نگرانی میں وہاں گھسنا ہوگا۔ اندر تھوڑا سا ہنگامہ کرنے کے بعد تم آزاد ہو گے"
"یہ تو خودکشی ہی ہوگی" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا "جیوا ہاؤز کے بارے میں قاسم نے بتایا تھا کہ اس کے احاطے میں دن رات مسلح محافظ گشت پر رہتے ہیں، موقع محل دیکھ کر تو انھیں چوٹ دی جاسکتی ہے لیکن تمھاری نگرانی میں وہاں قدم رکھنا تو موت کو دعوت دینے کے برابر ہوگا"
"یہ سوچنا تمھارا کام ہے" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "قاسم میری جان کا دشمن ہو رہا ہے، تم سمجھ سکتے ہو کہ ایسی صورت میں تمھارے ساتھ میں کیا سلوک کروں گا"

"لیکن تم مجھے غیر مسلح کر چکے ہو" وہ تذبذب کے ساتھ بولا "اسلحہ کے بغیر میں جیوا ہاؤز میں اپنا دفاع بھی نہ کر سکوں گا"
"ہتھیار پر قابض ہونے کے بعد تمھاری نیت میں فتور بھی آسکتا ہے"
"پھر تم ہی مجھے بتاؤ کہ اندر گھسنے کے بعد میرا کیا حشر ہوگا شاید ہنگامے کی نوبت آنے سے پہلے ہی جیوا ہاؤز کے محافظ مجھے اپنی گولیوں کی باڑھ پر رکھ لیں گے"
خاصی بحث کے بعد ایک قابلِ عمل طریقۂ کار طے کر لیا گیا اور پھر ہم تینوں وہاں سے روانہ ہو گئے۔ کرنل کو ہماری روانگی پر حیرت ہوئی تھی لیکن خلافِ معمول اس نے کوئی بحث نہیں چھیڑی۔
"شاید پہلے تم بھی قاسم کے ساتھ مل کر کام کر رہے تھے" راستے میں اپنے انجام سے بے خبر بدنصیب قیدی نے سوال کیا۔
"یہ اندازہ کیسے لگا لیا تم نے؟"
"پہلے بھی میں بارہا تمھارے تعاقب پر مامور کیا گیا تھا لیکن ہر بار تصادم سے گریز کی ہدایت دی گئی تھی، شاید قاسم اپنی تسلی کے لیے تمھاری نگرانی کراتا رہا تھا کہ کہیں تم اس کے مفادات کے خلاف نہ چلنے لگے ہو لیکن آج صبح سے اس کے تیور بدل گئے ہیں شہر میں تمھاری تلاش میں بہت سے لوگ پھیلا دیے گئے ہیں۔ جنھیں تشدد کی کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ تمھیں زندہ پکڑنا ہے معلوم ہوتا ہے کہ قاسم سے تمھاری چل گئی ہے"
اس نے اچانک ہی ایک نازک موضوع چھیڑ دیا تھا اور میرے ذہن کے کسی گوشے میں ایک تادیبی گونج ابھرنے لگی تھی۔ میں نے سوچا کہ قاسم کو تو موت کے گھاٹ... اتار کر راستے سے ہٹا دیا گیا تھا لیکن شہر میں اس کے چھوڑے ہوئے گرگے میری بو پر لگے ہوئے تھے۔ ان کی سرگرمیاں معطل کرانے کے لیے ضروری تھا کہ قاسم کی موت کی تشہیر کی جاتی جب کہ دہانے میں فائر کر کے بھیجا اڑا دیے جانے کے باعث قاسم کی لاش شاید ناقابلِ شناخت ہو کر رہ گئی تھی۔
یونیورسٹی سے آگے، ایک ویرانے سے ناقابلِ شناخت لاش ملنے کی خبریں تو خوب اچھالی جاتیں لیکن جب دو تین روز بعد سرخ کر دلا ہاکسی اور نشانی کے ذریعے قاسم کی لاش شناخت کی جاتی تو وہ خبر نہایت غیر محسوس انداز میں چھاپی جاتی اور اس کے حواریوں کو اپنے آقا کی موت کا علم ہونے میں کئی دن لگ سکتے تھے جب کہ میرے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔
"قاسم براہِ راست آدمیوں سے کام لیتا تھا یا اس کا زیرِ زمین دنیا میں کوئی خاص رابطہ بھی تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"فردوس اس کا خاص آدمی تھا۔ اس کے مطلب پر وہی قاسم کے لیے آدمی مہیا کرتا تھا۔"

"فردوس وہی تو نہیں جو لے بی سی بار کا منیجر ہوا کرتا تھا؟"

"وہی وہی۔" میرے شکار نے فوراً ہی تائید کی۔ "شراب کے امتناعی قوانین کے بعد بار کے دروازے پر تالے ڈالے جا چکے ہیں لیکن عقبی دروازہ زیرِ استعمال ہے، وہ بار آج بھی اسی دھوم دھام سے چل رہا ہے۔"

"تم بھی اسی کے ذریعے قاسم سے ملے تھے؟"

"میری کہانی ذرا مختلف ہے۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "رخشی میری بڑی بہن ہے، وہ قاسم کو ٹوٹ کر چاہتی ہے، اسی نے مجھے قاسم سے متعارف کرایا تھا۔"

"پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم اس کے موجودہ ٹھکانے سے لاعلم ہو؟"

"یہ معاملے بڑے نازک ہوا کرتے ہیں۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "رخشی میری بڑی بہن ہے اور بہت سرکش ہے میں نے ہمیشہ ہی اس کے معاملات سے دور رہنے کی کوشش کی ہے اس نے مجھے بتایا کہ وہ قاسم سے شادی کر چکی ہے اور میں نے اس کے بیان کو تسلیم کر لیا کبھی اس کی تصدیق کی کوشش نہیں کی، ایسے نازک رشتوں میں اگر کبھی کھوٹ آ جائے تو انسان اپنے آپ میں نہیں رہتا۔ مجھے بس ایک ہی خیال سے تسکین ملتی رہی کہ وہ اپنے لیے زندہ رہنے کی کوشش کر رہی تھی اور میں اپنے لیے زندہ تھا۔"

"قاسم کو علم تھا کہ تم رخشی کے بھائی ہو؟" میں نے کار کا رخ ایک طویل تر راستے کی طرف موڑتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بہت محتاط آدمی ہے، اسے علم ہو جاتا تو شاید مجھے وظیفے کے طور پر تنخواہ دیتا رہتا لیکن مجھ سے کوئی کام ہرگز نہ لیتا ہم نے رشتوں کو کبھی سامنے نہیں آنے دیا۔"

"لیکن تم آسمان سے تو نہ ٹپک پڑے ہو گے۔ تمہارا گھر بار، تمہارے والدین کون تھے اور کہاں تھے؟" اس کی کہانی سن کر مجھے اپنے زخم تازہ محسوس ہونے لگے۔ غنیمت یہ تھا کہ میں اپنی ماں کی اکلوتی اولاد تھا میری نہ کوئی بہن تھی اور نہ بھائی ورنہ میں بھی رشتوں کا اسیر ہو کر ضمیر کو مدتوں پہلے نیلام کر چکا ہوتا۔

"سنا ہے کہ ہم کسی لکھ پتی کی اولاد ہیں۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "ماں ہمارے سامنے سسک سسک کر مر گئی لیکن باپ کا نام نہیں بتایا اس بے چاری کو عشق نے راندۂ درگاہ کیا تھا، ہوس کو محبت سمجھ کر گھر چھوڑ بیٹھی تھی۔ وہ مر گئی اور آج رخشی اس کی کہانی دہرا رہی ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ قاسم نے اس سے شادی ہرگز نہ کی ہوگی لیکن وہ اپنے بھائی کے سامنے بھلا کیسے حقیقت کا اعتراف کر سکتی ہے۔"

"لیکن وہ ہے کہاں؟" میں نے پُرخیال لہجے میں سوال

"کہیں بھی ہو سکتی ہے۔" وہ پُرخیال مگر تلخ لہجے میں

"بھائی ہونے کے ناتے میری سوچ محدود سی ہے خود قیاس کر سکتے ہو، عورت تو جس چھت کے نیچے چاہے لے سکتی ہے۔"

"تمہارا احساس زندہ ہے،" بڑی بہن غلط راستوں پر پڑی ہے، پھر تم زندہ کیسے ہو میرے دوست، تمہیں تو کو مار کر سکون سے سولی چڑھ جانا چاہیے۔"

وہ تلخ انداز میں ہنسنے لگا۔ "یہ نہ سمجھنا کہ تم مجھے دھوکا میں کامیاب گئے ہو، میں سمجھ چکا ہوں کہ مجھے زندہ چھوڑ مفادات کے خلاف ہے، تم چاہتے ہو کہ میں جیوا ہاؤز میں گ کی کوشش کرتے ہوئے وہاں کے محافظوں کے ہاتھوں مارا اور پھر وہ عمارت پولیس کی توجہ کا مرکز بن جائے۔ میں نے زندہ رہنے کے لیے ہر لمحے بڑی جانگسل جدوجہد کی ہے مگر اب ہو گیا ہے کہ میں پھنس چکا ہوں میں فریب کے عالم میں زندہ رہا لیکن مرتے ہوئے ہر فریب کا طلسم بکھیر دینا چاہتا ہوں مجھے معلوم ہے کہ تمہاری قاسم سے ٹھن گئی ہے، ہو سکتا ہے اسی کی کوئی عبرتناک شکست رخشی کی آنکھیں کھول سکے۔"

"تو تم مرنے کے لیے تیار ہو؟"

"شاید تیار ہی ہوں۔" وہ بڑبڑایا۔ "میرا خیال تھا کہ کبھی دغا نہ دے سکوں گا کیونکہ رخشی نے اس کے چہرے پر محترم رشتے کا نقاب چڑھایا ہوا ہے لیکن آج تم سے ملنے کے بعد مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ میرے دل میں اس کے خلاف کا ایک جہنم دہک رہا ہے۔ مرنا تو ہر ایک کو ہے، اگر مر ہمیں کسی مقصد کی آڑ بھی مل جائے تو کیا برا ہے۔"

میں کچھ نہ بولا، وہ بھی خاموش ہی رہا۔

رات کے سناٹے میں کار کے انجن کا شور کسی بیمار شور کی طرح تسلسل کے ساتھ گونجتا رہا اور راس بار کا رجو کی طرف بڑھتی رہی۔

جب تک وہ غزالہ کے گھر میں ہمارا اسیر تھا، میرے دل میں اس کے لیے قہر اور نفرت کے کوندے لپکتے رہے لیکن راستے میں اس نے جو کچھ بتایا تھا انھوں نے میرے میں اس کے لیے ہمدردی کی جوت جگا دی تھی۔ میرا دل کہ اسے قاسم کی ہلاکت کی خوشخبری سنا دوں لیکن میں ہمت نہ کر سکا۔

میری وسیع تر کامیابی کے لیے اس کی ہلاکت ناگزیر اور اگر اسے قاسم کی موت کا علم ہو جاتا تو شاید اس کے

یک بیک زندگی سے محبت کا جذبہ موجزن ہو جاتا اور وہ جیوا ہاؤز میں بیباکانہ انداز میں موت کو گلے لگانے سے انکاری ہو جاتا۔
"تمہاری بدترین نفرت کا مرکز کون ہے ؟ رخشی یا قاسم؟" میں نے موت کے سے گمبھیر سکوت کو توڑنے کے لیے سوال کیا کیونکہ اس وقت بھی جیوا ہاؤز کی مسافت پانچ سات منٹ سے کم نہ تھی۔
"اتنی کھلی کھلی گفتگو کے بعد ایسا شرمناک سوال تمہیں زیب نہیں دیتا۔" اس کی آواز ملامت آمیز تھی۔ "رخشی لاکھ بُری سہی لیکن وہ میری بہن ہے، ایک عورت ہے جسے بہت زیادہ آزادی حاصل نہیں ہوتی، قاسم نے شاید اس کی کمزوریاں بھانپ کر اس کا استحصال کیا، اسے کچھ سبز باغ دکھائے اور آج وہ اسی کے دکھائے ہوئے راستے پر چل رہی ہے۔"
"اور اگر آج کی رات قاسم کا پتا ہی صاف کر دیا جائے تو تمہارا ردِعمل کیا ہوگا؟"
"آج پہلی بار میں نے اپنے دل کو ٹٹولا ہے۔ مجھے بے اندازہ خوشی ہوگی، اس کی موت کے بعد شاید رخشی زیادہ حقیقی انداز میں اپنے مسائل کے بارے میں سوچ سکے۔"
"مگر وہ ہے کہاں میرے دوست؟" میں نے سوال کیا۔
"تم یقین کرو کہ مجھے معلوم نہیں۔" اس نے پرخلوص لہجے میں کہا۔ "اس وقت تمہارے ساتھ صریحاً خودکشی کی نیت سے جیوا ہاؤز کی طرف جا رہا ہوں۔ اگر مجھے ذرا بھی علم ہوتا تو میں ضرور بتا دیتا۔ اگر تم میں ذرا بھی انسانیت موجود ہے تو رخشی کو ایک کھلونے کے بجائے اس کے حقیقی پس منظر میں دیکھو گے۔ وہ لاکھ بری اور قابلِ ملامت سہی لیکن اس کے اندر کی عورت اسی وقت سامنے آسکے گی جب اسے قاسم کی موت کا یقین ہو جائے گا۔"

کار میں ایک بار پھر گمبھیر خاموشی چھا گئی۔
میرے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ میں نے اس مظلوم قیدی کے بارے میں جو کچھ سوچا، وہ کہاں تک درست تھا۔ وہ بے چارا مجبور اور محصور میرے رحم و کرم پر تھا، موت کو اپنے سر پر منڈلاتے دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔ اس نے ہر بات اُگل دی تھی۔ اپنی بہن رخشی سے لے کر قاسم تک ہر کردار کی اصلیت اور ڈرامے میں شرکت کا اعتراف کر بیٹھا تھا، بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اس نے اپنی زندگی کا ہر راستہ مسدود کر کے میرے لیے کامیابیوں کی راہ کھول دی تھی۔
میری کار۔ بلکہ کرنل زوار زیدی کی سالخوردہ کار ڈیفنس کے علاقے میں داخل ہو گئی۔ عقبی نشست پر نہ صرف سلطان شاہ خاموش تھا بلکہ قیدی بھی خاموش ہی تھا پھر آخر کار میں نے اپنی کار جیوا ہاؤز کے پھاٹک سے ذرا آگے گزر کر فٹ پاتھ کے کنارے روک دی۔
قیدی کی سرسراتی ہوئی آواز کار میں گونجی۔ "فی امان اللہ۔"
مجھے صدمہ سا ہوا کہ ایک قاتل اور مجرم بھی اپنے انجام کو لبیک کہتے ہوئے ان ہی کلمات کا سہارا لینے پر مجبور تھا جو مظلوم اور معصوم لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔
کار سے اُتر کر وہ جیوا ہاؤز کے آہنی پھاٹک کی طرف بڑھا پھر شاید اس نے پھاٹک پر دستک دی کیونکہ فضا میں آہنی ارتعاش کی آواز بلند ہوئی۔
بڑے پھاٹک کے بجائے ذیلی دروازہ کھلا، اس میں ایک انسانی ہیولا نظر آیا جو دستک دینے والے کے مقابل جما رہا پھر دستک دینے والا اچانک ہی لہرانے لگا۔ شاید اسے کسی شدید ضرب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔
میں نے بے دریغ دستک دینے والے، لہراتے ہوئے ہیولے پر فائر کر دیا اور اپنی کار تیزی سے آگے بڑھاتا چلا گیا۔
چند منٹ بعد میں ایک ویران پبلک بوتھ سے پولیس کو اس حادثے سے باخبر کر رہا تھا۔ میں نے صرف اسی قدر بتانے پر اکتفا کیا تھا کہ جیوا ہاؤز کے پھاٹک پر دو فریقوں میں خونریز فائرنگ کا تبادلہ جاری تھا اور قرب و جوار کے مکینوں کی زندگیاں بدترین خطرات سے دوچار تھیں۔

اس کے بعد نتائج کا مشاہدہ کرنے کے لیے وہاں نہیں رُکا تھا بلکہ تیز رفتاری کے ساتھ غزالہ کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

وہ واقعہ چونکہ صبح سویرے پیش آیا تھا لہٰذا صبح کے اخبارات میں اس کے بارے میں کوئی خبر موجود نہیں تھی۔ اسی طرح یونیورسٹی کے قریب قاسم کی لاش کے بارے میں بھی کوئی اشارہ نہ تھا۔
غزالہ کو میں نے پچھلی رات کے واقعات سے من و عن آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن کرنل زوار زیدی سے میں کنی کترا رہا تھا اور اس سے اس موضوع پر گفتگو کی نوبت ہی نہ آنے دی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس بارے میں وہ غزالہ سے بات کرنے کے بجائے مجھ سے تبادلۂ خیال کو ترجیح دے گا یا پھر سلطان شاہ کو گھیرنے کی کوشش کرے گا لہٰذا میں سلطان شاہ کو ساتھ لے کر گھر سے روانہ ہو گیا۔
تھوڑی سی جدوجہد کے بعد میں اسی رات لاہور جانے والی نائٹ کوچ پر دو نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس مرحلے پر میری دانست میں غزالہ کو ساتھ لینا خطرات کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

نشستوں کی بکنگ کے بعد واپس لوٹتے ہوئے ہاکروں کے شور سے اندازہ ہوا کہ شہر میں شام کے اخبارات ہنگامہ خیز خبروں کے ساتھ شائع ہو چکے تھے۔ میں نے ایک ٹریفک سگنل پر ہاکر سے شام کے تینوں مقامی اخبارات خرید لیے۔

سلطان شاہ انگریزی سے نابلد تھا اور میں ڈرائیونگ میں مصروف تھا لہٰذا وہ اخبارات ہوٹل پہنچنے تک میری گود میں ہی پڑے رہے۔ اس بار میں نے غزالہ کے گھر کے بجائے ایئرپورٹ کے نواح میں واقع ہوٹل کا رخ کیا تھا جہاں میں پچھلی شام ہی ایک کمرہ کرائے پر حاصل کر چکا تھا۔

کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے شام کے اخبارات کا جائزہ لیا تو چیختی چنگھاڑتی سرخیوں میں دو واقعات نمایاں تھے، جن کے پس پردہ میرا ہاتھ کارفرما تھا۔

یونیورسٹی سے ذرا آگے، ویران سڑک کے کنارے سرخ کرولا کے قریب جھاڑیوں سے ایک ناقابل شناخت لاش برآمد ہوئی تھی، جسے گوشت خور کتوں اور بھیڑیوں نے مسخ کر کے رکھ دیا تھا۔ دوسری طرف پولیس نے کسی نامعلوم کال پر بھاگ دوڑ کی تو ڈیفنس کے پرسکون علاقے میں جیوا ہاؤز نامی عمارت سے ایک لاش برآمد ہوئی تھی۔ جیوا ہاؤز کے محافظوں کے بیان کے مطابق متوفی نے زبردستی عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی پھر محافظوں کی کسی باز پرس سے پہلے ہی باہر سے ایک بے خطا فائر ہوا اور متوفی نے ان کے سامنے گر کر دم توڑ دیا۔

خبر کا سنسنی خیز پہلو یہ تھا کہ پولیس نے جائے واردات پر پہنچی تو متوفی کی لاش جائے وقوعہ سے عمارت میں گھسیٹی جا چکی تھی۔

لاش کی اس غیر قانونی چھیڑ چھاڑ کے بارے میں جیوا ہاؤز کے محافظ کوئی معقول جواب نہیں دے سکے تھے۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" خبروں کا خلاصہ سن کر سلطان شاہ نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"یہی تو غلط فہمی ہے تمھاری شاہ۔" میں نے فراخدلانہ لہجے میں کہا۔ "سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جیوا ہاؤز کی عمارت پولیس کی نگاہوں میں آگئی ہے اور اب توقیر کو واپس لوٹنے کی ہی سوجھے گی۔"

"اور آج ہم بھی لاہور جا رہے ہیں؟" اس نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔

"پہلے میرا ارادہ غزالہ کو لے جانے کا تھا لیکن اب تمھیں لے جاؤں گا۔ فی الحال اس کی گوشہ نشینی ہی بہتر رہے گی۔ لاہور میں جو کچھ کرنا ہوگا، وہ وہیں جا کر طے کیا جائے گا۔" اس نے کہا۔

"ظاہر ہے۔ میری کوشش تو یہی ہوگی کہ اولین فرصت میں توقیر اور تصویر پر ہاتھ ڈال سکوں، اصل صورتحال تو وہاں جانے کے بعد ہی سامنے آسکے گی۔"

"لیکن ابھی تک ہم بالکل بے سروسامان ہیں۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔ "پہننے کے کپڑوں کا بھی کال پڑا ہوا ہے۔ خالی ہاتھ جہاز پر چڑھے تو بلاوجہ نگاہوں میں آجائیں گے۔"

اس کی بات معقول تھی۔ میں نے اسے ساتھ لیا اور ہوٹل سے روانہ ہو گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ واپسی میں کرنل کی کار گھر پر چھوڑنے کے ساتھ ہی غزالہ وغیرہ سے بھی الوداعی ملاقات ہو جائے گی۔

بظاہر مہم آسان تھی لیکن اس کے مضمرات مہلک بھی ہو سکتے تھے اور میں شہر چھوڑنے سے پہلے اپنا ہر حساب بیباق کرنا چاہتا تھا تاکہ بعد میں کوئی خلش باقی نہ رہے۔

سلطان شاہ لاہور روانگی کے خیال سے بہت مگن تھا، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی کھلنڈرے بچے کو اس کا پسندیدہ کھلونا ملنے کی نوید دے دی گئی ہو لیکن میری نگاہوں میں وہ مہیب خطرات منڈلا رہے تھے جو توقیر یا تصویر سے ان کے اپنے شہر میں تصادم مول لینے کی صورت میں جنم لے سکتے تھے۔

غزالہ کے گھر پہنچتے ہی وہی ہوا جس سے میں گریز کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کے باپ نے پھاٹک ہی پر مجھے خوش آمدید کہا۔ اس وقت وہ اپنی بیوی کے ساتھ لان پر کرسیاں ڈالے بیٹھا ہوا تھا اور غزالہ شاید اندر تھی۔ میں گاڑی سے اترا تو کرنل نے پھاٹک بند کرتے ہوئے مجھے وہیں لان پر بیٹھنے کی دعوت دی جو ناچار مجھے قبول کرتے ہی بنی کیونکہ کرنل اس وقت وہاں اکیلا نہیں تھا، اس کے ساتھ غزالہ کی ماں بھی موجود تھی اور پچھلے چند دنوں میں مجھے اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ دکھی دل عورت میرے رویے میں بے اعتنائی محسوس کر کے مزید اداس ہو جائے۔ اپنے پس منظر اور اس سے پیدا ہونے والی معاشرتی تلخیوں نے شمع کو بہت حساس بنا دیا تھا لیکن اپنے ردعمل کے اظہار میں وہ ہمیشہ تحمل سے کام لیتی تھی کیونکہ اپنی کوکین خوری کی عادت بد کے باعث اس کے دل میں سنگین احساس جرم پرورش پا کر اس حد تک پختہ ہو چکا تھا کہ وہ بظاہر خود کو ہر جائز اور ناجائز ملامت کا سزاوار سمجھنے لگی تھی۔ ہر لمحہ کوئی

تھکی تھکی سی مسکراہٹ میں گھول کر پی جاتی تھی مگر میں جانتا تھا کہ ایسے مواقع پر وہ اندر سے ضرور افسردہ ہو جاتی ہوگی۔
"تم اندر کمرے میں چلو، میں ابھی آتا ہوں۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا اور خود لان کی طرف بڑھ گیا۔
"کہاں ہو بیٹے، تمہیں تو دیکھنے کو ہماری آنکھیں ترس گئی ہیں؟" شمع نے مجھے سلام کے جواب میں دعائیں دیتے ہوئے کہا۔
"چشمہ لگا کر دیکھا کرو۔" کرنل نے ہلکا سا قہقہہ مار کر کہا۔ "میری تو روز ملاقات ہو رہی ہے تنویر سے۔"
"غزالہ بتا رہی تھی کہ تم کل رات یہیں تھے۔" وہ اپنی بڑی بڑی خوابناک نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ کچھ پریشان سے ہو تم؟"
"نن... نہیں، پریشانی کی تو کوئی بات نہیں۔" کرنل کے بجائے شمع کو گلے پڑتے دیکھ کر میں گڑبڑا گیا۔ "سوچا تھا کہ دو چار روز یہاں رہ لوں گا، میرے گھر میں مرمت وغیرہ ہو رہی ہے۔"
"دوسرا کون ہے تمہارے ساتھ؟" اس نے ایسے عارفانہ لہجے میں سوال کیا جیسے مجھے جتا رہی ہو کہ میرے بتائے بغیر وہ اپنے قیاسات کے سہارے صورتِ حال کا صحیح اندازہ کر سکتی ہے۔
"تنویر کا ایک منہ چڑھا نوکر ہے۔" میرے جواب دینے سے پہلے کرنل بول پڑا اور میں دل ہی دل میں غصے سے کھول کر رہ گیا۔ اس ایک معاملے میں کرنل کی کھوپڑی میں شاید کوئی بنیادی فتور واقع ہو چکا تھا اور وہ میرے بار بار کے اعتراض اور وضاحت کے باوجود سلطان شاہ کے مرتبے میں کوئی اضافہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "تنویر کے ساتھ ہر وقت سائے کی طرح لگا رہتا ہے، یہ خوشامدی لوگ اپنے آزمودہ حربوں سے ہوشیار سے ہوشیار آدمی کے بھی دل میں جگہ بنا لیتے ہیں اور اپنا اُلو سیدھا کرتے رہتے ہیں۔"
"وہ اُلو سیدھا نہیں کر رہا کرنل صاحب!" میں نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔ "وہ حقیقی معنوں میں میرا دستِ راست ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ بعض معاملات میں میں اس کا احسان مند رہا ہوں۔"
"چلو دوست اور دستِ راست ہی سہی۔" شمع موقع کی نزاکت بھانپ کر دخل انداز ہوتے ہوئے بولی۔ "لیکن وہ تمہارے ساتھ کیوں ہے؟" پھر کسی خیال کے تحت فوراً ہی اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "مجھے اس کے یہاں آنے یا رہنے پر کوئی اعتراض نہیں، بلکہ مجھے خوشی ہے کہ تم اس گھر کو اپنا گھر سمجھنے لگے ہو لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ کسی غیر معمولی صورتِ حال کے رونما ہوئے بغیر تم اسے ہرگز اپنے ساتھ یہاں نہ رکھتے اور میں یہ بھی دیکھ رہی ہوں کہ تم کرنل صاحب کی کار استعمال کر رہے ہو... یہ نہ بھولو بیٹے! کہ میرا ذہن پوری طرح جاگتا رہتا ہے، تمہاری ہر الجھن کو ہم اپنی پریشانی سمجھتے ہیں۔ تمہارے بالوں کی بدلی ہوئی رنگت بھی بہت کچھ کہہ رہی ہے۔"
"ارے بھئی ہیں کچھ الجھنیں۔" کرنل نے میری مدد کے لیے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا اور پھر گویا شمع پر اپنی اہمیت جتانے کے لیے بولا۔ "اب تم تنویر کی الجھنیں جان کر کیا کرو گی، مردوں کے معاملات ہیں، ان میں نشیب و فراز آتے ہی رہتے ہیں، دو چار روز میں ہم لوگ سب ٹھیک کر لیں گے۔"
"بس بس میں یہی جاننا چاہ رہی تھی۔" وہ مسکراتے ہوئے تھکے تھکے لہجے میں بولی۔ "ہم کو تنویر میاں کا ہاتھ بٹانا چاہیے میں دیکھ رہی ہوں کہ یہ پریشان ہیں۔ اگر انھوں نے آپ کو اعتماد میں لیا ہوا ہے تو ٹھیک ہے، مجھے کوئی فکر نہیں۔"
"جاؤ۔ تم تھک گئی ہو گی۔" کرنل نے نرم لہجے میں کہا۔ "اندر جا کر آرام کرو، میں ذرا تنویر سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔" کرنل کا وہ فرمان سنتے ہی میں پریشان ہو گیا۔ شمع کی آڑ میں اس وقت مجھے کھسکنے کا موقع مل گیا تھا اور وہ غالباً گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں مجھ سے تفصیلی گفتگو کرنے کے لیے بے چین تھا۔ میں نے وہیں لان میں بیٹھے بیٹھے پُرامید نظروں سے عمارت کے برآمدے کی طرف دیکھا لیکن وہاں سناٹا تھا۔ اس وقت صرف غزالہ کی آمد ہی مجھے کرنل کی زبانی جرح سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔
"کامران سے کب ملے تھے تم؟" شمع نے اپنی کرسی میں پہلو بدلتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔
"کل۔" میں نے صفائی سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ "کل ہی کرنل صاحب بھی اس سے ملنے گئے تھے، ابھی تک تو وہ دواؤں کے زیرِ اثر زیادہ وقت بے ہوشی کے عالم میں گزارتا ہے، کوئی دورے کی کیفیت طاری نہیں ہوئی ہے لیکن صحیح اثرات چند ہفتوں کے بعد ہی سامنے آسکیں گے۔ اس سے پہلے کچھ کہنا مشکل ہے۔"
"آپ گئے تھے کل وہاں؟" شمع نے شکایت آمیز لہجے میں اپنے شوہر سے پوچھا۔
"ہاں۔" اس نے نہایت سعادت مندی کے ساتھ اقرار

کرلیا۔ "گھر سے ارادہ کرکے نکلا ہوتا تو تمھیں بھی ساتھ لے جاتا، تنویر نے تو مجھے بھی دو تین روز کے لیے ادھر جانے سے منع کیا تھا لیکن میں باہر گیا تو دل نہ مانا اور علاج گاہ جا پہنچا... بعد میں مجھے احساس ہوا کہ میں نے تنویر کا مشورہ قبول نہ کرکے ایک سنگین غلطی کی تھی۔"

"لیکن کیوں؟" وہ مجھ سے مخاطب ہوگئی۔ "وہاں جانے پر کیوں پابندی ہے؟"

"یہ تو ڈاکٹر ہی جانتا ہے، میں نے اس کی ہدایت کرنل صاحب تک پہنچا دی تھی۔" میں نے بے چارگی کے ساتھ کہا۔

کرنل مجھے گھورنے لگا۔ شاید وہ اپنی بیوی کو پورا قصہ بلاکم و کاست سنانے کی تیاری کر رہا تھا۔ قدرے توقف کے بعد وہ پھر اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "اگر تم رات کو بے سُدھ نہ سو رہی ہوتیں تو تمھیں اندازہ ہوتا کہ تنویر کا مشورہ کس قدر برمحل تھا۔"

"رات کیا ہوا تھا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "مجھ سے معمّوں میں بات نہ کریں، صاف صاف بتائیں۔ جب کامران سارا دن دواؤں کے اثر سے بے ہوش رہتا ہے تو کسی کے جانے یا نہ جانے سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

کرنل کا منہ کھلا لیکن میں جلدی سے بولنے لگا اور وہ میرا منہ دیکھتا رہ گیا۔ میں نے فوراً ہی ایک فی البدیہہ کہانی شروع کردی۔ "کامران کی بے ہوشی مسلسل نہیں ہے اسے وقفوں کے ساتھ دوائی دی جاتی ہے، ہوش میں آتا ہے تو خورد و نوش کے ساتھ اس کی دوسری ضروریات پوری کی جاتی ہیں، اس کا نفسیاتی علاج کیا جاتا ہے اور وہ پھر سو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اسے اپنے ماحول سے بالکل الگ رکھنا چاہتا ہے۔ اگر ہوش میں آنے پر کامران کو کوئی شناسا چہرہ نظر آ جائے تو علاج میں دشواریاں پیدا ہوسکتی ہیں، اس کے لاشعور کی گرہیں اور الجھ سکتی ہیں۔"

"شعور، لاشعور، تحت الشعور اور بے شعور سب خرافات ہیں مجھے ان سے کوئی غرض نہیں، بس میرا بچّہ تندرست ہونا چاہیے جس دن وہ مجھے ماں کہہ کر پہچان لے گا، میں سمجھوں گی کہ مجھے اپنی کھوئی ہوئی کائنات واپس مل گئی۔" پھر یک بیک چونک کر بولی۔ "لیکن وہ رات کی بات پھر رہ گئی۔"

"اسے چھوڑو۔" کرنل گہرا سانس لے کر بولا۔ "رات گئی، بات گئی، بس ہنگامہ ہی کھڑا ہوگیا تھا۔"

"اب تو میں ضرور سنوں گی۔" وہ کسی ضدی بچّے کی طرح بولی۔ "کیسا ہنگامہ تھا، کس نے کھڑا کیا تھا؟"

"کرنل صاحب آپ کو چڑا رہے ہیں۔" میں نے پر مسکراہٹ کے ساتھ بات سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "صرف اتنی سی بات ہے کہ رات ڈاکٹر کرنل صاحب شکایت لے کر آیا تھا۔ اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ مریض کے متعلقین اگر تعاون نہ کریں تو معالج ایسے پیچیدہ مریض کا کوئی کامیاب علاج نہیں کرسکتا، میں نے سمجھا بجھا کر رخصت کردیا تھا۔"

"یہ تو وہ ٹھیک کہتا ہے۔" شمع مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں ڈر گئی تھی، نجانے کیا ہنگامہ تھا؟ کون گھس آیا تھا گھر میں جوان بیٹے بیٹی کے باپ ہیں مگر مذاق اب تک نہیں گیا مزاج سے۔" وہ یہ کہتی ہوئی عمارت کی طرف چل دی۔

"یہ کیا چکّر شروع کردیا تم نے؟" شمع کے جاتے ہی کرنل نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔ "شمع سے آج تک میں نے کوئی بات نہیں چھپائی ہے، وہ اچھے وقت کے ساتھ میرے بُرے وقت کی بھی ساتھی رہی ہے۔"

"اگر بتانے سے کوئی فائدہ ہو تو مجھے قائل کردیں میں خود ان سے اپنے جھوٹ کا اعتراف کرکے ٹھیک ٹھیک واقعات سے آگاہ کردوں گا۔" میں نے اسے سنجیدہ پاکر خشک لہجے میں کہا۔

"قائل کردوں۔" وہ احمقانہ لہجے میں بولا۔ "قائل کرنے کی کیا ضرورت ہے مجھے؟ باہمی اعتماد بھی کوئی چیز ہوتی ہے یا نہیں۔ وہ میری بیوی ہے اور میرا فرض ہے کہ اسے ہر بات سے پوری طرح باخبر رکھوں۔"

"پھر ضرور بتا دیں، پوری کہانی سن کر ان کی راتوں کی نیند اُڑ جائے گی۔" میں نے بے پروائی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"اپنا نشہ لینے کے بعد وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجاتی ہے... خیر وہ بعد کی بات ہے، یہ بتاؤ کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ وہ کون لوگ ہیں جو تمھارے دشمن ہو رہے ہیں؟"

"میری کچھ خطرناک لوگوں سے ٹھن گئی ہے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں نے منشیات فروشوں کے ایک بڑے اور منظم گروہ سے ٹکر لے لی ہے اور اب وہ مجھے راستے سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔"

"اسی لیے تم نے اپنا گھر چھوڑ دیا ہے؟" اس نے

متفسرانہ لہجے میں کہا۔

"چھوڑا نہیں ہے بلکہ اسے جلا کر راکھ کر دیا گیا ہے۔"

میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اوہ! تو وہ اخبارات میں تمھارے ہی مکان کا قصہ چل رہا تھا۔" اس کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں "تو تم نے اب تک مجھے کیوں اندھیرے میں رکھا؟ اخبارات میں تو کسی قاتل اور اسمگلر کا حوالہ تھا۔"

"وہ خبر میں نے ہی پولیس کو دی تھی کیونکہ اس وقت منشیات فروشوں کا سرغنہ میرے گھر میں موجود تھا۔"

"اس کا وہاں کیا کام تھا؟" میرے انکشافات اس کی حیرت میں اضافہ کرتے جا رہے تھے۔

"میری تلاش کے علاوہ اور کیا مقصد ہو سکتا تھا مگر میں بروقت ہوشیار ہو گیا اور وہ مکان میں آگ لگا کر پولیس کے نرغے سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسے کسی طرح علم ہو گیا ہے کہ کامران کو میں نے ہی علاج کے لیے داخل کرایا ہے لہٰذا کامران کی نگرانی شروع کرا دی گئی۔ میں نے اسی اندیشے کے تحت آپ کو ادھر جانے سے منع کیا تھا پھر آپ نے دیکھ ہی لیا کہ آپ کا پیچھا کرتا ہوا ایک آدمی کل رات یہاں آ گھسا۔ اگر ہم سب حاضر دماغی سے کام نہ لیتے تو وہ کامیاب ہو گیا تھا۔"

"تم اسے کہاں لے گئے تھے؟"

"اسے سرغنہ کے ایک خفیہ ٹھکانے میں گھسنے پر مجبور کیا تھا۔"

"اس سے کیا حاصل ہوا تمھیں؟" اس کے چہرے پر تجسس گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

"سرغنہ کو صرف یہ جتانا چاہ رہا تھا کہ میرے ہاتھ بھی بہت لمبے ہیں۔ اگر وہ میرے گھر میں گھس سکتا ہے تو میری رسائی بھی اس تک ہو سکتی ہے لیکن اس کے ٹھکانے پر حفاظتی انتظام اتنا مضبوط ہے کہ ہمارا قیدی اندر گھسنے سے پہلے ہی پھاٹک پر محافظوں کی گولی کا نشانہ بن گیا اور اب پولیس اس قصے کی چھان بین کر رہی ہے۔"

اس وقت کرنل سے گلو خلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی، اس کے ذہن میں میری طرف سے شبہات سر ابھارنے لگے تھے۔ ایسے موقع پر اگر میں اسے ٹالنے کی کوشش کرتا تو وہ میری طرف سے بدظن ہو سکتا تھا۔ ویسے بھی پچھلی رات اس کے سامنے قاسم کے ایک آدمی سے ٹکراؤ کے بعد بات خاصی کھل چکی تھی، لہٰذا میں نے بہتر یہی سمجھا کہ اپنے کسی جرم کا اعتراف کیے بغیر اسے زیادہ سے زیادہ تفصیلات سے آگاہ کر دیا جائے۔ اسی فیصلے کے تحت میں نے قیدی کے قتل کا الزام محافظوں کے سر ڈال دیا تھا تاکہ اگلے دن کے اخبار میں اگر مقتول کی کوئی تصویر شائع ہو تو اس معاملے میں میری طرف سے کرنل کا ذہن بالکل صاف ہو۔

جب تک کرنل کو اپنے ہر سوال کا تسلی بخش جواب نہ مل گیا اس وقت تک وہ پوری یکسوئی کے ساتھ اسی موضوع میں الجھا رہا۔ آخر مطمئن ہونے کے بعد اس نے ایک نازک سوال کر ڈالا "غزالہ ان سب واقعات سے کس حد تک باخبر ہے؟"

"شاید تھوڑا بہت اندازہ ہے اسے۔" میں نے سوچ سمجھ کر جواب دیا "منشیات کے خلاف نفرت تو پہلے بھی موجود تھی میرے ذہن میں لیکن اس نفرت کو ایک مشن کا رُخ اسی وقت نصیب ہوا جب میری غزالہ سے ملاقات ہوئی۔"

"ہوں۔" اس نے حلق سے غراہٹ نما آواز نکالتے ہوئے تفہیمی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔ "اس نے شمع اور کامران کی کہانی سنائی ہوگی تم کو..... لیکن تم دونوں عقل سے بالکل کورے ہو۔ اس مشن میں مجھ سے بڑا ساتھی تم کو روئے زمین پر نہ مل سکے گا۔ تمھیں اور اسے ابتدا ہی میں مجھے اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔"

"اعتماد!" میں نے ہلکے سے دہرایا "برا نہ مانیں تو میں کہنا چاہوں گا کہ میری مداخلت سے پہلے تو شاید غزالہ آپ دونوں سے بہت دور تھی جب رشتوں کے اعتماد ہی کو ٹھیس لگی ہوئی ہو تو دوسرے مسائل پس پُشت چلے جاتے ہیں۔ اسے تو یہ تک نہیں بتایا گیا تھا کہ کامران کا ذہنی توازن بگڑنے کی وجہ کیا تھی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ بوجھل لہجے میں بولا "ہم جو فصل بوتے ہیں وہی کاٹنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہ ایک آفاقی کلیہ ہے جسے ہر ایک، دوسرے انسانوں پر بڑے اعتماد کے ساتھ چسپاں کر دیتا ہے لیکن اپنی ذات کو اس سے مستثنٰے سمجھتا ہے، ہم نے غزالہ پر اعتماد نہیں کیا اور وہ ذہنی طور پر ہم سے دور ہوتی چلی گئی، ہم تو شاید اس کا اعتماد اس حد تک کھو بیٹھے تھے کہ وہ ماں باپ سے محبت کے بجائے دھیمی دھیمی سی نفرت کرنے لگی تھی اور یہ سب کوکین کی لعنت ہے۔ شہر شہر میں اور کوچے کوچے میں تمھیں ہزاروں منشیات خور ملیں گے جو جانتے بوجھتے اپنی جانوں کو ہلاکت کا روگ لگائے چلے جا رہے ہیں لیکن میرا گھر ان سب میں سے

عجیب ہے۔ شمع کوکین کی عادی ہے اور ایک زندہ لاش کی
طرح میرے ساتھ جیسے جا رہی ہے کامران نا سمجھی میں کوکین کی
زیادہ مقدار کھا کر پاگل ہو گیا۔ بیٹی برسہا برس اپنے والدین سے
بدظن رہی... ایک نشے نے میرے پورے گھر کو آسیبوں کی
آماجگاہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ ان حالات میں مجھ سے بڑا منشیات
کا دشمن کون ہو سکتا ہے؟"

"اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔" میں نے سگریٹ سلگانے
کے بعد کہا۔ "یہ اچھی بات ہے کہ میں کھل کر کام کر سکوں گا۔ آپ
کے مشورے میرے لیے رہنما ثابت ہوں گے۔ اتنی بڑی مہم میں
کہیں نہ کہیں میں ضرور تنہائی کا شکار ہو جاتا۔"

"بس ایک چیز ذرا پریشان کن ہو گی میرے لیے۔" وہ
تشویش زدہ لہجے میں بولا۔

"وہ کیا؟" میں نے ہمہ تن گوش بن کر نیازمندانہ لہجے
میں سوال کیا لیکن وہ بولا تو میری کھوپڑی بھنا گئی اور اس
وقت پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ بظاہر سمجھدار اور معقول نظر
آنے والے لوگ بھی بعض خاص معاملات میں سنکے ہوئے
ہوتے ہیں۔

"وہی تمہارا ملازم۔ کیا نام ہے اس کا؟" وہ سادگی
کے ساتھ کہہ رہا تھا شاید سلطان شاہ کی اہمیت گھٹانے
کے لیے اس کا نام تک لینا گوارا نہیں کیا تھا۔ "اب جب میرے
اور تمہارے درمیان کوئی پردہ نہیں رہا ہے تو اس پر اتنا
زیادہ انحصار کرنا مناسب نہیں ہو گا، میرا خیال ہے کہ اسے
حساب کتاب کر کے الگ ہی کر دو۔"

"میں اسے ایک پیسا بھی نہ دوں تو بھی وہ میرا ساتھ نہیں
چھوڑے گا کرنل صاحب!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور
دے کر کہا۔ "آپ اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیں، میرے
لیے اس کی افادیت بہت زیادہ ہے وہ میرے لیے بہتیرے
ایسے کام کر گزرتا ہے جن کے لیے شاید آپ اور میں معقول کسی
فیصلے پر نہ پہنچ سکیں۔"

"خیر اب میں آئندہ اس مسئلے پر زبان نہ کھولوں گا۔"
کرنل نے میرے جواب پر مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "میں اس جیسے
لوگوں کی فطرت سے خوب واقف ہوں۔ تمہاری کمزوریاں بھانپ
کر اس نے تمہیں اپنا عادی بنا لیا ہے اور جب کوئی شخص دوسرے
کی عادت یا مجبوری بن جائے تو علیحدگی ناممکن ہو کر رہ جاتی
ہے، شمع کوکین کی عادی ہے اور تم سلطان شاہ کے عادی ہو
گئے ہو۔ یہ خیال رکھنا کہ کسی دن وہ کوئی بڑی چوٹ دے کر ایک
دم لاپتا نہ ہو جائے۔"

میں نے غصّے کے اظہار میں اُدھ جلی سگریٹ لان پر
کر جوتے سے مسل دی۔ ابتدا میں میں خود ہی اس مسئلے پر زبان
رکھنے کا عہد کر رہا تھا اور آخر میں پھر ایک مشورہ دے ڈالا
اس کی سوچ میں جو بنیادی ٹیڑھ آ چکی تھی اسے سیدھا
شاید خود اس کے بس سے باہر تھا کیونکہ کتے کی دم کبھی
ہوتی نہیں دیکھی۔

میں خاموش ہی رہا۔ کرنل نے شاید میری ناگواری
بھانپ لی اور فوراً ہی وہاں سے اٹھ گیا۔ "آؤ! اندر آ جاؤ،
چائے پئیں گے۔"

ڈرائنگ روم میں پہنچتے ہی وہ مجھے چھوڑ کر
اندر روپوش ہو گیا اور میں غزالہ کی تلاش میں چاروں طرف
نگاہیں دوڑاتا کامران کے کمرے کی طرف ہو لیا۔ میرے اندازے
کے مطابق سلطان شاہ وہیں موجود تھا لیکن غزالہ کو اس کے
ساتھ محوِ گفتگو دیکھ کر مجھے شدید حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔

"میں باہر انتظار کرتے کرتے اکتا گیا اور تم یہاں خوش
گپیوں میں مصروف ہو۔"

"میں ڈیڈی کو آپ سے گفتگو کا موقع دینا چاہ رہی
تھی، صبح سے میں ان کے سوالات سنتے سنتے تنگ آ گئی
اسی لیے یہاں سلطان شاہ سے تازہ ترین صورت حال
کا خلاصہ سن رہی تھی۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کرنل کے سوالات کے جواب میں کیا کہا تم نے؟" میں
نے وہیں ایک کرسی سنبھالتے ہوئے سوال کیا۔

"کہتی ہی کیا، بس آپ کے نجی معاملات سے لاعلمی
کا اظہار کرتی رہی۔ کچھ کہہ بیٹھتی تو آپ کے لیے اسے نباہنا
دشوار ہو جاتا۔ ویسے آپ کے مذاکرات کیسے رہے؟"

"میں نے انہیں تقریباً سب کچھ ہی بتا دیا ہے علاوہ
اور توقیر کے رشتے کے۔ انہوں نے جاننا چاہا تھا کہ تم ان
حالات سے کہاں تک واقف ہو تو میں نے یہی کہا کہ
کی بات مختلف ہے ورنہ میری زبان سے کبھی کوئی بات
تک نہیں پہنچی۔" اسی کے ساتھ میں نے پوری گفتگو کا خلاصہ
سنا ڈالا اور وہ مطمئن نظر آنے لگی۔

"آپ دونوں آج رات لاہور جا رہے ہیں؟" میرے
خاموش ہونے پر اس نے سوال کیا۔

"ہاں" میں اسے زیادہ مہلت نہیں دینا چاہتا۔" میں
نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "میرا اندازہ ہے کہ جیوا ہاؤس
پہاڑ تک پر رخشی کے بھائی کے قتل نے توقیر کو حواس باختہ
نہیں تو پریشان ضرور کر دیا ہو گا اور وہ یہاں قیام کو طول

ے بجائے چند روز کے لیے لاہور لوٹ گیا ہوگا۔"
"لاہور میں آپ اسے کہاں تلاش کریں گے؟ پچھلی بار
ری کوشش کے باوجود آپ لاہور میں بڑی ماں اور اپنے
ِتیلے بھائیوں کا سراغ نہیں لگا سکے تھے۔ اس بار تو آپ
ے اور ان دونوں کے درمیان کھلی لڑائی ہے۔ انھیں بھنک
ں مل گئی تو وہ پوری وحشیانہ قوت کے ساتھ وار کریں گے۔"
"ذہن میں ایک مبہم سا خاکہ ہے۔ اسے آخری صورت
ور پہنچ کر ہی دے سکوں گا۔ ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ سے
ھے بہت امید ہے، اس ادارے کے سہارے میری رسائی
کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔"
"نصیر خان بھی کام آئے گا۔" سلطان شاہ نے ایشین
ڈیکیٹ لمیٹڈ میں ٹی اے ملک کے مختار عام کا ذکر کرتے
ئے کہا۔ "اسے ہم نے اسی شرط پر زندہ چھوڑا تھا کہ وہ
ارے لیے کام کرتا رہے گا۔"
"میں اسے بھولا نہیں ہوں، وہ میری بساط کا ایک
م مہرہ ہے لیکن دیکھنا یہ ہوگا کہ ابھی تک اس کی حیثیت
قرار ہے یا وہ معزول و معتوب ہو چکا ہے۔ ایسے دھندوں
ں قریبی حلقے کے لوگ اچانک ہی گردش میں آتے ہیں۔ ان
کا انجام عام طور پر حیران کن اور عبرتناک ہوتا ہے۔ خدا کرے
ہ نصیر خان اس انجام سے دوچار نہ ہوا ہو۔"
"ڈیڈی کو تو آپ نے معالج کا بہانہ کر کے سمجھا دیا۔"
دشانیوں کے فکر انگیز سکوت کے بعد غزالہ نے زبان کھولی۔
لیکن مجھے بتا دیں کہ کامران سے ملنے میں کیا خطرہ ہے؟"
"کامران پر نگاہ رکھی جا رہی ہوگی، ادھر کا رخ کرنے
کا مطلب یہ ہوگا کہ تم ان کی نگاہوں میں آجاؤ گی۔ جب تک
ارے شبہات زائل نہ ہو جائیں، ادھر کا رخ بھی نہ کرنا۔ وہاں
ں کی بہت اچھی دیکھ بھال کی جا رہی ہے۔ خرچ کے معاملے
یں چھوٹ مل جانے پر اکبر بھی اس پر خصوصی توجہ دے
رہا ہے۔"
"لیکن کامران کا قصہ تو قاسم تک محدود تھا۔ آپ نے
ے راستے سے ہٹا دیا۔ اس کا آدمی جو کامران کے ملاقاتیوں
کی نگرانی پر مامور تھا وہ بھی یہاں گرفتار ہو کر جیوا ہاؤز کے پھاٹک
پر اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ پھر اب کون وہاں نگرانی کرا رہا
ہوگا؟"
"شاید تم سلطان شاہ سے یہی سمجھنا چاہ رہی تھیں۔" میں
نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "اگر بات اتنی ہی ہو تو مجھے بے حد
خوشی ہوگی لیکن سلطان شاہ یہ بتانا بھول گیا کہ رخشی قاسم سے

بہت قریب تھی۔ اگر کامران کا معاملہ قاسم نے اپنی موت سے پہلے رخشی کو بتا دیا تھا تو اپنے محبوب کی موت کے بعد وہ انتقام کی آگ میں جل رہی ہوگی۔ وہ عام گھریلو عورت نہیں ہے بلکہ تنظیم کے لیے کام کرتی رہی ہے، وہ کامران پر نگاہ رکھے گی۔ اس بارے میں شبہات صاف کیے بغیر پیش قدمی خطرناک ہوگی، زندگی رہی تو لاہور سے واپسی پر اس معاملے کو کسی طرح نمٹانے کی کوشش کروں گا۔"

کہنے کو تو میں غزالہ سے وہ سب کہتا چلا گیا لیکن رخشی کے انتقام کا ذکر آتے ہی میرے ذہن میں ایک ہولناک کوندا سا لپکا اور میں پھریری سے کر رہ گیا۔ رخشی حسین اور مکار ہونے کے ساتھ ہی سنگدل اور سفاک بھی تھی بہت جلد غصے میں آجانا اس کے مزاج میں شامل تھا۔ اگر قاسم نے مرنے سے قبل اسے بتا ہی دیا تھا کہ کامران کو اڈکشن کیور سوسائٹی کی معرفت اکبر کی علاج گاہ میں میں نے داخل کرایا تھا تو قاسم کی موت کے بعد وہ اپنی تمام تر توجہ کامران پر ہی مرکوز کر دیتی کیونکہ ان دنوں قاسم میرے پیچھے لگا ہوا تھا اور رخشی کے لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا قطعی دشوار نہ ہوتا کہ قاسم کی موت میرے ہاتھوں واقع ہوئی ہوتی۔ وہ مغلوب الغضب عورت تھی۔ اسے کامران کی ذات سے، شکار کے لیے ڈالے ہوئے چارے سے زیادہ دلچسپی نہ ہوتی۔ وہ دو چار دن انتظار کرتی اور جب کامران کی عیادت کے لیے کوئی بھی ادھر کا رخ نہ کرتا تو جھنجلا کر وہ انتقام کی پیاس بجھانے کے لیے بے ہوش کامران کو کسی بھی بہانے سے اس کے کمرے میں بآسانی ختم کر سکتی تھی۔ اس کے اس اقدام کا جواز بہت قوی ہوتا کیونکہ کامران کی موت کے بعد میں خود یا کامران کے رشتے داروں میں سے کوئی لاش کی بازیابی کے لیے سامنے آنے پر مجبور ہو جاتا اور رخشی کا کام سہل ہو جاتا۔ کامران کی موت کے ذریعے وہ مجھ تک رسائی حاصل کر سکتی تھی اور اگر وہ ایسا کر گزرتی تو میرے پاس زندگی بھر کے پچھتاوے کے سوا کچھ باقی نہ رہتا۔ غزالہ زبان سے خواہ کچھ نہ کہتی لیکن کامران کے قتل کے بعد اس کے لیے بھی کڑیاں ملانی دشوار نہ ہوتیں۔

غزالہ کچھ کہتی رہی جو میرے پلے نہ پڑ سکا۔ اس وقت میرا ذہن گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، مجھے اپنے خیالات میں گم دیکھ کر سلطان شاہ اس سے گفتگو میں مصروف ہو گیا تھا۔ ادھر میں جتنا غور کرتا رہا، اسی ایک نتیجے کو سامنے پایا کہ اگر رخشی میرے اور کامران کے تعلق سے واقف تھی تو اس کے

صبر کو آزمانا حماقت کے مترادف ہوتا۔ اس مسئلے کو فوری طور پر حل کرنا ضروری تھا ورنہ فاترالعقل کامران کا خون میری گردن پر سوار ہو جاتا۔

سارے معاملے کا کٹھن پہلو یہ تھا کہ زخشی میرے اور کامران کے تعلق سے واقف بھی ہوتی تو براہِ راست خود نگرانی کا خطرہ مول نہ لیتی۔ اپنے مقتول بھائی کے بقول وہ عورت تھی اور جہاں چاہے پناہ لے سکتی تھی، بالکل اسی کلیے کے تحت وہ زیرِ زمین دنیا کے جس آدمی سے چاہتی کام لے سکتی تھی کیونکہ قدرت نے اسے صورت کے ساتھ سراپا کا حسن بھی بہت فیاضی کے ساتھ عطا کیا تھا۔ اگر معاملہ زخشی کے لیے کام کرنے والے کی گرفت پر ٹھپ ہو کر رہ جاتا تو خطرات مزید بڑھ سکتے تھے راستہ صاف ہونے کی واحد صورت یہی تھی کہ براہِ راست زخشی پر ہاتھ ڈالنے کا موقع مل سکے۔

"آج رات لاہور جانے کا ارادہ ملتوی سمجھو!" طویل سکوت کے بعد میں نے غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کامران کا معاملہ توقیر سے زیادہ اہم ہے۔ اسے نمٹانے کے بعد ہی کچھ سوچا جائے گا۔"

"یہ ایک دم پروگرام کیسے بدل گیا آپ کا؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔ "یا تو آج رات لاہور جا رہے تھے اور اب یک بیک کامران کا خیال آ گیا ہے... آپ میری وجہ سے اپنی ترجیحات میں ردّوبدل نہ کریں۔ جہاں اتنے دن دل پر پتھر رکھا ہے تو دو چار دن اور کامران کو دیکھے بغیر گزار لوں گی، آپ بتا ہی چکے ہیں کہ وہاں اس کی گھر سے کہیں بہتر دیکھ بھال ہو رہی ہے پھر ہمیں حد سے زیادہ فکرمندی کی کیا ضرورت ہے؟"

"شاید تمھیں نہ ہو مگر مجھے ہو گئی ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "بات چل نکلی ہے تو اب اپنے منطقی انجام کو پہنچ کر ہی ختم ہو گی، میں دو چار دن کے لیے بھی کامران کو اپنے امکانی دشمنوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ طویل انتظار اور ناکامی پر جھلا کر وہ کوئی گھٹیا حرکت بھی کر سکتے ہیں۔"

"ایسا تو نہیں کہ آپ زخشی کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہوں؟" اس نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "لاکھ مجرم سہی مگر ہے وہ ایک عورت ہی، شاید اس حد تک نہ جا سکے جو آپ سوچ رہے ہیں۔"

"معاملہ کامران کا ہے، کوئی ہوش مند آدمی ہوتا تو کسی وار سے خود بھی اپنا بچاؤ کر سکتا تھا، اس کے معاملے میں میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ ایک فیصد امکان کو بھی نظرانداز نہیں کروں گا۔"

"لیکن آپ کیا کر سکیں گے؟" اس نے الجھن کے… میں سوال کیا۔

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا۔" میں نے بات ختم کرنے کی نیت سے کہا۔ "اس بارے میں کوئی سوچا سمجھا منصوبہ… نہ ہو سکے گا، حالات کے مطابق فوری فیصلہ کرنا ہو گا۔"

"کیوں نہ جہانگیر کو ٹٹولا جائے؟" سلطان شاہ نے زبان کھولی۔ "اس درمیان میں جو کچھ ہوا ہے اس پر اس کا ردِعمل سامنے آئے گا تو شاید کوئی بات سمجھ میں آ سکے۔"

"کامران والے قصے سے تو اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔" غزالہ بولی۔ "توقیر اور تنظیم کے بارے میں ضرور کچھ اندازہ ہو سکے گا۔"

سلطان شاہ احمقانہ انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ "یہ تو… بھول ہی گیا تھا!"

"لیکن پھر بھی میں تمھارے مشورے پر عمل کروں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرے ذہن میں شروع سے یہ خدشہ پرورش پا رہا ہے کہ توقیر جس غلط فہمی کی بنا پر… کی جان کا دشمن ہوا تھا وہ دور ہو چکی ہے۔ دوسری طرف توقیر اپنے کئی ساتھیوں سے محروم ہو چکا ہے۔ تنظیم کا ڈھانچہ برقرار رکھنے کے لیے اسے قابلِ اعتماد ساتھیوں کی ضرورت ہے جب کہ زخشی بڑی حد تک دیکھی بھالی اور آزمودہ عورت ہے، کہیں وہ دوبارہ تنظیم میں شامل نہ کر لی گئی ہو۔"

"ایسا ہوا تو دشواریاں بڑھ جائیں گی۔" غزالہ تشویش… لہجے میں بولی۔ "سہارا مل جانے کے بعد وہ اپنی تمام تر توجہ کامران پر مرکوز کر دے گی...!"

"زیادہ نہ سوچو۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "محض زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلے گا۔ میں ابھی جہانگیر سے بات کیے لیتا ہوں، اس وقت وہ گھر پر ہی ہو گا۔"

یہ کہہ کر میں وہاں سے اٹھ گیا، فون پر نمبر ملاتے ہی… طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا۔

"کیا فون کے سرہانے ہی بیٹھے ہوئے تھے؟" میں نے جہانگیر کی آواز پہچان کر خوش دلی کے ساتھ کہا۔

"اوہ! تم ہو۔" دوسری طرف سے ایک گہری سانس…

کے ساتھ کہا گیا۔" میں بہت بے چین تھا لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تم سے کہاں اور کیسے رابطہ قائم کروں، تمہارے دفتر والے تو کچھ بتاتے ہی نہیں۔"

"دل کو دل سے راہ ہوتی ہے جہانگیر ڈیئر۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ مار کر کہا۔ "لیکن تمہاری بے چینی کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آسکی... تمہاری دو ٹوک باتیں سن کر میں نے سمجھ لیا تھا کہ اسے ٹو نے تمہارا خون سفید کردیا ہے۔"

"وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ بولتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ گہری نیند سے اٹھا ہے، سرد اور سپاٹ لہجے سے اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ کب خوش ہے اور کب ناراض..."

"تو مجھے تلاش کرکے اسے خوش کرنا چاہ رہے تھے؟"

"بکواس مت کرو!" مانوس لہجے میں اس کی غراہٹ سنائی دی۔ "وہ اس قدر غیر متوقع طور پر میرے سامنے آیا تھا کہ میں بدحواس ہوگیا اور ذہن مفلوج ہو کر رہ گیا، تم یقین نہیں کرو گے کہ جتنی دیر میں اس کے ساتھ رہا، خود کو ایک چلتی پھرتی لاش سمجھ رہا تھا۔ ان حالات میں اس نے تمہارے خلاف جو کچھ کہا وہ کچھ اس طرح میرے ذہن میں پیوست ہوگیا جیسے وہ میرے اپنے خیالات ہوں، اسی رو میں میں نے تم سے ساری بات کی تھی کیونکہ اس وقت اسے ٹو شہر میں تھا اور مجھ پر اس کا خوف سوار تھا۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ اب وہ شہر چھوڑ چکا ہے؟"

"وہ کل ہی لوٹ گیا... لیکن تم نے میری بات نہ مان کر اچھا نہیں کیا۔"

"کون سی بات کا ذکر کر رہے ہو؟ تم نے تو اچھی خاصی تقریر کر ڈالی تھی۔ کوئی ایک آدھ بات میرے ذہن سے بھی پھسل گئی ہوگی۔" میں نے اس کے بدلتے ہوئے رویے پر دل میں خوشی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے تاکید کی تھی کہ قاسم کو نہ چھیڑنا اور تم نے اس کا پتہ ہی صاف کردیا۔"

"اس بارے میں تم پر آنچ بھی نہ آسکے گی، میں اسے تمہارے گھر سے ہانک کر بہت دور لے گیا تھا۔"

"وہ میرا دیکھا بھالا تھا، اس سے ایک سمجھوتہ ہوگیا تھا، جانتے ہو اب کس نے اس کی جگہ لی ہے؟"

"بھلا میں کیسے جان سکتا ہوں؟"

"زرمشی کو قاسم کی جگہ دے دی گئی ہے، مجھے بہت محتاط رہنا ہوگا۔"

"خاصی خوبصورت اور زندہ دل ہے، تمہارا وقت اچھا گزرے گا، بس ذرا بھابی کو ہوا نہ لگنے دینا اس کی۔" میں نے قہقہہ مار کر کہا۔ میں اسے یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ تنظیم سے ٹکر لینے کے باوجود میں حالات سے ذرا بھی خائف نہیں تھا۔ "ایک دو ملاقاتوں میں اسے بھی تفصیل سے دیکھ بھال لینا، وہ تمہارے لیے نسبتاً سہل ثابت ہوگی کیونکہ قاسم کے سازشی منصوبے میں وہ بھی برابر کی شریک تھی۔" پھر میں نے چونک کر سوال کیا۔ "بڑی بے فکری سے اپنے فون پر کھل کر باتیں کر رہے ہو۔ کیا اب گفتگو سنے جانے کا ڈر دل سے نکل گیا ہے؟"

"وہ سب اضطراری ردعمل تھا۔" ریسیور پر اس کی خفت آمیز آواز سنائی دی۔ "وہ ڈرامائی انداز میں سامنے آیا تھا۔ چہرہ نقاب میں تھا پھر میری لاعلمی میں میرے گھر میں آگھسا اور اسی طرح واپس بھی چلا گیا... تم خود سوچو کہ میری جگہ ہوتے تو تمہاری کیا حالت ہوتی؟"

"سب تمہارے سامنے ہے، میرے تو ساتھ رہا ہے وہ میرے گھر میں۔"

"نہیں!" اس کی بے ساختہ آواز سنائی دی۔

"بالکل، وہ میرا مہمان بن کر رہا ہے، یہ اور بات ہے کہ آخری لمحے تک مجھے اس کی اصلیت کا اندازہ نہ ہوسکا ورنہ وہ میرے ہاتھوں سے بچ نہ پاتا۔"

تم بھی کچھ کم خطرناک نہیں ہو... اسے پوری شدت سے تمہاری تلاش ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے ٹھنڈے دل سے سوچا تو محسوس کیا کہ تمہارے ساتھ میرا رویہ نامناسب تھا۔ وہ سب کچھ سہی لیکن ہے تو ہم جیسا ایک انسان ہی۔ اس سے کسی آسیب کی طرح ڈرنا بے سود ہے۔ آج وہ اچانک تمہارے خون کا پیاسا ہوگیا ہے کل میری بھی باری آسکتی ہے۔ طارق بے چارہ تو خیر اس کا لقمہ بن ہی گیا — پھر اس کے مفادات کے لیے ہمیں آپس میں بگاڑ پیدا کرنے سے کیا فائدہ؟"

"تمہارے اقوالِ زرّیں سن کر مجھے خوشی ہوئی کہ اب تم بالغوں کے سے انداز میں سوچنے لگے ہو لیکن مجھ سے میرا ٹھکانہ نہ پوچھ بیٹھنا، میں تم پر اب آنکھ بند کرکے بھروسا نہیں کرسکتا۔"

"ٹھکانے سے میرا کیا واسطہ۔" اس نے فوراً ہی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں میل جول تو ترک کرنا ہی ہوگا۔ نہ جانے کب نگاہوں میں آجائیں، ہاں فون نمبر ضرور دے دو تاکہ ضرورت پڑنے پر رابطہ قائم کرسکوں۔"

"نہیں دوست!" میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔ "فون نمبر

اور ٹھکانہ ایک ہی بات ہے۔ تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔
اب میں اس حماقت کا ارتکاب ہرگز نہیں کروں گا کہ کیا پتا کہ کل
پھر اے ٹو کراچی آکر تمہارے سر پر مسلط ہو جائے اور ایک
مرتبہ پھر تمہارا دماغ میری طرف سے سنک جائے اور تم مجھے
تھالی میں سجا کر اس کے حضور پیش کر دو۔ یہ غلطی نہیں ہوگی ہاں
میں خود ہی تم کو فون کرتا رہوں گا... یہ میرا وعدہ ہے۔“

”جیوا ہاؤز والے قصے میں بھی شاید تمہارا ہی ہاتھ تھا؟“
اس نے بحث کو طول دیے بغیر فوراً موضوع بدل دیا۔

”جو میری طرف ہاتھ بڑھائے گا، میں اس کے گریبان
کے چیتھڑے اڑا ڈالوں گا، وہ میرے گھر میں گھسا تھا اور میں
نے اسے اے ٹو کی چوکھٹ پر موت کے گھاٹ اتار دیا...“

”تم واقعی بہت چوکتے ہو۔“ اس کے گہرے سانس کی آواز
سنائی دی۔ ”اس وقت اے ٹو وہیں مقیم تھا۔ جیوا ہاؤز کے
محافظوں نے اس خیال سے لاش اندر گھسیٹی تھی کہ خاموشی کے
ساتھ اسے کہیں دفن کر کے خون کے نشانات صاف کر دیں
گے۔ فائر کے بارے میں پوچھ گچھ کی نوبت آئی تو انجان بن
جائیں گے۔ ویسے بھی اس علاقے میں یہ تعین کرنا دشوار ہوتا کہ
فائر کہاں ہوا ہوگا مگر خلافِ توقع پولیس فوراً ہی وہاں آ پہنچی اور
اب دشواریاں کھڑی ہو گئی ہیں۔ تم کہتے ہو کہ وہ شخص تمہارے
گھر میں گھسا تھا لیکن ہم سب کے لیے وہ اجنبی ثابت ہوا ہے۔
جیوا ہاؤز میں اے ٹو کی موجودگی کے باعث حفاظتی انتظامات
بہت سخت تھے اسی لیے نورے نے دستک کے جواب میں پھاٹک
پر ایک اجنبی کو دیکھتے ہی اس کی کھوپڑی پر ضرب لگائی تھی لیکن
اس کے گرتے گرتے گولی چلی اور اپنا کام دکھا گئی، نشانہ تمہارا
بھی بے خطا ہوتا ہے۔“

”یہ تمہاری رخشی خانم کہاں مل سکے گی؟“ میں نے سرسری
لہجے میں سوال کیا۔

”پتا نہیں، ابھی تک اس سے رابطہ نہیں ہوا میرا، دوپہر
ہی میں اے ٹو نے اس کے تقرر کی خبر دی ہے۔“

”تو کیا اسے قاسم کے انجام کی اطلاع مل گئی تھی؟“ میں نے
حیرت سے سوال کیا۔

”ہاں — شہر چھوڑنے سے پہلے اسی نے مجھے بتایا
تھا، میرا اندازہ ہے کہ وہ ہم لوگوں پر ہی انحصار نہیں کرتا بلکہ
یہاں اس کے اپنے بھی کچھ روابط ہیں، مگر تمہیں ایک دم رخشی کیسے
یاد آ گئی؟“

”جیوا ہاؤز کے پھاٹک پر مرنے والے کی لاش دیکھی تھی
اس نے؟“ میں نے جواب دینے کے بجائے سوال کر ڈالا۔

”عجیب بات کرتے ہو۔“ اس کی آواز میں چڑچڑا پن عود کر
آیا۔ ”بتا رہا ہوں کہ اس کے تقرر کی خبر دوپہر میں ملی ہے۔ اس سے
میرا رابطہ نہیں ہوا پھر وہ لاش کیسے دیکھ لیتی اور لاش سے اس
کا تعلق بھی کیا، وہ تو اب پولیس کی تحویل میں ہے۔“

”میرا مشورہ ہے کہ اس کا کھوج لگاؤ اور اسے سرکاری
مُردہ خانے پہنچنے کا مشورہ دو، ایسا نہ ہو کہ اس کا بھائی لاوارث
قرار دے کر خیراتی کھاتے میں دفنا دیا جائے۔“

”رخشی کا بھائی؟“ وہ شدید حیرت سے چیخ پڑا تھا۔
”یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ تمہیں کیسے علم ہوا اس رشتے کا؟“

”میں نے باقاعدہ باز پرس کی تھی اس سے، وہ قاسم کے
لیے کام کرتا تھا اور اسی کے ایما پر میری تلاش میں لگا ہوا تھا
وہ نہ مارا جاتا تو شاید اس کے ذریعے میں مار لیا جاتا۔“

”تم اپنے دشمنوں کی تعداد بڑھاتے جا رہے ہو۔“ میری
وضاحت کے بعد اس کی آواز سے جوش کافور ہو گیا۔ ”تنظیم
سے تصادم ایک الگ بات ہے لیکن تم نے رخشی سے ذاتی
پرخاش بھی مول لے لی ہے۔ ایک ہی رات میں تم نے اس کے
بھائی کے علاوہ محبوب کا بھی خون کیا ہے۔ شاید اے ٹو اس
بات سے واقف ہے، اسی لیے اس نے رخشی کو اپنے ساتھ ملایا
ہے۔ اے ٹو اس کے انتقامی جذبے سے بھرپور فائدہ اٹھانے
کا ارادہ رکھتا ہے۔“

”لیکن اے ٹو کا رخشی سے رابطہ کیسے ہو گیا کہ اس نے
لاہور سے رخشی کے تقرر کا حکم جاری کر دیا؟“

”میں نے بتایا نا کہ اسے کسی ذریعے سے قاسم کے انجام
کی خبر بھی مل گئی تھی، شاید شہر میں اس کے کچھ اور لوگ بھی ہیں۔
ان ہی کے ذریعے رخشی سے بھی رابطہ ہو گیا ہو گا۔“

”یہ تم... آج اتنی بے فکری سے باتیں کیسے کر رہے
ہو؟“ میں نے اچانک ہی چونک کر سوال کیا۔ ”بھابی
کہاں ہیں؟“

”خدا کا شکر ہے کہ اب رفتہ رفتہ اس کی تنہائی دور ہوتی
جا رہی ہے، کسی سہیلی کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلی ہوئی
ہے ورنہ تو واقعی بات کرنا دشوار ہو جاتی۔“

”ٹھیک ہے، پھر میں دو ایک روز میں فون کروں گا۔“

”وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔“ واپس آ کر میں نے غزالہ
اور سلطان شاہ کی استفسار طلب نگاہوں کے جواب میں تھکے
ہوئے لہجے میں کہا۔ ”جہانگیر سے بات کرنا مفید ثابت ہوئی،
آج ہی رخشی کو باقاعدہ تنظیم میں شامل کر لیا گیا ہے۔“

”جہانگیر آج کیسے مہربان ہو گیا؟“ غزالہ نے پوچھا۔

"اپنے پچھلے رویئے پر نادم تھا۔ اسے تُو سے اچانک سامنا ہو جانے پر بوکھلایا ہوا تھا لیکن اب اسے اندازہ ہو گیا ہے کہ میری ہی طرح کسی وقت اس کی بھی باری آسکتی ہے۔"

"یعنی لاہور جانے کا پروگرام اب ملتوی ہی ہو گیا؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"ہاں۔ بدقسمتی سے جہانگیر کا ابھی تک زخشی سے کوئی رابطہ نہیں ہوا ورنہ میں براہِ راست اس سے دوٹوک بات کر لیتا۔ اب ذرا لمبے طریقۂ کار پر عمل کرنا ہوگا۔"

غزالہ نے میرے پروگرام کے بارے میں واقفیت حاصل کرنا چاہی لیکن میں نے اسے ٹال دیا اور پھر سلطان شاہ کو ساتھ لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

اپنے حلیے میں چند نمایاں ظاہری تبدیلیوں کے باعث مجھے پورا یقین تھا کہ زخشی سمیت کوئی بھی شناسا مجھے دور سے پہلی نظر میں نہیں پہچان سکے گا اس لیے میں نے کوئی نیا سوانگ رچانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ گلشنِ اقبال میں اکبر کی علاج گاہ تک پہنچتے ہوئے میں نے پورے پروگرام کی جزئیات سلطان شاہ کو ذہن نشین کرا دی تھیں پھر میں نے اسے علاج گاہ سے کچھ دور کار سے اتار دیا اور وہ پیدل ہی اس طرف روانہ ہو گیا اسے وہاں پہنچ کر کامران کو دیکھنا تھا اور اسپتال کے عملے سے اس کے بارے میں دو چار سوالات کر کے باہر لوٹ آنا تھا۔ میں نے اپنی کار علاج گاہ سے کچھ دور ایسی جگہ روک لی جہاں سے میں علاج گاہ کے پھاٹک سے آنے جانے والوں پر نگاہ رکھ سکتا تھا مگر میری طرف کوئی خاص طور پر متوجہ نہ ہوتا۔

اس پروگرام کو طے کرتے ہوئے میرے ذہن میں ایک موہوم سا خطرہ موجود تھا کیونکہ توقیر سے بچنے کے لیے میں زخمی سلطان شاہ کو گھر سے اسی علاج گاہ میں لے آیا تھا مگر بعد میں قاسم کے مذموم عزائم کا اندازہ لگانے کے بعد ہم دونوں کو ہنگامی طور پر وہاں سے ایمبولینس لے کر فرار ہونا پڑا تھا۔ گو ایمبولینس جناح اسپتال کے احاطے میں چھوڑ دی گئی تھی لیکن علاج گاہ میں سلطان شاہ کی شناخت مسائل کھڑے کر سکتی تھی۔ جب وہ وہاں سے میرے ساتھ فرار ہوا تو ڈریسنگ کی وجہ سے ناقابلِ شناخت ہو کر رہ گیا تھا۔ اس وقت کے مقابلے میں اس کے زخم تیزی سے مندمل ہوئے تھے لیکن چہرے اور پیشانی پر نشانات واضح تھے۔ میرا خیال تھا کہ اس بنا پر اسے پہچانا نہ جا سکے گا، دوسری طرف سلطان شاہ نے اس مسئلے کا ذکر ہی نہیں چھیڑا تھا۔ وہ دلیری اور وفاداری کا مفہوم ہی کچھ اور سمجھتا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ یہی سوچ رہا ہوگا کہ کہیں اس کی زبان سے کسی امکانی دشواری کا ذکر سن کر میں یہ نہ سمجھ بیٹھوں کہ وہ اس مہم سے دامن بچانا چاہ رہا ہے۔

اس مقام پر سلطان شاہ کے نمودار ہونے کا انتظار کرتے ہوئے مجھے وہ اندیشے کچھ زیادہ ہی قوی محسوس ہونے لگے۔ سلطان شاہ کے مقابلے میں شاید میری ذات زیادہ محفوظ تھی۔ سر کے بالوں کی رنگت سے وضع قطع تک ہر شناخت میں تبدیلی رونما ہو چکی تھی اور محض خدوخال کی بنا پر میرا پہچانا جانا شاید ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسی طرف روانہ ہو گیا، جدھر سے سلطان کو وہاں پہنچنا تھا۔ دور سے کار پہچانتے ہی وہ ٹھٹک کر اپنی جگہ رک گیا۔ "اندر آ جاؤ۔" میں نے گاڑی اس کے قریب روکتے ہوئے کہا۔ اور اس نے کچھ نہ سمجھنے والے مشینی انداز میں پسنجر سیٹ سنبھال لی۔

"کیا پروگرام منسوخ ہو گیا؟" کار کے حرکت میں آتے ہی اس نے متحیرانہ لہجے میں سوال کیا۔

"منسوخ نہیں، کچھ تبدیل ہوا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی۔ "یہاں سے ایمبولینس لے کر فرار ہونے والا قصہ ابھی زیادہ پرانا نہیں ہوا ہے۔ تمہارے چہرے پر زخموں کے تازہ نشانات کی بنا پر تمہارے ہاتھوں زک اٹھانے والے ایمبولینس ڈرائیور یا اسپتال کے عملے کے کسی فرد نے تمہیں پہچان لیا تو تم دشواریوں میں پڑ جاؤ گے۔"

”مجھے خود بھی یہ خیال آیا تھا۔“ اس نے گہرا سانس لے کر کہا۔ ”لیکن یہ سوچ کر خاموش رہا کہ تم پروگرام بنا رہے ہو تو اس پہلو پر بھی غور کر لیا ہوگا۔ اپنی زبان سے خطرے کا اظہار کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔“

”تم نرے احمق ہی ہو۔“ میں نے کہا۔ ”میں نے سوچا ضرور تھا لیکن اس معاملے کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی — منزل پر پہنچ کر اپنی غلطی کا اندازہ ہوا اور میں واپس لوٹ آیا، اب تم کار میں رہو گے، تمھاری جگہ میں اندر جاؤں گا۔“

”یہ تو اس سے بھی برا ہوگا۔“ اس نے بلاتامل کہا۔ ”صرف بال رنگ لینے سے تم بچ نہیں سکو گے اور اگر رخشی خود وہاں موجود ہوئی تو تمھیں پہلی ہی نگاہ میں پہچان لے گی۔“

”ان میں سے کوئی پہچان لے تو فرق نہیں پڑتا۔“ میں نے بے پروائی سے کہا۔ ”اس چال کا مقصد بھی یہی ہے کہ اگر کوئی کامران پر نگاہ رکھ رہا ہے تو وہ سامنے آنے پر مجبور ہو جائے۔“

”اور اگر تمھیں پہچان کر انھوں نے اسپتال ہی میں قصہ نمٹانے کا فیصلہ کر لیا تو میں باہر ہاتھ پر ہاتھ رکھے انتظار ہی کرتا رہ جاؤں گا اور وہ ہاتھ جھاڑ کر صاف نکل جائیں گے۔“

”علاج گاہ کو اس حد تک ملوّث کرنا ناممکن ہوگا، ایسا صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب اکبر خود اس گروہ کا سرگرم رکن ہو، بس تمھیں باہر رہ کر آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی۔“

”باہر رہ کر آنکھیں کھلی رکھنے سے کچھ بھی نہ ہوگا۔“ وہ خشک لہجے میں بولا۔ ”کامران کا ذہنی توازن بگڑا ہوا ہے۔ ان میں سے کسی کو اگر یہ اچھوتا خیال سوجھ گیا تو کامران کے کمرے میں بے خبری میں تمھاری کھوپڑی پر ضرب لگا کر تمھیں بے ہوش کرے گا اور اسپتال کے عملے کو بتائے گا کہ تم کامران کے حملے کا شکار ہوئے ہو پھر تم بند ایمبولینس میں اغوا کر لیے جاؤ گے اور میں آنکھیں کھولے کھولے سوکھ جاؤں گا۔ پتا بھی نہ چل سکے گا کہ تم کب اور کہاں لے جائے گئے ہو۔“

”تمھیں سوجھی دور کی ہے۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”تمھارا خیال ہے کہ میں بالکل ہی بودا ثابت ہوں گا۔“

”یہ مطلب نہیں تھا میرا۔“ اس نے بوکھلا کر جلدی سے وضاحت کی۔ ”بے خبری میں وار کیا جائے تو ساری دلیری اور ہوشیاری دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ یہ زد و بدو مقابلے کی باتیں ہیں۔“

”پھر تم کیا چاہتے ہو؟“ میں نے فیصلہ اسی پر چھوڑتے ہوئے کہا۔

”ہم دونوں ہی الگ الگ رہتے ہوئے اندر گھسیں۔“ اس نے تجویز پیش کی۔ ”تم اندر چلے جانا، میں احاطے میں منتظر رہوں گا۔ اس طرح کوئی بھی گڑبڑ میری نظر سے نہ بچ سکے گی۔ اگر تم زیر ہی کر لیے گئے تو کم از کم احاطے تک تو لائے ہی جاؤ گے۔“

”یہ بات کچھ معقول لگتی ہے۔“ میں نے کار ایک گلی پر موڑتے ہوئے کہا۔ ”لیکن یہ یاد رکھنا کہ ناگزیر صورتِ حال پیدا ہوئے بغیر تم سامنے آنے کی کوشش نہیں کرو گے۔“

اس بار میں ایک جگہ ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ کر اتر گیا اور اس نے کار آگے بڑھا دی۔ میں نے رک کر سگریٹ سلگائی اور پھر آہستہ آہستہ علاج گاہ کی طرف چل دیا۔

احاطے میں داخل ہو کر میں نے دزدیدہ نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیا تو کرنل کی کار ایک گوشے میں کھڑی نظر آئی۔ غالباً سلطان شاہ ڈرائیونگ سیٹ پر ہی جما ہوا تھا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوا اور کسی کی توجہ کا مرکز بنے بغیر کامران کے فلور پر پہنچ گیا۔ اس علاج گاہ میں تمام یا کم از کم چند کمرے ضرور ایسے تھے جن کو اندر سے بولٹ یا مقفل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ شاید یہ بندوبست خطرناک ذہنی مریضوں کے لیے رکھا گیا تھا کہ کہیں وہ جنون میں آ کر..... کمرے میں محبوس نہ ہو جائیں یا خود کو شدید نقصان پہنچا بیٹھیں۔ ایسے کمروں میں عملے کے اراکین بلا روک ٹوک اندر داخل ہو سکتے تھے اور شاید اسی وجہ سے اس فلور پر مستعد عملہ رکھا گیا تھا جو فلور پر پہنچنے والے ہر ملاقاتی کا سوالیہ نظروں کے ساتھ استقبال کرتا تھا تاکہ ملاقاتی کسی دوسرے مریض کی خلوت میں دخل انداز نہ ہو سکے۔

نرس کو کامران کا نام بتا کر میں اس کے کمرے کی طرف چل دیا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر میں بلاتوقف اندر داخل ہوا تو فوری طور پر ایک خوشگوار حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔

کامران کے بستر کے قریب ہی کرسی ڈالے ایک خوبصورت سی درمیانی عمر کی نرس گود میں رنگ برنگی مختلف چیزیں لیے بیٹھی تھی اور کامران کے ہاتھ میں گتّے کے چند چھپے ہوئے ٹکڑے موجود تھے جنھیں بستر کی شفاف چادر پر جوڑ کر غالباً وہ کوئی تصویر یا خاکہ مکمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میری مداخلت پر وہ دونوں ہی اپنی محویت سے چونک کر میری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

نرس ہوش مند تھی لہٰذا اس کی نگاہوں میں مچلتی ہوئی زندگی کی چمک میرے لیے کوئی خاص مفہوم نہیں رکھتی تھی لیکن کامران دیوانہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں میں نے ہمیشہ ہی دہشت ناک بے رونقی اور ویرانی رچی ہوئی دیکھی تھی لہٰذا اس کی آنکھوں میں ناگواری کے ساتھ زندگی کی چمک دیکھ کر میرے دل میں اس کے لیے تشکر کا احساس امڈ آیا۔

کامران کوکین کا مارا تھا اور برسوں سے اس ایک غلطی

کا عذاب سہہ رہا تھا کہ اس نے اپنی ماں کی لاعلمی میں
کوکین کی بھاری مقدار کھالی تھی مگر اس وقت وہ نرس کے
ساتھ جس انداز میں کھیل میں منہمک تھا وہ میرے لیے بہت
حوصلہ افزا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اپنے محبوب شغل
میں اسے میری مداخلت ناگوار گزری ہے۔

"ہیلو کامران! کیا حال ہے؟" میں نے آگے بڑھتے ہوئے
اس سے سوال کیا۔

نرس اپنی گود میں رکھی ہوئی چیزیں میز پر ڈال کر اٹھ چکی
تھی۔ کامران نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے نرس
کی طرف دیکھا پھر اس کی سرسراتی ہوئی آواز میرے کانوں سے
ٹکرائی "یہ کون ہے؟ یہاں کیوں آیا ہے؟"

"تم سے ملنے آئے ہیں، خود ہی پہچاننے کی کوشش کرو۔"
نرس نے مسکراتے ہوئے شفقت آمیز لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" اس نے اچانک دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں
تھام لیں "میرا سر پھٹ رہا ہے... میں مر جاؤں گا، میں مر جاؤں
گا تم سب پاگل ہو، چلے جاؤ یہاں سے۔"

"سب جا رہے ہیں، تم ذہن پر زور نہ دو۔" نرس نے
جلدی سے اسے سہارا دے کر لٹانے کی کوشش کرتے ہوئے
کہا اور میں نے بڑھ کر بستر پر پڑے ہوئے رنگین ٹکڑے ہٹا دیے۔
میرا خیال تھا کہ وہ لیٹنے میں مزاحمت کرے گا لیکن اس نے حیرتناک
سعادت مندی کا مظاہرہ کیا اور کنپٹیاں ہتھیلیوں میں دبائے
ہوئے تکیے پر گر گیا۔ ساتھ ہی وہ دھیمی آواز میں کچھ بڑبڑاتا بھی
جا رہا تھا۔

نرس نے ٹرالی سے ایک نئی سرنج لے کر ایک شیشی
سے اس میں کوئی سیال منتقل کیا اور کامران کو پچکارتے ہوئے
بہت آرام سے وہ سیال اس کے داہنے بازو میں اتار دیا۔

کامران کی آواز فوراً ہی دھیمی ہونے لگی، عضلات کا
تناؤ ڈھیلا پڑنے لگا اور چند ہی سیکنڈ میں دوا کے زیر اثر
وہ گہری نیند یا بے ہوشی میں ڈوب گیا۔

"بہت دردناک حالات سے دوچار ہے آپ کا مریض۔"
نرس نے استعمال شدہ خالی سرنج ٹرالی کے نچلے خانے میں
پھینکتے ہوئے کہا "دو چار دن میں کبھی کبھار ذہن تھوڑا سا بیدار
ہوتا ہے لیکن ذرا بھی زور پڑنے سے تو یہی کیفیت ہوتی ہے۔ اگر یہ
انجکشن نہ دیتی تو اس پر بتدریج خطرناک دورے کی حالت
طاری ہو سکتی تھی۔"

"میں نے پہلی بار اس کی آنکھوں میں زندگی کی چمک دیکھی
ہے سسٹر۔" میں نے امید افزا لہجے میں کہا۔

"علاج مؤثر ثابت ہو رہا ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔
"ڈاکٹر اکبر اس پر بہت محنت کر رہے ہیں لیکن بگڑا ہوا کیس ہے،
بالکل صحت مند ہونے کے لیے خاصی مدت درکار ہوگی۔"

"سنبھلنے کی امید ہو تو طویل انتظار بھی کیا جا سکتا ہے۔
آپ سے بہت مانوس ہو گیا ہے۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ پھیل
گئی "تین نرسیں اس کے ہاتھوں پٹ چکی ہیں مجھ میں نجانے
کیا بات نظر آئی ہے کہ میرے ساتھ کبھی بدتمیزی نہیں کی بلکہ
کبھی کبھی بڑے شوق سے مجھے گھورتا رہتا ہے، ہو سکتا ہے
کہ مجھ میں اسے ماضی کی کسی مانوس شباہت کی جھلکیاں ملتی
ہوں، وہ بس لاشعوری سی حرکت ہوتی ہے اس کی، جب بھی
میں نے اس انہماک پر اسے ٹوکا تو فوراً ہی سنبھل جاتا ہے۔
جیسے خواب دیکھتے دیکھتے اچانک جاگ اٹھا ہو۔"

"لاشعور کام کرنے لگا ہے تو انشاءاللہ شعور بھی بحال ہو
جائے گا۔" میں نے پرامید لہجے میں کہا۔

"ڈاکٹر اکبر کی ہدایت پر درمیان میں ایک مرتبہ پھر ان تینوں
میں سے ایک نرس اس کے پاس بھیجی گئی تھی۔ اس پر نگاہ پڑتے
ہی بھڑک اٹھا تھا اور مجھے پکارنے لگا تھا۔ میں آئی تو میرے
ساتھ بالکل نارمل رہا بلکہ کچھ دیر تک کھیلتا بھی رہا۔"

"آپ کا نام کیا ہے سسٹر؟"

"میرا نام تو بس سسٹر ہی سمجھیے۔" اس نے مسکراتے
ہوئے گفتگو کو نجی حدود میں داخل ہونے سے روک دیا۔ "لیکن
کامران مجھے از خود گڈی کہنے لگا ہے... کہیں ایسا تو نہیں کہ بچپن
میں یہ نام اس کے لیے مانوس رہا ہو؟"

"کم از کم میرے علم میں نہیں۔" میں نے اعتراف کیا۔

"آپ ڈاکٹر اکبر سے ضرور مل لیں۔" اس نے اپنا سامان
سمیٹ کر ٹرالی پر رکھتے ہوئے کہا۔ "ان کا خیال ہے کہ گڈی کا
سامنے لایا جانا مریض کے حق میں بہت بہتر ثابت ہوگا۔
آپ کو دیکھنا ہوگا کہ ذہنی توازن بگڑنے سے پہلے مریض کس
کو گڈی کہتا تھا۔ ایسے معاملات میں سب کچھ ڈاکٹر نہیں کر سکتا،
مریض کے ہمدردوں کو بھی تعاون کرنا پڑتا ہے۔"

"میں ضرور ملوں گا ڈاکٹر سے۔" میں نے کہا اور وہ ٹرالی سمیت
کمرے سے چلی گئی اور میں کامران کے بستر کے قریب پڑی
ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس وقت میرے ذہن میں اس نرس
کے لیے تشکر کے جذبات امڈے چلے آ رہے تھے جو کسی صلے
یا ستائش کی پروا کیے بغیر اپنے فرض کی حدود سے بڑھ کر
ذاتی سطح پر ایک دیوانے کی دلجوئی کی کوششیں کر

رہی تھی۔

معاً کمرے کا دروازہ کھلا اور میرے دل کی دھڑکن یک بیک تیز ہو گئی۔ آنے والا مضبوط ڈیل ڈول کا ایک طویل قامت شخص تھا۔ اس کے چوڑے چہرے کی ساخت سے خشونت اور سرد مہری ٹپک رہی تھی۔ داہنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا جہاں کسی نال کا اُبھار بالکل واضح نظر آ رہا تھا۔

"ذرا بھی حرکت کی تو بے دریغ گولی مار دوں گا۔" وہ سرد مگر دھیمی آواز میں بولا۔

"کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" میں نے اپنی جگہ سے جنبش کیے بغیر سوال کیا۔ "مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے پہلے کبھی تمھیں دیکھا ہو۔"

"یہ نہ بھولو کہ ریوالور تمھارے نہیں، میرے پاس ہے۔" اس نے تنک آمیز لہجے میں کہا۔

"پہاڑ جیسا وجود رکھتے ہوئے بے عقلی کی باتیں کر رہے ہو۔" میں نے بھی ترکی بہ ترکی اہانت آمیز انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "تم یہاں ریوالور کی نمائش کرنے تو نہ آئے ہو گے، کوئی نہ کوئی مقصد بھی رہا ہو گا۔"

"مقصد بھی سامنے آ جائے گا۔ فی الحال تمھیں میرے ساتھ چلنا ہے۔"

"بہت کور ذوق آدمی ہو۔ صنفِ نازک کے ہوتے ہوئے مجھے لے جانے پر تلے ہوئے ہو۔"

"زیادہ خوش دلی دکھانے کی ضرورت نہیں۔" وہ دانت پیس کر غرایا۔ "مجھ سے دو قدم آگے چلو گے۔ جو کہوں اسی پر عمل کرتے رہنا ورنہ کھوپڑی میں روشندان نمودار ہو جائے گا۔"

"خوب! خوش دلی خود دکھا رہے ہو، الزام مجھ پر لگا رہے ہو۔ میں پھر کہتا ہوں کہ مجھے لے جانے کا ارادہ ترک کر دو، جو پوچھنا ہے میں یہیں بتانے کو تیار ہوں۔"

"زبان بند رکھو اور اب چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"کسی کے مہرے معلوم ہوتے ہو۔" میں نے سلگانے کی نیت سے کہا۔ "مقصد معلوم ہی نہیں تو مجھے کیا بتا سکو گے، بہتر یہی ہے کہ تمھارے کسی ذمے دار آدمی سے مل لیا جائے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے کرسی چھوڑ دی۔

اس کے چہرے پر غصے کے کئی رنگ آ کر گزر گئے۔

"تمھارے آگے ہاتھ اٹھا کر چلنا ہے یا ہاتھ گرا کر؟" میں نے ہلکی سی انگڑائی لیتے ہوئے مضحکانہ لہجے میں سوال کیا۔

"اگر کسی کو تمھارے زبردستی لے جائے جانے کا شبہ بھی ہو گیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔" وہ غرایا۔

"وہ تو صورت ہی سے ظاہر ہو رہا ہے۔ میں تیار ہوں، چلنا ہو تو بتا دینا۔" میری کوشش تھی کہ کمرہ چھوڑنے سے پہلے ہی اس کے ذہن پر اس قدر جھلاہٹ طاری کر دوں کہ ضرورت پیش آنے پر اس کی کھوپڑی اعتدال پر نہ رہے۔

"نکلو!" اس نے گالی دینے کے سے انداز میں کہا اور میں دروازہ کھول کر کمرے سے باہر راہداری میں نکل آیا۔ وہ سائے کی طرح میرے پیچھے ہو لیا۔

اگر کامران کی دیکھ بھال پر مامور نرس کہیں نظر آ جاتی تو میرا ارادہ تھا کہ رک کر اس سے کچھ بات کرتا لیکن وہ کہیں نظر نہ آئی مگر جب میں فلور اسٹاف کے کاؤنٹر کے قریب سے گزرا تو ایک ادھیڑ عمر نرس نے مجھے روک لیا۔ "آپ کامران کو دیکھنے آئے تھے؟"

"جی ہاں!" میں نے اس کی مداخلت پر خوشی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر اکبر اس کی فیملی کے کسی فرد سے ملنا چاہتے ہیں، شاید تنویر علی صاحب نے گارجین کے طور پر مریض کو داخل کرایا تھا۔ آپ انھیں یہ پیغام دے سکیں گے؟" اس نے ایک کاغذ دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور دے دوں گا۔" میں نے خوش خلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں خود بھی ابھی ڈاکٹر سے ملنا چاہ رہا تھا لیکن یہ غیر متوقع طور پر آ موجود ہوئے۔" میں نے پیچھے کھڑے ہوئے نو وارد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو اس صورت حال پر سخت مضطرب نظر آ رہا تھا۔ "مجھے فوری طور پر ان کے ساتھ جانا پڑ رہا ہے۔"

"اگر آپ اجازت ....!" ادھیڑ عمر نرس ملتجیانہ لہجے میں نو وارد سے مخاطب ہوئی لیکن میں نے فوراً ہی اس کی بات کاٹ دی۔ "نہ نہ .... ان کو نہ چھیڑیں، یہ گٹھیا کے مریض ہیں۔ اگر تاخیر کے باعث ان پر دورے کی کیفیت طاری ہو گئی تو ان کے بھاری بھرکم وجود کو یہاں سے لاد کر لے جانا ہمارے لیے محال ہو جائے گا، میں تنویر صاحب کو بھیج دوں گا۔"

نو وارد بے بسی کے عالم میں بس منہ بگاڑ کر رہ گیا۔ کاؤنٹر سے آگے بڑھتے ہی اس کے منہ سے بامحاورہ اور پیچیدہ قسم کی گالیوں کا طوفان اُمڈ پڑا کیونکہ اس نے گٹھیا کے مرض کو مغلظات میں سمونے کی بھونڈی کوشش کی تھی۔

علاج گاہ کی عمارت سے باہر نکلتے ہی بے اختیار میری نگاہیں اس گوشے کی طرف اٹھ گئیں جہاں سلطان خان

کار پارک کی ہوئی تھی اور مجھے یہ دیکھ کر سکون ہوا کہ دروازے سے کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا سلطان شاہ صاف نظر آرہا تھا۔

"داہنی طرف گھوم کر نیلی کار کی طرف بڑھتے جاؤ۔" برآمدے کی سیڑھیاں اترتے ہوئے نووارد نے سخت لہجے میں کہا اور میں اس کے حکم کی تعمیل میں بے چوں وچرا داہنی طرف مڑ گیا۔

میرا خیال تھا کہ نووارد اکیلا ہی ہوگا ایسی صورت میں اس کے لیے گاڑی چلانے کے ساتھ مجھ پر نگاہ رکھنا دشوار ہوتا لیکن وہ بھی کم چالاک نہیں تھا۔ اس نے مجھے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے کا حکم دیا اور خود پھرتی سے پسنجر سیٹ سنبھال لی گاڑی حرکت میں آئی تو میں سوچ رہا تھا کہ اس وقت ستارے ہی یاوری کر رہے ہیں شاید نووارد کو خوش فہمی ہو کہ اس نے مجھے ریوالور کے بل پر اغوا کر لیا تھا جب کہ حقیقت اس کے برعکس تھی اگر میں مزاحمت پر تل جاتا تو اس کے فرشتے بھی مجھے کہیں نہ لے جاسکتے بلکہ کامران کے کمرے میں ہی میں اسے زیر کر سکتا تھا اور اب اس نے اپنی دانست میں مجھے ڈرائیونگ پر مجبور کر کے اپنی پوزیشن مستحکم کر لی تھی لیکن یہ بھول گیا تھا کہ کار کے اندر اور فینڈرز پر لگے ہوئے تینوں عقب نما آئینوں کے رخ ڈرائیور کی رہنمائی کے لیے ایسے زاویوں پر سیٹ تھے کہ مجھے پیچھے آتی ہوئی سلطان شاہ کی کار مسلسل نظر آرہی تھی اور بار بار مڑ کر دیکھے بغیر اسے تعاقب کا شبہ تک نہیں ہو سکتا تھا وہ تو بس گود میں ریوالور ڈالے مطمئن بیٹھا تھا کہ اس نے مجھے پوری طرح بے بس کر لیا تھا۔

"اجازت ہو تو ایک سگریٹ سلگا لوں؟" میں نے غیر سنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔

"اگر اس نے مار مار کر گٹھیا کا مریض ہی نہ بنا ڈالا تو میرا نام نہیں۔" وہ ایک گالی دے کر بولا۔ وہ شروع ہی سے بھرا بیٹھا تھا میرے چھیڑتے ہی پھٹ پڑا۔

"تم ہی بتاؤ کہ میں اس سے کیسے پیچھا چھڑاتا۔"

میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے معصومانہ لہجے میں سوال کیا۔ "اصولاً تو اس وقت میرے لیے مریض سب سے زیادہ اہم تھا اور مجھے فوراً ڈاکٹر سے ملنا چاہیے تھا جب کہ تم مجھے ذرا بھی ڈھیل دینے پر آمادہ نہیں تھے، اسی لیے مجھے اس سے ایک سنگین بہانا تراشنا پڑ گیا۔"

"وہ بے وقوف بھی زیر لب مسکرائی تھی۔" وہ بھناتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "گٹھیا کوئی دورہ نہیں ایک مستقل مرض ہوتا ہے۔"

"اوہ! مجھے معلوم نہیں تھا۔" میں نے ایک بے ساختہ قہقہے کا صفائی سے خون کرتے ہوئے سادگی سے کہا "دراصل اس معاملے میں میری معلومات بالکل صفر ہیں، تم میری تصحیح کر سکتے تھے۔ وہ بے چاری پھر تو میری حماقت پر ٹھیک ہی مسکرائی تھی۔"

میں نے آنکھوں کے گوشوں سے دیکھا کہ وہ مجھے پھاڑ کھانے والی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ پھر میرے بشرے پر سنجیدگی کا گہرا پرتو دیکھ کر وہ پُرسکون ہوتا چلا گیا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا، میں سگریٹ پینا چاہ رہا تھا۔" اسے خاموش پا کر میں نے ٹوکا۔

"ہم پکنک پر نہیں جا رہے، تمہارے ساتھ جو کچھ ہونا ہے اس کا تصور بھی تمہاری ساری خواہشات فنا کرنے کے لیے کافی ہوگا۔" وہ تلخ اور غصیلے لہجے میں بولا۔

"جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔" میں نے لاپروائی کے ساتھ کہا۔ "تم بلاوجہ بات بات پر بھڑک رہے ہو جب کہ میری تم سے کوئی دشمنی نہیں۔ تم درمیان کے آدمی ہو، جو کہا گیا، ایمانداری کے ساتھ کر گزرے۔ میرا ٹکراؤ تو اسی سے ہے جو تم سے کام لیتی رہی ہے۔"

"تو تم بھی اس سے واقف ہو؟" اس نے تانیث کا صیغہ سنتے ہی چونک کر سوال کیا۔

"دوستی اور دشمنی کے رشتے اجنبیوں کے ساتھ نہیں ہوتے۔" میں نے بے پروایانہ انداز میں کہا۔ "مگر میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ وہ مجھے اٹھوا کر وہ کون سا مقصد حاصل کرنا چاہتی ہے۔"

اس نے اپنی جیب سے پیکٹ نکال کر دو سگریٹ سلگا اور ایک میری طرف بڑھا دیا جو میں نے خاموشی سے لے لیا۔

"تم اسے کب سے جانتے ہو؟" چند ثانیوں کے بعد اس نے سوال کیا۔

"اگر وہ وہی ہے تو خاصی پرانی آشنائی ہے۔"

"پورے شہر کی آبادی میں ایسی ایک آدھ ہی عورت ہو گی جو کسی پرخاش کی بنا پر کسی مرد کو اٹھوا سکے۔ نام کیا ہے اس کا؟"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "اس کے لیے کام کر رہے ہو تو تمھیں نام بھی معلوم ہونا چاہیے۔"

"اسی کی تصدیق کرنا چاہ رہا تھا۔" تھوڑی دیر کی گفتگو کے نتیجے میں اس کے لہجے میں مصالحانہ رنگ غالب

آگیا تھا۔

"ہر بار وہ ایک مختلف نام سے سامنے آئی لیکن اس کا اصلی نام شاید بابی ہے۔" میں نے دانستہ جھوٹ کا سہارا لیا۔ "تم اسے کس نام سے جانتے ہو؟"

"صرف آواز ہی سنی ہے فون پر۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "کام کا آدھا معاوضہ پیشگی مل چکا ہے۔"

"پھر اسے کام پورا ہونے کی اطلاع کیسے دو گے، بقیہ رقم کیسے ملے گی؟" میں نے اس کے اعتماد کو متزلزل کرنے کی نیت سے کہا۔

"تمہیں اسٹون ہاؤس میں قید کرنا ہے، وہیں ایک مخصوص جگہ پر بقایا رقم مل جائے گی۔ کام پورا ہونے کی اطلاع دینا میری ذمے داری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں اس ویران عمارت میں بھوکا پیاسا سسکا سسکا کر مارنا چاہتی ہو۔"

"پھر تم مجھے کس مار پیٹ اور تشدد کی دھمکی دے رہے تھے؟"

"اس سے مجھے کون روک سکتا ہے، اسٹون ہاؤس کی ویران عمارت میں تم میرے ہی رحم وکرم پر ہو گے۔"

"پیشگی معاوضہ کیسے ملا تھا؟" میں نے اس طریقۂ کار میں دلچسپی محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"آمادگی ظاہر کرنے کے بعد مجھے اسٹون ہاؤس کا جائزہ لینے کا مشورہ دیا گیا تھا وہیں ایک مقفل کمرے میں پیشگی رقم کا لفافہ موجود تھا۔ پوری عمارت ویران پڑی ہوئی تھی۔"

"اور تم یہ جاننا بھی نہ چاہو گے کہ تم سے کام لینے والی کون ہے؟"

"فطری تجسس کی بات اور ہے ورنہ یہ بات معاہدے میں شامل ہے کہ کامران کی عیادت کے لیے آنے والے شکار کو اسٹون ہاؤس میں قید کرنے کے بعد میں تاحکم ثانی ادھر کا رُخ نہیں کروں گا۔" وہ اندر سے خاصا سلجھا ہوا آدمی نظر آ رہا تھا۔

"میرے بارے میں خاص ہدایت دی گئی تھی؟" میں نے اس کے بدلے ہوئے مصالحانہ رویے سے فائدہ اٹھانے کی نیت سے سوال کیا۔

"شاید اسے تمہارے اور کامران کے تعلق کا علم تھا۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ جو بھی پہلا شخص وہاں پہنچے اس پر ہاتھ ڈال دوں، تمہاری جگہ کالا چور بھی ہوتا تو میرا یہی اقدام ہوتا۔"

"اور اگر میں تمہیں دگنی رقم کی پیشکش کروں تو؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

اس کی آنکھوں میں حریصانہ چمک اُبھر کر فوراً ہی معدوم ہو گئی اور وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ "جو ہو چکا سو ہو چکا، چار گنا بھی میرے لیے قابلِ قبول نہ ہو گی۔ ایسے دھندوں میں ساکھ اور بھرم کی بہت زیادہ وقعت ہوتی ہے۔"

"اور اگر میں اسٹون ہاؤس میں تمہیں زک دے کر بھاگ [illegible]"

"کوشش کر لینا، میرا نشانہ بے خطا ہے۔" اس نے [illegible] لہجے میں کہا۔ "اسپتال کی بھیڑ میں سے تمہیں یوں نکال لانے کے لیے غیر معمولی دل گردے کی ضرورت تھی۔ اب تو تم بالکل ہی بے بس ہو۔"

پھر اُس سے غیر ضروری سی گفتگو ہوتی ہی رہی حتیٰ کہ اس کے اشارے پر میں نے دوسرے مکانات سے الگ تھلگ ہوئے ایک ویران مکان کے پھاٹک کے قریب کار روک دی۔ اس نے اگنیشن آف کر کے چابی نکالی اور اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال لی۔ پھر اُس کی تقلید میں میں بھی کار سے اتر آیا۔ اُس کا داہنا ہاتھ بدستور جیب میں تھا۔ مجھے پورا یقین ہو گیا تھا کہ ضرورت پیش آنے پر وہ گولی چلانے میں لحظہ بھر کی بھی تاخیر نہیں کرے گا۔

دوسری طرف وہ راستے بھر باتوں میں اتنا منہمک رہا تھا کہ تعاقب کے امکانات پر سوچ بھی نہ سکا تھا۔ سلطان شاہ نے یہ عقل مندی کی تھی کہ ہمارے رُکنے کا اندازہ لگاتے ہی اپنی کار ایک طرف گھمائے گیا تھا اور اِس وقت تاحدِ نظر ویرانی کا راج نظر آ رہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ جنگ وجدل کے خوگر قبائلی معاشرے میں آنکھ کھولنے والے سلطان شاہ نے کار چھوڑ کر فوراً ہی مورچہ سنبھال لیا ہو گا اور ضرورت پڑنے پر خود بخود حرکت میں آجائے گا۔

آہنی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی ایک بیرونی میکینزم کو گھماتے ہی کھل گئی اور وہ میرے پیچھے اندر داخل ہو گیا۔ پختہ راہداری کے اختتام پر پتھروں سے بنی ہوئی کشادہ عمارت واقعی اپنے نام کے عین مطابق تھی۔ مجھے لانے والے نے داخلی دروازے کا قفل کھولا اور اندر داخل ہونے کے بعد ہم ایک کشادہ کمرے میں داخل ہو گئے۔ وہ سیدھا آتش دان کی طرف گیا تھا جس کے اوپر ایک پھولا ہوا لفافہ موجود تھا۔ اس نے لفافہ دیکھے بغیر کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈال لیا۔

"اب تم یہاں آرام کرو۔" اس نے ریوالور کو گردش دیتے ہوئے کہا۔ "میرا کام پورا ہو گیا۔"

میں خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ کھڑا اُسے گھورتا رہا۔ وہ ریوالور کی نال میری طرف اٹھائے اُلٹے قدموں دروازے

طرف بڑھنے لگا اور پھر باہر نکل کر اُس نے پھرتی سے دروازہ بند کر دیا۔ میں بجلی کی سی سُرعت سے دروازے کی طرف لپکا تھا لیکن دَستے پر زور آزمائی بے سُود ثابت ہوئی۔ اتنی دیر میں وہ باہر سے دروازہ مقفل کر چکا تھا اور مکان میں بس اُس کے دور ہوتے ہوئے قدموں کی ہلکی سی دھمک گونج رہی تھی۔

میں تشویش زدہ انداز میں کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ وہاں ایک وسیع و عریض مسہری، ایک کرسی اور لکھنے کی میز کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک کونے میں غالباً ملحقہ باتھ روم کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔

مجھے نہایت اطمینان کے ساتھ قید کیا جا چکا تھا اور اگر اس کارروائی کے پیچھے رخشی ہی کا ہاتھ تھا تو مجھے پورا یقین تھا کہ سلطان شاہ نہایت آسانی کے ساتھ اندر آ گھسے گا اور محتاط انداز میں مجھ تک رسائی کی کوشش کرے گا۔

رخشی نے توقیر کے لیے کام کرتے کرتے خاصے گُر سیکھ لیے تھے اور اس بار خود سامنے آئے بغیر نہایت پیشہ ورانہ انداز میں مجھے اغوا کرا لیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ رہا ہو گا کہ اس طرح اپنے کسی آدمی کے بجائے میں خود اُس کے دام میں آ جاؤں گا جب کہ میں نے اُس تک رسائی کے لیے دیدہ و دانستہ وہ راہ اختیار کی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ شکار پھنس جانے کی اطلاع پا کر وہ کب تک اِدھر کا رُخ کرتی ہے۔ اس سے آمنا سامنا ہونے تک میں وہاں سے رہائی کے بجائے اسی کمرے میں مقید رہنا پسند کرتا۔

اس کمرے میں خورد و نوش کے سامان کی غیر موجودگی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ مجھے زیادہ طویل عرصے تک انتظار نہیں کرنا ہو گا۔ اس نے اسٹون ہاؤس کی عمارت شاید اسی مقصد کے لیے کرائے پر حاصل کی تھی کہ کامران کے کسی ملاقاتی کو گھیر گھار کر میرے بارے میں معلومات حاصل کر سکے۔

کمرے کی تفصیلی تلاشی لینے پر مجھے وہاں ایک پرانا رسالہ مل گیا اور میں بستر پر دراز ہو کر اُس کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔ ابھی میں نے اس شغل کا آغاز ہی کیا تھا کہ اچانک دروازے پر ہلکے سے کھٹکے کی آواز ہوئی اور میں بستر سے اچھل کر فرش پر آ گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ میں دوڑ کر دروازے کی آڑ میں پناہ لیتا، کمرے کا دروازہ کھل گیا اور پھر رخشی کی تحیر آمیز آواز سنائی دی۔

"اوہ! اس بار تو واقعی قسمت نے ساتھ دیا ہے۔ تم خود ہی آ پھنسے ہو۔" وہ داہنے ہاتھ میں خودکار پستول لیے راہداری میں کھڑی ہوئی تھی اور اس آتشیں ہتھیار کا مہیب دہانہ میری طرف اٹھا ہوا تھا۔

"سب تمہاری کشش کا نتیجہ ہے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "یہ دوسرا موقع ہے کہ تم نے مجھ پر ہتھیار اٹھایا ہوا ہے۔ باہر کیوں کھڑی ہو؟ اندر آ جاؤ۔"

"تم تو بہت ہی سُست نکلے، مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں قیدی آہٹ پاتے ہی دروازے کی اوٹ میں نہ چھپ جائے۔" وہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔ مجھے دیکھ کر اُسے حیرت ضرور ہوئی تھی لیکن قریب آنے پر میں نے اس کے چہرے پر حزن و ملال کے سائے رقصاں دیکھے۔

"مجھے معلوم تھا کہ میں کس کا قیدی ہوں اسی لیے چھپنے کی کوشش نہیں کی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

وہ سرد اور جذبات سے عاری نگاہوں سے مجھے گھورتی رہی، پھر کرب آلود لہجے میں بولی۔ "جی چاہتا ہے کہ تمہارے ٹکڑے اُڑا دوں۔"

"کس کے لیے؟" میں نے بھی گمبھیر سنجیدگی اختیار کر لی۔ "میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟"

"تمہارے بدن سے قاسم کے خون کی بُو آ رہی ہے۔ میرے نزدیک یہ جرم ناقابلِ معافی ہے۔ ہم دونوں ایک اَن کہے خاموش معاہدے کے تحت زندگی گزار رہے تھے اور ایک دوسرے کے لیے سب کچھ تھے۔ اس خلا کو شاید میں کبھی پورا نہ کر سکوں گی۔"

"تم جانتی ہو کہ وہ میری بُو پر لگا ہوا تھا، اس کی نیت بدل چکی تھی اور وہ مجھے دست و پابستہ، اے ٹو کے قدموں میں ڈال کر اس کی خوشنودی حاصل کرنے پر تُل گیا تھا۔" میں نے تُلے تلے الفاظ استعمال کرتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ نہ مارا جاتا تو میری باری آ جاتی۔ بدلے ہوئے حالات میں ہم میں سے ایک ہی زندہ رہ سکتا تھا۔ اب یہ اُس کی بدقسمتی تھی کہ وہ میرے ایک ہمدرد کے ہاتھ لگ گیا اور مارا گیا۔ میں شاید اُسے فوری طور پر ختم نہ کرتا۔"

"تم جھوٹے ہو!" وہ بے یقینی کے عالم میں بولی۔ "وہ شیر تھا، آسانی کے ساتھ کسی کے بس میں آنے والا نہیں تھا۔ اُس کا حشر بھی راجہ سکندر جیسا ہی ہوا تھا۔ مجھے تو اب شبہ ہونے لگا ہے کہ سکندر بھی تمہارے ہی ہاتھوں مارا گیا تھا۔"

"نہ تم عدالت، نہ میں قانون کا قیدی۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "یہ اٹل حقیقت ہے کہ قاسم مر چکا، اُسے زندہ نہیں کیا جا سکتا۔ جب میں بتا رہا ہوں کہ وہ میرے آدمی کے ہاتھوں مارا گیا تو مجھے اپنا اعتراف کرنے میں کیا تامل ہوتا۔ میرے آدمی نے جو کچھ کیا، میرے ہی ایما پر کیا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اُسے زندہ نہیں پکڑ سکا تو جوش میں اُس کا قصہ ہی تمام کر دیا۔"

”کون ہے وہ؟“ اس کی آواز کسی گہرے کنوئیں کی تہ سے آتی محسوس ہوئی۔ ”میں نے قسم کھائی ہے، میں قاسم کے خون کا انتقام اپنے ہاتھوں سے لوں گی، وہ بچ نہ سکے گا۔“

”پھر تو تمہارا بنیادی مجرم میں ہی ہوں، مجھے گولی مار دو۔“ میں نے اٹل اور مضبوط لہجے میں کہا۔

”ضرور مار دیتی . . . کاش تم نے اعتراف کر لیا ہوتا۔ اگر آج کی رات گزر جاتی اور تم ہاتھ نہ آتے تو تمہیں اپنے بل سے باہر نکالنے کے لیے میں اس پاگل لڑکے کو مروانے کا فیصلہ کر چکی، تم نے مجھے دکھ پہنچایا، میں تمہاری زندگی عذاب بنا دیتی۔“

میں اندر ہی اندر کانپ کر رہ گیا۔ وہ کسی زخم خوردہ ناگن کی طرح خطرناک ہو چکی تھی اور اس کے عزائم کے بارے میں میرے اندازے درست ثابت ہو رہے تھے۔ اسے قابو میں رکھنے کے لیے مجھے ہر قدم پر محتاط رہنا تھا۔ مجھے جہانگیر سے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ توقیر بالے لوٹے سے مل گئی تھی اور قاسم کا منصب اسے سونپ دیا گیا تھا لیکن میں وہ تذکرہ چھیڑ کر جہانگیر کے لیے خطرات پیدا کر سکتا تھا۔ لہٰذا میں نے ایک اور پہلو سے وار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

”قاسم معاہدے سے مکر گیا تھا۔ اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہا، اس معاہدے کے بارے میں تمہارے کیا عزائم ہیں؟“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”کون سا معاہدہ؟“

”دلاور خان کے ذریعے اپنا مال بازار میں پھیلانے کا منصوبہ۔“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”سب بھول جاؤ۔“ مجھے محسوس ہوا جیسے... ذہنی طور پر وہ کہیں اور ہو۔ ”قاسم کو پیسے کی ہوس تھی اور وہ اپنی اسی ہوس کی بھینٹ چڑھ گیا۔ میری آرزو تو بڑی مختصر سی ہے۔ آزاد اور خوش حال زندگی کی آرزو! وہ میں ان دھندوں میں پڑے بغیر بھی پوری کر سکتی ہوں۔ پھر اس وقت تم دونوں اندر کے آدمی تھے جو چاہتے کر سکتے تھے۔ اب تم معتوب ہو چکے ہو، میں بھی باہر ہوں۔“ وہ تھکے ہوئے انداز میں بستر پر بیٹھ گئی۔ پستول والا ہاتھ بھی اس کی گود میں جا گرا۔ اس وقت وہ مکمل شکست کی ایک زندہ تصویر نظر آ رہی تھی۔

”تو کیا اب میں تمہارا قیدی نہیں ہوں؟“ میں نے حیرت سے سوال کیا۔

اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور اس نے اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”نہ قیدی ہو نہ دوست، میں ان سنگین دیواروں کے حصار میں تنہا رہ گئی ہوں۔ کیا کیا خواب دیکھے تھے میں نے قاسم کے ساتھ! لیکن ہم شہروں اور بستیوں میں ہیروئن کا زہر پھیلا کر ہنستے کھیلتے گھروں کو اجاڑ رہے ہیں اور پھر ہمارے ہی خواب اجڑ کر رہ گئے۔ شاید یہ اوپر سے قدرت کا انتقام تھا۔“

میں آہستگی سے اس کے قریب جا بیٹھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس قدر شدید جذباتی گرداب میں مبتلا ہونے کے باوجود اس نے خود کو تنظیم سے باہر ہی ظاہر کیا تھا جب کہ جہانگیر مجھے اوپر کے فیصلے سے آگاہ کر چکا تھا اور یہ بات ذرا بھی قرین قیاس نہیں لگتی تھی کہ توقیر نے زخشی کو اس کے منصب سے آگاہ کیے بغیر جہانگیر کو اپنے فیصلے کی اطلاع دے دی ہو۔ میں نے اسے ٹٹولنے اور اس کے دل میں توقیر کی طرف سے نفرت کا بیج بونے کا فیصلہ کر لیا۔

”جانے والے چلے جاتے ہیں، وقت ان کا زخم مندمل کر دیتا ہے۔ زندگی کے ہر موڑ پر تمہیں سہارے ملیں گے۔ شاید ان ہی میں سے کوئی تمہیں قاسم کا دکھ بھلا دے۔“ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔

”قاسم کا دکھ کوئی نہیں بھلا سکتا۔“ اس نے رندھے ہوئے اور مغموم لہجے میں کہا۔ ”وہ ایک بے لوث چاہنے والا تھا، اس نے کبھی مجھ پر عام مردوں کی طرح ملکیت جتانے کی کوشش نہیں کی اور پھر اپنا سمجھتا تھا۔“

”شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“ میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ”لیکن تم دونوں کے تعلق کا یہ فلسفہ آج تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔“

”آ ہی نہیں سکتا، اس لیے کہ تم سب ایک جیسے ہو، دلوں کے بجائے جسموں پر حکمرانی کو محبت کہتے ہو مگر وہ بہت ہی عجیب تھا اور سچے والہانہ انداز میں چاہتا تھا، میرے نزدیک وہ مردانگی کا شاہکار تھا۔ کتے کو پٹے میں باندھ کر یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اسے چوکھٹ سے محبت ہے۔ ہاں، زنجیر کھلنے کے بعد بھی وہ وہیں منڈلاتا رہے تو وفا کا یقین ہوتا ہے۔ میں اس سے دستبردار ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔“

اس کا انکشاف سن کر میں دنگ رہ گیا اور پھر ساری بات سمجھ میں آ گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے بے خبری میں کسی نے عقب سے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو، میں کئی منٹ تک گفتگو کا سلسلہ جاری کرنے کے قابل نہ ہو سکا اور وہ سر جھکائے سسکتی رہی۔

”شاید الیاس بھی اس راز سے واقف نہ تھا۔“ آخر کار

نے تائید طلب لہجے میں اس کے بھائی کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس بار اُس کے چونکنے کی باری تھی۔ اُس نے اپنی نمناک اور درم آلود نگاہیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔ "تم اُسے کیا جانو؟ اُسے دکھ تھا کہ قاسم تمھیں مسلسل فریب دے رہا ہے۔"

"مگر اُسے تو میں نے بتایا ہوا تھا کہ میں قاسم سے شادی کر چکی ہوں۔" اس نے میری بات کاٹ کر تحیر زدہ لہجے میں کہا۔

"سُن لینا اور بات ہے لیکن اُسے یقین نہیں آ سکا تھا۔ وہ بظاہر قاسم کے ساتھ تھا لیکن مجھ سے مل گیا تھا۔ جس رات قاسم مارا گیا، اُسی رات الیاس نے مجھ سے رجوع کیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ رات بہت اہم ہے، جیوا ہاؤز میں کوئی اہم ہستی مقیم ہے۔ وہ اندر گھس کر سب کچھ تہ و بالا کر دے گا....."

"اوہ میرے خدا! یہ میں کیا سُن رہی ہوں۔" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے بے اختیار چیخ پڑی۔ "تو کیا جیوا ہاؤز کے پھاٹک پر کسی گمنام قاتل کی گولی کا نشانہ بننے والا وہی تھا؟"

میں نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "گمنام قاتل نہیں بلکہ تمھارے بھائی پر گولی چلانے والا اے لوٹا کا کوئی خاص آدمی تھا جو جیوا ہاؤز سے دور رہ کر اس عمارت کی نگرانی کر رہا تھا اور اس نگرانی کا جواز بھی سامنے آ گیا ہے۔ مجھے اپنے ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اُس وقت اے لوٹا بذاتِ خود جیوا ہاؤز میں مقیم تھا۔"

"تمھاری اطلاع دُرست تھی۔" وہ جھکے ہوئے لہجے میں بولی۔ "یہ سب میری غلطی کی وجہ سے ہوا... الیاس کے خون کی ذمہ دار میں ہوں۔ شاید اُسے بھنک مل گئی تھی کہ میں قاسم کے ایما پر اے لوٹا سے ملنے اس رات جیوا ہاؤز گئی ہوں۔ وہ ساری رات میں نے وہیں بسر کی تھی۔ پھر منہ اندھیرے کسی اجنبی کے اندر گھسنے کی ناکام کوشش اور اُس کے پُراسرار قتل کا ہنگامہ کھڑا ہوتے ہی اس نے مجھے ایک چور راستے سے باہر نکال دیا تھا۔ میں سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ مرنے والا الیاس رہا ہوگا۔"

میری ہر ضرب کاری ثابت ہو رہی تھی۔ وہ تیزی کے ساتھ بکھرتی جا رہی تھی۔ میرے نپے تلے جھوٹ تیزی کے ساتھ اس کی خود اعتمادی کو نگلتے جا رہے تھے۔ میں نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے سوال کر ڈالا۔ "تم؟ تم اے لوٹا سے ملنے کیسے گئی تھیں۔ ابھی تو تم نے خود کو تنظیم سے باہر کا فرد کہا تھا اور میری دانست میں تم معتوب بھی تھیں۔"

"تمہارے روپوش ہوتے ہی سب کچھ صاف ہوگیا تھا۔ لے ٹو نے قاسم کو پیغام دیا تھا کہ میری طرف سے غلط فہمیاں رفع ہو چکی ہیں۔ مجھے معاف کر دیا گیا ہے اور وہ براہ راست مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں راجہ سکندر کے زمانے میں اُس سے ملتی رہی تھی۔ لہٰذا طے شدہ پروگرام کے مطابق جیوا ہاؤز پہنچ گئی۔ وہاں لے ٹو نے بتایا کہ میری طرف سے ساری غلط فہمیاں تمہاری پیدا کردہ تھیں۔ سازش تم خود کر رہے تھے لیکن شبہات کا رخ میری اور قاسم کی طرف کر دیا تھا۔"

"پھر تو تم لے ٹو کو ہزاروں کی بھیڑ میں بھی پہچان لوگی۔" میں نے پُرامید لہجے میں کہا۔

اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔ "وہ نقاب پہنے بغیر کبھی میرے سامنے نہیں آیا۔ ہمیشہ ہی مضحکہ خیز نظر آتا ہے اور شاید تمھیں علم نہ ہو کہ وہ بلا کا مے نوش ہے مگر ہر وقت اوسان میں رہتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم تنظیم میں واپس لوٹ چکی ہو؟" میں نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"واپس ہی نہیں لوٹی بلکہ لے ٹو کے وعدے کے مطابق منصب دار بھی ہوگئی ہوں۔" اس کی آواز میں غصہ اور تنفر سمٹ آیا۔ "شاید اُس کی زبان ہی کالی ہے۔"

"میں سمجھ نہیں سکا ....!"

"یہاں سے اُٹھو!" وہ میری بات کاٹ کر اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میرے اعصاب بکھر کر رہ گئے ہیں۔ شاید یہ میری زندگی کا بدترین دن ہے۔ مجھے بڑا قلق ہو رہا ہے کہ الیاس جیسا دردمند بھائی مارا گیا اور مجھے خبر تک نہ مل سکی۔"

"تم سے وہ خبر دانستہ چھپائی گئی ہوگی۔" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے شوشا چھوڑا لیکن وہ خاموش ہی رہی۔

راہداری میں آ کر وہ نکاسی کے بجائے اندر جانے والے راستے پر مڑی تو میں چونک پڑا۔ "ادھر کہاں جا رہی ہو؟"

"پھر کہاں جاؤں؟" اُس نے اُلٹا مجھ ہی سے سوال کر دیا۔

"میرا مطلب ہے کہ یہ تو شاید ویران عمارت ہے۔" میں نے ٹپٹا کر کہا۔

"اسٹون ہاؤس قاسم کی ملکیت ہے۔ مجھے اسپتال سے نکال کر وہ یہیں لایا تھا۔ تمھیں لانے والا اسے ویران ہی سمجھتا رہا ہے کیونکہ سامنے کے رُخ سے یہ ویران ہی نظر آتی ہے۔ صرف عقبی دو کمرے میرے استعمال میں ہیں، اور میں آمد و رفت کے لیے اسی طرف کھلنے والا راستا استعمال کرتی ہوں۔"

اُس طرف پہنچ کر میری آنکھیں کھل گئیں۔ اُن میں ایک کمرہ نشست گاہ کے طرز پر شاہانہ انداز میں آراستہ تھا اور دوسرا خواب گاہ پر مشتمل تھا۔ وہاں بھی تعیش کے سارے لوازمات تھے لیکن جا بجا بے ترتیبی کے ساتھ بکھری ہوئی اشیا سے اندازہ ہو رہا تھا کہ رخشی ان دنوں واقعی پراگندہ خاطر تھی۔

خواب گاہ میں دیوار گیر کیبنٹ بار کا دروازہ کھول کر اس نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا تو اس کا ہاتھ ... کُتّے کی گردن پر تھا۔ میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا اور وہ ... خوابگاہ کے ایک گوشے میں پڑے ہوئے نرم صوفے پر جا بیٹھی ... بھرا ہوا خود کار پستول اس نے سیفٹی کیچ چڑھا کر بے پروائی سے مسہری پر ڈال دیا تھا۔

میں اسے ہمدردی کا تاثر دینے کی نیت سے بھاری قدموں سے چلتا ہوا وہیں جا بیٹھا۔ اس نے ابتدا قاسم کی یاد سے کی اور ... نے اپنے جملہ گناہوں کے باوجود سوچا کہ مرنے والا کس قدر ... تھا کہ اُس کی محبوب ترین ہستی اس کا نام لال پری میں گھول رہی تھی۔

"منصب داری کی بات رہ گئی تھی۔" دوسرے دور کی ابتدا ... میں نے اُسے یاد دلایا۔

"ہیروئن کی سوداگری بھی لاشوں کی سوداگری ہو کر رہ گئی ہے!" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ اس کی آواز میں سرور کے ہلکورے فوراً ہی نمودار ہو چلے تھے۔ "لے ٹو نے کہا تھا کہ اگر کسی مرحلے پر قاسم مارا گیا تو میں اس کی جانشین مقرر کر دی جاؤں گی۔ شاید وہ قبولیت کی کوئی ساعت تھی کیونکہ قاسم اُسی رات بلکہ شاید اسی گھڑی مار ڈالا گیا، سمجھو تو اب مجھے بی فور ہوئے چوبیس گھنٹے گزر چکے ہیں۔"

"اس دوران میں لے ٹو سے رابطہ قائم نہیں ہوا تمہارا؟"

"شاید تم پہلے شناسا ملے ہو تو دل کا غبار کچھ ہلکا ہوا ہے ورنہ مجھ پر تو بس خون اور جنون سوار تھا۔ نجانے کیا بات تھی کہ تمھیں دیکھتے ہی گولی نہ چلائی، ورنہ میں تو تمہارے خون کی پیاسی ہو رہی تھی۔"

"مجھے مار کر تمھیں زیادہ دکھ ہوتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "شاید ہمارے مقدر میں یہی لکھ دیا گیا ہے کہ لڑتے بھڑتے زندہ رہیں۔ پتا نہیں اس بار کی مصالحت کتنے دن چلتی ہے پھر ریوالور بدست سر پر سوار نظر آؤ گی۔"

"میں بہت دُکھی ہوں ڈینی!" وہ خالی گلاس تپائی پر لڑھکا کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹک گئی۔ "قاسم میری زندگی کا نچوڑ تھا۔ اس کے بعد میں اندر سے بالکل خالی ہوگئی ہوں۔ وہ اکثر بڑے اچھے شعر سناتا تھا، قائل اور منشیات فروش ...

ہونے کے باوجود اسے اچھے شعر یاد رہتے تھے۔ کچھ کچھ مجھے بھی یاد رہ گئے ہیں۔ کہتا تھا :

زندگی تیرے تصور میں فنا ہو جائے گی
تو مرا شوقِ عبادت دیکھتی رہ جائے گی

اور دیکھ لو کہ جو کہتا تھا اس نے وہی کر دکھایا۔ کھیل ہی کھیل میں اپنی جان پر کھیل گیا۔ اب کہاں جاؤں؟ کہاں تلاش کروں اسے؟"

اس نے تیسرا دور شروع کر دیا۔ رفتار کی تیزی اپنا رنگ دکھانے لگی تھی مگر میں نے اُسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ اس سے پہلے بھی میں ایک بار اس کے ساتھ اس تجربے سے گزر چکا تھا۔ ہوش اور مدہوشی کے دوران اس پر وہ وقت ضرور آتا تھا جب وہ سچ اُگلنے کی مشین بن کر رہ جاتی تھی اور میں پوری توجہ کے ساتھ اس مرحلے کا منتظر تھا۔

"گھر ہوتا تو گھر ہی چلی گئی ہوتی"۔ وہ لکنت آمیز اور اُداس لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "اب نہ تو بابل کی چوکھٹ رہی نہ چاہنے والے کا سایہ۔ لگتا ہے کہ راستے کا ایک پتھر بن کر رہ گئی ہوں جس کا جب اور جدھر دل چاہے ٹھوکر مار کر لڑھکا دے پھر گنگنانے لگی۔

ے شام ہونے کو ہے کدھر جائیں؟ اپنا گھر ہو تو اپنے گھر جائیں"۔

"کیوں مجھے بھی اُداس کر رہی ہو ۔۔۔ یہ گھر تو ہے تمہارا، زندگی سے سمجھوتہ کر لو کوئی تو ان سنگین دیواروں میں تنہائی کا احساس بھی جاتا رہے گا۔ قاسم چلا گیا مگر اسے لوٹ زندہ ہے اور تم پر مہربان بھی، پھر تمہیں کس بات کا غم ہے؟" میں نے چابکدستی کے ساتھ موضوع کو اپنی مرضی کے رُخ پر لاتے ہوئے کہا۔

"اسے لکھ لو کہ وہ میرے ہاتھوں مارا جائے گا"۔ وہ ترنگ میں بولی۔ معدے میں اُتری ہوئی مے سر چڑھ کر بولنے لگی تھی۔ اور دل کے نہاں خانوں میں چھپی ہوئی نفرت الفاظ کے قالب میں ڈھلنے لگی تھی۔ "تمہارا قاسم سے سمجھوتہ ہو چکا تھا اُسی نے دوبارہ قاسم کو تمہارے خلاف اکسایا اور پھر بعد میں نہ وہ مجھے بھجواتا نہ طلب کرتا نہ الیاس میری تلاش میں وہاں گھستے ہوئے مارا جاتا۔ وہ سازشی ہے، خونی ہے۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا لیکن اُسے ہرگز معاف نہیں کروں گی"۔

"اور کامران؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"اوہ!" اس نے خلا میں اپنا ہاتھ لہرایا۔ "وہ پاگل بچہ! اس سے مجھے کوئی پرخاش نہیں۔ اسے تو میں نے چاہا بنانا چاہا تھا۔ ہائے وہ بے چارا! اس سے بھلا مجھے کیا لینا ہے؟"

پھر اُس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ اس کی حرکات و سکنات سے بینائی کا ابہام بھی واضح ہونے لگا لیکن وہ لڑکھڑائے ہوئے لہجے میں مسلسل بولے جا رہی تھی۔ پھر اچانک ہی وہ شکستہ ٹکڑوں میں بولی۔ ے

ساقی ترے کرم پہ بڑا ناز تھا مجھے
ناکام جا رہا ہوں، مقدر کی بات ہے

دوسرے مصرعے کی ابتدا کرتے ہی اُس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور پھر اُس نے زہرہ گداز انداز میں بلک بلک کر رونا شروع کر دیا۔

وہ بے راہ رو اور جرائم پیشہ تھی لیکن اس کے ماضی سے پوری طرح واقف ہونے کے باوجود اُسے یوں پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھ کر میں بھی دل گرفتہ ہو گیا۔ اسے تسلیاں دینا بے سود تھا، لہٰذا میں وہیں بیٹھا اُس کے بے سُدھ ہونے کا منتظر رہا اور تھوڑی دیر تک روتے روتے وہ وہیں صوفے پہ بے ہوش ہو گئی۔

کالے کتّے کا معدہ خالی ہو چکا تھا اور رخشی کا معدہ حلق تک بھرا ہوا تھا۔ میں نے خواب گاہ کے دروازے میں لگے ہوئے ہضمی قفل کا اندرونی بٹن دبایا اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ اب وہ دروازہ اندر ہی سے کھولا جا سکتا تھا۔ باہر سے کھولنے کے لیے چابی ضروری تھی۔ دروازہ بند کر کے میں پلٹا تو سلطان شاہ کو ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر براجمان دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"آؤ آؤ"۔ مجھے دیکھتے ہی وہ خوش دلی کے ساتھ چہکا۔

"میں نے کی ہول سے جو کچھ دیکھا اس کی بنیاد پر سوچ رہا تھا کہ میری تو چوکیداری کرتے ہی رات کالی ہو گی ۔۔۔ وقفہ ہوا ہے یا روانگی کی اجازت لے آئے ہو؟"

"گدھے ہو تم"۔ میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "اب سیدھے باہر نکل چلو، یہاں ٹھہرنا خطرناک ہو سکتا ہے"۔

"باہر نکلتے ہی پہلے پیاز خریدنا پڑے گی"۔ وہ میرے سانس کی بُو پر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کسی سنتری سے ملاقات ہو گئی تو شامت ہی آ جائے گی۔ اس وقت تم پر تین قانون لاگو ہوتے ہیں"۔

"کی ہول سے جھانکتے جھانکتے قانون دان بھی ہو گئے گیا؟"

"بھلا اصول یہی ہے کہ جو کام کرو اس کی اُونچ نیچ دیکھ لو۔ جس دن ہیروئن بیچنے کا ارادہ کیا تھا اسی دن پتا چلا لیا تھا کہ نشے باز پر شہری قانون کے ساتھ مارشل لاء ایکٹ کے تحت بھی جرم عائد ہو سکتا ہے، یہ شوق ہے تو پیاز بھی جیب میں لے کر گھوما کرو۔ میرے گاؤں میں تو یہ ایک بنیادی اصول ہے"۔

"مجھے لانے والے کا کیا ہوا؟" میں نے اُس کی رہنمائی میں باہر

نکلتے ہوئے سوال کیا۔

"واپسی میں اکیلا تھا لہٰذا میں نے نکل جانے دیا، چاہتا تو بے خبری میں اُسے چھاپ سکتا تھا۔ تم تک پہنچنے سے پہلے میں نے عمارت کا بھرپور جائزہ لیا تو پتا چلا کہ پچھلے کمروں میں وہ رہتی ہے۔ لہٰذا تمھیں بھول کر اُسی کی نگرانی شروع کر دی۔ آخر ہوا کیا کہ پستول سے شروع ہونے والی گفتگو دعوت پہ ختم ہوئی؟"

"یہ سب مقدر کی باتیں ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "سامنا ہونے سے پہلے وہ میرے خون کی پیاسی ہو رہی تھی مگر باتوں کے الجھاوے میں رفتہ رفتہ ساری دشمنی بھول بیٹھی۔"

"مجھے بڑا ترس آ رہا تھا بے چاری پر، آخر میں تو یوں بلک بلک کر رو رہی تھی جیسے باہر سے مار کھا کر آنے والا کوئی بچہ اپنے بزرگ کے سامنے جاتے ہی بکھر کر رہ جاتا ہے۔"

"یہ مشینی دور ہے سلطان شاہ۔" میں نے عمارت سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ "دور سے ہر ایک بہت خوش حال، مطمئن اور اپنی ذات میں مگن نظر آتا ہے۔ لیکن جیسے ذرا قریب سے دیکھو یا کریدو، وہی دکھی نظر آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس عہد کا ہر انسان اندر ہی اندر مشینی دور کا عذاب جھیل رہا ہے اور یہ کرب ذات جب حد سے بڑھنے لگتا ہے تو لوگ اپنے ماحول سے فرار کی کوشش کرنے لگتے ہیں مگر پیٹ کا دوزخ بڑا ہی نابکار ہے۔ دو وقت کی روٹی کا حصول اس قدر مشکل اور پیچیدہ ہو کر رہ گیا ہے کہ ماحول سے جسمانی فرار ناممکن ہو کر رہ گیا ہے۔ لہٰذا اوسط اور کم آمدنی والے طبقے ذہنی فرار پر ہی گزارا کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ذہنی فرار کے لیے نشہ سب سے ضروری ہے۔ کوئی وڈیو کا نشہ کر رہا ہے، کوئی ہر وقت مخرب اخلاق لٹریچر کا تلذذ آمیز لیکن تباہ کن نشہ کر رہا ہے۔ کوئی سنسنی خیز کہانیوں میں ڈوبا ہوا ہے اور جن کے لیے یہ نشے ناکافی یا بے اثر ہونے لگتے ہیں، وہ تیز نشوں کی طرف راغب ہونے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسانوں کی ہر منڈی میں ہیروئن کی زبردست مانگ ہے۔ جو دام چاہو، مل جاتے ہیں، جتنی چاہو ملاوٹ کر لو، کوئی آنکھیں نکال کر شکایت نہیں کرتا۔ ہیروئن کی تجارت تمام تر مخالفتوں کے باوجود فروغ پذیر ہے کیونکہ تاثیر میں سب سے آگے ہے۔"

کرنل نواز زیدی کی کار کے قریب پہنچ کر مجھے خاموش ہونا پڑا۔ سلطان شاہ میرے لیے دروازہ کھولنے کے بعد گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"بات ختم ہو گئی تمھاری؟" کار میں بیٹھنے کے بعد اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"یہ سب بھابی ہی کو سنایا کرو۔ مشینی دور، کرب ذہنی فرار اور تلذذ مجھ سے ہضم نہیں ہوتا۔ دماغ کی چولیں ہلا دیں تم نے ذرا سی دیر میں۔" اور میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بے اختیار ہنس پڑا۔ اور کچھ ہوا ہو یا نہ ہوا، تلذذ اُسے واقعی ہضم نہیں ہو سکا تھا۔ غنیمت یہی تھا کہ اس نے اس کے اظہار کے لیے کوئی مہمل لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔

"آپ کا تو پروگرام بھی پل پل میں بدلتا ہے۔" غزالہ نے میرا نیا فیصلہ سن کر کہا۔ "میں ڈیڈی سے بھی کہہ چکی ہوں کہ آپ نے آج رات روانگی کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔"

"مجھے صرف کامران کی فکر تھی۔ میں نے تمھیں بلا کم و کاست ہر بات سے آگاہ کر دیا ہے۔ اگر آج رخشی سے میرا ٹکراؤ نہ ہوتا تو طلوع ہونے والی صبح کامران کے لیے خوشگوار نہ ہوتی، وہ اُسے مروانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔"

"خدا کرے کہ وہ اپنے وعدے پر قائم رہے۔" اُس نے دُعائیہ انداز میں کہا۔

"میں اسے خاصا سمجھنے لگا ہوں، میرا خیال ہے کہ اب وہ کامران کو بھول جائے گی۔ اس طرف سے بے فکر ہونے کے بعد ہی میں نے لاہور روانہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"تم اُسے سمجھنے لگے ہو اور وہ تمھیں ڈھیل دے رہی ہے۔ یہ ذرا غور کرنے کی بات ہے!" سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں دخل اندازی کی۔

"حیرت ہے کہ تم بھی مذاق کر لیتے ہو۔" میں نے خوشدلی کے ساتھ کہا۔ "میرا تو خیال تھا کہ مزاح کی حس تمھیں دور سے بھی چھو کر نہ گزری ہو گی۔"

"پیٹ بھرے کی باتیں ہیں یہ سب۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "روزی کی فکر انسان کی ہر صلاحیت کو گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے — ویسے اس وقت میں مذاق نہیں کر رہا۔ بھائی کو غور کرنا چاہیے کہ وہ تمھیں چھوٹ کیوں دیتی ہے جبکہ وہ ایلٹ سے ملی ہوئی ہے اور اچھی طرح جانتی ہے کہ وہ ہر قیمت پر تمھاری گرفتاری کا خواہاں ہے۔"

"شاید اُس وقت تم اونگھ رہے تھے جب میں نے ایلٹ کے خلاف اس کی گہری نفرت کا ذکر کیا تھا۔ وہ دراصل مجھے کوئی رعایت نہیں دے رہی تھی بلکہ ایلٹ کی حکم عدولی کر کے اپنی انا کو تسکین پہنچا رہی تھی۔"

"آپ صفائی پیش نہ کریں، مجھے آپ پر پورا اعتماد ہے۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے خوش گوار لہجے میں کہا اور میں نے

ان دونوں کے اتحاد کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔

ہم دونوں کو . . . . لاہور جانے کے لیے کسی خاص تیاری کی ضرورت نہیں تھی۔ بس ہوٹل پہنچ کر مختصر سا سامان لینا تھا اور تیاری مکمل تھی لیکن اول تو کرنل کی کار گھر پر چھوڑنا تھی، دوئم غزالہ کو سمجھانا تھا کہ رنجشی کی طرف سے لاحق خدشات رفع ہو چکے تھے لیکن پھر بھی بہتر یہی تھا کہ ان لوگوں میں سے کوئی کامران کا رُخ نہ کرے۔ ورنہ امکان تھا کہ وہ لوگ بھی کسی کی نگاہوں میں آجاتے اور ان سے میرے تعلق کا راز فاش ہو جاتا جس کے تمام تر بُرے اثرات غزالہ پر اثر انداز ہو سکتے تھے۔

ہم روانگی کے لیے تیار تھے کہ اچانک ہی کرنل کہیں سے ادھر آنکلا۔ "بھئی کیا ہو رہا ہے یہاں؟" اس نے آتے ہی بلند آواز میں کہا۔

"بس لاہور روانگی کا ارادہ ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہائیں!" اس کی تحیر آمیز نگاہیں غزالہ کے چہرے پر جا رکیں۔ "تم نے تو . . . ."

"جی جی۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر جلدی سے کہا۔ "اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ہم نے اب پروگرام بدل لیا ہے۔"

"عجیب بات ہے۔" وہ شانے اچکا کر بولا۔ "کبھی کسی وقت تو تم بہت ہی زیادہ پُراسرار نظر آنے لگتے ہو۔ لاہور جانا ہے، نہیں جانا اور اب پھر ضرور جانا ہے ..." پھر وہ براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "ذرا تم ادھر تو آؤ میرے ساتھ۔"

میں اُس کے پیچھے دوسرے کمرے کی طرف ہو لیا۔

"سچ سچ بتاؤ کہ لاہور جانے کا کیا چکر ہے؟" دوسرے کمرے میں پہنچ کر اُس نے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔ "مجھے دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔ کیا کوئی مار دھاڑ کا معاملہ ہے؟"

"ارے نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "منشیات فروشوں کی تنظیم کا سربراہ بوکھلا کر شہر چھوڑ بھاگا ہے اور اس نے لاہور کا رُخ کیا ہے اگر اس کا کھوج مل گیا تو پولیس کو اُس کے پیچھے لگا کر لوٹ آؤں گا۔"

"اور وہ تمہارے ساتھ جا رہا ہے؟" کرنل کے مستفسرانہ لہجے میں حسد کی بُو نمایاں تھی۔ اُس نے سلطان شاہ کا نام لینا بھی گوارا نہ کیا تھا۔

"پہلے آپ کو لے جانے کا ارادہ کیا تھا لیکن خاصے غور کے بعد اُسے ترک کر دینا پڑا۔" میں نے اُس کا دل رکھنے کے لیے سنجیدگی سے کہا۔

"چلو، میں تو اب بھی تیار ہوں۔" کرنل کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

"میں کُھل کر کام نہ کر سکوں گا۔" میں نے بے بسی کے ساتھ کہا۔ "آپ میرے بزرگ ہیں، یہ لحاظ ہر وقت سر پر سوار رہے گا۔ اس سے تو میں ہر کام لے لیتا ہوں۔ وہ آقا سے ادنیٰ خدمت گار تک بنایا جا سکتا ہے۔"

"ہاں یہ مشکل تو رہے گی۔" وہ مربیانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا، بات بس تمہاری سوچ کی ہے۔"

نائٹ کوچ کی روانگی میں خاصا وقت تھا لہٰذا میں نے کرنل سے جان چھڑا کر دوبارہ اندر کا رُخ کیا اور سلطان شاہ کے ساتھ کھانا کھانے کے بعد ہم وہاں سے ٹیکسی میں روانہ ہو گئے۔ کرنل نے بہت ضد کی کہ وہ ہمیں اپنی کار میں ایئرپورٹ چھوڑ آئے گا لیکن میں نے سختی کے ساتھ اس پیشکش کو رد کر دیا۔

ٹیکسی کو انتظار کرنے کی ہدایت کر کے میں نے ہوٹل کا حساب بے باق کیا اور ہلکا پھلکا سوٹ کیس لے کر اسی میں ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

میں نے تو خیر ضرورت کے تحت نائٹ کوچ پر نشستیں مخصوص کرائی تھیں لیکن قومی ایئرلائن کے اس عظیم الجثہ جہاز کی تمام نشستوں کو بھرا دیکھ کر مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ ملک میں ہر طرف فضول خرچی کے عمومی رجحان کے باوجود انفرادی سطح پر بہتیرے لوگ کفایت کی طرف مائل تھے۔

ہم لاہور ایئرپورٹ پر اُترے تو اس شہرِ خوباں کی فضا پر رات کے گہرے سناٹے کی حکمرانی تھی۔ وسیع و عریض، جگمگاتے ہوئے رن وے پر کھڑے جہازوں کے انجنوں کے شور پر بھی سکون کے غلبے کا احساس ہو رہا تھا۔ شاید سلطان شاہ کو لاہور کی مٹی سے میرے والہانہ لگاؤ کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ وہ اپنے خیالات کی رو میں ڈوبا ہوا تھا اور میں اپنے آبائی مسکن کی خاک کے ایک ایک ذرّے سے اپنی روح کی گہرائیوں میں لطافتیں سموتا ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر آ گیا۔

ایک عمدہ ہوٹل میں رہائش کا بندوبست کرنے کے بعد ہم کمرے میں پہنچے تو سلطان شاہ سیدھا بستر پر پہنچ گیا۔ چند ثانیوں بعد اُسے احساس ہوا کہ میں آرام کرنے کے بجائے کہیں جانے کی تیاری کر رہا ہوں تو وہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے . . . کہاں جا رہے ہو؟"

"تم تھک گئے ہو تو آرام کرو، میں اجالا پھیلنے سے قبل کچھ ضروری کام نمٹانے جا رہا ہوں۔"

"میں بھی چلتا ہوں۔ اکیلے پڑا پڑا تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہوں گا۔ جب جاگنا ہی ٹھہرا تو کیوں نہ تمہارے ساتھ ہی چلوں۔"

"تمہاری ضرورت نہیں ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "میں رمضان چاچا کی طرف جا رہا ہوں۔ اس مہم میں وہ سب سے اہم شخص ہے ۔۔۔ اتنی رات گئے وہاں میدان صاف ہو گا۔ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہو سکے گی۔ دن کے اُجالے میں محلّوں کی کوئی بات دوسروں سے نہیں چھپی رہتی۔ لوگ رمضان چاچا سے کُرید کُرید کر بہت کچھ معلوم کر لیں گے۔"

"تو کیا توقیر نے یہ امکان فراموش کر دیا ہو گا کہ تم ایک بار پھر رمضان کے دروازے پر دستک دے سکتے ہو؟"

"یہ کراچی نہیں لاہور ہے۔" میں نے اُسے یاد دلایا۔ "شاید توقیر سوچ بھی نہ سکے گا کہ میں اُس کا پیچھا کرتا ہوا اتنی جلدی لاہور پہنچ جاؤں گا۔"

یوں وہ ناچار ہوٹل میں رکنے پر مجبور ہو گیا اور میں وہاں سے نکل آیا۔

اس وقت رات اپنے آخری سانسوں پر تھی۔ سڑکیں تاحدِ نظر ویران پڑی ہوئی تھیں۔ ٹیکسی ڈرائیور نے خلافِ توقع مجھے بہت جلد مطلوبہ علاقے میں پہنچا دیا اور میں ٹیکسی محلّے سے دور چھوڑ کر پیدل ہی تنگ و تاریک گلیوں میں داخل ہو گیا۔

تیسری دستک کے جواب میں اندر سے کسی کی نیند میں ڈوبی ہوئی بیزار سی آواز سنائی دی۔ پھر کئی ثانیوں کے انتظار کے بعد دروازہ کھول دیا گیا۔ بوسیدہ پردے کے پیچھے سے رمضان چاچا نیند کے خمار میں دُھت، آنکھیں ملتے ہوئے نمودار ہوئے تو ان کے بدن پر صرف بنیان اور تہمد موجود تھا۔

میں نے انھیں سلام کیا تو گلی میں دور ایستادہ کھمبے سے آنے والی، اسٹریٹ لیمپ کی یرقان زدہ مدھم روشنی میں آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھا اور پہچان کر حیران رہ گئے۔ "ارے تنویر بیٹا تم! اتنی رات گئے کیسے آنا ہوا؟"

"معاف کرنا چاچا جی! تمھیں نیند سے اٹھا دیا۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "بات کچھ ٹیڑھی ہی تھی جو اس وقت پریشان کرنا پڑا۔ ذرا تمہارا تھوڑا سا وقت خراب کروں گا"

"آؤ آؤ ۔۔۔ اندر آجاؤ۔" انھوں نے میرے لیے راستہ چھوڑتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔ میں تو خود دعائیں مانگ رہا تھا کہ کہیں تم سے ملاقات ہو جائے۔ پچھلی بار نہ تم نے اپنا کراچی کا پتا دیا، نہ مجھے پوچھنے کا خیال آیا ۔۔۔ دوبارہ واپس آئے ہو یا جب ہی سے یہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟"

"مجھے پہچانتے ہی ان پر چھایا ہوا نیند کا خمار یکسر غائب ہو گیا تھا اور وہ چونچال نظر آنے لگے تھے۔

"دوبارہ آیا ہوں۔" میں نے پردہ ہٹا کر اندر صحن میں داخل ہوتے ہوئے کہا اور پھر وہیں ٹھٹک گیا۔ صحن میں تاروں بھرے آسمان کے نیچے برابر برابر چار پائیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر رمضان چاچا کا پورا گھرانہ سویا ہوا تھا۔ ان میں عورتیں اور لڑکیاں بھی تھیں۔ میں رمضان چاچا کے دوبارہ ٹوکے بغیر آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکا۔

"آجاؤ، آجاؤ۔" رمضان چاچا نے کنڈی لگا کر رہنمائی کا فرض سنبھالتے ہوئے کہا۔ "سب گہری نیند سوئے ہوئے ہیں۔ ان کے سروں پر نوبت بھی بجاؤ گے تو فجر کی اذان سے پہلے نہیں اٹھیں گے۔"

میں اُن کے پیچھے پیچھے بیٹھک میں داخل ہو گیا۔

"روٹی کھاؤ گے؟" وہاں بیٹھتے ہی انھوں نے محبت آمیز لہجے میں پہلا سوال کیا۔ اور میں نے ان کا شکریہ ادا کر کے بات ٹال دی۔

وہ پرانی وضع کے آدمی تھے، لہٰذا اِدھر اُدھر کی باتوں میں بھٹکتے رہے جب کہ میں یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟ مجھے پورا یقین تھا کہ ان کی اس خواہش کا محرّک توقیر یا تصویر ہی رہا ہو گا۔

"آپ مجھے کیسے یاد کر رہے تھے چاچا جی؟" مجبور ہو کر مجھے ہی انھیں ٹوکنا پڑ گیا۔

"ہاں! عجیب بات ہوئی تھی۔" وہ چونک کر بولے۔ "تم آئے اور چلے بھی گئے، میں اس قصّے کو بھول گیا۔ پھر ایک دن میں سائیکل پر گھر لوٹ رہا تھا کہ کچہری کے پاس تصویر کو ایک بڑی سی کار میں بیٹھے دیکھا اور سائیکل سے اتر کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ مجھے پہچان تو گیا تھا لیکن شاید اس بات سے اس کی شان میں فرق آگیا تھا کہ ایک سائیکل سوار اس کی چمکتی ہوئی موٹر کے پاس آگیا تھا۔ اس نے میرے سلام کا جواب بہت رکھائی سے منہ بنا کر دیا۔ اس کی یہ حرکت مجھے بہت بُری لگی اور میں نے بھی کہہ دیا کہ میں اس کی حیثیت دیکھ کر اس سے کچھ مانگنے نہیں صرف یہ بتانے آیا تھا کہ اُس کا سوتیلا بھائی اپنی بڑی ماں کی تلاش میں بھٹک رہا ہے ۔۔۔ اب پتا نہیں کہ اس نے اپنی غلطی محسوس کر لی یا یہ تمہارے ذکر کا اثر تھا کہ وہ فوراً ہی موٹر سے نیچے آگیا اور مجھ سے معافی مانگنے لگا۔ اتنی دیر میں کچہری کے پھاٹک سے ایک لفنگا بھی وہیں آگیا۔ شاید تصویر موٹر میں بیٹھا اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ تصویر میرے پیچھے ہی پڑ گیا اور مجھے سائیکل دیتا چھوٹی

پر مجبور کر کے موٹر میں بٹھا کر مال روڈ کے ایک بڑے ہوٹل میں
لے گیا۔ وہاں اُس نے میری خوب تواضع کی اور گھما پھرا کر
تمہارے بارے میں سیکڑوں سوال کر ڈالے۔ جو کچھ مجھے
معلوم تھا میں نے بتا دیا کیونکہ بچھڑے دلوں کو ملانا بھی ثواب
کا کام ہوتا ہے۔ تمہارا پتا مجھے معلوم نہیں تھا اس لیے میں
اُسے نہ بتا سکا۔ میری آنکھیں تو اُس وقت کھلیں جب تصویر نے
اپنے دوست سے لے کر دس کے نوٹوں کی ایک گڈی زبردستی
میری جیب میں ڈال دی اور کہا کہ میں جب بھی تمہیں دیکھوں
یا تم مجھ سے ملنے آؤ تو میں تمہارا پتا معلوم کر کے اُسے خبر دوں۔ اس
وقت مجھے پتا چلا کہ اس نے ہزار روپے صرف تمہارا پتا معلوم
کرنے کے دیے تھے۔ میں نے اس بوجھ سے بہت جان چھڑانا
چاہی لیکن وہ رقم واپس لینے پر آمادہ ہی نہیں ہوا۔ جب وہ مجھے
واپس کچہری کے باہر کھڑی ہوئی سائیکل کے پاس چھوڑنے جا رہا
تھا تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں اپنی اور اُس کی ملاقات
کے بارے میں ہرگز کچھ نہ بتاؤں کیونکہ وہ تمہارا پتا معلوم کر کے
اچانک ہی بڑی ماں کو تمہارے پاس لے جا کر تمہیں حیران کرنا
چاہتا تھا۔ وہ مجھے بالکل ہی بےوقوف سمجھ رہا تھا لیکن میں
اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ جھوٹ بول رہا ہے۔ بس میں تمہیں یہی
بتانے کے لیے بے چین تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ تمہارے سوتیلے
بھائیوں کے دلوں میں ابھی تک تمہاری طرف سے میل ہے۔ تم ان
سے ملنے کا خیال ہی دل سے نکال دو۔"

"اور تم اُسے میرے پتے کی خبر کیسے دیتے چاچا؟" میں نے
پُرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"اسی نے ایک کاغذ پر کوئی نمبر لکھ کر دیا تھا کہہ رہا تھا کہ
میں اس لاٹ صاحب کو فون کر کے بتا دوں۔" رمضان چاچا
نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"وہ نمبر یاد ہے تمہیں؟" میں نے پُراُمید لہجے میں
سوال کیا۔

"وہ پرچہ میں نے روپوں کی گڈی کے ساتھ احتیاط سے
رکھ چھوڑا ہے۔" رمضان چاچا ہاتھوں سے گھٹنے تھام کر اُٹھتے
ہوئے بولے۔ "میں نے گھر تک میں کسی سے اس بات کا ذکر نہیں
کیا۔ تیری چاچی بہت لالچی عورت ہے بچیوں کے دان دہیز کے
بہانے سارے ہی پیسے ہتھیا لیتی۔"

کس قدر سادہ لوح اور بےلوث تھا وہ انسان اور
اس کے اِردگرد کچھ ایسے بھی تھے جنھیں انسانیت چھو کر بھی نہ
گزری تھی اور اسی کا نام دنیا تھا۔ سب [illegible] کی طرح
نیک خصلت ہوتے تو پھر نیکی کا احساس کیسے اجاگر ہوتا۔ وہ بُرے
لوگ ہی تو تھے جو اپنے نامۂ اعمال میں گناہوں کی سیاہی لتھیڑ کر
سچائیوں کو دوام کی منزل پر شناخت کراتے تھے۔

رمضان چاچا ٹین کے ایک صندوق کا ڈھکن اٹھائے
اس میں کچھ ٹٹولتے رہے اور پھر نوٹوں کی گڈی لا کر میری گود
میں ڈال دی۔

"یہ کیا ہے چاچا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اسی کے ربر میں وہ پرچا لگا ہوا ہے، نکال کر پڑھ لو۔
اس سے ملو تو یہ پیسے اس کے منہ پر دے مارنا۔ نہ ملنا چاہو تو
کسی معذور کو دے دینا، میرے لیے یہ حرام ہیں۔"

لاہور کی سرزمین پر پہنچتے ہی وہ کامیابی کی پہلی کرن تھی، ایسا
سرا مل گیا تھا جس کے سہارے پیش قدمی کی جا سکتی تھی۔ میں
نے گڈی پر چڑھے ہوئے ربر بینڈ میں پھنسا ہوا رقعہ نکال کر
کھولا تو اس پر ایک نامانوس نمبر درج تھا۔ ایشین سنڈیکیٹ
لمیٹڈ کے فون نمبر مجھے زبانی یاد تھے۔ وہ نمبر ان سے مختلف تھا۔
یعنی اس بار اسے ٹوہ کے ایک نئے ٹھکانے کا سراغ ملا تھا۔

رمضان چاچا خود بھی ناسمجھ نہیں تھے۔ تصویر کے خودغرضانہ
رویّے سے خود بھی صحیح نتائج اخذ کر چکے تھے لیکن میں نے
ضروری سمجھا کہ ان پر حالات کی نزاکت پوری طرح واضح کر دوں،
ایسا نہ ہو کہ بےخبری میں وہ کہیں مار کھا جائیں۔

"میں رات کے اندھیرے میں اسی لیے آیا تھا کہ کسی کو
تمہارے گھر میں میری آمد کی خبر نہ مل سکے۔"

"کیوں؟ چوری ہے کسی کی؟ یہ بھی تیرا ہی گھر ہے کیا
ضرورت ہے کسی سے چھپنے کی؟" رمضان چاچا کو طرارہ آگیا۔

"چوری نہیں مصلحت بھی ہوتی ہے چاچا۔" میں نے
انھیں سمجھایا۔ "وہ دونوں اب اچھے آدمی نہیں رہے ہیں چھٹے
ہوئے بدمعاش بن گئے ہیں اور ابھی تک میرے دشمن ہیں۔
اگر انھیں معلوم ہو گیا کہ تم میرے ہمدرد ہو گئے ہو تو تمہاری
زندگی اجیرن کر دیں گے۔ بال بچے دار آدمی کے لیے ایسے موقع
پر مصلحت ہی اچھی ہوتی ہے۔"

"تو بھی ٹھیک ہی کہتا ہے۔" وہ پُرخیال انداز میں بڑبڑائے
"بڑے ہی بدذات لڑکے ہیں جب تک اس محلے میں رہے سر
پر چڑھ کر ہی رہے۔ دبنا تو بڑی بات ہے، بڑے چھوٹے کا لحاظ
بھی نہیں کرتے تھے۔" پھر وہ ایک دم چونک پڑے۔ "ارے
میں نے تجھے اپنی رام کہانی میں الجھا لیا، یہ تو بتا کہ تو اس وقت
کیسے آیا تھا؟" باتیں کرتے کرتے ان کے لہجے میں محبت کا
رچاؤ غالب آتا جا رہا تھا اور وہ تم سے باقاعدہ تُو پر آگئے تھے جو
ان کے منہ سے بہت بھلا لگ رہا تھا۔

"شاید یہی سب سننے آیا تھا" میں نے ہنستے ہوئے کہا "کراچی میں کچھ دنوں سے کوئی میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ بہت سوچا مگر کوئی دشمن یاد نہیں آیا۔ پھر خیال آیا کہ ذرا یہاں چکر مار کر تم سے بھائیوں کی خبر بھی لے لوں، کہیں وہ مجھ پر مہربان نہ ہو رہے ہوں۔"

"تو وہ تیرا پیچھا کرتے کراچی تک جا پہنچے؟" چاچا نے حیرت سے کانوں کی لویں چھوتے ہوئے کہا۔

"دشمنی تو قبر تک چلتی ہے چاچا اور میں ابھی زندہ ہوں۔"

"لیکن بگاڑا کیا ہے تو نے اُن کا؟ تیرا باپ کون سی جاگیر چھوڑ گیا تھا جو تو نے دبا لی۔ سچ پوچھو تو اُنھوں نے تیری ماں کو نکال کر بڑا ظلم کیا تھا۔ ہم سب بھی اس ظلم میں شریک تھے، اللہ ہمیں معاف کرے۔ پورے محلے میں کسی نے بھی اس ظلم پر آواز نہیں اٹھائی تھی۔"

"سوچ رہا ہوں اب تک نہیں بگاڑا تو اب کچھ بگاڑ لوں اُن کا، کم از کم دل میں خلش تو نہیں رہے گی۔"

"وہ بدمعاش ہو گئے ہیں تو اُن سے سنبھل کے رہنا۔ کچہری سے جو آدمی آیا تھا، صورت ہی سے گرہ کٹ لگ رہا تھا۔ ایسے لوگوں کے سینے میں دل نہیں پتھر ہوتا ہے، پتھر۔"

"تم فکر نہ کرو، آدمی لڑتا ہے تو ہاتھ پاؤں بچا کر ہی لڑتا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا اور پھر وہاں سے اُٹھ گیا۔

رقم میں نے لاکھ چھوڑنا چاہی لیکن رمضان چاچا اس گڈی کو فساد کی جڑ قرار دیتے رہے اور میں اُن کی قناعت پر رشک کرتا نوٹوں سمیت واپس ہو لیا۔

ٹیکسی کی تلاش میں بھٹکتا ہوا میں وہاں سے کافی دور نکل گیا۔ اندھیرا دھیمے دھیمے دم توڑ رہا تھا اور جب مجھے ایک رکشا ملا تو قریبی مساجد سے اذانوں کی آواز گونجنے لگی تھی۔

میں دن چڑھے سو کر اٹھا تو سلطان شاہ سر سے پیر تک تیار، جوتوں سمیت پاؤں پسارے صوفے پر دراز تھا۔ میں نے سرہانے رکھی ہوئی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ دو بجا رہی تھی۔

"کہاں جا رہے ہو؟" میں نے انگڑائی لے کر بستر چھوڑتے ہوئے سلطان شاہ سے سوال کیا۔

"جا نہیں رہا بلکہ ابھی واپس آیا ہوں۔" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا "تم اندھیرے میں کام دکھاتے ہو، میں نے دن کے اُجالے میں کچھ ضروری کام نمٹائے ہیں۔ دیکھو گے تو طبیعت خوش ہو جائے گی۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے قریب رکھا [illegible] میری طرف سرکا دیا۔

اور میں نے دیکھا کہ اُس نے واقعی بہت عمدہ [illegible] سرانجام دیا تھا۔ رمضان چاچا کے پاس سے واپس لوٹ [illegible] میں نے سرسری طور پر اسے اپنی روداد سے آگاہ کر کے بستر [illegible] لیا تھا۔ اس بارے میں تبادلۂ خیال کی نوبت ہی نہیں آئی [illegible] مگر وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ تصادم میں ہتھیار فیصلہ کن کردار [illegible] کرتے ہیں جبکہ ہم بالکل نہتے تھے۔

وہ چھوٹی نال اور بڑے بور والے دو بہترین [illegible] ریوالور، فاضل راؤنڈز کی بھاری تعداد کے ساتھ کہیں [illegible] لے آیا تھا۔ اگر وہ کام مجھے سرانجام دینا پڑتا تو شاید میں [illegible] دن ہی بغیر لائسنس کے ہتھیار بیچنے والوں کے ٹھکانے [illegible] تلاش میں لاہور کی خاک چھانتا رہتا لیکن اُس نے پیش قد[illegible] وہ اہم مسئلہ حل کر دیا تھا۔

وہ خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا میرے ردِعمل کا جائز[illegible] رہا۔ میں نے بیگ کی زپ بند کی تو وہ بول پڑا "ایک گاڑی لے آیا ہوں، نیچے ہی موجود ہے۔"

"اوہ!" میرا حیرت زدہ ہونا لازمی امر تھا "کہاں [illegible] صاف کر آئے؟"

وہ ہنسنے لگا "ہتھیاروں کی تلاش میں ٹرکوں کے اڈے پر گیا تھا۔ اپنے لوگ لائن پر درّے کے بنے ہوئے ہتھیا[illegible] سے لے کر قیمتی ولایتی اسلحہ تک لے کر چلتے ہیں۔ وہیں شناسا مل گئے۔ ان ہی سے تین دن کے لیے گاڑی کرا[illegible] پر لی ہے۔"

"تمھارے گاؤں کے آدمی ہیں۔"

اس نے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا "سمجھ لینا کہ ہمارا گاؤں بہت خوش حال ہے۔ گاڑی چوری [illegible] ہے اور کراچی سے آزاد علاقے کی طرف جانے والی ہے۔ [illegible] لوگ دو تین دن یہیں رہیں گے۔"

"چوری کی گاڑی دشواریوں میں بھی ڈال سکتی ہے" میں نے کہا۔

"وہ کراچی سے لاہور آ گئے اور تم اُسے شہر میں استعمال کرنے سے ڈر رہے ہو۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا "تجربہ [illegible] لوگ کوئی کام کچا نہیں کرتے۔ اس کی نمبر پلیٹ جعلی ہے [illegible] اٹھائی تو عام ماڈل کی تھی مگر اب ڈیلکس ہو گئی ہے۔ [illegible] اٹھاتے ہیں تو اس کا سامان نکال کر وہیں بیچ دیتے ہیں [illegible] اور اسے اسٹینڈرڈ بنا کر نکال لے جاتے ہیں۔ پولیس

نمبوں ادسا سٹینڈرڈ ڈیلکس کے چکر میں ٹاپتی رہ جاتی ہے۔"
"تو یوں کہو کہ گاڑی لانے کے ساتھ ہی گاڑی اٹھانے کے گُر بھی سیکھ آئے ہو۔"
"اب کونسلوں کی دلالی کی ہے تو دل کھول کر کریں گے۔ سواری کے بغیر اسے لُوٹ تو کیا ہم شاید اُس کے کتے کو بھی نہ مار سکیں گے، وہ مکان کے بجائے قلعے میں رہتا ہے۔"
"میں منہ ہاتھ دھونا بھول کر وہیں بیٹھ گیا۔" تو تم اس کا ٹھکانا بھی دیکھ آئے؟"
"ترکیب تم ہی سے سیکھی ہے۔ فون نمبر سے پتا تلاش کیا تھا۔ پھر گاڑی ملنے کے بعد اُدھر کا ایک چکر بھی لگا لیا۔ کم سے کم ایک ایکڑ زمین پر حویلی بنی ہوئی ہے۔ وہاں گھسنے کے لیے کوئی خاص ترکیب سوچنی پڑے گی۔ احاطے کی دیواروں پر خاردار تاروں کی دوہری باڑھ لگی ہوئی ہے اور اُسی پر جگہ جگہ کتوں سے ہوشیار رہنے کی ہدایت کی تختیاں لگی ہوئی ہیں۔"
"تم نے خاصا کام نمٹا لیا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔" ہو سکتا ہے کہ ان تاروں میں بھی رات کو برقی رو دوڑا دی جاتی ہو۔ جو لوگ طاقتور ٹرانسمیٹرز، خودکار کیمروں اور جدید سائنسی ایجادات سے کام لے رہے ہوں، ان کے نزدیک کوئی بھی شعبدہ مشکل نہیں ہے۔"
"شاید ان تاروں میں بجلی نہ ہو۔" اس نے اظہارِ خیال کیا۔"خطرے کا بورڈ لگائے بغیر حفاظتی تاروں میں بجلی چھوڑنا تو کُھلا جُرم ہے۔"
"اور ہیروئن بیچنا شاید جُرم نہیں ہے۔" میں اسے لاجواب کرتا ہوا غسل خانے میں گھس گیا۔
دوپہر کے کھانے سے فراغت کے بعد ہم دونوں مسلسل اپنی حکمتِ عمل کے بارے میں تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ سلطان شاہ کا خیال تھا کہ غیر معمولی تیاریوں کے بغیر اس عمارت میں پھٹکنا بھی محال تھا اور اگر کسی طرح ایک بار اندر گھس بھی جاتے تو کسی کارروائی کے بعد وہاں سے زندہ بچ نکلنا معجزے سے ہرگز کم نہ ہوتا۔
آخر کار طے یہ پایا کہ جب تک دونوں مل کر اس سنگین قلعے کا جائزہ نہ لے لیں، کوئی حکمتِ عملی بنانا ممکن نہ ہوگا۔
چھ بجے ہم ہوٹل سے نکل آئے۔ سلطان شاہ نے گاڑی بہت عمدہ تلاش کی تھی اور دیکھنے میں تقریباً نئی نظر آتی تھی۔ میں اُس کے بتائے ہوئے راستوں پر ڈرائیو کرتا ہوا جب اُس علاقے میں پہنچا تو وہ منفرد عمارت دور ہی سے نگاہ میں آگئی اپنے پُرشکوہ طرزِ تعمیر کی بنا پر وہ بلاشبہ ہزاروں میں ایک ہی رہی ہوگی۔
یہ بات پوری طرح پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ ملک میں وسیع ترین پیمانے پر ہیروئن کی تجارت میرے سوتیلے بھائیوں کے ہاتھوں میں تھی اور وہ اس دھندے میں بلا مبالغہ کروڑوں کما رہے تھے لیکن اس خطیر آمدنی کا کوئی قانونی جواز نہیں تھا۔ ان کے پاس جو کچھ تھا وہ کالا دھن تھا اور کالا دھن رکھنے والے نمود و نمائش سے گریز ہی کرتے ہیں کہ کہیں وہ کسی سخت گیر محکمے کی نظروں میں نہ آجائیں۔ اگر تو قیر اور تصور اسی قلعے کے حصار میں رہ رہے تھے تو مجھے حیرت تھی کہ وہ قانون کے شکنجے سے کیسے محفوظ تھے۔ کسی کو یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ یہ عمارت کیسے اور کس کے سرمائے سے تعمیر کی گئی تھی۔
میں سُست رفتاری سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے عمارت کا جائزہ لیتا رہا۔ اس میں سامنے کے رُخ پر دونوں سروں پر دو بلند اور وزنی آہنی پھاٹک تھے جنہیں جنبش دینا شاید ایک آدھ آدمی کے بس کا روگ نہیں تھا۔ عقبی سمت میں ایک چھوٹا پھاٹک تھا جو بظاہر ویران اور غیر مستعمل نظر آرہا تھا۔ اس کے پہلوؤں میں بنے ہوئے دوسرے مکانات اس کے سامنے بالکل دب کر رہ گئے تھے۔ سڑک کی دوسری جانب ڈھلان کا سلسلہ تھا جس میں خودرو جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔
"ڈرتے والے تو بلاوجہ بدنام ہیں۔" سلطان شاہ تلخ لہجے میں کہہ رہا تھا۔"اپنے ملازموں کو فراخ دلی سے تنخواہ بھی نہیں دے سکتے اور یہ لوگ اُن کی محنت سے سونا بنا رہے ہیں۔ خدا کی قسم مومن خان اور پائندہ گل کو معلوم ہو جائے کہ یہ حویلی ان ہی کے مال کی تجارت سے تعمیر ہوئی ہے تو وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی فیکٹریاں پھونک دیں گے۔"
"سکون... سکون سے کام لو۔" میں نے اُسے ٹوکا۔"شاید ہماری گاڑی نوٹ کرلی گئی ہے کیونکہ ہم پورا چکر کاٹ کر دوبارہ اسی سڑک پر آنکلے ہیں۔"
"کیسے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔"پھاٹک تو سب ہی بند ہیں، باہر کوئی بھی نہیں ہے۔"
"یہی تو قابلِ غور بات ہے۔" میں نے عقبی آئینے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔" پھاٹک شاید برقی موٹروں سے کُھلتے اور بند ہوتے ہیں۔ اس بار ہمارے گزرتے ہی اندر سے ایک سبز کار نکلی تھی جو ہماری ہی رفتار سے پیچھے چلی آرہی ہے۔"
اس سے قبل کہ ہماری کار دوسرے پھاٹک کے سامنے

سے گزرتی، اچانک ایک ہلکے سے دھماکے کے ساتھ ہماری کار کا عقبی حصہ داہنی طرف سے نیچے جھک گیا اور کار اچھلنے لگی۔ میں نے فوراً ہی بریک لگا کر کار روک دی، پیچھے آنے والی سبز کار ہمارے قریب سے گزر کر آگے نکلتی چلی گئی۔ اس میں چار آدمی سوار تھے۔

میں نے اتر کر دیکھا تو ہماری کار کا پچھلا ٹائر پھٹ چکا تھا۔ دوسری طرف سے سلطان شاہ بھی نیچے آ گیا تھا۔

"یہ کیا ہوا؟" اس نے پھٹے ہوئے ٹائر کا جائزہ لیتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"ہوشیار رہنا۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ آہستہ سے کہا۔ "شاید کھیل شروع ہو چکا ہے۔" اس وقت میری رگ و پے میں سنسنی سی سرایت کرتی جا رہی تھی۔ میں نے غیر محسوس طریقے پر قرب و جوار کا جائزہ لیا تو ہر طرف ویرانی کا راج تھا۔ آگے نظر آنے والا آہنی پھاٹک بدستور بند تھا لیکن پھر بھی میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ کچھ نادیدہ نگاہیں ہماری ایک ایک نقل و حرکت کا جائزہ لے رہی ہیں۔

"مگر یہ ٹائر پھٹا کیسے؟" وہ متوحش نظروں سے سڑک کی دوسری جانب پھیلی ہوئی ڈھلان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس کے ٹائر تو بالکل نئے تھے۔"

"شاید سبز کار سے بے آواز فائر کیا گیا تھا۔" میں نے کہا۔ "ہمیں دیدہ و دانستہ یہاں روکنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس وقت تیزی سے اندھیرا اترتا چلا آ رہا ہے۔ جلدی ٹائر تبدیل کرو ورنہ ہم یہیں گھیر لیے جائیں گے۔"

بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ پھرتی کے ساتھ کار کو جیک پر چڑھانے لگا اور میں پانا سنبھال کر وھیل نٹ کھولنے میں مصروف ہو گیا۔

"آخر ہمارے ساتھ یہ حرکت کیوں کی گئی؟" اس نے جیک پڑھاتے ہوئے ہیجان آمیز لہجے میں کہا۔

"بظاہر کوئی نہیں دکھائی دیتا لیکن اس سڑک کی کڑی نگرانی ہوتی ہے۔ اس کارروائی کا ایک ہی جواز سمجھ میں آتا ہے کہ ہم دوسری بار اس سڑک پر آئے تھے۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" وہ بڑبڑایا۔ "یہ عمارت ہی ایسی ہے کہ کوئی اس کا چار بار بھی طواف کرے تو کم ہوگا۔"

"معاً میرے ذہن میں ایک خیال کوندا اور مجھ پر وحشت سی طاری ہو گئی۔ اگر صرف کار ہی روکی جانی تھی تو اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ لوگ جرائم کے ارتکاب میں جدید ترین [illegible] سے استفادہ کرنے کے عادی تھے۔ ان کے لیے یہ دشوار نہیں کہ بے آواز فائر کے ذریعے ٹائر ناکارہ کرکے جاتے [illegible] سبز کار سے وہیں کوئی ننھا سا مگر طاقتور ٹرانسمیٹر [illegible] پھینک جاتے اور پھر اس کے ذریعے ٹائر کی تبدیلی [illegible] میں ہونے والی ہماری گفتگو اندر اس آلے سے منسلک [illegible] ریسیور پر غور سے سنی جاتی اور اسی کی بنیاد پر ہمیں نظرانداز [illegible] یا گھیرنے کی کوشش کا کوئی فیصلہ کیا جاتا۔

میں قرب و جوار میں دیوانہ وار ایسے کسی آلے کو [illegible] کرنے لگا جو میرے شبہات کی تائید کر سکے۔

"کیا کر رہے ہو تم — گاڑی کے آگے پتھر لگا دو [illegible] یہ جیک پر سے گر جائے گی۔" سلطان شاہ نے ہانک لگائی۔

"پیشاب کرکے آ رہا ہوں۔" میں نے اس قطعہ کا جا[illegible] ختم کرتے ہوئے کہا اور تیزی سے اس کے نزدیک پہنچ [illegible] ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کرنے لگا۔

ایک ثانیے کے لیے اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور پھر میرا مدعا سمجھ کر سر ہلانے لگا۔ مجھے احساس [illegible] کہ مجھ سے خطرہ بھانپنے میں تاخیر ہو چکی تھی۔ ابتدا میں ہم د[illegible] کے درمیان ایسے مکالموں کا تبادلہ ہو چکا تھا جن کی بنا [illegible] ہمارے مشکوک عزائم کی نشاندہی ہو سکتی تھی لیکن اب ا[illegible] کا توڑ کرنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

"شاباش جلدی ہاتھ چلاؤ۔" میں نے سکوت کو خطرنا[illegible] سمجھتے ہوئے زبان کھولی۔ "ہو سکا تو اس عمارت کے محافظ[illegible] سے درخواست کریں گے کہ ہمیں اندر کا ایک چکر لگانے [illegible] اجازت دے دی جائے۔" میں بول ضرور رہا تھا لیکن پور[illegible] طرح چوکنا تھا اور میری نگاہیں اس عمارت کے اگلے پھاٹک پر ہی مرکوز تھیں جس کی روشنیاں اندھیرا ہونے کے باو[illegible] معدوم نہیں۔

پھر جیسے ہی سلطان شاہ نے جیک اتار کر باآواز بلند کام [illegible] ہونے پر اطمینان کے کلمات ادا کیے، بند پھاٹک کے کسی حصے سے ایک بے آواز شعلہ تیرتا ہوا سرعت سے کار کی طرف آیا اور اس بار اگلا ٹائر دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔

ہم دونوں کی جیبوں میں بھرے ہوئے ریوالور موجود [illegible] میں نے دروازہ کھول کر فاضل راؤنڈز کی پیٹی اٹھائی اور ہم دونوں بیک وقت پوری رفتار کے ساتھ سڑک کے ساتھ [illegible] میں پھیلی ہوئی جھاڑیوں میں گھستے چلے گئے۔

جھینگروں کا شور یکلخت تھم گیا اور ہم دونوں ایک دوسرے کے قدموں کی آواز کے سہارے آگے دوڑتے رہے۔ ابھی رات کا اندھیرا پوری طرح نہیں پھیلا تھا لیکن اس گھنے جنگل میں گھُپ تاریکی کا راج ہو چکا تھا۔ گھنے درختوں کے سائے میں پھیلی ہوئی بے ترتیب جھاڑیاں ہماری پیش قدمی میں بُری طرح مزاحم ہو رہی تھیں۔ مجھے اپنی پنڈلیوں پر خراشیں پڑنے کا احساس ہو رہا تھا، جن میں خاصی سوزش ہو رہی تھی۔ میں بس دل ہی دل میں یہ دعا مانگ رہا تھا کہ اس اندھا دُھند بھاگ دوڑ میں ہم دونوں میں سے کوئی کسی زہریلی خاردار جھاڑی کی زد میں نہ آنے پائے۔ اس صورتِ حال میں اگر ہم میں سے کوئی بھی سُست پڑتا تو وہ دوسرے کے لیے ناقابلِ بیان مصائب کھڑے کر دیتا۔

"رک جاؤ، ورنہ گولی مار دی جائے گی۔" اچانک ڈھلان کے اوپر سڑک کے کنارے سے اندھیرے میں کسی کی تحکمانہ آواز گونجی۔ "یہاں سے تم بچ کر نہیں نکل سکتے۔"

غیر ارادی طور پر میرے قدم رُک گئے اور میں نے اپنے ساتھ سلطان شاہ کو بھی ایک تناور درخت کی اوٹ میں کھینچ لیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" سلطان شاہ نے مضطربانہ انداز میں سرگوشی کی۔

"ذرا رُکے رہو، اندھا دُھند بھاگتے رہے تو پیچھے سے آنے والی گولیاں چاٹ جائیں گی۔"

وہ عجیب ہذیانی انداز میں ہنسا۔ "شاید تم خوف زدہ ہو گئے ہو۔ ہم سڑک سے کافی دور آ گئے ہیں۔ اتنے فاصلے سے اُن کا باپ بھی ہمیں نہ دیکھ سکے گا۔ یہ سب گیدڑ بھبکیاں ہیں اور تم وہی کر رہے ہو جو وہ چاہتے ہیں۔"

میرے ذہن سے کُہر صاف ہونے لگی۔ سلطان شاہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ اس اعلان کے ذریعے وہ ہمیں خوفزدہ کرنا چاہتے تھے تاکہ ہم پیش قدمی ترک کر کے کسی گوشے میں چھپ جائیں اور چند لمحوں بعد وہ پوری تیاری کے ساتھ اس گھنے جنگل میں داخل ہوں تو زیادہ بھاگ دوڑ کے بغیر آسانی کے ساتھ ہم پر ہاتھ ڈال سکیں۔

اسی لمحے بلندی پر روشنی نمودار ہوئی اور طاقتور دستی سرچ لائٹ کا ہالہ مختلف سمتوں میں گردش کرنے لگا لیکن ہم اس کی زد سے خاصے دور تھے۔ "میں فائر کر رہا ہوں... وہ میری رینج میں ہے۔" سلطان شاہ کی آواز ابھری۔

"حماقت کرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے سختی سے اس کا ہاتھ دبا کر اُسے روک دیا۔ "وہ تعداد میں کئی ہوں گے۔ اس وقت ہمارا مسئلہ انہیں زک پہنچانا نہیں بلکہ اس دشواری سے زندہ سلامت نکلنا ہے۔ وہ اوپر کھڑے جائزہ لے رہے ہیں اور شاید اندر گھسنے کے لیے تیار ہیں لیکن ابھی تک ہمارے فرار کی سمت کا تعیّن نہیں کر سکے ہیں۔ اِسی بے یقینی کے باعث وہ مختلف سمتوں میں منتشر ہو کر آگے بڑھیں گے۔ فائر ہوا تو اُنہیں ہماری پوزیشن کا اندازہ ہو جائے گا اور سب سیدھ باندھ کر اسی طرف ہو لیں گے۔"

بات سلطان شاہ کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے اپنا ہاتھ جھکا لیا۔ اسی لمحے چکراتی ہوئی روشنی کے عقب سے کھٹ کی ہلکی سی مگر گونجیلی آواز کے ساتھ ایک شعلہ نمودار ہوا اور بہت تیزی کے ساتھ اس خودرو جنگل کے بیکراں سناٹے میں معدوم ہو گیا۔ پھر تو بے آواز فائروں کا ایک تسلسل سا قائم ہو گیا۔ وہ لوگ محتاط انداز میں آگے بڑھنے کے ساتھ مختلف سمتوں میں بے مقصد فائر کر رہے تھے۔ مدّعا یہی رہا ہو گا کہ ہماری طرف سے بھی ایک آدھ جوابی فائر ہو اور وہ ہمارا رُخ بھانپ لیں لیکن ہم دونوں ہی خاموشی کے ساتھ چند سیکنڈ تک ان کے اسلحے کی بربادی کا تماشا دیکھتے رہے پھر آگے کی طرف قدرے جُھک کر، حتی الامکان تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ ان اطراف میں اندھیرے کی چادر اتنی دبیز تھی کہ ہمارا دیکھ لیا جانا ناممکنات میں سے تھا اور اگر ہمارے نامعلوم دشمن بھی روشنی کا سہارا نہ لیتے تو شاید ہمیں ان کی موجودگی کا ادراک بھی نہ ہو پاتا لیکن وہ تعداد میں ہم سے بہت زیادہ تھے کیونکہ مختلف سمتوں سے ان کے بولنے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ سڑک سے اترنے کے بعد شاید وہ جنگل میں اندر ہی اندر پھیل کر آگے بڑھ رہے تھے۔ بیشتر آوازیں مغلظات اور گالیوں پر مشتمل تھیں۔ شاید اُنہیں وہ بے وقت کی مشق خاصی ناگوار گزری تھی۔

ان کی آوازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ہمارے مقابلے میں اُن کی رفتار خاصی سُست تھی کیوں کہ اُنھیں اپنی عددی برتری اور اسلحے کی قوّت پر ناز تھا۔ اور ان کے دلوں میں جارحانہ جذبہ موجزن تھا جب کہ ہم دونوں اپنی بقا کے لیے اس خون آشام ویرانے میں جدّوجہد کر رہے تھے۔ اسی دوران میں ان کی چند ٹولیاں غالباً بھٹک کر دُور نکل گئیں، کیوں کہ فضا میں بتدریج خاموشی غالب آنے لگی تھی۔

"کب تک اسی طرح دوڑاتے رہو گے؟" اچانک

سلطان شاہ کراہا۔

"جب تک ہمت ساتھ دیتی رہے گی۔"

"تو پھر رک کر ہی کمر سیدھی کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ بھاگتے بھاگتے میں منہ کے بل کہیں ڈھیر ہو جاؤں۔"

"پھر یہیں بیٹھ جاؤ۔" وہ میرا فقرہ پورا ہونے سے قبل وہیں بیٹھ کر ہانپنے لگا۔ "اور اب اسی طرح کسی تنے کی اوٹ میں پہنچنے کی کوشش کرو۔" میں نے اُسے ہدایت کی۔

فضا پر سناٹا طاری تھا اور ہم مضحکہ خیز انداز میں ایک تنے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"آخر ہوا کیا تھا وہاں؟" مناسب جائے پناہ میسر آجانے کے بعد سلطان شاہ نے پوچھا۔ "دوسرا ٹائر کیسے پھٹ گیا تھا؟"

"پھاٹک کی طرف سے بے آواز فائر ہوا تھا۔"

"لیکن اس کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر محافظ اسی قدر مستعد تھے تو گولی کا رُخ میری یا تمہاری طرف بھی ہو سکتا تھا۔"

"شاید وہ عمارت کے سامنے غیر ضروری خون خرابا نہیں کرنا چاہتے، پہلے ایک کار سے بے آواز فائر کر کے ہمیں وہاں رکنے پر مجبور کیا گیا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر وہیں کوئی چھوٹا سا مگر حساس مائیکروفون بھی پھینکا گیا ہو گا جس کے ذریعے دوسرے پھاٹک کے پیچھے موجود محافظ ہماری گفتگو سُنتے رہے ہوں گے۔ ٹائر بدلنے کے دوران ... ہم نے جو گفتگو کی، اس کی بنا پر ان لوگوں نے اندازہ لگا لیا کہ ہم عمارت میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ لہٰذا عین اسی وقت جب تم ٹائر بدل چکے تھے، اندر سے کسی نشانے باز نے دوسرا ٹائر پھاڑ دیا۔ اس طرح وہ ہمیں وہیں روکے رکھ کر زندہ پکڑنا چاہ رہے تھے تاکہ اندر لے جا کر باز پُرس کر سکیں مگر ہم نے خوش قسمتی سے صورتِ حال بھانپ لی اور دوسرے ٹائر میں اُلجھنے کے بجائے کار چھوڑ کر بھاگ نکلے۔"

"اور وہ چوری کی ہے۔" سلطان شاہ نے قہقہہ لگایا۔ "کار سے وہ عمر بھر بھی ہمارا سراغ نہ لگا سکیں گے۔"

"آواز دھیمی رکھو۔" میں نے اضطراری طور پر اُسے ٹوکا۔ "مکمل سناٹا بھی خطرناک ہو سکتا ہے، ممکن ہے قرب و جوار ہی میں ان کی کوئی ٹولی خاموشی سے ہماری تلاش میں مصروف ہو۔"

"تم میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ کبھی زیادہ دیر خوش نہیں رہنے دیتے۔" اس کا لہجہ بگڑا ہوا تھا۔

میں نے اس کے تبصرے کا کوئی جواب نہیں دیا اور تھوڑے سے توقف کے بعد وہاں سے اٹھ گیا۔ "اب یہاں سے نکلنے کی فکر بھی کرو، ہم ساری رات یہیں نہیں بسر کر سکتے۔ یہاں موذی حشرات الارض بھی ضرور پائے جاتے ہوں گے۔"

"ضرور پائے جاتے ہوں گے مگر انسان ان سب سے زیادہ موذی ہے۔" وہ بادلِ ناخواستہ اٹھتے ہوئے بولا اور اچانک ہی ہم دونوں کسی سرچ لائٹ کی تیز روشنی میں نہا گئے۔

"ہینڈز اَپ۔" روشنی کے عقب سے ایک کرخت آواز گونجی۔ "ہتھیار پھینک کر ہاتھ اٹھا لو، ورنہ بے دریغ گولی مار دوں گا۔"

تیزی کے ساتھ دو تین مرتبہ پلکیں جھپکانے کے بعد میری آنکھیں کچھ دیکھنے کے قابل ہو چکی تھیں۔ روشنی کا رُخ ہمارے ہاتھوں کی طرف تھا اور اس ہالے کے عقب میں مجھے دو انسانی ہیولے نظر آرہے تھے یعنی مقابلہ برابر کا تھا۔

میں نے کسلمندانہ انداز میں ہاتھ بلند کرنے کی اداکاری کرتے ہوئے اچانک ہی سرچ لائٹ پر فائر کر دیا۔ ہولناک دھماکے کے ساتھ نہ صرف دوبارہ گھور اندھیرا ہو گیا، بلکہ ایک دل خراش چیخ بھی سنائی دی۔ شاید گولی سرچ لائٹ کو ادھیڑتی ہوئی اسی شخص کے جسم کے کسی حصے میں پیوست ہو گئی تھی جو سرچ لائٹ تھامے ہوئے تھا۔

فائر کرتے ہی میں بجلی کی سی سُرعت سے نیچے گر گیا تھا کھٹ کی آواز کے ساتھ ایک فائر ہوا مگر گولی کا رُخ آسمان کی طرف تھا۔ میں نے زمین پر پڑے پڑے دیکھا کہ سلطان شاہ وحشیانہ انداز میں دوسرے شخص سے اُلجھا ہوا تھا۔ زخمی ہونے والا شاید گولی کھانے کے ساتھ ہی اپنا اسلحہ بھی گنوا بیٹھا تھا، کیونکہ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ دبائے غالباً زمین سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا، اگر وہ مسلح ہوتا تو یقیناً سب سے پہلے اپنے ساتھی کی مدد کرنے کی کوشش کرتا اور سلطان شاہ پر فائر کر دیتا۔

اس جنگل میں فائر اور چیخ کے بعد دوسری ٹولیاں بھی تیزی سے اِدھر کا رُخ کر سکتی تھیں، لہٰذا میں پھرتی سے اٹھا اور سلطان شاہ سے لپٹے ہوئے حریف کی کھوپڑی پر نال رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ سلطان شاہ تھو تھو کرتا ہوا پیچھے اُچھلا تھا۔ شاید اُس کے حریف کی کھوپڑی کے کچھ حصے اُدھڑ کر اس کے چہرے سے جا ٹکرائے تھے۔ اس دوران میں میری نگاہ اس شخص کے بے آواز ریوالور پر جمی رہی تھی، جب وہ چند

ثانیوں تک کسی اندھے کی طرح لہرانے کے بعد زمین پر ڈھیر
ہوا تو میں نے گرنے والا ریوالور اٹھا لیا، اسی اثنا میں
سلطان شاہ پہلے شکار کی مشکل آسان کرنے پر تل گیا تھا۔
اس نے حریف کی پشت پر سوار ہو کر اپنے دونوں ہاتھ اس
کے نرخرے پر جما دیے تھے اور وہ بُری طرح مچل کر سلطان شاہ
کی بے رحمانہ گرفت سے نکلنے کے لیے کوشاں تھا۔

حالات اس قدر سنگین نہ ہوتے تو شاید میں دخل انداز
نہ ہوتا لیکن ہمارے پاس وقت بہت کم تھا۔ مجھے اندیشہ
تھا کہ تصادم کا شور سننے کے بعد ان دونوں کے ساتھی
کسی بھی لمحے ہمیں آلیں گے۔ لہٰذا میں نے بڑھ کر مضبوطی سے
اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور سلطان شاہ نے چند ہی سیکنڈ
میں اُسے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

دوسرے بے آواز ریوالور کی تلاش میں وقت برباد
کیے بغیر ہم وہاں سے بہت تیزی سے فرار ہوئے تصادم
اور گہری تاریکی کے باعث ہم سمت کا احساس کھو چکے تھے
بس جدھر منہ اٹھا، اسی طرف ہو لیے۔ نہ جانے ہم کتنی دیر
تک اسی طرح رکاوٹیں عبور کرتے پوری قوت کے ساتھ
دوڑتے رہے پھر اچانک ہی ایک طرف جھاڑیوں میں
روشنی چکراتی نظر آئی۔ اسی کے ساتھ کچھ دھیمی دھیمی انسانی
آوازیں بھی ہوا کے دوش پر تیرتی سنائی دیں اور ہم نے رفتار
سست کر کے اپنا رخ محتاط انداز میں تبدیل کر لیا۔

کچھ دیر پہلے جو کچھ ہوا اس میں ہماری نیت یا ارادے
کا کوئی دخل نہیں تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس پُرشکوہ عمارت
کے سامنے ہمیں جس دیدہ دلیری کے ساتھ الجھا کر روکا گیا
تھا، اس کی بنا پر ہم شدید اعصابی دباؤ کا شکار ہو گئے تھے۔
پھر جنگل میں گھسنے کے بعد ہمیں للکارا گیا تو اُن کی نفری کا
اندازہ ہوتے ہی ہم نے تصادم سے گریز کرتے ہوئے نکل
بھاگنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور شاید ہم اس کوشش میں
کامیاب بھی ہو جاتے لیکن ان دونوں نے اچانک ہی ہمارے
سروں پر مسلط ہو کر ہمارے لیے فرار کی راہ مسدود کر دی۔
ہمارے سامنے اس وقت دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ ان
کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنے دردناک انجام کو نوشتۂ تقدیر
سمجھ کر قبول کر لیں یا پھر ان سے ٹکرا کر بے خوفی کے ساتھ
بساط الٹنے کی کوشش کریں۔ اب یہ ہماری خوش نصیبی تھی کہ ہم نے
دوسرے راستے پر عمل کیا اور آناً فاناً میں وہ دونوں ہمارے
ہاتھوں مارے گئے۔ اس ناگہانی خونریزی کے بعد میں مزید کوئی
تصادم مول لینے کو تیار نہیں تھا۔

سڑک سے گزرتے ہوئے ہمیں ڈھلان میں پھیلے ہوئے
... خودرو جنگل کی وسعت کا اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا لیکن
کافی دیر تک دوڑنے اور چلتے رہنے کے باوجود ہمیں اس
سلسلے کے ختم ہونے کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو مجھے تشویش
ہونے لگی، جہاں تک مجھے علم تھا، لاہور کی مضافاتی آبادیوں
سے ملحق کہیں بھی اتنا وسیع جنگل موجود نہیں تھا۔

تو کیا ہم اندھیرے اور اپنی حد سے زیادہ احتیاط کے
باعث کسی محدود علاقے میں چکراتے پھر رہے ہیں؟ میرے
ذہن میں اچانک خیال آیا اور میں نے فوراً ہی سلطان شاہ
پر اس کا اظہار بھی کر ڈالا۔

"ہو سکتا ہے۔" اس نے بہت دھیمی آواز میں کہا۔
"لیکن یہ خطہ اتنا مختصر بھی نہیں ہے۔ ورنہ وہ بہت دیر
پہلے ہمیں ہر طرف سے گھیر چکے ہوتے۔ اب تو ہر طرف
سناٹا ہی محسوس ہو رہا ہے۔"

"تمہاری آواز کو کیا ہوا؟ کیا تھک گئے ہو؟" میں نے
حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

اندھیرے میں اُس کی تلخ آواز اُبھری۔ "ایک بار اُونچی
آواز میں بولنے کا نتیجہ بُھگت چکا ہوں، دوسرے تجربے
کی ہمت نہیں ہے۔"

اچانک میرے کانوں میں ایک مانوس سی آواز آئی اور
سلطان شاہ بھی چلتے چلتے رک گیا۔ چند ثانیوں تک کان لگائے
رکھنے کے بعد میں سمت کا اندازہ کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا۔
ہمارے بائیں جانب کافی دور سے گھنٹی کی آواز ایک خاص تسلسل
کے ساتھ کبھی کبھار سنائی دے جاتی تھی۔

"بس اسی طرف نکل چلو۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "ادھر
یقیناً کوئی راستہ ہے۔"

وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ اس علاقے میں چوپایوں کے
گلے میں گھنٹی ڈالنے کا رواج عام تھا اور شاید وہ کسی بیل
گاڑی میں جتے ہوئے بیلوں کے گلے میں بندھی ہوئی گھنٹیوں
کی آواز تھی۔

ہم فوری طور پر بائیں طرف مڑ گئے۔

اس بار قسمت ہم پر کچھ مہربان ہی تھی کیونکہ تقریباً
آدھے گھنٹے بعد جنگل کا وہ لامتناہی سلسلہ یکایک ہی ختم
ہو گیا اور ہم ایک نیم پختہ سڑک کے کنارے پہنچ گئے۔
بیل گاڑی غالباً کہیں دور نکل چکی تھی اور ہوا کی مخالف سمت
میں ہونے کی بنا پر اس کی کوئی آواز بھی نہیں سنائی دے
رہی تھی لیکن مجھے خوشی تھی کہ ہمیں جنگل سے نجات مل گئی تھی

اور ہمارے سروں پر تاروں بھرا شفاف آسمان چمک رہا تھا۔
میرے دل میں اچانک ہی سگریٹ پینے کی شدید خواہش جاگ اٹھی۔
اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ انسان کی فطرت میں کس قدر تضادات یکجا ہیں۔ جان کو خطرہ لاحق ہو تو اپنے دفاع کی حیوانی جبلت ہر طلب اور خواہش پر غالب آجاتی ہے اور خطرہ ٹلنے کے ذرا بھی آثار نمودار ہوں تو مزاج اپنا رنگ دکھانے لگتا ہے۔
جب تحفظ کا فطری جذبہ اتنا شدید ہے تو لوگ خودکشی کیطرف کیوں مائل ہوتے ہیں؟ ہیروئن جیسا موذی نشہ جو گھن کی طرح انسانی وجود کو اندر ہی اندر کھوکھلا کرکے قبر میں اُتار دیتا ہے کیوں مقبول ہو رہا ہے؟ سگریٹ سلگاتے ہوئے میں نے سوچا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اپنی ذات کے تحفظ اور بقا کے لیے سب کچھ تج دینے کا جذبہ صرف اور صرف صحت مند ذہنوں میں ہی جنم لے سکتا ہے جن ذہنوں پر کھولت کا زنگ چھا رہا ہو یا جو روزمرہ کے مسائل کی چکی میں پستے پستے بیمار ہو چکے ہوں، ان کے نزدیک تحفظ، بقا اور زندگی جیسے طویل المیعاد الفاظ اپنا مفہوم کھو بیٹھتے ہیں۔ انہیں نہ پیش قدمی کا اندازہ ہوتا ہے نہ پسپائی کا احساس... یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ گرداب میں پھنسے بس ایک ہی جگہ چکرائے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں ایسے سوختہ جاں آنے والے لمحوں کا سامنا کرنے کے بجائے اپنے گرد و پیش اور مسائل سے فرار کے لیے نشے کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں، ان کے نزدیک مصائب میں گزارے ہوئے دنوں سے کہیں بہتر وہ چند گھنٹے ہوتے ہیں جو وہ ایک "خوراک" کے زیرِ اثر خوابوں کے جزیروں کی سیر میں گزارتے ہیں اور یوں بیمار ذہن اپنے معاشی، معاشرتی اور عائلی مسائل کی ہولناک یلغار سے بچنے کے لیے خودکشی کی راہ پر چل پڑتے ہیں اور مختصر سی مدت میں اڈیکشن کے کرب ناک عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

"کیا سو رہے ہو؟" سلطان شاہ نے میرا شانہ ہلا کر مجھے چونکا دیا۔
"کاش سو سکتے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بس خیالات کی رو تمہارے دوست کی طرف جا رہی تھی۔"
"میرا دوست! " اس نے حیرت سے کہا۔ "کون!"
"وہی اپنا کرنل زوار زیدی۔"
اس بار وہ اپنی بے ساختہ ہنسی نہ روک سکا۔ "اس وقت وہ ساتھ ہوتا تو مزہ ہی آجاتا۔ اتنی دیر میں تپلون نیکر میں تبدیل ہو گئی ہوتی اور شاید وہ تمہیں اپنی وفاداری سے خارج کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوتا۔"
"بس سوچ ہی سکتا ہے بے چارہ ــــ اس کی بیوی سمجھدار ہے۔"
"شادی کے بعد بھی تمہاری یہی رائے رہے تو بات ہے، سنا ہے شہروں میں شادی کے بعد میاں بیوی کے خیالات ایک دوسرے کے بارے میں بہت بدل جاتے ہیں۔"
"اور تمہاری طرف کیا ہوتا ہے؟" میں نے چھیڑنے والے لہجے میں سوال کیا۔
"وہاں پہلے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جو کچھ ہے، شادی کے بعد ہی ہوتا ہے۔" وہ ہنستے ہوئے فراخدلانہ لہجے میں بولا۔
"یہاں دور تک ویرانہ ہی ویرانہ نظر آتا ہے۔" میں نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔ "ہم جنگل میں بھٹکتے ہوئے آبادی سے اتنی دور تو نہیں آئے ہوں گے۔"
"پختہ سڑک سے جنگل میں گھسے تھے اور اس لوٹی ہوئی سڑک پر نکلے ہیں۔" وہ پُرخیال انداز میں بولا۔ "میرا تو اندازہ ہے کہ ہم جنگل پار کر کے دوسری طرف نکل آئے ہیں اُسی طرف کے ہوتے تو آبادی ہی میں ہوتے۔"
"تمہارا اندازہ بالکل ٹھیک ہے۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "اس طرف خطرہ کم ہے، وہ لوگ جنگل میں جھک مارنے کے بعد اسی طرف ہمارے نکلنے کے منتظر ہوں گے۔"
"یہاں کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے رہے تو ٹھنڈی ہوا میں آنکھ لگ جائے گی، اب تکان بھی رنگ دکھانے لگی ہے۔"
"پھر چلتے ہی رہو۔" میں انگڑائی لے کر اٹھ گیا۔
سمت کے بارے میں ہم دونوں نے آپس میں مشورہ کیا اور پھر ایک طرف بڑھنے لگے۔
"ویسے ہمیں چوکنا ہی رہنا ہوگا۔ ان میں سے کسی کو بھی جنگل کے پار نکلنے کا خیال آگیا تو ان کی گاڑیاں ادھر کا طواف بھی شروع کر دیں گی۔" میں نے چلتے ہوئے کہا۔
"یہ رات بھی یاد رہے گی۔" وہ تکان کے احساس کو زندہ دلی کی آڑ میں چھپاتے ہوئے بولا۔ "چلے تھے شان سے ساتھ چوہدری کی کار میں اور اب جنگل میں دھکے کھانے کے بعد ویران سڑک ناپتے پھر رہے ہیں۔"
"اگر بروقت جنگل میں نہ گھس پڑتے تو اس وقت ہم ہی میں کسی کے جبری مہمان ہوتے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ توقیر اور تصویر کیا بلا ہیں؟" وہ
تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "ایک طرف ان دونوں میں سے کوئی
اے ٹو بن کر ہیروئن کی تجارت چلا رہا ہے۔ دوسری طرف
لاہور میں ان کے ایسے ٹھاٹ ہیں، وہ مکان واقعی محل سے
کم نہیں معلوم ہوتا۔ مجرموں کے ایسے شاندار ٹھکانے تو بس
انگریزی فلموں میں ہی نظر آتے ہیں۔"

"یہ بات صاف ہو چکی ہے کہ توقیر ہی اے ٹو ہے جس
نے کراچی میں کھل کر اپنی اس حیثیت میں احکام جاری کیے
ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ تصویر اس سے واقف نہ ہو۔ ابھی
تم نے دیکھا ہی کیا ہے؟ محل تو معمولی سی بات ہے، ان کا
ہر فعل انگریزی فلموں کا جیتا جاگتا شاہکار نظر آتا ہے۔ کئی بار
تو مجھے جیمز بانڈ کی فلمیں یاد آ گئیں۔ پیغام رسانی طاقتور ٹرانسمیٹروں
سے ہوتی ہے، خودکار حفاظتی نظام کا تجربہ تمہیں پہلی بار قاسم
کے مکان میں گھسنے پر ہو گیا تھا۔" میں نے پھریری سی لیتے
ہوئے کہا۔ "اور ابھی کا تجربہ تمہارے سامنے ہے، مجھے پورا
یقین ہے کہ ہمارے قرب و جوار میں کوئی حساس مائیکروفون
پھینکا گیا تھا۔ ابھی تک یہ سارے طریقے ہمارے یہاں رائج
نہیں ہوئے ہیں۔ حیرت بس اس بات کی ہے کہ وہ لوگ یوں
کھل کر شاہانہ ٹھاٹ سے کیسے رہ رہے ہیں۔ سرکاری اہلکار
کہاں سوئے ہوئے ہیں؛ کوئی ان کی آمدنی کے ذرائع کی
پڑتال کیوں نہیں کرتا؟"

"کہیں تمہارے دونوں سوتیلے بھائی مافیا کے مقامی
سربراہ تو نہیں ہیں؟" اس نے سوال کیا اور میں چونک کر نازاں
کی چھاؤں میں اسے گھورنے لگا۔ وہ سادگی سے ہنس پڑا۔

"کیا کہہ دیا میں نے؟"

"تم کیا جانو کہ مافیا کیا بلا ہے؟" میں نے سنجیدگی کے
ساتھ کہا۔

"میں جاہل ضرور ہوں ڈپٹی صاحب، مگر اتنا نہیں جتنا
تم سمجھتے ہو۔ تم سے ٹکرانے سے پہلے میں ہر دوسرے دن
فلم دیکھتا تھا، انگریزی فلموں سے میں نے بڑے گر سیکھے ہیں
میں انگریزی نہیں جانتا لیکن ایکشن اور میوزک سے پوری اسٹوری
سمجھ لیتا ہوں... مافیا پر میں نے بہت فلمیں دیکھی ہیں۔ وہ
لوگ سہارا دے دیں تو دو ٹکے کے مجرم صنعت کار، سیاستدان
اور کاروباری بن جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے بھائیوں
کے سروں پر بھی مافیا کا سایہ پڑ گیا ہے۔ جبھی وہ بادشاہی کر
رہے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔" میں نے تفکر
آمیز لہجے میں کہا۔ "میں اُن کی صلاحیتوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔
اپنی محنت سے وہ ایسی قابلِ رشک مالی کامیابیاں حاصل نہیں
کر سکتے تھے۔"

اے ٹو۔۔۔ میرے ذہن میں وہ لقب کسی بچھو کے ڈنک
کی طرح چبھنے لگا۔

محمود آباد کے ایک غیر آباد مکان میں ایک فرماں بردار
ہرکارے سے گفتگو کے بعد پہلی بار میں نے فون پر اے ٹو سکندر علی
کی آواز سنی تھی اور تنظیم کے لیے کام کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔
طارق، نادر اور جہانگیر نے بھی اس دن میرے ساتھ ہی تنظیم میں
شمولیت اختیار کی تھی۔ ان دنوں ہر طرف چرس کا ڈنکا بج رہا تھا۔
عالمی شہرت کے مصور، گلوکار، اداکار، فنونِ لطیفہ سے تعلق
رکھنے والے بے شمار پیشہ ور اور جوان باغی نسل کے نمائندے
چرس کے نشے میں ڈوب کر اپنے فن یا اپنی ذات کا عرفان حاصل
کرنے کے دعوے دار تھے اور اس لہر میں ہم چاروں بھی چرس
فروشی پر مامور کر دیے گئے۔ ان دنوں تنظیم مختصر سی تھی، اور
شاید اپنی جڑیں پھیلا رہی تھی۔ تدریج شہر میں چرس کی ترسیل اور
تقسیم کے بیشتر کاروبار پر ہماری اجارہ داری قائم ہو گئی۔ زیرِ زمین
دنیا میں ہمارے ناموں کی دھاک بیٹھ گئی اور منڈی کے حریفوں
نے سمجھ لیا کہ ہمارا راستہ کاٹنے والا اپنی گردن نہ بچا سکے گا۔ وقت
گزرتا رہا، تنظیم ترقی کرتی رہی۔ پھر میرے ہاتھوں پہلی بار تجارتی
پیمانے پر ہیروئن کی فروخت کی مہم کے آغاز کے لیے مفت پڑیاں
شہر میں تقسیم ہوئیں اور وقت کو پر لگ گئے۔ سیکڑوں سے
شروع ہونے والا کام کروڑوں کو روندنے پر آمادہ ہو گیا۔ اسی
کے ساتھ اعتماد اور منصب بھی ملتا چلا گیا لیکن تنظیم میں شرکت
کی پہلی شام سے کھلی بغاوت کے آخری لمحے تک بار بار یہی
حقیقت سامنے آتی رہی کہ اے ٹو تنظیم کا مختارِ کل تھا۔ اس کا ہر
فیصلہ اٹل اور ناقابلِ تنسیخ ہوتا تھا۔

لیکن وہ اے ٹو کیوں کہلاتا تھا؟ اے ون کیوں نہیں
تھا؟ اپنے کوڈ کے انتخاب میں اُس نے دوسرے درجے کا
ہندسہ کیوں پسند کیا تھا؟ مجھے ان سوالات کا جواب کبھی
نہ مل سکا اور اب پھر ذہن میں ان ہی سوالات کی تکرار ہو
رہی تھی۔

اگر وہ مافیا یا اسی جیسے کسی بین الاقوامی گروہ کا جال تھا
تو یقیناً اے ٹو یعنی توقیر کسی اے ون کو جواب دہ تھا اور یہ ضروری
نہیں تھا کہ اے ون ہر وقت اُس پر مسلط رہتا ہو۔ وہ نہ جانے
توقیر جیسے کتنے مقامی سربراہوں پر بالادستی رکھتا ہو... جدید
ترین مواصلاتی رابطے اور نت نئے حفاظتی انتظامات توقیر یا

تصویر کی بنجر کھوپڑی سے ہرگز جنم نہیں لے سکتے تھے، میں جس قدر سوچتا رہا، اسی قدر یہ خیال مستحکم ہونے لگا کہ توقیر کو ہانکنے والا کوئی اور ہی تھا جو قابلِ رشک معلومات اور ذہنی صلاحیتوں کا مالک تھا۔

جب تک میرے لیے لے لوڈ کی ذات ایک سربستہ راز بنی رہی، میں اس موضوع پر کھل کر نہ سوچ سکا۔ ہر طریقۂ کار اور ہر فیصلے کی خوبی لے لوڈ سے منسوب کرتا رہا، لیکن توقیر کا راز کھل جانے کے بعد میرے لیے لے لوڈ سے آگے سوچنا ناگزیر ہو چکا تھا۔

وہ کون تھا؟ کیا کہلاتا تھا؟ اس کا ٹھکانا کہاں تھا؟ اس کا طریقۂ کار کیا تھا....؟

"وہ مارا!" اچانک سلطان شاہ نے مسرت آمیز نعرہ لگایا اور پھر میں نے بھی موڑ پر ٹیلوں کی اوٹ سے آنے والی روشنی کا انعکاس دیکھ ہی لیا۔

غالباً مخالف سمت سے کوئی گاڑی ہماری طرف آ رہی تھی۔ اگرچہ گاڑی ابھی تک نظر نہیں آئی تھی، نہ اس کے انجن کی گونج سنائی دے رہی تھی لیکن اس کے طاقتور ہیڈ لیمپس کا انعکاس اس اندھیری رات میں بہت امید افزا تھا۔

"آؤ۔" میں نے پھرتی سے سڑک کی دوسری جانب بڑھتے ہوئے کہا۔ "اس کار سے ہر قیمت پر لفٹ لینی ہو گی ورنہ اس غیر مصروف سڑک پر ہم ساری رات ہی پیدل چلتے رہیں گے۔"

"لیکن سڑک کیوں پار کر لی تم نے؟" سلطان شاہ نے جھلّائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اسی طرف جھاڑیوں کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے تو کون سی قیامت نازل ہو جاتی۔"

"کھوپڑی ٹھنڈی رکھو۔" میں نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "ایک موہوم سے خدشے کی بناء پر احتیاطی قدم اٹھا بیٹھا تو اس پر چراغ پا ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"میری کھوپڑی ٹھنڈی ہی ہے۔" وہ بڑبڑاتے لہجے میں بولا۔ "لیکن یہ احتیاط میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ خود جھاڑیوں اور جنگل کا رُخ چھوڑ کر تم ادھر کھلے میدان کی طرف آ گئے ہو، کوئی بُری گھڑی آ ہی گئی تو سڑک پار کر کے جنگل تک پہنچنے کی مہلت بھی مشکل ہی سے مل سکے گی۔"

"اسے کھلا میدان نہ کہو۔" میں نے اُسے چڑانے کے انداز میں کہا۔ "ہر طرف چھوٹے بڑے ٹیلے بکھرے ہوئے ہیں جو بوقتِ ضرورت ہمارے لیے پناہ گاہ ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"لیکن لفٹ لینے کا موقع آتے ہی تمہیں خطرے کی کیا سوجھ گئی....؟" ابتدا اُس نے جھلّائے ہوئے لہجے میں کی مگر درمیان میں ہی اس کا لہجہ بے جان ہو گیا۔ پھر وہ قدرے توقف کے بعد بولا۔ "اوہ! تو کیا تمہیں شبہ ہے کہ آنے والی گاڑی میں ہمارے دشمن بھی موجود ہو سکتے ہیں؟"

"ایک امکان ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ سڑک ایسی نہیں کہ اِدھر سے ٹریفک گزرتا ہو.... موجودہ حالات میں ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"تو تم اس کار سے لفٹ نہیں لو گے؟" اُس نے ... دیکھتے ہوئے کہا جہاں روشنی کا انعکاس تیز ضرور ہو گیا تھا لیکن آنے والی گاڑی سامنے نہیں آئی تھی، البتہ اُس کے انجن کا ہلکا سا شور سنائی دینے لگا تھا۔ اس شور کی آواز کی بناء پر قیاس کیا جا سکتا تھا کہ آنے والی سواری کار نہیں بلکہ کوئی بھاری انجن والی لاری وغیرہ ہو سکتی تھی۔

"لفٹ نہ لی تو ہم سے بڑا احمق کوئی نہیں ہو گا۔ کم از کم میں تو ساری رات پیدل چلنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"اگر وہ دشمن ہی ہوئے تو ہمیں دیکھتے ہی گولی مار دیں گے ہم نے انہیں کافی زک پہنچائی ہے، بس یہ ہو سکتا ہے کہ ہماری اصلیت جاننے کے لیے وہ ہمیں ہلاک کرنے کے بجائے فی الحال زخمی کرنے پر ہی اکتفا کریں۔"

"ان پر ان ہی کا تجربہ آزمائیں گے۔" میں نے ایک کھاڑی دار ٹیلا نظر آتے ہی اُس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "جس طرح اُنھوں نے ٹائر ناکارہ کر کے ہمیں رکنے پر مجبور کیا تھا، اسی طرح ہم بھی کارروائی کریں گے، ایک بے آواز ریوالور ہمارے پاس بھی موجود ہے۔"

"فائر بے آواز ہی سہی لیکن شعلہ تو اگلی نشست والوں کی نگاہ سے نہ چھپ سکے گا۔"

"یہ جگہ مناسب رہے گی۔" میں نے ٹیلے کی آڑ میں پوزیشن لیتے ہوئے کہا۔ "میں اگلے ٹائر کو نشانہ بنانے کی حماقت نہیں کروں گا۔ یہ جگہ بھی ایسی ہے کہ آگے بڑھنے کے بعد بھی وہ ہمیں نہ دیکھ سکیں گے، میرا ارادہ پچھلے ٹائر کو نشانہ بنانے کا ہے۔ انھیں زیر کرنے کے بعد گاڑی پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر گاڑی والے غیر متعلقہ لوگ ہوئے تو ٹائر کی تباہی کو اتفاقی حادثہ سمجھیں گے۔ ان کے ردِ عمل کا جائزہ لے کر ہم اطمینان سے باہر نکل سکیں گے، اور کوئی معقول کہانی سنا کر لفٹ لے لیں گے۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دشمن ہوں اور ٹائر پھٹنے پر

خطرہ بھانپ لیں، ایسی صورت میں وہ رکنے کے بجائے سفر جاری بھی رکھ سکتے ہیں، پچھلے ٹائر کی تباہی ڈرائیونگ پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوتی۔"

"اب تو ان کے ردِعمل ہی کا انتظار کرنا ہوگا۔" میں نے سڑک پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"یہ بات پھر بھی سمجھ میں نہیں آسکی کہ تم نے سڑک کیوں عبور کی ہے؟"

"اگر وہ مخالف کیمپ کے آدمی ہیں تو دوسری طرف پھیلا ہوا جنگل ہی ان کی توجہ کا مرکز ہوگا۔ وہ سوچ بھی نہ سکیں گے کہ ہم اسے چھوڑ کر ادھر ٹیلوں میں چھپے ہوئے ہیں۔"

"اوہ... وہ آرہے ہیں!" گاڑی کے ہیڈ لیمپس نظر آتے ہی وہ اضطراری انداز میں بول پڑا اور ساتھ ہی اس نے اپنا پستول بھی سنبھال لیا۔

"جیپ معلوم ہوتی ہے۔" میں نے ہیڈ لیمپس کے درمیانی فاصلے اور ان کی بلندی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "رفتار بھی خاصی سست ہے... خیر آنے دو، دیکھا جائے گا، لیکن میرا اشارہ ملے بغیر تم فائر نہیں کروگے۔"

"میں سائلنسر لگے ہوئے ریوالور کا جائزہ لینے لگا جس کے چیمبر میں پانچ گولیاں موجود تھیں۔ میرا اندازہ تھا کہ تصادم کی نوبت آہی گئی تو وہ پانچ گولیاں خاصی فیصلہ کن ثابت ہوں گی۔ ان کے بعد مجھے اپنے پستول پر انحصار کرنا پڑتا جس کے لیے ہمارے پاس خاصی تعداد میں فاضل راؤنڈز موجود تھے۔

"تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔" وہ اپنے چڑچڑے پن پر نادم سا نظر آنے لگا۔ "وہ دشمن ہی معلوم ہوتے ہیں، سست روی کے ساتھ جائزہ لیتے ہوئے آرہے ہیں۔"

"میری کوشش ہوگی کہ پچھلے دوسری سمت کے ٹائر کو نشانہ بناؤں تاکہ انہیں خطرے کا احساس ہو بھی جاتے تو توجہ جنگل ہی کی طرف مرکوز رہے۔"

"کامیابی کا دارومدار تمہارے نشانے پر ہے جو عموماً بے خطا ہوتا ہے۔" اس کے لب ولہجے سے دبے دبے جوش کا اظہار ہونے لگا تھا۔ "وہ یقینی طور پر تعداد میں کئی ہوں گے۔ انھیں سنبھلنے کا موقع مل گیا تو ساری رات اسی ویرانے میں چاند ماری کی مشق کرتے گزر جائے گی۔"

"اس خوش فہمی میں بھی نہ رہنا۔" میں نے اسے متنبہ کیا۔ "یہ سو فیصد گوریلا کارروائی ہوگی۔ پہلے ہی ہلے میں کامیابی نہ ہوئی تو بربادی ہمیں گھیر لے گی۔ ذرا بھی چوک ہوئی تو تھوڑی ہی دیر میں چپے چپے سے ان کے آدمی اگل پڑیں گے۔ اس عمارت میں حفاظتی انتظامات کے لیے کوئی نجی فوج بھی پل رہی ہو تو مجھے حیرت نہ ہوگی۔"

جیپ اس نیم پختہ سڑک پر اچھلتی، لہراتی آگے بڑھی آرہی تھی۔ انجن کے شور اور رفتار سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے شاید فور وہیل ڈرائیونگ گیئر میں چلایا جارہا تھا، حالاں کہ اس سڑک پر اس مخصوص گیئر کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ شاید آنے والوں کا یہ مقصد رہا ہو کہ شبہ ہوتے ہی جیپ کو بلا تامل کچے راستے یا جنگل میں اتارا جاسکے کیونکہ ادھر کا رخ کرتے ہی عام گیئر یقینی طور پر ناکارہ ہوجاتا ہے۔

جوں ہی مجھے محسوس ہوا کہ اب کسی بھی ہچکولے کے ساتھ جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی ہماری طرف بھی پڑ سکتی ہے تو میں بے آواز ریوالور سنبھال کر کھاڑی میں دبک گیا۔

رات کے سناٹے میں گاڑی کا شور گونجتا رہا، اسی کے ساتھ میرے اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا۔ آخر کار وہ مہیب مشینی شور بالکل قریب آگیا اور روشنی کی چادر تیرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ میں نے کھاڑی میں سے سر ابھار کر دیکھا تو جیپ کا ہیولا روشنی کے عقب میں بڑھا جارہا تھا۔ کھلی ہوئی جیپ میں نشستوں پر چار انسانی ہیولے براجمان تھے۔

میں نے کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر ریوالور کی نال سیدھی کی اور جیپ کی داہنی ٹیل لائٹ کے سہارے عقبی ٹائر کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ گھوڑا چلنے کا دھیما سا کھٹکا ہوا، میرے ہاتھ کو جھٹکا لگا اور بے آواز شعلہ نشانے کی طرف تیر گیا... میں فوراً کمین گاہ میں دبک گیا اور اسی لمحے فضا ٹائر پھٹنے کے پرشور دھماکے سے گونج اٹھی۔

سلطان شاہ نے اضطراری طور پر میرا شانہ دبا کر پہلی کامیابی کی مبارک باد دی مگر میرے کان تبدیلیوں پر مرکوز تھے۔ دھماکا ہوتے ہی جیپ کی آواز بدلنے لگی۔ پھر شاید جیپ روک دی گئی لیکن اس کا انجن بدستور چلتا رہا۔

"یہ کیسے پھٹ گیا؟" انجن کے شور پر حاوی ایک کرخت اور تحکم آمیز آواز سنائی دی۔

جواب میں کسی نے نہایت ہتک آمیز انداز میں ٹائر پھٹنے کا تعلق ماضی قریب میں سوال کرنے والے کی کسی بزدلی سے قائم کر دیا۔

"بکواس مت کرو بیدے۔" کسی تیسرے نے غرا کر تبصرہ کرنے والے کو پھٹکارا۔ "دیکھنا یہ ہے کہ ٹائر اتفاقاً پھٹا ہے یا یہ کسی کی شرارت ہے۔"

اسی لمحے انجن بند کر دیا گیا اور آوازیں واضح تر ہوگئیں۔

"شرارت کیا ہو سکتی ہے؟ فائر ہی کیا ہو گا تاکسی نے لیکن ہم نے تو کوئی آواز نہیں سُنی۔" بولنے والے کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے اپنی رائے کی تائید کا خواہاں ہے۔

"آواز بے شک نہیں سُنی لیکن ٹائر سب نئے ہیں... کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ان دونوں کے پاس بھی بے آواز اسلحہ ہو۔" اس بار شاید جیپ چلانے والے نے رائے زنی کی تھی۔

"ہوں۔" ایک طویل غراہٹ اُبھری۔ "داہنا ٹائر پچکا ہے اگر یہ بدمعاشی ہی ہے تو وہ زیادہ دور نہ نکلے ہوں گے، جتنی دیر میں ہم جنگل چھان کر لوٹیں گے، یہ ٹائر بدل لے گا... کیوں اکیلے بدل لو گے نا؟"

"ہاں ہاں ـــ تم جلدی کرو، وہ دُور نکل گئے تو پھر رات کالی ہو گی۔" وہی پہلی آواز سنائی دی اور پھر کئی دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز نیم پختہ سڑک پر گونجتی ہوئی کچی زمین ہی معدوم ہو گئی۔

میرے ساتھ آہستہ آہستہ سلطان شاہ نے بھی سر ابھارا تھا۔ جیپ کی روشنیاں گل تھیں اور اُس کے پیچھے ایک تنومند سایہ شاید جیک اور وھیل پانا تلاش کرنے میں مصروف تھا۔ میں نے داہنی طرف سر گھمایا تو جنگل میں مختلف مقامات پر تین متحرک روشنیاں نظر آئیں۔ وہ لوگ حیرت ناک سُرعت کے ساتھ اُدھر کافی دور تک پھیل چکے تھے۔

"یہ بُرا ہوا۔" سلطان شاہ میرے کان کے نیچے منمنایا۔ "وہ سڑک پر بیٹھ کر ٹائر بدلے گا، اُس کی نظر ہم پر پڑ سکتی ہے۔ بایاں ٹائر ہوتا تو وہ کچے میں بیٹھ کر جیک لگاتا اور ہم بے خبری میں پشت سے اُسے قابو میں کر لیتے۔"

"باہر نکلنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "انتظار کرتے رہو، ٹائر تبدیل ہو جائے تو ایک گولی اُس کے نام کی بھی سہی۔ ابھی بے آواز ریوالور میں چار گولیاں موجود ہیں... اس کے ساتھیوں کو پتا بھی نہ چل سکے گا کہ اس کا کیا حشر ہوا؟"

"میں اس پر گولی چلانے کے خلاف ہوں۔"

"دماغ خراب ہوا ہے تمہارا؟"

"تمہارا لباس ٹھیک ٹھاک ہے، میرے کپڑوں پر خون کے خاصے دھبے ہیں، لباس تبدیل کیے بغیر میں ہوٹل کا رُخ نہ کر سکوں گا۔ میں اُسے طاقت کے بل پر زیر کرنا چاہتا ہوں تاکہ اُس کا لباس داغدار نہ ہو اور میرا مسئلہ بھی حل ہو جائے۔"

"اوہ!" میں بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا کیونکہ اُس کی بات بہت معقول تھی۔ "پھر تمہیں لمبا گھوم کر جانا ہو گا۔ بہتر یہ ہو گا کہ کسی چوپائے کی طرح رینگتے ہوئے جاؤ، میں یہیں مورچہ سنبھالے رہوں گا، اگر ضرورت پڑی تو تمہاری مدد کر سکوں گا۔"

"وہ خاصا پھرتیلا نظر آتا ہے، ٹائر جلد ہی بدل لے گا، بس میں نکلتا ہوں۔" سلطان شاہ نے کہا اور گھٹنوں اور ہتھیلیوں کے بل زمین پر جھک کر چلتا ہوا ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر جیپ کی مخالف سمت میں ہو لیا۔

اس ٹیلے کی اوٹ میں رہتے ہوئے میں بے خوف و خطر جیپ اور ٹائر بدلنے والے پر نگاہ رکھ سکتا تھا لیکن اپنی کمین گاہ سے نکلنے کے بعد اس کی نگاہوں میں آنے کا خطرہ تھا۔ لہٰذا میں دبکا سڑک کی دوسری جانب کسی چوپایہ انسان کے ظہور کا انتظار کرنے لگا۔

شاید سلطان شاہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی محتاط تھا کیونکہ تقریباً پانچ چھ منٹ بعد میں نے ایک تاریک انسانی ہیولا جیپ کے عین مقابل جھاڑیوں سے نمودار ہوتے دیکھا۔ شاید سلطان شاہ سڑک عبور کرنے کے بعد کنارے کنارے خودرو جھاڑیوں میں چھپتا ہوا وہاں پہنچا تھا اور اس طرح اس نے اپنی ہتھیلیوں کو غیر ضروری مشقت سے بچا لیا تھا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ جھکا اور چوپائے کی پوزیشن لے کر تیزی سے سڑک عبور کرنے لگا۔ اس وقت جیپ کا ڈرائیور ٹائر تبدیل کرنے کے بعد نٹ لگانے میں اتنا منہمک تھا کہ اُسے عقب سے آتی ہوئی مصیبت کا احساس تک نہ ہو سکا۔

سلطان شاہ اس سے چند فٹ دور دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا، اس کا داہنا ہاتھ سر سے بلند ہوا اور کھٹاک کی آواز سُنتے ہی میں پھریری لے کر رہ گیا۔ شاید سلطان شاہ نے پوری قوت سے اپنے پستول کا آہنی دستہ ڈرائیور کے سر پر رسید کیا تھا۔ اس کے حلق سے ایک مختصر سی بے معنی آواز نکلی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

میں نے فوراً ہی اپنی جگہ سے دوڑ لگا دی۔ سلطان شاہ اپنے شکار کو سڑک سے ایک طرف گھسیٹ رہا تھا۔

"تم اس کے کپڑے اتارو، میں نٹ کستا ہوں۔" میں نے وھیل پانا سنبھالتے ہوئے کہا۔ "اپنا لباس راستے میں بدل لینا۔ اس کے ساتھیوں کے لوٹنے سے پہلے یہاں سے بھاگ لو ورنہ یہ موقع ضائع ہو جائے گا۔"

بمشکل تین منٹ بعد میں نے اچھل کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور انجن اسٹارٹ کر کے جیپ آگے بڑھا دی۔ سلطان شاہ اپنے شکار کے جسم سے اتارے ہوئے کپڑے لے کر عقبی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔

جیپ چوتھے گیئر میں ڈالتے ہوئے میں ڈیش بورڈ سے آنے والی ایک آواز سن کر چونک پڑا۔ اتنی دیر میں سلطان شاہ بھی لباس بدل چکا تھا، لہٰذا وہ بھی اچھل کر میرے برابر والی سیٹ پر آ گیا۔

"کیسی آواز تھی یہ؟" اس نے اپنے گریبان کے بٹن لگاتے ہوئے سوال کیا۔

"ایس او کالنگ ڈولی... اوور۔" قدرے توقف کے بعد وہی مدہم آواز دوبارہ ابھری تو اس بار متوجہ ہونے کے باعث مفہوم پلے پڑ گیا اور اسی کے ساتھ خانے میں رکھا ہوا دستی ٹرانسمیٹر بھی نظر آ گیا جس پر روشن ننھے سے سرخ بلب سے ظاہر ہو رہا تھا کہ آپریٹس مسلسل آن تھا۔

میں نے آپریٹس اٹھا کر آواز قدرے بڑھا دی، کیونکہ وہ آلہ میرے لیے نیا نہیں تھا۔ اس قسم کا سگنل فری کوئنسی ٹرانسمیٹر کافی عرصہ میرے اور راجہ سکندر علی کے درمیان... زیر استعمال رہا تھا۔

پیغام آ رہا تھا، لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ جیپ پر آنے والوں میں سے کسی کے لیے ہوتا۔ نجانے اس قسم کے کتنے آپریٹس بیک وقت زیر استعمال تھے۔

"نجانے یہ ڈولی کون ہے؟" میں آہستہ سے بڑبڑایا۔

ڈیش بورڈ کی روشنیوں کے انعکاس میں سلطان شاہ کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے۔ "یہ تمہاری آواز دوسری طرف سنی نہیں گئی ہو گی؟"

"اس وقت یہ آلہ صرف پیغام وصول کر رہا ہے جب تک اس کا یہ بٹن نہ دبایا جائے ہماری آواز دوسری طرف نہیں سنی جا سکے گی۔"

"ایس او کالنگ ڈیوٹی روم... اوور!" آپریٹس پر نیا پیغام سنتے ہی مجھے خاموش ہو کر ادھر متوجہ ہونا پڑا۔ ڈولی سے مایوس ہونے کے بعد وہی آواز ڈیوٹی روم کو کال کر رہی تھی۔

"ڈیوٹی روم آن لائن... اوور۔" لحظہ بھر کے بعد آپریٹس پر نئی آواز سنائی دی۔

"ہم ان دونوں کی تلاش میں جنگل کے پیچھے گشت پر تھے کہ اچانک غور سے ذرا آگے ہماری جیپ کا ایک ٹائر دھماکے سے پھٹ گیا۔" ایس او کہہ رہا تھا۔ "ہمیں کسی فائر یا شرارت کے آثار نہیں ملے لیکن میں نے ڈولی کو ٹائر تبدیل کرنے کے لیے چھوڑ کر قریبی علاقہ دیکھ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس وقت ہم تینوں اندر گھسے ہوئے ہیں لیکن میری بار بار کی کوششوں کے باوجود ڈولی کی طرف سے کوئی جواب نہیں مل رہا ہے... اوور۔"

"شاید تم نے جنگل میں داخل ہو کر بدترین غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "ہمارے دو آدمیوں کی لاشیں ملی ہیں، ایک کا بے آواز ریوالور بھی غائب تھا۔ شاید تمہاری جیپ پر وہی آزمایا گیا ہو گا... فوراً واپس لوٹو اور ڈولی کے بارے میں اطلاع دو، باس ناکامی پر بہت برہم ہے... اوور!"

"میں لوٹ رہا ہوں۔" ایس او کی آواز سنائی دی۔ "اگر وہ دونوں جیپ پر سوار ہو گئے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ یہ گفتگو سن رہے ہوں... اب میں تم ہی سے مخاطب ہوں، جیپ فوراً چھوڑ دو، ورنہ اس میں ایسا نظام نصب ہے کہ ہر بار انجن اسٹارٹ کرنے کے ساتھ سیکنڈ کے اندر ایک مخصوص بٹن نہ دبایا جائے تو ایک خودکار میکنزم حرکت میں آ جاتا ہے۔ انجن اسٹارٹ کرنے کے صرف دس منٹ بعد پوری جیپ ایک ہولناک بارودی دھماکے سے اڑ جائے گی۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے، سیاہ بٹن دبا کر کہہ سکتے ہو، بات پوری کرنے کے بعد بٹن چھوڑ دینا... اوور۔"

ایس او کا وہ پیغام سن کر سلطان شاہ پریشان ہو گیا۔ "بس یہیں روک لو۔" وہ بیتابانہ انداز میں اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔

"دس منٹ تو ہو لینے دو، ابھی تو ہمیں چلتے تین چار منٹ بھی نہ ہوئے ہوں گے۔" میں نے اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

"تو پھر وہی بٹن تلاش کرو جسے دبانے سے دھماکے کا خطرہ ٹل جاتا ہے۔"

"اب وہ بھی بے سود ہے۔ اسے انجن اسٹارٹ کرنے کے ایک منٹ کے اندر اندر دبانا ضروری ہوتا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔ "سکون سے بیٹھے رہو، ایسے لوگوں کے لیے ایسے انتظامات بہت سہل ہیں لیکن اس وقت یہ محض گیدڑ بھبکی ہے... وہ ہماری راہ روکنا چاہتے ہیں... ایس او کو اچانک ہم سے ہمدردی کیوں ہو گئی؟ ان کے نکتۂ نظر سے سوچو تو ہم زندہ ہاتھ نہ آ سکیں تو ہمارا مر جانا ہی بہتر ہے اور وہ ہمیں زندہ رہنے کا گر بتا رہا ہے۔"

"ان لوگوں کو تم ہی سمجھتے ہو... میں تو بس تمہارے ساتھ ہوں۔"
اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔
"تنظیم میں باس کا لفظ پہلی بار سُنا ہے، پتا نہیں یہ کون ذات شریف ہے۔"
"کوئی بھی ہو لیکن یہ ایس او بہت چالاک آدمی ہے۔" سلطان شاہ نے تعریفی لہجے میں کہا۔
"یہ اندازہ کیسے لگا لیا تم نے؟"
"ڈیوٹی روم سے بات ہوتے ہی اس نے اندازہ لگایا کہ ہم ساری باتیں سُن رہے ہوں گے۔"
میں دل ہی دل میں اس کی کم فہمی پر ہنس دیا۔ "بڑی معمولی بات ہے یہ آپریٹس بہت سے لوگوں کے پاس ہوں گے۔ ہنگامی حالات میں انہیں ہر وقت آن رکھا جاتا ہے۔ جس کسی کو بات کرنا ہو وہ بٹن دبا کر اپنا کوڈ بتاتے ہوئے مطلوبہ آدمی کو پکارتا ہے۔ یہ پیغام ہر ایک اپنے آپریٹس پر سنتا ہے اور مطلوبہ آدمی جوابی سگنل دیتا ہے۔ وہ بھی ہر آپریٹس پر سُنا جاتا ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ ڈولی کا آپریٹس آن ہے اور اگر جیپ ہمارے قبضے میں ہے تو ہم ساری گفتگو سُن رہے ہوں گے۔"
"یہ تو بڑی سیدھی سی بات ہے۔" وہ جھینپے ہوئے انداز میں ہنسا۔ "تم بات کرو گے اس سے؟"
"ذرا حکم دوں گا انہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ باس کہاں سے پیدا ہو گیا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اگنیشن آف کر دیا تاکہ گفتگو کے دوران انجن کا شور نہ سنائی دے۔ لیکن جیپ اپنے زور میں بے آواز سڑک پر بڑھتی رہی۔
"ڈولی نمبر دو کالنگ ڈیوٹی روم ... اوور۔" میں نے پیغام نشر کیا۔
"ڈیوٹی روم ریسیونگ ... شاید تم ان ہی دونوں میں سے ایک ہو جن کی تلاش جاری ہے ... اوور۔"
"ہاں ــــ میں نے جیپ چھوڑ دی ہے، میرا دوسرا ساتھی لاپتا ہے، اس کے بارے میں میں تمہارے باس سے بات کرنا چاہتا ہوں ... اوور۔" میں نے اندھیرے میں سلطان شاہ کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔
"باس سے رابطہ ہونا مشکل ہے ــــ تمہارا پیغام پہنچا دیا جائے گا ... اوور۔"
"میری بات صرف اُسی سے ہو سکتی ہے ... اوور۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔
"میں معلوم کرتا ہوں، تھوڑی دیر انتظار کرو... اوور۔"
"میں نے ایک بہترین پناہ گاہ تلاش کر لی ہے اور [illegible] چاہتا ہوں، زیادہ دیر انتظار نہ کر سکوں گا [illegible] اوور۔"
"تم اس وقت کہاں سے بول رہے ہو؟ [illegible] اوور۔" سوال کیا گیا۔
"فی الحال منہ سے بول رہا ہوں، غیر ضروری باتوں میں وقت ضائع نہ کرو ـــ اگر تمہارا باس بات نہیں کرنا چاہتا تو یہ آپریٹس میرے لیے بے سود ہے۔ میں اسے [illegible] کر اپنی راہ لوں گا۔ مجھے جلد از جلد تمہارا جواب چاہیے [illegible] اگر تم نے تین منٹ میں کال نہ کیا تو میں یہ آپریٹس تباہ کر [illegible] گا... اوور۔"
"شاید تمہیں اپنے ساتھی سے ہمدردی [illegible] ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "میں تین منٹ میں [illegible] دینے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے جیپ [illegible] دی ہے یا نہیں! چھوڑ دی ہے تو اب کہاں ہو؟ اوور۔"
"شاید تمہارے کان خراب ہیں ورنہ تم بھی [illegible] کر لیتے کہ اس وقت جیپ کے انجن کا شور مفقود ہے۔ ایک خطرے سے واقف ہو جانے کے باوجود اسے [illegible] رکھنا میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں اس وقت جیپ سے بہت دور ایک ایسی پناہ گاہ میں موجود ہوں جہاں تمہارے آدمی قیامت تک [illegible] سراغ نہ لگا سکیں گے [illegible] اوور۔"
"تم جہاں ہو وہیں ٹھہرو، میں باس کو تلاش کر رہا ہوں۔ اوور اینڈ آل۔"
میں نے گفتگو ختم ہوتے ہی دوبارہ رینگتی ہوئی جیپ کا انجن اسٹارٹ کیا اور گیئر ڈال کر گاڑی کی رفتار تیز [illegible]
"تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" سلطان شاہ نے [illegible] آمیز لہجے میں سوال کیا۔
"محض انہیں اُلجھا رہا ہوں، ہم آرام سے [illegible] پہنچ کر سو جائیں گے اور ان کے آدمی ساری [illegible] اور ویرانے میں ہماری تلاش میں بھٹکتے رہیں گے۔"
"وہ تو ظاہر ہے لیکن میرا سوال [illegible] میں تھا کیا تم واقعی اسے تباہ کر دو گے؟"
"کیا میں اسی قدر احمق نظر آتا ہوں تمہیں [illegible] نے شگفتہ لہجے میں سوال کیا۔ "میں تو انہیں یہ جتانا چاہتا ہوں کہ میرے نزدیک ان چیزوں کی کوئی وقعت نہیں ہے اور اسے ساتھ لے کر پھرنے کے بجائے میں اسے تباہ کرنے کو ترجیح دوں گا۔ اس طرح شاید وہ اس آپریٹس کا استعمال ترک نہ کریں اور ہم ان کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہیں۔"

"ہاں یہ بات تو ہے، اس پہلو پر میں نے غور ہی نہیں کیا تھا... وہ، ہمیں دھوکا دینا چاہتے ہیں اور تم انھیں بیوقوف بنا رہے ہو۔" میری وضاحت پر سلطان شاہ خوش ہو گیا۔

رات کے سناٹے میں جیپ آگے بڑھتی رہی۔ وہ راستہ میرے لیے بالکل غیر معروف اور اجنبی تھا لیکن میں مسلسل اسی نیم پختہ سڑک پر ڈرائیونگ کرتا رہا اور آخر کار ہمیں شہری آبادی کے آثار نظر آنے لگے۔ اس دوران میں سلطان شاہ خاصا مضطرب رہا تھا۔ اس کی نگاہیں بار بار اپنی رسٹ واچ کا جائزہ لے رہی تھیں، لیکن میں اس بارے میں خاموش ہی رہا۔ ویسے مجھے اندازہ تھا کہ وہ وقت کے حوالے سے دو باتوں کا منتظر تھا۔

اوّل تو اُسے تین منٹ کی مدّت گزرنے کے بعد ڈپوٹی روم سے پیغام ملنے کی اُمید تھی لیکن وہ وقت خاموشی سے گزر گیا۔ اس کے بعد سلطان شاہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ جیپ کا انجن اسٹارٹ ہونے کے دس منٹ بعد کیا ہوتا ہے لیکن اس بارے میں بھی اُسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ کے آثار نظر آنے لگے مگر میں نے سختی کے ساتھ اپنی زبان بند ہی رکھی۔

"کیا میری عقل میں بھُس بھرا ہوا ہے؟" آبادی کے درمیان ایک سڑک سے گزرتے ہوئے اس کی غصیلی آواز اُبھری تو میں بوکھلا گیا۔ اس کی طرف دیکھا تو وہ مجھے گھُور رہا تھا۔

"میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی سلطان شاہ۔" میں نے نرم اور تحمل آمیز لہجے میں کہا۔

"تم کہو یا نہ کہو، لیکن رویّے سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔" اس کی آواز سے غصّے سے زیادہ جھلّاہٹ عیاں تھی۔

میں نے پل بھر میں اپنے دل ہی دل میں گزرے ہوئے رویّے اور کہے ہوئے الفاظ کا جائزہ لے ڈالا، لیکن اپنی کوئی غلطی دریافت نہ کر سکا۔ پھر بھی اس کی دل جوئی کی خاطر میں نے معذرت خواہانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے دانستہ تمھاری دل آزاری کی کوشش نہیں کی سلطان شاہ! نادانستگی میں کچھ ہو گیا ہو تو میں معافی چاہتا ہوں۔"

"اوئے معافی کو غرق کرو۔" وہ یک بیک اپنے قبائلی خول میں سمٹ گیا۔ "یہ بتاؤ کہ ایک بات تم بھی سنتے ہو، میں بھی سنتا ہوں۔ تم فوراً جھوٹ کو پکڑ کر صحیح نتیجے پر پہنچ جاتے ہو اور میں دھوکا کھا جاتا ہوں ـــــ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ میرے مغز میں کہاں خرابی ہے؟"

اس کی وضاحت سن کر میرے ذہن سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ "یہ مغز کی خرابی نہیں، تجربے کی کمی ہے ـــ میں انہیں اور ان کی رگ رگ کو مدّت سے جانتا ہوں، تمھارے لیے یہ لوگ نئے ہیں...."

"میں ایک ایک سیکنڈ گن رہا تھا کہ کب دس منٹ پورے ہوتے ہیں اور جیپ دھماکے سے اُڑتی ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر تلخ لہجے میں بولا۔ "مگر کچھ بھی نہ ہوا، سارا انتظار غارت ہو گیا۔"

میں زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا۔ اُونچی آواز میں ہنستا تو وہ مجھے ہی پھاڑ کھانے کو دوڑ پڑتا۔ "کچھ ہو ہی جاتا تو اس وقت ہم دونوں یوں باتیں کرنے کے لیے زندہ نہ ہوتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تمھاری ذہنی رو کچھ بھٹکی ہوئی ہے۔"

اس کے بعد وہ کچھ نہ بولا۔ اُسے یوں چُپ لگی، جیسے اس نے اپنی غلطی کا احساس کر کے سرے سے زبان نہ کھولنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔

شہر کے ایسے حصّے میں داخل ہونے کے بعد، جہاں سے مجھے سواری ملنے کی اُمید تھی، میں جیپ سے جان چھڑانے کے امکانات پر غور کر ہی رہا تھا کہ اچانک آپریٹس پر پیغام سنائی دینے لگا۔

"ہیلو ڈولی نمبر دو ـــــ ڈپوٹی روم کالنگ... اوور!"

میں خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ میں نے اُسے دوبارہ رابطے کے لیے تین منٹ کی مہلت دی تھی اور وہ پیغام کم و بیش پندرہ منٹ بعد سنائی دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ مجھ سے وقت لینے کے بعد اس عمارت سے میری اور جیپ کی تلاش میں کوئی دوسری گاڑی جنگل کے پار نیم پختہ سڑک کی طرف بھیجی گئی ہوگی۔ اس دوران میں ان لوگوں نے باہمی پیغام رسانی کے لیے بھی آپریٹس کا استعمال ترک کیے رکھا تاکہ مجھے ان کی حکمتِ عملی اور سرگرمیوں کا اندازہ نہ ہو سکے۔ پھر جب تلاش کی مہم ناکام ہو گئی اور جیپ کا کہیں سراغ نہ مل سکا تو انھوں نے آپریٹس پر دوبارہ مجھ سے رجوع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس آلے پر تین بار وہی پیغام من وعن دُہرایا گیا۔ چوتھی بار اس میں یہ اضافہ بھی کر دیا گیا کہ ان کا باس مجھ سے گفتگو کرنا چاہتا تھا، لیکن میں نے ہر پیغام کو نظر انداز کر دیا۔ اس دوران میں سلطان شاہ کسی پتھر کے بُت کی طرح لاتعلقانہ انداز میں بیٹھا ونڈ شیلڈ کے پار سڑک کو گھورتا رہا۔

"تمھارا کیا خیال ہے؟ اس کال کا جواب دوں یا نہ دوں؟" میں نے جمود توڑنے کی نیّت سے اس سے سوال کیا۔

"پتا نہیں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آج کی رات مجھے معاف رکھو، میری کھوپڑی پر شاید برف جم گئی ہے۔ میں کوئی ڈھنگ کا مشورہ نہ دے سکوں گا۔"

جیپ کو غائب پا کر وہ لوگ سمجھ چکے ہوں گے کہ جیپ چھوڑنے کے معاملے میں میں نے غلط بیانی سے کام لیا تھا لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میں پہلی بار ابھی اسٹارٹ کرنے کے بعد سے ٹھیک دس منٹ تک انتظار کرتا رہا لیکن جب ایس او کے بیان کے مطابق کوئی دھماکا نہ ہوا تو دوبارہ جیپ لے بھاگا۔ میں نے دوسری بات آپریٹس کے بارے میں کہی تھی کہ تین منٹ تک جواب نہ ملا تو اسے تباہ کر دوں گا۔ میرے پیغامات نشر کر کے شاید وہ یہی اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ میں نے آپریٹس تباہ کر دیا تھا یا اس پر بدستور ان کی گفتگو سن رہا تھا۔

متعدد کوششوں کے بعد بھی میں نے کوئی جواب نہ دیا تو آپریٹس پر خاموشی چھا گئی اور میں یکسوئی کے ساتھ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں مصروف ہو گیا جہاں جیپ سے پیچھا چھڑانے کے بعد دوسری سواری آسانی مل سکے۔

■

کمرے میں مکمل تاریکی کا راج تھا۔ ہم دونوں ہوٹل کے ایک ہی کمرے میں مقیم تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ سلطان شاہ روشنیاں بجھانے کے بعد فوراً ہی سو گیا تھا لیکن میری آنکھوں میں دور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔

ہم دونوں کسی دشواری کے بغیر ہوٹل پہنچے تو رات کے ڈیڑھ بجے کا عمل تھا۔ خورد و نوش کی خواہش سرے سے موجود ہی نہیں تھی، دوسری طرف سلطان شاہ کو مسلسل چپ لگی ہوئی تھی۔ لہٰذا ہم دونوں خاموشی سے لباس تبدیل کر کے اپنے اپنے بستر پہ دراز ہو گئے تھے۔ جیپ سے حاصل ہونے والا لاسلکی آپریٹس بدستور آن تھا، اسے میں نے سرہانے تپائی پر رکھ لیا تھا جہاں گھور اندھیرے میں چمکنے والا ننھا سا سُرخ بلب آپریٹس کی سپلائی آن ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔

جیپ میں مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی ناکام کوششوں کے بعد دوسری طرف سے مسلسل سناٹا طاری تھا۔ جیپ چھوڑنے کے بعد ٹیکسی میں سفر کرتے ہوئے میں نے آپریٹس مختصر سی مدت کے لیے آف کر دیا تھا تاکہ ٹیکسی ڈرائیور میری طرف سے شبہات کا شکار نہ ہو، لیکن کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے اسے آن کرتے ہوئے اس کا تفصیلی جائزہ بھی لے ڈالا تھا۔ جس کے نتیجے میں انکشاف ہو... وہ لاسلکی آلہ اپنے نشریاتی

مرکز سے پندرہ میل قطر میں کارآمد تھا۔ گو ہوٹل تک واپسی کے لیے ہم نے بہت طویل سفر طے کیا تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ ہم اُس وقت بھی اس عمارت سے کسی بھی طرح سات آٹھ میل سے زیادہ دور نہیں تھے اور میں بے چینی کے ساتھ اس آپریٹس پر ان لوگوں کی گفتگو سُننے کا منتظر تھا۔

میری آنکھوں میں دور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔ لہٰذا میں سگریٹیں پھونک کر وقت گزاری کر رہا تھا۔ ایش ٹرے میں تیسری سگریٹ مسلنے کے چند منٹ بعد میں نے چوتھی سگریٹ سلگائی تو اچانک ہی سلطان شاہ بول پڑا۔

"کب تک سگریٹیں پھونکتے رہو گے؟ تم سو کیوں نہیں جاتے؟"

"اوہ — تو تم بھی جاگ رہے ہو؟" میں نے خوشگوار حیرت کے ساتھ کہا۔ "میں دراصل ان کی جانب سے کسی ردِعمل کا منتظر ہوں جو اس ٹرانسمیٹر پر ہونے والی گفتگو سے ظاہر ہو سکے گا۔"

اس نے اپنے سرہانے لگا ہوا سوئچ دبا کر نائٹ لیمپ آن کر دیا اور مسہری سے اٹھ گیا۔ "اس عمارت کے پاس ہمارے ساتھ جو کچھ ہوا، اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ مجرموں کا گڑھ ہے لیکن میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ ان کا وہاں سے تعلق کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔"

"یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تم نے رمضان چاچا سے ملنے والے فون نمبر کے ذریعے اس عمارت کا سراغ لگایا تھا اور وہ نمبر انھیں تصویر نے دیا تھا تاکہ رمضان چاچا مجھ سے مڈبھیڑ ہوتے ہی اُسے میری موجودگی سے آگاہ کر سکیں۔"

"ایسی صورت میں تو رمضان چاچا کو بھی خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔" اس نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"یہ اُسی وقت ممکن ہے جب اُنھیں شبہ ہو جائے کہ میں اس عمارت کے اطراف میں موجود تھا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہمیں کوئی قدم اٹھانے کا موقع ہی نہیں مل سکا اور عمارت والوں نے ہمارے خلاف کارروائی کا آغاز کر دیا۔ ان حالات میں اس بات کا تعین کرنا بہت دشوار ہو گا کہ گھیرے جانے والے کون تھے۔" پھر میں نے چونک کر سوال کیا۔ "گاڑی تو ہاتھ سے گئی، اب اس کا کیا کرو گے؟"

"کچھ بھی نہیں، جیسے آئی تھی ویسے ہی چلی گئی۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن تمھارے دوستوں نے محض اعتماد کی بنا پر وہ گاڑی تمھیں دی تھی۔ اسے پُرانا ان کا اپنا فعل تھا۔ چوری کے بعد

انھوں نے اس پر خاصی رقم بھی صَرف کی ہوگی، سیکڑوں میل کا سفر طے کر کے وہ یہاں تک آئے تھے اور تم نے انھیں یکسر محروم کر دیا۔"

"تفصیل جاننے کے بعد وہ مجھ سے کوئی مطالبہ نہیں کریں گے، کچھ رقم دینا چاہی تو میری اس حرکت کو وہ دوستی کی توہین قرار دیں گے، یہ نہ سہی وہ کسی دوسری کار اڑا لیں گے۔ وہ خالی ہاتھ لوٹنے سے تو رہے۔"

"اگر یہی بات ہے تو کیوں نہ اس کار کے حوالے سے پولیس کی توجہ ادھر مبذول کرا دی جائے، بہر حال وہ کراچی سے چرائی گئی ہے۔"

"پولیس کو اس چکر میں نہ ڈالو تو بہتر ہے۔ میں ان لوگوں کو پوری تفصیل سے آگاہ کر دوں گا، ہو سکتا ہے کہ وہ کار حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی جائیں، پولیس درمیان میں آ گئی تو کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔"

"وہاں تو جس نے بھی کار کا رُخ کیا وہ ان کا نشانہ بن جائے گا۔" میں نے کہا۔

"وہ لوگ اتنے بودے نہیں ہیں... خود کوئی راہ نکال لیں گے ہو سکتا ہے کہ وہ براہِ راست اسی پھاٹک پر پہنچ کر عمارت کے مکینوں سے دریافت کر بیٹھیں کہ وہ کار وہاں کب اور کیسے پہنچی۔ اگر انھوں نے مالکانہ انداز اختیار کیا تو اس عمارت کے مکینوں کو بآسانی یہ باور کرا سکیں گے کہ وہ درحقیقت ان کی کار ہے جو چرا لی گئی تھی۔"

"تم جو چاہو کر سکتے ہو۔" میں نے بحث ختم کرتے ہوئے کہا۔ "اب تو یہ سوچو کہ اس عمارت میں داخلہ کیسے ہوگا؟"

"مجھے تو یہ اقدام ناممکن ہی نظر آتا ہے... کسی طرح گھس بھی گئے تو نکلنا دشوار ہو جائے گا۔"

"صبح میں رمضان چاچا سے ملوں گا۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "اور ان سے تصویر کو فون کراؤں گا... دیکھنا ہے کہ ادھر سے کیا جواب ملتا ہے اور وہاں تصویر کی کیا حیثیت ہے؟"

"ڈیوٹی روم کالنگ فار ایس او... اوور۔" اچانک کمرے کی محدود فضا میں ریڈیائی شور کے ساتھ مانوس سی آواز ابھری اور ہم دونوں خاموش ہو گئے، میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز تر ہو گئی تھیں۔

"ایس او اسپیکنگ... اوور۔" فوراً ہی دوسری تھکی ہوئی آواز ابھری۔

"پوری فارمیشن کو سمیٹ کر واپس لوٹ آؤ، وہ دونوں چکمہ دے کر نکل گئے ہیں۔ باس کا خیال ہے کہ تم نے انھیں سواری سے محروم کرنے کے لیے بہت عمدہ دھمکی دی تھی لیکن دس منٹ کا تعین کر کے تم نے موقع گنوا دیا، ان میں سے ایک سے ٹرانسمیٹر پہ بات ہوئی تھی تو پس منظر میں جیپ کے انجن کا شور نہیں تھا۔ شاید اس نے بوکھلا کر گاڑی چھوڑ دی تھی۔ اس نے دس منٹ تک دھماکے کا انتظار کیا، جب کچھ نہ ہوا تو دوبارہ جیپ لے بھاگا، دوسری گاڑی ادھر دیر سے پہنچی تھی... اوور!"

"مم... مگر اس کا دوسرا ساتھی..." آپریٹس پر ایس او کی ہکلاتی ہوئی آواز ابھری۔ "وہ تو اپنے ساتھی سے بھٹک گیا تھا۔ اسے کیوں نہ تلاش کیا جائے؟ اوور۔"

"تین ٹرینڈ کتّے لے کر اس کی تلاش میں نکلنے والے ہیں۔" ڈیوٹی روم سے ناخوش گوار لہجے میں کہا گیا۔ "اپنے آدمیوں کی موجودگی میں کتّوں کا کام دشوار ہو جائے گا، ہو سکتا ہے وہ تمھارے ہی کسی آدمی کی بو پر ہولیں... اوور اینڈ آل۔"

"ایک بات اور پوچھنی تھی... اوور۔" ڈیوٹی روم سے سلسلۂ کلام ختم کیے جانے کے باوجود ایس او کی آواز سنائی دی۔ اس کے لہجے میں خوف کا عنصر غالب ہو چلا تھا۔

"دو پوچھو... لیکن وقت برباد نہ کرو۔ اوور۔" جواب نہایت خشک لہجے میں دیا گیا۔

"ٹرانسمیٹر بدستور زیرِ استعمال رہے گا؟ اوور۔"

"احمقانہ سوال مت کیا کرو۔" اس بار اسے بُری طرح پھٹکار دیا گیا۔ "اس وقت ہدایات کسی غیبی ذریعے سے نہیں دی جا رہیں۔ جیپ لے کر بھاگنے والا بہت محتاط تھا، اس نے ٹرانسمیٹر تلف کر دیا ہوگا کہ کہیں اسی میں کوئی دھماکا خیز مادّہ پوشیدہ نہ ہو۔ ٹرانسمیٹر اس کے پاس ہوتا تو وہ ہمارے رابطے کی کوششوں کا جواب ضرور دیتا۔ وہ خود باس سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا لیکن ہمیں وقت دینے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ یہ وضاحت شاید تمھارے لیے کافی ہوگی۔ اوور اینڈ آل۔"

اس بار ایس او نے زبان نہ کھولی اور لائن پر سکوت چھا گیا۔

"تو اب کتّے میدان میں لائے جا رہے ہیں۔" کافی دیر کے بعد پہلی بار سلطان شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار

ہوئی۔

"کتے بھی ایسے خونخوار جو دوست یا دشمن کی تمیز کیے بغیر انسانی بو پر جھپٹتے ہیں۔" میں نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ "آج ستارے ہی اچھے تھے جو ہم زندہ سلامت وہاں سے لوٹ آئے۔"

"بھی قدم کچھ دیر پہلے اٹھا لیا جاتا تو ہم بے موت مارے جاتے۔"

"ابتدا میں ان کے آدمی ہمارے پیچھے نکلے تو انھیں ہمارے پکڑے جانے کی پوری اُمید رہی ہوگی، بس اسی میں ہمیں وقت مل گیا کیونکہ اپنے آدمی واپس بلائے بغیر وہ کتے نہیں نکال سکتے تھے۔ اب دو باتیں صاف ہوگئیں۔ اوّل تو یہ کہ اس عمارت میں گھسنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔ آدمیوں کی نگاہوں سے بچ گئے تو رکھوالی کے کتے بھی ضرور ہوں گے، دوئم یہ کہ ٹرانسمیٹر کا استعمال بدستور جاری رہے گا۔ اس بارے میں وہ غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ معاملہ تمھارے اندازے کے بالکل ہی برعکس ہو۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"کتوں کو لانے کا فیصلہ چھ سات گھنٹے بعد کیا گیا ہے پھر بھی تو ہوسکتا ہے کہ اس وقت ٹرانسمیٹر پر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہمیں سنانے کے لیے گفتگو کی گئی ہو۔ ورنہ ڈیوٹی روم والے کو گرمی دکھانے کے باوجود یہ وضاحت کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ تم نے ٹرانسمیٹر تلف کردیا ہوگا۔"

میں سوچ میں پڑ گیا، اس کی بات میں خاصا وزن تھا اور اگر اس کا نظریہ درست تھا تو اس عمارت کے مکین نے تمام تر وسائل کے باوجود ہم سے خائف تھے اور ہمیں عمارت سے دور رکھنے کے لیے ان خونخوار کتوں کا افسانہ تراشا گیا تھا جن کا غالباً سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔

میں ان خطوط پر غور کرتا رہا اور میرے ذہن میں نئے دریچے وا ہوتے چلے گئے۔ آپریٹس ہماری تحویل میں تھا لیکن انھوں نے ہمیں یہ تاثر دینا چاہا تھا کہ وہ اسے فراموش کرچکے ہیں۔ یوں کسی وقت وہ اسی آپریٹس پر باہمی گفتگو کے ذریعے ایسا جال ترتیب دیتے کہ ہم اپنی دانست میں ان کی غفلت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش میں کہیں کوئی کارروائی کرنے پہنچتے اور نہایت آسانی کے ساتھ اُن کے ہاتھوں میں پڑ جاتے۔

میں نے اپنے ان خیالات کا اظہار کیا تو سلطان شاہ کے چہرے کی رونق قابلِ دید تھی۔ اسے خوشی ہوئی کہ میں نے اس کی رائے کو اس حد تک قبول کرلیا تھا کہ ساری حکمتِ عملی ہی بدل کر رہ گئی تھی۔ اس وقت میری طبیعت تو یہی چاہ رہی تھی کہ ان لوگوں سے رابطہ قائم کرکے انھیں جتا دوں کہ ہم اتنے احمق نہیں تھے جتنا ہمیں سمجھا جارہا تھا لیکن سلطان شاہ نے اس فیصلے سے شدت کے ساتھ اختلاف کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہمیں خاموشی اختیار کرکے انتظار کرنا چاہیے کہ وہ ہم پر کس کس طرح سے جال ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں پھر اسی کے مطابق ہمیں اپنے اقدامات کا فیصلہ کرنا چاہیے۔

اسی دوران میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے مختلف آوازوں کے ساتھ ایس او کے مکالمات آپریٹس پر سنائی دیتے رہے لیکن میں نے ان پیغامات پر کوئی توجہ نہیں دی، کیونکہ ان کے ذریعے یہ تاثر پیدا کیا جارہا تھا کہ عمارت کے اطراف میں پھیلے ہوئے لوگوں کو سمیٹ کر واپس لے جایا جارہا ہے۔

میں نے سونے کی پوری کوششیں کرڈالیں لیکن وہ ساری رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ گئی اور صبح کا اُجالا پھیلتے ہی میں نے بستر چھوڑ دیا۔ اس وقت سلطان شاہ گہری نیند سویا ہوا تھا۔

میں نے اس کی نیند میں خلل ڈالے بغیر اپنی تیاری مکمل کی اور ہوٹل سے روانہ ہوگیا۔ پچھلی رات کے واقعات کے بعد مجھے رمضان چاچا کی سلامتی کی طرف سے فکر لاحق ہو چلی تھی اور میں ان سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔

ہوٹل سے روانگی کے بعد میں اپنے پرانے آبائی محلے کی حدود میں داخل ہوا تو مجھے چونکنا ہو جانا پڑا کیونکہ غریب اور متوسط طبقے کے لوگوں پر مشتمل اس آبادی میں سنسنی خیز سراسیمگی سی نظر آرہی تھی اور لوگ گھروں کو چھوڑ کر ٹولیوں کی صورت میں سر جوڑے سرگوشیوں میں مصروف تھے۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں کس طرح اس افراتفری کے اسباب دریافت کروں۔

باہر سے آنے والے کسی اجنبی کی نگاہ سے دیکھا جاتا تو وہاں غیر معمولی بات کوئی نہ تھی۔ ان تبدیلیوں کو وہی بھانپ سکتا تھا جو اس محلے اور اس جیسی دوسری آبادیوں کے معاملات اور ماحول سے بخوبی واقف ہو۔ میں محسوس کررہا تھا کہ میں نے اگر اس صورتِ حال کے بارے میں زیادہ تجسس کا مظاہرہ کیا تو بلاوجہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاؤں گا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ اس طرح میرے لیے کوئی بڑی دشواری کھڑی ہوجاتی۔

پیش قدمی کرتے ہوئے میں گلی میں گھسا تو کچھ آگے رمضان چاچا کے مکان کے قریب بھیڑ نظر آئی، کسی مکان

ے عورتوں کے بین کرنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں ....
میرے ذہن میں سب سے پہلا خیال یہی آیا کہ شاید رمضان چاچا کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا لیکن ذہن نے فوراً ہی اس نظریے کی نفی کر دی۔
اگر وہاں قتل کی واردات کا ارتکاب ہوا ہوتا تو سیکڑوں کی بھیڑ میں دس پانچ پولیس والے بھی نظر آ رہے ہوتے جبکہ مجھے دور دور تک کوئی باوردی سرکاری اہلکار نظر نہیں آ رہا تھا۔
میں کسی حیران و پریشان اجنبی کی طرح صورتِ حال کا جائزہ لیتا ہوا سست روی کے ساتھ آگے بڑھتا رہا، اس دوران میں یہ واضح ہو گیا کہ گریہ و بین کی آوازیں رمضان چاچا کے مکان ہی سے آ رہی تھیں۔
جب مجھ سے اپنے بڑھتے ہوئے تجسس پر قابو پانا دشوار ہو گیا تو میں جائزہ لے کر سنجیدہ رو لوگوں کی ایک ٹولی کی طرف بڑھ گیا جو اپنے چہروں پر تشویش کے آثار لیے، سرگوشیانہ لہجے میں تبادلۂ خیال میں مصروف تھے۔
میرے قریب پہنچتے ہی بیک وقت سب کی خشک اور سرد نگاہیں مجھ پر مرکوز ہو گئیں۔
"کیا ہو گیا ہے یہاں؟" میں نے اپنے لب و لہجے کو حتی الامکان نرم اور مصالحانہ رکھتے ہوئے سوال کیا۔
"یہ پوچھو کہ کیا نہیں ہوا ہے؟" ایک ادھیڑ عمر شخص غم و غصے سے مغلوب لہجے میں پھٹ پڑا۔ "اندھیر ہے اندھیر۔ پہلے صرف چوری ہوتی تھی، اب سینہ زوری ہونے لگی ہے اور حالت یہ ہے کہ پولیس کا اب تک پتا نہیں ہے۔"
میں نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بے چارگی کے ساتھ باری باری دوسروں کی طرف دیکھا اور ان میں سے ایک کو شاید مجھ پر رحم آ گیا۔ "جاؤ بھائی، اپنا وقت خراب نہ کرو ... کیا پتا کہ اس بھیڑ میں سے تم بھی اٹھا لیے جاؤ اور تمہارا کوئی پرسانِ حال نہ ہو .... یہ بیسویں صدی ہے، جو کچھ ہو، وہ بھی کم ہے۔"
"کیا اغوا ہو گیا کسی کا؟" اس کی ہمدردی سے موقع پا کر میں نے فوراً ہی سوال جڑ دیا۔
"اغوا؟" ان میں سے ایک تلخ لہجے میں بولا۔ "رمضان چاچا اغوا ہی ہو گیا ہوتا تو کم از کم تھانے والے رپٹ تو لکھ ہی لیتے۔ اب تو وہ کہتے ہیں کہ بندہ غائب ہوا اور پھر لوٹ آیا تو رپورٹ کس بات کی؟ جس کو زیادہ ہمدردی ہے وہ پہلے رمضان چاچا کا دماغی معائنہ کرائے، رپورٹ ٹھیک ٹھاک نکلی تو تھانے والے سوچیں گے۔"
"کیا کوئی غائب ہو کر لوٹ آیا؟" میں نے اندرونی تجسس کو دباتے ہوئے انجان بن کر سوال کیا۔
"ارے بھائی! رات گئے کوئی رمضان چاچا کو بلانے آیا تھا اور وہ گانٹھ کا پورا کسی کو بتائے بغیر اجنبی کے ساتھ ہو لیا اور گھر والے اس کے انتظار میں سوکھتے رہے، ابھی ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے وہ لنگڑاتا ہوا، ہانپتا کانپتا واپس پہنچا ہے اور کسی کو کچھ نہیں بتاتا۔ بظاہر وہ ٹھیک ٹھاک لگتا ہے لیکن اس کی لنگڑاہٹ اور چہرے کی رنگت سے پتا چل رہا ہے کہ اسے بری طرح اندرونی چوٹیں آئی ہیں لیکن وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتا۔ گھر والوں نے پڑوسیوں کو بلا کر زیادہ پوچھ گچھ کی تو اس نے خود کو ایک کوٹھری میں مقفل کر لیا ہے۔ کہتا ہے کہ اسے اس کے حال پر نہ چھوڑا گیا تو وہ اپنی زندگی ختم کر لے گا۔ محلے کے سیانوں نے پولیس کو خبر دی تو وہ رپٹ لکھنے کو ہی تیار نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان چاچا کسی سے ڈرا ہوا ہے۔"
"میں دراصل ایک اخبار سے آیا ہوں۔" میں نے ان میں رسائی ...... حاصل کرنے کے لیے فی البدیہہ ایک عمدہ بہانا تراشتے ہوئے کہا۔ "مجھے کچھ بھنک ملی تھی کہ اس علاقے میں گڑبڑ ہے اور میں اپنے فوٹوگرافر کا انتظار کیے بغیر دوڑا چلا آیا۔ مجھے تفصیلات مل جائیں تو میں کل ہی پولیس کی دھجیاں اڑا کر رکھ دوں گا ... کیسا اندھیر ہے کہ رپورٹ درج کرنے سے انکار کر کے تھانے کا کاغذی ریکارڈ صاف ستھرا رکھا جائے، خواہ اس میں کسی شہری کو کیسا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔"
اخباری تعلق کا بہانا بہت زیادہ کارگر ثابت ہوا۔ اور مجھے فوری طور پر ایک خصوصی اہمیت حاصل ہو گئی۔ کچھ لوگوں نے یہ بھی پیش کش کی کہ میں رمضان چاچا سے ملنے کی کوشش کروں شاید وہ ملنے پر آمادہ ہو ہی جائے لیکن میں نے اس پیش کش کو ٹال دیا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ رمضان چاچا محض میری مدد کرنے کی بنا پر تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ نجانے تشدد کے دوران میں اس پر کیا گزری اور وہ کیا کچھ اگل آیا تھا، یہ سب معلوم کرنے کے لیے تخلیہ ضروری تھا۔
میں مجمع سے معلومات حاصل کر کے واپس روانہ ہو گیا۔
اس وقت لاہور میں لے لوٹا تو قبر کے دو ٹھکانے میری نظروں میں آ چکے تھے۔ پہلا اسٹیشن سنڈیکیٹ لمیٹڈ کا

دفتر تھا اور دوسرا وہی قلعہ نما رہائشی مکان جہاں پچھلی رات
ہم مشکلات سے دوچار ہوئے تھے۔ اور قرائن سے یہی
ظاہر ہوتا تھا کہ منشیات کی تجارت میں کاغذی یا زبانی
کارروائیوں کا مرکز وہی مکان تھا جہاں جنگی پیمانے پر حفاظتی
انتظامات پائے جاتے تھے اور ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کی
آڑ میں منشیات کا برآمدی دھندا چلایا جا رہا تھا۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ رمضان چاچا سے مجھے ایک
فون نمبر مل گیا تھا جس کے ذریعے ہماری رسائی اس عمارت
تک ہو گئی تھی جو غالباً توقیر اور تصویر کی رہائش گاہ کے طور پر
زیر استعمال تھی لیکن اس کا محل وقوع کچھ ایسا تھا کہ ہمارے
لیے وہاں سے براہ راست معلومات حاصل کرنا ناممکن نظر
آ رہا تھا۔ لہٰذا میں نے اس بارے میں نصیر خان کو استعمال کرنے
کا فیصلہ کر لیا جو ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے منیجنگ ڈائریکٹر ٹی۔ اے
ملک کے مختار عام کے طور پر ادارے کے معاملات چلاتا تھا
لیکن اس نے خود کبھی اپنے ایم ڈی کو نہیں دیکھا تھا۔

لاہور کے پچھلے پھیرے میں خوش قسمتی سے نصیر خان پوری
طرح ہمارے شکنجے میں پھنس گیا تھا اور اس نے بہت کچھ
اعترافات کیے تھے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اسے بلیک میل
کر کے ٹی۔ اے ملک نے خود سامنے آئے بغیر اپنے لیے کام
کرنے پر مجبور کیا تھا اور دفتری معاملات کے سلسلے میں عموماً
وہ خود ہی نصیر خان کو فو[illegible] ہدایات دیتا رہتا تھا۔

روزمرہ معاملات سے باخبر رہنے کے لیے اس کا طریقہ
کار عجیب تھا۔ عملے کے کسی بھی رکن کو دفتری اوقات کے
بعد ایک لمحے کے لیے بھی وہاں رکنے کی اجازت نہیں
ہوتی تھی اور نصیر خان ٹی اے ملک کی ڈاک اپنی میز پر
چھوڑ کر واپس چلا جاتا تھا اور اگلے دن دفتر کھلنے سے قبل
پُراسرار طریقے پر وہ ڈا[illegible]فتر سے اٹھوا کر تازہ ترین تحریری
ہدایات وہاں رکھوا[illegible] جاتی تھیں یوں ادارے کا سربراہ خود
سامنے آئے بغیر کامیابی کے ساتھ نصیر خان سے کام چلا رہا
تھا۔ اہم بات یہ تھی کہ وہ باس کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔

میں نے پہلے براہ راست ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے
دفتر جانے کا فیصلہ کیا لیکن اچانک ہی مجھے غزالہ کا تجربہ یاد
آ گیا اور میں نے وہ ارادہ ترک کر دیا کیونکہ نصیر خان کے
دفتر میں کسی جگہ ایک ایسا خفیہ کیمرہ نصب تھا جو وہاں آنے
والے ہر ملاقاتی کی تصویر لے لیتا تھا۔ نصیر خان کے لیے وہ
کیمرا قطعی ممنوعہ تھا۔ اس میں سے رول نکالنے اور نیا فلم رول
ڈالنے کی ذمے داری اسی شخص کے سر تھی جو دفتر بند ہونے...

کے بعد سب کی لاعلمی میں وہاں داخل ہوتا تھا۔

میں نے ایک پبلک بوتھ سے ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ
فون کیا تو دوسری طرف سے غالباً نصیر خان نے خود ہی کال
ریسیو کی کیوں کہ میں نے اس کا ڈائریکٹ نمبر ڈائل کیا تھا۔

"نصیر خان پلیز!" یقین کے باوجود میں نے احتیاط سے
کام لیتے ہوئے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"بول رہا ہوں!" دوسری طرف سے پُراعتماد لہجے
میں کہا گیا۔

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں دوست!" میں نے پیار بھرے
لہجے میں کہا۔

"تم کون ہو؟ میں تمھیں پہچان نہیں سکا۔" اس کی الجھی ہوئی
آواز سنائی دی۔

"ذہن پر زور دو گے تو پہچان لو گے۔ نشاط کے ساتھ
محفلِ نشاط جما کر سونے کے بعد تمھاری آنکھ ہمارے ساتھ
ہی کھلی تھی۔ ہم نے وعدے کا پاس کیا ہے، امید ہے کہ تم
بھی تعاون کرو گے!"

"اوہ! تو تم پھر آ گئے ہو۔" اس کی مضطربانہ آواز سنائی
دی جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کا حافظہ خاصا اچھا تھا
اور ایک معقول حوالہ دیتے ہی اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔

"آئے نہیں، مجبوری لائی ہے، کتنی دیر میں اور کہاں مل
رہے ہو؟" میں نے اسی لہجے میں سوال کیا۔

"دفتری اوقات میں ناممکن ہے۔" اس کی آواز دھیمی
اور فکر آمیز ہو گئی۔ "یہ میرے لیے کسی بھی وقت کوئی اہم کال
آ سکتی ہے۔ میں چھٹی کے بعد ہی مل سکتا ہوں، کیونکہ دفتر
آنا تمھارے حق میں اچھا نہ ہو گا۔"

"چھ بجے تمھارے ہی گھر پر ملاقات ہو گی!"

"یہ بہتر رہے گا۔" اس نے فوراً ہی جواب دیا۔ "میں چھ
بجے تمھارا انتظار کروں گا۔"

"یہ یاد رکھنا کہ کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی
تو خسارے میں رہو گے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"مم... میں جانتا ہوں۔"

میں نے سلسلہ منقطع کیا اور بوتھ سے باہر نکل آیا۔
اس کام سے فارغ ہو کر میں واپس ہوٹل کی طرف
روانہ ہو گیا جہاں سلطان شاہ میرے یوں غائب ہو جانے
پر اکتاہٹ اور بیزاری کا شکار ہو رہا تھا لیکن اپنے کمرے
ہی میں موجود تھا۔

"تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟" مجھے دیکھتے ہی اس نے

برا سامنہ بنا کر سوال کیا۔
"شہر کی خاک چھانتے نکل گیا تھا، تم گہری نیند سوئے ہوئے تھے اس لیے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔"
"آپریٹس پر دو بار تمھارے لیے پیغام نشر کیا گیا ہے، تمھارے لیے مستقل ڈولی نمبر دو کا کوڈ استعمال کیا جا رہا ہے۔ وہ لوگ تم سے بات کرنے کے لیے بے چین ہیں۔"
میں بے اختیار مسکرا دیا۔ "تو ہمارا اندازہ درست ہی تھا۔ پچھلی رات کی ساری حکمتِ عملی ہمیں فریب دینے کے لیے تیار کی گئی تھی۔ رات انھوں نے اپنی گفتگو میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ آپریٹس کے بارے میں انھوں نے مفروضہ قائم کر لیا ہے کہ ہم اسے تباہ کر چکے ہیں پھر اب براہِ راست پیغام کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"
"یقینی طور پر اس دوران میں حالات نے کچھ نیا رُخ اختیار کیا ہو گا جب ہی وہ براہِ راست رابطے کے لیے کوشش کر رہے ہیں ورنہ اصولاً تو ہمیں نظرانداز ہی کرنا چاہیے تھا۔" اس نے کہا۔
"اوہ! تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔" میں نے چونک کر کہا۔ "تبدیلی تو واقعی رونما ہوئی ہے..... میرا خیال ہے کہ وہ لوگ رمضان چاچا کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو گئے ہیں! اس سے پہلے انھیں اندازہ نہیں تھا کہ مقابلہ کس سے ہے۔"
"یہ رمضان چاچا کا ذکر کہاں سے آ گیا؟" اس نے حیرت سے پوچھا اور میں اسے اپنی معلومات سے آگاہ کرنے لگا۔
"اب تو یہ سامنے کی بات ہے کہ وہ تمھارے بارے میں اندازہ لگا چکے ہیں۔" اس نے میرے خاموش ہوتے ہی دو ٹوک لہجے میں کہا۔ "جس وقت ہم ان اطراف میں ان کے آدمیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار کی راہ بنا رہے تھے، شاید اسی وقت رمضان چاچا کو اٹھوایا گیا ہو گا کیونکہ تمھارے بھائی نے اسی کو اس عمارت کا فون نمبر دیا تھا۔"
"اس نے گھر واپسی کے بعد جس طرح سختی سے زبان بند کر کے خود کو گوشہ نشین کیا ہے، اس سے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ اسے بدترین دھمکیوں کے ساتھ محض اس امید پر رہا کیا گیا ہے کہ میں اس سے دوبارہ رجوع کروں گا اور وہ اسے چارہ بنا کر مجھ پر ہاتھ ڈال دیں گے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔
"ہو سکتا ہے کہ ان کی دھمکیوں سے خائف رمضان چاچا خود ہی تمھاری مخبری کرنے پر مجبور ہو جائے، غریب اور کمزور آدمی کے لیے اپنی مجبوریوں کو نظرانداز کرنا بہت مشکل ہوتا ہے..... تمھارے سوتیلے بھائی من مانی پر اُتر آئیں تو رمضان چاچا کے پورے گھرانے کا صفایا کر سکتے ہیں۔ شاید تم ہی نے مجھے بتایا تھا کہ رمضان جوان بیٹیوں کا باپ بھی ہے۔"
"کہا تو تھا۔" میں نے اعتراف کیا۔ "لیکن وہ میرا قیاس تھا کیونکہ اس نے تصویر کے دیے ہوئے ہزار روپے لوٹاتے ہوئے اپنی بیوی کی حریص طبیعت کا حوالہ بھی دیا تھا جو لڑکیوں کا جہیز بنانے کے لیے وہ پیسے ہتھیا سکتی تھی۔"
"پھر تم خود ہی غور کرو کہ اگر تصویر نے اسے یہ دھمکی دی ہو کہ رمضان نے اس کی ہدایت سے ذرا بھی اختلاف کیا تو اس کی بیٹیوں کو اُٹھوا کر بالاخانوں پر بٹھا دیا جائے گا تو وہ بے چارہ کیا کر سکے گا؟ تمھاری ہمدردی میں وہ اپنی آبرو تو نیلام نہیں کرا سکتا۔ پولیس کے بارے میں تم خود ہی بتا رہے ہو کہ وہ اپنے ریکارڈ کو وارداتوں کے اندراج سے پاک رکھنا چاہتے ہیں۔"
"رمضان چاچا سے ملنے کا مقصد اسے امتحان میں ڈالنے کے مترادف ہو گا۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "بہتر ہو گا کہ میں اسے بھول ہی جاؤں۔ اگر ہم اس کی مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کے مصائب میں اضافہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔"
"یہی بہتر ہو گا۔ تم ایشین سنڈیکیٹ والے نصیر خان کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے؟"
"شاید یہی چیز ہمیں چلا رہی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں کی سوچ کا انداز تقریباً ایک جیسا ہی ہے۔ میں اس سے بات کر کے آ رہا ہوں، شام کے چھ بجے اس کے گھر پر ملاقات طے پائی ہے۔"
"میرا خیال ہے کہ اس بار وہ زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ خود بھی کوئی اچھا آدمی نہیں ہے اگر کسی مرحلے پر وہ قربانی کا بکرا بن گیا تو شاید ہمیں اتنا افسوس نہیں ہو گا۔"
میرے لیے یہ اندازہ کرنا ہی دشوار تھا کہ مجھے کس فیصلے پر خوشی اور کس پر افسوس ہو گا۔
برسہا برس پہلے میں نے وہ تنظیم کسی خارجی دباؤ کے بغیر اپنے حالات کو بہتر بنانے کے لیے، اپنی مرضی سے اپنائی تھی اور چرس کی ترسیل و تقسیم سے گزر کر ہیروئن کی غیرقانونی تجارت میں اس حد تک ملوث ہو گیا کہ پہلے درجے کے ایک کارندے کے بجائے کلیدی حیثیت میں معاملات کی نگرانی کرنے لگا پھر نجانے وہ غزالہ کی محبت تھی یا فاریا علی کامران کی ہمدردی یا میرے اندر کی آواز کہ میں ان سرگرمیوں کے خلاف دھیمی دھیمی نفرت سے بڑھ کر بغاوت کی راہ پر

چل پڑا اور آخر کار تنظیم میری اور میں تنظیم کا بدترین دشمن بن چکا تھا۔

بدقسمتی یہ تھی کہ اس دشمنی میں میرے مدِمقابل کوئی اجنبی نہیں تھا بلکہ میرے دونوں بڑے، سوتیلے بھائی تھے جو نجانے کس طرح اس تنظیم کے سیاہ و سفید کے مالک بنے ہوئے تھے۔ ان میں توقیر اے کوڈ کے منصب کا دعویدار تھا اور بڑا بھائی تصویر شاید اس کے دست راست کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ میرے معاملے میں رمضان چاچا کو ملوث کرنے والا وہی تھا۔

اب انھوں نے میرے خلاف دو محاذ کھولے ہوئے تھے۔ ایک طرف رمضان چاچا کو دھونس، دھمکی اور تشدد کے ذریعے اپنی راہ پر لے آئے تھے۔ اس بارے میں سلطان شاہ کی رائے بہت زیادہ قرین قیاس لگتی تھی۔ ایک عمر رسیدہ اور خدا ترس شخص کے لیے جوان بیٹیوں کی عزت کے علاوہ کوئی چیز ایسی نہیں ہوسکتی تھی جو اسے اپنے ضمیر کے خلاف عمل کرنے پر مجبور کرسکے اور دوسری طرف وہ کسی طویل منصوبہ بندی کو ترک کرکے ٹرانسمیٹر پر براہِ راست مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ وہ اندازہ لگا چکے تھے کہ اس بار بھی میں ہی ان کے مقابل تھا لیکن وہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے بدستور مجھے ڈولی نمبر دو کے نام سے مخاطب کر رہے تھے۔

"کیوں نہ ان سے رابطہ قائم کر ہی لیا جائے؟" سلطان شاہ نے رائے پیش کی۔ "کم از کم معلوم تو ہو کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔"

"یہ سرد جنگ ہے، ہماری مسلسل خاموشی ان کے اعصاب پر سوار رہے گی۔ اس لیے میں فی الحال چپ سادھے رکھنا چاہتا ہوں۔ نصیر خان سے ملاقات کے بعد دیکھا جائے گا کہ کیا کرنا ہے۔"

"جب بات کھل ہی گئی ہے کہ اس پورے کھیل کی پشت پر تمھارے سوتیلے بھائیوں کا ہاتھ ہے تو تمھیں بھی معلوم ہونا چاہیے کہ تم کیا کرنا چاہ رہے ہو... اس بھاگ دوڑ اور آنکھ مچولی میں ان کا بھی کچھ نہ بگڑے گا۔ بس ہم اپنا وقت اور صلاحیتیں ضائع کرتے رہیں گے۔ ان کا کام بدستور چلتا رہے گا۔"

"حیرت ہے کہ تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی ایسی بات کر رہے ہو، یہ بھاگ دوڑ ہم نے شغل کے طور پر تو نہیں اپنائی ہے۔ وہ لوگ روپوش رہ کر کام کرنے کے عادی ہیں۔ انھیں اسی طرح سامنے آنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔"

"میرا سوال بھی دراصل یہی تھا جسے میں ٹھیک طرح ادا نہیں کر سکا۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "وہ سامنے آ بھی گئے تو کیا ہوگا... تم نے ٹھنڈے دل سے سوچا ہے کہ ان کی مخالفت کر کے تم کس حد تک جا سکو گے؟"

میں اس کے لفظوں میں پوشیدہ حقیقی سوال کو سمجھ کر مسکرا دیا۔ "وہ لوگ موت کے سوداگر ہیں۔ دولت کی ہوس میں اندھے ہو چکے ہیں اور ملک کے چپے چپے میں ہیروئن کے دھندے کو فروغ دے رہے ہیں۔ ان کا نظام اس قدر محفوظ اور مکمل ہے کہ بنیادوں سے ہلائے بغیر اس کا خاتمہ ناممکن ہے۔ میرا مشن تو یہی ہے کہ ان دونوں کی حقیقت معلوم کر کے انھیں جہنم واصل کر دوں۔ میرے لیے اب رشتے کا عنصر بے معنی ہو کر رہ گیا ہے اور اس رعایت کا جواز خود انھوں نے فراہم کیا ہے۔ جب میرے گھر کو آگ لگاتے ہوئے توقیر کو ذرا بھی خیال نہ آیا کہ وہ اپنے بھائی کا گھر جلا رہا ہے تو مجھے کیا چیز روک سکے گی؟"

"بس بس، میں یہی سننا چاہ رہا تھا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کر دیا۔ "دراصل اس حد تک جائے بغیر کامیاب ہونا ناممکن ہے، میرے ذہن میں کئی بار اس خیال نے سر ابھارا ہے کہ کہیں عین وقت پر تمھارے دل میں برادرانہ محبت کے جذبات نہ بھڑک اٹھیں اور سارا معاملہ ہی خراب ہو جائے۔"

"اس کار کے بارے میں کیا سوچا تم نے؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد میں نے سوال کیا۔

"تمھاری غیر موجودگی میں وہ قصہ بھی نمٹا دیا... تھوڑی دیر پہلے گل ریز خان کا فون آیا تھا، وہ لوگ کار لے آئے ہیں۔ وہ اسی حالت میں سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی تھی، کسی نے بھی کوئی مزاحمت نہیں کی۔ میں نے جا کر اسے پوری تفصیل بتا دی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں سمیت عمارت میں گیا تھا اور اسے اپنی گمشدہ ہوئی کار قرار دے کر یہ معلوم کرنا چاہا تھا کہ وہ کار وہاں کس نے اور کیسے چھوڑ دی لیکن عمارت کے ملازمین نے اس بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا اور وہ پنکچر لگوا کر کار واپس لے آئے۔"

"اب تمھارا اپنے ان دوستوں سے رجوع کرنا خطرناک ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی نگرانی کی جا رہی ہو۔"

"کیوں؟ ان سے کیا کام آ پڑا؟" اس نے حیرت سے دریافت کیا۔

"چند پٹرول بم درکار ہیں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "میں انھیں احساس دلانا چاہتا ہوں کہ ان کے زبردست حفاظتی انتظامات کے باوجود میں ان پر ہاتھ ڈال سکتا ہوں۔"

"میرے خیال میں یہ اشتعال انگیزی غیر ضروری ہوگی۔ اتنا ہی کافی ہے کہ رات ہم ان کے تین آدمی مار کر صاف نکل آئے۔"

"تین ؟" میں نے حیرت سے دُہرایا۔" تو کیا ڈولی کو بھی
مار دیا تھا تم نے ؟"
ہاتھ مجھے ضرورت سے زیادہ وہ تگڑا پڑ گیا۔ ڈر تھا کہ اس
نے ذرا بھی آواز نکالی تو کہیں اس کے ساتھی چوکنے ہو کر ہماری
طرف نہ لوٹ پڑیں۔" اس نے خفت آمیز انداز میں کہا۔
ہماری بات وہیں رہ گئی کیونکہ اسی وقت ٹرانسمیٹر ریسیور پر
آواز سنائی دی۔ سلطان شاہ نے آپریٹس کا والیوم بہت کم کیا ہوا
تھا، میں نے اٹھ کر آواز بڑھا دی۔
"کنٹرول روم کالنگ فار ڈولی نمبر دو.... اوور!" پیغام
کے بعد لائن پر چند منٹ کے لیے سکوت چھا گیا پھر وہی آواز
دوبارہ سنائی دی۔" ہم نے پورے علاقے کا الیکٹرونک سروے
کرایا ہے لیکن کہیں بھی تباہ شدہ آپریٹس کا سراغ نہیں ملا۔ اس
کا مطلب ہے کہ رات سے وہ آپریٹس تمہارے قبضے میں ہے
اور تم ہماری گفتگو سنتے رہے ہو لیکن ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری
تم سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ کل جو کچھ ہوا، وہ غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔
ہمیں آج علم ہوا کہ تم لوگ کار چرانے کے بعد ادھر سے گزر
رہے تھے اور ہمارے آدمیوں نے غلط فہمی کی بنا پر تمہیں رکنے
پر مجبور کر دیا اور اس محاذ آرائی میں تم نے ہمارے تین آدمیوں کو بھی
ختم کر دیا لیکن ہمیں اس کا کوئی گلہ نہیں ہے کیونکہ تصادم عموماً
جان لیوا ہوا کرتے ہیں.... لیکن ہم اپنا آپریٹس کسی غیر متعلقہ آدمی
کی تحویل میں نہیں چھوڑ سکتے.... اگر تم ہماری آواز سن رہے ہو تو
ہم تمہیں آپریٹس کے لیے منہ مانگا معاوضہ دینے کے لیے تیار
ہیں۔ تم جو جگہ مقرر کرو وہاں ہمارا آدمی تمہیں رقم دے کر آپریٹس
لے جائے گا.... یہ واضح رہے کہ تمہاری چھوڑی ہوئی مسروقہ
کار اس کے پٹھان مالکان واپس لے گئے ہیں ان کا قیام
ٹرکوں کے اسٹینڈ کے قریب واقع ایک ہوٹل میں ہے.... اوور!"
سلطان شاہ نے دل کھول کر قہقہہ لگایا۔" یہ لوگ ہمیں
بالکل ہی احمق سمجھ رہے ہیں.... اگر ہم معاملہ کر بیٹھے تو مجھے پورا
یقین ہے کہ ان کے مسلح بھیڑیوں کا پورا غول ہمیں گھیرنے کی
کوشش کرے گا۔"
"شاید آج رات میں ان سے بات کر ہی لوں۔" میں نے
اسے آنکھ مارتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔" پھر ان کے بھیجے
ہوئے آدمیوں سے بھی نمٹ لیا جائے گا۔"
"تین آدمی مرے ہیں لیکن اخبار میں کہیں کوئی خبر نہیں تھی۔"
سلطان شاہ نے کہا۔" معلوم ہوتا ہے کہ پولیس کو خبر دیے
بغیر ہی لاشیں اٹھوا لی گئی ہوں گی۔"
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے ذہن میں نصیر خان
سے ملاقات کا خاکہ گھوم رہا تھا۔

◆

میں نے گلاس سے اپنے لبوں کو تر کر کے رسٹ واچ
پر نگاہ ڈالی تو پانچ بجنے میں دو منٹ باقی تھے۔
"ہم نے یہاں آنے میں بہت عجلت سے کام لیا ہے۔"
سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔" وہ ساڑھے پانچ سے پہلے نہیں
آئے گا۔"
"مجھے موہوم سا اندیشہ تھا کہ کہیں وہ قبل از وقت گھر
لوٹ کر ہمارے لیے کوئی جال تیار کرنے کی کوشش نہ کرے۔
وہ بھی کوئی اچھا آدمی نہیں ہے، موقع ملتے ہی ہم سے پیچھا
چھڑانے کی کوشش کرے گا۔"
"تمہیں تو یہاں بھی اپنے لیے شغل مل گیا لیکن مجھے سوکھا انتظار
کرنا پڑے گا۔" اس نے میرے گلاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
کہا اور میں مسکرا کر رہ گیا۔
ہم دونوں کسی بھی صورت حال سے نمٹنے کے لیے مسلح
ہو کر وہاں پہنچے تھے۔ نصیر خان کا گھر ہمارے لیے نیا نہیں تھا
لیکن دل میں ایک ہی اندیشہ تھا کہ گھر میں کوئی عورت موجود نہ ہو،
لیکن ایک مڑے ہوئے تار سے قفل شکنی کر کے ہم گھر میں
داخل ہوئے تو میدان صاف تھا اور نصیر خان کی بے ترتیب
خوابگاہ میں رکھی ہوئی بھانت بھانت کی بوتلیں شاید میری ہی
منتظر تھیں۔
وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا پھر بیرونی دروازے پر
آہٹ سنائی دی اور ہم دونوں چوکنے ہو گئے۔ سلطان شاہ
لپک کر ایک دروازے کی اوٹ میں ہو گیا۔ تاکہ نصیر خان مجھے
دیکھ کر کسی چالبازی کی کوشش کرے تو وہ اس کا سدِ باب
کر سکے۔
دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آوازوں کے بعد فرش پر
بڑھتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر نصیر خان کمرے
میں آ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر تحیر اور خوف کے
آثار ابھرے تھے جو منجمد ہو کر رہ گئے پھر اس کے ہونٹوں سے
سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔
"تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"
اس کے دونوں ہی سوال معقول تھے کیونکہ پچھلی بار ہم
نے اسے گھیرا تو ہمارے چہرے نقابوں میں چھپے ہوئے
تھے۔ اس اعتبار سے وہ میرا صورت آشنا نہیں تھا پھر ملاقات
کا وقت چھ بجے قرار پایا تھا جس کے مطابق مجھے مقررہ وقت
پر دروازے پر دستک دے کر اندر آنا چاہیے تھا لیکن میں اس سے

پہلے مقفل مکان میں براجمان تھا۔

"میں ہی نہیں، دوسرا بھی موجود ہے۔" میں نے اس کے عقب میں اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ بوکھلا کر پیچھے مڑا اور سلطان شاہ دروازے کی اوٹ سے باہر آ گیا۔

"ہم تمہارے پرانے دوست ہیں اور تمہارے ہی منتظر تھے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا پھر سلطان شاہ سے مخاطب ہو گیا۔ "ذرا اپنے میزبان کی تلاشی لے ڈالو تاکہ ہم دوستانہ فضا میں بے خوف و خطر ہو کر گفتگو شروع کر سکیں۔"

سلطان شاہ جیسے ہی اس کی طرف بڑھا وہ احتجاج کرتا ہوا مدافعانہ انداز میں پیچھے ہٹنے لگا۔ "یہ سراسر زیادتی ہے۔ میں حفاظت کے لیے پستول ہر وقت ساتھ رکھتا ہوں مگر تمہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیے....."

"مجھے واقعی اس سے کوئی سروکار نہیں ہے، گولیاں نکال کر واپس کر دوں گا۔" یہ کہتے ہوئے سلطان شاہ نے باہر سے ٹٹولنے کے بعد کوٹ کی اندرونی جیب سے اعشاریہ دو دو کا اسمتھ اینڈ براؤنی نکال لیا۔

"دلکش کھلونا ہے۔" اس نے چیمبر خالی کرتے ہوئے حریصانہ انداز میں تبصرہ کیا اور نصیر خان فوراً ہی بول پڑا۔

"یہ تم نہیں لے سکتے..... یہ مجھے دفتر کی طرف سے ملا ہوا ہے، اس سے محروم ہونے کی صورت میں میرے لیے جوابدہی مشکل ہو جائے گی۔"

میری اور سلطان شاہ کی نگاہیں چار ہوئیں تو میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے ہتھیار لوٹانے کا اشارہ کیا اور نصیر خان نے وہ واپس لیتے ہی یوں دوبارہ جیب میں ڈالا جیسے تاخیر کی صورت میں وہ اس کی ملکیت سے محروم کر دیا جائے گا۔

میرا خیال تھا کہ نصیر خان گفتگو شروع کرنے سے پہلے لباس تبدیل کرنا چاہے گا لیکن وہ اسی حالت میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"پچھلی بار ہم بے اعتمادی کی فضا میں متعارف ہوئے تھے اور ہمارے چہرے نقابوں میں پوشیدہ تھے لیکن اس بار نقابوں کی غیر موجودگی ہماری طرف سے خیرسگالی کی مظہر ہے، امید ہے کہ تم اپنے رویے سے اس فضا کو مجروح نہیں کرو گے۔" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد تمہید کے طور پر کہا۔

"مجھے آج تک تمہارے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ پچھلے دنوں تمہاری وجہ سے شہر میں خاصی خونریزی ہوئی اور مجھے اپنے عملے کے دو ارکان سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔ "اسی سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ تم سے ہمیں کوئی عداوت نہیں ہے، ہماری لڑائی تمہارے بڑوں سے ہے۔"

"لیکن بڑے کبھی سامنے نہیں آتے، وہ پس پشت رہ کر نیچے والوں کو خطرات کی بھٹی میں جھونکتے رہتے ہیں، کیا پتا کب مجھے تمہارے خلاف صف آرا ہونے کا حکم مل جائے۔"

"اگر تم اپنے باس کی صحیح نشاندہی کر سکو تو شاید اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔"

"پچھلی بار میں تمہیں اس فرم میں اپنی شمولیت کا پورا پس منظر بتا چکا ہوں، جسے میں خود نہیں جانتا اس کے بارے میں بھلا تمہیں کیا بتا سکوں گا..... میرے لیے تو وہ بس ایک نادیدہ ہستی کا نام ہے۔"

"میں یہ مان سکتا ہوں کہ تم نے اس کی دھمکیوں سے خائف ہو کر کھلے بندوں اس کی سراغرسی کی کوئی کوشش نہ کی ہو لیکن فرم کے سارے کاغذات تک تمہاری رسائی ہے، عملاً تم وہاں سیاہ و سفید کے مالک ہو، میں یہ نہیں مان سکتا کہ تم نے ان کاغذات کی چھان بین نہ کی ہو۔"

"کرنا چاہی تھی لیکن خوفزدہ ہو کر ارادہ ترک کر دیا۔"

"وہ کیوں؟"

"خفیہ کیمرے کے بارے میں میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔" اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "مجھے پہلے ہی دن اس کے بارے میں بتا دیا گیا تھا اور میں اس بارے میں محتاط رہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ کیمرا کہاں نصب ہے پھر میں نے یہ سراغ بھی لگا لیا کہ وہ کن زاویوں سے اور میرے کمرے کے کن حصوں کی تصاویر لے سکتا ہے اور ان ہی کوششوں کے درمیان انکشاف ہوا کہ اس کا خودکار نظام بہت حساس ہے۔ وہ کیمرا کمرے میں آنے والے کسی بھی ملاقاتی کو دروازے میں نصب ایک فوٹو سیل کی غیر مرئی شعاعوں سے دیکھتا ہے اور ایک منٹ بعد مخصوص زاویے سے اس کی تصویر لے لیتا ہے۔ اسی کے ساتھ کیمرے سے ایک ٹائمر منسلک ہے جس کے ذریعے وہ ایک مقررہ وقفے کے بعد میری تصاویر لیتا رہتا ہے جو یقینی طور پر باس کے لیے ہوتی ہیں اور ٹائمر کا وقفہ روز بدلا ہوا ہوتا ہے تاکہ میں اپنا کوئی معمول نہ بنا سکوں۔ دفتر بند ہونے کے بعد خفیہ طریقے سے وہاں آنے والا باس کا ہرکارہ کیمرے میں فلم کی تبدیلی کے ساتھ ہی ٹائمر کی سیٹنگ بھی بدل

دیتا ہے۔"

"تمہاری ان تمام معلومات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم کچھ نہ کچھ مواد حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہو اور میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی معلومات میں ہمیں بھی شریک کر لو، یہ میرا وعدہ ہے کہ ہم سے تعاون کرنے کے سلسلے میں تم اپنے باس کے کسی عتاب کی زد میں نہیں آؤ گے۔"

"میں کچھ بھی معلوم نہیں کر سکا۔ آخر تم کیا جاننا چاہتے ہو مجھ سے؟" اس نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے باس کا ٹھکانا۔ ہمارے لیے بس یہی ایک بات اہم ہے۔"

اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آئے پھر اس نے جھک کر اپنا سر ہتھیلیوں کے درمیان دبا لیا۔ میں غور سے اس کی طرف دیکھتا رہا لیکن میں نے اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔

"تم یقین کرو کہ مجھے اس کا ٹھکانا معلوم نہیں ہے۔" تھوڑی دیر بعد اس نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔ "تم مجھ سے ایک ایسی بات معلوم کرنا چاہ رہے ہو جس سے میرے فرشتے تک لاعلم ہیں۔"

"پھر ہمیں آخری چارۂ کار استعمال کرنا ہوگا۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "محض تمہاری وجہ سے ہم اب تک اس سے گریز کرتے آئے ہیں۔"

"میری پروا کیے بغیر، تم جو کرنا چاہو کر لو۔" اس کے لب و لہجے سے سچائی کی بو آ رہی تھی۔ "میں تمہاری راہ میں حائل ہونے کی کوشش نہیں کروں گا..... مجھے بھی اپنی آزادی عزیز ہے۔"

"اتنی عجلت میں یہ اختیار نہ دو۔" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے تعاون نہ کیا تو ہم زیادہ وقت برباد نہیں کریں گے۔ ہمارا اگلا نشانہ تمہارا دفتر ہوگا..... کاغذات کو الٹ پلٹ کر کے ہم مطلوبہ معلومات حاصل کر ہی لیں گے اور اس بارے میں تم اپنے باس کی جوابدہی سے نہ بچ سکو گے۔"

اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ "نہیں تم ایسا نہیں کر سکو گے۔" اس کی آواز کمزور ہو گئی تھی۔ "وہ بہت سفاک اور خود غرض آدمی ہے۔ اس تلاشی کی تمام تر ذمے داری میرے سر تھوپ دے گا۔"

"اس سے بچنے کے لیے تمہیں زبان کھولنی پڑے گی۔"

"جو کچھ میں جانتا ہوں، وہ تمہارے لیے بے سود ہوگا کیوں کہ مجھے اندازہ ہے کہ وہ پتا غلط استعمال کیا گیا ہے۔"

"صحیح اور غلط کا انتخاب تم ہم پر چھوڑ دو۔ جو جانتے ہو وہ بتاتے چلے جاؤ۔"

"ایکسپورٹ رجسٹریشن فارم میں لائیڈز کاٹج کا نام میری نگاہ سے گزرا تھا لیکن وہ عمارت ہرگز اس کی رہائش گاہ نہیں ہو سکتی، میں نے اپنے طور بھی اس کی تصدیق کی کوشش کی تھی اور ناکام رہا تھا۔"

"یہ لائیڈز کاٹج کیا بلا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"شہر کی ایک مشہور عمارت ہے جہاں پہلے ایک مغربی ملک کا سفارت خانہ ہوا کرتا تھا لیکن پچھلے کئی برسوں سے وہ عمارت ایک دولت مند غیر ملکی کی ملکیت ہے جو عموماً خود باہر ہی رہتا ہے لیکن اس کے ملازموں کی فوج ہر وقت لائیڈز کاٹج میں مقیم رہتی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے عمارت کا پتا اور محلِ وقوع بتانا شروع کیا تو میرے ساتھ ہی سلطان شاہ کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار نمودار ہو گئے کیونکہ وہ پتا اسی عمارت کا تھا جس کے قریب ہمیں رکنے پر مجبور کیا گیا تھا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تمہارا باس لائیڈز کاٹج کے ملازمین کی بھیڑ میں مل کر وہاں رہ رہا ہو۔ وہ تو ویسے بھی دوہری زندگی گزار رہا ہے، اس کے لیے ایک اور روپ سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"جو نتیجہ چاہو اخذ کر سکتے ہو لیکن تم اس سے واقف نہیں ہو۔ وہ لب و لہجے سے ہی آمرِ مطلق محسوس ہوتا ہے۔ اسے کیا ضرورت ہے کہ عام زندگی میں ایک محکوم کی صورت اختیار کرے۔"

"خیر ہم اسے دیکھ لیں گے لیکن تم جانتے ہو کہ اس وقت دو دھاری تلوار پر چل رہے ہو، ہمارے مفاد کے خلاف کوئی حرکت کی تو ہم سے کہیں نہ بچ سکو گے۔ یہ اطلاع تم اپنی ذات تک ہی محدود رکھو گے۔"

"میں جانتا ہوں۔" وہ اپنے لیے ایک گلاس تیار کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے اپنی زندگی بہت عزیز ہے، میں خودکشی سے نفرت کرتا ہوں، میرا مفاد بھی اسی میں ہے کہ میرا اور تمہارا تعلق پردۂ راز میں رہے۔"

"اپنی فرم سے تم ہیروئن کے علاوہ اور کونسی منشیات برآمد کرتے ہو؟"

"ہیروئن کے علاوہ ہم کسی اور نشے کو ہاتھ نہیں لگاتے۔"

"تمہاری سب سے بڑی درآمدی منڈی کون سی ہے؟"

"منڈی تو بہت وسیع ہے مگر بہت سے ملکوں کے تجارتی اور حفاظتی ضابطے خطرناک ہیں اس لیے ہم گنے چنے علاقوں ہی میں آپریٹ کرتے ہیں۔ فرینکفرٹ، روم، ایتھنز، اور کوپن ہیگن میں ہمارے ڈسٹری بیوشن آفس قائم ہیں جہاں سے مال یورپ اور امریکا میں پہنچایا جاتا ہے۔"

"امریکا کے لیے براہِ راست یہاں سے مال نہیں جاتا؟"

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "ہیروئن کے بارے میں وہاں کے حکام بہت حساس ہیں اور پاکستان سے جانے والے ہر تجارتی مال کو شبہے کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کڑی جانچ پڑتال سے بچنے کے لیے مال یورپ سے ری ایکسپورٹ کیا جاتا ہے۔ امریکا کے لیے یہ طریقہ اب تک سو فی صد کامیاب ثابت ہوا ہے۔"

"مجھے ان تمام دفاتر اور اداروں کی فہرست درکار ہے، جنھیں تم ہیروئن برآمد کرتے ہو۔"

"تم مقامی منڈی کے آدمی ہو، یہاں ہماری اجارہ داری کو توڑ کر اپنا حصہ کمانا چاہتے ہو پھر باہر کے بزنس سے تمہارا کیا واسطہ؟ اس معاملے کو الگ ہی رکھو تو بہتر ہوگا کیونکہ ایسے تمام نام اور پتے میری ذاتی تحویل میں رہتے ہیں اور اگر کسی وقت مجھے موجودہ حالات سے نجات ملی تو میں ان رابطوں سے ذاتی سطح پر فائدہ اٹھانا چاہوں گا۔" اس نے پچھلی بار میری کہی ہوئی باتوں کی بنا پر مجھے بھی منشیات فروش سمجھتے ہوئے مفادات کی تقسیم پر سمجھوتا کرنا چاہا۔

"مقامی منڈی اور برآمدی تجارت میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لمبے چوڑے پھیلاوے کے بعد یہاں جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ کام کرنے اور کمانے کا گُر یہی ہے کہ حکام کو مقامی چکروں میں الجھا کر باہر سے کمایا جائے۔"

"یہ باتیں میرے لیے نئی نہیں ہیں میں بھی جانتا ہوں کہ مقامی آبادیوں میں ہیروئن کی فراہمی رائے عامہ کا شدید دباؤ پیدا کرتی ہے اور فوراً ذراسی مقدار کے لیے مختلف ایجنسیوں کی بھاری مقدار مسلسل مصروف رہتی ہے لیکن میرا طریقہ کار مختلف ہوگا۔ میں مقامی بکھیڑوں میں پڑنا ہی نہیں چاہتا۔ حکام کو الجھانے کے لیے دوسرے لوگ کافی ہیں۔"

"یہ سب قیاسات اور منصوبے ہیں، ہو سکتا ہے کہ تم ساری عمر اپنے باس کے دباؤ سے نہ نکل سکو مگر میں اس کے بیرونی مفادات پر بھی فوری وار کروں گا...... میرے کیریئر آئے دن جاتے رہتے ہیں وہ اس طرح کام کریں گے کہ تم پر حرف بھی نہ آسکے گا۔"

مزید کچھ بحث کے بعد اس نے اگلے دن فہرست فراہم کرنے کا وعدہ کر لیا۔ وہ معقولیت کے ساتھ تعاون کر رہا تھا للذا اس سے ترش روئی مناسب نہیں تھی۔ میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ سلطان شاہ کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا جائے تاکہ میں خلوت میں اس کے فون سے دو تین نجی کالز کر سکوں اور اس نے بلا چوں و چرا اپنی نشست چھوڑ دی۔

چند ثانیوں تک ترجیحات پر غور کرنے کے بعد میں نے سب سے پہلے جہانگیر کو فون کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ میری خوش نصیبی تھی کہ جہانگیر گھر پر ہی مل گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اسے لڑے براہِ راست تصادم مول لینے کے بعد میں نے روپوشی اختیار کی ہوئی تھی للذا وہ یہی سمجھا کہ میں کراچی سے فون کر رہا تھا۔

چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے اس سے کام کے بارے میں سوال کیا تو اس نے بتایا کہ چند روز کے تعطل کے بعد مال کی ترسیل اور فراہمی دوبارہ بحال ہو چکی تھی اور اس بار نرخ بھی ذرا بڑھے ہوئے تھے لیکن وہ انتظامی دشواریوں سے دوچار تھا کیونکہ جیوا ہاؤز کے داخلی پھاٹک پر میرے ہاتھ زخمی کے بھائی، الیاس کے قتل کے معاملے میں پولیس کو کوئی تسلی بخش جواز فراہم نہیں کیا جا سکا تھا۔ مرنے والا میری گولی سے پھاٹک سے باہر فٹ پاتھ پر ہلاک ہوا تھا لیکن میری اطلاع پر پولیس وہاں پہنچی تو لاش اندر احاطے میں گھسیٹی جا چکی تھی جب کہ فٹ پاتھ پر واردات کے نشانات موجود تھے للذا شہادتیں مسخ کرنے کے الزام میں پولیس نے جیوا ہاؤز کے دو ملازمین کو تحویل میں لے لیا تھا اور تنظیمی معاملات میں اس عمارت کا استعمال ترک کیا جا چکا تھا۔

اس بارے میں جہانگیر دوہری مشکل میں پھنسا ہوا تھا۔ اوّل تو یہ کہ مال کی وصولیابی اور ذخیرہ اندوزی کے لیے فوری طور پر دوسرے ٹھکانے کا بندوبست کرنا پڑا تھا۔ دوسری طرف دو ملازمین کی گرفتاری کے بعد جیوا ہاؤز کی عمارت ویران پڑی ہوئی تھی۔ اس بارے میں اسے لوٹو نے اسے حکم دیا تھا کہ عمارت میں آتش گیر مادہ ڈال کر فوری طور پر اس طرح آگ لگائی جائے کہ گرین روم اور اس میں موجود ہر شے جل کر راکھ ہو جائے۔

جہانگیر جانتا تھا کہ جیوا ہاؤز کے گرین روم میں رسائی کا اختیار صرف مجھ ہی کو حاصل تھا لیکن وہ خود اس کمرے کی حقیقی اہمیت سے لاعلم تھا۔ اس کے استفسار پر میں نے اسے بتا دیا کہ گرین روم دراصل تنظیم کا ایک اہم مواصلاتی مرکز تھا جہاں ایم ٹی تھری ہنڈرڈ ساخت کا ایک ٹرانسمیٹر ناقابلِ شکست حفاظتی

انتظامات کے ساتھ موجود تھا۔

"اور تمہاری ننھی سی ون کا کیا حال ہے؟" میں نے خوش دلی کے ساتھ سوال کیا۔

"اوہ! وہ تو مجھے پاگل کر دے گی، سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قدر خطرناک کام اس جیسی خوبصورت اور سبک اندام عورت کو کیوں سونپا گیا ہے، اسے اپنے بھائی کی ہلاکت کا علم ہو چکا ہے، مجھ سے جاننا چاہ رہی تھی کہ اس قتل میں کون ملوث تھا لیکن میں لاعلمی کا اظہار کر کے اپنی جان بچا گیا۔ کل سے جیوا ہاؤز کے متبادل کے طور پر رخشی کا مکان ہی زیر استعمال ہے۔ تین بار اسٹون ہاؤز جا چکا ہوں لیکن اس سے وہاں ملاقات نہ ہو سکی۔"

"مجھے اندازہ ہے..... اب تو تم بات بے بات اسٹون ہاؤز کے چکر کاٹو گے، یہ خیال رکھنا کہ رخشی بہت خطرناک عورت ہے۔ اپنے حسن سے بہتیرے ایسے کام نکالنے میں ماہر ہے جن کے لیے عموماً آتشیں ہتھیار درکار ہوتے ہیں۔"

میرے تبصرے پر اس نے دل کھول کر قہقہہ لگایا تھا۔

"جب سے اس نے رجوع کر کے قاسم کی جانشینی کا دعویٰ کیا ہے، میری کام میں کھوئی ہوئی دلچسپی پھر سے بحال ہونے لگی ہے لیکن تم میرے لیے ہر جگہ کباب میں ہڈی ثابت ہوتے ہو۔"

"کیوں؟ اب میرا ذکر کہاں سے آ گیا؟"

"رخشی کے سر پر تمہاری تلاش کا بھوت سوار ہے۔ اس سے دو مرتبہ ملاقات ہوئی اور دونوں مرتبہ بیشتر وقت تمہارا ہی ذکر کرتی رہی، معلوم ہوتا ہے کہ اس سے تمہارے خاصے قریبی مراسم رہ چکے ہیں۔"

"میرے قریبی مراسم تو تم سے بھی ہیں، یہ بتاؤ کہ اس سے ملاقاتیں کہاں ہو رہی ہیں؟"

"ایک بار ہوٹل میں ملا تھا، دوسری بار تمہاری بھابی نہیں تھی تو گھر بلا لیا تھا، پینے کی بھی بہت شوقین ہے۔"

"وہ ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی ان گنی چنی عورتوں جیسی ہے جو ملازم کو ساتھ لے کر محض شوقیہ مردوں کو لوٹتی پھرتی ہیں یا چھینی ہوئی کاروں میں تفریح کو مشغلہ سمجھتی ہیں۔"

میرا مقصد پورا ہو چکا تھا لہٰذا پہلا موقع ملتے ہی میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

میرے نکتہ نظر سے دو باتیں اہم تھیں، اوّل تو یہ کہ دل گرفتہ رخشی نے اسے ٹو سے کیے ہوئے معاہدے کی روشنی میں قاسم کی موت سے خالی ہونے والا سی ون کا منصب سنبھال لیا تھا۔ میں تنظیم اور اسے ٹو کے بارے میں اس کے باغیانہ خیال سے اچھی طرح واقف تھا اور میرے لیے یہ بات حوصلہ افزا تھی کہ تنظیم میں درمیانی سطح پر ایسے لوگوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو رہا تھا جو بظاہر جان کے خوف یا دوسری مجبوریوں کے باعث اسے ٹو کے مفادات کے لیے کام کر رہے تھے لیکن اندر سے اس سے متنفر تھے۔

دوسری اہم بات یہ تھی کہ کراچی میں تنظیم کے اراکین کو میری لاہور میں موجودگی کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا شاید توقیر اب میرے اور اپنے تصادم کو ذاتی سطح تک ہی محدود رکھنا چاہتا تھا۔

دوسری کال میں نے غزالہ کے گھر ملائی تاکہ اس سے کچھ باتیں ہو سکیں لیکن ریسیور پر اس کے باپ کی چنگھاڑتی ہوئی ہیلو سنتے ہی مجھے ریسیور کان سے دور ہٹانا پڑ گیا۔ میری آواز پہچانتے ہی وہ یوں چہکا تھا جیسے مدتوں سے بچھڑے ہوئے کسی دوست کو اچانک دریافت کیا ہو لیکن میں نے گفتگو کو اختصار دینے کی نیت سے فوراً ہی اسے آگاہ کر دیا کہ میں کسی دوست کے گھر سے فون کر رہا ہوں۔

"غزالہ کو آج مجبوراً گھر سے نکلنا پڑا ہے۔" میرے استفسار پر اس نے بتایا۔ "عنقریب اس کی کسی سہیلی کی شادی ہونے والی تھی اسی سلسلے میں وہ صبح گئی تھی۔ اب تک اسے لوٹ آنا چاہیے تھا ویسے تم مطمئن رہو، اسے تمہاری ہدایات یاد تھیں، وہ شمع کا برقع پہن کر گئی ہے، بس کسی بھی وقت آسکتی ہے۔"

"ذرا یہ تو بتائیے کہ آپ کے گھرانے میں گڈی کون کہلاتی ہے؟" میرے ذہن میں اچانک ہی کامران کا خیال آیا اور میں وہ اہم سوال کر بیٹھا جس کا جواب ڈاکٹر اکبر کو مطلوب تھا۔

جواب میں کرنل کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔ "پرانی یادیں تازہ کردیں تم نے یہ سوال پوچھ کر... ارے یہ تو برسوں پرانی بات ہے۔ بچپن میں ہم لوگ غزالہ ہی کو گڈی کہتے تھے.... یہ نام تم نے کہاں سن لیا؟"

"یہ نام کامران کے لاشعور سے چپکا ہوا ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ اسے مطلع کیا۔ "علاج گاہ میں ایک نرس سے اس کی دوستی ہو گئی ہے اور وہ اسے گڈی ہی کہتا ہے۔ اس کے معالج کا خیال ہے کہ اس مرحلے پر گڈی کو بار بار اس کے سامنے لایا جائے تو اس کی بہتیری ذہنی گرہیں خود بخود سلجھ جائیں گی اور شاید مکمل صحت یابی کا مرحلہ مختصر ہو سکے۔"

"میں آج ہی غزالہ کو وہاں بھیج دوں گا....." کرنل نے پُرجوش لہجے میں پیشکش کی لیکن میں نے سختی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "میرے آنے تک غزالہ کو وہاں بھیجنے کی ضرورت نہیں، کامران کی صحت کے ساتھ غزالہ کی سلامتی بھی ضروری ہے، کچھ لوگ ابھی تک اس کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں، میرا مقصد صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ گڈی کون ہے؟ وہ معلوم ہو گیا لہٰذا اب کوئی راہ نکال لی جائے گی۔"

"اور تم کب تک واپس آ رہے ہو؟" میرے خشک جواب پر اس کا سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔

"شاید دو تین روز میں۔"

"تمھارا فون نمبر کیا ہے؟ تاکہ بوقتِ ضرورت رابطہ قائم ہو سکے۔" اس نے پژمردہ لہجے میں سوال کیا۔

"کوئی نہیں۔ ہوٹل میں مقیم ہوں اور وہاں آپریٹر کی وجہ سے کھل کر بات نہیں کی جا سکتی۔"

"تمھارا نوکر بھی تمھارے ساتھ رہ رہا ہے؟" اس کے لہجے سے رقیبانہ جلن کی بُو آ رہی تھی۔ نجانے سلطان شاہ کیوں جونک بن کر اس کے ذہن میں چپک گیا تھا؟ اس کی کوئی گفتگو سلطان شاہ کے تحقیر آمیز تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتی تھی۔

"ہاں ساتھ ہی رہ رہا ہے اور اس دوران میں اس نے میرے لیے قابلِ قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔" میں نے اُسے سُلگانے کی نیت سے کہا اور پھر فوراً موضوع بدل دیا۔ "اب غزالہ کو گھر سے نہ نکلنے دیں، جس وقت بھی موقع ملا میں دوبارہ رِنگ کروں گا۔"

سلسلہ منقطع کر دینے کے بعد میرے ذہن پر ایک بے نام سا بوجھ طاری ہو گیا جس کا میرے نزدیک کوئی مفہوم نہیں تھا اور اسی عالم میں میں رمضان چاچا سے ملا ہوا تصویر کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

نمبر ملنے پر دوسری طرف گھنٹی بجی اور فوراً ہی ریسیور اٹھا لیا گیا۔ کال ریسیو کرنے والی کی مترنم آواز سن کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی۔ رخشی کی کہانیاں میں سن ہی چکا تھا لہٰذا اس نسوانی آواز کو سن کر میں یہ سوچنے میں حق بجانب تھا کہ اپنی تمام تر مجرمانہ سرگرمیوں کے باوجود میرے سوتیلے بھائی رنگین مزاجی میں انتہا پسند تھے۔

"تصویر علی صاحب سے بات ہو سکے گی؟" میں نے نرم اور شائستہ لہجے میں سوال کیا۔

"میں دیکھتی ہوں۔ کون صاحب بول رہے ہیں؟" اس نے مبہم سا جواب دے کر ایک واضح سوال کر ڈالا۔

"کئی نام ہیں۔ تمھیں کیا کیا بتاؤں گا۔ بہتر ہو گا کہ تصویر کو بلا دو۔"

"ہولڈ کریں، میں بلاتی ہوں۔" اس نے میری بات کا بُرا منائے بغیر کہا۔

"کیا وہ آپ کے ساتھ ہی کام کرتے ہیں؟" میں نے اس کی بات ختم ہوتے ہی گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"جی! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" ریسیور میں اس کی تحیّر آمیز آواز ابھری۔

"مطلب یہ ہے کہ وہ اس دفتر میں آپ ہی کے ساتھ کام کرتے ہیں۔" میں نے اپنے سوال کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"بہتر ہو گا کہ یہ سوالات آپ اُن ہی سے کریں۔" اس کے لہجے سے خوش مزاجی یک بیک کافور ہو گئی اور یوں محسوس ہوا جیسے اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا ہو۔ میں ایک گہرا سانس لے کر ریسیور کان سے لگائے تصویر کی آواز کا انتظار کرتا رہا۔

"ہیلو۔ تصویر اسپیکنگ۔" چند لمحوں کے بعد ریسیور میں ایک سخت اور سنجیدہ مردانہ آواز گونجی۔

"تصویرا!" میں نے مضحکانہ انداز میں دُہرایا۔ "خوب تصویر بنائی میرے بہلانے کو۔ اب تو دیوانے بھی آنے لگے سمجھانے کو۔"

"کون ہو اور کیا بک رہے ہو۔ میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔" دوسری طرف سے غصیلے لہجے میں کہا گیا۔

"سمجھنے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ رمضان چاچا کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، اسے میں معاف نہیں کروں گا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اوہ! تو یہ تم بول رہے ہو تنویر۔" دوسری طرف سے مسرت آمیز آواز ابھری۔ "ہم لوگ تو تڑپ رہے ہیں تم سے ملنے کے لیے اور تم ہمیں دھمکیاں دے رہے ہو۔ کیا ہوا رمضان چاچا کو؟ اسے تو بس میں نے اپنا نمبر دیا تھا کہ تم دوبارہ اس سے ملو تو وہ اس فون نمبر پر مجھے اطلاع دے دے... بڑی ماں کو بہت حسرت ہے تم سے ملنے کی۔"

"تنویر مدتوں پہلے مر چکا ہے یا مارا جا چکا ہے تصویر صاحب!" میں نے اس کی گرمجوشی کا نوٹس لیے بغیر سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میرا نام اب ڈینی ہے اور شاید تم بھی اسی

نام سے واقف ہو۔"

"ڈینی؟" اس نے تحیّر آمیز لہجے میں دہرایا۔ "بڑا عجیب نام ہے، پہلی بار سن رہا ہوں۔ کیا مذہب بدل لیا ہے تم نے؟"

"مذہب نہیں، صرف مسلک بدلا ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں رمضان چاچا سے ملا نہیں ہوں لیکن میں نے اس کے محلے میں جمع ہونے والی ٹولیوں کے تبصروں سے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اسے ناقابلِ دید تشدّد کا نشانہ بنا کر ایسی بدترین دھمکیوں کے ساتھ رہا کیا گیا ہے کہ وہ اس بارے میں ایک لفظ بھی بتانے کو آمادہ نہیں ہے۔"

"پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔ میری تو اس کے بعد رمضان چاچا سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ تمھیں سُنی سُنائی پر یقین کرنے کے بجائے اس سے ملنا چاہیے تھا، وہ خود ہی بتا دیتا کہ وہ کیا بکتا پھر رہا ہے۔"

"کراچی میں توقیر سے بھی ملاقات ہوئی تھی میری۔" میں نے تلخ اور معنی خیز لہجے میں کہا۔ "وہ میرے گھر بھائی بن کر آیا تھا اور میرے زندگی بھر کے اثاثوں کو پھونک کر فرار ہو گیا۔ اس نے کس جرم کی پاداش میں یہ سزا دی مجھ کو؟"

"کب کی بات ہے یہ؟"

"بمشکل ایک ہفتہ ہوا ہو گا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک باپ کی اولادیں ایک دوسرے کی دشمنی میں اس حد تک جا سکتی ہیں، توقیر تو برادرانہ رشتے کے نام پر ایک گالی بن کر رہ گیا ہے میرے لیے۔"

میرے خاموش ہوتے ہی ریسیور پر ایک گہرے سانس کی آواز ابھری پھر وہ بولا۔ "تمھارے دل میں ہماری طرف سے بدترین غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں، تم ملو گے تو دیکھو گے کہ تمھارے معاملے میں ہم کتنے فراخ دل ہیں اور توقیر بے چارہ تو پچھلے دو مہینوں سے باہر گیا ہوا ہے۔ بھلا ہزاروں میل دور سے وہ کیسے آ سکتا ہے۔ کل ہی اس کا فون آیا تھا، وہ اوٹاوا میں مقیم ہے۔"

"سو تصویر!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تم میرے بڑے بھائی ضرور ہو لیکن ہمارے درمیان رشتوں کا احترام کبھی پیدا نہ ہو سکا بلکہ تم اس احترام کو مٹانے کے لیے ہی کوشاں رہے......"

"وہ سب بچپن کی باتیں تھیں۔" اس نے میری بات کاٹ کر صفائی پیش کی۔ "ہم اب بھی تمھیں اپنے گلے سے لگانے کے لیے تیار ہیں، فیصلہ کرنا تمھارا کام ہے۔ نجانے وہ کون ہے جس نے توقیر کا نام استعمال کر کے تمھیں ہم سے بدظن کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"اگر اجازت ہو تو یہ بھی پوچھ لوں کہ تمھارا ذریعۂ معاش کیا ہے؟" میں نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"تمھارا لہجہ بہت گستاخانہ ہے لیکن پھر بھی میں بتائے دیتا ہوں کہ رزقِ حلال سے ہمارے لیے زندہ رہنا محال تھا شاید اس لیے کہ آنکھ کھولتے ہی ہمیں حرام کی روزی سے زندہ رکھا گیا تھا اور اسی روزی کے بل پر ابّا جان تمھاری ماں کو ہماری ماں پر لے آئے تھے۔ ہماری بنیاد ہی ٹیڑھی تھی اور ہم آج تک سیدھے راستے سے روزی کمانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ میں نوکری کر رہا ہوں لیکن یہ جانتا ہوں کہ ہم غلط راستوں کے مسافر ہیں۔"

"اور توقیر؟ وہ کیا کر رہا ہے؟" میں نے تجسّس آمیز لہجے [illegible] تصویر نے جو کچھ کہا تھا اس نے میرے سارے نظریات کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

"اطمینان رکھو، ملو گے تو تفصیلات بتا دوں گا، اگر تم آنا چاہو تو اپنا پتا بتاؤ تاکہ میں بڑی ماں کو ساتھ لے کر خود کسی وقت تمھارے پاس آ سکوں۔"

"رہائش کہاں ہے تمھاری؟" میں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"لائیڈز کاٹیج۔" اس نے بلا توقف جواب دیا۔ "شہر کی مشہور عمارت ہے۔ عمارت کا انتظام و انصرام میرے ہی پاس ہے۔ میں اسٹیٹ مینیجر کے طور پر یہاں کام کرتا ہوں۔"

"پھر کل رات کے واقعات سے بھی واقف ہو گئے ہو؟"

"کیسے واقعات؟" اس کے لہجے میں تحیّر نمایاں تھا۔

"بیرونی مداخلت، کچھ تشدّد، تلاش کی مہم، دو مین قتل اور کچھ ایسے ہی واقعات۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"پتا نہیں تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔" دوسری طرف سے معصومانہ لہجے میں کہا گیا۔ "اگر کچھ ہوا بھی ہو گا تو میں اس سے لاعلم ہوں..... لائیڈز کاٹیج کے حفاظتی معاملات کا ذمّے دار سیکیورٹی آفیسر ہے جو پوری طرح خود مختار ہے لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟ ان واقعات سے تمھارا کیا تعلق ہے؟"

"بہت کچھ تعلق ہے اور شاید کچھ بھی نہیں۔" میں نے مبہم سا جواب دیا۔ "لیکن میں تمھیں یہ ضرور بتانا چاہوں گا کہ میرے پاس بہتیری معلومات موجود ہیں جو میرے چند ساتھیوں کے بھی علم میں ہیں اور اگر مجھے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو وہ تمام

معلومات سرکاری حکام تک پہنچادی جائیں گی۔"

"مجھے یہ سب سنانا بے سود ہے۔" میری دھمکی کا کوئی اثر لیے بغیر کہا گیا۔ "میری تم سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ لائیڈز کالج میں تمہاری دیکھ بھال کی ذمے داری میری ہوگی۔" پھر اس نے ایک دم ہی بدلے ہوئے تحیّر آمیز لہجے میں کہا تھا۔ "تمہاری باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم بھی سیدھے راستے پر نہیں ہو.... آخر یہ چکر کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "ہم تینوں کی پرورش ایک ہی خمیر سے ہوئی ہے للذا تینوں کو ایک ہی راہ اختیار کرنی ہے.... اب وہ گناہ کی ہو یا ثواب کی۔"

"پھر تم کب آ رہے ہو؟" اس کے لہجے سے تجسس جھانک رہا تھا۔

"جب وقت ملا آجاؤں گا.... لیکن میں ایک بار پھر یہ جاننا چاہوں گا کہ کل رات رمضان چاچا پر کیا گزری ہے، میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ واپسی کے بعد سے اس نے اپنی زبان سختی سے بند کی ہوئی ہے۔ زیادہ باز پرس کی صورت میں اس نے خود کو ایک کمرے میں قید کر لیا ہے۔ اس کی حالت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس پر خاصا تشدد کیا گیا ہے لیکن اس کی علامات نظر نہیں آرہیں۔"

"تمہارے لب و لہجے سے شبہات کی بو آرہی ہے۔" دوسری جانب سے کہا گیا۔ "تمہارے بارے میں پہلی بار میں نے خود ہی اس کی حوصلہ افزائی کی تھی میرا مقصد صرف یہ تھا کہ آخری وقت آنے سے پہلے بڑی ماں کو تم سے ملوا سکوں، یہ میری بدقسمتی ہے کہ وہ کسی ناخوشگوار واقعے کا نشانہ بن گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہمارے اور تمہارے درمیان غلط فہمیوں کی خلیج بڑھانے میں دلچسپی لے رہا ہے۔ شاید ہمیں یکجا ہو کر اس کا سدِباب کرنا ہوگا ورنہ کسی دن تم ہتھیار بدست ہمارے سروں پر مسلط ہو گے۔"

"میں تم سے ضرور ملوں گا لیکن یہ بات ضرور یاد رکھنا کہ میں اگر اپنی مرضی کے مطابق واپس نہ لوٹ سکا تو ہر طرف تباہی کا دور دورہ ہوگا اور اس کا مرکز تمہاری ذات سے زیادہ دور نہ ہوگا۔" میں نے اسے یاددہانی کراتے ہوئے کہا۔

"پھر بہتر ہوگا کہ تم ملاقات کا یہ ارادہ ترک کر دو۔" دوسری طرف سے پہلی بار ترش لہجہ اختیار کیا گیا۔ "اگر میری تمام یقین دہانیوں کے باوجود تمہارے دل میں میری طرف سے اس قدر شبہات جاگزیں ہیں تو ہمارا نہ ملنا ہی بہتر ہوگا۔"

"تم نے میرے دل سے بڑا بوجھ دور کر دیا۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ کسی نہ کسی موڑ پر ہم خود ہی ایک دوسرے کے سامنے آجائیں.... دوستی اور دشمنی کا فیصلہ وقت خود کر لے گا، موجودہ حالات میں میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ تمہارے کہنے کے مطابق اس وقت کوئی ایسی ہستی بھی سرگرمِ عمل ہے جو میرے اور تمہارے رشتے سے باخبر ہے اور اس سے فائدہ اٹھا کر ہمارے درمیان غلط فہمی پیدا کرنا چاہتی ہے۔"

"پھر مجھے اپنا پتا بتاؤ۔" اس کے لہجے میں برہمی ابھر آئی۔ "میں ڈرائیور کے ساتھ بڑی ماں کو تمہاری قدم بوسی کے لیے بھیج دوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس بے چاری کی روح ماضی کے گناہوں کے بوجھ تلے سسک رہی ہو اور وہ تم سے مل کر ان گناہوں کی معافی مانگنا چاہتی ہو جو اس نے تمہاری ماں کے ساتھ کیے تھے۔"

"تم بار بار بڑی ماں کا نام لے کر میرے خوابیدہ جذبوں کو بھڑکا رہے ہو۔" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں [illegible] دوستوں اور محافظوں کے ہجوم میں اپنا وقت گزار رہا ہوں، مجھے تو اپنے ٹھکانوں کا علم نہیں ہوتا.... تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، تم نے کبھی میری ماں کو ماں کی حیثیت میں قبول نہیں کیا لیکن میں ہمیشہ تمہاری ماں کو بڑی ماں سمجھتا رہا ہوں، اگر وہ مجھ سے ملنے کی خواہش مند ہیں تو میں اپنا فرض پورا کروں گا اور اگر لائیڈز کالج کے حفاظتی ضابطے آڑے نہ آئے تو ان سے ملنے کی کوشش کروں گا۔"

"لائیڈز کالج خوابوں کی ایک اجنبی سی دنیا ہے جس کے اپنے ضوابط ہیں۔" ریسیور پر اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری۔ "لیکن میں بندوبست کر دوں گا کہ تم جب بھی یہاں آؤ تمہیں کوئی دشواری نہ ہو..... تم ہر وقت میرے لیے ایک پسندیدہ مہمان ثابت ہو گے۔"

"میں کوشش کروں گا کہ تمہاری ان توقعات پر پورا اتر سکوں۔" یہ کہہ کر میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس کے بعد میں کئی ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ تصویر سے میری کیا گفتگو ہوئی تھی اور اس کا کیا پس منظر تھا۔

اس نے تمام واقعات اور شبہات کے خلاف ایسی خوبصورت موشگافیوں کا سہارا لیا تھا کہ مجھے اپنے تمام مفروضات ریت کے گھروندوں کی طرح ڈھیر ہوتے نظر آرہے تھے۔ اس کے بیان کے مطابق نہ وہ میرا دشمن تھا اور نہ توقیر کسی گروہ کا سرغنہ۔ بلکہ وہ محض ہمدردی اور محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر مجھ سے ملتا

میں اپنے دل میں ان دونوں کے خلاف بغض و عناد کی
جاہ رہا تھا اور میں
ایک دنیا بسائے بیٹھا تھا۔
"یہ تعلیم کتنی دیر جاری رہے گا؟" سلطان شاہ نے اندر سے
ہانک لگا کر مجھے چونکا دیا۔ "ہم دونوں انتظار میں سوکھے جا
رہے ہیں۔"
"چلے آؤ۔ بات ختم ہو چکی ہے۔" میں نے اونچی آواز میں
کہا اور سلطان شاہ، نصیر خان کے پیچھے چلتا ہوا وہاں آموجود ہوا۔
نصیر خان سے گفتگو پہلے ہی ختم ہو چکی تھی لہٰذا اسے اگلے
دن مطلوبہ فہرست کی فراہمی کی یاد دہانی کے بعد ہم دونوں وہاں
سے روانہ ہو گئے۔ پُر پیچ گلیوں سے گزرتے ہوئے سلطان شاہ
خاموش رہا۔ اسے فکر لاحق تھی کہ کہیں نصیر خان نے ہم لوگوں کے
تعاقب کا بندوبست نہ کیا ہوا ہو اور جب اسے نگرانی کی طرف
سے بے فکری ہو گئی تو اسے میری فون کالز یاد آئیں۔
"تین فون کیے تھے، ان میں سے دوسری سے تقریباً تصویر
کو کیا تھا۔ اس کا تو رویہ ہی عجیب تھا، سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے
دوست سمجھوں یا دشمن۔"
"معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تمہیں کوئی گہری پٹی پڑھائی ہے۔"
سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
"وہ لائیڈز کالج میں اسسٹنٹ منیجر کے طور پر ملازم ہے
اور پچھلی رات وہاں رونما ہونے والے واقعات سے بالکل لاعلم
ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ پرانی رنجشوں کو بھلا کر دوبارہ
برادرانہ رشتہ استوار کرنا چاہتا ہے۔"
"اور تم توقیر کی زیادتیاں بھی فراموش کر دو گے؟"
"میں اس بارے میں بھی بے یقینی کا شکار ہو گیا ہوں۔ میں
نے برسوں پہلے ان دونوں کو دیکھا تھا اور اب حافظہ بالکل صاف
ہے۔ اگر میرے گھر آنے والا خود ہی توقیر کی حیثیت سے اپنا
تعارف نہ کراتا تو میرا پہچاننا ناممکنات میں سے تھا لیکن تصویر کا
کہنا ہے کہ توقیر پچھلے دو مہینوں سے غیر ملکی دورے پر نکلا ہوا ہے
اور آج کل اوٹاوا میں مقیم ہے۔"
اس کے استفسار پر میں نے اسے اپنی اور تصویر کی گفتگو
کی تفصیلات سنا ڈالیں۔
"بظاہر تو اس کی کسی بات پر شبہ کرنے کا جواز نظر نہیں
آتا۔" میری پوری کہانی سن کر سلطان شاہ بڑبڑایا۔ "تمہارا کیا اندازہ
ہے اس بارے میں؟"
"خدا کرے کہ وہ سچ بول رہا ہو، مجھے تو اس کی کسی بات
میں جھول نظر نہیں آیا۔"
"اور مجھے پوری کہانی میں سازش کی بو آ رہی ہے۔" اس
نے طویل سانس لے کر کہا۔ "یہ کیسے ممکن ہے کہ لائیڈز کالج کے
تین ملازم مار دیے جائیں اور اسسٹنٹ منیجر کو اس کی ہوا بھی نہ
لگ سکے.... ان معاملات سے اپنی لاتعلقی ظاہر کر کے وہ تمہیں
گھیرنا چاہ رہا ہے۔ جہاں طاقت کام نہ دے، وہاں جھوٹ بڑے
کام نکال دیتا ہے۔"
"یہ شبہ میرے ذہن میں بھی ہے، وہ لوگ میرا سراغ کھو
چکے ہیں اور ہمارے ہاتھوں زک بھی اٹھا رہے ہیں، ہو سکتا ہے
کہ اب اس نے ہمدردی کا لبادہ اوڑھ کر جال ڈالنے کا فیصلہ
کیا ہو۔"
"پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اسے موقع فراہم کرو گے
یا اپنی کارروائیوں میں شدت پیدا کرو گے؟"
"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا، پہلے ہوٹل پہنچ کر آپریٹس پر
ان لوگوں سے رجوع کروں گا، دیکھنا یہ ہے کہ تصویر سے میری
گفتگو کے بعد ان کے رویے میں کیا تبدیلی رونما ہوتی ہے، اسی
کی بنیاد پر آگے کی حکمتِ عملی مرتب کرنا ہو گی۔"
اسی اثنا میں ایک خالی ٹیکسی مل گئی اور ہماری گفتگو کا
سلسلہ وہیں منقطع ہو گیا۔
"تم مانو یا نہ مانو، مجھے تو یہ گہری چال نظر آ رہی ہے۔"
ہوٹل پہنچنے کے بعد سلطان شاہ نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔ "اس
گفتگو کے ذریعے تم نے اسے یہ جتا دیا ہے کہ تم لاہور میں
موجود ہو اور تمہیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ وہ لائیڈز کالج میں مقیم
ہے۔ نصیر خان کے بیان کے مطابق بھی سنڈیکیٹ کے سربراہ
کا ٹھکانہ وہی ہے۔ اتنے اتفاقات آسانی کے ساتھ یکجا
نہیں ہو سکتے۔"
وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ تنظیم کے کسی گمنام کارندے
کا توقیر بن کر میرے گھر آنا، ایشین سنڈیکیٹ کے سربراہ کے
نام کا مخفف توقیر اور تصویر سے مشابہ ہونا، رمضان چاچا کا
درمیان میں پڑ کر ایک تلخ تجربے سے گزرنا اور لائیڈز کالج
کا مجرمانہ وارداتوں میں ملوث ہونا محض اتفاق قرار نہیں دیا جا
سکتا تھا..... مٹھی جو بند تھی اب بڑی حد تک کھل گئی تھی، دونوں
فریق ایک دوسرے سے واقف ہو چکے تھے لیکن فریقِ ثانی
لومڑی کی سی مکاری سے کام لیتے ہوئے کھلے اعترافات سے
گریزاں تھا تاکہ مجھے اپنے ڈھب پر لا کر وار کر سکے۔
کمرے میں لباس وغیرہ بدلنے کے بعد بستر پر دراز ہو کر میں
نے آپریٹس سنبھال لیا۔
"ڈولی نمبر دو کالنگ!" میں نے آپریٹس آن کر کے ٹرانسمیٹنگ
بٹن دباتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔ "جو بھی میری آواز سن رہا ہو،

وہ کال کا جواب دے... اوور!"

"ڈیوٹی روم ریسیونگ!" فوراً ہی دوسری طرف سے جواب ملا تھا۔ "بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم نے آپریٹس کی تباہی کا سوانگ ختم کر کے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا... ہم تم سے رجوع کرنا چاہ رہے تھے... اوور!"

"مجھے اپنے آدمیوں سے ابھی معلوم ہوا ہے، انھوں نے تمھارا وہ پیغام سنا تھا جس میں کار کی واپسی کی اطلاع دی گئی تھی، میں مصروفیت کی بنا پر رابطہ قائم نہیں کر سکا لیکن اپنی شرط کے ساتھ اب لائن پر موجود ہوں۔ اوور!"

"شرط؟ کیسی شرط؟ اوور!" تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا گیا۔

"میں صرف اور صرف تمھارے باس سے بات کرنا چاہتا ہوں، یہ ممکن نہ ہوا تو میں ابھی گفتگو ختم کر کے تمھارے اس آپریٹس کو برقی آتش دان کی نذر کر دوں گا... اوور!"

"تم باس کو نہیں جانتے... اگر میں کسی اور سے تمھاری بات کرا دوں تو تمھیں علم بھی نہ ہو سکے گا، آخر تم اس شرط پر کیوں اڑے ہوئے ہو؟ میں تم سے بات کرنے کے لیے پوری طرح بااختیار ہوں... اوور!"

"باس خارش زدہ چوہوں کی فوج کا ہو یا تم جیسے انسانوں کا، اپنے تحکم اور لب و لہجے سے الگ پہچانا جاتا ہے۔ میرا اور اپنا وقت برباد نہ کرو۔ تم میرے سوالات کا جواب نہیں دے سکو گے... اوور!"

"ہماری دشواری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔" دوسری طرف سے عاجزانہ لہجے میں کہا گیا۔ "اس وقت کم از کم ہمارے بیس آدمیوں کے پاس یہ آپریٹس موجود ہے۔ باس اس رابطے پر تم سے کھل کر بات نہیں کر سکتا... اوور!"

"وہ حاکم ہے اور بیس اس کے محکوم۔ اگر وہ اسی قدر ناقابلِ اعتماد ہیں تو ان سے کچھ دیر کے لیے آپریٹس واپس لیے جا سکتے ہیں۔" میں نے موقع پاتے ہی ان لوگوں میں بددلی پھیلانے کی نیت سے شوشا چھوڑا جو اس وقت اپنے اپنے آپریٹس پر ہماری گفتگو سن رہے تھے۔ "یا پھر مجھے اس سے رابطے کا کوئی دوسرا ذریعہ بتا دو... اوور!"

"دوسرا ذریعہ!" اس طرف سے گہرا سانس لے کر حسرت آمیز لہجے میں کہا گیا۔ "کاش مجھے پہلا ذریعہ ہی معلوم ہوتا اور میں اسے تمھاری خواہش سے باخبر کر سکتا... میرے لیے یہ ناممکنات میں سے ہے۔ اوور!"

"اور اسی پر تمھیں بااختیار ہونے کا دعویٰ تھا۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "وہ نہیں تو پھر اپنے ایس او یا سیکیورٹی انچارج سے بات کراؤ کیونکہ آنے والا وقت اس پر بہت بھاری پڑنے والا ہے۔ طبل بج چکا ہے اور لائیڈز کاٹج کی پُرہیبت و پُراسرار عمارت میرے ہاتھوں کسی وقت بھی کھنڈر ہو سکتی ہے... اوور!"

"ایس او آن لائن۔" میرے خاموش ہوتے ہی آپریٹس پر ایک نئی آواز ابھری جو میرے لیے اجنبی نہیں تھی کیونکہ اسے میں پچھلی رات کے معرکے میں کئی بار سن چکا تھا۔ "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟ اوور!"

"ایک اجنبی ہوں اور کل شام تک کچھ نہیں چاہتا تھا لیکن لائیڈز کاٹج کے سامنے جس توہین آمیز انداز میں مجھے روکا گیا اس کے بعد میں تمھاری اس مختصر سی کائنات کو فنا کرنے کا خواہاں ہوں...... میں بہت کچھ جان چکا ہوں، صبح کا سورج تمھارے لیے بربادیوں کی کئی کہانیاں لے کر طلوع ہوگا، یہ خوشخبری میں اس کو سنانے میں خوشی محسوس کرتا جس کے اشارے پر مجھے روکا گیا تھا... وہ نہیں ملتا تو تم ہی یہ نوید اسے سنا دینا... اوور!"

"خاصے بے جگر معلوم ہوتے ہو۔" دوسری جانب سے تبصرہ کیا گیا۔ "جس وقت بھی آ ڈٹے گے، ہمیں اپنے استقبال کے لیے تیار پاؤ گے۔ اعلان کر کے وار کرنے والوں کی میں تہہ دل سے قدر کرتا ہوں، کوشش کروں گا کہ تمھیں زندہ ہی پکڑا جائے۔ ایسے نوادر ذرا کم ہی ہاتھ آتے ہیں۔ اور ہاں، یہ بھی سن لو کہ تمھیں ٹٹولنے والا میں خود تھا، تمھاری کار کو دوسری مرتبہ اس سڑک سے گزرتے دیکھ کر میں نے خود ہی تمھیں چیک کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا فیصلہ درست ثابت ہوا۔ اوور!"

"تم نرے گدھے ہو مائی ڈیر ایس او۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "تم ہمیں نہ چھیڑتے تو ہم خود واپسی کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ہمیں تو اس شخص کی تلاش تھی جو خود کو لائیڈز کاٹج کا اسٹیٹ منیجر ظاہر کر کے ایک محفل میں جوئے میں پندرہ ہزار روپے اُدھار ہارا تھا اور اس کے بعد سے لاپتا تھا... وہ عمارت دیکھنے کے بعد ہم نے سمجھ لیا تھا کہ وہاں ہماری دال نہ گل سکے گی اور تمھارے اسٹیٹ منیجر کو ہمیں باہر ہی کہیں گھیرنا ہوگا لیکن بدقسمتی سے تم خود ہی ہم سے الجھ بیٹھے اور اب میرا اندازہ ہے کہ اپنے اسٹیٹ منیجر کے کھیلوں میں تم لوگ برابر کے شریک ہو، اگر آج رات دس بجے تک ہمیں اُدھار کی رقم نہ ملی تو انجام بہت بُرا ہوگا...... پندرہ لاکھ بھی ہمارے پندرہ ہزار کا ازالہ نہ کر سکیں گے... اوور!"

وہ بہانہ مجھے فی البدیہہ سوجھا تھا لیکن دوسرے بہرے

سے بولنے والے کا ردِعمل حیران کن تھا۔ وہ اپنے بارے میں
کیے تبصرے کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔ "ہمارا اسٹیٹ منیجر
پندرہ ہزار ادھار ہا رہا ہے؟ شاید تم اس کے رتبے
سے لاعلم ہو جو اس پر اتنا بڑا الزام لگا رہے ہو...... وہ
لائیڈز کاٹیج کا بے تاج بادشاہ ہے.... نجانے کتنے پندرہ
ہزار وہ اپنے ایک اشارے سے ادا کر سکتا ہے، اس بارے
میں یقیناً تمھیں بے وقوف بنا گیا ہے.... اوور!"

"خوب!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تو اس کا مطلب
یہ ہوا کہ اپنی سرگرمیوں کے لیے تم اسی بے تاج بادشاہ کے
سامنے جواب دہ ہو۔ اپنے بل میں وہ کتنا ہی فراخ دل کیوں نہ
ہو، باہر بالکل کنگال ہوتا ہے..... تم رُتبے کی بات کر رہے ہو،
میں اس کے نام سے لے کر شجرے تک سے پوری طرح
واقف ہوں.... اوور!"

"تمھارا پیغام اس تک پہنچا دیا جائے گا، تمھارے
دعوے میں کوئی حقیقت ہوئی تو وہ خود ہی تم سے رجوع کر لے
گا..... لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ تم کون ہو؟ اوور!"

"میں صرف قرض خواہ ہوں، میرا معاملہ اسی سے ہے...
کیا یہ درست ہے کہ تمھارا آقا وہی ہے؟ اوور!"

"غیر ضروری باتوں میں الجھانے کی کوشش مت کرو،
اگر تمھاری دھمکیوں میں ذرا بھی وزن ہے تو میں تمھارا منتظر رہوں
گا... مجھے یقین ہے کہ ہمارا اسٹیٹ منیجر مقروض نہیں ہو سکتا...
یہ سب تمھارے حیلے ہیں... اوور اینڈ آل۔"

اس نے اپنی جانب سے گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں
چاہتا تو بات آگے بڑھا سکتا تھا لیکن اس میں کوئی فائدہ نہیں
تھا۔ مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا وہ میرے علم میں آ چکا تھا۔

ایک طرف تصویر نے اپنی اسٹیٹ منیجر کی حیثیت کا اعتراف
کرتے ہوئے بتایا تھا کہ وہ پچھلی رات کے واقعات سے لاعلم
تھا کیونکہ لائیڈز کاٹیج کا سیکیورٹی آفیسر اپنے معاملات میں
خودمختار تھا اور دوسری طرف سیکیورٹی آفیسر تصویر کو اس
عمارت کا بے تاج بادشاہ قرار دے رہا تھا.... مجھے محسوس ہو
رہا تھا کہ اب حالات تیزی سے رُخ بدلنے والے تھے اور ایک
بار حالات کے دھارے پر بہہ نکلنے کے بعد واقعات کو لگام
دینا میرے یا کسی کے بھی بس سے باہر ہو سکتا تھا۔

◈

نصیر خان دفتر سے برآمد ہونے والا آخری آدمی تھا۔
اس وقت میری رسٹ واچ میں پانچ بج کر پانچ منٹ ہو رہے
تھے اور میرے ذہن میں نفرت اور انتقام کے کوندے لپک
رہے تھے۔ اس وقت میں اپنی زد میں آنے والی ہر اس چیز کو
نیست و نابود کر دینے پر تلا ہوا تھا جس کا توقیر، تصویر یا اے
ٹو کی تنظیم سے کوئی واسطہ ہو۔ سلطان شاہ نے بہت کوشش
کی تھی کہ مجھے اس موڈ میں تنہا نہ چھوڑے لیکن میں نے اس کی
ہر کوشش کو ناکام بنا دیا کیونکہ یک بیک میرے پاس وقت
نہیں رہا تھا اور میں ہر قیمت پر جلد از جلد کراچی پہنچنے کے لیے
بے چین تھا۔

پچھلی رات سونے سے پہلے ہم نے پروگرام طے کیا تھا
کہ سلطان شاہ لاہور میں اپنے مراسم کو بروئے کار لا کر مناسب
مقدار میں آتش گیر مادہ اور چند متفرق نوعیت کے بم حاصل کرے
گا پھر ہم سارا دن اپنے کمرے میں آرام کرنے کے بعد شام
پانچ بجے سے پہلے ایشین سنڈیکیٹ کے دفتر پہنچیں گے
اور دور سے اس کی نگرانی کرتے رہیں گے۔ نصیر خان کے دفتر
سے برآمد ہوتے ہی سلطان شاہ اس کا تعاقب شروع کر دیتا
اور اس کے پیچھے پیچھے گھر پہنچ کر اس سے وہ فہرست حاصل
کر لیتا جس کا وعدہ ہو چکا تھا۔ اس دوران میں میں دفتر کے قریب
چھپ کر اس شخص کا انتظار کرتا جو نصیر خان کے بیان کے مطابق
دفتر بند ہونے کے بعد پُراسرار طور پر وہاں آ کر باس کے لیے
رکھی ہوئی ڈاک اور کیمرے کا استعمال شدہ رول نکال لے جاتا
تھا۔ مجھے اس شخص کے پیچھے اندر گھسنا تھا اور اس سے
باز پُرس کے بعد اسے ہلاک کر دینا تھا۔ ساتھ ہی اپنی جیبوں
میں موجود مادے کے ذریعے فرم کے دفتر کو نذرِ آتش کر دینا
تھا۔ اس دوران میں سلطان شاہ نصیر خان سے جلد از جلد فارغ
ہو کر واپس لوٹتا اور مداخلت کیے بغیر باہر میرے اشارے کا
منتظر رہتا۔ کسی دشواری کی صورت میں میرا ہاتھ بٹانے کے
لیے وہ بھی اندر گھس پڑتا ورنہ تنظیم کے اس اہم کاروباری
ٹھکانے کو نذرِ آتش کر کے ہم واپس ہو لیتے۔

لیکن وہ دن ہی شاید کچھ خراب تھا۔ صبح سلطان شاہ
پروگرام کے مطابق روانہ ہو گیا تو میں نے سوچا کہ کیوں نہ
وقت گزاری کے لیے نیچے اُتر کر کسی کال آفس سے غزالہ
کے گھر بات کی جائے۔ ویسے بھی وہ پچھلے دن کافی عرصے
کی نظر بندی کے بعد اپنے مکان کی چار دیواری سے نکلی تھی،
اور میری بات ہونے تک واپس نہیں لوٹی تھی۔

فون کا سلسلہ ملتے ہی میری آنکھوں کے آگے تاریک
دائرے ناچنے لگے۔ فون پر میری آواز پہچانتے ہی کرنل کسی
بچے کی طرح بلک کر رو پڑا تھا۔ سہیلی کی شادی کی تیاریوں
کے سلسلے میں گئی ہوئی غزالہ نہ گھر لوٹی تھی نہ شہر میں اس کا

کوئی بتا تھا۔ اس سے آگے نہ میں کرنل سے کچھ پوچھ سکا اور نہ وہ مجھ سے بات کر سکا، میں نے بوتھ میں ریسور کریڈل سے لٹکا کر کاؤنٹر پر کال کی رقم ادا کی اور واپس ہوٹل کی طرف چل دیا۔

وہی شہر تھا، وہی سڑکیں تھیں اور میں دوسری بار اپنی ذات کے اس ناقابل بیان کرب سے آشنا ہوا تھا جب مجھے اپنی کوکھ سے جنم دینے والی ماں لاپتا ہوئی تھی تو میں کسی اندھے، بہرے اور گونگے کی طرح مسلسل کئی دن اور کئی راتیں تک لاہور کی سڑکوں اور گلیوں میں چلتا رہا تھا۔ مجھے نہ بھوک لگی تھی نہ پیاس نے ستایا تھا۔ بس ذہن میں ایک بھیانک سی گونج تھی، تنہا رہ جانے کا ایک ناقابلِ بیان خوف تھا جو میری رگوں میں گہرا... اور گہرا اُترتا جا رہا تھا اور غزالہ کی گم شدگی کی خبر بھی میرے لیے اسی قدر کربناک تھی وہ خبر سن کر میرے اعصاب جھنجھنا اٹھے تھے، دماغ ماؤف ہو گیا تھا، یوں معلوم ہوا تھا جیسے زندگی کے دامن میں میرے لیے کچھ بھی نہ رہا ہو، مجھے بھرے بازار میں بے دردی سے ساتھ لوٹ لیا گیا ہو۔ شاید اس بار بھی میں صدمے اور سکتے کی کیفیت میں اس بے رحم شہر کی فٹ پاتھوں اور گلیوں میں چلتا ہی رہتا لیکن ماں کی موت کی خبر پانے والے تنویر علی کے مقابلے میں منگیتر کی گم شدگی کی اطلاع سننے والا تنویر علی زیادہ پختہ کار اور جہاندیدہ تھا جو میں یوں ہی گم رہتا تو غزالہ کا مستقبل کیا ہوتا؟ اس کی روشن پیشانی پر مکروہ اور ہوسناک ہاتھوں کے غلیظ نشانات کا تصور کر کے میرے وجود کی گہرائیوں میں ایک بھیانک عفریت جاگ اٹھا جو سراپا تباہی تھا جس کے ہر نفس میں نفرت اور انتقام کے اژدھے پھنکار رہے تھے۔

عورت جس روپ میں بھی ہو، بظاہر صرف عورت ہوتی ہے لیکن یہ ایک سرسری سا فلسفہ ہے عورت کے پانچ روپ ہوتے ہیں، ماں، بہن، بیٹی، بیوی اور محبوبہ۔ اور ان میں سے ہر روپ کا اپنا ہی ایک اثر ہوتا ہے۔ غزالہ کیا گم ہوئی تھی، مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دنیا کا پورا انتظام بگڑ گیا ہو، ارذل اور حقیر لوگوں کو ثقہ لوگوں کی پگڑیاں اچھالنے کا اختیار مل گیا ہو... پھر جو جو نام میرے سامنے تھے ذہن ان کے فیصلے صادر کرنے لگا۔ حالاں کہ نہ میں ثقہ تھا اور نہ غزالہ کو اغوا کرنے والے اتنے ارذل!

رخشی سے تصویر تک، سب ہی میرے مجرم تھے اور ان کا انجام عبرتناک تھا۔

سلطان شاہ مطلوبہ سامان لے کر خوشی خوشی واپس آیا تو میرے تُتے ہوئے چہرے اور انتقام سے جلتی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر سہم گیا۔ میری حالت شاید اس قدر ابتر تھی کہ وہ کوئی سوال کرنے کی ہمت بھی نہ کر سکا مگر میں نے اسے جذبات سے عاری، کھوکھلے لہجے میں اس سچائی سے آگاہ کر دیا جو اس وقت میری روح کا عذاب بنی ہوئی تھی اور وہ پورے وجود سے کانپ کر رہ گیا... اس کی زبان سے میری ہمدردی میں ایک لفظ بھی نہ نکل سکا کیونکہ وہ ان لوگوں سے خوب واقف تھا جن سے ہماری ٹھنی ہوئی تھی۔ وہ جان و مال ہی نہیں، میری آبرو کے بھی بدترین دشمن تھے۔

وہ کمرے میں بیٹھا ایک ٹک مجھے دیکھتا رہا۔ نہ دلاسا دے سکا نہ انتقام پر اکسا سکا اور جب دن ڈھلنے لگا تو میں اس کا لایا ہوا سامان ایک تھیلے میں سمیٹنے لگا۔ اس وقت سلطان شاہ نے پہلی بار زبان کھولی اور مجھے اپنا پروگرام ملتوی کرنے کا مشورہ دیا کیونکہ اس وقت اس کی دانست میں میں ذہنی تعطل کا شکار تھا اور کسی بڑی کارروائی کے نتیجے میں کامیابی کے بجائے نئے مصائب مول لے سکتا تھا لیکن مجھ پر دیوانگی طاری تھی، میں نے اسے جھڑک دیا۔ جب اس کا اصرار بڑھا تو شاید میں نے اسے توقیر اور تصویر کا ایجنٹ بھی قرار دے ڈالا۔ یہ الزام ایسا تھا کہ اس کی زبان بند ہو گئی اور وہ حکم کی تعمیل پر اتر آیا۔

مجھے معلوم تھا کہ اس وقت وہ مجھ سے کچھ دور ایک گلی میں چھپا نصیر خان کا منتظر تھا۔ اس کی عادات کے پیش نظر مجھے یہ بھی یقین تھا کہ وہ شاید نصیر خان کے گھر پہنچنے تک صبر نہ کر سکے بلکہ میری تنہائی کے خیال سے نصیر خان کو راستے ہی میں روک کر مطلوبہ فہرست کا مطالبہ کر بیٹھے لیکن اس وقت وہ سب سلطان شاہ کے مسائل تھے۔ میری پوری توجہ سنڈیکیٹ کے دفتر پر مرکوز تھی جس کا غزالہ کے اغوا کنندگان سے گہرا تعلق تھا۔

نصیر خان نے دفتر کا بیرونی دروازہ مقفل کر کے چابیاں جیب میں ڈالیں اور عجلت کے ساتھ قدم بڑھاتا ہوا ایک طرف ہو لیا۔ اسی لمحے ایک قریبی گلی سے سلطان شاہ نمودار ہوا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ان لوگوں کی بھیڑ میں مدغم ہو گیا جو دفتروں سے چھٹی ہونے کے بعد اپنے اپنے گھروں کی طرف جا رہے تھے..... سب اپنے اپنے گھر جا رہے تھے لیکن میں کہاں جاؤں؟

بے اختیار میرے ذہن میں رخشی کا سنایا ہوا ایک شعر

دل آیا ہے

شام ہونے کو ہے، کدھر جائیں؟
اپنا گھر ہو تو اپنے گھر جائیں!

گھر جل چکا تھا... اسے اپنے ہی لہو نے پھونک دیا تھا لیکن غزالہ کی صورت میں گھر کی ایک امید زندہ تھی، ظالموں نے اسے بھی نہ چھوڑا تھا۔ [illegible] غزالہ کو اغوا کر لیا تھا... مجھے اپنے شانے پر لٹکا [illegible] گراں محسوس ہونے لگا۔ اس بیگ میں [illegible] جس کی چنگاریاں میں [illegible] تھا۔

یہ شاید [illegible] زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا [illegible] جسٹر میں ملبوس ایک [illegible] دفتر کا بیرونی تالا کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی۔

فٹ پاتھ عبور کرنے کے بعد میں نے دروازے پر زور آزمائی کی تو وہ خودکار سسٹم کے تحت دوبارہ مقفل ہو چکا تھا۔ میں نے جیب سے ایک مڑا ہوا تار نکال کر قفل پر قسمت آزمائی کی اور چند ثانیوں بعد میں بھی اندر داخل ہو چکا تھا۔

دروازہ بند ہوتے ہی باہر سے آنے والی آوازوں سے رشتہ ٹوٹ گیا۔ دفتر کی عمارت میں گہرے سناٹے کا راج تھا۔ البتہ آگے کسی کمرے کے کھلے ہوئے دروازے سے روشنی آ رہی تھی۔

میں نے اپنے شانے سے لٹکا ہوا بیگ اتار کر ایک طرف رکھ دیا اور [illegible] کے ایک حفاظت سے چھپا ہوا بے آواز ریوالور نکال کر دبے قدموں روشن کمرے کی طرف ہو لیا۔

میں پنجوں کے بل دروازے کے سامنے پہنچا تو وہی قوی الجثہ شخص دروازے کی طرف پشت کیے میز پر کچھ کام کرتا نظر آیا اور اچانک ہی میری ذہنی رو بہک گئی۔ وہ میرے دشمنوں کا ہرکارہ تھا۔ دشمن میرے جانے پہچانے تھے لہٰذا مجھے اس سے کسی پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر پوری قوت سے اس کی پشت پر لات رسید کی اور وہ حلق سے کریہہ سی آواز نکالتا ہوا منہ کے بل زمین پر گر گیا۔ اس سے پیشتر کہ وہ سنبھل کر میز کی سطح سے اٹھتا، میں نے ریوالور کے آہنی دستے سے پوری قوت سے اس کے سر کے عقبی حصے پر ضرب لگائی اور اس نے کراہتے ہوئے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیے۔

غزالہ کے اغوا کے بعد وہ دشمن کا پہلا آدمی تھا جو میرے قبضے میں آیا تھا۔ اس وقت مجھ پر درندگی سوار ہو رہی تھی اور میں اسے اپنے ہاتھوں سے اُدھیڑنا چاہتا تھا لیکن کھوپڑی پر چوٹ کھاتے ہی اس نے جس انداز میں ہاتھ پیر ڈالے اس سے مجھے شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اور میں نے بددلی کے عالم میں ریوالور جیب میں ڈال لیا۔

کیمرا جو میرے حملے کے وقت شاید اس کے ہاتھ میں تھا، فرش پر گر کر چکنا چور ہو چکا تھا۔ میں مایوسانہ انداز میں کمرے کا جائزہ لے رہا تھا کہ اچانک مجھ پر چودہ طبق روشن ہو گئے کیونکہ وہ شخص میری بے خبری میں کسی ہلکے پرندے کی طرح فضا میں اڑتا ہوا میرے اوپر آ پڑا تھا اور میں اس کی جھونک میں عقبی دیوار سے ٹکرا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ یہ غنیمت تھا کہ میں نے ریوالور جیب میں ڈال لیا تھا، اگر وہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو اس شدید جسمانی تصادم میں یقیناً میرے قبضے سے نکل گیا ہوتا۔

میں فرش پر پڑا ہوا تھا اور وہ کسی دیو پیکر عفریت کی طرح دونوں ہاتھ پھیلائے دوبارہ مجھ پر ٹوٹ پڑنے کی تیاری کر رہا تھا۔ میں نے ان چند ہی ثانیوں میں اس کی وحشیانہ قوت کا اندازہ لگا لیا تھا اور اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ اگر وہ اس بار مجھے چھاپ بیٹھا تو میرے لیے اس کے وحشیانہ چنگل سے نکلنا محال ہو جائے گا لہٰذا میں نے پھرتی سے ریوالور نکالا اور اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس کے سینے پر فائر کر دیا۔

اس کے حلق سے ایک سسکاری نکلی اور وہ غضبناک انداز میں مجھ پر ٹوٹ پڑا۔

گولی اگرچہ اس کے دل میں نہیں تو دل کے آس پاس ہی لگی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنی پھرتی برقرار نہ رکھ سکا۔ میں فرش پر پڑے پڑے ایک طرف سرک گیا اور وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح منہ کے بل فرش پر آ رہا۔

میں نے پھرتی کے ساتھ اٹھ کر ایک بے آواز گولی اس کی کھوپڑی میں بھی اتار دی۔

جب وہ تڑپ تڑپ کر میری نگاہوں کے سامنے دم توڑ رہا تھا تو اچانک مجھے باہر ایک آہٹ سنائی دی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا! نجانے وہ کون تھا اور کیسے وہاں گھس آیا تھا؟

ایک شکار تو میں نے نیم بے خبری میں مار لیا تھا لیکن دوسرے کے بارے میں مجھے زیادہ خوش فہمی نہیں تھی لہٰذا میں اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی سے دروازے کی اوٹ میں ہو گیا۔

آہٹ معدوم ہوگئی تھی۔ سانس روکے دروازے کی اوٹ میں کھڑا رہا۔ میرا شکار آخری سانسوں پر تھا۔ اس کا بدن ہولے ہولے لرز رہا تھا اور وہ کسی بھی لمحے زندگی کا ساتھ چھوڑ سکتا تھا لیکن وہ آہٹ؟

مجھے پورا یقین تھا کہ مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی تھی۔ اپنے شکار کے تڑپنے کی سرسراہٹوں میں وہ آواز میں نے واضح طور پر سنی تھی۔ میرے اور دم توڑنے والے کے علاوہ کوئی اور بھی اس چھت کے نیچے موجود تھا۔ لیکن وہ کون تھا؟

ایک ثانیے کے لیے میرا ذہن سلطان شاہ کی طرف مبذول ہوا لیکن اس کی فتے داری خاصی دشوار تھی۔ اسے نصیر خان کا تعاقب کرتے ہوئے اس کے گھر جانا تھا اور وہاں اس سے فہرست لینے کے بعد دوبارہ واپس آنا تھا۔ واپسی کے بعد اسے سنڈیکیٹ کے دفتر سے باہر رک کر میرا یا میرے اشارے کا انتظار کرنا تھا۔ اُسے طلب کرنے کے لیے مجھے اپنے ذاتی پستول سے فائر کرنا تھا اور وہ دھماکے کی آواز سنتے ہی میری مدد کے لیے دفتر میں داخل ہوجاتا۔

اوّل تو اس مختصر سی مدت میں سلطان شاہ کا واپس لوٹنا محال تھا۔ دوئم یہ کہ طے شدہ پروگرام کے مطابق میں نے اُسے مداخلت کا کوئی اشارہ نہیں دیا تھا۔ لہٰذا اس عمارت میں میرے اور مرنے والے کے علاوہ اگر کوئی تیسرا موجود تھا تو کم از کم وہ سلطان شاہ ہرگز نہیں تھا۔ ذہن میں یہ خیال واضح ہوتے ہی بے آواز پستول کے دستے پر میری گرفت مضبوط ہوگئی لیکن دفتر کی محدود فضا میں سناٹا ہی گونجتا رہا۔ نہ کوئی آواز تھی، نہ آہٹ۔ میرا شکار دم توڑ چکا تھا اور میرے کانوں میں بس اپنے ہی سانسوں کی بکھری بکھری بے ترتیب سی آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے بیگ احتیاط سے وہیں فرش پر رکھ دیا۔

مجھے انتظار کرتے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی لیکن ماحول کے تناؤ سے میرے اعصاب چٹخنے لگے۔ دل چاہا کہ ساری احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر پستول کی نال سیدھی کرکے باہر نکال جاؤں لیکن اسی لمحے ایک آواز پیدا ہوئی جیسے چلتے چلتے اچانک ہی کسی کے جوتے کا تلا پختہ فرش سے رگڑ کھا گیا ہو۔

میں دروازے کی اوٹ میں چوکنا ہوگیا۔ لحظہ بھر بعد ہی مجھے اپنے سانسوں پر قابو پانا پڑا کیونکہ کوئی کھلے ہوئے دروازے کے عین باہر موجود تھا۔ میں نے سر گھما کر اپنے دشمن کی بے جان لاش کا جائزہ لیا اور نو وارد کے اندر داخل ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ مرنے والے کی لاش ایسی جگہ پڑی ہوئی تھی کہ دروازہ کھلا ہونے کی صورت میں اُسے باہر سے بخوبی دیکھا جاسکتا تھا۔ وہ منہ کے بل غیر فطری انداز میں مڑا تڑا ہوا فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے زخم سے بہنے والا تازہ تازہ خون قالین کے خاصے بڑے حصے کو داغدار کرچکا تھا۔ ان علامتوں کو دیکھ کر دور ہی سے لگایا جاسکتا تھا کہ وہ زندگی سے اپنا ہر رشتہ منقطع کرچکا تھا۔

"اندر کون ہے؟" اچانک باہر کی راہداری سے ایک تحکمانہ آواز گونجی اور میں اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ آواز کی سمت سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ دروازے کے عین سامنے ہی موجود تھا۔

"تم جو کوئی بھی ہو، مجھے معلوم ہے کہ اندر ہی ہو... دونوں ہاتھ اٹھا کر باہر آجاؤ، ورنہ میں تمہیں باہر نکالنے کی ترکیبیں بھی جانتا ہوں۔ یہ نہ بھولو کہ ایک خون کرنے کے بعد تم مجھ سے کوئی رعایت حاصل نہ کرسکو گے۔" میرے جواب کا انتظار کرنے کے بعد اس نے دوبارہ تلخ اور غصیلے لہجے میں زبان کھولی لیکن میں اس بار بھی خاموش ہی رہا۔

صورتِ حال بہت نازک تھی۔ میں کمرے میں دروازے کی اوٹ میں مقید تھا اور وہ باہر اسلحہ بدست پوری طرح آزاد تھا۔ جنگی اصطلاح میں اُسے پیش قدمی کا فائدہ حاصل تھا۔ اگر اُسے ذرا بھی شبہ ہوجاتا کہ میں دروازے کی آڑ میں چھپا ہوا تھا تو وہ اس کھلے چوبی دروازے پر گولیاں برسا کر ان میں سے ایک آدھ میرے بدن میں بھی اُتار سکتا تھا۔

چند ثانیوں کے لیے فضا پر بوجھل سکوت چھا گیا۔ پھر وہ اچانک ہی کسی دیوانے کی طرح دوڑتا ہوا اندر گھستا چلا آیا۔ کمرے کے وسط میں پہنچ کر جب تک وہ پلٹتا، مجھے مہلت مل گئی اور میں نے اس کے پچھلے دھڑ میں بے آواز گولی اُتار دی۔ وہ بُری طرح غرّاتا ہوا مڑا اور فضا میں بیک وقت دو بے آواز فائروں کے کھٹاکے گونج اٹھے۔

میری گولی نے اس کے داہنے ہاتھ کو..... چاٹ لیا تھا اور اس کا فائر کافی بلندی پر دیوار میں لگا تھا۔ وہ زخمی ہونے سے پہلے ہی اپنے پستول کا ٹریگر دبا چکا تھا کیونکہ زخمی ہوتے ہی پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور میں نے جست لگا کر پوری قوت سے اس کے پیٹ میں لات رسید کردی۔ وہ بظاہر خاصا جسیم اور شہ زور نظر آرہا تھا لیکن پے در پے وار ہوتے ہی اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ اس نے وحشیانہ انداز میں میری ٹانگ سے لپٹ پڑنے کی کوشش کی اور شاید پنڈلی کو دانتوں سے اُدھیڑنا بھی چاہا لیکن اس کی ران پر آیا ہوا زخم میری مزاحمت کا بوجھ نہ سہار سکا اور وہ لڑکھڑا کر نیچے ڈھیر ہوگیا۔

میں نے بڑھ کر اس کا بے آواز ریوالور بھی اپنے

قبضے میں کر لیا۔
"کھڑے نہیں ہو سکتے تو شرافت سے نیچے بیٹھ جاؤ۔" میں نے اسے اٹھنے کی ناکام کوشش سے باز رکھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "یہ یاد رکھنا کہ حکم عدولی کی صورت میں سارا بدن زخموں سے داغدار کر کے سسکتا ہوا چھوڑ جاؤں گا اور اس دفتر میں لگنے والی آگ کے شعلے آہستہ آہستہ تمہارے وجود کو چاٹ جائیں گے۔"

اس کے نقطۂ نظر سے صورتِ حال بہت سنگین تھی۔ اُس کی آنکھوں میں نفرت اور حقارت کے بجائے خوف کی کیفیت نمودار ہوئی اور وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"کس کے لیے کام کرتے ہو؟" میں نے پستول کی نال کو جنبش دیتے ہوئے سرد اور سفاکانہ لہجے میں سوال کیا۔

"تت... تم کون ہو؟ اور یہاں کیا لینے آئے ہو؟" اُلٹا اُسی نے مجھ سے سوال کر ڈالا۔

"لینے نہیں موت کا پیغام دینے آیا تھا، عافیت چاہتے ہو تو سوال کرنے کے بجائے سیدھے سیدھے جواب دیتے چلے جاؤ...."

"تو تم مجھے زندہ چھوڑ دو گے؟" اس کے خوفزدہ لہجے میں اُمید کی کرن عود کر آئی۔

"پھر وہی سوال؟" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں بتائے دیتا ہوں کہ تمہاری زندگی کا انحصار صرف اور صرف تمہارے جوابات پر ہوگا۔ ہر جھوٹ کا انعام تمہارے بدن پر ایک زخم کی صورت میں ہوگا لہٰذا جس قدر بول سکتے ہو، بولتے جاؤ... کوشش کرو کہ مجھے کوئی سوال نہ کرنا پڑے۔"

"میں کسی کے لیے کام نہیں کرتا۔ بہادر نے تین سال سے مجھے ساڑھے تین ہزار تنخواہ پر رکھا ہوا تھا۔" اس نے لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرا کام بس اتنا تھا کہ سوا پانچ سے واپسی تک دور رہ کر اس کا انتظار کروں اور جب یہ فارغ ہونے کے بعد اپنی گاڑی میں جا بیٹھے تو میں آزاد ہو جاتا تھا... میرا کام بس اس کی حفاظت کرنا تھا تاکہ جب وہ دفتر میں گھسا ہوا ہو تو کوئی اور مداخلت نہ کر سکے... کسی برے وقت پر استعمال کرنے کے لیے بے آواز پستول بھی اسی نے دیا تھا لیکن تین برس میں آج پہلی بار اس کے استعمال کی نوبت آئی تھی۔"

"صرف آدھے پونے گھنٹے کے ساڑھے تین ہزار ملتے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"عام طور پر وہ جلد ہی فارغ ہو جاتا تھا، کبھی کبھار دیر بھی ہو جاتی تھی۔"

"وہ روزانہ یہاں آتا تھا؟"

"روزانہ!" اس نے جلدی سے سر ہلا کر کہا۔ "چھٹیوں والے دن ناغہ ہوتا تھا۔"

"اور یہاں آنے کا مقصد کیا ہوتا تھا؟"

"نہ اس نے کبھی بتایا، نہ میں نے جاننے کی کوشش کی... ہم جیسے لوگوں کو اچھی تنخواہ پر ایسی بڑھیا نوکری کہاں ملتی ہے جو میں زیادہ جاننے کی کوشش کرتا۔ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو تنخواہ مل جاتی تھی۔ ایک آدھ گھنٹے کی اس نوکری کو میں تو مقدر کا انعام ہی سمجھتا تھا۔ دوسرے دھندوں میں خطرات کے باوجود اتنی آمدنی نہیں ہوتی۔"

"کرتے کیا ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"کالا چھا پہلوان کے اڈے سے شہر میں ہیروئن سپلائی کرتا ہوں۔"

"بہادر سے کہاں ملاقات ہوئی تھی؟"

"ایک ہوٹل میں وہ خود ہی آ ٹکرایا تھا... پتا نہیں اُسے کس نے میرے بارے میں بتایا تھا؟"

"تم میرے پیچھے دفتر میں گھسے تھے؟"

"مجبوری تھی۔" اس نے بے بسی کے ساتھ کہا۔ "شاید وہ اسی دن کے لیے مجھے پال رہا تھا۔"

"نقب زنی بھی کر لیتے ہو؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے... چھوٹے موٹے تالے تو لائن کا ہر آدمی آسانی کے ساتھ کھول لیتا ہے... کیا تم اس دفتر میں کام کرتے ہو؟" اس نے چونک کر سوال کیا تھا۔ شاید وہ بھول گیا تھا کہ میں ذرا دیر پہلے دفتر کو نذرِ آتش کرنے کا ارادہ ظاہر کر چکا تھا۔

"ہوں!" میں نے غراتے ہوئے کہا۔ "یہ تین برس سے اس دفتر کے راز چرا رہا تھا اور تم اس کی مدد کر رہے تھے...؟"

"مم... میں نے اس کی کوئی مدد نہیں کی۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔ "میں نے تو آج پہلی بار اندر قدم رکھا ہے۔"

"اگر میں تمہیں زیر نہ کر لیتا تو تم ہرگز مجھے زندہ نہ چھوڑتے۔"

"میں تمہیں جان سے ہرگز نہ مارتا۔" اس نے بوکھلا کر جلدی سے اپنی صفائی پیش کی۔ "اگر دور سے مجھے اندازہ ہو جاتا کہ بہادر مر چکا ہے تو شاید دخل دیے بغیر خاموشی سے واپس لوٹ جاتا۔ میں سمجھا تھا کہ وہ صرف زخمی ہوا ہے اور بے ہوش ہے۔ نوکری کے علاوہ نہ مجھے اس سے کوئی ہمدردی تھی، نہ تم سے دشمنی ہے۔ جب وہی مر گیا تو پھر میرا کسی سے کیا واسطہ؟"

اس وقت میرے وجود میں رہ رہ کر غیظ و غضب اور انتقام کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ کراچی میں غزالہ کی گمشدگی کی خبر

سُننے کے بعد میرے ذہن پر ایک سیاہ چادر سی اگری تھی جو ہر احساس پر غالب آگئی تھی اور اس چادر پر بس ایک ہی نقش نمایاں تھا کہ میں ہر اس بے جان اور ذی روح شے کو فنا کردوں جس کا ملے۔ ٹویا اُس کے گرگوں سے کوئی تعلق ہو، کیونکہ میری دانست میں وہی لوگ عزالہ کے اغوا کے ذمے دار تھے، انہوں نے لاہور میں اپنی ناکامی کا بدلہ کراچی میں چکا دیا تھا۔

لیکن اس شدید ہیجانی کیفیت میں بھی میری عقل ماؤف نہیں ہوئی تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ نو وارد قیدی جو کچھ کہہ رہا تھا وہ سچ پر مبنی تھا۔ وہ حقیقی معنوں میں تنظیم کا باقاعدہ کارندہ نہیں تھا۔ بہادر نے اپنے مخصوص مقصد کے لیے اس کی خدمات حاصل کی تھیں لہٰذا وہ میرے دشمنوں کے زمرے میں نہیں آتا تھا۔

"اب میں اس دفتر کو آگ لگانے جا رہا..."

اس نے بوکھلا کر میری بات کاٹ دی اور گھگیائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میرا کیا ہوگا؟"

"اپنی حماقت سے زخمی نہ ہوئے ہوتے تو تمہیں بھی ساتھ ہی لے کر نکلتا۔ موجودہ حالت میں تمہارے لباس پر آئے ہوئے خون کے دھبے اشتہار بن جائیں گے۔ میرے نکلنے کے بعد تم بھی آسانی سے فرار ہوسکو گے۔"

"لل... لیکن تم آگ کیوں لگا رہے ہو... دفتر تو تمہارا اپنا ہے نا؟ تم یہیں کام کرتے ہو نا؟"

"احمق آدمی! میں اس دفتر کا مالک ہوں۔" میں نے دروازے کی اوٹ سے اپنا بیگ نکالتے ہوئے کہا۔ "بہادر کی لاش میرے لیے مصیبت بن گئی ہے۔ تفتیش کے لیے پولیس یہاں پہنچے گی اور پھر میرا سارا ریکارڈ ان کی دسترس میں ہوگا۔ میرے لیے یہ بھی ناممکن ہے کہ عملے کی مدد کے بغیر صبح ہونے سے پہلے سارا اہم ریکارڈ تلاش کر کے تلف کرسکوں۔ لہٰذا دفتر کو آگ لگانا پڑے گی تاکہ پولیس کو یہاں خاک کے سوا کچھ نہ مل سکے۔"

"لاش میں غائب کردوں گا۔" اس نے پیشکش کی۔ "اس کی گاڑی سامنے والی گلی میں موجود ہے۔ رات میں کسی بھی وقت لاش اس کار میں ڈال کر لے جاؤں گا۔"

"نہیں... زیادہ وفاداری دکھانے کی کوشش نہ کرو۔ قالین پر خون کے داغ ہیں۔ عملے کی زبان بند رکھنا ممکن نہیں ہے۔ اس واقعے کی بھنک بھی پولیس کو مل گئی تو لاش غائب ہونے کے باوجود جوابدہی مشکل ہو جائے گی۔"

وہ احمقانہ انداز میں سر ہلا کر رہ گیا جیسے اپنی کم عقلی کا اعتراف کر رہا ہو۔

پھر میں نے اس کی مدد سے پورے دفتر میں آتش گیر مادہ اس طرح پھیلانا شروع کردیا کہ ایک جگہ دیا سلائی دکھائی جائے تو آگ کے شعلے دفتر کے ہر گوشے کو اپنی لپیٹ میں لے لیں۔ اس کارروائی میں صرف داخلی دروازے کے قریب کا کچھ حصہ میں نے دانستہ محفوظ چھوڑا تھا تاکہ نو وارد میرے نکلنے کے بعد وہاں ٹھہر کر انتظار کرسکے، دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ میں دفتر سے باہر نکلوں تو باہر سے کسی کو شعلے نظر نہ آسکیں۔

اس کام سے فارغ ہو کر میں نکاسی کے راستے کے قریب آیا اور ایک دیا سلائی جلا کر آتش گیر سیّال میں بھیگے ہوئے فرش پر اچھال دی۔ ایک ہلکے سے دھماکے کے ساتھ شعلہ لپکا اور ہر سمت میں پھیلنے لگا۔ میں وقت ضائع کیے بغیر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

میرے کندھے سے لٹکا ہوا تھیلا وزن میں کافی ہلکا ہو چکا تھا لیکن اب بھی اس میں خطرناک آتش گیر بم موجود تھے اور میں انہیں جلد از جلد اِدھر اُدھر ٹھکانے پر استعمال کرنا چاہتا تھا۔

میں تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ سلطان شاہ راہگیروں کی بھیڑ میں سے نمودار ہو کر مجھ سے آملا۔ اسی لمحے مجھے اپنے عقب میں آگ آگ کا شور سنائی دیا اور فٹ پاتھ پر بڑھتا ہوا ہجوم یک بیک ٹھہر گیا۔ ہر شخص مڑ مڑ کر اسی طرف دیکھ رہا تھا جدھر سے آگ کا شور سنائی دے رہا تھا۔ جو زیادہ پرجوش تھے انھوں نے ہجوم میں راستہ بناتے ہوئے اسی طرف بڑھنا شروع کردیا۔ اس صورت حال میں اگر ہم لاتعلقانہ انداز میں پیش قدمی جاری رکھتے تو شاید لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے لہٰذا ہم دونوں بھی وہیں رک گئے۔

"کہاں آگ لگی ہے؟ ہمیں تو کہیں نظر نہیں آرہی۔" سلطان شاہ نے قریب کھڑے ہوئے آدمی سے کہا۔

"شاید ادھر کچھ ہوا ہے۔" اس نے ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے دفتر کی سمت میں اشارہ کرتے ہوئے کہا جہاں بڑھتی ہوئی بھیڑ کے باعث ٹریفک کی روانی میں خلل پڑنا شروع ہوگیا تھا۔

پھر فضا میں دھوئیں کے کثیف بادل بھی امڈنے لگے اور ہم دونوں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ اسی دوران ہجوم میں پھیلنے والی باتوں سے علم ہوا کہ ایک دفتر سے کوئی آدمی عجلت میں باہر نکلا تھا۔ اُسی لمحے کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ سے کچھ راہگیروں کی نگاہ اندر لپکتے ہوئے شعلوں پر پڑ گئی اور وہ شور مچاتے ہوئے اس شخص کی طرف لپکے لیکن وہ کسی چھلاوے کی طرح بھیڑ میں روپوش ہوگیا۔ قیاس آرائیاں کی جا رہی تھیں کہ وہ ہی دفتر میں آگ لگا کر بھاگا تھا۔

"یہ کس کا ذکر ہو رہا ہے، تمہیں سمجھے ہیں؟ بھیڑ بھاڑ سے نکلنے کے بعد سلطان شاہ نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"شاید تم دیر سے لوٹے تھے، اسی لیے لاعلم ہو۔ میں نکلا دیر سے؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "میں بمشکل دس منٹ

میں لوٹ آیا تھا۔ مجھے تمہاری فکر تھی لہٰذا گھر تک نصیر خان کا پیچھا
کرنے کے بجائے اُسے پارکنگ لاٹ میں اپنی کار کے قریب ہی جالیا
تھا اور وہیں سے فہرست لے کر لوٹ آیا۔"
"اور اسی مدت میں ایک سنگین خطرہ پیدا ہو کر ٹل گیا۔" میں نے
بشاش لہجے میں کہا۔ "دفتر میں آنے والا اکیلا نہیں ہوتا تھا، ایک آدمی
پوشیدہ رہ کر اس کی حفاظت کیا کرتا تھا... میں اس کے پیچھے اندر
گھسا اور اسے مار ڈالا، اسی لمحے دوسرا آدمی میرے پیچھے اندر آگھسا۔
تھا اسے ہی اچھے تھپے کر اسے بھی زیر کر لیا... وہ زخمی تھا، اس لیے
میں اُسے اندر چھوڑ کر نکلا تھا۔ وہ میرے بعد فرار ہوتے ہوئے دیکھ
لیا گیا ہوگا۔ شاید لوگ اُسی کو آتش زنی کا ذمے دار سمجھ رہے ہیں۔"
"تم نے اسے زندہ کیوں چھوڑ دیا؟"
"غیر متعلق آدمی تھا، تنظیم سے اُس کا کوئی واسطہ نہیں ہے
بلاوجہ اس کا خون بہانا میں نے پسند نہیں کیا۔ جب ایک مقصد سامنے
ہو تو اصول خود بخود متعین ہو جاتے ہیں۔"
"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن
میں دیکھ رہا ہوں کہ اس وقت تم اپنے آپے میں نہیں ہو... میں مانتا
ہوں کہ بھابی کی گمشدگی بہت تشویش ناک واقعہ ہے۔ لیکن اس کی
بازیابی کے لیے تمہاری سلامتی بہت اہم ہے... خود پر قابو پانے
کی کوشش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی الجھن مول لے بیٹھو۔"
"میں ٹھیک ہوں اور اب جلد از جلد کراچی پہنچنا چاہتا ہوں...
یہاں ٹھہر کر ہم انہیں غزالہ کے ساتھ زیادتیوں کا موقع فراہم کریں
گے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔
"چلو ابھی ایئرپورٹ چلتے ہیں۔" سلطان شاہ تو واپسی پر تُلا ہی
ہوا تھا۔ "جو بھی پہلی پرواز ملی، اسی سے کراچی روانہ ہو جائیں گے۔ اس
وقت وہاں تمہاری زیادہ ضرورت ہے۔"
"ابھی نہیں... جانے سے پہلے ایک کام اور کرنا ہے۔" میں نے
سرد اور خیال انگیز لہجے میں کہا۔
"پھر وہی ضد۔" وہ چڑ کر بولا۔ "اسی لیے میں کہہ رہا ہوں کہ تم
اپنے آپے میں نہیں ہو، محبت کی طرح انتقام کا جذبہ بھی انسان کو
اندھا کر دیتا ہے... لائیڈز کاٹیج ایک وسیع و عریض محل ہے،
وہاں کوئی اچھتی ہوئی کارروائی کر کے تم تنویر یا تصویر کا کچھ بھی نہ بگاڑ
سکو گے..."
"تصویر نے اپنی معصومیت اور لاعلمی ظاہر کر کے مجھے اپنے
جال میں پھانسنے کی کوشش کی ہے، واپسی سے پہلے میں اسے جتانا چاہتا
تھا کہ میں اُس کی نیت سے اچھی طرح واقف ہوں۔"
"پھر اب کدھر کا ارادہ ہے؟"
"بس ٹیکسی روکو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا اور وہ ایک گہرا
سانس لے کر رہ گیا۔
کچھ دور چلنے کے بعد ہم ایک ٹیکسی حاصل کرنے میں کامیاب
ہوگئے۔ سلطان شاہ نے ڈرائیور کے پہلو میں نشست سنبھال لی اور
میں عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ وہ جاڑوں کے دن تھے اور چھ بجے
ہی سے فضا میں گہرا دُھندلکا پھیل چلا تھا جو میری دانست میں کام
کرنے میں معاون ثابت ہو سکتا تھا۔
شہر کے ہنگاموں سے گزرنے کے بعد ٹیکسی ملتان روڈ کے
ویران علاقے میں پہنچی تو میں نے ڈرائیور سے کہا۔ "بس کچھ دور چل
کر تم ٹیکسی ہمارے حوالے کر کے چپ چاپ نیچے اتر جاؤ گے۔"
"دماغ خراب ہوا ہے تمہارا؟" ڈرائیور میری بات کاٹ کر
بُری طرح بھڑک اٹھا۔ اسی کے ساتھ اس نے بریک لگا کر ٹیکسی
روک دی۔ اس کے تیور خاصے جارحانہ نظر آرہے تھے۔
"چلتے رہو۔" میں نے پستول کی سرد آہنی نال اس کی گردن سے
لگاتے ہوئے کہا اور اس سنگین صورتِ حال کا احساس ہوتے ہی
اس کی آنکھیں فرطِ خوف سے پھیل گئیں۔ "شریفانہ گفتگو کا یہ مطلب
نہ لو کہ ہم طاقت کے زور پر تمہیں ٹیکسی سے محروم نہیں کر سکتے۔"
میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ پھر بائیں ہاتھ سے سو روپے
کے دو نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ "ہمیں صرف
آدھے گھنٹے کے لیے سواری کی ضرورت ہے اور یہ اس مختصر سی مدت
کا معاوضہ ہے کیونکہ ہمیں تم سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ آٹھ بجے
کے لگ بھگ تمہاری ٹیکسی شہر کے کسی مصروف علاقے میں چھوڑ
دی جائے گی۔ چابی اگنیشن کے پائدان کے نیچے ہوگی۔"
"مم... میں ٹیکسی نہیں چھوڑ سکتا۔" پستول کا لمس محسوس کر کے
اس کی آواز پر لکنت طاری ہوگئی۔ "جہاں چاہو، میں تمہارے
ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں، کوئی کرایہ بھی نہیں لوں گا۔"
"ہم چاہتے تو تمہیں ہوشیار کیے بغیر چلتی گاڑی میں بے بس
کر سکتے تھے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "پھر تمہیں بے ہوش کر کے
راستے میں کہیں بھی پھینک دیتے، لیکن ہم بلاوجہ کسی کو ایذا پہنچانے
کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی تمہاری ٹیکسی قتل یا ڈکیتی جیسی کسی سنگین
واردات میں ملوث ہوگی۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جو کہا جا رہا ہے اُس پر
عمل کرو۔"
اس نے بادلِ نخواستہ میرے ہاتھ سے دونوں سُرخ نوٹ لے
لیے۔ "لیکن لاہور کوئی چھوٹا شہر نہیں ہے بابو۔" اس نے احتجاج
آمیز لہجے میں کہا۔ "میں گاڑی کی تلاش میں کہاں کہاں دھکے کھاؤں گا؟
جب زبردستی پر اتر آئے ہو تو اتنی مہربانی اور کرو کہ میری ٹیکسی
پرانی انارکلی کے اڈے پر چھوڑ دینا، میں وہیں سے لے لوں گا۔"
"یہ مشکل ہے، اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ پرانی انارکلی

کے اڈے پر پولیس ہمارے استقبال کے لیے تیار نہ ہوگی۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ دس بجے تک تھانے میں رپورٹ نہیں کروں گا۔" اس نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے گاڑی تم اس سے پہلے ہی لوٹا دو گے۔"

"ٹھیک ہے... اب تم اتر دو۔" سلطان شاہ اچانک دخل دے بیٹھا۔

"یہاں! اس ویرانے میں!" وہ بوکھلا کر بولا۔ "یہاں تو شہر کے لیے کوئی سواری مشکل ہی سے ملے گی، مجھے شہر میں کہیں بھی اتار دینا۔"

میں سلطان شاہ کی دخل اندازی پر بیزار ہو کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تھا میرے کانوں میں قدرے توقف کے بعد اس کی آواز آئی۔ "اچھا تو واپس ہی چلو۔"

اور ٹیکسی واپس شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔

چار برجی سے گزرنے کے بعد ڈرائیور نے ایک نیم تاریک مقام پر ٹیکسی سڑک کے کنارے روک دی اور رمتاسفانہ انداز میں اپنی نشست سے نیچے اتر گیا۔ سلطان شاہ نے اس کی جگہ سنبھالی اور ٹیکسی برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھائے گیا۔

"بڑی اچھی اور بے ضرر ترکیب سوچی تم نے۔" سلطان شاہ نے کچھ دیر کے بعد کہا۔ "میں یہی سوچ رہا تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور کی موجودگی میں ہم اپنے منصوبے پر کیسے عمل کر سکیں گے۔"

"غنیمت ہے کہ میری ترکیب تمہیں پسند آگئی۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ میری دخل اندازی تمہیں ناگوار گزری ہے۔" اس نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد افسردہ لہجے میں کہا۔ "اس کے نزدیک ٹیکسی اس کی کل کائنات ہے، وہ بلاوجہ گفتگو کو طول دے رہا تھا۔ میں نے تو محض بات ختم کرنے کے لیے زبان کھولی تھی۔"

"زبان کھولنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں، میں تو خود ہمیشہ تمہاری حوصلہ افزائی کرتا ہوں... بات صرف اتنی تھی کہ وہ ایک سادہ دل مزدور تھا اور میں اُسے دھوکا نہیں دینا چاہتا تھا۔"

"تو میں نے کب اُسے دھوکا دیا؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"دھوکا اور جھوٹ، دونوں ایک ہی زمرے میں آتے ہیں۔"

"لیکن میں نے کون سا جھوٹ بولا اس سے!"

"ہم اُسے مقررہ مقام پر ٹیکسی نہیں لوٹائیں گے، میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ وہاں ہمارے لیے پھندا تیار ہوگا۔"

"اس وقت تم بہت حساس ہو رہے ہو۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "میں کہہ رہا ہوں کہ تم خود پر قابو پانے کی کوشش کرو۔ جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ آج تم مجھے دھوکا دہی پر ملامت کر رہے ہو لیکن ٹھنڈے دل سے غور کرو تو اس سے پہلے ہم نجانے کیسے کیسے جھوٹ اور سچ بولتے رہے ہیں۔"

وہ واقعی صحیح الاصل پٹھان تھا، جو دل میں آتا تھا بے دھڑک کہہ ڈالتا تھا اور اس وقت بھی اس نے مجھے لاجواب کر دیا تھا۔ میں اُس کی بات کا جواب تو نہ دے سکا لیکن دل ہی دل میں یہ سوچنے پر ضرور مجبور ہو گیا کہ غزالہ کی گمشدگی کی خبر نے میرے اعصاب کو اس حد تک کیوں متاثر کیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بڑی نظر آنے لگی ہیں۔

"یوں چپ نہ رہو۔" سلطان شاہ نے طویل ہوتے ہوئے سکوت کو توڑتے ہوئے خوش دلانہ لہجے میں کہا۔ "کچھ نہ کچھ بولتے رہو... خاموش رہو گے تو سوچو گے اور جتنا سوچو گے اسی قدر اداسی بڑھتی جائے گی۔"

"اس وقت تم نے کرنل کی یاد تازہ کر دی۔" میں نے اپنے لب و لہجے میں شگفتگی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ایسا ناصحانہ رویّہ اسی کو زیب دیتا ہے۔"

"اس سے کیا بات ہوئی تھی تمہاری؟" اس نے چونک کر سوال کیا، جیسے اس موضوع کو اب تک بھولا رہا ہو۔ اس بارے میں سلطان شاہ سے میری سرسری سی گفتگو ہی ہو سکی تھی کیوں کہ جذباتی اُبال نے میرے ذہن کو ناکارہ کیا ہوا تھا۔

"غزالہ کی گمشدگی کی خبر سُنا کر بلک کر رو پڑا تھا اور میں نے فون بند کر دیا تھا۔" میں نے وہ جواب دیتے ہوئے اپنے وجود میں ایک بار پھر تلاطم سا ابھرتا محسوس کیا۔

"اور تم نے دوبارہ رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی؟" اس نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"بے سود ہوتا... بات صرف اسی قدر ہے کہ وہ غائب ہو گئی۔ اس سے آگے کرنل بیچارے کو کچھ بھی معلوم نہ ہوگا۔"

"کم از کم اس کے دل کا غبار ہی ہلکا ہو جاتا تم سے بات کر کے... گھر میں تو وہ بیوی سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہر وقت خیال رکھتا ہے کہ کسی بات سے اس کی بیوی کے ذہن پر زیادہ زور نہ پڑے۔"

"قاسم مارا جا چکا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ غزالہ کے اغوا میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟" میں نے اُلجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"قاسم مر گیا لیکن اس کی جگہ رخشی نے سنبھال لی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ غزالہ کی تصاویر جہانگیر کو بھی فراہم کر دی گئی ہوں اور وہ بھی تلاش کی مہم میں شامل ہو گیا ہو۔"

"جہانگیر یہ جرأت نہیں کرسکتا۔" میں نے بے ساختہ کہا۔
"کیوں نہیں کرسکتا؟ اسے کیا معلوم کہ تصویر والی لڑکی کون ہے اور اس سے تمہارا کیا رشتہ ہے۔ یہ نہ بھولو کہ دل میں نفرت رکھنے کے باوجود وہ فی الحال اسے۔ ٹو کے احکام کی تعمیل پر مجبور ہے۔"
"غزالہ سے واقفیت کی بات دوسری ہے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ کسی لڑکی کو اغوا کرانا جہانگیر کے لیے قتل سے زیادہ دشوار کام ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی معلومات دخشی یا کسی اور تک پہنچا دے۔"
"ہوسکتا ہے کہ اس مشن پر لاہور ہی سے خاص آدمی بھیجے گئے ہوں۔"
"کوئی اور بات کرو سلطان شاہ۔" میں نے کرب آلود اضطراری لہجے میں کہا۔ "بعض حقائق ایسے اذیت ناک ہوتے ہیں کہ انھیں جانتے بوجھتے ہوئے بھی ہم ان کے تذکرے سے فرار چاہتے ہیں جب تک میں اسے بازیاب نہ کرالوں، میں اس کی گمشدگی کی جزئیات پر غور نہیں کرنا چاہتا۔"
سلطان شاہ خاموش ہوگیا اور میں اپنے خیالات کا دھارا غزالہ کے بجائے لائیڈز کالج کی طرف مرکوز کرنے کی کوشش کرنے لگا جہاں مجھے ایک فوری مہم درپیش تھی۔
ٹیکسی لائیڈز کالج کے نواح میں داخل ہوئی تو لمحہ بھر کے لیے میں نے سوچا کہ ٹیکسی رکوا کر اگلی نشست پر منتقل ہو جاؤں لیکن فوراً ہی یہ ارادہ ترک کر دیا کیونکہ پچھلی نشست پر مجھے کارروائی کے لیے زیادہ رُخ میسر تھے جبکہ اگلی نشست پر جانے کے بعد لے دے کر ایک ہی کھڑکی میرے تصرف میں آسکتی تھی۔
میں نے دستی بموں کا تھیلا کھول کر اپنے قریب سیٹ پر رکھ لیا اور تین اقسام کے بموں کو الگ کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اسی لمحے مجھے نووارد سے چھینے ہوئے دوسرے بے آواز پستول کا خیال آیا اور میں نے فوراً ہی وہ سلطان شاہ کے حوالے کر دیا۔
"شاید اس میں پانچ گولیاں ہوں گی، دو میرے مقابلے میں چلائی گئی تھیں۔"
پستول دیکھتے ہی اس کی باچھیں کھل گئیں۔ "یہ کہاں سے ہاتھ آگیا۔ اس کا تو بڑا ارمان تھا مجھے۔"
"بہادر نے اپنے محافظ کو دیا ہوا تھا۔ بہادر کی تلاشی کا خیال آجاتا تو شاید تیسرا پستول بھی ہاتھ آجاتا۔" میں نے کہا۔
"بس یہی فرق ہے ہم میں اور تم میں۔" اس کے لہجے میں جنگجویانہ غرور عود کر آیا۔ "ہم قبائلی لوگ دشمن کو زیر کرنے کے بعد سب سے پہلے اس کے ہتھیاروں پر ہاتھ ڈالتے ہیں۔ دشمن کو نہتا کرنا ہی ہماری برتری اور حمیت کی پہلی علامت ہوتی ہے کیونکہ ہتھیار سے محروم ہونا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔"
"ہم لائیڈز کالج کے بہت قریب آگئے ہیں۔" میں نے اُسے یاد دلایا۔ "یہ خیال رکھنا کہ ہم سامنے کے رُخ پر پھاٹک کے آگے سے گزرنے کے بعد عمارت کے عقب میں جائیں گے۔"
"پھر تو ہم آگے نکل آئے ہیں۔" اس نے ٹیکسی کی رفتار کم کرتے ہوئے اُسے واپس گھما لیا۔
دوسرا موڑ گھومنے کے بعد ہی کچھ دور بائیں طرف لائیڈز کالج کے احاطے کی پُرشکوہ دیواریں نظر آنے لگیں۔ اور وہیں ایک جگہ کسی جیپ کا دھندلا دھندلا ہیولا بھی نظر آیا۔ سلطان شاہ نے میرے اشارے پر ایکسلریٹر پر پاؤں کا دباؤ کم کر کے کار کی رفتار کم کی اور میں نے بیگ سے ایک طاقتور گرینیڈ نکال لیا۔
"جیپ لائیڈز کالج کے پھاٹک پر ہی کھڑی ہے۔" سلطان شاہ نے ہیجان آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو اس میں دو آدمی بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔"
"اسی رفتار سے بڑھتے رہو، میں جیپ پر گرینیڈ ماروں گا دھماکا ہوتے ہی رفتار تیز کر دینا۔"
"بے چاروں کے چیتھڑے بھی نہ مل سکیں گے۔"
"خون ریزی ہمارے پروگرام میں شامل نہیں تھی، اب یہ خود ہی جانیں ہتھیلیوں پر لیے سامنے موجود ہیں تو انھیں معاف نہیں کیا جاسکتا . . . میری نگاہ میں اسے۔ ٹو کا ہر ساتھی بدترین سزا کا مستحق ہے۔"
پھر ہم دونوں ہی خاموش ہوگئے۔ اسی سنسنی کے عالم میں کار لائیڈز کالج کے دیوہیکل آہنی پھاٹک کے سامنے پہنچی جو حسبِ سابق اس وقت بھی بند تھا اور اس کے سامنے کھڑی ہوئی جیپ میں دو آدمی بیٹھے ہوئے نظر آرہے تھے۔ میں نے دانت سے گرینیڈ کی پن کھینچی اور کھڑکی سے وہ بم جیپ پر اُچھال دیا۔
زمین لرز اٹھی، نگاہیں خیرہ ہوگئیں اور سلطان شاہ نے یک بیک ٹیکسی کی رفتار بڑھا دی۔
"روشنیاں گُل کر دو۔" میں نے اُسے ہدایت کی اور سامنے سڑک پر پھیلی ہوئی روشنی کی چادر معدوم ہوگئی۔
لائیڈز کالج کے کونے پر ایک کھمبے سے یرقان زدہ روشنی والا بلب جھول رہا تھا۔ سلطان شاہ نے ادھر ہی ٹیکسی گھمائی اور چند ہی منٹ بعد ہم اس عمارت کی عقبی سڑک پر پہنچ چکے تھے۔ کچھ دور آگے بڑھنے کے بعد سلطان شاہ نے ٹیکسی روک دی اور میں نے نیچے اتر کر ایک آتش گیر بم پوری قوت سے عمارت کے احاطے میں اچھال دیا۔ ایک دھماکے کے

ساتھ فضا میں شعلوں کا انعکاس چمکنے لگا۔ اسی اثنا میں میں نے پنیں نکال کر یکے بعد دیگرے باقی ماندہ چار دستی بم احاطے میں مختلف سمتوں میں پھینک دیے اور اندر ایک کہرام سا سنائی دینے لگا لیکن میرے لیے وہاں رک کر اس صورت حال کا جائزہ لینے کا موقع نہیں تھا۔ میں پھرتی سے ٹیکسی میں بیٹھا اور ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔

سلطان شاہ شاید عقب نما آئینے میں تعاقب کے امکانی خطرے کا جائزہ لے رہا تھا اور میں گردن گھما کر بار بار پیچھے دیکھ رہا تھا۔ جب ہم خاصی دور نکل آئے اور پیچھے کوئی نمودار نہ ہوا تو سلطان شاہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "مجھے امید نہیں تھی کہ ہم اتنی آسانی کے ساتھ ان کے چنگل سے بچ نکلیں گے۔"

"دیکھا جائے تو ہمارا کام انھوں نے خود ہی آسان کیا ہے۔"

"وہ کیسے؟" اس نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"شاید میری دھمکی کے پیش نظر سیکیورٹی آفیسر نے پھاٹک کے باہر اپنے دو آدمی جیپ سمیت تیار رکھے تھے تاکہ وہ کسی بھی مشتبہ گاڑی کو روک سکیں لیکن ان کی بدنصیبی کہ وہ حرکت میں آنے سے پہلے ہی مارے گئے۔ دھماکے کے ساتھ ہی جیپ نے آگ پکڑ لی تھی۔ اس پر قابو پائے بغیر اندر سے باہر نکلنے کا راستہ ملنا محال ہے کیونکہ وہ عین پھاٹک کے آگے کھڑی تھی۔"

"تمھارا اندازہ درست ہے۔" وہ بولا۔ "ورنہ اتنی دیر میں وہ تمام ملحقہ گلیوں اور سڑکوں کو گھیر چکے ہوتے۔"

"اور اب سیکیورٹی آفیسر کے ساتھ ہی تصویر بھی اپنے زخم چاٹ رہا ہوگا۔"

"کاش اس وقت ٹرانسمیٹر ہمارے پاس ہوتا تو ان کی مزاج پرسی میں مزہ آجاتا۔" اس نے حسرت آمیز لہجے میں کہا۔

"خوب یاد دلایا، وہ تو میرے ساتھ ہی ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے آپریٹس نکال کر تھیلا خالی کر دیا۔

سوئچ آن کیا تو فوری طور پر سناٹا ہی رہا لیکن چند ثانیوں بعد "کا کا کالنگ.... یہاں بہت تیزی سے دھواں بھر رہا ہے.... کچھ سجھائی نہیں دے رہا، کوئی میری آواز سن رہا ہے تو میری مدد کرے ورنہ میں آگ میں زندہ جل جاؤں گا.... اوور!" اس کی آواز پر خوف اور ہراس کا غلبہ تھا، پس منظر میں کچھ شور بھی گونج رہا تھا۔ شاید وہ عمارت کے کسی حصے میں آگ میں گھرا ہوا تھا اور باہر لوگ آگ پر قابو پانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

"تم ولد الحرام!" کا کا کے خاموش ہوتے ہی آپریٹر کے ریسیور پر دوسری بپھری ہوئی آواز ابھری اور میں نے پہچان لیا کہ اس بار بولنے والا سیکیورٹی آفیسر یا ایس او تھا۔ "توڑ دو اس آپریٹس کو.... منع کیا ہوا ہے کہ اگلی ہدایات تک کسی بھی قیمت پر اس فریکوئنسی کو استعمال نہ کرنا.... اوور اینڈ آل!"

"سوری ایس او۔" دوسری طرف سے جھٹکا سا کے ساتھ سلسلہ ختم کیے جانے کے اشارے کے باوجود کا کا کی نقاہت زدہ آواز ابھری۔ "اس وقت میرے پاس رابطے کے لیے اس آپریٹس کے سوا کچھ نہیں ہے.... دھواں.... کثیف دھواں بھر رہا ہے.... مجھے کچھ نظر نہیں آرہا.... تمھارا آپریٹس آن ہے تو خدا کے لیے تم ہی کچھ کرو، اوور!" اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ زہریلے دھوئیں کے اثرات سے اس کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔

"اب بکواس کی تو دھوئیں سے بچانے کے بعد تمھیں اپنے ہاتھ سے گولی مار دوں گا۔" ایس او آپے سے باہر ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ "دو آدمی اندر گھس چکے ہیں، ان کا انتظار کرو.... اور بس۔"

"فریکوئنسی کا استعمال ممنوع ہے تو ایس او اپنا آپریٹس کیوں آن کیے بیٹھا ہے؟" سلطان شاہ نے مجھ سے سوال کیا۔

"سامنے کی بات ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اسے معلوم ہے کہ ایک آپریٹس ہمارے پاس بھی ہے۔ ہم نے اسے چیلنج کر کے لائیڈز کالج پر شب خون مارا ہے لہٰذا اسے انتظار ہوگا کہ ہم ٹرانسمیٹر پر کب اس سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔"

"کا کا پر اسے غصہ آنے کی وجہ بھی یہی تھی۔" سلطان شاہ تفہیمی لہجے میں بولا۔ "وہ نہیں چاہتا کہ اپنی کامیاب کارروائی کے نتائج سے ہم واقف ہو سکیں اور کا کا ساری پول کھولے دے رہا تھا۔"

"میرا تو اندازہ تھا کہ احاطے کی دیوار کے قریب کوئی بھی عمارت نہ ہوگی، کچھ جھاڑیاں وغیرہ جلیں گی، دھماکے ہوں گے، دھواں پھیلے گا اور ان کی برتری کا زعم خاک میں مل جائے گا۔"

"ہاتھی درندوں سے لڑتا ہے اور انھیں تہس نہس کر دیتا ہے لیکن پاؤں کی چیونٹی اسے نظر نہیں آتی جب کہ ہاتھی

کے لیے صحیح معنوں میں جان لیوا ہی ہوتی ہے۔ بات کیوں نہیں کرتے اس سے؟"

"تھوڑی دیر بعد بات کروں گا... اسے جتانا نہیں چاہتا کہ میں کاکا کی زبانی بربادی کی کہانی سن چکا ہوں۔ یہ لوگ بھیڑیے ہیں، کچھ عجب نہیں کہ وہ اسی جرم کی پاداش میں کاکا کو گولی مار دے... پھر یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ میرے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے حملے کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔"

وہ خاموش ہو گیا لیکن اسٹریٹ لیمپس کے گھٹتے بڑھتے انعکاس میں مجھے اس کے چہرے پر تردد کے آثار نظر آ رہے تھے۔

ایئر پیس آن رہا لیکن اس پر سکوت طاری تھا۔

تقریباً دس منٹ تک ٹیکسی شہر کی ویران سڑکوں پر بے مقصد چکراتی رہی۔ آخر کار میں نے ان لوگوں کو چھیڑنے کا فیصلہ کر لیا اور ٹرانسمیٹنگ بٹن دبا کر پیغام نشر کرنے لگا۔

"ڈولی ٹو کالنگ ایس او... اوور!"

چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے پیغام دوبارہ نشر کیا اور جواب میں ایس او کی کسلمندانہ آواز سن کر حیران رہ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میری کال سے اس کے آرام میں خلل پڑا ہو۔ اس کی آواز میں پریشانی یا اس اعصابی دباؤ کا شائبہ تک نہ تھا جس کا اظہار اس نے کاکا سے بات کرتے ہوئے کیا تھا۔

"مجھے امید تھی کہ تم کال کرو گے۔" وہ بول رہا تھا۔ "شاید تم اپنی چھچھوری حرکت کے ردِ عمل کا جائزہ لینا چاہتے ہو تو سنو کہ جیپ ضرور تباہ ہو گئی ہے لیکن آدمی صاف بچ گئے، غلطی میری تھی کہ تمھیں سُورما سمجھ بیٹھا تھا، میرا خیال تھا کہ تم سامنے سے للکارتے ہوئے آؤ گے لیکن تم تو بڑے بزدل ثابت ہوئے... پچھلی سمت سے پٹاخے تو بچے بھی اندر پھینک سکتے ہیں... اوور!"

"وہ تعارفی پٹاخے تھے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "چاہو تو سورج طلوع ہونے سے پہلے فرمائشی بم بھی پھینکے جا سکتے ہیں۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ تمھارے آدمی بچ گئے۔ اب میں علاقے کے ایک مکین کی حیثیت سے پولیس کو لائیڈز کاٹیج میں رونما ہونے والے پے در پے دھماکوں کی طرف متوجہ کرنے جا رہا ہوں۔ صبح کے اخبارات میں ان کی تفتیش کے نتائج ہی سے اندازہ ہو سکے گا کہ ہمارے ساتھ کہاں دھوکا دہی ہوئی؟ بموں کی قیمت لے کر ہمیں پٹاخے کیوں دیے گئے... اوور!"

"پولیس اندر قدم بھی نہ رکھ سکے گی جمی لائیڈز خود یہاں نہیں رہتا لیکن اس کی ساکھ زبردست ہے۔ پولیس کی پشت پناہی سے تم کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکو گے..... ویسے بھی آپس کے معاملات میں پولیس کو ملوث کرنا بدترین اصول شکنی ہے۔ اوور!"

میں نے محسوس کیا کہ پولیس کے حوالے پر وہ بوکھلا گیا تھا۔ میں نے فوری طور پر وہی رگ دبانے کا فیصلہ کر لیا۔

"آپس کے معاملات؟ کہاں کا تعلق اور کیسے معاملات؟ تم تو بلاوجہ ہی پانچویں سوار بن رہے ہو... ہمارا معاملہ تمھارے اسٹیٹ منیجر سے تھا لیکن تم بلاوجہ اپنی ٹانگ اڑا بیٹھے اور اس قدر ڈھیٹ ہڈی کے بنے ہوئے ہو کہ پے در پے ٹھوکریں کھانے کے باوجود سُرخروئی کے دعوے دار بنے ہوئے ہو... جب تک میں تمھارے اسٹیٹ منیجر سے اپنی ایک ایک پائی وصول نہیں کر لیتا، تمھیں معاف نہیں کروں گا۔ اگر وہ عورتوں کی طرح محافظوں کی بھیڑ میں اندر جا چھپا ہے تو میں پولیس کے ہاتھوں ہانک کر اسے باہر لے آؤں گا اور اس کی کھوپڑی پر اتنے جوتے ماروں گا کہ آئندہ کبھی اُدھار میں جوا کھیلنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے گا... اوور!"

"تم بلاوجہ بات بڑھا رہے ہو۔" اس کا لہجہ مصالحانہ ہو گیا۔ "کسی نے ہمارے اسٹیٹ منیجر کے نام سے تمھیں دھوکا دیا ہے۔ لائیڈز کاٹیج کے ملازمین سخت ضابطوں کے پابند ہیں اور پھر اسٹیٹ منیجر کے رُتبے کا آدمی ایسے چکر میں ملوث ہی نہیں ہو سکتا ورنہ اس کی شاہانہ نوکری جاتی رہے گی۔ یہاں وہ لاکھوں کے معاملات چٹکیوں میں طے کرتا ہے... اوور!"

"تمھاری یہ تمام لاف و گزاف بے سود ہے، میرا تجربہ تو یہ بتاتا ہے کہ لائیڈز کاٹیج جھوٹوں اور چوروں کا مسکن بنا ہوا ہے، جمی لائیڈز کے نام کی آڑ میں تم سب اپنا حلوا مانڈا سیدھا کر رہے ہو... اوور!"

اس بار ایس او کو طرارہ آ گیا۔ "تمھاری اس بات کا جواب یہ ہے کہ جھوٹ ہو یا سچ، میں تمھیں اسی وقت پندرہ ہزار دینے کو تیار ہوں، جہاں چاہو ادائیگی کر دی جائے گی!"

"وہ بات پرانی ہو گئی۔ پندرہ ہزار کی واپسی کے لیے کل رات دس بجے تک کا وقت دیا گیا تھا جو گزر گیا۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "شاید تمھیں یاد نہیں، میں نے کہا تھا کہ مہلت گزرنے کے بعد پندرہ لاکھ بھی میرے پندرہ ہزار کا ازالہ نہ کر سکیں گے۔ اب تو سودا ہی کچھ اور ہو گا۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟" شاید وہ زچ ہو کر بولا تھا۔

"تیس لاکھ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے پُرسکون لہجے میں سوال کیا۔
"تیس لاکھ؟" وہ حیرت سے چیخ پڑا تھا۔ "پندرہ ہزار کے تیس لاکھ چاہئیں تم کو؟"
"پندرہ ہزار کو تو بھول ہی جاؤ، وہ میں نے تمہارے اسسٹنٹ منیجر کو انعام میں معاف کر دیے کیونکہ اسی کی وعدہ خلافی نے مجھے تم لوگوں سے روشناس کرایا ہے اور میرا خیال ہے کہ لائیڈز کاٹیج کی نیک نامی برقرار رکھنے کے لیے تیس لاکھ کی رقم زیادہ نہیں ہے۔"
"لائیڈز کاٹیج کی نیک نامی کو تمہاری کسی تصدیق کی ضرورت نہیں ہے۔" ترش لہجے میں کہا گیا۔
"تمہاری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں جو ایسی بات کہہ رہے ہو۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "پولیس اور سینٹرل انٹیلی جنس کے علاوہ انٹر سروسز سیکرٹ سروس والے بھی اس آپریشن میں گہری دلچسپی لیں گے جو میرے پاس موجود ہے۔ اب تک تم سے جو گفتگو ہوتی رہی ہے، میں اسے ریکارڈ کرتا رہا ہوں۔ ان کے لیے یہ مواد بھی خاصا اہم ہوگا۔ اس میں یہ نکتہ بھی ہے کہ لائیڈز کاٹیج میں ایک باقاعدہ نجی فوج پل رہی ہے ایسے کتے موجود ہیں جو انسانی بُو پر جھپٹتے ہیں پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ تمہارے آپریٹس کا دائرہ کار پندرہ میل طویل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم لاہور کے مضافات میں کار ڈرائیو کرتے ہوئے سرحد پار کیے بغیر اپنے غیر ملکی آقاؤں سے پیغام رسانی کر سکتے ہو۔ جنگل سے ان گولیوں کے خول ملیں گے جو تمہارے آدمیوں نے اندھا دھند ہم پر برسائی تھیں پھر تم کم از کم دو لاشوں کو چھپانے کے مجرم بھی ہو۔ جنگل میں میرے ہاتھوں تمہارے دو جاں نثار مارے گئے تھے تم نے پولیس یا کسی اور ایجنسی کو اس کی اطلاع دیے بغیر خاموشی سے لاشیں غائب کر دیں۔ یہ سب باتیں نشاندہی کر رہی ہیں کہ لائیڈز کاٹیج میں کوئی غیر قانونی کام ہو رہا ہے اور ان معلومات کے حصول کے بعد اب میں اپنے حصے کا طلب گار ہوں.... اوور!"
"تمہاری کہانی واقعی بہت دلچسپ ہے۔ تم نے واقعات کو یکجا کر کے بعض ایسے نتائج اخذ کیے ہیں جن پر ہماری توجہ نہیں تھی لیکن مجھے افسوس ہے کہ تم اپنی اس ذہنی مشقت کی کوئی قیمت وصول نہ کر سکو گے۔"
"مفت میں ایک معقول رقم ہاتھ آتی کسی کو بری نہیں لگتی ورنہ میں بھی لمبا کھیل کھیلنے کا عادی ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں رقم پر اُدھار کھائے بیٹھا ہوں.... راضی نہ ہوئے تو پھر قانون کا شکنجہ تمہاری ننھی سی دنیا کا سکون غارت کر دے گا۔ اوور!"
چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھا گیا پھر اس کی آواز اُبھری: "تم نے بے سوچے سمجھے منہ کھولا ہے۔ رقم دی جا سکتی ہے مگر اتنی نہیں۔ ہمیں قانون کا کوئی خوف نہیں کیونکہ ہم کوئی غیر قانونی کام نہیں کرتے بس یہ اپنے آدمیوں کی حماقتوں کی قیمت ہوگی کیونکہ ہم ان واقعات کو بھی لائیڈز کے علم میں لانا پسند نہیں کریں گے سوہ بہت سنکی آدمی ہے بھڑک گیا تو سارے عملے کی چھٹی کر کے لائیڈز کاٹیج کو مویشی خانہ بنا ڈالے گا۔"
"میں ضرورت مند نہیں ہوں جو مول تول کروں..... مجھے صرف ہاں یا نا میں جواب چاہیے!"
"پھر تمھیں وقت دینا ہوگا، میں مشورے کے بعد ہی کوئی جواب دے سکوں گا۔ اوور!" اس بار اس کا لہجہ تفکر آمیز تھا۔
"کتنی مہلت چاہیے؟"
"کم از کم چار دن۔"
"میں دو دن سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "اور یہ بھی بتا دوں کہ میرے ساتھ کوئی چال چلنے کی کوشش کی گئی تو انجام تباہی کے سوا کچھ نہ ہوگا، نہ ہی میں تمھیں شہادتیں مٹانے کی اجازت دوں گا۔ ان دو دنوں میں میرے مسلح آدمی لائیڈز کاٹیج کے مقابل والے جنگل میں ماہر رہیں گے اگر تمہارے آدمیوں نے وہاں گھس کر گولیوں کے خالی خول سمیٹنے کی کوشش کی تو بے دریغ مار دیے جائیں گے۔ اوور!"
"کیا تم اب بھی اپنی پرانی کہانی پر مُصر ہو؟"
"کون سی پرانی کہانی؟" میں نے انجان بن کر سوال کیا۔
"ہمارے اسسٹنٹ منیجر کے پندرہ ہزار ہارنے والا قصہ!" اس نے یاد دلایا۔
"وہی تو بنیاد ہے سارے قضیے کی۔" میں نے پُرزور لہجے میں کہا۔ "ورنہ مجھے پاگل کتے نے تو نہیں کاٹا تھا کہ میں لائیڈز کاٹیج کے کاوے کاٹنے شروع کر دیتا... اصل میں مجھے اسی کی تلاش تھی لیکن اب وہ پس منظر میں چلا گیا ہے... اوور!"
"تو یہ بات طے ہے کہ اس دو دن کے عرصے میں تم کوئی کارروائی کرو گے نہ پولیس سے رجوع کرو گے؟" اس نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔
"اس کا انحصار میری شرائط کی پابندی پر ہے۔" میں نے اس کی کمزوری بھانپتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "تمہارے آدمی جنگل میں گھسے تو معاملہ دوبارہ کھل جائے گا۔"
"تم بچوں جیسی بات کر رہے ہو... خول سمیٹنے سے زیادہ

آسان یہ ہوگا کہ میں وہ تمام اسلحہ یہاں سے ہٹوا دوں جو اس
بات استعمال کیا گیا تھا... اب تم سے دو دن بعد بات ہوگی...
اوور اینڈ آل!"

میں نے [illegible] کا بٹن آف کر دیا۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا" سلطان شاہ نے مایوسانہ لہجے
میں کہا۔

"ہم ان پر دباؤ ڈالنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتے ہیں؟"
میں نے سوال کیا۔ "ہم جو کچھ کر گزرے ہیں اس سے زیادہ ہمارے
بس سے باہر ہے۔ اب وہ ہوشیار بھی ہو گئے ہیں۔ ہم نے
دوبارہ اس عمارت کا رُخ کیا تو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا
پڑے گا۔ پھر پولیس کو درمیان میں لانا بھی بے سود ہوگا۔ وہ
لوگ بارسوخ اور وسائل کے مالک ہیں۔ بآسانی اس معاملے
کو دبا دیں گے۔ بہتر یہی ہوگا کہ ہم اپنی دھمکی کا بھرم برقرار رکھیں۔"

"پھر اب کدھر کا ارادہ ہے؟"

"ہوٹل سے فارغ ہو کر سیدھے ایئرپورٹ چلیں گے،
ٹیکسی وہیں کسی پارکنگ لاٹ میں چھوڑ دیں گے۔"

"اور وہ پرانی انارکلی کے اڈے پر انتظار میں سوکھتا
رہے گا!"

"اس وقت ہماری سلامتی ہر معاملے سے زیادہ اہم ہے۔
وقت ہوا تو اس کا بھی کوئی حل نکال لیں گے۔ میری چھٹی حس کہہ
رہی ہے کہ وہاں ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

پرواز کی روانگی میں دو گھنٹے باقی تھے، ہمیں نشستیں
بآسانی مل گئی تھیں میں نے اندر لاؤنج میں جانے کے بجائے
باہر وقت گزاری کو بہتر سمجھا اور ایک گوشے میں جا بیٹھا۔

میرا ذہن [illegible] غزالہ کی روپوشی میں الجھا ہوا تھا۔ میں
نے اس بارے میں سلطان شاہ سے زیادہ کھل کر بات نہیں
کی تھی لیکن لائیڈز کاٹیج والوں سے چھیڑ چھاڑ کا مقصد یہ بھی
تھا کہ انھیں زک پہنچا کر ان کی اناپر تازیانے لگائے جائیں۔
اگر غزالہ ان کے قابو میں ہوتی تو میری ہرزہ سرائی کے جواب
میں وہ ضرور اس کا حوالہ دیتے۔

وہاں میرے دو حریف تھے ایک تصویر اور دوسرا ایس او۔
ایس او سے شروع ہی سے میں نے مختلف حیثیت سے بات
کی تھی اور اس نے کسی بھی مرحلے پر ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا
تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ میری اصلیت سے واقف
ہو چکا تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ لائیڈز کاٹیج میں رہنے
والا ہر شخص تصویر کو جواب دہ تھا اور اپنی کارکردگی کے
لیے اسی سے ہدایات حاصل کرتا تھا اور اسے پوری طرح علم
تھا کہ میں اس عمارت میں دلچسپی لے رہا تھا لیکن مجھے گھیرنے
کے لیے تصویر نے مجھ سے اپنی اصل حیثیت کا اعتراف
نہیں کیا تھا بلکہ ملنے کو ترسے ہوئے بھائی کا روپ دھار کر
مجھے اپنے بھٹے میں مدعو کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

میری معلومات اور قیاسات کے مطابق تصویر خود ہی
اے ٹو تھا۔ ایسی صورت میں یہ ناممکن تھا کہ اس کا کوئی ہرکارہ
غزالہ کو اغوا کرتا اور وہ اس سے لاعلم ہوتا۔ ایسی صورت میں یہ
فطری تقاضا تھا کہ میرے ہاتھوں جانی و مالی تباہی اور عمارت
میں آتش زنی کے بعد وہ یقیناً.... غزالہ کی قید کی اطلاع
دے کر میری کمزوری سے کھیلنے کی کوشش کرتا۔

تصویر نے مجھ سے یہ تو کہہ دیا تھا کہ توقیر ان دنوں
پاکستان میں نہیں بلکہ ہزاروں میل دور اوٹاوا میں مقیم تھا اور
کسی نے اس کا نام لے کر غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش
کی تھی لیکن مجھے دور دور تک ایسے کسی آدمی کی موجودگی کا
کوئی منطقی جواز نظر نہیں آتا تھا۔ صاف اور سیدھی بات یہ تھی
کہ توقیر نے مجھ پر کراچی میں ہاتھ ڈالنے کی بھرپور کوشش کی اور
بُری طرح ناکام رہا۔ اس ناکامی کے بعد تصویر نے دوستی
اور برادرانہ محبت کے رشتے سے وار کرنے کا فیصلہ کیا تو اس
کے لیے لازمی تھا کہ توقیر کی خونریز کارروائیوں سے خود کو
بری الذمہ ظاہر کرتا لیکن اس نے ضرورت سے زیادہ ہوشیاری
کا مظاہرہ کرتے ہوئے توقیر کی ملک میں موجودگی سے ہی
انکار کر دیا۔

توقیر کو پچھلی بار لاہور میں میری موجودگی کا علم ہو چکا تھا
جس کا اقرار رمضان چاچا کر چکا تھا پھر کراچی میں توقیر نے
غزالہ سے ملنے کے پورے جتن کر ڈالے۔ اس کی کوشش یہی
تھی کہ میرے ساتھ اس لڑکی کو بھی پکڑ سکے جو ملازمت کی تلاش
میں ایشین سنڈیکیٹ کے دفتر میں پہنچی تھی اور وہاں خفیہ کیمرے
سے اس کی تصویریں لے لی گئی تھیں۔

ان لوگوں کے پاس میرے خلاف پہلا اور آخری ثبوت
غزالہ کی تصویر کی صورت میں محفوظ تھا۔ [illegible] میرے ذریعے
پکڑی جاتی یا اس سے میرا تعلق ثابت ہو جاتا تو توقیر اور
تصویر بلا تامل میرے بارے میں کوئی بدترین فیصلہ صادر کر
سکتے تھے۔

سوچتے سوچتے اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکا
سا ہوا اور میرے وجود میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی پھر میرے ذہن
میں چرس سے ہیروئن کے کاروبار کی طرف منتقلی کے دنوں کے

ایک خوشگوار سفر کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ جب میں نے اسٹیشن سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے سیلز آفیسر کی حیثیت سے مخصوص شناختی علامات، کاغذات اور ایک دھماکا خیز محفوظ بریف کیس کے ساتھ مشرقِ بعید کا سفر کیا تھا اور دورانِ پرواز مغرب سے آنے والی ایک حسین وجمیل، سفید فام دوشیزہ بکرے کے سر والے نقرئی ٹائی پن کی وجہ سے مجھے پہچان کر پہلے مجھ سے الجھی تھی اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہی ایشلے ہاؤز کی نمائندگی کر رہی تھی اور میرے سفر کا مقصد محض اسی سے ملاقات کرنا تھا۔ اور اس کا نام ویرا لائیڈ تھا۔

ایک اہم منصب کی مالک ہونے کے باوجود ویرا لائیڈ بہت خوش مزاج اور فراخ دل لڑکی تھی۔ اس کے ساتھ میں نے جو چند دن گزارے وہ میری زندگی کے یادگار دنوں میں شمار کیے جاسکتے تھے۔

ویرا لائیڈ سے وہ میری پہلی اور آخری ملاقات تھی پھر ڈاکٹر وسیلر کی سربراہی میں ہونے والی انسدادِ منشیات کی بین الاقوامی کانفرنس میں اس کے نام کا شہرہ سنائی دیا۔ کانفرنس میں ہونے والے انکشافات کی روشنی میں پاکستان کے قبائلی علاقے میں قائم ہونے والی مومن خان کی پہلی ہیروئن تیار کرنے والی لیبارٹری کے لیے ویرا لائیڈ نامی ایک سفید فام لڑکی ہی نے تیس ہزار کے خطیر معاوضے پر ڈاکٹر پی جے ڈالٹن نامی جرمن کیمسٹ کو کام کرنے پر آمادہ کیا تھا اور ڈاکٹر ڈالٹن نے اپنی نگرانی میں ہماری سرزمین پر ہیروئن کی تیاری کی بنیاد رکھ کر خاموشی سے اپنے ملک لوٹ گیا تھا لیکن اپنی تیار کی ہوئی ہیروئن کا نمونہ ساتھ لے جانے کے جرم میں اپنے ملک کے ہوائی اڈے پر پکڑا گیا۔

ویرا لائیڈ برائے ایشلے ہاؤز، ویرا لائیڈ برائے مومن خان اور اب جمی لائیڈ کا نام لائیڈز کاٹیج کے مالک کے طور پر سامنے آیا تھا۔ کیا یہ محض ایک اتفاق ہوسکتا تھا؟

میرے ذہن نے اس اتفاق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یقینی طور پر ہمارے ملک میں ہیروئین کی پیداوار، تجارت، فروغ اور برآمدات میں لائیڈز خاندان کے مفادات ناقابلِ تردید تھے اور جمی لائیڈ شاید اس جرائم پیشہ خاندان کا سربراہ تھا جو لاہور میں ایک محل نما عمارت میں جرائم پیشہ لوگوں کی فوج پال رہا تھا۔

وہ اس قدر چالاک تھا کہ اپنے نام اور ساکھ کے تحفظ کے لیے خود پسِ پردہ رہ رہا تھا اور سارا کاروبار مقامی مہروں کے ذریعے اس قدر پُراسرار اور پیچیدہ انداز میں چلا رہا تھا کہ کسی بھی مرحلے پر اس کی ذات کے بے نقاب ہونے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ توقیر یا تصویر کو مالی آسائشوں کے عوض اسے ٹو کا منصب دے دیا تھا۔ اور وہ دونوں جمی لائیڈ سے ملی ہوئی ہدایات کی روشنی میں کامیابی کے ساتھ موت کی سوداگری میں مصروف تھے۔

اور شاید اسی نکتے میں میرے ایک پرانے سوال کا جواب بھی موجود تھا۔

میرے ذہن میں یہ خیال ہمیشہ کسی نیشِ عقرب کی طرح چبھتا رہا تھا کہ تنظیم کا پُراسرار اور آمرِ مطلق سربراہ اگر خود کو اسے ٹو کیوں کہلواتا تھا۔ اسے اے یا اے ون کیوں نہیں کہا جاتا تھا؟ جمی لائیڈ کی ذات نے اس نکتے کو بھی بے نقاب کر دیا تھا۔

اسے ٹو یا تصویر یا توقیر میں سے کوئی اتنا آزاد اور خود مختار نہیں تھا جتنا باہر سے نظر آتا تھا۔ جو اختیارات اور دائرہ کار انھیں فراہم کر دیا گیا تھا وہ اسی میں رہتے ہوئے اپنے فرائض بجالاتے تھے اور حد یہ تھی کہ تصویر یا توقیر میں سے کسی ایک کو مقامی سربراہ کے طور پر اسے ٹو کا خطاب بھی اوپر والے ہی کی طرف سے دیا گیا تھا تاکہ اس کی نمائندگی کرنے والے کو کسی بالادست کی موجودگی کا احساس رہے اور وہ احکام سے سرتابی کی جرأت نہ کرسکے۔

جمی لائیڈ کی ذات نے میرے بہت سے سوالات کے جواب فراہم کر دیے تھے۔ مجھے تصویر اور توقیر کے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں رہی تھی۔ جب سے مجھے اطلاعات ملی تھیں کہ توقیر نے کراچی میں رہتے ہوئے اسے ٹو کا کردار ادا کیا تھا مجھے یہی خلش تھی کہ وہ دونوں اتنے ذہین اور ہوشیار کیسے ہو گئے کہ جدید ترین ایجادات سے استفادے کے ساتھ تنظیم کا بندوبست چلانے لگے۔

جمی لائیڈ نے ایک طرف ویرا لائیڈ کے ذریعے ایک جرمن کیمسٹ کو مومن خان کے لیے کام کرنے پر آمادہ کیا تاکہ دنیا میں افیون کی کاشت سے بہترین اور دنیا کے ہر قانون سے ماورا علاقے میں اعلیٰ ترین ہیروئن تیار کرا سکے پھر مقامی افراد اور برآمدات کے لیے اپنی تنظیم کو استعمال کرسکے۔

"میں بھی تمھارے ساتھ ہی بیٹھا ہوا ہوں!" امبر کی طویل ہوتی ہوئی فکر آمیز خاموشی کا تسلسل سلطان شاہ نے ختم کر دیا۔

"میں سارے واقعات پر ایک نئے زاویے سے غور کر رہا تھا۔" میں نے آس پاس میدان صاف دیکھ کر دھیمی آواز میں

ہم یہاں سے بالکل ہی ناکام نہیں لوٹ رہے ہیں۔"
"خیر ناکامی تو کسی بھی طرح نہیں ہوئی۔" اس نے کہا۔ "بنیادی کامیابی یہ ہوئی ہے کہ اب تم تصویر کے ٹھکانے سے واقف ہو چکے ہو۔ اس سے براہِ راست بات کر چکے ہو۔ اب یہ امداد بات ہے کہ وہ قلابازی کھا گیا ہے۔ شاید وہ اندازہ کر چکا ہے کہ تم آسانی سے ہاتھ نہ ڈال سکے گا پھر اب تک کے تمام نقصانات بھی اس کے سامنے ہیں۔"

"شاید وہ کوئی بڑا فیصلہ بھی آزادانہ طور پر نہیں کر سکتا۔ اب تک وہ ایک مطلق العنان سربراہ نظر آتا تھا لیکن اس بار میری رائے تبدیل ہو چکی ہے اور شاید یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"یعنی وہ بھی کسی کو جواب دہ ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"میرا اندازہ یہی ہے۔" میں نے کہا۔ "سارا کھیل وہی چلا رہا ہے جو لائیڈز کا ٹچ کا مالک ہے۔"

اس کے استفسار پر میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے اسے اپنے نظریات سے آگاہ کر دیا۔ اسی ضمن میں مجھے ویرا لائیڈ اور اپنے غیر ملکی سفر کا ذکر بھی کرنا پڑا اور اس کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو گئیں۔

"تو کیا ایس او نے تمہارے تیس لاکھ کے مطالبے پر اسی لیے دو دن کی مہلت مانگی ہے کہ اس دوران میں جمی لائیڈ... شاید یہی نام لیا تھا اس نے عمارت کے مالک کا؟" وہ لحظہ بھر کے لیے خاموش ہوا اور میرے سر کا تائیدی اشارہ پا کر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "جمی سے رابطہ قائم کر کے ہدایات لے سکے؟"

"ایس او کو تو شاید علم بھی نہ رہا ہو کہ جمی لائیڈ اس کھیل میں ملوث ہے۔ مجھے تو محض اس لیے شبہ ہوا کہ میں ویرا لائیڈ کے ساتھ چند دن گزار چکا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ جمی لائیڈ کی بیٹی یا بیوی ہو۔"

"ضروری نہیں کہ کوئی اتنا قریبی رشتہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی گروہ کے آدمیوں میں اپنی شناخت کے لیے لائیڈ کا دُم چھلا لگاتی ہو اور پاکستان سے باہر تنظیم کے مفادات کے لیے کام کرتی ہو۔"

"لیکن تم تو بتا رہے ہو کہ وہ تم سے ہیروئن کی خریداری کا سودا کرنے آئی تھی۔" اس نے چونک کر سوال کیا۔ "اگر وہ ان ہی سے ہے تو سودے بازی کی کیا ضرورت تھی۔ یہاں سے سیدھا مال بھیجا جا سکتا تھا۔ نفع اِدھر سے ہو یا اُدھر سے، جانا ایک ہی جیب میں ہے تو پھر اتنے طویل طریقۂ کار کی کیا ضرورت تھی؟"

"شدید ضرورت تھی۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس تنظیم میں رازداری کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، جو جس کو جواب دہ ہے بس اسی کو جانتا ہے، اسے آگے پیچھے کی کچھ خبر نہیں ہوتی جو شخص نچلی سطح پر اتنی احتیاط کا عادی ہو وہ اپنے بارے میں بے پروائی کیسے برت سکتا ہے۔ وہ اپنے بین الاقوامی مفادات سے اپنے مقامی کارندوں کو باخبر کیوں کرے گا؟ اگر اینشلے ہاؤز بھی اسی کی فرم ہے تو باقاعدہ سودے بازی کیے بغیر مال بھیجنے کی صورت میں جو شخص بھی اے ٹو ہے، اسے علم ہو جاتا کہ اینشلے ہاؤز کا تنظیم سے تعلق ہے اور کسی وقت مقامی تنظیم گردش میں آتی تو لامحالہ اینشلے ہاؤز بھی ڈدب جاتی پھر شاید وہاں سے دوسرے بین الاقوامی ٹھکانے بھی نظر میں آ جاتے۔"

"بات سمجھ میں آ رہی ہے۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولا۔ "یہ تو مختلف ملکوں میں پھیلا ہوا کوئی بین الاقوامی گروہ معلوم ہوتا ہے جو ہر ملک میں بظاہر خود مختار ہے لیکن ہر ایک کی باگ جمی لائیڈ کے ہاتھ میں ہے اور وہی ان کے درمیان رابطے کا واحد ذریعہ ہے۔"

"یہ لوگ تو پھر بھی غیر قانونی کام کر رہے ہیں اس لیے ان کے طریقے پیچیدہ اور مشکوک ہونے لازمی ہیں لیکن تم قانونی کاروبار کرنے والی ملٹی نیشنل کمپنیوں کا طریقۂ کار دیکھو تو اس سے زیادہ پُراسرار نظر آئے گا۔ بڑے بڑے گروپ سیکڑوں بڑی اور چھوٹی کمپنیوں کے مالک ہوتے ہیں اور اپنے حلقے سے باہر کسی کو حقیقی ملکیت کا علم نہیں ہونے دیتے حتیٰ کہ ان کمپنیوں کے اعلیٰ ملازمین ایک دوسرے کے خلاف رقابت کے جذبے سے کام کرتے ہیں، ایک دوسرے کی بیخ کنی پر تلے رہتے ہیں۔ آپس کے سودوں میں مالکان کے اشارے پر کہیں ایک کا مال سو میں بیچا جاتا ہے اور کہیں دس کا ایک میں۔ اس سارے جوڑ توڑ کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ مختلف ناموں کے باوجود عالمی منڈی میں خفیہ اجارہ داریاں قائم کر لی جائیں جنھیں کوئی قانون بھی چیلنج نہیں کر سکتا۔"

"یہ سب بہت دور کی اور میری عقل سے باہر کی باتیں ہیں۔ خلاصہ تو پھر بھی یہی ہوا نا کہ تصویر یا ورقو قیر کا صفایا ہونے کے بعد تنظیم ختم ہو جائے گی۔"

"یہی تو نہیں ہو گا۔" میں نے وضاحت کی۔ "اگر ساری منصوبہ بندی توقیر یا تصویر کی ہوتی تو ان کے بعد تنظیم کا خمیازہ

بکھر جاتا۔ ہیروئن کی جو مقامی منڈی پیدا ہوئی ہے وہ چھوٹے چھوٹے لوگوں میں تقسیم ہو جاتی لیکن اب ایسا نہیں ہو سکے گا۔ توقیر اور تصویر کے بعد شاید تھوڑے دن کے لیے بحران پیدا ہوگا پھر ان سب کا باپ ان ہی میں سے کسی نیچے والے کو منتخب کر کے اسے ٹو کے منصب پر فائز کر دے گا اور گاڑی پھر چل پڑے گی۔“

وہ شاید مزید کچھ کہتا لیکن اسی وقت ایئرپورٹ کے پیجنگ سسٹم پر کراچی کے لیے روانہ ہونے والے مسافروں کی اطلاع کے لیے پرواز کی تیاری کا اعلان ہوا اور ہم دونوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

گو ہمارے پاس سامان نہ ہونے کے برابر تھا اور جو کچھ تھا وہ اس قدر نا کافی تھا کہ ہم باآسانی اپنے ساتھ کیبن میں لے جا سکتے تھے لیکن دو بے آواز پستولوں کی وجہ سے میں نے اپنا سوٹ کیس بورڈنگ کارڈ لیتے ہوئے کاؤنٹر پر دے دیا تھا اور اٹھ بھی اسی میں ڈال دیا تھا کیونکہ آئے دن ہونے والی فضائی قزاقیوں کی بنا پر ہر مسافر کے دستی سامان کی سخت جانچ پڑتال ہوتی ہے۔ ایسے مرحلے پر میرے لیے نہ صرف ان ہتھیاروں کے لائسنس کی فراہمی دردِ سر بن جاتی .... بلکہ میں ناگفتہ مشکلات سے دوچار ہو سکتا تھا۔

”یقین نہیں آتا کہ ہم جیتی جاگتی دنیا میں ان حالات سے دوچار ہیں۔“ طویل خاموشی کے بعد طیارے کے ٹیک آف کرتے ہی سلطان شاہ نے بات وہیں سے شروع کر دی جہاں چھوڑی تھی۔

”شاید تم نے کبھی مافیا کا نام سنا ہو—“ میں نے نشست پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ ”اٹلی کے بدنام مجرموں سے شروع ہونے والا یہ گروہ مغرب میں آج اتنا بااثر اور طاقتور ہے کہ اپنی دربردہ ریشہ دوانیوں سے حکومتوں تک کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ ان کا سربراہ گاڈ فادر کہلاتا ہے جس کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ مافیا کا قانون ہوتا ہے شاید یہ لوگ بھی ان ہی خطوط پر چل رہے ہیں۔“

”اب تمہارا نشانہ کون ہے؟ اے ٹو یا جمی لائیڈ؟“ اس نے دھیمی سرگوشیانہ آواز میں پوچھا۔

”دونوں میں سے جو پہلے ہاتھ آجائے لیکن اس سے پہلے غزالہ کو تلاش کرنا ہے۔ اسے کچھ ہو گیا تو میں یہ خلش زندگی بھر نہ بھلا سکوں گا کہ وہ میری وجہ سے اس مصیبت میں مبتلا ہوئی ہے۔“

پھر میں نے اسے اشارے سے خاموش کر دیا کیونکہ

دوسری نشستوں کی اگلی صف میں بیٹھا ہوا ایک شخص بار بار پہلو بدل کر شاید ہماری گفتگو سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

طیارے نے کراچی کی زمین چھوئی تو رات گہری ہو چکی تھی اترنے سے قبل طیارے نے بلندی کم کرتے ہوئے شہر کا چکر کاٹا تو نیچے تاحدِ نظر شہرِ نگاراں کی روشنیاں پھیلی ہوئی تھیں شہر میں رہتے ہوئے ہمیشہ اور ہر مقام پر یہی احساس رہتا ہے کہ شہر کو کسی ترتیب اور منصوبے کے بغیر من مانے طریقے پر آباد کیا گیا ہے لیکن رات کے اس سمے، فضا سے شہر میں ایسے ایسے مثلث، مربعے اور مستطیل دِکھتے نظر آ رہے تھے کہ سلطان شاہ حیران ہوا جا رہا تھا۔ روشن، سیدھی اور بل کھاتی ہوئی سڑکوں کی ایسی جہتیں نظر آ رہی تھیں کہ مواصلاتی مجبوریوں کے تجربات خواب محسوس ہو رہے تھے اور جب طیارہ دھیمی رفتار سے رن وے پر ٹیکسی کرتا ہوا مقررہ مقام پر رکا تو سلطان شاہ میری طرف دیکھ کر احمقانہ انداز میں ہنس پڑا۔

”کیا ہوا؟“ میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

”یہ تو کراچی ہی ہے۔“ اس نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ کہا۔

”پھر تم کیا سمجھے تھے؟“

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رات کے وقت جہاز سے یہ شہر اتنا خوبصورت نظر آتا ہوگا— بس یوں ہی خیال ہوا تھا کہ کہیں پائلٹ غلطی سے کسی اور شہر میں نہ جہاز اتار رہا ہو۔“

میں اپنے بدترین ذہنی الجھاووں کے باوجود اس کی معصومانہ سوچ پر زیرِ لب مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

جہاز سے اترنے کے بعد ہال میں کنویئر بیلٹ سے سوٹ کیس اٹھاتے ہی میرے ذہن میں رخشی کا سنایا ہوا شعر گونج اٹھا۔ شام گئی، رات ہو چلی تھی، گھر خاکستر ہو چکا تھا اور میں سامان بدست سوچ رہا تھا کہ اب کہاں جاؤں؟

پہلے میرا ارادہ کسی ہوٹل کا رخ کرنے کا تھا لیکن باہر نکلنے تک میں نے ارادہ تبدیل کر دیا۔ غزالہ کی گمشدگی کے بعد اس کا باپ بالکل تنہا رہ گیا تھا۔ جوان بیٹا مفلوج ذہن کے ساتھ علاج کے لیے داخل تھا۔ بیوی اپنے تمام تر احساسات کے باوجود کوکین کے نشے کی عادی تھی اور دن کا بیشتر وقت نشے میں ڈوب کر کسی جذباتی تلاطم کے بغیر گزارتی تھی میرا خیال تھا کہ غزالہ کے گھر میں رہ کر ہم دونوں نہ صرف کرنل کا دکھ بانٹ سکیں گے بلکہ وہاں رہتے ہوئے آزادی کے ساتھ اپنا کام بھی کر سکیں گے۔

سلطان شاہ نے بھی میرے اس خیال کی تائید کی اور ہم دونوں ائیرپورٹ سے سیدھے غزالہ کے گھر جا پہنچے۔ کرنل نیازی سامنے آیا تو اس کا چہرہ فرطِ غم سے سُتا ہوا تھا اور آنکھوں میں خوف اور ویرانی رچی ہوئی تھی۔ نہ اس نے زبان کھولی نہ ہم دونوں ہی اس سے کچھ کہہ سکے اور یوں تینوں خاموشی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں جا پہنچے جہاں شمع ..... خلافِ معمول ایک صوفے پر اداس بیٹھی ہوئی تھی۔

مجھے دیکھتے ہی اس کی مخمور نگاہیں کشادہ ہوگئیں، لبوں کے گوشے کپکپائے اور بے اختیار وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر رو پڑی ”میری بچی.... تنویر بیٹے! میری بچی مجھے اور.... وہ کہاں رہ گئی؟ کہاں چلی گئی؟ وہ تو کبھی اجازت لیے بغیر گھر سے کالج بھی نہیں جاتی تھی... ہم کہاں جائیں؟ کہاں تلاش کریں اسے؟“

”رونے سے کچھ حاصل نہ ہوگا شمع!“ کرنل نے بھرائی ہوئی آواز میں بیوی کو دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ ”وہ مجھے بھی اسی قدر عزیز تھی لیکن دیکھو کیس میں رو رہا ہوں؟“

وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ اس کی آواز گلوگیر تھی، آنکھوں سے موتی ٹپک رہے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ وہ آواز سے نہیں، دل کی گہرائیوں سے رو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جذباتی فضا قدرے سازگار ہوئی تو کرنل کی زبانی مجھے پورے واقعے کا علم ہوا۔

اس کی کسی قریبی سہیلی کی شادی تھی، اس سلسلے میں پچھلے دن دو مرتبہ اس کے پاس فون بھی آیا اور وہ اپنے باپ کی اجازت سے اپنی سہیلی کی شادی کی تیاریوں میں ہاتھ بٹانے چلی گئی البتہ اس نے یہ احتیاط کی تھی کہ گھر سے جاتے ہوئے اپنی ماں کا برقع اوڑھ لیا تھا تاکہ بآسانی پہچانی نہ جاسکے۔

پچھلی شام کرنل کے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطے کے بعد جب چھ بج گئے اور غزالہ واپس گھر نہ پہنچی تو کرنل نے غزالہ کی سہیلی کے گھر فون کیا۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ غزالہ سرے سے وہاں پہنچی ہی نہیں تھی۔ یہ اطلاع پاتے ہی صدمے سے کرنل کی حالت ابتر ہوگئی۔ جب وہ کچھ سنبھلا تو اس کے پاس میرا کوئی سُراغ نہیں تھا لہٰذا مجبوری کی حالت میں اس نے تھانے میں رپورٹ درج کرادی۔

واردات سنگین تھی لہٰذا تھانے سے فوراً ہی ایک افسر اس کے گھر آپہنچا۔ کرنل کے بقول اس کی تفتیش کا انداز جارحانہ بلکہ ایک حد تک ہتک آمیز تھا۔ اس وقت تک اس نے تھانے کے روزنامچے میں غزالہ کی گمشدگی کا اندراج نہیں کیا تھا اور مُصر تھا کہ اگر اغوا کی رپورٹ درج کرانی ہے تو ایک دو ایسے نام بھی رپورٹ میں شامل ہونے چاہئیں جن پر اغواء میں ملوث ہونے کا شبہ ہو اور اگر کسی پر شبہ نہیں ہے تو اغواء کے بجائے گھر سے فرار کی رپورٹ درج کرائی جائے۔

اس ضمن میں تفتیشی افسر کا سارا زور اسی ایک نکتے پر رہا کہ غزالہ کا میل جول کن مردوں سے تھا۔ ہم جماعتوں میں کس سے اس کی بے تکلفی تھی؟ شادی اور منگنی کے سوال کو کرنل نے صفائی سے اڑا دیا کیوں کہ غزالہ کی مجھ سے نسبت کا اقرار کرنے کے بعد اسے میرے بارے میں بھی بہت کچھ بتانا پڑتا جس سے وہ گریز کرنا چاہ رہا تھا۔

”آپ فکرمند نہ ہوں، میں اپنے طور پر اسے تلاش کراؤں گا۔ شہر میں میرے بھی کچھ وسائل ہیں۔ اب ان سے کام لینے کا وقت آگیا ہے۔“ میں نے پوری کتھا سننے کے بعد کہا۔

”لیکن کب؟“ کرنل کربناک آواز میں بولا۔ ”میرے لیے تو ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا ہے ـــ اس کی گمشدگی کے بعد مجھے احساس ہو رہا ہے کہ اس دور میں درندہ صفت لوگوں کے درمیان ایک بیٹی کا باپ ہونا کتنا بڑا عذاب ہے۔“

میں پھریری لے کر رہ گیا۔ ”اس قدر مایوسی بھی اچھی نہیں۔ میں اپنی مہم کا آغاز اسی وقت کر رہا ہوں۔“

شمع کی آنسوؤں سے جھلملاتی ہوئی آنکھوں میں اُمید کی چمک نمودار ہوگئی اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”تم ہی کچھ کرسکو گے بیٹا! یہ تو اس حادثے پر اپنی رہی سہی ہمت بھی ہار بیٹھے ہیں۔“

میں وہاں سے اٹھ کر فون کے قریب جا بیٹھا۔ کرنل نے عقلمندی کا مظاہرہ کیا اور اپنی بیوی کو وہاں سے اٹھا لے گیا۔

میں نے جہانگیر کا نمبر ملایا تو تیسری گھنٹی پر دوسری طرف سے ریسیور اٹھایا گیا اور میرے کانوں میں جہانگیر کی بیوی سلمیٰ کی خوابناک آواز آئی۔ ”میں ڈینی بول رہا ہوں جہانگیر کہاں ہے؟“ میں نے نرم اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”اوہ، ڈینی۔“ مجھے پہچانتے ہی اس کی آواز سے نیند کے اثرات فوراً کافور ہوگئے۔ ”کہاں غائب ہیں آپ اتنے دن سے؟“ وہ حسبِ معمول میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے میری ذات میں اُلجھ گئی۔

”اسی شہر میں ہوں، کئی بار فون کیا لیکن تم گھر پر ہوتی ہی نہیں ہو.... ذرا جہانگیر سے میری بات کرا دو، بہت ضروری کام ہے۔“

”لیکن مجھے تو کسی نے نہیں بتایا کہ تم فون کرتے رہے

ہو" وہ بے تکلفانہ لہجے میں بولی اور میں حیران رہ گیا کہ جہانگیر اس معنی خیز لب و لہجے کو کیسے نظر انداز کر سکے گا۔

"بتا تا کون ہے؟ تم نہیں تھیں تو جہانگیر سے گپ شپ کر لی اور اب اس کو فون کیا تو تم سے گپ شپ کرنا پڑ رہی ہے۔"

"وہ اپنی خواب گاہ میں پڑے ہوں گے۔" اس نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ تھوڑی دیر کے لیے تم انھیں بھول کر مجھ ہی سے باتیں کرتے رہو... تم سے بات کر کے میرے دل کا غبار ہلکا ہو جاتا ہے ورنہ اس شہر میں تو تمھارے دوست کی وجہ سے مجھے دق ہو جائے۔"

"میں پھر فون کر لوں گا۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "اس وقت ایک ضروری بات کرنی ہے... آج کل تم دونوں علیحدہ کمروں میں کیوں رہ رہے ہو؟"

"بس اسی سے اندازہ لگا لو کہ بات کس قدر سنگین ہو گی۔"

"اس کے کمرے میں فون نہیں ہے کیا؟"

"ہو بھی تو کیا فرق پڑتا ہے۔" ریسیور پر اس کی تلخ آواز ابھری۔ "جو شخص معدے سے کھوپڑی تک وھسکی میں غرق ہو کر سوتا ہو اسے فون کی گھنٹی تو کیا، توپ کا دھما کا بھی نہیں اٹھا سکتا۔ تم لائن ہولڈ کرو، میں کسی ملازم کے ہاتھ فون ان کے کمرے میں بھجوا کر انھیں اٹھواتی ہوں۔ ہوش میں ہوئے تو بات کر لینا۔ لیکن میں کل تمھارے فون کا انتظار کروں گی۔"

لائن پر سناٹا چھا گیا۔ خاصے طویل سکوت کے بعد نیند اور نشے سے لڑکھڑاتی ہوئی جہانگیر کی آواز سنائی دی۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں... کیا تم اس وقت بات کرنے کے قابل ہو؟"

"ڈینی!... آہا... میرے دوست۔" اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت وہ بری طرح نشے میں تھا۔ "میں تو بہت قابل ہوں... صرف سات جماعت پڑھا ہوا ہوں اور تو... میرا سالے دوست بن کر میری قابلیت پوچھ رہے ہو۔"

"تمھاری بیوی کہاں ہے؟" میں نے غصے میں اپنا نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے اس کی دماغی کیفیت آزمانے کے لیے پوچھا۔

"ہو گی کہیں پڑی ہوئی..... اس سے کیا لینا ہے تمھیں؟"

وہ بہکا ہوا ضرور تھا لیکن کھوپڑی سے بالکل ہی باہر نہیں تھا۔ میں نے پیچ تلے الفاظ میں اپنا سوال مرتب کیا پھر پوچھا۔ "پچھلے چھتیس گھنٹوں میں تم نے اے ٹو کے لیے کیا کام سرانجام دیے ہیں؟"

جواب میں اس نے اے ٹو کو ایک گندی سی گالی دی پھر بولا۔ "وہ برا یا بھلا جو کچھ بھی ہے یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے، تم کون ہوتے ہو اس بارے میں پوچھ گچھ کرنے والے؟"

"تمھارے ہی بھلے کو پوچھ رہا ہوں —"

اس نے بھناتے ہوئے لہجے میں درمیان سے میری بات کاٹ دی۔ "زیادہ خیر خواہی جتانے کی کوشش نہ کرو، میں اپنا برا بھلا خود سمجھتا ہوں، اپنا مطلب بتاؤ، اتنی رات گئے میری نیند کیوں خراب کی ہے؟"

نشے کی جھونک میں وہ اچٹ گیا تھا للذا اس سے مزید بات کرنا بیکار تھی۔ "اس وقت تمھیں چڑھی ہوئی ہے، نشہ اترے گا تو صبح بات کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"اسے کیوں فون کیا تھا؟" سلطان شاہ نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔

"غزالہ سے کسی کو کوئی پرخاش نہیں تھی۔ اسے اے ٹو ہی کے کسی ہرکارے نے اغوا کیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ شاید جہانگیر کو اس بارے میں کچھ علم ہو اور اس سے مجھے کوئی سراغ مل سکے لیکن وہ اس وقت نشے میں بدحال ہو رہا ہے۔"

"اور رخشی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اب اسی کی طرف جاؤں گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "وہ بہت مکار عورت ہے، فون پر ٹال دے گی۔ دوبدو بات ہو گی تو وہ مجھ سے کچھ نہ چھپا سکے گی۔"

میں وہاں بیٹھا اس سے باتیں کرتا رہا اسی اثنا میں کرنل شمع کو اس کی خوابگاہ میں چھوڑ کر واپس آ گیا میں نے اسے اپنے جانے کے بارے میں بتایا تو وہ بھی ساتھ چلنے پر مصر ہو گیا لیکن میں کسی نہ کسی طرح اسے ٹالنے میں کامیاب ہو ہی گیا پھر اپنے سوٹ کیس سے ایک بے آواز پستول اور کچھ فاضل راؤنڈز لے کر وہاں سے رخشی کے گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔

✸

اسٹون ہاؤس ایک وسیع و عریض عمارت تھی اور اس اعتبار سے شاید منحوس بھی کہ اسے اپنی نئی بیاہی بیوی کے نام پر خریدنے کے چند ہی روز بعد قاسم اسے آباد کرنے کی آرزو دل میں لیے جہنم واصل ہو گیا۔

جہاں تک مجھے علم تھا رخشی اس عمارت کے ایک حصے میں تنہا رہتی تھی اور مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اتنی رات گئے اپنے پھاٹک پر ابھرنے والی کسی اجنبی دستک کا جواب دے گی لیکن مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ دوسری ہی دستک پر دروازہ کھولا

دبا گیا اور ایک ادھیڑ عمر لیکن توانا شخص گیٹ لیمپس کی روشنی میں میرا جائزہ لینے لگا۔ اس کی آنکھوں میں نیند کے آثار باقی تھے لیکن ایک اجنبی کو اپنے مدِمقابل پا کر وہ پوری طرح مستعد اور چوکنا نظر آ رہا تھا۔

"مجھے مس رخشی سے ملنا ہے، میرا نام ڈینی ہے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

میرا نام سن کر اس شخص کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی اور یکا یک مجھ پر چودہ طبق روشن ہو گئے کیونکہ اس نے غیر متوقع طور پر کسی وحشی سانڈ کی طرح سر جھکا کر پوری قوت سے میرے سینے پر ٹکر رسید کی تھی اور میں سنبھلنے کی ہر کوشش میں ناکام ہو کر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گر گیا۔ اس شخص نے مہلت دیے بغیر پھرتی کے ساتھ میری پنڈلیاں پکڑ کر مجھے اندر گھسیٹ لیا۔

میں نے پوری قوت سے فضا میں ٹانگیں چلائیں اور اس کی گرفت سے چھٹکارا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر میں پھرتی سے لوٹ لگا کر تختہ فرش سے اٹھا تو اس کے ہاتھ میں لمبے پھل والا ایک چاقو چمکتا ہوا نظر آیا۔ اس وقت اس ادھیڑ عمر آدمی کا چہرہ بالکل ہی بدل کر رہ گیا تھا۔ آنکھوں میں خون کی پیاس اتر آئی تھی اور وہ داہنے ہاتھ میں کسی پیشہ ور مشاق قاتل کی طرح چاقو تول رہا تھا۔

وہ انہماک اور توجہ کی جنگ تھی جس میں ایک لحظے کے لیے بھی اس کے چاقو والے ہاتھ سے نگاہ ہٹاتا تو پورا پھل میرے بدن میں اتر جاتا۔ میں نے اپنی جیب سے بے آواز پستول نکالنے کا ارادہ عارضی طور پر ملتوی کر دیا اور اس کے حملے کے انتظار میں اپنی جگہ تبدیل کرنے لگا۔ اس نے کئی بار فضا میں چاقو کو میری طرف لہرا کر بھبکیاں دیں لیکن میں نے اس کا مدعا سمجھتے ہوئے ہر بار مختلف ردِعمل کا مظاہرہ کیا اگر اسے میرے کسی مخصوص ردِعمل کا اندازہ ہو جاتا تو وہ اسی پہلو کو دبا کر مجھ پر کامیاب وار کرنے کی کوشش کرتا لیکن میں نے اس کا وہ آزمائشی حربہ یکسر ناکام بنا دیا۔

اس وقت مجھے شدید حیرت ہو رہی تھی کہ بظاہر سیدھا اور بے ضرر نظر آنے والا وہ شخص کس قدر خطرناک ثابت ہوا تھا پھر یہ کہ رخشی اسے کہاں سے پکڑ لائی تھی اور یہ کہ اسے مجھ سے کیا پرخاش تھی جو وہ میرا نام سنتے ہی لڑنے مرنے پر اتر آیا تھا۔

میرے لیے وہ شخص قطعی اجنبی تھا پھر یہی ہو سکتا تھا کہ رخشی نے اسے ملازم رکھتے ہوئے میرے بارے میں کچھ خطرناک ہدایات دی ہوں اور وہ ان ہی پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

رخشی سے میری آخری ملاقات بہت خوشگوار اور دوستانہ فضا میں ہوئی تھی اور ایسی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی کہ اس کے بعد وہ اچانک ہی میرے خلاف ہو گئی ہو بجز اس کے کہ غزالہ پر اسی نے ہاتھ ڈالا ہو اور اب میری طرف سے کسی انتقامی کارروائی سے خائف ہو کر اس نے مجھ سے دور رہنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔

رخشی کے بارے میں وہ خیال بہت اشتعال انگیز تھا۔ میرے جی میں آیا کہ جیب سے پستول نکال کر اس شخص کا خاتمہ کر دوں لیکن یہ امر مانع رہا کہ ہاتھ جیب میں ہوا تو میں پوری طرح مدافعت نہ کر سکوں گا۔

آخر کار ادھیڑ عمر کو شاید وہ موقع نظر آ ہی گیا جس کا وہ متلاشی تھا وہ کسی چھلاوے کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور تیر کی طرح میرے اوپر آیا تھا، میں نے پھرتی کے ساتھ اپنے بدن کو بائیں طرف جھکائی دی اور اس کی داہنی کلائی اپنے جسم سے دور ہی گرفت میں لینے میں کامیاب ہو گیا پھر میں نے تیزی کے ساتھ اپنا ہاتھ اوپر اٹھا کر بدن کو ایک چکر دیا اس کی کلائی مڑ گئی، میں نے اس پر مزید زور ڈالا اور وہ کراہتا ہوا نیچے جھکتا چلا گیا، میں نے اس کے ہاتھ سے چاقو چھین کر پوری قوت سے اس کے پیٹ میں ٹھوکر رسید کی اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ تھام کر غراتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

اس بار میری باری تھی لہٰذا اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی میں نے اپنی جیب سے پستول نکال لیا اور اس کی طرف لپکا۔ اس نے شاید پستول کی جھلک دیکھ لی تھی کیونکہ وہ وہیں پڑے پڑے کسی بے آب مچھلی کی طرح تڑپا اور پھر جونک کی طرح میری پنڈلیوں سے لپٹ گیا۔ بظاہر وہ ادھیڑ عمر تھا لیکن بے پناہ جسمانی طاقت کا مالک تھا، میں نے محسوس کیا کہ اگر میں نے فوری کارروائی نہ کی تو وہ میری پنڈلیوں پر دباؤ بڑھا کر مجھے نیچے گرا دے گا۔

میں نے اطمینان سے نال سیدھی کی اور اس کے داہنے شانے میں پگھلا ہوا سیسہ اتار دیا۔ وہ ایک کریہہ چیخ مار کر اچھلا اور میں اس کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ اس پر نگاہ رکھتے ہوئے میں نے بڑھ کر کھلا ہوا دروازہ بند کر دیا تاکہ کسی کی اتفاقی دخل اندازی کا امکان نہ رہے۔ وہ علاقہ زیادہ آباد نہیں تھا لیکن مجھے ڈر تھا کہ کہیں اس کی چیخ کسی کو متوجہ کرنے کا سبب نہ بن جائے۔

"اداکاری ختم کرو اور اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاؤ۔"

میں نے غراتے ہوئے اسے حکم دیا۔
اس نے سر اٹھا کر مجھے تحقیر آمیز نگاہوں سے گھورا۔ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ہتھیلیوں اور پنجوں کے بل فرش سے اٹھنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن وہ بہت ہی ڈھیٹ اور بے خوف ثابت ہوا اور..... اچھل کر دوبارہ مجھ پر آ پڑا۔
میری نیت اسے کچھ دیر زندہ رکھ کر باز پرس کرنے کی تھی لیکن اسے مسلسل مزاحمت پر آمادہ پا کر مجھے اپنی گلو خلاصی کی فکر لاحق ہو گئی اور میں نے پستول کی نال اس کی بائیں پسلیوں میں اڑا کر ٹریگر دبا دیا۔اس کے جسم کو ایک شدید جھٹکا لگا اور وہ میرے بدن پر اپنی گرفت کھو بیٹھا۔اس بار وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح پُر شور آواز کے ساتھ فرش پر گرا تھا۔
جلد ہی اس نے میری نگاہوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا اور میں گیٹ لیمپس کی ناکافی روشنی میں اس کی تلاشی لینے کی نیت سے اس پر جھک گیا۔
"ختم کرو یہ کھیل، اس کے پاس کچھ نہیں ملے گا۔" اچانک کسی سمت سے ایک نسوانی آواز آئی اور میں بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا لیکن وہاں کوئی نظر نہ آیا۔اسی لمحے ترنم ریز ہنسی کے ساتھ دوبارہ آواز ابھری۔"تم نہیں دیکھ سکو گے، میں ادھر تاریک راہداری میں ہوں۔" میں نے اس بار رخشی کی آواز صاف پہچان لی، وہ سرگوشیانہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔"اسے گھسیٹ کر مالتی کی جھاڑیوں کے پیچھے ڈال دو اور بے دھڑک میری طرف چلے آؤ، میں باہر روشنی نہیں کرنا چاہتی۔"
وہ ہمیشہ ہی میرے لیے ناقابلِ فہم ثابت ہوتی رہی تھی۔ پہلے اس کے دربان نے میرا نام سنتے ہی مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا اور جب میں نے اسے زیر کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا تو وہ یوں مجھے اپنی طرف بلا رہی تھی جیسے اندھیرے میں چھپی شروع سے سارا کھیل دیکھتی رہی ہو۔
"میں مُردے نہیں ڈھوتا۔" میں نے جھلاّئے ہوئے لہجے میں کہا۔"ادھر روشنی نہیں کرنا چاہتیں تو باہر کھلے آسمان کے نیچے آ کر بات کرو، میں جاننا چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"
"بچے بچے ....." اس کی متاسفانہ آواز ابھری۔"احمق نہ بنو، جو کہہ رہی ہوں اس پر عمل کرو۔ہو سکتا ہے کہ اس وقت باہر کوئی اور بھی موجود ہو، میں اس کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہتی۔"
میں نے بیزاری کے عالم میں مرنے والے کا ہاتھ تھاما اور اسے زمین پر ہی گھسیٹتا ہوا مالتی کی جھاڑیوں تک لے گیا پھر بے رحمی کے ساتھ اسے اٹھا کر دوسری طرف کچی زمین پر لڑھکا دیا۔
میں ہاتھ جھاڑتا ہوا اندھیرے میں پہنچا تو مجھے اپنے قریب ہی رخشی کی آواز سنائی دی۔"میرے پیچھے چلے آؤ۔تم نے وہی کیا جس کی مجھے امید تھی۔اگر وہ تم پر قابو پا لیتا تو مجھے ہی اندھیرے میں سے اس پر گولی چلانا پڑتی۔"
"تم روز بروز پیچیدہ ہوتی جا رہی ہو۔" میں نے اس کے قدموں کی آواز پر اندھیرے میں آگے بڑھتے ہوئے کہا۔"پہلے اپنے آدمی سے قاتلانہ حملہ کرا کے خاموشی سے تماشا دیکھتی رہیں اور جب میں نے اسے زیر کر لیا تو اب ہمدردی جتا رہی ہو۔کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں اپنا دوست سمجھوں یا دشمن، پل پل میں رنگ بدلنے لگی ہو۔"
اندھیرے میں اس کی مختصر سی ہنسی ابھر کر رہ گئی۔
ایک موڑ گھوم کر ہم روشن کمرے کے سامنے پہنچ گئے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں میں پہلے اس سے مل چکا تھا۔روشن خوابگاہ میں داخل ہو کر وہ میری طرف گھومی تو اس کے ہاتھ میں ریوالور موجود تھا جس کی نال جھکی ہوئی تھی۔
"اب پوچھو کیا پوچھ رہے تھے تم؟" اس نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔"دوست نہ سمجھتے تو تم مجھ سے ملنے یہاں کیوں آتے اور اگر میں تمہیں دشمن سمجھتی تو اپنے آدمی کو تمہارے ہاتھوں یوں آسانی سے کیوں مرنے دیتی؟"
"پھر وہ میرا نام سنتے ہی مجھ پر کیوں ٹوٹ پڑا تھا؟"
"اوہ! تو تم نام بتا بیٹھے تھے اسے اپنا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔"یہی تو میں سوچ رہی تھی کہ وہ اچانک تم سے کیوں بھڑ گیا تھا۔میں دوسری دستک ہونے تک وہاں پہنچ گئی تھی اور میں نے شروع سے آخر تک ساری کارروائی دیکھی تھی۔"
"میں تمہاری وضاحت کا منتظر ہوں۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔
"میں تمہارے سامنے کسی وضاحت کی پابند تو نہیں ہوں لیکن پھر بھی بتاتی چلوں کہ مرنے والا میرا آدمی نہیں تھا۔مجھے اوپر سے ہدایت ملی تھی کہ آج کل آدمیوں کی کمی ہے لہٰذا قاسم کے کارکنوں کو سمیٹنے کی کوشش کروں، خاص طور پر اقبال کو اپنے قریب رکھنے کی کوشش کروں۔پھر دو دن پہلے یہی شخص اقبال کے نام سے یہاں آ پہنچا۔مجھے حیرت تھی کہ اسے یہ ٹھکانا کیسے معلوم ہوا لیکن میں ان لوگوں کے طریقۂ کار سے واقف ہوں انہوں نے میری نگرانی کے لیے یہاں تک اس کی رہنمائی کی ہوگی، دوسری

بات یہ تھی کہ آج کل ہر طرف تمھاری تلاش جاری ہے۔ زندہ نہیں تو تمھیں مُردہ ہی پکڑنے کے احکام جاری ہو گئے ہیں۔ اس بارے میں میں نے اقبال کو کچھ نہیں بتایا تھا لیکن وہ ان کا خاص آدمی تھا شاید اسے براہِ راست ہدایت ملی ہو اسی لیے وہ تم پر حملہ آور ہوا ہو گا۔ میں نے اسے چوکیدار بنایا ہوا تھا، اچھا ہوا کہ اس کالی بھیڑ سے نجات مل گئی۔"

"گویا یہ تمھیں اسے ٹو سے جہیز میں ملا تھا۔"

"یہی سمجھ لو۔" وہ ہنسنے لگی۔ "اس قدر ملعون تھا کہ چھپ چھپ کر میرے کمرے میں بھی تاک جھانک شروع کر دی تھی۔"

"اور وہ باہر سے کسی اور کی نگرانی کا کیا قصہ تھا؟"

"بس ایک موہوم سا امکان تھا، بلاوجہ خطرہ کیوں مول لیا جائے۔ واقعی کوئی موجود ہوتا تو اتنی دھما چوکڑی کے بعد ضرور دخل دے بیٹھتا لیکن میں اپنی جانب سے کوئی بے احتیاطی نہیں کرنا چاہتی۔"

"میرے بارے میں جاری ہونے والی ہدایات تو تم نے سنا ڈالیں لیکن اس لڑکی کا کیا ہوا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"کون سی لڑکی؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"جس کی تصویریں بانٹی گئی ہیں۔"

"اچھا ہوا کہ تم ذکر نکال بیٹھے، یہ تو بتاؤ کہ وہ ہے کون؟" اس کے لہجے میں تجسس پیدا ہو گیا تھا۔ "سنا ہے کہ تمھارے ساتھ اس کا کوئی گہرا تعلق ہے اور شاید وہ تمھارے ساتھ کام کر رہی ہے۔"

رخشی بھی ایک عورت ہی تھی اور اس کے ساتھ میرے مراسم میں ہلکا سا قربت کا پہلو بھی تھا، میں نے محسوس کیا کہ آخری سوال کرتے ہوئے اس کے لہجے میں رقیبانہ جلن پیدا ہو گئی تھی، لہٰذا میں نے سرسری انداز اختیار کرنا ہی مناسب سمجھا۔ "میں نے تو دیکھا بھی نہیں ہے اس کو۔ معتوب ہونے سے پہلے لاہور سے اس کی تصویر آئی تھی میرے پاس، خاصی خوبصورت لڑکی ہے۔ بہرالسفہ تو یہ ہے کہ اگر اسے ٹو کو اس کی تلاش ہے تو لڑکی نے یقیناً اسے چونا لگایا ہو گا، میں اسے اپنے ساتھ ملانا چاہتا ہوں۔"

"دباؤ خاصا ہے لیکن کوئی کامیابی نہیں ہو سکی۔ کہا جا رہا ہے کہ وہ کراچی ہی میں ہے، مل جائے جب کی بات ہے۔"

"تمھارے علاوہ بھی کوئی اور اس کی تلاش میں ہے؟"

"تنظیم سے متعلق سارے ہی لوگ اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ لڑکی کے لیے لاہور سے بھی ایک آدمی آیا ہوا ہے معلوم ہوا ہے کہ وہ لڑکی کے کچھ اہم راز معلوم کر لینے میں کامیاب ہو گئی ہے جب ہی اس کی تلاش پر اتنا زور دیا جا رہا ہے۔"

"لاہور سے کون آیا ہوا ہے؟"

"کوئی سلام ہے۔ بلیو اسٹار کے کمرہ نمبر سات میں ٹھہرا ہوا ہے۔ قتل اور اغوا کے معاملات کا خصوصی ماہر سمجھا جاتا ہے اور آج کل مجھ ہی کو جوابدہ ہے، سوچ رہی ہوں کہ اسے مستقل طور پر یہیں روک لوں۔" آخری فقرہ اس نے معنی خیز لہجے میں کہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ملاقات ہو گئی ہے۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "تمھارے بارے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تم میں عزتِ نفس کا ذرا بھی احساس باقی نہیں ہے۔"

"بے کار باتیں ہیں۔" وہ بے پروایانہ انداز میں بولی۔ "نفس کی اس سے بڑی عزت افزائی کیا ہو گی کہ اس کی تسکین کا سامان ہوتا ہے۔ میں اس سے ایک عام عورت کی طرح ہوٹل ہی میں ملی تھی۔ اسے شبہ بھی ہو جاتا کہ میں ہی سی ون ہوں تو شاید وہ مر کر بھی اپنے خول سے باہر نکلنے کی جرأت نہ کرتا۔"

"باہر پڑی ہوئی لاش کا کیا ہو گا؟" میں نے موضوع بدلنے کی نیت سے سوال کیا۔

"کسی سے ٹھکانے لگوا دوں گی۔ اسے ٹو کے لیے یہ خبر دلچسپ ہو گی کہ اس کا فرستادہ میرے گھر میں کسی بزدل چوہے کی طرح ایک نامعلوم حملہ آور کا نشانہ بن گیا۔"

"پھر تم اس کا بندوبست کرو، میں چلتا ہوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ایسے کہاں جاؤ گے۔" وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ "میری نیند خراب کی ہے تو تھوڑی دیر شغل بھی کرنا ہی پڑے گا۔ ویسے اس وقت تمھاری آمد کا مقصد کیا تھا؟" وہ کیبنٹ کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"ملنے آیا تھا لیکن خون خرابے نے طبیعت مکدر کر دی۔" میں نے نیم دلی کے ساتھ کہا۔

"مجھے تو محسوس ہو رہا ہے اس وقت تمھارے سر پر وہی تصویر والی لڑکی سوار ہے اور شاید تم اسی کے کھوج میں آئے تھے۔" اس نے آئس کین سے برف کے ڈلے گلاسوں میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس کی تلاش ضرور ہے لیکن اتنی بھی نہیں۔" میں نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

رخشی سے مجھے ایک اہم سراغ مل چکا تھا۔ میرے دل و دماغ میں غزالہ کی طرف سے واقعی ایک طوفان برپا تھا اور میں جلد از جلد بلیو اسٹار پہنچ کر سلام سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ

کر چکا تھا لیکن وہ مجھے روکنے پر مصر تھی اور میں اسے ناراض کرنا
نہیں چاہتا تھا اس لیے مجھے ناچار وہاں ٹھہرنا پڑ گیا۔

زخشی کا تعلق عورتوں کی اس واہیات قسم سے تھا جن کے
نزدیک عزت، آبرو اور وقار کا مفہوم بالکل ہی مختلف ہوتا ہے۔
وہ کسی کو بھی اپنی خواہشات کے سامنے سر جھکانے پر مجبور کرنے
کو اپنی فتح سمجھتی تھی اور اس وقت بھی اپنی دانست میں فتحیاب
رہنا چاہتی تھی لیکن مجھے اس کی اوقات معلوم تھی۔ تڑپتا، مچلتا
سیال اس کے دہانے سے معدے میں اترنے کے بجائے دماغ
میں چڑھتا تھا اور مجھے امید تھی کہ میں تھوڑی ہی دیر میں اسے
اپنے خوابوں کے جزیروں کی سیر میں مصروف چھوڑ کر وہاں سے
نکلنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

★

اس رات زخشی نے میرے تمام اندازوں کو شکستِ فاش
دے دی۔ باہر پڑی ہوئی لاش کی فکر اس کے ذہن پر سوار تھی
لہٰذا وہ اعتدال کی حد سے تجاوز پر آمادہ نہ ہوئی اور میں اسے
چھوڑ کر نکل بھاگنے کے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔

میری رسٹ واچ صبح کے تین بجا رہی تھی اور وہ وقت
سلام سے ملنے کے لیے قطعی نامناسب تھا لہٰذا میں زخشی کو
الوداع کہہ کر واپس غزالہ کے گھر لوٹ گیا۔

دل شکستہ اور سوختہ جاں کرنل میرے انتظار میں تھک
ہار کر گہری نیند سو چکا تھا۔ البتہ سلطان شاہ میرے انتظار میں
جاگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور چہرے پر وحشت
برس رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں امید کی چمک
لہرائی تھی لیکن میرے لٹکتے ہوئے چہرے پر ناکامی کی لکیریں
دیکھ کر اس نے سب کچھ سمجھ لیا۔

"پھر کیا کیا جائے؟ کدھر کا رخ کیا جائے؟ اس طرح
تو بھائی کا سراغ ملنے سے رہا۔" اس نے دھیمی آواز میں بوجھل
سکوت کو توڑتے ہوئے سوال کیا۔ اور میں نے اسے سلام کی
دریافت سے آگاہ کر دیا۔

"صبح بہت دور ہے، کیوں نہ اسے فون ہی کر لیا جائے۔"
اس نے تجویز پیش کی۔

"فون پر کوئی بات نہ ہو سکے گی، الٹا وہ ہوشیار ہو جائے
گا، میں اسے بے خبری میں گھیرنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب
دیا اور بات وہیں ختم ہو گئی۔

وہ فکر مند تھا اور میں دل ہی دل میں فکر مند ہونے کے
ساتھ نادم بھی تھا کیونکہ زخشی کے ساتھ میں نے جو وقت گزارا، وہ
تمام تر مجبوریوں کے باوجود سراسر زیاں ثابت ہو رہا تھا ورنہ میں
اسی رات سلام سے مل لیا ہوتا۔

ہم دونوں وہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھے صورت حال
مغز زنی کرتے رہے اور ایش ٹرے میں سگریٹوں کے مسلے ہوئے
ٹکڑوں کا اضافہ ہوتا رہا۔ آخر کار اجالا پھیلنے کے بعد میں نے
منہ ہاتھ دھویا اور لباس تبدیل کر کے روانگی کے لیے تیار ہو گیا
اس اثنا میں سلطان شاہ نے چائے تیار کر لی تھی۔ چائے پینے
کے بعد میں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

بلیو اسٹار متوسط درجے کا ایک معروف ہوٹل تھا اور
پہنچ کر میں کاؤنٹر سے رجوع کرنے کے بجائے سیدھا اوپر
طے کرتا چلا گیا اور پہلی ہی منزل پر مجھے راہداری میں لگی ہوئی تختی
سے ساتویں کمرے کا محل وقوع معلوم ہو گیا۔

میں نے دروازے پر دستک دی تو فوراً ہی جواب نہیں
بلکہ تیسری دستک کے بعد کسی نے خوابیدہ آواز میں بڑبڑاتے
ہوئے دروازہ کھولا اور پھر ایک اجنبی کو سامنے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔
وہ سلیپنگ سوٹ میں ملبوس ایک توانا شخص تھا اور چہرے
سے ہی جہاندیدہ نظر آ رہا تھا۔

"میں تمہاری طلبی کا پیغام لایا ہوں۔" میں نے اس کی
استفسار طلب نگاہوں کے جواب میں آہستگی سے کہا۔ "مجھے
سی ون نے بھیجا ہے۔ کیا تم اندر آنے کو نہیں کہو گے؟"

"سی ون!" اس نے متحیر آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ کیا بلا ہے؟
میں کچھ سمجھ نہیں سکا۔"

"تمہارا نام سلام ہی ہے نا؟" اس کے انداز پر میں نے
بے چینی سی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں۔" اس نے دانت پیس کر غصیلے لہجے میں کہا۔
"اگر دروازہ پیٹنے سے پہلے نیچے کاؤنٹر پر رجوع کر لیتے تو یوں
میری نیند خراب نہ ہوتی۔"

صورتِ حال اتنی مضحکہ خیز ہو گئی تھی کہ میں چکرا کر رہ گیا اور
ہکلاہٹ کی آڑ لینے کے باوجود مجھے بات بڑھانے کا کوئی معقول
عذر نہ سوجھ سکا لیکن میں نے دیکھا کہ بظاہر بات ختم ہو جانے کے
باوجود اس نے اپنے کمرے کا دروازہ بند نہیں کیا تھا اور مسلسل
گھورے جا رہا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ میرے قدم بھی واپسی کے
لیے نہیں اٹھ سکے تھے۔

اس نے سچویشن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میرے گریبان
پر ہاتھ ڈال کر مجھے اندر گھسیٹ لیا اور پھر مجھے دیوار سے
لگاتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔ "ہاں، میرا نام سلام ہی ہے
اب بتاؤ کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟"

"سی ون نے۔" میں نے اپنے سینے پر اس کے دباؤ کے

باوجود پُرسکون لہجے میں کہا۔
"وہ کون ہے؟" وہ سانپ کی طرح پھنکارا۔
"اگر تم سلام ہو تو جانتے ہی ہو گے کہ وہ ایک عورت ہے۔ عورت بھی نہیں بلکہ صرف نسوانی آواز۔" میں نے اپنی کھوپڑی پر حتی الامکان قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ اس وقت مجھے اپنے حریف کی چالاکی سے زیادہ اپنی حماقت پر تاؤ آرہا تھا کہ میں کس قدر آسانی سے اس کی باتوں سے بے وقوف بن گیا تھا۔

"اسے کیا ضرورت پڑ گئی ہے میری؟" اس نے میرا گریبان چھوڑتے ہوئے سوال کیا۔

"وہی بتا سکے گی۔ اب تو شاید تمھیں اس سلوک کی جوابدہی بھی کرنا ہو گی۔" میں نے اپنا لباس درست کرتے ہوئے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"غیر معمولی طریقۂ کار اختیار کرنے میں یہی خرابی ہوتی ہے۔" وہ بولا۔ "وہ براہِ راست بھی مجھے پیغام دے سکتی تھی۔"

"مجھ سے جو کچھ کہا گیا وہ کر رہا ہوں۔ چل رہے ہو تو باقی سوالات خود کر لینا۔"

"کہاں جانا ہو گا؟"

"تمھیں ایک عمارت تک پہنچانے کے بعد میری ذمے داری ختم ہو جائے گی۔"

"بیٹھو۔" اس نے پہلی بار شریفانہ لہجے میں کہا اور میں کمرے میں پڑی ہوئی کرسی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ بہت پھرتی کے ساتھ کپڑے تبدیل کر کے میرے ساتھ روانگی کے لیے تیار ہوا تھا۔ میلے کپڑوں سے تولیے تک ہر چیز اس نے بے ترتیبی کے ساتھ کمرے میں بکھیر دی تھی۔ اس کے اشارے پر میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور وہ اندر کی ہول سے چابی نکال کر میرے پیچھے ہو لیا۔

"ہمارا ایک ساتھ باہر نکلنا مناسب ہو گا۔" میں نے راہداری میں اس سے کہا۔ "ہوٹل سے نکل کر میں داہنی طرف رکوں گا تم مجھ سے وہیں آملنا اس طرف میری گاڑی موجود ہے۔"

یہ کہہ کر میں تیزی سے سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے چلا گیا اور چند منٹوں بعد وہ مقررہ جگہ پر مجھ سے آملا۔

غزالہ کے گھر کی طرف جاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ تنظیم کے طریقۂ کار کے بارے میں میری پچھلی معلومات اس وقت بھی کارآمد تھیں۔ شاید رخشی ہی سلام سے یکطرفہ رابطہ رکھتی تھی اور سلام کو اس سے رابطے کا طریقہ نہیں معلوم تھا ورنہ وہ میرے ساتھ روانہ ہونے سے پہلے اس سے تصدیق کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔ ہارن کی آواز سن کر سلطان شاہ نے تقریباً فوراً ہی پھاٹک کھولا تھا پھر پورچ میں گاڑی روک کر نیچے اترا تو سلطان شاہ پھاٹک بند کر کے اپنا بے آواز پستول تھامے ہماری طرف چلا آیا تھا۔ سلام نے اس پر نگاہ پڑتے ہی استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے شانے اچکا کر بے پروائی سے کہا۔ "یہاں کا کوئی اپنا طریقۂ کار ہو گا۔"

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" اسے متذبذب پا کر سلطان شاہ نے قریب پہنچ کر غراتے ہوئے کہا۔ سلام ہاتھ اٹھائے بغیر اسے سرد اور قہر آلود نگاہوں سے گھورتا رہا اور سلطان شاہ اس پر ہاتھ چھوڑ بیٹھا۔

اس کا بایاں ہاتھ پوری قوت سے سلام کے جبڑے پر پڑا تھا اور وہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے غضبناک لہجے میں مجھ سے سوال کیا تو اس کے دہانے کے دونوں طرف سے خون کی پتلی پتلی دھاریں بہہ رہی تھیں۔

"استقبال!" میں نے سرد لہجے میں کہا اور اسی کے ساتھ اس کی پنڈلی پر ایک ٹھوکر رسید کی۔ وہ بلبلا کر نیچے جھکا اور اگر سلطان نے جھپٹ کر اسے فوراً ہی نہ دبوچ لیا ہوتا تو اس نے اپنی جیب سے ریوالور نکال لیا ہوتا۔

اسے لے کر پختہ روش پر گرتے ہوئے سلطان شاہ نے اپنا بے آواز پستول میری طرف اچھال دیا اور پھر وحشیانہ انداز میں اس پر ٹوٹ پڑا۔ وہ بھی کمزور نہیں تھا اس نے زور کر کے تقریباً فوراً ہی خود کو سلطان شاہ کے نیچے سے نکال لیا لیکن سلطان شاہ پر اس وقت جنون کی سی کیفیت طاری تھی، وہ سلام کو مہلت دیے بغیر پلٹا اور اس کے دونوں جبڑوں کو بار بار ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

وہ دھماچوکڑی اتنی شدید تھی کہ اندر سے کرنل بھی بوکھلا کر باہر آگیا اس وقت تک سلطان شاہ سلام کو بری طرح لہولہان کر چکا تھا اور اس کے چہرے پر جابجا نیل نمودار ہو چکے تھے۔ اس کوشش میں سلطان خود بھی زخمی ہوا تھا لیکن مجموعی طور پر اس کا پلہ بھاری رہا تھا۔ نتیجے کے پیشِ نظر میں دخل اندازی کیے بغیر تماشا دیکھتا رہا تاکہ وہ دل کی بھڑاس نکال سکے۔ کرنل نے آتے ہی بیچ بچاؤ کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اسے بھی سختی سے روک دیا اور سلطان شاہ نے ذرا ہی دیر میں سلام کے سارے کس بل ڈھیلے کر کے اس کے ریوالور پر قبضہ کر لیا۔

"یہ... یہ کون ہے؟ یہاں کیا ہو رہا ہے؟" کرنل نے کپکپاتی ہوئی تحیر آمیز آواز میں پوچھا۔

"غزالہ کے بارے میں اسی سے کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔"

میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "آپ اندر جا کر آرام کریں، تھوڑی دیر میں یہ سچ بولنے کی مشین بن جائے گا تو آپ کو بلا لیا جائے گا۔"

"غزالہ!" وہ خون تھوکتے ہوئے تنفر آمیز لہجے میں بولا۔ "شاید تم لوگ بالکل ہی پاگل ہو گئے ہو، جو ایک شریف شہری کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو، میں کسی غزالہ کو نہیں جانتا۔"

"اندر چلو، تھوڑی دیر میں جان جاؤ گے۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ سی ون کے لیے کام کرنے والے لوگ کتنے شریف ہوتے ہیں۔"

اس نے اندر چلنے میں تردد کا اظہار کیا تو سلطان شاہ نے پھر اس کا چہرہ ادھیڑ ڈالا۔ اسے یوں رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا، جیسے سلام نے اس کی کوئی پرانی جاگیر ہتھیالی ہو۔ اس بار سلطان شاہ کے ہاتھ اسی وقت رکے تھے، جب اس کا شکار تیورا کر دوبارہ نیچے ڈھیر ہو گیا تھا۔ چند ثانیوں کے انتظار کے بعد جب سلام پر مزید کوئی مصیبت نازل نہ ہوئی تو وہ کسی اندھے کی طرح ٹٹولتا ہوا فرش سے اٹھ گیا۔ زخموں اور خون کی وجہ سے اس کا ورم آلود چہرہ بھیانک ہو گیا تھا۔ دونوں آنکھوں کے نیچے نیل پڑ گئے تھے اور نچلے ہونٹوں کی سوجن نے اس کی دونوں آنکھیں تقریباً بند کر دی تھیں۔ سیدھا کھڑا ہو جانے کے باوجود وہ یوں لہرا رہا تھا جیسے اس کی کھوپڑی چکرا رہی ہو۔

ہم دونوں اسے ہانکتے ہوئے اندر کی طرف لے چلے۔ کرنل ہمارے پیچھے آ رہا تھا، اس کے چہرے پر پٹنے والے کے لیے ترحم کے آثار نمایاں نظر آ رہے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ جنگوں کا آزمودہ، ریٹائرڈ کرنل ہونے ہوئے بھی وہ اس قدر نرم دل واقع ہوا تھا۔

کرنل کو راستے میں چھوڑ کر ہم سلام کو اسی کمرے میں لے گئے، جہاں کامران قید رہتا تھا۔ اندر داخل ہونے کے بعد سلطان نے دروازہ اور کھڑکیاں بند کر دیں تاکہ باہر سے کسی مداخلت کا... امکان باقی نہ رہے۔

"اب بتاؤ کہ غزالہ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" میں نے قیدی کے سر پر مسلط ہو کر سرد لہجے میں سوال کیا۔

"میں کسی غزالہ کو نہیں جانتا۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"پھر لاہور سے یہاں کیوں آئے تھے؟" میں نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔ اس کا چہرہ سوجا ہوا اور بری طرح مسخ تھا، جس کی بنا پر اس کے تاثرات کا اندازہ لگانا دشوار تھا لیکن پھر بھی میں نے محسوس کیا کہ وہ میرا سوال سن کر چونک پڑا تھا۔

"لل... لاہور سے میرا یہاں تبادلہ ہوا ہے۔ اخر

تم کون ہو اور مجھ پر کس بات کا شبہ کر رہے ہو؟"

"اگر تنظیم میں تم ذرا سے بھی اہم مقام کے حامل ہو تو ضرور پہچان لو گے... میرا نام ڈھنی ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" اس نے بلا تامل اقرار کیا۔ "یہ تمھارا نام میرے لیے نیا نہیں ہے۔ مجھے تمھاری ہی تلاش میں سلام دینے کے لیے سی ون کے پاس بھیجا گیا ہے... شاید پہلے تم ہمارے ہی ساتھ تھے؟"

"اور وہ تصویر، جو تمھیں دی گئی تھی؟"

"مجھے کوئی تصویر نہیں دی گئی۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔

"اس چھت کے نیچے ہم تمھیں ذبح بھی کر دیں گے تو کوئی تمھاری مدد کو نہیں آئے گا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ جو کچھ جانتے ہو، بلا تکلف بتاتے چلے جاؤ ورنہ آرزو کے باوجود آسانی کے ساتھ موت کو بھی گلے سے نہ لگا سکو گے۔"

"زبردستی جو کہلوانا چاہو، کہنے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے بے بسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "ورنہ سچی بات یہ ہے کہ میں نہ غزالہ کو جانتا ہوں اور نہ کسی تصویر کے وجود سے واقف ہوں۔"

مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ اگر وہ غزالہ سے لاعلمی کے ساتھ یہ مان لیتا کہ اسے لاہور سے چلتے ہوئے ایک تصویر دی گئی تھی تو شاید میں فریب کھا جاتا کیونکہ زخشی مجھے بتا چکی تھی کہ سلام قتل اور اغوا کے معاملات میں ماہر تصور کیا جاتا تھا اور اسے لاہور سے خاص طور پر غزالہ کی تلاش کے لیے بھیجا گیا تھا۔ وہ جس طرح اپنی آمد کے بنیادی مقصد سے گریز کر رہا تھا، اس کی بنا پر مجھے قوی شبہ ہونے لگا کہ غزالہ کی گمشدگی میں اگر اس کا ہاتھ نہیں تھا تو وہ اس بارے میں کم از کم کوئی اہم بات ضرور جانتا تھا۔

"یہ اس طرح نہیں ملنے گا۔" سلطان شاہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "مار کھانے کے معاملے میں بہت ڈھیٹ اور پکا معلوم ہوتا ہے، میں اس کے کان کاٹنے سے ابتدا کرتا ہوں، پھر دیکھوں گا کہ کب تک خاموش رہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ چھری اور پسی ہوئی مرچیں لے آؤ۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا، اور وہ دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔" سلطان شاہ کے چلے جانے کے بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تشدد کے بعد تم اگر کچھ اگلوانے میں کامیاب ہو بھی گئے تو وہ جھوٹ اور گمراہ کن ہو گا۔"

"جھوٹ اور سچ میں تمیز کرنا میرا کام ہے اور میں تمہارے
منحوس پیشوں سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔ ایک قاتل کو
اذیت دیتے ہوئے ہلاک کرنے میں مجھے کوئی تامل نہ ہوگا۔ یاد
رکھنا کہ مرنے کے بعد تمہارے وارث بھی تمہاری لاش کو
شناخت نہیں کر سکیں گے اور تم لاوارث قرار دے کر کسی گڑھے
میں دبا دیئے جاؤ گے۔"

نہ جانے یہ میری روح فرسا منظر کشی کا رِدِ عمل تھا یا وہ پہلے
ہی آخری کوشش کا فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ مجھ پر ٹوٹ پڑا اور اس
جھٹکے میں پستول میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس نے چھوٹتے ہی میری
گردن دبوچنے کی کوشش کی تھی لیکن اپنی ناک پر پڑنے والی بھرپور
ٹکر سے تیورا کر غراتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے پوری قوت
سے اس کے پیٹ میں لات ماری اور وہ حلق سے کریہہ
آوازیں نکالتے ہوئے ماہیِ بے آب کی طرح فرش پر تڑپنے لگا۔
مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ تڑپتے ہوئے میرے پستول پر ہاتھ نہ
ڈال دے لہٰذا میں پستول اٹھا کر دروازے میں جم گیا۔

اسی اثنا میں سلطان شاہ چھری سمیت بوکھلایا ہوا وہاں
آپہنچا۔ زخمی کے شور نے کرنل کو بھی ادھر کا رخ کرنے پر مجبور کر دیا۔

"آپ پھر چلے آئے؟" میں نے ناگوار لہجے میں کرنل سے
کہا۔ اس بے چارے نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن میرے
چہرے پر نگاہ پڑتے ہی خاموشی سے دُم دبا کر واپس لوٹ گیا۔

"کیا پھر کچھ ہوا ہے؟" سلطان شاہ نے چھری کا پھل
بائیں ہتھیلی پر صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ مرنا ہی چاہتا ہے۔ مجھ پر حملہ کر بیٹھا تھا۔" میں نے کہا۔
"میں اب تماشا دیکھوں گا، تم اپنا کام شروع کر دو۔"

سلطان شاہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھ سے تشدد
کی انتہا کے بارے میں سوال کیا اور میں نے اسے کھلی چھوٹ
دے دی۔ وہ چھری سنبھال کر کمرے میں لپکا اور کسی ماہر قصاب
کی طرح سلام پر چڑھ بیٹھا۔ وہ پوری قوت سے مچلا تھا لیکن سلطان
نے پہلے ہی وار میں اس کا داہنا کان جڑ سے کاٹ لیا اور فاتحانہ
انداز میں اس پر سے اتر آیا۔

سلام کے حلق سے غراہٹوں کے ساتھ گالیوں کا طوفان
اُمڈ پڑا۔

"قتل، اغواء اور بردہ فروشی۔" میں نے بے رحمانہ لہجے میں
کہا۔ "تمہارے تینوں ہی جرم بہت سنگین ہیں۔ میری نگاہ میں
ان میں سے ہر جرم کی سزا موت ہے۔ اگر تم ہمارے ہاتھوں مارے
گئے تو مجھے خوشی ہوگی کہ جو کام قانون نہ کر سکا، وہ میں نے
نمٹا کر دکھایا ہے۔"

"صرف چار منٹ باقی ہیں۔" سلطان شاہ اپنی رسٹ واچ
دیکھتے ہوئے بولا۔ "زبان نہ کھولی تو وقت پورا ہوتے ہی دوسرا
کان کاٹ لوں گا اور اس بار چھری کے پھل پر مرچیں لگی ہوں گی۔"

"تم... تم... سنگدل بھیڑیے ہو۔" وہ ہانپتے اور
کراہتے ہوئے نفرت آمیز لہجے میں بولا۔

"کسی رحمدل بھیڑیے کا پتا معلوم ہو تو وہ بھی بتا دو،
شاید ہم اسی سے کچھ سیکھ سکیں۔" مار دھاڑ اور جسمانی ورزش کے
بعد سلطان شاہ کی شگفتگی بھی عود کر آئی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا
جیسے اس نے چند منٹ قبل کسی زندہ شخص کے عضو کے بجائے
کسی سیب سے ایک ٹکڑا اتراشا ہو، اور اب دوسرے کا
منتظر ہو۔

"تین منٹ!" تھوڑے سے توقف کے بعد سلطان شاہ
نے ہانک لگائی۔ "ہر پانچ منٹ بعد ایک عضو سے محروم ہوتے
جاؤ گے اور آخر میں بے دست و پا دھڑ پر صرف کھوپڑی ہی
رہ جائے گی۔"

"ہم اس پر زیادہ وقت برباد نہیں کر سکتے۔" میں نے سلطان شاہ
کو آنکھ مارتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔ "اس بار اس کا داہنا بازو
کہنی سے الگ کر دینا۔ شاید اس کا ذہن تیزی سے فیصلہ کر سکے۔"

"نہیں!" وہ ہذیانی انداز میں چیخ پڑا۔ "تم یہ وحشیانہ ظلم
نہیں کر سکتے۔"

"صرف سوا دو منٹ رہ گئے ہیں، خود ہی پتا چل جائے گا
کہ ہم کیا کر سکتے ہیں اور کیا نہیں۔" سلطان شاہ نے پرسکون لہجے میں کہا۔

وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر ہمیں گالیاں دینے لگا۔ اس دوران میں
سلطان شاہ ہر تیس سیکنڈ بعد بلند آواز میں اسے باقی رہ جانے
والی مدت سے آگاہ کرتا رہا اور ہر بار اس کی حالت میں نمایاں
تغیر نمودار ہوتا رہا۔ پھر جب پانچ منٹ پورے ہونے پر...
سلطان شاہ چھری تان کر اس پر جھپٹا تو اس کے اعصاب جواب
دے گئے اور وہ دونوں ہاتھ فضا میں لہرا کر چیخ پڑا۔

"ٹھہرو... ٹھہرو! میں بتا دوں گا، سب بتا دوں گا۔"

"اب یہ اگلے پانچ منٹ میں سوچنا، داہنا بازو تو بہرصورت
میں کٹے گا۔" سلطان شاہ اس پر سوار ہو کر زور آزمائی کرتے
ہوئے بولا مگر میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ہاتھ کاٹنے کے بجائے
اس کے اوسان خطا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہٹو... میں ہاتھ نہیں کٹنے دوں گا، جو پوچھو گے بتا
دوں گا۔" وہ بری طرح زور آزمائی کرتے ہوئے وحشت زدہ
آواز میں چیخا۔

"اسے چھوڑ دو!" میں نے فرمان جاری کیا اور سلطان شاہ

اس پر سے فوراً ہی اُتر گیا۔

سلام اپنے ہاتھ پیر بدن کے ساتھ سمیٹے فرش پر پڑا ہانپتا کانپتا رہا۔ جب تک بات تشدد تک تھی، وہ سب کچھ سہتا رہا لیکن دھمکیوں کے سامنے اس کا سارا حوصلہ پانی ہو گیا تھا۔

"غزالہ کہاں ہے؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"میں نام نہیں جانتا، مجھے بس ایک لڑکی کی تصویر دی گئی تھی، جسے تلاش کرنا تھا۔" اس نے سسکتے اور ہکلاتے ہوئے اٹک اٹک کر کہا۔

بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ "اب وہ کہاں ہے؟" میں نے دوسرا سوال کیا۔

"مم... میں نہیں جانتا۔" وہ اذیت ناک لہجے میں بولا۔ "میں تمھیں سب کچھ بتا دوں گا، لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ معلومات حاصل کرنے کے بعد تم مجھے زندہ چھوڑ دو گے؟"

"نہ کوئی ضمانت ہے نہ وعدہ۔ تمھارے مستقبل کا انحصار صرف ہماری مرضی پر ہو گا۔"

"یہ ظلم ہے، یہ اندھیر ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر کراہا۔

"لڑکی کو تم نے اغوا کیا تھا؟" میں نے اپنی آواز کسی کنویں کی تہہ سے اُبھرتی محسوس کی۔ میرے لیے یہ تصور ہی کربناک تھا کہ غزالہ غائب تھی اور اسے اغوا کرنے والا میرے سامنے موجود تھا۔

"ہاں۔ میرا خیال تھا کہ تقدیر میری یاوری کر رہی ہے، اس بُرے وقت کا اندازہ ہوتا تو وہاں سے انجان بن کر گزر جاتا۔"

"کہاں سے اغوا کیا تھا؟" میں نے اپنے وجود میں غبار سا اُبھرتا ہوا محسوس کیا۔ وہ سوالات کرتے ہوئے میرے لیے خود پر قابو پائے رکھنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس کے اعتراف نے تو میرے اندر لگی ہوئی آگ کو اور بھڑکا دیا تھا۔

"اس کی ٹیکسی خراب ہو گئی تھی۔ وہ آدھے چہرے پر نقاب ڈالے ہراساں انداز میں کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کی آنکھیں پہچان لیں۔ وہ اپنی ٹیکسی کا حساب کر کے دوسری سواری کی تلاش میں آگے بڑھی تو میں نے اسے جا لیا...!"

میں نے بڑھ کر اضطراری طور پر اس کی پسلیوں میں ٹھوکر رسید کی اور وہ بلبلا اُٹھا۔ "مجھے مت مارو، خدا کی قسم میں نے کوئی زیادتی نہیں کی تھی، جو کچھ ہوا، آناً فاناً میں ہوا تھا، کسی کو شبہ تک نہ ہو سکا کہ وہاں اغوا کی واردات ہوئی ہے۔"

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟" سلطان شاہ نے آگے بڑھ کر مجھے بُری طرح جھنجوڑ ڈالا۔ میں نے قہر بار نظروں سے اس کی طرف گھورا تو وہ آنکھ کا اشارہ کرتے ہوئے اسی غصیلے لہجے میں بولا۔ "جب وہ خود ہی سب کچھ بتا رہا ہے تو پھر درندگی دکھانے کی کیا ضرورت ہے، تم جاؤ یہاں سے، میں خود سب کچھ معلوم کر لوں گا۔"

میں کوئی جواب دیے بغیر خاموش کھڑا رہا اور سلطان شاہ سلام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اغوا کر کے اسے کہاں لے گئے تھے؟"

"جیوا ہاؤز۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ میں دل ہی دل میں اپنی کم نگاہی پر کھول کر رہ گیا۔ پورے شہر میں گھپلے کے کاموں کے لیے تنظیم کے پاس وہی ایک عمارت تھی جہاں کسی کو اغوا کر کے قید کیا جا سکتا تھا اور میں غزالہ کی تلاش کی مہم میں اسے یکسر بھلا بیٹھا تھا۔

"وہاں تک تمھاری رسائی کیسے ہوئی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"کراچی پہنچنے کے بعد سی ون نے مجھے ایک کوڈ ورڈ بتایا تھا، جسے محافظوں کے سامنے دُہرا کر میں کسی بھی وقت جیوا ہاؤز کی عمارت کو استعمال کر سکتا تھا۔"

"اور اپنی اس کامیابی کی اطلاع کس کس کو دی تھی؟"

"کسی کو بھی نہیں۔" وہ کراہتے ہوئے بولا۔ "ہمارے یہاں رابطے کا نظام یک طرفہ ہے۔ مجھے کسی بڑے کا ٹھکانا معلوم نہیں ہے، جب بھی کوئی مجھ سے رجوع کرتا، میں اسے لڑکی کے حصول سے باخبر کر دیتا۔ میں محض اسی دھوکے میں مارا گیا۔ میرا خیال تھا کہ شاید سی ون کو جیوا ہاؤز میں لڑکی کی موجودگی کی اطلاع مل گئی ہے اور اس نے اسی لیے بلایا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اب بھی وہیں ہے؟" میں نے مسرت اور سنسنی کے احساسات کو چھپاتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں، شاید تم نے کل شام کے اخبار نہیں دیکھے۔" اس کے جواب نے میری ہر خوشی پر اوس بکھیر دی۔ "میں نے پرسوں صبح لڑکی کو وہاں پہنچایا تھا اور کل صبح جیوا ہاؤز میں خوفناک آتش زنی ہوئی تھی، مجھے کچھ پتا نہیں کہ وہ عمارت ہی میں جل گئی یا زندہ بچ نکلی گئی۔"

اس انکشاف پر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ غزالہ کے زندہ جل مرنے کا تصور میری برداشت سے باہر تھا۔ پھر اسی لمحے مجھے جہانگیر سے ہونے والی گفتگو یاد آئی اور واقعات کی کڑیاں یکجا ہونے لگیں۔

لاہور سے میں نے جہانگیر کو فون کیا تو اس نے بتایا تھا کہ جیوا ہاؤز کے پھاٹک سے اندر گھسیٹی جانے والی لاش کے بارے میں پولیس نے سخت تفتیشی رویّہ اختیار کیا ہوا تھا اور ایسے امکانات نظر آ رہے تھے کہ کہیں پولیس کسی وقت عمارت کی تلاشی لینے پر نہ تُل جائے، جب کہ وہاں ایم ٹی تھری ہنڈرڈ کے متروک اسٹاک سمیت دوسرے بہت سے ایسے لوازمات موجود تھے، جن کے

ہے میں پولیس حکام کو مطمئن کرنا ناممکنات میں سے تھا، لہٰذا اس
کے پیشِ نظر اسے ٹو نے جہانگیر کو حکم دیا تھا کہ جیوا ہاؤز
نظر سے اس طریقے سے آگ لگائی جائے کہ وہاں خاص طور پر گرین روم
میں اس ایک تیلی بھی نہ بچ سکے۔
یادداشت تازہ ہوتے ہی خیال آیا کہ جہانگیر کے بیان کے
مطابق ایاس کے قتل اور شہادتیں مٹانے کے جرم میں جیوا ہاؤز
کے دونوں ملازمین حراست میں لے لیے گئے تھے اور عمارت کسی
نگرانی کے بغیر ویران پڑی ہوئی تھی، پھر سلام نے کوڈ کیسے بتایا
تھا اور وہاں کیسے داخل ہوا تھا؟
"وہ عمارت تو کم از کم پچھلے تین دن سے متروک پڑی ہے،
پھر تم وہاں کیسے پہنچے تھے؟" اس بار میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے
میں سوال کیا تھا۔
"اس کا مجھے کوئی علم نہیں۔ میں پانچ دن پہلے کراچی آیا تھا،
اسی وقت سی ون نے مجھے جیوا ہاؤز کے بارے میں بتایا تھا۔ اس
کے بعد کوئی تبدیلی ہوئی ہو تو میں اس سے لاعلم ہوں۔"
"پھر اس ویران عمارت میں تم نے کوڈ کہاں استعمال کیا تھا؟"
"اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ جب ہارن بجانے پہ کوئی نہ
آیا تو میں میدان صاف پاکر دیوار سے اندر کود گیا، پھاٹک کھولا اور گاڑی
اندر لے گیا، لڑکی بے ہوش تھی، اس لیے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔"
"یعنی تم اسے ویران عمارت میں ڈال آئے ہو؟"
"اندر کا قفل بھی مجھے مڑے ہوئے تار سے کھولنا پڑا لیکن
میرے پاس اس شہر میں کوئی متبادل ٹھکانا نہیں تھا۔" اس نے
مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "میں زیادہ دیر تک اسے ساتھ لے کر بھی نہیں
گھوم سکتا تھا۔ مجھے عمارت کے چھوڑے جانے کا علم نہیں تھا۔ میں
سمجھا کہ شاید محافظ مقررہ اوقات میں وہاں رہتے ہوں، باقی وقت
یوں ہی ویران رہتی ہوگی۔"
میرا دل ڈوبنے لگا۔ جو کچھ ہوا، بہت غیر متوقع طریقے
سے ہوا تھا۔ رخشی نے سلام کو جیوا ہاؤز استعمال کرنے کی اجازت
دے دی، اسے ٹو نے جہانگیر کو وہاں آگ لگانے کا حکم دے
دیا۔ عمارت کے محافظ حراست میں تھے، سلام نے عزالہ کو وہاں بند
کیا اور اگلے دن جہانگیر نے عمارت کو آگ لگا دی۔ اسے علم بھی نہ
ہو سکا ہوگا کہ ان شعلوں میں کوئی زندہ وجود بھی بھسم ہو گیا ہوگا۔
اگر وہاں محافظ ہی موجود ہوتے تو وہ جہانگیر کو بتا دیتے کہ عمارت
میں کوڈ ورڈ کے سہارے ایک قیدی لڑکی لائی گئی ہے اور عزالہ
شاید بچ جاتی۔
مجھ پر نقاہت سی طاری ہونے لگی۔ سلطان شاہ مجھے
چھوڑ کر نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ میرا دل چاہا کہ سلام کے بدن پر

پٹرول چھڑک کر دیا سلائی دکھا دوں کیونکہ اس نے عزالہ کو جیوا ہاؤز
میں نہیں بلکہ جلتی چتا میں لے جا پھینکا تھا۔
"مجھے پیاس لگ رہی ہے، پانی پلا دو۔" کمرے میں
سلام کی پھنسی پھنسی آواز ابھری۔
"پانی پلانے کے بجائے کیوں نہ تمہیں آگ میں بھونا جائے۔"
میں نے شکست اور غصے کے ملے جلے جذبات کے تحت دانت
پیس کر کہا۔ "تم اس کے قاتل ہو، میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔"
"تمہارے لہجے سے خون کی بو آ رہی ہے۔ مجھے معلوم
ہے کہ تم مجھے مارنے کے بہانے تلاش کر رہے ہو اور ہر گز زندہ
نہیں چھوڑو گے لیکن میری سب اطلاعات پرانی ہیں۔ آگ
لگنے کی خبر شام کے اخباروں میں آئی تھی۔ اس کی تفصیل صبح کے
اخباروں میں ہوگی، ہو سکتا ہے کہ وہ بچا لی گئی ہو۔"
اس کی بات معقول تھی، میں جانے کے لیے پلٹا تو اسی
وقت سلطان شاہ آ موجود ہوا۔ اس کے ہاتھ میں تازہ اخبار دبا
ہوا تھا۔
"بہت بھیانک آگ لگی تھی جیوا ہاؤز میں۔" اس نے بتایا۔
"لیکن اخبار کے مطابق عمارت ویران پڑی ہوئی تھی لہٰذا کوئی جانی
نقصان نہیں ہوا، ہو سکتا ہے کہ بھابی کو بچ نکلنے کا موقع مل
گیا ہو۔"
"نہ وہ ناسمجھ ہے، نہ یہ شہر اس کے لیے اجنبی۔" میں نے
جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔ "اگر وہ بچ ہی نکلی تھی تو اب
چوبیس گھنٹے پورے ہونے والے ہیں، وہ گھر کیوں نہیں پہنچی؟
تم جیوا ہاؤز سے واقف نہیں ہو، وہ بھی کمروں اور تہہ خانوں کی
ایک بھول بھلیاں ہے، جب تک ملبہ پوری طرح صاف نہیں
ہوگا، کچھ معلوم نہیں ہو سکے گا۔"
"میں نے تمہیں سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے، میری
ہڈیاں تک دکھنے لگی ہیں، اب تو مجھے جانے دو۔" سلام فرش
سے اٹھتے ہوئے بولا تو اس کی حالت اس قدر ابتر تھی کہ مجھے
شدید نفرت کے باوجود جھرجھری سی آ گئی۔ خون آلود فرش پہ
کھڑا ہوا اس کا زخموں سے چور چور ہیولا کسی بھی طرح قابلِ شناخت
نہیں رہا تھا۔ یہ شاید اس کی قوتِ ارادی ہی تھی کہ اس قدر خون
بہہ جانے کے باوجود وہ اپنے قدموں پہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور
ہوش و حواس کی باتیں کر رہا تھا۔
"فی الحال تم اسی کمرے میں قید رہو گے۔" میں نے سپاٹ
لہجے میں اسے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "جب تک تمہارے بیان کی
تصدیق نہ ہو تم کو رہا نہیں کیا جا سکتا۔"
اس نے بہتیری خوشامدیں کیں لیکن میں نے اس کی ایک

نہ سنی اور اسے وہیں مقفل کر کے ہم دونوں ڈرائنگ روم میں آگئے جہاں کرنل ایک صوفے پر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا ہوا تھا۔

"کیا رہا؟" اس نے میری آہٹ پاتے ہی بے تابانہ لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ سراغ تو ملا ہے۔" میں نے کسی قسم کی گرمجوشی کا اظہار کیے بغیر کہا۔ "لیکن ابھی تک صورتِ حال واضح نہیں ہے۔"

"کیا اس نے زبان کھولی ہے؟"

"غزالہ کو اسی نے اغوا کیا تھا۔" میں نے بات مختصر کرنے کی نیت سے کہا۔ "لیکن یہ معلوم نہیں کہ اب وہ کہاں اور کس حال میں ہے۔ وہ فی الحال یہیں قید رہے گا، ہم غزالہ کا کھوج لگائیں گے۔"

"تم دونوں نے اس کا حشر خراب کر دیا ہے۔" کرنل نے کہا۔ "اسے مار ڈالتے تو شاید ملال نہ ہوتا لیکن ایسا بھیانک تشدد میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔"

میں برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ اسے کیا پتا تھا کہ تشدد کے بغیر سلام ایک لفظ بھی اُگلنے پر آمادہ نہ ہوتا۔

سلام سے جو کچھ معلوم ہونا تھا، وہ معلوم ہو چکا تھا۔ اب سارے معاملے کی کلید جہانگیر کے پاس تھی جس نے جیوا ہاؤز میں آگ لگائی تھی۔ میں نے فون پر نمبر ملایا تو دوسری طرف سے سلمیٰ کی آواز سنائی دی۔ میں نے جہانگیر کے بارے میں... دریافت کیا تو وہ میری آواز پہچانتے ہی چہکنے لگی۔

"میں تو خوش ہو گئی تھی کہ تمھیں اپنا وعدہ یاد رہا اور تم نے میرے لیے فون کیا ہے۔"

"میں اس وقت پریشان ہوں سلمیٰ!" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "جہانگیر کہاں ملے گا؟ اس سے مجھے بہت ضروری بات کرنا ہے۔"

"پتا نہیں کہاں ہوں گے۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولی تھی۔ "مجھے تو تم دونوں ہی پیدائشی پریشان نظر آتے ہو۔ اگر ہو سکے تو فوراً یہاں آجاؤ، تمھارے دوست کے ایسے کرتوت دکھاؤں گی کہ طبیعت صاف ہو جائے گی۔"

"سلمیٰ پلیز!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "آپس کے جھگڑوں کو اپنے تک محدود رکھو۔ مجھے اس میں ملوث کرنے کی کوشش نہ کرو، دوستی کا مطلب ذاتی مسائل میں دخل اندازی کرنا نہیں ہوتا۔ جہانگیر کا فون آئے تو معلوم کر لینا کہ وہ کہاں مل سکے گا۔ مجھے ناکامی ہوئی تو تھوڑی دیر بعد پھر فون کروں گا۔"

"ان کا فون آنے کا کوئی امکان نہیں کیونکہ کل سے ہماری بول چال بند ہے۔ میں پھر کہہ رہی ہوں کہ تھوڑی دیر کے لیے آجاؤ ورنہ ایک بہترین تماشے سے محروم رہ جاؤ گے۔"

میں نے جواب دیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس کی جہانگیر سے ٹھنی ہوئی تھی اور وہ اس کی غیر موجودگی میں مجھے گھر بلانا چاہ رہی تھی۔ اس وقت تو خیر میں پراگندہ خاطر تھا، اگر پُرسکون بھی ہوتا تو اس کی دعوت ہرگز قبول نہ کرتا کیونکہ اس کی رفاقت سے جہانگیر کی دوستی مجھے بدرجہا عزیز تھی۔

میں ہر اس نمبر پر رِنگ کرتا رہا جہاں جہانگیر کے ملنے کے ذرا بھی امکانات تھے لیکن اس کا پورے شہر میں کہیں پتا نہیں تھا۔ نمبر ختم ہو گئے اور میں تھکے ہوئے انداز میں سگریٹ سلگانے لگا۔ پھر اچانک ہی مجھے رخشی کا خیال آیا۔ جہانگیر کی اپنی بیوی سے ان بن تھی اور اتنی شدید کہ ...... دونوں الگ الگ کمروں میں رہ رہے تھے۔ دوسری طرف رخشی کے سی ون بننے کے بعد دونوں میں نیا نیا تعارف ہوا تھا۔ ایک طرف جہانگیر پہلے کا ندیدا واقع ہوا تھا تو دوسری طرف مردوں کے بارے میں رخشی کا رویہ بلا امتیاز حوصلہ افزا ہی ہوا کرتا تھا۔ اس معاملے میں اس کا کوئی خاص معیار نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ کہیں جہانگیر اپنا کوفت دُور کرنے اسی طرف نہ نکل گیا ہو۔

میرے پاس رخشی کا نمبر نہیں تھا، لہٰذا میں کرنل کو قیدی کی طرف سے ہوشیار رہنے کی ہدایت دے کر سلطان شاہ کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

"کیوں نہ جیوا ہاؤز کی طرف سے ہوتے چلیں۔" سلطان شاہ نے رائے دی۔

"بے سود ہو گا، میں جلد از جلد جہانگیر سے ملنا چاہ رہا ہوں، ہو سکتا ہے کہ وہ اسٹون ہاؤس میں رخشی کے پیر چاٹ رہا ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد ہم اس علاقے میں پہنچے تو اسٹون ہاؤس کے عقبی راستے کے قریب پارک کی ہوئی جہانگیر کی سیاہ بلٹ پروف کار دُور ہی سے نظر آگئی۔

"تمھارے قیاس کی داد دینا پڑے گی۔" سلطان شاہ نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "تم واقعی اس کی رگ رگ کو پہچانتے ہو۔"

"مسئلہ یہ ہے کہ اسے اندر سے کیسے نکالا جائے۔" میں نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔ "میں اندر گیا تو معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔"

"تم اگلے پھاٹک کی طرف مجھے اُتار دو۔" وہ سوچتے ہوئے بولا۔ "وہ حصہ تو استعمال ہی نہیں ہوتا، میں اندر گھس کر کوئی چکر چلاتا ہوں، شاید وہ بوکھلا کر نکل ہی بھاگے۔"

"اس معاملے میں بہت ڈھیٹ ہے، رخشی کی حفاظت

یہ بہانے یہیں جما رہے گا۔"

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔" اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"اور تمہارا کیا ہوگا؟"

"جہانگیر باہر نکلے تو تم اسے گھیر لینا، میں فارغ ہو کر سیدھا گھر چلا جاؤں گا۔"

ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے سے کوئی ترکیب آزمانا ہر طرح سُودمند تھا لہٰذا میں نے چکر کاٹ کر سلطان شاہ کو اسٹون ہاؤس کے مین گیٹ سے ذرا دُور اُتار دیا اور گلی سے ہو کر دوبارہ عقبی سمت میں پہنچ گیا۔ اس بار میں نے اپنی کار جہانگیر کی بلٹ پُرف سے خاصی دُور اس طرح کھڑی کی تھی کہ فوری طور پر تعاقب کے آغاز میں کوئی دُشواری نہ ہو۔

مجھے انتظار کرتے بمشکل پندرہ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ فٹ پاتھ پر جہانگیر عجلت کے عالم میں اپنی کار کی طرف بڑھتا نظر آیا اور چند ہی ثانیوں میں اس کی کار برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ گئی اور میں دل ہی دل میں سلطان شاہ کی نامعلوم ترکیب کی داد دیتا اس کے پیچھے ہو لیا۔

تعاقب کا سلسلہ ہوٹل میٹروپول کے سگنل تک جاری رہا، جہاں جاری سمت کی بتی سرخ تھی اور میں اپنی کار جہانگیر کے پہلو میں لے گیا۔ میرے ہارن بجانے پر اس نے سر گھمایا اور مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

"میرے پیچھے چلے آؤ۔" میں نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا اور وہ فوراً ہی راضی ہو گیا۔

سگنل کی بتی سبز ہوئی تو میں سیدھا پی آئی ڈی سی ہاؤس کی طرف ہو لیا۔ وہاں ایک خالی جگہ پر کار پارک کر کے میں نے دروازے مقفل کیے اور جہانگیر کی کار کی طرف بڑھ گیا۔

میں اس کے پہلو والی نشست پر بیٹھا تو اس کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں۔

"بہت خوش ہو، کہاں سے آ رہے ہو؟" میں نے ملامت آمیز انداز میں گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"قدرت واقعی بہت مہربان ہوتی ہے، گھر میں نحوست منڈلانے لگے تو باہر تفریح کا کوئی بندوبست ہو جاتا ہے، سی ون کے پاس سے آ رہا ہوں۔ اس قدر خوش مزاج اور ہم خیال عورت میں نے پہلی بار دیکھی ہے۔"

"میں بتا چکا ہوں کہ اس کے حسن میں زہر بھی پوشیدہ ہے۔"

"رہ رہ کر تمھاری وہی بات یاد آ جاتی ہے اور عین لمحے پر پیش قدمی کی ہمت ختم ہو جاتی ہے ورنہ وہ تو مجھے بہادر پسند کرنے لگی ہے۔ بات بات پر ریشہ خطمی ہوئے جاتی ہے۔"

"وہاں کیوں گئے تھے؟"

"ایک بڑی اُلجھن میں پڑ گیا ہوں۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "اسی سلسلے میں رخشی سے مشورے کی نیت سے گیا تھا لیکن کام کی بات شروع ہونے سے پہلے ہی وہاں گڑبڑ ہو گئی اور مجھے بھاگنا پڑ گیا۔"

"کیسی گڑبڑ؟" میں نے سادگی سے پوچھا۔

"گھر میں کچھ آہٹیں سی سُنائی دی تھیں، رخشی کو شبہ ہے کوئی چھپ کر اس کی نگرانی کرتا ہے۔ کل رات کسی نامعلوم آدمی نے اس کے چوکیدار کو بھی مار دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس کی وجہ سے کہیں میں عتاب میں نہ آ جاؤں، اسی لیے خاموشی سے نکل آیا۔"

"جیوا باوز کو بھی جلا ہی دیا تم نے؟" میں نے قدرے توقف کے بعد اپنے مطلب کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"وہیں سے تو ساری اُلجھن شروع ہوئی ہے۔" اس نے کہا اور میں چوکنّا ہو کر بیٹھ گیا۔

"وہ کیسے؟"

"عمارت ویران اور مقفل پڑی ہوئی تھی، میں نے آگ لگانے کے لیے ہر طرف پٹرول بہانا شروع کیا تو شاید اسی کی بو سے خوفزدہ ہو کر اندر سے کسی نے مدد کے لیے چلانا شروع کر دیا۔ میری عقل چکرا کر رہ گئی کہ بند کمروں میں عورت کہاں سے گھس پڑی؟" وہ اپنی رو میں بولے جا رہا تھا اور میرا دل فرطِ جوش سے کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگا تھا۔ "دروازہ کھول کر اندر گھسا تو ایک بے حد حسین لڑکی سہمی ہوئی کھڑی تھی اور ہو بہو وہی تھی جس کی اسے ٹو کو تلاش ہے۔ مجھے چند ہی روز پہلے اس کی تصویر بھیجی گئی تھی۔ میں نے لڑکی سے باز پرس کرنا چاہی تو اس نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ اسی جدوجہد میں نجانے کیسے ماچس اس کے ہاتھ لگ گئی پھر جوں ہی میں فرش پر پھیلی ہوئی پٹرول کی چادر میں پھنسا اُس نے دیا سلائی جلا کر اچھال دی۔ بس زندگی تھی جو میں آگ کی چادر پھاند کر نکل آیا۔ وہ بھی زیادہ دور نہ جا سکی۔ اسے بے ہوش کر کے میں نے گاڑی میں ڈالا اور غلطی یہ کی کہ اسے بوکھلاہٹ میں سیدھا گھر لے گیا بس جب ہی سے گھر کی فضا خراب ہے۔ سلمیٰ سخت ناراض ہے اور کئی بار مجھے بردہ فروشی کے طعنے دے چکی ہے۔"

"اور لڑکی کہاں ہے؟" میں نے اپنی بے پایاں مسرت کو سرگوشی میں چھپاتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ میرے گھر ہی کے ایک کمرے میں قید ہے۔ کچھ اگل کر نہیں دیتی اور میں اس مخمصے کا شکار ہو گیا ہوں کہ اسے پولیس کے حوالے کروں یا نہ کروں کیونکہ صورت سے بے چاری بہت معصوم لگتی ہے۔ یہ تک بتانے کو تیار نہیں کہ جیوا ہاؤز کیسے پہنچی تھی۔"

"کار اسٹارٹ کرو اور فوراً گھر چلو۔" میں نے اضطراری انداز میں اس کا شانہ دباتے ہوئے کہا۔

"اور تمہاری گاڑی؟" اس نے حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"چلو، جلدی چلو، وہ بعد میں لے لی جائے گی۔" میں نے بے تابانہ لہجے میں کہا اور اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سر جھٹک کر اگنیشن آن کیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

"آخر اس لڑکی میں یک بیک تمہیں کیوں دلچسپی پیدا ہو گئی ہے؟" اس نے اپنی کار ٹریفک کی قطار میں داخل کرتے ہوئے پوچھا۔

"گھر پہنچ کر بتاؤں گا۔ تم یہ بتاؤ کہ اس بارے میں رخشی سے کیا بات ہوئی؟"

"بتایا تو کہ بات کرنے کی نوبت ہی نہیں آ سکی۔" اس نے تنک کر کہا۔ "مجھے نظر آ رہا ہے کہ فوری طور پر لڑکی کا کوئی بندوبست نہ کیا تو سلمٰی بیگم مجھے پورے خاندان میں بدنام کر کے میکے جا بیٹھیں گی۔"

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ سلطان شاہ نے اس مردود کو بروقت رخشی کے گھر سے نکال بھگایا تھا۔ اگر اس معاملے میں تاخیر کے باعث وہ خبر رخشی تک پہنچ جاتی تو صورتِ حال قابو سے باہر ہو جاتی۔

جہانگیر کی سبک رفتار کار میں ہم جلد ہی اس کے گھر پہنچ گئے۔

"سلمٰی سے سامنا ہو تو ذرا اسے سنبھال لینا، کل سے بہت خراب موڈ میں ہے۔" اس نے گاڑی پورچ میں لے جاتے ہوئے کہا اور میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اس وقت مجھے اس کی خانگی زندگی یا سلمٰی سے زیادہ غزالہ کی فکر تھی۔

وہ مجھے ساتھ لے کر راہداری سے ہوتا ہوا ایک طرف مڑا اور پھر ایک کمرے کے سامنے پہنچتے ہی اس کے منہ سے بے اختیار تحیر آمیز آواز نکلی "نکل گئی!"

میں نے بڑھ کر دیکھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر کوئی بھی نہیں تھا۔

میری نگاہوں کے سامنے اندھیرا سا ناچنے لگا۔

"**نکل** گئی سونے کی چڑیا۔" اچانک عقب سے سلمٰی کی زہریلی آواز سنائی دی اور میرے ساتھ ہی جہانگیر بھی چونک کر اسی طرف گھوم پڑا۔ سلمٰی راہداری کے کونے پر کمر پر ہاتھ رکھے تضحیک آمیز نگاہوں سے جہانگیر کو گھور رہی تھی۔

جہانگیر اپنی بیوی سے ڈرتا بھی تھا لیکن اس وقت سلمٰی کے اس جلے کٹے تبصرے نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور وہ دانت پیستا ہوا پھاڑ کھانے والے انداز میں اس کی طرف جھپٹا۔

"بتاؤ، کہاں گئی وہ؟" اس نے غراتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے کیا معلوم۔" وہ گردن جھٹک کر اس کے تیوروں کا اثر لیے بغیر بے پروایانہ لہجے میں بولی۔ "جہاں سے اٹھا کر لائے تھے، موقع پا کر وہیں چلی گئی ہو گی۔ مقدر کی اچھی تھی ورنہ تمہارے ہاتھوں نہ جانے کیا کیا ذلت اٹھانا پڑتی اسے۔"

"میں پوچھتا ہوں کہ دروازہ باہر سے مقفل تھا، اسے کس نے کھولا؟" جہانگیر کے لہجے میں غصے کے ساتھ بے بسی بھی سمٹ آئی۔

"نشے میں تھے۔ تمہیں بند اور کھلے کا ہوش کہاں رہا ہو گا۔" اس نے ترکی بہ ترکی طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آئندہ ذرا احتیاط رکھنا ورنہ یہ کاروبار کامیابی سے نہ چلا سکو گے۔"

جہانگیر یوں جھپٹا جیسے اس پر ہاتھ چھوڑ بیٹھے گا لیکن میں نے لپک کر اسے تھام لیا۔ "احمق نہ بنو۔ جو ہو گیا سو ہو گیا اب اپنے گھر کی فضا برباد نہ کرو۔ ہمیں سکون سے بیٹھ کر بات کرنا چاہیے۔"

"نہیں نہیں۔ تم انہیں چھوڑ دو۔" سلمٰی غضبناک لہجے میں بولی۔ "بس یہی ایک کسر رہ گئی تھی کہ کبھی مار نہیں کھائی تھی۔ آج انہیں یہ ارمان بھی پورا کرنے دو۔ جو دوسروں کی بہن بیٹیوں کو بیچنے کے لیے اٹھا سکتا ہے اس کے لیے اپنی بیوی کو مارنا کوئی کمال نہیں ہو گا۔"

ان دونوں ہی کے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے غبار بھرا ہوا تھا اور یہ آثار بتا رہے تھے کہ ان کی بحث آناً فاناً میں سنگین رخ اختیار کر سکتی تھی لہٰذا مجھے بادلِ ناخواستہ زیادہ سرگرمی دکھانا پڑی کیونکہ ان کے باہمی مراسم کی سردمہری سے میں اچھی طرح واقف تھا اور جانتا تھا کہ ان کے اختلافات دور کرانا میرے بس سے باہر ہے لیکن اس وقت میں چند ثانیوں کی مہلت حاصل کر کے سلمٰی سے غزالہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بے چین تھا۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ میں بھابی سے بات کرتا ہوں۔" میں نے جہانگیر کو سمجھاتے ہوئے کہا اور وہ تھوڑی سی بحث کے ساتھ بڑبڑاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی سلمیٰ کے خشمناک چہرے پر نیاہٹ چھاتی چلی گئی۔ اور اس کی نگاہوں میں شوخ اور فاتحانہ سی مسکراہٹ ناچنے لگی "یہ تم نے اچھا کیا کہ انھیں چلتا کر دیا۔"

"وہ تمھارا مجازی خدا ہے۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "تمھیں اس کے ساتھ ایسا رویّہ زیب نہیں دیتا۔"

"مجازی خدا بردہ فروش بن جائے تو بھنگی بن کر رہ جاتا ہے.... چھوڑو یہ قصہ کہاں لے بیٹھے۔ تم نے تو آج ان کی موجودگی ہی میں مل بیٹھنے کا موقع نکال لیا۔ میں بُلا رہی تھی تو ٹالے جا رہے تھے۔"

"تمھارے ساتھ مجھے جہانگیر کی دوستی بھی عزیز ہے۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا "اگر اسے علم ہو جائے کہ میں اس کی لاعلمی میں تم سے ملتا ہوں تو ہماری دوستی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ بس اسی لیے آنے سے گریز کرتا ہوں۔"

"وہ لڑکی کل سے یہاں قید تھی۔ خوف اور دہشت سے اس کی خوبصورتی گہنا کر رہ گئی تھی۔ میں تمھیں بلا کر اسی سے ملوانا چاہ رہی تھی تاکہ تم اپنی نگاہوں سے اپنے دوست کے کرتوت دیکھ سکو۔"

"لیکن وہ گئی کہاں؟"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "وہ کچھ بتانے کو تیار ہی نہیں تھی۔ ہر وقت خوفزدہ اور سہمی ہوئی رہتی تھی۔ آج جہانگیر اپنی چابی ڈریسنگ ٹیبل پر بھول گئے اور میں نے اسے آزاد کر دیا۔"

"تم نے اسے کس وقت رہا کیا تھا؟"

"خاصی دیر ہو گئی۔ اب تک تو وہ بجانے کہاں پہنچ چکی ہوگی، تمھارے ہاتھ ہرگز نہ آسکے گی۔" اس کا لہجہ بدستور فتحمندانہ تھا۔

"لیکن یہ تو بتاؤ کہ وہ کون تھی اور جہانگیر نے اسے کہاں سے اٹھایا تھا؟"

"وہ ایک شریف لڑکی ہے، جہانگیر نے اسے اغوا نہیں کیا تھا بلکہ اس کی مدد کرنے کی کوشش کی تھی۔ اگر وہ اسے یہاں نہ اٹھا لاتا تو وہ شاید شعلوں میں جل کر بھسم ہو جاتی۔"

"کہانی سنا کر بہلا رہے ہو؟" وہ دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"ارے باپ رے!" میں نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا "جہانگیر نے تمھاری یہ مسکراہٹ دیکھ لی تو بے دریغ مجھے گولی مار دے گا۔ اپنا نہیں تو میرا ہی کچھ خیال کرو۔"

"میں بیوی ہو کر اُن سے ٹکر لیتی ہوں اور تم دوست ہو کر اتنا ڈرتے ہو۔" اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "آؤ میرے کمرے میں چلو وہیں بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔"

"پھر کبھی آؤں گا۔" میں نے دھیمے مگر حوصلہ افزا لہجے میں کہا "اس وقت جہانگیر بھڑک گیا تو تمھاری جھنجلاہٹ مجھ پر اتار بیٹھے گا۔ تمھارے پاس اسے سنانے کے لیے کوئی کہانی بھی تو نہیں۔"

"کہانی کہاں سے بنتی؟ وہ تو شاید کچھ نہ بتانے کی قسم کھائے بیٹھی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی یوں اچٹ کر بھاگی کہ میں زیادہ مزاحمت کرتی تو وہ میرے ساتھ بھی مار پیٹ کر بیٹھتی۔"

اس سے بمشکل گلوخلاصی حاصل کر کے میں جہانگیر کے پاس پہنچا تو وہ بستر پر پڑا غصّے میں کھول رہا تھا۔ اسے صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے بعد میں نے ٹھنڈا رہنے کی تلقین کی تو وہ مجھ سے بھی اُلجھ پڑا۔

"مجھے تو تمھاری نیت میں بھی فتور نظر آتا ہے۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے درشت لہجے میں بولا اور میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہوتی چلی گئیں۔ ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ کہیں اُس نے سلمیٰ کی کوئی بات نہ سُن لی ہو۔

"کیسا فتور؟ کیا پاگل ہو گئے ہو؟" میں نے کھوکھلے انداز میں اُس کی بات اڑانے کی کوشش کی۔

"تم اس لڑکی کے بارے میں کیوں بے چین تھے؟" اس نے غرّاتے ہوئے سوال کیا اور میں نے دل ہی دل میں اپنے خدشات کی تردید پر خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا۔

"میں اُس سے صرف اس لیے ملنا چاہ رہا تھا کہ اے ٹو ابھی تک اسے میری ساتھی سمجھ رہا ہے۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ کس کے لیے اور کیا کام کر رہی ہے لیکن تم نے عاقبت نااندیشی سے یہ موقع ضائع کرا دیا۔"

"اور اب تم سارے شہر میں میری نااہلی کا ڈھنڈورا پیٹتے پھرو گے؟" اس کے جارحانہ لہجے میں تشویش بہرحال نمایاں تھی۔ کیونکہ وہ ابھی تک اے ٹو کے سحر میں گرفتار تھا اور اس امر سے خائف تھا کہ اگر اے ٹو کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس کو مطلوب لڑکی پکڑے جانے کے باوجود جہانگیر کی تحویل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تو وہ جہانگیر کے لیے کوئی معقول سزا بھی تجویز کر سکتا تھا۔

"میں کہاں ڈھنڈورا پیٹوں گا؟" میں نے انجان بنتے ہوئے کہا "تمھیں معلوم ہے کہ اپنے بڑوں سے مخاصمت مول لینے کے بعد میں بہت ہی محدود زندگی گزار رہا ہوں۔ پھر میں کہیں زبان کھول بھی بیٹھا تو تمھارا کیا بگڑ جائے گا؟"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ لڑکی اے ٹو کو شدت سے مطلوب ہے۔ اگر اسے بھنک بھی مل گئی کہ وہ میری غفلت سے فرار ہوئی ہے تو وہ میری کھال اُدھڑوا دے گا۔ ابھی تک تم اس لڑکی کی اہمیت کا اندازہ نہیں لگا سکے ہو۔"

"اگر یہ بات اسی قدر سنگین ہے تو میرے چپ رہنے یا نہ رہنے

سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں؟" اس نے بدک کر سوال کیا۔

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ وہ تمھاری لاعلمی میں جیوا ہاؤز پہنچائی گئی تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر بستر سے اٹھ گیا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ نقاہت آمیز اور شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "تمھارے الگ ہونے سے میں بالکل یتیم ہو کر رہ گیا ہوں۔ اس بارے میں تو میں نے کچھ سوچا ہی نہیں تھا۔ نجانے اس کو کس نے جیوا ہاؤز پہنچایا تھا؟"

"اگر تم اس سے لاعلم ہو تو وہ یقینی طور پر اسے ٹو کا فرستادہ رہا ہو گا اور اس نے لڑکی کو جیوا ہاؤز پہنچانے کے بعد اسے ٹو کو اپنی کارگزاری سے باخبر کر دیا ہو گا۔" میں نے اس کی نبض کی رفتار تیز تر کرنے کی نیت سے کہا۔

"میں تو بے موت مارا گیا۔" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں کراہا۔ "میرے لیے جواب دہی مشکل ہو جائے گی، تم اس کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو۔"

میں کچھ دیر تک پرخیال انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ اس دوران میں جہانگیر کی حالت لمحہ بہ لمحہ پتلی ہوتی چلی گئی پھر آخر میں نے ہی سکوت توڑا۔

"لڑکی تمھیں آتش زنی کے دوران ملی تھی۔ تم اس قصے کو سرے ہی سے گول کر جاؤ۔ یہی سمجھا جائے گا کہ لڑکی آگ سے بوکھلا کر خود ہی نکل بھاگی تھی۔"

"بچت کی یہ پہلی اور آخری صورت ہے۔" وہ مسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ تمھاری کھوپڑی کس چیز سے بنی ہوئی ہے جو ہر بات بروقت سوچ لیتے ہو۔"

میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں اسے اپنی کھوپڑی کی ساخت سے آگاہ کرتا لہٰذا میں گفتگو کو اختصار دے کر وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس وقت میرے ذہن میں غزالہ سمائی ہوئی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ جہانگیر کے گھر سے فرار ہو کر کہاں گئی ہو گی؟ میں جلد از جلد اس تک پہنچ کر اس کی کہانی سننے کے لیے بے چین تھا۔ اس سے پہلے میرے لیے کوئی اور کام کرنا بظاہر ناممکن نظر آ رہا تھا۔

جہانگیر کے گھر سے نکل کر میں نے ٹیکسی پکڑی تاکہ پی آئی ڈی سی ہاؤس کے قریب پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہوئی گاڑی حاصل کر سکوں۔ گاڑی لے کر میں غزالہ کے گھر پہنچا تو وہاں کی سوگوار فضا میں خوشگوار تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔

سلطان شاہ سمیت وہ سب ڈرائنگ روم میں موجود تھے اور غزالہ کو اغوا کرنے والا اسی گھر کے ایک کمرے میں مقید تھا۔ لیکن غزالہ کو شاید اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اضطراری طور پر اپنی جگہ سے اٹھ کر دو قدم آگے بڑھی تھی مگر پھر ٹھٹک کر وہیں رک گئی کیونکہ دوسروں کی موجودگی میں کسی قسم کا جذباتی ردِعمل ہمارے معاشرے میں بالعموم پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا۔

غزالہ کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ اس کی سرخ اور ورم آلود آنکھیں طویل بے خوابی کی کہانی سنا رہی تھیں لیکن مجھے اس کے باوجود اس کے چہرے پر عجیب سے اعتماد کی پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔

"بیٹھ جاؤ بیٹے!" کمرے کی بوجھل فضا میں شمع کی نقاہت زدہ آواز ابھری۔ "خدا کا شکر ہے کہ غزالہ صحیح سلامت گھر لوٹ آئی۔ نہ جانے وہ کون بدبخت تھے جنھوں نے اسے قید کیا ہوا تھا۔"

میرے ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ تیر گئی اور میں غزالہ سے مخاطب ہو گیا۔ "بیٹھ جاؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کہاں سے اور کیسے آ رہی ہو۔ ذرا سی دیر نہ ہو جاتی تو تم سے وہیں ملاقات ہوتی!"

"کہاں؟" اس نے تحیّر زدہ لہجے میں سوال کیا۔ "کیا آپ وہاں پہنچ گئے تھے؟"

"تمھیں راستے سے اغوا کر کے جیوا ہاؤز پہنچانے والا کامران کے کمرے میں قید ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اسے آگاہ کیا۔ "میں نے تمھیں تاکید کی تھی کہ گھر سے باہر نہ نکلنا مگر تم خود غچا ہی میں مار کھا گئیں۔ یہ غنیمت ہوا کہ سلام نے تمھیں براہِ راست لاہور پہنچانے کے بجائے جیوا ہاؤز میں چھوڑ دیا اور وہاں سے تم جہانگیر کے ہاتھ لگ گئیں۔۔۔"

"اوہ! تو وہ جہانگیر تھا؟" غزالہ نے میری بات کاٹ کر حیرت زدہ انداز میں کہا۔ "جب ہی اس نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ بس قید کر کے یہ جاننے کی کوشش کرتا رہا کہ میں کس کے لیے کام کر رہی ہوں۔"

"میرے اور تمھارے تعلق کا اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے۔ وہ بس اپنی بیوی سے ڈرتا ہے اسی لیے تم اس کی زیادتیوں سے بچی رہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں سلمٰی نے قفل کھول کر تمھیں فرار ہونے کا موقع فراہم کر دیا ورنہ اس وقت میں وہاں بیٹھا تمھاری رہائی کے لیے مذاکرات کر رہا ہوتا۔"

"آپ پوری طرح باخبر ہیں۔" وہ کھلی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "میں تو سمجھ رہی تھی کہ میں نے اپنی کوششوں سے فرار کا کارنامہ انجام دیا ہے۔"

"جاؤ، پہلے تم نہا دھو کر اپنا حلیہ درست کرو۔" کرنل نے دخل انداز ہوتے ہوئے کہا۔ "تمھاری حالت ابتر ہو رہی ہے۔"

"پہلے میں اس قیدی کو دیکھنا چاہتی ہوں جس نے مجھے راستے سے اغوا کیا تھا۔" وہ اپنے باپ سے بولی۔ "اس نے مجھے اتنی پھرتی کے ساتھ بے ہوش کر کے گاڑی میں ڈالا کہ میں آواز تک نہ نکال سکی۔ میں جب تک اسے اپنے ہاتھوں سے جوتیاں نہیں ماروں گی، مجھے چین نہیں آئے گا۔"

"وہ کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔" میں نے کہا۔ "تم شاید بھوکی بھی ہو؟"

"ہاں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "جہانگیر نے مجھے کھانا اور ناشتا فراہم کیا تھا لیکن میں نے اسے ہاتھ تک نہ لگایا۔ مجھے ڈر تھا کہ کھانے میں کہیں خواب آور دوا نہ ملی ہوئی ہو۔"

وہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تو سلطان شاہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "اب کیا پروگرام ہے؟"

"یہ مسئلہ تو خلافِ توقع بہت آسانی سے نمٹ گیا۔۔۔ اس معاملے میں رخشی نے میرے ساتھ بہت تعاون کیا ہے اگر وہ زبان نہ کھولتی تو سلام کا ہاتھ آنا ناممکن تھا۔" اس اثنا میں کرنل بھی اپنی بیوی کو وہاں سے اٹھا لے گیا۔

"میں اسی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو وہ جلد یا بدیر غزالہ کے اغوا کی کہانی اوپر والوں تک پہنچا دے گا۔۔۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس معاملے میں جہانگیر کا نام بھی ملوث ہو جائے گا۔ اسے میں نے مشورہ دیا ہے کہ وہ غزالہ کے بارے میں لاعلمی ظاہر کرتا ہے اس طرح یہی سمجھا جائے گا کہ قیدی لڑکی جیواہاؤز میں آتش زنی کے بعد خود ہی فرار ہو گئی ہو گی۔"

"پھر میں لے جاؤں اسے؟" سلطان شاہ نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"کہاں لے جاؤ گے؟"

"شہر کے مضافات میں بہتیرے ویران مقامات ہیں۔"

پھر ہم دونوں سلام کے بارے میں جزئیات طے کرنے لگے۔

غزالہ نہا دھو کر لباس تبدیل کر کے آئی تو معمولی سی کمزوری کے سوا اغوا اور قید کی صعوبتوں کے سارے آثار اس کے چہرے سے مفقود ہو چکے تھے۔ اور اس کے بشرے پر پہلے جیسی رعنائی بحال ہو چکی تھی۔

"بہت پریشان کیا ہے تم نے ہم سب کو۔" میں نے اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "اگر جیوا ہاؤز کو آگ لگانے کی مجبوری آڑے نہ آگئی ہوتی تو اس وقت تم نہ جانے کہاں ہوتیں۔"

سارا فتور ٹیکسی کی خرابی سے پیدا ہوا تھا۔" وہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولی۔ "ہونے والی بات ہر صورت میں ہو کر رہتی ہے ورنہ کیا ضروری تھا کہ جب ٹیکسی خراب ہوئی اسی وقت وہ شخص ادھر آ نکلا۔"

"اور میرے خیال میں غلطی کی بنا تم نے اس وقت ڈالی جب میرے مشورے کو نظر انداز کر کے تم نے گھر سے نکلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسی لیے بڑوں کی بات ماننے پر زور دیا جاتا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا پھر وہاں سے اٹھ گیا سلطان شاہ ہمارے ساتھ تھا۔

سلطان شاہ نے کامران کے کمرے کا دروازہ کھولا تو اندر کوئی نظر نہ آیا اور میری استفسار طلب نگاہیں بے اختیار سلطان کی طرف اٹھ گئیں۔

"وہ شاید دروازے کی اوٹ میں پڑا ہو گا۔" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "صبح میں نے دروازہ کھول کر ناشتا دیا تو اس کی حالت بہت ابتر تھی۔ ہو سکتا ہے کہ بے ہوش ہی ہو گیا ہو۔"

"چلے آؤ۔ میں ابھی زندہ ہوں۔" اندر سے اس کی کانپتی ہوئی کمزور آواز ابھری اور ہم تینوں اندر داخل ہو گئے۔

وہ دروازے کے پیچھے گدے پر زخموں کی گٹھری کی صورت میں سکڑا سمٹا ہوا نظر آیا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی غزالہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔ قیدی نے گردن اٹھا کر ورم آلود نیلے پپوٹوں میں جھری پیدا کر کے ہماری طرف دیکھا اور غزالہ کو دیکھتے ہی اس کے ادھڑے ہوئے چہرے پر سکون کی ایک لہر دوڑ گئی۔

"خدا کا شکر ہے کہ یہ مل گئی۔" وہ کراہتے ہوئے پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔ "شاید اب میری گلو خلاصی ہو جائے گی۔"

"ہم تمہاری گلو خلاصی ہی کرانے آئے ہیں۔" سلطان شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "روانگی کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

وہ لڑکھڑاتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"تم اسے چھوڑ کر آؤ۔ ہم تمہارے منتظر ہیں۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا اور غزالہ کو لے کر وہاں سے نکل آیا۔

"سلطان شاہ اسے کہاں لے جا رہا ہے؟" کمرے سے نکل آنے کے بعد غزالہ نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"شہر میں کہیں بھی چھوڑ آئے گا۔" میں نے اسے ٹالنے کی نیت سے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔

"مجھے یقین نہیں آتا۔" وہ بولی۔ "اب میں بھی اسے خوب سمجھنے لگی ہوں۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت وحشیانہ چمک کوند رہی ہے میرا خیال ہے کہ آپ اسے ختم کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"

"ایسا فیصلہ بھی کر چکے ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔ یہ سب تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں۔"

"اسے زندہ چھوڑنے میں کیا قباحت ہے؟" اسے شاید کوئی خلش ستا رہی تھی۔

"قباحت صرف اتنی سی ہے کہ وہ یہ گھر دیکھ چکا ہے۔

لاہور سے آیا ہوا اے ٹو کا خاص کارندہ ہے۔ آج زخمی اور قابلِ رحم نظر آ رہا ہے سل ذرا سی جان پکڑے گا تو پوری کہانی اُوپر والوں تک پہنچا دے گا۔ اگر آنے والی تمام دشواریوں سے نمٹنے کے لیے تیار ہو تو پھر اسے ابھی رہا کیے دیتے ہیں۔ زندگی بھر ہماری اس حماقت کو دعا دیتا رہے گا۔"

"یہ صرف میری وجہ سے مارا جائے گا۔" وہ اُداس لہجے میں بولی۔

"تمھاری وجہ سے نہیں بلکہ اپنی جسارت کی بنا پر مارا جائے گا۔ اس کی نشاندہی رخشی نے کی تھی کیونکہ قاسم کی موت کے بعد اس کا منصب رخشی کو دے دیا گیا ہے۔ اسی نے مجھے بتایا تھا کہ یہ شخص قتل اور اغوا کے معاملات میں پیشہ ورانہ مہارت رکھتا ہے۔ تمھارا قصہ الگ بھی کر دیا جائے تو اس کا پچھلا کھاتا اس قدر ضخیم ہو گا کہ موت اس کی سب سے کم سزا ثابت ہو گی۔"

وہ خاموش ہو گئی اور ہم دونوں نشست گاہ میں آ بیٹھے۔

"لاہور میں آپ کیا کر آئے؟" طویل سکوت کے بعد اسی نے زبان کھولی۔ "سب کام ادھورا ہی رہ گیا ہو گا۔"

"خاصی پیش رفت ہوئی ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "تمھارے اغوا کی خبر ملنے کے بعد میں نے کئی سنگین اقدامات بھی کیے تھے۔ ایشین سنڈیکیٹ کے دفتر کو آگ لگا دی۔ خاصے معرکے ہوئے اور ان سب کا نچوڑ یہ ہے کہ تصویر اور توقیر کسی اور کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں جمی لائیڈ کا ایک نیا نام سامنے آیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تنظیم کی پشت پر اسی کا ذہن کار فرما ہے۔"

"آپ کے اس خیال کی تائید کون کر سکے گا؟"

"شاید تصویر یا توقیر ہی سے کچھ معلوم ہو سکے۔ امکان تو یہی ہے کہ وہ بھی لاعلم ہوں گے۔ دوبارہ لاہور جا کر ہی از سرِ نو معاملات دیکھنے ہوں گے۔"

پھر اس کے استفسار پر میں اسے لاہور میں پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کرنے لگا۔

"یعنی تصویر لائیڈز کالج میں اسٹیٹ منیجر کے طور پر رہ رہا ہے۔" میری کہانی سننے کے بعد اس نے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔ "اور توقیر کی ملک میں موجودگی سے انکار کر رہا ہے۔۔۔ آخر اس طرح وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہا ہے؟"

"وہ لوگ اس وقت میرا سراغ کھو چکے ہیں۔ وہ برادرانہ محبت جتا کر کسی نہ کسی طرح مجھے اپنے جال میں پھانسنا چاہتا ہے کیونکہ میری وجہ سے کاروبار کے ساتھ ہی تنظیم کا ڈھانچا بھی متاثر ہونے لگا ہے۔"

"اس طرح تو تصویر پر ہاتھ ڈالنا محال ہی نظر آ رہا ہے"

"محال ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔" میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ لائیڈز کالج میں بھی دوہری زندگی گزار رہا ہے بظاہر جمی لائیڈ کا اسٹیٹ منیجر بن کر عملے میں گھلا ملا ہے لیکن درپردہ باس بن کر ان پر مسلط ہے۔ وہاں کے ملازمین یہی سمجھتے ہوں گے کہ اپنے اسٹیٹ منیجر سمیت وہ سب باس کو جواب دہ ہیں۔ ایسے حالات میں ان میں سے کسی کو توڑ کر ساتھ ملانا زیادہ مشکل ثابت نہیں ہو گا لیکن مسئلہ یہ ہے کہ رسائی کیسے حاصل کی جائے؟"

"اس بار مجھے بھی ساتھ لے جائیں گے؟" اس نے لہجے میں سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "ایک بار لے گیا تھا تو اس کے نتائج آج تک بھگتنا پڑ رہے ہیں۔ دوبارہ ایسی غلطی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ انھیں تمھاری لاہور میں کی بھنک بھی مل گئی تو وہ اپنے سارے وسائل ہمارے خلاف کر کے کہیں نہ کہیں ہمیں ضرور گھیر لیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ توجہ لاہور کے ساتھ کراچی میں بھی بٹی رہے۔"

"جہانگیر کو میرے اور آپ کے تعلق کا علم ہو گیا ہے؟"

"نہیں۔ تمھارے نکل جانے کے بعد سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہاں، تم سے اس کے گھر میں ملاقات ہو جاتی تو اس کو بھی اعتماد میں لینا پڑ جاتا۔ ابھی تک وہ میرے ساتھ تعاون کر رہا ہے۔"

"اور رخشی؟" اس نے دبے دبے لہجے میں سوال کیا۔

میرے لیے اس کا وہ سوال غیر متوقع نہیں تھا۔ وہ لاکھ روشن خیال اور تعلیم یافتہ سہی لیکن بنیادی طور پر ایک عورت ہی تھی۔ اور میرے ساتھ اپنی وابستگی کی بنا پر ہرگز اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی دوسری عورت مجھ سے ضرورت سے زیادہ قریب ہو سکے۔ خاص طور پر رخشی کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھی۔ باتوں باتوں میں یہ بھی معلوم کر چکی تھی کہ وہ اور چالاک ہونے کے ساتھ ہی اس حد تک اخلاق باختہ تھی کہ عملاً بازار کی ایک سستی جنس بن کر رہ گئی تھی۔ اس کو لازماً یہ ذہن گیا تھا کہ کہیں ان معرکہ آرائیوں میں رخشی کو میرے دل و دماغ پر اس حد تک قابض ہونے کا موقع نہ مل جائے کہ میں اس سے بے پروائی برتنا شروع کر دوں۔

"تعاون وہ بھی کر رہی ہے۔" میں نے لاپروایانہ میں کہا لیکن میں نے ایک ایک لفظ تول کر منتخب کیا تھا۔ "لیکن اس کی وجہ میری ذات نہیں ہے۔ اس کے تعاون سے

نفرت کے بجائے منفی جذبات پر مبنی ہیں۔ وہ لے ٹو کو اپنے محبوب اور پھر اپنے بھائی کے قتل کا ذمہ دار سمجھتی ہے اور اس کا یقین کے لیے اسے ہر ایسے دشمن سے تعاون کر سکتی ہے جس کے بارے میں اسے پورا یقین ہو کہ وہ اس کے باغیانہ کردار کو کسی بھی مرحلے پر بے نقاب نہیں کرے گا۔"

"لیکن بیٹ کے بارے میں وہ سلام جیسے اہم آدمی کی نشاندہی کیسے کر بیٹھی؟"

"میرے اور تمھارے رشتے کا علم ہو جاتا تو شاید زبان ہی نہ کھولتی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں نے یہی بتایا کہ میں تم سے بالکل ناواقف ہوں اور ملنا چاہتا ہوں۔"

"ملنے کا کوئی سبب بھی بتایا ہوگا؟" اس نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"اس سے بہتر سبب کیا ہوتا کہ لے ٹو کو جس شدت سے تمھاری تلاش ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمھارے پاس کچھ اہم معلومات ہیں اور میں ان سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"اس ساری بھاگ دوڑ میں کامران بے چارہ بالکل ہی پس منظر میں چلا گیا۔" چند ثانیوں کے بعد اس نے اداس لہجے میں کہا۔

"وہ حیرت ناک طور پر رُو بصحت ہے۔" میں نے کہا۔ "ڈاکٹر اکبر نے اس کی ایک ذہنی گرہ پکڑ لی ہے جس کی کلید تمھارے پاس ہے۔"

"میرے پاس؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"یہاں تم ہر وقت اس کے سامنے رہتی تھیں لہٰذا تمھارے لیے اس کی پسندیدگی کی انتہا سامنے نہ آسکی۔ اسپتال میں کئی نرسیں اس کے ہاتھ سے پٹی ہیں اور آخر کار ایک نرس صاحب زادے کو پسند آگئی ہے جو اس کی تمام تر دیکھ بھال کرتی ہے۔ کامران اسے گڈی کہہ کر پکارتا ہے۔ ڈاکٹر اکبر کا خیال تھا کہ وہ کسی بہت ہی قریبی لڑکی کا نام ہے جو کامران کو بہت عزیز تھی۔ اسے لاشعور میں جما رہ گیا۔ کرنل صاحب سے بات ہوئی تو پتا چلا کہ تم بچپن میں گڈی کہلاتی تھیں۔ اکبر کی رائے ہے کہ اب اگر طے شدہ وقفوں سے مناسب مواقع پر بار بار اس کے سامنے آتی ہو تو اس کی یادداشت پر حیرت انگیز اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔"

"آپ اجازت دیں تو میں ابھی اور اسی وقت اسپتال جانے کے لیے تیار ہوں۔"

"اتنی عجلت مناسب نہیں۔ پہلے میں اکبر سے بات کر دوں گا کیونکہ اب حالات خاصے سازگار ہیں۔ میرے اور کامران کے تعلق سے نائف کیمپ میں صرف رخشی واقف ہے۔ وہی اسپتال سے بھی باخبر ہے لیکن وہ زبان کی پکی ہے، وعدہ کر چکی ہے کہ اب اس ذہنی معذور کو بھول جائے گی لہٰذا تمھارے وہاں جانے میں ہرج بھی نہیں ہے۔"

"پھر آپ اکبر کو کب فون کریں گے؟"

"ابھی اور اسی وقت۔" میں نے اس کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ میری نگاہیں بے اختیار اس کے رخساروں پر پڑنے والے گڑھوں پر جم کر رہ گئیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نے ایک مدت کے بعد اسے یوں بے حجابانہ انداز میں ہنستے دیکھا ہو۔

"کیا گھور رہے ہیں؟" مجھے یوں اپنی طرف متوجہ پا کر اس کی ہنسی یک بیک تھم گئی۔

"چاہ ہائے غبغب میں دفن ہونے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"غبغب!" اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ کیا بلا ہے؟"

"پرانے ادیبوں اور شاعروں کی زیادتی ہے کہ ایسے حسین جلووں کو اس قدر غیر شاعرانہ نام دیے ہیں۔" میں نے اس کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ہنستے ہوئے رخساروں پر گڑھا ہو تو چاہِ غبغب اور ٹھوڑی پر ہو تو چاہِ ذقن کہلاتا ہے۔ حالاں کہ یہ دونوں تو وہ مقامات ہیں جہاں سمرقند و بخارا تو کیا، پوری دنیا کی بادشاہت قربان کی جاسکتی ہے۔"

"آپ بھی بڑے مرد ہی ٹھہرے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "بھلا ان شاہانہ نکتوں سے کیا فرق پڑتا ہے؟ عورت تو بس عورت ہی ہوتی ہے۔ کانی ہو، لولی ہو، گوری ہو یا کالی ہو۔ اس کے سینے میں دل تو وہی عورت کا ہوتا ہے۔ مہربان اور محبت بھرا۔ لیکن مرد دل نہیں بس عورت کا ظاہر دیکھتا ہے اور حسن کی نزاکتوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے اندر جھانکنے کی زحمت نہیں کرتا۔"

"کم از کم تمھارے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا۔" میں نے شوخ لہجے میں کہا۔ "میں نے اندر کے حسن پر نثار ہو کر باہر کی خوبیاں تلاش کی ہیں۔ گڑھے گوڑے تو بعد کی دریافتیں ہیں۔"

"بحث میں آپ سے جیتنا ممکن نہیں۔ یہ بتائیں اکبر کو فون کب کریں گے؟"

میں نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی اور فون پر ڈاکٹر اکبر کے نمبر ملانے لگا۔ غزالہ ہمہ تن اشتیاق بنی میرے قریب کھڑی ہوئی تھی۔ اسپتال سے سلسلہ ملنے پر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر اسپتال میں موجود نہیں تھا۔ میں نے آپریٹر سے اس کے گھر کا نمبر لیا اور اس پر رابطہ قائم کرنے لگا۔ میری دوسری کوشش بارآور ثابت ہوئی اور تعارف ہوتے ہی ڈاکٹر کامران کے بارے میں حوصلہ افزا

تفصیلات سُنانے لگا۔

کھانے سے فارغ ہو کر سلطان شاہ میرے سامنے آ بیٹھا اور خالی خالی نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ اس نے منگھو پیر روڈ پر گندھک کے چشموں سے آگے جانے والے راستے پر ایک جگہ سلام کو نہایت اطمینان سے گاڑی سے اتار کر گولی کا نشانہ بنا دیا تھا اور پھر سکون سے واپس لوٹ آیا تھا لیکن اپنی اس کامیابی کے باوجود وہ اُداس تھا۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ چپ چپ سے ہو؟" میں نے اسے چھیڑا۔

"دل پر بوجھ ہے۔" اس نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میں نے پہلی بار کسی زخمی اور نہتے دشمن کو دھوکے سے مارا ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں نے اسے واقعی اس ویرانے میں آزاد کر دیا ہے لیکن پیچھے سے پگھلا ہوا سیسہ اس کے دل میں اُتر گیا۔"

"پھر تم یہیں رہنا۔" میں نے کہا۔ "تمھیں اپنے ساتھ لاہور لے گیا تو ایسے دو چار واقعات تمھیں ناکارہ کر کے رکھ دیں گے۔"

"میں لاہور چلوں گا۔" وہ تڑپ اُٹھا۔ "اس ایک واقعے سے اثر لینے کا یہ مطلب نہیں کہ میں ہمیشہ کے لیے ناکارہ ہو گیا ہوں۔"

"تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم لوگ شوقیہ خونریزی نہیں کر رہے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "انھوں نے ہمیں روکنے کی کوشش کی اور ہم نے انھیں بھاری جانی اور مالی نقصان پہنچا کر یہ یقین دلا دیا کہ وہ ہمیں اپنی مرضی کے مطابق نہ ہانک سکیں گے۔ وہاں سے واپسی پر ہم دوسرے مرحلے کی داغ بیل ڈال آئے ہیں۔ اب دیکھو اس کے نتائج کیا رہتے ہیں۔"

"دوسرا مرحلہ؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں۔ تم اسے ایک طرح کی سرد جنگ بھی کہہ سکتے ہو۔" میں نے کہا۔ "لائیڈز کارپج کے ایس او یا سیکیورٹی آفیسر کو شاید ہماری حقیقت کا علم نہ ہو لیکن تصویر اچھی طرح سمجھ چکا ہو گا کہ ان واقعات کے پس پُشت میرا ہاتھ کارفرما ہے۔ اسی پس منظر میں میں نے اُن سے تیس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا ہے۔ دیکھنا ہے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔"

"اگر وہ تیس لاکھ کی ادائیگی پر آمادہ ہو گئے؟"

"تو میں تصویر کو عقل کا اندھا کہوں گا۔ وہ رقم ہرگز نہیں دیں گے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ رقم کی ادائیگی کا عندیہ ظاہر کر کے مجھے گھیرنے کی کوئی منظم کوشش کر ڈالیں۔"

"میری بات کا جواب اب تک نہیں ملا۔" اس نے احتجاج کیا۔

"کون سی بات؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"لاہور کب جا رہے ہو؟" اس نے اپنا پرانا سوال دُہرایا۔

"آج رات یا شاید کل تک۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "ایس او کو میں نے دو روز کی مہلت دی تھی جو کل ختم ہو گی۔" اس اثنا میں وقت برباد کرنے کے بجائے ہم یہاں کچھ کارروائیاں کر سکتے ہیں۔ میں اچانک ہی دل گرفتہ سا ہو گیا۔

ملک میں استعمال ہونے والی منشیات کی فہرست بنتی تھی۔ افیم، شراب اور چرس سے لے کر کوکین اور ہیروئن تک بیسیوں نشے تھے جو نوجوان طبقے کی بنیادوں کو غیر محسوس طریقے سے کھوکھلا کر رہے تھے۔ اور ان سب میں ہیروئن کا نشہ سرِ فہرست تھا۔ یہ جدید دور کا وہ منہ زور نشہ تھا جو انسانوں کو مفلوج کر کے اپنا غلام بنا دیتا تھا۔ میں اس بھیانک جنس کے بڑے تاجروں سے واقف تھا لیکن وہ اس طرح حصار در حصار کام کر رہے تھے کہ میرے پاس اُن کے خلاف کوئی ایسا ثبوت نہیں تھا جو قانون کی نظروں میں قابلِ قبول ہوتا۔ میں انفرادی سطح پر تو اُن سے لڑ سکتا تھا لیکن قانون کی مدد لینے کا ارادہ بھی کرتا تو خود اس بُری طرح قانون کے شکنجے میں پھنستا کہ گلو خلاصی محال ہو جاتی کیونکہ یہی ہمارا اور ہمارے ملک کا المیہ تھا۔ چند گرام کی پُڑیاں بیچنے والے اور ڈرائیور وغیرہ کی سطح کے کارندے ہر روز پکڑے جاتے تھے اور ان گرفتاریوں کے اندراج سے قانون کا پیٹ بھر دیا جاتا تھا لیکن اُن کے پُشت پناہ برسوں گزرنے کے بعد بھی گرفت میں نہ آ سکے تھے۔

منشیات فروشوں کی زیرِ زمین دنیا میں بڑے بڑے ناموں کا ڈنکا بج رہا تھا۔ تاجروں اور صنعت کاروں سے لے کر اعلیٰ سرکاری اہل کاروں تک کے نام ایسے محبت آمیز انداز میں لیے جاتے تھے کہ ان ناموں پر رشک آتا تھا لیکن اندھا اور بہرا قانون نہ اُن چہروں کو دیکھ سکتا تھا نہ وہ نام سُن سکتا تھا اور ملک میں گناہوں کی فصل تیزی سے پروان چڑھتی جا رہی تھی۔

"ہم یہاں کیا کارروائیاں کر سکتے ہیں؟" سلطان شاہ کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔

"موتی دادا اور دوسرے لوگوں سے تم واقف ہو، اُن کی مخبری کر کے انھیں پکڑوا دو تاکہ نچلی سطح پر بھی کام ٹھنڈا ہو جائے۔"

"مخبری کے چکر میں خود ہی پھنسنے کے امکانات زیادہ ہیں۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔ "وہ باقاعدہ بھتہ دیتا ہے۔ اس پر کوئی ہاتھ نہیں ڈالے گا۔ وہاں تو ہمیں خود ہی گھس کر افراتفری پھیلانا ہو گی۔"

اُس کے جواب سے مایوس ہو کر میں نے ٹیلیفون ڈائرکٹری اٹھائی اور موتی داد کے علاقے کے پولیس اسٹیشن کا نمبر تلاش کر کے تھانے کے انچارج کا نمبر ملانے لگا۔

سلسلہ مل جانے پر دوسری طرف سے ایک کرخت سی آواز سنائی دی لیکن بولنے والے نے اپنے لہجے کی ناشائستگی خوبصورت الفاظ میں چھپانے کی کوشش کی تھی۔

"جی میں ایک شریف شہری بول رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

شروع کیا۔ "عرض یہ کرنا ہے کہ آپ کے علاقے میں مارکیٹ سے ذرا آگے بس اسٹاپ کے قریب موتی دادا نامی ایک بدمعاش کا اڈا ہے اور وہ وہاں کھلے بندوں ہیروئن بیچ کر قوم کا مستقبل تباہ کر رہا ہے۔ وہاں اس وقت بھی چھاپا مارا جائے تو ہیروئن کی بھاری مقدار برآمد کی جاسکتی ہے۔"

"تمہارا نام پتا کیا ہے؟" میرا مدعا سنتے ہی اس آواز سے ساری خوش دلی کافور ہوگئی۔

"نام پتا بتانا ہوتا تو فون کرنے کے بجائے خود ہی تھانے چلا آتا۔" میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "موتی دادا کو میرا سراغ بھی مل گیا تو وہ میری زندگی جہنم بنا دے گا۔"

"سنو جی!" ریسیور پر کرخت آواز ابھری۔ "ہمارے پاس موتی دادا نام کے کسی آدمی کی ہسٹری شیٹ نہیں ہے۔ پھر ہمیں اوپر سے حکم ملا ہے کہ گمنام اطلاعات پر کوئی کارروائی نہ کی جائے کیونکہ لوگ پولیس کو بے وقوف بنا کے ذاتی دشمنیاں نکالتے ہیں۔ ہم بلاوجہ کسی شریف آدمی کے ٹھکانے پر دھاوا نہیں بول سکتے۔ اطلاع درست ہے تو تھانے آکر رپورٹ درج کراؤ۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ کیا کارروائی ہو سکتی ہے۔ قانون اتنا آسان نہیں ہے کہ تم فون کرو اور ہم رائفلیں سنبھال کر دوڑ لگا دیں۔"

"چھاپا نہ مارا جائے تو تم وہاں جعلی گاہک بھیج کر میری بات کی صداقت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔"

اس نے صداقت کے بارے میں نہایت نازیبا الفاظ استعمال کیے پھر غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "چوروں کی طرح چھپ کر ہمیں پٹی پڑھانے کی کوشش نہ کرو۔ ہمیں سب معلوم ہے کہ ہمیں کب کیا کرنا ہے۔ تم جیسے چمچوں کو میں خوب جانتا ہوں۔ موتی دادا نے مال دینے سے انکار کیا ہوگا تو اب پولیس کو اس کے خلاف اکسا رہے ہو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم موتی دادا اور اس کے دھندے سے خوب واقف ہو۔۔۔!"

"بکواس بند کر او خنزیر۔" میری بات پوری ہونے سے قبل دوسری طرف سے چنگھاڑتی ہوئی آواز آئی۔ "الو کا پٹھا ہمارے ساتھ وکالت بگھار رہا ہے۔ میں۔۔۔"

مجھے معلوم تھا کہ اب گالیوں کی بوچھاڑ شروع ہوگی لہٰذا فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کیا ہوا؟" سلطان شاہ نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔

"گالیاں کھا کے بے مزہ ہوگیا۔" میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "آج موتی دادا کے اڈے پر ہنگامہ نہ ہوا تو سمجھو کہ کچھ بھی نہ ہوا۔"

"ایسے کاموں میں تو تم ماہر ہو۔ بس ذرا تفصیل سمجھا دو مجھے۔"

"تفصیل کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم ساتھ چلیں گے۔"

اس کے بعد ہم دونوں کو کہیں مل بیٹھنے کا موقع نہیں مل سکا لیکن میں نے اسے یہ ضرور بتا دیا کہ ہم اسی رات لاہور کے لیے روانہ ہو جائیں گے اور اس اطلاع پر وہ خاصا خوش نظر آنے لگا تھا۔

شام ڈھلے ہم دونوں گھر سے نکلے تو ماحول خاصا کشیدہ تھا۔ کرنل بھی کچھ روٹھا روٹھا سا نظر آ رہا تھا۔ غزالہ تنہا رہ جانے پر آزردہ تھی لیکن یہ بات سب ہی کو معلوم تھی کہ میرے لیے لاہور کو بھول کر کراچی میں رہنا تقریباً ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

گھر سے روانہ ہونے کے بعد میں نے گاڑی ایک محفوظ علاقے میں چھوڑ دی اور سلطان شاہ کے ساتھ ٹہلتا ہوا اس طرف ہو لیا جہاں موتی دادا کا ہیروئن فروشی کا اڈہ تھا۔

لاکھوں کا دھندا فراہم کرنے والا وہ اڈہ ایک نیم تاریک اور مفلوک الحال کوارٹر میں قائم تھا جہاں بوسیدہ احاطے کے ساتھ بچھی ہوئی تین چار چارپائیوں پر غالباً موتی دادا کے پروردہ غنڈے آرام کر رہے تھے۔ اور اُن کے زیرِ سایہ احاطے میں مشکوک لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔

"ہمارا براہِ راست موتی دادا سے تو کوئی جھگڑا نہیں ہے۔" وہاں پہنچنے کے بعد سلطان شاہ نے پہلی بار زبان کھولی۔

"تمہیں یہ خیال کیسے آگیا؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔ "ویسے تمہارا سوال خاصا معقول ہے۔"

"اگر ہنگامہ ہی کرنا ہے تو ہم براہِ راست اس سے رجوع کیے بغیر اودھم مچا کر فرار ہو سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں، یہ بات بھی معقول ہے۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن کارروائی کے آغاز سے پہلے ذرا گھوم پھر کر اندازہ لگا لینا چاہیے کہ یہاں کیا صورتِ حال درپیش ہے۔"

ہم دونوں ایک متفقہ پروگرام کے تحت ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ اور جب دوبارہ یکجا ہوئے تو دونوں ہی اس بات پر متفق تھے کہ موتی دادا کے اڈے پر یہ خبر گرم تھی کہ اس کے کسی مخالف نے علاقے کی پولیس کو اس کے اڈے پر چھاپا مارنے کی ترغیب دی تھی لیکن موتی دادا کے وسائل نے وہ کوشش ناکام بنا دی۔

صاف ظاہر تھا کہ علاقے کی پولیس ان لوگوں سے ملی ہوئی تھی اور انہیں پل پل کی خبریں پہنچائی جاتی تھیں۔ وہاں وسیع پیمانے پر کوئی کارروائی کرنا دشواریاں مول لینے کے مترادف ہوتا۔ لہٰذا ہم دونوں نے دور رہتے ہوئے اڈے کے اطراف میں دو چار ہوائی فائر کیے اور کسی کی نگاہوں میں

آتے بغیر وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

ہم اپنا کام دکھا کر واپس لوٹ رہے تھے لیکن اس علاقے کی فضا شور وغل سے گونج رہی تھی۔ اور اکا دکا فائر بھی سنائی دے رہے تھے۔ شاید موتی دادا کے حامیوں نے اپنے خیالی مخالفین کو خوفزدہ کرنے کے لیے آتشیں اسلحہ نکال لیا تھا۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" سلطان شاہ نے گاڑی روانہ ہونے کے بعد کہا۔

"ہماری طرف سے اتنا ہی کافی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اب وہ اندھیرے میں آپس ہی میں لڑ پڑیں۔ اس وقت ہم انھیں یہ جتلانے میں کامیاب رہے ہیں کہ کوئی ان کے پیچھے لگ گیا ہے۔"

"پھر اب باقی وقت کہاں گزارو گے؟" اس نے اپنی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے رخشی سے ملنا ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"لیکن گھر سے چلتے وقت تو تم نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

میں مسکرا دیا۔ "غزالہ کے سامنے دانستہ اس کے ذکر سے گریز کر رہا تھا۔ کوئی نام بار بار سامنے آتا ہے تو ذہن میں بلاوجہ شبہات سر ابھارنے لگتے ہیں۔ وہ تعاون کر رہی ہے تو میں سوچ رہا ہوں کہ اس سے کھل کر بات کرلی جائے۔"

وہ خاموش ہوگیا اور میں نے تھوڑی دیر بعد کار اسٹون ہاؤس سے کچھ فاصلے پر پارک کردی۔ "تم یہیں انتظار کرو، میں فارغ ہوکر جلد ہی واپس لوٹنے کی کوشش کروں گا۔"

اس وقت رخشی اپنے گھر پر شاید تنہا تھی کیونکہ دوسری دستک کے بعد اس نے خود ہی پھاٹک کھولا تھا اور مجھے دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا تھا مگر میں وہاں رکے بغیر اسے ساتھ لیے اندر بڑھتا چلا گیا۔

"کیا بات ہے آج کچھ زیادہ ہی جوش میں نظر آرہے ہو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں بولی۔

"اس وقت محض تم سے ملنے کی نیت سے آیا ہوں، ماضی کی باتیں رہ رہ کر ذہن میں ڈنک مارتی رہتی ہیں اور میں ہمیشہ صبر کرکے رہ جاتا ہوں، سچ پوچھو تو تم ایک بدروح بن کر میرے ذہن سے چمٹ گئی ہو۔"

"بدروح!" وہ کھنکتی ہوئی آواز میں ہنس پڑی۔ "بدروح ہوتی تو تمھارے دل میں چھپے ہوئے خیالات بھی پڑھ لیتی لیکن تم ہمیشہ مجھے بے وقوف بنا کر اپنا کام نکال لیتے ہو اور میں سوچتی رہ جاتی ہوں۔"

"میں نے تمھیں بے وقوف بنا کر کون سا کام نکالا اپنا؟" میں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے جارحانہ لہجے میں سوال کیا۔

"پرانی باتوں پر خاک ڈالو اور صرف اتنا بتا دو کہ سلام کہاں ہے؟" اس کی تیکھی نگاہیں دلکش انداز میں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"مجھے کیا پتا؟ میں تو خود اس کی تلاش میں ہوں۔ کل رات ڈھلے اس کا پتا لے کر تمھارے پاس سے روانہ ہوا تھا آج صبح بلیو اسٹار پہنچا تو وہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی کہیں نکلا ہوا تھا۔"

"مجبور کرو گے تو مان لوں گی۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے آج دس بجے تک اپنے کمرے میں رک کر میری کال کا انتظار کرنا تھا۔ میں نے نو بجے فون کیا تو وہ غائب تھا۔"

"میرے پاس کوئی جادو کی چھڑی تو نہیں ہے کہ کسی ہٹے کٹے آدمی کو یوں پلک جھپکتے میں غائب کرسکوں۔" میں نے بڑے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم ہوٹل سے معلوم کرسکتی ہو کہ وہ کن حالات میں وہاں سے روانہ ہوا تھا۔"

"اسے جہنم میں ڈالو۔" وہ پہلو بدلتے ہوئے بولی۔ "میں معلوم کرچکی ہوں، وہ تنہا ہی گیا تھا لیکن اس پر کوئی بہت ہی خاص ترکیب آزمائی گئی ہوگی ورنہ وہ کسی قیمت پر دس بجے سے پہلے اپنا کمرہ نہ چھوڑتا۔"

"میری طرف سے اس قدر بدظن ہو تو میرا یہاں آنا ہی بے کار ہے۔" میں نے اُچاٹ لہجے میں کہا۔ "میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے خود ہی سلام کو ہوٹل سے ہٹا دیا ہے تاکہ میں اس تک نہ پہنچ سکوں۔"

اس نے مجھے صوفے پر بیٹھنے کو کہا اور بولی۔ "تو یوں کہو کہ اس وقت بھی سلام کی تلاش میں آئے ہو۔"

"وہ میرا سسرالی نہیں ہے کہ میں اس کی تلاش میں یوں خوار ہوتا پھروں۔" میں نے ترش لہجے میں کہا۔ "مجھے معلوم ہوتا کہ تم یہ خرافات سوچو گی تو بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔"

"پھر سچ سچ بتاؤ کہ کیوں آئے ہو؟" اس کا لہجہ مصالحانہ ہوگیا۔

"دوستی کی تجدید کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ سوچا تھا کہ میرا اور تمھارا دشمن ایک ہی ہے تو کیوں نہ ہم باقاعدہ مل کر کام کرنا شروع کردیں۔ اے ٹو سے تو تمھیں کوئی صلہ مل سکے گا جب بھی موقع آیا وہ بے دریغ تمھاری گردن کٹوا دے گا۔"

"آہستہ بولو، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" اس کی

ذرور کی بات ہے' وہ اونچے لہجے میں بولنے والوں کو بھی معاف نہیں کرتا۔"

"تمہارے تو اس سے بہت قریبی مراسم رہے ہیں۔"

"بہت زیادہ قریبی۔" وہ مسکرا کر بولی۔" لیکن اس کا چہرہ پھر بھی نہ دیکھ سکی۔"

"ٹھکانا تو معلوم ہو گا اس کا؟"

"نوبت ہی نہیں آئی، ہمیشہ خود ہی آکر ملتا تھا اور ہمیشہ یا میری تو اس سے کل تین ملاقاتیں ہوئی تھیں اور تینوں بار وہ غیر متوقع طور پر خود ہی پہنچا تھا۔"

"یعنی تم اُس کے بارے میں میری زیادہ مدد نہیں کر سکتیں۔"

"مجبوری ہے۔" وہ سر جھٹک کر بولی۔" ہاں، یہ ضرور کر سکتی ہوں کہ کراچی میں اس کے کام کو بگاڑنا شروع کر دوں۔"

"یہ بھی خاصا اہم کام ہو گا۔"

"میری ایک کوشش ناکام ہو چکی ہے۔" اس کا انکشاف سُن کر میں حیران رہ گیا۔

"پرسوں ہی ایک چھوٹی سی کھیپ آزاد علاقے سے یہاں پہنچی ہے۔" میرے استفسار پر اُس نے بتایا۔" میں نے ایک اہم سرکاری افسر کو فون پر مال لانے والے ٹرک کی ساری تفصیلات بتا دیں لیکن کوئی کارروائی نہیں کی گئی، مال بحفاظت مقررہ اڈے پر پہنچ گیا جبکہ میرے ذریعے اس مد میں یہاں کسی کو کوئی رقم ادا نہیں کی جاتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بندوبست اوپر سے براہِ راست ہوتا ہے۔"

"پھر تم یہاں کا کام کیسے بگاڑ سکو گی؟"

"نچلے درجے کے ملازمین عام طور پر ایسی ملی بھگت میں کم ہی ملوث ہوتے ہیں، ان کا دارومدار چھوٹے موٹے چھاپوں پر ہوتا ہے۔ اب اُن ہی میں سے کسی کو اکسانے کی کوشش کروں گی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آج سے ہمارے درمیان تعاون کا باقاعدہ معاہدہ ہو گیا۔" میں نے داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، اور اب اس کا ایک چھوٹا سا جشن بھی ہو جائے۔" وہ بیباکی کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے بولی۔

ہم دونوں ایک بار پھر لاہور کی سرزمین پر کھڑے تھے۔

لاہور روانگی سے پہلے سلطان شاہ کا موڈ خاصا خراب رہا تھا کیونکہ مجھے رخشی کے پاس کافی دیر لگ گئی تھی لیکن جب میں نے اُسے رخشی کے ساتھ ہونے والے نئے معاہدے سے آگاہ کیا تو اس کا غصہ فرو ہو گیا اور پھر ہمارا سفر خاصا خوشگوار گزرا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اس بار کچھ ہو کر ہی رہے گا۔" سلطان شاہ نے میرے ہمراہ ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر نکلتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"کیا کوئی الہام ہوا ہے؟" میں نے ازراہِ مذاق کہا۔

"چھٹی حس۔" اس نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔" میرا دل کہہ رہا ہے کہ اس بار ضرور کوئی بڑا تصادم ہو گا، اس بار وہ لوگ بہت چوکنے ہوں گے۔ ہمیں ہر قدم پھونک کر اُٹھانا ہو گا۔"

"شاید اس بار لاہور کی فضا نے تمہارے اعصاب پر کچھ ناگوار اثرات مرتب کیے ہیں۔" میں نے اس کی سنجیدگی کا مضحکہ اڑاتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

"ذرا اپنے وائیں طرف نگاہ ڈالو، سُرمئی سوٹ میں چشمے والا دراز قد آدمی لاؤنج سے نکلتے ہی ہمارے ساتھ ہو لیا تھا۔" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔" وہ بار بار ہماری ہی طرف دیکھ رہا ہے۔"

میں نے بے پروایانہ انداز میں سر گھمایا تو سُرمئی سوٹ والا ہم سے چند قدم پیچھے چلا آ رہا تھا۔ میں نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور سگریٹ سلگانے کے بہانے چلتے چلتے وہیں رک گیا۔ میں نے یکے بعد دیگرے تین دیا سلائیاں جلائیں جو میرے نتھنوں سے خارج ہونے والی تیز ہوا سے بجھ گئیں۔ میں نے کنکھیوں سے دیکھا کہ سرمئی سوٹ والے نے اپنی رفتار سُست کر دی تھی لیکن دیا سلائیاں بجھنے کے باعث اس کی سُست روی اس کے کام نہ آ سکی اور وہ اسی انداز میں چلتا ہوا ہم سے آگے نکل گیا۔

چوتھی تیلی نے سگریٹ کا سرا روشن کر دیا۔

"تم بلاوجہ چھٹی اور ساتویں حس کو بدنام کر رہے ہو۔" میں نے اسی سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔" جب ایک مشتبہ آدمی سامنے نظر آ رہا ہے تو گھما پھرا کر بات کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اس وقت تک ذہن پر زور دینے کے باوجود میں اُسے شناخت نہیں کر سکا تھا۔ تمہارے رکنے کے بعد اچانک یاد آیا ہے کہ پہلی بار جب ہم لاہور آئے تھے تو اسٹین سنڈیکیٹ کے دفتر سے واپسی پر بھابی کو اغوا کرنے والوں میں وہ بھی شامل تھا۔"

"کیا تمہیں پورا یقین ہے؟" میں نے آگے بڑھتے ہوئے سوال کیا۔

"اب کوئی شبہ ہی نہیں رہا۔ یہ اغوا کرنے والوں میں شامل رہا ہو یا نہ رہا ہو، اس بھیڑ میں ضرور پیش پیش تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ شہر میں کڑی نگرانی ہو رہی ہے۔"

غالباً اسے اسی خاص مقصد سے ائیرپورٹ پر متعین کیا گیا ہوگا ــ خیر اسے ابھی دیکھے لیتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے میں اچانک ہی بیت الخلا کی نشاندہی کرنے والے اشارے کی سمت میں مڑ گیا۔

" ادھر کہاں ؟" سلطان شاہ میرا عندیہ نہ سمجھ سکا اور کھڑے کھڑے اپنی جگہ گھوم کر رہ گیا۔

" تم یہیں کہیں اوٹ میں ہو جاؤ۔" میں نے جلدی سے کہا" میں بیت الخلا کی طرف جا رہا ہوں۔ وہ ہمیں دیر ہونے پر بوکھلا کر پلٹے گا، ہو سکتا ہے کہ سیدھا بیت الخلا کا ہی رُخ کرے، بس تم ہوشیاری سے اس کے پیچھے ہو لینا۔"

میں اپنی سمت میں بڑھتا چلا گیا، بیت الخلا میں پہنچ کر میں چند منٹ تک بلا وجہ ایک کیبن میں بند رہا، اس دوران میں میرے کان باہر کی آہٹوں پر جمے ہوئے تھے، مجھے محسوس ہوا کہ کوئی وہاں بے آواز قدموں کے ساتھ داخل ہوا' میں کنڈی کھول کر باہر نکلا اور سرمئی سوٹ والا جو وہاں کھڑا حیران و پریشان نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا' بٹپٹا کر رومال سے اپنی عینک کے عدسے صاف کرنے لگا۔

میرا ارادہ اس سے بھڑ جانے کا تھا مگر اسی لمحے سلطان شاہ سرمئی سوٹ والے کے عقب میں نمودار ہوا' اس کے ہاتھ میں کسی واش بیسن سے نکلا ہوا ناکارہ وزنی پائپ دبا ہوا تھا۔

اس سے قبل کہ سرمئی سوٹ والے عینک باز کو صورتحال میں کسی تبدیلی کا احساس ہوتا، سلطان شاہ نے آہنی پائپ دونوں ہاتھوں میں تھام کر بلند کیا اور پوری قوت سے اس کی گردن پر رسید کر دیا۔

اس کے حلق سے ایک شدید ہچکی سی بلند ہوئی، گردن ایک طرف لٹک گئی اور وہ یوں فرش پر آرہا جیسے اس کی پنڈلیوں کی ہڈیاں یک بیک گل گئی ہوں' میں نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگا لیا کہ سلطان شاہ کی نپی تلی ضرب کے نتیجے میں اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

نائٹ کوچ سے لاہور پہنچنے والے مسافروں کو منزل پر پہنچنے کی عجلت تھی اور اتنی رات گئے ائیرپورٹ کی عمارت کے اس حصے میں تقریباً سناٹا ہی نظر آرہا تھا لہٰذا اس دوران میں بیت الخلا کی حدود میں بھی کوئی مداخلت نہ ہوئی۔ کوئی مسافر یا عملے کا رکن اگر ادھر آنکلتا تو ہم دونوں کے لیے ناقابلِ بیان دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔

سلطان شاہ نے بھی اس وقت بہت عقلمندی کا ثبوت دیا کہ معتکف کے سر پر وار کرنے کے بجائے اس کی گردن توڑنے کا حملہ کیا اور یوں خون پھیلنے کے امکانات ختم ہو کر رہ گئے۔ ہم دونوں نے پھرتی کے ساتھ اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اُسے ایک باتھ روم میں گھسیٹا پھر میرے اشارے پر سلطان شاہ باہر نکل گیا' میں نے اس کی جیبوں کی تلاشی لے کر سارے کاغذات اور رقم پر قبضہ کر لیا۔ کوٹ کی اندرونی جیب میں ایک بڑا سا ریوالور بھی موجود تھا لیکن میں نے اسے وہیں چھوڑ دیا اور خود بھی ہاتھ دھو کر باہر آگیا۔

سلطان شاہ مختصر سا سوٹ کیس سنبھالے باہر میرا منتظر تھا اپنے دشمن پر وار کرتے ہوئے سوٹ کیس اس نے شاید باہر ہی چھوڑ دیا تھا جو ہمارے لیے بہت اہم تھا کیونکہ ہمارا سارا اسلحہ اسی میں مقفل تھا۔

مجھے دیکھ کر وہ داہنی آنکھ دبا کر مسکرایا اور میں اس کے ساتھ ہو لیا۔

جو کچھ ہوا' وہ اس قدر آناً فاناً ... اور ایسے پُرسکون طریقے پر ہوا کہ مجھے خود حیرت ہو رہی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے قتل کی اس واردات کے لیے پہلے سے ریہرسل کر کے موافقانہ حالات پیدا کیے گئے تھے تاکہ نہ مرنے والے کو زیادہ اذیت کا سامنا کرنا پڑے نہ ہم کو کوئی قابلِ ذکر دشواری پیش آسکے۔

" تمہاری چھٹی حس کا اندازہ آج ہوا مجھ کو۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا" اس بار لاہور ــ آتے ہی ایک بھینٹ لے لی اُس نے ـ"

" دوسری کہو ـ" وہ مسکرایا" آج کا پہلا شکار تو سلام تھا جو وہیں رہ گیا۔"

" تاریخ بدلے دو گھنٹے سے زیادہ گزر چکے ہیں۔" میں نے اسے رسٹ واچ دکھاتے ہوئے کہا اور وہ بس مُنہ چلا کر رہ گیا۔

سُرمئی سوٹ والا میرے لیے قطعی اجنبی تھا اور اگر وہ ہماری تلاش میں باہر سے لوٹ کر بیت الخلا کا رُخ نہ کرتا تو شاید میں سلطان شاہ کے شبہے کو بہت زیادہ وزن نہ دیتا لیکن مقتول نے واپس لوٹ کر سلطان شاہ کے قیاس پر تصدیق کی مہر ثبت کر دی تھی۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہو گئی تھی کہ اس بار لائل پور کالج والے چاروں کھونٹ چوکس تھے۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ انھوں نے ائیرپورٹ کی نگرانی کب سے اور کیوں شروع کرائی تھی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔

ایک امکان یہ بھی تھا کہ شاید پچھلے چھتیس گھنٹوں میں انھوں نے ٹرانسمیٹر پر مجھ سے رابطہ قائم کرنا چاہا ہو اور مسلسل خاموشی سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہو کہ میں شہر چھوڑ چکا ہوں۔ سیکیورٹی افسر کی حیثیت سے میں پوری طرح باخبر نہیں تھا لیکن مجھے یہ اندازہ تھا کہ تصویر اپنے

طور پر واقعات کی تہہ تک پہنچ چکا تھا اور خوب سمجھ رہا تھا کہ ان پے در پے وارداتوں کے پیچھے لائیڈز کالج کے اسٹیٹ منیجر کا کوئی قرض خواہ نہیں بلکہ میں خود سرگرم تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میرا اصل ٹھکانا کراچی میں ہے لہٰذا میری خاموشی سے اس نے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہو گا کہ سیکیورٹی افسر کو دی گئی دو روز کی مہلت پوری ہونے سے پیشتر میں دوبارہ لاہور کا رُخ کروں گا اور اس مختصر مدت میں کراچی تک دو طرفہ سفر کے لیے ملک میں فضائی سفر کا ایک ہی راستہ میسر تھا لہٰذا اس نے اپنے آدمی ائیرپورٹ پر آنے والے مسافروں کی جانچ پڑتال پر مامور کر دیئے۔

اب یہ میری خوش نصیبی تھی کہ سلطان شاہ کے عقابی مشاہدے کی بنا پر تصویر کا وار بُری طرح ناکام ہو گیا تھا۔ میں ان ہی خیالات کی رو میں ڈوبا، آنے والی گھمبیر دشواریوں سے بے خبر سلطان شاہ کے ہمراہ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھا اور کسی جانب سے ایک ٹیکسی ہمارے قریب آ رکی۔

ڈرائیور پھرتی کے ساتھ اپنی نشست سے اترا اور منزل پا کرائے کے بارے میں کوئی استفسار کیے بغیر ہمارا سوٹ کیس ٹیکسی کی ڈکی میں ڈال دیا۔ ہم دونوں پچھلی نشست پر بیٹھ گئے اور اُس نے ہوٹل کا نام سنتے ہی ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

ائیرپورٹ اور پھر چھاؤنی کی حدود سے نکلنے کے بعد ڈرائیور نے سیدھا راستہ چھوڑ کر ٹیکسی گلیوں میں گھمانی شروع کی تو مجھے دوبارہ ہوٹل کا نام دہرانا پڑا۔

"صاب، آپ بے فکر رہیں، میں اسی طرف نکلوں گا۔ آج ٹیلیفون والوں نے جگہ جگہ سے سڑک کھود کر دھر کے راستے بند کیے ہوئے ہیں، نیا آدمی تو یہاں چکرا کر رہ جاتا ہے۔" ٹیکسی ڈرائیور نے ملتجیانہ لہجے میں کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

پھر ٹیکسی براہ راست مال روڈ پر نکلنے کے بجائے ایک اجنبی سڑک پر بڑھتی نظر آئی تو میں چونک پڑا اور اعصاب پر عجیب سی بے چینی طاری ہونے لگی۔ "یہ تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟" اس بار میں نے ڈرائیور کو ترش لہجے میں مخاطب کیا تھا۔

"خاموش بیٹھے رہو!" وہ بدلے ہوئے تحکمانہ لہجے میں غرّایا اور میری نگاہیں بے اختیار پیچھے گھوم گئیں۔

ٹیکسی کے تعاقب میں ایک اور کار بھی اسی سڑک پر بڑھی چلی آ رہی تھی۔ ڈرائیور ہم دونوں کے مقابلے میں کمزور تھا لیکن اس کے لہجے میں چھپا ہوا اعتماد بتا رہا تھا کہ پیچھے آنے والی گاڑی میں بھی اسی کے ساتھی سوار تھے۔

ایک لمحے کے لیے میرا ذہن سُن ہو کر رہ گیا۔

اس بار ہم پر بھرپور جال ڈالا گیا تھا۔ سرمئی سوٹ والے کو ہم نے بے شک موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور اپنی دانست میں گلو خلاصی حاصل کر لی تھی لیکن وہ ہماری تلاش میں اندر لوٹنے سے پہلے اپنا کام دکھا چکا تھا اس کی نشاندہی کی بنا پر ہم باہر قدم رکھتے ہی پہچان لیے گئے اور ان کے ایک آدمی نے نہایت اطمینان سے ہمیں اپنی ٹیکسی میں سوار کرا لیا جبکہ باقی آدمی مناسب موقعے کی تلاش میں دوسری کار میں ہمارے پیچھے ہو لیے۔

وہ صورت حال ہمارے لیے بہت سنگین تھی ہاس وقت ہم دونوں بالکل غیر مسلح تھے۔ ہمارے ہتھیار سوٹ کیس میں مقفل تھے جو ہماری دسترس سے باہر کار کی ڈکی میں بند تھا جبکہ پچھلی کار تیزی سے بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ لوگ آباد علاقے میں داخل ہونے سے پہلے ہمیں بے دست و پا کر کے اپنا قیدی بنانے کی کوشش کریں گے اور راستے کی تبدیلی بھی اسی مقصد کے لیے کی گئی تھی۔

ڈیش بورڈ سے آنے والی مدھم روشنی کے انعکاس میں میری اور سلطان شاہ کی آنکھیں چار ہوئیں اور میں نے اس کے بُشرے پر ایک بار پھر خون کی پیاس مستقلاً دیکھی۔ وہ صحیح معنوں میں ایک خونخوار بھیڑیا تھا جو کسی مشکل میں پھنسنے کے بعد سب کچھ کر گزرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔

میں اچھل کر ڈرائیور کے برابر والی نشست پر پہنچا اور سلطان شاہ نے اس کی گردن پر ہاتھ ڈال دیا۔ ٹیکسی جھٹکا لے کر سڑک پر لہرائی، اسی لمحے ایک ہلکے سے کھٹکے کی آواز ہوئی اور اس سے قبل کہ ڈرائیور اپنے بائیں ہاتھ میں دبے ہوئے چاقو کا پھل میرے بدن کے کسی حصے میں اتارنے میں کامیاب ہوتا میں نے پوری سختی کے ساتھ اس کا بازو گرفت میں لے کر مروڑنا شروع کر دیا۔

وہ دونوں طرف سے اس بری طرح شکنجے میں آیا کہ اسٹیئرنگ اس کی گرفت سے نکل گیا۔ وہ تو غنیمت تھا کہ ٹیکسی کے اگلے پہیّوں اور اسٹیئرنگ کا میکینزم قابلِ رشک حالت میں تھا ورنہ ٹیکسی اسی رفتار سے کسی بھی ڈھلان پر اتر کر الٹ سکتی تھی۔

میرا اندازہ تھا کہ سلطان شاہ ڈرائیور کو پچھلی نشست پر اٹھا لے گا لیکن اس نے نہ جانے کیا دیکھا کہ جھک کر چلتی ہوئی ٹیکسی کا ڈرائیور کی سمت والا دروازہ کھولا اور

اگلے ہی لمحے ڈرائیور ہولناک چیخوں کے ساتھ چلتی کار سے نیچے لڑھک گیا۔

گرتے ہوئے اس نے سنبھالا لینے کی سر توڑ کوشش میں اپنا جاتو اگلے پائیدان میں پھینک دیا اور اسٹیئرنگ تھامنے کی کوشش کی اگر میں بر وقت اسٹیئرنگ نہ سنبھال لیتا تو ٹیکسی بُری طرح داہنی طرف دائرے کی صورت میں گھوم جاتی۔ چند ثانیوں کے لیے ٹیکسی کو بُری طرح دھچکے لگے لیکن میں نے سرعت کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر رفتار ایک دم بڑھا دی۔

ٹیکسی کے لہرانے کی بنا پر پچھلی گاڑی والوں نے شاید گڑبڑ کا اندازہ لگا لیا تھا اور رفتار بڑھا کر ٹیکسی کے بالکل عقب میں آچکے تھے لیکن ٹیکسی کے سڑک پر لہرانے کے باعث وہ آگے نکلنے کی ہمت نہ کر سکے تھے جس وقت سلطان شاہ نے ڈرائیور کو سڑک پر دھکیلا تو پچھلی گاڑی داہنی سمت سے گھس کر آگے نکلنے کے لیے کوشاں تھی اگر اس کو پوری قوت سے بریک لگا کر نہ روکا گیا ہوتا تو ٹیکسی ڈرائیور اسی گاڑی کے پہیوں تلے روندا جا چکا تھا۔

میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا کہ پچھلی گاڑی اس مقام پر رک گئی تھی جہاں ڈرائیور کو بے رحمی کے ساتھ پھینکا گیا تھا۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ایک تندرست انسانی ہیولا سڑک پر پڑے ہوئے ساتھی کو سہارا دیتا نظر آیا پھر پچھلی گاڑی ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر آندھی اور طوفان کی رفتار سے ہمارے پیچھے بڑھنے لگی۔

"پچھلی سیٹ اکھاڑ دو۔" میں نے پائیدان سے چاقو اٹھا کر سلطان شاہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اور سوٹ کیس ادھر پھینک کر اسلحہ نکال لو ورنہ آج کی رات ہم بے موت مارے جائیں گے۔"

پچھلی نشست سے ریگزین پھٹنے اور بند ٹوٹنے کی آوازیں آنے لگیں۔

میری ہدایت محدود اور مختصر سی تھی لیکن سلطان شاہ کی عقل اس وقت بہت اونچی پرواز کر رہی تھی چند ہی سیکنڈ بعد اس نے پچھلے دروازے سے ٹیکسی کی عقبی نشست اور اس کی پشت گاہ سڑک پر لڑھکا دی۔

پیچھے آنے والی گاڑی کے ڈرائیور کے لیے وہ ناگہانی رکاوٹیں ایک امتحان بن گئیں۔ بریک چرچرانے کی آوازوں سے ویرانہ گونج اٹھا اور ہمارے درمیان کم ہوتا ہوا فاصلہ ایک بار پھر بڑھ گیا۔

"جیتے رہو برخوردار!" میں نے نعرہ لگایا۔ "آج تو تم کمال کے کیسے رہے ہو۔"

"میں تیار ہوں۔" قدرے توقف کے بعد سلطان شاہ کی بوجھل آواز سنائی دی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کھلی خونریزی کا موقع پا کر اس پر نشہ سا چڑھنے لگا ہو۔ "انھیں قریب آنے دو، میں ایک ایک کو چھلنی کر دوں گا۔"

"خونریزی کی ضرورت نہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ کوشش کرو کہ وہ خوفزدہ ہو کر فرار کی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں۔"

"میرا بس چلے تو ان کی چڑیا کے بچے کو بھی زندہ نہ چھوڑوں۔" اس کی تلخ اور بھرّائی ہوئی آواز ابھری۔ "آج کی رات میں ان کے لیے یادگار بنا دوں گا۔ اب تو اسلحہ بھی موجود ہے میرے پاس۔"

میں نے اپنے وجود کی گہرائیوں میں اداسی کی ایک لہر اُبھرتی محسوس کی۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو سلطان شاہ! لیکن یہ بھی انسان ہیں کوئی گاجر مولی تو نہیں کہ انھیں بلا امتیاز نیست و نابود کر دیا جائے۔"

"ذرا کامران کو یاد کرو۔" اس کی آواز میں تلخی گہری ہو گئی "وہ میرا نہیں، تمہارا ہونے والا سالا ہے۔ یہ زندہ لاشوں کے پروردگار ہیں صاحب!" فرطِ جذبات سے وہ تقریباً چیخ پڑا۔ "یہ ہیروئن نہیں، موت بلکہ بدترین موت بیچتے ہیں اور ان کے خریدار اس موت کو گلے لگانے پر مجبور ہیں قسم پروردگار کی، میں ان میں سے کسی کو اور کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

"اتنا اونچا نہ بولو سلطان شاہ۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "شاید تم ہی نے بتایا تھا کہ تمہاری زمینوں پر بھی افیون کی کاشت ہوتی ہے۔"

"افیم، چرس، بھنگ، گانجا، شراب سب بیکار باتیں ہیں ڈپٹی صاحب۔" اس وقت وہ شاید زیادہ ہی جذباتی ہو گیا تھا۔ "یہ سب نشے ہیں جنھیں تم جب چاہو چھوڑ سکتے ہو لیکن ہیروئن؟ غلامی ہے غلامی۔ آدمی مر سکتا ہے لیکن اسے چھوڑ نہیں..."

پھر اچانک ہی ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ ٹیکسی میں بارود کی بو بھر گئی۔ پیچھے آنے والی کار اس فائر کی زد میں آئی تھی کیونکہ دونوں کا درمیانی فاصلہ ایک بار پھر گھٹنے لگا تھا۔

"سائلنسر کیوں نہیں چڑھایا سلطان شاہ؟" میں نے اپنا سر جھٹکتے ہوئے سوال کیا۔

"دھماکا جب تک کان گرم نہ کرے، گولی چلانے میں مزہ نہیں آتا صاحب!" وہ اس وقت ہر زاویے سے کٹر قبائلی بنا ہوا تھا۔ "دھماکے میں مردانہ شان ہوتی ہے اور دل بھی بڑھتا ہے۔"

"چلو تو پھر یوں ہی سہی۔" میں نے اس کے جنگی فلسفے کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں آگے میں ٹیکسی روکنے جا رہا ہوں۔

سوٹ کیس سنبھال کر نیچے آجانا' اب وہ زندہ لوٹیں گے یا ہم دونوں۔"

"میں مر بھی جاؤں تو پروا نہ کرنا۔" اس نے کرخت لہجے میں کہا۔ "میں گاؤں سے ہیروئن بیچنے کے خواب لے کر کراچی آیا تھا لیکن اب اس سے نفرت ہو چکی ہے' اس سے جس کا بھی رشتہ ہے یوں سمجھو کہ وہ میرا کھلا دشمن ہے۔"

پھر پیچھے سے فائر ہوا اور گولی ہماری ٹیکسی کی آہنی باڈی سے ٹکرا کر رہ گئی۔

عقب نما آئینے میں پچھلی کار کی روشنیوں کا انعکاس کبھی قریب اور کبھی دور ہوتا نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ لوگ تعاقب جاری رکھنے یا متصادم ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر پا رہے ہوں۔

"ہوشیار!" میں نے آواز لگائی اور ٹیکسی اچانک داہنی طرف کچی ڈھلان پر اتار دی اور شدید جھٹکوں کے درمیان کچھ دور جا کر بریک لگا دیے۔

سلطان شاہ مجھ سے پہلے ہی نیچے کود چکا تھا۔ میں بھی اگنیشن کی چابی جیب میں ڈالتا ہوا نیچے آگیا۔ اس اثنا میں دوسری کار سڑک پر رک چکی تھی لیکن اس میں سے کوئی اترتا ہوا نظر نہیں آیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ان سے ٹکرانے کے بجائے ہم بچ کر کسی طرف نکل جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔" میں نے تاروں کی چھاؤں میں سڑک پر کھڑی ہوئی کار کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میری دانست میں مقابلہ سود مند رہے گا۔" اس نے فکر آمیز لہجے میں کہا۔ "ان میں سے کوئی ہاتھ آگیا تو خاصی معلومات حاصل ہو سکیں گی، ہو سکتا ہے کہ مقابلہ برابر ہی کا ہو۔"

"مجھے بھی کار میں دو ہی ہیولے نظر آرہے ہیں۔" میں نے ادھر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ "لیکن وہ کار میں بیٹھے کیا کر رہے ہیں؟"

اسی لمحے وہ دونوں محتاط طریقے سے کار سے نکلتے نظر آئے۔ سلطان شاہ کا ارادہ گولی چلانے کا تھا لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے میں نے اسے روک دیا۔

میرے ایما پر سلطان شاہ نے دوسرا پستول سائلنسر لگا کر میرے حوالے کر دیا۔ ادھر سڑک پر پھیلی ہوئی تاریکی میں وہ دونوں غائب ہو چکے تھے اور سڑک کے کنارے کار کا ہیولا رات کی تاریکی میں اداسی بھرا منظر پیش کر رہا تھا۔

میں نے سلطان شاہ کے ساتھ سرگوشیوں میں پروگرام طے کیا۔ اسے میری ایک تجویز پر شدید اعتراض تھا لیکن میرے اصرار پر اسے خاموشی اختیار کرنا پڑی اور میں ٹیکسی کی چابی اس کے حوالے کر کے ایک طویل چکر کاٹتے ہوئے سڑک کی طرف بڑھنے لگا۔ اس دوران میں ان دونوں کی جھلک تک نہ دکھائی دی تھی۔ بس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں زمین نگل گئی ہو لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ وہ تاریکی اور جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے ٹیکسی تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔

رات کے بیکراں سناٹے میں جھینگروں کے مسلسل شور میں آخر کار میں سڑک تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ کچھ دیر تک میں اُن کی سیاہ مزدا سے کچھ دور سینے کے بل سڑک پر پڑا کار کا جائزہ لیتا رہا۔ جب مجھے وہاں زندگی کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو میں محتاط انداز میں کار کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے ہر لمحے یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں وہ دور سے اپنی کار کے نزدیک ایک انسانی ہیولے کو حرکت کرتے دیکھ کر میری حکمتِ عملی کا اندازہ نہ لگا لیں۔

کار خالی پڑی ہوئی تھی، دروازے غیر مقفل تھے اور اگنیشن سے چابی غائب تھی۔ میں نے وہیں پڑے پڑے حلق سے کسی خارش زدہ کتے کی سی بلبلاتی ہوئی آواز بلند کی۔ اس کی بازگشت معدوم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ویرانے میں آتشیں اسلحے کا نغمہ گنگنا اٹھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سلطان شاہ نے اشارہ سنتے ہی کارروائی کا آغاز کر دیا تھا۔

پھر یکے بعد دیگرے مزید دو فائر ہوئے۔ پُرشور دھماکوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ حریفوں کے پاس بھی بڑے بور کا اسلحہ موجود تھا۔ اس کے بعد تو دونوں ہی طرف سے فائرنگ میں تواتر آگیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دونوں فریقوں میں کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ راؤنڈز فائر کرنے کا مقابلہ شروع ہو گیا ہو۔

معاً مجھے ٹیکسی ڈرائیور کا خیال آیا جسے ہم نے کافی دور چلتی ہوئی ٹیکسی سے نیچے پھینک دیا تھا اور پھر اس کی دیکھ بھال کے لیے سیاہ مزدا سے ایک آدمی وہاں چھوڑ دیا گیا تھا۔ اگر اس وقت وہ دونوں بھی اس طرف آنکلتے تو میری چال بُری طرح ناکام ہو سکتی تھی۔

مجھے بے چینی سی ہونے لگی۔ سلطان شاہ ضرورت سے زیادہ وقت برباد کر رہا تھا۔ اس کی فائرنگ میں طویل وقفے آنے لگے تھے جب کہ اس کے حریف پورے جوش و خروش سے گولیاں چلا رہے تھے۔ اگر فائروں کے شور کی ہی بنا پر کوئی اندازہ قائم کرنا ہوتا تو یہی کہا جا سکتا تھا کہ ایک فریق کے پاس میگزین کی کمی واقع ہو گئی تھی اور وہ کفایت پر اتر آیا تھا۔

آخر کار وہ واقعہ ظہور پذیر ہو ہی گیا جس کا مجھے شدت

سے انتظار تھا۔ فضا ایک ہولناک انسانی چیخ سے لرز اٹھی تھی۔ یوں معلوم ہوا تھا جیسے کوئی گولی کی زد میں آگیا ہو۔ دونوں طرف سے فائرنگ تھم گئی، فضا پر چھایا ہوا سکوت اعصاب شکن سا محسوس ہونے لگا پھر یکایک کسی انجن کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور ٹیکسی نصف دائرے میں گھوم کر تیزی کے ساتھ سڑک کی طرف آنے لگی۔ اس پر پے در پے کئی فائر کیے گئے لیکن ناہموار کچی زمین پر دوڑنے کے باعث اس اندھیرے میں کسی بہترین نشانے باز کے لیے بھی اس کے کسی مخصوص حصے کو نشانہ بنانا ناممکن تھا۔ ہاں اتفاقاً کوئی گولی کسی ٹائر یا انجن کے حساس حصے کو چاٹ جاتی تو اور بات تھی۔

خود کو ٹیکسی کے ہیڈ لیمپس سے بچانے کے لیے میں سینے کے بل پتھریلی زمین پر گر گیا۔ آناً فاناً میں ٹیکسی سڑک پر آئی اور تیزی کے ساتھ آگے روانہ ہو گئی اور میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ حملہ آوروں کے ردِعمل کا انتظار کرنے لگا۔

ٹیکسی کے پیچھے اڑتے ہوئے غبار کے دھندلاتے ہی مجھے وہ دونوں بے تحاشا سڑک کی طرف آتے نظر آئے، شاید ان کے فرشتوں کو بھی توقع نہیں تھی کہ اُن کا مدِمقابل جم کر مقابلہ کرتے کرتے یوں اچانک کسی چوہے کی طرح بھاگ نکلے گا۔ اب غالباً وہ جلد از جلد اپنی کار تک پہنچ کر تعاقب شروع کرنا چاہتے تھے۔

میں کار کی آڑ میں چھپا ان دونوں کا انتظار کرتا رہا

پھر جوں ہی وہ زد میں آئے میں نے پستول سیدھا کر کے یکے بعد دیگرے دو فائر کیے اور وہ دونوں ہی بھاگتے بھاگتے خاک میں لوٹ گئے۔ ان میں سے ایک کی چیخیں بہت دردناک تھیں۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ زندہ نہ بچ سکے گا اور چند سیکنڈ میں اس کی آواز خرخراہٹوں میں تبدیل ہو کر معدوم ہو گئی۔ دوسرا بدستور وہیں پڑا کراہ رہا تھا۔

"ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہو جاؤ ورنہ تمہیں بھی بھون دوں گا۔" طویل سکوت کے بعد میں نے قہر بار لہجے میں وارننگ دی۔

"میں اُٹھ نہیں سکتا، گولی میرے پیٹ میں لگی ہے۔" کراہتے ہوئے جواب دیا گیا۔

"دوسرا کس حال میں ہے؟"

"پتا نہیں، بے ہوش ہوا ہے یا شاید مر ہی چکا ہو... تم کون ہو؟ اور کیا چاہتے ہو؟"

"یہ تو تم ہی بتاؤ گے کہ کیا سمجھ کر ہمارے پیچھے لگے تھے؟" یہ کہتے ہوئے میں نے اندھیرے میں نظریں جما کر ان دونوں کا جائزہ لیا تو ایک بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا اور دوسرا پیٹ دبائے پہلو بدل رہا تھا۔

جب مجھے ان کے بے ضرر ہونے کا یقین ہو گیا تو میں ان کی طرف بڑھا اور زخمی کا کالر پکڑ کر اُسے گھسیٹتا ہوا مرزا کے سامنے لے آیا۔ میرا ارادہ تھا کہ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں اس کی تفصیلی جامہ تلاشی لوں گا لیکن جب اس نے گڑگڑا کر میرا مدعا دریافت کیا تو مجھے فی البدیہہ ایک مؤثر دھمکی سوجھ گئی۔

"وہ گولی سے مر گیا، تمہارے چہرے پر سے کار کا پہیہ گزاروں گا تاکہ تمہارا آقا ایک جیسی لاشیں دیکھ کر الجھن کا شکار نہ ہو سکے۔"

"نہیں!" وہ دہشت زدہ آواز میں چیخا اور پھر زمین پر کروٹیں لیتا ہوا پھرتی کے ساتھ کار کے سامنے سے ہٹ گیا۔ "تم یہ درندگی نہیں کر سکتے...."

"کیوں نہیں کر سکتا؟" میں نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔ "تم ماموں تو نہیں ہو میرے۔"

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔" وہ خوف زدہ انداز میں بولا۔ "ہمیں صادق نے معاوضے پر بلایا تھا، ہم کل سے اسی کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔"

"یہ صادق کون ہے اور تمہیں کس لیے رکھا گیا تھا؟"

"وہ اس وقت بھی ایئرپورٹ پر ہوگا... تم دونوں کا حلیہ بتا کر دوبارہ اندر گیا تھا پھر واپس نہیں لوٹا۔ ہمیں اس کے اشارے پر کسی کو اغوا کرنے کے لیے تیار رہنا تھا۔ تم اتفاقاً درمیان میں آگئے یا سارا بکھیڑا ہی تمہارے لیے تھا۔"

میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ سرمئی سوٹ والا ہی صادق رہا ہوگا جس کی لاش ایئرپورٹ کے ایک بیت الخلاء میں پڑی ہوئی تھی۔ "ٹیکسی ڈرائیور کس کا آدمی تھا؟"

"وہ بھی ہمارا ہی ساتھی ہے۔" وہ مشینی انداز میں ہر بات اگلنے کے لیے تیار تھا۔ "ہم تعداد میں چار تھے۔ جو تمہیں ٹیکسی کی دیکھ بھال کے لیے وہیں اتار دیا جہاں تم نے ڈرائیور کو پھینکا تھا۔"

"اسلحہ کس نے فراہم کیا تھا؟"

اسلحہ ہمارا اپنا ہے۔ تم نہ آتے تو ہمیں بغیر کام کے دس ہزار معاوضہ ملتا، کامیاب اغوا کی صورت میں معاوضے کی رقم پانچ گنا ہو جاتی۔ بس اسی لالچ میں جان ہتھیلی پر رکھ کر تمہارے پیچھے ہو لیے تھے۔"

"معاوضہ کیسے ملنا تھا؟"

"دس ہزار پیشگی مل گئے تھے، چالیس ہزار تمہیں پہنچانے پر ملتے۔"

"مجھے کہاں پہنچانا تھا؟"

"بے ہوش کر کے مصری شاہ کے ایک ویران کارخانے میں پہنچانا تھا جہاں صادق خود ہمارا انتظار کر رہا ہوگا۔"

انتظار تو وہ جہنم ہی میں کر رہا ہوگا ۔۔۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور پیچھے ہٹ کر سیاہ مزدا کے بونٹ کے سہارے ٹک گیا۔

زخمی نے جو کچھ بتایا وہ درست ہی معلوم ہو رہا تھا۔ تنظیم کے بڑوں کی یہ حکمت عملی کئی مواقع پر سامنے آچکی تھی کہ بھیڑ بھاڑ کے عارضی کاموں میں وہ کبھی اپنی باقاعدہ نفری نہیں جھونکتے تھے بلکہ ایک آدھ آدمی کے ذریعے زیر زمین دنیا کے پیشہ وروں کی عارضی خدمات حاصل کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ کام ہوا اور بھیڑ بھاڑ ختم۔

اس اعتبار سے زخمی اتنا بڑا مجرم نہیں تھا کہ اسے مار ہی دیا جاتا۔ اس کا دوسرا ساتھی بھی اپنی بدقسمتی کی بناء پر مارا گیا ورنہ میری دانست میں وہ دونوں زندہ چھوڑے جانے کے مستحق تھے۔ بس ذرا سی گوشمالی کی ضرورت تھی جو پہلے ہی ہو چکی تھی۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق سلطان شاہ کو ٹیکسی لے کر پانچ سات منٹ تک تیز ڈرائیونگ کرنا تھی اور اس دوران میں اگر اس کا تعاقب نہ کیا جاتا تو اسے واپس لوٹ آنا تھا۔

"صادق کس کے لیے کام کرتا ہے؟" میں نے وقت گزاری کے لیے اس سے گفتگو جاری رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"معلوم نہیں ۔۔۔ لیکن سنا ہے کہ کسی بڑے آدمی کا کارندہ ہے۔ پہلے دو کوڑی کا آدمی تھا لیکن پچھلے ایک ڈیڑھ برس سے کوئی اس سے الجھنے کی ہمت نہیں کر سکا ہے۔"

"وہ کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"صادق اچانک ہی ابھرا تھا۔ اس کے منہ لگنے والے دو تین دادائوں کا حشر بہت خراب ہوا تھا۔ ایک رات بھر چوک رنگ محل پر بے ہوش پڑا رہا اور کتے اس کا منہ چاٹتے رہے۔ بس اسی دن سے سب نے سمجھ لیا تھا کہ صادق کسی زبردست کی پناہ میں چلا گیا ہے ورنہ پہلے تو وہ ہمارے ساتھیوں میں ہوا کرتا تھا۔"

"اس کی رہائش کہاں ہے؟"

"وہ بہت اونچا اڑ رہا ہے۔" وہ نقاہت زدہ مگر تلخ لہجے میں بولا۔ "کہاں رہتا ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ کس کا ملازم ہے؟ شاید لاہور میں کوئی بھی نہ بتا سکے گا۔ بس یہ معلوم ہے کہ آج کل ہیروئن کی خرید و فروخت میں وہ کہیں نہ کہیں ملوث ہے۔"

اسی لمحے دور سڑک پر مخالف سمت سے آتی ہوئی کسی کار کی روشنیاں دکھائی دیں اور میں بونٹ سے ہٹ کر نشیب میں اتر گیا۔ "اسی طرح چپ چاپ زمین سے چپکے پڑے رہنا۔ کار کو اشارہ کرنے کی کوشش کی تو بے دریغ بھیجا اڑا دوں گا۔"

"اب تمہارے معاوضے کا کیا ہوگا؟" کار دور تھی اس لیے میں نے اپنی جگہ سے گفتگو کا سلسلہ تھوڑے سے توقف کے بعد دوبارہ شروع کر دیا۔

"اگر تم چھوڑ دو گے تو بس ایڈوانس کے دس ہزار پر گزارا کرنا ہوگا۔" اس نے بے بسی کے ساتھ کہا۔

"ایک کے مرجانے کے بعد تمہارے حصے میں ویسے بھی اضافہ ہو چکا ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مُردوں کا مال ہم لوگوں کو راس نہیں آتا۔" وہ اداس لہجے میں بولا۔ "ویسے ایڈوانس کی رقم ہم پہلے ہی آپس میں بانٹ چکے تھے۔"

میں اس سے گفتگو کرتا رہا اور اسی اثناء میں وہ گاڑی قریب آکر رک گئی اور سلطان شاہ پستول تھامے نیچے اتر آیا۔ اس نے صورت حال دیکھ کر نہایت آسودہ ردِعمل کا اظہار کیا۔

"یہ سب کرائے کے آدمی ہیں۔" میں نے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "اصل آدمی وہی سرمئی سوٹ والا تھا۔ اغوا کا معاوضہ پچاس ہزار طے ہوا تھا جس میں سے چالیس ہزار باقی ہیں۔ سوچ رہا ہوں کہ ہم اغوا ہو ہی جائیں تو بہتر رہے گا۔"

"مرجانا اس سے بھی بہتر رہے گا۔" وہ جل کر بولا اور میں بے اختیار مسکرا دیا۔

"تم سمجھے نہیں۔" میں نے زخمی شکار کی پروا کیے بغیر کہا۔ "دیکھنا چاہیے کہ سرمئی سوٹ والے کی عدم موجودگی میں مقررہ ٹھکانے پر ہماری وصولیابی کا کیا انتظام ہے۔ وہاں ہمیں تحویل میں لے کر چالیس ہزار کی ادائیگی بھی ہونی ہے۔"

"سرمئی سوٹ والے کو کیا ہوا؟" زخمی نے چونک کر سوال کیا۔

"ایئرپورٹ پر ولایتی کموڈ پر سر رکھے ابدی نیند سو رہا ہے۔" سلطان شاہ نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "الجھنا ہی چاہتے ہو تو دوسری بات ہے ورنہ وہاں بھی کوئی تیسرے درجے کا مہرہ ہی ہاتھ آئے گا۔"

"صادق مر گیا ہے تو سمجھو ہماری رقم ڈوب گئی۔" زخمی کی افسردہ آواز ابھری۔ "اس معاملے کو وہ تنہا چلا رہا تھا۔ اب مصری شاہ کے اس ویران گودام میں کوئی نہ مل سکے گا۔"

سلطان شاہ پر اس وقت سنگدلی طاری ہو رہی تھی۔ وہ ہر اس شخص کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا تھا جس کا

موت کے سوداگروں سے ذرا بھی تعلق ہو لیکن میں نے سمجھا بجھا کر اسے زخمی کے ساتھ رعایت سے کام لینے پر آمادہ کر ہی لیا اور ہم دونوں اُسے وہیں بے ہوش کر کے ٹیکسی سے روانہ ہو گئے۔

⁂

جو کچھ ہو رہا تھا، ہمارے حق میں بہتر ہی ہو رہا تھا لیکن ہم صحیح سمت میں پیش قدمی کرنے کے بجائے بار بار اپنا راستہ تبدیل کرنے پر مجبور ہوئے جا رہے تھے۔ ہمارا اصل مدعا یہ تھا کہ اے۔ لوٹی سحر انگیز شخصیت کا طلسم توڑ کر تنظیم کا شیرازہ بکھیر دیا جائے لیکن درمیان میں دوسرے ضمنی واقعات ہماری توجہ اپنی جانب مبذول کرا لیتے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ہم ذاتی طور پر تو اے لوٹی کی شخصیت سے واقف ہو گئے تھے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تنظیم کی بیخ کنی کیسے کی جائے۔

پھر پچھلے چکر میں بات ذرا اور آگے بڑھ گئی تھی۔ لائیڈز کالج کے سیکیورٹی آفیسر نے اپنی گفتگو میں جمی لائیڈ کا حوالہ دیا جو اس کے بقول اس عمارت کا مالک تھا لیکن میں اپنی پرانی معلومات کی بنا پر اس بارے میں پُر یقین تھا کہ جمی لائیڈ اس گھناؤنے کھیل میں اہم کردار ادا کر رہا تھا۔ یوں بظاہر ہمارا ٹارگٹ بھی تبدیل ہو چکا تھا۔

"یہ سب دقیانوسی باتیں ہیں۔" میری اُلجھن سے واقف ہونے کے بعد سلطان شاہ نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "ناموں کے پیچھے بھاگیں گے تو ہم اپنا سر اندھی دیواروں سے ٹکراتے رہ جائیں گے۔ تنظیم کی تباہی ہمارا مقصد ہے۔ اب راستے میں جو بھی مزاحم ہونے کی کوشش کرے، اسے بے رحمی کے ساتھ روندتے ہوئے آگے بڑھ جاؤ۔"

"ہر ایک کو روندنے پر تُل گئے تو بھول بھلیوں میں کھو جاؤ گے۔ میری حکمتِ عملی یہ ہے کہ ہم غیر اہم لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے اصل مقاصد پر توجہ مرکوز رکھیں۔"

"خیر جو کچھ بھی ہو، وہ تمہارا اپنا دردِ سر ہے۔" اس نے بحث سے گریز کرتے ہوئے کہا۔ "قاسم، سلام، صادق اور بہتیرے دوسرے لوگ غیر اہم تھے لیکن انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مجھے تو یہ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

اس وقت ہم دونوں ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ صبح نمودار ہونے والی تھی لیکن ہم دونوں کی نگاہوں میں دور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔ سلطان شاہ کا بس چلتا تو وہ اسی وقت اسلحہ سنبھال کر لائیڈز کالج کی طرف مارچ شروع کر دیتا۔

"ہمارا کام بہت پیچیدہ ہے سلطان شاہ۔" میں نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میں توقیر سے مل چکا ہوں، تصویر سے فون پر بات ہو چکی ہے۔ ان دونوں کی آوازوں میں گہری مماثلت ہے اور وقتِ ضرورت ان میں سے کوئی بھی اے لو کا کردار سنبھال لیتا ہے۔ اب تم خود غور کرو کہ تصویر کسی محفل میں بیٹھا ہو اور وہاں اے۔ لو فون پر کسی اور کو بلا کر ہدایات دینا شروع کر دے تو تصویر پر شبہ کون کر سکتا ہے۔ اسی طرح توقیر بھی شبہات سے بچا رہتا ہے۔ میں اس راز کی تہہ تک پہنچ چکا ہوں لیکن ان دونوں سے بات کروں تو کوئی اے لو ہونے کا اقرار نہیں کرے گا کیونکہ قانون کی طاقت میری پُشت پناہی نہیں کر رہی۔ یہی دشواری جمی لائیڈ کے بارے میں ہے۔ وہ لوگ مر جائیں گے لیکن اس کے بارے میں ہرگز زبان نہیں کھولیں گے۔ ان میں گھسے بغیر کوئی بڑی کامیابی دشوار ہی نظر آتی ہے۔"

"میں تم سے پوری طرح متفق ہوں۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "لیکن تم جانتے ہو کہ ہاتھ پیروں کے مقابلے میں میری عقل کافی کمزور ہے۔ تم سوچو اور خوب سوچو پھر ایک فیصلہ کر کے مجھے حکم دو۔ پورا نہ کروں تو سُولی پر لٹکا دینا۔"

"میں اکیلا تمام فیصلے نہیں کر سکتا۔" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم بھی مجھے کوئی مشورہ دو کہ کون سا راستہ سب سے بہتر رہے گا۔"

وہ کسی بچے کی طرح معصومانہ انداز میں ہنس دیا۔

"مذاق اڑا رہے ہو؟" میں نے اُسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"توبہ! میری یہ مجال۔" وہ کان تھامتے ہوئے بولا۔ "یہ سوچ کر ہنس پڑا تھا کہ ایسے معاملوں میں ہمارا حساب ٹھیک رہتا ہے۔ جو کچھ کرنا ہو، پہلے کر گزرتے ہیں، بعد میں سوچتے ہیں اور تم سوچ سوچ کر ہلکان ہوئے جا رہے ہو۔"

میں بھی بے اختیار ہنس دیا۔ اس کی بات درست ہی تھی، جہاں عمل کی کھلی آزادی نہ ہو وہاں منصوبہ بندی بھی عموماً ناکام ثابت ہوتی ہے۔ حالات ایسے تھے کہ ہمیں پل پل پر فیصلے بدلنے کی ضرورت محسوس ہو سکتی تھی۔

"ٹرانسمیٹر سے ابتدا کرو، دیکھو کہ کیا جواب ملتا ہے۔" سلطان شاہ نے قدرے توقف کے بعد اکسایا اور میں نے فوری طور پر اس کا مشورہ قبول کر لیا۔

ٹرانسمیٹر آن کرتے ہی چند ثانیوں کے ریڈیائی شور کے بعد ریسیور پر ایک عجیب سی آواز سنائی دی اور ہم دونوں چونک پڑے۔ ابتدا میں تو ایک مردانہ آواز میں کہے ہوئے جمل

الفاظ کے سوا کچھ پلے نہ پڑ سکا لیکن دو تین بار غور کرنے کے بعد
مہمل الفاظ کا مفہوم سمجھ میں آگیا۔
"ٹیبل ٹاک ... تھری کلاک ... ڈیڈلی راک ...
شوگر کوئین ... اوور!" غیر ملکی لب و لہجے میں کوئی مردانہ آواز
تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہی پیغام دہرا رہی تھی لیکن دوسری
جانب سے جواب مفقود تھا۔
"یہ کیا ہو رہا ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔
"سُنتے رہو۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "ستارے اچھے
تھے کہ میں تمہارے مشورے پر ٹرانسمیٹر آن کر بیٹھا۔ دیکھو
دوسری جانب سے ان کوڈ ورڈز کا کیا جواب آتا ہے؟"
"شوگر کوئین ہے تو اُن میں شوگر کنگ بھی ہو گا۔" وہ بولا۔
"مجھے تو ابن صفی مرحوم، کا لکھا ہوا ناول 'شوگر بینک' یاد آ رہا ہے۔
ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ ہیروئن کے ذخیرے کو شوگر بینک ہی
کہتے ہوں۔"
"جاسوسی ناول پڑھ کر منشیات فروشی نہیں کی جاتی،
یہ کوئی اور ہی چکر ظہور میں آ رہا ہے ... پورے معاملے میں
پہلی بار کوئی غیر ملکی آواز سنائی دی ہے۔ لب و لہجہ غیر ملکی
معلوم ہوتا ہے۔"
"ہو سکتا ہے کہ یہی جمی لائیڈ ہو۔" اُس نے رائے زنی کی۔
"مجھے کچھ اور ہی نظر آ رہا ہے۔" میں نے ریسیور سے
اُبھرنے والی اس مشینی آواز سے دھیان ہٹائے بغیر کہا۔ "شاید
ہماری وجہ سے یہ آپریٹس واپس لے لیے گئے ہوں گے پھر
انہیں لائن سے مسلسل غائب پا کر انھوں نے محدود پیمانے
پر مخصوص لوگوں کے لیے اس کا استعمال شروع کر دیا ہے۔ انہیں
دھوکے میں رکھنے کے لیے ہمیں اس کے استعمال سے احتراز
کرتے ہوئے انہیں یہ تاثر دینا ہو گا کہ ہم اپنی کسی حماقت کی بنا پر
آپریٹس تلف کر چکے ہیں۔"
"شوگر کوئین ریسیونگ ولڈ ڈارلنگ!" کافی دیر بعد
آپریٹس پر دوسری سمت سے بولنے والی کی خوابیدہ آواز اُبھری
اور میرا دل اُچھل کر حلق میں آگیا۔ اگر میرا حافظہ دھوکا نہیں
دے رہا تھا تو وہ ایمسٹرڈم کی فرم ایشلے ہاؤز کی نمائندگی کرنے
والی غیر ملکی دوشیزہ ویرا لائیڈ کی آواز تھی۔
"فری لانس ... زیرو تھری ٹو ایکس اے بی ... فری
لانس ڈیڈلی راک ــــ اوور!" خوابیدہ نسوانی آواز شاید نشر
ہونے والا پورا پیغام سُن چکی تھی کیونکہ اُس نے کوڈ ورڈز میں
ہی اس کا جواب دیا تھا۔
"کال سے ... زیرو تھری ٹو گاما فائیو ... آر می
سی او آر ... فری لانس ــــ اوور!" مردانہ آواز میں اس
بار احترام نمایاں تھا۔
"او کے ... جے سی نائین ... اوور اینڈ آل ــــ"
ویرا لائیڈ کی آواز سے مشابہت رکھنے والی نے دوسری طرف
سے غالباً ہدایات جاری کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔
"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اُن کی طرف سے ہمیں گمراہ کرنے
کی کوشش کی جا رہی ہو؟" سلطان شاہ نے آپریٹس پر خاموشی
چھا جانے کے بعد پُرتشویش لہجے میں کہا۔
"دونوں ہی باتیں ممکن ہیں۔ یہ گفتگو کسی کامیابی کا پیش خیمہ
بھی ثابت ہو سکتی ہے ... اگر گمراہ ہی کرنا ٹھہرا ہوتا تو پھر
شوگر کوئین کی صورت میں ویرا لائیڈ کی ہی آواز کیوں سنائی
دی۔ اُس سے تو ہزاروں میل دور صرف میری ملاقات
ہوئی تھی۔"
"یہ کیوں بھول رہے ہو کہ وہ مومن خان کی لیبارٹری کے
لیے بھی کام کر چکی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری لاعلمی میں پہلے
سے یہاں آتی رہی ہو اور تنظیم کے لیے اجنبی نہ ہو۔"
ٹرانسمیٹر پر شوگر کوئین کے حوالے سے جو گفتگو ہوئی، وہ
ناقابلِ فہم کوڈ ورڈز میں ہوئی تھی، لہٰذا میری دانست میں
سلطان شاہ کا اندازہ دُرست نہیں تھا۔ ہاں اگر وہ گفتگو
عام فہم زبان میں ہوتی اور اس کے ذریعے ہم کو کسی نئی راہ پر
ڈالنے کی کوشش کی جاتی تو میں ضرور شبہات کا شکار ہو جاتا۔
بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس وقت کسی مجبوری کے
تحت ٹرانسمیٹر کا سہارا لیا گیا تھا اور یہ اتفاق تھا کہ ہم آپریٹس
آن کر کے وہ گفتگو سُننے میں کامیاب ہو گئے تھے۔
بظاہر خفیہ اشاروں پر مشتمل وہ تمام گفتگو شوگر کوئین کے
نام کے علاوہ ہمارے لیے بے سود تھی۔ اس سے بس یہی پتا
چل سکا تھا کہ تنظیم کے مقامی معاملات میں بھی بعض غیر ملکی
ملوّث تھے۔
تھوڑی دیر کی سوچ بچار کے بعد میں نے آپریٹس پر سیکیورٹی
آفیسر سے رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔
دوسری طرف سے خلاف توقع دوسری کال پر ہی جواب
مل گیا۔ اس وقت میری رسٹ واچ صبح کے ساڑھے پانچ بجا رہی تھی
لیکن دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز میں نیند کا شائبہ
تک نہیں تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ صبح خیز تھا یا پھر کسی وجہ
سے اس رات جاگتا ہی رہا تھا۔
"دوسری مہلت بھی ختم ہو رہی ہے ... مجھے اپنے مطالبے

کا جواب چاہیے ۔ اوور !" رابطہ قائم ہو جانے پر میں نے براہِ راست خشک لہجے میں مطلب کی بات چھیڑ دی۔

"اچھی طرح تحقیقات کر لی گئی ہیں۔ ہمارا اسٹیٹ آفیسر جوئے کا شوقین نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس مد میں کسی کے پندرہ ہزار روپے کا مقروض ہے۔ تمہاری پوری کہانی سراسر جھوٹ پر مبنی ہے ۔ اوور"

"وہ پرانی بات ہو گئی" میں نے کہا۔ "پندرہ ہزار کی رقم میں تمہارے اسٹیٹ آفیسر کو انعام میں معاف کر چکا ہوں، اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ اب تو تیس لاکھ کی بات کرو۔ اوور!"

"تیس لاکھ!" ایک گہرے سانس کے ساتھ آواز ابھری۔ "لیکن کس لیے؟ اوور!"

"تمہارا حافظہ کمزور معلوم ہوتا ہے ایس او۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کوئی مقوی اعصاب دوا استعمال کیا کرو۔ میں بتا چکا ہوں کہ یہ فیس اب لائیڈز کالج کی ساکھ اور نیک نامی کی قیمت کے طور پر ادا کرنا پڑے گی۔ ورنہ پچھلے دنوں میں نے جو کچھ دیکھا اور بھگتا ہے وہ تمام معلومات سرکاری اداروں کو فراہم کر دی جائیں گی جو تم سب کی زندگی عذاب بنا دیں گے۔ اوور!"

"تیس لاکھ بہت بڑی رقم ہے ۔ اوور"

"ٹھیک ہے ۔ اوور اینڈ آل۔" میں نے خشک لہجے میں بات ختم کر دی۔

"ایس۔ او کالنگ ڈول نمبر دو ... اوور!" رابطہ منقطع ہونے سے پہلے ہی اس کی آواز پھر سنائی دی۔

"اب کیا مصیبت ہے؟ اوور!" میں نے بگڑتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"تم تو ناراض ہو گئے ۔ بات پوری بھی نہیں کرنے دی مجھے ۔ اوور!" اس کی آواز میں مصالحت سے زیادہ خوشامد کا عنصر نمایاں تھا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ مجھے پیسے کا لالچ نہیں ہے۔ یہ رقم میں تم سے تمہاری کمزوریوں کی قیمت کے طور پر وصول کرنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ بعد میں کسی محتاج گھر کو ہی دے دوں ۔ اوور!"

"ٹھیک ہے، تو کب آ رہے ہو رقم لینے؟ اوور"

"تمہیں اپنا آدمی بھیجنا ہو گا ۔ دوپہر تین بجے میں منٹو پارک کی پارکنگ لاٹ میں انتظار کروں گا۔ تمہارا آدمی اکیلا ہو گا، کوئی چال چلنے کی کوشش کی گئی تو نتائج کی ذمے داری تم پر ہو گی ۔ اوور۔"

"لیکن وہ تمہیں کیسے پہچانے گا؟ اوور!"

"میرے گلے میں سرخ مفلر لپٹا ہوا ہو گا ۔ وہ مجھے شوگر کوئین کہے گا اور میں جواب میں شوگر کنگ کہوں گا ۔ اوور!" میں نے سلطان شاہ کو آنکھ سے اشارہ کر کے معنی خیز لہجے میں کہا اور میری بات کا اثر توقع کے عین مطابق رہا۔

"تو تم وہ گفتگو سن چکے ہو۔" اس نے شاید گہرا سانس لے کر کہا تھا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ تم ہم سے تعاون کرو۔ ہم ذہین لوگوں کی قدر کرتے ہیں ۔ ہمارے ساتھ کام کر کے تم تیس لاکھ کو بھول جاؤ گے ۔ اوور!"

"تیس لاکھ وصول کرنے کے بعد سوچا جا سکتا ہے۔" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "اس بارے میں تمہارے کسی بڑے کو سامنے آنا ہو گا، اس کے بغیر بات نہیں بن سکے گی ۔ اوور!"

"میں تمہارا پیغام باس تک پہنچا دوں گا۔" قدرے توقف کے بعد کہا گیا۔ "میرا آدمی مقررہ وقت پر منٹو پارک پہنچ جائے گا، اس کے پاس براؤن رنگ کے چرمی بریف کیس میں رقم ہو گی اور سر پر نیلی ٹوپی اوڑھے ہوئے ہو گا ۔ اوور!"

"لگے ہاتھوں یہ بھی سن لو کہ اگر صادق تمہارا آدمی تھا تو ایئر پورٹ کے ایک بیت الخلا میں تمہارا یا کسی حاجت مند کا منتظر ہے۔ اسے وہاں سے اٹھوا لینا ۔ اوور!" میں نے وہ شوشا بھی چھوڑ دیا۔

"اوہ!" اس کی اضطراری آواز سنائی دی۔ "وہ زندہ ہے نا؟ اوور!"

"ڈھیٹ ہوا تو گردن ٹوٹنے کے بعد بھی زندہ رہ گیا ہو گا۔ یہ یاد رکھنا کہ میں ہر وقت آنکھیں کھلی رکھنے کا عادی ہوں۔ اوور اینڈ آل۔" اس بار میں نے ٹرانسمیٹنگ بٹن چھوڑنے کے ساتھ ہی اپریٹس آف کر دیا۔

"یہ تم نے اچھا کیا کہ اسے ہر بات جتا دی۔" ادھر سے فارغ ہوتے ہی مجھے سلطان شاہ کا تبصرہ سنائی دیا۔ "شوگر کوئین اور صادق کے حوالے انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیں گے۔"

"مشکل یہ ہے کہ میں ابھی تک ان کا رازداری کا طلسم توڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہوں۔" میں نے گہرا سانس لے کر

ہوئے لہجے میں کہا۔ "بس جس دن یہ طلسم ٹوٹا تنظیم کا شیرازہ بکھر جائے گا۔"

"ہم خود ہی نیچے والوں کو ان رازوں سے آگاہ کر سکتے ہیں۔"

"مشکل ہے، کوئی یقین نہیں کرے گا۔ تصویر پوری تنظیم کے لیے لوٹ ہے۔ لائیڈز کالج والوں پر نادیدہ باس بن کر حکمرانی کر رہا ہے لیکن عملاً اسی عمارت میں اسٹیٹ منیجر کی حیثیت سے رہ رہا ہے۔ میں نے تو اندازہ لگایا ہے کہ سیکیورٹی آفیسر بھی اہم معاملات میں اپنے اسٹیٹ منیجر کو گھاس نہیں ڈالتا بلکہ خود کو باس کا جوابدہ سمجھتا ہے۔"

"تصویر تو خود تم سے ملنے کی فکر میں ہے، اسی کو چارہ کیوں نہیں ڈالتے؟"

"یہ بھی کرنا پڑے گا۔ میں اس سے دامن بچانا چاہ رہا تھا، ہو سکتا ہے کہ وہ میری جان ہی لینے کے درپے ہو رہا ہو۔"

ناشتے تک باقی وقت ہم نے مشوروں میں صرف کیا پھر کمرے ہی میں ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں نیچے اتر گیا۔ ویسے تو ہوٹل کے کمرے میں بھی فون موجود تھا لیکن میں آپریٹر کی وساطت سے تصویر کو فون کر کے کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔

نیچے پبلک ٹیلی فون بوتھ سے میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ لائیڈز کالج کا وہ نمبر ملایا جس پر براہ راست تصویر سے بات ہو سکتی تھی۔ اس بار پھر اسی نسوانی آواز سے واسطہ پڑا جو میں اسی نمبر پر پہلے بھی سن چکا تھا۔

"میں تصویر علی صاحب سے بات کر سکتا ہوں؟" میں نے خوشگوار لہجے میں دریافت کیا۔

"آپ کون بول رہے ہیں؟" اس کی مترنم آواز میں بلا کا اعتماد نمایاں تھا۔

"اگر آپ ان کی بیوی ہیں تو میں آپ کا دیور بول رہا ہوں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میں سیکریٹری ہوں اُن کی۔" اس نے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "نام کیا ہے آپ کا؟"

"سیکریٹری! اچھا تو آپ سیکریٹری ہیں۔" میں نے خوشدلی کے ساتھ کہا۔ "میرا نام ڈینی ہے۔"

"ڈینی؟" حیرت کے ساتھ دہرایا گیا پھر فوراً ہی جواب ملا۔ "ذرا لائن ہولڈ کریں۔"

"ہاں بھئی تنویر۔" چند ثانیوں کے بعد ہی ریسیور میں تصویر کی آواز سنائی دی۔ "کیسے خیال آگیا ہمارا؟ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم بڑی ماں سے ملے بغیر لاہور چھوڑ چکے ہو اور اب شاید ہی مجھ سے رجوع کرو۔"

"میں نے بہت غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مسلسل پریشانیوں نے میری قوتِ فیصلہ سلب کر لی ہے۔ اب پتا نہیں یہ اتفاق ہے یا حقیقت کہ میری بیشتر پریشانیوں کا تعلق لائیڈز کالج سے ہے اور تم وہیں موجود ہو۔"

"مجھے خوشی ہے کہ اس اُلجھن میں تم نے مجھ سے رجوع کرنے کا فیصلہ کیا۔" اس کی مسرت آمیز آواز سنائی دی۔ "یہ سب باتیں فون پر نہ ہو سکیں گی، تم مجھ سے کہیں مل کیوں نہیں لیتے؟"

"تم میری مجبوریوں کا اندازہ نہیں کر سکو گے۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "میں اپنے مشیروں کی بھیڑ میں بالکل بے بس ہو کر رہ گیا ہوں۔ ان کے نزدیک میری سلامتی ہر معاملے اور رشتے پر مقدم ہے۔"

"ایسی بھی کیا بے بسی کہ تم اپنے بڑے بھائی سے ملنے بھی نہ آسکو۔"

"وہ میری لاعلمی میں بھی ہر وقت میری حفاظت کرتے ہیں۔" میں نے پھر یہ اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "پھر لائیڈز کالج ان کے نزدیک میرا مقتل قرار پا چکا ہے۔ میرا وہاں آنا مشکل ہو گا۔"

"تو پھر کہیں بھی مل لو۔ جہاں تمہیں سہولت ہو۔" اس نے پیشکش کی۔

میں نے چند ثانیوں کے لیے خاموشی اختیار کر لی، جیسے سوچ کر کوئی فیصلہ کرنا چاہ رہا ہوں، پھر بولا۔ "اس وقت نو بجے ہیں، دس بجے کانٹی نینٹل کے ریستوران میں آسکو گے؟"

"میں پہنچ جاؤں گا۔" اس نے بلا توقف جواب دیا۔ "بلکہ ہم کھانا بھی وہاں ساتھ ہی کھائیں گے۔"

"کھانے کے لیے میں نہ رُک سکوں گا۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے ڈھائی بجے ایک ضروری کام نمٹانا ہے۔"

"خیر خیر ۔۔۔ وہ دیکھ لیں گے، میں ٹھیک دس بجے وہاں پہنچ رہا ہوں۔"

"یہ دلیرانہ فیصلہ کیا ہے تم نے۔" تصویر سے گفتگو کی تفصیل سُنتے ہی سلطان شاہ نے بے اختیار کہا۔ "گھر میں بند رہ کر سوچنے اور رسکنے سے بہتر ہے کہ بڑھ کر دشمن سے دو ٹوک مقابلہ کیا جائے۔"

"تم پر بہت بھاری ذمے داری آگئی ہے۔"

"میں ذمے داری سے منہ نہیں موڑوں گا ۔۔۔ بس تم سارا پتا بتا دو۔"

"میں نے اسے یہ تاثر دیا ہے کہ میں ہمدردوں اور بہی خواہوں کی ایک بھیڑ میں رہ رہا ہوں جو ہر وقت میری سلامتی کے بارے میں فکرمند رہتے ہیں جب کہ میرے ساتھ تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہے، تمہیں بہت چوکنا رہنا ہوگا۔"

"تم فکر نہ کرو ــــ میں تمہارے اعتماد پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔"

میں برآمدے میں پام کے گملوں کی اوٹ میں یوں کھڑا ہوا تھا جیسے کسی کا انتظار ہو۔ میں تصویر کو خود ہی خوش آمدید کہنا چاہ رہا تھا تاکہ اس کے ساتھ آنے والوں کی تعداد سے باخبر رہ سکوں۔

ٹھیک دس بجنے میں تین منٹ پر ایک لمبی چوڑی سیاہ فورڈ فالکن سڑک پر تیرتی ہوئی نمودار ہوئی اور ہلکے سے ہچکولے کے ساتھ ہوٹل کے پورچ میں آرکی۔

آنے والا شاید ہوٹل والوں کے لیے اجنبی نہیں تھا کیونکہ دربان نے شناسائی کے انداز میں احتراماً سر جھکاتے ہوئے چمچماتی ہوئی کار کا عقبی دروازہ کھولا تھا اور ایک دراز قامت و توانا شخص سر ہلاتا ہوا کار سے نیچے اترا تھا۔

وہ کار سے اتر کر سیدھا اندر چلا گیا۔ اس کے ڈرائیور نے مٹھی میں دبا ہوا ایک نوٹ ہوٹل کے دربان کی طرف بڑھایا اور کار پارکنگ کے لیے آگے لیتا چلا گیا۔ کار میں ڈرائیور اور اس دراز قامت کے سوا کوئی تیسرا موجود نہیں تھا۔

میں ایک لحظے کے لیے الجھن کا شکار ہو گیا کیونکہ میں تصویر کو نہیں پہچانتا تھا۔ لڑکپن کی یادوں کے مطابق تصویر اور توقیر کے خدوخال میں بہت فرق تھا جس کی وجہ سے اندازے سے کام چلانا بھی دشوار تھا۔ آخر میں نے ہوٹل کے دربان ہی سے مدد لینے کا فیصلہ کیا اور میرے استفسار کے جواب میں اس نے بتایا کہ آنے والا ٹی۔ اے ملک تھا۔

وہ مخفف نام میرے لیے نیا نہیں تھا۔ ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے معاملے میں میں نصیر خان کی زبانی وہ نام پہلے بھی سن چکا تھا۔ یوں تو ہم تینوں ہی بھائیوں کے نام کے ابتدائی حروف ٹی۔ اے بنتے تھے لیکن مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ تصویر اور توقیر نے اپنے ناموں کے ساتھ ملک کا اضافہ کب سے اور کیوں کیا تھا۔

میں لاؤنج سے گزر کر ریستوران میں داخل ہوا اور وہیں رک کر طائرانہ انداز میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لینے لگا جن کی تعداد قابلِ ذکر نہیں تھی۔ میں نے حکمتِ عملی کے طور پر دانستہ فورڈ فالکن والے کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے خود ہی ہاتھ ہلا کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا اور میں اسی کی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"ڈینی؟" میرے قریب پہنچنے پر اس نے کرسی سے اٹھ کر استفسار طلب لہجے میں کہا اور میرے سر کی تائیدی جنبش کی صورت میں جواب پاتے ہی اس نے والہانہ انداز میں مجھے اپنے دونوں ہاتھوں میں سمیٹ کر سینے سے لگا لیا۔

وہ حقیقت رہی ہو یا اداکاری لیکن چند ثانیوں کے لیے میرے دل و دماغ پر ایسی رقت سی طاری ہوئی کہ میں اس کے جواب میں ایک لفظ بھی نہ بول سکا اور آخر کار اس نے میرے بدن کے گرد اپنی مضبوط گرفت ڈھیلی کر دی۔

"میرا خیال تھا کہ تم نہیں آؤ گے۔" وہ بولا تو اس کی آواز بھرائی ہوئی سی تھی۔ "بڑی ماں بھی آنے کے لیے تڑپ رہی تھیں لیکن یہاں آکر وہ تماشا بن جاتیں، اسی لیے گھر چھوڑ آیا۔"

"کیا بڑی ماں واقعی زندہ ہیں؟" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پہلا چبھتا ہوا سوال کر ہی ڈالا کیونکہ اس وقت تک میں اپنی جذباتی کیفیت پر قابو پا چکا تھا۔

"یہ بڑی ماں کا ہی دم ہے کہ میں اس وقت یہاں نظر آرہا ہوں، ورنہ میں تو تمہاری طرف سے صبر کر چکا تھا ــــ وہ عورت آج بھی تمہیں یاد کر کے تڑپتی ہے۔" اس نے کہا اور مجھے محسوس ہوا کہ میں اس کے سامنے اپنے جارحانہ تیور زیادہ دیر تک برقرار نہ رکھ سکوں گا۔ توقیر کے برعکس اس کی شخصیت بہت بارعب اور پرکشش انگیز تھی۔

"لائیڈز کالج میں کیا کھیل ہو رہا ہے؟" ویٹر کو کافی کا آرڈر دینے کے بعد میں نے مطلب کی بات چھیڑ دی۔

"کچھ ہو ضرور رہا ہے لیکن میں اس سے بالکل لاعلم ہوں۔" اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "وہاں مجھے اتنی خطیر تنخواہ ملتی ہے کہ میں غیر متعلقہ معاملات میں ٹانگ اڑانے سے گریز ہی کرتا ہوں لیکن جو کچھ ہوا وہ پچھلے دو چار روز ہی میں ہوا ہے۔ اس سے پہلے وہاں کبھی کوئی گڑبڑ سننے یا دیکھنے میں نہیں آئی۔"

"اور وہاں باس کون کہلاتا ہے؟"

"تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔" اس نے تجسس آمیز لہجے میں کہا۔ "باس کا نام لیا ہے تو یہ بھی جانتے ہوگے کہ اس سے کوئی واقف نہیں۔"

"پھر بھی وہ جو کوئی ہے، اندر ہی کا آدمی ہو سکتا ہے۔" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"لائیڈز کالج ایک سرپھرے غیر ملکی کی جاگیر ہے

وہاں رہنے اور کام کرنے والوں کا عام خیال ہے کہ جمی لائیڈ اپنے شوق اور خبط کی خاطر انہیں بڑی بڑی تنخواہیں ادا کر رہا ہے، وہاں بدترین حالات سے نمٹنے کے لیے بہترین افراد ملازم رکھے گئے ہیں لیکن پچھلے چند دن کے استثنیٰ کے علاوہ کبھی انہیں کھلے بندوں استعمال نہیں کیا گیا ۔ باس جو بھی ہو لوگ اس کا حکم بجا لاتے ہیں، اس کا کھوج لگانے کی ہمت آج تک کوئی نہیں کر سکا۔"

"لیکن شبہات تو پائے جاتے ہوں گے اس کے بارے میں؟"

"فطری بات ہے لیکن لوگ ایک دوسرے سے اس کا اظہار بھی کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں شاہانہ نوکری سے جواب نہ مل جائے۔" اس نے کہا۔ پھر چونک کر سوال کیا۔ "لیکن تم ان معاملات میں اس قدر کیوں اُلجھ گئے ہو؟"

میں کچھ کہے بغیر اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا۔ وہ یا تو بہت زبردست اداکار تھا یا پھر سچ ہی بول رہا تھا کیونکہ اس کے لب و لہجے میں مجھے بھرپور سچائی رچی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"میں ان معاملات میں گلے گلے ملوث ہوں تصویر صاحب! میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "جب تک مجھے اپنے ہر سوال کا جواب نہ مل جائے میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکوں گا۔"

"میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"تمہیں میری تلاش کس لیے تھی؟"

"صرف بڑی ماں کے لیے ۔ باپ کے سائے سے محرومی کے بعد میں نے کبھی ان کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کی۔ ہر خواہش کو حکم تصور کیا ہے۔"

"رمضان چاچا پر تشدد کیوں کیا گیا تھا؟"

"میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں کہ مجھے کسی تشدد کا علم نہیں ایک مرتبہ اس سے ملاقات ضرور رہی تھی اور اس نے تمہارے بارے میں بتایا تھا اور میں نے اسے اپنا فون نمبر دے دیا تھا کہ تمہارا پتا چلے تو خاموشی سے مجھے خبر کردے۔ میں اچانک ہی بڑی ماں کو تمہارے سامنے لانا چاہتا تھا۔"

"اور اس کے لیے تم نے رمضان چاچا کو دس ہزار کی رشوت بھی دی تھی؟" اس کے لب و لہجے میں سچائی کی بُو محسوس کرنے کے باوجود میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"اس دور میں دوسروں کی طرح میں بھی بہت خود غرض ہوں۔" اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن وہ بڑی ماں کی ایک حسرت کا معاملہ تھا۔ میں صاحبِ حیثیت تھا اور رمضان چاچا ایک عیال دار غریب آدمی، لہٰذا میں نے خلوصِ دل سے اس کی مالی اعانت کی نیت سے وہ رقم اسے دی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اُسے میری کسی بدنیتی کی قیمت ہی سمجھا ہو کیونکہ پرانے محلے کو خیرباد کہنے تک ہم دونوں بھائیوں کی شہرت کچھ اچھی نہیں تھی۔ محلے کے شرفا بھی ہم سے دور ہی رہنے کی کوشش کرتے تھے۔"

"توقیر کہاں ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر سوال کیا۔

"کینیڈا کے شہر اوٹاوا میں مدت سے مقیم ہے۔" اس نے کہا۔ "میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں، یقین نہ ہو تو میں فون نمبر دیتا ہوں، ابھی اس سے بات کر لو۔ تمہاری تسلی ہو جائے گی۔"

باتیں یکے بعد دیگرے صاف ہوتی جا رہی تھیں اور اگر میری عقل پر پردے ہی نہیں پڑ گئے تھے تو بظاہر وہ سچ بول رہا تھا۔ اس کا ہر لفظ میرے قیاسات کی بنیادوں کو ہلائے دے رہا تھا۔

"پھر کراچی میں مجھ سے توقیر کے روپ میں ملنے والا کون تھا؟"

"حاشا و کلا مجھے نہیں معلوم۔" اس نے کہا۔ "پھر وہی بات آجاتی ہے کہ ہمارے درمیان میں کوئی ایسا شخص آیا ہوا ہے جو تمہاری غلط فہمیوں کا رُخ ہماری طرف منتقل کرنے پر تُلا ہوا ہے۔"

"توقیر کی کوئی تصویر ہے تمہارے پاس؟"

"گھر چلو، ایک نہیں دسیوں دکھا دوں گا۔ ہم دونوں کی بڑی ماں کے ساتھ بے شمار تصویریں ہیں، تمہاری بھی بچپن کی دو چار موجود ہوں گی۔ ان ہی سے تم اندازہ لگا لو گے کہ تم سے ملنے والا کون تھا۔ توقیر یا کوئی فریبی۔"

"لیکن ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے ایم ڈی تو تم ہی ہو۔" میں نے اچانک ہی سوال کیا۔

"صرف کاغذات کی حد تک، عملی معاملات سے میرا کوئی سروکار نہیں ہے۔"

"یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ وہاں کا سارا کام نصیر خان چلاتا ہے لیکن تم لائیڈز کالج میں نوکری کے ساتھ وہاں کیسے ملوث ہو؟" میں نے تیکھے لہجے میں چبھتا ہوا سوال کیا۔

"اس کا مجھے کوئی اضافی معاوضہ نہیں ملتا۔ ملازم رکھنے والا جہاں جو کام چاہے لے سکتا ہے۔ وہ ذمے داری میں نے باس کے حکم پر ہی سنبھالی تھی جو صرف کاغذات تک محدود ہے۔ کبھی کبھار بہادر خان کاغذات لے کر آتا ہے اور مجھ سے دستخط کرا کر لے جاتا ہے، مجھے تو آج تک یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ فرم کیا کام کرتی ہے۔ چند روز پہلے اخبارات میں پڑھا تھا کہ اُسے

بھی آگ لگادی گئی۔ ملبے سے ایک مسخ شدہ، جلی ہوئی لاش بھی برآمد ہوئی تھی۔"

"وہ بہادر خان تھا۔" میرے انکشاف پر اس کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہوگئیں۔ "نصیر خان سمیت دفتر کے ملازمین میں سے کسی نے فرم کے مالک کو نہیں دیکھا تھا، بس بہادر خان روزانہ چوری چھپے ڈاک اور ضروری کاغذات نکال لاتا تھا۔"

"یہ تو بالکل وہی طریقۂ کار تھا جو لائیڈز کالج میں رائج ہے لیکن بہادر خان کو مارنے والا کون تھا؟"

"وہی رہا ہوگا جس نے دفتر کو آگ لگائی تھی۔" میں نے لے پروائی سے کہا۔ "لیکن یہ اطلاع تمہارے لیے دلچسپی کا باعث ہوگی کہ ایشین سنڈیکیٹ ہیروئن کی غیر قانونی برآمد میں ملوث تھی۔"

"تم مجھے پاگل کردوگے۔" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں یہ سب معلومات کن ذرائع سے حاصل ہوئیں؟"

"میرے ساتھ بہت سے لوگ کام کرتے ہیں۔ یہ معلومات ان ہی کی مہینوں کی محنت کا نتیجہ ہیں۔ اس دوران... کراچی میں نام نہاد توقیر نے نمودار ہوکر کچھ ایسی حرکات کیں کہ میرے تمام تر شبہات کا رُخ تمہاری طرف ہوگیا۔ میں بلاوجہ ہی تم سے بدظن نہیں تھا۔"

"بات سمجھ میں آتی ہے۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ "ان حالات میں لائیڈز کالج میں میری موجودگی تمہارے شبہات کو تقویت دینے کے لیے کافی تھی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ شخص ہمارے درمیان غلط فہمیاں پھیلا کر کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟"

"وہ صرف میرے شبہات کا رُخ اپنی ذات سے ہٹانا چاہتا تھا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ اس ضمن میں اسے تمہاری مضبوط ذات کا سہارا مل گیا۔ میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس دوران میں تمہاری نگرانی بھی ہوتی رہی ہے۔"

"یہ کس بنا پر کہہ رہے ہو؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"تم رمضان چاچا سے ملے تھے اور وہ اس کی نگاہوں میں آگیا۔ پھر جب میں رمضان چاچا سے ملا تو میرے جانے کے بعد اسے اٹھوا لیا گیا۔ اس نے زبان تو نہیں کھولی لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ رمضان کو یہی تاثر دیا گیا ہوگا کہ تشدد کے پسِ پشت تمہارا ہاتھ کارفرما ہے۔"

"بات پھر مقصد کی آجاتی ہے۔"

"سامنے کی بات ہے، مجھے اشتعال دلا کر تمہارے پیچھے لگانا تھا۔ اس وقت تک رمضان چاچا سے ملتے ہوئے فون نمبر کے ذریعے لائیڈز کالج میری نگاہ میں آچکا تھا۔ مقصد یہی رہا ہوگا کہ میں اِدھر کا رُخ کروں اور دھر لیا جاؤں۔"

"نگرانی والی بات پھر بھی حلق سے نہیں اُترتی۔" وہ پُرتشویش لہجے میں بڑبڑایا۔ "رمضان چاچا سے بغیر کسی پروگرام کے کچہری کے گیٹ پر ملاقات ہوئی تھی۔ پھر میں اسے ہوٹل لے گیا تھا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ تمہارے ساتھ اس وقت کوئی اور بھی تھا۔"

"صادق تھا۔" وہ یاد کرتے ہوئے بولا۔ "لیکن اس کے بارے میں میں کوئی غلط بات سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"یہی تمہاری بھول ہے۔" میں نے صادق کے نام پر چونکتے ہوئے کہا۔ "واقعات کی کڑیاں بکھر کر از سرِنو یکجا ہو رہی تھیں اور تشنہ سوالوں کے جواب بھی ملتے جارہے تھے۔" "یہ صادق وہی تو نہیں ہے جو عینک لگاتا ہے اور بائیں ٹانگ پر زور دے کر چلتا ہے۔"

"وہی... وہی ہے! تم اُسے کیسے جانتے ہو؟" وہ بے تابانہ لہجے میں بولا۔

"اس کی فاتحہ پڑھ لو۔ تمہاری آستین کا سانپ وہی تھا اور آج صبح سویرے ایئرپورٹ پر میرے ہاتھوں مارا جاچکا ہے۔" میں نے کہا اور وہ بے یقینی کے عالم میں میرا منہ تکتا رہ گیا۔

اس کے استفسار پر میں نے ایئرپورٹ پر صادق سے ٹکراؤ اور پھر اس کی ہلاکت کے بارے میں سارے واقعات من وعن دہرادیے اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"وہ لائیڈز کالج میں میرے گہرے ساتھیوں میں سے تھا۔" میری بات پوری ہونے پر وہ بولا۔ "اسی کے ساتھ وہ سیکیورٹی آفیسر کا بھی منہ چڑھا تھا۔ اب مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ یہ سارا چکر طفیل ہی کا چلایا ہوا نہ ہو۔ ایشین سنڈیکیٹ کے کاغذات لانے والا محمود بھی اکثر و بیشتر اسی کے لیے کام کیا کرتا تھا۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تمہارے ذریعے مجھے گھیرنے کی بالواسطہ کوششوں کے باوجود انھوں نے براہِ راست تم سے کوئی بات نہیں کی۔"

"اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔" اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "صادق کو اچھی طرح معلوم تھا کہ میں بڑی ماں کی خواہش کے احترام میں ہر قیمت پر تمہیں تلاش کرکے ان سے ملانا چاہتا ہوں۔ اس سے میں ذاتی معاملات میں کھل کر تبادلۂ خیال کیا کرتا تھا۔"

"کبھی لے۔ٹو کا نام سننے کا بھی اتفاق ہوا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"یہ کیا بلا ہے؟"

"میرے نزدیک تو بلا ہی ہے۔" میں نے کافی کی پیالی خالی

لیتے ہوئے کہا "اُسے کبھی کسی نے نہیں دیکھا لیکن وہ کراچی میں ہیروئن کی فراہمی اور تقسیم کا سب سے بڑا اور منظم ریکٹ آپریٹ کر رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا ہیڈ کوارٹر لاہور ہی میں ہے۔"

"مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ میرے ہی نصیب میں حرام کی روزی لکھی ہوئی ہے لیکن تمہاری کہانیوں نے تو دماغ ہی ماؤف کر کے رکھ دیا ہے۔ نجانے کب سے تم ان گورکھ دھندوں میں اُلجھے ہوئے ہو۔"

"ایسے لٹو اور لائیڈز کالج کا باس ایک ہی شخصیت کے دو روپ معلوم ہوتے ہیں اور میں اس کی بیخ کنی پر تلا ہوا ہوں۔"

"طریقۂ کار کی یکسانیت کی بنا پر تم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔" اس نے اعتراض کیا۔ "ہو سکتا ہے کہ دونوں کا سرے سے آپس میں تعلق ہی نہ ہو۔"

"یہ تم کہہ سکتے ہو، میں نہیں سمجھ سکتا۔" میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "مجھے لائیڈز کالج سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو اسے لٹو کے فراق میں ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ تک پہنچا تھا جس سے اس کا ناقابلِ تردید تعلق ہے۔ اسی سلسلے میں لائیڈز کالج سامنے آیا اور تم خود ایشین سنڈیکیٹ سے تعلق کا اعتراف کر چکے ہو۔ اب تو مجھے لائیڈز کالج پر ہی توجہ مرکوز کرنا ہوگی۔"

"میں تمہاری تردید بھی نہیں کر سکتا لیکن اتنا بتا دوں کہ لائیڈز کالج تقریباً ناقابلِ تسخیر قلعہ ہے ۔۔۔ وہاں بے جگر لڑاکوں اور نشانہ بازوں کی ایک پوری فوج کسی برے دن کے انتظار میں پل رہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی جذباتی فیصلہ تمہیں لے ڈوبے۔"

"جمی لائیڈ کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟" میں نے اچانک ہی سوال کیا۔

وہ بے ہنگم انداز میں ہنس دیا۔ "اس کا خیال دل سے نکال دو۔ وہ کروڑ پتی اور بے حد لاابالی انسان ہے۔ سنا ہے کہ دنیا کے ہر برِاعظم میں اس کے خطیر مالی مفادات ہیں۔ وہ اِن گھٹیا کاموں کی سرپرستی نہیں کر سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے ملازمین میں سے کوئی اس کے اعتماد کو دھوکا پہنچا رہا ہو۔"

میں اس کی کم فہمی پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ اگر میں تھوڑی دیر لائیڈ کے بارے میں بتا دیتا تو شاید وہ حیرت سے بے ہوش ہو جاتا۔ میری توقع کے برعکس وہ خاصا کند ذہن ثابت ہو رہا تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ لاکھوں اور کروڑوں کی ہوس کسی غریب آدمی کے بس کی بات نہیں ہوتی، وہ بے چارہ تو سر چھپانے، پیٹ بھرنے اور تن ڈھانپنے کی ہی فکر میں ساری زندگی گزار دیتا ہے۔ دولت کے انبار میں اضافے اور کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کما لینے کی ہوس ان ہی لوگوں میں ہوتی ہے جو عرفِ عام میں زردار کہے جاتے ہیں اور اپنی آخری سانس تک پیسے کے بل پر اپنی سلطنت میں توسیع کے متمنی رہتے ہیں۔

میرے شبہات اور اندازوں کی پوری عمارت یک بیک مسمار ہو چکی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ میں ہر لمحے لٹو کی شہ رگ کے قریب تر ہوتا جا رہا ہوں لیکن تصویر نے اپنی شخصیت، سوچ اور گفتگو سے میری وہ غلط فہمی رفع کر دی تھی۔

لٹو نجانے کون تھا؟ کہاں تھا؟ اور میرے صبر کا امتحان کیوں لے رہا تھا؟

"اگر ہم میں سے ہی کوئی یہ کھیل کھیل رہا ہے تو اب مجھے محتاط رہنا ہوگا۔" اس نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ "میرا اور تمہارا یوں مل بیٹھنا اسے ہرگز پسند نہ آئے گا۔" اس نے پہلی بار اپنی عقل کی رسائی کا ثبوت دیا تھا۔ "صادق مارا ہی جا چکا ہے۔ ڈرائیور کو کچھ علم نہیں کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔ میں اس ملاقات کا کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔ تم بھی اپنی زبان بند رکھنا۔"

میں جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ اچانک میں نے ریستوران کی دیوار میں بنی چھوٹی بڑی سے کھڑکی کے سامنے سے ایک مانوس چہرہ گزرتے دیکھا اور بے اختیار اپنی نشست چھوڑ دی۔

تصویر نے مجھے روکنا چاہا لیکن میں نے اس کی اَن سُنی کر دی اور ریستوران سے نکاسی کے راستے کی طرف ہو لیا کیونکہ وہ مانوس چہرہ اسی شخص کا تھا جو کراچی میں توقیر کے نام سے میرا مہمان ہوا تھا۔ ریستوران کی کھڑکی کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ میری اور تصویر کی جانب گھور رہا تھا۔ اس موقع پر میں اُسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔

ریستوران سے باہر آکر میں نے راہداری سے اُوپری منزل کے زینوں پھر پیشاب خانوں تک کا طواف کر ڈالا لیکن اس شخص کا کہیں سراغ نہ مل سکا۔ چند سیکنڈ کی مہلت میں وہ کسی چھلاوے کی طرح نجانے کہاں تحلیل ہو گیا تھا۔

سخت کوفت اور رنجیدگی کے عالم میں ہر طرف کی خاک چھاننے کے بعد میں مایوس ہو کر ریستوران کی طرف واپس لوٹا تو دروازے پر پہنچتے ہی چھٹی حس نے نگٹٹ فرار ہونے کا حکم صادر کر دیا کیونکہ تصویر کی میز پر ویٹروں اور ہوٹل کے عملے کی بھیڑ نظر آ رہی تھی۔ وہاں موجود گاہک بھی اپنی نشستیں چھوڑ کر بے چینی کے ساتھ اسی طرف نگراں تھے۔

میں بلا توقف واپس ہو لیا اور کہیں رُکے بغیر سڑک پر ایک ٹیکسی تک پہنچ کر دم لیا۔ ہمارا ہوٹل وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا لیکن میں نے براہِ راست ہوٹل جانے کے بجائے پرانی

انار کلی کے نکڑ تک پہنچنے کو ترجیح دی اور وہاں ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کرنے کے بعد ٹہلتا ہوا ہوٹل کی طرف ہو لیا۔

راستے میں سگریٹ وغیرہ خریدتا ہوا میں ہوٹل پہنچا تو کاؤنٹر پر چابی موجود نہیں تھی۔

"چند منٹ پہلے آپ کے ساتھی اوپر گئے ہیں۔" استقبالیہ کاؤنٹر پر موجود خوش رو لڑکی نے کی بورڈ کا جائزہ لینے کے بعد خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور میں حیرت کے عالم میں سیڑھیوں کی طرف ہو لیا۔

دستک کے جواب میں سلطان شاہ نے مسکراتے ہوئے دروازہ کھولا تھا۔

"تم یہاں کیسے؟" میں نے اندر داخل ہوتے ہوئے متحیرانہ لہجے میں سوال کیا۔

"کہانی ختم کر کے آیا ہوں۔" اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"تم تو کافی پہلے چلے آئے تھے، پھر دیر کہاں ہو گئی؟"

"پرانی انار کلی سے ٹہلتا ہوا آ رہا ہوں۔ تم کون سی کہانی ختم کر آئے ہو؟" میں نے الجھن محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہارا مہمان بھی وہاں پہنچا تھا۔ مجھے حیرت ضرور ہوئی تھی کہ تم تصویر سے باتیں کر رہے تھے اور توقیر باہر منڈلا رہا تھا۔ پھر وہ اندر داخل ہوا تو میں بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔ وہ شاید دانستہ ریستوران کی کھڑکی کے سامنے گزرا تھا تاکہ تمہیں جگہ چھوڑ کر اپنے تعاقب پر مجبور کر سکے۔ تمہارے اٹھتے ہی وہ مجھے جُل دے کر غائب ہو گیا۔ میں بھانپ چکا تھا کہ وہ کسی وجہ سے تصویر سے تنہائی میں ملنا چاہ رہا تھا۔ لہٰذا میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ریستوران کی طرف پلٹا تو وہ نجانے کہاں سے گھوم کر اندر پہنچ چکا تھا اور تصویر کے شانے پر جھکا ہوا کچھ کہہ رہا تھا۔ مجھے ریستوران کے دروازے پر دیکھتے ہی وہ پلٹ کر بھاگا، میں بھی اس کے پیچھے لپکا لیکن تصویر کی میز تک پہنچنے سے پہلے میں نے دیکھا کہ تصویر کرسی پر بیٹھے بیٹھے کسی بے جان لاش کی طرح میز پر گر گیا۔ میز کی سطح سے سر ٹکرانے کا شور سن کر ہوٹل کا عملہ بھی ادھر دوڑ پڑا اور میں کسی کی نگاہوں میں آنے سے پہلے وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ وہاں توقیر کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ اسی اثنا میں ہوٹل بھر میں تصویر کی موت کی خبر پھیل گئی۔ وہ کسی سریع الاثر زہر کا شکار ہوا تھا کیونکہ فوراً ہی اس کا جسم نیلا پڑنا شروع ہو گیا تھا۔"

"مجھے اندیشہ ہو گیا تھا۔" میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"وہ خود بھی خطرہ بھانپ چکا تھا لیکن مخالفین ہماری توقع سے زیادہ تیز اور چالاک ثابت ہوئے۔ انہوں نے اسے مہلت دیے بغیر راستے سے ہٹا دیا گیا۔"

"تم کن مخالفین کی بات کر رہے ہو، میں نے توقیر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ تو بھائی کے ہاتھوں بھائی کی ہلاکت کا ناقابلِ یقین واقعہ ہے۔ تم پھر سوتیلے ہو لیکن وہ تو سگے بھائی تھے۔"

"اس سے مل کر میری بڑی غلط فہمیاں دور ہوئی ہیں۔" میں نے پژمردہ لہجے میں کہا۔ "اس نے یہی بتایا تھا کہ توقیر مدت سے اوٹاوا میں ہے، اس کے نام کی آڑ لے کر میرا مہمان بننے والا کوئی اور ہی تھا۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے بے اختیار تحیر آمیز آواز نکل گئی۔

"میں نے چند ثانیوں کے لیے ان دونوں کو یکجا دیکھا تھا۔ تصویر کے چہرے پر شناسائی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ شاید وہ بھی اس شخص سے پہلی ہی بار ملا تھا۔"

"ایل۔ ٹو نے دیدہ و دانستہ ہمیں غلط راہ پر ڈالا ہوا تھا۔ تصویر کو اس کے قریبی ساتھیوں کے ذریعے آلۂ کار بنایا گیا تھا۔ آج ایئرپورٹ پر مرنے والا شخص تصویر کا جگری دوست تھا لیکن دوسری طرف سیکیورٹی آفیسر کے لیے بھی کام کرتا تھا۔"

"یعنی ایل۔ ٹو کے بارے میں اب تک ہم جھک ہی مارتے رہے ہیں۔" وہ یک بیک مایوس نظر آنے لگا۔

"ہم بالکل صحیح راستے پر چل رہے ہیں۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "فرق صرف اتنا تھا کہ تصویر یا توقیر کو ایل۔ ٹو سمجھ رہے تھے جبکہ اس کی شخصیت ابھی تک راز میں ہے۔"

"شخصیت بھی سامنے آ چکی ہے۔ توقیر بن کر تم سے ملنے والا ہی ایل۔ ٹو ہے۔ تمہارے ملازم نے اس کی بدلی ہوئی آواز سنی تھی۔ جہانگیر نے اس بات کی تصدیق کی تھی، وہ تو ساری رات اس کے ساتھ ڈرائیور کے طور پر رہا تھا۔ پھر اس نے رات بھی جہانگیر کے گھر ہی بسر کی تھی۔ کم از کم ہم اسے پہچان سکتے ہیں خواہ اس کا اصل نام کچھ بھی ہو۔"

"تصویر کی موت کی خبر بڑی ماں کو پاگل کر دے گی۔" میں ان کا خیال آتے ہی [illegible] ہو گیا۔ "توقیر کینیڈا میں ہے انہیں کوئی بھی نہ سنبھال سکے گا۔ اور وہ بلک بلک کر مر جائیں گی۔"

"تمہارا بس یہی ایک کڑا امتحان ہے۔" اس نے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "تصویر کا قاتل تم تک رسائی کے اس موقع پر غافل نہیں رہے گا۔ تم نے بڑی ماں کا رُخ کیا اور [illegible] گئے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے قدرے توقف کے بعد [illegible] "خود کسی جال میں پھنسنے کے بجائے اب مجھے کسی کے گریبان پر ہاتھ ڈالنا ہو گا اور اس بار طفیل کی باری ہے۔"

"یہ طفیل کہاں سے آگیا؟"

"ایس۔او۔۔۔ لائیڈز کالج کا سیکیورٹی آفیسر۔ تصویر نے
جو کچھ بتایا اس کی روشنی میں لائیڈز کالج کے ملازمین میں طفیل ہی
سب سے زیادہ باخبر آدمی ہے، وہ میرے قہر سے ہرگز نہ
بچ سکے گا۔"

"اس کا آدمی تین بجے منٹو پارک پہنچے گا۔" سلطان شاہ نے
اس کا ذکر آتے ہی چونک کر مجھے یاد دلایا۔" اس وقت سوا بجنے
والا ہے، شاید تمہیں کچھ تیاری بھی کرنا ہوگی۔"

"میں مقررہ وقت سے پہلے ہی وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔"
میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔" تاکہ وہاں کے حالات نگاہ میں رہیں،
ہوسکتا ہے کہ اس کے مددگار پہلے سے گاڑیوں میں وہاں جمع
ہونا شروع ہو جائیں۔"

میں منٹو پارک کی پارکنگ لاٹ میں پہنچا تو سلطان شاہ
مجھ سے پہلے ایک خستہ حال آوارہ گرد کے روپ میں وہاں
منڈیر پر بیٹھا تھا۔ وہ دوپہر کا وقت تھا، اس لیے پارکنگ لاٹ
میں چند ہی گاڑیاں موجود تھیں لیکن مجھے کوئی مشتبہ آدمی نظر
نہ آسکا۔

اس وقت میں نے سِلک کا سُرخ شناختی مفلر نہیں لپیٹا
تھا تاکہ دوسرے فریق کے گُرگے مجھے پہلے سے نہ پہچان سکیں۔ میں
بےفکری کے انداز میں بڑھ کر خوانچے والوں کے پاس جا کھڑا ہوا
اور تلی ہوئی چنے کی دال لے کر اس سے شغل کرنے لگا۔

ٹھیک پونے تین بجے ایک کار منٹو پارک کی پارکنگ لاٹ
میں داخل ہوئی اور اس میں سے تین صحت مند افراد سینے پھلائے
نیچے اُتر آئے۔ ان کے لباس اور بشروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ
وہ پیشہ ور غنڈے نہیں تو بگڑے ہوئے اور اوباش طبیعت
ضرور ہیں۔ اپنی کار سے اُترنے کے بعد وہ تینوں وہیں کھڑے
تجسسانہ انداز میں چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگے۔ صاف
ظاہر ہو رہا تھا کہ انھیں وہاں کسی کی تلاش تھی۔ میں دور ایک
ٹھیلے کے پاس کھڑا کنکھیوں سے ان کا جائزہ لیتا رہا۔

وہ اپنی کار کے قریب کھڑے سگریٹیں سُلگا رہے تھے
کہ میں نے سلطان شاہ کو کسی آوارہ گرد ملنگ کے سے انداز
میں خود کلامی کرتے ہوئے ان کی طرف بڑھتے دیکھا اور بے چین
ہو گیا۔

شاید اُن کی حرکات وسکنات کی بنا پر سلطان شاہ
بھی ان کی طرف سے شبہات کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ دلیر اور
زیرک آدمی تھا لیکن میری دانست میں ایسی کھلی چھیڑ چھاڑ کھیل
بگاڑنے کے ساتھ ہی اس کے لیے مشکلات بھی پیدا کرسکتی تھی۔
مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ان تک پہنچنے کے بعد بھی...
سلطان شاہ نے اپنا لاتعلقانہ انداز برقرار رکھتے ہوئے
ان کے سامنے دستِ سوال دراز کر دیا تھا۔ نچلے درجے کے
عام جرائم پیشہ لوگوں کی طرح وہ تینوں بھی کچھ توہم پرست تھے۔
ایک مجذوب نما سوالی کا ہاتھ پھیلا دیکھ کر بیک وقت تینوں
کے ہاتھ جیبوں سے کچھ دبائے برآمد ہوئے اور سلطان شاہ
کی ہتھیلی پر خالی ہو گئے۔

سلطان شاہ نے بزرگانہ انداز میں ان میں سے ایک
کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا اور شاید کچھ کہا بھی تھا جو فاصلہ زیادہ
ہونے کے باعث میں نہ سُن سکا۔ نجانے اس کے کلمات میں
کیا تاثیر تھی کہ وہ تینوں ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور
سلطان شاہ وہیں جم گیا۔ آثار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان چاروں
میں کچھ دلچسپ مذاکرات شروع ہو چکے تھے۔

ٹھیک تین بجے ایک سفید کرولا اس علاقے میں داخل ہوئی
اور راستے ہی میں رُک گئی۔

میں وہاں رکشے سے پہنچا تھا۔ لہٰذا پارکنگ کے ضوابط سے
لاعلم تھا۔ کرولا کے رُکتے ہی سرکاری پارکنگ فیس یا جگا ٹیکس
وصول کرنے والا ایک لڑکا اس کی طرف بڑھا تھا لیکن اُسے شاید
دور ہی سے دھتکار دیا گیا۔ سفید کرولا کے آتے ہی سلطان شاہ
کے ساتھ اُلجھے ہوئے تینوں بدمعاش چونکے تھے اور اُن کی توجہ
اپنے سامنے کھڑے ہوئے نقلی مجذوب سے ہٹ کر سفید
کرولا پر مرکوز ہو گئی تھی۔ میں نے اس تبدیلی کا اندازہ کرتے
ہی پیش قدمی کی تیاری کر لی۔

کرولا سورج کے سامنے ایسے زاویے سے کھڑی ہوئی
تھی کہ جب تک ڈرائیور نیچے نہ آیا میں ونڈ اسکرین کے پیچھے
اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا لیکن اسے دیکھتے ہی میرے قدم
بے اختیار حرکت میں آ گئے کیوں کہ اس کے سر پر نیلی ٹوپی نظر
آ رہی تھی۔

جب تک میں اس کے مقابل نہ پہنچ گیا اس نے مجھ پر
کو [illegible] نہیں دی بلکہ بے چینی کے ساتھ گرد و پیش میں نظریں
د [illegible] لیکن مجھے اپنے سامنے محسوس کرتے ہی وہ چونک
پ [illegible] تھا۔

"سرخ مفلر گلے کے بجائے میری جیب میں ہے۔" میں نے
اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"ہوا کرے، میں کیا کروں؟" اس نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ
کرتے ہوئے کہا۔" طے شدہ باتوں سے انحراف کی صورت میں

وہی ہوگا جو شوگر کوئین چاہتی ہے۔ اس میں تمہیں کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے۔"

"میں خود شوگر کنگ ہوں، اس وقت تو وہی ہوگا جو میں چاہوں گا۔" میں نے اپنے لہجے میں کرختگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

کوڈ ورڈز کا تبادلہ ہو چکا تھا لہٰذا اس کے تیور ڈھیلے پڑ گئے۔ "تمہاری امانت لے آیا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے جھک کر پنجر سیٹ سے ایک بڑا سا براؤن چرمی بریف کیس اٹھایا جو خاصا وزنی معلوم ہو رہا تھا اور اسے میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میری ذمے داری ختم، اب یہ تمہارے حوالے ہے، تم جانو اور تمہارا کام۔"

میرا ارادہ اس سے بریف کیس وصول کر لینے کا تھا لیکن عین موقع پر مجھے وہ بریف کیس یاد آ گیا جو تنظیم کی طرف سے میرے حوالے کیا گیا تھا۔ اس بریف کیس کو کھولنے میں ذرا بھی غلطی کی جاتی تو قفل کے میکنیزم سے منسلک طاقت ور بارودی ذخیرہ اتنی قوت سے پھٹتا کہ بریف کیس تو در کنار قرب و جوار والوں کے چیتھڑے ملنے بھی محال ہو جاتے۔

"تحویل میں لینے سے پہلے شاید رقم تو گننا دشوار ہوگی مگر میں گڈیاں ضرور گننا چاہوں گا۔" میں نے اس وزنی بریف کیس کو ہاتھ لگائے بغیر کہا۔

"یہ میرے دائرہ کار سے باہر ہے۔" اس نے اکھڑپن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس میں رقم ہے یا گتے کے ٹکڑے بھرے ہوئے ہیں۔ مجھے حکم ملا تھا کہ یہ بریف کیس لال مفلر والے کو پہنچا دوں، اس سے آگے میں کوئی ذمے داری نہیں لے سکتا۔"

"بریف کیس کس طرح کھلے گا؟"

"بالکل لٹو رسٹر کی طرح ہے، دونوں طرف کے کلپ گرا کر نو سو بارہ ملاؤ گے تو قفل کھل جائے گا۔"

"یہ کام تم ہی کو سرانجام دینا ہوگا۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"میں اس کا مجاز نہیں ہوں۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"کوڈ ورڈز کے تبادلے کے بعد میں اس بریف کیس کا مالک ہوں، میں تمہیں مجاز قرار دیتا ہوں۔" میرے لہجے میں کاٹ پیدا ہو گئی۔

"میں تمہارا نہیں کسی اور تابع ہوں۔" وہ میرے لہجے کا تر لیے بغیر بولا۔ "میرا وقت برباد نہ کرو، بریف کیس لینا ہے تو لو... میں واپس جا رہا ہوں مجھے کچھ اہم کام بھی نمٹانے ہیں۔"

اس وقت تک میرا ہاتھ اپنی جیب میں رینگ چکا تھا۔

"میری جیب میں ایک عدد بھرا ہوا پستول ہے جس کا سیفٹی کیچ ہٹا ہوا ہے۔ میری انگلی ٹریگر پر ہے اور نال تمہاری طرف۔ اب تم کس کام کو اہم خیال کرتے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

اضطراری طور پر اس کی نگاہیں اُدھر اٹھ گئیں جدھر سلطان شاہ تین غنڈوں کے ساتھ موجود تھا۔

"اس وقت تو تمہارا ہی کام اہم نظر آ رہا ہے۔ گاڑی میں آ جاؤ، یہ بریف کیس ہم کسی محفوظ مقام پر کھولیں گے۔" وہ بولا۔

وہ بہت ذہین اور مکار تھا لیکن میرے سامنے طفلِ مکتب ہی تھا۔ اس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ وہاں سے میرے ساتھ روانگی چونکہ پروگرام کے خلاف ہوگی لہٰذا اس کے تینوں چوکیدار بھی سفید کرولا کا پیچھا کریں گے اور کسی محفوظ مقام پر پہنچنے سے قبل اسے میری بالادستی سے نجات دلا دیں گے لیکن میں بھی ان امکانات سے غافل نہیں تھا۔

اسے مزید کسی ہوشیاری کا موقع دیے بغیر میں اس کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے وزنی بریف کیس عقبی نشست پر ڈال دیا تھا اور جھلائے ہوئے انداز میں کار تیزی سے آگے بڑھا دی تھی۔

میں نے کار کے روانہ ہوتے ہی پستول جیب سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا تاکہ اسے ہر لمحے صورتِ حال کا احساس رہے لیکن راوی روڈ پر کچھ دور چلنے کے بعد عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے وہ مضحکانہ انداز میں ہنس دیا۔

"اسے جیب میں رکھ لو۔" میری خاموشی پر وہ خود ہی بولا۔ اس کا لہجہ استہزائیہ تھا۔

"کیوں... کیا اس میں سے مینڈک نکلنے کی امید ہے تمہیں؟" میں نے بھی اسی لہجے میں سوال کیا۔

"پیچھے مڑ کر دیکھو۔" اس نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ "نیلی ڈاٹسن میں میرے تین محافظ پیچھے آ رہے ہیں۔ وہ نہ صرف پوری طرح مسلح ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک تمہاری پسلیاں چکنا چور کر سکتا ہے۔"

"یہ اور بھی اچھا ہوا۔" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "اب کم از کم تم کو یہ شکایت نہیں ہوگی کہ تم اکیلے میں مارے گئے۔ تین سورما تمہاری بدترین دُرگت کے چشم دید گواہ ہوں گے۔"

اس نے راوی کا نیا پل پھر پرانا پل بھی چھوڑا اور گاڑی خستہ و شکستہ بند روڈ پر مڑ گئی جہاں گرد و غبار سے اٹی ہوئی نیم پختہ سڑک پر علاؤ الدین کا راج تھا۔

کافی دور نکل آنے کے بعد بھی جب اس ویرانے کا خاتمہ نہ ہوا تو ایک جگہ میں نے اُسے گاڑی روکنے کا حکم دیا۔ سفید کرولا ایک کنارے پر رُک گئی اور میں نے اپنے پستول کی نوک پر اسے نیچے اتار لیا۔

"تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" اس کے لہجے میں پہلی بار تشویش کے آثار محسوس ہوئے تھے کیونکہ تعاقب میں آنے والی نیلی ڈاٹسن کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا اور وہ محض میرے رحم و کرم پر رہ گیا تھا۔

"یہاں تم بریف کیس کھول کر مجھے رقم کی گڈیاں گنواؤ گے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا اور اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

"بریف کیس میں نہیں کھولوں گا۔" وہ اٹل لہجے میں بولا۔ "تم کھول دو، رقم میں گنوا دوں گا۔"

"برخوردار! تمہارا تو باپ بھی کھولے گا۔" میں نے اس کے منہ پر بھرپور تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا۔ وہ مغلظات بکتا ہوا دور ہٹ گیا اور اسی لمحے میں نے پچھلے موڑ سے غبار کا ایک بگولا سا اپنی طرف بڑھتا ہوا محسوس کیا۔

چند ہی ثانیوں میں صورت حال واضح ہو گئی۔ نیلی ڈاٹسن تیزی سے ہماری طرف بڑھی آ رہی تھی۔ میرے شکار کے بشرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور میں نے بدترین حالات سے مقابلہ کرنے کی نیت سے بڑھ کر اپنے پستول کی نال اس کی کمر سے لگا دی۔

تھوڑی دیر میں نیلی ڈاٹسن ہمارے قریب آ کر رک گئی۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ عقبی نشست پر سلطان شاہ بھی براجمان تھا۔

اس کار کا انجن بند ہوا، پھر یکے بعد دیگرے وہ تینوں بدمعاش اپنے ہاتھ سروں پر باندھے نیچے اترے تو فرطِ حیرت سے میری عقل چکرا کر رہ گئی۔ آخر میں سلطان شاہ اس کار سے نیچے اترا تھا اور اس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔

تینوں بدمعاش سلطان شاہ کو بدترین مغلظات سے نواز رہے تھے لیکن اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"پیسہ اس دور کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔" سلطان شاہ ان تینوں کو کور کیے کہہ رہا تھا۔ "رشوت اور سفارش کی لعنت نے ہم سب کو ایسا برباد کیا ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں بھی رسائی کے لیے ہم سفارشیں اور سہارے ڈھونڈتے ہیں۔ یہ تینوں ضعیف الاعتقاد میری دعاؤں کے متمنی تھے اور اب نابکار مجھ ہی کو مغلظات بک رہے ہیں۔"

"لیکن تم نے انھیں کیسے گھیر لیا؟" میں نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"چند حسب حال دعاؤں کے طفیل ان سے تھوڑی سی بھیک سمیٹنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور یہ وقت گزاری کے لیے اپنے مقدرات کے بارے میں سوالات کرنے لگے تھے۔ اسی دوران میں تمہارا کام شروع ہو گیا۔ یہ لوگ تعاقب میں روانہ ہوئے تو میں بھی خاموشی سے ان کے ساتھ سوار ہو گیا اور ان میں سے کسی نے مجھ مسکین سے تعرض نہیں کیا۔ ان بیچاروں کو تو اس وقت ہوش آیا جب سفید کرولا نظر آنے کے بعد میں نے اچانک ہی پستول نکال کر صورتحال بدل ڈالی اور اب یہ اسی بے چارے کو کوس رہے ہیں جسے ذرا دیر پہلے اپنا سب سے مضبوط ستون سمجھ رہے تھے۔"

"اُلّو کے پٹھے!" ان تینوں میں سے ایک دانت پیس کر غرایا۔ "ہمیں خبر بھی ہو جاتا کہ تم اسی نابکار کے ساتھی ہو تو اس طرح مارتے کہ تمھیں قبر بھی نصیب نہ ہوتی۔"

"خیر۔ ہم اس کا خیال رکھیں گے۔" سلطان شاہ بایاں ہاتھ اٹھا کر بے نیازی کے ساتھ بولا۔ "تم سب کو الگ الگ قبر میسر ہوگی۔ کوشش کریں گے کہ تمہاری منزنگ کی جنازگاہ میں تدفین ہو کیونکہ اس علاقے میں ہمارا ایک تنخواہ دار فاتحہ خواں رہتا ہے۔ وہ اپنے چار بیٹوں سمیت ہر روز تمہارے مزاروں پر فاتحہ خوانی کرتا رہے گا تاکہ تاقیامت تمہاری قبریں نور سے بھری رہیں۔"

"ہرزہ سرائی بند کرو اُلّو کے پٹھے!" ان میں سے ایک غالباً خوف زدہ ہو کر چلایا۔ "ہم تمہارا خون پی جائیں گے۔"

"اس کا خون بہت کڑوا ہے۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "بہتر ہو گا کہ تم تینوں خاموش ہی رہو، ورنہ اس کے کڑوے خون کو جوش آگیا تو تم میں سے ایک آدھ منزنگ کی جنازگاہ تک بھی نہ پہنچ سکے گا۔ جہاں اس کے تنخواہ دار فاتحہ خواں کا بندوبست ہے۔"

"تم کون ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟" ان تینوں میں سے ایک اور بھڑک کر غرایا۔

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے سادگی کے ساتھ کہا۔ "یہ میرے لیے تیس لاکھ روپے لایا ہے، میری خواہش ہے کہ یہ رقم نہیں تو کم از کم گڈیاں ہی گن کر میرے حوالے کر دے، رقم پوری ہوئی تو تم سب کی چھٹی ہو جائے گی ورنہ یہ یرغمال میں رہ جائے گا، تم واپس لوٹ کر اپنے اوپر والے کو اس کی بے ایمانی سے آگاہ کر سکو گے۔"

"ہم اسی کو جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارا کسی سے کوئی

تعلق نہیں ۔" وہی شخص غرایا۔" تیس لاکھ کے معاملے میں ہمیں تو صرف پانچ ہزار کے عوض گھسیٹا گیا ہے ۔"

" تم سب ملعون اور نابکار ہو ۔" میرا نیلی ٹوپی والا قیدی دہاڑا۔" آج میں نے تمہاری نمک حرامی دیکھ لی ہے، آئندہ کبھی تم پر اعتماد نہیں کروں گا ۔"

وہ تینوں چپ رہے لیکن میں انھیں للکار بیٹھا۔" سن لی اپنی اوقات ۔ اگر بہتری چاہتے ہو تو ابھی واپس بھاگ لو، ایک بار تمہارے سامنے کھیل شروع ہو گیا تو پھر مزنگ جنازگاہ سے پہلے کہیں پناہ نہ مل سکے گی ۔"

" تو کیا تم ہمیں اسی آسانی سے واپس جانے دو گے ؟" ان میں سے ایک نے سوال کیا ۔

" نہ جانا چاہو تو دوسری بات ہے ۔" میں نے سارا بوجھ اسی پر ڈال دیا ۔

وہ تینوں کرائے کے ٹٹو تھے اور غالباً انھیں اپنے معاوضے کی رقم پیشگی مل چکی تھی لہٰذا انھوں نے یہی طے کیا کہ انھیں مزید ملوث ہوئے بغیر واپسی کی راہ اختیار کرنا چاہیے نیلی ٹوپی والے قیدی نے دھمکیوں اور خوشامدوں کے ذریعے انھیں لاکھ روکنا چاہا لیکن ان میں سے کوئی تیار نہیں ہوا میری اور سلطان کی بالادستی نے ان کی تمام خوش فہمیوں کو فنا کر دیا تھا ۔

نیلی ڈاٹسن اپنے تین سواروں کو لے کر واپس چلی گئی تو میں پھر اپنے قیدی کی طرف متوجہ ہو گیا ۔" رقم سنبھلوا کر تم بھی اپنی چھٹی کرو دوست ۔"

" کلپ گرا کر نو سو بارہ ملاؤ گے تو قفل کھل جائے گا ۔" اس نے کسی رٹائے ہوئے طوطے کی طرح دہرایا ۔" تم بریف کیس کھولو، میں رقم سنبھلوا دوں گا ۔"

میرے ذہن میں بارودی بریف کیس کا تصور اور راسخ ہو گیا ۔

" اسے کھولنا تو تم ہی کو ہے میرے دوست! رقم میں خود گن لوں گا ۔" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد اور تحکمانہ لہجے میں کہا ۔" اس خیال میں بھی نہ رہنا کہ تم کسی طرح ہمیں دھوکا دے کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو سکو گے ۔ یہ جعلی پیر نشانے کا بہت سچا ہے ۔"

نیلی ٹوپی والے کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لرزنے لگے اور بشرے پر فکرمندی کی علامات ابھر آئیں ۔" آخر تم مجھ ہی سے بریف کیس کھلوانے پر کیوں مصر ہو ؟" اس نے خود کو تنہا اور بے بس پاکر تھکے ہوئے لہجے میں سوال کیا ۔

" اور تم کیوں اسے نہ کھولنے پر اڑے ہوئے ہو؟ میرے ننھے چوزے ۔" سلطان شاہ نے آگے بڑھ کر اس سے زہریلے لہجے میں سوال کیا اور اس کا چہرہ بجھ سا گیا ۔

" مجھے یہ ذمے داری سونپتے ہوئے خاص طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ بریف کیس ہرگز نہ کھولوں ۔" اس نے کہا ۔

" اور تم نے اس کی وجہ جاننے کی قطعی کوشش نہیں کی ؟" میں نے سوال کیا ۔

" ضرورت ہی محسوس نہیں کی ۔" اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ۔" میرا خیال تھا کہ اتنی بڑی رقم کا معاملہ ہے، وہ چاہتا ہو گا کہ تم خود ہی رقم سنبھالنے کا فرض سرانجام دو ۔"

" پھر تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ تمھیں یہ تک نہیں معلوم کہ اس میں رقم ہی ہے یا پھٹے پرانے کاغذات وغیرہ بھرے ہوئے ہیں؟" سلطان شاہ نے ترش لہجے میں سوال کیا ۔

" وہ بعد کی بات ہے ۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا ۔" تم لوگوں کے جارحانہ رویے سے مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ تمھیں میرے ہاتھوں زک پہنچانے کی کوشش نہ کی گئی ہو ۔"

" جب تم خود یہ سوچ رہے ہو تو بریف کیس کھولتے ہیں ہچکچا کیوں رہے ہو ؟"

" اس بارے میں مجھے خاص طور سے منع کیا گیا تھا، ہو سکتا ہے کہ یہ بھی کوئی چال رہی ہو ۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا ۔" میرا تو خیال ہے کہ جو بھی اسے کھولنے کی کوشش کرے گا کسی نہ کسی مشکل سے دوچار ہو جائے گا ۔"

" کیسی مشکل ؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے سوال کیا تاکہ اس کی ذہنی اڑان کا اندازہ لگا سکوں ۔

" ہو سکتا ہے کہ اس میں ردی کاغذات کے ساتھ کوئی بھرا ہوا زہریلا سانپ بند ہو جو ڈھکن کھلتے ہی سامنے والے کو ڈس لے ۔"

اس کے جواب سے مجھے خاصی مایوسی ہوئی ۔ وہ ان لوگوں کا ہرکارا تھا جو جرائم کے ارتکاب میں جدید سائنسی سہولتوں سے استفادہ کرتے آرہے تھے ۔ فوٹو سیل، خودکار کیمرے، وائرلیس اور الیکٹرونکس پر مشتمل حفاظتی حصار استعمال کرنے والوں کے لیے کام کرتے ہوئے بھی اس کی ذہنی سطح اس قدر پست تھی کہ وہ سترھویں صدی میں بھی سانپ سے ڈسوانے والے حربے سے آگے کچھ بھی نہ سوچ سکا تھا اور اس کی یہ کم علمی شاید میرے لیے سودمند ہی تھی ۔

" اس خطرے کا توڑ بہت آسان ہے ۔" میں نے قدرے توقف کے بعد اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا ۔" تم اس بریف کیس کو دور لے جا کر دونوں لیور اٹھاؤ اور نمبر ملا کر قفل کھول دو اور بریف کیس وہیں چھوڑ کر ہمارے پاس آجاؤ ۔ ہم اس کا ڈھکن کسی درخت کی لمبی سی ٹہنی کی مدد سے کھول دیں گے اندر سانپ ہوا تو راستہ پاتے ہی ویرانے میں فرار ہو جائے گا اور ہم بلا خوف وخطر قریب جا کر رقم گن سکیں گے ۔"

مجھے اپنی تجویز کے مضمرات کا خوب اندازہ تھا لیکن اس کی
کھوپڑی کے لیے میری رائے قابلِ قبول تھی۔ اس نے وہیں
ٹھہر کر چند ثانیوں کے لیے کچھ سوچا پھر کار سے بریف کیس اٹھانے لگا۔
اس کو بریف کیس کہنا کچھ اتنا مناسب نہیں تھا کیونکہ نہ
اس کا سائز بریف کیس کا تھا نہ ساخت سوٹ کیس جیسی۔ وہ ان
دونوں کے درمیان کی کوئی چیز معلوم ہو رہا تھا۔ وزنی اور بڑے
بریف کیس کو کار سے اتار کر وہ داہنی سمت کے کچے ویرانے میں
گیا جہاں تاحدِ نظر خودرو درختوں اور جھاڑیوں کا سلسلہ پھیلتا
چلا گیا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" سلطان شاہ کی دھیمی آواز نے
میرے پُرہول خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔ "چہرے سے کوئی بہت
بڑی الجھن ٹپک رہی ہے۔"

"یہ بے خبری میں مارا جائے گا۔" میں نے متاسف
لہجے میں کہا۔

"کیوں؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔ "جب لمبی ٹہنی
سے ڈھکن کھولنے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے تو سانپ اس کا کیا
بگاڑ سکے گا؟"

"وہ اسے سمجھانے کے لیے کہا تھا۔" میں نے تفکر آمیز
لہجے میں کہا۔ "مجھے شبہ ہے کہ اس کے میکینزم میں طاقتور بارودی
دھماکے کا پورا بندوبست پوشیدہ ہوگا اور ٹہنی سے ڈھکن کھولنے
کی نوبت ہی نہیں آ سکے گی۔"

"نہ آئے۔" وہ بے پروایانہ لہجے میں بولا۔ "تم کیوں اپنا ذہن
تھکا رہے ہو؟ وہ جو جال تمہارے لیے لایا ہے خود ہی اس کا
شکار ہو جائے گا اور اگر کچھ نہ ہوا تو تیس لاکھ پکے ہیں۔"

میں پھیکے انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔ میری نگاہیں کچے ویرانے
کی طرف مرکوز تھیں۔ جہاں وہ تھوڑی دور ریت پر بیٹھا بریف کیس
کے دونوں لیور اٹھانے کے بعد گھٹنوں کے بل نیچے جھک کر قفل کے
نمبر ملانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اچانک ایک ہولناک دھماکے سے میری نگاہیں خیرہ
ہوگئیں کیونکہ اس مقام پر طاقتور بارودی دھماکے کے ساتھ ہی
بلاوی شعلوں کا کثیف بادل بھی بلند ہوا تھا۔ میں اچھل کر پہلو کے
بل کئی فٹ دور جا گرا۔

میں سنبھل کر اٹھا اور دیوانہ وار کار کی طرف دوڑ لگا دی۔
شاید سلطان شاہ نے بھی اسی لمحے وہی فیصلہ کیا تھا کیونکہ ہم دونوں
تقریباً ایک ساتھ ہی کار میں سوار ہوئے تھے۔

دھماکے کے باعث فضا میں اٹھنے والا ریت کا غبار دور
تک پھیلا ہوا تھا، بارود جلنے کی بُو سے نتھنوں اور آنکھوں میں
سوزش ہو رہی تھی، بریف کیس میں بھرے ہوئے کاغذات آگ
پکڑ کر دور تک بکھر گئے تھے اور خشک جھاڑیوں نے جابجا آگ
پکڑ لی تھی۔ بربادی کے اس مہیب منظر میں نہ بریف کیس کے
باقیات کہیں نظر آ رہے تھے، نہ اس کے کھولنے والے کا پتا تھا۔
بس کار سے ذرا دور جوتے اور پاؤں سمیت جھلسی ہوئی پنڈلی کی
ایک ہڈی ریت پر پڑی یہ اعلان کر رہی تھی کہ نیلی ٹوپی والے
کا جسم دھماکے کے نتیجے میں چیتھڑوں میں تقسیم ہو کر ہر طرف بکھر
گیا تھا۔

اس بدترین بارودی دھماکے کے نتیجے میں قرب و جوار
سے لوگوں کا ادھر اُبل پڑنے کا قوی امکان موجود تھا لہٰذا میں
نے انجن اسٹارٹ کیا اور کار بندر روڈ پر تیزی کے ساتھ آگے
بڑھا دی۔

چند ثانیوں کی خالی الذہنی کے بعد دماغ کام کرنے کے
قابل ہوا تو مجھے یہ سوچ کر ہی جھرجھریاں سی آگئیں کہ میں نے ذرا
بھی غفلت کا مظاہرہ کیا ہوتا تو اس وقت میرے بدن کے چیتھڑے
خودرو جھاڑیوں کی چتا میں جل رہے ہوتے۔

"تم جو سوچ لیتے ہو، وہ ہو کر ہی رہتا ہے۔" سلطان شاہ
کی آواز سن کر میں نے اس کی طرف دیکھا تو چونک پڑا۔ اس کا
داہنا رخسار اور کان بری طرح زخمی تھا جس سے خون بہہ رہا تھا۔

"تم زخمی کیسے ہوگئے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"بس دھماکے کے ساتھ ہی کوئی جلتی ہوئی چیز ہوا میں اڑتی
ہوئی داہنی کنپٹی پر آ کر لگی تھی۔" اس نے تکلیف کے احساس سے
عاری حوصلہ مند لہجے میں کہا پھر ہنستے ہوئے بولا۔ "وہ شاید
قبولیت کی گھڑی تھی۔ کیا تم بارودی دھماکے کے بجائے گلاب
کے پھولوں کی برسات کے بارے میں نہیں سوچ سکتے تھے؟"

"سوچنے سے کچھ نہیں بنتا سلطان شاہ۔" میں نے گہری
سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔ "گلاب برستے تو ان کے کانٹے
شاید تمہیں اس سے زیادہ لہولہان کر دیتے۔ ہر بات اور کام کا
ایک وقت معین ہے، ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے اور ہم بس
اس کی تاویلیں سوچتے رہ جاتے ہیں، جو ہوتا ہے بہتر ہی ہوتا ہے۔"

"اب تو کھل کر جنگ چھڑ گئی ہے۔" اس نے قدرے توقف
کے بعد کہا۔ "تصویر ہم دونوں کی موجودگی میں دن دہاڑے ہوٹل میں
مار دیا گیا۔ دوسری طرف سکیورٹی آفیسر نے بھی بارودی بریف کیس
بھیج کر تمہیں للکار دیا ہے جبکہ ایلوٹ کی شخصیت ابھی تک راز
میں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کس محاذ پر زور دینا ہوگا۔"

"محاذ تو اب ایک ہی رہ گیا ہے۔" میں نے سڑک پر
نظریں جما کر تلخ لہجے میں کہا۔ "لائیڈز کا بیچ غنڈوں اور بدمعاشوں

کا مسکن بنا ہوا ہے، وہاں ان کی فوج پل رہی ہے۔ ہمیں اس قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجانا ہوگی۔"

"اپنی بڑی ماں کو کس خانے میں رکھو گے؟" اس نے آہستگی کے ساتھ یاد دلایا۔ "وہ بھی تو اسی قلعے میں رہ رہی ہیں۔ وہاں اور بھی بہت سے بے گناہ ہوں گے . . . ."

"بڑی ماں کے بارے میں یقیناً کچھ سوچنا ہوگا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ نہ بھولو کہ گیہوں کے ساتھ گھن ہمیشہ سے پستا آیا ہے، دس پانچ بے گناہوں کی فکر میں سیکڑوں بدمعاشوں کو ڈھیل نہیں دی جاسکتی۔"

وہ ہنس پڑا۔ "پتا نہیں کیوں، مجھے ایک بات یاد آگئی۔ کہیں پڑھا تھا کہ دنیا بھر میں ایک قانونی بنیاد رائج ہے کہ ہر شخص بے گناہ ہے، جب تک کہ اس کے خلاف جرم ثابت نہ کر دیا جائے اور اس کے برعکس یورپ کے کسی ملک کا قانونی فلسفہ ذرا مختلف ہے یعنی ہر شخص مجرم ہے، جب تک کہ وہ خود کو بے گناہ ثابت نہ کر دے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" میں نے خالی الذہنی کے عالم میں سوال کیا۔

"واہ، یہ تو سب سے بڑی بات ہے۔ پہلے نظام میں کسی کو مجرم قرار دینا عدلیہ کی ذمے داری ہے اور دوسرے نظام میں انتظامیہ کسی کو بھی پکڑ کر جیل میں ٹھونس سکتی ہے۔ اب یہ قیدی کی ذمے داری ہوگی کہ وہ اپنی بے گناہی کے لیے دلیلیں اور شواہد پیش کرتا پھرے یا جیل میں سڑتا رہے۔"

"یہ مغرب کی باتیں ہیں میرے دوست۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "جہاں ہر قدم پر بنیادی انسانی حقوق کا احترام کیا جاتا ہے۔ یہاں ہم ایک عجیب معاشرے میں رہ رہے ہیں۔ زرداروں کے لیے یہاں پہلا نظام رائج ہے اور ناداروں کے لیے دوسرا۔ اور میں نہ زردار ہوں نہ نادار۔ بڑی ماں کو بچاتے ہوئے جو کچھ ممکن ہوا، کر گزروں گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمھیں تصویر کی باتوں پر پورا یقین آگیا ہے؟"

"مجھے یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "اس کی سچائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب اس نے مجھ سے مل بیٹھنے کی کوشش کی تو عجلت میں مار ڈالا گیا۔"

"اور تم یہ بھی مان چکے ہو کہ تصویر کے بقول توقیر کینڈا میں ہے؟"

"اس میں شبہ کرنے کا کوئی سبب اگر ذہن میں آتا ہو تو ضرور بتاؤ۔"

"وہ شخص کس خانے میں جائے گا جو پہلے کراچی میں توقیر کے نام سے تمھارا مہمان ہوا اور اب تصویر کے قتل سے پہلے تمھیں ہوٹل میں نظر آیا تھا۔"

"میری دانست میں تو اب وہی ہر مسئلے کی کلید ہے۔ وہ بذاتِ خود اے ٹو ہو یا نہ ہو، اس کا معتمدِ خاص ضرور ہے۔ اس سے شاید ہم بہت کچھ اگلوا سکیں گے۔"

"پھر جمی لائیڈ اور ویرا لائیڈ یعنی شوگر کوئین کو تم کس خانے میں رکھو گے؟"

"وہ بعد کے معاملات ہیں۔" میں نے اس کے خیالات کو لگام دیتے ہوئے کہا۔ "فی الحال ہمیں سکیورٹی آفیسر اور نام نہاد توقیر کے معاملات سے نمٹنا ہے۔ اس کے بعد باقی گرہیں خود بخود کھلتی جائیں گی۔ حالات نے اتنی تیزی کے ساتھ پلٹا کھایا ہے کہ عقل چکرا کر رہ گئی ہے۔ مہینوں سے ایک راہ بن رہی تھی اور توقیر اے ٹو نظر آرہا تھا لیکن جب تصویر پر ہاتھ ڈالنے کی نوبت آئی تو اندازوں کا سارا محل ریت کے گھروندے کی طرح نیچے آرہا۔"

"اب ہمیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔ ہم جعلی توقیر کی نگاہوں میں آچکے ہیں اور وہ کسی پُراسرار چھلاوے کی طرح ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔ وہ بے خبری میں ہم پر کہیں بھی وار کر سکتا ہے۔"

صورتِ حال بہت زیادہ سنگین ہو چکی تھی۔ مہم کا ایک بہت بڑا مرحلہ طے ہو چکا تھا۔ تنظیم کے ہیڈ کوارٹر کی نشاندہی ہو چکی تھی لیکن ہم سرغنہ کا سراغ کھو چکے تھے۔ جو مہرے ہماری نگاہوں میں آچکے تھے، ان پر ہاتھ ڈالنے میں ہمارے لیے زیادہ خطرات مضمر تھے۔ سکیورٹی آفیسر یا لائیڈز کاٹیج کے کسی مکین کا اتلاف تنظیم کے لیے افرادی قوت کے نقصان پر تو ضرور منتج ہوتا لیکن مجموعی طور پر اسے کوئی قابلِ ذکر نقصان ہرگز نہ پہنچتا اور اب میں ایسی کسی بے مقصد طبع آزمائی کے لیے تیار نہیں تھا۔

"تم کس تشویش میں مبتلا ہو گئے ہو؟" خاصی دیر کے بعد سلطان شاہ نے میرے تفکر آمیز رویے پر ٹوک ہی دیا۔

"ذہن کام نہیں کر رہا، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"حالانکہ سب کچھ سامنے ہے۔" اس کے لہجے میں بھی مایوسی نمایاں تھی۔ "پہلے صرف سنتا ہی رہا تھا کہ بڑی بڑی مجرمانہ تنظیموں کے سربراہ اور اوپر والے لوگ کھلے بندوں پہچانے جاتے ہیں لیکن ان پر ہاتھ ڈالنا ناممکن ہوتا ہے اور اب اس تجربے سے بھی گزر رہا ہوں۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ہم بھول بھلیوں

ہیں پھنس گئے ہوں، راستے ہر طرف موجود ہیں لیکن یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ کون سا راستہ منزل کی طرف رہنمائی کرے گا؟"

"شاید تصویر کی ناگہانی موت نے میرا دماغ ماؤف کر کے رکھ دیا ہے۔ ہم کسی سراب کے پیچھے بھاگ کر اپنا وقت برباد نہیں کر سکتے۔ جو سامنے ہے، اسی سے ابتدا کرنا ہوگی۔"

"یقیناً" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔

"ظاہر ہے، لائیڈز کاٹیج میں تصویر کے علاوہ وہی اہم ترین آدمی ہے۔"

"لیکن ایک بات میرے ذہن میں کچھ کھٹک رہی ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "اس گمنام شخص نے تصویر کو کیوں ہلاک کیا؟" میرا حوصلہ افزا ردِعمل دیکھ کر اس نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔ "اس نے تمھیں ہٹا کر تصویر کو کیوں قتل کیا۔ اگر اسے تصویر سے افشائے راز کا ہی ڈر تھا تو وہ اس کے سامنے براہِ راست تم پر وار کر کے ایک تیر سے دو شکار کر سکتا تھا۔ تم سے نجات مل جاتی اور تمھارا حشر دیکھ کر تصویر بھی خوف زدہ ہو جاتا لیکن اس نے تمھیں چھوڑ دیا۔"

"بڑی آسان سی بات ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ پستول وغیرہ کی قسم کا کوئی آتشیں ہتھیار استعمال کرتا تو اس کا رنگے ہاتھوں پکڑا جانا یقینی تھا۔ شاید تم نے اس کے طریقۂ واردات پر غور نہیں کیا۔ اس نے قریب آ کر تصویر کو کسی سریع الاثر زہر کا نشانہ بنایا تھا۔ وہ میرا رُخ کرتا تو میں اسے پہچانتے ہی نہ صرف ہوشیار ہو جاتا بلکہ مزاحمت کے ساتھ اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش بھی کر گزرتا لیکن تصویر کے لیے وہ اجنبی تھا کیونکہ تصویر نے بھی کھڑکی میں سے اس کی جھلک دیکھی تھی مگر اس نے کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا بلکہ مجھے روکنے کی کوشش کی تھی، میرے اٹھنے کے بعد وہ عقبی راستے سے اندر گھسا اور کوئی بات کرنے کے بہانے سے اس نے تصویر کو زہر دے ڈالا۔ اگر تم بروقت وہاں نہ پہنچتے تو شاید اسے بوکھلا کر فرار بھی نہ ہونا پڑتا۔ اپنی کارروائی کر کے وہ اطمینان سے لوٹ جاتا اور کسی کو وہاں قتل کے ارتکاب کا شبہ بھی نہ ہو پاتا۔"

"بات سمجھ میں آتی ہے۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس طریقۂ کار سے وہ تمھیں زیر نہیں کر سکتا تھا اور اس کے ہاتھوں تصویر کے سفاکانہ قتل نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ہمارے دونوں بھائی ان معاملات میں اس حد تک ملوث نہیں تھے جتنا تم سمجھ رہے تھے لیکن تصویر یقیناً بہت کچھ جانتا تھا، اسی وجہ سے مار ڈالا گیا۔"

"آہستہ آہستہ میرا ذہن کسی راہ پر چلنے لگا ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس طرح ہم جلد ہی کوئی بڑی کامیابی حاصل کر سکیں۔"

"وہ کیا؟" اس نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

"تمھیں یہ معلوم کرنا ہے کہ تصویر کا جنازہ کب اٹھایا جائے گا؟"

"اوہ!" میری تجویز پر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "واقعی یہ زبردست ترکیب ہوگی، جنازے کے جلوس میں شاید خاصے اہم لوگ شریک ہوں گے۔"

"تمھارے مزاج میں عجلت بھری ہوئی ہے۔" میں نے افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تصویر کی موت پُراسرار حالات میں کھلے بندوں واقع ہوئی ہے۔ فی الحال تو لاش پولیس کی تحویل میں ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ پوسٹ مارٹم کے بعد بھی لائیڈز کاٹیج والے لاش کے دعوے دار بن کر سامنے نہ آئیں۔"

"انھیں سامنے آنا ہی پڑے گا۔ لائیڈز کاٹیج سے باہر بھی تصویر کے جاننے والوں کا کوئی حلقہ رہا ہوگا اور شاید سب ہی جانتے ہوں کہ وہ لائیڈز کاٹیج کا اسٹیٹ منیجر ہے۔ قتل کے وقت ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں اس کا ڈرائیور گاڑی سمیت موجود تھا۔ اس نے جس انداز میں ہوٹل کے دربان کو ٹپ دی تھی اور جس شناسائی کے انداز میں تصویر کا وہاں خیر مقدم کیا گیا تھا، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ وہاں اجنبی نہیں تھا۔"

"کچھ انتظار کے بعد ہی صحیح صورتِ حال سامنے آ سکے گی۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں آرام کرنا چاہتا ہوں، تم کھوج نکالنے کی کوشش کرو کہ اس واردات کے بارے میں پولیس اور لائیڈز کاٹیج والوں کا کیا رویّہ ہے۔ تصویر کی تدفین کسی کی بھی طرف سے کی جائے، میں اس میں ضرور شرکت کرنا چاہوں گا، باقی فیصلے بعد میں کیے جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔ "میں فوراً ہی کام شروع کر رہا ہوں۔"

میں خاموشی سے مسہری پر پڑا اسے تیار ہوتے دیکھتا رہا اور پھر وہ چلا گیا۔

اس وقت میرا دل بھاری ہو رہا تھا۔ سلطان شاہ کی موجودگی میں میں نے خود پر قابو پایا ہوا تھا، اس کے جاتے ہی میری آنکھیں نمناک ہونے لگیں اور دھندلائی ہوئی بصارت میں ماضی کی جھلکیاں سی کوندنے لگیں۔

انسان جو کچھ کرتا ہے، اپنی زندگی میں اس کا پھل ضرور پاتا ہے۔ جزا، سزا، دکھ اور سکھ مقدر کے ایسے اٹل فیصلے ہوتے ہیں جن کی ہلکی سی جھلک ہر شخص اپنی زندگی میں ضرور دیکھ لیتا ہے۔ کہیں مادی آسائشوں کے حصول میں انسان قیمت کے طور پر اپنے

ذہنی سکون کا بڑا حصّہ کھو دیتا ہے اور کہیں اندر کے اطمینان کے لیے ایسی منفعت کو ٹھکرا دیتا ہے جس پر زندگی پچھتاووں کا مجموعہ بن جاتی ہے۔ اس دور میں مادّی اور ذہنی آسودگی سے مالا مال لوگوں کی تعداد بہت ہی کم نظر آتی تھی لیکن ہر ایک کو ظاہرداری کا ایسا روگ لگا ہوا تھا کہ دوسروں کو سُلگانے اور اپنی جھوٹی انا کو برقرار رکھنے کے لیے لوگ اپنے دکھوں کو چھاتیوں میں دفن کیے، چہروں پر مسکراہٹ سجائے کاروبارِ حیات میں ہر جگہ اداکاری کرتے نظر آتے تھے اور دوسرے اس اداکاری سے فریب کھا کر ان پر رشک بھی کرنے لگتے تھے، بعض حسد کی آگ میں جلنے لگتے تھے لیکن ٹٹولنے اور کُریدنے پر ہر خوشی اور خوشحالی کی تہ میں کچھ لوگ دریافت ہوتے تھے جن کا درماں کسی کے بس میں نہیں تھا۔

اور میں بھی نام نہاد خوشحالوں اور بے فکروں کی اسی بھیڑ میں شامل تھا لیکن میرے ذہن میں ہمیشہ سے یہ خیال بہت مضبوطی کے ساتھ جما ہوا تھا کہ میں جن مسائل سے دوچار تھا، ان کی بنیاد میری پیدائش سے پہلے رکھ دی گئی تھی۔

اگر والد مرحوم محدود آمدنی والی ملازمت پر مامور تھے تو انھیں کوئی حق نہیں تھا کہ رشوت کی بے تول آمدنی کے خمار میں بڑی ماں کا شوہر اور توقیر اور تصویر کا باپ ہوتے ہوئے دوسری شادی کے بارے میں سوچتے۔ جن دنوں انھوں نے دوسری شادی کی، شاید عائلی قوانین وجود میں نہیں آئے تھے اور مذہب و معاشرے کی نگاہوں میں عقدِ ثانی کوئی غیر معمولی فعل نہیں تھا۔ بشرطیکہ انسان مادّی اور جذباتی پیمانوں پر اس معاہدے کے ہر فریق سے انصاف کرنے کی استطاعت رکھتا ہو لیکن مالِ حرام کا خمار دانۂ گندم سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ والد مرحوم نے دوسری شادی کا قصد کیا اور کر گزرے لیکن جب رشوت کا خانہ یکلخت بند ہوا تو انھیں اپنی تنگ دامانی کا احساس ہوا اور میری ولادت کے بعد تلخیاں دن بدن اتنی بڑھتی چلی گئیں کہ والد صاحب رشوت کے پیسے سے خریدے ہوئے مصائب کے بوجھ تلے زیادہ دن نہ جی سکے۔ بڑی ماں اپنے دو بیٹوں کے ساتھ گھر کی مختارِ کل بن گئیں اور مجھے اپنی ماں کی گود میں اس گھر کی دہلیز سے گلی میں دھکیل دیا گیا۔

میرے وجود میں رزقِ حرام کی آمیزش ایسی رچی ہوئی تھی کہ اپنی مظلوم ماں کی تمام تر محنت اور مشقت کے باوجود میں نے اپنی بدمعاشی کے ہاتھوں اپنی سگی ماں کو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا اور وہ اپنے تمام زیور و اسباب کو داؤ پر لگا کر میری ضمانت کا بندوبست کرنے کے بعد بے سروسامانی کے عالم میں لاہور کے ایک ویرانے میں خودکشی کرنے پر مجبور ہوگئی۔

بدی کے بیج سے جنم لینے والی کونپل آج ایک تناور درخت بن چکی تھی۔ میں منشیات کی سوداگری میں دولت کے انبار کما چکا تھا اور اب ماضی کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے پر تُلا ہوا تھا لیکن حالات میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے تصویر بھی کسی اور راستے سے اسی منزل پر پہنچا تھا جہاں حلال غائب اور حرام غالب تھا اور اسی حالت میں اپنے دردناک انجام کو پہنچ گیا تھا۔ اور میں بے بسی کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ نہ اپنے دشمنوں پر ہاتھ ڈالنے کے قابل تھا، نہ تصویر کے قاتلوں تک رسائی تھی۔ بڑا بھائی مارا جا چکا تھا اور مجھے یہ تک یقین نہیں تھا کہ میں اسے اپنے ہاتھوں سے مٹی دے سکوں گا۔

بوجھل دل میں آگ سی بھڑکتی رہی اور آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔ بڑی ماں نے مجھے اور میری ماں کو بے گھر کیا تھا اور اب آخری عمر میں ان کی مٹی خراب ہوتی نظر آ رہی تھی کیونکہ لائیڈز کالج ان کا اپنا گھر نہیں تھا۔ وہ وہاں ایک مجرم کی ماں کی حیثیت سے رہ رہی تھیں۔ مجرم مارا جا چکا تھا اور اسے جنم دینے والی پر زمین و آسمان تنگ ہونے کی باری آنے والی تھی۔

مکافاتِ عمل۔ میرے ذہن میں ایک خیال اُبھرا اور میں کانپ کر رہ گیا، میرے دل میں بڑی ماں کے لیے عزت تھی، میں ان کا احترام کرتا تھا لیکن اچھے اور بُرے اعمال ہمیشہ ایک حسابی مساوات کی طرح ہوتے ہیں جسے آدمی اپنے لیے، خود مکمل نہیں کر سکتا لیکن دوسروں کے لیے یہ فعل بہت آسان ہوتا ہے۔ زبانِ خلق ہر موڑ پر وہی کچھ کہتی ہے جو مکافاتِ عمل کا تقاضا ہوتا ہے۔

میں بوجھل دل کے ساتھ کافی دیر تک یوں ہی بستر پر پڑا رہا پھر شاید آنسوؤں کی برسات سے دل میں بھڑکتی ہوئی جذبات کی آگ کچھ سرد ہوئی تو میں نے محسوس کیا کہ میں اپنا وقت ضائع کر رہا تھا۔ اس وقت لوہا گرم تھا اور میری لگائی ہوئی کوئی بھی ضرب خاصے اچھے نتائج فراہم کر سکتی تھی۔

"شوگر کنگ کالنگ فار ایس او... اوور" میں نے ٹرانسپورٹر آن کر کے مضبوط لہجے میں پیغام نشر کیا۔

"ایس۔ او ریسیونگ!" دوسری طرف سے محض چند ثانیوں کے توقف کے بعد متجسسانہ آواز اُبھری! "تم اپنے نام سے کیوں نہیں کال کرتے؟ اب تم میرے لیے اجنبی تو نہیں رہے ہو؟ اوور!"

"لوگ برسوں ساتھ رہ کر بھی اجنبیوں کی طرح زندگی گزار دیتے ہیں پھر میری اور تمھاری آشنائی تو بہت مختصر سی ہے.... اسی لیے تم سے تمھارے حوالوں سے بات کرنا اچھا لگتا ہے... اوور!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"جلی کٹی باتیں کر رہے ہو۔ خیر یہ بتاؤ کہ رقم مل گئی تمہیں؟ اوور!"

"نہ ملی ہوتی تو تم سے پہلی شکایت اسی بارے میں کرتا۔ کیا تمہارے آدمی نے واپس آکر تمہیں رپورٹ نہیں دی؟... اوور!"

"میرا آدمی ابھی تک نہیں لوٹا۔ رقم گن لی ہے تم نے؟ اوور!" وہ کوشش کے باوجود اپنے لہجے میں دبا ہوا اشتیاق پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ رقم کی گنتی کے بارے میں اس کے سوال سے ظاہر تھا کہ اسے میرے زندہ رہنے پر حیرت تھی۔ اصولاً تو یہی ہونا چاہیے تھا کہ میں بریف کیس وصول کرنے کے بعد رقم گننے کے لیے بریف کیس کھولنے کی کوشش کرتا اور مہلک دھماکے کا شکار ہو جاتا لیکن میں نہ صرف زندہ تھا بلکہ اس سے بات بھی کر رہا تھا۔

میں نے اچانک قلابازی کھانے کا فیصلہ کر لیا اور غصیلے لہجے میں بولا۔ "اپنے بدنیت آدمی کو تلاش کرو طفیل خان! مقررہ مقام پر میں تین سے چار بجے تک انتظار کرتا رہا لیکن نیلی ٹوپی کہیں نظر نہ آسکی۔ اس کے برعکس پانچ آدمیوں نے مجھے وہاں گھیرنے کی کوشش کی تھی اور اب کہیں پڑے اپنے زخموں کو چاٹ رہے ہوں گے۔ یہ یاد رکھو کہ اس طرح دھوکا دے کر تم مجھے اپنے راستے سے نہ ہٹا سکو گے۔ میں اب کسی جونک کی طرح تمہارے اور لائیڈز کا ٹیج کے پیچھے لگ گیا ہوں۔ اوور!"

"تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔" اس کی آواز سے بوکھلاہٹ ہویدا ہونے لگی۔ "وہ ایسا آدمی نہیں تھا، اسے ہر قیمت پر مقررہ وقت پر تم تک پہنچنا چاہیے تھا۔ اوور!"

"شاید پہنچا ہی ہو لیکن میں اسے نہ پہچان سکا کیونکہ ان میں سے کسی کے سر پر نیلی ٹوپی نہیں تھی، ہاں وہ مسلح ضرور تھے۔ مجھ سے ذرا بھی غفلت یا اندازے کی غلطی سرزد ہوتی تو وہ مجھے مار ہی ڈالتے۔ اوور!"

"میں نہیں مان سکتا۔" اس کی ہذیانی آواز سنائی دی۔ "وہ میرا خاص آدمی تھا، برسوں سے میرے لیے کام کر رہا تھا.... اوور!"

"یہ غلط فہمی ہے تمہاری۔ تمہارے لیے نہیں، وہ اس معقول معاوضے کے لیے کام کر رہا تھا جو تم اسے ادا کر رہے تھے لیکن تیس لاکھ نیت بگاڑنے کے لیے بہت بڑی رقم ہوتی ہے۔ اگر انہوں نے برابر کا حصہ بھی رکھا ہو تو اس وقت ان میں سے ہر ایک چھ لاکھ کا مالک بن چکا ہوگا اور تم بیٹھے اپنا خون سلگا رہے ہو..... اوور!"

"اگر اس نے دغا کی ہے تو وہ پاتال میں بھی نہ بچ سکے گا۔" اس نے اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو پا لیا تھا اور اب اس کی آواز پُرسکون ہو چکی تھی۔ "اسے تو میں نے رقم کی ہوا بھی نہ لگنے دی تھی بلکہ یہ بتایا تھا کہ بریف کیس میں ردی کاغذوں کی گڈیاں بھری ہوئی ہیں اور جوں ہی اس کے قفل کا میکینزم حرکت میں لایا جائے گا پورا بریف کیس زبردست بارودی دھماکے سے پھٹ کر کھولنے والے کے چیتھڑے اڑا ڈالے گا۔ ایسی صورت میں وہ بریف کیس پر قبضے کا تصور تک نہ کر سکتا تھا۔ اوور!"

"تو کیا تم نے مجھے ردی کاغذات میں بارودی ذخیرہ لپیٹ کر بھیجا تھا؟ اوور!" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا اور وہ اپنی دکھتی رگ پر ہاتھ پڑتے ہی تلملا اٹھا۔

"عجیب کند ذہن ہو تم۔ بتا رہا ہوں کہ اسے محض کسی امکانی بے ایمانی سے روکنے کے لیے میں نے اسے ردی کاغذات اور بارود کی کہانی سنائی تھی ــــ ورنہ اس میں رقم ہی موجود تھی۔ اوور!"

"اس کا مطلب ہوا کہ تمہیں پہلے سے اس کی نیت پر شبہ تھا، پھر تم نے یہ کام اسے کیوں سونپا تھا؟ اوور!"

"میرے ساتھ وکیلوں کی طرح جرح مت کرو۔" اس کی چڑچڑی آواز سنائی دی۔ "یہاں رقم سمیت آدمی لاپتا ہے اور تم لکیروں کو پیٹ رہے ہو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اپنے کس آدمی سے میں کیا کام لے سکتا ہوں ــــ اوور!"

"جہنم میں جائے تمہارا آدمی۔" میں نے بھی غصیلے لہجے میں جواب دیا۔ "وہ سب تمہارا دردِ سر تھا لیکن کان کھول کر سن لو کہ مجھے اس کہانی پر یقین نہیں آیا ہے۔ میری دانست میں تم سنگین وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے ہو۔ تمہارے آدمی مجھے مار ڈالتے تو تمہاری جان چھوٹ جاتی، میں بچ نکلا تو تم مجھے ایک کہانی سنا کر بہلا رہے ہو۔ مجھے مقررہ وقت پر رقم نہیں ملی ہے۔ لہٰذا اب میرا جو دل چاہے گا کر گزروں گا اور اب تمہاری ذات میرا پہلا نشانہ ہوگی ــــ اوور!"

"جو چاہو کرتے رہو۔" اس نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔ "تیس لاکھ گنوا دینے کے بعد میں فوری طور پر دوبارہ اتنی بڑی رقم جمع نہیں کر سکتا۔ ضرورت محسوس ہوئی تو ہم بعد میں کوئی سودا کریں گے ــــ اوور!"

"فی الحال تو مجھے کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ تم لوگوں نے بھوکے بھیڑیوں کی طرح خود ہی ایک دوسرے کو نوچنا شروع کر دیا ہے۔ یہ سلسلہ رُکے گا تو کچھ سوچوں گا۔ اوور!"

"کس واقعے کی طرف اشارہ کر رہے ہو؟ اوور!" اس کی طنزیہ آواز ابھری۔

"آج صبح ایک ہوٹل میں تمہارا اسٹیٹ منیجر ہلاک کر دیا گیا ہے اور قاتل تمہاری ہی صفوں کا آدمی ہے ــــ اوور!"

"لائیڈز کالج میں شروع سے آج تک کبھی کوئی اسٹیٹ منیجر ہی نہیں رہا۔ تم نجانے کس کی بات کر رہے ہو؟ اوور!" اس بار اس کا لہجہ مضحکانہ ہو گیا تھا۔

"تمہارا حافظہ خراب ہو گیا ہے تو پولیس لائیڈز کالج کے دوسرے ملازمین سے اگلوا لے گی ۔۔۔ اوور!"

ریسیور پر اس کا تلخ قہقہہ سنائی دیا "مشاہرے فراخ دلی کے ساتھ ادا کیے جائیں تو ملازمین اپنی عقلوں کے بجائے احکام کے مطابق سوچتے اور عمل کرتے ہیں۔ پولیس کو ضرور بھیجو، بے نیل و مرام ہی واپس جائے گی، کسی نے زیادہ ذہانت دکھانے کی کوشش کی تو عدالت میں ازالۂ حیثیتِ عرفی کے یادگار مقدمے کا سامنا کرتا نظر آئے گا ۔۔۔ اوور!"

"تم سب کے منہ بند کر سکتے ہو لیکن اسٹیٹ منیجر کی ماں تمہارے ہاتھوں نہیں بک سکے گی۔" میں نے شکست اور جھلاہٹ کے عالم میں کہا۔ "لاش کی شناخت کے بعد وہ تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے گی ۔۔۔ اوور!"

"تمہیں جو کرنا ہے کر کے دیکھ لو۔" اس بار اس کا لہجہ بالکل ہی رُوکھا تھا۔ "لائیڈز کالج کوئی محتاج خانہ نہیں ہے جہاں ملازمین کے معذور اور ازکار رفتہ لواحقین کی پرورش کی جاتی ہو۔ یہاں صرف اور صرف صحت مند ملازمین ہی رہتے ہیں کسی بوڑھی عورت کا وجود تم خوردبین سے بھی ثابت نہ کر سکو گے۔ اوور اینڈ آل۔"

بڑی ماں! میرے وجود کی گہرائیوں میں ایک کربناک اور بے آواز چیخ ابھری اور میں نے آپریٹس ایک طرف پھینک دیا۔ نہ جانے ان سنگ دل بھیڑیوں نے تصویر کے قتل کے بعد بڑی ماں کا کیا حشر کیا تھا اور وہ کہاں تھیں؟

اس وقت ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کر کے میں طفیل کو الجھن اور پریشانی میں ڈالنا چاہ رہا تھا لیکن گفتگو کے آخری لمحات میں اس مردود نے مجھ پر بالادستی حاصل کر کے مجھے خلش سے دوچار کر دیا تھا، میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بڑی ماں کے بارے میں کس سے اور کیسے معلومات حاصل کروں؟

اسی اثنا میں معاً مجھے وہ فون نمبر یاد آیا جو میں نے رمضان چاچا سے حاصل کیا تھا، اس نمبر پر میں کئی بار تصویر سے گفتگو کر چکا تھا اور اس وقت میرے لیے اس نمبر سے رجوع کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہا تھا۔

میں فوراً ہی نیچے آیا اور پبلک بوتھ سے وہ نمبر ملانے لگا۔ سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے وہی شناسا نسوانی آواز سنائی دی تھی جس سے میں پہلے متعارف ہو چکا تھا۔

"تصویر علی صاحب سے بات ہو سکے گی؟" میں نے اس سے خلیقانہ لہجے میں سوال کیا۔

"یہاں تو کوئی تصویر علی صاحب نہیں ہوتے۔" اس جواب کے ساتھ ہی دوسری طرف سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا گیا۔

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ وہ لوگ منصوبہ بندی اور اس کے اطلاق میں قابلِ رشک حد تک منظم تھے مختصر سی مدت میں ہر شخص کو سمجھا دیا گیا تھا کہ اسے کیا کہنا اور کرنا ہے۔

میں نے دوبارہ وہی نمبر ملایا اور رابطہ قائم ہوتے ہی براہِ راست مطلب کی بات پر آگیا "میرا نام ڈینی ہے اور آج صبح آٹھ بجے اسی نمبر پر میری تم سے بات ہوئی تھی۔ اس وقت تک تم تصویر علی کی سیکرٹری تھیں اور تم نے اس سے میری بات کرائی تھی اور اب تم اس کے وجود ہی سے انکار کر رہی ہو!"

"تمہیں کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔" ٹھہرے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا گیا۔ "ڈینی اور تصویر دونوں نام میرے لیے اجنبی اور مضحکہ خیز ہیں۔ تصویر بے جان ہوتی ہے پھر یہ کسی جیتے جاگتے انسان کا نام کیسے ہو سکتا ہے؟"

"تو کیا وہ مر چکا ہے؟" میں نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

"زندہ یا مُردہ کا سوال تو اسی وقت پیدا ہوتا جب میں اس سے واقف ہوتی۔" اس کی آواز بدستور پُراعتماد تھی۔ "میں نے اس وقت تم سے پہلی بار اس کا نام سنا ہے۔"

"اور اس کی ماں کہاں ہے؟"

"دیکھو مسٹر ڈینی! شاید تمہارا ذہنی توازن کچھ بگڑا ہوا ہے۔" اس نے ٹھہرے ہوئے مگر تلخ لہجے میں کہا۔ "جب میں کسی تصویر سے ناواقف ہوں تو اس کی ماں کہاں سے پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ لائیڈز کالج ہے کوئی محتاج خانہ یا معذور گھر نہیں ہے جس کے اراکین خدمتِ خلق کے جذبے سے تمہاری بے سروپا باتوں کے جواب دیتے رہیں ۔۔۔ براہِ کرم اب مجھے تنگ نہ کرنا۔"

"پھر میری کسی ذمے دار آدمی سے بات کرا دو۔" میں نے عجلت کے ساتھ کہا۔

"ذمے دار تو میں بھی ہوں، لیکن ٹھہرو میں بات کراتی ہوں۔ شاید تم تیز و تند لہجے ہی کو ذمے داری کا مظہر سمجھتے ہو۔"

اس کی آواز معدوم ہو گئی لیکن رابطہ بحال تھا۔ شاید وہ سوئچ بورڈ پر کچھ کر رہی تھی۔

"ہیلو ۔۔۔ کیا مصیبت ہے؟" چند ثانیوں بعد ہی ریسیور پر ایک غراتی ہوئی، پھاڑ کھانے والی آواز سنائی دی تھی۔

”تم تصویر علی بابا اس کی ماں کے بارے میں کچھ بتا سکو گے؟“ میں نے اپنی طرف سے مصالحانہ رویّہ اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نرمی کے ساتھ سوال کیا۔

”ہمیں کچھ نہیں معلوم۔“ وہی درندگی سے بھرپور آواز ابھری۔ ”اگر تم نے تیسری بار فون کر کے ٹینا کو تنگ کیا تو میں نہیں تلاش کرکے تمہاری [illegible]“

”بہت [illegible] میں نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔ ”مگر بس اتنا ضرور بتا دو کہ تم کس نسل سے تمہارا تعلق ہے، کیوں کہ غرّانے میں خاصی مہارت رکھتے ہو، چہرہ بھی شاید ایسا ہی ہوگا۔“

میرے تبصرے نے شاید اس کے تن بدن میں آگ لگا دی کیوں کہ وہ گندی گندی گالیاں بکتے ہوئے اتنی قوت سے دہاڑنے لگا تھا کہ میں نے ریسیور کان سے ہٹا کر سلسلہ منقطع کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔

میں واپس اوپر لوٹ آیا اور سوٹ کیس میں سے اسکاچ کی سربند بوتل نکال کر دل بہلانے میں مصروف ہو گیا کیوں کہ اس وقت میرے پاس کرنے کے لیے کچھ اور نہیں رہا تھا۔

ساڑھے سات بجے کے قریب سلطان شاہ واپس آیا تو مجھ پر ہلکا سا خمار طاری ہو چلا تھا۔ اس کے بُشرے سے بھی کوئی امید افزا علامات ظاہر نہیں ہو رہی تھیں۔

”کیا کر آئے؟ کچھ تھکے ہوئے نظر آ رہے ہو؟“ میں نے اس سے سوال کیا۔

”میں نے آج پہلی بار تمہاری آواز پر شراب نوشی کا اثر محسوس کیا ہے۔“ اس نے لیٹر والی آدھی بوتل کا جائزہ لیتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ ”کوئی اتنی بڑی مصیبت تو نہیں نازل ہوئی تھی تم پر۔ تصویر تمہارا سوتیلا بھائی ضرور تھا لیکن اس رشتے پر تمہیں کبھی بھی فخر نہیں رہا۔ ہمیشہ وہ تمہارے اور تم اس کے پیچھے لگے رہے۔ پھر اب اس کی موت پر اس قدر غمگین کیوں ہو؟“

”بات اس کے قتل تک محدود رہتی تو اتنا دکھ نہ ہوتا۔ ایڈز کالج والوں نے بڑی ماں کو بھی غائب کر دیا ہے۔ ان سے کچھ بعید نہیں کہ انھوں نے اس بوڑھی عورت کو اپنے لیے بوجھ سمجھتے ہوئے ذبح نہ کر دیا ہو۔“

”بُرا نہ مانو تو مجھے کہنے دو کہ وقت بڑا سفاک اور سنگدل ہوتا ہے۔“ اس نے اداس لہجے میں کہا۔ ”تم تو سدا سے بڑی ماں کا احترام کرتے آئے ہو، لیکن اپنی ماں کے ساتھ اس عورت کے ظلم کی کہانیاں تم ہی نے مجھے سنائی تھیں۔ شاید تمہاری سگی ماں نے مرتے دم تک بڑی ماں کو معاف نہیں کیا تھا اور آج اُسی دکھی دل کی فریادیں رنگ دکھا رہی ہیں۔“

”پرانے زخموں کو نہ کریدو سلطان شاہ۔“ میں گلاس میں بچا ہوا سیال ایک بڑے گھونٹ میں خالی کرتے ہوئے تیز لہجے میں بولا۔ ”یہ بتاؤ کہ تم کیا کر آئے ہو؟“

وہ سامنے بیٹھا ہمدردانہ نظروں سے مجھے نیا گلاس تیار کرتے دیکھتا رہا، پھر خود کلامی کے انداز میں بولا۔ ”فلموں میں بہت دیکھا ہے۔ گوئیے ناپ کر بہت تھوڑی مقدار لیتے ہیں مگر تم تو آدھا گلاس بھر لیتے ہو۔ کیا اتنی تیز تمہارا سینہ نہیں جلاتی؟“

”ہم دل جلانے کو پیتے ہیں اور وہ دل بہلانے کو۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”دیوانگی میں ہر کام یوں ہی بے تول ہوتا ہے۔ ناپ ناپ کر لینا ان ہی فرزانوں کا کام ہے... تم بتاتے کیوں نہیں کہ کیا کر آئے؟“

”تصویر کی لاش کا کوئی دعویدار ابھی تک سامنے نہیں آیا ہے۔“ اس نے [illegible] کیا۔ ”اس کی مفرورانہ حیثیت کے پیش نظر فوراً ہی پوسٹ مارٹم کرا لیا گیا تھا لیکن لاوارث لاش ابھی تک مُردہ گھر میں پڑی ہے۔ آثار کچھ یہی ہیں کہ کوئی سامنے نہیں آئے گا اور وہ سرکاری خرچ پر دفنا دیا جائے گا۔“

”یہ کس بنیاد پر کہہ رہے ہو۔ ابھی تو اس کے قتل کو پورا دن بھی نہیں گزرا ہے؟“

”مرنے والے کے پاس سے ایسی کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی جس سے اس کی شناخت ہو سکے۔ ہوٹل کا عملہ بھی بس اس کا مخفف نام ہی بتا سکا کیوں کہ وہ اکثر وہاں آتا رہتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ پارکنگ لاٹ سے اس کی گاڑی غائب تھی اور وہاں اس کے ڈرائیور کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ وہ بھی اسی زہر کا شکار ہوا ہے۔ کار کا نمبر ہوٹل میں کسی کو بھی یاد نہیں۔ ان حالات میں تم اس کے سوا اور کیا کہہ سکو گے کہ قاتل نے شناخت مٹانے کی پوری کوشش کی ہے۔ ٹی۔ اے ملک کے نام سے ورم آلود نیلے چہرے کی بگڑی ہوئی تصویر دیکھ کر تو تم بھی اسے تصویر کی حیثیت سے شناخت نہ کر سکو گے۔“

”تمہارا اندازہ سو فیصدی درست ہے۔“ میں نے گلاس سے اپنے لبوں کو تر کرتے ہوئے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ ”لائیڈز کالج میں اب کوئی تصویر یا اس کی ماں کو نہیں جانتا۔ انہوں نے دونوں سے لاتعلقی اختیار کر لی ہے۔“

پھر میں اُسے طفیل، ٹینا اور کریہہ آواز والے سے گفتگو کی تفصیلات سنانے لگا۔

"سب راستے بند ہو گئے۔" وہ میری کہانی سُن کر مایوسانہ لہجے میں بولا۔ "باہر جتنے محاذ تھے، ایک ایک کر کے تباہ ہو گئے اور اب جو لوگ نگاہوں میں ہیں، وہ سب لائبڈز کالج کے مضبوط حصار میں محفوظ ہیں جہاں گھسنا تو شاید اتنا دشوار نہ ہو لیکن باہر نکلنا ناممکنات میں سے نظر آتا ہے۔"

اچانک کمرے میں ایک نامانوس سی غیر ملکی آواز سنائی دی اور میں چونک پڑا۔ سُلطان شاہ اپنی جگہ سے اُچھل کر کھڑا ہو گیا اور میری مسہری پر پڑے ہوئے آپریٹس کو گھورنے لگا جسے طفیل سے ناکام مذاکرات کے بعد میں نے آف کیے بغیر وہاں پھینک دیا تھا۔ وہ آواز اسی کے اسپیکر سے اُبھر رہی تھی۔ سلطان شاہ نے جھپٹ کر آپریٹس کا ریسیونگ والیوم بڑھا دیا اور آواز واضح ہو گئی۔

ابتدا میں وہ آواز نامانوس محسوس ہوئی تھی لیکن پھر مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ وہی غیر ملکی تھا جس کی آواز ہم ٹرانسمیٹر پر پہلے بھی سُن چکے تھے۔ وہ اس وقت بھی وہی پرانا پیغام دُہرا رہا تھا جو شاید کوئی شناختی کوڈ تھا۔

"ٹیبل ٹاک... تھری کلاک... ڈیڈلی راک... شوگر کوئین... اوور!" وہ مشینی آواز وقفوں کے ساتھ مسلسل وہی پیغام دُہرائے جا رہی تھی۔

چار پانچ مرتبہ کال دُہرانے کے بعد بھی دوسری طرف سناٹا چھایا رہا اور میرے ذہن میں یکے بعد دیگرے اُبال سے آتے رہے۔

"میری آواز کیسی ہے؟" اچانک میں نے بدلی ہوئی آواز میں سلطان شاہ سے سوال کیا اور وہ یوں بھڑکا جیسے کمرے میں اچانک کوئی جن گھس آیا ہو۔ اس سے پہلے اس کی پوری توجہ آپریٹس پر مرکوز تھی۔

مجھے نظر انداز کر کے اس نے متوحش نظروں سے پورے کمرے کا جائزہ لیا، پھر چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان بولا۔ "یہ نسوانی آواز کہاں سے آئی تھی؟ تم نے بھی سنی تھی نا؟"

میرے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ آپریٹس پر کال ایک بار پھر نشر ہو رہی تھی۔ میں نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے اسی بدلی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم نے جواب نہیں دیا میری بات کا۔"

اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"اوہ خدا! تو یہ تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے، میری تو جان ہی نکل گئی تھی کہ بند کمرے میں عورت کہاں سے گھس آئی ہے؟"

"مذاق نہیں، میں اُس سے اسی آواز میں بات کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" میں نے بدستور نسوانی آواز میں کہا۔ "شاید شوگر کوئین کا آپریٹس آف ہے یا وہ غیر حاضر ہے۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں، مردانہ آواز میں بولا تو کوئی بھی شبہات کا شکار ہو سکتا ہے۔"

"ضرور کوشش کرو۔" وہ بے ساختہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی عمدہ آواز بدل سکتے ہو۔"

میں نے مسہری پر سے آپریٹس اٹھا لیا۔ اس بار خاصے طویل سناٹے کے بعد کال دہرائی گئی تھی۔ دوسری طرف سے لائن اوور ہوتے ہی میں نے ٹرانسمیٹنگ بٹن دبا کر نسوانی آواز اور غیر ملکی لب و لہجے میں انگریزی بولنا شروع کر دی۔

"شوگر کوئین باہر مصروف ہے۔ اس کی ہدایت ہے کہ پیغام مجھے نوٹ کرا دیا جائے... اوور!" سلطان شاہ کسی احمق کی طرح منہ پھاڑے، پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم کوڈ ورڈز میں بات نہیں کر سکتیں؟ اوور!" مردانہ آواز نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

"یہ سوال میرے بجائے تمہیں مادام سے کرنا چاہیے کہ مجھے کوڈ کیوں نہیں سکھایا گیا... اوور!" میں نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ، تو بے بی! ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔" میرا تُرش لہجہ سُن کر مرد کا غصہ فوراً ہی کافور ہو گیا۔ "پیغام بہت اہم ہے، میں کھلے الفاظ میں نہیں دُہرا سکتا۔ شوگر کوئین جب بھی لوٹے، اس سے میری بات کرا دینا — اوور۔"

"ضرور کرا دوں گی — لیکن تمہاری کوئی شناخت بھی ہو گی — اوور۔" میں نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرا کوڈ اولڈ ڈارلنگ ہے — اوور!" جلدی سے کہا گیا۔

"اور اگر مادام رات بھر واپس نہ آئیں؟ اوور!" میں نے سلطان شاہ کو آنکھ سے اشارہ کر کے سوال کیا۔

"اوہ — یہ بہت ضروری ہے — بہت اہم ہے۔" اس کی مضطربانہ آواز اُبھری۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ وہ اس وقت کہاں مل سکے گی؟ اوور!"

"معلوم ہے لیکن بتا نہیں سکتی — اوور!" سلطان شاہ سپاٹ چہرے کے ساتھ احمقانہ انداز میں منہ چلانے

بھڑا تھا۔

"پھر کام بن گیا ـــ مائی بے بی! اس سے کہو کہ فوراً مجھے فون کر لے... اوور!"

"و نمبر... اوور!"

اس نے ایک فون نمبر دُہرایا جو میرے اشارے پر سلطان شاہ نے پھرتی کے ساتھ نوٹ کر لیا۔ میں نے نمبر اُسے سنانے کے بعد اوور اینڈ آل کہہ کر سلسلہ ختم کر دیا لیکن آپریٹس بدستور آن رہنے دیا۔

"کیا بات ہوئی؟" گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوتے ہی سلطان شاہ نے سوال جڑ دیا، کیوں کہ شکستہ فقروں سے آگے اس کی انگریزی جواب دے جاتی تھی۔ "تمھیں ڈارلنگ کیوں کہہ رہا تھا؟"

میں اپنا گلا سہلاتے ہوئے بے اختیار ہنس پڑا۔ "وہ مجھے ڈارلنگ نہیں کہہ رہا تھا بلکہ اپنا کوڈ بتا رہا تھا۔" یہ کہہ کر میں نے اختصار کے ساتھ اسے پوری گفتگو کے خلاصے سے آگاہ کر دیا۔

"حیرت ہے کہ اس دوران میں کسی نے بھی دخل اندازی نہیں کی، یہ تو ہو نہیں سکتا کہ اس وقت ہمارے علاوہ باقی سارے ہی آپریٹس آف رہے ہوں۔" میرے خاموش ہونے پر اس نے رائے زنی کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی ہر آن دھڑکا لگا ہوا تھا کہ اور کسی نے نہیں تو کم از کم طفیل نے ضرور ساری گفتگو سنی ہوگی، لیکن دخل انداز ہونے کی ہمت نہ کر سکا۔ شاید اس کے لیے شوگر کوئین اور اولڈ ڈارلنگ کا منصب خاصا بلند ہے۔ اب اس سے پہلے کہ ہماری اس دخل اندازی کا بھانڈا پھوٹے، ہمیں فون نمبر سے اولڈ ڈارلنگ کے ٹھکانے کا پتا لگانا ہے ورنہ وہ بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"تم جاؤ، میں یہیں بیٹھا ہوں۔" اس نے کہا۔

"تمھیں جانا ہوگا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اس دوران میں پھر گفتگو شروع ہو گئی تو تم کچھ نہ سمجھ سکو گے۔"

وہ ہنستا ہوا کمرے سے چلا گیا۔ اس کی تعلیم بس اسی حد تک تھی کہ انگریزی اچھی طرح پڑھ لیتا تھا، صاف لہجے میں بولے گئے عام فہم الفاظ کا مطلب سمجھ لیتا تھا، لیکن فقروں اور خصوصاً روانی میں بولے گئے فقروں سے مفہوم اخذ کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ انگریزی فلمیں بھی محض اپنے وسیع تجربے کی بنیاد پر ایکشن اور اداکاروں کے تاثرات کی بنا پر سمجھ لیتا تھا

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو خاصا مسرور تھا۔ رقعے پر لکھا ہوا پتا گلبرگ کے علاقے کی نشان دہی کر رہا تھا۔

"اب ایک مسئلہ پریشان کن ہوگا۔" میں نے کہا۔ "اس پتے پر پہنچنے تک میں آپریٹس آن رکھنا چاہتا ہوں تاکہ اس پر ہونے والی ہر گفتگو سے باخبر رہ سکوں۔ اگر یہ گفتگو ٹیکسی ہی میں شروع ہو گئی تو ڈرائیور ہماری طرف سے بھڑک جائے گا۔"

"مجھے اس دشواری کا اندازہ تھا۔" وہ ایک کار کی چابی جیب سے نکال کر چٹکی میں دباتے ہوئے بولا۔ "نیچے کاریں کرائے پر دینے والوں کا ایک گل وقتی کاؤنٹر موجود ہے، میں نے دو دن کے لیے گاڑی کرائے پر لے لی ہے جو باہر موجود ہے۔"

میں اپنے گلاس میں رہا سہا سیال معدے میں انڈیل کر اس کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ کمرے سے نکلنے سے پہلے میں نے آپریٹس کا والیوم بہت کم کر دیا تھا اور اسے جیب میں ڈال لیا تھا۔

"ایک سفید کار بھی تھی مگر میں نے سرمئی کو ترجیح دی ہے۔" سلطان شاہ نے میرے لیے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"اندھیرے میں دور سے نظر بھی نہ آسکے گی۔"

"بشرطیکہ ہیڈ لیمپس روشن نہ ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور ہم دونوں نے اپنی نشستیں سنبھال لیں۔

"تمھارے سانسوں سے شراب کی تیز بُو آ رہی ہے۔" سلطان شاہ نے انجن اسٹارٹ کر کے کار سڑک کی راہ پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "راستے میں کسی نے روک لیا تو دشواری میں پڑ سکتے ہیں۔"

"کہیں سے ایک خوشبو والا پان لے لینا۔"

"کیا اب اس غیر ملکی کو بھی چھاپنے کا ارادہ ہے؟" کچھ دیر کے بعد اس نے سوال کیا۔

"یہ حماقت کے مترادف ہوگا ـــ یہ پہلا غیر ملکی نظروں میں آیا ہے۔ اس کے سہارے ہم یقیناً دیرا لائیڈ یا کسی اور اہم شخصیت تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔"

"اس سے زیادہ صبر آزما کام روئے زمین پر محال ہے، چھپے بیٹھے رہو اور بس انتظار کرتے رہو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اسی کی رگڑائی کر کے سب کچھ اگلوا لیا جائے؟"

"بے سود ہوگا ـــ اس سے تعلق رکھنے والوں کو جوں ہی

اس کی رگشائی کا علم ہوگا، سب اپنے ٹھکانے چھوڑ کر روپوش ہوجائیں گے اور ہم خلا میں ہاتھ پیر مارتے رہ جائیں گے، میری بات لکھ کر رکھ لو کر شوگر کوئین سے رابطہ قائم ہونے کے بعد تمہارے اولڈ ڈارلنگ کو جوں ہی حقیقت کا علم ہوگا، وہ بھی کسی خارش زدہ چوہے کی طرح اپنے گلبرگ کے ٹھکانے سے نکل بھاگے گا۔"

کار چونکہ اب اپنی ہی تھی لہٰذا میں نے آپریٹس کا والیوم بڑھا دیا۔

مال روڈ سے کنال بنک روڈ پر مڑنے کے بعد جب ہم گلبرگ روڈ کے مقام اتصال پر پہنچے تو اچانک ہی آپریٹس پر وہی مردانہ آواز سنائی دینے لگی۔ اس بار بھی وہ شوگر کوئین سے رابطہ قائم کرنے کے لیے بے چین تھا۔

میرے ایما پر سلطان شاہ نے کار بائیں طرف گلبرگ روڈ پر گھما کر رفتار تیز کر دی۔ پھر ہم خیابانِ اقبال پر مڑ گئے جہاں آگے چل کر گلبرگ مین مارکیٹ کے بارونق علاقے میں کسی سے صحیح رہنمائی حاصل کی جاسکتی تھی۔

اس نے یکے بعد دیگرے تین بار شوگر کوئین کے لیے پیغام نشر کیا لیکن دوسری جانب سناٹا چھایا رہا، آخر اس کے ہاتھ سے صبر کا دامن جاتا رہا اور وہ کسی سے بھی بات کرنے پر تل گیا۔

"اِٹ از اولڈ ڈارلنگ آن دی لائن — جو بھی میری آواز سن رہا ہو، جواب دے — یہ بہت اہم ہے... اوور"۔ اس بار وہ کوڈ ورڈز کے بجائے انگریزی میں بولا تھا اور یہ نکتہ میرے لیے خیال انگیز تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ تنظیم میں شوگر کوئین اور اولڈ ڈارلنگ کے علاوہ دوسرے لوگ کوڈ ورڈز کے نظام سے نابلد تھے۔

"ایس۔ او فرام لائیڈز کاٹج ریسیونگ سر! اوور۔" دوسری سمت سے طفیل کی مؤدبانہ آواز سن کر میرا دل خوش ہوگیا۔

"شوگر کوئین کہاں لاپتا ہے اور وہ دوسری لڑکی بھی نجانے کہاں جامری ہے... وہ کہاں مل سکے گی؟ اوور۔"

"اس سے آپ کی تمام گفتگو میں نے سنی تھی سر! میرے لیے وہ نئی آواز تھی.... ہوسکتا ہے کہ مادام نے اُسے حال ہی میں رکھا ہو، میں اس کے ٹھکانے سے لاعلم ہوں۔ اوور"۔ طفیل کی آواز پر یتیمی سی طاری ہوگئی تھی۔

"وہ جانتی ہے کہ شوگر کوئین کہاں ہے، لیکن بتانے پر آمادہ نہیں تھی — تم فوراً میرے پاس چلے آؤ۔ اوور۔"

"پتا بتا دیں، میں ابھی پہنچتا ہوں سر... اوور۔" طفیل نے سلا سوال کر کے میرا دل باغ باغ کر دیا۔

اولڈ ڈارلنگ نے اپنا پتا بتا کر گفتگو ختم کر دی۔

"خدا بڑا مہربان ہے۔" آپریٹس کے خاموش ہوتے ہی سلطان شاہ درویشانہ انداز میں بڑبڑایا۔

"صرف اس لیے کہ تمہارے حاصل کیے ہوئے کی تصدیق ہوگئی؟" میں نے اُسے چھیڑا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس وقت میرے ذہن پر سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔

"بلکہ اس لیے کہ اللہ نے دونوں کے لیے کام پیدا کر دیا۔ تم گورے کی نگرانی کرنا، میں طفیل کو اس تک پہنچنے سے پہلے اٹھا لوں گا۔ بڑی حسرت ہے مجھے اس کے دیدار کی۔"

"میرے نزدیک اس وقت طفیل کا اغوا سب سے اہم ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ تم اُسے کہاں رکھو گے؟" میں نے تشویش زدہ لہجے میں سوال کیا۔ "وہ آسانی سے ہار ماننے والوں میں نہیں ہے، تمہاری کمزوری بھانپتے ہی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا۔"

"تم میرے اُن دوستوں کو بھول رہے ہو جنھوں نے مجھے اسلحہ اور چوری کی ایک کار پچھلے چکر میں فراہم کی تھی، ایک تو کیا، دس طفیل بھی ان کی تحویل سے نہیں بھاگ سکیں گے جگہ کا مسئلہ تمہارے لیے ہوسکتا تھا، اسی لیے میں نے یہ ذمہ اپنے سر لیا ہے۔"

مین مارکیٹ سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ہمارا مطلوبہ مکان اسی علاقے میں قدرے اندر واقع تھا۔ بتائے ہوئے راستوں کو اختیار کرتے ہوئے ذرا ہی دیر میں ہم درختوں کے سائے میں گھرے جدید طرز کے اس مکان کے سامنے پہنچ گئے جہاں پلاسٹک کی ایک روشن، دیوارگیر پلیٹ پر جارج سالومن کے نام کے نیچے مطلوبہ نمبر لکھا ہوا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ وہ علاقہ آمد و رفت کے اعتبار سے سنسان نظر آ رہا تھا۔ مکان بھی وسیع احاطوں میں ایک دوسرے سے اتنے فاصلے پر تعمیر کیے گئے تھے کہ ہر مکان اپنی جگہ سراپا خلوت تھا۔

اس گلی کا ایک چکر کاٹنے کے بعد ہم نے متفقہ طور پر یہ تعین کر لیا کہ طفیل، جارج سالومن کے مکان تک پہنچنے کے لیے وہی راستہ اختیار کرے گا جو ہم نے اپنایا تھا — خیابانِ اقبال سے وہاں پہنچنے کے لیے بس وہی ایک راستہ

تھا۔ ہمارے اندازے کی غلطی کی بس یہی ایک صورت ہو سکتی تھی کہ طفیل گلیوں میں بھٹکتا ہوا ادھر آ نکلے۔
میں اسی گلی میں کار سے اتر گیا اور سلطان شاہ سرمئی کرولا اسی سمت میں لے گیا جدھر سے طفیل کے آنے کا امکان تھا۔ معاً مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا اور میں نے کار کے پیچھے تقریباً دوڑ لگا دی۔
سلطان شاہ نے گاڑی نکڑ سے گھومنے کے بعد روک لی تھی۔ مجھے اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ کچھ پریشان سا ہو گیا۔
"گاڑی تم لیے جا رہے ہو، اگر وہ نکل ہی کھڑا ہوا تو میں اس کا پیچھا کیسے کر سکوں گا؟" میں نے قریب پہنچ کر سوال کیا۔
"مجھے خیال آیا تھا لیکن مجبوری کے تحت خاموش رہا۔ میں بھی تو اُسے کندھے پر لاد کر نہیں لے جا سکتا۔" وہ شرمندہ نظر آنے لگا تھا۔
"وہ بھی پیدل تو نہیں آئے گا۔ اسے گاڑی سے اترنے کی مہلت ہی نہ ... وہی کار تمہارے کام آئے گی، یہ میرے پاس رہ جائے گی۔"
"بعض اوقات سامنے کی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔" وہ ڈرائیونگ سیٹ سے اترتے ہوئے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا۔ "تو بس تم جاؤ، کہیں وہ نکل نہ جائے۔"
"وہ پہلی تھی اور یہ دوسری سامنے کی بات ہے۔" میں بلاوجہ ہی ہنس پڑا۔
"اب کیا ہو گیا؟" اُس نے حیرانگی کے عالم میں سوال کیا۔
"طفیل سے نمٹنے کے بعد ہی میرا کام شروع ہو گا۔ اس کی اور طفیل کی گفتگو ہم نے خود سنی ہے، وہ گھر ہی میں رک کر طفیل کا انتظار کرے گا۔ اس سے پہلے کہیں نہیں جائے گا ہاں یہ دھیان رکھنا کہ طفیل کے ساتھ بھی ٹرانسمیٹر ہو گا۔ اسے صحیح سالم حاصل کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔"
"سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قدر کند ذہن ہونے کے باوجود میں اب تک کیسے بچا ہوا ہوں۔" وہ جھلائے ہوئے انداز میں سر جھٹک کر بڑبڑایا۔
"اس طرح تو ہم دونوں ہی ہم عصر اور ہم پایہ ہیں۔"
"فرق ہے مجھ میں اور تم میں — تم اپنی غلطیوں کی اصلاح بھی خود ہی کر لیتے ہو، مجھے جب تک بتا یا نہ جائے یا ٹکر نہ ہو جائے، غلطی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ تمہاری جگہ میں ہوتا تو تمہارے پیچھے دوڑ لگانے کے بجائے کسی کونے کھدرے میں گھس کر باقاعدہ نگرانی کا آغاز کر چکا ہوتا جو طفیل کے آنے سے پہلے بالکل بے سود ہوتی۔"
"اگر طفیل کو تم اٹھا لے گئے تو وہ انتظار سے اکتا کر دوبارہ ٹرانسمیٹر لے بیٹھے گا ... میں سوچ رہا ہوں کہ اس کی نوبت ہی نہ آنے دوں۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔"
"میرا بھی یہی خیال ہے۔" اس نے تائید کی۔ "لیکن طفیل کو یہ اندازہ ضرور ہے کہ اولڈ ڈارلنگ ... سے برتر ہے۔"
"کیوں نہ میں طفیل بن کر اس سے جا ٹکراؤں؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا۔
وہ اُچھل پڑا۔ "بڑا انوکھا خیال ہے۔ ایک تیر میں دو شکار ہو جائیں گے۔"
میں نے اس کی خوشی پر پانی پھیرنا مناسب نہ سمجھا۔ اگر میں طفیل بن کر اولڈ ڈارلنگ سے مل لیتا تو میرا وہ منصوبہ دھرا رہ جاتا جو اس کو چارا بنا کر مزید معلومات حاصل کرنے کے بارے میں تھا لیکن اس سلسلے میں میرے ذہن میں ایک قابلِ عمل تجویز پہلے سے موجود تھی۔ لہٰذا میں خاموش ہی رہا۔
سلطان شاہ نے کسی بُری گھڑی کے لیے اپنا پستول بھی میرے حوالے کر دیا۔ اس کی دانست میں اسے کسی ہتھیار کی ضرورت نہیں تھی۔ اور پھر طفیل سے بھی کچھ اسلحہ برآمد ہونے کے قوی امکانات تھے۔
ہم دونوں وہیں کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ سامنے سے ایک گاڑی کی روشنیاں نمودار ہوئیں اور سلطان شاہ نیچے بیٹھ کر ٹائر کا جائزہ لینے لگا۔ میں سگریٹ سلگائے کسی فرعون صفت زردار کی طرح لاتعلقانہ انداز میں کھڑا رہا۔ میری پشت روشنی کی جانب تھی۔
گلیاں سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ لہٰذا میرا اندازہ بالکل درست نکلا اور آنے والی کار میرے قریب تھم گئی۔ اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی آگے گزر چکی تھی اور میں ایک مرتبہ پھر تاریکی میں تھا۔
سلطان شاہ بھی چونک کر یوں سیدھا ہوا جیسے اب تک اس کار کے وجود سے لاعلم رہا ہو۔ آنے والی کار میں صرف ایک شخص ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔ اس نے بڑے نرم لہجے میں جارج سالومن کے مکان کا پتا دُہرا کر اُس کا محلِ وقوع دریافت کیا اور میرے جواب دینے سے پہلے ہی سلطان شاہ نے پھرتی سے عقبی نشست پر سوار ہو کر پیچھے سے اس کا گلا دبوچ لیا۔ گاڑی کا انجن اسٹارٹ تھا اور گیئر بھی پڑا

ہوا تھا۔ اس ناگہانی گرفت سے بچنے کی جدوجہد میں سلطان شاہ
کے شکار کا پاؤں ایکسیلیٹر پر سے ہٹا ہوگا کہ گاڑی تیزی سے
آگے اُچھلی، انجن بند ہوا اور کار رُک گئی۔

میں اپنی جیب سے پستول نکال کر آگے لپکا اور
سلطان شاہ کی خوفناک گرفت میں غرّاہٹوں کے ساتھ
مچلتے ہوئے شخص کی داہنی کنپٹی پر پستول کے آہنی دستے سے
ضرب لگائی، فوراً ہی اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ ہم
دونوں نے حیرت ناک سُرعت کے ساتھ اسے بیار والی نشست
کے پائیدان پر لڑھکا دیا۔ اس کے جسم کا اوپری حصہ منہ کے
بل نشست پر ہی پڑا رہا۔

سلطان شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور انجن
اسٹارٹ کر کے آناً فاناً میں وہاں سے رفوچکر ہو گیا اور میں
آسودہ انداز میں سرمئی کرولا کی طرف ہو لیا۔

میں نے کار جارج سالومن کے مکان کے پھاٹک
کی طرف گھمائی تو ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی کے باعث پھاٹک
کے پیچھے کچھ تحریک نظر آئی اور پہلے ہی ہارن پر ذیلی کھڑکی کے
بجائے بڑا پھاٹک تھوڑا سا کھول دیا گیا۔ اس میں سے گزر
کر تندرست چوکیدار میری طرف آیا تھا۔

"طفیل!" میں نے کار کی کھڑکی میں سے سر نکال کر کہا
اور اس نے واپس لوٹ کر پھرتی کے ساتھ پھاٹک کھول دیا۔

میں نے کار آگے بڑھائی تو اس نے اپنا داہنا ہاتھ تعظیم
کے انداز میں پیشانی تک لے جاتے ہوئے مجھے کار آگے عمارت
تک بڑھا لے جانے کے لیے کہا اور میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے
ساتھ کار کی رفتار تیز کر دی۔

گاڑی پورچ کی طرف گھماتے ہوئے میں نے دور ہی سے
اس تنومند اور دراز قامت سفید فام کو دیکھ لیا جو بے چینی
کے ساتھ روشن برآمدے میں ٹہل رہا تھا۔

گاڑی رکتے ہی وہ برآمدے کی سیڑھیاں طے کر کے تیر
کی طرح میری طرف آیا تھا۔

"کہاں رہ گئے تھے؟" اس نے قریب آتے ہی ناخوشگوار
تحکمانہ لہجے میں دریافت کیا۔ اس کی انگریزی صاف ستھری تھی
لیکن لب و لہجہ انگریزوں جیسا نہیں تھا۔

اس نے جس اعتماد کے ساتھ مجھ سے وہ سوال کیا تھا اس
کی بنا پر میں نے دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیا کہ وہ
میرے اندازے کے مطابق طفیل کا صورت آشنا نہیں
تھا اور آواز پر شبہ کرنا تقریباً ناممکن تھا کیوں کہ میری اور
طفیل کی آواز میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ ویسے بھی آپریٹس
پر ریڈیائی شور کے باعث اصل آواز خاصی حد تک مسخ
ہو جاتی ہے۔

"میں نے فوراً ہی حکم کی تعمیل کی تھی سر۔" میں نے
کار سے اُترتے ہوئے مؤدبانہ انداز میں کہا۔ اس سے
مصافحے کے لیے میں پیش قدمی کرنے کے بجائے اس کی
پیش رفت کا منتظر رہا لیکن وہ ہاتھوں کو جنبش دیے بغیر
منہ بنائے کھڑا رہا۔ "مکان کی تلاش میں ضرور چند منٹ
ضائع ہوئے ہیں۔"

"چلے آؤ۔" اس نے تیزی سے مڑتے ہوئے کہا اور
سیڑھیاں عبور کر کے برآمدے سے گزرتا ہوا ایک دروازے
میں داخل ہو گیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کر ڈالی۔

وہ وسیع ڈرائنگ روم تھا جہاں نشستوں کی ترتیب
کچھ اس طرح تھی کہ ایک دوسرے کی مصروفیات میں مُخل ہوئے
بغیر بیک وقت کئی گروپ بیٹھ سکتے تھے۔ وہ قالین پر لمبے
لمبے ڈگ بھرتا ہوا ڈرائنگ روم کے دور افتادہ گوشے کی
طرف بڑھتا چلا گیا جہاں سینٹر ٹیبل پر آپریٹس سمیت کچھ کاغذات
وغیرہ پڑے ہوئے تھے۔

"میں سخت اُلجھن سے دوچار ہوں۔" اس نے وہاں
اپنی نشست سنبھالتے ہی مطلب کی بات چھیڑ دی۔

"مجھ سے جو کچھ ممکن ہوگا، کر گزروں گا۔" میں نے فدویانہ
انداز میں کہا۔

"مجھے جانے بوجھے بغیر! یہ شاید ہماری پہلی ملاقات
ہے۔" اس نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہوا کرے۔" میں نے اپنے انداز گفتگو میں مُبہم سی تبدیلی
لاتے ہوئے کہا۔ "میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میرا تم سے
آپریٹس پر رابطہ ہوا ہے، میں پہلے بھی تمہاری آواز سُنتا رہا
ہوں اور اب آپریٹس بھی یہاں پڑا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ اپنے
آدمی کی شناخت کے لیے یہ سب کافی سے زیادہ ہے۔"

"شوگر کوئین بتا رہی تھی کہ ایک آپریٹس تم لوگوں کے
ہاتھ سے نکل کر کسی غیر کے قبضے میں چلا گیا ہے؟" اس نے
پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن ہم اُسے اور اس کی آواز کو اچھی طرح
پہچانتے ہیں۔ شاید تم اسی لیے ہمیشہ کوڈ ورڈز استعمال کرتے
رہے ہو۔" میں نے بے چینی محسوس کرتے ہوئے کہا۔ مجھے فکر
لاحق ہونے لگی تھی کہ وہ اپنی کسی اہم پریشانی اور اُلجھن کو بھول
کر فضول باتوں میں وقت کیوں برباد کر رہا تھا۔

"یہاں کے لوگ میرے اندازے سے زیادہ چالاک
اور پھرتیلے ثابت ہوئے ہیں۔ آج لاہور میں میرا ایک آدمی

بٹھا گیا ہے۔ اس کی گاڑی میں تین کلو کے قریب براؤن شوگر چھپی ہوئی ہے۔" پھر وہ رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "اب سے چالیس منٹ پہلے تک وہ لوگ گاڑی سے مال برآمد نہیں کر سکے تھے، لیکن انہیں اپنی اطلاع پر اس قدر اندھا یقین ہے کہ وہ اسے چھوڑنے کے بجائے پُرتشدد باز پرس پر اُتر آئے ہیں۔"

"اگر وہ اسی قدر پُریقین ہیں تو مال ضرور برآمد کر لیں گے۔" میں نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔ "براؤن شوگر کہاں چھپائی گئی ہے؟"

وہ تحقیر آمیز انداز میں ہنسا۔ "انہیں دانتوں پسینے آجائیں گے۔ وہ یورپ سے بذریعہ کار یہاں آیا تھا اور اُس کی پٹرول کی ٹنکی میں ایک ایسی محفوظ تہ ہے جہاں اُس نے مال چھپایا ہوا ہے۔ انہیں اسی لیے ناکامی ہو رہی ہے کہ یہ کام ڈیوڈ نے کسی کو اعتماد میں لیے بغیر اپنے ہاتھوں سے انجام دیا تھا لیکن میں نے سنا ہے کہ یہاں تھرڈ ڈگری کے استعمال پر کوئی پابندی نہیں ہے، اگر اسے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا گیا تو وہ کب تک زبان بند رکھ سکے گا؟"

"اور اس کی رہائی تمہارے لیے بہت اہم ہے؟"

"دراصل وہ میرے ملک کا ایک اہم افسر ہے۔ مال برآمد نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک کسٹم انٹیلی جنس والوں نے اس کی گرفتاری کی خبر روکی ہوئی ہے، اگر اس خبر کی تشہیر ہو گئی تو وہ اور اس کا گھرانا برباد ہو جائے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں یہ کام سرانجام دے سکوں گا۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "لیکن اس کے لیے شوگر کوئین کی اجازت ضروری ہے۔"

"پھر وہی بات آگئی۔" وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں کہہ رہا ہوں کہ اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے تم معاملے کی نزاکت کو نہیں سمجھ رہے ہو۔ ڈیوڈ کسی زمانے میں یہاں اپنے ملک کے سفارت خانے میں بھی اہم عہدے پر فائز رہا ہے لیکن اس وقت نام تبدیل کر کے عام شہری کی حیثیت سے یہاں آیا ہے۔ اس کا جُرم ثابت ہوتے ہی مقامی حکام سفارت خانے سے رابطہ قائم کریں گے اور ڈیوڈ کی اصل شخصیت بے نقاب ہو جائے گی، اس کے لیے بدترین اور رسوا کن اسکینڈل ہو گا۔"

"شوگر کوئین اگر لاپتا ہے تو وہ لڑکی کہاں ہے جس نے مجھ سے گفتگو کی تھی؟" میں نے تشویش کا ڈھونگ رچاتے ہوئے کہا۔

"وہ بھی کہیں جا مری ہے... سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی بدنظمی میں یہاں کا نظام کیسے چل رہا ہے۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ آپریٹس آن رکھنا بھول گئی ہو یا سو ہی گئی ہو۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

"اگر تم شوگر کوئین کے ٹھکانے سے واقف ہو تو وہاں جا سکتے ہو۔ شوگر کوئین نہیں تو دوسری لڑکی ضرور مل جائے گی۔ شاید تمہیں ہماری مجبوریوں کا علم نہیں۔ اصولاً دیکھا جائے تو میں نے تم سے رجوع کر کے بھی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ تنظیم کا کوئی بڑا چاہے تو اس پر میری گرفت ہو سکتی ہے۔" میں نے محتاط انداز میں کہا۔

"بڑے... بڑے۔" وہ غصیلے انداز میں میز پر مُکا مار کر غرّایا۔ "تنظیم میں مَیں بھی اتنا بے حیثیت نہیں ہوں۔..." بولتے بولتے اچانک ہی اس نے سنبھالا لیا اور پُرسکون ہوتے ہوئے بولا۔ "اگر وہ لڑکی مل بھی گئی تو مجھے اس سے شوگر کوئین کا موجودہ ٹھکانا معلوم کر کے اس سے رجوع کرنا ہو گا۔ پھر وہ تم سے یا تمہارے کسی بڑے سے رابطہ قائم کرے گی... یہ بڑا لمبا چکر ہے اور میں اس شہر سے اتنا زیادہ واقف نہیں ہوں... وقت بچانے کے لیے تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔"

"شاید اس وقت تمہیں اندازہ نہیں رہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" میں نے اپنی خوشی کو چھپاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"جو کچھ کر رہا ہوں، اس کی جواب دہی میری ذمے داری ہے۔" اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی۔

میں بھی منہ لٹکائے مجبوری کے انداز میں اٹھ گیا۔

"ذرا ایک منٹ ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں۔" وہ یہ کہتے ہوئے تیزی کے ساتھ ڈرائنگ روم سے کسی اندرونی کمرے کی طرف چلا گیا۔

اولڈ ڈارلنگ کے کوڈ سے پہچانے جانے والے اس شخص کا نام نجانے جارج سالومن ہی تھا یا کچھ اور لیکن مجھے اس سے اس قدر عامیانہ رویّے کی اُمید نہیں تھی۔ اس سے ملنے کا فیصلہ کر کے میں نے اپنی دانست میں ایک بہت بڑا خطرہ مول لے لیا تھا لیکن اس سے ملنے کے بعد یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے اپنے کام سے زیادہ میرے مفاد کی فکر رہی ہو۔

شاید اس میں اس کا زیادہ قصور بھی نہیں تھا۔ وہ خود کچھ ایسے پیچیدہ حالات کا شکار ہوا تھا کہ اُسے

بوکھلا کر ایک ایسے آدمی کا تعاون حاصل کرنے پر مجبور ہونا پڑا تھا جسے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس طرح ایک طرف طفیل ہمارے ہاتھ آگیا تھا اور دوسری طرف میں طفیل کی جگہ اولڈ ڈارلنگ کے سینے سے معلومات اگلوائے جا رہا تھا۔

اس نے مجھے گھر کا بھیدی سمجھتے ہوئے ڈیوڈ کی ذات سے وابستہ ہر راز سے آگاہ کر دیا تھا اور اب مجھے شوگر کوئین کا ٹھکانا دکھانے پر تلا ہوا تھا۔ میں کسی بھی حالت میں اس اقدام کے ذریعے اتنی بڑی کامیابی کا تصور نہیں کر سکتا تھا

لیکن اس ضمن میں ابھی تک مجھے ایک ہی فکر لاحق رہی تھی کہ کہیں آپریٹس پر شوگر کوئین کی آواز نہ اُبھرنے لگے۔ ایسا ہوتا تو میرا سارا کھیل بگڑ سکتا تھا۔

لیکن وہ بہت ہی شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے وہاں مجھے اکیلا چھوڑ کر اس مسئلے سے نمٹنے کا موقع بھی فراہم کر دیا تھا۔ میں نے میز پر سے آپریٹس اٹھا کر آواز کم و بیش کرنے والی ناب گھما کر آپریٹس کو آف کر دیا۔ پھر اُسے مزید مروڑا تو اندر سے ہلکی سی آواز آئی جیسے کوئی پرزہ ٹوٹا ہو۔ میں نے فوراً ہی آپریٹس اس کی جگہ واپس رکھ دیا۔ اب اس کی ناب ناکارہ ہو چکی تھی جس کی مرمت کیے بغیر ٹرانسمیٹر کو آن کرنا ناممکن تھا۔

چند ثانیوں کے بعد وہ واپس آگیا۔ اس نے کچھ دیکھے بھالے بغیر بے پروائی کے ساتھ آپریٹس کو جیب میں ڈالا اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔ اس مُہم کے لیے اس نے میرے ساتھ چلنے کو ترجیح دی تھی۔

"اگر بُرا نہ مانو تو ڈرائیونگ تم ہی کر لو۔" میں نے چابی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے تردد آمیز لہجے میں کہا۔ "میرے شانے کی ہڈی میں کچھ تکلیف ہے جو اسٹیئرنگ کاٹنے میں حارج ہوتی ہے۔"

اس نے مجھے گھورتے ہوئے میرے ہاتھ سے چابی لے لی اور تُنک کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف چلا گیا۔ شاید میری فرمائش سے اس کا احساسِ برتری مجروح ہوا تھا۔

تقریباً دس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد ایک.... سڑک پر اس نے کار کی رفتار دھیمی کی تو میں ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔

"کیا اس کا مکان آگیا؟" میں نے پُرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں، وہ داہنی طرف دوسرا چوبی پھاٹک اسی کے بنگلے کا ہے۔" اس نے رواداری میں کہا اور میں نے پھرتی کے ساتھ جیب سے پستول نکال لیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب سیدھے ہی نکل چلو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

میرے لہجے پر اس نے چونک کر سر گھمایا تو نگاہ پہلے ہاتھ میں دبے ہوئے مہلک ہتھیار پر پڑی اور اس کی آنکھیں غصے سے پھیل گئیں۔ چہرہ چقندر کی طرح سُرخ ہو گیا۔ "تت... تم... تمہاری یہ مجال۔" اس نے غصے کی شدت سے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "مجھے شبہ ہے کہ تم اصلی اولڈ ڈارلنگ نہیں ہو۔ لائیڈز کالج میں تم نے اپنی شناخت ثابت کر دی تو میں تمہارے پاؤں تھام کر معافی مانگ لوں گا۔"

"میں... شش... شوگر کوئین...۔"

اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"نو سر! شوگر کوئین بہت بڑی ہستی ہے، ہو سکتا ہے کہ تم بھی اس کے ہم رتبہ ہو لیکن میں صرف اسی کو بڑا مانتا ہوں جس کو میں جانتا ہوں۔ تمہیں اس کے سامنے پیش کرنے کے بعد میری ذمے داری ختم ہو جائے گی۔ آخری فیصلہ اب وہی صادر کرے گا۔"

"یو ڈرٹی بلیک۔" اس نے تحقیر آمیز انداز میں دانت پیستے ہوئے کہا اور کار کی دم توڑتی ہوئی رفتار میں اضافہ کر دیا۔ "دیکھنا کہ تم اپنے اس رویے پر پچھتاؤ گے۔"

"اب اس کا امکان کم ہی ہے کیوں کہ میرے اوپر والا بھی بقول تمہارے گندا کالیا ہے۔"

وہ دانت پر دانت جمائے ڈرائیونگ کرتا رہا اور میں وقفے وقفے سے اسے راستے کے بارے میں ہدایات دیتا رہا۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اپنے اس غیر متوقع شکار کے ساتھ کیا سلوک کروں اور اسے کہاں لے جاؤں؟

پھر اچانک ہی ڈیش بورڈ کے خانے میں پڑے ہوئے میرے آپریٹس سے آواز بلند ہوئی۔ "شوگر کوئین کالنگ اولڈ ڈارلنگ ــــ اوور۔" وہ آواز سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اپنے آپریٹس کو میں فراموش ہی کر بیٹھا تھا۔ اگر میرے پستول نکالنے سے پہلے وہ پیغام آجاتا تو میں بدترین اُلجھن سے دوچار ہو جاتا۔"

اولڈ ڈارلنگ کو اس سے بات کرنے کی اجازت دیتا

زنکو ڈور ڈز میں تبادلہ خیال کر کے فوری طور پر میرے بارے میں نہ سہی تو کسی تیسری لڑکی کے بارے میں شبہات کا شکار ہو جاتا۔ دوسری طرف شوگر کوئین کو علم ہو جاتا کہ اس کی اعلیٰ ہی نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے اولڈ ڈارلنگ کو فریب دینے کی کوشش کی ہے اور اس بارے میں لامحالہ میری ہی ذات شبہات کا نشانہ بنتی کیوں کہ تنظیم سے باہر صرف ایک آپریٹس میرے قبضے میں تھا اور اگر اس مرحلے پر میں اولڈ ڈارلنگ کو گفتگو سے روکنے کی کوشش کرتا تو وہ میری طرف سے بھڑک کر مجھے قابو کرنے کی فکر میں لگ جاتا۔

آپریٹس پر وہ آواز سنتے ہی اس کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف گیا تھا لیکن میں نے سختی کے ساتھ اسے روک دیا۔

"نہیں — اس سفید کتیا کو بھونکنے دو اور صرف وہی کرتے رہو جو میں کہہ رہا ہوں۔" میں نے پستول کی نال اس کی پسلیوں سے لگاتے ہوئے کہا اور وہ مجھے قہر بار نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

اس کے لیے تین بار پیغام نشر ہوا پھر خاموشی چھا گئی۔

پھر جوں ہی کار ایک ویران سڑک پر نکلی، میں نے اسے کار روکنے کا حکم دیا۔ اس نے زبان سے کچھ کہے بغیر تحقیر آمیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور گیئر نیوٹرل کر کے آہستگی کے ساتھ بریک پیڈل پر پاؤں رکھ دیا۔

کار تھمنے سے لحظہ بھر قبل جب اس کی پوری توجہ سڑک پر مرکوز تھی میں نے پوری قوت سے اس کی کنپٹی پر پستول کا دستہ رسید کیا اور وہ غضب ناک غراہٹ کے ساتھ اسٹیرنگ پر جھکتا چلا گیا۔

اسے ڈرائیونگ سیٹ سے ہٹا کر میں نے وہ نشست سنبھال لی اور کار آگے بڑھا دی۔

میں نے اسے پوری طرح زیر کر لیا تھا اور اب وہ میرے رحم و کرم پر تھا۔ میرے پاس کوئی ایسا ٹھکانا نہیں تھا جہاں چند گھنٹوں یا دنوں کے لیے اسے قید کر سکوں۔ سلطان شاہ کے دوستوں کا ایک سہارا تھا لیکن وہ خود طفیل کے ساتھ مصروف تھا اور میرے لیے اسے تلاش کرنا بے نتیجہ ہی ثابت ہوتا۔

دوسری طرف میں نے اولڈ ڈارلنگ کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی تھی۔ اس نے طفیل کے دھوکے میں مجھے بہت سے رازوں سے آگاہ کر دیا تھا لیکن ایک بار یہ اندازہ ہونے کے بعد کہ دشمنوں کی قید میں ہے، وہ اپنی جان پر کھیل جاتا لیکن دیدہ و دانستہ ایک لفظ بھی نہ اگل کر دیتا۔

علاوہ ازیں یہ کہ وہ تنظیم کی مقامی کڑیوں سے بالکل ہی لاتعلق نظر آ رہا تھا۔ ورنہ کم از کم طفیل جیسے اہم مہرے سے ضرور روشناس ہوتا۔ ان پہلوؤں پر خاصا غور کرنے کے بعد میں اسی نتیجے پر پہنچا کہ اسے بلاوجہ گلے میں لٹکائے پھرنا وقت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ تنظیم کے بین الاقوامی روابط کا کوئی اہم مہرہ تھا اور میں فوری طور پر مقامی مسائل میں الجھا ہوا تھا۔ لہٰذا بہتر یہی تھا کہ اس کا پتا صاف کر دیا جاتا۔

میں نے کار کنال بینک روڈ کے راستے پر ڈال دی۔

رات ڈھل رہی تھی اور وہ کراچی نہیں لاہور تھا مضافاتی سڑکیں بڑی حد تک ویران ہو چلی تھیں، شہر میں بھی کچھ زیادہ رونق نظر نہیں آ رہی تھی کنال بینک روڈ پر میں نے ایک جگہ معقول ویرانہ دیکھ کر اندھیرے میں کار روک دی۔

میرے پاس کرائے کی کار تھی اور میں اسے گندا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں نے اولڈ ڈارلنگ کو کالر سے پکڑ کر نیچے گھسیٹ لیا پھر میں نے آپریٹس سمیت اس کی جیبوں سے ہر چیز نکال کر اس کے بائیں پہلو میں گولی اتار دی۔

گولی لگتے ہی اس کا وجود بری طرح اچھلا تھا لیکن میں اس کا انجام دیکھنے کے لیے وہاں ٹھہرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ کیونکہ میرا پستول بے آواز نہیں تھا، مجھے ڈر تھا کہ کہیں دھماکے کی آواز پولیس کی کسی گشتی پارٹی کی توجہ ادھر مبذول نہ کرا لے۔

پہلے تو میرا ارادہ یہ تھا کہ اسے ہلاک کر کے نہر میں پھینک دوں گا لیکن ویرانے میں ہولناک دھماکے کی گونج سننے کے بعد میں وہاں رکنے کی ہمت نہ کر سکا۔ وہاں سے خاصی دور نکلنے کے بعد میں نے کار واپس گھمائی اور شہر کی طرف ہو لیا۔

* * *

ہوٹل کے کمرے میں سلطان شاہ کو براجمان دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہوئی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"آرام۔" اس نے مسکراتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تمہارے گورے کا کیا رہا؟"

"وہ تو مر گیا لیکن طفیل کہاں ہے؟ اس وقت ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم وہی ہے۔" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"گورا مر گیا لیکن طفیل زندہ ہے۔ اسے کچھ زیادہ ہی چوٹ آ گئی تھی، میری واپسی تک ہوش میں نہیں آ سکا تھا۔ لہٰذا اسے ایک دوست کے حوالے کر آیا ہوں مجھے اس سے زیادہ تمہاری فکر تھی۔ باہر رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنا آسان ہوتا ہے، اس کے گھر میں گھس کر جیتنے کے لیے بہت ہوشیاری اور مکاری کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"اور دوسرا سبق کیا ہے؟" میں نے مضحکانہ لہجے میں پوچھا۔

"سبق نہیں، میں صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ تمہارا کام زیادہ خطرناک اور مشکل تھا۔ اس وجہ سے مجھے اپنے شکار سے زیادہ تمہارے بارے میں فکر لاحق تھی کہ کہیں شکار کرنے کے بجائے خود شکار نہ ہو گئے ہو جب کہ میری کارکردگی اور طفیل کے انجام سے تم بخوبی واقف تھے۔ مجھے تو بس اسے لاد کر ٹھکانے پر ہی پہنچانا تھا۔"

"اولڈ ڈارلنگ میری توقع کے برعکس بالکل ہی بودا ثابت ہوا۔" میں نے اس کی جیب سے برآمد ہونے والی اشیا میز پر بکھیرتے ہوئے کہا۔ "ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ تنظیم سے باغی ہو کر میرے ساتھ مل گیا ہو، حد تو یہ ہے کہ تلاشی کے دوران میں اس کی جیبوں سے اسلحہ کے نام پر قلم تراش چاقو تک برآمد نہیں ہوا۔"

"اعتماد میں مارا گیا نا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "پورے خلوص کے ساتھ تمہیں اپنا آدمی سمجھ بیٹھا ہوگا، تم اسے گھر سے نکالنے میں کیسے کامیاب ہو گئے؟"

"ہیروئن رکھنے کے جرم میں اس کا ایک ساتھی پکڑا گیا ہے جو کچھ عرصے پہلے تک یہاں اپنے ملک کے سفارت خانے میں ایک اہم افسر تھا۔ شاید یہاں رہ کر اس نے آسانی سے لکھ پتی بننے کی یہی ترکیب سیکھی ہوگی اور اب لالچ میں نام بدل کر اپنے ملک سے جعلی کاغذات پر یہاں آیا اور ہیروئن خریدتے ہی دھر لیا گیا۔ اولڈ ڈارلنگ اس کی رہائی کے لیے تڑپ رہا تھا۔"

"کسی ایمان دار افسر کے ہاتھ لگ گیا ہوگا جو مارا گیا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ورنہ ایسے معاملات میں تو سودا بہت آسان ہوتا ہے، بس برآمد ہونے والا مال کلو سے گھٹ کر گراموں میں رہ جاتا ہے، کچھ لینے دینے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔"

"مسئلہ یہ بھی ہے کہ گرفتاری کے باوجود مال ابھی تک برآمد نہیں ہوا۔ وہ اسی لیے شوگر کوئین کی تلاش میں تھا کہ اس کے رسوخ کو بروئے کار لا کر ڈیلوڈ کو رہائی دلوا سکے۔"

"اس فکر میں نہ صرف وہ خود مارا گیا بلکہ طفیل بھی ہماری تحویل میں آ گیا۔" اس نے تبصرہ کیا۔

"یہی نہیں بلکہ شوگر کوئین کی قیام گاہ کی نشاندہی بھی کر گیا۔" میرا انکشاف سن کر وہ حیرت اور مسرت سے اچھل پڑا اور میں اسے اپنی روداد سناتے ہوئے میز پر پھیلے ہوئے سامان کا جائزہ لینے لگا۔

متوفی کی جیبوں سے جو کچھ برآمد ہوا، وہ میرے لیے بالکل بے مصرف تھا۔ مقامی کرنسی، سکوں، ایک سادہ ڈائری اور رومال کے علاوہ چند رقعے تھے جن پر کچھ حساب کتاب درج تھا۔ کرنسی اور سکے نکال کر میں نے باقی سامان کو دیا سلائی دکھا دی۔

سلطان شاہ نے طفیل کی گاڑی کے بارے میں عقلمندی سے کام لیا تھا اور اسے ہوٹل سے دور ایک ایسے علاقے میں چھوڑ دیا تھا جہاں اس کی دانست میں کئی روز تک بھی کسی کو لاوارث گاڑی کی موجودگی کا شبہ تک نہ ہوتا۔ میرا خیال تھا کہ اس کار کو ہم کسی بُرے موقع یا خطرناک مہم میں استعمال کر سکتے تھے۔

میرا ارادہ فوری طور پر طفیل کی طرف روانگی کا تھا لیکن سلطان شاہ نے احتجاج کیا کہ وہ میرے انتظار میں بھوکا بیٹھا ہوا تھا لہٰذا ہم نے ہوٹل کے کمرے ہی میں کھانا منگوا لیا۔

ویسے تو میں اس بار بہت توقعات لے کر لاہور آیا تھا اور میرا خیال تھا کہ میں تنظیم کی جڑوں پر کاری ضرب لگانے میں کامیابی حاصل کر لوں گا لیکن تصویر کی موت نے میری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

میں اپنے مشاہدات اور معلومات کی روشنی میں شروع ہی سے یہ نظریہ قائم کیے بیٹھا تھا کہ ہیروئن فروشی کا وہ منظم اور گھناؤنا کاروبار تصویر اور توقیر مل کر چلا رہے تھے لیکن اس بار میرے سارے اندازے غلط ثابت ہو گئے تھے۔ طویل جدوجہد کے بعد تصویر سے مل بیٹھنے کا موقع آیا تو اسے کسی عام مُہرے کی طرح نہایت بے دردی کے ساتھ راستے سے ہٹا دیا گیا اور پل بھر میں اس کے اپنوں نے اس سے یوں بیگانوں کی طرح آنکھیں پھیر لیں جیسے روئے زمین پر اس کا کبھی وجود ہی نہ رہا ہو۔ توقیر کے بارے میں اس نے بتا ہی دیا تھا کہ وہ ملک سے ہزاروں میل دور اوٹاوا میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بعد بڑی ماں کی صورت میں میرے گھرانے کی ایک آخری کڑی باقی رہ گئی تھی لیکن ان کے بارے میں لائیڈز کالج والوں نے ایسا سنگدلانہ رویہ اختیار کیا تھا کہ ان کے وجود ہی سے منکر ہو گئے تھے۔

دوسری طرف وہ پُراسرار شخص سامنے آیا تھا جو تصویر کے قتل کا ذمے دار تھا۔ وہ نجانے کون تھا لیکن میرے لیے اس نے ابتدا ہی سے توقیر کا نام اختیار کیا ہوا تھا اور بظاہر تنظیم کا سربراہ معلوم ہوتا تھا۔

تصویر کو کھو دینے کے بعد بھی خوشی کی بات یہ تھی کہ ایک طرف طفیل جیسا اہم مہرہ ہمارے قبضے میں آ گیا تھا، دوسری طرف شوگر کوئین کا ٹھکانا میری نگاہوں میں آ گیا تھا۔ یہ دو بڑی کامیابیاں تھیں جو تنظیم کی بیخ کنی میں اہم کردار ادا کر سکتی تھیں۔

"یہ آن کیوں نہیں ہو رہا؟" سلطان شاہ نے اولڈ ڈارلنگ والے آپریٹس پر طبع آزمائی کرتے ہوئے سوال کیا۔

"میں نے اس کا سوئچ ناکارہ کر دیا تھا، مرمت کے بعد بھی قابلِ استعمال ہو جائے گا۔"

"یہ اچھا ہوا۔ اب ہم دونوں ہی ہر وقت باخبر رہ سکیں گے۔"

"کسی ناگزیر ضرورت کی صورت میں آپس میں رابطہ بھی قائم

کیا جاسکے گا۔ اس کے استعمال کا طریقہ تو معلوم ہی ہے تم کو، بس یہ یاد رکھنا کہ تمہارا کوڈ ایکس اور میرا وائی ہوگا۔"
"تیسرا آپریشن مل گیا تو بھابی کو زیڈ بنا دیں گے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

اس کی زبان سے غزالہ کا ذکر سنتے ہی میں مضطرب ہو گیا۔ لاہور آنے کے بعد میں اپنی مصروفیات میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ اس کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہ مل سکا تھا اور اب اس کا ذکر آتے ہی اپنے وجود میں شدت کے ساتھ کسی کمی یا خلا کا احساس ہونے لگا تھا۔

"کہاں کھو گئے؟" مجھے خاموش پا کر سلطان شاہ نے شرارت آمیز انداز میں ٹوکا۔

"ابھی کھونے کی فرصت نہیں ہے، فارغ ہو گئے ہو تو بس جلدی اٹھو۔" میں نے اس موضوع کو ٹالتے ہوئے کہا اور پھر ہم دونوں ہی اٹھ گئے۔

سلطان شاہ کی رہنمائی میں میں بادامی باغ کے علاقے میں اس کے دوستوں کی رہائش گاہ پر پہنچا تو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ان کا متوسط انداز کا مکان کسی گنجان علاقے میں واقع نہیں تھا۔

"آبادی سے الگ تھلگ کیوں رہتے ہیں یہ لوگ؟" میں نے کار قدرے آگے لے جا کر روکتے ہوئے سوال کیا۔

"قبائلی لوگ ہیں۔ ان کی سرگرمیاں عیالدار شہریوں کے لیے بلاوجہ تجسس کا باعث بنتی ہیں یوں الگ تھلگ نہ رہیں تو روز ہر بات کا ایک افسانہ تراش لیا جائے گا۔ افغان مہاجروں نے ان بیچاروں کو بڑا بدنام کیا ہوا ہے۔"

"ان سے کیا تعلق نکل آیا تمہارے لوگوں کا؟"

"اپنی مٹی سے رشتہ توڑ کر آدمی بے حجاب ہو جاتا ہے۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ کہنے لگا۔ "زندہ رہنے اور زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کے لیے ہر وہ کام کر گزرتا ہے جو اپنے وطن اور اپنے لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ لاکھوں کی تعداد میں آئے ہوئے ہیں ان میں چور، ڈاکو، دہشت گرد اور منشیات فروش شاید چند ہزار بھی نہ ہوں گے لیکن ان کی وجہ سے مظلوم بھی بدنام ہو رہے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ ان کی وضع قطع اور بولی ہم سے ملتی جلتی ہے۔ لہٰذا ان کی برائیاں ہمارے کھاتے میں چلی جاتی ہیں اور شہروں میں ہر جگہ ہمارے آدمیوں کو شک کی نظروں سے دیکھا جانے لگا ہے۔"

"تم تو تقریر بھی اچھی خاصی کر لیتے ہو۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تم مذاق کر رہے ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب میں ہیروئن لانے کا منصوبہ بنا کر گاؤں سے کراچی آنے کے لیے پر تول رہا تھا تو میرے ایک دوست نے کہا تھا کہ کسی جماعت میں شریک ہو جاؤں، اس کا کہنا تھا کہ مقدر نے ساتھ دیا تو سیاست کھلتے ہی ایسے وارے کے نیارے ہوں گے کہ سارے منصوبے بھول جاؤں گا۔"

اسی اثنا میں ہم مطلوبہ مکان کے دروازے پر پہنچ گئے۔

سلطان شاہ نے کنڈی ہلا کر دستک دی اور میں دل ہی دل میں اس کی سادگی سے کہی ہوئی بات کا وزن کرنے لگا۔

دروازہ کھول کر ایک دراز قامت اور صحتمند قبائلی نے ہمارا استقبال کیا تھا۔ اندر اس کا ایک ساتھی بھی چارپائی پہ دراز تھا۔ اندر پہنچنے کے بعد ان میں جن فقروں کا تبادلہ ہوا ان سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ سلطان شاہ سے خاصے بے تکلف تھے۔

"ہم تو سمجھ رہے تھے کہ تم صبح ہی واپس لوٹو گے۔"

"میں اپنے مہمان کو تم پر زیادہ دنوں تک بوجھ نہیں بنانا چاہتا۔" سلطان شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہوش میں آیا یا نہیں۔"

"ہوش میں نہ آتا تو اچھا ہوتا۔" ان میں سے ایک برا سا منہ بنا کر بولا۔ "ایسی دھمکیاں دے رہا تھا جیسے یہاں اسی کا حکم چلتا ہو، تمہارا خیال نہ ہوتا تو اس کے منہ سے خون کی دھاریں بہا دیتا۔"

"یہ حسرت تم اب پوری کر سکو گے۔" میں نے اسے دلاسا دیا۔

"کھانا دیا تو لات مار کر تھالی الٹ دی تھی۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اسی وقت سے ہاتھ پیر باندھ کر اسے ایک کوٹھری میں ڈالا ہوا ہے۔ وہاں اندھیرے میں چوہوں نے دماغ درست کر دیا ہوگا۔"

سلطان شاہ نے ایسا جاندار قہقہہ لگایا جیسے وہ کارروائی اسے بہت پسند آئی ہو۔

وہ کوٹھری تک ہماری رہنمائی کر کے الٹے قدموں واپس چلا گیا اور سلطان شاہ نے بڑھ کر کنڈی کھول دی۔ اندھیرے میں اندر سرسراہٹیں سنائی دے رہی تھیں اسی کے ساتھ موہوم سی گھٹی گھٹی آوازیں بھی ابھر رہی تھیں۔

سلطان شاہ نے سوئچ آن کر کے کوٹھری میں روشنی کی تو طفیل مضحکہ خیز حالت میں فرش پر پڑا ہوا نظر آیا۔ گھور اندھیرے میں روشنی ہوتے ہی اس نے آنکھیں بھینچ کر بند کر لی تھیں اور اس کے بدن پر سے کئی چوہے اچھل کر ساز و سامان کے پیچھے جا چھپے تھے۔ کوٹھری کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے فاضل یا ناکارہ سامان کے اسٹور کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا تھا۔

چند ثانیوں بعد طفیل نے آنکھیں کھولیں تو وہاں قہر کے کوندے لپک رہے تھے۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ ٹخنے بھی آپس میں ملا کر مضبوطی سے باندھ دیے گئے تھے، منہ میں کپڑا ٹھونس کر غالباً اوپر سے رومال باندھ دیا گیا تھا۔ فرش پر ایک طرف ٹوٹی ہوئی پلیٹ اور تھالی پڑی ہوئی تھی اور

طفیل کے لیے لایا جانے والا کھانا چوہوں کے معدوں میں منتقل ہو چکا تھا۔

سلطان شاہ نے بڑھ کر اس کے منہ پر سے رومال کھول کر، دہانے میں ٹھونسا ہوا کپڑا نکال دیا اور طفیل فوراً ہی گالیاں ایجاد کرنے والے کمپیوٹر میں تبدیل ہو گیا۔

غصّے کے عالم میں وہ اپنی حالت کو بھی فراموش کر چکا تھا۔ میں طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کی ہرزہ سرائی سنتا رہا لیکن سلطان شاہ ایک نازک سی گالی پر بھڑک گیا۔ اس کی بھرپور ٹھوکر طفیل کے چہرے پر پڑی اور اس کا داہنا رخسار پھٹ گیا۔

"اس وقت تم جو سلوک چاہو کر سکتے ہو لیکن تمہیں اس کی قیمت ادا کرنا ہو گی۔" وہ نفرت آمیز لہجے میں غرّایا۔ "کسی کو بے دست و پا کر کے مار لینا مردانگی نہیں ہے۔"

"پہلی بات تو یہ ذہن سے نکال دو کہ یہاں کوئی تمہاری مدد کو آ سکے گا۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "ہم تمہارے بدن سے ساری کھال بھی اُتار دیں گے تو کوئی تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ ان اطراف میں میلوں دور تک ویرانہ ہی ویرانہ ہے۔"

"تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے مضبوط لہجے میں سوال کیا۔

"بہت گھسا پٹا سوال ہے۔ تیس لاکھ کی آڑ میں تم نے مجھے جو بارودی بریف کیس بھیجا تھا، اس سے بچنے کے بعد مجھے حق حاصل ہے کہ تمہارا جو حشر چاہوں، کر گزروں۔"

اس نے فرش پر پڑے پڑے گردن جھٹک کر چند ثانیوں کے لیے غور سے میری طرف دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں حیرت پھیلتی چلی گئی۔ "اوہ میرے خدا! تم تو شاید ڈینی ہو۔"

"بالکل ہوں، یہ بتاؤ کہ رقم کے بارے میں میرے ساتھ فریب کیوں کیا گیا تھا؟"

"لائیڈز کاٹیج کے اطراف میں رونما ہونے والے واقعات کے سلسلے میں تم پر شبہ ضرور تھا لیکن یقین نہیں آ سکا تھا۔ پہلے تمہیں زندہ پکڑنے کی کوشش کی گئی پھر تمہارا قصہ پاک کرنے کا فیصلہ صادر کر دیا گیا۔"

"فیصلہ صادر کرنے والا کون تھا؟" میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر سوال کیا۔

"میں نہیں جانتا۔" اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی نگاہوں میں ابھی تک حیرت رچی ہوئی تھی۔ جیسے اسے مجھ سے ہم کلام ہونے کے بارے میں یقین نہ آ رہا ہو۔

"وہ کس نام سے پہچانا جاتا ہے؟"

"باس۔ اسے کسی نے نہیں دیکھا، میں نے بھی بس اس کی آواز ہی سنی ہے۔"

"وہ اسے لوٹو بھی کہلاتا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" اس کا لہجہ اس کی سچائی کا مظہر تھا۔

"تم مجھے کیسے پہچانتے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ عرصہ پہلے تمہاری تصاویر فراہم کی گئی تھیں تمہیں دیکھتے ہی پکڑ لینے کے احکام دیے گئے تھے۔"

"جو آج بھی برقرار ہیں۔" میں نے اضافہ کیا اور اس نے سر ہلا کر میری تائید کر دی۔

"لائیڈز کاٹیج میں کس کا حکم چلتا ہے؟"

"بظاہر میرا، لیکن اہم معاملات میں مجھے باس سے ہدایات ملتی ہیں ویسے وہاں کام کرنے والا ہر شخص گمنام باس کے وجود سے واقف ہے اور اسے جمّی لائیڈ کا کوئی پرانا نمک خوار سمجھا جاتا ہے۔"

"جمّی لائیڈ کہاں رہتا ہے؟"

"کچھ معلوم نہیں، سیلانی آدمی ہے، مجھے اس کے لیے کام کرتے ہوئے دس سال ہونے والے ہیں لیکن میں نے بس دو بار اسے دیکھا ہے۔ وہ کسی ایک جگہ نہیں رہتا، دنیا بھر میں گھومتا رہتا ہے۔"

"لائیڈز کاٹیج میں کیا کھیل ہو رہا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" اس نے کہا اور اس بار میں نے اس کا جھوٹ محسوس کر لیا۔

"اسے کھول دو سلطان شاہ!" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "اس حالت میں میں اس کے ساتھ کوئی بے رحمانہ سلوک نہیں کر سکوں گا۔"

سلطان شاہ نے قدرے حیرت سے میری طرف دیکھا اور مجھ سے کوئی اشارہ نہ پا کر بے دلی کے ساتھ طفیل کی بندشیں کھولنے لگا۔ اس نے آخری گرہ کھلتے ہی سلطان شاہ پر حملہ کیا تھا اور دونوں بازوؤں میں اس کی گردن دبوچ لی تھی لیکن اس کی تمام تر پھرتی کے باوجود سلطان شاہ ہوشیار تھا۔ اس نے پوری قوت سے طفیل کے چہرے پر ٹکر رسید کی اور وہ کراہتا ہوا پیچھے گر گیا۔

"میں جواب کا منتظر ہوں۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "مجھے ہر سوال کا صحیح جواب درکار ہے ورنہ تمہیں موت بھی امان نہ دے سکے گی۔ کافی مدت کے بعد تمہارے درجے کا ایک آدمی میرے ہاتھ لگا ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔ مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ وہ جمّی لائیڈ کا اپنا شوق ہے۔ عمارت کے ہر محافظ کے پاس اسلحے کے باقاعدہ لائسنس موجود ہیں۔"

"پھر تم مجھے تیس لاکھ کس لیے دے رہے تھے؟"

"تمہیں ایک دھیلا بھی نہ دیا جاتا۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ وہ ایک گہری چال تھی۔" مجھے حیرت تھی کہ اس نے اپنے اس آدمی کے حشر کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ پوچھا جو اسی کی ہدایت پر

بارودی بریف کیس لے کر مجھ سے ملنے آیا تھا۔
"اگر وہاں کوئی ہیر پھیر نہیں ہو رہا تو یہ شوگر کوئین اور ۔۔ ڈارلنگ کیا بلا ہیں؟"
"یہ سب میرے لیے غیر متعلقہ باتیں ہیں، میں اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔ ہمارے یہاں اپنی حدود سے تجاوز کرنے والے کو معاف نہیں کیا جاتا۔"
"پھر تم اس کی کال پر وہاں کیوں دوڑے گئے تھے؟"
"وہ میرا فرض تھا، ٹرانسمیٹر ہمارے آدمیوں کے استعمال میں ہیں پھر میں اس کی آواز پہلے بھی سنتا رہا تھا۔ اسے کسی مدد کی ضرورت تھی تو میرا وہاں پہنچنا ضروری تھا۔"
"جانتے ہو کہ اس کا مسئلہ کیا تھا؟" میں نے حقارت آمیز انداز میں سوال کیا۔ "ہیروئن! اس کا ایک مغربی سفارت کار دوست ہیروئن سمیت پکڑا گیا ہے اور شاید لائیڈنز کا ٹیج کی بنیادیں بھی اسی ستون پر کھڑی ہیں۔ فرض، ہدایت اور ایمانداری سب ڈھکوسلے ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ تم سب موت کے سوداگر ہو اور تمہاری ٹولی نے یہاں اپنی حفاظت کے لیے ایک محفوظ بلکہ ناقابلِ شکست حصار قائم کیا ہوا ہے تاکہ گھر کی کوئی خبر باہر نہ جا سکے۔"
"جانتے ہو تو مجھ سے پوچھنا بے سود ہے۔" وہ ڈھٹائی اور بے پروائی کے ساتھ بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ تمہارے ذرائع ہی درست ہوں۔"
"باس سے رابطے کا کیا طریقہ ہے؟" قدرے توقف کے بعد میں نے سوال کیا۔
"کوئی نہیں۔ جب ضرورت ہوتی ہے، وہ خود ہی رابطہ قائم کر لیتا ہے۔" لے ٹو کے بارے میں اپنے تجربے کے پیش نظر مجھے اس کی بات میں صداقت نظر آ رہی تھی۔

وہ بظاہر جتنا سخت جان تھا اندر سے بھی اسی قدر مضبوط تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ ہماری مرضی کے بغیر اس کوٹھری سے زندہ نہیں نکل سکے گا لیکن اس کے باوجود وہ خائف نہیں تھا۔
"باس سے ہدایات ملنے کا ذریعہ کیا ہوتا ہے؟"
"جب چاہتا ہے فون کر لیتا ہے۔" اس نے بلا توقف جواب دیا۔
"اور اب یہ بتاؤ کہ تصویر کی ماں کہاں ہے؟" میں نے چند لمحوں تک اسے گھورتے رہنے کے بعد سرد لہجے میں وہ سوال بھی کر ہی ڈالا جسے میں اب تک روکے ہوئے تھا۔
مجھے اندازہ تھا کہ وہ آسانی کے ساتھ اس سوال کا جواب نہیں دے گا اور اس کے منہ سے سچ اگلوانے کے لیے مجھے تشدد کا سہارا لینا پڑے گا۔ اسی وجہ سے وہ سوال میں نے آخر کے لیے رکھ چھوڑا تھا کیونکہ ایک بار اس موضوع پر اس سے الجھ پڑنے کے بعد میرے ذہن میں دوسرے تمام سوالات گڈمڈ ہو جاتے اور گفتگو کا تسلسل ٹوٹ جاتا۔
"دونوں نام میرے لیے اجنبی ہیں۔" اس نے اپنے زخمی رخسار کو سہلاتے ہوئے جواب دیا۔
"میں ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔
"یہ اچھا کیا کہ تم نے میرے ہاتھ پیر کھلوا دیے۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنستے ہوئے بولا۔ "مجھے ادھیڑنا اتنا آسان ثابت نہ ہوگا اگر ایک پر ایک کے اصول پر عمل کیا تو مجھے زیر نہ کر سکو گے۔"
"یہ خوش فہمی ہے تمہاری۔ اب میں ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا تمہیں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے پستول نکال لیا۔ اس کے چہرے پر تردد کا ایک ہلکا سا سایہ آکر گزر گیا۔
"میں تصویر کی ماں کے وجود سے لاعلم ہوں۔" اس نے پھیکے لہجے میں کہا۔ "وہ خود لاپتہ ہے۔"
"اس سے لاتعلقی کیوں اختیار کر لی گئی ہے؟"
"یہ بات سمجھنے کے لیے غیر معمولی ذہانت تو درکار نہیں ہے۔ خود تم ہی نے بتایا تھا کہ وہ مار ڈالا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس کے قتل کے پیچھے کسی نہ کسی ناپسندیدہ واقعے کی کارفرمائی رہی ہوگی۔ ایسے حالات میں اس سے اپنا تعلق ظاہر کر کے پریشانیوں کے سوا اور کیا مل سکے گا۔"
"ابھی تم مار دیے جاؤ تو تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک ہوگا؟"
"ہوا کرے۔" وہ شانے اچکا کر بولا۔ "مرنے کے بعد آدمی ان سب فکروں سے آزاد ہو جاتا ہے کفن سرکاری ہو یا درباری، دو گز زمین ہر ایک کو مل جاتی ہے۔ کام کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ زندگی میں ہر آسائش فراہم کی جاتی ہے۔"
"تقریر بند کرو۔" سلطان شاہ پہلی بار دخل اندازی کرتے ہوئے غصیلی آواز میں غرایا۔ "تصویر کی ماں کے بارے میں جو پوچھا گیا ہے، اس کا جواب دو۔"
وہ کچھ کہنے کے بجائے چیلنج کرتی ہوئی، تحقیر آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا اور سلطان شاہ کی کھوپڑی سلگ اٹھی وہ کسی بھوکے درندے کی طرح طفیل پر ٹوٹ پڑا۔
طفیل پہلے سے تیار تھا۔ اس نے سلطان شاہ کو اپنے ہاتھوں پر روکنے کی کوشش کی لیکن وہ کسی جونک کی طرح اس سے لپٹ گیا۔ اس کی دو تین ہی ٹکروں میں طفیل کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ مدافعانہ انداز برقرار رکھتا تو شاید سلطان شاہ اسے بری طرح رگید کر رکھ دیتا لیکن اسے فوراً ہی ہوش آگیا اور پھر سلطان شاہ کے ستارے گردش میں آ گئے۔

اگر میں گولی چلانے کی دھمکی نہ دیتا تو وہ سلطان شاہ کو نیچے گرا لیتا۔ میرے للکارنے پر وہ زور آزمائی فوراً ہی موقوف

ہوگئی اور سلطان شاہ بڑبڑاتا ہوا پیچھے ہٹ آیا۔
"مجھے جو کچھ معلوم تھا وہ تم سن چکے ہو۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد طفیل اپنے چڑھتے ہوئے سانسوں کو قابو کرتے ہوئے بولا۔ "بہتر یہ ہوگا کہ اب میری راہ نہ روکو۔"
"یہ نہ سمجھو کہ ہم نے تمھیں مہمان کے طور پر مدعو کیا تھا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "بڑی ماں کا سراغ بتائے بغیر تم یہاں سے زندہ و سلامت واپس نہیں لوٹ سکو گے۔"
"غلط فہمی ہے تمھاری۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "ہم لوگ انیسویں نہیں بیسویں صدی میں رہ رہے ہیں اور یہ ایجادات کا دور ہے۔ تم اپنی دانست میں مجھے اغوا کر لائے ہو لیکن کسی بھی لمحے میرے حامی اس مکان پر دھاوا بول سکتے ہیں.... یہ دیکھو۔" اس نے اپنے بائیں ہاتھ کی دوسری انگلی کو فضا میں لہراتے ہوئے کہا "وہائٹ گولڈ کی یہ انگوٹھی میں نے محض شوقیہ نہیں پہنی ہوئی ہے۔ اس میں نگ کی جگہ ایک ایسا سلیکون چپ نصب ہے جو ہر لمحے ریڈیائی لہریں نشر کرتا رہتا ہے اور دوسری طرف ایک آپریٹس پر یہ اشارے باقاعدہ مانیٹر ہوتے ہیں جن سے میری موجودگی کے مقام کا تعین محض گزوں کے فرق سے کرنا ممکن ہے... ہم لوگ وقت کے ساتھ چل رہے ہیں۔ تم اتنی آسانی کے ساتھ ہمارے ساتھ من مانی نہ کر سکو گے!"
"یہ کہانی مجھے سنانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا۔
"صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ تم غلط لوگوں سے اُلجھے ہو۔ آخر میں نتیجہ یہی نکلے گا کہ تم بے بسی کے عالم میں اپنا سر پیٹتے کسی شاہراہ پر تماشا بنے ہوئے نظر آؤ گے۔" اس کے لہجے میں تمسخر کے ساتھ ملا کا اعتماد جھلک رہا تھا۔ "یہ انگوٹھی استعمال کرنے والے اس بات کے پابند ہیں کہ ہر گھنٹے بعد مانیٹرنگ یونٹ کو اپنی سلامتی کی اطلاع دیتے رہیں۔ مجھے آخری رپورٹ دیے تین گھنٹے سے زائد ہو چکے ہیں۔ وہ لوگ حرکت میں آچکے ہوں گے اور اب کسی بھی لمحے تم ناقابل بیان مشکلات سے دوچار ہو سکتے ہو!"
"انگوٹھی اتار لو اس کی انگلی سے۔" میں نے سلطان شاہ کو حکم دیا۔ اور وہ کسی وحشی سانڈ کی طرح طفیل پر ٹوٹ پڑا۔
"اپنی ہرزہ سرائی سے تم نے خود ہی مصیبت مول لی ہے۔" میں اسے سلطان شاہ کے خلاف مدافعانہ مقابلے میں مصروف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اب انھیں یہ انگوٹھی کسی خارش زدہ کتے کے گلے میں ہی جھولتی ہوئی ملے گی۔"

اس وقت سلطان شاہ نے اپنے وحشیانہ حربوں سے اسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا لیکن اس کا بایاں ہاتھ کسی طرح سلطان شاہ کے قابو میں نہیں آرہا تھا۔

"انگلی توڑ دو یا کاٹ دو، انگوٹھی بہت ضروری ہے۔" میں نے ہانک لگائی اور اس بار کوٹھری کی محدود فضا طفیل کی دردناک چیخ سے گونج اٹھی۔ سلطان شاہ نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اس کا بایاں ہاتھ گرفت میں لیا تھا اور ایک دو جھٹکوں میں کامیابی حاصل کر کے اس سے الگ ہٹ آیا تھا۔
شاید اس نے انگلی کی ہڈی توڑ کر کھال کے چیتھڑے اڑا دیے تھے کیوں کہ وہ بھدی اور خون آلود انگلی فرش پر پڑی کسی کیڑے کی طرح تڑپ رہی تھی۔ اور انگوٹھی سلطان شاہ کی تحویل میں آچکی تھی۔
"کیا ہو رہا ہے سلطان خانا!" اچانک باہر سے سلطان شاہ کے دوستوں میں سے کسی نے سوال کیا۔
"کچھ نہیں، ذرا ورزش ہو رہی ہے۔" سلطان شاہ نے بلند خروش دلانہ آواز میں کہا۔
"ضرورت ہو تو میں بھی آؤں تمھارا ہاتھ بٹانے؟" باہر سے پیش کش کی گئی جسے سلطان شاہ نے خوبصورتی سے ٹال دیا۔
میں نے بڑھ کر طفیل کو کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر اس کی کھوپڑی پر پستول کے دستے سے ضرب لگائی اور وہ کراہتا ہوا تیورا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔
"انگوٹھی کو پوری قوت سے کسی طرف اچھال دو۔" میں نے کہا اور سلطان شاہ نے کوٹھری سے باہر کھلے صحن میں نکل کر میری ہدایت کو فوراً ہی عملی جامہ پہنا دیا۔ میں طفیل کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔
"اس کی بے ہوشی خاصی گہری ہے، یوں ہی پڑا رہنے دو، تھوڑی دیر بعد واپس آ کر اسے لے جائیں گے۔" سلطان شاہ کی واپسی پر میں نے مشورے کے طور پر کہا۔
"اسے کہاں لادے پھرو گے۔ مار کر قصہ ہی ختم کیوں نہیں کر دیتے۔"
"نہ لادے پھریں گے، نہ ماریں گے۔" میں نے کہا۔ "میں اب ان کے لیے دشواریاں کھڑی کرنا چاہتا ہوں۔ واپس چل کر ہم اپنی کرولا چھوڑ کر طفیل کی گاڑی سے آئیں گے اور اسے اسی گاڑی میں ڈال کر کہیں چھوڑ دیں گے، ہماری نشاندہی پر پولیس اسے گرفتار کر لے گی۔ گمنام فون پر میں انھیں بتاؤں گا کہ طفیل، ڈیوڈ کا ساتھی ہے۔ دوسری طرف ہم کسٹم اینٹی جنس والوں کو بذریعہ فون..... کی شکل کے ذریعے سے آگاہ کر دیں گے یوں ڈیوڈ ہیروئن کے اسمگلر کے طور پر، طفیل ڈیوڈ کے ساتھی کے طور پر اور لائیڈز کا رنج طفیل کی اقامت گاہ کے طور پر پولیس کی نگاہوں میں آجائے گا۔"
"سب کچھ ہو گا لیکن تمھاری بڑی ماں کا سراغ تو پھر بھی

بول سکے گا۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔ "آخر ہم اس سے کیوں نہیں اگلوا سکتے۔ تشدد کے سامنے تو بڑے بڑے قدموں میں چلتے ہیں۔"

"ضرور آجاتے ہیں۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم نے طفیل کی باتوں پر غور نہیں کیا۔ اس نے ہر معمولی بات آسانی سے اگل دی لیکن اہم موضوعات پر خاموش رہا۔ وہ جانتا ہے کہ ہمارے تمام سوالوں کے جوابات دینے کے بعد ایک طرف وہ ہمارے لیے ناکارہ ہو جائے گا۔ اور دوسری طرف اس کے بڑے اس کے لہو کے پیاسے ہو جائیں گے۔ وہ مر جائے گا لیکن بڑی ماں کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتائے گا۔ ان کی طرف سے تو اب میں مایوس ہی ہو گیا ہوں۔ یہ بہت سفاک اور سنگ دل لوگ ہیں۔ جب محض خطرے کے امکان کی بنا پر تصویر کو قتل کر سکتے ہیں تو بڑی ماں جیسی ضعیف اور ناکارہ عورت کو انھوں نے کیوں زندہ رکھا ہو گا۔ انھیں لائیڈز کالج سے نکال کر کہیں چھڑواتے تو یہ خطرہ تھا کہ تصویر کی طویل غیر حاضری پر بے چین ہو کر وہ پرانی کہانیاں چھیڑ دیتیں اور یوں لائیڈز کالج کا نام بدنام ہو جاتا جو انھیں کسی بھی قیمت پر گوارا نہیں ہے۔"

"مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے طفیل کے بارے میں ساری ہی بھاگ دوڑ رائیگاں گئی ہو۔" وہ میرے ہمراہ کوٹھری سے باہر نکلتے ہوئے مایوسانہ لہجے میں بولا۔

"اس کے فائدے ایک آدھ روز میں تمھارے سامنے آجائیں گے۔ یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اب شوگر کومین کا ٹھکانا ہماری نظروں میں آچکا ہے، پھر زخمی حالت میں طفیل کی گرفتاری بھی خاصے گل کھلائے گی۔"

❁

طفیل کو بے ہوشی کے عالم میں اس کی کار میں اولڈ یونیورسٹی کیمپس گراؤنڈ کے قریب چھوڑ کر ہم کچھ دور پیدل چلے برلٹن روڈ کے نکڑ سے ٹیکسی حاصل کر کے ہوٹل واپس آگئے۔

پبلک بوتھ سے میں نے سب سے پہلے پولیس ہیڈکوارٹر ٹرن کیا تھا۔

سلسلہ ملنے پر دوسری جانب سے ایک میکانیکی سی آواز سنائی دی تھی۔ "السلام علیکم۔ پولیس ہیڈکوارٹر، ایمرجنسی سنٹر۔"

"اولڈ کیمپس گراؤنڈ کی دیوار کے ساتھ تاریکی میں ایک کار کھڑی ہوئی ہے جس میں ہیروئن کا ایک بدنام اسمگلر زخمی حالت میں بے ہوش پڑا ہوا ہے۔" میں نے اسے مطلع کیا۔

"نام کیا ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"اس کا نام طفیل ہے اور وہ بظاہر لائیڈز کالج میں سیکیورٹی آفیسر بن کر رہ رہا ہے۔"

"اوئے! اس کا نہیں، تمھارا نام پوچھ رہا ہوں، اسے تو ہم دیکھ ہی لیں گے۔" ریسیور پر غراہٹ ابھری۔

"بس اسی کو دیکھ لینا۔ میں کسی گواہی، شہادت کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔" میں نے خوش مدانہ لہجے میں کہا۔ "اور یہ بھی بتا دوں کہ طفیل کا ایک غیر ملکی ساتھی کسٹم انٹیلی جنس کی قید میں ہے۔ ڈیوڈ نامی اس گورے کو بھی ہیروئن رکھنے کے جرم میں پکڑا گیا ہے۔"

اس نے مزید کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن میں اپنی بات پوری کر چکا تھا۔ لہٰذا میں نے فوراً ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

سلطان شاہ اوپر کمرے میں جا چکا تھا۔ میں نے ڈیوڈ کے سلسلے میں ٹیلی فون ڈائریکٹری کی ورق گردانی شروع کی تو مجھے شدت کے ساتھ احساس ہوا کہ اس محکمے کا بھی ایک کل وقتی دفتر ہونا چاہیے جسے فرض شناس شہری بروقت اپنی معلومات میں حصے دار بنا سکیں اور اسی الجھن میں مجھے ایئرپورٹ کا خیال آگیا۔ جہاں باہر سے آنے والے مسافروں اور ساز و سامان کی پڑتال کے لیے ہر وقت ہی کسٹم کے مختلف شعبوں کے لوگ موجود رہتے ہیں۔

ایئرپورٹ پر کسٹم کے ایک افسر سے فون پر بات ہوئی تو پتا چلا کہ اس کا تعلق پریونٹو کے شعبے سے تھا۔ اور اسے شہر میں رونما ہونے والے کسی واقعے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میرے استفسار پر اس نے مجھے ایک افسر کے گھر کا فون نمبر دیا جہاں ناگوار لہجے میں میرا فون وصول کیا گیا لیکن جب میں نے کام کی بات چھیڑی تو بات کرنے والے کے لب و لہجے میں دلچسپی عود کر آئی۔

ڈیوڈ کی کار میں ایندھن کی ٹنکی کی دوہری ساخت کا انکشاف سنتے ہی اس کی تحیر آمیز آواز ابھری تھی۔ اس سے پتا چلا کہ ڈیوڈ کو شبے کی بنا پر چھتیس گھنٹوں تک حراست میں رکھنے کے بعد چند گھنٹے قبل ہی رہا کر دیا گیا تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ رہائی سے قبل محکمے نے اس کے سفر اور قیام کی تمام تر تفصیلات جمع کر لی تھیں جس کی بنا پر اس کی دوبارہ گرفتاری دشوار نہ ہوتی۔

"یہ بھی یاد رکھنا کہ وہ جعلی دستاویزات پر سفر کر رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"اس کے تمام کاغذات درست پائے گئے تھے۔ یہ تم کس بنا پر کہہ رہے ہو؟"

"اس کا نام ڈیوڈ نہیں ہے۔ کچھ عرصے قبل وہ اپنے ملک کے سفارت خانے میں متعین تھا۔ ہیروئن کے سودے میں پرکشش نفع کے لالچ نے اسے نام بدل کر یہاں آنے پر مجبور کیا ہے۔"

"معلومات فراہم کرنے کا شکریہ۔" خوش اخلاقی کے ساتھ کہا گیا اور میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پولیس کے برعکس کسٹم والوں کا طریقۂ کار خاصا مختلف تھا۔

شاید وہ اطلاعات فراہم کرنے والے گمنام ذرائع سے اچھی طرح روشناس تھا کیونکہ اس نے مجھ سے میری شناخت کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

اوپر پہنچا تو سلطان شاہ نے دروازہ کھولتے ہی کچھ کہنا چاہا پھر منہ بند کر لیا۔

"بولو، کیا کہنا چاہ رہے تھے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں اپنا کام کر آیا ہوں اور تمہاری ہر قسم کی بازپرس کے لیے تیار ہوں۔"

"وہ انگوٹھی کا کیا چکر تھا؟" اس نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"جو کچھ تھا، تم نے سن ہی لیا تھا۔" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟" اس نے قدرے جھلاہٹ کے ساتھ کہا۔

"سب کچھ ممکن ہے، یہ نہ بھولو کہ ہم خلائی دور میں رہ رہے ہیں، زمین پر بیٹھا ہوا انسان چاند اور مریخ کی سطح کو اپنی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے اور یہ لوگ جدید ذرائع سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ اس کا فراڈ تھا۔ تم بھی کبھی تنظیم کے لیے بہت اہم تھے لیکن تمہارے لیے کبھی ایسی کوئی تجویز پیش نہیں کی گئی۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ سلسلہ چند اہم ترین لوگوں کے لیے مخصوص رہا ہو۔ طفیل ہیڈ کوارٹرز کا ایک اہم فرد تھا۔ میرا تو خیال ہے کہ مانیٹرنگ کی سہولت بھی صرف لاہور ہی میں فراہم کی گئی ہے۔"

"اگر وہ سچا ہوتا تو ہمیں آخر تک اس کی بھنک نہ لگنے دیتا اور اس کے حامی بے خبری میں ہم پر آ پڑتے، میرا تو خیال ہے کہ اس نے انگوٹھی کے بارے میں زبان کھول کر اپنی شامت کو دعوت دی تھی ورنہ ہو سکتا ہے کہ اس کے بارے میں تمہارا فیصلہ کچھ اور ہوتا۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ اگر قید میں ہونے کے باوجود اس کے بہی خواہ اس کی خبر گیری کر رہے تھے تو اسے خاموشی کے ساتھ ان کے نمودار ہونے کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔

"اگر وہ انگوٹھی کے بارے میں جھوٹ ہی بول رہا تھا تو اس سے کیا فرق پڑا؟ ہم نے تو اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کا میں پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا۔"

"فیصلہ اور انجام مختلف باتیں ہیں۔" وہ خفت آمیز انداز میں ہنس پڑا۔ "میں تو اس کی زبان سے انگوٹھی کے خواص سن کر بوکھلا گیا تھا۔ اسی گھبراہٹ میں میں نے طفیل پر اپنی پوری طاقت صرف کر دی ورنہ وہ آسانی کے ساتھ قابو میں آنے والا نہیں تھا۔"

"اب یہ سوچو کہ شوگر کوئین کے بارے میں کیا کرنا چاہیے، طفیل اور ڈیوڈ تو اب کسی طرح قانون کے بے رحم چنگل سے نہ نکل سکیں گے۔ ان کے بارے میں سوچ کر ہم بلاوجہ اپنا ذہن تھکائیں گے۔"

"شوگر کوئین!" اس نے پُرخیال انداز میں دہرایا۔ "تمہیں یقین ہے کہ وہ وہی لڑکی ہو گی جو تم سے مل چکی تھی؟"

"صرف آواز پر شبہ ہوا تھا۔" میں نے محتاط انداز میں کہا۔ "ٹرانسمیٹر پر آواز ویسے بھی بگڑ جاتی ہے۔ دھوکے کا امکان نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیا تمہاری دانست میں اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟"

"اگر وہ وہی ہے تو تم اس کے ٹھکانے سے ہٹ کر کہیں بھی اس سے یوں ٹکرا سکتے ہو جیسے اتفاقاً مل گئے ہو، ایسی صورت میں اس کا ردِعمل فوری اور شدید نہیں ہو گا۔"

اور اسی موضوع پر باتیں کرتے کرتے میری آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح میں دیر سے بیدار ہوا، سلطان شاہ اس وقت بھی لمبی تانے سو رہا تھا۔

میں نے دروازے کے قریب پڑے ہوئے اُردو اور انگریزی اخبار اٹھائے تو اردو اخبار کے پہلے صفحے پر ہی سنسنی خیز خبریں نمایاں سرخیوں میں چنگھاڑ رہی تھیں۔

کنال بینک روڈ سے ایک سفید فام کی بے نام و نشان لاش کی برآمدگی کو بہت ڈرامائی انداز میں پیش کیا گیا تھا۔ رات گئے تک پولیس اس کی شناخت کی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ قومیت کے بارے میں صرف اندازے ہی لگائے گئے تھے کیونکہ مرنے والے کی تحویل سے کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی تھی جو کارروائی میں مددگار ثابت ہوتی۔

کنال بینک روڈ کی اہمیت کے حوالے سے یہ سوال بھی اٹھائے گئے تھے کہ وہ وہاں کس مقصد کے تحت گیا تھا۔ وہ کسی محبِ وطن شخص کے عتاب کا نشانہ بنا تھا یا کسی حریف کی زد میں آیا تھا۔

ڈیوڈ ڈکسٹم انٹیلی جنس کی تحویل سے رہائی کے صرف چار گھنٹے بعد کراچی جانے والی شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اس کی کار کے فیول ٹینک سے چار کلو اعلیٰ درجے کی ہیروئن برآمد کی گئی تھی۔ متعلقہ سفارت خانے سے فوری رجوع کر کے یہ تصدیق بھی کر لی گئی تھی کہ پکڑا جانے والا گیارہ ماہ پہلے تک اسلام آباد میں اپنے ملک کے سفارت خانے میں کام کر رہا تھا اور اس بار نام اور حلیے کی چند تبدیلیوں کے ساتھ بیرونِ

لے جانے کی نیت سے آیا تھا لیکن پکڑا گیا۔
پہلی بار کسٹم والوں کے ہاتھوں گرفتاری اور پھر باز پرس کے دوران اس نے لاہور میں اپنے کسی شناسا سے رجوع کرنے کی اجازت چاہی تھی جو دینے سے انکار کر دیا گیا لیکن پھر پولیس حکام نے اولڈ کیمپس کے قریب ایک گاڑی سے ایک مقامی آدمی کو شدید زخمی اور بے ہوشی کی حالت میں گرفتار کیا تھا، جو امکانی طور پر ڈیوڈ کا ساتھی معلوم ہوتا تھا۔

اس کے بائیں ہاتھ کی دوسری انگلی ٹوٹی ہوئی کار کے پائیدان پر پڑی ہوئی تھی۔ ڈیوڈ نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا تھا پھر جب وہ مقامی قیدی ہوش میں آیا تو اس نے بالکل چپ سادھ لی خاصی کوششوں کے باوجود پولیس کا تفتیشی عملہ اس کا نام تک نہ اگلوا سکا تھا پھر اس کی ابتر حالت کے پیش نظر باز پرس ملتوی کر کے اسے لاک اپ میں ڈال دیا گیا تھا جہاں اس نے حفاظتی عملے کی موجودگی میں اپنے پاس چھپا ہوا کوئی زہر کھا کر خودکشی کر لی تھی۔

لائیڈز کالج میں رعب اور دبدبے کے ساتھ زندگی بسر کرنے والے طفیل کا وہ انجام عبرتناک تھا اس نے تنظیم کے رازوں کی حفاظت کے لیے نہ جانے کتنے خون بہائے تھے لیکن حالات نے اسے ایک ایسے دھارے میں دھکیل دیا کہ وہ اپنا بھی خون بہانے پر تل گیا، میری دانست میں وہ بڑی ماں کے لئے کوئی پکار تھی جو طفیل کی موت پر منتج ہوئی تھی۔

طفیل کو اپنے فلسفے کے تحت موت کے بعد کی کوئی فکر نہیں تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ لائیڈز کالج والے اپنے مُردوں کی سرپرستی کے قائل نہیں ہیں، خصوصاً وہ لوگ جو باہر بدنامی کی حالت میں مرتے ہوں۔ اس اعتبار سے تصویر کی طرح طفیل کو بھی پس مرگ پہچاننے سے انکار کر دیا جاتا اور اس کی لاش لاوارث قرار دے کر دفن کر دی جاتی۔

اس پورے معاملے میں سب سے بڑی بات یہ ہوئی تھی کہ طفیل کی کار کے ڈیش بورڈ سے اس کا ڈرائیونگ لائسنس برآمد ہوا تھا جس پر اس کا لائیڈز کالج کا پتا درج تھا اور آخری لمحے پر اسی حوالے سے دو مختصر سطریں شائع ہوئی تھیں کہ آخری خبریں موصول ہونے تک لائیڈز کالج والوں نے طفیل سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا تھا۔

اس بار لاہور آنے کے بعد میرے دل میں طفیل کی طرف سے اس قدر نفرت پیدا ہو گئی تھی کہ عملاً میں ایبے ٹو کو فراموش کر کے اسی کے پیچھے پڑ گیا تھا اور مجھے خوشی تھی کہ وہ میرے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا تھا۔
اور اب شوگر کوئین کی باری تھی!

اسی اثنا میں سلطان شاہ بھی نیند سے بیدار ہو گیا اور بستر چھوڑتے ہی میرے ساتھ اخبار کے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔

"لائیڈز کالج والے اس بار بھی اپنا دامن بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" اس نے خبریں دیکھنے کے بعد تبصرہ کیا۔

"کوشش تو ہم بھی بہت کچھ کر رہے ہیں۔ اب نتائج کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"کیوں نہ ٹرانسمیٹر پر کچھ چھیڑ چھاڑ کی جائے۔" اس نے رائے پیش کی جسے میں نے فوراً قبول کر لیا۔

"جب ہم ایک دوسرے کے سامنے آ ہی گئے ہیں تو اب کھل کر بات کرنا چاہیے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے آپریٹس آن کر دیا۔

ریڈیائی شور جب اعتدال پر آیا تو میں نے بٹن دبا کر پیغام نشر کرنا شروع کر دیا۔

"ڈینی کالنگ لائیڈز کالج... اوور!"
میں وقفے وقفے سے کوشش کرتا رہا لیکن دوسری طرف بالکل سکوت چھایا رہا۔

"طفیل کے بعد وہاں کون رہا ہوگا جو تمہاری کال کا جواب دینے یا نہ دینے کا فیصلہ کر سکے۔" سلطان شاہ نے میری مسلسل ناکامی پر دھیمی آواز میں کہا۔ "جواب کے لیے تمہیں شاید کسی نہ کسی کو مخاطب کرنا ہی ہوگا۔"

"ڈینی کالنگ لائیڈز کالج۔ جو بھی میری آواز سن رہا ہو جواب دے۔ اوور!"

"کیا چاہتے ہو؟ اوور!" چند ثانیوں کے بعد ریسیور پر ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔

"طفیل، ڈیوڈ اور اولڈ ڈارلنگ کا حشر تمہارے سامنے ہے، مجھے ہر قیمت پر تصویر کی ماں کا سراغ درکار ہے ورنہ آج کا سورج غروب ہونے تک لائیڈز کالج اور اس کے مکینوں پر مزید مصائب نازل ہوں گے... اوور!"

"تم کسی غلط فہمی کا شکار معلوم ہوتے ہو۔ ہم لوگوں کا لائیڈز کالج سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی ہم کسی تصویر یا اس کی ماں کو جانتے ہیں۔ اوور!"

"شاید تم طفیل کے وجود سے بھی انکار کر دو گے؟ اوور!" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تم خود ہی سمجھدار ہو۔" دوسری طرف سے ٹھنڈے لہجے میں کہا گیا۔ "ایسی صورت میں ہمیں اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے کہ کون زندہ رہا اور کون مارا گیا۔ میں کسی ایسے آدمی کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں جو تمہارے سوالات کے جواب دے سکے۔ اوور!"

"یہی بہتر ہوگا ورنہ تمھارے لیے زندہ رہنا عذاب بن جائے گا... اوور!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"دھمکیوں سے تم ہمیں مرعوب نہیں کر سکو گے۔" دوسری طرف سے بدستور پُرسکون لہجے میں کہا گیا۔ "ہمارے بھی ہاتھ بہت دراز ہیں، بدقسمتی بس اتنی ہے کہ ہمارا ایک آپریٹس تمھاری تحویل میں چلا گیا ہے اور اب.....!"

میں نے پورا پیغام سُنے بغیر فوراً ہی آپریٹس آف کر کے چادر کے نیچے ڈال دیا کیوں کہ دروازے پر دستک سنائی دی تھی۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا تو وہ بھی حیرت سے میری طرف نگراں تھا۔

"کون ہو سکتا ہے؟" اس نے سرسراتی ہوئی تشویش زدہ آواز میں کہا۔

"پتا نہیں۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ اسی لمحے دوبارہ دستک سنائی دی، شاید باہر والا جواب نہ ملنے پر مضطرب ہو رہا تھا۔ "کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ میں دروازہ کھولتا ہوں، تم ہوشیار رہنا۔" یہ کہہ کر میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ کھولا تو ایک اجنبی چہرہ ہاتھ میں کچھ کاغذات تھامے کھڑا تھا۔

"بے وقت تکلیف دینے پر معذرت خواہ ہوں۔" اس نے رسمی لہجے میں کہا۔ "میں اس ہوٹل کا منیجر ہوں، آپ کو میرے ساتھ نیچے دفتر تک چلنا ہوگا۔"

"مگر کیوں؟" میں نے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔ "ابھی تو میں نے منہ ہاتھ بھی نہیں دھویا۔ میرے شب خوابی کے لباس کی حالت آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ میں ایسی حالت میں کمرے سے ہرگز نہیں نکل سکتا۔"

"آپ لباس تبدیل کر لیں۔ مجبوری نہ ہوتی تو میں ہرگز زحمت نہ دیتا، میرے دفتر میں اس وقت کچھ سینئر پولیس افسران موجود ہیں، میں انھیں بمشکل دفتر میں روک سکا ہوں ورنہ وہ خود اوپر آنے پر مُصر تھے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کی وجہ سے ہوٹل میں کوئی تماشا کھڑا ہو جائے۔" اس کے لہجے میں معذرت کے ساتھ غصے کی بھی ہلکی سی جھلک نمودار ہو گئی تھی۔

پولیس کا نام سنتے ہی میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ منیجر نے مزید کچھ کہا لیکن وہ میرے پلّے نہ پڑ سکا کیونکہ اس وقت عارضی طور پر میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔

شاید سلطان شاہ نے ہوٹل منیجر کے کہے ہوئے الفاظ سن لیے تھے کیونکہ وہ فوراً ہی میرے پیچھے آ پہنچا تھا اور مجھے راستے سے ہٹا کر آگے بڑھنے کی فکر میں تھا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا اور پریشان ہو گیا۔ سلطان شاہ نے داہنے ہاتھ میں دبا ہوا پستول اپنی پُشت کی طرف چھپایا ہوا تھا اور اس کے تیور بہت خطرناک نظر آ رہے تھے۔

"تم اندر جاؤ!" میں نے سلطان شاہ کو غصیلی نظروں سے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "میں بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ! آپ لوگ بلاوجہ اشتعال کا شکار ہو رہے ہیں۔" منیجر مضطربانہ انداز میں پہلو بدلتے ہوئے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "پولیس افسران کی یہ کارروائی صرف آپ ہی کے لیے نہیں ہے، وہ ہوٹل میں مقیم ہر اُس شخص سے بالمشافہ ملاقات پر مُصر ہیں جس کے مکمل کوائف ہمارے رجسٹر میں موجود نہیں ہیں۔"

"تو یہ آپ کے عملے کا قصور ہے، اس کی سزا یہاں قیام کرنے والوں کو کیوں دی جا رہی ہے۔ کیا صرف اس لیے کہ انہوں نے ٹھہرنے کے لیے اس ہوٹل کا انتخاب کیا ہے؟" میں نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"اوہ۔" وہ بائیں ہتھیلی سے اضطراری طور پر اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے بولا۔ "میں کہتا ہوں کہ اس معمولی سی بات پر آپ جذباتی کیوں ہو رہے ہیں۔ ہمارے رجسٹر میں مسافروں کی شناخت، سفر کے مقاصد اور منزل کے بارے میں کئی کالم ہوتے ہیں اور ہمارا عملہ محض خوش خلقی کے اظہار میں آنے والوں سے وہ سوالات دریافت نہیں کرتا کہ کہیں آنے والے ایسی جرح کو اپنی توہین نہ سمجھ بیٹھیں۔ مسافروں کی بخیر و عافیت واپسی کے بعد وہ کالم اپنے طور پر پُر کر لیے جاتے ہیں۔ یہ کم و بیش ہر چھوٹے اور بڑے ہوٹل کا اصول ہے، اب یہ اتفاق ہے کہ اس بار پولیس آ پہنچی ہے۔ ہمارے رجسٹر میں جن نام کے آگے اندراجات کے خانے خالی ہیں، ان سب کو باری باری میرے دفتر میں طلب کیا جا رہا ہے۔ کم و بیش میرے سارے ہی مہمان اس ناپسندیدہ مشق سے گزریں گے اور انھوں نے بتایا ہے کہ یہ تفتیش شہر کے تمام ہوٹلوں میں ہو رہی ہے۔ کیوں ہو رہی ہے؟ اس سوال کا دریافت کرنا میرے لیے دشوار ہے۔ ہم سے ہر وقت چھوٹی موٹی فروگزاشتیں ہوتی رہتی ہیں۔ وہ جب چاہیں ہمیں اندر کر سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میری اس وضاحت کے بعد آپ کو میرے ساتھ چلنے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

اس نے کوریڈور میں کھڑے رہ کر جس عاجزانہ لہجے میں وہ ساری تقریر کی تھی، اس پر میرا دل پسیج گیا اور ذہن سے بیشتر اندیشے صاف ہو گئے اور میں خندہ پیشانی کے ساتھ اس سے تعاون پر آمادہ ہو گیا۔

"آپ اندر تشریف لے آئیں، میں بس پانچ منٹ لوں گا۔" میں نے اسے راستہ دیتے ہوئے کہا۔

"آپ تیار ہوں، میں دو سو پندرہ والوں کو کہہ آؤں، ہو سکتا ہے کہ وہ بھی کچھ وقت لیں۔" اس نے خوش خلقی کے مظاہرے

میں دانت نکالتے ہوئے کہا۔" میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ان شدید قانونی پابندیوں کے باوجود شہروں میں جا بجا ہوٹل کیوں بن رہے ہیں؟ مسافروں کے ساتھ تو جو ہوتا ہے سو ہوتا ہے لیکن ہمارے بارے میں تو ہر بار یہی رویّہ ہوتا ہے جیسے ہم بدنام جرائم پیشہ افراد کے پشت پناہ ہوں۔"

وہ چلا گیا اور میں نے دروازہ بند کر دیا۔

"تم بھی جلدی سے لباس تبدیل کر لو۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا۔" میری اور منیجر کی روانگی کے بعد کمرے میں سے نکلنا۔ اگر حالات خراب ہوں تو تمہیں دخل اندازی کی کھلی اجازت ہوگی۔"

"اچھا ہی ہوا کہ تم نے مجھے پھٹکار کر اندر لوٹا دیا ورنہ میں تو پولیس کا نام سنتے ہی منیجر کو گریبان پکڑ کر اندر گھسیٹنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔" اس نے احمقانہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔" میں سمجھا تھا کہ یہ ہمارے لیے کوئی خاص پھندا تیار کیا گیا ہے۔"

"مجھے حیرت ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "ہمارے یہاں سرخ فیتے کی لعنت اس قدر مستحکم ہے کہ میں اب تک یقین نہیں کر سکتا کہ پچھلی رات رونما ہونے والی وارداتوں یا کسی مخبری کی بنا پر پولیس آج صبح سویرے حرکت میں آچکی ہے۔"

"صبح سویرے نہ کہو۔" اس نے لباس تبدیل کرتے ہوئے کہا۔" اس وقت دس بج چکے ہیں۔"

چند منٹ بعد میں لباس تبدیل کر کے باہر نکلا تو منیجر بے چارہ کسی یتیم خانے کے منشی کی طرح دست بستہ راہداری میں ہمارے ظہور کا منتظر تھا۔

"آپ کے ساتھی؟" مجھے تنہا کمرے سے نکلتے دیکھ کر منیجر نے مسمسی آواز میں پوچھا

"میرا خیال ہے کہ میں ساری جوابدہی کر لوں گا۔" میں نے خوش خلقی کے ساتھ کہا۔" ضرورت محسوس ہوئی تو اسے بھی نیچے بلا لیا جائے گا۔"

منیجر سر ہلا کر میرے ساتھ ہو لیا۔

میں نے طویل راہداری عبور کر کے سیڑھیوں کی طرف مڑتے ہوئے کنکھیوں سے دیکھا تو سلطان شاہ کمرے سے باہر نکل آیا تھا اور ہمارے پیچھے بڑھا چلا آرہا تھا۔

گراؤنڈ فلور پر پہنچ کر میں منیجر کے پیچھے آگے بڑھتا رہا اور جب اس نے اپنے دفتر کے کمرے کا دروازہ کھولا اور میں چند قدم آگے بڑھا تو بے اختیار میرے تنفس کی رفتار تیز ہو گئی۔

میرے سامنے توقیر کے نام سے کراچی میں میرا مہمان ہونے والا پولیس کی وردی میں موجود تھا اور اس کی شناسا نگاہیں مجھ پر مرکوز تھیں، جن میں قدرے تحیر کے ساتھ تحقیر کے آثار موجود تھے۔

میرے لیے وہ صورتحال ناقابلِ فہم تھی لیکن شاید میرے پیچھے آنے والے سلطان شاہ نے صورتحال کی نزاکت بھانپ لی تھی۔ میرے عقب سے ایک بے آواز فائر ہوا جو بے سود ثابت ہوا، پھر اسی کے بعد توقیر کا نام اختیار کرنے والے نے اچانک نکاسی کے راستے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ہوٹل کا منیجر ایک دیوار سے لگا اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے میلوں دور سے دوڑتا ہوا وہاں تک آیا ہو۔

میں نے اس جعلی پولیس آفیسر کی طرف چھلانگ لگا دی جو کراچی میں توقیر کے نام سے میرا مہمان ہوا تھا لیکن اس وقت ایک پولیس آفیسر کی یونیفارم میں نظر آرہا تھا۔ وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی ہوشیار تھا کیونکہ ایک چھلاوے کی طرح مجھے جل دیتا ہوا ہوٹل کی راہداری سے گزر کر باہر کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ کک... کیا ہو رہا ہے... کیا ہو رہا ہے؟ میں برباد ہو جاؤں گا۔" ہوٹل کے منیجر کی کانپتی ہوئی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی لیکن اس وقت میرے ذہن میں بس ایک ہی گونج سمائی ہوئی تھی۔

اے ٹو پولیس کی وردی پہنے شہر میں دندناتا پھر رہا تھا اور اب میرے سامنے سے کسی چھلاوے کی طرح نکل بھاگا تھا، میرے پیروں میں گویا پر لگ گئے، میں برق رفتاری کے ساتھ دوڑتا ہوا منیجر کے کمرے سے نکل کر ہوٹل کی راہداری سے ہوتا ہوا نکاسی کے راستے کی طرف پہنچا۔ راستے میں ہوٹل کے کئی ویٹر ہراس اور سراسیمگی کے عالم میں کھڑے نظر آئے، یہی کیفیت دربان کی تھی۔ وہ ہکا بکا کھڑا باہر کی سمت میں گھورے جا رہا تھا۔

"وہ... وہ کہاں گیا؟" میں نے دربان کو تقریباً جھنجوڑتے ہوئے سوال کیا۔

دربان نے پھٹی پھٹی تحیر آمیز نگاہوں سے مجھے یوں گھورا جیسے میں نے کسی اجنبی سیارے کی زبان میں وہ سوال کیا ہو۔ شاید اس کا اس قدر حیران و پریشان ہونا فطری بھی تھا کیونکہ اس نے چند لمحوں قبل ایک باوردی اعلیٰ پولیس افسر کو کسی ادنیٰ مجرم کی طرح فرار ہوتے دیکھا تھا۔ وہ بے چارہ سمجھ ہی نہ سکا ہوگا کہ اس واقعہ کا سبب کیا ہو سکتا تھا۔

لیکن اس وقت میں خود بھی دربان کی پریشانی کا احساس نہ کر سکا، مجھ پر عجیب سی اضطراری کیفیت طاری تھی، میں نہیں چاہتا تھا کہ میرا حریف یوں آسانی کے ساتھ فرار ہو سکے۔

"جلدی بکو... وہ مردود کدھر گیا ہے؟" میں نے دونوں مٹھیوں میں اس کا گریبان دبوچ کر اس کے قدم زمین سے

چند انچ اوپر اٹھا دیے اور وہ جیسے سکتے سے ہوش میں آ گیا۔

"ادھر، وہ ادھر گیا ہے۔" اس نے پارکنگ لاٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے اچانک اس کا گریبان چھوڑ دیا پھر میں نے اسے لڑکھڑا کر پیچھے کی طرف گرتے ہوئے دیکھا اور برآمدے سے نیچے دوڑ لگا دی۔ میں دیوانہ وار آگے [illegible] پارکنگ

ایک سیاہ سیڈان کار کچے راستے پر تیزی سے اچھلتی ہوئی پارکنگ لاٹ سے برآمد ہوئی اور مجھے ونڈ شیلڈ سے اسٹیئرنگ کے عقب میں وہی بدمعاش اے ٹو بیٹھا ہوا نظر آیا۔ اس سے پیشتر کہ اس کے بارے میں کچھ سوچنے کی نوبت آتی، وردی پوش اے ٹو نے اسٹیئرنگ کاٹا اور سیاہ کار کسی درندے کی طرح غراتی ہوئی میری طرف آنے لگی۔

میرے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ کچا راستہ بالکل ہموار تھا، کہیں کوئی ایسی اونچی جگہ نہیں تھی جہاں چڑھ کر میں خود کو اس مشینی حملے سے محفوظ رکھ سکتا، واپس برآمدے تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ پیچھے سے مجھے روندتا ہوا گزر جاتا۔

میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا اور میں اِدھر اُدھر بھاگنے کے بجائے کسی سحر زدہ معمول کی طرح اپنی جگہ پر جم کر کھڑا ہو گیا۔ دماغ ایک دم سُن ہو کر رہ گیا تھا۔

پھر اچانک ایک بے آواز فائر ہوا اور سیاہ سیڈان کی ونڈ شیلڈ چور چور ہو گئی لیکن گولی کے گزرنے کے مقام پر پیدا ہونے والے سوراخ کے علاوہ باقی تمام ٹکڑے اپنی جگہ قائم رہے جن کے آر پار دیکھنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

اس صورت حال نے کار ڈرائیو کرنے والے کو بوکھلا دیا اور سیڈان ایک تیز جھٹکے کے ساتھ مجھ سے چند فٹ دور رک گئی۔

میری کھوپڑی پر جمتی ہوئی برف یکلخت پگھلنے لگی۔

اپنے کمرے سے میں تنہا ہی نیچے نہیں آیا تھا بلکہ سلطان شاہ بھی اپنے اسلحہ سمیت میرے پیچھے آیا تھا اور جب میں نے منیجر کے کمرے میں تین باوردی پولیس افسران میں اے ٹو کو شناخت کیا تو اپنے ردعمل میں حیرت کے اظہار سے آگے بڑھنے بھی نہ پایا تھا کہ سلطان شاہ نے صورت حال کی نزاکت بھانپ کر میرے عقب سے اے ٹو پر فائر جھونک مارا تھا۔ اب یہ اتفاق ہی تھا کہ اس کا نشانہ خطا گیا اور اے ٹو کو وہاں سے نکل بھاگنے کا موقع مل گیا۔

پھر بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ سلطان شاہ اس کے تعاقب میں مجھے تنہا چھوڑ دیتا، یقیناً وہ میرے پیچھے موجود تھا اور اسی نے بروقت گولی چلا کر اے ٹو کے لیے اس گاڑی میں فرار ہونا ناممکن بنا دیا تھا۔

وہی نہیں، عین ممکن تھا کہ اس کے ساتھ ہوٹل کا منیجر اور اس کا عملہ بھی موجود ہوتا۔ الجھن کی بات بس اتنی تھی کہ میں نے اعلیٰ پولیس افسران کی وردیوں میں اے ٹو کے علاوہ مزید دو افراد کو وہاں دیکھا تھا اور وہ یقینی طور پر اے ٹو کے ساتھی ہی تھے۔ اس بھگدڑ میں انھیں یقینی طور پر فرار کا موقع مل گیا تھا ورنہ وہ سلطان شاہ وغیرہ کو یوں کھلی چھٹی نہ دیتے۔ ان دونوں کو پورا یقین رہا ہو گا کہ اے ٹو کو روکنا ناممکن ہو گا پھر وہ کیوں وہاں رک کر کسی چوہے دان میں پھنسنے کا انتظار کریں۔

میرے ذہن نے کسی برق رفتار کمپیوٹر کی طرح آناً فاناً میں وہ سارا تجزیہ کر لیا اور میں نے وقت ضائع کیے بغیر سیاہ سیڈان کی طرف چھلانگ لگا دی۔

میں نے بڑھ کر ڈرائیونگ سیٹ کے دروازے پر پوزیشن لینا چاہی تھی تاکہ اے ٹو کو نیچے اترتے ہی گردن سے دبوچ لوں لیکن میرے وہاں پہنچنے پر بھی دروازے میں جنبش نہ ہوئی تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے جھک کر کھڑکی کے شیشے میں سے جھانکا تو اے ٹو عجلت میں دوسری سمت کے دروازے سے نیچے اتر چکا تھا۔

ابھی میں کوئی فیصلہ بھی نہ کر پایا تھا کہ اچانک پھر ایک فائر ہوا اور اس بار کار کی دوسری سمت سے ایک بے ساختہ چیخ ابھری تھی۔ شاید اس بار سلطان شاہ کا نشانہ کارگر رہا تھا۔

میں نے دوڑ کر کار کی دوسری سمت میں پہنچنے کی کوشش کی لیکن میں ڈکی تک ہی پہنچا تھا کہ کار کے سامنے ایک شدید دھماکا ہوا اور فضا میں کثیف دھوئیں کی چادر پھیل گئی۔

وہ بدمعاش ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا اور اپنے فرار کی راہ مسدود پا کر اس نے دھوئیں کے بم استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس وقت صورت حال یہ تھی کہ دھوئیں کی چادر کے پار سلطان شاہ ہوٹل کے عملے سمیت موجود تھا۔ ان لوگوں کے لیے اس کثیف دھوئیں سے گزرنا ناممکن تھا کیونکہ دھوئیں کی زد میں آتے ہی تنفس کا نظام ناکارہ ہو جاتا اور ایسی حماقت کرنے والا دم گھٹنے کے سبب آناً فاناً میں بے ہوش، ہو جاتا۔

دھوئیں کے دوسری جانب اے ٹو کار کی آڑ میں زمین پر پڑا دوسرے دستی بم کو داہنی ہتھیلی پر تول رہا تھا اور میں اس کے عقب میں موجود تھا۔

میرے لیے وہ مرحلہ فیصلہ کن تھا، میں کسی چیتے کی سی مکاری کے ساتھ بے آواز قدموں کے ساتھ آگے بڑھا، اس اثنا میں اے ٹو نے دوسرا بم بھی سامنے اچھال دیا۔ دھماکے سے

زمین لرز اٹھی اور سیاہ دھوئیں کی چادر کے اس پار دیکھنا ناممکن ہو کر رہ گیا۔ فضا میں پھیلے ہوئے دھوئیں کے اثرات سے اے ٹو کھانس رہا تھا مگر میں حلق سینے اور آنکھوں میں شدید جلن کے باوجود کوئی آواز پیدا کیے بغیر عین اس وقت اے ٹو پر ٹوٹ پڑا جب وہ ایک تھیلا سمیٹ کر زمین سے اٹھ رہا تھا۔

میرے ناگہانی حملے کے باعث لحظہ بھر کے لیے وہ میرے نیچے دب کر رہ گیا مگر اگلے ہی لمحے میں اس نے اپنے گھٹنوں پر زور دے کر مجھے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی پشت پر سے دور اچھال دیا۔

اے ٹو۔ جس کا نام میرے لیے برسوں سے ایک ہیبت بنا ہوا تھا، اس وقت میرے ساتھ دو بدو مقابلے میں مصروف تھا اور میری دسترس میں تھا۔ میں زمین سے لگتے ہی پھرتی کے ساتھ اٹھا اور دوبارہ اس پر جا پڑا۔

میں نے عقب سے اس کے دونوں شانوں کو گرفت میں لے کر اپنے پورے وجود کو فضا میں اچھال کر وحشیانہ قوت کے ساتھ اس کے سر کے پچھلے حصے پر ٹکر رسید کی وہ ٹکر کھاتے ہی غرا کر نیچے جھکتا چلا گیا اور میں توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے اس کے اوپر سے اڑتا ہوا آگے جا گرا۔

اس وقت وہ چاہتا تو بآسانی مجھے گہری زک پہنچا سکتا تھا لیکن اسے صورتِ حال کی نزاکت کا پورا احساس تھا۔ دھوئیں کے بم پھینک کر اس نے ایک راستہ مسدود کر دیا تھا لیکن ہوٹل کے عملے کی مدد سے لوگ دوسری طرف سے اسے گھیر سکتے تھے۔ یوں گزرتا ہوا ہر لمحہ اس کے فرار کے امکانات محدود کر رہا تھا۔

اس نے میری گردن پر پیر رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے تھیلے سے یکے بعد دیگرے تین دستی بم نکال کر مختلف سمتوں میں اچھال دیے۔ شاید اس طرح وہ لوگوں میں ہراس پھیلا کر انہیں خود سے دور رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے اس کی ٹانگ پکڑنے کی کوشش کی لیکن جسمانی طور پر مجھ سے بہت زیادہ برتر نہ ہونے کے باوجود اس کے وجود میں کسی گینڈے کی سی توانائی عود کر آئی تھی۔ اس کی پنڈلی میری گرفت میں آ کر ایک جھٹکے سے نکل گئی اور میرے ہاتھ میں پتلون کے پائنچے سے پھٹا ہوا ایک چیتھڑا دبا رہ گیا۔

اس سے پیشتر کہ میں زمین سے اٹھتا اے ٹو نے ایک طرف دوڑ لگا دی اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے کثیف دھوئیں کے سیاہ بادل میں گھستا چلا گیا۔

میں ہر طرف سے دھوئیں میں گھرا ہوا تھا اور سمتوں کا احساس معدوم ہو چکا تھا مگر پھر سیاہ سیڈان پر نظر پڑی تو مجھے اے ٹو کی حاضر دماغی کی داد دینا پڑی۔ وہ گھبراہٹ کے عالم میں بھی اس طرف بھاگا تھا جدھر پارکنگ لاٹ واقع تھی۔

دھوئیں کے بڑھتے ہوئے اثرات اس قدر اذیت ناک تھے کہ میں اس کے پیچھے دھوئیں کی چادر عبور کرنے کی ہمت نہ کر سکا اور وہیں کار سے ٹک کر بری طرح کھانسنے لگا۔

اسی دوران میں مجھے احساس ہوا کہ اے ٹو وہاں ایک خوفناک ہنگامہ برپا کرنے کے باوجود صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن میں سخت دشواری میں مبتلا ہو گیا تھا۔

میرے چاروں طرف زہریلے دھوئیں کا حصار قائم تھا میں اس میں گھرا فضا صاف ہونے کا منتظر تھا لیکن ہوٹل کے احاطے میں ہونے والے ان ہولناک دھماکوں کے نتیجے میں کسی بھی لمحے اصل پولیس فورس وہاں پہنچ سکتی تھی، یہ امکان بھی تھا کہ ہوٹل کے عملے کے ہی کسی رکن نے فون پر پولیس سے مدد طلب کر لی ہو۔ ایسی صورت میں مفرور مجرموں کی تلاش کے سلسلے میں پولیس کی ساری توجہ میری اور سلطان شاہ کی ذات پر مرکوز ہو جاتی اور ہمیں بدترین حوالاتی تفتیش سے جان بچانا محال ہو جاتی۔ لہٰذا عقل مندی کا تقاضا یہی تھا کہ پولیس کی آمد سے پہلے ہم دونوں وہاں سے فرار ہو جائیں۔

یہ خیال آتے ہی میں اپنی ساری تکلیف بھول کر اے ٹو کی چھوڑی ہوئی سیڈان میں سوار ہو گیا۔ کنجی اگنیشن میں موجود تھی لیکن اگلا شیشہ ریزہ ریزہ ہو جانے کے باعث پتھر کی دیوار بن گیا تھا جس کی دوسری طرف دیکھنا ناممکن تھا۔

میں نے اپنے پیر سے جوتا اتار کر اس ٹوٹے ہوئے شیشے پر چند ضربیں لگائیں اور بیشتر ٹکڑے کار کے اندر یا بانٹ پر جا گرے بس چاروں طرف ربر میں پھنسے ہوئے ٹکڑے اٹکے رہ گئے لیکن اب کار ڈرائیونگ کے قابل ہو چکی تھی۔

انجن اسٹارٹ کرتے ہی میں نے ہیڈ لیمپس آن کیے اور ہارن بجاتے ہوئے محض اندازے کی بنا پر کار تیزی سے آگے بڑھا دی۔ دھوئیں کے گاڑھے بادل زمین سے لگے ہوا کے رخ پر دھیمے دھیمے ہوٹل کی عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے، ان میں سے گزرتے ہوئے ٹوٹی ہوئی ونڈ شیلڈ میں سے دھواں اندر داخل ہوا۔ میں نے سانس تو روک لیا مگر نتھنوں اور آنکھوں کی سوزش نے ان چند ثانیوں ہی میں حالت غیر کر دی۔

میں دوسری طرف نکلا تو دھوئیں کی زد سے دور مسافروں، ہوٹل کے عملے اور تماشائیوں کا ایک جمِ غفیر موجود تھا۔ ہر چہرے پر خوف و ہراس اور تشویش کے آثار دور ہی سے پڑھے جا

سکتے تھے۔

مجھے اس حصار سے برآمد ہوتے دیکھ کر سلطان شاہ ہوٹل کے منیجر کو بازو سے تھامے تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ میں نے کار روک دی۔ مجھے حیرت تھی کہ مجمع میں سے کسی نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"اترو، گاڑی میں چلاؤں گا۔" قریب آکر اس نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ وہ نہ بھی کہتا تو اس وقت مجھ پر دھویں کے اثرات اس حد تک غالب تھے کہ شاید میں ہوٹل سے نکلتے ہی ہر خطرہ مول لے کر ڈرائیونگ سیٹ اس کے حوالے کر دیتا۔

"پیچھے بیٹھ جاؤ اس کے ساتھ، جلدی کرو، ابھی وہ دور نہ گیا ہوگا۔" میرے اترتے ہی سلطان شاہ نے منیجر کو ٹھوکا مار کر ترش لہجے میں کہا اور وہ بوکھلا کر جلدی سے پچھلی سیٹ میں گھس گیا۔ میں اس کے پہلو میں بیٹھا اور سلطان شاہ نے ہارن بجاتے ہوئے کار تیزی کے ساتھ آگے بڑھا دی۔

مجمع کار کو راستہ دینے کے لیے کائی کی طرح پھٹتا چلا گیا۔

"اسے کیوں لے آئے؟" میں نے کار کے سڑک پر آتے ہی ناخوشگوار لہجے میں سلطان شاہ سے سوال کیا۔

"میں نے اسے بتا دیا تھا کہ پولیس کی وردیوں میں آنے والے دراصل خطرناک مجرم ہیں اور ہم دونوں کو ان ہی کی گرفتاری کے لیے سی آئی اے ہیڈ کوارٹرز سے بھیجا گیا ہے، نہ بتاتا تو شاید یہ لوگ مجھے ہی قابو کر لیتے...."

سلطان شاہ نے نہایت چالاکی کے ساتھ اپنی لائن مجھے سمجھا دی تھی۔ میں نے کھانس کر پہلو بدلا اور منیجر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"وہ تینوں تمہارے پاس کیوں آئے تھے؟"

"میرا کوئی قصور نہیں ہے جناب۔" منیجر گھگھیاتے ہوئے مدافعانہ لہجے میں بولا "میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو وردیوں سے دھوکا کھا جاتا۔ ایس ایس پی تو بہت بڑا افسر ہوتا ہے، ہوٹل والوں کی تو اے ایس آئی سے بھی روح فنا ہوتی ہے۔ جب اور جس جرم میں چاہیں، ہمیں بند کر سکتے ہیں، ہمارا کام ہی کچھ ایسا ہے۔"

"کام کی بات کرو۔" میں نے سنبھالا لے کر اسے افسرانہ شان سے پھٹکارتے ہوئے کہا "یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ وہ مسافروں کو کیوں چیک کرنا چاہتے تھے؟"

"مجھ سے کہا گیا تھا کہ ان کی اطلاعات کے مطابق بیرونِ شہر سے آئے ہوئے کچھ اشتہاری مجرم شہر کے کسی ہوٹل میں روپوش ہیں۔ اس بارے میں وہ تین ہوٹلوں کی چیکنگ کے بعد میرے پاس آئے تھے۔"

"ہم دونوں کو خاص طور پر بلوایا گیا تھا؟"

"نن... نہیں۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔ "رجسٹر میں جن ناموں کے سامنے اندراجات نامکمل تھے، سب ہی کو بلوایا تھا، صرف میرے تین غیر ملکی مہمان اس پیشی سے بچ سکے تھے کیونکہ غیر ملکیوں کے معاملے میں ہم خاصی احتیاط برتتے ہیں۔"

میری دانست میں اسے اپنا دُم چھلا بنائے رکھنا بے سود ہی تھا۔ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "ہم اس وقت ان کے دوسرے ٹھکانے پر چھاپا ماریں گے، ہمارے ساتھ تمہارا وقت برباد ہوگا، اس وقت تمہاری ہوٹل میں موجودگی ضروری ہے تاکہ کوئی مقامی پولیس پارٹی جائے واردات پر پہنچے تو تم اسے حقائق سے باخبر کر سکو، اگر ابتدا ہی میں وقوعہ کا غلط پرچا کٹ گیا تو تمہارے لیے دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔"

"واقعی آپ نے بہت دور کا نکتہ سوچا ہے۔" اس کے چہرے سے ممنونیت کے آثار پھوٹ پڑے۔

"ہو سکے تو ہمارا سامان اپنی ہی تحویل میں رکھنا۔ ورنہ ہم مقامی تھانے سے ہی لے لیں گے۔" سلطان شاہ نے ہانک لگائی۔

"بہت بہتر جناب! میں آپ کا خادم ہوں۔" وہ ایک ایک لفظ پر بچھا جا رہا تھا۔ اپنے تجربے کی بنا پر شاید اسے ہم سے ایسے شریفانہ رویے کی امید نہیں تھی۔

سلطان شاہ نے ایک جگہ گاڑی روکی اور وہ یوں سلام کرتے ہوئے پھرتی سے اترا جیسے اسے ہمارا ارادہ تبدیل ہو جانے کا خوف لاحق رہا ہو۔

"اب اس جنازے سے پیچھا چھڑاؤ، منیجر کے واپس پہنچتے ہی پورے شہر کی پولیس ٹوٹی ہوئی ونڈ شیلڈ والی سیاہ سیڈان کی تلاش شروع کر دے گی۔" گاڑی حرکت میں آنے پر میں نے کہا۔

"لیکن یہ ہوا کیا۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ اس قدر دیدہ دلیر ہوں گے۔" اس نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ ہماری پولیس اتنی سُرعت کے ساتھ حرکت میں نہیں آسکتی لیکن مجھے یہ قلق رہے گا کہ ہمیں سامان چھوڑ کر بھاگنا پڑا ہے۔"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ ان کی حد سے زیادہ خود اعتمادی ہمارے کام آگئی ورنہ وہی دونوں اپنے پستول نکال لیتے تو ہمارا نشان بھی نہ ملتا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"بوکھلاہٹ میں اے لٹو کے قدم اکھڑنے کی وجہ سے یہ سب ممکن ہوا ورنہ آج ہمارا آخری دن آ لگا تھا۔" میں نے کہا۔ "اس کے بھاگتے ہی اس کے دونوں ساتھی میرے آگے

پڑے تھے پھر ایک بغلی راستے سے نکل بھاگے۔ شاید انھیں پورا یقین تھا کہ ٹو اپنی راہ بنا لے گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ ہم نے انھیں کھل کر سامنے آنے پر مجبور کر دیا ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہمیں تینوں ٹرانسمیٹرز سے ہاتھ دھونے پڑے ہیں۔"

"میں بالکل ہی احمق نہیں ہوں۔" وہ قہقہہ مار کر بولا۔ "تمھاری طرح کبھی کبھی سوچ بچار بھی کرنے لگا ہوں۔ کمرے سے نکلتے ہوئے تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ نیچے ہمارے اصلی دشمن بھی ہوں گے۔ اصل پولیس بھی ہوتی تو ہمارے دوبارہ کمرے کا رخ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لہٰذا تمھارے جلنے کے بعد میں نے تینوں اپریٹس اور دو سرا بے آواز پستول جیبوں میں ارس لیا تھا اور وہ اب بھی میرے قبضے میں ہیں۔"

اگر وہ گاڑی ڈرائیو نہ کر رہا ہوتا تو میں بے اختیار اسے گلے سے لگا لیتا۔

"ٹوٹی ہوئی ونڈ شیلڈ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن رہی ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ سڑک چھوڑ کر کسی مضافاتی علاقے کی طرف نکل چلو جہاں اس گاڑی کو چھوڑا جا سکے۔"

"مجھے اپنا نشانہ خطا ہونے کا افسوس زندگی بھر رہے گا، گاڑی کچی سڑک پر نہ ہوتی تو میری چلائی ہوئی گولی تمھارے دوست کے بھیجے میں اتری ہوتی۔"

"تمھیں دل گرفتہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے کہ دوسرے فائر میں تم نے اسے زخمی کر دیا تھا۔"

وہ مضحکانہ انداز میں ہنس کر رہ گیا۔ "گولی سے وہ خود کو صاف بچا گیا تھا۔ اس نے محض ہمیں دھوکا دینے کے لیے چیخ ماری تھی۔ اگر میں چیخ سن کر آگے دوڑ لگا دیتا تو اگلے ہی لمحے میں اس کے پھینکے ہوئے دھویں کے بم کے ٹکڑے مجھے لہولہان کر کے رکھ دیتے۔ معلوم ہو رہا تھا کہ مقابلے کے امکانات اس کے ذہن میں پہلے ہی سے موجود تھے۔"

سلطان شاہ نے ایک جگہ راستہ بدلنے کے لیے گاڑی موڑی اور چند سو گز دور چلنے کے بعد ہی وہ واقعہ رونما ہو گیا جسے ٹالنے کے لیے میں نے سلطان شاہ کو راستہ تبدیل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

سڑک کے کنارے موٹر سائیکل کے ساتھ ٹریفک سارجنٹ کھڑا ہوا تھا اور اس کا باوردی سپاہی ہاتھ ہلا کر ہمیں رکنے کا اشارا کر رہا تھا۔

ہم دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں اور سلطان شاہ بولا۔ "رکے بغیر گزر جاتے ہیں۔۔۔ رکے تو یہ قصہ گلے بھی پڑ سکتا ہے۔"

"جو کارروائی ایک آدھ گھنٹے بعد شروع ہونے والی ہے، اس کا آغاز اسی وقت ہو جائے گا، وہ موٹر سائیکل پر ہمارا تعاقب کرے گا۔ بہتر ہو گا کہ گاڑی روک لو۔"

"اور اگر وہ کٹ حجتی پر اتر آیا؟" سلطان شاہ نے کار کی رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "ٹریفک میں یک طرفہ نقل و حرکت ہے۔ پیسہ چلتا ہے یا پھر قانونی دفعات۔ سنگل ٹریک پر دونوں کا چلنا محال ہے، کچھ دے دلا کر پیچھا چھڑا لیں گے۔"

"بشرطیکہ اس بار وردیاں اصلی ہوں۔" اس نے دھیمے سے کہا اور پھر کار سڑک کے کنارے روک دی۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ ٹوٹی ہوئی ونڈ شیلڈ سے قطع نظر سیاہ سیڈان بہت شاندار کار تھی اور ہم دونوں کا حلیہ اس وقت کار کے معیار سے مطابقت نہیں رکھتا تھا لیکن اس کے باوجود سپاہی کا سوال سلگا دینے کے لیے کافی تھا۔

"کس کی گاڑی اٹھا لائے ہو؟" اس نے تحقیر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تھا۔

"سسرال سے لائے ہیں۔" مجھ سے پہلے ہی سلطان بول پڑا۔ "چاہو تو تمھیں بھی سیر کرا دیں گے۔"

"نیچے اترو۔" سپاہی کی قہر بار آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ میں پسنجر سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور وہ دوسری جانب سلطان شاہ والی کھڑکی کے قریب باہر کھڑا ہوا تھا جس کے نتیجے میں اس کا چہرہ میری نگاہوں سے اوجھل تھا لیکن اس کی آواز سے اس کے تیوروں کا اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا۔

سلطان شاہ بلاتوقف بے پروایانہ انداز میں نیچے اتر گیا۔ مجھے بھی نیچے آنے میں عجلت سے کام لینا پڑا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں سلطان شاہ کی منہ زوری کوئی بڑی دشواری نہ کھڑی کر دے۔

"گاڑی کے کاغذات اور ڈرائیونگ لائسنس نکالو۔" کانسٹیبل نے غراتے ہوئے کہا۔ سارجنٹ ہم سے چند گز دور لاتعلقانہ انداز میں کھڑا خلا میں کچھ تک رہا تھا۔ اس کی اداسی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت تک اسے اپنے فرائض کی بجا آوری میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

"سنتری بادشاہ سے بحث مت کرو۔" میں نے مداخلت کرتے ہوئے ترش لہجے میں سلطان شاہ کو جھڑکارا۔ "وہ جو کچھ مانگ رہے ہیں، قانون کے مطابق مانگ رہے ہیں۔"

غیر ارادی طور پر سپاہی کی گردن قدرے اکڑ گئی اور اس نے مشینی لہجے میں ایک مرتبہ پھر اپنا سوال دہرا دیا۔

"ونڈشیلڈ ٹوٹی ہوئی ہے کہیں گاڑی چھوڑتے تو کاغذات چوری ہو سکتے تھے' اس لیے گھر ہی چھوڑ آئے ہیں" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا "ہم سے قصور کیا سرزد ہوا ہے جو کاغذات کی ضرورت پیش آگئی"

"کنون کاغذات مانگتا ہے" وہ نتھنے پھلاکر جارحانہ لہجے میں بولا "اسے ونڈشیلڈ سے کوئی غرض نہیں' وہ سالم ہو یا ٹوٹی' کاغذات ساتھ ہونے چاہئیں"

"کیا بات ہے غلام نبی" ٹریفک سارجنٹ نے دور ہی سے ہانک لگائی. شاید وہ گاڑیاں گنتے گنتے اکتا گیا تھا۔

"سر! کاغذات اور لائسنس کے بغیر لاٹ صاحب کے بچے سڑک پر گاڑی چلا رہے ہیں" اس نے فوراً ہی جواب دیا پھر تحکمانہ لہجے میں ہم سے مخاطب ہو گیا "چلو ادھر' پرچا کٹے گا تمہارا"

سلطان شاہ کی جیبیں قدرے پھولی ہوئی تھیں۔ لہٰذا میں نے آنکھ کے اشارے سے اسے وہیں روک دیا اور خود سپاہی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ ٹریفک سارجنٹ اس اثنا میں اپنی چالان بک سنبھال چکا تھا۔

"کاغذات وغیرہ سب موجود ہیں، مہلت دیں تو پندرہ منٹ میں لے آؤں گا" ابتدائی سوال جواب کے بعد میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"ہوں" سارجنٹ حلق سے بل غرّایا "میں تمہارا نوکر ہوں جو یہاں کھڑا رہوں گا؟"

میرا خون کھول گیا. ساری خرابی یہی تھی کہ عوام کے ٹیکسوں پر پلنے والے سرکاری اہلکار خود کو عوام کا خادم کے بجائے آقا سمجھنے لگے تھے اور اپنے اس منصب سے نیچے آنے کو تیار نہیں تھے لیکن وہ نازک موقع کسی تقریر کے لیے سازگار نہیں تھا لہٰذا میں نے نرم لہجے میں کہا "پھر مجبوری ہے' جو چاہیں کرلیں"

"نام کیا ہے؟" اس نے قلم سنبھالتے ہوئے سوال کیا۔

"سر! چالان سے تو کچھ بھی نہ ہو گا" غلام نبی کو غالباً کوئی نیا نکتہ سوجھ گیا تھا۔

سارجنٹ نے کتاب سے نگاہیں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا "کیوں؟"

"ہو سکتا ہے کہ گاڑی چوری کی ہو۔ یہ تو پرچا کٹوا کر فرار ہو جائیں گے۔ ابھی تو ہم تھوڑی دیر یہیں کھڑے ہیں' اتنی دیر میں یہ رکشا ٹیکسی سے جاکر کاغذات لے آئے تو ٹھیک ہے ورنہ گاڑی ہم مال خانے میں جمع کرا دیں گے" غلام نبی خاصا گھاگ و چالاک معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے بالکل وہی کچھ کہا تھا جو میں سوچ رہا تھا۔ جھوٹے سچے نام سے چالان کرانے میں میرا کوئی نقصان نہیں تھا' رہی گاڑی تو میں خود ہی اس سے گلو خلاصی کی فکر میں تھا۔

لیکن آسانی سے رضامندی کی صورت میں غلام نبی کی سالخوردہ کھوپڑی کوئی اور گل کھلا سکتی تھی لہٰذا میں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا "یہ سراسر زیادتی ہے' ہم دونوں میں سے ایک یہیں رک جاتا ہے' دوسرا گاڑی سے جاکر کاغذات لے آئے گا"

"بک بک نہ کرو زیادہ" سارجنٹ نے آنکھیں نکال کر کہا "بے شک دونوں چلے جاؤ مگر گاڑی یہیں رہے گی ورنہ دونوں کو گاڑی سمیت تھانے لے جاکر ابھی بند کرا دوں گا' پھر ثابت کرتے رہنا کہ کار تمہاری ہے یا چوری کی"

نہ صرف دلیل بلکہ دھمکی بھی خاصی کارگر تھی۔ میں نے مایوسانہ انداز میں کار کی چابی سارجنٹ کی طرف بڑھائی جو غلام نبی نے درمیان ہی میں اچک لی۔

"پندرہ منٹ سے زیادہ دیر ہوئی تو شام سات بجے تھانے میں ہی ملاقات ہو سکے گی" میرے چلتے چلتے غلام نبی نے ہانک لگائی مگر میں پہلے ہی اس کی آنکھوں میں نمودار ہونے والی حریصانہ چمک سے اس کی نیّت کا اندازہ لگا چکا تھا۔

ہماری ایک کمزوری ہاتھ آجانے کی بنا پر وہ اور شاید اس کا افسر بھی ڈیوٹی کو خیرباد کہہ کر دن کا باقی حصہ سیڈان کی سیر میں گزارنے کا فیصلہ کر چکا تھا اور میں دل ہی دل میں کار سمیت اس مصیبت سے گلو خلاصی پر خوش تھا۔

"کیا ہوا؟" میرے قریب پہنچتے ہی سلطان شاہ نے سرسراتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"کاغذات گھر سے لانے پڑیں گے' گاڑی چھوڑ کر" میں نے اونچی آواز میں کہا پھر سرگوشیانہ لہجے میں بولا "جلدی کھسک لو' گاڑی سے خود بخود جان چھوٹ گئی ہے"

ہم دونوں واپس چل پڑے۔

"کیا ہم پر شبہ ہو گیا تھا انہیں؟" کچھ دور نکل آنے کے بعد سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"بس بلاوجہ کی دھونس دے رہے تھے" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا "مجھے پورا یقین ہے کہ پندرہ منٹ تو دور کی بات ہے' ہمارے اوجھل ہوتے ہی وہ گاڑی لے جائیں گے' اگر وہ واقعی ہماری ملکیت ہوتی تو اس کے واپس حصول میں دانتوں پسینہ آجاتا"

"سب کچھ ہوا لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلا" سلطان شاہ نے مایوسانہ لہجے میں کہا "لے ٹو اپنے ساتھیوں سمیت صاف بچ

نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اگر مجھے ذرا بھی عقل ہوتی تو تمہارے پہنچنے
دوڑ لگانے کے بجائے منیجر کے کمرے میں لے ٹو کے ساتھیوں کو
گھیرنے کی کوشش کرتا۔ انہیں اسلحہ نکالنے کا موقع تک نہ مل سکا تھا'
چوہوں کی طرح پکڑے جاتے۔"

میں مسکرا دیا۔ "وہ ضرور پکڑے جاتے مگر لے ٹو شاید مجھے
کچلتا ہوا نکل جاتا۔ تمہارے بروقت فائر نے ونڈ شیلڈ کو ناکارہ کر کے
اسے رک جانے پر مجبور کر دیا ورنہ وہ مجھ پر گاڑی چڑھانے لے
رہا تھا۔ جو ہوتا ہے بہتر ہی ہوتا ہے۔ کم از کم یہ تو معلوم ہو گیا کہ
وہ پے در پے بھاری نقصانات اٹھانے کے بعد ہماری طرف
متوجہ ہونے پر مجبور ہو گیا ہے اور خود ہماری تلاش میں نکل کھڑا
ہوا ہے۔"

"لیکن چھلاوا ہے چھلاوا۔ کیسی دیدہ دلیری کے ساتھ فرار
ہوا ہے۔" اس نے کہا۔

"اس کے لیے کوئی تیسری راہ ہی نہیں تھی۔ بچ نکلو یا ایسی
کوشش کرتے ہوئے مارے جاؤ' اس کا فلسفہ اسی قدر رہ گیا تھا۔
سارے ساتھی تھے جو وہ کامیاب ہو گیا لیکن ہر بار ایسا نہ ہو سکے گا۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟" اس نے قدرے توقف کے بعد
سوال کیا۔

"اولڈ ڈارلنگ' ڈیوڈ' طفیل اور نیلی ٹوپی والے کو اس نے
چند گھنٹوں میں کھو دیا ہے' ان بھاری نقصانات نے اسے مشتعل
کر دیا ہے۔ ایک بار یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ ہم ہوٹل میں
رہ رہے تھے وہ یہی نتیجہ اخذ کرے گا کہ لاہور میں ہمارا کوئی
مخصوص ٹھکانا نہیں ہے۔ اب شہر کے ہوٹل وہ بری طرح
کھنگال ڈالے گا' شاید عارضی طور پر ہمیں تمہارے دوستوں کے
پاس ہی پناہ لینا پڑے گی۔"

"وہ بڑی خوشی سے ہمیں مہمان رکھیں گے۔" وہ بولا۔
"لیکن میں مسلسل یہی سوچ رہا ہوں کہ لے ٹو جب ہماری ہی
تلاش میں نکلا تھا تو سامنا ہوتے ہی بزدلانہ انداز میں کیوں
بھاگ نکلا؟"

"شاید اسے اتنی جلدی سامنا ہونے کی توقع نہیں تھی۔
اپنی مہم کو محفوظ اور شبہات سے بالاتر رکھنے کے لیے اس نے
اپنے ساتھیوں سمیت پولیس پارٹی کا سوانگ بھرا تھا لیکن اپنی تمام
کوششوں کے باوجود وہ دور ہی سے پہچان لیا گیا۔ شاید پھر بھی
وہ منیجر اور اس کے ماتحت عملے کی مدد سے پولیس مقابلے کا ڈراما
کر کے ہمیں پکڑنے کی کوشش کرتا لیکن تم نے اسے ہوشیار
ہونے کا موقع دیے بغیر دور ہی سے بے آواز فائر جھونک
مارا اور اس کا سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔"

اسی اثنا میں سلطان شاہ نے ایک ٹیکسی روک لی اور
ہم اس میں وہاں سے روانہ ہو گئے۔

تنظیم سے ٹکرانے کے بعد میری کوئی شناخت باقی نہیں
رہی تھی۔

گھر جلا کر خاک کر دیا گیا تھا' فیکٹری کو تباہ کرنے کی کوشش
اتفاق سے ناکام ہو گئی تھی اور مجھے اپنی جان بچانے کے
لیے فیکٹری سے کنارہ کش ہو کر وہاں کے سارے تنظیمی اور مالی امور
اپنے معتمد ملازمین کی صوابدید پر چھوڑ دینے پڑے تھے۔ زندگی کے
طویل راستے پر مسلسل تنہا سفر کرتے کرتے میں اکتا گیا تھا اور جب
عزالہ ملی تو یوں محسوس ہوا جیسے مجھے اپنی تنہائی کا درماں مل گیا
ہو لیکن میری وجہ سے عزالہ بھی مشکلات میں گھر گئی تھی۔ ایک
بار اغوا ہونے کے بعد صحیح سلامت گھر لوٹ آنے میں کامیاب
ہو گئی تھی لیکن کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس پر دشمنوں کا دوسرا وار
کب اور کہاں ہو گا۔

ان ہی حالات میں میں لاہور آیا تھا اور جب آدمی
اپنی شناخت ہی کھو بیٹھا ہو تو مختصر سے سامان میں کسی ایسی
چیز کی موجودگی کا امکان کہاں ہو سکتا ہے جس کی بنا پر اس کا
سراغ لگایا جا سکے۔ اسی لیے میں ہوٹل میں رہ جانے والے سامان
کی طرف سے بے فکر تھا۔ جو چیزیں ہمارے لیے کارآمد ہو سکتی تھیں'
وہ سلطان شاہ اپنے ساتھ نکال لایا تھا۔

سلطان شاہ کے دوستوں نے ہماری ضرورت کا احساس
ہوتے ہی اس کشادہ لیکن قدیم طرز تعمیر پر مشتمل مکان کا ایک
کمرہ فوری طور پر ہماری تحویل میں دے دیا تھا۔ یہاں ہمیں یہ
سہولت بھی میسر تھی کہ ضرورت کے وقت اسٹور کے طور پر کام
آنے والی کوٹھری میں اپنا کوئی قیدی بھی لا سکتے تھے۔

دونوں بے آواز پستول اور تینوں آپریٹس میرے قریب
ہی تپائی پر پڑے ہوئے تھے۔ سلطان شاہ وہاں ٹھکانا بنانے
کے بعد خریداری کے لیے نکل گیا تھا اور میں یکے بعد دیگرے سگریٹیں
پھونک کر آئندہ کے بارے میں کوئی ٹھوس لائحہ عمل طے کرنے
کی کوشش کر رہا تھا۔

لے ٹو کی تلاش کی مہم میں جب سے میری توجہ لائیڈز کالج
کی طرف مرکوز ہوئی تھی' طفیل سیکیورٹی آفیسر کے ایسے روپ میں
میرے سامنے آیا تھا کہ میں اس سے متنفر ہو گیا تھا پھر تصویر کے
مارے جانے کے بعد اس کا گھناؤنا کردار کھل کر سامنے آ گیا اور
میں وقتی طور پر لے ٹو کو بھول کر اس کی سرکوبی پر تل گیا تھا۔
اب نہ صرف طفیل میرے ہاتھوں اپنے عبرتناک انجام کو

پہنچ چکا تھا بلکہ اسی کے طفیل شوگر کوئین کا ٹھکانا بھی میری نظروں میں آ گیا تھا۔ میرا قیاس یہی تھا کہ شوگر کوئین کے پردے میں دیوالائیڈ پوشیدہ ہوگی اور اگر وہ ہمارے ہاتھ آجاتی تو تنظیم کے بارے میں ہمارے بہت سے سوالات کے جوابات مل سکتے تھے۔

میں نے تپائی پر پڑا ہوا ایک آپریلس آن کر دیا اور کمرے کی خاموش فضا میں دھیما دھیما ریڈیائی شور گونجنے لگا۔

سوچتے سوچتے میری ذہنی رو ایک دفعہ پھر غزالہ کی طرف مبذول ہوگئی۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ محبت بھی ایک عجیب سا جذبہ ہے جس کی لذت سے محبت کیے بغیر آشنا ہونا ناممکن ہے اس سے اور تو جو ہوتا ہو سو ہوتا ہو مگر دل میں گداز ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ جب تک محبت نہ کی جائے، کسی کو چاہا نہ جائے، دل کسی پتھر کی طرح سخت، کٹھور اور سپاٹ سا رہتا ہے۔ نہ کسی کے ملنے کی خوشی ہوتی ہے نہ بچھڑنے کا غم۔ انسان ایک کھاتا پیتا اور جیتا جاگتا کمپیوٹر بنا رہتا ہے جو صرف اور صرف حقائق کی دنیا میں رہتا ہے۔ لطیف اور موہوم جذبوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اور محبت بھی سوچ سمجھ کر نہیں کی جاتی، بس اچانک ہی ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ ہم محبت کر سکتے ہیں یا کرنے والے ہیں لیکن اسی لمحے کیوپڈ کسی خاموش گوشے سے اپنا تیر چلا دیتا ہے اور احساس بھی نہیں ہو پاتا کہ کچھ ہوا ہے۔ محبت اسی بے خبری میں پروان چڑھتی ہے، اس کا پتا اس وقت چلتا ہے جب چاہا جانے والا غیر متوقع طور پر روٹھ جائے یا کچھ دنوں کے لیے بچھڑ جائے۔ اس وقت میرے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔

غزالہ خوبصورت تھی لیکن اس سے پیشتر میں اس سے کہیں زیادہ حسین نازنینوں کا ہم نشین رہ چکا تھا۔ میرے حافظے کے نہاں خانوں میں ناموں کی ایک قطار تھی جن کے ساتھ سیرت، صورت اور اداؤں کا حسن وابستہ تھا لیکن ان سب سے جب تک دوستی رہی رہی، بچھڑ گئے تو بھول کر بھی کوئی خیال آیا نہ کسی خلش نے سر ابھارا۔

لیکن غزالہ عابدہ کے ساتھ میرے دفتر میں کالج کے مجلے کے لیے اشتہار لینے آئی اور نجانے کیا کچھ لوٹ کر لے گئی۔ انجم کے بال لمبے اور گھنے تھے، حنا کا رنگ دودھ جیسا تھا، زاہدہ ہنستی تھی تو رخساروں میں پڑنے والے گڑھے بہت خوبصورت لگتے تھے، مسرت سبک اندام تھی لیکن غزالہ پہلی لڑکی تھی جسے کسی ایک خوبی کے حوالے سے یاد کرنا زیادتی کے برابر ہوتا۔ وہ سراپا چاہے جانے کے قابل تھی۔ اس کے ساتھ رہ کر مجھے آسودگی کا احساس ہوتا تھا لیکن یہ اندازہ پہلی بار اس سے چند روز کے لیے بچھڑ کر ہی ہوا تھا کہ میں اسے کس قدر چاہتا تھا۔ اس سے دور رہ کر میں بہت مضطرب اور بے قرار سا رہتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ مصروفیات میں الجھنے کے بعد یہ اضطراب تحت الشعور میں جا دبکتا تھا اور فرصت کے چند لمحات میسر آتے ہی پورے وجود پر چھا جاتا تھا۔

میرا دل چاہا کہ لٹو اور تنظیم پر لعنت بھیج کر واپس کراچی چل دوں۔ اگر معاشرے میں ہیروئن کا زہر سرایت کر رہا تھا تو اس میں میرا کیا قصور تھا؟ میں پورے معاشرے کا ٹھیکیدار تو نہیں تھا۔ ہیروئن بیچنے، خریدنے اور پینے والے سب بالغ اور باشعور تھے، موت کی اس سوداگری میں ہیروئن فروش اور ہیروئن نوش دونوں برابر کے شریک تھے۔ قانون کے محافظ ہاتھ دفعات پر مشتمل وزنی کتابیں سنبھالتے سنبھالتے شل ہو چکے تھے۔ پڑیاں بیچنے والے نگر نگر اور گلی گلی پکڑے جاتے تھے، ٹنوں کا ہیر پھیر کرنے والوں کے لیے ہر جال چھوٹا پڑ جاتا ہے۔ اس بارے میں سلطان شاہ نے ایک لطیفہ خوب سنایا تھا۔ کسی سپاہی نے دو آدمی پکڑے۔ ایک کے پاس تین گرام ہیروئن تھی دوسرے کے پاس سات سو گرام۔ اس نے زیادہ والے کو چلتا کر کے تین گرام والے کو اندر کر دیا کہ قانون میں قابل تعزیر وہی مقدار تھی۔ تین گرام سے زیادہ کے لیے یہ تفصیل درج نہیں تھی کہ کتنے گرام یا کلوگرام پر گرفتاری کی جا سکتی ہے۔ شاید سلطان شاہ نے حقیقت کو لطیفے میں تبدیل کیا تھا، ہر طرف یہی ہو رہا تھا۔ جن کے جوان اس نشے کے ہاتھوں برباد ہو رہے تھے، وہ سب کچھ جانتے تھے اور جنہیں کھوج لگانے کے مشاہرے دیے جاتے تھے، ان میں سے بیشتر معصوم تھے۔ لوگ چاہتے ہوئے بھی ان معصوموں کی مدد نہیں کر سکتے تھے کہ قانون کے مندرجات ضعیف تھے، ارتکاب جرم ثابت کرنے کی مشقت بہت کڑی تھی پھر اگر یہ مرحلے بھی طے کر لیے جاتے تو سزائیں ایسی حوصلہ افزا تھیں کہ سزا یافتہ چند ہی مہینوں کے بعد چھری سنبھال کر مخبر یا گواہوں کے سینے پر سوار ہو سکتا تھا۔

اس حوصلہ شکن ماحول میں میری نگاہوں میں غزالہ کا شگفتہ شگفتہ، روشن چہرہ چمکا۔ اس کی گنگناتی، مسکراتی نگاہیں مجھے بلا رہی تھیں۔ اس کے ہر طرف لال، پیلے، نیلے اودے پھول ہی پھول بکھرے ہوئے تھے، پس منظر میں کسی پہاڑی سے ایک جھرنا وادی میں گر رہا تھا اور ہوا کے دوش پر اڑ کر آنے والی جھرنے کی پھوار اس کے چہرے پر شبنم کے ننھے ننھے موتیوں کی طرح چمک رہی تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی اور مجھے بلا رہی تھی۔

جنہیں مرنا تھا، وہ میرے یا سلطان شاہ کے ہاتھوں مر چکے تھے۔ مجھے واپس لوٹنا چاہیے۔ میں نے پوری شدت کے

پہنچا لیکن وہ انسان ہی کیا جو اپنی سوچ کو اپنی مرضی کے مطابق
عملی جامہ پہنا سکے۔ میرے تصور سے غزالہ کی تصویر یکلخت غائب
ہوگئی اور اس کی جگہ تصویر کی ماں، میری بڑی ماں کا کرب آلود
چہرہ ابھر آیا۔ ان کی بجھتی ہوئی آنکھوں میں شکوہ رچا ہوا تھا۔ رنگ
برنگے پھولوں نے کسی قبر پر پڑی ہوئی پھولوں کی چادر کی ترتیب
اختیار کر لی تھی، شبنم کے قطرے بڑی ماں کی آنکھوں میں آنسو بن
کر تھم گئے تھے۔ وہ رو رہی تھیں اور مجھے ملامت کر رہی تھیں۔
میں واپس نہیں جا سکتا تھا۔ تصویر میرا سوتیلا بھائی تھا،
بڑی ماں میری سوتیلی ماں تھی لیکن وہ اتنی دور کے رشتے تو نہ تھے
کہ میرا محبت گزیدہ دل انہیں ٹھکرا دیتا۔ اب وہ بیرونی ہی کی جنگ
نہیں رہ گئی تھی۔ اس میں میرے اپنوں کا لہو بھی شامل ہو چکا تھا
جو مجھے انتقام کے لیے پکار رہا تھا۔
میں سر جھٹک کر بستر سے نیچے آ گیا۔
"اے لٹو! میں تجھے کہاں تلاش کروں، کیسے جہنم واصل
کروں؟" میں دونوں مٹھیاں بھینچ کر بڑبڑایا۔ اس وقت مجھ پر
غصے اور بے بسی کی ملی جلی سی کیفیت طاری ہو چلی تھی۔
میرا حریف شاید اپنے دور کا عیار ترین مجرم تھا۔ وہ مجھے
فریب دے کر میرے ہی گھر میں میرا مہمان بنا رہا اور میں اسے
اپنا بڑا بھائی سمجھ کر اس کی تواضع کرتا رہا پھر جوں ہی میرے دل
میں شبہات نے سر ابھارنا شروع کیا وہ غائب ہو گیا اور میرے
گھر کو اس طرح نذرِ آتش کیا کہ ایک وفادار ملازم سمیت گھر کا تنکا
تنکا خاک ہو گیا۔ وہ اسے لٹو کے پہلے دیدار کی قیمت تھی جو میں
نے ادا کی۔ دوسری بار وہ ہوٹل میں نظر آیا اور کسی چھلاوے کی طرح
تصویر کی جان کی بھینٹ لے کر چلا گیا۔ آج وہ تیسری بار پولیس افسر
کی وردی میں نظر آیا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس بار اس کے
وجود کی نحوست ابھی تک مجھ پر اثر انداز نہیں ہو سکی تھی لیکن
کون جانے کہ کب کیا ہونے والا ہے۔ ابھی دن کا بڑا حصہ باقی
تھا۔ سلطان شاہ کو باہر گئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ جب کہ اس کی
خریداری کی فہرست زیادہ لمبی نہیں تھی۔ وہ آ جاتا تو میں لباس بدل
کر باہر کہیں سے غزالہ کو فون کر سکتا تھا۔
مجھے اس کی جانب سے تشویش ہونے لگی۔ وہ بہت بے جگر
اور دلیر آدمی تھا لیکن اس میں تجربے کی شدید کمی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ
کہیں وہ کوئی الجھن نہ مول لے بیٹھا ہو۔
جب شام ہونے لگی تو میں نے ہر خطرہ مول لے کر اس
کی تلاش میں نکلنے کا ارادہ کیا مگر وہ اسی وقت واپس آ پہنچا۔
اس کے بشرے سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔
"بہت دیر لگا دی، کہاں رہ گئے تھے؟" میں نے اس
کی خوشی کو نظر انداز کرتے ہوئے ترش لہجے میں سوال کیا۔
"تمہارے لیے گرما گرم خبریں جمع کر رہا تھا۔" اس نے بھی
ترکی بہ ترکی ہنستے ہوئے میرے لہجے کی تلخی کو نظر انداز کر دیا۔
"تم بالغ ہو گئے ہو لیکن کبھی کبھی تمہارے مزاج میں بچپن
خود کر آتا ہے۔" اس کے انداز پر میں بھی بے ساختہ ہنسنے پر
مجبور ہو گیا۔ "کیا خبریں جمع کرتے پھر رہے تھے؟"
"ذرا سانس لینے دو۔" وہ سامان کے تھیلے ایک طرف
ڈالتے ہوئے بولا۔ "سب سے بڑی خبر تو یہی ہے کہ بیچارہ
غلام نبی ناگہانی مارا گیا۔ سیاہ سیڈان میں گھومنے کا شوق اس
کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔"
وہ خبر سن کر مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ دوسروں کی ملکیت
پر اپنے تصرف کی آرزو رکھنا کسی بھی طرح قابلِ تحسین فعل نہیں
تھا لیکن بڑھتے ہوئے معاشی تضادات کے اس پُرآشوب دور
میں کم و بیش ہر نادار ہی ایسی آسائشوں کے خواب دیکھتا رہتا
ہے جو شاید اسے زندگی میں کبھی میسّر نہیں ہو پاتیں، ہاں، کبھی
کوئی موقع ہاتھ آ جانے کی بات اور تھی۔
غلام نبی کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا۔
"وہ اپنی ڈیوٹی کے مقام سے میلوں دور اپنے گھر کے
نزدیک مارا گیا۔ تین موٹر سائیکلوں پر سوار غنڈوں نے گھیر کر
اس کا راستہ روکا اور بے دردی کے ساتھ اسے گولیوں سے چھلنی
کر دیا۔ دو فرار ہو گئے، تیسرے کو لوگوں نے پکڑ لیا۔" وہ بتا رہا تھا
"مشتعل ہجوم نے موقع پر ہی اسے اس بری طرح زدوکوب کیا
کہ وہ زمین سے اٹھنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا، بعد میں
اسے پولیس لے گئی۔"
"تم تو اس طرح تفصیل بتا رہے ہو جیسے اس واقعے کے
چشم دید گواہ رہے ہو۔"
"چشم دید ہی سمجھو۔ میں وہاں سے کچھ دور خریداری میں
مصروف تھا کہ شور سنا اور یوں موقع پر پہنچ گیا۔ اس وقت تک
غلام نبی مر چکا تھا اور تیسرے کی مرمت جاری تھی۔"
"معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیچارہ ہمارے دھوکے میں مارا گیا۔"
میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔
"میرا بھی اندازہ یہی تھا لیکن تھانے سے یہ معلوم نہیں
ہو سکا کہ پکڑے جانے والے نے کیا اعتراف کیا ہے۔ اس کی
ابتر حالت کے باوجود پہلے اسے تھانے میں رکھا گیا پھر اعلیٰ
حکام کی آمد کے بعد اسے کڑی نگرانی میں شاہی قلعہ منتقل
کر دیا گیا۔"
میں بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ مجرم کی

شاہی قلعہ میں منتقلی اس بات کا ثبوت تھی کہ پولیس صحیح راہ پر چل پڑی تھی اور حراست میں لیے جانے والے کا تعلق شہر میں رونما ہونے والی حالیہ پُرتشدد وارداتوں سے قائم کر لیا تھا۔ شاید انھیں شبہ تھا کہ غیر معمولی حفاظتی بندوبست نہ کیا گیا تو کہیں قیدی کو حوالات ہی میں ٹھکانے نہ لگا دیا جائے۔

"تم نے خبروں کا تذکرہ کیا تھا، یہ تو ایک ہی خبر ہوئی؟" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"ایک نہیں تین۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "غلام نبی مارا گیا، یہ پہلی خبر ہوئی، دوسری ایک حملہ آور کی گرفتاری اور تیسری اس کی شاہی قلعہ میں منتقلی کی تھی لیکن تم فکر نہ کرو میرے پاس کچھ اور بھی اطلاعات ہیں۔"

میں خاموشی کے ساتھ اس کے آگے بولنے کا منتظر رہا۔ وہ قدرے توقف کے بعد بولا۔ "طفیل کے قبضے سے اس کا جو ڈرائیونگ لائسنس برآمد ہوا تھا، اس پر طفیل کی رہائش لائیڈز کالج میں ظاہر کی گئی تھی۔ پولیس کے رجوع کرنے پر لائیڈز کالج والوں نے متوفی سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا تھا لیکن پولیس کی توجہ اس عمارت پر مرکوز ہو گئی ہے۔ لائیڈز کالج سے بتایا گیا ہے کہ چند سال پہلے طفیل نے کچھ دنوں کے لیے وہاں ملازمت کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنا ڈرائیونگ لائسنس اسی عرصے میں بنوایا ہو لیکن پولیس مطمئن نہیں ہے۔ آج میں دو مرتبہ ادھر سے گزرا اور دونوں ہی بار وہاں باوردی پولیس والوں کی موجودگی کے آثار نظر آئے۔"

"یہ اہم خبر ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "اس کا مطلب ہوا کہ ہمارا محکمۂ پولیس اتنا نکما نہیں ہے جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔"

"میں سنجیدگی کے ساتھ لائیڈز کالج میں گھسنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" وہ بولا۔

"میں تمھیں ہرگز خودکشی نہیں کرنے دوں گا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "عجلت میں مر جانے سے بہتر ہو گا کہ ہم صبر کے ساتھ کچھ دن اور انتظار کریں۔ تم نے غور نہیں کیا کہ میں نے چند روز سے شیو کرنا ترک کر دیا ہے تاکہ داڑھی نکل آنے سے حلیے میں نمایاں تبدیلی ہو سکے، اس کے بعد ہی ہم کھل کر کام کر سکیں گے۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو، میرا ارادہ زبردستی اندر گھسنے کا نہیں ہے۔ تمھاری تصویر ان کے حلقے میں بڑے پیمانے پر تشہیر ہو چکی ہے۔ لہٰذا تم باہر رہ کر اپنا کام سرانجام دو، میں اندر کوئی ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ وہ جتنی تیزی کے ساتھ اپنی نفری سے محروم ہوئے ہیں، اس کے پیشِ نظر میں اپنی جگہ پیدا کرنے کے بارے میں خاصا پُرامید ہوں۔"

"بات معقول ہے لیکن تم اسے لٹو کو بھول رہے ہو جو توقیر کا نام اختیار کر کے کراچی میں میرا مہمان رہ چکا ہے، اس نے ہم دونوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے، اگر اس سے تمھارا سامنا ہو گیا تو وہ فوراً تمھیں پہچان لے گا۔"

"وہ لائیڈز کالج میں ہرگز نہ رہتا ہو گا۔" وہ پُرامید لہجے میں بولا۔ "اب تک کے حالات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس پورے کھیل کے پسِ پشت اسی کی ذات کارفرما ہے، وہ اپنے لوگوں میں یوں کھلے بندوں اپنی ذات کو بے نقاب نہیں کر سکتا۔"

"اسے سامنے آنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لائیڈز کالج میں کسی بے حیثیت ملازم کی طرح رہ رہا ہو، جہاں اسے بُری طرح نظرانداز کیا جاتا ہو مگر وہ ہر ایک پر نظر رکھتا ہو۔"

"ایسا ہوا تو میرے لیے اور بھی سہولت پیدا ہو جائے گی، میں بآسانی اس پر ہاتھ ڈال سکوں گا۔" وہ مجھ سے اپنی بات منوانے پر مُصر تھا لیکن میں اس بارے میں پوری طرح غور و خوض کیے بغیر فیصلہ کرنے کے حق میں نہیں تھا۔

ہم دونوں اس موضوع پر بحث میں مصروف تھے کہ اچانک ٹرانسمیٹر پر ریڈیائی شور میں کچھ بھنبھناہٹ سی سنائی دی اور میں نے لپک کر اس کی آواز بڑھا دی۔ دوسری طرف سے رابطے کی کسی کوشش کی توقع ہی میں میں نے اسے مسلسل آن کیے رکھا تھا۔

دوسری طرف سے کوئی بھاری مردانہ آواز مجھے نام لے کر پکار رہی تھی۔

"ڈینی اسپیکنگ... اوور!" دوسری طرف سے لائن اوور ہونے کے بعد میں نے ٹرانسمیٹنگ بٹن دبا کر جواب دیا۔

"تم شہر میں مرنے والوں کا تعلق ہم سے قائم کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہو؟ اوور۔" خشک لہجے میں سوال کیا گیا۔

"میری کوششوں سے حقائق تبدیل نہیں ہو سکتے، یہ طے ہے کہ تمھارے کچھ لوگ دوسروں کے ہاتھوں مارے گئے اور کچھ کو تم نے خود ہی جہنم واصل کر دیا۔ اگر تم واقعی کوئی اہمیت رکھتے ہو تو یقیناً میری اس رائے سے متفق ہو گے۔ اوور۔"

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تم ہمیں لائیڈز کالج سے متعلق سمجھتے ہو؟ اوور!" اس نے میرے تبصرے کو نظرانداز کرتے ہوئے سوال کر ڈالا۔

"اگر یہ غلط ہے تو اپنا صحیح ٹھکانا تم بتا دو۔ مجھے تم لوگوں سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم خود کو کچھ اہم سمجھ رہے ہو لیکن تمہاری حیثیت بساط کے ایک مہرے سے زیادہ نہیں ہے، میرا اصل ٹکراؤ تمہارے گاڈ فادر سے ہے جو کبھی کسی کے سامنے نہیں آیا۔ تصویر بھی تمہاری ہی طرح اس کا ایک مہرہ تھا جسے خطرہ بھانپ کر تمہارے باس نے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دیا، اس کی ماں لائیڈز کالج میں تھی جسے تصویر کی ہلاکت کے بعد ہی غائب کر دیا گیا، میں ہر قیمت پر اس خاتون کا سراغ چاہتا ہوں... اوور!"

"شاید تم کسی خیالی سائے سے لڑ رہے ہو۔" دوسری طرف سے مضحکانہ لہجے میں کہا گیا۔ "رہا تصویر اور اس کی ماں کا معاملہ تو میرے لیے یہ نام ہی اجنبی ہے۔ اوور!"

"یہ وہی تصویر ہے جو ٹی اے ملک کے نام سے ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کا ایم ڈی بنا ہوا تھا، دوسری طرف لائیڈز کالج میں اسٹیٹ منیجر کے طور پر رہ رہا تھا اور اتفاق سے میرا بھائی بھی تھا۔ اوور!" میں نے تلخ اور جذباتی لہجے میں کہا۔

"اوہ! تم ملک کی بات کر رہے ہو۔" دوسری طرف سے ایک گہرا سانس لے کر کہا گیا۔ "دراصل میرا تعلق اسی سے تھا، کبھی کبھار میرے آدمی معاوضے پر اس کے لیے کام کرتے تھے، اس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا، اب لائیڈز کالج میں میرا ایک بھی آدمی نہیں ہے۔ یہ خیال ذہن سے نکال دو کہ میں کسی اور کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا ہوں۔۔۔ اوور!"

"اگر تمہارے آدمی وہاں تھے تو وہ ضرور بتا سکیں گے کہ تصویر کی ماں بھی وہاں رہتی تھی۔۔۔ اوور!"

"اس مدت میں حاصل ہونے والی معلومات میرے ذریعے سے کسی اور کے کام نہ آ سکیں گی، میں اسے بدترین پیشہ ورانہ بددیانتی سمجھتا ہوں۔ تم چاہو تو آئندہ کے لیے مجھ سے معاہدہ کر سکتے ہو، میں تمہارے لیے تصویر کی ماں کا کھوج نکال سکوں گا... اوور!"

"اتنا ضرور بتا دو کہ معمولی کرائے کے بدمعاش ہوتے ہوئے بھی تم ٹرانسمیٹر جیسی مہنگی اور جدید سہولت سے کیسے استفادہ کر رہے ہو؟ اوور!" میں نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

دوسری طرف سے ہنسی کی آواز ابھری۔ "یہ مقابلے کا دور ہے اور اب بدمعاشی ہو یا اعلیٰ تجارت، ہر جگہ بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کرنا پڑتی ہے۔ لوگ یہ دیکھ کر کام دیتے ہیں کہ ہم کن سہولتوں کے مالک ہیں، ایک چھری اور پستول کے سہارے دھندا چلانے کا دور اب بہت جلد لد جائے گا، یہ بتاؤ کہ تم اپنے مسئلے کے بارے میں کس حد تک سنجیدہ ہو؟ اوور!"

"میں سنجیدہ ہوں لیکن اسی آپریٹس پر میری طفیل وغیرہ سے بات ہوتی رہی ہے، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ہر ایک پر برتری رکھتا ہو۔۔۔ اوور!" میں نے پوچھا۔

"محسوس ہونا ہی چاہیے تھا، میرے آٹھ آدمی تصویر کے لیے کام کر رہے تھے اور سب اس کے احکام کے تابع تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ان ہی میں سے کسی کا آپریٹس طفیل کے زیر استعمال رہا ہو۔۔۔ اوور!"

"تم اپنی وضاحتوں سے مجھے مطمئن نہیں کر سکو گے۔" میں نے ترش لہجے میں کہا۔ "تصویر کے لیے تم کام کر رہے تھے لیکن اولڈ ڈارلنگ سے تمہارا کیا رشتہ تھا؟ تم مجھ سے رابطہ قائم کرنے پر کیوں مجبور ہوئے؟ اوور!"

"مجھے تم سے صرف اسی قدر دلچسپی ہے کہ میں اپنا آپریٹس واپس لینا چاہتا ہوں۔ ایک آپریٹس باہر چلے جانے سے میرے لیے یہ پورا نظام ناکارہ ہو کر رہ گیا ہے۔ میں تمہیں منہ مانگی قیمت دینے کو تیار ہوں۔۔۔ اوور!"

"منہ مانگی قیمت۔" میں تضحیک آمیز انداز میں ہنس پڑا۔ "شاید تمہیں معلوم نہ ہو کہ ایک بار طفیل بھی مجھے منہ مانگی رقم ادا کر چکا ہے۔ اوور!"

"اسے بھول جاؤ، بارود کی بریف کیس کے دھماکے میں میرا ہی ایک آدمی کام آیا تھا، اس بار ایسا نہیں ہوگا۔" اس کا لہجہ گمبھیر ہو گیا۔ "میں دھوکا دے کر وار کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔۔۔ اوور!"

"پھر اس اکلوتے آپریٹس کی قیمت بھی تم ہی مقرر کر دو گے۔۔۔ اوور!"

"ایک تو یقینی طور پر تمہاری تحویل میں ہے لیکن میرے دو اور آپریٹس لاپتا ہیں۔ تم خود ہی طفیل اور اولڈ ڈارلنگ کا حوالہ دے چکے ہو، مجھے ان کے آپریٹس بھی واپس چاہئیں۔ اوور!"

"مجھے معلوم ہوتا تو میں ضرور ان پر قبضہ کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب پولیس کی تحویل میں ہوں اور ان پر ہماری تمام گفتگو سنی اور ریکارڈ کی جا چکی ہو۔۔۔ اوور!"

"میں چیک کر چکا ہوں۔ ان کے پاس سے پولیس ایسی کوئی چیز برآمد نہیں کر سکی تھی۔۔۔ اوور!"

"بہرحال میں اس سے لاعلم ہوں، چاہو تو مجھ سے ایک کا سودا کر سکتے ہو، ورنہ میں تمہارے ہر کام میں رخنہ اندازی کرتا رہوں گا۔۔۔ اوور!" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ سیدھی انگلیوں یہ گھی نہیں نکلے گا۔"

یک بیک دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ خشک اور درشت ہوگیا۔ "اب تم سے کسی اور طرح ملاقات ہوگی اور تم ہاتھ جوڑ کر وہی کچھ کرو گے جو میں چاہوں گا۔ شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ کراچی میں اس لڑکی کا سراغ مل گیا ہے جس کے ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ میں آنے کے ساتھ ہی تصادم کی راہ کھل گئی تھی۔۔۔ اوور!"

طنز اور تلخی سے بھرپور لہجے میں کہے ہوئے وہ الفاظ نشتر بن کر میرے وجود کی گہرائیوں میں اترتے چلے گئے اور میں بٹن دبا کر آپریٹس پر بے اختیار چلا اٹھا۔ "اس لڑکی کا بال بھی بیکا ہوا تو میں تم سب کو فنا کردوں گا۔ اس شہر میں ایسی لاوارث لاشوں کی برسات شروع ہوجائے گی جن کے پاس سے برآمد ہونے والی ہر شے ان کے لائیڈرز کالج سے تعلق کی نشاندہی کرے گی اور وہاں رہنے والوں کی زندگی ایک عذاب میں بدل جائے گی۔۔۔ اوور!"

"چچ چچ۔۔۔ تم انتقام کے طور پر بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلو گے تو ان کا لہو آسیب بن کر تمہارے سر پر ناچے گا۔۔۔ اوور!"

"شہر میں تم جیسے بہتیرے گناہگار مل جائیں گے جو کسی نہ کسی وجہ سے قانون کی گرفت سے محفوظ ہیں لیکن درحقیقت گردن مارے جانے کے قابل ہیں۔ میں ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں ہوں تمہاری ہر حرکت کا جواب تمہارے تصور سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ لوٹا دیا جائے گا۔۔۔ اوور!"

"یہ یاد رکھنا کہ کچھ بارسوخ لوگوں نے تمہارا نام اپنے باغیوں کی فہرست میں درج کیا ہوا ہے اور جس دن بھی ان سے میری شرائط طے ہوگئیں، میں تمہیں پاتال میں سے بھی کھینچ نکالوں گا۔ اس وقت تک میری طرف سے تم آزاد ہو۔۔۔ اوور اینڈ آل۔"

"اب تمہیں چکر دے کر گھیرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔" گفتگو کا سلسلہ ختم ہونے پر سلطان شاہ اضطراری لہجے میں بولا۔ "یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور مختلف سمتوں سے وار کرنے کی فکر میں ہیں۔"

"اپنی ذات کی حد تک مجھے ان کی ذرا بھی پروا نہیں ہے لیکن غزالہ کے بارے میں مجھے تشویش لاحق ہوگئی ہے۔ وہ کراچی میں بالکل تنہا رہ گئی ہے، ان کے خلاف اپنا کوئی دفاع نہ کرسکے گی۔"

"میرا اندازہ ہے کہ وہ کھوکھلی دھمکی دے رہا تھا۔ اس نے ایشین سنڈیکیٹ آنے والی لڑکی کا حوالہ دیا تھا اگر انہیں واقعی کراچی میں سراغ مل گیا ہوتا تو وہ براہ راست غزالہ کا نام لیتا لیکن میری دانست میں تمہیں کراچی ہو آنا چاہیے۔ وہاں سے آئے کئی دن ہوچکے ہیں، اس دوران میں تم نے وہاں فون بھی نہیں کیا۔"

"میں ابھی باہر جاکر فون کروں گا۔" میں نے تذبذب کے ساتھ کہا۔ "تمہیں شوگر کوئین کا ٹھکانا بھی دکھادوں گا۔ تم اس کے بارے میں معلومات جمع کرنے کے ساتھ ہی کوشش کرو کہ تمہیں لائیڈرز کالج میں گھسنے کا موقع مل جائے۔ میں کل صبح کراچی چلا جاتا ہوں، ایک دو روز میں لوٹ آؤں گا۔"

تفصیلات طے کرنے کے دوران ہی میں لباس تبدیل کرتا رہا پھر ہم دونوں باہر روانہ ہوگئے۔

سلطان شاہ کو شوگر کوئین کی قیامگاہ دکھانے کے بعد ہم فضائی کمپنی کے دفتر پہنچے تو اگلی صبح کراچی جانے والی پرواز پر اکانومی کلاس میں کوئی نشست میسر نہیں تھی، میں نے مجبوراً فرسٹ کلاس کے کرائے کا فرق ادا کرکے نشست کنفرم کرالی اور وہاں سے ہم ٹہلتے ہوئے جنرل پوسٹ آفس کی طرف روانہ ہوگئے۔

چند منٹ کے انتظار کے بعد آپریٹر نے کال ملاکر مجھے بوتھ میں جانے کا اشارا کیا تو ریسیور اٹھاتے ہی میرے حلق سے اطمینان کا ایک گہرا سانس خارج ہوگیا۔

کراچی سے ریسیور پر غزالہ کی ہیلو ہیلو سنائی دے رہی تھی۔

"کیا حال ہے تمہارا؟" میں نے پرسکون لہجے میں براہ راست سوال کیا۔

"اوہ خدا!" گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی۔ "خدا کا شکر ہے کہ آپ کو خیال تو آیا، میں سمجھ رہی تھی کہ اس بار لاہور جاکر آپ ہمیں بھلا ہی بیٹھے ہیں۔"

"یہاں پے درپے رونما ہونے والے واقعات نے ہوش اڑا رکھے تھے، صبح کراچی آؤں گا تو تفصیل سن کر تم خود دنگ رہ جاؤ گی۔ میرے آنے تک تمہیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے، ایک مرتبہ پھر گڑبڑ کے آثار پیدا ہوگئے ہیں۔۔۔"

"میں سمجھ گئی۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ "آپ کہاں سے فون کررہے ہیں؟"

"پوسٹ آفس سے بول رہا ہوں۔ صبح میرے لیے ایئرپورٹ آنے کی ضرورت نہیں، میں سیدھا گھر پہنچ جاؤں گا۔"

"میرے پاس بھی کچھ اطلاعات ہیں، اب صبح ہی تفصیل بتاؤں گی۔"

اس کے گھر والوں کے بارے میں کچھ رسمی گفتگو کرکے

میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

باہر آیا تو میرے ذہن پر سے ایک بوجھ ہٹ چکا تھا اور مجھے سلطان شاہ کی رائے میں وزن محسوس ہونے لگا تھا کہ غزالہ کے بارے میں شاید مجھے کھلی دھمکی دی گئی تھی۔

☜

طیارے کو فضا میں بلند ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی اور کیبن کریو پھرتی کے ساتھ مسافروں کو ہلکا پھلکا ناشتا فراہم کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ مجھے ٹوائلٹ کی ضرورت محسوس ہوئی اور میں نے نشست چھوڑ دی۔

میری طرف والی راہداری میں مجھ سے آگے دو خواتین انتظار کی زحمت سے دوچار تھیں۔ لہٰذا میں گلیارے سے گزر کر دوسری راہداری میں جا گھسا لیکن وہاں بھی دروازے پر زیرِ تصرف کے سرخ انگریزی حروف جلوہ گر نظر آئے لیکن غنیمت یہ تھا کہ اس طرف میں پہلے نمبر پر تھا۔ اندر والا ابھی شاید کوئی شریف النساں ہی تھا کیونکہ چند ہی ثانیوں بعد چٹخنی ہٹنے کی آواز کے ساتھ زیرِ تصرف کے سرخ حروف کی جگہ قوس نما خلا میں خالی کے سبز حروف نمودار ہو گئے۔

دروازہ کھلا اور اندر سے ایک شخص سر جھکائے برآمد ہوا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

اسی اثنا میں اسے بھی راہداری میں کسی اور کی موجودگی کا احساس ہو چکا تھا، مجھ سے ٹکرائے بغیر اپنا راستہ بنانے کے لیے اس نے سر اٹھایا، ہم دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں اور اس کے قدم اپنی جگہ پر جم کر رہ گئے۔

مجھے اپنے چہرے کے تاثرات کا اندازہ تو نہ ہو سکا لیکن اس کی نگاہوں میں یکلخت خون کی پیاس لہرائی تھی جو لحظہ بھر میں تیز چمک میں تبدیل ہو گئی، وفورِ جوش سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا تھا۔

کئی سیکنڈ تک ہم دونوں ایک دوسرے سے کچھ کہے بغیر خونخوار انداز میں ایک دوسرے کو گھورتے رہے پھر وہ اچانک ہی ہنس پڑا۔ ”تم کہاں جا رہے ہو؟“ ہنسی کے باوجود اس کے الفاظ میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔

”اگر جہاز راستے میں اتر سکے تو ٹنڈو باگو جانا چاہوں گا۔“ اس کے احمقانہ سوال کے جواب میں میں نے خشک لہجے میں کہا۔

”یہ مطلب نہیں تھا میرا۔“ اس نے بڑھ کر بظاہر دوستانہ انداز میں اپنا داہنا ہاتھ میرے شانے پر رکھ دیا لیکن اس کی گرفت انتہائی غیر دوستانہ تھی۔ ”یہ تو ظاہر ہے کہ تم کراچی جا رہے ہو لیکن کہاں؟“

”اپنے گھر۔“ میں نے مسکراتے ہوئے سختی کے ساتھ اس کا ہاتھ اپنے شانے پر سے ہٹا دیا۔

اس وقت میرے وجود میں عجیب سی سنسنی سرایت کر چکی تھی۔ کس قدر عجیب اتفاق تھا کہ میرا بدترین دشمن، جس کی تلاش میں میں ہر طرف سرگرداں تھا اسی جہاز پر میرا ہم سفر تھا۔ شاید قدرت کو مجھے اس سے یوں ملانا مقصود تھا جو مجھے اکانومی کلاس میں جگہ نہ مل سکی اور میں نے فرسٹ کلاس سے سفر کا فیصلہ کر لیا ورنہ سیکڑوں مسافروں کی بھیڑ میں نہ اسے میرا پتا چلتا نہ میں اس کا سراغ پا سکتا تھا۔

شاید اے لٹو سے میری اس غیر متوقع ملاقات کا کچھ کریڈٹ ان دو خواتین کو بھی جاتا تھا جو میری سمت کی راہداری میں مجھ سے پہلے ٹوائلٹ خالی ہونے کے انتظار میں کھڑی ہوئی تھیں۔

اس وقت میرا ذہن تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ فضائی قزاقی کی بڑھتی ہوئی وارداتوں کے پیشِ نظر مسافروں کے لیے پرواز پر کسی بھی قسم کا اسلحہ لے جانا ناممکنات میں سے تھا اسی وجہ سے میں کھڑے سے غیر مسلح چلا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ اے لٹو کے پاس بھی کوئی ہتھیار نہیں رہا ہو گا لیکن میں لاہور کے ایک ہوٹل میں اس کے ہاتھوں تصویر کا انجام دیکھ چکا تھا، اس نے کوئی اسلحہ استعمال کیے بغیر کوئی سریع الاثر زہر آزما کر آناً فاناً میں تصویر کو یوں ہلاک کر دیا تھا کہ اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی قتل کی اس دلیرانہ واردات کا علم نہ ہو سکا تھا۔

اس تجربے کی بنا پر میں اے لٹو پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ غیر مسلح ہونے کے باوجود وہ میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا اور محض اسی وجہ سے میں جسمانی طور پر خود کو اس سے الگ رکھنے کے لیے کوشاں تھا۔

”گھر پر اتنا ناز اچھا نہیں ہوتا، جل جائے تو بس خاک کا ایک ڈھیر رہ جاتا ہے۔“ اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کی چمکتی ہوئی تیز نگاہیں مسلسل میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

”تم گھر میں نہیں تو کیا کسی یتیم خانے میں ٹھہرو گے؟“ میں نے بھی زہریلے لہجے میں کہا۔

”مرچیں چبا رہے ہو۔“ وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ ”اب مل ہی گئے ہو تو بیٹھ کر باتیں کریں گے، پہلے ہلکے ہو آؤ۔“

”سیٹ نمبر کیا ہے؟“

”یاد نہیں۔ وہ کھڑکی کے ساتھ والی خالی نشست میری

ہی ہے۔" اس نے کیبن کے ایک سرے کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا۔

میں اس کے قریب سے گزر کر ٹوائلٹ میں داخل ہو گیا۔

وہ صورتِ حال میرے لیے بہت عجیب اور ڈرامائی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے تھے لیکن اس وقت دونوں ہی غیر مسلح تھے اور دورانِ پرواز یا لینڈنگ کے بعد بھی طیارے پر ایک دوسرے کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ سلگتے ہوئے الفاظ کی سرد جنگ لڑ سکتے تھے۔

خاص بات یہ تھی کہ نہ اسے میرے ٹھکانے کا علم تھا نہ میں اس کی کمین گاہ سے واقف تھا۔ لہٰذا دونوں میں سے کوئی بھی اس اتفاقی ملاقات کو رائیگاں نہ جانے دیتا۔ آثار بتا رہے تھے کہ ہمارے درمیان اصل مقابلہ طیارہ چھوڑنے کے بعد ہی شروع ہو گا اور اس میں وہی کامیاب رہے گا جو سرد جنگ میں اپنے اعصاب پر قابو رکھ سکے۔

ٹوائلٹ میں جاتے ہوئے میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اے ٹو کے برابر والی نشست خالی نہیں تھی بلکہ اس پر کوئی ادھیڑ عمر عورت براجمان تھی، میرا خیال تھا کہ اے ٹو اسے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے گا اور دورانِ پرواز ہماری تفصیلی گفتگو کی نوبت نہ آسکے گی لیکن میں ٹوائلٹ سے باہر نکلا تو غیر ارادی طور پر میری نگاہیں اسی سمت میں اٹھ گئیں۔ اے ٹو پہلے سے اسی طرف نگراں تھا۔ مجھے برآمد ہوتے دیکھ کر اس نے ہاتھ کا اشارا کیا اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے برابر والی نشست خالی ہو چکی تھی اور اس پر براجمان عورت کا کہیں پتا نہیں تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی تمہاری ہی ساتھی ہے۔" میں نے اے ٹو کے برابر میں خالی نشست سنبھالتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "مجھے امید نہیں تھی کہ تم اتنی آسانی سے میرے لیے نشست خالی کرا سکو گے۔"

"نشست تو معمولی چیز ہے، میرے ایک اشارے پر روح جسم کا ٹھکانا چھوڑ دیتی ہے۔" وہ دھیمے اور تضحیک آمیز لہجے میں بولا۔ "تمہارے کچھ ستارے ہی عروج پر ہیں کہ اب تک زندہ ہو اور اس وقت مجھ سے ہم کلام ہو کر میرے سینے پر مونگ دل رہے ہو۔ ورنہ میرے باغی کبھی اگلے دن کا سورج نہیں دیکھ سکے۔"

"آسمان پر ابر آجاتا ہو گا۔" میں نے ترکی بہ ترکی اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "لیکن آج کل مطلع صاف ہے۔ مجھے سورج دیکھنے میں کوئی دشواری نہ ہو گی... نہیں... اپنے ہاتھوں کو جیبوں تک لے جانے کی کوشش نہ کرو۔ اس وقت میں طیارے میں تنہا نہیں ہوں، مجھے ذرا بھی کوئی غیر معمولی صورتِ حال پیش آئی تو میرے تین محافظ تمہاری جان کو جونک بن کر چمٹ جائیں گے اور تمہیں کہیں امان نہ مل سکے گی۔"

"میں جیب سے چیونگم نکال رہا تھا۔" وہ خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "فکر نہ کرو۔ اب مل ہی گئے ہو تو اتمامِ حجت کیے بغیر تم کو ٹھکانے نہیں لگاؤں گا۔"

"میری طرف سے یہ صرف وارننگ تھی، میں دیکھ چکا ہوں کہ تصویر کو تم نے کس بزدلانہ انداز میں قتل کیا تھا۔ میرے لیے تم کوئی بے ہوش کرنے والی سوئی بھی برآمد کر سکتے ہو لیکن یہ یاد رکھنا کہ میرے تینوں محافظ میرے دشمن کی کھال کے جوتے پہننے پر تلے ہوئے ہیں۔ چلتے پھرتے تمہاری کوئی ایسی رگ دبائیں گے کہ تمہیں گھنٹوں ہوش نہ آسکے گا اور طیارہ لینڈ کرنے کے بعد وہ خود کو تمہارا شناسا ظاہر کر کے تمہیں چڑیا گھر لے جائیں گے۔"

"لیکن تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہو؟"

"محض احتیاطاً۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ تم بے خبری میں میرے کسی معمولی ہرکارے کے ہاتھوں چوہے کی طرح مارے جاؤ، میں تم سے شایانِ شان سلوک کرنا چاہتا ہوں۔"

"آخر تم ہماری راہ میں کیوں مزاحم ہو رہے ہو؟" وہ یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے بے پروائی سے شانے اچکا کر کہا۔ "کبھی نہ کبھی تو آنکھ کھلنا ہی تھی، میری دانست میں تم دولت کی ہوس میں پورے معاشرے کو برباد کرنے پر تل گئے ہو۔"

"معاشرہ!" وہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "تم کس معاشرے کی بات کر رہے ہو، یہاں تو ہر طرف جنگل کا قانون رائج ہے۔ زبردست چھائے ہوئے ہیں، زیردست کچلے جا رہے ہیں۔ ہر ایک خود غرضی میں مبتلا ہے۔ تم کس کس سے جنگ کرو گے؟ پھر یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اسی جنگل کے قانون سے برسوں فائدہ اٹھانے کے بعد تم اس قابل ہوئے ہو کہ آج میرے سامنے ہرزہ سرائی کر رہے ہو۔ میں تمہیں بروقت سہارا نہ دیتا تو آج تم کسی سڑے ہوئے جیل خانے میں جیب تراشی کے جرم میں سزا بھگت رہے ہوتے۔"

"وہ قید میرے لیے راحت ہوتی، سزا تو یہ ہے جو اب بھگت رہا ہوں۔"

"جزا اور سزا کے پیمانے انسان کے اپنے مقرر کیے ہوئے ہیں، بات صرف اتنی سی ہے کہ جب تم ننگے اور بھوکے تھے

"تمھیں ہر قیمت پر پیسے کی تلاش تھی جو اس دور میں کامیابی کی کلید ہے۔" وہ تلخ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "پیسے سے رشتے سمیت اس دنیا کی ہر چیز خریدی جا سکتی ہے پھر جب تم نے اس کھیل میں اپنی حیثیت بنالی تو حلق تک پیٹ بھر لینے کے بعد تمھیں وعظ سوجھ رہا ہے۔"

"وعظ نہیں سوجھ رہا، یہ کھلے کھلے حقائق ہیں، اگر میں پہلے انھیں نظر انداز کرتا رہا تو یہ میری کمینگی تھی اور اگر اب محسوس کرنے لگا ہوں تو اس میں میرے لیے کوئی اعزاز نہیں ہے، تم ہمیشہ سے چور اور بدمعاش تھے جو آج بھی ہو۔"

"تو تم مجھے اور میری تنظیم کو ختم کرنا چاہتے ہو؟" اس نے اپنی آنکھیں سکوڑ کر مجھے گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"کوشش تو یہی ہے۔" میں نے بلا تامل جواب دیا جسے سن کر اس کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

"تمھاری کوشش تو رہی ایک طرف لیکن دیکھنا یہ ہوگا کہ اب تم اور طیارے میں موجود تمھارے ساتھی کیسے بچ سکیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ آج یہ قصّہ ہمیشہ کے لیے نمٹ جائے۔"

"اندازہ میرا بھی یہی ہے۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اگر وقت نے ہمیں ایک پرواز پر یوں اکٹھا کر دیا ہے تو پھر نہ کچھ ہو کر ہی رہے گا۔"

ہم دونوں کی وہ تمام گفت گو دھیمی سرگوشیانہ آوازوں میں ہو رہی تھی۔ میں بظاہر اس کے ساتھ بے پروایانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا لیکن اسے محسوس کرنے کا موقع دیے بغیر اس کی ہر حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ اس سے تو میں نے کہہ ڈالا تھا کہ جہاز پر میرے ساتھ میرے کچھ محافظ بھی سفر کر رہے تھے۔ اس کا مقصد اسے کسی جارحانہ اقدام سے باز رکھنا تھا لیکن یہ میں ہی جانتا تھا کہ اگر وہ کچھ کر ہی گزرا تو میں اپنی تمام تر زبانی دلیری کے باوجود اس کے ہاتھوں بے بس ہو کر رہ جاؤں گا۔

"سماجی انصاف اور معاشرے کی فلاح کے نعرے سیاسی شخصیتوں کو زیب دیتے ہیں۔" وہ دھیمے، ناصحانہ لہجے میں کہہ رہا تھا "اور ان کا مقصد صرف ہجوموں کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ تمھاری زبان سے یہ باتیں مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہیں، میرا اندازہ ہے تمھارے باغیانہ رویّے کی تہ میں کوئی اور بات کارفرما ہے جو میں جاننا چاہتا ہوں۔ اگر تمھارے کچھ بڑھتے ہوئے مالی مطالبات ہیں تو میں ان پر بھی غور کر سکتا ہوں۔ تمھاری تربیت پر بہت وقت صرف ہوا ہے۔ تمھیں راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کرتے ہوئے مجھے خاصا قلق ہوگا۔"

"حالانکہ یہ فیصلہ تم کر چکے ہو۔"

"ابھی نہیں۔" اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ ملاقات نہ ہوتی تو میں واقعی فیصلہ کر چکا تھا، اب مل گئے ہو تو تمھیں مصالحت کا ایک فراخدلانہ موقع فراہم کرنا چاہتا ہوں۔"

"تاکہ بعد میں موقع پا کر میرا پتّا صاف کر سکو۔"

"وہم اور غلط فہمی کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ تم بھی کوئی شیر خوار بچّے نہیں ہو کہ محتاط نہ رہو گے۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"میری بددلی کی ابتدا ہیروئن کے تباہ کن اثرات دیکھنے کے بعد ہوئی تھی لیکن اب تمھارا دامن تصویر کے خون سے آلودہ ہے، اس کی ماں لاپتا ہے۔ تمھیں معلوم ہوگا کہ وہ ضعیف عورت میری بھی ماں ہے، اسے میرے حوالے کر دو پھر میں دیکھوں گا کہ کون سا اقدام بہتر ہوگا۔ رہا پیسہ تو تم جانتے ہو کہ میرے پاس اس کی کمی نہیں ہے۔"

"پھر طفیل سے تیس لاکھ طلب کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟"

"اس طرح میں اسے اور تم کو اپنی بالادستی کا احساس دلانا چاہتا تھا۔"

"اور تم نے دیکھ لیا کہ میں ان حربوں سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔"

"تم اصل موضوع سے ہٹ رہے ہو، میں بڑھی ماں کی بازیابی کی بات کر رہا تھا۔"

"مجھے شروع سے معلوم تھا کہ تم تصویر کے سوتیلے بھائی ہو۔" وہ سگریٹ کا کش لیتے ہوئے بولا۔ "اور ماضی میں تمھارے درمیان بدترین تلخیاں کارفرما رہی ہیں، میرے لیے تمھارا یہ مطالبہ ناقابلِ فہم ہے۔"

"تمھارے لیے وہ عورت ناکارہ ہے، اگر وہ زندہ ہے تو اسے میرے حوالے کر دو۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں تمھاری فطرت کو خوب سمجھ چکا ہوں، تمھیں کسی کارآمد آدمی کی افادیت میں بھی کمی محسوس ہوتی ہے تو تم اسے راستے سے ہٹا دیتے ہو پھر تصویر کے بعد اس کی ماں کا تمھارے لیے کوئی مصرف نہیں تھا، غالب امکان یہی ہے کہ تم نے سفاکانہ انداز میں اسے بھی ہلاک کر دیا ہوگا۔"

"جب اس حد تک اندازے قائم کر لیتے ہو تو مجھ سے یہ مطالبہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟"

"ذہن کے کسی گوشے میں ذرا سی خوش فہمی باقی ہے، تمھاری زبان سے حقیقت سننا چاہتا ہوں۔"

"تمھارا مطالبہ میرے لیے ناقابلِ قبول ہے، اس عورت کو کسی قیمت پر تمھارے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔"

"اس لیے کہ وہ زندہ ہی نہیں ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔
"جو چاہو سمجھ لو۔" اس نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔"
"پھر ہمارے درمیان کوئی مفاہمت نہیں ہو سکتی۔" میں نے دو ٹوک انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "اب ہمارے درمیان مستقبل ہی کوئی فیصلہ صادر کرے گا۔"
"کراچی میں تمہارا کہاں قیام ہوگا؟" اس نے سرسری لہجے میں سوال کیا۔
میرے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تیر گئی۔ "تمہیں ضرور بتاؤں گا۔ ہر لمحے مجھے اب قرب و جوار ہی میں پاؤ گے۔ میں نظر نہ بھی آیا تو میری موجودگی کی علامات ملتی رہیں گی۔"
وہ ہنس پڑا اور اس کے چہرے پر مجھے درندگی سی تیرتی نظر آئی۔ "محافظوں کے ساتھ سفر کرنے کے باوجود اس قدر خائف ہو۔ میں تم سے مذاکرات کا ایک فیصلہ کن راؤنڈ کرنا چاہتا تھا۔"
"اپنا پتا اور وقت بتا دو، میں خود رجوع کر لوں گا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔
"تمہارے ساتھ سامان تو نہیں ہے؟" باتوں کی روانی میں وہ اچانک ہی سوال کر بیٹھا۔
"کافی سامان ہے۔" میں نے بے ساختہ جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس کے لیے فاضل کرایہ بھی ادا کرنا پڑا ہے، اس بات سے تمہارا کیا تعلق نکل آیا؟"
میں نے دیکھا کہ میرے جواب پر اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر پھیل گئی۔ "ایسے ہی پوچھ لیا تھا، میرے ساتھ بھی سامان ہے، جہاز سے اترنے کے بعد لاؤنج میں بھی ہماری گفتگو جاری رہ سکے گی۔"
"اب اس کی ضرورت ہی نہیں رہی، تم میری اکلوتی شرط کو مسترد کر چکے ہو۔"
"احمقانہ بات ہے۔" وہ فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں برابری کے اصول کا قائل ہوں، پیشگی شرائط کو تسلیم کرنا میرے لیے ناممکن ہوگا۔ ہاں، گفتگو کے دوران میں اس پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔"
میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ کہاں جھوٹ بول رہا تھا۔ مذاکرات اور گفتگو کے حیلے تراش کر وہ مجھے الجھانا چاہ رہا تھا تاکہ کراچی میں اترنے کے بعد موقع پا کر مجھ پر کوئی کاری وار کر سکے لیکن میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ میرے ذہن میں اپنے بچاؤ کی واضح حکمتِ عملی جنم لے چکی تھی جس کی کامیابی کا تمام تر دارومدار پہل پر تھا۔
"میں تم پر ایک بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ تم سے تصادم مول لینے کا فیصلہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا اور میری بیشتر معلومات کا نچوڑ تحریری صورت میں محفوظ ہے، اگر میرے ساتھ غیر معمولی حالات پیش آئے تو وہ تحریری معلومات بلا تاخیر متعلقہ حکام تک پہنچا دی جائیں گی۔ میرے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا تمہارے لیے اتنا آسان نہیں ہوگا۔"
"میں یہ سب سمجھتا ہوں۔" وہ بے اعتباری کے ساتھ بولا۔ "اپنی چمڑی محفوظ رکھنے کے لیے تمہیں ایسی کہانیاں تراشنے کا پورا حق ہے لیکن میرے لیے ان پر اعتبار کرنا کوئی زیادہ ضروری نہیں ہے۔" لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو کر اس نے میری طرف دیکھا پھر بولا۔ "تم جانتے ہی کیا ہو جو کسی کو کچھ بتا سکو گے؟ جو مُہرے تمہاری نگاہوں میں آ گئے تھے، وہ پہلے ہی بساط سے ہٹ چکے ہیں۔"
"کن مُہروں کی بات کر رہے ہو؟"
"بہتیرے نام ہیں۔" وہ بے پروایانہ لہجے میں بولا۔ "سکندر، قاسم، تصویر، طفیل، اس کے حواری۔ چاہو تو ڈیوڈ اور کارویلو کے نام بھی اس فہرست میں شامل کر لو۔"
"لیکن تم اسے لٹو، جمی لائیڈ، رخشی، جہانگیر، لائیڈز کاٹج اور جیوا ہاؤز کو بھول رہے ہو۔" میں نے چُبھتے ہوئے لہجے میں اسے یاد دلایا۔
"جیوا ہاؤز آگ لگنے کے بعد ایک بھولی بسری کہانی بن گیا ہے، میرے بارے میں تم جو کچھ جانتے ہو، وہ بہت ناکافی ہے۔ رخشی اور جہانگیر کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ رہا لائیڈز کاٹج تو وہ حکام کے لیے شجرِ ممنوعہ ثابت ہوگا لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ سکا کہ جمی لائیڈ کا نام تم کہاں سے کھود لائے؟"
"میرے پاس کچھ اور بھی پردہ نشینوں کے نام ہیں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا اور اس بار وہ بے ساختہ چونک پڑا۔
"کس کی بات کر رہے ہو؟"
"سب کچھ بتا دیا تو میرے پاس کیا رہ جائے گا۔" میں نے اس کے تجسس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ "تم اپنے مُہروں کی بات کرتے ہوئے یہ بھول جاتے ہو کہ تمہارے بڑوں کے سامنے تمہاری کیا حیثیت ہے۔"
"شاید تصویر کی ہلاکت نے تمہارے ذہن پر کچھ بُرے اثرات مرتب کیے ہیں، سنبھلو گے تو قاعدے کی باتیں کرنے لگو گے۔" اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ مار کر اپنی دانست میں میری بات اڑاتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے وہ خاتون آموجود ہوئی جسے اٹھا کر اسے ٹو نے اپنے لیے جگہ بنائی تھی۔ میں نے نشست چھوڑ دی، اے ٹو نے بھی ساتھ ہی سیٹ چھوڑ کر باہر راہداری میں آگیا۔ دروازے کے پاس کریو سیٹ کے قریب وہ پھر رک گیا، میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ میری گفتگو نے اسے کچھ مضطرب کر دیا تھا۔

"اب کیا چاہتے ہو؟" اسے خاموش پا کر میں نے لٹو کا۔ ابھی کوئی ہماری طرف متوجہ نہیں تھا، اس کا داہنا ہاتھ جیب میں تھا۔ لہٰذا میں اس سے ذرا دور ہی کھڑا ہوا تھا۔

"جہانگیر کی وساطت سے تمہیں میرا پیغام ملے گا۔" اس نے سادگی کے ساتھ کہا "لیکن میں بھیڑ بھاڑ پسند نہیں کرتا، امید ہے کہ تم تنہا ہی ملنے کے لیے آؤ گے۔"

وہ بہت مکار تھا، ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی اس کی غلط فہمی رفع کر دی "جہانگیر کا نام نہ لو تو بہتر ہے تمہارے چکر میں، میں اس کی دوستی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا ہوں، شہر میں وہ میرا متلاشی ضرور ہے لیکن میرے ٹھکانوں سے قطعی بے خبر ہے، اسے بھنک بھی مل گئی تو مجھ پر چڑھ دوڑے گا۔"

"پھر رابطے کی کیا صورت ہوگی؟" اس نے براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"سب کچھ تم پر منحصر ہے۔" میں نے شانے اچکا کر کہا۔ "مجھے تو ابھی تک تمہارا اصل نام بھی معلوم نہیں ہو سکا۔"

"نام میں کیا رکھا ہے، چاہو تو توقیر ہی سمجھتے رہو۔ آخر اسی نام سے کئی دن تمہارا مہمان رہا ہوں۔"

اچانک طیارے کے پیجنگ سسٹم پر ایک نسوانی آواز گونجنے لگی۔ طیارہ اس وقت ایک ائیر پاکٹ سے گزر رہا تھا۔ مسافروں کو ہدایت کی جا رہی تھی کہ وہ اپنی اپنی نشستیں سنبھال کر تا اطلاع ثانی حفاظتی بیلٹ باندھے رہیں۔

وہ آگے بڑھا، اس کا داہنا ہاتھ جیب سے برآمد ہو چکا تھا، میں پھرتی کے ساتھ دور ہٹ گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے غصے اور جھلاہٹ کے آثار نمودار ہوئے پھر وہ مسکرا دیا۔

"لاؤنج میں بات ہوگی۔" اس نے اپنی نشست کی طرف پلٹتے ہوئے کہا اور راستہ صاف ہونے پر میں اپنی نشست کی طرف بڑھ گیا۔

اے ٹو کے ساتھ گفتگو میں میں نے چند ہی منٹ گزارے تھے لیکن وہ عرصہ میرے لیے بے انتہا صبر آزما اور اعصاب شکن ثابت ہوا تھا۔ اس سے گفتگو کے دوران میرے لیے ہر لمحہ سنسنی میں گزرا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جن کے لیے ذاتی مفاد ہر چیز پر مقدم ہوتا ہے۔ اپنی ذات اور اپنے غیر قانونی کاروبار کو ہر قسم کے شبہات سے بالاتر رکھنے کے لیے وہ نہایت سنگدلی اور سفاکی کے ساتھ انسانی لہو سے ہولی کھیلنے کا عادی تھا۔ جب کہ میری ذات اس کے لیے کافی عرصے سے نقصانات کا سبب بن رہی تھی اور وہ مجھے مالی زک پہنچانے کے سوا کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں کر سکا تھا۔ ان حالات میں اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ کس وقت کیا حربہ آزما بیٹھے۔

اس سے گفتگو میں اس کے بارے میں میری معلومات میں اضافہ نہیں ہو سکا تھا لیکن اس نے ڈیوڈ کے ساتھ کارو ہیلو کا نام جس انداز میں لیا تھا، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اولڈ ڈارلنگ کا اصل نام تھا جو دھوکے میں میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ دوسری طرف وہ میری زبان سے جمی لائیڈ کا نام سن کر چونکا تھا لیکن میں اس موضوع پر زیادہ نشتر زنی نہ کر سکا تھا۔ اسی ضمن میں جب میں نے کچھ پردہ نشینوں کا حوالہ دیا تو وہ اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا تھا۔ یہ سب کڑیاں ایک ہی سمت میں نشاندہی کر رہی تھیں کہ تنظیم اے ٹو کی ذات پر ختم نہیں ہو جاتی تھی بلکہ وہ شاید حقیقی تنظیم کا پہلا مہرہ تھا۔

اس نے جس انداز میں مجھ سے میرے اسباب کے بارے میں سوال کیا تھا، اس سے میں اے ٹو کی نیت بھانپ چکا تھا۔ اگر میرے پاس سامان ہوتا تو طیارہ چھوڑنے کے بعد مجھے سامان کے انتظار میں رکنا پڑتا۔ اس دوران میں وہ مجھے گھیرنے کا کوئی منصوبہ بنا سکتا تھا۔ یہ امکان بھی تھا کہ کراچی ایئر پورٹ پر اس کا کوئی گرگا موجود ہوتا اور وہ سے :بہ سے پیچھے لگا دیتا۔

جہاز بدستور ائر پاکٹ میں سے گزر رہا تھا اور اسے جھٹکے لگ رہے تھے۔ اس دوران ائر ہوسٹس دو بار میری طرف سے گزری تھی تاکہ یہ دیکھ سکے کہ ہدایت کے مطابق تمام مسافروں نے حفاظتی بند باندھ لیے ہیں لیکن دونوں بار میں اسے غوطہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے نشست سے منسلک بیلٹ کے دونوں بکل ایک دوسرے سے ملا کر یوں ہاتھوں کے نیچے چھپا لیے تھے کہ بادی النظر میں وہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نظر آ رہے تھے لیکن حقیقتاً میں بیلٹ کی گرفت سے پوری طرح آزاد تھا۔

اسی کے ساتھ میں بار بار جھک کر پوری راہداری کے عقبی حصے کا جائزہ بھی لیتا جا رہا تھا۔ اے ٹو سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ جہاز کی لینڈنگ کا انتظار کیے بغیر دوران پرواز ہی میرا کام تمام کر ڈالنے پر تل جائے۔ جہاز ائر پاکٹ سے گزر رہا تھا، تمام مسافر اپنی نشستوں پر حفاظتی بند باندھے بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسے

میں اے لٹو اگر ٹوائلٹ وغیرہ کی شدید ضرورت کا اظہار کر کے سیٹ
چھوڑ دیتا تو پرواز کے حفاظتی ضابطوں کے مطابق اسے روک دینے
کا پورا اختیار ہونے کے باوجود جہاز کے عملے کا کوئی فرد اخلاقاً اسے
سختی سے روکنے کی کوشش نہ کرتا اور وہ پیچھے سے آکر میرے قریب
سے گزرتے ہوئے میرے بازو میں کوئی زہریلی سوئی وغیرہ گھونپتا
ہوا آگے نکل جاتا تو بیلٹ باندھ لینے کی صورت میں شاید مجھے
اپنی نشست سے اٹھنے کا موقع بھی نہ ملتا اسی لیے میں پوری
طرح چوکنا اور آزاد بیٹھا ہوا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ میرا ذہن بھی کام کرنے میں مصروف تھا۔
اس سے دو بدو ملاقات کے باوجود میں اس کا نام معلوم نہیں کر
سکا تھا اور اس دور میں پروازوں اور ان سے سفر کرنے والے فضائی
مسافروں کی تعداد اتنی بڑھ گئی تھی کہ محض پرواز نمبر کے حوالے سے کسی
مخصوص مسافر کا نام معلوم کرنا تقریباً ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ حادثوں
کی صورت میں بھی مختلف مقامات سے سوار ہونے والے مسافروں کے
فلائٹ کوپن کے اندراجات کے ذریعے نام جمع کرنے میں خاصا وقت
لگ جاتا تھا چہ یوں بھی ہوتا تھا کہ زید کے نام پر بنے ہوئے ٹکٹ
پر سفر کرنے والا بکر ثابت ہوتا تھا اور یہ خرابی اندرون ملک پروازوں
میں زیادہ عام تھی۔

لیکن پھر بھی میرے ذہن میں امید کی ایک کرن روشن
تھی۔ میں اے لٹو کے کوٹ کی اوپری جیب میں ٹکٹ کی جھلک
دیکھ چکا تھا۔ وہ ایک تجربہ کار فضائی مسافر تھا، مجھے یقین تھا کہ
اس نے کسی دوسرے کے نام پر بنے ہوئے ٹکٹ پر سفر نہیں کیا
ہوگا کیونکہ اس طرح کسی حادثے کے بعد انشورنس کلیم میں شدید
دشواریاں پیدا ہو جاتی تھیں۔

میرے پاس ایک مختصر سے بریف کیس کے علاوہ کوئی
سامان نہیں تھا۔ لہٰذا میں فیصلہ کر چکا تھا کہ طیارے سے اترتے
وقت میں کسی نہ کسی طرح اے لٹو کے قریب رہوں گا اور اس
کی جیب سے ٹکٹ اڑانے کی کوشش کروں گا تاکہ کم از کم اس کے
اصل نام سے باخبر ہو سکوں۔

طیارہ دیو ہیکل تھا لہٰذا جھٹکوں کا احساس بہت شدید نہیں
تھا، سیٹ بیلٹ باندھنے کی ہدایات روشن ہی تھیں کہ تمباکو نوشوں
کے لیے ممانعت کے احکام بھی روشن ہو گئے جس کا مطلب تھا
کہ منزل قریب آ چکی تھی۔

میرے اعصاب پر چھایا ہوا تناؤ کچھ اور بڑھ گیا۔

دیو ہیکل طیارے نے لینڈنگ سے قبل شہر پر ایک طویل
چکر کاٹتے ہوئے بتدریج بلندی کم کی۔ گو میری نشست کھڑکی سے
ملحق نہیں تھی لیکن طیارے کے بدلتے ہوئے زاویوں کے باعث
سورج کی شفاف روشنی میں دمکتے ہوئے شہر کے آثار مجھے بھی نظر
آرہے تھے اور یہ سب اتنا دلفریب تھا کہ فضا سے میرے لیے
اپنے شہر کو شناخت کرنا مشکل ہو گیا۔

وہ میرا پہلا فضائی سفر نہیں تھا۔ کراچی سے میں نے بارہا
جہازوں میں سفر کیا تھا۔ جب تک تنظیم چرس فروشی پر انحصار
کرتی رہی ہمیں اپنے کاموں کے لیے ٹرین کے پہلے درجے سے
زیادہ سہولت حاصل نہیں تھی لیکن جب ہیروئن کا لین دین شروع
ہوا تو اس بلند پرواز اور گراں قیمت جنس کے عوض مجھے دوسرے
ساتھیوں سمیت طیاروں پر سفر کی اجازت مل گئی۔ اسی دوران میرا
بیرون ملک بھی جانا ہوا لیکن فضا سے میں نے کبھی اپنے شہر کو
یوں شناخت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی جس طرح اس بار کر
رہا تھا۔

بل کھاتی ہوئی اور سیدھی سیاہ لکیروں کی طرح چمکتی ہوئی سڑکوں
اور آباد و غیر آباد صنعتی و رہائشی علاقوں کا فضائی منظر دیکھ کر مجھے
ان لوگوں پر غصہ آنے لگا جو کہتے ہیں کہ اس شہر خرابات کو کسی
مناسب منصوبہ بندی کے بغیر مسلسل بڑھایا اور آباد کیا جا رہا ہے۔
اوپر سے پورا شہر مربعوں، مثلثوں، مستطیلوں اور تکونوں کا ایک
حسین مجمع نظر آرہا تھا۔

لیکن جیسے جیسے طیارہ نیچے آتا گیا، ان ریاضی اشکال کا فسوں
تباہ ہوتا چلا گیا، ہر ہزار پانچ سو فٹ پر میرے غصے کی شدت
میں کمی آتی چلی گئی اور جب میں نے طیارے کے اپروچ میں
آجانے کے بعد کھڑکی میں سے کچھ دور مُردہ خور گِدھوں اور چیلوں
کے ایک غول کو کسی مُردار یا کوڑے کے ڈھیر پر حملہ آور دیکھا تو
واقعی منصوبہ سازوں پر دماغ کھول رہا تھا۔

شاید وہ سب ہی اونچی اڑان والے لوگ تھے، اپنے
منصوبوں کو زمین پر رہ کر دیکھنے کے عادی نہیں تھے، بس اونچی
فضاؤں میں اڑ کر طائرانہ نگاہوں سے دل خوش کر لیتے تھے کہ جو
انھوں نے طے کر دیا، وہی اس شہر کو نگارِ وطن بنانے کے لیے
بہترین اور موزوں ترین ہے جس سے بہتر کی تخلیق انسانی بساط سے
شاید باہر ہے۔

کاش انھیں جہازوں کی دُم سے باندھ کر روم، ایتھنز،
فرینکفرٹ، لندن حتیٰ کہ استنبول پر اڑانا ممکن ہوا اور وہ دیکھ سکیں
کہ شہر کیسے بسائے اور بڑھائے جاتے ہیں جیسے عروس البلاد کہا جاتا
ہے اسے بیوہ کی طرح کہیں اُجاڑا اور بکھیرا نہیں جاتا، سنوارا ہی
جاتا ہے۔

جہاز کے پہیے رن وے سے لگنے کا ایک ہلکا سا احساس

اور طیارہ کسی دم توڑتے ہوئے غضبناک درندے کی طرح
لڑکھڑاتا ہوا زمین پر دوڑنے لگا اور میرے ذہن سے سارے
منصوبہ ساز یک بیک رخصت ہوگئے۔

میں نے مڑ کر راہداری میں دیکھا تو وہ ویران پڑی ہوئی
تھی۔ اسے لٹو میری توقع سے کہیں زیادہ کند ذہن ثابت ہوا تھا۔
طیارے کی رفتار میں لحہ بہ لمحہ رونما ہونے والی کمی کا دباؤ
میرے سینے پر محسوس ہو رہا تھا معاً مجھے خیال آیا کہ اگر طیارے
کے اترتے ہوئے اس کے پہیئے یا لینڈنگ گیئر ٹنوں کا بوجھ سنبھالنے
سے انکار کر دیتے تو کیا ہوتا۔

وہی ہوتا جو کراچی جیسے شہرِ نگاراں میں ہو رہا ہے۔
منصوبہ ساز کسی گوشے سے پھر ابھر آئے۔

منصوبے بناتے ہیں بالکل کسی مکمل ایروڈائنامک طیارے
کی طرح جو جب فضا میں پرواز کر رہا ہو تو ہر طرف سے گول مٹول
صاف ستھرا اور چکنا ہو تاکہ ہوا اس کی اڑان اور بلندی میں کم سے
کم مزاحم ہو۔ ان کی منصوبہ سازی کا طیارہ اڑتا ہے اور اڑتا ہی
رہتا ہے لیکن جب منصوبے کی پرواز مکمل ہوتی ہے، لینڈنگ کا
وقت آتا ہے تو گیئر کھلنے سے انکار کر دیتے ہیں، منصوبہ پیندے
کے بل گھسٹنے لگتا ہے، چنگاریاں اڑتی ہیں، آہ و فغاں مچتی ہے، اخبارات
کے مراسلے چھپتے ہیں، متاثرین کے وفود اعلیٰ حکام سے ملتے ہیں
پھر ایک دوسرا منصوبہ وجود میں آجاتا ہے اور عموماً یہ ذیلی
منصوبہ اصل منصوبے سے بڑا اور قیمتی ہوتا ہے کیونکہ دنیا دن بدن
افراطِ زر کا شکار ہے، ہر چیز کی لاگت بڑھ رہی ہے۔ قرار لیس
کمیشن ہی کو ہے جو شروع سے وہی دو ڈھائی فیصد چلا
آ رہا ہے مگر منصوبے پھر بھی بن رہے ہیں اور یکے بعد دیگرے
کریش لینڈنگ کرتے جا رہے ہیں۔

طیارے کی رفتار دم توڑ گئی، ائیرپورٹ کی عمارات نظر
آنے لگیں، طیارہ رن وے پر کسی کاہل الوجود ملازم کی طرح رینگتا
ہوا پارکنگ ایریا کی طرف بڑھنے لگا۔ مسافروں میں ہلچل سی مچ
گئی۔ حفاظتی بند باندھے رکھنے کی ہدایت بدستور روشن تھی لیکن کیبن
کی فضا ابھی بند کھلنے کی کھٹا کھٹ سے گونجنے لگی مگر جس نے بند
باندھا ہی نہ ہو وہ کیا کھولتا۔ میں اپنا بریف کیس نکال کر راہداری
میں نکل آیا۔ تاکہ اسے لٹو کے نمودار ہوتے ہی دروازے کے قریب
اس کے ساتھ ہولوں۔

کراچی نہ دارالخلافہ رہا تھا، نہ زرداروں کا مرکز لیکن پھر بھی
نہ جانے کیا بات تھی کہ ہر شہر سے آنے والی پروازیں بھری ہوئی ہوتی
تھیں اس میں نہ اکانومی کلاس کا استثنیٰ تھا، نہ اوّل درجے کا
یہی حال ریلوں کا تھا۔ طیارہ تھمنے سے پہلے ہی فرسٹ کلاس

کے دروازے کے سامنے بھیڑ جمع ہو چکی تھی۔

سیڑھی لگنے کے بعد دروازہ اوپر اٹھایا گیا تو مسافر یکے
بعد دیگرے آگے بڑھنے لگے لیکن میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ چند ثانیوں
بعد اسے لٹو نظر آیا تو میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ بھی میری طرف
سے غافل نہیں تھا، میری اور اس کی نگاہیں چار ہوئیں اور اس
کے پتلے پتلے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

"شاید میرا ہی انتظار کر رہے تھے تم؟" اس نے چبھتے ہوئے
لہجے میں سوال کیا۔ کئی مسافروں نے یوں چونک کر گردنیں گھما
کر اسے دیکھا جیسے جہاز سے اترتے ہوئے اونچی آواز میں بولنا
ممنوع رہا ہو۔

"کیوں نہ کرتا؟ مدت کے بعد ملے ہو، تمھاری تو زیارت
بھی مشکل ہی سے ہوتی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

آگے بڑھتے ہوئے اس نے اپنے آگے جگہ پیدا کرتے
ہوئے مجھے اپنے گوشے سے پیشقدمی کی پیشکش کی تھی لیکن میری
الجھن ایک عجلت پسند خاتون نے دور کر دی۔ وہ دونوں ہاتھوں
میں سامان اٹھائے خالی جگہ میں گھس گئی اور میں اطمینان سے
اسے لٹو کے پیچھے ہو لیا۔

آخری چند سیڑھیاں باقی رہ گئی تھیں اور مجھے اپنے ہاتھ
کی صفائی دکھانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ راستہ صاف دیکھ کر
میں نے اچانک ہی کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اسے لٹو کے آگے سیڑھیاں خالی تھیں لیکن وہ آہستہ آہستہ
ہی اتر رہا تھا۔ مجھے گمان ہوا کہ شاید تصویر کے قتل کے بعد فرار
ہوتے ہوئے وہ سلطان شاہ کی کسی گولی سے زخمی ہو گیا تھا جب
ہی سیڑھیاں اترنے میں احتیاط سے کام لے رہا تھا۔

اچانک میری داہنی ٹانگ حرکت میں آئی۔ اسے لٹو کے
حلق سے ایک بے ساختہ سی آواز نکلی، اس کے ایک ہاتھ میں
بریف کیس تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے ریلنگ پکڑنا چاہی
لیکن کامیاب نہ ہو سکا اور اوندھے منہ نیچے جا پڑا۔

اس کے گر جانے کے بعد میں نے اسے سنبھالنے کی اداکاری
کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے چھوٹا ہوا بریف کیس پکڑ لیا، وہ
سر کے بل نیچے پہنچا تھا، گراؤنڈ پر کھڑا ہوا ائیرلائن کا عملہ اس کے
لیے کچھ بھی نہ کر سکا تھا۔

میں تیزی سے سیڑھیاں عبور کرتا ہوا نیچے اترا اور رن وے
پر سیڑھیوں کے قریب کھڑی ہوئی مائیکرو بس میں سوار ہو گیا۔
اسے لٹو کا بریف کیس اٹھانے کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ میرے
ہاتھوں میں بیک وقت دو بریف کیسز کی موجودگی ہر ایک کی
نگاہوں میں مجھے مشتبہ بنا دے گی لہٰذا میں نے اپنا بریف کیس

سیڑھیوں پر ہی چھوڑ دیا تھا کیونکہ اس میں میرے کپڑوں کے ایک جوڑے کے علاوہ ایسی کوئی چیز موجود نہیں تھی جس کی بنا پر میری شناخت ہوسکے۔

مائیکرو بس میں سوار ہوتے ہوتے میں نے یہ ضرور دیکھا تھا کہ اے ٹو کا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ شاید گرتے ہوئے المونیم کی سیڑھی کا کوئی کنارا اس کی پیشانی میں گھس گیا تھا۔

مجھے خوشی یہ تھی کہ اس کارروائی کے نتیجے میں مجھے مطلوبہ کامیابی حاصل ہوچکی تھی اور اے ٹو کو سہارا دینے کی اداکاری میں میں نے اس کے کوٹ کی اوپر والی جیب سے ٹکٹ نکال لیا تھا جو اس وقت میری تحویل میں تھا۔

عام حالات کی بات اور ہوتی ہے لیکن کسی حادثے کی صورت میں ائیرلائن کا ہر مسافر وی آئی پی بن جاتا ہے۔ پھر اے ٹو تو فرسٹ کلاس کا مسافر تھا۔ سیڑھیوں کے اختتام پر رن وے پر کھڑے ہوئے ائیرلائن کے عملے کو جوں ہی حادثے کے وقوع پذیر ہونے کا احساس ہوا، وہاں کھلبلی سی مچ گئی۔

ہماری مائیکرو بس رینگتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور ائیرپورٹ کے کسی حصے سے ایمبولنس کے سائرن کی آواز آنے لگی۔ شاید ان میں سے کسی نے اپنے محدود حیطۂ عمل کے ٹرانسمیٹر پر ایمبولنس طلب کرلی تھی۔

اس وقت صرف میں ہی نہیں بلکہ مائیکرو بس کا ہر مسافر اے ٹو کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کے لیے بے چین تھا۔ لہٰذا میں بھی ندامت کے کسی احساس کے بغیر شیشوں سے طیارے کی طرف دیکھتا رہا۔

اے ٹو رن وے سے ٹکراتے ہی بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھا تھا، اس نے پلٹ کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا پھر غالباً مجھے وہاں موجود نہ پاکر اس نے رینگتی ہوئی مائیکرو بس کی طرف دوڑنا چاہا تھا لیکن اسی لمحے ائیرلائن کے عملے اور مسافروں نے اسے گھیر لیا اور وہ میرا پیچھا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔

راستے میں ایک ایمبولنس سائرن بجاتی ہوئی ہماری مائیکرو بس کے قریب سے گزر گئی۔ اس وقت مجھ پر عجیب سی وحشت اور گھبراہٹ طاری تھی۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں ڈرائیور کے سر پر سوار ہوکر اسے تیز رفتاری پر مجبور کرتا تاکہ جلد از جلد ائیرپورٹ کی عمارت سے نکلنے کا موقع مل جاتا۔

میرا قیاس تھا کہ اے ٹو زخمی ہونے کے بعد مجھے گنوا کر ائیرپورٹ پر اپنا وقت برباد کرنا پسند نہیں کرے گا لیکن دوسری طرف اس کے زخم سے بہنے والی خون کی مقدار دیکھتے ہوئے ائیرلائن کا عملہ کسی بھی قیمت پر اسے طبی امداد دیے بغیر روانہ نہ ہونے دیتا کیونکہ بعد میں اس حادثے پر غفلت اور بے پروائی کا کوئی بھی اسکینڈل بن سکتا تھا۔

میرے لیے الجھن کی بات صرف ایک ہی تھی کہ اے ٹو کا بریف کیس میری تحویل میں تھا۔ طیارے کی سیڑھیوں پر تو میں نے دوسروں کو شبہے کا موقع دیے بغیر اپنا بریف کیس چھوڑ کر اے ٹو کے بریف کیس پر قبضہ کرلیا تھا لیکن اے ٹو اسے پہلی نظر میں ہی تاڑ گیا ہوگا۔ اس کا پہلا ردِعمل تو یہ ہوتا کہ وہ بریف کیس کی تبدیلی کا ذکر کیے بغیر جلد از جلد لاؤنج میں پہنچ کر مجھے پکڑنے کی کوشش کرتا لیکن میرے خیال میں اس کے زخمی ہونے کے باعث ایسے امکانات معدوم تھے۔ ائیرلائن کے زمینی عملے کو طبی امداد کی کوششوں سے روکنے کے لیے دوسرا ردِعمل یہ ہوسکتا تھا کہ وہ خطیر رقم یا قیمتی دستاویزات کے حوالے سے اپنے بریف کیس کی گمشدگی کا شور مچا کر دیتا اور ہر شخص کی توجہ اے ٹو کی پیشانی کے زخم سے ہٹ کر بریف کیس کی بازیابی پر مرکوز ہوجاتی۔

میں نے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اے ٹو کا ٹکٹ نکالا تاکہ کسی ہنگامے کے آغاز سے قبل کم از کم اس کے مندرجات ہی دیکھ سکوں۔ وہ ٹکٹ دو دن پہلے راجہ ظہور احمد کے نام ائیرلائن کے لاہور سیلز آفس سے جاری ہوا تھا۔ نام کے آگے ہی حوالے کے لیے ایک فون نمبر درج تھا جو یقینی طور پر لاہور ہی کا ہونا چاہیے تھا۔

مائیکرو بس لاؤنج کے رن وے کی طرف کھلنے والے دروازے پر رک گئی۔ میں نے وہ ٹکٹ جلدی سے جیب میں اڑس لیا لیکن میں یہ دیکھ چکا تھا کہ اس پر دو بیگیج ٹیگ لگے ہوئے تھے جس کا مطلب تھا کہ اے ٹو میری طرح خالی ہاتھ سفر نہیں کررہا تھا بلکہ طیارے کے کارگو ہولڈ میں اس کا بھی سامان موجود تھا۔

لاؤنج کے دروازے پر ائیرپورٹ سیکیورٹی فورس کے دو مسلح جوان چاق و چوبند کھڑے ہوئے تھے۔ تیسرا ائیرلائن کے زمینی عملے کا کوئی رکن تھا جو ایک ائیرپیس کان اور دہانے کے قریب لگائے کسی سے گفتگو میں مصروف تھا۔

میرے لیے وہ مرحلہ فیصلہ کن تھا۔ میں اے ٹو کو کھلی زک پہنچا کر صاف نکل سکتا تھا اور اگر اس مرحلے پر دھر لیا جاتا تو اے ٹو کے ساتھ ہی قانون نافذ کرنے والے اداروں کی گرفت میں بھی آجاتا۔

نیچے اترتے ہوئے مائیکرو بس کے شیشے میں سے ایک منظر دیکھ کر میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ بس سے اترنے والے مسافروں کو براہِ راست اندر داخلے کی اجازت دینے کے بجائے خلافِ معمول باہر ہی روک لیا گیا تھا اور ٹرانسیٹ والا غالباً اس اقدام

ئی توجیہ کر رہا تھا۔

میں نیچے آیا تو کسی کو مسافروں کے یوں رکے جانے کا معلوم نہیں تھا۔ ٹرانسپیٹر والا برہم مسافروں کے سامنے بس ڈائے جا رہا تھا کہ چند منٹ بعد سب اندر جاسکیں گے۔

میرے لیے وقت بہت کم رہ گیا تھا' میرے کان ایمبولنس د بجتے ہوئے سائرن پر جمے ہوئے تھے۔ وہ جس لمحے بھی زخمی کو لے کر وہاں آپہنچتی میری بازی الٹ جاتی۔

میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا' تنفس کی رفتار تیز ی تھی اور ہاتھ میں جھولتا ہوا بریف کیس یک بیک منوں محسوس ہونے لگا تھا لیکن اس کے باوجود میرا ذہن کسی کمپیوٹر رح کام کر رہا تھا۔

گ ے اتر کر میں ایک لحظہ کے لیے رکا پھر داخلی دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ لوگوں نے ناک بھوں چڑھاتے ئے مجھے راستہ دیا تھا لیکن ٹرانسپیٹر والا میرے راستے میں حائل و گیا۔

"بس چند منٹ جناب!" وہ ملتجیانہ لہجے میں بولا "پھر آپ ب اندر جاسکیں گے' ہمیں آپ کی . . ."

"میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔" میں نے اس کی بات کاٹ ڈنک اور تیکھے لہجے میں کہا "پیشاب کر کے واپس آرہا ہوں۔" اس کے چہرے پر مایوسی کی لہر پھیل گئی "اگر آپ صرف منٹ رک سکیں . . ."

"بنیادی ضروریات تمہاری مرضی کی تابع نہیں ہوسکتیں۔" نے بددماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ترش روئی سے کہا۔

"پھر اپنا شناختی کارڈ دیتے جائیں' واپسی پر لے لیں۔" نے ندامت آمیز لہجے میں شرط عائد کردی۔

"یہ رکھو۔" میں نے چڑچڑے انداز میں جیب سے ائیر ٹکٹ نکال کر اسے تھما دیا۔

خالی ٹکٹ اس کے لیے بیکار تھا لہٰذا اس نے فوراً نمبر کھول کر دیکھا اور اندر چپکے ہوئے دو عدد بیگیج ٹیگ دیکھتے ہی معذرت کرتے ہوئے راستہ چھوڑ دیا۔

اندر داخل ہو کر میں پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر تیر کی طرح سیدھا چلا گیا۔ شاید کچھ دیر پہلے ائیرپورٹ پر کوئی اور پرواز بھی اتری ہال لاؤنج میں مسافروں کا خاصا ہجوم تھا۔ میں اس بھیڑ شامل ہو کر سیدھا نکاسی کے راستے کی طرف ہو لیا۔

میں باہر نکلا ہی تھا کہ اچانک چھٹی حس سے متعلقہ میری گھنٹی بھڑک اٹھی۔ میں نے سر گھمایا تو ائیرپورٹ سیکیورٹی کا ایک جوان مسافروں کی بھیڑ سے بچتا ہوا مجھے اپنے پیچھے بھاگتا ہوا نظر آیا۔

اسے یوں دوڑتے دیکھ کر وہاں سامان کے انتظار میں موجود مسافروں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ائیرپورٹ سیکیورٹی فورس کی کارکردگی آئے دن خبروں کا موضوع بنتی رہتی تھی۔ کسٹم والوں سے لے کر ائیر لائن کے عملے تک کو یہ شکایت تھی کہ فورس کے بیشتر اراکین اسلحہ کے بل پر ان پر بالادستی جمانے کی فکر میں رہتے ہیں۔

مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں وہ مجھ پر عقب سے فائر ہی نہ جھونک مارے' میں نے بھی اچانک ہی دوڑ لگا دی اور انتظار کرنے والوں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا سڑک عبور کر کے دوسری طرف نکل گیا' اتنی دیر میں تعاقب کرنے والا باہر آچکا تھا' میں ریلنگ پھلانگ کر پارکنگ ایریا میں داخل ہوا اور سب سے پہلے جو آباد گاڑی نظر آئی' اسی کی طرف بڑھ گیا۔

سفید مزدا کا ادھیڑ عمر ڈرائیور اپنی طرف کا دروازہ کھولے سگریٹ پی رہا تھا اور کار ریڈیو پر کرکٹ کمنٹری پورے جوش و خروش کے ساتھ جاری تھی۔ میں نے اسے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر گریبان پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا۔ بریف کیس سیٹ پر پھینک کر میں نے اگنیشن میں موجود چابی کو جنبش دی۔ لحظہ بھر کے لیے کمنٹری موقوف ہوگئی اور کار کا انجن غرا کر بیدار ہوگیا۔ چابی چھوڑتے ہی نہ صرف ریڈیو پر کمنٹری شروع ہوگئی بلکہ باہر ڈرائیور نے صورت حال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے چلانا شروع کردیا۔

میں نے گیئر ڈال کر کار تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھا دی۔ اسی وقت مجھے گاڑیوں کے درمیان دو تین باوردی اہلکار دوڑتے نظر آئے لیکن پارکنگ لاٹ میں گاڑیوں کی کثرت کے باعث انہیں صورت حال کا اندازہ لگانے یا کوئی کارروائی کرنے کی مہلت دینے سے پہلے ہی میں گاڑی باہر لیتا چلا گیا۔

گاڑی گھماتے ہوئے فضا میں یکے بعد دیگرے دو فائروں کی آواز گونجی لیکن میں فوری طور پر ہر خطرے کی زد سے باہر نکل چکا تھا۔ میں نے سفید مزدا تیز رفتاری کے ساتھ شہر جانے والے راستے پر ڈال دی۔

میں ائیرپورٹ سے تو بچ نکلا تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ معاملہ اتنی جلدی ختم نہیں ہوگا۔ مظلوم ڈرائیور کی کہانی سے واقف ہوتے ہی تعاقب اور سفید کار کی تلاش کی مہم کا آغاز کر دیا جائے گا۔

اسٹار گیٹ پہنچنے تک میں اپنے ذہن میں ایک واضح حکمت عملی مرتب کر چکا تھا۔ وہاں ٹریفک سگنل کی سرخ بتی نے

شہر کی طرف جانے والا ٹریفک رکا ہوا تھا لیکن مجھے ادھر جانا ہی نہیں تھا۔ میں نے تیزی کے ساتھ کار بائیں طرف گھمائی اور نیشنل ہائی وے پر لانڈھی کی طرف ہولیا۔

ڈرائیونگ کے ساتھ میری نظریں عقب نما آئینے پر بھی مرکوز تھیں لیکن پیچھے بظاہر میدان صاف نظر آرہا تھا۔

اچانک ریڈیو پر کنسٹریٹر پوری قوت سے حلق کے بل چیخا اور میرے ہاتھ اسٹیئرنگ پر بہک سے گئے۔ میں نے خفت آمیز جھلاہٹ کے ساتھ ریڈیو آف کر دیا۔

ملیر ہالٹ کے بارونق اسٹاپ پر میں نے کار بائیں طرف کچے میں اتار کر ایک طرف روک دی۔ انجن بند کر کے بریف کیس سنبھالا اور چابی اگنیشن میں چھوڑ کر نیچے اتر آیا۔ دروازہ مقفل کرنے کے بعد میں نے ایک پان والے سے سگریٹ کا پیکٹ خریدا اور سکون کے ساتھ سڑک عبور کرلی۔ اس دوران میں میں نے اسے ٹو کے بریف کیس سے ائرلائن کا ٹیگ پھاڑ دیا تھا۔

چند ثانیوں بعد جب میں شہر جانے والی برق رفتار منی بس میں سفر کر رہا تھا تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں تھوڑی دیر پہلے کسی جہاز کے اوّل درجے کا مسافر تھا۔

منی بس میں سفر کا وہ میرا پہلا موقع تھا اور میرا خیال تھا کہ اگر اس میں صرف پروں کا اضافہ کر دیا جائے تو ڈرائیور اسی انجن کے سہارے بس کو فضا میں اڑانے کی پوری مہارت رکھتا تھا۔

بس اسٹار گیٹ کے اسٹاپ پر رکی تو وہاں مجھے کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی۔ ٹریفک حسب معمول رواں تھا۔ اچانک میری پسلیوں میں کوئی چیز چبھنے لگی۔ اس وقت میرے ذہن پر اے ٹو، ائرپورٹ سیکیورٹی فورس اور پولیس جیسے دشمن اپنے اسلحہ سمیت چھائے ہوئے تھے لہٰذا میرا بھڑکنا قطعی فطری تھا لیکن سر گھماتے ہی سارا ذہنی تناؤ کافور ہوگیا۔ میری پسلیوں میں چبھنے والی چیز کسی پستول کی نال نہیں تھی بلکہ کنڈیکٹر کی کہنی کی ہڈی تھی کیونکہ وہ بس میں مسافروں کی تعداد پوری ہونے کے باوجود مزید کو للکار رہا تھا۔ اور میری طرف جھک کر ان لوگوں کو راستہ دے رہا تھا جو اس کا چیلنج قبول کر کے شاید دروازے پر حملہ آور ہو چکے تھے۔

کسی غنی کے دل سے میرا کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا لیکن اس دن منی بس کی گنجائش دیکھ کر میرے ذہن میں غنی کے دل کا تصور ابھرا تھا جہاں ہر وقت گنجائش رہتی ہے۔

منی بس اسٹار گیٹ سے روانہ ہوئی تو اس میں صرف نشستوں کی حد تک سروں کی تعداد دگنی ہوگئی تھی جو بیٹھنے کی سعادت حاصل کرنے سے محروم رہ گئے تھے نشستوں کے درمیان رہی سہی جگہ پر سر جھکائے، پشت دوہری کیے، سزا یافتوں کی طرح کھڑے ہوئے تھے اور مزے کی بات یہ تھی کہ ان میں سے کوئی چہرہ شکن آلود نہیں تھا جیسے انھیں یوں ہی منی بسوں میں دوہرا ہو کر کھڑا ہونے کے لیے پیدا کیا گیا ہو۔ بس کے چلتے ہی کنڈیکٹر پہلے پائیدان پر قدم جما کر کھلے ہوئے دروازے سے باہر جھول گیا تھا۔

اگر میں اس وقت اے ٹو کے پھندے سے بچ کر فرار نہ ہوا ہوتا تو میرے لیے اس رواں دواں عقوبت کدے میں ایک لمحہ بھی گزارنا دشوار ہوتا لیکن میں سکون سے بیٹھا سوچ رہا تھا۔ اس وقت وہ بس میرے لیے گوشۂ عافیت بنی ہوئی تھی۔

دورانِ پرواز اے ٹو کو شروع سے آخر تک مجھ پر ذہنی بالادستی حاصل رہی تھی۔ جس کا اندازہ شاید اسے خود بھی ہوگیا تھا لیکن طیارے سے نکلتے ہی وہ بُری طرح میری زد میں آیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ رہا ہوگا کہ میں یوں کھلے بندوں اس پر وار کر گزروں گا۔

اس کے ساتھ پیش آنے والی متوقع صورتِ حال کا تصور کر کے میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ زخم خوردہ حالت میں لاؤنج پہنچتے ہی جب اس نے باہر ٹارمک پر رکے ہوئے مسافروں میں مجھے موجود نہ پایا ہوگا تو بھنا کر رہ گیا ہوگا پھر ائرلائن کے آدمی نے بتایا ہوگا کہ ایک مسافر بطور ضمانت اپنا ٹکٹ، بیگیج ٹیگ سمیت ضمانت کے طور پر اس کے پاس چھوڑ کر پیشاب کرنے اندر گیا ہوا ہے۔ ٹکٹ سامنے آتے ہی شاید اے ٹو نے اپنا سر پیٹ لیا ہوگا کیونکہ وہ خود اسی کا ٹکٹ تھا۔

اس انکشاف کے بعد ہی وہاں میری تلاش شروع ہوئی ہوگی لیکن میں صاف نکل بھاگا تھا۔ اور اے ٹو معروف معنوں میں مظلوم ہونے کے باوجود ان کی تحویل میں تھا جانے اس نے اپنے بریف کیس کی چوری کے بارے میں کیا کہانی تراشی تھی لیکن یہ بات یقینی تھی کہ اس عجیب و غریب واقعے کے نتیجے میں اے ٹو کی ذات تفتیش کرنے والوں کی توجہ کا مرکز بن جاتی اور وہ لازمی طور پر الجھنوں سے دوچار ہو جاتا۔

نرسری کے اسٹاپ پر میں نے منی بس چھوڑ دی اور وہاں سے ٹیکسی میں غزالہ کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

غزالہ اور اس کے باپ نے باہر لان ہی میں میرا استقبال کیا تھا۔ میں غزالہ کو پچھلی رات اپنی آمد کی اطلاع دے چکا تھا۔ لہٰذا وہ دونوں لان پر کرسیاں ڈالے میری آمد کے منتظر تھے۔

"یہ کیا؟ خالی ہاتھ ہی چلے آرہے ہو، سامان کہاں ہے؟"

کرنل زوار زیدی نے میرے شانے پر بے تکلفی سے ہاتھ مارتے

نے حیرت کے ساتھ سوال کیا تھا۔
"اب تو بے سرو سامانی کا ہی عالم رہے گا کچھ دنوں۔"
نے ہنستے ہوئے جواب دیا تھا۔ "سامان ساتھ ہوتا تو آج گھر پہنچنا دشوار ہو جاتا۔"
ان کے استفسار پر میں نے مختصر الفاظ میں اپنی کہانی دہرا لیکن یہ نہ بتایا کہ دوران پرواز طیارے پر قبضہ کرنے والا کون تھا یہ کہہ دیا کہ وہ تنظیم کا ہی ایک کارندہ تھا جس کے نام سے ٹ چرانے کے بعد ہی واقفیت ہوئی تھی۔
"بڑی خطرناک بات ہے۔" زوار زیدی نے مجھے لان پڑی ہوئی ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے گمبھیر لہجے میں اب تو اس آدمی تک تمہاری رسائی ہو سکے گی، نام معلوم ہو ہے پھر فون نمبر بھی ہے۔"
"شاید اتنا آسان بھی نہ ہو۔" میں نے کرنل کی آنکھ بچا کر زالہ کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں میں رازداری کی یت ہر بات سے زیادہ ہے، امکان یہی ہے کہ وہ کسی اور کے ٹ پر سفر کر رہا ہوگا۔"
"چھوڑیے ڈیڈی یہ باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی ذرا انھیں اطمینان سے بھی ملنے دیں۔" غزالہ نے ہنستے ہوئے دخل اندازی کی اور ہم تینوں نے ہی بیک وقت کرسیاں چھوڑ دیں۔
"ارے ہاں! وہ نوکر کہاں ہے تمہارا؟" کرنل کو اٹھتے اچانک سلطان شاہ کا خیال آ گیا۔
اس بار میں اس کے سوال کا برا ماننے کے بجائے انجان یا۔ "کون نوکر؟ کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟"
"ارے وہی... کیا نام ہے اس کا؟... ہاں سلطان شاہ۔" وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔
"اس نے میری ملازمت ترک کر دی ہے اور اپنی جاگیر چلا گیا ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔
"جاگیر؟" کرنل حیرت سے تقریباً چیخ پڑا۔ "اس کے جاگیر کہاں سے آ گئی؟"
"سنا ہے کہ شمال میں اس کے پاس کئی سو ایکڑ زرعی زمین ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔
"بکواس، سراسر بکواس!" وہ بے اعتباری سے بڑبڑایا۔ ممکن ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نے تمہیں دونوں ہاتھوں سے لوٹا ہے۔ ہی پیسے سے زمین خرید کر اب بڑا جاگیردار بن بیٹھا ہے۔"
میں نے کسی ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اور وہ ڈرائنگ روم تک مسلسل اسی موضوع پر بولتا رہا۔
غزالہ کی ماں اپنے بال سمیٹے ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر براجمان تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے زردی مائل سفید چہرے پر توانائی کی لہر دوڑ گئی۔ بے رونق آنکھوں میں چمک عود کر آئی۔ پھر وہیں مجھے پتا چلا کہ کامران کی حالت بتدریج سنبھل رہی تھی۔ ماضی کی یادیں ابھی تک اس کے ذہن کے کسی تاریک گوشے میں سوئی ہوئی تھیں لیکن وہ اسپتال کے عملے کو ناموں سے شناخت کرنے لگا تھا۔ اس بارے میں شمع میری بہت ممنون تھی۔
وہاں گفتگو کے دوران میں نے محسوس کیا کہ کرنل فوری طور پر میرا پیچھا چھوڑنے کے موڈ میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ بار بار اس کی نگاہیں میرے قدموں میں رکھے ہوئے بریف کیس پر مرکوز ہو جاتی تھیں لیکن وہ نجانے کیا سوچ کر خاموش تھا۔
پھر جب گفتگو کی تھکان پسینے کی ننھی ننھی بوندوں کی صورت میں شمع کی پیشانی اور اوپر ہونٹ پر چمکنے لگی تو غزالہ اپنی ماں کو سہارا دے کر اس کی خواب گاہ کی طرف لے گئی۔ ان دونوں کے جاتے ہی کرنل کو گویا میدان خالی مل گیا اور وہ لپک کر میرے برابر میں آ بیٹھا۔
"بریف کیس تو کھولو۔ اسی سے پتا چلے گا کہ وہ کون تھا اور کس چکر میں تھا۔" اس نے مجھے تقریباً جھنجوڑتے ہوئے حکم دیا۔
"ان لوگوں کے ایک بارودی بریف کیس کی تباہ کاری میں دیکھ چکا ہوں اس لیے کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "اگر میرا اندیشہ درست ہے تو زبردستی کھولنے کی صورت میں یہ بریف کیس ہولناک دھماکے سے پھٹے گا اور ہم دونوں کے چیتھڑے بھی نہ مل سکیں گے۔ فی الحال اسے بھولے رہنا ہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔"
"پھر اب کیا ارادہ ہے؟" اس نے سوال کیا اور میں اندر ہی اندر سلگ کر رہ گیا۔ اس کے رویے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میں کسی معاہدے کے تحت اس کے ساتھ کام کرنے کا پابند ہوں۔
"آرام کروں گا۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لاہور میں مسلسل بھاگ دوڑ سے تھک گیا ہوں۔"
"پھر میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے ناصحانہ لہجے میں بولا۔ "میری ضرورت محسوس ہو تو بلا تکلف بلا لینا۔"
"خدا نہ کرے کہ تمہاری ضرورت پڑے۔" میں نے دل ہی دل میں کہا اور گلو خلاصی کی خوشی میں مسکراتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔
"اس کی عادتیں بگڑ چکی ہیں۔" کرنل نے جاتے جاتے ایک مرتبہ پھر اپنے دل کا غبار نکالنا شروع کر دیا۔ "مجھے پورا

یقین ہے کہ وہ چوری کے مال سے خریدی ہوئی جائداد کا انتظام اپنے کسی رشتے دار کے سپرد کر کے پھر تمہارے پاس آئے گا تاکہ سال دو سال میں مزید پیسہ نچوڑ سکے لیکن تم اسے قریب نہ پھٹکنے دینا اب۔"

"بہت بہتر۔" میں نے بات ختم کرنے کی نیت سے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔ اور وہ کمرے سے چلا گیا۔ میں بریف کیس سنبھال کر اپنے کمرے کی طرف ہو لیا جہاں حسب توقع غزالہ میری منتظر تھی۔

"کون تھا وہ؟" غزالہ نے سامنا ہوتے ہی سوال کیا۔ "شاید آپ ڈیڈی کی وجہ سے کھل کر بات نہیں کر رہے تھے۔"

"اسے ٹو بذات خود تھا۔ اگر ٹکٹ اس ہی کا تھا تو اس کا نام راجہ ظہور احمد ہے۔"

"آپ نے کیسے پہچانا اس کو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں نہ پہچانتا، وہ کئی دن تک توقیر کے نام سے میرا مہمان رہا تھا۔"

"اوہ! تو یہ ثابت ہو گیا کہ وہی اسے ٹو تھا؟" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔

"وہی اے ٹو تھا اور ابھی میں کھوج نکال لوں گا کہ ظہور کس کا نام ہے۔"

"میرے لیے کس خطرے کی نشاندہی کی تھی کل آپ نے؟" اس نے دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا اور میرے وجود میں تازگی کی ایک لہر سی سرایت کر گئی۔

اکثر و بیشتر انسان اپنی روزمرہ مصروفیات میں الجھ کر یہ بھول جاتا ہے کہ اس کے اپنے طرز عمل کا انحصار بڑی حد تک دوسروں کے رویے پر ہوتا ہے اور حسین چہروں اور ناز پرور لوگوں کو چاہا جاتا ہے، ان کے مزاج کی معمولی تبدیلیاں بھی حیرت انگیز ردعمل پیدا کرتی ہیں۔ شاید مرد اور عورت کے آفاقی تعلق میں خوب صورتی سے زیادہ خوش مزاجی کا پرچار اسی لیے ملتا ہے۔

غزالہ میری تھی۔ میرے اور اس کے درمیان چاہت کا بہت قریبی اور نازک سا تعلق پروان چڑھ رہا تھا۔ ہم نے ایک دوسرے کو ہمیشہ کے لیے اپنانے کا عہد کر کے گویا صرف اس چاہت کا اقرار کیا تھا۔ اس کچے رشتے کی مضبوطی کا یہ عالم تھا کہ اس کے ابرو و مژگاں کی جنبشیں میرے احساس کی گہرائیوں کو چھیڑنے لگی تھیں۔ اس لمحے سے پہلے ہجر اور وصل کے بارے میں کہے ہوئے تمام اشعار مجھے شاعروں کے معدے کی تبخیر کا نتیجہ معلوم ہوتے تھے لیکن اس ایک لمحے میں مجھے ان کی سچائی پر اعتبار آ گیا اور ان سب میں صرف ایک مصرعہ ہی پورے پورے دیوان پر کافی تھا جس میں وجود زن سے ہے کائنات میں رنگ جیسی حقیقت سمو کر کوزے میں دریا بند کر دیا تھا۔

جب لگے بندھے باوقار رویے میں کوئی بہت شوخ تبدیلی رونما ہو تو حیرت ہوا ہی کرتی ہے لیکن غزالہ کھل کر حیرت کا اظہار بھی نہ کر سکی اور میرے جواب نے اس کا چہرہ گلنار کر دیا۔

میں زندگی کے تپتے ہوئے صحرا میں نہ جانے کب سے تنہا دوڑ رہا تھا اور جب اس جانگسل جدوجہد میں غزالہ جیسی حیات افروز لڑکی کا ساتھ میسر آیا تو اب اے ٹو اور اس کے خونخوار ہرکارے ہمارے لہو کے پیاسے ہو رہے تھے۔ مجھے ایک روز پہلے اس کے کسی تنخواہ دار نے کراچی میں مطلوبہ لڑکی کا سراغ ملنے کی خبر دی تھی اور آج اسے ٹو کراچی پہنچا تھا۔ میرا قیاس کہہ رہا تھا کہ آپریشن پردہ جانے والی اطلاع کسی قدر بھی بے بنیاد رہی ہو لیکن اے ٹو کی کراچی آمد خالی از علت نہیں تھی۔ شہر میں یقینی طور پر کچھ نہ کچھ ہونے والا تھا۔

"لاہور میں خبر ملی تھی کہ ان لوگوں نے تمہارا سراغ پا لیا ہے۔" خاصے توقف کے بعد میں نے کہا۔ مجھے فکر لاحق ہو گئی تھی۔ "اس دوران میں کوئی غیر معمولی بات تو تمہارے مشاہدے میں نہیں آئی؟"

"شاید آپ اسی لیے ڈیڈی کو ٹال رہے تھے۔" وہ حیا آمیز لیکن ملامت بھرے لہجے میں بولی۔ "انسان اپنے نفس کو زیر نہ کر سکے تو رشتوں کا اعتبار اور تعلق کی لذت پھیکی پڑ جاتی ہے۔"

"تقریر نہیں۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ "اے ٹو کے ہوش سنبھالنے سے پہلے مجھے کچھ کام نمٹانا ہے۔ بس اتنا یاد رکھنا کہ جب تک وہ اس شہر میں ہے تم گھر میں بھی کھلے آسمان کے نیچے نہیں نکلو گی۔"

"دو روز سے سلمیٰ آپ کے لیے بہت پریشان ہے۔" اس نے نظریں جھکا کر دھیمے لہجے میں کہا۔

میں چونک پڑا، میرا دل صاف تھا لیکن سلمیٰ کے دل کے چور سے میں واقف تھا۔ پھر اس کے بارے میں غزالہ کو کیسے معلوم ہوا، میں نے تو کبھی اس سے سلمیٰ کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ کہیں غزالہ کو اس بارے میں کسی سے بھنک نہ مل گئی ہو اور اب وہ میرے محبت جتانے پر مجھ پر طنز نہ کر رہی ہو لیکن اس نے خود ہی میری الجھن دور کر دی۔

"آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے فیکٹری فون کیا تھا۔

وہیں سے معلوم ہوا کہ جہانگیر کی بیوی سلمیٰ بار بار آپ کے لیے فون کر رہی ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کا دوست کسی دشواری سے دوچار نہ ہو گیا ہو۔"

اس کا اندیشہ غلط نہیں تھا۔ جہاز پر گفتگو کے دوران میں لے لوٹنے خود مجھے جہانگیر سے رابطہ رکھنے کا مشورہ دیا تھا کہیں ایسا نہ ہوا ہو کہ جہانگیر اپنی کسی حماقت کی بنا پر میرے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کر بیٹھا ہو اور نگاہوں میں آ گیا ہو۔

"پھر تم نے فون کیا تھا اس کے گھر؟" میں نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"میرے لیے وہ اجنبی ہے۔ بس آپ ہی کی زبانی اس کا ذکر سنتی رہی ہوں۔ بھلا میں کیسے فون کر سکتی تھی اسے؟"

اس کی بات معقول تھی۔ میں فوراً ہی وہاں سے اٹھ گیا اور فون والے کمرے کی طرف چل دیا۔

نمبر ملانے پر دوسری طرف خاصی دیر تک گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کسی نے ریسیور نہ اٹھایا۔ میں نے کریڈل دبا کر سلسلہ منقطع کیا اور دوبارہ جہانگیر کے گھر کا نمبر ملانے لگا۔

اس بار دوسری گھنٹی پر ہی مجھے ریسیور میں افسردہ سی نسوانی آواز سنائی دی تھی۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں، جہانگیر صاحب سے بات ہو سکے گی میری؟" میں نے شائستگی کے ساتھ سوال کیا۔

"اوہ ڈینی!" دوسری طرف سے ایک گہری سانس کے ساتھ کہا گیا اور اس بار میں نے سلمیٰ کی آواز پہچان لی۔ "تم کہاں غائب ہو۔ میں تو تم سے بات کرنے کے لیے تڑپ رہی ہوں۔" اس کی آواز بہت زیادہ مضمحل محسوس ہو رہی تھی۔

"جہانگیر کہاں ہے؟" میں نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"تین دن سے کوئی اطلاع دیے بغیر لاپتا ہیں۔" اس کی آواز اپنے ناپسندیدہ شوہر کے ذکر پر روہانسی ہو گئی۔ "میں کہاں جاؤں؟ کہاں تلاش کروں انہیں؟ تھانے میں رپورٹ بھی درج کرا دی ہے لیکن کوئی سراغ نہیں مل سکا۔"

تنظیم میرے لیے دن بدن بھیانک صورت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ اس کے گندے دھندوں کے تحفظ کے لیے جو عام لوگ مارے گئے ان کی کوئی گنتی ہی نہیں تھی لیکن میرے چند پیاروں کا لہو بھی اس کی بھینٹ چڑھ چکا تھا۔ پہلے تنظیم کے کسی بڑے کے اشارے پر قاسم کے ہاتھوں میرا برسوں پرانا جگری دوست طارق اس طرح مارا گیا کہ مجھے اس کی میت کو کاندھا تک دینے کی اجازت نہ مل سکی۔ پھر لاہور میں لے لوٹنے میرے بڑے بھائی تصویر کو زندگی سے محروم کیا اس کے بعد بڑی ماں لاپتا تھیں اور اب بیتے دنوں کا رہا سہا واحد ساتھی، جہانگیر بھی غائب تھا۔ وہ کیوں غائب ہوا تھا؟ وہ کہاں تھا؟ اسے غائب کرنے والے کون تھے؟ میرے ذہن میں سوالات کا ایک جنگل ابھرنے لگا اور میں نے کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

"کیا ہوا؟" شاید غزالہ میرا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر بھانپ گئی کہ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔

"جہانگیر تین دن سے غائب ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اسے ذرا بھی نقصان پہنچا تو میں چن چن کر انہیں کتوں کی موت ماروں گا۔"

وہ خاموشی سے سر جھکائے کمرے سے نکل گئی۔

میں نے ریسیور اٹھایا اور لاہور کا کوڈ ڈائل کر کے وہ نمبر ملانے لگا جو میں نے لے لوٹنے کی جیب سے نکالے ہوئے ٹکٹ پر سے یاد کیا تھا۔

دوسری طرف سے فوراً ہی کسی عورت کی زندگی سے بھرپور چہکتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

"راجہ ظہور احمد صاحب!" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"کون بول رہا ہے؟ یہاں کوئی راجہ ظہور نہیں رہتا۔" تنک کر جواب دیا گیا۔

"غور کر لیں خاتون — یہ بہت ضروری ہے۔" میں نے اصرار کیا۔

"تم کون ہو اور کہاں سے بول رہے ہو؟"

"میں کراچی میں پی آئی اے کے صدر دفتر سے بول رہا ہوں۔ ہمیں ظہور صاحب کا پتا معلوم ہونا بہت ضروری ہے۔"

"وہ تو آج صبح ہی کراچی گئے ہیں۔" اس مرتبہ بولنے والی کی آواز الجھن آمیز تھی۔ "لیکن تم لوگوں کو ان سے کیا کام پڑ گیا؟"

"اپنا پتا نوٹ کرائیں۔" میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کر کے خشک لہجے میں کہا۔

"مگر کیوں؟" تیز لہجے میں سوال کیا گیا۔ "بات کیا ہے؟ تم بتاتے کیوں نہیں ہو؟"

"ان کی لاش بھجوانی ہے... پتے کے ساتھ ہی ان کا حلیہ بھی دہرا دیں۔"

"لاش۔" ریسیور پر پھنسی پھنسی ہذیانی آواز سنائی دی۔ "کیوں؟ کیا ہوا انہیں؟"

"پرسکون رہنے کی کوشش کریں۔ ان کا حلیہ بتائیں تاکہ لاش کے اعضا یکجا کرنے میں مدد مل سکے، ہمیں افسوس ہے

کہ ہمیں یہ خبرِ بد آپ تک پہنچانا پڑ رہی ہے۔" میں نے سفّاکانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "آپ کے ساتھ کیا رشتہ تھا ان کا؟"

"وہ بس دوست تھے میرے۔" بھرائی ہوئی روہانسی آواز اُبھری۔ "رہتے کہیں اور تھے لیکن میرے گھر خاصا وقت گزارتے تھے۔ ان کی لاش کے ٹکڑے خدا کے لیے مجھے نہ بھجوانا، میرا دل بہت کمزور ہے، اسے دیکھتے ہی ہارٹ فیل ہو جائے گا۔"

"وہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے آپ حلیہ دہرائیں۔"

اور اس نے جو کچھ کہا وہ لفظ بلفظ لے ٹو پر صادق آتا تھا یعنی اب میرا اوزی معرکہ کسی بے نام آسیبی سائے سے نہیں رہا تھا بلکہ راجہ ظہور احمد سے تھا جو تنظیم کا مقامی حکمراں بن کر اسے ٹو کے نام سے کاروبار چلا رہا تھا۔

"کیا جہاز گر گیا ہے اس کا؟" حلیہ بتانے کے بعد اس خاتون کو وہ اہم سوال یاد آیا تھا۔

"ہوش کی باتیں کرو احمق عورت۔" میں نے تُرش لہجے میں کہا۔ "جہاز کیوں گرنے لگا، اس پر کسی نے بم پھینکا تھا، لاش کے ٹکڑے اڑ گئے ہیں۔"

"مم... مگر تم نے تو کہا تھا کہ تم پی آئی اے سے بول رہے ہو؟" ہلکے سے احتجاج آمیز لہجے میں اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"تمہارے کان خراب ہیں۔ میں سی آئی اے سے بول رہا ہوں... میرا خیال ہے کہ بم کے دھماکے میں مرنے والا کوئی اور تھا، راجہ ظہور دھماکے کی وجہ سے بوکھلاہٹ میں اپنا ٹکٹ وہیں پھینک بھاگا، ہم سمجھے کہ وہ مرنے والے کے پاس تھا۔" یہ کہہ کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"راجہ ظہور احمد۔" میں دانت پیس کر بڑبڑایا۔

اس وقت مجھے سلطان شاہ شدت کے ساتھ یاد آ رہا تھا۔ وہ مجبوری کے تحت ہوٹل کے بجائے اپنے دوستوں کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا جہاں اس سے فون پر رابطے کی سہولت میسر نہیں تھی ورنہ پہلی انتقامی کارروائی کے طور پر میں اس کے ذریعے ظہور کی اس نام نہاد دوست کو اغوا کرا سکتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس عورت کے ذریعے ہمیں ظہور کے بارے میں خاصی معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔

پہلے میں نے سوچا کہ اس عورت کو ظہور سے اس فون کال کا ذکر کرنے سے منع کر دوں لیکن بعد میں یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اگر وہ ظہور سے اسی قدر قریب تھی تو شاید اس کی خون آشام طبیعت سے بھی واقف رہی ہو گی اور ہر صورت میں وہی کچھ کرتی جو اس کے مفاد میں ہوتا۔

میرے لیے لے ٹو کے نام سے واقفیت ایک اہم کامیابی تھی لیکن جہانگیر کی گمشدگی کی خبر نے میری اس خوشی پر پانی پھیر دیا تھا۔ میں سگریٹ سلگا کر اس کے بارے میں سوچنے لگا۔

اگر ہر قسم کے حوالوں کو نظر انداز کر کے سوچا جائے تو وہ موت کے سوداگروں کی ٹولی کا ایک اہم رُکن تھا، لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ پورے کاروبار میں اُس کی اہمیت تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔ کسی بھی وقت وہ کام سے انکار کرتا تو اسے خاموشی کے ساتھ ہلاک کر کے اس کی جگہ دوسرا مُہرہ بٹھا دیا جاتا۔ ویسے وہ خود بھی اپنے کام سے نالاں تھا لیکن اچھی طرح جانتا تھا کہ جس دن اس نے کھل کر اپنی اس خواہش کا اظہار کیا، وہ اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔

یوں درحقیقت وہ بُری دنیا کا ایک اچھا آدمی تھا۔ اس نے تنظیم کے لیے بہتیرے قابلِ ذکر کام سرانجام دیے تھے کیوں کہ اس زمانے میں وہ نچلی سطح کا آدمی تھا لیکن اوپر آنے کے بعد اس کی عملی افادیت ختم ہی ہو کر رہ گئی تھی۔ محض تنظیم کی طرف سے عائد ہونے والی ذمّے داریوں کی بجا آوری میں وقت بے وقت کی مشتبہ بھاگ دوڑ نے اس کی ازدواجی زندگی میں بھی زہر گھول دیا تھا۔ اس کی بیوی کو اس سے عدم توجہی کی سنگین شکایات تھیں اور مسلسل شکایات کے باوجود شوہر کے رویے میں تبدیلی نہ پا کر وہ میری طرف جھکنے لگی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ میں نے اخلاق اور تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے کبھی سلمیٰ کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔

لیکن گھریلو تلخیوں کے باوجود سلمیٰ کے دل میں شوہر کی چاہت موجود تھی۔ وہ جہانگیر کی پُراسرار گمشدگی پر شدید پریشانی میں مبتلا تھی۔ شاید اسے اندازہ بھی نہ رہا ہو گا کہ اس کا شوہر جن لوگوں کے لیے کام کرتا ہے، ان میں سے کسی کی برہمی کا نتیجہ ہمیشہ کے لیے گمشدگی کی صورت میں بھی برآمد ہو سکتا ہے۔

اسی اثنا میں غزالہ میرے لیے چائے بنا کر لے آئی اور ڈرائنگ روم میں قالین پر ہی بیٹھ گئی۔

"آپ اس بریف کیس کو کیوں نہیں کھولتے؟" اس نے چائے کی پیالی میں شکر گھولتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس میں بارودی ذخیرہ نہ چھپایا ہوا ہو۔"

"تو کیا ہوائی اڈّوں پر نصب مشینیں بارود کی موجودگی کی نشاندہی نہیں کرتیں؟" اس نے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ نہیں۔" میں نے کہا۔ "جس قسم کی مشینیں

سے میرا واسطہ پڑا ہے وہ صرف دھات سے بنے ہوئے
ہتھیاروں کی موجودگی کا سراغ لگا سکتی ہیں . . . ایکسرے
مشین تو اسکرین پر اندر رکھا ہوا سامان تک دکھا دیتی ہے۔"
"یعنی دستی بم وغیرہ سیکیورٹی سے بآسانی نکالا
جا سکتا ہے؟"
"اس پر بھی دھات کا خول منڈھا ہوا ہوتا ہے۔
مشین مشکوک دھاتی خول کی موجودگی ظاہر کرے گی اور
اس کی بنا پر تجربہ کار افسر بم کا سراغ لگا لیں گے۔ ایسے
معاملات میں ڈیوٹی پر مامور عملے کا تجربہ بہت اہمیت
رکھتا ہے۔"
"آج کل تو پلاسٹک بم عام ہیں، انہیں کوئی مشین نہیں پکڑ
سکتی۔" اس نے جرح کے انداز میں کہا۔
"یہ بتاؤ کہ تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" میں نے زچ ہو کر
سوال کیا۔
"دد کچھ بھی نہیں، بس معلومات میں اضافہ کرنا چاہ رہی تھی۔"
اس نے معصومانہ سادگی کے ساتھ کہا اور کھٹکے کی آواز پر خوفزدہ
ہو کر اچھل پڑی۔ میں جھپٹ کر اس کے قریب پہنچا تو بریف کیس
کا ایک طرف کا کھٹکا کھلا ہوا تھا۔
"یہ کیسے کھلا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔
"بے خیالی میں شاید بٹن دبا بیٹھی تھی۔"
"پھر تو دوسرا کھٹکا بھی مقفل نہیں ہوگا۔" میں نے مسرت
بھرے لہجے میں کہتے ہوئے بریف کیس اپنے آگے کھسکا لیا۔ یہ دیکھ
کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ دوسری طرف کا بٹن دباتے ہی دوسرا
کھٹکا بھی کھل گیا اور میں نے بے تابانہ انداز میں بریف کیس کا
ڈھکنا اٹھا دیا۔
بریف کیس کھلتے ہی سب سے پہلے میری نظر پاسپورٹ
پر پڑی۔ وہ لے لوٹی کا پاسپورٹ تھا لیکن اندراجات والے
صفحے پر اس کا نام پرویز احمد درج تھا۔ مذہباً عیسائی ظاہر کیا گیا
تھا اور پتا ایشین سنڈیکیٹ لیمٹڈ کا تھا۔ پاسپورٹ آٹھ ماہ پہلے
جاری کیا گیا تھا۔ اس کے بیشتر صفحات بھرے ہوئے تھے جن
پر مشرق بعید سے یورپ اور برطانیہ تک کے ویزے لگے ہوئے
تھے اور تقریباً ہر ویزا استعمال کیا جا چکا تھا۔ پاسپورٹ کے
ساتھ ہی اس کا شناختی کارڈ بھی اسٹیپل کیا ہوا تھا۔
میری کھوپڑی گھوم کر رہ گئی۔ چند ہی منٹ قبل میں نے
لکے راجہ ظہور احمد ہونے کی تصدیق کی تھی اور اب اس کے
پرویز احمد ہونے کا دستاویزی ثبوت میرے پاس ہاتھ میں موجود تھا۔
بریف کیس میں سادہ کاغذات کے چھوٹے بڑے پیڈ

اور کئی قسم کے قلموں کے علاوہ میری دلچسپی کا بھی خاصا سامان
موجود تھا۔ بالکل باریک سوئی والی تین ننھی ننھی ہائپوڈرمک
سرنجز کے ساتھ ہی پلاسٹک کے ایک ڈبے میں سیاہ رنگ
کی ایک شیشی موجود تھی۔ اس شیشی کی ساخت غیر معمولی تھی
اور اس کی بناوٹ میں ایسا ڈراپر بھی شامل تھا کہ شیشی کو الٹنے
کے باوجود اس میں سے سیال کے ایک قطرے سے زیادہ مقدار
خارج نہ ہوتی۔ ڈھکن کے نیچے ڈراپر کے گرد سخت اسفنج نما
کوئی مادہ بھرا ہوا تھا جس میں ربر کی طرح پھیلنے اور سکڑنے
کی صلاحیت تھی۔ غالباً ضرورت کے تحت اسی میں سوئی داخل
کر کے سیال سرنج میں کھینچا جا سکتا تھا۔
"یہ کیا ہے؟" غزالہ نے مجھے اس کے گہرے مشاہدے
میں مصروف پا کر سوال کیا۔
"شاید پوٹاشیم سائنائیڈ۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا
"اسی زہر سے اس نے تصویر بھائی کو میری نگاہوں کے سامنے
ہلاک کیا تھا۔"
"تصویر بھائی! ان کا ذکر کہاں سے آ گیا؟"
"ہاں! یہ سب میں نے تمہیں نہیں بتایا۔ لے لوٹی نے توقیر
کا صرف نام اختیار کیا تھا جب کہ وہ کینیڈا میں ہے۔ تصویر اس
کے قبضے میں تھا۔ جب اس نے ہم دونوں بھائیوں کو مل بیٹھتے دیکھا
تو تصویر کو بھرے ہوٹل میں مار دیا۔"
غزالہ وہ خبر سن کر حیران رہ گئی۔ پھر مختصر الفاظ میں میں نے
بڑی ماں کی المناک گمشدگی سمیت تمام تفصیلات بتا ڈالیں، اور
اپنی ان دیکھی سوتیلی ماں کا عبرتناک انجام سن کر اس کی آنکھوں
کے گوشے نم ہو گئے۔
"اس کا حشر بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔" وہ غصے سے بھرائی
ہوئی آواز میں بولی۔ "اس موذی کو تو انسان کہنا بھی انسانیت
کی کھلی توہین ہے۔"
"یہی ہوگا، بس تم دیکھتی جاؤ۔" میں نے یہ کہتے ہوئے
بریف کیس سے نکلا ہوا وہ رقعہ غزالہ کی طرف بڑھا دیا جس
پر قلم سے عجلت میں کسی عزیز احمد کا نام لکھا گیا تھا۔
"یہ کون ہے؟" اس نے رقعہ مجھے لوٹاتے ہوئے
سوال کیا۔
"قاسم کا ایک منہ چڑھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اب براہ راست
لے لوٹی کے لیے کام کر رہا ہو۔ اس کے بریف کیس سے یہ رقعہ
برآمد ہونے کا تو یہی مطلب ہے لیکن صحیح خبر رخشی ہی سے
مل سکے گی۔"
"بڑی دیر بعد خیال آیا آپ کو۔" اس نے مسکراتے

ہوئے کہا۔

"کیا مطلب ؟" میں نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

"سیدھی سی بات ہے۔ پہلے خیال آجاتا تو شاید وہ جہانگیر کے بارے میں کچھ بتا دیتی — چلیے اب کوشش کر لیں۔" وہ بدستور اسی طرح مسکرائے جا رہی تھی۔

میں نے فوراً ہی فون پر رخشی کا نمبر ملا لیا۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں۔" میں نے ریسیور میں کہا۔

"کتنے دن سے کہاں مرے ہوئے ہو تم ؟" میرا نام سنتے ہی وہ غصے سے پھٹ پڑی۔ "نہ اپنا پتا ٹھکانہ بتاتے ہو، نہ خود رابطہ قائم کرتے ہو، تمہیں معلوم ہے کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے ؟"

میں نے کنکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا، پھر آہستگی سے بولا۔ "مجھے کچھ کچھ معلوم ہے، اتنی برہمی کی ضرورت نہیں، آج ہی کسی وقت ملنے کی کوشش کروں گا۔" پھر آواز قدرے بلند کرتے ہوئے سوال کیا۔ "تم بتا سکو گی کہ عزیز آج کل کہاں پایا جاتا ہے ؟"

"وہ اچانک کیسے یاد آگیا تم کو ؟" رخشی کی آواز اس کے تذکرے پر تلخ ہو گئی۔ "تمہیں معلوم ہے کہ اس ولد الحرام نے میرے لیے کام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔"

"چلو اب معلوم ہو گیا — اس کا ٹھکانہ بتاؤ۔ میں اُسے کسی خارش زدہ کتے کی طرح تمہارے قدموں میں لا ڈالوں گا۔"

"سنا ہے کہ اس نے ساحلی علاقے ایک تیسرے درجے کا ہوٹل خرید لیا ہے۔ شام میں عموماً وہیں پایا جاتا ہے۔ لیکن تم اسے بعد میں تلاش کر لینا، اس وقت مجھ سے ملنا بہت ضروری ہے — جہانگیر تین روز سے لاپتا ہے۔ اگر فوراً کچھ نہ کیا گیا تو دنیا کی کوئی قوت اسے مرنے سے نہ بچا سکے گی۔"

"اس کے بارے میں کیا معلوم ہے تمہیں ؟" میں نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں — اور بہت کچھ۔ بس فوراً چلے آؤ۔" اس بار اس نے بہت عجلت میں بات پوری کی تھی۔

میں ماؤتھ پیس پر ہیلو ہیلو ہی کرتا رہ گیا لیکن دوسری طرف سے کوئی آواز نہ سنائی دی۔ شاید اس نے ریسیور واپس رکھ دیا تھا۔

آخر اسے یوں فون بند کرنے کی کیا گھبراہٹ تھی ؟ میں سوچ میں پڑ گیا کیوں کہ لاٹو شہر میں موجود تھا اور میرے ہاتھوں چوٹ کھا کر کسی خونخوار درندے کی طرح بپھرا ہوا تھا۔ اس وقت وہ شہر میں کہیں بھی کچھ کر سکتا تھا۔

میں نے دل میں فوری روانگی کا مصمم ارادہ کیا اور غزالہ کی طرف متوجہ ہو گیا جو بظاہر خاموشی سے سر جھکائے قالین کے ریشوں سے کھیل رہی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ میرا کہا ہوا ایک ایک لفظ بغور سن رہی تھی۔

"شاید بلاوا آگیا ہے آپ کا۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ جانا ہی پڑے گا۔" میں نے تذبذب کے ساتھ کہا۔ بات سیدھی سادی تھی لیکن میرے دل میں چور تھا اور اسے میرے اور رخشی کے تعلق کے بارے میں شاید کچھ بھنک بھی مل چکی تھی۔ لہٰذا اس کے معنی خیز لہجے نے مجھے مضطرب کر دیا تھا۔ میں نے وضاحت کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "اسے جہانگیر کے بارے میں کچھ معلوم ہے، وہ خود میری تلاش میں تھی۔"

"ہونا ہی چاہیے۔" اس کے یاقوتی ہونٹوں پر مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔ "آپ کا تو اس سے خاصا پرانا تعلق ہے، ویسے بھی آپ سے ایک بار مل کر آپ کو بھول جانا کسی کے لیے ممکن نہیں۔"

"عجیب باتیں کر رہی ہو۔" میں نے کھوکھلے لہجے میں احتجاج کیا۔ "آخر کہنا کیا چاہتی ہو تم ؟"

"کچھ بھی نہیں۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "وہ منتظر ہے تو آپ کو فوراً وہاں پہنچنا چاہیے۔"

"جہنم میں جائے وہ اور اس کے ساتھ جہانگیر بھی۔"

میں چڑچڑے انداز میں صوفے پر گر گیا۔ "میں کہیں نہیں جا رہا۔"

"ارے، آپ تو ناراض ہو گئے۔" وہ بوکھلا کر میرے قریب آبیٹھی۔ "میری باتوں کا برا مان گئے۔ کیا میں آپ سے مذاق بھی نہیں کر سکتی ؟ میرے لیے تو بس یہی کافی ہے کہ آپ مجھے چاہتے ہیں، اس سے آگے آپ جس سے چاہیں، ملیں مجھے کبھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ پھر رخشی سے تو آپ ایک کام سے ملنے جا رہے ہیں، بس ذرا چڑا رہی تھی آپ کو۔"

اس کے سہمے سہمے، معذرت خواہانہ انداز پر میں دل ہی دل میں نادم ضرور ہوا لیکن میں اسے کیسے بتاتا کہ رخشی کے بارے میں میرے دل میں ماضی کا ایک چور موجود تھا جو اس بارے میں کہی گئی ہر بات کو سنجیدگی کی ترازو میں تولنے لگتا تھا اور اس وقت تو تبصرہ کرنے والی غزالہ تھی لہٰذا من کا چور فوراً ہی اپنی داڑھی میں تنکا تلاش کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ میرا رخشی سے ملنا شاید تمہیں ناگوار گزرے'' نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ ''عورتوں کا دل چھوٹا ہوتا ہے۔ وہ یہ برداشت نہیں کرسکتیں کہ ان کے نام کا دم بھرنے والا دوسری عورت کے سامنے اتنا بےبس ہوجائے کہ محض اس کی فون کال پر اُدھر دوڑا چلا جائے۔ خواہ اس کا کچھ ہی سبب نہ ہو۔''

''آپ بلاوجہ سنجیدہ ہو رہے ہیں۔'' وہ شکایتی لہجے میں بولی۔ کو اندازہ نہیں ہے کہ عورتوں کا دل کتنا وسیع ہوتا ہے۔ جب اسے یہ یقین ہو کہ اس کا نام اپنے مرد کے ساتھ سدا باقی رہے گا اور دوسرے نام سایوں کی طرح پل پل بدلتے رہیں گے، کوئی فکر لاحق نہیں ہوتی، اس معاملے میں چھوٹے دل کا مالک مرد ہی کو قرار دیا جاسکتا ہے۔'' آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے اچانک ہی ہنس پڑی۔

میں نے اس موضوع کو وہیں ختم کردیا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی درست ہی کہہ رہی تھی۔ مرد اپنے گھروں کو فراموش کرکے کہاں کہاں دل کے بہلاووں کی تلاش میں سرگرداں رہتے اور ان کی عورتوں کا احتجاج کبھی نوک جھونک یا تلخ کلامی سے آگے نہیں کرتا لیکن کہیں ایسی ہی لغزش صرف ایک بار عورت سے سرزد ہوجائے تو گھرانے تباہ ہوجاتے ہیں، نوبت خونریزی تک پہنچ جاتی ہے۔

مرد واقعی عورت کے مقابلے میں زیادہ متعصب، تنگدل اور خودغرض واقع ہوا ہے۔ میں نے سوچا۔

اسی لمحے ذہن کے کسی گوشے سے ندا ابھری کہ عورتوں کو نسلوں کا امین بنایا گیا ہے اور میں سر جھٹک کر رہ گیا جس کا ارادہ یہ تھا' وہ فطرت کے قانون کے مطابق تھا۔ جس طرح پانی کو بہنا چاہیے اور لوہے کو ایک جگہ پڑا رہنا چاہیے، بالکل اسی طرح وہ بھی ایک اٹل قانون تھا۔ دونوں میں نہ کوئی تنگ نظر تھا اور نہ فراخ دل۔

''تو آپ جارہے ہیں؟'' غزالہ نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

''پھر جھگڑا شروع کردیا تم نے؟'' میں نے بھڑک کر کہا۔

''کیا کہہ دیا میں نے؟'' مسکراہٹ بے ساختہ ہنسی میں بدل گئی۔ ''یہ بھی نہ پوچھوں کہ آپ جارہے ہیں یا گھر پر آرام فرمائیں گے؟''

میں نے بےبسی کے ساتھ اسے گھورتے ہوئے جگہ چھوڑ دی۔

باہر نکلتے ہوئے مجھے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں غزالہ کا باپ نہ ٹکرا جائے۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری طویل غیرحاضری کے دوران اس کے دل و دماغ میں تجسس اور سوالات کا لاوا کھولتا رہا ہوگا اور وہ پہلی فرصت میسر آتے ہی اپنے دل کا غبار نکالنے کی کوشش کرے گا۔

''آپ بےفکری سے نکلے چلے جائیں۔'' وہ مجھے متجسسانہ انداز میں اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑاتے دیکھ کر معصوم لہجے میں بولی۔ ''اس وقت ڈیڈی مصروف ہوں گے۔ امی کے صبح کے ڈوز کا وقت ہوگیا ہے۔ وہ اپنے کمرے میں کوکین والا پان کھا رہی ہوں گی اور ڈیڈی وہیں بیٹھے ان سے باتیں کررہے ہوں گے۔ ایسے موقع پر امی تنہائی برداشت نہیں کرسکتیں۔''

بڑا اچھا نشہ ہے کوکین بھی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ کم ازکم اس طرح شوہر کو مضبوط لگام دینے کا بہانا تو ہاتھ آہی جاتا ہے لیکن زبان سے کچھ نہ بولا ورنہ اس بار غزالہ واقعی ناراض ہوجاتی۔

میں وہاں سے روانہ ہوا تو ذہن میں بہتیرے سوالات ایک دوسرے میں گڈمڈ ہورہے تھے۔

مدتوں سے میرے ذہن میں بھائیوں کے خلاف پکنے والا لاوا سرد ہوچکا تھا۔ تصویر تنظیم کے لیے ایک اہم ذمے داری ضرور سرانجام دے رہا تھا لیکن اس کا مرتبہ بہت زیادہ بلند نہیں تھا بلکہ وہ بیچارہ تو ان کی نگاہوں میں اس قدر حقیر ثابت ہوا تھا کہ مجھ سے پہلی بار ملاقات کے دوران اسی جرم کی پاداش میں اسے لٹو نے اسے ہلاک کردیا تھا۔

تصویر مارا جاچکا تھا، توقیر ہزاروں میل دور کناڈا میں مقیم تھا، بڑی ماں تصویر کے قتل کے ساتھ ہی لائیڈز کاٹج سے لاپتا ہوچکی تھیں۔ گمان یہی تھا کہ انہیں بھی مار ڈالا گیا ہوگا۔ میں جس شخص کو لٹو کے طور پر پہچانتا تھا' وہ اس وقت کراچی آیا ہوا تھا۔ پہلے ایک ذریعے سے اس کا نام راجہ ظہور احمد دریافت ہوا پھر اس کے بریف کیس سے برآمد ہونے والے شناختی کارڈ سے پتا چلا کہ اس کا نام پرویز احمد تھا۔ بہرحال یہ میرے لیے کوئی بڑی الجھن نہیں تھی۔ زیرزمین دنیا میں بیک وقت مختلف نام اختیار کرنا اور ہر حیثیت میں مصدقہ شناخت نامے رکھنا کوئی انہونی بات نہیں تھی بلکہ ملک میں شناختی کارڈ بنانے والے مختلف دفاتر میں باہمی ربط کا جو فقدان تھا' اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ادارے کے بدعنوان اہلکار مناسب سی رشوت لےکر کسی بھی شخص کو کسی بھی نام کا شناخت نامہ ہاتھوں ہاتھ جاری کر دیتے تھے اور وہ حقیقی امیدوار جو رشوت نہ دینا چاہتے ہوں، مہینوں تنگ کیے جاتے تھے۔

آئے دن سننے میں آتا تھا کہ فلاں مغربی ملک کے فلاں ہوائی اڈے سے پر ایک پاکستانی شہری ہیروئن کی بھاری مقدار سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ بعد میں معلوم ہوتا کہ وہ کوئی افغان مہاجر، بھارتی مہاشے یا مشرقِ بعید کا کوئی شہری تھا جس نے جعلسازی سے نہ صرف پاکستانی شناختی کارڈ بلکہ پاسپورٹ تک حاصل کر لیا تھا۔ اس میں تمام تر زور مجرم کی جعل سازی پر ہوتا تھا اپنے یہاں رائج رشوت کے چلن کو دانستہ پس پشت ڈال دیا جاتا تھا۔ یہ نہیں کہ پاکستانی ایسے جرائم میں ملوث ہی نہیں ہوتے تھے لیکن ان کی حقیقی تعداد اخبارات کی فراہم کی ہوئی ابتدائی اطلاعات سے کہیں کم ہوتی تھی لیکن اس قومی بے غیرتی اور رشوت خوری کا نتیجہ یہ برآمد ہوا تھا کہ مشرقِ وسطیٰ سے مغرب اور امریکا کے ہر مقام پر پاکستانی حکام کے جاری کیے ہوئے باضابطہ سفری پروانوں کو محض اس بنا پر شک و شبہے کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا تھا کہ وہ نئے ہوتے تھے۔ ہاں جس پاسپورٹ پر ایک دو سفر بخیر و خوبی طے کر لیے جائیں، اسے عموماً تسلیم کر لیا جاتا تھا۔

اے لٹو جس پیمانے پر کام کر رہا تھا اس کی بنا پر مجھے یقین تھا کہ اس کے صرف دو ہی نہیں، دس نام بھی ہو سکتے ہیں لیکن ان دو ناموں سے اس کی ذات کے بارے میں ایک سرا ہاتھ آ گیا تھا۔

پرویز احمد کے طور پر وہ ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ سے تعلق رکھتا تھا جس کا دفتر میرے ہاتھوں تباہ ہو چکا تھا لیکن راجہ ظہور احمد کے حوالے سے لاہور میں کم از کم وہ آبرو باختہ عورت ضرور اس کے کسی ٹھکانے کی نشاندہی کر سکتی تھی۔

لیکن لاہور اور اس عورت تک فی الحال میری رسائی نہیں تھی۔ سلطان شاہ لاہور میں موجود تھا لیکن میرے پاس اس سے فوری رابطہ قائم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ وہ لاہور میں اس ناگن پر مامور تھا جو ٹرانسمیٹر کے ذریعے شوگر کوئین کے طور پر سامنے آئی تھی اور ڈارلنگ میرے ہاتھوں جہنم واصل ہونے سے پہلے شدید غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اس کے ٹھکانے کی نشاندہی کر بیٹھا تھا۔

محض شوگر کوئین کی دلکش اور رسیلی آواز کی بنا پر مجھے شبہ ہوا تھا کہ کہیں وہ ویرا لائیٹ ہی نہ ہو جو میرے مشرقِ بعید کے سفر میں ایشلے ہاؤز نامی ایک مغربی فرم کے نمائندے کے طور پر مجھ سے ملی تھی اور منشیات کی ایک بڑی کھیپ کا سودا طے ہو جانے کے بعد کئی دن تک میرے دل و دماغ پر حسن کے راستے حکمرانی کرتی رہی تھی۔

کس قدر عجیب بات تھی کہ بکرے کے سر کی وضع کے نقرئی ٹائی پن کی بنیاد پر مجھے پہچاننے کے بعد وہ مجھ سے ویرا لائیٹ کے نام سے ملی تھی پھر کراچی میں منعقد ہونے والی ایک بین الاقوامی انسدادِ منشیات کی کانفرنس میں دوسری بار ویرا لائیڈ کا نام اس وقت سننے میں آیا جب آزاد علاقے میں ہیروئن تیار کرنے والی پہلی فیکٹری کے لیے بھاری معاوضے پر کام کرنے والے جرمن کیمسٹ کی گرفتاری کا ذکر آیا۔ اس کیمسٹ کو مومن خان کی ہیروئن فیکٹری میں کام کرنے پر آمادہ کرنے والی کا نام بھی ویرا لائیڈ ہی تھا۔

پھر پہلا نام پیچھے رہ گیا، لائیڈ باقی رہ گیا۔

رمضان چاچا سے ملنے والے فون نمبر سے لائیڈز کارنج کا نام سامنے آیا۔ جو چھٹے ہوئے شورہ پشتوں اور بدمعاشوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور وہیں سے تنظیم کے غالباً تمام تر امور کے بارے میں آخری فیصلے صادر ہوتے تھے اور اس عمارت کا مالک جمی لائیڈ نامی ایک ایسا بارسوخ سفید فام تھا جسے دیکھنے کا کوئی دعویدار ابھی تک نہیں مل سکا تھا۔

ان حالات کی روشنی میں شوگر کوئین کی ذات میرے لیے بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گئی تھی اور میں سلطان شاہ کو اس مورچے کا کمان دار بنا کر کراچی چلا آیا تھا۔

لیکن کراچی پہنچنا تو بعد کا معاملہ تھا، میرے لیے دورانِ پرواز ہی کہانی شروع ہو گئی اور میرے اپنے شہر کے بارے میں ٹھوس حقائق یہ تھے کہ اب اے لٹو شہر میں وارد ہو چکا تھا۔ جیوا ہاؤز کی عمارت تباہ ہو چکی تھی، جہانگیر کسی اطلاع کے بغیر تین دن سے گھر سے لاپتا تھا، رخشی بظاہر تنظیم سے وفادار تھی لیکن درپردہ اپنے بھائی اور اپنے محبوب کے دوہرے خون کا انتقام لینے کے لیے مجھ سے تعاون کر رہی تھی۔ تشویش کی بات یہ تھی کہ اس نے بات کرتے کرتے فون کا سلسلہ اچانک ہی منقطع کیا تھا جس کی وجہ سے میرے دل میں شبہات جنم لے چکے تھے۔

میں خیالات کی دھن میں ڈوبا کار ڈرائیو کرتا رہا۔ آخر کار مطلوبہ عمارت آ گئی۔

اے لٹو شہر میں موجود تھا اور رخشی نے فون کا سلسلہ غیر متوقع طور پر منقطع کیا تھا للٰذا میں وہاں پورے ذہنی تحفظات کے ساتھ پہنچا تھا۔ گاڑی روکنے کے بجائے میں سست رفتار سے اسٹون ہاؤس کے سامنے سے گزرتا چلا گیا۔ وہ حصہ حسبِ توقع ویران پڑا ہوا تھا اور زندگی کے آثار یکسر مفقود تھے۔ کیونکہ رخشی اپنے محبوب قاسم کی خریدی ہوئی اس عمارت کے صرف دو عقبی کمرے استعمال کر رہی تھی اور آمد و رفت کے لیے بھی عقبی راستہ ہی استعمال کرتی تھی۔ میں ایک طویل چکر کاٹ کر عمارت کے عقبی حصے کی طرف سڑک پر نکلا تو دور ہی سے دیکھ لیا کہ اسٹون ہاؤس کے عقبی پھاٹک کے قرب و جوار میں کوئی کار موجود نہیں تھی اور

ں سمت میں اتنی جگہ نہیں تھی کہ کوئی کار اندر پارک کی جا سکے
لٰہذا میں پرسکون انداز میں کار آگے لیتا چلا گیا۔
اسٹون ہاؤس کے پھاٹک سے کچھ آگے میں نے کرنل
ظفر زیدی کی سالخوردہ کار فٹ پاتھ کے کنارے روک دی اور
دروازہ لاک کیے بغیر نیچے اتر آیا۔
عقبی پھاٹک کے ستون پر لگے ہوئے کال بیل کے بٹن
کو دبا کر میں کئی منٹ تک جواب کا انتظار کرتا رہا لیکن اندر
بدستور گہرا سناٹا چھایا رہا۔ کہیں بھی کوئی آہٹ نہیں سنائی دی۔
ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں کوئی بھی ذی روح موجود نہ ہو۔
مجھے تشویش ہونے لگی۔ تھوڑی دیر قبل اگر میں اس سے بات نہ
کر چکا ہوتا تو شاید یہی سمجھ لیتا کہ وہ کہیں گئی ہوئی ہوگی لیکن اس
وقت مجھے یقینی طور پر دال میں کالا نظر آ رہا تھا۔ میں نے دوبارہ
پش بٹن پر انگلی رکھ دی اور اسے کئی سیکنڈ تک دبائے رہا۔
عمارت کے کسی حصے میں بزر کے چیخنے کی آواز سنائی دی
لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات رہا۔ میں نے پھاٹک کی
کنڈی کا جائزہ لیا جو باہر سے مقفل نہیں تھی میں نے پھاٹک اور
اس کی ذیلی کھڑکی پر بھی زور لگا کر دیکھا لیکن وہ دونوں اندر
سے بند تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ اگر وہاں سے کوئی دیوار
پھاند کر باہر نہیں نکلا تو اندر ضرور کوئی نہ کوئی موجود ہوگا۔
میں ان ہی امکانات کا جائزہ لے رہا تھا کہ اندر سے ایک سخت
بے ہودہ آواز ابھری: "کون ہے بے؟"
میں لب و لہجے پر عموماً تاؤ کھانے کا عادی نہیں ہوں لیکن
اس آواز میں نہ جانے کیسی للکارتی ہوئی تحقیر پوشیدہ تھی کہ میری
کھوپڑی بری طرح کھول اٹھی۔
"تیرا باپ۔ دروازہ کھول ورنہ ہڈیاں توڑ دوں گا!" میں نے
بھناتے ہوئے لہجے میں کہا۔
میرے جواب پر اندر سے ہذیانی ہنسی کی آواز سنائی دی،
وہ جو کوئی بھی تھا، یقیناً عمر رسیدہ یا بیمار تھا کیونکہ اس کی آواز میں
زندگی کی بھرپور تازگی نہیں تھی۔ پھر قدموں کی بے ہنگم آہٹوں کے
ساتھ اس کی آواز سنائی دی: "بڑے دنوں بعد آئے ہو ابا جان۔
تمہارا نام تو میری ماں نے بھی مجھے نہیں بتایا تھا۔ آ ہی گئے ہو تو
ذرا صبر کے ساتھ کھڑے رہو تاکہ تمہاری زیارت کر لوں۔"
لہجہ واضح طور پر کاٹ دار اور زہریلا تھا۔ وہ جو کوئی تھا،
ہذیانی حالات سے بھی حظ حاصل کرنے کی خداداد صلاحیت سے
بہرہ ور تھا۔ ورنہ ولدیت کے حوالے سے اس قدر اٹل اور استہزائیہ
مطلب نہ دے پاتا۔
میں اپنی جگہ تن کر کھڑا ہو گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ اسے مہلت
دیے بغیر ہی دبوچ بیٹھوں گا، بعد میں جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔
آہٹیں غیر متوازن اور بے ترتیب تھیں جو بتدریج قریب
آتی جا رہی تھیں مجھے شبہ ہوا کہ کہیں آنے والا نشے کی جھونک میں
نہ ہو۔ ایسا ہوتا تو میرا کام خاصا آسان ہو سکتا تھا۔
میں اعصابی تناؤ کی حالت میں، تصادم کے لیے تیار کھڑا
ہوا تھا کہ اچانک چھوٹا پھاٹک کھل گیا۔ میں اپنے قد و قامت
کے کسی شخص کی توقع میں سطحِ زمین سے کم و بیش چھ فٹ کی بلندی
پر نگراں تھا لیکن دروازہ کھلنے پر وہاں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ کھلے ہوئے
پھاٹک میں سے خلا اور پھر اسٹون ہاؤس کا عقبی برآمدہ نظر آ رہا تھا۔
لیکن یہ صورتِ حال زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی کیونکہ لحظہ بھر
بعد ہی کوئی ڈیڈی کا نعرہ مار کر میری پنڈلیوں سے کسی خونخوار جونک
کی طرح لپٹ گیا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میری پنڈلیوں
کی ہڈیاں توڑ ڈالنے کا مصمم ارادہ کر چکا ہو۔
وہ جو بھی تھا، بلا کا طاقتور تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر اس
کے حملے کا فوری تدارک نہ کیا گیا تو وہ دیکھتے ہی دیکھتے میرے پیر
اکھاڑ کر مجھے منہ کے بل زمین پر گرا دے گا یا میری مزاحمت کی
صورت میں کم از کم ایک آدھ ہڈی ہی توڑ ڈالے گا۔
میں نے تکلیف اور درد کا احساس ہوتے ہی اپنی بلند
نگاہی پر لعنت بھیجی اور فی الفور چھ فٹ سے تین فٹ کی سطح پر
اتر آیا تو دیکھتا ہوں کہ ایک جوان العمر اور تنومند کبڑا میری پنڈلیوں
کو گرفت میں لیے مجھے اندر گھسیٹ لے جانے کے لیے کوشاں ہے۔
"ٹھہرو!" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی
تھی، میں کسی کبڑے کا باپ ہرگز نہیں ہو سکتا۔"
"اب تو یہ فیصلہ اندر ہی ہو سکے گا۔" وہ بدستور میری پنڈلیوں
پر زور آزمائی کرتے ہوئے بولا۔ "کوبڑ دیکھ کر اب ولدیت سے
ہی انکاری ہوئے جا رہے ہو؟ یہ ظلم تو میں ہرگز برداشت نہیں
کروں گا۔"
اس دوران میں میں اپنے دفاع سے غافل نہیں رہا تھا لیکن
پنڈلیوں پر پوری قوت صرف کرنے کے بعد میں اندازہ لگا چکا تھا
کہ اس انسانی جونک سے بآسانی چھٹکارا آسان نہیں تھا۔ لٰہذا
ایک بار اس نے جیسے ہی سانس لے کر پوری قوت کے ساتھ میری
پنڈلیوں کے گرد اپنے بازوؤں کی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کی،
میں نے اس طرح اپنے جسم کا پورا بوجھ آگے کی طرف ڈال دیا جیسے
میں نے اس کی گرفت کے سامنے شکست تسلیم کر لی ہو۔
وہ شاید دوچار بار مزاحمت کی توقع کر رہا تھا، میں نے جو
یوں اچانک ہاتھ پیر ڈال دیے تو وہ بوکھلا گیا۔ جتنی دیر میں وہ میری
حکمتِ عملی سمجھتا اس کے قدم اکھڑ چکے تھے اور وہ خود کو میرے گرتے

ہوئے بدن کے بوجھ سے بچانے کے لیے کوشاں تھا۔
اس کی کوئی کوشش بار آور نہ ہوسکی اور میں اسے دبوچے اس طرح پھاٹک کے اندر زمین بوس ہوا کہ میرے دونوں گھٹنے پوری سختی کے ساتھ اس کے سینے میں اترے جارہے تھے۔
"یع ۔ ۔ ۔ یع ۔ ۔ ۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟" وہ میرے گھٹنے اپنے سینے سے اٹھانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بمشکل ہکلایا۔
"یہ بلواڑہ ہو رہا ہے۔" میں نے اس کے نرخرے کے قریب اپنے داہنے گھٹنے کا دباؤ بڑھاتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ "اب تم اتنے کم سن بھی نہیں ہو کہ اس بات کا مطلب نہ سمجھ سکو۔"
"مم ۔ ۔ ۔ مم ۔ ۔ ۔ میں ۔ ۔ ۔ سب کچھ ۔ ۔ بس ۔ ۔ ۔ سمجھتا ہوں۔" وہ میرے داہنے گھٹنے کی وحشیانہ گرفت سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے بلبلایا۔ "تم مجھ سے یہ جائداد کسی طرح نہیں چھین سکتے، میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گا۔"
"دماغ خراب ہوا ہے تیرا۔" میں نے اس کی گردن پر بھرپور ہاتھ رسید کرتے ہوئے کہا اور اس بار وہ بری طرح تڑپ کر میری گرفت سے نکل گیا۔ میری گرفت سے آزاد ہوتے ہی وہ اسٹون ہاؤس کے پختہ فرش پر لڑھکتا ہوا کافی دور تک چلا گیا پھر ہانپتے ہوئے اپنے قدموں پر کھڑا ہو کر مجھے کینہ توز نظروں سے گھورنے لگا۔
"رخشی کہاں ہے؟" میں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے غراتے ہوئے سوال کیا۔
"میں کسی رخشی کو نہیں جانتا۔" وہ اپنی گردن سہلاتے ہوئے غصیلے لہجے میں بولا۔
"تم کون ہو؟ اور یہاں کر رہے ہو؟"
"ارے واہ۔" وہ بھنا کر بولا۔ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹ رہا ہے۔ ابے یہ میرا گھر ہے اور میں اس کا مالک ہوں، سمجھ گیا؟ اب جاتا ہے یا دوسری ترکیب استعمال کرنا پڑے گی مجھے؟"
اس کا جواب میرے لیے تحیر انگیز تھا لیکن میں نے اس کے لہجے سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، پورے اعتماد سے کہہ رہا تھا اور اسی بات نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔
"یہ مکان کب اور کتنے میں خریدا ہے تو نے؟" میں نے اس بار مصالحانہ لہجے میں سوال کیا۔
وہ ہذیانی انداز میں ہنسا۔ "یہ مکان تو بڑی بات ہے میں تو جھونپڑی خریدنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا تھا۔"
"پھر یہ تیری ملکیت کیسے بن گئی؟"
"بس دین ہے میرے مولا کی، خیرات میں ملا ہے۔" اس کی آنکھوں میں حریصانہ چمک عود کر آئی۔
"خیرات میں ملا ہے؟" میں حیرت سے تقریباً چیخ پڑا۔ "کون سخی مل گیا تھا تجھے؟"
"بس اپنے اڈے پر بیٹھا بھیک مانگ رہا تھا کہ ایک بڑی سی کار میرے پاس آرکی۔ میں نے اپنی عادت کے مطابق اللہ کے نام پر ہاتھ پھیلا دیا۔ کار والے نے میری ہتھیلی پر دس کا نوٹ رکھتے ہوئے کھڑکی سے سر نکال کر پوچھا کہ مکان چاہیے؟ مجھے کیا انکار ہوسکتا تھا، بس وہ اپنی گاڑی میں مجھے یہاں لے آیا۔"
"اس وقت یہ گھر خالی پڑا ہوا تھا؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر اضطراری لہجے میں سوال کیا۔
"ایک عورت تھی جسے وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ اب تو یہاں میرا راج ہے، ایسا ایسا سامان بھرا پڑا ہے جو میں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک دو دن میں میں شہر بھر کے فقیروں کی یہاں دعوت کروں گا۔"
"یہ مکان اسی عورت کا ہے، دوسرا آدمی بہت بڑا دھوکے باز ہے، تجھے یہاں پھنسا کر عورت کو اٹھا لے گیا ہے۔ قانونی کارروائی کے بغیر کوئی کسی جائداد کا مالک نہیں بن سکتا، عورت کو موقع مل گیا تو تجھے اندر کرا دے گی۔"
وہ سوچ میں پڑ گیا۔ "ایک کاغذ تو وہ دے گیا ہے مجھ کو، کہہ رہا تھا کہ بس وہی کافی ہوگا۔"
بمشکل میں اسے اس بات پر آمادہ کر سکا تھا کہ وہ کاغذ مجھے دکھائے۔ کاغذ دیکھتے ہی میرے منہ سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہوگیا۔ کاغذ پر لکھا ہوا تھا۔ "یہ مکان آج سے حامل رقعہ کی ملکیت میں دیا جارہا ہے۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔" ان سطور کے نیچے قاسم کا نام لکھا ہوا تھا جس کے نیچے اسی دن کی تاریخ درج تھی۔
"مکان مل گیا تھا تو مجھے مارنے کو کیوں دوڑا تھا؟" میں نے پرچا اسے واپس دیتے ہوئے سوال کیا۔
"وہی سخی مائی باپ کہہ گیا تھا کہ کوئی بھی اجنبی یہاں آئے تو اس کے ہاتھ پیر توڑ کر اسے باہر پھینک دوں۔ ورنہ مجھے کمزور دیکھ کر اس کا کوئی بھی واقف کار مجھے نکال کر اس مکان پر قبضہ کرلے گا۔"
"عورت اپنی خوشی سے اس کے ساتھ گئی تھی؟"
وہ ہونٹ بھینچ کر عجیب سے انداز میں ہنسا۔ "عورت کو کوئی زبردستی نہیں لے جاسکتا بابو! وہ ہمیشہ خوشی سے جاتی ہے، رنگے ہاتھوں پکڑی جائے تو شور مچا دیتی ہے کہ اس پر ظلم کیا گیا، اسے زبردستی اٹھا لیا گیا۔ ۔ ۔ لے، وہ بھی آگئے۔"
بات کرتے کرتے اس کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا تھا۔ میں

بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ پیچھے گھوما تو اوسان خطا ہو گئے
اے لٹو میرے پیچھے اندر داخل ہو کر دروازے کو کنڈی لگا رہا تھا
لیکن اس کی قہر بار نگاہیں مجھ پر ہی مرکوز تھیں۔
"مجھے پورا یقین تھا کہ تم یہاں ضرور آؤ گے۔" اے لٹو
زہریلے لہجے میں بولا۔ "میرا خیال درست ہی نکلا کہ وہ کمینی تم سے
مل چکی ہے۔"

"اس بیچارے کو کیوں بیچ میں لے آئے ہو؟" میں نے پُرسکون
لہجے میں کہا۔ "اسے چلتا کرو تاکہ کھل کر دو دو باتیں ہو سکیں۔"
"یہ اب کہاں جائے گا۔" اے لٹو نے سرد اور سفاکانہ لہجے
میں کہا۔ "اسے تو اب ہمیشہ یہیں رہنا ہے، تمھیں یہاں کچھ دیر
تک الجھائے رکھنے کے لیے فوری طور پر یہی تجویز ذہن میں
آسکی تھی۔"

کبڑا بھکاری اے لٹو کی معنی خیز بات کی تہ تک نہیں پہنچ
سکا تھا۔ میں نے فوراً ہی بات کھول دی۔ "اس بے گناہ معذور
کو مار کر تمھیں کیا مل جائے گا، بہتر یہی ہوگا کہ اسے جانے دو۔"
"مم... مجھے مار ڈالو گے تم؟" بھکاری کی کھوپڑی پر
جمی ہوئی برف پگھلنے لگی تھی۔ اس نے خوفزدہ نظروں سے اے لٹو
کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا اور پھر اپنا بوجھ بار بار ایک
سے دوسرے پیر پر منتقل کرنے لگا۔
"یہ بکواس کر رہا ہے؟" اے لٹو نے سرد مہری کے ساتھ کہا۔
"چپ چاپ کھڑے رہو، تم سے بعد میں بات کروں گا۔"
لمحہ بھر خاموش رہنے کے بعد اے لٹو مجھ سے مخاطب ہو گیا۔
"بریف کیس کہاں ہے؟"
"ہوٹل چلو تو ابھی لوٹائے دیتا ہوں۔" میں نے بے پروائی
سے کہا۔ "مجھے معلوم ہوتا کہ تم اس قدر ناکارہ چیزوں کا بوجھ اٹھائے
پھرتے ہو تو ہرگز اتنی محنت نہ کرتا۔"
"اس بار میں تم کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اے لٹو غرایا
اور میں نے دیکھا کہ مجھے دی جانے والی اس دھمکی پر کبڑے
بھکاری کا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔ "تمھاری سرکشی میرے لیے
ناقابلِ برداشت ہو گئی ہے۔"
میں مضحکانہ انداز میں ہنس پڑا۔ "تم تو یوں کہہ رہے ہو
جیسے اب تک مجھے دانستہ ڈھیل دیتے آئے ہو حالانکہ تمھارا
بس چلتا تو مہینوں پہلے میری ہڈیوں کا سُرمہ بنوا چکے ہوتے۔"
"وہ لڑکی کہاں ہے جو تمھارے ساتھ لاہور گئی تھی؟"
"جہاں بھی ہے، آرام سے ہے، تم اس کی طرف سے
فکرمند نہ ہو، البتہ یہ ضرور بتا دو کہ رخشی کو تم نے کہاں قید کیا ہے؟"
"رخشی بہت جلد اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گی۔" وہ
سرد لہجے میں بولا۔ "لیکن اس سے پہلے مجھے تمھارا اور تمھاری ساتھی
لڑکی کا قضیہ طے کرنا ہے، اس بار میں یہی مشن لے کر کراچی
آیا ہوں۔"
"میرے ساتھ جو سلوک چاہو، کر سکتے ہو لیکن یہ یاد رکھنا
کہ تمھاری قبر اسی لڑکی کے ہاتھوں تیار ہوگی، وہ میرے ہر راز
میں پوری طرح شریک ہے اور تم سے زیادہ پُراسرار ہے۔"
اس نے پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے ریوالور نکال لیا۔
"اس طرح تم اپنی زندگی کے آخری لمحات کو کربناک بنا لو گے۔
میرے تشدد کے تصور ہی سے تمھارے رونگٹے کھڑے ہو
جائیں گے۔"
"آ گئے اپنی اوقات پر۔" میں نے چڑانے والے انداز
میں کہا۔ "میرا تو اندازہ تھا کہ شاید اس بار مردانگی کا مظاہرہ کرتے
ہوئے جسمانی طاقت کے بل پر ہی مجھے زیر کرنے کی کوشش
کرو گے۔"
"اندر چلو۔" وہ ریوالور کی نال کو جنبش دیتے ہوئے غرایا۔
"خیر تمھاری قید میں بھی مجھے زیادہ تکلیف نہ ہوگی۔" میں نے
پُرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "بریف کیس میں موجود
تمھارے شناختی کارڈ سے پتا چل گیا ہے کہ تم غیر مسلم ہو، تمھیں
تو پرمٹ پر ملتی ہوگی، اپنا بھی گزارا ہوتا رہے گا۔"
"وہ کارڈ کسی بھی کام نہ آسکے گا۔" وہ بولا۔ "تم ٹھیک ہی
سمجھے ہو، وہ کارڈ محض کوٹا حاصل کرنے کے لیے بنوایا گیا تھا۔
قحط کے دن گزر جانے کے بعد اب وہ میرے لیے بھی بے مصرف
ہو چکا ہے۔"
میں مڑ کر عمارت کی طرف چل دیا۔ کبڑے بھکاری کے
قریب سے گزرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ وہ اے لٹو کی
زہرہ گداز گفتگو سن کر اپنی جگہ کھڑے کھڑے کانپ رہا تھا۔
شاید اسے اپنے انجام کا اندازہ ہو چکا تھا کیونکہ سخی کے
روپ میں اسے سجے سجائے عالیشان مکان کا مالک بنانے
والا اب اپنی کینچلی بدل کر اصل روپ میں سامنے آگیا تھا اور
اس کے ایک ایک لفظ سے تشدد اور خونریزی کی بُو آرہی تھی
جس کا اندازہ لگانے کے لیے کسی خاص ذہانت کی ضرورت نہیں تھی۔
"تم بھی اندر چلو۔" اے لٹو نے شاید کبڑے بھکاری کو بھی
میری تقلید کا حکم دیا تھا۔ میرے قدم بے اختیار زمین میں گڑ گئے۔
میں بھکاری کا چہرہ پڑھ چکا تھا۔ لہٰذا کسی انہونی کے ہونے کی
امید میں تماشا دیکھنے کے لیے پیچھے گھوم گیا۔
"مجھ پر رحم کرو مائی باپ!" بھکاری دونوں ہاتھ جوڑ کر رو
دینے والی آواز میں کراہا۔ "اللہ تمھارا بھلا کرے گا۔ روزی میں

برکت دے گا۔"

"شٹ اپ" اے ٹو نے جھلا کر اسے درمیان ہی میں پھٹکار دیا۔ "جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو ورنہ چمڑی گرا دوں گا۔"

"مجھے جانے دو۔" بھکاری کی آواز بھرا گئی۔ "میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا، جو کچھ یہاں دیکھا ہے، سب بھول جاؤں گا۔ میں تو اپنی اوقات سے بڑھ کر ہاتھ مارنے کے چکر میں برباد ہی ہوگیا۔"

اے ٹو کے دل پر اس کی فریاد کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ پہلے ہی بھکاری سے خاصا قریب تھا۔ پھر جوں ہی وہ برہمی کے عالم میں دانت پیستا ہوا اس کی طرف بڑھا، کبڑا بھکاری دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے آگے کی طرف لپکا جیسے اے ٹو کے قدموں میں گر کر معافی مانگنے کا ارادہ رکھتا ہو، پھر اس سے پہلے کہ اے ٹو اسے روکتا، بھکاری نے اس کی دونوں ٹانگیں جکڑ کر آگے گھسیٹ لیں۔ اور اے ٹو کسی وزنی شہتیر کی طرح پشت کے بل پختہ فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

فرش سے کھوپڑی ٹکراتے ہی اے ٹو کے حلق سے خفیف سی غراہٹ ابھری تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس ضرب پر اسے دن میں تارے نظر آگئے ہوں گے۔

اپنی جان کے خوف سے سہمے ہوئے کبڑے بھکاری نے زبردست کام کر دکھایا تھا۔ مجھے اس کی طاقت کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا لیکن اے ٹو اس وقت مسلح تھا، میں بھکاری کی مدد سے اے ٹو کو زیر کرنے کے لیے ان دونوں کی طرف لپکا۔ بھکاری جونک کی طرح اے ٹو کی پنڈلیوں سے لپٹا ہوا تھا اور اس کے بدن کو شدید جھٹکے دیے جا رہا تھا اور اے ٹو اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح موقع پاتے ہی داہنا ہاتھ سیدھا کر کے اسے گولی مار دے کیونکہ ریوالور اس وقت بھی اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔

میں نے بڑھ کر اے ٹو کے داہنے ہاتھ کو پکڑنا چاہا اور اسی لمحے شاید کبڑے بھکاری نے مدد آجانے کی بنا پر اپنی گرفت قدرے ڈھیلی کی اور اے ٹو نے میرے کامیاب ہونے سے پہلے بھکاری کی کھوپڑی میں گولی اتار دی۔

فائر کے پرشور دھماکے کے ساتھ کبڑے بھکاری کی بھیانک چیخ فلک شگاف تھی۔ اس کی کھوپڑی کے زخم سے خون کا فوارہ ابل پڑا تھا اور وہ خود اچھل کر دور جا گرا تھا۔

میرے لیے وہ صورت حال نازک اور بدترین تھی۔ میں نے پوری قوت کے ساتھ اے ٹو کی داہنی کلائی پر ٹھوکر رسید کی، ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اڑتا ہوا دور جا گرا۔ اب اے ٹو غیر مسلح ہو گیا تھا اور میں تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اسے زیر کر سکتا تھا لیکن دھماکے اور بھکاری کی چیخوں کے بعد وہاں رکنا بدترین حماقت کے مترادف ہوتا۔

اس معاملے میں اے ٹو کی قوتِ فیصلہ مجھ پر سبقت لے گئی، میں متذبذب رہا اور اس نے فرش سے اٹھتے ہی مجھ سے الجھنے کے بجائے نکاسی کے راستے کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں بھی بلا تامل اس کے پیچھے ہولیا۔

وہ چونکہ اس رہائشی علاقے کی عقبی سڑک تھی لہٰذا فائر اور چیخ کے باوجود ادھر سناٹا ہی تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ اگلی سمت میں اس وقت تک بہت سے لوگ صورت حال معلوم کرنے کی فکر میں باہر نکل آئے ہوں گے۔

پھاٹک سے نکلتے ہی اے ٹو کی چال اعتدال پر آگئی۔ تاکہ اتفاقاً کوئی سامنے آبھی جائے تو اس پر شبہ نہ کر سکے، میں بھی اسی کے ساتھ ہولیا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس کی سفید کار میری گاڑی سے آگے کھڑی ہوئی تھی۔

"اب کیا مصیبت ہے؟ جاؤ دفع ہو جاؤ۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا۔

"فیصلہ نہیں کرو گے میرا؟" میں نے مضحکانہ لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے اس کبڑے کی قوت کا ذرا بھی اندازہ ہوتا تو پہلے اسی کو ٹھکانے لگاتا۔ اب مقدر سے تمھیں کچھ مہلت مل ہی گئی ہے تو فوراً میری نگاہوں سے دور ہو جاؤ۔ ورنہ میں نتائج کی پروا کیے بغیر یہیں تمھارا خون پی جاؤں گا۔"

"میرا خون بہت کڑوا ہے میرے دوست۔ اسی لیے آج تک زندہ پھر رہا ہوں۔ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ زخشی کہاں ہے؟ میں فوراً تمھارا پیچھا چھوڑ دوں گا۔ ورنہ تمھارا تعاقب کرتا رہوں گا۔"

"تعاقب۔" وہ یوں چونک کر بولا جیسے اس وقت تک اس امکان کو فراموش ہی کیے رہا ہو۔ پھر مسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "یہ سب سے عمدہ ترکیب ہے۔ کسی بھی ویرانے میں چل کر دو دو ہاتھ کیے لیتے ہیں، جس کا مقدر یاوری کر گیا، وہ زندہ لوٹے گا، دوسرے کی لاش وہیں سڑنے کے لیے پڑی رہ جائے گی۔"

"ایسی گھٹیا باتیں تم ہی سوچ سکتے ہو۔ میں تمھاری لاش کو ہرگز بے گور و کفن نہ چھوڑوں گا۔" میں نے اچانک خاموش ہو کر اپنے کان فضا پر جما دیے۔ ہوا کی لہروں کے دوش پر رکتے رکتے سے کہیں دور سے کسی سائرن کی موہوم آواز سنائی دے رہی تھی جو بتدریج واضح ہوتی جا رہی تھی۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ شاید اس علاقے کے کسی مکین نے فائر اور چیخ کے بارے

پولیس کو باخبر کر دیا ہے۔

میں اپنی کار کے قریب رک گیا۔

"پھر آرہے ہو نا میرے پیچھے ؟" اس نے آگے بڑھتے ہوئے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

میں ہاتھ ہلا کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جب اس کی اسٹارٹ ہو کر کافی آگے نکل گئی تو میں نے پھرتی کے ساتھ کار واپس گھمائی اور مخالف سمت میں روانہ ہو گیا۔

پولیس کار کے سائرن کا شور اب خاصا قریب آچکا تھا۔ میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا کہ اے لوٹ نے بھی اپنی کار واپس گھمالی تھی۔ شاید وہ مجھے پھانسنے کے لیے کوئی موثر تدبیر سوچ چکا تھا جب ہی ساتھ چلنے پر مصر تھا لیکن میں کسی بھی قیمت پر اپنی زندگی کو داؤ پر لگانے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

اسٹون ہاؤس میں ریوالور ہاتھ سے نکل جانے کے بعد میرے برابر آگیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ جب وہ دوسری بار سامنے سے برآمد ہوگا تو نہ صرف کسی آتشیں اسلحے سے لیس ہوگا بلکہ ایک آدھ کیمیاوی چٹکلا بھی ساتھ لائے گا۔ تاکہ مجھے کچھ سوچنے کا موقع دیے بغیر زیر کر سکے۔

اسے اپنے پیچھے آتے دیکھ کر میں نے کار فوراً ہی ایک تنگ گلی میں موڑ لی اور پھر میں سمت یا فاصلے کا تعین کیے بغیر پیچ در پیچ گلیوں میں بھٹکتا رہا۔ کم و بیش دس منٹ بعد ایک مانوس سڑک نظر آئی تو میدان صاف تھا۔

میرے ذہن میں رہ رہ کر اس کبڑے بھکاری کا پیکر سر ابھار رہا تھا جو بیچارہ خیرات میں ملنے والی ایک کوٹھی کے لالچ میں آخر کار اپنی جان گنوا بیٹھا تھا۔ اس بدنصیب کی رحم انگیز موت اپنی جگہ تھی اور دوسری طرف رخشی بھی غائب ہو چکی تھی اور بھکاری کے بیان کے مطابق اسے لے جانے والا اے لوٹ تھا۔

تین دن پہلے جہانگیر پراسرار طور پر غائب ہوا اور اب رخشی دن دہاڑے اپنے گھر سے اٹھالی گئی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری لاہور میں موجودگی کے دوران کراچی کے معاملات کچھ عجیب سی نہج پر چل پڑے تھے جن کا بظاہر کوئی سر پیر نظر نہیں آتا تھا۔ لے دے کر بس یہی ایک امکان ذہن میں آتا تھا کہ ان لوگوں سے یقینی طور پر کہیں نہ کہیں کوئی سنگین بے احتیاطی سرزد ہوئی تھی کہ اے لوٹ بذات خود فوری طور پر کراچی کے معاملات میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا تھا اور اس نے کراچی آتے ہی سب سے پہلے رخشی پر ہاتھ ڈالا تھا جو عزیزہ کی دوست اور ہمدرد تھی۔

ایک دن میں دو بار اے لوٹ سے ٹکراؤ ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی اور دونوں ہی بار حالات کے تحت ہم دونوں ایک دوسرے کا کچھ بگاڑے بغیر اپنی اپنی راہ پر ہو لینے پر مجبور ہو گئے تھے اور اس ساری جمع تفریق کے نتیجے میں کبڑا بھکاری بے موت مارا گیا تھا۔

اس وقت میرے ذہن میں رہ رہ کر ایک نام سر ابھار رہا تھا۔ عزیز احمد جو کسی زمانے میں قاسم کا دستِ راست ہوا کرتا تھا۔ پھر قاسم کی موت کے بعد کچھ روز کے لیے وہ لاپتا ہو گیا اور جب تنظیم کی طرف سے قاسم کا منصب رخشی کو سونپا گیا تو اس نے بکھرے ہوئے لوگوں کو یکجا کرنے کی کوشش میں عزیز احمد سے بھی رابطہ قائم کیا لیکن عزیز نے دو ٹوک الفاظ میں اس کے لیے کام کرنے سے انکار کر دیا۔

پھر مجھے اے لوٹ کے بریف کیس میں سے کاغذ کا ایک پرزہ ملا جس پر عزیز احمد کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس بارے میں تھوڑی ہی دیر پہلے رخشی سے معلوم ہوا تھا کہ عزیز نے ان دنوں بندرگاہ کے علاقے میں تیسرے درجے کا ایک ہوٹل خرید لیا ہوا تھا اور شام کو عموماً وہیں پایا جاتا تھا۔

اے لوٹ کے بریف کیس سے اس کا نام برآمد ہونے کی وجہ سے اس کی ذات میرے لیے اہمیت اختیار کر گئی تھی اور میرا خیال تھا کہ اس سے مجھے کوئی نہ کوئی اہم سراغ ضرور مل سکے گا لیکن میرے لیے کرنل زوار زیدی کی کار اب مخدوش ہو چکی تھی۔ اے لوٹ اسے دیکھ چکا تھا اور دور سے بھی پہچان سکتا تھا۔

معاً مجھے خیال آیا کہ کہیں اے لوٹ کار کے نمبروں کے سہارے رجسٹریشن آفس سے کار کے مالک کا سراغ نہ لگا لے۔ ایسی صورت میں وہ کرنل زوار زیدی پر اپنی توجہ مرکوز کر دیتا اور پھر یہ معلوم ہوتے ہی کہ کرنل ایک جوان لڑکی کا بھی باپ ہے، اس کے ذہن میں غزالہ کا نام ابھر آتا جس کی تصاویر کی تنظیم میں خاصی تشہیر ہوئی تھی۔ پھر غزالہ کی شناخت کے ساتھ ہی دشواریوں کا ایک نیا باب کھل جاتا۔ میں نے فوراً ہی گاڑی راستے میں چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

شہر کے ایک بارونق علاقے میں کار پارک کر کے میں ٹیکسی سے گھر روانہ ہو گیا۔

"گاڑی کیا ہوئی ؟" مجھے ٹیکسی سے برآمد ہوتے دیکھ کر غزالہ کے باپ نے لٹھ مار انداز میں سوال کیا تھا۔

"رات چوری ہو گئی ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں "کیا کہہ رہے ہو؟ ابھی صبح تو تم لے گئے ہو۔"

"راستے میں چھوڑ آیا ہوں۔ آپ کو اس کی چوری کی رپورٹ درج کرانا ہے۔" میں نے کہا اور وہ اس اقدام کا سبب معلوم کرنے پر تل گیا۔ میں نے اسے اختصار کے ساتھ مقصد سے آگاہ کیا تو وہ فوراً ہی رپورٹ درج کرانے روانہ ہو گیا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر کار کی بازیابی میں تاخیر ہو گئی تو وہ کہیں پیچ میں نہ گھرالی جائے۔

اس کے جاتے ہی غزالہ میرے پاس آ پہنچی۔ "بہت جلد واپس لوٹ آئے ہیں آپ؟"

"ہاں، رخشی کو بد دعا لگ گئی تمہاری۔"

"کیوں؟ کیا ہوا اسے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"میرے پہنچنے سے پہلے اے ٹو اسے اٹھا لے گیا۔ مجھے وہاں الجھائے رکھنے کے لیے ایک بھکاری کو وہاں چھوڑ گیا تھا اور اس مقصد میں پوری طرح کامیاب رہا۔ رخشی کو کہیں پہنچا کر واپس آیا تو میں وہیں بھکاری کے ساتھ الجھا ہوا تھا۔"

"تو کیا وہ پہلے ہی رخشی کی طرف سے کھٹک گیا تھا؟"

"بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت وہ میرے ہاتھوں سے بال بال بچا ہے۔ اگر وہ بھکاری اس کے ہاتھوں نہ مارا گیا ہوتا تو اے ٹو اس وقت میرا قیدی ہوتا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ رخشی نے اے ٹو کے ساتھ مل کر آپ کو گھیرنے کی کوشش کی ہو؟" وہ پوری کہانی خاموشی کے ساتھ سننے کے بعد بولی۔ "اے ٹو کو سگنل دے کر خود ہی وہاں سے کھسک گئی ہو تاکہ آپ کی نگاہوں میں بدستور اچھی بنی رہے؟"

"کوڑی تو بہت دور کی لائی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کبڑے بھکاری نے بھی جو کچھ بتایا اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ رخشی اپنی مرضی سے اے ٹو کے ساتھ گئی تھی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ جہاں تک میں اس کے مزاج کو سمجھ سکا ہوں، وہ بہت ضدی عورت ہے۔ اسے اپنے فیصلے تبدیل کرنے پر آمادہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ ایک بار وہ اے ٹو کے خلاف بغاوت کا فیصلہ کر چکی ہے تو اب اس کے ساتھ ہرگز مخلص نہ ہو سکے گی۔"

"پھر اب آپ اسے بھی تلاش کریں گے؟"

"مل گئی تو آزاد کرا ہی لوں گا۔ ورنہ اصل نشانہ اس بار اے ٹو ہے۔"

"اے ٹو بڑا عجیب سا لگتا ہے۔" وہ بولی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی افسانوی دنیا کی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ اس کا نام کیوں نہیں لیتے؟"

"کیا نام لوں؟ جب اس نے خود ہی افسانوی روپ دھارا ہوا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں، پہلے توقیر کے نام سے سامنے آیا تھا پھر آج صبح لاہور سے پتا چلا کہ اس کا نام راجہ ظہور احمد ہے۔ بریف کیس کھولا تو پرویز احمد کے نام کا شناختی کارڈ سامنے آ گیا۔ اب بتاؤ کہ اس کا ذکر کس نام سے کیا جائے؟ اس کے علاوہ تو سب ہی سامنے آ چکے ہیں۔"

"آپ بھی ٹھیک ہی کہتے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"پھر اب کدھر کا قصد ہے؟"

"بندرگاہ کے علاقے کی خاک چھاننے کا ارادہ ہے اس بار اسلحہ ساتھ لے کر نکلوں گا۔"

پستول اور فالتو راؤنڈز کے ساتھ ہی غزالہ کے اصرار پر میں نے اے ٹو کے بریف کیس سے برآمد ہونے والی پوٹاشیم سائنائیڈ کی شیشی ایک سرنج سمیت ساتھ لے لی اور پھر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

پہلے میرا ارادہ تھا کہ ایک چکر فیکٹری کا بھی لگاؤں گا۔ کیونکہ ادھر کے معاملات سے میں کافی عرصے سے لاتعلق ہو کر رہ گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ طویل اور ناکام نگرانی کے بعد فیکٹری کا پیچھا چھوڑ دیا گیا ہوگا لیکن پھر میں نے پروگرام بدل دیا۔ اے ٹو شہر میں موجود تھا اور میری یہاں آمد سے بھی پوری طرح واقف تھا۔ وہ سوچ سکتا تھا کہ شاید میں موقع ملتے ہی فیکٹری کا رخ کرنے کی کوشش کروں۔ ایسی صورت میں میرا وہاں جانا قیامت سے کم نہ ہوتا۔

میں نے نگینہ سینما کے قریب ٹیکسی چھوڑ دی۔

ٹیکسی سے اتر کر میں سگریٹ خریدنے کے لیے ایک دکان کی طرف بڑھ گیا۔

"عزیز کا ہوٹل کدھر ہے چاچا؟" میں نے دکاندار کو سگریٹ کے پیسے دیتے ہوئے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

"آذیز کا ہوٹل؟" دکاندار نے اشتباہ آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے دہرایا۔ پھر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "خریدنا ہے یا بیچنا ہے؟"

میرے لیے اس کا ردعمل غیر متوقع تھا۔ لحظہ بھر کے لیے تو میں بوکھلا گیا لیکن فوراً ہی سنبھالا لے لیا اور مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ "وہ کیا بیچتا اور خریدتا ہے؟"

"چرس، افیم، ہیروئن، ولایتی دارو۔ ہر چیز کا سودا کرتا ہے۔ تم کیا لایا ہے؟"

"نہ لایا ہوں، نہ لے جاتا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہاں میرے گاؤں کا ایک چھوکرا کام کرتا ہے۔ اسے اس کی ماں کا خط پہنچانا ہے۔ میں کوئی غلط دھندا نہیں کرتا۔"

"پھر روٹی کدر سے کھاتا ہے بابو؟" وہ بگڑ کر تلخ لہجے میں

دال، چاول، پان، سبزی بیچو تو کارپوریشن سے انکم ٹیکس سب سر پر آنے لگتے ہیں۔ چرس، ہیروئن کو قانون مانتا ہی ہیں، جتنا چاہے بیچو اور خریدو، اس کا نہ حساب دینا پڑتا ہے یس۔ جائز کاروبار پہ ظلم یوں ہی بڑھتا رہا تو ایک دن سب ستے پہ سگے ہوئے ملیں گے۔ میں خود یہی کام کرتا ہوں۔ بھاڑا دے دلا کر بھی چار پیسے کما لیتا ہوں، باقی سب تو دھندا ہے۔"

اس دل جلے کی گفتگو دلچسپ تھی لیکن میرے پاس نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے اس موضوع کو آگے بڑھانے کے ئے اسے عزیز کا ہوٹل یاد دلایا تو وہ ہنس پڑا اور خفت آمیز لہجے بولا "معاف کرنا بابو۔ ذرا دماغ کو گرمی چڑھ گئی تھی۔ پہلے بھی یہ سب کچھ برا سمجھتا تھا اور ہر وقت پریشان رہتا تھا جب ن بکنے کی نوبت آئی تو پڑیاں، لوہے اور ادھے بیچنے لگا۔ اللہ ہے کہ ابھی میں خوشحال ہوں۔"

وہ مجھے عزیز کے ہوٹل کا راستہ بتانے لگا اور میں یہ سوچنے ور ہو گیا کہ خرابی کہاں تھی؟

معاشرے میں خرابیاں دن بدن ناسور کی طرح پھیلتی ہی تھیں۔ پندرہ بیس برس پہلے بھی خرابیاں تھیں لیکن انھوں شرے کی مستقل اقدار کا درجہ حاصل نہیں کیا تھا۔ رشوت خور ہی چھپے، ڈرتے ڈرتے رشوت لیتا تھا، ملاوٹ کرنے والا ولیر نہیں تھا، اسی قدر ملاوٹ کرتا تھا کہ گاہک کو شبہ نہ ہو سکے۔ ہر ایک سے چھپ کر اپنا شوق پورا کرتا تھا لیکن اب تو کا آوا ہی بگڑا ہوا نظر آنے لگا تھا۔ رشوت حق سمجھ کر کھلے طلب کی جا رہی تھی۔ بے غیرتی کے ساتھ کھلے بندوں سودے لیے جاتے تھے، ملاوٹ تجارت کا ایک بنیادی رکن بن چکی تھی۔ ئے باز بے خوف ہو چکے تھے، اعتراض کرنے والوں کے دانت سے کر ہاتھ پیر تک توڑ دیے جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تمام تی طاقتوں نے باہمی تعاون کا معاہدہ کر کے اچھائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

اللہ کے اس مشکور و ممنون بندے کے بیان کے مطابق عزیز ہوٹل زیادہ دور نہیں تھا۔ میں ہوٹل کی طرف روانہ ہوا تو بس ایک ل خیال ذہن پر طاری تھا کہ اگر مجھے ملک کا آمر مطلق بنا دیا جائے تو ان خرابیوں کی کس بنیاد پر سب سے پہلے ضرب لگاؤں گا؟

دھوپ خاصی تیز تھی اس کے باوجود پیدل چلتے ہوئے ک ہی میرے دماغ نے کام کرنا شروع کر دیا۔

آئین، جمہوریت، شخصی آزادیاں، بنیادی حقوق اور طرز حکومت سب سیاستدانوں کی کھلی ذہنی عیاشیاں تھیں۔ عوام الناس کا ان سب سے براہِ راست کوئی گہرا تعلق نہیں تھا۔ عوام کا دن رات قانون سے واسطہ پڑتا تھا اور ملک میں وہی مبہم اور سنگدلانہ قانون نافذ چلا آ رہا تھا جسے انگریزوں کے دور حکومت میں نو آبادیاتی مفادات کی پرورش کے لیے تخلیق کیا گیا تھا۔

اس قانون کی بیشتر اہم دفعات میں اگر، مگر، چونکہ، چنانچہ اور بشرطیکہ کے ساتھ پے در پے اس قدر سقم رکھے گئے تھے کہ عملاً یہ قانون افسرِ مجاز کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گیا تھا۔ جب تک انگریز اس خطۂ زمین پر حکمراں رہا، سارے قوانین کو ان کی اصل روح کے مطابق نافذ کراتا رہا۔ اگر مگر، چونکہ چنانچہ وغیرہ کا سہارا صرف اسی وقت لیتا تھا جب اس کے نو آبادیاتی مفادات پر براہِ راست کوئی ضرب پڑنے کا امکان ہوتا تھا اور ایسے مواقع پر عموماً بدترین فیصلے صادر ہوتے تھے، دیگر حالات میں وہی کچھ فیصلہ کیا جاتا جو قانون کی کتابوں میں اگر مگر سے پہلے درج تھا۔ پھر انگریز بہادر دو قوموں کو پروانۂ آزادی تھما کر اپنے ڈوبتے سورج کو سہارا دینے چلا گیا۔ ان نو آبادیاتی قوانین کی اصل روح اپنے آقاؤں کے ساتھ ہجرت کر گئی اور اس خطۂ زمین پر صرف قانون کے بے روح اور سپاٹ الفاظ رہ گئے جن کا نفاذ کالے آقاؤں کے ہاتھ میں آ گیا۔

خاک و خون کے ہولناک بگولوں کی گرد بیٹھی تو ان کالے آقاؤں نے قوانین کو دیکھا اور بالکل انگریز کے سے انداز میں ان کا نفاذ شروع کر دیا۔ آزادی کے ساتھ فرق یہ پڑا کہ پہلے اگر مگر کو صرف اور صرف نو آبادیاتی مفادات کے لیے حرکت میں لایا جاتا تھا، اب کالے آقاؤں نے بطورِ آزمائش اس سقم کو ذاتی مفادات کے لیے آزمانا شروع کر دیا۔ وہ وار داتیں حیرتناک حد تک کامیاب ثابت ہوئیں اور یوں ملک میں ایک بری روایت چل نکلی جو نیک نیت لوگوں کو بتدریج پس پشت لے گئی۔

جو قانون کا جتنا زیادہ اور پکا محافظ تھا، اسی قدر اس کا کام آسان تھا۔ افسرانِ مجاز کی صوابدید پر اتنے بڑے بڑے فیصلے چھوڑ دیے گئے تھے کہ اگر افسر کے دل میں بے ایمانی آ جائے تو وہ محض ایک سودے میں عمر بھر کی کمائی حاصل کر سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی مفاہمت ہر کس و ناکس کے بس سے باہر تھی۔ لہٰذا ساری مہم کا رخ تجارت پیشہ طبقوں کی طرف ہوتا چلا گیا جو اپنے نفع نقصان کا تمام تر بوجھ صارفین کی جیبوں پر منتقل کرنے پر قادر تھے۔

گاہے گاہے دوسرے بھی تختۂ مشق ستم بنتے رہے لیکن بدنیت لوگوں نے اس کھیل میں پوشیدہ بھاری منفعت کو فوراً بھانپ لیا۔ جہاں ابہام نہیں تھے وہاں ایجاد کر لیے گئے۔ تاجر خوش کہ ہزار کی جگہ دو سو کا محصول نافذ ہوتا ہے۔ افسر اپنی جگہ

خوش کہ سرکار سے لگی بندھی تنخواہ کے ساتھ محض ایک چڑیا بٹھانے کے سومل گئے اور یوں ملی بھگت سے آنے والا مال بازار میں لاگت سے بھی کم داموں پر بکنے لگا تو ایماندار دکانداروں کے چھکے چھوٹ گئے اور رفتہ رفتہ اس ملی بھگت کو اکثریت نے ایک سود مند متبادل کے طور پر قبول کر لیا جو اس صورتِ حال سے سمجھوتا نہ کر سکے، وہ بازار میں کبھی نہ پنپ سکے کیونکہ رشوت خور افسر کی دلی خواہش ہوتی تھی کہ ہر ایک بے ایمانی کرے تاکہ اسے اپنے سیکڑے ملتے رہیں، ایمانداروں سے اسے خاک ملنا تھا جو وہ انھیں رعایتیں دیتا۔

میری دانست میں یہ رشوت کی مختصر اور جامع سی تعریف تھی اور اگر نوآبادیاتی قوانین کو بیک جنبشِ قلم موقوف کر کے نئے قوانین تصنیف کیے جاتے جن میں افسرانِ مجاز کے اختیاراتِ تمیزی کو حتی الامکان کم کرتے ہوئے ہر جرم کی واضح اور غیر مشروط تعریف کے ساتھ اس کی سزا بھی مندرج کر دی جاتی تو معاشرے سے بے شمار خرابیاں خود بخود مفقود ہو جاتیں۔

اچانک میرا پیر ایک گڑھے میں جا پڑا۔ شدید جھٹکا سا لگا لیکن میں کوشش کر کے گرنے سے بچا رہا۔ میں نے فوراً ہی چلتے چلتے سوچنے کے سلسلے کو خیرباد کہا اور سگریٹ سلگا کر گردوپیش کا جائزہ لیتا ہوا بڑھنے لگا۔

آخر کار میں بتائے ہوئے پتے پر ایک بے نام ہوٹل کے سامنے پہنچ گیا۔ جہاں دوپہر کے وقت بھی خاصی بھیڑ نظر آ رہی تھی۔ میں کسلمندانہ انداز میں ٹہلتا ہوا ہوٹل میں داخل ہو گیا اور خالی میز کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگا لیکن ہوٹل میں کوئی میز خالی نہیں تھی۔ میں بڑھ کر ایک ایسی میز کے گرد جا بیٹھا جہاں پہلے سے ایک ادھیڑ عمر مزدور براجمان تھا۔

میرے بیٹھتے ہی ایک نوخیز لڑکے نے پانی سے بھرا ہوا اسٹین لیس اسٹیل کا جگ اور گلاس پوری قوت سے ماربل کی میز پر لا پٹکا۔ اسی لمحے ملے جلے شور میں تیز گھنٹی کی آواز گونجی۔ میں نے سر گھمایا تو کاؤنٹر پر دو افراد کھڑے تھے۔

"بھائی سے ڈھائی روپیہ" ہوٹل کے کسی گوشے سے ایک آواز گونجی اور کاؤنٹر والا اپنے سامنے والوں کو ریزگاری لوٹانے لگا۔ لباس کے اعتبار سے میں ہوٹل میں موجود لوگوں سے بالکل الگ نظر آ رہا تھا۔ چند لمحے چاروں طرف دیکھنے کے بعد میں نے جگ میں سے پانی نکال کر پیا اور ٹیبل والے کو ایک چائے کا آرڈر دے دیا۔

اسی دوران میں میرے سامنے بیٹھا ہوا ادھیڑ عمر مزدور کئی بار تجسس آمیز نگاہوں سے میرا جائزہ لے چکا تھا لیکن جوں ہی میں اس کی طرف متوجہ ہوتا، وہ مجھ سے لاتعلق نظر آنے لگتا۔

جمود توڑنے کی خاطر میں نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ماچس کے لیے سامنے والے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس نے بے نیازی کے ساتھ مٹھی میں دبے ہوئے سگریٹ کے ٹوٹے کا گُل جھاڑ کر وہی میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے سگریٹ سُلگا کر شکریے کے ساتھ ٹوٹا اسے واپس کر دیا۔

چائے پیتے ہوئے میں نے اپنی حکمتِ عملی میں فوری طور پر رد و بدل کر ڈالا اور اپنے سامنے والے سے بات کرنے کا ارادہ بالکل ترک کر دیا۔ پیالی خالی کر کے میں کاؤنٹر پر پہنچا اور پیسے ادا کرتے ہوئے کاؤنٹر والے سے سوال کر بیٹھا۔

"عزیز بھائی کدھر ہے؟"

"تم کون ہو؟" اس نے اشتباہ آمیز نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ میرا پرانا یار ہے، سنا ہے کہ اسی علاقے میں کوئی ہوٹل لے لیا ہے اس نے، یہ اسی کا ہوٹل تو نہیں ہے؟"

"اسی کا ہے۔ ملنا ہے تو شام چھ بجے آ جانا۔ کاؤنٹر پر وہی ملے گا۔"

"اوہ!" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "شام میں تو میں کراچی سے چلا جاؤں گا۔" پھر بے پروایانہ لہجے میں بولا۔ "خیر! میرا نام سلام ہے۔ اسے میرا سلام کہہ دینا، پھر کبھی ادھر آنا ہوا تو اس سے مل لوں گا۔" میں نے دانستہ اس کا پتا معلوم نہیں کیا۔

"کوئی ضروری کام تو نہیں ہے اس سے؟" کاؤنٹر والے نے رازدارانہ لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں۔ کام تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اسے معلوم ہوتا کہ میں کراچی آ کر اس سے ملے بغیر لوٹ گیا تو بہت ناراض ہوتا۔ اب کم از کم وہ کوئی شکایت تو نہ کر سکے گا مجھ سے۔"

"تم کہاں سے آئے ہو؟"

"لاہور سے چار روز پہلے آیا تھا۔ آج شام واپس جا رہا ہوں۔ مجھے کل ہی معلوم ہوا تھا کہ وہ ادھر ہوٹل چلا رہا ہے۔ ویسے وہ اس وقت کہاں ہو سکتا ہے؟"

"بادشاہ آدمی ہے۔ شہر بھر میں کہیں بھی ہو سکتا ہے۔" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جانتے ہوئے بھی کچھ چھپا رہا تھا۔ "بتانے کو میں دو چار ٹھکانے بتا سکتا ہوں لیکن تم پردیسی ہو، جگہ جگہ دھکے کھاتے پھرو گے، ہو سکتا ہے کہ وہ پھر بھی تمہارے ہاتھ نہ آ سکے، تم بلاوجہ مجھے بددعائیں دیتے پھرو گے۔"

"ٹھکانے بتا دو، وقت ہوا تو کوشش کر لوں گا۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اسی اثنا میں یکے بعد دیگرے کاؤنٹر

پر دو کاہگ آ گئے۔ ایک نے خورد و نوش کے پیسے ادا کیے تھے
دوسرے نے داہنی آنکھ دبا کر مال مانگا تھا اور کاؤنٹر والے نے
اپنی ایک دراز سے میری جانی پہچانی ہیروئن کی پڑیا نکال کر اس
کی طرف بڑھا دی۔

"شہر میں تم بلاوجہ ہی بھٹکتے پھر رہے ہو۔" اپنے کام سے فارغ
ہو کر وہ کہنے لگا "تم اس کے پرانے دوست ہو' اس لیے بتا
رہا ہوں۔ ورنہ کسی کو ادھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ مل ایریا
میں تھانے سے آگے ایک پلاٹ پر بہت بڑا کھلا گودام ہے'
وہاں ایک بڑا ہال بھی بنا ہوا ہے۔ وہاں پہنچ کر چوکیدار سے
پوچھ لینا۔ عزیز نے ملنا چاہا تو خود ہی اندر بلا لے گا۔"

"تو کیا یہ امکان بھی ہے کہ وہ ملنے سے انکار کر دے؟"
میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"یہ تمھارے اور اس کے تعلقات پر منحصر ہے' میں نے
بتایا نا کہ کسی کو ادھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ تم بھی اسے یہ
نہ بتانا کہ وہاں کا پتا میں نے بتایا ہے۔ تم اس کے پردیسی
دوست ہو' اس لیے بتائے دے رہا ہوں۔"

"وہ وہاں کیا کرتا ہے جو کسی کا آنا پسند نہیں کرتا؟"

"یہ سب اسی سے پوچھ لینا۔" وہ میرا سوال ٹال کر مجھے
گودام کا پتا سمجھانے لگا۔

میں وہاں سے سیدھا سوسائٹی کے علاقے کی طرف روانہ
ہو گیا کیونکہ اب میرے لیے سواری کا انتظام ناگزیر ہو گیا تھا جس
کے لیے کرائے کی کار ہی سب سے موزوں رہتی۔

سوسائٹی کے ایک شوروم سے طاقتور انجن والی ایک کار
کرائے پر حاصل کر کے مل ایریا کی طرف روانہ ہو گیا اور تھوڑی
سی تلاش کے بعد اس گودام پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جس کا
پتا عزیز کے ہوٹل سے معلوم ہوا تھا۔

وہ گودام ایک بالکل ویران علاقے میں واقع تھا جہاں
قرب و جوار کے صنعتی پلاٹوں کے گرد صرف چار دیواری بنانے
پر اکتفا کیا گیا تھا یا پھر وہ خالی ہی پڑے ہوئے تھے۔ یوں معلوم
ہوتا تھا جیسے ان وسیع و عریض قطعات آراضی کے مالکان کو زمین
کے حصول سے زیادہ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ورنہ برسہا برس گزرنے
کے بعد وہاں ایسی ویرانی کا راج نہ ہوتا۔

میں نے کار ایک طرف چھوڑی اور مطلوبہ گودام کے
زنگ خوردہ آہنی پھاٹک کے سامنے پہنچ گیا۔ پہلے میرا ارادہ پھاٹک
پر دستک دینے کا تھا لیکن مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اندر کتنی نفری
ہو گی لہٰذا چند ثانیوں تک اندر کی سن گن لینے کے بعد میں آگے
بڑھ گیا۔ کافی آگے ایک جگہ مجھے شکستہ دیوار میں چند دراڑیں نظر آ گئیں
جو بآسانی قدم جمانے کے کام آ سکتی تھیں۔

میں نے ارد گرد کا میدان صاف دیکھ کر دیوار پر چڑھنے
کا ارادہ کر لیا۔ پہلی دراڑ میں قدم جما کر میں نے دیوار کا کنارا تھاما
اور اوپر اٹھ کر اندر کا جائزہ لیا تو وہاں کچے میدان میں جا بجا
کاٹھ کباڑ کے ڈھیر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ وہاں کسی
ذی روح کا وجود نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں دیوار پر چڑھ کر پھرتی کے
ساتھ اندر کود گیا۔

کچھ دیر تک میں وہیں زمین پر بیٹھا اندر کے محلِ وقوع
کا اندازہ لگاتا رہا جو زیادہ پیچیدہ نہیں تھا۔ احاطے کی دیوار کے
ساتھ پھاٹک کے قریب ایک کوٹھری بنی ہوئی تھی اور پلاٹ کے
انتہائی عقبی حصے میں دیوار سے ذرا دور ایک بڑا سا شیڈ بنا ہوا تھا
جہاں عزیز کو موجود ہونا چاہیے تھا۔

میں اس وقت بھیڑیوں کے بھٹ میں آ گھسا تھا اور مجھے
اس جسارت کے انجام کا کچھ علم نہیں تھا لیکن پیشقدمی کرنے کے
بعد پیچھے ہٹنا میرے لیے ناممکنات میں سے تھا۔ میں دیوار سے
لگے لگے پھاٹک کے قریب بنی ہوئی چوکیدار کی کوٹھری کی طرف
بڑھنے لگا۔ کوٹھری کے قریب پہنچ کر مجھ پر جھلاہٹ سی طاری
ہو گئی۔ میں شروع سے ایسی احتیاط کر رہا تھا جیسے میرا معرکہ کسی
پلاٹون سے ہونے والا ہو لیکن وہاں کوٹھری کا دروازہ کھلا ہوا تھا
اور اس پر ایک صحتمند قبائلی پوری بے فکری کے ساتھ پاؤں
پسارے چت پڑا سو رہا تھا۔

میں بھرا ہوا پستول سنبھال کر کوٹھری میں داخل ہو گیا۔ اس
کا داہنا پیر میں نے ہلایا تو اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولی تھیں
پھر اپنے سامنے ایک پستول بردار اجنبی کو دیکھ کر اس کے فرشتے
کوچ کر گئے اور وہ مشینی انداز میں چارپائی سے اٹھتا چلا گیا۔

"تم کون ہے؟" اس نے اپنے قدموں پر کھڑے ہوتے
ہی بوکھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا تھا۔

"ہمارا تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے برادر خان!" میں نے
اسی کے لب و لہجے میں نرمی سے کہا "تمھارا صاحب کدھر ہے؟"

"اوئے برادر خان کو غرق کرو۔" وہ جھلائے ہوئے لہجے
میں بولا "تم چور کا بچہ! اندر کیسے آیا؟"

وہ میرے لہجے کی نرمی سے غلط معنی اخذ کر رہا تھا۔ میں
نے فوراً ہی اس سے سخت رویہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا "ہوش
میں رہ کر بات کرو ورنہ کھوپڑی کے ٹکڑے اڑا دوں گا۔ اس
جگہ کا مالک کون ہے؟"

اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر مجھے یوں گھورا
جیسے بس چلے تو مجھے کچا ہی چبا جائے گا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔

"مجھے جواب چاہیے۔ میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔"
"جگہ کا مالک ولایت میں ہے۔" وہ پھنکارتے ہوئے بولا۔
"اس کا نام کیا ہے؟"
"مالک، مالک ہوتا ہے۔" وہ اُجڈ لہجے میں بولا۔ "نام وام ہم کو مالوم نہیں۔"
"عزیز احمد کون ہے؟" میں نے سرد اور بے رحمانہ لہجے میں سوال کیا۔
میری زبان سے عزیز کا نام سنتے ہی اس کی آنکھوں میں یوں حیرت اُمڈ آئی جیسے میں نے کوئی انہونی سی بات پوچھ لی ہو پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ہم تمھارا کسی بات کا جواب نہیں دے گا۔ تم ہم کو نوکری سے نکلوائے گا۔"
وہ ضدی طبیعت کا روایتی قبائلی تھا جو جان دینا گوارا کر لیتا لیکن اپنے مالکان کے خلاف زبان ہرگز نہ کھولتا۔ لہٰذا میرے لیے اس پر وقت خراب کرنا بے سود تھا۔ میں نے اسے کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر پستول بائیں ہاتھ میں تھاما اور داہنے ہاتھ سے اس کی کنپٹی پر ایسی بھرپور ضرب لگائی کہ وہ لحظہ بھر کے لیے بھی اپنے قدموں پر نہ ٹھہر سکا اور دونوں ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے تیورا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔
مجھے یقین تھا کہ اس کی بے ہوشی خاصی طویل ثابت ہوگی لیکن میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے کوٹھری کا دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی چڑھا دی تاکہ وہ ہوش میں آکر بھی آسانی کے ساتھ باہر نہ نکل سکے۔
وہاں کسی گاڑی کو موجود نہ پا کر مجھے یہ تو یقین ہو گیا تھا کہ کم از کم اے لٹو وہاں موجود نہیں تھا۔ عزیز کے بارے میں میں نے اندازہ لگایا تھا کہ شاید اس نے اس ویران پلاٹ پر منشیات کی تیاری یا ذخیرہ اندوزی کا کوئی چکر چلایا ہوا تھا۔ جب ہی وہ کسی کی وہاں آمد پسند نہیں کرتا تھا لیکن میں اس کے کیشیئر کے پیٹ میں اتر کر وہاں تک آنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔
کوٹھری سے فارغ ہونے کے بعد میں دور افتادہ حصے میں بنے ہوئے شیڈ کی طرف ہو لیا۔
اس شیڈ میں داخلے کا بس ایک ہی راستہ تھا جو اندر سے بند تھا۔ میں نے اس پر زور آزمائی سے پہلے شیڈ کا طواف کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ فرار کے امکانی راستے نظر میں آسکیں۔
میں شیڈ اور احاطے کی عقبی دیوار کے درمیانی گلیارے سے گزر رہا تھا کہ اچانک میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ کسی سمت سے ائیر کنڈیشنر چلنے کی دھیمی اور مسلسل گھوں گھوں سنائی دے رہی تھی۔ ابھی میں ائیر کنڈیشنر کی تلاش میں نظریں دوڑا ہی رہا تھا کہ اچانک فضا میں ایک موہوم سی چھنکار ابھری جیسے کسی عورت نے بوجھل آواز میں مختصر سا قہقہہ لگایا ہو۔ میں نے دیوانہ وار ہر طرف کا جائزہ لے ڈالا لیکن اب فضا پر گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہونے لگا تھا جیسے وہ نسوانی قہقہہ میرے وہم کی پیداوار رہا ہو۔ میں کافی دیر تک کسی آہٹ، کسی آواز کے انتظار میں اسی گلیارے میں وقت برباد کرتا رہا لیکن اس کے بعد نادیدہ ائیر کنڈیشنر کی آسیبی گھوں گھوں کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہ دی۔
میں نے مایوسی کے عالم میں اس شیڈ کا طواف مکمل کیا اور پھر تن بہ تقدیر ہو کر داخلے کے واحد راستے پر مقدر آزمائی کا فیصلہ کر لیا۔ پستول میرے ہاتھ میں تھا، میں نے پوری طرح چوکنّا ہو کر پستول ہی کے دستے سے شیڈ کے آہنی دروازے پر گویا طبلِ جنگ بجا دیا۔
اس وقت میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اور انتظار کا ایک ایک لمحہ صدیوں طویل محسوس ہو رہا تھا... ایک... دو... تین... شاید چار پانچ منٹ اسی روح فرسا انتظار میں گزر گئے لیکن میں نے اپنے تمام تر اضطراب کے باوجود دوبارہ دروازے پر دستک نہ دی کیونکہ آقاؤں کی لغت میں چوکیدار کی ایسی کوئی جسارت سرکشی کے زمرے میں گنی جاتی ہے اور میں اندر والوں کو یہی تاثر دینا چاہتا تھا کہ اس ناگہانی مداخلت کا ارتکاب چوکیدار کی طرف سے ہوا ہے۔
آخر کار کھٹکا کھلنے کی پُرشور آواز کے ساتھ برہمی کے عالم میں دروازہ کھولا گیا۔ "کیا مصیبت ہے نادر خان؟" اسکاچ کے تیز بھبکے کے ساتھ ایک ناگوار آواز ابھری۔
میں پستول سیدھا کیے دیوار کی اوٹ سے اچانک سامنے آگیا۔
"تت... تم کون ہو؟" مخمور آنکھوں والے نے لکنت آمیز لہجے میں سوال کیا۔
"خدائی فوجدار۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "نادر خان اپنی کوٹھری میں گہری نیند سو رہا ہے، ہاتھ اٹھالو اور جو کچھ کہوں اس پر بلا چون و چرا عمل کرتے جاؤ۔ ورنہ بلا تامل جہنم واصل کر دوں گا۔"
میرے رویے پر وہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔ کچھ نشے کی جھونک پھر میرا اچانک نمودار ہونا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ سب کیسے اور کیونکر ہو گیا لیکن یہ غنیمت تھا کہ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر سے بلند کر لیے تھے۔
میں اسے کور کیے اندر داخل ہوا تو چونکے بغیر نہ رہ سکا بظاہر خستہ و شکستہ نظر آنے والا وہ شیڈ اندر سے کچھ اور ہی بنا ہوا تھا۔

...کے تقریباً وسط میں لگے ہوئے دروازے کی داہنی جانب
...سامان ذخیرہ کرنے کے لیے کھلی جگہ تھی جہاں گتے کے ڈبے
...بی کریٹوں کے کئی ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ بائیں طرف دوہری
...ڈال کر کمرے اور راہداریاں نکالی گئی تھیں۔ جہاں سے
...آ رہی تھی۔

اس وقت تک میرا شکار ہاتھ اٹھائے اُلٹے قدموں چل
...۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ ٹھوکر کھا کر گر ہی نہ جائے۔ لہٰذا
...نے تحکم آمیز لہجے میں سیدھا ہونے کا حکم دیا۔

"مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟" اس
...نا رخ تبدیل کیے بغیر سوال کیا۔

"اگر تمہارے دماغ پر اسی قدر چربی چڑھ گئی ہے تو سنو
...نام ڈینی ہے اور قاسم کے دِنوں سے تم پر میرا حساب
...چلا آ رہا ہے جسے شاید میں آج بے باق کرلوں گا۔"

"ڈینی!" اس نے مسرت آمیز حیرت کے ساتھ دُہرایا پھر
...ہی مجھ پر لوٹ پڑا۔

میں اگر اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا تو اس قدر غافل
...نہیں تھا کہ وہ مجھے زیر کرلیتا۔ میرا داہنا گھٹنا بروقت فضا میں
...ا اور وہ اپنے ہی زور میں کراہتا ہوا پیچھے الٹ گیا لیکن میرے
...سے پستول نکل گیا۔

اس وقت میرے تمام حواس پوری طرح کام کر رہے تھے۔
...کے ساتھ ہی عزیز کی آواز بلند ہوتے ہی شیڈ کے بائیں
...سے کہیں کچھ آہٹ پیدا ہوئی جو فوراً ہی معدوم ہو گئی۔

...دلے لو" میری چھٹی حس نے خطرے کا اعلان کیا اور میں
...اچھل کر وحشیانہ قوت سے عزیز کی پسلیوں پر ٹھوکر رسید کردی۔
...وہ کسی ذبح ہوتے ہوئے سانڈ کی طرح ڈکرایا تھا لیکن میری
...لہراتی ہوئی ٹانگ پکڑنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔

اگر اس وقت اے ٹو یا عزیز کا کوئی اور حمایتی اس شیڈ
...موجود تھا تو میرے حق میں یہی بہتر تھا کہ اس کے نمودار
...نے سے پہلے مار مار کر عزیز کا کچومر نکال دوں تاکہ مجھے بیک
...دو حریفوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

عزیز جسمانی طور پر مجھ سے کمتر نہیں تھا لیکن اس کی
...ی کہ وہ اس وقت نشے کی حالت میں تھا۔ دو چار ہی
...لاتوں میں اس کی ساری مدافعت دم توڑ گئی اور وہ
...ملیے گھگیانے لگا۔ میں نے اس کی گردن پر ایک بھرپور
...رسید کیا اور جھپٹ کر پستول اپنی تحویل میں لے لیا۔

وہ اپنا سر گھٹنوں میں دیے فرش پر بیٹھا کراہتا رہا شاید
...اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر اس نے مزید سکت کا اظہار کیا تو اسے مزید تشدد سہنا ہوگا جس کی مدافعت اس کے بس سے باہر تھی۔

میں بھرا ہوا پستول ہاتھ میں تھامے اپنی جگہ چوکنا کھڑا رہا۔ عزیز کے ساتھ میری نگاہیں بائیں حصے سے آنے والی راہداری کا بھی جائزہ لے رہی تھیں۔ تاکہ آنے والے کا فوری استقبال کیا جا سکے۔

راہداری میں بے ترتیب سی آہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید آنے والا مجھے یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ عزیز کی طرح وہ بھی نشے میں ہے۔ میں نے فوری طور پر اپنی جگہ قدرے تبدیل کرلی تاکہ آنے والا مجھے براہِ راست نشانہ نہ بنا سکے۔ شیڈ چاروں طرف سے بند ہونے کی وجہ سے وہاں دن میں بھی روشنی ناکافی ہی تھی جسے پورا کرنے کے لیے راہداری میں روشنیاں جل رہی تھیں۔ راہداری سے شیڈ کے فرش پر پڑنے والے روشن مستطیل میں مجھے ایک سایہ لڑکھڑاتا نظر آیا۔ آہٹیں آتی رہیں اور وہ ناقابلِ فہم انسانی سایہ دراز تر ہوتا چلا گیا اور جب وہ ہیولا غیر محتاط انداز میں راہداری سے برآمد ہوا تو میں حیرت سے تقریباً چیخ اٹھا۔

وہ رخشی تھی اور نشے میں بُری طرح دھت نظر آ رہی تھی۔

"ہا ئیں... کس نے... پکارا؟" میری چیخ سن کر وہ وہیں رک کر لہراتے ہوئے منمنائی۔

"ہوش میں آؤ رخشی!" میں نے عزیز سے ہٹ کر اس کے قریب جا کر اس کے رخسار پر یک وقت کئی تھپڑ برسا دیے۔ "میں ڈینی ہوں۔ ڈینی۔ یہ کیا حال بنا رکھا ہے تم نے؟"

"ڈے... نی" وہ ہچکی لے کر بڑبڑائی۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم رنگ میں بھنگ کرو گے۔ ذرا دیر بعد ہی آجاتے تو کیا بگڑ جاتا تمہارا؟ اور وہ کہاں گیا، میرا پالتو گینڈا؟ وہ تو بس دروازہ دیکھنے آیا تھا... اسے بلاؤ نا۔"

غصے سے میرا خون کھول اٹھا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کا دامن کبھی بھی پارسائی کے داغ سے آلودہ نہیں ہونے پایا تھا لیکن پھر بھی بے غیرتی اور کمینگی کی ایک حد ہوتی ہے میرا بایاں ہاتھ پوری قوت کے ساتھ گھوم گیا۔ چٹاخ کی آواز کے ساتھ وہ بھی ایڑیوں کے بل پر گھومتے ہوئے ہلکی سی چیخ مار کر فرش پر ڈھیر ہوگئی۔

وہ تماشا دیکھ کر عزیز اپنا دکھ فراموش کر بیٹھا تھا اور گھٹنوں سے سر اٹھائے تشویش زدہ انداز میں مجھے گھورے جا رہا تھا۔ جوں ہی میں طیش کے عالم میں اس کی طرف پلٹا" وہ بلبلاتا ہوا

فرش سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"مم... میں بالکل بے قصور ہوں۔" وہ پیچھے ہٹتے ہوئے ہکلایا۔ "یہ قاسم کی زندگی میں بھی مجھ پر نظر رکھتی تھی لیکن قاسم کی وجہ سے میں ہمیشہ اس سے دور رہا۔ آج اس نے خود ہی شراب نوشی کی تجویز پیش کی تھی..."

میرے بھرپور تھپڑ نے اس کی زبان بند کر دی اور وہ برے برے منہ بناتے ہوئے خون تھوکنے لگا۔

"اسے یہاں کون لایا تھا؟" میں نے غضبناک لہجے میں سوال کیا۔

"قق... قاسم کا ایک دوست لایا تھا... بلکہ یہ خود اس کے ساتھ آئی تھی۔" اس نے مار سے بچنے کے لیے جلدی سے جواب دیا۔

"نام کیا ہے قاسم کے اس دوست کا؟" میں نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں دریافت کیا۔

"ظہور... راجہ ظہور احمد۔" اس نے گہرے گہرے سانسوں کے درمیان بعجلت جواب دیا۔

"تمہارا کیا تعلق ہے اس سے؟" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے سوال کیا۔

"بس قاسم کے حوالے سے دوستی ہے، کبھی کبھار چھوٹے موٹے کام لیتا رہتا ہے جس کا پورا معاوضہ دیتا ہے۔ رخشی کے معاملے میں بھی پانچ ہزار کا وعدہ کر کے گیا ہے۔"

"واپس کب آئے گا؟" میں نے پہلو بدلتے ہوئے سوال کیا۔

"آج کی رات شاید یہیں بسر کرے گا، شہر میں وہ کسی سے خائف معلوم ہوتا ہے۔"

"رخشی کے علاوہ یہاں اور کتنے قیدی ہیں؟"

"کک... کوئی بھی نہیں۔" اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا اور ایک بار پھر میں نے طیش میں آکر اس کا جبڑا سہلا دیا اور اس کی ٹھوڑی کی کھال بری طرح ادھڑ گئی۔ اس نے اپنے جواب کی تصحیح کرنے میں تاخیر کی تو میں نے دوسرا مکا بھی رسید کر دیا اور اس بار وہ ہل کر رہ گیا۔

"ٹھٹ... ٹھہرو... سب بتاتا ہوں۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر مجھے روکتے ہوئے گڑگڑایا پھر جلدی سے بولا۔ "یہاں ایک اور بھی قیدی موجود ہے لیکن اس کا ظہور سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"کون ہے وہ؟" میں نے درشت لہجے میں سوال کیا۔

"جج... جہانگیر!" وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولا اور میں نے ایک مرتبہ پھر اسے لاتوں اور مکوں پر رکھ لیا۔ اس کی حالت اس قدر ابتر ہو چکی تھی کہ اس نے مجھ پر ایک بار بھی ہاتھ اٹھانے کی کوشش نہیں کی بلکہ مسلسل مدافعت ہی کرتا رہا۔

"اسے کیوں اٹھایا گیا تھا؟"

"میں اے لٹو کے لیے بھی کام کرتا ہوں۔" اپنے منہ سے خون صاف کرتے ہوئے وہ رک رک کر بتلانے لگا۔ "تین دن پہلے اسی کی طرف سے فون پر حکم ملا تھا کہ جہانگیر کو اٹھوا کر بند کر دوں، اسے شبہ ہے کہ پچھلے دنوں ہماری دو کھیپیں جہانگیر کی بے پروائی کی وجہ سے پکڑی گئی ہیں لیکن وہ اس الزام کو قبول کرنے سے انکار کر رہا ہے۔"

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" اچانک رخشی کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ "میں تھک گئی ہوں، مجھے ڈسٹرب نہ کرو۔"

میرا دل چاہا کہ ایک مرتبہ پھر اس کی مرمت کر ڈالوں تاکہ اس کا نشہ ہرن ہو جائے لیکن میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس وقت عزیز میرے لیے زیادہ اہم تھا اور وہ اس درجہ پر آ گیا تھا کہ میں اس کی طرف سے ذرا بھی غفلت برتتا تو وہ فوراً ہی وہاں سے بھاگ نکلتا۔

"ظہور کو معلوم ہے کہ جہانگیر یہاں قید ہے؟" میں نے رخشی کو نظر انداز کر کے عزیز پر جرح جاری رکھی۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا... میرے لیے ظہور تنظیم سے باہر کا آدمی ہے۔"

"حالانکہ وہی خود اے لٹو ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا اور عزیز کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی کے ساتھ پھیلتی چلی گئیں۔ میں نے اسے توڑنے کے لیے فوری طور پر ایک شوشہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ "اور تم بھی اس کی نگاہ میں آ گئے ہو۔ ایک طرف وہ اے لٹو کی پراسرار اور خفیہ حیثیت میں تم کو احکام دیتا ہے اور دوسری طرف ظہور کے روپ میں قریب سے تمہاری کڑی نگرانی بھی کرتا ہے، جس دن ذرا بھی چوک ہوئی، وہ بہت بے رحمی کے ساتھ تمہیں ذبح کر ڈالے گا۔"

"نہیں، وہ اے لٹو نہیں ہو سکتا۔" وہ پھریری لے کر بے اعتباری کے ساتھ بڑبڑایا۔

"وقت آنے پر تمہیں خود معلوم ہو جائے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "چلو! جہانگیر کدھر ہے؟"

"پہلے اس کا نشہ زائل کرنے کی کوشش کرو۔" وہ رخشی کی طرف دیکھتے ہوئے تشویش زدہ انداز میں بولا۔ "اگر ظہور ہی اے لٹو ہے تو میری اس خیانت کو ہرگز برداشت نہیں کرے گا۔"

میری زبان سے اپنے لیے ایک خطرے کا انکشاف سنتے ہی وہ ذہنی طور پر مجھ سے قریب آ گیا تھا لیکن اس ک

مفاد سے قطع نظر میرے لیے بھی یہی بہتر تھا کہ رخشی اس حالت میں کسی جھگڑے میں ملوث نہ ہو۔

میں نے شیڈ کا داخلی دروازہ اندر سے بولٹ کر کے عزیز کی جیبوں کی تلاشی لے ڈالی لیکن اس کے پاس سے کوئی ہتھیار برآمد نہ ہو سکا پھر میں نے اسے رخشی کو سہارا دے کر اندر لے چلنے کی ہدایت کی۔

عام حالات میں شاید وہ اس کام کو خوشگوار فریضہ سمجھ کر انجام دیتا لیکن اس وقت اسے رخشی کو سہارا دے کر فرش پر سے اٹھا کرنا دشوار ہو گیا اور آخر کار میں ان دونوں کے پیچھے راہداری میں ہو لیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد عزیز بائیں طرف ایک کھلے ہوئے دروازے میں گھس گیا اندر گھستے ہی مجھے ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ اسی کمرے میں ایک دیوار گیر ائیر کنڈیشنر موجود تھا خواب گاہ نما کمرے کی ابتر حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے پہنچنے سے قبل محفلِ ناؤ نوش وہیں جمی ہوئی تھی۔ عزیز نے رخشی کو ایک بستر پر ڈال دیا۔

کمرے میں رکھے ہوئے ریفریجریٹر سے ٹھنڈے پانی کی دو بوتلیں نکال کر میں نے رخشی کے سر پر انڈیلیں تو وہ ہڑبڑا کر اندھے کی طرح فضا میں ہاتھ چلاتے ہوئے یوں اٹھی تھی جیسے اس کا سانس اکھڑ رہا ہو۔

"چلے آؤ۔" میں نے بے پروائی سے عزیز سے کہا "تھوڑی دیر میں حواس ٹھکانے آ جائیں گے۔" باہر نکل کر میں نے دروازے کی کنڈی چڑھا دی۔

راہداری کے آخری سرے پر عزیز نے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر روشنی کی تو جہانگیر کو دیکھتے ہی مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ فرش پر اس حالت میں پڑا ہوا تھا کہ دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے، پیر بھی مضبوط رسی میں جکڑے ہوئے تھے اور منہ پر ٹیپ چپکا ہوا تھا اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ان میں کرب اور نفرت کی سرخی رچی ہوئی تھی۔ سرخ آنکھوں کے گرد پڑے ہوئے سیاہ حلقے بہت بھیانک لگ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے وہاں بھوکا پیاسا قید رکھا گیا ہو۔

مجھے دیکھتے ہی جہانگیر کی آنکھوں میں عجیب وحشیانہ سی چمک کوند گئی تھی اور بے بس ہونے کے باوجود اس نے بندشوں سے زور آزمائی شروع کر دی تھی۔ اس سے پہلے کہ اس کی قہر بار نظریں عزیز سے دوچار ہوتیں، وہ سر جھکائے آگے بڑھا اور اس نے جہانگیر کے دہانے سے ٹیپ ہٹا دیا۔ لبوں کو آزادی ملتے ہی جہانگیر پھٹ پڑا۔

"مجھے اب زندگی کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ یہ سب بھیڑیے اور درندے ہیں، میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم انہیں زک دے کر مجھ تک پہنچ سکو گے... یہ حرامزادہ مجھے دن میں صرف دو بار پانی دیتا رہا ہے جب سے اس کے ہاتھ لگا ہوں ایک کھیل بھی اڑ کر میرے منہ میں نہیں گئی ہے۔" اس کی غصیلی آواز پر لرزہ خیز نقاہت چھائی ہوئی تھی۔

"اس کی بندشیں کھول دو۔" میں نے اپنے غصے پر قابو رکھتے ہوئے عزیز کو حکم دیا اور وہ جھجکتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

جہانگیر کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے، زبان تالو سے چپکی جا رہی تھی لیکن وہ طویل زبان بندی سے نجات ملنے کے بعد مسلسل بولے جا رہا تھا۔ عزیز نے پہلے اس کے ہاتھ آزاد کیے۔ میں نے محسوس کیا کہ اس نے ہاتھ کو حرکت میں لا کر عزیز کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی کوشش کی لیکن طویل عرصے سے ایک ہی پوزیشن میں مسلسل بندھے رہنے کے باعث اس کے عضلات سن ہو چکے تھے یا اکڑ کر رہ گئے تھے وہ کوشش کے باوجود ہاتھ تک نہ ہلا سکا۔

آزادی ملنے کے بعد بھی جہانگیر فرش پر پڑا ہاتھ پیروں کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کی دونوں کلائیوں پر رسیوں کے خون آلود نیل پڑ چکے تھے اور ہاتھوں پر ورم آیا ہوا تھا، پنڈلیوں کی حالت بھی کم و بیش ویسی ہی تھی۔

اس دوران میں عزیز کی ایک ایک حرکت میری نگاہ میں تھی اور میں محسوس کر رہا تھا کہ اسے لڑکی کی طرف سے جان کے خطرے کے انکشاف نے اسے بالکل توڑ کر رکھ دیا تھا اور وہ میرے ساتھ مصالحانہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھا۔

میں نے پستول جیب میں رکھ لیا اور عزیز کے ساتھ جہانگیر کو سہارا دے کر اس کمرے کی طرف لے گیا جہاں مدہوش رخشی بند تھی۔ شاید ٹھنڈے پانی نے اس کا نشہ ہرن کر ہی دیا تھا کیونکہ ہمارے راہداری میں نکلتے ہی اس نے آہٹیں سن کر اندر سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی وہ ناگفتہ مغلظات بھی بک رہی تھی۔

باہر سے کنڈی کھولتے ہی وہ برہمی کے عالم میں ہم تینوں پر آ پڑی تھی۔ وہ لاکھ صحت مند اور مشتعل سہی لیکن تھی ایک عورت ہی جو چار مرد کی بھی ہو تو روایتاً اور اخلاقاً "سبک اندام" ہی قرار دی جاتی ہے۔ ہم تینوں نے اس کا شدید تصادم بڑی آسانی سے سہہ لیا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس کے سر پر پڑنے والی ٹھنڈے پانی کی دو بوتلوں نے اپنا کام دکھا دیا تھا۔

پانی کی چند دھاروں نے دماغ کی ان رگوں کی خوب آبیاری کی تھی جو سوکھ جائیں تو جبلت کے معاملے میں انسان کو پل بھر میں حیوان کی صف میں لاکھڑا کرتی ہیں۔

ہم نے اس کا تصادم سہہ لیا لیکن جب اس نے لڑکھڑا کر پیچھے ہٹتے ہوئے عناصرِ ثلاثہ کا تجزیہ کیا تو اس کی خوب صورت اور خمار آلود نگاہیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"گینڈا... جہانگیر اور تم۔" اس کے یاقوتی ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ وہ دیکھ ہم تینوں کو رہی تھی لیکن فقرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مخاطب مجھ سے ہی تھی۔ "تم سب یہاں کیسے یکجا ہو گئے؟ میں تو ظہور کے ساتھ تفریحاً نکلی تھی پھر وہ مجھے یہاں گینڈے کے ساتھ چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا۔ تم دونوں کہاں سے آ ٹپکے؟"

"گینڈے نے انڈے دیے تھے، ان ہی میں سے برآمد ہوئے ہیں۔" میں نے جہانگیر کو اندر لے جاتے ہوئے جل کر کہا۔

"کیا جہانگیر یہیں ملا ہے؟" کچھ دیر کے توقف کے بعد اس نے سوال کیا۔ اس کے حواس بحال ہو چکے تھے لیکن زبان پر ابھی تک لکنت طاری تھی۔

"یہ شروع سے یہیں قید تھا۔" عزیز نے آہستگی سے کہا۔

"لیکن تم نے مجھے تو نہیں بتایا تھا۔" وہ برہم ہو کر بولی۔

"تم نے پوچھا ہی کب تھا؟" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "اور پھر جہانگیر، اے ٹو کا قیدی تھا۔ تم ظہور کی دوست بن کر آئی تھیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ فریج کی طرف متوجہ ہو گیا کیونکہ جہانگیر کی حالت بھوک کی شدت سے بہت ابتر تھی۔

"تم ظہور کے ساتھ اپنی مرضی سے آئی تھیں؟" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ظاہر ہے۔ وہ میرا اپنا دوست ہے۔" اس نے شانے اچکا کر کہا۔

"تمہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ تم نے ذرا ہی دیر پہلے فون پر مجھے اپنے گھر بلایا تھا؟" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"یہاں تو لنگر جاری رہتا ہے۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ مسکراتے ہوئے بولی۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ میں یہاں پھنس جاؤں گی۔ یہی خیال تھا کہ ایک آدھ گھنٹے میں لوٹ آؤں گی۔"

"اور اپنا مکان کسی گبرے بھکاری کو خیرات کر آئی تھیں؟" میرا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔

"وہ ظہور کی ذہنی اپج تھی۔ میں نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔"

"ظہور کا تنظیم سے کیا تعلق ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے بڑے اعتماد لہجے میں جواب دیا۔ "بس قاسم کا دوست تھا، اسی بہانے مجھ سے بھی دوستی ہو گئی۔ کبھی کبھار دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ملنے آ جاتا ہے۔ لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"پوچھنا ہی پڑ رہا ہے کیونکہ ظہور ہی اے ٹو ہے۔" میرے الفاظ سن کر وہ ہکا بکا رہ گئی۔ پھر اس کے چہرے پر زردی پھیلتی چلی گئی۔

"شاید بازی ہمارے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی مایوسانہ آواز برآمد ہوئی۔ "تین دن پہلے اے ٹو نے بذاتِ خود مجھے فون پر جہانگیر کی خبر دی تھی اور بتایا تھا کہ جہانگیر کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر تنظیم کی جڑوں پر کاری ضرب لگانے کی تیاری کر رہا ہے لہٰذا اس نے جہانگیر کو اٹھوا لیا ہے اور اب ایسی چال چلنے والا ہے کہ سازش کے تمام مہروں کو یکجا کر کے اس طرح موت کے گھاٹ اتارے گا کہ دوسرے بغاوت کے تصور ہی سے لرزہ براندام ہو جائیں گے۔" وہ ایک مختصر سی ہچکی لے کر سینہ صاف کرنے کے لیے خاموش ہوئی پھر بولنے لگی۔ "اور آج ہم سب یہاں یکجا ہو گئے ہیں۔ جہانگیر کو اس نے اے ٹو بن کر اغوا کرایا۔ مجھے ظہور کے دوستانہ روپ میں یہاں لا چھوڑا شاید اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ گینڈا قاسم کی زندگی ہی میں میری کمزوری بن گیا تھا اور اس سے مل بیٹھنے کے بعد میں سب کچھ فراموش کر دوں گی۔ تمہارے بارے میں جب میں نے اسے بتایا کہ تم تھوڑی دیر بعد میرے گھر پہنچنے والے ہو تو وہ بہت ہنسا تھا اور اسی وقت اس نے ایک بھکاری کو مکان کا متولی بنانے کا فیصلہ کیا تھا اور مجھ سے بڑے اعتماد لہجے میں کہا تھا کہ دیکھ لینا، ڈینی تمہاری بو سونگھتا آخر کار وہیں پہنچ کر دم لے گا جہاں میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس وقت ظہور کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھیں لیکن اب اس کا ایک ایک لفظ واضح ہوتا جا رہا ہے۔"

"تم لوگ تو اس کے معتوب ہو لیکن مجھے وہ کس جرم کی پاداش میں گھیر رہا ہے؟" عزیز نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں تو ہمیشہ سے اس کے احکام کی تعمیل کرتا آیا ہوں۔"

"وفاداری اور بغاوت کے بارے میں اس کے اپنے تصورات ہیں۔" میں نے کہا۔ "کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس بات پر گرفت کر بیٹھے۔"

وہ خورد و نوش کی کئی اشیا جہانگیر کے سامنے رکھ چکا تھا اور وہ جنم جنم کے بھوکے کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑا تھا اور میں تیزی کے ساتھ یہ سوچنے میں مصروف تھا کہ اب اے ٹو کے بارے میں کیا حکمتِ عملی اختیار کی جائے۔

یہ غنیمت تھا کہ جہانگیر بازیاب ہو چکا تھا۔ اے ٹو نے رخشی کو ٹھکانے لگانے کی کوشش میں بھی مُنہ کی کھائی تھی لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ اب ہمارا زیادہ دیر تک شیڈ پر گزارنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ اے ٹو نے رخشی سے اس یقین کا اظہار کیوں کیا تھا کہ میں اس کی بُو سونگھتا ہوا آخر کار وہیں پہنچوں گا جہاں وہ مجھے گھیرنا چاہتا تھا۔

مجھے امکان کچھ ایسا نظر آ رہا تھا کہ رخشی کو وہاں چھوڑنے کے بعد شاید وہ اے ٹو کے روپ میں سیاہ پوش بن کر رات گئے کسی وقت وہاں آتا اور عزیز پر اپنی پُراسراریت کا بھرم رکھتے ہوئے جہانگیر اور رخشی کا کام تمام کر دیتا۔ آخر کار میں نے فوراً ہی وہاں سے روانگی کا فیصلہ کر لیا۔ میرے عزائم سے واقف ہوتے ہی عزیز کچھ سراسیمہ نظر آنے لگا۔

"تم لوگوں کے نکل جانے کے بعد تو وہ مجھے ہرگز معاف نہیں کرے گا۔" اس نے متذبذب لہجے میں کہا۔ وہ ظہور کی حیثیت میں آیا تھا مگر کہہ گیا تھا کہ میں اس کی واپسی تک رخشی کو کڑی نگرانی میں رکھوں ہو سکتا ہے کہ اب وہ نقاب پوش ہی بن کر واپس آئے۔"

"یہ تمہارا مسئلہ ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "اس کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہو تو خاموشی کے ساتھ بھاگ نکلو۔"

وہ پھیکے سے انداز میں ہنس پڑا۔ "تم اسے جانتے ہی ہو، بھاگ کر اس سے کہاں تک بچ سکوں گا؟"

"میری مثال تمہارے سامنے ہے... ابھی تک نہ صرف بچا ہوا ہوں بلکہ اس کے لیے مسائل بھی کھڑے کر رہا ہوں۔ اصل مسئلہ صرف تھوڑی سی جرأت کا ہے۔ جرأت ہے تو مقابلہ کرو گے ورنہ مارے جاؤ گے۔"

"اور اگر میں تمہارے ساتھ آنا چاہوں؟" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"شوق سے آؤ لیکن ہمارے پاس بس کام ہی کام ہے، آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اپنا گزارا تمہیں خود کرنا ہوگا۔"

پھر ہم وہاں سے بہت عجلت میں روانہ ہوئے تھے، عزیز ہمارے ساتھ نہیں تھا۔ اس کا چوکیدار اس وقت بھی کوٹھری میں بیہوش پڑا ہوا تھا۔

رخشی اس معاملے میں عزیز سے بدرجہا بہتر ثابت ہوئی اور راستے ہی میں ایک جگہ اتر گئی۔ تجربے کے اعتبار سے وہ بہت گھاگ عورت تھی، اس کا فوری طور پر اسٹون ہاؤس جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ وہ عمارت نہ صرف ظہور کی نظروں میں تھی بلکہ ایک قتل ہو جانے کے سبب پولیس کی بھی نگاہوں میں آ گئی ہوگی۔

اس کا خیال تھا کہ وہ چند دن اپنے کسی قابلِ اعتماد شناسا کے ساتھ رہ کر صورتِ حال کا جائزہ لے گی جبھی آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں کچھ طے کرے گی۔ تازہ ترین واقعات نے اس کی خود اعتمادی کو کسی حد تک مجروح ضرور کیا تھا لیکن ذہنی طور پر وہ ناکارہ نہیں ہوئی تھی۔ جبکہ جہانگیر کی ذہنی اور جسمانی حالت بہت ابتر تھی۔

اس پر رہ رہ کر جھلاہٹ سوار ہو رہی تھی اور وہ تنظیم کو بے تحاشا گالیاں بکے جا رہا تھا۔ اس کی بیوی سلمیٰ اس کی گمشدگی کی طرف سے بہت زیادہ فکرمند تھی لیکن میں جہانگیر کو ایسی حالت میں اس کے گھر چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ وہ اے ٹو کی نگاہوں میں موت کا سزاوار ٹھہرایا جا چکا تھا، عزیز کی تحویل سے اس کی رہائی اے ٹو کو دیوانہ کر دینے کے لیے کافی ہوتی اور عین ممکن تھا کہ وہ جھلاہٹ میں بذاتِ خود جہانگیر کے مکان پر چڑھ دوڑتا۔ ایسی صورت میں جہانگیر کسی طرح بھی اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں تھا۔

رخشی کو راستے میں اتار کر میں جہانگیر کو اپنے ہمراہ سیدھا غزالہ کے مکان ہی کی طرف لیتا چلا گیا جہاں میری دانست میں وہ بالکل محفوظ رہتا۔ اس کے بعد میں اپنی حکمتِ عملی اختیار کرنے کے لیے آزاد ہو جاتا۔

گھر پہنچنے پر سب سے پہلے غزالہ کے باپ سے سامنا ہوا اور اس نے جہانگیر کے بارے میں سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"یہ جہانگیر ہے۔ میرا بہت پرانا اور جگری دوست۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "یہ کم از کم آج کی رات یہیں گزارے گا۔"

کرنل تنویر زیدی کی آنکھوں میں بے پناہ تجسس اور سوال ناچ رہے تھے لیکن میرے خشک انداز نے اسے وہاں سے ٹل جانے پر مجبور کر دیا۔

"یہ تم مجھے کہاں لے آئے؟" تخلیہ ہوتے ہی جہانگیر نے سختی سے میرا بازو تھام کر سوال کیا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اپنے گھر لایا ہوں، یہاں تم محفوظ رہو گے۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"مگر میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں۔ اپنے گھر۔" وہ مجھے جھنجوڑتے ہوئے بولا۔ "تم سُن رہے ہو؟ وہاں سلمیٰ کا بُرا حال ہو رہا ہوگا۔"

"ہوش میں رہو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "مجھے سلمیٰ کی پریشانی کا علم ہے، میں اس سے بات کر چکا ہوں اور ابھی

اسے بتا دوں گا کہ تم بحفاظت میرے ساتھ موجود ہو بلکہ اسے
بھی فوری طور پر گھر چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہونا ہوگا۔"
وہ سر جھکا کر خاموش ہو گیا اور میں اسے ہمراہ لیے اندر
چل دیا۔
میں جہانگیر کو کامران کے کمرے میں لے جانا چاہتا تھا لیکن
وہ فوری طور پر سلمٰی سے بات کرنے کے لیے بے چین ہوا جا رہا
تھا لہٰذا میں اس کے ہمراہ وہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔
لائن ملتے ہی دوسری طرف سے سلمٰی کی کرب آلود، بھرّائی
ہوئی آواز سنائی دی۔ شاید وہ اپنے شوہر کے بارے میں کسی اچھی
خبر کی امید میں فون ہی سے لگی بیٹھی تھی۔
"میں ڈپٹی بول رہا ہوں سلمٰی۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے
میں کہا۔ "جہانگیر بالکل صحیح سلامت میرے ساتھ موجود ہے۔"
"تیرا شکر ہے خدایا۔" اس کی تشکر آمیز آواز سنائی دی۔ "میرے
تو کان ترس گئے تھے یہ خبر سننے کے لیے مگر وہ گھر کیوں نہیں آئے؟
میری بات تو کرا دو اُن سے۔"
جہانگیر نے میرے ہاتھ سے ریسیور چھین لینا چاہا لیکن
میں نے اسے پرے دھکیل دیا اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "وہ خود
تم سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے لیکن میں نے اُسے روکا
ہوا ہے، وہ کچھ دشمنوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ فی الحال اسے ان
کے چنگل سے نجات مل گئی ہے لیکن ابھی خطرہ دور نہیں ہوا ہے
وہ دوبارہ اسے گھیرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ تم فوراً اپنے کسی
عزیز کے یہاں منتقل ہو جاؤ۔ خطرہ ٹلتے ہی جہانگیر تم سے آ ملے گا۔"
یہ کہہ کر میں نے ریسیور جہانگیر کو تھما دیا۔
مجھے حیرت تھی کہ باہمی ناچاقیوں کے باوجود ان دونوں
کے درمیان جذباتی گفتگو کا دورانیہ خاصا طویل تھا۔ مجھ جیسے
عملی آدمی کے لیے وہ تمام گفتگو بالکل مہمل تھی مگر میں نے یہ
بات ضرور نوٹ کی کہ جہانگیر نے اپنی بیوی کو میرے مشورے پر
حرف بحرف عمل کرنے کی ہدایت کی تھی۔
جہانگیر کو اس کی نئی قیام گاہ یعنی کامران کے کمرے میں
چھوڑ کر میں واپس لوٹا تو غزالہ میری منتظر تھی۔ گھر میں داخل ہونے
کے بعد اس سے میرا سامنا ہی نہیں ہوا تھا۔
اس کی استفسار طلب نگاہوں کے جواب میں، میں نے
فوراً ہی جہانگیر کی کہانی مختصر الفاظ میں دُہرا دی۔
"میں نے پردے کی اوٹ سے دیکھا تھا، اس کا تو حال ہی
ابتر ہو رہا ہے۔ پہچانا بھی نہیں جا رہا تھا۔" اس نے جھرجھری لے
کر کہا۔
"تم نے پہلے کب دیکھ لیا تھا اسے؟" میں نے چونک کر
سوال کیا۔
"اتنی جلدی بھول گئے آپ؟" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں
بولی۔ "میں جہانگیر ہی کے گھر میں تو قید تھی جو اس کی بیوی نے
مجھے وہاں سے نکال دیا تھا۔ اب تو اس کے چہرے کا رنگ تک
سیاہ پڑ گیا ہے۔"
اور گزرے ہوئے تمام واقعات میرے ذہن میں تازہ ہو
گئے۔ اس وقت جہانگیر نے غزالہ کے معاملے میں بڑی فراست سے
کام لیا تھا ورنہ وہ لے لوٹ کے ہاتھوں میں پہنچ گئی ہوتی۔ شاید اس
بار قدرت نے مجھے اس کا وہی احسان اتارنے کا موقع فراہم کیا تھا۔
"آؤ، میں تمہیں اس سے ملوا دوں۔" میں نے غزالہ کا ہاتھ
تھام کر کہا کیونکہ غزالہ کا معاملہ اس حد تک بڑھ جانے کے باوجود
جہانگیر میرے اور غزالہ کے تعلق سے واقف نہ ہو سکا تھا۔
"اس سے بعد میں مل لوں گی پہلے ایک اہم بات سُن لیں۔"
وہ مزاحمت کرتے ہوئے بولی۔ "آپ کی غیر موجودگی میں سلطان شاہ
کا فون آیا تھا وہ شام کو آٹھ سے نو بجے تک لاہور کے ایک نمبر
پر آپ کا انتظار کرے گا۔"
"کیا کہہ رہا تھا؟" میں نے بے تابانہ لہجے میں سوال کیا۔
"مجھ سے کھل کر بات نہیں کی۔" وہ بولی۔ "بتا رہا تھا کہ شوگر
کوئین چھلاوا بنی ہوئی ہے، ابھی اس تک رسائی نہیں ہو سکی البتہ
وہ لائیڈز کالج میں نوکری کے لیے کسی کو گانٹھنے میں کامیاب ہو
گیا ہے اور اسی سلسلے میں آپ سے مشورہ لینا چاہتا ہے۔"
"میں آج صبح ہی تو آیا ہوں۔" میں نے اُلجھن محسوس کرتے
ہوئے کہا۔ "اسے اتنی جلدی فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔
ان دونوں میں سے تو کوئی بھی بات اتنی اہم نہیں ہے۔"
"میں نے کہا نا کہ وہ مجھ سے کچھ چھپا رہا تھا، میرے
ڈانٹنے پر بے حیائی کے ساتھ ہنس دیا تھا۔" وہ منہ بنا کر بولی۔
"دیکھا جائے تو ڈیڈی اس سے ٹھیک ہی چڑتے ہیں، وہ آپ
کے علاوہ کسی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا اپنے
مخاطب کو چڑانے پر تلا بیٹھا رہتا ہو۔"
"خیر شام کو اس کی خبر لوں گا، تم ذرا میرے ساتھ آؤ۔"
جہانگیر غزالہ پر نگاہ پڑتے ہی حیرت سے یوں اُچھلا تھا
جیسے غلطی سے اس کا ہاتھ بجلی کے ننگے تار پر پڑ گیا ہو۔ "یہ...
یہ تو وہی لڑکی ہے جسے سلام نے جیوا ہاؤس میں پہنچایا تھا...!" وہ حیرت
سے ہکلاتے ہوئے بولا۔
"جسے وہاں سے تم اپنے گھر لے آئے تھے اور وہاں سے
تمہاری بیوی نے اسے بھگا دیا۔" میں نے اس کی بات پوری
کرتے ہوئے کہا۔ "اور آج کی تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ تم اسی

لڑکی کے گھر میں مقیم ہو۔"

" مگر اے ٹو تو اس کے لہو کا پیاسا ہو رہا ہے۔ اسے ہر قیمت پر زندہ یا مردہ پکڑوانا چاہ رہا ہے... اس سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟" اس کے لہجے پر بدستور حیرت غالب تھی۔

" اے ٹو تو اب اپنے زخموں کو چاٹے گا... اس لڑکی کا نام غزالہ ہے، میری بہترین دوست ہے اور میری غیر موجودگی میں یہی تمہاری دیکھ بھال کرے گی، بس یہ خیال رکھنا کہ باہر ملنے والے بڑے میاں غزالہ کے باپ ہیں، صرف باپ ہی نہیں بلکہ ریٹائرڈ کرنل بھی ہیں۔ اختلافِ رائے کو عموماً زبانی طور پر دور کرنا پسند نہیں کرتے..."

" کیوں غیر ضروری باتیں کر رہے ہیں۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے مجھے ٹوک دیا۔ "ڈیڈی اتنے بھی مشتعل مزاج نہیں ہیں۔"

" اگر وہ مجھے برداشت کر لیتے ہیں تو ضروری نہیں کہ دوسروں کو بھی اتنی ڈھیل دے سکیں۔"

" اس تعارف سے میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں اس کی بنیاد پر مجھے تم کو مبارکباد دینا چاہیے۔" جہانگیر نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "تمہارا انتخاب واقعی قابلِ داد ہے۔ سلمٰی سُنے گی تو کسے بہت خوشی ہوگی کہ اس نے نادانستگی میں تمہاری ہونے والی بیوی کی مدد کی تھی۔ لیکن تم انھیں اس مار دھاڑ میں کہاں اُلجھا بیٹھے؟"

" کسی سے ذکر نہ کرنا۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "جب تک اے ٹو کا قصّہ ختم نہیں ہو جاتا، میں غزالہ کے بارے میں پوری رازداری برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔"

" چلو کچھ دن اور سہی۔" وہ ہنس کر ذرا خدلانہ لہجے میں بولا۔

" مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ تم نے اپنی بے لگام زندگی کو ایک راستے پر ڈالنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

" ابھی ہم صرف دوست ہیں۔" میں نے زور دے کر کہا۔

" وقت آنے پر دیکھا جائے گا کہ ہمارے درمیان کہاں تک مفاہمت موجود ہے۔ ابھی تک تو غزالہ نے ہر جگہ میرا ساتھ دیا ہے۔"

آتشِ تنکم سرد ہونے کے بعد سلمٰی سے ہونے والی گفتگو نے جہانگیر کے اعصاب پر خاصا خوشگوار اثر ڈالا تھا، پھر وہ غزالہ کے سامنے خود کو بہت زیادہ شائستہ اور خوش مزاج ظاہر کرنے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔

" شاید تمھیں علم نہ ہو لیکن اے ٹو کا شروع ہی سے یہ قیاس تھا کہ لاہور میں مشکلات کو جنم دینے والی لڑکی کا کسی نہ کسی طرح تم سے ضرور تعلق تھا لیکن تم کسی نہ کسی طرح اپنی ذات کو الگ رکھنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔"

" پرانی باتوں کو دُہرانا اب بے سود ہے۔" میں نے اسے آنکھ سے اشارہ کر کے کہا۔ "اب تو تم بھی معتوب ہو گئے ہو۔ دیکھنا یہ ہے کہ اے ٹو سے ہماری گلوخلاصی کیسے ہوتی ہے۔ اس دوران میں تم میری اجازت کے بغیر اس مکان سے باہر نہیں نکلو گے۔"

" مجھے یہ پوچھنا تو یاد ہی نہیں رہا کہ رخشی وہاں کیسے پہنچ گئی تھی؟" اس احمق نے اچانک ہی ایک غلط موقع پر وہ نازک سوال کر ڈالا اور غزالہ کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ تیر گئی۔

" کیا وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، درست ہی تھا؟" اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے سوال مکمل کیا۔

" بالکل درست کہہ رہی تھی۔ اگر وہ مجھے نہ اکساتی تو شاید میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہی بیٹھا رہتا۔" میں نے غزالہ کی مسکراہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "اسی نے فون پر مجھ سے کہا تھا کہ تم خطرے میں ہو اور اگر فوری طور پر قدم نہ اٹھایا گیا تو دنیا کی کوئی طاقت تمھیں مرنے سے نہ بچا سکے گی، بس میں اسی پیغام پر نکل کھڑا ہوا تھا۔"

" تو وہ ملی تھی آپ سے؟" غزالہ نے سوال کیا۔

" نہیں بابا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اس کے مکان پر ایک کبڑے بھکاری کا راج تھا۔ رخشی کو میرے پہنچنے سے پہلے اے ٹو اُڑا لے گیا تھا۔ دیکھا جائے تو آج وہ بھی بال بال بچی ہے۔"

" تم سے بڑی مانوس ہے۔" مصائب ٹلنے کے ساتھ ہی جہانگیر کی کھوپڑی میں کیڑے کلبلانے لگے تھے۔ غزالہ کے سوال سے اس نے موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے آہستگی سے ایک شگوفہ چھوڑ ہی دیا۔

" یہ بھی خوبی کی بات ہے۔" غزالہ نے بُرا ماننے کے بجائے براہِ راست اسے جواب دے کر مجھے حیران کر دیا۔ "بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہاں سے پرائے تو پرائے، اپنی عورتیں بھی عمر بھر مانوس نہیں ہو پاتیں۔"

" بھئی مان گئے۔" جہانگیر ہنس پڑا۔ "تمہارا جادو پوری طرح چلا ہوا ہے۔"

" تم تو مان گئے لیکن ذرا سلمٰی سے ملنے دو، پھر دیکھوں گا کہ اور کیا مانتے ہو۔" میں ہنستے ہوئے غزالہ کے ساتھ واپسی کے لیے مڑ گیا۔

" آپ بڑی بے تکلفی سے نام لیتے ہیں اس کی بیوی کا؟" باہر آنے کے بعد غزالہ نے شکایتی لہجے میں کہا اور میں دل ہی دل میں اس کی چھٹی حس کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

یہ اور بات ہے کہ میری اپنی سرد مہری کی بنا پر سلمٰی سے

میرا کوئی غیر اخلاقی رابطہ استوار نہیں ہو سکا تھا لیکن میرے
اور اس کے درمیان کچھ ایسی نوک جھونک ہوتی ہی رہتی تھی
جو کسی بھی وقت بڑھ کر ایسے پیرائے میں بدل سکتی تھی جسے
جہانگیر ہرگز برداشت نہ کرتا اور غزالہ نے میرے لب و لہجے سے
یہ چور بھی پکڑ لیا تھا جبکہ جہانگیر کو شاید اندازہ ہی نہ ہو سکا تھا کہ
اس بار میں نے غیر ارادی طور پر بھابی کا صیغہ ترک کر دیا تھا بلکہ
فون پر بھی اس سے آپ جناب کے بجائے بے تکلفانہ انداز
میں تم سے بات کرتا رہا تھا۔

حقائق کچھ بھی رہے ہوں مگر غزالہ کی بات کا جواب تو
دینا ہی تھا۔ "جہانگیر میرا بہت پرانا اور جگری دوست ہے، ہو
سکتا ہے کہ ابتدائی جھجک دور ہونے کے بعد وہ بھی تمھارا نام
لینے لگے۔"

"آپ کو بُرا نہیں لگے گا؟" اس نے میری طرف دیکھتے
ہوئے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔ "میں تو ہرگز ایسے تخاطب کا جواب
نہ دوں گی۔"

"تم تو مفروضات میں اُلجھتی ہو۔" مجھے بروقت ایک
معقول جواب سوجھ گیا۔ "اس کی غیر موجودگی میں بات ہو رہی تھی
اس لیے نام لے لیا اس کا سامنے تو لحاظ کیا ہی جاتا ہے...
بے تکلفی اور بات ہے بدتمیزی اس سے مختلف ہو جاتی ہے۔"

"کبھی کبھی مجھے یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے ماضی میں
آپ راجہ اِندر کے رشتے دار رہے ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے
خوب صورتی کے ساتھ اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔ "ایسا نہ ہو کہ
آگے چل کر پرانی یادیں خلش کا کوئی روپ دھار لیں۔"

"تم احمق ہو۔" میں نے اس کی پشت پر ایک دھپ
رسید کرتے ہوئے کہا اور بقیہ الفاظ میرے ہونٹوں ہی میں
رہ گئے۔

"کیا ہوا؟ کون گرا؟" کرنل دھپ کی آواز سنتے ہی بوکھلائے
ہوئے انداز میں ایک قریبی دروازے سے نکل پڑا تھا۔

"کک... کوئی بھی نہیں گرا ڈیڈی۔" غزالہ نے بوکھلا کر
جلدی سے کہا۔

"نہیں۔" کرنل نے کھوپڑی ہلاتے ہوئے کہا "میں نے خود
آواز سنی ہے۔" پھر وہ اچانک ہی اچھل پڑا۔ "ایسا تو نہیں کہ
عقب سے کوئی دشمن گھر میں کودا ہو۔ میں ابھی چکر مار کر آتا ہوں۔"

اپنے وحشت انگیز خیال کے تحت وہ تیزی کے ساتھ
وہاں سے روانہ ہو گیا۔

میری اور غزالہ کی نگاہیں چار ہوئیں اور ہم دونوں ہی ہنس
دیے۔ غزالہ کی چہکار میں شوخی تھی اور میں خفت آمیز انداز میں
محض اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

ہم دونوں برآمدے کی سیڑھیاں اتر رہے تھے کہ کرنل گھر
کا طواف کر کے واپس آ گیا۔ "ممکن ہے کوئی بلی وغیرہ کودی ہو۔
مجھے تو کہیں بھی کوئی نظر نہیں آیا۔" اس نے آتے ہی شکست خوردہ
لہجے میں اعلان کیا۔

"آپ کی کار کا کیا رہا؟" میں نے یاد آتے ہی اس بارے
میں بھی سوال کر ڈالا۔

"تھانے میں رپورٹ درج کرادی ہے کہ رات میں کسی وقت
گھر کے باہر سے کوئی اڑا لے گیا، اب دیکھو کہ وہ کب تک گاڑی
تک پہنچتے ہیں۔ ویسے تم نے چھوڑی کہاں تھی؟"

"آج کی رات گزر جانے دیں اگر کل پولیس نہ پہنچی تو ہم خود
ہی انھیں خبر دے دیں گے کہ ہماری کار فلاں جگہ موجود ہے، وہ
ضابطے کی کارروائی کے بعد کار ہمارے حوالے کر دیں گے۔"

میں نے محسوس کیا کہ کار کے بارے میں میری فکرمندی
پر کرنل خاصا خوش ہو گیا تھا۔

اندھیرے کے باعث اس ویران علاقے میں سناٹا اور گہرا
ہو گیا تھا۔ اُجاڑ اور ویران پلاٹوں پر مالکان نے ایک آدھ بلب
بھی جلائے رکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ان کے اس رویے کے
پیشِ نظر متعلقہ ادارے نے بھی جواب آں غزل کے طور پر اسٹریٹ
لائٹس لگانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی اور اگر کبھی روشنی فراہم بھی کی
گئی تھی تو فیوز ہونے کے بعد بلب تبدیل نہیں کیے گئے تھے۔

میں گاڑی میں وہاں سے گزرتا چلا گیا۔ اگر میں وہیں کہیں کار
روک کر نیچے اترتا تو بآسانی تاریکی میں کہیں موجود کسی بھی شخص کی
نگاہوں میں آ سکتا تھا۔

ایک طویل چکر کاٹ کر میں نے کار ایک روشن اور آباد
علاقے میں روکی پھر چہل قدمی کے انداز میں نیچے اتر کر عزیز کے
گودام کی طرف روانہ ہو گیا۔ اندھیرا پھیل جانے کے باعث وہ
علاقہ اس وقت ہر قسم کی مجرمانہ کارروائیوں کے لیے سازگار ہو گیا
تھا۔ میں براہِ راست اسی مقام پر پہنچا جہاں سے دوپہر میں اندر
کودا تھا پھر دراڑوں کے سہارے بآسانی احاطے میں اتر گیا۔

احاطے میں بنا ہوا شیڈ گھپ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس
میں کہیں بھی روشنی کی کوئی رمق نظر نہیں آ رہی تھی البتہ جب
میں نے چوکیدار کی کوٹھری کی طرف دیکھا تو وہاں بجلی کے بجائے
کسی لالٹین یا لیمپ کی ٹمٹماتی ہوئی یرقان زدہ روشنی پھیلی ہوئی

نظر آئی جس کا مطلب تھا کہ نادر خان اپنے مورچے پر مستعد تھا۔
میں نے دیوار سے لگے کسی چوپائے کی طرح کوٹھڑی کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔
وہاں بظاہر حالات معمول پر نظر آ رہے تھے لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ عزیز وہاں موجود تھا یا واپس جا چکا تھا۔ اے ٹو مقررہ پروگرام کے مطابق وہاں لوٹا تھا یا نہیں۔ دوپہر کے واقعے کے بعد کوٹھڑی میں کتنی نفری موجود تھی؟
مجھے خیال آیا کہ ان سب سوالات کا جواب ایک پتھر بآسانی دے سکتا تھا۔ میں نے اپنی جگہ رک کر ایک پتھر اٹھایا اور پوری قوت کے ساتھ دور افتادہ کوٹھڑی کی طرف اچھال کر اپنی جگہ دبک گیا۔
چند ثانیوں بعد پتھر گرنے کی آواز آئی اور اسی کے ساتھ ٹوٹے ہوئے آہنی ڈرموں کے عقب سے ایک طاقتور ٹارچ روشن ہوئی۔ روشن دائرہ چند ثانیوں تک پھاٹک کے قرب و جوار میں رینگتا رہا اور پھر وہاں دوبارہ اندھیرا پھیل گیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ کوٹھڑی میں کسی قسم کی کوئی نقل و حرکت نظر نہیں آئی تھی۔
میں پیش قدمی ترک کر کے اندازے قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔
گودام کے چوکیدار، نادر خان سے دوپہر میں میرا سامنا ہو چکا تھا۔ وہ دلیر، طاقتور اور وفادار ضرور تھا لیکن اس میں ذہانت کی کوئی علامت نہیں مل سکی تھی جو میں یہ سمجھ لیتا کہ وہ اپنے طور پر کوٹھڑی چھوڑ کر نامعلوم دشمنوں کے خلاف ڈرموں کے پیچھے مورچہ زن تھا۔ ویسے بھی مجھے اس کے پاس ڈنڈے کے علاوہ کوئی ہتھیار نظر نہیں آیا تھا۔ کسی آہٹ پہ ایک غیر مسلح شخص کی طرف سے ٹارچ کا چمکایا جانا صریحاً خودکشی کے مترادف تھا۔ اس کی کمین گاہ کی نشاندہی ہونے پر آنے والے بہت آسانی کے ساتھ اسے گھیر کر موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے۔
پھر وہ عزیز بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ سزا کے خوف میں مبتلا ہونے کے باوجود وہ اے ٹو سے بری طرح خائف تھا۔ قرائن سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اے ٹو کا مقابلہ کرنے کے بجائے خاموشی سے فرار ہو کر کسی گمنام ٹھکانے میں روپوش ہو جانے کو ترجیح دے گا اور اگر اس نے اے ٹو سے ٹکرانے کا ارادہ کسی نہ کسی طرح کر ہی لیا تھا تو وہ اپنے ہیبت ناک سربراہ پر بے خبری میں تو وار کر سکتا تھا، اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ٹارچ روشن کر کے اے ٹو کو احاطے میں کسی حریف کی موجودگی سے باخبر کرنے کا خطرہ مول لے۔
وہ یقینی طور پر راجہ ظہور احمد یا اے ٹو ہی تھا جو اندھیرے میں چھپا کسی شکار کا منتظر تھا۔ عزیز غالباً اپنے دل سے اے ٹو کا خوف نہ نکال سکا تھا اور وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔ کوٹھڑی میں جلتی ہوئی لالٹین اور ادھر پھیلا ہوا سناٹا نادر خان کے برے انجام کی نشاندہی کر رہا تھا کیوں کہ اے ٹو کو میدان صاف ہونے کی خبر اسی سے ملی ہوگی اور اس نے کسی زخم خوردہ بھیڑیے کی طرح سامنے نظر آنے والے واحد شکار کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہوگا۔
میں نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا اور دیوار کے سہارے چوپائے کی طرح چلتے ہوئے ایک طویل چکر کاٹ کر ڈرموں کے ڈھیر کے عقب میں پہنچنے کی کوشش کرنے لگا جہاں اے ٹو کا مورچہ قائم تھا۔
شیڈ کے ویران اور تاریک ڈھانچے کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے اس کے کھلے ہوئے دروازے کو حیرت سے دیکھا۔ شاید وہاں کی تلاشی لینے کے بعد غصے اور مایوسی کے عالم میں دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔
دروازے کے قریب سے گزرتے ہوئے میرے کانوں میں ایک مدھم سی انسانی آواز آئی اور میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں پستول ہاتھ میں لے کر سینے کے بل وہیں زمین سے چپک گیا۔
" یہ رات بڑی بھیانک نظر آ رہی ہے۔" کان لگا کر میں اندر سے آنے والی آواز سننے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ بولنے والے کی آواز سے دہشت جھانک رہی تھی۔ "نجانے اس ویرانے میں کس قدر خونریزی ہونے والی ہے؟"
"خونریزی سے میں نہیں ڈرتا، لیکن اس وقت وہ بھیڑیا بنا ہوا ہے، دشمنوں سے ٹکراؤ کی نوبت نہ آئی تو کہیں ہماری ہی باری نہ آ جائے۔ اس کی نظروں میں ہم جیسوں کی کوئی وقعت نہیں ہے۔" دوسری آواز اس قدر مبہم تھی کہ شکستہ فقروں کے درمیانی الفاظ میں محض قیاس کے سہارے ہی پورے کر سکا۔
" کام کرو کام۔" پہلی آواز ابھری۔ "ہمیں اس کو شکایت کا موقع نہیں دینا چاہیے۔"
"کام تو ہو ہی رہا ہے، پھر ہمیں تو اگلی ہدایت تک یہیں رکنے کا حکم ملا ہے۔ لگتا ہے کہ رات یہیں کالی ہوگی۔ مصیبت تو یہ ہے کہ سگریٹ تک نہیں سلگا سکتے، وہ باہر سے دیا سلائی کے شعلے کی روشنی دیکھتے ہی تیر کی طرح ادھر آئے گا۔"
" اور سارے وقت یہ لاش یہیں ہمارے سینے پر مونگ دلتی رہے گی۔" پہلے کی آواز حسرت زدہ سی تھی۔ "یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اسی کو باہر ڈال دیں۔"
" تم پٹرول کے کین بھول رہے ہو، میرا خیال ہے کہ وہ اس شیڈ کو آگ لگانے کی نیت سے آیا تھا۔ شعلوں سے گھبرا کر جو

بھی باہر نکلنے کی کوشش کرتا اسے ہماری گولیاں چاٹ جاتیں لیکن یہاں تو میدان ہی صاف ملا۔"

"ہم غیر ضروری باتیں کر رہے ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ اُکتا کر یہیں باہر آ بیٹھا ہو۔" پہلے نے شاید چونک کر کہا تھا۔

"تم ڈرا ہی دیتے ہو، ٹھہرو میں جائزہ لے کر آتا ہوں۔"

دوسرے کی آواز کے ساتھ خوفزدہ سی ہنسی بھی سنائی دی پھر سناٹا چھا گیا، شاید وہ بے آواز قدموں سے چلتا ہوا باہر آ رہا تھا۔

میں ان دونوں کی گفتگو سننے کی کوشش میں دروازے کے بالکل قریب ہی پہنچ چکا تھا۔ آوازیں موقوف ہوتے ہی میں نے گھٹنوں اور کہنیوں کے بل تیزی سے پیچھے سرکنا شروع کر دیا۔

اس وقت میرا ذہن تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ وہ دونوں جس انداز میں اپنے سربراہ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا کہ وہ لے ٹو ہی ہو سکتا تھا اور اگر وہ پچھلے دو برس کے لڑاکوں کی ٹولی بھی ساتھ لایا تھا تو یہ یقینی تھا کہ وہ کھلے چہرے کے بجائے نقاب پوش بن کر آیا ہوگا۔ ایسی حالت میں بس آواز ہی کی شناخت باقی رہ جاتی تھی۔ اس کی تحکم آمیز، خوابناک آواز ابھی تک میری یادداشت میں محفوظ تھی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر آنے والے کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی تو میں لے ٹو کی آواز میں پھٹکار کر اسے الٹے قدموں اندر لوٹ جانے پر مجبور کر دوں گا۔

چند ثانیوں بعد کھلے ہوئے دروازے کے قریب تاریکی میں ایک تاریک تر، مضبوط انسانی سایہ نمودار ہوا جس کے ہاتھوں میں لمبی نال والا کوئی لمبی مار والا آتشیں ہتھیار دبا ہوا تھا۔ میں سانس روک کر بالکل ہی زمین سے چپک گیا۔ اس نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے چوکنے انداز میں چاروں طرف سر گھمایا اور دوبارہ شیڈ میں غائب ہو گیا۔

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ میری طرف دیکھنے کے باوجود وہ تاریکی میں میری موجودگی کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ ان دونوں سے جو کچھ معلوم ہو سکتا تھا، وہ میرے علم میں آ گیا تھا۔ بس یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ وہ اندر کیا اہم کام سرانجام دے رہے تھے۔ میں وہاں سے آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اچانک میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔

اس بار وہ دونوں ہی ایک ساتھ اندر سے برآمد ہوئے تھے اور اندھیرے میں چمکتی ہوئی ان کی آنکھوں کی پتلیاں اسی طرف نگراں تھیں جہاں میں زمین پر سینے کے بل پڑا ہوا تھا۔

"جاؤ۔" میں لے ٹو کی آواز کی نقل کرتے ہوئے پھاڑ کھانے والی مگر دھیمی آواز میں غرایا۔ "جاؤ، میرا کام خراب نہ کرو۔ باہر کیا ایسی کی تیسی کرانے آئے ہو؟"

وہ بجلی کی سی سرعت سے واپس لوٹ گئے۔ اُن کے ذہنوں پر لے ٹو کا خوف اس حد تک مسلط تھا کہ آواز سننے کے بعد انھوں نے مزید کبھی تسلی کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔

اس کامیابی پر میرا دل شیر ہو گیا، میرا جی چاہا کہ ان میں سے ایک کو طلب کر کے اس کی گن حاصل کر لوں تاکہ دور ہی سے لے ٹو کا نشانہ لے سکوں لیکن میں اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ الٹی قل لیتے ہوئے مجھے ان کے اس قدر قریب جانا پڑا تاکہ وہ اندھیرے کے باوجود میرا ہیولا دیکھ لیتے جو نہ صرف ساخت کے اعتبار سے لے ٹو سے مختلف تھا بلکہ لباس اور چہرے پر نقاب کی غیر موجودگی بھی خطرات پیدا کر سکتی تھی۔

میں وہاں سے آگے روانہ ہوا تو مجھے یقین تھا کہ اب وہ دونوں رات بھر بھی اندر بیٹھے رہے تو آپس میں بات کرنے کی جسارت نہیں کر سکیں گے۔ ان کا پتا پانی کر دینے کے لیے یہی کافی تھا کہ انھوں نے اپنے نام نہاد سربراہ کی آواز سن لی تھی۔

بڑھتے بڑھتے اچانک مجھے ٹھہر جانا پڑا۔ میدان کے وسط میں ایک عجیب سی آواز سنائی دی تھی جیسے کوئی بے آواز گولی ٹھوس لوہے سے جا ٹکرائی ہو۔ اس وقت میری توجہ اپنے راستے پر مرکوز تھی لٰہذا میں تعین نہ کر سکا کہ کوئی فائر ہی ہوا تھا یا وہ میرا وہم تھا۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ کہیں انتظار کرتے کرتے لے ٹو کے صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہو گیا ہو۔

تھوڑی دیر میں میں احاطے کی دیوار کے ساتھ ایک ایسی جگہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں سے ڈرموں کے انبار کے پیچھے دیکھنا ممکن تھا۔ وہاں تاروں کی چھاؤں میں مجھے دو انسانی ہیولے کھڑے نظر آئے۔ اندھیرے کے باعث ان دونوں کی جزئیات کا مشاہدہ کرنا ناممکن تھا لیکن ہلکی ہلکی ہوا نے یہ واضح کر دیا تھا کہ ایک ہیولے کا لباس ہوا سے قدرے پھڑپھڑا رہا تھا جب کہ دوسرا چست لباس میں ملبوس تھا جو یقیناً لے ٹو ہی ہو سکتا تھا۔

میں ان کی بے خبری میں زمین سے چپکا تیزی کے ساتھ آگے سرکتا ہوا ایک چوبی ڈھیر کے پیچھے پہنچ گیا جو اُن کی کمین گاہ سے اتنے فاصلے پر تھا کہ میں بآسانی پستول سے ان دونوں کا نشانہ لے سکتا تھا۔ چوبی ڈھیر کے پیچھے پوزیشن لے کر میں نے ہاتھ سیدھا کیا اور پھر نیچے گرا لیا۔ میرا نشانہ کبھی بھی خراب نہیں رہا تھا لیکن یہ بھی درست ہے کہ مجھے آنکھیں بند کر کے نشانہ لگانے کا دعویٰ کبھی نہیں رہا تھا۔

اس احاطے میں اُن کی نفری جو بھی رہی ہو، کم از کم جلد میری نگاہوں میں آ چکے تھے اور میرا نشانہ خطا ہونے کی صورت میں وہ بہت دل جمعی کے ساتھ مجھے گھیرنے کی کوشش کر سکتے تھے اور اُن کو میرے پستول کی محدود رینج کے مقابلے میں کم از کم دو رائفلوں کی برتری ضرور حاصل تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ میں نے عزیز کی دل شکنی کر کے عقل مندی نہیں کی تھی۔ اگر کم از کم اس رات کے لیے عزیز کو ساتھ ملا لیتا تو اس وقت تنہائی کا احساس کیے بغیر اُنھیں دو مختلف سمتوں میں الجھایا جا سکتا تھا۔

لیکن اب میرے لیے واپسی کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا تھا۔ بارہ گھنٹوں کی قلیل مدت میں لے لوٹ تیسری بار میرے سامنے تھا اور اس موقع کو محض متوقع ناکامی کے خوف سے ضائع کرنا میرے نزدیک حماقت سے کم نہ ہوتا۔

میں نے دوبارہ ہاتھ سیدھا کیا۔ اندھیرے میں چست لباس پوش سائے کا نشانہ لیا اور ٹریگر دبا دیا۔ ہولناک بارودی دھماکے کے ساتھ دہکتا ہوا شعلہ اندھیرے میں نشانے کی طرف تیر گیا۔ اور یہ دیکھ کر میرا دل خوشی سے بلیوں اچھل پڑا کہ دھماکے کی آواز اُس لوٹ کے کانوں تک پہنچنے سے پہلے میری چلائی ہوئی گولی نے اسے چاٹ لیا تھا۔

فضا میں اس کی کریہہ چیخ گونجی اور اس کا جسم فضا میں اچھل کر زمین پر آ رہا۔ دوسرا سایہ اس سے پہلے ہی زمین پر گر چکا تھا۔ میں گھور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُدھر گھورتا رہا لیکن وہاں زندگی کے تمام تر آثار مفقود نظر آ رہے تھے، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دونوں نیچے گرتے ہی زمین میں سما گئے ہوں۔

چند ثانیوں کے اعصاب شکن سناٹے کے بعد ڈرموں کے انبار کے پہلو سے تقریباً بیک وقت دو گولیاں چلیں اور مختلف سمتوں میں تیر گئیں۔ انھوں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ان پر فائر پیچھے سے ہوا تھا مگر سمت کا تعین نہیں کر سکے تھے پھر ان میں سے ایک نیم دائرے کی صورت میں تسلسل کے ساتھ گولیاں برساتا ہی چلا گیا۔ اس کا زاویہ تبدیل ہوتے ہی میں نے بارودی آگ کے مخرج کا نشانہ لے کر دوسرا فائر کر دیا اور اس بار پھر وہی پہلے والی غراتی ہوئی چیخ فضا کا سینہ چیر گئی۔

شاید پہلی گولی سے زخمی ہونے کے بعد لے لوٹ کا ذہنی توازن اُلٹ گیا تھا جو وہ ایسے کھلے محاذ پر اندھا دھند فائرنگ پر اتر آیا تھا جب کہ اس کا ساتھی ہوشیار تھا، بار بار جگہ تبدیل کر کے گولیاں برسا رہا تھا۔ میری طرف سے دوسرا فائر ہوتے ہی اس نے شاید میری پوزیشن بھی دیکھ لی تھی اور اب اس کی چلائی ہوئی تمام گولیاں چوبی ڈھیر پر یا اس کے قرب و جوار میں ہی برس رہی تھیں۔

میں زمین پر گر کر سینے کے بل رینگتا ہوا ایک دوسری آڑ میں چلا گیا۔ وہ دونوں مجھے اتنا احمق سمجھ رہے تھے کہ بدستور اسی چوبی ڈھیر پر چاند ماری کی مشق کرتے رہے۔ ان دونوں کی فائرنگ سے یہ پتا چل رہا تھا کہ لے لوٹ میری دو گولیوں سے زخمی ضرور ہوا تھا مگر کوئی بھی زخم اتنا کاری نہیں تھا کہ فائرنگ میں رکاوٹ بنتا۔

میں کسی تیسرے بھرپور موقع کی تلاش میں اپنی جگہ خاموش پڑا رہا۔ پھر یکلخت ان کی طرف سے فائرنگ کا سلسلہ موقوف ہو گیا، میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ان کے اگلے وار کے انتظار میں زمین سے چپکا رہا۔

پھر فضا میں ایک سیاہ گولا سا اُڑتا نظر آیا۔ میں نے کہنیاں زمین پر ٹکا کر دونوں ہتھیلیوں سے اپنے کان بند کر کے آنکھیں بند کر لیں اور سر نیچے جھکا لیا۔ چوبی ڈھیر پر ہونے والے دھماکے نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ مٹی اور لکڑی کے کئی ٹکڑے مجھ پر آ گرے اور فضا میں کثیف دھوئیں کی لہر کے ساتھ لوزنگ شعلوں کی سُرخی بکھرنے لگی۔

میرے لیے وہ سنگین صورتِ حال سخت تشویش ناک تھی۔ وہ لوگ میری توقع سے کہیں زیادہ تیاریوں اور بدترین عزائم کے ساتھ وارد ہوئے تھے۔ لکڑیوں کا ڈھیر جل اٹھنے کے بعد اس کھلے میدان میں ادھی رکاوٹیں زیادہ دیر تک مجھے پناہ نہیں دے سکتی تھیں۔ شعلوں کی روشنی نے تقریباً پورے میدان کو غیر محفوظ بنا دیا تھا۔ وہ لوگ کسی بھی لمحے مجھے دیکھ سکتے تھے اور پھر میری ابتدائی کامیابیوں کا المناک انجام شروع ہو جاتا۔

یکے بعد دیگرے مزید دو دستی بم اور پھٹے۔ شاید احساسِ شکست نے لے لوٹ کو پاگل ہی کر دیا تھا اور وہ ہر قیمت پر میرے خاتمے پر تل گیا تھا۔ اس بار بم زمین پر گرے تھے۔ لہٰذا دھوئیں کے ساتھ ہلکے سے شعلے بھڑک کر دم توڑ گئے مگر لکڑیوں کی آگ لحظہ بہ لحظہ جان پکڑتی جا رہی تھی... میں نے تن بہ تقدیر ہو کر میدان چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

ایسے نامساعد حالات میں مقابلے پر جمے رہنا میرے لیے مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔ میں نے زمین پر پڑے پڑے کھسکنا شروع کیا اور اپنی دانست میں بھڑکتے ہوئے شعلوں اور دھوئیں کی آڑ لیتے ہی اٹھ کر عقبی دیوار کی طرف دوڑ لگا دی۔

"وہ گیا" لکڑیوں کے چٹخنے کے شور میں ایک مضطرب آواز گونجی اور فوراً ہی گولی چلا دی گئی۔

اس وقت میرے پاس فرار کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں رہ گیا تھا۔ دستی بموں، رائفلوں اور دوسرے آتشیں ہتھیاروں کی بھیڑ میں چار حریفوں کے ساتھ میں تنہا کتنی دیر ٹک سکتا تھا؟ اس وقت میری تمام تر قوت پنڈلیوں میں سمٹ آئی تھی اور میں تیزی کے ساتھ دائیں بائیں بل کھاتا ہوا بھاگ رہا تھا۔ پستول اب میرے لیے بے کار ہو چکا تھا۔ لہٰذا میں نے اُسے جیب میں ڈال لیا تھا۔

ان دونوں ہی نے فائرنگ شروع کر دی تھی۔ میرے ستارے یاوری کر رہے تھے کہ میں ان کا نشانہ بنے بغیر دوڑتے ہوئے ان کی فائرنگ رینج سے باہر نکل گیا اور ان کی چلائی ہوئی گولیاں پیچھے رہ گئیں۔ ان میں سے کسی ایک کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک مجھے سنائی دے رہی تھی اور میری اور اس کی رفتار میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ میں اپنی بقا کے لیے، جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا اور وہ میرا خون بہانے کے لیے۔ جب تک کسی بھی عمل کے پیچھے جذبے کی شدت نہ ہو عمل مثالی نہیں بن سکتا۔ یہ خیال ان گمبھیر لمحات میں بھی میرے ذہن میں در آیا۔ ہاں اسے تو اگر دوڑ لگانے کے قابل ہوتا تو شاید دھر مجھے آلیتا کیونکہ میری ذات سے اس کی نفرت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی جو اس کی رفتار کے لیے تازیانے کا کام کرتی۔

"رُکو ورنہ چیتھڑے اُڑا دوں گا۔" بھاری قدموں کی گونج میں پیچھے سے کوئی چیخا لیکن میں نے اس کی ایک نہ سنی، دیوار اب مجھ سے محض چند گز دور رہ گئی تھی۔

پھر شاید اُس نے ایک اور بم اچھال دیا۔ میں گولی کی زد سے نکل چکا تھا تو بھلا دستی بم کہاں مجھ تک پہنچتا، لیکن دھماکا اتنا شدید تھا کہ میں بھاگتے بھاگتے منہ کے بل زمین پر جا رہا۔ دہانے اور چہرے کو بدترین زخموں سے بچانے کے لیے میں نے گرتے گرتے ہتھیلیاں زمین پر جما دیں اور ان ہی کے بل کئی فٹ تک گھسٹتا چلا گیا۔

مٹی کے ذرات اور کنکر ہتھیلیوں کی کھال چیر کر زخموں میں اترتے چلے گئے لیکن اس وقت میرے لیے ایسی ہر تکلیف بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔ میں دوبارہ اٹھا اور چند چھلانگیں لگا کر دیوار تک پہنچ گیا۔

میں دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود رہا تھا تو شیڈ کی طرف سے بھک کی ایک زوردار آواز آئی اور وہاں بھی مجھے دھوئیں کا کثیف بادل اُمڈتا نظر آیا۔ شاید پہلے سے طے شدہ کسی پروگرام کے مطابق شیڈ میں پٹرول انڈیل کر آگ لگا دی گئی تھی۔ میں نے دیوار پر سے سر گھما کر دیکھا تو نسبتاً ڈھیلے لباس والا فائر کرتا ہوا بدستور میری طرف دوڑا آ رہا تھا۔ میں نشیب و فراز کی پروا کیے بغیر دوسری طرف کود گیا۔

میرے پیر نرم اور گیلی زمین سے ٹکرائے۔ اسی کے ساتھ نتھنوں میں تیز بُو بھی در آئی۔ شاید وہ فیکٹریوں سے خارج ہونے والے پانی کو بہا لے جانے والا نالا تھا جو اس گودام کی پشت سے گزر رہا تھا۔

میں نے فوراً ہی دوڑ کر ناہموار نالے میں اتر جانے کا فیصلہ کیا لیکن دیوار کی دوسری جانب قدموں کی دھمک سن کر ارادہ ملتوی کر دیا اور وہیں دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔

زندگی اور موت کا ایک بھیانک امتحان گزر چکا تھا اور اب میں اس موقع کو اُس لڑکے کے لیے بھی یادگار بنانا چاہتا تھا۔

وہی ہوا جس کے وقوع پذیر ہونے کی اُمید میں میں دیوار کے سائے میں کھڑا اپنے بڑھتے ہوئے سانسوں پر قابو پا رہا تھا۔ دیوار کے پیچھے مجھے گہرے سانسوں کی آواز آئی جیسے کوئی سانڈ ہانپ رہا ہو۔ میں نے اپنا سانس روک لیا اور پنڈلیوں کو قدرے جھکا کر اوپر دیکھنے لگا۔ اندھیرے میں دو بھاری ہاتھ دیوار کی گر پر جمے اور پھر میرا پیچھا کرنے والا دیوار پر چڑھ کر دور نالے کی گہرائی میں نگاہیں دوڑانے لگا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ رہا ہوگا کہ بے جوڑ مقابلے سے بوکھلا کر بگٹٹ بھاگ نکلنے والا وہیں اس کی موت کے ہرکارے کے روپ میں موجود ہوگا۔

توازن برقرار رکھنے کی کوشش میں اس نے جیسے ہی اپنی داہنی ٹانگ دیوار سے باہر لٹکائی، میں نے وحشیانہ طاقت سے ٹانگ پکڑ کر اسے نیچے گھسیٹ لیا۔ اس کے حلق سے غیر ارادی طور پر ایک کریہہ چیخ آزاد ہو گئی اور وہ سر کے بل زمین پر آ رہا۔ میں پھرتی کے ساتھ اس کے سینے پر سوار ہو گیا اور میرے دونوں ہاتھ اس کی گردن پر جم گئے۔

میں نے اس کی گردن پر حلقہ تنگ کیا تو اس کے جسم میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی میں نے گرفت کمزور کیے بغیر اس کی گردن کو جنبش دی تو انکشاف ہوا کہ گرتے ہی اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی اور جسدِ خاکی روح سے عاری ہو گیا تھا۔

میں اس کا پستول اٹھا کر اس گندے اور بدبودار نالے میں اترتا چلا گیا۔ گودام میں لگی ہوئی آگ کے شعلے تیزی کے ساتھ شدت اختیار کرنے لگے تھے اور کثیف دھوئیں کے بادل نالے پر چھاتے جا رہے تھے۔

نالے میں کیچڑ اور کوڑے کے ڈھیروں سے بچتا بچاتا میں کافی دیر بعد باہر نکلا تو دونوں ہتھیلیاں خون آلود تھیں۔ زخموں میں گھسے ہوئے کنکر بھی اب تکلیف دینے لگے تھے۔ گہرے رنگ کے لباس سے مٹی وغیرہ جھاڑنے کے بعد بھی خاص طور پر پتلون کے گھٹنوں پر رگڑ کے ایسے نشانات باقی رہ گئے کہ اس لباس میں کسی معقول جگہ کا رُخ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

میں دونوں جلتی ہوئی ہتھیلیاں پتلون کی جیبوں میں چھپا کر کار کی طرف چل دیا۔

اس وقت میرے ذہن میں بس ایک بھیانک سی سنسناہٹ گونج رہی تھی۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں اس اہم معرکے میں اپنی جان بچانے کے سوا کچھ بھی نہ کرسکا تھا۔ لے لوٹا زخمی ضرور ہوگیا تھا لیکن وہ اب بھی اپنی من مانی کرنے کے لیے زندہ اور آزاد تھا۔ وہ اپنے پیشے اور فطرت کے اعتبار سے ایک ایسا موذی تھا جسے فوری طور پر فنا کے گھاٹ اترنا چاہیے تھا۔

میں خالی الذہنی کے عالم میں ہونٹ بھینچے خاصی دیر تک کار ڈرائیو کرتا رہا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ لے لوٹا زخمی تھا اور اگر میرا اندازہ درست تھا تو اُسے فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت تھی۔

لے لوٹا لاکھ شاطر اور بارسوخ سہی لیکن کراچی اس کا شہر نہیں تھا اور گولیوں کے زخموں کے لیے اُسے کہیں بھی آسانی کے ساتھ طبی امداد نہ دی جاتی۔ ہر جگہ پولیس کا درمیان میں آنا لازمی تھا۔ پورے شہر میں بس ایک جگہ ایسی تھی جہاں اُس کا کام بن سکتا تھا۔ ڈاکٹر اکبر کی علاج گاہ، جہاں غزالہ کا بھائی کامران زیرِ علاج تھا۔ عرصۂ دراز سے ہیروئن کی کھپت کا ایک معقول ٹھکانہ تھی۔ تنظیم کے مقامی بڑوں سے اکبر کے جو مراسم رہے تھے، ان کی روشنی میں کچھ بعید نہ تھا کہ لے لوٹا بھی کسی روپ میں اکبر سے شناسائی رکھتا ہو۔ ایسی صورت میں وہ طبی امداد کے لیے اسی سے رجوع کرسکتا تھا۔

میرے لیے کامران کی عیادت کے بہانے وہاں گھسنا بہت آسان تھا مگر دشواری یہ تھی کہ میری ہتھیلیاں زخمی اور خون آلود تھیں۔ لباس بھی اس جگہ کے قابل نہیں رہا تھا۔ اگر میں حلیہ درست کرنے گھر جاتا تو غزالہ اس حالت میں مجھے ہرگز لے لوٹے کے پیچھے نہ جانے دیتی۔ اگر اس حالت میں اس کے باپ سے سامنا ہو جاتا اور وہ بزرگانہ ہٹ دھرمی پر اُتر آتا تو میرے لیے گھر سے قدم نکالنا بھی محال ہو جاتا۔

میں سوچتا رہا اور ہتھیلیوں کی تکلیف کو فراموش کر کے شہر کی پُرسکون سڑکوں پر کار ڈرائیو کرتا رہا۔ آخر کار مجھے ایک قابلِ عمل خیال سوجھ ہی گیا اور میں نے کار جہانگیر کے گھر جانے والے راستے پر ڈال دی۔

جہانگیر، غزالہ کے ہاں روپوش تھا۔ سلمیٰ کو میں جلد از جلد گھر چھوڑ دینے کی ہدایت دے چکا تھا اور جہانگیر کے ملازمین مجھے اچھی طرح پہچانتے تھے۔ سب سے آسان صورت یہ تھی کہ میں وہاں پہنچ کر اپنے زخم صاف کرتا۔ پھر اپنی اور جہانگیر کی یکساں جسامت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دستانوں سمیت اُس کا کوئی اچھا سا لباس زیبِ تن کر کے لے لوٹا کی تلاش کی مہم میں اکبر کے ٹھکانے کی طرف روانہ ہو جاتا۔

جہانگیر کے مکان پر پہنچ کر میں نے حسبِ معمول اپنی کار باہر فٹ پاتھ کے کنارے پارک کی اور پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔ چوکیدار نے پہلی ہی دستک پر ذیلی کھڑکی کھول دی اور مجھے پہچان کر کچھ حیران سا ہو گیا۔

"آپ ڈینی بابو! اس وقت کیسے؟" اس نے محبت اور احترام کے ساتھ پوچھا۔

"بس ایک کام پڑ گیا تھا۔" میں نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "کون کون ہے گھر پر؟"

سوال میں نے رسمی طور پر کیا تھا لیکن جواب سن کر مجھے سلمیٰ پر خاصا غصہ آیا۔ "صاحب تو تین دن سے لاپتا ہیں۔ بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں ہوں گی۔"

"بیگم صاحبہ کو تو شام میں کہیں چلے جانا تھا؟" میں نے تُرش، استفسار طلب لہجے میں کہا۔

"جانا تھا مگر ان کے رشتے دار حیدرآباد گئے ہوئے ہیں، مجبوراً انہیں رکنا پڑا۔" اس نے کھیسیں نکال کر کہا۔ "آپ چلے جائیں، کچھ دھیان ہی بٹے گا، مجھ سے تو بے چاری کا دکھ دیکھا نہیں جاتا۔"

"اب کتّے وغیرہ تو نہیں ہیں اندر؟" غصے کے باوجود تحفظ کی لاشعوری خواہش الفاظ کے روپ میں ڈھل ہی گئی۔

"وہ تو کب کے ختم ہو گئے۔ بیگم صاحبہ کو وحشت ہوتی تھی، دونوں کو زہر دلوا دیا تھا۔" اس نے معصومانہ سادگی کے ساتھ کہا۔ "آپ بے فکر ہو کر اندر چلے جائیں۔"

میں سلمیٰ کو بے نقط سنانے کا ارادہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ وہ کوئی جاہل اور دیہاتی عورت نہیں تھی۔ اسے خطرے سے پوری طرح آگاہ کر دیا گیا تھا۔ اگر عین موقع پر اس کے رشتے دار حیدرآباد جا مرے تھے تو وہ فوری طور پر کسی اچھے ہوٹل میں ہی منتقل ہو سکتی تھی۔ میں غزالہ سے جان بچا کر ادھر آیا تھا اور اب مجھے امید

تھی کہ وہ موقع ہاتھ آنے پر اپنی تیمارداری کے سارے ہی جوہر آزما ڈالے گی۔

میں راہداری میں بچھے ہوئے نرم اور دبیز قالین پر چلتا ہوا اس کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچا تو پٹ بند تھے۔ ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہی اندر کی طرف کھل گئے۔ میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

سر سے پیر تک سیاہ لباس میں ملبوس ایک نقاب پوش اس کی مسہری پر دراز تھا۔ اس کا داہنا شانہ اور بائیں پنڈلی برہنہ تھی جہاں اُدھڑے ہوئے گوشت پر جمے ہوئے خون کے لوتھڑے صاف نظر آرہے تھے۔ وہیں فرسٹ ایڈ کا سامان پھیلا ہوا تھا اور سلمٰی دروازے کی طرف پُشت کیے اس کی پنڈلی کا زخم صاف کر رہی تھی۔

جہانگیر کے لہو کا پیاسا، سلمٰی کو کس قدر عزیز تھا؟ میری آنکھوں میں خون اترنے لگا۔

وہ منظر دیکھتے ہی بے اختیار میرا ہاتھ جیب میں پڑے ہوئے پستول کی طرف گیا تھا۔ ادھر نقاب پوش مچھلی کی طرح تڑپ کر بستر سے اٹھا تھا اور سلمٰی کو دونوں شانوں سے جکڑ کر اپنے اور میرے درمیان ڈھال بناتا ہوا نیچے اتر آیا تھا۔

"ڈیڈی!" مجھے دیکھتے ہی سلمٰی نے ہلکی سی چیخ مار کر میری طرف بڑھنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ نقاب پوش کی بے رحمانہ گرفت بہت سخت تھی۔

"پستول کی نال گرالو۔" نقاب پوش نے سرد اور تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ "مجھے نہتا نہ سمجھنا۔ میرے بائیں ہاتھ میں جو سرنج دبی ہوئی ہے اس میں مہلک ترین زہر بھرا ہوا ہے۔ اگر اس کی سوئی اس عورت کے جسم میں اتار دوں تو یہ سیال انجکٹ کیے بغیر پلک جھپکتے میں مر جائے گی، لہٰذا جو کچھ کہہ رہا ہوں، بے چون و چرا اس پر عمل کرتے رہو۔"

"مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں۔" میں نے بے رحمانہ لہجے میں کہا۔ "اسے ہلاک کرنے کی دھمکی دے کر تم مجھ سے بچ نہیں سکتے۔ جو عورت اپنے شوہر کے جانی دشمن سے ایسی آشنائی رکھتی ہو، میری دانست میں اسے مر ہی جانا چاہیے۔"

کمرے کی فضا میں نقاب پوش کی دبی دبی زہریلی ہنسی گونج اٹھی۔

"ڈیڈی!" سلمٰی دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ پیٹتے ہوئے رو دینے والی آواز میں بولی۔ "مجھے اتنا بڑا الزام نہ دو۔ میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ نہ جانے یہ کدھر سے دیوار پھاند کر نوکروں کے علم میں لائے بغیر گھر میں گھسا ہے۔"

اس کی ورم آلود آنکھیں اور ان میں ٹھہرے ہوئے موٹے موٹے آنسو دیکھتے ہی مجھے اس کی بے گناہی اور لے لوٹ کی مکاری کا پورا یقین آگیا تھا لیکن لے لوٹ کے مدافعانہ حربے کو ختم کرنے کے لیے میں نے نفرت آمیز اداکاری جاری رکھی۔ اسی لمحے کبڑے بھکاری کے کہے ہوئے الفاظ ذہن کے کسی گوشے میں اُبھرے جو تلخ لہجے میں میں نے فوراً ہی اُگل دیے۔

"عورت بڑی ناقابلِ فہم ہوتی ہے سلمٰی! آشنائی اپنی خوشی سے کرتی ہے۔ پکڑی جاتی ہے تو مظلومیت کا شور مچا دیتی ہے... تمہارے لیے تو مرنا ہی بہتر ہے... اس کے ہاتھوں سے بچ گئیں تو جہانگیر تمہیں ذبح کر دے گا۔ تم تو اس کے لیے مارِ آستین ثابت ہوئی ہو۔"

اس کی آنکھیں فرطِ حیرت سے پھٹ کر پیشانی پر جا پڑیں۔ ہونٹ اس طرح وا ہوئے جیسے اس کا دم گھٹنے لگا ہو۔ اس کے جسم پر پل بھر کے لیے تشنج سا طاری ہوا اور وہ کھڑے کھڑے صدمے سے بے ہوش ہو گئی۔

لے لوٹ نے بمشکل اس کے گرتے ہوئے بدن کو اپنے بائیں بازو پر سنبھالا تھا۔

"جہانگیر کہاں ہے؟" لے لوٹ نے نقاب میں بنے ہوئے گول سوراخوں میں سے براہِ راست مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"ہارے ہوئے فریق کو سوالات کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ عورت کو ایک طرف ڈال دو۔ آج تم میرے ہاتھ سے زندہ بچ کر جا سکو گے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"ابھی تو تم نے اس کے لیے سزائے موت صادر کی ہے، اب ترس کیوں آرہا ہے؟" اس نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"مارنا چاہو تو بے شک مار دو، مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اس کی اصل سزا تو وہ ہوگی جب یہ جہانگیر کے سامنے اعترافِ جرم کرے گی یا اپنی صفائی پیش کرنے کی ناکام کوشش کرے گی۔"

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات تیسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

3

تیسرا حصہ

اقلیم علیم

ہتھیار
یک لخت مارتے ہیں
مگر ان کا نشانہ خطا بھی
ہو جاتا ہے، ہیروئن سِسکا سِسکا
کر مارتی ہے اور اس کا نشانہ کبھی
خطا نہیں ہوتا۔ موت کی سوداگری
کرنے والے اُن بین الاقوامی فتنوں کی ہولناک
داستان جو نگر نگر طاقت و اقتدار کی بساط
اُلٹ کر من پسند مُہرے سجاتے ہیں۔ ان سفاک
اور درندہ صفت مسیحاؤں کا آلۂ کار بننے والے
ایک پُرعزم نوجوان کی ولولہ انگیز سرگزشت
جس نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ کر فرعون
جبروت کے ناخداؤں کو للکارا اور دہشت و
انتقام کی ہونا دیدہ زنجیر کو توڑ کر اُن
کے قدم اُکھاڑ دیے۔

"پھر تو میں بھی اسے زندہ دیکھنا چاہوں گا۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولا "اسے دیکھ دیکھ کر جہانگیر کو میرے مقابلے میں اپنی بدترین شکست کا احساس ہوتا رہے گا۔ عورت سے بڑی شکست تو شاہوں نے بھی کبھی نہ کھائی ہوگی۔"

"اس وقت تم اس سے ملنے تو یہاں نہ آئے ہوگے؟" میں نے پستول کی نال کو جنبش دیتے ہوئے سوال کیا۔

"شہر میں اب یہی تو ایک دیکھا بھالا گھر رہ گیا ہے۔ یہاں فرسٹ ایڈ کے ساتھ جہانگیر سے ملاقات کی بھی اُمید تھی جو پوری نہ ہو سکی لیکن یہ تو بتاؤ تم اپنے دوست کی تنہا بیوی کی خواب گاہ میں کس رشتے سے گھسے تھے؟"

"جو اس سوال کا مجاز ہے اسی کو جواب دے سکوں گا۔ اب شرافت سے سلمیٰ کو چھوڑ کر اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو، ورنہ میں نتیجے کی پروا کیے بغیر گولی چلا دوں گا۔"

"نہ نہ۔ گولی نہ چلانا، ایک کم ہو جائے گی۔" وہ مضحکانہ لہجے میں بولا۔ یہ کہتے ہوئے اس نے اچانک ہی سلمیٰ کو چھوڑ دیا۔ پل بھر کے لیے میری توجہ ہٹی اور اسے لوٹنے سائڈ ٹیبل سے ماربل کا گلدان اٹھا کر فانوس پر دے مارا۔

ایک دھماکے کے ساتھ خواب گاہ میں اندھیرا چھا گیا اور میں اُچھل کر روشن راہداری میں نکل گیا۔ اسے لوٹ کے ہاتھ میں زہریلی سرنج تھی لہٰذا میں دور رہ کر ہی اسے زیر کرنے کی فکر میں تھا۔

میں پستول تانے، سانس روکے راہداری میں اُس کا منتظر تھا کہ اچانک خواب گاہ سے کسی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹنے کا چھناکا سنائی دیا۔ جتنی دیر میں میں کمرے میں پہنچتا، وہ کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے سے باہر کود چکا تھا۔ میں نے بوکھلاہٹ کے عالم میں سوئچ ٹٹول کر ٹیبل لیمپ روشن کیا تو سلمیٰ کے چہرے پر خون کی کئی بوندیں نمایاں تھیں۔ فانوس سے ٹوٹنے والے شیشے کے کچھ ٹکڑوں نے اسے بھی اپنی زد میں لے لیا تھا۔

واقعات اس قدر تیزی کے ساتھ اور پے در پے رونما ہو رہے تھے کہ اگلا دن طلوع ہونا مشکل نظر آ رہا تھا۔ میں نے فوری طور پر چوکیدار سمیت تینوں ملازمین کو طلب کیا تو سلمیٰ کی خواب گاہ میں گھستے ہی وہ بوکھلا گئے۔ ان کے لیے گھر میں کسی اجنبی کی موجودگی ناقابلِ یقین تھی۔ کیونکہ وہاں تو دن بھر کوئی آیا ہی نہیں تھا اور نہ انھوں نے چند منٹ پیشتر کسی کو جاتے دیکھا تھا۔ ان تینوں کو میں نے کسی بدنیت ڈاکو کے داخلے، اپنی مداخلت اور پھر اس کے فرار کی کہانی سنا کر ہوشیار رہنے کی تاکید کی اور بے ہوش سلمیٰ کو اپنی کار میں منتقل کرا کے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ واقعات کی تیزی کو دیکھتے ہوئے میں نے اپنے یا سلمیٰ کے

زخموں کی دیکھ بھال بھی نہیں کی تھی کہ کہیں اسے ٹوہ بھاگتے بھاگتے ایک مرتبہ پھر نہ ادھر پلٹ پڑے اور مجھے لینے کے دینے پڑ جائیں۔

سلمیٰ کے لیے میرا دل بہت ملول تھا۔ میری خواہش تھی کہ وہ راستے ہی میں ہوش میں آجائے تاکہ میں اسے اپنے طرزِ عمل کی وجہ سے آگاہ کرسکوں۔ گھر پہنچنے کے بعد میرے لیے ایسی وضاحتیں ذرا دشوار ہوجاتیں۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر غیر ارادی طور پر نگاہ ڈالی تو پونے نو بج رہے تھے، مجھے یاد آیا کہ مجھے آٹھ اور نو بجے کے درمیان فون پر سلطان شاہ سے رابطہ قائم کرنا تھا۔ میں نے سلمیٰ کے ہوش میں آنے تک شہر نوردی کا ارادہ ترک کرکے گاڑی گھر جانے والے راستے پر ڈال کر رفتار بڑھا دی۔

گھر پر شدت کے ساتھ میرا انتظار ہورہا تھا۔ میرے زخمی ہاتھوں کو دیکھ کر غزالہ بہت پریشان ہوئی پھر بے ہوش سلمیٰ کو میرے ساتھ موجود دیکھ کر پورے گھر میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی لیکن میں کسی کے بھی سوالات کی پروا کیے بغیر ڈرائنگ روم میں گھس گیا۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ پہلی ہی کوشش میں لاہور کا نمبر مل گیا۔

فون ریسیو کرنے والا سلطان شاہ خود ہی تھا اور غیر متوقع طور پر سنجیدہ محسوس ہورہا تھا۔ چند رسمی فقروں کے بعد وہ فوراً ہی مطلب کی بات پر آگیا۔

"میرے پاس تمہارے لیے ایک بُری خبر ہے۔" اس کی ٹھہری ٹھہری آواز سنائی دی۔

"بڑی ماں کے بارے میں؟" میں نے اپنے اندر سے آواز آتی محسوس کی۔

"ہاں — وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔" میری سوتیلی ماں کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آواز بوجھل ہوگئی۔

"اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون — اور کیا خبریں ہیں؟" میں نے جذبات سے عاری سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

دوسری طرف لائن پر سناٹا چھا گیا جیسے اسے میرے ردِعمل پر حیرت ہوئی ہو اور وہ بات جاری رکھنے کا حوصلہ نہ کرپا رہا ہو۔

"کیا سو رہے ہو تم؟" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"نن..... نہیں، سوچ رہا تھا۔ مجھے لائیڈز کالج میں سامان فراہم کرنے والے ٹھیکیدار کی وین پر نوکری ملنے کی اُمید ہوگئی ہے۔ وہیں وہاں روز گوشت، سبزیاں اور دالیں وغیرہ پہنچاتی ہے۔ میں بہ آسانی دو تین گھنٹے اندر گزار لیا کروں گا۔"

"نوکری کرلو لیکن اس ولدالحرام سے بچے رہنا۔ پوری بھیڑ میں وہی ایک آدمی تم کو پہچانتا ہے۔"

"میں محتاط رہوں گا، کراچی کے کیا حالات ہیں؟"

"حالات خطرناک ہیں، اس سے چار بار ٹکراؤ ہوچکا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے میرے ہاتھوں زخمی بھی ہوا ہے، اب شاید اسے کئی دن آرام کرنا پڑے گا۔"

"آج شوگر کوئین بھی نظر آہی گئی۔" وہ بتا رہا تھا۔ "اسے علاقے میں کوئی نہیں جانتا۔ وہ اپنے ایک سفید فام دوست کے ساتھ رہ رہی ہے اور اس کا اصل نام دریا لائیڈ ہی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اولڈ ڈارلنگ کے معاملے میں وہ پریشان ہے اور کسی بھی وقت لاہور سے کوچ کرسکتی ہے۔"

"یہ کس بنا پر کہہ رہے ہو؟"

"آج شام وہ مختلف فضائی کمپنیوں کے دفاتر کے چکر لگاتی رہی تھی۔ اگر وہ یہاں سے چل ہی پڑی تو میں کچھ بھی نہ کرسکوں گا۔"

"پھر اس سے پہلے ہی کچھ کر گزرو۔ تمہارے دوست اُسے مہمان رکھنے میں خوشی محسوس کریں گے۔"

"میں انہیں صرف صورت دکھا دوں گا، باقی کام وہ شوق سے خود ہی کرلیں گے، پھر....." اچانک ریسیور پر سلطان شاہ کی کراہ سنائی دی اور فوراً ہی سلسلہ منقطع ہوگیا۔ میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور شدید بے چینی کے عالم میں وہاں سے اٹھ گیا — نجانے اس پر کیا ناگہانی افتاد نازل ہوئی تھی۔

میں نے دوبارہ وہی نمبر ملایا لیکن دوسری طرف سے مسلسل انگیج ٹون سنائی دیتی رہی۔ جب پانچویں کوشش بھی بارآور نہ ہوئی تو میں مایوس ہوگیا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ اس اُفتاد کے نتیجے میں ریسیور کریڈل پر رکھنے کی نوبت ہی نہ آسکی تھی۔

میں اداس دل اور بوجھل قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ اس وقت مجھ پر خود فراموشی کی سی کیفیت طاری تھی۔ اپنی ہتھیلیوں کے کھولتے ہوئے زخموں سے لے کر سلمیٰ اور غزالہ، سب ہی کو بھلا بیٹھا تھا۔ بس یہ یاد رہ گیا تھا کہ بڑی ماں قتل کردی گئی تھیں۔ رشتے کا ایک محترم اور مقدس نام جو میری تسلی کے لیے باقی تھا، اسے بھی مٹا دیا گیا تھا۔

میری آنکھوں کے گوشے تیزی سے نمناک ہونے لگے اور جب میں بستر پر گرا تو نگاہیں دھندلا چکی تھیں اور دل حلق میں اُبلا آرہا تھا۔

والد مرحوم نے رشوت کی آمدنی کے بل پر ایک چھت کے نیچے بیک وقت جن دو کہانیوں کا آغاز کیا تھا، آج وہ دونوں ہی ختم ہوچکی تھیں۔ ماں، بڑی ماں اور ابا جان میں سے کوئی باقی

نہیں رہا تھا۔ میں اپنی تقدیر کا لکھا پورا کرنے کے لیے انسانوں کے سمندر میں تنہا دھکیل دیا گیا تھا۔ جہاں کوئی کسی کا سچا ہمدرد نہیں تھا۔

ایسی مایوسی اور بے بسی میں نے اپنی زندگی میں کبھی محسوس نہ کی تھی۔

زندگی انسان کے لیے کس قدر اہم ہے۔ لمحوں سے برسوں تک ایک طویل مسافت نظر آتی ہے جسے طے کرنے کے لیے لمحہ بہ لمحہ منصوبے اور سازشیں تیار کرنا پڑتی ہیں، دوستوں کی دلجوئی، دشمنوں کی بیخ کنی، چاہے جانے والوں کی خوشامد، زر پرستی، زن مریدی، زمین سازی کی فکر کم و بیش ہر انسان کے ذہن پر ہر لمحہ سوار رہتی ہے، جب تک وہ زندہ رہتا ہے، یہی محسوس کرتا ہے کہ پورے معاشرے میں اسی کی جدوجہد اور جانبازی سب سے اہم اور جاں گسل ہے جس کے نتائج پر بہت سوں کے مستقبل کا دارومدار ہے لیکن تقدیر کائنات کی لامتناہی پہنائیوں میں چھپی انسان کی ان خوش فہمیوں پر چپکے چپکے، دھیمے دھیمے مسکراتی رہتی ہے کہ دوسروں کے مستقبل کے غم میں گھلا جلنے والا اپنے مستقبل سے کس قدر بے خبر ہے۔ انسان اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ اپنی مہم جوئی میں مصروف رہتا ہے اور پھر اچانک ہی وہ فیصلہ کن لمحہ سر پر آجاتا ہے جب اجل کے ہاتھوں شہ رگ کی دھڑکن یکلخت موقوف ہو جاتی ہے اور انسان زندگی کے سارے جھمیلوں سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

بڑی ماں بھی مر چکی تھیں یا ماردی گئی تھیں لیکن یہ سب قانونی موشگافیاں تھیں، دونوں صورتوں میں طبعی نتیجہ ایک ہی برآمد ہونا تھا۔ میرے بارے میں ان کے جذبات جو بھی رہے ہوں، میرے دل میں ان کے لیے بے پناہ تڑپ زندہ تھی۔ اگر تصویر سچا تھا تو بڑی ماں بھی مجھ سے ملنے کے لیے بے تاب تھیں۔ کس قدر عجیب بات تھی کہ بڑی ماں تین جوان لڑکوں کی ماں تھیں۔ دو سگے اور ایک سوتیلا لیکن ان میں سے کسی کو بھی گھر بار کی عیال داری اور آسودہ زندگی میسر نہ آسکی تھی۔

تصویر جس انداز میں لائیڈز کالج میں رہ رہا تھا، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مرتے دم تک وہ شادی بیاہ کی پابندیوں سے آزاد رہتا۔ توقیر اگر کناڈا ہی میں تھا تو اس کا وہاں ہونا یا نہ ہونا بڑی ماں کے لیے یکساں تھا۔ تصویر مشرق کے پابند معاشرے میں رہتے ہوئے شادی پر مائل نہ ہو سکا تھا تو بھلا توقیر مغرب کی آزادیوں میں اس موضوع پر کیوں سوچتا۔ میرا جو حال تھا، سو سامنے تھا۔ میں اپنی شریکِ حیات کے طور پر غزالہ کا انتخاب کر چکا تھا لیکن اپنی زندگی کو کسی لگی بندھی راہ پر ڈالے بغیر میں اس بندھن کو مضبوط کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

روایتی بڑی بوڑھیوں کی طرح بڑی ماں کو بھی حسرت [illegible] وہ اپنی گود میں اپنے پوتوں کو ہنستے کھیلتے اور ہمکتے دیکھیں لیکن ان کی وہ حسرت ان ہی کے ساتھ دم توڑ گئی... فی الوقت اس گھرانے [illegible] نام چلانے [illegible] کوئی [illegible] تھا۔

شاید اس میں [illegible] قدرت کی کوئی مصلحت تھی کہ ہم تینوں ابھی تک تنہا تھے۔ تصویر اکیلا اپنی بقا کی جنگ لڑتے لڑتے اس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جس کے اشاروں پر وہ نجانے کیا کچھ کرتا رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہم تینوں میں سے کسی نے بھی اپنی اتنی عمر گزار کر کوئی نیکنامی نہیں کمائی تھی بلکہ اپنے ہر قول و فعل سے اپنے بزرگوں کے نام کو بٹا ہی لگاتے آئے تھے۔

میری سمجھ میں نہ آسکا کہ لوگ اولادِ نرینہ کے لیے کیوں ترستے ہیں۔ کس قدر عبرت کا مقام تھا کہ ہم تین بھائی تھے اور تینوں ہی جرم و گناہ کی اندھیری راہوں کے مسافر تھے۔ ہماری جگہ لڑکیاں ہوتیں تو اب تک اپنے اپنے گھر بار کی ہو گئی ہوتیں۔ خاندان کا نام نہ چلاتیں تو کم از کم اس کو بٹا بھی نہ لگاتیں۔ مگر اپنے گردوپیش میں آئے دن ایسے المناک واقعات دیکھ کر بھی لوگ اپنی آرزوؤں میں تبدیلی لانے سے قاصر تھے۔ بہتیرے لوگ لڑکی کی ولادت پر والدین کے ساتھ یوں اظہارِ ہمدردی کرتے تھے جیسے بیٹی کی پیدائش کی صورت میں ان پر کوئی عتاب نازل ہوا ہو اور تو اور، اس جہالت کا بدترین مظہر وہ رویہ تھا کہ ماں بننے والیاں عورت ہوتے ہوئے بھی اپنی گود میں اپنی جنس کو دیکھ کر مقدر کا گلہ کرتی نظر آتی تھیں۔

میرے آنسو تھم چکے تھے۔ دل کی گہرائیوں سے ابھرنے والا غم و اندوہ کا غبار آنسوؤں میں ڈھل چکا تھا لیکن ذہنی رو اس کمرے کی تنہائی میں بھٹکے جا رہی تھی۔ ذہن پر فلسفہ طاری ہونے لگا تھا، اس وقت پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ فلسفہ ناکامیوں اور محرومیوں کی کوکھ سے ہی جنم لیتا ہے۔ کامیاب اور بامراد لوگوں کو تو مسرتیں سمیٹنے سے ہی فرصت نہیں ملتی جو وہ فلسفے کا رخ کر سکیں۔

"ارے! آپ یہاں پڑے کیا کر رہے ہیں؟" اچانک ابھرنے والی غزالہ کی تحیر آمیز آواز نے مجھے جھنجھوڑ دیا اور میں ہڑبڑا کر بستر سے اٹھ گیا۔

"کک... کچھ نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "دل اداس تھا اس لیے ادھر آگیا تھا... وہاں کیا ہو رہا ہے... سلمیٰ ہوش

میں آئی یا نہیں؟" میں نے خفت مٹانے کے لیے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

وہ رکے بغیر میرے قریب آگئی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی "بڑا اداس کیوں ہیں آپ؟ کیا سلطان شاہ نے کوئی بری خبر سنائی ہے؟"

"خبر صرف خبر ہوتی ہے غزالہ۔" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اسے اچھا یا برا سمجھنا خود سننے والے کے اپنے رویّے پر منحصر ہوتا ہے۔۔ سلطان شاہ نے آج بڑی ماں کی موت کی تصدیق کر دی ہے۔"

"دُکھ ہونا تو لازمی ہے لیکن جب سگی ماں نہ رہی تو سوتیلی کب تک زندہ رہتی۔ یہ تو قدرت کا قانون ہے کہ جانے والے آنے والوں کے لیے جگہ خالی کرتے جاتے ہیں اور ہم میں سے کوئی بھی اس اٹل قانون سے مستثنیٰ نہیں۔"

"نہ ہوں گے۔" میں سر جھٹک کر ہنس پڑا۔ "تم نے یہ نہیں بتایا کہ سلمیٰ کس حال میں ہے؟"

"ہوش میں آگئی ہے، پہلے اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ اب آپ کے خلاف زہر اُگل رہی ہے۔۔۔ میں اسی تماشے میں الجھی ہوئی تھی۔ ورنہ بہت پہلے یہاں آگئی ہوتی۔"

"تمھیں تو پہچان لیا ہوگا اس نے؟"

"ابھی اس کے حواس یکجا نہیں ہو سکے ہیں۔ جہانگیر کے علاوہ کسی کو نہیں پہچان سکی۔" یہ کہتے ہوئے وہ تشویش زدہ انداز میں میری زخمی ہتھیلیوں پر جھک گئی۔ "یہ کیا ہوا؟ بہت بری طرح زخمی ہوئی ہیں ہتھیلیاں آپ کی۔"

"آج اے لٹو سے بدترین تصادم ہوا ہے۔" میں نے ہلتے ہوئے کہا۔ "مقدر ہی یاوری کر رہا تھا کہ ہر بار اسے زخم چاٹتے چھوڑ کر زندہ و سلامت نکل آنے میں کامیاب ہو گیا۔"

وہ وہیں میری مرہم پٹی کرنے پر مُصر تھی لیکن میں نے وہ کمرہ چھوڑ دیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ سلمیٰ میرے خلاف کیا زہر اُگل رہی تھی اور جہانگیر پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے تھے۔

سب سے پہلے مجھ پر اسی کی نگاہ پڑی تھی اور وہ زہریلے لہجے میں جہانگیر سے مخاطب ہو گئی تھی۔ "لو، آگیا تمہارا چہیتا دوست۔ اب اسی سے پوچھ لو کہ مجھے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔"

آخری الفاظ پر اس کی آواز رُندھ سی گئی۔

"سلمیٰ کیا کہہ رہی ہے؟" جہانگیر نے ملامت آمیز اونچی آواز میں مجھ سے سوال کیا۔ "تمھیں اس پر ایسے گھٹیا الزام لگاتے ہوئے ذرا بھی شرم نہ آئی؟"

"ضرور آتی۔ اگر سلمیٰ کی خواب گاہ میں اے لٹو مسہری پر دراز نہ ہوتا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور جہانگیر کی نظریں جھک گئیں۔

"یہ جھوٹ ہے۔" سلمیٰ ہذیانی انداز میں چیخ پڑی۔ "اس نے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی، میں مجبور تھی۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ نے اسے اپنی خوشی سے نہیں بلایا تھا۔۔۔ وہ تو کسی چور کی طرح اطلاع دیے بغیر اچانک ہی وہاں گھس آیا تھا۔"

"مجھے یہ سب معلوم ہے۔۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہنا چاہا لیکن جہانگیر نے تیز لہجے میں میری بات اڑا دی۔

"کیا معلوم ہے؟" وہ اشتعال آمیز لہجے میں دہاڑا تھا۔ "کیا دیکھ لیا تھا تم نے میری خوابگاہ میں کہ تم نے سلمیٰ پر الزام تراشی شروع کر دی؟"

"سنو!" اس کے خاموش ہوتے ہی کمرے کی فضا میں کرنل نوّار زیدی کی پاٹ دار آواز گونجی۔ "اگر نیچی آواز میں بات نہیں کر سکتے تو فوراً یہاں سے نکل جاؤ، یہ گھر ہے، کوئی بھٹیار خانہ نہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ جیب سے پستول نکال چکا تھا۔

"آپ پستول رکھ لیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمارے درمیان کچھ غلط فہمیاں جنم لے چکی ہیں جنھیں دور کرنا بہت ضروری ہے۔ میں ان دونوں کو ابھی قائل کر دوں گا۔"

"کرو، میں سن رہا ہوں۔" کرنل نے نادر شاہی فرمان جاری کیا اور میں بے چارگی کے ساتھ سر ہلا کر ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ اے لٹو وہاں چوری سے گھسا تھا پھر شاید اس نے سلمیٰ کو۔۔ سلمیٰ بھابی کو۔" میں نے غزالہ سے نگاہیں چار ہوتے ہی جلدی سے اپنی تصحیح کر ڈالی۔ "دھمکا کر اپنی مرہم پٹی کرنے کے لیے مجبور کیا۔ اسی اثنا میں میں وہاں پہنچ گیا۔ پہلے تو میں سمجھ ہی نہیں سکا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اے لٹو کو تمہارے بستر پر دراز دیکھ کر غصّے سے کھوپڑی کھولنے لگی تھی۔ اسی رو میں میری جانب سے تلخ کلامی کا آغاز ہوا پھر صورتحال کا ادراک ہونے کے بعد میں نے اداکاری کا فیصلہ کر لیا، اگر اے لٹو، سلمیٰ۔ سلمیٰ بھابی کے ساتھ میری ہمدردی کا اندازہ لگا لیتا تو اسے آڑ بنا کر مجھے زیر کر سکتا تھا۔ لہٰذا میں نے سلمیٰ بھابی کے بارے میں بے رحمانہ رویّہ اختیار کر لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے زیر کرنے کے بجائے وہ خود بھاگ نکلا۔"

"لل۔۔۔ لیکن تم نے الزامات لگائے تھے مجھ پر ایسے گندے الزامات جن کا تصوّر بھی محال ہے، کیا کچھ نہیں کہا تھا تم نے مجھے؟ گالیاں نہ دے کر بھی بدترین گالیاں دے ڈالی تھیں اور اسے اکسا رہے تھے کہ مجھے مار ہی ڈالے۔" سلمیٰ ہچکیوں اور سسکیوں کے

درمیان روہانسی آواز میں بولی۔

"یہ سب درست ہے لیکن میں نے جو کچھ کیا، وہ تمہاری جان بچانے کے لیے کیا۔" میں نے براہِ راست سلمیٰ سے مخاطب ہو کر پُرسکون لہجے میں کہا۔ "اس وقت اس لڑکے کے ذہن پر تخریب سوار تھی۔ میں تمہاری زندگی کے لیے التجا کرتا تو وہ تمہیں ہلاک کر دیتا۔ یہی بھانپتے ہوئے میں نے تم کو موت کا سزاوار قرار دیا تھا اور اس نے تمہیں زندہ چھوڑ دیا۔ تاکہ جہانگیر خود تمہارا کام تمام کرے۔ اسے پورا الیقین ہو گیا تھا کہ میں تمہاری طرف سے پوری طرح بدظن ہو چکا ہوں اور جہانگیر کو تمہاری اور اس کی بزم آرائی کی داستان پوری تفصیل کے ساتھ سناؤں گا۔"

"کیا بک رہے ہو تم؟" جہانگیر آخر کو مرد ہی تھا۔ اسے طارہ آ گیا۔ "وہاں کیسی بزم آرائی ہو رہی تھی؟ کیا ہو رہا تھا جب تم خوابگاہ میں داخل ہوئے تھے۔"

"بظاہر بہت کچھ لیکن درحقیقت کچھ بھی نہیں۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "وہ زخمی پنڈلی اور شانہ برہنہ کیے تمہاری مسہری پر دراز تھا اور سلمیٰ اس کے زخم صاف کر رہی تھی۔۔"

"لیکن وہ وہاں گیا ہی کیوں تھا؟" جہانگیر سلمیٰ کے چہرے پر نظریں گاڑ کر غرایا۔

جہانگیر کے خون پر گرمی چڑھنے لگی تھی۔ سلمیٰ نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا لیکن زبان ہلاتے ہی بے ساختہ رو پڑی اور مجھے ایک بار پھر دخل اندازی کرنا پڑ گئی۔

"وہ تمہاری بیوی سے ملنے نہیں گیا تھا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تم اس کی قید سے فرار ہوئے تھے، اس کے بعد اس کے لیے دشواریاں کھڑی ہو گئیں، وہ تم سے فیصلہ کن انداز میں دو دو ہاتھ کر کے تمہارا کام تمام کرنا چاہتا تھا۔ یہ تمہاری خوش نصیبی تھی کہ تم وہاں موجود نہیں تھے اور سلمیٰ کی بدنصیبی تھی کہ میری ہدایت کے باوجود یہ گھر نہ چھوڑ سکی کیونکہ اس کے رشتے دار اچانک ہی حیدرآباد چلے گئے تھے اور اس لڑکے نے اس سے نرس کا کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔"

"وہ بہت کمینہ ہے، اگر تم بروقت مداخلت نہ کر بیٹھتے تو وہ حد سے متجاوز بھی ہو سکتا تھا۔"

"بالکل ہو سکتا تھا۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "اس کی ذہنیت گندی ہے، وہ عورت کی شکست کو بدترین گردانتا ہے۔ خود اس نے کہا تھا کہ عورت سے بڑی شکست تو کبھی شاہوں نے بھی نہ کھائی ہو گی۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تم بروقت وہاں پہنچ گئے تھے؟" جہانگیر کی آواز پر یک بیک نقاہت طاری ہو گئی۔

"ایمان کی حد تک۔" میں نے اس کی ذہنی کیفیت بھانپتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا اور عزالہ کو آنکھ سے اشارہ کیا کہ وہ سلمیٰ کو وہاں سے اپنے ساتھ لے جائے۔

عزالہ اسے پچکارتی ہوئی اپنے ساتھ لے گئی۔ اس اثنا میں کرنل پستول ہاتھ میں تھامے مسلسل دروازے پر جما ہوا تھا۔

"کیا اب بھی کسی سے کوئی خطرہ لاحق ہے آپ کو؟" میں نے خشک لہجے میں کرنل سے سوال کیا۔

"نن۔۔۔ نہیں۔" کرنل نے بوکھلاتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "کہو تو میں بھی چلا جاؤں یہاں سے؟"

"جانا چاہیں تو آپ کی مرضی ہے لیکن کم از کم پستول جیب میں رکھ لیں، چل پڑا تو ہوا میں نمی کا تناسب بڑھ جائے گا۔" میں نے اپنے لہجے میں سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا اور کرنل نے سیفٹی کیچ چڑھا کر پستول فوراً ہی جیب میں ڈال لیا۔

"میں ذرا شمع کو دیکھ کر آتا ہوں، بھیڑ بھاڑ اور شور و غل سے اسے اختلاج ہونے لگتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ تیزی کے ساتھ اس کمرے سے نکلا چلا گیا۔

تنہائی میسر آ جانے پر جہانگیر کئی ثانیوں تک الجھن آمیز انداز میں میری آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر شکست خوردہ دھیمی آواز میں بولا۔ "تم میرا دل رکھنے کے لیے جھوٹ تو نہیں بول رہے؟"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟" میں نے بگڑ کر کہا۔ "مجھے کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی؟ جو دیکھا تھا، بتا دیا۔ بس یہ یاد رکھنا کہ اب کافی عرصے تک تم دونوں کو بھی روپوش رہنا ہو گا۔ ورنہ وہ کسی پاگل کتے کی طرح تم پر کوئی بھی وار کر گزرے گا جس کا توڑ کرنا شاید کسی کے لیے بھی آسان نہ ہو گا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ تم مجھے کیا سمجھانا چاہ رہے ہو۔" وہ جلدی سے اضطراری لہجے میں بولا۔ "سلمیٰ حالات سے بے خبر ہے۔ لہٰذا وہ تمہاری ہدایت کی اہمیت کو نہ سمجھ سکی۔ اسے ذرا بھی عقل ہوتی تو رشتے داروں کی غیر حاضری کا علم ہونے کے بعد وہ شہر کے کسی ستھرے ہوٹل میں منتقل ہو سکتی تھی۔۔۔۔ اب مجھے اس سے بہت سی وضاحتیں کرنا پڑیں گی۔ وہ سوالات کر کے میرا دماغ چاٹ جائے گی۔ اس بارے میں تم نے اسے کیا بتایا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے اس کی خلش اور پریشانی کا سبب بھانپتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "وہاں وہ اس لڑکے کی موجودگی میں ہی بے ہوش ہو گئی تھی، اسی حالت میں میں اسے یہاں اٹھا لایا۔ اس سے تو مجھے بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ بھلا میں اسے کیا بتاتا؟ اب تو بتانا اور چھپانا سب تم ہی پر منحصر ہے۔"

"وہ شروع دن سے میری سرگرمیوں سے شاکی رہی ہے۔"
وہ گہرا سانس لے کر بولا۔" اور اب تو اسے بھی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ان معاملات میں میرا اور تمہارا مفاد مشترک ہے۔ میں اسے جو کچھ بھی بتاؤں گا' وہ علیحدگی میں تم سے اس کی تصدیق ضرور کرنا چاہے گی۔"
"ہو سکتا ہے کہ تصدیق کا مرحلہ شروع بھی ہو چکا ہو۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا۔
"کس سے؟ کیسے؟" میری رائے زنی پر وہ بوکھلا گیا۔
"ہوش و حواس معمول پر آتے ہی وہ غزالہ کو پہچان چکی ہوگی جسے اپنی دانست میں سلمیٰ نے تمہاری قید سے فرار کرایا تھا۔ اب تم جو کچھ بھی کہو گے' وہ غزالہ کے بیان کے مطابق ہونا چاہیے۔"
اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔" مجھے یہ دن بھی دیکھنا تھا کہ بیوی کے سامنے اپنی مصروفیات کی وضاحتیں کرتا پھروں۔" وہ تقریباً کراہتے ہوئے بڑبڑایا تھا۔
اسی اثنا میں غزالہ سلمیٰ کے ساتھ وہاں آپہنچی۔ سلمیٰ ترش لہجے میں اس سے الجھ رہی تھی اور وہ مسکرا کر اسے ٹالے جا رہی تھی۔ کمرے میں پہنچتے ہی غزالہ ایک گہرا سانس لے کر بولی تھی۔
"اب دونوں تمہارے سامنے موجود ہیں۔ جو چاہو' ان سے پوچھتی چلی جاؤ' میں تو تمہاری ہی طرح ناگہانی اس تصادم میں الجھ گئی تھی۔"
"یہ کون ہے؟" سلمیٰ نے تیکھے تیوروں کے ساتھ جہانگیر سے غزالہ کے بارے میں سوال کیا۔
"سلیس اردو میں ایک لڑکی اور ثقیل اردو میں میری منگیتر۔" جہانگیر سے پہلے ہی میں بول پڑا۔ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ فضا میں کشیدگی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے۔
"تمہاری منگیتر!" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر معنی خیز ہنکارا بھرتی ہوئی میری طرف گھوم گئی۔" جہانگیر نے اسے کیوں اغوا کیا تھا بلکہ اغوا کر کے اپنے گھر پر قید رکھا تھا۔ اگر میں اس کی مدد نہ کرتی تو نجانے اس کا کیا انجام ہوتا۔ اس کے جواب میں میرے ساتھ تمہارا رویہ حیرتناک ہے۔ موقع ملنے کے باوجود تم نے اس زیادتی کا کوئی بدلہ نہیں لیا۔"
"یہ غلط فہمی ہے تمہاری۔" میں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔
"ہم دونوں اسی سیاہ پوش کے خلاف برسرپیکار ہیں جو میرے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد تمہاری خوابگاہ میں جا گھسا تھا۔ پہلے اس نے غزالہ کو اغوا کروایا تھا اور جہانگیر اس کے آڑے آگیا۔ اس وقت تک جہانگیر کو میرے اور غزالہ کے تعلق کا علم ہی نہ ہو سکا تھا' وہ اسے ایک مظلوم لڑکی سمجھ کر اس کی مدد کر رہا تھا۔۔۔"
"اپنے گھر میں قید کر کے؟" سلمیٰ نے میری بات کاٹ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔
"تم احمق ہو۔" جہانگیر جھنجلا کر بول ہی پڑا۔" وہ بہت با رسوخ اور کینہ پرور آدمی ہے' مجھے ڈر تھا کہ لڑکی رہا ہوتے ہی کہیں دوبارہ اس کے آدمیوں کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔ میں اس کے لیے کسی بہتر کمین گاہ کی تلاش میں تھا۔"
"جب میں نے اسے بھگایا تو وہ فوراً ہی دھر لی گئی۔" سلمیٰ نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ اس وقت وہ ہر اعتبار سے صرف اور صرف بیوی نظر آرہی تھی جسے کاتبِ تقدیر نے شوہر کے سخت محاسبے کے لیے سر پر مسلط کیا ہو۔
"یہ اتفاق ہے کہ وہ ڈینی کی تربیت یافتہ غزالہ تھی اور صاف نکل گئی' کوئی اور ہوتی تو تمہیں خود اپنی احمقانہ ہمدردی پر افسوس ہوتا۔ اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں تھا۔"
"پہلے ڈینی کی منگیتر اور آج تمہاری بیوی کی باری آگئی تھی۔" سلمیٰ کے جارحانہ تیور بدستور برقرار تھے۔" آخر وہ کون ہے؟ تم نے اس کی کس ماں بہن کی بے آبروئی کی ہے کہ وہ تمہاری عورتوں کا دشمن ہو رہا ہے۔"
"تم سے کہاں دشمنی ہے اسے؟" جہانگیر نے تلخ لہجے میں کہا۔" تم سے تو مرہم پٹی کرانے آیا تھا' ڈینی دخل اندازی نہ کر بیٹھا ہوتا تو شاید دوستی کے دو طرفہ معاہدے کی توثیق بھی ہو چکی ہوتی۔"
وہ آپے سے باہر ہو کر چیختی ہوئی جہانگیر کی طرف جھپٹی مگر میں پھرتی کے ساتھ درمیان میں آگیا۔ اس نے روہانسی آواز میں مجھے برا بھلا کہتے ہوئے میرے سینے پر مُکے برسانے شروع کر دیے۔
میں نے بے بسی سے غزالہ کی طرف دیکھا تو وہ معنی خیز زیرِلب مسکراہٹ کے ساتھ اپنی جگہ پر بالکل غیر جانبدارانہ انداز میں کھڑی تھی' میں نے ناچار سلمیٰ کی دونوں کلائیاں تھام لیں۔ وہ ہاتھ چھڑانے کے لیے چند ثانیوں تک زور آزمائی کرتی رہی۔ اس دوران میں غزالہ کے لبوں سے مسکراہٹ کافور ہو چکی تھی اور اس کی آنکھوں میں رقابت کی ہلکی سی سرخی بھڑکنے لگی تھی۔ اس سے پیشتر کہ غزالہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا' میں نے موقع ملتے ہی سلمیٰ کو ایک جھٹکے سے پیچھے دھکیل کر اس کی کلائیاں چھوڑ دیں۔
"میاں بیوی کے معاملات میں آپ شاید ضرورت سے زیادہ دخیل ہو رہے ہیں۔" فضا میں غزالہ کی پُرسکون آواز گونجی۔ "ان دونوں کو یہاں ایک دوسرے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں تو مصالحت آسانی کے ساتھ ہو سکے گی۔"
میرے لیے اس کا فرمان نعمت سے کم نہیں تھا۔ میں

فوراً ہی نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا اور غزالہ میرے پیچھے ہو لی۔

"تم سلمیٰ کی آمد سے کچھ ناخوش نظر آتی ہو؟" میں نے ڈرائنگ روم میں پہنچتے ہی سبقت لے جاتے ہوئے سوال کر ڈالا۔

"اگر آپ خوش ہیں تو میں کیسے ناخوش ہو سکتی ہوں؟"

اس کے سنجیدہ جواب نے پل بھر کے لیے مجھے لاجواب کر دیا مگر میں نے فوراً ہی راستہ نکال لیا۔

"میری خوشی کا اندازہ کیسے لگا لیا تم نے؟"

"بڑے شوق سے اس سے پٹ رہے تھے آپ، میرا تو خون کھول رہا تھا اسے یہ جسارت کیسے ہوئی کہ اس نے آپ پر ہاتھ اٹھایا؟ آپ کی جگہ جہانگیر پٹ رہا ہوتا تو اس کے دونوں ہاتھ شانوں سے اکھاڑ پھینکتا۔" وہ غضیلے لہجے میں بولی۔

"اس وقت وہ ذہنی طور پر نارمل نہیں ہے۔" میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ "میری جگہ جہانگیر ہوتا تو واقعی وہی کچھ کرتا جو تم کہہ رہی ہو۔ کیونکہ خلوت سے ہٹ کر میاں بیوی اَنا کے معاملے میں بہت زیادہ حساس ہو جاتے ہیں۔ جب کہ میرے لیے اَنا کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ کم از کم تمھیں اس قدر تنگ نظری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔"

"اپنے اس مشورے کا جواب آپ خود ہی دے چکے ہیں۔" وہ سپاٹ اور سنجیدہ لہجے میں بولی۔ "آپ دوسری عورتوں کے بارے میں لاکھ منکسر المزاج ہوں لیکن میں اَنا کی تھوڑی سی قائل ہوں، کسی بھی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی عورت آپ پر ہاتھ اٹھائے اور آپ بس ہنس ہنس کر اسے روکتے رہیں۔"

میرا وجود سُن ہو کر رہ گیا۔ غزالہ نے چھوٹے چھوٹے الفاظ میں بہت بڑی بات کہہ ڈالی تھی جس کا اسے حق حاصل تھا۔ اس نے جو کچھ کہا درست ہی کہا تھا لیکن میرے لیے اس کے جواب میں خاموش رہنا ممکن نہیں تھا۔

"اس وقت میرے لیے وہ نہ مرد تھی، نہ عورت۔ میں تو اسے بس ایک مغلوب الغضب اور فاتر العقل سمجھ رہا تھا جس کی نہ کوئی جنس ہوتی ہے نہ نسل۔ اچھا ہوا کہ آج تم نے مجھے ٹوک دیا، اب میں آئندہ محتاط رہوں گا اور کوشش کروں گا کہ یہ دونوں میاں بیوی جلد سے جلد یہاں سے چلے جائیں۔"

"چلے ہی جائیں تو بہتر ہے۔" اس نے آہستگی کے ساتھ کہا۔ "میں آپ کو قصوروار نہیں ٹھہراتی لیکن کاش آپ ایک عورت کی نگاہوں سے سلمیٰ کا مشاہدہ کرتے تو مجھ سے پورا پورا اتفاق کرتے۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اپنے مشاہدے کی بنا پر بصد ادب یہ عرض کروں گی کہ وہ عورت آپ میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے مطلع کر دیا۔ میں اس سے ہوشیار رہوں گا۔" میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے فراخدلانہ لہجے میں کہا لیکن اپنی آواز کا کھوکھلا پن خود مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

غزالہ ہنستے ہوئے میری ہتھیلیوں کے زخموں کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اسے لٹو کے پھینکے ہوئے بم کے دھماکے سے بچنے کے لیے بھاگتے بھاگتے ہتھیلیوں کے بل زمین پر گر کر میں نے جو چال چلی تھی، وہ زندگی بچانے کے لیے تو کارگر ثابت ہوئی تھی لیکن میری ہتھیلیاں بری طرح لہولہان ہوگئی تھیں۔ لمبی لمبی خراشوں میں پیوست سنگریزے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی موجودگی کا احساس دلانے لگے تھے۔

وہ مرہم پٹی کا سامان لے کر وہیں میرے قریب آبیٹھی پھر ڈیٹول ملے ہوئے جراثیم کش پانی سے ہولے ہولے میری ہتھیلیوں کی خراشوں کو صاف کرتے ہوئے اس نے سلطان شاہ کی بات چھیڑ دی۔

"وہ لاہور میں کیا کر رہا ہے؟" بظاہر اس کا لہجہ سرسری تھا لیکن اس میں چھپا ہوا تجسّس مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

"وہ میری توقع سے کہیں بڑھ کر ذہین ثابت ہوا ہے۔ شوگر کوئین آج شام مختلف فضائی کمپنیوں کے دفاتر میں دیکھی گئی ہے۔ سلطان شاہ کا خیال ہے کہ وہ کسی بھی وقت لاہور سے روانہ ہو سکتی ہے۔ میں نے اسے سگنل دے دیا ہے۔ پہلا موقع میسّر آتے ہی وہ شوگر کوئین کو اغوا کرنے کی کوشش کرے گا۔ دوسری طرف اس نے روزمرّہ ضروریات کا سامان لائیڈز کاٹیج میں پہنچانے والے ٹھیکیدار کے کسی آدمی سے سازباز کر لی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جلد ہی مال لے جانے والی وین پر جگہ بنانے میں کامیاب ہو جائے۔ اس طرح وہ روزانہ ایک دو گھنٹے اس ناقابلِ گزر عمارت میں گزار سکے گا۔"

"دونوں ہی اہم خبریں ہیں۔" اس نے زخم سے کنکر نکالنے کے لیے زور سے رگڑتے ہوئے کہا اور بے اختیار میرے ہونٹوں سے سسکاری آزاد ہوگئی۔

"شوگر کوئین ہاتھ آگئی تو ہمارا کام بہت آسان ہو جائے گا۔" میں نے پُرامید لہجے میں کہا۔ "اگر وہ ویرا لائیڈ ہی ہے تو مجھے پورا یقین ہے کہ تنظیم میں اس کی ذات بے پناہ اہمیت کی حامل ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کے ہاتھ آجانے کے بعد لٹو اور اس کے پروردہ مُہرے ہمارے لیے بالکل ہی بیکار ہو جائیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے کہ ہر موڑ پر آپ سے لڑکیاں ہی ٹکرا رہی ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "رخشی اور سلمیٰ کا قصّہ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ اب شوگر کوئین دست بستہ چلی آرہی ہے۔"

"اعتراض ہو تو اسے نظر انداز کیے دیتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "مجھے محسوس ہونے لگا ہے کہ لڑکیوں اور عورتوں کے معاملے میں تم پر تنگ نظری حاوی ہوتی جا رہی ہے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "میں تو بس حالات کی ستم ظریفی بتا رہی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب مل کر میرا صبر آزمانے پر تُل گئی ہیں۔"

اس نے تین نام لیے تھے اور ان تینوں سے میرا کوئی نہ کوئی تعلق رہ چکا تھا۔ رخشی تنظیم کے پہلے مقامی سربراہ کی معتمدِ خاص تھی اور جب میں نے سکندر کے مکان پر رات کی تاریکی میں دھاوا بولا تو اندھیرے میں وہاں رخشی ہی مالِ غنیمت کے طور پر ہاتھ آسکی اور میں سکندر کی آبرو کے تصور میں وحشیانہ انداز میں اسے روند کر اس مکان سے چلا آیا۔ میں رخشی کو پہچان چکا تھا مگر میری ذات اس کے لیے اجنبی تھی پھر تنظیم کے بڑوں کی جانب سے اسے میری راہ پر لگا دیا گیا۔

وہ مجھے انجان سمجھ رہی تھی اور میں جان بوجھ کر اسے مواقع فراہم کر رہا تھا اور آخر کار اس نے مجھ پر اپنے حسن کا جال ڈالنے کی کوشش کی۔ بظاہر میں جال میں پھنسا لیکن اسے ہوش آیا تو میں جال کے پھندے کاٹ کر فرار ہو چکا تھا۔ اس اعتبار سے اس سے میرا کوئی شریفانہ تعلق نہیں تھا پھر بعد میں بھی کئی بار اس ناروا تعلق کی تجدید ہوتی رہی اور اب اس کا نام غزالہ کو گراں گزر رہا تھا۔

دوسرا نام سلمیٰ کا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر وہ میرے جگری دوست جہانگیر کی بیوی نہ ہوتی تو میں اس کے اشاروں کنایوں کا شکار ہو کر کب کا بہک چکا ہوتا۔ غنیمت یہ تھا کہ میں اس وقت تک سیدھے راستے پر تھا یہ اور بات تھی کہ زبانی حد تک میں اس سے اس قدر بے تکلف تھا کہ شاید جہانگیر بھی نہ رہا ہو اور وہ نام بھی غزالہ کو پسند نہیں تھا۔

تیسری شخصیت شوگر کوئین کی تھی جس سے میری ملاقات عجیب و غریب حالات میں ہوئی تھی۔ میں تنظیم کی جانب سے ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کی نمائندگی کرتے ہوئے چند واضح نشانیوں کے ساتھ سفر کر رہا تھا اور دورانِ پرواز ہی انیشلے ہاؤز کے کسی نمائندے کو مجھے پہچان کر مجھ سے رجوع کرنا تھا۔ ہلکی پھلکی نوک جھونک کے بعد جب یہ انکشاف ہوا کہ ویرا لائیڈ ہی انیشلے ہاؤز کی نمائندگی کر رہی تھی تو مجھے خاصی خوشگوار حیرت ہوئی۔ ہیروئن کی ایک بڑی کھیپ کا سودا ہونے سے پہلے ہی میرے اور اس کے درمیان دوستانہ مراسم استوار ہو گئے اور بعد میں ہم نے مشرقِ بعید میں کئی دن ایک ساتھ گزارے جو ہر اعتبار سے یادگار تھے اور اب میرا اندازہ تھا کہ وہی ویرا لائیڈ، شوگر کوئین کے نام سے تنظیم کے مقامی معاملات میں شریک تھی۔

وہ تینوں نام میرے لیے خاص معنویت رکھتے تھے اور غزالہ کی زبان پر بھی وہی نام آئے تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس معاملے میں غزالہ کی چھٹی حس اس کی رہنمائی کر رہی ہو۔

بہر حال میں نے دل ہی دل میں اسی وقت تہیہ کر لیا کہ آئندہ غزالہ کے سامنے ایسے معاملات میں محتاط رہوں گا تاکہ ماضی کا کوئی ناخوشگوار حوالہ ہمارے درمیان غلط فہمی پیدا نہ کر سکے۔

**

میں گھر سے نکلنے کا ارادہ کر کے غزالہ کے ہمراہ برآمدے میں پہنچا ہی تھا کہ کرنل زوار زیدی میری بُو پا کر بجانے کہاں سے اچانک وہیں آنکلا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہاں میرا انتظار کر رہے ہو گے۔" مجھے دیکھتے ہی اس کی باچھیں کھل پڑی تھیں۔

"جی۔" میں نے ناچار مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "سوچ رہا تھا کہ آپ سے مل کر ہی گھر سے نکلوں، ہو سکتا ہے کہ واپسی میں دیر ہو جائے۔"

"اس وقت کہاں جا رہے ہو؟" اس نے بھڑک کر سوال کیا۔ "اور تمہارے تو شاید دونوں ہاتھ بھی زخمی ہیں۔"

اس کے یاد دلانے پر میں نے محسوس کیا کہ گرم گرم جوش میں حالات کے دباؤ کے تحت میں نے کار ڈرائیو کر لی تھی لیکن اب ہتھیلیوں کے زخموں میں اٹھنے والی ٹیسوں کے باعث میرے لیے ڈرائیونگ تقریباً ناممکن ہو کر رہ گئی تھی۔ میں نے فوری طور پر اپنا موڈ تبدیل کرتے ہوئے کرنل سے ڈرائیور کا کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔

"مجھے آپ کی کار کی فکر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اسے لاوارث دیکھ کر کوئی واقعی اٹھا کر لے جائے۔"

"میں خود پریشان ہوں۔" اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "اس خیال سے خاموش رہا کہ کہیں تم برا نہ مان جاؤ، لاابالی لڑکوں کے ہاتھ لگ گئی تو انجر پنجر تک ڈھیلے کر دیں گے۔"

"آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں ڈیڈی۔" غزالہ نے منہ بنا کر کہا۔ "اس پرانی کار کو چرا کر کون مصیبت مول لے گا۔ آج نہیں تو زیادہ سے زیادہ کل آ جائے گی۔"

کرنل کے چہرے کے عضلات تن گئے۔ "میں نے تمہاری رائے ابھی نہیں پوچھی ہے لڑکی! چلو، اندر جاؤ، یہ معاملہ میرے اور تنویر کے درمیان ہے تمہیں اس میں ٹانگ اڑانے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"میں کرنل صاحب کی تشویش میں برابر کا شریک ہوں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تمہیں اس میں دخل انداز نہیں ہونا چاہیے۔"

غزالہ مجھے غصیلی نگاہوں سے گھورتی ہوئی اندر چلی گئی۔

"یہ تم لوگوں کو کہاں کہاں سے پکڑ کر لا رہے ہو؟" تخلیہ ہوتے ہی کرنل نے رازدارانہ لہجے میں سوال کیا۔ "پہلے جہانگیر اور اب اس کی بیوی کو لیے چلے آئے۔ آخر تم خدائی فوجدار کیوں بن گئے ہو؟"

"ہمارا مقصد اور دشمن مشترک ہے۔" میں نے برآمدے کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے کہا۔ "کافی عرصے کی خاموشی کے بعد اب ہاتھ پیر چلانے کا موقع ملا ہے تو میں اسے یوں ہی ضائع نہیں کر سکتا۔"

"لیکن تم جا کہاں رہے ہو؟" اس نے احتجاج آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تھانے۔" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "ذرا دیکھنا چاہتا ہوں کہ پولیس نے اب تک کیا تیر مارا ہے؟"

"تمہارے ہاتھ زخمی ہیں، ڈرائیونگ کیسے کر سکو گے؟" اس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لرزنے لگے۔

"آپ جو چل رہے ہیں میرے ساتھ۔۔۔" خوشی سے کرنل کا چہرہ دمک اٹھا کیونکہ میں پہلی بار اسے اپنے ساتھ باہر لے جانے پر آمادہ ہوا تھا۔ اسی وجہ سے وہ سلطان شاہ سے جلنے لگا تھا جو ہر وقت سائے کی طرح میرے ساتھ لگا رہتا تھا۔

"میں ابھی آیا۔" یہ کہتے ہوئے وہ تقریباً دوڑتا ہوا اندر چلا گیا۔ چند ثانیوں بعد وہ واپس آیا تو اس کے شانے پر چرمی بیلٹ میں لگی ہوئی گولیوں کے ساتھ ہولسٹر میں ریوالور بھی موجود تھا۔

"یہ کیوں لے آئے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"احتیاطاً۔" اس نے بے نیازی کے ساتھ جواب دیا۔

"تم پر مار دھاڑ کا بھوت سوار ہو رہا ہے، کہیں اس کی ضرورت پیش ہی نہ آجائے۔"

"اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی۔" میں نے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "اب لے ہی آئے ہیں تو اس کی کھلی نمائش نہ کریں۔ ریوالور ہولسٹر سمیت سیٹ کے نیچے ڈال دیں۔"

"تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "میرے پاس اس کا باقاعدہ لائسنس موجود ہے، ہم پر اس کی وجہ سے کوئی آنچ نہ آسکے گی۔"

"میں گھبرا نہیں رہا۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "یہ عرض کر رہا تھا کہ کوئی دشمن ٹکرا ہی گیا تو پہلے اس نمائشی ہتھیار پر ہاتھ ڈالے گا۔ اس کا چھپا رہنا ہمارے حق میں سودمند ہو سکتا ہے۔"

"یہی تو سوچ کر لایا ہوں۔" وہ کندھے سے ہولسٹر اتارتے ہوئے فخریہ لہجے میں بولا۔ پھر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے سنبھالتے نیچے اتر پڑا۔

"کہو تو تمہارے لیے بھی لے آؤں؟ مگر وہ بغیر لائسنس کا ہے۔"

"میرے ہاتھ زخمی ہیں، گولی چلانا تو در کنار میں کوئی ہتھیار تھام بھی نہ سکوں گا۔" میں نے جل کر کہا۔

"اوہ، مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا۔" اس نے معذرت خواہانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے نشست سنبھال لی۔

تھانے پہنچنے تک وہ غیر متوقع طور پر خاموش رہا اور میں نے بھی اسے چھیڑنے سے گریز ہی کیا۔ تھانے کے باہر کار مقفل کر کے وہ مجھے اپنے ہمراہ جس کمرے میں لے گیا، وہاں ایک اے ایس آئی ماتحت عملے اور شاید دو ایک مجرموں کے ساتھ محفل سجائے خوش گپیوں میں مصروف تھا۔

کرنل نے دروازہ عبور کرتے ہی بلند آہنگ، پُرتپاک لہجے میں یوں سلام کیا جیسے اندر والے سب اس کے شناسا ہوں۔ سلام کا جواب کسی نے نہ دیا۔ اے ایس آئی کے لبوں نے ضرور کچھ بے آواز جنبش کی تھی اور اس کی نگاہوں میں کچھ ناپسندیدگی سی عود کر آئی تھی، اس کے حواری بھی حیرت سے ہماری طرف نگراں تھے۔

کرنل نے وہاں پائی جانے والی اجنبیت پر پہلی بار قدرے بے آرامی محسوس کی اور پولیس افسر کے قریب پہنچ کر بولا۔ "میرا نام کرنل زوار زیدی ہے، صبح میں نے اپنی کار کی چوری کی رپورٹ درج کرائی تھی۔"

"ضرور کرائی ہوگی۔" اس نے خلیقانہ لہجے میں کہا پھر تقریباً ڈپٹ کر اپنے قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے سوال کیا۔ "کس نے لکھی تھی رپورٹ تم میں سے؟"

"صبح اکبر ڈیوٹی پر تھا۔" ایک شخص نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی پرچا کاٹ دیتا ہے، اسی نے لکھی ہوگی۔"

"رپورٹ لکھ لی گئی تو اب کیوں آئے ہو؟" اے ایس آئی نے خشک لہجے میں کرنل سے سوال کیا۔

"معلوم کرنا تھا کہ کار ملی یا نہیں؟"

پولیس افسر طنزیہ انداز میں ہنسا۔ "ابھی دو مہینے پہلے چوری ہونے والی کار برآمد نہیں ہوئی ہے اور تم صبح رپورٹ کرا کے شام کو کار لینے آگئے ہو، معلوم ہوتا ہے پہلی چوری ہوئی ہے تمہاری؟"

"زیادہ وقت گزرنے پر کار شہر سے باہر بھی لے جائی جا سکتی ہے۔" کرنل نے اس کے آخری سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"علاقہ غیر میں بیچی بھی جا سکتی ہے۔" اس نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "رپورٹ لکھوا کر گھر بیٹھ گئے ہو یا خود بھی تلاش کر رہے ہو؟"

"ابھی تک تو تلاش شروع نہیں کی۔"

"او بھلے مانس، جا کر تلاش کرو، ہمارے پاس دوسرے کام بھی ہوتے ہیں۔ کار مل جائے تو ہمیں خبر کر دینا ہم برآمد کرا دیں گے۔"

کرنل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "کار مل ہی گئی تو میں یہاں کیوں آؤں گا؟"

اے ایس آئی نے شاید کرنل کی جہالت پر دانت پیسے پھر بولا۔ "ایسی کوشش بھی نہ کرنا۔ ورنہ چوری کے جرم میں اندر ہو جاؤ گے۔"

"چوری؟ اپنی ہی کار کی چوری؟"

"ہاں ہاں، یہ قانون کی باریکیاں ہیں۔ پرچا کٹنے کے بعد اب وہ تمہاری نہیں، چوری کی کار ہے۔ جب تک برآمدگی کے بعد عدالت سے تمہارے حوالے نہ کی جائے، مالِ مسروقہ ہی رہے گی۔"

"عجیب بات ہے۔۔۔" کرنل بے بسی کے ساتھ کوئی تبصرہ کرنا چاہ رہا تھا کہ اے ایس آئی نے ترش روئی سے اس کی بات کاٹ دی "بے فضول بحث کر کے ہمارا وقت خراب نہ کرو۔۔۔۔ ہم لوگ رحم دلی پر آئیں تو بڑے سے بڑے مجرم کو چھوڑ سکتے ہیں اور قانون ہاتھ میں لے لیں تو بے گناہ لوگ بھی ہمارے شکنجے سے نہیں بچ سکتے۔"

کرنل نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن میں اسے خاموش کر کے خود مخاطب ہو گیا۔ "اگر ہم کار تلاش کریں تو ہمیں کتنے دن میں مل جائے گی؟"

"مجسٹریٹ کی مرضی ہے، چاہے تو اگلے ہی دن کی تاریخ دے سکتا ہے۔ ورنہ ہفتہ بھی لگ سکتا ہے۔" اے ایس آئی ٹانگیں پسار کر انگڑائی لیتے ہوئے بولا۔ "ہم اسی لیے چھوٹی موٹی چوری چکاری کا پرچا نہیں کاٹتے کہ مال برآمد ہونے کے بعد شناخت اور پھر اسے حاصل کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے لیکن لوگ ضد کرتے ہیں، ہمیں الزام دینے لگتے ہیں تو مجبوراً رپورٹ لکھنا پڑتی ہے۔ اب۔۔۔ ٹھنڈے ٹھنڈے گھر سو جاؤ، صبح شہر گھوم لینا، کہیں نہ کہیں پہچان ہی لو گے۔ آج کل جلسے جلوس اور سیر و تفریح کے لیے لڑکے گاڑیاں اٹھا لیتے ہیں۔ پٹرول ختم ہو جاتا ہے تو وہیں چھوڑ دیتے ہیں۔۔۔ جاؤ اب ہمارا گشت کا وقت ہونے والا ہے۔"

ہم دونوں واپسی کے لیے مڑے ہی تھے کہ ایک کانسٹبل، اے ایس آئی سے خوشامدانہ لہجے میں مخاطب ہو گیا۔ "صاحب! مجھے بہت رن ہو گئے، آج تو میں بھی گشت پر جاؤں گا۔"

اس چونکا دینے والی درخواست کے بعد چند ثانیوں کے لیے سکوت چھا گیا پھر جب ہم کمرے سے باہر نکل رہے تھے تو اے ایس آئی کی حاکمانہ آواز سنائی دی۔ "جاؤ، آج تم گشت پر جاؤ۔ محمد حسین ڈیوٹی کرے گا لیکن صبح بستر سے اٹھ کر سیدھے نہ چلے آنا۔ تمہارا گشت اسی لیے بند کیا ہے کہ صبح منہ ہاتھ دھوئے بغیر بستر سے سیدھے تھانے چلے آتے ہو۔"

میرے اور کرنل کے لیے وہ گفتگو حیرت انگیز تھی لیکن اندر والوں کے لیے اس میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ڈیوٹی اور گشت کے وہ معنی شاید مدت سے ان میں رائج چلے آرہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جرائم کا گراف دن بدن ترقی پر تھا۔ شاید مجرموں کو بھی معلوم تھا کہ قانون کے بیشتر محافظ گشت پر نکلتے ہیں تو ان کے ذہنوں میں اپنے نرم و گداز بستروں کا تصور موجود ہوتا ہے اور جب قانون کے محافظ یوں گہری نیند سو جائیں تو گلی کوچے در کنار، شاہراہوں تک پر جرائم خوب پھلنے پھولنے لگتے ہیں۔

"سنا تم نے؟" کرنل نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔ "جب کسی قوم کے ذمے دار اہلکاروں کے دل سے اپنے فرائض کا احساس اور بازپرس کا خوف جاتا رہے تو تاریخ میں اس کا انجام عموماً اچھا نہیں ہوتا۔"

"ایسے لوگوں کے گمراہ ہونے کا سبب یہی ہے کہ وہ تاریخ پڑھنے کے عادی نہیں ہوتے، بس بعد والوں کی عبرت کے لیے نئی تاریخ لکھتے رہتے ہیں۔"

"اب گھر ہی چلنا ہے نا؟" اس نے قدرے توقف کے بعد عقب نما آئینے پر نظریں جما کر سوال کیا۔

"اس اسپتال کی طرف چلنا ہے جہاں کامران زیرِ علاج ہے۔۔۔ آپ کچھ مضطرب سے نظر آرہے ہیں؟" میں نے اپنے پروگرام سے آگاہ کرتے ہوئے چونک کر سوال کیا۔

"شاید ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔" اس کی نگاہیں بار بار عقب نما آئینے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

"کون ہے؟" میں نے پیچھے گھومے بغیر سوال کیا۔

"ہم تھانے سے روانہ ہوئے تو ایک اسکوٹر مخالف سمت سے آرہا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ یوٹرن لے کر ہمارے پیچھے ہو لیا۔ شاید اس نے تمہیں یا گاڑی کو پہچانا ہے۔ اب وہ تھوڑے فاصلے سے پیچھے چلا آرہا ہے۔"

"سامنے سے آرہا تھا تو آپ نے ضرور اسے دیکھا ہوگا۔" تاریکی سے فائدہ اٹھا کر میں نے پیچھے آنے والی اکلوتی ہیڈ لائٹ کا جائزہ لیتے ہوئے کرنل سے استفسار کیا۔

"میرا دھیان سڑک پر تھا، بس ایک جھلک ہی دیکھ سکا تھا اس کی۔۔۔ کوئی اسمارٹ سا لڑکا ہے۔"

سکوٹر سوار اسمارٹ سا لڑکا۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ وہ کون ہو سکتا تھا؟ بہرحال وہ عجلت پسند اور ایڈونچر کا شائق سہی لیکن تعاقب کے بارے میں اس کا اندازہ غلط نہیں ہو سکتا تھا۔

"ارے... ادھر کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے کرنل کو ایک ویران راستے پر مڑتے دیکھ کر چونکتے ہوئے سوال کیا۔

"بس دیکھتے جاؤ۔" کرنل پرجوش لہجے میں بولا۔ "ادھر سناٹا ہوگا، میں کار کی رفتار سست کروں گا اور جیسے ہی وہ قریب آئے گا اس کے اسکوٹر کے ٹائر پر فائر کر دوں گا، دیکھتا ہوں کہ وہ کیسے بچ کر نکلے گا، ذرا سیٹ کے نیچے سے ریوالور تو نکالنا میرا۔"

"اس کے ساتھ ہم بھی پھنس جائیں گے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "فائر کا دھماکا بہت سے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرا لے گا، اسے چالاکی سے گھیرنا ہوگا... آپ ایسا کریں کہ اس ویران سڑک کے کسی غیر آباد حصے پر گاڑی اچانک ہی روک لیں۔"

"اور جو اس نے ہم پر گولی چلا دی؟"

"نہیں چلائے گا۔" میں نے جھنجلا کر کہا۔ کرنل کی بوڑھی رگوں میں اس وقت دورانِ خون کچھ زیادہ ہی بڑھ چکا تھا جو اس پر مار دھاڑ اور خونریزی کا خبط سوار ہو گیا تھا۔

"تم جانو۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں نے اپنی عمر خاصی گزار لی ہے اور اب بونس پر جی رہا ہوں، مجھے تو تمہاری سلامتی کی فکر ہے، تمہیں خراش بھی آ گئی تو غزالہ پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ جائے گی کہ میں پہلی بار تمہیں ساتھ لے کر باہر نکلا اور تمہاری حفاظت نہ کر سکا۔"

"غزالہ بھی جانتی ہے کہ میں دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "میں اپنی حفاظت خود کرنا جانتا ہوں۔ اگر موت کا وقت آ ہی جائے تو نہ میں کچھ کر سکوں گا نہ آپ۔"

"احمقانہ بات ہے۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔ "ٹرین کی پٹری پر گاڑی کے سامنے لیٹ کر زندگی کی امید نہیں کی جا سکتی۔ تقدیر اپنی جگہ ہے لیکن تدبیر بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"ضرور ہوتی ہے اور اب ہم اسی کا سہارا لینے جا رہے ہیں۔ وہ آگے غیر آباد حصہ ہے، بس وہیں سڑک کے کنارے اچانک کار روک لیں۔ فائر وغیرہ کا ڈر ہو تو نیچے جھک جائیں۔"

"مذاق اڑا رہے ہو میرا؟" کرنل غرایا۔ "میں نے ساری زندگی گولا بارود کے سائے میں گزاری ہے، تین جنگیں لڑا ہوں اور تم مجھے فائر سے ڈرنے والا کہہ رہے ہو..."

"یہ مطلب نہیں تھا میرا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں تدبیر کے حوالے سے بات کر رہا تھا۔"

کرنل نے اپنا سارا غصہ بریک پیڈل پر اتار دیا۔ اتنی قوت سے بریک لگائے کہ کار کے ٹائر سڑک پر پھسلتے ہوئے چیخ پڑے کار سڑک پر لہرائی اور کرنل نے اسے پھرتی کے ساتھ سڑک سے نیچے کچے میں اتار لیا۔

"ارے... وہ تو رکنے کے بجائے بڑھتا ہی آ رہا ہے۔" کرنل کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی اور وہ اپنی نشست کے نیچے اپنا ریوالور ٹٹولنے لگا جو میں ہولسٹر سمیت پہلے ہی عقبی نشست کے پائیدان پر کھینچ چکا تھا۔

میں پھرتی کے ساتھ اپنی سمت کا دروازہ کھول کر کار سے نیچے اترا تھا کہ اسکوٹر کار کے پہلو میں آ رکا اور میرے منہ سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔ اسکوٹر پر ہمارا تعاقب کرنے والا جامعہ کا وہی ہیروئن فروش طالب علم تھا جس کے ذریعے میں نے سیر و سفر کے شوقین چند لڑکوں کو پھانس کر ان کے ذریعے ہیروئن کی معقول مقدار باہر برآمد کی تھی۔

"ہولسٹر کہاں غائب ہو گیا؟" کار میں سے کرنل کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری۔

"وہ محفوظ ہے، اس کی ضرورت نہیں رہی، باہر آ جائیں۔" میں نے اونچی آواز میں کہا اور حامد کی طرف بڑھ گیا۔

"تو میں نے تمہیں ٹھیک ہی پہچانا تھا۔" فضا میں حامد کی زہریلی آواز گونجی۔ "میں نے پچھلے چار روز میں تمہاری تلاش میں شہر کا چپا چپا چھان مارا ہے... تم پر میرا ایک بہت بڑا احساب واجب ہو گیا ہے۔"

"مرچیں نہ چباؤ، سیدھی سیدھی بات کرو۔" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "کیا موتی دادا نے تمہیں مال فراہم کرنے سے انکار کر دیا ہے؟"

"مجھے خوشی ہے کہ قحط کے بہانے ہی اس گھناؤنے کام سے میری گلوخلاصی کے آثار پیدا ہو گئے ہیں لیکن تم نے دو گھرانوں کا سکون اور مستقبل تباہ کر دیا ہے، میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اب ان کا کیا ہوگا؟"

"تم کس کی بات کر رہے ہو؟" میں نے پرسکون اور ٹھنڈے لہجے میں دریافت کیا۔ اس اثنا میں کرنل بھی گاڑی سے نیچے اتر آیا تھا اور حیرت سے کبھی مجھے اور کبھی حامد کو دیکھے جا رہا تھا۔

"جن لڑکوں کے ہاتھ تم نے ہیروئن بھیجی تھی، ان میں سے دو پکڑے گئے ہیں۔ تم نے انھیں یورپ کی سیاحت کا سبز باغ دکھا کر اپنے جال میں پھانسا تھا لیکن وہ شاید وہاں بازپرس کے سلسلے میں بدترین تشدد کا نشانا بن رہے ہوں گے اور یہاں ان کے گھر والے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے ہیں۔ اگر اخبارات

میں خبر نہ آتی تو یہاں علم بھی نہ ہوتا اور وہ وہیں کی کسی جیل میں سڑ سڑ کر ختم ہو جاتے۔ وہ خبریں پڑھ کر میری نیندیں اڑ گئی ہیں۔ میں خود کو ان کی تباہی کا مجرم سمجھ رہا ہوں کیونکہ انھیں تم سے میں نے ہی ملوایا تھا۔ اب میں ان کے گھر والوں سے بھی چھپا چھپا پھر رہا ہوں۔"

وہ واقعی بہت بری خبر تھی۔ مجھے خود علم تھا کہ میں نے ان لڑکوں کو اس کام میں ملوث کر کے بہت گھناؤنی حرکت کی تھی لیکن اس وقت حالات کچھ اور تھے۔ دل میں باغیانہ خیالات رکھنے کے باوجود میں نے تنظیم سے کھل کر بغاوت نہیں کی تھی اور میں لے ٹو کے احکام بجا لانے پر مجبور تھا۔ اس وقت اگر میں حامد کو بتاتا کہ میں اپنی پرانی روش کو خیرباد کہہ چکا ہوں تو وہ ہرگز میری بات کا یقین نہ کرتا اور یہی سمجھتا کہ میں اس سے گلو خلاصی کے لیے بہانا تراش رہا ہوں۔

"مجھے یہ سن کر دلی صدمہ ہوا ہے میرے دوست.....،" میں نے کہنا شروع کیا لیکن اس نے بھڑک کر میری بات کاٹ دی۔

"میں تمھارا دوست نہیں ہو سکتا... مجھے یہ گالی نہ دو۔"

"تم نچلے درجے کے محکوم و مجبور تھے اور میں اوپری درجے کا۔" میں نے اس کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے نرمی سے کہنا شروع کیا۔ "جس طرح تم نہ چاہتے ہوئے بھی انھیں مجھ سے ملانے پر مجبور تھے، اسی طرح میں بھی انھیں آلۂ کار بنانے پر مجبور تھا لیکن اب میں ان لوگوں سے قطع تعلق کر چکا ہوں البتہ تمھیں یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ وہ لوگ بہت بارسوخ ہیں، جن سے کام لیتے ہیں، ان کی پوری طرح خبر گیری بھی کرتے ہیں۔ تمھارے دونوں ساتھی زیادہ دن اندر نہ رہ سکیں گے... ہاں، یہاں ان کے گھر والوں کو جس بدنامی کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس کا شاید کوئی ازالہ نہ ہو سکے۔ ہر شوق کی کوئی نہ کوئی قیمت ہوتی ہے جو ان دونوں نے اپنے گھرانوں کی عزت کی صورت میں ادا کی ہے..."

"مجھے یہ فلسفہ نہ سمجھاؤ۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "یہ میں بھی جانتا ہوں کہ باحیثیت لوگوں کے داماد اور اولادیں بھی اس دھندے میں پکڑی گئی ہیں لیکن ان کی عزت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ ایسی ہر واردات کا رخ کسی سازش کی طرف موڑنے کی اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہیں۔ انھیں ریاست، سیاست اور سفارت سے بہتیرے سہارے مل جاتے ہیں۔ مجھے تو یہ بتاؤ کہ تم ان کے لیے کیا کر رہے ہو؟ تمھارا ٹھکانا کہاں ہے؟ یہ یاد رکھنا کہ اگر وہ جلد ہی واپس نہ لوٹے تو میں تمھاری زندگی عذاب بنا دوں گا۔ تم باغی ہو چکے ہو، یا ان کے حامی ہو، میں صرف اور صرف تمھیں جانتا ہوں۔"

جوانی کے چڑھتے ہوئے خون کی روانی اور ناتجربہ کاری سر چڑھ کر بول رہی تھی لیکن مجھے اس پر ذرا بھی طیش نہ آیا۔ میں نے اپنا مصالحانہ لہجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "جن لوگوں سے میں نے ٹکر لی ہے، وہ بہت سنگدل اور سفاک ہیں۔ اس لیے فی الحال میرا کوئی ایک ٹھکانا نہیں ہے۔ یقین نہ ہو تو موتی دادا سے پوچھ لینا۔ بس یہ یاد رہے کہ پہلے میں فرضی نام سے تم سے ملا تھا، میرا اصل نام ڈینی ہے...."

"ڈینی!" میرا نام سنتے ہی اس کے منہ سے تحیر زدہ سی آواز نکلی۔

"ہاں! تم کیوں چونکے یہ نام سن کر؟"

"موتی دادا کے اڈے پر میں یہ نام سن چکا ہوں، وہ سب تمھارے لہو کے پیاسے ہو رہے ہیں۔" میرے اصل نام سے واقف ہوتے ہی اس کے رویے میں نمایاں تبدیلی آگئی۔ "اور شہر میں ہیروئن کے قحط کی ذمے داری بھی تم پر ڈال رہے ہیں۔ اگر تم واقعی ڈینی ہو تو مجھے اپنی تلخ کلامی پر افسوس ہے۔ سنا ہے کہ ان کے بڑوں نے تمھارے خاتمے کے لیے کوئی بڑا انعام بھی مقرر کیا ہوا ہے۔"

اس کی گفتگو میرے لیے یک بیک خیال انگیز ہو گئی۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ اب میرا نام موتی دادا جیسے نچلے درجے کے کارندوں تک بھی پہنچ گیا تھا اور وہ میرے خلاف کھلے بندوں باتیں کرنے لگے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ لے ٹو اب میری ذات سے بہت زیادہ خائف تھا اور ہر طرف سے، ہر سطح پر اور ہر قیمت پر مجھے گھیرنا چاہتا تھا۔

"غنیمت ہے کہ اس بارے میں تم خود خاصے باخبر ہو۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "رہا میرے ڈینی ہونے کا سوال تو زبانی وضاحت کے علاوہ میں کوئی ثبوت نہ دے سکوں گا کیونکہ میں اپنی تمام کشتیاں جلا کر ان درندوں کے خلاف میدان میں اترا ہوں۔"

"مگر ان دونوں کا کیا ہوگا؟" وہ تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑایا۔

"وہ لوگ یورپ کی پولیس کی تحویل میں ہیں جو خاصی مہذب اور شائستہ ہے۔ کسی مشرقی ملک کی پولیس کا معاملہ ہوتا تو واقعی تشویش کی بات تھی۔" میں نے اسے تسلی دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"مشکل یہی ہے کہ یورپ کی پولیس مہذب اور شائستہ ہے۔" اس نے بالکل وہی کہا جو میرے دل میں تھا۔ "وہ لوگ اپنے معاشرے اور لوگوں سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ شاید وہ قاتلوں کے حق میں اتنے سخت گیر اور تشدد پرست ثابت نہ ہوتے ہوں جتنے منشیات کے اسمگلروں کے خلاف۔ وہ جانتے ہیں کہ منشیات کا زہر معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے اور ہیروئن تو ان کے لیے ایک دہشت بنی ہوئی ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ وہ ان سے معلومات حاصل کرنے کے لیے ان کی ہڈیوں کا سرما بنا کر رکھ دیں۔"

"تم ان کے کوائف مجھے بتا دو، میرے بھی کچھ وسائل ہیں، میں دیکھوں گا کہ ان کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔"

"رؤف اوسلو میں پکڑا گیا ہے اور فضل فرینکفرٹ میں، اخباری اطلاعات کے مطابق دونوں ہی انٹرپول کے مقامی دفاتر کی تحویل میں ہیں... ان دونوں کو سزا ہو گئی تو میں عمر بھر خود کو معاف نہ کر سکوں گا۔"

"کمان سے نکلا ہوا تیر کبھی واپس نہیں آتا۔" میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ "اس کا ازالہ دوسری طرح بھی ہو سکتا ہے۔ میں باغی ہو گیا ہوں لیکن وہ اپنا کام چلانے کے لیے کسی اور کو لے آئیں گے جو ان کے مفادات کی خاطر کیریئر بھالتا رہے گا۔ تم اپنے ساتھیوں میں اس بات کی تشہیر کرو کہ رؤف اور فضل کیوں پکڑے گئے؟ انھیں بتاؤ کہ ہر قیمت پر اپنا شوق پورا کرنے کا جنون تباہی کے ایسے ہی راستوں پر لے جاتا ہے۔ تم دو چار کو بھی تباہی کے اس غار میں گرنے سے بچا سکے تو سمجھو کہ تم نے اپنی پہلی بھول کا کفارہ ادا کر دیا۔ رہا ان کا معاملہ تو وہ دیکھ لیا جائے گا۔"

"شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔" وہ بولا۔ "مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ اب تم بھی تائب ہو گئے ہو۔ میں موتی دادا کے اڈے کے چکر ضرور لگا رہا ہوں لیکن وہاں مال ہی نہیں ہے۔ میری یہ مجبوری ہے کہ ابھی میرا آخری امتحان باقی ہے، اس کے بغیر میں یونیورسٹی نہیں چھوڑ سکتا۔ دوسری طرف یونیورسٹی میں نشے کے عادی مجھ سے ہیروئن طلب کرتے ہیں۔ ہیروئن کے بغیر میں وہاں پھٹک بھی نہیں سکتا۔ ورنہ وہ سب مجھے کچا چبا جائیں گے۔ اس قحط کے نتیجے میں مجھے یونیورسٹی سے چھٹیاں کرتے کئی دن ہو گئے ہیں۔"

"اللہ تم پر رحم کرے۔ مجبوریاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔" کرنل نے پہلی بار زبان کھولی۔

"یہ بتاؤ کہ موتی دادا کے اڈے پر تم میرے بارے میں کیا سنتے رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"آج کل وہاں خطرناک قسم کے نئے نئے چہرے دیکھنے میں آ رہے ہیں، وہاں ساری گفتگو رازدارانہ ماحول میں ہوتی ہے لیکن موتی دادا نجانے کیوں مجھ پر اعتماد کرنے لگا ہے۔ میں نے اڑتے اڑتے جو کچھ سنا ہے، وہ تمھیں بتا ہی چکا ہوں۔" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر یوں چونک کر بولا جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی ہو۔ "کل شام میں نے سنا تھا کہ ایک آدھ روز میں ان کا کوئی بڑا شہر میں آنے والا ہے جو پہلی بار ان کے کسی اجتماع میں شرکت کرے گا۔"

بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ واقعی بہت بڑی خبر تھی۔ اے ٹو لاہور سے شہر میں وارد ہو چکا تھا۔ میں تنظیم سے نکل چکا تھا، جہانگیر اے ٹو کے عتاب میں آیا ہوا تھا۔ رخشی بھی بلیک لسٹ کی جا چکی تھی اور وہ اپنی پوری کوشش کے باوجود تینوں میں سے کسی کو اپنے راستے سے نہ ہٹا سکا تھا۔ اس طرح نہ صرف تنظیم کا مقامی شیرازہ بکھر چکا تھا بلکہ اے ٹو کو شہر میں ممکنہ انتقامی کارروائیوں کا خطرہ بھی درپیش تھا اور اس کے لیے وقتی طور پر کراچی جیسی زرخیز منڈی میں کام جاری رکھنا ناممکن ہو گیا تھا۔ ایسے حالات میں وہ باہر سے کسی کو تنظیمی معاملات پر مسلط کرتا تو نچلی سطح پر بھی بددلی اور مایوسی پھیل سکتی تھی۔ ان حالات میں شاید اس نے موتی دادا اور اس جیسے دوسرے حوصلہ مند کارندوں کو بذاتِ خود ایک مرکز پر لانے کا فیصلہ کیا تھا۔ شاید یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ ان سب سے بذاتِ خود مل کر مختلف ذمے داریوں کے لیے آدمی منتخب کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

لیکن وہ اجتماع کب اور کہاں ہونے والا تھا؟ یہ میرے لیے اہم ترین سوالات تھے۔ اگر مجھے ان دو سوالات کے صحیح جواب مل جاتے تو میں اے ٹو کو ناقابلِ تصور زک پہنچا سکتا تھا۔

"یہ مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔" حامد نے مایوسانہ لہجے میں اقرار کیا۔ "مجھے ان سب باتوں سے دلچسپی ہی نہیں تھی۔ اس لیے میں نے ان معاملات میں تجسس سے کام نہیں لیا۔ ویسے ایک آدھ بار ان کی زبان سے میں نے کسی کھنڈر کا ذکر ضرور سنا تھا۔ اب یہ معلوم نہیں کہ وہ تذکرہ کس بارے میں تھا۔"

وہ قاتلوں، بدمعاشوں اور رسوائے زمانہ لوگوں کا اجتماع تھا جس کے لیے شہر کا کوئی بھی معروف ٹھکانا ناموزوں تھا۔ ان کو مل بیٹھنے کے لیے کسی محفوظ اور خفیہ ٹھکانے کی ضرورت تھی جہاں وہ کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر اپنے شیطانی منصوبوں پر آزادی کے ساتھ تبادلۂ خیال کر سکیں۔

مجھے یقین ہو گیا کہ کھنڈر کا لفظ اسی حوالے سے استعمال کیا گیا ہو گا جہاں ان کی آمد و رفت پر نگاہ رکھنے والا کوئی نہ ہو گا اور میں تنظیم کے حوالے سے شہر میں دو کھنڈرات سے واقف تھا۔

پہلا کھنڈر تو مل ایریا میں واقع عزیز کا وہی ویران گودام تھا جہاں سے تھوڑی دیر قبل ہولناک بارودی دھماکوں اور آگ کے شعلوں کے سائے میں خونریزی کر کے میں بمشکل زندہ واپس لوٹ سکا تھا اور دوسرا کھنڈر جیوا ہاؤز کا تھا جہاں سے ہر سراغ مٹانے کے لیے دانستہ آگ لگائی گئی تھی۔

جیوا ہاؤز کے سوختہ کھنڈرات کا تصور کرتے ہی میں جھرجھری لے کر رہ گیا کیونکہ وہاں غزالہ بے بسی کے عالم میں آگ کے شعلوں کی بھینٹ چڑھنے سے بال بال بچی تھی۔

ویران گودام میں فائرنگ، بموں کے دھماکوں اور آتش زنی
کا واقعہ اس قدر تازہ تھا کہ وہاں ہفتوں کے لیے پولیس کے ڈیرے
پڑ جانے لازمی تھے کیونکہ وہاں سے لاشیں بھی برآمد ہونے کا امکان
تھا۔ ایسی صورت میں اے لٹو یا اس کے کسی حواری کے لیے ادھر
کا رخ کرنا ناممکن تھا۔ اگر وہاں پہلے اجتماع کا پروگرام رہا بھی ہو تو
مجھے یقین تھا کہ تازہ ترین تصادم کے بعد اسے تبدیل کر دیا جائے گا۔
پھر تصادم سے پہلے وہ کوئی کھنڈر نہیں تھا۔ ویران احاطہ یا
گودام تھا۔ اس کے بارے میں کھنڈر کا لفظ میرے جی کو نہ لگ سکا۔
اس طرح لے دے کر ایک جیوا ہاؤس کا ہی نام باقی رہ جاتا تھا
جہاں وہ شیطانی اجتماع منعقد ہو سکتا تھا۔

جیوا ہاؤس کی وسیع و عریض اور پُرپیچ عمارت کی تعمیر اس قدر
مضبوط انداز میں کی گئی تھی کہ آگ شاید اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکی ہو۔
فرنیچر، قالین، دروازے اور کھڑکیوں کے جل جانے کے بعد اس
پُرشکوہ عمارت کو ضرور کھنڈر کہا جا سکتا تھا اور وہ لوگ اس کے
کسی اندرونی حصے میں بے خوف و خطر جمع ہو سکتے تھے۔

"تمھیں یہ معلوم کرنا ہوگا۔" میں نے ایک ایک لفظ پر
زور دے کر اس سے کہا۔ "یہ معلوم ہونا بہت ضروری ہے۔
اگر مجھے ان کے اجتماع کا وقت اور مقام معلوم ہو جائے تو میں
ان سب کا صفایا کر دوں گا۔"

"تو کیا تم انھیں ہلاک کر دو گے؟" اس نے بے یقینی کے
ساتھ سوال کیا۔

"ارے نہیں۔" مجھ سے پہلے کرنل بول پڑا۔ "گھیر گھار کر
پولیس سے پکڑوا دیں گے لیکن مخبری کے لیے کوئی بنیاد تو ہونا ہی
چاہیے۔ ورنہ وہ کس کی سنتے ہیں۔"

"اوہ۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا جیسے اس کے سینے
سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ "اگر ہم بھی ان کی طرح خونریزی
پر اتر آئیں تو ہمارے اور قاتلوں کے درمیان کیا فرق رہا، بہتر یہی
ہے کہ قانون کو اس کا کام کرنے کا موقع دیا جائے۔"

اس کا جواب سن کر میں دل ہی دل میں کرنل کی مداخلت
کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ شاید وہ حامد کے تیور بھانپ گیا تھا
ورنہ میں تو اسے کھل کر اپنے عزائم سے آگاہ کرنے والا تھا۔

وہ بے چارہ تعلیم یافتہ اور ذہین نوجوان ہیروئن بیچ کر
گھر پالنے اور تعلیم حاصل کرنے کے لیے دوہری ذمے داریوں
میں گھرے ہونے کے باوجود ابھی عملی زندگی کے حقائق سے
بہت دور تھا۔ وہ قانون کی حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا اور ہم
تھوڑی ہی دیر پہلے قانون کے ان محافظوں کی زیارت کر کے
آرہے تھے جو مہربان ہوں تو بدترین مجرموں کو کھلی چھٹی دے
دیتے ہیں اور برہم ہو جائیں تو بے گناہوں کو شکنجوں میں جکڑوا کر
ان کی ہڈیوں کا عرق کشید کرا لیں۔

"لیکن قانون اسی وقت حرکت میں آئے گا جب اس کی
مدد کی جائے گی۔" میں نے کہا۔

"میں وعدہ نہیں کرتا لیکن کوشش ضرور کروں گا۔" اس نے
متذبذب انداز میں کہا۔

"پھر مجھے کیسے اطلاع ملے گی؟"

"اپنا فون نمبر یا پتا دے دو، جیسے ہی کچھ معلوم ہوا، رابطہ
قائم کر لوں گا۔ ویسے صبح میں موتی دادا سے ملوں گا۔"

"یہی تو مشکل ہے کہ آج کل میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔"
میں نے پہلے کہی ہوئی بات نباہتے ہوئے کہا۔ "ایسا کرو کہ موتی دادا
سے ملنے کے بعد تم لیاقت نیشنل اسپتال آجانا۔ میں وہیں پارکنگ
لاٹ میں گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان تمھارا انتظار کروں گا۔"

پروگرام طے ہو جانے کے بعد وہ ہم سے رخصت ہو گیا
اور ہم دونوں گاڑی میں آگے روانہ ہو گئے۔

"جب بھی تمھارا کوئی شناسا ملتا ہے، ماضی کے حوالے سے
کوئی نہ کوئی چونکا دینے والی بات سامنے آتی ہے۔" چند ثانیوں
کی خاموشی کے بعد کرنل نے کہا۔ "اور ہر بار تمھاری ذات کے گرد
چھایا ہوا پُراسرار سا طلسم کچھ اور گہرا محسوس ہونے لگتا ہے۔"

"شاید آپ کے لیے یہ سب نیا ہو لیکن غزالہ ہر بات
جانتی ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں ہیروئن کا دھندا
کرنے والے ایک بہت بڑے گروہ کا اہم کارندہ تھا مگر اب
ان سے باغی ہو گیا ہوں۔ میں انھیں تہس نہس کر دینا چاہتا ہوں
اور وہ میرے خون کی بو پر لگے ہوئے ہیں۔ آئے دن کے تصادم
اسی جدوجہد کا شاخسانہ ہیں۔"

"پھر تو میں کہوں گا کہ تم اپنی بساط سے زیادہ بیڑا اٹھائے
ہوئے ہو۔ گروہ بند لوگوں کے ہزاروں ہاتھ ہوتے ہیں۔ وقتی
کامیابیوں کی بات الگ ہے لیکن تم کب تک ان سے لڑ سکو گے؟
ایک دن تھک جاؤ گے اور وہ نہایت اطمینان سے تمھیں گھیر
لیں گے۔"

"مقابلے کے بغیر تو میں پاکستان میں ایک لمحے کے لیے بھی
زندہ نہیں رہ سکتا، دوسری صورت یہ ہے کہ بزدلوں کی طرح
چوری چھپے کسی دور افتادہ مقام پر چلا جاؤں اور نئے نام اور نئی
شناخت کے ساتھ ایک نئی زندگی کی ابتدا کروں جو میرے لیے
مشکل ہے۔ زمین کی محبت، دوستی اور دوسرے رشتوں کا پیار مجھے
کہیں نہ مل سکے گا، ایسی پیاسی زندگی میرے لیے سوہانِ روح بن جائے گی۔"

"میری طرف سے اجازت ہے، شمع کو بھی اعتراض نہ ہوگا
غزالہ کو بھی ساتھ لے جاؤ۔" اس نے پیشکش کی۔

"آپ کی اجازت کا شکریہ۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میرے

ساتھ غزالہ نے بھی انھیں بڑی زک پہنچائی ہے۔ گروہ کے آدمی تصویریں لیے اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں سا سی لیے میں نے اسے گھر تک محدود کیا ہوا ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ یہ ایک بین الاقوامی گروہ ہے۔ اس کا کوئی بھی کارندہ کہیں بھی ہمیں پہچان سکتا ہے پھر ایسے فرار سے کیا حاصل، جس سے تحفظ اور سکون نہ مل سکے۔ یہاں تو میں خود کو ہر وقت برسرِ پیکار سمجھتا ہوں اور چوکنا رہتا ہوں۔ اجنبی دیس اور ماحول میں شاید اتنا مستعد نہ رہ سکوں۔"

"آخر اس وقت اچانک کامران سے ملنے کی کیا سوجھی ہے تم کو؟" اس نے گاڑی مصروف راستے پر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"کامران نہیں، اس وقت اسے لٹو کی تلاش ہے مجھے۔" میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "وہ بری طرح زخمی ہے اور خود اپنے زخم صاف نہیں کر سکتا۔ جہانگیر کے گھر ابتدائی طبی امداد کے حصول میں ناکامی کے بعد میری دانست میں اسے فوراً کسی ڈاکٹر سے رجوع کرنا ہوگا۔"

"وہ اسی اسپتال میں کیوں جائے گا؟ شہر میں اور بھی بہت سے اسپتال ہیں۔"

"اسے گولی کے زخم آئے ہوئے ہیں کرنل صاحب! یہ میڈیکولیگل کیس ہے، اس میں پولیس کا نام آنا ضروری ہے۔ جب کہ اس اسپتال والوں سے تنظیم کے قریبی مراسم ہیں۔"

"لیکن میرا ریوالور کہاں غائب ہو گیا؟" تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اسے اچانک بھولا ہوا اسلحہ یاد آ گیا۔

"پچھلی سیٹ کے پائیدان پر ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے ہولسٹر اٹھایا اور اپنی نشست کے نیچے ڈال دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بنا پر ہمیں اسپتال میں شبہے کی نظروں سے دیکھا جائے۔

اسپتال کے احاطے میں میری ہدایت پر کرنل نے کار ایسی پوزیشن میں پارک کی کہ ہنگامی صورتحال پیش آنے پر بلا توقف روانگی عمل میں آ سکے پھر اسے وہیں ڈرائیونگ سیٹ پر مستعد چھوڑ کر میں عمارت کی طرف بڑھ گیا۔

اندر گھستے ہی استقبالیہ کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی پختہ نقوش والی ایک خاتون سے سامنا ہوا جس نے میک اپ کی گہری تہوں کے سہارے نوخیزی اختیار کرنے کی کوشش کی تھی مگر گردن پر نگاہ پڑتے ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کسی طرح تیس بتیس برس سے کم نہ رہی ہوگی۔ شاید میں اسے نظر انداز کرتے ہوئے کسی نرس کی تلاش میں راہداری کی طرف بڑھ جاتا لیکن اس سے میری نگاہیں براہ راست مل چکی تھیں، تنہا ہونے کی بنا پر وہ فوراً ہی استقبالیہ مسکراہٹ کے ساتھ سنبھل کر بیٹھ گئی تھی۔

"آپ مجھے کچھ ضروری معلومات فراہم کر سکیں گی؟" میں نے اس کے سامنے پہنچ کر شگفتہ لہجے میں سوال کیا۔

"ضرور! میں یہاں بیٹھی ہی اس لیے ہوں۔" وہ پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" میں نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ "میں نے کسی ذاتی سوال کا جواب دینے کا وعدہ نہیں کیا تھا... ویسے مجھے نوید کہتے ہیں۔"

"مختصر سا اور خوبصورت نام ہے آپ ہی کی طرح۔" میں نے کہنیاں کاؤنٹر پر ٹکا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا اور اس کے چہرے پر جمی رنگ و روغن کی تہ کے نیچے بھی مجھے سرخی کی ایک لہری دوڑتی نظر آ گئی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ عورت کی تعریف کر کے اسے بہت آسانی کے ساتھ بیوقوف بنایا جا سکتا ہے اور تعریف ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے کوئی شکار بچنے کی کوشش نہیں کرتا خواہ اس میں کتنا ہی مبالغہ کیوں نہ ہو۔

"آپ کس کمرے میں آئے ہیں؟" وار کام کر گیا تھا اور وہ فوراً ہی میری ذات میں دلچسپی لینے لگی تھی۔

"اوہ!" میں نے یوں چونکنے کی اداکاری کی جیسے اسے دیکھنے میں محو ہو کر میں اپنی آمد کا مقصد ہی فراموش کر بیٹھا ہوں۔ "مجھے ایک زخمی کی تلاش ہے۔ اس کی ٹانگ اور شانہ ادھڑا ہوا ہے، ذہنی طور پر کچھ معذور ہے، تھوڑے دن یہاں بھی زیر علاج رہا ہے۔"

"تو کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ ادھر آیا ہوگا؟"

"شبہ تھا، رات ہو چلی ہے، ایسا نہ ہو کہ کہیں کوئی تیز رفتار گاڑی اسے کچلتی ہوئی گزر جائے، دیکھنے میں بالکل صحیح الدماغ معلوم ہوتا ہے بس کسی بات پر بھڑک جائے تو قیامت برپا ہو جاتی ہے۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"آیا تو تھا۔" وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "ڈاکٹر اکبر سے ملنے پر مُصر تھا۔ قمیص کے نیچے داہنا شانہ خاصا ابھرا ہوا تھا۔ شاید اس نے خود ہی ڈریسنگ کی ہوئی تھی، چال میں بھی ہلکی سی لنگڑاہٹ تھی لیکن بالکل صحیح الدماغ تھا، حلیہ کیا ہے آپ کے مریض کا؟"

میں نے اسے لٹو کے بارے میں بتانا شروع ہی کیا تھا کہ وہ پُرجوش انداز میں تائید کرنے لگی۔ "بالکل وہی تھا... ڈاکٹر اکبر کے آنے تک یہیں ٹہلتا رہا تھا لیکن حیرت ہے کہ اس کی آنکھوں سے بھی کسی ذہنی ابتری کا پتا نہیں چل رہا تھا۔"

"کس وقت آیا تھا؟"

"شاید ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ "مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ واپس کب لوٹا۔"

"ڈاکٹر اکبر اس وقت کہاں ملیں گے؟" میں نے اپنی پیشانی پر تردد کے آثار پیدا کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ایک منٹ۔" اس نے انٹرکام کا ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔" ابھی معلوم کر کے بتاتی ہوں۔" لحظہ بھر بعد اس نے ریسیور رکھ کر راہداری میں داہنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" وہ اپنے کمرے میں موجود ہیں، آپ چلے جائیں۔"

میں ممنون نگاہوں کے ساتھ اس کا شکریہ ادا کر کے راہداری میں بڑھتا چلا گیا۔ اس اسپتال میں معالج کے کمرے پر کسی چپراسی وغیرہ کا رواج نہیں تھا لہٰذا میں نے ڈاکٹر اکبر کے نام کی تختی دیکھ کر بند دروازے پر دستک دی اور لحظہ بھر توقف کے بعد ہینڈل گھما کر اندر داخل ہو گیا۔

ڈاکٹر اپنی آراستہ میز کے پیچھے گھومنے والی کرسی پر براجمان کاغذات کے مطالعے میں مصروف تھا، مجھے دیکھتے ہی ہمہ تن میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"مجھے عارف کہتے ہیں ڈاکٹر۔" میں نے بے تکلفانہ انداز میں اس کے مقابل کرسی سنبھالتے ہوئے کہا اور محسوس کیا کہ اس کی نگاہیں میری زخمی ہتھیلیوں پر جم کر رہ گئی تھیں۔

"میں زخمی ضرور ہوں۔" میں نے اس کے سامنے میز پر اپنے دونوں ہاتھ سیدھے کرتے ہوئے کہا۔" لیکن میں اپنے علاج کے بجائے فرض سے مجبور ہو کر یہاں آیا ہوں۔ مجھے ایک زخمی مجرم کی تلاش ہے۔ ڈیڑھ گھنٹا پہلے میرا عملہ اس کا تعاقب کرتا ہوا تمھارے اسپتال تک پہنچا تھا۔ وہ لوگ ابھی تک باہر موجود ہیں لیکن زخمی مجرم اندر سے برآمد ہوتا نظر نہیں آیا۔ مجھے اس کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔ امید ہے کہ قانون کے نام پر میرے ساتھ تعاون کرو گے۔"

اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہو گئیں پھر وہ پُرسکون لہجے میں بولا۔" یہ بنیادی طور پر ذہنی مریضوں کا اسپتال ہے لیکن بہت سے زخمی اور دوسرے مریض بھی ہمارے پاس آتے رہتے ہیں جنھیں عموماً ہم مایوس نہیں کرتے، نجانے تم کس مریض کی تلاش میں آئے ہو؟"

"پچھلے ایک ڈیڑھ گھنٹے میں یہاں مریضوں کی قطار نہیں رہی ہو گی ڈاکٹر!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔" اس کی ٹانگ اور شانے پر گولیوں کے زخم تھے... ہو سکتا ہے کہ اس نے تمھیں کچھ اور بتایا ہو لیکن گولیوں کے زخم تمھاری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکے ہوں گے۔"

"تمھارا تعلق کس محکمے سے ہے؟" اس نے گہرا سانس لے کر سوال کیا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں نمودار ہو چلی تھیں۔

"سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی سے... باہر محکمے کی تین گاڑیاں موجود ہیں۔" اس سے قبل کہ وہ مجھ سے میری شناخت طلب کرنے کا ارادہ کرتا، میں نے اس کی ذہنی مزاحمت کو تباہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

"مجھے بالکل علم نہیں تھا کہ وہ مجرم ہے، اس نے بتایا تھا کہ وہ ایک ہنگامے میں پتھراؤ سے زخمی ہوا ہے۔" ڈاکٹر اپنی پیشانی صاف کرتے ہوئے مدافعانہ لہجے میں کہنے لگا۔" ڈریسنگ کے بعد وہ گھر جا سکتا تھا لیکن اس نے یہیں کمرا حاصل کرنے کی خواہش کی۔ اتفاق سے آج کئی کمرے خالی تھے پھر یہ محض خدمت ہی نہیں، میری روزی بھی ہے۔ میں نے اسے کمرا دے دیا۔ وہ گراؤنڈ فلور پر چھ نمبر میں ہے۔"

"میں تمھیں الزام نہیں دے رہا۔" میں نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔" میں تمھاری مجبوریاں سمجھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی شامت ہی اسے یہاں لائی ہو اور اسپتال کا کمرہ اس کے لیے چوہے دان ثابت ہو۔"

"میرے کمرے سے داہنی طرف آخری کمرے میں چلے جاؤ۔" اس نے اپنی کرسی کی پشتگاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

میں نے فوراً ہی اس کا ارادہ بھانپ لیا۔ وہ میرے ساتھ جانے سے ہچکچا رہا تھا اور شاید میرے جاتے ہی کسی طرح اسے ٹو کو خطرے سے آگاہ کرنا چاہ رہا تھا لیکن میں اسے ایسا کوئی موقع دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"تمھیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔" میں نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔" اگر اس کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہوا تو وہ ایک اجنبی آواز سن کر چوکنا ہو جائے گا، دروازہ تم ہی کو کھلوانا ہو گا۔"

اس کی آنکھوں میں بے بسی تیرنے لگی۔" تم غیر ضروری احتیاط سے کام لے رہے ہو..."

"یہ نہ بھولو کہ اسے تمھارے مریض کے بجائے تمھارا پروردہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کی گرفتاری تمھارے مفاد میں ہے۔ ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ تم اس کے پشت پناہ ہو اور مخدوش حالات میں اسے یہاں پناہ دی ہوئی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر واضح اور دو ٹوک لہجے میں کہا۔

اس نے بادلِ نخواستہ کرسی چھوڑ دی اور میز کے گرد گھوم کر میرے مقابل آ گیا اور ملتجیانہ لہجے میں بولا۔" میرے ساتھ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس نے ہدایت کی تھی کہ صبح تک اسے بالکل ڈسٹرب نہ کیا جائے... وہ خاصا مغلوب الغضب معلوم ہوتا ہے۔ دستک سنتے ہی بدتمیزی پر اتر آئے گا۔"

"ایک بار دروازہ کھل گیا تو میں اسے ساری تمیز سکھا دوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا پھر سوال کیا۔" وہ تمھارے لیے اجنبی تو نہیں رہا ہو گا؟"

"میں نے پہلی بار اسے دیکھا ہے۔" اس نے بھڑک کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" البتہ ایک شناسا کے نام کا حوالہ ضرور دیا تھا اس نے۔"

"قاسم؟" میں نے سوال کیا اور ڈاکٹر کا چہرہ دھواں ہوگیا۔

"ت... تم اسے کیا جانو؟" اس نے لکنت آمیز لہجے میں بے یقینی کے ساتھ کہا۔

"چلتے رہو ڈاکٹر!" میں نے سختی کے ساتھ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یہ لوگ مدت سے میرے محکمے کی نظروں میں ہیں۔ اس بار ہم بڑے شکار کے چکر میں ہیں فکر نہ کرو، تم سے بعد میں بھی ہمیں کوئی تعرض نہ ہوگا۔"

اس کی آنکھیں خوف زدہ انداز میں پھیل گئیں۔ چہرہ پسینے میں نہا گیا اور وہ اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں کو زبان سے تر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

کمرہ نمبر چھ کے دروازے پر دستک دیتے ہی اندر سے اے لو کی غضبناک غراہٹ ابھری تھی۔ "بھاگ جاؤ، کیا اندھے ہو کہ دروازے پر لگا ہوا ٹیگ نظر نہیں آرہا؟"

دروازے کے ہینڈل کے ساتھ واقعی ڈو ناٹ ڈسٹرب کا بڑا سا سرخ کارڈ جھول رہا تھا۔

"دروازہ کھولو، میں ہوں ڈاکٹر اکبر!" میرے ٹھوکا دینے پر ڈاکٹر مشینی انداز میں بول پڑا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپے نہیں، لائے گئے ہو۔" اندر سے زہریلی آواز ابھری پھر ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے تیزی سے سامان کو الٹ پلٹ کیا جا رہا ہو۔ میں نے اضطراری طور پر دروازے پر پرشور دستک دی۔ جواب میں اندر سے ایک غلیظ سی گالی سنائی دی اور میری بے چینی بڑھنے لگی۔

اے لو اندر نجانے کیا کر رہا تھا؟

"ماسٹر کی یا دوسری چابی منگواؤ۔" میں نے ڈاکٹر کو جھنجوڑ کر تیزی سے کہا اور وہ خود ہی راہداری میں دوڑتا چلا گیا۔

اس کے واپس آنے سے پہلے اندر سے آنے والی آوازیں موقوف ہو چکی تھیں۔ اس سے چابی لے کر میں نے دروازے کا قفل کھولا اور لات مار کر دروازہ کھول دیا۔ میں دیوار کی اوٹ میں تھا اور ڈاکٹر کھلے ہوئے دروازے کے عین سامنے۔ اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں پھر بالکل سامنے خلا میں یوں جم کر رہ گئیں جیسے پتھرا گئی ہوں۔

میں جھپٹ کر دیوار کی اوٹ سے نکلا اور پھر میری بھی کم و بیش وہی حالت ہوئی کمرا خالی پڑا ہوا تھا اور اس کی کھلی ہوئی عقبی کھڑکی ہمارا منہ چڑا رہی تھی۔ میں دوڑتا ہوا خالی کمرے میں داخل ہوا اور دھڑ کھڑکی سے باہر نکال کر عقب میں پھیلے ہوئے سرسبز لان کا جائزہ لے ڈالا لیکن تیز روشنیوں میں وہاں دور تک کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا اے لو خطرے کی بو سونگھتے ہی

کسی سائے کی طرح پھر بھاگ نکلا تھا۔

"یہ... یہ کیا؟" میرے کانوں میں ڈاکٹر کی لرزتی ہوئی آواز آئی۔ "شاید وہ جلدی میں یہ تصویر لے جانا بھول گیا۔"

میں پلٹا تو ڈاکٹر میز پر پڑے ہوئے ایک فریم کو گھورے جا رہا تھا۔

تصویر پر نگاہ پڑتے ہی میں بے اختیار آگے لپکا تھا۔ کیونکہ وہ غزالہ کی بڑی سی تصویر تھی لیکن پلاسٹک کے موٹے سے خوبصورت فریم نے مجھے رک جانے پر مجبور کر دیا۔

میرا مقابلہ اسے لٹو سے تھا جو ان گنت شعبدوں کا ماہر تھا۔ فریم کی ساخت انتہائی غیر معمولی تھی اور اسے جس انداز میں وہاں چھوڑا گیا تھا، وہ بھی غیر معمولی ہی تھا۔ آخر اسے غزالہ کی فریم کی ہوئی تصویر ساتھ لیے پھرنے کی کیا ضرورت تھی۔ شاید بھاگتے بھاگتے اسے شبہ ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر کے ہمراہ میں خود یا میرا کوئی ساتھی راہداری میں موجود تھا۔ ایسی صورت میں غزالہ کی تصویر پر نگاہ پڑتے ہی اسے اٹھانا میرا قطعی فطری ردعمل ہوتا جس سے اسے لٹو نے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ میرے سابقہ تجربات کی روشنی میں اس موٹے فریم میں بارود سے ٹرانسمیٹر تک کچھ بھی پوشیدہ ہو سکتا تھا۔

اس وقت میرا ذہن بہت سرعت کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ ابھی تک میں نے ڈاکٹر اکبر پر کوئی الزام نہیں لگایا تھا لیکن مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ اپنی علاج گاہ کی آڑ میں ہیروئن کی کافی مقدار کھپاتا آ رہا تھا اور اسی بنا پر اس کے قاسم وغیرہ کے ساتھ قریبی مراسم تھے۔

اگر تصویر میں کوئی خطرہ ہی پوشیدہ تھا تو کیوں نہ اکبر کو قربانی کا بکرا بنایا جائے؟ میں نے سوچا۔

"ڈر کیوں رہے ہو اسے اٹھاتے ہوئے؟" میں نے جھلاتے ہوئے لہجے میں اسے تاڑا۔

اس نے فریم کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ ایک دھماکے سے تصویر سمیت فریم کے ٹکڑے اڑ گئے، اکبر چیخ مار کر زمین پر ڈھیر ہو گیا اور کمرے میں تیزی کے ساتھ کثیف دھواں بھرنے لگا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں چند ثانیوں کے لیے بھی اس زہریلے دھوئیں میں رکا رہا تو کھانستے کھانستے گلے میں زخم پڑ جائیں گے پھر دوسری طرف اسپتال کا عملہ بھی کسی بھی لمحے وہاں پہنچ سکتا تھا۔ میں نے بھی پھرتی کے ساتھ عقبی لان کی طرف کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔

دیوار کے سہارے چلتا ہوا میں احاطے کے سامنے والے حصے میں پہنچا تو نہ صرف اندر سے شور و غل کی آوازیں آ رہی تھیں بلکہ باہر بھی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ دھماکے کے خوف سے اندر سے بہت سے مریض اور عملے کے افراد بھی باہر نکل آئے تھے۔ میں غیر محسوس طریقے پر اس ہراساں ہجوم میں شامل ہو کر پارکنگ لاٹ کی طرف نکلتا چلا گیا۔

اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود کرنل بدستور گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سے چپٹا ہوا تھا۔ "کیا ہوا؟ یہ دھماکا کیسا تھا؟" میرے پہنچتے ہی اس نے تجسس آمیز لہجے میں کہا۔

"آپ نے اتر کر معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی؟" میں نے سلگ کر سوال کیا۔

"ڈسپلن کے خلاف ہوتا۔" اس نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "جب تم مجھے تیار رہنے کے لیے کہہ گئے تھے تو میرے لیے بس وہی ایک کام رہ گیا تھا، توپیں بھی چلنے لگتیں تو یہاں سے نہ ہٹتا۔ ایک ثانیے کے لیے تو یہ خیال بھی آیا تھا کہ کہیں مجھے اپنی جگہ سے ہٹانے کے لیے ہی وہ دھماکا نہ کرایا گیا ہو۔"

"واقعی آپ بہت دور کی بات سوچ لیتے ہیں۔ ورنہ میلے میں کمبل کس کا گم نہیں ہوتا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"یہ میلہ اور کمبل کہاں سے آ گیا درمیان میں؟" اس نے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

"لمبی کہانی ہے... ایسے موقعوں پر ضرب المثل کے طور پر کہا جاتا ہے۔" میں نے سڑک پر نگاہیں جما کر بے پروائی سے جواب دیا۔

"خیر خیر۔ میری اردو اتنی بامحاورہ نہیں ہے۔" اس نے بزرگانہ شان سے کہا۔ پھر بولا۔ "تم نے بتایا نہیں کہ اندر کیا ہوا؟"

میں اسے پوری کہانی سنانے لگا اور وہ درمیان میں پُرجوش انداز میں تبصرے بھی کرتا رہا پھر جب غزالہ کے تصویری فریم کے پھٹنے کا ذکر آیا تو وہ حیرت سے اچھل ہی پڑا۔

"یعنی چھوتے ہی پھٹ گئی؟" وہ تحیر آمیز لہجے میں بولا۔

"میں مان ہی نہیں سکتا۔ میرا بھی تعلق آرٹلری سے رہا ہے۔ میں نے تو کبھی ایسے کسی بم کا ذکر تک نہیں سنا۔"

"یہ الیکٹرونکس کا دور ہے کرنل صاحب!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہر صبح بہت سی ناقابلِ یقین خبریں ہماری منتظر ہوتی ہیں۔ میں نہ آرٹلری میں رہا نہ سائنسداں ہوں لیکن میرے لیے تصویر کا یوں پھٹنا ناقابلِ یقین نہیں ہے۔"

"وہ کیسے؟" اس نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے سوال کیا۔

"تھرمو اسٹیٹ یا تھرمل سوئچ ہم گھروں میں ایئر کنڈیشنر سے فریج تک میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایک خاص درجۂ حرارت پر آن ہوتے ہیں اور دوسرے خاص درجۂ حرارت پر آف ہو جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس تصویر کے نیچے فریم میں کوئی اس

قدر حساس تھرمو اسٹیٹ نصب رہا ہو جو انسانی جسم کی حرارت پاتے ہی آن ہو جاتا ہو۔ اس کے بعد عام سے بارودی بم کا اصول کارفرما رہا ہوگا۔"

"حیرتناک بات ہے۔" وہ قائل ہوتے ہوئے بولا "یہ تمہارا اے ٹو خاصا ذہین معلوم ہوتا ہے۔ غزالہ کی تصویر سے تمہیں شکار کرنے کی چال چلی تھی لیکن تم بھی کم نہیں ہو۔ تمہاری بات سمجھ میں آتی ہے، سارا کمال بس تھرمو اسٹیٹ کا رہا ہوگا۔"

"شاید وہ احاطے کی دیوار پھاند کر فرار ہوا ہوگا۔" میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔ "اس کی قوت ارادی بے حد مضبوط ہے ورنہ اتنے شدید زخموں کے بعد ایسی اچھل کود کا تصور بھی محال ہو جاتا ہے۔"

"ہاں۔ پھاٹک کی طرف تو ادھر سے کوئی نہیں آیا تھا۔" کرنل نے میری تائید کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے شبہ بھی ہو جاتا تو اس پر گاڑی ہی چڑھا دیتا۔" پھر چونک کر بولا۔ "ڈاکٹر مر تو نہ گیا ہوگا؟"

"اتنا حیادار نہیں ہے، اس بم میں بارود سے زیادہ زہریلی گیس خطرناک تھی۔ تھوڑا بہت زخمی تو ضرور ہوا ہوگا۔ اگر فوری طور پر اسے کمرے سے نہ نکالا گیا تو شاید دم گھٹنے کے باعث ہلاک بھی ہو جائے۔" میں نے کہا۔

"اور اب ہم کہاں جل رہے ہیں؟" کرنل نے سوال کیا۔

"گھر۔" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا اور نشست کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

اس وقت مجھ پر تھکان کا احساس اچانک ہی حملہ آور ہوا تھا۔ لاہور سے روانگی کے بعد سے مجھے ایک لمحے کے لیے بھی آرام نہیں مل سکا تھا۔ میں مسلسل ذہنی اور جسمانی تصادم میں الجھا رہا تھا۔ اس جدوجہد کے نتائج اے ٹو کے لیے جتنے بھی حوصلہ شکن رہے ہوں، میرے لیے زیادہ امید افزا نہیں تھے۔ کیونکہ میں نے اپنا مقصد خاصا کٹھن بنا لیا تھا۔ میرے نزدیک اے ٹو کی موت سے کم کوئی کامیابی مجھے خوشی سے ہم کنار نہیں کر سکتی تھی اور وہ مرحلہ بار بار سامنے آکر یکایک دور ہوتا چلا جا رہا تھا۔

خاصی جدوجہد کے بعد میں اکبر کی علاج گاہ میں اے ٹو کے ٹھکانے تک پہنچا تھا مگر اے ٹو ایک بار پھر میری آنکھوں میں دھول جھونک کر شہر میں بکھرے ہوئے لاکھوں انسانوں کے بیکراں ہجوم میں گم ہو گیا تھا۔

☆

نصر کی فضا غیر متوقع طور پر بہت خوشگوار تھی۔

غزالہ، جہانگیر اور سلمیٰ کو لیے ڈرائنگ روم میں براجمان تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان تینوں میں برسوں کی گہری شناسائی ہو۔

پتا چلا کہ جہانگیر اور سلمیٰ کے تنازعے کے بارے میں غزالہ کا مصالحتی فارمولا تیر بہدف ثابت ہوا تھا۔ ان دونوں کو جب ایک دوسرے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تو کچھ دیر تک تصادم شدت اختیار کرتا رہا پھر اچانک سلمیٰ نے اپنا روایتی ہتھیار سنبھال لیا۔ اس کے رونے کی آواز بلند ہوتے ہی جہانگیر کا غصہ بوکھلاہٹ میں دفن ہو کر رہ گیا۔ اس کے بعد کیا ہوا، وہ غزالہ کو بھی معلوم نہیں تھا لیکن بخوبی قیاس کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ جب وہ باہر آئے تو یوں آسودہ اور خوش تھے جیسے ان کے درمیان کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

میری روداد سن کر جہانگیر منہ بنا کر بولا تھا۔ "مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم اے ٹو سے ملے ہوئے ہو، جو کچھ بھی شہر میں ہو رہا ہے، وہ تم دونوں کی ملی بھگت کا نتیجہ ہے۔"

"ارے... رے... یہ کیا کہہ رہے ہو؟" کرنل نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"ایک طرف تو اے ٹو اس قدر پراسرار اور ناقابل رسائی ہے کہ شہر کیا ملک بھر میں اس کا سراغ نہیں ملتا اور اب یکایک ایسا محسوس ہونے لگا ہے جیسے وہ ڈیڈی کو بتلائے بغیر کہیں بھی نہیں جاتا... پہلے وہ کہیں پہنچتا ہے اور پیچھے پیچھے ڈیڈی وہاں جا پہنچتا ہے، خون کی گرمی برقرار رکھنے کے لیے کچھ مار دھاڑ ہوتی ہے۔ پھر اگلا پروگرام طے کر کے دونوں اپنے اپنے راستے پر ہو لیتے ہیں۔"

"اچھا بول لیتے ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مشق جاری رکھی تو اسمبلی میں بھی پہنچ سکو گے... ارے بندۂ خدا! عقل استعمال کرو تو تم بھی اس کا پیچھا کر سکتے ہو، وہ کوئی چھلاوا تو نہیں ہے، لاہور کی بات اور تھی۔ کراچی ہمارا شہر ہے۔ ہم یہاں تنظیم چلاتے رہے ہیں اور بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کب کدھر کا رخ کرتا ہے... لاہور میں، میں اتنے دن جھک مارتا رہا لیکن ایک بار بھی اس تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ہاں، اس نے جہاں چاہا، نمودار ہو کر جھلک دکھائی اور غائب ہو گیا۔"

"خیر! اگر ملی بھگت نہیں ہے تو تمہارے پاس ایسا ریڈار ضرور ہے جو تمہیں لمحہ بہ لمحہ اس کی نقل و حرکت سے باخبر رکھتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب اگلا پروگرام کہاں طے ہوا ہے؟" بیوی سے صلح ہو جانے کے بعد اس میں کچھ زیادہ ہی پھرتی آگئی تھی۔ "کیونکہ ہمارے پاس نہ تمہارے جیسی عقل ہے نہ ریڈار۔"

"اگلے پروگرام کا علم صبح گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان ہوگا۔" میں نے جواب دیا۔ "اور اس بار شاید تم بھی ہمارے ساتھ ہو گے۔"

"ہمارے ساتھ؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "اور کون کون ملا ہوا ہے تم سے؟"

"کرنل، میں اور تم۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "آج میں کرنل

کے ڈسپلن سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ انھیں کوئی مورچہ سونپ کر اسے بالکل فراموش کیا جا سکتا ہے۔"

اپنے باپ کی تعریف سن کر غزالہ کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

پھر گھر میں کھانے کا اہتمام شروع ہو گیا۔ ہمارے انتظار میں وہ سب بھوکے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ سلمیٰ ہر کام میں یوں پیش پیش تھی جیسے وہ بھی اسی گھر کی رکن ہو۔

اس دوران میں غزالہ نے مجھ سے تخلیے میں بات کرنے کا موقع نکال ہی لیا اور سلمیٰ کے بارے میں اپنے سابقہ فیصلے پر ندامت کا اظہار کرنے لگی۔

"یہ اچانک کیا جادو کر دیا اس نے کہ اسی کے گن گانے لگی ہو؟ شام میں تو اسے گھر سے نکالنے پر تلی ہوئی تھیں۔" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

اور غزالہ نے جو کچھ کہا، وہ ناقابل یقین حد تک درست تھا۔ اس کا خیال تھا کہ لاہور میں اپنے میکے کو خیرباد کہنے کے بعد سلمیٰ کراچی میں شدت سے تنہائی کی شکار ہو گئی تھی۔ اس تنہائی کا علاج جہانگیر کے پاس موجود تھا، وہ سلمیٰ کو زیادہ وقت دے کر رفتہ رفتہ اس ماحول سے مانوس کر سکتا تھا لیکن وہ سلمیٰ کو اتنی توجہ بھی نہ دے سکا جو شوہر کو عام حالات میں دینا چاہیے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سرکشی پر تل گئی۔ اگر وہ میری ذات میں دلچسپی کا اظہار کرتی تھی تو مقصد جہانگیر کو یہ احساس دلانا ہوتا تھا کہ اس نے اپنی روش نہ بدلی تو وہ غلط راستے پر بھی پڑ سکتی تھی۔

غزالہ نے اپنی ماں کو ان لوگوں سے دور رکھا تھا اور انھیں یہی بتایا تھا کہ وہ سانس کے موذی عارضے میں مبتلا ہے اور عموماً گوشہ نشین رہتی ہے۔ کوکین کی دو خوراکوں کے درمیانی وقفے میں غزالہ تھوڑی دیر کے لیے سلمیٰ کو اپنی ماں سے ملانے اس کے کمرے میں لے گئی تھی۔ واپسی پر سلمیٰ بس اس کے بارے میں اظہار ہمدردی ہی کرتی رہ گئی تھی۔ اسے شبہ تک نہ ہو سکا تھا کہ شمع ایک موذی نشے کے ہاتھوں ایک کربناک عذاب میں مبتلا سسک سسک کر اپنی زندگی کے آخری ایام پورے کر رہی تھی۔

کھانے کی میز پر خاصی رونق رہی۔ کرنل اس قسم کی مجلسوں کو ترسا ہوا تھا۔ لہٰذا وہ گفتگو کے ہر مرحلے پر پوری سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتا رہا۔ پھر رات گئے یہ طے ہوا کہ سلمیٰ غزالہ کے ساتھ اس کے کمرے میں رہے اور جہانگیر میرے ساتھ کامران کے کمرے میں موجود سلطان شاہ کا بستر سنبھال لے۔

جہانگیر کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے مجھے رہ رہ کر اسکاچ کی وہ اکلوتی بوتل یاد آتی رہی جو اسی کمرے میں ایک دراز میں پڑی ہوئی تھی لیکن میں نے پرائے گھر میں ایک اجنبی کے ساتھ وہ شوق کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

"جیوا ہاؤز کی اب کیا حالت ہے؟" اس سے باتیں کرتے ہوئے میں نے روا روی میں سوال کیا۔

"بڑی خوفناک آگ لگی تھی وہاں۔" وہ جھرجھری لے کر بولا۔ "سب کچھ جل کر خاک ہو گیا لیکن عمارت کا جھلسا ہوا ڈھانچہ جوں کا توں کھڑا ہوا ہے۔ فائر انجنوں وغیرہ کی رسائی کے لیے احاطے کی دیواریں گرا دی گئی تھیں۔ اس کھنڈر کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ چند ہفتے پہلے وہ عمارت اس قدر پرشکوہ رہی ہو گی۔"

"جیوا ہاؤز کا کوئی حصہ اب بھی تنظیم کے تصرف میں ہے؟"

"آگ سے آہنی جالیاں تک پگھل گئی تھیں، کھڑکی، دروازوں کے بغیر اب تو وہ کھنڈر کھلا میدان ہے۔ احاطے کی گری ہوئی دیواروں کو روند کر کوئی بھی اندر گھس سکتا ہے۔ ایسے غیر محفوظ مقام کا تنظیم کے لیے کیا استعمال ہو سکتا ہے لیکن تمھیں اچانک جیوا ہاؤز کی یاد کیوں ستانے لگی ہے؟"

"جیوا ہاؤز تنظیم پر ہمارے بھولے بسرے اقتدار کی یادگار ہے۔" میں نے پہلو بدل کر کہا۔ "پھر میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ایک آدھ روز میں لے ٹو شہر کے کسی کھنڈر میں تنظیم کے کارندوں کے کسی اجتماع میں شرکت کرے گا۔ میرا اندازہ تھا کہ شاید وہ جیوا ہاؤز ہی کا رخ کرے گا اور ہم اسے وہاں گھیر سکیں گے۔"

"وہ ایسی حماقت نہیں کرے گا۔ وہاں کسی اجتماع کا تصور ہی ناممکن ہے کیونکہ عمارت کے سامنے والے سوختہ لان پر دن رات دو سپاہی بھی پہرہ دیتے رہتے ہیں۔" جہانگیر نے میری رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ لے ٹو کو ناممکن کو ممکن کر دکھانے میں ید طولیٰ حاصل ہے، وہ بہت سے ایسے کام کر گزرتا ہے جن کے بارے میں عام آدمی سوچ بھی نہیں سکتا۔ پھر جیوا ہاؤز کا کچھ فائدہ بھی ہے۔ بقول تمھارے وہ ہر طرف سے غیر محفوظ ہے۔ اب دوسرے زاویے سے سوچو کہ اجتماع کے دوران کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو وہ لوگ خود کو چوہے دان میں نہیں پائیں گے۔ جو جدھر سے چاہے گا فرار ہونے کے لیے آزاد ہو گا۔ بس انھیں اپنے دو چار مستعد آدمی چوکیداری کے لیے باہر چھوڑنا ہوں گے۔"

"اگر یہ تمھارا اندازہ ہے تو درست ہی ہو گا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "کیونکہ لے ٹو کے بارے میں ابھی تک تمھارے بیشتر قیاسات درست ہی ثابت ہوتے رہے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ صبح اس بارے میں مستند خبر مل جائے۔"

میں نے پُرامید لہجے میں کہا۔

"اوہ! جب ہی تم صبح گیارہ سے بارہ بجے تک کا ذکر کر رہے تھے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا اور میرے سر کی اثباتی جنبش سے جواب پاکر دوسرا سوال کر بیٹھا "اب تنظیم کی صفوں میں تمہارا کون مخبر باقی رہ گیا ہے؟"

"بہت معمولی کارندہ ہے جو گھوم پھر کر پڑیاں بیچتا ہے۔ شاید تمہیں حامد کا نام یاد ہو؟"

"حامد!" اس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے دُہرایا پھر جلدی سے بولا "ہاں یاد آگیا یہ وہی لڑکا تو نہیں ہے جو پہلے طارق مرحوم کے پاس ملازم تھا پھر اسی کے ذریعہ یونیورسٹی کی حدود میں ہیروئن متعارف کرائی گئی تھی؟"

"بالکل وہی۔" میں نے کہا "وہ اب تک کام کر رہا ہے۔ آخری امتحان دے کر تائب ہو جائے گا۔ وہ ابھی تک موتی دادا کے اڈے سے وابستہ ہے اور اس کا منہ چڑھا ہونے کی وجہ سے بہت سی خفیہ باتیں بھی سُن لیتا ہے، آج اس نے مجھے گھیر لیا تھا۔"

اس کے استفسار پر میں نے اس کو حامد سے ملاقات کی تفصیل سنائی تو وہ اداس ہو گیا۔

"کس قدر گندی روزی کماتے رہے ہیں ہم؟" اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا "اپنے اور تنظیم کے مفاد پر ہر چیز قربان کرتے رہے۔ وہ دونوں لڑکے ہی نہیں، ان کے تو پورے گھرانے زندہ درگور ہو گئے۔ نچلا طبقہ جرم کے احساس سے عاری ہوتا ہے۔ اونچے طبقے میں جرائم فیشن اور مہم جوئی کے زمرے میں گنے جاتے ہیں لیکن درمیانی طبقہ قانون کے معاملے میں بہت حساس ہوتا ہے یہ لوگ مجرم کو کبھی اپنے معاشرے میں قبول نہیں کرتے اور اس سوچ کی پاداش میں زندگی بھر پستے رہتے ہیں۔"

"مجھے خود ان کے انجام کا دکھ ہے، میں نے حامد کو تو خاصی تسلیاں دی تھیں لیکن مجھے ذرا بھی امید نہیں کہ وہ قانون کی بے رحمانہ گرفت سے آزاد ہو سکیں۔"

"دوسروں کے ساتھ بُرائی کر کے ہم خود بھی تو سُکھی نہ رہ سکے۔" اس کی آواز ندامت کے بوجھ سے لرز رہی تھی۔ "جس کے اشاروں پر دوسروں کو تگنی کا ناچ نچاتے رہے آج خود جان کے خوف سے اس سے چھپتے پھر رہے ہیں۔ ابھی تک تو میں نے کسی کا بھی انجام بخیر نہیں دیکھا۔ راجہ سکندر علی، متھا خان، قاسم طارق... ان میں سے کس کو عزت کی موت نصیب ہوئی، طارق بے چارہ تو ہمارا جگری دوست تھا پھر بھی ہم اُسے کندھا تک نہ دے سکے۔"

"کافی عرصے سے نادر کی کوئی خیر خبر نہیں ملی، وہ کہاں ہے آجکل؟" ماضی کی کہانیاں چھڑیں تو مجھے اپنا چوتھا ساتھی یاد آگیا جس نے ہمارے ساتھ ہی تنظیم میں کام کی ابتدا کی تھی۔

"وہ اپنی موجودہ زندگی سے مطمئن ہے۔ شیر شاہ، لیاری اور لیمارکیٹ کے علاقوں میں مال کی تقسیم اسی کے ذمے ہے اور وہ دونوں ہاتھوں سے مال کمانے میں مگن ہے۔" جہانگیر نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔

"اس کے ہوتے ہوئے اے ٹو موتی دادا کو کیوں سر چڑھا رہا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"دو باتیں ہیں۔" جہانگیر نے کہا "موتی دادا پیشہ ور بدمعاش ہے۔ شہر کے زیر زمین حلقوں میں خاصی حمایت اور ساکھ رکھتا ہے چھوٹے موٹے تو اس کا نام سن کر ہی راستہ کاٹ جاتے ہیں جبکہ نادر ان حلقوں کے لیے نیا ہو گا۔ وہ شروع سے لگے بندھے لوگوں پر انحصار کرتا آرہا ہے۔ اس حلقے سے باہر اُسے کوئی نہیں جانتا۔ دوسرا سبب پالیسی کی تبدیلی بھی ہو سکتا ہے۔ پرانے لوگوں سے اُسے مسلسل مایوسی ہو رہی ہے تم متنفر ہوئے، میں باغی ہو گیا ہو سکتا ہے کہ اب وہ اس سرگرم حلقے کو ختم کرنے کے لیے باہر سے نیا آدمی لانے کے بارے میں سوچ رہا ہو۔"

"کاش کل صبح حامد مجھے صحیح اطلاع فراہم کر سکے تو اس بار ہماری ضرب کراچی میں تنظیم کی کمر توڑ کر رکھ دے گی، ہو سکتا ہے کہ خود اے ٹو بھی اس معرکے میں جہنم واصل ہو جائے۔"

"سو جاؤ۔" جہانگیر نے ہنستے ہوئے کہا "ایک بج چکا ہے، اب تو رات بھر خواب بھی اسی کے آتے رہیں گے۔" میں نے ہاتھ بڑھا کر روشنی گل کر دی۔

**

ایک بھیانک چیخ سُن کر میری آنکھ کھل گئی۔

میرا بدن پسینے میں ڈوب گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بدن کے سارے مساموں کے دہانے کھل گئے ہوں، دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اور سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت مفقود ہو چکی تھی۔

میں آنکھیں کھولے اسی طرح بستر پر چت پڑا رہا۔ رفتہ رفتہ میرے حواس بحال ہوئے میں نے ریڈیم ڈائل رسٹ واچ سرہانے سے اُٹھا کر دیکھی تو صبح کے سوا تین بج رہے تھے پھر دوسرے بستر کا جائزہ لیا تو جہانگیر دنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ وہ چیخ اس کے خوابیدہ اعصاب پر ذرا بھی اثر انداز نہیں ہوئی تھی۔

وہ کس کی چیخ تھی؟ کوئی آتنی رات ڈھلے کیوں چیخا تھا؟ آواز باہر سے آئی تھی یا اسی چھت کے نیچے کوئی کھیل شروع

ہو گیا تھا؟ ذہن پر بیک وقت لاتعداد سوالات نے یلغار کر دی۔
پھر اچانک ہی مجھے ان تمام سوالات کا جواب مل گیا۔ گھنٹی دوبارہ بجی تھی۔
پہلی بار بھی وہ گھنٹی ہی کی آواز تھی جسے نیند کے باعث میں چیخ سمجھ بیٹھا تھا لیکن اتنی رات گئے وہاں کون آ سکتا تھا؟
گھر میں کوئی ملازم نہیں تھا لہٰذا آنے والے کی پیشوائی کے لیے گھر کے کسی فرد ہی کو بستر چھوڑنا پڑتا۔ میں دبے قدموں بستر سے اتر کر ننگے پاؤں باہر آ گیا۔ جہانگیر کی نیند خراب ہونے کے ڈر سے میں نے کمرے میں بھی روشنی نہیں کی تھی۔
اس وقت پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور شاید سب ہی گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے تھے کیونکہ گھنٹی کی دو آوازوں کے باوجود ہر طرف مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا۔
کہیں بھی روشنی جلائے بغیر میں اندازے سے نکاسی کے راستے کی طرف ہو لیا۔ میں برآمدے سے اتر ہی رہا تھا کہ پھر گھنٹی بجی۔ اس مرتبہ شاید نووارد نے بٹن کو چھوتے ہی انگلی اٹھالی تھی کیونکہ گھنٹی کی گونج ادھوری اور نامکمل سی تھی۔
میں حتی الامکان دبے قدموں کے ساتھ پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن آنے والا بہت مکار تھا۔ اس نے دروازے کی کسی جھری سے جھانکتے ہوئے تاروں کی چھاؤں میں میرا ہیولا دیکھ لیا اور دھیمی آواز میں ہانک لگائی۔ ”ڈرو نہیں، میں سلطان شاہ ہوں۔“
اس کی آواز پہچانتے ہی میرا سارا اعصابی تناؤ ختم ہو گیا اور پھیپھڑوں میں تھمی ہوئی تمام ہوا دہانے سے خارج ہو گئی۔
ذیلی کھڑکی کی کنڈی گراتے ہی وہ اندر آ گیا۔
”یہ کون سا وقت ہے آنے کا؟“ میں نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا اس قدر ڈرامائی تناؤ کے بعد اس کی شکل دیکھ کر مجھے غصہ ہی آ گیا تھا لیکن وہ بس مختصراً مسکرا کر رہ گیا۔
میں نے بھی غصے میں اس سے دوبارہ مخاطب ہونے کی زحمت نہیں کی اور برآمدے کی طرف چل دیا لگنڈی لگا کر وہ بھی خاموشی کے ساتھ میرے پیچھے ہو لیا۔
برآمدے کی سیڑھیاں عبور کرتے تک میرا غصہ کافور ہو چکا تھا۔ سلطان شاہ اتنا احمق نہیں تھا کہ کسی اہم سبب کے بغیر اجالے کا انتظار کیے بغیر سوا تین بجے وہاں آ پہنچتا۔ میں کمرے کے بجائے تاریکی میں ڈرائنگ روم کی طرف ہو لیا۔
”ہینڈز اپ!“ ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی کرنل کی دبی دبی غراہٹ کے ساتھ ریوالور کی آہنی نال میرے پہلو سے آ لگی۔
”اسے جیب میں ڈال لیں۔“ میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”سلطان شاہ واپس آیا ہے۔“
”اتنی رات گئے؟“ ریوالور کی نال ہٹنے کے ساتھ ہی کرنل کی تحیر زدہ آواز سنائی دی اور پھر ڈرائنگ روم روشن ہو گیا اسی کے ساتھ کرنل براہ راست سلطان شاہ سے مخاطب ہو گیا۔ ”خیریت تو ہے نا؟“
”خیریت ہوتی تو اس وقت تم لوگوں کی نیند ہرگز خراب نہ کرتا۔“ وہ مجرمانہ احساس کے ساتھ بولا پھر میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ ”تمہاری فیکٹری کو آگ لگا دی گئی ہے، وہاں ہر طرف آسمان کو چھو لینے والے شعلے اور کالے دھوئیں کے بادل پھیلے ہوئے ہیں، شاید ہی وہاں کچھ بچ سکے۔“
مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی وحشی سانڈ نے پوری قوت کے ساتھ میرے سینے پر ٹکر رسید کر دی ہو۔ میری زندگی بھر کی کمائی اور اثاثوں کو برباد کر دیا گیا تھا اور مجھے اپنی غفلت کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑ گئی تھی۔
گھر بار سے کاروبار تک میں ہر معاملے میں اصولوں کا قائل تھا میرا گھر پھونک دیا گیا لیکن جذباتی صدمے سے قطع نظر مجھے کوئی مالی نقصان نہیں ہوا کیونکہ گھر کی ایک ایک کیل بیمہ شدہ تھی مگر فیکٹری کے معاملے میں مجھ سے ناقابل تلافی بھول ہوئی تھی۔ قدرتی آفات سے لے کر روزمرہ کی ٹوٹ پھوٹ تک، فیکٹری ہر اعتبار سے بیمہ شدہ تھی لیکن اپنی طبیعت کی ضد کی وجہ سے میں نے شروع دن سے آگ کے خلاف بیمہ نہیں کرایا تھا کیونکہ فیکٹری میں استعمال ہونے والے خام مال کی آتش گیر نوعیت کے باعث انشورنس کمپنی اضافی شرح سے پریمیم کی طلب گار تھی جس کے لیے میں کبھی بھی راضی نہ ہو سکا۔ انشورنس کمپنی کے سیلز آفیسر کی طرف سے بارہا یہ مسئلہ اٹھایا گیا اور ہر بار شرمندۂ تکمیل رہا، اس طرح آگ کے خلاف کبھی بھی فیکٹری کا بیمہ نہ ہو سکا۔
جب تنظیم کی طرف سے فیکٹری میں بارودی بریف کیس چھوڑ کر وہاں تباہی لانے کی کوشش کی گئی تو میں نے فوری طور پر آتش زدگی کے خلاف بیمے کا تحفظ لینے کا ارادہ کیا تھا لیکن پھر حالات اتنی تیزی کے ساتھ رُخ بدلتے چلے گئے کہ میں ایک مرتبہ پھر اس اہم کام کو فراموش کر بیٹھا اور آخر کار آج وہ خبر بد بھی آ ہی گئی جو میری عبرتناک معاشی تباہی کا پیش خیمہ بن سکتی تھی، میرے دل و دماغ پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔
”خدا خیر کرے!“ کرنل کہہ رہا تھا۔ ”چلو میں گاڑی نکالتا ہوں۔“
”نہیں کرنل۔“ میں نے جذبات سے عاری کھوکھلی آواز میں کہا۔ ”فیکٹری جل گئی، جل جائے لیکن مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ میں اپنے اثاثوں کے خاکستر ہونے کا تماشا دیکھ سکوں، وہاں

جا کر میں تماشا دیکھنے کے علاوہ کچھ بھی تو نہ کر سکوں گا۔ اب صبر کے علاوہ کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔"

"مکان کے جلنے پر تمہاری یہ کیفیت نہیں ہوئی تھی، آج تم حوصلہ کیوں ہار بیٹھے ہو؟" سلطان شاہ نے میرے قریب آکر تشفی آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"آگ کے خلاف فیکٹری کا بیمہ نہیں تھا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور کرنل نے بے اختیار ایک پُرشور کراہ کے ساتھ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ آگ سے زیادہ بیمہ نہ ہونے کی خبر اس کے لیے صدمے کا باعث ثابت ہوئی تھی۔

"لیکن یہ بات بس ہم تینوں تک محدود رہے گی۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کسی چوتھے کو بھنک بھی نہ ملنا چاہیے کہ اس بار مجھے کیسی زک اٹھانا پڑی ہے۔"

"وہ لوگ بوکھلا کر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں۔" کرنل غصیلی آواز میں بولا۔

"جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے کرنل۔ جان، مال اور عزت تینوں پر وار کیا جا سکتا ہے، کسی سے تصادم مول لے کر یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ ہم پر غلیل سے غنچے برساتا رہے گا۔ بہر حال، اس شکست نے مجھے اندر سے اور مستحکم کر دیا ہے۔ شاید اب ان کے خلاف میری مہم اور شدت اختیار کر جائے گی۔"

"جو دل چاہے کر لو، لیکن تم اپنے نقصان کا ازالہ ہرگز نہ کر سکو گے۔" کرنل نے کہا۔

"ازالہ۔" میرے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔ "شاید ازالہ بھی ہو سکے۔ اگر ایک بار اسے ٹو میری قید میں آگیا تو میں اس سے منہ مانگی رقم وصول کیے بغیر اسے ذبح نہیں کروں گا۔"

"شاید وہاں خونریزی بھی ہوئی ہے۔" سلطان شاہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "آگ لگانے سے پہلے حملہ آوروں نے وہاں مزاحمت کرنے والے دو چوکیداروں کو بے بس کر کے ہلاک کیا تھا پھر وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے تھے۔"

"جو کچھ ہوا ہے اخبارات میں دیکھ لوں گا۔" میں نے تڑپ کر مضطربانہ لہجے میں کہا۔ "کیا تم لاہور سے یہی خبرِ بد سنانے کے لیے کراچی تک دوڑے چلے آئے تھے؟"

"میں شوگر کوئین کے پیچھے آٹھ بجے کراچی آگیا تھا۔" اس نے سر جھکا کر دھیمی آواز میں کہا۔

"لیکن اسے تو تمہارے آدمی اغوا کرنے والے تھے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

سلطان شاہ میرا مخلص ساتھی تھا للہذا میرے لہجے کی اس زیادتی کو خاموشی سے سہہ گیا اور بُرا مانے بغیر بولا۔ "اس کے بارے میں ہمارے تمام اندازے غلط ثابت ہوئے۔ وہ فولادی عورت ہے۔ عاصم خان نے اپنے دو کرائے دوستوں کے ساتھ ایک ویرانے میں اسے نرغے میں لے لیا تھا۔ ان میں سے ایک مسلح تھا۔ پہلے تو یوں محسوس ہوا جیسے وہ خوفزدہ ہو گئی ہے اور آسانی کے ساتھ خود کو بندھوا لے گی پھر جو وہ بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ حرکت میں آئی ہے تو انہیں نہتا کر کے ان پر حاوی ہوتی چلی گئی۔ ایک کے دل میں گولی اتار دی، دوسرے کی داہنی پسلیاں توڑ دیں، تیسرے کے دو دانت نکل گئے۔ وہ بمشکل اس سے جان بچا کر فرار ہوا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس نے ٹوٹی ہوئی پسلیوں والے کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے اور رپورٹ درج کرائی ہے کہ تین افراد نے اسے بے بس کر لیا تھا پھر اس پر تصرف کے سوال پر وہیں آپس میں لڑ مرے۔ ایک مارا گیا، دوسرا زخمی ہو کر بھاگ نکلا اور تیسرا زخمی ہو کر بھاگنے کے قابل ہی نہیں رہا۔ پولیس پوری سرگرمی کے ساتھ لاہور میں عاصم خان کو تلاش کر رہی ہے اور وہ بوکھلا کر شام ہی کو علاقہ غیر کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔"

"تین آدمی ایک عورت پر قابو نہ پا سکے؟" کرنل نے تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کاش تمہارا اس سے سامنا ہو سکے۔" سلطان شاہ نے تلخ لہجے میں کہا۔ "وہ چھلاوا ہے چھلاوا۔ عاصم خان خود حیران تھا کہ وہ یوں ہوا میں اُڑ اُڑ کر وار کر رہی تھی جیسے اس کو پَر لگ گئے ہوں، جوڈو کی زبردست ماہر معلوم ہوتی ہے۔"

"پھر وہ کراچی کب چلی آئی؟" میں نے سوال کیا

"عاصم خان سے اس ذلت کی خبر پاتے ہی میں مسلح ہو کر اس کے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ وہ ایک مختصر سا ہینڈ بیگ اور بریف کیس لے کر تھوڑی ہی دیر بعد گھر سے نکلی۔۔ اور سیدھی ائیرپورٹ جا پہنچی پہلے مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ ملک ہی چھوڑ رہی ہے لیکن ائیرپورٹ پر وہ اندرونِ ملک پروازوں والے حصے میں نظر آئی۔ میں بڑی دشواری سے اس پرواز پر ٹکٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ورنہ اس وقت لاہور ہی میں پڑا گہری نیند سو رہا ہوتا۔"

"کراچی میں وہ کہاں مقیم ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ائیرپورٹ ہی کے ایک ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے۔ سامان وہاں ڈالنے کے بعد سے وہ مسلسل شہر میں ایک سے دوسرے مقام تک جاتی رہی ہے۔ میں نے وہ سب ٹھکانے دیکھ لیے ہیں۔ شاید تمہیں یہ سن کر حیرت ہو کہ اب سے چند گھنٹے پہلے وہ جیوا ہاؤز کے کھنڈرات میں بھی داخل ہوئی تھی اور وہاں خاصا وقت گزار کر باہر نکلی تھی۔"

"جیوا ہاؤز؟" میں نے حیرت سے کہا، "وہاں وہ کیا کرنے

گئی تھی؟"

"یہی تو میں بھی نہیں سمجھ سکا۔" اس نے بیچارگی کے ساتھ اعتراف کیا۔ "وہاں تو عمارت کے جلے ہوئے ڈھانچے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔"

"لیکن وہاں تو دو سپاہی پہرے پر مامور ہیں؟"

"وہ اگلے حصے میں ہیں۔" شوگر کوئین محتاط انداز میں پیچھے سے داخل ہوئی تھی جہاں احاطے کی دیوار گرنے سے جا بجا راستے بن گئے ہیں۔ سپاہیوں کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ وہ دونوں اگلے حصے میں شراب کے نشے میں دُھت پڑے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنظیم کا کوئی کارندہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت سرِ شام ہی انھیں شراب پہنچا دیتا ہے..."

"اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ وہ کھنڈرات باقاعدگی کے ساتھ تنظیم کے استعمال میں ہیں۔" کرنل نے حیرت کے ساتھ کہا۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "لیکن باہر سے وہاں ویرانی کا راج ہی نظر آتا ہے۔ شوگر کوئین ڈیڑھ بجے کھنڈرات سے ایک وزنی پیکٹ سمیت برآمد ہوئی تھی پھر اسی کا تعاقب کرتا ہوا میں تمھاری فیکٹری کی طرف سے گزرا تو وہاں آگ ہی آگ تھی۔ شاید اسے کسی نے آتشزنی کے بارے میں اطلاع دی تھی اور وہ اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھنا چاہتی تھی کیونکہ چند منٹ وہاں رُکنے کے بعد وہ واپس اپنے ہوٹل روانہ ہو گئی۔ جیوا ہاؤز سے ایئرپورٹ براہِ راست اور نزدیک ہے جبکہ تمھاری فیکٹری کی آگ دیکھنے کے لیے وہ واپس آئی تھی۔ ہوٹل پہنچنے کے بعد میں اس وقت تک وہیں رکا رہا جب تک اس کے کمرے کی کھڑکیوں سے روشنی غائب نہ ہو گئی۔ اس کے سونے کا پروگرام دیکھتے ہوئے میں نے ادھر دوڑ لگا دی۔ بس یہ وجہ ہے میرے دیر سے پہنچنے کی۔"

"جب وہ اس قدر چالاک اور مکار عورت ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ اسے اپنے تعاقب کا علم ہو گیا ہو اور وہ تمھیں بلاوجہ شہر میں تھکاتی پھری ہو۔" کرنل پہلی بار سلطان شاہ سے مسلسل شریفانہ انداز میں بات کر رہا تھا۔

"اس کے نہ آثار تھے اور نہ کوئی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ اگر اسے تعاقب کا شبہ ہو جاتا تو بآسانی مجھے جُل دے کر نکل سکتی تھی یا براہِ راست ہاتھ ڈال سکتی تھی۔ اسے جیوا ہاؤز سمیت دوسرے ٹھکانے دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟" سلطان شاہ کے دلائل خاصے وزنی تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اسے میری فیکٹری میں لگنے والی آگ سے اتنی دلچسپی کیوں تھی کہ وہ اپنے راستے سے ہٹ کر محض اس لیے بیس بائیس میل چلی تا کہ شعلوں کی تباہ کاری اپنی آنکھ سے دیکھ سکے۔

"کراچی پہنچنے کے بعد وہ کہاں کہاں گئی تھی؟" میں نے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔

"سب سے پہلے ڈیفنس کے علاقے میں ایک سفارتخانے کے ٹریڈ اتاشی کے گھر گئی تھی۔ پھر وہاں سے مشہور سیاسی رہنما خان مردان خان کے گھر گئی اس کے بعد صدر کے علاقے میں ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ایک ادھیڑ عمر سفید فام سے ملی۔ ان دونوں نے ہوٹل کے ڈائننگ روم میں ساتھ ہی کھانا کھایا تھا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد شوگر کوئین نے چند فون کیے پھر کافی پی کر جیوا ہاؤز کے لیے روانہ ہو گئی۔ اس سے آگے میں بتا ہی چکا ہوں۔"

ان لوگوں نے فیکٹری کو آگ لگا کر مجھے بھاری نقصان پہنچایا تھا اور میرے وجود میں فطری طور پر انتقام کا لاوا ابلنے لگا تھا۔ طبیعت پر ایک عجیب سی بے چینی طاری ہو گئی تھی کہ ان پر فوری طور پر کوئی بھرپور جوابی وار کیا جائے۔

اس سلسلے میں فی الوقت دو ہی نام میرے سامنے تھے۔ شوگر کوئین یا موتی دادا۔

شوگر کوئین کے بارے میں سلطان شاہ نے جو کچھ بتایا تھا اس کی روشنی میں باقاعدہ منصوبہ بندی اور تیاری کے بغیر اس پر ہاتھ ڈالنا اسے ہوشیار کرنے کے مترادف ہوتا اور موتی دادا مستقبل قریب میں ہونے والے کسی اجتماع کا ایک اہم شریک تھا اسے چھیڑے جانے کی صورت میں نہ صرف حامد کے ذریعے معلومات حاصل ہونے کا سلسلہ منقطع ہو جاتا بلکہ اس اجتماع کا انعقاد بھی خطرے میں پڑ سکتا تھا جہاں میں ان پر بھرپور وار کرنے کی امید لیے بیٹھا تھا۔

یہی کچھ جیوا ہاؤز کے بارے میں بھی درست تھا۔ حامد کی زبان سے پہلی بار میں نے کسی کھنڈر کا تذکرہ سُنا تھا اور کافی دماغ سوزی کے بعد اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ جیوا ہاؤز کے لیے اب وہ نیا نام استعمال کیا جا رہا تھا۔ سلطان شاہ کے بیان نے اس خیال کی بھرپور تائید کر دی تھی کہ جیوا ہاؤز کی عمارت جل جانے کے باوجود ان لوگوں کے تصرف میں تھی لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ وہاں ہر وقت کوئی نہ کوئی موجود رہتا ہے یا اسے صرف خاص خاص مواقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر وہاں نچلے درجے کا کوئی شخص ہاتھ لگ بھی جاتا تو میرے نزدیک وہ کامیابی سے زیادہ ناکامی ہوتی کیونکہ تنظیم کے بڑے ہوشیار ہو کر جیوا ہاؤز کا استعمال ترک کر دیتے اور میں شہر میں ان کے آخری ٹھکانے کا سراغ بھی کھو بیٹھتا۔

کافی غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس مرحلے پر میرے لیے جوش کے بجائے ہوش سے کام لینے کی ضرورت تھی ورنہ میں محنت اور قربانیوں کے بعد تیار کی ہوئی پوری بساط

ہی بگاڑ بیٹھتا۔

یوں تو مجھے اس وقت سلطان شاہ کی ضرورت تھی لیکن اسی کے ساتھ شوگر کوئین کی نگرانی بھی ضروری تھی۔ مجھ پر اس کی اہمیت رفتہ رفتہ واضح ہو رہی تھی اور میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ کسی نہ کسی مرحلے پر اس کے ساتھ بھرپور تصادم ناگزیر ہو جائے گا۔

"اب مجھے کچھ اسلحے اور ایک دو ماہر نشانہ بازوں کی ضرورت ہے۔" حامد سے ملنے والی اطلاعات دہرانے کے بعد میں نے سلطان شاہ سے کہا۔ "اس مرحلے پر میں اپنا زیادہ وقت گھر میں روپوش رہ کر گزارنا چاہتا ہوں، باہر کسی سے تصادم ہو گیا تو صورتِ حال بگڑ سکتی ہے۔"

"میں اُجالا پھیلتے ہی بندوبست کر دوں گا۔" اُس نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"اُجالا پھیلنے کے بعد تم شوگر کوئین کو ایک پل کے لیے بھی اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دو گے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "جو کچھ کرنا ہے شام کو کرو گے کیونکہ اس وقت وہ اپنے کمرے میں پڑی سو رہی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد بولا۔ "میں ابھی دو آدمیوں کا بندوبست کر دوں گا جو صبح دس گیارہ بجے تک مطلوبہ ہتھیاروں سمیت یہاں آ جائیں گے۔ تم جب تک چاہو انھیں روک سکو گے لیکن بس یہ خیال رہے کہ وہ دونوں بہت زیادہ بددماغ ہیں ان سے کام کے علاوہ کوئی بات نہ کی جائے۔"

پروگرام بن جانے کے بعد میں اس کے ساتھ تفصیلات طے کرنے میں مصروف ہو گیا اس بار کرنل بھی مشورے دینے میں پیش پیش تھا، مجھے خوشی تھی کہ اس کے اور سلطان شاہ کے درمیان معاندانہ رویئے کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ایک اچھی ٹیم تشکیل پاتی جا رہی تھی۔

**

حامد نے حسبِ وعدہ اپنا کام پورا کر دکھایا تھا۔ اس کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق تنظیم کے کارندوں کا مجوزہ اجتماع اسی رات کھنڈرات میں ہونے والا تھا۔ وہ کھنڈرات کے محلِ وقوع پر کوئی روشنی نہ ڈال سکا تھا لیکن وہ پہیلی ہم پہلے ہی حل کر چکے تھے۔

بارہ بجے سلطان شاہ کے بھیجے ہوئے دونوں آدمی دو وزنی تھیلوں سمیت آموجود ہوئے۔ ان کے ہیبت ناک چہروں سے ہی قاتلانہ وحشت ٹپکی پڑ رہی تھی۔

غزالہ کو ان تیاریوں کی سُن گن تھی لہٰذا وہ اپنے جوش اور ہیجان کے باوجود پُرسکون نظر آ رہی تھی لیکن سلمیٰ بہت پریشان تھی۔ میں نے غزالہ کو تاکید کر دی تھی کہ اسے پیش آنے والے واقعات کی ہوا بھی نہ لگنے دے۔

ان انتظامات سے مطمئن ہو کر میں جہانگیر اور کرنل کے ساتھ ڈرائنگ روم میں جا بیٹھا۔ میرے اور جہانگیر کے لیے جیوا ہاؤز کی عمارت اچھی طرح دیکھی بھالی تھی اس لیے پروگرام طے کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ نقشوں وغیرہ کی مدد سے کرنل کو بھی اس کی ذمے داریوں کے بارے میں سمجھا دیا گیا لیکن وہ مصر تھا کہ رات میں کارروائی کے آغاز سے پیشتر وہ دن کی روشنی میں ایک بار دُور سے اس کھنڈر کا معائنہ کرنا چاہتا ہے تاکہ عین وقت پر کسی غلط فہمی کا امکان باقی نہ رہے۔

مجبوراً میں نے اُسے جانے کی اجازت دے دی۔

تین بجے سلطان شاہ کا فون آیا اور پتا چلا کہ شوگر کوئین صبح سے اپنے کمرے ہی میں موجود تھی۔ ناشتا اور دوپہر کا کھانا بھی اس نے کمرے ہی میں طلب کیا تھا۔

"میں بھی آج رات کی کارروائی میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔" فون پر اس کی خوشامدانہ آواز اُبھری۔ "کام کا وقت آیا تو تم نے مجھے نگرانی پر لگا دیا ہے۔ مجھے آثار نظر آ رہے ہیں کہ وہ آج کہیں نہیں جائے گی کہو تو اُسے چھوڑ کر آ جاؤں؟"

"ہرگز نہیں۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "اس کا نگاہوں میں رہنا اس مُہم سے زیادہ ضروری ہے۔"

اس نے خاصا اصرار کیا اور میرے مسلسل انکار پر مایوسانہ انداز میں فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اندھیرا پھیلنے تک گھر بھر میں ہر ایک کے اعصاب پر تناؤ سوار تھا۔ حالات کے دھارے میں بہتے ہوئے ہم نے ایک بہت بڑی کارروائی کا منصوبہ تو بنا لیا تھا لیکن اس کے انجام کے بارے میں مجھ سمیت کوئی بھی پُریقین نہیں تھا۔ بس سب ہی ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔

سات بجے غزالہ نے حسبِ پروگرام اپنے کمرے میں سلمیٰ کو شطرنج میں الجھا لیا۔ جہانگیر نے پُھرتی کے ساتھ میری طرح عامیانہ سا لباس پہنا اور ہم دونوں اپنے لباس میں بے آواز پستول چھپا کر جیوا ہاؤز کے لیے روانہ ہو گئے۔ ہم دونوں کو شروع سے آخری لمحے تک جیوا ہاؤز پہنچنے والے ایک ایک فرد پر نگاہ رکھنا تھی۔ جہانگیر کو عقبی سمت میں مورچہ سنبھالنا تھا اور میں نے اپنے لیے سامنے والا حصہ منتخب کیا تھا جدھر سپاہی مامور تھے۔

اندازہ یہ تھا کہ وہ لوگ آمدورفت کے لیے ویران عقبی راستے کو ہی ترجیح دیں گے اور سامنے کا راستہ استعمال کرنے سے گریز کریں گے مگر مجھے مقررہ وقت پر سپاہیوں پر قابو پا کر کھنڈرات میں داخل ہونا تھا تاکہ موقع محل کا جائزہ لے کر کارروائی کے آغاز کا اشارہ دے سکوں۔ اندر گھسنے کے لیے عقبی راستہ اختیار کرنا مخدوش

ہوسکتا تھا کیونکہ ادھر ان کے مسلح محافظ ہوتے لازمی تھے جو دو
پولیس والوں کی موجودگی کے باعث سامنے آنے سے گریز ہی کرتے
۔جیوا ہاؤز سے کافی فاصلے پر ہم دونوں ایک دوسرے سے
الگ ہوگئے ٹیکسی کے چلے جانے کے بعد ہم دونوں نے مختلف
راستے اختیار کیے تھے اور جیوا ہاؤز پہنچنے تک اپنا حلیہ مجذوبوں جیسا
بنالیا تھا تاکہ چھپے رہنے کے باوجود اگر ناگہانی طور پر کسی کی نظر پڑ
ہی جائے تو سہی نظر انداز کرنے پر مجبور ہو جائے۔

میں جیوا ہاؤز کے سیاہ آسیبی کھنڈرات کے سامنے پہنچا تو
شام کے گہرے ہوتے ہوئے دھندلکے میں عمارت پر گہری تاریکی
اور سناٹے کا راج تھا۔ گری ہوئی دیوار سے ذرا دور لان پہ دونوں
سادہ پوش سپاہی قریبی اسٹریٹ لیمپ کی روشنی سے فائدہ اٹھاتے
ہوئے کسی شغل میں وقت گزار رہے تھے۔

میں اپنے بال بکھیرے ایک درخت کے تنے سے ٹیک
لگائے ماچس کی تیلی سے فٹ پاتھ کو کریدتا رہا لیکن وقت تھا کہ
گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید ہم نے
اس قدر قبل از وقت وہاں آنے کا فیصلہ کرکے کوئی عقل مندی
نہیں کی تھی۔

میرے ذہن میں وہ خیال نمودار ہونے کے چند ہی منٹ
بعد ایک سیاہ کار جیوا ہاؤز سے خاصی دور رکی اور اس میں سے
ایک آدمی اتر کر تیز تیز قدموں سے جیوا ہاؤز کی طرف بڑھنے لگا۔ اس
سمت میں لگی ہوئی اسٹریٹ لائٹس کی ناکافی روشنی میں، میں نے
دیکھا کہ آنے والے کے ہاتھ میں کوئی چیز دبی ہوئی تھی۔

نووارد جیوا ہاؤز کے سامنے پہنچ کر بلا جھجک لان میں
داخل ہوا تھا۔ وہاں بیٹھے ہوئے دونوں سپاہی استقبالیہ انداز
میں اپنی جگہ سے اٹھے تھے جیسے اب تک اسی کے منتظر رہے
ہوں۔ نووارد نے ہاتھ میں دبی ہوئی چیز ان کے حوالے کی اور
چند باتوں کے بعد واپس سیاہ کار کی طرف ہولیا۔ کار ایسی جگہ روکی
گئی تھی کہ سپاہیوں کے لیے اسے دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ شاید
آنے والے نے انہیں یہی تاثر دیا تھا کہ وہ کہیں قرب و جوار سے
ٹہلتا ہوا آیا ہے۔

غالباً وہ شخص سپاہیوں کے لیے شراب لایا تھا جس کے
بارے میں مجھے سلطان شاہ سے علم ہو چکا تھا۔

دونوں سپاہی شراب کے بارے میں خاصے نڈیدے تھے
کیونکہ انھوں نے فوراً ہی قدرے اندر سرک کر مے نوشی شروع
کر دی تھی پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ دونوں لہراتے ہوئے
جہاں بیٹھے تھے وہیں ڈھیر ہو گئے۔

غالباً اجتماع کے اہتمام میں ان کی بوتل میں بے ہوشی کی کوئی
دوا انجکٹ کر دی گئی تھی جس نے معدے میں پہنچتے ہی سرعت
کے ساتھ اپنا اثر دکھا دیا تھا۔

ان دونوں کے گرنے کے بعد عقبی حصے سے ایک انسانی
ہیولا نمودار ہوا جو ان دونوں کے قریب پہنچ کر رک گیا اور انھیں
ہلا جلا کر دیکھنے کے بعد واپس ہو لیا۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے ان
کے حواری ہم سے پہلے وہاں پہنچے ہوئے تھے تاکہ مقررہ وقت تک
رفتہ رفتہ صورت حال پر اپنی گرفت مضبوط کر لیں۔

تقریباً دس بجے مجھے اپنی سمت والی تاریک فٹ پاتھ
پر کچھ دور ایک متحرک سایہ نظر آیا تو میں چونک پڑا۔ نجانے وہ
کون تھا اور ادھر کیوں آرہا تھا؟

میں نے اپنی پوزیشن میں اس طرح تبدیلی کرلی کہ خطرے کی
صورت میں آنے والے کو پھرتی کے ساتھ اپنے پستول کی زد پر لے
لوں۔ جب وہ ہیولا دبکتا چھپتا قریب پہنچا تو اس کی چال کی بنا
پر میں پہچان کر حیران رہ گیا۔ وہ سلطان شاہ تھا۔

ہم دونوں نے تقریباً بیک وقت ہی ایک دوسرے کو
پہچانا تھا۔ "تم یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو؟" میں نے تحیر آمیز
سرگوشیانہ آواز میں اس سے سوال کیا۔

"وہ ابھی عقبی راستے سے اندر داخل ہوئی ہے۔" وہ ہیجان
آمیز لہجے میں بولا۔ "آخر کار میری دعا قبول ہو ہی گئی... اب میں بھی
تمہارا ساتھ دے سکوں گا۔ باقی لوگ کہاں ہیں؟"

"میں ادھر ہوں، جہانگیر پچھلے حصے کی نگرانی کر رہا ہے اس
نے تمھیں ضرور دیکھا ہوگا۔"

"نہیں۔ میں کچھ دور ہی رک گیا تھا، کرنل اور وہ دونوں
کہاں ہیں؟"

"کرنل بس تھوڑی دیر میں ان دونوں کو اسلحہ سمیت لاتا
ہی ہوگا۔ ان میں سے ایک کو یہاں آنا ہے گا، دوسرے کو جہانگیر
کے پاس اور خود دوسری گلی میں گاڑی سمیت ہماری واپسی کا
انتظار کرے گا۔"

"میرے لیے کوئی ہتھیار بھی ہے تمہارے پاس؟" اُس
نے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"فی الحال صرف ایک بے آواز پستول ہے، چاہو تو یہ رکھ
لو۔" میں نے پیشکش کی۔ "لیکن یہ خیال رکھنا کہ پہلا فائر میرا ہوگا۔"

اس نے میرا پستول لینے سے انکار کر دیا اور ہم دونوں ہولیا
کے سے انداز میں وہیں بیٹھ کر دھیمی آواز میں باتیں کرنے لگے۔ اس
کا خیال تھا کہ تنظیم میں کراچی کے بگڑے ہوئے معاملات کا سختی
سے نوٹس لیا گیا تھا یہی وجہ تھی کہ اس اجلاس میں لے ٹو سے
شوگر کوئین تک سب ہی بڑے شرکت کر رہے تھے۔

ٹھیک پونے گیارہ بجے بیری کرائے کی کار لمحہ بھر کے لیے
فٹ پاتھ کے کنارے لگی اور اگلے ہی لمحے ایک شخص کو اتار کر
ہوا ہو گئی۔ اُترنے والا میری خفیف سی سیٹی کی آواز سُن کر کسی
تربیت یافتہ گوریلے کی طرح ورزشی تھیلے سمیت اسی طرف چلا آیا۔

لمحہ بہ لمحہ وقت سرکتا رہا۔ سلطان شاہ اپنے آدمی کے
ساتھ باتوں میں لگ گیا تھا اور میری نگاہیں جیوا ہاؤز کے
احاطے پر جمی ہوئی تھیں جہاں سکوت اور ویرانی راج کر رہی تھی۔

"میں سڑک عبور کر رہا ہوں۔" گیارہ بجتے ہی میں نے اپنی جگہ
چھوڑ دی اور تھیلے میں سے اپنے حصے کا اسلحہ نکالنے لگا۔ "تم دونوں
ذرا آگے پیچھے ہو کر سڑک عبور کرو گے۔ ہم تینوں گری ہوئی اینٹوں کے
ڈھیر کے قریب یکجا ہو کر پیٹ کے بل رینگتے ہوئے اندر داخل
ہوں گے۔"

اسٹین گن کو اپنی بغل میں پسلیوں کے ساتھ دبا کر میں نے
تیزی کے ساتھ سڑک عبور کی تھی اور مقررہ مقام پر دیوار کے سائے
میں رک گیا۔ چند ثانیوں بعد وہ دونوں بھی وہیں آ ملے۔ اس
وقت تک اندر سے کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔

ہم تینوں کی نگاہیں چار ہوئیں اور ہم سینوں کے بل پختہ
فٹ پاتھ پر گر گئے اور ایک دوسرے سے قدرے مختلف زاویوں
میں گری ہوئی دیوار سے گزر کر جیوا ہاؤز کے لان میں داخل ہو گئے۔
میری نگاہیں عقابی انداز میں ہر طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ معاً
سالم دیوار کے سائے میں زمین سے کم و بیش چھ فٹ کی بلندی
پر خفیف سی سرخ روشنی کا ہالہ نمودار ہوا جس میں انسانی خدوخال
جھلک رہے تھے پھر فوراً ہی وہ مدھم ہالہ معدوم ہو گیا۔

یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ ان لوگوں کا چھوڑا ہوا کوئی
محافظ بیکاری سے اکتا کر سایۂ دیوار میں، ہتھیلی کی اوٹ میں چھپا
کر سگریٹ نوشی کر رہا تھا۔ میری اور سلطان شاہ کی نگاہوں کا تبادلہ
ہوا اور ہم نے اس محافظ کو نظرانداز کر کے آگے بڑھ جانے کا فیصلہ
کر لیا۔ میرے پاس اس کے لیے بے آواز پستول ضرور موجود تھا
لیکن مرتے ہوئے محافظ کی چیخ کو روکنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔

خراشوں اور رکاوٹوں کی پروا کیے بغیر ہم تینوں محتاط اور
چوکنا انداز میں آگے بڑھتے رہے۔ اس دوران میں مجھے تاریک
احاطے میں تاروں کی چھاؤں میں کم از کم پانچ انسانی ہیولے نظر
آئے جنھیں بہ آسانی بھونا جا سکتا تھا لیکن ہم نے انھیں بالکل نظر
انداز کر دیا اور آخر کار ہم جلے اور اُدھڑے ہوئے برآمدے تک
پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

وہاں ایک طرف دو سائے بے سُدھ پڑے ہوئے
تھے۔ سلطان شاہ ان سے قریب تر تھا۔ اس نے اپنی ناک بھینچی
سے دبا کر مجھے آگاہ کیا کہ ان کے مُنہ سے شراب کی بُو آ رہی تھی۔

ان دونوں نے چبوترے سے نیچے پوزیشنیں سنبھال لیں
اور میں پیٹ کے بل چبوترے کی دیوار سے چپکا ہوا اوپر چڑھ گیا۔
اگلے چند ثانیوں میں، میں برآمدے سے گزر کر راہداری میں داخل ہو
چکا تھا۔ جیوا ہاؤز کے سامنے خاصا وقت گزار کر میں نے اندازہ لگا
لیا تھا کہ کھلی فضا کے مقابلے میں جلی ہوئی عمارت میں اس قدر
گہرا اندھیرا تھا کہ وہاں پوری پلاٹون بھی آزادانہ نقل و حرکت کرتی
ہے تو باہر سے اس کا دیکھ لیا جانا ناممکن تھا۔ میں اطمینان سے
پنجوں کے بل کھڑا ہو گیا۔

ابھی میں پیش قدمی کے لیے سمت کا تعین کر ہی رہا تھا کہ
اچانک ایک مانوس سا کھٹکا ہوا، ایک بہت ہلکی کراہ سنائی
دی اور دھمک سی سنائی دی جیسے کوئی اچانک گرا ہو۔

جس کسی نے بھی وہ بے آواز فائر کیا، اس کا نشانہ بے خطا
تھا۔ مُبہم سی کراہ سے ظاہر ہو گیا تھا کہ گولی براہِ راست دل میں
پیوست ہوئی تھی اور مرنے والے کو چیخنے کی مہلت تک نہ
مل سکی تھی۔

مگر وہ فائر کس نے کیا تھا؟

میرے علاوہ صرف جہانگیر کے پاس بے آواز پستول تھا
لیکن پروگرام کے مطابق اسے جیوا ہاؤز سے دور اپنے مورچے پر ہونا
چاہیے تھا جبکہ وہ آواز قریب ہی سے آئی تھی۔ غصے سے میری کنپٹیاں
چٹخنے لگیں۔ اگر اس کی عجلت اور بے صبری کا یہی عالم تھا تو وہ
ہم سب کو کسی بھی لمحے موت کے مُنہ میں جھونک سکتا تھا۔

لیکن اب میں موت کے دہانے پر کھڑا ہوا تھا۔ میرے
پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں جہانگیر کو تلاش کر کے سرزنش کرتا۔
میں اسٹین گن سیدھی کر کے جیوا ہاؤز کے کانفرنس ہال کی طرف
بے آواز قدموں سے بڑھنے لگا۔

"اور تنظیم میں ہمیشہ سرکشی کا یہی انجام ہوگا۔" چند ثانیوں
بعد میرے کانوں میں وہ آواز آئی اور میں سُن ہو کر رہ گیا۔
مغربی لب و لہجے میں انگریزی بولنے والی وہ عورت ویرا لائیٹل
کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔

"اور تنظیم میں ہمیشہ سرکشی کا یہی انجام ہوگا۔" اس بار ایک
مقامی آواز میں ویرا لائیٹل کے الفاظ کا ترجمہ دُہرایا گیا تھا۔ شاید ان
لوگوں کے لیے جو اس اجتماع میں شریک تھے لیکن انگریزی سمجھنے
سے قاصر تھے۔

"ہالٹ!" اندھیرے میں میرے قریب ہی سے اُبھرنے
والی وہ تحکمانہ آواز میرے اعصاب پر بجلی بن کر گری۔ پوری منصوبہ
بندی میں، میں یہ نکتہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ تاریک کھنڈر کے اندر

بھی کچھ محافظ موجود ہو سکتے ہیں۔

لیکن وہ سوچنے سمجھنے کا مرحلہ نہیں تھا۔ لمحہ بھر کے ذہنی تعطل کے بعد میں نے ایک جھٹکے سے اسٹین گن سیدھی کی اور بارود کی روشنی میں للکارنے والے کا بدن چھلنی ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

اندر شور و غل برپا ہو گیا تھا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ بائیں ہاتھ سے اپنی جیب سے گرینیڈ نکالا اور دانتوں سے اس کی پن کھینچ کر اسے کانفرنس روم کی طرف جانے والی راہداری میں اچھال دیا۔ ہولناک دھماکے سے فرش اور دیواریں لرز اٹھیں۔ عمارت کے کچھ جھلسے ہوئے حصے نیچے آ رہے اور پھر باہر بھی اسٹین گن کا نغماتی طلسم گونجنے لگا جس میں انسانی چیخیں بھی شامل تھیں، شاید کھڑکیوں سے کود کر بھاگنے والوں کو جہانگیر اور اس کے ساتھی نے باڑھ پر رکھ لیا تھا۔ میں چوکنے ... انداز میں الٹے قدموں پیچھے لوٹنے لگا تاکہ باہر نکل کر بھاگنے والوں کو چن چن کر ختم کر سکوں۔

"رک جاؤ ڈینی۔" اس بار میرے بائیں جانب سے ویرا لائیڈ کی سرد اور تحکمانہ آواز گونجی تھی۔ "اسٹین گن پھینک دو ورنہ میرا نشانہ بہت سچا ہے، گولی سیدھی دل میں اترے گی۔"

باہر چار اسٹین گنیں چل رہی تھیں، دستی بموں کے دھماکے گونج رہے تھے۔ مرنے اور زخمی ہونے والے دشمنوں کو شاید کہیں امان نہیں مل رہی تھی لیکن میں شوگر کوئین یا ویرا لائیڈ کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔

"میں اپنا حکم دہرانے کی عادی نہیں ہوں۔" اس کی للکارتی ہوئی سرد آواز پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے کانوں میں اترتی چلی گئی اور میں نے اسٹین گن فرش پر پھینک دی۔

باہر سے آنے والی فائرنگ کی آوازوں میں سرعت کے ساتھ بھیانک تسلسل پیدا ہو گیا تھا۔ پہلے تو میں بوکھلا جانے کے بعد لے ٹو اور شوگر کوئین کے ساتھی تیزی کے ساتھ قدم جمانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ گنوں کے ہولناک شور میں نسبتاً ہلکے قسم کے آتشیں اسلحے کے بارودی دھماکے بھی شامل ہو گئے تھے اور کیوں نہ ہوتے، جیوا ہاؤز کے سوختہ کھنڈرات میں وہ کوئی عبادت گزار بندوں کا اجتماع نہیں تھا۔ وہاں بلائے جانے والے سب ہی شہر کے چھٹے ہوئے بدمعاش، شورہ پشت، اور منشیات فروش تھے۔ بوکھلاہٹ میں چند ساتھیوں کے ہلاک یا زخمی ہوتے ہی ان سب گھاگ مجرموں کو احساس ہو گیا تھا کہ افراتفری میں بھاگ نکلنے کی کوششوں میں وہ سب یکے بعد دیگرے نامعلوم حملہ آوروں کا نشانہ بنتے چلے جائیں گے لہٰذا غیر متوقع حکمت عملی کے باوجود اس بھیڑ کا ردعمل یکساں ہی رہا اور وہ سب بظاہر مقابلے پر جم گئے تھے لیکن مجھے اندازہ تھا کہ حملہ آوروں کے عزائم اور تعداد سے لاعلمی کی بنا پر وہ زیادہ دیر تک مقابلے کی کوشش نہیں کریں گے بلکہ فائرنگ کی آڑ میں جلد از جلد نکل بھاگنے کی کوشش کریں گے کیونکہ انہیں نہ حملہ آوروں کی تعداد کا علم تھا اور نہ عزائم کا لیکن ان پر یہ بات ضرور واضح ہو گئی ہو گی کہ عام پولیس فورس اسٹین گن وغیرہ سے لیس نہیں ہوتی لہٰذا ان کا مقابلہ قانون نافذ کرنے والے کسی ادارے سے ہرگز نہیں تھا۔

باہر ہولناک تصادم جاری تھا۔ فائرنگ کے شور میں اب کبھی کبھار کسی مرنے یا زخمی ہونے والے کی چیخ بھی سنائی دے جاتی تھی۔ میرے ہاتھوں چھلنی ہونے والا جیوا ہاؤز کے اس تاریک کمرے میں شاید گرتے ہی دم توڑ چکا تھا اور میں شوگر کوئین کے للکارنے پر اپنی اسٹین گن فرش پر پھینک چکا تھا۔ اندھیرے میں اس کا تاریک تر ہیولا مجھ سے ذرا دور ایک جلی ہوئی کھڑکی کے قریب موجود تھا۔ اس کی آنکھیں رات کی سیاہی میں بلور کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔ پھر ذرا سا غور کرتے ہی مجھ پر واضح ہو گیا کہ اس نے اپنے چہرے پر سیاہ نقاب منڈھا ہوا تھا۔

"اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو تم ویرا لائیڈ ہی ہو نا؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے اپنی آواز میں شگفتگی برقرار رکھتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔

"غلطی نہ تم کر رہے ہو نہ میں کروں گی۔" اس کی سرد اور تحکمانہ آواز گونجی۔ "اپنے ہاتھ سر سے اونچے اٹھا لو۔ یہ یاد رکھنا کہ میرے ہاتھ میں بھرا ہوا بے آواز پستول ہے جس کی صرف ایک گولی استعمال ہوئی ہے۔"

"کس خوش نصیب کے حصے میں آئی؟" میں نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے خوش دلانہ لہجے میں سوال کیا۔ "فائر کا کھٹکا اور کسی کے گرنے کی دھمک تو میں نے بھی سنی تھی۔ شاید کسی کو سرکشی کی سزا دی گئی تھی۔"

میں یہ محسوس کر چکا تھا کہ اس وقت وہ مشرق بعید کی پرواز پر ملنے والی شوخ، نرم خو اور مہربان ویرا لائیڈ نہیں رہی تھی۔ نہ ہی اس کے لہجے میں لوچ اور مٹھاس رہی تھی۔ اپنے رومانوی مزاج کو یکسر فراموش کر کے اس وقت وہ نیلی آنکھوں والی سفاک قاتلہ بنی ہوئی تھی۔ اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ اپنے حکم کی خلاف ورزی پر بے دریغ گولی چلا بیٹھتی۔

"بلیسیوں نام تھے اس کے لیکن اب وہ بے نام ہو چکا ہے۔" اس کا لہجہ بدستور سرد اور پرسکون تھا۔ "میں غلطیوں کو ایک حد تک نظرانداز کر سکتی ہوں لیکن جب کوئی ناقابل برداشت ہو جائے تو اس کا علاج کرنا پڑ جاتا ہے۔"

میں لمحے بھر کے لیے سکتے میں رہ گیا۔ "کیا لے ٹو کو مار دیا تم

نے؟" میرے منہ سے بے یقینی کے عالم میں نکلا۔

"اس کا سب سے زیادہ معروف نام یہی تھا۔" پہلی بار اس کا لہجہ استہزائیہ ہوگیا۔ "اس کی ذاتی پسند اور ناپسند اس کے فیصلوں پر اثر انداز ہوکر تنظیم کے کاموں میں حارج ہونے لگی تھی۔"

"تو کیا تنظیم میں تم اس سے بھی اوپر کی حیثیت کی مالک ہو؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"تنظیم میں کسی کی کوئی حیثیت نہیں، سب کسی نہ کسی کے حکم کے تابع ہیں اور اس وقت میں اس کی نمائندگی کر رہی ہوں جسے ٹو اپنی کارکردگی کے لیے جواب دہ تھا۔"

"لیکن تم تو مجھ سے ایشلے ہاؤس کے نمائندے کے طور پر ملی تھیں۔ تم تنظیم کے مال کی خریدار رہی ہو۔ اب تمہارا یک بیک تنظیم سے تعلق کیسے پیدا ہوگیا۔ میرے لیے تو ہمیشہ سے لے ٹو ہی تنظیم کا اعلیٰ ترین دماغ تھا جو سب کا حاکم تھا لیکن خود کسی کا محکوم نہیں۔"

"بڑے کھیلوں میں ایسے سراب قدم قدم پر سامنے آتے ہیں۔" پہلی بار اس کی تلخ سی ہنسی کی آواز ابھری۔ وہ واقعی بہت نڈر اور بے باک عورت تھی کہ باہر بارودی آگ کی برسات سے بے پروا مسکرانے یا ہنسنے پر قادر تھی۔ اپنے نرم اور حسین ہاتھوں سے ایک قتل کا ارتکاب کرنے کے باوجود یوں مطمئن اور پُرسکون تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"تمہارے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ مقامی نہیں بلکہ کوئی بین الاقوامی تنظیم ہے اور شاید تمہیں باہر سے لے ٹو کی گوشمالی کے مشن پر ہی بھیجا گیا ہے۔"

"یہ بھی ایک سراب ہے۔" میں حیرت سے اچھل پڑا کیونکہ اس بار وہ بالکل صاف اور شائستہ لہجے میں اردو میں گویا ہوئی تھی۔

"صرف گوری چمڑی کی بنا پر تم کسی کی قومیت کا تعین نہیں کر سکتے۔ میں تمہاری زبان مقامی لب و لہجے میں بولنے پر قادر ہوں۔"

"پھر اندر ہونے والے اجلاس میں مترجم کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تھا۔

"میں اُن لوگوں کی دبی خواہشات اور بے لاگ آراء جاننا چاہتی تھی۔" وہ اردو میں کہہ رہی تھی۔ "آج کا اجلاس بہت اہم اور خاصا طویل ہوتا جس میں شرکاء کو ایک مرحلے پر آزادانہ تبادلۂ خیال کا موقع دیا جاتا اور وہ مجھے اردو سے نابلد سمجھتے ہوئے مقامی زبان میں آزادانہ طور پر اپنی بات شروع کر دیتے۔ یوں مجھے ان کے شکوک و شبہات سے واقفیت حاصل ہو جاتی۔"

"پھر ایشلے ہاؤز والے معاملے میں میرے ساتھ اردو سے لاعلمی ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں نے ہرگز ایسی کوشش نہیں کی۔ تم شروع سے آخر تک مجھ سے انگریزی ہی میں بات کرتے رہے۔ اردو میں بولتے تو میں تمہیں مایوس نہ کرتی۔ میرے لیے تو وہ سب ایک عجیب کھیل تھا۔"

"مطلب یہ ہوا کہ یہاں کی تنظیم ایشلے ہاؤز کی ہی ایک ذیلی شاخ ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"ان بکھیڑوں میں نہ الجھو۔" وہ خشک لہجے میں بولی۔ "تم روئے زمین پر کہیں بھی ایشلے ہاؤز کا وجود دریافت نہ کر سکو گے۔ وہ کوئی سودا نہیں تھا بلکہ تمہاری صلاحیتوں کا ایک امتحان تھا جس میں تم پورے اُترے تھے۔ ورنہ آج اس قابل نہ ہو پاتے کہ گھر کے بھیدی بننے کے بعد ہمارے ساتھ محاذ آرائی پر تل جاتے۔ تم نے تنظیم کو خاصا نقصان پہنچایا ہے۔"

میں چونک پڑا۔

بظاہر وہ مجھ پر بھرا ہوا پستول تانے کھڑی تھی۔ باہر پورے زور شور سے گولیوں کا خونریز تبادلہ ہو رہا تھا اور کسی بھی لمحے کوئی بھٹکی ہوئی باڑھ کسی کھلے ہوئے حصے سے اِدھر بھی آ سکتی تھی۔ ایسی صورت میں اسے اپنی سلامتی کی فکر ہونا چاہیے تھی۔ وہ میری بے خبری میں وہاں پہنچی تھی۔ وہ لوگ مجھ سے جس حد تک نالاں تھے اس کا اظہار پچھلے دنوں بار بار ہوتا رہا تھا۔ لے ٹو اور اس کے حواری میرے خون کے پیاسے ہو رہے تھے لیکن میرے ستارے ساتھ دے رہے تھے کہ میرے خلاف سارے قاتلانہ حملے بُری طرح ناکام ہوئے تھے۔ ان حالات میں ویرالائیڈ کا فطری ردِعمل یہ ہونا چاہیے تھا کہ اس نے جیسے ہی مجھے پہچان لیا تھا، للکارے، مجھے ہوشیار کیے بغیر ختم کر دیتی لیکن اس نے نہ صرف مجھے کَوَر کرکے للکارا بلکہ اب خاصی کھل کر باتیں بھی کر رہی تھی۔ میں اس کے رویّے کے بارے میں الجھن میں مبتلا تھا کہ مجھے ختم کرکے خود بھاگ نکلنے کے بجائے وہ مجھ پر وقت کیوں برباد کر رہی تھی۔ پھر آخر میں اُس نے مجھے یہ بھی جتا دیا کہ میں نے تنظیم کو خاصا نقصان پہنچایا ہے لیکن پھر بھی پستول کے ٹرائیگر پر اس کی انگلی ساکت ہی رہی تھی۔

شاید اس کے دل میں میرے لیے کوئی نرم گوشہ موجود تھا۔ میں نے سوچا اور پھر قلابازی کھانے کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے یہ سارا تجزیہ چند ثانیوں میں کر ڈالا اور کسی غیر معمولی توقف کے بغیر بولا۔ "مجھے زبردستی تصادم کی راہ پر دھکیلا گیا ہے۔ میرے سامنے کوئی انتخاب نہیں رہ گیا تھا۔ زندہ رہنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لاتا تو مقامی قیادت یا دوسرے الفاظ میں لے ٹو کسی بے رحم قصاب

کی طرح مجھے ذبح کر ڈالتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اُسے میری ذات سے اچانک کیا عناد ہو گیا تھا۔"

"وہ کیفرِ کردار کو پہنچ چکا ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ "اس کا قصور یہی تھا کہ اس نے تمھاری ذات کو اپنی انا کا معاملہ بنا لیا تھا۔ تنظیم کے اہم ترین معاملات کو نظرانداز کر کے کسی اجرتی قاتل کی طرح ملک بھر میں تمھاری بُو سونگھتا پھر رہا تھا۔ اُسے دو بار وارننگ دی گئی لیکن اُس کے سر سے تمھاری دشمنی کا بھوت نہیں اترا۔ اور مجھے مجبوراً معاملات میں دخل انداز ہونا پڑا۔"

وفورِ جوش سے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ میرا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا تھا۔ میری قلابازی کارآمد ثابت ہوئی تھی۔ مجھے اس کے لب و لہجے سے مصالحت کی خواہش جھلکتی محسوس ہو رہی تھی۔

"میں آج تک یہی نہیں سمجھ سکا کہ وہ اچانک میرے خون کا پیاسا کیوں ہو گیا تھا؟" میں نے مزید ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔ "اگر وہ مجھے میرا قصور بتا کر جواب طلب کرتا تو شاید میں اسے مطمئن کر دیتا لیکن وہ یکطرفہ طور پر میرے خلاف محاذ آرا ہو گیا اور مجھے مدافعت میں اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے پر مجبور ہونا پڑ گیا۔"

"اب اتنے بھی معصوم نہ بنو۔" اس کی طنزیہ آواز ابھری۔ "اپنا قصور تم اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ کون تھی جس نے لاہور میں ایشین سنڈیکیٹ لمیٹڈ کے دفتر میں ملازمت حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی تھی؟"

"میری منگیتر۔" میں نے بلا توقف جواب دیا۔ "وہ ایک معزز گھرانے کی تعلیم یافتہ اور روشن خیال لڑکی ہے۔

میری ذات کے سحر میں گرفتار ہونے کے باوجود اُسے اپنے خاندان کی نیک نامی عزیز ہے۔ وہ میری وقت بے وقت کی پُراسرار نقل و حرکت اور سرگرمیوں کی طرف سے شبہات کا شکار تھی۔ میں پلاسٹک فیکٹری کے مالک و مختار کی حیثیت سے ان سرگرمیوں کا کوئی جواز پیش نہیں کر سکتا تھا لہٰذا میں نے اسے بتایا کہ میں ایشین سنڈیکیٹ کا سیلز آفیسر ہوں اور دفتری کاموں کے لیے اکثر بے وقت بھی مصروف رہنا پڑتا ہے مگر وہ مطمئن نہیں ہو سکی۔ کوئی معقول ملازمت ایسی نہیں ہو سکتی کہ آدمی محبوبہ یا منگیتر سے ملاقات مختصر کر کے رات کے بارہ بجے کہیں چل دے۔ اس نے ایشین سنڈیکیٹ کے بارے میں جاننے کی خواہش کا اظہار کیا تو میں نے بھرپور تعاون کی پیشکش کر دی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ایشین سنڈیکیٹ کا ظاہری کاروبار معقول اور قانونی ہو گا لہٰذا جب اس نے اپنی مہم جو طبیعت کے پیشِ نظر کچھ دنوں کے لیے سنڈیکیٹ میں نوکری کرنے کے ارادے کا اظہار کیا تو میں اُسے اپنے ساتھ لاہور لے جانے پر آمادہ ہو گیا لیکن سنڈیکیٹ کے دفتر میں انٹرویو سے واپسی پر کچھ نامعلوم لوگوں نے اسے اٹھا لے جانے کی ناکام کوشش کی۔ میں نے اُسے اغوا ہونے سے تو بچا لیا لیکن اب وہ بھڑک گئی ہے۔ اب میرے ساتھ شادی کی بات کرنا تو درکنار، میری صورت تک دیکھنے کی روادار نہیں ہے۔"

میں نے وہ فی البدیہہ کہانی کہیں رکے یا جھجکے بغیر اس قدر روانی کے ساتھ بیان کی کہ غالباً وہ میرے جھانسے میں آ گئی۔

"کون ہے وہ لڑکی؟" اس کی آواز پُرخیال تھی۔

"ایک لڑکی!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں نہیں چاہوں گا کہ میرے ساتھ وہ بھی تمھارے سامنے ہاتھ اٹھائے پستول کی زد پر کھڑی ہو۔"

"تم سے گفتگو کے بعد میرا اندازہ ہے کہ ہم مصالحت کی طرف پیش قدمی کر سکتے ہیں۔" اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تمھیں میرے بارے میں اس طرح نہیں سوچنا چاہیے۔"

"مصالحت!" اس بار میری ہنسی استہزائیہ تھی۔ "بڑا سنگین مذاق کرتی ہو تم بھی! باہر ہمارے آدمی ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ شاید اب تک دو چار مر بھی چکے ہوں۔ تمھارے ایک محافظ کا چھلنی بدن تو اسی چھت کے نیچے پڑا ہوا ہے اور تم مجھے مصالحت کا بہلاوا دے رہی ہو۔ آخر تمھارا منصوبہ کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" وہ بےپروائی سے بولی۔ "انھیں یوں ہی کتوں کی طرح لڑتا چھوڑ کر ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔ یہ تو سب شطرنج کے پیادے ہیں، پیدا ہی پٹنے کے لیے ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک ان میں سے کسی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"لل... لیکن تم نے تو کہا تھا کہ آج کا اجلاس بہت اہم تھا۔" اُس کے سرد اور بے رحمانہ رویے پر میں لمحے بھر کے لیے ہکلا کر رہ گیا۔ "ظاہر ہے کہ آنے والے بھی اہم لوگ رہے ہوں گے۔"

"جو اہم ترین تھا وہ میرے ہاتھوں مارا گیا۔" وہ مضحکہ اڑانے کے انداز میں بولی۔ "لڑنے والوں میں جو اہم کہلانے کے مستحق ہوں گے وہ ہر صورت میں لڑتے بھڑتے زندہ نکل جائیں گے۔ جو بے وقعت مہرے ہیں وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح ایک دوسرے کو نوچ کھائیں گے۔ تم لڑکی کا سراغ نہیں دیتے تو نہ دو لیکن تم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہو کہ وہ تمھاری راہ پر لگی ہوئی کوئی سرکاری جاسوسہ نہیں ہے؟"

"اس کا گھرانا مشہور اور بہت معزز ہے۔" میں نے سنجیدگی

کے ساتھ جھوٹ بولا۔ وہ تو لڑکی ہی کچھ سنکی ہے ورنہ اس کے لیے تو شہر میں بہتیرے اُمیدوار پیدا ہو سکتے ہیں۔ بخانے اُسے مجھ میں کیا نظر آ گیا ہے؟"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ وہ تم پر مرمٹی ہے لیکن تمہیں اس سے کوئی خاص رغبت نہیں ہے؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"رغبت نہ ہوتی تو میں تمہارے پہلے ہی سوال پر اس کا پورا شجرہ اور...... ٹھکانا بتا بیٹھا ہوتا۔ وہ رُوٹھ ضرور گئی ہے۔ لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ میں اسے منا لوں گا۔ ویسے رغبت تو مجھے تم سے بھی ہے۔ ٹوکیو میں جو شب و روز میں نے تمہارے ساتھ گزارے، وہ میرے دل میں ایک پھانس بن کر رہ گئے ہیں۔ کئی بار دل چاہا کہ لوھر دوڑ لگا دوں، شاید کہیں تم سے ملاقات ہو ہی جائے!"

"شٹ اپ۔" وہ سرد لہجے میں غرّائی۔ "جو کچھ ہوا اس میں تمہاری کشش یا کوشش کا کوئی دخل نہیں تھا۔ میرے لیے مرد کی ذات ایک کھلونے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ کھلونے سے کھیلتے رہو، دل بھر جائے تو اسے بھول جاؤ۔ موڈ ہو تو اسے توڑ مروڑ بھی سکتے ہو۔ اسے ٹو کو دل میں گولی اُترنے کے باعث چیخنے کی مُہلت بھی نہ مل سکی ورنہ وہ مجھ سے ضرور شکوہ کرتا۔ وہ بس میری آواز پہچانتا تھا اور کئی بار اندھیری خلوتوں میں میری صورت دیکھے بغیر اپنی شوگر کوئین کے تلوے چاٹتا رہا تھا۔ لہٰذا جو کچھ ہُوا اسے بھول جاؤ۔ ماضی کے کسی حوالے سے تم کچھ حاصل نہ کر سکو گے۔ اس معاملے میں میں اپنی مرضی اور پسند پر چلنے کی عادی ہوں۔"

باہر فائرنگ کا تسلسل دھیما پڑتا جا رہا تھا۔ شوگر کوئین کے کچھ جاں نثار یا تو مر چکے تھے یا فائرنگ کی آڑ میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے کیونکہ میرے کان مسلسل ... کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ باہر وقفے وقفے سے چار اسٹین گنیں برابر چل رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ میرے ساتھی اس وقت تک بخیر و عافیت تھے اور اگر ان میں سے کوئی زخمی ہوا بھی تھا تو زخم اس قدر معمولی تھے کہ فائرنگ میں حارج نہیں ہو رہے تھے جب کہ ریوالوروں، پستولوں اور رائفلوں کا شور بہت کم رہ گیا تھا۔

شاید ویرالائیڈ درست ہی کہہ رہی تھی کہ جو اہم تھے وہ لڑتے مرتے زندہ سلامت نکل گئے تھے اور جو پیادے تھے، وہ موت کے انتظار میں اپنے مورچوں پر ڈٹے ہوئے تھے۔

لیکن اس کی دوسری بات اتنی درست نہیں تھی۔ اس نے بڑی آسانی کے ساتھ کھلونوں کا فلسفہ بیان کر دیا تھا لیکن وہ بس بے جان کھلونوں تک ہی درست تھا۔ جب کھیل اور کھلاڑی دونوں جیتے جاگتے باشعور وجود کے مالک ہوں تو ان میں سے کسی ایک کی برتری، برتر کے منصب میں قابلِ ذکر تبدیلی نہیں لا سکتی۔ کھلاڑی حاکم ہو یا محکوم، کھلاڑی ہی رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے خربوزہ، خربوزہ ہوتا ہے اور چھری، چھری۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان میں سے کون کس پر گرتا ہے۔ دھار تیز ہو تو نتیجہ ہمیشہ ایک ہی نکلتا ہے لیکن اس مرحلے پر میں نے ویرالائیڈ کی خوش فہمی رفع کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی کیونکہ وہ مسلح تھی اور میری اسٹین گن ایک شکار کو نگلنے کے بعد میرے قدموں میں فرش پر پڑی ہوئی تھی۔

"پھر کچھ حاصل کر بھی لیا تو بے سود ہو گا۔" میں نے اُس کی غرّاہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "خلش کچھ اور بڑھ جائے گی کیونکہ ایسے سب رشتے وقتی ہوتے ہیں۔ پسند، مرضی اور موڈ کے تابع ہوتے ہیں۔ کسی کا کسی پر کوئی حق نہیں بنتا۔ بس اسی لیے میں اس لڑکی کی طرف جھکتا چلا گیا کیونکہ وہاں پسند کے ساتھ ایک امکان حق پیدا ہونے کا بھی تھا۔"

"حق کبھی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ مضحکہ اڑانے والے لہجے میں بولی۔ "حق تو جو ہے سو ہے اور اپنی جگہ اٹل ہے۔ ہاں نور الحق، عین الحق اور عبدالحق ضرور پیدا کیے اور مارے جا سکتے ہیں......"

"ارے...... رے!" میں نے تحیّر زدہ لہجے میں کہا۔ "تم تو بہت ثقیل اردو بول لیتی ہو......!"

"اُردو ہی نہیں میں تیرہ زبانیں مقامی لب و لہجے میں بامحاورہ بول سکتی ہوں اور......"

بولتے بولتے وہ اچانک خاموش ہو گئی جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہی ہو اور میں نے بھی فضا پر کان جما دیے۔ چند ہی ثانیوں بعد میں وہ آواز سننے میں کامیاب ہو گیا۔ ہوا کے دوش پر کسی سائرن کی آواز ڈوبتی ابھرتی لحظہ لحظہ قریب تر آتی جا رہی تھی۔ اور میرے قیاس کے مطابق وہ کسی پولیس کار کے سائرن کی آواز تھی۔

گو وہاں گہرا اندھیرا تھا لیکن میں نے گردن ہلائے بغیر کن انکھیوں سے ویرالائیڈ کی طرف دیکھا تو وہ دم سادھے فضا میں ڈوبنے اور ابھرنے والی آواز کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے بے آواز پستول کی نال غیر ارادی طور پر فرش کی طرف جھک گئی تھی۔

میرے لیے صورتِ حال کو تبدیل کرنے کا وہ نادر موقع تھا۔ میں نے پنجوں پر اپنا وزن تول کر ویرالائیڈ پر چھلانگ لگا دی لیکن اس نے کسی چھلاوے کی طرح اپنی جگہ چھوڑ دی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے وجود پر ہر طرف آنکھیں ہی آنکھیں ہوں۔ وہ اپنے سُبک جسم کی لچک سے فائدہ اٹھا کر بہت صفائی کے ساتھ میری زد سے نکل گئی اور میں نشانہ خطا ہونے کی بنا پر اپنے زور میں لڑکھڑاتا ہُوا دیوار کی طرف بڑھ گیا۔ میں سنبھل کر پلٹا تو وہ بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ گھومی تھی اور کسی ملکے سے پرندے کی طرح فضا میں اُڑتی ہوئی مجھ پر

حملہ آور ہوئی تھی۔ مجھے مہلت ہی نہ مل سکی کہ میں اس کی زد سے بچنے کی کوشش کرتا۔ اور اس کی دونوں لاتیں پوری قوت کے ساتھ میرے سینے پر آ پڑیں۔ میرے لیے قدموں پر کھڑے رہنا دشوار ہو گیا۔ میں سنبھل کر اُٹھ ہی رہا تھا کہ میری گردن پر کراٹے کا ایک زوردار ہاتھ پڑا اور میں بس جھلا کر رہ گیا۔

اُسے دیکھ کر اور اس کی آواز پہچان کر میرے ذہن میں اس کا وہی نرم و نازک اور سراپا راحت تصور پیدا ہو گیا تھا جس سے ڈیکو میں میرا واسطہ پڑا تھا اور اس کی جنگ جُوئی کے بارے میں سلطان شاہ کی فراہم کی ہوئی اطلاعات عارضی طور پر ذہن کے کسی گوشے میں جا سوئی تھیں جس کا خمیازہ مجھے بھگتنا پڑ رہا تھا۔

ایسی کاری ہاتھ تمھاری کنپٹی پر بھی پڑ سکتا تھا۔" اُس کی تحکمانہ آواز گونجی۔ "پولیس کسی بھی لمحے پہنچنے والی ہے میں تمھیں بے ہوش نہیں کرنا چاہتی۔ بس یہ یاد رکھنا کہ تم میرے آگے آگے چوں و چرا کیے بغیر چلتے جاؤ۔ جہاں تم عدولی کی تو میں گولی مار کر آگے بڑھ جاؤں گی۔ میں اپنے طور پر تمھیں تحفظ فراہم کر رہی ہوں حالانکہ تم واجب القتل باغیوں میں سر فہرست ہو۔"

وہ مسلح اور بھرتیلی تھی، کراٹے میں مہارت رکھتی تھی۔ اس وقت مجھ پر حاوی بھی ہو چکی تھی۔ اس کے اعتماد اور مہارت کا یہ عالم تھا کہ اچھل کود ہونے کے باوجود بے آواز پستول بدستور اس کے ہاتھ میں تھا لیکن میں بھی مٹی کا بنا ہوا کوئی بودا پتلا نہیں تھا۔ مقابلے پر تُل جاتا تو اسے دانتوں پسینہ آ سکتا تھا۔ لیکن سوچنے سمجھنے کا وہ بڑا مصلحت آمیز لمحہ تھا۔ اگر میں انا کے جوش میں مقابلے پر تُل جاتا تو نتیجہ جو کچھ بھی ہوتا میرے اصل مقصد کو اس محاذ آرائی سے کوئی سہارا نہیں مل سکتا تھا لیکن مکارانہ پسپائی اختیار کر کے میں کسی حد تک اس کا اعتماد جیت سکتا تھا۔

پولیس سائرن کی آواز اب بہت تیز ہو چکی تھی۔ شاید جیوا ہاؤز کے سوختہ اور ویران کھنڈرات کے قرب و جوار میں رہنے والوں میں سے کسی نے اندھا دھند وحشیانہ فائرنگ سے خوفزدہ ہو کر پولیس کو باخبر کر دیا تھا۔ سائرن کا شور واضح ہوتے ہی اسٹین گنوں سمیت فائرنگ کا تواتر یکلخت دم توڑ گیا تھا۔ بس اکا دُکا فائر سنائی دے رہے تھے۔ شاید دونوں حریفوں نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے حساب کتاب اگلے کسی موقع کے لیے ملتوی کر کے نکل بھاگنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"تمھارا یہ روپ میرے لیے حیرتناک ہے ویرا!" میں نے جھکے ہوئے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "ظاہر ہے کہ اس وقت زخمی حالت میں پولیس کے ہاتھ لگنا ہرگز پسند نہ کروں گا۔ بظاہر تم جیت چکی ہو۔"

"گڈ!" اس کی آواز جذبات سے یکسر عاری تھی۔ "مجھے یقین تھا کہ تم عقل مند ہو۔ اب باہر نکلنے کی فکر کرو۔ میں تمھارے پیچھے ہوں۔ ہمیں اس عمارت کے عقبی حصے سے نکل کر تیسری گلی میں کھڑی ہوئی سیاہ مرسڈیز تک پہنچنا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ مجھے الجھا کر اپنے آدمیوں کی طرف لے جانے کی کسی بھی کوشش کی قیمت تم اپنی جان کی صورت میں ادا کرو گے۔"

"تمھاری بالادستی تسلیم کر لینے کے بعد یہ دھمکیاں کمینگی کے مترادف ہیں۔" میں نے جھلاتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ "اگر میں تمھاری توقعات پر پورا اُترتا ہوں تو تمھیں بھی میری توقع کے مطابق اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔"

"چلو۔" اس نے بڑھ کر مجھے دھکیلتے ہوئے کہا۔ "یہ جنگ ہے۔ شاید اسلحہ کے استعمال پر ہماری مفاہمت ہو چکی ہے۔ لیکن اعصاب کی جنگ ابھی جاری ہے اور اس میں سب کچھ چلتا ہے۔ اگر محاذ پر لڑنے والوں کا ظرف اچانک کام کرنا شروع کر دے تو کوئی سپاہی اپنے جیسے کسی انسان پر گولی چلانا گوارا نہیں کرے گا۔ پھر تمھارے مذہب کے فلسفے میں شہید کوئی نہ ہوتا۔ سب غازی یا جنگی قیدی نظر آتے۔"

میں نکاسی کے قریب ترین راستے کی طرف بڑھ گیا

وہ اردو تو قابلِ رشک روانی اور بہترین تلفظ کے ساتھ بول رہی تھی لیکن غازی اور شہید کے مسئلے پر اس کے موازنے نے میری کھوپڑی کو چکرا کر رکھ دیا۔

بظاہر مغرب نژاد نظر آنے والی ویرا لائیڈ نہ صرف مقامی زبان پر عبور رکھتی تھی بلکہ اسے مذہبی معلومات پر بھی خاصا عبور حاصل تھا جو اس خطے کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اثر انداز تھیں۔ انفرادی وراثت سے اجتماعی سیاست تک ہر فرد اور گروہ مذہب کے استحصال پر تُلا ہوا تھا۔ بیٹیوں کو وراثت میں جائز حق نہیں دیا جا رہا تھا اور عوام کو سیاست میں جمہوریت کے طاعون سے بچانے کی کوششیں جاری تھیں۔ ویرا کو بخوبی معلوم تھا کہ بے خوف اور نڈر فطرت کی مالک یہ قوم مذہب کا نام آ جانے پر گریہ مسکین بن جاتی ہے۔ اس نے وہی داؤ استعمال کر کے حقیقی معنوں میں مجھے لاجواب کر دیا تھا۔

ہم یکے بعد دیگرے تاریک کھنڈرات سے باہر نکلے تو فائرنگ بالکل موقوف ہو چکی تھی۔ فضا پر ایسا لامتناہی سناٹا چھایا ہوا تھا جیسے برسوں سے وہاں کسی ذی روح کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ سائرن کی آواز جیوا ہاؤز کے بالکل نواح میں کسی آسیبی چیخ کی طرح گونجتی ہوئی سنائی دے رہی تھی۔ فضا میں جلے

ہوشربا رُودکا اس قدر کثیف دھواں ٹھہرا ہوا تھا کہ باہر آتے ہی میری دونوں آنکھیں جلنے لگی تھیں اور میں بار بار اپنی آنکھوں سے بہتے ہوئے پانی کو صاف کرتے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ پروگرام کے مطابق میری واپسی نہ ہونے پر کرنل زوار زیدی، جہانگیر اور سُلطان شاہ کی کیا حالت ہوگی؟

باہر میدان صاف تھا۔ میں دوڑتا ہوا جیوا ہاؤس کے احاطے کی ٹوٹی ہوئی عقبی دیوار عبور کر کے باہر گلی میں نکلا تو ویرا بدستور سائے کی طرح میرے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ اسنے میں ایک جگہ وہ کسی لاش میں اُلجھ کر بُری طرح گرتے گرتے بچی تھی لیکن اس غیرارادی آواز سُن کر میرے پلٹنے سے پہلے ہی اس نے دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر میری اُمیدوں پر اوس ڈال دی تھی۔

تیسری گلی میں گھستے ہی سیاہ مرسڈیز دُور سے نظر آ گئی۔

"دروازے مقفل نہیں ہیں۔" ویرا کی غراتی ہوئی آواز اُبھری۔ "تم پسنجر سیٹ پر بیٹھو گے۔"

میں نے بلا مزاحمت اس کی ہدایت پر عمل کیا اور جب اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تو دور لگے ہوئے اسٹریٹ لیمپ کی روشنی کے انعکاس میں میں نے دیکھا کہ وہ راستے ہی میں کہیں اپنے چہرے پر سے سیاہ نقاب اتار چکی تھی۔ اور اس کا مسحور کُن چہرہ اسی انداز میں دمک رہا تھا جو میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اپنا بے آواز پستول وہ اپنے لباس میں کہیں چھپا چکی تھی۔

ساحلِ سمندر سے ذرا دُور واقع شہر کی ایک معروف اور خوشحال آبادی میں اس سفر کا اختتام ہوا۔ وہ وسیع و عریض مکان دوسرے مکانات سے الگ تھلگ خاصے سنسان علاقے میں واقع تھا۔ قرب و جوار میں پھیلے ہوئے تعمیراتی ساز و سامان اور زیرِ تکمیل ڈھانچوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہاں پائی جانے والی ویرانی کچھ ہی عرصے میں رنگ و نور کے سیلاب میں گم ہو کر رہ جائے گی۔

پھاٹک پر مرسڈیز کے ہیڈ لیمپس کی روشنی پڑتے ہی آہنی پھاٹک کھُلا تھا اور ایک دراز قامت سیاہ فام گن مین نے ویرا کو کار اندر لے جانے کا اشارہ کیا تھا۔ گن مین کے شانے سے رائفل اور کارتوسوں کی پیٹی جھول رہی تھی۔ اپنے خد و خال کی بنا پر وہ بھی غیر ملکی ہی نظر آ رہا تھا لیکن میں ویرا لائیڈ کی زبان سے نستعلیق اُردو سُن لینے کے بعد اندازے قائم کرنے میں ذرا محتاط ہی رہنا چاہ رہا تھا۔

طویل پختہ روش عبور کر کے ویرا نے کار پورٹیکو پر روک دی اور نیچے اُتر کر پھاٹک کی طرف دیکھنے لگی۔ گن مین اندر سے پھاٹک بند کرنے کے بعد فوجی انداز میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔

"یہ کون ہے تمھارے ساتھ؟" گن مین نے قریب آتے ہی اکھڑی اکھڑی کاٹتی انگریزی میں روانی کے ساتھ سوال کیا تھا۔ اس کی تیز عقابی نظریں میرے سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اور اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بظاہر گن مین کے معمولی منصب پر فائز ہونے کے باوجود اسے کہیں نہ کہیں ویرا پر کوئی برتری ضرور حاصل تھی۔

"کیا یہی پوچھنے کے لیے یہاں تک دوڑا آیا ہے؟" ویرا نے پھنکار کھانے والے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

"میں مجبور ہوں بے بی!" اس نے شانے اچکا کر بے بسی کے ساتھ کہا۔ "مجھے اس عمارت میں داخل ہونے والے کُتے کے پتوں کا بھی شجرہ معلوم ہونا چاہیے۔ یہ تو پھر سالم آدمی ہے جس وقت میں نے اس بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا، باس مجھے گولی سے اڑا دیگا۔"

"باس کہاں ہے؟" ویرا نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ معلوم کرنا میرے فرائض میں شامل نہیں ہے بے بی!" وہ قدرے خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ پھر معنی خیز انداز اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "ویسے وہ کچھ دیر پہلے چھت پر کبوتروں کے ساتھ مشغول تھے۔" رؤسا کی اس آبادی میں کسی کبوتر باز کی موجودگی کا ذکر میرے لیے تحیر خیز تھا۔

"جاؤ، دفع ہو جاؤ۔ میں خود تلاش کر لوں گی۔" وہ ہاتھ فضا میں لہرا کر جھلائے ہوئے لہجے میں بولی پھر مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ جیسے ہی برآمدے کی طرف جانے کے لیے پلٹی، سیاہ فام اپنے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا کر اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔

"میرا سوال بے بی؟" وہ خوشامدانہ انداز میں گھگھیایا تھا۔

"تمھارے لیے بس اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ میرا دوست ہے اور میرے ساتھ آیا ہے۔ باقی جواب دہی میں خود کر لوں گی۔" وہ آنکھیں نکال کر غراتے ہوئے بولی۔

اُس نے بے دلی سے ہاتھ گرا دیے اور سر جھٹک کر خود کلامی کے انداز میں بڑبڑانے لگا۔ "تم نہیں جانتیں، وہ تم سے ایک لفظ بھی نہیں پوچھیں گے۔ ساری باز پرس مجھ سے ہو گی اور میری لاعلمی پر کھال گرا دی جائے گی۔" ویرا اس کی بات سُنے بغیر آگے بڑھ گئی تھی لیکن میں اس سنسنی خیز تماشے کے اختتامی ڈائیلاگ سننے کے لیے وہیں رُک گیا تھا۔ میری موجودگی کا احساس ہوتے ہی گن مین نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا تھا پھر تحقیر [illegible] ڈپٹ کر بولا "نہ جاؤ۔ جاتے کیوں نہیں! یہاں کھڑے میرا [illegible]

دیکھ رہے ہو؟"

اس کی آواز سن کر دیرا بھی رک کر پلٹی تھی پھر اس کی آواز سنائی دی۔ "کیوں الجھ رہے ہو اس پاگل سے؟ ساری جھنجلاہٹ تم پر ہی اتار ڈالے گا۔" میں اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی برآمدے کی طرف بڑھ چکا تھا۔

"یہ باس کون ہے اور تم مجھے کہاں لے آئی ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"بس دیکھتے جاؤ، زیادہ تجسس سے کام لیا تو تھوڑی ہی دیر میں کھوپڑی پھٹنے لگے گی۔" اس نے پہلی بار ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے خوشی ہوئی کہ تم ہنسنا نہیں بھولی ہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر...

وہ کچھ نہ بولی اور اس عمارت کی قالین سے آراستہ پرپیچ راہداریوں سے ہوتی ایک کمرے میں داخل ہو گئی۔

اس کمرے میں موجود آسائشوں کا جائزہ لے کر میں الجھن میں پڑ گیا۔ "تمہارا رویہ میری فہم سے بالاتر ثابت ہو رہا ہے تم نے مجھے کس لیے اپنا قیدی بنانے کا فیصلہ کیا ہے؟ زیادہ آسان تو یہی تھا کہ مجھے گولی مار کر وہیں چھوڑ آتیں۔"

"مصلحت کے تحت مصالحت!" وہ میرے چہرے پر نظریں جما کے گہری سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "واضح رہے کہ یہ بڑوں کا نہیں میرا اپنا فیصلہ ہے۔ اس کی تمام تر جوابدہی میرے شانوں پر آئے گی... مصالحت کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ تم تنظیم کے ساتھ اپنی وفاداری کا یقین دلا سکو کیونکہ اس بارے میں ابھی میرا ذہن صاف نہیں ہوا ہے۔"

"اگر تم میری طرف سے شبہات کا شکار ہو تو بھلا میں کیا کر سکوں گا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"ایک سگریٹ مجھے بھی دو۔" اس نے کہا اور میں نے جلتی ہوئی سگریٹ اس کی طرف اچھال دی۔

"سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ تمہاری چپقلش اے ٹو کے ساتھ تھی لیکن تم نے تنظیم کی جڑوں پر وار کرنا شروع کر دیے۔" اس نے سگریٹ کا ایک گہرا کش اپنے پھیپھڑوں میں اتارتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "تم نے اہم ترین کارندوں کو ہلاک کیا ہے۔ اپنے اس رویے کی وضاحت کے لیے تم کیا کہہ سکو گے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" اس کی توقع کے خلاف میں نے بدستور بے پروایانہ انداز برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا یہ سوال ہی بے معنی اور احمقانہ ہے۔ تم تو آج سامنے آئی ہو۔ آج سے پہلے میرے لیے تنظیم اے ٹو سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی تھی میرے نزدیک وہ ایک مطلق العنان گروہ بند تھا جو اپنی ذات کو سامنے لائے بغیر کام چلا رہا تھا اور خود کسی کو جوابدہ نہیں تھا میری دانست میں تنظیم کو پہنچنے والا ہر نقصان اے ٹو کی ذات کو پہنچتا تھا، اس کے آگے تنظیم کا تصور ہی مفقود تھا۔"

"اور اب میرے سامنے آجانے کے بعد کیا صورتِ حال بنتی ہے؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اے ٹو اتنا خود مختار نہیں تھا جتنا نظر آنے کی کوشش کرتا تھا۔" میں نے بلا تردد جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اب تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی میری ہی طرح، لیکن مجھ سے کچھ زیادہ اہم ایک مہرہ تھا جسے حالات بگڑنے پر تمہارے ہاتھوں پٹوا دیا گیا۔"

"تمہارے دلائل وزنی ہیں۔" وہ پرخیال لہجے میں بولی۔ "فی الحال انہیں تسلیم کرنا ہوگا ورنہ تمہیں مارنا تو جناب کوئی مشکل کام ہے نہ بعد میں بدنیتی سامنے آنے پر کوئی مشکل کام ہوگا۔"

"یعنی ہم مصالحت کی طرف پیش قدمی کر سکتے ہیں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

"پیش قدمی تو ہو ہی چکی ہے۔" اس نے گویا میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ عمارت جہاں تم اس وقت موجود ہو ہمارے لیے اہم ترین درجہ رکھتی ہے۔ اس کے بارے میں جاننے والے اجنبیوں کے لیے زندہ رہنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ تم اب تک زندہ ہو جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ہم مفاہمت کے راستے پر چل پڑے ہیں۔"

"مفاہمت سے پہلے میں اپنے کچھ سوالات کے جواب چاہوں گا۔" میں نے اسے اپنی گفتگو جاری رکھنے کا موقع دیے بغیر کہا۔ "میں نے پیشانی پر بل لائے بغیر تمہارے سوال کا جواب دیا ہے۔ لہٰذا تمہیں بھی اس کے لیے تیار ہونا چاہیے۔"

"میری اور تمہاری حیثیت میں فرق ہے۔" اس نے ترش لہجے میں کہا۔ "اسے ملحوظ رکھو گے تو ہرزہ سرائی کا شوق پیدا نہیں ہو سکے گا۔"

"میرے لیے تمہاری یہ تقریر بے سود ہے۔" میں نے بے رخی سے کہا۔ "مجھے تم پہلے ہی بتا چکی ہو کہ تنظیم میں کسی کی کوئی حیثیت نہیں۔ سب کسی نہ کسی کو جوابدہ ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کل وہ مجھے اپنی نمائندگی کا اختیار دے دے جس کو تم جوابدہ ہو... ایسے غیر یقینی حالات میں تمہیں اپنی عارضی حیثیت پر اتنا گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے۔"

"موقع سے برمحل فائدہ اٹھانے کی اسی برجستہ صلاحیت کی بنا پر میں نے تمہارے بارے میں غور کیا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "چلو پوچھ لو جو پوچھنا چاہتے ہو۔ تنظیم کی تاریخ میں یہ شاید پہلی بار ہوگا کہ کسی مغلوب کو غالب سے بازپرس کی اجازت دی جائے۔"

"اس غلط فہمی میں نہ رہنا۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "غالب وہی کہلائے گا جو اس وقت مسلح ہو۔"

اس نے بوکھلاہٹ کے عالم میں اپنے ہینڈ بیگ کو ٹٹولا تھا اور پھر اس کے چہرے پر پہلی بار زردی سی پھیلتی چلی گئی۔ جیوا ہاؤز کے کھنڈرات سے فرار ہوتے ہوئے اس نے اپنا بے آواز پستول لباس میں کہیں چھپا لیا تھا لیکن سیاہ مرسیڈیز میں سفر کا آغاز کرتے ہوئے اس نے پستول پائیدان میں پڑے ہوئے ہینڈ بیگ میں ڈال کر اسے اگلی دونوں نشستوں کے درمیان رکھ لیا تھا۔ راستے میں اس کے ڈرائیونگ میں انہماک سے فائدہ اٹھا کر میں نے ہینڈ بیگ سے پستول اڑا لیا تھا جو اس وقت بھی میری تحویل میں تھا۔

میں نے پستول نکال کر اس کے سامنے تپائی پر ڈال دیا اور طنزیہ لہجے میں بولا "غالب و مغلوب کا خمار ذہن سے اتر جانے کے بعد اب تم زیادہ یکسوئی کے ساتھ میرے سوالات کے جواب دے سکو گی۔"

"تم نے اسے ان لوڈ کر دیا ہے۔" وہ پستول اٹھاتے ہوئے شکایتی لہجے میں بولی۔

"یہ بڑا ضروری تھا۔" میں نے مضحکانہ لہجے میں کہا "جنون کے تیر ضائع ہوتے دیکھ کر تم اس ہتھیار سے بھی رجوع کر سکتی تھیں۔ میں احمق تو نہیں تھا کہ بھرا ہوا پستول تمھیں لوٹا دیتا۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "بڑے انا پرست ہو۔ پسپائی میں بھی شان دکھا رہے ہو۔ چاہتے تو وہی بھرا ہوا پستول نکال کر مجھے بھی زیر کر سکتے تھے لیکن بات وہی ہے کہ تمھارے ذہن پر تنظیم کا غلبہ ہے۔ اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ تم تنظیم سے سمجھوتا کرنا چاہتے ہو۔ جسے تو نے اپنی حماقتوں کی بنا پر تمھیں اپنے ہاتھوں سے کھو دیا تھا۔"

"ہاتھوں کے غلط استعمال پر ایک خالص مردانہ محاورہ ہے جو فی الحال میں تمھیں نہیں سنانا چاہتا لیکن یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ میرے سوالات کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟"

"جو پوچھنا چاہو پوچھ لو لیکن میں ہر سوال کا جواب دینے کی پابند نہ ہوں گی۔"

"تمھاری قومیت کیا ہے؟" میں نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"فی الحال پاکستانی ہوں۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ بولی "تمھیں بتا چکی ہوں کہ میں سترہ زبانوں پر قادر الکلام ہوں جن میں سے بعض زبانیں کئی ممالک میں مشترک ہیں میرے پاس کم از کم بیس بائیس ملکوں کے پاسپورٹ ہیں۔ اس وقت میں میرپور میں پیدا ہونے والے دُہری قومیت کے حامل ایک کشمیری کی بیوہ ہوں اور امیگریشن میں میری یہاں آمد کا باقاعدہ اندراج ہے۔"

"اسی نام سے؟"

"نام میں کیا رکھا ہے... نام تو ہم لمحے بدل سکتے ہیں۔ تم

اگلا سوال کرو۔"

"اس عمارت میں تمھاری کیا حیثیت ہے؟"

"بے بی کہلاتی ہوں۔" وہ شوخ اور اشتعال دلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولی "تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ باہر زبردست ہونے کے باوجود میں اس چار دیواری میں کس قدر بے بس اور محکوم ہوں۔"

"اور یہاں باس کہلانے والے سے تمھارا کیا رشتہ ہے؟"

"وہی جو ہر حاکم اور محکوم کا ہوتا ہے۔"

"نام کیا ہے اس کا؟"

"بے کار سوال ہے۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولی "نام، کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ یاد رکھنے کے قابل بس ایک ہی بات ہے کہ وہ باس ہے اور باس ہر حال میں صرف باس ہوتا ہے۔ اس کے دبدبے کا اندازہ تم نے اسی بات سے لگا لیا ہوگا کہ ساڑھے چھ فٹا گن مین بھی اس کے نام سے کانپتا ہے۔ بہت مغلوب الغضب اور سخت طبیعت کا مالک ہے۔"

"اور کبوتر بازی سے دل چسپی رکھتا ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "اسے تو ٹرافلگر اسکوائر پر ایک کیبن لگا لینا چاہیے۔"

"اوہ!" وہ معنی خیز انداز میں ہنستی ہی چلی گئی "اوپر کبوتر خانے میں ایک پوشیدہ دوربین نصب ہے۔ وہ کبوتروں کی آڑ میں دوربین سے کھلے سمندر کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔"

"باس ہونے کے باوجود اس نے بڑا گھٹیا کام اپنے ذمے لیا ہوا ہے۔"

اس نے دل کھول کر قہقہہ لگایا "تم باس کے لقب سے دھوکا کھا رہے ہو۔ وہ صرف کالے گن مین کا باس ہے۔ میں تو اسے چٹکیوں میں اڑاتی ہوں ابھی سامنا ہوگا تو تم خود ہی دیکھ لو گے۔"

"پھر شاید وہی تمھارا مربی اور سرپرست بھی ہوگا۔ کیونکہ گن مین کے رویے میں تادیب کے ساتھ ہی احترام کا عنصر بھی بہت نمایاں تھا۔ وہ تم سے ڈرتا بھی ہے شاید؟"

"تم جاننا ہی چاہتے ہو تو سنو کہ وہ پچاس برس کا ادھیڑ عمر آدمی ہے اور میرے عشق کا پُرزور دعوے دار بھی!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو لیکن وہ میرے ردِ عمل پر دھیان دیے بغیر بولتی رہی۔ "دوسروں کے سامنے مجھے بے بی کہہ کر مجھ پر حاوی ہونے کی کوشش کرتا ہے اور تنہائی میسر آتے ہی ندیدوں کی طرح اس بڈھے کھوسٹ کی رال بہنے لگتی ہے۔ کالا گن مین اس پس منظر سے لاعلم ہے اور بوڑھے کی کسی لے پالک بیٹی کی طرح میرا احترام کرتا ہے۔"

"اور تم مسلسل اسے الو بناتے جا رہی ہو۔" میں نے منہ بنا کر غصیلے لہجے میں کہا۔

"وہ بن رہا ہے تو مجھے کیا رکاوٹ پیش آ سکتی ہے۔" وہ

بے پروائی سے کندھے اچکا کر بولی۔ "وہ اس یونٹ کا سربراہ ہے اور مجھے اکثر اس سے کام پڑتا رہتا ہے اس لیے اُس سے بنائے رکھنے پر مجبور ہوں۔"

میرے ذہن میں ایک دم ہی روشنی کا جھماکا سا ہوا۔

ویرا نے جو کچھ بتایا اس کی روشنی میں میں نے رائے قائم کر لی تھی کہ اس یونٹ کا سربراہ یقیناً کوئی غیر ملکی بلکہ ترجیحاً سفید فام ہوگا۔ پھر وہاں کا محافظ بھی سیاہ فام غیر ملکی تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے لیے اس یونٹ کی اہمیت غیر معمولی تھی اور وہاں کے معاملات میں کسی مقامی پر اعتماد کرنے کی غلطی نہیں کی گئی تھی۔ دوسری طرف کالے گن مین کے بیان کے مطابق باس کبوتر بازی کے خبط میں مبتلا تھا۔ میں نے گوروں کو پرندوں، اور پالتو جانوروں کے معاملے میں عموماً ضرورت سے زیادہ حساس اور ہمدرد پایا تھا لیکن کسی گورے کا باقاعدہ کبوتر باز ہونا میرے لیے ایک حیرتناک انکشاف تھا۔

پھر ویرا نے خود ہی اس کی کبوتر بازی کی ایک تاویل پیش کر دی تھی کہ اوپر کبوتر خانے میں ایک خفیہ دوربین نصب تھی۔ جس کی مدد سے کھلے سمندر کا جائزہ لیا جاتا تھا۔

مجھے یقین ہونے لگا کہ ساحلِ سمندر کے قریب ویران علاقے میں واقع وہ عمارت تنظیم کے لیے اہم مواصلاتی یونٹ کا درجہ رکھتی تھی۔ شاید وہی سمندری علاقہ تنظیم کے غیر قانونی درآمدی اور برآمدی کاروبار کے لیے استعمال ہوتا تھا اور اس یونٹ کا نگران حساس دوربین کے ذریعے قربِ جوار کے پانیوں کی نگرانی کرتے ہوئے طاقتور لاسلکی رابطوں پر اپنے اُن آدمیوں کو ہدایات فراہم کرتا ہوگا جو ساحل سے دور کھلے سمندر میں مال لینے یا اتارنے کے منتظر رہتے ہوں گے۔

اس سیاق و سباق میں کبوتر بازی کا شوق بھی بہت معنی خیز تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ علاقے میں اس کی کبوتر بازی کی ضرورت سے زیادہ تشہیر کی گئی ہوگی تاکہ مکان کی چھت پر اونچی اونچی چھتریوں اور اڈوں کی آڑ میں لگے ہوئے ٹرانسمیٹر اور ریسیور انٹینا مکینوں کی توجہ کا مرکز نہ بن سکیں۔ کبوتر بازی کی تشہیر کے بعد ہر شخص ہی ایسی اشیاء کو ایک مالدار اور خبطی کبوتر باز کا شوق سمجھ کر نظر انداز کر دیتا اور یونٹ کی سرگرمیاں پورے زور شور سے جاری رہتیں۔

"میں اس سے قطعی لاعلم ہوں لیکن تمہیں [illegible] چاہیے ہوگا کہ اگر یہ تمہارا کوئی قابلِ ذکر ساحلی مواصلاتی یونٹ [illegible] کی بربادی چند ہی روز کی بات ہے۔ حکام کو سراغ مل چکا ہے کہ [illegible] سمندر میں برآمد کے لیے منشیات لادنے والے اسٹیمروں کو ساحل سے براہِ راست ہدایات ملتی ہیں اور وہ گرفت میں آئے بغیر اپنا کام کر گزرتے ہیں۔" اپنے ذہنی تجزیے کے بعد میں نے شوشا چھوڑا۔

"تم کیا بک رہے ہو؟" وہ تیز غصیلے لہجے میں غرائی۔ "آج تک کسی کے فرشتوں کو بھی شبہ نہیں ہو سکا کہ یہاں ایسا کوئی ریڈیائی اسٹیشن قائم ہے کسی کو ہماری کارروائیوں کی بھنک تک نہیں مل سکتی۔"

"ہو سکتا ہے کہ پھر وہ کسی دوسرے اڈے کی بات ہو...!" میں نے پُرسکون مصالحانہ لہجے میں بحث سے گریز کرتے ہوئے کہنا چاہا لیکن ویرا لائیڈ نے تیزی سے میری بات کاٹ دی۔

"دوسرا اڈا... ہونہہ!" وہ تحقیر آمیز انداز میں بولی تھی۔ "ہم یہاں رائج ہر فریکوئنسی کی مانیٹرنگ کرتے ہیں۔ مانیٹرنگ کے اس حساس نظام نے آج تک علاقے میں کسی اور آپریشن کی خبر نہیں دی... پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے...!"

اس بار میں نے ویرا کی بات کاٹ دی۔ "تمہیں اتنا اعتماد ہے تو بس ختم کرو، ہو سکتا ہے کہ وہ میری غلط فہمی رہی ہو رات تیزی سے گزرتی جا رہی ہے ہمیں اپنے معاملات ختم کر لینے چاہئیں۔"

"کس محکمے کو سراغ ملا ہے اس یونٹ کا؟" اُس نے جو سے سوال کیا تو اس کی آواز میں اعتماد کی کمی نمایاں تھی۔

"اب دفن کرو اس قصے کو۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "یونٹ رہے یا تباہ ہو جائے، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"میرے سامنے اِس لہجے میں بات نہ کرو ڈیئر۔" وہ یک بیک پھاڑ کھانے والے لہجے میں غرائی۔ "تنظیم کے مفاد سے اتنی لاتعلقی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔"

میں پھریری لے کر گویا ہوش میں آ گیا۔ گفتگو کی روانی میں میں یہ فراموش ہی کر بیٹھا تھا کہ میں اس وقت اس کا قیدی تھا اور وہ تنظیم میں ایک منصب پر فائز تھی۔ "مجھے افسوس ہے۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "طویل بے آرامی میرے مزاج پر اثر انداز ہوتی ہے۔"

"تم نے جواب نہیں دیا میری بات کا۔" اس نے گمبھیر لہجے میں یاددہانی کرائی۔

"آرمی ایوی ایشن کے کسی پائلٹ نے ایک پیغام سنا تھا اسی کے بعد چھان بین شروع ہوئی تھی۔ آخری نتائج سے میں لاعلم ہوں۔" میں نے اپنی بات بنانے کے لیے سنجیدگی کے ساتھ ایک بے سروپا لیکن مربوط کہانی چھیڑ دی۔ "ہو سکتا ہے کہ پکڑا جانے والا پہلا پیغام ہی آخری ثابت ہوا ہو اور وہ محتاط ہو کر بیٹھ گئے ہوں۔"

وہ چند ثانیوں تک خاموش بیٹھی مسلسل مجھے گھورتی رہی پھر خیال انگیز لہجے میں بولی۔ "پھر کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟"

"نہ میں خود سے باہر نکلا تھا، نہ اب باہر رہنا چاہتا ہوں۔" میں نے فوری طور پر جواب دیا۔ "شاید تم خود بھی اس کا اندازہ لگا چکی ہو گی۔ تمہارے ہاتھوں لے ٹو کی موت سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔ "تنظیم اس وقت افرادی قوت کے بحران سے دوچار ہے۔ آج کے اجتماع کا مقصد بھی یہی تھا۔ لے ٹو نے میرے ایما پر انہیں جمع کیا تھا۔ ان سب کے سامنے لے ٹو کو سزا دے کر میں ان کے ذہنوں میں تنظیم کی دہشت بٹھانا چاہتی تھی جس میں مجھے بھرپور کامیابی ہوئی۔ اس کے بعد میں ان ہی میں سے کام کے آدمی منتخب کر کے اوپری سطح پر نامزد کر دیتی لیکن عین وقت پر تم نے مداخلت کر کے سارا کام بگاڑ دیا۔ اب نہ جانے ان میں سے کون کون زندہ رہا ہو گا۔"

"اس گفتگو سے پہلے بس ایک خلش اور دور کر دو میری۔" میں نے اجازت طلب لہجے میں کہا اور وہ تفہیمی انداز میں سر ہلا کر رہ گئی۔

"لاہور کے لائیڈز کالج سے ہمارا کیا تعلق ہے؟" میں نے محسوس کیا کہ میرا سوال سنتے ہی اس کے چہرے پر ایک پھیکا سا رنگ آ کر گزر گیا۔

"اچھا ہوا کہ یہ ناخوشگوار موضوع تم نے خود ہی چھیڑ دیا۔" پہلی بار وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔ "وہاں جو کچھ ہوا وہ ہر اعتبار سے بدترین اور تباہ کن تھا۔ دیکھا جائے تو وہی واقعات لے ٹو کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئے ہیں۔ ایک مقابلے میں شاید ایک دو آپریٹس بھی تمہارے ہاتھ لگے تھے؟"

"لگے تھے۔ پھر میں نے انہیں تباہ کر دیا..... میں نے جب بھی اس بارے میں غور کیا مجھے محسوس ہوا کہ لائیڈ تینوں جگہ مشترک ہے۔ ڈیرا لائیڈ، جمی لائیڈ اور لائیڈز کالج۔ پھر جمی لائیڈ کی شخصیت بھی بہت پُراسرار سی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ تمہارا خاندانی سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ تنظیم کا بھی گاڈ فادر ہو؟"

"تنظیم میں باآوازِ بلند اس حد تک سوچنے کی اجازت نہیں ہے۔" وہ تادیبی لہجے میں بولی۔ "یہی غنیمت ہے کہ ماضی میں جو کچھ ہوا اسے بھول کر تمہیں ایک بار پھر اپنی جگہ بنانے کا موقع دیا جا رہا ہے..... تم نے تنظیم کو بہت سے کارآمد آدمیوں سے محروم کیا ہے جن میں لائیڈز کالج کے سیکیورٹی آفیسر طفیل اور اولڈ ڈارلنگ کے نام سرفہرست ہیں۔ لے ٹو نے تمہارے خلاف اپنی ذاتی لڑائی میں تنظیم کے وسائل کو بڑی بے رحمی کے ساتھ استعمال کیا تھا۔ ورنہ لائیڈز کالج تنظیم سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ وہاں کوئی غیر قانونی کام نہیں ہوتا البتہ جاہ و حشمت کے سارے مظاہر وہاں بہت فراخ دلی کے ساتھ مہیا کیے گئے ہیں۔"

"یعنی وہ نام میرے لیے شجرِ ممنوعہ ہی رہے گا؟" میں نے سوال کیا۔

"شاید اس عرصے میں تم تنظیم کے بنیادی اصول تک فراموش کر بیٹھے ہو۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "جن چیزوں سے تعلق نہ ہو، ان کے بارے میں سوچنا بھی ممنوع ہے۔ تمہارے تجسس کا یہی حال رہا تو ایسا نہ ہو کہ مجھے اپنا فیصلہ واپس لینا پڑے۔"

"میں کوشش کروں گا کہ لائیڈز کالج کا نام بھی اپنے ذہن سے کھرچ ڈالوں۔"

"تم چاہو تو ان لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے سکتے ہو جو اب تک تمہارے لیے کام کرتے رہے ہیں۔" قدرے توقف کے بعد اس نے کہا۔

"میرے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے۔ اپنی لڑائی میں خود لڑ رہا تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو کیا جیرا ہاؤس کے باہر خود کار گنیں نصب کر کے آئے تھے؟" اس کا لہجہ ترش ہو گیا۔

"سب پیشگی معاوضے پر کام کرنے والے کرائے کے قاتل تھے، میں رازداری کے کاموں میں زیادہ بھیڑ بھاڑ ساتھ لے کر چلنے کا قائل نہیں ہوں۔ ضرورت پیش آنے پر جب پیسہ پھینک کر بہترین آدمی مل جاتے ہوں تو مجھے ٹولیاں پالنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اور وہ مہ جو لڑکی؟" اس نے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا۔

"وہ ایک معزز خاندان کی لڑکی ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ آج کل وہ مجھ سے بھی ناراض ہے۔"

"اس کا پتا بتا دو، تمہاری خاطر میں اسے منا لوں گی۔" اس نے بظاہر مسکراتے ہوئے کہا لیکن اس کی آنکھوں اور الفاظ سے جھلکتا ہوا تجسس مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ وہ مجھ سے بہت گہری چال چل رہی تھی۔ شاید مجھ پر وار کرنے سے پہلے میرے سارے کارڈز کھلوانا چاہتی تھی۔ معافی اور تنظیم میں دوبارہ شمولیت کی دعوت بھی شاید اسی حکمتِ عملی کا ایک حصہ تھی۔

اس کے عزائم پر شبہ ہوتے ہی میں چوکنا ہو گیا۔ لیکن اپنا سکون برقرار رکھتے ہوئے میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "وہ بڑی منہ پھٹ لڑکی ہے۔ اس کا پہلا سوال یہی ہو گا کہ تمہارا مجھ سے کیا رشتہ ہے اور وہ تمہیں ذلیل کر کے گھر سے نکال دے گی۔"

"بھلا کیوں؟ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"اس وقت کا انتظار کرو جب میں اسے اپنی بیوی کے طور پر تم سے متعارف کرا سکوں گا۔"

وہ یہ کچھ بولے بغیر غور سے میری طرف دیکھتی رہی پھر چند ثانیوں بعد دہلانے سے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "آج کے اجتماع میں کراچی کے چند معروف چہرے موجود نہیں تھے۔ زخشی اور جہانگیر وغیرہ؟"

"میں تو سب ہی سے کٹ کر رہ گیا تھا۔ ہوسکتا ہے، ان دونوں سے بھی ایسے ٹو کی کچھ چل گئی ہو" میں نے محتاط الفاظ میں کہا پھر اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "ارے ڈھائی بج رہے ہیں اب مجھے چلنا چاہیے۔"

یہ کہتے ہوئے میں نے جگہ چھوڑ دی۔ میرے ساتھ ہی ساتھ وہ بھی کھڑی ہوگئی۔ اس کے خوبصورت ہونٹوں پر سرد سی مسکراہٹ جمی ہوئی تھی۔ "فی الحال تمہیں یہیں قیام کرنا ہوگا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میرا جانا ضروری ہے۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "مجھے ان لوگوں سے ہتھیار واپس لینے ہیں جو جیوا ہاؤس پر مامور تھے۔ رات گزر گئی تو وہ مجھے مردہ تصور کر کے ہتھیار بھی بیچ کھائیں گے۔"

"تمہارا جانا ناممکنات میں سے ہے۔" [illegible] میں کہا۔ "مجھے پتا بتا دو۔ میرا کوئی آدمی جا کر ان سے نہ صرف تمہارے بلکہ ان کے بھی ہتھیار لے آئے گا۔"

"تو کیا میں ابھی بھی تمہارا قیدی ہوں؟" میں نے بھڑک کر سوال کیا۔

"ظاہر ہے! خود ہی غور کرو۔ جیوا ہاؤس سے یہاں تک میرے پستول کا میگزین غائب ہونے کے علاوہ اور کیا تبدیلی آئی ہے کہ تم خوش فہمی میں مبتلا ہونے لگو۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اور یہ تمام گفتگو، تنظیم میں واپسی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تمہارا حافظہ بھی کمزور ہو گیا ہے۔" اس کے تیور رفتہ رفتہ بگڑتے جا رہے تھے۔ "میں نے پہلے ہی تمہیں آگاہ کر دیا تھا کہ تنظیم میں کسی کی کوئی حیثیت نہیں۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ کون کس کو جواب دہ ہے۔ تم سے میں نے بات کی ہے لیکن میرے اوپر بھی کوئی موجود ہے پھر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اب تک تم جو کچھ کہتے رہے ہو، اس میں سچ کتنا ہے اور جھوٹ کتنا ہے۔"

میرے اعصاب تن گئے۔ وہ آہستہ آہستہ کھلتی جا رہی تھی اور مجھے اس سے ایک بار پھر تصادم ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"تمہاری سچائی کے امتحان کا آغاز تمہاری رہائش گاہ سے ہوگا۔" وہ نپے تلے الفاظ میں کہہ رہی تھی۔ "تم یہاں رہو گے اور میرے آدمی تمہاری قیام گاہ کا جائزہ لیں گے کہ ان کے قاتلوں سے ملیں گے۔ اسی کے بعد اندازہ ہو سکے گا کہ تم تنظیم کے ساتھ کتنے مخلص ہو؟"

"یہ سراسر توہین ہے۔ ایسی ذلت آمیز شرائط پر میں ہرگز تعاون نہیں کروں گا۔" میں نے بھڑک اٹھنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں مجبور نہیں کیا جاسکتا۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "تعاون نہیں کرو گے تو موت کو گلے لگانا ہوگا۔ یہاں کا قوی ہیکل گن مین۔۔۔ اپنے شکار کو بازوؤں میں دبوچ کر پسلیاں توڑ دینے میں خاص مہارت رکھتا ہے۔ اس کے بازوؤں میں کسی سانپ سے زیادہ طاقت پوشیدہ ہے۔"

"تجربہ بول رہا ہے۔" میں نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔

میرا وار کارگر رہا اور اس نے جھلا کر ہاتھ میں تھاما ہوا پستول مجھ پر پھینک مارا۔ میں نے اپنا چہرہ بچاتے ہوئے پھرتی کے ساتھ پستول لپک لیا اور اس سے قبل کہ وہ میری مکاری کا اندازہ لگا کر میری طرف جھپٹتی، میں پستول میں میگزین فٹ کر چکا تھا، جو شروع سے میری ہی تحویل میں موجود تھا۔ پستول لوڈ کرتے ہی میں نے ویرا کو نشانے پر لے لیا۔

"جہاں ہو وہیں کھڑی رہو اور دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لو۔" اس بار میرے لہجے میں تحکم سمٹ آیا تھا۔

اس نے ہاتھ بلند کیے نہ اس کے بشرے پر تردد کے آثار [illegible] مجھے [illegible] ہی البرٹ کہہ کر کسی کو پکارا تھا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اپنا رخ قدرے تبدیل کر لیا تاکہ ویرا کے ساتھ ہی کمرے کے کھلے ہوئے دروازے پر بھی نگاہ رکھ سکوں۔

ویرا نے دوبارہ البرٹ کو پکارا اور کھلے ہوئے دروازے میں سے ایک ادھیڑ عمر سفید فام چیختا ہوا منہ کے بل فرش پر آ گرا۔ اسی کے ساتھ راہداری میں سے سلطان شاہ کی زہریلی آواز ابھری "کسی کو بلا رہی ہے تو اندر جانا نہیں ہے مردود کہیں کا۔"

پھر سلطان شاہ دروازے میں کھڑا نظر آیا۔ شاید وہ کافی دیر سے اندر موجود تھا اور باہر دیوار کی اوٹ میں چھپے ہوئے سفید فام کی نگرانی کر رہا تھا۔ پھر ضرورت پیش آنے پر اس کی کمر پر لات رسید کر کے اسے کمرے میں پھینک دیا۔

ویرا کے ہاتھوں غیر مسلح ہونے کے بعد سے میں سلطان شاہ کو مسلسل بھولا ہوا تھا حالانکہ وہ اس کھیل میں بہت اہم کردار ادا کرتا رہا تھا۔ وہ ابتدا ہی سے ویرا کی نگرانی پر مامور تھا اور اسی کے کامیاب تعاقب کی بنا پر مجھے علم ہو سکا کہ اس رات جیوا ہاؤس میں ہونے والے اجتماع میں وہ خود بھی شرکت کر رہی

تھی۔ ویرا کی سیاہ مرسڈیز شروع سے سلطان شاہ کی نظروں میں رہی تھی اور میرا خیال تھا کہ پولیس کی آمد کے آثار پیدا ہوتے ہی اس نے اپنا مورچہ چھوڑ کر دوبارہ مرسڈیز کی نگرانی شروع کر دی ہوگی۔ اس طرح وہ پولیس سے حالات سے باخبر رہتے ہوئے اس عمارت میں گھسنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ یہ اس کی مہارت تھی کہ ویرا کو کسی بھی مرحلے پر نگرانی کا شبہ تک نہ ہو سکا تھا۔

سلطان شاہ اس وقت نہتا نہیں تھا لیکن میں اس کی مداخلت سے پوری طرح محفوظ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ سلطان شاہ کے پیچھے سیاہ رنگ کا ایک کوندا سا لپکا اور وہ بھی غراتا ہوا منہ کے بل اندر اس ادھیڑ عمر پر آ گرا جو مغلظات بکتا ہوا فرش سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ خود کو سنبھالنے کی ناکام کوشش میں سلطان شاہ اپنے اسلحہ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

کسی اسٹیج پر رہنے والے میجک شو کی طرح کھلے ہوئے دروازے میں اب سیاہ فام گن مین کھڑا مجھے کینہ توز نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

ادھر سلطان شاہ نے ڈھیر ہوتے ہوئے بھی کام دکھا ڈالا تھا اور ادھیڑ عمر سفید فام کی گردن دبوچ کر اپنے گرتے ہوئے وجود کی پوری جھونک کے ساتھ اس کا سر فرش پر دے مارا تھا۔ سفید فام کسی ذبح کیے ہوئے سانڈ کی طرح دہاڑا تھا۔ ویرا نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ تو گن مین کو دیکھ رہی تھی، جو اپنے باس کی مٹی پلید ہوتے دیکھ کر کسی دیو ہیکل عقاب کی طرح سلطان شاہ پر جھپٹا تھا۔

گن مین نہ صرف مسلح تھا بلکہ پوری بھیڑ کو تنہا سنبھال لینے کی قوت رکھتا تھا۔ لہٰذا میں نے اسے للکار کر روکنے کی کوشش میں وقت برباد کیے بغیر ہاتھ سیدھا کر کے اس کے بائیں پہلو پر گولی چلا دی۔

"ایڈی! بچ جلدی سے۔" ویرا نے بے تابانہ انداز میں چیخ کر اسے ہوشیار کرنے کی کوشش کی تھی لیکن گولی اس کی زبان سے کہیں زیادہ برق رفتار تھی۔ ایڈی کے بائیں پہلو سے خون کی دھار بہہ نکلی۔

اس نے سر گھما کر میری طرف دیکھا تو اس کا چہرہ اذیت اور غصے سے بگڑ کر بے انتہا ڈراؤنا ہو چکا تھا۔

"اسے مسل دوں بے بی؟" اس نے مجھ پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر ویرا سے اجازت طلب کی اور میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں کیونکہ اس کی مضبوط آواز سے پتا چل رہا تھا کہ زخم زیادہ مہلک نہیں تھا۔ وہ وحشی دیو زخمی ضرور ہو گیا تھا لیکن میری چلائی ہوئی گولی اس کے دل میں پیوست نہیں ہو سکی تھی اور وہ محض دو لمبے لمبے ڈگ بھر کر مجھے بے بس کر سکتا تھا۔

اپنی بے بی کی ہذیانی حوصلہ افزائی سننے کے لیے وہ بس لحظہ بھر کے لیے جھجکا تھا کہ میں نے اس پر دوسرا فائر کر دیا۔ گولی پیشانی میں اترتی چلی گئی۔ بگڑا ہوا خوفناک چہرہ لمحے بھر بعد بہہ نکلنے والے گاڑھے خون میں نہا کر دہشتناک ہو گیا اور وہ کسی اندھے کی طرح اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے وہیں ڈھیر ہو گیا۔

"بے۔۔۔ بی!" گرتے ہوئے اس کے منہ سے درد میں ڈوبی ہوئی طویل کراہ برآمد ہوئی تھی اور اس آواز میں رچی ہوئی موت کی بے رونقی محسوس کرتے ہی ویرا کسی چھوٹے سے بچے کی طرح بلکتی ہوئی اس کے خون میں نہاتے ہوئے سینے سے لپٹ گئی۔

اسے دیکھ کر میں بس پُر تفکر انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ ویرا کے اضطراری رویے نے جہاں کئی گتھیاں سلجھا دی تھیں، وہاں اس سوال کا جواب بھی فراہم کر دیا تھا کہ میرے تبصرے پر اسے یک بیک اشتعال کیوں آ گیا تھا۔

سلطان شاہ اپنے قدموں پر کھڑا حیرت کے ساتھ وہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس سے نظریں چار ہوتے ہی میں نے اسے آنکھ سے اشارہ کیا تو وہ سر جھٹک کر یوں چونکا تھا جیسے اس وقت تک سوتا ہی رہا ہو۔ پھر اس نے نہایت سرعت کے ساتھ اپنے پستول اور ایڈی کی رائفل پر قبضہ کیا تھا اور دوبارہ دروازے پر جم گیا تھا۔ اس کی چال میں نمودار ہونے والی ہلکی سی لنگڑاہٹ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ایڈی کی لات شاید وہ زندگی بھر فراموش نہ کر سکے گا۔

☐

بوڑھا پیٹ اور چہرے کے بل بدستور فرش پر پڑا ہوا ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔ ویرا کی زبانی مرتے ہوئے گن مین کا نام معلوم ہونے کے بعد یہ طے ہو گیا تھا کہ سالخوردہ سفید فام کا نام البرٹ تھا۔

"بوڑھا بہت بے غیرت معلوم ہوتا ہے۔" میں نے ٹھنڈے خون میں گرمی پیدا کرنے کی نیت سے بظاہر ویرا سے مخاطب ہو کر انگریزی میں کہا لیکن وہ تو گرد و پیش سے بے نیاز ایڈی کے سکرات کے عالم میں لرزتے ہوئے بدن سے لپٹی ہوئی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں آخری سانسوں پر ایڈی کے ہاتھوں کی گرفت واقعی ویرا کی پسلیاں نہ توڑ ڈالے۔

"تم اس کے کالے ملازم سے لپٹی ہوئی رو رہی ہو اور بوڑھا فرش پر لیٹا آرام کر رہا ہے۔" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس سے تو کہیں بہتر تھا کہ کالے کی جگہ اسے مار دیا جاتا۔"

"شٹ اپ یو ایڈیٹ۔۔۔!" بوڑھا اسی طرح پڑے پڑے

حلق کے بل چیخا اور سانس لیے بغیر نادر الوجود گالیاں ایجاد کرتا چلا گیا۔ جب اس کی زبان دانی جواب دے گئی تو اسے دوسرا تکلیف دہ موضوع یاد آ گیا۔ "میں ہلنے میں بھی تکلیف محسوس کر رہا ہوں۔ شاید میری کولھے کی ہڈی ہل گئی ہے۔"

"عجیب اُلّو ہو۔" میں نے اس کا مضحکہ اُڑایا اور تاؤ دلانے والے لہجے میں کہا۔ "یہاں پنجابی فلموں میں تو اس ہڈی کو جان بوجھ کر بہت زیادہ ہلایا جاتا ہے۔ کسی پروڈیوسر سے رجوع کرو گے تو اس عمر میں بھی ہیرو کا چانس دے دے گا۔ تم شکایت کر رہے ہو۔"

"مجھے سیدھا کرو سوٴر کے بچو!" وہ اپنا سر فرش کے ساتھ ٹکراتے ہوئے بے بسی کے ساتھ چیخا۔ "میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"اسے سیدھا کر دو سلطان شاہ!" میں نے کہا۔ "تاکہ یہ اپنی بے بی کی بے چارگی کا منظر اپنی نگاہوں سے دیکھ سکے۔"

"تم درندے ہو۔" سسکیوں کے درمیان ویرا کی آواز گونجی۔ اس بار وہ اردو ہی میں بولی تھی۔ "ایک نہتّے سوٴرما کو مار کر بغلیں بجا رہے ہو۔"

"البرٹ کے کولھے کی ہڈی ہل رہی ہے، ہم بغلیں بجا رہے ہیں۔ تم تعاون کرو تو یہ شغلہ ترک کیا جا سکتا ہے۔"

سلطان شاہ شوگر کوئین کی زبان سے اردو سن کر بھونچکا رہ گیا تھا۔ اس کا ردِعمل کچھ ایسا ہی تھا جیسے اس نے کسی پتھر کو بولتے سُن لیا ہو لیکن میرے اشارے پر وہ وقت ضائع کیے بغیر اوندھے پڑے ہوئے البرٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ بڈھے کے عشق کے بارے میں ویرا مجھے خود آگاہ کر چکی تھی لہٰذا میری کوشش تھی کہ البرٹ، ویرا کو ایڈی کی لاش سے لپٹ کر روتے ہوئے بچشمِ خود دیکھ لے تاکہ اس کے وجود میں بھڑک اٹھنے والے رقیبانہ جذبات کو میں اپنے رُخ پر ڈھال سکوں۔

لیکن وہ تدبیر اُلٹی ہو گئی۔ سلطان شاہ جیسے ہی البرٹ پر جھکا، ویرا نے دروازہ خالی پا کر ایڈی کی لاش پر سے جست لگائی اور میرے نشانہ لینے سے پہلے چشم زدن میں کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئی۔

ہم دونوں ہی دیوانہ وار اس کے پیچھے لپکے تھے لیکن راہداری دور تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔ ابھی ہم نکاسی کی راہ کی تلاش میں اندر ہی چکرا رہے تھے کہ باہر کسی کار کا انجن بیدار ہوا اور ٹائروں کے خفیف سے شور کے ساتھ اس کی آواز دُور ہوتی چلی گئی۔

"نکل گئی۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "سارا قصور میرا ہے۔ میں اندازہ کر ہی نہ سکا کہ وہ موقع کے انتظار میں مکاری کر رہی تھی۔ اس غلطی پر شاید میں کبھی خود کو معاف نہ کر سکوں۔"

"وہ تو نکل ہی گئی۔ اب بوڑھے کی خبر لو۔ کہیں وہ بھی مکاری نہ کر رہا ہو۔ مجھے تو یہ سب ہی شعبدے بازوں کی نسل سے معلوم ہوتے ہیں۔" سلطان شاہ نے چونک کر کہا۔

"تم یہیں احاطے میں ٹھہرو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پھر پلٹ پڑے۔ میں اندر سنبھالتا ہوں۔"

میں اندر مزید کسی متنفس کی موجودگی کے امکانات کا جائزہ لیتا ہوا اس کمرے میں پہنچا تو کھو پڑی چکرا کر رہ گئی۔ ہلنے جلنے تک سے معذوری ظاہر کرنے والا ادھیڑ عمر البرٹ کمرے سے غائب تھا اور اب وہاں بس ایڈی کی بگڑی ہوئی خون آلود لاش پڑی رہ گئی تھی۔ مجھ پر یک بیک جھلاہٹ طاری ہونے لگی۔

ویرا دیکھتے ہی دیکھتے کسی چکنی مچھلی کی طرح ہاتھوں سے گویا پھسل کر نکل گئی تھی، چند منٹ کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر معذور البرٹ کی ساری قوتیں بحال ہو گئی تھیں۔ میں نے سوچا کہ اب بس ایڈی کی لاش کا ہی فرار ہونا باقی رہ گیا تھا۔ اچانک طاری ہونے والی جھلاہٹ کا دورہ اس قدر شدید تھا کہ میں واقعی ایڈی کی نبضیں ٹٹولنے بیٹھ گیا۔

ابھی میں پوری طرح اپنا اطمینان بھی نہ کر پایا تھا کہ کمرے کا دروازہ پُرشور آواز کے ساتھ بند ہو گیا اور اسی کے ساتھ راہداری میں بوڑھے البرٹ کا شیطانی قہقہہ گونجنے لگا۔ "اب دیکھوں گا کہ ابھی کون کون سی ہڈیاں ہلا کر فلموں میں کام حاصل کرتے ہو۔" اس کی تلقاریاں مارتی ہوئی زہریلی آواز نے مجھے آپے سے باہر کر دیا۔ اور میں بڑھ کر دروازے پر زور آزمائی کرنے لگا۔

"بے بی احمق نہیں تھی جو تمھیں پوری عمارت سے گزار کر اس کمرے میں لائی تھی۔" باہر دور جاتے ہوئے قدموں کی چاپ کے ساتھ البرٹ کی مضحکہ اُڑاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "اس کمرے کا دروازہ باہر ہی سے کھولا جا سکتا ہے، اندر سے نہیں۔۔۔ اب ایڈی کے ساتھ تمھاری رات خاصی حسین گزرے گی۔"

"دروازہ کھولو۔" میں دروازے پر مکّے برساتے ہوئے چیخا۔

"رات نہیں، اب دن طلوع ہونے والا ہے۔ سیدھی طرح راہِ راست پر نہ آیا تو میرا باہر والا ساتھی تیرا حلیہ بگاڑ دے گا۔"

"فکر نہ کرو۔ تھوڑی دیر میں اسے بھی یہیں پہنچا دوں گا۔" اس کی آواز نسبتاً دُور سے آئی تھی پھر سناٹا چھا گیا۔ راہداریوں میں پڑے ہوئے قالینوں پر قدموں کی ہلکی سی دھمک بھی باقی نہیں رہی تھی۔ زک پر زک ہوتی چلی جا رہی تھی اور یہ قید تو سونے پر سہاگے کے مترادف تھی۔ ایک بوڑھے اور از کار رفتہ حریف نے نہایت مکاری کے ساتھ مجھے اپنے جال میں پھانس لیا تھا اور میرے لیے قسمت پر شاکر ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔

مقدر اور سلطان شاہ کی کالی ۔۔۔ کو دل ہی دل میں کوستے ہوئے میں سگریٹ سلگانے لگا لیکن میری کوشش کے باوجود ہوا کے جھونکے سے دیا سلائی بجھ گئی۔ غیر ارادی طور پر میری نظریں ہوا کے رخ پر اٹھ گئیں اور میں نے سگریٹ سلگانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ صورتِ حال ضرور بگڑ گئی تھی لیکن اتنی بھی نہیں بگڑی تھی کہ میں بالکل مایوس ہو جاتا۔ تازہ ہوا کا جھونکا میرے لیے امید کا پیام کے ساتھ آیا تھا۔

کمرے کی عقبی دیوار میں کھلی ہوئی کھڑکی پر کوئی گرل وغیرہ نہیں تھی جس کا مطلب تھا کہ پورا پٹ کھسکا کر بآسانی دوسری طرف نکلنے کی راہ پیدا کی جا سکتی تھی۔ میں نے قریب پہنچ کر جائزہ لیا، تو پتا چلا کہ کمرے کی وہ کھڑکی ایک اندرونی راہداری میں کھل رہی تھی اور راہداری کی بیرونی سمت میں مضبوط آہنی جالیوں کے ساتھ فرش سے سات فٹ کی بلندی تک شفاف شیشوں والی فرنچ ونڈوز نصب تھیں۔ میں کھڑکی کا پٹ سرکا کر کمرے سے راہداری میں نکل گیا۔

چند منٹ تک بھٹکنے کے بعد میں نکاسی کا راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس بار ویرا سے حاصل کیا ہوا بے آواز پستول میرے ہاتھ میں موجود تھا اور میں کوئی نئی زک اٹھانے کے لیے ہرگز تیار نہیں تھا۔

پنجوں کے بل راستہ طے کرتا میں برآمدے میں کھلنے والے آخری دروازے پر پہنچا تو میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا کیونکہ البرٹ برآمدے میں موجود تھا اور اپنے دونوں ہاتھ پشت سے باندھے فرش پر پڑے ہوئے کسی انسانی جسم کو ٹھوکر سے ہلا جلا کر دیکھ رہا تھا۔ وہاں روشنی اتنی ضرور تھی کہ مجھے بے ہوش سلطان شاہ کو پہچاننے میں مطلق دشواری پیش نہیں آئی۔

سلطان شاہ البرٹ کے مقابلے میں واضح جسمانی برتری کا مالک تھا جبکہ وہ مسلح تھا اور البرٹ کی پشت پر بندھے ہوئے خالی ہاتھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ابھی تک غیر مسلح تھا۔ میری عقل کام نہ کر سکی کہ اس نحیف و نزار بڈھے نے سلطان شاہ کو کیسے بے ہوش کیا ہوگا۔

آخری دروازے کی اوٹ میں رکا۔ میں ابھی اس غیر معمولی صورتِ حال کو ہضم کرنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ البرٹ اپنی پشت سے ہاتھ کھول کر جھکا اور پھر حیرت ناک پھرتی کے ساتھ اس نے قوی الجثہ سلطان شاہ کے وزنی جسم کو اپنے کندھے پر لاد لیا۔ اس کو دروازے کی طرف پلٹتے دیکھ کر میں پھرتی سے اندر داخل ہو کر دیوار سے چپک گیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ سفید خبیث اب لازماً اسی دروازے سے گزرے گا۔

سنگ مرمر کے سنگریزوں سے بنے ہوئے برآمدے میں البرٹ کے وزنی قدموں کی پُرشور آواز سناٹے میں گونجتی رہی اور آخر کار وہ اندر داخل ہو ہی گیا۔ اس کی چال میں لنگڑاہٹ نمایاں تھی۔ شاید سلطان شاہ کی لات نے واقعی اس کی پشت پر شدید ضرب لگائی تھی۔ وہ سلطان شاہ کو لادے سکون اور اعتماد کے ساتھ آگے بڑھتا رہا اور میں چند قدم کے فاصلے سے اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس بار البرٹ نے اس کمرے کا رخ نہیں کیا تھا جہاں اس کی دانست میں میں قید تھا بلکہ وہ راستے ہی میں ایک بند دروازے کے سامنے رکا اور ہینڈل گھماتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ اس بار میں نے اس کی تقلید کرنے میں پھرتی دکھائی تھی کہ کہیں وہ اندر سے دروازہ مقفل ہی نہ کر لے۔

اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی وہ وزن سمیت تیزی سے پلٹا تھا پھر مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر خوف کے بجائے غصے کے آثار امڈ آئے۔ ”یہ کیا حرکت ہے؟ میں ابھی تک تم دونوں کی بدمعاشیوں کا سبب نہیں جان سکا۔“ وہ نتھنے پھلا کر غصیلی آواز میں بولا۔

”ہم دونوں بے بی کے عاشق ہیں لیکن اس نے شرط عائد کر دی تھی کہ جب تک تمھیں اور ایڈی کو نہ مارا جائے وہ ہماری امیدواری پر غور نہیں کر سکتی۔ ایڈی مر گیا اور اب تمھاری باری ہے۔“ میں نے کہا۔

اس نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلطان شاہ کو بے رحمی کے ساتھ اپنے کندھے سے پھینک دیا۔ میں سلطان شاہ کو تو نہ سنبھال سکا لیکن میں نے بڑھ کر پوری قوت سے اس کے بائیں گال پر تھپڑ جما دیا۔ کمرا چٹاخ کی آواز سے گونج اٹھا۔ البرٹ بے اختیار لڑکھڑا گیا۔

”مسخرے پن کا اظہار جاری رکھا تو اسی طرح پورا چہرہ ادھیڑ ڈالوں گا۔“ میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ ”ویرا نے ہمارے ساتھ بدترین کمینگی کا مظاہرہ کیا ہے لیکن میں تنظیم کے مفاد کی خاطر پھر بھی تحمل سے کام لے رہا ہوں۔“

”تم الّو کے پٹھے ہو۔“ وہ اپنا گال سہلاتے ہوئے غصیلی آواز میں بولا۔ ”تمھارے بارے میں مجھے اس سے زیادہ ایک لفظ بھی معلوم نہیں جو لات پڑنے سے قبل میں نے راہداری میں چھپ کر سنا تھا۔“

اس بار میں گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ اداکاری نہیں کر رہا تھا بلکہ واقعی مغلوب الغضب طبیعت کا مالک تھا اور صورتِ حال کا ادراک کیے بغیر گرمی کھا جانے کا عادی تھا۔

”ویرا اب کہاں مل سکے گی؟“ میں نے سوال کیا۔

”مجھے نہیں معلوم۔ شہر میں اس کے بہتیرے ٹھکانے ہیں۔“

وہ اُکھڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ جب وہ تم پر اعتماد کرنے پر آمادہ نہیں ہے تو تم کیوں وفاداری جتانے پر تلے ہوئے ہو؟"

"شاید تمھیں علم نہیں کہ تنظیم سے کٹنے کی کوشش خودکشی کے مترادف ہوتی ہے اور ہم ابھی زندہ رہنا چاہتے ہیں خواہ اس کے لیے ہمیں تنظیم میں چھوٹی موٹی مخاصمتیں ہی کیوں نہ مول لینا پڑیں۔"

"چھوٹی موٹی مخاصمتیں!" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "تم ویرا کی تحقیر کر رہے ہو۔ کبھی کبھی تو وہ اپنے وجود سے بھی بڑی نظر آنے لگتی ہے۔ اس کی ناراضگی مول لے کر تنظیم میں کبھی پنپ نہیں سکو گے۔"

"اس کے باوجود تم اس کے عاشق ہو۔ بڑا دل گردہ ہے تمھارا۔"

وہ جھینپے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا جیسے سرِعام چوری کرتے پکڑا گیا ہو۔ "بڑی بے شرم ہے۔ خود ہی تشہیر کرتی پھر رہی ہے۔ میں تو بس اسے چڑانے کے لیے مذاق کرتا رہتا ہوں۔ اصل میں تو وہ بڈھی کا بھرتی تھی۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ کالا مردود مارا گیا۔ میری موجودگی میں اسے یہ کہہ کر میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتا تھا۔"

"اگر وہ خود ہی فیصلوں پر قادر ہے تو میں ایک بار اُسے بھی اپنی نیک نیتی کا یقین دلا کر رہوں گا۔ اس نے پھر بھی رائے تبدیل نہ کی تو پھر ہمیں جنوبی امریکا یا آسٹریلیا کے کسی علاقے میں گمنامی کی زندگی اختیار کرنا ہوگی۔"

"یقین کیسے دلا سکو گے؟ وہ تو تمھاری بات ہی سننے پر آمادہ نہیں ہے۔"

"ہم تمھیں باندھ کر یہاں ڈال جائیں گے لیکن اس اہم یونٹ کا بال بھی بیکا نہ ہو سکے گا۔ وہ خود بتا گئی ہے کہ سمندری مواصلات میں اس یونٹ کی کیا اہمیت ہے۔ ہمارے جانے کے بعد بھی تم بے خوف و خطر اسے استعمال کر سکو گے۔"

"اور اگر اس نے کئی روز تک اِدھر کا رُخ نہ کیا تو میرا کیا ہوگا؟"

"یہ سوچنا تمھارا کام ہے۔ یونٹ کے سربراہ ہو تو کارآمد بھیجا بھی رکھتے ہو گے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ میرا ساتھی اتنی آسانی کے ساتھ تمھارے ہاتھوں کیسے زیر ہو گیا؟"

"اس کی بدقسمتی یا میری خوش قسمتی تھی کہ وہ اندر سے بے پروا دروازے کی طرف پشت کیے چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کی تمام توجہ احاطے پر مرکوز تھی۔ ایسے میں کنپٹی پر صحیح ضرب لگ جائے تو ہاتھی بھی ڈھیر ہو سکتا ہے۔"

"یعنی بے ہوشی طویل نہیں ہے!" میں نے پُرتشویش نظروں سے سلطان شاہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

میں نے اندازہ لگایا کہ البرٹ فطرتاً جرائم پیشہ آدمی نہیں تھا بس بحری مواصلات میں اپنی مہارت کی بنا پر ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا اور خطیر معاوضے کے لالچ میں اُن کے لیے کام کیے جا رہا تھا۔ رہی تھوڑی بہت مار دھاڑ اور مردانگی تو وہ کھلے سمندروں میں زندگی گزارنے والوں کا طرۂ امتیاز ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی کے بیشتر سبق سمندر سے لیتے ہیں جہاں چڑھتی ہوئی موج کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ٹھہر سکتی لیکن کمزور لہریں ابھرنے سے پہلے ہی اونچی لہروں میں پامال ہو جاتی ہیں۔

نائیلون کی مضبوط ڈوری سے اس کے ہاتھ پیر باندھتے ہوئے میرا دھیان اس کی پیشانی کی خون آلود سوجن کی طرف گیا اور مجھے افسوس ہونے لگا کہ سلطان شاہ نے اسے کیوں اس غیر ضروری تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔

اُسے بے دست و پا کر دینے کے بعد میں سلطان شاہ کو ہوش میں لانے کے جتن کرنے لگا۔ اس دوران میں البرٹ کی زبان قینچی کی طرح مسلسل چلتی رہی پھر پانی کے چھینٹوں نے سلطان شاہ کے حواس بحال کیے تو وہ البرٹ کی آواز سنتے ہی اس کی طرف غضبناک ہو کر بپھرا تھا لیکن میں نے فوراً ہی اسے رام کر لیا۔

"شاید یہ انگریزی نہیں سمجھتا۔" البرٹ نے قالین پر پڑے پڑے ہانک لگائی۔ "اسے بتا دو کہ میں نے لات کا حساب بے باق کر دیا ہے۔ اب ہمارے دلوں میں کینہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"یہ بوڑھا گدھا کیا بک رہا ہے؟" سلطان شاہ نے غراتے ہوئے سوال کیا۔

"اسے بکنے دو۔ ہمیں ویرا کے لوٹنے سے پہلے یہاں کئی کام نمٹانے ہیں۔" میں نے اس کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر کہا اور پھر ہم دونوں نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے دروازہ مقفل کر دیا۔

اوپر جانے والے زینوں کے آغاز ہی میں ایک مقفل دروازے کا سامنا کرنا پڑا جسے پستول کی موجودگی میں توڑنا دشوار ثابت نہ ہوا اور ہم کشادہ زینے طے کرتے ہوئے اوپر کھلی چھت پر پہنچ گئے۔

اس عمارت سے باہر رہتے ہوئے یہ اندازہ کرنا بھی دشوار تھا کہ چھت پر ایسا عظیم الشان کبوتر خانہ موجود ہوگا۔ چھت کے تقریباً وسط میں لوہے اور کنکریٹ کے ستونوں پر ڈھلی ہوئی چھت کے نیچے بہت قرینے سے متعدد منزلہ چوبی کابک بنے ہوئے تھے۔ جن میں بند بعض کبوتروں نے آہٹ پا کر بولنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے کابکوں کی چھت سے نکل کر اوپر نگاہ ڈالی تو تین بہت نفیس اور بلند و بالا چھتریاں نظر آئیں جیسی عموماً کبوتر باز کبوتروں کے آرام کے لیے بناتے ہیں۔ ان تینوں چھتریوں کی ساخت اور بلندی ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ چھتریوں کو فضا میں قائم رکھنے کے

یہ شاید نائیلون چڑھے ہوئے فولادی تار استعمال کیے گئے تھے۔

اگر ایک عام آدمی کی نگاہ سے ان چیزوں کا جائزہ لیا جاتا تو یہی محسوس ہوتا کہ اہلِ خانہ کے دل میں کبوتروں کے لیے محبت کا ایک بے پایاں سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور اس نے اپنے پالتو پرندوں کی آسائش کے لیے اپنی چھت پر بہترین اور بیش قیمت آسائش فراہم کی ہوئی تھی لیکن ویرا اور ایڈی کی گفتگو سے اس کبوتر خانے کا وجود ہی فراڈ نظر آنے لگا تھا۔ لہٰذا میں نے جب غور سے جائزہ لیا تو پتا چلا کہ چھتریوں کو روکے رکھنے والے فولادی تار ہر طرح سے اصلاتی کاموں کے لیے موزوں تھے۔ ہوسکتا ہے کہ نائیلون کے خول میں فولاد کی جگہ تانبے کا تار ہی رہا ہو جو تناؤ کے باعث فولادی نظر آ رہا تھا۔ قابلِ غور بات یہ تھی کہ ہر تار بندش کے بعد کنکریٹ میں دفن ہوگیا تھا۔ شاید اس طرح مناسب تاروں کو پوشیدہ طور پر ریڈیو روم کی طرز کے کسی کمرے میں یکجا کیا گیا تھا جہاں سے خفیہ پیغامات کی وصولیابی اور ترسیل کا نظام کنٹرول ہوتا تھا۔

چھت پر واقع کبوتر خانے پر سایہ فگن کنکریٹ کی چھت میں جابجا روشنیاں نصب تھیں۔ شاید وہیں کہیں سوئچ بورڈ بھی رہا ہوگا لیکن میں نے اپنی تلاشی کی اس مہم میں روشنی سے کام لینا مناسب نہ سمجھا جو دور ہی سے دیکھی جاسکتی تھی۔ میرے کام کے لیے تاروں بھرے شفاف آسمان سے پھوٹنے والا مدھم سا نورانی انعکاس ہی بہت زیادہ معاون ثابت ہو رہا تھا۔

پھر میں کابکوں کے درمیان سے گزر کر دوسری طرف نکلا۔ تو دیوار کے پار تا حدِ نظر پھیلی ہوئی سمندر کی سیاہ سطح ہلکورے لیتی نظر آ رہی تھی۔ اس پس منظر میں وہ کمرا میری خصوصی توجہ کا مرکز بن گیا جو کابکوں سے الگ تھلگ دیوار کے ساتھ بنا ہوا تھا۔ اس چھت سے سطحِ سمندر کے نشاہدے کے لیے وہ کمرا بہترین جگہ تھی۔

کمرے کے دو دروازوں میں سے میں نے پہلے سامنے پڑنے والے مقفل دروازے پر طبع آزمائی کا فیصلہ کیا لیکن ایک تار کی مدد سے تالا کھولتے ہی مجھے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ دروازے کے سامنے ہی کاٹھ کباڑ کا انبار جمع تھا۔ میں نے دو تین دیا سلائیاں جلا کر اندر کا جائزہ لیا تو دروازے سے کئی فٹ پیچھے تک دیکھنا ناممکن تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کبوتر خانے کی تعمیر سے بچ رہنے والا سارا فاضل اور ناکارہ سامان اسی ایک کمرے میں ڈال دیا گیا تھا جو بادی النظر میں اسی مقصد کے لیے بنایا ہوا اسٹور معلوم ہوتا تھا۔

میں نے مایوسانہ انداز میں دروازہ بند کر دیا اور سگریٹ سلگاتے ہوئے وہاں سے ہٹ آیا۔ میں ایک جگہ کھڑا پرخیال انداز میں سمندر کا جائزہ لے رہا تھا کہ اچانک دوسرے دروازے والی دیوار کا خیال آیا جو کم از کم سولہ سترہ فٹ لمبی تھی جب کہ دیا سلائی جلا کر میں محض پانچ چھ فٹ تک کاٹھ کباڑ دیکھ سکا تھا جس کا مطلب تھا کہ کمرے کی مزید دس گیارہ فٹ گہرائی میری نگاہوں سے اوجھل رہی تھی۔ دیوار میں دوسرے دروازے کی پوزیشن ایسی تھی کہ اس کو کھول کر باقی ماندہ حصے کا جائزہ لیا جاسکتا تھا۔

دوسرا دروازہ کھولتے ہی میرے اندیشوں کی تائید ہوگئی۔ اس طرف سے کمرا صاف اور قابلِ رسائی تھا۔ میں نے دیا سلائی کی روشنی میں دروازے کے قریب سوئچ بورڈ تلاش کرکے کمرا روشن کر دیا۔

وہاں کسی بحری جہاز کے ریڈیو روم میں استعمال ہونے والے آلات سے کہیں زیادہ حساس ریڈیائی ساز و سامان موجود تھا۔ اور اسی کے ساتھ ایک مضبوط آہنی اسٹینڈ پر طاقتور دوربین بھی نصب تھی جس کا دہانہ سمندر والی دیوار میں لگے ہوئے ایک بڑے مستطیل شیشے کی طرف تھا۔ وہ دھندلایا ہوا شیشہ غالباً ایسی ساخت کا تھا کہ اس کے ذریعے باہر سے اندر دیکھنا ناممکن تھا جب کہ اندر سے باہر بہ آسانی دیکھا جاسکتا تھا۔

کاٹھ کباڑ والے حصے میں ناکارہ آہنی فریموں اور زنگ خوردہ چادروں کو اس مہارت سے جمایا گیا تھا کہ ان کے ذریعے وہ کمرا عملاً دو حصوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا تھا۔ اگر کباڑ خانے والا دروازہ کھولا جاتا تو وہ ناکارہ سامان کا اسٹور محسوس ہوتا جب کہ دوسرے دروازے سے صاف ستھرے ریڈیو روم میں رسائی ممکن تھی اور ایک حصے سے دوسرے حصے میں دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ کسی اجنبی کے لیے پہلی نگاہ میں اس اندرونی تقسیم کا اندازہ لگانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔

دوربین سے کام لینے کے لیے اس کے پیچھے تقریباً تین فٹ اونچی دو چوبی سیڑھیوں پر مشتمل ایک چوکی رکھی ہوئی تھی۔ میں اس پر چڑھ کر دوربین کی قوت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا، کہ سلطان شاہ مجھے تلاش کرتا ہوا وہاں آ پہنچا۔

”دیکھو... یہاں تو کھیل ہی ..... کچھ اور ہو رہا ہے۔“

اس کی ہیجان آمیز آواز سنائی دی۔ میں چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس کے ہاتھوں میں ایک کبوتر دبا ہوا تھا۔

”اسے کیوں پکڑ لائے ہو؟“ میں نے ناگوار لہجے میں کہا۔ ”ان کے آرام میں خلل انداز ہونے کو کس نے کہا تھا؟“

”میں نے کابک سے نہیں پکڑا۔“ وہ مدافعانہ لہجے میں بولا۔ ”ایک چھتری پر بیٹھا ہوا نظر آیا تھا۔ میں نے ہلکی سی سیٹی بجائی تو چھتری سے اڑ کر میرے شانے پر آ بیٹھا۔ اگر مجھے اس کے پیر میں کچھ بندھا ہوا نظر نہ آتا تو میں ہرگز اسے نہ پکڑتا۔“

”بندھا ہوا!“ میں حیرت اور بے یقینی سے دہراتا ہوا چوکی پر سے نیچے اتر آیا۔

پھر میں نے دیکھا کہ سلطان شاہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ اس

کبوتر کے داہنے پنجے میں ایک مضبوط لیکن پتلا سا چرمی تسمہ بندھا ہوا تھا۔ خاص ساخت کے اس چرمی تسمے کو کبوتر کے پنجے سے الگ کر کے میں نے اس کی تہہ کھولی تو کاغذ کا ایک پرزہ ہاتھ میں آ گیا۔ اس پر جو بھی پیغام تھا انگریزی حروف تہجی پر مشتمل کوڈ ورڈز میں ٹائپ کیا گیا تھا جو میرے پلّے نہ پڑ سکا البتہ اس متن میں ایک جگہ شہداد پور کا نام استعمال کیا گیا تھا جس کے لیے شاید ان کے یہاں کوئی مخفف یا کوڈ ورڈ نہیں تھا۔

"کبوتروں کے ذریعے پیغام رسانی؟" سلطان شاہ نے متجسس انداز میں میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"عقل کام نہیں کرتی۔" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ایک طرف یہ لوگ جدید ترین لاسلکی نظام سے کام لے رہے ہیں اور دوسری طرف قاصد کبوتروں کا صدیوں پرانا فرسودہ طریقہ بھی رائج ہے۔۔۔!"

"تم بھول رہے ہو۔" وہ میری بات کاٹ کر دھیمے لہجے میں بولا۔ "ان کا ملک گیر مواصلاتی نظام ایم ٹی تھری ہنڈرڈ ٹرانسمیٹروں پر مشتمل تھا۔ پہلے اندرون سندھ واقع مٹھا خان کا اسٹیشن تباہ ہوا پھر جیوانی میں نصب یونٹ بھی ان لوگوں کو اپنے ہاتھوں برباد کرنا پڑا۔ اس طرح سندھ میں ان کا جدید مواصلاتی نظام بکھر کر رہ گیا ہے۔ اگر میری یادداشت دھوکا نہیں دے رہی تو شہداد پور کا شمار بھی اندرون سندھ کے شہروں میں ہوتا ہے۔"

"تم درست کہہ رہے ہو۔" میں نے پُرتفکر انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ شہداد پور میں بھی ایسا کوئی مرکز ضرور ہوگا جسے پیغام بر کبوتر پہچانتے ہوں گے۔"

"ضرور ہوگا۔ لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ میں اس بے چارے کا کیا کروں؟"

"اسے چھوڑ دو۔" میں نے کہا۔ "ہمارے جانے کے بعد البرٹ ہی اس کا بندوبست کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ منزل مقصود پر بحفاظت واپسی کی صورت میں بطور انعام اس کبوتر کو کوئی نشہ آور چیز دی جاتی ہو جو ہمیشہ سے مخصوص ٹھکانے پر لوٹنے پر مجبور کرتی ہو۔"

"بہت سفاک اور خود غرض لوگ ہیں۔" اس نے کبوتر چھوڑ کر تلخ لہجے میں کہا۔ "انسان تو انسان حیوان تک ان کی پھیلائی ہوئی منشیات کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔"

"مجھے نظر آ رہا ہے کہ اب مسئلہ صرف منشیات کا نہیں رہا ہے۔" میں نے اس کے ہمراہ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ "یہ کوئی بہت ہی لمبا کھیل ہے۔ ایک تیر سے کئی شکار کیے جا رہے ہیں۔ اپنی خوش قسمتی سمجھو کہ اب تک ان سے بچے رہے ہیں ورنہ یہ ہمیں کہیں بھی فنش کرا سکتے تھے۔"

"کیا وہ خفیہ پیغام اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟" سیڑھیاں اُترتے ہوئے اس نے سوال کیا۔ "اس طرح انہیں اپنی وفاداری کا یقین دلانے کی حکمت عملی کا باب نہ ہو سکے گی۔"

"دیکھتے جاؤ۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "یہ پیغام میں البرٹ کے حوالے کر دوں گا۔ یقیناً یہ کوئی اہم پیغام ہے اس کا ردعمل دیکھنے کے قابل ہوگا۔"

ہم نیچے آئے تو البرٹ بدستور اسی طرح بے دست و پا پڑا ہوا تھا۔ بندشیں سخت تکلیف دہ ہیں جانے سے پہلے انہیں نرم کرتے جانا۔ خدا جانے کب تک کوئی ادھر کا رخ کرے۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ کسمسا کر کراہا تھا۔

"ابھی ابھی اوپر ایک پیغام آیا ہے۔" میں نے اس کی التجا نظر انداز کرتے ہوئے چبھتے ہوئے الفاظ میں کہا اور اس کی آنکھیں مجسم سوال بن کر میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ "کوئی خفیہ پیغام ہے کبوتر لایا ہے۔" میں نے رقعہ فضا میں لہراتے ہوئے کہا۔

"اب تمہیں مجھے کھولنا ہی پڑے گا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "تم نے اس پیغام پر ہاتھ ڈال کر اچھا نہیں کیا۔۔۔ ذرا دکھاؤ تو کیا لکھا ہے؟"

میں نے وہ رقعہ اس کی نگاہوں کے سامنے کر دیا۔ اسے پڑھتے ہی البرٹ کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اور جسم پر کپکپی سی چڑھ گئی۔ وہ خوفزدہ آواز میں بولا تھا۔ "اگر تم مجھے مردہ ہی دیکھنا چاہتے ہو تو اور بات ہے ورنہ مجھے آزاد کر دو۔ یہ بہت منحوس پیغام ہے۔ اس پر مجھے فوری کارروائی کرنا ہوگی ورنہ وہ مجھے فنا کر دیں گے۔"

"گلو خلاصی کی ایک ہی صورت ہے کہ تم ہمیں بھی اس پیغام کے متن سے آگاہ کرو۔" میں نے اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اٹل لہجے میں کہا۔

"تم کہہ چکے ہو کہ تم تنظیم کے وفادار ہو۔" اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"یاد کرو کہ تم نے مجھے اس مؤقف سے ہٹانے کی کوشش کی تھی۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ضرور کی تھی۔۔۔ لیکن اب صورتحال مختلف ہو چکی ہے۔ اس پیغام کے بعد تنظیم کے بعض فوری مفادات تمہارے ساتھ وابستہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ اگر تم نے ارادہ تبدیل کر لیا تو میں بے موت مارا جاؤں گا۔"

"یہ پیغام کا متن جانے بغیر میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"شہداد پور میں غنی رام پکڑا گیا۔ آپریشن زیرو فور ٹالا نہ ثانی روبہ عمل رہے گا۔" اس نے ہچکچاہٹ کے بعد مشینی انداز میں کہا۔

"یہ غنی رام کون ہے؟" سلطان شاہ نے باقاعدہ خنجر اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے ڈپٹ کر سوال کیا۔

"میں اطلاعات وصول کر کے آگے بڑھانے کے علاوہ کچھ

نہیں جانتا۔" وہ اُردو سے نابلد تھا لیکن سلطان کی زبان سے غنی رام کے الفاظ سن کر شاید اس کا مدعا سمجھ گیا تھا۔

"بکواس بند کرو، البرٹ!" میں نے سرد لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "پیغام پر تمہارا خائفانہ ردِعمل بہت غیر معمولی تھا۔۔۔ تم اس پیغام کی نوعیت سے لاعلمی ظاہر نہیں کرسکتے!"

"مجھے آج تک نہیں معلوم ہوسکا کہ غنی رام کوئی نام ہے یا کوڈ!" وہ پہلو بدل کر گہرے گہرے سانسوں کے درمیان بڑبڑایا۔ "بس اتنا جانتا ہوں کہ جب بھی کسی مواصلاتی رابطے پر یہ الفاظ سنائی دیتے ہیں، صورتِ حال میں غیر معمولی سرگرمی پیدا ہوجاتی ہے۔۔۔ پشاور میں غنی رام خیریت سے ہو تو خوشی کی علامت ہوتی ہے۔۔۔ شہدادپور میں پکڑا جائے تو ہنگامی طور پر سرگرمیاں موقوف کرکے حفاظتی اقدامات شروع کردیے جاتے ہیں۔ یہ نام یا الفاظ پاکستان کے کسی بھی شہر کے حوالے سے سنے جاسکتے ہیں!"

"اسے کھول دو سلطان شاہ!" میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد اُردو میں کہا اور جب سلطان شاہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی بندشیں کھولنے لگا تو میں انگریزی میں البرٹ سے مخاطب ہوگیا۔ "برے وقت ہی میں دوست اور دشمن کی پہچان ہوتی ہے۔ ہم تمہارے ہاتھ پیر کھول کر تمہیں اسی کمرے میں بند کردیں گے! امید ہے کہ ہمارے جانے کے بعد تم کوئی راہ نکال لوگے اور شوگر کوئین ہمارے بارے میں اپنی رائے مثبت طور پر بدلنے کی کوشش کرے گی۔"

"تنخواہ دار یا محکوم دوست کبھی نہیں ہوسکتا!" اس نے کہا۔ "وہ فرماں بردار ہوتا ہے یا باغی اور غیر متعلقہ باتوں کو جاننے کی کوشش بھی بغاوت کے مترادف ہوتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہوگے!"

وہ جو کچھ کہہ رہا تھا درست ہی کہہ رہا تھا لیکن میرے پاس بھی کوئی متبادل راستہ نہیں تھا۔ ڈیرا لائیڈ کے دل میں میری طرف سے تدریجاً مصالحانہ جذبات پیدا ہوئے تھے اور میں ان سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس پوری کارروائی سے میرا مدعا فقط اتنا تھا کہ ڈیرا سے دوبارہ کبھی سامنا ہو تو وہ مجھے بے دریغ قتل کرنے پر نہ تل سکے۔ اسے ایک بار تو سوچنا ہی پڑتا کہ جو شخص اہم معلومات حاصل کرنے کے باوجود نہ تنظیم کو نقصان پہنچا رہا ہے نہ کسی کو بلیک میل کررہا ہے، وہ باغی کیسے ہوسکتا ہے؟

پہلے کے خونریز اور تباہ کن واقعات کے بارے میں وہ خود یہ نتیجہ اخذ کرچکی تھی کہ ٹو میری دشمنی میں اندھا ہوکر تنظیم کے طے شدہ راستوں سے منحرف ہوگیا تھا اور اسی جرم کی پاداش میں شوگر کوئین نے خود اسے گن کا نشانہ بنا دیا تھا۔ موجودہ حالات میں مکاری اور فریب سے کام لیے بغیر بہترین وار کرنا ناممکن نظر آرہا تھا۔

"گاڑی کون سی ہے تمہارے پاس؟" میں نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"گاڑی؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "میں تو شروع ہی سے تم دونوں کے پیچھے مرسڈیز کے پچھلے پائیدان میں چھپا ہوا تھا۔ شاید اس مردود کالیسے نے مجھے گاڑی سے نکلتے دیکھ لیا تھا ورنہ اس وقت بساط ہی کچھ اور ہوتی۔"

"ہمیں واپسی کے لیے سواری درکار ہے۔" میں نے البرٹ سے کہا۔

وہ جواب دیے بغیر پُرتشویش نگاہوں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ "سنا نہیں تم نے؟" میں نے توقف کے بعد اسے ٹوکا۔

"سن لیا مگر یہ سوچ رہا ہوں کہ تم میں کیا خوبی ہے جو شوگر کوئین تمہیں ڈھیل دے رہی ہے! وہ تو جذبات سے عاری انداز میں موت کا کھیل کھیلنے کے لیے مشہور ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ مکارانہ انداز میں اچانک بھاگ نکلتی تو اس وقت تمہارے ہی ساتھ بے دست وپا پڑی ہوتی۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ورنہ اس نے تو مجھے چوہے دان میں پھانس ہی لیا تھا، اپنی دانست میں۔"

وہ یوں ہنسا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ "وہ چاہتی تو باہر نکلتے ہی صرف ایک بٹن دبا کر اس عمارت کو ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کرسکتی تھی۔ اس عمارت میں سیکڑوں پونڈ بارود پوشیدہ ہے جو ایک ریموٹ کنٹرول سوئچ کے اشارے پر تباہی مچا سکتا ہے۔ اب تک دھماکوں کا نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اسے تمہاری موت سے زیادہ اس عمارت کی سلامتی عزیز ہے۔ اسے تباہ کرنا تو اشارے کی بات ہے لیکن بنانے کے لیے برسوں کی محنت درکار ہوگی۔ یہ اس علاقے میں ہمارا طاقتور ترین مرکز ہے۔"

اس کے انکشاف سے مجھے ذہنی جھٹکا ضرور لگا لیکن میں نے اس کا اظہار نہ ہونے دیا۔ "یہ سب بتا کر تم ہمیں کس مقصد کے لیے مرعوب کرنا چاہ رہے ہو؟" میں نے درشت لہجے میں سوال کیا۔

"شوگر کوئین کی پہلودار شخصیت سے واقف ہونے کے بعد مرعوب تو تم خود بخود ہوجاؤ گے۔" وہ بولا۔ "لیکن کولہے کی ہڈی اور پیشانی کی چوٹ کے باوجود میرے ساتھ مجموعی طور پر تمہارا رویہ معقول رہا ہے، اس لیے مجھے تم پر ترس آرہا ہے۔۔۔ میرا مشورہ ہے کہ مجھے یہاں بند کرکے پیدل ہی کسی طرف چل پڑو۔ تھوڑی سی مشقت کے بعد کوئی نہ کوئی سواری مل ہی جائے گی۔"

"شاید تم اس خیال میں ہو کہ تم تعاون نہیں کروگے تو ہم یہاں سے کوئی گاڑی نہ لے جاسکیں گے؟" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یہاں دو گاڑیاں ہیں، چاہو تو دونوں ایک ایک کرکے لے جاؤ۔ چابیاں میں خود تمہارے حوالے کروں گا۔ بس یہ یاد رکھنا کہ ان دونوں گاڑیوں میں بھی ریموٹ کنٹرول بم نصب ہیں۔ انجن بیدار ہوتے ہی شوگر کوئین

کو اپنے ریموٹ کنٹرول یونٹ پر اشارہ مل جائے گا اور وہ فوراً صورتِ حال کا اندازہ لگالے گی کیونکہ مجھے تو بغیر اجازت اس عمارت سے نکلنے کی ہی ممانعت ہے خواہ گردونواح میں تم ہی کیوں نہ چلنے لگیں۔ پھر وہ بس اتنا انتظار کرے گی کہ تم اس یونٹ سے محفوظ فاصلے پر چلے جاؤ۔ اس کے بعد وہ انگلی کے اشارے سے کار سمیت تمہارے چیتھڑے اڑا دے گی۔"

شاید وہ درست ہی کہہ رہا تھا کیونکہ اس کے پاس اب جھوٹ بولنے کے لیے کوئی سبب نہیں رہا تھا پھر وہ لوگ اتنے گئے گزرے بھی نہ تھے کہ محض ایک گاڑی کی عارضی چوری پر اسے سولی چڑھا دیتے۔ لیکن یہ بات میرے حلق سے نہ اتر سکی کہ جب البرٹ کا پیشگی اجازت کے بغیر باہر نکلنا سختی سے منع تھا تو وہاں ریموٹ کنٹرولڈ بموں سے لیس دو گارڈیوں کی موجودگی کیا معنی رکھتی تھی۔

"اس کا سبب تو بڑے ہی جانیں" میرا سوال سن کر اس نے کہا۔ "ویسے کچھ عرصہ قبل ایک گاڑی شہر میں تباہ کی گئی تھی۔ اس کی ڈکی میں اس یونٹ کے کچھ آلات مرمت کے لیے لائے جا رہے تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں اور اسلحہ کی تلاش میں سرگرداں پولیس پارٹی نے اسے روک لیا اور پیچھے آنے والے محافظ نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر ڈرائیور اور آلات سمیت کار تباہ کر دی۔ کچھ پولیس والے بھی زخمی ہوئے تھے۔"

"کیا دیرا اکثر یہاں آتی رہتی ہے؟"

"آتی ہے تو ہفتوں جمی رہتی ہے پھر مہینوں اس کا سراغ نہیں ملتا۔ اس خیال میں بھی نہ رہنا کہ اب کبھی تم دوبارہ اسے یہاں گھیر سکو گے۔ جب آؤ گے کسی خونخوار محافظ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایڈمی کا نعم البدل کسی بھی وقت جگہ سنبھال سکتا ہے۔"

"غنی رام کے بارے میں اب تم کس کس کو مطلع کرو گے؟"

"میرا خیال ہے کہ تم غیر ضروری سوالات کر کے اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں بولا۔ "میں تمہاری ہمدردی کا ضرورت سے زیادہ معاوضہ ادا کر چکا ہوں۔ شوگر کوئین شکست کے نام سے ناآشنا ہے۔ اس سے پیشتر کہ وہ تمہاری تلاش میں لوٹے، تمہیں یہاں سے دور نکل جانا چاہیے۔"

مجھے اس کے یاد دلانے پر ایک دم ہوش آ گیا۔ ہم واقعی بہت زیادہ وقت گزار چکے تھے اور یہ تاخیر ہمیں مہنگی بھی پڑ سکتی تھی۔

البرٹ کو کمرے میں بند کرنے کے بعد میں نے سلطان شاہ کو پیدل واپسی کی خبر سنائی تو اس نے یوں برا سا منہ بنایا جیسے اس کے حلق میں کوئی کڑوی گولی پھنس گئی ہو۔ "اول تو یہ ساحلی علاقہ بالکل ویران اور غیر آباد ہے پھر آگے ان لوگوں کی آبادی ہے جن کے گھروں میں صرف ایک کار کی موجودگی مفلوک الحالی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ گرمی سے پہلے ہمیں شاید ہی کوئی سواری مل سکے۔"

"کسی سے لفٹ ہی لے لیں گے۔" میں نے اسے نکاسی کے راستے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

"اتنی رات گئے تو تنہائی کے متلاشی جوڑے بھی تنہائیاں نچوڑ کر اپنے اپنے گھر جا سوتے ہوں گے۔ کوئی گاڑی نظر بھی آئی تو دیرا لائیڈ کی مرسڈیز کے علاوہ کوئی اور نہ ہو گی۔"

شاید اس کے دماغ پر مینڈک پھونک سوار ہو چکی تھی لہٰذا میں نے اس کے منہ لگنا مناسب نہ سمجھا لیکن میں یہ سوچ رہا تھا کہ ہم نے وہاں اتنا وقت ضائع کیا تھا کہ شاید شوگر کوئین کو اپنے آدمی وہاں بھیجنے کی مہلت مل گئی ہو۔ ویسے تو اس زیرِ تعمیر تاریک علاقے میں جا بجا ایسے ٹیلے اور نیم تعمیر شدہ ڈھانچے موجود تھے کہ ان میں سیکڑوں کی نفری چھپ سکتی تھی۔ لیکن میرا اندازہ تھا۔ شوگر کوئین ہمیں گھیرنے کے لیے تعداد کے بجائے کسی باصلاحیت آدمی کو بھیجا ہو گا جو اپنی ذہنی توانائیاں استعمال کر کے اس نتیجے پر پہنچا ہو گا کہ ہم فرار کے لیے جو دو راستوں میں سے کون سا راستہ استعمال کریں گے لہٰذا میں نے سامنے کے پھاٹک سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔

"تمہارا ساتھ دینے میں یہی خرابی ہے کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی سولی پر لیے پھرتے ہو۔" وہ مجھے پھاٹک کی طرف بڑھتے دیکھ کر جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تم سے تو موت بھاگتی ہے، مجھے بے موت مروا دو گے۔"

میں اس بار بھی خاموش ہی رہا۔ پھر ہم دونوں بخیر و عافیت اس خوفناک عمارت سے باہر نکل گئے جس کی بنیادوں میں بارود کی بھاری مقدار پوشیدہ تھی۔

باہر ایک طرف ساحلی دریا سے دور ریت پر دم توڑتی ہوئی موجوں کا آسیبی شور گونج رہا تھا اور دوسری طرف سڑک پر دور دور تک تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ جب تک ہم اس عمارت کے احاطے کی دیوار سے آگے نہ نکل گئے، میں بہت چوکنا رہا۔ پھر ہم دونوں نے قدرے دشوار گزار لیکن محفوظ راستے پر دوڑ لگا دی۔

شوگر کوئین سے پہلے تصادم کی وہ رات شاید میں کبھی نہ بھول سکوں گا۔ محفوظ راستے کی تلاش میں ہم کافی دور تک غلط سمت میں ہی بھاگتے چلے گئے۔ جب حسبِ توقع آبادی کے بجائے اچانک ہی اتھلی سمندری دلدل نما ریت میں جوتے دھنسنے لگے تو میں بوکھلا کر رک گیا۔ تاروں کی چھاؤں میں ہمارے تین اطراف میں ہولناک ویرانہ اور چوتھی سمت میں سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور کچھ اندازہ نہ تھا کہ کس طرف رخ کر کے ہم آبادی میں دوبارہ داخل ہو سکیں گے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ کراچی میں ساحل آبادی سے کہیں بھی اتنا دور نہیں ہے کہ وہاں سے شہر کی روشنیاں نظر نہ آ سکیں لہٰذا امکان یہی تھا کہ ہم کسی بڑے نشیب میں جا گھسے تھے۔ یہ خیال آتے ہی میں اس سمت

میں ہو لیا جدھر راؤ پیرو جاتی ہوئی ڈھلان محسوس ہو رہی تھی سلطان زیر لب بڑبڑاتا ہوا میرے پیچھے ہولیا۔ وہ اس قدر بیزار نظر آرہا تھا کہ اس نے مجھ سے میری کسی کارروائی کے بارے میں سوال کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

آخر کار اس مواصلاتی یونٹ سے فرار کے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ہمیں شہر کی مندا سی روشنیاں نظر آنے لگیں جو کورنگی روڈ کی عکاسی کر رہی تھیں۔ اس وقت تک آسمان پر بھی قدرے سفیدی نمودار ہو چلی تھی۔ اور کہیں کہیں فضا میں سحر خیز پرندوں کی اکا دکا چہکار بھی سنائی دینے لگی تھی۔

"راستہ نظر آ ہی گیا ہے کیوں نہ تھوڑی دیر یہاں آرام کریں؟" سلطان شاہ نے تکان آلود لہجے میں کہا۔

"شاید نسیم سحری کے جھونکے تھپک رہے ہیں تم کو۔"

"نسیم سحری! اوہ۔" جلے بھنے لہجے میں بڑبڑایا۔ "ایسے حالات سے شاعروں کا واسطہ پڑ جاتا تو شاعری میں دور دور تک نسیم سحری کا ذکر نہ ملتا۔ اور تمہیں شاعری سوجھ رہی ہے۔۔۔ کیا تم واقعی تکان محسوس نہیں کر رہے؟" اس کی پلکیں آنکھوں پر جھکی پڑ رہی تھیں۔

"میں بھی انسان ہی ہوں، لیکن ہم جہاں بھی ستانے کے لیے رکے رکے ہی رہ جائیں گے پھر سورج کی تیز کرنیں ہی ہمیں نیند سے بیدار کر سکیں گی۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔

"یہ میں بھی جانتا ہوں۔" وہ چڑ کر بولا۔ "لیکن دن اگر نکل بھی آیا تو کون سی قیامت آ جائے گی؟"

"شاید تم نے اپنی اور میری ہیئت کذائی پر غور نہیں کیا۔ ورنہ یہ سوال نہ کرتے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اُجالا پھیلنے سے پہلے گھر پہنچ جائیں۔ دن نکل آیا تو لوگ ہمیں مریخ سے آتے ہوئے صحرا نورد سمجھ کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھیں گے۔"

"یہ سب بے سود ہی نظر آرہا ہے۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ شوگر کوئین تم پر غالب آنے لگی ہے اگر اسی سے مل بیٹھنا ہے تو اتنا ہلکان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ دو چار دن اس کی مرضی کے مطابق وہیں پڑے رہتے اور وہ اپنا اطمینان کرنے کے بعد تمہیں دوبارہ کوئی اہم منصب سونپ دیتی۔"

"ہم انگریزی نہیں سمجھتے ورنہ البرٹ کے الفاظ تمہارے کان کھول دیتے۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "اسے ٹونی کی حماقتیں اپنی جگہ اٹل تھیں اور اسے شوگر کوئین نے ٹھکانے لگا دیا لیکن وہ میری بھی ہمدرد نہیں ہے۔ وہ مجھے گھیر رہی ہے اور میں اسے جھکمہ دے رہا ہوں۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ لوگ ہر قیمت پر غزالہ پر ہاتھ ڈالنے کے لیے بے چین ہیں۔ شاید وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ میں جانتا ہوں، وہ غزالہ کے بھی علم میں ہے۔ مجھے ڈھیل دے کر وہ چارہ بنانا چاہ رہے ہیں ورنہ شوگر کوئین مجھے آج رات ہی ٹھکانے لگا سکتی تھی۔"

سڑک تک پہنچنے تک میں اسے ان واقعات سے آگاہ کرتا رہا جو اس کے علم میں نہیں تھے اور وہ غنودہ ذہن کے ساتھ ہوں ہاں کرتے ہوئے نیند بھگانے کی کوشش کرتا رہا۔

ان لوگوں کے لیے ٹونی کی موت کی خبر ناقابل یقین خوشخبری ثابت ہوئی۔ کرنل اس خیال سے بغلیں بجانے لگا کہ ٹونی ہمارے حملے میں مارا گیا ہو گا لیکن جب میں نے اس کی تصحیح کی تو سب تحیر زدہ رہ گئے۔ ٹونی ان کی نگاہوں میں تنظیم کا مقتدر اعلیٰ تھا، اور اس کی موت کا مطلب تنظیم کی بربادی ہو سکتا تھا۔ شوگر کوئین کے کردار کی تفصیل سامنے آتے ہی بے شمار سوالات اٹھ کھڑے ہوئے لیکن میں نے اس معاملے کو طول دیے بغیر وہیں ختم کر دیا۔

اس میٹنگ میں جہانگیر کی بیوی سلمیٰ کے علاوہ سب ہی لوگ موجود تھے۔ سلمیٰ کو غزالہ نے رات گئے دودھ میں خواب آور دوا ملا کر دے دی تھی اس لیے وہ بے خبر سوئی ہوئی تھی ورنہ جہانگیر کو زخمی دیکھ کر ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتی۔ جہانگیر کی پنڈلی پر گولی کا زخم آیا تھا پھر قدرے بلندی سے گرنے کے نتیجے میں بدن پر بھی خراشیں آئی تھیں اس کے علاوہ ہر ایک محفوظ تھا۔

میں نے شوگر کوئین پر بحث کو آگے نہیں بڑھایا تھا، لیکن ہر چہرے پر چھائی ہوئی فکر انگیز سنجیدگی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سب اسی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ ابھی تک اسے ٹونی کی ذات ہماری مہم کا مرکز لگ رہی تھی لیکن کامیابی کا مرحلہ قریب آیا تو وہ ایک بے وقعت مہرے کی طرح پیٹ دیا گیا اور اب سارے معاملات پر شوگر کوئین حاوی نظر آرہی تھی۔

"آج رات وہاں بڑے پیمانے پر خونریزی ہوتی ہے۔۔۔!" جہانگیر نے گمبھیر لہجے میں کہا اور میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ظاہر ہے کہ ہم وہاں مٹھائی بانٹنے کی نیت سے تو نہیں گئے تھے۔"

"پوری بات سنے بغیر نہ بولا کرو۔" اس نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "میرا مطلب تھا کہ وہ لوگ اس سنگین واقعے کو سرسری طور پر نظرانداز نہ کر سکیں گے، وہاں سب ہی لوگ موجود تھے۔ میری عدم موجودگی سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا جائے گا کہ میں بھی دوسرے کیمپ سے جا ملا ہوں۔ ایسی صورت میں میری پوزیشن کیا ہو گی؟"

"تم بے خوف ہو کر اپنی جگہ سنبھال سکتے ہو۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "شوگر کوئین درمیانی اقدامات کے بجائے آخری نتائج پر نگاہ رکھتی ہے۔ اسے تمہارے اور رخشی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ تصادم کی خبر عام ہوتے ہی شاید رخشی بھی تم سے رابطہ قائم کرے گی۔"

اُسے بھی بتا دینا کہ پرانی بازی الٹ چکی ہے، نئے کھیل میں وہ کھیر ابھی بکھرے سکتی ہے۔"

"لیکن ہمیں ہدایات کس سے ملیں گی؟"

"انتظار کرنا ہو گا کسی نہ کسی کو تو مرنے والے کی جگہ لینے کے لیے بھیجا ہی جائے گا۔"

"یعنی یہ چیپٹر ختم ہوتے ہوتے پھر چل پڑے گا؟" کرنل نے پوچھا۔

"ختم کہاں یہ تو چل ہی رہا ہے۔ مجھے پہلے سے اس کے آثار نظر آ رہے تھے۔"

"ملک میں ہیروئن کا کاروبار ہو رہا ہے... یہ ایک کھلی حقیقت ہے۔" کرنل بولا۔ "ہمارے انسدادی قوانین خاصے ناقص ہیں۔ پکڑ دھکڑ کیلئے بڑے بڑے خونریزی میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"یہ اجارہ داری کا جھگڑا معلوم ہوتا ہے۔" جہانگیر بول پڑا۔

"وہ جانتے ہیں کہ ہیروئن ذرا کمزوری دکھائی تو منڈی میں حشرات الارض کی طرح سینکڑوں حریف پیدا ہو جائیں گے۔"

"ابھی کچھ دنوں تک ہمیں ہیروئن کے معاملے سے الگ تھلگ بنا ہو گا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "اس کاروبار میں کہیں کوئی رخنہ اندازی نہیں کی جائے گی تاکہ میں معاملات کی تہہ تک پہنچ سکوں۔"

"یعنی یہ لوگ ہیروئن کے علاوہ کسی اور دھندے میں بھی ملوث ہیں؟" کرنل نے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ میرا اندازہ غلط ہو۔" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔ "لیکن فی الحال شبہات موجود ہیں۔"

جہانگیر کے زخم کی ڈریسنگ ہو چکی تھی لہٰذا وہ کمرے میں چلا گیا۔ سلطان شاہ نے آتے ہی بستر کی راہ لی تھی۔ جب ہم تینوں بیٹھے رہ گئے تو کرنل بے آرام سا نظر آنے لگا۔ شاید وہ خود کو کباب میں ہڈی محسوس کر رہا تھا لیکن آدمی وضعدار تھا کسی معقول عذر کے بغیر مجھے اور غزالہ کو تنہا چھوڑنا کسرِ شان سمجھ رہا تھا۔

ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے اچانک ہی کہا تھا۔ "یہ آواز کیسی تھی؟"

"آواز؟" کرنل کے کان کھڑے ہو گئے۔ "میں نے تو نہیں سنی۔" غزالہ بمشکل اپنی مسکراہٹ کو لبوں پر پھیلنے سے روک سکی تھی۔

"کوئی مبہم سی نسوانی آواز تھی۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"اوہ! شمع سوتے میں بڑبڑانے لگتی ہے۔" کرنل گہرا سانس لے کر بولا۔ "میں اسے دیکھتا ہوں اب صبح ہی ملاقات ہو گی۔"

"کیا واقعی کوئی آواز آئی تھی؟" کرنل کے جاتے ہی غزالہ نے اپنی بڑی بڑی شوخ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

"کان بج رہے تھے لیکن تمہاری ڈیڈی نے جواز بھی فراہم کر دیا۔" "میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ آپ ان سب کی موجودگی میں کھل کر بات نہیں کر رہے تھے۔ شاید آج حالات نے کوئی غیر متوقع کروٹ لی ہے جس کا اندازہ دوسرے نہیں لگا سکے۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"کیا تم یقین کرو گی کہ اب کوئی تیسرا شوگر کوئین بھی تم سے ملنے کے لیے مضطرب ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور وہ میری زبان سے یہ انکشاف سن کر حیران رہ گئی۔

"آخر کیوں؟ یہ لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟" اس نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"اس سوال کی کلید تمہارے پاس ہے۔ جہاں تک عام باتوں کا تعلق ہے تم سے زیادہ میں جانتا ہوں اور اگر وہ میرے ساتھیوں کو چن چن کر مارنے کی فکر میں ہوتے تو ان کی فہرست میں سلطان شاہ کا نام تم سے پہلے آنا چاہیے تھا۔ وہ عرصے سے اُن کی نگاہوں میں ہے۔ کافی سوچ بچار کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ایشین مینوفیکچرز لمیٹڈ میں انٹرویو کے دوران کوئی ایسی بات تمہارے سامنے آ گئی ہے جسے وہ ہر قیمت پر پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ تم اس بات کو فراموش کر بیٹھی ہو۔"

"وہاں جو کچھ ہوا، وہ میں من و عن دہرا چکی ہوں۔" اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "معمولی انٹرویو سے ہٹ کر کوئی ایسی بات یا چیز نہیں تھی جس پر میری توجہ مبذول ہوتی۔ ہاں! آپ یہ بھی تو کہہ رہے تھے کہ یہ لوگ ہیروئن کے علاوہ کسی اور دھندے میں بھی ملوث ہیں اس کی کیا وجہ تھی؟"

"ان جیسے ذہین لوگ بہت کم دشواریاں مول لیے بغیر اپنا ہیروئن کا کام جاری رکھ سکتے ہیں لیکن ان کے گورکھ دھندے بہت پیچیدہ ہیں۔ بحری مواصلات اور جدید ترین لاسلکی رابطوں سے کوئی اور ہی کام لے رہے ہیں۔"

"یعنی ہیروئن کا بکھیڑا محض توجہ دوسری طرف مبذول کرائے رکھنے کے لیے ہے؟"

"یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے کہ منشیات کی عام تجارت کے ذریعے کسی اور مقصد کے لیے سرمایہ حاصل کیا جا رہا ہو۔ موجودہ دور میں یہ پیسہ کمانے کا سہل ترین ذریعہ ہے۔"

"اور اس کی پشت پر شوگر کوئین کا دماغ کام کر رہا ہے؟" اس نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"شوگر کوئین کی حیثیت میں دیبرا لائیڈ بہت اہم مقام رکھتی ہے لیکن میرے ذہن میں جمی لائیڈ کا نام کھٹک رہا ہے۔ اسے ویڈ نے میرے لیے شجرِ ممنوعہ قرار دیا ہے جب کہ وہ لائیڈز کا تنہا

تنظیم کا تعلق محدود پیمانے پر تسلیم کرتی ہے لیکن اس کا اصرار ہے کہ وہاں کوئی غیر قانونی کام نہیں ہوتا۔ مجھے تو یوں معلوم ہو رہا ہے کہ میرا ہاتھ آتے آتے ڈور پھر الجھ گئی ہے۔"

"لائیڈز کالج کے قریب دھواں میں آپ کے اور سلطان شاہ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ قانونی تو قرار نہیں دیا جا سکتا۔"

میں نے دانستہ یہ سوال نہیں چھیڑا کیونکہ اس سے الجھن نہیں چاہ رہا تھا۔ "بات پھر وہیں آ جاتی ہے کہ تم ان کے لیے کیوں اتنی اہمیت اختیار کر گئی ہو۔"

"شاید آنے والے حالات ہی اس پہلو پر کچھ روشنی ڈال سکیں گے۔" اس نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

میرا تکان سے جوڑ جوڑ ہل گیا تھا اور میں اب کچھ دیر آرام کر کے خود کو آئندہ پیش آنے والے واقعات کے لیے تیار کرنا چاہتا تھا۔

پچھلی رات کے واقعات پر شہر میں زبردست سنسنی پھیل گئی تھی۔

تصادم اتنی رات گئے ہوا تھا کہ صبح کے اخبارات میں اس کے بارے میں ایک سطر بھی شامل نہ ہو سکی تھی لیکن گیارہ بجے سے پہلے چنگھاڑتی ہوئی سرخیوں والے تین اخباری ضمیموں نے شہر میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوف و ہراس پھیلا دیا تھا۔ جیوا ہاؤز میں ہونے والی خوفناک آتش زدگی کے پس منظر میں کھنڈرات میں ہونے والا بدترین تصادم شاید شہر میں رونما ہونے والے جرائم میں ایک نیا موڑ ثابت ہوا تھا۔ پولیس نے جائے واردات سے سات لاشیں برآمد کی تھیں جن میں سے چھ اسٹین گنوں کے فائر سے چھلنی پائی گئی تھیں۔ ساتویں لاش کھنڈرات کے ایک اندرونی حصے سے ملی تھی۔ مرنے والا سیاہ نقاب پہنے ہوئے تھا اور اسے دل پر پستول سے گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔

پولیس کے محکمے نے اپنے اہلکاروں کی غفلت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی تھی لیکن اخباری نمائندوں نے کھوج نکال ہی لیا تھا کہ جیوا ہاؤز کے کھنڈرات پر مامور دونوں سپاہی تصادم سے پہلے ہی شراب کے نشے میں دھت ہو کر اپنی سدھ بدھ سے محروم ہو چکے تھے۔ تصادم کے بعد آنے والی پولیس پارٹی نے ان دونوں کو اسٹریچروں پر اسپتال منتقل کیا تھا۔

شہری حلقوں کے لیے حیرتناک بات یہ تھی کہ کھنڈرات میں کسی خوفناک جنگی محاذ کا سماں پیدا کرنے والے حریفوں نے فرار ہوتے ہوئے وہاں ایک بھی زخمی نہیں چھوڑا تھا جو اس وقوعے پر روشنی ڈال سکتا۔

اس بارے میں نہایت مضحکہ خیز حاشیہ آرائیاں بھی کی گئی تھیں۔ ایک منطق یہ ایجاد کی گئی کہ اگر وہ دو مخالف گروہوں کا تصادم ہوتا تو شہر کے کسی بھی علاقے میں رونما ہو سکتا تھا۔ جیوا ہاؤز کے کھنڈرات میں محاذ آرائی سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں کوئی خزانہ یا بہت ہی اہم چیز پوشیدہ تھی جسے دونوں حریف اپنے اپنے طور پر تلاش کر رہے تھے۔ اور وقوعے والی شب اتفاق سے دونوں ہی وہاں یکجا ہو گئے اور ٹکراؤ کی بھاری جانی قیمت ادا کر کے ناکام فرار ہو گئے۔

بظاہر اس دلیل میں خاصا وزن تھا اور پولیس کی ایک تفتیشی جماعت کے اراکین ان کھنڈرات کے چپے چپے پر بہت احتیاط سے کام کر رہے تھے۔ ایک لاش نے معاملے کو ڈرامائی رنگ دے دیا تھا۔ اور قیاس کیا جا رہا تھا کہ وہ ایک گروہ کا سرغنہ تھا اور کامیابی کے قریب تھا کہ اسے مار دیا گیا۔ اس اعتبار سے وہ سوختہ ہال اہمیت اختیار کر گیا تھا جہاں اس نقاب پوش کی لاش پائی گئی تھی۔ خیال کیا جا رہا تھا کہ کھنڈرات میں جو کچھ تھا، اسی ہال کے اندر تھا۔

مرنے والوں میں سے دو کی شناخت نہیں ہو سکی تھی۔ دو شہر کے بدنام غنڈے تھے جن کے بارے میں باور کیا جاتا تھا کہ وہ اجرتی قاتل ہیں اور معقول معاوضے پر انسانی لہو کی ہولی کھیلنے کے ماہر ہیں۔ وہ دونوں مجموعی طور پر قتل کے تیرہ مقدموں میں ماخوذ تھے جن میں سے گیارہ میں وہ عدم ثبوت کی بنا پر بری ہو چکے تھے۔ دونوں کے خلاف ایک ایک مقدمہ مقامی عدالتوں میں زیر سماعت تھا۔ اخباری تبصروں کے مطابق جو قاتل عمر بھر دنیاوی قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے، آخر کار مکافاتِ عمل سے نہ بچ سکے۔ بقیہ چار شہر کے معروف منشیات فروش تھے جن میں موتی دادا کا نام سرِ فہرست تھا۔ ان چاروں کے بارے میں ایک مشترک نکتہ یہ تھا کہ منشیات فروشی میں ملوث ہونے کے باوجود پولیس کے ریکارڈ پر ان میں سے کسی کا نام نہیں تھا۔ اسی بنا پر انھیں شاطر اور چالاک قرار دیا گیا تھا لیکن میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اپنے ناموں کو ریکارڈ سے دور رکھنے کے لیے وہ خطیر رقوم ادا کرتے تھے۔

میرا اندازہ تھا کہ اس اجتماع میں کم از کم پندرہ بیس افراد ضرور موجود رہے ہوں گے اس اعتبار سے سات کا مار لیا جانا بڑی کامیابی کے مترادف تھا۔ مجھے خوشی اس بات کی تھی کہ مرنے والوں میں موتی دادا کا نام بھی شامل تھا جس نے یونیورسٹی کے طالب علم حامد کو اپنے غیر مرئی شکنجے میں بری طرح جکڑا ہوا تھا اور وہ اپنی عارضی مالی ضروریات پوری کرنے کے بعد بھی ہیروئن فروشی جاری رکھنے پر مجبور تھا۔

حامد نے میرے لیے اس بار ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا تھا۔ اگر وہ مجھے جیوا ہاؤز کے کھنڈرات میں ہونے والے اجتماع کی اطلاع

نہ فراہم کرتا تو میرے لیے پچھلی رات اہم ترین کارروائی کرنا ناممکن ہوتی۔ شوگر کوئین اس اجتماع میں اسے ٹوکو ٹھکانے لگا کر اپنی مرضی کے کسی آدمی کو سربراہ مقرر کرتی اور میرے فرشتوں کو بھی تنظیم میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا علم نہ ہو پاتا۔ اجتماع کے بعد شاید اسے ٹوکی لاش ٹھکانے لگا دی جاتی۔ اور میں اسے ٹوکی تلاش میں سرگرداں کسی بھی مرحلے پر نئے سربراہ کے حواریوں کے چنگل میں آجاتا۔

درحقیقت اس رات ہونے والی بڑی کارروائی کا پس پردہ ہیرو حامد ہی تھا اور وہ اس انعام کا مستحق تھا کہ اسے ہیروئن بیچنے کے ناپسندیدہ کام سے چھٹکارا دلایا جائے۔ رہے اس کے مستقل گاہک تو وہ اپنے ساتھیوں کو اخباری اطلاعات کی روشنی میں اپنی مجبوری سمجھا سکتا تھا۔ مجھے موتی دادا کا نام مقتولین کی فہرست میں دیکھ کر شاید پہلی بار کسی کے مرنے پر خوشی ہوئی تھی۔

اور وہ عبرتناک موت ایک منشیات فروش کی موت تھی۔

"ایک پیالی چائے پر ہم ضرورت سے زیادہ وقت گزار چکے ہیں۔" سلطان شاہ کی سرگوشیانہ آواز نے مجھے چونکا دیا۔

میں نے ہاتھ میں تھاما ہوا اخبار ایک طرف ڈال دیا، اور اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "یہ فائیو نہ سہی تو کم از کم فور اسٹار ہوٹل ضرور ہے اور یہاں ایک پیالی چائے کے کم از کم اتنے پیسے وصول کر لیے جاتے ہیں کہ ہم سارا دن بھی بیٹھ سکتے ہیں پھر چائے پر ایکسائز ڈیوٹی بھی ادا کرنا پڑتی ہے۔ غنیمت ہے کہ وقت گزاری پر کوئی محصول عائد نہیں ہے۔"

سلطان شاہ کی اکتاہٹ کسی حد تک بجا تھی کیونکہ چند گھنٹوں کی نیند کے بعد میں بیدار ہوا تو پہلی خوشخبری یہ سننے میں آئی کہ شہر میں پارک کی ہوئی کرنل کی کار کا پولیس نے "سراغ" لگا لیا تھا اور پانچ سو روپے پر سودا ہونے کے بعد تھانے ہی سے کار فی الفور کرنل کے حوالے کر دی گئی تھی اور وہ رشوت دے کر طویل عدالتی بکھیڑوں سے بچ جانے پر بے حد مسرور تھا۔

وہ خوشخبری سننے کے بعد میرے پاس مصروف رہنے کے لیے کچھ بھی نہ رہا تھا۔ گھر پھونک دیا گیا تھا۔ فیکٹری جلا دی گئی تھی۔ اسے لوٹ چکا تھا۔ ڈیرالائیڈ لاپتا تھی۔ جہانگیر، سلمیٰ سمیت اپنے گھر لوٹ چکا تھا اور کرنل کی کار مل جانے کے بعد تھانے والوں کے ساتھ کسی قسم کی مشق سخن جاری رکھنے کا امکان نہیں رہا تھا لہٰذا کافی غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ڈیرالائیڈ غیر معینہ مدت تک شہر میں مقیم نہ رہ سکے گی اور وہ چاہے گی کہ شہر چھوڑنے سے پہلے میرے مسئلے کا بھی کوئی حل نکال لے۔ اس نے مجھے البرٹ کی قیام گاہ پر قید کرنا چاہا لیکن میں وہاں سے نکل بھاگا تھا۔ اسے کچھ علم نہیں تھا کہ میں شہر میں کہاں مقیم تھا۔ لہٰذا قوی امکان اس بات کا تھا کہ اس کے آدمی شہر میں میری تلاش میں بھٹک رہے ہوں۔

اس سے دو سرا راؤنڈ کرنے کے لیے بہترین صورت یہی تھی کہ میں اپنا وقت گھر پر محدود رہنے کے بجائے شہر کے بارونق مقامات پر گزارتا اور ڈیرا کے آدمیوں سے ٹکراؤ کے لیے تیار رہتا۔ اسی حکمت عملی کے تحت دوپہر کے کھانے کے بعد میں سلطان شاہ کو ساتھ لے کر گھر سے نکل پڑا تھا اور آوارہ گردی کے تیسرے وقفے میں تیسری بار اس تیسرے ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا۔

میرے پروگرام سے واقف ہوتے ہی سلطان شاہ نے ڈیرالائیڈ تک رسائی کا ایک سہل ذریعہ تجویز کیا تھا۔ اس کی رائے تھی کہ مجھے اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے براہ راست البرٹ کی قیام گاہ پر دستک دینا چاہیے۔ وہ بڑی خوشی کے ساتھ مجھے پکڑوا کر شوگر کوئین کے حضور پیش کر دے گا لیکن میرے لیے وہ طریقۂ کار اپنے ہاتھ پیر کٹوا لینے کے مترادف ہوتا۔ البرٹ یا اس کے کسی آدمی سے سامنا ہونے کے بعد میرے لیے کچھ کرنا ناممکن ہو جاتا جب کہ باہر ڈیرا کے کسی آدمی سے سامنا ہونے کے بعد میں اندازے قائم کر کے کوئی محفوظ حکمت عملی مرتب کر سکتا تھا اور اس نکتہ نظر سے سلطان شاہ نے بھی اتفاق کر لیا تھا۔

"آج کل اخباروں میں اس ایکسائز ڈیوٹی کا بڑا چرچا ہے۔" سلطان شاہ کہہ رہا تھا۔ "ہوٹلوں کے مالک بلاوجہ شور مچاتے رہتے ہیں۔ اس درجے کے ہوٹلوں میں آنے والوں کو تو احساس بھی نہ ہوتا ہوگا کہ وہ کس مد میں کتنا ادا کر رہے ہیں۔"

"شاید شور مچانے والے سفید پوش ہوٹل ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جن کا کوئی اسٹار نہیں لیکن ڈیوٹی نافذ ہے..... ایک ہوٹل پر جب بھی ایکسائز انسپکٹر جاتا ہے سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہونے کے باوجود آٹھ دس بلیر مسلم پارسل کرا کے جاتا ہے....."

"کراچی آنے سے پہلے میں نے بھی بڑی کوشش کی تھی کہ آبکاری میں سپاہی ہی بھرتی ہو جاؤں۔ رشوت کے بنا رہے ہو جاتے لیکن سفارش تلاش نہ کر سکا۔ جو ہمارے سفارش کرنے والے ہیں آجکل وہ خود عتاب میں ہیں۔" اس نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"آبکاری صوبائی محکمہ ہے برخوردار!" میں نے اس کی تصحیح کی۔ "ہوٹل والوں پر سنٹرل ایکسائز کے شاہوں کی مار پڑ رہی ہے۔ جو پیشہ ورانہ طور پر ہر ایک کو چور گردانتے ہیں، بجز یہ کہ وہ اس کے برعکس ثابت کر دے۔"

"اس حمام میں تو سبھی ننگے ہیں۔" وہ بیزاری کے عالم میں بولا۔ "سب کو دفع کرو اور یہ بتاؤ کہ وہ غنی رام کا معما حل ہوا یا نہیں؟"

"مجھے تو یہ ہی نہ پڑھ سکا۔ اخبار میں جو خبر شائع ہوئی تھی"

"زیادہ پڑھے لکھے ہو نا! اس لیے اخبار پڑھتے ہو، سرخیاں سونگھ لیتے ہو۔ شاید کم پڑھتے ہو پورا اخبار چاٹتے ہو۔ ساتویں صفحے پر ایک چھوٹی سی خبر تھی کل حیدرآباد ریلوے اسٹیشن پر میل ٹرین کی ایک بوگی سے ایک ایسا بے نام و نشان صندوق آتا رہا ہے جس کا کوئی دعویدار نہ مل سکا۔ صندوق ریلوے مجسٹریٹ کی موجودگی میں سر بمہر کر کے پولیس کے حوالے کر دیا گیا ہے۔"

"یقیناً یہی وہ خبر ہے۔" میں منتظرانہ لہجے میں بولا۔ "اب سمجھ میں آیا کہ غنی زادے کیا کرتے ہیں۔"

"حرج نہ ہو تو میری معلومات میں بھی اضافہ کرتے چلو۔"

"اس صندوق میں ہیروئن کی بڑی کھیپ آتی ہے۔ ایک بار میرا بھی اس سے واسطہ پڑا تھا۔ خطرناک بات یہ ہے کہ رازداری کی وجہ سے ان لوگوں کی فہرست بھی مال کے ساتھ ہی مہیا کی جاتی ہے جنھیں وہ دیے جانا ہوتا ہے۔ ان ہی کاغذات میں منزلِ مقصود کی نشاندہی اور ڈیوری کو ڈھونڈنی ہوتی ہے۔"

"یہ تو بہت ہی غیر محفوظ اور احمقانہ طریقہ کار ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"پہلے مال مقامی طور پر فراہم کیا جاتا تھا لیکن شکایات میں ملاوٹ ہوتی ہے اب خریدار تھیلیوں پر بسا اوقات کی ..... رکھ کر مال لیتے ہیں۔ پر خاصا پریمیم ملتا ہے یہ مال براہِ راست آتا ہے۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "دوسری معلومات ایک طے شدہ انداز میں اس قدر بے ربط اور مہمل ہوتی ہیں کہ ایک اجنبی لاکھ سر کھپاتا رہے لیکن کچھ نہ سمجھ سکے گا۔"

"پھر تو اس قدر خوف و ہراس مضحکہ خیز نظر آتا ہے۔"

"یہ لوگ ہر مرحلے پر پیسہ پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ اس کے باوجود کبھی کبھار مال پکڑا جائے تو پہلا شبہ یہی ہوتا ہے کہ کسی نے مخبری نہ کی ہو اور جو مخبری کر سکتا ہے وہ طریقہ کار بھی سمجھا سکتا ہے۔"

"تو یہ دھندا بھی مقامی سربراہ ہی چلاتا ہے۔"

"مقامی سربراہ صرف مال وصول کر کے متعلقہ آدمی تک پہنچاتا ہے۔ میری آخری اطلاع کے مطابق یہ شعبہ قاسم کے ذمے تھا۔ میں نے تو بس ایک بار حامد کے چند دوستوں کو کیریئر بنایا تھا جن میں سے دو کا حشر تمہارے سامنے آ چکا ہے۔ یہ لوگ نجانے کن کن راستوں اور طریقوں سے اس دھندے کو بڑھاتے ہیں۔"

چند منٹ بعد ہم دونوں بل ادا کر کے وہاں سے اُٹھ گئے۔

"کراچی انسانوں کا ایک سمندر ہے۔" باہر آ کر سلطان شاہ نے کہا۔ "یہاں کسی کو نام و نشان کے بغیر بازاروں میں ڈھونڈ نکالنا ناممکنات میں سے ہے، ہو سکتا ہے کہ تمہارا مفروضہ برے سے غلط ہو اور ہم بلاوجہ اپنا وقت اور پیسا برباد کرتے پھر رہے ہوں۔"

اس کی زبان سے پیسے کا ذکر سن کر میرے دل میں ایک ڈنک سا اتر گیا۔ "پیسے کا خیال کیوں آ گیا تمھیں؟"

"اوہو... بس ایسے ہی۔" اس نے بے ڈھنگے پن سے ہنستے ہوئے بات ٹالنا چاہی۔

"جواب دو ورنہ ہمارے راستے جدا ہو سکتے ہیں سلطان شاہ۔" میں ایک دم جذباتی ہو گیا۔

اس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے حیرت سے میری آنکھوں میں دیکھا پھر ندامت آمیز لہجے میں کہنے لگا۔ "مجھے نہیں تو پھر کسے خیال آئے گا ان باتوں کا۔ یہ ساری جنگ تم اپنے وسائل سے لڑ رہے ہو۔ گھر جل گیا۔ فیکٹری بھی تباہ ہو گئی۔ آمدنی کے بغیر اگر یہ تمام اخراجات ہوتے رہیں تو ایک دن قارون کا خزانہ بھی خالی ہو جائے گا۔"

اس کے جواب نے میرے دل پر سے ایک بوجھ ہٹا دیا۔ میرے اور میرے وسائل کے بارے میں اس کی سوچ ہمدردانہ تھی جس میں طنز یا تضحیک کا شائبہ تک نہ تھا۔

"ابھی اتنی مفلسی نہیں آئی۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بہت کچھ جل گیا لیکن پھر بھی میرا بینک بیلنس ہے۔ مکان کے انشورنس کے پیسے ملنے والے ہیں پھر میرے پاس تھا ہی کیا؟ میں نے سب کچھ اسی کھیل میں کمایا اور بنایا ہے۔ اگر اس لڑائی میں میرا سب کچھ بھی خرچ ہو جائے تو ذرا بھی قلق نہ ہو گا۔"

وہ کچھ نہ بولا البتہ اپنا سر جھکائے وہ نادم سا نظر آ رہا تھا۔

ابھی ہم پارکنگ لاٹ میں اپنی کار سے ذرا دور ہی تھے کہ اچانک پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر میں چونک پڑا۔ سر گھما کر دیکھا تو ہوٹل کا ایک باوردی سروس بوائے ہماری طرف لپکا چلا آ رہا تھا۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور میں وہیں تھم گیا۔

"یہ لفافہ!" قریب آ کر اس نے ہانپتے ہوئے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا ایک سفید لفافہ میری طرف بڑھا دیا۔ "آپ کے لیے ہے۔"

"کس نے دیا ہے؟" میں نے لفافہ لیتے ہوئے اسے گھور کر پوچھا۔

"وہ!" اس نے پلٹ کر کسی کی نشاندہی کرنا چاہی پھر میدان صاف پا کر بوکھلا گیا۔ "بادامی رنگ کی داڑھی والے ایک صاحب نے برآمدے کے کونے پر مجھے دیا تھا۔" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اور آپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ لفافہ آپ کو دے دوں۔"

"اب اگر اس میں سے کوئی خطرناک چیز برآمد ہوئی تو؟" میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا اور وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں

بولا۔ "یہ مجھے واپس کر دیں۔ میں اسے تلف کر دوں گا۔ دس روپے کی ٹپ نے مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ دیا۔ کچھ ہو گیا تو مجھ غریب کی نوکری جاتی رہے گی۔"

"بھاگ جاؤ۔" میں نے لفافہ جھپٹتے ہوئے غرا کر کہا اور کار کی طرف بڑھ گیا۔

"لفافہ بھیجنے والا کون ہو سکتا ہے؟" سلطان شاہ تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑایا۔

"شاید ہماری بھاگ دوڑ رائیگاں نہیں گئی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یقیناً ان ہی میں سے کوئی رہا ہوگا۔ تم نے دیکھ لیا کہ یہ بکھری ہوئی اور پُرہجوم نظر آنے والی زندگی کتنی محدود ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہماری نگرانی ہوتی رہی ہے اور ہمیں شبہ تک نہ ہو سکا۔" اس کے لہجے میں تشویش کے سائے گہرے ہو گئے۔

میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر لفافہ پھاڑ دیا۔ باہر پیغام نہ پڑھنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اگر لفافہ بھیجنے والا کہیں آڑ میں چھپ کر جائزہ لے رہا ہو تو یہی سمجھے کہ میں نے اس حرکت کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

ہوٹل ہی کے پیڈ پر لکھا ہوا ایک مختصر سا پیغام لفافے سے برآمد ہوا تھا۔

"تمھاری نگرانی ہو رہی ہے۔ مجھ سے دس منٹ کے اندر اندر فون نمبر ۲۱۰۳۴۳ پر رابطہ قائم کرو۔
ڈی ایل کمرہ نمبر ۱۲۲"

میں نے ایک گہرا سانس لے کر وہ رقعہ سلطان شاہ کی طرف بڑھا دیا۔ جو قلم سے عجلت میں انگریزی میں لکھا گیا تھا۔ شاید بادامی داڑھی والے نے ہمیں دیکھتے ہی ڈیرا لائیڈ کو مطلع کیا تھا اور پھر اسی کی ہدایت کے مطابق وہ پیغام مجھ تک پہنچوا دیا تھا۔

"کیا لکھا ہے؟" سلطان شاہ کے سوال نے مجھے یاد دلایا کہ وہ انگریزی سے تقریباً نابلد ہی ہے۔

"دس منٹ میں ڈیرا کو فون کرنا ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ اس وقت شاید کسی ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے۔"

"تو چلو۔ یہیں سے کیے لیتے ہیں۔"

"میں داڑھی والے کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اندر لوٹے تو اسے چھپنے کا موقع مل جائے گا۔ اس وقت بھی وہ قریب ہی کہیں منڈلا رہا ہوگا۔" میں نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا اور کار پارکنگ لاٹ سے باہر نکال لی۔

"تمہارے علاقے کا کیوں نہ ایکسچینج سے پتا معلوم کر کے ڈیرا کے کمرے پر دھاوا ہی بول دیں؟" اس نے تجویز پیش کی۔

"اس پر ہاتھ ڈالنا اس قدر آسان ہوتا تو وہ یوں اعتماد کے ساتھ اپنا فون نمبر نہ دیتی۔ اس کے گرد خاصا مضبوط حفاظتی حصار ہوگا۔ اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ مجھ سے بات ہوتے ہی وہ اپنا ٹھکانا تبدیل کر لے گی۔"

سڑک پر نکلتے ہی مجھے عقب نما آئینے میں فٹ پاتھ کے کنارے کھڑی ہوئی گاڑیوں کی اوٹ سے ایک موٹر سائیکل نکلتی ہوئی نظر آئی جس پر بادامی رنگ کی فرنچ کٹ داڑھی والا ایک تنومند شخص دھوپ کا چشمہ لگائے سوار تھا۔

"وہ سیاہ موٹر سائیکل پر پیچھے آ رہا ہے۔" میں نے گردن ایک جھٹکے سے... لیتے پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں کوشش کروں گا کہ کسی سگنل پر سُرخ بتی کا سامنا ہو جائے۔ تمھیں پھرتی سے اتر کر نہایت بے رحمی کے ساتھ اس کی ٹھکائی کرنا ہے لیکن بھیڑ لگنے سے پہلے ہی وہاں سے کھسک لینا۔ سگنل سبز ہو بھی گیا تو میں چوراہا عبور کر کے تمھارا انتظار کروں گا۔"

سلطان شاہ کا چہرہ کھِل اٹھا جیسے اُسے کسی من پسند کھیل کی اجازت مل گئی ہو۔

پہلا سگنل سبز ملا۔ دُوسرا بھی دُور ہی سے سبز نظر آ رہا تھا۔ میں نے کار قدرے بائیں طرف لے کر رفتار سُست کر دی تاکہ پچھلی گاڑیاں آگے نکل سکیں اور جب میں دُوسرے سگنل کے قریب پہنچا تو سبز بتی بجھ چکی تھی۔ عقب نما آئینے میں داڑھی والا تین گاڑیوں کے بعد نظر آ رہا تھا۔

سُلطان شاہ کسی چیتے کی سی پھرتی کے ساتھ نیچے اُتر گیا۔ درمیان میں کئی گاڑیاں حائل ہونے کی وجہ سے تعاقب کرنے والے کو اس خطرناک کارروائی کا احساس تک نہ ہو سکا۔

میں دل چسپی کے ساتھ عقب نما آئینے میں دیکھتا رہا۔ سلطان شاہ اچانک ہی آئینے پر نمودار ہوا پھر اس کا بھرپور گھونسا داڑھی والے کے جبڑے پر پڑا تھا اور وہ اچھل کر موٹر سائیکل سے گرتا نظر آیا۔ اس کے بعد میرا محبوب منظر آئینے سے غائب ہو گیا لیکن سلطان شاہ کے پہلے گھونسے میں پنہاں وحشیانہ قوت کے اثرات دیکھ کر مجھے پورا یقین تھا کہ سلطان شاہ اپنے تنومند حریف کو حواس یک جا کرنے کا موقع دیے بغیر بہ آسانی اس کا چہرہ لہولہان کر دے گا۔

فٹ پاتھوں پر ہلچل سی پیدا ہو چکی تھی۔ چلنے والے رُک رُک کر اسی طرف دیکھ رہے تھے جدھر جھگڑا ہو رہا تھا۔ زیادہ متجسس طبیعت رکھنے والے اُدھر بھاگ رہے تھے۔ اسی اثنا میں سگنل سبز ہو گیا اور میں نے انتہائی بائیں طرف دباتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"شاباش!" میں نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے شگفتہ لہجے میں کہا۔ "تمھارا پہلا مُکا عقب نما آئینے میں نظر آیا تھا۔ اس پر تو چودہ طبق روشن ہو گئے ہوں گے۔"

"شاید جبڑے کی ہڈی نے بھی جگہ چھوڑ دی ہو کی حرمزادے کی۔"

وہ جوشیلے لہجے میں بولا۔ "برابر والی کار میں سوار لڑکیوں کو دیکھ کر جیسے مُنہ میں سیٹی بجا رہا تھا کہ میں اُس پر ٹوٹ پڑا۔ وہ تو بس مدہوش ہی کر تا رہ گیا اور اب وہاں خون میں نہایا ہوا شاید بے ہوش پڑا ہو گا۔ اس کی حماقت پہ ایک ضرب کنپٹی پر بھی پڑ گئی تھی۔"

"یہ اور بھی اچھا ہُوا۔ اب ویرا سے بات کرنے میں مزہ آئے گا۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔ "اسے اندازہ ہونا چاہیے کہ میں بھی بالکل بودا نہیں ہُوں کسی حد تک دھمکیوں کا جواب بھی دے سکتا ہُوں۔"

سلطان شاہ اپنے ہاتھ صاف کرنے میں مصروف تھا کہ میں نے کار کانٹی نینٹل کے احاطے میں جا روکی۔

"کیا وہ یہاں ٹھہری ہوئی ہے؟" سلطان شاہ نے چونک کر سوال کیا۔

"یہاں سے ذرا آزادانہ طور پر ویرا سے گفتگو ہو سکے گی دوسری جگہ لوگ متوجہ ہو سکتے ہیں۔۔۔ تم یہیں ٹھہرو۔" میں کال کر کے واپس آتا ہُوں۔" میں چابی اگنیشن میں لگی چھوڑ کر اُتر گیا۔

نمبر ملتے ہی ریسیور پر ویرا کی آواز سُن کر میں حیران رہ گیا۔

"تم کس ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہو جہاں ہر کمرے میں براہِ راست فون کی سہولت موجود ہے؟"

"میں ہوٹل میں نہیں ہُوں۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز اُبھری۔

"پھر وہ کمرہ نمبر ۱۲۲ کیا تھا؟"

"بس ذہنی اُپیج کہہ لو میری۔ یہ بھی تمھارا ایک امتحان تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید ہوٹل سمجھ کر فون کرنے کے بجائے خود ہی دوڑ لگا بیٹھو تو آسانی سے ہاتھ آ سکو گے۔ یہاں میں تمھاری منتظر تھی۔"

"آخر یہ امتحان کب تک ہوتے رہیں گے؟" میں نے احتجاج آمیز لہجے میں سوال کیا۔ "میں کسی رعایت کا طلبگار نہیں ہوں۔ اگر میں تم لوگوں کے لیے ناقابلِ قبول ہُوں تو مجھے دو ٹوک جواب دے دو۔"

"اسی لیے تمھاری تلاش جاری تھی۔ آج اس کا بھی فیصلہ ہو جائے گا۔ تم البرٹ کے پوئنٹ پر کس وقت پہنچ سکتے ہو؟"

"مذاکرات نہیں، میں اب فیصلہ سُننا چاہتا ہُوں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم دیکھ چکی ہو کہ میں نے پوئنٹ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ تم پُورے اعتماد کے ساتھ اسے استعمال کر سکتی ہو۔ غنی رام والا پیغام بھی میں نے ڈی کوڈ کرا لیا تھا لیکن کسی کام میں رخنہ اندازی نہیں کی۔ اب میں اپنا سر اتار کر تو وفاداری کا ثبوت دینے سے رہا۔"

"تم نے عقل مندی سے کام لیا کہ کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی ورنہ جس نے تمھیں پیغام پہنچایا ہے وہی ایک فائر بھی کر سکتا تھا۔" اس کا لہجہ یک بیک سخت ہو گیا۔

"آخر ایسی کیا مجبوری تھی کہ پھر بھی تم نے دوسرا راستہ اختیار نہ کیا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ کبھی میرے اور تمھارے درمیان بے تکلفی رہی ہو لیکن مجھ سے برابری کے انداز میں بات کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ نہ بھولو کہ میں تم سے جواب طلبی کا اختیار بھی رکھتی ہوں۔" اس کی غراہٹ اُبھری۔

شاید میرے لب و لہجے نے اُسے ضرورت سے زیادہ مشتعل کر دیا تھا جب کہ میں اس سے مصالحت کے تمام دروازے بند نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا نرمی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "میں تمھاری اتھارٹی کو چیلنج نہیں کر رہا لیکن اپنے موجُودہ حالات سے بیزار ہو گیا ہُوں شاید یہ سب اسی کا ردِعمل ہے۔"

"جن باتوں کو تم اپنی وفاداریوں کے لیے استعمال کر رہے ہو وہ سب تمھارے خلاف جاتی ہیں۔" اس کی آواز سرد اور سپاٹ تھی۔ "ضابطوں کے مطابق اپنے دائرہ کار سے تجاوز بغاوت کی تعریف میں آتا ہے اور تمھارے ہر عمل سے اس کی بُو آتی ہے۔ تم اپنی طاقت و صلاحیت کا اظہار کر کے خود کو منوانا چاہ رہے ہو جو صرف اور صرف بلیک میلنگ ہے۔۔۔ اتنے ہی باصلاحیت ہو تو اپنے طور پر زندہ رہنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟"

"کر ہی رہا تھا۔۔۔ تمھارے سامنے آنے سے حالات میں تبدیلی کا احساس ہوا تو مصالحت کی خواہش پیدا ہو گئی۔ جس لمحے مایوس ہوا دوبارہ اپنی راہ پر ہو لوں گا۔"

"میرے سوال کا جواب ابھی تک نہیں ملا؟"

"کون سا سوال؟" میرے ذہن پر رفتہ رفتہ جھلاہٹ طاری ہونے لگی تھی۔

"تم پوئنٹ پر کس وقت پہنچ سکتے ہو؟" ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا گیا۔

"تمھارے غیر یقینی رویے کو دیکھتے ہوئے میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"پھر سوچ لو۔ یہ خیال رہے کہ تم پوئنٹ سے فرار نہیں ہوئے تھے بلکہ فرار کرائے گئے تھے۔ اسی وقت سے ایک ایک لمحہ تمھاری نگرانی ہوتی رہی ہے۔" اس کی آواز میرے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اترتی چلی گئی۔

لفظوں سے کھیل کر وہ مجھے جو کچھ جتانا چاہ رہی تھی، وہ فوراً ہی میرے ذہن میں آ گیا تھا۔ اگر وہ سچ بول رہی تھی تو غزالہ کا گھر بھی اس کی نگاہ میں آ چکا تھا۔ میرے انکار کی صورت میں وہ براہِ راست غزالہ پر ہاتھ ڈال سکتی تھی۔

"شام سات بجے۔" میں اپنی آواز کی کمزوری خود محسوس کر رہا تھا۔

"گڈ۔۔۔ تم تنہا اور غیر مسلح آؤ گے۔ میرے آدمی سائے کی طرح تمھارا پیچھا کریں گے۔ تم نے کوئی بھی غلط قدم اٹھانے کی کوشش کی تو نتائج کی ساری ذمہ داری تم پر ہو گی۔"

"بادامی داڑھی والا ایک سایہ صدر کے علاقے میں زخمی حالت میں بے ہوش پڑا ہوا ہے۔" اس کی ہرزہ سرائی کے جواب میں میں نے پُرسکون لہجے میں کہہ ہی ڈالا۔

"کیا؟" اس کی آواز سے بے اعتباری اور اشتعال کی کیفیت ہویدا ہونے لگی۔ "تم نے ہاتھ اٹھایا میرے قاصد پر؟"

"تمہارا قاصد ہوٹل کا ایک باوردی سروس بوائے تھا۔ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی گئی۔"

"سروس بوائے کو استعمال کیا گیا ہوگا۔" ... اس کی آواز بدستور غصیلی تھی۔

"یہ مجھے معلوم نہیں۔ میں نے تو بس یہ دیکھا کہ وہ پیچھا کر رہا ہے اور اسے گھیر لیا۔ اگر وہ واقعی تمہارا آدمی ہے تو اس کی خبر لو۔ ایسا نہ ہو کہ پولیس کیس درج کرے۔"

"اور اب تم نے میرے کسی آدمی پر ہاتھ اٹھایا تو ... گی ... کروں گی۔"

"میں احتیاط کروں گا لیکن یہ بھی سن لو کہ اسے تعاقب کا ... بھی سلیقہ نہیں ہے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ چھپنے کے بجائے نگاہوں میں آ کر مجھے ہراساں کرنا چاہ رہا ہو۔ ایسی صورت میں میرے لیے اس کی ٹھکائی کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔"

"جو کچھ ہوا، میں اب بھی اسے بھلانے پر آمادہ ہوں۔" اس کی آواز نرم پڑ گئی۔ "آج سات بجے ہر بات کا فیصلہ ہو جائے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے میرا جواب سنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میرے وجود میں غبار سا ابھرنے لگا۔ سلسلہ منقطع کر کے غزالہ کا نمبر ملایا تو میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اور آنکھوں کے سامنے تاریک گنجان ... سے ناچ رہے تھے۔

ریسیور پر اس کی پُرسکون آواز سن کر میری جان میں جان آئی۔ اس سے عمومی انداز میں خیریت دریافت کر کے میں نے فون بند کر دیا اور تیزی سے باہر کی طرف چل دیا۔

سلطان شاہ نے پوری تفصیل بہت صبر اور سکون کے ساتھ سنی تھی اور میرے خاموش ہونے پر بولا۔ "وہ بہت مکار عورت معلوم ہوتی ہے۔ تمہیں دھمکا کر دوبارہ گھیرنے کے چکر میں ہے۔"

"یہ کس بنا پر کہہ رہے ہو؟"

"میں پوری طرح چوکنا تھا۔ البرٹ کی قیام گاہ سے ہمارا تعاقب نہیں کیا گیا جب ہم گزری روڈ پر سواری کے انتظار میں تھے تو آوارہ کتوں کے سوا دور تک کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا۔ نہ ٹیکسی کے پیچھے کوئی اور ٹیکسی یا رکشا موجود تھا۔ آخر اس ویران سڑک پر تعاقب کیسے جاری رکھا گیا ہو گا۔ اس نے سڑک پر دوڑ تو ہرگز نہ لگائی ہوگی۔ اگر اس کے پاس موٹر سائیکل بھی رہی ہو تو یہ ناممکن ہے کہ وہ ہمارے بھٹکنے کے بعد ڈیڑھ گھنٹے تک اسے ریت، ٹیلوں اور سمندری دلدل میں گھسیٹتا پھرا ہو۔ اور اس وقت بھی پیچھے کوئی ایسی گاڑی نہیں جس کا ... تعاقب کا شبہ ہو سکے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "تمہارے دلائل ... سے مجھے خاصا سہارا ملا ہے ورنہ مجھے تو غزالہ کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔"

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ تمہیں مارنے کے بجائے زندہ پکڑوانے کے چکر میں ہے۔" سلطان شاہ چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ اب اس کا اصل نشانہ تمہاری ذات ہو۔"

... نے کوئی تبصرہ کیے بغیر کار ویران راستوں کی طرف موڑ دی۔

کورنگی روڈ سے کیماڑی تک ... مطمئن ہو کر ڈرائیو نگ کر رہا لیکن ویرانے کے سائے کہیں نظر نہ آ سکے ... ان دشمن کا مدعا یہی رہا تھا کہ مجھے خوف زدہ کر کے البرٹ کے پوائنٹ پر پہنچنے پر مجبور کر دے جہاں میرے استقبال کے لیے پہلے سے جال تیار ہوتا۔ اور ایک بار مجھے بے دست و پا کر دینے کے بعد وہ اپنے اصل روپ میں سامنے آ جاتی۔

کار غزالہ کے گھر جانے والے راستے پر موڑتے ہوئے میں دل ہی دل میں تہیہ کر چکا تھا کہ اگر میں ویرا سے وہاں پہنچنے کا وعدہ کر ہی چکا تھا تو مجھے سات بجے لازماً وہاں پہنچنا چاہیے تھا کیونکہ وہ ایک مرد کا وعدہ تھا۔ پھر یہ میرے اختیار میں ہوتا کہ ویرا سے ملاقات کی اس شام کو بھی اس کے لیے یادگار بنا دوں۔ تنظیم سے ایک مرتبہ ترک جانے کے بعد اب دوبارہ ان کی صفوں میں گھسنے کی امید نہ رہی تھی تو کیوں نہ پرانی روش برقرار رکھتے ہوئے انھیں تباہی سے دوچار کیا جائے۔

"بہت خاموش ہو۔ کیا سوچ رہے ہو؟" سلطان شاہ نے مجھے ٹوکا۔

"ویرا خانم سے ملاقات کا پروگرام طے کر رہا ہوں۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تو کیا تم جاؤ گے وہاں؟" اس نے پہلو بدل کر مجھے گھورتے ہوئے تیز لہجے میں سوال کیا۔

میں نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "بس دیکھتے جاؤ کہ آج کیا ہوتا ہے۔ یہ دوسری رات بھی آسانی سے نہ بھلائی جا سکے گی۔"

"یہ ارادہ ہے تو پھر ٹھیک ہے۔" وہ مطمئن ہو کر بولا اور کار میں خاموشی چھا گئی۔

فضا میں بس انجن کا مسلسل اور یکساں شور باقی رہ گیا تھا اور گاڑی تیزی کے ساتھ غزالہ کے گھر سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔

ہرگز ادھر کا رُخ نہیں کریں گے۔" غزالہ
"آپ" سخت اور فیصلہ کن لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"میں اپنے معاملات سے تمہیں بالکل ہی لاتعلق تو نہیں رکھ سکتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس حد تک دخل انداز ہونے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے نرم، ناصحانہ لہجے میں کہا۔

"آپ اپنی مرضی سے وہاں نہیں جارہے۔" وہ براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے قدرے ملامت آمیز لہجے میں بولی۔ "شوگر کوئین یا ویرا لائیڈ نے آپ کو وہاں بلایا ہے، آپ جس انداز میں اسے زک دے کر وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے، اس کے بعد یہ توقع نہ رکھیں کہ وہ پھولوں کے ہار لے کر آپ کا استقبال کرے گی۔"

"سمجھدار ہو کر کیسی احمقانہ باتیں کر رہی ہو؟" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "میں خود بھی اپنے فیصلے کے مضرات سے اچھی طرح آگاہ ہوں لیکن یہ موقع گنوا دیا تو پھر شاید میں اسے ڈھونڈتا ہی رہ جاؤں گا۔ اس کھیل میں ہر موڑ پر نت نئے انکشافات ہو رہے ہیں۔ پہلے سکندر سب سے بڑا نظر آتا تھا۔ پھر اس کا منصب مجھے سونپا گیا تو اے لوڈ کسی مطلق العنان حاکم کی حیثیت سے سامنے آیا اور اب وہ بھی بے وقعت ہی نکلا۔ اسے کسی کتے کے پلے کی طرح بے پروائی سے مار ڈالا گیا، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ شوگر کوئین خود کیا بلا ہے اور اس کا اصل کھیل کیا ہے؟"

"اور آپ کا اکیلے جانے کا ارادہ ہے؟" اس نے قدرے کمزور لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارا مشورہ ہو تو ایک بینڈ پارٹی بھی ساتھ لے جا سکتا ہوں۔" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"پکڑے گئے۔" سلطان شاہ بے ساختہ دخل انداز ہو بیٹھا۔ وہ عموماً میری اور غزالہ کی گفتگو سے لاتعلق رہنے کی کوشش کرتا تھا لیکن اس وقت وہ جس اضطراری انداز میں بولا تھا، اس پر میں حیران رہ گیا تھا۔ اپنی اور غزالہ کی بحث بھول کر میں نے غصیلے انداز میں اسے گھورا لیکن وہ سرے سے میری طرف متوجہ ہی نہیں تھا۔ اس وقت اس کی ساری توجہ غزالہ پر مرکوز تھی جو اس کی آواز سنتے ہی یوں ہمہ تن گوش ہو گئی تھی جیسے وہ کوئی تحیر خیز انکشاف کرنے والا ہو۔

"آخر دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔" وہ اپنی دُھن میں غزالہ سے مخاطب ہو کر بکے جا رہا تھا۔ "بینڈ باجا لے کر یہاں آنے کے بجائے وہاں جاؤ گے، اس میں کون سے سُرخاب کے پَر لگے ہوئے ہیں؟ وہ تو غنڈی ہے غنڈی۔ آزاد علاقے میں ہوتی تو ہم لوگ اسے اتنی احتیاط سے مارتے کہ بدن پر کہیں زخم نہ آتا، پھر ممی بنا کر دوسروں کی عبرت کے لیے کہیں سجا دیتے۔"

"اپنے بچوں کی ممی کو یوں سرِعام سجاتے ہوئے شرم بھی نہ آتی تم کو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

میرے جوابی وار پر وہ بوکھلا گیا۔ سارا جوش پانی کے بلبلے کی طرح بیٹھ گیا۔ چہرے کے تاثرات سے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے گہری نیند میں اس پر ٹھنڈے پانی کی بھری ہوئی بالٹی انڈیل دی ہو۔

"وہ... وہ شاید کچھ گڑبڑ ہو گیا۔" وہ بے بسی کے ساتھ ہکلاتے ہوئے مدافعانہ لہجے میں بولا۔ "ممی نہیں... میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا، میرے گھر والے تو سفید نسل کی بہو کو دیکھتے ہی مجھے گولی مار دیں گے، میرا مطلب تو وہ تھا... وہی... یعنی وہ جو مُردوں کی بنائی جاتی ہے۔"

"قبر اور سمادھی کے علاوہ کوئی اور لفظ میرے علم میں نہیں ہے، تم نے ایجاد کر لیا ہو تو اور بات ہے۔" میں نے اسے چڑانے کے لیے مضحکانہ لہجے میں کہا۔

"صحیح تو کہہ رہا ہے۔" غزالہ زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "آپ بلاوجہ کیوں بوکھلا رہے ہیں اسے؟"

"تم کہو تو ابھی بینڈ باجا لے آؤں، سواری میں گدھے سے ہاتھی تک، جو جانور پسند ہو اسی پر سج کر آؤں گا۔" میں نے شوخ اور جارحانہ لہجے میں کہا اور وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ اس وقت میں خود بھی اس کی مداخلت سے جان چھڑانا چاہ رہا تھا کیونکہ اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔ وہ ہر قیمت پر مجھے شوگر کوئین کی طرف جانے سے روکنا چاہتی تھی جب کہ میں اس قتالۂ عالم سے مڈبھیڑ کا کوئی موقع ضائع کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ایک مرتبہ اس کا سراغ کھو کر دوبارہ اسے تلاش کرنے میں مجھے دانتوں پسینہ آسکتا تھا کیونکہ بھاری کشت و خون کے بعد تنظیم میں بڑے پیمانے پر تبدیلیوں کا امکان تھا۔ ایسی صورت میں لے دے کر بس ایک لائیڈز کا ٹج ہی کا نام رہ جاتا تھا۔ جدھر کا رخ کرنے کے بعد زندہ سلامت واپسی مقدر ہی کے طفیل ہو سکتی تھی بلکہ وہ لوگ اپنے رازوں کی حفاظت کے لیے کسی بھی مداخلت کار کو نہایت بے رحمی کے ساتھ ذبح کر دینے پر قادر تھے۔ پچھلے تجربات سے یہی ثابت ہوا تھا کہ ان معاملات میں لائیڈز کا ٹج کا محل وقوع بہت اہم تھا۔ عمارت سے تعلق نہ رکھنے والا شخص ایک بار تو بھولے بھٹکے ادھر سے گزر سکتا تھا لیکن اگر

رُخِ زیبا کو دوسری بار ان اطراف میں بھٹکتے دیکھ کر عمارت
کے بے رحم اور سفاک محافظ کسی نہ کسی طرح بازپرس کا آغاز
کر دیتے تھے جن کا معقول جواب نہ ملنے پر رُخِ زیبا کو پیوندِ خاک
کر ڈالنے کے جملہ امکانات موجود رہتے تھے۔

غزالہ کے چلے جانے کے بعد میں سگریٹ سلگا کر
اسی اُدھیڑ بن میں مبتلا تھا کہ سلمیٰ مجھے تلاش کرتی ہوئی وہاں
آ نکلی۔ شاید سلطان شاہ کو نگاہیں پہچاننے میں ملکہ حاصل ہو
چلا تھا کیونکہ سلمیٰ کی نگاہوں میں اپنائیت سے لبریز شکوہ رچا
ہوا تھا جسے محسوس کرتے ہی وہ کمرے سے اتنی پھرتی کے
ساتھ نکلا تھا کہ مجھے اس کو روکنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" سلمیٰ تخلیہ میسر آتے ہی...
سوال کرتے ہوئے میرے برابر والے صوفے پر آ بیٹھی۔ لہجہ
ایسا تھا جیسے مجھے اپنا محکوم یا فرمانبردار گردانتی ہو۔

"کیا ہو رہا ہے؟" میں نے فضا میں دھوئیں کے مرغولے
چھوڑتے ہوئے انجان بن کر جوابی سوال کر ڈالا۔

"جہانگیر بری طرح زخمی ہے... یہ بات تم سے پوشیدہ
تو نہ ہوگی؟" اس نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

"زخمی ضرور ہے لیکن بری طرح نہیں۔" میں نے اسی
شانِ بے نیازی کے ساتھ کہا۔ "جو کچھ ہو رہا ہے، تم اس
سے کسی حد تک باخبر ہو ہی چکی ہو، جو زخمی نقاب پوش رات کی
تاریکی میں اپنے زخموں کی ڈریسنگ کرانے تمہاری خوابگاہ میں
آیا تھا، اس کے آدمیوں نے اپنے سربراہ کا انتقام لے لیا ہے۔"

"گھر سے تو تم لوگ ایک ساتھ ہی نکلے تھے۔" اس
کا استفسار طلب لہجہ اشتباہ آمیز تھا۔

"شاید تم یہ پوچھنا چاہتی ہو کہ جب ہم ساتھ نکلے تھے
تو صرف وہی کیوں زخمی ہوا؟ میں کیسے صحیح سلامت لوٹ آیا؟"
میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چبھتے ہوئے لہجے
میں سوال کیا۔

میرے انداز پر وہ جھلا گئی۔ "صرف یہ جاننا چاہتی ہوں
کہ تم ساتھ تھے تو تمہیں بھی معلوم ہوگا کہ یہ حادثہ کیسے پیش آیا؟"

فوراً ہی میرے کان کھڑے ہو گئے۔ اپنے زخمی ہونے
کے بارے میں جہانگیر نے یقیناً کوئی نہ کوئی کہانی تراشی ہوگی
لیکن وہ سلمیٰ کو مطمئن نہ کر سکا۔ اسی وجہ سے وہ اب مجھ سے
اُلجھ رہی تھی تاکہ ہم دونوں کی کہانیوں میں تضاد تلاش کر کے
[illegible] کے سر پر سوار ہو سکے۔

"ہم یہاں سے ساتھ ضرور گئے تھے لیکن پھر ہمارے
راستے جدا ہو گئے تھے، اتنا معلوم ہے کہ وہ ان ہی لوگوں میں
گھر گیا تھا لیکن تفصیل ابھی تک معلوم نہیں ہو سکی۔"

"میں اب سنجیدگی کے ساتھ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی
ہوں۔" وہ چند ثانیوں تک مجھے غصیلی نظروں سے گھورتے
رہنے کے بعد تلخ لہجے میں بولی۔

"بلند آواز میں سوچو گی تو میں بھی کوئی مناسب مشورہ
دے سکوں گا۔" میں نے مضحکانہ لہجے میں کہا۔

"پہلے میں تم دونوں کو الگ سمجھتی رہی تھی لیکن اب ایسا
ہو رہا ہے کہ تم دونوں ایک ہی ہو۔" وہ پیر پٹخ کر کڑکتی ہوئی

"ایک ہو ہی نہیں سکتے، وہ تمہارا شوہر ہے اور میں
محض اس کا ایک دوست۔" یہ کہتے کہتے میں نے اچانک
رازدارانہ لہجہ اختیار کر لیا۔ "اس کے سامنے نہ کہہ بیٹھنا بُری
طرح بھڑک جائے گا۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میرے مصالحانہ رویے
کے باوجود وہ ہر بات مجھ سے کیوں چھپاتا ہے؟" وہ ایک
گہرا سانس لے کر دوبارہ صوفے پر گرتے ہوئے بولی۔

"یہ خوش فہمی ہے تمہاری، تمہارا رویہ مصالحانہ ہوتا تو
اس کی کہانی پر بلا کم و کاست یقین کر لیتیں، اس کے بیان کی
تصدیق کے لیے میرے پاس نہ دوڑی آتیں، دو چار بار اسے
ڈھیل دو گی تو خود ہی نادم ہو کر راہِ راست پر آ جائے گا۔"

"اس کی چمڑی بہت موٹی ہے، وہ اتنی آسانی سے
راہِ راست پر نہ آئے گا۔" وہ اکتائے ہوئے انداز میں بولی
جیسے اب جہانگیر کا ذکر ہی ختم کر دینا چاہتی ہو پھر قدرے
توقف کے بعد بولی۔ "ایک بات اور بھی ہے۔"

"وہ بھی کہہ ڈالو لیکن ذرا فاصلہ برقرار رکھو، غزالہ نے
دیکھ لیا تو مجھ سے بدظن ہو جائے گی۔"

اس نے خفت آمیز انداز میں ہنستے ہوئے میرے
ہاتھ پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ "کل رات میں سبتین کے ساتھ
تم لوگوں کی واپسی کی منتظر تھی لیکن دودھ پیتے ہی نجانے کیا
ہوا کہ بے اختیار نیند آنے لگی اور آخر کار میں گہری نیند
سو ہی گئی...."

وہ شاید کچھ اور بھی کہتی لیکن میں نے دیدہ دلیری
کے ساتھ اس کی بات کاٹ دی۔ "اب شاید تم یہ کہو گی کہ
تمہیں دودھ میں کوئی زہر ملا کر دیا گیا تھا لیکن تمہارے ستارے
اچھے تھے کہ تم زندہ بچ گئیں۔"

"یہ... یہ مطلب نہیں تھا میرا۔" میرے جارحانہ لہجے
پر وہ چوکڑی بھول گئی۔ "لل... لیکن کچھ گڑبڑ ضرور ہوئی ہے
میں صبح دیر تک مسلسل اور گہری نیند سوتی رہی ہوں۔ جب

میری نیند ہمیشہ کچی ہوتی ہے، ذرا سی آہٹ پر بھی آنکھ کھل جاتی ہے پھر میں صبح بیدار ہوئی تو خلافِ معمول میرا سر بھاری تھا اور اب تک وہی حالت ہے۔"

"دودھ کس نے دیا تھا تمہیں؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"غزالہ نے۔" وہ مشینی انداز میں بول پڑی۔ "لل... لیکن میں اس پر کوئی الزام نہیں لگا رہی، ہوسکتا ہے کہ یہ اتفاق ہی رہا ہو... میں نے تو تمہیں اپنے دل کی بات بتادی ہے۔"

"گھر میں کوئی مرد ملازم ہوتا تو میں سوچ سکتا تھا کہ وہ تمہیں بے ہوش کرکے کسی من مانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ غزالہ کو کیا پڑی تھی کہ کوئی ایسی حرکت کرتی... سر بھاری ہونے کا تعلق پیر سے بھی ہوسکتا ہے، پاؤں بھاری ہوتا ہے تو نجانے کیسی کیسی نت نئی تبدیلیاں جنم لینے لگتی ہیں۔"

"کیا اول فول بک رہے ہو؟" وہ چڑ کر بولی۔ "اتنا میں بھی سمجھتی ہوں۔ جب تک میرے اور جہانگیر کے درمیان مکمل ذہنی ہم آہنگی نہ پیدا ہوجائے، میں بچوں کا روگ نہیں پالوں گی۔"

"اوہ۔" میں نے تحیر آمیز انداز میں ہونٹ سکوڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ "تو تم اس حد تک سوچ رہی ہو، میں نے تو یہ بات محض ازراہِ مذاق کہی تھی۔"

"میں بہت سنجیدہ ہوں۔" وہ اچانک ہی مایوس ہوگئی "میں نے ہر طرح خود کو ایک عام بلکہ مثالی بیوی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن جہانگیر مجھ سے ذرا بھی تعاون نہیں کرتا۔ کبھی کبھار تو اس کا منہ نوچ لینے کو دل چاہتا ہے اور تم..." اس نے بے اختیار اپنے سر کو جھٹک کر ایک ٹھنڈا سانس لیا۔ "بھرے شہر میں میں بالکل تنہا ہوں، تم بھی سہارا نہیں دیتے۔"

"میں نے ہمیشہ جہانگیر کو سمجھانے کی کوشش کی ہے..." میں نے انجان بن کر کہنا چاہا لیکن اس نے برا سا منہ بنا کر میری بات کاٹ دی۔

"اس کا نام درمیان میں نہ لاؤ۔" وہ لحظہ بھر کے لیے خاموش ہوئی پھر للکارتی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں بولی۔ "ذرا سر اٹھا کر میری طرف دیکھو، کیا میں اتنی ہی بری ہوں۔"

میں نے اس کی طرف دیکھا اور دیکھتے ہی بوکھلا گیا، اس کی آنکھوں سے اس کھلی چاہت کا اظہار ہو رہا تھا جس کا عورت خلوت میں بھی بمشکل اقرار کرتی ہے۔

"بری تم نہیں ہو، میں ہی کچھ بدذات ہوں۔" میں نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہاری محرومی کا پورا پورا احساس ہے لیکن یہ موضوع کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھو، غزالہ کو بھنک بھی مل گئی تو یہی سمجھے گی کہ میں تم سے عشق لڑا رہا ہوں، اس معاملے میں وہ بہت متعصب اور تنگ نظر واقع ہوئی ہے۔"

"اچھا۔" اس کے دل کی گہرائیوں سے ایک ٹھنڈا سانس برآمد ہوا اور وہ صوفے سے اٹھ گئی۔ "کم از کم یہ تو بتادو کہ ہم کب تک یہاں تمہارے ٹکڑوں پر پلتے رہیں گے؟"

"آج رات یا کل صبح تم اپنے گھر لوٹ جاؤ گی ـــ جہانگیر کو جو خطرہ درپیش تھا، وہ دور ہوچکا ہے۔ اس کا نقاب پوش دشمن کل رات جہنم واصل ہوگیا ہے۔"

"وہ تمہارے ہی ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا ہوگا؟" اس نے پُراشتیاق اور تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کیوں؟ کیا جہانگیر اسے نہیں مار سکتا تھا؟"

"وہ کیا مارے گا۔" سلمیٰ کا لہجہ تحقیر آمیز ہوگیا۔ "جو مرد اپنی عورت کی حفاظت کے لیے کسی دوست کا سہارا لیتا ہو، اس سے بڑا بزدل روئے زمین پر کہاں ملے گا؟"

"اس کی اتنی تذلیل نہ کرو۔ اب تک تو وہ تمہاری حفاظت کرتا ہی رہا ہے۔"

"تمہارا ہی دل نہ پسیج سکا ورنہ... خیر چھوڑو۔" وہ کہتے کہتے خاموش ہوگئی پھر چند ثانیوں کے بعد بولی۔ "یہی دیکھ لو کہ اب ہم تمہارے یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ پہلے کتوں کے حصار میں رہتا رہا اب تمہیں بیساکھی بنالیا ہے۔"

اسے ٹالنے کے لیے میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ڈرائنگ روم سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "ایک میں ہی نہیں، اس کے نجانے کتنے دوست ہوں گے لیکن اس نے ہمیں لکھنا مناسب سمجھا۔ یہ سراسر اعتماد کی بات ہوتی ہے، آخر آدمی ہی آدمی کے کام آتا ہے۔"

اسے ناچار میری تقلید میں ڈرائنگ روم سے باہر آنا پڑ گیا۔

"آتا ہوگا۔" اس نے میرے برابر میں آکر شانے اچکاتے ہوئے کہا۔ "میرا تجربہ تو مختلف ہی ہے۔"

"اپنی ذات کو تجربہ گاہ بنانے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے سختی سے اس کا بازو تھام کر کہا۔ "کوئی غلط تجربہ کسی دن تمہیں بربادی کے راستے پر لے جائے گا جو کچھ ہے، اسی سے سمجھوتا کرنے کی کوشش کرو۔"

اسے وہیں کھڑا چھوڑ کر میں اپنے کمرے کی طرف

ہولیا۔ مجھے خوشی تھی کہ میں نے بے ہوشی اور سر درد کے
بارے میں اس کے ذہن سے سارے شبہات زائل کر دیے تھے۔
کمرے میں سلطان شاہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے بستر پر دراز
تھا۔ مجھے دیکھتے ہی سیدھا ہو بیٹھا۔
"وہاں سے کیوں بھاگ آئے؟" میں نے غصیلے
لہجے میں کہا۔
"بس چھٹی حس کہہ لو۔" وہ سٹپٹا کر بولا۔ "مجھے محسوس ہوا
تھا کہ وہاں میری موجودگی ضروری نہیں تھی۔ مسز جہانگیر سے
تمہارے مراسم خاصے دیرینہ معلوم ہوتے ہیں۔ شاید وہ کوئی
سنگین شکایت لے کر آئی تھی۔"
"نہ صرف سنگین بلکہ رنگین بھی۔" میں نے دل ہی دل میں
سوچا پھر اس سے مخاطب ہو گیا۔ "آج البرٹ والے مواصلاتی
یونٹ پر دھاوا بولنے کے بارے میں کیا رائے ہے تمہاری؟"
"جیوا ہاؤز پر جو کچھ ہوا وہ بہت مناسب اور فائدہ مند
تھا لیکن مواصلاتی یونٹ پر مار دھاڑ سے کچھ حاصل نہ ہو سکے گا،
تمہارے ذہن میں کوئی خاص مقصد ہو تو اور بات ہے۔"
"ادھر جانے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو جیسے اس نے
بلایا ہے، بے چون و چرا چلا جاؤں، دوسری صورت محاذ آرائی
کی ہے جو سراسر نقصان دہ ہوگی۔ میری طرف سے بھڑک جانے
کے بعد وہ ٹھکانا بند بھی کیا جا سکتا ہے۔ جو شاید اتنا آسان
نہ ہو لیکن ناممکن نہیں ہوگا۔"
"اتنا مشکل بھی نظر نہیں آتا، سازو سامان وہاں سے اکھاڑ
کر کہیں اور لے جانے میں کچھ وقت ضرور لگے گا۔"
"تم البرٹ کی کبوتر بازی کو فراموش کر رہے ہو۔" میں
نے اسے یاد دلایا۔ "اس علاقے میں انھوں نے محنت کی
ہے، اس کے بعد ہی البرٹ کی کبوتر بازی کی آڑ میں اونچے
اینٹینا نصب کر سکے ہیں۔ یہ حیلہ بار بار کامیاب نہیں ہو سکتا۔"
"ایک تیسرا راستہ بھی ہے۔" اس نے میری آنکھوں
میں دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر میرے استفسار پر بات جاری
رکھتے ہوئے بولا۔ "اس نے تمھیں سات بجے وہاں بلایا
ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس وقت وہ خود بھی وہاں موجود
ہوگی، کیوں نہ اس کی مخبری کر دی جائے۔ حساس لاسلکی مواصلاتی
سازو سامان کی موجودگی میں رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تو چودہ سال
سے کم سزا نہ ہوگی۔"
"اول تو وہ اتنی احمق نہیں کہ میری طرف سے اپنا پورا
اطمینان کیے بغیر وہاں آ موجود ہوگی اور اگر وہ پکڑی بھی گئی
تو کیا ہوگا؟ ابھی تک جو حالات سامنے آئے ہیں، ان میں
اس کی برتری سامنے کی بات ہے لیکن وہ تنظیم کی سربراہ
ثابت نہیں ہو سکی ہے۔"
"آخر تم کرنا کیا چاہ رہے ہو؟" وہ زچ آ کر بولا۔
"فی الحال تو بحث کر کے معاملے کے مفید اور مضر
نکات کا تجزیہ کرنا چاہ رہا تھا لیکن اب اسی نتیجے پر پہنچا ہوں
کہ مجھے شوگر کوئین کی توقعات پر پورا اترنا چاہیے۔"
"یعنی تم وہاں تنہا جاؤ گے؟" اس نے حیرت سے
سوال کیا۔
"تنہا اور غیر مسلح۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
مجھے یقین ہو گیا ہے کہ کسی وجہ سے وہ مجھے زندہ رکھنا چاہتی
ہے۔ زندگی کا یقین ہو تو قید اور آزادی کے امکانات پر دوبارہ
پیدا کیے جا سکتے ہیں لیکن حسبِ معمول تم دور رہ کر صورتحال
پر نگاہ رکھو گے اور تمھیں اپنے فیصلوں کا پورا اختیار ہوگا۔"
ایک فیصلہ کر لینے کے بعد میرے ذہن پر سے بوجھ
ہٹ گیا اور میں جہانگیر کی طرف چل دیا۔ ان کے کمرے
سے دونوں میاں بیوی کے تیز تیز بولنے کی آوازیں سن کر
میرے قدم راہداری میں ہی رک گئے اور میں الٹے قدموں
واپس لوٹ آیا۔

ٹھیک سات بجے میں نے یونٹ کے پھاٹک
پر ہارن بجایا تو فوراً ہی سلاخوں دار پھاٹک کے پیچھے ایک
رائفل بردار، کریہہ الصورت اور دیو ہیکل مقامی نمودار ہو گیا۔
تاڑنے کے لیے اس نے ٹھٹک کر گاڑی کا جائزہ لیا پھر پھاٹک
کھولنے کے بجائے ذیلی کھڑکی کا بولٹ گرا کر باہر آ گیا۔ اس
کی سرد اور ادھ کھلی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اچھا آدمی
نہیں تھا اور ضرورت پیش آنے پر نہایت بے رحمی کے ساتھ
انسانی خون کی ہولی بھی کھیل سکتا تھا۔
کھڑکی سے نکل کر میرے قریب پہنچنے تک اس نے
اشتباہ آمیز نظروں سے میرا گہرا جائزہ لے ڈالا تھا۔
"کس سے ملنا ہے؟" اس نے سرد لہجے میں سوال کرتے
ہوئے مؤدب رہنے کی کوشش کی تھی لیکن پیدائشی کرختگی کو
وہ کسی بھی طرح نہ دبا سکا تھا۔
"البرٹ سے، میرا نام ڈینی ہے۔" میں نے پرسکون
لہجے میں کہا۔
اس نے پلٹ کر پھرتی کے ساتھ پھاٹک کھول دیا۔
روش پر کار آگے بڑھاتے ہی بے اختیار داہنی طرف نظر
اٹھ گئی، جہاں سے زندگی سے بھرپور ایک شوخ قہقہے کی

چکار سنائی دی تھی۔ ادھر سرسبز لان پر شوگر کوئین کرسیاں ڈالے بوڑھے البرٹ کے ساتھ براجمان تھی اور قریب ہی رکھی ہوئی میز پر مے نوشی کے لوازم نظر آ رہے تھے۔
میں کار کا انجن بند کر کے نیچے اترا تو رائفل بردار مقامی میرے سر پر مسلط ہو چکا تھا۔
"غیر مسلح ہو یا کوئی ہتھیار ساتھ لائے ہو؟" میری تلخ اور چبھتی ہوئی نگاہوں کے جواب میں اس نے پوچھا۔
"تلاشی لے لو۔" میں نے دماغ کو ٹھنڈا رکھتے ہوئے کہا۔ "پتا نہیں تم کس کس چیز کو ہتھیار سمجھتے ہو۔" میں نے اس کے تیوروں سے بھانپ لیا تھا کہ میرا جواب خواہ کچھ ہی ہوتا، وہ تلاشی لیے بغیر ٹلنے والا نہیں تھا۔
وہ پھرتی کے ساتھ آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ ماہرانہ انداز میں میرے شانوں اور بغلوں سے ہوتے ہوئے پورے جسم پر پھسلنے لگے اور آخر وہ سر جھٹکا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ "لان پر چلے جاؤ، باس ادھر ہی بیٹھا ہوا ہے۔"
"وہاں تو کوئی عورت بھی ہے۔" میں نے دانستہ شوشا چھوڑا تا کہ اس نئے محافظ کی معلومات آزما سکوں۔
"چلے جاؤ ــ بے بی اجنبیوں سے پروا نہیں کرتی۔" محافظ نے کہا۔
"خاصی بڑی بے بی ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں آہستہ سے کہا۔
محافظ کا منہ بگڑ گیا۔ "فضول بکواس مت کرو۔ یہاں باس کی مرضی کے خلاف ہرزہ سرائی کی سزا بہت سخت ہوتی ہے۔" وہ ترش لہجے میں کسی درندے کی طرح غرایا تھا۔
"جو کچھ تم بھونک رہے ہو کیا اس میں باس کی مرضی شامل ہے؟" میں نے فوری طور پر ایک نئی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔
ردعمل بالکل وہی ہوا جس کی مجھے توقع تھی۔ اس کا ہاتھ پھرتی کے ساتھ رائفل پر گیا تھا لیکن میں نے اسے کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر بجلی کی سی سرعت سے اس کی کنپٹی پر پوری قوت سے ہاتھ جڑ دیا۔ وہ کسی بدمست شرابی کی طرح لڑکھڑاتا ہوا ہلکے سے دھماکے کے ساتھ پختہ فرش پر گرا تھا۔ اس کے گرتے گرتے میں نے رائفل بھی چھین لی تھی۔ ورنہ فرش پر رائفل گرنے کی آواز دور تک سنی جا سکتی تھی جبکہ لان سے وہاں کا منظر دیکھنا ناممکن تھا۔
محافظ نیچے گر کر بے ہوش ہو چکا تھا۔ میں نے رائفل پام کے گملوں کی اوٹ میں ڈال دی اور پھر سکون کے ساتھ لان کی طرف چل دیا۔ مجھے دیکھ کر ویرا لائیٹ گرم جوشی کے ساتھ کرسی سے اٹھی تھی لیکن البرٹ میری طرف توجہ دیے بغیر اپنے ہاتھ میں وہسکی کا گلاس نچاتا رہا۔
"مجھے امید نہیں تھی کہ تم آؤ گے۔" ویرا نے خوش دلی کے ساتھ اردو میں کہا۔ "میں بڈھے کو یہی سمجھا رہی تھی کہ مقامی لوگ بہت ہی ناقابل فہم ہوتے ہیں۔ جس بات کی امید رکھو اس پر پورے نہیں اترتے اور اکثر غیر متوقع اقدامات کر گزرتے ہیں۔"
"منہ سجائے بیٹھا ہے' معلوم ہوتا ہے کہ آج بھنگن نے ہاتھ تھامنے کے بجائے تھپڑ سے تواضع کی ہے اس کی۔" میں نے بھی اردو ہی میں کہا اور بے پروائی سے ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس وقت لان میں تین ہی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ویرا سارے مسائل اسی خوشگوار ماحول میں کھلے آسمان تلے طے کرنا چاہتی ہے۔
"اجنبی زبان اور کتے کے پلے کی ٹیاؤں ٹیاؤں میں بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا۔" البرٹ خاص طور پر ہم دونوں میں سے کسی سے مخاطب ہوئے بغیر اپنے گلاس پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔
"کاش کہ تم کتے کے پلے ہی ہوتے، ساری اجنبی زبانیں تو سمجھ سکتے تھے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔
"میں تم سے بات نہیں کر رہا تھا۔" وہ آنکھیں نکال کر مجھ پر برس پڑا۔
"میں بھی کرسی کے پائے سے کہہ رہا تھا۔ تم سے تو بات کرنا ہی فضول تھی جو آدمی ہوتے ہوئے بھی آدمی نہ بن سکے، وہ بیچارا کتے کا پلا کیا بنے گا۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔
"بے بی!" وہ داہنے ہاتھ کا گھونسا اپنی ران پر مارتے ہوئے کراہا۔ "تم سن رہی ہو کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ کیا تم اسے لگام نہیں دے سکتیں؟"
"مجھے درمیان میں نہ گھسیٹو ڈارلنگ۔" ویرا اسے پچکارتے ہوئے بولی۔ "چھیڑ چھاڑ تم ہی نے شروع کی تھی۔ اب اس کا جواب سننے کی ہمت بھی پیدا کرو۔" یہ کہتے ہوئے وہ مجھ سے پوچھے بغیر تیسرا گلاس بنانے لگی۔
"تمہارا یہی رویہ ہے تو میں جا رہا ہوں۔" وہ غصیلے لہجے میں یہ کہتے ہوئے ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ گیا۔ "تم اس کی حوصلہ افزائی کر رہی ہو۔ میں تمہاری ہرزہ سرائی سہہ سکتا ہوں لیکن تمہارے پالے ہوئے تیسرے درجے کے لوگ

میرے منہ نہیں آسکتے۔"
"معلوم ہوتا ہے کہ اب تمہاری کوٹھے کی ہڈی نے ہلنا بند کر دیا ہے اور دماغ کی چولیں ہلنے لگی ہیں۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ مار کر اسے سلگانے کی نیت سے کہا۔ "مجھے تو حیرت ہے کہ تم اب تک زندہ ہو، غیرت مند ہوتے تو کل ہی خودکشی کر لیتے۔"

"تمہارے ستارے اچھے تھے جو اس وقت چھکنے کے لیے زندہ بچ نکلے، بخانے بے بی کو تم سے کیا توقعات ہیں کہ تمہیں مسلنے پر قادر ہونے کے باوجود چھوٹ دے رہی ہے۔" وہ باری باری مجھے اور ویرا کو دیکھتے ہوئے غضب ناک لہجے میں بولا۔ میں پرسکون انداز میں مسکراتا رہا اور ویرا سر جھکائے انہماک سے میرے گلاس میں برف کے ڈلے ڈالتی رہی۔

"کل جو کچھ ہوا، اس کا مجھے افسوس ہے البرٹ!" میں نے یک بیک سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں ایک دوسرے سے کوئی عداوت نہیں ہوتی، بس حالات کبھی کبھار ایک دوسرے کے سامنے لاکھڑا کرتے ہیں۔ آرام سے بیٹھ جاؤ اور ہمارے ساتھ اپنا گلاس خالی کرو، تیسرا شاید میرے لیے تیار ہو رہا ہے۔"

میرے نرم اور مصالحانہ رویے پر اس نے مجھے یوں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا جیسے میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں، پھر مشینی انداز میں دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھتا چلا گیا۔

میرے لب و لہجے کی وہ تبدیلی اس بنا پر نہیں تھی کہ اچانک میرے دل میں اس نام نہاد، بوڑھے باس کے لیے محبت کے چشمے ابل پڑے تھے بلکہ اس کا محرک یہ اندیشہ تھا کہ وہ روٹھ کر واقعی اندر چل پڑا تو پورچ میں بے ہوش پڑے ہوئے محافظ کو دیکھ کر ایک ہنگامہ کھڑا کر دے گا جب کہ ابھی تک وہ دونوں اس مظلوم کو بھولے ہوئے تھے۔

ویرا نے اسکاچ کا گلاس میری طرف بڑھایا تو وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ میرے نزدیک اس کی مسکراہٹ کا کوئی سبب نہیں تھا بجز اس کے کہ وہ سرور میں تھی اور یوں میری حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ جواباً میں بھی مسکرانے لگا اور گلاس فضا میں لہرا کر ایک بڑا سا گھونٹ معدے میں اتار لیا۔

"چوکیدار کہاں ہے ڈینی؟" ویرا کے معنی خیز سوال نے اچانک ہی مجھے سرور کی جنت سے نکال کر زمین پر لا پھینکا۔ البرٹ کے ساتھ میرے رویے میں تبدیلی رونما ہوتے ہی وہ معاملے کی تہ تک پہنچ گئی تھی اور شاید اسی لیے مسکرا رہی تھی کہ میں نے البرٹ کو تو احمق بنا لیا تھا لیکن اسے دھوکا دینے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

"اچانک اس کے گردے میں درد شروع ہو گیا تھا، وہیں برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھا ہوگا۔" میں نے مخلصانہ لہجے میں کہا۔ "ضرورت ہو تو بلا لاؤں اس کو؟"

"کیوں نہ میں آواز دے کر بلا لوں اسے؟" ویرا نے اپنے لبوں کو آتش صفت سیال سے تر کرتے ہوئے اردو میں کہا۔ یہ غنیمت تھا کہ اس بارے میں ویرا نے گفتگو کی ابتدا ہی اردو سے کی تھی ورنہ البرٹ ہتھے سے اکھڑ گیا ہوتا۔

"گردے میں درد کی شدت ہو تو عارضی طور پر سماعت بھی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔ میں دیکھے لیتا ہوں اسے۔" میں کرسی سے اٹھ ہی گیا کہ کہیں صورت حال اچانک قابو سے باہر نہ ہو جائے۔

"یہ خیال رکھنا کہ اب تمہارے کھاتے میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں رہی ہے۔ اگر تم نے اس چوکیدار کو ختم کر دیا ہے تو پھر تمہیں معافی نہیں مل سکے گی۔" اس نے تادیبی لہجے میں کہا۔

میں جاتے جاتے رک گیا۔ "اس نے مجھ پر رائفل تاننے کی کوشش کی تھی اور مجھے اپنی مدافعت میں اس کی کنپٹی پر ہاتھ رسید کرنا پڑ گیا۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ صرف بے ہوش ہوا ہوگا۔"

"اور اسلحہ کہاں ہے اس کا؟" ویرا کے چہرے پر سختی آمیز تناؤ آ گیا۔

"وہیں پام کے گملوں کی اوٹ میں موجود ہے، ابھی لے آتا ہوں۔" میں نے مخلصانہ لہجے میں کہا۔

"پہلے کیوں نہیں بتایا کہ اسے بے ہوش کر آئے ہو؟" اس نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"کسی نے پوچھا ہی نہیں تھا، میرا خیال تھا کہ ہوش میں آنے کے بعد وہ خود شرم کے مارے کسی سے اس واقعے کا ذکر نہیں کرے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں تیز تیز قدموں کے ساتھ اس طرف چل دیا جہاں چوکیدار کو بے ہوشی کی حالت میں چھوڑا تھا۔

"سن لیا تم نے۔" جاتے ہوئے میرے کانوں میں ویرا کی آواز آئی۔ اس بار وہ انگریزی میں البرٹ سے مخاطب ہوئی تھی اور اس کا لہجہ حد درجہ زہریلا تھا۔ "تمہارا چوکیدار ضرورت سے زیادہ بودا ثابت ہوا۔ اس نے ڈینی سے الجھنے کی کوشش کی تھی اور اب پورچ میں بے ہوش پڑا ہوا ہے۔"

یہ ہیں تمہارے حفاظتی انتظامات۔“

”ارے! تو پھر یہ کہاں چلا؟“ البرٹ کی بوکھلائی ہوئی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ ”اگر چوکیدار کی رائفل اس کے ہاتھ لگ گئی تو یہ مردود یہاں قیامت برپا کر دے گا۔“

”تم بیٹھے رہو گے تو کوئی قیامت برپا نہ ہوگی۔“ اس بار بھی ویرا کی آواز زہریلی تھی۔ ”اس کی نیت خراب ہوتی تو وہ اسے بے ہوش کرتے ہی اس کی رائفل تانے ہماری طرف آتا۔“

اس کے جواب میں جو کچھ کہا گیا وہ میرے کانوں تک نہ پہنچ سکا لیکن اس اثنا میں پورچ تک پہنچ چکا تھا جہاں قدآور اور جسیم چوکیدار پختہ فرش پر کسی وزنی لاش کی طرح بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ میں نے جوتے کی نوک سے اس کی ناک پر ہلکا سا دباؤ ڈالا لیکن اس کے بدن میں کوئی جنبش نہ ہوئی البتہ قریب سے دیکھنے پر اس کے سینے کے زیروبم زندگی کا سراغ دے رہے تھے۔

اسے چھوڑ کر میں نے پام کے گملوں کی آڑ سے رائفل نکالی اور اسے اپنے کندھے سے لٹکا کر دوبارہ لان کی طرف ہولیا۔ وہ دونوں اپنی جگہ خاموش بیٹھے پرتجسس نگاہوں سے میری جانب نگراں تھے اور دھندلکا پھیلنے کے باوجود اس مرتبہ میں نے ان کے بشروں پر سکون کی علامات نمودار ہوتے دیکھیں کہ رائفل میرے ہاتھوں کے بجائے کندھے سے جھول رہی تھی۔

میں نے قریب جاکر وہ رائفل اتار کر دونوں ہاتھوں میں سنبھالتے ہوئے ویرا کے قدموں میں رکھ دی۔ ”خیال رہے کہ یہ لوڈ ہے، میں نے اسے بالکل نہیں چھیڑا ہے۔“ میں نے اس بار دانستہ انگریزی کا سہارا لیا تھا۔

”چھیڑ کر دیکھتے پھر پتا چلتا کہ کیا ہوتا ہے۔“ البرٹ زہریلے لہجے میں بولا۔

”ہوتا کچھ بھی نہیں، تمہاری بہت سی ہڈیاں ہلنا شروع ہو جاتیں۔“ میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ یہ پھبتی اس پر ایسی چست بیٹھی کہ اس کا چہرہ چقندر کی طرح سرخ ہو گیا اور اگر ویرا بروقت دخل اندازی نہ کر بیٹھتی تو شاید وہ براہ راست مہیب سنہری گالیوں پر اتر آتا۔

”یہ بتاؤ کہ گارڈ کہاں ہے؟“ ویرا نے مجھ سے سوال کیا تھا۔

”گردے کے درد سے بے ہوش ہو گیا ہے۔ البرٹ تعاون کرے تو اسے وہاں سے اٹھا کر کسی کمرے میں ڈال سکتے ہیں۔ کوئی نکل آیا تو بلاوجہ ایک تماشا نظر آنے لگے گا۔“

میں نے مخلصانہ لہجے میں کہا۔

”کمرے میں؟“ ویرا نے حقارت سے کہا۔ ”میرا بس چلے تو اسے کسی کوڑا گھر پر پھنکواؤں تاکہ ہوش میں آتے ہی اس کو اپنی سورمائی کا اندازہ ہو سکے۔ پڑا رہنے دو اسے وہیں، یہاں کوئی نہیں آتا۔“

میں نے اطمینان سے کرسی سنبھال لی اور گلاس میں پڑے ہوئے سرخی مائل سیال سے انصاف کرنے لگا۔

”اب تمہارے عزائم کیا ہیں؟“ ویرا نے کئی منٹ کے طویل سکوت کے بعد سوال کیا۔

”میرے یہاں پہنچنے کے بعد سے اب تک جو کچھ ہوا ہے، شاید وہ میرے عزائم کا خاصا مناسب پیمانہ ہے۔ اگر تم اب بھی مجھ پر اعتماد نہ کرنا چاہو تو یہ تمہاری بھول ہوگی کیونکہ اب میں کسی بھی قیمت پر کسی نئی آزمائش سے دوچار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں نے عمر بھر تنظیم کو اپنے لہو سے سیراب کیا ہے، اس درجے پر قیدیوں جیسا سلوک میری برداشت سے باہر ہے۔“

”پچھلے دنوں جو کچھ ہوتا رہا اس کی روشنی میں بعض اقدامات ضروری تھے۔“ وہ میرے چہرے پر نظریں جما کر بولی۔ ”اور ہو سکتا ہے کہ ابھی تمہیں ایک آدھ مرحلے سے اور بھی گزرنا پڑے۔“

”یہ زیادتی ہوگی۔“ میں نے احتجاج کیا۔ ”لے لو کو ہلاک کر کے تم اپنا فیصلہ صادر کر چکی ہو کہ وہ غلطی پر تھا یعنی میری بے گناہی تسلیم کی جا چکی ہے پھر اب ایک یا دس مرحلوں کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔“

”اسم ترقے داریاں سونپنے سے پہلے بہت کچھ ضروری ہوتا ہے۔“

”اہم ترقی؟ تو کیا ابھی تک میں معمولی درجے پر کام کرتا رہا ہوں؟“ میں نے حیرت سے کہا۔

”کل تک میں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہو سکی تھی۔“ وہ میرے سوال کو نظر انداز کر کے مکارانہ لہجے میں بولی۔ ”لیکن وہ شاید یا بڈی کی موت کا بہانہ تھا... وہ...“

”بس۔“ البرٹ اچانک ہاتھ اٹھا کر غرایا۔ ”میرے سامنے اس نمک حرام کا نام لینے کی ضرورت نہیں، میرے سامنے ایسے مربیانہ انداز میں تمہیں بے بی، بے بی کہتا تھا جیسے خلوص دل سے تمہیں اپنی نواسی تصور کرتا ہو، مجھے ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ وہ چوری چھپے تم پر ڈورے ڈال رہا ہے تو میں خود اسے گولی مار دیتا۔“

”بوڑھے عاشقوں کی آڑ میں ہمیشہ نوجوان ملازم شکار کھیلتے آئے ہیں۔“ میں نے ویرا کو خاموش پا کر کہہ ہی ڈالا۔ ”تمہاری دردناک کہانی بھی اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں ہے۔“

"بب... بوڑھا عاشق۔" البرٹ غصّے کی زیادتی سے
ہکلانے لگا۔ "اے مردود! تیری یہ جسارت کہ ویرا کے سامنے ایسی
ہرزہ سرائی کر رہا ہے۔ تجھے اس کے منصب کا بھی خیال نہیں ہے۔"
ویرا اس نوک جھونک پر زیرِ لب مسکرا رہی تھی۔ میرے
لیے اس کا وہ رویّہ شدید حیرت کا باعث تھا۔ دو مردوں کے
حوالے سے اس کی ذات زیرِ بحث تھی اور اس کے چہرے پر
ذرا بھی خفت نہیں تھی جیسے اس میں کوئی معیوب بات نہ
ہو اور اسی لمحے میں نے یہ رائے قائم کی کہ اس اعتبار سے وہ کسی
ذہنی کج روی میں مبتلا تھی اور اس قسم کی بے لگام گفتگو سے شرمسار
ہونے کے بجائے محظوظ ہو رہی تھی۔ شاید اس کے لیے یہ احساس
فخر کا باعث تھا کہ وہ بیک وقت کئی ذہنوں پر حکمرانی کر سکتی ہے۔
"حسینوں کا منصب ایک ہی ہوتا ہے باس۔" میں نے
اپنے بائیں پہلو پر دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر سر کو قدرے خم دیتے
ہوئے کہا۔ "اگر ویرا کو میری بات ناگوار گزرتی تو وہ خود ٹوک سکتی
تھی۔ تم کیا جانو کہ حسن کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ اس سے ہر وہ
نگاہ سیراب ہوتی ہے، جس میں ذرا بھی ذوقِ جمال باقی ہو۔ اگر اس
جرم میں تم ایڈی کو گولی مارتے تو شاید میں بھی اسی الزام میں تمہارا
گلا دبا دیتا کیونکہ بے بی کے خطرناک مشاغل سے قطع نظر میں
بھی اس کے حسن کا اسیر ہوں۔"

"اب اگر تم دونوں ایک دوسرے سے اُلجھے تو میں بہت
بُری طرح پیش آؤں گی۔" ویرا نے باری باری مجھے اور البرٹ کو
گھورتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ "میں اپنی مرضی کی مالک
اور خود مختار ہوں، میں کیا کرتی ہوں اور کسے پسند کرتی ہوں، یہ
اپنی ذمّے داریوں سے ہٹ کر میرا ذاتی فعل ہے جس میں، میں
تم دونوں کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتی۔ میری نگاہ میں ہر مرد
کا ایک مخصوص مقام ہے اور اس بارے میں آخری فیصلہ میرا
اپنا ہوتا ہے۔"

"بے بی!" البرٹ دردناک آواز میں کراہا۔ "ہم دونوں کو
ایک لکڑی سے ہانک کر تم میرے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔ یہ نہ
بھولو کہ میں نے اس یونٹ کا سربراہ ہونے کے باوجود تمہیں یہاں
من مانی کرنے کی کھلی اجازت دی ہوئی ہے۔"

"تمہاری مہربانی۔" یکلخت اس کا موڈ تبدیل ہو گیا اور لہجے
میں خشکی عود کر آئی۔ "میں جو کچھ کر رہی ہوں، اپنی ذمّے داری پر کر
رہی ہوں، چاہو تو کسی بڑے سے اس کی توثیق کرا سکتی ہوں بلکہ
غور کرو تو تمہیں اندازہ ہو گا کہ مجھے ایسی غیر معمولی مراعات دے
کر تم نے تنظیم کے مسلّمہ ضابطوں سے انحراف کیا ہے۔ میری جگہ
کوئی بھی خوبرو اور جواں سال عورت تمہاری اس کمزوری سے
فائدہ اُٹھا کر یونٹ کو تہس نہس کر سکتی ہے۔ لہٰذا ایسے عز
حوالے نہ دو، اس وقت ہم یہاں اپنے ذاتی مسائل میں سر کھپا
کے لیے نہیں جمع ہوئے ہیں، ہمیں کچھ اہم کام کرنے ہیں۔"
ویرا کی زبان کے ساتھ ہی حیرت سے البرٹ کا منہ
اور پھر کھلتا ہی چلا گیا، ساتھ ہی اس کے چہرے پر غور
علامات بھی ظاہر ہونے لگیں۔ وہ خاموش ہوئی تو البرٹ
ہونٹوں سے نحیف سی آواز برآمد ہوئی تھی۔ "شاید تم درست
کہہ رہی ہو، میری عقل پر پردہ ہی پڑ گیا تھا۔ میں معذرت
ہوں بے بی! مجھے محتاط رہنا چاہیے تھا۔ موجودہ حالات
تمہاری جگہ وہ نامعلوم لڑکی بھی اس عمارت میں داخل ہو
"کون لڑکی؟" میں اضطراری طور پر سوال کر بیٹھا۔
"تمہیں بھی اس سے ہوشیار رہنا ہوگا۔" البرٹ نے
جیب سے ایک تصویر نکال کر میری گود میں ڈال دی اور میرا
دھک سے رہ گیا کیونکہ وہ غزالہ کی وہی تصویر تھی جو اس
پہلے بھی میں تنظیم کے اہلکاروں کی تحویل میں دیکھ چکا تھا۔
دونوں بلا کے عیّار اور مکار تھے۔ میں شروع ہی سے اپنی دا
میں ان دونوں کے باہمی مراسم کا مضحکہ اُڑا رہا تھا لیکن وہ
سوچے سمجھے انداز میں گفتگو کے رُخ کو اپنے مطلوبہ موضوع
دھکیلتے رہے تھے اور حسبِ ضرورت ایک دوسرے کی تائ
رہے تھے تا آنکہ گفتگو خود بخود ایک ایسے موڑ پر آ گئی جہاں البر
غزالہ کی تصویر نکال بیٹھا تھا۔
ویرا لائیڈ مجھ سے براہِ راست میری منگیتر کا ذکر کر کے
اندازہ لگا چکی تھی کہ میں اس معاملے میں بہ آسانی اس کے دام
نہ آ سکوں گا لہٰذا اس نے بالکل ہی مختلف انداز میں غزا
تصویر تنظیم کے ایک بدترین دشمن کی صورت میں میرے سا
ڈلوا دی تھی۔
ان دونوں کی ملی بھگت کا تجزیہ کرتے ہوئے میں
بلا توقف، تجسّس آمیز انداز میں اپنی گود میں پڑی ہوئی غزا
تصویر اُٹھالی اور اُسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ "شاید یہ وہی
جو آجکل تنظیم کی دشمن بنی ہوئی ہے؟"
"دشمن کیا بنے گی۔" ویرا تضحیک آمیز انداز میں ہنستے
بولی۔ "بس ستارے اچھے ہیں جو اب تک بچی ہوئی ہے اس
آنکھوں کی بناوٹ پر غور کرو گے تو اندازہ لگا لو گے کہ یہ آسا
فریب کھا سکتی ہے جس دن کسی کو نظر آ گئی، اسی دن گھیر لی
گی اور پھر ان جنم جنم کے پیاسوں کے سپرد کر دی جائے گی
سے کسی عورت کی ہم نشینی کو ترس رہے ہیں۔"
وہ نہ جانے کیا کچھ بکتی رہی اور میرے ذہن میں

سا کھولنے لگا۔ بدترین اور گھٹیا زبان استعمال کر کے شاید وہ میرے دلی تاثرات کا اندازہ لگانا چاہ رہی تھی لیکن میں خود پر جبر کیے اس کی بکواس پر توجہ دیے بغیر غزالہ کی تصویر دیکھتا رہا۔

"تم نے سب کچھ کہہ ڈالا لیکن یہ نہ بتایا کہ یہ لڑکی کون ہے؟" ویرا کے خاموش ہونے پر میں نے سوال کیا۔

"یہی معلوم ہوتا تو اسے گھر سے نہ اٹھوالیتی۔"

"تم غلط سمجھی ہو۔ میرا مطلب تھا کہ اس کا قصور کیا ہے؟" میں نے اپنے سوال کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"جب اتنی شدت سے مطلوب ہے تو قصوروار بھی ضرور ہوگی۔" ویرا نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "تم میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ جو کہا جائے اسے من وعن تسلیم نہیں کرتے۔ شاید اسی عادت کی بنا پر تم نے اے ٹو کی عداوت مول لی ہوگی۔ تنظیم میں اوپر والوں کے فیصلوں پر جرح بغاوت گنی جاتی ہے۔"

"اسے تم جرح نہیں کہہ سکتیں۔" میں نے آہستگی کے ساتھ کہا "دشمن کے بارے میں جس قدر زیادہ معلومات حاصل ہوں اسی قدر آسانی رہتی ہے۔ بے خبری میں دھوکا کھانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔"

"تو کیا تم واقعی اس سے لاعلم ہو؟" اس نے گہرا سانس لے کر سوال کیا۔ "یہ قصّہ تو کافی دن سے چل رہا ہے۔"

"میں بڑی مدت سے معتوب چلا آرہا ہوں۔" میں نے اس سے زیادہ گہرا اور ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "پھر جن دنوں میں مقامی یونٹ کا سربراہ تھا، مدافعتی ذمے داریاں قاسم کے سپرد تھیں اور وہ اپنے معاملات میں خود مختار تھا، ہوسکتا ہے کہ اسے علم رہا ہو لیکن اس نے کبھی مجھے اس معاملے کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔"

"تمہارے لیے صرف یہ جاننا کافی ہے کہ یہ لڑکی ایک بار لاہور میں اور پھر کراچی میں دیکھی گئی ہے۔ کراچی میں ہمارے ایک آدمی نے اسے گھیرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن وہ پُراسرار انداز میں ملمٹا لا گیا اور اب یہ لڑکی ہر قیمت پر مطلوب ہے۔" وہ بولی۔

"زندہ یا مردہ کی تو شرط نہیں؟" میں نے دل پر جبر کر کے پُراشتیاق لہجے میں سوال کیا۔

"کم از کم تم سے ایسے احمقانہ سوال کی امید نہیں تھی۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "جو آدمی اسے گھیرنے کی کوشش میں مارا گیا، وہ اسے بہت آسانی کے ساتھ ہلاک کرسکتا تھا، اسے محض لڑکی کو زندہ پکڑنے کی کوشش میں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔"

"یعنی اس وقت میرے ذمے یہی ایک کام ہے؟" میں نے اپنے دل پر سے بوجھ سا ہٹتا محسوس کیا۔

"کم از کم اگلی ہدایات تک یہی سمجھ سکتے ہو۔"

"طریقہ کار کیا رہے گا، میں کس کو جوابدہ ہوں گا۔ پرانا نظام تو تباہ ہوچکا ہے؟"

وہ میری طرف دیکھتے ہوئے چند ثانیوں تک پُرخیال انداز میں خاموش رہی پھر بولی۔ "مستقل انتظامات ہونے تک تم براہِ راست مجھے جوابدہ ہوگے لیکن پیغام رسانی کے لیے البرٹ کو استعمال کیا جائے گا، تم کسی بھی وقت فون پر اس سے رابطہ قائم کرسکو گے۔"

"صرف فون پر؟" میں نے سوال کیا۔ "میری یہاں آمدورفت پہ پابندگی ہوگی؟"

"ضرورت ہی کیا ہے تمہیں ادھر آنے کی؟"

"شاید تمہیں یاد نہیں کہ اے ٹو نے مخاصمت کی بنا پر میرے گھر کو آگ لگوا دی تھی، فیکٹری بھی تباہ کردی گئی اور میں آج کل خانہ بدوشوں کی سی زندگی گزار رہا ہوں۔ ان حالات میں اگر لڑکی ہاتھ آگئی تو مجھے مجبوراً ادھر کا رُخ کرنا ہوگا۔"

"مجبوری کی بات اور ہے لیکن تمہیں اس یونٹ کی اہمیت کا احساس رہنا چاہیے۔ میرے اور البرٹ کے علاوہ تم تیسرے آدمی ہو جسے اس کا علم ہے۔" اُس نے کہا۔

"اس کے ساتھی کو تم بھول رہی ہو۔" البرٹ نے کہا۔ "کل اس نے بھی یونٹ کا چپّا چپّا دیکھا ہوگا۔"

"ہاں، وہ کون ہے؟ سننے میں آیا ہے کہ ہمزاد کی طرح تمہارے

ساتھ لگا رہتا ہے۔" ویرا نے اس انداز میں کہا جیسے وہ ابھی بھی سلطان شاہ کو پوری اہمیت دینے کو تیار نہ ہو۔

"میرا ایک دوست ہے، اپنی روایات سے مجبور ہو کر مشکل وقت میں میرا ساتھ دے رہا ہے۔"

"تنظیم میں تمہاری دوبارہ شمولیت کے بعد وہ تنظیم کے لیے کام کرے گا؟"

"مشکل ہے۔" میں نے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "وہ بہت مغلوب الغضب آدمی ہے۔ آج تک کبھی کسی کی ملازمت نہیں کی، خاندانی رئیس زادہ ہے۔ دوستی نباہنے کی خاطر وہ گردن بھی کٹوا سکتا ہے لیکن کسی کا زیردست بننا ہرگز پسند نہ کرے گا پھر اپنے قبائلی پس منظر کی بنا پر وہ کسی عورت کی بالادستی مرتے دم بھی قبول نہیں کرے گا۔"

"اور اگر اس کی وجہ سے دشواریاں پیدا ہوئیں...؟"

"یہ میری ذمے داری ہوگی۔" میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا۔ "اب وہ میرے معاملات سے دور رہے گا۔"

"اور اگر میں چند روز اس کی نگرانی کرانا چاہوں؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ نہ بھولو کہ میں تنظیم کے لیے اجنبی نہیں ہوں، پورے طریقہ کار سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اصولی طور پر یہ برداشت نہیں کیا جا سکتا کہ باہر کا کوئی آدمی ہمارے رازوں میں شریک ہو کر زندہ رہ سکے لیکن اس خصوصی معاملے میں تمہیں چشم پوشی سے کام لینا ہوگا۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ تم مجھ سے اس کا سراغ حاصل کرنے کے بعد اسے زندہ نہیں چھوڑو گی ——— اس کی موت کے بعد تمہاری بڑی سے بڑی معذرت بھی اس کی زندگی واپس نہ لوٹا سکے گی اور میں ہمیشہ کے لیے احسان فراموشی کے کربناک احساس کا شکار ہو جاؤں گا۔ بہتر یہی ہے کہ تم اسے بھول جاؤ۔ وہ بھی سب کچھ فراموش کر دے گا۔"

"میرا وقت ہو گیا۔" البرٹ نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا اور گلاس خالی کر کے وہاں سے اٹھ گیا۔

"پھر تابوت فوراً ہی منگوا لوں؟" سنجیدہ ماحول میں بھی میں وہ چبھتا ہوا تبصرہ کیے بغیر نہ رہ سکا لیکن البرٹ نے خلاف توقع کوئی جواب نہ دیا اور مجھے گھورتا ہوا عمارت کی طرف چل دیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد ویرا نے اپنے لیے سگریٹ سلگائی اور پہلا کش لے کر اسے اپنی مخروطی انگلیوں میں یوں نچانے لگی جیسے کسی اندرونی الجھن میں مبتلا ہو۔ میں بظاہر لاتعلقانہ انداز میں بیٹھا اپنے گلاس سے شغل کرتا رہا۔

"تم لائیڈز کاٹیج کے بارے میں کس نتیجے پر پہنچے ہو؟" طویل اور بوجھل سکوت کے بعد ویرا کی زبان سے وہ سوال سن کر میں ٹھٹھک کر رہ گیا۔

"جب سے تم نے اس عمارت کو میرے لیے شجر ممنوعہ قرار دیا ہے میں نے اس بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا ہے، اب تم پھر اس موضوع کو چھیڑ رہی ہو؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہدایت پر انسان اپنی زبان بند کر سکتا ہے لیکن سوچ کا پابند نہیں کر سکتا۔ اس بارے میں تم یقیناً سوچتے رہے ہو گے۔ میں اپنی تمام تر آزادیوں کے باوجود ہمیشہ محکوم رہی ہوں جب کہ تم نے حریف بن کر اس عمارت کو دیکھا ہے، اس کے مکینوں کے بارے میں تم نے کیا رائے قائم کی ہے؟"

"شاید یہ کوئی نیا امتحان ہے میرا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"امتحان نہیں بلکہ میرے فطری تجسس کی تسلی کہہ لو۔" اس وقت وہ اپنی بالادستی فراموش کر کے بالکل برابری کے انداز میں بات کر رہی تھی۔ "میں اس بارے میں بہت کچھ جاننے کی خواہش کے باوجود اس کے بارے میں کچھ بھی نہ جان سکی۔ شاید تمہیں حیرت ہو کہ اندر جانا تو در کنار، میں نے اس عمارت کو باہر سے بھی نہیں دیکھا ہے۔"

"حالانکہ نام کے اعتبار سے لائیڈز کاٹیج سے تمہارا خاندانی تعلق ظاہر ہوتا ہے۔"

وہ ایک گہرا سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گئی۔ "شبہ تو مجھے بھی ہوتا ہے لیکن کاش اس کی تصدیق یا تردید ممکن ہوتی۔ میری زندگی میں یہ خواہش ایک خلش بن کر رہ گئی ہے۔"

"لیکن کیوں؟ اس کا کوئی نہ کوئی سبب تو ضرور ہوگا۔"

"آؤ۔" وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی کرسی سے اٹھ گئی۔ میں نے بھی کچھ نہ سمجھتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس نے چلتے ہوئے میز پر سے اسکاچ کی بوتل اٹھا لی تھی لیکن رائفل لان پر ہی پڑی رہنے دی تھی اور اس کا رخ عمارت کی جانب تھا۔

پورچ میں یونٹ کا دیوہیکل چوکیدار کسی مجرم کی طرح ایک طرف دیوار سے لگا کھڑا ہوا تھا۔ شاید ہوش میں آنے کے بعد اس نے مجھے لان پر اپنے آقاؤں کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر وہیں ٹھہرنے میں عافیت سمجھی تھی۔ ویرا کو دیکھتے ہی اس نے لپک کر اس کے ہاتھ سے اسکاچ کی بوتل لینا چاہی لیکن ویرا نے حقارت سے اسے دھتکار دیا۔

"تمہیں تو شرم سے مر ہی جانا چاہیے تھا۔" وہ اسے گھورتے ہوئے تحقیر آمیز لہجے میں بولی۔ "مسلح اور جسامت میں تین گنا ہو

کے باوجود کسی طاعون زدہ چوہے کی طرح آواز نکالے بغیر بے ہوش ہو گئے۔ اگر تمہارا یہی حال ہے تو تمہیں خود اپنی حفاظت کے لیے دو چار آدمیوں کی ضرورت ہے۔ تم اس عمارت کی حفاظت کیا کر سکو گے۔"

"میں شرمندہ ہوں مسٹی۔" وہ نظریں جھکائے منمنایا۔

"ہاتھی جیسے وجود پر شرمندگی گالی لگتی ہے۔" وہ حقارت سے اس کے سراپا پر نگاہ ڈالتے ہوئے غرائی۔ "جاؤ، تمہاری بانسری لان پر پڑی ہے اُسے اٹھاؤ اور کسی کونے میں دبک کر بجاتے رہو، یہاں کوئی تمہارا پُرسانِ حال نہ ہوگا۔"

پھر وہ مجھے ساتھ لے کر عمارت میں چل دی۔ میں انسانی نفسیات پر کسی مہارت کا کبھی دعوی دار نہ رہا تھا لیکن اس وقت مجھے ویرا کی ذات میں شدید ترین اندرونی کشمکش کے آثار نظر آ رہے تھے جس کا بظاہر کوئی جواز نظر نہیں آ رہا تھا۔ آخر وہ کس کشمکش سے دوچار تھی؟ کیا سوچ رہی تھی؟ مجھے لان سے اٹھا کر عمارت میں کیوں لائی تھی؟ کیا کہنا چاہتی تھی؟

یہ تمام سوالات ایسے تھے جن کا کوئی فوری جواب دستیاب نہیں تھا اور مجھے کسی عجلت کا اظہار کیے بغیر اس موقع کا انتظار کرنا تھا جب اندرونی غبار سے گھبرا کر وہ خود کوئی پیش قدمی کرتی۔

وہ عمارت خاصی پُرپیچ اور وسیع تھی۔ کئی راہداریوں اور چھوٹے زینوں سے گزرتی آخر کار وہ ایک دور افتادہ کمرے میں داخل ہو گئی۔ دروازہ کھلتے ہی اندر سے معطر ہوا کا ایک خنک اور خوشگوار جھونکا آیا اور اندر قدم رکھتے ہی میرے وجود میں فرحت و تازگی کی ایک لہر سرایت کر گئی۔

وہ معطر اور آراستہ خواب گاہ اپنی آرائش کے لحاظ سے پرستان کی کوئی نشاط گاہ معلوم ہو رہی تھی۔ کمرے میں ایک طرف کھڑکیاں تھیں جن پر دبیز پردے کھنچے ہوئے تھے اور یوں باہر سے روشنی کی کوئی کرن اس خلوت کدے میں دراندازی نہیں ہو سکتی تھی۔ خوابگاہ میں طاقتور ائرکنڈیشنر کی مشینی گونج رچی ہوئی تھی جس کی بنا پر کمرے کا درجۂ حرارت بہت گرا ہوا تھا۔ کمرے کے دو گوشوں میں دھندلائی ہوئی سی روشنیاں جل رہی تھیں جنہوں نے ماحول کو رومان پرور اور خوابناک بنایا ہوا تھا۔ دو سپاٹ دیواروں پر مغربی فنکاروں کے وسیع و عریض شہ پارے آویزاں تھے جن کا موضوع مرد اور عورت کے ازلی رشتے سے متعلق اور بے پناہ کشش انگیز تھا لیکن حجاب کی سرحدوں سے ماورا ان تصاویر کا تصور بھی شاید ہمارے معاشرے میں جرم کی ذیل میں آ سکتا تھا۔

اندر پہنچ کر ویرا پُرتکلف مسہری پر جا گری۔ اسکاچ کی بوتل اس نے مسہری کے گدے پر ڈال دی اور میں ایک گوشے میں پڑے ہوئے سیاہ اور منقش آبنوسی صوفے پر ٹک گیا۔

"فی الحال یہ میرا ٹھکانہ ہے۔" کمرے کی رومان پرور فضا میں اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری۔ "یہاں آتی ہوں تو یہ اپنی مہیب تنہائی سمیت میرا ساتھ دیتا ہے پھر مہینوں ویران اور مقفل پڑا رہتا ہے، شاید تم پہلے آدمی ہو جو یہاں تک پہنچے ہو۔"

"آدمی یا مرد؟" میں نے اس کی کیفیت بھانپتے ہوئے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"مرد بھی کہہ سکتے ہو۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔ "البرٹ کو تو اس کمرے میں جھانکنے کی حسرت ہی ہے، وہ بھی آج تک اندر نہیں پھٹک سکا ہے لیکن تمہیں نجانے کیوں یہاں لے آئی ہوں۔"

میں نے ایک جلا کٹا، طنزیہ سا تبصرہ سوچا لیکن زبان سے کچھ نہ بولا۔ لوہا گرم تھا، وہ خود بخود راہ پر آ رہی تھی، اپنی تمام تر بالادستی اور اختیار کے باوجود اُسے کسی سہارے کی تلاش تھی، ایسے میں اُسے بھڑکانا یا اشتعال دلانا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔

"تو کیا تم پر یہاں تنہا رہنے کی کوئی پابندی عائد ہے؟" میں نے پوچھا۔

"رازداری۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "کون ہے جو اس پُرتکلف خلوت کدے کی کہانیاں باہر جا کر نہ دہرائے گا؟ تمہیں اس خیال سے لے آئی ہوں کہ تم سرکشی کی تھوڑی سی سزا سہہ چکے ہو لہٰذا باہمی مفاد میں اپنی زبان بند رکھو گے۔"

"اور البرٹ؟" میں نے سوال کیا۔ "اسے تو شاید مجھ سے کوئی پیدائشی بغض ہے، وہ تو اشتہار چھپوا دے گا اس ملاقات کے۔"

"اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکے گا کہ ہم کہاں ہیں۔" وہ انگڑائی لیتے ہوئے بولی اور میں بوکھلا کر ایک قالین کو گھورنے لگا۔ "آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک اسے ہر حالت میں ریڈیو روم میں موجود رہنا ہوتا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "اہم پیغامات کی وصولیابی اور ترسیل کے لیے یہی وقت مقرر ہے۔ اس دوران میں وہ وہاں سے ہل بھی نہ سکے گا۔"

"اور اس دوران میں یہاں میرا مصرف کیا ہوگا؟"

"سوچتی ہوں کہ تم سے دوستی کر لوں۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "لیکن بات وہی ہے کہ تم لوگ ناقابلِ فہم ہوتے ہو، کچھ پتا نہیں کہ کب تمہاری رگ پھڑک اٹھے اور تم میری سرکوبی پر تُل جاؤ۔"

"ضروری تو نہیں تھا کہ تم مجھے اس خلوت گاہ میں لاتیں، ہم کسی ہوٹل میں بھی بہ آسانی پوری رات بسر کر سکتے تھے، فرق صرف اتنا ہوتا کہ اس طرح ہمیں سرکار کو ساڑھے سات فیصد ایکسائز ڈیوٹی ادا کرنا پڑتی۔" میں نے شوخ لہجے میں کہا۔

"تم سب ایک جیسے ہوتے ہو۔" وہ ملامت آمیز لہجے میں بولی۔ "کسی عورت کی زبان سے دوستی کی پیش کش سنتے ہی بس ایک مفہوم اخذ کرتے ہو، یہ نہیں سوچتے کہ اس پیشکش کے پیچھے کون سا کرب کارفرما ہے۔"

"پیچھے نہیں، میں تو صرف آگے کا سوچنے کا عادی ہوں۔" میں نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا اور اس کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھ کر جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے کہا "جو ہو گیا اس پر دماغ کھپانا بے سود ہے، ہمیں مستقبل پر نگاہ رکھنا چاہیے۔"

"مستقبل!" وہ زیرِ لب مسکرائی۔ "تمھاری بس یہی ایک ادا مجھے بھائی ہے کہ ہر قسم کے حالات میں حاضر دماغی سے کام لیتے ہو، ایسے لوگ ہزاروں میں ایک آدھ ہی ہوتے ہیں۔"

"تعریف کا شکریہ۔" میں نے بستر پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اب یہاں آمد کا مدعا بھی بیان کر چلو، ورنہ میں دوستی کے معروف مفہوم پر عمل پیرا ہو گیا تو میرا ذہن کند ہو کر رہ جائے گا۔"

"میرے بارے میں تم کیا سمجھتے ہو؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے گمبھیر لہجے میں سوال کیا۔

"خوب صورت اور فیاض لڑکی ہو۔" میں نے اس کے لہجے کو دانستہ نظر انداز کرتے ہوئے بے پروایانہ انداز میں کہا۔ "شاید میری بھی کوئی ادا بھا گئی ہے جو مجھ پر بھی مائل بہ کرم ہو ورنہ کھال کھنچوا کر اس میں بھس بھی بھروا سکتی تھیں۔"

"خرافات نہیں۔" وہ غرائی۔ "تم کیا سمجھتے ہو کہ میں اس لائن میں کیوں آئی ہوں۔"

"بے راہ روی اور شاید مغربی معاشرے کی حد سے بڑھی ہوئی آزادیاں۔"

"آزادیاں نہیں، مجبوریاں کہو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایکبار تم نے کہا تھا کہ ویرا لائیڈ، جمی لائیڈ اور لائیڈز کاٹیج میں تمھیں کوئی گہرا تعلق نظر آتا ہے، اس کا سبب کیا تھا؟"

"سامنے کی بات ہے، لائیڈ تینوں جگہ مشترک ہے۔ اسی بنا پر کسی چھوٹی موٹی خاندانی مافیا کا تصور ذہن میں سر ابھارتا ہے۔"

"تم پہلے آدمی ہو جو اس نتیجے پر پہنچے ہو ورنہ کوئی بھی ان تینوں ناموں کو آج تک یکجا نہیں دیکھ سکا کیونکہ لائیڈز کاٹیج کے نواح میں بھی میرا داخلہ ممنوع ہے اور میں جن لوگوں سے ملتی جلتی ہوں وہ لائیڈز کاٹیج کے وجود اور اسرار سے لاعلم ہیں۔"

"تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟" میں نے اس کی تمہید سے الجھتے ہوئے سوال کیا۔

"اگر میں تم سے کہوں کہ میں ایک خطاب یافتہ گھرانے کی بیٹی ہوں تو تم یقین کر لو گے؟"

"بسر و چشم، یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔ عموماً اچھے گھرانے کے چشم و چراغ ہی اعلا درجے کے جرائم میں ملوث پائے جاتے ہیں۔ پھر اب تو یہ لہر ہمارے یہاں بھی چل پڑی ہے۔"

"یوں نہیں سمجھو گے۔" وہ بے چینی کے ساتھ پہلو بدلتے ہوئے بولی۔ "میری ماں ایک لارڈ کی اکلوتی بیٹی تھی جسے اپنی خدمات پر دو خطابات بھی ملے ہوئے تھے۔ ایک پارٹی میں میری ماں کی ملاقات جمی لائیڈ سے ہوئی جو اپنے رکھ رکھاؤ سے بہت عالی نسب معلوم ہوتا تھا۔ وہ دونوں رات گئے تک ساتھ ناچتے رہے پھر تقریب کے اختتام پر جمی لائیڈ اسے اپنے ہمراہ لے گیا۔ ان دونوں میں بعد میں کئی ملاقاتیں ہوئیں اور جمی لائیڈ نے میری ماں کو اپنی ذات کے سحر میں گرفتار کر لیا۔ پھر جب یہ انکشاف ہوا کہ میری ماں، ماں بننے والی ہے تو جمی لائیڈ یکلخت روپوش ہو گیا۔ میری ماں اس سے ملنے جہاں جاتی رہی تھی، وہاں رجوع کیا تو ملازمین یکسر منحرف ہو گئے۔ انھوں نے اس نام اور حلیے کے کسی بھی شخص کے وجود سے انکار کر دیا اور احساسِ جرم سے مغلوب ہو کر میری ماں نے ایک رات اپنا گھر چھوڑ دیا۔"

"لیکن کیوں؟" میں نے دخل اندازی کرتے ہوئے سوال کیا۔ "تمھارے معاشرے میں تو سنگل پیرنٹ فیملی کا واضح اور قانونی تصور موجود ہے پھر اسے گھر چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ تحفظات نچلے درجے کے لوگوں کے لیے ہیں۔" وہ بولی۔ "اعلا حلقوں میں حسب نسب آج بھی اسی قدر اہم ہے جتنا سترھویں صدی میں ہوتا تھا۔ جمی لائیڈ جس طرح غائب ہوا اس کی بنا پر میری ماں کو پورا یقین تھا کہ وہ کوئی بڑا آدمی تھا لہٰذا میری پیدائش پر اس نے میرا نام بھی اسی کے نام پر رکھا۔ وہ سارے جہاں کے مصائب جھیل کر بلکہ گھناؤنی زندگی گزار کر بھی مجھے پروان چڑھاتی رہی اور تیرہ برس کی عمر میں مجھے تنہا چھوڑ کر مر گئی۔ اس نے اپنے ماضی کی ہر بات سے مجھے آگاہ کر دیا تھا لہٰذا میں اسی دن سے اپنے باپ کی تلاش میں ہوں۔ ایک بار اٹلی میں چند بڑے منشیات فروشوں کے تصادم کے سلسلے میں جمی لائیڈ کا پُراسرار نام اخبارات کی سرخیوں کی زینت بنا تو میری ساری توجہ اسی طرف مرکوز ہو گئی۔ میں جمی لائیڈ تک تو رسائی حاصل نہ کر سکی لیکن اس کے گروہ میں ضرور شامل ہو گئی۔ اس دوران میں اپنا مسلسل اپنا نام استعمال کرتی رہی تاکہ میرا نام کبھی اس تک پہنچے تو اُسے اپنا بھولا ہوا ماضی یاد آ سکے۔ پھر شاید اُسے میرے وجود کا علم ہو گیا لیکن مجھ پر اس کا اظہار نہیں کیا گیا۔ ہاں تنظیم کے تمام تر اصولوں کے باوجود مختلف ذرائع سے مجھ پر دباؤ ڈالا جانے لگا کہ میں تنظیم چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لوں تو ساری عمر میری

...ضروریات پوری کی جاتی رہیں گی۔ تنظیم میں کارکنوں کے لیے دو ہی
...تیار رہیں۔ کارآمد رہیں تو کام کرتے رہتے ہیں۔ ناکارہ ہو جائیں یا
...قانون کی نظروں میں آجائیں تو مار دیے جاتے ہیں اس اعتبار سے
...میرے لیے وہ پیش کش بہت عجیب تھی اور میں نے اسے
...قبول کر لیا۔ مجھے امید تھی کہ گروہ میں رہ کر شاید کبھی میں اپنے باپ
...تک رسائی حاصل کر سکوں لیکن میرا یہ خواب آج تک شرمندہ
...تعبیر نہ ہو سکا، البتہ میرے منصب میں تیزی کے ساتھ اضافہ
...ہونے لگا اور آج میرا شمار تنظیم کے چند بڑوں میں ہوتا ہے جو
...اپنے معاملات اپنی صوابدید کے مطابق طے کر سکتے ہیں۔"

"بڑی عجیب اور ناقابلِ یقین سی کہانی ہے تمھاری۔" میں
...نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ سب مجھے بتا کر
...کیا مقصد حاصل کرنا چاہتی ہو؟"

"مجھے تنظیم کے اندر ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔" وہ
...امید نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "کوئی ایسا ساتھی
...میری مدد کر سکے۔"

"تمھیں کس سلسلے میں مدد درکار ہے؟"

"پوری کہانی سن کر بھی یہ سوال کر رہے ہو؟" وہ طنزیہ لہجے
...میں بولی۔ "اپنے باپ تک رسائی کے علاوہ میرا اور کیا مقصد
...ہو سکتا ہے؟"

"جب وہ تمھیں اپنانے کے لیے تیار نہیں ہے تو تم کیوں
...اس سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہو؟" میں نے سوال کیا۔ "امید
...جب تک باقی رہے بہت سے دل خوش کن تصورات برقرار
...رہتے ہیں لیکن جب امید حقیقت کی کسی ننگی اور بے رحم دیوار سے
...ٹکرا کر بکھر جاتی ہے تو بسا اوقات زندگی عذاب بن جاتی ہے، ہو
...سکتا ہے کہ وہ تمھاری کہانی ماننے سے انکار ہی کر دے۔"

"پھر یہ میرا انتخاب ہوگا کہ میں کیا کرتی ہوں۔" وہ پُرعزم
...لہجے میں بولی۔

"کیا تمھاری یہ سوچ بغاوت کے مترادف نہیں ہے؟" میں
...نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "تمھیں جس کام سے روکا گیا ہے
...اسی راستے پر چلنے کے لیے پر تول رہی ہو۔"

"سوالات نہیں۔" وہ ہاتھ اٹھا کر سخت لہجے میں بولی۔ "میں
...صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم میرا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو یا نہیں؟"

"یعنی مجھ ہی کو قربانی کا بکرا بنانا چاہتی ہو۔"

"میں اس کی نظروں میں ہوں، جمی لائیڈ کبھی برداشت نہیں
...کرے گا کہ میں اس کی ہدایات سے انحراف کر کے خود لائیڈز کلب کے
...گرد طواف کرتی پائی جاؤں لیکن تم پچھلے معاملات صاف ہو جانے
...کے بعد اپنے لیے کوئی راہ نکال سکو گے۔"

"پچھلے معاملات۔" میں نے دھیمے سے کہا۔ "تم نے تو اپنے
مفاد کے لیے میرے گناہوں کو بخش دیا ہے لیکن لائیڈز کلب والے
میری لائی ہوئی بربادی کو کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔ میری معافی
ان کے ذہنوں میں ہمیشہ چبھتی رہے گی۔"

"یہ دیکھنا میرا کام ہوگا۔" اس نے پُراعتماد لہجے میں یقین دلایا۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں تمھارے ساتھ تعاون
کیوں کروں گا؟"

"بس اخلاقاً۔" وہ گہری مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "میں نے
سنا ہے کہ مشرق میں اخلاق کے بہت اعلا معیار رائج ہیں۔"

"ضرور رائج ہیں لیکن میں نے جس روز منشیات فروشی میں
ملوث ہونے کا فیصلہ کیا تھا، اخلاق کو اسی دن خیرباد کہہ دیا تھا۔
اب تو سارے فیصلے مفادات کے تابع ہوتے ہیں۔"

"دو چار لاکھ کا معاوضہ چاہتے ہو؟"

"مل جائیں تو انکار نہیں کروں گا لیکن محض پیسے کے لیے
میں اتنا بڑا جوا نہیں کھیل سکتا۔ تم نے جب یہ بات مجھ سے چھیڑی
تھی تو تمھارے ذہن میں وہ اسباب بھی رہے ہوں گے جس کی
بنا پر تمھیں میرے تعاون کی امید تھی۔ بس میں اسی کے بارے
میں تمھاری زبان سے تفصیلات سننا چاہتا ہوں۔"

"یہی کیا کم ہے کہ میں نے تمھیں اے ٹو کے چنگل سے نجات
دلائی ہے۔۔۔"

میں نے اس کی بات درمیان سے اڑا دی۔ "وہ تمھارا سوچا
سمجھا منصوبہ نہیں تھا۔ جب تم نے اے ٹو کو جہنم واصل کیا تو
میرا اور تمھارا سامنا تک نہیں ہوا تھا۔ اپنے اس انتظامی فیصلے
کو تم احسان کے طور پر میرے سر پر نہیں تھوپ سکتیں۔"

"یہ خیال دراصل کل کی پیداوار ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے
کہا۔ "میں نے ایڈی کو سوچے سمجھے منصوبے کے تحت راستے پر
ڈالا تھا اور اسی سے یہ کام نکلنے کا ارادہ تھا لیکن وہ کل مارا گیا،
اب سوچتی ہوں تو کل کا واقعہ مقدر ساز نظر آتا ہے۔ ایڈی وحشی
کی طرح طاقتور اور جنگجو ضرور تھا لیکن عقل سے اسی قدر عاری بھی
تھا۔ اسی لمحے میں نے تم کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔"

"یعنی جو مہربانیاں ایڈی پر تھیں، اب ان کا حقدار میں قرار
پاؤں گا لیکن یہ بتا دوں کہ میں ابرٹ کی رقابت نظرانداز نہ کر
سکوں گا اگر اس نے کبھی میری موجودگی میں ریشہ خطمی ہونے کی
کوشش کی تو میں اس کا جبڑا بکھیر دوں گا۔"

"تم اُسے غلط سمجھ رہے ہو، وہ بے چارا تو مجت کیے ضرر سا
عاشق ہے بس پاس بیٹھ کر تھوڑی دیر بے تکلفانہ انداز میں باتیں
کرتا ہے اور چار دن تک اسی تصور میں مست رہتا ہے۔"

"تمھاری قربت واقعی اسی قدر خمار آور ہے۔" میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں اس دام میں نہیں آسکوں گا۔ تعاون کی بس ایک ہی صورت ہوسکتی ہے کہ مجھے بھی کچھ آزادیاں فراہم کی جائیں۔"

"ڈسپلن کو برقرار رکھتے ہوئے جو کچھ ممکن ہوگا وہ کر گزروں گی۔" وہ بوتل سنبھال کر دیوار گیر کیبنٹ کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "شاید ہم آج کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکیں، تم کل آؤ گے تو ہم زیادہ کھلے دل سے بات کرسکیں گے۔"

"کیا آج اور کل میں کوئی فرق پڑ جائے گا؟" میں نے مضحکہ اڑانے کی حد تک بے پروائی اختیار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"یقیناً۔" اس کی آواز بڑا اعتماد تھی پھر چٹ کی آواز کے ساتھ وہ بولی "میں نے کینڈل لائٹ جلادی ہے تم مین سوئچ بورڈ سے روشنیاں گل کردو۔"

میری انگلیوں نے مشینی انداز میں جنبش کی اور کمرا تاریک ہوگیا۔ اب صرف دیوار گیر کیبنٹ میں ایک ایسی کینڈل لائٹ روشن تھی جو اس لماری میں سجی ہوئی بوتلوں اور گلاسوں کی بھرپور نشاندہی کررہی تھی لیکن اس سے آگے مجبور و بے بس تھی۔ ویرا لائیڈ اسی کیبنٹ کے سامنے کھڑی دو گلاسوں کی تیاری میں مصروف تھی اور اس کے تیور خاصے ہوش رُبا نظر آرہے تھے۔

❁ ☼

وہ اچانک ہی ہانپتا ہوا کار کے سامنے آگیا۔ اگر میں پوری قوت سے بریک پیڈل پر پاؤں نہ رکھ دیتا تو اس کا کار کے پہیوں تلے کچل کر آنجہانی ہوجانا یقینی تھا۔

وہ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کا ایسا صاف ستھرا علاقہ تھا کہ اس پر بلا مبالغہ کسی اہم فوجی چھاؤنی کا گمان ہوتا تھا۔ اب یہ اور بات تھی کہ بیشتر فوجی افسران اپنی آراضی شہری خریداروں کو سونپ کر کہیں اور جا بسے تھے۔ اس انقلابی تبدیلی میں علاقے نے کچھ عجیب ہی رنگ روپ نکالا تھا۔ مکانوں کے احاطوں میں شہری عادات و اطوار پوری شدت کے ساتھ کارفرما تھیں لیکن باہر سڑک پر کسی چھاؤنی کی سی مانوس ویرانی ڈیرا ڈالے ہوئے نظر آتی تھی۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" میں نے اُسے گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اگر ذرا بھی بے احتیاطی سرزد ہوتی تو اس وقت تم پہیوں کے نیچے آچکے ہوتے اور میں افسوس کے سوا کچھ نہ کرپاتا۔"

"ایک موڑ پر میں دیر سے پہنچا اور تمھاری گاڑی نکل گئی۔" وہ دروازہ کھول کر اندر گرتے ہوئے، چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان بولا۔ "پھر میں مکانوں کے درمیان سے شارٹ کٹ اختیار کر کے یہاں تک آیا تھا۔ اگر اس بار بھی تاخیر ہوجاتی تو نہ جانے ٹیکسی کی تلاش میں کتنی دُور تک پیدل ہی چلنا پڑتا۔"

میں نے انجن گیئر میں ڈال کر گاڑی آگے بڑھادی۔

"واپسی میں بہت دیر ہوگئی تمھیں۔" کچھ دیر تک اپنے سانسوں پر قابو پانے کے بعد وہ بولا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب شاید ہی تمھاری واپسی ہوسکے۔ صبح کا اجالا پھیلنے کے بعد کی کارروائی کے امکانات پر غور کررہا تھا۔"

"اچھا ہی ہوا کہ صبح کے انتظار میں نہ کے ... اصل شو... سے مذاکرات ذرا طول اختیار کر گئے۔"

"مذاکرات یا ملاقات؟" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

"جو دل چاہے کہہ لو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن ... کے سامنے ذرا محتاط ہی رہنا۔ ان معاملات میں وہ بہت حساس ہے۔"

"بہت خوش نظر آرہے ہو، معلوم ہوتا ہے کہ آج پرانے تعلقات کی دل کھول کر تجدید ہوئی ہے۔"

"ہاں۔ آج پچھلا سارا حساب برابر ہوگیا اور فی الحال مجھے غزالہ کی تلاش کا کام سونپا گیا ہے۔"

"غزالہ کی تلاش؟" سلطان شاہ حیرت سے بولا۔

"ہاں۔ براہِ راست ناکام ہونے کے بعد اس نے بالواسطہ وار کیا ہے لیکن میں نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ غزالہ اور ا... کی مطلوبہ لڑکی ایک ہی شخصیت کے دو رخ ہیں۔"

"یعنی یہ معاملہ ابھی تک زندہ ہے۔"

"وہ تمھیں بھی گھیرنا چاہ رہی تھی۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اختصار کے ساتھ اُسے پوری گفتگو سے آگاہ کردیا۔

"اس کا مطلب ہوا کہ اب مجھے بھی محتاط رہنا ہوگا۔"

"محتاط نہیں بلکہ تم کچھ دنوں کے لیے روپوشی اختیار کرلو۔ اس دوران داڑھی مونچھیں بڑھا کر تم اپنے حلیے میں نمایاں تبدیلی لاسکو گے، میرے لیے فی الحال راوی عیش ہی عیش لکھتا ہے تو گر کورمن تنظیم کے مفادات کے خلاف مجھ سے ایک سمجھوتا ہے۔ اس بارے میں طریقۂ کار کل طے ہوجائے گا۔"

اس کے استفسار پر میں نے ویرا لائیڈ کی کہانی چھیڑ دی۔ حیرت سے مُنہ کھولے میرے انکشافات سنتا رہا اور جب خاموش ہوا تو وہ بے اختیار بول پڑا۔ "تم جہاں جاتے ہو کوئی نہ کوئی کمزوری نکال ہی لیتے ہو۔ اگر وہ درست کہہ رہی ہے تو اس کے تعاون سے تمھیں ناقابلِ تصور آسانیاں مل سکیں گی۔"

وہ تبصرے کرتا رہا اور سفر جاری رہا۔

گھر پر سناٹا طاری تھا لیکن گاڑی رُکتے ہی برآمدے میں غزالہ نظر آئی۔ بے اختیار میری نگاہیں رسٹ واچ پر چلی گئیں۔

صبح کے ساڑھے تین بجا رہی تھی۔

میں تو ویرا کی خواب گاہ میں مے نوشی کے درمیان ہی اپنی آتش شکم سرد کر چکا تھا لیکن سلطان شاہ بھوکا تھا۔ اسے کھانا دے کر غزالہ بیٹی کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گئی اور میں نے اپنی اور ویرا کی ملاقات کی نوعیت کے علاوہ سارے واقعات بلا کم و کاست سنا دیے جس پر اس نے کسی تشویش کا اظہار کیے بغیر مسکرا کر مجھے مبارکباد دی تھی کہ آخر کار مجھے بھی اس کی تلاش کی مہم میں شریک کر لیا گیا تھا۔

جمی لائیڈ کے بارے میں شوگر کوئین کی کہانی پر وہ اعتبار نہیں کر سکی تھی کیونکہ وہ عین موقع پر ویرا کے چہرے کے حقیقی تاثرات نہیں دیکھ سکی تھی۔ اس کی رائے تھی کہ ویرا کی وہ کہانی من گھڑت تھی اور اس طرح وہ اندازہ لگانا چاہ رہی تھی کہ میں تنظیم کے ساتھ کس حد تک مخلص رہنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اس مباحثے سے نمٹ کر ساڑھے چار بجے ہم اپنے کمروں کی طرف ہو لیے۔

سلطان شاہ نے اپنا وقت واقعی بے آرامی میں گزارا تھا اس لیے بُری طرح تھکا ہوا تھا۔ وہ تو بستر پر دراز ہوتے ہی گہری نیند سو گیا لیکن میں دیر تک سگریٹیں پھونکتا گزرے ہوئے واقعات کا تجزیہ کرتا رہا اور آخر کار میری بھی آنکھ لگ گئی۔

صبح گھر میں ایک کہرام سا برپا ہوا تو میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑ دیا۔ کمرے سے نکلا تو ہر ایک ہراساں اور دم بخود تھا۔ کرنل کے چہرے پر زردی پھیلی ہوئی تھی اور وہ برسوں کا بیمار نظر آ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟ یہ سب کے چہرے لٹکے ہوئے کیوں ہیں؟ غزالہ کہاں ہے؟" میں نے ان سب کے چہروں پر نظریں دوڑاتے ہوئے وحشت زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"ہم لُٹ گئے بیٹے!" کرنل روہانسی آواز میں کراہا۔ "غزالہ گھر سے غائب ہے پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بار دشمنوں کا وار ہم پر چل ہی گیا ہے۔"

میری نگاہوں کے سامنے ایک دم اندھیرا سا چھا گیا۔

"کمرے میں تشدد کی کوئی علامت نہیں ہے۔" جہانگیر کہہ رہا تھا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ اُسے بے ہوش کر کے لے جایا گیا ہے۔"

"اس گھر پر تو کوئی عتاب ہی آیا ہوا ہے۔" سلمیٰ کی آواز خوف سے لرز رہی تھی۔ "تشدد اور خونریزی کے بعد اب اغوا کی بھی نوبت آ گئی ہے۔ شاید کوئی بھی محفوظ نہ رہ سکے گا۔ نہ جانے وہ اُسے کہاں لے گئے ہوں گے اور بیچاری کا کیا حشر کر رہے ہوں گے۔"

میرے لیے وہ بد ترین خبر تھی لیکن ان سب کی حالت دیکھتے ہوئے مجھے سنبھالا لینا پڑا ورنہ غزالہ کے ساتھ تو جو ہوا تھا سو ہوا تھا وہ سب بھی اعصاب زدہ ہو کر رہ جاتے۔

"اس کی گمشدگی کا علم کیسے ہوا؟" میں نے پُرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ ہمیشہ دروازہ بند کر کے سونے کی عادی ہے۔" کرنل پھنسی پھنسی آواز میں بدقت تمام بولا۔ "میں بیدار ہوا تو اس کی خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ پہلے میں سمجھا کہ وہ شاید خلافِ معمول جلدی بیدار ہو کر کچن وغیرہ میں جا گھسی ہے لیکن جب کہیں نظر نہ آئی تو میں نے خواب گاہ میں نگاہ دوڑائی اور وہاں اس کا بستر خالی تھا۔ چپلیں کمرے میں موجود تھیں جو ایک انہونی بات تھی۔ وہ تو کبھی ننگے پاؤں گھومنے کی عادی نہیں تھی۔ میری بچی۔" کرنل کے مُنہ سے ایک سسکی نکلی اور وہ رومال میں اپنا مُنہ ڈھانپ کر خاموش ہو گیا۔

"حالات کچھ خطرناک رُخ اختیار کر چلے ہیں۔" میں نے جہانگیر کو ایک طرف لے جا کر نرمی سے کہا۔ "ان حالات میں تمہارا یہاں ٹھہرنا مخدوش ہو سکتا ہے، بہتر یہی ہو گا کہ تم سلمیٰ کو ساتھ لے کر اپنے گھر لوٹ جاؤ۔"

"اس بُرے وقت میں، میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ اٹل لہجے میں بولا۔ "سلمیٰ کو میں یہاں سے اس کے رشتے داروں میں بھیجے دیتا ہوں، صرف اسی کی وجہ سے ہمیں کوئی دشواری پیش آ سکتی ہے۔"

"نہیں تم بھی جاؤ گے۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "پرانی بساط الٹ چکی ہے اور اب نئے سرے سے آدمیوں کو یکجا کیا جا رہا ہے تم ان کی نگاہوں میں معتوب بھی نہیں رہے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اب تک تم سے رابطے کی کوششیں شروع کی جا چکی ہوں، تمہیں اپنے ٹھکانے پر موجود رہنا چاہیے تاکہ ان سے رابطہ پیدا کر سکو۔ تمہارے ذریعے ان کے بہتیرے عزائم ہمارے علم میں آ سکتے ہیں۔ تم یہاں سے نکل کر ہی زیادہ سود مند ثابت ہو سکو گے۔"

میری تقریر اس کے ذہن میں اتر گئی اور وہ فوری طور پر وہاں سے روانگی کے لیے آمادہ ہو گیا۔ اس بارے میں سلمیٰ نے خاصی مزاحمت کرنا چاہی تھی لیکن میری اور سلطان شاہ کی مداخلت پر اُسے بھی ہتھیار ڈالنے پڑے۔

ان دونوں کی روانگی کے بعد گھر میں سناٹا چھا گیا۔ کرنل ڈرائنگ روم میں بیٹھا مسلسل روئے جا رہا تھا اور سلطان شاہ یوں اُداس تھا جیسے اس کی کوئی قیمتی متاع لٹ گئی ہو۔ شمع اس تمام ہنگامے سے لاتعلق کوکین کے نشے میں ڈوب کر گہری نیند

سوئی ہوئی تھی۔

"ہمیں بدترین زک اٹھانا پڑی ہے۔" سلطان شاہ مغموم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ بھابی کی تلاش میں کن دیواروں سے اپنا سر ٹکرایا جائے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ صبح واپسی پر ہمارا تعاقب نہیں کیا گیا تھا؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد میں نے خیال انگیز لہجے میں سوال کیا۔

"اگر ہیڈ لیمپس گل کرکے کوئی پیچھے لگا رہا ہو تو اور بات ہے ورنہ بظاہر تو میدان صاف تھا۔"

"تعاقب کون کرسکتا ہے؟" میں خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ "ویرا میرے ساتھ تھی، البرٹ سو رہا تھا اور محافظ اپنی ڈیوٹی پر تھا، وہاں سے کون تعاقب میں نکل سکتا تھا۔"

"ویرا سے تو تمہاری مصالحت ہوگئی تھی۔ اسی سے رجوع کیوں نہیں کرلیتے؟" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

"میں خود بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہا ہوں۔ اگر غزالہ ویرا ہی کے ہاتھ لگی ہے تو اب ہمیں دانتوں پسینہ آجائے گا۔ سب سے بڑھ کر میری غلط بیانی ثابت ہوجائے گی کیونکہ میں ابھی تک غزالہ کے وجود سے مسلسل انکار کرتا رہا ہوں۔ خود ویرا بھی آسانی سے اس کارروائی کا اعتراف نہیں کرے گی۔"

"لائیڈز کاٹیج والے بھی اس پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔" سلطان شاہ نے رائے ظاہر کی اور میں یک بیک مضطرب ہوگیا۔ وہ لوگ انسانوں کے روپ میں درندے تھے۔ غزالہ کے ان کے ہاتھ لگنے کے تصور ہی سے میں کانپ اٹھا۔

پھر میں نے اسی حالت میں مواصلاتی یونٹ کا نمبر ڈائل کرڈالا۔

"ڈینی بول رہا ہوں، مجھے ویرا سے بات کرنی ہے۔" دوسری طرف سے رابطہ قائم ہوتے ہی میں نے براہِ راست مطلب کی بات کہہ ڈالی۔

"پیغام نوٹ کرادو، ضرورت محسوس ہوئی تو وہ خود تمہیں رنگ کرلے گی۔" ریسیور پر البرٹ کی خشک آواز ابھری۔

"میں پبلک بوتھ سے بول رہا ہوں، میرا کوئی نمبر نہیں ہے۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "میرے پاس بہت اہم پیغام ہے۔ اگر تاخیر ہوئی تو صورتِ حال قابو سے باہر بھی ہوسکتی ہے۔"

"جہاں کرے۔" اس کی آواز بے پروایانہ تھی۔ "ابھی میری ہڈیاں جل رہی ہیں۔ کچھ تمہاری بھی جل جائیں گی۔"

"تم مجھے مجبور کررہے ہو البرٹ۔" میں غصے اور بے بسی کے عالم میں بولا۔ "اگر تم نے میری بات نہ مانی تو شاید مجھے خود ہی یونٹ کا رخ کرنا پڑے گا۔"

"کل شام کی بات اور تھی، آج تم اندر قدم بھی نہ رکھ سکو گے۔"

"اچھا یہی بتادو ویرا کہاں ہے؟" میں نے زچ آکر کہا۔

"میں ٹھہرا بوڑھا آدمی، بھلا مجھے کیا معلوم ہوسکتا ہے۔ تم جوان ہو، اپنے تخیل کا زور لگاؤ تو الہام شروع ہوجائے گا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کررہی ہے۔" اس وقت وہ شاید میری مجبوری بھانپ کر مجھ سے بدلہ لینے پر تل گیا تھا۔

"اس وقت یہ کمینگی تم کو زیب نہیں دے رہی بڈھے گدھ!" میں نے طیش کے عالم میں کہا۔

جواب میں ریسیور پر اس کا گونجیلا قہقہہ سنائی دیا۔ "اب میری طبیعت خوش ہوئی نا — کمینگی تو بس تم ہی کو زیب دیتی ہے کہ جس کا کھاتے ہو اسی کو آنکھیں دکھاتے ہو۔ ویسے تمہیں تکلیف کیا ہے۔ سنا ہے کہ رات ڈھائی تین بجے تک اسی کے ساتھ تھے اور اب صبح ہوتے ہی پھر اس کی تلاش شروع کردی ہے!"

"ہمارا ایک اہم آدمی پولیس لاک اپ میں بدترین تشدد کا نشانہ بنا ہوا ہے۔" مجھے اس کی عقل ٹھکانے لانے کا ایک بہانہ اچانک ہی سوجھ گیا۔ "اگر اس کے بارے میں فوری طور پر قدم نہ اٹھایا گیا تو کسی بھی وقت وہ زبان کھول بیٹھے گا اور اس تمام تباہی کی ذمے داری تم پر ہوگی — بس اب میں فون بند کررہا ہوں۔"

"ارے، ناراض ہوگئے میری جان۔" بڈھا خلافِ توقع اس وقت خاصی خوش دلی کا مظاہرہ کررہا تھا۔ "میں تو بس تمہاری ہڈیاں سلگا رہا تھا۔ ذرا چند منٹ انتظار کرو، میں ویرا کو بلائے لاتا ہوں۔"

میں بس ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ غنیمت تھا کہ وہ راہِ راست پر آگیا تھا ورنہ شام کو ویرا سے طے شدہ ملاقات سے پہلے وہ گتھی سلجھنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ میں ریسیور کان سے لگائے امید و بیم کی حالت میں کھڑا تھا کہ اچانک ہی ریسیور میں ویرا کی آواز گونجنے لگی۔ "معاملہ گڑبڑ ہے تو فوراً ہی ادھر آجاؤ، میں انتظار کررہی ہوں۔"

اس سے پیشتر کہ میں اس کے جواب میں زبان بھی ہلاتا دوسری طرف سے کلک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ غالباً ریسیور کریڈل پر رکھ دیا گیا۔ میں ریسیور کان سے لگائے کئی سیکنڈ تک ہیلو ہیلو کرتا رہا لیکن دوسری طرف مسلسل سناٹا چھایا رہا اور ناچار مجھے بھی سلسلہ منقطع کرنا پڑ گیا۔

لحظہ بھر کے لیے مجھے دوبارہ نمبر ڈائل کرنے کا خیال آیا لیکن میں نے اسے فوراً ہی ترک کردیا۔ میں نے ویرا کو فون پر بلانے کے لیے البرٹ سے جو بہانا کیا، وہ الگ سہی لیکن تفصیل طلب تھا جب کہ ویرا نے مجھے بولنے

موقع نہیں دیا اس کا مطلب تھا کہ وہ کسی وجہ سے مجھ سے فون پر بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔

میں سن چکا تھا کہ وہ مواصلاتی یونٹ بہترین نشریاتی، مانیٹرنگ اور ریکارڈنگ کے آلات سے لیس تھا۔ شاید ویرا کو شبہ رہا ہو کہ کہیں البرٹ اس کی لاعلمی میں گفتگو ریکارڈ نہ کر لے اسی وجہ سے اس نے اپنا پیغام پورا کرتے ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کیا رہا؟" مجھے خیالات میں ڈوبا ہوا دیکھ کر سلطان شاہ نے چند ثانیوں کے بعد سوال کیا۔

"میری بات سنے بغیر اس نے مجھے وہاں پہنچنے کی ہدایت دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔" میں نے کہا۔ "بجانے وہ میری کال سے کیا مطلب اخذ کر بیٹھی ہے۔"

"تمھیں جانا تو ہو گا۔" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔ "ذرا سی دوڑ یہ بھی سہی۔"

"تم یہیں رک کر ذرا کرنل کا خیال رکھنا۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "میں جلد از جلد واپس لوٹنے کی کوشش کروں گا۔"

میں فوراً ہی لباس تبدیل کر کے یونٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

پچھلی ملاقات محافظ کو اچھی طرح یاد تھی لہٰذا اس نے مجھے پہچانتے ہی پھاٹک کھول دیا۔ گاڑی پختہ روش پر اندر لے جاتے ہوئے مجھے ویرا باہر لان پر ہی ٹہلتی ہوئی نظر آئی اور میں نے کار پورچ میں بڑھا لے جانے کے بجائے وہیں روک دی۔

"اب کہو کہ کون پکڑا گیا ہے؟" میرے قریب پہنچنے پر اس نے دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

"فون پر بات کرنے سے گریز کیوں کیا تھا؟" میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے پُرسکون لہجے میں سوال کیا۔ مجھے [illegible] تھا کہ اپنی بے تابی ظاہر کر کے میں اس کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جاؤں گا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم غیر محتاط گفتگو کرو گے جب کہ یہاں سے ہونے والی ہر کال ٹیپ ہوتی ہے۔ تم اپنے ساتھ میرے لیے بھی دشواریاں پیدا کر سکتے تھے۔ البرٹ اپنے فرائض میں کسی کے ساتھ کوئی رو رعایت نہیں کرتا۔"

"لیکن وہ خود تو فون پر کافی بکواس کر رہا تھا۔"

"وہ کر سکتا ہے کیونکہ ٹیپ کی ہوئی کالز کو وہ خود ہی مانیٹر کرتا ہے اور اوپر والوں کو براہِ راست رپورٹ بھیجتا ہے، وہ جو کچھ چاہے رپورٹ سے حذف کر سکتا ہے۔ وہ خود بھی بتا رہا تھا کہ اس نے تم سے فون پر خاصا بدلہ لے لیا ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کس بارے میں بات کرنے کے لیے بے چین تھے؟"

"کیا میں آزادی کے ساتھ بات کر سکتا ہوں؟" میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"پوری آزادی سے۔" اس نے فراخدلانہ لہجے میں کہا۔ "میں اسی لیے باہر نکل آئی ہوں۔"

"صبح یہاں سے واپسی پر میرا تو [illegible]ب کیا گیا تھا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"بالکل کیا گیا تھا۔" اس کے جواب نے میرے وجود میں سنسنی سی دوڑا دی۔

"کیا یہ طے شدہ معاملات سے تجاوز نہیں تھا؟" میں نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"معاملات تو آج شام طے ہونے تھے۔" اس نے مکارانہ لہجے میں کہا۔ "پھر تجاوز کا سوال کیسے پیدا ہو گیا؟"

"لڑکی کہاں ہے؟" میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کس لڑکی کی بات کر رہے ہو؟" اس نے بے پروائی سے پوچھا۔

"جسے آج صبح سویرے اغوا کیا گیا ہے۔"

"جس کے بارے میں تم جھوٹ بولتے رہے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "وہ تنظیم کو مطلوب ہے لیکن تم آج تک سب کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے۔ میں نے نہ صرف تمھارا تعاقب کیا بلکہ اس کو بھی بھرے گھر میں سے نکال لائی۔"

"تت... تم نے خود اغوا کیا ہے اسے؟" اس انکشاف پر میں ششدر رہ گیا۔

"کسی اور سے مدد لی ہوتی تو وہ اب تک لائیڈز کا لج کے کسی عقوبت کدے میں اپنی زندگی کے بدترین لمحات گزار رہی ہوتی۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"میری تحویل میں ہے۔" وہ پُرغرور لہجے میں بولی۔ "دراصل تم نے خود ہی مجھے اس کارروائی پر اکسایا تھا، مجھے پہلے سے شبہ تھا کہ وہ لڑکی تمھاری ساتھی ہے۔ کل جب تم نے سوال کیا کہ جمی لائیڈ کے بارے میں تم میرے ساتھ تعاون کس لیے کرو گے تو پہلی بار مجھے اپنی نازک پوزیشن کا احساس ہوا، میں زبان کھول کر پھنس چکی تھی اور تم بالادست تھے لیکن اب صورتِ حال ہمیں برابری کی سطح پر لے آئی ہے۔"

"ذرا وضاحت سے بات کرو، میں تمھارا مدعا نہیں سمجھ سکا۔"

"تم جب تک میری ہدایات پر عمل کرتے رہو گے، لڑکی میری تحویل میں محفوظ رہے گی اور جس لمحے تم نے مجھے کراس کرنے کی کوشش کی، میں لڑکی کو ان درندوں کی تحویل میں دے دوں گی جو وحشی اور سفاک ہیں۔"

"یعنی تم مجھے بلیک میلنگ کی دھمکی دے رہی ہو؟"

"جو چاہو سمجھ لو۔" وہ گردن جھٹک کر بولی۔ "اس اقدام کے بغیر بس تمھارے ہاتھوں میں کھلونا بن سکتی تھی۔ میں ڈالی میں لگا ہوا پکا پھل نہیں ہوں جو خود بخود ہر ایک کی جھولی میں آ گرتا ہے۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر پچھلی رات تمھارے ساتھ گزاری تھی۔ تم یہاں سے عیش و عشرت اور فتح مندی کے جذبے سے سرشار ہو کر لوٹے تھے اور اسی غفلت کی بنا پر مجھے اپنی کارروائی کر گزرنے کا موقع مل گیا۔ اب تمھیں اپنی محبوبہ درکار ہے اور میں اپنے باپ کی متلاشی ہوں۔ میں جس دن جمی لائیڈ کے روبرو پہنچ گئی، تمھاری محبوبہ بحفاظت تمھیں لوٹا دی جائے گی۔"

"میں یہ شرط تسلیم نہیں کر سکتا۔" میں نے نچلا ہونٹ دانتوں سے کاٹتے ہوئے کہا۔

"نہ کرو، میں تمھیں مجبور نہیں کر سکتی۔" وہ فاتحانہ تبسم کے ساتھ بولی۔ "تنظیم کے اہلکار آج بھی اس لڑکی کے لہو کے پیاسے ہیں اور اگر وہ ان کی تحویل میں مرنے سے پہلے زبان کھول بیٹھی تو میری تمام ہمدردیوں کے باوجود تم بھی بدترین عتاب کا نشانہ بن جاؤ گے، بصورتِ دیگر میں یہ بھولے رہوں گی کہ تنظیم کو لڑکی کی تلاش ہے۔"

"وہ ہے کہاں؟" میں نے سرد نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"میری تحویل میں۔ تم ہزار بار بھی پوچھو گے تو اس سے زیادہ کچھ نہ بتاؤں گی۔"

"میں اس عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔"

"جو کچھ بجا سکتے ہو، شوق سے بجاؤ، یہاں اس کا سایہ بھی نہ مل سکے گا۔ البرٹ دل و جان سے تنظیم کا وفادار ہے۔ وہ لڑکی کو پہچانتے ہی اوپر خبر پہنچا دیتا اور تم سے ہوئے بازی کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہ رہتا۔ اسی لیے میں نے لڑکی کو یہاں لانے کے بجائے ایک محفوظ ٹھکانے پر پہنچایا ہے جہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔"

"میں کسی فیصلے پر پہنچنے سے قبل ایک بار اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے شکست اور بے بسی کے احساس کے ساتھ کہا۔

"یہ ناممکن ہے۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔ "اور یہ بھی بتا دوں چلوں کہ اب میں تمھیں زیادہ مہلت نہیں دوں گی۔ تمھیں اسی وقت فیصلہ کرنا ہے ورنہ اس لڑکی کی بدنصیبی پر رونے کے سوا کچھ نہ کر سکو گے۔"

وہ شاید میری زندگی کا بدترین سانحہ تھا جو چپکے سے در آیا تھا۔ غزالہ کو تنظیم کے گماشتوں نے اہلکاروں سے بچا رکھنے کے لیے میں نے کیا کچھ پاپڑ نہ بیلے تھے لیکن ویرا نے اپنی ذات کے فسوں میں الجھا کر مجھے اچانک ہی بے دست و پا کر دیا تھا اور اب میرے لیے مکمل طور پر ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ واقعی سچ ہی تھا جس نے بھی کہا تھا کہ عورت اگر اپنے حربوں کو آزمانے پر اتر آئے تو بڑے سے بڑے زیرک مرد کو آناً فاناً میں خاک چٹوا سکتی ہے اور یہی کچھ ویرا نے میرے ساتھ کیا تھا۔

"تم لڑکی کو آزاد کر دو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں کبھی دغا نہیں دوں گا۔"

"اب مجھے نہ تمھاری وفا کی حاجت ہے نہ دغا کا خوف۔ میرے لیے تو یہی ایک احساس ہمیشہ طمانیت کا باعث بنا رہے گا کہ اپنی دوست کی سلامتی اور آزادی کے لیے تم رضاکارانہ طور پر میرے محافظ بنے رہو گے۔ ویسے نام کیا ہے اس لڑکی کا؟"

"غزالہ۔" میرے دل کی گہرائیوں سے آواز نکلی۔ "شاید تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ وہ کوئی لاوارث لڑکی نہیں ہے۔ اس کے باپ کا حال ابتر ہے، بیمار ماں کو جوان بیٹی کے اغوا کی خبر ملی تو شاید وہ اس صدمے سے جانبر ہی نہ ہو سکے گی۔"

"انھیں سنبھالنا تمھارا کام ہے۔" وہ جذبات سے عاری سپاٹ لہجے میں بولی۔ "اچھے اور برے، دونوں نتائج تمھارے فیصلے سے وابستہ ہیں، یہ میرا وعدہ ہے کہ اپنے الفاظ سے ہرگز نہیں پھروں گی۔"

"میں فیصلہ سنا چکا۔" میں نے دوسری بار وہ بات کہتے ہوئے اپنے حلق میں شکست کی تلخی سی گھلتی محسوس کی۔ "میں تمھارے لیے کام کروں گا لیکن تم لڑکی کو رہا کر دو، یہ تلخی ہمارے درمیان ایک خلیج بنی رہے گی۔"

"مجھے سمجھانے کے بجائے خود کو میری جگہ رکھ کر سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ بھی ذہن میں رکھو کہ میری مہم اسی ملک کی سرحد میں محدود نہیں رہے گی۔ لائیڈز کالج سے کچھ بنیادی معلومات

سیٹنے کے بعد ہمیں لامحالہ یورپ کا رخ کرنا ہوگا جہاں جمی لائیڈ
کا نام اکثر و بیشتر سننے میں آتا ہے۔ تمہاری غیر موجودگی میں اس
لڑکی کا کیا بنے گا؟ کم از کم میری تحویل میں وہ اپنے دشمنوں کی دسترس
سے تو بچی رہے گی۔“

”جب تم خود بیرونِ ملک ہوگی تو اس کا نگہبان کون
ہوگا؟“

”وہ میرے ناقابلِ شکست انتظامات ہیں۔“ وہ بولی۔
”چاہو تو میں اسے بیرونِ ملک بھی بھجوا سکتی ہوں اور یہ بندوبست
کسی بھی دن قلیل سے نوٹس پر کیا جاسکتا ہے۔“

”تمہارے وسائل اتنے ہی قابلِ اعتبار ہیں تو مجھے
ساتھ ملانے کی کیا ضرورت ہے، تم اپنے طور پر بھی جمی لائیڈ
کا سراغ لگا سکتی ہو، اتنے پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت ہے؟“

”میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ مجھے تنظیم کے اندر ایک ہمدرد
کی ضرورت ہے، باہر سے تو جب چاہوں پوری فوج اکٹھی
کر سکتی ہوں۔ آخر کو میں خود بھی جمی ہی کی بیٹی ہوں۔“

”اگر میرا کام کچھ محدود نوعیت کا ہے تو مجھے کام بتاؤ
تاکہ میں اپنا حصہ پورا کر کے تمہارے شکنجے سے اپنی گلو خلاصی
کرا سکوں، یورپ کی تفریح تم خود ہی کر لینا۔“

”تمہارا کام یقیناً محدود سا ہوگا لیکن تمہاری ضرورت شروع
سے آخر تک رہے گی۔ مشکل یہ ہے کہ آج تک کوئی ایسا شخص
نہیں مل سکا جو جمی لائیڈ سے ملاقات کا دعوے دار ہو۔ اس
لیے اس کی شناخت میرے لیے ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے۔
تمہاری ضرورت اسی مسئلے کے حل کے لیے ہے۔“

”بھلا میں کیا کر سکوں گا؟ کیا تمہاری ماں نے اس بارے
میں تمہاری کوئی رہنمائی نہیں کی تھی؟“

”وہ برسوں پرانی بات ہے پھر اس وقت میرے ذہن
میں دور دور تک ایسا کوئی امکان نہیں تھا کہ میں اپنے باپ
کی تلاش کا بیڑا اٹھاؤں گی۔ ماں کی کہی ہوئی باتوں کو یاد کرتی
ہوں تو یورپ میں ہر سو میں سے دو چار مرد ماں کے بتائے
ہوئے حلیے پر پورے اترتے ہیں۔ ورنہ مجھے مہم جوئی کا
کوئی شوق نہیں تھا۔“

”بھلا میں کیا کر سکوں گا اس بارے میں؟“ میں نے بیچارگی
سے کہا۔ ”میں نے تو نہ اسے دیکھا ہے اور نہ کسی سے اس
کا حلیہ ہی سنا ہے۔“

”لائیڈز کالج میں کہیں اس کی ایک تصویر موجود ہے۔“
وہ پرُخیال لہجے میں بولی۔ ”وہاں تک تمہیں پہنچانا میرا کام
ہے۔ پھر وہ تصویر تلاش کر کے دیکھنا تمہاری ذمہ داری ہے
بس اسی کے بعد دوسرے مرحلے کا آغاز ہوگا۔“

”اور اگر میں وہاں سے تصویر ہی اڑا لاؤں؟“

”احمقانہ باتیں مت کرو۔“ وہ چڑچڑے لہجے میں بولی۔
”وہ تصویر اتنی بڑی اور فریم کی ہوئی ہے کہ کالج کے سارے
نگہبان اندھے بھی ہو جائیں تو ٹٹول کر تمہیں تصویر سمیت پکڑ
لیں گے۔“

”پھر تو وہ تصویر بہت سے لوگوں کی نگاہ سے
گزری ہوگی۔“

”نہیں — وہ کسی خاص کمرے میں ہے۔“

اس کا مدعا معلوم ہو جانے کے بعد میں نے ایک
مرتبہ پھر غزالہ کی رہائی کے بارے میں بات چھیڑی لیکن وہ
ہٹ کی پکی تھی۔ ایک بار جو کچھ کہہ چکی تھی، اس میں ذرا بھی نرمی
کے لیے آمادہ نہ ہوئی بس یہ یقین دلاتی رہی کہ غزالہ عزت
اور احترام کے ساتھ اس کی تحویل میں رہے گی۔

اس روز پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ تول کر لولنے سے
کیا مراد ہوتی ہے میری زبان سے روا روی میں نکلے ہوئے
ایک فقرے نے ویرا کو اتنا بڑا قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا
تھا کہ میں اس کے آگے بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔

اس قصے کا دلچسپ پہلو یہ تھا کہ میری طرح ویرا کا
ہدف بھی تنظیم کے سربراہ کی ذات تھی۔ فرق صرف اتنا تھا
کہ وہ اپنے باپ کی متلاشی تھی اور میں اسے فنا کر کے تنظیم
کی جڑوں پر کاری وار لگانا چاہتا تھا اور مقدر نے ہم دونوں
کو غزالہ کی آزادی کی قیمت پر ایک ہی جگہ لا جمع کیا تھا۔

پھر اچانک ہی مجھے ایک آخری حربہ سوجھ گیا اور میں
دوبارہ ویرا سے الجھ پڑا۔ ”میں غزالہ کے بارے میں تم پر
کیسے بھروسا کر لوں؟ تم بھی اسی باپ کی اولاد ہو جو ایک عالم
کو فریب پر فریب دیے جا رہا ہے۔ مجھے دھندے سے
لگا کر تم تنظیم میں اور بہتر مقام حاصل کرنے کے لیے غزالہ
کو ان کے حوالے کر سکتی ہو — مجھے اس کے بارے میں
طفل تسلیاں دیتی رہو گی اور عین وقت پر معلوم ہوگا کہ میرے
لیے تو کچھ بھی باقی نہیں رہا ہے۔“

”میں کہہ چکی ہوں کہ تمہیں میری زبان پر اعتماد کرنا ہوگا۔“
وہ سخت لہجے میں بولی۔ ”ہو سکتا ہے کہ تمہارے بہتر رویے
اور اچھی کارکردگی کی بنا پر کچھ عرصے بعد میں اس سے تمہاری
ملاقات کرا دوں لیکن یہ کوئی وعدہ نہیں ہے بلکہ سراسر میرا استحقاق
اور فیصلہ ہوگا۔“

”تم بھی کوئی مافوق الفطرت ہستی تو نہیں ہو۔“ وار خالی

دیکھ کر میں نے پینترا بدلا۔" ہو سکتا ہے کہ تمھاری کسی غفلت یا ان لوگوں کی مکاری کی وجہ سے غزالہ ان کے ہتھے چڑھ جائے۔"

"امکانات پر بحث کرو گے تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔" میری تحویل میں قدرتی طور پر اس کی موت واقع ہو سکتی ہے، مجھے کوئی مہلک حادثہ پیش آسکتا ہے، سب ہی کچھ ہو سکتا ہے۔ میں تو صرف یہ بات تمھارے سے ذہن نشین کرانا چاہ رہی ہوں کہ میں پوری نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ اس کی حفاظت کی کوشش کروں گی اور نیت کے بارے میں تمھیں میرے الفاظ پر بھروسا کرنا ہوگا۔ لگے ہاتھوں تمھیں یہ بھی بتاتی چلوں کہ تنظیم کے جن بڑوں میں میرا شمار ہوتا ہے، وہ سربراہ کے بعد سب سے زیادہ طاقتور اور بااختیار تصور کیے جاتے ہیں لہٰذا میرے لیے کسی بلند تر منصب کی آرزو کوئی وجود نہیں رکھتی لیکن میں محسوس کرتی ہوں کہ میرا باپ میرے سامنے آئے بغیر اس انداز میں میری تربیت کرتا رہا ہے کہ میں بڑی سے بڑی ذمے داریاں سنبھال سکوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے پس پشت میرے باپ کی یہ خواہش کارفرما رہی ہو کہ اس کے بعد تنظیم کا اقتدار موروثی طور پر میری طرف منتقل ہو سکے۔ اس لیے یہ اندیشہ بے بنیاد ہے کہ میں غزالہ کے بارے میں کسی سے کوئی سودے بازی کر بیٹھوں گی۔"

"پھر اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" میرے ترکش کے سارے تیر خالی ہو چکے تھے۔

"گھر جا کر آرام کرو۔" وہ ناصحانہ لہجے میں بولی۔" اب تمھارے سارے کارڈ میرے سامنے کھل گئے ہیں، میں تمھارا گھر بھی دیکھ چکی ہوں۔ لہٰذا اب زیادہ اڑنا بے سود ہوگا، مجھے اپنے گھر کا فون نمبر دے دو، ضرورت پڑنے پر میں خود رابطہ قائم کر لوں گی۔"

میں نے بے جان آواز میں غزالہ کے گھر کا فون نمبر دُہرا دیا اور پھر بے نیل و مرام وہاں سے واپس چل دیا۔

☆

میرا دل بوجھل ہو رہا تھا۔ اپنی غلطی کا علم ہو جانے کے بعد کرنل اور اس کی بیوی کا سامنا کرنے کی ہمت باقی نہیں رہی تھی۔ میں بے مقصد سگریٹیں پھونکتا شہر کی سڑکوں پر کار ڈرائیو کرتا رہا۔

پچھلی رات میری غلطیوں کی رات تھی۔ سب سے پہلے میں نے اپنے تعاون کی وجہ دریافت کر کے ویرا کے ذہن میں اپنے خلاف ایک سازش کی بنیاد پیدا کی۔ پھر اس کی دعوت قبول کر کے دوسری سنگین غلطی کا ارتکاب کیا اور تیسری اور بدترین غلطی یہ تھی کہ وہاں سے واپسی پر میں کیف و سرور میں اس قدر کھویا ہوا تھا کہ تعاقب کے امکانات پر گہری نگاہ نہ رکھ سکا اور وہ غزالہ کو شاید بے ہوش کر کے گھر سے اٹھا لے گئی۔

میں سوچتا رہا اور خود کو ملامت کرتا رہا پھر ان ہی ملامتوں میں ایک نئے جذبے نے سر ابھارا۔ جو کچھ ہو چکا تھا اسے لوٹانا فی الحال میرے بس سے باہر تھا لیکن یہ کچھ کم نہیں تھا کہ تنظیم سے یکسر کٹ جانے کے بعد مجھے ایک مرتبہ پھر ان کی صفوں میں گھسنے کا موقع مل گیا تھا اور اس بار لائیڈز کارگ میں داخلے کے امکانات بھی روشن تھے جس کی بے رحم فصیلوں میں بسنے والے درندوں نے شاید بڑی ماں کو از کار رفتہ لاوارث قرار دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ مقدر شاید دھیمے دھیمے میرا ساتھ دے رہا تھا اور مجھے جلد ہی بڑی ماں کے قاتلوں سے بدلہ لینے کا موقع ملنے والا تھا۔

میں نے کار واپس گھر کے راستے پر ڈال دی۔

کرنل گھر کا پھاٹک کھولے کسی دیوانے کی طرح انتظار میں پختہ روش پر ٹہل رہا تھا۔ نجانے کس کا انتظار تھا اسے؟ میرا یا غزالہ کا؟ وہ ایک جوان بیٹی کا باپ تھا۔ اپنی جگر خراش خانگی زندگی کے پس منظر میں، غزالہ کی گمشدگی پر وہ دنیا کا مظلوم ترین شخص نظر آرہا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی وہ وحشت زدہ انداز میں میری طرف لپکا تھا اور میرے اترنے تک کسی گوشے سے سلطان شاہ بھی نمودار ہو کر [illegible] گیا۔

"اس کا سراغ مل گیا ہے۔" میں نے اپنے لہجے اور آواز میں تازگی پیدا کرتے ہوئے اعلان کیا اور کرنل سمت کا لحاظ کیے بغیر دیوانہ وار پختہ روش پر سجدۂ شکر بجا گر گیا۔

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انسان کی بھی کیا کیا مجبوریاں ہوتی ہیں۔ شاید غزالہ مر جاتی تو اس کے باپ کو اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا اس کے اغوا کیے جانے پر ہوا تھا۔ قلیل سی مدت میں غزالہ کے ساتھ وہ سانحہ دوسری بار رونما ہوا تھا اور اس بار کرنل کی حالت بہت زیادہ ابتر تھی۔

"کہاں ہے میری بچی؟ تم ساتھ کیوں نہیں لائے اسے؟" کرنل نے سر اٹھا کر خالی خالی نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ فی الحال نہیں آسکتی لیکن وہ عزت اور احترام کے ساتھ رکھی گئی ہے...!" میں نے کہنا چاہا لیکن کرنل نے

بات کاٹ دی۔
ہوئے میری بات کاٹ دی۔
"خدا کے لیے مجھے جھوٹے دلاسے نہ دو۔ سچ سچ بتادو کہ اسے کیا ہوا ہے؟ وہ کہاں ہے؟" یہ کہہ کر وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ پیٹتے ہوئے رونے لگا۔
اسے بمشکل دلاسا اور سہارا دے کر ہم دونوں اندر لائے اور وہاں پہنچنے تک فرطِ گریہ سے اس پر غشی طاری ہو گئی۔
"اچھا ہے، کچھ دیر اسے بے ہوش رہنے دو۔" میں نے اپنا پسینہ صاف کرتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا۔ "نہ صرف اسے بلکہ ہمیں بھی ذرا سا آرام مل سکے گا، شمع کا ردِعمل کیا تھا؟"
"کچھ بھی نہیں۔" سلطان شاہ نے بتایا۔ "اسے تو مطلع ہی نہیں کیا گیا، وہ بیدار ہوئی تو کرنل نے اسے اگلا ڈوز دے کر کے دوبارہ انٹاغفیل ہونے پر مجبور کر دیا لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ کیا خبر لائے ہو؟"
"رات ویرا نے خود ہمارا تعاقب کیا تھا اور وہی غزالہ کو اٹھا لے گئی ہے۔ اپنا مقصد حاصل ہونے تک وہ غزالہ کو یرغمال رکھے گی تاکہ میں بے چون و چرا اس کے اشاروں پر ناچتا رہوں۔"
"کیا غزالہ کو اسی عمارت میں رکھا گیا ہے؟"
"نہیں۔ وہ اسے تنظیم کے وفاداروں کی نگاہوں سے بچانا چاہتی ہے اس لیے کسی اور ٹھکانے کا انتخاب کیا ہے۔ بظاہر میں نے اس کی شرائط تسلیم کر لی ہیں لیکن تمھیں محتاط رہ کر اس کی نگرانی کرنا ہوگی تاکہ ہم غزالہ کا سراغ لگا سکیں۔"
وہ اس ملاقات کے بارے میں مجھ سے بہت سے سوالات کریدتا رہا اور آخرکار فوری طور پر اپنی ذمے داری پوری کرنے پر تیار ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ براہِ راست نگرانی کے لیے وہ اپنے بجائے کسی اور کو مامور کرے گا تاکہ کسی اتفاق کے تحت ویرا اسے شناخت کر کے بھڑک نہ اٹھے۔ البتہ ساری ذمے داری اسی کی ہوتی۔
میرے لیے اس وقت ایک ایک لمحہ بڑا کٹھن ہے کیوں کہ غزالہ میری وجہ سے اس الجھن سے دوچار ہوئی ہے۔" میں نے کرب آلود لہجے میں کہا۔ "جب تک وہ رہا نہیں ہو جاتی، مجھے سکون نہ مل سکے گا۔"
"مقدرات میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔" اس نے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "تمھاری ذات تو لیس بہانا بن گئی ہے ویسے بھی کیا کم ہے کہ وہ اسے حفاظت اور عزت سے رکھے گی۔"
اچانک فون کی گھنٹی بجی اور میں سلطان شاہ کو روک کر خود اس طرف بڑھ گیا کیوں کہ اس وقت مجھے شدت کے ساتھ ویرا لائیڈ کی جانب سے کال کا انتظار تھا۔
دوسری طرف سے بولنے والا جہانگیر تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے مضطربانہ لہجے میں غزالہ کے بارے میں سوال کیا تھا۔
"ابھی تک اس کا سراغ نہیں مل سکا۔" میں نے بوجھل لہجے میں کہا۔ "اس کی تلاش جاری ہے، ذرا تم بھی اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔ میں مسلسل گھر ہی موجود ہوں تاکہ اطلاعات بروقت موصول کر سکوں۔"
"میں نے رخشی کو بھی غزالہ کی گم شدگی کے بارے میں بتا دیا ہے۔" اس کی آواز ابھری۔ "وہ خود بھی اسے تلاش کرائے گی۔"
"یہ تم نے برا کیا۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔ "میں اس واقعے کی زیادہ تشہیر پسند نہیں کروں گا۔"
"وہ ایک ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے۔ تم خود اسے فون پر سمجھا دو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے رخشی کا نمبر دہرایا جو میں نے فوراً ہی پیڈ پر نوٹ کر لیا۔
"لیکن رخشی تم سے کہاں ٹکرا گئی؟"
"تمھارا اندازہ درست تھا۔ وہ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے بے چین تھی۔ میری غیر حاضری میں مسلسل اس کے فون آتے رہے تھے۔ وہ جیوا ہاؤز میں ہونے والی خونریزی کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھی۔"
"فی الحال زیادہ زبان کھولنے کی ضرورت نہیں، محتاط رہ کر ان لوگوں کی طرف سے رابطے کے منتظر رہو۔"
"بالکل یہی مشورہ میں نے رخشی کو بھی دیا ہے۔ وہ ذرا متذبذب نظر آتی تھی۔ تم سے بات کر کے اس کی تسلی ہو جائے گی۔"
سلسلہ منقطع کر کے میں نے رخشی کے ہوٹل کا نمبر ڈائل کیا تو میں یہ طے کر چکا تھا کہ اپنے اور ویرا کے درمیان ہونے والے معاہدے کو اپنی اور سلطان شاہ کی ذات تک ہی محدود رکھوں گا۔ اس بارے میں رخشی یا جہانگیر کو اعتماد میں لینے سے میرے لیے سنگین دشواریاں کھڑی ہو سکتی تھیں۔
"بڑا افسوس ہوا اس تازہ حادثے کے بارے میں سن کر۔" وہ میری آواز پہچانتے ہی بولی تھی۔ "آخر تم جیسا ہوشیار آدمی اتنی بڑی چوٹ کیسے کھا گیا؟" اس کا لہجہ سراسر

ہمدردانہ تھا۔

"ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے، اس میں کسی کی ہوشیاری کام نہیں آتی۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "تم سناؤ کہ وقت کیسا گزر رہا ہے؟"

"بس گزر ہی رہا ہے، میں یہ جاننے کے لیے بے چین تھی کہ وہ کارنامہ کس نے انجام دیا ہے، اب جہانگیر سے پتا چلا کہ اس کے پس پردہ تمہارا ہی ذہن کام کر رہا تھا۔" شاید درمیان میں آپریٹر کے خوف سے اس نے جیوا ہاؤز کا نام لینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ "اب وہ بتا رہا تھا کہ ہمارے لیے حالات نارمل ہو چکے ہیں۔"

"قطعی نارمل۔" میں نے کہا۔ "پچھلی الجھنیں رفع ہو گئی ہیں اور اب کسی بھی وقت تمہیں نئی ہدایات مل سکتی ہیں۔"

"اگر تم یہ بتا سکو کہ اسے لے جانے والا کون تھا تو شاید میں بھی تمہارے کسی کام آ سکوں، ان کے بہتیرے ٹھکانے میری نگاہوں میں ہیں، اگر وقت برباد نہ ہو تو وہ کہیں نہ کہیں مل سکتی ہے۔"

"یہی معلوم ہوتا تو میں براہ راست ان سے نہ جا بھڑتا بس اتنا معلوم ہے کہ اسی کیمپ کے لوگ تھے۔"

"خیر، میں دیکھتی ہوں کہ اس بارے میں کیا کر سکتی ہوں اپنا نمبر دے دو مجھے، کہیں باہر سے بات کروں گی۔"

میں نے اسے نمبر بتا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس وقت میں شدید ذہنی الجھن میں مبتلا تھا۔

"یہ تم نے اچھا کیا کہ ویرا لائیڈ کے نام کو زیادہ نہیں اچھالا۔" سلطان شاہ کہہ رہا تھا۔ "حالات کے دباؤ میں آکر وہ اپنی ساکھ بچانے کے لیے غزالہ کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے کیوں کہ اس کا اصل مقصد اپنے باپ تک پہنچنا ہے۔"

"اب میری بہت سی امیدیں تمہاری ذات سے وابستہ ہیں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

"سچ پوچھو تو آج تک تم ہی مجھے چلاتے رہے ہو۔ تمہاری پریشانی کے نتیجے میں میری عقل بھی ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔ اگر تمہارے ذہن میں کوئی بات آ رہی ہے تو مجھے بتاؤ، میں فوراً عمل کر گزروں گا۔"

"اگر یاد کرو تو اس شہر میں ویرا لائیڈ تمہاری ہی لائی ہوئی سوغات ہے۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے کہا۔ "وہ تمہارے ایک دوست کو ہلاک اور دوسرے دو کو زخمی کرنے کے بعد ہی یہاں آئی تھی۔"

ویرا لائیڈ کے ہاتھوں اپنے دوستوں کی تذلیل یاد آتے ہی سلطان شاہ کا چہرہ بگڑ گیا۔ "جب بھی میرا داؤ لگا وہ حساب بے باق ضرور کر دوں گا، وہ تینوں تو اسے مح... ایک خوبرو بدیسی لڑکی سمجھ کر اس کے پیچھے لگے تھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر جنگجو اور مچھر تیلی ہوگی لیکن ... بار شاید وہ میرے ہاتھوں سے نہ بچ سکے۔"

"لاہور سے کراچی پہنچنے کے بعد ائیرپورٹ ... ایک ہوٹل میں اپنا سامان چھوڑ کر وہ شہر میں جا بجا گھو... ملتی ہوئی آخر میں جیوا ہاؤز کے کھنڈرات میں پہنچی تھی اس دوران میں تم سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے تھے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ان ہی لوگوں میں ویرا کے معتمد رہے ہوں گے جو تنظیم سے باہر اس کا سا... دیتے ہیں۔"

میری بات سُن کر وہ حیرت اور خوشی سے اچھل...

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ان ٹھکانوں کو تو میں بھولا ہوا تھا۔ پریشانی کے عالم میں بھی تمہارا دماغ مجھ سے بہ... کرتا رہتا ہے۔"

"لیکن اس مہم پر نکلنے سے پہلے تم کسی نہ کسی کو ا... پر ضرور مامور کر دو گے تاکہ ویرا کی نقل و حرکت نگاہوں ...

"اس کی تم فکر نہ کرو، بس میں نکل رہا ہوں۔" یہ کہہ ... اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

سلطان شاہ کے چلے جانے کے بعد میں گھر ... رہ گیا تھا۔ شمع مدہوش تھی اور کرنل بے ہوش۔ ایسا ہو رہا تھا جیسے وہ گھرانا شروع سے اب تک کسی ... کا شکار چلا آ رہا ہو۔ کامران فاترالعقل ہو کر زیر علاج ... غزالہ اغوا ہو گئی تھی، شمع اپنی کوکین خوری کی عادت ... عذاب میں مبتلا تھی اور کرنل ان سب داغوں کو اپنے ... پر سجائے زندہ رہنے کے لیے مجبور تھا کیوں کہ زندگی ... حقائق کا سامنا کرنا اس کی پیشہ ورانہ تربیت کا بنیادی ... تھا اور میں اس بے چارے کے دکھ بانٹنے کے بجا... میں اضافے کا باعث بن گیا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ ریسیور ... تو کانوں میں رخشی کی رسیلی آواز آئی جو اس وقت اپنی ... کشش کھو بیٹھی تھی۔

"مجھے یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ تمہارے ... دل میں بھی گداز پایا جاتا ہے، اس لڑکی کے اغوا نے ... اس کا وجود میرے لیے حیرت کا باعث بنا تھا۔ اگر تم ... چاہتے ہو تو وہ واقعی ہر لحاظ سے قابل پرستش ہوگی ...

رہی تھی۔

"یہ بے وقت کی راگنی ہے زخشی۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "کام کی بات کرو، میں اس وقت بہت پراگندگی کا شکار ہوں، معلوم ہوتا ہے کہ تم باہر کسی پبلک بوتھ سے بول رہی ہو؟"

"ہاں۔" وہ میرے تبصرے کا بُرا مانے بغیر بولی۔ "میں یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین تھی کہ ویرالائیڈ کون ہے، جہانگیر نے مجھے اس کے وجود سے تو آگاہ کر دیا لیکن اس کے حدودِ اربعہ پر روشنی نہ ڈال سکا۔"

میں نے دل ہی دل میں جہانگیر کو ایک ثقیل سی گالی دی پھر ماؤتھ پیس میں بولا۔ "میری معلومات بھی جہانگیر سے زیادہ نہیں ہیں۔ وہ جیوا ہاؤز کے تصادم میں اچانک ہی سامنے آئی ہے۔ اسے ٹوسی کے ہاتھوں مارا گیا تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تنظیم میں کسی بڑے مرتبے کی مالک ہے۔"

یہ جواب دیتے ہوئے میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ویرالائیڈ سے ٹکراؤ کے بعد غزالہ کے گھر لوٹتے پر میں نے اس کی ذات پر زیادہ تفصیلی گفتگو نہیں کی تھی بس مختصراً ہی اس کے شوگر کوئین والے روپ کا حوالہ دیا تھا۔ ساری گفتگو اسی ایک نکتے پر مرکوز رہی تھی کہ اسے ٹو اس کے ہاتھوں مارا گیا تھا اگر اس وقت میں نے اس موضوع کو طول دیا ہوتا تو شاید جہانگیر پوری گفتگو زخشی کے سامنے دُہرا چکا ہوتا کیوں کہ اسے معاملے کی نزاکت کا اندازہ نہیں تھا۔

"اسے ٹو کے ہاتھوں ہلاکت سے بچا کر تم نے مجھے عمر بھر کے لیے اپنا غلام بنا لیا ہے۔"

"غلام نہیں کنیز کہو۔" میں نے ایک فوری ذہنی رو کے تحت اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اس دور میں ضرورت کے وقت غلاموں کا کام بھی کنیزوں سے لے لیا جاتا ہے لیکن تمھیں یہ سب دُہرانے کی ضرورت نہیں، میں تمھارے جذبات کا ہمیشہ سے قدردان رہا ہوں۔"

"میں غزالہ کی تلاش میں تمھارا ہاتھ بٹانا چاہتی ہوں لیکن اس کے لیے تمھیں ذرا کھُل کر بات کرنا ہوگی۔"

"ہاتھ بٹانے کے لیے میری کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے، تم کوئی قابلِ ذکر کام دکھا سکیں تو ہمیشہ مجھے اپنا گرویدہ پاؤ گی لیکن یہ کھل کر بات کرنے والی شرط میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"تنظیم کو غزالہ کی تلاش ضرور تھی لیکن وہ لوگ اس تک پہنچ ہی نہیں سکے تھے پھر اب شوگر کوئین کے سامنے آتے ہی یہ سانحہ کیسے رونما ہو گیا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کارروائی میں شوگر کوئین کا ہاتھ ہو۔"

"تو کیا تم تنظیم اور شوگر کوئین کو الگ الگ اکائیاں تصور کر رہی ہو؟" میں نے مضحکانہ لہجے میں سوال کیا۔

"میری جگہ تم ہوتے تو خود بھی یہی سمجھنے پر مجبور ہوتے۔"

"پہیلیاں نہ بجھاؤ۔" میں نے بے چینی محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "آخر تمھارے اس قیاس کی بنیاد کیا ہے؟"

"جہانگیر کے بیان کے مطابق غزالہ آج صبح چار بجے کے بعد اغوا کی گئی تھی لیکن گیارہ بجے تک وہ تنظیم کی تحویل میں نہیں تھی۔"

اس کی زبان سے وہ انکشاف سُن کر میں چونک پڑا۔ "لیکن جہانگیر نے تو ایسی کوئی بات نہیں بتائی تھی۔"

"میں نے دانستہ اس سے ذکر نہیں کیا تھا۔" ریسیور پر اس کی آواز سنائی دی۔ "اس کی کال سے پہلے آج گیارہ بجے مجھے تنظیم کے مخصوص کوڈ کے تحت کسی نے فون کیا تھا اور تاکید کی گئی تھی کہ اب لڑکی کی تلاش ہر کام پر مقدم ہے، اس کا مطلب ہے کہ غزالہ تنظیم کے ہاتھ نہیں لگی ہے۔"

"لیکن شوگر کوئین کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ "اور پھر انھیں تمھارا سراغ کیسے ملا؟"

"یہ تو تم ہی کو سوچنا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی معاملے پر تم سے کوئی سودے بازی کرنا چاہتی ہو۔" اس کی خیال انگیز آواز ابھری اور میرا دل بلیوں اچھل پڑا۔ زخشی کا تعلق انسانوں کی اس جنس سے تھا جسے معروف طور پر ناقص العقل کہا جاتا تھا لیکن اس بار اس کی عقل کی رسائی نے مجھے حیران کر دیا تھا۔ "اپنے سراغ کے بارے میں میں خود حیران ہوں ایسا لگتا ہے جیسے میں شروع سے ان کی نگاہوں میں تھی۔"

"اگر اسی کا ہاتھ ہے تو جلد یا بدیر مجھے اس کا کوئی سراغ ملنا چاہیے۔" میں نے اپنے لہجے میں کمزوری سی محسوس کی۔

"پھر تم اس کے پیغام کا انتظار کرنا چاہو گے یا پیش قدمی کا ارادہ ہے؟" اس نے سوال کیا۔ "میرے لیے شوگر کوئین کا نام نیا نہیں ہے، قاسم کی زندگی میں بھی اس کا ذکر سنتی رہی ہوں لیکن میں ہمیشہ اسے کوئی اہم خریدار سمجھتی رہی۔"

"پیش قدمی کے لیے ٹارگٹ کا ہونا بہت ضروری ہے

ہے۔ محض نام کے سہارے ہم خلا میں ہاتھ پیر تو نہیں مار سکتے۔"

"اس کا ایک ٹھکانہ میری نگاہوں میں ہے، وہیں سے ابتدا کروں گی۔"

"لیکن یہ دھیان رہے کہ ادھر ہاتھ پڑا تو وہ غزالہ کی زندگی کو جہنم بنا دے گی۔"

"گڈ۔" ریسیور میں اس کی تحسین آمیز آواز ابھری۔ "تو اب تم بھی میرے ہی انداز میں سوچ رہے ہو، تم فکر نہ کرو میں ایسے معاملات کے نشیب و فراز کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ مجھے قاسم کا منصب بلاوجہ ہی نہیں سونپا گیا تھا۔"

"میں تمہارے اگلے پیغام کا منتظر رہوں گا۔"

"اور میں تمہاری آواز کی شوخیوں کی واپسی کی منتظر رہوں گی۔ اس کے بعد تم بالکل ہی دیوداس ہو کر رہ گئے ہو۔" یہ کہہ کر اس نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

واقعات بہت تیزی کے ساتھ رُخ بدل رہے تھے۔ جیوا ہاؤز کے کھنڈرات میں تنظیم کے ہرکارے گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیے گئے اور تنظیم کو شاید اپنی تاریخ کے بدترین افرادی نقصان سے دوچار ہونا پڑا لیکن ویرا لائیڈ کے نزدیک وہ بے بساط پیادوں کا مقتل ثابت ہوا تھا جو ذرا بھی چالاک تھے اس ہولناک تصادم میں صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

ویرا کے ہاتھوں قید اور پھر مواصلاتی یونٹ سے فرار کے بعد میں نے اپنی دانست میں ایک اہم معرکہ جیت لیا تھا لیکن میری یہ فتح زیادہ دیرپا نہ رہ سکی۔ ویرا نے اپنی ذات کے سحر میں الجھا کر مجھے اس قدر مسحور کیا کہ میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا اور وہ نہایت دلیری کے ساتھ غزالہ کو گھر سے اٹھا لے گئی۔ اور میرا فتح کا خمار شکست کے احساس میں ڈھل گیا۔

لیکن اب پھر حالات ایک نئے تصادم کے لیے خود بخود سازگار ہوتے جا رہے تھے، سلطان شاہ ویرا لائیڈ کے ٹھکانوں کا کھوج لگانے کے لیے شہر میں نکل کھڑا ہوا تھا۔ زخمی ممنونیت کے جذبات سے سرشار مدد پر تلی ہوئی تھی، جہانگیر کی ہمدردیاں میرے ساتھ تھیں اور ویرا لائیڈ اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے بظاہر تنہا رہ گئی تھی۔

اس کے اور میرے مقاصد میں تضاد ہونے کے باوجود ہمارے راستے ایک تھے کیوں کہ ہم دونوں ہی جمی لائیڈ پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں تھے یہ اور بات تھی کہ ویرا میرے عزائم سے بے خبر تھی اور اپنی دانست میں اپنے مقاصد کے لیے بے رحمی کے ساتھ استعمال کر رہی تھی۔ مجھے بھی اس کا آلہ بننے میں کوئی اعتراض نہیں تھا بشرطیکہ غزالہ صحیح سلامت اس کے چنگل سے رہا ہو جاتی۔

اچانک فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی۔

"شاید اب تک تم صورتِ حال سے سمجھوتا کر چکے ہو" دوسری طرف سے ویرا لائیڈ کی آواز سنائی دی، میرے کہتے ہی وہ شاید میری آواز پہچان گئی تھی۔

"میرے جذبات کا اتنا ہی پاس ہوتا تو وہ کچھ جو میرے ساتھ کر گزری ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا "گریز کرنے کے بجائے براہِ راست یہ بتاؤ کہ میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"اس تلخی کو بھولے بغیر تم پوری یکسوئی سے کام کر سکو گے۔" اس بار اس کا لہجہ ہمدردانہ تھا۔ "میں ایک بار تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ وہ عزت اور احترام کے ساتھ آرام دہ ماحول میں رکھی گئی ہے۔"

"مجھے پورا یقین ہے۔" میں نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اب کام کی بات کرو۔"

"کل شام چار بجے تمہیں لائیڈز کاٹیج پہنچنا ہے۔" اس کی ہدایت سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اسرار اور [illegible] کی دبیز گرد میں لپٹی ہوئی وہ عمارت جو بڑی مان کو [illegible] کے باوجود میرے لیے ناقابلِ تسخیر ہو گئی تھی اب [illegible] ہی میرے لیے کھل گئی تھی وہاں گھسنا میرے لیے ایک حسرت بن کر رہ گیا تھا جس کے پورے ہونے کا وقت آ گیا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ ویرا نے وہ حکم اگلے روز کے لیے دیا تھا اور اس درمیانی وقت میں میں سلطان شاہ اور [illegible] کی کوششوں کے نتائج دیکھ کر آئندہ کے لیے حکمتِ عملی [illegible] کر سکتا تھا۔

"اتنے مختصر نوٹس پر لاہور جانا شاید میرے لیے نہ ہو سکے گا۔" میں نے اپنے جوش کو دباتے ہوئے [illegible] لہجے میں کہا۔

"تنظیم میں احکام اٹل ہوتے ہیں۔" اس کا لہجہ [illegible] اور درشت ہو گیا۔ "غزالہ کی تلاش میں اپنا وقت اور توانائی برباد نہ کرو، تم کسی بھی قیمت پر اس تک نہ پہنچ سکو گے"

میں تلخ انداز میں ہنس دیا۔ "وہ مجھ سے زیادہ تمہارے اعصاب پر سوار ہے، میں اسے کہاں تلاش کر دوں گا۔"

توجب سے بس فون کے سرہانے لگا بیٹھا ہوں کہ نجانے
کب تمہارا دل پسیج جائے ۔۔۔ اگر اس سے ملوانے پر آمادہ
نہیں ہو تو کم از کم فون پر اس کی آواز ہی سنوا دو، اس کے باپ
کو سمجھانا میرے لیے ناممکن ہو کر رہ گیا ہے۔"

"وہاں، یہ شاید ممکن ہو سکے، تمہاری لاہور روانگی سے
پہلے تمہاری بات کرانے کی کوشش کروں گی تاکہ تم لائیڈز
کالج میں یکسوئی کے ساتھ اپنا اصل کام سر انجام دے سکو۔"

"لیکن اس وسیع و عریض قلعے میں ایک تصویر میں
کیسے تلاش کر سکوں گا؟" میں نے بے بسی سے کہا۔

"وہاں تم ڈی سوزا کو رپورٹ کرو گے، تمہارا پورا ریکارڈ
وہاں موجود ہے لیکن اپنی شناخت کے لیے تمہیں ہر رکاوٹ
پر بلیو بیل کا کوڈ دہرانا ہوگا۔ وہاں تمہیں لائیڈز کالج کے اندر
صفائی کرنے والے عملے کا نگراں مقرر کیا جائے گا اس طرح
تمہیں عمارت کے ہر حصے میں رسائی حاصل ہو گی لیکن وہاں
کے ضابطوں کا تمہیں پورا لحاظ کرنا ہوگا۔"

"اگر میں ایک جیبی کیمرہ ساتھ لے جاؤں؟"

"یہ حماقت نہ کرنا۔ وہاں جانچ پڑتال اور حفاظت کا
ایسا جدید ترین نظام رائج ہے کہ تم ان سے چھپا کر ایک
سوئی بھی اندر نہ لے جا سکو گے۔ اگر کوئی ذکر نکال ہی بیٹھے
تو تم بلا تکلف میرا حوالہ دے سکتے ہو کہ میں نے حالات کی
روشنی میں تمہارے ماضی کی تمام کوتاہیاں معاف کر دی ہیں۔"

"میرے ٹکٹ کا کیا ہوگا؟"

"اگر اتنے بد مشکوک الحال ہو گئے ہو تو میں بندوبست
کرا دوں گی۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی۔ "اخراجات
تمہیں لائیڈز کالج ہی سے ملتے رہیں گے۔ یہ یاد رکھنا کہ تمہیں
ہلکی پھلکی سزا کے طور پر عارضی طور پر فیلڈ سے ہٹا کر وہاں بھیجا
جا رہا ہے اور آئندہ کے لیے مراعات کا انحصار تمہارے
طرز عمل پر ہوگا۔"

"غزالہ سے بات ہو گئی تو میرے طرز عمل سے کسی کو
کوئی شکایت نہ ہو گی۔" میں نے کہا۔

"میں آج ہی کوشش کروں گی۔" یہ کہہ کر دوسری طرف
سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے میرا دل کنپٹیوں میں
دھڑک رہا تھا۔ غزالہ کی وجہ سے لاحق پریشانی کے باوجود
لائیڈز ہاؤس میں قیام کا تصور میرے لیے بے حد سنسنی خیز
تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اب میرے ہاتھوں تنظیم
کی بساط تیزی سے سمٹتی چلی جائے گی۔

میں سگریٹ سلگا کر اپنے ذہن میں آنے والے
حالات کی منصوبہ بندی میں مصروف ہو گیا۔

ذہنی دباؤ ذرا کم ہوتے ہی غزالہ کے اغوا کے سلسلے
میں میرے ذہن میں ایک مثبت پہلو نمودار ہو گیا۔ رخشی سے
ملنے والی اطلاع کے مطابق غزالہ آج بھی تنظیم کو اسی شدت
سے مطلوب تھی اگر وہ گھر پر رہتی تو تمام تر حفاظتی اقدامات
کے باوجود کسی وقت بھی بدترین حالات سے دوچار ہو سکتی تھی۔
جب کہ ویرا لائیڈ کی تحویل میں وہ بڑی حد تک محفوظ تھی بشرطیکہ
اسے وہاں واقعی عزت و احترام کے ساتھ رکھا گیا ہو۔

لائیڈز کالج، غزالہ اور ویرا لائیڈ اس وقت ایک مثلث
کے تین زاویے تھے جو پہلو بدل بدل کر میرے ذہن میں ناچ
رہے تھے اور ان سے لمحہ بہ لمحہ ایک بہتر تصویر تشکیل پا رہی تھی۔

عام حالات میں شاید میں اس صورت حال کو
نظر انداز کر کے آگے نکل ہی جاتا لیکن اس
وقت میں خود غزالہ کی طرف سے تازہ تازہ زخم کھایا ہوا تھا لہٰذا
اس لڑکی کی بے چارگی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

سڑک دور تک ویران پڑی ہوئی تھی اور وہ نوک اندام
لڑکی سہمے سہمے انداز میں مڑتی، ٹھٹکتی بے بسی کے عالم میں تیزی
کے ساتھ آگے بڑھتی جا رہی تھی اور وہ چاروں خبیث سیٹیاں
بجاتے اور قہقہے لگاتے اس کے تعاقب میں تھے۔ وہ چاروں
ہی جواں سال تھے اور اپنی وضع قطع کے اعتبار سے شہر کے
آسودہ گھرانوں کے بے فکرے چشم و چراغ نظر آتے تھے۔ ان
میں سے ایک نئے ماڈل کی دمکتی ہوئی کار کے اسٹیئرنگ وہیل
پر موجود تھا اور کار لڑکی ہی کی رفتار سے رینگتی اور رکتی ہوئی
آگے بڑھ رہی تھی بقیہ تینوں کار کے ساتھ پیدل ہی چل رہے
تھے اور آوازیں نکالنے کے ساتھ ساتھ مضحکانہ انداز میں
اداکاری بھی کرتے جا رہے تھے۔

نجانے ان چاروں نے کب سے اس بے چاری کو
گھیر رکھا تھا؟ ان کے عزائم بہرحال تشویش ناک نظر آتے تھے۔

میرے دل میں اس لڑکی کے لیے ہمدردی کی ایک لہر سی
اٹھی اور میرا داہنا پاؤں ایکسیلریٹر سے ہٹ کر بریک پیڈل
پر جا پڑا، داہنی ہتھیلی وہیل سے ہٹ کر اسٹیئرنگ کے وسط
میں لگے ہوئے ہارن کے پش بٹن پر جم کر رہ گئی۔

میری کار کے ٹائروں کی ہلکی سی آواز اور پھر ہارن کا شور
سن کر وہ تینوں ہی بیک وقت پلٹے تھے۔ اگلی کار کی بریک لائٹس
بھی جل اٹھیں۔ میں نے انجن بند کیے بغیر اپنی کار ان کی گاڑی
کے پیچھے روک لی۔

وہ تینوں ہی اپنے سینے پھلاتے، جارحانہ تیوروں کے ساتھ میری طرف آئے تھے، جو تھا بدستور کار میں بیٹھا رہا تھا۔

"کیا تکلیف ہے؟" ان تینوں میں سب سے قوی نظر آنے والا ڈرائیونگ سیٹ والی سمت میں رک کر توہین آمیز لہجے میں غرایا تھا۔

"یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "انسانوں جیسی شکل صورت ہونے کے باوجود آوارہ کتوں کی طرح کیوں اس لڑکی کو تنگ کر رہے ہو؟"

غرّانے والے کے بشرے پر یک بیک اشتعال کے آثار نمودار ہوئے تھے لیکن اسی لمحے میں نے جیب سے پستول نکال کر انگلیوں میں نچایا۔ اس کی جھلک دیکھتے ہی ان تینوں کے چہروں پر سراسیمگی پھیل گئی۔

"تت... تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ لڑکی سے ہم نے کوئی تعرض نہیں کیا، تم اس سے پوچھ سکتے ہو۔" ان میں سے دوسرا سہمی ہوئی نظروں سے پستول کی طرف دیکھتے ہوئے ہکلایا۔

"شرافت سے اپنی گاڑی میں بیٹھو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ ایک آدھ کو یہیں ٹھنڈا کر دوں گا۔" میں نے باری باری ان تینوں کو گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا اور وہ تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف ہو لیے۔

ان تینوں کے سوار ہوتے ہی کار یوٹرن لے کر تیزی کے ساتھ واپس روانہ ہو گئی میں نے سامنے نگاہ ڈالی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میدان صاف ہونے پر آگے بڑھ جانے کے بجائے لڑکی اپنی جگہ پر ٹھہری ہوئی پلٹ کر میری طرف نگراں تھی جیسے وہ سب اس کی توقعات کے برعکس رہا ہو۔ میں نے گیئر ڈال کر کار آگے بڑھائی تو وہ چونکی اور پھر میری طرف پشت کر کے آگے چل دی۔

اس کے پہلو میں پہنچ کر میں نے کار کی رفتار کم کر دی۔

"بیٹھ جاؤ، ورنہ اس ویران سڑک پر کوئی اور گھیرے گا، جہاں جانا چاہو، میں پہنچا دوں گا۔" میں نے نرم لہجے میں پیشکش کی۔

وہ تھم گئی، میں نے بھی کار روک دی۔ اس نے جھک کر میرا جائزہ لیا اور اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ "تم کون ہو؟" یہ سوال کرتے ہوئے اس کی آواز پژمردہ تھی۔

"تمھارا ایک ہمدرد۔ سوچ کیا رہی ہو، بیٹھ جاؤ، یہ جرح بعد میں بھی کر سکتی ہو۔" میں نے اندر سے اپنے برابر والی پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے مخلصانہ لہجے میں کہا۔

میری پیشکش پر وہ متذبذب نظر آنے لگی تھی۔ لحظہ بھر کے توقف کے بعد بولی۔ "تم چمڑے کے بیوپاری تو نہیں ہو؟"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "وہ چاروں ذرا بھی مزاحمت کرتے تو یہیں ان کا چمڑا کھینچ کر بیوپار شروع کر دیتا۔ چلو جلدی بیٹھو، میرا وقت برباد نہ کرو۔"

میرے جواب پر اس کی آنکھوں سے الجھن جھانکنے لگی اور معاً مجھے احساس ہوا کہ وہ لڑکی اس قدر سیدھی سادی اور مظلوم نہیں تھی جتنی میں سمجھ رہا تھا۔ اس کا سوال نہ صرف عجیب بلکہ بے محل بھی تھا ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی شناختی کوڈ رہا ہو اور صحیح جواب نہ ملنے پر وہ پریشان ہو گئی ہو کہ اب کیا کرے۔

"کوڈ نچلے درجے کے لوگوں کے لیے ہوتا ہے۔" صورتحال کا ادراک کرتے ہی میں نے درشت لہجہ اختیار کر لیا۔ "ہنگامی صورتِ حال کے باعث مجھے خود آنا پڑ گیا، گاڑی میں بیٹھو ورنہ پھر کوئی کھیل شروع ہو جائے گا۔"

پُرخلوص اور دھیمے لہجے پر وہ پریشان ہو گئی تھی لیکن درشت لب و لہجے پر اس کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا اور میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے اس نے نشست سنبھال کر دروازہ بند کر لیا۔

"مم... میں تمھیں نہیں جانتی، پھر تم نے جو کچھ کیا ہے وہ پروگرام کے بالکل برعکس تھا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اچانک ہی کون سی ہنگامی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی؟" گاڑی روانہ ہونے کے چند ثانیوں بعد وہ پُرخیال انداز میں بولی۔

"جس دن یہ سب سمجھنے لگیں، پارس کی ہو جاؤ گی۔" میں نے سگریٹ لائٹر سے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ اس دوران میں یہ دیکھ چکا تھا کہ وہ بار بار کن انکھیوں سے میرے پائیدان میں پڑے ہوئے پستول کو دیکھے جا رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ شاید انسانی ہمدردی کے اظہار میں کوئی نیا چکر ہی مول لے بیٹھا تھا۔

"سڑک کے آخری کنارے پر وہ میرے منتظر ہوں گے۔" وہ گلا صاف کرتے ہوئے بولی۔ "اب تم ہی ان کو بھی جواب دہ کرو گے۔"

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ نجانے وہ لڑکی کون تھی، کن لوگوں کی آلۂ کار تھی؟ سڑک کے آخری کنارے پر اس کا انتظار کرنے والے کون تھے؟ اور ان کے عزائم کیا تھے؟

میں نے فوراً ہی رفتار کم کر کے اپنی کار بھی واپس گھمالی۔

"تت... تم کک... کیا کر رہے ہو... مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟" میرے اس اقدام پر وہ بوکھلا گئی۔

"سکون کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھی رہو۔" میں کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے غرایا۔ "شور شرابا کیا تو گولی مار کر یہیں پھینک جاؤں گا۔ کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں اور اپنے رویے سے تم نے مجھا

ہانی میں دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا ہے۔ شاباش! اب شروع سے
پنی کہانی سُناتی چلی جاؤ تاکہ میں اندازہ لگا سکوں کہ کسی غلط لڑکی
سے تو نہیں ٹکرایا ہوں۔"

"تم یقیناً کوئی دھوکے باز ہو۔" وہ خوف زدہ اور روہانسی آواز
میں بولی۔ "مجھے اسی وقت اندازہ کر لینا چاہیے تھا جب تم پروگرام
کے خلاف اچانک درمیان میں آکودے تھے ۔۔ تم اب بھی مجھے
چھوڑ دو، میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے بارے میں اپنی زبان
بند رکھوں گی۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ کس قدر خطرناک لوگ
ہیں۔ بنا بنایا کھیل بگاڑنے کے جرم میں تمہاری گردن تک اتار
سکتے ہیں۔"

"میں ایسے لوگوں میں زندہ رہنا خوب جانتا ہوں۔ وقت
برباد کرنے کے بجائے اپنے بارے میں بتاؤ ورنہ مرنے کے
لیے تیار ہو جاؤ۔" میں نے کار کی رفتار سست کرتے ہوئے اسے
گھور کر سرد لہجے میں کہا اور مشینی انداز میں اس کی زبان چل پڑی۔

وہ ایک مقامی فرم میں ملازم تھی اور اپنی کسی کمزوری کی بنا
پر بعض جرائم پیشہ لوگوں کی آلۂ کار بن گئی تھی۔ ان کے لیے کام کرنے
پر آمادہ ہونے تک اسے علم نہیں تھا کہ وہ مجرمانہ کارروائیوں
میں ملوث ہو جائے گی۔ ابتدا میں اسے ایک مخصوص ٹھکانے سے
سر بمہر پیکٹ حاصل کر کے شہر میں مختلف مقامات تک پہنچانے
ہوتے تھے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس کو شہر کے ایک معزز آدمی
کو بلیک میل کرنے کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی گئی تو اس
نے صاف انکار کر دیا لیکن جب اسے یہ بتایا گیا کہ وہ پچھلے دنوں
سر بمہر پیکٹوں کی صورت میں ہیروئن کی ترسیل اور تقسیم کا کام کرتی
رہی ہے تو وہ پریشان ہو گئی۔ پھر اسے ڈاک سے ایک وزنی
لفافہ موصول ہوا جس میں اس کی متعدد تصاویر تھیں۔ ہر تصویر میں وہ
پیکٹ وصول یا کسی کے حوالے کرتی نظر آ رہی تھی۔ ساری تصاویر
ایسی چابکدستی سے بنائی گئی تھیں کہ وہ ہر تصویر میں اپنے خدوخال
سمیت پوری طرح نمایاں تھی جبکہ فریقِ ثانی کا چہرہ کسی تصویر میں
قابلِ شناخت نہیں تھا۔ بیشتر تصاویر تو ایسے زاویے سے لی گئی
تھیں کہ ان میں دوسرے چہرے کا وجود ہی نہیں تھا۔ تصاویر
دیکھتے ہی اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ پولیس
کی گرفت میں آ کر بدنامی سے دوچار ہونے کے خوف سے اپنی
ذات کو پوری طرح ان لوگوں کے تصرف میں دینے پر مجبور ہو گئی۔

ان چاروں تک کار والا پچھلے کافی عرصے سے اس کا پیچھا
کر رہا تھا۔ اس نے کئی بار لڑکی کو اپنی کار میں لفٹ دینے کی پیشکش
بھی کی جسے وہ ہمیشہ ٹھکراتی رہی۔ اس کے بعد کئی مرتبہ اس کے
ساتھ مزید تین آدمی نظر آئے شاید وہ انھیں مسلسل نظر انداز کرتی
رہتی لیکن اسے ہدایت ملی تھی کہ اب کبھی وہ چاروں اسے یکجا نظر
آئیں تو وہ ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہوئی کسی ویران علاقے میں نکل
جائے اور ان کی پیش قدمی پر قدرے مزاحمت کے بعد ان کے
ساتھ کار میں سوار ہو جائے اسے یقین دلایا گیا تھا کہ ہر لمحے اس کی
نگرانی اور حفاظت کی جائے گی اور قرب وجوار ہی میں کہیں لڑکی
کے ہمدرد سادہ پوش خفیہ پولیس کے روپ میں کار کو روک کر اسے
رہا کرا لیں گے۔

لڑکی کا قیاس تھا کہ حدود سے متعلقہ قوانین کی روشنی میں
وہ لوگ اسے چارہ بنا کر ان چاروں کو بلیک میل کرنا چاہتے تھے
اور اسے رہائی سے پہلے ایک مرتبہ پھر ان چاروں کے ساتھ کہیں
کیمرے کا سامنا کرنا ہوتا۔

لڑکی جب بھی گروہ کے کسی اجنبی کارندے سے ملتی تھی،
اس سے یہی سوال کرتی تھی کہ وہ چمڑے کا بیوپاری تو نہیں ہے۔ اگر
وہ جواب میں سفید چمڑی کے الفاظ استعمال کرتا تو شناخت ہو جاتی
تھی۔ ان چاروں کے بارے میں میری مداخلت کا کہیں ذکر نہیں
تھا لہٰذا سہمی ہوئی خانہ دار لڑکی کی اداکاری کرتے ہوئے وہ میری
جانب سے مخمصے میں پڑ گئی اور پھر مجھ سے سامنا ہوتے ہی وہ
گھسا پٹا شناختی سوال دُہرا ڈالا جس کا جواب لڑکی کے لیے ناقابلِ
قبول ہونا لازمی تھا۔

"جن لوگوں کے لیے کام کرتی ہو ان کے نام کیا کیا ہیں؟"
اس کے خاموش ہونے پر میں نے سوال کیا۔

"میں نہیں جانتی۔" وہ رُندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "ان لوگوں
نے مجھے تباہ کر دیا ہے اور جو کسر رہ گئی ہے وہ اب تم پوری کرنا

چاہتے ہو۔ خدا کے لیے مجھے یہیں اتار دو، انھیں مجھ پر شبہ بھی ہو گیا تو میں برباد ہو جاؤں گی، سارا بھرم وہ خاک میں ملا دیں گے۔"
وہ بھی ہیروئن فروشوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور میرے نزدیک کارآمد نہیں تھی۔ اگر وہ نئی پھنسی ہوتی تو میں یقیناً اسے ان کے چنگل سے نکالنے کی کوشش کرتا لیکن وہ اپنے تمام ذاتی اثاثے لٹا کر اس راہ پر خاصی دور نکل چکی تھی لہٰذا میرے لیے اس پر وقت برباد کرنا بے سود تھا۔
"تمھیں معاوضہ کیا ملتا ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"سو روپے فی پیکٹ، مہینے میں ہزار بارہ سو کی فاضل آمدنی ہو جاتی ہے۔ اس گناہ آلود زندگی سے اتنا بھی سہارا نہ ملتا تو شاید میں خودکشی ہی کر چکی ہوتی۔"
"معاوضہ کون ادا کرتا ہے؟"
"پیکٹ کے ساتھ ہی معاوضے کی رقم بھی مل جاتی ہے۔"
"پیکٹ دینے والا ہر بار نیا آدمی تو نہ ہوتا ہوگا؟" میں نے پُرخیال لہجے میں پوچھا۔
"مختلف ٹھکانوں سے لیتی رہی ہوں، البتہ ایک جگہ بار بار جانا ہوتا ہے۔"
"اس کی نشاندہی کر کے تم جا سکتی ہو۔" میں نے کہا۔
خاصے تذبذب کے بعد آخر کار وہ مجبور ہو ہی گئی اور میں وہ نام سن کر چونک پڑا کیونکہ وہ شخص میرے لیے اجنبی نہیں تھا لیکن مجھے یہ گمان بھی نہیں تھا کہ وہ شخص اپنے دھندے کو فروغ دینے کے لیے اس سطح تک بھی گر سکتا تھا۔
میں نے کار سڑک کے کنارے روک کر لڑکی کو اتار دیا اور پھر آگے روانہ ہو گیا۔
وجودِ زن سے تصویرِ کائنات میں رنگوں کے طلسم کا فلسفہ نجانے کیوں میرے ذہن میں ابھر آیا جو ہر اعتبار سے درست تھا اور ان ہی رنگوں کے فریب سے بیشتر جرائم اور خرابیاں جنم لیتی تھیں۔
کار سے اترنے والی محض ایک عام سی لڑکی تھی لیکن اس کی ذات میں پوشیدہ نسوانی کشش اور جمالیاتی سحر کو شکار پھانسنے کے لیے کامیابی سے استعمال کیا جا رہا تھا۔ وہ یا اس جیسی کوئی اور لڑکی درمیان میں نہ ہوتی تو بہتیرے نوجوان ان منشیات فروشوں کے چنگل سے بچے رہتے۔ خوبصورت اور توانا مردوں کا لالچ دے کر عورتوں کو پھنسانے کی مثالیں جرائم کی دنیا میں نہ ہونے کے برابر تھیں، ہاں اس کے برعکس ہر لمحے ہوتا رہتا تھا اور اس کے پس پشت طاقتور فطری عوامل کارفرما تھے جن سے کسی بھی لمحے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی تھی۔
مشرق کے حیادار معاشروں کو تو خیر عورت کا نگہبان کہا ہی جاتا ہے لیکن مغرب، جہاں کا ہر چلن مادر پدر آزاد ہے، مردانگی و وفاشکنی کے قصے دوستوں کی محفلوں میں فخریہ سنائے لیکن کوئی گھردار عورت اپنی نجی محفلوں میں اپنی کسی گمراہی کو سنا کر تعریف و توصیف سننے کی جرأت نہیں کر سکتی یعنی پھر آتا ہے جیسے بے وفائی کو عمومی طور پر بس مردوں کا حق گیا ہو۔
لیکن یہ حق کی بات نہیں بلکہ ایک گالی سی ہے جسے اپنا لیا گیا ہے۔ قدرت نے دونوں کا مزاج ہی مختلف عورت میں بلا کا ٹھہراؤ اور تحمل پایا جاتا ہے، کسی اتھاہ سمندر کی طرح۔ جب تک کوئی زبردست خارجی عنصر اثر انداز نہ ہو، بھونچال آتا ہے نہ سمندر پایاب ہوتا ہے اور دوسری طرف مرد مغلوب الغضب اور جذبات زدہ مخلوق ہے۔ ساحل جس کی نرم اور طلائی ریت ہر لمحے کبھی نمدار ہوتی ہے تو کبھی عورت کے مقابلے میں مرد میں استقلال کا بڑا فقدان ہوتا اس کی سیمابی فطرت اس کی وفا کے محور پر بھی اثر انداز ہوتی ہے، اس کے تقاضے زیادہ شدید ہوتے ہیں۔ شاید یہی ہے کہ مذہب نے مرد کو قدرے زیادہ آزادیاں دی ہوئی اور نسب کے تحفظ کے علاوہ عورت کے تحمل اور ٹھہراؤ سبب اسے ایک ہی کو اپنا مجازی خدا ماننے پر مجبور کیا ہے مشرق سے تا بہ مغرب ہر طرف دیکھ لیا جائے، زیر زمین سے قطع نظر ہر مہذب اور معروف معاشرے میں یہی ایک کلیہ کارفرما ہے یعنی عورت کو وفا کی دیوی تصور کیا جاتا ہے بے وفائی مرد کے لیے کوئی بڑی تہمت نہیں ہوتی اور ہمارا معاشرہ تو اس معاملے میں بہت ہی اٹل ہے۔ ...شوں کے میں آزادی کی نسبت ایک اور چار کی ہے جو اس تناسب بڑھنے کے بجائے صدیوں سے یہیں منجمد ہے اور تا ابد ہی رہے گی۔
غزالہ بھی ایک لڑکی ہی تھی۔ حسین اور میری نگاہ میں یکتائے روزگار اور وہ میری کمزوری بن گئی تھی۔ کوئی نہ ہونے کے باوجود چاہت کی ایک پارسا سی زنجیر اس کا اسیر کیا ہوا تھا اور ویرا لامیٹڈ میری چاہت کو یرغمال مجھے اپنے اشاروں پر نچانے کے لیے کوشاں تھی۔ شاید دل میں رچا ہوا غزالہ کا کرب ہی تھا کہ ایک تنہا اور بے بس کو چار اوباشوں کے چنگل میں پھنسا دیکھ کر میں اس کی مدد اب یہ اس کے مقدر کی خرابی تھی کہ وہ غلط راستے پر چل کر بڑی لغزش کی قیمت ادا کر رہی تھی میں نے بہرحال اپنا کر ڈالا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ جاتے ہوئے وہ میری ممنون ہونے کے بجائے مجھ سے نالاں تھی کیونکہ میں اس کے سوچے سمجھے کھیل میں مداخلتِ بے جا کا مرتکب ہوا تھا لیکن مجھے اس کی ذرا بھی فکر نہیں تھی۔ میرے ذہن پر مس غزالہ کی تصویر ہی پھیلتی جا رہی تھی۔

❀ ❀

ڈاکٹر اکبر کی علاج گاہ میں معمول کے مطابق خاموشی کا راج تھا عملے کے اراکین بھی دبی دبی سرگوشیوں میں بات کرنے کے عادی ہو چکے تھے کہ کہیں ان کی گفتگو کا بلند آہنگ آرام کے طلبگار مریضوں کی سماعت پر بوجھ نہ بن جائے۔ صفائی ستھرائی سے اس ڈسپلن تک، سب کچھ اس لیے برقرار تھا کہ وہ نجی سرمائے سے کاروباری بنیادوں پر چلنے والا ایک نیک نام ادارہ تھا ورنہ سرکاری اسپتالوں میں تو یہ سب عناصر عنقا ہی نظر آتے ہیں۔

میں اوپر پہنچا تو مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کامران کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لمحے بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ کہیں ویرانے اپنے وسائل سے اس کا سراغ لگا کر اسے بھی اغوا نہ کرا لیا ہو لیکن دو قدم آگے بڑھتے ہی مجھے کامران نظر آ گیا۔ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بال سنورے ہوئے تھے اور آنکھوں میں خیال انگیز گہرائی ضرور تھی لیکن دیوانگی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اس کے مقابل کرسی پر کوئی نرس بیٹھی تھی جس کی پشت دروازے کی طرف تھی۔

کامران راہداری پر توجہ دیے بغیر دھیمی آواز میں اس نرس سے بات کر رہا تھا لیکن میں کھلے ہوئے دروازے پر ٹھٹکا تو اسے میری طرف متوجہ ہونا پڑ گیا۔ اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی اور بڑی بڑی سوالیہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"اجازت ہو تو اندر آ جاؤں؟" میں نے مسکراتے ہوئے محبت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کیوں؟" اس کی بھوئیں تن گئیں۔ وہ بارعب اور گونجیلا لب و لہجہ ہرگز کسی پاگل کا نہیں ہو سکتا تھا۔ "میں کسی اجنبی سے یوں بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتا۔" اس کے چہرے کے تاثرات الفاظ کا پورا پورا ساتھ دے رہے تھے۔

میرے جواب دینے سے پہلے اس کے سامنے بیٹھی ہوئی نرس اپنی کرسی چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو چکی تھی اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ کامران کی وہی پسندیدہ نرس تھی جس سے میں پہلے ہی متعارف ہو چکا تھا۔

"ارے انھیں نہیں پہچانتے؟" وہ مجھے شناخت کرتے ہی تحیر آمیز لہجے میں کامران سے مخاطب ہوئی تھی۔ "یہ تو تمھارے قریبی عزیز ہیں۔ یہی تمھیں میرے پاس لائے تھے؟"

نرس کے الفاظ سنتے ہی اس کے وجیہہ اور بارعب چہرے پر اندرونی کشمکش کے آثار جھلکنے لگے۔ اس نے کئی بار اپنی پلکیں جھپکائیں پھر بے بسی کے ساتھ نرس سے بولا "یہ لوگ مجھے کیوں یاد نہیں آتے گڈی؟ یہ سب کتنا عجیب لگتا ہے کہ اس روز تم مجھے اپنے والد صاحب کو شناخت کرنے کا مشورہ دے رہی تھیں اور اب...."

"بس بس، ذہن پر زیادہ زور نہ دو" نرس نے بڑھ کر شفقت سے اس کا بازو تھام لیا۔ "حادثات کے بعد اکثر ایسا ہو جاتا ہے، یہ بالکل عارضی کیفیت ہے، رفتہ رفتہ تمھیں سب کچھ یاد آ جائے گا۔ میں تمھاری مدد کروں گی۔"

"اوہ، تم کتنی اچھی ہو گڈی۔" اس نے احسان مندانہ لہجے میں یہ کہتے ہوئے اپنی آنکھیں موند کر اپنا سر نرس کے بازوؤں پر یوں ٹکا لیا جیسے وہ اس کے لیے آغوشِ مادر رہی ہو۔

نرس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر کامران سے مخاطب ہوگئی۔ "کیا تم تھک گئے ہو؟"

"نہیں۔" اس کی آواز بوجھل سی تھی۔ "پتا نہیں یہ پرانے چہرے بار بار کیوں سامنے چلے آتے ہیں۔ تمھارے بتانے پر جب بھی اپنی یادداشت کے تاریک خانوں کو کھنگالنا چاہتا ہوں تو سر پھٹنے لگتا ہے۔ ماں باپ، بہن بھائی، رشتے دار کوئی بھی تو یاد نہیں آتا۔ بس یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں اچانک ہی زمین سے اُگ آیا ہوں یا آسمان سے ٹپکا ہوں۔" اس نے ایک دبی دبی سی سسکاری لی پھر بولا "تمھارے سوا کوئی بھی تو یاد نہیں رہا ہے مجھے۔"

اسے میں پہلے بہت قریب سے دیکھتا رہا تھا لیکن اس وقت کی گفتگو سن کر دنگ رہ گیا۔ وہ اس وقت بالکل ہوش مندوں جیسی باتیں کر رہا تھا۔ بس یادداشت اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ میں اس وقت کافی عرصے بعد اس سے ملا تھا اور اس کی حالت میں حیرت ناک سرعت سے مثبت تبدیلیاں نمودار ہوئی تھیں۔ مجھے خیال آیا کہ کاش اس وقت غزالہ اپنے گھر ہوتی تو جوان بھائی کی شفایابی کی حوصلہ افزا خبر سے کس قدر خوش ہوئی ہوتی لیکن وہ قیدی تھی۔ کرنل اس کے اغوا کے صدمے سے بے حال اور شمع اپنی لگائی ہوئی آگ میں سلگ رہی تھی۔ پورے گھر میں کوئی ایسا نہ تھا جو کامران کی جزوی صحت یابی کا جشن مناتا۔

اکبر کے ہاتھ میں قدرت نے واقعی شفا دی تھی۔ فاتر العقل دیوانوں کی طرح قہر زوری، مار دھاڑ اور ایذا پرستی کے جنون میں مبتلا کامران کی سلجھی ہوئی گفتگو سن کر مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اگر اکبر ان ہی خطوط پر علاج کرتا رہا تو قلیل سی مدت میں اس کی کھوئی

ہوئی یادداشت بھی واپس آ جائے گی۔

ماضی کے حوالے سے کامران کے ذہن میں بس ایک ہی نام زندہ تھا۔ گڈی۔

وہ غزالہ کو بچپن میں گڈی کہتا تھا اور اب نرس کو وہ نام دے بیٹھا تھا۔ نظر تو یہ آ رہا تھا کہ نام کے ساتھ ہی اس نے اپنی پسندیدہ نرس کو بہن کا سا احترام بھی دیا ہوا تھا ورنہ وہ کہاں تک اس کی چیرہ دستیاں سہتی؟ اور بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ کامران کی وہ گڈی چند گھنٹے قبل اپنی آزادی سے محروم ہو کر ویرالاٹیڈ کی قید میں جا چکی تھی۔

نجانے وہ بے چاری کہاں اور کس حال میں تھی؟

میں بدستور دروازے میں کھڑا ہوا تھا اور نرس کم و بیش کامران کی ہم سن ہونے کے باوجود کسی شفیق ماں کی طرح ہولے ہولے اس کا سر سہلا رہی تھی کہ اچانک پیچھے سے کوئی نمودار ہوا اور مجھے تقریباً دھکیلتا ہوا کمرے میں گھستا چلا گیا۔ اندر نرس کے قریب پہنچ کر وہ سفید پوش وارڈ بوائے میری طرف گھوما تھا اور لحظہ بھر ناقدانہ نگاہ ڈالنے کے بعد دوبارہ نرس کی طرف متوجہ ہو گیا جو کامران کی حالت کے پیش نظر اس کی یوں مداخلت پر برہم نظر آ رہی تھی۔

وارڈ بوائے نے مدھم سرگوشیانہ لہجے میں نرس سے کچھ کہا جس پر ان دونوں میں کچھ سوال جواب ہوئے لیکن میرے پلے بھنبھناہٹ کے سوا کچھ بھی نہ پڑ سکا۔ اس دوران جس بات پر مجھے تشویش ہوئی وہ یہ تھی کہ اس دوران وارڈ بوائے نے کئی بار مشتبہ انداز میں میری طرف دیکھا جیسے اسے میری جانب سے مداخلت کا اندیشہ رہا ہو۔

میرے لیے اس کا وہ رویہ تشویش ناک تھا۔ یوں تو اس اسپتال میں، میں کئی بار ہلکی پھلکی ہنگامہ آرائیاں کر چکا تھا لیکن کسی بھی موقع پر شناخت کی نوبت نہیں آ سکی تھی۔ البتہ آخری مرتبہ زخمی اسے ٹو کا پیچھا کرتا ہوا جب وہاں پہنچا تو اکبر سے براہِ راست سامنا ہوا تھا لیکن میں اس کے آدمیوں کی دخل اندازی سے پہلے ہی اسے ٹو کے تعاقب میں عقبی کھڑکی سے نکل بھاگا تھا۔

وارڈ بوائے کے مشکوک رویے سے مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں مجھے پہچان کر اسپتال میں گھیرنے کا منصوبہ نہ بنایا جا رہا ہو۔

اپنی پیغام رسانی سے فارغ ہو کر وارڈ بوائے جیسے ہی میرے پہلو سے گزرا، میں نے لپک کر راہداری میں اسے جا لیا۔ اپنے بازو پر میری غیر دوستانہ گرفت محسوس کرتے ہی وہ بوکھلا گیا۔

"کک... کیا بب... بات ہے... ہا... ہاتھ چھوڑو میرا!"

"کس کا پیغام لائے تھے برخوردار؟" میں نے اپنی انگلیوں کے سرے سختی کے ساتھ اس کے بازو میں پیوست کرتے ہوئے سرسراتے ہوئے درشت لہجے میں سوال کیا۔

"ڈ ڈ... ڈاکٹر نے ہی... ہدایت دی تھی مریض کے لیے" وہ ہکلاتے ہوئے بولا لیکن اس کی آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا لیکن وہاں راہداری میں اس سے تفصیلی بازپرس کا موقع نہیں تھا۔ کسی بھی لمحے کہیں سے کوئی نمودار ہو کر صورتِ حال کو میرے حق میں مخدوش بنا سکتا تھا۔

"ذرا میں بھی تو سنوں کہ کیا ہدایت تھی؟" میں نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"مسٹر!" اچانک میرے کانوں میں ایک نسوانی آواز گونجی۔ میں گھوما تو نرس کامران کے دروازے سے باہر کھڑی ہوئی تھی۔ "چھوڑ دیں اسے اور ادھر لوٹ آئیں ورنہ میں مریض کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی!" وہ تحکمانہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

لیکن وارڈ بوائے اس سے پہلے ہی میری توجہ نرس کی طرف مبذول ہونے کا فائدہ اٹھا کر میری گرفت سے نکل بھاگا تھا۔ میں سر جھکا کر کامران کے کمرے کی طرف ہو لیا۔

وہ بدستور آرام کرسی پر نیم دراز تھا لیکن ان چند ہی ثانیوں میں گہری نیند سو چکا تھا۔ آخری لمحات کی کربناک ذہنی کشمکش کے باعث اس کا پورا چہرہ پسینے میں ڈوب چکا تھا۔

"اسے کیوں روکا تھا آپ نے؟" نرس نے مجھے گھورتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ اس قدر رازدارانہ انداز میں کیا پیغام لایا ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ اس کے فرائض میں دخل انداز ہوئے ہیں!" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "اگر آپ کو اس سے کوئی شکایت تھی تو نیچے کاؤنٹر پر رجوع کرنا چاہیے تھا۔ یہ اسپتال ہے کوئی جنگل نہیں جہاں ہر زبردست کو بالادستی کا حق حاصل ہو، مریضوں کی شب و روز خدمت کا یہ صلہ تو ہمارے تصور سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ لوگوں کو ایسی نوازشوں سے محفوظ ہی رکھنا چاہیے!"

"میں معذرت خواہ ہوں!" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "وہ پیغام؟"

"آپ کا رویہ بتا رہا ہے کہ پیغام آپ کے لیے غیر متوقع نہیں تھا!" اس بار اس کے لہجے میں تحقیر کا ہلکا سا عنصر بھی پیدا ہو گیا۔ "یہ اسپتال ہے، خیرات گھر نہیں۔ مریض کو ایک پیشگی کے ساتھ داخل کرا دینے سے لواحقین بری الذمہ نہیں ہو جاتے۔ پیشگی رقم کتنے دن ساتھ دے سکتی ہے؟ یہ ڈاکٹر کا احسان ہے اس نے آپ کے مریض کو پاگل خانے نہیں بھجوایا۔ مریضوں

واجبات کی بروقت ادائیگی سے ہی یہاں کا نظام چلتا ہے...“
وہ نجانے کیا کچھ کہتی چلی جاتی لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی ”میں ہر بات سے پوری طرح متفق ہوں لیکن ابھی تک وہ پیغام نہیں معلوم ہوسکا؟“

”سننا ہی چاہتے ہیں تو سنیئے کہ ڈاکٹر نے اپنی آمد تک آپ کو روکے رکھنے کے لیے کہلوایا تھا تاکہ اب تک کا حساب صاف کرکے آئندہ کے بارے میں کچھ طے کیا جاسکے...“

”پھر میں چلا سسٹر!“ میں نے کام کی بات معلوم ہوتے ہی اس کی بات اڑا دی ”یہ سب بکواس ہے، کامران کے حساب میں میں اتنی رقم پیشگی جمع کرا چکا ہوں کہ شاید چھ ماہ بھی کمی واقع نہ ہوگی...“

”ٹھہرو“ وہ مجھے فرار پر آمادہ پاکر اضطراری انداز میں بولی۔ ”تم اتنی آسانی سے نہ نکل سکو گے اور نکل بھی گئے تو کامران کو اسی وقت تیسرے درجے کا پاگل قرار دے کر گندو بند ر بھجوا دیا جائے گا“
میرا دل دہل گیا، قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔

عجیب دن تھا وہ بھی کہ ہر طرف سے بے بسی محصور کیے دے رہی تھی۔ غزالہ کو یرغمال بناکر ویرا لائیڈ نے مجھے اپنے قدموں میں جھکا لیا تھا اور اب اکبر کی پروردہ نرس کامران کو پاگل خانے بھجوانے کی دھمکی دے کر مجھے رک جانے پر مجبور کر رہی تھی لیکن اس کے اضطراری لہجے سے میں نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اصل کھیل سے یکسر لاعلم تھی اور کامران کے علاج کے سلسلے میں مجھے اکبر کا مقروض سمجھ رہی تھی۔ وہ مجھ سے کہیں زیادہ اکبر کو جانتی تھی۔ وہ مجھے پہچان چکا تھا اور اب پرانا حساب چکانے کے لیے بلوں کی ادائیگی کا بہانا کرکے نرس کو سازش میں شریک کرلیا تھا۔ اگر میں وہاں سے نکل بھاگتا تو اس بار وہ یقیناً اپنی شکست کا انتقام کامران سے لیتا اور اسے لاعلاج ذہنی مریض قرار دے کر اپنے رسوخ کے ذریعے تیسرے درجے کے پاگلوں کے ساتھ قید کرا دیتا اور جب برسوں بعد پرنرزز ایڈ سوسائٹی والے کھوج نکالتے کامران تک پہنچتے تو وہ لازمی طور پر لاعلاج پاگل ہوچکا ہوتا۔

”سنو! یہ اسپتال ہی نہیں، بدمعاشوں کا گڑھ بھی ہے، یہاں زخمی مجرم پناہ لیتے ہیں، اکبر ان کا ساتھی ہے اور ایک بار میرے ہاتھوں زک اٹھا چکا ہے۔ آج اس نے مجھے پہچان لیا ہے اور اب گھیر کر مجھ سے اپنی شکست کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ بلوں کی ادائیگی محض ایک بہانہ ہے“ میں نے اندر روٹ کرلے ایک ہی سانس میں سب کچھ بتا ڈالا۔

”اگر ایسا ہوا تو تم مجھے اپنا ساتھی پاؤ گے“ اس نے مضبوط لہجے میں کہا لیکن اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری

کہانی پر یقین نہیں آسکا تھا۔

"یعنی تم مجھے جانے نہیں دو گی؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ میری ملازمت کا معاملہ ہے۔" وہ ملتجیانہ لہجے میں بولی۔ "یہاں آئے دن ایسا ہوتا رہتا ہے۔ لوگ بڑے جذبے کے ساتھ اپنے لاعلاج مریضوں کو لاتے ہیں کچھ عرصے بعد افاقہ نہ ہو تو رقم دبا کر مریض کی عیادت تک کے لیے آنا ترک کر دیتے ہیں۔ اس وقت گراؤنڈ فلور پر دو چار ملازم تمہارا راستہ روکنے کے لیے تیار ہوں گے۔ تمہارا مریض تو زندہ ہے۔ یہاں پورے واجبات ادا کیے بغیر لواحقین لاش بھی باہر نہیں لے جا سکتے۔ سب جانتے ہیں کہ ہماری تنخواہیں ان ہی واجبات سے وابستہ ہیں۔ یہاں ملازمین کو معقول تنخواہیں دی جاتی ہیں۔"

میں کامران کے سامنے پڑی ہوئی خالی آرام کرسی پر گر گیا اور اس کا رخ یوں گھما لیا کہ براہِ راست دروازے پر نگاہ رکھ سکوں۔ "کیا تم اکبر کو واقعی ڈاکٹر سمجھتی ہو؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"لیکن وہ عملی طور پر انسانی ذہن کو خوب سمجھتا ہے۔" اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "کامران ہی کو دیکھ لو، بہتیرے بگڑے ہوئے کیس اس نے سنبھالے ہیں۔"

"اور نجانے کتنے بگاڑے بھی ہوں گے لیکن ان کا حساب کون رکھے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یہ سب مقدر کی باتیں ہیں۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔ "زندگی ہو تو خاک سے بھی شفا ہو جاتی ہے اور وقت پورا ہو جائے تو مسیحا تک مر جاتے ہیں۔ مجھے تو حیرت اس بات کی ہے کہ یہ علاج گاہ کیسے قائم ہے۔ قانون شفا نہیں دیکھتا، قابلیت مانگتا ہے، وہ کہاں سے پیدا کی ہوگی ہمارے..."

وہ بات ادھوری چھوڑ کر یکلخت خاموش ہو گئی۔ راہداری سے ابھرنے والی قدموں کی آوازیں میرے کان بھی سن رہے تھے لیکن میں نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ اب میں تن بہ تقدیر ہو کر صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

پھر آنے والا جوں ہی کمرے میں داخل ہوا، مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر حیرت اور بے یقینی کے آثار ابھر آئے جیسے اسے میری وہاں موجودگی کی امید نہ رہی ہو لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

"مریض کا کیا حال ہے سسٹر؟" سنبھالا لیتے ہی اکبر نے مجھے نظرانداز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نرس سے سوال کیا اور میں بھی لاتعلقانہ انداز میں آرام کرسی پر دراز سگریٹ کے کش لیتا رہا۔

"ماضی کا حوالہ ہمیشہ ذہنی صدمے کا باعث بنتا ہے۔ اس وقت بھی یہی ہوا ہے، انھیں پہچاننے کی کوشش کی تھی مریض نے" نرس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

اکبر نے کامران کے پپوٹے اٹھا کر اس کی دونوں پتلیوں کا جائزہ لیا، ماہرانہ انداز میں نبض کی رفتار دیکھی۔ ہاتھ کی انگلیوں کے ناخنوں پر گہری نگاہ ڈالی پھر مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے نرس سے بولا۔ "تم ڈیوٹی روم میں جاؤ، مریض دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا، میں واپسی پر بتا دوں گا۔"

نرس دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ میں کرسی چھوڑ کر اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔ "واجبات کا مسئلہ سسٹر کی موجودگی میں ہی طے ہونا چاہیے جس کے لیے مجھے بھونڈے انداز میں یہاں روکا گیا ہے۔" میں نے اکبر سے مخاطب ہو کر تلخ لہجے میں

اس کے لبوں پر مکارانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اوہ! تو تمھیں بتا دیا گیا کہ تم روکے گئے ہو۔ خیر اتنا برا منانے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے حسابات خود نمٹانے کا عادی ہوں، غلطی ہوئی تو معذرت کر لوں گا، تمھیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ بے چاری سسٹر کو اس معاملے میں ملوث نہ کرو، اس کا راستہ چھوڑ دو۔"

پہلے میرا خیال تھا کہ اکبر نے مجھے پہچان کر ہی وہاں روکا تھا لیکن اس کے ابتدائی تاثرات نے میرے اس نظریے کو غلط ثابت کر دیا تھا۔ اب دیکھنا تھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا تھا۔ البتہ میں نے بات کو طول دیے بغیر راستہ چھوڑ دیا اور اکبر کامران کے خالی بستر تک گیا۔

میں دروازے کے قریب کھڑا اسے گھورتا رہا اور وہ پراسرار انداز میں مسکراتا رہا۔ آخر کار اسی نے سکوت توڑا تھا۔ "اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو تمہارا نام ڈینی ہے؟"

اس کی زبان سے اپنا نام سن کر میں چونک پڑا۔ "فرض کرو لیکن یہ نام تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"

"اب سے پہلے میرے لیے تم ایک نام نہیں بلکہ صرف چہرہ تھے اور اب مجھے تمہاری جستجو بھی تھی۔ لے ٹو میرے گھر کے لوگوں میں سے تھا اور وہ اپنی ساری دلیری کے باوجود تم سے خائف رہتا تھا۔ آخر کار وہ تمہارے ہی ہاتھوں مارا بھی گیا۔"

"اور اب تم مجھ سے انتقام لینا چاہتے ہو؟" میں نے غراتے ہوئے جارحانہ تیوروں کے ساتھ سوال کیا۔

وہ ہنس پڑا۔ "احمقانہ بات ہے، مرنے والے کے ساتھ کوئی نہیں مرا کرتا۔ تم نے اپنے وقت کے زیرک ترین آدمی کو مات دی۔ میں تمہارا قدردان ہوں..."

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں، پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ

"یہاں کیوں روکا گیا ہے؟" میں نے اس کی بات اُڑاتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تسلی سے کام لو ذرا سی دیر میں سب سامنے آجائے گا۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔

"میں اب یہاں ایک سیکنڈ بھی رُکنے کے لیے تیار نہیں۔" اس کا پُرسکون رویہ مجھے مسلسل تاؤ دلائے جارہا تھا یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس مردود نے اپنی دانست میں مجھے نادیدہ زنجیروں سے جکڑ رکھا ہو۔

"دماغ ٹھنڈا رکھو۔" وہ ناصحانہ لہجے میں بولا۔ "میں ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ میرے معمولی ملازم تم جیسے عظیم آدمی پر ہاتھ اُٹھانے پر مجبور ہوجائیں۔ میں اپنے عملے کو تنخواہوں کے علاوہ بلوں پر کمیشن بھی دیتا ہوں۔ وہ کسی نادہند کو نکلنے نہیں دیں گے بس وہ کسی بھی لمحے آتی ہی ہوگی۔"

"آتی ہی ہوگی!" میں نے چبا چبا کر کہا۔ "یعنی یہ سب تم کسی کُتیا کے اشارے پر کر رہے ہو؟"

"کاش وہ کُتیا ہی ہوتی۔" وہ ایک ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔ "کم ازکم اس کی پشت تو سہلا سکتا تھا...!"

"کس کی پشت سہلانا چاہتے ہو اکبر؟" اچانک مجھے اپنی پشت سے ویرا لائیڈ کی چبھتی ہوئی آواز سنائی دی اور میں حیرت سے اچھل پڑا۔ وہ راہداری میں بالکل بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی وہاں تک پہنچی تھی اور شاید اکبر کا آخری فقرہ ہی سن سکی تھی لیکن اس کی آواز سنتے ہی اکبر کی حالت غیر ہوگئی تھی۔ وہ مشینی انداز میں مسہری سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں، چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور آنکھوں میں دہشت اتر آئی تھی۔

"مم... مادام!" وہ لرزتے ہوئے اپنے سر کو گھٹنوں تک جھکا کر گڑگڑایا۔ "اس کمرے میں مامور نرس کی بات ہورہی تھی۔ غیر ضروری بکواس پر معذرت خواہ ہوں۔"

"بکواس کبھی ضروری نہیں ہوتی اکبر۔" اس کی زبان گویا لفظوں کے کوڑے برسا رہی تھی۔ "اگر یہ حاجت مند اور مجبور عورتیں کُتیا بنائی جاسکتی ہیں تو یقین کرو کہ تمھیں بھی کسی کُتیا ہی نے جنا ہوگا۔ اس اجنبی سے اتنی بے تکلفی کیسے ہوگئی تمھاری؟"

"میں دست بستہ معافی چاہتا ہوں مادام!" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر رو دینے والی آواز میں کراہا۔ ویرا لائیڈ کے سامنے وہ کسی خارش زدہ چوہے سے بھی بدتر نظر آرہا تھا۔ "یہ... یہ اجنبی نہیں ہے۔ اس کمرے میں اسی کا لایا ہوا مریض زیرِ علاج ہے۔ ویسے بھی یہ اسے ٹوکے تعاقب میں یہاں آیا تھا اور یہی اس کا قاتل ہے۔ آپ کی زمانہ شناس نگاہوں نے اسے خوب پہچانا ہے ورنہ یہ آج بھی اپنے مریض سے مل کر صاف نکل گیا ہوتا۔"

"ہرزہ سرائی بند کرو۔" ویرا لائیڈ نے للکارتے ہوئے لہجے میں اسے پھٹکار دیا۔ "اور اپنے کمرے میں جاؤ فی الحال اس فلور پر کوئی نہیں رہے گا۔ میری واپسی کے بعد جو چاہو بندوبست کرلینا۔ میں یہاں کچھ وقت گزاروں گی۔"

"بہتر مادام!" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں دوبارہ فرشی سلام کیا اور ایسی عجلت میں وہاں سے بھاگا جیسے تاخیر ہوجانے کی صورت میں روح قبض ہونے کا خوف لاحق ہو۔

"ہاں تو تم یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو؟" چند ثانیوں تک مجھے گھورتے رہنے کے بعد اس نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"ایسا نہ ہو کہ کوئی باہر کھڑا اس گفتگو کو سننے کی کوشش کر رہا ہو۔" میں نے زبان کھولنے سے پیشتر دروازے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا اور اس نے کوئی تعرض نہ کیا۔

"اپنی تسلی کے لیے دیکھ لو لیکن اب کوئی اس فلور پر رُکنے کی جرأت نہ کرسکے گا۔" اس نے اسی لہجے میں کہا تھا۔ میں نے بڑھ کر راہداری میں نظریں دوڑائیں تو وہ دور تک ویران پڑی ہوئی تھی۔

"یہاں تمھاری کیا حیثیت ہے؟" میں نے واپس لوٹ کر تحیر آمیز انداز میں پلکیں جھپکاتے ہوئے سوال کیا۔

"تم نے دیکھ ہی لیا۔" وہ بے پروایانہ لہجے میں بولی۔ "اکبر کا بس چلے تو میری اگلی ہدایت تک وہ پرندوں کو بھی اس فلور پر پَر نہ مارنے دے گا۔"

"تمھاری ولادت ذرا تاخیر سے ہوئی۔ جمی لائیڈ سلیمانی دور میں جوان ہوگیا ہوتا تو تم واقعی پرندوں پر بھی حکمرانی کرگزرتیں۔"

"مرچیں چبانے کے بجائے میرے سوال کا جواب دو۔" اس نے کرسی سنبھالتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔ "یہ مریض کون ہے؟"

"یہ غزالہ کا بھائی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کسی وجہ سے ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا، کافی دنوں سے یہاں زیرِ علاج ہے آج میں نے سوچا کہ لاہور روانہ ہونے سے پہلے اسے بھی دیکھتا چلوں، وہاں سے نجانے کب واپسی نصیب ہوتی ہے؟"

"اوہ، تو یہ بات تھی۔" وہ یک بیک مضمحل نظر آنے لگی۔ "میں بلاوجہ ہی تشویش کا شکار ہوگئی تھی... دراصل یہ سارا قصور تمھارا ہے ابھی تک تم خود کو پوری طرح قابلِ اعتماد ثابت نہیں کرسکے ہو۔ ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نجانے کب کیا کرگزرو؟"

"پتا تو چلے کہ اس بار مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا ہے؟"
میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"قصور؟" وہ پُرخیال لہجے میں بولی۔ "آج تم نے یہاں آکر غزالہ کے حق میں اچھا نہیں کیا۔"

"غزالہ؟" میں نے تیز لہجے میں دُہرایا۔ "اس کا ذکر کہاں سے آگیا اس قصے میں۔"

"تھوڑی دیر پہلے تک وہ یہیں مقیم تھی۔" اس کے الفاظ کسی وزنی ہتھوڑے کی طرح میرے ذہن پر گرے۔ "جنگ و جدل سے محفوظ یہ شہر کا بہترین ٹھکانا تھا لیکن غلط فہمی کی بنا پر فوری طور پر اسے یہاں سے ہٹا دیا گیا ہے۔"

"ہٹا دیا گیا ہے؟ آخر غلط فہمی کی بنیاد کیا تھی؟" میں نے احتجاج آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"یوں نہیں — شروع سے پوری بات بتانا پڑے گی" وہ کرسی سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلتے ہوئے بولی۔ "غزالہ کو یہاں منتقل کرتے ہوئے مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا بھائی یہاں زیر علاج ہے اور یہاں تمھاری بھی آمدورفت رہتی ہے۔ اسے بے ہوشی کی حالت میں اس اسپتال کے ایک ایسے آرام دہ اور دور افتادہ کمرے میں رکھا گیا تھا کہ وہ اسپتال کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ یہاں باہر میرا ایک آدمی مسلسل اس کی حفاظت پر مامور تھا۔ اسے خاص طور پر تمھاری طرف سے چوکنا رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ آج جیسے ہی اس نے اسپتال کے احاطے میں تم کو کار سے اترتے دیکھا، فوراً مجھے وائرلیس پر معاملے کی سنگینی سے آگاہ کر دیا۔ پھر اس نے اسپتال کے عملے سے یہ بھی معلوم کر لیا کہ تم کس کمرے میں گئے ہو۔ مجھے پہلا خیال یہی آیا کہ شاید تمھیں غزالہ کی وہاں موجودگی کی بھنک مل گئی ہے اور تم کوئی ڈراما رچا کر اسے نکال لے جانے کی فکر میں ہو۔ میں نے فوراً ہی غزالہ کی وہاں سے منتقلی کا بندوبست کیا اور اکبر کو ہدایت کی کہ میری آمد تک تمھیں ہر قیمت پر الجھا کر رکھا جائے لیکن اب تم کچھ اور ہی کہانی سنا رہے ہو۔ مجھے ذرا بھی اطمینان ہوتا تو میں غزالہ کو ہرگز یہاں سے نہ ہٹاتی۔"

"اب بھی کیا بگڑا ہے — اسے دوبارہ یہاں بلوا سکتی ہو۔"

"میں اتنی احمق نہیں ہوں۔" وہ منہ بگاڑ کر تلخ لہجے میں بولی۔ "اس ٹھکانا تمھارے علم میں آنا میری حکمت عملی سے میل نہیں کھاتا۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ ادھر کا رُخ بھی نہ کروں گا۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "کم از کم میری غیر موجودگی میں وہ اپنے بھائی کی دیکھ بھال ہی کر لے گی۔"

"گھاس کھا گئے ہو کیا؟" وہ برہمی کے ساتھ تیز لہجے میں بولی۔ "اچھی طرح جانتے ہو کہ اس کا بر سرعام آنا اس کے حق میں کس قدر مہلک ثابت ہو گا۔ تنظیم کو اس کی تلاش ہے۔ اگر ہاتھ نہ آسکی تو وہ اسے ہلاک کرنے سے بھی دریغ نہ کرے گی۔"

"تو کیا اکبر تنظیم کا کارندہ نہیں ہے؟"

"یہ خیال کیوں پیدا ہوا تمھارے ذہن میں؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"اس کے اسے ٹو سے گہرے مراسم تھے، ابھی تمھارے سامنے وہ اس سے ہمدردی جتاتے ہوئے مجھے اس کا قاتل قرار دے رہا تھا۔ اس سے پہلے قاسم سے اس کے قریبی تعلقات تھے۔"

اس کے بشرے پر اطمینان عود کر آیا۔ "ان دونوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اکبر کو تنظیم کے وجود کی ہوا بھی نہیں لگ سکی۔ وہ ان دونوں کو میرے جاں نثاروں کے طور پر جانتا تھا۔"

"اور شاید میں بھی اسی صف میں شمار کیا جاؤں گا۔" میں نے اپنے بائیں پہلو پر ہاتھ رکھ کر سر کو قدرے خم دیتے ہوئے کہا۔

"میرے تصور سے لوگوں کو ہول آنے لگتے ہیں۔" وہ چہک کر بولی۔ "عشق جتانا تو دور کی بات ہے، میرے ماتحت آنکھ ملا کر بات تک نہیں کر سکتے۔ ان دونوں کا شمار بھی ایسے ہی ماتحتوں میں ہوتا تھا.... اپنی رسائی پر زیادہ گھمنڈ نہ کیا کرو۔ کسی وقت طیش آ گیا تو سارے مراسم ایک بھولا ہوا خواب بن کر رہ جائیں گے۔"

"جب تک تم سخاوت نہ دکھاؤ، گزرے ہوئے لمحات خواب ہی بنے رہیں گے۔" میں نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "ایسے رشتے اسی لیے کچے ہوتے ہیں کہ کسی کا کسی پر حق نہیں ہوتا۔ سنگی کا دل ہوتا ہے کہ چاہے تو مان کرے ورنہ سوالی کو لات مار کر اپنے دروازے سے دور پھینک دے۔ لیکن مجھے تم سے یہ امید نہیں ہے۔"

"اس بار تو جو ہوا سو ہوا۔ یہ میری غلط فہمی تھی لیکن میں تمھیں ایک بار پھر متنبہ کیے دیتی ہوں کہ تم نے غزالہ کا کھوج کرنے کی کوشش کی تو اس سے ہاتھ دھو بیٹھو گے...." اس نے میری بات کو نظر انداز کر کے کہنا چاہا لیکن میں دخل اندازی کر بیٹھا۔

"اس بات کو بار بار دُہرا کر تلخی میں اضافہ مت کرو۔ اپنے وسائل کے اظہار سے تم پہلے ہی مجھے مرعوب کر چکی ہو۔"

وہ واپسی کے لیے دروازے کی طرف مُڑی تو میں بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ "تم کہاں چلے؟" اس نے تیوریاں چڑھا کر

سوال کیا۔
"تمھارے ساتھ ہی نکل چلوں ورنہ اکبر شرارت
کرے گا۔"
"وہ اب کوئی تعرض نہیں کرے گا۔ وہ احکام سے ذرا
بھی انحراف نہیں کرتا۔ جب بھی آؤ گے، اسے ملنسار اور اپنا
دوست ہی پاؤ گے، تمھارا میرے ساتھ یہاں سے نکلنا مناسب
نہ ہوگا۔"
"جاتے جاتے اس سے میرے مریض کی سفارش بھی
کرتی جانا۔" میں نے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ وہ بل بڑھانے کے چکر میں
علاج کو طول ہی دیتا چلا جائے۔"
وہ ہنس پڑی۔ "میں کہہ دوں گی لیکن یہ اس کی کمزوری ہے۔
ہر مریض کو اس کی حیثیت کے مطابق پوری طرح نچوڑے بغیر
یہاں سے ہلنے نہیں دیتا۔"
وہ چلی گئی اور میں دوبارہ کامران کے کمرے میں آبیٹھا۔
حالات کی یہ کیسی ستم ظریفی تھی کہ وہ دونوں بہن بھائی ایک ہی
چھت کے نیچے رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے نہیں مل سکے
تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ کامران کے تفصیلی تجزیے کے
بعد اکبر نے بتایا تھا کہ ماضی کے حوالے سے اس کے ذہن میں
بس ایک ہی نام باقی تھا جو گڈی تھا اور اگر اس شخصیت کو
کامران کے سامنے لایا جاتا تو اس کی یادداشت تیزی کے ساتھ
بحال ہو سکتی تھی پھر میں نے کرنل سے یہ معلوم بھی کر لیا تھا کہ
بچپن میں کامران غزالہ ہی کو گڈی کہا کرتا تھا لیکن اس روز کے
بعد سے حالات اتنی تیزی کے ساتھ ناخوشگوار ہوتے چلے گئے
کہ غزالہ کو کامران سے ملانے کی نوبت ہی نہ آسکی اور اب وہ
دونوں ایک دوسرے کی لاعلمی میں یکجا ہو کر ویرا الائیڈ کی
ذرا سی غلط فہمی کی بنا پر آپس میں ملے بغیر پھر بچھڑ چکے تھے۔
میں ان ہی حالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ چند منٹ بعد سفید
کوٹ میں ملبوس، اکبر خود وہاں آپہنچا۔
"معاف کرنا دوست، مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم ہم ہی
میں سے ہو۔" وہ آتے ہی معذرت خواہانہ لہجے میں بولا تھا۔ "اپنی
کرتا ہوں، میں شرمندہ ہوں، تمھارے مریض کو آج ہی وی آئی پی
روم میں منتقل کرا دیتا ہوں۔"
میں تلخ انداز میں ہنس دیا۔ "ارے بھائی، پاگل صرف
پاگل ہوتا ہے۔ اس کے لیے فٹ پاتھ اور وی آئی پی روم میں
کوئی فرق نہیں ہوتا۔ یہ تو ہوش مندوں کے نخرے ہیں جو زندگی
اور بیماری تو درکنار مرنے کے بعد بھی وی آئی پی سوئم اور چہلم
کی فکر میں رہتے ہیں۔"

وہ بھونڈے انداز میں ہنس کر رہ گیا۔ "کہتے تو تم ٹھیک ہی ہو،
میں نے خود ایک قریب المرگ افسر کو یہ تلقین کرتے سنا تھا کہ
اگر وہ مر ہی جائے تو تدفین سے پہلے اس کے ایسے تمام شناساؤں
کو ضرور خبر دی جائے جن کے پاس گاڑیاں ہیں تاکہ جنازے کا
جلوس شاندار ہو سکے۔"
"اگر اجازت ہو تو اب میں چلا جاؤں؟" میں نے چبھتے
ہوئے لہجے میں کہا۔
"ضرور ضرور۔ اب اتنا بھی شرمندہ نہ کرو مجھے۔" وہ
بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا اور میں سر ہلاتا ہوا کمرے سے
نکلا چلا گیا۔

☼ ☼

گھر پر ایک بند لفافے میں میرے لیے کراچی سے لاہور
اور واپسی کا فضائی ٹکٹ موجود تھا جو کوئی نامعلوم آدمی کرنل
کے حوالے کر گیا تھا۔ روانگی کے لیے اگلی دوپہر کی نشست محفوظ
کرائی گئی تھی جبکہ واپسی کا کوئی تعین نہیں کیا گیا تھا۔ لائیڈز کا ٹج
میں میرے کام کی نوعیت کی بنا پر واپسی کا اندازہ لگانا مشکل
ہی تھا۔
پھر سلطان شاہ سے ملاقات ہوئی جو اپنی مہم سے بے
نیل ومرام ہی واپس لوٹا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو باری
باری مواصلاتی یونٹ کی نگرانی پر مامور کر دیا تھا اور خود سارا دن
شہر میں ان ٹھکانوں کی خاک چھانتا پھرا جہاں لاہور سے واپسی
پر ویرا الائیڈ کو جاتے دیکھا تھا لیکن کہیں کوئی کامیابی حاصل
نہ ہو سکی۔
ان ٹھکانوں پر رہنے والے سب ہی لوگ اپنے پڑوسیوں
کی رائے میں غیر مشکوک شرفا تھے جو جائز وسائل سے اپنی روزی
کمانے کے قائل تھے بلکہ دو ٹھکانوں پر تو عیالدار گھرانوں کا وجود
سامنے آیا اور سلطان شاہ کی عقل چکرا کر رہ گئی کہ ان لوگوں میں
ویرا الائیڈ کے گرگوں کو کیوں کر تلاش کر سکے گا۔ اگر اس نے خود
ان ٹھکانوں تک ویرا کا پیچھا نہ کیا ہوتا تو شاید یقین بھی نہ کرتا کہ وہ
عزت دار، متوسط گھرانے کسی غیر قانونی کھیل میں مصروف ہو
سکتے ہیں۔ ان میں کوئی بھی مکان اتنا وسیع نہیں تھا کہ وہاں کسی
کو قید کیا جاتا تو پڑوسی بے خبر رہتے بس ایک ٹھکانا وسیع و
عریض کوٹھی پر مشتمل تھا جو ویران اور غیر آباد پڑی ہوئی تھی۔ سلطان
شاہ نے احاطے کی چار دیواری پھاند کر اس کا چپہ چپہ چھان
مارا تھا لیکن بے سود رہا، وہاں کسی بھی ذی روح کا وجود دریافت
نہیں کر سکا تھا۔
اس کی کہانی میرے لیے غیر متوقع نہیں تھی لیکن جب

اسے میرے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا علم ہوا تو وہ حیران رہ گیا۔" اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ شروع ہی سے سارا کھیل ہماری ناک کے نیچے ہو رہا ہے اور ہم اِدھر اُدھر بھاگے پھر رہے ہیں۔ آخر یہ اکبر ہے کیا بلا کہ سارے ہی منشیات فروشوں سے اس کے گہرے مراسم ہیں؟"

"اکبر نہیں بلکہ یہ ایک مؤثر پلیٹ فارم کا چکر معلوم ہوتا ہے" میں نے کہا۔" شہر میں انسدادِ منشیات کے لیے ایک اینڈکشن کیور سوسائٹی ہے جس کی سرپرستی تنظیم کا مقامی سربراہ کرتا رہا تھا اور اکبر اسی سوسائٹی کے بانی کا داماد ہے۔ یہ لوگ سرکاری پالیسیوں سے باخبر رہنے کے لیے اس سوسائٹی میں گھسے ہوئے ہیں اور اسی کے ساتھ اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے اسے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اکبر سے قربت کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی علاج گاہ کی آڑ میں منشیات کی بھاری مقدار رکھتا ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ اب غزالہ کو سوسائٹی کے دفتر ہی میں منتقل کیا گیا ہو؟" اس نے چونکتے ہوئے کہا۔

"وہ جگہ میری دیکھی بھالی ہے۔" میں نے کہا۔" وہاں ایک حصے میں سوسائٹی کا بانی چیئرمین اپنی فیملی کے ساتھ مقیم ہے۔ وہاں ایسے کھیلے ہوتے مشکل ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے چند دنوں کے لیے غزالہ کو بھول ہی جانا چاہیے۔ ڈیرا اس کے ساتھ بدسلوکی نہیں کرے گی۔"

"پھر کراچی میں میرا کیا مصرف رہ جائے گا؟" اس نے احتجاج کیا۔

"تم اپنے طور پر اسے تلاش کرتے رہو، مل جائے تو اچھا ہے کیونکہ ڈیرا اس کھیل کو طول دیتی نظر آ رہی ہے۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور مجھے سلطان شاہ کو نظرانداز کر کے اُدھر متوجہ ہو جانا پڑا۔ دوسری طرف سے رخشی بول رہی تھی۔

"ڈیرا الائیڈ ان دنوں ساحلی علاقے میں واقع ایک بنگلے میں مقیم ہے سنا ہے کہ وہاں کوئی کبوتر باز سفید فام مقیم ہے۔ چھت پر کبوتروں کے لیے بھانت بھانت کی کئی بلند چھتریاں نصب ہیں، عمارت دور ہی سے پہچانی جا سکتی ہے۔" اس کی آواز ہیجان آمیز تھی جیسے اس نے کوئی اہم بات دریافت کی ہو۔

"تمھاری محنت قابلِ داد ہے لیکن میرے لیے یہ اطلاع نئی نہیں ہے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔" وہ عمارت میری دیکھی بھالی ہے۔"

"لیکن تم نے تو مجھے نہیں بتایا تھا کہ ڈیرا کہاں مقیم ہے۔" اس کی قدرے تیز آواز ابھری۔

"ضرورت نہیں سمجھی تھی کیونکہ ہمیں ڈیرا نہیں، غزالہ کی تلاش ہے اور مجھے معلوم تھا کہ غزالہ کو ساحلی علاقے کی اس عمارت میں نہیں رکھا گیا ہے۔ میں تمھیں غیر ضروری الجھن سے دوچار نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے غزالہ کا سراغ بھی لگا لیا ہے۔" اس کی آواز سن کر یک بیک میرا دورانِ خون تیز ہو گیا۔

"اب شاید پہیلیاں بجھواؤ گی؟" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔

"اکبر کا اسپتال ڈیرا کا بہت ہی خاص اڈا ہے۔" وہ بتانے لگی۔" تم سے بات ہوتے ہی میں نے وہاں کی نگرانی شروع کرا دی تھی۔ پھر تیسرے پہر ڈیرا خود وہاں پہنچی اور کچھ دیر ٹھہر کر واپس چلی گئی۔ واپسی پر اس کا تعاقب کیا تھا، یوں ساحلی علاقے کی عمارت میری نگاہ میں آ سکی۔ اس کا اکبر کے اسپتال جانا خطرے کی گھنٹی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ غزالہ وہیں رکھی گئی ہے۔"

میں دل ہی دل میں اس بے چاری کے لیے ہمدردی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔" مجھے افسوس ہے رخشی کہ تم پے در پے مار کھاتی چلی گئیں۔ غزالہ وہاں رکھی ضرور گئی تھی لیکن ڈیرا کی آمد سے پہلے اسے وہاں سے کہیں اور منتقل کرا دیا گیا کیونکہ میں اتفاقاً اُدھر جا نکلا تھا۔ ڈیرا دراصل مجھ ہی سے باز پرس کرنے آئی تھی کہ میں وہاں کیسے پہنچا۔"

"اوہ! تو اس وقت تم بھی وہیں موجود تھے؟" اس کی آواز تحیر آمیز تھی۔

"یہ بتاؤ کہ اس کے علاوہ اور کیا معلوم کیا ہے تم نے؟"

"میں تو سمجھ رہی تھی کہ میں نے بڑا تیر مارا ہے لیکن میں شاید تمھارے نقشِ پا پر ہی بھٹکتی رہ گئی۔" اس کی آواز میں مایوسی امڈ آئی" پھر اب کیا صورتِ حال ہے؟"

"وہی پہلے جیسا سناٹا۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔" کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا ہو رہا ہے۔ شاید میں تھک بھی گیا ہوں۔ دو چار روز کسی پُرفضا مقام پر گزارنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" میں نے شہر سے اپنی غیر حاضری کے جواز کی بنیاد رکھتے ہوئے سست لہجے میں کہا۔" شاید وہاں جا کر کوئی تیر مار سکوں۔"

"مل کر جاؤ گے نا؟" اس کا لہجہ پُرامید تھا۔

"غزالہ کو کھو کر دل بہت اداس ہے رخشی..... ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں خلا میں معلق ہو کر رہ گیا ہوں۔ بہرحال وقت نے ساتھ دیا تو ضرور تم سے ملوں گا۔ ویسے ابھی تم کو

محتاط رہنا چاہیے۔"
"میں ہر وقت محتاط رہتی ہوں، تم میری فکر مت کرو۔ اور ہاں، یہ بتا دوں کہ میں غزالہ کے حق پر ڈاکا نہیں ڈالنا چاہتی۔ مجھے تمھاری اور اس کی چاہت کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہے۔ بس یہ یاد دلانا چاہتی ہوں کہ تم پر کچھ میرا بھی حق ہے۔"

"حق اندھوں اور معذوروں کا ہوتا ہے رخشی۔" میں نے دل ہی دل میں اندھی عورت کی حکایت یاد کرتے ہوئے کہا۔ "تم جوان، حسین اور صحت مند دوشیزہ ہو، ترکش کے ہر تیر سے ایک نئے شکار کو گھائل کر سکتی ہو۔ میں تو غول سے بچھڑا ایک آوارہ پنچھی ہوں جو اڑتے اڑتے تھک کر کہیں گر جائے تو وہیں اپنا نشیمن بنا لیتا ہے یا اڑتے اڑتے بادلوں سے اوپر یخ فضاؤں میں ٹھٹھر کر جان دے دیتا ہے۔"

"تم کیا بک رہے ہو ڈیئر؟" فون پر اس کی غصیلی آواز سنائی دی۔ "گھائل، پنچھی، نشیمن، ٹھنڈے بادل، یہ ساری خرافات تمھیں زیب نہیں دیتی — یہ روگ ان ہی کو پالنے دو جو عملی زندگی سے فرار حاصل کر کے اپنے خیالوں کی دنیا میں دن رات شعر جننے میں مصروف رہتے ہیں۔ مجھ سے ملو یا نہ ملو لیکن ایسی پست باتیں تو نہ سوچو۔"

میں اپنی تمام تر اداسی کے باوجود ہنس پڑا۔ "شاعروں کے حق میں اتنی گستاخ نہ ہو . . . ."

اس نے فوراً ہی میری بات کاٹ دی۔ "مجھے غلط نہ سمجھو، شاعروں کی میں بہت عزت کرتی ہوں، فیض سے فراز تک بہتوں کی کتابیں میرے پاس رہتی تھیں یہ ان کی بات ہے جو شاعری کو ہی بچھونا، کھانا، پہننا اور اوڑھنا چاہتے ہیں، ایک ایک غزل میں چار شادیاں کرتے ہیں اور ہر رباعی میں ایک اولاد کی تصویر دیکھتے ہیں۔"

"اس موضوع پر پھر کبھی بات ہو گی . . . . اس وقت میں سونا چاہ رہا ہوں۔" میں نے بات ختم کرنے کی نیت سے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ یاد رکھنا کہ مل کر نہ گئے تو خوابوں میں ملتی رہوں گی۔" ایک جھنکار کے ساتھ اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کیا شاعری ہو رہی تھی اس کے ساتھ؟" سلطان شاہ نے فوراً ہی شوخ لہجے میں سوال جڑ دیا۔

"بے ہودہ اور زبان دراز عورت ہے۔" میں نے سر جھٹک کر کہا۔ "شعر جننے کی بات لے بیٹھی تھی۔"

"کیا پتے کی بات کہی ہے اس نے۔" وہ بے اختیار پھڑک اٹھا۔ "بعض شاعر تو شعر کہتے ہوئے ایسے برے برے، دردناک منہ بناتے ہیں جیسے جڑواں شعروں کی ولادت ہو رہی ہو، میں لاکھ غور کرنے کے باوجود اس کیفیت کو آج تک کوئی نام نہیں دے سکا تھا۔"

"تم کیا جانو یہ شعر و شاعری۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"مڈل پاس، میٹرک فیل ہوں۔" وہ سینہ پھلا کر بولا۔ "انگریزی میں مار کھا جاتا ہوں، مادری زبان کی بات ہو تو مادر پدر ایک کر کے رکھ دیتا ہوں، کبھی آزما کر دیکھ لینا۔"

"لیکن تمھاری مادری زبان تو شاید پشتو ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں اب تو یہ چکر بھی چل نکلا ہے۔" اس کے لبوں سے کمزور سی آواز نکلی۔ اس کا چہرہ بے رونق ہو گیا اور آنکھیں یوں بجھ گئیں جیسے تصور میں کوئی ناخوشگوار تصویر ابھر آئی ہو۔

پھر اچانک ہی کرنل ہولے ہولے کراہتا ہوا وہاں آ پہنچا۔ "کچھ پتا چلا میری بچی کا؟" اس نے باری باری ہم دونوں کو دیکھتے ہوئے دردناک لہجے میں سوال کیا۔ اس کے ہر سانس کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے ہلکی ہلکی آہیں بلند ہو رہی تھیں اور کیوں نہ ہوتیں، کیوں کہ اس بے چارے کی زندگی کا ہر لمحہ زخموں سے چور چور تھا بیوی کوکین کی غلام تھی۔ برابر کا جوان بیٹا بڑھاپے کا سہارا بننے کے بجائے دیوانگی کا عذاب سہہ رہا تھا اور غزالہ یوں اغوا کر لی گئی تھی جیسے وہ جیتی جاگتی لڑکی نہیں بلکہ موم کی مورت رہی ہو۔

"وہ جہاں ہے عزت اور آرام سے ہے۔" میں نے کرنل کا شانہ تھپتھپا کر بھاری آواز میں کہا۔ "شاید کل میرے جانے سے پہلے اس سے بات بھی ہو جائے . . . . آپ فکر نہ کریں، وہ جلد ہی گھر آ جائے گی۔"

"ہائے — میں فکر نہ کروں۔" وہ سینے پر ہاتھ مار کر گلوگیر آواز میں چلا اٹھا۔ "میری بوڑھی ہڈیوں پر یہ داغ بھی آنا تھا۔ میں اس دن سے پہلے ہی کیوں نہ مر گیا۔"

کرنل کا صدمہ اپنی جگہ بالکل جائز تھا لیکن اس کی گفتگو اس وقت مجھے سخت ناگوار گزر رہی تھی پھر بھی میں اسے نظر انداز کرنے کی ہمت نہ کر سکا اور تھوڑا سا وقت برباد کر کے اسے کامران کے تابناک مستقبل میں الجھا دیا۔ وہ کبھی کبھار کامران سے ملتا رہا تھا اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ بتدریج رو بہ صحت ہے لیکن جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہ کرنل کے لیے بھی انکشاف سے کم نہیں تھا۔ بیٹے کی صحت یابی کے تذکرے نے اس کے دل کا بوجھ خاصا ہلکا کر دیا۔

میرے ایما پر سلطان شاہ کرنل کے ساتھ مسلسل باتوں میں لگا رہا میں جانتا تھا کہ تنہائی میسر آتے ہی کرنل کو پھر ہول اٹھنے لگیں گے اور گھر کی فضا پھر بوجھل ہو جائے گی۔

ان حالات میں ہم سب ہی کی بھوک اڑ گئی تھی لیکن میں بازار سے خورد و نوش کا کچھ سامان لے ہی آیا اور تھوڑی بہت چکھا چکھی کے بعد سلطان شاہ شطرنج لے بیٹھا جو کرنل کی پسندیدہ ذہنی عیاشی تھی لیکن میں خود کو اس کھیل سے نابلد ظاہر کر کے ہمیشہ کرنل کی مشقِ ستم سے بچا رہتا تھا مگر اس وقت صورتِ حال مختلف تھی۔

"کہیں نظر پڑی تو میں آپ کو کمپیوٹر چیس لا دوں گا۔" میں نے کرنل کی دلجوئی کی خاطر کہا۔ "خالی وقت میں آپ تنہا بھی اپنا دل بہلاتے رہا کریں گے۔"

"یہ کیا ہوتی ہے؟" کرنل نے حیرت سے پوچھا۔ نئی ایجادات کے بارے میں وہ بے چارا ہمیشہ ہی لاعلم ثابت ہوتا تھا۔

"اسے ایک آدمی تنہا کھیلتا ہے جوابی چالیں کمپیوٹر چلتا ہے اور اسے ہرانا عموماً بہت مشکل ہوتا ہے۔"

"اوہو..... ہوں۔" کرنل اشتیاق آمیز انداز میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ "بھلا یہ کیسے ممکن ہے، اگر میں بالکل ہی اناڑیوں کی طرح کھیلنا شروع کر دوں تو کمپیوٹر تو باؤلا ہو جائے گا۔"

"اس میں یہی ایک خوبی ہے۔ کمپیوٹر میں کھیلنے کے نو درجے ہیں۔ اناڑی سے ماہر تک اپنی پسند کا معیار طے کر کے کمپیوٹر سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ اب شطرنج کے لیے کسی ساتھی کی حاجت نہیں رہی ہے۔"

سلطان شاہ مُہرے سجا کر چال چل چکا تھا لہٰذا کرنل بساط کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ "تنویر میاں! دھیان رکھنا۔ وہ آ جائے تو لطف آ جائے گا، پہاڑ جیسے گھر میں دن بھر پڑے پڑے اکتا جاتا ہوں۔"

وہ دونوں اپنے شغل میں ڈوبے ہوئے تھے اور میں سگریٹیں پھونک پھونک کر اپنی آئندہ حکمتِ عملی طے کر رہا تھا کہ اچانک ہی فون کی گھنٹی نے کسی آسیبی چیخ کی طرح تینوں کو چونکا دیا۔

"ویرا لائیڈ اسپیکنگ۔" ریسیور اٹھاتے ہی میرے کانوں میں شوگر کوٹین کی گنگناتی ہوئی مترنم آواز گونجی۔

"اب کیا چاہتی ہو؟" میں نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"وعدہ پورا کرنا چاہتی تھی۔ مداخلت ناگوار گزری ہو تو سلسلہ منقطع کیے دیتی ہوں۔" اس کی آواز استہزائیہ ہو گئی۔

بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ "میں اپنے لہجے پر شرمندہ ہوں۔"

"صرف پانچ منٹ دے سکوں گی، اس کا باپ موجود ہو تو اس سے بھی بات کرا دینا۔ پانچواں منٹ گزرتے ہی لائن کاٹ دوں گی۔"

"اس وقت تمہاری ہر شرط منظور ہے، غزالہ کو ریسیور دو۔" کرنل بظاہر شطرنج میں منہمک تھا لیکن میری زبان سے غزالہ کا نام سنتے ہی بھڑک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے مجھ سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن میں اضطراری انداز میں ماؤتھ پیس میں مسلسل ہیلو ہیلو کیے جا رہا تھا۔

"جی۔ کیسے ہیں آپ لوگ؟" ریسیور پر غزالہ کی مضمحل آواز سن کر میرا دل تڑپ اٹھا۔

"ہم ٹھیک ہیں۔ بس تم اپنی کہانی دہرا ڈالو، ویرا نے صرف پانچ منٹ دیے ہیں۔" میں نے ہکلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"ویرا بہت نیک اور مہربان عورت ہے، مجھے ابھی تک گھر سے زیادہ آرام مل رہا ہے۔ ایک خدمت گار عورت بھی ملی ہوئی ہے لیکن مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں کہاں ہوں۔ رات کو سوئی ہوئی تھی کہ اپنے چہرے پر کسی چیز کا دباؤ محسوس کیا۔ پھر مزاحمت کرنے سے پہلے بے ہوش ہو گئی۔ ہوش آیا تو ایک شاندار ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں ملازمہ کے ساتھ موجود تھی۔ مجھے بس اتنا بتایا گیا کہ میں ویرا لائیڈ کی تحویل میں ہوں اور وہ تم سے کوئی کام لینے تک یرغمال بنائے رکھنا چاہتی ہے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد نجانے کیا ہوا کہ اچانک دو آدمی سفید لبادوں میں چہرے پر سرجنوں جیسی سفید نقابیں اور ٹوپیاں چڑھائے آ پہنچے اور زبردستی میرے بازو میں کوئی دوا انجکٹ کر دی جس کے نتیجے میں میں پھر بے ہوش ہو گئی اور تھوڑی دیر پہلے یہاں آنکھ کھلی ہے۔ وہی ملازمہ میرے ساتھ موجود ہے لیکن میری ہی طرح ہر بات سے لاعلم ہے یا بن رہی ہے۔ یہ خواب گاہ بھی بہت آرام دہ ہے۔ کسی دیوار میں کھڑکیاں ہیں نہ ایئر کنڈیشنر۔ مگر پھر بھی بہت تر و تازہ ہے۔ ملحقہ باتھ روم بھی ہے لیکن نکاسی کا دروازہ باہر سے مقفل رہتا ہے۔ بظاہر مجھے یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن یہ عورت آپ سے کیا چاہتی ہے؟" وقت کی پابندی کا علم ہونے پر وہ بلا رکے بولتی ہی چلی گئی تھی۔

"سہل کام ہے۔ وہی جو تمہیں بتایا تھا۔" میں نے کہا۔ "میں اس کی انجام دہی پر آمادہ بھی تھا لیکن ویرا نے میری کسی امکانی سرکشی کا توڑ کرنے کے لیے تمہیں اٹھوا لیا۔"

"تو میں ابھی بھی تنظیم کی قیدی نہیں ہوں؟" اس

آواز تحیر آمیز تھی۔
"اس معاملے میں ویرا کی ذات تنظیم سے الگ ہے۔
تنظیم کی قید میں ہوتیں تو اب تک زندگی عذاب ہو گئی ہوتی۔"
"لیکن ویرا نے تو آپ کو بھی میری تلاش پر مامور کیا تھا؟"
اس نے سوال کیا۔
"وہ البرٹ کو فریب دینے کے لیے ایک ڈراما تھا۔
اصل قصہ وہی تصویر والا ہے۔" میں نے کہا۔" اور میں کل دوپہر
اپنے اس مشن پر لاہور روانہ ہو رہا ہوں۔"
پھر میں اسے کامران کے بارے میں بتانے لگا۔ اسے
یہ جان کر حیرت ہوئی کہ میرے وہاں جانے کی وجہ سے اس کی
مستقل عمل میں آئی تھی۔ کامران کی صحت یابی کی رفتار پر اس کی خوشی
ایک ایک لفظ سے پھوٹی پڑ رہی تھی پھر جب میں اسے بتا
رہا تھا کہ ویرا کی مداخلت کے بعد کامران کے بارے میں اکبر
کے رویے میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئی ہے تو درمیان میں ہی
ویرا نے تین منٹ گزر جانے کا اعلان کیا جس کا مطلب تھا
کہ وہ اسی لائن پر لگے ہوئے کسی دوسرے انسٹرومنٹ پر ساری
گفتگو سن رہی تھی۔
میں نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے ریسیور کرنل کی طرف
بڑھا دیا جو فریادی نگاہیں میرے چہرے پر جمائے بے تابی
کے ساتھ اپنی باری آنے کا منتظر تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ کرنل کا ردِعمل معرکتہ الآرا
ہو گا لہٰذا میں اسے ریسیور تھماتے ہی سلطان شاہ کو آنکھ سے
اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر نکل گیا۔
فون پر کرنل کی زہرہ گداز دہاڑیں باہر تک سنائی دے
رہی تھیں۔

☼ ☼

وہ لاہور کا کوئی عام سفر ہوتا تو مجھے پتا بھی نہ چلتا کہ کب
سفر کا آغاز ہوا اور کب اختتام۔ لیکن وہ لائیٹ زر کا ٹچ کا معاملہ
تھا اس لیے پرواز کا ایک ایک لمحہ میرے لیے اعصاب شکن
ثابت ہو رہا تھا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ مجھے اس قدر آسانی
کے ساتھ اس ممنوعہ قلعے میں داخلے کا حق مل جائے گا۔
ویرا کی کہانی لاکھ مربوط اور قرینِ قیاس سہی لیکن میرے
لیے یہ مان لینا دشوار ہو رہا تھا کہ ویرا ان لوگوں سے اپنے
عزائم پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہو سکی ہو گی۔ اپنی ساری
ذہانت کے باوجود وہ محض ایک تنہا لڑکی تھی جب کہ دوسری
طرف دنیا جہان کے چھٹے ہوئے سازشیوں، قاتلوں اور بدمعاشوں
کی ناقابلِ شکست مافیا تھی جو کسی بھی لمحے اس پر اپنا جال پھینک
سکتی تھی۔

ہر وہ شخص جو محوِ پرواز طیارے کی راہداری میں میرے
قریب سے گزرتا تھا، مجھے موت کا ہرکارہ نظر آتا تھا جسے
تنظیم کی طرف سے میری اور ویرا کی سرکوبی پر مامور کیا گیا ہو
لیکن لمحہ بہ لمحہ گھٹتے بڑھتے اعصابی تناؤ میں آخر کار طیارہ لاہور
ائرپورٹ پر لینڈ کر گیا اور میں طیارے پر کسی بھی ایسے آدمی کی
نشاندہی میں کامیاب نہ ہو سکا جسے میں اپنا دشمن سمجھتا۔
میرے ساتھ کوئی سامان نہیں تھا لہٰذا لاؤنج میں رکے
بغیر میں عمارت سے باہر نکلتا چلا گیا، پھر پائپوں کی ریلنگ
عبور کرتے ہی ٹیکسی ڈرائیوروں اور ان کے پیشہ ور ایجنٹوں نے
مجھ پر یلغار کر دی۔ میں لاہور پہلی بار نہیں آیا تھا۔ ہر بار یہی تماشا
ہوتا تھا لیکن اس بار یا تو اس ہجوم کے تیور زیادہ جارحانہ تھے یا
میں ضرورت سے زیادہ حساس ہو گیا تھا کہ ان کی کھینچا تانی کے
جواب میں اچانک میرے دونوں ہاتھ گردش میں آ گئے اور وہ
بھیڑ کائی کی طرح دور تک چھٹتی چلی گئی۔
ان میں سے بیشتر نے صورتِ حال کو بے چون و چرا
تسلیم کر لیا اور میری کارروائی کا برا مانے بغیر دوسرے مسافروں
کو گھیرنے میں مصروف ہو گئے لیکن مونچھوں والے ایک
دراز قامت کے تیور بگڑے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ریلے
میں پھنس کر وہ دور تو ہٹ گیا تھا لیکن سڑک کے کنارے
کھڑا مجھے کینہ توز نگاہوں سے گھورے جا رہا تھا۔
بیشتر نے مجھے نظر انداز کیا تھا لہٰذا اس اکلوتے خونخوار
کو میں نے نظر انداز کرنے کا فیصلہ کر لیا اور غیر ضروری بدمزگی
سے بچنے کے لیے سڑک کے متوازی ایک طرف ہو لیا۔ راستہ
تبدیل کرتے ہوئے میں نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا
تو وہ بدستور اپنی جگہ پر کھڑا میری ہی طرف نگراں تھا۔ شاید دل ہی
دل میں مجھے بزدل اور بھگوڑا تصور کر کے اپنی مردانگی پر ناز
کرنے میں مصروف تھا۔
لیکن میں مسافروں کے استقبال کے لیے آنے والوں
کی بھیڑ سے آگے نکلا ہی تھا کہ یکایک میری چھٹی حس جاگ
اٹھی میں تیزی سے پلٹا تو احساس ہوا کہ مجھے تاخیر ہو چکی تھی۔
وہ خونخوار حریف مجھے چکمہ دے کر مکاری کے ساتھ میرے
سر پر آ پہنچا تھا اور اپنے ہاتھ جیبوں میں اڑسے سرخ سرخ
آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔
"کیا بات ہے؟" میں نے اسے براہِ راست اپنی
طرف متوجہ پا کر ترش لہجے میں سوال کیا۔
"تمھیں میرے ساتھ چلنا ہے بابو!" وہ سرد اور
سپاٹ لہجے میں بولا۔ انداز فیصلہ کن تھا۔

"میرا میزبان کسی بھی لمحے پہنچنے ہی والا ہوگا۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے پرسکون انداز میں کہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے جارحانہ رویے نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

"پھر تو جلدی کرو، وہ آگیا تو اس سے بھی نمٹنا پڑ جائے گا۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "یہ خیال رکھنا کہ میری جیب میں بھرا ہوا پستول موجود ہے، دیر کی تو گولی چل جائے گی۔"

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" میں نے غراتے ہوئے سوال کیا۔

"آدمی ہوں اور تمھیں لے جانا چاہتا ہوں۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "اب تیسرا سوال کیا تو کھوپڑی میں ہوادان ہی بنا دوں گا، چلو جلدی کرو۔"

صورت کی طرح وہ سیرت کے حسن سے بھی عاری نظر آرہا تھا۔ اس کے لب و لہجے میں خون کی بو رچی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا کہ عجلت میں کوئی ذرک اٹھانے کے بجائے دیکھ ہی لیا جائے کہ وہ کیا چاہتا تھا۔

"چلو۔" میں نے گالی دینے کے انداز میں کہا اور وہ مجھ سے تقریباً پہلو ملا کر سڑک عبور کرتے ہوئے پارکنگ لاٹ میں داخل ہوگیا۔

پارکنگ لاٹ کے ایک نسبتاً ویران گوشے میں نیلی ڈاٹسن کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر پہلے سے گٹھیلے جسم والا ایک آدمی بیٹھا سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگا رہا تھا۔

"بیٹھو۔" مجھے لانے والے نے میرے پہلو میں ٹھوکا دیتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔ "اگر ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے عقبی نشست کا دروازہ کھول دیا تھا۔

میں اندر بیٹھا تو وہ مجھے دھکیلتا ہوا اسی نشست پر آگیا اور گاڑی انجن بیدار ہوتے ہی آگے ہولی۔ کیبن میں چرس کا کثیف دھواں بھرا ہوا تھا۔

"سگریٹ پینے کی تو اجازت ہے نا؟" میں نے نتھنے سکوڑتے ہوئے سوال کیا۔ "تمھارا ساتھی تو شاید چرس پی رہا ہے۔"

"دم لگانا ہے تو ابھی آدھی باقی ہے۔" اگلی نشست سے پرسرور آواز بلند ہوئی۔ "خالص پشاوری ہے، پہلے ہی کش میں ساتویں آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔"

"مجھے زمین پر ہی رہنے دو بھائی!" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "بلکہ تمھارا ساتھی تو مجھے زمین میں دفن ہی کر دینے پر تلا ہوا ہے۔ پتا نہیں اسے مجھ سے کیا پرخاش ہے؟"

"ارے یار! وہ تو یوں ہی دھمکا رہا ہے۔" ڈرائیور کے لہجے پر چرس کے اثرات خاصے مستحکم ہو چلے تھے۔ "تم تو پانچ ہزاری ہو میرے لالا۔ ایسی سواریاں مقدر ہی سے ملتی ہیں، تمھیں مار کر تو دھیلا بھی نہ مل سکے گا۔"

"راجا!" مجھے لانے والا غصیلی آواز میں دہاڑا۔ "زبان بند رکھ اپنی ورنہ گدی سے کھینچ لوں گا۔"

"اب کیا غم ہے میرے چندا!" ڈرائیونگ کرنے والا خواب ناک ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اب تو یہ پھنس ہی گیا ہے، ہمارے ہاتھوں سے بچ کر کہاں جائے گا، بس اسے وہاں پھینکنا ہے اور ہمارے پانچ ہزار سیدھے ہیں۔"

ڈرائیو کرنے والے کی چرس نوشی میرے لیے مددگار ثابت ہو رہی تھی اور معاملہ کسی حد تک میری سمجھ میں آنے لگا تھا۔ ان دونوں کو شاید براہِ راست مجھ سے کوئی دشمنی نہیں تھی بلکہ وہ کرائے کے ٹٹو تھے۔ شاید تنظیم کے کسی ذہین کارندے نے میرے لیے جال پھیلایا ہوا تھا اور ائرپورٹ سے مسافروں کو لے جانے والے کچھ معتمد ڈرائیوروں کو میری تصاویر فراہم کر دی گئی تھیں تاکہ میں کبھی لاہور ائرپورٹ پر اتروں تو دھر لیا جاؤں۔ مجھے پہچان کر اور پھر کسی مقررہ ٹھکانے تک پہنچانے کا معاوضہ شاید پانچ ہزار روپے مقرر کیا گیا تھا جب ہی چرس نوش نے مجھے پانچ ہزاری کا خطاب دیا تھا۔

"تم چاہو تو اس وقت پانچ ہزار سے زیادہ بھی کما سکتے ہو۔" اس کے حریفانہ لہجے سے میں نے ان کی مالی ترجیحات کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ "انھیں بھنک بھی نہ مل سکے گی کہ میرا تم سے رابطہ ہوا تھا۔"

"کیا مطلب ہے تمھارا؟" مجھے لانے والے نے ذیل... کرتے ہوئے سوال کیا۔ میری مالی پیشکش پر اس کے لہجے میں دلچسپی عود کر آئی تھی۔

"پانچ کی جگہ تم چھ کما سکتے ہو۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "بس مجھے یہیں اتار دو اور ائرپورٹ کی طرف واپس چلے جاؤ۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس کے کسی آدمی نے تمھیں میرے ساتھ آتے دیکھ لیا ہو۔" مجھے لانے والے کا ارادہ بے یقینی میں بدل گیا تھا اور اب وہ محض مدافعتی پہلوؤں کا جائزہ لینے لگا تھا۔

"دیکھا گیا ہے۔" میں نے پراعتماد لہجے میں کہا۔ "ظاہر ہے کہ تم نے مجھے پہچان ہی لیا ہوگا، ائرپورٹ پر تم اکیلے تو نہیں تھے، بہتیروں کو میری تصویر فراہم کی گئی ہوگی۔"

وہ تذبذب میں پڑ گیا۔ "تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ وہاں میں اکیلا تو نہیں تھا، کم از کم چار اور ڈرائیور ایسے تھے جنہیں کاکے نے تمہاری تصویر دی ہوئی تھی لیکن تمہارے ہاتھ پیر چلتے ہی سب کی عقلوں پر پردے پڑ گئے، کوئی تمہیں شناخت نہ کر سکا۔ میں چاہوں تو اس نکتے سے فائدہ اُٹھا سکتا ہوں۔"

"تو تمہارے چاہنے میں کیا دشواری ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"سوچ رہا ہوں، پھیلے کے کاموں میں بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے۔" اس نے بے پروایانہ انداز میں کہا پھر چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا۔ "رقم اسی وقت دو گے؟"

"کچھ دے سکوں گا، باقی کے لیے تمھیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔" میں نے اپنے ذہن میں ایک خاکہ تیار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ گھپلا ہے۔" راجا اپنے پھیپھڑوں سے چرس کا بدبودار دھواں اُگلتے ہوئے بولا۔ "سودا ہوگا تو نقد ہوگا ورنہ کاکا پہلوان زندہ باد۔ یہ چلنے چلانے کی باتیں چھوکریوں کے ساتھ چل سکتی ہیں، اپنے ساتھ نہیں۔"

میں نے استفسار طلب نگاہوں سے اس کے ساتھی کی طرف دیکھا اور اس نے راجا کی تائید میں سر ہلا دیا۔

"ویسے یہ کاکا ہے کون؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے سوال کیا۔

"دادا ہے دادا۔" میرے برابر والے نے یوں سینہ پھلا کر کہا جیسے اپنی ہی تعریف کر رہا ہو۔ "ایرے غیروں کی تو بات ہی کیا، اپنے دو سگے بھائیوں کو مار چکا ہے، پہلے گھر والے اس سے ڈرتے تھے، اب سارا شہر کانپتا ہے۔"

"آخر اسے مجھ سے کیا دشمنی ہو گئی ہے؟" میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "میں نے تو اس کا نام بھی آج ہی سنا ہے۔"

"تصویر دیکھ کر محبت ہو گئی ہوگی۔" ڈرائیونگ کرنے والے نے یہ کہتے ہوئے یوں بھونڈے انداز میں قہقہہ لگایا جیسے اس نے کوئی بہترین فقرہ چست کیا ہو۔ "آخر کو ہمیں بھی تو تصویر ہی دی گئی تھی تمہاری۔"

"نشے پانی کا دھندا تو نہیں کرتا؟" میں نے ڈرائیور کو نظرانداز کرتے ہوئے اس کے ساتھی سے سوال کیا۔

"یہ پوچھ بھی نہ بیٹھنا اس سے۔" وہ جلدی سے بولا۔ "ایک ہی گھونسے میں پورا جبڑا اکھاڑ دے گا، سب دھندے کرتا ہے، بس اسی ایک کام کو گالی سمجھتا ہے ورنہ آج لاکھوں کا آدمی ہوتا۔"

"یعنی کڑکا ہی ہے وہ بے چارہ بھی اپنی طرح۔" میں نے کاکا کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی غرض سے اشتعال انگیز تبصرہ کیا۔

"سب پتا چل جائے گا سالے کو۔" راجا اپنی دھن میں گنگنایا۔ "ایک دفعہ کاکا سے سامنا ہو گیا تو ساری چوکڑی بھول جائے گا۔"

"شاید تم برا مان گئے میری بات کا۔" میں نے مصالحانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں نہ اسے جانتا ہوں، نہ پہلے کبھی اس کا نام سنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس نے کسی اور کے ایما پر میری تلاش کی مہم شروع کرائی ہوئی ہے اور جو شخص معاوضے پر دوسروں کے لیے کام کرنے پر مجبور ہو وہ کوئی سرمایہ دار تو ہو ہی نہیں سکتا۔"

"اپنا مطلب اور مقصد اپنے ہی پاس رکھو۔" راجا کا ساتھی تلخ لہجے میں بولا۔ "اگر اب بکواس جاری رکھی تو بتیسی ہلا کر رکھ دوں گا۔ یہ لاف و گزاف سننا میرے بس سے باہر ہے۔"

"آج... چھا... بھائی!" میں نے ایک سرد سانس لے کر کہا۔

"اس کی جیبیں تو جھڑوالو۔" تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد راجا کی زبان میں پھر خارش ہونے لگی۔ "جو کچھ یہ نقد دے رہا تھا اسے اب منافع سمجھ لیں گے، کراچی سے جہاز پر چڑھ کر آیا ہے، دو چار ہزار تو ضرور ہوں گے اس کے پاس۔" پھر وہ گردن گھمائے بغیر مجھ سے مخاطب ہوا تھا۔ "کیوں بے! کتنا مال ہے تیرے کھیسے میں؟"

"اپنا اور میرا ملا کر برابر سے بانٹ لو، فائدہ میرا ہی ہوگا۔" میں نے مضحکانہ لہجے میں کہا۔ "چھ ہزار والی تو بس ایک چال تھی۔ چل جاتی تو کہیں بھی تمھیں رگڑا دے کر بھاگ نکلتا۔"

"ہوں۔" راجا کا ساتھی گھٹی آواز میں غرّایا۔ "تو چال چل رہا

تھا تو ہمارے ساتھ؟" یہ کہتے ہوئے اس نے داہنی کہنی سے میری پسلیوں میں خاصی قوت سے ضرب لگانا چاہی جو میں نے پھرتی کے ساتھ اپنے بازو پر سہہ لی۔

"تلاشی تو اس کی، یہ جھوٹ بول رہا ہے۔" راجا نے تیزی کے ساتھ ایک موڑ کاٹتے ہوئے ہانک لگائی۔

"چھوڑ سالے کنگلے کو۔" اس نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "ہم کیوں اسے ہاتھ لگا کر گناہ گار بنیں؟ ہوسکتا ہے کہ کاکا نے اس سے مال نکلنے کی امید میں ہی پانچ ہزار دینے کا وعدہ کیا ہو۔ ہم نے دھول دھپا کیا تو وہ اپنا نقصان ہمارے سر منڈھ دے گا۔"

"یہ تو میں اب بھی کروں گا۔" میں نے ان دونوں کو تصادم پر اکسانے کی نیت سے اچانک ہی پوری قوت سے قمیص کا گریبان پھاڑ ڈالا۔ انھوں نے آپس کے مشوروں سے خود ہی مجھے ایک راہ سجھائی تھی۔

"تو سب کچھ پھاڑ لے، میں تجھے ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا۔" میرے برابر والا تحقیر آمیز لہجے میں بولا۔ "کاکے کی نظروں میں ہماری بھی کچھ ساکھ ہے، بلاوجہ ہی تیری تصویر نہیں تھما دی تھی ہمیں۔"

راجا تو چرس کے نشے کی جھونک میں تھا، اسے زیر کرنا یا چکمہ دینا کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن اس کا ساتھی بلا کا عیار اور حاضر دماغ نظر آرہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیسے مار دی جائے۔ آخر کار میں نے فیصلہ کرلیا کہ اب خود کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے۔ کاکا پہلوان سے ملنے کے بعد صورتِ حال خودبخود واضح ہو جاتی۔

سفر جاری رہا اور آخر کار مزنگ کی مشہور جنازگاہ سے ذرا پہلے کھلے آسمان تلے بندھے ہوئے گھوڑوں اور بھینسوں کے عین وسط میں گاڑی جارکی جہاں فضا میں ہلکا سا تعفن رچا ہوا تھا۔ گاڑی روک کر راجا کسلمندانہ انداز میں اپنی نشست پر جما رہا اور اس کے ساتھی نے دھکیوں کے سائے میں مجھے نیچے اتار لیا۔

اس کے حکم پر میں ایک قریبی دروازے میں داخل ہوا اور بدبو کے ایک تیز بھبکے نے میرا دماغ چکرا کر رکھ دیا۔ میں لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا تھا کہ مجھے لانے والے نے پیچھے سے ٹھوکا مارا اور میں پھر بڑھنے لگا۔ وہ غالباً کوئی دیسی فیکٹری تھی جہاں لوہے کے بڑے بڑے دو کڑھاؤ نصب تھے اور ان کے نیچے گیس کے چولھے جل رہے تھے اور اسی طرف سے عجیب ناقابلِ برداشت سا تعفن اٹھ رہا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد میں دوسرے کمرے میں داخل ہوا تو اس کارخانے کی نوعیت سمجھ میں آگئی۔ وہ کوئی صابن فیکٹری تھی جہاں باہر بڑی کڑھائیوں میں پرانی حلال اور مُردہ جانوروں کی چربی پگھلا کر آلائشوں سے الگ کی جا رہی تھی اندر اسی چربی کو گھونٹ پھینٹ کر صابن تیار کیا جا رہا تھا۔ شگفتہ چہروں لیکن میلے کپڑوں میں کئی لڑکیاں کام کر رہی تھیں ان ہی کے ساتھ چند لڑکے بھی تھے لیکن کام کی مشقت نے ان کے چہروں سے رعنائیوں کو یوں نچوڑ لیا تھا کہ عملاً وہ سب ہی زاہد نظر آرہے تھے جنھیں نہ شگفتہ چہرے والیوں سے سروکار تھا نہ باہر سے آنے والوں سے۔

دو وسیع وعریض کمروں اور ایک دالان سے گزر کر ہم راہداری میں داخل ہوئے جس کے اختتام پر ایک دروازہ آرہا تھا۔ مجھے لانے والے نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور چند ثانیوں کے بعد دروازہ کھول کر مجھے اندر دھکیل دیا۔ اندر گھستے ہی خنکی کی ایک خوشگوار لہر نے میرا استقبال کیا۔ کمرے کی فضا پورے گھر سے بالکل مختلف اور خاصی حد تک معطر تھی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ اس کمرے میں ائیرکنڈیشنر کے ساتھ ولایتی خوشبویات کا استعمال بھی فراخ دلی کے ساتھ ہو رہا تھا۔ کمرے کے لوازمات کچھ ملے جلے سے تھے۔ مکلف اور دُہرے بستر کی موجودگی میں وہ کمرا کسی شہزادے کی نشاط گاہ کا سماں پیش کر رہا تھا اور وسیع کمرے کے دوسرے گوشے میں صوفے اور آرام کرسیاں کسی ولایت پلٹ جاگیردار کی بیٹھک کا تصور اجاگر کر رہی تھیں۔ ان ہی صوفوں میں سے ایک پر ایک قوی ہیکل اور خوش پوش شخص براجمان تھا جس کے گرد اس کے تین حاشیہ بردار بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے گھستے ہی اندازہ لگا لیا کہ وہی خوش پوش شخص کاکا پہلوان ہو سکتا تھا۔

"میں بندہ پکڑ لایا ہوں پہلوان جی!" کمرے کی خوشبودار فضا میں مجھے لانے والے کی آواز ابھری۔ "بڑی مشکل سے قابو آیا ہے، ہاتھا پائی پر اتر آیا تھا۔"

قوی ہیکل شخص کی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں پھر کمرے میں اس کی بارعب آواز گونجی۔ "نام کیا ہے؟"

"بلیو بیل۔" میں نے ویرا لائیڈ کا دیا ہوا کوڈ دہرا دیا۔ میرا خیال تھا کہ اگر پہلوان ان لوگوں میں سے ہو تو مجھے پہچان لے لیکن اس کے تیور ہی بگڑ گئے۔

"سیدھی طرح نام بتاتا ہے یا ابھی لگواؤں پھینٹا؟" وہ کرخت لہجے میں غرایا۔

اس کے لب ولہجے نے فوراً ہی ظاہر کر دیا کہ جسمانی لحاظ سے وہ لاکھ توانا سہی لیکن زبان کے معاملے میں سرا سر بے بس تھا۔ انگریزی الفاظ کا مفہوم پالینا اس کے بس سے باہر تھا۔

"میرا نام تنویر ہے پہلوان جی!" میں نے اپنے لانے والے کی تقلید میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ مجھے کیوں پکڑ لائے ہیں؟"

"اور پہلے کیا بتا رہا تھا؟" کاکا پہلوان غصیلے لہجے میں غرایا۔

"وہ اپنا ایک کوڈ تھا۔" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "سوچا تھا کہ تم اپنوں میں سے ہوئے تو فوراً پہچان لوگے۔"

"اسے پانچ ہزار دے دے تاکی!" کاکا پہلوان نے اپنے ایک ساتھی سے مخاطب ہو کر کہا اور اس نے ایک طرف رکھی ہوئی الماری میں سے پچاس کے سنئے نوٹوں کی ایک سو بھر گڈی نکال کر مجھے لانے والے کی طرف اچھال دی۔

گڈی لیک کر اس کے چہرے پر خوشی نمودار نہ ہو سکی بلکہ وہ متذبذب انداز میں کاکا کی طرف دیکھتا رہا۔

"گن لے، پورے پانچ ہزار ہیں، ایک بھی کم نہ ہو گا۔" تاکی نے واپس اپنی جگہ سنبھالتے ہوئے کہا۔

"پورے اور ادھورے کی فکر نہیں مجھے۔" وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ "برا نہ مانو تو پرانے نوٹ دے دو مجھے۔"

اس کے مطالبے پر کاکا بھڑک اٹھا۔ اس نے مجھے لانے والے کو گندی گالیوں سے نوازتے ہوئے کہا۔ "ابے ہمیں جعل ساز سمجھتا ہے حرام کے تخم! یہ سارے اصلی ہیں، تجھ جیسے مردار کو دیسی مال دے کر مرنا تھوڑی ہے ہمیں۔"

وہ شخص بوکھلاہٹ میں فوراً ہی وہاں سے نکلا چلا گیا لیکن میرے لیے ذہنی ورزش کا ایک بہانا ہاتھ آ گیا تھا۔ ان دونوں کے مکالموں سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ کاکا پہلوان شہر میں جعلی کرنسی پھیلانے کے دھندے میں بھی ملوث تھا جب کہ منشیات کے کاروبار سے اس کی لاتعلقی ظاہر ہی ہو چکی تھی پھر آخر اس جعلساز کو مجھ سے کیا سروکار تھا؟

"کیا سوچ رہا ہے، بیٹھ جا اس طرف۔" کاکا نے ایک خالی صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "ذرا گلاس ختم کر لوں پھر تیرا ابھی فیصلہ کرتا ہوں۔"

خالی صوفے کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے دیکھا کہ کاکا پہلوان اور اس کے تینوں ساتھیوں کے سامنے میز پر گلاس رکھے ہوئے تھے لیکن ان میں کوئی ایسی بے بو شراب تھی جس کی مہک بند کمرے کی فضا میں بھی شناخت کرنا مشکل تھی۔

"تم نے ابھی تک نہیں بتایا کہ مجھ سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟" میں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تھوڑی دیر میں سب پتا چل جائے گا۔" کاکا کا ایک حواری بولا۔ "تیرے اوپر کاکا نے پانچ ہزار بلاوجہ تو نہیں خرچ کیے ہیں۔" "اپنی چونچ بند رکھو گے تو تمہیں ہیضہ نہیں ہو جائے گا۔"

میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں کاکا سے بات کر رہا ہوں اس میں تم تینوں میں سے کسی کو دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میرے لہجے پر وہ شخص اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا انداز بالکل فلمی سا تھا' بس بڑک کی کسر رہ گئی تھی۔ کھڑے ہوتے ہی اس نے پہلے مجھے غضبناک نگاہوں سے گھورا پھر استفسار طلب نظروں سے کاکا کی طرف دیکھا جیسے میری ہڈیوں کا سُرما بنانے کے لیے اس کی اجازت کا طلبگار ہو لیکن کاکا سمجھ دار آدمی تھا' اس نے اپنے آدمی کو روک دیا۔

"بیٹھ جا بدو!" وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔ "تو آزاد ہے اور یہ تیرا قیدی۔ اس کی منہ زوری سے تیرا کیا جاتا ہے' تھوڑی دیر کا مہمان ہے پھر اس کے سارے نخرے ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ ان لوگوں نے سالے کو حلوا کھلانے کے لیے تو نہیں پکڑوایا ہو گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی پہلوان۔" بدو شانے ڈھلکا کر مایوسانہ انداز میں بیٹھ گیا' "بعد میں تو جو ہو گی' سو ہو گی لیکن ابھی تو یہ یہاں بیٹھا ہمارے سینوں پر مونگ دل رہا ہے۔ کم از کم بے ہوش ہی کرا دو تو لاشہ تو خراب نہیں کر سکے گا ہمارا۔"

"ہوں۔" پہلوان کے حلق سے ایک معنی خیز آواز بلند ہوئی اور وہ ان دونوں کو نیچی آواز میں کچھ سمجھانے لگا۔ چند منٹ تک وہ چاروں مدھم آوازوں میں کچھ بحث کرتے رہے لیکن میں پوری توجہ مرکوز کرنے کے باوجود بے معنی بھنبھناہٹ کے سوا کچھ سُننے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

میری طرف دیکھ دیکھ کر چند منٹ تک رازدارانہ انداز میں تبادلۂ خیال کرنے کے بعد کاکا کے دو حواریوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ان میں بدو پیش پیش تھا اور تاکی اپنا سینہ پُھلاتا اس کے عقب میں چلا آ رہا تھا۔

اس وقت تک میں بظاہر پُرسکون انداز میں اپنی جگہ پر براجمان بے پروائی کے ساتھ سگریٹ کے کش لے رہا تھا لیکن ان دونوں کو جارحانہ انداز میں پیش قدمی کرتے دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"پٹھا جی دار معلوم ہوتا ہے۔" بدو نے مُڑ کر تاکی سے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "مقابلہ کیے بغیر ہار نہیں مانے گا۔"

"میرے قریب آئے تو اچھا نہیں ہو گا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "مجھ سے ذرا دور ہی رہ کر بات کرو تو بہتر ہے۔"

"اوئے بدی! ہوش کے ناخن لے۔" کاکا پہلوان اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے دہاڑا۔ "زیادہ سیانا بننے کی کوشش کی تو ابھی گولی مار دوں گا' میرے پاس بغیر آواز والا پستول موجود ہے' کسی کو کانوں کان بھی پتا نہ چل سکے گا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"شوق سے گولی چلاؤ۔" میں نے اسے للکارنے والے انداز میں کہا۔ "جو لگ گئی اس پر پانچ ہزار انعام دوں گا۔"

"گولی خراب نہ کرو کاکا!" اسے اشتعال کے عالم میں دیکھ کر نے جلدی سے کہا۔ "یہ بڑا ڈھیٹ اور حرام خور معلوم ہوتا ہے ہم گھونسوں سے ہی زیر کر لیں گے۔"

اس نازک وقت میں میری ہر حس معمول سے کہیں زیادہ ہو چکی تھی اور مجھے پوری طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لوگ خواہ باوجود مجھ پر آتشیں اسلحہ آزمانے کی ہمت نہ کر سکیں گے۔ جس کسی نے بھی میری تلاش پر مامور کیا تھا' غالباً ان پر یہ شرط کر دی تھی کہ میرا صحیح سلامت زیر ہونا پہلی اور بنیادی شرط تھی۔

"کلائی میں موچ آ جائے گی۔" میں نے تاکی کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "کاکا مرد ہے تو اسے اسلحہ استعمال کرنے کا مشورہ ڈالو' ایسا نہ ہو کہ وہ بے چارہ اپنی مردانگی کا ماتم ہی کرتا رہ جائے۔"

بدو نے جارحانہ انداز میں میری طرف جست لگا دی۔ میں ایک طرف سرک کر خود کو اس کی زد سے بچانا چاہا لیکن میرا ردعمل اس کے لیے متوقع تھا وہ قدرے ترچھا ہو کر کسی آہنی چٹان کی طرح مجھ سے آ ٹکرایا لیکن اس کوشش میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور میں نے اس کی گردن پر داہنی کلائی کی بھرپور ضرب لگا کر اسے خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا لیکن وہ کارروائی میرے لیے کسی کامیابی کی بنیاد نہ بن سکی۔ اس کے ڈھیر ہوتے ہی تاکی کسی درندے کی طرح اچانک مجھ پر آ پڑا۔

وہ تازہ دم اور ہوشیار تھا جب کہ میں اس کی طرف سے غافل تھا' وہ کسی جونک کی طرح میرے سینے سے لپٹ گیا اور پاؤں اکھاڑنے کے لیے پیچھے کی طرف زور کرنے لگا۔ اس کی یلغار سے مجھے اپنے قدم اکھڑتے ہوئے محسوس ہوئے تو میں نے غصے اور اضطرار کے عالم میں اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کے بال جکڑ کر اس کے چہرے پر ٹکریں برسانا شروع کر دیں۔

ایک محکوم و مجبور قیدی کا وہ ردِعمل تاکی کے لیے ناقابل یقین تھا۔ دو تین ہی ٹکروں میں اس کے اوسان خطا ہو گئے اس کے حلق سے عجیب و غریب' ناقابل فہم آوازیں برآمد ہونے لگیں۔ وہ نازک صورتِ حال دیکھ کر بدو اپنے ساتھی کی مدد کے لیے بے محابا آگے بڑھا اور پھر پیٹ پر پڑنے والی میری وحشیانہ لات کی ضرب سے ٹکراتا ہوا پیچھے اُلٹ گیا۔ اس کے گرتے ہوئے وجود پر میں نے لہولہان تاکی کو دھکیل دیا۔ اور چہرے پر پڑنے والی مسلسل ٹکروں کے باعث اس کا چہرہ خون میں نہایا ہوا تھا۔

یہ سب کچھ اتنی سُرعت کے ساتھ ہوا کہ ان دونوں

گھنے تک کاکا کو اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ کھیل کیا رخ اختیار کر رہا
تھا لیکن تاکی کے لہولہان چہرے اور اس کی پیشانی سے بہنے والے
خون کو دیکھ کر وہ یوں چونکا تھا جیسے اس وقت تک خواب ہی
دیکھتا رہا ہو پھر وہ بھی اپنے تیسرے ساتھی کے ساتھ میری طرف
لپکا تھا۔ میں نے ہاتھ پیر چلا کر ان دونوں کو خود سے دور رکھنے
کی کافی کوشش کی لیکن وہ مار کھانے کی پروا کیے بغیر مجھ سے لپٹ
ہی گئے۔

پہلے ان دونوں نے مجھے گرا کر بے بس کرنا چاہا تھا لیکن
اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے بغیر میرے ہاتھوں سے خاصے
پٹ گئے، اسی کے ساتھ کاکا پر جھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا اور اس
نے پوری قوت سے میری داہنی کنپٹی پر دو ایسے زوردار ہاتھ رسید
کیے کہ میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے اور پھر ذہن
اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

وہ کیفیت نجانے کتنی دیر برقرار رہی جب دوبارہ ذہن
کام کرنے کے قابل ہوا تو مجھے اپنے بدن کو جنبش دینے میں بھی
دشواری پیش آ رہی تھی۔ چند ثانیوں کے بعد اندازہ ہوا کہ بے ہوشی
کے دوران ہی ان لوگوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔
اسی کے ساتھ میرے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور
شاید مجھے فرش پر ہی ڈال دیا گیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ فرش ننگا نہیں تھا
میں انگلیوں سے قالین کا لمس محسوس کر سکتا تھا۔

میں نے یوں ہی خاموش پڑے پڑے سُن گُن لینے کی کوشش
کی تاکہ یہ اندازہ لگا سکوں کہ اس وقت میں کہاں قید تھا لیکن کئی منٹ
گزرنے کے بعد بھی نہ کوئی آہٹ سنائی دی، نہ آواز۔ بس کانوں میں
گمبھیر سناٹا ہی گونجتا رہا جس کی بنا پر میں نے اندازہ لگایا کہ اس
وقت میں کم از کم اس کمرے میں نہیں تھا جہاں مجھے زیر کیا گیا تھا کیونکہ
اس کمرے کی فضا نہ صرف معطر بلکہ ایئر کنڈیشنڈ ہونے کی بنا پر خاصی
خنک بھی تھی جبکہ وہاں مجھے ایئر کنڈیشنر کی مشین کی گونج نہیں سنائی
دے رہی تھی۔

آخر کار مایوس ہو کر میں نے بیٹھنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب
بھی ہو گیا۔ "ہے کوئی اس کمرے میں؟" میں نے ہانک لگائی لیکن
کمرے کی محدود فضا میں بس میری ہی آواز گونج کر رہ گئی۔ معلوم ہوتا
تھا کہ اس کمرے میں زیادہ ساز و سامان بھی نہیں تھا ورنہ آواز کی گونج
نہ سنائی دیتی۔

مجھے شدت کے ساتھ تمباکو نوشی کی خواہش ہوئی لیکن دونوں
ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے ہونے کے باعث میں اپنی اس خواہش
کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔

سنبھلنے اچانک ہی کیا چکر چل پڑا تھا؟ وہ کون لوگ تھے
جنھوں نے مجھے پکڑوانے کے لیے کاکا پہلوان کی خدمات معاوضے
پر حاصل کی تھیں؟ مجھے احساس ہوا کہ ان لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کر کے
میں نے غلطی کی تھی، اگر میں مصلحت سے کام لیتا تو شاید یوں بے دست
و پا ہوئے بغیر باتوں باتوں میں ان سے بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا اور
اسی کی روشنی میں اپنی آئندہ حکمت عملی بھی طے کر سکتا تھا لیکن اب
تیر کمان سے نکل چکا تھا اور تن بہ تقدیر ہو کر آنے والے حالات کا
انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

خاصا وقت گزرنے کے بعد دروازہ کھلنے کی آواز سن کر میں
چوکنا ہو گیا۔

"خوب تو ہوش آ گیا تم کو!" میرے کانوں میں کاکا کی زہریلی
آواز آئی۔

"بے ہوش ہی رہتا تو بہتر تھا۔ کم از کم سگریٹ نوشی کا خیال
تو نہ ستاتا۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"لے چلو اسے۔ میری گاڑی میں بٹھاؤ۔" کاکا نے کسی سے
مخاطب ہو کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"منہ میں کپڑا ٹھونس دوں؟ کہیں راستے میں شور نہ مچانے لگے۔"
آواز کی بنا پر میں نے اسے شناخت کر لیا وہ میرے ہاتھوں پٹنے والا
تاکی ہی تھا۔

"یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں۔" میں کاکا کے جواب دینے
سے پہلے جلدی سے بول پڑا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ بے چون و
چرا تمہاری ہدایات پر عمل کروں گا۔ چاہو تو میرے پیر بھی باندھ
سکتے ہو لیکن آنکھوں پر سے پٹی کھول دو، مجھے بڑی وحشت ہو رہی ہے۔"

"پٹی نہیں اتر سکتی۔" کاکا کی فیصلہ کن آواز سنائی دی۔ "یہ تو معاہدے
کی ایک شرط ہے۔"

"تم کن لوگوں کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"یہی بتانا ہوتا تو پٹی باندھنے کی کیا ضرورت تھی؟" یہ کہتے
ہوئے تاکی نے قریب آ کر میرا بازو تھام لیا اور میں فرش سے اٹھ
کھڑا ہوا۔

اس کی رہنمائی میں راستہ طے کرتا ہوا میں شاید کھلی فضا میں
جا پہنچا اور پھر مجھے ایک کار کی عقبی نشست پر بٹھا دیا گیا۔ مجھے کچھ احساس
ہو رہا تھا کہ اس وقت رات کا گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا ورنہ شاید وہ
لوگ میری آنکھوں پر پٹی کس کر مجھے یوں سرِعام کار میں لے جانے
کا خطرہ ہرگز مول نہ لیتے۔

چند ثانیوں بعد کار کا انجن بیدار ہوا تو تاکی عقبی نشست
پر میرے برابر میں موجود تھا۔ کار چلتے ہی اس نے مجھے نشست
پر اس طرح بیٹھنے کی ہدایت کی تھی کہ اول تو باہر سے میرا تفصیلی جائزہ
نہ لیا جا سکے اور کسی کی نگاہ پڑ بھی جائے تو یہی سمجھے کہ کسی مریض

کوے جایا جا رہا ہے۔

"ہاتھ بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے مجھے بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔" میں نے کسمساتے ہوئے کہا۔ "میرے ہاتھ کھول دو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ذرا بھی مزاحمت نہیں کروں گا۔"

"چپ چاپ بیٹھے رہو ورنہ کنپٹی پر ایک ہاتھ جڑ کر پھر بے ہوش کر دوں گا۔" تاکی غرایا اور میں نے مضبوطی کے ساتھ اپنا منہ بند کر لیا۔

آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہونے کے باعث میں آوازوں پر کان لگائے بیٹھا تھا۔ چند منٹ تک ٹریفک کے تیز شور میں سفر کرنے کے بعد کار کسی ایسے راستے پر ہو لی جہاں ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ نہ ہونے کے برابر تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد کار کہیں جا رکی۔

کاکا کے ہارن بجانے پر کوئی کار کے قریب آیا پھر باہر سے ایک کرخت اور متجسسانہ آواز سنائی دی۔ "کیا بات ہے کس سے ملنا ہے؟"

میں جواب سننے کا انتظار ہی کرتا رہا لیکن ان دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا اور کار ایک مرتبہ پھر حرکت میں آ گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ استفسار کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے شناختی علامت دکھائی گئی تھی یا پھر سوال کرنے والے نے خود ہی ان دونوں کو شناخت کر لیا تھا۔

میرا اندازہ تھا کہ رکاوٹ عبور کر کے کار کسی احاطے میں داخل ہوئی تھی، اس اعتبار سے اسے زیادہ سے زیادہ چند سو گز آگے بڑھ کر رک جانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہ ہوا۔ اگر وہ واقعی کوئی عمارت ہی تھی تو یقیناً بہت وسیع رقبے پر بنی ہوئی تھی جہاں اندر بھی باقاعدہ سڑکیں اور راستے موجود تھے۔

وسیع و عریض عمارت کا خیال آتے ہی میرے ذہن میں لائیڈز کاٹج کا نام ابھرا تھا لیکن میں ان دونوں سے اپنے قیاس کی تائید کرانے کی ہمت نہ کر سکا۔ وہ جس انداز میں راز داری برت رہے تھے اس کے پیشِ نظر میری قیاس آرائی خطرناک بھی ثابت ہو سکتی تھی۔ موجودہ حالات میں کچھ یوں نظر آ رہا تھا جیسے بازپرس وغیرہ کے بعد وہاں سے گلو خلاصی ہو جائے گی لیکن اس کی شرط یہی معلوم ہوتی تھی کہ مجھے علم نہ ہو سکے کہ اغوا کر کے مجھے کہاں لایا گیا تھا۔

کئی منٹ کی مسافت میں کم از کم دو موڑ گھومنے کے بعد آخرکار گاڑی روک دی گئی اور اس بار انجن بھی بند کر دیا گیا۔ پھاٹک سے اطلاع ملنے کے بعد وہاں کوئی پہلے سے کاکا پہلوان کے استقبال کے لیے موجود تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ مشکل سے قابو میں آیا ہے۔" کار سے اترتے ہوئے میرے کانوں میں ایک چبھتی ہوئی اجنبی سی آواز آئی۔

"بس ہم اسے اناڑی سمجھ رہے تھے لیکن یہ خاصا کھلاڑی ہوا۔" کاکا پہلوان کی آواز آئی۔ "درگت اس کی بھی خوب بنتی لیکن ہدایت سے مار کھا گیا، پتا نہیں تمھیں اس کی ٹوٹ پھوٹ کی کیا ضرورت..." باتیں کرتے ہوئے وہ اندر چل دیے۔ تاکی مسلسل میرا بازو تھامے میری رہنمائی کر رہا تھا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر مجھے صوفے پر بٹھا دیا گیا پھر وقت برباد کیے بغیر ان لوگوں میں خاموشی سے کچھ لین دین ہوا جس کا اظہار کاکا کے تشکر آمیز فقروں سے ہوا۔ یوں وہ دونوں مجھے گھیرنے کا اپنا معاوضہ وصول کر کے واپس لوٹ گئے۔

میں اندر ہی اندر سخت اعصابی تناؤ کا شکار ہونے کے باوجود بظاہر بے پروایانہ انداز میں اپنی جگہ بیٹھا رہا پھر اچانک وہی چبھتی ہوئی ناگوار سی آواز مجھے اپنے قریب سنائی دی۔

"اب تم ہمارے مہمان ہو لیکن یہ یاد رکھنا کہ وہی کرو گے جو کرنے کے لیے بتایا جائے گا۔ اس سے تجاوز کی صورت میں پیدا ہونے والی ناخوشگوار صورتِ حال کے تم خود ذمے دار ہو گے۔"

"آنکھوں اور ہاتھوں کی بندش کی صورت میں تو میں سراسر تمھارے ہی رحم و کرم پر ہوں۔ اپنی مرضی سے دو قدم بھی نہیں چل سکوں گا۔ تجاوز تو بہت دور کی بات ہے۔" میں نے اپنا لہجہ خوشگوار رکھتے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ چلے آؤ۔" اس نے میرا بازو تھامتے ہوئے کہا۔ "ابھی ان پابندیوں سے بھی نجات مل جائے گی۔"

ان حالات میں چبھتی ہوئی آواز والے کا وہ انکشاف میرے لیے ایک بڑی خوش خبری سے کم نہیں تھا۔ میں اپنے سوالات کو ملتوی کر کے فوری طور پر اس کے ساتھ ہو لیا۔

ایک اندرونی کمرے میں پہنچ کر اس نے نرمی اور آہستگی کے ساتھ میری آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھول دی۔ تیز بتی روشنی میں چند ثانیوں کے لیے میری آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں پھر میری نظریں اس مخنی سے دراز قامت آدمی پر جم کر رہ گئیں جو میرے سامنے کھڑا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو برخوردار؟" اس نے آنکھیں نچاتے ہوئے لہجے میں سوال کیا لیکن اس کی آواز کی چبھن اب بھی برقرار تھی۔

"پہچاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "یقین نہیں آتا کہ کتابی کردار زندہ بھی ہو سکتے ہیں۔"

اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر مکارانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "کس کتابی کردار کی بات کر رہے ہو؟"

"برا مان جاؤ گے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "پہلے میرے ہاتھ تو کھول دو۔"

"یہ لو" اس نے میری پشت پر پہنچ کر بندشیں کھولتے ہوئے کہا۔ "اور دیکھ لو کہ ہم اپنے مہمانوں کی کس قدر تواضع کرتے ہیں یہ پرتکلف خواب گاہ ملحقہ باتھ روم سمیت تمہارے تصرف میں ہے تپائی پر گھنٹی بجا کر تم ایک خوبرو ملازمہ کو طلب کر سکو گے جو تمہیں ضرورت کی ہر چیز فراہم کرے گی۔"

"ہر چیز؟" میں نے کلائیوں پر بندشوں کی گرفت میں نرمی محسوس کرتے ہوئے ذرا زور دے کر سوال کیا۔

"ہاں!" وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "ہر چیز سے مراد ہر چیز ہی ہوتی ہے، وہ تمہارے حکم سے سرتابی نہ کر سکے گی۔ ہم اپنے مہمانوں کی تمام فطری ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔" پھر وہ چونک کر بولا۔ "وہ کتابی کردار کی کیا بات تھی؟"

"کبھی جاسوسی ادب پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے؟" میں نے اپنی آزاد کلائیوں پر گہرے نشانات کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں۔" اس نے پُریقین انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اسے پڑھ کر مجرم بھی بزدل ہو جاتے ہیں، ہر کہانی میں کھینچ تان کر آخر میں قانون کی بالادستی کا سکہ بجایا جاتا ہے اور عملی زندگی میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا۔ مجرم اکثر سرخرو ہوتے ہیں اور قانون موٹی موٹی کتابوں میں دیمک کی خوراک بنتا رہتا ہے۔"

"پھر تو کچھ کہنا ہی بے کار ہے۔" میں نے بے پروائی سے شانے اُچکا کر کہا۔

"ابنِ صفی کی کچھ کہانیاں پڑھی ہیں۔" اس نے یوں ہچکچاتے ہوئے اعتراف کیا جیسے کسی غلطی کا مرتکب ہوا ہو۔

"بس بس!" میں ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "میں یہی پوچھنا چاہ رہا تھا۔ تمہارے چہرے پر اگر ذرا سی زردی بھی ہوتی تو بنے بنائے سنگ ہی تھے۔ کم از کم میرے ذہن میں سنگ ہی کی یہی تصویر تھی۔"

"بکواس!" وہ خفت آمیز انداز میں غرایا۔ "جہاں تک مجھے یاد ہے، وہ ولد الحرام تھا اور فخریہ اس کا اعلان کرتا پھرتا تھا۔"

"تم نہ کرو۔" میں روانی میں کہہ گیا پھر صورت حال کا احساس کرتے ہوئے فوراً ہی قلابازی کھائی۔ "حسب نسب انسان کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے، میرے ذہن میں اس کا تصور بھی نہیں تھا۔ میں تو بس تصوراتی مماثلت کی بات کر رہا تھا۔"

"یہ گھنٹی ہے اس لڑکی کو بلانے کے لیے۔" اس نے مسہری کے سرہانے لگے ہوئے ایک بٹن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بجا کر دیکھوں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میرے جانے کے بعد۔" وہ جلدی سے بولا۔

"میں گھنٹی کی بات کر رہا ہوں۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "پتا نہیں وہ آتی بھی ہے یا نہیں۔"

"مجھے بھی تم سے کوئی زیادہ امید نہیں ہے۔" وہ اپنی اسی چبھتی ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے اندازہ ہے کہ بس ہر وقت گھنٹی ہی بجاتے رہو گے۔ خوش کلامی اور حاضر جوابی کو میں پسند کرتا ہوں لیکن بس اس حد سے تجاوز نہ کرنا، اجازت کے بغیر باہر نکلنے کی کوشش کی تو سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"یہاں اسی قدر آرام ملتا رہا اور ضروریات پوری ہوتی رہیں تو شاید میں باقی عمر یہیں گزارنے کے امکانات کا جائزہ لینے لگوں لیکن کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ مجھے اتنی عزت کے ساتھ یہاں کیوں بلایا گیا ہے اور میں کن لوگوں میں ہوں؟"

"یہ دونوں سوال غیر ضروری ہیں، مناسب وقت آنے پر خود بخود سب کچھ سامنے آجائے گا۔"

"یہ مناسب وقت کتنا وقت لے گا؟" اس بار میں نے کلائیاں رگڑتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا تھا۔ "گھنٹے، دن یا ہفتے؟"

"یہ سب میرے دائرۂ کار سے باہر ہے۔" اس نے پیچھا چھڑانے کے لیے خشک لہجے میں کہا۔

"کم از کم اپنا نام ہی بتلاتے جاؤ۔"

"سنگ ہی سمجھتے رہو، اس سے تمہارے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ کسی وقت تم سے رجوع کرنا ہی پڑ جائے تو میں تمہاری شناخت کیسے کرا سکوں گا۔"

"لڑکی تمہارا پیغام مجھ تک پہنچا دے گی۔" اس نے کہا اور مڑ کر دروازے سے نکلتا چلا گیا، جاتے ہوئے وہ دروازہ بند کرنا نہیں بھولا تھا جس میں باہر سے لگنے والا خودکار قفل تھا جسے شاید اندر سے نہیں کھولا جا سکتا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ کمرا عام طور پر مجھ جیسے زبردستی اٹھوائے گئے مہمانوں کے تصرف میں آتا رہا تھا۔

اب مجھے ہر طرح کی آزادی مل چکی تھی لیکن جسم پر وہی تار تار قمیص موجود تھی۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا تو بستر اور فریج سے لے کر فرشی قالین اور وال کلاک تک ضرورت کی ہر چیز وہاں موجود تھی اور ایک طرف وسیع دیوار گیر الماری نظر آرہی تھی۔ میں نے بڑھ کر اس الماری کے پٹ کھولے تو وہ واقعی ایک ملی جلی وارڈ روب ثابت ہوئی۔ اس میں خاصی بڑی تعداد میں ملے جلے، مردانہ اور زنانہ جوڑے موجود تھے لیکن ان سب کے سائز یکساں نہیں تھے جس سے پتا چل رہا تھا کہ وہ تمام ملبوسات کسی ایک جوڑے کے لیے مخصوص نہیں تھے بلکہ اس کمرے میں لائے جانے والوں کی ضرورت کے پیش نظر وہاں رکھے گئے تھے۔

میں نے اس الماری میں سے منتخب کر کے ایک خوبصورت

قمیض زیب تن کی اور پھر اپنی خدمت پر مامور لڑکی کو بلانے کے لیے گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

فوراً ہی دروازہ کھلا اور ہوش رُبا جسمانی حسن سے مالا مال ایک لڑکی اٹھلاتی ہوئی کمرے میں آگئی جیسے دروازے سے لگی میرے بلاوے کی منتظر رہی ہو۔ وہ نوجوان، شوخ اور متناسب الاعضا ضرور تھی لیکن اس کے رویے میں شائستگی نمایاں تھی یہ اور بات ہے کہ اس شائستگی میں انکسار کا دخل نہ رہا ہو کیونکہ وہ دنیاوی مفہوم میں عرفانِ ذات سے مالا مال نظر آرہی تھی۔

میں بستر پر بیٹھا ہوا تھا، وہ کسی کنیز کی طرح میرے روبرو آکھڑی ہوئی، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور نگاہوں میں اپنائیت رقصاں تھی۔ اس نے سر کی جنبش سے اپنی نیاز مندی کا اظہار کیا جسے میں نے اسی طرح قبول کرلیا۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" میں نے اس کے سراپا کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"مختصراً نوید۔ پورا نام نوید اختر ہے۔" اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"خوب۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "اس نام والیاں عموماً خوش مزاج اور فراخ دل ہوتی ہیں۔ امید ہے کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم مجھے مایوس کر رہے ہو۔" وہ میرے مقابل آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم نے مجھے انٹرویو کے لیے طلب کیا ہو حالانکہ یہاں میری نوکری بہت پکی ہے۔"

"اس عمارت کا نام کیا ہے اور یہ کہاں واقع ہے؟" میں نے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "یہ سب جان کر کیا کرو گے؟ کیا اتنا کافی نہیں کہ یہاں میں تمہاری کل وقتی میزبان ہوں؟"

"شاید یہ بھی نہیں بتاؤ گی کہ یہ کون لوگ ہیں؟"

"معلوم ہی نہ ہو تو تمہیں کیا بتاسکوں گی۔ اب تک مختلف درجات کے ملازمین سے واسطہ پڑتا رہا ہے، مالکان سے سامنا ہی نہیں ہوا جو کچھ جان سکتی۔ چھوڑو اس خشک گفتگو کو، یہ بتاؤ کہ کیا پیو گے؟"

"ساقی کی مرضی ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "انتخاب تمہاری فراست پر چھوڑتا ہوں۔"

میری زبان سے فراست کا لفظ ادا ہوتے ہی وہ بُری طرح چونکی تھی پھر خفت آمیز انداز میں ہنسنے لگی۔

"کس بات پر چونکی تھیں؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"فراست کا خیال آگیا تھا۔" وہ کسی خیال کے تحت بن[گئی]

"بے چارا ہر [وقت] بے زبان، بے دام ملازم بنا رہتا ہے۔"

"کوئی عاشقِ نامراد؟" میں نے روا روی میں سوال کیا۔ "[میں] سمجھ رہا تھا کہ اختر تمہارے شوہر کا نام ہوگا؟"

اس کے چہرے پر پہلی بار اداسی کی لہر سی آکر گزر گئی [او]ر غم آلود لہجے میں بولی۔ "شوہر جب پردیس جاکر پیسے کی ہو[س] [میں] اپنی بیویوں کو بھول جاتے ہیں تو ایسی عورتوں کے ہزار شوہر [پیدا] ہوجاتے ہیں، جب یہی دستور بن گیا ہے تو میں نے سوچا کہ [کیوں نہ] میں یہاں رہتے ہوئے پیسہ بچانا شروع کردوں۔ فراست ہمارے محلے کا ایک ایسا ہی بے زبان عاشق ہے جو اپنی دانست میں [میری] بڑی خدمت کر رہا ہے لیکن حرفِ مدعا آج تک زبان پر [نہیں] لا[یا]۔"

"اس دور میں ایسا صابر و شاکر عاشق ملنا بڑا ہی محال ہے۔" میں نے اس کی کہانی میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"عمر رسیدہ بیوی سے اکتایا ہوا ہے بے چارا۔" وہ [...] لہجے میں بولی۔ "میرے مختصر ترین نوٹس پر اپنی ساری مصروفیا[ت] ترک کر کے مجھے اپنے اسکوٹر پر کہیں بھی لے جانے کے لیے [تیار] ہوجاتا ہے۔ میں اپنے سارے کام اسی کے ساتھ کرتی ہوں اور [کرایہ] بچت کرلیتی ہوں۔ وہ بے چارہ راستے کی خرابی پر معذرت کر[تے] ہوئے جگہ جگہ بریک لگا کر محض اسی بات پر خوش رہتا ہے [کہ] اسکوٹر پر اس کے ساتھ بیٹھتی ہوں۔ ورنہ اس دور میں کون ہے [جو] دوسرے کے گھر میں ردی کی فروخت سے دھوبی کے کپڑوں کی گنتی کرا سکے۔"

"اور اس کی بیوی خاموش رہتی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"کیا کہے گی؟" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "فراست دل [میں مجھے] محبوبہ ہی تصور کرتا ہو لیکن میرے جارحانہ اندازِ گفتگو کی بنا پر [ہر] وقت باجی باجی کا راگ ہی الاپتا رہتا ہے، میں خود اس کے [ساتھ] سفر کے بہانے نکالتی رہتی ہوں، مجھے اس دن کا انتظار ہے [جب] وہ اپنے خول سے نکل کر اظہارِ عشق کرے گا لیکن اس بے چا[رے] میں تو جرأت ہی نہیں رہی ہے۔ شاید بوڑھی بیوی مرد کے [حوصلے] کو بھی بڑی حد تک زنگ خوردہ کر دیتی ہے۔"

"تم نے کہا تھا کہ تم شادی شدہ ہو، تمہارا شوہر کہاں ہے؟" میں نے فراست کی ذات سے اکتاہٹ محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"مشرقِ وسطیٰ میں ہی کہیں غلامی کر رہا ہوگا۔" وہ تنفر[آمیز] لہجے میں بولی۔ "پہلے سعودی عرب میں تھا۔ اب سنا ہے کہ [...] والوں نے اس کی ذرا اونچی بولی لگائی تھی، پتا نہیں کہاں [...]

جیل رہا ہوگا۔"
"بڑی تحقیر آمیز زبان استعمال کر رہی ہو تم۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "غلامی نوکری سے بہت مختلف ہوتی ہے۔"
"ہوتی ہوگی۔" وہ شانے اُچکا کے بے پروائی کے ساتھ بولی۔
"نوکری کے ساتھ جب رشتوں اور جذبوں کو بھی نیلام کر دیا جائے تو وہ غلامی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔" یہ بتاتے ہوئے یک بیک اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "جانتے ہو، پچھلے دو برس میں ہم نے صرف سات دن اکٹھے گزارے ہیں۔ باقی چھٹیوں میں وہ اپنی ماں یا دوسرے قریب المرگ رشتے داروں کی عیادت کرتا رہا۔"
اس کے ذاتی مسائل سن کر میری طبیعت اکتانے لگی تھی لہٰذا میں نے فوراً ہی موضوع ناؤ و نوش کی طرف تبدیل کر دیا اور وہ مسکراتے ہوئے میرے لیے گلاس تیار کرنے میں مصروف ہو گئی۔

ابتدا میں وہ ساقی گری پر بھی اَڑی ہوئی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے ڈیوٹی پر منشیات سے دور رہنے کا حکم تھا لیکن میرا اصرار تھا کہ وہ میرے احکام کی پابند کی گئی تھی لہٰذا میرے حکم پر اسے مے نوشی کرنا تھی۔ خوش قسمتی یہ تھی کہ سرسری باتوں میں وہ اپنی ذات کے تشنہ گوشوں کی نقاب کشائی کر گزری تھی لہٰذا میں نے ان کمزور گوشوں کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسے اپنا ساتھ دینے پر آمادہ کر لیا۔
وہ فراخ دل اور شوقین مزاج تو تھی ہی، میرا ارادہ تھا کہ اسے اتنی پینے پر مجبور کروں گا کہ وہ بہک کر میرے ہر سوال کا جواب دیتی چلی جائے اور میں اس سے یہ معلوم کر سکوں کہ میں اس وقت کہاں اور کس کا قیدی تھا۔

اس نے بڑے سلیقے کے ساتھ مے نوشی کا آغاز کیا تھا لیکن وہ عادی نہیں تھی۔ لہٰذا آدھا گلاس معدے میں منتقل ہوتے ہی بہکنے لگی لیکن اس حالت میں بھی اس نے میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔ شاید اس کے لاشعور میں اپنے بالادستوں کا شدید خوف جاگزیں تھا اور وہ بس اپنے پسندیدہ موضوع پر ہی بولتی رہی۔
اس کا خیال تھا کہ پیسہ زندگی کی حقیر ترین حقیقت تھی جسے ایک طوائف بہت آسانی کے ساتھ کما سکتی تھی اور اگر وہ اپنی ضد پر اتر آتی تو اپنے تارک الوطن شوہر سے کہیں زیادہ رقم بٹور سکتی تھی لیکن زندگی کا لطف ہی تھا کہ رشتوں اور جذبوں کا بھرپور احترام کرتے ہوئے کیا جائے جو اس دور میں خاصا مشکل کام تھا۔
اور پھر جب وہ ہلکے سرور کے عالم میں تھی تو میں نے ایک بار پھر اس عمارت اور اس کے مکینوں کے بارے میں بات چھیڑ دی۔ قریب تھا کہ وہ کچھ بتا ڈالتی، اچانک دروازہ کھلا اور وہی شخص اندر گھس آیا جس سے میری پہلے ملاقات ہو چکی تھی۔
اسے غصے کے عالم میں اپنے روبرو دیکھ کر لڑکی کا چہرہ دھواں ہو گیا اور وہ مشینی انداز میں سیدھی کھڑی ہوتی چلی گئی۔
"باہر جاؤ۔" وہ اسے گھورتے ہوئے نکاسی کے راستے کی طرف ہاتھ اُٹھا کر غرایا۔
"مم... میرا قصور نہیں ہے سر! میرے ساتھ زبردستی کی گئی تھی۔" وہ رو دینے والی آواز میں ہکلاتے ہوئے بولی۔
"گیٹ آؤٹ۔" وہ حلق کے بل دہاڑا اور لڑکی بوکھلا کر کمرے سے نکلی چلی گئی۔
"وہ درست کہہ رہی تھی۔" لڑکی کے چلے جانے پر میں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔ "وہ نہ پینے پر اَڑی ہوئی تھی، میں نے اسے زبردستی اپنا ساتھ دینے پر مجبور کیا تھا۔"
"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔" وہ بے پروایانہ لہجے میں بولا۔ لڑکی کے جاتے ہی اس کے چہرے کی سختی کافور ہو چکی تھی اور وہ پہلے کی طرح پُرسکون نظر آ رہا تھا جیسے وہ کبھی ناراض ہی نہ ہوا ہو۔
"کیا وہ اب دوبارہ یہاں نہیں آئے گی؟"
"تم اس کے اہل ثابت نہیں ہوئے اب ایک مرد تمہاری خدمت پر مامور کیا جائے گا۔" وہ خشک لہجے میں بولا۔
بے اختیار میرے منہ سے ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔
"پھر تم ہی مجھ پر مہربانی کرو، کم ازکم یہ تو بتا دو کہ میں کس عمارت میں رکھا گیا ہوں؟ ظاہر ہے کہ تمہاری مرضی کے بغیر اب میں یہاں سے نہ نکل سکوں گا۔"
"ہو سکتا کہ بازپرس کے بعد تمہیں دوبارہ بلائنڈ فولڈ کر کے یہاں سے رُخصت کر دیا جائے، ایسی صورت میں عمارت کی نشاندہی ہمارے حق میں نقصان دہ ثابت ہوگی۔ اگر تم لڑکی سے معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو تمہاری واپسی کے امکانات بھی سرے سے ختم ہو جاتے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اپنے تجسس کو اب بالائے طاق رکھ دو۔"
یہ کہہ کر وہ کمرے سے چلا گیا اور میں گہری سوچ میں پڑ گیا۔
اس نے جس طرح بروقت مداخلت کی تھی اس کی روشنی میں صاف ظاہر تھا کہ وہ کمرے میں پوشیدہ کسی خفیہ ڈکٹافون کے ذریعے یہاں ہونے والی ساری گفتگو سنتا رہا تھا۔
اس واقعے کے بعد میں نے دوبارہ گھنٹی بجانے کی کوشش ہی نہیں کی مجھے اندازہ تھا کہ اس بار کسی کرخت صورت اور تند خو آدمی کا ہی سامنا ہوگا۔
میں بستر پر دراز وہاں موجود رسالوں کی ورق گردانی سے دل بہلانے کی کوشش کرتا رہا لیکن ذہن مسلسل پریشان تھا۔ ایک طرف غزالہ ویرالائیڈ کی قید میں تھی اور دوسری طرف میں اس مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا جس سے گلوخلاصی کی بظاہر کوئی صورت نظر

نہیں آ رہی تھی۔

رات دس بجے کے قریب اچانک دروازہ کھلا اور میں چونک کر سیدھا ہو بیٹھا اُس بار آنے والے تعداد میں دو تھے اور دونوں ہی کے تیور خراب نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر دیا اور میری طرف بڑھتے چلے آئے۔

"تمھارا نام کیا ہے؟" ان میں سے ایک نے میرے سامنے آتے ہی براہِ راست سوال کیا تھا۔

"تنویر علی،" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر جواب دیا۔

"ڈینی بھی کہلاتے ہو؟" اس نے خشک لہجے میں سوال کیا اور میں نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

"لڑکی کہاں ہے؟" اس نے سوال کیا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اپنے سوال سے اس نے آخر کار خود کو ظاہر کر ہی دیا تھا۔

"لڑکی روپوش ہے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو شاید اس وقت لائیڈز کا جج میں موجود ہوں۔"

"کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟" اس نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔ اس کے ساتھ آنے والا دوسرا شخص ابھی تک خاموش تھا۔

"یقیناً پڑے گا،" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اب میں تمھاری کسی بات کا جواب دینے سے پہلے ڈی سوزا سے ملنا چاہوں گا۔"

"کیا کام ہے اس سے؟"

"اسی کو بتا سکوں گا،" میں نے جواب دیا۔

اس نے بے پروائی سے اپنے شانے اُچکائے۔ "تمھاری مرضی۔ اطلاعاً یہ بتا دوں کہ ڈی سوزا آج صبح ہی شہر سے باہر کہیں گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی واپسی دس بارہ روز تک نہ ہو سکے۔"

"ایسی صورت میں اس کی جگہ کوئی اور کام کر رہا ہوگا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تمھارے سامنے موجود ہوں۔ اس کا چارج میرے پاس ہے۔" وہ بولا۔

"مجھے ایئرپورٹ سے غیر ضروری طور پر اٹھوایا گیا ہے۔ میں بلیو بیل کے حوالے سے خود لائیڈز کا جج رپورٹ کرنے آ رہا تھا۔" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا۔

"بلیو بیل؟" اس نے حیرت سے دُہرایا۔ "یہ کیا بلا ہے؟"

بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا تھا کہ لائیڈز کا جج میں کوئی متعلقہ آدمی اس کوڈ کو پہچاننے سے منکر بھی ہو سکے گا۔

"مجھے ڈی سوزا سے ملاقات کے لیے یہی کوڈ بتایا گیا تھا۔" میں نے پُرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میں اس کوڈ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں۔" اس نے درشت لہجے میں کہا۔ "اب شرافت سے لڑکی کا پتا بتا دو ورنہ یاد رکھنا کہ یہاں تمھارے بدن سے پوری کھال اتار لی جائے گی اور تمھاری آواز سننے والا کوئی نہ ہوگا۔"

"تم جو چاہو کہہ سکتے..." میں کہنا ہی چاہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ آنے والا دوسرا آدمی اچانک مجھ پر ٹوٹ پڑا اور پھر وہاں دھما چوکڑی شروع ہو گئی۔ بے خبری میں اپنے جبڑے پر ایک طاقتور مکّا کھانے کے بعد میں نے اسے بھی خون تھوکنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن وہ وحشیانہ جوش و خروش کے ساتھ میرا چہرہ ادھیڑ ڈالنے پر تلا ہوا مجھ سے لڑتا رہا اور ڈی سوزا کی جانشینی کا دعویٰ کرنے والا دور کھڑا لاتعلقانہ انداز میں تماشا دیکھتا رہا جیسے مقابلے کے اختتام پر جیتنے والے کو انعام دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان دونوں میں باہمی ذمے داریوں کے بارے میں کوئی ناقابلِ تنسیخ سمجھوتا موجود تھا جس کی روشنی میں ڈی سوزا کی جانشینی کا دعویدار باز پرس اور مذاکرات کا ذمے دار تھا جب کہ دوسرا بولے بغیر محض مار دھاڑ پر مامور تھا کیونکہ شدید اور وحشیانہ ٹکراؤ میں اضطراری غراہٹوں کے سوا اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا جب کہ ایک آدھ مرحلے پر میرے ہاتھوں اس کی بری طرح ٹھکائی ہونے کے باوجود دوسرے نے اپنی جگہ سے ہلنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی بلکہ پتلون کی جیبوں میں ہاتھ اڑس لینے کے بعد اس کی لاتعلقی میں کچھ اضافہ ہی ہو گیا تھا۔

یہ غنیمت تھا کہ میرے سامنے صرف ایک ہی حریف تھا لیکن ایک دو بار میری گرفت میں آ جانے کے بعد وہ جس طرح خود کو بچاتے ہوئے دوبارہ مجھ پر حملہ آور ہوا تھا، اس کی بنا پر میں اس کی سخت جانی کا قائل ہونے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اپنی کمزور پوزیشن کے پیشِ نظر مجھے اس بات سے بھی خاصا اطمینان تھا کہ مار پیٹ کے باوجود ان میں سے کسی نے نہ آتشیں اسلحے کا سہارا لیا تھا، نہ اس کے استعمال کی دھمکی دی تھی۔

[illegible] ہوئے ایک بار میرے حریف سے [illegible] تباہ کن غلطی سرزد ہو ہی گئی اور وہ خود کو منہ کے بل نیچے گرنے سے بچانے کے لیے لڑکھڑاتا ہوا آخری دیوار تک دوڑتا چلا گیا جوں ہی وہ دونوں ہاتھوں سے دیوار کا سہارا لے کر ٹھہرا، میں نے پوری قوت کے ساتھ اس کی داہنی پسلیوں پر لات رسید کی اور وہ ڈکراتا ہوا بائیں پہلو پر الٹ گیا۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس پر سوار ہو گیا اور اس کے چہرے پر دونوں طرف سے تابڑ توڑ مکّے برسانے شروع کر دیے

اس وقت میں خود بھی اشتعال اور گھبراہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ میرے ہاتھوں پٹنے والے کا ساتھی کتنی دیر تک صبر اور تحمل کے ساتھ تماشا دیکھ سکے گا۔ وہ کسی بھی مرحلے پر مداخلت کر کے کھیل ختم کرا سکتا تھا۔ اسی اندیشے کے پیشِ نظر میرے دونوں ہاتھ پوری طاقت کے ساتھ مسلسل چل رہے تھے شاید میری ساری ہی ضربات خطرناک نہیں تھیں لیکن جو دو چار گھونسے ٹھیک نشانے پر پڑے تھے انھوں نے پٹنے والے کی داہنی آنکھ تباہ کر دی تھی اور ابرو سے ذرا اوپر پیشانی بھی کھل گئی تھی جس سے بہنے والا خون اس کے چہرے اور گردن پر پھیلتا جا رہا تھا اور وہ اپنی تمام تر قوت صرف کر کے خود کو میری گرفت سے آزاد کرانے کے لیے بے چین تھا اور میں کسی پیشہ ور باکسر کی طرح ہر بار اس کے زخموں کو ہی نشانا بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ کئی منٹ تک میرے ہاتھوں بے رحمی کے ساتھ پٹتا اور کسی درندے کی طرح غراتا رہا لیکن اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑنے کے بجائے اس کی کوششوں میں تیزی پیدا ہوتی چلی گئی اور پھر اچانک ہی اس نے مجھے کسی حقیر وجود کی طرح اپنے بدن پر سے اچھال پھینکا۔ اس بار وہ حیرتناک سُرعت کے ساتھ فرشی قالین پر سے اٹھا تھا اور اپنے خون میں ڈوبے ہوئے چہرے کے ساتھ کسی گینڈے کی طرح میری طرف آیا تھا۔

اس نے مٹھیاں بھینچ کر اپنے دونوں ہاتھ سامنے فضا میں یوں پھیلائے ہوئے تھے جیسے ایک ہی وار میں میرا جبڑا توڑ دینے کا مصمم ارادہ کر چکا ہو۔ میں نے اٹھتے ہوئے اپنی تمام تر توجہ اس کے کسے ہوئے مکوں پر مرکوز رکھی لیکن اس نے اپنی ٹانگیں فضا میں اچھال کر اپنے وجود کے سارے وزن کو کام میں لاتے ہوئے اتنی قوت کے ساتھ میری پیشانی پر ٹکر رسید کی کہ میرے حلق سے بے اختیار چیخ نکل گئی اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔

میں کئی ثانیوں تک غالباً بے حس و حرکت قالین پر پڑا رہا۔ اس بدترین ٹکر نے مجھ پر سکتے کی سی کیفیت طاری کر دی تھی۔ آنکھوں کے سامنے کبھی اندھیرا اور کبھی روشن دائرے ناچ رہے تھے، اعصاب مفلوج ہو کر رہ گئے تھے لیکن میں اپنے حریف کے چڑھے ہوئے سانسوں کی تیز آوازیں اپنے قریب ہی سن رہا تھا۔

"مر تو نہیں گیا؟" اچانک اس سکوت میں دوسرے کی تشویش آمیز آواز گونجی۔

"شاید بن رہا ہے۔" میرے حریف نے ہانپتے ہوئے پہلی بار زبان کھولی۔ "اگر پسلیوں پر دو تین ٹھوکریں کھا کر بھی نہ بولا تو پھر اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔ یہ آسانی کے ساتھ مرنے والا نظر نہیں آتا۔"

اس کی وحشیانہ ٹکر نے بلاشبہ مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا، میرا سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اور پیشانی پر گرم گرم لہو کی نمناک لکیریں بھی سرسراتی سی محسوس ہو رہی تھیں لیکن اعصاب اس حد تک معطل ہو کر رہ گئے تھے کہ ہاتھ ہلا کر پیشانی تک لے جانا بھی دشوار تھا۔ آنکھیں کھولنے میں ناکام ہوتے ہی میں نے ارادہ کیا تھا کہ کچھ دیر تک بے ہوشی کی اداکاری کرتے ہوئے اس کی بربریت سے محفوظ رہ کر اپنے حواس یکجا کرنے کی کوشش کروں گا لیکن اپنی پسلیوں پر اس کی ٹھوکر بازی کا ذکر سنتے ہی میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ درد کی شدید ٹیسیں پپوٹوں سے ابھر کر پورے وجود میں سرایت کر گئیں۔ لحظہ بھر کے لیے تو شراروں کی بوچھاڑ کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ پھر میں نے درد کی پروا کیے بغیر کئی بار آنکھیں جھپکائیں تو چند فٹ کے فاصلے پر اپنے حریف کا خون میں نہایا ہوا چہرہ نظر آیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایسی سفاکانہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی جیسے اسے مدتوں بعد کسی من پسند مشغلے سے اپنا دل بہلانے کی اجازت ملی ہو۔

"لڑکی کہاں ہے؟" دوسرے کی للکارتی ہوئی آواز پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے کانوں میں اترتی چلی گئی۔

میں آنکھیں کھول چکا تھا لیکن بینائی پوری طرح بحال نہیں ہو سکی تھی۔ دھندلاہٹ اور روشن و تاریک دھبوں کے باعث میرے لیے صحیح سچویشن کا ادراک کرنا محال ہو رہا تھا لیکن پھر بھی میں خود کو سنبھالتا ہوا اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

"میں کچھ نہیں جانتا کہ تم کس لڑکی کے بارے میں پوچھ رہے ہو۔" میں نے ارادہ تو مضبوط لہجہ اختیار کرنے کا کیا تھا لیکن بولا تو اپنی آواز کی لکنت کو خود محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"پھر ابھی چند منٹ پہلے کس لڑکی کی روپوشی کا ذکر کر رہے تھے؟" اس کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔

میں نے ایک پھریری لے کر سر جھٹکا تو ذہن قدرے صاف ہوا اور مجھے یاد آیا کہ میں نے ابتدا میں واقعی لڑکی کی روپوشی کا ذکر کیا تھا۔ لہٰذا اب اس بیان سے پھرنا ممکن نہیں رہا تھا۔

"ہاں، وہ ابھی تک روپوش ہے۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "میں نے نہ کبھی اسے دیکھا ہے نہ جانتا ہوں، میرے لیے وہ بس ایک تصویر ہے اور مجھے اس کو تلاش کرنا تھا۔"

"یہاں تمہارے جسم سے ایک ایک ریشہ الگ کر دیا جائے گا۔" وہ غراتے ہوئے سفاکانہ لہجے میں بولا "مرنا چاہو گے لیکن موت سامنے نظر آنے کے باوجود تم سے بہت دور ہوگی۔ اس انجام سے بچنے کی یہی ایک صورت ہے کہ جو کچھ پوچھا جائے بلاکم وکاست سچ بتاتے چلے جاؤ۔ ہمارے پاس ثبوت موجود ہے کہ وہ لڑکی تمہاری ساتھی ہے۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم عجلت سے کام لے رہے ہو' میرا ڈی سوزا سے ملنا بہت ضروری ہے۔ اس کی واپسی تک تم مجھے اپنا قیدی رکھ سکتے ہو' اس کے آجانے کے بعد بھی میں تمہارے رحم وکرم پر رہوں گا۔ اس وقت جو چاہو کر لینا۔"

"ڈی سوزا پر اتنا انحصار مت کرو۔" وہ سخت لہجے میں بولا "ڈی سوزا کو اگر تمہارے بارے میں کوئی ہدایت ملی ہوتی تو وہ مجھے باخبر کیے بغیر باہر نہ جاتا' وہ بہت ذمے دار آدمی ہے۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے کہ تمہیں ڈی سوزا کا فریب دے کر ہمارے کسی بہی خواہ نے تمہیں ہماری طرف ہانکا تھا۔ اب یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ اپنی مرضی سے چل کر یہاں پہنچنے کے بجائے کاکا کے آدمیوں کے ذریعے قیدی بنا کر لائے گئے ہو۔ میں ڈی سوزا کے آنے سے پہلے تمہاری زبان سے ہر قیمت پر سچ اگلوانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"سچ سن چکے ہو لیکن اسے تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تمہارے ذہن میں میری طرف سے بدگمانیاں جڑ پکڑ چکی ہیں اور تم میری زبان سے صرف وہی کچھ سننا چاہتے ہو جو تمہارے ذہن میں ہے لیکن یہ ہرگز نہ ہو سکے گا۔ تم میری بوٹیاں بھی اڑا ڈالو گے تو ہر بوٹی وہی پکارے گی جو میں اب کہہ رہا ہوں۔"

میری بصارت خاصی حد تک بحال ہو چکی تھی اور مجھے سامنے کھڑا ہوا تنومند حریف بالکل واضح نظر آ رہا تھا۔ اس کی پھٹی ہوئی پیشانی سے خون کی خاصی مقدار بہہ چکی تھی جس نے چہرے کے ساتھ ہی اس کے لباس کو بھی رنگین کر ڈالا تھا۔ داہنی آنکھ کے نچلے پپوٹے پر اس قدر شدید ورم آیا تھا کہ وہ آنکھ عملاً بند ہی ہو کر رہ گئی تھی بظاہر وہ اپنی حالت سے بے پروا نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کے ڈھلکے ہوئے شانوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے ساتھ زور آزمائی اسے توقع سے کہیں زیادہ بھاری پڑی تھی۔

میرے خاموش ہوتے ہی وہ اپنے ساتھی کی طرف گھوما تھا "بہت ڈھیٹ ہے' تھرڈ ڈگری کے بغیر زبان نہیں کھولے گا۔"

"ہوں۔" مجھ سے باز پرس کرنے والے نے خیال آمیز انداز میں ہنکارا بھرا "تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو گیا "اچھا دوست! اب تھوڑی دیر بعد ٹارچر سیل میں تم سے ملاقات ہوگی۔"

میں خاموشی کے ساتھ باری باری ان دونوں کو گھورتا رہا اور وہ مجھے تنہا چھوڑ کر واپس لوٹ گئے۔

اس کی زبان سے ٹارچر سیل کا ذکر سن کر میرے وجود میں سنسنی سی سرایت کر گئی تھی لیکن اس وقت میرے لیے خاموشی کے ساتھ ان صبر آزما مراحل سے گزرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ اپنی تشویش کا اظہار کر کے میں انہیں خود پر ضرورت سے زیادہ حاوی ہونے کا موقع فراہم کر سکتا تھا۔

تشدد اور تھرڈ ڈگری کے حربے میرے لیے نئے نہیں تھے لیکن لائیڈز کاٹیج کے پرہول قلعے میں ٹارچر سیل کے حوالے سے ان الفاظ کا مفہوم ہی بدل کر رہ گیا تھا۔ وہ لوگ بے حساب آمدنی کے لالچ میں بدترین قسم کی منشیات کی تجارت میں ملوث تھے۔ ان کے نزدیک نہ انسانی لہو کی کوئی وقعت تھی نہ رشتوں کا احترام۔ وہ خونی بھیڑیوں کا ایک ایسا وحشی غول تھا جو برا وقت آنے پر ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے پر تل جاتے ہیں۔ تنظیم کے لیے ناقابل فراموش خدمات سرانجام دینے والوں کو ذرا سی کوتاہی پر اتنی سرد مہری کے ساتھ مروا دیا گیا تھا جیسے وہ جیتے جاگتے انسان نہیں بلکہ قدموں میں رینگتے ہوئے حشرات الارض رہے ہوں جنہیں قدموں تلے روندے بغیر آگے بڑھنا ممکن ہی نہ ہو۔ اپنی زبان بند رکھنے کے لیے میں ان درندوں کی ہر اذیت سہہ سکتا تھا لیکن خوف بس یہی تھا کہ تشدد کر کے وہ مجھے اس حد تک مفلوج نہ کر دیں کہ اپنے ذہن پر میرا اختیار ہی نہ رہے اور میں مدہوشی کے عالم میں کسی ارادے کے بغیر وہ سب اگل بیٹھوں جس کا راز رہنا بہت ضروری تھا۔

گمبھیر خیالوں میں ڈوبا ہوا میں باتھ روم میں داخل ہوا تو آئینے کا سامنا کرتے ہی چونک پڑا۔

اس نے اپنی مار کا بدلہ لے لیا تھا۔ میری پیشانی وسط میں کافی پھول گئی تھی اور کھال کئی جگہ سے یوں پھٹ گئی تھی جیسے پتھر کی ضرب سے شیشے پر دراڑیں پڑ گئی ہوں۔ گو بہنے والے خون کی مقدار بہت زیادہ نہیں تھی لیکن پھر بھی آئینے میں میرا چہرہ خاصا ڈراؤنا نظر آ رہا تھا۔

تشدد بجائے خود غیر اہم تھا۔ اصل اہمیت ان نتائج کی تھی جو تشدد کے نتیجے میں حاصل ہو سکتے تھے۔ اس اعتبار سے میری اور ان کی لڑائی نفسیاتی رخ اختیار کر گئی تھی جس میں میری فتح اسی وقت ممکن تھی جب میں ہر مرحلے پر خود کو پرسکون اور

نارمل رکھنے میں کامیاب رہتا۔

میں نے واش بیسن پر جھک کر احتیاط اور پھرتی کے ساتھ اپنا منہ دھو ڈالا۔ گردن وغیرہ سے خون کے نشان صاف کر کے میں نے قمیص وہیں اتار پھینکی اور کمرے میں لوٹ کر الماری میں سے اپنے ناپ کا دوسرا جوڑا نکال کر پہن لیا۔ دوبارہ باتھ روم میں داخل ہو کر میں نے دیوار گیر کیبنٹ کا جائزہ لیا تو اس میں ابتدائی طبی امداد کی وہ چند بنیادی چیزیں موجود تھیں جو عموماً ہر گھر میں پائی جاتی ہیں۔ میں نے ایک مختصر سی پٹی پر مرہم لگا کر اسے اپنی پیشانی کے زخم پر ٹیپ سے چپکا لیا پھر بال سنوارتے ہوئے میں خود ہی مسکرا دیا۔

مجھے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ چند منٹ پہلے تک میں کسی خطرناک لڑائی بھڑائی میں الجھا ہوا تھا۔

کمرے میں واپس لوٹ کر میں نے سگریٹ سلگائی اور ایک مرتبہ پھر رسائل سمیٹ کر کرسی پر دراز ہو گیا۔

ان لوگوں کو فریب دینے کے لیے میں نے وہ بہروپ ضرور دھار لیا تھا لیکن اندرونی کیفیت کو بدلنا میرے لیے ناممکن تھا۔ رسائل سامنے موجود تھے لیکن ذہن ان ناساعد حالات میں الجھا ہوا تھا جن سے میں غیر متوقع طور پر دوچار ہو چکا تھا۔

معاً مجھے کمرے میں موجود گھنٹی کا خیال آیا اور میں نے اسے آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کی مہربانیاں قہر و غضب میں ڈھل چکی تھیں لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ درمیانی وقفے میں ان کا طریقۂ کار کیا ہوگا۔

گھنٹی بجتے ہی دروازہ کھلا اور ایک دیو قامت اندر گھس آیا۔ اس کے کسرتی بدن سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بھی حسب توفیق ہاتھ پیر چلانے کی کوشش کرے گا لیکن اس کا چہرہ سراپا استفسار بنا ہوا تھا۔

"لڑکی کی جگہ تمھیں مامور کیا گیا ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"پتا نہیں۔ گھنٹی کیوں بجائی تھی؟" اس نے اکھڑے ہوئے درشت لہجے میں پوچھا۔

"کافی مل سکے گی؟"

وہ سر کو اثبات میں جنبش دیتا واپس چلا گیا۔ معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ باہر موجود رہنے کے باوجود اندر پیش آنے والے واقعات سے لاعلم رہا ہو کیونکہ مجھے کرسی میں دراز، رسائل کی ورق گردانی کرتے دیکھ کر اس نے کسی بھی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

غیر متوقع طور پر وہ چند منٹ بعد ہی ٹرے میں کافی کے برتن لیے آ پہنچا اور ٹرے میز پر رکھتے ہوئے اسی اُجڈ لہجے میں بولا "خود بنا لو گے یا مجھ ہی کو گھولنا پڑے گی؟"

"تم زحمت کر سکو تو مہربانی ہوگی، میں تو ابھی پٹ کر بیٹھا ہوں" اس کے حوصلہ شکن ردِعمل کے باوجود میں نے اپنا لب و لہجہ خوشگوار رکھتے ہوئے کہا۔

اس نے پلٹ کر مجھے پھاڑ کھانے والے انداز میں گھورا پھر کافی تیار کرتے ہوئے بولا "مجھے بتا دیا گیا ہے کہ تمھاری زبان میں کوئی پِلّا چپکا ہوا ہے جس کی وجہ سے تمھیں زیادہ بولنے کا مرض لاحق ہے"

"یہ جاننے کے باوجود تم خاصے مہربان نظر آتے ہو، تھوڑی دیر قبل آنے والے تو براہِ راست مار دھاڑ پر اتر آئے تھے۔ میری پیشانی کے زخم کے سلسلے میں تم کوئی مدد کر سکو تو...؟"

"بس بس" اس نے غراتے ہوئے میری بات کاٹ دی "یہ مہمان خانہ نہیں ہے، یہاں تم ایک قیدی ہو، غنیمت ہے کہ باتھ روم کیبنٹ میں ڈریسنگ کا کچھ سامان موجود ہے، اس سے زیادہ کچھ نہ مل سکے گا"

کافی کی پیالی تیار کر کے اس نے ٹرے ہی میں چھوڑ دی اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ میں نے اٹھ کر گرم گرم تلخ کافی کا پہلا گھونٹ لیا تو لطف آ گیا۔ لائیٹ کانچ والے لاکھ سفاک اور بے رحم سہی لیکن دشمنی کے معاملے میں وضعداری کے قائل معلوم ہوتے تھے کہ تشدد آمیز بازپرس کی ابتدا ہونے کے باوجود رسمی مدارات سے گریز نہیں کیا تھا اور میری دانست میں ایسے دشمنوں سے نمٹنا عام طور پر زیادہ دشوار ہوتا ہے۔ جو اپنے حریف کو کھلا پلا کر مارنے کے عادی ہوتے ہیں۔

کچھ دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور اس بار دو نئے چہرے اندر داخل ہوئے، ان دونوں کی زرد اور سوئی سوئی سپاٹ آنکھوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی نشے کے عادی رہے ہوں یا پھر وہ بلا کے اذیت پرست تھے۔

اس وقت تک میں کافی ختم کر کے دوبارہ رسائل کی ورق گردانی میں مصروف ہو چکا تھا۔ ان کو دیکھتے ہی میں نے اپنی گود میں پڑے ہوئے رسائل ایک طرف ڈال کر کرسی چھوڑ دی تاکہ انھیں تشدد کے آغاز کے لیے کوئی بہانا نہ مل سکے۔ ان میں سے ایک نے مجھے اپنی طرف بلایا اور میں محتاط انداز میں اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔ پھر ان کی ہدایت پر میں اس کمرے سے باہر آ گیا۔ وہ دونوں مجھے اسی راہداری میں واقع ایک کمرے میں لے گئے پھر کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے ان میں سے

ایک نے ایک دیوارگیر الماری کھول کر اس کے اندر لگے ہوئے کسی خفیہ میکینزم کو حرکت دی جس کے نتیجے میں ایک گوشے میں فرش کا ایک خاصا بڑا حصّہ ایک طرف سرک گیا اور نیچے تاریک خلا نظر آنے لگا۔

میں اس خلا کے قریب پہنچا تو کمرے میں ہونے والی روشنی کے انعکاس میں وہاں نیچے جاتے ہوئے دو تین زینے نظر آئے جو آگے تاریکی میں معدوم ہو گئے تھے لیکن میں نے اپنے لانے والوں کے ایما پر جوں ہی فرش سے نیچے پہلے زینے پر قدم رکھا، نیچے سے تیز روشنی کا سیلاب اُمڈ آیا۔ چند سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد میں نیچے تہ خانے میں دیکھنے کے قابل ہوا تو سیڑھیوں کے اختتام پر ایک وسیع و عریض روشن ہال نظر آیا۔ جہاں جا بجا دفتری نوعیت کا ساز و سامان رکھا ہوا تھا۔ نیچے پہنچنے کے بعد بہت سی میزوں پر کچھ فائلیں اور کاغذات بھی رکھے ہوئے نظر آئے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تہ خانہ ویران نہیں رہتا تھا بلکہ کسی نہ کسی مصرف میں لیا جاتا تھا۔

وہ دونوں میرے پیچھے نیچے اترے تھے۔ آخری سیڑھی سے فرش پر قدم رکھنے کے بعد میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو اوپر والے کمرے کے فرش میں نمودار ہونے والا خلا معدوم ہو چکا تھا۔

"آگے بڑھو!" میرے ٹھٹکتے ہی ان میں سے ایک نے غرّا کر میری پسلیوں میں سختی کے ساتھ ٹھوکا دیا تھا اور میں فوراً ہی مشینی انداز میں آگے چل پڑا کیونکہ اب میں بلاوجہ کسی تشدد آمیز تصادم میں ملوّث ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بے مقصد مار دھاڑ کے بجائے میں اپنی توانائیاں کسی ایسے موقع کے لیے محفوظ رکھنا چاہتا تھا جب ان کا استعمال بار آور ثابت ہونے کی امید ہو۔

اتنا تو مجھے معلوم تھا کہ وہ مجھے کسی اچھی جگہ نہیں لے جا رہے تھے۔ ان سے پہلے جو دو آدمی آئے تھے جن میں سے ایک سے میری مار پیٹ ہوئی تھی، انھوں نے جاتے ہوئے مجھ سے کسی ٹارچر سیل میں ملاقات کا تذکرہ کیا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ اس وقت ہماری منزل بھی شاید ایسی ہی کوئی کوٹھڑی تھی جہاں لائے جانے والوں پر تشدد کے بدترین حربے آزمائے جاتے ہوں گے۔

اوپر سے سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ تہ خانہ اس قدر وسیع و عریض ہو گا لیکن میزوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے اندازہ ہوا کہ تہ خانے میں دفتر نما اس وسیع و عریض ہال کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا۔ کئی منٹ کے بعد ہم ایک بند دروازے کو کھول کر ایک پتلی سی راہداری میں داخل ہوئے۔ اندر قدم رکھتے ہی احساس ہوا کہ ہوادار ہال کے مقابلے میں اس راہداری میں نہ صرف گھٹن تھی بلکہ روشنی بھی ناکافی تھی۔ راہداری کے اختتام پر ایک اور مقفل دروازہ تھا۔ مجھے لانے والوں میں سے ایک نے بڑھ کر چابی سے دروازے کا قفل کھولا اور آگے بڑھ کر قریبی دیوار میں لگا ہوا روشنی کا سوئچ آن کر دیا۔

کمرے میں نگاہ پڑتے ہی میں جھرجھری سی لے کر رہ گیا اور چوکھٹ سے اندر داخل ہونے کے بعد تو بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ کوٹھڑی خاصی وسیع تھی اور وہاں ہر طرز کے بہت سے ایذا رسانی کے آلات موجود تھے جن میں ایسے قد آدم آہنی شکنجے بھی تھے جن میں کھوپڑی سے قدموں تک انسان کو پوری طرح محبوس کیا جا سکتا تھا۔ فرش اور دیواروں پر جا بجا سوکھے ہوئے خون کے داغ نظر آ رہے تھے اور کمرے کی فضا میں کسی مذبح خانے سے ملتی جلتی خون کی بساند رچی ہوئی تھی۔ دیواروں سے کئی پتلے اور موٹے چرمی چابک اور نوکدار آہنی سلاخیں لٹکی ہوئی تھیں۔ میں اسی جائزے میں مصروف تھا کہ آہنی جھنکار سن کر چونک پڑا۔ پلٹ کر دیکھا تو ان دونوں میں سے ایک زرہ بکتر نما ایک آہنی ڈھانچے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا۔

وہ آہنی ڈھانچا اندر سے بالکل کھوکھلا اور بظاہر ہاتھ پیر سے محروم کسی آدمی سے مشابہ تھا۔ اس میں سر اور دھڑ کے ساتھ ٹانگیں بھی تھیں۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس شخص نے کھوکھلے آہنی ڈھانچے کا اگلا حصّہ دروازے کے پٹوں کی طرح کھول دیا۔ سر، دھڑ اور دونوں ٹانگوں کے اگلے حصّے قبضوں کے ساتھ پچھلے حصّے سے جڑے ہوئے تھے اور پچھلا حصّہ آہنی سلاخوں کے ساتھ عقبی دیوار میں مضبوطی کے ساتھ نصب تھا تاکہ ہر صورت میں اسی طرح ایستادہ رہ سکے۔

میں نے ایک بار پھر ان دونوں کو سمجھانا چاہا۔ ان کی منتیں کیں لیکن ان کی سرد اور سپاٹ آنکھوں میں اپنے لیے [illegible] کی ذرا بھی رمق پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ سدھائے ہوئے انسانی روبوٹوں کی طرح مجھے ہر قیمت پر اس آہنی شکنجے میں قید کر دینے پر تلے ہوئے تھے۔

اپنی ہر مدافعانہ کوشش میں ناکام ہونے کے بعد مجھے [illegible] آگے بڑھنا پڑا اور میں سامنے سے کھلے ہوئے اس فولادی [illegible] میں داخل ہو گیا۔ میرے دونوں ہاتھ شانوں کے متوازی سیدھے پھیلوانے کے بعد ایک نے پھرتی کے ساتھ پہلے دھڑ والے [illegible] کی سامنے کی کھڑکی بند کی اور کنڈوں کے درمیان کوئی کیل گزار [illegible] اب میرے ہاتھ اس خول سے باہر حرکت کرنے کے لیے [illegible] تھے لیکن میرے لیے اپنے جسم کو جنبش دینا ناممکن ہو کر رہ گیا

پھر میری دونوں ٹانگیں پوری طرح اس خول میں قید ہوگئیں۔کھوپڑی کے سامنے بھی خول کا نصف حصہ قبضے پر گھوم کر آگیا۔غنیمت یہ تھا کہ اس میں آنکھوں کے مقابل کھڑکی کٹی ہوئی تھی۔ ورنہ اس ہیبت ناک فولادی شکنجے میں تشدد کے بغیر بھی حالت غیر ہوسکتی تھی۔ اسی لمحے میرے داہنے گھٹنے میں سنسنی سی دوڑ گئی پھر جلد میں خارش ہونے لگی۔میرے ہاتھ آزاد تھے لیکن ٹانگیں خول میں مقید تھیں۔ غنیمت یہ تھا کہ خول میں اتنی گنجائش تھی کہ میں نے اپنے داہنے گھٹنے کو آہنی خول کے اندرونی کھردرے حصّے میں آہستہ آہستہ رگڑ رگڑ کر خارش کے احساس سے نجات حاصل کرلی۔

"اب تم زبان کھولنے تک اسی شکنجے میں قید رہو گے۔" ان میں سے ایک نے سرد اور لاپروایانہ لہجے میں کہا۔"تشدد کی دوسری قسموں کے ساتھ اس شکنجے میں دیے جانے والے برقی جھٹکے اگر تمہارا دماغ درست نہ کرسکے تو پھر اس خول میں سرخ رنگ کے گوشت خور چیونٹے چھوڑ دیے جائیں گے۔ان کے سامنے بڑے سے بڑا ڈھیٹ اور ضدی شخص بھی چند منٹ میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ہم جارہے ہیں لیکن امید کرتے ہیں کہ پوچھ گچھ کرنے والوں کی آمد سے پہلے تم فیصلہ کرسکو گے کہ شرافت سے راہِ راست پر آؤ گے یا پھر تشدد سہہ کر ہی باز آؤ گے۔"

میں کچھ نہ کہہ سکا بس اپنے وجود میں خوف کی ایک لہر سی محسوس کرکے رہ گیا اور وہ دونوں کوٹھری کا دروازہ بند کرکے واپس چلے گئے اور میں اس خوف آور ماحول میں تنہا رہ گیا۔

لائیڈز کالج میں میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا وہ میرے لیے نہ صرف خلافِ توقع بلکہ حیران کن تھا۔ ویرا لائیڈ میرے سامنے تنظیم کے ایک بااثر فرد کی صورت میں آئی تھی اور شوگر کوئین کے روپ میں بھتیروں پر راج کرتی تھی۔اس نے مجھے لاہور آنے کی ہدایت کرتے ہوئے پورے اعتماد کے ساتھ بلیو بیل کا کوڈ دیا تھا جسے سنتے ہی ڈی سوزا کو میرے ساتھ ہمدردانہ رویّہ اختیار کرنا چاہیے تھا لیکن لاہور میں قدم رکھتے ہی میرے ساتھ بدنصیبیوں کا آغاز ہوگیا۔سب سے پہلی خرابی تو یہ ہوئی کہ میں اپنی مرضی سے چل کر ایک آزاد شخص کی حیثیت سے لائیڈز کالج کے دروازے پر دستک دینے کے بجائے کاکا پہلوان کے چھوڑے ہوئے ایک ڈرائیور کا نشانہ بن گیا اور پھر ایک بے بس قیدی کے روپ میں لائیڈز کالج پہنچا دیا گیا جہاں ڈی سوزا موجود نہیں تھا اور اس کے جانشین نے بلیو بیل کا کوڈ تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا۔ مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں ویرا لائیڈ کی بازی الٹ ہی نہ گئی ہو۔ اپنے بیان کے مطابق وہ تنظیم کے مقتدرِ اعلیٰ اور لائیڈز کالج کے نادیدہ مالک جمی لائیڈ کی اکلوتی ناجائز اولاد تھی۔ جمی لائیڈ خود اس کے وجود سے لاعلم تھا اور نہ ویرا نے کبھی اپنے باپ کو دیکھا یا اس کے بارے میں سنا تھا پھر اٹلی میں رونما ہونے والے چند بدترین جرائم کے بارے میں جمی لائیڈ کا نام پہلی بار اخبارات میں آیا اور دب گیا لیکن ویرا اپنی ماں سے سن چکی تھی کہ اس کی ولادت جمی لائیڈ نامی شخص کی مرہونِ منت تھی اور اسی وجہ سے اس کی ماں نے ویرا کے نام کے ساتھ ولدیت کے اظہار میں لائیڈ کا نام لگایا تھا۔ ویرا لائیڈ نے اپنے باپ تک رسائی کی کوششیں شروع کردیں اور اس پر انکشاف ہوا کہ اس کا باپ مجرموں کی ایک بہت بڑی تنظیم کا سربراہ ہے اور اس تک رسائی ناممکنات میں سے ہے۔ ان کوششوں میں ناکام ہوکر اس نے اپنے اصل نام کے ساتھ تنظیم میں شمولیت کی کوشش شروع کردی اور کامیاب ہوگئی۔ اس مرحلے پر شاید اس کی کہانی اس کے باپ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی کیونکہ وہ تنظیم کے ہر رکن کے بارے میں ذاتی طور پر معلومات جمع کرنے کا عادی تھا۔ ویرا کی کہانی سے واقف ہوکر بھی اس سنگدل نے اپنی بیٹی سے ملنا گوارا نہ کیا بلکہ تنظیم کے ذمّے دار اراکین کے ذریعے اسے پیشکش کی کہ وہ جرائم کی گھناؤنی اور پُرخطر زندگی سے کنارہ کش رہے تو تنظیم کی جانب سے اس کی تمام تر مالی ضروریات پوری کی جاتی رہیں گی لیکن ویرا نے اس پیشکش کو حقارت سے ٹھکرا دیا پھر تنظیم میں ویرا کی کارکردگیوں پر گہری نظر رکھی جانے لگی اور وہ ہر مرحلے پر خود کو پیشہ ور مجرمہ ثابت کرتی رہی اور آخر کار اسے اہم ذمّے داریاں سونپی جانے لگیں۔ شاید اس کے باپ نے وراثت کے خیال سے تنظیم میں اس کی تربیت کا فیصلہ کرلیا تھا اور اب وہ ایک ایسے منصب پر فائز تھی جو تنظیم کے صرف چند ہی بڑوں کو نصیب تھا۔ اس منصب کے اعتبار سے وہ ان چند لوگوں میں شامل ہوچکی تھی جو آزادانہ فیصلے کرنے پر قادر تھے اور یوں وہ نگر نگر گھومتی پاکستان آپہنچی تھی جہاں لاہور میں پہلی بار ایک ایسی عمارت اس کی نگاہوں میں آئی جو براہِ راست اس کے باپ کے نام سے منسوب تھی جب کہ بیرونی دنیا میں کہیں لائیڈز خاندان کا نام منظرِ عام پر نہیں سنا گیا تھا۔

اسے اپنے باپ تک رسائی کی امید ہوچلی تھی کہ اچانک ہی ایک فرمان اس تک پہنچا دیا گیا۔ لائیڈز کالج اس کے لیے شجرِ ممنوعہ قرار دے دیا گیا۔ وہاں رہنے والے اس کے نام سے لرزتے تھے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے تھے لیکن اسے کالج کے گرد و نواح میں بھی پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی پھر اس نے کسی طرح یہ معلوم کرلیا کہ لائیڈز کالج کے کسی مخصوص کمرے میں اس کے نادیدہ باپ کی ایک تصویر موجود ہے اور اس نے مجھ پر ہاتھ

ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ غزالہ کو اپنا قیدی بنا کر وہ مجھے مجبور کر چکی تھی کہ میں لائیڈز کا چیلنج کر۔۔۔۔۔ صفائی کے نگران کی جگہ حاصل کروں پھر اس تصویر تک رسائی حاصل کر کے جمی لائیڈ کے تصویری خدوخال ذہن نشین کروں تاکہ بعد میں ویرا کے ساتھ جمی لائیڈ کی تلاش اور شناخت کی مہم پر عالمی سفر پر نکل سکوں۔

ڈی سوزا کی یک بیک روپوشی اور اس کے جانشین کے جارحانہ رویے سے مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ کہیں جمی لائیڈ کے نمک خواروں کو ویرا کے عزائم کی بھنک نہ مل گئی ہو اور انھوں نے ڈی سوزا کو غائب کر کے ویرا کا منصوبہ خاک میں ملانے کا فیصلہ نہ کر لیا ہو۔ اگر ایسا ہی ہوا تھا تو میرے لیے زندگی کے امکانات بہت محدود ہو کر رہ گئے تھے۔

میں ان ہی بھیانک خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک کوٹھری کا دروازہ کھلا اور مجھے ڈی سوزا کی جانشینی کا دعویدار کھلے ہوئے دروازے میں سے اندر داخل ہوتا نظر آیا۔ اس بار وہ اکیلا ہی آیا تھا اندر داخل ہو کر اس نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا اور میرے مقابل آ کر ناقدانہ نظروں سے میرا جائزہ لینے لگا۔

"تم اپنا وقت برباد کر رہے ہو" میں نے تلخ لہجے میں کہا "میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ۔۔۔"

"شش۔۔۔" اس نے بزرگانہ انداز میں مجھے شتکارا "ہمارے وقت کی پروا نہ کرو، ہمیں تو تنخواہ ہی وقت کی بربادی کی ملتی ہے۔ معلومات حاصل نہ ہونے کی صورت میں تمھیں ہلاک کر دینا ہوگا' گولی سے مارنے میں مزہ نہیں آتا۔ فائر ہوا اور قصہ ختم۔ اب ہاتھ لگ ہی گئے ہو تو ذرا سی چھیڑ چھاڑ بھی سہی۔۔۔ تشدد سہتے ہوئے مرنے میں ذرا وقت بھی لوگے پھر ہو سکتا ہے کہ کوئی بھولی بسری بات یاد آجائے جو ہمارے لیے کارآمد ثابت ہو سکے۔"

"یہ صریحاً درندگی ہے۔۔۔"

"بالکل درندگی ہے" اس نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے خبیثانہ لہجے میں کہا "میں اس درندگی کی ابتدا چالیس وولٹ سے کروں گا" یہ کہتے ہوئے وہ ایک الیکٹریکل کنٹرول پینل کے قریب جا کھڑا ہوا "ہر جھٹکے کے بعد تمھیں تین منٹ کا وقفہ دیا جائے گا تاکہ اپنے ذہن کو اچھی طرح کھنگال سکو اس مدت میں ایک سیکنڈ کی بھی کمی بیشی نہ ہوگی کیونکہ سرکٹ کے ساتھ ایک خودکار ٹائمر بھی منسلک ہے جو تین منٹ پورے ہوتے ہی بیس وولٹ کے اضافے کے ساتھ اگلا جھٹکا دے گا۔ میں تو بس آلات کو سیٹ کر کے دور کھڑا تماشا دیکھتا رہوں گا۔ بول پڑے تو سلسلہ موقوف کر دوں گا۔ ورنہ جھٹکے کھاتے کھاتے کسی بھی لمحے خاموشی سے مر جاؤ گے۔ یہ بھی بتا دوں کہ جس طرح پانی میں سے برقی رو گزارنے سے وہ اپنے اجزا میں منقسم ہو جاتا اسی طرح انسانی جسم میں سے کرنٹ گزرنے کی وجہ سے خون پھٹنے لگتا ہے۔ ہر جھٹکے کے ساتھ تمھارے جسم میں خون کی اور اسی کے ساتھ قوتِ مزاحمت کم ہوتی چلی جائے گی۔"

"لیکن میں کچھ نہیں جانتا۔ اس لڑکی کے بارے میں کچھ جانتا" میں نے اپنے چہرے پر پسینے کی بوندیں محسوس کرتے ہوئے بے بسی کے ساتھ کہا "یہ تشدد بربریت ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے کنٹرول پینل سے نظریں ہٹائے بغیر کہا "میں تو اس مشین ہی کے خلاف تھا لیکن اب یہ بن ہی گئی ہے تو وقتاً فوقتاً اس کی آزمائش بھی ضروری آزمائش میں ہم اپنے کسی آدمی کو نشانہ نہیں بنا سکتے تم آ گئے ہو تو ذرا مشین ہی آزما لی جائے" اس کا لہجہ بے رحمانہ اور استہزائیہ تھا۔ میں نے اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا میں نے سمجھ لیا تھا کہ اب کوئی معجزہ ہی مجھے اس ہولناک بے بسی کی موت سے بچا سکے گا۔

پھر وہ پینل سے دور ہٹ گیا۔ کمرے کی فضا میں سناٹا رچا ہوا تھا کہ اچانک میرے حلق سے غیر ارادی طور پر درپے کئی دردناک چیخیں آزاد ہو گئیں۔ شدید برقی جھٹکوں نے میرے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ چند ثانیوں بعد برقی رو کا سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن میرے وجود میں سرایت کر جانے والی لرزش مفقود نہ ہو سکی۔

"گڈ" وہ تحسین آمیز انداز میں کہہ رہا تھا "مشین کام کر رہی ہے۔۔۔ اب دیکھنا یہ کہ تیسرے منٹ کام کرتی ہے بھول جاتی ہے۔ بیس بیس وولٹ کے اضافے اور تین تین منٹ وقفے سے یہ سلسلہ بتیس منٹ جاری رہے گا۔ اگر واپڈا والوں کا درست ہوا تو آخری وولٹیج دو سو بیس ہوگا اور اس وقت تمھاری۔۔۔"

وہ اچانک ہی خاموش ہو گیا اور دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا، جو قدرے آواز کے ساتھ کھل رہا تھا۔ اس فولادی دروازے میں میرا رخ بھی دروازے کی طرف تھا۔ لہٰذا میں نے دیکھا اس بار وہی مخنی، دراز قامت شخص اندر داخل ہو رہا تھا جو اس عمارت میں پہلی بار میرا سامنا ہوا تھا۔

اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر وہی مکارانہ مسکراہٹ ہوئی تھی اور چمکتی ہوئی نگاہیں میری طرف مرکوز تھیں۔ "خوب تو یہاں کھیل شروع ہو چکا ہے" اس کی چبھتی ہوئی استہزائیہ گونجی پھر وہ ڈی سوزا کے جانشین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "بس

"مشین بند کردو، اس کے ساتھ زیادتی ہوگئی ہے۔"

"کیوں؟" پہلے سے موجود شخص نے پینل کا ایک سوئچ آف کرتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔

"ڈی سوزا کا فون آیا ہے۔" اس وقت اس کی چبھتی ہوئی آواز میں مجھے ملاکی شیرینی گھلتی ہوئی محسوس ہوئی "جاتے ہوئے عجلت میں بتانا بھول گیا تھا۔ ورنہ اسے بلیو بیل کے کوڈ والے کا انتظار تھا، کھول دو اسے۔"

"غنیمت ہے کہ اسے یاد آگیا ورنہ یہاں تو میرے کریا کرم کا بندوبست ہو چکا تھا۔" میں نے کہا۔

"لیکن ایک شرط ہے میرے دوست!" دراز قامت نے میرے مقابل آکر ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

"اس منحوس شکنجے سے آزادی کے لیے مجھے ہر شرط منظور ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"ساری غلطی ڈی سوزا کی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "لیکن تم اب تک ہونے والی ہر زیادتی کو بھول جاؤ گے۔ باہر کسی سے ذکر کیا تو تم ہماری دشمنی مول لے بیٹھو گے۔"

"تم فکر نہ کرو، میں غلط فہمیوں کو بھلا دینے کا عادی ہوں۔"

"ڈی سوزا سے بھی ذکر نہ کرنا۔" اس کے جانشین نے کہا۔

"یہ یاد رکھنا کہ لائیڈز کالج سے ملحقہ باغات میں کیوڑے اور گلاب وغیرہ کے بے شمار درخت اور پودے ہیں جن میں متعدد سانپوں کا بسیرا ہے ان ہی میں کبھی کبھار زہریلے اور موذی سانپ بھی نکل آتے ہیں جو کسی کو بھی ڈس سکتے ہیں۔" آخری فقرے ادا کرتے ہوئے اس کا لہجہ پُرمعنی ہو گیا۔

"میں سمجھ رہا ہوں۔" میں نے مفاہمانہ لہجے میں کہا "تم سے مخاصمت مول لینے والا ایسے کسی سانپ کا نشانہ بن سکتا ہے لیکن میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ مرنے کے بعد ایک خوف آور لاش کی صورت تک دریافت کیا جاؤں۔"

"خاصے ذہین نظر آتے ہو۔" دراز قامت، منحنی شخص کی وہی چبھتی ہوئی آواز سنائی دی۔ اس اثنا میں ڈی سوزا کا جانشین اس آہنی خول کے اگلے پٹ کھولنے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا تھا تاکہ مجھے اس قید سے نجات دلا سکے۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آسکی۔" دراز قامت میرے سامنے آکر اپنی چمکتی ہوئی متجسس نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے بولا۔ پھر قدرے توقف کے بعد بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "تم تو بری طرح عتاب میں آئے ہوئے تھے پھر ایسا کون سا انقلاب آگیا کہ پل بھر میں تم ایک بار پھر منظورِ نظر ہو گئے ہو۔ ایسے واقعات خال خال ہی نظر آتے ہیں جنھیں آسانی کے ساتھ انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔"

"سزا اور جزا کے فیصلے صادر کرنے والے ہماری اور تمھاری طرح تنگ نظر نہیں ہوتے۔ وہ دور تک کے مفادات پر نگاہ رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میری کوئی افادیت ان کے پیش نظر رہی ہو۔" میں نے بے خوفی کے ساتھ کہا۔ گو ویرا لائیڈ نے مجھے کھلی چھٹی دے دی تھی کہ میں جہاں ضرورت سمجھوں، اس کی طرف سے ملنے والی معافی کا ذکر کر سکتا ہوں لیکن میری دانست میں اس بات کی غیر ضروری تشہیر میرے حق میں مضر ثابت ہو سکتی تھی۔ ان دونوں کی کھلی کھلی باتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کے باہمی تعلقات بہت گہرے تھے اور انھوں نے لائیڈز کالج کی منظم فضا میں بھی اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے ایک سازشی ماحول بنا رکھا تھا۔ ایسی صورت میں شاید وہ ہرگز یہ گوارا نہ کرتے کہ ان کے درمیان ان کے بڑوں کا کوئی منہ چڑھا اپنے پیر جما سکے۔ ہاں یہی بات اگر ان کو ڈی سوزا سے معلوم ہوتی تو اس کا ردعمل خاصا مختلف ہوتا۔ کیونکہ ویرا مجھے آگاہ کر چکی تھی کہ تنظیمی خانہ پری کے مقاصد کے لیے بظاہر مجھے سزا کے طور پر لائیڈز کالج بھیجا گیا تھا تاکہ وہاں کڑی نگرانی میں میری وفاداری اور عمومی رویے کی پڑتال کی جا سکے۔

"مقدر کے دھنی ہو کہ عین وقت پر نجات کا پیغام آگیا ورنہ اس سیل میں آنے والے عموماً تابوت ہی میں واپس لے جائے جاتے ہیں۔" ڈی سوزا کے جانشین نے کہا۔ "ویسے یہاں کس لیے بھیجے گئے ہو؟" اس نے آخری پٹ کھولتے ہوئے کہا اور میں ایک گہرا سانس لے کر اس فولادی خول سے باہر آگیا۔

"مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ مجھے ڈی سوزا کو رپورٹ کرنا تھی۔ ذمے داریوں کا تعین شاید وہ خود ہی کرے گا ورنہ تم لوگوں کے حوالے کر دے گا۔"

ان دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا اور میں ان کے ہمراہ عقوبت کدے سے باہر آگیا۔

"اب تک کا وقت تم نے کہاں گزارا ہے؟" تہ خانے کے وسیع و عریض ہال میں میرے پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے دراز قامت شخص نے سوال کیا۔

"جہاں تم بتاؤ گے۔" میں نے اس کے لہجے سے اس کا مدعا بھانپتے ہوئے کہا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ لوگ عجلت اور بے خبری میں کچھ ایسی حرکتوں کا ارتکاب کر بیٹھے تھے کہ خود تشویش کا شکار ہو گئے تھے۔

ان دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے

کی طرف دیکھا پھر منحنی شخص نے کہا "اس تہ خانے کا ذکر تمہاری زبان پر نہ آنا چاہیے۔ تم نے اپنا سارا وقت اسی کمرے میں گزارا ہے جہاں تم نے لڑکی کے ساتھ شراب نوشی کی تھی۔"

"لیکن تمہارے آدمی واقف ہیں۔۔۔" میں نے کہنا چاہا مگر اس لمبے آدمی نے میری بات کاٹ دی۔

"اپنے آدمیوں کو سنبھالنا میرا کام ہے۔۔۔ تم وہی کرو گے جو کہا جا رہا ہے۔" اس وقت لمبا آدمی یک بیک بالادست نظر آنے لگا تھا۔ ڈی سوزا کا جانشین اس کے سامنے دبا ہوا لگ رہا تھا۔

"آخر تم مجھے جھوٹ بولنے پر کیوں مجبور کر رہے ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجہ اختیار کرتے ہوئے انھیں ٹٹولنے کی نیت سے کہا۔ "غلط فہمی کی بنا پر جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ میں کہہ دوں گا کہ میں نے خلوصِ دل سے تمھیں معاف کر دیا ہے۔"

"ابے کیوں لٹیا ڈبوئے گا ہماری۔" وہ دانت پیستے ہوئے غرایا۔ "ہمیں تیری فراخدلی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں ہر کام لگے بندھے اصولوں کے تحت ہوتا ہے۔ جو کہا جا رہا ہے، اس پر عمل نہ کیا تو بہت برا ہو گا۔"

میں ان کی کمزوری بھانپ کر چلتے چلتے رک گیا۔ "اس سے تو بہتر ہو گا کہ واپس ٹارچر سیل میں چل کر مجھے اسی فولادی خول میں قید کر دو۔ اب مزید عذاب سہنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"ابے دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تیرا؟" لمبا اشتعال کے عالم میں آنکھیں نکال کر غرایا۔

"نہ تم تنظیم میں نئے ہو اور نہ میں اناڑی۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ اوپر والے ابھی تک میری طرف سے مطمئن نہیں ہیں اور لاہور کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی میرے امتحان شروع ہو گئے ہیں۔ مجھے جھوٹ بولنے پر اکسا کر تم مجھے کسی نئے جال میں پھانسنا چاہتے ہو تاکہ ذمے داروں کو میری بدنیتی کا یقین دلا سکو۔"

"یہ سب تمھارے دماغ کا فتور ہے۔" ڈی سوزا کے جانشین نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "ہم یہ سب تمھارے امتحان کے لیے نہیں بلکہ اپنی چمڑی بچانے کے لیے کر رہے ہیں۔ یقین کرو کہ ہمارے مشورے پر عمل کر کے تمھارا بال بھی بیکا نہ ہو گا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں بے اعتبارانہ لہجے میں بولا۔ "بال سلامت رہیں گے اور کھوپڑی بالوں سمیت اتار لی جائے گی۔ تمھارے یہ حربے مجھے ہرگز نہ بھٹکا سکیں گے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری کھوپڑی میں نرا بھس بھرا ہوا ہے۔" وہ زچ آ کر بولا۔ "یقین نہیں آتا کہ کچھ عرصے پہلے تم نے اسی بل بوتے پر سر اٹھایا ہوا تھا۔۔ تمھیں گمراہ کر کے ہمیں کیا انعام مل جائے گا؟ تم ہماری مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟"

"مجبوری! اور تمھاری؟" میں استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"تم کیوں میرا مضحکہ اڑانے پر تل گئے ہو؟"

اس بار وہ دونوں ہی تقریباً ناچ اٹھے۔ دراز قامت تمتماتا، دانت پیستا ہوا میری طرف لپکا تھا لیکن ڈی سوزا کا جانشین ہم دونوں کے درمیان حائل ہو گیا اور غصے سے ہانپتے ہوئے بولا۔ "ذرا سی دیر توقف کرو۔ اسی سے پوچھ لیتے ہیں کہ اسے کس طرح ہماری بات پر یقین آ سکے گا؟"

"میں مان ہی نہیں سکتا کہ مجھ جیسے نووارد کے سامنے تمھاری بھی کوئی مجبوری ہو سکتی ہے۔" میں دل ہی دل میں ان دونوں کی بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں بولا۔

"تو سنو۔" وہ غصے اور بے بسی کے عالم میں مجھے گھورتے ہوئے غرایا۔ "مجبوری یہ ہے کہ یہ تہ خانہ اور ٹارچر سیل لالیٹا گروپ کے انتہائی خفیہ حصے ہیں جن کے وجود سے گنتی کے چند لوگ واقف ہیں۔ سیل سے آج تک کوئی قیدی دوبارہ کھلا آسمان نہ دیکھ سکا۔ تم پہلے شخص ہو جو واپس جا رہے ہو۔ تمھیں اپنے سامنے بے دست و پا دیکھ کر ہم کچھ زیادہ ہی جوش میں آ گئے تھے۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تمھیں معافی مل سکتی ہے۔ ارادہ یہ تھا کہ سیل میں تم سے تھوڑی سی بے رحمانہ بازپرس کے بعد اوپر والوں کو تمھاری قید کی اطلاع دیتے اور تم براہِ راست ان کی تحویل میں چلے جاتے۔"

"اوہ! اب سمجھا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اب تم ایک غیر متعلقہ آدمی کو تہ خانے کے راز میں شریک کرنے کا جرم کر بیٹھے ہو اور مجھے ساتھ ملا کر اس کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہو۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تم کچھ تو سمجھے۔" وہ اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے بے بسی کے عالم میں بولا۔

"اگر پہلے ہی وضاحت کر دیتے تو اتنی بحث نہ کرنا پڑتی۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "میں تو خود پریشان ہو گیا تھا کہ تم لوگ میرے ساتھ کون سا کھیل کھیل رہے ہو۔ اب اس بارے میں میری زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکے گا۔"

پھر ہم تینوں زینوں کی طرف ہو لیے۔ دراز قامت رہ رہ کر مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ اسے یہ احساس ستا رہا تھا کہ بھرپور بالادستی کے باوجود اسے

کے ساتھی کو نہایت بے بسی کے ساتھ اپنی غفلت کا کھلا کھلا
اعتراف کرنا پڑ گیا تھا اور میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ان دونوں
کی اس کوتاہی کا انکشاف ان کی تباہی پر منتج ہو سکتا تھا لیکن انھیں
کسی دشواری سے دوچار کرنا میرے حق میں کسی بھی طرح سود مند نہیں
تھا۔ بصورتِ دیگر وہ کسی آڑے وقت میں میرے کام بھی آسکتے تھے۔

**

ڈی سوزا رات گئے لائیڈز کالج میں واپس لوٹا تھا اور
آتے ہی اس نے میری طلبی کا حکم صادر کیا تھا۔ منحنی، دراز قامت
اس کا حکم لے کر آیا تو خاصا سراسیمہ دکھائی دے رہا تھا لیکن اس
سے قبل کہ میں زبان کھولتا اس نے کمرے میں قدم رکھتے ہی
اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا اور
میں بس زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا۔ شاید اس وقت بھی کمرے میں
پوشیدہ مائیکرو فون کے ذریعے کمرے میں ابھرنے والی ہر آواز
کہیں سنی جا رہی تھی اور وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں میں بے تکلفی میں
کوئی غیر ذمے دارانہ موضوع نہ نکال بیٹھوں۔

”تمھیں میرے ساتھ چلنا ہے۔“ میرے ردِّعمل سے
مطمئن ہونے کے بعد اس نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

”چلو، میں بھی پڑے پڑے اکتا گیا ہوں۔ کہاں جانا ہے؟“
میں نے کسلمندانہ لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”ابھی پتا چل جائے گا۔“ اس کا لہجہ بالکل خشک تھا۔

کمرے سے باہر نکلتے ہی وہ میرے قریب ہو کر سرگوشیانہ
لہجے میں بولا تھا۔ ”اپنا وعدہ یاد رکھنا، بھول گئے تو بڑی دشواریوں
میں پڑ جاؤ گے۔ اس وقت تم ڈی سوزا کے پاس لے جائے جا
رہے ہو۔“

”تم فکر نہ کرو لیکن کم از کم اپنا نام تو بتا دو، شاید کبھی ضرورت
پیش آ ہی جائے۔“ میں نے بھی دھیمے لہجے میں کہا۔

”مجھے رحمانی کہتے ہیں لیکن غیر ضروری طور پر مجھ سے قریب
ہونے کی کوشش نہ کرنا، یہ لائیڈز کالج ہے یہاں کسی بھی غلطی پر
معافی کا رواج نہیں ہے۔“ اس نے تیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا اور
مجھ سے دور ہو گیا۔

چند منٹ بعد مجھے ڈی سوزا کے روبرو پیش کر دیا گیا۔
وہ خوش رو اور بظاہر شائستہ آدمی تھا۔ عمر پینتیس برس کے لگ بھگ
رہی ہو گی، بناوٹ کے اعتبار سے اس کا جسم بہت مضبوط اور
گٹھا ہوا نظر آتا تھا۔ اس کی چمک دار آنکھیں میرے سراپا کا جائزہ
لینے میں مصروف رہیں اور لبوں سے دھیمی سی خلیقانہ آواز برآمد
ہوئی۔ ”کہاں سے آئے ہو؟“

تنظیم میں مجھے وہ پہلا آدمی ملا تھا جو اس قدر نرم رو
اور نرم گفتار تھا۔ وہ کسی بھی زاویے سے مجرم نہیں معلوم ہوتا تھا۔
انداز میں ایسا رکھ رکھاؤ پایا جاتا تھا جیسے کسی اعلیٰ سرکاری ادارے
کا سربراہ ہو۔

”بلیو بیل!“ شاید وہ میری اصلیت سے واقف ہو چکا
تھا لیکن پھر بھی میں نے روایتی انداز میں کوڈ ہی سے پہل کرنا
مناسب سمجھا۔ ”یہیں آنا چاہ رہا تھا لیکن ایر پورٹ پر اترتے ہی
دھر لیا گیا اور خود چل کر آنے کے بجائے یہیں پہنچا دیا گیا۔“

”بیٹھو۔“ اس نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا پھر لمبے
آدمی سے مخاطب ہو گیا۔ ”تم جا سکتے ہو رحمانی!“ دراز قامت مشینی
انداز میں پلٹا اور نکاسی کی راہ سے نکلتا چلا گیا۔

”یہ کیا ہوا؟“ اس نے میری پیشانی کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے جذبات سے عاری، سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

”جن لوگوں نے ایر پورٹ پر گھیرا تھا، ان ہی سے تصادم
میں چوٹ آ گئی۔“ میں نے بھی لاپروایانہ لہجے میں جواب دیا۔
”ذرا بھی اندازا ہوتا کہ وہ بھی مجھے یہیں لانا چاہتے ہیں تو سرے
سے مزاحمت ہی نہ کرتا۔“

”یہاں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی؟“ خلافِ توقع اس کا
رویّہ بہت نرم اور شریفانہ تھا۔

”اسی حد تک کہ میرا کوڈ قبول نہیں کیا گیا۔ لوگوں کے تیور
غیر دوستانہ تھے اور میں غالباً ایک کمرے میں قید کر دیا گیا تھا۔“
اسے سامنے پا کر میرا دل شیر ہو گیا تھا۔ ورنہ اس دیسی عیسائی سے
ملاقات ہونے سے پہلے تک میرے ذہن میں اس کی خاصی
ناخوشگوار تصویر تشکیل پا چکی تھی جسے رحمانی اور اس کے ساتھی
کے خوفزدہ رویّے سے تقویت مل تھی۔

”اس عمارت کے اپنے ضابطے ہیں۔ تم اس کے اطراف
میں بہت کچھ کرتے رہے لیکن اندر پہلی بار داخل ہوئے ہو۔“ اس
نے اسی دھیمے لہجے میں ماضی کے تلخ واقعات کا ذکر چھیڑا تو میرا دل
اچھل کر یکبارگی حلق میں آ گیا۔

”ضابطوں کی پابندی کرتے رہو گے تو زندگی کو بہت سہل اور
خوشگوار پاؤ گے۔“ وہ کہہ رہا تھا۔ ”سرکشی کرنے والوں کے ساتھ
میں بڑی بے رحمی سے پیش آتا ہوں۔ تمھارا ماضی داغدار ہے اس
لیے تمھیں بہت محتاط رہنا ہو گا۔“

”وہ... وہ میری بھول تھی۔“ میں نے ہکلاتے ہوئے صفائی
پیش کرنے کی کوشش کی۔ ”مجھے دانستہ اس طرف متوجہ کرایا گیا تھا اور
میں اس جال میں الجھ گیا ورنہ میں آج بھی...“

”بس۔“ اس نے ہاتھ اٹھا کر خشک لہجے میں میری بات
کاٹ دی۔ ”صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ جو ہونا تھا وہ

ہوگیا۔ اوپر والوں نے تمھیں معاف کر دیا ہے تو مجھے جواب طلبی کا کوئی اختیار نہیں۔ بنیادی سبق شاید تمھیں بھی یاد ہوں گے حکم ملے تو دشمن کو دوست بنانا پڑجاتا ہے اور اشارہ ہوجائے تو اپنوں کے لہو سے مٹی سیراب کرنا پڑتی ہے۔ یہی ڈسپلن تنظیم کو چلا رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں ہر خلش کو اپنے ذہن سے جھٹک دو گے۔"

"یہاں میں کس کو جواب دہ ہوں گا؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے سوال کیا۔ میرا مدِّمقابل اپنے نپے تلے رویّے کی بنا پر مجھے بے حد سفاک اور بھیانک نظر آرہا تھا۔

"اگر میں بھول نہیں رہا تو کراچی میں تم بی فور تھے۔ پوری مقامی ٹیم کے سربراہ۔ تمھاری سربراہی یہاں بھی قائم رہے گی لیکن اب تم لائیڈز کالج کی عمارات کی صفائی کرنے والے عملے کے نگراں ہو گے۔ ان کی دیکھ بھال کرنے والی پچھلے دنوں اپنے تیسرے بچّے کی ولادت کے دوران میں چل بسی تھی۔ وہ جگہ تم پُر کرو گے۔"

اس نے کوئی انکشاف نہیں کیا تھا۔ ویرا کراچی ہی میں مجھے اپنے کام کی نوعیت سے آگاہ کر چکی تھی لیکن ڈی سوزا نے دھیمے اور سپاٹ لہجے میں جس طرح مجھے سربراہی کے حوالے سے ایک حمل زدہ عورت کی جگہ لینے کی اطلاع دی تھی، اس پر میں دل ہی دل میں جل بھن کر رہ گیا۔ وہ چاہتا تو میری پیش رو کی ہلاکت کا دردناک سبب بتائے بغیر بھی مجھے اپنی نئی ذمے داریوں سے آگاہ کر سکتا تھا لیکن اس طرح شاید ڈی سوزا نے مجھے اپنی بے بسی کا احساس دلانے کی دانستہ کوشش کی تھی۔

"میں پوچھ رہا تھا کہ میں براہِ راست کس کو جواب دہ ہوں گا؟" میں نے بظاہر اس کی بات کو اہمیت دیے بغیر اپنا سوال دُہرایا۔

"تمھارا رابطہ رحمانی کے ساتھ رہے گا۔ اس احاطے میں ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر چار عمارتیں موجود ہیں۔ چاہو تو صبح رحمانی کے ساتھ عمارتوں کا جائزہ لے سکتے ہو۔ ساری صفائی مشینوں سے کی جاتی ہے۔ اسی کے ساتھ تمھیں ایک کام اور بھی سرانجام دینا ہوگا جس کے بارے میں تم کسی اور سے بات کیے بغیر براہِ راست مجھے رپورٹ دو گے۔"

"میں منتظر ہوں۔" طویل ہوتے ہوئے سکوت کے دوران میں نے تجسّس کے زیرِ اثر اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"پچھلے چند ماہ سے لائیڈز کالج کے بعض مکین پُراسرار طور پر زہریلے سانپوں کا شکار ہونے لگے ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آواز بہت دور کسی گہرے کنویں سے آرہی ہو۔

"شاید میں انھیں اتفاقی اموات ہی سمجھتا رہتا لیکن آخری دو لاشوں کے اوپری دھڑ پر سانپوں کے کاٹنے کے نشان پائے گئے۔ ایک کو گردن پر اور دوسرے کو سینے پر ڈسا گیا تھا جبکہ ان میں سے کوئی بھی اتنا غیر محتاط نہیں تھا کہ باہر لان پر دراز ہونے کی جسارت کرتا۔ مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ کوئی کالی بھیڑ کالج میں موجود ہے جو موقع پاکر اپنے شکار پر زہریلا سانپ اچھال دیتی ہے۔"

بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ کیسا عجیب اتفاق تھا کہ کچھ دیر قبل ہی میں جس ہلاکت خیز راز سے واقف ہوا تھا، وہ ڈی سوزا کے لیے تشویش کا باعث بنا ہوا تھا۔ بار بار دل چاہا کہ بلا تامّل اسے رحمانی اور اس کے شریک کار کی حرکتوں سے باخبر کر دوں لیکن میں نے سختی کے ساتھ اس خواہش کو دل ہی دل میں کچل دیا۔ میرے لیے وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے اور یہ خوشی کی بات تھی کہ وہ درندے خود ہی ایک دوسرے کی قبریں کھودنے پر تُل گئے تھے۔ رحمانی کی رازداری برقرار رکھتے ہوئے میں اسے اپنے حق میں زیادہ سود مند بنا سکتا تھا۔

"میں پوری کوشش کروں گا کہ اس کالی بھیڑ کا سراغ لگاؤں۔" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"یہ گفتگو صرف تمھاری ذات تک محدود رہے گی۔" ڈی سوزا کا لہجہ بالکل سپاٹ ہوگیا۔ "اس سے سرِ مو بھی انحراف نہ ہونا چاہیے۔"

"میں شکایت کا کوئی موقع نہ دوں گا۔" میں نے سر جھکا کر آہستگی کے ساتھ کہا۔

اس نے اپنی جیب سے ایک ڈھلا ہوا نقرئی ٹکڑا نکال کر میری طرف بڑھا دیا جو کسی گول سکّے سے مشابہ تھا۔ اس پر دونوں طرف اکلوتی ادھ کھلی آنکھ ڈھلی ہوئی تھی۔ اس گول سکّے میں ایک سوراخ کے ذریعے چند انچ لمبی زنجیر منسلک تھی جس کے سرے پر ہُک لگا ہوا تھا۔

"یہ شناخت ہے کہ تم ہم میں سے ہو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے یہ تمغہ تمھارے ساتھ ہونا چاہیے۔ لائیڈز کالج کے محافظ تم سے کہیں بھی اور کسی بھی وقت شناخت طلب کر سکتے ہیں۔ اس پروانۂ راہداری کے بغیر تم مداخلت کار تصور کیے جاؤ گے اور کوئی بھی محافظ اپنی صوابدید کے مطابق تمھیں گولی مارنے میں حق بجانب ہوگا۔ کبھی لائیڈز کالج سے باہر جانے کی اجازت ملی تو یہ تمغہ سیکیورٹی چیف کے پاس جمع کرانا ہوگا۔ رسید کے طور پر ایک روپے کے نوٹ کا نصف حصہ

پھاڑ کر دے گا اور دوسرا خود رکھ لے گا۔ واپسی پر دونوں ٹکڑے ملا کر تمغہ تمھارے حوالے کر دیا جائے گا۔"

"تم سے رابطے کی کیا صورت ہو گی؟"

"لائیڈز کالج میں چپے چپے پر انٹرکام نصب ہیں تم کسی بھی انسٹرومنٹ پر تین صفر ڈائل کر کے براہِ راست مجھ سے بات کر سکو گے۔ انٹرکام کے پورے نظام کو میں بذاتِ خود مانیٹر کرتا ہوں لہٰذا تم بے خوف ہو کر مجھ سے بات کر سکتے ہو۔"

"یہاں میرے لیے کوئی علاقہ ممنوعہ تو نہ ہو گا؟"

پہلی بار اس کی نگاہوں میں برہمی کے آثار نظر آئے اور وہ درشت نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "یہ خیال کیوں آیا تم کو؟ یہاں ممنوعہ علاقہ کیوں ہونے لگا؟"

"تم بھول رہے ہو کہ میں بھی اپنے یونٹ کا سربراہ رہا ہوں۔ میرے ہیڈکوارٹر میں کسی کو اس کمرے کی طرف پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی جہاں مواصلاتی آلات نصب تھے۔"

"اسے بھول جاؤ۔" وہ مسکرایا تو اس کے سفید دانتوں کی چمکتی ہوئی قطاریں بھیانک لگ رہی تھیں۔ "یہاں کوئی غیرقانونی کام نہیں ہوتا۔ بس یہ ایک نجی جاگیر ہے اور یہاں سختی کے ساتھ ایک ڈسپلن نافذ ہے۔ ضرورت کے تحت تم ہر جگہ جا سکتے ہو، بلاضرورت کھلے آسمان کے نیچے بھی نکلے تو باز پرس ہو سکتی ہے۔"

میں اندر ہی اندر کانپ کر رہ گیا۔ ضرورت کا فلسفہ بیان کر کے اس نے میرے کاندھوں پر بھاری ذمے داری لاد دی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ تہ خانے اور عقوبت کدے کی طرف سے بالکل بے فکر تھا جیسے ان مقامات کو قطعی ناقابلِ رسائی تصور کرتا ہو۔

**

وہاں تک سارے معاملات حیرتناک خوش اسلوبی کے ساتھ نمٹتے چلے گئے تھے۔ عارضی طور پر میرا قیام اسی کمرے میں رہا جہاں مجھے ابتدا میں رکھا گیا تھا۔ اگلی صبح رحمانی نے مجھ سے تعارف کرانے کے لیے صفائی کے عملے کے کم و بیش چالیس اراکین کو ایک دالان میں جمع کیا تو کم و بیش تمام ہی لڑکیوں اور عورتوں کے بشروں پر اس سے بےزاری کی علامات موجود تھیں۔ مرد بھی اس سے زیادہ خوش نہیں دکھائی دے رہے تھے۔ پتا چلا کہ میری آمد تک رحمانی بذاتِ خود ان کے نگراں کے فرائض ادا کر رہا تھا اور اس حیثیت میں ان پر تصرفِ بےجا کا مرتکب بھی ہوتا رہا تھا۔ میری آمد کو ان سب ہی نے ایک خوشگوار تبدیلی کے طور پر قبول کیا اور رسمی تعارف کے بعد میرے اشارے پر وہ سب اپنے کاموں پر چلے گئے۔

پھر میرے لیے حیرانگی کا آغاز ہوا۔ باہر سے لائیڈز کالج کا طواف کرتے ہوئے اس عمارت کی شان و شوکت کا تصور کرنا ہی محال تھا۔ احاطے میں واقع چار فل عمارات اپنی اپنی جگہ ایک محل تھیں اور چپے چپے پر بھانت بھانت کے ملازمین کی فوج ظفر موج دندناتی پھر رہی تھی۔ سبز وردیوں میں ملبوس مسلح محافظ بھی جابجا مامور تھے۔ اس شان و شوکت کو دیکھ کر میری عقل چکرا کر رہ گئی۔ سمجھ میں نہ آسکا کہ جمی لائیڈ نے وہ سارا کھڑاگ کس لیے پھیلایا ہوا تھا جب کہ لائیڈز کالج تنظیم کی غیرقانونی مصروفیات سے بڑی حد تک الگ تھلگ تھا اور ڈی سوزا کے بیان کے مطابق وہاں کوئی غیرقانونی کام بھی نہیں ہو رہا تھا۔

ویرا لائیڈ نے اپنے مخصوص مفاد کے تحت لائیڈز کالج میں مجھے ایک ایسی ذمے داری دلوائی تھی جس کی انجام دہی کے سلسلے میں مجھے نقل و حرکت کی پوری آزادی حاصل تھی لہٰذا اس پُرہول آسیبی قلعے میں میرا پہلا دن بھاگ دوڑ میں گزرا۔ اپنی موجودگی کا جواز پیدا کرنے کے لیے میں نے صفائی کے عملے پر بھی کڑی نگاہ رکھی جس کے نتیجے میں صفائی کے معیار میں قدرے اضافہ ہو گیا تھا۔

ویرا لائیڈ کی زبان سے تصویر کی تلاش کا ذکر سننے کے بعد مجھے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ میں کس قدر پیچیدہ نوعیت کا کام مول لے بیٹھا تھا لیکن لائیڈز کالج کے حدود اربعہ سے واقف ہونے کے بعد یہ ضروری ہو گیا تھا کہ مطلوبہ تصویر کے سلسلے میں سب سے پہلے ان چار میں سے ایک عمارت کا تعین کیا جائے اسی کے بعد تلاش کی مہم بار آور ثابت ہو سکتی تھی۔

رحمانی کے لیے اپنے عملے کی عورتوں اور لڑکیوں کی ناز بھری ناپسندیدگی کے اظہار نے مجھ پر لائیڈز کالج کی زندگی کا وہ گوشہ بھی بےنقاب کر دیا تھا کہ ہر بالادست کو اپنے زیردستوں پر مکمل تصرف کا حق حاصل تھا اور میرا اندازہ تھا کہ اس آزادی کو بروئے کار لا کر شاید میں کامیابی کی راہ مختصر کر سکوں گا۔

دیکھا جائے تو لائیڈز کالج میں افرادی قوت کو بہت بھرپور انداز میں استعمال کیا جا رہا تھا۔ صبح سویرے صفائی کے عملے میں چالیس اراکین کو دیکھ کر میں خاصا حیران ہوا تھا کیونکہ وہ تعداد شاید میونسپلٹی کے حقیقی عملے کے کم و بیش برابر ہی تھی لیکن پھر پتا چلا کہ وہ سب صرف تین گھنٹے کے لیے صبح سویرے یکجا ہوتے تھے پھر ان کی بڑی تعداد کالج کے دوسرے کاموں میں مصروف ہو جاتی تھی جس میں دو کل وقتی مالیوں کی اعانت سے کچن بلکہ میس کے کام تک شامل تھے اور صفائی پر صرف چار افراد رہ جاتے تھے جن میں جنس کے اعتبار سے مکمل توازن

پایا جاتا تھا اور ان ہی میں ایک رخسانہ بھی تھی جو مجھے اپنے مقاصد کے لیے کارآمد نظر آتی تھی اور میں نے دن کا بیشتر حصّہ اسی کے قرب و جوار میں منڈلاتے ہوئے گزارا تھا۔

کام کے اختتام پر شام کو ایک راہداری میں نجانے کہاں سے رحمانی آنکلا۔ مجھ سے سامنا ہوتے ہی اس نے دوستانہ انداز میں بائیں آنکھ دبائی تھی پھر مجھے اپنے ساتھ لیتا چلا گیا۔

"دن کیسا گزرا تمہارا؟" مجھے اپنے کمرے میں لے جاتے ہوئے اس نے یوں سوال کیا تھا جیسے میری اور اس کی پرانی شناسائی رہی ہو۔

"ٹھیک ہی گزرا۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ مجھے بھنگیوں کی فوج کا کمانڈر مقرر کر دیا گیا ہے لیکن مشینی آلات کی موجودگی میں یہ سب خاصا خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔" میں نے اس کے آراستہ کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ڈی سوزا کے ساتھ ملاقات کیسی رہی؟" اس کے لہجے میں چیمپن یوں برقرار تھی جیسے اس پر قابو پانا خود اس کے بس سے باہر ہو۔

"ٹھیک ہی رہی۔" میں نے متجسسانہ انداز میں کمرے میں نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔ "کیا ہم اس کمرے میں محفوظ ہیں؟"

"کیوں؟" اس نے متحیّرانہ لہجے میں سوال کر ڈالا پھر فوراً ہی میرا مقصد سمجھ گیا۔ "ہاں... ہاں۔ تم کھل کر بات کر سکتے ہو۔ یہاں کمروں کو بگ کرنا میری ہی ذمّے داری ہے، اس کمرے میں کچھ نہیں ہے۔"

"ایک تشویشناک بات سامنے آئی ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت شوشا چھوڑا۔ "تمہارے دوسرے ساتھی کا نام کیا ہے؟"

"انعام۔ تم کس تشویشناک بات کا ذکر کر رہے تھے؟" میرے انداز پر وہ اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا۔

"اسے بھی بلا لیتے تو بہتر ہوتا۔" میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ لائیڈز کاٹج میں تم دونوں نے بالا ہی بالا نچلے عملے پر اپنی دھونس قائم کی ہوئی ہے۔"

"کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی، اختیارات کے باعث سب ویسے ہی خوف کھاتے ہیں۔" اس نے آسودہ اور پُراطمینان لہجے میں کہا۔ "لیکن ان سب باتوں سے تمہیں کیوں دلچسپی پیدا ہو گئی ہے؟"

"میرے عملے کی کچھ لڑکیاں تم دونوں سے خاص طور پر بدظن نظر آ رہی تھیں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

وہ ڈھٹائی کے ساتھ ہنس دیا۔ "سیدھی طرح کام نہ ہو سکے تو ٹیڑھی انگلیوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ پیار سے ان میں کوئی بھی نہیں ہے۔ بس شکایت کی نوبت نہیں آنی چاہیے لیکن تم نے ابھی تک میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔" وہ یک بیک سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

"تمہارا خیال ہے کہ یہاں اپنے مخالفین کو زہریلے سانپ سے ڈسوا کر تم ہر طرح کے شبہات سے بالاتر ہو؟" میرے الفاظ پر اس کے چہرے پر الجھن کے آثار ابھر آئے اور وہ میری طرف دیکھتا رہا جیسے میرے آگے بولنے کا منتظر ہو۔

"لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ میں صرف اس لیے بتا رہا ہوں کہ اس احاطے میں تم دونوں میرے سب سے پہلے دوست ہو اور میں تمہیں مشکلات سے دوچار ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میرے انکشاف پر اس کی ہر وقت روشن رہنے والی آنکھیں بجھ سی گئی تھیں۔ "ہم نے تو اس بارے میں یہاں ایک لفظ بھی نہیں سنا۔ ڈی سوزا نے تو آخری لاش کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔"

"ڈی سوزا کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"بہت سخت اور ضدی طبیعت کا مالک ہے لیکن ہم دونوں پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرتا ہے۔"

"یہ تم مجھ سے بہتر جانتے ہو گے کہ آخری دو اموات کن حالات میں رونما ہوئی تھیں؟" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "اتفاقی حادثے کی صورت میں زہریلا سانپ اپنی فطرت سے مجبور ہو کر زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرتا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ پنڈلی کے کسی حصّے پر ڈس لیتا ہے۔ جب کہ آخری دونوں شکار بدن کے اوپری حصّے پر ڈسے گئے تھے۔ یہ فرض کرنا حماقت سے کم نہ ہوگا کہ سانپ ان کے لباس پر چڑھ گئے اور انھیں آخری لمحے تک اس افتاد کا علم نہ ہو سکا۔"

"اوہ۔" اس کی آنکھیں پُرخیال انداز میں سکڑتی چلی گئیں۔

"تو یہ کہو کہ تمہیں باہر سے تحقیقات کے لیے بلایا گیا ہے۔ شاید تمہارے بارے میں ڈی سوزا نے دانستہ انعام کو لاعلم رکھنے کی کوشش کی تھی تاکہ تمہاری آمد کی خبر کو کوئی اہمیت نہ مل سکے۔ اگر باہر کسی کام میں نہ پھنس جاتا تو شاید ہمیں کئی دن تک تمہاری آمد کا علم نہ ہو پاتا۔"

وہ خود ہی ایک غلط فہمی کا شکار ہو رہا تھا جو میرے لیے سودمند تھی لہٰذا میں نے اس کی تصحیح کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ بس معنی خیز انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔

"اور انعام تمھیں آٹرن کیج کی بھینٹ چڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔" پہلی بار اس کی آواز سے ہلکا سا خوف مترشح ہو رہا تھا۔ "ہم سے اس بارے میں ڈی سوزا نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔"

"میں نے خطرات سے واقف ہونے کے باوجود تمھارے سامنے زبان کھولی ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ خود کو محفوظ رکھنے کے لیے تم مجھے بھی اپنی راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کر سکتے ہو۔"

"یہ تو صریحاً خودکشی ہوگی۔" وہ بلاتوقف بول پڑا۔ "تمھاری موت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گی کہ وہ اموات اتفاقی نہیں تھیں اور ان میں ملوّث لوگ تحقیقات کو روکنا چاہتے ہیں۔ اس طرح معاملات سلجھنے کے بجائے اور الجھ جائیں گے کسی اور کو بھی بلایا جا سکتا ہے جو ہمارے لیے اجنبی ہوگا۔ کم از کم تم سے معلومات تو ملتی رہیں گی، پھر تم اپنی رپورٹ میں ہمارے مشوروں کو بھی شامل کر سکتے ہو اس لیے یہ تو بھول ہی جاؤ کہ تمھیں ہماری طرف سے کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔"

"لیکن یہ ہوا کیسے؟" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے سوال کیا۔ "سانپ سے تو جسم کے کسی بھی حصے پر ڈسوایا جا سکتا تھا پھر ایسی بے احتیاطی کیوں سرزد ہوئی؟"

"اس معاملے میں ہم نے کسی تیسرے فرد کو شامل نہیں کیا تھا۔ دو شکار بالکل ٹھیک کیے گئے مگر آخری دو انعام پر چھوڑے گئے تھے۔ اس نے دونوں ہی بار چھپ کر اپنے شکاروں پر سانپ پھینکے تھے بس اندازے کی غلطی یا بدنصیبی کہ وہ جسم کے جس حصے پر گرے، انھوں نے وہیں ڈس لیا۔ یہاں سازش کے امکانات کو مسترد کرتے ہوئے ناپسندیدہ اور باغی افراد کو راستے سے ہٹانے کی بس یہی ایک صورت ہو سکتی تھی لیکن انعام کی حماقت نے کھیل بگاڑ دیا۔ آخری موت کے بعد ڈی سوزا نے غروبِ آفتاب کے بعد یہاں کے عملے پر لان پر نکلنے کی ممانعت کر دی ہے کیونکہ یونٹ کا چیف ہونے کے سبب جانی اتلاف کی ذمے داری اسی پر عائد ہوتی ہے۔"

"مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟" میں نے اسی پر ذمے داری ڈالتے ہوئے سوال کیا۔ "اگر میں اپنی ناکامی کا اعتراف کر کے واپس لوٹ گیا تو کوئی دوسرا آئے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے طور پر بہت کچھ معلوم کر لے۔ یہاں رہنے والے تم دونوں کے خوف سے اپنی زبانیں نہ کھولیں تو اور بات ہے ورنہ کم و بیش ہر ایک ہی اس حقیقت سے واقف رہا ہوگا کہ تم دونوں سے مخاصمت مول لینے والے پراسرار طور پر زہریلے سانپوں کا نشانہ بن جاتے ہیں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ان اموات کو اتفاقی قرار دیا جا سکے؟" اس نے پُرامید لہجے میں سوال کیا۔ "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ سبزے پر لیٹے ہوئے ہوں اور سانپوں کا نشانہ بن گئے ہوں۔"

"یہ اسی وقت ممکن تھا جب مجھے ان کی موت کے اسباب کی تفتیش پر مامور کیا جاتا۔" میں نے یہ جواب دیتے ہوئے واقعی اپنے وجود میں سراغ رسانی کی لہر سی سرایت کرتی ہوئی محسوس کی۔ "اسباب متعین کیے جا چکے ہیں اور مجھے بہت محدود کام دیا گیا ہے کہ ان واقعات کے ذمے داروں کا پتا چلاؤں لیٹنے اور بیٹھنے کے چکر میں پڑ کر میں خود مشکوک بن سکتا ہوں۔"

وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔

"اس معاملے کو دبانے کی بس ایک ہی صورت نظر آتی ہے۔" کچھ دیر کے توقف کے بعد میں نے کہا اور وہ پوری طرح میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "یہاں جو کچھ ہوتا رہا، وہ فی الحال ڈی سوزا کی ذات تک محدود ہے کیونکہ یونٹ کا سربراہ مقامی معاملات پر اوپر والوں کو رپورٹ دینے کا پابند نہیں ہوتا۔ پھر وہ ثبوت کے بغیر ویسے بھی اپنی زبان نہیں کھول سکتا۔ ان حالات میں اگر لائیڈز کالج سے متعلق ایسے امور میرے علم میں آسکیں جو ڈی سوزا کی بھی دسترس سے باہر ہوں تو ان کے حوالے سے میں ایک کہانی تراش سکتا ہوں۔ ڈی سوزا کو یہ بتایا جا سکتا ہے کہ اس کے عملے میں اوپر والوں کا کوئی ہرکارہ موجود ہے جو ان کے ایما پر کارروائیاں کرتا رہا ہے لہٰذا اسے اس بارے میں فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان واقعات سے چشم پوشی ہی اس کے حق میں بہتر رہے گی۔"

"یہ کہانی تو تم ہر وقت سنا سکتے ہو۔" میری تجویز پر اس کے چہرے پر بشاشت کی لہر دوڑ گئی۔

"ڈی سوزا عقل سے عاری نہیں ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "وہ یہ جاننا چاہے گا کہ میں نے یہ نتائج کیسے اخذ کیے ہیں۔ اگر مجھے یہاں کے بعض خفیہ معاملات کا علم ہو جائے تو میں ان کے حوالے سے اسے قائل کر سکوں گا۔ اسے میری اور تمھاری مفاہمت کا علم نہیں ہے۔ لہٰذا وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ وہ باتیں مجھے کیسے معلوم ہوئیں اور واحد منطقی نتیجہ یہی اخذ کرے گا کہ میں نے اس کام میں محنت کی ہے جس کے نتیجے میں ان امور پر معلومات حاصل کر سکا ہوں۔"

"میں انعام سے مشورہ کروں گا۔" وہ دھیمی، پُرخیال آواز میں بولا۔ "تمھاری تجویز تو معقول اور قابلِ عمل نظر آتی ہے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کن باتوں کا سہارا لوگے۔ ڈی سوزا تو عملاً یہاں کی ہر بات سے باخبر رہتا ہے۔"

"تہ خانے اور تارپرسیل کا وجود بہت کم لوگوں کے علم میں

ہے، ہو سکتا ہے کہ بعض مقامات پر ڈی سوزا کی رسائی بھی نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض طے شدہ اوقات میں اسے کسی جگہ سے دور رکھا جاتا ہو۔ ایسی بہت سی باتیں ہو سکتی ہیں جن کی نشان دہی کے لیے تمہیں اور انعام کو ذہن پر زور دینا پڑے گا اور اسی پر میری رپورٹ کا دار و مدار ہو گا۔“

”ٹھیک ہے، میں ابھی اس سے مل بیٹھنے کی کوشش کرتا ہوں۔“ اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”کسی نتیجے پر پہنچتے ہی میں خود تم سے رجوع کر لوں گا لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمہارا کمرا بہت مخدوش ہے۔ وہاں لیے جانے والے سانسوں کی آوازیں بھی دوسری جگہ سنی جاتی ہیں۔“

پھر وہ مجھے ساتھ لیے کمرے سے باہر آ گیا اور میں تیزی کے ساتھ مڑ کر بظاہر اپنے کمرے کی طرف ہو لیا لیکن فی الحقیقت اس وقت میں رخسانہ کو تلاش کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کے ساتھ وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ کچھ معلومات بھی حاصل کی جا سکیں۔ یہ میرا تجربہ تھا کہ بعض اوقات نچلے درجے کے لوگوں سے ایسی اہم معلومات حاصل ہو جاتی ہیں جو ذمے دار لوگ عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس بارے میں رحمانی مجھے بتا ہی چکا تھا کہ باہمی رضامندی اور شکایت نہ ہونے کی صورت میں اوپر والوں کی طرف سے تعرض کا کوئی امکان نہیں تھا۔

میرے کمرے میں بھانت بھانت کی بوتلوں سے بھرا ہوا کیبنٹ دیگر لوازمات کے ساتھ موجود تھا اور اس بارے میں مجھے کوئی امتناعی حکم بھی نہیں ملا تھا۔ لہٰذا میں نے اپنے کمرے میں پہنچ کر سب سے پہلے ولایتی جن کا ایک بڑا گلاس تیار کیا اور مناسب رفتار سے اسے معدے میں منتقل کر کے دوبارہ باہر نکل آیا۔ اس بار میرا رخ عقبی حصے میں بنے ہوئے ان مکانات کی طرف تھا جہاں ماتحت عملے کی رہائش تھی۔

✿❀

لاہور کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی مجھے جن حوصلہ شکن حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا، ان سے موازنہ کرتے ہوئے میں نے مختصر سی مدت میں نہ صرف بہتر مقام حاصل کر لیا تھا بلکہ کامیابی کا راستہ بھی استوار ہوتا نظر آ رہا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کے ہاتھوں قید، کاکا پہلوان سے ٹکراؤ، لائیڈز کالج میں ویرا کے دیے ہوئے کوڈ کا تسلیم نہ کیا جانا، انعام کے ساتھی سے خونریز ہاتھا پائی پھر ٹارچر سیل میں انعام کے ہاتھوں برقی جھٹکوں کا آغاز بظاہر بدنصیبی اور مکمل ناکامی کی نشاندہی کر رہا تھا لیکن اچانک ہی ڈی سوزا کی مداخلت پر حالات نے کروٹ لی اور میری شناخت تسلیم کر لی گئی۔ دوسری طرف ڈی سوزا نے سانپوں کا شکار ہونے

والوں کے بارے میں جو بات سرسری انداز میں کی تھی، میں نے حالات کے پیشِ نظر اسے دوسرا ہی رنگ دے دیا تھا اور اب مجھے لائیڈز کالج میں ڈی سوزا کی باضابطہ حمایت کے ساتھ انعام اور رحمانی کی پوشیدہ ہمدردیاں بھی حاصل ہو گئی تھیں۔ ان واقعات میں میری کسی کوشش سے زیادہ مقدر کا دخل تھا۔ اگر انعام ابتدا میں مجھے تنظیم کا باغی قیدی تصور کرتے ہوئے جارحانہ رویہ اختیار نہ کرتا تو میرے لیے بعد کے واقعات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا ممکن نہ ہو پاتا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ میرے لیے اوپر سے سزائے موت کا پروانہ ہی جاری ہو گا اور میں ٹارچر سیل سے زندہ واپس نہ لوٹ سکوں گا لہٰذا وہ کسی اندیشے کے بغیر مجھے وہاں لے گیا لیکن بعد میں میری زبان بند رکھنے کے لیے ان دونوں کو ایسی باتیں بھی دہرانا پڑیں کہ میرے ساتھ ان کے مفادات کسی حد تک مشترک ہو گئے تھے۔

اس بارے میں میرے ذہن میں ایک موہوم سا خاکہ ترتیب پا چکا تھا۔ اگر کسی مرحلے پر ڈی سوزا مجھ سے آنکھیں بدلتا تو میں انعام اور رحمانی کو بھڑکا سکتا تھا کہ ان کی حمایت کی پاداش میں مجھے زیرِ عتاب لایا جا رہا تھا اور وہ دونوں لائیڈز کالج میں خاصے طاقتور نظر آتے تھے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ایسی کسی بھی صورتِ حال میں لائیڈز کالج میں باہمی تصادم بلکہ بغاوت کی آگ بآسانی بھڑکائی جا سکتی تھی۔

ویرا نے غزالہ کو یرغمال بنا کر مجھے جمی لائیڈ کی تصویر کی تلاش کے لیے لائیڈز کالج بھیجا تھا لیکن میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ تنظیم کی غیر قانونی سرگرمیوں میں اس عمارت اور اس کے مکینوں کا کیا کردار تھا کیونکہ ابھی تک ٹارچر سیل کے علاوہ کوئی اور قابلِ ذکر غیر قانونی بات میرے علم میں نہیں آ سکی تھی۔

البتہ رخسانہ حسبِ توقع میرے لیے کارآمد ثابت ہوئی تھی۔ وہ متوسط قامت اور گوری رنگت کے ساتھ دلکش خدوخال کی مالک تھی۔ میٹرک تک تعلیم یافتہ تھی اور پچھلے دس ماہ سے وہاں کام کر رہی تھی۔ اپنی ذات سے آگے اس پر کوئی ذمے داری عائد نہیں تھی لہٰذا دو ہزار روپے ماہوار اس کے لیے معقول آمدنی تھی جس میں سے خورد و نوش کے اخراجات منہا کر کے اسے ہر ماہ چودہ پندرہ سو روپے مل ہی جاتے تھے۔ اپنے فطری تقاضوں اور لاابالی پن کی بنا پر اس نے لائیڈز کالج کے ایک پرانے ملازم سے دوستی استوار کی ہوئی تھی لیکن کبھی کبھار اسے رحمانی کی چیرہ دستیاں بھی سہنا پڑ جاتی تھیں کیونکہ اس کے ایک اشارے پر کسی کو بھی کالج کی ملازمت سے برطرف کیا جا سکتا تھا اور ان

ہیں سے کوئی بھی اس لگی لگائی معقول روزی سے ہاتھ دھونا پسند نہیں کرتا تھا۔

رحمانی کے برعکس میرا شائستہ رویّہ اس کے لیے خوشگوار حیرت کا باعث بنا تھا۔ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ ایسے میل جول پر ڈی سوزا عموماً چشم پوشی سے کام لیتا تھا لہٰذا اپنے کمرے میں میں رخسانہ سے ہلکی پھلکی گفتگو کرتے ہوئے اسے بہلا پھسلا کر شراب نوشی کراتا رہا پھر ڈیڑھ پیگ اس کے معدے میں اترنے کے بعد جب وہ ابکائی لینے والے انداز میں برے برے منہ بنانے لگی تو میں نے ساز و سامان سمیٹ دیا کہ کے نشاط آور ماحول میں کچھ وقت گزاریں اس کے ہمراہ کھلے آسمان کے نیچے آیا تو میں نے مطلب کی گفتگو چھیڑ دی۔

وہ یوں تو خاصی ذہین اور ہوشیار تھی لیکن بنت عنب نے اس کے ذہن کو ماؤف کر کے رکھ دیا تھا لہٰذا وہ سرور کے عالم میں سب کچھ ہی بتاتی چلی گئی۔ اس کی معلومات کا ذریعہ لائیڈز کالج کا وہ پرانا ملازم تھا جو ابتدا ہی سے اس کا گرویدہ تھا۔

اس کے بیان کے مطابق احاطے میں بنی ہوئی چار میں سے تین عمارات میں آمد و رفت پر کوئی پابندی نہیں تھی، بس وہاں کے گنے چنے رہائشی کمروں میں رہنے والوں کی خلوت اور آسائش کا خیال رکھنا ہوتا تھا لیکن جنوبی سرے پر عقبی دیوار کے قریب بنی ہوئی عمارت میں بیرونی ہال سے آگے کسی کی رسائی نہیں تھی بیرونی ہال سے اندر جانے والا دروازہ عام طور پر مقفل ہی رہتا تھا اور جب بھی وہ کھولا جاتا تو لائیڈز کالج میں کچھ نامانوس مقامی اور غیر ملکی چہرے نظر آنے لگتے تھے جو پُراسرار طور پر اس عمارت میں وارد ہوتے تھے اور وہیں قیام بھی کرتے تھے، ان کے غائب ہوتے ہی بیرونی ہال کا دروازہ اگلے مہمانوں کی آمد تک کے لیے دوبارہ مقفل ہو جاتا تھا۔ وہاں کسی کو معلوم نہیں تھا کہ مہمان اس عمارت میں کہاں سے آتے تھے اور پھر کس راہ سے چلے جاتے تھے یا عمارت کے اس متروک حصے کی صفائی کے کیا انتظامات تھے۔ لائیڈز کالج کے مکینوں میں وہ عمارت نمبر تین کے نام سے پہچانی جاتی تھی اور کم و بیش سارے ہی ملازمین میں اس کے بارے میں تجسس پایا جاتا تھا۔

اس کے کہنے پر مجھے یاد آیا کہ صبح کو اپنے معمولات کے جائزے میں جب میں اس عمارت کی طرف گیا تھا تو عقبی حصے کی مخصوص ساخت کی بنا پر اسے نظر انداز کر گیا تھا اس ہال سے آگے جو کچھ بھی رہا ہو اس کی ساخت غیر معمولی تھی بیرونی دیواریں بالکل سپاٹ اور سیدھی تھیں جن پر دروازہ، کھڑکی یا روشندان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ بادی النظر میں وہ تعمیر کسی پختہ گودام کا تصوّر اجاگر کرتی تھی لیکن رخسانہ کے بیان کی روشنی میں نمبر تین کی اہمیت بہت بڑھ جاتی تھی۔ اگر وہاں آنے جانے والے مہمان لائیڈز کالج کے عملے کی نگاہوں میں آئے بغیر وارد اور روپوش ہوتے تھے تو نمبر تین میں بیرونی رابطے کے لیے یقینی طور پر کوئی خفیہ راستہ موجود تھا اور اس خفیہ راستے کا تعلق اس تہ خانے سے بھی ہو سکتا تھا جہاں ہمارا چیپل واقع تھا۔ اس طرح تہ خانے میں دفتری نظام کی موجودگی کا عقدہ بھی کھل جاتا تھا کہ شاید وہ ان ہی لوگوں کے تصرف میں رہتا ہو جن کی رسائی نمبر تین تک ہو سکتی تھی۔

میں ان سب باتوں پر جس قدر غور کرتا رہا، یہی امکان ذہن میں تقویت پکڑتا رہا کہ لائیڈز کالج کی ساری ظاہری شان و شوکت نمبر تین کو آڑ فراہم کرنے کے لیے تھی جہاں تنظیم سے متعلقہ اہم امور انجام دیے جاتے تھے اور اگر ڈیرا کے بیان کے ------ مطابق اس کے باپ کی تصویر کہیں موجود تھی تو اس کا ٹھکانا بھی نمبر تین ہی میں ہو سکتا تھا۔

دوسرے دن سورج غروب ہونے تک، پوری کوشش کے باوجود رحمانی سے کہیں مڈبھیڑ نہ ہو سکی پھر میں اپنے کمرے کی طرف لوٹ ہی رہا تھا کہ راستے میں ایک مسلح محافظ نے مجھے روک لیا۔

"شناخت!" اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تیز لہجے کہا اور میں نے بلا جھجک نقرئی تمغہ نکال کر اس کی بڑھی ہوئی ہتھیلی پر رکھ دیا جو اس نے سرسری جائزے کے بعد میری طرف لوٹا دیا۔ "نام کیا ہے تمہارا؟" یہ اس کا اگلا سوال تھا۔

میرا نام سن کر اس نے مجھے بتایا کہ نمبر ایک میں ڈی سوزا اپنے دفتر میں میرا انتظار کر رہا تھا میرے لیے وہ بلاوا اتنا وقت ضرور تھا لیکن غیر متوقع نہیں تھا لہٰذا میں راستے ہی میں سے سیدھا عمارت نمبر ایک کی طرف چل دیا جو لائیڈز کالج کے قلعہ نما آہنی پھاٹک کے قریب واقع تھی، وہاں ڈی سوزا اپنے پُرشکوہ دفتر میں کاغذات میں الجھا ہوا تھا۔

"بیٹھ جاؤ!" میرے پہنچتے ہی اس نے سپاٹ اور دھیمے لہجے میں کہا اور میں نے میز کے مقابل کرسی سنبھال لی۔ "تمہاری پیشانی کا زخم کیسا ہے؟"

"ٹھیک ہے، ذرا سطحی سی چوٹ آ گئی تھی۔" میں نے اس کے ہمدردانہ رویّے پر خوشگوار حیرت کے ساتھ کہا۔

"سانپوں والے معاملے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے؟" اس نے پنسل کے سرے سے میز کی سطح بجاتے ہوئے سوال کیا۔

"ابھی کام شروع نہیں کر سکا۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "خسانہ نامی ایک لڑکی سے پچھلی رات بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بالکل ہی لاعلم ثابت ہوئی۔"

"مجھے معلوم ہے۔" وہ خشک لہجے میں بولا۔ "اسی طرح شراب پلا کر دھندلی روشنیوں میں لڑکیوں سے پوچھ گچھ کرتے رہے تو ساری عمر بھی کچھ معلوم نہ کر سکو گے۔ تفریحات کو میں کام پر اثر انداز ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ اگر کل رات تفریح کا موڈ تھا تو اس میں کام کا بہانا بنانے کی کوئی ضرورت نہیں... اس کے علاوہ اور کس سے ملے تھے؟"

"کسی سے نہیں۔" میں روا روی میں کہہ گیا لیکن اس کے بدلتے ہوئے تیور دیکھتے ہی مجھے فوراً وضاحت کرنا پڑ گئی۔ "بس واپسی پر تھوڑی دیر کے لیے رحمانی مل گیا تھا۔ اس کے ساتھ کمرے تک چلا گیا تھا۔"

"ہوں۔" اس کے حلق سے غراہٹ اُبھری۔ "یہ یاد رکھنا کہ مجھے یہاں بیٹھ کر ہر آدمی کی پل پل کی خبر رہتی ہے اور میں جھوٹ کو برداشت کرنے کا عادی نہیں۔ اس سے سانپوں والے معاملے پر کیا بات ہوئی تھی؟"

"اس سے کوئی ذکر نہیں کیا۔" اس بار میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جھوٹ بول ہی دیا کیوں کہ رحمانی مجھے بتا چکا تھا کہ اس کے کمرے میں کوئی ایسا آلہ نصب نہیں تھا جس کے ذریعے کمرے میں ہونے والی گفتگو کہیں سنی جا سکے۔

"اس سے محتاط رہنا۔" ڈی سوزا کے جواب پر میں نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ "مجھے اس پر بھی شبہ ہے۔ مرنے والوں میں ایک بات مشترک تھی کہ وہ رحمانی یا انعام سے اُلجھ بیٹھے تھے۔ یقین کسی کو بھی نہیں ہے لیکن لوگوں کو خدشہ ہے کہ زہریلے سانپوں والے واقعات میں ان ہی دونوں کا ہاتھ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمھاری کسی حماقت کی وجہ سے وہ دونوں ہوشیار ہو جائیں۔ میں پوری دیانت داری کے ساتھ تفتیش کرانے کے بعد ہی کسی پر فردِ جرم عائد کروں گا۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا کہ وہ دونوں یہاں اہم رتبے کے مالک ہیں۔ ٹھوس ثبوت کے بغیر میں ان کی خدمات سے ہاتھ دھونے پسند نہیں کروں گا۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"کام سے مطمئن ہو؟" اس نے بغور میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"تاروں کی گنتی پر بھی لگا دیا جاؤں گا تو شکایت نہ ہو گی۔ بس نمبر تین کے اندرونی حصے کی صفائی نہ کرا سکا۔ سنا ہے کہ ادھر مدتوں سے صفائی نہیں کی گئی۔ اندر منوں مٹی جمع ہو چکی ہو گی۔"

"وہاں صفائی کی ضرورت نہیں۔"

"اسی لیے میں نے ممنوعہ علاقوں کے بارے میں پوچھا تھا۔" میں نے اپنی پرانی بات دہراتے ہوئے کہا۔ "اگر کوئی ... نہ پیدا ہو۔"

"اس وقت تمھیں ایک پیغام دینے کے لیے بلایا ..." وہ میری بات اُڑا کر بولا۔ "کل رات تمھیں کانٹی نینٹل کے لاؤ... میں پہنچنا ہے۔ یہاں سے اسٹاف کار میں تم نو بجے روانہ ہو... گے، واپسی یہیں ہو گی۔"

"کس سے ملنا ہو گا؟" میں نے متجسسانہ لہجے میں ...

"جسے ملنا ہو گا وہ خود ہی رجوع کرے گا۔" اس نے ... لہجے میں کہا جیسے اب میری موجودگی کو غیر ضروری سمجھتا ہو ... کرسی چھوڑ کر فوراً ہی واپس روانہ ہو گیا۔

واپسی پر ایک نیم تاریک مقام پر رحمانی درخت کی آڑ سے اچانک ہی میرے سامنے آ گیا۔ "کہاں سے آ رہے ہو؟" اس کا لہجہ تجسس آمیز تھا اور ہمیشہ روشن رہنے والی آنکھیں کچھ بجھی بجھی سی تھیں۔

"تمھارے ستارے گردش میں ہیں۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "وہ مجھ سے جلد از جلد رپورٹ چاہتا ہے۔"

"میں نے کچھ معلومات جمع کی ہیں۔ ان سے تمھاری کار... کو سہارا مل سکے گا۔" وہ یہ کہتے ہوئے مجھے ایک ایسے راستے ... لے چلا جہاں کسی سے مڈبھیڑ ہونے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ "یہاں کی نمبر تین اس معاملے میں بہت کارآمد ثابت ہو سکے گی۔"

"مقفل اور ممنوعہ رہتی ہے، وہاں پُراسرار مہمانوں کی آمد ... رہتی ہے جن کے آنے اور واپس جانے کے راستے کسی کے علم میں نہیں ہیں، اس کے علاوہ اور کیا بتا سکتے ہو؟" میں نے اس کی زبان سے نمبر تین کا ذکر سننے کے بعد کہا۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ "یہ سب تم نے کیسے معلوم کر لیا؟ ڈی سوزا تو خود بتانے سے رہا!"

"میں بھی یہاں آنے کے بعد مکھیاں نہیں مارتا رہا ..." میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "یہ بتا دوں کہ تمھیں بھی چوکنا ... ہو گا۔ تمھاری داداگیری کی کہانیوں سے ڈی سوزا غافل نہیں ... یہ بات اس کو اچھی طرح ذہن نشین کرادی گئی ہے کہ مرنے والوں میں ایک ہی بات مشترک تھی کہ وہ تم سے یا انعام سے اُلجھے تھے اور شاید اسی وجہ سے وہ سانپوں کا نشانہ بن گئے ... لیکن وہ میری رپورٹ اور شہادتوں کے بغیر تمھیں ... میں ملوث نہیں کر سکے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میرا کمرا ابھی بگ کرایا جاسکتا ہے۔"
اس نے پُرخیال لہجے میں کہا پھر چونک کر بولا۔ "تم اپنی رپورٹ دے کیوں نہیں دیتے۔ کام کا مواد تو تم میری مدد کے بغیر ہی حاصل کر چکے ہو۔ یہ فتنہ جتنی جلدی دب جائے اتنا ہی اچھا ہے۔"

"پھر مجھے کھل کر بات کرنا ہوگی تاکہ میری رپورٹ ٹھوس واقعات پر مشتمل ہو۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ زیادہ عجلت کی گئی تو ملی بھگت کے شبہ میں میری رپورٹ مسترد بھی کی جاسکتی ہے جس کے بعد یہ معاملہ زیادہ شدومد کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔"

"میں تو کھل کر ہی بات کر رہا ہوں، تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟" اس کی آواز الجھن آمیز تھی۔

"بظاہر یہاں کوئی گھپلا نظر نہیں آتا۔ آخر لائیڈز کالج کا مصرف کیا ہے؟" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والا بنیادی سوال کر ہی ڈالا۔

"اسے تنظیم کو تربیت یافتہ افرادی قوت فراہم کرنے والا ادارہ سمجھ لو۔ یہاں تربیت پانے والوں کو مختلف یونٹوں میں لگایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہوتا ہے اس کا تعلق تہ خانے یا نمبر تین سے ہے جس سے میں لاعلم ہوں۔"

"میں خود ایک یونٹ سے وابستہ رہا ہوں لیکن میرا کبھی لائیڈز کالج سے واسطہ نہیں پڑا۔ کراچی میں بہتیرے آدمی میرے ماتحت تھے۔"

"یہ تمہاری کم علمی ہے۔ راجہ سکندر، قاسم، نرخشی، لاکھو، پشپال اور ڈاکٹر ارنسٹ کے علاوہ بہتیرے یہیں کے تربیت یافتہ تھے جو کراچی میں مامور کیے گئے تھے۔ مخصوص کوڈ اور مواصلاتی ذرائع پر تو یہاں باقاعدہ تربیتی کورس ہوتا ہے۔ ڈی سوزا بذاتِ خود کرپٹوگرافی کا بہت بڑا ماہر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہاں سے جانے والے لائیڈز کالج کا نام نہ لینے کے پابند کردیے جاتے ہیں۔"

"نمبر تین کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"مجھے شبہ ہے کہ وہاں آمدورفت کے لیے کوئی زیرِ زمین راستہ موجود ہے جو لائیڈز کالج سے دور کہیں نکلتا ہے اور شاید نمبر دو کے نیچے بنے ہوئے تہ خانے سے بھی اس کا سلسلہ جڑا ہوا ہے کیوں کہ اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے کئی بار ایسا ہوا ہے نمبر دو کے کمرے میں موجود میکنیزم کو آزمانے کے باوجود تہ خانے کا راستہ نہ کھل سکا۔ پھر وہ خرابی خود بخود دور ہوگئی۔ غالباً باہر سے آنے والے جیسا تہ خانہ استعمال کرتے ہیں تو اندر سے کسی ایسی کل کو حرکت میں لاتے ہیں کہ بیرونی میکنیزم ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔"

"تہ خانے میں گودام کے طور پر بھی بہت سی جگہ استعمال کی جاسکتی ہے۔" میں نے اسے شہہ دینے کے خیال سے کہا۔

"اور شاید کی جاتی ہے۔ تہ خانے کے اوپر واقع عمارت کے فرش میں کئی بار میں نے ایسا ارتعاش محسوس کیا ہے جیسے تہ خانے میں مشینیں چل رہی ہوں۔" پھر چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے جھجکتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "سچی بات تو یہ ہے کہ ایک بار میں نے تہ خانے کے فرش پر موجود گرد پر ٹائروں کے نشانات دیکھے تھے۔ ان کی تعداد اور نوعیت سے اندازہ ہوتا تھا کہ یا تو وہاں گاڑیوں کی اندھادھند ریس ہوئی ہوگی یا مال لادنے اور اتارنے کے لیے فورک لفٹ وغیرہ سے کام لیا گیا ہوگا۔"

"صرف ایک بار؟" میں نے سوال کیا۔ "یہ مشاہدہ تمہاری ذات تک تو محدود نہ رہا ہوگا؟"

"میں نے ڈی سوزا سے ذکر کیا تھا تو وہ بوکھلا گیا۔ پھر ہم دونوں نے مل کر تہ خانے میں ویکیوم کلینر چلا کر وہ سارے نشانات مٹائے تھے۔ اس کے بعد کبھی ویسے نشان نہیں ملے البتہ فرش پر ویکیوم کلینر کے استعمال کے آثار بارہا ملے ہیں شاید وہ لوگ اپنا کام ختم کرنے کے بعد ٹائروں کے نشان اور دوسری علامات مٹا دیتے ہیں۔"

رحمانی کے ان انکشافات نے میرے لیے ایک بالکل ہی نئی جہت کھول دی۔ اس وقت تک میں تنظیم کے منشیات فروشی کے کاروبار سے باخبر تھا جس میں ہیروئن کی آمد کے بعد سے انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔ چرس کے ٹنوں کے ہیر پھیر کے بجائے ہیروئن کی دو چار سو کلو کی کھیپ بھی اپنے اثرات، لاگت اور منافع کے اعتبار سے بہت بڑی تصور کی جاتی تھی جس کی نقل وحمل کے لیے بھاری باربرداری کی ضرورت تھی نہ وسیع جگہ کی۔ رحمانی کے بیان سے تو ظاہر ہو رہا تھا کہ میں اس وقت تک تنظیم کے صرف ایک ہی شعبے سے منسلک رہا تھا جو ہیروئن کی تقسیم اور ترسیل کا ذمے دار تھا جب کہ اصل کاروبار نہ جانے کتنی سمتوں میں پھیلا ہوا تھا۔

"تمہاری باتیں میری عقل سے بالاتر ثابت ہو رہی ہیں۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ "جب تک میں ذاتی طور پر اس تہ خانے یا نمبر تین کا جائزہ نہ لے لوں، بات بنتی محال نظر آرہی ہے۔"

وہ چلتے چلتے رک کر مجھے گھورنے لگا اور اپنی مخصوص چبھتی ہوئی آواز میں طنزیہ لہجے میں بولا۔ "یوں معلوم ہو رہا ہے، جیسے مرنے والوں کے بجائے تمہاری اصل تفتیش لائیڈز کالج کے

خفیہ معاملات کی طرف رُخ کرتی جا رہی ہے۔"

میں چونک کر سنبھل گیا۔ اور ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "تمھارا معاملہ سیدھا کرنے کے ساتھ ہی مجھے اپنی چمڑی کی بھی فکر ہے تمھیں بچا کر میں اپنی گردن موت کے پھندے میں نہیں دے سکتا۔ اور شاید کوئی بھی صحیح الدماغ شخص ایسا نہیں کر سکے گا۔"

"میں سمجھا نہیں کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" وہ واقعی الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"میری سیدھی سادی رپورٹ ڈی سوزا اور پر والوں کو بھی بڑھا سکتا ہے کیوں کہ اس طرح اس کے یونٹ کے معاملات میں اوپر والوں کی براہِ راست مداخلت ثابت ہو سکے گی جو تنظیم کے اصولوں سے میل نہیں کھاتی اور اوپر والوں کی طرف سے رپورٹ سختی کے ساتھ مسترد کر دی جائے گی۔ نتیجہ تم جانتے ہی ہو کہ مجھے مجرم بنا کر ان کے سامنے پیش کر دیا جائے گا اور تمھاری ساری بازی الٹ جائے گی۔ اس سے بہتر تو یہ ہوگا کہ تم دونوں ہی یہاں سے فرار ہو کر کہیں روپوش ہو جاؤ اور میں حقائق پر مبنی اپنی رپورٹ پیش کر دوں۔"

اس کے من میں جو ڈر تھا جو ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتا تھا اور اس کے ہر سوال کی بنیاد مفروضوں پر تھی لیکن جب میں نے دلیل پیش کی تو اس کا سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ "چلو یہ میں مانے لیتا ہوں" وہ دوبارہ میرے ہمراہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کالج کے خفیہ معاملات کے بارے میں جان کر تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"سیدھی اور سامنے کی بات ہے۔" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "اپنی رپورٹ میں ان معاملات کے بارے میں بھی کچھ اشارے شامل کر دوں گا تا کہ ڈی سوزا رپورٹ اوپر بڑھانے کی جرأت نہ کر سکے۔ اگر اس نے یہ حماقت کی تو وہ خود عتاب میں آ جائے گا کہ اس نے اجازت کے بغیر ایسی انکوائری کیوں کرائی جس کے نتیجے میں خفیہ گوشے بے نقاب ہونے کی نوبت آ گئی، وہ رپورٹ دبا لے گا بلکہ مجھے تو یقین ہے کہ تلف کر دے گا اور تم دونوں کا بھرم رہ جائے گا۔ اس کے لیے میرا ذاتی مشاہدہ ناگزیر ہے، اس کے بغیر رپورٹ میں جھول رہ جائیں گے۔"

میری بات سنتے ہی وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ "واقعی تم نے بہت دور کی بات سوچی ہے۔ کوئی تو وجہ ہے کہ ڈی سوزا نے تحقیقات کے لیے اتنی دور سے تمھیں بلوایا ہے ورنہ یہ کام تو وہ کسی سے بھی لے سکتا تھا۔"

"پھر تہ خانے میں داخلے کا کیا پروگرام رہے گا؟" لوہا گرم دیکھتے ہی میں نے وار کر دیا۔

"سوچنا پڑے گا۔" وہ پُر تشویش لہجے میں بولا۔ تہ خانے میں داخلے کا ذکر آتے ہی اس کی ساری خوشی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی۔ "انعام سے بھی مشورہ کروں گا۔ ڈی سوزا کی موجودگی میں ایسی کوشش جان لیوا بھی ثابت ہو سکتی ہے۔"

"انعام سے مشورہ نہ کرو تو بہتر ہو گا۔" میں نے مخالفت کی۔ "خطرناک معاملات میں جتنے کم لوگ ملوث ہوں اتنا ہی بہتر ہے۔ ویسے بھی وہ تمھارے فیصلوں سے اختلاف نہ کر سکے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ تمھیں کسی نہ کسی طرح اس پر تھوڑی سی برتری حاصل ہے۔"

"یہ بھی تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔" وہ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "وہ ہمیشہ ڈی سوزا سے فاصلے پر رہا اور اس کے سفاکانہ مزاج سے بڑی حد تک بے خبر ہے۔ وہ تو اس بکھیڑے کے ہی خلاف تھا کہہ رہا تھا کہ براہِ راست ڈی سوزا کے سامنے جا کر غلطی کے ارتکاب کا اعتراف کر کے معافی مانگ لی جائے تو قصہ ختم ہو جائے گا۔ اس کی دانست میں ڈی سوزا کے مقابلے میں تم زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے ہو۔"

"تم نے اس کی رائے کیوں نہ مانی؟" میں نے سوال کیا۔

"سہل پسند آدمی ہے، سچ پوچھو تو تم سے خائف ہو رہا ہے۔ اس کا خیال ہے تم اس کے ہاتھوں کھایا ہوا بجلی کا جھٹکا کبھی نہ بھول سکو گے لیکن میں نے اسے سمجھا لیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تم اپنی غیر حاضری کو کس طرح نبھاؤ گے؟"

"چاہو تو۔۔۔ آج رات ہی کوشش کر سکتے ہیں۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے باوجود لہجہ لاپروایانہ ہی رکھا۔ "کسی کا خیال بھی نہ آ سکے گا کہ میں نے رات کمرے سے باہر گزاری ہے۔ صبح وہیں سے ڈیوٹی پر ہو لوں گا۔ زیادہ سے زیادہ کچھ وقت تمھارے کمرے میں گزارنا پڑ جائے گا کیوں کہ تم اسی عمارت میں مقیم ہو جہاں تہ خانے میں داخلے کا راستہ واقع ہے۔"

"تو کیا پوری رات وہیں بسر کرنے کا ارادہ ہے؟" اس نے تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے اترنے کے بعد تم واپس چلے جانا پھر واپسی کے مقررہ وقت پر تمھیں احتیاط رکھنا ہو گی کہ راستہ صاف ہو وہاں سے نکلتے ہوئے کوئی ٹکرا گیا تو کھیل بگڑ سکتا ہے۔"

تھوڑی سی بحث کے بعد اسی رات وہ مُہم جوئی کے لیے تیار ہو گیا۔ میں اس رات کے لیے یوں بضد تھا کہ اگلے دن مجھے کالج سے باہر ایک ہوٹل میں بلایا گیا تھا۔ اور مجھے یقین تھا کہ بلانے والی ویرا کے علاوہ کوئی اور نہ ہو گی۔ میری

تھی کہ اس سے ملنے تک میں اپنا کام پورا کر لوں تا کہ اس کے چنگل سے عزالہ کو رہائی مل سکے۔ مجھے یقین تھا کہ اگر لائیڈرز کالج میں جمی لائیڈ کی کوئی تصویر موجود ہی تھی تو نمبر تین کے ممنوعہ علاقے میں ہو سکتی تھی جہاں ڈی سوزا سمیت کسی کی رسائی نہیں تھی۔

"اس عمارت میں تم لوگ کس کی ملازمت کر رہے ہو؟"
خاصی دیر کی خاموشی کے بعد میں نے ایک خیال کے تحت سوال کر ڈالا۔

"قانوناً ہم جمی لائیڈ کے تنخواہ دار ہیں، ڈی سوزا اس کا ذاتی نمائندہ ہے۔"

"کبھی ملنے کا بھی اتفاق ہوا اس سے؟"

"نہیں۔ کبھی نہیں۔ میں ہی نہیں یہاں تمہیں ایسا کوئی فرد نہ مل سکے گا جو اس سے ملاقات کا دعویدار ہو۔ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ بس ایک نام ہی نام ہے، اس کا وجود سرے سے نہیں ہے؟"

"میں پُرخیال انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اور وہ مجھے تہ خانے کے بارے میں وہ اسرار و رموز سمجھانے لگا جو وہاں داخلے اور نکاسی کے سلسلے میں اہم ثابت ہو سکتے تھے۔

☆

رسٹ واچ میں رات کے دس بجتے ہی ہم دونوں کی آنکھیں ملیں اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

احتیاط اور رازداری کے پیشِ نظر اس رات میں اپنے کمرے کا ایک چکر لگا کر رحمانی کے ہی پاس آ گیا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی مجھے مکمل خاموشی اختیار کرنا پڑی تھی کیوں کہ اسے خدشہ تھا کہ ڈی سوزا نے کہیں اس کے کمرے میں پوشیدہ مقامات پر ڈکٹا فون نہ لگوا دیے ہوں۔ ہم آپس میں اپنی گھڑیاں ملا کر پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ ہمیں دس بجے کمرے سے نکل جانا ہو گا کیوں کہ اس وقت لائیڈرز کالج کے مختلف حصوں میں باہر کی چہل پہل ختم ہو کر کمروں تک محدود ہو جاتی تھی۔ جہاں مے نوشی، تاش اور شطرنج وغیرہ کی محفلیں جم جاتی تھیں۔ اس لیے کسی کی مداخلت کا امکان باقی نہیں رہتا تھا۔ مسلح محافظوں کا رسمی سا گشت نمبر تین کے نواح تک محدود رہتا تھا۔ عمارت کے اندرونی حصوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہتا تھا جب کہ اصولی طور پر وہ چپے چپے کی نگرانی پر مامور تھے۔

میرا دل اس وقت متوقع خطرات کے پیشِ نظر کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اور رحمانی کے بشرے پر بھی گمبھیر سنجیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ کمرے سے نکلنے سے پیشتر رحمانی نے سر باہر نکال کر دونوں طرف کا جائزہ لیا تھا۔ پھر ہم کمرے سے نکل کر تیزی سے راہداری کے اس سرے کی طرف بڑھتے چلے گئے جدھر ایک کمرے میں تہ خانے میں داخلے کا راستہ تھا۔

ہم دونوں کسی مداخلت سے دوچار ہوئے بغیر اس کمرے میں پہنچ گئے۔ اور رحمانی نے دروازہ بند کر کے وہ دیوار گیر الماری کھول لی جس میں تہ خانے کے راستے کو ظاہر کرنے والا میکنیزم پوشیدہ تھا۔ اسی لمحے معاً میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا، اور مجھے بے اختیار جیوا ہاؤز کا وہ کمرا یاد آ گیا جہاں تنظیم کی جانب سے انتہائی خفیہ طور پر طاقتور ٹرانسمیٹر ریسیور نصب کیا گیا تھا۔ ایم ٹی تھری ہنڈرڈ کی حفاظت کے لیے اس کمرے میں فوٹو سیل سے منسلک ایسا بھرپور حفاظتی انتظام کیا گیا تھا کہ کسی اجنبی کے چوکھٹ عبور کرتے ہی نہ صرف خودکار کیمرا حرکت میں آ جاتا تھا بلکہ ایسے دوسرے مدافعتی حربے بھی متحرک ہو جاتے تھے کہ مداخلت کار کیمرے میں اپنی واضح تصویر چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

پھر اس وقت تو ہم لائیڈرز کالج کے ایک اہم حصے میں موجود تھے جو ڈی سوزا کی غیر موجودگی میں انعام کی تحویل میں ہوتا تھا لیکن اس وقت ڈی سوزا خود کالج کی حدود میں موجود تھا اور کچھ عجب نہ ہوتا جو اس نے بے ضابطہ مداخلت کے لیے کوئی ایسا خفیہ حفاظتی نظام آن کیا ہوا ہوتا جو اسے اس کے کمرے میں مطلع کر دیتا کہ اس کی اجازت کے بغیر تہ خانے کا راستہ کھولا گیا ہے۔

میں نے اضطراری طور پر رحمانی کا شانہ دبایا اور وہ چونک کر سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اس کے کان سے منہ لگا کر اسے اپنے اندیشے سے آگاہ کیا تو اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ اشاروں سے مجھے اطمینان دلانے لگا کہ وہاں ایسا کوئی الارم سسٹم نہیں تھا کیوں کہ باہر سخت حفاظتی انتظامات ہونے کے باعث کسی غیر متعلقہ آدمی کی وہاں تک رسائی ناممکنات میں سے تھی۔

اس نے میکنیزم کو حرکت دی اور فرش میں تاریک خلا نمودار ہو گیا۔ میں نے بے یقینی کے عالم میں قدم بڑھائے۔ فضا میں ہاتھ لہرا کر رحمانی کو الوداع کہا اور اندر اتر گیا۔ پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی کسی خودکار نظام کے تحت تہ خانے میں تیز روشنی پھیل گئی تھی۔ چند قدم طے کرنے کے بعد میں نے سر گھما کر اوپر دیکھا تو اوپر والے کمرے کے فرش میں نظر آنے والا راستہ معدوم ہو چکا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ اوپر والوں سے میرا رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔

اپنی دانست میں میں نے مختصر سی مدت میں بہت بڑی

کامیابی حاصل کی تھی کہ لائیڈرز کاٹیج کے اس خفیہ مقام تک رسائی حاصل کرلی تھی جو وہاں رہنے والوں کے لیے بھی ایک راز ہی تھا۔ میں سنبھل سنبھل کر سیڑھیاں طے کر رہا تھا اور میری نگاہیں تہ خانے میں پڑی ہوئی میزوں پر جمی ہوئی تھی جو اس وقت صاف ستھری پڑی ہوئی تھیں۔ جب کہ الغام کے ساتھ ٹارچ سیل میں جاتے ہوئے میں نے ان میں سے بیشتر پر کاغذات پھیلے ہوئے دیکھے تھے جس کا مطلب تھا کہ اس دوران میں کوئی نہ کوئی تہ خانے میں آچکا تھا۔

پہلے میرا ارادہ تھا کہ نیچے پہنچتے ہی ان میزوں کی درازوں اور ان میں رکھے ہوئے کاغذات کا جائزہ لوں گا لیکن آخری سیڑھی اترتے ہوتے میں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا، جزئیات میں الجھنے سے قبل ایک بار اس پوری زیرزمین عمارت کا جائزہ لینا ضروری تھا جس کے بعد میں ترجیحات کا تعین بآسانی کر سکتا تھا۔

اس ہال کی وسعت کے مقابلے میں ان چند میزوں نے بمشکل ایک گوشہ ہی گھیرا ہوا تھا اور باقی وسیع و عریض رقبہ خالی پڑا ہوا تھا۔ اس سے آگے ایک دیوار میں وہی منحوس دروازہ نظر آرہا تھا جس سے گزر کر ٹارچ سیل تک رسائی ہوتی تھی، اس کے علاوہ دیواریں دور سے سپاٹ نظر آرہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ تہ خانہ اسی عمارت کے نیچے ختم ہوگیا تھا اور بظاہر اس کا نمبر تین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

میں نے وہیں ایک میز پر ٹک کر سگریٹ سلگالی۔ دشمنوں کے گڑھ میں اس تہ خانے میں اتر کر میں نے ایک بھیانک خطرہ مول لیا تھا اور اگر ڈری سوزا کو اس واقعہ کی بھنک بھی مل جاتی تو مجھے اس چوہے دان میں گھیر کر بڑی آسانی کے ساتھ ختم کیا جا سکتا تھا۔ اس تصور نے ابتدا ہی سے میرے اعصاب پر لرزہ طاری کیا ہوا تھا اور بدن کے سارے مساموں کے دہانے کھل گئے تھے لیکن لمحہ بہ لمحہ میری حالت اعتدال پر آتی جا رہی تھی۔ اس عمل میں تمباکو نوشی بھی میری خاصی مددگار ثابت ہوئی تھی۔ چند ثانیوں کے بعد میں اپنی جگہ چھوڑ کر اس کشادہ دیوار کی طرف بڑھ گیا جس میں ٹارچ سیل جانے والی راہداری کا دروازہ کھلتا تھا اور چند ہی منٹ کے جائزے کے بعد میری مایوسی یک لخت خوشی میں تبدیل ہوگئی کیونکہ اس دیوار میں ایک مقام پر نمایاں دراڑ نظر آرہی تھی جو امکانی طور پر کسی راستے کی نشاندہی کر رہی تھی۔

اوپر والے کمرے میں موجود میکنیزم اور فرش کے برابر ہو جانے والے قطعے کو دیکھ لینے کے بعد میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ دیوار بھی پہلو میں کھسک کر یا نیچے دھنس کر گزرگاہ پیدا کرتی ہوگی لیکن سپاٹ فرش اور دیواروں کی موجودگی میں اسے حرکت میں لانے والے میکنیزم کا سراغ لگانا آسان کام نہیں تھا۔ میں سگریٹیں پھونکتے ہوئے پوری عرق ریزی کے ساتھ تلاش میں لگا رہا۔ اس دوران میں میں نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ سگریٹ کی جلی ہوئی راکھ فرش پر گرا کر جوتے سے مسلتا رہا تھا اور سگریٹ کے سوختہ ٹوٹوں کو جوتے کے تلے پر بجھا کر ماچس کی ڈبیا میں ڈالتا رہا تھا تاکہ میرے نکلنے کے بعد وہاں کسی مداخلت کے آثار باقی نہ رہیں۔

نصف گھنٹے کی کڑی محنت کے باوجود میں دیوار یا سپاٹ فرش پر ایسا کوئی سراغ دریافت نہ کر سکا جو راستہ پیدا کرنے والے میکنیزم کی نشاندہی کرتا لیکن دراڑیں دیکھ کر مجھے پورا یقین تھا کہ وہاں کوئی راستہ ہی تھا۔ دیوار اور فرش سے مایوس ہو کر میں نے اپنی توجہ اس دیوار سے دور رکھی دفتری میزوں کی طرف مبذول کر دی اور باری باری ہر میز کے ہر حصے پر طبع آزمائی کرنے لگا۔ آخر ایک میز میں مجھے ایک قبضے دار ٹانگ نظر آہی گئی جو سب سے منفرد اور عجیب تھی۔ میز کا وہ چوبی پایا فرش میں ایک مضبوط قبضے سے جڑا ہوا تھا اور اوپری سرا میز کی نچلی سطح سے صرف مس ہو رہا تھا۔ میں نے اس پائے کو جنبش دی تو وہ فرشی قبضے پر متحرک محسوس ہوا اور میں بتدریج اسے نیچے دباتا ہی چلا گیا۔

فرش کے ساتھ پینتالیس درجے کا زاویہ بننے تک کچھ نہ ہوا لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری۔ اس پائے کی غیر معمولی تنصیب اس کے کسی اہم مصرف کی نشاندہی کر رہی تھی لہٰذا میں نے کوشش جاری رکھی پھر وہ پایا فرش سے بمشکل پندرہ بیس درجے کے فاصلے پر تھا کہ اچانک دیوار کی سمت ایک کھٹکا سا ہوا اور اس سپاٹ دیوار کا بارہ فٹ بلند اور کم و بیش اسی قدر عریض ٹکڑا کوئی آواز پیدا کیے بغیر ایک طرف ہٹنا شروع ہوگیا۔

میں نے چوبی پائے پر اپنے ہاتھ کے دباؤ میں کمی کر دی تو مجھے محسوس ہوا کہ کھٹکے کی آواز کے ساتھ ہی پائے نما اس لیور پر کسی اسپرنگ کا زور آچکا ہے اور اگر میں نے ذرا بھی تساہل سے کام لیا تو اسپرنگ کی قوت اس لیور کو فرش پر دوبارہ سیدھا کھڑا کر دے گی۔ جب دیوار کا متحرک حصہ، ساکن دیوار کے عقب میں غائب ہوگیا تو میں نے لیور پر سے ہاتھ ہٹا لیا جو ایک جھٹکے سے سیدھا ہوگیا اور دیوار میں نمودار ہونے والا راستہ بند ہونا شروع ہوگیا۔ راستہ کھلا رکھنے کے لیے میں نے دوبارہ لیور کو نیچے دبایا، اسے بار بار نیچے دبایے لیکن دیوار کی واپسی کا سفر جاری رہا اور میں وحشت زدہ نظروں سے مسدود ہوتے ہوئے راستے کو گھورتا رہا لیکن اس دوران میں بھی میرا ذہن اسی میکنیزم میں الجھا رہا۔

دروازے یا راستے کو کھلا رکھنے کے لیے میز کے پائے کو

نصب چوبی لیور کو مستقل طور پر نیچے دبائے رکھنا ضروری تھا۔ یہ بندوبست شاید اس لیے کیا گیا تھا کہ کبھی بے احتیاطی میں راستہ کھلا نہ رہ جائے۔ راستہ کھولنے کے عمل کو درمیان میں کہیں بھی روک کر دوبارہ مسدود کیا جا سکتا تھا لیکن راستہ بند ہونے کے عمل کو دیوار کی اصل جگہ پر واپسی سے پہلے نہیں روکا جا سکتا۔ میں نے لیور کو چھوڑ کر اپنے اس خیال کی تصدیق کر لی کیونکہ دباؤ ختم ہونے کے باوجود لیور فرش پر ہی پڑا رہا پھر جوں ہی دیوار نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی جگہ لی لیور سرعت کے ساتھ سیدھا ہو گیا۔

وہاں لیور کو فرش کے ساتھ دبائے رکھنے کے لیے مجھے وزن کی تلاش میں کوئی دقت نہ ہوئی اور دوسری بار دیوار کے حرکت میں آتے ہی میں نے لیور پر ایک کرسی کی پشت گاہ کا وزن ڈالا اور وہاں سے اٹھ کر سرکتی ہوئی دیوار کے قریب آ گیا۔

دوسری طرف گہری تاریکی کا راج تھا لیکن تہ خانے کی تیز روشنی کے انعکاس میں اس طرف کا جائزہ لینے میں کوئی دقت حائل نہیں تھی۔ اس طرف دیوار کی جڑ سے ہی مٹی پر ٹائروں کے متعدد نشان نظر آ رہے تھے۔ ان چوڑے نشانات اور کشادہ راستے کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ دوسری طرف نکاسی کی راہ ہونے کی صورت میں اس راستے سے مال برداری کے بھاری اور اونچے ٹرکوں کی نقل و حرکت بھی بہ آسانی جاری رکھی جا سکتی تھی۔

سرکتی ہوئی دیوار آخری سرے پر جا کر تھم گئی اور میں چند ثانیوں تک کسی تبدیلی کے انتظار کے بعد مطمئن ہو کر پختہ فرش پر بنی ہوئی گرد و غبار کی اس لکیر کو عبور کر گیا جو دونوں حصوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی تھی۔ ادھر گھستے ہی مجھے اندازہ ہوا کہ وہ تہ خانے کے بجائے ایک خمدار سرنگ تھی جو آگے گھور اندھیرے میں معدوم ہو گئی تھی۔ میں نے قرب و جوار کی دیواروں کا جائزہ لے کر سوئچ بورڈ کے تمام سوئچ آن کر دیے اور اس چوکور سرنگ میں دور تک دیوار گیر بلب روشن ہوتے چلے گئے۔

اس بڑی دریافت کے بعد میں پیش قدمی کے لیے بے چین ہو گیا تھا لیکن جزئیات کو نظر انداز کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ سرنگ کی ایک دیوار کے ساتھ چوبی ٹکڑوں اور ٹوٹے پھوٹے تختوں کی موجودگی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس سرنگ سے گزرگاہ کا کام لینے کے ساتھ ہی ایک سمت کی فاضل جگہ کو اسٹور کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا لیکن ان تختوں وغیرہ سے یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ اس قدر رازدارانہ طور پر لائے اور لے جائے جانے والے سامان کی نوعیت کیا رہی ہو گی۔

ابتدائی خوف اور گھبراہٹ پر قابو پا لینے کے بعد میں نے تیزی کے ساتھ پیش قدمی شروع کر دی کیونکہ اب کام کا دائرہ اچانک ہی وسیع ہو گیا تھا اور میں مقررہ وقت گزرنے سے پہلے اپنا جائزہ مکمل کر لینا چاہتا تھا۔

آگے بڑھنے سے اندازہ ہوا کہ وہ سرنگ بہت زیادہ طویل نہیں تھی لیکن اس میں گھماؤ کے باعث تاریکی میں وہ بہت طویل نظر آ رہی تھی۔ البتہ ایک نجی عمارت میں واقع ہونے کی بنا پر اس کی وہ طوالت بھی حیرت ناک معلوم ہو رہی تھی۔ کم و بیش ایک فرلانگ کی مسافت طے کرنے کے بعد میں دوبارہ ایک وسیع زیرِ زمین ہال میں جا پہنچا اور وہاں قدم رکھتے ہی میرا وجود دشن ہو کر رہ گیا۔ اس وسیع تہ خانے میں دیواروں کے ساتھ بڑے بڑے چوبی کریٹ چھت تک چنے ہوئے تھے۔ ان پیٹیوں کی تعداد بلا مبالغہ سیکڑوں میں تھی اور وہیں تین ٹن وزن اٹھانے والا پٹرول کا ایک فورک لفٹ ٹرک کسی مشینی آسیب کی طرح کھڑا ہوا تھا۔

رحمانی کے اندیشے حقیقت کی صورت میں میرے سامنے آ چکے تھے۔ لائیڈز کاٹیج میں اوپر کے دکھاوے کی آڑ میں نہایت منظم پیمانے پر تہ خانوں اور سرنگوں کے ذریعے اصل کام کیا جا رہا تھا جو یقینی طور پر ہیروئن یا کسی بھی دوسری نشہ آور اشیا سے متعلق نہیں تھا۔ میں نے پیٹیوں کا جائزہ لیا تو وہ سب سیل تھیں۔ ان میں کئی سائز کی پیٹیاں تھیں جن پر مشرقی یورپ، جرمنی، فرانس اور انگلینڈ کے نام پڑھنے میں آ رہے تھے لیکن ان میں بند مال کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں تھا۔

وہ تہ خانہ کسی کاروباری ادارے کا باقاعدہ گودام نظر آ رہا تھا اور وہاں سامان کے اعتبار سے متعدد متعلقہ اوزار بھی نظر آ رہے تھے۔ اس حصے میں ایک راستہ وہ تھا جس سے گزر کر میں وہاں تک آیا تھا اور اسی کے مقابل اسی طرح کی دوسری چوکور سرنگ آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس سرنگ کا دوسرا سرا کسی محفوظ مقام پر کھلی فضا میں لائیڈز کاٹیج سے باہر نکلتا ہو گا اور اسی راستے سے مال کی آمد و رفت جاری رکھی جاتی ہو گی۔

باہر جانے والی سرنگ کے ساتھ ہی اوپر جاتے ہوئے زینے موجود تھے جو پہلی سرنگ کی طوالت کے پیشِ نظر یقیناً نمبر تین کے مقفل حصے تک رہنمائی کر سکتے تھے لیکن میرے لیے اس وقت سب سے زیادہ اہمیت ان چوبی پیٹیوں کی تھی جو وہاں بھاری تعداد میں ذخیرہ کی گئی تھیں۔

میں لوہے کی پتیاں کاٹنے والی قینچی اور تختے اکھاڑنے والی لوہے کی باری لے کر ان پیٹیوں پر چڑھ گیا۔ اس کارروائی کے آغاز سے قبل میں نے اس حصے کے تفصیلی جائزے میں وقت برباد کرنا غیر ضروری خیال کیا تھا کیونکہ وہاں کوئی موجود ہوتا تو میرے قدموں کی چاپ سے بہت پہلے چوکنا ہو کر مجھ پر حملہ آور ہو چکا ہوتا۔ اس کا

سبب یہ تھا کہ میری تمام تر احتیاط کے باوجود میرے قدموں کی دھمک تہ خانے کی ساخت کے باعث غیر معمولی انداز میں گونج رہی تھی۔

میں نے پہلی پیٹی پر کسی ہوئی مضبوط آہنی پتیاں کاٹ کر پہلا تختہ اکھاڑا اور پھر بے صبری کے ساتھ پیٹی میں ہاتھ ڈال دیا۔ لوہے کا سرد لمس محسوس کرتے ہی میرا وجود سُن ہو کر رہ گیا۔ میری انگلیاں کسی ٹامی گن کی بیرل سے ٹکرائی تھیں۔

میں چند ثانیوں تک حیرت، بے یقینی اور خوف کے عالم میں یوں ہی منجمد بیٹھا رہ گیا جو لوگ ایک ایک کلو ہیروئن کی تھیلیوں کے لین دین میں لاکھوں کما رہے تھے انھیں اسلحہ کی تجارت کی کیا ضرورت تھی؟ وہ اسلحہ جس پُراسرار انداز میں وہاں ذخیرہ کیا گیا تھا، اس کی وجہ سے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ منشیات کی طرح اسلحہ کی تجارت بھی غیر قانونی تھی۔ اگر حکومت کو فریب دے کر وہ غیر ملکی اسلحہ لایا جا رہا تھا تو اس کی نکاسی کہاں تھی؟ ظاہر ہے کہ چوری چھپے اسلحہ خریدنے والے نہ حکومت کے دوست ہو سکتے تھے اور نہ محبِ وطن!

معاً میرے ذہن میں انسدادِ منشیات کی اس بین الاقوامی کانفرنس کی یاد تازہ ہو گئی جس کے کھلے اجلاس میں میں نے بھی شرکت کی تھی۔ اس اجلاس میں بہت کچھ کہا گیا تھا۔ بڑی طاقتوں کے نمائندے اپنے مفادات کے نشے میں چور تھے اور خالص معاشرتی مسائل پر منعقد ہونے والی اس کانفرنس کا کھلا اجلاس پہلے ہی راؤنڈ میں سیاسی اور فوجی الزام تراشیوں کا شکار ہو گیا تھا۔

ایک غیر ملکی نمائندے نے بڑے مدلل انداز میں منشیات کی کوکھ سے جنم لینے والی اس ہولناک سازش کی نشاندہی کی تھی جس کے ذریعے نہ صرف پاکستان کو بین الاقوامی پیمانے پر منشیات کی افزائش کا ذمے دار ٹھہرانا تھا بلکہ غیر ملکی سرمائے اور فنی معاونت سے ملکی سرحدوں پر تیار ہونے والی ہیروئن کی مقامی گزرگاہوں سے نوجوان نسل کو اس نشے کا عادی بنا کر قومی پیمانے پر مدافعت کی صلاحیت کو کمزور اور بالآخر تباہ کرنا تھا تاکہ جب مناسب موقع پر وار کیا جائے تو اندر سے کوئی مزاحمت نہ ہو سکے۔

ہیروئن بن رہی تھی، ملک کے چپے چپے میں فروغ پا رہی تھی، معاشی بدحالیوں میں مبتلا جاہل اور مستقبل سے مایوس جوان، تعلیم یافتہ نسل اس نشے کو منہ لگا رہی تھی جو بعد میں سر پر ناچنے لگتا ہے۔ دوسری طرف اس کی برآمد سے سرمایہ کمایا جا رہا تھا اور شاید وہی سرمایہ غیر قانونی ہتھیاروں کی درآمد میں لگایا جا رہا تھا تاکہ ملک دشمن قوتوں کو قوت اور استحکام مل سکے۔

مجھ پر جنون سا سوار ہو گیا اور میں یکے بعد دیگرے [illegible] کی ایک ایک پیٹی کھولتا چلا گیا۔ خود کار رائفلوں، مشین گنوں [illegible] ان کے میگزین سے لے کر راکٹ لانچر تک سب ہی کچھ ان [illegible] میں موجود تھا۔ مجھے یقین تھا کہ نیچے دبی ہوئی پیٹیوں میں دستی [illegible] اور گرینیڈ بھی ضرور رہے ہوں گے۔

میرا جی چاہا کہ اسی لمحے اس بارودی ذخیرے کو نذرِ آتش کر دوں اور اس کے ساتھ خود بھی فنا ہو جاؤں۔ تنظیم کا وہ راز میرے لیے بہت کریہہ اور ناقابلِ برداشت ثابت ہوا تھا۔ اپنے قابلِ نفرت ماضی سے تائب ہو کر سیدھے راستے پر چل [illegible] تھا لیکن ان گناہوں میں کبھی میرا بھی دخل رہا تھا جس کا ازالہ یہی ہو سکتا تھا کہ میں ان کو ناقابلِ فراموش زک دیتے ہوئے خود بھی جان سے گزر جاؤں کیونکہ بارود کے اس ڈھیر کو دیا[illegible] دکھانے کے بعد زندہ بچ نکلنا معجزے کے تحت تو ہو سکتا تھا لیکن عقل اس امکان کو تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔

اس تہ خانے کی تباہی لائیڈز کارٹج کی پُرشکوہ کہانی کا آخری باب ثابت ہو سکتی تھی۔ تباہی سے جو کچھ بچ رہتا وہ مقامی حکام کی تحویل میں چلا جاتا لیکن ان کی جڑیں بہت گہری تھیں وہ جلد کوئی دوسرا ٹھکانا تلاش کر سکتے تھے۔ لائیڈز کارٹج اہم ضرور تھا اس سے کہیں زیادہ اہم وہ دماغ تھا جو ان سازشوں کی پشت پر کارفرما تھا۔

ویرا لائیڈ کا باپ اس سازش کا سرغنہ تھا اور اس پر ہاتھ ڈالے بغیر اس فتنے کی سرکوبی ناممکن تھی۔ اس بارے میں خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ خود ویرا بھی اپنے باپ کی تلاش کی مہم میں میرا ساتھ دینے پر آمادہ تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ میرے اور اس کے مقاصد الگ تھے لیکن اس تک رسائی کے بعد میں اپنی راہ کا انتخاب خود کر سکتا تھا۔

ان چوبی پیٹیوں میں پستول یا ریوالور کی قسم کا کوئی اسلحہ نہیں تھا لہٰذا میں نے اسلحہ کی کمی دور کرنے کے لیے ایک پیٹی سے ٹامی گن کے حصے نکال کر آپس میں جوڑے اور اس میں میگزین فٹ کر کے ان سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا جو میرے خیال میں تین کے مقفل حصے میں جاتی تھیں۔

وہاں سیڑھیوں کی ابتدا پر ایک ہٹ والی ویسی ہی الماری موجود تھی جیسی نمبر دو عمارت کے ایک کمرے میں موجود تھی جس میں تہ خانے کا فرشی راستہ پیدا کرنے کا میکینزم پوشیدہ تھا۔ الماری کھول کر میں نے مقررہ سمت میں دستے کو حرکت دی اور اوپر سیڑھیوں کے اختتام پر فرش کا ایک حصہ ایک طرف سرک گیا۔ اس خلا سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اوپر والا کمرا تاریک

ہوا تھا۔

میں کئی منٹ تک ٹامی گن سنبھالے نیچے فرش پر کھڑا کسی ردِعمل کا انتظار کرتا رہا لیکن دوسری طرف بدستور گہرے سناٹے کا راج رہا اور آخر کار میں نہایت چوکنے انداز میں سیڑھیاں طے کرنے لگا میں فیصلہ کر چکا تھا کہ کوئی بھی خطرہ لاحق ہوا تو میں ٹامی گن کا جہنمی دہانہ کھولنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کروں گا لیکن سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد اوپر والا کمرا خالی ہی ملا۔ اندر عمارت میں سے بھی کوئی آواز نہیں سُنائی دے رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ یا تو عمارت ویران پڑی ہوئی تھی یا سارے مکین گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے تھے۔

اس کمرے کی ساخت اور عمارت میں چھائے ہوئے سناٹے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت میں لائیڈز کاٹیج میں سطح زمین پر بنی ہوئی عمارت نمبر تین میں داخل ہو چکا تھا جہاں جمی لائیڈ کی تصویر کی موجودگی کے قوی امکانات تھے۔

عمارت میں چھائے ہوئے گہرے اندھیرے میں مَیں نے کوئی روشنی جلانے سے گریز ہی کیا اُس طرح میں وہاں موجود افراد کو چوکنا کیے بغیر ان کے سروں پر پہنچنا چاہتا تھا۔ گہری تاریکی میں کسی چیز سے ٹکرائے یا کوئی آواز پیدا کیے بغیر میں تاریک راہداری میں بڑھتا رہا حتیٰ کہ عمارت کا پہلے سے روشن حصہ سامنے آ گیا اور میں نے دیکھا کہ بیرونی سمت میں واقع تمام دیواریں ٹھوس اور سپاٹ تھیں جن میں کھڑکی یا دروازہ تو درکنار کوئی دراڑ تک نہیں چھوڑی گئی تھی۔

میں نے باری باری اس حصے میں تین تاریک کمروں کا جائزہ لیا جو ویران پڑے ہوئے تھے البتہ چوتھے کمرے کے سامنے مجھے ٹھٹکنا پڑا کیونکہ میرے نتھنوں نے فضا میں الکحل کی بو محسوس کی تھی۔ میں نے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور وہ اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔ کمرے میں ہلکی سبز روشنی پھیلی ہوئی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ کمرا کسی کے زیرِ استعمال تھا۔

جب دروازہ کھلنے پر اندر سے کوئی آواز نہ سُنائی دی تو بلی کی طرح بے طرح بے آواز قدموں سے چلتا ہوا اچانک کھلے ہوئے دروازے سے اندر گھس گیا۔ میرے سامنے ہی مسہری پر ایک صحت مند سفید فام پہلو کے بل بے خبر سو رہا تھا۔ اس کے سرہانے تپائی پر مے نوشی کے لوازمات موجود تھے، ایک گلاس میں اسکاچ کے چند باقی ماندہ گھونٹ بتا رہے تھے کہ وہ پیتے پیتے نشے کے عالم میں ہی گہری نیند سو گیا ہے۔ سکون کے ساتھ پورے مکان کی تلاشی لینے کی نیت سے میں نے فوری طور پر اس مے خوار کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا البتہ اس کے سرہانے رکھا ہوا بڑے بور کا بھرا ہوا ریوالور اپنی تحویل میں لے لیا اور وہاں سے نکل آیا۔

نمبر تین کے اس حصے میں اعلیٰ درجے کے رہائشی انتظامات تھے۔ بیشتر کمرے پُرتکلّف خوابگاہوں پر مشتمل تھے جہاں لائیڈز کاٹیج کے بن بلائے پُراسرار مہمان قیام کرتے تھے، ایک وسیع اور پُرتکلف کمرا نشست گاہ کا روپ لیے ہوئے تھا جب کہ کھانے کی وسیع میز والے کمرے کے ایک حصے میں چھوٹا سا بار کاؤنٹر موجود تھا جس کے پیچھے شیشے کے دیوارگیر کیبنٹ بھانت بھانت کی قیمتی غیر ملکی شرابوں سے بھرے ہوئے تھے اور سب ہی ویران پڑے ہوئے تھے۔ عمارت کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ عمارت کے اس حصے میں سوئے ہوئے سفید فام کے علاوہ وہاں کوئی اور موجود نہیں ہے تو میں نے اپنی پوری توجہ اس کمرے پر مرکوز کر دی جو نشست گاہ سے متصل لیکن مقفّل تھا۔ اس پورے حصے میں دوسرا مقفّل دروازہ وہ ملا جو لائیڈز کاٹیج میں کھلنے والے ہال کو باقی عمارت سے ملاتا تھا۔

اس کمرے کا محلِ وقوع یہ چغلی کھا رہا تھا کہ وہ صاحبِ مکان کا ذاتی اسلحہ خانہ بھی ہو سکتا تھا اور نوادرات رکھنے کا کمرا بھی۔ مجھے پوری امید تھی کہ جمی لائیڈ کی تصویر اسی کمرے میں مل سکے گی۔ ایک تار کی مدد سے میں نے تھوڑی سی جدّوجہد کے بعد وہ مقفّل دروازہ کھول لیا پھر اندر روشنی کرتے ہی میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ اس لمبے ہال میں ایک دیوار پر جانوروں کے سروں، سینگوں اور کھالوں پر مشتمل شکاری ٹرافیاں نصب تھیں اور نیچے دور دیہ چوبی اسٹینڈز پر مختلف اقسام کے اسلحہ جات موجود تھے جن میں بھانت بھانت کی بندوقیں اور رائفلیں موجود تھیں کمرے کی سرسری تلاشی میں مجھے کینوس کا تین فٹ اونچا اور تقریباً دو فٹ چوڑا ایک سادا فریم بھی نظر آیا جو ایک کیبنٹ میں دروازے کے طور پر لگایا گیا تھا۔ کینوس بالکل سادا تھا لیکن یہ شناخت کرنا دشوار نہیں تھا کہ وہ پینٹنگز کی تیاری میں استعمال ہونے والا فریم تھا اس اعتبار سے دروازے کے طور پر اس کا استعمال نگاہوں میں کھٹکتا تھا کیونکہ دیگر اشیاء کی ترتیب اور رکھ رکھاؤ سے مکینوں کے اعلیٰ ذوق اور نفاست کا اظہار ہوتا تھا جس سے وہ سادا فریم ذرا بھی میل نہیں کھاتا تھا۔

دوسری توجہ طلب بات یہ تھی کہ لائیڈز کاٹیج سے کٹا ہوا نمبر تین کے چپّے چپّے کی صفائی کی جاتی رہی تھی۔ پوری عمارت میں کہیں بھی گرد و غبار یا گندگی کا شائبہ تک نہیں تھا جب کہ اسلحہ اور شکاری ٹرافیوں والے مقفّل کمرے میں فرش اور وہاں رکھی ہوئی اشیاء پر گرد کی خاصی تہ جمی ہوئی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہاں آتے جاتے رہنے والوں کی رسائی اس کمرے میں نہیں تھی جب کہ اس غیر معمولی فریم کے علاوہ بادی النظر میں وہاں کوئی غیر معمولی چیز نہیں تھی۔

میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کینوس فریم سے بنا ہوا وہ اکلوتا پٹ کھولنا چاہا تو وہ پورا فریم اپنی جگہ سے اکھڑ آیا اور میری لاکھ کوشش کے باوجود پُرشور آواز کے ساتھ فرش پر آ رہا۔ میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ فریم کے اندرونی رخ پر کوئی پینٹنگ موجود تھی لیکن فریم کے گرنے سے پیدا ہونے والی آواز نے مجھے سراسیمہ کر دیا تھا لہٰذا میں فریم کو چھوڑ کر تیزی کے ساتھ ایک طرف اوٹ میں ہو گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ عمارت کے اس حصے میں موجود واحد سفید فام شراب کے نشے میں گہری نیند سویا ہوا تھا لیکن میں اس وقت بدترین اتفاقات کو بھی نظر انداز کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا جن میں سے ایک سفید فام کی قبل از وقت بیداری ہو سکتا تھا۔

وقت دھیمے دھیمے سرکتا رہا جب کئی منٹ بعد بھی کہیں سے کوئی جوابی ردّعمل نہ سنائی دیا تو میں اپنی کمین گاہ سے باہر نکل آیا پھر اس فریم کو پلٹتے ہی میں اس رنگین قلمی تصویر کو دیکھتا رہ گیا۔

بڑے بڑے خمدار بالوں، نچلے جبڑوں تک چھوڑی ہوئی گھنی قلموں اور روشن چمکدار آنکھوں والا وہ سفید فام انگریز امراء کی طرز کے روایتی لباس میں ملبوس ایک منقش مسند پر براجمان تھا اور اس کے قدموں میں ایک چیتے کی کھال پڑی ہوئی تھی تصویر کے نیچے داہنے گوشے میں نسبتاً باریک حروف میں انگریزی میں جے۔ لائیڈ لکھا ہوا تھا جسے دور سے بھی بہ آسانی پڑھا جا سکتا تھا اور اس انداز میں لکھا گیا تھا کہ یہ طے کرنا دشوار تھا کہ وہ صاحبِ تصویر کا نام ہے یا تصویر بنانے والے مصور کے دستخط۔

میں کئی منٹ تک غور سے مضبوط اور گٹھے ہوئے جسم والے اس شخص کو دیکھتا رہا جو چہرے پر گمبھیر سنجیدگی اور متانت لیے تصویر میں براجمان تھا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے لیکن ان لبوں پر ایک غیر واضح اور دھندلی سی مسکراہٹ مچلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اگر وہی جمی لائیڈ تھا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ویرا کی ماں دعوت میں اس سے ملاقات پر کسی عالی نسب مہمان کا دھوکا نہ کھاتی کیونکہ اپنے خدوخال اور شاہانہ کروفر سے وہ کسی طرح بھی مجرم نظر نہیں آ رہا تھا۔

ویرا کی ہدایت کی تعمیل میں میں نے وہ تصویر جن پُراسرار اور ناقابلِ تصور حالات میں دریافت کی تھی ان کے پیشِ نظر وہ جمی لائیڈ ہی کی تصویر ہو سکتی تھی۔ میں نے بغور اس تصویر کی ساری جزئیات ذہن نشین کیں اور تصویر کو دوبارہ اس کی جگہ لگا دیا۔ وہ تصویر اس قدر غیر معمولی تھی کہ ایک بار اسے دیکھ کر بھلایا جانا ممکن نہیں تھا۔ باہر نکل کر میں نے اس کمرے کا دروازہ دوبارہ مقفل کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ میں نے بہت کم وقت میں قابلِ رشک کامیابیاں حاصل کر لی تھیں اور اگر آئندہ اٹھارہ بیس گھنٹے پُرسکون انداز میں گزر جاتے تو میں اگلی رات کانٹی نینٹل میں ویرا لائیڈ سے ملنے کے لیے باہر نکلنے کے بعد ویرا کے ہمراہ جمی لائیڈ کی تصویر پر ... ہو کر لائیڈز کاٹیج کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا تھا۔ بس شرط اس قدر تھی کہ لائیڈز کاٹیج یا نمبر تین کو اسلحہ کے گودام کے طور پر استعمال کرنے والوں کو اس دوران میں یہ علم نہ ہونے پائے کہ ان کی بے خبری میں کوئی ان کے ناقابلِ شکست حصار کو توڑ کر وہاں گھسنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ مجھے قوی اندیشہ تھا کہ وہ لوگ زیادہ دیر تک میری مداخلت سے بے خبر نہیں رہ سکیں گے لیکن میرے لیے وقت کی طنابوں کو مختصر کر کے اگلی رات سے پہلے لائیڈز کاٹیج سے نکلنا دشوار نظر آ رہا تھا۔

میرے لیے سوئے ہوئے سفید فام کے علاوہ بس ایک ہی اہم کام باقی رہ گیا تھا کہ لائیڈز کاٹیج میں واپسی سے قبل فریم کے نیچے بنے ہوئے تہ خانے سے باہر جانے والی سرنگ کے دوسرے دہانے کا سراغ لگانا تھا تاکہ بعد میں لائیڈز کاٹیج کا رُخ کیے بغیر اسی راستے سے اندر دھاوا بولا جا سکے۔ یہ بات طے تھی کہ سرنگ کا دوسرا دہانہ لائیڈز کاٹیج کے عقب میں پھیلے ہوئے گھنے جنگلات میں کہیں واقع ہو سکتا تھا اور یقینی طور پر ہر وقت مسلح آدمیوں کی نگرانی میں رہتا ہوگا جو مال لانے والے ٹرکوں کے عملے کو شناخت کر کے راستہ کھولتے ہوں گے۔

میں نے ٹامی گن اپنے شانے سے لٹکائی اور سفید فام کے سرہانے سے نکالا ہوا پستول سنبھال کر دوبارہ اس کی خواب گاہ کی طرف ہو لیا اس بار میں اپنی گھبراہٹ پر پوری طرح قابو پا چکا تھا لہٰذا میں نے سوچے سمجھے انداز میں کارروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ سوئے ہوئے سفید فام کو چھیڑنے سے قبل میں نے وہاں موجود ٹیلی فون سیٹ کا جائزہ لیا اور ریسیور پر ڈائل ٹون سننے کے بعد جنکشن بکس اور انسٹرومنٹ سے سارے تار اس طرح نوچ ڈالے کہ انھیں دوبارہ جوڑنا آسان نہ رہے پھر میں نے ریسیور بھی تار سے الگ کر ڈالا۔ ٹیلی فون کو ناکارہ کرنے کے بعد مجھے لاسلکی مواصلاتی آلات کی فکر لاحق ہو گئی جو تنظیم کے ہر اہم یونٹ پر فوری رابطوں کے لیے زیرِ استعمال رہتے تھے۔ تھوڑی سی جستجو کے بعد سفید فام کی مسہری کے نیچے وہ آہنی صندوق بھی مل گیا جس میں ڈیلٹا۔ ٹی ... کا ایک طاقتور لاسلکی مواصلاتی یونٹ موجود تھا۔ میں نے یونٹ کی پاور سپلائی منقطع کر کے اس کے بھی سارے تار بے رحمی کے ساتھ الگ کر ڈالے اس طرح نمبر تین کا بیرونی دنیا سے رابطہ مکمل منقطع کرنے کے بعد میں نے گہری نیند سوئے ہوئے سفید فام کو جھنجوڑ ڈالا۔

غنودگی کے عالم میں اس کے منہ سے ایک بے معنی سی

غضب ناک غرّاہٹ نکلی اور وہ آنکھیں کھولے بغیر پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس بار میں نے اس کی پسلیوں میں ہلکی سی ضرب لگائی اور وہ بے معنی غرّاہٹیں نکالتا ہوا بستر سے اُٹھ بیٹھا۔ پہلے تو وہ سمجھ ہی نہیں سکا کہ نیند کے عالم میں اس پر کیا افتاد آن پڑی ہے پھر اس نے لٹے سے بوجھل آنکھیں مسل کر پلکیں جھپکائیں تو مجھ پر نگاہ پڑتے ہی اس کا ہاتھ مشینی طور پر اپنے تکیے کی طرف بڑھا تھا۔

"وہاں کچھ نہیں ہے۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "یہ میرے ہاتھ میں دبا ہوا ہے۔" اُس کی چمڑی کی رنگت دیکھنے کے باوجود میں نے اُردو کا سہارا لیا تھا تاکہ اس کی عملی سطح کا اندازہ لگا سکوں۔

"ٹم کون ہائے؟ ایڈر کیسے آیا ہائے؟" وہ غضب ناک لہجے میں ہکلاتے ہوئے بولا تھا۔ ہکلاہٹ کا سبب غصّے سے زیادہ فطری معلوم ہوا تھا۔ اُردو سے اس کی واقفیت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مقامی ماحول کے لیے نیا نہیں تھا۔

"یہی میں تم سے پوچھ سکتا ہوں۔" اس بار میں نے چُبھتے ہوئے لہجے میں انگریزی میں سوال کیا تھا۔ "تم اس عمارت میں غیر قانونی طور پر کیسے موجود ہو اور نیچے کس قسم کا مال بھرا ہوا ہے؟"

اس بار اُسے صورتِ حال کی نزاکت کا فوراً ہی ادراک ہوا تھا اور وہ بستر سے اُچھل کر نیچے آ گیا۔ اس کی آنکھوں سے نیند اور نشے کا خمار یکسر غائب ہو گیا تھا اور وہ براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔ "تم نے ابھی تک اپنے بارے میں میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"ہوش میں رہ کر بات کرو۔" میں نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم اس وقت ایک ذمے دار سرکاری افسر سے مخاطب ہو۔"

"سرکاری افسر؟" اُس نے استہزائیہ انداز میں دُہرایا۔ "انوکھے ہی معلوم ہوتے ہو ورنہ یہاں کے ذمّے دار سرکاری افسر تو ماتحتوں کے جلوس کے بغیر سانس لینا بھی گوارا نہیں کرتے۔"

میں نے اچانک ہی بائیں ہاتھ کا بھرپور تھپڑ اُس کے چہرے پر رسید کیا تھا اور وہ چکراتا ہوا دُور جا گرا۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنا رخسار سہلاتا ہوا کینہ توز انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ "تمھیں یہ جسارت مہنگی پڑے گی۔" وہ غرّایا تھا۔

"یہاں سے نکاسی والی سُرنگ کہاں نکلتی ہے؟" میں نے سوال کیا اور اُس کی نگاہیں یکبارگی چمک اٹھیں۔

"اس راستے سے لاعلم ہو تو پھر آئے کہاں سے ہو؟" اُس نے فوراً ہی سوال کر دیا تھا۔

"اندر سے۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "پوری عمارت اس وقت ملٹری کی تحویل میں ہے۔ مجھے اتفاقاً ہی تہ خانے میں اُترنے کا راستہ مل گیا پھر سُرنگ بھی دریافت ہو گئی اور میں ادھر چلا آیا۔"

"یعنی ابھی تک یہ معاملہ تمھاری ذات تک محدود ہے؟" اُس نے سوال کیا پھر مجھے خاموش پا کر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "چاہو تو تم اس سنہری موقع سے ناقابلِ تصور فائدہ اٹھا سکتے ہو... میں تمھیں منہ مانگا معاوضہ دے سکتا ہوں۔"

"کس بات کا؟" میں نے سرسری سی دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"انسٹرومنٹ تم تباہ کر چکے ہو۔" وہ ٹیلی فون پر حسرت زدہ نگاہیں ڈالتے ہوئے بولا۔ "وائرلیس بھی ناکارہ کر دیا ہے۔ بس مجھے نکل جانے دو۔ رقم فوری ادا کر دوں گا۔"

میں ہنس دیا۔ "اگر رقم فوری دے سکتے ہو تو وہ یہیں موجود ہو گی، اس پر میں تمھیں گولی مار کر بھی قابض ہو سکتا ہوں۔ تم نے ابھی تک میرے ابتدائی سوالات کا جواب نہیں دیا۔"

"میں یہاں چوکیدار کی حیثیت سے ملازم ہوں جن لوگوں کے لیے کام کرتا ہوں انھیں اس کارروائی کی خبر دینا ضروری ہے اسی لیے میں تم سے سودا کرنا چاہ رہا تھا ورنہ مجھے زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ اندازہ ہے کہ یہاں مقامی ضروریات کے لیے وہ اسلحہ اور فاضل پُرزے لائے جاتے ہیں جن کی سپلائی دوست ملکوں نے روک دی ہے لیکن جو تمھاری قومی سلامتی کے لیے ناگزیر ہیں۔"

"تم کن لوگوں کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ ساری ہدایت فون یا ٹرانسمیٹر پر ملتی رہی ہیں۔"

"پھر اُنھیں اس کارروائی کی اطلاع کیسے دے سکو گے؟"

"باہر سے فون کر کے۔" وہ غیر متوقع طور پر شرافت سے بتاتا چلا گیا۔ میرے استفسار پر اس نے جھجکتے ہوئے فون نمبر دُہرایا جو میں نے فوراً ہی ذہن نشین کر لیا۔

"تمھارے اور کن لوگوں سے مراسم ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"کام کے سلسلے میں میں کسی کی بھی نشاندہی نہ کر سکوں گا۔"

"ٹارچر سیل میں تم اپنی زبان زیادہ دیر بند نہ رکھ سکو گے، چلو باہر نکلو!" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

اُس نے ایک بار پھر میرے ساتھ سودے بازی کی کوشش شروع کر دی۔ پھر میرے سخت رویّے سے مجبور ہو کر میرے حکم کی تعمیل میں کمرے سے باہر نکل گیا۔

مخصوص کمرے میں پہنچ کر میں نے اُسے تہ خانے میں اُترنے کی ہدایت کی تو وہ بڑھتے بڑھتے اچانک ہی پلٹ کر مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ میں نے اُسے اس طرح اپنے ہاتھوں پر روکا تھا کہ پستول کی آہنی نال اُس کے بائیں جبڑے پر پڑی تھی۔ اُسی لمحے میرا داہنا گھٹنا حرکت میں آیا اور وہ بے اختیار اپنا پیٹ دبائے پیچھے اُلٹ گیا۔ اس بار میں نے اُس کے ساتھ کسی رعایت سے کام نہیں لیا اور لات مار کر اُسے تہ خانے کے دہانے کی طرف دھکیل دیا۔ وہ راستہ اتنا کشادہ نہیں تھا کہ اُس کا پورا

وجود اس خلا میں سے گزر جاتا۔ شانوں اور ٹانگوں کے بل اس نے خود کو سنبھالنا چاہا لیکن میں نے ٹھوکریں مار مار کر اسے نیچے گرا ہی دیا اور تہ خانہ اُس کی ہولناک چیخوں سے گونج اُٹھا۔

اس کے فرش پر گرنے سے پُرشور دھماکا ہوا تھا۔ آخری دلدوز چیخ فوری ہی دردناک کراہوں میں بدل گئی تھی۔ میں پھرتی کے ساتھ سیڑھیاں عبور کر کے نیچے پہنچا تو وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر سسک رہا تھا۔ اس کی بائیں کنپٹی اور کھوپڑی پھٹ گئی تھی۔ اتنی بلندی سے گرنے کے باعث بہتیری ہڈیاں بھی سلامت نہ رہ سکی ہوں گی۔

میں نے ایک لمحے کے لیے اس کی افادیت کے بارے میں غور کیا اور پھر اس کی پیشانی کے وسط میں اُسی کے پستول کی گولی اُتار دی۔ تہ خانے میں فائر کی بازگشت کئی ثانیوں تک گونجتی رہی تھی۔ اس کے معدوم ہونے سے پہلے ہی وہ سفید فام دم توڑ چکا تھا۔

مجھے اپنے تحفظ اور اگلی کارروائی کے لیے کم از کم اٹھارہ گھنٹے کی مہلت درکار تھی اور اتنے طویل عرصے کے لیے اس سفید فام کو زندہ چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا تھا۔ وہ کسی بھی آنے والے کو پوری روداد سُنا کر میرے لیے دشواریاں کھڑی کر سکتا تھا جب کہ اس کی لاش دیکھ کر کوئی بھی واقعات کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

اسے ٹھکانے لگا کر میں نے فوراً ہی نکاسی والی سرنگ کی طرف پیش قدمی کا ارادہ کیا لیکن یہ سوچ کر ٹھہر گیا کہ دوسرے دہانے پر متعین محافظوں کے مقابلے میں مجھے کوئی آڑ میسر نہ ہوئی تو میں ان کے ہاتھوں باآسانی مارا جاؤں گا۔ میں نے فورک لفٹ کا جائزہ لیا تو اُس کی کنجی اگنیشن میں موجود تھی۔

میں نے اگنیشن آن کر کے گلو لیمپ آف ہونے کا انتظار کیا اور پھر چابی گھما کر انجن اسٹارٹ کر لیا۔ فورک لیور کی مدد سے تہ خانے کے فرش پر ٹکے ہوئے فورکس کو اوپر اٹھا کر میں نے انجن فارورڈ گیئر میں ڈالا اور فورک لفٹ کو نکاسی کی سرنگ میں لیتا چلا گیا جو بتدریج ڈھلان کی صورت میں قدرے بلند ہوتی جا رہی تھی۔ اس طرف بڑھنے سے قبل میں نے سُرنگ میں روشنی کے سوئچ دانستہ آن نہیں کیے تھے۔ بس فورک لفٹ کے ہیڈ لیمپس سے کام لیتا رہا تھا تاکہ میں تاریکی میں رہ کر خود کو محافظوں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکوں۔

ہیڈ لیمپس کی روشنی میں بند دیوار سامنے آتے ہی میں نے فورک لفٹ کو روک دیا اور ہینڈ بریک لگا کر ہیڈ لیمپس کی روشنی میں راستہ پیدا کرنے والا میکینزم تلاش کرنے لگا جو اس مقام پر برقی سوئچ کی صورت میں بغلی دیوار میں نصب تھا۔ نکاسی کے اس مقام پر سُرنگ کی چوڑائی اور اونچائی اتنی سمٹ گئی تھی کہ ٹرک احتیاط کے بغیر گزار لینا محال نظر آتا تھا۔

سوئچ آن کرتے ہی وہ دیوار پہلو میں سرکنے کے بجائے نیچے دھنسنے لگی۔ یہ بندوبست غالباً اس لیے رکھا گیا تھا کہ سامنے سے نکاسی کے راستے کا سائز مختصر ترین رکھا جاسکے۔ میں نے وہیں کھڑے رہنے کے بجائے پھرتی سے پلٹ کر فورک لفٹ میں اپنی نشست سنبھال لی۔ پھر جوں ہی دیوار دھنستی ہوئی نیچے آئی میں نے دہانے کے سامنے ایک شخص کو اسٹین گن سنبھالے دیکھا۔ حلیے سے وہ دیہاتی اور مفلوک الحال نظر آ رہا تھا تاکہ اس علاقے میں مقامی روپ میں ہونے کے باعث غیر متعلقہ لوگوں کی نگاہوں سے بچا رہے۔

”کون ہے؟“ اُس نے وہیں سے اونچی آواز میں سوال کیا۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ صورتِ حال میں کسی غیر متوقع تبدیلی کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا اور لگاتا بھی کیسے جب کہ داخلے کے اکلوتے راستے پر وہ خود نگراں تھا۔

دیوار پوری طرح نیچے بیٹھنے سے قبل ہی میں نے فورک لفٹ کو آگے بڑھایا اور حدِ فاصل پر اچانک روک کر باہر کھڑے ہوئے مسلح محافظ پر پستول سے فائر کر دیا۔ وہ میری رینج میں تھا اور میرا نشانہ بے خطا تھا۔ گولی اُس کے بائیں پہلو میں پیوست ہوئی تھی اور وہ اسٹین گن پھینک کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ دبائے چیختا ہوا نیچے ڈھیر ہو گیا تھا۔ میں نے فوراً ہی فورک لفٹ کو آگے بڑھا دیا اور راستہ ذہن میں رکھتے ہوئے ہیڈ لیمپس گُل کر دیے تاکہ اُس کا کوئی ساتھی فائر اور چیخ سن کر کہیں سے نمودار ہو تو اُسے بھی سنبھلنے سے پہلے ڈھیر کر سکوں اور ہوا بھی ایسا ہی۔ سُرنگ کے دہانے سے قدرے داہنی جانب ایک جھونپڑی میں سے ایک شخص غالباً نیند اور بدحواسی کے عالم میں دوسری اسٹین گن لیے برآمد ہوا تھا۔ پہلے شکار کے مقابلے میں وہ مجھ سے زیادہ نزدیک تھا۔ میں نے پہلے فائر پر اسے لڑکھڑا کر سنبھالا لیتے دیکھ کر فوراً ہی دوسرا فائر جھونک مارا اور اس بار وہ بھی ڈھیر ہو گیا۔

میں فورک لفٹ کا انجن بند کر کے نیچے آ گیا اور وہیں ٹھہر کر مزید کسی ردِعمل کا انتظار کرنے لگا۔ مختصر سی مدت میں یکے بعد دیگرے تین دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد مجھ پر درندگی طاری ہو چلی تھی اور ساری وحشیانہ جبلتیں پوری طرح بیدار ہو چکی تھیں۔

دوسرے آدمی کی ہلاکت کے بعد جنگلات کے درمیان گھرے ہوئے اس تاریک ویرانے میں دوبارہ سناٹا چھا گیا جس کا سینہ جھینگروں کا شور مجروح کر رہا تھا۔ میں نے فوری طور پر جھونپڑی کا رُخ کیا جہاں دو سلیپنگ بیگز کے علاوہ بہت مختصر سا سامان موجود تھا۔ پھٹے پرانے کپڑوں کے ایک ڈھیر کے نیچے مجھے دوسرا سوئچ بورڈ مل گیا۔ بٹن اس کا لیور دبایا تو دیوار ایک بار پھر اوپر اُٹھنے لگی۔ اسے یوں ہی چھوڑ کر میں ٹین کے ایک خستہ حال صندوق کی طرف متوجہ ہو گیا جس میں خوراک کے ڈبوں اور دوسری ضروریات کے ساتھ ایک وائرلیس

بھی موجود تھا۔ میں نے وہ انسٹرومنٹ اپنی تحویل میں لے لیا۔
واپس پلٹا تو سرنگ کا دہانہ غائب ہو چکا تھا۔ اس حصے کو مٹی اور پتھروں کے بھراؤ سے ایک قدرتی ٹیلے کی صورت دے دی گئی تھی جس پر کسی سُرنگ کا گمان ہونا محال تھا البتہ دھنسنے اور ابھرنے والی دیوار کا بیرونی حصہ ناہموار اور مٹیالے رنگ کا ہونے کے باوجود شبہ سا نظر آرہا تھا جس کی حفاظت کے لیے وہاں دو محافظ مامور تھے۔ سُرنگ سے آگے بھی زمین پر کسی قسم کے ٹریفک کی علامات نہیں تھیں۔ غالباً دونوں محافظ ایسے نشانات کو مٹانے کے ذمّے دار تھے۔
دونوں خون آلود لاشیں اسٹین گنوں سمیت فورکس پر لاد کر میں نے سُرنگ کا راستہ پیدا کیا اور فورک لفٹ کو اندر لے جا کر اندرونی سوئچ سے دیوار کو پھر اُس کی جگہ لوٹا دیا۔

میں نے پوری کوشش کی تھی کہ حالات کو اس قدر اُلجھا دیا جائے کہ کوئی اُدھر آ بھی نکلے تو آسانی سے کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکے اور مجھے اگلی رات تک کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

لیکن وہ سب میری تدبیریں تھیں جبکہ مقدر میں کچھ اور ہی لکھا ہوا تھا۔ میں سُرنگ کے پختہ اور ڈھلوان فرش پر احتیاط سے فورک لفٹ ڈرائیو کرتا ہوا تہ خانے میں پہنچا اور انجن بند کر کے فورکس ہم آہنگی کے ساتھ فرش پر ٹکا دیے تاکہ دونوں لاشوں کو اتارنے میں آسانی ہو۔ پھر میں اپنی نشست سے اُتر کر آگے بڑھا ہی تھا کہ ایک للکارتی ہوئی سرد آواز نے میری رگوں میں خون منجمد کر دیا اور میرے دونوں ہاتھ مشینی انداز میں اوپر اُٹھتے چلے گئے۔

ہاتھ بلند کر کے میں آہستہ آہستہ آواز کی سمت میں گھوما تو اسلحے کی پیٹیوں کے قریب انعام ٹامی گن سنبھالے قہر بار نظروں سے میری طرف گھور رہا تھا۔

وہ نجانے کب اور کیسے وہاں آ پہنچا تھا؟ مجھے خوف بس یہی تھا کہ اس وقت ہم بارود کے بھاری ذخیرے کے پاس موجود تھے اور اگر وہ میری کسی بھی حرکت پر بھڑک کر فائرنگ شروع کر دیتا تو بھٹکی ہوئی گولیاں اس تہ خانے کو بارودی جہنم میں تبدیل کر سکتی تھیں۔

"گولیاں نہ چلانا۔" میں نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "ان پیٹیوں میں اسلحہ اور بارود کے بھاری ذخائر موجود ہیں۔ ایک گولی بھی بارود کے کسی کریٹ میں گھس گئی تو ہماری راکھ کا بھی پتا نہیں چل سکے گا۔"

"راکھ!" وہ استہزائیہ انداز میں غرایا۔ "تمھاری تو اب روح کا بھی سراغ نہیں مل سکے گا کہ وہ کہاں اور کیسے غائب ہو گئی۔ مجھے پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا کہ تمھارے عزائم نیک نہیں ہیں۔ ہماری ہمدردی کی آڑ میں تم اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہو۔ اور تمھاری یہاں موجودگی نے میرے شبہات کی تائید کر دی ہے۔"

"لائیڈز کاٹیج میں، میں تفریح کے لیے نہیں آیا ہوں۔" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد اور خشک لہجے میں کہا۔ "ڈی سوزا نے یہاں گڑبڑ کا اندازہ لگا کر تحقیقات کے لیے مجھے طلب کیا تھا لیکن اسی کے ساتھ اوپر والوں نے بھی مجھے ایک مشن سونپا تھا۔ مجھے یہ دیکھنا تھا کہ اندر کی گڑبڑ کتنی سنگین اور اس کے رازوں پر کس حد تک اثر انداز ہوئی ہے۔ تمھاری یہاں موجودگی ظاہر کر رہی ہے کہ تم نے ہدایات اور یہاں کے ضابطوں کی دھجیاں اُڑا دی ہیں اور عملاً لائیڈز کاٹیج کے ہر گوشے میں تمھاری رسائی ہے۔ یہ سرکشی اور نافرمانی ناقابلِ معافی ہے۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ ہتھیار پھینک کر خود کو میرے حوالے کر دو۔"

لحظہ بھر کے لیے اس کے چہرے پر بے اطمینانی کے آثار نظر آئے پھر وہ بولا تو اُس کی آواز درشت تھی لیکن الفاظ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مدافعت کی کوشش کر رہا تھا۔ "میں یہاں پہلی بار آیا ہوں، مجھے تو کھلا ہوا راستہ دیکھ حیرت ہوئی تھی اور میں محتاط انداز میں بڑھتا چلا آیا۔ میں نے کسی حکم اور ہدایت کی خلاف ورزی نہیں کی . . . تم اوّل درجے کے مکّار اور جھوٹے ہو۔ مجھے حیرت ہے کہ تم جیسی کالی بھیڑ ڈی سوزا اور دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کیسے کامیاب ہو گئی؟"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "تم اعترافِ جرم کر رہے ہو انعام! سرکش اور باغی وہی کہلاتے ہیں جو خود کو اپنے اوپر والوں سے ذہین اور برتر سمجھنے لگتے ہیں پھر طے شدہ ضابطوں سے ہٹ کر اپنی راہ الگ بنانے لگتے ہیں۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ اضطراری لہجے میں غرایا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میری سنگین گفتگو اس کے اعصاب پر اثر انداز ہو رہی تھی اور میرے بارے میں اُس کے شبہات کمزور پڑنے لگے تھے۔ لیکن وہ آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔ "مجھے شروع ہی سے تمھاری اصلیت پر شبہ تھا۔ تم نجانے کن لوگوں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہو اور ہمارے اور ڈی سوزا کے درمیان اختلافات کی خلیج بڑھا کر کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

"میں تمھیں مجرم سمجھ رہا ہوں اور تم مجھے۔" میں نے پہلو بدلتے ہوئے پُرسکون لیکن تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ "لہٰذا ہم اپنا فیصلہ آپس میں نہیں کر سکتے۔ ڈی سوزا کے سامنے پہنچتے ہی تم اپنی تباہ کن غلطی کو محسوس کر لو گے کیوں کہ میرے سامنے تمھارا منصب ہیچ ہے۔ میں

غیر مسلح ہو چکا ہوں لہٰذا اتنا ضرور کہوں گا کہ تم بھی اپنی ٹامی گن پھینک دو یا کم از کم کندھے سے لٹکا لو تاکہ ہم مساویانہ طور پر واپسی کا آغاز کر سکیں۔ موجودہ توہین آمیز صورتِ حال میں مزید برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم نے ابتدا میں ہی غلطی کی۔۔۔" اُس نے کہنا چاہا لیکن میں نے اُس کی بات اڑا دی۔

"تم نے کہیں کوئی غلطی نہیں کی۔ سب کچھ من و عن اسی طرح ہوا ہے جیسے سوچا گیا تھا۔ ڈی سوزا کو پہلے سے تم پر شبہ تھا اسی لیے وہ عین وقت پر میری آمد اور میرے کوڈ کے بارے میں تمہیں کچھ بتائے بغیر غائب ہو گیا ملا سے معلوم تھا کہ تم مجھے یعنی ڈینی کو تنظیم کا ناقابلِ معافی مجرم گردانتے ہوئے تہ خانے میں لے جاؤ گے اور اسی مرحلے سے تمہارا اور تمہاری وفاداریوں کا امتحان شروع ہو گیا تھا۔"

"لیکن تمہاری یہاں موجودگی کا کیا جواز ہے؟"

"یہ ڈی سوزا سے بھی اوپر والوں سے پوچھنا ہو گا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "فی الحقیقت تم کچے مُہرے ہو۔ اس وقت تو ڈی سوزا کا مستقبل بھی میری تفتیش سے وابستہ ہو کر رہ گیا ہے۔"

"یہ بڑی اچھی بات بتائی تم نے۔" اُس کی نگاہیں یک بیک چمک اٹھیں۔ "ہو سکتا ہے کہ ڈی سوزا اپنے بچاؤ کے لیے تم کو ٹھکانے لگوا دے، اس طرح میری بھی گلو خلاصی ہو جائے گی۔۔۔ اور ہاں، یہ لاشیں کہاں سے لا رہے تھے؟"

"غفلتیں۔" میں نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں پہلے بھی خفیہ راستے سے یہاں آتا رہا ہوں۔ آج پہلی بار لائیڈز کاٹیج کی سمت سے داخل ہوا ہوں اور ہر طرف عدم تحفظ کی فضا نظر آ رہی ہے۔ اندر سے تم دندناتے ہوئے یہاں تک چلے آئے۔ نکاسی کے خفیہ راستے پر یہ دونوں مشتبہ آدمی مامور تھے۔ ہمارے آدمی جھاڑیوں میں بے دست و پا پڑے ہوئے تھے۔ ان دونوں کو ہلاک کر کے میں نے اپنے آدمیوں کو آزاد کرایا ہے۔ آثار ایسے ہیں کہ لائیڈز کاٹیج کی رازداری شاید زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہ سکے گی، باہر والے اُدھر متوجہ ہو چکے ہیں۔"

"باہر کے معاملات کی ذمّے داری ہم پر نہیں آتی۔" وہ بے پروائی کا انداز اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "اندر کے معاملے میں آخری فیصلہ ڈی سوزا ہی کو کرنا ہو گا۔"

میں نے ابتدا ہی سے اُس کے خلاف سخت موقف اختیار کیا تھا تاکہ ذہنی طور پر اُسے مرعوب کر کے اپنے خلاف کسی عملی کارروائی سے باز رکھ سکوں۔ اُس کی گفتگو سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے خلاف وہ اپنی تمام تر کوشش کے باوجود کوئی مستحکم رائے قائم نہیں کر سکا تھا اور اب اُس نے اپنی زبان سے اعتراف کر [illegible] کہ آخری فیصلہ بہر حال ڈی سوزا ہی کو کرنا تھا جس کا مطلب [illegible] وہ فوری طور پر مجھے ٹھکانے لگانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا [illegible]

"آخری فیصلہ ڈی سوزا کو نہیں، مجھے کرنا ہے۔" میں نے اپنے ہاتھ گراتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ "شاید تم نے سُنا نہیں کہ اوپر والوں کی طرف سے بھی مجھے کوئی مشن سونپا [illegible] اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ڈی سوزا لائیڈز کاٹیج کی زیرِ [illegible] تعمیرات کے تحفظ کے سلسلے میں غفلت اور کوتاہی کا مرتکب ہو رہا ہے۔"

اُس نے میرے ہاتھ گرانے پر اعتراض نہیں کیا [illegible] کھڑا اُلجھن آمیز نگاہوں سے مجھے گھورتا رہا۔ ٹامی گن کا دہانہ [illegible] میرے سینے کی طرف اُٹھا ہوا تھا۔

"رحمانی کہاں ہے؟" میں نے تحکمانہ لہجے میں سوال کیا۔

"وہ اوپر اپنے کمرے میں ہو گا۔" اُسی نے بتایا تھا کہ [illegible] وقت تم تہ خانے میں ہو اور صبح تین بجے وہ نکاسی کے [illegible] پر تمہیں لینے کے لیے آئے گا۔ وہ تم پر اندھا اعتماد کرتا ہے [illegible] اُسے بتائے بغیر تمہاری تلاش میں یہاں آ پہنچا اور یہاں میرے شبہا[ت] کی تصدیق ہو گئی۔"

"پھر وہی شبہات۔" میں برہمی کے عالم میں غرایا۔ "میں اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں موجود ہوں۔ مداخلت کا ارتکاب تم نے کیا ہے۔ اگر تم نے فوراً ٹامی گن [نہ] گرائی [تو] نتائج کی ذمّے داری مجھ پر نہیں ہو گی۔"

"اگر تمہاری بات ہی درست مان لوں تو ٹامی گن گرا[نے] کے بعد میں نہ صرف تمہارا قیدی بن جاؤں گا بلکہ ڈی سوزا کے [غصے] کا نشانہ بھی بننا پڑے گا۔" اُس کے لب و لہجے میں شکست [کے] آثار عود کر آئے۔

"بلا اختیار اور جواز یہاں گھسے ہو تو جواب دہی تو کرنا پڑے گی۔"

"ضرورت کے تحت مجھے یہاں آنے کا اختیار ہے۔ اس وقت کی دخل اندازی کے لیے میرے پاس کوئی معقول [جواز] نہیں ہے۔۔۔ نہیں میں اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"کوئی خطرہ نہیں ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ [مگر] اُس کا مضحکہ اُڑانے والا تھا۔ "تمہیں میری اصلیت کے [بارے] میں کچھ نہیں بتایا گیا، تمہارے نزدیک میں محض بھنگیوں کا سربراہ ہوں۔ اِن حالات میں مجھے تہ خانے کا رُخ اختیار [کرتے] ہوئے دیکھ کر تمہارا چونکنا لازمی تھا۔ بس یوں تم اتفاقاً میرے پیچھے چلے آئے۔"

اُس کے پژمردہ چہرے پر اُمید کی لہر دوڑ گئی۔ "لیکن اس کہانی کے تسلیم کیے جانے کا انحصار تمھارے بیان پر ہوگا، اگر تم تردید پر تل گئے تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم جو کچھ کہو گے اُس کی تردید نہیں کروں گا۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا اور میں نے اس وقت جو کچھ کہا وہ پورے خلوص کے ساتھ کہا تھا۔

انعام کوئی پارسا یا فرشتہ نہیں تھا۔ اُس کے دیگر جرائم کی فہرست جتنی بھی طویل رہی ہو اس سے قطع نظر وہ کم از کم دو آدمیوں کو لائیڈز کاٹیج کے سبزہ زاروں پر بذاتِ خود زہریلے سانپوں سے ڈسوا کر ہلاک کر چکا تھا اور ایک بار بساط پر غالب آنے کے بعد میرا اُس خونی کو معاف کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اپنے تین حریفوں کو ختم کرنے کے بعد اس وقت میرے دماغ پر خون سوار ہو چکا تھا اور میں جانتا تھا کہ ایک بار میرے دام میں آنے کے بعد وہ اس قابل ہی نہ رہ سکے گا کہ ڈی سوزا یا کسی دوسرے کو اپنی کہانی سُنا سکے۔

"یہ وعدہ ہے تمھارا؟" اُس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"وعدہ۔" میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اُس نے ٹامی گن بائیں ہاتھ میں سنبھال لی، اُس کا دہانہ چھت کے رُخ پر ہو گیا اور ٹرائیگر کو حرکت میں لانے والا داہنا ہاتھ مصافحے کے لیے میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے اُس کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لے کر پوری قوت سے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ بوکھلاہٹ میں ٹامی گن اُس کے ہاتھ سے نکل گئی اور جُوں ہی اُس کا چہرہ میرے قریب آیا میں نے وحشیانہ انداز میں اس کی ناک پر ٹکّر رسید کر دی۔ زیرِ زمین گزرگاہوں میں اُس کی کریہہ چیخ کی بازگشت دیر تک گونجتی رہی اور میں نے اُسے دوسری آواز نکالنے کا موقع دیے بغیر پوری قوت کے ساتھ اُس کی گردن دبوچ لی۔

جسمانی طور پر وہ مجھ سے کہیں برتر تھا لیکن میرا سوچا سمجھا وار اس کے لیے غیر متوقع تھا لہٰذا جتنی دیر میں وہ میرے بھیانک عزائم کا اندازہ لگاتا، میں اُسے پختہ فرش پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا تھا۔ پہلے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں پھر ان میں موت کی دہشت اُتر آئی۔ میرے نیچے اس کا وجود پوری شدت کے ساتھ تڑپتا رہا لیکن اس کے نرخرے پر میری انگلیوں کی گرفت ذرا بھی کمزور نہ ہوئی۔ آخرکار اُس کی آنکھیں اُبل کر اپنے حلقوں سے باہر آ گئیں۔

چند ثانیوں بعد جب دم گھٹنے کے باعث اُس کا بدن تڑپ تڑپ کر بے جان ہو گیا تو میں اس کے سینے پر سے اُتر گیا۔

سب کچھ کر گزرنے کے بعد یہ سوچ کر میرا دماغ گھوم گیا کہ قلیل سی مدّت میں میں چار انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ یہ خیال آتے ہی یک بیک میرے اعصاب پر تکان طاری ہو گئی اور میں وہیں اسلحے سے بھری ہوئی ایک چوبی پیٹی پر بیٹھ گیا۔

اضطراری طور پر سگریٹ سلگاتے ہوئے مجھے یاد آیا کہ میں اس وقت بارود کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا تھا لہٰذا میں نے احتیاط کے ساتھ دیاسلائی بجھا کر دوبارہ ماچس میں رکھ لی۔ سگریٹ کے گہرے کش لیتے ہوئے میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اپنی تیز کارروائیوں کی بنا پر میں خود کو ایک مشکل صورتِ حال سے دوچار کر بیٹھا تھا۔

گو ویرا لائیڈ سے میرا سمجھوتا ہو چکا تھا اور اس سمجھوتے کی ضمانت کے طور پر ویرا نے غزالہ کو یرغمال بنایا ہوا تھا لیکن وہ ایک خفیہ سمجھوتا تھا اور لائیڈز کاٹیج میں میری حیثیت تنظیم کے ایک معتوب کارندے سے زیادہ نہیں تھی یہ اور بات تھی کہ میرے لائیڈز کاٹیج پہنچتے ہی حالات نے کچھ ایسا رُخ اختیار کیا کہ انعام اور رحمانی مجھے اپنے اعتماد میں لینے پر مجبور ہو گئے پھر ڈی سوزا نے بھی مجھے باہر سے آیا ہوا ایک ذمّے دار لیکن معتوب کارندہ سمجھتے ہوئے اندازہ لگایا کہ اس عمارت میں کسی سے کوئی وابستگی نہ ہونے کے باعث میں غیر جانبدار آدمی ہوں، لہٰذا اس نے سانپوں کے ڈسنے سے ہلاک ہونے والوں کے معاملات کی تفتیش بھی میرے ذمّے لگا دی اور مجھے بیک وقت دو رُخی پالیسی اختیار کرنے کا موقع مل گیا۔

یہ میری اس پالیسی کی کامیابی کی انتہا تھی کہ میں اس وقت نمبر تین کے نیچے اسلحے کے اس خفیہ گودام میں موجود تھا جس کے وجود سے شاید ڈی سوزا بھی لاعلم تھا لیکن اس کھیل کا انجام خود مجھے بھی معلوم نہیں تھا۔

نمبر تین کے ممنوعہ حصّے میں جو واحد سفید فام مقیم تھا اُسے میں نے ہلاک کر دیا تھا۔ اُس کے کمرے میں موجود مواصلاتی آلات تباہ کر دیے تھے اگر مقررہ وقت پر وہ خود کسی سے رجوع نہ کرتا یا باہر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے والوں کو کامیابی نہ ہوتی تو سفید فام کی سلامتی کے بارے میں تشویش پیدا ہونا لازمی تھی پھر جو کوئی بھی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے خفیہ راستے سے تہ خانے میں داخل ہونے کے لیے پہنچتا تو اُسے پتا چلتا کہ سُرنگ کے دہانے کی حفاظت پر مامور افراد بھی لاپتا ہیں۔ اس قسم کی کوئی صورتِ حال پیدا ہوتے ہی میرے لیے ناقابلِ تصور دشواریوں کا آغاز ہو سکتا تھا۔

اگر انعام آخری لمحات پر ڈرامائی انداز میں دخل انداز نہ ہوا ہوتا تو میرے لیے صورتِ حال اتنی کٹھن نہ ہوتی۔ دونوں نگہبانوں کی لاشیں باہر کھلی فضا سے اندر لے آنے کے بعد کوئی بھی آنے والا یہی رائے قائم کرتا کہ کسی نے خفیہ راستے پر مامور محافظوں کو زیر کر کے اندر دخل اندازی کی اور سب کو ہلاک کر کے فرار ہو گیا لیکن انعام کی لاش کی موجودگی میں اس واردات کا تعلق لائیڈز کاٹیج سے ظاہر ہوتا تھا جو میرے لیے تشویش کا باعث تھا۔

میرے لیے وقت بہت اہم تھا۔ اس وقت رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا اور مجھے اگلی رات نو بجے کانٹی نینٹل میں ویرا سے ملنا تھا۔ اگر ان درمیانی ساڑھے اُنیس گھنٹوں میں حالات جوں کے توں برقرار رکھے جا سکتے تو میری مہم قابلِ رشک کامیابی سے ہم کنار ہو سکتی تھی۔ میں ویرا کو اپنی معلومات سے آگاہ کر کے لائیڈز کاٹیج سے گلوخلاصی حاصل کر سکتا تھا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ ویرا کو تہ خانے میں اس کمرے کے محلِ وقوع سے آگاہ کر دوں جہاں جمی لائیڈ کی تصویر پوشیدہ تھی لیکن وہ ایک بار تصویر خود دیکھ لینے کے بعد میری ضرورت سے بے نیاز ہو سکتی تھی جبکہ میں اُس کے ساتھ رہ کر اپنے ہاتھوں سے جمی لائیڈ کو کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہتا تھا۔

شاید عام حالات میں میں کسی دوسرے کو ایسی صورتِ حال کا حل فوری طور پر تجویز کر دیتا لیکن اس وقت ذاتی طور پر ان واقعات میں ملوث ہونے کے باعث میں فکر و تشویش میں مبتلا تھا۔ پھر سگریٹ ختم ہونے پر تجویز ذہن میں آئی تو میں بے اختیار مسکرا کر رہ گیا۔ انعام کی لاش کو اس وسیع و عریض تہ خانے میں چھپانا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ اسے اسلحے سے بھرے ہوئے چوبی کریٹس کے انبار کے پیچھے پھینکا جا سکتا تھا یا وہاں سے سرے سے غائب کر کے ٹارچر سیل والے حصے میں کسی کوٹھری میں ٹھونسا جا سکتا تھا لیکن میں نے ان سے بھی بہتر خیال کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا۔

لائیڈز کاٹیج میں نمبر تین ممنوعہ علاقے میں شامل تھی مگر وہاں بھی کچھ پراسرار لوگوں کی رسائی تھی جو عمارت سے تہ خانے تک ہر جگہ رسائی رکھتے تھے البتہ جمی لائیڈ کی تصویر والا کمرا ان لوگوں کی دسترس سے بھی محفوظ تھا اور انعام کو گلا گھونٹ کر ختم کرنے کے باعث اس کی لاش صاف ستھری تھی لہٰذا میں نے فوری طور پر اُس کے بے جان بدن کو اپنے کندھے پر لاد لیا اور سیڑھیاں طے کرنے لگا۔

جمی لائیڈ کی تصویر والا کمرا اس قدر محفوظ تھا کہ میں چاروں لاشوں کو وہاں بند کر سکتا تھا لیکن بقیہ تین لاشیں خون میں لتھڑی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے میرا لباس بھی داغدار ہو سکتا تھا زیادہ وقت گزرنے کے باعث ان کے بدن بھی اکڑ گئے تھے۔ اوپر پہنچ کر میں نے کسی دشواری کے بغیر انعام کی لاش کو اس گرد آلود اسلحہ خانے میں مقفل کر دیا۔ پھر نیچے واپس آ کر فورک لفٹ کے فورکس پر لدی ہوئی بیرونی محافظوں کی دونوں لاشیں فرش پر اُتار کر ان کا اسلحہ ایک طرف چھپا دیا۔ ان کی اسٹین گنوں کو چھپانے کے بعد میرے پاس دو ٹارچیں اور ایک پستول موجود تھا۔ میں وہ اسلحہ ساتھ لے کر تہ خانے کے اس حصے کی طرف چل دیا جدھر ٹارچر سیل واقع تھا۔

واپس لوٹتے ہوئے میں راستے میں اپنی آمد کی تمام نشانیاں حتیٰ الامکان مٹاتا چلا گیا تاکہ یہ اندازہ نہ لگایا جا سکے کہ حملہ آور کار لائیڈز کاٹیج کی سمت سے وہاں تک آیا تھا۔

❋

میرے لیے انتظار کا ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔ دونوں ٹارچیں گئیں اور پستول میں نے ٹارچر سیل والے حصے میں ایک مقام پر چھپا دیا تھا اور خود سیڑھیوں کے اختتام پر فرش پر بیٹھا تین بجنے کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نکاسی کے راستے کے میکنیزم سے واقف تھا لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ قبل از وقت باہر نکلتے ہوئے کسی سے ٹکراؤ ہو گیا تو بنی بنائی بازی بگڑ جائے گی۔

میری رسٹ واچ میں تین بجنے میں دو منٹ باقی تھے کہ تہ خانے کی محدود فضا میں خفیف سا کھٹکا گونجا اور میں نے متوحش ہو کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اضطراری طور پر میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا لیکن وہاں ہر چیز جوں کی توں موجود تھی اور پھر لگا ہی میں چونک پڑا کیونکہ تہ خانے سے اوپر جانے والی سیڑھیوں کے اختتام پر نکاسی کا راستہ بتدریج نمایاں ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے دوبارہ رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور اُلجھ کر رہ گیا۔

رحمانی کے کمرے سے روانہ ہونے سے قبل میں نے اُس کے ساتھ اپنی رسٹ واچ ملائی تھی اور یہ طے کر لیا گیا تھا کہ واپسی طے شدہ وقت پر ہوگی پھر دو منٹ قبل اس کارروائی کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟

پلک جھپکتے میں میرے ذہن میں کئی اندیشوں نے سر اُٹھایا اور مجھے خوف لاحق ہونے لگا کہ کہیں انعام کی گمشدگی کے بعد عین آخری لمحات میں رحمانی گرفت میں نہ آ گیا ہو اور اس کی زبان کھلوانے کے بعد میری تلاش میں تہ خانے کا رخ کیا جا رہا ہو۔ میں پھرتی سے دور ہٹ کر ایک میز کی آڑ میں ہو گیا۔ اب پر لائیڈز کاٹیج پر حکمرانی کرنے والے درندوں سے ٹکراؤ

ے بہتر ہوتا کہ میں آن کی جھلک دیکھتے ہی پلٹ کر فرار کی راہ اختیار کر لیتا اور نمبر تین کے نیچے بنے ہوئے اسلحے کے گودام سے نکل کر گھنے جنگل میں پناہ حاصل کر لیتا جہاں وہ پورے عملے کو پھیلا دینے کے باوجود میرے سائے کو بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ پہلی بار لائیڈز کاٹیج کا طواف کرنے کی مہم میں نادیدہ اسلحے سے بے آواز گولیاں چلا کر مجھے سڑک پر رکنے پر مجبور کیا گیا تھا اور اگر میں سلطان شاہ کے ہمراہ جنگلات میں نہ گھس گیا ہوتا تو شاید وہی میری زندگی کی آخری اور دردناک رات ثابت ہوئی ہوتی لیکن ان گھنے اور دشوار گزار جنگلات میں میں ان کی بھاری نفری کو جل دے کر صحیح سلامت نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس واقعے کے یاد آتے ہی مجھے سوچنا پڑ گیا کہ بظاہر نمبر تین عمارت 'لائیڈز کاٹیج' کے عقبی حصے میں واقع تھی اس اعتبار سے زیر زمین خفیہ راستے کی نکاسی بھی ادھر ہی ہونا چاہیے تھی لیکن مجھے معلوم تھا کہ جنگلات لائیڈز کاٹیج کے عقب میں نہیں بلکہ سامنے' سڑک کے پار پھیلے ہوئے ہیں۔

اس کا مطلب تھا کہ نمبر تین کے نیچے بنے ہوئے تہ خانوں سے جانے والا راستہ سڑک کے نیچے سے گزر کر جنگل میں نکلتا تھا۔

لیکن میں اس موضوع پر زیادہ دیر نہ سوچ سکا اوپر سے کوئی تیز سرگوشیانہ آواز میں میرا نام پکار رہا تھا۔ اپنا نام سن کر میرے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ لہجہ سرگوشیانہ ہونے کی وجہ سے آواز میرے لیے اجنبی تھی۔ میرے پیٹ میں عجیب سی اینٹھن ہونے لگی میرے ہاتھوں چار حریف موت کے گھاٹ اتر چکے تھے تو کیا اب پانچواں بھی اپنی موت کو للکار رہا تھا؟

'شاید وہ رحمانی ہی ہو' میں نے سوچا۔

پھر غیر ارادی طور پر ایک سوال میرے ہونٹوں پر آ گیا۔

"آواز دہندہ؟" میری دھیمی آواز تہ خانے کے بام و دیوار سے ٹکرا کر آسیبی انداز میں دور تک گونجتی چلی گئی۔ میرے کان جواب کے منتظر تھے لیکن عملی طور میں واپس بھاگ نکلنے کے لیے تیار تھا۔

'رحمانی۔' دھیمی اور خوفزدہ آواز نے میرے اعصاب پر خوش گوار اثر ڈالا تھا۔ "جلدی باہر نکل آؤ، میدان صاف ہے۔"

میں فوری طور پر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی آواز میں نے پہچان لی تھی لیکن یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ میدان صاف ہونے کے باوجود حالات سازگار نہیں تھے۔ کچھ نہ کچھ گڑبڑ رونما ہو چکی تھی جس کی وجہ سے رحمانی بوکھلایا ہوا بلکہ خوفزدہ تھا۔

میں سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچا تو وہ اضطراری انداز میں اپنی ہتھیلیاں آپس میں رگڑتے ہوئے کمرے میں ٹہل رہا تھا اس کے استخوانی چہرے سے فکر مندی ہویدا تھی۔

"انعام۔ انعام کہاں ہے؟" میرے اوپر پہنچتے ہی اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بے تابی کے ساتھ سوال کیا تھا۔

میں نے لمحہ بھر میں اندازہ لگا لیا کہ وہ بے حد پریشان تھا۔

"مجھے کیا معلوم۔" میں نے سپاٹ اور سرد لہجے میں کہا۔ "یہ سوال مجھ سے کیوں کر رہے ہو؟"

"اوہ، تم نہیں سمجھو گے۔" وہ دونوں ہاتھوں سے میرے شانے بھینچتے ہوئے ہذیانی لہجے میں بولا۔ "شاید وہ تم سے نہ جیت سکا ہو لیکن انعام نے ہماری تباہی کا پورا بندوبست کر دیا تھا۔ دو بجے سے سیکیورٹی والے ہر طرف اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں لیکن وہ لاپتا ہے۔ سارے واقعات سے باخبر ہوتے ہی ڈی سوزا تہ خانے کا رخ کرے گا اور اسے انعام زندہ یا مردہ حالت میں مل جائے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اپنا دفاع کیسے کر سکیں گے؟"

"پہلی بات تو یہ کہ وہ سرے سے تہ خانے میں آیا ہی نہیں۔" میں نے اس کے ہاتھ سختی کے ساتھ اپنے شانوں سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "اور دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لائیڈز کاٹیج میں بلا مبالغہ سیکڑوں کی فوج پل رہی ہے پھر اچانک انعام ہی کی تلاش کیوں شروع کی گئی ہے؟"

"ایک لمبی کہانی ہے۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "اپنے کمرے میں چل کر بتاؤں گا۔" اس نے تہ خانے میں داخلے کے راستے کو معمول پر لاتے ہوئے کہا۔

"تمھیں یقین ہے کہ تمھارا کمرا بگ نہیں ہے؟" میں نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"تھا، لیکن میں نے یہاں آنے سے پہلے ہی ایک حساس انسٹرومنٹ سے چیکنگ کر کے تین خفیہ ٹرانسمیٹرز کو ناکارہ کیا ہے۔ اب ہم وہاں کھل کر بات کر سکیں گے۔"

"اور اگر واپسی پر وہاں کوئی چوتھا ٹرانسمیٹر موجود ہوا؟" میں نے سوال کیا۔

اس نے چوتھے ٹرانسمیٹر کو ایک انتہائی غلیظ اور بھونڈی گالی دیتے ہوئے کہا۔ "گفتگو سے پہلے اسے بھی دیکھ لوں گا یہاں میں پہلے ہی چیک کر چکا ہوں۔" پھر اس کا لہجہ اچانک ہی ملتجیانہ ہو گیا۔ "سچ سچ بتاؤ، انعام آیا تو نہیں تھا تمھارے پاس؟"

"لمبی کہانی ہے۔" میں نے اسی کے لہجے میں کہا۔ "اپنے کمرے میں چلو وہیں بات ہو گی۔"

وہ بے بسی کے ساتھ میری طرف دیکھ کر رہ گیا اور تہ خانے

کے راستے کو بند کرنے والے میکنیزم کی طرف متوجہ ہو گیا۔
راستہ مسدود کر کے وہ واپس اپنے کمرے کی طرف لوٹا تو راہداری میں کہیں کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔
اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے ایک لحظے کے لیے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میری گردن کا تائیدی اشارہ پا کر ایک میز کی طرف بڑھ گیا۔ اس اثنا میں مَیں نے اس کے کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا تھا۔
رحمانی نے میز کی دراز سے ایک چھوٹا سا چوکور ڈبا نکالا اور اس میں کچھ چھیڑ چھاڑ کرنے کے بعد اس میں لگا ہوا اینٹینا باہر کھینچ لیا پھر وہ اس میں لگی ہوئی ایک ناب کو گھماتا رہا حتیٰ کہ اس ڈبے میں سے ہلکی سی ریڈیائی گونج سنائی دینے لگی اور وہ آلے کو آگے بڑھا کر محتاط انداز میں کمرے کے ایک ایسے گوشے کی طرف بڑھ گیا جہاں ایک الماری اور خاصا اسباب موجود تھا۔
اسی انداز میں وہ گوشے گوشے کا جائزہ لیتے ہوئے میرے قریب سے گزرا تو مَیں نے دیکھا کہ سیاہ رنگ کا وہ پلاسٹک کا ڈبا کوئی ریڈیو فری کوئنسی ڈیٹیکٹر تھا جس پر ایک دھیمی دھیمی مسلسل ریڈیائی گونج کے ساتھ سبز رنگ کا ایک ننھا سا بلب جل رہا تھا۔ وہ گونج شاید اس آلے کی اپنی فری کوئنسی سے تعلق رکھتی تھی اور اگر اس کمرے میں کوئی اور ریڈیو اپریٹس موجود اور آن تھا تو دونوں ریڈیائی لہروں کے تصادم سے اس آلے پر سنائی دینے والی آوازیں نمایاں تبدیلی رونما ہونا چاہیے تھی، بات صرف اتنی تھی کہ وہ اپریٹس اس آلے کی رینج میں آجاتا۔
رحمانی محتاط انداز میں کمرے میں گھومتا ہوا جب ایک دیوارگیر کارنس کے قریب سے گزرا تو اچانک ہی اس کے ہاتھ میں موجود آلے سے سیٹی کی آواز ابھرنے لگی اسی کے ساتھ سبز بلب کے پہلو میں ایک سرخ بلب بار بار جلنے بجھنے لگا۔
رحمانی کے تیور بدل گئے اور وہ وہیں ٹھٹک کر رہ گیا۔
اُس نے اپنے آلے کو کئی بار آگے پیچھے ہٹا اور بڑھا کر سیٹی کی گھٹتی بڑھتی آواز سے کوئی نتیجہ اخذ کیا اور پھر اس کارنس پر رکھے ہوئے ایک گل دان پر ہاتھ ڈال دیا جس میں سوکھے ہوئے گلابوں کی چند پرانی شاخیں اُڑسی ہوئی تھیں۔ اس دوران میں ڈیٹیکٹر سے مسلسل سیٹی کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔
چند ثانیوں کی اُلٹ پلٹ کے بعد رحمانی نے ان خشک شاخوں کو نکال کر گلدان اُلٹ دیا اور ایک ننھا سا دھاتی مائیکروفون اس کی ہتھیلی پر آ گیا۔ رحمانی اُسے یوں پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتا رہا جیسے وہ مائیکروفون نہیں بلکہ کسی مہلک بیماری کا جرثومہ ہو پھر اُس نے جنون کے عالم میں اس مائیکروفون کو فرش پر ڈال کر اپنے جوتے کی ایڑی سے بے رحمی کے ساتھ کچل دیا۔ پہلی ہی ضرب کے ساتھ اس کے اپنے آلے پر گونجتی ہوئی سیٹی کی آواز معدوم ہو کر پہلے جیسی دھیمی گونج میں ڈھل گئی۔
اس اثنا میں رحمانی کی آنکھیں خوف سے پھیل چکی تھیں اور اس کی پیشانی موسم کی خنکی کے باوجود پسینے سے بھیگ گئی تھی۔ مائیکروفون کو کچل کر نیست و نابود کرنے کے بعد وہ تھکے ہوئے انداز میں ایک کرسی میں گر گیا۔
"کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟" مَیں نے اُس کے قریب جا کر اُس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے سوال کیا۔
"شاید میری تباہی کا وقت قریب آ گیا۔" وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے شکست خوردہ لہجے میں بولا۔
"کچھ بتاؤ گے بھی یا یوں ہی واہی تباہی بکتے جاؤ گے؟" مَیں نے غصیلے لہجے میں کہا۔
"مَیں مشتبہ افراد کی فہرست میں آ گیا ہوں۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ایک بجے کمرے سے گیا تو یہاں کچھ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو میری لاعلمی میں یہاں تین لاسلکی ٹرانسمیٹر چھپا دیے گئے تھے۔ دوبارہ جانے سے قبل مَیں نے روا روی میں چیکنگ کی تو وہ تینوں ہاتھ لگ گئے۔ اُنھیں تلف کر کے مَیں تمھیں لینے گیا تو اب یہ چوتھا موجود تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈی سوزا نے مجھ پر مستقل نگاہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور رہی ہو گی۔"
"تمھاری دانست میں اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"
"فی الحال تو انعام کی حماقت نظر آتی ہے۔" وہ منہ بنا کر بولا "ایک بجے سے کاٹیج میں اُس کی تلاش جاری ہے۔ ڈیڑھ بجے مجھ سے دریافت کیا گیا تھا لیکن مَیں نے لاعلمی ظاہر کی تھی۔"
"کہانی کیا تھی اُس کی؟" مَیں نے ٹٹولنے والے لہجے میں سوال کیا۔
"ساڑھے دس بجے وہ اتفاقاً ادھر آ نکلا تھا۔ اس وقت مَیں تمھیں نیچے روانہ کر کے آیا تھا میرا خیال تھا کہ سب کچھ معلوم ہو جانے کے بعد وہ زیادہ کھل کر مخالفت نہیں کر سکے گا۔ اس لیے مَیں نے اُسے بتا دیا کہ تم تفتیش کے لیے تہ خانے میں اُترے ہوئے ہو اور صبح کے تین بجے تمھاری واپسی ہو گی۔ وہ یہ سنتے ہی بھڑک اُٹھا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ تم سے اس حد تک تعاون ہماری تباہی پر بھی منتج ہو سکتا ہے۔ اُس کا مشورہ تھا کہ ہم دونوں میں سے ایک کو تہ خانے میں اُتر کر یہ دیکھنا چاہیے کہ تم وہاں کیا کر رہے ہو لیکن تھوڑی سی بحث کے بعد وہ قائل ہو کر خاموش ہو گیا اور پھر خوش گوار فضا میں مجھ سے رخصت ہو گیا..."

"پھر اُس کی تلاش کا قصہ کب اور کیسے شروع ہوا؟"

"ڈیڑھ بجے لائیڈز کاٹیج کے سیکیورٹی چیف نے انٹرکام پر مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا اور انعام کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ میری لاعلمی کے اظہار پر اُس نے بتایا کہ انعام کو اپنی سلامتی کی طرف سے کوئی خطرہ لاحق تھا۔ گیارہ بجے شب اُس نے سیکیورٹی چیف سے انٹرکام پر بات کی تھی کہ اگر وہ ایک بجے تک دوبارہ اس سے بات کر کے اپنی سلامتی کی اطلاع نہ دے تو پوری عمارت میں اُس کی تلاش کی مہم کا آغاز کر دیا جائے۔ ایک بجتے ہی سیکیورٹی چیف کو تشویش لاحق ہو گئی کیونکہ انعام اپنے کمرے میں موجود نہیں تھا۔ جب اُس نے یہ بتایا کہ لائیڈز کاٹیج میں کوئی سراغ نہ ملنے کے بعد الیف ایکس یعنی تہ خانے کی تلاش میں بھی ناکامی ہوئی تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کیونکہ یہ سب میری لاعلمی میں ہوا اور تم اس وقت تہ خانے میں موجود تھے جبکہ سیکیورٹی چیف نے مجھے تہ خانے میں کسی کی موجودگی کی اطلاع نہیں دی... آخر تم کہاں تھے؟ اور تم نے خود کو اس کی نگاہوں سے کیسے محفوظ رکھا، وہ تو تہ خانے کے چپے چپے سے واقف ہے؟"

میں اُس کی کہانی سن کر مطمئن انداز میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ "ان لوگوں کی آمد کی بھنک پاتے ہی میں ٹارچر سیل میں نصب آہنی شکنجے میں گھس گیا تھا۔ وہ وہاں بھی آئے تھے لیکن سوچ بھی نہ سکے ہوں گے کہ شکنجے میں ان کا ایک مجرم پناہ گزین ہے۔ مجھے وہ تدبیر نہ سوجھتی تو اس وقت پا بجولاں ڈی سوزا کے قدموں میں پڑا ہوتا۔"

"لیکن انعام کہاں گیا؟" وہ تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "سیکیورٹی چیف سے بات ہونے کے بعد میں نے تو یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ مجھ سے رخصت ہو کر تمہارے تعاقب میں نکل گیا اور پھر شاید اپنی کسی حماقت کی بنا پر تمہارے دام میں آ گیا۔ اگر تم آہنی شکنجے میں چھپ گئے تھے تو وہ کہاں گیا؟"

"ہو سکتا ہے کہ ملازماؤں میں سے کسی کے کوارٹر میں نشے میں دھت پڑا ہوا ہو، صبح ندامت کے عالم میں آنکھیں ملتا نمودار ہو گا اور ساری کہانی ختم ہو جائے گی۔"

وہ ہنسنے کا قصد کیے بغیر رسمی انداز میں گویا ہنسا یا پھر اپنے نتھنوں چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تہ خانہ سیکیورٹی چیف کے لیے بھی عام حالات میں ممنوعہ ہے۔ اُس نے لائیڈز کاٹیج کے چپے چپے کو چھانے بغیر اُدھر کا رُخ نہیں کیا ہو گا، لیکن سوال یہ ہے کہ انعام تم سے بھی نہیں ٹکرایا تو پھر کہاں گیا؟"

"ہو سکتا ہے کہ وہ ڈی سوزا کے قہر کے خوف سے بھاگ ہی نکلا ہو۔"

"ناممکن ہے۔" وہ سر کو انکاری انداز میں جنبش دیتے ہوئے بولا۔ "پھاٹک کے علاوہ لائیڈز کاٹیج سے نکاسی کا کوئی راستہ نہیں ہے اور جب تک سیکیورٹی والوں کو کسی کے بارے میں پیشگی اطلاع نہ ہو وہ باہر قدم بھی نہیں رکھ سکتا... انعام لاپتا ہے لیکن میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ میرا کمرا کیوں چیک کرایا جا رہا ہے؟"

"سامنے کی بات ہے، تمہارے اور اُس کے مراسم بہت قریبی تھے۔ اگر وہ غائب ہے تو تمہاری ذات سے اس سلسلے میں مدد مل سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ڈی سوزا اس بارے میں تمہاری کسی سازش کے امکانات پر سوچ رہا ہو۔"

"پھر مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟" اُس نے اپنی ہتھیلیاں رگڑتے ہوئے سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس میں نہ تمہاری نیت کا دخل ہے اور نہ ارادے کا، جلد یا بدیر یہ لوگ کسی نتیجے پر پہنچیں گے اور وہ نتیجہ تمہارے حق میں ہو گا۔"

"اس کا بڑا مبہم سا امکان ہے۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔

"وہ کیوں؟" میرے لیے اُس کا مایوسانہ لہجہ غیر متوقع ثابت ہوا تھا۔

"سامنے کی بات ہے۔" وہ پھیکی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "میں نے چند گھنٹوں کے وقفے میں چار ٹرانسمیٹر ضائع کیے ہیں۔ میں اپنی اس حرکت کا کوئی جواز پیش نہ کر سکوں گا۔"

"کسی جواز کی ضرورت ہی نہیں، بات نکلے تو ڈی سوزا کو خود ہی بتا دینا کہ تم نے اپنے کمرے میں اس قسم کے مشتبہ آلات دریافت کیے تھے، مناسب سمجھو تو اپنے شبہات کا بوجھ انعام پر ڈال سکتے ہو۔"

"اور اگر وہ مل گیا؟" اُس نے سوال کیا۔

اُس کی خوش فہمی پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا اور سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "ابھی تو تمہیں فوری جواب دہی سے بچنا ہے جب وہ آئے گا تو کوئی دوسری راہ نکال لی جائے گی۔"

"ہو سکتا ہے کہ انعام کی تلاش کی مہم میں تمہارے کمرے کا رُخ بھی کیا گیا ہو۔" وہ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پُرخیال لہجے میں بولا۔ "اپنی غیر حاضری کے بارے میں کیا جواز پیش کرو گے؟"

"تو کیا معاملہ اتنا بڑھ چکا ہے کہ عام تلاشی کی نوبت آ گئی ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"عام تلاشی تو نہیں شروع ہوئی لیکن تم نئے آدمی ہو، اندر

کے کسی آدمی کا یوں اچانک لاپتا ہونا بھی نئی بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارا کمرا خاص طور پر دیکھا گیا ہو۔" اُس نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

معاً مجھے خیال آیا کہ میں نے رحمانی کے سامنے ڈی سوزا کے نمائندے کا سوانگ رچا کر اُسے دھونس میں لیا ہوا ہے اور اس مرحلے پر ڈی سوزا کی طرف سے باز پُرس کے امکان پر میری پریشانی رحمانی کو میری طرف سے شبہات میں مبتلا کردے گی لہٰذا میں فوراً ہی بے پروایانہ انداز میں ہنس دیا۔ "تم بھول رہے ہو کہ اُس نے مجھے آخری دو اموات کی تفتیش کی ذمے داری سونپی ہوئی ہے۔ اِس بارے میں مجھے رات کے اندھیرے میں بہت کچھ کرنا پڑ رہا ہے۔"

"ہوں۔" وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ "پھر اب تم یہیں رکو گے یا اپنے کمرے میں واپس جاؤ گے؟"

"میرا لوٹ جانا ہی بہتر رہے گا۔" میں نے کہا اور اس سے ہاتھ ہلا کر وہاں سے نکل گیا۔

لائیڈز کاٹیج میں بظاہر حالات معمول پر تھے لیکن میں وہاں رونما ہونے والے تازہ ترین واقعے سے آگاہ تھا اس لیے محافظوں کی غیر معمولی مستعدی اور بھاگ دوڑ مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ ان کی ایک دو نفری ٹولی مجھے نظرانداز کرتی ہوئی گزر گئی لیکن ایک جماعت نے مجھے روک ہی لیا۔

"شناخت۔" اُن کے لیڈر نے حسبِ توقع سخت لہجے میں مطالبہ کرتے ہوئے اپنی ہتھیلی آگے پھیلا دی۔

میں نے خاموشی کے ساتھ ادھ کھلی آنکھ والا نقرئی تمغہ جیب سے نکال کر اُس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ اس وقت احساسِ جرم کے تحت میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہوگئی تھیں اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرے لباس پر انھیں کہیں کوئی غیر معمولی شکن یا داغ نظر آگیا تو میرے لیے دشواریاں پیدا ہوجائیں گی۔

یوں تو وہ سب ہی میری طرف نگراں تھے لیکن ان کا لیڈر چبھتی ہوئی ناقدانہ نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔

"نام کیا ہے؟" اس نے شناختی تمغہ مجھے واپس لوٹاتے ہوئے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"لیکن شناخت کے بعد تمہارا یہ سوال شاید غیر ضروری ہے۔" میں نے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔

"کہاں سے آرہے ہو؟" اس نے میرے احتجاج کو نظرانداز کرتے ہوئے اگلا سوال جڑ دیا۔

"ایک خاص کام سے لوٹا ہوں۔"

"شاید تمھیں علم نہیں کہ سورج غروب ہونے سے طلوع ہونے تک غیر ضروری طور پر باہر نکلنا منع ہے۔" اُس نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس دوران میں اس کا داہنا ہاتھ اپنے ہولسٹر پر پہنچ چکا تھا۔

"میں یہاں نیا ضرور ہوں لیکن اتنا بھی اجنبی نہیں کہ تم مجھے پڑھانا شروع کر دو۔" اِس بار میرا لہجہ بھی تُرش ہوگیا۔

یک بیک اُس کے چہرے پر نرماہٹ پھیل گئی اور اُس نے مسکراتے ہوئے پستول کے دستے سے ہاتھ ہٹا لیا۔ "میں معذرت خواہ ہوں۔ دراصل یہاں کچھ ایمرجنسی ہوگئی ہے۔"

"میں اس ایمرجنسی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "کیا اب میں جا سکتا ہوں؟"

"ضرور جاؤ۔" وہ میری طرف سے نگاہیں ہٹائے بغیر بولا۔ "ہمیں ہر وقت آنکھیں کھلی رکھنا پڑتی ہیں کہ ساری احتیاط کے باوجود ہم میں کہیں کوئی کالی بھیڑ نہ آگئی ہو۔"

"آج تو معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی بھیڑیا ہی آگیا ہے۔" میں طنزیہ لہجے میں کہتا ہوا اپنی راہ پر آگے ہو لیا۔

کمرے میں پہنچا تو سب کچھ جُوں کا تُوں موجود تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ جب رحمانی جیسے پرانے اور معتبر آدمی کو نہیں چھوڑا گیا تو میرے کمرے کو بھی معاف نہیں کیا گیا ہوگا۔ وہاں یقینی طور پر ایسے آلات پوشیدہ تھے جن کے سہارے شاید میرے سانسوں کے زیر و بم بھی کہیں سُنے جا رہے ہوں گے لیکن میں وہاں تنہا تھا لہٰذا مجھے ایسے آلات کی کوئی فکر نہیں تھی۔

ایک بڑی اور خطرناک مہم سے بحفاظت واپسی کی خوشی میں میں نے اپنے معدے میں کچھ سیال بدخصال انڈیلا اور پھر انٹرکام کی طرف متوجہ ہوگیا۔

عام حالات ہوتے تو کسی سے رابطے کے لیے وہ انتہائی نامناسب وقت تھا لیکن مجھے قوی اُمید تھی کہ انعام کی پُراسرار گمشدگی نے ڈی سوزا کو بستر میں نہ رہنے دیا ہوگا۔ اس سے قبل کہ وہ معلومات حاصل کرنے کی نیت سے مجھ سے رُجوع کرتا اگر میں اُس پر حاوی ہو کر اپنی کہانی سُنا ڈالتا تو کم از کم اگلی رات ڈھلنے تک میرے لیے خطرات ٹل سکتے تھے۔

انٹرکام پر تین صفر ڈائل کرتے ہی دوسری طرف سے حسبِ توقع ڈی سوزا کی بوجھل اور سرد آواز سنائی دی تھی۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں باس!" میں نے محکومانہ لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں، تو تم اپنے کمرے میں لوٹ آئے۔" ریسیور پر اُس کی غراہٹ گونجی۔ "پچھلے نصف گھنٹے میں میں تین بار تمھارے

کمرے میں ٹرائی کر چکا ہوں۔"

"آئی ایم سوری باس!" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "میں ابھی ابھی کمرے میں واپس لوٹا ہوں۔"

"مجھے تفصیل اطلاع مل چکی ہے۔" اُس کی آواز میں کھنکھنے کی سی غراہٹ برقرار تھی۔ "کسی خاص مشن سے لوٹ رہے تھے تم؟ اور وہ مشن تمھیں کس نے سونپا تھا؟"

ایک لحظے کے لیے مجھ پر خوف کی لہر طاری ہوئی۔ آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس کے تیور اچھے نہیں تھے لیکن میرے لیے وہی سب سے کٹھن امتحانی مرحلہ تھا۔

"آج مجھے سانپوں والے معاملے میں اہم کامیابی کی اُمید تھی۔" میں نے دل کڑا کر کے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ، تو میرے ہی حُکم کی بجا آوری میں لگے ہوئے تھے تم۔" اُس کا لہجہ واضح طور پر تلخ اور طنزیہ تھا۔ "زحمت نہ ہو تو ذرا میرے پاس چلے آؤ، ذرا میں بھی تو سنوں کہ تم کون سا تیر مارنے والے تھے؟"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سُن کر میں نے بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

ڈی سوزا جو کچھ کر رہا تھا، اُس کے منصب کے اعتبار سے درست تھا کیونکہ لائیڈز کالج کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے عمارت اور وہاں مامور عملے کے تحفظ کی ذمے داری اُسی پر عائد ہوتی تھی اور میں اپنے مقصد کے ساتھ مخلص تھا۔ ویرالائیڈ کے ساتھ میری ملی بھگت کا مقصد ہی یہی تھا کہ میں اُنھیں اپنی طرف سے بھول میں مبتلا کر کے نہ صرف انھیں زک پہنچاؤں بلکہ ان کے درمیان رہتے ہوئے ایسی معلومات اکٹھی کروں جو اس سفاک اور مضبوط تنظیم کی بنیادوں پر کاری وار کرنے کے سلسلے میں مددگار ثابت ہو سکیں لہٰذا میں فوراً ہی ڈی سوزا کے دفتر کی طرف چل دیا۔

وہ اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اُس کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے تیر رہے تھے۔ بشرے پر جھلاہٹ کے آثار دُور ہی سے دیکھے اور محسوس کیے جا سکتے تھے۔ شاید اُسے اپنی رات کی بربادی پسند نہیں آئی تھی۔

"تمھیں علم ہے کہ آج لائیڈز کالج میں کیا ہوا ہے؟" مجھے دیکھتے ہی اُس نے بپھرے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"غیر معمولی بات ضرور محسوس کی ہے لیکن اصل واقعے کے بارے میں کسی سے بات نہیں ہو سکی۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا جیسے اپنی لاعلمی پر ندامت کا اظہار کر رہا ہوں۔

"تم کب سے باہر تھے اور کہاں تھے؟" اُس نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"آج شام انعام پر میرا ہاتھ پڑ گیا تھا۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی کہانی چھیڑ دی۔ "میں نے نچلے عملے سے جو کچھ معلوم کیا اُس کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ زہریلے سانپوں کا شکار ہونے والوں میں ایک بات مشترک تھی کہ وہ کسی نہ کسی بنا پر انعام سے مخاصمت مول لے بیٹھے تھے پھر شام کو انعام ایک جگہ ٹکرا گیا۔ وہ اکیلا تھا۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں اُس کی ساری حرکتوں سے واقف ہو چکا ہوں اور وہ جلد ہی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا دیا جائے گا۔ پہلے تو اُس نے چراغ پا ہونے کی اداکاری شروع کر دی مجھے جان سے مار ڈالنے کی دھمکیاں دینے لگا۔ جب میں نے مرنے والے آخری دو بدنصیبوں کے اوپری دھڑ پر سانپوں کے ڈسنے کے نشانات کی موجودگی کا ذکر کیا تو وہ یک بیک سراسیمہ ہو گیا۔ اُس وقت تک وہ سمجھ رہا تھا کہ نشانات کے مقام پر لائیڈز کالج میں کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ اس انکشاف پر وہ دھمکیاں بھول کر خوشامد پر اُتر آیا۔ اُس نے قسمیں کھا کر کہا کہ ان وارداتوں سے اس کا کوئی مفاد وابستہ نہیں تھا۔ اُس نے بتائے گئے افراد پر سانپ ضرور پھینکے تھے لیکن اُس کے بقول اُس نے وہ کارروائی کالج کے کسی ذمے دار کے حکم پر کی تھی۔ اس وقت وہ عجلت میں تھا۔ اُس نے وعدہ کیا کہ وہ رات ایک بجے مجھ سے رہائشی کوارٹروں سے ملحقہ پارک میں مل کر بلاکم وکاست سب کچھ بتا دے گا اور اُسی کے ساتھ ایک کیسٹ بھی لائے گا، جسے سُن کر اندازہ لگایا جا سکے گا کہ اُس سے کام لینے والا کون تھا...؟"

"بکواس۔" وہ غصّے میں ہاتھ جھٹک کر غرّایا۔ "کالج کی تمامتر ذمّے داری میری ہے اور انعام براہِ راست مجھے جواب دہ تھا۔ حد یہ ہے کہ میری غیر حاضری میں سارے اختیارات اُسی کو حاصل تھے پھر اُسے مجبور کرنے والا کہاں سے پیدا ہو گیا؟"

"مجھے نہیں معلوم، میں یہاں کے نظام سے لاعلم ہوں، یہ تو اُس کی کہانی تھی۔"

"پھر ایک بجے کیا ہوا؟" وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"وہ پلٹا ہی نہیں۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "تھوڑی دیر قبل میں تھک ہار کر واپس لوٹ رہا تھا تو راستے میں محافظوں نے روک لیا۔ واپسی پر میرا ارادہ تمھیں مطلع کرنے کا تھا۔"

"واپسی پر۔" وہ بھناتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "انعام سے پروگرام طے ہونے کے بعد تم نے مجھ سے رابطہ قائم کیوں نہیں کیا؟"

"وہ بہت خوفزدہ ہو گیا تھا، شاید اُس نے مجھ پر نگاہ

رکھنے کی کوشش بھی کی ہو، مجھے ڈر تھا کہ اُسے افشائے راز کا شُبہ بھی ہو گیا تو نہ صرف بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا بلکہ مَیں بھی کسی ناگہانی حادثے کا شکار ہو سکتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ مجھے بھی کسی زہریلے سانپ کا نشانہ بنانے کی کوشش کی جاتی۔"

"تم نے میرے احکام سے سراسر انحراف کیا ہے۔ مَیں نے خود تم سے کہا تھا کہ پورے ثبوت کے بغیر انعام یا رحمانی پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ پھر تم اُس سے براہِ راست کیوں اُلجھ بیٹھے؟"

"بس حالات یا پھر میرے مقدر کی گردش۔" مَیں نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔ "میرا تو خیال تھا کہ مَیں تمھارے لیے ایک اہم کارنامہ سرانجام دے سکوں گا لیکن وہ شاید آخری لمحات پر چوکنّا ہو گیا تھا۔"

"شاید یہ جان کر تمھیں زیادہ خوشی نہ ہو گی کہ وہ پُراسرار حالات میں لاپتا ہو گیا ہے۔" اُس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" مَیں نے بُری طرح چونکنے کی کامیاب اداکاری کی تھی۔ "یہاں سے وہ کہاں جا سکے گا؟"

"لائیڈز کالج کا چپّہ چپّہ چھان مارا گیا ہے لیکن اُس کا کہیں سراغ نہیں ملا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اُسے زمین نگل گئی ہو یا آسمان کھا گیا ہو۔ اُس نے گیارہ بجے شب خود ہی سیکورٹی چیف کو انٹرکام پر بتایا تھا کہ اگر وہ ایک بجے تک خود دوبارہ اس سے رجوع کر کے اپنی خیریت کی اطلاع نہ دے تو اُس کی تلاش شروع کر دی جائے۔"

"معاملہ واقعی سنگین نظر آتا ہے۔" مَیں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "اُس کا مطلب ہوا کہ مجھ سے ملاقات کے بعد اس نے خود کو خطرے میں محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک بجے وہ مجھ سے ملنے والا تھا اور اس نے سیکورٹی چیف کو بھی وہی وقت دیا تھا۔"

مَیں لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا، ڈی سوزا پھاڑ کھانے والی نگاہوں سے مجھے گھورے جا رہا تھا۔

بات بالکل سیدھی اور سامنے کی تھی۔ رحمانی کے برعکس انعام کو مجھ پر بھروسا نہیں تھا۔ جب اُسے علم ہوا کہ رحمانی نے مجھے بالا ہی بالا تہ خانے میں اُتار دیا ہے تو اُس نے ڈی سوزا کی نظروں میں سُرخروئی حاصل کرنے کے لیے رحمانی کو اعتماد میں لیے بغیر مجھے رنگے ہاتھوں پکڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اُسے یہ اندیشہ بھی رہا ہو گا کہ کہیں تہ خانے میں وہ کسی سازش کا شکار ہو کر اپنی برتری نہ کھو بیٹھے، اسی وجہ سے اُس نے مناسب وقفہ دے کر سیکورٹی چیف کو ہوشیار کر دیا۔ اُسے یقین رہا ہو گا کہ اوپری عمارتوں کی ناکام تلاشی کے بعد لائیڈز کالج کے محافظ تہ خانے کا رُخ بھی کریں گے اور اگر وہ میری قید میں ہوا تو لڑ بھڑ کے بل پر اُسے آزاد کر لیں گے۔

لیکن اُس بدنصیب کو یہ علم نہیں تھا کہ لائیڈز کی زیرِ زمین تعمیرات وہیں تک محدود نہیں تھیں جہاں وہ تھا۔ مَیں نیا راستہ دریافت کر کے آگے بڑھا تو مَیں نے ارادے کے بغیر درمیانی راستہ کھُلا چھوڑ دیا تھا جو اُس کے لیے چوہے دان ثابت ہوا۔ تہ خانے میں اُترنے کے بعد اُسے ایک نئی راہ نظر آئی تو وہ اُس پر بڑھ گیا اور شاید فطری تجسّس سے مجبور ہو کر چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے نئے راستے کو اس کے ذریعے بند کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اور وہی اُس کے مقدر کی راہ تھی جسے اُس نے خود بند کر دیا تھا۔ اگر وہ راستہ کھُلا رہتا تو مقررہ وقت گزرنے پر انعام کی تلاش میں تہ خانے میں اُترنے والے محافظ آگے بڑھتے چلے آتے اور پھر وہ سب مجھے گھیر کر بے دست و پا کر سکتے تھے۔ میرے عزائم بے نقاب ہو جاتے اور شاید لائیڈز کالج کے ہی کسی گوشے میں مجھے کسی گڑھے میں دبا دیا جاتا۔ انعام کے نیا راستہ بند کرنے کے سبب بازی میرے حق میں پلٹ گئی۔ میری جگہ وہ موت کی اندھی اور بے رحم وادیوں میں جا پہنچا۔ حد یہ تھی کہ اس کی لاش نمبر تین کے ایک کمرے میں مقفل تھی اور میں وہاں ڈی سوزا کے ساتھ اس کی زندگی کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ سے ملاقات کے لیے اپنے شبہ کے ثبوت جمع کرتا پھر رہا ہو اور اسی بارے میں اُسے اپنی جان کا خوف ہو۔ وہ جس کسی کے لیے کام کر رہا تھا وہی بتا سکے گا، انعام کہاں ہے؟"

"میں اس کہانی پر اعتبار نہیں کر سکتا۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا اور میں نے محسوس کیا اس کے الفاظ انعام کے بارے میں تھے، شاید میرے بارے میں اس کے شبہات تہ نشین ہو چکے تھے۔ مَیں فی البدیہہ جو کچھ کہتا چلا گیا وہ اس حد تک مدلل اور مربوط تھا کہ ڈی سوزا اُس پر کہیں میری گرفت نہ کر سکا تھا۔

"اُسے میں نے یہاں جو مقام دیا تھا اُس کے بعد انعام پر دھونس اور دباؤ نہیں ڈال سکتا تھا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کے ساتھ مل کر لائیڈز کالج میں متوازی قیادت کے لیے راہ ہموار کر رہا ہو اور آخر میں ان میں اختلافات رونما ہو گئے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ انعام کا ساتھی تیز چل رہا ہو اور انعام اُس کا ہم نوا نہ ہو . . . دیکھنا یہ ہو گا کہ یہاں اس کا شریک کار کون ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" میں نے اپنے سر کو تفہیمی انداز

جنبش دیتے ہوئے کہا۔"دشمن کے بجائے انعام کے دوستوں پر نگاہ ڈالی جائے تو رحمانی کا نام اُبھر کر سامنے آتا ہے، وہی اس سے بے حد قریب تھا۔"

ڈی سوزا نے بڑھ کر اپنا داہنا ہاتھ مضبوطی کے ساتھ میرے شانے پر رکھ دیا۔"تم نتائج صحیح اخذ کرتے ہو، یہ سب مجھے ان دونوں کی چپقلش کا شاخسانہ نظر آتا ہے۔ لیکن اُس نے انعام کو کہاں قید کیا ہے، وہ بھی اس طرح کہ کسی کو کانوں کان بھی علم نہ ہو سکا؟"

وہ کسی بھیڑیے کی طرح اپنے سفید سفید دانتوں کی قطاریں چمکاتے ہوئے ہنسا۔"دشمنی میں انسان ہر لمحے چوکنا رہتا ہے۔ اعتماد میں بہت بُری طرح مار کھاتا ہے۔ میرے آدمی پوری عمارت کھنگال چکے ہیں۔ اب انھیں گٹر لائن کے ہر مین ہول میں بھی جھانکنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اُسے مار کر کسی گٹر میں پھینک دیا گیا ہو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب رحمانی آبزرویشن میں آجائے گا۔" میں نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ کہا۔

"آبزرویشن۔" وہ بے رحمانہ انداز میں ہنسا۔"میں یہاں آپس میں کُشت دخون کی اجازت نہیں دے سکتا۔ انعام کی لاش دستیاب ہوتے ہی میں رحمانی کو دوسروں کے لیے عبرت بنا دوں گا۔"

"وہ آسانی سے تو اقبالِ جرم نہیں کرے گا۔"

"یہ قانون کی عدالت نہیں ہے جہاں سزا دینے کے لیے ملزم کا اقبالِ جُرم ضروری ہوتا ہے۔ لائیڈز کاٹیج میں میری زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہوتا ہے۔ انعام کی لاش مل جانے کا مطلب ہوگا کہ سب کچھ اُسی طرح ہوا ہوگا جیسے میں نے سوچا ہے۔ لاش کی بازیابی کے بعد وہ خود بھی اپنا اضطراری ردِّعمل نہ چھپا سکے گا۔"

میں خاموش رہا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ پھر بولنے لگا۔

"اب اُجالا پھیلنے والا ہے۔ مین ہولوں کی تلاشی کل رات کے اندھیرے میں لی جائے گی۔ باہر کی روشنیاں گُل رہیں گی تاکہ کسی کو علم نہ ہو سکے کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔" میرا دل مسرت سے ... دھڑکنے لگا۔ قدرت اس کی زبان سے وہی کچھ کہلوا رہی تھی جو میں چاہ رہا تھا۔ میں بس اگلی رات تک حالات کو تعطل کا شکار رکھنا چاہتا تھا۔ ایک بار میں اسٹاف کار میں سوار ہو کر لائیڈز کاٹیج کے آہنی پھاٹک سے نکل جاتا تو مجھے پروا بھی نہ ہوتی کہ وہاں کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔

"ہو سکتا ہے کہ اس دوران میں کسی گٹر سے اُٹھنے والا تعفن خود ہی لاش کی نشاندہی کر دے۔" وہ کہہ رہا تھا۔" لیکن میں تمھیں وارننگ دے رہا ہوں کہ یہ پروگرام اپنی ذات تک محدود رکھنا۔ زبان کھولی تو رحمانی سے پہلے تمھیں ذبح کرا دوں گا۔ اس درمیانی مدّت میں تم رحمانی سے قریب ہونے کی کوشش کرو، شاید وہ تم کو چارہ بنانے کی نیت سے کچھ کھُل جائے۔"

"میں نیا آدمی ہوں، وہ مجھ پر مشکل ہی سے اعتماد کرے گا۔" میں نے کہا۔

"تمھاری سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ تم یہاں نئے ہو۔" وہ بولا۔" رحمانی یہاں اگر کوئی چکر چلا رہا ہے تو انعام کو کھو دینے کے بعد اسے شدت سے کسی ساتھی کی تلاش ہوگی۔ پُرانے آدمیوں کی فطرت اور وفاداریوں سے وہ اچھی طرح واقف ہے۔ تم نے صحیح اداکاری کی تو وہ تمھیں اپنے اثر و نفوذ اور صلاحیتوں سے مرعوب کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔"

"میں صبح ہی اس سے مل بیٹھنے کی کوششوں کا آغاز کر دوں گا۔"

"کوئی اہم خبر ہو تو تم براہِ راست میرے پاس آ سکتے ہو۔"

میں نے سر کو قدرے خم دیا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔

خوف اور بے یقینی کے عالم میں شروع ہونے والی وہ میٹنگ پوری طرح میرے مقاصد سے ہم آہنگ رہی تھی۔ میں ڈی سوزا کی نگاہوں میں نہ صرف خود کو ہر قسم کے شبہات سے بالاتر رکھنے میں کامیاب ہو گیا تھا بلکہ خاصی حد تک اس کا اعتماد بھی جیت لیا تھا۔ اس سے تفصیلی ملاقات کے بعد مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اگلے سولہ سترہ گھنٹوں تک لائیڈز کاٹیج کی صورتِ حال میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہیں ہوگی۔ اس دوران میں مجھے بہت محتاط رہ کر اپنا وقت گزارنا تھا جس کے بعد میں ویرا لائیڈ سے ملنے کے لیے روانہ ہو جاتا۔

مجھے اُمید تھی کہ ویرا لائیڈ سے ملاقات کے بعد مجھے دوبارہ لائیڈز کاٹیج میں نہیں آنا ہوگا۔

اگلی صبح لائیڈز کاٹیج کے معمولات میں بظاہر کوئی تبدیلی رُونما نہیں ہوئی تھی۔ شاید انعام کی گمشدگی کی خبر کو راز ہی رکھا گیا تھا ورنہ ہر طرف چہ میگوئیاں ضرور شروع ہو جاتیں۔

اپنے ماتحت عملے کو ہدایات دیتے ہوئے میری اور رُخسانہ کی نگاہیں چار ہوئیں تو اُس کے لبوں پر آسودہ سی مسکراہٹ جمی ہوئی تھی اور وہ دل فریب انداز میں میری طرف دیکھ رہی تھی۔ نہ جانے یہ اُس کی ساحرانہ نظروں میں سمایا ہوا اثر تھا یا میرے دل میں موجود اُس کے لیے تشکّر کے جذبات کہ کام تقسیم کرتے ہوئے میں نے دانستہ اُسے دفاتر میں پھولوں کی تبدیلی کا کام سونپ

دیا جو سب سے آسان اور مختصر تھا۔ اس وقت میرا بس چلتا تو اسے سرے سے کوئی کام ہی نہ دیتا لیکن لائیڈز کاٹیج میں کام کے وقت کام اور تفریح کے وقت تفریح کا ضابطہ بہت سختی کے ساتھ نافذ تھا جس کی خلاف ورزی کی شکایت ہونے پر کڑی بازپُرس ہو سکتی تھی۔

رخسانہ متناسب الاعضا اور خوش شکل لڑکی تھی، میٹرک تک تعلیم یافتہ ہونے کے باعث سلجھی ہوئی اور خوش گفتار بھی تھی۔ پچھلی رات میں نے جو وقت اس کے ساتھ گزارا وہ ہر اعتبار سے خاصا خوش گوار تھا لیکن صبح سویرے اس پر یوں مہربان ہونے کا تعلق ان میں سے کسی بات پر نہیں تھا۔ اس کے باوجود میں اُس کے ساتھ مزید کچھ وقت گزارنا چاہتا تھا۔

لائیڈز کاٹیج مدتوں سے میرے لیے ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ بنا ہوا تھا جہاں انسان تو کجا، اجنبی پرندے بھی پر نہیں مار سکتے تھے اور اس عمارت کی فصیلوں میں ہی کہیں میری سوتیلی بڑی ماں نے اپنی آخری زندگی کے بہترے دن گزارے تھے۔ میرا سوتیلا، بڑا بھائی توقیر اس تنظیم کا آلۂ کار تھا اور آخر کار اسی تنظیم کے لیے کام کرتے ہوئے اپنے ایک بڑے کے ہاتھوں بے رحمی کے ساتھ مارا گیا۔

جن دنوں میں کھلے بندوں تنظیم کے مفادات کے خلاف کام کر رہا تھا، اس سے بہت پہلے توقیر کو کٹھ پتلی کی طرح یوں استعمال کیا گیا کہ میں اسی کو تنظیم کا سربراہ سمجھنے لگا پھر بغاوت کے بعد میں نے لائیڈز کاٹیج کے فون نمبر پر اس سے بات کی تو اسی نے بتایا کہ بڑی ماں اس کے ہمراہ لائیڈز کاٹیج میں مقیم تھیں۔

میں بہت دنوں تک یہی سمجھتا رہا کہ توقیر ہی لائیڈز کاٹیج کا مقتدرِ اعلیٰ ہے اور میری ساری جنگ اسی کے خلاف ہے۔ اُس نے بھی مجھے بڑی ماں کی چاہت اور آرزوؤں کے دام میں اُلجھا کر لائیڈز کاٹیج بلانا چاہا لیکن میں جانتا تھا کہ وہاں قدم رکھتے ہی مجھے تیسرے درجے کے قیدی کی حیثیت دے دی جائے گی لہٰذا کھلے بندوں میں نے اُدھر کا رخ بھی نہ کیا اور چوری چھپے اندر گھسنے کی کوششوں میں خونریز مقابلے کے بعد بد ترین شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

توقیر مار ڈالا گیا اور بڑی ماں کا کچھ پتا نہ چل سکا۔ لائیڈز کاٹیج والوں نے ان کے وجود ہی سے انکار کر دیا۔ مرے ہوؤں کو اپنے ہاتھوں سے مٹی دے دی جائے تو دل کو قرار آ جاتا ہے کہ آنے والا اپنی اصل کو لوٹ گیا لیکن جیتے جاگتے انسان جب اپنا کوئی نشان یا سراغ دیے بغیر اچانک بے نشان ہو جائیں تو خلش کبھی نہیں جاتی۔

یہ میری خوش نصیبی اور مقدر کی یاوری تھی کہ میں لائیڈز کاٹیج میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب نہ میں مجبور تھا نہ مقہور۔ اصل مہم سے ذرا سا ذہنی سکون میسر آتے ہی مجھے خیال آیا تھا کہ لائیڈز کاٹیج میں وہ میرا آخری دن تھا۔ میں اپنے پیچھے جو حالات چھوڑے جا رہا تھا، اُن کا عقدہ کھلنے کے بعد دوبارہ وہاں آنا ناممکنات میں سے تھا۔ میں بڑی ماں کے بارے میں جو کچھ معلوم کر سکتا تھا، اسی بار کر سکتا تھا اور اس کام کے لیے پوری عمارت میں رخسانہ سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

خود اُس کی ملازمت کی مدت دس ماہ تھی۔ پھر اس کا ہمراز آشنا بھی وہیں پیدا ہو گیا تھا جو مدتوں سے وہاں کام کرتا چلا آ رہا تھا۔ اِن دونوں کے ذریعے مجھے بڑی ماں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔

اِن ہی خیالات میں ڈوبا ہوا، میں مختلف مقامات پر اپنے عملے کی کارکردگی کا جائزہ لیتا ہوا نمبر ایک عمارت کے عقب میں واقع وسیع و عریض پارک میں پہنچا تو رخسانہ کو تتلی کی طرح دہکتے ہوئے گلابوں کے کنج کے پاس گھاس پر بیٹھی کچھ کر رہی تھی۔ اس کی پشت میری جانب تھی اس لیے میں یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ کس کام میں مشغول تھی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" نرم گھاس پر بے آواز چلتے ہوئے اُس کے قریب پہنچ کر میں نے سوال کیا تو وہ چونک کر میری طرف مڑی۔ اس کے ہاتھ میں تازہ پھولوں سے بنا ہوا ایک گلدستہ موجود تھا۔ جس میں وہ سرخ گلاب سجا رہی تھی۔

"کام ابھی تک ختم نہیں ہوا تمھارا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کام دیا ہی کیا تھا تم نے؟" وہ پُر فریب مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "تین کمروں سے فارغ ہونے میں آدھا گھنٹہ بھی مشکل سے لگتا ہے۔ اس کے بعد کیاریوں سے پھول چُن رہی تھی۔"

"یہ کس خوش نصیب کے لیے ہے؟" میں نے دہرا کر اس سے ذرا دُور گھاس پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"تمھارے کمرے میں سجاؤں گی۔" وہ دھیمے سے بولی۔ "کمرا بہت صاف ستھرا اور خوب صورت ہے۔ اندر قدم رکھتے ہی پتا چل جاتا ہے کہ وہاں کبھی کسی عورت کا ہاتھ نہیں لگا۔"

"اسی لیے کل تمھیں مہمان بنایا تھا۔ اب تو ہر جگہ عورت کے ہاتھ لگ چکے ہیں۔"

اُس نے بے ساختہ نگاہیں چرا کر سر جھکا لیا اور اس کی

لمحے میں میرے دل میں اس کے لیے احترام کا جذبہ جاگ اٹھا۔ وہ نہ جانے کیسے اور کتنے سمجھوتوں کے تحت زندگی گزار رہی تھی۔ لیکن اس کے من میں چور ابھی تک چھپا بیٹھا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہی تھی وہ غلط تھا اور غلطی کا یہی ایک احساس انسان کو جانوروں کی صف سے آگے نکال لے جاتا ہے۔

"تمہارے دوست کو پتا چل گیا تو ناراض ہو جائے گا۔"

میں نے اُسے چھیڑا۔

"پھول لینے دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ تو بس ایک اظہار ہوتا ہے کہ کون کس کے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ زندگی کے سفر میں ہر ایک کی راہ جدا ہوتی ہے۔ بہتیرے راستے تو عمر بھر ایک دوسرے سے کہیں بھی نہیں ملتے۔ ہاں جب کبھی کوئی تنہا کہیں کچھ سوچتا ہے تو اُسے کسی کے دیے ہوئے رنگ برنگے پھول یاد آتے ہیں اور وہ پرانی یادوں پر مسکرا دیتا ہے۔ بس یہی ان پھولوں کی قیمت ہوتی ہے، نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ... خالد بھی یہ جانتا ہے، وہ ذرا بھی برہم نہیں ہوگا۔"

"تم تو اچھی خاصی تقریر کر لیتی ہو۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہمارا معیارِ تعلیم اتنی ترقی کر چکا ہے۔"

"مذاق نہ اُڑاؤ میرا۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی "کتابوں میں تو بس سرد اور سپاٹ الفاظ ہوتے ہیں، بالکل پتھروں کی طرح بے جان، ان لفظوں کو قوت ان جذبوں سے ملتی ہے جو ان کی پشت پر کارفرما ہوتے ہیں۔ یہ جذبے کتابیں پڑھنے سے نہیں، زندگی کے تجربوں سے پیدا ہوتے ہیں۔"

"چہرے سے تو خاصی کم سن اور ناتجربہ کار لگتی ہو۔"

"میں پھولوں کی بات کر رہی تھی نا۔" وہ یک بیک اُداس ہو گئی "تھوڑی یا زیادہ جو بھی عمر میں نے گزاری ہے اس میں مجھے بھی تمنا رہی ہے کہ کوئی مجھے پھول دے اور میں پھولوں کی آرزو میں ہر بار کانٹوں سے اُلجھ کر اپنی اَنا کو لہولہان کرتی رہی ہوں۔ لوگ گلوں سے نہیں گل بدنوں سے پیار کرتے ہیں، تم اُن سے کافی مختلف نظر آئے، میں نے خالد سے بھی تمہارا ذکر کیا تھا۔ اجازت دو گے تو وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوگا۔"

"پتا نہیں تم کب سے تنہا زندگی گزار رہی ہو؟" میں نے گفتگو کا رُخ خوبصورتی سے موڑتے ہوئے کہا "ماں باپ کہاں ہیں تمہارے؟"

"بہت لمبی کہانی ہے، سُن کر اُکتا جاؤ گے۔" اُس کے لہجے میں اُداسی کچھ اور گہری ہو گئی "مختصراً یہ سمجھ لو کہ کوئی نہیں ہے۔"

"ہوتا تو تم انہیں اپنے ساتھ رکھ سکتی تھیں، پھر شاید اتنی حساس نہ ہوتیں۔" میں نے رائے دی۔

"یہاں ساتھ رکھ لیتی!" اس نے حیرت اور تنفر کے ساتھ کہا "یہ ناممکن تھا۔ تم نئے نئے آئے ہو، رفتہ رفتہ سب معلوم ہو جائے گا۔ خالد کے بیوی بچے لاہور ہی میں ہیں۔ اسے ہفتے میں صرف ایک رات کالج سے باہر گزارنے کی اجازت ہے، اگلی دوپہر سے پہلے وہ پھر یہاں موجود ہوتا ہے۔ باہر مناسب روزی ملے تو وہ کبھی یہاں نہ رہتا۔"

"لیکن میں نے تو سنا ہے کہ چند ماہ پہلے کسی کی بوڑھی ماں یہیں اس کے ساتھ رہتی تھی۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"ہاں، وہ میرے سامنے کی بات ہے۔" اس کے الفاظ نے میرے وجود میں سنسنی سی دوڑا دی۔ "توقیر کی ماں اس کے ساتھ یہیں رہتی تھی لیکن ہر ایک تو توقیر نہیں ہو سکتا۔"

"اس میں کون سے سرخاب کے پَر لگے ہوئے تھے؟"

"موجودہ باس سے پہلے وہی یہاں کا باس ہوا کرتا تھا۔ وہ واحد شخص تھا جس کا کوئی رشتے دار اس کے ساتھ یہاں رہتا تھا لیکن یہ بھی دیکھو کہ اس کے بعد اُس کی ماں کا کیا حشر ہوا؟"

"حشر ہوا؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ہاں، جس روز اُس کے مرنے کی خبر اخباروں میں آئی اُسی صبح اُس کی ماں کا کہیں پتا نہیں تھا۔ جب کہ پچھلی شام بہت سوں نے اُسے دیکھا تھا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس کے بارے میں پوچھتا لیکن افواہیں اُڑی تھیں کہ انعام نے اس بڑھیا کو کوڑا جلانے والی برقی بھٹی میں پھینک کر زندہ جلا دیا تھا۔"

اُس کا جواب سُن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں بڑی ماں کے اس اندوہناک انجام کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"آخر اس عورت کا جرم کیا تھا اور انعام نے کس اختیار کے تحت اُسے جلایا؟" میں نے بدقت تمام اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

"لائیڈز کالج سے مرنے والوں کا تعلق چھپانے کے لیے بڑھیا کو بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ توقیر کے مرتے ہی یہاں کا چارج انعام کو مل گیا تھا کیوں کہ اُس زمانے میں بھی وہ نمبر دو ہوتا تھا۔ ڈی سوزا تو کئی دن بعد یہاں سربراہ بن کر آیا تھا۔"

"اوہ۔" میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ رخسانہ نے اپنے جواب سے کئی گتھیاں سلجھا دی تھیں۔

ڈی سوزا کے خلاف انعام اور رحمانی کی محاذ آرائی شروع دن سے میرے لیے مسئلہ بنی ہوئی تھی لیکن اب اس کا سبب بھی میرے سامنے آگیا تھا۔ انعام لائیڈز کالج میں سینئر تھا اور اُسے اُمید رہی ہوگی کہ توقیر کی موت کے بعد چارج اُسے دے

دیا جائے گا لیکن اُس کی اُمیدوں کے برعکس ڈی سوزا کو باہر سے لاکر مسلط کر دیا گیا اور ان دونوں نے ڈی سوزا کو ناکام ثابت کرنے کے لیے پس پردہ اپنی گرفت مضبوط کرنا شروع کر دی۔ اگر ڈی سوزا کی طبیعت سخت گیر نہ ہوتی تو شاید وہ کبھی کا ناکام ہو گیا ہوتا۔

لیکن قدرت کا نظام کس قدر اٹل تھا کہ ڈی سوزا کا مجرم میرے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچا تھا۔ جب میں نے انعام کی گردن دبوچی تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہی سفاک بڑی ماں کا قاتل بھی تھا۔ اُس نے بڑی ماں کو زندہ یا مردہ برقی بھٹی میں جلا کر گور و کفن سے محروم کیا تھا اور اب میرے ہاتھوں بے بسی کی موت مرنے کے بعد وہ خود تین نمبر کے ایک مقفل کمرے میں جمی لائیڈ کی تصویر کے سائے میں چوہوں اور حشرات الارض کی خوراک بننے کے لیے بے گور و کفن پڑا ہوا تھا۔ اس کی موت سے لاش کو چھپائے جانے تک سارے واقعات کسی مقصد کے بغیر حالات کے دباؤ کے تحت رونما ہوئے تھے لیکن اب رخسانہ بتا رہی تھی کہ قدرت نے اپنا انتقام لینے کے لیے ایک کھلونے کی طرح اپنی مرضی کے مطابق استعمال کیا تھا ورنہ میرا اس تہ خانے کا سراغ لگانا شاید ایک بہانا ہی تھا۔

"تم خود ہی سوچو کہ اجازت مل بھی جائے تو ایسے روح فرسا حالات میں کون اپنے متعلقین کو یہاں رکھنے کا خطرہ مول لے گا کہ نہ جانے کب ان بے گناہوں کو اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا سہنا پڑ جائے۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"تو یہ ڈی سوزا یہاں کا مالک نہیں ہے؟" میں نے سادگی کے ساتھ سوال کیا۔

اُس نے اپنی دلکش آنکھیں اُٹھا کر مجھے گھورا اور قدرے غصیلے لہجے میں بولی "کیا یہاں کے معاملات کے بارے میں تم واقعی اتنے ہی لاعلم ہو یا میرا امتحان لے رہے ہو؟"

"کیسا امتحان؟ مجھے تو نوکری کیے چند ہی روز گزرے ہیں، ابھی تک تو وہی مالک نظر آیا ہے۔"

"یہاں ہم سب جمی لائیڈ کے ملازم ہیں کچھ اس کے منہ چڑھے ہیں جو دوسروں کو اپنے اشاروں پر نچاتے ہیں۔ ڈی سوزا تو پھر بھی شریف آدمی ہے۔ توقیر کے زمانے میں کوئی لڑکی اُس کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں تھی، ہر رات وہ رنگا رنگ محفلیں سجانے کا عادی تھا۔ انعام اور رحمانی رات کے اندھیرے میں کسی کو بھی سوتے سے اٹھا کر اُس کے دربار میں لے جاتے تھے، وہاں جو کچھ ہوتا تھا اس کے بارے میں سوچ کر بھی شرم آتی ہے۔"

"یعنی تم بھی وہاں لے جائی جاتی رہی تھیں؟"

"میں عورت تھی اور آسمان سے نہیں اُتری تھی۔ ... مانے بغیر نوکری بحال رکھنا دشوار تھا۔ اس کے بعد میں نے ... کی ذات میں پناہ لینے کی کوشش کی تھی۔"

"تو کیا یہ ساری غنڈہ گردیاں جمی لائیڈ کے ایما پر ہوتی ہیں؟" میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس کے بارے میں نچلی سطح پر کیا تاثرات پائے جاتے تھے۔

"اِس کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ کبھی یہاں نہیں آتا، کبھی ہو تو ہمیں پتا نہیں چلتا۔ اس کے پیسے پر یہ سب عیش کر رہے ہیں۔ ان حرکتوں میں جمی لائیڈ کی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُسے بس باہر کی نیک نامی سے غرض ہے، کچھ بھی ہو جائے، اوپر والے اس کی بھنک بھی باہر نہیں جانے دیتے۔"

"ناقابلِ یقین باتیں سنا رہی ہو تم تو۔" میں نے پُر خیال لہجے میں کہا۔ "یہ تو ظلم کی انتہا ہے کہ زندہ عورت کو جلا دیا جائے اور لوگ خاموش تماشائی بنے رہو۔"

"روزگار سب کو عزیز ہوتا ہے، خرابی یہ ہے کہ اصل مالک تک کسی کی رسائی نہیں ہے، اسے یہ سب معلوم ہو جائے تو شاید وہ اپنے ہاتھوں سے ان پاجیوں کو سولی پر لٹکا دے۔"

آخری فقرے میں لائیڈز کاٹیج کے پورے نظام کی تصویر آ گئی تھی۔ جمی لائیڈ نے اپنی ذات کو پس پردہ رکھ کر بڑی بھاری رسوائیوں سے بچایا ہوا تھا اور پیسے کے بل پر اپنے تنخواہ دار ملازموں کو لامحدود اختیارات دے کر ہر جائز و ناجائز کام لے رہا تھا۔ دماغ، منصوبہ اور پیسا اس کا تھا لیکن نتائج کا حصول ان ملازمین کے ذمّے تھا۔

میرے ساتھ وہ بھی گھاس سے اُٹھ گئی تھی۔ اُٹھ کر اُس نے پُر اُمید نگاہوں سے میری طرف دیکھا تھا لیکن میں نے اُسے ٹال دیا۔ "تمھارا کام ختم ہو گیا، تم جا کر آرام کرو، میں ابھی ڈیوٹی پر ہوں۔ شام کو اپنے کمرے میں تمھارا انتظار کروں گا۔"

"یہ گلدستہ تم ہی لے جاؤ۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "کمرے کو میں اسے خود سجا دوں گی۔ ابھی ایک گلاس میں تھوڑا سا پانی ڈال کر اسے لگا دینا، میں یہ لے کر نکلی تو مجھ پر پھبتیاں بھی کسی جائیں گی۔"

میں نے اُس کے ہاتھ سے گلدستہ لے لیا۔

دوپہر کے کھانے کا وقفہ ہو چکا تھا۔ بیشتر لوگ ڈائننگ

...رغ کر چکے تھے۔ میں نے بھی سوچا کہ کھانے سے فارغ
...ی لیا جائے۔ میں قریبی واش روم میں جا گھسا جو اس وقت
...ڑا ہوا تھا۔ میرے ہاتھ منہ دھوتے وقت وہاں ایک اور
...ں داخل ہوا جو خاصا تنومند اور قد آور تھا۔ مجھے گہری نظروں
...ے گھورتے ہوئے وہ خود بھی برابر والے واش بیسن پر
...ک گیا۔

منہ ہاتھ دھونے کے بعد میں ٹاول ڈرائر سے خشک تولیہ
...ے کر منہ صاف کر رہا تھا کہ اچانک ہی میرے سر کے عقبی حصے
...قیامت سی ٹوٹ پڑی اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا
...۔ وہ ضرب اس قدر شدید اور نپی تلی تھی کہ میرے حلق سے ذرا بھی
...آواز نہ نکل سکی اور فوراً ہی ٹانگوں نے میرے وجود کا بوجھ سنبھالنے
...سے انکار کر دیا۔

مجھے بس اتنا یاد رہا کہ گرتے گرتے اچانک ہی میرے قدم
...ش سے اکھڑ کر فضا میں معلق ہو گئے تھے کہ شاید کسی نے گرنے سے
...لے مجھے اپنے کندھے پر لاد لیا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا، مجھے یاد نہیں۔
...دوبارہ ہوش آیا تو سب سے پہلے کھوپڑی کے عقبی حصے میں درد
...تیز دھمک کا احساس ہوا تھا اور میں نے بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں۔
نگاہوں کے سامنے سے چکراتے ہوئے رنگین دائرے
...ب ہوئے تو اپنے سامنے فرش سے چھ فٹ کی بلندی پر رحمانی
...بگڑا ہوا چہرہ نظر آیا۔ اس کے تیور خراب تھے اور ہاتھ میں ایک
...ادان پستول دبا ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس وقت میں ننگے فرش
...پڑا تھا۔ دکھتے ہوئے سر کو ذرا سی جنبش دینے سے اپنے قید خانے
...ل وقوع بھی معلوم ہو گیا کیونکہ اس وقت میں تہ خانے میں واقع
...ر چرسیل میں موجود تھا اور سامنے ہی انسانی ڈھانچے سے مشابہ خالی
...ہنی خول ایستادہ تھا۔

"میں سمجھ نہیں سکا کہ یہ سب کیا ہے؟" میں نے کہنیوں پر زور
...دے کر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"انعام کہاں ہے؟" اس کی سانپ کی طرح پھنکارتی ہوئی آواز
...میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"ک... کیا یہاں نہیں ہے؟" صورت حال کی سنگینی کے
...پیش نظر میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں جوابی سوال کر ڈالا۔
"ہوش میں رہ کر بات کرو۔" وہ اپنی چبھتی ہوئی آواز میں غرایا۔
"یہ ٹارچر سیل ہے، اگر تم نے زبان نہ کھولی تو اس بار یہاں سے زندہ
...[illegible] سکو گے۔"

"میں تمہیں پوری کہانی سنا چکا ہوں۔ رات سے اب تک میں
...نے اس کا سایہ تک نہیں دیکھا، میں کیا بتا سکتا ہوں۔"
"تمہاری کہانی میں بدترین جھول ہے، صبح تم نے جو کچھ بتایا

میں نے من و عن تسلیم کر لیا تھا لیکن بعد میں میں نے تہ خانے کے
تلاشی لینے والوں سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ ٹارچر سیل میں
آہنی خول کو خاص طور سے دیکھا گیا تھا اور وہ خالی تھا جب کہ
اپنے بیان کے مطابق تم نے اسی ڈھانچے میں پناہ لی تھی۔"
"میں تمہارے سامنے تہ خانے سے برآمد ہوا تھا، پھر تم
ہی بتاؤ کہ میں کہاں چھپ سکتا تھا، بتلانے والے نے تمہیں غلط
بتایا ہے۔ اس وقت وہ بدحواسی میں شکنجے کو فراموش کر بیٹھے، تم نے
مخصوص حوالے سے اس کے بارے میں پوچھا ہو گا تو اسے ہوش
آیا ہو گا کہ ایک آدمی تو بآسانی اس میں بھی چھپ سکتا تھا لہٰذا اپنی
غفلت پر پردہ ڈالنے کے لیے اس نے جھوٹ بول دیا۔"
وہ چند ثانیوں تک نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے، قہربار
نظروں سے مجھے گھورتا رہا پھر نسبتاً پُرسکون لہجے میں بولا۔ "ڈی سوزا
سے ملاقات ہوئی تمہاری؟"
میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں سوچا کہ رحمانی
وہاں کا پرانا آدمی تھا اور اس کے لوگوں سے مراسم تھے اس لیے
ڈی سوزا سے ملاقات کا اقرار نہ کرنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ میں نے
اثبات میں سر ہلا دیا۔
اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تیر گئی۔ "کیا بات ہوئی
تھی اس سے؟"
مجھے بے ہوش کر کے ٹارچر سیل میں لایا جانا خالی از علت نہیں
تھا۔ اس نے بازپرس کی ابتدا انعام کی گمشدگی سے کی تھی پھر فوراً ہی
ڈی سوزا سے ملاقات کے معاملے پر آ گیا تھا۔ ڈی سوزا کو میں اپنی
پیچ دار گفتگو سے چکمہ دے چکا تھا اور اس وقت رحمانی کا قیدی
بنا ہوا تھا۔ میرا فوری اور شاید لائیڈز کالج میں آخری مسئلہ رحمانی
کا اعتماد بحال کرنا تھا تاکہ مجھے رہائی نصیب ہو سکے۔ چند گھنٹوں
بعد مجھے وہاں سے ویرا سے ملاقات کے لیے روانہ ہو جانا تھا۔ اس
کے بعد اگر رحمانی اور ڈی سوزا کو میرے جھوٹ کا پتا چل بھی جاتا
تو میرا کچھ نہ بگڑتا۔ اس لیے میں نے فوری ہی رحمانی سے سچ بولنے کا
فیصلہ کر لیا۔
"اپنے کمرے سے ممنوعہ اوقات میں بلا اجازت غیر حاضری پر
بازپرس سے بات شروع ہوئی تھی اور انعام کی غیر حاضری سے ہوتی
ہوئی تمہاری ذات پر شبہ پر ختم ہوئی۔ اس کا خیال ہے کہ اختلاف رائے
کی .... بنیاد پر تم نے اس کو مار کر کسی گٹر میں ڈال دیا ہے۔ آج رات
پورے احاطے کی بیرونی روشنیاں گل کر کے ہر مین ہول کی تلاشی
لی جائے گی۔" میں نے کہا۔
میرا خیال تھا کہ میری زبان سے وہ باتیں سن کر رحمانی حیرت
سے اچھل پڑے گا لیکن اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ مجھ سے

گھما پھرا کر سوال کرتا رہا اور میں بلا تامل سب کچھ سچ سچ بتاتا چلا گیا۔ اس دوران میں اس کا رویہ بھی بتدریج نرم ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ آخر میں اس نے مہیب پستول سائلنسر اتار کر ہولسٹر میں اڑس لیا۔

"پھر تم نے آج دن بھر مجھ سے ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے شبہ تھا کہ میری نگرانی ہوگی۔ کھلے بندوں ملاقات سے پہلے میں خفیہ طور پر تم سے مل کر تمہیں اس کے عزائم سے آگاہ کرنا چاہتا تھا تاکہ اسی کی روشنی میں تم اپنا لائحہ عمل طے کر سکو۔"

"تمہاری نگرانی ضرور ہو رہی تھی لیکن وہ ڈی سوزا کے نہیں، میرے آدمی تھے۔ میری حمایت اور وسائل کا اندازہ تم صرف اسی ایک بات سے لگا سکتے ہو کہ تمہیں دن دہاڑے اٹھا کر یہاں پہنچا دیا گیا۔ اگر ڈی سوزا مجھ پر شبہ کر رہا ہے تو میں بھی اس کے عزائم کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ وہ لائیڈز کاٹیج سے ہر اس آدمی کا پتہ صاف کرنا چاہتا ہے جو ذرا بھی مضبوط ہے یا حمایت رکھتا ہے۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ "تمہیں کیا ضرورت تھی میرا تعاقب کرانے کی؟ پھر ابھی تم نے پستول تانا ہوا تھا مجھ پر... اب حیثیت کیا ہے میری؟ قیدی یا آزاد؟"

اس بار وہ ذرا فراخ دلی کے ساتھ ہنسا تھا۔ "تم آزاد ہو میرے دوست! مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں پرکھنے میں غلطی کی، میرا خیال تھا کہ تم میرے خلاف ڈی سوزا سے مل گئے ہو۔"

"کوئی وجہ بھی تو رہی ہوگی اس بدظنی کی؟"

"ڈی سوزا میرے پیچھے لگا ہوا ہے اور میں اس کے پیچھے۔ میں نے کل شام ہی اس کے کمرے میں ایک لاسلکی ڈکٹافون لگوا دیا تھا۔ صبح اپنے ریسیور پر تمہاری آواز سن کر میں چونک پڑا کیونکہ تم نے ڈی سوزا سے ملاقات کا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا۔ پھر تم دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی، وہ میں نے حرف بہ حرف سنی۔ میرے خدا! تم نے تو ایسی کامیاب اداکاری کی کہ میں تمہیں اپنا بدترین دشمن سمجھنے لگا تھا۔ اسی غصے میں تمہیں یہاں اٹھوایا۔ اگر تم خود ہی سب کچھ نہ اگل دیتے تو یقین کرو کہ تمہارے مغز میں چند گولیاں اتار کر اسی وقت تمہاری لاش برقی بھٹی میں پھکوا دیتا، لیکن تم نے تو میرے سارے شبہات پر ہی پانی پھیر دیا۔"

میرے وجود کی گہرائیوں سے ایک تشکر آمیز سانس خارج ہوا۔ میں ایک بدترین لمحے سے بال بال بچا تھا۔ اگر میں اپنی مقصد کی برآوری کے لیے رحمانی کا اعتماد بحال کرنے کا فیصلہ نہ کرتا تو اس وقت تک میری کھوپڑی میں کئی سوراخ ہو گئے ہوتے۔

بہت خونریز ماحول تھا لائیڈز کاٹیج کا بھی۔ جہاں انسانی لہو کی ہولی کھیلنے والوں میں اس حد [illegible] باہمی اعتماد کا فقدان ہو، وہاں کسی بھی لمحے کشت و خون کا [illegible] ہو سکتا تھا۔

"پھر اب کیا حکم ہے میرے لیے؟" میں نے اپنے [illegible] ہوئے حصے کو ٹٹولتے ہوئے سوال کیا۔

"جو کہا گیا ہے وہی کرو گے، یعنی میرے قریب [illegible] کوشش۔" وہ داہنی آنکھ دبا کر عیارانہ مسکراہٹ کے ساتھ [illegible] "اب تم دیکھنا کہ جلد ہی ڈی سوزا کی جگہ میں لے لوں گا اور تم [illegible] دستِ راست ہو گے۔"

"اور انعام؟" میں نے اسے یاد دلایا۔

"جب تک وہ مل نہیں جاتا اسے بھولے ہی رہنا [illegible] گا۔" اس کے لہجے میں تاسف کا ہلکا سا عنصر بھی موجود [illegible]

"ممکن ہو تو میں واپس جانا چاہوں گا۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا جو پونے پانچ بجا رہی تھی۔

"یوں نہیں، پہلے میں جاؤں گا پھر میدان صاف دیکھ کر [illegible] نکال دوں گا۔"

"پانچ بجے تک مجھے کمرے میں واپس پہنچنا ہے۔" میں [illegible] احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔

"کیوں؟" اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیا کوئی آنے والی ہے؟ مجھے پتا چلا ہے کہ آج تم نے کچھ وقت رخسانہ کے سا[illegible] گزارا تھا۔"

"معلوم ہے تو پھر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے خفت آمیز لہجے میں کہا اور وہ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ [illegible]

ویرا لائیڈ سے ملاقات کا پیغام ملنے کے بعد سے یوں [illegible] ہو رہا تھا جیسے وقت کی رفتار یک بیک تیز ہو گئی ہو۔ [illegible] واقعات لمحہ بہ لحظہ یوں رونما ہو رہے تھے جیسے حالات بھی [illegible] احکام کے تابع رہے ہوں۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ [illegible] کے سفاک قاتل سے انتقام سے لے کر جمی لائیڈ کی تصویر [illegible] تک ہر مرحلے میں مجھے کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس کے [illegible] جو کچھ ہوا وہ ضمنی سا تھا۔ میرے خیال میں ڈی سوزا اور رحمانی کے درمیان میں نے نفاق کا جو بیج بو دیا تھا وہی لائیڈز کا[illegible] کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے لیے کافی تھا لیکن میں [illegible] کی منشیات فروشی کے بعد اسلحہ کی اسمگلنگ سے واقف [illegible] کر یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ ویرا لائیڈ سے ملنے اور لائیڈز کاٹیج [illegible] نجات کے بعد میں نمبر تین کے تہ خانوں میں موجود بارود [illegible] کو اس طرح تباہ کروں گا کہ اسلحہ سمیت ان عمارات کا نام [illegible] تک باقی نہ رہے۔

اپنی اس کارروائی کے سلسلے میں بس ایک ہی طرف سے فکر مند تھا کہ لائیڈز کالج میں توبیوں اور مجرموں کے غول میں رخسانہ جیسے بہت سے بے گناہ بھی رہ رہے تھے جن کی جانوں کا تحفظ لائیڈز کالج کی تباہی سے زیادہ ضروری تھا۔

رخسانہ کے ساتھ اس شام گزارے ہوئے چند گھنٹے میرے لیے یادگار تھے۔ اس کے لیے شوقِ آوارگی کی مہم میں کسی معقول آدمی سے وہ پہلی ملاقات تھی جو آگے چل کر گہری دوستی یا کسی جذباتی تعلق کی بنیاد بن سکتی تھی لیکن یہ میں ہی جانتا تھا کہ اس نیک دل اور خوب صورت لڑکی سے وہ میری آخری ملاقات تھی۔

وہ اگلی شام آنے کا وعدہ کر کے بڑی خوش خوش واپس گئی تھی۔ اسے رخصت کرنے کے بعد میں نے کمرے پر ایک الوداعی نگاہ ڈالی۔ وہاں میرا تھا ہی کیا۔ میں تو خالی ہاتھ تن کے کپڑوں کے ساتھ آیا تھا جو میں نے خود ہی پھاڑ لیے تھے۔

الماری میں سے ایک عمدہ ڈنر سوٹ زیب تن کر کے میں نے کیبنٹ میں سے بلیک ڈاگ کی آدھی بوتل نکال کر اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈال لی۔ وہ چپٹی بوتل پہننے سے یوں لگ گئی کہ بادی النظر میں اس کی موجودگی کا احساس کرنا ہی محال تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے انٹر کام کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔

"ڈینی اسپیکنگ۔" میں نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دھیمے سے کہا۔

"تمھیں آٹھ بجے روانہ ہونا ہے۔" ریسیور میں ڈی سوزا کی آواز سنائی دی۔ "ٹھیک آٹھ بجے اسٹاف کار تمھیں اپنے دروازے پر ملے گی۔"

"تین منٹ رہ گئے ہیں، میں باہر پہنچ رہا ہوں۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"رحمانی کا آج کیا رہا؟"

"آج ملاقات نہیں ہو سکی، کل کوشش کروں گا۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور میں بھی ریسیور کریڈل پر رکھ کر باہر نکل گیا۔

باہر نکلا تو ہر طرف گھور تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ پروگرام کے مطابق احاطے کی تمام روشنیاں گل تھیں۔ اندھیرے کے اس جنگل میں عمارت کی کھڑکیوں کے روشن شیشے بہت عجیب نظر آ رہے تھے۔

میں عمارت کے برآمدے میں رک کر اس منظر کا جائزہ لینے لگا۔ میرا اندازہ تھا کہ شاید میری واپسی کے بعد مین ہولوں کی نوشی کی مہم شروع ہوگی کیونکہ اسٹاف کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی دور تک کا پورا منظر واضح کر سکتی تھی لیکن چند ثانیوں بعد جب تاریکی میں دو زرد روشنیاں مجھے قریب آتی دکھائی دیں تو اندازہ ہوا کہ ڈی سوزا اپنے معاملات میں کس قدر پکا تھا۔ شاید اس رات باہر پارکنگ لائٹس کے علاوہ گاڑیوں کی دوسری روشنیوں کے استعمال پر بھی پابندی تھی۔

آنے والی لمبی سی سیاہ کار سیڑھیوں کے قریب رکی اور سفید وردی میں ملبوس ڈرائیور نے پھرتی سے نیچے اتر کر میرے لیے عقبی نشست کا دروازہ کھول دیا۔ میرے سوار ہوتے ہی کار آگے بڑھ گئی۔

لائیڈز کالج کسی بھی اعتبار سے قلعے سے کم نہیں تھا۔ سست روی کے ساتھ کئی موڑ گھومنے کے بعد اسٹاف کار دیوہیکل مشینی دروازے کے قریب رک گئی۔ اس وسیع و عریض آہنی پھاٹک کے قرب و جوار میں بھی اندھیرا تھا بس ملحقہ کمرے میں روشنی ہو رہی تھی جس کا انعکاس گھور اندھیرے میں غنیمت معلوم ہو رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ مجھے جس شان سے گاڑی میں بٹھایا گیا تھا اسی شان کے ساتھ مشینی پھاٹک سے گزار بھی دیا جائے گا لیکن ایک باوردی محافظ نے قریب آ کر سارا لطف غارت کر دیا۔ وہ مجھے کمرے میں جا کر تلاشی دینے کی ہدایت دے رہا تھا۔

کمرے میں میرے پورے جسم پر ہاتھ پھیر کر سرسری جامہ تلاشی کے بعد مجھ سے میرا شناختی تمغہ طلب کیا گیا جسے میں بھول ہی بیٹھا تھا۔ میں نے وہ نقرئی تمغہ گارڈ کو دے دیا اور اس نے ایک روپے کا نوٹ درمیان سے پھاڑ کر اس کا نصف حصہ میرے سپرد کر دیا۔ جو میرے جمع کرائے ہوئے تمغے کی رسید تھا اگر میری واپسی ہوتی تو نوٹ کے دونوں پھٹے ہوئے حصوں کا جوڑ ملا کر شاید تمغہ مجھے لوٹا دیا جاتا۔

پھر بھاری مشینی گڑگڑاہٹ کے ساتھ دونوں پھاٹک مخالف سمت میں سرکنے شروع ہوئے اور مناسب خلا پیدا ہوتے ہی ہماری گاڑی سڑک پر تیرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

لائیڈز کالج سے عزت و احترام کے ساتھ واپسی کا وہ تجربہ اس قدر ناقابلِ یقین تھا کہ میں کئی منٹ تک اسی تصور میں کھویا رہا۔ اس دوران میں ڈرائیور نے ہیڈ لیمپس روشن کر کے کار کی رفتار بڑھا دی تھی۔

لائیڈز کالج شہر سے خاصی دور واقع تھا۔ سفر کے اختتام پر میں کانٹی نینٹل کے پورچ میں گاڑی سے اترا تو ڈرائیور نے کہا کہ وہ پارکنگ لاٹ میں میری واپسی کا انتظار کرے گا، مگر اپنی واپسی کی حقیقت مجھے اچھی طرح معلوم تھی لہٰذا میں نے اسے واپس لوٹ جانے کی اجازت دے دی۔ اس سے یہی کہا تھا کہ واپسی پر میں کوئی ٹیکسی لے لوں گا۔

اس وقت پونے نو بجے تھے۔ میں نے ٹہلتے ہوئے لاؤنج کا ایک چکر لگایا اور ویرا لائیڈ کو موجود نہ پا کر باہر انتظار گاہ میں آ گیا، جہاں خاصے لوگ کسی نہ کسی کے منتظر تھے۔

میری نگاہ ہوٹل کے داخلی راستے پر مرکوز رہی اور ویرا میری بے خبری میں میرے پیچھے پہنچ گئی۔ اس نے میری پشت پر ہلکے سے ہاتھ مار کر ہیلو کہا تو میں حیرت آمیز پھرتی کے ساتھ مڑا اور اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

شام کے ہلکے میک اپ اور لباس نے اسے غضب کی کشش دے دی تھی۔ میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے محسوس کیا کہ انتظار گاہ میں موجود متعدد نظریں میری طرف نگراں تھیں۔ رشک و رقابت کی اس فضا میں ایک جوان اور خوش رو سفید فام کچھ زیادہ ہی منتصب نکلا اور ویرا لائیڈ کو خریدار کی متلاشی سمجھتے ہوئے پہلی ملاقات کے جملہ آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہماری طرف لپکا اور ویرا کے سامنے اپنے سر کو قدرے خم دیتے ہوئے شائستہ انگریزی میں بولا۔ "میں شون ہوں، شون میکارتھی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ڈھٹائی کے ساتھ اپنا داہنا ہاتھ مصافحہ کے لیے آگے بڑھا دیا۔

"شاید تم برطانوی ہو۔ مجھے مسز جیکب کہتے ہیں۔ یہ میرے شوہر مسٹر جیکب ہیں۔" وہ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کرتے ہوئے خشک لہجے میں بولی۔ "اپنا ہاتھ واپس کر لو، انگلینڈ میں جب تک کوئی خاتون مصافحہ کے لیے پہلے اپنا ہاتھ نہ بڑھائے مرد ملاقاتی کو ہاتھ نہیں بڑھانا چاہیے، یہ بدتمیزی کہلاتی ہے؟"

اس نے غصے کے عالم میں اپنا ہاتھ واپس کھینچنا چاہا جو میں نے پھرتی کے ساتھ دبوچ لیا۔ "بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔ میری بیوی مقامی یونیورسٹی میں اخلاقیات کی پروفیسر ہے۔۔۔"

وہ میری گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بھنّاتے ہوئے انداز میں واپس لوٹ گیا۔ یہ سب اتنی آہستگی اور تیزی کے ساتھ ہوا تھا کہ قرب و جوار میں شاید کسی کو اصل واقعے کا اندازہ نہ ہو سکا مگر شون کی واپسی کے غصیلے انداز نے ظاہر کر دیا کہ موصوف کی پذیرائی خوشگوار نہیں تھی۔ اسے دیکھ کر کئی چہروں پر مسکراہٹ کے چراغ جل اٹھے تھے۔

"تم کہاں سے آئیں؟" اس کے چلے جانے کے بعد میں نے اپنے لبوں پر ٹھہرا ہوا سوال کر ہی ڈالا۔

"لفٹ سے!" وہ کھنکتی ہوئی آواز میں بولی۔ "آؤ۔"

وہ میرا ہاتھ تھام کر دوبارہ لفٹ کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ تیسری منزل پر اس کے خنک کمرے میں پہنچ کر اچانک ہی میری طبیعت پر اکتاہٹ سی سوار ہونے لگی۔

"کیا ہم کچھ وقت باہر نہیں گزار سکتے ویرا؟" میں نے سوال کیا۔

"کیوں؟ یہاں ہم بے تکلفی کے ساتھ کھل کر گفتگو کر سکیں گے تمہارے کوٹ کی اندرونی جیب میں اگر پستول نہیں تو ریوالور ضرور ہے۔ باہر تم اسے کبھی منہ نہ لگا سکو گے۔"

میں تھکے ہوئے انداز میں آرام دہ کرسی پر گر گیا۔ "اچھے ہوٹل دنیا بھر میں کم و بیش ایک جیسے ہوتے ہیں۔ کمرے میں محدود ہو کر رہ جاؤ تو شہروں اور ملکوں کا ہر امتیاز مٹ جاتا ہے۔ وہاں ستھرا کشادہ بستر، بڑی بڑی کھڑکیاں، قالین، ٹھنڈی ہوا اور چند لوازم۔"

"میں نے تمہیں تفریح کے لیے نہیں بلایا ہے، ابھی تمہیں واپس بھی جانا ہے۔ اب تک کی رپورٹ کیا ہے؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے تیکھے لہجے میں کہا۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں واپس نہیں جاؤں گا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "میں نے گاڑی واپس بھیج دی ہے۔ وہاں کام کر کے بہت تھک گیا ہوں۔ اب ذرا آرام چاہتا ہوں۔ دوم یہ کہ عزالہ کہاں ہے؟"

"جہاں بھی ہے، بہت خوش ہے۔ تمہارے لیے اس کی آواز میں ریکارڈ کیا ہوا پیغام لائی ہوں... تم نے یہ نہیں بتایا کہ جس کام کے لیے وہاں گئے تھے اس کا کیا ہوا؟"

"تمہارا کام ہو گیا۔" میرا جواب سن کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تفصیل اس وقت جب عزالہ سامنے ہو گی۔"

"کیا تصویر تک واقعی تمہاری رسائی ہو گئی؟" اس نے بے یقینی کے عالم میں پوچھا۔

"نہ صرف تصویر تک بلکہ اسلحہ کے ان ناقابلِ یقین انبار تک بھی جو تنظیم کے کاروبار کا ایک اہم حصہ ہیں۔ ہیروئن برآمد ہوتی ہے، خطرناک اسلحہ درآمد ہوتا ہے، تنظیم دو دھاری تلوار چلا رہی ہے۔"

"اسلحہ!" حیرت سے اس کی باریک بھویں کمان ہو گئیں۔ "کھل کر کہو، کیا کہنا چاہ رہے ہو تم؟"

"لائیڈز کاٹیج میں زیر زمین تعمیرات کا بھی ایک جال بچھا ہوا ہے جس کا بڑا حصہ لائیڈز کاٹیج سے اس طرح الگ کیا ہوا ہے کہ وہاں رہنے والے بھی اس کے وجود سے لاعلم ہیں اور وہ تہ خانے مہلک اسلحے اور بارودی ذخائر سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہاں سے نکاسی کا زیر زمین چور راستہ عقبی جنگل میں نکلتا ہے جہاں سے ٹرک تہ خانے میں آ سکتے ہیں۔"

"ناقابلِ یقین معلوم ہوتا ہے یہ سب، لیکن تمہاری وہاں تک رسائی کیسے ہو گئی؟"

میں نے اختصار کے ساتھ اسے لائیڈز کالج کے پیچیدہ تعیراتی نظام اور اپنی کامیابی کے اسباب سے آگاہ کر دیا درمیان میں وہ بار بار مجھے ٹوکتی رہی اور میں اس کے ہر سوال کا مسکت جواب دیتا رہا۔

"اس پوری مہم میں کشت و خون بھی ضرور ہوا ہوگا؟"

"اس خفیہ حصے میں چار لاشیں موجود ہیں اور میں جلد از جلد اس پورے ڈھانچے کو تباہ کرنا چاہتا ہوں۔ ایک ننھا سا ٹائم بم پوری عمارات کو ساتھ لے بیٹھے گا۔"

"نہیں۔" وہ اضطراری طور پر بول اٹھی۔ "یہ تنظیم کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ہوگا۔ میں تمھیں اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔"

"اپنی منصوبہ بندی کو عملی صورت دینے کے لیے مجھے تمھاری کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔" میں نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ان تہ خانوں کے راستے قبرستان میں اکثر مہمان آتے رہتے ہیں جن میں غیر ملکی بھی ہوتے ہیں۔ مجھے ایسی کسی پارٹی کی آمد سے پہلے اپنا کام پورا کرنا ہوگا ورنہ وہ لاشیں دیکھ لی گئیں تو وہ ہوشیار ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ میرے ساتھ تمھاری ذات بھی شبہات کی زد میں آجائے۔ اتنی بڑی اور باوسائل تنظیم کے لیے اس نقصان کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔"

"اس مختصر سی مدت میں تم نے ان کے چار دس آدمی مار دیے، خفیہ ترین مقامات کے راز معلوم کر لائے اور اب وہ سب برباد کر دینا چاہتے ہو۔ نہیں ڈینی! یہ نہیں ہو سکے گا۔ لائیڈز کالج کی برسوں پرانی ساکھ ہے۔ ہولناک دھماکوں، آتش زنی اور جانی اتلاف کے بعد سب کچھ بکھر کر رہ جائے گا۔ پولیس اور فوج اس ملبے پر چڑھ دوڑے گی۔ اسے نقصان پہنچائے بغیر ہم انھیں ہر لمحے بلیک میل کر سکیں گے۔ یہ معلومات تو تمھارے لیے سدا بہار کامیابی کی کلید بن سکتی ہیں۔"

"یہ خوش فہمی ہے تمھاری، جب تک لاشیں دریافت نہیں ہوتیں سب کچھ جوں کا توں موجود رہے گا۔ انھیں جس وقت بھی کسی بیرونی آدمی کی مداخلت کا سراغ مل گیا وہاں کچھ باقی نہ رہے گا۔ سارے ذخائر اونے پونے بیچ دیے جائیں گے یا دوسرے گوداموں میں منتقل کر دیے جائیں گے۔ رہے تہ خانے تو ان کی تعمیر کسی قانون کے تحت جرم نہیں ہے۔"

"نہ رہے، کچھ بھی نہ رہے لیکن تم کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔"

"ہو سکتا ہے کہ ہمت ساتھ دے اور وسائل مجتمع ہو جائیں تو میں آج رات ہی ادھر کا رخ کر بیٹھوں۔ میں انھیں مہلت نہیں دینا چاہتا ورنہ میرا بنا بنایا کھیل خراب ہو جائے گا۔ میں ایک بار

مجھے ان کی ہٹ لسٹ پر آجاؤں گا۔"

"تمھیں یہ خوف بھی نہیں ہے کہ غزالہ میری تحویل میں ہے، میں چاہوں تو اسے دباؤ کے طور پر استعمال کر سکتی ہوں۔"

"تم نہیں کر سکو گی۔" میں نے تیز زور لہجے میں کہا۔ "تم گندے خون کی ستھری پیداوار ہو۔ میں نے جمی لائیڈز کی تصویر دیکھ لی ہے اور اس کی تلاش میں تمھارا ساتھ دوں گا۔ اس سے زیادہ غزالہ کو استعمال کرنا چاہو گی تو میں اسے حالات اور مقدر کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں گا۔ غزالہ کی جان میرے ملک کی مٹی سے زیادہ قیمتی نہیں ہو سکتی۔ اب تک جو کچھ ہوتا چلا آیا ہے اس میں میں بھی ایک فریق بنا رہا اور شاید اب بھی بنا رہتا لیکن اسلحہ کے انبار نے تو میری آنکھیں کھول دی ہیں۔"

"تم ان بے گناہوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگو گے جو ان کاموں میں شریک نہیں ہیں۔ بس روزی کمانے کے لیے لائیڈز کالج میں رہ رہے ہیں۔" وہ مجھے ہر قیمت پر باز رکھنے پر تلی ہوئی تھی۔

"بڑے مقاصد کے سامنے دس بیس جانوں کی قربانی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ یہ تو جنگ ہے کھلی ہوئی جنگ، جس میں آدمیوں کو دیکھ بھال کر نہیں مارا جاتا، جو زد میں آجائے موت اسی کا مقدر بن جاتی ہے۔" میں نے سگریٹ کا ٹوٹا ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔ "ان بے گناہوں کی جانیں بچانے کے لیے میں نے دوسری راہ سوچی تھی، میں پولیس کو ادھر متوجہ کر سکتا تھا لیکن میرے لیے سامنے آنا ناممکن ہے اور وہ کسی گمنام اطلاع پر اتنا بڑا قدم ہرگز نہیں اٹھا سکتے کیوں کہ ناکامی کی صورت میں فیصلہ کرنے والوں کی ملازمتیں جا سکتی ہیں۔ ان کے لیے لائیڈز کالج ایک بہت بڑا نام ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرتے کہ... براہِ راست لائیڈز یا بڑھیا سوزا سے رجوع کرتے اور انھیں لائیڈز کالج میں الجھا کر خفیہ راستوں سے مال صاف کر دیا جاتا۔ ایسے غیر یقینی اقدام سے بہتر یہ ہوگا کہ میں خود ٹھوس کارروائی کر گزروں۔"

"اور اگر میں بزورِ طاقت تمھیں روکنا چاہوں؟" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں بولی۔

میں اپنی کرسی پر سنبھل کر بیٹھ گیا لیکن بظاہر ہنستے ہوئے بے پروائی سے بولا۔ "موج آجائے گی کیوں کہ یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں۔"

"میرے باپ کی تصویر تمھیں کہاں ملی تھی؟" اس نے کچھ دیر کے توقف کے بعد سوال کیا۔

"تین نمبر کے ایک مقفل کمرے میں۔" میں نے فوری سے

خیال کے تحت کہا۔ "اگر آج رات تم میرا ساتھ دو تو شاید ہم وہ تصویر بھی وہاں سے نکال سکتے ہیں پھر تم میری محتاج نہیں رہو گی۔"

"یہی میں بھی سوچ رہی تھی۔" اس نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "لیکن میں ایک بار پھر کہوں گی کہ ان تہ خانوں کی تباہی کا خیال دل سے نکال دو۔ ملک کی مٹی اور وطن کی محبت یہ سب پرانے دور کے افسانے ہیں۔ جب انسان ایک گاؤں میں پیدا ہو کر وہیں مر جاتا تھا۔ اس دور میں جو جہاں پہنچ جائے وہی اس کا وطن بن جاتا ہے۔ تنظیم کا بانی میرا باپ ضرور ہے لیکن یہاں اسے چلانے اور فروغ دینے والے سب تمہارے ہم وطن ہیں۔ تم کس کس سے لڑتے پھرو گے؟"

میں اچانک ہی سنبھل گیا۔ اس نے ملک اور وطن کی بات کچھ سوچ سمجھ کر ہی چھیڑی تھی۔ شاید وہ ایک بار پھر میری وفاداری کا امتحان لینا چاہ رہی تھی۔ کیوں کہ عملاً وہ تنظیم میں ایک اہم منصب پر فائز تھی اور میں نے اسے یہی بتایا تھا کہ میں ہمیشہ سے تنظیم کا وفادار رہا لیکن غلط فہمیوں کی بنیاد پر میرے گرد ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ مجھے کنارہ کش ہو کر اپنا وجود منوانے کے لیے تخریب کا سہارا لینا پڑا اور اب تہ خانوں کی تباہی کے بارے میں میرا اصرار میرے دعووں کی تردید کر رہا تھا۔

شاید اس کے سامنے غیر ارادی طور پر میرے کھل جانے کا سبب یہ رہا ہو کہ وہ خود بھی اپنے باپ کی تصویر تک رسائی کے بارے میں طے شدہ احکام کی خلاف ورزی کر چکی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے ایک سازش کے تحت مجھے لائیڈز کالج میں بھی بھجوایا تھا جہاں اس کے مقصد کے حصول کے لیے مجھے سارے ضابطے پامال کرنے پڑے تھے۔

"یہ وطن کی محبت کی بات نہیں، دوسری چیز ہے۔" میں نے پُرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اصل بنیاد یہ ہے کہ ہمیں بے خبر رکھ کر اسلحے کا کاروبار کیا جا رہا ہے۔ میری دانست میں یہ بہت بھیانک کھیل ہے۔ میں اس میں ایک فریق نہیں بن سکتا۔ اس کی بیخ کنی ضروری ہے۔"

میری بات پر اس نے بڑا جاندار قہقہہ لگایا تھا۔ "ابھی چند لمحے پہلے تم بڑے مقصد اور قربانیوں پر تقریر کر چکے ہو۔ اب میرے تیور دیکھ کر قلابازی کھا رہے ہو۔"

"ہیروئن وہی استعمال کرتا ہے جو اسے خریدتا ہے گولی انھیں مارتی ہے جو اس کے خریدنے کی توفیق نہیں رکھتے اور یہی اسلحے سے میری نفرت کا بنیادی سبب ہے۔ شاید یہی ایک سبب ہوتا تو میں کسی اقدام کا ارادہ نہ کرتا لیکن یہ میری زندگی اور سلامتی کا مسئلہ بن گیا ہے۔ لاشوں کو وہاں سے ہٹا کر بھی انھیں فریب نہیں دیا جا سکتا۔ ہر صورت میں مداخلت کا راز فاش ہو جائے گا اور پہلا شبہ میری ذات پر کیا جائے گا۔ اگر رحمانی زندہ بچ گیا تو وہ میرے خلاف سب سے بڑا گواہ ہو گا کیوں کہ تہ خانے میں اسی نے مجھے اتارا تھا۔ میں اب مقابلے اور تصادم سے تھک گیا ہوں گوشۂ گمنامی میں رہ کر سکون سے زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے مجھے یہ آخری قدم اٹھانا ہی پڑے گا۔"

"تو کیا تہ خانوں کی تباہی سے بیرونی مداخلت کا اشارہ نہیں ملے گا؟" اس نے یوں سوال کیا جیسے میں نے کوئی احمقانہ تاویل پیش کرنے کی کوشش کی ہو۔

"ضرور ملے گا لیکن سب کچھ بکھر کر رہ جائے گا۔ سب جل جائے گا اور تنظیم کے اعلا دماغ بھی مل کر واقعات کی کڑیوں کو یکجا نہ کر سکیں گے۔ ڈی سوزا کا ایک تاثر یہ بھی تھا کہ انعام کہیں روپوش نہ ہو گیا ہو۔ تباہی کے بعد ملبے سے انعام کی لاش ملنے پر یہ بھی سمجھا جائے گا کہ لائیڈز کالج سے منسلک تہ خانے سے وہ اتفاقاً خفیہ تہ خانوں میں جا نکلا پھر سامنے آنے والوں کو ہلاک کرنے کے بعد اپنی ہی کسی غلطی کی بنا پر بارودی ذخائر کو اڑا بیٹھا۔ میری ذات موضوع بننے سے بچ جائے گی۔ شاید کسی کو یاد بھی نہ آئے کہ میں مختصر سی مدت کے لیے لائیڈز کالج میں آیا تھا۔"

"تم سے اشتراک کر کے میں نے خود کو خاصا کمزور کر لیا ہے۔" اس نے کسلمندانہ لہجے میں کہا۔ "اور پھر تمہارے پاس اپنی ہر بکواس کے حق میں بہتیری دلیلیں ہوتی ہیں اس لیے تمہارے ساتھ سر کھپانا فضول ہے، جو چاہے کرتے پھرو لیکن مجھے تصویر چاہیے۔"

"اب آئی ہو تم راہِ راست پر۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا اور جیب سے بوتل نکال کر میز پر رکھ دی۔

"تمہارے بارے میں میرا رویہ کچھ نرم ہی ہوتا جا رہا ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔ "ورنہ میں اختلافِ رائے کرنے والوں کو گولی مار دینے کے معاملے میں خاصی بدنام ہوں۔"

"میری حد تک تو تم گولی کا کام آنکھ سے لے سکتی ہو۔ اسی کی ضرب نہ سہہ سکوں گا۔" اسے ہلنے پر آمادہ نہ پا کر میں خود ہی منی بار کی طرف بڑھ گیا تاکہ برف، گلاس اور کچھ پانی لے سکوں۔

"یہ بتاؤ کہ اب تمہارا منصوبہ کیا ہے؟" گلاس تیار ہو جانے کے بعد اس نے اپنے لبوں کو تر کرتے ہوئے کہا۔

"صرف ایک ننھا سا ٹائم بم اور طاقت ور فلیش گن والا

ایک کیمرا درکار ہے۔" میں نے کہا۔ "جی لائیڈز کی تصویر خاصی بڑی اور وزنی ہے۔ اسے لانے سے قبل ہم کئی زاویوں سے اس کی تصاویر بھی لیں گے تاکہ فرار ہوتے ہوئے کسی مجبوری کے تحت اصل تصویر چھوڑنا پڑ جائے تو ہم کیمرے کی تصاویر سے کام نکال سکیں۔ اس کے بعد بس ٹائم بم کو سیٹ کر کے کسی بارودی کریٹ میں ڈالنا ہوگا۔ ہماری واپسی کے بعد ٹائم بم کے پھٹتے ہی بارودی ذخائر جاگ اٹھیں گے اور سارا کام آناً فاناً میں پورا ہو جائے گا۔ اس کے بعد جو چاہے تحقیقات کرتا پھرے، میں سکون کی نیند سو سکوں گا۔"

"داخلے کی صورت کیا ہوگی؟"

"ٹکٹ لینا ہوگا۔" میں نے جل کر کہا۔ "بتا چکا ہوں کہ مشکل مرحلہ بس یہی ہے کہ جنگل میں سرنگ کا خفیہ دہانہ تلاش کیا جائے۔ وہ جگہ دیکھی بھالی ہے، میں میکنزم سے بھی واقف ہوں۔ داخلے اور واپسی کے لیے وہی چور راستہ استعمال کیا جائے گا۔"

"اگر اس سرنگ سے ٹرک اندر جا سکتے ہیں تو میری بھیرو جیپ بھی اندر جا سکے گی۔ اندر واپس گھمانے کی جگہ تو موجود ہے نا یا ریورس ہی واپس لوٹنا ہوگا؟"

"بہت جگہ ہے، دیکھو گی تو خود حیران رہ جاؤ گی۔"

"ایک تجویز ذہن میں آئی ہے کہ کیوں نہ ٹائم بم کو ذرا زیادہ دیر کے لیے سیٹ کیا جائے۔ اس دوران میں ہم شہر آ کر لائیڈز کالج والوں کو گمنام فون کال کے ذریعے ہوشیار کر سکتے ہیں کہ فلاں وقت وہاں دھماکے ہوں گے۔ اس طرح غیر ضروری جانی نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔"

"میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اختلافِ رائے کرنے والوں کو گولی مار دینے والی پر آج رحم دلی کا دورہ کیوں پڑا ہوا ہے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ایسے کسی بھی فون کو اول تو وہ اہمیت نہیں دیں گے۔ اہمیت دی تو جانی نقصان اور بڑھ جائے گا کیوں کہ وہ سارے عملے کو پوشیدہ بموں کی تلاش میں عمارت کے تہ خانے اور دوسرے دشوار گزار حصوں میں گھسا دیں گے جہاں ملبے کی زد میں آ کر کوئی نہ بچ سکے گا۔ دوسری طرف فون کال وصول کرنے سے تباہی پھیلنے کے درمیانی عرصے میں ڈی سوزا تنظیم کے ہر اہم فرد کو اس کال سے آگاہ کر سکتا ہے اور آخری بات یہ کہ اس تباہی میں یقینی طور پر بیرونی سازش ثابت ہو جائے گی۔ وہ اسے اتفاقی حادثہ یا انتظام کی حماقت کبھی قرار نہ دے سکیں گے۔ لہٰذا جو کچھ کرنا ہے خاموشی سے ہی کرنا ہوگا۔"

"اور ٹائم بم کہاں سے پیدا کرو گے؟ کیمرا تو میرے پاس موجود ہے۔"

"بھیرو کہاں سے آئی ہے؟"

"میں نہیں جانتی، ڈی سوزا کو میرے پروگرام کا علم تھا۔ ایئرپورٹ پر ایک آدمی نے گاڑی میرے حوالے کی تھی۔"

"چابی مجھے دے دو، کہیں نہ کہیں سے کام نکال ہی لوں گا۔"

اس نے اپنے پرس سے چابی نکال کر میری طرف اچھال دی اور پھر ہم دونوں اپنی اپنی جگہ خیالات کی رو میں ڈوب گئے۔

❦

رات کے دو بجے میری واپسی ہوئی تو میں ویرا کو دیکھ کر چونک پڑا۔ وہ چست سیاہ کپڑوں میں ملبوس تھی۔ مجھے حیران دیکھ کر اس نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی اور ہاتھوں پر سیاہ دستانے چڑھا کر سر سے چہرے تک ایک ایسا سیاہ نقاب منڈھ لیا جس میں آنکھوں کی جگہ سوراخ دار جالی لگی ہوئی تھی۔ اب وہ سر سے پیر تک سیاہ پوش تھی۔ حتیٰ کہ موزے اور جوتے تک سیاہ ہی تھے۔

"یہ ہے میرا وہ روپ جس سے بڑے بڑوں کا پتّا پانی ہو جاتا ہے۔" نقاب میں سے اس کی سرد اور ٹھہری ہوئی آواز گونجی۔ "اس روپ میں مجھے شوگر کوئین کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے نقاب اور دستانے اتار لیے۔

"تم اسی لباس میں چلو گی؟" میں نے پُرتشویش لہجے میں اس کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"فرصت سے فائدہ اٹھا کر یہی تو ایک تیاری کی ہے میں نے، تمھارے کام کا کیا رہا؟"

"کام بن گیا ہے لیکن اس لباس میں تم ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن جاؤ گی۔ گوری رنگت پر یہ ماتمی رنگ ہزاروں ارمانوں کو دعوت دے رہا ہے۔ اتنی رات گئے یہ لباس مناسب نہیں رہے گا۔"

"یہ میں بھی جانتی ہوں۔" اس نے اچانک ہی میری ناک اپنی چٹکی میں دبالی اور مسہری سے پوری آستینوں والی ایک ہلکی جیکٹ اٹھا کر پہن لی۔ اس سفید جیکٹ کی زپ بند کرنے کے بعد وہ ایک بار پھر معقول نظر آنے لگی۔

چند ثانیوں بعد ہم دونوں بھیرو میں برق رفتاری کے ساتھ لائیڈز کالج کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ میں گاڑی ڈرائیو

کر رہا تھا اور وہ سگریٹ نوشی میں مصروف تھی۔

ویرا لائیڈ سے مصالحت کے بعد جو کچھ ہوتا چلا آیا تھا وہ سب میرے لیے ناقابلِ یقین تھا۔ غزالہ کی قید کے عوض ہر مرحلے پر کامیابی میرے قدم چوم رہی تھی کیوں کہ اب میری ذات کو ویرا لائیڈ کے معتبر نام کا اعتماد حاصل تھا۔ انتہا یہ تھی کہ اب وہ شوگر کوئین کے اسپیشل روپ میں میرے ساتھ ایک اہم ترین معرکہ سر کرنے جا رہی تھی۔

پہلے مجھے خیال آیا تھا کہ ہماری منزل لائیڈز کالج تھی اور یہ بھی ویرا تک وہیں کے حوالے سے پہنچی تھی۔ لہٰذا اس مہم میں اس کا استعمال مناسب نہیں تھا لیکن فوری طور پر کسی ایسی گاڑی کا بندوبست کرنا میرے لیے دشوار تھا جو لائیڈز کالج کے مقابل پھیلے ہوئے جنگلات میں برق رفتاری سے ساتھ دے سکے لہٰذا میں نے اپنی زبان بند ہی رکھی۔ ورنہ ویرا آسانی کے ساتھ اس مہم کو اگلی رات کے لیے ٹالنے میں کامیاب ہو جاتی کیوں کہ گاڑی کی شناخت اس کی ذات پر اثر انداز ہو سکتی تھی۔

لائیڈز کالج کے مضافات میں جنگل کا آغاز ہوتے ہی میں نے گاڑی کی رفتار قدرے سست کر دی اور ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سڑک کے کنارے کچی زمین کا جائزہ لیتے ہوئے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ اگر بھاری ٹرک وغیرہ اس تہ خانے میں جاتے رہے تھے تو ان کی آمدورفت سے سڑک کے کنارے نشانات کا بننا یقینی نظر آتا تھا۔ راستے میں ہم کئی بار قدرے ہموار اور صاف ستھری زمین دیکھ کر جنگل میں گھسے لیکن ہر بار تھوڑی دور جانے کے بعد ناقابلِ عبور نالے، ٹیلے یا جھاڑیوں کے باعث واپس سڑک پر آنا پڑا۔ حتیٰ کہ رات کے دھندلکے میں لائیڈز کالج کی فصیلوں کے آثار نظر آنے لگے۔

"تیز رفتاری کے ساتھ گاڑی آگے نکال لے جاؤ۔" ویرا نے مشورہ دیا۔

"گاڑی نوٹ کر لی جائے گی۔ پھاٹک کے سامنے سے گزرنے والے ٹریفک پر ہر لمحے نگاہ رکھی جاتی ہے اور تمہارے لیے ان اطراف کا رُخ کرنے کی ممانعت ہے۔" میں نے گاڑی کی رفتار مزید کم کرتے ہوئے کہا۔

"آج وہ چہرہ بھی بے نقاب ہو جائے گا جو اس ممانعت کا ذمے دار ہے۔" اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "ادھر سے تو گزرنا ہی پڑے گا تمہیں۔"

"نہیں، دوسرا راستہ بھی ہے لیکن وہ ذرا لمبا پڑے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے گاڑی واپس گھمائی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ پیچھے والی سڑک بہت ناہموار اور نیم پختہ تھی لیکن نئی جیپ کے لیے وہ راستہ زیادہ کٹھن نہیں ہو سکتا تھا۔ کچھ دیر بعد ہم لائیڈز کالج سے بہت دور اس کے عقب میں تھے تو فضا میں روشنیوں کا انعکاس نظر نہیں آیا۔ شاید ٹی وی شروع کرایا ہوا بلیک آؤٹ اس وقت بھی جاری تھا۔

اس بار میں نے گاڑی کے ٹرپ میٹر پر نگاہ رکھی تو میرا ارادہ لائیڈز کالج سے کم از کم بیس کلومیٹر آگے جا کر لائیڈز کالج والی سڑک پر مڑنے کا تھا۔ کسی خفیہ راستے کی پیش قدمی کرنے کے لیے مال بردار ٹرکوں اور دوسری گاڑیوں کے لیے اتنا فاصلہ کچھ زیادہ نہیں تھا۔

بیس کے بعد اگلا موڑ اٹھائیسویں کلومیٹر پر ملا اور میں نے گاڑی اسی راہ پر ڈال دی۔ چند منٹ بعد وہ کچی ذیلی روڈ چمکتی ہوئی پختہ سڑک سے ملی تو میں نے جیپ لائیڈز کالج کی سمت گھمالی۔

ویرا سے باتیں کرتے ہوئے میں تھوڑی ہی دور چلا ہوں گا کہ اچانک مجھے پوری قوت سے بریک لگانے پڑ گئے اور ویرا اچھل کر ڈیش بورڈ پر جا رہی۔

"کیا ہوا؟" اس نے برا سا منہ بنا کر ناگوار لہجے میں کہا۔

"شاید تم سو رہی تھیں۔" میں نے گیئر تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ "گرد و غبار کے طوفان میں وہ ٹرک مجھے اچانک ہی نظر آیا تھا۔ ورنہ جیپ پیچھے سے اس میں گھس گئی ہوتی۔ ٹرک کے پیچھے نہ کوئی لائٹ ہے نہ ریفلیکٹر۔"

"کہاں ہے؟ مجھے تو کوئی ٹرک نظر نہیں آ رہا۔" اس نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا لیکن جیپ کے رفتار پکڑتے ہی کھلی ہوئی باڈی والا وہ مال بردار ٹرک اسے بھی نظر آ گیا جس پر لکڑی کی پیٹیاں لدی ہوئی تھیں۔ ٹرک کے دو پہیے سڑک پر تھے اور دو مسلسل کچی زمین پر چل رہے تھے جس کی وجہ سے پیچھے چلنے والے گرد کے بادل نے ٹرک کو اپنی اوٹ میں بالکل چھپا لیا تھا۔

ٹرک کو اوورٹیک کرتے ہوئے مجھے یہ بات بہت عجیب محسوس ہوئی کہ اس نے وزن لدا ہوا ہونے کے باوجود آدھی گاڑی کچے میں اتاری ہوئی تھی۔ ورنہ مال سے لدے ہوئے ٹرکوں کے ڈرائیور عام طور پر پختہ سڑک چھوڑنے کی حماقت کبھی نہیں کرتے کہ مبادا کوئی ٹائر پنکچر ہو جائے اور اسی وجہ سے عموماً مال بردار ٹرکوں اور خصوصاً سیال سے بھرے ہوئے ٹینکروں کے حادثات ہوتے ہیں کہ سامنے سے آنے والے ٹرک یا بسوں کے ڈرائیور کی مجبوری کا اندازہ کیے بغیر اس امید پر پوری رفتار سے بڑھے چلے آتے ہیں کہ وہ دو ٹائر نیچے اتار کر انھیں راستہ دے

تصادم کی صورت میں ساری ذمے داری اسی بے چارے
عائد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

وہ ٹرک ڈرائیور نیند یا نشے میں تھا ورنہ کسی مقصد کے
ت ایسا کر رہا تھا۔ اس سے آگے نکلتے ہوئے میں نے
رفتار نہیں بڑھائی اور عقب نما آئینے میں اس کے ہیڈ لیمپس
جائزہ لیتا رہا لیکن اس نے سڑک ویران اور سیدھی ہونے کے
جود اپنی لائن سے داہنی طرف ہٹ کر پختہ سڑک پر آنے کی
شش نہیں کی۔

"رفتار بڑھاؤ نا، وقت کیوں برباد کر رہے ہو؟ ابھی تو
یڈز کا نج بہت دور ہے۔ وہ سرنگ میلوں لمبی تو نہ ہو گی۔"
یرا نے سست رفتاری سے زچ آ کر کہا۔

"دیکھتی جاؤ، میں ذرا اس ٹرک کا جائزہ لے رہا ہوں . . .
ے، یہ لو، وہ مڑ رہا ہے۔" اسے جواب دیتے دیتے میں
ونک پڑا کیونکہ ٹرک میرے دیکھتے ہی دیکھتے سڑک چھوڑ کر جنگل
طرف مڑ چکا تھا۔

میرا داہنا پاؤں اضطراری طور پر بریک پیڈل دبانے کے
لیے اٹھا لیکن میں نے بروقت وہ ارادہ ملتوی کر د[illegible]ک
لگنے کی صورت میں پجیرو کے بریک لیمپ جل اٹھتے اور
رک والا چوکنا ہو سکتا تھا۔

میں نے عقب نما آئینے کو قدرے سیدھا کر کے پیچھے
کا جائزہ لیا تو ٹرک کی روشنیاں جنگل میں معدوم ہو چکی تھیں۔

"کیا ٹرک مڑ گیا؟" ویرا نے گردن گھما کر حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں، جنگل میں گیا ہے اور ابھی لائیڈز کا نج تیئس کلومیٹر
دور ہے۔" میں نے بریکوں پر طبع آزمائی کیے بغیر کہا۔

"تو گاڑی گھماؤ نا، سوچ کیا رہے ہو؟" وہ اضطراری لہجے
میں بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ راستہ یہیں سے جاتا ہو۔"

"بریک لگائے بغیر روشنیاں گل کر کے موڑوں گا۔ ہو سکتا ہے
کہ ٹرک جنگل میں نہ گیا ہو۔ کسی خرابی کی وجہ سے کچے میں اتار کر
روشنیاں گل کر دی گئی ہوں۔"

"بہر حال، میں تیار ہوں، جو ہو گا سو دیکھا جائے گا۔" اس
کی آواز سن کر میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ حیرتناک سرعت
کے ساتھ اپنی سفید جیکٹ اتار کر نقاب اور سیاہ دستانے پہن
چکی تھی۔

"تم میں مٹھاس ضرور ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ شوگر کوئین
کہلا سکو۔" رفتار کم ہو جانے پر میں نے جیپ کو واپس گھماتے
ہوئے کہا لیکن وہ کچھ نہ بولی۔ اس کا پستول ہاتھ میں آ چکا تھا۔

"میں نہتا ہوں مادام!" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تمہاری سیٹ کے نیچے اعشاریہ چار پانچ کا بھرا ہوا
براؤنی موجود ہے۔" اس کی آواز میں گہری سنجیدگی عود کر آئی تھی۔
شاید شوگر کوئین کے روپ میں آتے ہی اس کا مزاج بھی بدل
جاتا تھا۔

میں جیپ ڈرائیو کرتا ہوا اسی ذیلی سڑک تک پہنچ گیا جس پر
ڈرائیو کر کے ہم اس راہ پر آئے تھے لیکن آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے
کے باوجود داہنی طرف جنگل میں کہیں ٹرک کا ہیولا نظر نہیں آیا۔
وہ یقینی طور پر جنگل ہی میں داخل ہو چکا تھا۔ میں نے وہیں
سے جیپ واپس گھمائی۔

اس بار میں نے ہیڈ لیمپس روشن کر لیے تھے۔ رفتار
سست تھی اور نگاہیں کچی زمین پر بنے ہوئے ٹرک کے ٹائروں
کے تازہ نشانات پر مرکوز تھیں۔

اندھیرے کے باعث میرے لیے یہ تعین کرنا دشوار تھا
کہ ٹرک کہاں سے مڑا ہو گا لیکن کچھ دور چلنے کے بعد کچی زمین
میں ابھرے ہوئے ایک بڑے سے پتھر کے قریب ٹائروں
کے نشانات بائیں طرف مڑتے نظر آئے اور میں نے جیپ
روک کر اس کی تمام روشنیاں گل کر دیں اور سگریٹ سلگانے لگا،
انجن بدستور چلتا رہا۔

"اب کیا ہو رہا ہے؟" ویرا کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"سگریٹ پی رہا ہوں، تم بھی پی لو۔" میں نے پیکٹ
اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پیش کش کی اور اس نے کسی نخیلی
محبوبہ کی طرح میرا ہاتھ جھٹک دیا۔ "جنگل میں گھسنے کے بعد
نجانے کب اگلی سگریٹ جلانے کا موقع مل سکے۔"

"سگریٹ تو تم ڈرائیو کرتے ہوئے بھی پی سکتے ہو۔ گاڑی
روک کر کیوں کھڑے ہو گئے؟"

"ہیڈ لیمپس کی عادی آنکھوں کو اندھیرے سے مانوس کر رہا
ہوں۔ جنگل میں روشنیاں دور ہی سے دیکھ لی جائیں گی اور وہ
تمہارا نام معلوم کیے بغیر ہم دونوں کو باڑھ پر رکھ لیں گے، میں نہیں
چاہتا کہ تاروں کی ناکافی روشنی میں اس نئی جیپ کو کسی درخت کے
تنے سے لڑا دوں۔"

جب میری آنکھیں اندھیرے میں مناسب فاصلے تک دیکھنے
کی عادی ہو گئیں تو میں نے جیپ کچے راستے میں اتار کر اس
راستے پر ڈال دی جو درختوں کے درمیان نظر آ رہا تھا۔

مجھے امید تھی کہ اپنے ٹرک کے انجن کے شور میں وہ
نئی جیپ کے انجن کی آواز نہیں سن سکیں گے اور ہم اپنی بہتر
رفتار کے باعث ایسے موقع پر وہاں پہنچیں گے کہ وہ ہماری

آمد سے ہوشیار نہ ہوسکیں۔

گھنے جنگل میں بنا ہوا وہ راستہ گھور اندھیرے کے باوجود انسانی ہاتھوں کا محتاج نظر آرہا تھا۔ میں نے بتدریج جیپ کی رفتار خاصی بڑھالی تھی اور اب ہمارے کان ٹرک کے انجن کی واضح گونج سن رہے تھے پھر اسی کے ساتھ ایک دشواری کا آغاز ہوگیا۔ پُرپیچ راستوں کے باعث کہیں کہیں ٹرک کی غبار آلود روشنیاں آگے بڑھتی نظر آرہی تھیں لیکن ٹرک کے پیچھے اڑنے والی مٹی اور اندھیرے کے باعث میرے لیے ڈرائیونگ محال ہوگئی تھی مجبوراً مجھے جیپ کی رفتار اتنی کم کرنا پڑگئی کہ میں مٹی کے گرداب سے دور رہ سکوں۔

گاڑی میں روشنی نہیں تھی اس لیے تاریک ڈیش بورڈ پر یہ دیکھنا ناممکن تھا کہ جنگل میں کتنی مسافت طے کی گئی تھی لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا تھا کہ تعاقب کم و بیش نصف گھنٹے جاری رہا پھر ایک جگہ ٹرک روک دیا گیا۔ میں نے بھی ہینڈ بریک کی مدد سے گاڑی جہاں تھی وہیں روک لی اور کیبن لائٹ کے آف ہونے کا یقین کرتے ہوئے نیچے اتر گیا۔ دروازہ بند کرنے سے قبل میں نے سیٹ کے نیچے سے اعشاریہ چار پانچ کا براؤنی نکال لیا تھا اور اگنیشن کی جیب میں ڈال لی تھی۔

اس وقت تک ٹرک کا انجن اسٹارٹ تھا۔ لہٰذا میں نے احتیاط سے دروازہ بند کردیا۔ ٹرک کا انجن بند ہوتا تو ہلکی سی آواز بھی بآسانی سنی جاسکتی تھی۔ نیچے اترنے کے چند ثانیوں بعد جب ویرا میری طرف نہ آئی تو میں اس کی طرف بڑھا لیکن وہاں کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا۔ دور تک پھیلا ہوا سناٹا میرا منہ چڑا رہا تھا۔ میرے دل میں وسوسے سر ابھارنے لگے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ آخری لمحات میں اس نے میرا ساتھ دینے کا ارادہ ترک کردیا تھا یا وہ کسی حکمتِ عملی کے تحت الگ ہوئی تھی۔

اس وقت میرے لیے پسپائی اختیار کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں نے جیپ کا دروازہ کھول کر ٹائم بم کا مختصر سا پیکٹ اپنی جیب میں ڈالا اور درختوں کی اوٹ لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

ٹرک کا انجن بدستور اسٹارٹ تھا اس کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی سامنے سرنگ کے بند دہانے پر پڑرہی تھی اور اسی روشنی کے انعکاس میں دو آدمی محافظوں کی اس شکستہ جھونپڑی میں گھسے ہوئے تھے جہاں دروازہ کھولنے کا بیرونی میکنیزم پوشیدہ تھا۔ تیسرا شاید ٹرک کے اسٹیئرنگ وھیل پر بیٹھا ہوا تھا کیونکہ انجن کی رفتار بار بار کم و بیش ہورہی تھی۔

"کھولو۔" ٹرک سے ایک غراتی ہوئی تحکمانہ آواز [illegible]

"یہ ساری دیکھ بھال گاڑی اندر پہنچنے کے بعد بھی ہوسکتی ہے"

اس کے مخاطب وہی دونوں تھے جو جھونپڑی میں گھسے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے ٹرک والے ساتھی کو بیک وقت [illegible] میں جواب دیا تھا۔ پھر اس راستے پر جمی ہوئی دیوار آہستہ آہستہ نیچے بیٹھنے لگی۔ دیوار کے غائب ہوتے ہی ٹرک دھیمی رفتار سے رینگتا ہوا سرنگ میں داخل ہوگیا۔ دیوار عبور کر کے وہ [illegible] گیا تھا۔ اسی اثنا میں جھونپڑی سے دونوں آدمی بھاگتے ہوئے سرنگ میں داخل ہوگئے اور ٹرک آگے بڑھ گیا۔

دیوار آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی۔ میرے لیے وہ [illegible] موقع تھا کہ میں میکنیزم کو دوبارہ چھیڑے بغیر اندر داخل ہو [illegible] میں نے بے بسی اور اضطراب کے عالم میں گرد و پیش کا جائزہ [illegible] لیکن ویرا لائیڈ کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ اگر وہ [illegible] وقت پر مجھے دغا دے ہی گئی تھی تو مجھے یہ اطمینان تھا کہ جیپ کی چابی میرے پاس تھی لیکن اگلے ہی لمحے میں اپنی اس خام خیالی پر جھلا کر رہ گیا۔ اس جیسی عورت کے لیے چابی کے بغیر ہاتھ کی صفائی دکھا کر جیپ اڑا لے جانا کوئی مشکل کام نہیں [illegible]

میں لپک کر ابھرتی ہوئی دیوار پھاند کر سرنگ کے داخلی [illegible] میں گھس گیا تھا جہاں ٹرک کے انجن سے خارج ہونے والے دھوئیں کی ناگوار بُو رچی ہوئی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ان لوگوں نے آگے بڑھنے سے پہلے اس زیرِ زمین گزرگاہ کو روشن نہیں کیا تھا۔

میں پستول ہاتھ میں دبائے دیوار سے لگ کر آہستہ [illegible] پیش قدمی کرنے لگا۔ پوری سرنگ ٹرک کے انجن کے شور سے گونج رہی تھی جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ڈھلوان فرش پر دوڑ لگادی کیوں کہ مجھے راستے کی طوالت کا بخوبی اندازہ تھا۔

پھر جوں ہی ٹرک کا انجن بند ہونے کے بعد سناٹا چھا [illegible] میں بلی کی طرح دبے قدموں پیش قدمی کرنے لگا۔

چند ثانیوں تک موت کا سا سکوت طاری رہا پھر بیک وقت کئی انسانی آوازوں کی ناقابلِ فہم بھنبھناہٹ فضا میں [illegible] لگی، شاید مسلح محافظوں کی سامنے ہی پڑی ہوئی لاشوں نے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی۔

میں تن بہ تقدیر ہوکر آگے بڑھتا رہا۔ میرے ہاتھ میں پستول ضرور موجود تھا لیکن اپنی پوزیشن کے باعث میں اس کا استعمال کرنے سے قاصر تھا۔ نشانہ خطا ہونے کی صورت [illegible]

میری گولی اس بارودی ذخیرے کے لیے ڈائنامائیٹ کا کام کر سکتی تھی۔

آخر کار میں ایک ایسی پوزیشن میں آگیا جہاں سے میں ان کو دیکھ سکتا تھا۔ ان میں سے دو کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں لیکن وہ میرے وجود سے بے خبر کسی اوٹ میں میری نگاہوں سے اوجھل تھے۔

میں آخری بار اپنے حواس مجتمع کر کے تیزی کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔ پھر جوں ہی وہ نظر آئے میں نے ٹرک کی آڑ میں پوزیشن لے کر انھیں للکار دیا۔ "فوراً ہاتھ بلند کر لو ورنہ جسم چھلنی کر دیے جائیں گے۔"

وہ دونوں میری آواز سن کر اس بری طرح اچھلے تھے جیسے ان پر بجلی کا ننگا تار آ گرا ہو پھر انھوں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے خالی ہاتھ اٹھائے تھے۔ "گولی نہ چلانا۔" ان میں سے ایک مجھے دیکھے بغیر ملتجیانہ لہجے میں چلایا۔ "ان پیٹیوں میں بارود ہے، نشانہ خطا ہوا تو ہم سب جہنم واصل ہو جائیں گے۔"

میں نے اپنے وجود میں توانائی کی ایک لہر سی دوڑتی ہوئی محسوس کی جسے میں اپنی کمزوری سمجھ رہا تھا وہی بات میری بالادستی کی ضمانت بنتی نظر آرہی تھی۔

"میں مرنے کے لیے آیا ہوں، تم اپنی خیر مناؤ۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "میں گولی چلانے سے ہرگز دریغ نہیں کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے میں ٹرک کی اوٹ سے نکل کر ان کے سامنے آگیا۔

اور وہی میری بدترین غلطی تھی کہ میں جوش میں ان کے تیسرے ساتھی کو فراموش کر بیٹھا تھا۔

اچانک کہیں سے یکے بعد دیگرے دو فائر ہوئے۔ پہلی گولی نے میرا ہاتھ زخمی کر کے مجھے نہتا کر دیا اور دوسری گولی نے بائیں پنڈلی ادھیڑ ڈالی۔ تکلیف اور مدافعت کے ملے جلے احساس کے تحت میں فوراً ہی نیچے گر گیا۔

وہ کوئی آسان صورتِ حال نہیں تھی۔ بند تہ خانے میں میں اپنے تین دشمنوں کے نرغے میں آیا ہوا تھا وہ مسلح تھے یا اپنے اسلحے تک رسائی رکھتے تھے لیکن میں نہتا کیا جا چکا تھا۔ داہنے ہاتھ کے ساتھ بائیں پنڈلی بھی زخمی ہو چکی تھی لیکن تہ خانے کے پختہ فرش پر گر جانے کے باوجود میرے ذہن میں ایک لمحے کے لیے بھی تکلیف کا احساس نہ ابھر سکا تھا مجھے بس یہ فکر تھی کہ میں ان کے تیسرے ساتھی کے نشانے پر تھا اور وہ میری نگاہوں سے روپوش تھا۔

میں نے وہیں پڑے پڑے بائیں کہنی کا سہارا لے کر سر گھمایا اور مجھ پر پوری صورت حال فوراً ہی روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔ پہلے نظر آنے والے دونوں آدمی اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اپنا اسلحہ نکال چکے تھے اور ان کا تیسرا ساتھی بمبر تین کے خفیہ حصے میں جانے والے پختہ زینوں سے نیچے اترتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں بڑے بور کا وزنی پستول دبا ہوا تھا جس کی نال سے دھویں کی پتلی سی لکیر نکل رہی تھی۔

میرے لیے وہ صورتِ حال بہت سنگین اور مہلک تھی۔ میں نہتا ان تینوں کے نشانے پر تھا پھر وہ سب ایسی سمت میں تھے کہ میں مسلح بھی ہوتا تو شاید ان پر گولی چلانے کی جرأت نہ کر پاتا کیوں کہ ان کے گرد و پیش ...... اسلحہ اور بارود کے انبار تھے جو میرا نشانہ خطا ہونے کی صورت میں آتش فشاں بن سکتے تھے جب کہ میری طرف میدان صاف تھا، مختصر سی تنگی دیواروں کے درمیان سرنگ کا وہ حصہ تھا جو جنگل میں نکاسی کی راہ تک لے جاتا تھا۔ وہ مجھ پر دو گولیاں چلا چکا تھا اور چاہتا تو بے خوف و خطر پورا میگزین بھی خالی کر سکتا تھا۔ میرے لیے سیڑھیوں والے کے فائر سے خود کو بچانا ناممکنات میں سے نظر آرہا تھا کیوں کہ وہ بلندی پر ہونے کے باعث میرے جسم کے کسی بھی حصے کو بہ آسانی داغ دار کر سکتا تھا۔

میں جوش اور عجلت میں جوہے دان میں آ پھنسا تھا۔ ان تینوں کی یکجائی کے بغیر دو کو للکار بیٹھنا میری سب سے بڑی حماقت تھی۔ شاید عین موقع پر دیرا کے غائب ہو جانے سے میری قوتِ فیصلہ پر برا اثر پڑا تھا ورنہ میں ایسا خطرناک فیصلہ ہرگز نہ کرتا۔ وقت گزر جانے کے بعد مجھے شدت کے ساتھ اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔

سیڑھی والا اپنا پستول تانے، مجھ پر نگاہیں جمائے نیچے اتر رہا تھا۔ اس کے دونوں ساتھیوں کی ٹامی گنوں کے دہانے میری طرف اٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی آہستہ آہستہ فرش سے اٹھتا چلا گیا۔ اٹھتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ پنڈلی کے زخم میں بارود کی جلن کے باوجود ہڈی سلامت تھی، شاید گولی کھال ادھیڑتی ہوئی گزری تھی اور یہی کچھ صورت داہنے ہاتھ کے ساتھ بھی پیش آئی تھی۔ اس شخص نے شاید میرے ہاتھ کے بجائے اس میں دبے ہوئے پستول کا نشانہ لیا تھا لیکن گولی نے اچٹتے ہوئے انگوٹھے کو زخمی کر دیا تھا۔

سیڑھی والا جوان دونوں سے زیادہ تنومند اور پُراعتماد نظر آرہا تھا، نپے تلے قدموں سے چلتا ہوا میرے مقابل آ کھڑا ہوا اور وجود میں اتر جانے والی تیز نگاہوں سے میرا جائزہ لینے لگا۔

نے بھی بے پروایانہ انداز میں اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔
"تم کون ہو؟ اور یہاں کیسے آئے ہو؟" چند ثانیوں تک کسی خونخوار حریف کی طرح نظروں ہی نظروں میں مجھے تولنے کے بعد اس نے تحکم آمیز لہجے میں سوال کیا۔
"ایک آدمی ہوں اور اُسی راستے سے آیا ہوں جہاں سے تمہارا ٹرک اندر داخل ہوا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ تم تینوں ٹرک پر سوار تھے اور مجھے یہ ڈھلوان سرنگ پیدل ہی طے کرنا پڑی۔" میں نے اُس سے خائف ہوئے بغیر اعتماد کے ساتھ کہا۔
"کس کے لیے کام کرتے ہو؟" میرے لہجے پر اُس کا چہرہ بگڑ گیا، لہجہ بھی کرخت ہو گیا تھا۔
میں نے قمیص اٹھا کر اس کے سامنے اپنا پیٹ برہنہ کر دیا اور دائیں ہاتھ سے اسے بجاتے ہوئے بولا "سب کچھ اسی کے لیے کرنا پڑتا ہے۔ یہ نہ ہوتا تو دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔"
"ہذیان بکنے کی ضرورت نہیں۔" وہ غصیلے لہجے میں غرایا "سیدھی طرح میرے سوالات کے جواب نہ دیے تو ابھی ہاتھ پیر توڑ کر رکھ دوں گا، یہاں گلا پھاڑ پھاڑ کر مر جاؤ گے لیکن تمہاری آواز اس دیوار و بام سے باہر نہ جاسکے گی۔"
"اگر میں شی ہارا کا نام لیتا تو تم اس کا حدود اربعہ پوچھنے بیٹھ جاتے جس پر میں بھی زیادہ روشنی نہ ڈال سکوں گا۔" میں نے بے بسی کے ساتھ کہا "یہ حقیقت ہے کہ پیٹ نہ پالنا ہوتا تو میں کسی لاٹ صاحب کی بھی نوکری نہ کرتا۔ شاید تمہارا تعلق اس کے حریفوں سے ہے جو اس سے بہتر معاوضے ادا کرتے ہیں۔"
"کون شی ہارا؟" اس نے غیر ارادی طور پر سوال کیا اور میں ہنس پڑا۔
"آگئی نا وہی بات!" میں نے ہنستے ہوئے کہا "میں یہ جانتا ہوں کہ میں شی ہارا کے لیے کام کر رہا ہوں۔ وہ کون ہے؟ اُس کا ٹھکانا کہاں ہے؟ یہ سب نہیں جانتا۔ ہدایات نامعلوم طریقے پر مجھ تک پہنچتی ہیں اور میں اپنی رپورٹ سٹی پوسٹ آفس کے لوکل لیٹر بکس میں ڈال دیتا ہوں جو اس تک پہنچ جاتی ہے۔"
وہ بے اعتباری کے ساتھ مجھے گھور رہا تھا، میرے خاموش ہونے پر بولا تو اس کی آواز سے بھی بے یقینی عیاں تھی "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ شی ہارا میرے لیے نیا نام ہے اور یہ بھی سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے کہ ہدایات تم تک نامعلوم ذرائع سے پہنچائی جاتی ہوں گی۔ اگر تم نے شرافت سے زبان نہ کھولی تو میں تمہارا جوڑ جوڑ ہلا کر رکھ دوں گا۔"
"اگر تاثب کیا ہوا کوئی رقعہ نامعلوم طریقے پر راستے میں تمہاری جیب میں یا کسی وقت کمرے میں ڈال دیا جائے تو اسے تم کیا کہو گے۔ حد یہ ہے کہ میرا معاوضہ بھی اسی طرح مجھ تک پہنچتا ہے، میری باتوں پر اعتبار کرنا یا نہ کرنا تمہاری اپنی صوابدید پر منحصر ہے۔"
"پھر تو ایسے رقعے تمہارے گھر پر محفوظ ہوں گے؟"
"ہدایات پڑھ کر ہر کاغذ جلا کر تلف کر دیا جاتا ہے۔ ایسے کاموں میں اگر تم نئے نہیں ہو تو رازداری کی اہمیت اور اس کے طریقوں سے اچھی طرح واقف ہو گے۔"
"ان دونوں کو تم ہی نے قتل کیا ہے؟" اس نے فرش پر پڑی ہوئی لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔
"دو نہیں، یہاں چار لاشیں ہوں گی۔" میں نے سکون کے ساتھ کہا "میری ڈیوٹی پانچ بجے سے شروع ہوئی ہے۔ مجھے چارج دے کر جانے والوں نے بتایا تھا کہ وہ باہر والے دونوں محافظوں کو مار کر اندر گھسنے میں کامیاب ہو گئے تھے پھر اندر بھی دو آدمی ملے تھے اُن کا بھی حشر مختلف نہیں ہوا تھا۔"
"اور اس وقت تم اکیلے تھے؟" اُس نے چونک کر سوال کیا۔
"سرنگ کے دہانے سے باہر میرے چار مسلح ساتھی میری واپسی کے منتظر ہوں گے۔" میں نے فوری فیصلے کے تحت پُراعتماد لہجے میں کہا "مجھے نقصان پہنچا کر تم یہاں سے صحیح سلامت باہر نہ جاسکو گے۔ ٹرک ہم پانچوں نے دیکھا تھا اور میں نے انھیں باہر چھوڑ کر خود اندر آنے کا فیصلہ کر لیا۔"
"جب ہی یہ اتنا پُرسکون نظر آرہا ہے۔" سیڑھی سے آنے والے کے ساتھیوں میں سے ایک گہرا سانس لے کر پہلی بار بولا "اس کی پوری کہانی جھوٹ کا پلندہ معلوم ہوتی ہے۔" دوسرے نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا "میں شرط لگا سکتا ہوں کہ یہ اکیلا تھا اب اپنی جان بچانے کی فکر میں ساتھیوں کی کہانی لے بیٹھا ہے تاکہ ہمیں خائف کر سکے۔"
"دو لاشیں یہ پڑی ہیں۔" سیڑھی سے آنے والے تنومند شخص نے کہا "تیسری لاش میں اوپر دیکھ کر آرہا ہوں۔ چار نہ سہی لیکن تین لاشیں اس اکیلے کے بس کی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس کے ساتھی ضرور ہوں گے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اس وقت باہر موجود نہ ہوں اور یہ اکیلا ہی ہمارے مجنگل میں آپھنسا ہو۔"
وہ میرے بارے میں آپس ہی میں اُلجھ بیٹھے تھے لہٰذا میں نے انھیں مزید پراگندہ کرنے کی نیت سے کہا "ان جوبی کرہ ہو کے پیچھے تلاش کرو گے تو چوتھی لاش بھی مل جائے گی۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں ذرہ برابر بھی جھوٹ نہیں ہے۔ جان بچانے

کی فکر وہ کرے جو مرنے سے ڈرتا ہو، میرا پستول اگر ہاتھ سے نکلا ہوتا تو یہ سب کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہوتا۔ مجھے بتایا جا چکا تھا کہ اس کارروائی میں تم لوگوں کے ساتھ میرے بھی چیتھڑے اُڑ جائیں گے۔ باہر والوں کو اپنی جانیں عزیز ہیں۔ اس لیے وہ یہ ذمے داری نہ لے سکے مگر میں جانتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد شی ہارا میری بیوی کو کم از کم ایک لاکھ روپیہ ضرور دے گا جو میں ساری عمر میں بھی نہیں جوڑ سکتا۔"

"یہ شی ہارا کہاں سے ٹپک پڑا؟ یہ نام پہلی بار سننے میں آیا ہے!" ان میں سے ایک نے اُلجھن آمیز لہجے میں اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"ہوگا کوئی۔" تنومند نے اس بحث سے گریز کرتے ہوئے کہا۔ "اس وقت تو صورتِ حال یہ ہے کہ اس کا ایک ہرکارہ ہماری قید میں ہے اور یہاں پر موجود مواصلات کے نظام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا گیا ہے۔ ہم باہر سے کوئی مشورہ نہیں لے سکتے، ہمیں جو کچھ کرنا ہے پوری طرح سوچ سمجھ کر اپنی ذمے داری پر کرنا ہے۔"

"کیوں نہ پہلے چوتھی لاش تلاش کی جائے۔" دوسرے نے رائے زنی کرتے ہوئے کہا۔ "باہر دو محافظوں اور اندر ڈیوٹی کے علاوہ کسی چوتھے کا وجود ہمارے علم میں نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی کا ساتھی رہا ہو جو مقابلے میں مارا گیا ہو اور وہ لوگ مُردہ ڈھونے کے بجائے اسے بھی یہیں چھپا گئے ہوں۔"

"بہت دور کی کوڑی لائے ہو!" تنومند زہریلے لہجے میں بولا۔ "فرض کرو کہ وہ لاش مل بھی گئی تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟"

رائے زنی کرنے والا اس کے تبصرے پر بوکھلا گیا لیکن فوراً ہی سنبھالا لے کر بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی جانا پہچانا چہرہ ہو، ہمیں کم از کم یہ تو معلوم ہو سکے گا کہ ہمارا مقابلہ کن لوگوں سے ہے۔ یہ شی ہارا والی کہانی تو مجھے بالکل بودی معلوم ہو رہی ہے۔"

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے اس بدمعاش کے ہاتھ پیر باندھ ڈالو تاکہ یہ کوئی حرکت نہ کر سکے۔" تنومند نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "پھر تم دونوں میں سے ایک آدمی ٹرک لے کر باہر نکلے گا۔ بقیہ دو پیچھے اندھیرے میں آگے بڑھیں گے۔ اگر اس کے آدمی باہر موجود ہوئے تو ٹرک پر حملہ آور ہوں گے اور ہم پیچھے سے انھیں ٹامی گنوں کی باڑھ پر رکھ لیں گے۔"

"ٹرک چلانے والا مارا بھی جا سکتا ہے۔" لمحہ بھر کے سکوت کے بعد وہی شخص بولا۔ "کیوں نہ ہم ٹرک اسی سے ڈرائیو کرائیں۔ ہم میں سے ایک آدمی اس کے برابر کے پائیدان پر چھپ کر اسے پستول کی زد پر لیے رہے گا۔ اپنے ساتھیوں کے حملے میں بچ گیا تو بھی فرار نہ ہو سکے گا۔ کوئی غلط حرکت کرنے یا اشارہ دینے کی کوشش کی تو وہیں گولی مار دیں گے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" تنومند نے اس کے مشورے کی اہمیت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ بعد کی باتیں ہیں پہلے اسے بے دست و پا کر کے ٹرک خالی کرنے کا بندوبست کرو ورنہ رات یوں ہی کالی ہو جائے گی۔"

ایک شخص اپنی ٹامی گن کندھے سے لٹکا کر مضبوط ڈوری کی تلاش میں چلا گیا، تنومند مجھ پر پستول تانے رہا اور تیسرا اپنی ٹامی گن فرش پر ڈال کر میری تلاشی لینے کی نیت سے میری طرف بڑھنے لگا۔

میں اُس وقت دل ہی دل میں ویرا کو کوس رہا تھا جس نے مجھے عین آخری لمحات میں دغا دی تھی کیوں کہ وہ ابتدا ہی سے تہ خانے کی تباہی پر آمادہ نہیں تھی۔ اُس کی دانست میں لائیڈز کاٹج کی تباہی تنظیم کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان کا باعث ہو سکتی تھی۔ شاید میرے دلائل کی بنا پر اُس نے بادلِ ناخواستہ میری اس رائے کو قبول کیا تھا کہ لائیڈز کاٹج اور اس کی زیرِ زمین تعمیرات کو چار لاشوں سمیت تباہ کیے بغیر ہم اپنے عزائم کو پوشیدہ نہ رکھ سکیں گے اور بالخصوص میری ذات تو بالکل ہی بے نقاب ہو کر رہ جاتی مگر اپنے باپ اور تنظیم کے مفادات شاید اسے سب سے زیادہ عزیز تھے۔ اپنی آمادگی ظاہر کر کے اس نے بڑی چالاکی کے ساتھ مجھے کسی خطرناک منصوبہ بندی سے روک دیا اور پھر عین آخری لمحات میں اس اُمید پر مجھے یکہ و تنہا اس معرکے میں جھونک دیا کہ میں اپنے حریفوں پر کسی بھی صورت میں حاوی نہ ہو سکوں گا۔

"یہ... یہ ٹائم بم!" تلاشی لینے والے کی تحیر اور خوف سے ملی جلی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ میری جیب سے نکلا ہوا ٹائم بم کا پیکٹ کھولے بے یقینی کے عالم میں اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

پستول بردار تنومند شخص بھی اضطراری طور پر اس کے قریب پہنچ گیا اور محتاط انداز میں ٹائم بم کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "عجیب ساخت کا ہے لیکن ابھی اس کا ٹائمر آف ہے۔ اسے آن کیے بغیر یہ بالکل بے ضرر ہے۔"

"ٹِک ٹِک کے انتظار میں نہ رہنا۔" میں نے لقمہ دیا۔ "اس میں میکینیکل ٹائمر نہیں ہے جو گھڑی کی ٹِک ٹِک سنائی دے یہ جرمن ساخت کا الیکٹرونک بم ہے۔ آواز نکالے بغیر لمحات گنتا رہے گا اور گنتی پوری ہوتے ہی تباہی مچا دے گا۔"

"اسے سرنگ سے باہر ڈال آؤ۔" تنومند شخص نے مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔

اُس نے ٹائم بم کا پیکٹ تو لے لیا مگر ہچکچاتے ہوئے بولا۔

"تم باہر موجود خطرات سے پوری طرح آگاہ ہو، اگر نکاسی کا راستہ پیدا ہوتے ہی اس کے ساتھی حملہ آور ہو گئے تو میں جان پر کھیل کر بھی ان کی یلغار کو نہ روک سکوں گا۔"

"تم جاؤ!" تنومند شخص سرد اور تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔" لحظہ بھر کے لیے خاموش ہو کر اس نے مجھے قہر آلود نظروں سے دیکھا پھر بولا۔ "یہ شرارت اور بدمعاشی پر تلا ہوا ہے۔ بم واقعی الیکٹرونک ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ اس کا کاؤنٹ ڈاؤن کیسے آن آف کیا جاتا ہے۔ اس بم کا یہاں رہنا خطرناک ہو گا۔"

جو کچھ ہو رہا تھا، میری حکمتِ عملی کے عین مطابق تھا۔ تین کے مقابلے میں دو سے زور آزمائی نسبتاً آسان ہو سکتی تھی۔ اس موڑ پر پہنچ کر میں نتائج کی پروا کیے بغیر کچھ کر گزرنے پر تُل گیا تھا۔

بم بردار اپنے تنومند ساتھی کے حکم کی تعمیل میں جھجک رہا تھا کہ ان کا تیسرا ساتھی نائیلون کی مضبوط ڈوری کا لچھا لیے آموجود ہوا۔ اِن تینوں میں شکل و صورت کے اعتبار سے وہی زیادہ خطرناک اور عملی آدمی نظر آ رہا تھا۔

پھر اُسی لمحے پے در پے کئی ناقابلِ یقین واقعات رونما ہوئے اور میری آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں۔

تہ خانے کی تنگ اور محدود فضا میں کھٹاک کی ہلکی سی آواز کی گونج بھی خاصی نمایاں تھی اور تنومند کا پستول معجزانہ انداز میں اس کی گرفت سے اُڑ کر دور جا گرا۔ ڈوری لانے والے کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کسی طرف سے سائلنسر لگے ہوئے پستول سے فائر کیا گیا تھا، اس نے پھرتی کے ساتھ اپنے شانے سے ٹامی گن اتارنا چاہی تھی، اس کا ساتھی فرش پر پڑی ہوئی اپنی ٹامی گن کی طرف لپکا تھا لیکن ویرا کی للکارتی ہوئی سفاکانہ آواز نے اِن تینوں کو اپنی اپنی جگہ منجمد کر دیا۔

"جو جہاں ہے وہیں رُکا رہے ورنہ میں بھیجا اُڑا دوں گی۔ اس وقت تم سب میرے نشانے پر ہو۔" اُس کی آواز سنتے ہی میرا دورانِ خون یک بیک تیز ہو گیا۔ اس کے بارے میں میرے سارے شبہات آخر کار بے بنیاد ثابت ہوئے تھے۔

اس کی آواز ٹرک کے عقبی حصے سے آئی تھی جس پر لکڑی کی وزنی پیٹیاں لدی ہوئی تھیں۔ شاید وہ جیپ سے اترتے ہی اندھیرے اور اپنے سیاہ لباس کا فائدہ اٹھا کر ٹرک کے عقبی حصے میں لدی ہوئی پیٹیوں پر چڑھ گئی تھی اور اسی پر سوار سُرنگ میں داخل ہوئی تھی جب کہ اندھیرے میں اُسے بجیرو کے آس پاس موجود نہ پا کر اس کی طرف سے میرے ذہن میں شبہات سر اُبھارنے لگے تھے لیکن اُس نے ان نازک لمحات میں نمودار ہو کر میرے سارے خدشات کو بے بنیاد ثابت کر دیا تھا۔

"اپنے ہتھیار زمین پر ڈال کر ہاتھ سروں پر باندھ لو۔" چند ثانیوں بعد اس کی آواز دوبارہ گونجی۔ اس وقت اس کی نسوانی آواز کا سارا لوچ اور رچاؤ کافور ہو چکا تھا اور وہ کسی پیشہ ور سفاک قاتل کی آواز معلوم ہو رہی تھی، جس کی زندگی، لطیف جذبوں سے دور، محض قتال و جدال میں گزری ہو۔

ویرا کی بے آواز گولی ایک کے ہاتھ سے پستول گرا کر اُسے غیر مسلح کر چکی تھی، دوسرا فرش پر پڑی ہوئی اپنی ٹامی گن تک پہنچ بھی نہ پایا تھا کہ ویرا کی آواز نے اس کے بڑھتے ہوئے قدموں میں زنجیر ڈال دی۔ تیسرا جو بھڑک کر اپنے شانے سے گن اتار رہا تھا، اس آواز پر ایسا بوکھلایا جیسے شروع ہی سے اس کا ارادہ کندھے کا بوجھ فرش پر منتقل کرنے کا رہا ہو۔ پھر انھوں نے فوراً ہی اپنے ہاتھ سروں پر رکھ لیے۔ وہ تینوں خائفانہ نظروں سے مجھے گھورے جا رہے تھے۔

"شاباش! اب تم تینوں دیوار کی طرف مُنہ کر کے ایک ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ ڈینی! تم ٹامی گن اُٹھا لو۔"

"ڈینی!" تنومند شخص کے منہ سے متحیّر زدہ آواز برآمد ہوئی۔ "تو تم ہی وہ خبیث اور نابکار باغی ہو جو آج بھی تنظیم کے بڑوں کو زندہ یا مُردہ مطلوب ہے۔"

"وہ پرانی بات ہے موٹے گدھے!" میں نے ٹامی گن کی نال سے اس کے پیٹ میں ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔ "چند دنوں سے میں تمھارے بڑوں کا منظورِ نظر ہو چکا ہوں۔ تم نے دیکھ لیا کہ میرا اعتماد بلاسبب نہیں تھا۔"

اِن تینوں نے جیسے ہی دیوار کی طرف منہ کیے، ویرا اچھل کر ٹرک پر لدے ہوئے مال پر سے نیچے آ گئی۔ اس وقت وہ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں ملبوس تھی اور اُسے سرسری طور پر پہچاننا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

نقاب کے جالی دار سوراخوں کے پیچھے چھپی ہوئی آنکھوں کے باعث میرے لیے یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کہ ویرا کس طرف متوجہ تھی لہٰذا میں نے اس کے قریب ہو کر اجازت طلب انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور ویرا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ تینوں خاموش، ایک دیوار کی طرف مُنہ کیے اپنے فیصلے کے منتظر تھے اور میرا خون کھول رہا تھا۔ وہ تینوں تنظیم کے ایک ناپاک اور گھناؤنے مقصد کی تکمیل میں اہم کردار ادا کر رہے تھے۔ سالہا سال سے جمع کیا ہوا اسلحہ نجانے کہاں کہاں، کیسے کیسے جرائم میں بے گناہ لوگوں کے خلاف استعمال ہوتا چلا آیا تھا اور اس وقت وہ تینوں میرے ہاتھوں پکڑے گئے تھے۔ ان کے بارے میں نہ میں قانون سے رجوع کر سکتا تھا اور نہ ہی قانون انھیں قرار واقعی سزا دے سکتا تھا۔

میں نے ٹامی گن کی نال کا رُخ قدرے نیچا کر کے ہاتھ گھماتے ہوئے ان کی ٹانگوں پر ہلکا سا برسٹ مارا۔ بارُود کی ناگوار بُو کے ساتھ تہ خانے کی فضا ان کی دردناک چیخوں سے لرز اٹھی فرش اور دیواران کے گندے خون سے آلودہ ہوگئی۔ پنڈلیوں کی ہڈیوں کا سُرما بنتے ہی وہ معذور لوتھڑوں کی طرح نیچے گر کر بُری طرح تڑپنے لگے۔

"ختم کردو! سِسکا کیوں رہے ہو؟" ویرا نے غالباً مجھے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"واپسی میں دیکھا جائے گا۔" میں نے ٹامی گن کندھے سے لٹکاتے ہوئے کہا۔ "آؤ اوپر چلو تاکہ تمھیں تمھارے ابا جان کی تصویر کا دیدار کرا سکوں۔"

"بکھرا ہوا اسلحہ سمیٹ کر ایسی جگہ ڈال دو جہاں ان کی رسائی نہ ہو سکے۔" اُس نے یہ کہتے ہوئے ٹائم بم کا پیکٹ اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ "ایسا نہ ہو کہ یہ واپسی پر راستے کا پتھر بن جائیں۔"

میں نے سارا فاضل اسلحہ اٹھا کر ٹرک کے ڈرائیونگ کیبن میں ڈال دیا پھر وہ میری تقلید میں لائیڈز کاٹیج کے نمبر تین کے ممنوعہ علاقے کو جانے والے زینوں پر ہولی۔ میں اُسے پہلے اس کمرے میں لے گیا جہاں میرے ہاتھوں جہنم واصل ہونے والے پہلے شکار کی لاش پڑی ہوئی تھی اور مواصلاتی آلات بھی ناکارہ حالت میں بکھرے ہوئے تھے۔

"تم میں بھی کوئی بدروح گھسی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔" اس کی آواز تحیّر آمیز تھی۔ "تم تنہا یہ سب کر گزرے اور کسی کو کانوں کان بھی پتا نہ چل سکا کہ کتنی بڑی تباہی دبے قدموں ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ اب تم نقاب اتار دو؟" میں نے اچانک ہی اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ "تاکہ میں تمھارے خیالات کے ساتھ ساتھ چہرے کے تاثرات سے بھی آگاہ ہو سکوں۔ میں نے سُنا ہے کہ ہنستے مسکراتے، حسین چہروں کا دیدار بھی انسانی حوصلہ بڑھانے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ . . اس کالی نقاب سے اُلجھن ہو رہی ہے۔"

"میں اپنی اصلی صورت میں یہاں کسی کی نگاہوں میں آنا پسند نہیں کرتی۔"

"میں یقین دلاتا ہوں کہ اب واپسی تک کسی سے ٹکراؤ نہیں ہوگا۔ بچے پھنسے تک وہ تینوں کثرت سے خون ضائع ہونے کے سبب بےہوش ہو گئے یا قریب المرگ ہوں گے، سکرات کے عالم میں تو بھی بڑا ڈراؤنا نظر آنے لگتا ہے کیونکہ نامۂ اعمال میں بیشتر سیاہی سنگدلیوں سے ہی جنم لیتی ہے۔"

اُس نے اپنے چہرے پر سے لچکدار سیاہ کپڑے کی وہ نقاب اتار لی جس نے چہرے پر سیاہ جلد کا روپ اختیار کیا ہوا تھا اور میں تحسین آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس مٹی سے بنے ہوئے ہو۔" وہ جھینپے ہوئے انداز میں بےلبی کے ساتھ ہنستے ہوئے بولی۔ "ہزار بار منع کیا ہے کہ مجھے ہر وقت ایک خوب صورت لڑکی ہی نہ سمجھا کرو، میں اپنی پسند سے دوستی اور دشمنی پالنے کی عادی ہوں . . ."

"بس بس" میں نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ دی۔ "میں حقائق کی دنیا کا عملی آدمی ہوں۔ تم جو ہو، تمھیں وہی سمجھتا ہوں۔ جب شوگر کوٹین سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں تو گھول کر پی جانے کو طبیعت چاہتی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ ہر وقت دل ہتھیلی پر لیے پھرتے ہو، سمجھ میں نہیں آتا کہ غزالہ جیسی نیک اور سمجھدار لڑکی تم جیسے دل پھینک میں کیا دیکھ کر مر مٹی ہے، ہر وقت تمھارا ہی دم بھرتی رہتی ہے۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"اپنی اپنی مٹی کی بات ہے۔ میں بڑی خاص اور پُرکشش مٹی سے بنایا گیا ہوں، تم خود ہی کو دیکھ لو کہ کبھی مجھ کو مرولنے پر تُل جاتی ہو اور کبھی قریب سے قریب تر ہو کر یوں سیراب کرتی ہو کہ ان خوابوں میں کھو جانے کو طبیعت چاہتی ہے۔"

"اتنی گاڑھی اردو میرے بس سے باہر ہے۔" وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی۔ "یہ بتاؤ کہ وہ تصویر کہاں ہے؟"

"تصویر اسی عمارت میں ہے۔" میں نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ غزالہ کہاں ہے اور تصویر ملنے کے بعد کب تک مجھے واپس مل سکے گی؟"

"سودے بازی کرنا چاہ رہے ہو؟" وہ تنک کر بولی۔

"سودے بازی نہیں، معاہدے پر عمل درآمد کی یقین دہانی چاہتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"بڑے غلط موقع پر تم نے یہ بات چھیڑی ہے۔" وہ

متاسفانہ لہجے میں بولی "پہلے میں تم کو بتا چکی ہوں کہ وہ جہاں ہے، خوش ہے۔ ہوٹل میں میرے پاس اُس کی آواز میں ریکارڈ کیا ہوا ایک پیغام موجود ہے لیکن اس بارے میں میں اب تمھیں مزید اندھیرے میں نہیں رکھوں گی۔"

اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ میں چونک پڑا۔ "کیا کہنا چاہ رہی ہو تم؟"

"اس معاملے میں مجھ سے اندازے کی فاش غلطی ہوئی ہے۔"

وہ نادم نظر آ رہی تھی اور اس کا لہجہ شکست خوردہ تھا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم ایسے حالات پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے کہ تصویر ہمارے قبضے میں آجائے گی۔ میرا خیال تھا کہ تم تصویر دیکھ لو گے پھر مجھے تم کو ساتھ لے کر اپنے باپ کی تلاش میں یورپ کے سفر پر نکلنا ہوگا۔ اب بدقسمتی سے عزالہ پاکستانی تھی اور تم پاکستانیوں نے پورے یورپ میں اپنی ساکھ اس حد تک تباہ کی ہوئی ہے کہ کوئی ملک تمھارے شہریوں کو ویزا اور کڑی چھان بین کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ بس ایک برطانیہ ہی ایسا ملک ہے جہاں ایئرپورٹ پر کھڑے گھاٹ ویزا مل جاتا ہے لہٰذا میں نے ٹکٹ کا بندوبست کر کے عزالہ کو برطانیہ روانہ کر دیا۔ اس مہم میں وہ لندن سے ہمارے ساتھ شریک ہو سکتی تھی لیکن تم نے اپنی کارکردگی سے میرے سارے اندازے برباد کر دیے۔ یہ میں یقین دلاتی ہوں کہ وہ لندن کے مضافات میں میرے بااعتماد ساتھیوں کے درمیان بالکل خیریت سے ہوگی۔"

اس کی بات سن کر مجھے دہشت ہونے لگی۔ "یہ تم نے اچھا نہیں کیا ویرا۔ وہ ایک مشرقی لڑکی ہے، کبھی ملک سے باہر نہیں نکلی۔ وہاں کے آزاد معاشرے میں وہ گھٹ کر رہ گئی ہوگی۔ وہ کبھی مغربی اقدار سے سمجھوتا نہ کر سکے گی۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ "لیکن میں تم سے اتفاق نہیں کرتی۔ وہ تعلیم یافتہ ہے، اچھے اور برے میں تمیز کر سکتی ہے۔ تمھیں اُس کو موم کی گڑیا نہیں سمجھنا چاہیے جو ذرا سی گرمی سے پگھل جائے گی۔"

"کیسٹ پر پیغام اس نے کہاں ریکارڈ کرایا تھا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے ترش لہجے میں سوال کیا۔

"روانگی سے پہلے کراچی میں۔" اس نے کہا۔ "اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے لیکن یہ ضرور بتا دیا گیا تھا کہ اسے ایک طویل فضائی سفر درپیش ہے، کاغذات میں نے ذاتی توجہ اور احتیاط سے تیار کرائے تھے۔"

"اور وہ اس سفر پر اکیلی گئی ہے؟" میں نے اپنے حلق میں ترشی سی گھلتی ہوئی محسوس کی تھی۔

"اس کی سلامتی کے لیے رازداری بہت ضروری تھی [illegible] برقرار رکھنے کے لیے اسے تنہا بھیجنا ضروری تھا لیکن لندن [illegible] ہیتھرو ایئرپورٹ پر اس کی دیکھ بھال کرنے والے موجود [illegible] مجھے اس کی خیریت کی اطلاع مل چکی ہے۔"

"اور اب اس کی واپسی کب تک متوقع ہے؟" میں نے [illegible] چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"جب تم چاہو۔" اس نے پرخلوص لہجے میں کہا۔ "ویسے [illegible] مشورہ یہی ہے کہ کچھ دن اسے باہر ہی رہنے دو، وہاں وہ پوری [illegible] محفوظ رہے گی۔ یہاں لائیڈز کاٹیج کی تباہی کے بعد اس واقعے میں [illegible] شمولیت کی نشاندہی ہو یا نہ ہو، انتقامی کارروائی کے طور پر [illegible] تنظیم کے دشمنوں کا چن چن کر صفایا کرنا شروع کر دیا جائے گا۔ [illegible] چاہو تو تم بھی ملک سے باہر جا سکتے ہو۔ میں حتی الامکان تمھاری میزبانی کی کوشش کروں گی۔" اس نے جھجکتے ہوئے سوچ [illegible] کر کہہ ہی ڈالا۔

"جب تم مجھے کلیئرنس دے چکی ہو تو مجھے یہاں کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟" میرا لہجہ بدستور تلخ تھا۔

"میں مقامی بڑوں میں سے ایک ہوں اور میں نے اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے تمھیں لائیڈز کاٹیج میں پہنچا دیا۔ اس عمارت کی تباہی کے بعد ماضی قریب میں رونما ہونے والے غیر معمولی واقعات کا جائزہ لیا جائے گا اور اس میں تمھاری واپسی کا معاملہ بھی اٹھے گا۔ اگر کاٹیج کی تباہی کے بعد ایک بھی ایسا گواہ بچ گیا جو دھماکے سے قبل لائیڈز کاٹیج سے تمھاری روانگی کے بارے میں جانتا ہو تو یقین کرو کہ تمھاری تلاش میں چپے چپے پر آدمی پھیلا دیے جائیں گے اور میں اکثریت کے فیصلے کے خلاف اس مہم کو نہ روک سکوں گی۔"

"یہاں تنظیم کے کتنے بڑے موجود ہیں؟" میں نے اپنے لہجے کی تلخی برقرار رکھتے ہوئے اپنا تجسس دور کرنے کے لیے پوچھ ہی لیا۔

"یہ سب باتیں ہوٹل لوٹنے کے بعد بھی ہو سکتی ہیں، یہاں وقت کیوں برباد کر رہے ہو۔" وہ میرے شانے تھام کر نکاسی کے راستے کی طرف دھکیلتے ہوئے بولی۔ میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ اس طرح وہ میرا سوال ٹالنے کے ساتھ ہی ماحول کو خوشگوار بنانا چاہتی تھی مگر میں اسے ہلکا سا سبق دینے کا ارادہ کر چکا تھا۔

"تو پھر چلو واپس چلتے ہیں۔" میں نے یک بیک پلٹتے ہوئے کہا اور وہ میرے پیچھے ہولی۔ پہلے تو وہ میرا ارادہ سمجھ ہی نہ سکی لیکن جب میں تہ خانے میں اترنے والی سیڑھیوں کے قریب جا پہنچا تو وہ چونک پڑی۔

"کہاں؟ واپس کہاں جا رہے ہو؟ تصویر کا کیا ہوگا؟" اس [illegible]

میرا بازو تھام کر تیز لہجے میں پوچھا تھا۔
"تصویر کا حصول ہمارے معاہدے میں شامل نہیں تھا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔" میں تصویر دیکھ چکا ہوں لیکن تم غزالہ کو لوٹانے کا وعدہ پورا نہیں کر سکیں لہٰذا میں نے ساری کارروائی یہیں معطل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"
"یعنی ان زیرِ زمین تعمیرات کو تصویر سمیت تباہ کر دو گے؟" اُس نے حیرت اور قدرے غصّے کے ساتھ کہا۔
"نہیں۔" میں نے اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔" میں کچھ تباہ نہیں کروں گا۔ سب کچھ یوں ہی چھوڑ کر تمہارے ساتھ واپس روانہ ہو رہا ہوں۔ تمہاری بے اعتمادی کو دیکھتے ہوئے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ ہماری گاڑی زیادہ دیر تک ساتھ نہ چل سکے گی۔"
"چار پرانی لاشوں میں ٹرک کے ساتھ آنے والوں کا بھی اضافہ ہو چکا ہے۔ بعد میں آنے والا جوں ہی یہ سات لاشیں دریافت کرے گا، تمہاری ذات بے نقاب ہو جائے گی۔ رحمانی تمہارے خلاف بڑا گواہ ہے اور پھر لائیڈز کا ٹج سے تمہارا اچانک غائب ہو جانا بھی نتائج کی واضح نشاندہی کر دے گا۔ تم ایک چھوٹی سی بات کو غیر ضروری اہمیت دے رہے ہو۔"
"انسان بڑی عجیب مخلوق ہے دیرا خانم!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔" بعض اوقات بڑی بڑی باتوں کو ٹال جاتا ہے اور کبھی چھوٹی سے چھوٹی بات پر مرنے مارنے پر تُل جاتا ہے۔ غزالہ کو میرے علم میں لائے بغیر برطانیہ بھیج کر تم نے بہت بڑی بدعہدی کا ارتکاب کیا ہے۔ نتائج کچھ بھی ہوں، اس وقت میں کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ زیادہ سے زیادہ لائیڈز کا ٹج والے میرے پیچھے لگ جائیں گے لیکن میں ایسے معرکوں میں آزادانہ طور پر اپنا دفاع کرنا اچھی طرح جانتا ہوں۔"
وہ چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوئی۔ اس وقت ہم دونوں روبرو کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ اچانک ہی اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں پھر وہ قدرے تیز لہجے میں بولی۔" میں سمجھ رہی ہوں کہ اس طرح تم میری ساکھ کو نقصان پہنچا کر بدلہ لینا چاہتے ہو۔ تمہاری ذات شبہات کی زد میں آئی تو اس معاملے میں بھی بری الذمہ نہ رہ سکوں گی کیوں کہ تمہیں لائیڈز کا ٹج تک میں نے ہی رسائی دلائی تھی۔"
"یہ سوچنا تمہارا کام ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔" میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"
"اس کا مطلب ہے کہ اب یہ سب مجھے اپنے ہاتھوں سے تباہ کرنا ہوگا۔" اُس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔
"مجھ سے بدعہدی کے بعد یہ تنظیم سے کھلی غداری ہو گی۔"

میں نے جھجکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس اقدام کے واحد گواہ تم ہو گے۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ "مجھے اس واقعے کی بازگشت کہیں بھی سنائی دی تو تم میرے ہاتھوں سے نہ بچ سکو گے۔ تم سے یہ تو پتا چل چکا ہے کہ میرے باپ کی تصویر یہاں ایک مقفل کمرے میں موجود ہے۔ اس لیے ٹائم بم سیٹ کرنے سے پہلے میں ایک بار خود یہاں تصویر تلاش کروں گی لیکن تمھیں یہ بتا دوں کہ تم میرے ساتھ بہت آگے بڑھنے کے بعد الگ ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔"

میں جانتا تھا کہ بنبرتین کے اس حصے میں ویرا کے لیے مقفل کمرے تک پہنچنا زیادہ دشوار ثابت نہ ہوگا لہٰذا میں فوراً ہی غصیلے لہجے میں پھٹ پڑا اور جو منہ میں آیا کہتا چلا گیا لیکن میرا ارادہ درحقیقت وہ نہیں تھا جو میں ظاہر کر رہا تھا۔

وہ دراصل شروع ہی سے اپنی بڑائی کے شدید احساس میں مبتلا تھی اور موقع بے موقع مجھے اپنی بالادستی کا احساس دلاتی رہتی تھی جب کہ میں اس کی برابری یا تحقیر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا اور اس بار تو وہ پوری طرح میرے دام میں آگئی تھی۔ مجھے اس کی باتوں کا پورا یقین تھا۔ یہ معلوم تھا کہ اگر اس نے غزالہ کو برطانیہ بھیجا ہوگا تو وہاں اس کے تحفظ کا پورا بندوبست بھی کیا ہوگا لیکن میں اس کے لمحہ بہ لمحہ بدلتے ہوئے تیوروں پر نگاہ رکھتے ہوئے سخت سست کہتا رہا اور وہ کسی مزاحمانہ ردِعمل کا اظہار کیے بغیر میری پوری تقریر سنتی رہی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تم میرے ساتھ تعاون کرو گے؟" میرے خاموش ہو جانے پر اُس نے ٹھہرے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "تمھاری شکایتیں کچھ ایسی بے جا بھی نہیں ہیں۔ آدمی کو اُسی سے شکایت ہوتی ہے جس سے اُمیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمھاری توقعات کے معیار پر پوری نہ اُتر سکی۔"

ویرا کے اس مدافعانہ جواب پر میری کھوپڑی سلگ اُٹھی۔
"سمجھ کیا رکھا ہے تم نے اپنے آپ کو؟ تم نہ میری عزیز ہو نہ محبوبہ، پھر میں تم سے توقعات کیوں رکھوں گا؟ مجھے تو ہر لمحے یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اپنے مفاد کے لیے تم کسی بھی وقت بڑی بے رحمی کے ساتھ میری گردن کٹوا دو گی۔ یہ تمھارا احسان ہے کہ تم نے اب تک ایسی کوئی کارروائی نہیں کی۔" پھر میرا لہجہ بہت زیادہ زہریلا ہو گیا۔ "۔۔۔ تم آج تک نہ کسی کی ہو سکی ہو نہ ہو گی۔ تمھارے نزدیک عزت، آبرو اور اَنا کا کوئی مقام نہیں ہے۔ تم ہر قیمت پر بس اپنا کام نکالنا جانتی ہو اور شاید اس بار بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ۔ میں تصویر تمھارے حوالے کر دوں گا مگر یہ یاد رکھنا کہ مجھے تم پر ذرا بھی اعتماد نہیں رہا ہے۔ تم اپنے وار کرتی جاؤ، میں بچاؤ کرتا رہوں گا۔"

اُس کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا۔ "اس تحقیر سے بہتر ہے کہ تم اسی وقت اپنا راستہ الگ کر لو۔ تصویر سے قطع نظر میں اپنے معاملات خود سلجھا سکتی ہوں۔"

"اس لیے کہ میں نے تمھیں یہاں لا کھڑا کیا ہے، کامیابی کی کلید تمھاری گود میں لا ڈالی ہے اور غزالہ یرغمال کے طور پر تمھارے رحم و کرم پر ہے۔ غزالہ قیدنہ ہوتی تو شاید میں تم سے دو بدو کچھ اور باتیں کر لیتا لیکن اب میں مجبور ہوں، چاہو تو مجھے اپنا قیدی بھی سمجھ سکتی ہو، جو چاہو گی وہی کر گزرنے پر خود کو مجبور پاؤں گا۔" آخری فقروں پر میرا لہجہ بے حد زہریلا ہو گیا۔

ویرا نے چند گہرے گہرے سانس لیے پھر تھکی ہوئی آواز میں بولی۔ "ایک امتحان یہ بھی سہی۔ اب غزالہ سے تمھاری ملاقات تمھاری پسند کے حالات میں ہوگی لیکن اس کی شرط تصویر کے حصول کے بعد لائیڈز کا ٹیج کی تباہی ہے۔ یہ دونوں کام کر گزرے تو تمھیں مجھ سے مایوسی نہیں ہو گی۔"

میں واپس پلٹ گیا اور وہ خاموشی سے میرے ساتھ ہولی۔ مقفل کمرے کو کھول کر ہم دونوں اندر داخل ہوئے تو بند کمرے میں پڑی ہوئی چوتھی لاش میں کم و بیش اٹھارہ گھنٹے گزرنے کے باوجود تعفن پیدا نہیں ہوا تھا۔ ویرا نے اس کمرے میں سجائے ہوئے ہتھیاروں کو حیرت سے دیکھا تھا۔ وہ شاید دیر تک پورے انہماک سے اس نمائش کا جائزہ لینے میں مصروف رہتی مگر میں نے دیوارگیر الماری میں نصب فریم پر زور آزمائی کرتے ہوئے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

اس وقت ویرا کے چہرے سے بے پناہ جوش اور تجسس کا اظہار ہو رہا تھا پھر جوں ہی وہ فریم ہاتھ میں آیا، جمائیکا کے رنگین قلمی تصویر پر نگاہ پڑتے ہی ویرا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔

ویرا لائیڈ سے میری پہلی ملاقات بے خبری کے عالم میں مشرقِ بعید کے سفر میں دورانِ پرواز ہوئی تھی۔ اس وقت میں اس کے ماضی سے لاعلم تھا لہٰذا اپنے تمام تر تجربے کے باوجود اسے زندگی کی کیف آور لذتوں کی طلب گار، ایک فراخ دل دوشیزہ سمجھتے ہوئے اپنی کامرانی پر کئی دنوں تک ناز کرتا اور ایک ہوٹل کے اقامتی کمرے میں اس کے ناز اٹھاتا رہا تھا۔ اس دوران میں کسی بھی مرحلے پر وہ بالادست نظر نہیں آئی تھی۔ اس کے ہر عمل اور ردِعمل میں ایک ایسی معصومانہ سادگی اور بے ساختگی

رہی ہوئی تھی کہ احکام کی پروا نہ ہوتی تو میں اس کی مہکتی زلفوں کے سائے میں شاید پوری عمر بھی گزار دیتا۔

لیکن تقدیر میں عزالہ لکھ دی گئی تھی۔ ویرا کی دل موہ لینے والی معصومانہ ادائیں مشرقِ بعید میں میرے قدموں کی زنجیر نہ بن سکیں اور میں اپنے وطن لوٹ آیا۔ اس کے بعد مدّتوں کے وقفے سے ویرا لائیڈ، شوگر کوئین کے روپ میں سامنے آئی تو اس کے تیور ہی مختلف تھے۔ اس میں نہ معصومانہ سادگی رہی تھی نہ فطری بے ساختگی۔ وہ ہر زاویے سے ایک بے مہر اور کاروباری ذہنیت والی پیشہ ور مجرمہ کے طور پر سامنے آئی تھی جس کے سینے میں دل کی جگہ شاید کوئی سنگریزہ نصب تھا جس میں نہ لچک تھی، نہ جذبات کی سرگرمی۔ وہ ہر قیمت پر اپنا مقصد حاصل کرنے پر تلی ہوئی ایک حسین مجرمہ نظر آتی تھی جس کے نزدیک انسانی اقدار اور جذبات کی کوئی وقعت تھی نہ اہمیت۔

پھر اب جمی لائیڈ کی رنگین قلمی تصویر پر نظر پڑتے ہی وہ سنگدل اور بے مہر لڑکی یک بیک ملکۂ جذبات نظر آنے لگی تھی۔ اس کے چہرے کے عضلات تن گئے تھے، نگاہوں میں تنفر کا قہر سمٹ آیا تھا اور وہ بے یقینی کے عالم میں اس قلمی تصویر کو مسلسل گھورے جا رہی تھی۔

وہاں دھاوا بولتے ہوئے میرے ایما پر ویرا اپنے ساتھ ایک مختصر لیکن حسّاس کیمرہ بھی لائی تھی جو اس کے چُست سیاہ لباس میں موجود تھا اور جس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ واپسی سے قبل جمی لائیڈ کی قلمی تصویر کی کچھ تصاویر بھی لے لی جائیں تاکہ فرار کے وقت اگر ناگاہ کسی مرحلے پر اصل تصویر سے دست بردار ہونا پڑے تو بعد میں کیمرے سے لی ہوئی جمی لائیڈ کی قلمی تصویر کی تصاویر اس کی تلاش کی مہم میں معاون ثابت ہوسکیں لیکن ویرا لائیڈ تو تصویر دیکھتے ہی ایک بدلی ہوئی عورت نظر آنے لگی تھی۔ پہلے اُس کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی کے عالم میں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں پھر ان میں بتدریج قہر اور نفرت کے کوندے لپکنے لگے۔ وہ میری طرف یوں حملہ آور ہوئی تھی جیسے پل بھر میں مجھے چیر پھاڑ کر رکھ دے گی مگر وہ بہرحال عورت تھی اور میں ایک تندرست و توانا مرد۔ میں تصویر فرش پر پھینک کر خود کو ویرا کے حملے سے بچانے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ بڑھی اور وار خالی جانے پر جھلا کر مجھے نظرانداز کرتے ہوئے پلٹی اور جمی لائیڈ کی قلمی تصویر پر ٹوٹ پڑی۔ پھر اُس نے دیکھتے ہی دیکھتے فریم سمیت کینوس کے ٹکڑے اڑا دیے۔

جتنی دیر میں میں صورتِ حال کو سمجھ کر اُس کی طرف لپکتا، وہ تصویر کے چیتھڑے اڑا چکی تھی۔

”یہ... یہ کیا کیا تم نے؟“ میں نے اُسے گھورتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

”وہی، جو کرنا چاہیے تھا۔“ اُس نے کھوئے کھوئے ہذیانی لہجے میں کہا۔ ”مجھے جو کچھ کرنا تھا میں کر گزری ہوں، اب تم جو چاہو وہ کر سکتے ہو...“

”مم... مگر تم تو جمی لائیڈ کی تصویر کی تلاش میں سرگرداں تھیں؟“ میں نے اپنی حیرت پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اضطراری لہجے میں کہا۔ ”تصویر سامنے آئی تو ایسی آتش زیرپا کیوں ہو گئیں؟“

”اِس لیے کہ وہ چہرہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔“ وہ میرے مقابل سینہ تان کر زہریلے لہجے میں بولی۔

”تو تم اپنے باپ کو پہلے سے جانتی تھیں؟“ میرا لہجہ لازماً کاٹ دار ہو گیا تھا۔

”باپ نہیں، وہ ایک دلال تھا۔“ وہ تلخ اور رُندھے ہوئے لہجے میں بولی۔ ”یہ جو کوئی بھی ہو، میں اسے روم کے ایک مضبوط گروہ بند کے طور پر جانتی ہوں۔ میرے لیے اس کا نام جمی لائیڈ نہیں بلکہ ڈان مرسیا نو تھا اور دو برس پہلے تک میری بیشتر راتوں کے دام اسی ملعون نے طے کیے تھے۔“

”یہ کہاں کا واقعہ ہے بے بی؟“ میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے سوال کیا۔

”روم... روم!“ وہ غصیلے لہجے میں بولی۔ ”بتا رہی ہوں کہ ڈان مرسیا نو روم کا ایک مضبوط گروہ بند ہے۔ منشیات فروشی، جوئے اور قحبہ گری سے بردہ فروشی تک، وہ ہر گھٹیا کام کرتا ہے...“

”اور اُس نے خود اپنی بیٹی کی راتوں کا سودا کیا ہے؟“ میں نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

”بکو مت!“ وہ حلق پھاڑ کر غصیلی آواز میں چیخی تو اُس کی آواز رُندھی ہوئی تھی۔ ”جانتے بوجھتے اس دنیا کا کوئی باپ اپنی بیٹی کو نیلام نہیں کر سکتا، وہ یقیناً میری حیثیت سے لاعلم رہا ہو گا۔“

”تم اپنے باپ کے بارے میں یقین اور بے یقینی کا شکار ہو میری ننھی محبوبہ۔“ میں نے ٹھہرے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”وہ اسی قدر لاعلم ہوتا تو ایک عالمی تنظیم کی سربراہی نہ کر رہا ہوتا۔“

”کس عالمی تنظیم کی بات کر رہے ہو؟“ اُس نے چیخ کر سوال کیا تھا۔

”لائیڈز کا نچ کوئی مقامی فتنہ تو نہیں ہے۔“ میں نے تمسخرانہ

لہجے میں کہا۔" جو کچھ ہوا ہے اور جو ہونے والا ہے وہ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو اور میں بھی جانتا ہوں۔"

" تو کیا تم ڈان مرسیانو کے ٹھکانے سے واقف ہو؟" ویرا کا لہجہ تجسس آمیز تھا۔

"ٹھکانے سے واقف ہوتا تو تمہارے نخرے اٹھانے کے بجائے وہیں اس کے ٹھکانے پر موجود ہوتا۔" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔" لیکن اس پوری تقریر کا مدعا صرف اتنا ہے کہ تمہیں تمہاری صحیح حیثیت کا احساس دلا سکوں، اپنے باپ کے نزدیک تم محض ایک حسین اور خوبرو لڑکی ہو جسے چارہ بنا کر بڑے سے بڑا شکار کھیلا جا سکتا ہے۔ تمہیں اپنے باپ کی اصلیت اور حقیقت کا علم نہیں لیکن وہ ہر لمحے تمہارے بارے میں باخبر رہا ہے اور تم سے کوئی بڑا کام لینے کے لیے کوشاں ہے۔ تم قانون کے سامنے ہتھیار ڈال دو گی تو بے آسرا رہ جاؤ گی۔ ہمارا ساتھ دو گی تو اپنے سامنے بہت سے راستے کھلے ہوئے پاؤ گی جن کے انتخاب میں تمہیں مکمل آزادی ہو گی۔"

" تمہارا ساتھ؟" میری گفتگو پر وہ اُلجھ کر رہ گئی۔" فی الحال تو تمہارا ہی ساتھ دے رہی ہوں اور یہ قانون کا ذکر درمیان میں کہاں سے آ گیا؟ میں جو کچھ کروں گی، اپنے بل پر کروں گی۔ قانون کا سہارا لینا چاہا تو شاید خود سُولی پر ٹانگ دی جاؤں۔"

"جمی لائیڈ یا ڈان مرسیانو سے بغاوت کے بعد تمہارے سامنے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں، مجھ سے صُلح کر لو یا قانون کے محافظوں کی پناہ حاصل کرنے کی کوشش کرو۔۔۔"

" تم سے میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔" وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولی۔ اس وقت تک وہ اپنے جذباتی اُبال پر قابو پا چکی تھی اور مدتوں سے اپنے جس باپ کی دید کی آرزو میں تڑپ رہی تھی، اس وقت اسی کی رنگین قلمی تصویر کے چیتھڑوں کو اپنے قدموں تلے پامال کر رہی تھی۔" اور نہ میں اپنے باپ سے بغاوت کر رہی ہوں، اگر اس نے اپنی عمر برباد کر کے ایک پُرشکوہ تنظیم قائم کی ہے تو میرا یہ حق ہے کہ اُسے معزول کر کے اب اقتدار میں خود سنبھال لوں۔ ڈان مرسیانو کے روپ میں اس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا وہ لاعلمی کی وجہ سے کیا ہو گا ورنہ اپنے لہو کی آبرو تو کنجروں کو بھی عزیز ہوتی ہے۔"

" وہ جس پیمانے پر کام کر رہا ہے، اس کے پیش نظر یہ سوچنا ہی حماقت ہو گا کہ وہ اپنی ذات سے متعلقہ کسی معاملے سے لاعلم رہا ہو گا۔" میں نے اس کے ساتھ واپس لوٹتے ہوئے کہا۔" یہ بتاؤ کہ جب تم ڈان مرسیانو سے ٹکرائیں تو اس وقت تم اپنے باپ کی تلاش کے کس مرحلے میں تھیں؟"

وہ پُرخیال انداز میں میری طرف دیکھنے لگی۔" تم کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہ رہے ہو؟" اُس نے اُلجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

" میری بات کا جواب دو، سب کچھ خود بخود واضح ہو جائے گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

" میری جدوجہد جاری تھی اور میرا خیال ہے کہ میں تنظیم [illegible] شامل ہونے میں کامیاب ہو چکی تھی۔"

" ڈان مرسیانو سے تمہارا ٹکراؤ اتفاقاً ہوا تھا یا اس [illegible] مل بیٹھنے کی کوئی ہدایت ملی تھی؟"

" کیا بالکل ہی احمق سمجھ لیا ہے تم نے مجھے؟" وہ چڑ کر بولی [illegible] ہدایت ملی ہوتی تو میرے لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہ ہوتا کہ [illegible] دانستہ اس کی طرف ہانکا گیا ہے، وہ ایک سو فی صد اتفاق تھا [illegible]

" اتفاق ہی رہا ہو گا لیکن میرا خیال ہے کہ ڈان مرسیانو [illegible] دانستہ ایسے حالات پیدا کیے ہوں گے کہ تم اس ملاقات کو اتفا[illegible] کا شاخسانہ سمجھتی رہو لیکن درحقیقت وہ اسی لمحے سے اپنے زیر [illegible] تمہاری تربیت کا آغاز کر چکا تھا۔"

"مجھے جان بوجھ کر غلیظ راستے پر ڈالا گیا تھا؟" اُس نے مذ[illegible] اڑانے والے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔

" وہ تمہارا باپ ہے ویرا!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔" شاید ایک رُسوائے زمانہ مجرم بھی جس کے ہاتھ منشیات فرو[illegible] سے انسانی لہو کی شرمناک ہولی تک میں آلودہ ہیں۔ ایسے لوگ[illegible] میں زندہ رہنے اور زندگی گزارنے کی بالکل ہی مختلف بلکہ حیرا[illegible] اقدار رائج ہوتی ہیں۔ عام زندگی میں باپ اور بیٹی کے رشتے [illegible] حوالے سے سوچو گی تو تمہیں ڈان مرسیانو کا رویہ ناقابل یقین [illegible] آئے گا لیکن ایک پیشہ ور باپ کی بیٹی بن کر دیکھو گی تو تمہیں [illegible] کا رویہ حقیقت پسندی پر مبنی نظر آئے گا۔"

" میرے کچھ پلّے نہیں پڑ سکا کہ اگر اور مگر کے درمیان تم [illegible] کہنا چاہ رہے ہو۔" وہ تہ خانے میں جانے والی سیڑھیاں [illegible] اترتے ہوئے منہ بنا کر تلخ لہجے میں بولی اور اس بار میں خا[illegible] ہی رہا۔ میری نگاہیں اسلحے کی پیٹیوں سے لدے ہوئے ٹرک [illegible] کے قریب فرش پر پڑے ہوئے ان تین بے جان سایوں [illegible] جمی ہوئی تھیں جو اپنے لہو میں لتھڑ کر تقریباً ناقابل شناخت ہو کر رہ گئے تھے۔

اس وقت تک بہت زیادہ خون بہہ جانے کے باعث [illegible] ان میں سے دو دم توڑ چکے تھے، موت کی اذیت سے ان [illegible] چہرے مسخ ہو کر رہ گئے تھے، تیسرا بے ہوش تھا اور اس [illegible] سینے میں سانس رُک رُک کر آ رہا تھا۔

میرے کچھ کہے بغیر ویرا لائیٹڈ نے تیسرے کے نرخرے پر اپنی سینڈل رکھ کر اس پاؤں پر پورا زور دے دیا۔ وہ اس قابل بھی نہیں رہا تھا کہ مدافعت میں ویرا کی پنڈلی دبوچ کر اس کا پاؤں اپنے نرخرے پر سے ہٹا دیتا۔ اس کے بدن میں اضطراری جنبش ہوئی، دونوں ہاتھ فضا میں لہرائے اور پھر وہ بھی زندگی کے بکھیڑوں سے نجات پا گیا۔

ویرا نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا جیسے اگلے اقدام کے بارے میں جاننا چاہتی ہو لیکن مجھے زبان ہلانے کی زحمت نہیں کرنا پڑی۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں میرا مدعا بھانپ گئی اور اپنی جیب سے الیکٹرونک ٹائم بم کا پیکٹ نکال کر اسے لگانے کے لیے جگہ تلاش کرنے لگی اور میں وہاں موجود اسلحے میں سے اپنی ضروریات کا انتخاب کرنے میں مصروف ہو گیا۔

یوں تو وہاں میرے لیے مشین گن سے تباہ کن دستی بموں تک ایک انبار موجود تھا لیکن لاہور میں فوری طور پر میرے پاس سر چھپانے کی کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں میں اسلحہ ساتھ لے کر جا سکتا۔ آثار کچھ ایسے تھے کہ شاید واپسی پر ویرا کے ہوٹل ہی میں پناہ لینا پڑ جاتی لہٰذا میں نے بڑے بور کے ایک بے آواز پستول اور چند بموں پر ہی اکتفا کیا کیوں کہ اب میرا لاہور میں طویل قیام کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لائیڈرز کاٹیج کی تباہی کے ساتھ میرا ایک بُرا ناخواب شرمندۂ تعبیر ہو جاتا جس کے بعد اگلا مرحلہ غزالہ تک رسائی کا تھا جس کے لیے ویرا لائیٹڈ کی ذات کا سہارا ناگزیر بن چکا تھا کیوں کہ وہ بالا ہی بالا غزالہ کو بیرونِ ملک بھجوا چکی تھی۔

آخر کار ویرا نے بارودی بموں کی متعدد پیٹیوں کے درمیان ایسی جگہ تلاش کر ہی لی جہاں سلگنے والی موہوم سی چنگاری بھی اس تہ خانے میں آتشیں جہنم کا دہانہ کھول سکتی تھی۔

"دس منٹ؟" تہ خانے میں ویرا کی سوالیہ آواز گونجی۔ اس وقت اس کا لہجہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

"خودکشی کا ارادہ ہو تو دس سیکنڈ مناسب رہیں گے تاکہ سسک سسک کر مرنے کے بجائے دھماکا ہوتے ہی کام تمام ہو جائے۔ نکاسی کے دہانے پر مارے گئے تو جنت میں بھی تنگ ہو گا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

وہ حسب توقع بھڑک اٹھی: "تم مرچیں کیوں چبا رہے ہو؟ بھلے طرح بات نہیں کر سکتے؟"

"کر سکتا ہوں مادام!" میں نے داہنا ہاتھ سینے پر رکھ کر سر کو ندرے خم دیتے ہوئے کہا۔ "بشرطیکہ میرے سر پر سات عدد سائی لاشیں نہ سوار ہوں۔ وہ لاکھ گناہ گار اور ملعون سہی لیکن تھے تو انسان ہی۔"

"شاید تمھیں یہ یاد نہیں رہا کہ ساتوں تمھارے شاہکار میں!" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"سات نہیں، صرف چار۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "آخری تینوں محض تمھاری دخل اندازی کی وجہ سے مارے گئے کیوں کہ تمھیں اپنے ابا حضور کی تصویر کی تلاش تھی۔"

"پھر وہی بکواس!" وہ غصیلے لہجے میں غرائی۔ "میں ٹائمر آن کرنے جا رہی ہوں، مجھے وقت بتاؤ۔"

"ویسے تو وقت بُرا ہی آ لگا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن نصف گھنٹا رکھو تو بہتر ہو گا۔ ہم نہ صرف دھماکے کی زد سے باہر نکل جائیں گے بلکہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل بھی ہو سکیں گے۔"

اس نے زبان سے کچھ کہے بغیر قہر بار نظروں سے مجھے گھورا اور پھر ٹائم بم کا ٹائمر آن کر کے اسے اپنی تلاش کی ہوئی جگہ پر رکھ دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ میری طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"آؤ۔ اب ہم یہاں رمبا سمبا ناچنا شروع کر دیں تاکہ تمھارے ابا کی روح بلبلاتی ہوئی ہمارے سروں پر سایہ فگن ہو جائے یا ہم خود بھی تمھارے ابا کے بنائے ہوئے اس جہنم میں جل کر خاک ہو جائیں۔" میں نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"تمھارا دماغ درست ہے؟" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ "ٹائمر چل پڑا ہے اور اب بم پھٹنے سے پہلے اسے کسی طرح روکا نہیں جا سکتا۔ یوں ہی بیٹھے ہذیان بکتے رہے تو واقعی جہنم واصل ہو جاؤ گے۔"

"میں جہنم واصل نہ ہو سکوں گا۔" میں نے اسلحے کی ایک پیٹی کا سہارا لے کر خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "وہاں گیا تو جہنم کے باسی گمراہ ہو جائیں گے۔ غزالہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد میرے لیے زندگی میں کوئی کشش باقی نہیں رہ گئی ہے۔" اسی کے ساتھ میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر بے آواز پستول کی نال فضا میں بلند کر لی۔

"اوہ!" وہ غصے میں دانت پیستے ہوئے بولی۔ "تو اب تم مجھے دھمکانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"یہ تمھارا اپنا خیال ہے۔" میں نے اس کے تبصرے کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے پستول اپنی گود میں ڈال لیا۔ "غزالہ کی بازیابی یا اس تک رسائی کے بارے میں کوئی فیصلہ کر کے ہی ہم یہاں سے جا سکیں گے۔"

"ورنہ نہیں؟" اس نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

"یہ تمھارا اندازہ ہو سکتا ہے، میرا ارادہ نہیں۔" میں نے

بے پروائی سے شانے اچکا کر کہا۔
"تم اپنی یادوں کی چتا میں اکیلے ہی جلتے رہو، میں تو جا رہی ہوں۔"
"نہ میں یہاں اکیلا آیا تھا، نہ اکیلا جاؤں گا۔" میری آواز سنتے ہی وہ دوبارہ میری طرف گھوم گئی۔ "راستہ تمہارے فرشتے بھی نہ کھول سکیں گے۔"
"آخر اب تم کیا چاہ رہے ہو؟" اس نے زچ آ کر جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے پروگرام سے واقفیت کے علاوہ اور کیا چاہوں گا؟" میں نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔
"میرا پروگرام واضح ہے۔" وہ غصّے اور بے بسی کے ساتھ بولی۔ "مجھے ڈان مرسیالو تک پہنچنا ہے تاکہ پتا چلا سکوں کہ وہی میرا باپ جمی لائیڈ ہے یا نہیں، بعد کا راستہ حالات پر منحصر ہوگا۔"
"یہ تو سیدھا سادا دُہری شخصیت کا کھیل ہے۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "وہ جمی لائیڈ کے نام سے معاشرے میں عزت و احترام کی زندگی گزارتا ہے اور ڈان مرسیالو کے روپ میں بدترین مجرم ہے۔ اس کے انداز بالکل مافیا والوں جیسے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ وہ خود بھی مافیا کے سرکردہ لوگوں میں شمار ہوتا ہو۔ لیکن یہ سب تمہاری رام کہانی ہے، اس میں عزالہ کا ذکر کہیں نہیں تھا۔"

"تم وقت برباد کر رہے ہو۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بے چینی کے ساتھ بولی۔ "تین منٹ سے زائد گزر چکے ہیں۔ یوں ہی اُلجھتے رہے تو تیس منٹ بھی بے خبری میں گزر جائیں گے۔"
"عزالہ کی بات کرو اچھی لڑکی۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "فورک لفٹ پر سوار ہو کر ہم بہت جلدی سُرنگ کے دہانے تک پہنچ سکتے ہیں۔ تیس منٹ کا وقفہ میں نے سوچ سمجھ کر ہی تجویز کیا تھا۔"
"تم میرے ساتھ چل سکتے ہو، چاہو تو ہم لاہور سے براہِ راست لندن روانہ ہو سکتے ہیں، تمہیں عزالہ تک پہنچا کر میں واپس روم آ جاؤں گی۔ اس سے زیادہ کیا چاہتے ہو؟"
"یہاں سے براہِ راست روانگی تو ممکن نہ ہوگی۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر فورک لفٹ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس پاسپورٹ تو درکنار شناختی کارڈ بھی نہیں رہا ہے، گھر کے ساتھ سب ہی کچھ آگ کی نذر ہو گیا تھا۔"
"فکر نہ کرو۔" انجن اسٹارٹ ہوتے ہی اُس نے فورک پر کھڑے ہو کر کہا۔ "سفری دستاویزات کا میرا ذمہ، دو گھنٹے میں

تمام کاغذات تمہارے ہاتھ میں موجود ہوں گے۔"
"ایسی دُم سے میں لنڈورا ہی بھلا۔" میں نے استہزائیہ [illegible] میں کہا۔ "یہاں سے تو شاید نکل بھی جاؤں، ہیتھرو پر جعلی کا[illegible] پکڑے جائیں گے۔ میں جیل چلا جاؤں گا اور تمہاری جان چھ[illegible] جائے گی۔ سنا ہے کچھ عرصے بعد تو وہاں بھی ویزا کے بغیر دا[illegible] نہیں رہے گا۔۔۔ اس معاملے کو میں خود سرانجام دوں گا۔"
"کاغذات سب اصل ہوں گے۔" وہ ہنسنے لگی۔ [illegible] کہ تم لوگ اپنے بڑی مالیت کے نوٹوں پر اپنے کسی بڑے [illegible] کی تصویر چھاپتے ہو جس کا پورا پورا احترام کیا جاتا ہے۔ تصو[illegible] ہی نہ ہونے والے کام بھی چٹکی بجاتے ہو جاتے ہیں۔"
"تمہارے ہی سکھائے ہوئے ہیں ہم بھی۔" میں [illegible] کے تبصرے کی چبھن محسوس کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہ[illegible] "کچھ تم لوگ اپنی ملک کے ساتھ کر رہے ہو، ہم تو اپنے بزرگو[illegible] ساتھ اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں کرتے۔"
وہ تو خاموش ہوگئی لیکن اس لمحے میرا دل خاصا افسرد[illegible] رشوت ایک ناسور بن کر پورے معاشرے کی رگوں میں [illegible] تھی۔ کوئی لینے والا تھا تو کوئی دینے والا۔ سب شب و ر[illegible] کی خریداری کے المناک روگ میں مبتلا تھے۔ شرم و حیا [illegible] تک مٹ چکی تھی کہ لینے والے اجنبیوں کی پروا کیے بغ[illegible] سے اونچی آوازوں میں سودے کرتے تھے کیوں کہ احتسا[illegible] اور بازپرس کا خوف عنقا ہو چکا تھا۔ کالا دھن جیبوں میں [illegible] جس بازار میں چلے جائیں کوئی پوچھنے والا نہیں تھا کہ بھائی [illegible] کروڑوں کس مد میں حاصل ہوتے اور جو چاہیں خرید سکتے [illegible] صورتِ حال کے پیشِ نظر میرے ذہن میں بس یہی خیال آ[illegible] رشوت پھل پھول رہی تھی، تباہی کے اس ٹائم بم کا ٹائم[illegible] تھا اگر کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کتنی مدت کے لیے سیٹ [illegible] کیا گیا ہے اور اسی بے خبری میں کسی دن اچانک ایک [illegible] دھماکا ہونے والا تھا۔ جب مانگنے والوں کی شرحیں دینے [illegible] کی بساط سے بڑھ جاتیں تو تباہی کا ایک مہیب ریلا اٹھ[illegible] میں آنے والی ہر رکاوٹ کو خس و خاشاک کی طرح بہالے [illegible]
فورک لفٹ سُرنگ کے ڈھلوان فرش پر د[illegible] طرف بڑھتی رہی اور میں بنتِ فرنگ کے الفاظ کی لگائی [illegible] آگ میں اندر ہی اندر سلگتا رہا۔ ہیروئین، ناجائز اسلحہ اور [illegible]
ان تینوں میں کون سا زہر زیادہ مہلک تھا؟ [illegible]
ہیروئن جو خریدتا ہے وہی پیتا اور پھر گھٹ گھٹ کی طر[illegible] سسک کر مرتا ہے۔ کروڑوں کی آبادی میں ایسے دیوانو[illegible] تعداد چند لاکھ سے زیادہ نہیں تھی۔ آخر بڑھ رہا تھا۔ [illegible]

ہو رہا تھا۔ خفیہ اڈوں اور کمین گاہوں سے نکل کر یہ فسوں خیز مگر ہلاکت آفریں سفوف گلی کوچوں اور گھروں کے آنگن تک اُترتا پھر رہا تھا مگر پھر بھی اس آفت کے ماروں کی تعداد کم تھی اور وہ معاشرے میں قابلِ ملامت تھے۔

اور اسلحہ؟ تو اس کی خریداری ہر ایک کی بساط سے باہر تھی۔ نصف لاکھ کے آس پاس بکنے والی کلاشنکوف دس دس ہزار میں تقریباً سرِ عام بک رہی تھی لیکن بہت کم لوگوں کے قبضے میں تھی۔ جو لیتے تھے وہ معاشرے میں چور، ڈاکو، قزاق اور دہشت گرد سمجھے جاتے تھے۔ ملامت اُن کا مقدر بن جاتی تھی تو قانون اُن کا کھلا دشمن تھا۔ چار بچ نکلتے تو دس مارے جاتے اور بیس جیلوں میں سڑ جاتے تھے اور ان کی تعداد بھی کم تھی۔ آبادی کے ایک فی صد سے بھی بہت کم۔

مگر رشوت۔ اس کے آزار سے تو بس وہی محفوظ تھے جو عہدِ جدید کے انتظامی طور طریقوں سے دوچار ہوئے بغیر، کسی سائنسی سہولت کے بغیر امدادِ باہمی کے اصول پر ویرانوں میں رہ رہے تھے اور ایسے خوش نصیبوں کا شمار نہ ہونے کے برابر تھا۔ جو جدید تمدن سے بہرہ ور ہونے پر مجبور تھے انھیں معیار اور آسائشوں کے حصول کی اندھی دوڑ نے رشوت کے جہنم میں جھونکا ہوا تھا۔ ذلت اور صفات کے صدیوں پرانے شناختی رویّے فراموش کر دیے گئے تھے اور صرف پیسہ ذلت بن کر رہ گیا تھا۔ بڑا گھر، بڑی گاڑیاں اور چند دوسرے لوازمات انسان کو معزز قرار دلوا رہے تھے۔ اس مقابلے میں ہر کوئی ابو الہول کے مجسمے کی کھوپڑی پر چڑھنے کی فکر میں سرگرداں تھا کہ وہاں سے نیچے ناچتے اور اچھلتے ہوئے ہم نفس بونے نظر آئیں اور بدنصیبی یہ تھی کہ پیسے کو معاشرے کی اکلوتی قدر کے طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ پیسہ ہر عیب چھپا لیتا تھا۔ یہ دیکھنا لازمی نہیں رہا تھا کہ اس کا منبع کیا ہے۔ ہیروئن کی تجارت اور ناجائز اسلحے کا بیوپار بھی ایک طرح سے رشوت ہی کا مرہونِ منت تھا۔ چھوٹے یا بڑے کسی مرحلے پر کسی اہل کار کی مٹھی گرم کیے بغیر یہ بربادیاں ملک کی ہزاروں میل لمبی شاہراہوں پر سفر نہیں کر سکتی تھیں۔ رشوت اصل خرابی کا سرچشمہ تھی اور جب انسان بُرائی کو بُرائی نہ سمجھے، عیب کو وصف سمجھا جانے لگے تو وہ روند ڈالے جانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ کے بارے میں خیالات کی یہ رو یک بیک اتنی شدت اختیار کر گئی کہ مجھے خود پر غصہ آنے لگا۔ میں ملا وجرمی لائیڈ، اس کی تنظیم اور لائیڈز کارٹل کے پیچھے اپنا وقت برباد کر رہا تھا۔ اصل جنگ تو رشوت کے خلاف لڑنا چاہیے تھی۔ اس کی بیخ کنی ہوتے ہی بے شمار چھوٹی بڑی خامیوں کا خود بخود صفایا ہو سکتا تھا۔

ویرا کی ہلکی سی چیخ نے مجھے چونکا دیا۔ "رفتار کم کرو۔ جھٹکے سے نیچے گری تو پہیئے میں دب کر رہ جاؤں گی۔"

میں نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ فورک لفٹ کی رفتار کم کر دی۔ کیوں کہ فورک پر کھڑی ہوئی ویرا کے لیے خود کو سنبھالے رکھنا دشوار ہو رہا تھا۔ اپنے معاشرے کے سُدھار کے بارے میں سوچتے ہوئے سارا ذہنی جوش غالباً غیر ارادی طور پر دل سے پاؤں پر منتقل ہوتا رہا تھا اور رفتار خاصی بڑھ گئی تھی۔

پھر سامنے دیوار آ گئی۔ سرنگ کو مسدود کرنے والی دیوار نے میرے ذہن سے پردہ کھسکا دیا۔ دیوار کے ہٹائے جانے تک میں ویرا سمیت اس سرنگ کا قیدی تھا جو کچھ دیر بعد خوف ناک بارودی دھماکوں کے ساتھ برباد ہونے والی تھی۔ اسی طرح ہم سب حالات کے قیدی تھے۔ اپنے اپنے گرد رونما ہونے والے واقعات کے حصار میں گھرے ہوئے تھے اور اس سے باہر کچھ کر گزرنا ہر ایک کے بس سے باہر تھا۔ میری زندگی کا بڑا حصہ جرائم کی آبیاری میں گزر رہا تھا اور میرا واسطہ مجرموں کے گروہ سے رہا تھا لیکن کبھی کسی راشی سے میرا واسطہ نہیں پڑا تھا اس لیے میری ساری مہم کا زور ان مجرموں پر مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔ اگر ویرا اپنے ایک لطیف سے طنز کے ذریعے مجھے اپنی سرزمین پر پیسے کے غلط بلکہ مجرمانہ استعمال کا احساس نہ دلاتی تو شاید میں سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ رشوت ہمارے لیے کس قدر مہیب عفریت کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔

راشی میری نگاہوں سے اوجھل تھے لیکن مجرموں سے میں خوب واقف تھا للہٰذا بہتر یہی تھا کہ میں نئے امکانات کی تلاش میں اپنی توانائیاں برباد کرنے کے بجائے اسی راہ پر لگا رہوں۔

یہ فیصلہ کرتا ہوا میں انجن بند کر کے فورک لفٹ پر سے اُتر آیا۔ ہیڈ لیمپس میں نے روشن چھوڑ دیے تھے کیوں کہ وہاں تاریکی تھی۔

"فورک لفٹ ڈرائیو کرتے ہوئے کیا سوچ رہے تھے؟" ویرا نے بغور میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے سر جھٹک کر کہا۔ "مقدرات پر غور کر رہا تھا کہ یہ کتنے اٹل ہوتے ہیں۔"

"مجھے تو شبہ ہے کہ تم کسی نئی چال پر غور کر رہے تھے۔" اس کا لہجہ شکوک سے لبریز تھا۔

"چال کس سے چلوں گا؟" میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "عزالہ کو اغوا کر کے تم نے شروع ہی سے میری چال بگاڑ رکھی ہے۔ اس کی بازیابی تک تمھیں میری ذات سے کوئی فکر لاحق

نہیں ہونا چاہیے۔" اسے جواب دے کر میں اس خفیہ میکنیزم کی طرف بڑھ گیا جس کی مدد سے سامنے رکاوٹ بنی ہوئی دیوار کو زمین دوز کیا جا سکتا تھا۔

"گیارہ منٹ گزر چکے ہیں۔" ویرا خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی مگر میں اس پر توجہ دیے بغیر اپنے کام میں مشغول رہا اور آخر کار سامنے والی دیوار اور سرنگ کی چھت کے درمیان پوری چوڑائی میں جھری نمودار ہو گئی جو بتدریج بڑھتی جا رہی تھی پھر اس خلا میں سے تاروں بھرا نیلا آسمان نظر آنے لگا۔

دیوار نیچے دھنستی رہی اور میں ویرا کے ہمراہ اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ اس سرنگ میں گھٹن بالکل بھی نہیں تھی لیکن بڑھتی ہوئی جھری میں سے آنے والے تازہ ہوا کے خنک جھونکوں میں کچھ عجیب ہی سا سرور تھا۔

پھر جوں ہی دھنستی ہوئی دیوار ہمارے چہروں کے سامنے سے گزری اچانک وہ ہوا جس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ ہماری پوزیشن ایسی خطرناک تھی کہ ہم اپنے عقب سے آنے والی، فورک لفٹ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں باہر جنگل میں چھپے ہوئے کسی بھی دشمن کے لیے سہل ترین نشانے پر تھے۔

گھنے اور تاریک جنگل سے اچانک ایک ٹامی گن چند سیکنڈ کے لیے گنگنائی اور تڑاتڑ گولیاں برس پڑیں۔ غنیمت یہ ہوا کہ فائر کرنے والے کی ٹامی گن کی نال شاید قدرے نیچے جھکی ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے گولیوں کی باڑھ دھنسی ہوئی دیوار کی بیرونی سطح پر پڑی اور ہم دونوں بال بال بچ گئے ورنہ گولیوں سے ادھڑ کر چہرے مسخ ہو گئے ہوتے۔

ویرا کا ردِ عمل مجھ سے مختلف نہیں تھا۔ ٹامی گن کے بیدار ہونے کی پہلی آواز سنتے ہی ہم دونوں دیوار کی اوٹ میں پختہ فرش پر گرے تھے اور لڑھکتے ہوئے فورک لفٹ کی طرف بڑھے تھے۔ میرے اٹھنے سے قبل ویرا نے فورک لفٹ کے ہیڈ لیمپس کا سوئچ آف کر دیا۔ اس طرح ہم بھی اپنے حریفوں کی طرح تاریکی میں آ گئے تھے۔ فرق بس اتنا تھا کہ دشمن باہر کھلے جنگل میں روپوش تھا اور ہم سرنگ کے محدود دہانے سے گزرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ دیوار کو حرکت میں لانے والے میکنیزم سے میرے ہاتھ کا دباؤ ختم ہونے کے باوجود دیوار بدستور نیچے جا رہی تھی جب کہ باہر جھونپڑی والے کنٹرول پر میں تجربہ کر چکا تھا کہ میکنیزم سے دباؤ ہٹتے ہی دیوار دوبارہ اوپر اٹھنا شروع ہو جاتی تھی۔

آخری بار ویرا نے اطلاع دی تھی کہ بم کا ٹائمر آن کیے گیارہ منٹ گزر چکے تھے۔ باہر اندھیرے میں نامعلوم مسلح دشمن موجود تھا اور اندر جہنم کی آگ جو کچھ ہی دیر بعد ہر طرف تباہی و بربادی اور موت کی بارودی گھٹائیں پھیلانے والی تھی۔ میرے لیے وہ لمحات بڑے جاں گسل اور اذیت ناک تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ باہر سے گولیاں چلانے والے کون تھے اور ان سے کس صورت سے نمٹا جائے۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں، تنفس کی رفتار بڑھ گئی تھی اور دورانِ خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں مار رہا تھا۔ سات ساڑھے سات منٹوں سے گزرنے کے بعد آزادی کی راہ سرنگ کے دہانے کی صورت میں نظر آئی تو وہاں اندھیرے میں موت منتظر تھی۔

چند ثانیے بھیانک سکوت کے عالم میں گزر گئے۔ دونوں طرف مہیب خاموشی طاری تھی جیسے کسی بڑے طوفان سے پہلے ہر طرف سوگوار سناٹا پھیل جاتا ہے۔ مجھے اپنے اور ویرا کے سانسوں تک کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

پھر اس کی سرگوشیانہ آواز میرے کانوں میں سرسرائی۔ "اب تم خاموش رہنا، میں صورتِ حال کو سنبھالنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

وہ دیکھ بھی نہ سکی ہو گی لیکن میں گھور اندھیرے میں غیر ارادی طور پر اپنا سر اثبات میں ہلا کر رہ گیا۔

ایک بار پھر فضا پر وہی اعصاب کو ریزہ ریزہ کرنے والا سناٹا چھا گیا لیکن وہ زیادہ طویل نہ ہو سکا۔ اس بار ویرا کی سرد اور للکارتی ہوئی آواز پورے آہنگ سے گونجی تھی۔ "ہُو از دیئر؟"

اس کی آواز میں بلا کا تحکم اور اعتماد تھا۔ لہجے میں نہ جانے کیا خاص بات تھی کہ مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ وہی ویرا لائیڈ ہے جو چند منٹ قبل میری بے رحمانہ بحث سے زچ آ کر بے بسی میں مبتلا ہو گئی تھی۔

"واچ ڈاگز!" باہر سے آنے والی بھاری اور پُرسکون آواز سن کر میں حیرت سے اچھل پڑا کیوں کہ وہ آواز سرنگ کے کھلے ہوئے دہانے کے بالکل قریب داہنی سمت سے گونجی تھی۔

بولنے والے نے نگہبانی کے کتوں کا اجتماعی صیغہ استعمال کر کے یہ جتا دیا تھا کہ باہر وہ تنہا نہیں تھا پھر وہ لوگ اندھیرے اور جمود کا فائدہ اٹھا کر بے آواز قدموں کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے شاید سرنگ کے دہانے کے دونوں سروں پر اس طرح آ جمے تھے کہ ان کے خودکار بارودی ہتھیاروں سے بچ کر باہر نکلنا ہمارے لیے ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ اگر وہ جارحانہ انداز اختیار کر کے دہانے پر جم کر اندر کی طرف اندھا دھند گولیاں ہی برسانے پر اتر آتے تو وہاں کھڑے ہوئے بے جان فورک لفٹ کے علاوہ ہمارے لیے کوئی آڑ یا رکاوٹ نہیں تھی اور ہم بھی بآسانی زیر کیے جا سکتے تھے۔

"اب تک کہاں مرے ہوئے تھے؟" ویرا کے حلق سے غصے میں ڈوبی ہوئی بےساختہ غراہٹ سن کر میں دل ہی دل میں اس کی شاندار صداکاری کا معترف ہوگیا۔ وہ اُن سے یوں مخاطب ہوئی تھی جیسے انھیں اپنا ادنیٰ محکوم سمجھتی ہو اور ان کی آتش بازی سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئی ہو۔

"تم کون ہو؟" اس بار باہر سے آنے والی بھاری آواز میں تردد کے آثار واضح تھے۔

"شوگر کوئین سے سوال کرتے ہو؟" اس بار ویرا کی آواز قہربار ہوگئی تھی۔ "مردار جانوروں کی طرح اپنے فرائض سے منہ موڑ کر جنگل میں کہیں چھپے عیاشی کر رہے تھے اور اب سر چڑھنے کی کوشش کر رہے ہو؟"

ویرا کا حربہ کارگر رہا۔ اس بار باہر والا مرعوب ہوگیا اور جب وہ بولا تو اس کا لہجہ خوشامدانہ تھا۔ "ہم تھوڑی ہی دیر پہلے ڈیوٹی پر آئے ہیں۔ یہاں نو سے نو دو شفٹوں میں باری باری دو گروپ ڈیوٹی دیتے ہیں۔ آج میرے اور میرے ساتھی کی رات کی ڈیوٹی تھی لیکن قرب وجوار میں بھٹکنے کے باوجود اُن کا سراغ نہیں ملا۔"

معاً مجھے خیال آیا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ دونوں چوکیدار پچھلی رات ڈھلنے کے بعد صبح صادق سے ذرا پہلے میرے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ اگر بارہ بارہ گھنٹے کی ڈیوٹی کا فلسفہ درست تسلیم کرلیا جاتا تو مزید بارہ گھنٹے گزرنے سے پہلے صبح آنے والوں کو ان کی گم شدگی کا اندازہ ہوجانا چاہیے تھا۔

ویرا نے بھی فوراً یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کیوں کہ اس کی سخت آواز سنائی دی تھی۔ "تم جھوٹے ہو، میں صبح چھ بجے سے یہاں ہوں۔ تمھارے کہنے کے مطابق اُس وقت تمھاری ڈیوٹی ہونا چاہیے تھی، میں تو صبح سے ساتویں بار باہر آنے والی تھی، ہر بار مجھے سناٹا ہی نظر آیا تھا۔"

"ہفتے کو وہ دونوں چوبیس گھنٹے ڈیوٹی دیتے ہیں۔ اتوار کو ہم چوبیس گھنٹے پورے کرتے۔ آج ہمارا آف تھا۔ چھٹی گزار کر ڈیوٹی پر آئے ہیں لیکن وہ نہ جانے کہاں غائب ہیں۔" اُس کی آواز تردد آمیز ہوگئی تھی۔ میں نے اندھیرے میں نظریں جما کر محسوس کیا کہ بظاہر ویرا سے مرعوب ہوجانے کے باوجود ان دونوں میں سے کوئی آڑ میں سے نہیں نکلا تھا۔

"اور اس ویرانے میں تمھیں کون چھوڑ گیا ہے؟" ویرا کی آواز گونجی تھی۔

"ہم سب ہی یہاں تک رسائی کے لیے موٹر بائیک استعمال کرتے ہیں۔"

"لیکن مجھے تو ایسی کوئی سواری بھی یہاں نظر نہیں آئی۔" ویرا کا لہجہ بدستور درشت رہا تھا۔

"جس بائیک سے ہم آئے ہیں، چھٹی کرنے والے اسی پر واپس چلے جاتے، وہ لوٹتے تو بائیک ہمارے استعمال میں آجاتی۔ اسے یہاں چھوڑا نہیں جاتا۔ وہ باری باری ہمارے پاس رہتی ہے۔"

"سامنے آؤ۔" ویرا نے تحکم آمیز لہجے میں کہا اور فوراً ہی فورک لفٹ کے ہیڈ لیمپس روشن کردیے۔

مقامیوں کی وضع کے لباس میں ملبوس دو قوی ہیکل افراد کھلے ہوئے دہانے کے اطراف سے نکل کر روشنی میں آ گئے۔ ان کے بشروں کی ساخت سے ہی درندگی ٹپک رہی تھی۔ ان کے کندھوں سے ان کی ٹامی گنیں جھول رہی تھیں۔ شاید وہ پوری طرح ویرا لائیڈ کی آواز کے تحکم کا شکار ہوچکے تھے ورنہ یوں نہتے ہوکر اپنی کمین گاہوں سے سامنے نہ آئے ہوتے۔ مجھے اپنے سر سے ایک بڑا بوجھ سا اُترتا ہوا محسوس ہوا۔

اسی لمحے ویرا بھی اپنی جگہ چھوڑ کر ان کے سامنے روشنی میں چلی گئی۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی ان دونوں کے چہروں پر سراسیمگی نظر آئی تھی کیوں کہ ویرا نے میری بےخبری میں اپنے چہرے پر سیاہ نقاب دوبارہ منڈھ لی تھی اور اب وہ سرتاپا سیاہ پوش نظر آرہی تھی اور اس کے داہنے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔ جس کا رُخ ان دونوں کی جانب تھا۔

"مم... میں سمجھا نہیں مادام!" ان میں سے مونچھوں والے نے خوف زدہ لہجے میں ہکلاتے ہوئے زبان کھولی تو اس کی آواز سنتے ہی اندازہ ہوگیا کہ شروع سے وہی بات کرتا رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں ویرا کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول پر مرکوز تھیں۔

"مجھے تمھاری کہانی پر یقین نہیں آسکا۔" ویرا نے سرد، تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "اندر سے نکلنے والوں پر تمھیں گولی چلانے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"ہم مجبور تھے، ہمیں اجنبی لوگوں کو دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکم ملا ہوا ہے۔" اُس نے بےبسی کے ساتھ کہا۔ "پھر بھی ہم نے نشانہ لینے کے بجائے صرف خوف زدہ کرنے کے لیے دیوار کی جڑ میں فائر کیے تھے۔ ان دونوں کی گمشدگی نے ہمیں حواس باختہ کر کے رکھ دیا تھا۔ پیچھے سے روشنی آنے کے باعث ہم صرف اتنا دیکھ سکے تھے کہ دیوار کے پیچھے ایک مرد اور ایک عورت ہے جب کہ ہمارے دونوں ساتھی مرد تھے۔ ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ مادام اچانک خود ہی یہاں آموجود ہوں گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمھارا تعلق فورس نائن سے ہے؟" اس

بارود یرا کی آواز پُرخیال تھی۔

"یس مادام! ہنری ہمارا یونٹ کمانڈر ہے۔ اُسے بُلا کر ہمارے ایک ایک لفظ کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔" اس نے احترام اور مستعدی کے ساتھ جواب دیا۔ "وہ اندر ہی موجود ہو گا۔"

"اندر کوئی نہیں ہے۔" ویرا غصیلے لہجے میں پھر بھڑک اُٹھی۔ "سب نہ جانے کہاں جا مرے ہیں۔ صبح سے اب تک بس تم دونوں کی صورتیں نظر آئی ہیں جیسے سب فرار ہو گئے ہوں۔"

مونچھوں والے کے چہرے پر کرب آمیز تشویش کے آثار پھیل گئے۔ "یہ تو بہت بُری خبر ہے... باہر والوں کو بہت سے خطرات پیش آسکتے ہیں مگر ہنری کہاں گیا؟ اسے تو کسی بھی صورت میں یہاں سے نہیں ہلنا چاہیے تھا۔ ہر رپورٹ اُسی کو دی جاتی ہے اور وہی ہدایات جاری کرتا ہے۔" بولتے بولتے وہ کسی خیال کے تحت چونک پڑا۔ "ایسا تو نہیں کہ کوئی غیر اندر گھسنے میں کامیاب ہو گیا ہو؟"

میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ دونوں قابو میں آگئے تھے اور اچانک پیدا ہونے والا مہیب خطرہ ٹل چکا تھا۔ میری دانست میں ویرا کی وہ جرح بالکل بے سود اور وقت کی بربادی کے مترادف تھی۔ وقت تیزی کے ساتھ گزر رہا تھا اور کسی بھی لمحے دھماکوں کے ہولناک سلسلے کا آغاز ہوسکتا تھا۔

"وقت گزر رہا ہے۔" مجبور ہو کر میں نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہو گا کہ ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ فوری طور پر کر گزریں۔"

شوگر کوئین سے میرے طرزِ تخاطب پر وہ چونکے ضرور تھے لیکن میری گفتگو کا صحیح مفہوم ان کے پلے نہیں پڑ سکا تھا نہ ہی وہ یہ دیکھ سکے تھے کہ میں فورک لفٹ کے عقب میں فاضل ٹامی گن سنبھال چکا تھا۔ وہ میری موجودگی سے لاعلم نہیں تھے۔ لیکن اُن کی آنکھوں پر براہِ راست ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی پڑ رہی تھی جبکہ میں روشنیوں کے عقب میں تاریکی میں تھا۔

لائیڈز کارٹج کے تہ خانے میں موجود اسلحے کے انبار میں سے میں نے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے بڑے بور کے ایک پستول اور چند دستی بموں کا ہی انتخاب کیا تھا لیکن غیر ارادی طور پر بلاشبہ چھٹی حس کے لاشعوری اشارے پر ایک ٹامی گن لوڈ کیے ہوئے میگزین سمیت فورک لفٹ میں ڈال لایا تھا اور ارادہ تھا کہ اُسے یوں ہی پڑا ہوا چھوڑ کر ہم دونوں واپس لوٹ جائیں گے لیکن اب اس کے استعمال کا موقع آگیا تھا۔ سامنے کھڑے ہوئے دونوں افراد کے شانوں پر ٹامی گنیں موجود تھیں اور اگر پستول پر انحصار کیا جاتا تو نشانہ درست ہونے کی صورت میں بھی جتنی دیر میں ایک کو موت کے گھاٹ اتار کر دوسرے کا نشانہ لیا جاتا، وہ مدافعت کی حیوانی جبلّت کے زیرِ اثر بھڑک کر کوئی ایسا قدم اٹھا سکتا تھا کہ بنی بنائی صورتِ حال بگڑ سکتی تھی۔

"یہ دونوں گدھے ہیں۔" وہ اُن پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر بولی۔ "اب اِن کا مسئلہ تم ہی حل کر دو۔"

میں اپنی جگہ تیار تھا۔ ویرا سے اشارہ ملتے ہی میں نے پوزیشن لی اور مختصر سے برسٹ میں ہی ان دونوں کے بدن چھلنی ہو کر خون کی دھاریں اڑاتے فرش پر ڈھیر ہو گئے۔

گن خاموش ہو گئی لیکن سرنگ میں اس کی بازگشت کئی ثانیوں تک گونجتی رہی۔ ان دونوں پر میرا وار اس قدر کارگر رہا تھا کہ دہشت اور بے یقینی میں ڈوبی ہوئی پہلی چیخ کے بعد ساکت ہونے تک ان کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔

چوبیس گھنٹے سے بھی کم مدت میں میرے ہاتھ سے تنظیم کے نو اہم کارندے موت کے گھاٹ اُتر چکے تھے۔ برسوں کی بے خوف زندگی میں میں نے کبھی دیکھا یا سُنا تک نہیں تھا کہ کسی فردِ واحد نے کسی بھی جذبے کے تحت مختصر مدت میں اتنے بڑے پیمانے پر خون ریزی کی ہو۔ میرے ہاتھوں فنا ہونے والے سارے ہی افراد بدترین قانون شکن اور پیشہ ور مجرم تھے لیکن تھے وہ سب انسان ہی۔

مجھے یک بیک اپنے اعصاب پر تکان سی چڑھتی محسوس ہونے لگی۔

ویرا نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں میرا ہاتھ تھام کر مجھے سُرنگ کے دہانے کی طرف کھینچتے ہوئے بولی۔ "جلدی بھاگو، صرف چار منٹ رہ گئے ہیں..."

میں مشینی انداز میں اس کے ساتھ ہولیا ورنہ نو انسانی جانوں کا خیال آتے ہی میں بے حد مضمحل ہو گیا تھا اور اس بے تکان خون ریزی کا احساس مجبور کر رہا تھا کہ میں خود بھی اسی زیرِ زمین بھول بھلیوں کے کسی کونے میں بیٹھا رہ جاؤں اور ان نو لاشوں کے ساتھ خود بھی بارودی دھماکوں کے سائے میں زندگی کے بکھیڑوں سے نجات پالوں۔

سُرنگ کے دہانے سے باہر قدم رکھتے ہی بدن کو تازہ اور خنک ہوا کے تھپیڑے لگتے ہی میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ اس لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں سوتے سوتے یک بیک جاگ پڑا ہوں۔ چند ثانیوں کے لیے طاری ہونے والی اس تنویمی کیفیت میں میں خود کشی کا ارادہ کر بیٹھا تھا، یہ خیال ہی مجھے لرزا دینے کے لیے کافی تھا۔

اگر ویرا اس ہمارے وقت میرے ساتھ نہ
ہوتی اور اس نازک موڑ پر نہ جھنجوڑتی تو شاید میں اپنے دل و دماغ
پر گرتی ہوئی مایوسی کی اس برف میں وہیں منجمد رہ جاتا اور پھر بارود
کے دھماکے مجھے بھی فنا کی وادیوں میں بکھیر دیتے۔
اس وقت میں فرار اور دھماکے کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔
ذہن پر بس یہی ایک ملامت سوار تھی کہ میرے ذہن میں خودکشی
جیسے شرمناک فعل کا تصور کیوں پیدا ہوا؟ کیا میں زندگی بلکہ بہتر
زندگی سے بالکل مایوس ہو بیٹھا تھا؟
ویرا نے مجھے تقریباً گھسیٹتے اور خود دوڑتے ہوئے وہ
مسافت طے کی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔
مجھے برا بھلا اور سخت سست کہتے ہوئے اُس نے بجیرو کے
ڈرائیونگ سیٹ پر دھکیلنا چاہا، لیکن میں نے چابی اس کی طرف
بڑھا دی۔

"تم ڈرائیو کرو، میں تھک گیا ہوں۔" میں نے کمزور لہجے
میں کہا۔

"پتا نہیں، کیا ہو جاتا ہے تمہیں۔" وہ بھنا کر غصیلے لہجے میں
بولی۔ "ابھی اچھے خاصے تھے، اب معلوم ہو رہا ہے کہ نقاہت سے
مرے جا رہے ہو۔ تم نے تو اس وقت حاملہ عورتوں کو بھی مات
کر دیا ہے۔"

"حاملہ عورتوں پر ایک دو جانوں کا بوجھ ہوتا ہے ویرا! میں
نوجوانوں کا بوجھ لیے پھر رہا ہوں۔" میں نے بجیرو کی پسنجر سیٹ سنبھال
کر سلمندانہ انداز میں پشتگاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔
"اوہ! تو مار کر مرے جا رہے ہو!" وہ سیلف لگاتے ہوئے
مذاق اڑانے کے انداز میں بولی۔ "تم کو تو کسی کلیسا میں ہونا چاہیے
تھا فادر ڈینی! تم اس دھول دھپے میں کہاں آن پھنسے؟"
"بکواس بند کرو، اُلو کی پٹھی!" میں اچانک ہی آپے سے
باہر ہو گیا۔ میری غراتی ہوئی آواز اور پھر طرزِ تخاطب پر وہ ششدر
رہ گئی۔ اس نے میری طرف سر گھمایا۔ اس کے چہرے پر بدستور سیاہ
غلاف منڈھا ہوا تھا اس لیے میں اُس کے چہرے کے تاثرات
تو نہ دیکھ سکا لیکن یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ وہ میرے جواب پر ہکا بکا
رہ گئی تھی۔

●

پہلا دھماکا بہت موہوم سا تھا۔ آواز سنائی دی تھی لیکن
ارتعاش مفقود تھا۔
ویرا اس جنگل سے نکاسی کے لیے کچی زمین پر گاڑیوں کے
ٹائروں کے نشانات دیکھتے ہوئے پوری احتیاط کے ساتھ بجیرو
ڈرائیو کر رہی تھی کیوں کہ ان اطراف میں بہتیرے ذیلی راستے بھی
نظر آ رہے تھے جن پر سے گاڑیاں گزر سکتی تھیں لیکن ان پر کسی قسم
کے نمایاں نشانات نہیں تھے، نہ یہ اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ کتنی
دور جا کر مسدود ہو گئے ہوں گے۔
میرے وجود پر کچھ عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ آنکھیں
پھاڑ پھاڑ کر ادھر اُدھر دیکھنے کی کوششوں کے باوجود ذہن پر
غنودگی سی چھائی چلی جا رہی تھی۔ اگر ذہن پر خطرناک صورت حال
کا احساس حاوی نہ ہوتا تو شاید میں نشست سنبھالتے ہی انٹا غفیل
ہو گیا ہوتا۔ وجود میں میٹھی میٹھی گدگدیاں ہو رہی تھیں اور ذہن سو
جانے پر تلا ہوا تھا۔
لیکن پہلے دھماکے کی دم توڑتی ہوئی آواز کے ساتھ دوسرا
دھماکا بہت بھیانک تھا۔ یوں معلوم ہوا جیسے کسی دیو ہیکل
عفریت نے بجیرو کو کھلونے کی طرح زمین سے اچھال دیا ہو۔ اگر
ویرا اسٹیئرنگ اور بریکوں پر مہارت کا مظاہرہ نہ کرتی تو بجیرو
گھنے درختوں سے ٹکرا کر تباہ ہو گئی ہوتی۔

اس کے بعد تو دھماکوں کا تار لگ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا
جیسے اس خطۂ ارض پر شدید قسم کا بھونچال آ گیا ہو۔
"فادر کچھ دعا فرمایئے۔ میرے لیے اسٹیئرنگ سنبھالے
رکھنا دشوار ہو رہا ہے۔" ویرا کی زہریلی آواز سنتے ہی میرے ذہن
پر گرتی ہوئی سرور اور خود فراموشی کی کُہر یک بیک صاف ہو گئی۔
تیس منٹ کی مدت گزر چکی تھی اور لائیڈز کاٹیج کی پُرشکوہ
عمارت اور اس کے زیر زمین طلسم کدے میں اس شاندار تباہی کا
آغاز ہو چکا تھا جس کے خواب میں مدت سے دیکھتا چلا آ رہا تھا۔
ٹائم بم کامیاب رہا تھا اور لائیڈز کاٹیج کے نیچے پوشیدہ بارود کے
ذخائر اپنی پوری تباہ کاریوں سمیت بیدار ہو چکے تھے۔
اس دوران میں ویرا اپنے چہرے سے سیاہ نقاب اتار چکی
تھی اور میں گاڑی میں پھیلی ہوئی تاریکی کے باعث گو اس کے
چہرے کے تاثرات کا تفصیلی جائزہ نہیں لے سکتا تھا لیکن جا بجا
سامنے آنے والی رکاوٹوں سے ٹکرا کر لوٹنے والے ہیڈ لیمپس کے
ناکافی انعکاس میں بھی یہ دیکھا جا سکتا تھا کہ ویرا کا چہرہ تنا ہوا تھا
اور ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ مجبوری کے
تحت وہ جو کچھ کر گزری تھی اس کے نتائج پر خوش نہیں تھی بلکہ دل ہی
دل میں شاید خود کو کوس ہی رہی ہو۔
وہ کون تھی؟
میرا ذہن ایک بار پھر اُس کے ماضی میں اُلجھ گیا۔ وہ ایک
معزز خاتون کے بطن سے جمی لائیڈ کی ناجائز اولاد تھی۔ باپ اُس
کی ولادت سے پہلے لاپتا ہو گیا۔ ماں خانہ برباد ہو گئی لیکن اُس نے

ویرا پر یہ احسان ضرور کیا کہ مرنے سے پہلے ویرا کو اس کے باپ کے نام سے آگاہ کر گئی اور جب ویرا عمر کے اعتبار سے شہ زور ہوئی تو اُسے سراغ ملا کہ اُس کا باپ جرائم کا ارتکاب کرنے والے ایک ٹولے کا سربراہ ہے یا پھر اس ٹولے کے سربرآوردہ لوگوں میں گنا جاتا ہے۔ اس نے کوشش کی مگر اپنے باپ تک رسائی حاصل نہ کر سکی اور آخر کار مجبور ہو کر اس نے اپنے باپ تک رسائی کے لیے ایک مجرم کے طور پر اپنے باپ کی تنظیم میں گھسنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

ان ہی کوششوں میں وہ اپنے باپ کے بجائے ڈان مرسیانو نامی ایک بے ضمیر شخص سے جا ٹکرائی، جس نے ویرا کے سن و جمال کو پرکھ کر اُسے نوٹ کمانے والی مشین میں بدل دیا۔

مگر لائیڈز کا ٹیج میں ملنے والی جمی لائیڈ کی تصویر دیکھ کر ویرا پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ جمی لائیڈ اور ڈان مرسیانو ایک ہی شخصیت کے دو نام تھے۔ جمی کو وہ اپنا باپ سمجھ کر من مندر میں چھپکے چھپکے پوجتی رہی تھی اور ڈان مرسیانو کو رات کے گناہ پرور اندھیروں میں کمائی ہوئی رقم میں سے حصہ دیتی رہی تھی۔

ویرا مُصر تھی کہ ڈان مرسیانو نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا، لاعلمی میں کیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ رہا ہوگا کہ ویرا اس کی اپنی بیٹی تھی جبکہ میرا خیال اس سے بالکل مختلف تھا۔

جمی لائیڈ جرائم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا مگر اپنی کرّوفر کی زندگی کو درپیش خطرات سے پوری طرح واقف تھا۔ لہٰذا اس بے ثباتی کے پیشِ نظر اس نے کبھی شادی جیسی ذمے داری کو قبول نہیں کیا۔ وہ روپ بدل بدل کر معاشرے میں ہر قسم کی سہولتوں اور عزت افزائیوں سے استفادہ کرتا رہا اور اسی روانی میں ویرا کی ماں، جمی لائیڈ سے ٹکرا گئی۔ وہ لُٹیرا مُعزز گھرانے کی اس خاتون کو اس وقت تک پامال کرتا رہا جب تک اس عورت نے اسے اپنے ماں بننے کی نوید نہیں دی۔ وہ خبر سنتے ہی جمی لاپتا ہو گیا اور اس کی ذات میں سہارا تلاش کرنے والی خاتون دربدر ہو گئی۔ اپنے مجازی خدا کی تلاش میں وہ نگر نگر پھرتی رہی پھر ویرا کو اس کی ولدیت سے آگاہ کر کے موت کی سرد اور بے رحم وادیوں میں جا سوئی۔

ویرا اپنے باپ کو تلاش کرتی رہی اور آخر کار اسے پتا چل گیا کہ اس کا باپ زیرِ زمین دنیا کا ایک سربرآوردہ شخص ہے۔ وہ باپ تک نہ پہنچ سکی تو اس کی تنظیم میں گھسنے کی کوششیں کرنے لگی اور اس میں کامیابی کے بعد اپنی دانست میں ڈان مرسیانو سے جا ٹکرائی جبکہ وہ اسی کے باپ کا ایک بدلا ہوا روپ تھا۔

جمی لائیڈ معاشرتی پابندیوں سے آزاد رہ کر سہل زندگی گزار رہا تھا جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی بیٹی جوان ہو کر اس تک پہنچنے کی جستجو کر رہی ہے تو وہ نام بدل کر ڈان مرسیانو کے روپ میں اس کے سامنے آگیا۔

وہ ویرا کو بیٹی سمجھ کر اس کی تربیت کر رہا تھا اور ویرا اسے ایک گھٹیا لیکن ہمدرد مجرم سمجھ کر اس کا ساتھ گوارا کر رہی تھی۔

جمی لائیڈ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کی بیٹی ضدی طبیعت کی مالک ہے اور اپنا سب کچھ گنوا کر جب تنظیم میں گھسنے میں کامیاب ہو گئی ہے تو اپنے اسی غیر اخلاقی ایثار کے سہارے پیش رفت بھی جاری رکھے گی اور شاید اسی لمحے اس کے ذہن میں وراثت کا تصوّر ابھر آیا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ جب بیٹی کے خون میں اتنی سرکشی شامل ہے تو کیوں نہ وہ خود اسے اپنے ہاتھوں سے اس طرح تربیت دے کہ اس کی موت کے بعد اس کی ناجائز بیٹی تنظیم پر قابض ہو سکے۔

مگر ویرا ایک لڑکی تھی۔

معاشرہ مغربی ہو یا مشرقی، آبرو کا تصوّر ہر جگہ عورت ہی کی ذات سے وابستہ ہے۔ مرد طے شدہ معاشرتی راستے سے انحراف کرے تو آوارہ، رنگین مزاج اور بے وفا کہلاتا ہے جبکہ یہ سب ہلکے پھلکے سے الزام تصوّر کیے جاتے ہیں لیکن وہی فعل عورت سے سرزد ہو جائے تو وہ بے آبرو کہلاتی ہے۔ شاید جمی لائیڈ کے نزدیک اس کی بیٹی کا عورت ہونا ہی اس کی سربراہی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا تھا لہٰذا اس نے ڈان مرسیانو کا روپ دھار کر اپنی بیٹی کی تربیت کا بیڑا اٹھا لیا۔

یہ اسی کی تربیت تھی کہ ویرا اب کسی کی رفاقت کو اپنے لیے باعثِ ملامت نہیں سمجھتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اپنی بالادستی کو کام میں لاتے ہوئے اگر وہ کسی سے چند لمحوں یا چند دنوں کے لیے قریبی تعلق پیدا کر بیٹھتی ہے تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اسی فلسفے کے تحت وہ اپنی ذات پر میرے کسی حق کو تسلیم کیے بغیر میرے ساتھ دوستی استوار کر چکی تھی۔ اس میں اپنے نسوانی وقار کے تحفظ کا احساس فنا ہو چکا تھا اور بس مَردوں کی طرح انا کا یہی ایک احساس باقی رہ گیا تھا کہ حریف کے مقابلے میں ہر قیمت پر بالادستی حاصل کی جائے۔ بالادستی برقرار رکھنے کے اسی اکلوتے جذبے کے باعث وہ کامرانی اور ترقی کی منزلیں طے کرتی ہوئی تنظیم کے ان چند بڑوں کی صف میں شامل ہو چکی تھی جو اپنے فیصلوں کے بارے میں خود مختار تصوّر کیے جاتے تھے اور شاید ان ہی میں سے کسی کو جمی لائیڈ کا جانشین بننا تھا۔

"اب تنظیم کے بارے میں تمھارے کیا خیالات ہیں؟" میں نے

اور شدید دھماکوں کے تسلسل میں میں نے اس سے سوال کیا۔
جواب میں اس کی زہریلی سی مسکراہٹ کا اندازہ ہوا تھا۔ کیونکہ مدھم انعکاس میں اس کے چہرے کا تفصیلی جائزہ لینا ممکن نہیں رہا تھا۔
" تمہارے ساتھ جو کچھ گزری ہوں، اس کے بعد تنظیم سے وفاداری کا ڈھونگ رچائے رکھنا بے سود ہے۔ اب تک جو لگاؤ تھا، وہ یک بیک ختم ہو کر رہ گیا ہے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس نے تلخ لہجے میں کہا تھا۔
" اور جمی لائیڈ کے بارے میں کیا رائے ہے؟" میں نے سادگی کے ساتھ پوچھا۔
" مجھے اشتعال دلانے والی باتیں نہ کرو۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولی۔" آج تک میں اسے اپنا مغرور باپ سمجھ کر اس کی متلاشی رہی تھی لیکن تم نے میرے اس تصور کو بھی مسخ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔"
" میں نے کوئی کوشش نہیں کی۔ تم بیٹی ہو، اس لیے جذبات کی رو میں وہ نتائج اخذ نہ کرسکیں جو میں نے اخذ کر لیے۔ ورنہ میرے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ جمی لائیڈ، ڈان مرسیالو بن کر تمہاری سرپرستی کر چکا ہے۔"
اس نے کمزور لہجے میں بحث چھیڑنا چاہی لیکن میں نے اس بارے میں آہستہ آہستہ وہ تمام باتیں دہرادیں جو میں سوچتا رہا تھا اور اس کے لہجے سے اندر کی ٹوٹ پھوٹ ہویدا ہونے لگی۔
" اگر تمہارے قائم کیے ہوئے نظریات درست ثابت ہوئے تو تم دیکھ لینا کہ میرا باپ ہونے کے باوجود وہ میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔ ایسی سنگدلی میں کسی بھی قیمت پر معاف نہیں کروں گی۔"
میں خاموش رہا لیکن تھوڑی دیر کے توقف کے بعد وہ خود بات نکال بیٹھی۔" آج تم نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔" میں منتظر رہا کہ وہ اپنی بات وضاحت کے ساتھ مکمل کرے گی لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اتنی بات کہہ کر وہ کسی خیال میں ڈوب گئی ہو۔
" تمہاری بات ادھوری تھی۔" خاموشی کا وقفہ طویل ہوجانے پر میں نے اسے ٹوکا۔
" ادھوری۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔" تم میری زندگی میں پہلے مرد ہو جس نے میرے ساتھ بدگوئی کی ہے ..."
" کیسی بدگوئی؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔
" تمہاری گالی نے آج میری آنکھیں کھول دی ہیں۔" وہ افسردہ لہجے میں بولی۔
" وہ کیسے؟" میں نے خوشگوار حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

" مجھے اچانک ہی احساس ہوا ہے کہ اکیلی رہ کر میں خود ادھوری ہوں۔ مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا سہارا ملے بغیر اپنی جگہ دونوں ادھورے رہتے ہیں۔ کھلونے بدلے جاسکتے ہیں لیکن زندگی بھر کے لیے کوئی ایک سہارا ضرور ہونا چاہیے۔"
" سہارے کے بعد بھی کھلونوں سے دل بہلاتی رہو گی؟"
" میں موجودہ زندگی کے حوالے سے بات کر رہی تھی اور شاید اب تو میں اپنی ڈگر ہی بدل ڈالوں گی۔"
اسی اثنا میں سڑک نظر آنے لگی اور وہ بات بدلتے ہوئے بولی۔" کیا خیال ہے؟ اس بار لائیڈز کالج کے سامنے ہی سے نہ گزرا جائے۔ پتا تو چلے کہ دھماکوں سے وہاں کیا گزری ہے؟"
" نہیں۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔" اسی راستے سے گھوم کر چلو جدھر سے ہم آئے تھے۔ دھماکوں کی آواز دور دور تک سنی گئی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں اب تک اژدہام جمع ہوگیا ہو۔"
" اپنی نگاہوں سے اپنی کامیابی کا نظارا تو دیکھ ہی لیں گے۔" ویرا نے پجیرو کی رفتار سست کرتے ہوئے کسی نوخیز ضدی بچے کے لہجے میں کہا۔
" کامیابی؟" میں نے سرد لہجے میں غرا کر کہا۔" یہ بدنصیبی کا مقام ہے مس ڈان مرسیالو ..."
" خبردار! جو مجھے اس نام سے مخاطب کیا۔" وہ میری بات کاٹ کر غصیلے لہجے میں بولی۔
" یہ بدنصیبی ہے ویرا! کہ ہم چند پاپیوں کے ساتھ نہ جانے کتنے بے گناہوں کو بھی ان دھماکوں میں اڑا بیٹھے ہوں گے۔ میں اسے کامیابی نہیں، اپنی بدترین مجبوری سمجھتا ہوں کہ انہیں بچانے کے لیے ہم کچھ بھی نہ کرسکے۔"
" شاید تمہارے ذہن پر وہ لڑکی سوار ہے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔" بے گناہ تو وہ بھی نہیں تھی، لائیڈز کالج کی چار دیواری میں مسلسل سب سے بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہی تھی۔"
" یوں دور بین لگا کر دیکھو گی تو اپنے گردوپیش میں بیشتر لوگ قابل گردن زنی قرار پائیں گے۔"
اس نے خاموشی کے ساتھ پجیرو لائیڈز کالج سے مخالف سمت میں جانے والی سڑک پر گھمالی۔
گاڑی میں سکوت طاری رہا اور مجھ پر ایک بار پھر وہی کرب آمیز بے چینی طاری ہونے لگی جو ابتدا میں مجھے نقاہت اور کمزوری کا احساس دلا رہی تھی۔
ہم طویل چکر کاٹ کر جب لائیڈز کالج کے عقب میں دور سے گزرنے والی ناہموار سڑک پر پہنچے تو دور ہی سے

اس سمت میں آگ اور دھویں کے کثیف بادل اُمڈتے نظر آئے۔ دھاکوں کا طویل سلسلہ اپنی پوری گھن گرج دکھا کر موقوف ہو چکا تھا۔

گاڑی کے شہری حدود میں داخل ہوتے ہی پجیرو کے ڈیش بورڈ سے اچانک کسی لاسلکی مواصلاتی رابطے پر ایک بھاری آواز سنائی دی تو میں چونک پڑا۔ پورے سفر کے دوران میں میں نے یہ محسوس ہی نہیں کیا تھا کہ اس گاڑی میں ٹرانسمیٹر ریسیور سیٹ بھی نصب تھا۔

میری اور ویرا کی نگاہیں چار ہوئیں تو وہ مسکرا دی۔

"شاید ہلچل شروع ہو گئی ہے۔"

میں جواب میں کچھ نہ بولا اور ویرا نے ہاتھ بڑھا کر آپریٹس کی آواز بڑھا دی۔

موہوم بڑبڑاہٹ واضح ہوتے ہی میں سنبھل کر بیٹھ گیا کیونکہ دوسری طرف سے کوئی مرد ویرا کے لیے کال کر رہا تھا۔

"لیری کالنگ شوگر کوئین... اوور! لیری ٹو شوگر کوئین... اوور!"

وہ وقفے وقفے سے دہرا رہا تھا اور آپریٹس پر اپنا نام سن کر ویرا کے چہرے پر تفکر کے سائے پھیل گئے تھے۔

"یہ لیری کون ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"خود میرے لیے بھی یہ نیا نام ہے۔" وہ تشویش آمیز لہجے میں بولی۔ "ظاہر ہے کہ تنظیم ہی کا کوئی کارندہ ہو گا۔ آخر اسے اچانک ہی میری تلاش کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"جواب دو، وقفہ طویل ہونے سے شبہات جنم لے سکتے ہیں۔" میں نے اضطراری طور پر کہا۔

"نہیں۔" اس نے اپنے سر کو سختی سے نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "جواب دے کر میں اپنی ذات کو افواہوں کا مرکز نہیں بنا سکتی۔ جواب دے کر میں یہ تسلیم کروں گی کہ کارنج کی تباہی کے وقت میں باہر سفر کر رہی تھی۔"

"یہ حقیقت تو ویسے بھی چھپائی نہیں جا سکتی۔" میں نے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ پہلے تمہارے ہوٹل سے رجوع کیا گیا ہو۔ کمرہ خالی ہونے کی اطلاع کے بعد شاید یہ بھی چیک کر لیا گیا ہو کہ پجیرو ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں موجود نہیں ہے۔ میری دانست میں خاموشی اختیار کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ تمہیں جواب دینا چاہیے۔"

وہ چند ثانیوں تک تذبذب میں پڑی رہی۔ اس دوران میں طویل وقفے سے اس کے لیے پیغام نشر ہوتا رہا۔ آخر کار اس نے ڈیش بورڈ کے نیچے ایک خفیہ خانے میں ہاتھ ڈال کر ماؤتھ پیس نکال لیا جو لچکدار تار کے ساتھ آپریٹس کے سرکٹ سے منسلک تھا۔

"شوگر کوئین ریسیونگ لیری... اوور!" آپریٹس پر دوسری طرف سے سکوت چھاتے ہی ویرا نے ماؤتھ پیس میں لگا ہوا کال بٹن دبا کر اپنی تحکم آمیز آواز میں کہا تو اس کے لہجے میں تفکر یا بے اطمینانی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"ایکس ایل تھری کوڈ ون!" دوسری طرف سے بولنے والے نے شاید اپنا شناختی کوڈ ادا کیا تھا۔ "معاملہ بہت اہم ہے، اپنا کوڈ دہراؤ۔ اوور۔"

"فالکن فور۔۔۔ اوور!" اس بار ویرا کے لہجے میں ہلکی سی تبدیلی رونما ہوئی جس سے اندازہ ہوا کہ لیری اگر ویرا سے برتر نہیں تو کم از کم اس کا ہم رتبہ ضرور تھا۔

"نمبر ایک سے بری خبر ملی ہے۔ کہیں کچھ دھماکے کیے گئے تھے۔" بولنے والا اسی قدر بتا پایا تھا کہ رابطہ منقطع ہو گیا۔ کوشش کے باوجود تینوں میں سے کسی فری کوئنسی پر وہاں سے رابطہ پیدا نہیں کیا جا سکا۔ اوور!"

"کوئی بڑی گڑبڑ ہوئی ہے۔" ویرا کی اداکاری قابلِ رشک تھی۔ وہ آواز سے بہت متفکر نظر آنے لگی تھی۔ "لیکن تمہیں معلوم ہے کہ میں نمبر ایک کے معاملات سے بالکل لاتعلق ہوں۔ یہ قصہ تمہیں خود ہی سنبھالنا ہو گا۔ اوور۔"

"مجھے ساڑھے دس بجے ایک سفارت خانے کے ملٹری اتاشی سے ملنا ہے۔ بقیہ چاروں شہر سے باہر ہیں۔ لے دے کر بس تم ہی رہ جاتی ہو۔ میں کافی دیر سے رابطے کی کوشش کر رہا تھا... اوور۔"

"میں ابھی گاڑی میں سوار ہوئی ہوں۔" ویرا نے خوبصورتی کے ساتھ رابطے میں تاخیر کا جواز پیش کر دیا۔ "میں نمبر ایک کے معاملے میں بالکل اندھیرے میں ہوں، تم مجھ سے کیا چاہ رہے ہو؟ اوور!"

"نمبر ایک کا چارج براہِ راست میرے پاس ہے۔ میں اپنی ذمے داری پر تمہیں صرف اتنا کام سونپ رہا ہوں کہ ادھر کی خیر خبر لو۔ حالات اور ضرورت کے پیشِ نظر تمہیں ہر فیصلے کی پوری آزادی ہو گی۔ اوور!"

"وہاں کا کمانڈنگ آفیسر کون ہے اس وقت؟ اوور!" ویرا نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے سوال کیا۔

"ڈی سوزا ہی ہے... شاید دو تین روز پہلے ہی تم نے بلیو بیل کے کوڈ سے ڈینی کو اس کے پاس بھیجا تھا۔ اوور!" اس کی زبان سے اپنا نام سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ جو کوئی

بھی تھا اپنے معاملات سے پوری طرح باخبر معلوم ہوتا تھا۔

ویرا نے معنی خیز انداز میں میری طرف دیکھا اور انگوٹھے سے ماؤتھ پیس کا کال بٹن دبا کر بولی "میں دیکھ لیتی ہوں لیکن پھر بتا رہی ہوں کہ میری مداخلت کی پوری ذمے داری تم پر ہوگی ...اوور!"

"تھینک یو!" آواز تشکر آمیز تھی جیسے اس کے سر سے کوئی بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو "تم مجھ سے ساڑھے گیارہ کے بعد رابطہ قائم کر سکتی ہو، میری میٹنگ اگر بہت اہم نہ ہوتی تو میں تمھیں زحمت نہ دیتا۔ اوور اینڈ آل۔"

ویرا نے گہرا سانس لے کر ماؤتھ پیس خفیہ خانے میں واپس رکھ دیا۔

"کون تھا؟" ویرا کے فارغ ہوتے ہی میں نے سوال کر ڈالا کیونکہ ابتدا میں وہ لیری کے نام سے اپنی لاعلمی ظاہر کر چکی تھی۔ جب کہ بعد کی گفتگو سے ظاہر ہوا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے بخوبی واقف تھے۔

"وان ہوف" اس نے سڑک پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر کہا "مقامی بڑوں میں سے ایک ہے۔ عملاً سب سے اہم حیثیت کا مالک ہے۔"

"لیکن وہ تو لیری کے نام سے کال کر رہا تھا۔"

"اسے ہر بار نام اور آواز بدلنے کا خبط ہے۔" وہ ناگواری کے ساتھ بولی "تاکہ کوئی پیغام پکڑا بھی جائے تو اس کی ذات بے نقاب نہ ہو سکے۔ اس وقت بھی وہ اصل آواز میں نہیں بول رہا تھا۔ ہم لوگوں کے باہمی رابطے میں ساری اہمیت شناختی کوڈ کی ہوتی ہے۔ اس کے بغیر میرے فرشتے بھی اسے شناخت نہ کر سکتے۔"

"وہ باقی کن چاروں کی بات کر رہا تھا؟" میں تنظیم کے بارے میں اندر کی باتیں معلوم کرنے کا وہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"تمھارے ملک میں یہی پانچوں تنظیم کا سارا کام چلا رہے ہیں۔ ہر ایک کی ذمے داریاں مختلف اور متعین ہیں لیکن کوئی بھی ایک دوسرے کے شعبے سے پوری طرح باخبر نہیں ہے۔"

"ہیروئن کی ساری خرید و فروخت شاید وان ہوف کے ہی ذمے ہو گی؟"

"تم سب ہی کچھ ایک دفعہ میں کیوں جان لینا چاہتے ہو؟" اس نے چڑ کر کہا "کچھ دیر مجھے خاموش رہ کر سوچنے دو کہ اب کیا کرنا چاہیے؟"

"سوچنا کیا ہے؟ مجھے راستے میں کہیں اتار کر واپس چلی جاؤ۔ اچھا ہے کہ اپنا کارنامہ قریب سے دیکھ سکو گی۔ تمھیں تجسس بھی تھا اس بارے میں۔" میں نے اپنے تجسس کا گلا گھونٹتے ہوئے فوراً گفتگو کا رخ موڑ دیا۔

"معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے۔" وہ متفکر نظر آنے لگی تھی۔ "یہ مجھے گھیرنے کی کوشش بھی ہو سکتی ہے۔"

"وہ کیسے؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"وان ہوف بہت کینہ پرور آدمی ہے۔ وہ تنظیم میں نہ جانے کتنوں کو روندتا ہوا اپنے موجودہ مقام تک پہنچا ہے۔ اس کا ریکارڈ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے بڑوں کی ٹوہ میں رہا ہے اور ان کی معمولی سی لغزش پر تنظیم کے مفاد کے نام پر سفاکانہ کارروائی کر گزرا ہے اور ایسی ہر کارروائی پر وہ ترقی پاتا رہا ہے۔"

"تو کیا تنظیم کا سربراہ اتنا اندھا ہے کہ مفاد پرستی اور خلوص میں تمیز نہیں کر سکتا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کے نزدیک تنظیم افراد پر فوقیت رکھتی ہے اور وان ہوف کی خوش نصیبی ہے کہ اس نے ہر موقع پر تنظیم کو نقصانات سے بچایا ہے۔ شاید وہ گنتی کے ان چند لوگوں میں سے ہے جو منصب میں بہت نیچے ہونے کے باوجود براہ راست سربراہ سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔"

"لیکن اسے تم سے کیا پرخاش ہو سکتی ہے؟"

"سامنے کی بات ہے۔ میں جمی لائیڈ کی بیٹی ہونے کا دعویٰ کرتی رہی ہوں اور شاید سب ہی میرے اور اس کے ناجائز رشتے پر یقین رکھتے ہیں کیونکہ تنظیم میں مجھے بہت تیزی کے ساتھ ترقی ملی ہے۔ لوگ ذہنی طور پر یہ بات قبول کرتے جا رہے ہیں کہ جمی لائیڈ کی جانشین میں ہی قرار پاؤں گی۔ اگر میں راہ سے ہٹا دی جاتی ہوں تو وان ہوف کا راستہ صاف ہو جائے گا۔"

"لیکن وہ تمھیں گھیرنے کی جرأت کیسے کر سکے گا؟" میرے لیے ویرا کے شبہات قابلِ قبول نہیں تھے۔

"جرأت نہیں، سازش کہو سازش۔" وہ بولی "اب ذرا غور کرو کہ لائیڈز کا رج تباہ ہو چکا ہے، وہاں شاید ہی کوئی ذی روح زندہ بچ سکا ہو۔ وہ علاقہ میرے لیے ممنوعہ تھا لیکن وان ہوف مجھے بہلا پھسلا کر وہاں بھیجنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور وہیں اس کا کوئی بااعتماد ساتھی یا وہ خود کسی طرح مجھے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ اس طرح ایک بہت موثر اور سیدھی سادی کہانی بن جاتی ہے کہ میں نے لائیڈز کارج کو تباہ کر ڈالا لیکن واردات کے بعد جائے حادثہ سے فرار ہوتے ہوئے کسی بچ جانے والے کی انتقامی کارروائی کا نشانہ بن گئی۔"

"پہلی بات تو یہ کہ تم لائیڈز کارج کے جملہ مکینوں کی موت کے بارے میں اس قدر پُریقین کیوں ہو؟" میں

نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ عمارت کو لاحق اصل خطرے سے تم ابھی تک لاعلم ہو۔" اس نے انکشاف کیا۔ "کسی بُری گھڑی پر ہر ثبوت تلف کر دینے کے خیال سے لائیڈز کاٹیج کی وسیع تعمیرات میں خفیہ ڈائنامائٹ کا ایک طاقت ور جال بچھا ہوا ہے جو ایک مرکزی سوئچ سے ملحق ہے اور اشارہ کرتے ہی وہاں سب کچھ تہس نہس ہو سکتا ہے۔ کسی کو علم نہیں کہ وہ سوئچ کہاں ہے یہ راز صرف وان ہوف کو معلوم ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ خفیہ تہ خانوں میں ہونے والے بدترین دھماکوں کے نتیجے میں ڈائنامائٹ سرکٹ کے تار کہیں نہ کہیں شارٹ ہو گئے ہوں گے اور لائیڈز کاٹیج کے چپے چپے پر تباہی پھیل گئی ہو گی۔"

"اوہ!" میں بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ ویرا ہر لمحہ مجھے ایک نئی حیرت سے دوچار کر رہی تھی کیوں کہ تنظیم کے بارے میں اس کی معلومات قابلِ رشک تھیں۔ "یہ بات تم نے اب تک مجھ سے چھپائے رکھی تھی؟" میں نے اس سے شکایتی لہجے میں کہا۔

"تمھارے لیے اس سے کیا فرق پڑتا؟" وہ بولی۔ "تم تو خود حالات کو ایک ایسے موڑ پر لے آئے تھے کہ میں خود ان پُرشکوہ تعمیرات کو کھنڈر کر دینے پر مجبور ہو گئی تھی۔"

"دوسری بات یہ کہ دھماکے اور تم پر قاتلانہ حملے کے درمیان طویل وقفے کا جواز کیا ہو گا؟"

"اتنی بڑی بربادی میں شاید کسی کو اس معمولی نکتے کا خیال بھی نہ آتا۔ پھر فرار تو واردات کے بعد کسی بھی وقت ہو جا سکتا تھا۔ کلیدی نکتہ یہ ہو گا کہ میری لاش وہیں سے برآمد ہو۔"

"یہ سب جانتے بوجھتے بھی تم اس سے اقرار کر بیٹھیں؟"

"یہی تو اُس کا کمال ہے کہ اُس نے ذمّے داری مجھ ہی پر ڈال دی۔ ان نازک لمحات میں اُس کی بات ٹھکرا کر میں ساری ذمّے داری اپنے سر لے لیتی۔"

"یہ گفتگو تم دونوں تک ہی تو محدود نہیں رہی ہو گی۔ ہر اس شخص نے سُنی ہو گی جس کے پاس اس فری کوئنسی پر کام کرنے والا آپریٹس ہو گا۔"

"ہمارا مواصلاتی نظام بہت مستحکم ہے۔ یہ ٹرانسمیٹر صرف پانچ بڑوں کے پاس ہیں یا چھٹا اس وی آئی پی جیپ میں نصب ہے جو ان پانچوں کے علاوہ صرف میرے استعمال میں آتی ہے ورنہ مقفّل رہتی ہے۔"

"وان ہوف کے بقول چار بڑے شہر سے باہر ہیں۔ لہٰذا اس گفتگو کا کوئی گواہ نہیں ہو گا لہٰذا تم بہ آسانی اسے کورا جواب دے سکتی تھیں۔"

"کاش میں ایسا کر سکتی۔" وہ ٹھنڈا سانس لے کر بولی۔ "یہ سب تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ وان ہوف سے ناواقف ہو۔ وہ اپنی نسل کا اکلوتا شاہکار ہے۔ اگر وہ واقعی بدنیّتی پر تُلا ہوا ہے تو اُس نے پوری گفتگو ریکارڈ کی ہو گی۔ میرے انکار یا اقرار کے باوجود ادھر نہ جانے کی صورت میں ریکارڈ کو میرے خلاف استعمال کرے گا۔ اور اگر میں اُس کی سازش کا شکار ہو گئی تو وہ خاموشی کے ساتھ ریکارڈ تلف کر دے گا۔ کسی کو بھنک بھی نہ مل سکے گی کہ میں اُسی کے ایما پر لائیڈز کاٹیج کی طرف گئی تھی۔"

"بہت خبیث ہے وہ۔ پھر اب تم کیا سوچ رہی ہو؟"

"میں اُسے مایوس نہیں کروں گی۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولی۔

"یعنی لائیڈز کاٹیج کی طرف جاؤ گی؟"

"ہاں میں جانتی ہوں کہ اب میں وہاں کچھ بھی نہ کر سکوں گی، لیکن اس سے گفتگو کرنے سے پہلے جائے واردات کا بچشمِ خود مشاہدہ کرنا ضروری ہے تاکہ اُسے مطمئن کر سکوں۔ وہ یا اس کے آدمی وہاں بھیرو کی گھات میں بیٹھے ہوں گے مگر میں بھیرو تمھارے پاس چھوڑ کر ٹیکسی سے جاؤں گی، انھیں میری ہوا بھی نہ لگ سکے گی۔"

"مگر میں تمھارے ساتھ چلنا چاہتا ہوں۔"

"میں ہرگز نہ لے جاؤں گی، تمھارا سایہ بھی وہاں دیکھ لیا گیا تو میرے اوپر آفت آ جائے گی۔ بہتر یہی ہو گا کہ واپسی پر بھیرو میرے حوالے کر کے تم رُوپوش ہو جاؤ تاکہ تمھارے بارے میں یہ فرض کر لیا جائے کہ تم بھی لائیڈز کاٹیج کے حادثے کا شکار ہو گئے ہو۔"

اس کی ہر بات مدلّل اور منطقی تھی، وہ اپنے لوگوں کو اچھی طرح جانتی تھی اس لیے میں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس پر بے چون و چرا عمل کیا جائے ورنہ اس کے ساتھ جو ہوتی سو ہوتی، میرے ستارے بھی گردش میں آ سکتے تھے۔

ایک گھنٹے بعد اس کی واپسی کے انتظار میں مینارِ پاکستان کے قریب انتظار کا پروگرام طے ہو جانے کے بعد لوئر مال روڈ پر اس نے بھیرو ایک طرف روک کر ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ دی اور میں نے اسے الوداع کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس نے سارے امکانی خطرات سے واقف ہونے کے باوجود جس حوصلے اور بے خوفی کے ساتھ لائیڈز کاٹیج کی طرف جانے کا فیصلہ کیا تھا، اس کی بنا پر میرے دل میں پہلی بار اس دلیر لڑکی کے لیے عزت کا احساس جاگ اٹھا تھا۔

حالات مخدوش تھے اور میرے ذہن میں ایک اندیشہ یہ بھی تھا کہ کہیں بھیرو پہچان نہ لی جائے کیونکہ ان دنوں لاہور میں وہ بیش قیمت گاڑی شاذ و نادر ہی نظر آتی تھی۔ لہٰذا میں شہر میں آوارہ گردی کرنے کے بجائے براہِ راست مینارِ پاکستان کی طرف ہی روانہ ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنا وقت وہاں بے خطر ہو کر گزار سکوں گا۔

تنظیم سے بغاوت کی راہ اختیار کرتے ہوئے میں تصور بھی نہیں کر سکا تھا کہ میں تن تنہا مجرموں کی کسی عالمی تنظیم سے بھڑنے کا خطرہ مول لے رہا ہوں۔ بظاہر بس اتنی سی بات نظر آئی تھی کہ اسے ٹو کو موت کے گھاٹ اتار کر ہیروئن کی تجارت کرنے والوں کے اس مکروہ ٹولے کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ پھر پیش قدمی کے ساتھ نت نئے بھید کھلتے چلے گئے۔

جس مہم کے جلد ہی سمٹ جانے کی امید تھی اس کی ابتدا ہی ایسی پر پیچ ہوئی کہ ایک گتھی سلجھنے سے پہلے جانے مسئلے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ کراچی میں ہیوا ہاؤز کی تباہی کے بعد تنظیم کے کئی اہم مہرے میرے ہاتھوں مارے گئے، حتیٰ کہ اسے ٹو بھی میری نظروں کے سامنے دیرا کی سزا کا شکار ہو کر فنا ہو گیا لیکن تنظیم کی جڑیں بدستور پھل پھول رہی تھیں۔

حالات نے کچھ ایسے بے تکے انداز میں پھیلاؤ اختیار کیا تھا کہ ایک طرف غزالہ ویرا لائیڈ کی اسیر ہو کر سمندر پار پہنچا دی گئی تھی، دوسری طرف سلطان شاہ کراچی میں بھٹک رہا تھا۔ لاہور کی صورت حال یہ تھی کہ لائیڈز کاٹیج کی مکمل بربادی کے باوجود یہ باور کرنا مشکل نظر آ رہا تھا کہ ساری خرابیوں کا سدباب ہو چکا تھا۔

سلطان شاہ کا خیال آتے ہی مجھے وہ فرصت غنیمت معلوم ہوئی اور میں وہاں سے کسی پبلک کال آفس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ گو مجھے کراچی سے لاہور آئے ہوئے چند ہی دن ہوئے تھے لیکن تیزی سے پیش آتے ہوئے واقعات کی رو میں بہتے ہوئے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کراچی سے رابطہ ٹوٹے ایک مدت بیت گئی ہو۔

فون پر رابطہ قائم ہوتے ہی میرے کانوں میں غزالہ کے باپ کی شکستہ اور کمزور سی آواز آئی تھی۔ پھر میری آواز پہچان کر تو کرنل کے ضبط کے سارے ہی بندھن ٹوٹ گئے اور میں کسی مجرم کی طرح خاموشی کے ساتھ ریسیور کان سے لگائے کرنل کی رندھی ہوئی آواز میں غزالہ کے بارے میں بہت کچھ سنتا رہا۔ وہ ایک جوان بیٹی کا بوڑھا باپ تھا۔ بیوی کوکین کے ایڈکشن میں مبتلا تھی، جوان بیٹا مدتوں سے فاتر العقل رہنے کے بعد اکبر کی علاج گاہ میں بتدریج صحت یاب ہو رہا تھا لہٰذا غزالہ کی ناگہانی گمشدگی پر کرنل کا کرب میرے لیے قابل فہم تھا۔

کرنل کے ارد گرد کوئی بھی تو ایسا نہیں تھا جس سے وہ بے چارہ دل کی بھڑاس نکالتا لہٰذا میں نے اسے درمیان میں ٹوکنا مناسب نہ سمجھا جب اس کے سارے گلے شکوے پورے ہو گئے تو میں نے اسے بتایا کہ غزالہ بدستور کسی کی قیدی تھی لیکن اس کے ساتھ پوری طرح عزت و احترام کا سلوک کیا جا رہا تھا۔ ہمت کرنے کے باوجود میں اسے یہ نہ بتا سکا کہ اس کی چہیتی بیٹی اس سے ہزاروں میل دور انگلستان کی سرزمین پر پہنچائی جا چکی تھی۔ کرنل کی جذباتی کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے مجھے پورا یقین تھا کہ وہ یہ خبر بہرحال ہرگز برداشت نہ کر سکے گا۔

"سب کچھ ٹھیک ہے بیٹے! لیکن یہ تو بتاؤ کہ غزالہ ہمیں کب نظر آئے گی؟ ہماری بیٹی ہمیں کب ملے گی؟ اب تو اس کے انتظار میں آنکھیں بھی پتھرانے لگی ہیں۔" وہ دردناک آواز میں فون پر گڑگڑا رہا تھا۔

"آپ صبر و سکون سے کام لیں کرنل۔" میں نے کمزور لہجے میں کہا۔ "میری پوری کوشش ہے کہ وہ جلد از جلد آپ سے آملے، اس کی تلاش کے بارے میں سلطان شاہ کو کچھ کام بتا کر آیا تھا، پتا نہیں اسے کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے؟" میں نے لطیف پیرائے میں گفتگو کا رخ سلطان شاہ کی ذات کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔

"تلاش؟" میری بات پوری ہوتے ہی ریسیور پر کرنل کی زہرہ گداز چیخ ابھری تھی۔ "تو ابھی تک اس کی تلاش ہی جاری ہے؟ وہ کیسے اور کہاں سے ملے گی میرے بچے؟ میں تو رو رو کر اندھا ہو جاؤں گا۔"

"سب کچھ معلوم ہے۔" میں نے صبر سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ایک عورت کی قید میں ہے لیکن وہ چند شرائط پوری ہوئے بغیر اسے رہا نہ کرنے پر اڑی ہوئی ہے، اگر یہ معلوم ہو جائے کہ غزالہ کو کہاں رکھا گیا ہے تو ہم اس عورت کی مرضی کی پروا کیے بغیر غزالہ کو رہا کرا سکتے ہیں۔"

"پوری کر دو، اس عورت کی ہر شرط پوری کر دو، پیسے کی کمی ہے تو مجھے بتاؤ، میں اپنا سب کچھ بیچ دوں گا، اپنے آپ کو نیلام کر دوں گا مگر مجھے میری غزالہ واپس لا دو!"

کرنل کی وہ کیفیت ہر اعتبار سے قابل فہم تھی اور جذباتی اعتبار سے قابل قبول بھی لیکن نیلام کے بارے میں کہی ہوئی اس کی بات میری طبیعت پر بہت گراں گزری۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ نوبت آ بھی گئی تو کوئی بڈھے کو دو روپے کلو کے حساب سے بھی نہیں خریدے گا مگر میں نے اس موضوع کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "میں ذرا سلطان شاہ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس نے کیا کیا ہے؟"

"ابھی بلاتا ہوں۔" کرنل کی رندھی ہوئی آواز ابھری۔ "وہی تو ایک بے چارہ میرا مونس و غم خوار رہ گیا ہے، میرے ساتھ بیٹھا، آٹھ آٹھ آنسو روتا رہتا ہے ورنہ میں تو شاید گھٹ کر ہلاک

ہوگیا ہوتا۔"

چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ریسیور پر سلطان شاہ کی مسرت سے مغلوب آواز سنائی دی تھی۔

"اپنے لہجے کو لگام دو سلطان شاہ! بڑھا شاید تمہارے قریب ہی موجود ہوگا۔"

"ابھی وہ اندر گیا ہے۔ خدا کے لیے اس کے واسطے کچھ کرو ورنہ یہ مجھے پاگل کر دے گا۔ دن بھر میں بیسیوں مرتبہ گلے مل مل کر روتا ہے۔ آج سے تو عورتوں کی طرح بین بھی کرنے لگا ہے۔"

اسی وقت کاؤنٹر پر کچھ اور لوگ بھی آکھڑے ہوئے لہٰذا میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے سوال کیا۔ "تمہارا کیا رہا؟ بغیر رکے بولتے جاؤ، میں پبلک کال آفس سے بات کر رہا ہوں۔"

وہ فوراً ہی میری بات سمجھ گیا۔ "ہر طرف ناکامی ہوئی ہے، بھابی کا پورے شہر میں کہیں سراغ نہیں مل سکا شوگر کوین بھی... کل سے اچانک غائب ہے۔ تمہارے جاتے ہی یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے لیے یا ہر کام ختم ہو گیا ہو۔ کل کسی نے رخشی کو بڑی بے رحمی کے ساتھ مار ڈالا۔ بالکل یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی بھوکے درندے نے اپنے دانتوں سے اس کا بدن بھنبھوڑا ہو۔"

رخشی کے بارے میں وہ اطلاع میرے لیے غیر متوقع نہیں تھی۔ ذاتی معاملات میں وہ دوسروں کو ذہنی ایذا پہنچا کر سکون محسوس کرنے والوں میں سے تھی۔ مختلف مردوں میں اپنے بارے میں آتشِ شوق بھڑکا کر ہارنے والوں کے احساسِ بے بسی اور جھلاہٹ سے لطف اندوز ہونے کی عادی تھی۔ اگر اسے کسی ایسے ہی شخص نے مار ڈالا تھا تو مجھے کوئی حیرت نہیں تھی۔

"تم فوری طور پر ایک لمبے سفر کی تیاری شروع کر دو۔ میں کسی بھی وقت تمہارے پاس پہنچ سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، وقت ہو تو سلمٰی کو بھی فون کر لینا، وہ ہر روز تمہارے بارے میں دماغ چاٹتی رہتی ہے۔"

میرے بعد آنے والے میری طول پکڑتی ہوئی گفتگو سے نالاں نظر آ رہے تھے لہٰذا میں نے فوری طور پر گفتگو ختم کر کے سلسلہ منقطع کیا اور رقم ادا کر کے باہر آ گیا۔

●

ویرا مقررہ وقت پر واپس لوٹ آئی۔ اس کے چہرے سے تکان کا اظہار ہو رہا تھا۔ میں نے اس کے سوار ہوتے ہی انجن اسٹارٹ کر کے تیزی سے آگے بڑھا دی۔

"سب کچھ کھنڈر ہو کر رہ گیا۔" وہ قدرے افسردہ لہجے میں بولی۔ "وہاں ہزاروں تماشائیوں کا اژدہام ہو گیا ہے۔ پولیس اور امدادی عملے کی بھی کثرت ہے، دھماکوں کی شدت کے بعد دور دور تک نظر آنے والے شعلوں نے ہر ایک کو ادھر متوجہ کر لیا ہے۔"

"وہ قلعہ نما فصیل اور دیوہیکل مشینی پھاٹک؟" میں نے سوال کیا۔

"سب تباہ ہو گیا، کھنڈرات سے جا بجا ملبے میں دبے ہوئے لوگوں کی چیخ و پکار سنائی دے رہی ہے، وہاں قیامت کا سماں ہے۔ وہ وسیع رقبہ کسی میدانِ جنگ کا سا سماں پیش کر رہا ہے۔"

"تمہارا کسی سے ٹکراؤ تو نہیں ہوا؟" میں نے عقب نما آئینے کا زاویہ درست کرتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں۔ لیکن میں نے ایک گاڑی پہچان لی۔ سرخ رنگ کی وہ کار، وان ہوف کے ایک مقامی دستِ راست ناصر کی ملکیت ہے۔ کار شہر سے لائیڈز کالج جانے والے راستے پر اندھیرے میں کھڑی ہوئی تھی، اندر کوئی موجود بھی تھا لیکن تاریکی کے باعث میں اسے پہچان نہ سکی۔"

"تو کیا گاڑی بہت دور کھڑی ہوئی تھی؟"

"نہیں۔ ملبے کے قریب ہی تھی۔" وہ میرے سوال کا مقصد بھانپتے ہوئے بولی۔ "لیکن شعلوں کی روشنی کی تیزی دھوئیں کی وجہ سے دب کر رہ گئی ہے ورنہ شناخت کے لیے وہی انعکاس کافی ہوتا۔"

"اسے اپنے پیچھے تو نہیں لگا لائی ہو؟" میں نے عقب نما آئینے میں اپنے پیچھے آنے والی ایک کار کے ہیڈ لیمپس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں!" اس نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ کہا۔ "کیا کوئی پیچھے آ رہا ہے؟"

"شبہ ہو رہا ہے، ابھی دیکھ لیتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ناممکن!" وہ بڑبڑائی۔ "وہ میری جھلک بھی نہ دیکھ پایا ہوگا۔"

میں نے فوراً ہی گاڑی مختلف گلیوں اور سڑکوں پر گھمانا شروع کر دی مگر وہ روشنیاں مسلسل پیچھے لگی رہیں اور آخر کار میں پھر ایک سیدھی سڑک پر نکل آیا۔ اس گھماؤ پھراؤ میں میں یہ دیکھ لینے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ اس کار کا رنگ سفید تھا۔

"میں راستے بھر پیچھے کا جائزہ لیتی ہوئی آئی تھی۔" وہ بولی۔

سڑک دور دور تک صاف پڑی ہوئی تھی، پھر یہ کہاں سے ہمارے پیچھے لگ گیا۔ اس گاڑی کا رنگ بھی سفید ہے جبکہ ناصر کی کار سرخ رنگ کی تھی۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہ مینار پاکستان سے پیچھے لگا ہو۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔ "وان ہوف اگر اسی قدر بدطینت آدمی ہے تو وہ بجیرو کی تلاش میں بھی اپنے آدمی چھوڑ سکتا ہے۔ اب تم اپنا پستول سنبھال لو۔ اس کا وار کارگر ہونے سے پہلے ہمیں اس کو گھیرنا ہوگا۔"

"یہ خیال رکھنا کہ وہ بھی نہتا نہ ہوگا۔"

میں اپنے ذہن میں حکمت عملی مرتب کرتے ہوئے ویران سڑک پر بجیرو ڈرائیو کرتا رہا۔ پھر ایک چوراہا آتے ہی میں نے بائیں طرف مڑنے کا سگنل روشن کرتے ہوئے رفتار سست کر لی۔ تعاقب کرنے والی کار کی رفتار بھی دھیمی ہوئی لیکن اس اثنا میں دونوں کا درمیانی فاصلہ کم ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی کار کا انڈیکیٹر روشن نہیں کیا تھا۔

آخری لمحے پر میں نے بائیں طرف مڑنے کے بجائے بہت تیزی کے ساتھ یوٹرن لیا تھا اور سفید کار کا نشانہ لے کر بجیرو اس کی طرف بڑھاتا لے گیا تھا۔ میری اس حرکت پر سفید کار پہلے بالکل رکی تھی لیکن بجیرو کو موت کی طرح اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کار والے نے یک بیک اتنی تیزی کے ساتھ گاڑی آگے بڑھائی تھی کہ اس کے ٹائر سڑک پر چیخ اٹھے تھے۔

جوں ہی وہ کار زد میں آئی، ویرا نے پھرتی کے ساتھ ہاتھ باہر نکال کر گولی چلا دی اور اگلی کار اچھلنے لگی۔

اسی اثنا میں، میں دوسرا یوٹرن لے کر سفید کار کے پیچھے ہو لیا تھا۔ یہ یقین ہو چکا تھا کہ اس کار میں صرف ایک ہی آدمی موجود تھا۔

"اس کا اگلا ٹائر پھٹ گیا ہے، وہ زیادہ دیر تک اسٹیئرنگ نہ سنبھال سکے گا۔" ویرا نے مجھے آگاہ کیا۔

صورت حال کی نزاکت کا اندازہ لگاتے ہی سفید کار والے نے بریک لگائے پھر اپنی کار کے پوری طرح رکنے کا انتظار کیے بغیر رینگتی ہوئی کار سے سڑک پر کود گیا۔

میں نے بجیرو سفید کار کے داہنی جانب سے آگے نکالنا چاہی لیکن اسٹیئرنگ پر گرفت ختم ہونے اور داہنی طرف کا اگلا ٹائر پھٹا ہوا ہونے کے باعث رینگتی ہوئی کار رکتے رکتے پوری طرح اسی سمت میں گھوم کر عین سڑک کے وسط میں آ کر بجیرو کی راہ میں حائل ہو گئی تھی اور اس میں سے اترنے والا داہنی سمت کی ڈھلان میں کسی چھلاوے کی طرح پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔

راہ مسدود پا کر ویرا میرے روکتے روکتے بھی پستول سمیت نیچے اتر گئی اور بھاگنے والے کو للکارتے ہوئے اس کے تعاقب میں ہو لی۔

مجھے اندازہ تھا کہ بھاگنے والا غیر مسلح نہ ہوگا۔ اگر وہ بھاگتے بھاگتے ویرا کو تنہا دیکھ کر پلٹ پڑتا تو اسے اپنے اسلحہ سے زخمی بھی کر سکتا تھا۔ لہٰذا میں نے بجیرو موڑ کر کچے میں اتار دی اور پلک جھپکتے میں ویرا سے آگے نکل گیا۔

اپنے پیچھے انجن کی طاقت ور غراہٹ سن کر بھاگنے والے کو موت سر پر منڈلاتی ہوئی نظر آنے لگی اور اس نے لمحہ بھر کے لیے رک کر اندھا دھند بجیرو پر دو فائر جھونک مارے جو اس کی بوکھلاہٹ کے سبب فضا میں تیر گئے۔ اس ناکامی کے بعد اس نے کوئی چارہ نہ دیکھ کر ایک قریبی گڑھے میں چھلانگ لگا دی۔

میں بجیرو روک کر نیچے اترا لیکن آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اندھیرے گڑھے سے وہ بآسانی مجھے نشانہ بنا سکتا تھا۔ اسی اثنا میں ویرا بھی میرے پاس آ پہنچی۔

"دونوں ہاتھ اٹھا کر گڑھے سے باہر آ جاؤ ورنہ ہم جیپ اندر دھکیل دیں گے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا لیکن وہ جواب دیے بغیر خاموشی کے ساتھ اپنی کمین گاہ میں دبکا رہا۔

ویرا نے کئی بڑے پتھر اٹھا کر ایک ساتھ گڑھے میں اچھال دیے۔ جواب میں اس کی غراہٹ نما چیخ سنائی دی تھی۔ شاید وہ کسی پتھر کی زد میں آ گیا تھا۔ "اسے یوں ہی سنگسار کیے دیتے ہیں۔" ویرا نے اسے سنانے کے لیے اونچی آواز میں یہ کہتے ہوئے دوبارہ کچھ پتھر پھینکے اور اس بار گڑھے کا قیدی بلبلا اٹھا۔

"ٹھٹ... ٹھہرو۔" وہ بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا تھا۔ "اگر تم جان بخشی کا وعدہ کرو تو میں باہر آ جاتا ہوں۔"

"کوئی وعدہ نہیں کریں گے۔" ویرا غرائی۔ "آنا ہے تو آؤ ورنہ سنگباری میں اب ہم بڑے پتھر استعمال کریں گے۔"

تیسری بار میں نے بھی ویرا کا ساتھ دیا تھا۔ اس مرتبہ اس کی چیخیں بہت کربناک تھیں اور وہ واویلا مچاتا ہوا باہر آنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس کی کسی امکانی شرارت کے خطرے کے پیش نظر ہم دونوں گاڑی کی اوٹ میں ہو گئے تھے۔ وہ باہر آیا، پھر جتنی دیر میں ہم تاروں کی چھاؤں میں گاڑی کی آڑ سے نکل کر سامنے آتے، اس نے میدان صاف پا کر ایک بار پھر دوڑ لگا دی لیکن اس بار وہ اپنی سخت جانی کے باوجود زیادہ دور نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ میں نے فوراً ہی دو تین جستوں میں اسے پیچھے سے جا لیا۔

اس نے فوراً ہی وحشیانہ انداز میں مجھ سے الجھ جانا چاہا

تھا لیکن میں نے ... کے ساتھ شروع ہی سے اسے ٹکٹوں اور ... لیا۔ اسی جدوجہد میں اس کے ہاتھ سے ریوالور بھی ... لیا تھا۔ آخرکار اس نے ہانپتے ہوئے ہاتھ پیر ڈال دیے۔
سڑک کے درمیان آڑی ہو کر کھڑی ہوئی اس کی کار کی وجہ سے ہمارا زیادہ دیر تک وہاں ٹھہرنا سودمند نہیں تھا۔ ویران سڑک پر کوئی بھی سواری آ نکلتی تو راستہ مسدود دیکھ کر کچے میدان میں کھڑی ہوئی ہماری گاڑی کی طرف متوجہ ہونا لازمی امر تھا للہٰذا ہم دونوں نے اس کی تلاشی لے کر اسے ٹیکسی کی پچھلی نشست پر ڈال لیا۔ میں اس کے پاس برابر میں بیٹھا تھا اور اس بار ڈرائیونگ سیٹ ویرا نے سنبھالی تھی۔
"ذرا بھی چوں چرا کی تو تمہیں گولی مار دوں گا۔" میں نے اپنے پستول کی نال اس کی پسلیوں میں اڑاتے ہوئے کہا۔ اس دوران میں میں یہ دیکھ چکا تھا کہ سنگباری اور مار دھاڑ کی وجہ سے وہ خاصا زخمی ہو چکا تھا۔
"تت.... تم لوگ مجھ سے سراسر زیادتی کر رہے ہو۔" وہ ہانپتے ہوئے بولا۔
"ہمارا پیچھا کیوں کر رہے تھے؟" میں نے درشت لہجے میں سوال کیا۔
"مجھے شہر میں اس نمبر کی گاڑی کا سراغ لگا کر اس پر نگاہ رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔
"ہدایت دینے والا کون تھا؟" میں نے اس کی پسلیوں میں پستول کی نال کا دباؤ بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔
"نن.... ناصر!" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "گاڑی مل جانے کے بعد مجھے پہلی فرصت میں اسے مطلع کرنا تھا۔"
"تلاش کا حکم کب ملا تھا؟"
"زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹے پہلے کی بات ہے، مینار کے پاس گاڑی دیکھتے ہی میں وہیں رک گیا تھا۔"
"اسے اطلاع دینے کا ذریعہ کیا ہوتا؟"
"فون۔" وہ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے بولا۔ "اس نے مجھے دو نمبر دیے تھے۔ پہلا خود اس کا تھا۔ وہ نہ ملتا تو دوسرا نمبر ڈائل کر کے جو بھی ملتا اسی کو اطلاع دے کر اگلی ہدایات لینا تھیں۔"
میری ہدایت پر اس نے اپنی جیبیں ٹٹول کر کاغذ کا ایک پرزہ میری طرف بڑھا دیا جس پر دونوں فون نمبر درج تھے۔ مجھے یقین تھا کہ دوسرا نمبر دان ہوف کا ہوگا۔
وہ ہمارے لیے بالکل غیراہم اور ناکارہ آدمی تھا۔ یہ امکان بھی تھا کہ ناصر نے اس کی خدمات معاوضے پر حاصل کی ہوں۔ ایسی صورت میں میں اس کا خون بہانا نہیں چاہتا تھا۔

اسے موت کا خوف دلا کر جب میں نے اعصابی طور پر بری طرح مفلوج کر دیا تو پھر ہم نے اسے راستے میں اتارنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ اس دوران میں وہ اپنی جان بخشی کے عوض ہمارا ہر مطالبہ تسلیم کرنے پر آمادہ تھا۔ ابتدا میں ویرا اسے بھی ختم کر دینے پر تلی ہوئی تھی لیکن میں بھیانک کشت و خون سے گزرنے کے بعد اب اس معاملے میں محتاط ہی رہنا چاہتا تھا۔ آخرکار چوبرجی سے ذرا پہلے ہم نے گاڑی روک کر ایک ویران مقام پر اس سے گلو خلاصی حاصل کر لی۔
"دیکھ لیا۔" چند ثانیوں تک خاموشی سے ڈرائیونگ کرتے رہنے کے بعد ویرا تلخ لہجے میں بولی۔ "سب کڑیاں اسی ایک سمت کا تعین کر رہی ہیں جس کی نشاندہی میں پہلے ہی کر چکی تھی۔"
"ان حالات میں تمہارا ہوٹل کا رخ کرنا خطرناک ہوگا۔ تمہیں ٹھکانا بدل لینا چاہیے ورنہ وان ہوف اس سرد جنگ میں کوئی بھی گھٹیا وار کر سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اب ہمیں فوری طور پر اس گاڑی سے پیچھا چھڑا لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ ناصر نے اس کی تلاش میں کچھ اور لوگ بھی شہر میں پھیلائے ہوئے ہوں۔"
"تمہاری دونوں باتیں درست ہیں۔ میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں وان ہوف سے گفتگو کے بعد گاڑی چھوڑوں گی۔ میں اسے جتانا چاہتی ہوں کہ اس کا کھیل پوری طرح بے نقاب ہو گیا ہے۔"
"بہتر تو یہ ہوگا کہ دوسرے فون نمبر پر بات کی جائے، مجھے یقین ہے کہ کال وان ہوف ہی ریسیو کرے گا۔ یہ حربہ بوکھلا کر رکھ دے گا۔"
"ابھی اسے اتنا ہوشیار نہیں کروں گی۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ ہمیں اس کو گھیرنا ہی پڑ جائے۔ وہ نمبر اس کے ٹھکانے کی نشاندہی میں کام آ سکتا ہے۔"
میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کا خیال درست ہی تھا۔
وان ہوف نے رابطے کے لیے ساڑھے گیارہ بجے کے بعد کا وقت دیا تھا للہٰذا شہر کی سڑکوں پر بے مقصد ڈرائیونگ کر کے کوئی خطرہ مول لینے کے بجائے ہم نے گاڑی شہر کے ایک ایسے علاقے میں روک لی جہاں کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر ہم مطلوبہ وقت گزار سکتے تھے۔
وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور میں سگریٹوں پر سگریٹ پھونکتا رہا پھر ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے میں نے انجن اسٹارٹ کر کے ٹیکسی شہر کی ویران سڑکوں پر سست رفتاری سے آگے بڑھا دی۔
ویرا ڈیش بورڈ کے نچلے خفیہ خانے سے ماؤتھ پیس نکال کر وان ہوف کے لیے ٹرانسمیٹر پر سگنل نشر کرنے لگی۔

ڈیڈلی برڈ کالنگ فار لیری..... اوور! ڈیرالائیڈ ٹرانسمیٹر کے ماؤتھ پیس کو اپنے دہانے کے قریب لاکر تھوڑے تھوڑے وقفے سے خشک اور سنگین لہجے میں وہ پیغام نشر کرکے آپریٹس پر جوابی اشارے کی منتظر تھی لیکن دوسری طرف ایک مسلسل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ آپریٹس کے حساس اسپیکر پر بس ریڈیائی لہروں کا گھٹتا بڑھتا شور ہی سنائی دے رہا تھا۔ اس کی کئی ناکام کوششوں کے بعد غیر ارادی طور پر مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ڈیرا اپنا پیغام کسی ایسے خلائی مسافر کے لیے نشر کررہی ہو جس کا راکٹ شومئی تقدیر سے اسے نشانے کے بجائے خلا کی بیکراں وسعتوں میں کسی بلیک ہول کی جانب لے گیا ہو جہاں بھیانک کشش ثقل ہر شے کو نگل جاتی ہے جہاں وجود کشش کی شدت سے سمٹتے سمٹتے اندھی وسعتوں میں گم ہوجاتے ہیں، جہاں نہ روشنی کا گزر ہے نہ آواز اور ریڈیائی اشاروں کا اور توانائی سے مادے تک، جو بھی بھٹک جاتا ہے لازوال گمشدگی کا شکار ہوجاتا ہے. شاید ڈیرالائیڈ یا ڈیڈلی برڈ کا منظور نظر لیری بھی ایسے ہی کسی بھیانک خلائی گرداب میں جذب ہوگیا تھا جو وہ ساڑھے گیارہ بج جانے کے باوجود جواب نہیں دے رہا تھا۔

ڈیڈلی برڈ۔ میرے ذہن کے کسی دور افتادہ گوشے میں گونج سی ابھری اور میں انگریزی زبان کے ان دو الفاظ کی معنویت میں ڈوب گیا۔ بچپن سے طائرلاہوت کے بارے میں پڑھتا اور سنتا آیا تھا لیکن اسے کبھی دیکھ نہیں سکا تھا مگر ڈیرا کو دیکھ لینے کے بعد ذہن کو اس کے لیے ایک موزوں سے نام کی مستقل جستجو تھی جسے اس نے خود دور کر دیا تھا۔ طائر مرگ یا مرگ کا پرندہ اس کے لیے بہت موزوں تھا جس کا اقرار وہ خود بہ آواز بلند کر رہی تھی لیکن دوسری طرف کوئی نہ تھا جو موت کے پرندے کی آواز کا جواب دیتا۔

"پرندے کا الٹ کیا ہوتا ہے ڈیرا؟" اس کے انہماک میں خلل ڈالتے ہی میں نے سوال داغ دیا۔ گفتگو اردو میں شروع ہوئی تھی۔ "چوپایہ یعنی وہ جو اڑ نہ سکے۔" اس نے قدرے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ "یہ کیسا بے تکا سا سوال کر بیٹھے ہو تم؟" وہ بھی اردو ہی میں بولی تھی۔

میں خفت آمیز انداز میں ہنس دیا۔ "اوہ، میرا یہ مطلب نہیں تھا مجھے اڑنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اڑنے والوں کا الٹ کیا ہوتا ہے؟"

"شاید تم تھک گئے ہو۔" اس کی آواز ملامت آمیز تھی۔ "اڑنے والوں کا الٹ، نہ اڑنے والے ہوتے ہیں جو درندے، چرندے اور چوپائے ہوتے ہیں مگر اس وقت ان کا ذکر تم کہاں سے نکال بیٹھے ہو؟"

شاید میری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔" میں نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "میرا مطلب تھا کہ پرندے کی مادہ کیا کہلاتی ہے؟"

"تم بالکل ہی گھامڑ ہو۔" اندھیرے میں اس کی غصیلی آواز ابھری۔ "پرندہ بس پرندہ ہوتا ہے۔ نر بھی اور مادہ بھی۔"

"پرندی۔" میں ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "کس قدر ہولناک عنوان ہوگا۔ موت کی پرندی عرف ڈیرالائیڈ۔ اگر میں آنکھیں بند کرکے، دانت بھینچ کر طیش کے عالم میں کسی اسٹینو کو ڈکٹیشن دینا شروع کردوں تو تیسرے ہی دن ایک شاندار ناول تیار ہوسکتا ہے جس کا اگر انگریزی میں ترجمہ ہوجائے اور وہ چھپ بھی جائے تو سال کا سب سے زیادہ بکنے والا ناول قرار پائے گا۔"

"ترجمے کی کیا ضرورت ہے؟ انگریزی میں براہ راست طبع آزمائی کیوں نہیں کرتے؟" اس کا لہجہ شاید مضحکانہ تھا۔

"کرسکتا ہوں مگر انگریزی کے اسٹینو جذبات سے عاری ہوتے ہیں، جو کہو وہی لکھ مارتے ہیں۔ اردو میں ڈکٹیشن دیا جائے تو اسٹینو حسب ضرورت اپنی طرف سے بقدر ظرف جذبات اور جزئیات گھسیڑ دیتے ہیں۔ کبھی کبھار اس طرح ادیب اور اسٹینو کے درمیان حقیقی جذبات کا تبادلہ بھی ہوجاتا ہے جو بسا اوقات بار آور ثابت ہوتا ہے۔ اس ملک میں انگریزی کی فکشن نویسی میں بس یہی ایک کسر ہے ورنہ واقعات تو آج کل کم و بیش ایک ہی جیسے ہوتے ہیں سائنسی ترقیوں نے سارے جغرافیائی فاصلے حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیے ہیں۔"

"سیدھی طرح کہو جو کہنا چاہتے ہو۔" وہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولی۔ "شاید تمہیں ابھی تک احساس نہیں ہوا ہے کہ میں نادانستگی میں وان ہوف کی مخاصمت مول لے بیٹھی ہوں۔"

"میں تو کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا۔ بات بالکل سیدھی سی ہے کہ اس وقت موت کی پرندی ایکشن میں ہے اور جملہ حاضرین دقارئین و ناظرین کو اگلے مقابلے کا منتظر رہنا چاہیے جو وان ہوف عرف لیری عرف ایکس ایل تھری کو ڈون اور موت کی پرندی عرف ڈیرالائیڈ کے درمیان ہوگا۔"

"اتنی خوش دلی سے کام نہ لو۔" اس کا لہجہ زہریلا ہوگیا۔ "وار اوچھا پڑا تو یہ یاد رکھنا کہ وہ اس شہر کو ایک زندہ جہنم میں تبدیل کرنے کی قوت رکھتا ہے۔"

"موت کی پرندی!" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "مجھے تو تم اس کی ایجنٹ معلوم ہوتی ہو کسی بھی بدمعاش کی ہوا باندھنے

کے لیے اس سے زیادہ اس کے حاشیہ بردار اہم ہوتے ہیں اور اس وقت تم مجھ پر دان ہوف کا رعب گانٹھنے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"سنجیدہ ہونے کی کوشش کرو ڈینی! اس مرحلے پر ہم دونوں کو پوری طرح ہوشیار رہنا ہے۔ ذرا سی بھی غلطی ہو گئی تو شاید اس کے ازالے کی بھی مہلت نہ مل سکے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ مجھے اتنی محبت سے نہ پکارا کرو، دل میں آگ سی بھڑک اٹھتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں پوری طرح سنجیدہ ہوں، یہ ضروری نہیں کہ چہرے پر نحوست طاری کر کے خشک گفتگو کی جائے تب ہی سنجیدگی کا اظہار ہوتا ہے۔ تیسری اور آخری بات یہ کہ اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اس میں تمہارے ارادے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ دان ہوف نے خود ہی تمہیں گھیرنے کی کوشش کی ہے اور تم جو کچھ کر رہی ہو وہ دفاع کے زمرے میں آتا ہے۔"

"لائبے نز کا نج پر تباہی نازل نہ ہوتی وان ہوف کو یہ موقع ہی نہ مل پاتا۔ یہ نہ بھولو کہ اس ٹھکانے کو تباہ کر کے ہم نے خود اسے ایک سنہرا موقع فراہم کیا ہے۔"

"بودی دلیل ہے۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر مگر کے پھیر میں تو بات بہت دور تک جا سکتی ہے۔ اگر مجھی لائیڈ نے اپنی جوانی کے ایام میں تمہاری ماں سے عشق نہ لڑایا ہوتا تو اس وقت حالات ہی کچھ اور ہوتے!"

"ڈینی!" اس بار ویرا کی آواز غصیلی تھی۔ "تم حد سے بڑھ رہے ہو۔"

میں خاموش رہا۔ اس کے ٹوکنے پر احساس ہوا کہ میں نے واقعی اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اپنے مخصوص پس منظر کی بنا پر اپنی ماں پر کسی تبصرے پر اس کا بھڑکنا فطری امر تھا۔

مختلف راستوں سے ہوتا ہوا میں سرکلر روڈ پر آ نکلا۔ دن میں پرہجوم نظر آنے والے کاروباری علاقے اس وقت ویران پڑے ہوئے تھے لیکن پھر بھی اتنا سناٹا نہیں تھا کہ ویرا بے خطر ہو کر ٹرانسمیٹر پر مصروف رہ سکتی۔

"یہ کہاں آ گئے؟" اس نے اضطراری طور پر کہا۔ "گاڑی واپس اسی طرف گھما لو جہاں تھوڑی دیر پہلے ہم رکے تھے۔"

"تھوڑی دیر صبر کرو۔" میں نے فیول گیج کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے پروگرام بدل دیا ہے۔ گاڑی لاہور میں چھوڑی تو شہر میں ہماری تلاش پورے زور و شور کے ساتھ جاری رہے گی۔"

"تو تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟" اس نے درمیان ہی سے میری بات اچک لی۔

"شہر سے باہر جا رہے ہیں۔" میں نے اختصار کے ساتھ جواب دیا۔

جدید دور میں سانس لیتے ہوئے بھی لاہور کے ماحول پر اس کی تاریخ کے سائے نمایاں نظر آتے تھے۔ سرکلر روڈ پر جابجا مختلف پھاٹکوں کے نام نظر آ رہے تھے جو شاید کسی دور میں شہر پناہ کے مختلف داخلی راستے رہے ہوں۔ بیرون لاہوری گیٹ، بیرون مستی گیٹ وغیرہ سے گزرنے کے بعد بائیں ہاتھ پر لاہور کے شاہی قلعے کی فصیلیں نظر آنے لگیں۔ اس سے آگے بادشاہی مسجد کے پرشکوہ مینار سربلند تھے اور داہنی طرف وسیع و عریض میدان میں مینارِ پاکستان روشن تھا۔

"تم پھر وہیں آ نکلے۔" ویرا نے وہ علاقہ پہچانتے ہی الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہیں سے تو وہ مردود تمہارے پیچھے لگا تھا۔"

"فکر نہ کرو، وہ دوبارہ نہیں آئے گا۔ یہی راستہ مختصر اور محفوظ ہے۔"

راوی روڈ پر گھومنے کے بعد جب تک ہم ٹول ٹیکس ادا کر کے تھکے تھکے سست رو دریا پر بنے ہوئے پل پر آ گئے نہ ٹھہ گئے وہ بے چین ہی رہی، شاید لاہور کے اس علاقے سے وہ اتنی زیادہ واقف نہیں تھی۔

"اب ہم گجرانوالہ جا رہے ہیں۔" میں نے شاہدرہ چوک سے پجیرو بائیں طرف گھماتے ہوئے کہا۔ "اس سڑک پر تم بے خوف و خطر ٹرانسمیٹر استعمال کر سکو گی۔"

پھر ہم دونوں ہی خاموش ہو گئے اور فضا میں صرف پجیرو کے انجن کی ہموار اور مسلسل گونج باقی رہ گئی اور میرا ذہن ایک بار پھر تنظیم کے معاملات میں الجھ کر رہ گیا۔

سب کچھ بہت سیدھے سادے انداز میں شروع ہوا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے معاشرے کا کوئی نیک نام اور معزز شخص تیزی کے ساتھ پیسہ کمانے کی دھن میں منشیات کی تجارت میں ملوث ہو گیا تھا اور اس نے اپنا بھرم رکھنے کے لیے خود سامنے آئے بغیر سارا کام دوسروں سے لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اپنے آدمیوں کے بارے میں اس کے بعض سفاکانہ فیصلوں نے جلد ہی یہ واضح کر دیا کہ کالے دھن اور اپنے آدمیوں کے لہو سے زیادہ اسے اپنا تحفظ اور رازداری عزیز تھی۔ تجسس اور پھر حالات کی ایما پر میں نے اندرون خانہ تلاش کی مہم شروع کی تو مختلف ناموں سے ہوتے ہوتے پوری کہانی بس ایک نام پر مرکوز ہو کر رہ گئی، جو لے لو کہلاتا تھا۔ اس بات کی ہر علامت اور شہادت موجود تھی کہ پورے ناجائز کاروبار کا مالک و مختار وہی تھا مگر پھر ویرا سامنے آئی اور میری نگاہوں کے سامنے اس نے لے ٹو کو کسی حقیر کتے کی طرح بے آواز گولی کا نشانہ بنا دیا۔

اس واقعے نے سمٹتی ہوئی بساط کو پھر الجھا دیا تھا۔ مکمل جدوجہد

اِدھر اتنا انتظار کے بعد آخر کار یہ بات سامنے آگئی تھی کہ اوپر سے نچلی سطح تک سارے مقامی کارندے محض آلۂ کار تھے اور ملک میں بڑی کھلبلی بیرونِ ملک کی مقامی ترسیل و تجارت اور برآمد کے پیچھے عالمی دماغ کارفرما تھے جو اس مد سے ہونے والی ناقابلِ تصور آمدنی کا ایک حصہ ملک میں مہلک ہتھیاروں کی غیر قانونی درآمد پر صرف کر رہے تھے۔ یہ اندازہ لگا لینا دشوار نہیں تھا کہ چور دروازے سے آنے والا اسلحہ کوڑیوں کے مول اور بعض اوقات شاید مفت، تخریب کاروں اور جرائم پیشہ لوگوں کو فراہم کیا جا رہا تھا جس کے اثرات اسلحہ کی مقامی منڈی میں نمایاں نظر آ رہے تھے۔

سرکاری اجازت ناموں پر مہنگے اسلحے کی قانونی خریداری کم ہوتی جا رہی تھی اور چور بازاروں میں جدید ترین ہتھیار اونے پونے داموں میں کھلے عام دستیاب تھے اور ان تمام سرگرمیوں کے پسِ پشت صرف پانچ آدمیوں کا ایک گروپ کام کر رہا تھا جن میں سے ایک وان ہوف تھا۔ ان کا طریقۂ کار اس قدر محفوظ اور پُراسرار تھا کہ ان کا بے نقاب ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ اگر مجھے بھی اتفاقاً ویرا لائیڈ کی مدد حاصل نہ ہو گئی ہوتی تو میں بھی مقامی چہروں کی تلاش میں ہی بھٹکتا رہتا۔

مگر اب صورتِ حال بہت سنگین ہو چکی تھی۔ وان ہوف کا نام سامنے آ چکا تھا غالباً اس کا فون نمبر بھی ہمارے ہاتھ لگ گیا تھا مگر قابلِ غور نکتہ یہ تھا کہ خود ویرا بھی اس کی قیام گاہ سے لاعلم تھی۔ رازداری کی صورت یہ تھی کہ شناسا آوازوں پر بھی شناختی کوڈ کے بغیر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا اور اس پوری تنظیم کا تانا بانا جمی لائیڈ کا بنا ہوا تھا جو کاروبار کو ایک مخصوص نہج پر ڈالنے کے بعد بے فکری کے ساتھ ہزاروں میل دور کہیں عیش کر رہا تھا۔

خوش نصیبی کی بات یہ تھی کہ جمی لائیڈ کی وراثت کی دعویدار ویرا میرے ساتھ مل گئی تھی اور اپنے باپ کی تلاش کے جنون میں اس قدر آگے بڑھ چکی تھی کہ اب اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں رہا تھا۔ لائیڈز کالج کو اس نے بارودی ذخائر اور طاقتور ڈائنامائٹ کے ساتھ تباہ کر کے اس نے مجھے اپنی وفاداری کا پورا یقین دلا دیا تھا۔

سنسان سڑک پر اس نے دوبارہ پھر وان ہوف سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی تھی لہٰذا میں نے موقع پا کر اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی۔

”یہ اے ٹوکس کو جوابدہ تھی ویرا“

”وان ہوف کو۔“ اس کی آواز خیال انگیز تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ وان ہوف نے اسے سیاہ و سفید کا مالک بنا کر اپنے لیے ناگزیر بنا لیا ہے لیکن تم نے دیکھا کہ اسے کتنی آسانی سے ہٹا دیا گیا۔ وان ہوف نے اسے اپنے لیے ڈھال بنایا ہوا تھا تاکہ کسی بُری گھڑی میں اسے ٹوکس کی گردن پھندے میں دے کر خود بچ سکے۔“

”اور اب اس کی جگہ کسے لیا گیا ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”یہ وان ہوف کا اپنا مسئلہ ہے۔“ وہ بولی۔ ”کسی نہ کسی کا تقرر کر ہی لیا ہوگا۔ وہ کسی بھی قیمت پر خود براہِ راست ملوث ہونا پسند نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ ناصر کی ہی قسمت جاگ اٹھی ہو۔“

”لیری کالنگ فار شوگر گوئین...... اوور!“ اچانک ڈیش بورڈ میں لگے ہوئے ٹرانسمیٹر کے اسپیکر سے وان ہوف کی جانی پہچانی آواز اُبھری اور میرے پورے جسم پر اعصابی تناؤ طاری ہو گیا۔

”ریسیونگ“ ویرا نے ماؤتھ پیس اپنے دہانے کے قریب لا کر ٹرانسمیٹنگ بٹن دبا کر کہا۔ ”کوڈ دہراؤ...... اوور!“ مجھے خوشی ہوئی کہ اس بار ویرا نے اس کی آواز پر بھروسا کرنے کے بجائے اس سے کوڈ کا مطالبہ کیا تھا۔

”ایکس ایل تھری کوڈ ون سیکنڈ کال ٹو یو...... اوور!“ وان ہوف کی دیدہ زیبائی آواز میں ہلکی سی تلخی عود کر آئی تھی۔

”فالکن فور۔ تم کہاں غائب تھے؟ میں آدھے گھنٹے سے تمہیں ٹریس کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اوور!“

”میں نے ساڑھے گیارہ کے بعد کہا تھا اور تم اپنی رسٹ واچ دیکھو تو پتا چلے گا کہ مجھے صرف دس منٹ کی تاخیر ہوئی ہے۔ میٹنگ ذرا طول پکڑ گئی تھی۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کر آئی ہو؟...... اوور!“

”وہاں معائنہ کرنے کے لیے کچھ باقی نہ رہا تھا۔ آگ دھوئیں اور ملبے کے سوا اب وہاں کچھ نہیں ہے، شاید ہی کوئی زندہ بچا ہو۔ وہاں بدترین دھماکے ہوئے تھے جو میلوں دور تک سنے گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی طرح وہاں لگے ہوئے ٹوٹل طوفان سرکٹ میں کسی وجہ سے برقی رو دوڑ گئی ورنہ اس قدر بھرپور تباہی نہ پھیلی ہوتی...... اوور!“

”تمہارا اندازہ درست ہے۔“ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس کی آواز ابھری۔ ”ڈی سوزا سے بڑی بھاری غلطی ہوئی تھی۔ جس کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑا...... تو سب کچھ ہی کھنڈر ہو گیا وہاں؟ اوور!“ آخری فقرے پر اس کی آواز ملال آمیز ہو گئی تھی۔

”کیسی غلطی ہوئی تھی اس سے؟ اوور!“ ویرا کی آواز بجا طور پر تجسس آمیز تھی۔

”کل شام سے اس کا انعام نامی ایک آدمی لاپتا تھا۔“ وان ہوف کی زبان سے انعام کا نام سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ لائیڈز کالج کے واقعات سے خاصا باخبر تھا اور شاید میرے کردار سے بھی واقف رہا ہو۔ ”ڈی سوزا کے تقرر تک انعام بھی لائیڈ کالج کی سربراہی کا امیدوار تھا پھر موقع نہ ملنے پر اس

نے وہاں درپردہ سازشیں شروع کر دیں لیکن ڈی سوزا نے کسی ثبوت کے نہ ہونے کی وجہ سے آج تک مجھے اس معاملے سے بے خبر رکھا اور اپنے طور پر تحقیقات کرتا رہا۔ کل انعام کو اپنے خلاف ہونے والی انکوائری کی بھنک ملی تو وہ روپوش ہو گیا۔ اسے کسی نے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ محافظوں نے چپہ چپہ چھان مارا لیکن وہ نہ ملا۔ پھر ڈی سوزا نے آج رات احاطے میں مکمل بلیک آؤٹ کرا کر گٹر لائن کی تلاشی کا آغاز کرایا تھا۔ شاید انعام وہیں روپوش رہا ہو گا۔ بڑے قطر کے ان ہی نالوں میں بعد میں ڈالی جانے والی بجلی کی لائنیں اور ٹوٹل بلو آف سرکٹ کو آپس میں ملانے والے تار اوپری حصے میں سے گزرتے ہیں۔ یقینی طور پر انعام نے روشنی وغیرہ کی کسی امید میں ان ہی میں سے غلط تاروں کو آپس میں جوڑ دیا ہو گا۔ یہ مختصر سی کہانی مجھے آج دوپہر کو ہی معلوم ہوئی تھی۔ پہلے سے حالات کی سنگینی کا اندازہ ہوتا تو میں وہ سارے سرکٹ بے جان کرا دیتا۔ اوور!“

اس کے خاموش ہونے پر میری جان میں جان آئی کہ اسے جو کچھ بتایا گیا، سرسری انداز میں بتایا گیا تھا۔ تفصیلات اور اس کی پوری کارروائی میں میرے کلیدی رول سے وہ پوری طرح لاعلم تھا۔

”جب ہماری ناک کے نیچے خونی رقابتیں پروان چڑھنے لگیں اور ہمیں ان کی بھنک تک نہ مل سکے تو عموماً ایسی ہی بڑی تباہیاں نازل ہوتی ہیں۔“ ویرا کا لہجہ سپاٹ لیکن الفاظ نکیلے تھے۔ ”اب تو جو ہونا تھا وہ ہو ہی گیا لیکن مجھے حیرت اس بات کی ہے کہ تمہیں میرے علاوہ اس معاملے کی اطلاع کسی نے نہیں دی حالانکہ سب سے مضبوط اور منظم ٹیم تمہاری ہی سمجھی جاتی ہے۔ اوور!“

”اپنے معاملات کو میں خوب سمجھتا ہوں۔“ ڈان ہوف کی آواز سے ناگواری کا اظہار ہو رہا تھا۔ ”اگر میں میٹنگ میں نہ ہوتا تو تم سے پہلے کوئی نہ کوئی سب کچھ بتا چکا ہوتا اور اب بھی پورے معاملے کی چھان بین میرے ہی آدمی کریں گے۔ اوور!“

”یہ اندازہ میں لگا چکی ہوں۔“ ویرا نے برجستہ کہا۔ ”میں نے ناصر کو جلتے ہوئے بلبے کے قریب دیکھا تھا۔ اوور!“

”ناصر!“ اس کی آواز اضطراری تھی۔ ”اس سے کیا معلوم ہوا تمہیں؟ اوور!“

”کچھ بھی نہیں۔“ ویرا کی آواز طنزیہ ہو گئی۔ ”خیریت ہوئی کہ اس سے ملاقات نہیں ہوئی…… اوور۔“

”کیوں؟ تمہیں کیا خطرہ تھا اس سے؟ وہ وہاں اپنے معمول کی ذمے داری کے مطابق گیا ہو گا…… اوور!“

”یا شاید کوئی غیر معمولی ذمے داری سونپی گئی ہو اسے۔“ ویرا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”امدادی پارٹیوں اور تماشائیوں کے ہجوم سے کافی دور ویرانے میں اپنی کار کے شیشے چڑھائے شاید شہر سے کسی کی آمد کا منتظر تھا۔ اسی وجہ سے میں نے اسے ملنا مناسب نہ سمجھا اور ٹیکسی میں آگے نکلی چلی گئی۔ میری واپسی پر بھی وہ اپنی سرخ کار میں وہیں موجود تھا۔ اوور!“

”ٹیکسی میں کیوں گئی تھیں تم؟ بجیرد کو کیا ہوا؟ اوور!“ ویرا اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہی تھی۔ انجان بن کر وہ روی میں اسے ذہنی جھٹکے دیے جا رہی تھی اور وہ اپنا منصوبہ خاک میں مل جانے پر شاید دل ہی دل میں اپنے مقدر کو گالیاں دے رہا تھا۔

”وہ میرا اپنا فیصلہ تھا۔ شہر میں دو مقامات پر مجھے گھیرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ دوسری بار چند فائر بھی کیے گئے تھے۔ اگر میں اچانک ہی رفتار نہ بڑھا دیتی تو شاید تمہیں ناصر ہی سے میری موت کی خبر ملتی…… اوور!“

”پتا نہیں…… کچھ پتا نہیں کہ اس شہر میں اچانک کیا ہونے لگا ہے…… اور تت…… تم ناصر کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟ کیا اس نے کوئی بدتمیزی کی ہے تمہارے ساتھ؟ اوور!“

”میں شکایت کرنے کی عادی نہیں ہوں۔“ ویرا کی آواز سرد اور سفاکانہ ہو گئی۔ ”بدتمیزی کرنے والوں کا سر کچلنا جانتی ہوں۔ مجھے اس بے چارے سے کوئی پرخاش نہیں ہے، وہ وہی کرتا ہے جو اسے بتایا جاتا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ مقامیوں میں وہ تمہارا اہم ترین آدمی ہے۔ شہر کی خبریں بھی لازماً وہی پہنچاتا ہو گا۔ اوور!“

”اس وقت بجیرد تمہارے ہی پاس ہے؟ اوور!“

”ظاہر ہے۔ نہ ہوتی تو تم سے رابطہ کیسے قائم کرتی۔ تم نے مجھے کام سونپ کر بڑی دشواری میں ڈال دیا تھا۔ بجیرد میں نے ایک کار پارکنگ لاٹ پر چھوڑی تھی اور اب خطرہ مول لے کر دوبارہ اس میں سفر کر رہی ہوں۔ اوور!“

”تم مجھے اپنی لوکیشن بتاؤ۔ میں فوراً محافظ روانہ کرتا ہوں۔ تم پر اٹھنے والے ہر ہاتھ کو میں قلم کرا دوں گا…… اوور!“

”شکریہ۔ میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میری رگوں میں کس کا خون دوڑ رہا ہے۔ بس اتنا بتا دو کہ تھوڑی دیر بعد میں بجیرد کہیں بھی چھوڑ دوں گی، تمہیں اپنے آدمیوں سے اسے تلاش کرانا ہو گا۔ اس کی وجہ سے میں فوری طور پر کوئی نیا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ان لوگوں کا نشانہ میری ذات تھی یا صرف بجیرد کیونکہ بجیرد کے میرے زیرِ استعمال ہونے کے بارے میں تمہارے علاوہ صرف وہ آدمی واقف ہے جس نے گاڑی ایئرپورٹ پر میرے حوالے کی تھی… اوور!“

"تم سے کسی کو کیا پرخاش ہو سکتی ہے... شاید گاڑی کسی موقع پر پہچان لی گئی ہوگی اور اب وہ نامعلوم لوگ گاڑی کے دشمن ہو رہے ہیں۔ جو بھی گاڑی پر سوار ہوگا' وہ اسی سے اپنا حساب بے باق کرنے کی کوشش کریں گے.... اوور!"

"کیا عجیب اتفاق ہے کہ وہ دشمن بھی اسی وقت میدان میں آئے ہیں جب گاڑی میرے تصرف میں ہے۔ کیا پہلے بھی کبھی پجیرو پر اس انداز میں حملہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے؟ اوور!"

"نہیں — یہ پہلا واقعہ ہے۔ دراصل یہ گاڑی پورے دو ہفتوں بعد تمہارے لیے نکلوائی گئی ہے۔ ورنہ آخری مہم کے بعد سے گیراج میں بند تھی۔ اوور!"

"اور آخری مہم کیا تھی؟ اوور!" ویرا پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

"بری گل خان کے ایک خفیہ ٹھکانے کی تباہی میں یہ گاڑی استعمال کی گئی تھی۔ وہ اپنی کھیپ بڑھانے کے لیے ہمارے دلالوں کو توڑنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا — اوور!"

"خون خرابا بھی ہوا ہوگا؟ اوور!" ویرا کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"ادھر کے دو یا تین افراد مارے گئے تھے۔ اوور!"

وہ ویرا کی چال کو سمجھے بغیر روانی میں اپنے جھوٹ کو نباہنے کی کوشش کیے جا رہا تھا۔ بری گل خان کی کہانی تراشنے سے اس کا مدعا یہی رہا ہوگا کہ پجیرو پر حملے کی کارروائی کی ذمے داری کسی اور پر ڈالتے ہوئے خود کو ویرا کے امکانی شبہات سے محفوظ رکھ سکے اس احمق کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم اپنا تعاقب کرنے والے کو زیر کر کے یہ معلوم کر چکے تھے کہ وان ہوف کے معتمد' ناصر کے ایما پر شہر میں پجیرو کی تلاش کی مہم جاری تھی۔

"پھر تم میرے مجرم ہو۔" اس کے خاموش ہوتے ہی ویرا کی اہانت آمیز تلخ آواز ابھری تھی۔ "تم نے ایسی مشتبہ گاڑی میرے ذاتی استعمال کے لیے مخصوص کر کے مجھے دیدہ دانستہ خطرے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ میں اسے اپنے خلاف قتل کی بھونڈی سازش تصور کرتی ہوں اور بتائے دیتی ہوں کہ میں یہ معاملہ اوپر تک لے جاؤں گی... اوور اینڈ آل!"

ویرا نے اختتامی کلمات تو ادا کر دیے لیکن آپریٹس آف نہیں کیا لہٰذا فوراً ہی وان ہوف کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری تھی۔

"سلسلہ منقطع نہ کرنا۔ تم یقین کرو کہ میری نیت صاف ہے' نہ مجھے تم سے کوئی عناد ہے' میری غلطی صرف اتنی ہے کہ ہم میں نے اس اہم پہلو کو نظر انداز کر دیا تھا۔ شاید یہ ساری عمر میں میری پہلی غلطی ہے اور میں ہر طرح اس کا ازالہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر تم اپنی شکایت اوپر تک لے گئیں تو میرا مستقبل تاریک ہو جائے گا... اوور!" گردن پھنستے ہی وہ مکارانہ انداز میں خوشامد پر اتر آیا تھا۔

"جب بڑے اپنی ذمے داریوں سے غافل ہو کر کتوں کی طرح آپس میں ایک دوسرے پر بھونکنے لگیں تو چاروں طرف سے ناقابلِ گریز تباہی حملہ آور ہوتی ہے۔ میں تمہیں معاف نہیں کروں گی وان ہوف۔ تمہارا ماضی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح میرے سامنے ہے۔ اب خیال آتا ہے کہ شاید ایسی ہی کامیاب سازشوں کے ذریعے تم نے ترقی کا سفر تیزی کے ساتھ طے کیا ہے۔ اب تو مجھے یہ بھی شبہ ہے کہ تم اس وقت واقعی کسی غیر ملکی سفارت خانے کے ملٹری اتاشی سے ملنے گئے تھے۔ انکوائری ہوگی تو اس بارے میں بھی تمہارا جھوٹ پکڑا جائے گا۔ آج تمہاری پوری کوشش یہ تھی کہ میں پجیرو میں باہر نکلوں اور ماری جاؤں — اوور!" اسے مدافعت پر آمادہ پا کر ویرا شیر ہو گئی تھی اور اسے وان ہوف کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

"غلطی غلطی ہوتی ہے اور میں اسے تسلیم کر رہا ہوں، تم غصے میں جو کچھ کہہ رہی ہو اس پر مجھے کوئی ملال نہیں۔ ایک بات غلط ہو جائے تو ساری کڑیاں ہی غلط نظر آنے لگتی ہیں۔ میں بس یہ چاہتا ہوں کہ تم تھوڑی دیر کے لیے مجھ سے مل لو تاکہ میں اپنی پوزیشن کی وضاحت کر سکوں۔ اس کے بعد فیصلے کا اختیار تم کو ہوگا — اوور!"

"اوّل تو ایسی کوئی ملاقات ہی معمول کے خلاف ہوگی۔ دوئم یہ کہ مجھے تمہاری نیت پر شبہ ہے۔ اس ملاقات میں بھی تمہاری کوئی چال ہو سکتی ہے۔ تم نے اپنے رویّے سے مجھے محتاط رہنے پر مجبور کر دیا ہے — اوور!"

"تم میرے پاس نہیں آنا چاہتیں تو اپنا ٹھکانا بتاؤ' میں فوراً پہنچتا ہوں — اوور!" ویرا کی گرفت میں آ کر وہ بری طرح بلبلایا ہوا تھا اور ہر قیمت پر اس معاملے کو وہیں ختم کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کی کوششوں سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے اپنا اقتدار کتنا عزیز تھا۔

"آپریٹس پر موجود رہو' میں سوچ کر تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم کروں گی — اوور اینڈ آل!" اس بار ویرا نے ہاتھ بڑھا کر خفیہ خانے میں لگے ہوئے آپریٹس کا سوئچ بھی آف کر دیا۔

"دیکھ لی ا... کی مکاری۔" ویرا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن شکایت پر جان ہی نکل کر رہ گئی اس کی۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہارا اگلا پروگرام کیا ہے' ہمیں اس گاڑی سے جلد از جلد پیچھا چھڑا لینا چاہیے۔"

"واپس لاہور ہی چلتے ہیں۔" میں نے پجیرو کی رفتار سست

کر کے ویران سڑک پر مقررہ جگہ سے یوٹرن لیتے ہوئے کہا: "سفید چمڑی پر سیاہ لباس میں تم بہت نمایاں ہو رہی ہو۔ گوجرانوالہ جیسے چھوٹے شہر میں گاڑی چھوڑ کر ہم ہر ایک کی نگاہوں میں آجائیں گے۔ اتنی رات گئے سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے کے الزام میں کسی خر دماغ پولیس افسر سے سامنا ہو گیا تو وہ اپنی ساری رات تمہاری شناخت پر قربان کر دے گا۔ لاہور بڑا شہر ہے' وہاں گزارے کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔"

"میری شناخت کی فکر نہ کرو۔" وہ شوخ لہجے میں بولی۔ "ہنگاموں میں زندگی گزار کر بس اسی قدر سیکھا ہے کہ کاغذات ہر وقت جان سے لگائے رکھتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی پتلون کی عقبی جیب سے پاسپورٹ نکال کر میرے سامنے کر دیا۔

"تو تم باضابطہ طور پر یہاں آئی ہو؟" میں نے اس کے برطانوی پاسپورٹ کی ورق گردانی کرتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔

"یہ تو میں شاید پہلے بھی تمہیں بتا چکی ہوں کہ یہاں اسٹڈی ویزا پر آئی ہوں اور منشیات کے بارے میں تمہارے معاشرتی رویّوں پر ایک ریسرچ تھیسس لکھ رہی ہوں۔ اس طرح میں مشکوک لوگوں سے بھی بے دھڑک ہو کر مل سکتی ہوں۔"

"تحقیق کرو گی تو اندازہ ہو گا کہ ہم اس دلدل میں گردن تک غرق کیے جا چکے ہیں۔ ہمارے کچھ علاقوں کی مخصوص تاریخی روایات اور سرحد پار افغان علاقے کی اویزش نے غیر ملکی طالع آزماؤں کی بڑی حوصلہ افزائی کی ہے۔ دونوں طرف کی سرحدی پٹی میں ناقابلِ رسائی دڑّوں اور پہاڑی وادیوں میں ہیروئن بنانے کی جدید ترین فیکٹریاں شب و روز کام کر رہی ہیں جن کی پوری پیداوار پیشگی خرید لی جاتی ہے۔ پڑوس کے جنگی ماحول کی وجہ سے اس علاقے میں سرمائے کی بہتات ہے پھر باہر سے بھی بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری ہو رہی ہے۔"

وہ ہنسنے لگی۔ "یہ سب میں تم سے زیادہ جانتی ہوں۔۔۔۔ پہلی ہیروئن فیکٹری کے قیام میں بیشتر کوششیں میری ہی تھیں۔ اس کے لیے جرمنی سے بھاری مشاہرے پر ایک ماہر کیمسٹ کو میں نے ہی بھیجا تھا اور تمہیں شاید یہ سن کر حیرت ہو کہ وہ علاقہ خشکی سے ناقابلِ رسائی اور محفوظ ہے مگر فیکٹری پر بمباری کی کسی کوشش کے خطرے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وہاں چٹانوں کی آڑ میں دو طیارہ شکن توپیں بھی نصب کر لی گئی ہیں جن پر دن رات افغان فوج سے بھاگے ہوئے ماہر توپچی مامور رہتے ہیں۔"

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، درست تھا تو صورتِ حال بہت بھیانک ہو چکی تھی۔ ملک کی سرحد میں چھوٹی چھوٹی متعدد خود مختار ریاستیں جنم لے چکی تھیں جو عملاً ہر معاملے میں آزاد تھیں جب کہ یہ تو ایک کھلی ہوئی بات تھی کہ آزاد قبائلی علاقوں میں سڑک اور ریل کی پٹڑی سے ہٹ کر ملکی قانون معطل ہو جاتا تھا اور قبائلی قانون کی عملداری شروع ہو جاتی تھی لیکن ویرا کی دکھائی ہوئی تصویر بہت لرزہ خیز تھی۔ اگر وہ سب سرحد کے پار کی پٹی میں ہو رہا تھا تو بھی خطرناک تھا کیونکہ وہی ہتھکنڈے کسی بھی وقت ہماری طرف بھی اختیار کیے جا سکتے تھے جس کے بعد صورتِ حال کا قیاس کرنا دشوار نہیں تھا۔

"یعنی تم اس خطّے میں ہیروئن کو تجارتی پیمانے پر متعارف کرانے کی ذمّے داری قبول کر رہی ہو؟"

"بالکل۔ اس کام کا کہیں نہ کہیں سے تو آغاز ہونا ہی تھا۔ ورنہ اِدھر کے ناخواندہ اور جنگجو لوگ تو ایسے منافع بخش کام کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتے تھے جس میں تجربہ گاہوں میں ہونے والے نازک اور محتاط طریقوں کو نمایاں دخل ہو۔ چرس، خام افیم اور دیسی اسلحے کے سوا وہاں روزگار کے کیا ذرائع فراہم کیے تھے تم نے؟ میں نے سنا تھا کہ وہاں چند روپوں کے لیے قتل ہوتے رہتے تھے۔ اب تم ہزاروں کی گڈی بھی اچھالتے ہوئے جاؤ تو کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔ سچ پوچھو تو ہیروئن ان پسماندہ علاقوں میں خوشحالی کا انقلاب لائی ہے اور وہاں دو صدیوں کا بہت ہی عجیب بلکہ ناقابلِ یقین سنگم نظر آتا ہے۔ حویلیوں اور آبادیوں میں وہ لوگ اپنی رسم و رواج کے سائے میں پچھلی صدی میں رہ رہے ہیں اور لیبارٹریز میں موجودہ صدی کے بہترین شعبدے نظر آتے ہیں۔ اہم پیداواری مراکز کے اطراف میں مشکوک لوگوں کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھنے کے لیے ریڈار تک استعمال ہو رہے ہیں اور مجھے فخر ہے کہ انھیں یہ سب ہم نے سکھایا ہے۔"

"ہزاروں میل دور آ کر انھیں سکھانے کے بجائے تم نے اپنے ملک پر توجہ کیوں نہیں دی، وہاں یہ کام تیزی سے پھل پھول سکتا تھا۔"

"انگلینڈ فلاحی مملکت ہے' وہاں روزگار کی فراہمی حکومت کی ذمّے داری ہے اور۔۔۔۔"

"تمہارے قریب ہی اٹلی بھی ہے جو شاید یورپ کا مفلس ترین ملک ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

اس نے ایک گہرا سانس لے کر سگریٹ سلگائی۔ پھر بولی۔ "ہمیں پاگل کتّے نے نہیں کاٹا تھا جو اس علاقے میں سرمایہ کاری کرتے۔ یہ فیصلہ برسوں کی تحقیق کے بعد کیا گیا۔ برطانوی دور میں اس خطّے میں مامور کیے جانے والے ہر سیاسی

دی۔ حتیٰ کہ مشنری عہدیدار نے بھی اپنے تجربات اور گہرے مشاہدات کو قلم بند کیا ہے تاکہ ہمارے صاحبان اس مارشل ریس کو سمجھ سکیں اور ہمارا یہ اندازہ ہے کہ یہ لوگ ایک ہزار برس بعد بھی اپنے رسم و رواج پر کسی غیر قانون کی بالادستی برداشت نہیں کریں گے۔ ان کے یہاں عزت، حمیّت اور بہادری کے بہت کڑے اور بعض اوقات ناقابلِ فہم تصورات رائج ہیں۔ یوں سمجھو کہ ہمارے حساب سے قانون کے سمندر میں یہ لاقانونیت کے جزیرے ہیں۔ جبکہ انگلینڈ، اٹلی یا یورپ کے کسی دوسرے ملک میں قانون سے ماورا ایک بالشت زمین بھی نہیں مل سکی۔ وہاں قانون ہیروئن کو زہر تصور کرتا ہے۔ اسے فارماکوپیا سے خارج کیا جاچکا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہاں بھی لوگ قانون کی نظروں میں دھول جھونک کر اس کا لین دین کرتے ہیں لیکن اس کی تیاری کا کوئی مستقل ٹھکانہ وہاں چند ہفتوں سے زیادہ نہیں پنپ سکتا۔ یہاں ہم نے ان لوگوں کی فطرت کے عین مطابق اپنے تجربات کی روشنی میں سمجھایا کہ ان کو صدیوں کی کڑی مشقّت کے باوجود کبھی خوشحالی نصیب نہ ہوسکی۔ نہ ان کے لیے روزگار کے مواقع فراہم کیے گئے جب کہ زمین ان کی ہے، قانون ان کا ہے تو پھر وہ خود کارخانے کیوں نہیں لگاتے جب کہ رواداری کے جذبے سے ہم فنّی اور مالی اعانت پر آمادہ ہیں۔ یہاں تک بات ان کی سمجھ میں آگئی پھر کارخانوں کی نوعیت کا سوال اٹھا تو بتایا گیا کہ طلب اور رسد کے اصول کے تحت وہی چیز بنانا چاہیے جس کا خام مال مقامی طور پر دستیاب ہے اور جسے منہ مانگے داموں پر بیچا جاسکتا ہو۔ مومن خان کے پارسا مشیروں اور کئی اخوان نے ہیروئن کا نام سنتے ہی شدت سے مخالفت کی لیکن چرس اور افیم کی بھاری پیداوار کا کوئی مناسب جواز نہ فراہم کرسکے۔ چرس بھی مہلک نشہ ہے، غذا کی احتیاط نہ کی جائے تو اندر سے چھلنی کر دیتا ہے، افیم مقدار سے زیادہ کھالی جائے یا اس پر تیل پی لیا جائے تو فوری موت واقع ہوسکتی ہے۔ یہ دو دلائل ان کے اپنے ماحول میں سے تھے پھر بہت سی ملٹی نیشنل دواساز کمپنیاں ایسے مرکبات بنا رہی ہیں جو نشہ آور ہوتے ہیں۔ انھیں مریضوں پر معالج کی زیرِ نگرانی آزمایا جائے تو شفا ہوتی ہے۔ عام لوگ خرید کر بے تول کھانے لگیں تو اس نشے کے عادی ہونے لگتے ہیں لیکن کبھی کسی نے ان کمپنیوں کو بُرا کہا نہ مرکبات کی تیاری پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا پھر دنیا بھر کے اسلحہ ساز ادارے ہر روز لاکھوں ٹن کی مقدار میں بارودی ہتھیار بنا اور بیچ رہے ہیں جو انسانوں کا وجود تک ختم کرسکتے ہیں لیکن یہ صلاحیت شرمندگی کے بجائے قومی طاقت کا سرچشمہ شمار کی جاتی ہے۔ مسابقت کے اس کاروباری دور میں زندہ رہنے کے لیے خود اپنے اصول وضع کرنے پڑتے ہیں۔ انھیں سمجھایا گیا کہ اگر وہ اپنی اگلی نسلوں کو خوشحال اور تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتے ہیں تو انھیں مادّی کامیابیوں کے لیے وہ شارٹ کٹ اختیار کرنا ہوگا جو اپنے مخصوص حالات کے تحت وہ بخوبی اختیار کرسکتے ہیں۔ بات ذہنوں میں اتر گئی اور اب جو ان کے کارخانوں پر بری نگاہ ڈالے گا انھیں اپنے مقابل تیغِ بے نیام پائے گا کیونکہ مالی مفاد کے ساتھ ان کارخانوں کا برقرار رہنا ان کے لیے عزت کا سوال ہے۔ تمھیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ان علاقوں میں آج تک ہیروئن کا کوئی عادی دریافت نہیں ہوسکا۔ وہ خود اسے استعمال نہیں کرتے۔ آج یہ عالم ہے کہ......

بڑے بڑے لوگ ایسے کارخانوں کے مالک ہیں۔ تم اپنے سارے وسائل بھی یکجا کردو تو انھیں اس آمدنی کا عشرِ عشیر بھی نہیں دے سکتے جو وہ ہیروئن کی تجارت سے کما رہے ہیں۔ ان افلاس زدہ علاقوں میں آج خوشحالی کا دور دورہ ہے کیونکہ طلب اور رسد کے نظریے کے تحت انھوں نے اپنی ترجیحات کا تعین کرلیا ہے۔" بولتے بولتے وہ کسی خیال کے زیرِ اثر ہنسی اور سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے مکارانہ لہجے میں بولی۔

"اس سارے کھیل میں ان لوگوں کی فرنگ دشمنی سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے کیونکہ انھوں نے انگریز کو اس کے دورِ اقتدار میں ایک لمحے بھی چین نہیں لینے دیا تھا۔ وہ پورے خلوص کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی بنائی ہوئی نوّے فیصد سے زیادہ ہیروئن انگریز اور دوسری سفید فام قومیں استعمال کرتی ہیں۔ اس طرح وہ انگریزوں سے اس مہم کا انتقام لے رہے ہیں جو اس نے برصغیر میں چائے کو مقبول بنانے کے لیے چلائی تھی۔ اسے وہ نشہ سمجھتے ہیں اور سبز چائے پیتے ہیں جو مروّجہ چائے سے بالکل مختلف اور صحت افزا ہوتی ہے۔ یہ آسان مرحلے نہیں تھے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ ہم نے چند برس پہلے جس پودے کی آبیاری کی تھی، اب کہیں اس کا پھل کھانے کا موقع آیا ہے اور تم دیکھو گے کہ جس طالع آزما نے انھیں اکھاڑنے کا ارادہ کیا اس کو بدترین کشت و خون اور مزاحمت کا سامنا کرنا ہوگا۔"

میرے اپنوں کے بارے میں اس کی معلومات مجھ سے کہیں زیادہ اور قابلِ رشک تھیں لہٰذا بہتر یہی تھا کہ میں موضوع کو طول دینے کے بجائے خاموشی اختیار کرلیتا۔

ہیروئن کی مہیب بلا نے جس انداز میں ہمارے پورے معاشرے کو گرفت میں لیا تھا، اس کی ذمّے داری کسی ایک آدھ فرد پر نہیں ڈالی جاسکتی تھی۔ اس کا فروغ ایک بین الاقوامی

سازش کا نتیجہ تھا اور ہمارے اہلکاروں کا قصور یہ تھا کہ جب دلائل اور وسائل کا سارا زور لگا کر اس تباہی کے لیے میدان ہموار کیا جا رہا تھا تو وہ 'سب ٹھیک ہے' کی لوری سن سن کر گہری نیند سو رہے تھے اور اب مومن خان جیسے لوگوں کی انا کو للکارے بغیر افہام و تفہیم سے اس لعنت کا سدِباب کرنا ناممکن نظر آ رہا تھا۔

ملک میں ہیروئن کے عادیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے بارے میں ان کا یہ نکتہ خاصا وزنی ہوتا کہ وہ سب پیدائشی طور پر عادی نشے باز تھے، ہیروئن نہ ہوتی تو وہ کسی اور نشے میں مبتلا ہو جاتے کیونکہ ویرا کے بیان کے مطابق ہیروئن کے کسی منبع کے میلوں اطراف میں اس نشے کا کوئی عادی نہیں تھا۔

"ہیلو؟" بھاری مردانہ غراہٹ کسی خونخوار کتے کی آواز سے مشابہ تھی لیکن مجھے پہچاننے میں دشواری نہیں ہوئی۔ لب و لہجہ وہی تھا فرق بس سلکی اور لاسلکی رابطے کا تھا۔ مجھے قوی امید تھی کہ ناصر کے آدمی سے ملنے والے دوسرے فون نمبر پر وہ خود ہی ہو گا۔

"میں اکبر بول رہا ہوں سر!" میں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ اس مقام سے فون کرنے کی وجہ یہی تھی کہ وہاں میدان صاف تھا اور بوتھ میں بولتے ہوئے یہ اندیشہ نہیں تھا کہ میری صداکاری کسی کی توجہ کا مرکز بن جائے گی۔

"بولو، کیا باکتا ہائے!" ریسیور پر وان ہوف کی غصیلی دہاڑ سنائی دی۔ اس کا لہجہ اور تلفظ بہت بگڑا ہوا تھا لیکن یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اردو اچھی طرح سمجھنے پر قادر ہے ورنہ ویرا سے وائرلیس پر اس کی گفتگو سن کر تو میں یہی سمجھا تھا کہ وہ انگریزی کے سوا کوئی دوسری زبان نہ بول سکے گا البتہ نام کی بنا پر شبہ تھا کہ شاید وہ جرمن نژاد ہو اور اپنی مادری زبان پر بھی عبور رکھتا ہو۔

"ناصر کے نمبر سے جواب نہیں مل رہا اس لیے فون کیا ہے۔ پجیرو مل گئی ہے، اسے ایک عورت ڈرائیو کر رہی ہے۔"

"ابی کدر ہے پاجیرو؟"

"ائیرپورٹ کے پارکنگ ایریا میں ہے۔ عورت اندر گئی ہے۔ اب میں کیا کروں؟"

"توم سب سالا باسٹرڈ ہاتے۔ ہام کیا بولے گا ناصر کیا بولا تھا؟" اس کے جواب سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت وہ ذہنی طور پر الجھا ہوا تھا اور فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ میری اطلاع پر کیا حکم صادر کرے۔

"ناصر نے گاڑی کا سراغ ملتے ہی پہلی فرصت میں اطلاع دینے کے لیے کہا تھا لیکن اب وہ خود غائب ہے۔"

"توم چھوکری کو پکڑ سکتا ہائے؟" قدرے سکوت کے بعد اس کا تجسس آمیز سوال سنائی دیا۔

"کوشش کرے گا صاب، صورت سے وہ بھی بدمعاش لگتی ہے اگر جوڈو یا کراٹے سے واقف نہ ہوئی تو آسانی سے زیر کر لوں گا۔ اس کی تو چال میں بھی مردوں جیسی اکڑ ہے۔"

"توم سب سالا بلیک ایک دم چیپ ہوتا ہائے۔ چھوکری کا چال دیکھے گا تو اس کو تومارا باپ پکڑے گا؟"

"پھر کیا کروں صاب؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر سہمی آواز میں سوال کیا۔

"چپ کرو باسٹرڈ، ہام سوچ رہا ہے۔" اس کی جھلائی ہوئی آواز ابھری۔

"توم اس سے پٹ گیا تو سب چوپٹ ہو جائیں گا۔" طویل سکوت کے بعد اس کی آواز پھر سنائی دی "چھوکری کو امارا سلام بولو اور واپس جاؤ۔ اسے ہام دیکھے گا۔"

"تمھارا نام کیا ہے صاب؟"

"باسٹرڈ! امارا نیم پوچھتا ہائے۔" وہ میرے سوال پر ایک دم آپے سے باہر ہو گیا۔

"اس کے بغیر عورت کو کیا بتاؤں گا کہ کس نے سلام بولا ہے؟" میں نے روہانسی آواز میں کہا۔

"اوہ! آئی سی۔" اس کی آواز فوراً ہی معمول پر آ گئی۔ "ہام لیری صاب ہائے، لیری صاب۔"

"او کے سر!" میں نے بھونڈے انداز میں کہا جیسے اس سے مرعوب ہو گیا ہوں۔

"پوچھے تو بول دینا کہ ہام توم کو ہاف آور پہلے کار تلاش کر کے سلام بولنے کے لیے بھیجا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور میں بھی ریسیور کریڈل سے لٹکا کر باہر آ گیا۔

ویرا باہر گاڑی میں بے صبری کے ساتھ میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے میرے بشرے پر سکون کی علامات دیکھ لی تھیں لہٰذا میرے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی ہنس کر بولی تھی "معلوم ہوتا ہے کہ اسی سے بات کر کے آ رہے ہو؟"

"بہت بدزبان ہے گورا شاہی اردو میں بات بے بات گالیاں بکتا ہے لیکن تم سے گفتگو کے نتیجے میں بوکھلایا ہوا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے اسے اختصار کے ساتھ وان ہوف سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر دیا۔

"تو تمھاری تدبیر کارگر رہی۔ نیت اب بھی ڈانواڈول معلوم ہوتی ہے اس کی۔" وہ بولی "اب وہ بھرپور وار کرے گا۔

ڈال کر مجھے ہوشیار نہیں کرنا چاہتا۔"

"اگر اسے مہلت دی گئی۔" میں نے جیب سے کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ "فون نمبر کے حوالے سے اس کا پتا لے آیا ہوں، ہمیں فوراً ہی اس پر دھاوا بولنا ہوگا۔"

"بڑا مشکل کام ہے۔" وہ پُرتشویش لہجے میں بولی۔ "نجانے کتنے آدمیوں کی بھیڑ ملیں وہاں رہتا ہے۔ میں اکیلی گئی تو وہ میری صورت دیکھتے ہی بدمعاشی پر تل جائے گا، تمھیں ساتھ لیا تو وہ تمھاری صورت دیکھتے ہی بھڑک جائے گا، تم اسی کے شعبے سے وابستہ تھے، وہ تمھیں ضرور پہچانتا ہوگا۔"

"لیکن میرا تو کبھی کسی غیر ملکی سے سامنا نہیں ہوا۔"

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔" وہ ناخوشگوار لہجے میں بولی۔ "بالمشافہ ملاقات کے بجائے تصاویر سے بھی کام لیا جا سکتا ہے اور تم تو پچھلے دنوں تنظیم کے سارے ہی بڑوں کے لیے دردِ سر بنے رہے ہو۔"

"میری دانست میں وان ہوف کی سرزنش اب بھی اتنی دشوار نہیں ہے جتنی تم سمجھ رہی ہو۔"

"کیا منصوبہ ہے تمھارے ذہن میں؟"

"منصوبہ بعد میں، پہلے یہ بتاؤ کہ یہاں مامور کیے جانے والے کیا سارے ہی غیر ملکی اردو جانتے ہیں؟"

"اس کے بغیر کام چلانا مشکل ہوتا ہے۔ بعض اوقات نچلے طبقے کے جاہل لوگوں سے براہِ راست کام لینا پڑتا ہے تو مقامی زبان کے سوا کچھ کام نہیں آتا، جہاں کام کرنا ہو وہاں کی زبان سیکھنا ہی پڑتی ہے۔"

"وان ہوف سے سامنا ہوا تو سب سے پہلے اسے گالیاں سنا کر دل کا غبار نکالوں گا پھر کچھ سوچا جائے گا۔"

"لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس بارے میں کیا سوچے بیٹھے ہو؟" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولی۔

"ابھی ہم ایئرپورٹ جا رہے ہیں، گاڑی وہیں چھوڑ کر ہم ٹیکسی سے لوٹ کر وان ہوف کی قیام گاہ کا جائزہ لیں گے پھر ایئرپورٹ واپس لوٹ کر پجیرو میں واپس آئیں گے..."

"پجیرو کی کیا ضرورت ہے؟ یہ گاڑی ہماری گردنیں کٹوانے کا سبب نہ بن جائے۔" اس نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

"پجیرو میں اسلحہ موجود ہے جسے ہم ٹیکسی میں لاد کر نہیں لے جا سکتے پھر ٹیکسی والے پر واپسی کے لیے اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ کھیل شروع ہوتے ہی دھماکے سن کر وہ بھاگ لے گا۔ ایسی صورت میں اگر ہمیں اچانک ہی بھاگنا پڑ گیا تو اپنی سواری نہ ہونے کی صورت میں گھر جائیں گے۔ اب میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ خاموشی کے ساتھ سنتی رہو، جرح بعد میں کر لینا۔"

"چلو، میں خاموش ہوں۔" اس نے میرے بازو پر چٹکی لے کر سگریٹ سلگانا شروع کر دی۔

"مجھے کسی مقررہ جگہ اتار کر تم پجیرو میں اکیلی وان ہوف کے گھر جاؤ گی گاڑی باہر پارک کرو گی اور اندر جاتے ہوئے دروازے مقفل نہیں کرو گی تاکہ وقتِ ضرورت میں اندر چھپے ہوئے اسلحے تک رسائی حاصل کر سکوں۔" میں نے تفصیلات بتاتے ہوئے ترتیب برقرار رکھنا ضروری سمجھی تھی۔ "تمھارے ساتھ ایک بھرا ہوا پستول ہوگا۔ دوسرا بے آواز پستول میری تحویل میں ہوگا۔ گھنٹی کے جواب میں جو بھی آئے تم اس کے ساتھ اندر نہیں جاؤ گی بلکہ اپنے حوالے سے وان ہوف کو وہیں باہر طلب کرو گی۔ اس کی شناخت سے مطمئن ہو کر تم داہنا ہاتھ بلند کرو گی اور میں تمھاری قریبی دیوار پر ایک بے آواز فائر کروں گا تاکہ تم وان ہوف کو باہر اپنے ساتھیوں کے محاصرے کا یقین دلا سکو۔ اس کے دل میں کوئی غلط ارادہ موجود بھی ہوا تو ان حالات میں وہ تمھارے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ اس بنیادی تحفظ کے بعد اگلے اقدام کا انحصار تمھاری صوابدید پر ہوگا۔"

"بہت شاندار اور بے داغ منصوبہ ہے لیکن اتنا بکھیڑا پھیلانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے باہر آتے ہی گولی مار کر فرار ہوا جا سکتا ہے۔"

"بشرطیکہ وہ اسی قدر احمق ہوا جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ وہ بھی کسی حفاظتی چال کے بغیر تمھارا نام سن کر باہر دوڑا نہیں آئے گا پھر تم اس کے چار ساتھیوں سے بھی لاعلم ہو، وان ہوف سے لگے ہاتھوں اس بارے میں بھی بازپرس کی جا سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معلومات کسی مرحلے پر کام آ ہی جائیں۔"

"میرے ساتھ مل کر کام کرنا ہے تو یہ بات بے بات پر اپنی بالادستی جتانا چھوڑ دو، میں ویسے ہی تمھاری ذہانت کا احترام کرتی ہوں۔" اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"یہ الزام تم نہیں بلکہ میں لگا سکتا ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے مجھے بچوں سے تشبیہ دی تھی جب کہ میں ہر لمحے تمھاری بلوغت پر نگاہ رکھتا ہوں۔"

"پھر آ گئے ان ہی گھٹیا باتوں پر۔" وہ تنک کر بولی۔ "میں کہہ چکی ہوں کہ کام کے وقت مجھے صرف اور صرف مرد سمجھا کرو۔ میرے نسوانی احساسات ذہن میں کہیں دفن ہو کر رہ جاتے ہیں۔"

"تمھارے ملائم اور حسین چہرے کے ساتھ خواجہ سرا کا تو تصور کیا جا سکتا ہے، کسی مرد کا نہیں۔ نقاب لگا لو تو کچھ بھی سمجھ سکتا ہوں۔"

"یہ خواجہ سرا کیا ہوتا ہے؟" پہلی بار اردو کا کوئی لفظ اس کے سر پر سے گزرا تھا۔

"یہ بظاہر ہوتا ہے لیکن عملاً ہوتی ہے۔ دونوں طرف شمار کر سکتی ہو، یہ پرانے دور کی حرم سراؤں میں عورتوں کے ملازم اور خدمت گار بلکہ نگہبان ہوتے تھے۔"

"کیوں نہ میں ٹرانسمیٹر پر اسے اپنی آمد کی اطلاع دے دوں؟ میں نے اس سے کہا بھی تھا کہ وہ اپنے آپریٹس پر موجود رہے۔ میں سوچ کر تھوڑی دیر بعد جواب دوں گی۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے ایک نیا شوشہ چھوڑا۔

"خودکشی کا ارادہ ہے تو ضرور اطلاع دے دو۔ پوری تیاری کے ساتھ استقبال کرے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ اپنے آدمی کمین گاہ کے گرد پھیلا دے اور میرے فائر کرتے ہی مجھے بھی اچانک بے دست و پا کر لیا جائے۔"

"قصہ سارا اتنا ہے کہ تمہاری کھوپڑی ہی شیطانی ہے۔" وہ کھسیانے لہجے میں بولی۔ "ہر بات کا منفی پہلو فوراً سوچ لیتے ہو۔ فائدے پر بعد میں غور کرنے کی نوبت آتی ہے۔"

"یہی وجہ ہے کہ آج تمہارا ہم نشین ہوں ورنہ کب کا تمہارے ہاتھوں مر کھپ گیا ہوتا۔"

"اس گمان میں بھی نہ رہنا۔ کچھ پتا نہیں کب تم سے طبیعت اُکتا جائے اور میں اپنا ارادہ بدل بیٹھوں۔ تمہاری طرح میری بھی ایک ذہنی رو ہوتی ہے جدھر ہو جائے ادھر ہی چل پڑتی ہوں۔"

"جواب نہ دینا لیکن آپریٹس آن کر لو تاکہ معلوم تو ہوتا رہے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔"

لحظہ بھر بعد ہی گاڑی کے بند کیبن میں ریڈیائی لہروں کا دھیما دھیما، بے جان سا شور گونجنے لگا۔

"اکبر کی حیثیت سے تم اسے بتا چکے ہو کہ میں ائرپورٹ پر موجود ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ میری طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر اسی طرف دوڑ لگا دے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم گاڑی کسی اور جگہ چھوڑیں۔"

"بات معقول ہے لیکن میں ذرا سا نفسیاتی فائدہ اٹھا رہا ہوں۔ وہ تم سے یہ توقع نہیں کر سکتا کہ تم اس کا سلام ملنے کے بعد بھی وہیں رکی رہو گی۔ ائرپورٹ کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وہاں بھانت بھانت کے لوگ آتے رہتے ہیں۔ کوئی بھی ٹیکسی ڈرائیور ہمیں بے چون و چرا قبول کرے گا۔ اس وقت شہر کے دوسرے حصوں میں سواری مل گئی تو ڈرائیور کے شبہات کا نشانہ بننا پڑے گا۔"

وہ کراچی نہیں لاہور تھا۔ لہٰذا ائرپورٹ کی فضا پر بوجھل سی تکان چھائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ہم دونوں نے وسیع برآمدے کا ایک چکر لگایا پھر میں ویرا کو ساتھ لے کر ٹیلی فون والوں کے پبلک کال آفس میں جا گھسا۔ پہلے میں نے وان ہوف کا نمبر گھمایا۔ دوسری گھنٹی پر ہی اس کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی اور میں نے کچھ کہے بغیر کریڈل دبا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ وہ ایس ٹی ڈی ٹیلی فون تھا جس پر کال بک کرائے بغیر محض کوڈ کے ذریعے اندرون پاکستان کسی بھی نمبر پر بات کی جا سکتی تھی اور اس انسٹرومنٹ کے نچلے حصے میں ایک میٹر لگا ہوا تھا جو دوسری طرف سے رابطہ قائم ہوتے ہی نمبروں کے ذریعے لوکل کال یونٹس میں گفتگو کی مدت ظاہر کرنا شروع کر دیتا تھا اور کلرک میٹر کی ابتدائی اور آخری ریڈنگ کے فرق کو ستر پیسے سے ضرب دے کر فوراً کال کی رقم وصول کر لیتا تھا۔

بہت سہل، سادا اور قابلِ عمل طریقہ تھا لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ جب محکمہ اپنے دفاتر میں ایسے سیٹ استعمال کر رہا تھا تو صارفین کو ان کے اپنے خرچ پر ایسے سیٹ فراہم کرنا کیوں دشوار تھا۔ میٹر بلکہ پورے سیٹ کو محکمہ صارف کی ذمے داری پر سیل کر سکتا تھا۔ اس طرح ہر صارف کو گھر بیٹھے لمحہ بہ لمحہ اپنے اخراجات کا اندازہ ہو سکتا تھا اور محکمے کے بھیجے ہوئے بل سے نمایاں فرق کی صورت میں ایکس چینج کی ریڈنگ کے خلاف اپنا میٹر ثبوت کے طور پر پیش کر سکتا تھا۔ اس نظام کو اپنا لینے سے زائد بلنگ کی لاکھوں شکایات کا جائز ازالہ ہو سکتا تھا اور محکمے کے بہتیرے شعبوں پر کام کا دباؤ کم ہو سکتا تھا۔ بلنگ کے لیے ایکس چینج میں ہی ریڈنگ لی جا سکتی تھی۔ گھر میں سیٹ پر یا اس سے علیحدہ کہیں سربمہر حصے میں لگے ہوئے میٹر سے صرف تنازعے کی صورت میں مدد لی جا سکتی تھی اور اگر اس انتظام میں بعض صارفین کی طرف سے متوازی لائنوں کے ذریعے مواصلاتی چوری کا خطرہ تھا تو یہ ننھے ننھے میٹر ہر علاقے میں لگے ہوئے مقفل، آہنی ڈسٹری بیوشن بورڈز میں ان بریک ایبل شیشے کے پیچھے نصب کیے جا سکتے تھے تاکہ صارف کوئی شکایت محکمے تک لے جانے سے پہلے خود اپنا میٹر دیکھ کر اطمینان کر سکے کہ اس کی کالز کا اوسط کیا رہا ہے؟ خراب فون پر میٹر چلتا رہتا ہے یا تھم جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ سب مسئلہ سلجھانے والی باتیں تھیں۔ جو اختیارات تمیزی میں کمی پیدا کر دیتی ہیں لہٰذا ادھر کسی کی توجہ نہیں تھی، بس جو ہو رہا تھا، ہوئے جا رہا تھا۔ کچھ کے وارے کے نیارے ہو رہے تھے، کچھ پسے جا رہے تھے، جن کی خبر گیری کسی کی ذمے داری نہ تھی۔

میں نہ افسر تھا نہ حاکم لہٰذا بس سوچ ہی سکتا تھا لہٰذا سوچتے سوچتے ویرا کے ساتھ دوسری منزل پر واقع انارکلی ریستوران کی طرف ہو لیا جو ویران پڑا ہوا تھا اور دو باوردی بیرے دربان سمیت کاؤنٹر پر متعین لڑکی کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف اونچی آواز میں قہقہے لگا رہے تھے۔ ہم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو سب کی ہنسی اور آوازوں کو یک بیک بریک لگ گئے۔ دونوں بیرے

ہکلاہٹ میں پھرتی کے ساتھ ہماری طرف لپکے پھر ایک ازخود پسپا ہوگیا اور میں ویرا کے ہمراہ رن وے کی سمت میں بنی ہوئی شیشے کی شفاف دیوار کے قریب ایک میز پر جا بیٹھا۔

"اب یہاں وقت خراب کروگے۔" ویرا نے مجھے اطمینان سے سگریٹ سلگاتے ہوئے دیکھ کر چڑچڑے لہجے میں کہا۔

"بیوی کے سے تیور نہ دکھاؤ، میں ابھی کنوارا ہوں۔" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ پوری رات کالی کرنے کا ارادہ ہے تمہارا۔" وہ جل کر شیشے کی دیوار سے باہر رن وے کی روشنیاں دیکھنے لگی۔

"کچھ پتا نہیں کہ معاملہ کتنا طول پکڑ جائے۔ اس وقت یہ ٹھکانا شہر میں سب سے غنیمت ہے۔ تھوڑی سی پیٹ پوجا کے بعد تو کام ہی کام کرنا ہے۔ وان ہوف تو چائے پلانے کا بھی روادار نہ ہوگا۔"

بیرا پانی کے دو گلاس لایا اور کافی کے ساتھ سینڈوچز کا آرڈر لے کر چلا گیا۔ وہ مجھے عموماً اور ویرا کو خصوصاً ایسی محبت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے ہمیں ریستوران کے ویرانے میں بہار کی آمد کا نقیب سمجھ رہا ہو۔

لذیذ سینڈوچز اور گرم گرم کافی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے میں مسلسل ویرا کو چڑاتا رہا۔ آدھی رات کے بعد کیے جانے والے ناشتے نما ڈنر کے بعد میں نے وہیں بیٹھے رہ کر ایک اور سگریٹ ختم کی پھر بل ادا کرکے ہم دونوں باہر آگئے۔ پروگرام کے مطابق دونوں کے پاس اس وقت کسی قسم کا کوئی اسلحہ موجود نہیں تھا۔

ہم سڑک عبور کرکے ٹیکسیوں کی طرف بڑھے تو وہاں ڈرائیوروں کے ساتھ سگریٹ نوشی کرتا ہوا ٹریفک کانسٹیبل آگے نکلتا چلا گیا تاکہ ہم کسی ناجائز قانونی امداد کی توقع کیے بغیر آزادانہ فضا میں کرائے کا مول تول کرسکیں۔

قطار میں سب سے آگے کھڑی ہوئی ٹیکسی کے ڈرائیور کو میں نے علاقے کا نام بتایا۔ اس نے دام بتائے۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا تو ٹریفک کانسٹیبل دور اندھیرے میں معدوم ہوچکا تھا لہٰذا میں اسّی روپے کی رقم پر جرح کیے بغیر ویرا کے ہمراہ پچھلی نشست پر بیٹھ گیا اور ٹیکسی روانہ ہوتے ہی ڈرائیور سے باتیں شروع کردیں۔ اس سے پتا چلا کہ کراچی سے آنے والی پرواز کئی گھنٹوں کی تاخیر کے بعد ڈیڑھ بجے متوقع تھی اور میں نے فیصلہ کیا کہ ہماری ائرپورٹ واپسی کے لیے وہی وقت موزوں تھا۔

وان ہوف کی قیامگاہ ہمارے لیے ہر لحاظ سے موزوں تھی اور منصوبے سے میل کھاتی تھی۔ ہم نے ڈرائیور پر اظہار کیے بغیر اشاروں ہی اشاروں میں جائزہ لیا اور دو تین سڑکوں پر بھٹکنے کے بعد اپنی یادداشت کو ملامت کرتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کردیا۔ ویرا کا ارادہ تھا کہ ایک بار پیدل بھی اس مکان کا طواف کریں لیکن میں وہ خطرہ مول لینے پر آمادہ نہیں ہوا اور ہم سواری کی تلاش میں اسی طرف ہولیے جدھر ٹیکسی گئی تھی۔

ہم دو بجے کے قریب ائرپورٹ واپس پہنچے تو وہاں خاصی چہل پہل تھی اور سامان سے لدے پھندے مسافروں کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ غالباً کراچی سے آنے والی پرواز آہی گئی تھی۔ ٹیکسی چھوڑ کر ہم دونوں بھیڑ میں مل گئے اور ایک چکر لگا کر دوبارہ باہر آگئے اور اس بار شیورلیٹ میں اپنی اصل مہم پر روانہ ہوگئے۔

ائرپورٹ کی حدود سے طفیل روڈ پر نکلتے ہی ویرا نے دھیمی آواز میں آپریٹس آن کردیا تھا۔

اس بار سفر خاموشی کے ساتھ جاری رہا۔ ویرا نے اسلحہ میں سے میرے اور اپنے لیے ایک ایک پستول نکال لیا۔ وہ نجانے کیا سوچ رہی تھی مگر میں اپنی حماقت پر دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا کہ مجھے وان ہوف کے پیچھے اپنا وقت برباد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس طرح میں غزالہ کی بے سروسامانی کو غیر ضروری طور پر طول دے رہا تھا۔ حد تو یہ تھی کہ مجھے ویرا سے غزالہ کی آواز میں ریکارڈ کیے ہوئے کیسٹ کے بارے میں پوچھنا بھی یاد نہیں رہا تھا۔

وان ہوف سے کوئی کشیدگی تھی تو ویرا کی تھی۔ میرا مقصد تو جلد از جلد لندن پہنچ کر غزالہ کو مغرب کی پُرہجوم تنہائی سے نجات دلانا ہونا چاہیے تھا۔ تنظیم کی بیخ کنی ان حالات میں ثانوی درجے پر آگئی تھی لیکن آخری لمحات پر ایسی کسی رائے کا اظہار ویرا کو میری طرف سے بدظن کرسکتا تھا لہٰذا میں زبان کھولے بغیر خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔

راستے میں ہم نے نشستیں تبدیل کرلیں۔ ڈرائیونگ سے فرصت پاتے ہی میں نے پستول اپنے لباس میں چھپالیا۔

"میرے ذہن میں ایک اور ہی تدبیر آئی ہے!" اچانک ویرا بولی۔ "اگر مارنا مشکل ہے تو کیوں نہ اسے اغوا کرلیا جائے۔ میں گھنٹی بجانے کے بجائے ٹرانسمیٹر پر اسے اپنے پھاٹک پر بلاؤں گی اور گاڑی پر سوار کرالوں گی۔"

"کامیابی ہوجائے تو یہ تدبیر سب سے سہل ہوگی۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا کیونکہ مجھے وان ہوف سے اتنی سعادت مندی کی امید نہیں تھی۔ "پھر تو میرا اترنا بھی غیر ضروری ہے۔ میں پچھلی نشستوں کے درمیان، پائیدان میں چھپا جاتا ہوں۔"

"نہیں، تم اتر دگے۔" اس نے کہا۔ "میری تدبیر کارگر رہی تو تمہیں لے لوں گی، اس نے ہچکچاہٹ ظاہر کی تو فوری طور پر تمہارے منصوبے پر عمل شروع کردوں گی۔"

گاڑی میں اس کے بعد اعصاب شکن سناٹا چھا گیا۔

وان ہوف والی سڑک پر داخل ہونے کے بعد ویرا نے اس کے مکان سے ذرا پہلے گاڑی روکی تو میں کچھ کہے بغیر خاموشی کے ساتھ نیچے اترا اور وان ہوف کی کمین گاہ کے مقابل اندھیرے میں اس وسیع قطعۂ اراضی میں داخل ہو گیا جہاں ہر طرف قد آدم خودرو جھاڑیوں کا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ اس اثنا میں ویرا بجیرو مطلوبہ مکان کے پھاٹک سے ذرا پہلے روک چکی تھی۔ گیٹ لیمپس کی روشنی میں میں دیکھ سکتا تھا کہ وہ بائیں ہاتھ میں اپنے دہانے کے قریب ماؤتھ پیس لیے کچھ بول رہی تھی۔

لمحہ لمحہ کرکے وقت گزرتا رہا۔ اسی طرح کئی منٹ گزر گئے لیکن آپریٹس پر ویرا کی گفتگو جاری رہی۔ مجھے الجھن ہونے لگی کہ نجانے کون سی کہانی چھیڑ دی تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی اور اگر ویرا کو دوسری طرف سے جواب نہیں مل رہا تھا تو یوں وقت برباد کرنے کے بجائے سیدھا سادھا نیچے اتر کر اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبا دیتی۔

آخر کار خدا خدا کرکے وہ سلسلہ ختم ہوا۔ ویرا کا ہاتھ خالی نظر آنے لگا اور اب وان ہوف کا انتظار شروع ہو گیا۔ اس نے پھاٹک تک آنے میں غیر معمولی وقت لیا تھا اور بہت احتیاط کے ساتھ دروازہ کھولا تھا۔ روشنی میں دور ہی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یا تو اس کے جسم کی ساخت ہی بد وضع تھی یا وہ جسم پر بلٹ پروف جیکٹ اور سر پر ہیٹ پہنے ہوئے تھا جس کے چھجے نے اس کی پوری پیشانی کو ڈھانپ لیا تھا۔ ویرا اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سے نیچے اتری اور ان دونوں میں براہ راست گفتگو چھڑ گئی۔

وان ہوف کے بارے میں میرا اندازہ درست ہی ثابت ہوا تھا کہ باہر نکلنے سے پہلے اس نے اپنے اوپر کسی اچانک قاتلانہ حملے کا سدِ باب ضروری سمجھا تھا اور اب وہ سکون کے ساتھ ویرا سے بات کر رہا تھا۔ ابتدا میں دونوں نارمل نظر آرہے تھے شاید پہلی روبرو ملاقات پر باہمی شناخت کے مقررہ فقروں کا تبادلہ ہو رہا تھا پھر وان ہوف کی حرکات و سکنات سے اختلاف کا اظہار ہونے لگا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ویرا کی کسی بات کو ماننے پر آمادہ نہیں تھا اور شاید اس کے داہنے ہاتھ میں چھوٹے بور کا کوئی ہتھیار بھی موجود تھا۔

ویرا اپنے سن و سال کے مقابلے میں کہیں زیادہ تجربہ کار تھی لیکن وان ہوف بھی ایک گرگ باراں دیدہ تھا۔ وہ سمجھ گیا ہوگا کہ ویرا کے ساتھ جانے میں اسے کس قسم کے خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔ ان میں وہ مناظرہ کئی منٹ جاری رہا اور میں بے آواز پستول اپنے ہاتھ میں تھامے ویرا کا داہنا ہاتھ بلند ہونے کا انتظار کرتا رہا۔

پھر غالباً سب کچھ میرے منصوبے کے مطابق طے ہو گیا۔

ویرا نے اچانک داہنا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور میں نے ان دونوں کو بچاتے ہوئے پستول کی نال آہنی پھاٹک کے سرے پر بنے ہوئے کنکریٹ کے ستون کی طرف اٹھا کر ٹرائیگر دبا دیا۔ ہلکے کھٹکے کے ساتھ ایک آتشی لکیر فضا میں تیرتی ہوئی بڑھی اور گولی ستون میں پیوست ہو گئی۔

وہاں پھیلے ہوئے سناٹے میں کنکریٹ میں گولی گھسنے کی آواز اور اس سے پہلے بارود کی چمک نے ان دونوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی اور وہ ستون کے نچلے حصے پر جھک پڑے اور پھر وہ دونوں آہنی پھاٹک کے پیچھے روپوش ہو گئے۔

میں مزید کئی منٹ تک سانس روکے وہیں جھاڑیوں میں چھپا رہا۔ اتنی پیش رفت کے بعد مجھے وان ہوف کے ردِ عمل کا انتظار تھا۔ اگر اس کے ساتھ خاصی نفری تھی تو ویرا کے اندر چلے جانے کے بعد کسی نہ کسی کو بجیرو اور پھر قرب و جوار کا جائزہ لینے کے لیے باہر نکلنا چاہیے تھا مگر دوسری طرف مسلسل سکوت چھایا ہوا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وان ہوف نے اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کے ساتھ ہی ویرا کی بتائی ہوئی صورتِ حال کو جوں کا توں قبول کر لیا تھا اور فی الوقت محاذ آرائی کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

وان ہوف کے اس فیصلے کی دو ہی وجوہ ہو سکتی تھیں۔ اسے ویرا کی مبالغہ آمیز کہانی پر یقین آگیا تھا جو پورے علاقے کے کڑے محاصرے کا تصور اجاگر کرتی تھی یا وہ وہاں تنہا تھا اور بیک وقت دو سمتوں پر الجھنا اس کے بس سے باہر تھا۔ وان ہوف نے محاصرے کی کہانی پر یقین کیا ہو یا نہ کیا ہو میرے بے آواز فائر نے اسے یہ یقین ضرور دلایا تھا کہ ویرا وہاں اکیلی نہیں پہنچی تھی۔ اس کا کم از کم ایک مسلح ساتھی وان ہوف کی نظروں سے دور کہیں پوشیدہ تھا۔

میں کافی دیر تک دوسری جانب سے پیش رفت کا منتظر رہا لیکن دوسری طرف چھائے ہوئے سناٹے سے میں جلد ہی اکتا گیا۔ ویرا اندر پہنچ کر نہ جانے کن حالات سے دوچار ہوئی تھی کہ ظاہری طور پر اس کی واپسی کے آثار بھی نظر نہیں آرہے تھے لہٰذا میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں اس کی کمین گاہ کے پھاٹک پر نظریں جمائے خاردار جھاڑیوں سے بچتا ہوا آگے بڑھا اور سرے پر رک کر چند ثانیوں کے توقف کے بعد تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا بجیرو کی طرف بڑھ گیا جس کے دروازے مقفل نہیں تھے۔ گاڑی کی اوٹ میں میں پھر چند ثانیوں کے لیے رکا اور میدان صاف پا کر آہستگی کے ساتھ عقبی دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔

ویرا نے گاڑی کی عقبی نشستوں کے نیچے اسلحہ چھپایا ہوا تھا

میں نے ٹٹول کر اس ڈھیر میں سے دو دستی بموں اور ٹامی گن کا انتخاب کیا۔ پستول سمیت بموں کو جیبوں میں ٹھونسا اور ٹامی گن کا میگزین سنبھالتا ہوا دوسرے دروازے سے دان ہوف کی کمین گاہ کی سمت میں اتر گیا۔

میری خوش نصیبی یا دان ہوف کی بدنصیبی تھی کہ آہنی پھاٹک کا ذیلی دروازہ اندر سے بولٹ نہیں کیا گیا تھا اور زور ڈالتے ہی کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کی طرف کھلتا چلا گیا تھا۔

اس مرحلے پر میں پھر ٹھٹکا اور اندر سناٹے کا احساس کرتے ہی اندر گھس گیا پھر شاید وہ لاشعوری لہر ہی تھی جس نے خطرے کا سگنل دیا۔ میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ گھوما تو گیٹ لیمپ کی روشنی میں کھلے ہوئے آہنی پٹ کی اوٹ سے گٹھے ہوئے جسم والا ایک پستہ قامت شخص اپنے اوپر حملہ آور ہوتا ہوا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں مگدر نما کوئی چیز تھی جسے وہ پوری قوت کے ساتھ میرے سر پر رسید کرنا چاہ رہا تھا۔

وہ میرے متوجہ ہونے تک ایسی پوزیشن میں آ چکا تھا کہ میرے لیے اسے روکنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا للٰہذا میں مدافعانہ انداز میں داہنی طرف جھکتا چلا گیا اور پھر میرے بائیں شانے پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ میں نے بہت مشکل سے اپنی چیخ ضبط کی اور دل ہی دل میں اپنے بچ جانے پر خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ وہ وار اگر نشانے پر پڑا ہوتا تو شاید میری کھوپڑی کی ہڈیاں ناقابلِ شمار حصوں میں تقسیم ہو گئی ہوتیں۔ وہ وحشی محض طاقت کے بل پر ایک ہی وار میں میرا کام تمام کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

پستہ قامت ہونے کی وجہ سے وار کرتے ہوئے اسے اپنے پنجوں پر زور دینا پڑا تھا پھر جب اس کا مگدر نما آلہ قتل متوقع بلندی کے بجائے خاصا نیچے آ کر میرے بائیں شانے پر رکا تو وہ بھی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ مگدر جھٹکے کے ساتھ ہی اس کی گرفت سے نکل کر زمین پر گر گیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا میرے اوپر آ رہا۔

میں نے اس کی بھرپور ضرب سے بچتے ہوئے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اپنے اوچھے وار کی جھونک میں وہ لامحالہ قدم جمائے نہ رکھ سکے گا اور میرے اوپر آئے گا للٰہذا میں نے داہنا گھٹنا فضا میں بلند کیا اور وہ اپنے پیٹ کے نچلے حصے پر لگنے والی ضرب سے کراہتا ہوا پیچھے الٹ گیا لیکن اس میں کسی گینڈے جیسی قوتِ برداشت تھی کہ اس کے منہ سے بس ایک دبی دبی بے ساختہ غراہٹ ہی نکل سکی۔

مجھ سے چند قدم دور گرنے کے بعد اس کا جسم یوں پلٹا جیسے وہ پہلو کے بل زمین سے اٹھنا چاہتا ہو لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب ہوئے بغیر وہیں بے حس و حرکت ہو گیا۔

میرے لیے اپنی لگائی ہوئی ضرب کا اتنا شدید ردِعمل حیران کن تھا للٰہذا میں اپنی جگہ کھڑا بغور اس کا جائزہ لیتا رہا لیکن اس کے جسم میں ذرا بھی جنبش پیدا نہ ہوئی۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ مر ہی نہ گیا ہو للٰہذا میں اس کا جسم ہلا جلا کر دیکھنے کی نیت سے آگے بڑھا مگر جوں ہی میں اس کی زد میں آیا اس نے حیرت ناک سرعت کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے میری پنڈلیاں جکڑ لیں۔ اس کی جونک جیسی گرفت سے اندازہ ہوا کہ گٹھے ہوئے جسم کے ساتھ ہی وہ بے پناہ قوت کا مالک بھی تھا اور شاید اسی گھمنڈ میں اسلحہ سے مجھے زیر کرنے کے بجائے اس نے زورِ بازو آزمانے کو ترجیح دی تھی۔

میں نے ٹامی گن کی نال کسی لاٹھی کی طرح زمین پر ٹکا کر سنبھالا لینا چاہا مگر پوری کوشش کے باوجود خود کو گرنے سے نہ بچا سکا۔ جسمانی طور پر اسے مجھ پر واضح برتری حاصل تھی۔ اگر اسے ایک بار بھی مجھ پر حاوی ہونے کا موقع مل جاتا تو میرے لیے اس کے چنگل سے بچنا ناممکن ہو جاتا۔

میں نے اپنی ٹانگوں کو اس کی مضبوط گرفت سے نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے ٹامی گن پر اپنی گرفت درست کی اور اس کی نال تھام کر کندہ پوری قوت سے اس کے سر پر دے مارا۔ اس بار گٹھے ہوئے جسم والے مقامی کی چیخ بہت کرب ناک اور بلند آہنگ تھی۔ اس نے اضطراری طور پر میری ٹانگیں چھوڑ دیں اور زمین پر ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔

میں بدن جھاڑتے ہوئے زمین سے اٹھ گیا۔ اس کی حالت لمحہ بہ لمحہ ابتر ہوتی جا رہی تھی، پھٹے ہوئے سر سے بری طرح خون ابل رہا تھا پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ساکت ہو گیا۔

مجھے حیرت تھی کہ اتنی دھینگا مشتی اور مرنے والے کی دو دلدوز چیخوں کے باوجود اندر سے کسی نے صورتِ حال کا جائزہ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

ویرا اندر غالب رہی ہو یا مغلوب کسی نہ کسی کو پہلی چیخ سنتے ہی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے چوری چھپے یا بانگِ دہل باہر آنا چاہیے تھا لیکن وہاں تو ایسے لامتناہی سناٹے کا راج تھا جیسے مرنے والے کے علاوہ اس عمارت میں کسی ذی نفس کا سرے سے وجود ہی نہ ہو۔

اس غیر معمولی سکوت نے میری چھٹی حس کو بیدار کر دیا۔ اندر کی صورتِ حال بہت غیر یقینی اور مخدوش تھی اور میری ذرا سی بھی لغزش میری زندگی پر اختتامی مہر ثبت کر سکتی تھی۔

میں پوری ہوشیاری کے ساتھ دبے قدموں عمارت کے داخلی برآمدے کی طرف بڑھنے لگا۔ بھری ہوئی ٹامی گن میرے ہاتھوں میں تیار تھی اور میں کسی بھی ناگہانی صورتِ حال سے دوچار ہوتے

ہی اس کا جہنمی دہانہ کھول دینے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔ اپنے سائے سے بھی محتاط رہتے ہوئے میں برآمدہ عبور کر کے پُرتکلف نشست گاہ میں داخل ہوا جو ویران پڑی ہوئی تھی پھر دوسری سمت کا دروازہ عبور کر کے ایک راہداری میں نکل گیا۔

پستہ قامت کی پُرشور موت کے بعد عمارت میں وہ سناٹا نہایت غیر حقیقی لگ رہا تھا۔ مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں وان ہوف ویرالائیڈ کو ٹھکانے لگا کر عقبی راستے سے فرار نہ ہو گیا ہو۔ راہداری میں بائیں طرف ویران کچن کے بعد سپاٹ دیوار تھی اور داہنی طرف دو یا تین بند دروازے تھے جن کے پیچھے روشنی ہو رہی تھی۔ اس روشنی کا اظہار فرش اور دروازوں کی درمیانی جھری سے باہر آنے والے انعکاس سے ہو رہا تھا۔

میں نے بند دروازے کا دستہ گھما کر پہلا دروازہ کھولا تو وہ کمرہ ویران اور غیر آباد نظر آیا۔ ہر شے سے ایسی اداسی ٹپک رہی تھی جیسے مدتوں سے اس کمرے میں کسی ذی روح نے قدم نہ رکھا ہو۔ فرش پر گرد کی خاصی واضح تہہ جمی ہوئی تھی جس پر کسی قسم کا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا لہٰذا میں وہاں وقت برباد کرنے کے بجائے فوراً راہداری میں واپس نکل آیا۔ دبے قدموں تھوڑی سی پیش قدمی کے بعد میں نے دوسرے کمرے کا دروازہ کھولا تو میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس پُرتکلف اور آراستہ خواب گاہ میں ویرالائیڈ اس حالت میں مسہری پر پڑی ہوئی تھی کہ اس کے ہاتھ اور پیر مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کچھ ٹھونس کر ہونٹوں پر ٹیپ چپکا دیا گیا تھا۔ اس کا پھٹا ہوا لباس اور چہرے پر آئی ہوئی خون آلود خراشیں چیرہ دستی کی وہ اَن کہی کہانی بھی سنا رہی تھیں جس میں ویرا سراسر ایک مظلوم فریق رہی ہو گی۔

اس کی حالت دیکھتے ہی میرا خون کھولنے لگا۔ ادھر وہ خود بھی دروازے پر آہٹ پا کر اس طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ اس کی بڑی بڑی نیلگوں آنکھوں میں مظلومیت کے آنسوؤں کے بجائے قہر کے شرارے کوندر ہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے دو تین بار گردن جھٹکی لیکن میرے کچھ پلّے نہ پڑ سکا اور میں چوکھٹ عبور کر کے تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

اندر گھستے ہی میں نے وحشیانہ پھرتی کے ساتھ گھوم کر کمرے کا جائزہ لیا لیکن وہاں ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا موجود نہیں تھا۔ ویرا کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ہماری بازی الٹ چکی تھی اور وان ہوف کسی نہ کسی طرح صورتِ حال کو اپنے حق میں ڈھالنے میں کامیاب ہو گیا تھا جب کہ ہم دونوں اسی کی چھت کے نیچے موجود تھے اور وہ اگر وہیں موجود تھا تو کسی بھی لمحے اس کمرے کو ہمارے لیے جہنم میں تبدیل کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔

میں نے ویرا کی کوئی مدد کرنے سے پہلے پلٹ کر کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا پھر پلٹ کر ویرا کے ہونٹوں پر مضبوطی سے چپکا ہوا ٹیپ ہٹا دیا۔

"وہ .... وہ کمینہ نکل گیا!" ہونٹ ہلانے کی آزادی بحال ہوتے ہی ویرا غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "اس نے بھیڑ کا روپ دھار کر اچانک ہی بھیڑیے کی سی حرکتیں شروع کر دیں اور مجھے بے دست و پا کر کے صاف نکل گیا۔"

میں نے ایک لحظے کے لیے سوچا، اپنی بنائی ہوئی حکمتِ عملی کی روشنی میں اس وقت درپیش صورتِ حال کا جائزہ لیا اور ویرا کا زندہ وجود میری نگاہوں میں کھٹکنے لگا۔

اس وقت تک میں نے وان ہوف کو دور ہی سے دیکھا تھا لیکن ویرا کی زبانی میں جو کچھ سن چکا تھا اس کے مطابق وان ہوف خونخوار، درندہ صفت اور انتہائی خود غرض آدمی تھا جو اپنے مفاد کے لیے بے دریغ کسی کی بھی گردن کاٹ سکتا تھا۔ اس نے چند گھنٹے پیشتر ہی لائیڈز کالج کی ہولناک تباہی کی آڑ لے کر ویرا کو ایک سازش کے ذریعے اپنے راستے سے ہٹانا چاہا تھا تاکہ تنظیم میں اس کی اپنی تیز تر ترقی کا راستہ صاف ہو جاتے لیکن اس کے ماضی کے پیشِ نظر ویرا بروقت خطرے کو بھانپ گئی، اس طرح نہ صرف وہ اپنی گردن بچا گئی بلکہ دوسری طرف وان ہوف کے گھناؤنے عزائم کا ثبوت بھی حاصل کر لیا۔

اس اعتبار سے وان ہوف سے ملاقات ہونے تک ویرا کو اس پر ہر اعتبار سے بالادستی حاصل تھی اور وہ وان ہوف کو یہ جتا چکی تھی کہ وہ اس کی بدنیتی کی شکایت اوپر تک لے جائے گی۔ دوسری طرف میرے فائر اور ویرا کی کمانی سے بھی یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ ویرا اکیلی ہی اس کی کمین گاہ پر نہیں چڑھ دوڑی تھی بلکہ اس کے پیچھے اس کے حامی بھی موجود تھے۔ اس پس منظر میں اوّل تو وان ہوف کو ویرا کو ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہیے تھا اور اگر اس نے اپنی سب کشتیاں جلا کر نکل بھاگنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا تو ویرا کو بے دست و پا کر کے ڈالنا غیر فطری نظر آ رہا تھا۔ اپنی حکمتِ عملی کے تحت اسے ویرا پر غالب آتے ہی اسے ٹھکانے لگا دینا چاہیے تھا۔

اس کا مطلب تھا کہ وہ ابھی فرار نہیں ہوا تھا بلکہ اسی کمین گاہ کے کسی گوشے میں روپوش تھا۔ اسے مکان سے باہر پھیلے ہوئے ویرا کے مفروضہ ساتھیوں کا خوف تھا اسی لیے اس نے ویرا کو باندھ کر ڈال دیا تھا۔ اسے امید رہی ہو گی کہ ویرا کی واپسی میں تاخیر ہونے پر باہر سے کوئی نہ کوئی صورتِ حال کا جائزہ لینے اندر آئے گا اور اس کی ویرا سے ہونے والی گفتگو کی روشنی میں وہ اپنا آئندہ لائحہ عمل مرتب کر سکے گا۔ اپنی اس عمارت میں غیر موجودگی کا یقین

رانے کے لیے اس نے اس قدر بے حسی اور سنگدلی کا مظاہرہ یا تھا کہ اپنے پستہ قامت مقامی ملازم یا مددگار کی چیخوں پر بھی اس کی جان بچانے کے لیے مداخلت نہیں کی تھی بلکہ عین ممکن تھا کہ وہ سی تاریک گوشے میں چھپا میرے ہاتھوں اس کی موت کا پورا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا ہو۔

قرب و جوار میں دان ہوف کی موجودگی کے امکانات واضح ہوتے ہی میں نے اپنے لیے ایک راہ متعین کر لی اور طویل وقفہ دیے بغیر پُرسکون لہجے میں ویرا سے بولا۔ ''یہاں سے نکل گیا لیکن بچ کر کہاں جائے گا، وہ لوگ اسے کتے کی طرح گھسیٹتے ہوئے یہاں لے آئیں گے۔''

''کون لوگ؟ ....!'' ویرا نے غصے اور جھلاہٹ میں میری اس بے سروپا قیاس آرائی پر دانت پیسے تھے کہ میں نے اُسے آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

''وہ سب ابھی تک اس مکان کے گرد اپنے ٹھکانوں پر جمے ہوئے ہیں۔ انھیں جُل دے کر اس عمارت سے چڑیا کا بچہ بھی باہر نہ نکل سکے گا۔ اب ہمیں یہاں سے جلد از جلد باہر نکلنے کی فکر کرنا چاہیے۔''

ویرا نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ ایک دو بار پلکیں جھپکائیں پھر شاید وہ میرا مقصد بھانپ گئی۔ ''تو پھر اب تک وہ کہاں مرا ہوا ہے۔ اس نے تو اندر آتے ہی دھوکے سے مجھے زیر کر لیا تھا۔''

''وہ جہاں بھی ہو، کیفرِ کردار کو پہنچ جائے گا، مجھے ڈر ہے کہ یہاں کوئی ٹائم بم وغیرہ نہ چھپا ہوا ہو، اس کے پھٹنے سے پہلے یہاں سے نکل چلو۔'' میں نے عجلت آمیز لہجے میں کہا۔

میں نے جیسے ہی دروازے کا بولٹ گرایا، باہر سے کسی نے پوری طاقت سے اس پر زور ڈالا اور میں تیزی کے ساتھ کھلتے ہوئے پٹ کی آڑ میں ہو گیا۔ میں نے بلٹ پروف میں ملبوس دان ہوف کی بس ایک جھلک ہی دیکھی تھی، اس کے ہاتھ میں اب بھی چھوٹے بور کا ہی کوئی ہتھیار موجود تھا جس کی نوعیت کا مجھے اندازہ نہ ہو سکا۔

ویرا کمرے کے وسط میں تھی۔ اس کی نفرت برساتی ہوئی آنکھیں کھلے ہوئے دروازے پر مرکوز تھیں۔ چند ثانیوں تک فضا پر سنسنی خیز سکوت چھایا رہا، میں دروازے کی اوٹ سے نکلا تو وہ اندر آیا پھر اس کی سرد آواز سنائی دی۔

''تم دروازے کی آڑ سے سامنے آ گئے تو میں ویرا کو گولی مار دوں گا۔'' وہ انگریزی میں کہہ رہا تھا۔

''اسے گولی مارنا تھی تو اب تک کس بات کا انتظار کر رہے تھے؟'' میں نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

''میں نے تمھیں پہچان لیا ہے ڈینی!'' اس کی آواز بدستور سرد اور سپاٹ تھی۔ ''اور اب مجھے یقین ہے کہ لائیڈز کاٹیج کی تباہی میں تمھارا ہاتھ ہے ورنہ تم اس وقت یہاں زندہ موجود نہ ہوتے۔ تم نے اپنے ساتھ اس لڑکی کو بھی اس سازش میں ملوث کیا ہے اور میں اس بارے میں کھل کر دو دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں سن رہا ہوں، تم بولے جاؤ۔'' میں نے بے پروائی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے تمھارے ہاتھ میں ٹامی گن دیکھی تھی، اسے پھینک کر سامنے آؤ۔'' اس کی آواز سخت اور تحکم آمیز ہو گئی۔ ''ورنہ میں کمرہ بند کر کے یہاں آگ لگا دوں گا اور افراتفری میں کوئی مجھے نہ روک سکے گا۔''

''کوشش کر کے دیکھ لو۔'' میں نے بدستور بے پروایانہ لہجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ ''جن لوگوں نے پھاٹک پر تمھیں دیکھا ہے وہ کسی حال میں تمھیں نہیں چھوڑیں گے۔ اس کے لیے ویرا کی زندہ و سلامت واپسی ضروری ہے۔''

''یہی میں بھی چاہ رہا ہوں۔'' یک بیک اس کا لہجہ نرم پڑ گیا۔ ''میں یہاں محاصرے میں بیٹھ کر تمھارے ساتھ برابری سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ ہم تینوں کو یہاں سے کہیں باہر نکلنا چاہیے، مارنا ہوتا تو میں ویرا کو پہلے ہی مار چکا ہوتا۔''

''شاید یہ اندازہ تمھیں تھا کہ ویرا کو مار کر اس وقت تم دشواری میں پڑ جاؤ گے۔'' میری نگاہیں مسلسل ویرا پر مرکوز تھیں اور میں کہے جا رہا تھا۔ ''ورنہ تم تو دل سے اس سے چھٹکارا پانے کے خواہاں ہو۔ اور ابھی تم نے ہم دونوں پر لائیڈز کاٹیج کی تباہی کا گھناؤنا الزام لگایا ہے جو تمھاری بدنیتی کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔''

''میری آخری اطلاعات کے مطابق تم لائیڈز کاٹیج میں تھے، لائیڈز کاٹیج تباہ ہو گیا لیکن تم وہیں جل مرنے کے بجائے بالکل محفوظ، ویرا کے ساتھ گھوم رہے ہو، ان حالات میں کوئی نتیجہ اخذ کرنا اتنا دشوار نہیں ہے اور ....!''

آخر کار وہ لمحہ آ ہی گیا جس کے انتظار میں میں گفتگو کو طول دے رہا تھا۔ ویرا نے اپنے جسم کو حرکت دیے بغیر بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ذریعے پُرجوش انداز میں اشارہ کیا اور میں نے پوری قوت کے ساتھ دروازے کا پٹ چوکھٹ کی طرف دھکیل دیا۔ دان ہوف جو چوکھٹ سے قدرے اندر کھڑا ہوا تھا، بُری طرح دروازے کی زد میں آیا کیونکہ میں نے وزنی چوبی پٹ پر پہلے اس کی کھوپڑی پھر پورے جسم کے بھرپور تصادم کا جھٹکا محسوس کیا تھا اور وہ غضبناک انداز میں غراتا ہوا پیچھے الٹ گیا تھا۔

راہداری میں اُس کے گرنے کی پُرشور آواز سنتے ہی میں نے دوبارہ دروازہ کھول دیا لیکن مجھے اس کو دبوچنے میں سبقت حاصل نہ ہو سکی۔ دروازہ کھلتے ہی ویرا فضا میں اُڑتی ہوئی کسی شکاری پرندے کی طرح وان ہوف پر جا گری تھی۔

تنگ اندام ویرا نے اپنے مخملیں جسم کا اُٹھتا ہوا بوجھ اس مہارت کے ساتھ وان ہوف کے وجود پر استعمال کیا تھا کہ بدن پر بلٹ پروف ہونے کے باوجود اس کے حلق سے بے ساختہ چیخ نکل گئی اور اس کے بعد تو ویرا کسی چھلاوے کی طرح راہداری میں فرش پر گرے ہوئے وان ہوف کے گرد ناچنے لگی۔ اس کے چاروں ہاتھ پیر کسی وحشیانہ جنگی رقص کے انداز میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ حرکت کر رہے تھے اور اس کے ہر وار پر وان ہوف کے حلق سے کرب میں ڈوبی ہوئی کریہہ آوازیں نکل رہی تھیں۔

ویرا کی بالادستی کا اندازہ ہوتے ہی میں نے دخل اندازی کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس نے وان ہوف کے ہاتھوں بے خبری میں بدترین زک اٹھائی تھی اور اب انتقام کے خونی جذبے کے تحت اسے اُدھیڑ کر اپنی انا کی تسکین کا سامان کر رہی تھی۔ وان ہوف ہاتھ پیر فضا میں لہرا کر ویرا کو پکڑنے یا روکنے کی ناکام کوششوں میں مبتلا تھا۔ ویرا کی ماہرانہ چابکدستی کو دیکھتے ہوئے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وان ہوف کسی سائے کو پکڑنے کی ناکام کوشش کر رہا ہو۔ ہاتھ پیروں کے ساتھ ویرا کی زبان بھی چل رہی تھی لیکن جو کچھ وہ کہہ رہی تھی سب کا سب ناقابلِ تحریر تھا۔

چند منٹ میں جب ویرا نے اس کے جسم کے ہر نازک حصے سے خون کی دھاریں بہا دیں تو پھر چند ثانیوں کے لیے وہ ٹھہری، اس مہلت کو غنیمت جانتے ہوئے لہولہان وان ہوف نے چند گہرے گہرے سانس لیے پھر اچانک ہی ویرا نے ایک وحشیانہ چیخ مار کر اپنے ہاتھ کی کھڑی ہتھیلی سے وان ہوف کی گردن پر آخری وار کیا اور اس کا بدن کسی ردِعمل کا واضح اظہار کیے بغیر یک بیک بے جان ہو گیا۔ وان ہوف کی گردن کی اس کے جسم سے بے ربطی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا نے آخری وار میں اس کی گردن توڑ دی تھی۔

"یہ کیا کیا تم نے؟" میں نے بے یقینی کے ساتھ ویرا سے سوال کیا۔

وہ وان ہوف کی موت کا کوئی اثر لیے بغیر پہلی بار فراخ دلانہ انداز میں ہنسی "یہ نہ کرتی تو بھلا کیا کرتی اس مردود کے ساتھ۔"

یک بیک میرے ذہن پر سے بھی جمود ڈھل گیا۔ "گردن نہ بھی توڑتیں تو وہ بے چارہ ویسے ہی مر جاتا۔ تمہارے ساتھ دھول دھپے کی لذتیں ہی اس کو جہنم واصل کر دیتیں۔"

"اب خون نہ سلگاؤ میرا۔" وہ سگریٹ جلاتے ہوئے بولی۔ "مجھے تو یہ سوچ سوچ کر ہی اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے مجھے زیر کر لیا تھا۔ رہی سہی کسر تمہارے اندازوں نے پوری کر دی۔ یہ تو بتاؤ کہ تم دشوار حالات میں بھی اتنے درست اندازے کیسے قائم کر لیتے ہو؟"

"بس وجدان کہہ لو۔" میں ہنس کر بولا "سب کچھ سامنے نظر آنے لگتا ہے۔"

"مجھے امید نہیں تھی کہ اس موذی سے اتنی آسانی کے ساتھ گلوخلاصی ہو سکے گی۔" وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

"امید تو مجھے بھی نہیں تھی۔ بس ستارے اچھے تھے کہ وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ اس کے گینڈے نما ساتھی کو میں باہر ہی مار آیا تھا۔"

"اوہ! تو وہ چیخیں اسی کی تھیں؟" وہ حیرت سے بولی۔

"میرا خیال ہے کہ وہ وان ہوف کا بہت پرانا اور وفادار ساتھی تھا۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "شاید وان ہوف کہیں چھپا ہوا، میرے ہاتھوں اس کے مرنے کی پوری کارروائی دیکھ رہا تھا لیکن اس خودغرض شخص نے اپنے ساتھی کو بچانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ وہ مجھے یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ عمارت ویران پڑی ہوتی ہے اور اپنی اس کوشش میں وہ خاصی حد تک کامیاب بھی ہو گیا تھا۔۔۔"

"لیکن تمہارے وجدان نے اس کا بیڑا غرق کر دیا۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"میرے حساب سے تم نے وان ہوف کو مارنے میں ذرا عجلت سے کام لیا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"وہ کیوں؟" ویرا کا منہ بن گیا۔

"میں اس سے تنظیم کے دوسرے چار بڑوں کے بارے میں بھی معلوم کرنا چاہتا تھا۔" میں نے کہا۔

"بالکل بے سود ہوتا۔ مہلت ملتی تو شاید وہ دوبارہ اپنی بالادستی قائم رکھنے کی کوئی صورت نکال لیتا۔ اس سے کچھ اگلوا لینا اتنا آسان نہ ہوتا، وہ بہت سخت جان اور ضدی تھا۔"

"اور نہ تم ان چاروں کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"وہ چار کیا، میری تو وان ہوف سے بھی یہ پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بارے میں بس کہانیاں ہی سنتی رہی تھی۔ یہاں آنے کے بعد دو مرتبہ ٹرانسمیٹر پر بات ہوئی تھی لیکن اٹلی میں میں نے ماسٹر کمپیوٹر پر اس کی فائل دیکھی ہوئی تھی۔"

"پھر تو وہاں ان چاروں کا ریکارڈ بھی رہا ہو گا۔"

"ضرور رہا ہوگا لیکن میں نے ان پر کبھی توجہ ہی نہیں دی۔ وان ہوف کا ریکارڈ اس لیے دیکھنا پڑا کہ اس سے پاکستان آکر رابطہ قائم کرنا تھا۔ یہ تو سوچا بھی نہیں تھا کہ ان لوگوں سے یوں ٹھن جائے گی۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ اٹلی میں ان لوگوں کا ریکارڈ ہر ایک کی دسترس میں ہے؟"

"نہیں،" اس نے پُریقین لہجے میں کہا۔ "ہر کمپیوٹر میں ایک خفیہ میموری ہوتی ہے جب تک کمپیوٹر کی سیکرٹ کی آپریٹ کرکے مخصوص لفظ یا نمبر فیڈ نہ کیا جائے کمپیوٹر خفیہ معلومات ظاہر نہیں کرتا۔ وہ مخصوص لفظ جی لائینڈ کے خاص معاون کو معلوم ہے یا اس کے ذریعے میرے علم میں آیا تھا۔ اب واپس جا کر ان چاروں کا ریکارڈ بھی دیکھوں گی۔"

"اور شاید اسی کمپیوٹر میں تمہارا ریکارڈ بھی ہوگا؟"

"ہو سکتا ہے کہ کبھی رہا ہو، اب نہیں ہے کیونکہ اب میں جی لائینڈ کے علاوہ کسی کو جوابدہ نہیں ہوں، دوسرے ہر وقت مجھے جواب دہ ہیں۔ تنظیم میں میرا مقام خاصا بلند ہے۔"

"پھر بھی وان ہوف نے تم پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی؟"

"بغاوت ہر پروٹوکول سے عاری ہوتی ہے۔ باغی سپاہی اپنے کمانڈر انچیف کے منہ پر تھپڑ بھی مار سکتا ہے لیکن انجام تم نے دیکھ ہی لیا۔" اس نے تحقیر آمیز انداز میں وان ہوف کی لاش کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"تم اپنے مسائل سمیٹتی جا رہی ہو، میرا مسئلہ اپنی جگہ موجود ہے۔"

"تمہارا مسئلہ؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"جب تک غزالہ سے ملاقات نہ ہو جائے وہ میرا مسئلہ ہی رہے گی۔"

"بظاہر یہاں ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔ اس مکان کی تلاشی کے بعد تمہیں اختیار ہوگا کہ جس طرح چاہو پروگرام طے کر لو، مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔"

"تلاشی کی کیا ضرورت ہے، وقت ہی برباد ہوگا۔"

"ہمارے یہاں مواصلاتی الیکٹرونکس کا استعمال بہت عام ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کہیں کچھ ایسی باتیں ریکارڈ ہوتی ہوں جن کے انکشاف سے ہمیں نقصان پہنچ سکے۔"

"آؤ۔" میں اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔ "اس کا علاج بڑا آسان ہے۔"

وہ بے چون و چرا میرے ساتھ چلی آئی۔

اس دوران میں مجھے یہ یقین ہو چکا تھا کہ اس عمارت میں وان ہوف اور اس کے پستہ قامت معاون کے علاوہ کوئی تیسرا موجود نہیں تھا ورنہ وہاں رونما ہونے والی مار دھاڑ میں ضرور دخل انداز ہوتا۔ اسی یقین کے تحت میں ڈیرا کے ہمراہ بے فکری کے ساتھ عمارت سے گزر کر باہر آگیا اور پھر ہم دونوں گیراج میں جا پہنچے جہاں نیلے رنگ کی طاقتور انجن والی فورڈ مستانگ موجود تھی۔

گیراج میں نلکی اور ایک خالی ڈبا تھوڑی سی تلاش کے بعد مل گیا اور میں نے تار کے سرے کی مدد سے پٹرول کی ٹنکی پر لگے ہوئے ڈھکن کا تالا کھولا اور پھر نلکی سے پٹرول کی دھار ڈبے میں منتقل کرنا شروع کر دی۔

"کیا عمارت کو آگ لگانے کا ارادہ ہے؟" ڈیرا نے پُرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

"میرا بس چلے تو ان سب کو ایک جگہ بے دست و پا کرکے زندہ نذرِ آتش کر دوں۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تم ان کے ساتھ منشیات فروشی میں ملوث ضرور رہی ہو لیکن تم نے عام لوگوں پر ہیروئن کے تباہ کن اثرات قریب سے نہ دیکھے ہوں گے۔ یہ لعنت اپنے شکار کو ایک زندہ لاش میں بدل کر رکھ دیتی ہے جسے اخلاق، مذہب، رشتوں اور اپنی ذمہ داریوں کا کوئی احساس نہیں رہتا بس وقت ہونے پر، ہر قیمت پر نشہ درکار ہوتا ہے اور تنظیم کے خود ساختہ بڑے اس قدر سفاک اور درندہ صفت ہیں کہ اپنے ذرا ذرا سے مفاد کے تحفظ کے لیے ہر لمحے انسانی لہو کی بھیانک ہولی کھیلنے پر تلے رہتے ہیں۔ ان کے لیے انسانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"اس وقت تم اچانک ہی کچھ جذباتی ہو گئے ہو۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ مدتوں کے بعد اچانک مجھے اپنا عزیز دوست طارق یاد آگیا تھا جس نے تنظیم کے لیے ہمیشہ دل و جان سے کام کرتے ہوئے اپنے لہو سے اس کی بنیادوں کی آبیاری کی تھی۔ ابتدائی ایام میں چرس کے عادیوں میں ہیروئن کو متعارف کرانے کا گھناؤنا کام اسے یوں قبول کرنا پڑا تھا کہ اس مرحلے پر تنظیم کے کسی منصوبے سے انحراف کی سزا موت ہوتی اور طارق کو اپنی جان بہت عزیز تھی لیکن پھر وہ کچھ سرکاری اہلکاروں کی نگاہوں میں آگیا اس کی وجہ سے تنظیم کے راز افشا ہونے کا ایک امکان پیدا ہو گیا۔ اس کا بہتر علاج یہ ہوتا کہ طارق کو ملک میں یا ملک سے باہر کہیں روپوش کرا دیا جاتا لیکن اس بے ضرر راستے کے بجائے اسے بے رحمی کے ساتھ مار ڈالا گیا۔ اس بے چارے نے اپنی جس جان کی حفاظت کے لیے اپنے ضمیر کے خلاف ایک سمجھوتا کیا تھا وہ جان بے ملال انداز میں موت کی وادیوں میں دھکیل دی گئی تھی۔

پھر ان خونریزوں نے میرے خلاف کیا کچھ نہیں کیا تھا مجھے نیست و نابود کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی لیکن میرا مقدر یاور تھا کہ میں ہر بار بچتا رہا پھر لائیڈز کاٹیج کے اطراف میں اس قلعے کے مسلح محافظوں نے خالص جنگی انداز میں مجھے بھون ڈالنا چاہا۔ بڑی ماں کو کوڑا جلانے والی برقی بھٹی میں ڈال کر شاید زندہ جلا دیا، میرے سوتیلے بھائی کو میری نگاہوں کے سامنے گولی مار دی۔ ان سب تصورات کی رو میں بہہ کر ان کے خلاف میرا جذباتی ہونا غیر فطری نہیں تھا۔

فرشی قالینوں اور چوبی فرنیچر سے بھاری پردوں تک وہاں آتش زنی کو کامیاب بنانے کے لیے بہت کچھ موجود تھا۔ میں نے ہر کمرے کے وسط سے پٹرول کی لکیر راہداری تک بنانا شروع کر دی۔ پھر میں اس کمرے میں داخل ہوا جہاں زرہ پوش وان ہوف کی لاش کسمپرسی کے عالم میں پڑی ہوئی تھی مسہری پر پٹرول ڈالتے ہوئے اچانک میری نگاہ فرشی قالین پر وان ہوف کی لاش سے ذرا دور پڑے ہوئے اس ننھے سے پستول نما ہتھیار پر پڑی جو میں وان ہوف کے ہاتھ میں دیکھ چکا تھا۔

اسی لمحے ویرا نے بھی مختصر سی نال والا وہ عجیب سا پستول دیکھا اور پھر بے تابانہ انداز میں اٹھا لیا۔

میں مسہری کے بعد قالین پر پٹرول کی لکیر بناتا ہوا وان ہوف کی مکروہ لاش تک پہنچا تو اچانک ہی ویرا کی تحیر آمیز آواز نے مجھے چونکا دیا اور میں اپنا کام بھول کر چند ثانیوں کے لیے اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"بہت زبردست ہتھیار ہاتھ لگا ہے۔" وہ سیاہ پستول کو ہاتھ میں لیے کہہ رہی تھی۔" بارودی اسلحہ میں یہ حال ہی کی ایجاد ہے، میں نے بھی بس نام ہی سنا تھا، دیکھا پہلی بار ہے۔"

"کیا طیارہ شکن پستول ہے؟" میں نے وان ہوف کی لاش کو پٹرول میں تر کرتے ہوئے برا سا منہ بنا کر سوال کیا۔

"یہ ریمنگٹن کا ایکسپلوڈر ہے۔ اس کی گولی جسم میں دو سے ڈھائی انچ اندر پیوست ہوتے ہی پھٹ جاتی ہے اور لاش کے ٹکڑے اڑ جاتے ہیں۔ تم اپنا کام کرو، میں ذرا اس کے فالتو میگزین کے ڈبے تلاش کر لوں۔"

"یہ ایکسپلوڈر کیا بلا ہے؟ میں تو یہ نام بھی پہلی ہی بار سن رہا ہوں۔" میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"سات راؤنڈز کا میگزین ہوتا ہے۔ رینج خاصی ہوتی ہے۔ گولی پھٹ جانے کی وجہ سے یہ سراغ لگانا ناممکن ہو جاتا ہے کہ فائر کس اسلحے سے کیا گیا تھا۔ نشانے کی بھی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی۔" وہ اس کمرے کی الماریوں اور درازوں کو کھنگالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "سر سے دھڑ تک کہیں بھی لگے، موت یقینی ہوتی ہے کیونکہ گولی پھٹتے ہی اعضائے رئیسہ کے بھی چیتھڑے اڑا دیتی ہے۔"

جب میں راہداری میں ملنے والی مختلف لکیروں سے آگے پٹرول کی دھار بہاتا ہوا لکاسی کے راستے کی طرف بڑھ رہا تھا تو ویرا بھی میرے ساتھ آ ملی۔ اسے کمرے سے ایکسپلوڈر کے دو بھرے ہوئے ڈبے مل گئے تھے۔

باہر پہنچنے تک میں نے پٹرول کا ڈبا پوری طرح خالی کر دیا اور ڈبا پستہ قامت کی لاش کے قریب اچھال دیا۔ پجیرو میں سوار ہو کر میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور کلچ دبا کر گیئر ڈالنے کے بعد ایک دیاسلائی جلا کر پھاٹک میں کھلے ہوئے ذیلی دروازے سے اندر فرش پر پھیلے ہوئے پٹرول کی طرف اچھال دی۔

بھق کی ہلکی سی آواز کے ساتھ پٹرول کے بخارات نے آگ پکڑ لی اور پھر پجیرو کے بڑھتے بڑھتے وہ آتشی لکیر تیزی کے ساتھ عمارت کے اندرونی حصوں تک پھیلتی چلی گئی۔

"عمارت کو آگ لگا کر ہم نے غلطی کی ہے۔" پجیرو کے کافی دور نکل آنے کے بعد ویرا نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

"چاہو تو چل کر بجھا سکتے ہیں۔" میں نے جھلا کر کہا۔

وہ تھکے ہوئے انداز میں ہنس پڑی۔" وہاں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا ہم بے فکری کے ساتھ اسی عمارت کے کسی کمرے میں رات بسر کر سکتے تھے، صبح روانہ ہوتے ہوئے آگ لگائی جا سکتی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم کہاں جائیں۔ گاڑی بھی مخدوش ہے، اسے زیادہ دیر تک زیر استعمال نہیں رکھ سکتے۔"

ٹھکانے کے بارے میں اس کی تشویش بجا تھی لیکن وان ہوف کے مکان کے استعمال کے بارے میں میں اس سے متفق نہیں تھا۔ وہ دونوں ختم کر دیے گئے تھے لیکن ہماری بے خبری میں کسی بھی وقت کوئی تیسرا وہاں آ سکتا تھا اور کسی بھی غیر معمولی تبدیلی پر چوکنا ہو کر ان دونوں کے قتل کے راز سے واقف ہو سکتا تھا۔ ایسی صورت میں ہم بے خبری میں رنگے ہاتھوں پکڑے جا سکتے تھے۔

ہمیں بس وہ رات ہی کہیں بسر کرنا تھی پھر صبح کی پہلی پرواز سے ہم کراچی لوٹ جاتے۔ یوں تو وہ چند گھنٹے اس گاڑی میں بھی گزارے جا سکتے تھے لیکن اس میں خطرات بھی مضمر تھے۔ وان ہوف کے مکان سے دور نکل کر میں سست روی کے ساتھ ڈرائیونگ کرتا رہا پھر اچانک ہی میں نے ویرا کے ہوٹل واپس لوٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ ویرا میرا فیصلہ سن کر حیران رہ گئی تھی۔

"تھوڑی دیر پہلے تک تو تم یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھے پھر اب کیا ہو گیا؟"

"اس وقت وان ہوف زندہ تھا اور اسے ہماری تلاش تھی۔

اب گاڑی سے پیچھا چھڑانے کے بعد ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔ ذہنی دباؤ کی وجہ سے ہم بلاوجہ ہی پریشان ہو رہے ہیں۔"

"وہ مر گیا لیکن اس نے کچھ لوگوں کو ہماری ٹوہ پر لگایا ہوا تھا۔ جب تک انھیں وان ہوف کی موت کا علم نہیں ہوتا، ہماری تلاش کی مہم جاری رہے گی۔" اس نے کہا۔

"رہا کرے۔۔۔ وہ سب شہر میں گاڑی تلاش کر رہے ہوں گے جو تھوڑی دیر بعد کہیں خالی کھڑی ہوئی مل جائے گی۔"

"یہ خیال بھی تو تھا کہ ناصر یا خود وان ہوف نے براہ راست کسی کو ہوٹل پر مامور نہ کر دیا ہو؟"

"تم تھک گئی ہو۔" میں نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تم نے خود ہی مجھے بتایا تھا کہ تم نے ہوٹل میں کمرہ ایک نومسلم مقامی عورت کے طور پر بک کرایا ہے۔ لیلیٰ شہزاد کے نام پر کوئی شبہ تک نہ کر سکے گا کہ وہ شوگر کوئین کا کوئی روپ ہے۔ پھر کوئی مقامی تمھارا صورت آشنا بھی نہیں ہے۔ شوگر کوئین کی حیثیت سے تم سیاہ پوش عورت کے روپ میں ہی ان کے سامنے آتی رہی ہو۔ وان ہوف کے مرنے کے بعد تمھارے پہچان لیے جانے کا کوئی خطرہ موجود نہیں ہے۔ ہوٹل میں اگر کوئی نگرانی پر مامور بھی ہوا تو اس کا دائرہ کار بچہیر واستعمال کرنے والوں کی ذات تک محدود ہو گا۔"

"غنیمت ہے کہ تمھارا ذہن جاگ رہا ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایسی تھکا دینے والی خونریز رات میری زندگی میں کبھی نہیں آئی تھی۔ ساری وقت بھاگ دوڑ اور مار دھاڑ میں گزرا ہے۔"

"ہوٹل پہنچ کر ساری تکان دور ہو جائے گی۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ "ٹھکانا ملے تو میں ناصر کو بھی چھیڑوں گا۔"

"پہلی بات تو یہ کہ تم اپنی کھوپڑی پر قابو رکھو گے۔" وہ ایک دم ہی بھڑک اٹھی۔ "اگر اس وقت ہم خطرناک صورت حال سے دوچار نہ ہوتے تو میں ہرگز تمھیں اپنا کمرہ استعمال کرنے کی اجازت نہ دیتی۔۔۔"

"بس۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اسے خاموش کر دیا۔ "غیر ضروری تقریر کی ضرورت نہیں۔ آج کی رات تمھاری سنگدلی اور سفاکی دیکھنے کے بعد مجھے بھی تم سے خوف آ رہا ہے۔ تمھارے بارے میں کوئی نرم و نازک خیال ابھرا تو مجھے اپنی صحیح الدماغی پر شبہ ہونے لگے گا۔ وہ بات میں نے یوں ہی رواروی میں کہی تھی۔"

شاید اس نے سر گھما کر مجھے غصیلی نگاہوں سے گھورا تھا پھر بولی۔ "اور دوسری بات یہ کہ میں اب تمھیں کسی سے چھیڑ چھاڑ

کا مشورہ نہیں دوں گی۔ لائیڈز کاٹیج سے تمھارے فرار کی کہانی ابھی تک راز میں ہے۔ ان لوگوں کو یہی سمجھنے دو کہ تم بھی اس حادثے میں لقمۂ اجل بن گئے ہو۔ انھیں شبہ بھی ہو گیا کہ تم وہاں سے قبل از وقت زندہ نکل بھاگے تھے تو وہ تمھاری تلاش میں ہر اس ٹھکانے کو جہنم بنا دیں گے جہاں سے تمھارا سایہ بھی ملنے کی امید ہو سکتی ہے۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ اس وقت ان معاملات میں کسی مردانہ آواز کی دخل اندازی سارا بنا بنایا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔ اکبر سے ملا ہوا ناصر کا فون نمبر میرے پاس محفوظ تھا جس کے سہارے میں کسی بھی وقت دوبارہ ان لوگوں کی راہ پر لگ سکتا تھا۔ اس وقت میرے لیے ان معاملات میں الجھنا خطرناک ہو سکتا تھا اور دیارِ غیر میں غزالہ تک میری رسائی میں غیر متوقع تاخیر ہو سکتی تھی۔

★

ویرا ازلی طور پر ایک خبیث عورت تھی۔ اس کی ذات میں نرمی اور نزاکت کے حوالے سے میں نے جو کچھ کہا تھا وہ شاید اس کی انا کو بھڑکانے کا سبب بن گیا تھا کیونکہ بظاہر اس کا رویہ خشک تھا لیکن اس نے شب خوابی کا اشتعال انگیز لباس بدلنے کے بعد غزالہ کا ریکارڈ کیا ہوا پیغام اس امید پر میرے حوالے کیا کہ میں ریکارڈ سننے کے بعد کچھ اس کی ستائش شروع کر دوں گا مگر میں نے کیسٹ لے کر اس کے منی ریکارڈر میں چڑھایا اور پلے کا سوئچ آن کر کے بے پروائی سے صوفے پر دراز ہو گیا۔

"میں خیریت سے ہوں۔" کیسٹ سے غزالہ کی ترنم ریز اور پُرسکون آواز ابھری اور میرے وجود میں خلش اور آسودگی کا ایک ملا جلا احساس بیدار ہو گیا۔ آسودگی کا تعلق غزالہ سے قائم قربت سے تھا اور خلش اس بات کی تھی کہ وہ اس وقت میری رسائی سے ہزاروں میل دور غیروں کے درمیان پناہ گزین تھی۔

"مجھے ہر چیز کی آزادی اور سہولت میسّر ہے مگر ایک بند چار دیواری میں ایک بوڑھی عورت میری دیکھ بھال اور خدمت پر مامور ہے جو میری ہر بات سمجھنے کے باوجود ایک لفظ بھی نہیں بولتی اور عملاً گونگی بنی ہوتی ہے۔ جس عورت کی قید میں ہوں وہ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں چھپی رہتی ہے۔ ایک بار پہلے سامنے آئی تھی یا اب میرے قریب موجود ہے۔ بظاہر مہربان لگتی ہے۔ اپنوں سے دوری کے علاوہ مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ اب شاید مجھے کوئی لمبا سفر درپیش ہے۔ میں منزل سے لاعلم ہوں اور شاید اپنے انجام سے بھی۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ یہ پیغام کس کے حوالے کیا جائے گا۔ باپ کے لیے میں صبر کے مشورے کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ماں اور بھائی کی طرف سے مجھے فکر لاحق ہے

لیکن خوشی ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کو گرد و پیش کا گہرا شعور نہیں ہے ورنہ روپوش ہونے والی بہنوں کے بھائی صدمے سے مرجایا کرتے ہیں اور مائیں اس دن کو کوستی ہیں جب ان کی کوکھ میں زندگی کی پہلی کونپل پھوٹی تھی۔"

خالی کیسٹ چلتا رہا، آواز معدوم ہوگئی۔ غزالہ کے چند فقروں میں اس کی زندگی کی کہانی اپنے پورے کرب کے ساتھ واضح تھی۔ میں نے منی پلیئر بند کیا اور کیسٹ نکال کر اس میں سے مقناطیسی فیتا نوچنے لگا۔ اس دوران میں ویرا چیلنج کرنے والے انداز میں مسہری پر دراز ایک رسالے کی ورق گردانی کرتی رہی تھی۔

ٹیپ کے ٹکڑے کر کے میں باتھ روم میں گیا اور ان کو دیا سلائی دکھا کر ادھ جلے ٹکڑے کموڈ میں ڈال کر پانی کے تیز بہاؤ میں ضائع کر دیے۔ غزالہ کے آخری فقروں نے میرا ذہن ماؤف کر کے رکھ دیا تھا اور بس ایک گونج سی باقی رہ گئی تھی۔

"کیا وہیں سونے کا ارادہ ہے تمہارا؟" مجھے دوبارہ صوفے پر دراز ہوتے دیکھ کر ویرا خاموش نہ رہ سکی۔

"شاید اب میں نہ سو سکوں!" میں نے بھاری آواز میں کہا۔ "غزالہ کے الفاظ نے میرے دل میں آگ سی لگا دی ہے۔"

"شاعری کی جاتے تو ہر بات کو افسانہ بنایا جاسکتا ہے، بات صرف اتنی ہے کہ وہ اس وقت اپنے گھر میں نہیں ہے اور دو چار دن میں تمہاری مہربان تحویل میں ہوگی، چاہو تو اس وقت تک مجھے غزالہ کا قائم مقام تصور کر سکتے ہو۔"

میں قہر بار نظروں سے اُسے گھور کر رہ گیا۔ "وہ تم سے بہت مختلف ہے ویرا۔ کبھی اس کے کردار پر غور کرو گی تو خود کو عورت کہتے ہوئے شرم آئے گی۔ قائم مقامی تو بہت دور کی بات ہے۔"

"تو میں سو جاؤں؟" اس نے مضحکانہ لہجے میں سوال کیا۔

میں کچھ نہ بولا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔ "یہ کیسٹ تمہارے نزدیک اتنا غیر اہم تھا کہ تم اسے اپنے کمرے میں چھوڑ جانے پر آمادہ تھیں؟"

"تو اس میں رکھا ہی کیا ہے؟" وہ بے پروائی کے ساتھ بولی۔ "ناموں کے بغیر یہ کہانی سن کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی افسانہ نگار خاتون نے اپنی کہانی کا کوئی ٹکڑا ریکارڈ کیا ہو۔ میرا ہوٹل کا حساب صاف تھا۔ بس کہیں سے ایک فون کر کے اطلاع دینا پڑتی کہ میں کمرہ چھوڑ چکی ہوں اور میرا چھوڑا ہوا ذاتی سامان روم سروس کے عملے میں تقسیم کر دیا جاتا۔ ہوٹلوں میں اچھے برے، ہر قسم کے لوگ آتے ہیں اور ہوٹل والے اپنا بزنس برقرار رکھنے کے لیے ایسے ہر اسکینڈل سے دامن بچانے کی کوشش کرتے ہیں جس میں پولیس کی شمولیت کا ڈر ہو، کسی کو کانوں کان بھی میری روانگی کا علم نہ ہوتا۔"

"تم نے غزالہ کو باہر بھیج کر سب کچھ برباد کر دیا ہے۔ مجھے فوراً اس کی طرف نہ جانا ہوتا تو پاکستان میں تنظیم کی جڑیں کاٹنے کا یہ بہترین موقع تھا، چن چن کر سارے بڑے صاف کیے جا سکتے تھے۔"

"دراصل تم خود فریبی کا شکار ہو گئے۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "کیا تم بتا سکتے ہو کہ تمہاری جدّ و جہد کس کے خلاف ہے؟ تنظیم کے خلاف یا ہیروئن کے؟"

"دونوں کے۔" میں نے اس کا سوال سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ایک کے بغیر دوسرے کا خاتمہ ناممکن ہے۔"

"تم جو کچھ کر رہے ہو وہ سراسر تنظیم کے خلاف تمہارے عناد کا ردّ عمل ہے۔ تم اہم کارندوں کو مار مار کر بوڑھے ہو جاؤ گے لیکن تنظیم کا کچھ نہ بگڑے گا، نیا خون تیزی سے اوپر آتا رہے گا۔ سارا کام اسی زور و شور سے چلتا رہے گا کیونکہ تمہارے یہاں ہیروئن کی پیداوار اور مقامی کھپت کے ساتھ ہی زبردست برآمدی مانگ بھی موجود ہے۔ بالفرض تنظیم کا شیرازہ بکھر بھی گیا تو اس کی آڑ میں کام کرنے والے دوسرے بے شمار افراد طاقت پکڑ لیں گے، چھوٹے چھوٹے گروپ ابھر آئیں گے اور تنظیم کے غیر فعال ہونے سے پیدا ہونے والا کالے بازار کا سارا دھندا ان میں بٹ جائے گا اور ان کی پیشہ ورانہ رقابتوں سے تمہارے شہروں میں پُراسرار خونریزیوں کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کا جو تنظیم کے واضح مفادات اور بالادستی کی وجہ سے اب تک موقوف ہے۔"

"یوں ہی سہی، وہ برساتی مینڈک خود ہی آپس میں لڑ لڑ کر فنا ہو جائیں گے۔"

"معاشیات کے اصولوں کو تم ٹھکرا نہیں سکتے۔" اس نے بلا تامل میری بات روکتے ہوئے کہا۔ "پیداوار اور اسی کے ساتھ مانگ بھی موجود ہو تو درمیانی رابطے کبھی فنا نہیں ہوتے بلکہ پھلتے پھولتے رہتے ہیں۔ یہی ہوگا کہ ان میں سے جو طاقت ور ہوں گے وہ دوسروں کو پیس کر رکھ دیں گے اور خود منڈی پر چھا جائیں گے۔ یہ تنظیم ختم ہوگی تو حالات ایک مقامی تنظیم کے لیے خود بخود سازگار ہوتے جائیں گے۔"

"یعنی تمہاری نگاہ میں میری ساری کوششیں بے سود ہیں؟"

"ابھی تک مؤثر ہیں اس لیے کہ تم تنہا کام کر رہے ہو، الفرض بڑھاتے ہی خود بھی مارے جاؤ گے اور مؤثر بھی اس حد تک ہیں کہ وقتی رخنہ اندازیاں ہوتی ہیں ورنہ یہاں ہماری کامیابیاں قابل رشک ہیں۔"

"تم مجھے یہ یقین دلانا چاہ رہی ہو کہ یہاں، ہیروئن کی

یہ کتنی ناممکن ہے۔"

"موجودہ حالات میں تو یہی نظر آتا ہے۔ تنظیم کو تم نے شدید نقصانات پہنچائے ہیں لیکن قانون آج تک ہمارے کسی اہم مہرے پر ہاتھ نہیں ڈال سکا۔ تم خود جانتے ہو کہ سراسلدوی مہم میں وہی لاوارث اور آوارہ لوگ پکڑے جاتے ہیں جو کسی فوری ضرورت کے تحت دس بیس گرام سستے دام خرید کر مہنگے دام فروخت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عملاً تو تمہارا قانون تنظیم کے وجود ہی سے لاعلم ہے۔ ہمارے تیسرے درجے کے کارکن بھی قانون کی گرفت سے آزاد رہتے ہیں۔"

اس وقت وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، غیر جذباتی اور منطقی انداز میں ٹھیک ہی تھا۔ قانون کی بھرپور پشت پناہی کے بغیر جرائم کے سدِباب کا تصور نامکمل تھا۔ قوانین میں مؤثر تبدیلیاں لاتے اور لاقانونیت کے جزیروں کے خاتمے کے بغیر ہیروئن کی لعنت پر قابو پانا ناممکن تھا۔ انفرادی سطح پر اس کا لین دین کرنے والے دو ہاتھ قلم کیے جاتے تو چار نئے پیدا ہو سکتے تھے۔ راجہ سکندر سے وان ہوف تک میں نے بہتیرے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور ہر گندے خون کی بھینٹ، دیتے ہوئے یہ امید نظر آتی تھی کہ بس اب تنظیم کی پُرشکوہ عمارت ڈھے جائے گی لیکن ہر بار مرنے والوں کی اوٹ سے کوئی نیا گرجتا بنکارتا نام ابھر آتا، اور میری جانگسل کوششیں طول پکڑ جاتی تھیں۔ معلومات میں بتدریج اضافہ ہوتے ہوتے اب مجھے بھی یہ سلسلہ لامتناہی نظر آ رہا تھا۔ دس بیس کرائے کے مہروں کے جانی اتلاف پر تنظیم کے منصوبہ ساز اپنے کروڑوں ڈالر کے خطیر مالی مفادات سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔

اب لے دے کر میری ساری امیدیں لائیڈز کارٹج کی تباہی کے واقعے سے وابستہ ہو کر رہ گئی تھیں۔ وہاں بھاری جانی نقصان کے ساتھ اسلحہ کے ذخائر بھی تباہ ہوئے تھے اور دیکھنا یہ تھا کہ اس تباہی کی تفتیش کرنے والے افسران ان ہولناک شواہد کی روشنی میں کیا نتائج اخذ کرتے ہیں۔

کئی ایکڑ پر محیط رقبے پر کھڑی ہوئی عمارات اور ان میں بسے ہوئے انسانوں کی بیک وقت تباہی کے بعد یہ سمجھانے کی کوشش ہی نہیں رہ جاتی تھی کہ وہ سب ایک سازش کے تحت تباہ ہوا تھا۔ آگ، خون اور ملبے کے انبار میں ملنے والے بموں کے ٹکڑے، بارود کی تیز بُو اور جلے ہوئے ہتھیاروں کے آہنی ڈھانچے پوری کہانی کو بے نقاب کرنے کے لیے کافی تھے۔

"تم یہاں اپنے جنون میں حد سے آگے بڑھ چکے ہو۔"

ویرا کہہ رہی تھی۔ "تم نے تنظیم کی ایسی بھیانک مخاصمت مول لی ہے کہ دس سال بھی روپوش رہ کر منظرِ عام پر آؤ گے تو مار دیے جاؤ گے۔ تمہارا رنگ روپ اور خدوخال یورپ میں تمہاری مدد کریں گے۔ میرا تو مخلصانہ مشورہ ہے کہ تم واپسی کا خیال ذہن سے نکال دو اور غزالہ کے ساتھ وہیں کہیں آباد ہو جاؤ، تم دونوں کو تمہاری من پسند شہریت میری طرف سے تمہاری یکجائی کا انعام ہوگی۔"

"اس کا پورا گھرانا یہاں آباد ہے۔۔۔" میں نے کہنا چاہا لیکن ویرا نے میری بات کاٹ دی۔

"سب کو لے جاؤ، سارے اخراجات میں برداشت کروں گی۔" اس وقت وہ میری کچھ زیادہ ہی ہمدرد ہو رہی تھی۔ "وہاں بہترین ماہرانہ سہولتیں میسر ہیں۔ اس کی ماں کا علاج بھی ہو سکے گا، بھائی بھی تیزی کے ساتھ صحت یاب ہو سکتا ہے۔ یہ یقین رکھو کہ تم جیسا ذہین اور محنتی آدمی مغرب میں بہت جلد اپنا مقام بنا سکتا ہے۔ یہاں تم کبھی پنپ نہ سکو گے، چوروں کی طرح چھپ کر رہنا ہوگا اور جب بھی ذرا سا ابھرے ذبح کر دیے جاؤ گے۔"

اس کی تقریر خیال انگیز تھی۔ میں واقعی اپنی بساط سے زیادہ دشمنیاں مول لے بیٹھا تھا لیکن جان کے خوف یا بہتر مالی مستقبل کے لالچ میں اپنے ملک اور اپنی مٹی کو چھوڑ بھاگنا میرے لیے بزدلی سے کم نہیں تھا۔ ہاں، یہ ضرور ہو سکتا تھا کہ میں غزالہ اور اس کے اہلِ خانہ کو ملک سے باہر کہیں آسودہ ٹھکانا مہیا کر کے زیادہ آزادانہ انداز میں اپنی مہم جاری رکھ سکتا تھا۔ پاکستان میں رہتے ہوئے میری کوشش یہ تھی کہ میں ان کی قابلِ نفرت سرگرمیوں کو روک سکوں لیکن ملک سے باہر جا کر میں انتقاماً ان کے ان گرگوں کی حوصلہ افزائی بھی کر سکتا تھا جو اُن کے اپنے وطن میں سفید موت کا پرچار کر رہے تھے۔

"اگر تم مغرب میں رہ کر منشیات فروشی کو برا نہیں سمجھتے تو مجھے خوشی ہوگی۔ اگر تنظیم سے ٹکر لیے بغیر تم شروع ہی میں اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے تو تنظیم کے بڑے تم کو بخوشی باہر بھیج دیتے۔ وہ ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں جن کو مطلوبہ ماحول اور حالات فراہم کر دیے جائیں تو وہ والہانہ جذبے سے کام کر سکیں۔ ان کے لیے پاکستان، جرمنی، انگلینڈ، فرانس اور اٹلی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان کا مقصد ایک کے ہزار بنانا ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک مذہبی اور جغرافیائی سرحدیں بے وقعت ہیں۔" میرے خیالات سے واقف ہو کر ویرا نے گرمجوشی کے ساتھ کہا۔ کیونکہ اس کے نزدیک میرے نظریات میں وہ تبدیلی بہت حوصلہ افزا تھی۔

"میرے لیے تم خوشی کے اظہار کے علاوہ اور کیا کر سکتی ہو؟"

"تم یورپ کے جس یونٹ میں چاہو، تمہارا تقرر کر سکتی ہوں، امریکا اور مشرق بعید میں بھی ہم آپریٹ کرتے ہیں۔ وہاں بھی تمہارے لیے کوشش کی جا سکتی ہے۔" اس گفتگو پر وہ واقعی خوش نظر آنے لگی تھی۔

"تو کیا میری بغاوت کی خبریں ان مقامات تک نہیں پہنچی ہوں گی؟"

"تم سے نمٹ لیا جاتا تو کسی کو کانوں کان بھی پتا نہ چلتا، تمہارے مسلسل آزاد رہنے اور پھر زندہ رہتے ہوئے روپوش ہو جانے کی صورت میں ہی تمہارے کوائف سے ہر یونٹ کو آگاہ کیا جاتا اس طرح تم تنظیم کے اشتہاری مجرم ہو جاتے لیکن اب تم اس خطرے سے محفوظ ہو کیونکہ تمہیں لائیڈز کارنج کے ساتھ مردہ تصور کر لیا جائے گا۔"

"نام اور شخصیت تو مجھے بہرحال بدلنا ہو گی۔"

"یہ تمہارے ہی حق میں بہتر ہو گا۔ میری دانست میں تمہارے پائے کے آدمی کے لیے اٹلی سب سے بہتر ہو گا۔ وہاں آگے بڑھنے کے بہت مواقع ملتے ہیں بشرطیکہ آدمی ذرا ہوشیار ہو۔"

"اور وہاں رہتے ہوئے بھی لائیڈیا ڈان مرسیانو کی تلاش میں تمہارا ہاتھ بھی بٹا سکوں گا؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ڈان مرسیانو۔" وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "اس گھناؤنے آدمی کو تو میں جب چاہوں، گردن سے دبوچ سکتی ہوں۔ تصویر دیکھ لینے کے باوجود میں ابھی تک یقین نہیں کر سکی ہوں کہ وہی میرا باپ ہو گا۔"

"ولدیت کا خانہ تو تمہارے یہاں ہر شعبے سے مٹا دیا گیا ہے۔ ہر باز پرس خاندانی نام یا سرنیم پر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ بے اعتدالی نہ ہوتی تو تمہارے ہوش سنبھالنے سے پہلے تمہاری ولدیت کا قضیہ طے ہو جاتا۔"

"میرے سامنے تو کہہ بیٹھے ہو کسی اور انگریز کے سامنے زبان نہ کھول بیٹھنا، ساری روایتی وضعداری چھوڑ چھاڑ کر مرنے مارنے پر تل جائے گا۔ ویسے سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے تم بھی اپنے ہی قبیلے سے معلوم ہوتے ہو۔"

"کیا مطلب؟" میں نے غرا کر پوچھا۔

"تمہاری زبان سے غزالہ اور اس کے گھر والوں کے علاوہ میں نے تمہارے اپنے گھر والوں کا ذکر نہیں سنا۔ کہیں تمہاری پیدائش..." وہ وہی کہہ رہی تھی جس کا مجھے شبہ تھا لیکن میں نے غصیلے لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔

"بس بس، حد سے نہ بڑھنا۔" میں طیش کے عالم میں بولا۔ "ایسے قبیلے تمہاری طرف دندناتے پھرتے ہیں یہاں لاکھوں میں ایک بھی تمہیں مشکل سے ملے گا۔ مجھے تو تمہاری تنظیم نے اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ میں اپنے گھر والوں سے تعلق برقرار رکھ سکوں۔"

وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میرے دل میں کسک سی اٹھی تھی۔

میرے باپ بہت شفیق و مہربان تھے لیکن مجبوروں اور مظلوموں سے رشوت ستانی کی بری عادت گھن کی طرح ان کی ساری خوبیوں کے اثرات کو چاٹ گئی۔ ان کے سائے سے بچپن میں محروم ہوا پھر خانہ بدوشی کے عالم میں سگی ماں نے داغ مفارقت دیا۔ سوتیلی ماں زندہ جلا دی گئی۔ ایک سوتیلا بھائی مارا گیا' دوسرا لاپتا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ بھرا پرا گھر یوں اجڑا تھا کہ اب میں تنہا رہ گیا تھا اور ویرا جیسی آبرو باختہ عورت کو بھی میری بنیاد پر وار کرنے کا موقع مل گیا تھا جو شروع ہی سے ٹیڑھی تھی کیونکہ میرا خمیر رشوت کی بے اندازہ آمدنی سے اٹھا تھا۔

اور بدی کے بیج بو کر نیکی کی فصل کبھی نہیں کاٹی جاتی۔

★

ہم دونوں نے اپنے اپنے ٹکٹ ایک دوسرے سے انجان بن کر ائرپورٹ سیلز کاؤنٹر سے خریدے تھے پھر میں پبلک کال آفس کی طرف ہو لیا۔ ویرا کا مشورہ تھا کہ لاہور میں میری شناسائی کا حلقہ نہ ہونے کے برابر تھا جبکہ کراچی میں لاتعداد لوگ مجھے جانتے تھے لہٰذا مجھے حتی الامکان احتیاط سے کام لینا چاہیے تھا۔ اسی احتیاط کے پیش نظر میں نے غزالہ کے گھر فون کیا تاکہ سلطان شاہ، کرنل کی گاڑی سمیت مجھے لینے کے لیے ائرپورٹ پر موجود رہے اور میں کم از کم لوگوں کی نگاہوں میں آئے بغیر گھر پہنچ سکوں۔

اس زمانے میں ائرپورٹ میں داخلے کے مقام پر جملہ اسباب کی اسکریننگ کرنے والی ایکسرے مشینیں نصب نہیں ہوئی تھیں، صرف روانگی کے مقام پر دستی سامان کی اسکریننگ ہوا کرتی تھی لہٰذا ویرا نے نہایت اطمینان سے رنگٹن ایکسپلوڈر اور اس کا میگزین اپنے سفری تھیلے میں ڈال دیا تھا جسے کاؤنٹر پر ائرلائن کے عملے کے حوالے کر کے وہ اطمینان کے ساتھ طیارے پر سوار ہو سکتی تھی۔

سفر کا آغاز ہونے تک مجھے ویرا کہیں نظر نہ آئی۔ شاید دلیو یکہ طیارے میں ہماری نشستیں ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھیں۔ درمیان میں فلائٹ کچن وغیرہ کے حائل ہونے کی وجہ سے سوار ہونے والے مسافروں کو پریشان کیے بغیر بیک نگاہ پورے کیبن کا جائزہ لینا ممکن نہیں تھا۔ بہرحال ہم پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ ویرا اپنے علیحدہ ٹھکانے پر قیام کرے گی۔ اس نے اپنا اور

نے غزالہ کے گھر کا فون نمبر اسے دے دیا تھا تاکہ کراچی پہنچ کر ہم ایک دوسرے سے رابطہ رکھ سکیں۔

میرے پاس ایک مختصر سے بیگ کے علاوہ کوئی سامان نہیں تھا۔ لہٰذا میں پرواز کا اختتام ہوتے ہی پہلی بس میں سوار ہوا اور ٹرمینل کی بلڈنگ سے نکلتا چلا گیا جہاں نکاسی کے راستے پر سلطان شاہ بھیڑ میں نمایاں تھا۔

اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی مجھے ایک جھٹکا سا لگا کیونکہ وہ بہت پریشان نظر آرہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ جب میں نے لاہور ائرپورٹ سے فون کیا، اس وقت بھی سلطان شاہ کی آواز تشویش زدہ سی تھی اور شاید وہ کچھ کہنا بھی چاہتا تھا لیکن میری واپسی کی اطلاع پاتے ہی اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ غالباً اس نے سوچا ہو کہ ڈیڑھ گھنٹے بعد خود ہی مجھ سے بالمشافہ گفتگو کر لے گا۔

"کیا بات ہے؟ کچھ پریشان نظر آرہے ہو۔" میں نے اس سے گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے سوال کیا۔

"گھر چلو گے تو میرے کچھ کہے بغیر بہت کچھ سمجھ جاؤ گے۔" وہ اداس لہجے میں یہ کہتے ہوئے پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ گیا۔

"بتا دو گے تو ذہنی طور پر تیار رہوں گا۔" میں نے اس کے برابر میں آتے ہوئے نرمی سے کہا۔ "کیا کرنل سے جھڑپ ہو گئی ہے؟"

"بہت دکھی ہے وہ بے چارہ۔" سلطان شاہ کا لہجہ میرے لیے حیرت ناک تھا۔ "چڑچڑا اور بد دماغ بھی ہو گیا ہے، میرے جوتے بھی لگائے گا تو سر جھکا کر کھا لوں گا، پچھلے دو دن سے وہ ایک پل کے لیے بھی نہیں سویا ہے، نہ کچھ کھا پی رہا ہے۔"

"کیا بیمار ہو گیا ہے وہ؟" اس کی خاموشی سے اکتا کر میں نے سوال کیا۔

"دو دن سے شمع کی حالت بہت خراب ہے، کئی بار سانس اکھڑ چکی ہے۔" اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "مجھ سے اس نحیف و ناتواں عورت کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ بس کرنل اسے دیکھ دیکھ کر پاگل ہوا جا رہا ہے، اس کا بس نہیں چلتا کہ اپنی صحت بھی بیوی کو بخش دے۔ میرا تو اندازہ ہے کہ کرنل اس کی موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکے گا۔"

"کسی ڈاکٹر کو دکھایا؟"

"تین ڈاکٹر آچکے ہیں۔ میں اکبر کو بھی لایا تھا۔ سب ہی مایوس لوٹے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ اندر سے چھلنی ہو چکی ہے۔ اب اسے علاج سے زیادہ دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

وہ واقعی بڑی بری خبر تھی لیکن غیر متوقع نہیں تھی۔ وہ برسہا برس سے جس انداز میں گھن کھا رہی تھی، اس کا انجام وہی ہونا تھا جو اب نگاہوں کے سامنے تھا لیکن کرنل بہرحال اس کا شوہر تھا۔ اسے اپنی بیوی سے مثالی محبت تھی۔ اس کی دیوانگی قابل فہم تھی لیکن مجھے حیرت اس بات کی تھی کہ اس جذباتی فضا میں رہ کر سلطان شاہ بھی اپنی چوکڑی بھول گیا تھا۔

"کرنل کو میری واپسی کے بارے میں بتا کر آئے تھے؟" گاڑی روانہ ہو جانے کے بعد میں نے سوال کیا۔

"ہاں۔ ذرا سا جھوٹ بھی بولا تھا کہ تم نے شمع کی طبیعت بگڑنے کی خبر سنتے ہی فوری واپسی کا ارادہ کر لیا ہے۔" اس نے خفت آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ اسی وقت بتا دیا تھا جب لاہور سے تمہارا فون آیا تھا۔ کرنل نے ہزاروں دعائیں دی تھیں۔ وہ بہت خوش ہے کہ اب تم شمع کی بہتر دیکھ بھال کا بندوبست کر سکو گے۔"

جس مرض کو وہ دونوں میاں بیوی مل کر برسوں سے پال رہے تھے، جس مرض کی جڑیں غزالہ کی عمر سے زیادہ پرانی تھیں اس کا علاج میرے کیا، اب شاید کسی کے بھی بس میں نہیں رہا تھا۔

گھر میں پُر ہول سناٹے کا راج تھا۔ سلطان شاہ نے خود ہی پھاٹک کھول کر کار اندر پارک کی اور ہم دونوں نیچے اتر آئے۔

"یہ خیال رکھنا کہ میں لاپتا ہوں۔" میں نے اندر کی جذباتی فضا میں قدم رکھنے سے پہلے سلطان شاہ کو آگاہ کیا۔ "بس ویرا سے بات کروں گا اور وہ بھی اس وقت جب وہ فالکن فور کے نام سے فون کر کے بلیک ہاک سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کرے گی۔"

اس کے ہونٹوں پر پھیکی اور بے جان سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "جاسوسی فلموں کی سی باتیں کر رہے ہو، میں خیال رکھوں گا آج کل ہر کال میں ہی ریسیو کرتا ہوں۔"

ہم اندر داخل ہوئے تو کہیں کسی ذی روح کا پتا نہیں تھا۔ فرنیچر اور قالین سے فرش تک سب کچھ گرد آلود ہو رہا تھا۔ میں ڈرائنگ روم سے راہداری میں نکلا تو میرے کانوں میں دبی دبی کربناک سسکیوں کی آواز آئی۔ "شمع... دیکھو... میری جان... میری طرف... دد... دیکھو... خود کو... بس... سنبھالو۔"

وہ کسی بچے کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔ آواز بھاری ہو رہی تھی جیسے گھنٹوں سے یوں ہی روتا رہا ہو۔

میرے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی۔ شمع کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ تیز روشنی میں اس کمرے کی ہر شے سے ویرانی ٹپک رہی تھی۔ میں پہلی بار شمع کی خوابگاہ میں داخل ہوا تھا اور

اندر قدم رکھتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کمرے کی بے جان چیزوں نے بھی موت کے بے رحم قدموں کی چاپ سن لی ہو۔

لاہور میں پچھلی رات میں نے ہولناک کشت و خون میں گزاری تھی۔ متعدد انسانوں کو اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارا تھا لیکن شمع کی خوابگاہ میں مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ غصے، جنون، انتقام اور اشتعال کے عالم میں ان گنت انسانوں کو قلیل سی مدت میں موت کے گھاٹ اتار دینا بہت آسان تھا لیکن بستر پر طبعی عمر کو پہنچ کر مرتے ہوئے ایک انسان کی بدلتی ہوئی کیفیات کا مشاہدہ کرنا دل گردے کا کام تھا جو ہر ایک کے بس سے باہر تھا لیکن لوگ پھر بھی اپنے پیاروں کو اپنی گود میں لے کر ملک الموت کے حوالے کرتے ہیں۔

شمع کی دودھیا رنگت اس وقت ہلدی کی طرح زرد پڑی ہوئی تھی۔ تیکھے خدوخال موت کے پسینوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آنکھیں بند تھیں مگر پپوٹوں کے نیچے پتلیاں گردش کر رہی تھیں، سانس رک رک کر آ رہا تھا۔ ہر بار جب وہ شدید کوشش کے ساتھ سانس اندر لیتی تو اس کا جسم کمان بن جاتا تھا۔ پشت بستر سے کئی انچ اوپر اٹھ جاتی اور جب وہ سانس خارج کرتی تو اس کا بدن بے جان ہو کر کسی لاش کی طرح پھر بستر پر گر جاتا۔

کرنل اذیت اور بے بسی کے عالم میں شمع کو دیکھ دیکھ کر روئے جا رہا تھا۔ وہ دیوانہ وار کبھی اس کے استخوانی ہاتھوں کو چوم رہا تھا اور کبھی اس کی پیشانی اور رخساروں پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

میرے قدموں کی آہٹ پاتے ہی وہ کسی وحشی درندے کی طرح بھڑکا تھا اور مجھ پر نگاہ پڑتے ہی اس کی گریاں آنکھوں میں امیدوں کے چراغ سے جل اٹھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گیا۔ وہ بین کرتے ہوئے رو رہا تھا اور میں اسے بھینچ بھینچ کر دلاسا دے رہا تھا مگر میری نگاہیں شمع پر مرکوز تھیں۔ سلطان شاہ اس کے سرہانے پہنچ گیا تھا۔ شمع نے اس کربناک انداز میں کئی گہرے سانس لیے پھر اس کا بدن ساکت ہو گیا لیکن اس کے سینے پر پڑی ہوئی چادر کے زیروبم سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سانس کی لڑی ابھی قائم تھی۔

مجھے حیرت تھی کہ ان دلدوز حالات میں کرنل نے مجھ سے غزالہ کی گمشدگی کے بارے میں کوئی شکوہ نہیں کیا تھا۔ اس کی ساری توجہ اور شکوے کا مرکز و محور شمع کی ذات تھی جسے کسی بالاخانے پر کسی موذی نائکہ یا دلال نے اپنے قابو میں کیے رکھنے کے لیے کوکین کا عادی بنایا تھا۔ پھر کرنل کی مہربان اور فراخ دل ذات نے شمع کو پائل و رباب اور بالاخانے کی قید سے نجات دلا کر چادر اور چار دیواری کا تحفظ تو فراہم کر دیا مگر اسے کوکین کی ہولناک غلامی سے نجات نہ دلا سکا اور اب وہی ایڈکشن شمع کی جان کا عذاب بنا ہوا تھا۔

کرنل سسکتا ہوا مجھ سے الگ ہوا تو اس کی نگاہیں شمع کے پُرسکون وجود پر پڑیں۔ وہ اپنی بیوی کا مسیحا تھا۔ شب و روز اسے دیکھتا رہتا تھا۔ لہٰذا اسے کوئی مغالطہ نہ ہوا۔ پُرجوش اور ہیجان آمیز مگر سرگوشیانہ لہجے میں مجھ سے بولا۔ ”دیکھا۔ دیکھا تم نے؟ یہ پچھلے ایک گھنٹے سے یہی عذاب سہہ رہی تھی لیکن تمہارے آتے ہی اسے سکون مل گیا۔ تم کو بہت چاہتی ہے تنویر بیٹے! اب یہ کافی دیر پُرسکون رہے گی۔“

میں نے دل گرفتہ ہو کر اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

”اس نے کل سے آنکھیں نہیں کھولی ہیں۔“ کرنل گلوگیر آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”تم ہی اسے پکارو، شاید تمہاری آواز سن کر آنکھیں کھول دے، اس نے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔“

”خوراک نہ ملنے کی وجہ سے بھی یہ حالت ہو سکتی ہے۔“ میں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔

”ڈاکٹروں نے کوئی دوا نہیں دی بیٹے! دکھ تو یہی ہے کہ دکھوں کا درماں کرنے والے بھی دل چھوڑ گئے۔“

”دوا نہیں، میں کوکین کی خوراک کی بات کر رہا ہوں۔“

”وہ میں دے رہا ہوں۔“ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر جلدی سے بولا۔ ”مجھے مقدار اور وقت سب معلوم ہے۔ وہ نہ دیتا تو یہ اب تک نجانے کس حال کو پہنچتی۔“

میں پھریری لے کر رہ گیا۔ آثار بتا رہے تھے کہ شمع کا آخری وقت آ گیا تھا لیکن یہ کیسا المیہ تھا کہ مرتے دم اس کے سرہانے نیک باتوں اور کلام اللہ کے ورد کے بجائے کوکین کی خوراکوں کا ذکر ہو رہا تھا جو اسے ابھی تک دی جا رہی تھیں۔

”دیکھو شمع! آنکھیں کھولو، تنویر آیا ہے... کب سے تمہارے انتظار میں کھڑا ہے۔“ کرنل شمع کے رخساروں پر ہولے ہولے تھپتھپاتے ہوئے بے تابانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ مجھ سے ملاقات کے بعد اس کے دل کی بھڑاس نکل گئی تھی اور اب وہ بڑی حد تک اپنی حالت سنبھال چکا تھا۔ ورنہ مجھے تو ڈر تھا کہیں وہ خود ہی ہاتھوں میں نہ آ جائے۔

کرنل، شمع کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتا رہا اور میں دونوں ہاتھ سینے پر باندھے دلی افسوس کے ساتھ ان دونوں کا جائزہ لیتا رہا۔

پھر اچانک شمع کے ہونٹوں سے ایک نقاہت آمیز آواز

نکلی، کرنل کی کوششوں میں جوش پیدا ہو گیا پھر آہستہ آہستہ شمع نے اپنی آنکھیں پوری طرح کھول دیں نقاہت زدہ استخوانی چہرے پر بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اس وقت بہت غیر فطری اور ڈراؤنی لگ رہی تھیں۔ کرنل خوشی سے دیوانہ ہوا جا رہا تھا اور بار بار شمع کو اپنی موجودگی سے آگاہ کیے جا رہا تھا۔

چند ثانیوں تک شمع اپنی کھلی ہوئی آنکھوں سے خلا میں کچھ تکتی رہی پھر اس نے اپنی گردن گھمائی، اس کی آنکھیں مجھ سے چار ہوئیں، پتلے پتلے یاقوتی ہونٹوں پر ہلکی سی کمزور مسکراہٹ نمودار ہوئی اور بس ایک لحظے کے لیے ویران اور ڈراؤنی آنکھوں نے اس مسکراہٹ کا ساتھ دیا پھر اس کی ناک کا بانسا ٹیڑھا ہو گیا، گردن ایک جھٹکے سے میری طرف ڈھلک گئی۔

کھلی ہوئی آنکھوں میں اور گلابی ہونٹوں پر آخری لمحوں کی مسکراہٹ امر ہو گئی تھی۔

سلطان شاہ نے زیر لب کچھ پڑھتے ہوئے شمع کی آنکھوں پر داہنی ہتھیلی رکھ کر پپوٹے بند کر دیے۔ اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سوتی ہوئی شمع کوئی سہانا خواب دیکھ کر مسکرا رہی ہو۔

میرا خیال تھا کہ کرنل دھاڑتا ہوا شمع کی لاش سے لپٹ جائے گا لیکن وہ جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا یا پھر اس پر صدمے کی شدت سے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

کرنل کو پیش قدمی نہ کرتے دیکھ کر سلطان شاہ نے شمع کے جسم پر پڑی ہوئی چادر سر سے پاؤں تک پھیلا دی۔

میں نے بڑھ کر کرنل کو سہارا دیا مگر وہ پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔ میری مدد لیے بغیر سیدھا کھڑا ہوا پھر کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔ وہ خاموش تھا لیکن اس کے عجیب انداز پر میں سٹپٹا گیا۔

میں نے کھنکار کر تسلی کے روایتی الفاظ ادا کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ وہ تیزی سے پلٹا اور خوابگاہ کے ایک گوشے میں رکھی ہوئی چوبی الماری کی طرف مڑ گیا۔ الماری کا پٹ کھول کر چند ثانیوں تک مصروف رہنے کے بعد وہ پلٹا تو میں بھونچکا رہ گیا کرنل کے ہاتھ میں میرا دیا ہوا بے آواز پستول دبا ہوا تھا اور اس کا مہیب دہانہ میرے سینے کی طرف اٹھا ہوا تھا۔

"تم جاؤ" کرنل آہستہ آہستہ میری طرف بڑھتے ہوئے کسی سانپ کی طرح پھنکارا۔ "تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ، اپنی موجودگی کی ہر نشانی مٹا کر اتنی دور چلے جاؤ کہ تمہارا سایہ بھی نظر نہ آ سکے۔"

"مم... مگر کرنل صاحب! ہم نے کیا کیا ہے؟ ہوش میں آئیے، میں تنویر ہوں، آپ کا ہونے والا داماد۔ اس وقت صدمے سے آپ کے اعصاب پر برا اثر پڑا ہے۔ پستول پر سیفٹی کیچ نہیں ہے، انگلی ٹریگر پر سے ہٹا لیں ورنہ یہ چل بھی سکتا ہے ارادے کے بغیر ذرا سا دباؤ بڑھتے ہی چل سکتا ہے۔"

"میں ہوش میں ہوں اور سیفٹی کیچ میں نے خود ہٹایا ہے۔"

کرنل مجھ سے چند قدم دور رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں حیوانی چمک عود کر آئی تھی اور لہجے میں بلا کا اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔ "میں ریٹائرڈ فوجی ہوں، میں نے تین جنگوں میں ہزاروں انسانوں کو مرتے دیکھا ہے۔ شمع کی موت میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ وہ برسوں سے ہر روز مر مر کر جیتی تھی۔ وہ مر گئی اور مجھے قرار آ گیا۔ جب تک وہ سسک رہی تھی میں بھی تڑپ رہا تھا۔ اب میں بالکل نارمل ہوں۔"

"آپ نارمل نہیں ہیں کرنل صاحب!" میں نے دردمندانہ لہجے میں کہا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ سلطان شاہ بے خبری میں کرنل کو دبوچ لینے کی فکر میں تھا لیکن کرنل پوری طرح چوکنا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کو ہماری مدد کی ضرورت ہے ابھی تجہیز و تکفین کا بندوبست بھی کرنا ہے۔"

"چلے جاؤ لڑکے!" وہ ہاتھ جھٹک کر غرایا۔ "بس یہی کافی ہے کہ میں تمہیں زندہ لوٹ جانے کا موقع دے رہا ہوں ورنہ تم میرے سب سے بڑے مجرم ہو، جاؤ چلے جاؤ، نکلو باہر۔"

"مم... مگر میرا جرم؟" میں ہکلایا۔

اس بار کرنل نے فائر کر دیا۔ گولی میرے قدموں سے چند انچ کے فاصلے پر قالین میں سوراخ کرتی فرش میں پیوست ہو گئی۔ میں غیر ارادی طور پر اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔

"بحث نہ کرو اور چلے جاؤ ورنہ دونوں کو چھلنی کر دوں گا۔" وہ غضبناک تیوروں کے ساتھ بولا۔

میں سمجھ گیا کہ صدمے سے کرنل کا دماغ الٹ گیا تھا اور اب اس پر خون سوار ہو چلا تھا۔ میں سر جھکا کر صدمے اور غصے کے عالم میں شمع کی خوابگاہ سے نکلا چلا گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا اور پستول بدست کرنل ہمارے پیچھے۔

ہمارے چوکھٹ عبور کرتے ہی چوبی پٹ پرشور آواز کے ساتھ بند ہوا پھر اندر سے بولٹ چڑھانے کی آواز کے ساتھ ہی کرنل کی بدلی ہوئی محبت آمیز آواز سنائی دی۔ "چند منٹ ٹھہرنا تنویر بیٹے! میں نے جو کچھ کہا اس کے لیے مجھے معاف کر دینا۔ وہ بکواس نہ کرتا تو تم کسی قیمت پر مجھے اس کمرے میں تنہا نہ چھوڑتے۔"

میں جاتے جاتے پلٹ پڑا۔ نجانے کرنل جیسے سادہ لوح آدمی کو کیا ہو گیا تھا کہ مجھے مسلسل ذہنی جھٹکے دیے جا رہا تھا۔ شمع کی

موت کے بعد اس کا رویہ اچانک ہی ناقابلِ فہم اور پُراسرار ہو گیا تھا۔

"کبھی مجرم، کبھی بیٹا! آخر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" میں نے غصیلی آواز میں احتجاج کیا مگر دوسری طرف سناٹا چھایا رہا۔ چند ثانیوں تک انتظار کے بعد میں نے دروازہ پیٹ ڈالا لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ نجانے کرنل اندر کیا کر رہا تھا۔ ایسے روح فرسا تجسس سے تو میں کبھی دوچار نہ ہوا تھا۔ کئی منٹ گزر گئے لیکن اندر کھٹکا تک نہ سنائی دیا۔

میں نے سلطان شاہ کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود پنجوں کے بل دوڑتا ہوا نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ چکر کاٹ کر میں شمع کی خوابگاہ کی لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے قریب پہنچا تو آہنی گرل اور شفاف شیشوں کے پیچھے ایک عجیب ہی منظر نظر آیا۔ کرنل ایک آرام کرسی پر بیٹھا کاغذ پر جلدی جلدی کچھ لکھ رہا تھا، چہرے پر مایوسی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے جنھیں وہ بار بار تولیے سے صاف کرتا جا رہا تھا۔

بے آواز پستول اس کے قدموں میں قالین پر پڑا ہوا تھا۔ اسی کے قریب ایک چھوٹا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ کرنل گرد و پیش سے بے خبر اپنے کام میں منہمک تھا۔ میں نے بے چینی کے ساتھ دوسری دو کھڑکیوں کا جائزہ بھی لے ڈالا لیکن ہر طرف سے مایوس ہی ہونا پڑا۔ تینوں کھڑکیوں پر مضبوط فولادی گرل لگی ہوئی تھی اور کرنل کو ہوشیار کیے بغیر کھڑکی کی راہ سے اندر داخل ہونا ناممکن تھا۔

میں نے واپس اندر پہنچ کر سلطان شاہ کو شمع کی خوابگاہ کے دروازے سے ذرا دور بلا کر صورتِ حال سے آگاہ کیا تو وہ بھی کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکا۔

"میرا خیال ہے کہ کرنل واقعی پاگل ہو گیا ہے۔" خاصے غور و خوض کے بعد سلطان شاہ نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ "جب تک پستول اس کے قبضے میں ہے ہمیں اس سے ہوشیار ہی رہنا ہوگا ورنہ وہ ہمیں زخمی بھی کر سکتا ہے۔"

آخر اسے اندر ایسا کیا کام درپیش تھا جس کے لیے اسے ہمیں باہر نکالنے کی ضرورت پیش آئی؟ کوئی بھی دستاویز یا خط وغیرہ تو وہ ہماری موجودگی میں بھی لکھ سکتا تھا۔

"پاگلوں کی کسی حرکت کا کوئی جواز نہیں ہوتا، میری بات لکھ لو کہ شمع کی موت نے اس کا دماغ الٹ دیا ہے۔" اس نے میری ضرورت سے زیادہ تشویش کو رد کرتے ہوئے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

مگر میری خلش دور نہ ہو سکی۔ اگر کرنل پاگل ہو گیا ہوتا تو اس کی حرکتوں میں کوئی ربط نہ ہوتا جب کہ شمع کی موت کے بعد اس کی ساری حرکات باہم مربوط تھیں۔

پہلے وہ سکتے کے عالم میں بیٹھا نجانے کیا سوچتا رہا پھر ہم دونوں کو کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر الماری میں سے بے آواز پستول نکال لایا۔ پستول کی زد پر پہلے اس نے براہِ راست ہمیں چلے جانے کا مشورہ دیا، نہ ماننے پر اس نے ہمیں اپنا مجرم قرار دے کر بدلہ لے کر کے بھگانا چاہا لیکن ہم اسے صدمے کی رعایت دیتے ہوئے برا مانے بغیر اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگے۔ اپنے حربوں کو رائیگاں جاتے دیکھ کر اس نے ایک بے ضرر فائر کر کے ہمیں کمرے سے نکلنے پر مجبور کر دیا پھر خود کمرے میں محبوس ہوتے ہی اس نے اپنی بدکلامی پر معذرت خواہ ہوتے ہوئے مجھ سے رکنے کی التجا کی اور اب اندر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔

اچانک میری نظروں میں کرنل کا آنسوؤں میں بھیگا ہوا اداس چہرہ گھوم گیا، میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور اسی لمحے شمع کی خوابگاہ کا دروازہ کھل گیا۔ کرنل بے آواز پستول تھامے چوکھٹ کے وسط میں کھڑا ہوا تھا۔

"آ جاؤ۔" وہ اُلٹے قدموں اندر لوٹتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھوں سے اب بھی آنسوؤں کی لڑیاں رواں تھیں اور وہ یک بیک اپنی عمر سے زیادہ بوڑھا نظر آنے لگا تھا۔

سلطان شاہ آگے تھا اور پورے خلوص کے ساتھ اب کرنل کو پاگل سمجھ رہا تھا۔ اس کے یوں اچانک نمودار ہوتے ہی اس نے دیوار سے لگ کر مدافعانہ پوزیشن اختیار کر لی تھی۔ کسی خوف یا ارادے کے بغیر محض سلطان شاہ کی تقلید میں میرے قدم بھی نہ اٹھ سکے۔

"آ جاؤ۔ اطمینان رکھو کہ میرا دماغ خراب نہیں ہوا ہے!" کرنل شاید سلطان شاہ کا دماغ بھی پڑھ رہا تھا۔ "اگر تم نے مجھ سے الجھنے کی کوشش نہیں کی تو تمھیں کوئی گزند نہیں پہنچاؤں گا۔"

میں نے پہل کی اور سلطان شاہ میرے پیچھے ہو لیا۔ ہمارے اندر پہنچنے تک کرنل اسی آرام کرسی کے پیچھے رک چکا تھا جس پر بیٹھا وہ کچھ لکھ رہا تھا، بریف کیس بدستور قالین پر پڑا ہوا تھا۔

"غزالہ کہاں ہے؟" کرنل نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"وہ ایک حریف عورت کی قید میں ہے اور بالکل محفوظ ہے۔۔۔۔۔" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہنا شروع کیا لیکن کرنل نے آستین کے گوشے سے اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔

"بس اتنا کافی ہے کہ وہ زندہ ہے۔ آج سے وہ میری نہیں تمھاری ذمے داری ہے۔۔۔!"

"لیکن آپ اس سے مل کر شرمسار نہیں ہوں گے، میں اس کی پارسائی کی قسم کھا سکتا ہوں۔" میں نے دخل اندازی کرتے ہوئے کرنل کے اس بے رحمانہ فیصلے پر احتجاج کیا۔

"وہیں رکے رہو سلطان شاہ!" کرنل کی آواز گونجی اور سلطان شاہ جو میری اور کرنل کی محویت سے فائدہ اُٹھا کر آہستہ آہستہ آگے سرک رہا تھا وہیں ٹھٹھک کر رہ گیا۔ سلطان شاہ کو ہمیشہ ذکر سمجھ کر اس کی تحقیر کرنے والے کرنل کی آواز میں آج سلطان شاہ کے لیے ہتک کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ بالکل ہی بدلا ہوا نظر آرہا تھا۔

"غزالہ کی ذمے داری سے سبکدوش ہونے کے بعد کامران کی باری آتی ہے۔ اب وہ بہت بہتر ہے۔ وہاں رو بہ صحت ہے مگر بھاری اخراجات وصول کیے بغیر وہ علاج جاری نہیں رکھیں گے۔ مجھے معلوم ہے کہ تمھارا سب کچھ جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ گھر بار اور نیکٹری کی تباہی کے بعد تم پر یہ بوجھ ڈالنا زیادتی ہے مگر اب تک یہ خرچ تم ہی پورا کرتے رہے ہو، آئندہ بھی یہ بار تمھیں اٹھانا ہوگا۔ میرا جو کچھ ہے اس بریف کیس میں ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے قدموں میں پڑے ہوئے بریف کیس کو ہولے سے ٹھوکر ماری۔ "چند سو روپے اور غزالہ کی شادی کے لیے شمع کے رکھے ہوئے چند زیورات — یہ تمھارا ہے۔ رہا یہ مکان تو اس کا وارث کامران ہوگا۔ جب تک وہ صحت یاب نہ ہو، یہ کسی سرکاری ٹرسٹ کی تحویل میں رہے گا کیونکہ مجھے علم ہے کہ تمھارے چاروں طرف تمھارے لہو کے پیاسے بکھرے ہوتے ہیں اور تم اس مکان کی خاطر فی الحال سامنے نہ آسکو گے نہ غزالہ سامنے آسکتی ہے۔ شمع گزر گئی، آج کے بعد تمھاری اور غزالہ کی زندگی میں میرا بھی کوئی دخل نہ ہوگا...."

"مگر کیوں؟ آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

اس کے ہونٹوں پر مضمحل اور شکست خوردہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "شمع کسی شریف گھرانے کی لڑکی تھی مگر اغوا کر کے بالاخانے پہنچا دی گئی۔ شاید غزالہ نے تمھیں نہ بتایا ہو۔ وہیں شمع کو قابو میں رکھنے کے لیے کوکین کا عادی بنایا گیا پھر اس سے ملاقات کے بعد میں نے ایک بہت بڑا جوا کھیلا۔ شمع سے شادی کر لی۔ دوستوں اور عزیزوں نے مجھے ٹھکرا دیا لیکن شمع کی پاکبازی نے مجھے کبھی تنہائی کا احساس نہ ہونے دیا۔ آج —" اچانک اس کی آواز بھرا گئی۔ "آج میں یہ بازی ہار گیا۔ میں نے ہر بے رخی اور بے اعتنائی خندہ پیشانی سے برداشت کی مگر شمع نے آنکھیں پھیر کر میری کمر توڑ دی ہے۔ — یہ بریف کیس اُٹھاؤ اور یہاں سے جتنی دور نکل سکتے ہو نکل جاؤ!"

"مگر کیوں؟" میں نے احتجاج کیا۔ "یہ مایوسی کی باتیں ہیں، ان حالات میں ہم آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔"

"مجھے اب کوئی تنہائی کے ہولناک بھنور سے نہیں نکال سکتا۔ میں اس میں گردن تک غرق ہو چکا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ پولیس تمھاری طرف متوجہ ہو۔" اس نے بائیں ہاتھ سے کرسی پر پڑا ہوا کاغذ اٹھایا اور اسے فضا میں لہراتے ہوئے بولا۔ "بس مجھے یہ آخری تحریر لکھنے کے لیے وقت چاہیے تھا جو میں نے حاصل کر لیا۔ اس میں مکان کے بارے میں وصیت بھی ہے اور دوسروں کی بریت کے ساتھ میری ذمے داری کا اعتراف بھی...."

کرنل کی بات سمجھتے ہی میرے دل پر گھونسا سا لگا اور میں تقریباً چیخ اٹھا۔ "نہیں کرنل، یہ بزدلی ہے، یہ نہیں ہو سکتا!"

سلطان شاہ تقریباً بلکتا ہوا آگے کی طرف جھپٹا لیکن کرنل نے پستول کی نالی اپنی داہنی کنپٹی پر رکھ لی اور وہ سہم کر جہاں تھا وہیں رک کر رو پڑا۔ "نہیں کرنل — یہ نہ کرنا، خدا کے لیے یہ نہ کرنا۔"

کرنل کے لبوں پر غمناک مسکراہٹ اُبھری پھر ہلکی سی آواز کے ساتھ اس کی کنپٹی میں گھسنے والی گولی دوسری طرف سے بھیجا اور کنپٹی پھاڑتی ہوئی نکل گئی۔

شہ زور بدن قالین پر لمحے بھر کے لیے تڑپا اور ساکت ہو گیا۔

کوکین کے ایڈکشن نے ایک بھرے گھر کو مہیب عفریت کی طرح نگل لیا تھا جبکہ وہ ہیروئن سے کہیں کم خطرناک اور ہلاکت خیز تھی۔

میری نگاہوں کے سامنے صرف ایک گھرانا برباد ہوا تھا، ان کی تباہی کو میں نے دوبدو دیکھا تھا لیکن میرے ذہن میں ویرا لائیڈ کی کہی ہوئی باتیں گونج رہی تھیں جو ندائے مرگ سے ہرگز کم نہیں تھیں۔ منشیات کی لہر بڑھتے بڑھتے سیلابی اور پھر طوفانی رخ اختیار کر رہی تھی۔ ہیروئن کی فروخت اور تقسیم کے پردہ نشین ذمے داروں نے اپنے نچلے اور درمیانی درجے کے کارکنوں کے لیے اپنے گھناؤنے کاروبار کی ترویج اور بقا کو انا کا مسئلہ بنا دیا تھا۔ وہ اس کاروبار کو اپنا حق اور اس کا تحفظ اپنا فرض سمجھتے تھے اور یہ طوفان پہاڑوں سے نکل کر شہروں اور میدانوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ یہ مہیب طوفان اپنے ریلے میں پوری نئی نسل کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا اور اگر کسی نے اس بڑھتے ہوئے طوفان کے آگے بند باندھنے کی جسارت کی تو وہ ناقابلِ تصور قہر و غضب کو دعوت دے گا۔ اس طوفان کو اپنا حق اور اس کی پرورش

کو اپنا فرض تصور کرنے والے، دہانوں سے جھاگ اڑاتے بھوکے درندوں میں تبدیل ہو جائیں گے اور ان آبادیوں پر آتش و بارود کی برسات کے سائے میں ٹوٹ پڑیں گے جو ان کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ بنیں گی، وہ بھری پُری آبادیوں میں موت کا ننگا ناچ ناچیں گے اور جو بیر دئین کے چنگل میں پھنس کر ہلاکت کے دام میں آنے سے بچ جائیں گے انہیں ہجوم در ہجوم گولیوں کی باڑھ پر بھون دیا جائے گا، مکانوں میں جلا کر راکھ کر دیا جائے گا اور انہیں دوسرے غیر جانبدار شہریوں کے لیے عبرت بنا دیا جائے گا تاکہ آئندہ کبھی کوئی ان کے مفادات پر بری نگاہ نہ ڈال سکے۔

میرا سر چکرانے لگا اور میں اس سے آگے نہ سوچ سکا۔ آنے والے برے وقت کے بھیانک تصور ہی سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔

اور اس کمرے میں دو زندہ انسانوں کے درمیان دو بے گور و کفن لاشیں پڑی ہوئی تھیں جن کے مقدر کا کچھ پتا نہیں تھا، کیونکہ دونوں زندہ انسانوں کو فوری طور پر لاشوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر چلے جانے کی سخت وصیت کی جا چکی تھی۔

سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔

دھیمے دھیمے پھیلتی اور ڈرامائی موڑ لیتی ہوئی، غزالہ کے گھرانے کی کہانی یک بیک اپنے غیر متوقع انجام سے دوچار ہو چکی تھی اور اب وہاں کچھ بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔

شمع کی زندگی کی ٹمٹاتی ہوئی روشنی کو نشے کی عادت کے بھیانک سائے نگل چکے تھے اور کرنل میں شاید اب زندگی کے کٹھن راستوں پر تنہا چلنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ اس نے اپنی کھوپڑی میں گولی مار کر موت کی اندھی اور بے رحم وادیوں میں اپنی پیاری، شمع کی ملول روح کے تعاقب میں چلے جانے کا اندوہناک فیصلہ کر لیا تھا۔ کامران اس سانحے سے بے خبر بلکہ شاید بڑی حد تک اپنی ذات سے بھی بے خبر اسپتال میں زیرِ علاج تھا اور غزالہ سمندر پار، ہزاروں میل دور اس لمحے کی منتظر تھی جب اسے قید سے اپنے گھر واپس لوٹنے کی اجازت ملتی۔ لیکن اب اس گھر میں اس کا استقبال اور انتظار کرنے والا کوئی باقی نہیں تھا۔ گھر کے در و دیوار و بام پر بس موت ہی موت کے سائے لرزاں تھے۔

میں نے بڑھ کر احتیاط سے اس کاغذ کا جائزہ لیا جسے کرنل نے خودکشی سے پہلے فضا میں لہرایا تھا پھر وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ کاغذ میں وہی کچھ لکھا ہوا تھا جس کا تذکرہ کرنل نے کیا تھا۔ اس نے اپنی موت کی تمام تر ذمے داری اپنے سر لے لی تھی اور مکان کے بارے میں وصیت کی تھی جس کی رو سے کامران واحد وارث تھا اور جب تک وہ صحت یاب نہ ہوتا، مکان کسی ٹرسٹ کی تحویل میں رہتا اور اس سے ہونے والی آمدنی سے کامران کے علاج کے اخراجات ادا کیے جاتے۔

میں نے وہ کاغذ تپائی پر ایک پیکٹ کے نیچے اس طرح دبا دیا کہ وہ لازمی طور پر کسی بھی آنے والے کی نظروں میں آ سکے اور وہ بریف کیس اٹھا کر کمرے سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا جس میں کرنل کے آخری بیان کے مطابق چند سو روپے اور غزالہ کے لیے رکھے ہوئے شمع کے کچھ زیورات محفوظ تھے۔

جو کچھ ہوا وہ بہت برا اور دل گداز تھا مگر جو ہونے والا تھا وہ شاید بدترین ہوتا۔

دیارِ غیر میں غزالہ کا سامنا کر کے اسے وہ بری خبر سنانا کوئی معمولی کام نہیں تھا اور میرا خیال تھا کہ میں اس کا اہل نہیں تھا۔ رہ رہ کر یہی ایک احساس ذہن پر کچوکے لگا رہا تھا کہ غزالہ کے باپ کی موت میں میرا بھی دخل تھا۔ غزالہ کو دیرا نے محض اس لیے اغوا کر کے ملک سے باہر منتقل کیا تھا کہ مجھے اپنے اشاروں پر چلنے پر مجبور کر سکے۔ اگر غزالہ سے میرا کوئی تعلق نہ ہوتا تو نہ وہ اغوا ہوئی ہوتی اور نہ شمع کی موت پر کرنل یکایک تنہائی اور مایوسی کا شکار ہوتا۔ بیٹی کا دلاسا اس کے لیے بہت مضبوط سہارا ہوتا اور شاید وہ بیٹی ہی کے لیے زندہ رہنے کا فیصلہ کر لیتا۔

منہ اندھیرے کراچی پہنچنے والی نائٹ کوچ سے سفر کا بس یہی ایک فائدہ ہوا تھا کہ میں شمع کے مرنے سے پہلے وہاں پہنچ گیا تھا اور اب دوسرا فائدہ یہ نظر آ رہا تھا کہ سڑکوں پر ٹریفک کی گہما گہمی شروع ہونے سے پہلے میں وہاں سے کسی دوسرے ٹھکانے پر منتقل ہو سکتا تھا لیکن نیا ٹھکانا کون سا ہو سکتا تھا؟

صورتِ حال تیزی سے بدلی تھی اور دیرا سے میرا رابطہ برقرار رہنا ضروری تھا جب کہ اسے میں نے غزالہ کے گھر کا فون نمبر دیا ہوا تھا لہٰذا وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے میں نے اس سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"بلیک ہاک اسپیکنگ" سلسلہ مل جانے پر دوسری طرف سے ایک بوجھل نسوانی آواز سن کر میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "میں خالکن فور سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"بہت بے صبرے ہو۔" آواز فوراً ہی بدل گئی، شاید ریسیور اٹھا کر دیرا خود ہی بدلی ہوئی آواز میں بولی تھی۔ "اب کیا مصیبت آ گئی۔"

"مصیبت ہی آ گئی ہے۔" میں نے اس کے لہجے کی شوخی کا اثر لیے بغیر سنجیدگی سے کہا "اس گھر میں اب کوئی نہیں رہا۔ غزالہ کی ماں میرے سامنے مر گئی اور اس کے باپ نے خودکشی کر لی۔ شہر میں اب میری نگاہوں میں کوئی ٹھکانا باقی نہیں رہا۔"

اس کے استفسار پر میں نے مختصر الفاظ میں پوری کہانی بیان کر دی

بات دہرادی۔

"تو اب تم لاشوں کو یوں ہی چھوڑ کر نکل بھاگنے کے چکر میں ہو؟"

"یہاں بیٹھے بھی تو نہیں رہ سکتے۔" میں نے بے چارگی کے ساتھ کہا۔ "پھر کرنل کی خواہش بھی یہی تھی۔"

"خودکشی بے آواز پستول سے کی گئی ہے۔ اگر فائر کنپٹی پر ہی کیا تھا تو شاید بے چارہ چیخ بھی نہ سکا ہوگا۔ باہر کسی کو معلوم نہیں ہوا ہوگا کہ اندر کیا بیتی ہے۔ ذرا سکون سے کام لو، اپنوں کی لاشیں یوں بے گور و کفن چھوڑ کر نہیں بھاگا کرتے۔"

میں سر جھٹک کر رہ گیا۔ وہ معقول بات کہہ رہی تھی۔ اس علاقے میں مکانات بڑے اور ایک دوسرے سے اس قدر الگ تھلگ واقع تھے کہ لاشیں گل سڑ کر فنا بھی ہو جاتیں تو کسی کو دقوعے کا علم نہیں ہوتا۔ لے دے کر دودھ یا اخبار لانے والے ہی کو کوئی شبہ ہو سکتا تھا اور وہ بھی اس وقت جب رَوِش پر کئی پرانے اخباروں کے ٹُوں بڑے نظر آجاتے یا دودھ لانے والا تجسس پر تل جاتا۔

"کسی رفاہی ادارے کو متوجہ کیے بغیر وہاں سے نہ جانا۔ آج کل باہر کے اخبارات میں بھی تمھارے کسی ایدھی ٹرسٹ کا بڑا چرچا ہوتا رہتا ہے۔ وہی لوگ سب دیکھ بھال کر لیں گے۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"معاملہ الجھ جائے گا۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "پولیس تیسرا نام آتے ہی اس واقعے کو قتل قرار دے ڈالے گی جسے ہوشیاری کے ساتھ خودکشی میں بدلنے کی کوشش کی گئی ہو۔"

"رہنے دو، جانے والے جان سے گئے، اب پولیس جو چاہے کرتی پھرے، لڑکا ذہنی مریض ہے اس کا کیا بگڑے گا؟"

ریسیور میں اس کی آواز ابھری اور مجھے خوشی ہوئی کہ وہ سنگدل اور سفاک قاتلہ بھی اپنے دل میں کچھ نرم گوشے رکھتی تھی۔ "یا پھر ایسا کرو کہ کرنل بن کر ہی فون کر دو اور وہاں سے نکل جاؤ، خودکشی کا ارادہ ظاہر کر کے تدفین کی درخواست بہ آسانی کر سکتے ہو۔ تازہ واقعہ ہے چند منٹ کے اس فرق پر کوئی ماہر ترین سرجن بھی روشنی نہ ڈال سکے گا۔"

"تمھاری بات معقول ہے لیکن نیا ٹھکانا؟"

"ہم!" مختصر سی آواز کے بعد لائن پر طویل سکوت چھا گیا۔

"تمھاری طرف ہی نہ آجاؤں؟" میں نے سوال کیا۔

"ایسا بھول کر بھی نہ کرنا۔" وہ فوراً ہی بول پڑی۔ "میرے نزدیک تمھارا سایہ بھی نظر نہ آنا چاہیے ورنہ اس طرح تم ناقابلِ تصور دشواریاں مول لے بیٹھو گے۔ میری بہتیری مصروفیات ہیں اور تنظیم کے کئی خیر خواہ میرے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"اوہ! تو یہاں جہانگیر کے علاوہ بھی کچھ اہم لوگ ہیں جو تم کو جانتے ہیں؟"

اس کی ہلکی سی ہنسی سنائی دی۔ "جہانگیر بے چارہ تو کسی گنتی ہی میں نہیں ہے۔ دوسرے بھی میری اصل حیثیت سے واقف نہیں ہیں۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ میں کچھ محدود معاملات میں پوری خودمختاری کے ساتھ تنظیم کی نمائندگی کرتی ہوں۔"

"وہ کون لوگ ہیں؟ ان کے وجود سے تو میں بھی لاعلم رہا ہوں۔" لمحاتی طور پر میں اس کی باتوں کی روانی میں بہہ گیا۔

"وہ جرائم کی دنیا سے باہر کے نیک نام لوگ ہیں۔ مقامیوں کے معاملے میں تمھارے حکّام مجھ سے آسانی سے رام ہو جاتے ہیں۔ یہ سارا کام محض اتفاقات کے سہارے نہیں چل رہا، بڑے بارسوخ لوگ ہمارے پشت پناہ ہیں جنھیں ان کی چشم پوشی کی باقاعدہ قیمت ادا کی جاتی ہے۔ تمھارا ایک پرانا افسر تو بس سال چھ مہینے میں دو چار دن میری ہم نشینی کو ہی بہت بڑا اعزاز سمجھتا ہے اور کوئی رشوت لیے بغیر ہمیں کروڑوں کا فائدہ پہنچا چکا ہے.... اوہ، یہ میں کیا کہانی لے بیٹھی، تم ٹھکانے کی بات کر رہے تھے۔"

میں بھی چونک کر رہ گیا۔ شاید ان بوجھل اور اعصاب شکن حالات میں میں لاشعوری طور پر ذہنی فرار کا متلاشی تھا جس کا موقع خود ویرا نے اپنی گفتگو میں فراہم کیا اور میں موضوع سے بھٹک گیا۔

"پھر میرے ذہن میں جہانگیر کے گھر کے علاوہ کوئی جگہ محفوظ نہیں ہو سکتی، ہر جگہ کسی نہ کسی شناسا کے ملنے کا دھڑکا لگا رہے گا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" اس نے جہانگیر کا نام بھی مسترد کر دیا۔ "وہ لاکھ تمھارا دوست سہی لیکن تنظیم کا آدمی ہے، اپنی سرخروئی کے لیے دھوکے سے تمھاری گردن کٹوا دے گا۔" پھر چونکتے ہوئے بولی۔ "تم کسی بیمار غیر ملکی کے ساتھ گزارا کر سکو گے؟"

"اس وقت تو میں کسی خارش زدہ کتّے کا ساتھ بھی گوارا کر لوں گا۔"

"پھر تم ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی چلے جاؤ۔ میں بھی اسے فون کیے دیتی ہوں۔ تم اس سے میرے حوالے سے ملو گے تو وہ تمھیں ہر آسائش فراہم کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"وہ تمھیں کس نام سے جانتا ہے؟"

"ویرا لائیڈ کے اصل نام سے، وہ میری زندگی میں پہلا اور شاید آخری مرد ہے جس کا رویّہ میرے ساتھ ہر وقت مربیانہ رہا ہے ورنہ آٹھ سے اسّی سال کی عمر تک کا ہر مرد پہلی ہی ملاقات میں مجھ پر عاشق ہونے پر تل جاتا ہے۔"

"یہ خوش فہمی ہے تمھاری، سراپا دعوت بننے کے بعد جنس مخالفت سے سرد مہری کی امید پتھر دل سے آگ بجھانے کی کوشش ہی کہی جا سکتی ہے۔ ویسے یہ بھی بتا ڈالو کہ اس سے مجھے کس حیثیت

میں ملتا ہے۔" بھٹکتے بھٹکتے میں نے ایک مرتبہ پھر گفتگو کو صحیح رُخ پر ڈال دیا۔

"بس میرے دوست ہو، اس سے آگے وہ کچھ نہ پوچھے گا۔ بہت نرم خو اور ملنسار آدمی ہے۔" پھر اس نے پتا بتا ڈالا۔

"میرے ساتھ ایک دوست بھی ہے۔" میں نے کہا۔

"اسے کہاں گلے میں لٹکائے پھر رہے ہو؟" اس کی چڑچڑی آواز سنائی دی۔ "خطرہ تمھارے لیے ہے۔ وہ جہاں چاہے رہ سکتا ہے۔ کراچی میں ہوٹلوں کی کمی تو نہیں ہے۔"

میں نے کن انکھیوں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا جو کمرے کے ایک دور افتادہ گوشے میں دیوار کی طرف منہ کیے کھڑا تھا۔ اس کا بدن یوں ہل رہا تھا جیسے وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر ہی اندر رو رہا ہو۔

"اس کا میرے ساتھ رہنا ضروری ہے۔" میں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔

"بھرے جاؤ اسے بھی!" شاید وہ جل کر بولی تھی۔

"اور سنو! میرے کاغذات کی فکر نہ کرنا۔" میں نے اس کے گھٹیا انداز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "سفری دستاویزات کا بندوبست میں خود کر لوں گا۔ تم چاہو تو ایک دو روز میں روانگی کا پروگرام طے کر سکتی ہو۔"

"وہاں پہنچو، میں دوپہر تک بات کر دوں گی۔"

میں نے سلسلہ منقطع کر کے ٹیلیفون ڈائرکٹری سے ایک رفاہی ادارے کے فون نمبر تلاش کر کے رابطہ قائم کیا تو سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے ایک معتبر اور مربیانہ آواز سنائی دی۔ جب میں نے گھر کا پتا بتانے کے بعد خود کو کرنل زوار [illegible] ظاہر کرتے ہوئے خودکشی کا ارادہ ظاہر کیا تو دوسری طرف سے فوراً ہی وعظ، تلقین اور ہمدردی کا دریا موج میں آگیا۔ وہ [illegible] چارہ حالات کی ستم ظریفی سے لاعلم پورے خلوص کے ساتھ مجھے حرام موت کے بھیانک مذہبی پہلو سے آگاہ کر رہا تھا لیکن جو کچھ ہو چکا تھا اسے واپس لوٹانا نہ اس کے بس میں تھا اور نہ میرے اختیار میں۔

میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے اسے جلد از جلد پہنچنے کی ہدایت کر کے فون بند کر دیا۔ اب زیادہ دیر تک وہاں رکنا ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لہٰذا با دلِ ناخواستہ میں سلطان شاہ کی طرف بڑھا مگر اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی چونک پڑا۔ اس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گھٹ گھٹ کر روتا رہا ہو۔ میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ خود میرا دل بھاری ہونے لگا تھا۔ میں نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے ساتھ لیے باہر آگیا۔

"بڑا دردناک انجام ہوا ہے کرنل کا!" کار روانہ ہونے کے بعد اس نے دل گرفتہ آواز میں کہا۔

"ہر روز اس سے بڑے بڑے سانحے رونما ہوتے ہیں، آناً فاناً میں پچاسوں انسان موت کے گھاٹ اتار دیے جاتے ہیں لیکن ان واقعات پر ہم کبھی نہیں روتے کیونکہ ہم نے بچشمِ خود وہ سب نہیں دیکھا ہوتا۔ ہم ہمدردی کے دو بول بول کر رہ جاتے ہیں۔ دکھ محسوس کرنے کے لیے مشاہدہ ضروری ہوتا ہے ورنہ کرنل تو تمھیں معاشرے میں ہر روز بہتیرے نظر آئیں گے۔"

"کتنے دکھ کی بات ہے کہ ہم ان دونوں کو یوں چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہیں۔"

"انسان نام ہی مجبوریوں کا ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "جانوروں کو کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔"

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"ویرا کے ایک ہمدرد کے پاس۔" میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"وہ عورت قابلِ اعتماد نہیں ہے!" وہ چونک کر بولا۔

"جب تک غزالہ اس کے قبضے میں ہے اس پر اعتماد کرنا ہی ہوگا۔"

"میں نے شہر کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن بھابی کا کہیں سراغ نہ مل سکا۔" وہ متاسفانہ لہجے میں بولا۔

"اس میں تمھارا کوئی قصور نہیں، وہ نہ صرف کراچی سے بلکہ پاکستان سے باہر لے جائی جا چکی ہے اور اب تمھیں ہم دونوں کے پاسپورٹ تیار کروانے ہیں۔"

"باہر جاؤ گے؟" اس کی سوگوار آنکھوں میں حیرت تیر گئی۔

"میں، ویرا اور تم!" میں نے کہا۔ "ہم تینوں کو جانا ہوگا۔ ویرا بڑی سیمابی طبیعت کی مالک ہے۔ پل بھر میں نگاہیں بدل لیتی ہے اس کے توڑ کے لیے تمھیں دور رہ کر ہم پر نگاہ رکھنا ہوگی۔"

"تنظیم کی راہ سے ہٹانے کے لیے یہ چال چلی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ لاہور میں بھی تمھیں کامیابی نہیں ہو سکی۔"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "تم سچ کہہ رہے ہو۔ لائیڈز کالج کی عمارت کو تباہ کر کے بھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ میں سمجھتا تھا کہ اس عمارت کی حیثیت تنظیم کے صدر دفتر کی سی ہے اور اس کی تباہی تنظیم کو عملی طور پر ختم کر ڈالے گی مگر ایسا نہیں ہے۔ ان کے اعلیٰ دماغ ابھی تک شکوک و شبہات سے بھی بالا ہیں۔"

لائیڈز کالج کی تباہی کی خبر سن کر وہ اپنی نشست پر حیرت سے اچھل پڑا۔ "وہ تو ایکڑوں پر پھیلی ہوئی جاگیر ہے۔ تم نے اس کا کون سا حصہ تباہ کیا؟"

"پوری عمارت دھماکوں سے زمین بوس ہوگئی۔ ہم نے کارروائی ایک جگہ کی تھی لیکن وہاں چپے چپے پر نصب ڈائنامائیٹس کو حرکت میں لانے والا انتظام بھی زد میں آگیا۔ اب وہاں آگ، دھواں اور دھول ہی رہ گیا ہوگا۔"

"مگر اخبارات میں تو کچھ بھی نہیں آیا اس بارے میں" میری زبان سے لائیڈز کالج کی بربادی کی خبر سن کر وہ خاصا خوش و خرم نظر آنے لگا تھا۔

"یہ آج رات ہی کا واقعہ ہے۔" میں نے باہر پھیلتے ہوئے دھندلے سے سپیدۂ سحری کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "ہوسکتا ہے کہ آج صبح کے اخبارات میں تفصیلی خبر نہ آسکے لیکن مجھے اتنا یقین ہے کہ لاہور میں اس واقعے پر آج اخباری ضمیمے شائع ہوں گے اور ہاتھوں ہاتھ بک جائیں گے۔"

"تمہارے ساتھ اور کون تھا وہاں؟" اس نے حیرت اور اشتیاق کے عالم میں سوال کیا۔

"میں اور ویرا۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "وہ اس تباہی میں برابر کی شریک تھی بلکہ لائیڈز کالج کو اسی نے اپنے ہاتھوں سے تباہ کیا تھا لیکن وہ اس قدر کھل کر ساتھ دینے کے باوجود مجھے اپنی نیک نیتی کا یقین نہیں دلا سکی۔ فی الحال وہ ہماری ہمدرد ہے لیکن کبھی بھی عین موقع پر دغا دے سکتی ہے۔"

"کاش میں اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا دبا سکوں۔" اس نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "اتنی حرافہ عورت میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔"

"تمہارے ہاتھ اس کی گردن پر کانپ جائیں گے، بہت پُرفریب عورت ہے۔ بُرا وقت آنے پر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا سکتی ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

اس کے بعد کار میں خاموشی چھا گئی۔ راستے میں ایک اسٹال سے ہم نے اخبار خریدے لیکن ان میں کہیں لائیڈز کالج کے بارے میں کوئی خبر موجود نہیں تھی۔ اس بارے میں تفصیلی معلومات اور تبصروں کے حصول کے لیے اب اگلے دن تک انتظار کرنا ضروری تھا لیکن میں اپنا وہ وقت بیٹھ کر برباد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کرنل اور شمع کی موت کے بعد پاکستان میں رُکے رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہ گیا تھا۔ نہ میرا کوئی عزیز زندہ تھا، نہ ہی غزالہ کے کنبے میں زیرِ علاج کامران کے علاوہ کوئی رہا تھا۔ کامران اسپتال میں تھا جہاں اس کی بہترین دیکھ بھال کی جا رہی تھی پھر کرنل کی وصیت کی بنا پر اس کی لاش دریافت ہوتے ہی کامران کی ذات پولیس اور دوسرے تفتیشی اداروں کے حکام کی توجہ کا مرکز بن جاتی لہٰذا اس کا رخ کرنا اپنے لیے دشواریاں کھڑی کرنے کے مترادف ہوتا۔ ان حالات کی بنا پر اب یہی لازمی نظر آ رہا تھا کہ فوری طور پر تیاری مکمل کر کے انگلینڈ کا رخ کیا جائے جہاں غزالہ اجنبیوں کے درمیان شاید کڑی نگرانی میں اپنے دن گزار رہی تھی۔

مجھے خیال آیا کہ ویرا نے مجھے غزالہ کے ساتھ یورپ یا انگلینڈ میں کہیں مستقل قیام کرنے کا مشورہ دیا تھا جسے میں نے محض اس بنا پر ٹھکرا دیا کہ غزالہ کا پورا گھرانا پاکستان میں مقیم تھا۔ شاید قدرت کو میرا وہ عذر پسند نہیں آیا تھا۔ اس کے ماں باپ یوں آناً فاناً میں چٹ پٹ ہوئے تھے کہ غزالہ عملاً تنہا رہ گئی تھی۔

"اس گاڑی کا کیا کرو گے؟" سلطان شاہ کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔

"کیا کروں گا؟" میں نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں دُہرایا۔ "میں مطلب نہیں سمجھا تمہارا۔"

"کرنل نے مکان کے بارے میں وصیت لکھ دی مگر اس کار کا کیا ہوگا؟"

"تمہارے استعمال میں رہے گی....."

"مگر یہ کرنل کی ملکیت ہے، پکڑے گئے تو کیا ہوگا؟" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے سوال کیا۔

"اوہ سمجھا۔" میں نے سر جھٹک کر کہا۔ "اول تو اس شہر میں کرنل کا کوئی دوست نہیں ہے۔ رسمی شناساؤں کے لیے ایک دوسرے کی گاڑیوں کے نمبر یاد رکھنے غیر ضروری ہوتے ہیں۔ شہر میں اسی ماڈل اور رنگ کی پچاسیوں کاریں ہوں گی۔ تیسری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کار کی چوری کے قضیے میں کرنل کو غزالہ سے مختار نامہ لینا پڑتا تھا کیونکہ گاڑی کا رجسٹریشن غزالہ کے نام پر ہے اسی وجہ سے کرنل نے وصیت میں کار کا ذکر نہیں کیا۔ اسے اندازہ رہا ہوگا کہ ہمیں بھی سواری کی ضرورت رہے گی۔"

"پاسپورٹ کے لیے تمہاری تصاویر کا کیا ہوگا؟" وہ شاید اس وقت ضروری نکات کے بارے میں ہی سوچے جا رہا تھا۔

"اس وقت تو دکانیں بند ہوں گی، دن میں تصویر بنوا لوں گا۔"

"نہیں۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "ویرا نہ سہی، دوسرے تو تمہاری تلاش میں ہوں گے۔"

"تلاش کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "واقعہ رونما ہونے سے کچھ دیر پہلے ہی میں وہاں سے نکلا تھا ورنہ مستقل طور پر وہیں مقیم تھا۔ تنظیم تو شاید مجھے بھی مردہ تصور کرلے گی۔ خدشہ یہ ہے کہ کسی شناسا نے دیکھ کر میرے

زندہ بچ نکلنے کا بھانڈا پھوڑ دیا تو ناقابلِ تصور دشواریاں کھڑی ہو جائیں گی۔"

پھر میں اسے لائیڈز کالج کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کرنے لگا۔ وہ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں منہ پھاڑے میری کہانی سن رہا تھا جیسے میں اسے جنوں اور پریوں کے دیس کے قصے سنا رہا ہوں۔

"تم واقعی حیرتناک صلاحیتوں کے مالک ہو۔" میرے خاموش ہونے پر وہ تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ "بدترین حالات میں بھی اپنے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتے ہو۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ حالات کتنے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں، تم خود کو بے بس محسوس کرنے کے عادی نہیں ہو۔ تمہارا دماغ ہر وقت کام کرتا رہتا ہے۔"

"اس بار میرے دماغ سے کہیں زیادہ ویرا کی آزاد روی کام آئی ہے۔ کامیابی کی کلید یہ تھی کہ وہ مجھے پسند کرنے لگی پھر مجھ سے مل بیٹھی۔ اگر وہ کام نہ آتی تو لائیڈز کالج میں چڑیا کا بچہ بھی پَر نہیں مار سکتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بات وہی ہے۔" وہ ضدی لہجے میں بولا۔ "اس جیسی مکار عورت کو شیشے میں اتارنا تمہارا ہی کام تھا۔"

"چلو مان لیا کہ میں بہت تیس مار خان ہوں۔"

"تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے واقعات کی اصلیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم نے ان سب کے درمیان رہتے ہوئے کمال ہوشیاری سے ایک طرف ڈی سوزا کو یقین دلایا کہ تم اس کے آدمی ہو اور دوسری طرف انعام اور درّانی کے پیٹ میں اترنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں محاذ آرائی کی صورتحال پیدا کرنا دل گردے کا کام تھا۔ تمہاری ناکامی کی صورت میں برقی بھٹی تمہارا مقدر بھی بن سکتی تھی۔ انھیں گٹر لائن کی طرف متوجہ کر کے تم وہاں سے نکلنے میں تو کامیاب ہو گئے مگر ویرا کو سنبھالنا اب بہت دشوار ہو گا۔ اس نے نہ صرف بھابی کو قید کیا ہوا ہے بلکہ تمھیں بھی روپوش ہو جانے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"میری تصاویر کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟" میں نے موضوع بدلنے کی نیت سے سوال کیا۔

"رول سمیت ایک کیمرا خریدنا ہوگا۔ گھر پر ہی تصاویر اتار کر کہیں سے پرنٹ بنوالوں گا۔"

پھاٹک بند تھا اور وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے اس عالیشان مکان کے پھاٹک پر کار روک کر چند سیکنڈ تک انتظار کیا پھر ہارن بجانے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ فضا میں ایک بھاری مردانہ آواز گونج اٹھی۔

"کون ہے؟" سوال انگریزی میں کیا گیا تھا۔ آواز پھاٹک کی جانب سے آئی تھی لیکن وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

"تم کون ہو؟ سامنے آکر بات کرو۔" میں نے اپنی سمت کی کھڑکی سے سر باہر نکال کر اضطراری لہجے میں کہا۔

"میں سامنے نہیں آسکتا۔" خشک لہجے میں جواب دیا گیا۔ "ڈرو نہیں، میں کوئی بھوت نہیں، ایک زندہ مگر علیل آدمی ہوں۔ اپنے قدموں پر چل کر تمہاری پیشوائی کے لیے نہیں آسکتا۔ میری آواز کنکریٹ کے ستون میں لگے ہوئے اسپیکر کے ذریعے تم تک پہنچ رہی ہے۔ تم جو کچھ کہو گے وہ مائیکروفون کے ذریعے مجھ تک پہنچ جائے گا۔"

اس کی زبان سے علالت کا ذکر سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ بولنے والا ہی میرا مطلوبہ شخص تھا۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ "کیا تمہارا ہی نام مارٹن ہے؟"

"میں جو بھی ہوں اس وقت اس گھر کا مالک ہوں اور تم کہیں سے چل کر میرے دروازے پر آئے ہو۔ تمھیں یہ سوال زیب نہیں دیتا، اخلاقاً بھی پہلے تمھیں اپنا تعارف کرانا چاہیے تھا۔"

بولنے والے کا لہجہ نرم اور شائستہ تھا لیکن اس کی آواز میں کوئی ایسی بات موجود تھی جس کی بنا پر اسے خوامخواہ الٹا جواب دینے کو طبیعت چاہ رہی تھی۔ "اخلاق کے اتنے ہی رسیا ہو تو اپنی چہیتی کو سنبھال کر رکھا ہوتا۔" میں نے قدرے تلخ لہجے میں کہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میرے ان الفاظ پر وہ اکھڑ جائے گا لیکن خلافِ توقع اس کی آواز تحیر آمیز تھی۔

"تم کس کی بات کر رہے ہو اجنبی مہمان؟"

"اسی کی، جس سے دوستی نہ ہوئی ہوتی تو شاید تمہارے دروازے پر میری یوں توہین نہ ہوتی۔"

"پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ کھل کر بتاؤ تمھیں کس نے بھیجا ہے؟"

"سندر چہرہ، گوری رنگت اور نشیلے نینوں سے کون سا نام یاد آتا ہے تمھیں۔"

"بہت ضدی ہو۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ آواز ابھری۔ "سب کچھ بتا دو گے مگر نام نہیں بتاؤ گے... نہ اپنا اور نہ بھیجنے والے کا۔ خیر، یوں ہی سہی، بیمار اور تنہا آدمی ہوں۔ میرا بھی کچھ وقت گزر جائے گا۔ ہاں، تو کچھ اور نشانیاں بتاؤ، صحت اور جوانی کے دنوں میں تو ہر عورت پر تمہاری نشانیاں صادق آتی نظر آتی تھیں۔"

مجھے یک بیک غصہ آگیا۔ وہ خود کو بہت مکار اور باتونی سمجھ رہا تھا۔ "تم اس خیال میں بھی نہ رہنا کہ میں کسی مسخرے کی طرح

باہر کھڑا یوں ہی تمہارا دل بہلاتا رہوں گا۔ زبردستی دروازہ کھول کر یا پھاٹک توڑ کر ایک بیمار آدمی کے گھر میں گھسنا میرے لیے کوئی دشوار کام نہ ہوگا۔ سیدھی طرح راستہ نہ دیا تو نتائج کے ذمے دار خود ہو گے۔"

"اور نتیجہ میرے لیے روح فرسا ہوگا میرے بچے!" وہ آواز تمسخر آمیز ہوگئی۔"برقی جھٹکے سے جھلسنے والی لاشیں اکثر ناقابلِ شناخت ہو جاتی ہیں۔ زبردستی کا انجام یہی ہوگا۔"

میرا خون کھول اٹھا۔ وہ مجھے صریحاً دھمکی دے رہا تھا لیکن اسی لمحے میری بہکی ہوئی ذہنی رو راہِ راست پر آگئی۔ میری زندگی خطرے میں تھی۔ دشمن کسی بھی وقت میری راہ پر لگ سکتے تھے اور مجھے ایک محفوظ ٹھکانے کی تلاش تھی جو فی الوقت اس عالیشان مکان کے علاوہ کہیں نہیں ہو سکتا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم بھی شعبدے باز ہو۔ میں چاہوں تو برقی تاروں پر کوئی دھاتی چیز اچھال کر انہیں آپس میں شارٹ کر کے تمہارے گھر میں برقی رو کی فراہمی کا سلسلہ منقطع کر سکتا ہوں مگر میں ایسا نہیں کروں گا کیونکہ تمہاری چینی ویرا لائیڈ ان دنوں مجھے خاصی عزیز ہے۔"

"گڈ۔" اس کی اطمینان آمیز آواز ابھری۔"اب ہوئی نہ بات، سمجھ تو میں پہلے ہی گیا تھا مگر اس کا نام تمہاری زبان سے سننا چاہتا تھا۔ گاڑی اندر لے آؤ۔"

اس کا فقرہ ختم ہونے سے پہلے ہی آہنی دروازہ کسی خودکار میکینزم کے تحت اندر کی طرف کھلتا چلا گیا اور میں نے انجن گیئر میں ڈال کر کار آگے بڑھا دی۔

کار پختہ، خمدار روش پر اندر داخل ہوئی تو صبح کے اجالے میں برآمدے میں ایک شخص معذوروں والی کرسی پر براجمان نظر آیا۔ شاید وہ خاصی دیر سے وہیں موجود تھا۔ میں کار سے اتر کر اس کی طرف بڑھا تو میں نے دیکھا کہ وہ بہت ہی اعلیٰ ساخت کی جدید ترین خودکار کرسی تھی جو شاید بٹن دبانے سے بیٹری سے چلنے والی موٹر کے ذریعے حرکت میں لائی اور حسبِ خواہش روکی جا سکتی تھی۔ کرسی کے داہنے بازو کے ساتھ ہی ایک آہنی پلیٹ پر لاسلکی انٹرکام جیسا ایک آلہ نصب تھا۔ غالباً پھاٹک والا انٹرکام بھی اسی آلے سے منسلک تھا۔

"خوش آمدید میرے مہمانو!" ہمارے کار سے اترتے ہی اس نے خوش دلی کے ساتھ ہانک لگائی۔ میں نے غیر ارادی طور پر گردن گھما کر پیچھے دیکھا تو وہاں کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ اس کے باوجود پھاٹک خود بخود بند ہو چکا تھا۔

میں برآمدے سے ذرا دور رک کر غور سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

پہلی بات تو یہ تھی کہ اپنے خدوخال سے وہ مقامی ہی لگ رہا تھا۔ چہرے کی رنگت بھی کھلتی ہوئی گندمی سی تھی جبکہ غیر ملکی لب و لہجے میں انگریزی بول کر وہ اب تک ہمیں مرعوب کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ دوسری بات یہ کہ اپنے چاروں ہاتھ پیروں اور صحت مند جسم کے ساتھ وہ کسی بھی طرح بیمار یا معذور نظر نہیں آرہا تھا لیکن اس کے باوجود معذوروں والی کرسی پر براجمان تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ کسی ایسے عارضے میں مبتلا تھا جس میں چلنے پھرنے کی ہلکی سی مشقت بھی اس کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتی تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" اس نے دلچسپی کے ساتھ میری تجسس آمیز نظروں کا سامنا کرتے ہوئے اردو میں سوال کیا۔ اور سلطان شاہ حیرت سے اچھل پڑا۔

"ارے! یہ تو اردو بول رہا ہے۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا جیسے وہ کسی گونگے کے اچانک بول پڑنے کا اعلان کر رہا ہو۔

"اردو بھی بول لیتا ہوں۔" اس نے براہِ راست سلطان شاہ سے مخاطب ہو کر مسکراتے ہوئے کہا۔"اس ملک میں اجنبیوں کو مرعوب کرنے کے لیے انگریزی میں ابتدا کرنا پڑتی ہے ورنہ نئے ملاقاتی برتری کے احساس سے سرشار ہو کر مجھ معذور سے ملنے آتے ہیں۔ حالانکہ میں پوری طرح صحت مند اور چاق و چوبند ہوں۔"

"تھوڑی دیر قبل خود تم نے انٹرکام پر کہا تھا کہ تم بیمار ہو اور اپنے قدموں پر چل کر ہماری پیشوائی کے لیے نہیں آسکتے۔" میں نے اسے تیز نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کے پُراسرار رویّے سے مجھے الجھن ہونے لگی تھی۔

"تمہارے سوال کے جواب میں یہ نہ کہتا تو پھاٹک پر آنا پڑتا۔" وہ مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔ اس کا وہ انداز نہ جانے کیوں، مجھے چڑانے والا بلکہ جارحانہ محسوس ہو رہا تھا۔

"پھر اس ڈھونگ کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے اس کی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"تمہارا برآمدہ روش کی سطح سے خاصا بلند ہے اور اس طرف سیڑھیوں کے کنارے برآمدے کو روش سے ملانے والا پختہ ڈھلوان فرش بھی نظر آرہا ہے جو خاص طور پر تمہاری کرسی کے لیے بنایا گیا ہوگا۔ اس کا کیا جواز ہے؟"

"میری ذہنی اپروچ۔" وہ فراخدلانہ قہقہے کے ساتھ بولا۔"اب اندر بھی آؤ گے یا یہیں کھڑے کھڑے جرح کیے جاؤ گے؟ تھوڑی دیر قبل ویرا نے مجھے فون پر تمہاری آمد کی اطلاع دی تھی۔ نام کیا

ہے تمھارا؟"

"عجیب بات ہے کہ ویرا نے میرا نام نہیں بتایا تمھیں۔ ویسے یہ سلطان ہے، میرا دوست اور ساتھی۔" میں نے سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"لڑکیوں سے ان کے آشناؤں کے نام نہیں پوچھے جاتے۔" وہ اپنی کرسی دروازے کی طرف بڑھاتے ہوئے داہنی آنکھ دبا کر بولا۔" اس سے میرا رشتہ بہت عجیب ہے، میں اس کے بارے میں بہت کم جانتا ہوں۔ کچھ ناگفتہ باتیں معلوم ہیں مگر ان سے چشم پوشی اختیار کیے رہتا ہوں۔ وہ مجھے اپنی بیٹی کی طرح عزیز ہے۔"

"تمھاری بیٹی کہاں پائی جاتی ہے؟" میں نے مضحکانہ لہجے میں سوال کیا۔

"بدقسمتی سے لاولد ہوں۔" وہ ہم دونوں کے پیچھے اپنی کرسی شاندار کمرے میں لے جاتے ہوئے اداس لہجے میں بولا۔

"اور بیوی؟" اس بار میں نے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"شادی ہی نہیں کی۔" وہ مسمسی آواز میں بولا۔

میری کھوپڑی سلگ اٹھی۔ وہ خبیث مسلسل ہمیں گھسنے پر تلا ہوا تھا۔ جب شادی ہی نہیں کی تھی تو لاولد یا عیال دار ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا لیکن اس نے یوں اپنے لاولد ہونے کا ذکر کیا تھا جیسے اس بارے میں خود بھی مغموم ہو۔

"بیٹھو بیٹھو— تم آدمی دلچسپ ہو، ذرا کچھ دیر گپ شپ رہے گی۔" وہ داخلی دروازہ بند کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ہاں۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔" اپنی ذات سے اتنے مایوس ہو تو کسی بچے والی سے شادی کر لی ہوتی، کم از کم لاولد رہنے کا قلق تو نہ رہتا تم کو۔"

"دوسروں کے بچے پالنے سے نفرت ہے مجھے۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر بولا۔" پھر میں نے اپنی ذات . . . "

میں نے درمیان ہی سے اس کا فقرہ اچک لیا۔" ہوشیاری سے کام لیتے تو بہتر بندوبست بھی کر سکتے تھے، شادی کے دو چار ماہ بعد باپ بن جاتے اور ولدیت کے خالی خانے میں اپنا نام ٹھونک دیتے۔ نہ کسی کو اعتراض ہوتا نہ دوسروں کے بچے پالنے کا طعنہ سننا پڑتا۔"

"بس۔" وہ اپنی کرسی کے بائیں ہتھے پر زور سے ہاتھ مار کر غرایا۔" تم میری چھت کے نیچے میرا مضحکہ نہیں اڑا سکتے۔"

میرا دل باغ باغ ہو گیا کہ آخر کار میں بھی اس کا خون سلگانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"پھر چلو کھلے آسمان کے نیچے چلتے ہیں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔" میں تو اسی لیے باہر کھڑا ہوا تھا کہ اپنی چھت کے نیچے تو کوئی چمار بھی اپنی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا، تم زبردستی اندر لے آئے۔"

"تمھیں تمیز نہیں ہے کہ میزبان کے ساتھ کس طرح پیش آیا جاتا ہے۔" اس کا پارہ چڑھ گیا تھا اور ساری بذلہ سنجی چشم زدن میں کافور ہو گئی تھی۔

"ویرا نے بتایا تھا کہ تم اسے کسی باپ کی طرح چاہتے ہو، میں بھی خود کو تمھارا داماد سمجھتے ہوئے یہاں آیا تھا مگر تم پہل کر بیٹھے اور اب آنکھیں دکھا رہے ہو۔" میں نے لمحہ بھر میں ایک فیصلہ کرتے ہوئے سوچے سمجھے انداز میں کہنا شروع کیا۔ "مجھے یہاں پناہ ملے یا نہ ملے لیکن تم میری زبان پر پابندی عائد نہیں کر سکتے، میں کوئی اور ٹھکانا تلاش کر لوں گا جہاں محاذ آرائی کا خدشہ نہ ہو۔" یہ کہتے ہوئے میں نے وہاں سے روانگی کے انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی، سلطان شاہ نے بھی میری تقلید کی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ غصیلے لہجے میں چیخا۔" یہاں سے جانے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔"

"کون سی؟" میں نے اس کے خالی ہاتھوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے سوال کیا۔

اس نے طیش کے عالم میں کوئی بٹن دبا کر اپنی کرسی کا زاویہ قدرے تبدیل کیا اور اگلے ہی لمحے کرسی کے داہنے دستے میں نرم گدی کے نیچے سے جھانکتے ہوئے پائپ کی نال سے ایک بے آواز شعلہ لپکا اور گولی ایک سپاٹ دیوار میں پیوست ہو گئی۔

میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ بظاہر مذاق ہی مذاق میں بات حد سے تجاوز کر گئی تھی لیکن میرے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق مارٹن اپنے خول سے باہر آنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ کرسی کے ہتھے سے بے آواز فائر میرے لیے معنی خیز تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ مارٹن وہ نہیں تھا جو نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں کچھ کہے بغیر صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ میرا ذہن مسلسل اسی فائر میں الجھا ہوا تھا۔ معذوروں والی اس آہنی کرسی کی ساخت میں دانستہ طور پر موٹے گیج کا پائپ استعمال کیا گیا تھا تاکہ ہر ہتھے کے نیچے پوشیدہ مخصوص ساخت کے بے آواز پستول کی بیرل بآسانی چھپائی جا سکے۔ بادی النظر میں تو امکان ہی نہیں تھا، خود سے دیکھنے پر بھی شبہ تک نہیں ہوتا تھا کہ لوہے کے سیدھے اور مڑے ہوئے پائپوں کے اس ڈھانچے میں ہتھیار بھی پوشیدہ ہوں گے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ کم از کم بائیں ہتھے میں بھی اسی قسم کا ہتھیار پوشیدہ تھا۔

"ڈر گئے نا۔" مارٹن اچانک مشینی انداز میں زور زور سے ہنسنے

لگا یہ کیسی شاندار ترکیب سے تم کو مرعوب کیا ہے۔ میں لوگوں کو متحیر اور خوفزدہ کر کے عجیب سی خوشی محسوس کرتا ہوں۔" اس نے کمرے میں چھایا ہوا سکوت توڑ دیا۔

بے اختیار میرے ذہن میں وان ہوف سے حاصل کیا ہوا وہ ایکسپلوڈڈ رنگ آیا جو اس وقت ڈیرا کی تحویل میں تھا۔

"شعبدے مجھے بھی پسند ہیں۔" مارٹن کی ہنسی رک جانے پر میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "اور مجھے اعتراف ہے کہ تم ایک اچھے شعبدے باز ہو لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ تم کس کے لیے کام کرتے ہو؟"

"کیا مطلب؟" وہ میرے براہ راست سوال پر چونک پڑا۔ شاید اسے مجھ سے ایسی بے خوفی کی امید نہیں رہی تھی۔

"مطلب صاف ظاہر ہے، ڈیرا بہتیرے ملازمین کی کفالت کرتی ہے۔ تم نے اس کی کچھ ناگفتہ مصروفیات کا بھی ذکر کیا تھا جن سے تم چشم پوشی اختیار کیے رہتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اسی سلسلے میں اس کے کچھ مخالفین بھی رہے ہوں، تو تمہارا تعلق ان دونوں میں سے کس فریق سے ہے؟"

اس کے چوڑے چکلے چہرے پر سنجیدگی بکھر گئی۔ "زیادہ قیاس آرائیوں سے کام نہ لو، ایسی کوئی صورت میرے علم میں نہیں ہے، ڈیرا کی ناگفتہ مصروفیات سے میرا اشارہ اس کی رنگین مزاجی سے تھا۔" وہ لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "تمہیں کسی جائے پناہ کی تلاش ہے۔ آدمی کا دامن صاف ہو تو شہر میں سیکڑوں ہوٹل موجود ہیں مگر تم نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ تم قانون یا اپنے کچھ دشمنوں سے چھپتے پھر رہے ہو۔ دونوں میں سے جو بھی صورت ہو، اس سے تمہاری مشکوک حرکات کی نشاندہی ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تم میرے بارے میں اپنے ماحول کے مطابق احمقانہ باتیں سوچ رہے ہو۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے، شہر میں میرے بہتیرے ٹھکانے ہیں مگر میں لاابالی آدمی ہوں۔ ڈیرا کی خواہش تھی کہ میں کسی ایسی جگہ قیام کروں جہاں اس کی دسترس میں رہوں۔ وہ کھلے بندوں ہر جگہ نہیں پہنچ سکتی۔" مذاق میں شروع ہونے والی نوک جھونک بہت جلد خطرناک رخ اختیار کر گئی تھی لہٰذا میں نے محتاط رویہ اختیار کر لیا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میں یہاں سے جا رہا تھا تو کوئی فٹ پاتھ پر ہرگز قیام نہ کرتا۔ اس کو بھی بھول جاؤ تو یہ گاڑی خود ایک چلتا پھرتا ٹھکانا ہے، جہاں چاہو کھڑی کر لو۔ اس کی نشستیں دو آدمیوں کے سونے کے لیے کافی ہیں... میرا خیال ہے اس حد تک بات بڑھ جانے کے بعد میرا یہاں ٹھہرنا مناسب نہ ہوگا تم نے بلاوجہ اپنی ایک گولی ضائع کی، بہتر یہی ہے کہ اب بھی مجھے واپس جانے دو۔"

"جو کچھ ہوا، ٹھیک ہی ہوا ہے۔" وہ فیصلہ کن اور پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "نہ مجھے کسی بات کا ملال ہے نہ تمہیں افسوس ہونا چاہیے میرے گھر آئے ہوئے مہمان واپس نہیں جاتے تم نہیں ٹھہرو گے۔"

"مجھے افسوس کسی بات کا نہیں ہے مگر میں الجھ گیا ہوں۔" میں نے ٹٹولنے والی نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے بتاؤ، میں تمہاری الجھن دور کروں گا۔" وہ کرسی میں پہلو بدلتے ہوئے بولا۔

"الجھن کا محور ہی تمہاری ذات ہے۔ پھاٹک سے اس کرسی تک برقی اور الیکٹرانک شعبدے نظر آ رہے ہیں۔ گھر میں نہ جانے اور کیا کچھ بکھرا ہوا ہو پھر کرسی میں پوشیدہ بارود برسانے والی نالیں بھی کم عجیب نہیں ہیں۔ ڈیرا نے تمہیں بیمار قرار دیا تھا۔ تم صحت مند مگر معذور نظر آتے ہو لیکن صحت مند کہلانے پر مُصر ہو....."

"یہ دیکھو۔" وہ اچانک کرسی کے پائیدان پر تن کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "کون کہتا ہے کہ میں معذور ہوں؟"

"اگر تم نہ معذور ہو نہ بیمار، تو میرا خیال ہے کہ میں غلط جگہ پر آ گیا ہوں۔" میں نے اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ "فضول بحث مت کرو، میں ڈیرا کو اچھی طرح جانتا ہوں، اس نے فون پر مجھ سے بات کی ہے اور تم دونوں کی آمد کے بارے میں بتایا ہے۔ یہ سب ہونے کے بعد تمہیں یہ شبہ کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا کہ تم غلط جگہ پر آ گئے ہو۔ بس میری افتادِ طبع نے تم کو کچھ حیران ضرور کر دیا ہے۔"

"اس چار دیواری میں مجھے اپنی آزادیاں بھی سلب ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔" وہ میرے قیام پر جتنا اصرار کر رہا تھا، میں اسی قدر مزاحمت کیے جا رہا تھا۔ میں اس حکمتِ عملی کے ذریعے اپنے شبہات کی توثیق یا تردید کرنا چاہ رہا تھا جو بادی النظر میں بہت وزنی اور ناقابلِ تردید محسوس ہو رہے تھے۔

"وہم ہے تمہارا۔ تم یہاں ایک معزز مہمان کی طرح پوری آزادی کے ساتھ رہ سکو گے۔"

"اور اگر میں باہر جانا چاہوں؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

ایک لحظے کے لیے اس کے چہرے پر تفکر کے آثار نظر آئے پھر وہ بولا۔ "باہر بھی جا سکو گے۔"

"مگر تمہارے علم میں لائے بغیر نہیں۔" میں نے اسی لہجے

میں کہا۔ "کیونکہ پھاٹک کھولنے اور بند کرنے کا ریموٹ کنٹرول
تم اپنے ساتھ کرسی پر لیے پھرتے ہو اور آہنی پھاٹک میں
کرنٹ دوڑتا رہتا ہے۔"

"پہلی بات درست ہے کہ کنٹرول میرے ساتھ رہتا ہے
کیونکہ میں اس وسیع و عریض مکان میں تنہا رہتا ہوں، اپنے
سارے کام بھی خود سرانجام دیتا ہوں البتہ پھاٹک میں کرنٹ والی
بات سراسر مبالغے پر مبنی ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو، میں تو تمہاری کہی ہوئی بات دُہرا رہا ہوں۔"
میں نے بے پروائی سے کہا۔

"وہ مذاق تھا... تم خود غور کرو کہ ایسا ہوتا تو اب تک
نہ جانے کتنے راہگیر اور آوارہ جانور بے خبری میں پھاٹک سے
برقی جھٹکے کھا کر مر گئے ہوتے۔"

گفتگو سے اس کے تیور ظاہر ہو گئے تھے ہم وہاں اپنی
مرضی سے پہنچے تھے لیکن اب وہ ہمیں اپنے پاس روکے رکھنے
پر اڑا ہوا تھا اور یہ بات میرے لیے خطرے کی گھنٹی سے کم
نہیں تھی۔

بہرحال میں نے فوری طور پر بات بڑھانے کے بجائے
وہیں ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ دوپہر میں ویرا کا فون آنے کے
بعد ہی میں کوئی نئی حکمت عملی وضع کر سکتا تھا۔

مارٹن وھیل چیئر پر ہمیں کمرے دکھانے اندر لے گیا۔
میرے ذہن میں بار بار یہ بات چبھ رہی تھی کہ جب وہ صحت مندی
کا دعویدار تھا تو وھیل چیئر کو کیوں جان سے لگائے پھر رہا تھا۔
اس کے علاوہ پورے گھر کا فرش بالکل سطح تھا اور فرشی قالینوں
کے روئیں پر جا بجا وھیل چیئر کے ٹائروں کے نشانات نظر
آ رہے تھے جو اس کے بیان کی نفی کر رہے تھے بظاہر یوں معلوم
ہوتا تھا جیسے وہ دن رات اسی کرسی پر سوار رہتا ہو مگر میں
نے وہ متنازعہ سوال دوبارہ نہیں چھیڑا۔

اندر تمام رہائشی سہولتوں سے آراستہ پانچ خوابگاہیں خالی
تھیں۔ اس کے اصرار پر ہم نے ایک دوسرے سے متصل اور
باتھ روم کے ذریعے اندر ایک دوسرے سے ملے ہوئے دو
الگ الگ کمرے منتخب کر لیے۔ کمروں کے بعد ہمیں باورچی
خانے کی طرف لے جاتے ہوئے اس نے واضح کر دیا کہ وہ
ملازم رکھنے کا عادی نہیں تھا لہٰذا ہمیں اپنے تمام کام خود ہی سرانجام
دینے تھے جس میں اس سے کسی بھی وقت مدد لی جا سکتی تھی۔

اس کے فریج میں پھل اور سبزیوں سے دودھ دہی
تک خورونوش کا سارا سامان بھرا ہوا تھا۔ ڈیپ فریزر میں
یخ بستہ گوشت کی وافر مقدار موجود تھی مگر کچن میں جو چیز قابلِ توجہ
تھی، وہ کچن کا کاؤنٹر اور چولہوں کی بلندی تھی جو عام باورچی خانوں
سے خاصی کم تھی اور وہاں کھڑے ہو کر کام کرنا دشوار نظر آتا تھا
البتہ وھیل چیئر پر بیٹھے ہوئے شخص کے لیے وہ بلندی بہت
موزوں تھی۔ میری سمجھ میں نہ آ سکا کہ ان واضح علامات کے باوجود
مارٹن صحت مندی کے دعوے پر کیوں بضد تھا؟

سلطان اس بارے میں مجھ سے گفتگو کرنے کے لیے
بے چین تھا جب کہ میں اسے ٹالے رکھنا چاہتا تھا۔ مجھے شبہ
تھا کہ مارٹن نے جو طرزِ زندگی اپنایا ہوا تھا اس میں یہ گنجائش
بھی ضرور رکھی ہو گی کہ وہ اپنی کرسی سے اترے بغیر اس گھر میں
بولا جانے والا ہر لفظ سن سکے۔

اس کے جاتے ہی ہم دونوں اپنے اپنے کمروں میں گھس
گئے۔ میں تکان سے بے حال ہو رہا تھا لہٰذا سیدھا بستر پر
جا گرا مگر چند منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ باتھ روم کے دروازے
پر دستک سنائی دی۔ میں نے بادلِ ناخواستہ بستر چھوڑ کر مشترکہ
باتھ روم کے دروازے سے بیرونی بولٹ سرکایا تو سلطان شاہ
میرے کمرے میں آ گیا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ میری تو عقل کام نہیں کر رہی۔"
اس نے میرے کمرے میں گھستے ہی بوکھلائی ہوئی دھیمی آواز
میں کہا۔ "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ہم آسمان سے گر کر کھجور میں
اٹک گئے ہوں۔"

"ذہن پر زور نہ دو۔" میں نے اسے آنکھ سے اشارہ
کرتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "ہمارے اطمینان کے لیے
اتنا ہی کافی ہے کہ ہمیں ویرا نے یہاں بھیجا ہے۔"

"مگر یہ آدمی میری سمجھ میں نہیں آیا، اس کی حرکتیں مجھے پاگل
کر دیں گی۔"

"میں اس کا ٹائپ اچھی طرح سمجھ گیا ہوں، بے ضرر سا خبطی
آدمی ہے، ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"یہ کون سا خبط ہوا کہ صحت مند ہوتے ہوئے بھی معذور
بنا پھرتا ہے؟"

"وہ شاید دوسروں کو متحیر کر دینے کے خبط میں مبتلا ہے۔
خبطی لوگ تو اکثر و بیشتر اس سے بھی گئی گزری حرکتیں کرتے ہوئے
نظر آتے ہیں۔"

"تمہارا تجربہ ہو گا، میرے لیے تو نئی بات ہے۔"

"میں اسی لیے اس کو اشتعال دلا رہا تھا کہ اس کی اصلیت
کا اندازہ لگا سکوں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اس فکر میں دبلا ہونے
کے بجائے فی الحال لمبی تان کر سونا چاہیے۔"

"بہتر ہے، تو پھر آرام کرو۔" وہ پژمردہ لہجے میں یہ کہتا

بدا ہاتھ روم کی طرف مڑ گیا مگر اس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرا رہے تھے۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ میں کسی وجہ سے کھل کر بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

پچھلے دو دن کی تھکا دینے والی، جانگسل بھاگ دوڑ کے بعد آرام دہ بستر میسر ہوا تو میں ذرا سی دیر میں ہی ایسا گھوڑے بیچ کر سویا کہ پھر جھنجوڑ کر جگائے جانے پر ہی بیدار ہوا۔ آنکھیں کھولنے سے پہلے حواس بیدار ہوئے تھے اور میں نے اپنے جسم پر کسی کے مضبوط ہاتھوں کا لمس محسوس کیا تھا۔ آنکھیں کھولیں تو مارٹن اپنی وھیل چیئر پر براجمان میرے بستر کے قریب موجود تھا اور اس کے چہرے پر نرماہٹ نظر آ رہی تھی۔

"اٹھو ویرا کا فون ہے۔" مجھے بیدار ہوتے دیکھ کر اس نے کہا۔ "انسٹرومنٹ ڈرائنگ روم میں ہے، وہ لائن پر ہے۔"

میں نے بستر سے اتر کر ڈرائنگ روم کی طرف تقریباً دوڑ ہی لگا دی۔

"کیا سو گئے تھے؟" میری آواز سنتے ہی ویرا کی طنزیہ آواز سنائی دی۔ شاید وہ کافی دیر سے لائن ہولڈ کیے ہوئے تھی۔

"اب بھی نہ سوتا تو لعنت تھی مجھ پر۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "لیکن تم تو دوپہر میں فون کرنے والی تھیں اور اب شام کے پانچ بج رہے ہیں۔"

"سارا پروگرام گڑبڑ ہو گیا ہے۔" کلک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ انسٹرومنٹ پر ویرا کی آواز اچانک دھیمی ہو گئی۔ شاید مارٹن نے گفتگو سننے کے لیے کسی دوسرے کمرے میں ریسیور اٹھا لیا تھا۔ "میرا خیال ہے کہ چند دن کے لیے مجھے یہاں رکنا ہو گا۔ باہر سے کوئی بڑا آ رہا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"یہ تاخیر میرے لیے اذیت ناک ہو گی۔" میں نے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ آنا جانا تو ہوتا ہی رہے گا۔ ہمارے پروگرام میں تبدیلی نہ ہونا چاہیے۔"

"مگر اب تو یہ ہو ہی گئی ہے۔ اس کا پس منظر اتنا سنگین ہے کہ میں ملنے والے پیغام کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اس دوران تم اپنی تیاریاں مکمل کر لو۔"

"میری تیاری میں کوئی وقت نہیں لگے گا۔" میں نے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔ "تم مجھے دن بتاؤ۔"

"بتا دوں گی۔ یہ سناؤ کہ مارٹن کے پاس کوئی تکلیف تو نہیں ہے تم کو؟"

"ہوتے ہوتے رہ گئی، اب سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"کیا مطلب؟ کیا اس سے بھی الجھ پڑے تھے؟"

"وہ مجھے مرعوب کرنے کے چکر میں تھا۔ اگر وہ اپنے شعبدوں سمیت کسی سرکس میں ملازمت کرتا تو تماشائیوں سے بے پناہ داد و تحسین وصول کرتا لیکن بدقسمتی سے وہ صاحب حیثیت ہے اور اپنے مہمانوں پر شعبدے آزماتا ہے۔ ابتدا میں ذرا نوک جھونک ہوئی تھی۔ اب خیریت ہے لیکن تم نے تاخیر کی خبر سنا کر سارا موڈ غارت کر دیا ہے۔"

"مجبوری ہے۔"

"میں کچھ وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں، اپنے مالی مسائل پر بھی بات کرنا ہے۔" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔

"اس کی فکر نہ کرو۔ ایک سے ایک لاکھ تک جو رقم چاہو مل جائے گی۔"

"مگر ملاقات پھر بھی ضروری ہے۔" میں نے اصرار کیا۔ مجھے گفتگو میں یہ احتیاط رکھنا تھی کہ مارٹن، جو گفتگو سن رہا تھا، کسی نکتے کی بنا پر میرے ذہن میں موجود خدشوں سے آگاہ نہ ہو سکے۔

"میں کسی وقت اسی طرف چلی آؤں گی۔"

"مارٹن کو وہم ہو گیا ہے کہ میں اپنے دشمنوں یا قانون سے چھپتا پھر رہا ہوں، تم بھی ملنے ادھر آ گئیں تو اس کے شبہات کو تقویت ملے گی۔ باہر کوئی پروگرام کیوں نہیں رکھ لیتیں؟" میں نے نپے تلے الفاظ میں کہا۔

ویرا بہت ہوشیار عورت تھی۔ فوراً ہی بھانپ گئی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ اس نکتے پر ذرا بھی بحث کیے بغیر فوراً ہی باہر ملاقات پر آمادہ ہو گئی۔ "پھر آٹھ بجے اولڈ کلفٹن کی پارکنگ لاٹ میں ملو، میں پہنچ جاؤں گی۔"

مزید چند رسمی باتیں کر کے اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں واپس اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا تو راہداری میں مارٹن سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ "کیا باتیں کر آئے ویرا سے؟" مجھے دیکھتے ہی اس نے خوش دلی کے ساتھ سوال کیا۔

"وہ میرا اور اس کا ذاتی معاملہ ہے۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں تمہارا مہمان ضرور ہوں لیکن تمہیں اپنی نجی مصروفیات میں اس حد تک دخیل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"اوہ برا مان گئے۔" وہ بھونڈے سے انداز میں ہنستے ہوئے بولا۔ "میرا تو خیال تھا کہ ویرا سے پیار محبت کی باتوں کے بعد

تمہارا موڈ خوشگوار ہو گیا ہو گا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے لڑکر آئے ہو۔"
"ہم دونوں باہر جا رہے ہیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "ویرا سے باہر ملاقات کا پروگرام ہے، واپسی دیر سے ہوگی۔"
"کن دونوں کی بات کر رہے ہو، تم تو جا ہی نہیں سکتے۔" اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔
"کیا مطلب؟" میں تیزی کے ساتھ اس کی طرف پلٹ پڑا۔ "کیا پھر کوئی مذاق سوجھا ہے؟"
"مذاق نہیں، اس بار حقیقت ہے۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ بولا۔ "تم نہیں جا سکو گے۔"
"ہو سکے تو روک کر دکھا دینا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔
"مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے جو تمہیں روکوں گا۔ گاڑی تمہارا دوست لے گیا ہے، اب تم پیدل تو جانے سے رہے۔" یہ کہہ کر وہ دیوانہ وار ہنسنے لگا اور میں خفت آمیز انداز میں اسے گھور کر رہ گیا۔
سلطان شاہ کی واپسی تک انتظار ضروری تھا۔ لہٰذا میں نے وقت گزاری کے لیے مارٹن کو اپنے کمرے میں چلنے کی دعوت دی جو اس نے خوشگوار حیرت کے ساتھ قبول کر لی۔ اسے کمرے میں چھوڑ کر میں غسل خانے میں جا گھسا اور چند منٹ بعد تازہ دم ہو کر باہر آیا تو مارٹن میز پر وسکی کی بوتل، آئس پاٹ اور دو گلاس سجائے میرا منتظر تھا۔ میں اس کی مکاری پر دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ شاید وہ مجھے نشے میں مدہوش کر کے میری زبان کھلوانے کے فراق میں تھا۔
"میری یہاں آمد کے بعد تم نے پہلی بار کوئی ڈھنگ کا کام کیا ہے۔" میں نے میز پر رکھی ہوئی اشیا پر پسندیدگی کی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "اس وقت ایک دو گلاس بڑا لطف دیں گے۔"
"یعنی بڑے سے ابتدا کرو گے؟" اس نے بوتل کھولتے ہوئے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔
"نہ نہ۔" میں نے بوکھلا کر کہا۔ "میں شوقیہ پیتا ہوں، عادی نہیں ہوں۔ زیادہ پی لوں تو سب کچھ الٹ جاتا ہے۔"
وہ معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے دونوں گلاسوں میں انڈیلنے لگا اور میں اس کے مقابل جم گیا۔ محتاط رہنے کی اداکاری کرتے ہوئے اس نے میرے پہلے ہی گلاس میں مقدار زیادہ رکھی۔ وہ اپنی دانست میں میرے لیے جال تیار کر رہا تھا اور میں دل ہی دل میں اس کی نادانی پر ہنس رہا تھا کہ وہ مجھ پر بلاوجہ اپنا وقت اور روپیہ برباد کر رہا تھا۔
بوتل خالی ہوتی رہی، سیال معدے میں اتر کر کھوپڑی پر سوار ہوتا رہا پھر جلد ہی مارٹن کی آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے تیرنے لگے اور وہ اپنی وھیل چیئر پر بیٹھے بیٹھے دائیں بائیں جھولنے لگا مگر میں اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ خود بھی بلانوش تھا اور محض مجھے دکھانے کے لیے نشے میں ہونے کی اداکاری کر رہا تھا تاکہ اسے چوپٹ دیکھ کر میں کھل کر پینے لگوں اور جب ذہنی اعتبار سے ناکارہ ہو کر رہ جاؤں تو وہ مجھ پر سوچے سمجھے انداز میں جرح شروع کر دے۔
اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ وہ اداکاری کر رہا تھا تو میں کیوں پیچھے رہوں۔ اگلے گلاس کا آغاز کرتے ہی میں نے اردو شاعری پر مشقِ ستم شروع کر دی اور اسی حوالے سے اتنی تیزی کے ساتھ اس سے بے تکلف ہونے کی کوششیں شروع کر دیں کہ وہ بوکھلا کر اپنی وھیل چیئر کو مجھ سے دور ہٹانے لگا۔
"ہا ہا! تم مجھ سے ڈر رہے ہو انکل مارٹن!" میں نے قہقہہ لگا کر فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔
"انکل کہا تو میں جان سے مار دوں گا۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے غصیلی آواز میں غرایا۔ "ابھی میں اتنا عمر رسیدہ نہیں ہوا ہوں کہ تم جیسے پوری عمر کے نوجوان مجھے انکل سمجھنے لگیں۔"
"عمر نہیں، میں تو تمہاری معذوری کی وجہ سے ہمدردی میں تمہیں انکل سمجھتا ہوں۔" میں نے بہکی ہوئی آواز میں کہا۔
"شٹ اپ! نو انکل بزنس۔" وہ اس بار آسودہ لہجے میں غرایا تھا جیسے اسے اطمینان ہو گیا ہو کہ میں اب واقعی نشے کی جھونک میں بہک چلا تھا۔ "تم مجھے مارٹن... صرف مارٹن کہو گے۔"
"مجھے تم لنگڑے معلوم ہوتے ہو صرف مارٹن!" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔
اس کے چہرے پر لحظہ بھر کے لیے حیرت کے آثار نظر آئے پھر وہ بولا۔ "تم بکواس کرتے ہو، تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"
"تم کرسی سے ایک جھٹکے سے اٹھے تھے اور پھر بغیر دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئے، میں شرط لگاتا ہوں کہ تم لنگڑے ہو ورنہ مجھے ابھی چل کر دکھاؤ۔" میں نے فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے پُر سرور لہجے میں کہا۔
"فرض کرو کہ میں لنگڑا ہوں تو اس سے تمہاری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں سوال کیا۔
"کچھ بھی نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "لنگڑا ہونے سے

ہونے سے تمہاری صحت کا ہی تعلق ہے۔ بس یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ڈھیل جیسر تمہارا شوق نہیں مجبوری ہے۔"

"اور ویرا تمہاری مجبوری؟" اس نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"فی الحال تو ہے۔" میں نے افسردہ لہجے میں اعتراف کیا۔ "بے مہر بھی ہے اور بے وفا بھی مگر پھر بھی اسے اپنا کہنے کو دل چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کچھ دن ساتھ گزارنے کے بعد اس کی خرابیاں بھی نظر آنے لگیں۔"

"تم اس کے لیے کیا کام کرتے ہو؟"

میں ہذیانی انداز میں ہنسا۔ "عاشق عشق کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے۔" پھر اس کی طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "ویسے وہ مجھے بھی پُراسرار نظر آتی ہے۔ اب یہی دیکھو کہ کئی دن سے لاپتا تھی۔ آج ملی تو مجھے تمہارے یہاں قیام کرنے کا مشورہ دے بیٹھی۔ اس کا خیال ہے کہ اس کا کوئی دشمن خود اس کی اور اس کے دوستوں کی تاک میں ہے۔"

"نام کیا ہے تمہارا؟" وہ روا روی میں اپنے تجسس کو لفظوں میں ڈھال بیٹھا۔

"رانا۔ رانا عابد علی۔" میں نے جھوم کر کہا۔ "لیکن سچ پوچھو تو بھونرے کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ وہ نت نئے رسیلے پھولوں کی تلاش میں بیکراں فضاؤں میں آوارہ گردی کرتا پھرتا ہے پھر کوئی نرم و نازک سا پھول اسے اپنی پھیلی ہوئی پتیوں میں پناہ دیتا ہے اور وہ اس پھول کا روپ اُجاڑ کر پھر آگے پرواز کر جاتا ہے... سچ... چاہو تو مجھے رانا بھونرا بھی کہہ سکتے ہو!"

"کرتے کیا ہو؟"

"آوارہ گردی۔۔۔ اور آوارہ گردی۔ اس کے سوا کچھ سیکھا ہی نہیں ہے۔"

"اخراجات کہاں سے پورے ہوتے ہیں؟" وہ ڈھٹائی کے ساتھ میرے پیٹ میں اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے سوچا کہ وہ میری اور ویرا کی گفتگو سن چکا تھا للذا میں نے فی البدیہہ ایک کہانی تراش لی۔ "اپنی محبوباؤں سے جیب خرچ وصول کرتا ہوں۔" میں نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "آج میری مفلسی کا اشارہ پاتے ہی ویرا نے ایک لاکھ روپے کی پیشکش کی ہے۔ اگر تم لنگڑے نہ ہوتے تو تم بھی خاصا کما سکتے تھے۔"

"یعنی تمہیں ویرا سے کوئی ہمدردی نہیں ہے؟" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"جب تک اس سے دل نہیں بھر جاتا میری پوری ہمدردیاں اسی کے ساتھ ہیں۔" میں کسی بہکے ہوئے شرابی کی طرح رو میں آکر اس کے سوالات کے جوابات بے تکان انداز میں دیے جا رہا تھا۔

"اگر کوئی ویرا کے عوض دو لاکھ کی پیشکش کرے؟"

"اتنا تو وہ بھی دے سکتی ہے۔ اسی سے سودے بازی کر لوں گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اور چار لاکھ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"تم مجھے اس کے خلاف اکسا رہے ہو انکل مارٹن!" میں نے ادھ کھلی مخمور نگاہوں سے اس کو گھورتے ہوئے کہا۔ "مطلب کیا ہے تمہارا؟"

"کچھ بھی نہیں۔" وہ بے تکلفانہ انداز میں ہنسا۔ "بس یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ تمہاری نگاہوں میں ویرا کی کتنی قیمت ہے۔"

"چار لاکھ سے یقیناً کم ہے۔" میں سر ہلاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں اونچی آواز میں بڑبڑایا کہ وہ بھی سن لے پھر اس سے مخاطب ہو کر بولا۔ "کیا اس شہر میں کوئی ایسا بھی سرپھرا ہے جو اس کے چار لاکھ دے سکے؟" میں نے یہ نوٹ کر لیا تھا کہ کام کی بات شروع ہو جانے کے بعد اس نے انکل کے خطاب پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

"ہے نہیں مگر تم چاہو تو پیدا کیا جا سکتا ہے۔" وہ مکاری پر اتر آیا۔

"چار لاکھ!" میں پھر بڑبڑایا جیسے وہ رقم میرے منتشر ہوتے ہوئے اعصاب پر سوار ہو گئی ہو۔ "قسمت کی دیوی دروازے پر دستک دے رہی ہے، میں نے اسے لوٹا دیا تو ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیشہ کے لیے روٹھ جائے!"

"کیا حساب لگا رہے ہو، مجھ سے کھل کر بات کرو۔" اس نے کسیلے لہجے میں کہا۔

میں نے یوں الجھے ہوئے انداز میں اس کی طرف دیکھا جیسے میرے دل و دماغ میں زبردست کشمکش جاری ہو پھر اس اداکاری کا بھرپور تاثر دینے کے لیے میں نے بوتل سے گلاس میں اس طرح وسکی انڈیلی کہ خاصی بہہ کر قالین پر آ رہی مگر مارٹن نے میری مدد کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ دلچسپی کے ساتھ میرا جائزہ لے رہا تھا۔ آئس پاٹ سے یخ بستہ پانی گلاس میں لبریز کر کے میں نے بے تابانہ انداز میں ایک لمبا گھونٹ لیا پھر لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔ مارٹن میری طرف نگراں تھا مگر میں اس کے اعصاب کو تھکا کر یہ معلوم کرنے کا تہیہ کر چکا تھا کہ اسے ویرا کے خلاف ورغلانے والا کون تھا؟

ویرا ابھی تک اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر رہی تھی۔ اسے وہ واحد شخص قرار دے رہی تھی جس نے ویرا کی جنسی کشش سے کبھی کوئی منفی اثر نہیں لیا تھا مگر وہ شخص اب ویرا کی بیخ کنی پر تلا ہوا

تھا اور اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ اس وقت میں ویرا کے جاں نثار ساتھیوں میں سے تھا تو شاید وہ میری زندگی بھی اجیرن کر سکتا تھا۔

"میں تمہارے بولنے کا منتظر ہوں۔" مارٹن نے خاموشی کے طویل وقفے پر مضطرب ہو کر مجھے ٹوکا۔

"کک... کیا بولوں؟" میں نے کسی احمق کی طرح مُنہ پھاڑ کر سوال کیا۔

"ہم چار لاکھ کی بات کر رہے تھے۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"یہ رقم کون دے گا؟"

"میں دوں گا۔" وہ جلدی سے بولا۔ "آج رات اولڈ کلفٹن جانے کے بجائے اسے یہاں بلالو۔ آگے میں خود سنبھال لوں گا۔ اس کے یہاں آتے ہی تمہاری رقم پکی ہو جائے گی۔"

"تم!" میں نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "تم میں وہ گُر نہیں ہیں کہ تم کسی عورت کے لیے چار روپے بھی خرچ کر سکو۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے پیچھے کون ہے۔ تم مجھے چار دو گے تو اس سے یقیناً آٹھ دس لاکھ ضرور وصول کر دو گے۔"

"تم حد سے بڑھ رہے ہو۔" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں غرّایا۔ "یہ سودا میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ اس سے آگے میں جانوں اور میرا کام جانے۔ تمہیں اس سے کوئی مطلب نہ ہونا چاہیے۔"

"ویرا تو تمہاری منظورِ نظر ہے۔ چار لاکھ بھی کیوں خرچ کر رہے ہو؟ اسے ایک فون کر دو، خود ہی دوڑی ہوئی چلی آئے گی۔ اس میں میری دلالی کی کیا ضرورت ہے۔ تم تو بیک وقت اس کے دشمن بھی ہو اور مسیحا بھی۔ مسیحا بن کر اسے بلاؤ اور پھر دشمن بن کر پوری قوت سے ٹوٹ پڑو، کانوں کان کسی کو پتا بھی نہ چل سکے گا۔"

"میرے بلانے پر وہ بھڑک جائے گی کیونکہ آج تک ایسا نہیں ہوا۔ وہ جب آئی، اپنی مرضی سے ہی آئی ہے ــــ وہ بہت باخبر رہتی ہے۔ اندر کے حالات اس سے پوشیدہ نہ ہوں گے۔"

"کون سے اندر کے حالات؟ تم تو مجھے حیرت سے مارے ڈال رہے ہو انکل! کہیں تم دونوں ہی بدمعاشوں کی کسی ٹولی میں تو شامل نہیں ہو؟ جو اب گروہوں میں بٹ گئی ہو۔" میں نے بہکے بہکے لہجے میں کہا مگر میں کن انکھیوں سے مارٹن کا جائزہ لے رہا تھا۔ میرے آخری الفاظ پر وہ بہت زیادہ مضطرب ہو گیا تھا۔ شاید اسے اپنے آخری غیر محتاط فقروں پر افسوس بھی ہوا ہو مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

اندر کے حالات کے حوالے سے یہ اشارہ مل رہا تھا کہ مارٹن بھی تنظیم ہی کی صفوں کا آدمی تھا اور شاید براہِ راست کسی مقامی بڑے کو جوابدہ رہا ہو گا جب ہی ویرا اس کے اصل رول سے بے خبر تھی۔

پھر یہ بھی ممکن تھا کہ مارٹن دیدہ و دانستہ ویرا سے جا ٹکرایا ہو اور اپنی بے غرضی کے مظاہرے سے اس کا اعتماد جیتنے میں کامیاب ہو گیا لیکن درحقیقت وہ کسی اور کے لیے ویرا کے خلاف سرگرمِ عمل تھا اور اب حالات اس موڑ پر آ گئے تھے کہ ویرا کے اس دشمن نے دور دور سے چھیڑ چھاڑ کے بجائے مارٹن کو کھلی پیش قدمی کا سگنل دے دیا۔ اب یہ میری بدقسمتی تھی کہ اس نازک صورتِ حال میں میں سلطانہ سمیت پناہ لینے کے لیے مارٹن کے پاس جا پہنچا اور اس نے مجھے چارا بنا کر ویرا پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

رہی چار لاکھ کی بات تو اس میں کوئی جان نہیں تھی۔ خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ ویرا نے مارٹن پر اپنے تمام تر اعتماد کے باوجود میری اصلیت سے آگاہ نہیں کیا تھا ورنہ وہ میرے لہو کا بھی پیاسا ہو جاتا اور شاید اس کی وھیل چیئر میں پوشیدہ گن سے نکلی ہوئی بے آواز گولی دیوار کے بجائے میرے دل ہی میں اتری ہوتی۔ لیکن مارٹن کی اس لاعلمی کے باوجود صورتِ حال میرے حق میں نہیں تھی۔ اگر وہ سب تنظیم کے اندر جنم لینے والی پیشہ ورانہ رقابتوں کا شاخسانہ تھا تو یہ بات طے تھی کہ مارٹن اپنی دانست میں مجھے ویرا کے لیے چارا بنا کر مقصد حاصل ہوتے ہی راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

راز داری تنظیم کے بنیادی اصولوں میں اوّلین اہمیت کی حامل تھی وہ لوگ غیر ضروری طور پر کسی بھی اہم واقعے کے غیر متعلق گواہوں کو زندہ چھوڑنے کے عادی نہیں تھے۔

"بدمعاشوں سے مجھ بے چارے کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔" مارٹن خفت آمیز ہنسی کے ساتھ اپنی پوزیشن کی وضاحت کر رہا تھا۔ "میرا تو یہ مطلب تھا کہ ویرا میرے گھر کے اندر کے حالات سے بھی باخبر ہو سکتی ہے۔"

"اوہ! تو کھل کر بات کیا کرو ناں انکل!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "گفتگو میں قبض کی شکایت پیدا ہو جائے تو بہت سے مفہوم ہی بدل کر رہ جاتا ہے۔ اندر کے حالات کی وضاحت نہ کی جائے تو کسی وقت خیالات کی روانیوں کی طرف بھی منتقل ہونے کا امکان رہتا ہے۔"

"پھر بلا رہے ہو اسے؟" مارٹن نے میرے بہک جانے پر شاید اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمہیں کل ہی بتایا تھا کہ وہ کسی دشمن کے وہم میں مبتلا ہے اور اکثر سیدھی چلتے چلتے پُراسرار نظر آنے لگتی ہے۔" میں نے چند لمحوں قبل کہی ہوئی بات کو دانستہ کل کا قصہ قرار دیتے ہوئے ہچکیوں کے درمیان کہا۔ "اب میں نے اچانک پروگرام تبدیل کیا تو وہ بھڑک جائے گی۔ نہ تم سے چار لاکھ ملیں گے نہ وہ ایک لاکھ دے گی۔"

"اب بس کرو، تم بہت پی چکے ہو۔" اس نے تادیبی لہجے میں کہا۔ "ہچکیوں کے ساتھ اُلٹیاں شروع ہوگئیں تو سارے قالین کا ستیاناس ہو جائے گا، میں یہ سب برداشت نہیں کرسکتا۔"

"پینے دو میری جان، انکل!" میں نے گلاس انگلیوں میں نچاتے ہوئے کہا۔ "قالین خراب ہوا تو کل چار لاکھ میں سے نیا قالین ڈلوا دوں گا۔ باہر بندش ہے، اندر رلتی ہے تو تم واعظ بنتے جا رہے ہو۔"

"بس کرو۔" وہ میرے قریب آکر میری پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے بولا۔ "مفت کی مل رہی ہے تو تم اپنی اوقات سے زیادہ بہک گئے ہو، لاؤ گلاس مجھے دے دو ورنہ تمہاری حالت بگڑ گئی تو میں تماشا دیکھنے کے علاوہ کچھ بھی نہ کرسکوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے میرے ہاتھ سے گلاس لیا اور اپنے حلق میں انڈیل کر ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔

اس روز میں نے واقعی کافی زیادہ پی لی تھی۔ حواس ضرور بحال تھے لیکن میرا سر بھاری ہونے لگا تھا اور بے اختیار سو جانے کو دل چاہ رہا تھا۔ مارٹن کو اپنے مدہوش ہو جانے کا یقین دلانے کے لیے وہ بے اعتدالی ناگزیر تھی۔

سلطان شاہ گاڑی لے کر نکلا ہوا تھا اور ویرا سے ملاقات کے لیے اولڈ کلفٹن جانے میں خاصا وقت باقی تھا، للٰذا میں نے مارٹن کو زیادہ کھل کھیلنے کا موقع دینے کے بتدریج بہکنا شروع کر دیا لیکن یہ دھیان رکھا کہ ساری اول فول گفتگو میں چار لاکھ کا تذکرہ بار بار ہوتا رہے تاکہ مارٹن اچھی طرح یقین کرلے کہ ویرا کو اس کے قبضے میں پہنچا کر چار لاکھ روپے کی خطیر رقم کمانے کا خیال میرے ذہن میں جڑ پکڑ چکا تھا۔

مارٹن دور اپنی وھیل چیئر پر بیٹھا میری بے ربط حرکات و سکنات کو بغور دیکھتا رہا پھر میں لڑکھڑاتا ہوا صوفے سے اُٹھا اور بستر کے بجائے دیوار کی طرف بڑھتے ہوئے دو تین قدم چلنے کے بعد ہی قالین پر ڈھیر ہوگیا۔ گرتے ہوئے میں نے اپنا چہرہ مارٹن کی طرف رکھا تھا۔ ہولے ہولے کراہتے ہوئے آنکھیں موند لی تھیں مگر پپوٹوں کے درمیان اتنی جھری برقرار رکھی تھی کہ اسے دیکھتا رہوں۔

میری ابتر حالت دیکھ کر مارٹن کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ عود کر آئی تھی۔ رفتہ رفتہ میں نے اپنے جسم کو بالکل ساکت و صامت کر لیا۔ وھیل چیئر تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی میری طرف آئی اور تھم گئی۔ مارٹن اس وقت میرے دائرۂ بصارت سے باہر تھا۔ چند ثانیوں بعد میں نے اپنے داہنے شانے پر مارٹن کے پیر کا دباؤ محسوس کیا اور اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

میں بائیں پہلو کے بل قالین پر پڑا ہوا تھا۔ مارٹن کے پیر کا دباؤ بڑھتے ہی میرا بدن قالین پر چت ہوگیا اور گردن قدرتی طور پر اس طرح گھوم گئی کہ اب پپوٹوں کی جھری سے میں بس سفید چھت ہی دیکھ سکتا تھا۔

مارٹن کی وھیل چیئر میں لگی ہوئی برقی موٹر کی ہلکی سی گھوں گھوں کی آواز میرے قریب سے اُبھر کر دور ہوتے ہوتے بالکل معدوم ہوگئی جس کا مطلب تھا کہ وہ کمرے سے جا چکا تھا مگر میں پھر بھی احتیاطاً اسی طرح بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اس آرام دہ حالت میں مجھے نیند بھگانے کے لیے خاصی جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی۔ اگر اس وقت میری آنکھ لگ جاتی تو ویرا سے اہم ترین ملاقات کا وقت نکل سکتا تھا جس کا ازالہ ہونا ناممکن تھا۔

میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر سلطان شاہ مقررہ وقت تک واپس نہ لوٹا تو ٹیکسی پکڑ کر ویرا سے ملاقات کے لیے جاؤں گا پھر یہی سب سوچتے ہوئے ذہن پر غنودگی کا اس قدر شدید حملہ ہوا کہ بدن کو ہلانے جلانے کی بھی سکت نہیں رہی اور میں اپنی بسیار نوشی کو کوستا ہوا اندھیروں کی دلدل میں غرق ہوتا چلا گیا۔

سلطان شاہ نے مجھے بڑی بے رحمی کے ساتھ جھنجوڑ کر بیدار کیا تھا۔ اس وقت میرا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا، پپوٹے منوں وزنی ہو رہے تھے مگر مجھے آنکھیں کھولنا ہی پڑ گئیں۔ سلطان شاہ اس وقت غصے میں بپھرا ہوا تھا۔

"برداشت نہیں ہے تو پیتے کیوں ہو؟" مجھے بیدار ہوتے دیکھ کر وہ اچانک ہی پھٹ پڑا تھا۔

"بڑا شاندار ناچتا ہے یہ اپنا رانا۔" کمرے میں مارٹن کی چہکتی ہوئی آواز گونجی۔ "کلاسیکل اسٹائل کا ماہر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے نیم بے ہوشی کے عالم میں سر گھمایا تو وہ قریب ہی اپنی وھیل چیئر پر براجمان تھا، میں فوراً ہی بوکھلا کر اٹھ گیا کیونکہ اس وقت میں فرشی قالین کے بجائے وھیل چیئر کی اونچائی پر، نرم اور گداز بستر میں پڑا ہوا تھا۔

"مجھے بستر پر کس نے لٹایا؟" میں نے باری باری ان دونوں کو گھورتے ہوئے ہکلائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"میں آیا تو تم اسی حالت میں بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔" سلطان شاہ نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"مگر میں قالین پر تھا۔ وہیں لیٹے لیٹے میری آنکھ لگ گئی تھی۔"

"سب کچھ یاد رہ جائے تو نشے کو نشہ نہ کہا جائے۔" مارٹن بولا۔ "تھوڑی دیر کے لیے تم ضرور قالین پر بے حس و حرکت پڑے رہے تھے پھر اُٹھ کر ناچنا شروع کر دیا تھا۔ وہ تو غنیمت ہے کہ یہاں نوکر چاکر نہیں ہیں ورنہ اچھا خاصا تماشا بن جاتا۔ تم ناچتے ناچتے تھک کر مسہری پر جا گرے تھے اور اسی حالت

میں سو گئے تھے۔"

میں الجھن میں پڑ گیا۔ میں نے اپنے ذہن کو بہتیرا ٹٹولا مگر قالین پر سو جانے کے بعد کچھ یاد نہ آیا۔ اپنی ذہنی حالت کے بارے میں میں پُراعتماد تھا کہ آخر تک بہکا نہیں تھا پھر میں قالین سے مسہری پر کیسے پہنچا؟ سلطان شاہ انکاری تھا اور مارٹن میرے کسی طاغوتی رقص کی کہانی سُنا رہا تھا۔ یقیناً میرے خلاف کوئی سازش ہوئی تھی لیکن میں یہ تعین نہ کر سکا کہ وہ حرکت کس نے کی ہوگی۔

مارٹن ایک معذور آدمی تھا جو خود اپنی نقل و حرکت کے لیے وہیل چیئر کا محتاج تھا۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اس نے میرے وزنی وجود کو فرش سے اٹھا کر مسہری پر ڈالا ہوگا تاکہ بعد میں ناچ کی کہانی تراش کر میرا مضحکہ اڑا سکے۔

"غنیمت ہے کہ یہیں ناچ لیے ہو ورنہ وہاں لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے، میری مانو تو اب تھوڑی دیر ٹھنڈے پانی کے شاور کے نیچے نہائے بغیر باہر نہ نکلنا کہیں پھر کوئی بھولا ہوا راگ یاد آجائے اور شارع عام پہ ٹھمکنا شروع کر دو۔" مارٹن مضحکہ اڑانے والے انداز میں مشورہ دیتا ہوا کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

وہ مشورہ نہ بھی دیتا تو اس وقت میرا غسل کرنا ضروری تھا۔ میں سلطان شاہ سے نگاہیں چار کیے بغیر باتھ روم میں گھس گیا اور لباس اتار کر پوری دھار سے ٹھنڈے پانی کا شاور کھول دیا۔ نہاتے ہوئے بھی میں مسلسل اسی واقعے کے بارے میں سوچتا رہا لیکن مسہری پر منتقلی کے بارے میں میری یادداشت نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

"اب بتاؤ کہ یہ کیا حرکت تھی؟" سلطان شاہ میرے باہر نکلتے ہی پھٹ پڑا۔ وہ شاید دروازے کے قریب ہی کھڑا میرے برآمد ہونے کا منتظر تھا اور اس کی تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں۔

"بس چُوک ہوگئی۔" میں نے داہنی آنکھ دبا کر خفت آمیز لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ مارٹن نے شرارت کرتے ہوئے شراب میں کچھ ملا دیا تھا ورنہ میری حالت کبھی اتنی غیر نہیں ہوئی۔ زیادہ چڑھتی ہے تو بس سو جاتا ہوں۔"

"مارٹن بتا رہا تھا کہ تم دونوں ڈی لکس پی رہے تھے جو ذرا تاخیر سے اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ اس نے جو کچھ بتایا ہے اگر وہ سچ ہے تو تمھیں اپنی حرکتوں پر شرمندہ ہو کر شراب نوشی سے تائب ہو جانا چاہیے۔"

"یوں سُنی سُنائی پر مشورہ نہ دو، کبھی پی کر دیکھو، اس کے بعد جو مشورہ دو گے مان لوں گا۔" میں نے کہا۔ "مان لیا کہ غلطی ہوگئی مگر اس کے باوجود نیچے جھاڑ کر پیچھے پڑے ہوئے ہو۔"

اس تبصرے پر سلطان شاہ چپ ہوگیا اور گھر سے روانہ ہونے تک اس نے اس موضوع پر اپنی زبان سے ایک لفظ تک نہیں نکالا البتہ وہ بازار سے ایک کیمرا لے آیا تھا۔ اسی کمرے میں ایک پردے کے پس منظر میں اس نے میری درجنوں تصاویر لیں پھر اسی کمرے میں اس نے مختلف اشیاء اور تصاویر کی کچھ تصاویر لیں، اس دوران میں میں تیار ہوتا رہا اور آخر کار ٹھیک ساڑھے سات بجے ہم دونوں وہاں سے روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔

مارٹن اس وقت برآمدے میں اپنی وہیل چیئر پر بیٹھا کافی پی رہا تھا اس سے رسمی گفتگو کرتے ہوئے ہم آگے بڑھے اور کرنل کی کار میں وہاں سے روانہ ہو گئے۔

"اب بتاؤ کہ اس عمارت میں کیا کھیل ہو رہا ہے؟" مکان سے تھوڑی دور نکلتے ہی اس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی۔

"بہت خطرناک کھیل ہو رہا ہے جس میں ہم دونوں ناگہانی آپھنسے ہیں۔" میں نے گاڑی موڑتے ہوئے کہا۔ "بس اتنی التجا ہے کہ جہاں اتنا صبر کیا ہے تھوڑی دیر اور صبر کرو تاکہ میں کہانی دُہرانے کی زحمت سے بچ جاؤں۔ ویسے بات ہوگی تو سب کچھ خود بخود واضح ہوتا چلا جائے گا۔ بعض باتوں کے بارے میں میں خود اندھیرے میں ہوں۔ ان پر ویرا ہی کچھ روشنی ڈال سکے گی۔"

"اور وہ شراب پی کر ناچنے والا قصہ کیا تھا؟"

"ہشت!" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "کیا تم اس معاملے میں مجھے اتنا ہی گیا گزرا سمجھتے ہو؟"

"مجھے تو مارٹن نے بتایا تھا، پھر خود تم نے بھی تصدیق کر دی کہ تمھیں علم نہیں کہ قالین سے مسہری پر کیسے پہنچے تھے اور جو کچھ ہوا اسی دوران میں ہوا تھا۔"

"مسہری پر پہنچنے والا قصہ واقعی قابلِ غور ہے لیکن اس کا شراب نوشی سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے مارٹن کو تاثر دیا تھا کہ میں بہک چلا ہوں، اسی کے نتیجے میں اس نے کچھ دوٹوک باتیں بھی کر ڈالیں ورنہ ہمیں معاملات کے سر پیر کا ہی اندازہ نہ ہو پاتا۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں ہو آئے؟"

وہ بھی اپنی روداد سنانے کے لیے بے چین ہو رہا تھا لہٰذا نہایت آسانی کے ساتھ موضوع تبدیل ہو گیا۔ وہ گھر سے کیمرا خریدنے کی نیت کر کے ہی نکلا تھا مگر پھر گاڑی شہر کے ایک دورافتادہ مقام پہ پارک کر کے غزالہ کے گھر کی طرف بھی ہو آیا جہاں پولیس کی بھاری نفری قابض تھی اور سرکاری گواہوں کی موجودگی میں گھر میں موجود ساز و سامان کی فہرست مرتب کی جا رہی تھی۔ سماجی ادارے کے اہلکار کرنل نعوار زیدی مرحوم کی مفرور فون کال ملتے ہی فوری طور پر وہاں پہنچے تھے جہاں ویران مکان

میں دو تازہ لاشیں ان کی منتظر تھیں لہٰذا لاشوں یا کسی دوسری
چیز کو چھیڑے بغیر فوراً پولیس کو اطلاع دے دی گئی۔
پھر غالباً کرنل کی چھوڑی ہوئی تحریر کی بنا پر کامران کی
شناندہی ہوئی۔ کرنل کی وصیت میں کامران کے دماغی عارضے
کا واضح تذکرہ موجود تھا لیکن پولیس والے اپنے لگے بندھے
ضابطوں سے سرمو بھی انحراف نہ کر سکے۔ علاج گاہ میں عملے نے لاشوں
کی شناخت کے لیے کامران کو لے جانے کے نظریے کی شدت
سے مخالفت کی کیونکہ اس سنگین حادثے کو دیکھ کر وہ کسی بدترین
ذہنی صدمے سے دوچار ہو سکتا تھا مگر قانون کے محافظوں کے
سامنے وہ بے بس ہو گئے۔

قانون کی نگاہوں میں ایک آدمی کی زندگی یا صحت سے زیادہ
اہمیت دو لاشوں کی شناخت کی تھی اس لیے اسپتال کا عملہ مجبوراً
کامران کو ایمبولینس میں ساتھ لے کر اس کے گھر پہنچا مگر خلافِ توقع
کامران نے نہایت خاموشی کے ساتھ کسی غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ
کیے بغیر ان لاشوں کا مشاہدہ کیا اور قانون کی کوئی مدد کیے بغیر
واپس علاج گاہ لوٹا دیا گیا۔

سلطان شاہ کی آخری اطلاعات کے مطابق دونوں لاشیں
پوسٹ مارٹم کے لیے سرکاری مردہ خانے میں پڑی ہوئی تھیں اور
پولیس کو جائے واردات سے کوئی ایسا سراغ نہیں مل سکا تھا جو
دہرے قتل کے محرکات پر روشنی ڈالتا۔ اس بارے میں سماجی
ادارے کے رکن کا بیان بہت اہم ثابت ہوا تھا جو بذاتِ خود
کرنل سے فون پر گفتگو کرنے کا دعوے دار تھا۔

"مجھے یہ خوشی ہوئی کہ دونوں لاشیں اس بند مکان میں سڑنے
سے بچ گئیں۔" اس کی پوری کتھا سننے کے بعد میں نے اطمینان کا گہرا
سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اس حادثے کے غم میں تم دوسرے اہم معاملات کو بالکل ہی بھلا
بیٹھے ہو۔" وہ بولا۔

"کون سے معاملات؟" میں سرسری لہجے میں سوال کر بیٹھا۔

"لائیڈز کارنج!" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

میں ہنس پڑا "اوہ! اوہ! وہ تو اب ایک بھولا ہوا خواب سا
محسوس ہوتا ہے۔ یقین نہیں آتا کہ میں صرف ویرا کے ساتھ مل کر اتنا
بڑا کام سرانجام دے چکا ہوں۔ کیا اس کے بارے میں بھی شہر
میں کچھ خبریں گردش کر رہی ہیں؟"

"شام کے ایک اردو اخبار نے شہ سرخی کے ساتھ پوری
تفصیل شائع کی ہے۔" وہ ہیجان آمیز لہجے میں بولا "میں تمہارے
لیے اخبار بھی لایا تھا لیکن وہاں مارتن ایک نئی کہانی لے بیٹھا اس
کے بعد بات کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔"

"وہاں سب کچھ کھنڈر ہو گیا، عمارت کا کوئی حصہ صحیح سلامت
نہیں رہا اور کمال کی بات یہ ہے کہ تباہی کے ساتھ ہی پورے کھنڈرات
میں خود بخود زبردست آگ بھڑک اٹھی جس پر آخری خبریں آنے
تک قابو نہیں پایا جا سکا تھا۔ ابھی تک ملبے سے جھلسی ہوئی اور
مسخ شدہ کل پانچ لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ آگ کی وجہ سے ابھی
تک باقاعدہ امدادی کام کا آغاز بھی نہیں ہو سکا ہے۔ ساتھ ہی
وقفے وقفے سے ملبے کے مختلف حصوں میں دھماکے بھی سنے
جا رہے ہیں۔"

"یہ سب تو وہی ہے جس کی توقع تھی۔ یہ بتاؤ کہ اس حادثے
اور لائیڈز کارنج کے بارے میں قیاس آرائیاں کیا ہیں؟" میں نے
گاڑی اولڈ کلفٹن کے انتہائی بائیں سرے پر نیم تاریکی میں پارک
کرتے ہوئے سوال کیا۔

"عام خیال یہی ہے کہ وہاں ناجائز اسلحے کے بڑے ذخائر
پوشیدہ تھے جو کسی حادثے کے نتیجے میں تباہ ہو گئے۔ اس حوالے
سے لائیڈز کارنج کی پُراسرار شہرت اور اس کے مالک کو بھی کڑی
تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے
دو صفحوں کا تہ کیا ہوا اخبار نکال کر میری گود میں ڈال دیا۔

میں نے وہ اخبار یوں ہی جیب میں اڑس لیا۔ اس وقت میں
کیبن لائٹ جلا کر بلا وجہ اپنی ذات کو کسی غیر متعلقہ آدمی کی توجہ
کا مرکز نہیں بنانا چاہتا تھا۔ میرے حق میں یہی بہتر تھا کہ حتی الامکان
خود کو دوسروں کی نگاہوں سے بچاتا رہوں۔

"جمی لائیڈ کے بارے میں اخبار کیا کہتا ہے؟"

"بس رائی کا پہاڑ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ شام کے
بیشتر اخبارات کا گزارا تو صبح کے اخبارات کی دی ہوئی اطلاعات
پر ہوتا ہے صحیح خبریں تو کل صبح تک ہی مل سکیں گی۔"

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو آٹھ بجنے والے تھے
میرے ایما پر سلطان شاہ کار سے اتر گیا تاکہ ویرا اپنی گاڑی کہیں
دور پارک کرے تو اسے اپنی رہنمائی میں مجھ تک لے آئے۔

یہ تجویز کارگر رہی۔ شاید ویرا پہلے سے وہاں موجود تھی
کیونکہ سلطان چند ہی ثانیوں بعد اس کے ہمراہ آتا ہوا نظر آیا۔
اس وقت ویرا نے سرمئی رنگ کا قمیص شلوار کا سوٹ پہنا ہوا
تھا اور اس لباس میں بہت دلکش نظر آ رہی تھی۔

اس نے آتے ہی بے تکلفانہ انداز میں عقبی نشست سنبھال
لی، میں بھی ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر اس کے پہلو میں پہنچ گیا
اور سلطان شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"میرا خیال ہے کہ تم کوئی اچھی خبر نہیں لائے ہو؟" اس نے
مجھے ٹٹولنے والے انداز میں سوال کیا۔

"بڑے لوگوں میں رہ کر اچھی خبریں لانا بڑا مشکل کام ہے۔ تمہارا مارٹن بہت کمینہ اور دوغلا ثابت ہوا ہے۔" میں نے براہِ راست مطلب کی بات چھیڑ دی۔

"ہو سکتا ہے کہ اس بارے میں تم سے اندازے کی غلطی ہوئی ہو۔" اس نے دھیمی مگر خیال انگیز آواز میں کہا۔ "اتنی جلدی یہ نتیجہ تم نے کیسے اخذ کر لیا؟"

"تم نے اسے میرا نام تو نہیں بتایا تھا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں، اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے، اب بلاتوقف پوری کہانی سنا ڈالو تاکہ میں اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکوں۔ میں بڑی مشکل سے ملاقات کا وقت نکال سکی ہوں۔ میں نے تمہاری گفتگو سے اندازہ لگا لیا تھا کہ تمہیں وہاں کوئی اہم مسئلہ پیش آ گیا ہے۔"

"کہانی میں سنا دوں گا مگر پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے اسے بیمار قرار دیا تھا مگر وہ تو ہر اعتبار سے صحت مند نظر آتا ہے، اس کے باوجود ہر وقت ایک خودکار وھیل چیئر پر لدا رہتا ہے۔"

"صحت مند نظر ضرور آتا ہے مگر چلنے پھرنے سے معذور ہے، اس کی دونوں ٹانگیں فالج زدہ ہیں۔"

"مگر وہ بضد تھا کہ وہ صحت مند ہے۔ اپنے دعوے کی تائید میں اس نے اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر بھی دکھایا تھا پہلے تو وہ اسی ایک بات پر مرنے مارنے پر تل گیا تھا۔"

"وہ بہت زیادہ انا پرست ہے، اپنی ہر بات کو سچ منوانے پر اڑ جاتا ہے۔ اگر تمہارے شبہات کی بنیاد یہی ہے تو اپنا ذہن صاف کر لو اور سکون سے وہاں واپس چلے جاؤ۔"

"وہ تمہاری بولی لگا چکا ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میری بولی؟" وہ حیرت سے اچھل پڑی۔ "یہ کیا بے ہودگی شروع کر دی تم نے؟"

"میں نے نہیں، یہ بے ہودگی اسی نے شروع کی ہے۔ تمہیں اس کے گھر لے جا کر میں اسی وقت مبلغ چار لاکھ روپے کما سکتا ہوں۔ در حقیقت وہ نہیں ہے جو اوپر سے نظر آتا ہے۔"

ویرا کے لیے میرا وہ انکشاف ناقابلِ یقین ثابت ہوا۔ پھر اس کے ایما پر میں نے اپنے پہنچنے سے واپسی تک کی کہانی چھیڑ دی اور وہ محویت کے عالم میں کوئی لقمہ دیے بغیر سنتی رہی۔

"تم نے واقعی بہت عقل مندی سے کام لیا۔" وہ میرے خاموش ہوتے ہی بولی۔ "اگر تم ایسی اداکاری نہ کرتے تو وہ تم سے ہرگز نہ کھلتا۔ میرا خیال ہے کہ تم نے میری آستین کا ایک بہت موذی سانپ دریافت کیا ہے۔"

"مگر اسے تم سے کیا پرخاش ہو سکتی ہے جب کہ تم اس پر اندھا اعتماد کرتی رہی ہو۔"

"مارٹن کے معاملے میں مجھ سے شاید میری زندگی کی سب سے بڑی چوک ہوئی ہے۔ تمہاری سنائی ہوئی کہانی کی روشنی میں اندازہ ہوتا ہے کہ اسے مجھ پر مسلط کیا گیا تھا اور میں نے بخوشی اسے قبول کر لیا۔"

مارٹن سے ویرا کی ملاقات بھی عجیب انداز میں ہوئی تھی۔

سال بھر پہلے وہ ایک اہم کام کے سلسلے میں پاکستان آئی ہوئی تھی اور کراچی میں مقیم تھی تو ٹینس کھیلتے ہوئے اس کے پاؤں میں موچ آ گئی، وہ کئی دن تک آرام کرتی رہی لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ اسی دوران میں وان ہوف کو کسی سلسلے میں ویرا کی ضرورت پیش آ گئی۔ اس وقت تک وہ دونوں ایک دوسرے سے براہِ راست ہم کلام بھی نہ ہوئے تھے۔ وان ہوف کی فون کال کے جواب میں ویرا نے اسے اپنی موچ کے بارے میں بتایا تو وان ہوف نے اسے ایک مشہور مقامی سرجن سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ ویرا سرجن کے کلینک پہنچی تو وہاں مارٹن سے ملاقات ہوئی جو اس روز پہلی بار وہاں مشورے کے لیے آیا تھا۔ دونوں میں گفتگو ہوئی تو ویرا نے اپنے دل میں اس کے لیے ہمدردی محسوس کی کیونکہ وہ دنیا میں بالکل تنہا تھا اور ٹیکسی میں کلینک تک آیا تھا۔ ویرا نے اسے اس کے گھر چھوڑنے کی پیشکش کی جو فوراً ہی قبول کر لی گئی اور یوں دوستی کا آغاز ہوا جو بڑھتے بڑھتے اس حد تک مستحکم ہو گئی کہ ویرا اسے اپنے اعتماد کا آدمی سمجھنے لگی لیکن اب اس کا خیال بدل چکا تھا۔ اس کی دانست میں مارٹن ابتدا سے ہی وان ہوف کا آدمی تھا جو مارٹن کو کسی خاص موقع پر ویرا کے خلاف استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا پھر جب لاہور میں لائیڈز کا نچ کی تباہی کے بعد وان ہوف نے ویرا پر آخری وار کرنا چاہا تو شاید اس نے کراچی میں مارٹن کو بھی ہوشیار کر دیا تاکہ ویرا لاہور سے بوکھلا کر کراچی کا رخ کرے تو اس مفلوج مہرے کے ہاتھوں ماری جائے لیکن یہ مارٹن کی بدنصیبی تھی کہ اس کا آقا وان ہوف اپنے منصوبے کا آغاز کرتے ہی کسی چوہے کی طرح مارا گیا اور مارٹن اس کی موت سے بے خبر کراچی میں ویرا کا انتظار کرتا رہا اور جب ویرا نے مجھے اس کے گھر بھیجا تو اسے گویا منہ مانگی مراد مل گئی اور اس نے میرے ذریعے ویرا پر جال ڈالنے کا فیصلہ کر لیا مگر یہاں اسے ملت ہوئی اور کامیابی سے قبل ہی اس کے عزائم بے نقاب ہو گئے۔

"اسے تو میں جب چاہوں چٹکیوں میں مسل سکتا ہوں۔" میں نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "اس سے قبل کہ وہ اپنے کسی اور گرگے سے رابطہ قائم کرے، اس کا پتہ صاف کر دینا چاہیے۔"

" مجھے تم سے پورا اتفاق ہے لیکن یہ سب تم ذاتی طور پر کر سکتے ہو۔ میں تمھیں اس کا مشورہ نہیں دوں گی۔" وہ بولی۔ "پہلے ہمیں یہ پتا لگانا ہوگا کہ وہ تنظیم کا آدمی ہے یا براہِ راست وان ہوف کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس ایک نکتے کی روشنی میں میں اپنے بارے میں بعض اہم اور دور رس فیصلے کر سکوں گی۔"

" وہ یقیناً تنظیم کا آدمی ہے۔ اس کے گھر برقی اور الیکٹرانک شعبدوں کی کثرت ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ تنظیم اس کی پشت پناہ ہے۔ کام کرنے کے لیے وہ موزوں بھی ہے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ مفلوج ٹانگوں والا ایک باحیثیت شخص کسی جرم میں ملوث ہو سکتا ہے۔ اس کا اقبالی بیان تو میں گن پوائنٹ پر ریکارڈ کر سکتا ہوں۔"

" اسے ٹھکانے لگا کر ہم بدستور اس مکان میں مقیم بھی رہ سکتے ہیں۔" سلطان شاہ نے پہلی بار دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "ورنہ اس کو زیر کیے بغیر اب ہمارا وہاں لوٹنا خودکشی کے برابر ہوگا۔"

" تو پھر چلو، اس قصے کو میری موجودگی میں ہی نمٹنا چاہیے۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

" جب تک تم سامنے نہیں آؤ گی وہ ہمارے ساتھ دوستانہ رویّہ برقرار رکھے گا لیکن تمھیں دیکھ لینے کے بعد وہ ہمیں مار کر تم پر ہاتھ ڈالنا چاہے گا۔ اپنی وہیل چیئر پر وہ کسی بھی وقت درندہ بن سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"سب کچھ مشورے سے ہوگا۔ ابھی راستے میں پروگرام طے کرلیں گے لیکن یہ یاد رکھنا کہ میری موجودگی ہر حال میں ضروری ہوگی۔ مجھ پر سٹے کتنے لوگ آج تک ہاتھ نہیں ڈال سکے تو وہ ٹانگوں سے معذور شخص کیا کر سکے گا۔"

" اور تمھاری گاڑی؟" سلطان نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے سوال کیا۔

" یہیں رہنے دو، واپسی پر لے لوں گی۔"

گاڑی چل پڑی تو وہ خود ہی بولی تھی۔ "مارٹن کا قصہ نمٹا کر تم دونوں وہاں سکون سے رہ سکو گے کیونکہ لائیڈز کاٹیج کی تباہی کی خبر نے ہر طرف ہلچل مچا دی ہے۔ اس سلسلے میں باہر سے کوئی بڑا کسی بھی وقت نازل ہو سکتا ہے تاکہ مقامی تنظیم کی خامیوں کی نشاندہی کر کے ان کو دور کیا جا سکے۔ اصلاح کرنے کے اقدامات کیے جا سکیں۔"

" تو کیا لائیڈز کاٹیج کی تباہی کی خبر ہر طرف پھیل چکی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

" تنظیم کے ہیروئن کے کاروبار میں پیداواری ملک کی حیثیت سے پاکستان بہت اہم ہے اور یہاں لائیڈز کاٹیج ہمارا ایسا محفوظ اور اہم اڈا تھا جس پر تنظیم ناز کیا کرتی تھی۔ اس کی تباہی کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی ہے۔ ٹیلکس پر بٹن دباتے ہی یہ اطلاع کل رات آناً فاناً میں ہیڈ کوارٹرز میں پہنچ گئی ہوگی اور پھر فوراً ہی جواب بھی آگیا۔"

" ٹیلکس پر یہ اطلاع کس نے دی ہوگی، وان ہوف تو مر چکا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

" وہ مر گیا لیکن چار بڑے تو زندہ ہیں۔ کام کی تقسیم ایسی ہے کہ ہر ایک جانتا ہے کہ کب، کس کو کیا کرنا ہے۔ ان ہی میں سے کسی نے وان ہوف سے رابطہ قائم نہ ہونے کے بعد اطلاع دی ہوگی۔"

" یہ کن چار بڑوں کا ذکر ہے؟" سلطان شاہ نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اے ٹو سے سی فور ڈی ون تک سب بہت نچلی سطح کے ڈھکوسلے تھے۔ تنظیم کا اصل کاروبار پانچ بڑے چلا رہے تھے۔ جن میں سے ایک لاہور میں ہمارے ہاتھوں مارا گیا، اب چار باقی رہ گئے ہیں۔" میں نے کہا۔

" ان چاروں کو تم دونوں میں سے کون جانتا ہے؟" سلطان شاہ نے پھر پوچھا۔

" کوئی بھی نہیں۔" میں نے اعتراف کیا۔ "بس وہ پانچوں ہی ایک دوسرے سے واقف تھے۔ پانچواں تو اپنی بدقسمتی سے ہماری گرفت میں آگیا ورنہ وہ چاروں تو ایک سایہ بنے ہوئے ہیں۔"

" میرے دماغ میں ایک بڑی سادی اور احمقانہ سی بات آرہی ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

" کہہ ڈالو، اسی طرح سوچنے کی راہیں کھلتی ہیں۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

" مارٹن کے ٹھاٹ باٹ دیکھتے ہوئے کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ خود ان چاروں میں سے ایک ہو اور وان ہوف کے ساتھ مل کر شروع سے مس ویرا کے خلاف کام کر تا رہا ہو؟"

سلطان شاہ کی بات سن کر میرا وجود سن ہو کر رہ گیا۔ اس نے ایک بہت بھیانک امکان کی نشاندہی کی تھی۔ اگر مارٹن ان چاروں میں سے ایک تھا تو لائیڈز کاٹیج کی تباہی سے باخبر تھا اور شاید اسی بنا پر اچانک ویرا پر ہاتھ ڈالنے پر تل گیا تھا لیکن یہ حیرت کی بات تھی کہ بڑوں میں شمار ہوتے ہوئے بھی وہ مجھے نہ پہچان سکا تھا۔

یہ امکان تو تھا کہ ویرا کے ذریعے میرے لائیڈز کاٹیج پہنچنے کی خبر اس کے علم میں نہ ہو اور اسے وان ہوف نے لائیڈز کاٹیج کا براہِ راست نگراں ہوتے کے ناتے اپنی ذات تک محدود رکھا ہو لیکن یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ تنظیم کے ایک سابقہ باغی کی حیثیت سے میرا صورت آشنا نہ ہو جب کہ میری تصاویر سارا اہم فرد اور شعبے کو فراہم کی گئی تھیں۔

اس کا مطلب تھا کہ اب ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ اس سے

قبل کہ مارٹن میرے زندہ ہونے کی خبر دوسروں تک پہنچا تا اس کو جہنم واصل کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

بظاہر صورت حال کچھ یوں نظر آ رہی تھی کہ مارٹن اگر تنظیم کے بڑوں میں سے ایک تھا تو یقینی طور پر مجھے پہچان چکا تھا اور ویرا کے ذریعے میرے وہاں پہنچتے ہی صورتِ حال کی سنگینی کو بھانپ گیا تھا اُس مرحلے پر اس نے اپنی اصلیت کو چھپائے رکھا اور مجھے چارا بنانے کے لیے میرے ساتھ ایک نسلی شخص کا کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ غنیمت یہ ہوا کہ میں نے تنہائی میسر آنے پر بھی اپنے شکوک و شبہات کے برعکس سلطان شاہ سے وہی کچھ کہا جو مارٹن مجھے باور کرانا چاہ رہا تھا۔ اس کے بعد ویرا سے فون پر گفتگو کے دوران بھی میں محتاط رہا جو یقینی طور پر مارٹن نے سُنی تھی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ مجھے بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو گیا ہے تو اس نے محفلِ نائو نوش سجا کر اپنا مدعا بھی بیان کر دیا۔ میرے رویے کی بنا پر اسے آخر تک یقین تھا کہ بازی اس کے ہاتھ میں ہے لہٰذا مجھے امید تھی کہ اس نے کامیابی کا سہرا اپنے سر لینے کے لیے میرے اور ویرا کے بارے میں کسی کو ہمراز نہ بنایا ہو گا مگر احتیاط پھر بھی ضروری تھی۔ سلطان شاہ نے اپنے ایک شبہے کا اظہار کر کے اچانک ہی ساری گتھیاں سلجھا دی تھیں۔

"تنظیم محتاج گھر نہیں ہے۔" ویرا کہہ رہی تھی۔ "دونوں ٹانگوں سے معذور شخص کو اتنا بڑا منصب نہیں سونپا جا سکتا۔ وہ ذہنی طور پر لاکھ مستعد اور چاق و چوبند ہو لیکن جسمانی معذوری جگہ جگہ آڑے آ سکتی ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ وان ہوف کا زرخرید آدمی ہی ہو سکتا ہے لیکن ہمیں دوسرے مبہم امکانات کو بھی نظرانداز نہ کرنا چاہیے۔"

"تو اب تمھاری خواہش کیا ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"بس حقائق جاننا چاہتی ہوں۔ اس سے آگے مجھے کوئی غرض نہیں۔"

"مارٹن کو مروانا چاہتی ہو یا نہیں؟" میں نے اعصابی تناؤ کے عالم میں پوچھا۔

"اسے مرنا تو پڑے گا۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ "لیکن بہتر یہ ہو گا کہ ہم اسے زندہ زیر کریں تاکہ ہمیں اپنے بعض سوالات کے جواب مل سکیں۔"

"وہ ہر وقت مسلح رہتا ہے۔ ذرا سے اشارے پر دو دہانوں سے بارود کی برسات شروع کر سکتا ہے۔ میرا تو اندازہ ہے کہ اسے کرسی سے الگ کیے بغیر زیر کرنا ناممکن ہو گا۔"

"اس کی طرف سے کسی مزاحمت کی صورت میں تم ہر وقت اسے گولی مارنے کے لیے آزاد ہو گے۔" ویرا نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

پھر ہم تینوں ہی خاموشی کے ساتھ اپنی اپنی سوچوں میں گم ہو گئے۔

◈

مکان پر وہی سکوت طاری تھا جیسے وہاں کسی ذی روح کا وجود ہی نہ ہو۔

سلطان شاہ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔ میں اس کے برابر والی نشست پر موجود تھا اور ویرا عقبی نشست کے پائیدان میں چھپی ہوئی تھی۔ ویرا کو چھپا کر وہاں لانے میں بنیادی طور پر مارٹن کی معذوری نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ ہمیں معلوم تھا کہ وہ کسی بھی وقت اپنی وھیل چیئر سے نہیں اترتا لہٰذا اس کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ ہماری پیشوائی کے لیے کار تک آتا اور عقبی پائیدان کا جائزہ لیتا۔

پھاٹک پر کار رُکنے کے چند ہی ثانیوں بعد انٹرکام کے پوشیدہ اسپیکر پر مارٹن کی آواز سنائی دی تھی۔ معمول کے رسمی فقروں کا تبادلہ ہوا اور پھاٹک کھل گیا جو کار کے اندر داخل ہوتے ہی دوبارہ بند ہو گیا۔ سلطان شاہ نے کار برآمدے کی طرف گھمائی تو ہمیں ہیڈ لیمپس کی روشنی میں کوئی نظر نہ آیا۔ برآمدے کی تمام روشنیاں بھی گُل تھیں۔

ہم دونوں کار کے دروازے مقفل کر کے اترے تو میں نے سرگوشیانہ آواز میں ویرا سے کہا۔ "ہوشیار رہنا' وہ باہر نہیں ہے' کہیں اسے کوئی بھنک نہ مل گئی ہو۔"

"تم بے فکر رہو۔" ویرا نے دبی دبی آواز میں نشستوں کے درمیان سے کہا۔ "میرے پاس ایکسپلوڈر موجود ہے۔ حالات خراب ہوئے تو میں اس سے کام لینے سے بھی دریغ نہیں کروں گی۔"

"مارٹن کہاں ہے؟" میں نے برآمدے کی طرف بڑھتے ہوئے اونچی آواز میں سلطان شاہ سے سوال کیا۔

"موجی آدمی ہے' اندر کہیں آرام کر رہا ہو گا۔" سلطان نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔

پھر جوں ہی ہم برآمدے کی سیڑھیاں عبور کرنے لگے' مارٹن اپنی وھیل چیئر سمیت اندر سے نمودار ہوا اور ہمیں دیکھ کر دروازے کے قریب ہی رُک گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر بے قدر گھبراہٹ موجود تھی۔ دوسری چونکانے والی بات یہ تھی کہ اس کے پیروں میں موسم سے بچاؤ کے لیے پہنے جانے والے کلاتھ شوز کے بجائے سیاہ چرمی جوتے موجود تھے لیکن میں نے اس نکتے کی نشاندہی سے گریز کرتے ہوئے اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔

"مل آئے اپنی لیلیٰ سے؟" اس نے ہم سے پہلے اندر داخل ہوتے ہوئے شوخ لہجے میں سوال کیا۔

"کام پیدا ہو جانے کے باعث ملاقات مختصر اور تشنہ سی رہی۔" میں نے نشست گاہ میں صوفے پر گرتے ہوئے کہا۔ "بہرحال میں نے اپنا کام دکھا دیا ہے۔ ویرا سے تمھاری بیماری کا ذکر کیا تھا۔

ے یہ سُن کر افسوس ہوا کہ تم کئی دن سے بستر پر پڑے ہوئے ہو اور تم نے اس سے ذکر بھی نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت تمہاری عیادت کے لیے آجائے!"

"خوب!" وہ تحسین آمیز انداز میں مسکرایا۔ "اچھی چال چلی ہے تم نے!"

"کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس دوران میں تم اپنا بیشتر وقت بستر پر گزارو؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اس سے سرسری لہجے میں دریافت کیا۔

"قطعی نہیں۔ وہ ذرا آتو جائے، میں خود اس کا استقبال کروں گا۔ آدمی کسی بھی وقت بیماری سے صحت یاب ہو سکتا ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ وہ آئے گی تو میں خود بات سنبھال لوں گا۔"

"پھر اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" میں نے آگے جھکتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"چار لاکھ کا مطالبہ کر رہے ہو؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"یہ کوئی ایسا ناجائز بھی نہ ہوگا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ جو بات طے کی جائے اسے پورا کرنا ہر فریق کی اخلاقی ذمے داری ہوتی ہے اور اس کی یاد دہانی کوئی بری بات نہیں ہے۔"

"اخلاق اور قانون کی بات میرے پاس نہیں چلتی۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "ویرا سے میری بیماری کے بارے میں جھوٹ بول کر تم نے کون سے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے!"

"چور دوسروں کا مال چوری کرتے ہیں، آپس میں ساہوکار ہوتے ہیں، شاید تم اس اصول سے نابلد ہو!"

"پھر وہی اصول!" وہ چڑ کر بولا۔ "بھول جاؤ ان سب پرانی باتوں کو، اس دور میں اصولوں پر چل کر زندہ رہنا بھی دشوار ہو جاتا ہے مگر تم دیکھ رہے ہو کہ میں ڈنکے کی چوٹ پر جی رہا ہوں۔"

"خوب!" میں طنزیہ لہجے میں بولا۔ "یہ تمہارا فلسفہ تو ہو سکتا ہے مگر میں بے اصولی کے لیے بھی کچھ اصولوں پر عمل کرتا ہوں، میں نے ویرا کو راہ پر ڈال دیا ہے۔ بہت جلد وہ تمہارے جال میں پھنس جائے گی۔ میں معاہدے کی رقم کا حقدار ہو چکا ہوں۔"

"وہ پھنسے گی تو تم حقدار بنو گے، ابھی تمہارا کوئی بھی مطالبہ بے جواز ہوگا۔ دیکھا جائے تو تم نے ابھی آدھا بلکہ ایک چوتھائی کام کیا ہے۔"

"چلو چوتھائی کے ساتھ چوتھائی رقم بھی دے دو۔ جب وہ قابو میں آجائے تو باقی تین لاکھ دے دینا۔"

"میں قسطوں کا قائل نہیں ہوں، پوری رقم یک مشت ہی دوں گا۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"مجھے تمہاری نیت خراب معلوم ہوتی ہے۔ ابھی تم خود اپنی بے اصولی کا اعتراف کر چکے ہو۔ کیا پتا کہ ویرا کو زیر کر لینے کے بعد تم اپنے وعدے کو ہی بھلا بیٹھو!"

"اب تو تیر کمان سے نکل چکا ہے۔" وہ مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "تمہیں میرے بارے میں کوئی فیصلہ صادر کرنے سے پہلے ویرا کی آمد کا انتظار کرنا ہوگا۔ اب تم کچھ بھی نہیں کر سکتے!"

"اس خیال میں بھی نہ رہنا، میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ میرا ویرا سے صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ تمہاری علالت کے بارے میں میں نے اس سے جھوٹ بولا تھا۔" میں نے دیدہ دلیری کے ساتھ ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اگر اس لنگڑے نے اس مرحلے پر اُلجھنے کی کوشش کی تو تمام تر جسمانی توانائی کے باوجود اس کی معذوری اس کی شکست کا سبب بن جائے گی۔ اس کی جیت کا واحد راز، وہیل چیئر کے دونوں ہتھوں میں پوشیدہ خود کار اور بے آواز گنوں میں پوشیدہ تھا مگر میں دیکھ چکا تھا کہ ان سے کیا ہوا فائر زمین سے ڈھائی فٹ کی بلندی پر فرش کے متوازی جاتا تھا اور غالباً وہ دونوں نالیں اسی زاویے پر نصب تھیں جسے تبدیل کرنا ممکن نہیں تھا۔ اول تو اس بلندی پر گولی چلا کر کسی کو ہلاک کرنا ویسے ہی ناممکن تھا۔ زیادہ سے زیادہ گھٹنوں سے کولھوں کے درمیان کہیں حریف کو زخمی کیا جا سکتا تھا مگر میں اس کا بھی توڑ سوچ چکا تھا۔ کوئی مخدوش صورتِ حال پیدا ہوتے ہی اگر میں سلطان شاہ سمیت مسہری پر چڑھ جاتا تو مارٹن کی چلائی ہوئی گولیاں بمشکل ہی میرا کچھ بگاڑ سکتی تھیں۔

"یہ تم اسی وقت کر سکو گے جب تمہیں ویرا سے رابطہ قائم کرنے کی اجازت دی جائے گی۔" اس کے لبوں سے مکارانہ مسکراہٹ غائب ہو گئی اور تیوروں میں سختی پیدا ہو گئی۔

"اجازت؟" میں نے انجان بنتے ہوئے حیرت سے کہا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو مارٹن؟ میرا خیال ہے کہ ہم تمہارے قیدی نہیں بلکہ مہمان ہیں اور ہمیں نقل و حرکت کی پوری آزادی میسر ہے۔"

"میں نے ابھی تک تمہارے اس درجے کو برقرار رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ تم یہاں سے باہر گئے اور ویرا سے مل بھی آئے ہو مگر اب تمہارے باغیانہ خیالات سے واقف ہونے کے بعد میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

اسے اپنی طرف سے غافل پاکر سلطان شاہ نکاسی کے دروازے کی طرف جھپٹا۔ مارٹن کو اتنا وقت مل گیا تھا کہ وہ چاہتا تو سلطان شاہ کو روک سکتا تھا لیکن وہ خاموشی سے تماشا دیکھتا رہا۔ اس کے لبوں پر تضحیک آمیز مسکراہٹ ناچ رہی تھی جیسے وہ

کسی ناسمجھ بچے کی شرارت سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

سلطان شاہ نے دروازے کے قریب پہنچ کر وحشیانہ انداز میں دروازے پر زور آزمائی کی لیکن وزنی چوبی پٹ ٹس سے مس تک نہ ہوئے۔ ناکامی کا احساس ہوتے ہی سلطان شاہ پھرتی سے مارٹن کی طرف پلٹا تھا۔

"بس!" وہ مضحکہ اڑانے والے لہجے میں بولا۔ "یہ چھوٹا سا مکان میری سلطنت ہے۔ یہاں میری مرضی کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ دروازہ میرے ایک اشارے پر مقفل ہوچکا ہے۔ اب تم اس سے سر ٹکرا ٹکرا کر بھی جاؤ تو باہر نہ نکل سکو گے۔ ویرا کی یہاں آمد تک تم میری قید میں رہو گے!"

میرا خیال تھا کہ مارٹن سلطان شاہ سے گفتگو کرتے ہوئے میری طرف سے غافل ہوگیا تھا۔ میں نے اس پر ٹوٹ پڑنے کے لیے پر تولے ہی تھے کہ وہ میری طرف متوجہ ہوگیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں نے مشینی انداز میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ حرکت کی۔ اس کی وھیل چیئر نے رک رک کر دو تین جھٹکوں سے رخ بدلا اور پھر کرسی کے بائیں ہتھے میں پوشیدہ نال کا رخ بھی بلند ہوگیا۔

ان نالوں کے بارے میں میرا اندازہ غلط ہوگیا اور اب میرا سینہ براہِ راست ایک مہیب نال کی زد میں تھا جو مارٹن کے ذرا سے اشارے پر آگ اگلنا شروع کرسکتی تھی۔

"بلے تو چھلنی کردوں گا۔" مارٹن سفاکانہ لہجے میں غرایا۔ "یہ چار دو کا ایکسٹرا اسپیشل ماڈل ہے۔ شناخت کے قابل بھی نہ رہ جاؤ گے۔" پھر وہ سلطان شاہ سے مخاطب ہوا۔ "اے! تم بھی شرافت سے اس کے برابر میں کھڑے ہوجاؤ!"

صورتِ حال یک بیک میرے اندازے سے کہیں زیادہ سنگین ہوگئی تھی۔

ہم دونوں اندر اس معذور وحشی کے رحم و کرم پر تھے اور ویرا باہر موجود ہونے کے باوجود ہماری کوئی مدد نہیں کرسکتی تھی کیونکہ مارٹن نے مضبوط چوبی دروازے کو ریموٹ سگنل کے ذریعے برقی طور پر مقفل کردیا تھا۔

اس روح فرسا صورتِ حال پر چند ثانیوں کے لیے میرا ذہن سن ہوکر رہ گیا۔

مارٹن کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی چھاگئی تھی اور وہ مجھے کینہ توز نظروں سے گھورے جارہا تھا۔ پھر اچانک ہی اس کے چہرے پر نرماہٹ پھیلتی چلی گئی۔ "ویرا کب تک یہاں آجائے گی؟"

"تم شوق سے فائر کرسکتے ہو۔ میں اب تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

وہ مسکرانے لگا۔ "تم بالکل احمق ہو۔ اس صورتِ حال کے فتنے دار تم خود ہو۔ تم دو صحت مند آدمیوں کے مقابلے میں میں معذور شخص بالکل تنہا ہوں۔ خود کو چند لمحوں کے لیے میری جگہ رکھ کر سوچو۔ تم دونوں کے جارحانہ تیوروں کو دیکھ کر میرے پاس کیا چارہ رہ گیا تھا؟ میں نے جو کچھ کیا وہ تم نے میرے لیے ناگزیر بنا دیا تھا۔ مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ صورتِ حال عارضی ہے۔ میں بہت عرصے سے ویرا کی تاک میں تھا۔ اب موقع ہاتھ آیا ہے تو اسے ضائع ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے قید ہوتے ہی تمہیں معاوضے کی رقم کے ساتھ آزادی مل جائے گی۔ میں بس یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس کے کب تک آنے کی امید ہے؟"

وہ پدر الحرام سوچ رہا تھا کہ اپنی پیچدار باتوں سے مجھے بے وقوف بنالے گا مگر میں اس کے خشمناک تیوروں میں نرماہٹ پیدا ہونے کا سبب جان چکا تھا۔ ہمارے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے سے پہلے وہ یہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ کیا ہمارے رابطے کے بغیر بھی ویرا عیادت کے جال میں پھنس کر اس کی قیدی بنے گی یا نہیں؟

میں اپنی حکمتِ عملی طے کرچکا تھا لیکن اس کو رد و بدل کرنے سے قبل میں مارٹن کے سارے پتے کھلوالینا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں نے تذبذب کے ساتھ کہا۔ "دیکھا جائے تو تم مکاری کے ساتھ کامیابی حاصل کرچکے ہو۔ تمہیں ہم سے جو کام لینا تھا وہ تم نے لے لیا۔ اب ہم تمہارے لیے بالکل بے مصرف ہیں لیکن یہ یاد رکھنا کہ ہمیں آسانی کے ساتھ اپنی راہ سے نہ ہٹا سکو گے۔ اس کوشش میں شاید تم کو اپنی بالادستی کے باوجود دانتوں پسینہ آجائے گا۔"

اس کے چہرے پر ایک بار پھر سختی عود کر آئی، نگاہوں میں نفرت کا سمندر انگڑائیاں لینے لگا۔ پھر چند ثانیوں کے بعد اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ سسپنس اب ختم ہونا چاہیے!"

"کس سسپنس کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اپنی کمزور پوزیشن کی پروا کیے بغیر مضبوط لہجے میں سوال کیا۔

"تم ڈھیٹ ہو!" اس کے الفاظ میرے ذہن پر کسی وزنی ہتھوڑے کی طرح گرے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ مارٹن نے کھل کر سامنے آنے کا فیصلہ کرلیا تھا جس کا لازمی مفہوم ہماری موت تھا۔ اس نے شاید آخری دو ٹوک گفتگو کے بعد ہم دونوں کو ٹھکانے لگانے کا مصمم ارادہ کرلیا تھا۔

"بالکل ہوں۔" میں نے چند ثانیوں بعد سنبھالا لے کر بے خوفی کے ساتھ کہا۔

"اور تم تنظیم کو مطلوب ہو؟" وہ مسلسل میری آنکھوں میں دیکھے جارہا تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ تمہاری معلومات درست ہوں۔" میں نے

ناط لہجے میں جواب دیا۔ میں نے اس امر پر دل میں خدا کا شکر ادا
یا کہ اس کی معلومات ناقص اور پرانی تھیں۔ شاید وہ ویرا کی مداخلت
پر میری معافی اور پھر لائیڈز کالج میں تقرری کے واقعات سے لاعلم
تھا ورنہ فوری طور پر لائیڈز کالج کی تباہی اور میری زندہ سلامت
موجودگی پر بھی جواب طلب کر سکتا تھا۔

مجھے ایک لمحے کے لیے جوش آیا کہ میں بھی اس کی اصلیت
کے بارے میں اپنے شبہات کا اظہار کر دوں لیکن اس طرح حالات
اب تر ہو سکتے تھے اور مجھے اپنی حکمتِ عملی پر عمل کرنے کے
خیال کو خیرباد کہنا پڑتا للہٰذا میں نے اس موضوع پر وقتی طور پر خاموش
رہنا ہی مناسب سمجھا اور اسی کے بولنے کا منتظر رہا۔

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تنظیم کے ایک باغی سے ویرا کا
ناقریبی تعلق کیوں برقرار ہے۔ اس کی پوزیشن بہت مخدوش ہو گئی ہے
چونکہ کل وہ لاہور میں تھی اور کل ہی لاہور میں تنظیم ......
ایک اہم ٹھکانا عبرت ناک تباہی سے دوچار ہوا ہے۔" وہ کہہ
رہا تھا۔ "اس ٹھکانے کی تباہی اور ایک اعلیٰ ترین اہلکار کی موت
کے بعد ہی میں نے ویرا کو پکڑ ڈالنے کا فیصلہ کیا تھا مگر خوش قسمتی
سے اس نے خود ہی تم دونوں کو میرے پاس ہانک کر اپنی گردن میرے
ہاتھوں میں دے دی۔ اب میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ویرا کے مشکوک
روابط اور افعال کا سبب کیا تھا اور وہ ہمارے ٹھکانے کی تباہی
میں کہاں تک ملوث ہے!"

اس نے نہ لائیڈز کالج کا نام لیا تھا نہ وان ہوف کا مگر
میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ کس رُخ پر بول رہا تھا۔
میں نے بظاہر حیرانگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "اور میں یہ سمجھنے
سے قاصر ہوں کہ تمھارے دل میں اچانک ہی تنظیم کے لیے درد
کیوں پیدا ہو گیا۔ اپنی معذوری کی بنا پر تم تو کسی کاٹیج ہاؤس کے
منشی بھی بمشکل ہی مقرر کیے جا سکتے ہو۔"

"ڈینی!" وہ قہر بار آواز میں دہاڑا۔ اس کی آنکھیں غصّے سے
ابل پڑیں۔ "ہوش میں رہ کر بات کرو۔ اس وقت میں تنظیم کا سربراہِ اعلیٰ
ہوں اور اسی حیثیت میں تم سے جواب طلب کر رہا ہوں۔"

"اول تو تمھارے اس دعوے کو میں تسلیم نہیں کرتا، دوم یہ کہ
اس لیے ویرا ابھی میری حاکم ہے۔ اس نے میری بغاوت اور اس
کے اسباب کی چھان بین کے بعد مجھے معاف کر دیا ہے۔ اگر تم
سربراہ ہو تو یہ سب تمھارے علم میں ہونا چاہیے۔ اس طرح تمھارے
تمام سوالات کی کنجی ویرا ہی کے پاس ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں
میں کچھ بھی نہ بتا سکوں گا۔"

"اور وہ کل تک آئے گی؟" اس نے اپنے غصّے پر قابو پاتے
ہوئے تائید طلب مگر تیز لہجے میں کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ اس معاملے میں تمھیں چوٹ ہوئی ہے!"
میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا اور اس کے چہرے پر بیک وقت
سیکڑوں شکنیں نمودار ہو گئیں۔

میں اپنی حکمتِ عملی شروع کر چکا تھا۔

"کیسی چوٹ؟" اس نے غصّے اور جھلاہٹ کے عالم میں سوال کیا۔

"تم جانتے ہو کہ میرا نام ڈینی ہے۔ مجھ میں کچھ دَم خم ہی تھا جو
میں عارضی طور پر تنظیم سے ٹکرا کر بھی زندہ رہا۔ مجھے فریب دینا
آسان نہیں ہوتا۔ مجھے یہاں آتے ہی تمھاری نیّت پر شبہ ہوا تھا
پھر جب تم نے ویرا کے لیے چار لاکھ کی پیشکش کی تو میں سمجھ گیا تھا
کہ تم رقم دینے والوں میں سے نہیں ہو۔ اپنا کام نکال کر ہمیں خاموشی
کے ساتھ مروا دو گے۔ میں آج اولڈ کلفٹن پر ویرا سے ملا ضرور
تھا مگر صرف اپنے مطالبے کے لیے۔ مجھے رقم کی ضرورت ہے۔
تمھارے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا لیکن واپس آ کر تمھیں
اس بارے میں ایک فرضی کہانی سنا ڈالی۔ اس طرح میں دیکھنا چاہتا
تھا کہ تمھارا ردِّعمل کیا ہوتا ہے۔ یوں تمھاری نیّت کا اندازہ ہونے
کے بعد ہی میں کوئی قدم اٹھاتا اور مجھے خوشی ہے کہ تمھارے بارے
میں میرے اندیشے درست ثابت ہوئے ہیں۔"

مارٹن کے حلق سے کسی زخمی درندے کی سی غضب ناک غراہٹ
آزاد ہوئی اور وہ جھلّائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تو تم شروع سے ہی
میرے ساتھ چال چل رہے تھے!"

"میں کسی پر بھی اندھا اعتماد نہیں کرتا، شاید اسی لیے آج
تک زندہ ہوں!"

"اب ویرا کے معاملے میں تم پر ذرا بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔
اسے مجھ کو خود ہی گھیرنا ہو گا۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "اور
اپنا انجام تو شاید تم نے خود محسوس کر لیا ہو گا۔"

"میں موت سے بارہا آنکھیں چار کر چکا ہوں اور اب بھی
خائف نہیں ہوں۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "میں جانتا ہوں
کہ مجھ پر اپنی اصلیت ظاہر کر دینے کے بعد تم مجھے زندہ نہیں
چھوڑو گے۔ یہ اعصاب کی جنگ ہو گی۔ تمھیں یا ہم دونوں کو مرنا
ہو گا۔ لیکن یہ بتاتا چلوں کہ ویرا ایک چھلاوا ہے، وہ تمھاری گرفت
میں نہیں آئے گی۔"

"وہ چھوکری ابھی بہت نادان ہے۔ مجھ سے نہ جیت
سکے گی!"

"شاید اس کی جیت کا آغاز ہو بھی چکا ہے۔ اس کی چھٹی حس
ہمیشہ جاگتی رہتی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہمیں یہاں سے نکلنے کی
اجازت دے کر تم نے کیا قدم اُٹھایا تھا لیکن ویرا کو شبہ تھا کہ
اس کی نگرانی ہو رہی ہے۔ چاہو تو تصدیق کرا سکتے ہو کہ ویرا کی سیاہ

مرسڈیز ابھی تک اولڈ کلفٹن پر کھڑی ہے وہ ہمارے ساتھ واپس آگئی تھی۔"

میرے اس انکشاف پر وہ بری طرح چونکا تھا۔" اسے کہاں اتارا تھا تم نے؟"

میں مسکرا دیا۔" اس نے ہمیں اپنے ٹھکانے کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔ واپسی پر سپر مارکیٹ والے چوراہے پر اتر گئی تھی۔"

غصے سے اس کا چہرہ بگڑ گیا' اس کی آنکھوں سے بے بسی جھانکنے لگی تھی۔ میں نے پے در پے پینترے بدل کر اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ شروع سے ہی وہ پے در پے غلطیوں کا ارتکاب کرتا چلا آ رہا تھا اور ہم دونوں پر اپنی حیثیت ظاہر کر کے اس نے ہم سے مزید کوئی کام لینے کی راہ مسدود کر لی تھی۔

" اس کے ساتھ جو ہو گا وہ دیکھ لیا جائے گا' تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ!"

" چاہو تو میں اسے فون کر سکتا ہوں۔" میں نے اسے باتوں میں الجھائے رکھنے کے لیے شوشہ چھوڑا۔ مجھے فکر لاحق ہونے لگی تھی کہ خاصا وقت گزر چکا تھا مگر ویرا کا کہیں کوئی پتا نہیں تھا۔ شاید مارٹن کے مکان میں داخلے کے لیے اسے کوئی راستہ نہیں مل سکا تھا ورنہ اتنی دیر میں بازی ہمارے ہاتھ میں آ چکی ہوتی۔

" تم جان چکے ہو کہ میں اس کے بعد بھی تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا پھر یہ پیشکش کیوں کر رہے ہو؟" اس نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کم از کم آخری بار اس کی آواز ہی سن لوں گا۔ یہ حقیقت ہے کہ میں اسے ٹوٹ کر چاہنے لگا ہوں۔" میں نے کسی مایوس عاشق کی طرح روایتی لہجے میں کہا۔

" وہ مجھ سے زیادہ دیر نہیں چھپ سکے گی۔ تخریب کاریوں کے سدباب کے لیے کسی بھی لمحے باہر سے کوئی بڑا یہاں پہنچنے والا ہے۔ اس کی سربراہی میں ذمے داروں کا ایک اجلاس ہو گا جس میں ویرا کو بھی شرکت کرنا ہو گی۔ ایک بار وہ نگاہوں میں آ گئی تو میرے آدمی قبر تک اس کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیں گے۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں لیکن اسے شبہ تک نہیں ہے کہ میرا تنظیم سے کوئی تعلق ہو گا۔ مجھے بس اپنا ایک مہربان دوست سمجھتی ہے اور یہی بے خبری اس کی موت کا پیغام بنے گی۔"

" اجلاس میں تم بے نقاب ہو جاؤ گے!" میں نے بے چینی کے ساتھ پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

" اجلاس کے سارے شرکا سر تا پا نقابوں میں ہوں گے ہر شخص ایک کوڈ کے تحت اجلاس میں شرکت کرے گا جو مقامی سربراہ کی حیثیت سے میں ہی ... یک کو جاری کروں گا۔"

اس کا داہنا ہاتھ ہلا اسی کے ساتھ داہنے ہتھے والی نال نے [illegible]

بھی جنبش کی۔ میری نگاہیں اسی معیب دہانے پر مرکوز تھیں بچنے کا صرف ایک ہی امکان تھا کہ اسلحہ مارٹن کے ہاتھ میں نگاہوں کے سامنے نہیں تھا بلکہ وہ کرسی پر بیٹھا اپنے پہلو سے فائر کرنے والا تھا اور اس صورت میں نشانے کے خطا ہونے کا قوی امکان تھا۔

ہتھیار ہاتھ میں نہیں تھا جو آخری لمحے پر بھی اس کا رخ بدلنے کا امکان ہوتا' میں بغور نال کا رخ دیکھ رہا تھا۔ مارٹن میرے سینے کو نشانہ بنانے کی سست رفتار کوششوں سے مجھے خوفزدہ کرنا چاہ رہا تھا اور میں نیچے گر کر خود کو بچانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس وقت مجھے سلطان شاہ کا کوئی ہوش نہیں رہا تھا۔ ذرا بھی توجہ اس کی طرف مبذول کرتا تو شاید بچانے کا موقع بھی نصیب نہ ہوتا۔ نال کے ساتھ کرسی کو بھی حرکت دیتے دیتے مارٹن نے اچانک فائر کر دیا۔ بے آواز گولی کے لپکنے سے پہلے ہی بارود کی چمک دیکھ کر میں بے ساختہ قالین پر گر گیا۔ سلطان شاہ نے بھی یہی کیا تھا۔ پھر میں مارٹن کی طرف ... پلٹا ہی تھا کہ فضا میں مارٹن کی غراہٹیں گونجنے لگیں۔ سلطان شاہ نے قالین پر گرتے گرتے حیرت ناک سرعت کے ساتھ لڑھکتے ہوئے مارٹن کی وھیل چیئر کا پائیدان تھام کر کرسی کو مارٹن سمیت پیچھے الٹ دیا تھا۔ کرسی کے الٹتے ہوئے مارٹن سے اضطراری طور پر ایک فائر اور ہوا اور اس بار بدقسمتی سے بلب گولی کی زد میں آ گیا۔ بلب پھٹنے کی آواز کے ساتھ ہی وہ بند کمرہ گھور اندھیرے میں ڈوب گیا۔

اسی کے ساتھ دھما چوکڑی پھر ایک دھماکے کی آواز بلند ہوئی۔ شاید سلطان شاہ فاصلے میں کمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اندازے کی بنا پر لنگڑے مارٹن پر ٹوٹ پڑا تھا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ اس مکان کے پورے نظام کو کنٹرول کرنے والے پینل سمیت وھیل چیئر مارٹن کے قبضے سے نکل چکی تھی اور اب وہ لنگڑا پوری طرح سلطان کے رحم و کرم پر تھا۔

ان دونوں کی مار دھاڑ اور وحشیانہ غراہٹوں کے درمیان میں اندھیرے میں اندازے سے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا تاکہ کوئی دوسرا بلب روشن کر کے اس جانگسل ڈرامے کا خاتمہ کر سکوں لیکن میرے روشنی کرنے سے پہلے ہی اچانک سلطان کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔" وہ نکل گیا۔ بھاگو اس کے پیچھے!"

میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔ شاید سلطان شاہ کا دماغ چل گیا تھا۔

بھلا دونوں ٹانگوں سے معذور شخص کیسے فرار ہو سکتا تھا! میں نے جھپٹ کر بورڈ پر لگے ہوئے کئی سوئچ بیک وقت آن کر دیے اور کمرہ روشن ہو گیا۔

سلطان شاہ اپنے خون آلود چہرے سمیت کمرے میں موجود

تھا۔ وھیل چیئر ایک طرف الٹی ہوئی پڑی تھی لیکن معذور مارٹن کا کہیں پتا نہیں تھا۔ البتہ اندر کھلنے والا دروازہ کھلا ہوا تھا جس کے دوسری طرف اندھیرے کا راج تھا۔

مارٹن کے تعاقب میں اندر گھسنا اس وقت موت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔ ہم اس مکان کی ساخت سے یکسر لاعلم تھے اور وہ ہماری بے خبری میں کہیں سے بھی مہلک وار کرسکتا تھا۔

مجھے شدت سے ویرا کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ وہ کسی حد تک اس مکان سے واقف تھی اور وہی مارٹن کے فرار کی راہ میں مزاحم ہوسکتی تھی۔ میں وھیل چیئر کے ہتھے پر نصب لاسلکی کنٹرول پینل سے الجھ گیا' سلطان شاہ میرا مدعا بھانپ کر اپنے زخموں کی پروا کیے بغیر داخلی دروازے پر زور آزمائی کرنے لگا اور اچانک ہی وہ دروازہ کھولنے میں کامیاب ہوگیا۔ شاید میرا ہاتھ پینل کے کسی صحیح بٹن پر پڑ گیا تھا۔

ہم دونوں ہی سرعت کے ساتھ کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکلے تھے مگر وہاں تاروں بھرے آسمان کے نیچے سناٹے کا راج تھا۔ ہماری کار موجود تھی لیکن ویرا کا کہیں پتا نہیں تھا۔ وہ اس پاس موجود ہوتی تو دروازہ کھلتے ہی باہر سے نظر آنے والی روشنی اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالیتی لیکن میرے پکارنے پر بھی کہیں سے کوئی جواب نہ آیا۔

"وہ شاید عقبی سمت میں ہے۔" میں نے ہیجان آمیز لہجے میں سلطان شاہ سے کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو' اس طرف نگاہ رکھنا۔ یہ خیال رہے کہ وہ نہتا نہیں ہوگا' میں اسے اندر دیکھتا ہوں۔"

اس وقت میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ کیفیت یہ تھی کہ مارٹن کی بھرپور اداکاری کے امکان پر دھیان دیے بغیر بس یہی سوچے جارہا تھا کہ لنگڑے نے اچانک ہی کیسے دوڑ لگا دی۔ میں اندر [illegible] سے مکان میں گھسنے والے دروازے کے قریب ٹھہرا اندر گھسنے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ اچانک قالین پر دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سنائی دی اور میرے سنبھلتے سنبھلتے مارٹن کسی گینڈے کی طرح مجھے گراتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا میں اٹھ ہی رہا تھا کہ ویرا پوری رفتار سے دوڑتی ہوئی مجھ سے ٹکرائی پھر سنبھلتے ہوئے مجھے روندتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"جلدی آؤ' اب وہ بالکل خالی ہاتھ ہے۔" اس نے میرے قریب سے گزرتے ہوئے ہانک لگائی تھی اور میں پھرتی کے ساتھ قالین سے اٹھ کر نکاسی کے راستے کی طرف دوڑ پڑا۔

اسی لمحے مارٹن کی دبی دبی چیخ کے ساتھ ایک پُرشور دھماکا سنائی دیا میں باہر پہنچا تو وہ منہ کے بل برآمدے کے فرش پر گرا ہوا تھا اور دونوں ہتھیلیاں فرش پر ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید سلطان شاہ نے ٹانگ اڑا کر اسے منہ کے بل فرش چاٹنے پر مجبور کیا تھا۔

ویرا نے بڑھ کر اس کی کھوپڑی پر بے دردی کے ساتھ پوری قوت سے... ٹھوکر رسید کی اور مارٹن فرش سے اٹھتے اٹھتے ایک بار پھر کراہتا ہوا دوسری طرف الٹ گیا پھر ہم تینوں ہی وحشی درندوں کی طرح اس پر پل پڑے۔

چند ہی منٹ کی بے رحمانہ پٹائی نے مارٹن کا سارا دم خم ختم کر دیا اور وہ ہانپتے اور کراہتے ہوئے رحم کی فریادیں کرنے لگا۔ میں ویرا کے ساتھ الگ ہوگیا اور سلطان شاہ اسے سر کے بالوں سے جکڑ کر گھسیٹتا ہوا داخلی دروازے کی طرف لے چلا کیونکہ شدید مرمت کے بعد مارٹن اب واقعی اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں رہا تھا۔

"وقت برباد کرنے کے بجائے اسے جہنم واصل کر دینا ہی بہتر ہوگا۔" میں نے اپنی پیشانی صاف کرتے ہوئے ویرا سے کہا۔

"مجھے اس ملعون سے کچھ دوٹوک باتیں کرنا ہیں۔" وہ بولی۔

"بے کار ہے۔ تمہارے ہر سوال کا جواب میرے پاس موجود ہے۔" میں نے کہا۔

"وان ہوف کے بعد چار رہ گئے تھے۔ اب اس کے بعد تین کون کون ہیں؟"

میں لاجواب ہو کر رہ گیا۔ "اس موضوع پر شاید وہ زبان نہیں کھولے گا۔"

"یہ میرے لیے اہم ہے کیونکہ یہ سب مجھ سے واقف معلوم ہوتے ہیں لیکن میں ان سے لاعلم ہوں۔ اب تو دل چاہتا ہے کہ ان تینوں کو بھی چن چن کر اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار دوں۔"

میں خاموش ہی رہا۔

اندر پہنچے تو وہ کسی لہولہان بھیڑیے کی طرح قالین پر پڑا ہوئے ہوئے کراہ رہا تھا۔ اس کا لباس تار تار ہوگیا تھا اور چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔

"تمہیں میرے ہاتھوں مرنا ہے مارٹن!" ویرا نے اندر پہنچ کر سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "میرے سوالات کے جواب دو گے تو آسانی سے مرسکو گے۔ زبان بند رکھی تو سسکا سسکا کر ماروں گی۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم مجھے گولی مار دو۔"

"تم نے معذور رہنے کا ڈھونگ کیوں رچایا ہوا تھا؟" ویرا کی آواز گونجی۔

"اپنی ذات کو شبہات سے بالاتر رکھنے کے لیے۔" وہ ہانپتے ہوئے بولا۔ "کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک معزز اور معذور

آدمی جرائم میں ملوث ہو سکتا ہے۔"

"اس سے فائدہ؟"

"اپنا تحفظ۔" وہ بولا۔ "اس وقت بھی گیراج میں آدھا ٹن ہیروئن کے تھیلے موجود ہیں۔ جب سے گڑبڑ ہوئی ہے، مال یہیں آتا ہے۔ میرے درجے کے آدمی کو پہلی بار براہ راست ایسے کاموں میں ملوث ہونا پڑا ہے۔ میں یہاں تنہا رہتا ہوں، کبھی کوئی گڑبڑ ہوئی تو کہہ سکتا ہوں کہ میری معذوری اور تنہائی سے واقف ہو کر نامعلوم لوگ میری لاعلمی میں میرے مکان کو اپنے مجرمانہ مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔ وہیل چیئر پر ہونے کی وجہ سے میرے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ اتنے بڑے مکان کے چپے چپے کی خبرگیری کر سکوں۔"

"لیکن طبی معائنہ تمھارے جھوٹ کی پول کھول سکتا ہے۔"

"اس کی نوبت ہی نہ آتی۔" وہ کراہتے ہوئے پہلو بدل کر بولا۔ "ایک نامور مقامی فزیشین اور ایک غیرملکی سرجن کے سرٹیفکیٹ موجود ہیں کہ میری دونوں ٹانگیں اس بری طرح مفلوج ہوئی ہیں کہ لاعلاج ہیں۔ ان تصدیق ناموں کی موجودگی میں کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میں چل پھر سکتا ہوں، میں نے عملاً خود کو مفلوج بنا رکھا تھا۔"

"دوسرے تین کون کون ہیں؟" ویرا نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔

"نہیں ویرا۔ یہ سوال نہ پوچھو۔" وہ کراہا۔ "میں عذاب جھیل رہا ہوں لیکن مرتے مرتے ان کے لیے جہنم کے دہانے نہیں کھولوں گا۔ مجھے دیر سے اندازہ ہوا کہ تم بھی باغی ہو گئی ہو ورنہ بہت پہلے، نہایت آسانی سے تمھارا بندوبست کر لیا ہوتا۔"

ویرا کی ٹانگ چلی اور بند کمرہ مارٹن کی چیخوں سے لرز اٹھا۔ ویرا کی ٹھوکر اس کی پیشانی پر پڑی تھی۔

"صرف تین نام مارٹن اور گولی مار دوں گی ورنہ ابھی کان کٹوا دوں گی۔" ویرا سرد اور پرسکون لہجے میں بولی۔

"نہیں۔" وہ پوری قوت سے چیخ پڑا۔ "تم یہ نہیں کر سکو گی۔"

"کچن سے چھری لاؤ۔" ویرا نے سلطان شاہ سے کہا پھر مارٹن سے مخاطب ہو گئی۔ "ہم ہیروئن فروش ہیں مارٹن۔ ہم نہ دوسروں پر رحم کھاتے ہیں نہ خود دوسروں کے رحم کے مستحق ہیں۔ خود سوچو کہ میں تمھارے ہاتھ لگ گئی ہوتی تو تم نے میرے ساتھ کیا کچھ نہ کیا ہوتا۔ یہ تو وقت وقت کی اور شاید مقدر کی بات ہے کہ کون کس کا شکار کھیلتا ہے۔ تمھارے معاملے میں میں نے زبردست چوٹ کھائی ہے مگر اب میں ان تینوں کو اسی طرح جاننا چاہتی ہوں جیسے وہ مجھے جانتے ہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ چیخ پڑا۔ "یسوع مسیح کی قسم میں تمھارے کان ہرگز نہ کاٹنا۔ یہ ظلم نہ کرو مجھ پر۔"

سلطان شاہ کچن سے تیز دھار چھری لے آیا جو ویرا نے اس کے ہاتھ سے لے لی۔ پھر وہ جھکی اور اس نے نہایت صفائی کے ساتھ مارٹن کا داہنا کان جڑ سے اڑا دیا۔ وہ کسی ذبح ہوتے ہوئے سانڈ کی طرح ڈکرایا تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ ایک بین الاقوامی منشیات فروش کی بیٹی خود اپنے ایک ساتھی کو مناسب سزا دے رہی تھی۔ تنظیم ختم ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو مگر میرا مشن کامیاب ہو رہا تھا۔

"آدھے منٹ بعد دوسرے کان یا ناک کی باری آ جائے گی مارٹن۔" ویرا سپاٹ آواز میں بولی۔ اس نے مارٹن کا کٹا ہوا کان ایک طرف پھینک دیا تھا جو عبرت انگیز انداز میں تڑپ رہا تھا۔

مارٹن کے اعصاب جواب دے گئے اور بھاری مغلظات کے ساتھ وہ تینوں نام بتاتا چلا گیا۔

ویرا نے مزید ایک لفظ بھی کہے بغیر چھری پھینک کر اپنے بلاؤز میں سے ایکسپلوڈر نکالا اور اس کی گولی مارٹن کے دل میں اتار دی۔ میں سوچ رہا تھا کہ ویرا کی اجلاس کی مصروفیات کے دوران ان تین ناموں کی صورت میں مجھے بھی کام مل گیا تھا۔ ان میں بس ایک ہی نام غیرمعروف تھا ورنہ دو ملک کے معززین میں شمار کیے جاتے تھے۔ اگر وہ اجلاس کے دوران ہی یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتار دیے جاتے تو تنظیم کی بنیادیں ہل سکتی تھیں۔

مارٹن کے تڑپتے ہوئے بدن میں ایکسپلوڈر کی گولی دل کے مقام پر پیوست ہوئی اور اس کے حلق سے اضطراری طور پر ایک چیخ آزاد ہو گئی پھر لحظہ بھر میں ایک ہلکے سے دھماکے کے ساتھ اس کے بدن کے چیتھڑے اڑ گئے۔ اس کے بدن میں اتری ہوئی ایکسپلوڈر کی گولی نے اس کے جسم کے اندر پھٹ کر کسی بم کی سی تباہی پھیلائی تھی اور اب مارٹن کا کہیں وجود نہیں تھا۔ اس کا وجود لوتھڑوں اور چیتھڑوں کی صورت میں پورے کمرے میں یوں بکھر کر رہ گیا تھا کہ اس کی کوئی شناخت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

"خس کم جہاں پاک۔" میں نے پھریری لے کر کمرے میں چھایا ہوا بوجھل سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

"ابھی خس باقی ہے۔" ویرا نے ایکسپلوڈر کی نال کو چومتے ہوئے نشیلے لہجے میں کہا۔ "تم مارٹن کے بتائے ہوئے تین ناموں کو بھول رہے ہو۔ انھیں بھی یکے بعد دیگرے مارٹن کے پیچھے جانا ہے۔"

"وہ بھی چلے ہی جائیں گے۔" میں نے ویرا کے ہاتھ سے وہ ہتھیار لیتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "لیکن یہ ننھا سا ہتھیار خوب ہے۔ اس کی زد میں آنے والا تو شاید بچ ہی نہیں سکتا۔"

"ایکسپلوڈر میں نے پہلی بار استعمال کیا ہے۔" وہ ایک گہرا

سانس لیتے ہوئے بولی۔ "اس کے بارے میں سُن بہت کچھ رکھا تھا۔ اس میں سارا کمال میگزین کا ہے۔ ٹرائیگر سے فائر ہونے کے بعد گولی کا جو دھاتی حصہ نشانے میں پیوست ہوتا ہے، اس میں بھی ایک حساس بارُودی حصہ ہے، جو جسمانی درجۂ حرارت میسّر آتے ہی پھٹ جاتا ہے۔"

"یعنی میگزین کے بغیر ایکسپلوڈر بے کار ہے؟"

"نہیں،" ویرا نے کہا۔ "مخصوص میگزین میسّر نہ ہو تو بر اعشاریہ تین آٹھ کے عام میگزین کے ذریعے پستول کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کمال یہ ہے کہ اس بور کے ہتھیاروں میں یہ شاید سب سے مختصر اور ہلکا ہے۔"

چند ثانیوں کے لیے کمرے کی فضا میں سکوت چھا گیا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگانے کے ساتھ ویرا کو بھی سگریٹ پیش کرتے ہوئے پُرخیال لہجے میں سوال کیا اور وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟" میں نے اُسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"رونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اُسی موڈ میں بولی۔ "تمھیں رُوپوش رہنے کے لیے ایک ٹھکانے کی تلاش تھی، اب وہ میسّر آ گیا ہے۔ روانگی تک یہاں عیش کر سکتے ہو۔"

"زیادہ سے زیادہ دو دن میں روانگی کے کاغذات تیار ہو جائیں گے،" سُلطان شاہ نے لُقمہ دیا۔ "پروگرام بناتے ہوئے اس مدت کو ذہن میں رکھنا۔"

"دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا یہاں قیام مخدوش بھی ہو سکتا ہے،" میں نے ویرا کو آگاہ کیا۔ "مارٹن نے خود اعتراف کیا تھا کہ گیراج میں منشیات موجود ہیں اور تنظیم کے اراکین یہاں آتے رہتے ہیں۔"

"تم یہ بھول رہے ہو کہ ایسے معاملات میں مارٹن کبھی ان لوگوں کے سامنے نہیں آتا ہو گا، وہ اپنی وہیل چیئر پر بیٹھے بیٹھے محض بٹن دبا کر ان کو آمدورفت کی سہولتیں فراہم کرتا ہو گا۔ ایسا نہ ہوتا تو اپنے ماتحتوں کے سامنے کبھی کا بے نقاب ہو گیا ہوتا۔ یوں تم آسانی کے ساتھ اس کی جگہ لے سکتے ہو۔"

"میں جانتا ہوں کہ یہاں رہنے کے لیے مجھے کیا کیا کرنا ہو گا،" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "مال لانے لے جانے والوں کے علاوہ باقی ماندہ تین بڑوں میں سے بھی کوئی مارٹن سے رجوع کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں میری ہر احتیاط کے باوجود صورتِ حال زیادہ دیر تک مخفی نہ رہ سکے گی۔ ہماری تمام تر کوشش اب یہی ہونا چاہیے کہ مقامی معاملات میں ضرورت سے زیادہ ملوّث ہونے کے بجائے جلد از جلد نکل بھاگنے کی فکر کریں۔"

"میں سمجھ رہی ہوں کہ تم کو اب غزالہ تک پہنچنے کی عجلت ہے۔" وہ سگریٹ کا دھواں میرے مُنہ پر چھوڑتے ہوئے ہنس کر بولی۔ "میں خود بھی یہاں زیادہ وقت برباد نہیں کرنا چاہتی لیکن خوش قسمتی سے ہاتھ آئے ہوئے کسی شاندار موقع کو تمھاری جلد بازی کی بنا پر ضائع بھی نہیں کروں گی۔"

میرے لیے یہ سمجھنا دُشوار نہیں تھا کہ وہ بیرونِ ملک سے تنظیم کے کسی بڑے کی آمد اور اُس کی سربراہی میں ہونے والے اعلیٰ سطحی اجلاس کو اپنے لیے سنہرا موقع تصوّر کر رہی تھی۔ اس کے لیے یہ انکشاف بہت سنگین ثابت ہُوا تھا کہ وہ بہت زیادہ بااختیار اور صرف جی لائیڈ کو جواب دہ ہونے کے باوجود ان پانچ مقامی بڑوں سے لاعلم تھی، جو پاکستان میں ہیروئن کی پیداوار، مقامی کھپت اور برآمد کا کاروبار پوری راز داری کے ساتھ چلا رہے تھے۔

کمال کی بات یہ تھی کہ ویرا اُن پانچوں سے بے خبر تھی مگر وہ سب نہ صرف اُسے جانتے تھے بلکہ مارٹن تو اسے دھوکے میں رکھ کر اس کا مربّی بنا ہُوا تھا۔ یہ محض وان ہوف کی خود غرضی اور ہوسِ اقتدار تھی، جس نے ہمیں ان پانچوں کی راہ پر ڈال دیا اور وان ہوف، ویرا کو گھیرنے کے چکّر میں خود جہنم واصل ہو گیا۔ لاہور میں لائیڈز کاٹیج کی تباہی کے بعد وان ہوف کی موت دوسری بڑی کامیابی تھی لیکن وہ اس اعتبار سے ادھوری رہی کہ وان ہوف نے موت کی دہلیز پر ہوتے ہوئے بھی اپنے چار ساتھیوں کے بارے میں ذرا بھی زبان نہیں کھولی لیکن وہ کمی مارٹن نے پوری کر دی تھی۔

جب تک میں خود تنظیم کا وفادار تھا، ہیروئن کی تجارت کو سفّاک اور پیشہ ور مجرموں کا کام سمجھتا رہا تھا، جس کی انجام دہی میں راز داری کو بنیادی اہمیت حاصل تھی لیکن تنظیم کے مہیب حصار سے نکلنے کے بعد اس بھیانک کھیل میں ایسے ایسے معزّز اور معصوم چہرے ملوّث نظر آ رہے تھے، جنھیں معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

مارٹن اس بھرپور مگر مختصر سی ٹکڑی کا ایک شاہکار کردار تھا۔ ہر طرح سے صحت مند اور باصلاحیت ہوتے ہوئے بھی اُس نے اپنی ذات کو معصوم اور ہر قسم کے شبہات سے بالاتر رکھنے کے لیے معذوری کا ایسا بہروپ اختیار کیا ہُوا تھا کہ اکثر اوقات شاید اسے خود بھی یاد نہ رہتا ہو کہ وہ پوری طرح صحت مند تھا۔

جب سے میں نے تنظیم کی بیخ کنی کا بیڑا اُٹھایا تھا، رہ رہ کر تنظیم کی نت نئی صورتیں بن اور بگڑ رہی تھیں۔ کئی بار سب کچھ فنا ہوتے ہوئے اچانک انکشاف ہُوا کہ جو کچھ ہو رہا تھا، وہ سطحی نقصان تھا۔ تنظیم کے اختیار اور اقتدار کا سرچشمہ پوری طرح محفوظ تھا۔

مگر اب تنظیم کے خدوخال کچھ واضح ہو چلے تھے۔ یہ مقامی مجرموں کی کوئی بگڑی ہوئی ٹولی نہیں تھی بلکہ اس شرمناک دھندے میں مُلک

قوم، نسل اور رنگت کے کسی امتیاز کے بغیر پیسے کی ہوس میں مبتلا وہ لوگ ملوّث تھے، جو عزّت اور آبرو کی آڑ میں کامیابی کے ساتھ موت کی سوداگری کر رہے تھے۔

شاید جمی لائیڈ ان سب کا سربراہ تھا۔ خود اس کے کردار کا یہ حال تھا کہ اگر ویرا بچی تھی تو جمی لائیڈ دیدہ و دانستہ اپنی بیٹی ویرا کو محض اس خیال سے نیلام کر رہا تھا تاکہ تنظیم کی اعلا صفوں میں پہنچنے تک وہ یہ بھول جائے کہ وہ عورت ہے، جس کا نسوانی وقار بھی کوئی حیثیت رکھتا ہے۔ چند روز پہلے تک ویرا کو صرف اپنے باپ کا نام معلوم تھا اور وہ اس کی صورت سے ناآشنا تھی اور اسی ایک فلش نے اُسے میرے ساتھ تعاون کی راہ دکھائی تھی۔

پھر لائیڈز کا ٹیج کے ایک بند کمرے میں جب اس نے جمی لائیڈ کی تصویر دیکھی تو نفرت اور غصّے سے اس کی حالت غیر ہو گئی کیونکہ وہ شخص کسی اور نام سے ایک مدت تک اس کا دلال بنا رہا تھا۔

پاکستان میں جمی لائیڈ بس ایک نام تھا۔ لائیڈز کاٹیج کو ہر حلقے میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ عمارت بیرونی کی عالمی تجارت کا سرچشمہ رہی ہوگی اور اس کام کو چلانے والوں میں جرمن نژاد وان ہوف اور مقامی عیسائی مارٹن کے ساتھ کم از کم دو مقامی معززین بھی شامل تھے جب کہ پانچویں کا نام میرے لیے غیر معروف تھا مگر یہ قیاس کرنا مشکل نہیں تھا کہ اس کا تعلق بھی اونچے طبقے سے ہی رہا ہوگا۔

"باہر سے کسی کے آنے کا امکان ہو سکتا ہے؟" مَیں نے ویرا سے سوال کیا۔

"کوئی بھی ہو سکتا ہے۔" اُس نے بے پروائی کے ساتھ جواب دیا۔ "لیکن اتنا یقین ہے کہ جمی لائیڈ خود ہرگز نہ آئے گا۔ وہ حتی الامکان دُور رہ کر اپنے افسانوی کردار کو برقرار رکھنا پسند کرتا ہے۔"

"تو اب اُن تینوں کی باری آئے گی؟" مَیں نے پوچھا۔

"ظاہر ہے، یہی تو ایک موقع ملا ہے، ورنہ آنے جانے والے سے مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ ہر ایک کو اس طرح الگ الگ گھیرنا ہوگا کہ دوسرے کو بھنک تک نہ مل سکے، ورنہ بازی اُلٹ بھی سکتی ہے۔"

"کیوں نہ یہ کام میں اپنے ذمّے لے لوں؟"

"تمھارا الگ رہنا ہی بہتر ہے۔ اوّل تو تمھارا رُوپوش رہنا ضروری ہے۔ کسی کو شُبہ بھی ہو گیا کہ تم لائیڈز کاٹیج سے زندہ بچ نکلے ہو تو سارے وسائل تمھاری بازیابی پر مرکوز کر دیے جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ تمھارے لیے ملک سے باہر نکلنا ہی ناممکن ہو کر رہ جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان تینوں کا صفایا ہونے تک تم کو مارٹن کی جگہ لینا ہے۔ باہر سے رابطہ قائم کرنے والوں کو فون پر مارٹن کی آواز آتی رہنی چاہیے تاکہ صورتِ حال جُوں کی تُوں برقرار رہے۔ اس کے غائب ہوتے ہی ان تینوں میں سے کوئی ساری ذمّے داریاں سنبھال لے گا، جب کہ مَیں اُنھیں نئے سرے سے منظّم ہونے کا موقع دیے بغیر دار کرنا چاہتی ہوں۔"

"یعنی اب مجھے مارٹن کی وھیل چیئر پر سوار ہونا پڑے گا؟" مَیں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ بہت مناسب رہے گا۔ دن میں ایک آدھ بار وھیل چیئر پر برآمدے وغیرہ کا چکّر لگا لو گے تو باہر سے دیکھنے والوں کو اندازہ نہیں ہو سکے گا کہ مارٹن کی جگہ کسی اور نے لے لی ہے۔ تمھاری جسامت اُس سے خاصی ملتی جلتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح ہم کئی دشواریوں سے بچ سکیں۔"

وہ کچھ دیر تک نئے لائحہ عمل کی جزئیات پر تبادلہ خیال کرنے کے بعد کار کے عقبی پائیدان میں چُھپ کر سلطان شاہ کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ اس کی دانست میں اس کا وہاں سے روانہ ہوتے ہوئے دیکھا جانا نقصان دہ ہو سکتا تھا۔ اُس کے دماغ میں یہ نکتہ سمایا ہوا تھا کہ اس گھر کے گیراج میں رکھے ہوئے مال کی خفیہ نگرانی کے باعث بالواسطہ طور پر شاید مارٹن کی قیام گاہ چوبیس گھنٹے پہرے میں رہتی ہے۔ اس طرح وہاں آنے جانے والوں کا چھپے ہوئے سرداروں سے بچ نکلنا ناممکن تھا۔

میرے لیے ویرا کی وہ منطق قابلِ قبول نہیں تھی لیکن مَیں نے اس سے اُلجھنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے چلے جانے کے بعد سب سے پہلے مَیں نے مارٹن کی اُلٹی ہوئی وھیل چیئر کو سیدھا کیا اور اس کی کنٹرول ڈیسک پر لگے ہوئے مختلف سوئچوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا لیکن اس سے پہلے میں نے پوری احتیاط کے ساتھ کرسی کے دونوں دستوں میں پوشیدہ مہیب ہتھیاروں میں سے میگزین خالی کر دیے تھے کہ کہیں کسی غلط بٹن پر ہاتھ پڑنے کے ساتھ ہی کوئی گولی مجھے لہولہان نہ کر دے۔

اس کمرے میں مارٹن کی لاش کے چیتھڑے بکھرے ہوئے تھے جنھیں سمیٹ کر یکجا کرنا میرے لیے بہت دشوار تھا پھر وہاں خاصا خون بھی بکھرا ہوا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ ایک دو روز میں ہی ان سب اشیاء سے تعفّن پھیلنے لگے گا لیکن اس سے زیادہ میرا وہاں ٹھہرنے کا ارادہ بھی نہیں تھا لہٰذا مَیں نے وھیل چیئر باہر نکال کر اس کمرے کو ہر طرف سے اس طرح بند کر دیا کہ وہاں پیدا ہونے والی بدبو مکان کے دوسرے حصّوں میں نہ پھیل سکے۔ ویسے بھی مارٹن اپنی خوابگاہ میں موت سے ہم کنار نہیں ہوا تھا بلکہ اس کمرے میں مارا گیا تھا، جو خوابگاہ کے طور پر میرے عارضی تصرّف میں دیا گیا تھا۔

اُس کمرے کو مقفّل کر کے مَیں مارٹن کی وھیل چیئر پر سوار ہو کر اُس کی اپنی خوابگاہ میں داخل ہُوا تو حیرت سے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کمرے کی تمام دیواروں پر انسانی ہیولوں کی ایسی وسیع و عریض رنگین تصاویر موجود تھیں جنھیں دیکھ کر آنکھیں بے اختیار

ں ملی جاتی تھیں۔ خاص بات یہ تھی کہ ان تمام غلیظ تصاویر میں ہندو
ں کے رومانی تصورات زیادہ واضح تھے اور یہ اندازہ لگانا
دشوار نہیں تھا کہ اس کمرے کا باسی کسی بدترین ذہنی کج روی کا شکار تھا۔
میرے لیے وہ انکشاف خاصا تحیر خیز تھا۔ مارٹن جیسا
ابر اور سرد مزاج آدمی جو پوری طرح صحت مند ہوتے ہوئے
نا برسہا برس سے دونوں ٹانگوں سے معذوری کا سوانگ
چائے بیٹھا تھا، اس قدر بے حجاب کیسے ہو سکتا تھا جب کہ
ں کا کمال یہ رہا تھا کہ ویرا سے گہری دوستی کے باوجود وہ اقرار
نے پر مجبور تھی کہ مارٹن نے جنس مخالف سے تعلق کی بنا پر
بھی اُس کی طرف پیش قدمی کی کوشش نہیں کی تھی۔
مگر وہ مارٹن کی اپنی ذات کا ایک ناگفتہ گوشہ تھا، جو
ں کی موت کے بعد کبھی بے نقاب نہیں کیا جا سکتا تھا لہٰذا میں
نے سر جھٹک کر وہیل چیئر چھوڑ دی۔
وہ کمرہ ایئر کنڈیشنڈ ہونے کے ساتھ ہی شاید ساؤنڈ پروف
ہی تھا کیونکہ دیواروں کی موٹائی غیر معمولی تھی اور کمرے کی کسی
دیوار میں کوئی کھڑکی موجود نہیں تھی، اس کے علاوہ کمرے میں
وی سی آر اور رنگین ٹی وی سے خودکار ویڈیو کیمرے تک
زندگی کی ہر آسائش موجود تھی۔
میں نے احتیاط کے ساتھ پورے کمرے کی تلاشی لے ڈالی
لیکن بڑے نوٹوں کی گڈیوں پر مشتمل خطیر رقم اور کئی اقسام کے
خودکار اسلحے کے سوا وہاں سے کوئی ایسی چیز برآمد نہ کر سکا جو تنظیم
سے مارٹن کے تعلق پر روشنی ڈالتی تنظیم کا مفاد اُسے یقینی طور پر
اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رہا تھا۔
کمرے کی بھرپور تلاشی کے بعد میں ٹیلی فون ڈائریکٹری سنبھال
کر اُن تینوں کے فون نمبر تلاش کرنے لگا، جن کے نام مارٹن نے آخری
سانسوں پر بتائے تھے۔
میں اُن میں سے ایک ہی شخص کے نمبر تلاش کر پایا تھا... کہ
وہیل چیئر کے کسی حصے میں پوشیدہ اسپیکر پر کسی کار کے انجن کی دھیمی دھیمی
غراہٹ سنائی دی اور میں چونک پڑا۔
"کون ہے؟" میں نے کرسی کے دستے پر نصب کنٹرول پینل کا
ایک مخصوص بٹن دبا کر بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا تاکہ آنے والا
اگر مارٹن کا کوئی شناسا ہو تو فوری طور پر آواز کی واضح تبدیلی نہ
بھانپ سکے۔
"سلطان شاہ" لحظہ بھر کے سکوت کے بعد اس لاسلکی آلے
پر مانوس آواز اُبھری اور میں نے بلاتامل پینل کا ایک دوسرا بٹن دبا دیا
جو عمارت کا پھاٹک کھول سکتا تھا۔
اسپیکر پر کار کے انجن کی غراہٹ قدرے تیز ہوئی پھر بتدریج

معدوم ہوتی چلی گئی۔ شاید سلطان شاہ نے کار پھاٹک سے گزار کر
احاطے میں داخل کر لی تھی۔ میں نے پھاٹک بند کرنے والا بٹن دبا دیا۔
چند ثانیوں بعد پینل کے ایک گوشے میں سبز بتی جل اٹھی، جو اس بات
کا اشارہ تھی کہ پھاٹک دوبارہ بند ہو چکا تھا۔
میں اسی کمرے میں سلطان شاہ کی آمد کا منتظر رہا۔ وہ مارٹن
کے مقتل میں ناکام تلاش کے بعد مجھے آوازیں دیتا آخر کار وہیں
آ پہنچا اور کمرے کے در و دیوار پر نگاہ پڑتے ہی بھونچکا رہ گیا۔
"ان خرافات پر اپنا وقت برباد نہ کرو۔" میں نے اُس کا
شانہ ہلاتے ہوئے کہا "یہ بتاؤ کہ ویرا کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟"
اُس نے چونک کر میری طرف دیکھا پھر خفت آمیز مسکراہٹ
کے ساتھ بولا "اسے واپس کلفٹن ہی چھوڑا ہے، وہاں سے وہ اپنی گاڑی
میں گئی ہوگی۔" پھر قدرے توقف کے بعد بولا "میری تو عقل ہی
حیران ہے کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہوا تھا۔"
"کیا سمجھ میں نہیں آتا؟" میں نے تیز لہجے میں سوال کیا۔
"وہ اس قدر بھرپور طریقے پر معذوری کی اداکاری کرتا
رہا تھا کہ اُس کے فرار پر میں کئی سیکنڈ تک بس یہی سوچتا رہ گیا
کہ لنگڑا اچانک کیسے بھاگ سکتا ہے؟ اس کے بعد ہی ہوش
آیا تھا کہ وہ سب اس فراڈ کی اداکاری تھی، ورنہ وہ پوری
طرح صحت مند تھا۔"
"اب شاید یہ نکتہ بھی ذہن میں آ گیا ہوگا کہ میں نے کتنی شراب
پی تھی اور فرشی قالین سے مسہری پر کیسے پہنچ گیا تھا؟" میں نے طنزیہ
لہجے میں کہا۔
"اب تو سب کچھ سمجھ میں آتا جا رہا ہے، اس وقت کی بات اور
تھی، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ معذور مارٹن نے تمہیں قالین سے اٹھا
کر مسہری پر ڈالا ہوگا۔"
"مجھے اعتراف ہے کہ میں نے ضرورت سے ذرا زیادہ ہی پی لی
تھی لیکن اتنا بھی مدہوش نہیں ہوا تھا کہ لہک لہک کر ناچنا شروع
کر دیتا اور پھر مسہری پر اس طرح ڈھیر ہوتا کہ کچھ بھی یاد نہ رہتا۔ اس مردود
نے میری مختصر سی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر مجھے اُوپر ڈال دیا تھا تاکہ بعد
میں میری مدہوشی کے حوالے سے من مانے اعترافات میری ذات سے
وابستہ کر سکے۔"
"لیکن تم پیتے ہی کیوں ہو؟" وہ بگڑ کر بولا "شاید تمہیں میری
بات بری لگے لیکن میرے گاؤں کی مسجد کا مولوی اسے خنزیر کا
پیشاب کہتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ تم بغیر پیئے بھی ٹھیک ٹھاک
رہتے ہو پھر اس حرام نوشی کی کیا ضرورت ہے؟"
اس کی بات سن کر پہلے مجھے غصہ آیا لیکن اس کا آخری سوال
سن کر میں ہنس پڑا "بعض اوقات انسان مجبور بھی ہو جاتا ہے، وہ مجھے

اُتو بنانا چاہ رہا تھا اور میں احمق بن کر اُسے جھکا دینا چاہ رہا تھا، اسی کوشش میں ذرا سی بے اعتدالی ہوگئی اور اُسے میرا مضحکہ اُڑانے کا خود ساختہ موقع مل گیا۔ صحبت کا بھی تو کچھ اثر ہوتا ہی ہے نا؟"

"مجھے معلوم ہے کہ بحث میں تم سے جیتنا مشکل ہے۔" وہ بُرا سا مُنہ بنا کر بولا۔ "صحبت کا اثر بس تم پر ہی ہوتا ہے۔ میں بھی تو دن رات تمہارے ساتھ رہتا ہوں، کبھی بوند بھی چکھی ہو تو حلفیہ بتا دو... تمہاری تجویز کی ہوئی ہر سزا خوشی کے ساتھ برداشت کروں گا، میرے ساتھ یہ بہانے تمہیں زیب نہیں دیتے۔"

"ہائیں، یہ کیا بک رہے ہو تم؟" میں نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم نے میرے والدِ بزرگوار کی مسند سنبھال لی ہو؟"

"ناراض ہوتے ہو تو آئندہ کچھ بھی نہ کہوں گا۔" وہ یک بیک اُداس ہوگیا۔ "میری بلا سے تم شراب میں نہاؤ یا غرق ہو جاؤ۔ میں نہ تمہارا بزرگ ہوں اور نہ بھائی... رہا دوست تو اُسے ہر وقت اس کی اوقات یاد دلائی جاسکتی ہے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" میں نے بڑھ کر زبردستی اس کی گردن میں ہاتھ ڈال دیے۔

"شاید دماغ ہی خراب ہوگیا ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "جب تمہیں جھنجوڑ کر بیدار کیا گیا تو تم اس وقت بھی ذرا جھونک میں تھے اور تمہاری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ تم قالین سے مسہری پر کیسے پہنچے اور وہ خنزیر، لنگڑا، لڑکی بے رحمی کے ساتھ تمہاری بے عزتی کر رہا تھا۔ اُس کی زبان سے تمہارے ناچنے کی کتھا سُن کر میرا دل چاہ رہا تھا کہ اُس ملعون کا مُنہ نوچ لوں یا تمہارا سر توڑ دوں۔"

"مجھے معاف کر دو۔" میں نے اُسے زبردستی اپنے سینے سے لگا کر کہا۔ "اب کبھی اتنی نہیں لوں گا کہ ذہن دُھندلکوں میں ہکورے لینے لگے، بے اعتدالی کروں تو جو سزا چور کی وہ میری..."

"مگر پیو گے ضرور، چھوڑو گے نہیں؟" میرے خوشامدانہ رویے سے اُس کے لہجے میں نرمی پیدا ہوگئی مگر انداز اب بھی ملامت آمیز ہی تھا۔

وہ سدا کا پارسا، ایک راست گو اور شریف انسان تھا، جس نے پیسے کی جستجو میں بُرے راستے کو اپنانا چاہا لیکن اپنے مزاج کی بنا پر اس ماحول میں نہ کھپ سکا اور پھر مجھ سے آٹکرایا۔ ابتدا میں اُسے نہ میری اصلیت کا علم تھا نہ میرے مشن کا پتا لیکن پھر بھی میرے ساتھ وہ نباہ کرتا رہا اور جب میں نے تنظیم کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تو وہ میرا پہلا اور واحد ساتھی تھا، جو میرا مقصد اور مدعا جانے بغیر کسی مشینی پُتلے کی طرح میرے احکام کی تعمیل کرتا رہا۔

مذہب اور معاشرے کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے اُس نیک نفس انسان کے لیے شراب نوشی کا جواز تلاش کرنا واقعی بہت مشکل کام تھا، وہ ذاتِ کبریا کے اُن بے دام غلاموں میں سے تھا جن کے ہیگ میں جوانی ڈھلنے سے پہلے ہی رُشد و ہدایت اور پارسائی کے شاہکار جمع نظر آتے ہیں۔

"اب ویرا کے بارے میں کیا رائے ہے تمہاری؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے موضوعِ گفتگو بدلنے کی نیت سے اس سے دریافت کیا۔

"عجیب عورت ہے۔" وہ سر جھٹک کر بولا مگر میں نے اُس کی بات کاٹ دی۔

"عورت ہے لڑکی نہیں کہو گے اُسے؟"

"خدا کی پناہ!" وہ گہرا سانس لے کر بڑبڑایا۔ "کس قدر سرد مہری کے ساتھ انسانی خون بہاتی ہے اور اس پر بھی تم اسے لڑکی کہنے پر اصرار کرتے ہو! وہ حسین ضرور ہے مگر اتنی ہی زہریلی بھی ہے۔"

"اتنا کافی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ مخلص ہے۔"

"یہ تمہاری خود فریبی ہے۔" وہ بے لاگ لہجے میں بولا۔ "اس کا اپنا بھی کچھ مطلب ہے جو وہ تمہارا ساتھ دے رہی ہے، جس دن اُسے تم سے کوئی اُمید نہ رہی شاید خود تم پر ہتھیار اُٹھائے گی۔ تم خود کئی بار اس کی سیمابی طبیعت کا ذکر کر چکے ہو۔ تمہیں اس سے دغا کا خوف نہ ہوتا تو تم بہرے بغیر بھی اس کے ساتھ ولایت جاسکتے تھے۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر صوفے پر گر گیا۔ "بس یہی سب سے بڑی اُلجھن ہے۔ ویرا مجھے چاہتی ہے اور میرے دل و دماغ پر غزالہ سوار ہے۔ جب تک ہم تینوں یکجا نہیں ہوتے، ویرا کی رقیبانہ فطرت دبی رہے گی لیکن جس دن اُسے اندازہ ہوا کہ غزالہ درحقیقت اُس کی رقیب ہے، وہ موذی بن جائے گی اور میں اسی گھڑی سے ڈرتا ہوں۔"

"آج تم نے پہلی بار اس کے بارے میں کھل کر بات کی ہے۔" شدہ میرے مقابل بیٹھتے ہوئے بولا۔ "تم اس سے اسی قدر خطرہ محسوس کرتے ہو تو ہمارے لیے اس وقت بہترین موقع ہے۔ اُس کے ذہن پر تنظیم کے تین بڑے سوار ہیں، ہم اُسے آسانی کے ساتھ زیر کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس یہ بہترین ٹھکانا بھی موجود ہے۔"

"تم ابھی تک اس کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکے ہو۔" میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہ ضد پر اُڑ گئی تو جان لے دے گی مگر زبان نہیں کھولے گی۔ اُسے تو بس محبت ہی سے زیر کیا جاسکتا ہے، ورنہ ہمیں سُراغ تک نہ مل سکے گا کہ غزالہ انگلستان کے کس شہر میں کن لوگوں کی قیدی ہے۔"

"خدا کرے کہ وہ تمہاری توقعات پر پوری اُتر سکے، ورنہ مجھے تو اس پر ذرا بھی بھروسا نہیں ہے۔ جب سے اس پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ اس کا غیر قانونی اور پُراسرار باپ بھی لائیڈ ڈان مرسیا نو کے

روپ میں اس کی سوداگری کرتا رہا ہے، وہ ہر قیمت پر جلد از جلد اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنا چاہتی ہے۔ وہ تمھیں غرناطہ تک لے جانے کی امید دلا کر پہلے ڈان مرسیانو کا ہی رُخ کرے گی۔"

"ہم دونوں نے ہوشیاری سے کام نہ لیا تو شاید ایسا بھی ہوسکتا ہے مگر... " بولتے بولتے میں یک بیک خاموش ہو گیا کیونکہ وھیل چیئر کے اسپیکر پر اچانک ہی ایک کار کے انجن کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔

میرے وجود میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

"یہ کون آگیا اس وقت؟" سلطان شاہ کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"کون ہے؟" میں نے وھیل چیئر کے کنٹرول ڈیسک پر نصب پھاٹک کے مواصلاتی رابطے سے منسلک بٹن دبا کر اپنی بدلی ہوئی بھاری آواز میں سوال کیا۔

"سلمیٰ، سر!" جواب سن کر میں چونک پڑا۔

آواز نہ صرف نسوانی تھی بلکہ میرے لیے شناسا بھی تھی۔ میں اضطراری طور پر اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

میں سلمیٰ نام کی صرف ایک ہی عورت سے واقف تھا، جو میرے عزیز اور پرانے دوست جہانگیر کی بیوی تھی لیکن اپنے دل میں میرے لیے نرم گوشہ رکھتی تھی۔

لیکن سلمیٰ ایک خالص خانہ دار عورت تھی۔ اس کا شوہر ہیروئن کی غیر قانونی تجارت کو فروغ دینے والی بھیانک تنظیم میں ایک اہم مرتبے کا مالک تھا لیکن سلمیٰ اپنے شوہر جہانگیر کی سرگرمیوں کی جانب سے شبہات کا شکار ہونے کے باوجود اس کی حقیقی مصروفیات سے لاعلم تھی۔ ان حالات میں اگر وہ مارٹن کی قیام گاہ کے پھاٹک پر موجود تھی تو میرے لیے یہ ایک حیرت ناک حقیقت تھی۔ آخر وہ کون سے حالات تھے جن کی بنا پر سلمیٰ ان مشکوک سرگرمیوں میں ملوث ہونے پر مجبور ہو گئی تھی۔

سلمیٰ کو پھاٹک پر روک کر میں اس کی آمد کے مقصد اور خود اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جان سکتا تھا لیکن اس نے سہمے ہوئے انداز میں جس طرح اپنا نام بتایا تھا اس کی بنا پر میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ سلمیٰ باقاعدگی کے ساتھ وہاں آنے والوں میں شامل تھی اور مارٹن کے ساتھ اس کے مراسم حاکم و محکوم کے سے تھے۔

میں نے بٹن دبا کر عمارت کا پھاٹک کھولنے کا بندوبست کیا اور پھر اسپیکر پر کار کے انجن کی آواز معدوم ہوتے ہی پھاٹک دوبارہ بند کر کے وھیل چیئر پر سوار ہو گیا۔

"کیا ارادے ہیں؟" میرے عاجلانہ رویے پر سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"مسز جہانگیر آئی ہے۔" میں نے کرسی پر بیٹھ کر اپنے شانوں پر ایک بھاری شال ڈالتے ہوئے کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کب سے ان دھندوں میں ملوث ہوگئی ہے۔"

"مسز جہانگیر!" وہ معنی خیز انداز میں ہنسا۔ "وہ تو شاید تمھیں پسند بھی کرتی رہی ہے!"

"ازدواجی زندگی میں خلوص اور اعتماد نہ ملے تو عورتیں عموماً باغی ہو جاتی ہیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "شوہر کی بداعتمادی کی وجہ سے اپنے گھرانے اور ماحول سے کٹی ہوئی تنہا عورتیں عام طور پر کسی ایسے شخص کی ذات میں پناہ تلاش کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، جو ان کی آسان دسترس میں ہو اور سلمیٰ کے معاملے میں بدقسمتی سے میں جہانگیر سے قریب ہونے کی بنا پر سلمیٰ کی توجہ کا نشانہ بن گیا۔"

"تو کیا اب اس سے ملنے کا ارادہ ہے؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"باہر کی تمام روشنیاں گُل کردو۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں وھیل چیئر پر بیٹھ کر مارٹن کے روپ میں اس سے کچھ دو ٹوک باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ وھیل چیئر سے آگے ہو لیا اور میں نے بٹن دبا کر کرسی آگے چلا دی۔

اگر سلمیٰ وہاں تنظیم سے متعلقہ کسی کام کے سلسلے میں آئی تھی تو اس کا رُخ عمارت کے بجائے گیراج کی طرف ہونا چاہیے تھا لہٰذا میں مکان سے تاریک برآمدے میں نکلا۔ سلطان شاہ اندر ہی رُک گیا تھا۔

میں کھلے آسمان کے نیچے برآمدے میں پہنچا تو گیراج کے مقابل تاریکی میں ایک سیاہ کار کھڑی ہوئی نظر آئی۔ میں نے وھیل چیئر برآمدے کے چبوترے کے سرے پر روک دی۔ چند منٹ کے روح فرسا انتظار کے بعد گیراج کی طرف سے تاریکی میں ایک نسوانی ہیولا محتاط انداز میں سیاہ کار کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا جس کے داہنے ہاتھ میں ایک پیکٹ موجود تھا۔

میں نے شانوں پر پڑی ہوئی شال اس طرح اپنے سر پر ڈال لی کہ آنے والی تاروں کی چھاؤں میں میرے چہرے کے خدوخال نہ پہچان سکے پھر جوں ہی وہ مناسب فاصلے پر پہنچی، میں نے بدلی ہوئی بھاری آواز میں اُسے نام لے کر پکارا اور وہ اس پُراسرار ماحول میں اپنا نام سن کر بوکھلا کر رہ گئی۔

"سلمیٰ! اِدھر چلی آؤ۔ میں برآمدے میں تمھارا منتظر ہوں۔" اسے تذبذب میں مبتلا دیکھ کر میں نے نرم اور دھیمی آواز میں کہا اور پھر شاید اس نے تاریکی میں میرا ہیولا دیکھ لیا اور شکست خوردہ انداز میں برآمدے کے چبوترے کی طرف چل دی۔

"تت... تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟" وہ برآمدے سے

تھوڑی دُور ٹھہر کر خوفزدہ اور روہانسی آواز میں بولی۔

"یہاں کیوں آئی ہو؟" میں نے ایک خطرہ مول لیتے ہوئے سوال کیا۔ مارٹن مجھے بتا چکا تھا کہ اس کا مکان تنظیم کے تصرف میں رہتا تھا مگر وہ خود کبھی سامنے نہیں آتا تھا، اس لیے مجھے اُمید تھی کہ میرا سوال سلمیٰ کے لیے کسی شبہے کا باعث نہیں بنے گا اور میں اس کی مشتبہ سرگرمیوں کے اسباب دریافت کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

"مجھے تم سے نفرت ہے۔" وہ پھنسی پھنسی ہذیانی آواز میں بولی "تم وحشی درندے ہو، مجھے تم سے نفرت ہے، میرا سب کچھ چھین کر بھی تم کو سکون نہیں ملا ہے۔ کان کھول کر سُن لو کہ میں اپنی مرضی سے یہاں نہیں آتی ہوں، حکم ملتا ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی تعمیل کرنا پڑتی ہے۔"

اس کا جواب سُن کر میں لحظہ بھر کے لیے سُن ہو کر رہ گیا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، اس کی روشنی میں یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا تھا کہ سلمیٰ سے نہ صرف تنظیم کے لیے کوئی غیر قانونی کام لیا جا رہا تھا بلکہ مارٹن بھی.... حسبِ توفیق اس کی مجبوری کا فائدہ اُٹھا کر اسے پامال کر رہا تھا۔

میرے نزدیک وہ اس گھناؤنے کام کا بدترین پہلو تھا۔ جہانگیر اپنی مرضی سے معقول آمدنی کے لالچ میں تنظیم سے وابستہ ہوا تھا اور رفتہ رفتہ ان مکروہ کاموں میں اس حد تک ملوّث ہوتا چلا گیا کہ اس کے لیے ان مصروفیات سے کنارہ کش ہونا ناممکن ہو کر رہ گیا لیکن اس کی بیوی اپنے ذاتی اور خانگی مسائل سے قطع نظر ایک خانہ دار عورت تھی، جو اپنی مرضی سے ہرگز کسی مشتبہ کام میں ملوّث ہونا پسند نہ کرتی لیکن حالات بتا رہے تھے کہ وہ بھی تنظیم کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھی اور بے آبروئی کے ساتھ منشیات کے فروغ میں بھی کوئی نہ کوئی کردار ادا کر رہی تھی۔

یہ سمجھنا ناممکن تھا کہ جہانگیر خود اس قدر بے ضمیر ہو گیا ہو کہ اس نے اپنی بیوی کو بھی اپنے گھناؤنے کاموں میں ملوّث کر لیا ہو۔ وہ تو ان لوگوں میں سے تھا، جو اپنی بیویوں کے سامنے بھی ہر لمحے اپنی اَنا کا پرچم بلند رکھتے ہیں۔ میری طبیعت میں تجسّس پیدا ہو گیا کہ میں سلمیٰ کی کہانی کے بارے میں واقفیت حاصل کروں۔

"یہ میرا گھر ہے۔ یہاں چپّے چپّے پر میری مرضی چلتی ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "تم آتی ہو تو تمہارا نام سُن کر محض اس توقع پر دروازہ کھولتا ہوں کہ تم میرے چند لمحوں کو آسودگی بخشو گی، اس سے آگے تم یہاں کیوں آتی ہو اور کیا کرتی ہو۔ اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں لیکن مجھ سے نفرت کا اظہار کرنے کے بعد تم یہاں داخلے کے حق سے محروم ہو گئی ہو۔ یہ پیکٹ کیسا ہے تمہارے ہاتھ میں اور اسے تم نے کہاں سے چرایا ہے؟"

"اگر تم ہی اس مکان کے مالک ہو تو تمہیں یہ ضرور معلوم ہو گا کہ تمہارے گیراج میں کیسے پیکٹ جمع ہیں؟ وہ کون لاتا ہے اور پھر وہ کہاں پہنچائے جاتے ہیں؟" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"میرے صبر کا امتحان نہ لو عورت۔" میں نے قہر بار لہجے میں کہا۔ "جو پوچھ رہا ہوں، اس کا جواب دو۔"

"پیکٹ تو میں پہلے بھی لے جاتی رہی ہوں لیکن تم نے کبھی مجھ سے اس بارے میں سوال نہیں کیا۔" سلمیٰ کی آواز زہریلی ہو گئی۔ مجھ سے گفتگو کے آغاز کے بعد وہ اپنے ابتدائی خوف اور گھبراہٹ پر غالب آ چکی تھی۔ "لہٰذا اب ان فضولیات میں سر کھپانے کی ضرورت نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو... تم اپنے چہرے کی سیاہی میں اضافہ ہی کرنا چاہتے ہو تو شاید میں پوری قوّت صرف کر کے بھی تمہیں نہ روک سکوں گی۔"

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس کا مقصد بالکل صاف اور واضح تھا۔

وہ اپنی دانست میں کسی اور کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے ہر قیمت پر مارٹن کے گیراج سے ہیروئن کے پیکٹ لے جا کر کہیں پہنچانے پر مجبور تھی لیکن وہ جب بھی اپنی اس مہم پر آتی تھی، مارٹن کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو جاتی تھی اور اس وقت بھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ شاید پچھلی کہانی ایک بار پھر دُہرائی جائے گی مگر میں اس کی غلط فہمی دُور کیے بغیر اس سے صرف یہ معلوم کرنا چاہ رہا تھا کہ وہ کن حالات کے تحت اس کام میں ملوّث ہوئی تھی؟

"یہ سیاہ کار کس کی ہے؟" میں نے سوچے سمجھے انداز میں اپنے سوالات کی ابتدا کی۔

"فضول باتوں میں وقت برباد نہ کرو۔" وہ بگڑ کر تیز لہجے میں بولی "کار کس کی ہے؟ میں کون ہوں؟ کہاں سے آتی ہوں؟ یہ سب سوالات تمہارے لیے بے کار ہیں۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے، اگر میں مقررہ وقت پر واپس نہ لوٹی تو میرے لیے بہت سی دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"میں وقت برباد نہیں کر رہا۔ آج تم کو یہیں سے واپس لوٹنے کی اجازت مل جائے گی لیکن شرط یہی ہے کہ میرے سوالات کے جواب بے چون و چرا دیتی چلی جاؤ۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ یہ کار کس کی ہے؟" اس نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد جھجکتے ہوئے کہا۔

"پھر تمہاری تحویل میں کیسے آئی؟" میں اپنی بدلی ہوئی آواز برقرار رکھنے کے لیے پوری طرح کوشاں تھا۔

"یہ گاڑی اگنیشن میں چابی سمیت مجھے ایک مقررہ مقام پر کھڑی ہوئی ملی تھی۔ میں اپنی گاڑی پارک کر کے اس میں یہاں آئی ہوں اور واپسی پر پیکٹ سمیت یہ گاڑی اسی جگہ چھوڑ کر اپنی کار میں گھر روانہ ہو جاؤں گی۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔"

"تم نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ تمہارے چھوڑنے کے بعد گاڑی کون لے جاتا ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"یہ جاننے کی نہ ضرورت سمجھتی ہوں، نہ مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ ان لوگوں کی مخاصمت مول لے سکوں۔ مجھے ہر بار سختی کے ساتھ ہدایت کی جاتی ہے کہ واپسی پر ایک سیکنڈ بھی رُکے بغیر فوراً اپنے گھر واپس لوٹ جاؤں۔"

"یہ کام تم کس کے لیے کرتی ہو؟"

"شاید میرا امتحان لینا چاہ رہے ہو؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "تمہارا ہی کوئی ذلیل اور گھٹیا ساتھی ہوگا، ورنہ مجھے یہاں سے پیکٹ حاصل کرنے کا حکم کیوں ملتا؟"

"اس سے تمہاری دوستی کتنی پرانی ہے؟"

"دوستی!" وہ حقارت سے بولی۔ "آوازوں سے کہاں دوستی ہوتی ہے۔ کاش ایک بار اس کی صورت دیکھ لی ہوتی۔"

"یعنی سارے احکام فون پر ملتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"جانتے ہو تو مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟" اس کے لہجے میں بے پناہ تلخی اُمڈ آئی تھی۔ "اپنا گھر برقرار رکھنے کے لیے مجھے اس کے احکام کے سامنے سر جھکانا پڑا، ورنہ میں تو ایسی زندگی کو قابلِ نفرت سمجھتی ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ شادی شدہ ہو؟" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اسی حد تک کہ ہم رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔" اس کا لہجہ یک بیک نرم پڑ گیا۔ "مگر ہمارے درمیان ذہنی ہم آہنگی موجود نہیں ہے۔ میرے شوہر کو اپنی پُراسرار مصروفیات سے ہی اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ میرے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کر سکے، جس مواد کی بنا پر مجھے بلیک میل کیا جارہا ہے، وہ بہت معمولی نوعیت کا ہے۔ شادی سے پہلے کسی کو لکھے ہوئے دو چار رقعے یا خطوط کسی بڑے فیصلے کی کسوٹی نہیں بن سکتے لیکن میں جانتی ہوں کہ اس کے دل میں چور ہے، وہ ان خطوط کو غیر ضروری اہمیت دے کر میری زندگی برباد کردے گا۔ ... تم نے بھی مجھے قریب سے دیکھا ہے۔" یکایک اس کی آواز گلوگیر ہوگئی۔ "تم نے اندازہ لگایا ہوگا کہ میری فطرت میں کھوٹ نہیں ہے، میں اپنا گھر بسائے رکھنا چاہتی ہوں۔ وہ خود جو چاہے کرتا پھرے لیکن اُسے بھنک بھی مل گئی کہ میں کسی اور کے اشاروں پر ناچ رہی ہوں تو وہ مجھے زندہ درگور کردے گا۔ تم ہی اپنے دوست کو سمجھاؤ کہ خدا کے واسطے میرا پیچھا چھوڑ دے۔ اُسے شہر میں بہتیری دوسری لڑکیاں مل جائیں گی، جو خوشی سے اس کے لیے کام کریں گی۔"

سلمیٰ کی اس بات سے پورا نقشہ واضح ہوگیا۔ جہانگیر منیم کے دوسرے یا شاید تیسرے درجے کے فتنے داروں کی صف میں شامل تھا لیکن اس کی بیوی تنظیم کے مقاصد کے لیے استعمال کی جارہی تھی۔ اسے بلیک میل کرنے والا چاہتا تو معاوضے پر سلمیٰ سے بہتر اور مؤثر لڑکیوں کی خدمات حاصل کرسکتا تھا لیکن سلمیٰ کو بلیک میل کیے جانے سے تنظیم کا یہ گھناؤنا روپ بھی سامنے آگیا تھا کہ وہ لوگ اپنے اہم کارکنوں کی نجی زندگی پر بھی نگاہ رکھتے تھے اور کوئی خامی ہاتھ آتے ہی اپنے اصل شکار کے گرد جال کی ڈوریاں مضبوط کرنا شروع کردیتے تھے۔ سلمیٰ محض اس لیے بلیک میل کی جارہی تھی کہ وہ جہانگیر کی بیوی تھی۔ اگر وہ کوئی عام عورت ہوتی تو شاید اس کے ماضی کو ہرگز قابلِ توجہ نہ سمجھا جاتا۔

"تم واقعی دکھی معلوم ہوتی ہو۔" میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "میں کوشش کروں گا کہ کسی طرح اُسے سمجھا بُجھا کر تمہاری گلو خلاصی کی کوئی راہ نکال سکوں۔"

"یہ کام کردو تو میں تمہاری بےدام باندی بن جاؤں گی۔" سلمیٰ کی آواز بھر آگئی۔ "مجھے بدزبانی کے لیے معاف کردینا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہارے سینے میں ایک ہمدرد دل موجود ہے، میں تمہارے ظاہر سے دھوکا کھا گئی تھی۔"

"تم یہ کام کب سے کررہی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

اس بار وہ بُری طرح چونکی تھی پھر قدرے حیرانی کے ساتھ بولی۔ "عجیب بات ہے کہ یہ سوال تم مجھ سے کررہے ہو، حالانکہ میں دو ماہ پہلے پہلی بار یہاں آئی تھی تو تم نے اپنی وھیل چیئر پر خود ہی پیچھے آکر مجھے میرا کام سمجھایا تھا اور یہ بھی دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے کبھی ہدایت سے زیادہ پیکٹ لے جانے یا اسے کھول کر دیکھنے کی کوشش کی تو وہ میری زندگی کا آخری لمحہ ہوگا۔"

"وہ سب مجھے یاد ہے۔" میں نے جلدی سے بات سنبھالتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ شاید میرے پاس آمدورفت سے پہلے وہ تم سے کوئی اور کام بھی لیتا رہا ہو۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ وہ تمہارا دوست نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" میں نے مغموم لہجے میں کہا۔ "میں خود اسے اپنی نیک نامی کی باقاعدہ قیمت ادا کرتا ہوں، ورنہ کون شریف آدمی اپنے گھر کو ایسی مشتبہ کارروائیوں کا مرکز بننے دے گا؟ میں تو خود ایک معذور آدمی ہوں تمہیں بھیجنے سے پہلے اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ میرا دل بہلانے کا ایک بندوبست کررہا ہے، جس کا اضافی معاوضہ دینا ہوگا۔ میں دنیا سے کٹ کر اس چاردیواری میں تنہائی کا عذاب جھیلتا رہتا ہوں، اس لیے تم آئیں تو اپنی حد سے تجاوز کر بیٹھا۔ مجھے معلوم ہوتا کہ تم بھی اس کے ہاتھوں ستائی ہوئی کوئی معزز خاتون ہو تو میں ہرگز تمہیں پریشان نہ کرتا۔"

"جب تم بھی میرے ہی جیسے ہو تو بھلا میرے لیے کیا کر سکو گے؟"
اُس نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"وہ حریص ہے، مَیں اُسے پیش کش کروں گا کہ وہ تمھیں بھول جائے تو مَیں اس کے بدلے اسے ایک معقول رقم دینے کو تیار ہوں گا۔"

"اوہ... تم واقعی کتنے نیک انسان ہو۔" وہ ممنونیت سے لبریز لہجے میں بولی "یہ میری بدنصیبی تھی کہ مَیں آج تک تم کو ایک بدکردار اپاہج سمجھتی رہی۔"

یہ کہتے ہوئے وہ میری طرف بڑھی تھی کہ مَیں نے اُسے وہیں روک دیا "میرے قریب نہ آنا، مَیں نہیں چاہتا کہ اب کسی حرکت پر میرا ضمیر مجھے ملامت کرے۔ تم واپس جا سکتی ہو۔"

"مَیں تمھاری شکر گزار ہوں کہ تم نے میری کہانی سُن کر خود کو بالکل ہی بدل ڈالا ہے۔ بُرا نہ مانو تو واپسی سے پہلے یہ ضرور جاننا چاہوں گی کہ میرے لے جانے والے پیکٹوں میں کیا ہوتا ہے؟"

"یہ پیکٹ میرے گھر کی چار دیواری میں رکھے جاتے ہیں مگر مجھے کچھ علم نہیں کہ ان میں کیا ہوتا ہے۔ بس ایک اندازہ ہے کہ اس میں وہی سفوفِ مرگ ہوتا ہو گا جس کی وبا آج ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔"

"اوہ! ہیروئن۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "مجھے بھی یہی ڈر تھا کہ مَیں بے خبری میں کوئی بھیانک کھیل کھیل رہی ہوں۔ سنو! میرا شوہر بھی ایسا گیا گزرا نہیں ہے۔ اپنی گلوخلاصی کے لیے مَیں اُس کے علم میں لائے بغیر تھوڑی بہت رقم اپنے تصرف تک لا سکتی ہوں۔ اپنی آزادی کا بار میں تمھاری جیب پر نہیں ڈالنا چاہتی۔"

"دیکھا جائے گا۔" مَیں نے سرسری لہجے میں کہا۔

"اب میں چلوں گی، مَیں نہیں چاہتی کہ واپسی میں تاخیر پر اس کی طرف سے کسی بازپرس کا نشانہ بنوں۔"

مجھ سے اشارہ پاتے ہی اُس نے اپنی کار میں سوار ہو کر انجن اسٹارٹ کیا اور مَیں نے بٹن دبا کر اُس کے لیے آہنی پھاٹک کھول دیا۔

ان دنوں بھی پاکستان دولتِ مشترکہ کا رکن نہیں تھا لیکن پاکستانی شہری محض پاسپورٹ پر برطانیہ کا سفر کر سکتے تھے۔ سلطان شاہ نے اگلے دن پاسپورٹوں کے حصول کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں اور مَیں تنظیم کے باقی ماندہ تین میں سے دو بڑوں کے فون نمبر تلاش کر لینے کے بعد سوچ رہا تھا کہ ان سے چھیڑ چھاڑ کی ابتدا کیسے کی جائے؟

اس مرحلے پر جہانگیر کی بیوی کی کہانی نے میرے ذہن میں تنظیم کے خلاف آگ سی بھر دی تھی۔ اس میں نیچے سے اُوپر تک سب ہی سانپ اور سنپولیے تھے، جن کے لیے صرف اپنے ہی مفادات ہر چیز پر فوقیت رکھتے تھے۔

اگر جہانگیر کو صفِ اوّل کا آدمی نہ بھی شمار کیا جائے تو وہ تنظیم کے ان جاں نثار کارندوں میں سے تھا جنھوں نے اپنے خون پسینے سے اس کالے دھندے کی آبیاری کی تھی۔ وہ اس وقت سے تنظیم کے لیے کام کر رہا تھا، جب ہیروئن کا نام طبی تحقیقی اداروں سے باہر کوئی نہیں جانتا تھا اور تنظیم چرس کی ترسیل و تقسیم کے کاروبار پر قابض تھی پھر مقامی بازار میں چرس کا بحران پیدا کرنے کے بعد شہر میں نشے کے عادیوں کو ہیروئن کی جو مفت تھیلیاں نمونے کے طور پر فراہم کی گئیں، ان کی تقسیم میں جہانگیر بھی پیش پیش تھا۔ اس نے تنظیم سے متعلق فرائض کو اتنی سنجیدگی کے ساتھ اپنایا ہوا تھا کہ اس کے کئی بار کے زبانی وعدوں کے باوجود تنظیم کے خلاف معاملات میں مَیں اُسے اپنا مخلص دوست اور ہمدرد سمجھنے پر آمادہ نہیں تھا۔ مجھے ہر لمحے یہ شبہ رہتا تھا کہ جہانگیر اپنے فرائض کی بجاآوری میں کسی بھی لمحے میری گردن کٹوا دے گا۔ یہ دوسری بات تھی کہ بعد میں وہ اپنے اس احمقانہ فعل پر عمر بھر کے لیے پچھتاوے کا شکار ہو کر رہ جاتا۔

انتہا یہ تھی کہ اپنی وقت بے وقت کی مصروفیات کے باعث وہ اپنی ازدواجی زندگی میں بھی تلخیوں کا زہر گھول چکا تھا، جس کا ازالہ رفتہ رفتہ اُس کے بس سے باہر ہو گیا تھا لیکن اپنے تمام تر خلوص اور وفاداریوں کے باوجود تنظیم میں اس کی وقعت ایک بے بساط مہرے سے زیادہ نہیں تھی۔ اُسے قابو میں رکھنے کے لیے اُس سے بڑھ کر اس کی بیوی کو لگامیں ڈال دی گئی تھیں اور وہ بے چاری اپنی چار دیواری سے نکل کر مارٹن جیسے مکروہ شخص کا دل بہلانے اور ہیروئن کی نقل و حمل میں مدد دینے پر مجبور کر دی گئی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ سلمیٰ خود بھی غیر محتاط تھی۔ شادی سے پیشتر کسی کے ساتھ ملاقات و خط و کتابت سے قطع نظر، جہانگیر سے رشتہ استوار ہونے کے بعد بھی وہ میری توجہ کا مرکز بننے کی کوشش کرتی رہی تھی لیکن میری نگاہ میں سلمیٰ کی کوئی ذاتی کمزوری اسے ان گناہ گاروں کی صف میں کھڑا نہیں کر دیتی تھی جنھیں من مانے انداز میں سزا دی جا سکتی تھی۔

سلمیٰ کو اس رات مَیں نے آبرومندانہ انداز میں اس دہلیز سے لوٹا دیا تھا اور معذوری کی اداکاری کرنے والا مارٹن جہنم رسید ہو چکا تھا۔ اگر مارٹن کا گھر اپنی اصل شکل و صورت میں برقرار رہتا تو یہ اندیشہ تھا کہ کوئی دوسرا بھیڑیا مارٹن کی جگہ سنبھال لیتا اور پھر گلشن کا کاروبار پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ جاری ہو جاتا۔ ان امکانات کی بیخ کنی کے لیے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنی روانگی کے وقت میں اس عمارت کو بھی نذرِ آتش کر دوں گا تاکہ وہ ٹھکانا ہی باقی نہ رہے، جہاں غلیظ دھمکیوں کی آڑ میں آبرومندوں کو اُجاڑ کر گھر روانہ کیا جاتا تھا۔

"کیا اب ساری رات اسی کرسی پر گزار دو گے؟" سلطان شاہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"تین نام اور دو فون نمبر!" میں نے وہیل چیئر سے اترتے ہوئے کہا۔ "سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کیا جائے۔"

"نہیں تو شاید ویرا چیک کرے گی، اس وقت وہ بھی کسی خاتون زندہ کی طرح غضب ناک ہو رہی ہے۔ بہتر ہوگا کہ ان تینوں کو اسی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔"

اس کے تبصرے پر میں بے اختیار مسکرا دیا۔ "اس وحشی کتیا پر تین انسانوں کا بوجھ ڈالنا مناسب نہ ہوگا، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کتنے پانی میں ہیں۔"

"میری مانو تو پہلے ویرا کو فون کر لو۔ باہمی مشورے کے بغیر کوئی قدم اٹھایا تو شرمساری بھی ہو سکتی ہے۔" اس نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

اس کی بات معقول تھی۔ میں ایک وقت میں متعدد معاملات پر سوچ بچار رہا تھا جب کہ وہ ایک وقت میں بس ایک ہی معاملے پر غور و فکر کرنے کا عادی تھا لہٰذا اس کے فیصلے عموماً میرے لیے رہنما ثابت ہوتے تھے۔

میں نے فون پر ویرا کے نمبر ڈائل کیے تو پہلی ہی گھنٹی پر اس کی لٹائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تھکی ہوئی ہو... کن مراحل سے گزر کر بیٹھی ہو؟" میں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"مجھ سے شرافت سے بات کیا کرو۔" وہ میری آواز پہچان کر بھنائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "ہر وقت کی کڑوی کسیلی نوک جھونک تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔"

"میں اس تکلیف دہی پر معذرت خواہ ہوں ویرا خانم!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میرا تو خیال تھا کہ میں تمہارے موڈ کو خوش گوار بنانے میں مدد دے رہا ہوں۔"

"مارٹن کو ختم کر کے ہم سے ایک سنگین غلطی کا ارتکاب ہوا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "اس کے بعد اب ہر طرف مکمل بلیک آؤٹ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجوزہ میٹنگ کے بارے میں مارٹن کو اپنے ساتھیوں کو اعتماد میں لینے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اب باہر سے آنے والا کس سے رجوع کرے گا اور میٹنگ کا انعقاد کیسے ہوگا؟"

"تم ان لوگوں کے طریقۂ کار سے مجھ سے زیادہ واقف ہو۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "تم ان کے حلقے سے باہر ہو۔ وہ کسی خفیہ اجلاس کے بارے میں بھلا تمہیں کیوں بتانے لگے؟ ہاں آخری لمحات پر ضرورت محسوس ہوئی تو ان تینوں میں سے جو سینئر ہوگا، وہ تمہیں اچانک طلب کرے گا۔ ابھی تک تو وہ یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ مارٹن زندہ ہے اور سارے معاملات اسی کی نگرانی میں طے کیے جائیں گے۔"

"لیکن مجھے اجلاس کے بارے میں کیسے معلوم ہوگا؟" اس کی آواز الجھن آمیز تھی۔

"ابھی تمہارے فرشتوں کو بھی کچھ معلوم نہ ہو سکے گا۔ بس آخری لمحات پر کہیں طلب کر لی جاؤ گی مگر تم کو ابھی سے اس اجلاس کی فکر کیوں لاحق ہو گئی ہے؟" میں نے قدرے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا چاہ رہی ہوں۔" اس کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تمہیں تو اب تنظیم کے مفادات سے زیادہ اس کی بیخ کنی سے دلچسپی ہونا چاہیے۔" میں نے اسے یاد دلاتے ہوئے کہا۔ "مارٹن نے تین آدمیوں کے نام دیے ہیں، اب باری باری ان کو نمٹا دینا چاہیے۔"

"تم صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔" ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔ "دراصل میں ان سب کا ایک ساتھ صفایا کرنے کے چکر میں ہوں۔ ابھی ان پر ہاتھ ڈالا تو باہر سے آنے والا ہوشیار ہو جائے گا۔ میں اس کا قصہ بھی نمٹانا چاہ رہی ہوں اور اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مجھے اجلاس میں شرکت کا موقع ملے۔"

"اس کے لیے تمہیں تحمل کے ساتھ انتظار کرنا ہوگا۔"

"اور اگر اس دوران میں ان تینوں کو مارٹن کی ہلاکت کی اطلاع مل گئی؟"

"اسے میں سنبھال لوں گا۔ یہ نہ بھولو کہ اس محاذ پر میں خود موجود ہوں بلکہ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ فی الحال تم ان تینوں سے دور ہی رہو، ان سے میں نمٹ لوں گا۔"

"بس یہ خیال رہے کہ ان پر اوچھا ہاتھ پڑا تو سارا کھیل درہم برہم ہو جائے گا۔"

"تم بے فکر رہو لیکن مجھے اتنا ضرور بتا دو کہ اب روانگی کے لیے تم کتنا وقت لو گی؟"

"بس تم اپنے کاغذات تیار کرا لو۔" اس کی آواز سنائی دی۔ "میرا پاسپورٹ موجود ہے جب چاہوں ٹکٹ خرید کر سفر پر روانہ ہو سکتی ہوں۔"

"میرا پاسپورٹ کل تیار ہو جائے گا۔" میں نے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس پھر اجلاس کے بعد روانگی کا پروگرام طے سمجھو۔ اس دوران میں یہاں سے یورپ کے جتنے ممالک کے ویزے لے سکتے ہو، لے

لوکیونکہ برطانیہ کے علاوہ دوسرے ممالک میں تمہارے پاسپورٹ کو مشتبہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور برطانیہ سے ہی دوسرے یورپی ممالک کا ویزا نہیں ملتا۔"

"دوسرے ممالک سے مجھے کیا لینا ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ ہمارا معاہدہ دوطرفہ ہے۔" اس کا لہجہ قدرے خشک ہوگیا تھا۔" غزالہ کی واپسی کے بعد ڈان مرسیا تو کی تلاش کی مہم میں بھی تمہاری ضرورت پڑسکتی ہے۔"

"اسے میں بھول ہی رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ جمی لائیڈ، ڈان مرسیا تو کے رُوپ میں تمہارا دیکھا بھالا کردار ہے۔ اُسے تم روم میں براہ راست پکڑ سکتی ہو۔"

"ہونا اسی طرح ہے لیکن تمہیں تیار رہنا ہوگا۔ وہاں کی ضروریات کو میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔"

"میں کوشش کروں گا لیکن یہاں اب تم ان تینوں سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہیں کرو گی۔ تم فی الحال آرام کرو۔ انھیں میں خود دیکھ لوں گا۔"

"یہ یاد رکھنا کہ مارٹن کا شناختی کوڈ راسپوٹین تھا۔"

"یہ تمہیں کیسے معلوم ہوگیا؟" میں نے خوشگوار حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"میں نے وقت برباد نہیں کیا ہے۔ مجھے ترتیب وار ان پانچوں کے شناختی کوڈ معلوم ہیں لیکن یہ پتا نہیں تھا کہ مارٹن راسپوٹین ہوگا۔ ترجیحی فہرست میں اس کا دوسرا نمبر تھا۔"

"تنویر، ارشد اور داؤد کے شناختی کوڈ کیا ہیں؟"

"ترتیب وار معلوم نہیں۔ پتا نہیں مارٹن کے بعد ان میں سے کون کمان سنبھالے گا۔ ویسے اگلے تین کوڈ گلیشیئر، لارڈ ڈائیفل اور سانتا کلاز ہیں۔ یہ معلوم کرنا تمہارا کام ہے کہ ان میں سے کون کیا ہے۔"

"یہ تم نے کام کی بات بتائی ہے۔ اب میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔" یہ سی کسر اجلاس کے موقع پر پوری ہوجائے گی۔"

"لیکن میں ایک بار پھر تم کو وارننگ دے رہی ہوں۔ اس وقت تمہاری رُوپوشی میری اور تمہاری سلامتی کے لیے سب سے زیادہ اہم ہے۔ کسی کو تمہاری بھنک بھی مل گئی تو خونی بھیڑیے ہر طرف تمہاری تلاش میں پھیل جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے بی بی!" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔" یہ نکتہ مجھے ہر وقت یاد رہتا ہے۔"

سلسلہ منقطع کرکے میں نے اپنے لیے نئی سگریٹ سلگائی اور ایک گوشے میں پڑی ہوئی کرسی پر آبیٹھا۔ سلطان شاہ میری اور ویرا کی گفتگو کی تفصیلات جاننے کے لیے بے چین ہورہا تھا لہٰذا میں اسے پوری گفتگو کا خلاصہ سُنانے لگا لیکن میرا ذہن مسلسل اسی ایک نکتے میں اُلجھا ہوا تھا کہ میں ان تینوں کو ہوشیار ہونے کا موقع دیے بغیر یکے بعد دیگرے کیسے زیر کرسکوں گا؟

کافی سوچ بچار اور سلطان شاہ کے ساتھ بحث و تمحیص کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ان تینوں کو بے خبری میں گھیرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ مارٹن کی موت کا راز برقرار رکھتے ہوئے اس سے متعلق ہر معاملے کو ایسی خوش اسلوبی سے نمٹایا جائے کہ کسی کو بھی مارٹن کی غیر موجودگی کا احساس نہ ہوسکے۔ اس کوشش کی کامیابی کی کلید ویرا نے مارٹن اور اُس کے ساتھیوں کے شناختی کوڈ فراہم کرکے میرے حوالے کردی تھی۔

اس نئی حکمت عملی کی روشنی میں ان تینوں کو میرا فون کرنا خطرناک ہوسکتا تھا۔ بظاہر تو یہ خاصا سہل معلوم ہوتا تھا کہ میں نمبر ڈائل کرکے سلسلہ مل جانے پر راسپوٹین کا کوڈ دُہراؤں جسے سُن کر دوسری طرف والے کو لامحالہ اپنا کوڈ بتانا پڑتا لیکن اس صورت میں سب سے بڑی خرابی یہ بھی کہ میں اُن تینوں میں سے کسی کی آواز نہیں پہچانتا تھا۔

اُن میں تنویر نہ صرف ملک کا ایک معروف تاجر اور صنعتکار ہی تھا بلکہ واضح سیاسی اثر و رسوخ کا مالک بھی تھا۔ ارشد ایک اہم محکمے میں اعلیٰ سرکاری افسر رہ چکا تھا اور ریٹائرمنٹ کے بعد بظاہر کامیاب سیاسی زندگی گزار رہا تھا۔ داؤد کا نام میرے لیے نیا تھا لیکن یہ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ باقی دونوں کی طرح وہ بھی معاشرے میں نمایاں مقام رکھتا ہوگا لہٰذا یہ بات یقینی تھی کہ ان کے گھروں میں ان کے ملازمین سے لے کر افرادِ خانہ تک خاصی نفری موجود رہتی ہوگی اور اگر میں اُن کے گھر کے کسی دوسرے فرد کے سامنے اپنا کوڈ دُہرا بیٹھتا تو حالات کو سنبھالنا ناممکن ہوکر رہ جاتا۔ اس لیے بہتر یہی تھا کہ خاموش رہ کر اُن ہی کی طرف سے کسی رابطے کا انتظار کیا جائے یا انھیں کسی اور تدبیر سے گھیرا جائے۔

سلطان شاہ انتظار کے بجائے پیش قدمی پر تلا ہوا تھا۔ اس بارے میں اس کی سب سے مضبوط دلیل یہ تھی کہ برطانیہ روانگی سے قبل ہمارے پاس وقت بہت کم تھا جسے انتظار میں ضائع نہیں کیا جاسکتا تھا۔

سلطان شاہ دلیر ہونے کے ساتھ ہی بہت زیادہ جوشیلا بھی تھا، اس لیے میری رائے میں وہ اس مہم کے لیے موزوں نہیں تھا، جہاں دلیری سے زیادہ مکاری کارگر ہوسکتی تھی۔ دوسری طرف میرے باہر نکلنے میں بہت سے نادیدہ خطرات مضمر تھے لہٰذا ہم اسی موضوع پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے مارٹن کی خوابگاہ پر اپنا تصرف جمانے کی تیاریاں کرنے لگے۔

اگلی صبح... کراچی کے اخبارات میں لائیڈز کالج کی تباہی کی
خبریں تصاویر سمیت شائع ہوئی تھیں۔ لائیڈز کالج کے مکینوں کو
جمی لائیڈ کے مفروضہ سماجی رتبے کی بنا پر سرکاری سطح پر بہت سی
مراعات ملی ہوئی تھیں لہٰذا وہاں تباہ کاری پھیلتے ہی لاہور کی پوری
سرکاری مشینری حرکت میں آ گئی تھی پھر وہاں مہلک ہتھیاروں اور
بارودی ذخائر کی موجودگی کی علامات سامنے آتے ہی تمام سرکاری
حلقے دم بخود رہ گئے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ عین
اُن کی ناک کے نیچے ایک مراعات یافتہ طبقہ اس قدر گھناؤنے اور
باغیانہ کام میں ملوث ہوگا۔

معاملے کی سنگینی کے پیشِ نظر یہ امکانات بھی فوری طور پر کھنگال
ڈالے گئے کہ کہیں ملکی نظم و نسق یا دفاع سے متعلقہ محکموں نے لائیڈز کالج
والوں کو اسلحے کی فراہمی کا کوئی خفیہ ٹھیکا نہ سونپ دیا ہو۔ ہر طرف
سے منفی جوابات ملنے کے بعد لائیڈز کالج کا تمام سُلگتا ہوا ملبہ ماہرین
کی تحویل میں دے کر اس کے گرد فوج کا کڑا پہرہ لگا دیا گیا لیکن پورے
لاہور میں کسی کو علم نہیں تھا کہ لائیڈز کالج کے معاملات پر کس سے
جواب طلب کیا جائے گا۔

اطلاعات کے مطابق جمی لائیڈ جو اس عمارت کا واحد قانونی
مالک اور دُہری شہریت کا مالک تھا، گزشتہ کئی برسوں سے
بیرونِ ملک مقیم تھا۔ اس کا پتا یا ٹھکانا کسی کے علم میں نہیں تھا
اور نہ ہی لائیڈز کالج کے ملبے سے کوئی زندہ شخص برآمد ہوا
تھا، جو اس ہولناک قیامت پر کوئی روشنی ڈال سکتا۔

ماہرین کے مطابق لائیڈز کالج میں ہونے والے دھماکے
اس قدر مہیب اور تباہ کن تھے کہ نہ صرف تمام عمارات کی
بنیادیں ریزہ ریزہ ہو گئی تھیں بلکہ وہاں سے ملنے والی بیشتر لاشیں
اس بُری طرح مسخ ہوئی تھیں کہ ان کی شناخت ناممکن ہو کر رہ
گئی تھی۔ اس طرح لائیڈز کالج کی تباہی حکام کے لیے ایک پُراسرار
پہیلی بن کر رہ گئی تھی، جس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔

اطلاعات کے مطابق جمی لائیڈ ایک مجرد شہری تھا، جس
کے کسی وارث کا کسی ریکارڈ میں کوئی اندراج نہیں تھا۔ ایک
اخباری نمائندے نے امکان ظاہر کیا تھا کہ واقعات کی تہ تک
پہنچنے کے لیے کئی ایکڑ پر مشتمل اس وسیع رقبے کی جمی لائیڈ کے
نام منتقلی کی سرکاری دستاویزات کی تلاش ناگزیر نظر آتی تھی
تاکہ اس کی مدد سے متعلقہ فریقوں اور جمی لائیڈ کے گواہوں کی
نشاندہی کے بعد تفتیش کا دائرہ وسیع کیا جا سکے۔

خوشی کی بات یہ تھی کہ لائیڈز کالج کے ملبے سے متعدد ممنوعہ
اشیاء اور ناجائز اسلحے کے انبار کے ساتھ ہی ہیروئن کی بڑی
مقدار کی موجودگی کے آثار بھی ملے تھے۔ ہیروئن پلاسٹک کی تھیلیوں
میں ڈال کر واٹر کولروں کی دُہری دیواروں کے درمیان چھپائی
گئی تھی۔ دھماکوں کے بعد ہونے والی بھیانک آتش زنی میں سارے
واضح شواہد برباد ہو گئے تھے لیکن جو کچھ ہاتھ آ سکا تھا اُس کی بنیاد
پر حقائق کے بارے میں بہتیرے اندازے لگائے جا سکتے تھے
جو رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی تھے۔

ایک کثیر الاشاعت روزنامے نے لائیڈز کالج کے ملبے سے
برآمد ہونے والے شواہد کی روشنی میں اسلحے کی ناجائز درآمد اور ہیروئن
کی بھاری غیر قانونی برآمد کا فیصلہ صادر کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار
کر دیا تھا کہ اب شاید کبھی جمی لائیڈ یا اُس کے کسی وارث کا کہیں
کوئی سُراغ نہ مل سکے کیونکہ اس حوالے سے جو بھی سامنے آیا اُسے
لائیڈز کالج کے انسانیت سوز سانحے میں لقمۂ اجل بننے والوں کے
ورثا کے حساب کے ساتھ شرمناک غیر قانونی دھندوں کا حساب
بھی دینا ہوگا۔

لائیڈز کالج جیسی محترم اور معتبر عمارت کی بربادی سے افشا
ہونے والے سربستہ رازوں کی بنیاد پر اخباری کالموں میں ملک میں
تیزی کے ساتھ طاقت پکڑتی ہوئی ڈرگ مافیا کے وجود کی نشاندہی
شروع ہو گئی تھی کیونکہ دس کلو ہیروئن کی بین الاقوامی قیمتوں پر برآمد
دس ٹن سے زائد اسلحے کی درآمد کے وسائل فراہم کر سکتی تھی۔

سُلطان شاہ شہر کے چند اخبارات میرے حوالے کر کے خود سفری
دستاویزات کے حصول کی مہم پر نکل گیا تھا اور میں ان اخبارات کی
ایک ایک سطر میں اپنے لیے لذت کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا
محسوس کر رہا تھا۔ خبریں تو جو تھیں سو تھیں لیکن اخباری تجزیے اور
سیاسی اور سماجی زعماء کے بیانات سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ لائیڈز کالج
نے متعدد انسانی جانوں کی بھینٹ لے کر ملک کے ہر ذی شعور شخص
کی آنکھیں کھول دی تھیں کہ اگر ہیروئن کی بڑھتی ہوئی تیاری اور
عالمی تجارت کی روک تھام نہ کی گئی تو یہ ہولناک طوفان پورے
ملک اور معاشرے کی بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔

معاً میرے ذہن میں ویرا کے الفاظ گونجنے لگے۔ اُس نے مجھے
بتایا تھا کہ اُن کی تنظیم اور اُس کے معاونوں نے سادہ لوح قبائلیوں
میں طلب اور رسد کے معاشی اصول کی وکالت کرتے ہوئے مقامی
خام مال اور بیرونی فنی امداد کے سہارے ہیروئن کی تیاری اور
اس پر بھاری منافع کے نظریے کو اس طرح فروغ دیا تھا کہ اب
وہ لوگ ہیروئن کی تیاری اور تجارت کو اپنی معاشی بقا کی بنیاد
قرار دینے لگے تھے اور ہر اس ہاتھ کو توڑ دینے کے درپے ہو گئے
تھے جو اُن کی دیسی فیکٹریوں کا دشمن تھا۔

ان ظالموں نے وقتی اور مقامی مفادات کو ملکی مفادات

سے لڑادیا تھا، نتیجہ بکف بُوکی اقلیت کو قدرے خوشحال لیکن نہتی اقلیت کے سروں پر لا کھڑا کیا تھا اور منافرت کی اس آگ میں اپنے مفادات کو کُندن بنانے پر تُلے ہوئے تھے۔

ویرا کے کہنے کے مطابق ہیروئن کی تیاری ناقابلِ گزر پہاڑوں کی آغوش میں ان تجربہ گاہوں میں ہو رہی تھی، جہاں ایک طرف پتھر اور گارے کے بنے ہوئے کچے مکانوں میں رہنے والیاں اپنے نرم و نازک پیروں کو لہولہان کر کے میلوں دُور سے وہ لکڑی سروں پر لاد کر لاتی ہیں، جو اُن کے چولھوں کو روشن کرتی ہے اور دوسری طرف لیبارٹریوں میں لگے ہوئے ریڈار اسکرین اور طیارہ شکن توپیں زمین اور فضا سے ہونے والے کسی امکانی، انسدادی حملے کے خلاف شب و روز چوکنا رہتی ہیں۔

مَیں سطر سطر پڑھتا رہا اور لفظ لفظ سوچتا رہا پھر اچانک ہی فون کی تیز گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ مَیں اخبارات ایک طرف اچھال کر فون کی طرف لپکا اور تیسری گھنٹی سے قبل ہی ریسیور اُٹھالیا۔

"سانتا کلاز!" ہیلو کے جواب میں ریسیور پر دوسری طرف سے مختصر اور قدرے تحکم آمیز آواز اُبھری اور پھر ریسیور پر سناٹا چھا گیا۔ وہ آواز سُنتے ہی میرے اعصاب میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ آخر کار وہ لمحہ آہی گیا تھا جس کا مجھے پچھلی رات سے انتظار تھا اور اب میری صلاحیتوں کا امتحان تھا کہ میں سانتا کلاز کو کس حد تک مطمئن کر سکتا ہوں۔

"راسپوتین!" مَیں نے مارٹن کی آواز کی نقل اُتارتے ہوئے اس سے زیادہ تحکمانہ انداز میں کہا۔ "کہو، آج صُبح ہی صُبح کیسے فون کرنے کی ضرورت پیش آگئی؟"

لمحہ بھر کے لیے لائن پر ایسا اعصاب شکن سکوت چھا گیا جیسے دوسری طرف والے کو سانپ سُونگھ گیا ہو پھر اچانک ہی اُس کی غُرّاتی آواز اُبھری "تم نے اخبارات تو دیکھ ہی لیے ہوں گے۔ اس حادثے نے میرے اعصاب ہلا کر رکھ دیے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی بڑی تباہی کیسے نازل ہوئی؟"

"جو ہو گیا اُسے لوٹانا ہمارے بس سے باہر ہے" مَیں نے اپنی بدلی ہوئی آواز برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "سوچنا یہ ہے کہ آئندہ ایسے ناگہانی واقعات کا سدِباب کیسے ہو؟"

"یہ آج تمھاری آواز کو کیا ہُوا؟" اس کی چونکی ہوئی آواز سُنائی دی اور میری ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ شاید مَیں روانی میں کوئی غلطی کر گیا تھا۔ کوئی ایسی بات میری زبان سے نکل گئی تھی، جو مارٹن کے مزاج سے میل نہ کھاتی تھی مگر اس نے میری غلطی پکڑنے کے بجائے آواز کو اپنے اعتراض کا نشانہ بنایا تھا۔ پہلی بار میری آواز سُن کر اس نے تائید بھرا تردد آمیز سکوت اختیار کیا تھا اور دوسری بار خوبصورتی کے ساتھ اپنے شبہے کا اظہار کر بیٹھا تھا۔

"کل سے ذرا طبیعت خراب ہے۔" مَیں نے وقت کا کوئی تعین کیے بغیر محتاط انداز میں کہا۔ "لاہور سے ملنے والی اطلاعات نے پریشان کیا ہُوا ہے، وہاں ایک سرے سے سب ہی صاف ہو گئے۔ سر جوڑ کر بیٹھے بغیر اس واقعے کے اسباب کا کھوج لگانا دُشوار ہی نظر آرہا ہے۔"

"کاٹیج تو پھر سے کھڑا کیا جا سکتا ہے لیکن وان ہوف کی موت ایک معمّا بن گئی ہے۔" اُس کی آواز اُلجھن آمیز تھی "جو ہاتھ اسے موت کی نیند سُلا سکتا ہے، وہ جلد یا بدیر ہماری گردنوں تک بھی پہنچ سکتا ہے۔"

"تمھارے لہجے سے بغاوت اور بُزدلی کی بُو آرہی ہے۔" مَیں نے تنظیم کے مروّجہ معیار کے مطابق فوری طور پر ترش لہجے میں کہا۔ "یہ نہ بھولو کہ کچھ اور ہاتھ بھی اس سے زیادہ رسائی رکھتے ہیں۔"

"اوہ! یہ مطلب نہیں تھا میرا۔" وہ جلدی سے بولا تھا "کیا معلوم کہ اس کا قاتل کون تھا پھر اُسے تشدد کے بعد مارا گیا ہے۔ کیا یہ امکان نہیں کہ اُس نے مرنے سے پہلے قاتل کو ہمارے بارے میں بتا دیا ہو۔"

"فکر نہ کرو۔" مَیں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "ایسا ہُوا بھی ہے تو قاتل تم سے پہلے میرے پاس آئے گا۔"

"میں اپنی یا تمھاری بات نہیں کر رہا۔" اس کا لہجہ فوری طور پر مدافعانہ ہو گیا تھا۔ "یہ ہم سب کے لیے ایک مشترکہ خطرہ ہے، اگر اس کا سدِباب نہ کیا گیا تو ہماری گردنیں کٹنے کے بعد تنظیم بھی خاصے لمبے عرصے کے لیے قیادت کے بحران میں مبتلا ہو جائے گی۔"

"یہ امکانات ہر ایک کے سامنے ہیں لیکن کارروائی کے آغاز کے لیے کوئی سِرا سامنے نہیں ہے۔ تمھارے ذہن میں کوئی تجویز ہو تو میں کھلے دل سے اس پر بات کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"تمھاری یہ پیش کش میرے لیے حیران کن ہے۔" اس کی آواز میں ہلکا سا طنز کا عنصر پیدا ہو گیا۔ "ورنہ تم اپنے اختیار میں کسی کی شرکت گوارا نہیں کرتے... اس کا مطلب ہے کہ اپنی جگہ تم بھی بے بسی محسوس کر رہے ہو۔"

"اس سے بڑی بے بسی اور کیا ہوگی کہ کاٹیج تباہ ہو گیا اور ہم ابھی تک ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا مگر میں دل ہی دل میں اپنی فراخ دلی پر لعنت بھیج رہا تھا جو مارٹن کے مزاج سے میل نہ کھاتی تھی۔ "اس وقت ہم ایک بدترین مشکل سے دوچار ہیں۔ جیپ دلدل میں پھنسی ہو تو افسر اس میں سوار رہ کر محض جوانوں کی کوشش پر بھروسا نہیں کر سکتے۔ ایسی حماقت سب ہی کو لے ڈوبتی ہے۔ بچنے کے لیے سب ہی کو بساط بھر کوششیں کرنا پڑتی ہیں اور اس وقت میں خود کو ایسی ہی کیفیت سے دوچار محسوس کر رہا ہوں۔"

"نہ جانے باہر سے کون آرہا ہے اور کیا فیصلے ساتھ لا رہا ہے۔
اب تو اسی سے کچھ اُمیدیں وابستہ ہیں۔" اس کی آواز سے مایوسی ٹپکنے لگی تھی۔ "مجھے رہ رہ کر ہول اٹھ رہے ہیں کہ کاٹیج کی تباہی کے بعد کی خاموشی میں کہیں کوئی طوفان انگڑائیاں نہ لے رہا ہو... براؤن شوگر کے فروغ کے ساتھ ساتھ ہر سطح پر اس کی مخالفت بھی زور پکڑتی جا رہی ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی سر پھرے افسر کو کچھ بھنک مل گئی ہو اور اس نے کاٹیج کے مرتکوہ پروٹوکول کے سامنے خود کو بے بس محسوس کرتے ہوئے سب کچھ تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو کہ اس طرح سارے ہی راز خود بخود کھلی تحقیقات کی زد میں آ جائیں گے۔"

"ذہن کو اتنا نہ تھکاؤ۔" میں نے سرد اور گمبھیر لہجے میں کہا "کوئی افسر ذاتی مفاد کے علاوہ کسی اور معاملے میں قانونی حدود سے تجاوز نہیں کرتا۔ ایسے دو چار بھی افسر پیدا ہو جائیں تو اس معاشرے میں زندگی بالکل بے کیف اور یک رنگ ہو کر رہ جائے گی تخریب کاری کے علاوہ اس حادثے میں کسی بھیانک غلطی کا امکان بھی ہو سکتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم نے ہر پہلو پر نگاہ رکھی ہوگی مگر تازہ ترین معلومات سے مجھے بھی باخبر رکھنا۔ اس حادثے نے سارا سکون غارت کر کے رکھ دیا ہے۔"

"خواب آور دوا کا ایک مناسب ڈوز بہت مؤثر ثابت ہوگا۔ گولیاں کھا کر آٹھ دس گھنٹوں کی گہری نیند لے لو گے تو خود کو تر و تازہ اور دلیر محسوس کرو گے۔"

"گولیاں!" ریسیور پر اس کی خوف زدہ سی ہنسی اُبھری۔ "خدا ہم سب کو گولیوں سے محفوظ رکھے سکم از کم تم تو ایسے مشورے نہ دو۔ گولی سے ذہن میں بارود کا تصور جاگ اُٹھتا ہے۔"

"تم کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا "بہتر ہوگا کہ اپنی توانائی گفتگو میں ضائع نہ کرو۔"

"اوہ! میں بھول گیا تھا کہ تم مجھ سے برتر ہو۔ مجھے معاف کر دینا۔" اس کی آواز استہزائیہ ہو گئی۔

"مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔ شاید تم بہت زیادہ ڈر گئے ہو۔ بہر حال میں اس گفتگو کو محض اس اُمید پر بھول جانے کی کوشش کروں گا کہ آئندہ تم محتاط رہو گے۔ سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ تم نے آپریٹس کے بجائے فون استعمال کیا ہے جبکہ شہر کے بیشتر فون نمبر ایک دوسرے سے کراس کنکٹ ہو جاتے ہیں۔"

مجھے اس سے بات کرتے ہوئے اچانک ہی خیال آیا تھا کہ تنظیم کے پانچ مقامی اڈوں کے پاس حساس ترین ٹرانسمیٹر موجود تھے جن پر ہونے والی گفتگو کو پکڑنا ناممکنات میں سے تھا اور اسی ساخت کا ٹرانسیٹر وان ہوف کی اس پجیرو میں نصب تھا جو اس نے لاہور میں ویرا کو دی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ مارٹن کے خاتمے کے بعد میں نے اس کے گھر میں ٹرانسیٹر کی تلاش پر توجہ کیوں نہ دی؟

"مجھے خوشی ہے کہ تمہیں آپریٹس یاد آ گیا۔ میں دو گھنٹوں سے اس پر تمہارے لیے سگنل نشر کر رہا تھا جواب نہ ملنے کے بعد ہی فون نمبر پر رجوع کیا ہے۔" اس کی آواز پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے کانوں میں اتر رہی تھی۔ "اس غلطی میں تم بھی میرے ساتھ برابر کے شریک ہو کیونکہ میرا کوڈ شناخت کرتے ہی تمہیں مجھ کو آپریٹس پر رابطہ قائم کرنے کی ہدایت دینا چاہیے تھی۔ تم بڑے ہو، تمہاری ذمے داریاں بھی مجھ سے بڑی ہیں۔"

"ہم دونوں الجھے ہوئے ہیں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اس سے پہلے کہ ہماری گفتگو تلخی اختیار کرے، ہمیں یہ سلسلہ منقطع کر دینا چاہیے۔"

"میں اپنے بڑوں کا احترام کرتا ہوں تمہارا یہ حکم ہے تو یہی سہی۔ خدا حافظ۔" اس نے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں نے بوجھل ذہن کے ساتھ ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ باقی ماندہ تین اڈوں میں سے ایک سے بات ہو گئی تھی لیکن مجھے اس کا اصل نام معلوم نہیں ہو سکا تھا پھر اس کا اندازِ گفتگو بھی بہت عجیب تھا جس نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ گفتگو کے طول پکڑنے کے باعث مجھ سے غالباً کئی غلطیاں ہوئی تھیں اور اگر وہ ذرا بھی دماغ رکھتا تھا تو اس کا مشتبہ ہو جانا لازمی تھا۔

اگر وہ میری طرف سے بھڑک گیا تھا تو مارٹن کی قیام گاہ میرے لیے مخدوش ہو چکی تھی۔ وہ اپنے شبہات کی تصدیق یا تردید کے لیے کسی بھی لمحے وہاں نازل ہو سکتا تھا۔

میرا ذہن تیزی کے ساتھ اس مخدوش صورتِ حال کا تجزیہ کرتا رہا آخر کار میں نے وقت ضائع کیے بغیر ویرا سے رجوع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان نازک لمحات میں فوری طور پر اسی سے کوئی قابلِ قدر مشورہ مل سکتا تھا۔

چھٹا ہندسہ ڈائل کرتے ہی ریسیور پر لائن مصروف ہونے کی مخصوص ٹون سنائی دی اور میں نے اضطراری طور پر کریڈل دبا کر دوبارہ نمبر ملانا شروع کر دیا۔

ہر بار ویرا کے نمبر سے انگیج ٹون ہی ملتی رہی اور میرے وجود پر چھایا ہوا اضطراب لمحہ بہ لمحہ بڑھنے لگا۔ میں مشینی انداز میں بار بار اس کا نمبر ڈائل کرتا رہا۔ ذہن میں یہ اندیشہ بھی جنم لے چکا تھا کہ شہر میں پھیلی ہوئی عام و باکی زد میں آ کر کہیں ویرا کا فون خراب ہی نہ ہو گیا ہو لیکن اس نااُمیدی کے باوجود میری انگلیاں ڈائل سے اُلجھی رہیں اور آخر کار دسویں بار دوسری طرف سے گھنٹی کی فرحت بخش آواز آ ہی گئی۔

ریسیور فوراً اٹھالیا گیا تھا اور ویرا کی بدلی ہوئی آواز میں ہیلو سُنائی دیا تھا۔

" بلیک ہاک بول رہا ہوں... فالکن...!" میں نے طے شدہ کوڈ کے تحت کہا مگر ویرا نے اپنی اصلی آواز میں فوراً ہی میری بات کاٹ دی۔

" میں ابھی تم ہی کو ٹرائی کر رہی تھی' تم کس سے بات کر رہے تھے؟" ویرا کی پُرجوش آواز میں کوئی ایسی غیر معمولی بات تھی جس کی وجہ سے میرا دورانِ خون تیز ہو گیا۔

" تمہارا ہی نمبر ملا رہا تھا' شاید دسویں کوشش میں تم سے رابطہ قائم ہوا ہے۔"

" اوہ! اس سے پہلے میرے پاس ایک اہم کال تھی۔ اس سے بات کرنے کے بعد ہی مجھے تم سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ تم سے کہیں کوئی فاش غلطی ہوئی ہے اور اب تم اس عمارت میں بالکل غیر محفوظ ہو۔ نامعلوم لوگ کسی بھی لمحے تمہارے گرد گھیرا ڈال سکتے ہیں۔"

" اسی سلسلے میں تم کو فون کیا ہے۔" میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔" سانتا کلاز کے حوالے سے ان تینوں میں سے کسی نے مجھے فون کیا تھا۔ اس سے کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی' کبھی اس کا لہجہ خوشامدانہ ہو جاتا تھا اور کبھی استہزائیہ۔ میرا خیال ہے کہ دورانِ گفتگو مجھ سے کچھ ایسی غلطیاں ہوئی ہیں جنھیں اس نے بھانپ لیا تھا۔"

" تفصیل بتاؤ۔" ویرا کی آواز فکرمندانہ ہو گئی۔

میں نے اپنی اور سانتا کلاز کی گفتگو بلاکم و کاست دُہرا دی۔

" اور اسی نے مجھ کو فون کیا تھا۔" میرے خاموش ہونے پر ویرا نے کہا۔" ساری خرابی یہی چلی آ رہی تھی کہ میں ان سے لاعلم تھی مگر وہ ہر وقت میری نقل و حرکت پر نگاہ رکھتے ہیں۔ سانتا کلاز خود معززانہ آدمی ہے اس لیے کسی دُھول دھپے میں براہِ راست ملوث نہیں ہونا چاہتا۔ اس نے مجھ پر مارٹن کی اصلیت ظاہر کیے بغیر شبہ ظاہر کیا ہے کہ کوئی شخص مارٹن کو زیر کر کے اس کے مکان پر قابض ہو گیا ہے جب کہ مارٹن اور اس کا مکان تنظیم کے لیے بہت اہم ہے۔ مجھے یہ کام سونپا گیا ہے کہ بذاتِ خود وہاں کی صورتِ حال کا جائزہ لوں اور اگر مارٹن مصیبت میں ہے تو اس کی مدد کر کے رہائی دلاؤں۔ کام سے فارغ ہو کر مجھے سانتا کلاز کو رپورٹ دینا ہو گی۔"

" پھر تو کام آسان ہو گیا۔" میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔" کچھ دیر بعد اسے رپورٹ دے دینا کہ مارٹن اپنے گھر میں ڈھیل جبڑ پر دندناتا پھر رہا ہے۔"

" تم ان کے طریقۂ کار سے واقف نہیں ہو اس لیے مجھے یہ تجویز دے رہے ہو۔" اس کی آواز میں بدستور تشویش نمایاں تھی۔" وہ براہِ راست مار دھاڑ میں ملوث نہیں ہو گا لیکن ہم سب کی لاعلمی میں نگرانی ضرور کرے گا۔ اس سے اتنا سفید جھوٹ بول کر میں اپنی پوزیشن بھی تباہ کر لوں گی۔"

" پھر مارٹن کے چیتھڑے جوڑ کر اپنی پوزیشن بنانے کی کوشش ہی کر ڈالو۔" میں نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

" سب سے پہلے تم وہ ٹھکانا چھوڑ دو' پھر میں دیکھوں گی کہ کیا کرنا چاہیے۔"

" یہ ناممکن ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں کہاں جاؤں گا' پھر میرا ساتھی سفری دستاویزات کی تیاری کے لیے باہر گیا ہے۔ وہ بے خبری میں واپس یہاں پہنچے گا اور بے موت مار لیا جائے گا۔"

" باہر نکل کر تم شاید اسے چوہے دان سے دور روک سکو گے لیکن اندر پھنسے رہ کر تو تم اس کے مارے جانے کا پکّا بندوبست کرا دو گے۔ وہ اندر قدم رکھتے ہی دھر لیا جائے گا۔"

" ذرا یہ تو بتاؤ کہ ان تینوں میں سے سانتا کلاز کون ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

" وہ تینوں ہی کروڑ پتی ہیں اور ملک کے ہر بڑے شہر میں ان کی اقامتی جاگیریں ہیں لیکن میں نے اپنے وسائل سے پتا چلایا ہے کہ ان میں دو کئی دن سے لاہور میں ہیں اور شاید اگلے ہفتے کے وسط سے پہلے کراچی واپس نہیں آئیں گے۔ فی الحال صرف داؤد ہی یہاں رہ رہا ہے اور قوی امکان ہے کہ وہی سانتا کلاز ہے۔"

" تو کیوں نہ میں پہل کر کے اسی پر دھاوا بول دوں؟"

" وہ بھرے پُرے گھر میں ملازمین اور چوکیداروں کی فوج کے ساتھ رہتا ہے' میں سارے امکانات دیکھ چکی ہوں۔ اس کے گھر میں رکھوالی کے خطرناک کتے بھی پلے ہوئے ہیں۔ ان سے مقابلے کی نوبت آ گئی تو شناخت بھی نہ کیے جا سکو گے۔"

" پھر تو تمہارا ہی مشورہ مناسب ہے۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

" اس سے پہلے کہ وہ میری مستعدی کی آزمائش کے لیے وقت ضائع کیے بغیر وہاں پہنچیں' تم اس مکان سے نکل پڑو۔ مارٹن کے مکان سے ذرا دور' داہنے موڑ پر بازار میں فارمیسی کی ایک دکان پر کسی دیسی ٹانک کے اشتہار پر ہرکولیس کی بڑی سی تصویر آویزاں ہے' بس اسی کے آس پاس رہنا۔"

" کیوں نہ مارٹن کے مکان کو بھی آگ لگا دی جائے۔"

" اس سے کیا حاصل ہو گا؟" ویرا کے لہجے سے ناگواری جھلک رہی تھی۔

" ان میں تو بس تشویش ہی پھیلے گی مگر آگ کے شعلے سلطان شاہ

کے لیے سگنل کا کام کریں گے اگر وہ کسی اور سمت سے ادھر پہنچا تو عمارت سے دور ہی رہے گا۔ حالات معمول پر رہے تو وہ چوہے دان میں پھنس سکتا ہے۔" میں نے تیزی سے سوچتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے تھوڑی دیر اور یہاں ٹھہرنے کی مہلت دے دو تو اس آتش زنی سے ایک بڑا فائدہ بھی حاصل کیا جاسکتا ہے جو ان تینوں کو چین نہ لینے دے گا۔"

"کس فائدے کی بات کر رہے ہو؟"

"میں مارٹن کے ٹرانسمیٹر کو بھولا ہوا تھا۔ اس پر قابض ہو کر مارٹن کے چیتھڑے خاکستر کر دیے جائیں تو ان میں سے کسی کو فوری طور پر مارٹن کی موت کا علم نہ ہو سکے گا اور میں ٹرانسمیٹر پر رابطے کے ذریعے مارٹن بن کر روپوشی کا سوانگ رچالوں گا۔ اس طرح ان میں سے کوئی قیادت نہ سنبھال سکے گا۔"

"فی الحال گھر سے نکلو، یہ سب بعد میں بھی سوچا جاسکتا ہے۔" اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "سلطان شاہ سفری کاغذات بنوانے گیا ہے ابھی دن کے بارہ بجے ہیں، وہ اندھیرا ہونے سے پہلے واپس نہیں لوٹے گا۔ ہائی فری کوئنسی ٹرانسمیشن کے آلات یقیناً وزنی آہنی صندوق پر مشتمل ہوں گے اس کو اٹھائے پھرنا ناممکنات میں سے ہو گا۔"

اسی کے ساتھ میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

میں بڑی عجلت میں ایک مشین گن اور خود کار پستول ایک تھیلے میں لے کر وہاں سے نکلا تھا۔ ویرا کی ہدایات کچھ اس طرح ہڑبڑی میں پیوست ہوئی تھیں کہ باہر جانے کے لیے میں نے پھاٹک کے بجائے عقبی دیوار پھاندنے کا فیصلہ کیا تھا۔ خوش قسمتی یہ تھی کہ مکان کے عقب میں واقع وہ پتلی سی گندی گلی عملاً ویران ہی پڑی ہوئی تھی اور علاقے کے بیشتر مکینوں نے اپنی قیام گاہوں کے حسن کا بھرم برقرار رکھنے کی نیت سے احاطے کی دیواروں میں گندی گلی کی سمت میں کوئی دروازہ رکھنا گوارا نہیں کیا تھا۔ ان بے چاروں کی یہ مجبوری اس وقت میرے لیے منہ مانگا انعام بن گئی تھی اور میں کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر گندی گلی میں اتر کر دوڑتا ہوا اس کے قریبی سرے کی طرف نکل گیا تھا۔

فون پر ویرا خاصی بوکھلائی ہوئی تھی اور اس نے مجھے مارٹن کے مکان سے فوری طور پر نکل بھاگنے کا مشورہ دیا تھا جسے قبول کرتے ہوئے اضطراری طور پر میں نے فوراً ہی دوڑ لگادی تھی لیکن باہر آزاد فضا کے عمومی ماحول میں سانس لیتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ داؤد یا سانتا کلاز مجھ جیسا ایک انسان ہی تھا جو چٹکی بجاتے تو وہاں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ آزادی اور خطرے سے نکل جانے کے اس احساس کے ساتھ میں تیز گامی ترک کر کے اپنی رفتار کو فوری طور پر اعتدال پر لے آیا اور اب میرا رُخ اسی سمت میں تھا جہاں ایک اشتہاری تصویر کے آس پاس ویرا پہنچنے والی تھی۔

سلطان شاہ کے بارے میں ویرا کی رائے معقولیت پر مبنی تھی اور میں نے اسے من و عن قبول کر لیا تھا وہ پاسپورٹ بنوانے کے ساتھ ہی کئی ممالک کے ویزے بھی حاصل کرنے گیا تھا جو کوئی سہل کام نہیں تھا۔ اپنے ہم رنگ اور ہم زبان اہل کاروں کو نذرانے پیش کرنے کے باوجود ان کاموں میں وقت لگنا لازمی تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ وہ اپنے مشن سے اندھیرا پھیلنے تک واپس نہیں لوٹ سکے گا جب کہ اس وقت تک بلکہ اس سے بہت پہلے میرے اور داؤد کے درمیان چھڑی ہوئی سرد جنگ کے گرم ہو کر دوبارہ ٹھنڈے ہو جانے کا قوی امکان تھا۔

میں مارٹن کے مکان سے نکل کر ویرا کے بتلائے ہوئے راستے پر چلتا ہوا مقررہ سمت میں بازار کی طرف مڑا تو ادھر گھومتے ہی وہ اشتہار نظر آیا جس کا حوالہ ویرا نے دیا تھا۔

ویرا نے طاقت کے یونانی دیوتا ہرکولیس کی قد آدم تصویر والے کسی مقوی صحت ٹانک کے اشتہار کا حوالہ دیا تھا لیکن وہاں صورتِ حال ہی بہت مختلف تھی البتہ گاڑی میں ادھر سے گزرتے ہوئے بادی النظر میں وہ دھوکا ہو سکتا تھا جو شاید ویرا کو ہوا تھا۔

ہرکولیس کی تصویر ریگمال بنانے والے کسی ادارے سے متعلق تھی جنھوں نے اپنی مصنوعات کی سخت جانی کے لیے ہرکولیس کی روایتی قوت کو اظہار کا ذریعہ بنایا تھا اُس اشتہار کا تعلق ہارڈ ویئر کی ایک دکان سے تھا جو فارمیسی شاپ سے ملحق تھی۔ طاقت کی دوا کا نسبتاً مختصر سا بورڈ کسی خاندانی فقیر کے جدی نسخے کے حوالے سے اس قدر باریک حروف میں بالتفصیل لکھا گیا تھا کہ اسے اوّل تا آخر پڑھنے کی صورت میں جسمانی توانائی کے ساتھ ہی بینائی بھی زائل ہونے کا خدشہ پیدا ہو سکتا تھا مگر میرے لیے مجبوری تھی کہ ویرا نے ان ہی دو علامات کو یکجا کر کے اپنی آمد کے مقام کا تعین کیا تھا۔ میں نے ٹہلنے کے انداز میں بڑے بورڈ کے مختصر اور چھوٹے بورڈ کے طویل مندرجات کا سرسری مطالعہ کیا تو پہلی رائے یہی قائم کر سکا کہ تصویر کے دھوکے میں دیسی ٹانک کی قدرے زیادہ مقدار معجون شباب آور کے طور پر ضرور بک جاتی ہوگی۔ مقویات سے کرخت ریگمال کو فائدہ پہنچنے کے آثار کم ہی نظر آتے تھے۔

میرے لیے مستقل طور پر وہیں رکے رہنا خود کو غیر ضروری طور پر دوسروں کی توجہ کا مرکز بنانے کے مترادف تھا للذا میں

ٹہلتا ہوا ایک بک اسٹال کی طرف ہولیا جو وہاں سے ذرا دور واقع تھا۔

میں اگرا علیٰ تعلیم یافتہ نہیں تھا تو جاہل مطلق بھی نہیں تھا لیکن تعلیمی مشاغل سے فراغت کے بعد سالہاسال سے ایسے دھندے میں ملوث چلا آ رہا تھا کہ مطالعے کی مہلت ہی نہیں مل سکی تھی، زندگی کا ہر سوز و گداز بس مشاہدے تک ہی مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔

بک اسٹال پر پہنچا تو یہ دیکھ کر مسرت آمیز حیرت ہوئی کہ کراچی کے خوشحالوں کی اس بستی میں اچھی کتابیں بھی اسٹینڈ پر آویزاں تھیں، ان کے صاف ستھرے گرد پوشوں سے دو ہی امکان ظاہر ہو رہے تھے۔ اوّل یہ کہ وہ کتابیں تیزی سے بکتی تھیں اور سرورق پر گرد جمنے سے پہلے نئی جلد باہر آجاتی تھی یا پھر ان کتابوں کو سرے سے کوئی چھوتا ہی نہیں تھا۔ میں اس مجموعہ کے مشاہدے اور کتابوں کی خریداری میں ایسا محو ہوا کہ مجھے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا۔

پھر میں اپنے داہنے شانے پر کسی کے نرم ہاتھ کا دوستانہ دباؤ محسوس کر کے چونکا تو ویرا میرے عقب میں موجود تھی اور سامنے میری منتخب کتابوں کا کئی سیر وزنی ڈھیر جمع تھا۔

نگاہیں چار ہوتے ہی ویرا کے ہونٹوں پر ریشمیں سی مسکراہٹ تیر گئی لیکن میں اس کی آنکھوں میں چھپی ہوئی الجھن واضح طور پر پڑھ سکتا تھا۔

"یہ کتابیں پسند کی ہیں تم نے؟" اس نے میرے قریب جمع ڈھیر کی طرف اشارا کرتے ہوئے سوال کیا۔

میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا پھر میں نے جلدی جلدی حساب بنوا کر کتابوں کی قیمت کی ادائیگی کی اور وہ وزنی پیکٹ اُٹھائے دکان سے باہر آگیا مشین گن اور پستول کا تھیلا ویرا نے لے لیا تھا۔

"یہ ردی اب کہاں لیے پھرو گے؟" بک اسٹال سے ذرا دور نکل آنے کے بعد تخلیہ میسر آتے ہی ویرا نے آنکھیں نکال کر سوال کیا۔ "خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے اور تم یہ پلندا بھی ساتھ لے آئے۔"

"وقت گزاری کے لیے کچھ تو کرنا ہی تھا۔ یہ کتابیں تمھاری گاڑی میں پڑی رہیں گی۔ بانٹ دینا کسی کو۔"

"بعض اوقات تم بہت تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "ایک آدھ کتاب لے کر بھی وقت گزارا جاسکتا تھا لیکن پھر مصیبت کیسے مول لی جاتی۔"

"بلاوجہ کڑکڑا رہی ہو۔" مجھے یک بیک اس پر غصہ آگیا۔ "فکر نہ کرو، یہ تمھارے سر پر نہیں لادوں گا پورا بنڈل اسی طرح کسی ویران گلی میں چھوڑ دوں گا۔"

"ہر کتاب پر بک ڈپو کی مہر ہوگی اور تم نے اتنی لمبی چوڑی خریداری کی ہے کہ دکان دار کو تمھارا چہرہ یاد رہے گا۔ کتابوں کے حوالے سے پولیس یا تمھارے دشمنوں نے تحقیقات شروع کردی تو تمھارے زندہ بچ نکلنے کا راز بہ آسانی فاش ہو سکتا ہے۔"

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اپنی جگہ سو فیصد درست اور اٹل تھا سچی بات یہ ہے کہ اس معاملے پر میں نے اس انداز میں سوچا ہی نہیں تھا۔ ان کتابوں کو اپنے ساتھ لے جانا واقعی خطرناک ہو سکتا تھا اس سے بہتر تھا کہ کتابیں کسی بہانے سے دکان ہی میں چھوڑ دی جاتیں۔ کتب فروش اس منافع پر حیران تو ضرور ہوتا لیکن دوسروں کو خریدار کے حلیے سے آگاہ نہ کرتا پھرتا مگر اتنی بحث کے بعد ویرا کے سامنے ہتھیار ڈالنا مجھے گوارا نہیں تھا۔

"کتابوں کو مصیبت سمجھ رہی ہو تو میں ابھی ان سے پیچھا چھڑائے لیتا ہوں۔" میں بڑبڑاتے لہجے میں یہ کہتے ہوئے پلٹ پڑا۔ پھر وہ مجھے روکتی ہی رہ گئی لیکن میں اس کی پروا کیے بغیر سیدھا دکان میں جا پہنچا۔

کتب فروش بڑی خوشی کے ساتھ کچھ دیر کے لیے کتابیں رکھنے کے لیے تیار ہوگیا میں نے اس سے ایک رقعہ لیتے ہوئے کہا تھا کہ کسی وقت ملازم کے ہاتھ وہی رقعہ بھیج کر کتابیں منگوالوں گا۔

"اگر تم نے چڑ کر بھی یہ حرکت کی ہے تو بہت مناسب ہے، اس وقت اس سے بہتر حل دشوار تھا۔" وہ مجھے خالی ہاتھ واپس آتے ہوئے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

برہمی کی اداکاری کو طول دینا بے سود تھا للٰذا میں بھی ہنس کر رہ گیا۔ اس کی گاڑی وہیں موجود تھی جسے وہ خود ڈرائیو کرتے ہوئے آئی تھی۔ میں نے اس کے برابر والی نشست سنبھالی اور کار آگے روانہ ہوگئی۔

"دس منٹ بعد ہی تماشا شروع ہونے والا ہے۔" اس نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"کیسا تماشا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"مارٹن کے مکان پر تین مسلح آدمی دھاوا بولیں گے۔" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "دیکھنا ہے کہ اندر گھس کر وہ کیا کرتے ہیں۔ وہ لوگ ایکسپلوڈر جیسے ہتھیار کے وجود سے لاعلم ہیں۔"

"تمھارے آدمی ہیں؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے بے نیازی سے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔" وہ بے پروائی سے بولی۔ "داؤ دمعز نادی

ہے، وہ کہاں اس ڈھول دھپے میں پڑتا۔ غنڈہ گردیاں تو اب برے ہی لیے رہ گئی ہیں۔"

اس نے گاڑی مارٹن کے مکان سے دور لے جا کر ایک گلی کی اوٹ میں روکی تو میں چونک پڑا۔ "پروگرام کیا ہے تمہارا؟ یہاں تو ہم آسانی سے دیکھ لیے جائیں گے؟"

"یہاں سے مارٹن کا پھاٹک نظر آ رہا ہے۔ داؤد اگر آیا تو مخالف سمت ہی سے آئے گا۔ اگر اس نے عقب سے اندر جانے کا فیصلہ کیا تو بھی اس گلی تک آنے سے پہلے ہی موڑ پر گھوم جائے گا۔ وان ہوف کی موت کے بعد مارٹن کو خطرہ درپیش ہونے کا معاملہ اس کے نزدیک بہت سنگین ہے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ وہ نتائج سے براہِ راست باخبر ہونے کے لیے لازمی طور پر یہاں دوڑا آئے گا۔"

"تم اسے پہچانتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"مشہور آدمی ہے لیکن یہ پتا نہیں تھا کہ سانتا کلاز وہی ہے۔"

"تمہارے آدمی مکان میں کدھر سے گھسیں گے؟" میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ ان کی اپنی صوابدید پر منحصر ہوگا۔ جو راہ محفوظ سمجھیں گے وہی اختیار کریں گے۔"

"پھر مجھے چلنا چاہیے۔ میں اندر رہ کر ہی کچھ کر سکوں گا۔ داؤد اگر آیا تو اندر ضرور پہنچے گا۔ ویسے بھی ان کے احاطے میں براہِ راست تمہارے ساتھ دیکھا جانا مناسب نہیں۔ اتفاقاً تم نگاہوں میں آ جاؤ تو جواز پیش کر سکتی ہو کہ دور سے اپنے آدمیوں کی کارروائی کی نگرانی کر رہی تھیں۔"

"اور اگر اندر ان تینوں نے تمہیں گھیر ہی لیا؟"

"اوّل تو میں ایسی جگہ ٹھکانا بناؤں گا کہ دیکھا جانا محال ہو۔ بالفرض وہ حاوی ہو بھی گئے تو براہِ راست داؤد کی تحویل میں نہیں دیں گے تمہارے پاس لائیں گے۔" میں نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔

"لیکن تم ان سے بلاوجہ چھیڑ چھاڑ نہیں کرو گے۔" اس نے تاکیدی لہجے میں کہا۔

"ان سے مجھے سرے سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے، میرا اصل نشانہ تو داؤد ہوگا۔ اسے میں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ آئے دن اخبارات میں اس کی تصاویر شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن داؤد کو گھیرنے کی فکر میں اگر تمہارا ایک آدھ آدمی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے تو میں ذمے دار نہیں ہوں گا۔"

"ان سے اُلجھنے سے گریز ہی کرنا، وہ تینوں اوّل درجے کے خونریز ہیں۔ آوازوں پر نشانہ لگا لیتے ہیں اور جانا ہی ہے تو اب دیر نہ کرو، وہ لوگ آتے ہی ہوں گے۔"

میں نے تھیلے میں سے بھرا ہوا پستول مع فاضل میگزین ساتھ لیا اور گاڑی سے اتر گیا۔ لااُبالی انداز میں سگریٹ نوشی کرتے ہوئے میں کسی دشواری سے دوچار ہوئے بغیر اس نیم ویران رہائشی علاقے کی سڑک طے کر کے ایک بغلی راستے پر مڑا اور چند ہی منٹ بعد تنگ اور متعفن گلی میں داخل ہو گیا۔ میں تھوڑی ہی دیر پہلے اس راستے سے باہر فرار ہوا تھا لہٰذا مجھے مارٹن کے احاطے کی دیوار کی شناخت میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی اور میں گلی میں پھیلی ہوئی مکمل ویرانی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پل بھر میں احاطے کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گیا۔

کچی ریتیلی زمین پر قدرے بلندی سے کودنے پر ایک مدہم سی دھمک پیدا ہوئی تھی جسے دبائے رکھنے کے لیے میں محض اضطراری یا احمقانہ انداز میں چند ثانیوں کے لیے زمین پر اکڑوں بیٹھا رہا مگر اسی لمحے مکان کے اندر سے ایک خفیف سی آواز سنائی دی جیسے کوئی کسی چیز سے ٹکرایا ہو۔

لحظہ بھر کے لیے میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ یہ تصور ہی بڑا ہولناک تھا کہ اس ویران مکان میں مجھ سے پہلے کوئی موجود تھا۔

ویرا کے بھیجے ہوئے تین پیشہ ور مسلح غنڈے یا معزز و محترم داؤد؟

میرے ذہن میں وہ سوال گونجا پھر میں نے بوکھلا کر ایک قریبی دیوار کی طرف دوڑ لگا دی تاکہ اندر سے کسی کے نمودار ہونے سے پہلے کھڑکی سے نیچے دیوار کی اوٹ میں پناہ لے سکوں۔ میں نے اپنا بھرا ہوا خودکار پستول نکال کر اس کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا تھا اور ذہنی طور پر کسی بھی لمحے گولی چلانے کے لیے تیار تھا۔

میں چوکنے انداز میں اس دیوار کی اوٹ میں وہیں بیٹھ اپنے اطراف میں نظریں دوڑاتا رہا۔ اس وقت میری کیفیت غول سے بچھڑے ہوئے ایسے کسی خونخوار بھیڑیے جیسی ہو تھی جسے اپنے اوپر درندوں کے حملے کا خطرہ ہو اور وہ سفاک خود اختیاری کے تحت گھڑیوں تک کو بیا[illegible]

میرے کان مکان کے اندر سے اُبھرنے والی کسی موہوم ترین آہٹ کے منتظر تھے لیکن لمحے سرکتے رہے اور پھر کچھ نہ سنائی دیا۔ اس اعصاب شکن انتظار سے تھک کر میں اپنا مورچہ تبدیل کرنے کے امکانات پر غور کر ہی رہا تھا کہ احاطے کی عقبی دیوار کے پیچھے گندی گلی میں سے ایک کھوپڑی دیوار سے اوپر طلوع ہوتی نظر آئی اور میں نے ذرا بھی تاخیر کیے بغیر ایک اوٹ کی طرف چھلانگ لگا دی۔

اس وقت مارٹن کے خالی مکان میں میرے علاوہ مزید

دو فریق دلچسپی لے سکتے تھے۔ ان میں سے ایک غالباً مکان کے اندر موجود تھا اور دوسرا گندی گلی سے اندر کا جائزہ لینے کے بعد دیوار پھاندنے کے فراق میں تھا۔ ایک فریق سہ نفری تھا اور دوسرا ایک نفری۔ ان کی آپس میں کوئی عداوت نہیں تھی مگر میں ان کا مشترکہ نشانہ بن سکتا تھا۔

اگر گلی سے اندر آنے کی کوشش کرنے والے تین تھے تو اس مختصر سی اوٹ میں اس ٹولی کی نگاہوں سے بچے رہنا میرے لیے ناممکن تھا۔ وہ مجھے للکار بیٹھتے تو میں اپنی تمام تر مستعدی کے باوجود بیک وقت ان تینوں کو زیر نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے خواص ویرانے مجھے بتا دیے تھے۔ وہ ان پیشہ ور لوگوں میں سے تھے جو مارنے کے ساتھ مرنا بھی جانتے تھے اور اپنے ایک آدھ ساتھی کو گنوا کر بھی مجھے زیر کر لیتے تو اسے اپنی سچی فتح ہی تصور کرتے۔

میں نے اس اوٹ میں چھپے رہ کر کسی ناساعد صورت حال کا اندازہ کرنے کے بجائے فوری طور پر عمارت اور احاطے کی دیوار کے درمیان واقع ویران گلیارے میں دوڑ لگا دی جو درمیان میں مالی کا کمرہ حائل ہو جانے کی وجہ سے دیوار سے اندر آنے والے فریق کی نگاہوں سے فوری طور پر محفوظ تھا۔

اس گلیارے میں دوڑتے دوڑتے اچانک ایک ایسا مقام آیا جہاں عمارت کی دیوار سیدھی چلنے کے بجائے کم از کم پندرہ بیس فٹ کی لمبائی میں خاصی اندر واقع اس درمیانی عدم تسلسل کے بعد دیوار دوبارہ احاطے کی دیوار کے متوازی پرانے فاصلے پر آ گئی تھی۔

میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً اس خلا میں جا لیا۔

"رکو۔" اچانک مجھے اپنے عقب میں دور سے کسی کی للکارتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ورنہ میں گولی مار دوں گا۔ میں نے اچھی طرح تمھیں دیکھ لیا ہے۔"

میں وہیں آڑ میں دبکا اپنے چڑھے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا اس اثنا میں گلیارے میں رک رک کر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز گونجنے لگی تھی جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھی۔

اُس وقت میرا ذہن کسی کمپیوٹر کی سی تیزی کے ساتھ کام کرنے میں مصروف تھا نو وارد نے اتنی دور سے مجھے للکار کر میرے لیے بھیانک خطرات کھڑے کر دیے تھے نہ صرف وہ خود میرے تعاقب میں تھا بلکہ اس نے اندر والے دوسرے فریق کو بھی میری موجودگی سے مطلع کر دیا تھا۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک تھم تھم کر قریب آتی جا رہی تھی اور میں اس ابتدائی مرحلے پر اپنی کمین گاہ سے نکل کر سپاٹ گلیارے میں دو بدو کھلی فائرنگ کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا کیوں کہ اس طرح ہر ایک کی توجہ بس اسی ایک محاذ پر مرکوز ہو جاتی اور میرے بچ نکلنے کے امکانات عملاً مفقود ہو کر رہ جاتے۔

پھر میں نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ایک فیصلہ کیا اور سب سے قریب موجود ایک بڑی کھڑکی کا شیشہ پستول کے آہنی دستے کی ضرب سے پاش پاش کر دیا۔ ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑے پُرشور آواز میں عمارت کے اندرونی پختہ فرش پر گرے تھے۔ اسی کے ساتھ میں ایک پائپ کے سہارے اس یک منزلہ عمارت کی چھت پر چڑھتا چلا گیا۔

اس وقت میں دل ہی دل میں یہ دعا مانگ رہا تھا کہ ٹوٹے ہوئے شیشے کے اس پار کوئی ایسا کھلا راستہ ہو کہ وہ سب مجھے عمارت کے اندر ہی ڈھونڈتے رہ جائیں۔ شیشے کے ٹکڑے اتنی تیز آواز کے ساتھ اندر گرے تھے کہ اب ہر ایک کا اس طرف متوجہ ہونا ناگزیر ہو گیا تھا۔

چھت پر پہنچتے ہی پنجوں کے بل آگے بڑھ کر میں نے چند فٹ اونچی دیوار کی اوٹ سے محتاط انداز میں نیچے جھانکا تو گلیارے میں دوڑتے ہوئے قوی الجثہ شخص کی کھوپڑی براہ راست میرے نشانے پر تھی اور وہ مجھ سے بے خبر تھا لیکن میں کوئی کارروائی کیے بغیر اس کا جائزہ لے کر دوبارہ وہیں دبک گیا۔

بھاگتے ہوئے شخص کے قدموں کی آواز اس اوٹ میں پہنچی جہاں گھس کر میں اس کی زد سے بچا تھا پھر وہاں سناٹا چھا گیا۔ شاید وہ کھڑکی کا ٹوٹا ہوا شیشہ دیکھ کر کچھ سوچے سمجھے بغیر اندر گھس گیا تھا۔

وقتی طور پر خطرہ ٹل گیا تھا مگر یہ بات یقینی تھی کہ مجھے دیکھ لینے والا اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتا جب تک مجھے تلاش نہ کر لیتا۔ اس کی کوششیں موقوف ہونے کا بس ایک ہی امکان تھا کہ اس کی مڈبھیڑ پہلے سے اندر موجود اس شخص سے ہو جاتی جس کی کوئی آہٹ سن کر میں چونکا تھا۔

میں دل ہی دل میں اس سچویشن کا تصور کر کے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ویرا کے بھیجے ہوئے تینوں آدمی اگر داؤد کے پیچھے لگ جاتے تو میں اوپر بیٹھا چین کی بانسری بجاتا رہتا اور وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے۔

میرے اندر داخل ہوتے ہی صورت حال نے اس قدر غیر متوقع انداز میں قلابازی کھائی تھی کہ میرا اندر داخل ہونے کا مقصد فوت ہو کر رہ گیا تھا۔ کسی محفوظ مقام سے اندر کی صورت حال کا جائزہ لینے کے بجائے مجھے چھت پر محصور ہو کر بیٹھنا پڑ گیا تھا

اور اس صورتِ حال سے فوری گلوخلاصی کی کوئی اُمید نظر نہیں آ رہی تھی۔

کچھ دیر تک اپنے اوسان بحال کرنے کے بعد میں نے آہستہ آہستہ اس طرف سرکنا شروع کر دیا جدھر برآمدہ واقع تھا۔ خوش نصیبی کی بات یہ تھی کہ وہ عمارت اندر سے اچھی طرح میری دیکھی بھالی تھی اور میرا اندازہ تھا ڈیسا کے بھیجے ہوئے آدمیوں میں سے کم از کم ایک ضرور برآمدے پر قابض رہنے کی کوشش کرے گا تاکہ اندر کوئی موجود ہو تو ادھر سے فرار نہ ہو سکے۔

ابتداء میں ادھر سکوت ہی چھایا رہا مگر میں اٹھ کر نیچے جھانکنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اگر کوئی اوپر کی طرف متوجہ ہوتا تو میری ایسی کوشش خودکشی کے مترادف ہو سکتی تھی۔

کافی دیر کے صبر آزما اور اعصاب شکن انتظار کے بعد نیچے سے آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"پتا نہیں چھلاوے کی طرح کہاں غائب ہو گیا؟" ایک آواز سنائی دی۔

"ساری ہی عمارت چھان ڈالی ہے ___ تجھے وہم ہوا ہو گا۔ چڑیا کا بچہ بھی ہوتا تو ہماری نگاہوں سے نہیں بچ سکتا تھا۔" دوسری آواز میں ہلکی سی ناگواری نمایاں تھی جیسے اسے ساری بے ثمر بھاگ دوڑ گراں گزری ہو۔

"وہم" میں قسم کھا سکتا ہوں کہ میں نے اُسے بھاگتے دیکھ کر اُس کا پیچھا کیا تھا۔" پہلا بھنا کر بولا تھا۔ "بس ذرا سی آڑ ملتے ہی وہ شیشہ توڑ کر اندر ایسا غائب ہوا کہ ہاتھ ہی نہ آ سکا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اندر کوئی تہ خانہ رہا ہو۔" یہ کوئی تیسری فکرمندانہ آواز تھی۔

"اس امکان کو بھی دیکھ لیا۔ بظاہر تو اندر کوئی تہ خانہ نہیں ہے۔" دوسرے کی آواز سنائی دی تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے ان تینوں ہی کی کھوپڑیوں پر برف جم کر رہ گئی تھی کسی کو بھی چھت کا خیال نہیں سوجھا تھا۔

"پھر ہم کب تک یہاں جھک مارتے رہیں گے؟" پہلا اپنے ساتھیوں کے حوصلہ شکن رویے سے بیزار معلوم ہو رہا تھا۔ "اب وہ نکل ہی گیا ہے تو ہم کب تک یہاں بیٹھے اس کی جان کو روتے رہیں گے؟"

"میری دانست میں تو واپس لوٹنا چاہیے لیکن سوال یہ ہے کہ ہم رپورٹ کیا دیں گے؟" تیسرے نے سوال کیا تھا۔

"یہی ہی تو دیکھنا تھا کہ یہاں کون موجود ہے ___ بس بتا دیں گے کہ ایک لاش کے ناقابلِ شناخت چیتھڑوں کے علاوہ کوئی اور بھی تھا جو دھوکا دے کر صاف نکل گیا۔" یہ تجویز پہلے کی تھی۔

"اور ہم تین ہوتے ہوئے بھی ہاتھ ملتے رہ گئے؟"

اس نکتے پر ان میں بحث چھڑ گئی ایک کا خیال تھا کہ واپس جا کر شکار کے فرار کی کہانی سُنانا اپنی نااہلی کے اعتراف کے مترادف ہو گا۔ جب کہ باقی دو بضد تھے کہ جو کچھ ہوا وہ جان بوجھ کر نہیں کیا گیا کبھی کبھار ناکامی بھی ہو ہی جاتی ہے جس کی پاداش میں سُولی نہیں چڑھایا جا سکتا۔

اس مباحثے میں قدرے گرمی بھی پیدا ہوئی جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ تینوں ہی خاصے تند خُو تھے اور بات بڑھ جانے پر آپس میں بھی لڑ سکتے تھے لیکن وہ نوبت آنے بغیر انھوں نے روانگی سے پہلے ایک بار پھر اندر کی بھرپور تلاشی کا فیصلہ کیا اور اس بار ان تینوں کی آوازیں اندر جا کر معدوم ہو گئیں۔ ذہنی طور پر انھوں نے عمارت میں کسی حریف کی موجودگی کو اس حد تک خارج از امکان سمجھ لیا تھا کہ ان میں سے کسی نے بھی نگرانی کے لیے باہر رکے رہنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

تقریباً دس منٹ تک عمارت کے مختلف حصّوں سے بھانت بھانت کی آوازیں آتی رہیں۔ شاید اس بار وہ بے رحمی کے ساتھ گھر کا چپّہ چپّہ چھان مارنے کا تہیّہ کر چکے تھے اور میں اوپر بیٹھا ان کی جھلاہٹ سے لُطف اندوز ہو رہا تھا۔

آخر کار وہ ایک بار پھر بے نیل و مرام واپس لوٹے اس بار ان کی گفتگو میں مغلظات نمایاں تھیں۔ جب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ وہ واپس لوٹنے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو میں نے اپنی جگہ تبدیل کر کے عقبی سمت میں ایک کمین گاہ تلاش کی اور انھیں اپنی آنکھوں کے سامنے یکے بعد دیگرے عقبی گلی میں کودتے دیکھتا رہا۔

پھر میں مزید اتنی دیر تک چھت پر دبکا رہا کہ وہ تینوں مارٹن کے مکان سے اتنی دُور نکل گئے ہوں کہ مجھے چھت سے اُترتے ہوئے نہ دیکھ سکیں۔ سامنے اور بغلی سمتوں سے نیچے اُترنے کی صورت میں کسی پڑوسی یا راہگیر کی نظروں میں آنے کا امکان تھا لہٰذا میں نے اپنے پرانے ہی راستے کو ترجیح دی اور پستول جیب میں ڈال کر نیچے اُترنے لگا۔

"ہینڈز اَپ۔" قدم زمین پر لگنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ گرج دار آواز سُن کر میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں پھرتی کے ساتھ پیچھے گھوما تو ایک تنومند نقاب پوش مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر موجود تھا اور اُس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ہتھیار کا دہانہ میری طرف اٹھا ہوا تھا۔

وہ ہتھیار بظاہر عجیب سا نظر آتا تھا مگر میرے لیے

نیا نہیں تھا۔ وہ ویرا نے وان ہوف سے حاصل کیا تھا اور پھر پہلی بار مارٹن پر استعمال کر کے اس کے بدن کو بے شمار چیتھڑوں میں تبدیل کر دیا تھا۔

غیرارادی طور پر میرے دونوں ہاتھ اپنے سر سے بلند ہوتے چلے گئے۔

"وہ اُلّو کے پٹھے تھے کہ خالی عمارت کے در و دیوار سے سر ٹکرا کر واپس لوٹ گئے مگر میں نے پہلے ہی تمہیں اوپر جاتے دیکھ لیا تھا۔ مجھے پوری اُمید تھی کہ تم میدان خالی پا کر پچھلی سمت ہی سے اُترنے کی کوشش کرو گے۔ اب ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں بے دریغ فائر کر دوں گا۔" اس نے زہریلی آواز میں کہا۔

"تم کون ہو؟" میں نے اپنی تشویش پر قابو پاتے ہوئے پُرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"سوال کرنے کا حق اُسے ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں ہتھیار ہو۔" وہ تضحیک آمیز لہجے میں بولا۔

"تو لاؤ یہ ایکسپلوڈر مجھے دے دو، میں صرف تین سوال کروں گا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

اُس کے چہرے پر نقاب منڈھا ہوا تھا لہٰذا میں اُس کے تاثرات تو نہ دیکھ سکا لیکن جب وہ بولا تو مجھے یہ اندازہ کرنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ میری زبان سے اپنے ہتھیار کا ذکر سُن کر حیران رہ گیا تھا۔

"ایکسپلوڈر سے واقفیت کا اظہار کر کے تم مارٹن کے قتل کا اعتراف کر رہے ہو۔"

"میں اُس کے قتل کا گواہ ضرور تھا۔ قاتل کوئی اور تھا۔" میں نے بغور اُس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا

"مگر مارٹن کی موت کے بعد اس عمارت پر تم ہی قابض تھے؟"

"مجبوری تھی ـــ لاش کو اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔" میں نے بدستور پُرسکون رہتے ہوئے کہا۔

"تم کون ہو اور کس کے لیے کام کر رہے ہو؟" اُس کے اس سوال نے میرے ذہن سے سارے شکوک صاف کر دیے۔ اپنے ہاتھ میں ایکسپلوڈر لے کر اُس نے مجھے اپنے مرتبے کا احساس دلانا چاہا تھا لیکن مجھے اس کا کسرتی بدن دیکھ کر ہی کھوکھلے کا احساس ہو گیا تھا کہ وہ داؤد نہیں تھا۔ اگر وہ داؤد یا سانتا کلاز ہوتا تو اُسے مجھ سے میرا نام دریافت کرنے کی ضرورت ہرگز پیش نہ آتی۔ تنظیم کا بڑا ہونے کی حیثیت میں اس کو فوراً مجھے پہچان لینا چاہیے تھا۔ اِس کا مطلب تھا کہ سانتا کلاز نے بھی اپنے طور پر آدمی رکھے ہوئے تھے اور اس کے بارے میں ویرا کا قیاس غلط تھا۔

جو شخص مجھے ایکسپلوڈر کی زد پر لیے کھڑا تھا، وہ یقینی طور پر داؤد کا کوئی بہت ہی خاص کارندہ تھا ورنہ داؤد اپنا مخصوص ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہرگز نہ دیتا۔

"ایکسپلوڈر جیب میں رکھ لو۔" اُس کے مرتبے کا اندازہ لگاتے ہی میں نے پینترا بدل کر سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تم کو شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔ تمہیں جن لوگوں کے لیے بھیجا گیا تھا انھیں جاتے دیکھتے رہے اور مجھے باندھنے کی فکر میں ہو۔"

"بکواس مت کرو۔" اُس نے اپنے لہجے میں تحکم پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں اپنا کام اچھی طرح جانتا ہوں جو پوچھ رہا ہوں اُس کا ٹھیک ٹھیک جواب دو۔"

"میری بات نہیں مانتے تو اندر چلو، میں ابھی داؤد صاحب سے بات صاف کرائے دیتا ہوں۔" میں نے پورے اعتماد اور سنجیدگی کے ساتھ کہا اور وہ میری زبان سے داؤد کا نام سُنتے ہی چونک پڑا۔

"کک... کون داؤد، میں کسی داؤد صاحب کو نہیں جانتا۔ مجھے تم جھانسا نہیں دے سکو گے۔" اس نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا لیکن اس کے لہجے میں کھوکھلا پن تھا۔

"لو وہ خود ہی آگئے۔" میں نے ایک بے ساختہ مسکراہٹ کے ساتھ سر کو قدرے خم دے کر نگاہوں سے اس کے پیچھے اشارہ کیا۔ میرے اعتماد سے دھوکا کھا کر وہ غیرارادی طور پر پیچھے گھوما تھا اور میں نے پوری قوت کے ساتھ اُس کی کمر پر لات جڑ دی۔ وہ کسی سانڈ کی طرح ڈکراتا ہوا مُنہ کے بل نیچے گرا تھا۔

میں نے بڑھ کر جُوتے کی ایڑی سے اس کے داہنے ہاتھ کی انگلیوں پر اتنی شدید ضرب لگائی کہ ایکسپلوڈر اس کی گرفت سے آزاد ہو گیا جس پر میں نے بلا تاخیر قبضہ کر لیا اُسی کے ساتھ اس کی پیشانی پر بھی ایک ٹھوکر رسید کر دی تھی۔

بے خبری میں کیے جانے والے وار کی وجہ سے وہ مار کھا گیا لیکن پھرتی کے ساتھ زمین سے اُٹھ کر وہ میری طرف پلٹا تو اس کی کیفیت کسی درندے کی سی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے میری طرف بڑھ رہا تھا۔

"میں تجھے فنا کر دوں گا۔" وہ قہر اور نفرت سے لبریز لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "داؤد ایک ایسا نام ہے جسے دُہرا کر تُو نے اپنی موت کو للکارا ہے ورنہ شاید تو میرا قیدی ہی رہتا..."

"رکو، رک جاؤ، ورنہ میں گولی مار دوں گا۔" میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے ایکسپلوڈر اس کی طرف تان کر کہا مگر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اندھا اور بہرا ہو گیا ہو۔ وہ بڑبڑاتا ہوا کسی

دیو بیکر درندے کی طرح مجھے بھیں ڈالنے کی نیت سے آگے بڑھتا ہی رہا اور میں نے مجبوراً اُس کے پیٹ پر فائر کر دیا۔ اگر میں اُچھل کر فوراً ہی دُور نہ ہٹ گیا ہوتا تو اس کے خون اور لوتھڑوں میں سنا گیا ہوتا۔ گولی بدن میں پیوست ہوتے ہی اس کا جسم کسی بم کی طرح اچانک پھٹ گیا تھا۔

سلطان شاہ کی واپسی سورج غروب ہونے کے بعد کافی دیر سے ہوئی تھی اور میں اُسے دُور سے پہچان کر مارٹن کے مکان سے تھوڑی دور روکنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

کار رکتے ہی میں دروازہ کھول کر تیزی سے [illegible] میں اندر نشست پر گرا تھا۔

"خیریت تو ہے، باہر کیا کر رہے تھے؟" اُس نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

میں اسے اختصار کے ساتھ اُن واقعات سے آگاہ کرنے لگا جو اُس کے چلے جانے کے بعد میرے ساتھ پیش آئے تھے اور مجھے مارٹن کے مکان کو خیرباد کہنا پڑا تھا۔

"اوہ، خاصا ہنگامہ ہوا ہے۔" وہ میرے خاموش ہونے پر بولا۔ "لیکن اُسے مار ڈالنے کے بعد اندر روپوش رہنے میں کیا خطرہ تھا۔ بظاہر مکان ویران رہتا مگر تم اندر ہی چھپے رہتے؟"

"داؤد کو اب تک اپنے آدمی کے واپس نہ لوٹنے سے تشویش لاحق ہوگئی ہوگی۔" میں نے کہا۔ "ویرا نے اُسے اپنے آدمیوں کی رپورٹ سے آگاہ کر دیا ہوگا جس میں کسی نقاب پوش کی موجودگی کا ذکر نہیں تھا جب وہ ایک آدمی کو بھیج سکتا ہے تو اُس کی تلاش میں دوسرا بھی روانہ کر سکتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اب تک اس کا کوئی آدمی مارٹن کے مکان میں داخل ہو کر دوسری لاش دریافت کر چکا ہوگا جب کہ مارٹن کے چیتھڑوں کی خبر اُسے ویرا نے دے دی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ داؤد صاف بچ گیا۔"

"فی الحال تو یہی سمجھ لو، یہ بتاؤ کہ تمھارے کام کا کیا رہا؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"پاسپورٹ بن گئے لیکن ویزا کا کام وقت طلب ہے۔ میں نے دونوں پاسپورٹ ایک ٹریول ایجنٹ کو دے دیے ہیں۔ ہمیں ٹکٹ اسی سے لینے ہوں گے اور وہ واجبی معاوضے پر کل تک زیادہ سے زیادہ ویزے لگوا دے گا۔"

"گڈ۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "اٹلی کا ویزا بہت اہم ہے، وہ ضرور لگنا چاہیے۔"

"مجھے یاد تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "کل شام تک سارا کام ہو جائے گا۔ آج رات مجھے کرائے کی رقم ٹریول ایجنٹ کے گھر پر پہنچانی ہوگی۔ نشستیں کب کی کرا لوں؟"

"اب تو اس شہر نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ یہاں چھپتے پھرنے سے بہتر ہوگا کہ ہم کل رات ہی یہاں سے لندن کے لیے روانہ ہو جائیں۔" میں نے کہا۔

"تو کیا ویرا ساتھ نہیں جائے گی؟" اُس نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ بعد میں آئے تو اچھا ہے۔ میں نے اُسے تمھاری روانگی کے بارے میں نہیں بتایا ہے۔ ہم دونوں سکون سے ایک ساتھ سفر کر سکیں گے، وہ تنظیم کی میٹنگ اور داؤد کے معاملات نمٹا کر آجائے گی۔"

"لیکن اس سے رابطہ کہاں اور کیسے ہوگا؟"

"وہ سب ہو جائے گا، تم فکر نہ کرو۔" میں نے کہا۔ "میں اُس کا لندن کا فون نمبر اور پتا لے لوں گا۔ اسی کے ساتھ براہِ راست عزالہ سے ملاقات کا طریقہ بھی معلوم کر لوں گا۔"

وہ سر ہلا کر رہ گیا لیکن اُس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس بارے میں کسی اُلجھن کا شکار تھا لیکن میں نے اس وقت اُسے مزید کُرید نا مناسب نہ سمجھا۔

صدر کے ایک پبلک کال آفس کے قریب میں نے کار رکوالی اور وہاں سے ویرا کا نمبر ملا کر اسے اشارے میں اپنے ساتھی کی بخیر و عافیت واپسی کی اطلاع دیتے ہوئے واضح کر دیا کہ میں کال آفس سے بول رہا تھا۔

"میں تمھارے فون کی بے چینی سے منتظر تھی۔" جواب میں اُس کی آواز آئی۔ "اب کیا پروگرام ہے تمھارا؟"

"شب بسری کی فکر کی جائے گی۔" میں نے کن انکھیوں سے قرب و جوار کا جائزہ لیتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

"فی الحال تم سیدھے ہل پارک پہنچو۔" اس کی آواز اُبھری۔ "میرے پاس ایک بہت اہم اطلاع ہے، میں آٹھ بجے تک وہاں پہنچ کر تم سے ملوں گی۔"

"کیسی اطلاع؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تھوڑی دیر پہلے لندن سے ایک خبر ملی ہے بس آکر بات کروں گی۔"

میں پوچھتا ہی رہ گیا لیکن وہ عجلت میں معلوم ہوتی تھی اُس نے گڈ بائی کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میرے دل میں لندن کے حوالے سے تشویش پیدا ہوگئی تھی۔ نہ جانے وہ کیا اہم اطلاع تھی اگر اس کا تعلق عزالہ سے

تھا تو . . .
اس سے آگے میں کچھ نہ سوچ سکا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں۔
"کیا ہوا؟ کچھ پریشان نظر آرہے ہو؟" سلطان شاہ نے دیکھتے ہی سوال کیا۔
"کچھ نہیں، بس ہل پارک چلو۔" میں نے کہا۔
کار خاموشی سے ہل پارک کی طرف چل پڑی اور میں خیالات کی رو میں ڈوب گیا۔

موسم خوشگوار تھا اور ہلکی ہلکی ہوائیں چل رہی تھیں مگر ہل پارک زیادہ آباد نہیں تھا۔ خاص طور پر پارکنگ لاٹ تو تقریباً خالی ہی پڑی ہوئی تھی۔ اس سے پرے گھاس کے قطعات پر کہیں کہیں شہر کے بے فکروں کی ٹولیوں سے اُبھرنے والے شور وغل اور قہقہوں سے فضا کچھ آباد لگ رہی تھی۔ پارکنگ فیس ادا کر کے سلطان گاڑی کو ایسے حصے کی طرف لیتا چلا گیا جہاں سے ویرا کی گاڑی بہ آسانی نگاہوں میں آسکتی تھی۔
"اب بتاؤ کہ یہاں کیوں آئے ہو؟" اگنیشن آف کر کے سلطان شاہ میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔
"ویرا نے بلایا ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "تھوڑی دیر میں وہ خود بھی یہاں پہنچنے والی ہے۔"
"کیا کوئی بہت خاص بات ہے؟" اس نے ٹٹولنے والی نظروں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔
"یہ تو وہی بتا سکے گی۔ اسے لندن سے کوئی خاص پیغام ملا ہے۔ اسی سلسلے میں بات کرنے کے لیے وہ تھوڑی دیر میں یہاں پہنچنے والی ہے۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔
"لندن سے؟" وہ چونک پڑا۔ "بھابی کو بھی تو لندن ہی بھیجا ہے نا اس نے؟"
"مجھے بھی یہی فکر لاحق ہوگئی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "فون پر اس نے کوئی تفصیل نہیں بتائی۔ بظاہر تو لندن سے بس غزالہ ہی کا تعلق ہے، خدا کرے کہ وہ خیریت سے ہو۔ سرپھری لڑکی ہے۔ خود کو خطرے میں محسوس کر کے کوئی بھی بڑے سے بڑا قدم اٹھا سکتی ہے۔"
"اب میں سمجھا کہ تم اتنی دیر سے خاموش کیوں ہو۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید تم خاموشی کے ساتھ روانگی کی منصوبہ بندی کر رہے ہو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔
"اس پوری مہم میں شاید اب تک غزالہ ہی کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "ماں کو کین کا شکار ہوئی، بھائی پاگل ہوا، باپ نے خودکشی کرلی اور وہ قیدی ہے۔ اب اگر اس کا بال بھی بیکا ہوا تو میں ویرا کو چوٹی سے پکڑ کر اس وقت تک کراچی کی گلیوں میں گھسیٹتا پھروں گا جب تک وہ سسک سسک کر جان نہ دے دے۔"
"اس طرح ان زیادتیوں کا ازالہ تو نہ ہوسکے گا۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔
"بس۔" اس کی زبان سے زیادتیوں کا ذکر سنتے ہی مجھے یکلخت طیش آگیا۔ "کسی اور موضوع پر بات کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے آنے سے پہلے ہی میں اپنا ذہنی توازن کھو کر کوئی انتہائی قدم اٹھا ڈالوں۔"
وہ اندھیرے میں بس مجھے گھور کر رہ گیا۔ اس کی چمکتی ہوئی نگاہیں میری طرف اٹھیں پھر مجھے اپنی طرف نگراں پا کر اس نے اپنا چہرہ دوسری طرف گھما لیا۔
مجھے فوراً ہی احساس ہوگیا کہ میں اشتعال کی حالت میں اس کے ساتھ زیادتی کر بیٹھا تھا جو شاید اس کی طبیعت پر بھی گراں گزری تھی۔
"میرا مقصد تمہاری دل آزاری نہیں تھا۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں کہا۔ "آج کل میرے لیے غزالہ کی پریشانی بہت زیادہ تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے۔ یہاں رہتے ہوئے میں بالکل بے بس ہوں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کوشش کرتا ہوں کہ اپنے ذہن کو کسی اور طرف مصروف رکھوں . . ."
"مجھے اندازہ ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر دھیمی اور سنجیدہ آواز میں بولا۔ "غلطی میری ہی تھی اور تمہیں مجھ کو ٹوکنے کا پورا پورا حق تھا۔ تم اس سے بھی کڑا لہجہ اختیار کرتے تو میں برا نہ مانتا۔"
اس کا لہجہ اس وقت اس کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ میری بات اسے بری لگی تھی لیکن میں نے اس وقت بات بڑھانا مناسب نہ سمجھا۔ اس بارے میں پھر کسی وقت بات کر کے اسے منایا جاسکتا تھا۔
میں سگریٹ سلگا کر گاڑی سے نیچے اتر گیا۔
کچھ عرصے پہلے تک صورت حال کچھ یوں تھی کہ میں اپنے سارے وسائل اور صلاحیتوں کے ساتھ ہر اس شخص کے لہو کا پیاسا ہو رہا تھا جو تنظیم کے مفادات کا ذرا بھی پاسدار تھا۔ ان دنوں ویرا اپنے کلیدی کردار میں میرے خلاف سرگرم عمل تھی اور اگر میرے بارے میں اس کی ذاتی پسند آڑے نہ آئی ہوتی تو وہ شاید میرا پتا ہی صاف کر سکتی تھی لیکن پچھلے چند روز میں حالات نے ہمیں ایک ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا کہ بظاہر میری اور اس کی منزل ایک ہی نظر آرہی تھی۔ اس سازگار ماحول سے پہلے ہی وہ مجھے لگام دینے کی نیت سے بدقسمتی سے غزالہ کو اغوا کر کے بیرونِ ملک بھجوا چکی تھی۔
اب میں جلد از جلد ملک سے باہر جا کر غزالہ سے ملنا چاہتا تھا

مگر ویرا تنظیم کی بیخ کنی پر تلی ہوئی تھی۔ وہ میرے ساتھ مل کر لائیڈز کالج کی تباہی پر بادلِ ناخواستہ آمادہ ہوئی تھی مگر وہاں زیرِ زمین راستوں سے ایک خفیہ کمرے میں پہنچ کر جب اس نے جمی لائیڈ کی تصویر دیکھی تو وہ سراپا انتقام بن گئی کیونکہ منشیات کی بین الاقوامی تجارت کرنے والے گروہ کا سرغنہ جمی لائیڈ اس کا باپ تھا جسے وہ صورت سے نہیں پہچانتی تھی لیکن وہ ویرا کو جانتے بوجھتے ہوئے ڈان مرسیانو کے روپ میں ان راستوں پر ہانکتا رہا جہاں آبرو اور اخلاق کے ہر تصور سے عاری ہو کر انسان محض پیسہ کمانے کی مشین بن کر رہ جاتا ہے۔ ڈان مرسیانو کے حوالے سے ماضی کی یادیں ویرا کے لیے بہت تلخ تھیں۔

لائیڈز کالج راکھ کا ڈھیر ہوا پھر وان ہوف مارا گیا اس کے بعد پانچ بڑوں میں سے دوسرے کی باری آئی اور مارٹن بھی جہنم واصل ہو گیا لیکن وہ مرتے مرتے ویرا کو باقی تینوں بڑوں کے نام بتا گیا تھا۔ قرائن بتا رہے تھے کہ ویرا پاکستان چھوڑنے سے قبل ان تینوں کا بھی صفایا کرنا چاہتی تھی۔ اس بارے میں وہ داؤد کی راہ پر لگ چکی تھی لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب محض ویرا کے انتقامی جذبے کی تسکین کے لیے میں مزید وقت برباد نہیں کروں گا۔

میں انھی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک ایک کار میرے قریب آکر رکی اور میں چونک کر اچھل پڑا۔ میرے ذہن میں فوری طور پر خطرے نے ہی سر ابھارا تھا لیکن پلٹتے ہی مجھے آنے والی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر ویرا براجمان نظر آئی اور میں گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ شاید اس نے اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دور ہی سے مجھے یا میری کار کو پہچان لیا تھا اور سیدھی اسی طرف بڑھتی چلی آئی تھی۔

"اسی طرف آجاؤ۔" ویرا نے انجن بند کرتے ہوئے کہا اور میں خاموشی سے دروازہ کھول کر اس کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔

"کیسی خبر لائی ہو؟" میں نے بیٹھتے ہی خشک لہجے میں براہِ راست کام کی بات چھیڑ دی۔ اس وقت میرے لیے خود پر قابو پائے رکھنا دشوار ہو رہا تھا۔

"پروگرام تبدیل ہو گیا ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ "کالج کی تباہی کے بعد وان ہوف اور مارٹن کے قتل نے انھیں بوکھلا کر رکھ دیا ہے۔ یہاں کے خطرناک اور غیر یقینی حالات کے پیشِ نظر باہر سے آنے والے نے اپنا پروگرام فی الحال منسوخ کر دیا ہے اور داؤد کو لندن طلب کر لیا ہے۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

"اب اہم فیصلے لندن ہی میں کیے جائیں گے۔" وہ بلا توقف بولے جا رہی تھی۔ "مارٹن کے بعد اب داؤد مقامی سربراہ ہے اور وہ اپنے ساتھ مجھے بھی لے جانا چاہتا ہے۔"

آخری اطلاع میرے لیے حوصلہ افزا تھی لیکن میں نے ویرا پر اپنی خوشی کا اظہار کیے بغیر سوال کیا۔ "لیکن تم کو تو میرے ساتھ جانا تھا۔ ایسا تو نہیں کہ اب تم نے ارادہ بدل دیا ہو؟"

"ساتھ جانے کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس کے کندھے پر سوار ہو کر جاؤں گی۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "چاہو گے تو میں تمھارے ساتھ چلی جاؤں گی لیکن بہتر یہی ہو گا کہ میں داؤد کے ساتھ سفر کروں۔ کھل کر سامنے نہ آنے میں یہ بڑی خرابی ہوتی ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وفاداری کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ لندن پہنچتے ہی ہم ایک دوسرے سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ تمھیں غزالہ تک پہنچانے میں زیادہ وقت صرف نہیں ہو گا۔"

"لیکن میں لندن میں تمھیں کہاں تلاش کرتا پھروں گا؟"

"لندن میں میرا قیام امپیریل ہوٹل میں ہو گا۔ رسل اسکوائر کے ٹیوب اسٹیشن سے چند قدم کے فاصلے پر۔ تم وہاں پہنچ سکو گے، چاہو تو مجھے فون کر لینا۔"

"اور تم وہاں پہنچو گی کب تک؟" میں نے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ کل ہی روانہ ہونا پڑے۔" اس نے کہا۔ "پروگرام کا انحصار داؤد پر ہو گا۔"

"بالفرض تم سے رابطہ نہ ہو سکے تو غزالہ تک رسائی کی کیا صورت ہو گی؟"

"وہ لندن میں نہیں، برمنگھم کے قریب کاؤنٹری نامی قصبے میں ہے، براہِ راست رسائی کی کوشش میں معاملہ خراب بھی ہو سکتا ہے۔ نئے شہر میں غلط لوگوں سے ٹکرا گئے تو دشواریاں کھڑی ہو جائیں گی۔ داؤد کل نہیں تو پرسوں ہر قیمت پر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے گا۔ موجودہ حالات سے وہ خود بھی خوفزدہ ہے، میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ نکل بھاگنے کے اس موقع سے پہلی فرصت میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا۔"

"وہ سب درست ہے مگر تم تفریحاً تو لندن نہیں جا رہی ہو کہ دن رات ہوٹل کے کمرے میں بیٹھی میری فون کال کا انتظار کرتی رہو گی۔ وہاں پہنچتے ہی تمہیں کسی اگلی منزل کے لیے سفر جاری رکھنے کا حکم مل سکتا ہے یا تم لندن ہی میں اجلاس میں مصروف ہو سکتی ہو۔ ایسی صورت میں میں وہاں کیا کروں گا؟" میں نے سوال کیا۔

"تم مفروضہ موضوعات پر زچ کر دیتے ہو۔" وہ بے بسی کے ساتھ ہنستے ہوئے بولی۔ "میرے بارے میں تازہ ترین معلومات تمہیں شیفرڈز بش کے علاقے میں ایسکوز آرمز نامی پب کے بارٹینڈر سے مل سکیں گی۔ انڈے جیسی شفاف کھوپڑی والا ادھیڑ عمر اور دراز قامت انگریز ہے۔ نام جیکب میکفرسن ہے مگر عام طور پر لٹو کہلاتا ہے۔"

"وہ براہِ راست تو مجھے ایک لفظ بھی نہ بتائے گا۔"

"میں پہنچ گئی تو خود ہی اسے تمہارے بارے میں باخبر کر دوں گی۔ مجھ سے پہلے تم پہنچ جاؤ تو میگی ہاروے کے بوائے فرینڈ کے طور پر اپنا تعارف کرانا۔ تم اس کا رویہ دوستانہ پاؤ گے۔"

"یہ میگی ہاروے کیا بلا ہے؟" میں اس بار اس سے الگ ہونے سے پہلے پوری معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"کچھ نہیں، بس یہ آپس کا ایک شناختی کوڈ ہے۔ وہ سمجھ لے گا کہ تمہیں میں نے اس سے رابطہ قائم کرنے کی ہدایت کی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی تمہاری ہی لائن کا آدمی ہے؟"

"اب اتنی تفصیل میں نہ جاؤ۔" وہ چڑ کر بولی۔ "ذرا ذرا سی بات پر یوں ہی جرح کرتے رہے تو یہ موضوع ساری رات بھی ختم نہ ہو سکے گا۔ تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ لندن میں تمہارے لیے ایک رابطہ موجود رہے گا۔"

"مجھے تمہارے ذاتی معاملات سے کوئی غرض نہیں۔" میں نے اس کا موڈ خراب ہوتے دیکھ کر نرم اور مکارانہ لہجے میں کہا۔ "میں صرف اتنا جاننا چاہ رہا تھا کہ وہ اگر تمہارے مشاغل سے باخبر ہے تو شاید ان لوگوں کو بھی جانتا ہو جو کاؤنٹری میں غزالہ کی میزبانی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔"

"مفاہمت کے بعد ایسی قیاس آرائیاں بے سود ہیں۔" وہ بولی۔ "انگلینڈ میں غزالہ تک پہنچنے کی کوئی محفوظ اور سہل ترکیب ہوتی تو میں خود ہی تم کو آگاہ کر دیتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری طرف سے تمہارے ذہن میں اب بھی شبہات کارفرما ہیں۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ تمہارے نزدیک غزالہ کا معاملہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا میرے لیے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ کوئی سامنے کی بات تمہاری نگاہوں میں آنے سے رہ گئی ہو۔ بس اسی خیال سے پوچھ لیا تھا۔"

"پھر تم کب روانہ ہو رہے ہو؟" اس نے موضوع بدلتے ہوئے سوال کیا۔

"روانگی تو بعد کی بات ہے، پہلے اٹلی اور دوسرے ممالک کا ویزا لگوانا ہوگا۔ اس کے بعد ٹکٹ خریدنے کی نوبت آئے گی۔ آج کل تو میں ویسے بھی قلاش ہو رہا ہوں۔"

"فکر نہ کرو۔" وہ بے پروائی کے ساتھ بولی۔ "پچھلی نشست کے پائیدان میں ایک پیکٹ پڑا ہوا ہے۔ اس میں پچاس ہزار کے بڑے نوٹ اور ایک سادہ کریڈٹ کارڈ موجود ہے۔ تم بی بی گلمور کی حیثیت سے وہ کارڈ کہیں بھی استعمال کر سکو گے۔"

"چوری کا کارڈ ہے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"کروڑوں کے کھیل میں ایسی چوریاں نہیں کی جاتیں۔ تنظیم کے اکاؤنٹ پر وہ کارڈ باقاعدہ جاری ہوا ہے۔ نام فرضی تھا اب اتفاق سے تمہارے کام آجائے گا۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولی۔ "اس پر تم ایک وقت میں ایک جگہ سے پانچ ہزار ڈالرز تک کی خریداری کر سکو گے۔"

"لیکن کہیں ضرورت پیش آ ہی گئی تو میں بی بی گلمور کی حیثیت سے خود کو شناخت کیسے کرا سکوں گا؟ میری ساری سفری دستاویزات تو اصل نام پر تیار ہوئی ہیں۔"

"دہری شخصیت۔" وہ ہلکا سا قہقہہ مار کر بولی۔ "کارڈ استعمال کرتے ہوئے بھول جانا کہ تم ڈینی ہو۔ کارڈ جاری کراتے ہوئے یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ اسے تنظیم کا کوئی اہم کارندہ ہی استعمال کرے گا لہٰذا کارڈ کے ساتھ دو دستاویزات بھی موجود ہیں جو تم کو بی بی گلمور قرار دیں گی۔ بس تمہیں ایک فارم پر اپنی تصویر چسپاں کرنا ہوگی۔ ویسے اتنا بتاتی چلوں کہ اس درجے کا کریڈٹ کارڈ ہما شما کے پاس نہیں ہوتا، اس لیے عام طور پر شناخت کا مطالبہ توہین سمجھا جاتا ہے۔ بے اعتمادی سے کام لیا جائے تو اصل کارڈ استعمال کرنا بھی محال ہو جاتا ہے۔"

میں پچھلی نشست کے پائیدان سے رقم کا پیکٹ اٹھانے کے لیے پیچھے مڑا ہی تھا کہ اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔ ویرا کی سمت میں عقبی دروازے کے قریب ایک قوی الجثہ شخص نجانے کب سے کھڑا ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ ویرا گفتگو میں اتنی منہمک رہی تھی کہ عقب نما آئینے میں بھی اسے اجنبی کا عکس نظر نہیں آسکا تھا۔ میرے ردِعمل میں کوئی ایسی نمایاں بات تھی کہ ویرا بھی چونک پڑی۔ "کیا بات ہے؟"

لیکن اس سے پہلے کہ میں ویرا کے سوال کا جواب دیتا، اجنبی پھرتی کے ساتھ اپنی سمت کا دروازہ کھول کر عقبی نشست پر سوار ہو گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کا داہنا ہاتھ جیب سے

باہر آگیا جس میں پستول دبا ہوا تھا۔
”تم کون ہو؟ یہ کیا بدتمیزی ہے؟“ ویرا پلٹ کر برہمی کے ساتھ غرائی تھی مگر اجنبی کے ہاتھ میں موجود پستول کی جھلک دیکھتے ہی اس کی آواز دم توڑ گئی۔
”زندگی عزیز ہے تو دونوں خاموشی کے ساتھ اپنی نشستوں پر بیٹھے رہو اور جو ہدایت ملے اس پر بے چون و چرا عمل کرتے رہو ورنہ میں کراٹے کے ایک ہی وار میں اپنے حریف کی گردن توڑ دینے میں مہارت رکھتا ہوں۔ ضرورت پیش آئی تو فائر کرنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔“
”تم کون ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟“ معاملے کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہی ویرا کے لہجے میں تبدیلی آگئی تھی مگر فکر مندی وہ اب بھی نظر نہیں آتی تھی۔
”یہاں سے گاڑی نکالو، پھر سب معلوم ہو جائے گا۔“ وہ سرد لہجے میں بولا۔
ویرا کی سمت میں پارکنگ لاٹ کی طرف جگہ نہ صرف خالی بلکہ نسبتاً تاریک بھی تھی، اسی وجہ سے اجنبی کو خاموشی کے ساتھ ادھر سے پیش قدمی کا موقع مل گیا تھا۔ میری کار اسی سمت میں پارک کی ہوئی تھی جدھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ سلطان شاہ بدستور اسٹیئرنگ وھیل پر براجمان تھا اور شاید تازہ صورتِ حال سے باخبر بھی کیونکہ دونوں گاڑیوں کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ نہیں تھا اور ہوا کے دوش پر ہماری آوازیں اس کے کانوں تک پہنچتی رہی ہوں گی مگر اجنبی کوئی گفتگو کیے بغیر اچانک نازل ہوا تھا پھر کار کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز کے ساتھ ہی ویرا کی کار میں ایک فرد کا اضافہ اسے چونکا دینے کے لیے کافی تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ سلطان شاہ نے اجنبی کو کار میں داخل ہونے سے پہلے نہیں دیکھا ہو گا ورنہ اسے پستول کے بل پر ہم پر یوں مسلط ہونے کی مہلت ہی نہ مل پاتی اور وہ باہر ہی دھر لیا جاتا۔
دوسرا قابلِ غور نکتہ یہ تھا کہ اجنبی کی ساری توجہ ہم دونوں پر ہی مرکوز تھی اور اس نے ویرا کو وہاں سے کار نکالنے کا حکم دینے تک اپنی گفتگو میں ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ سلطان شاہ ہمارے ساتھی کے طور پر اس کی نگاہوں میں آچکا تھا۔ اگر وہ ابتدا سے میرا تعاقب کر رہا ہوتا تو نہ صرف میری ذات بلکہ گاڑی بھی اس کی نگاہوں میں آچکی ہوتی اور وہ ہم پر ہاتھ ڈالتے ہوئے سلطان شاہ کو ہرگز نظر انداز نہ کرتا۔
آثار سے یہی پتا چل رہا تھا کہ وہ ویرا کا تعاقب کرتے ہوئے ہل پارک تک پہنچا تھا پھر اس کی غفلت اور لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کار کے قریب تاریکی میں چھپ کر میری اور اس کی گفتگو سنتا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر میں پچھلے پائیدان سے رقم کا پیکٹ اٹھانے کے لیے گردن نہ گھماتا تو شاید وہ مزید کچھ دیر مداخلت کیے بغیر ہماری گفتگو سنتا رہتا۔
اس پورے قصے میں سلطان شاہ کے بچے رہنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ ویرا کی آمد سے قبل وہ میرے غصیلے لہجے پر قدرے ناراض ہو گیا تھا اور میں اپنی غلطی محسوس کرتے ہوئے اسے کار میں بیٹھا چھوڑ کر کھلی ہوا میں نکل آیا تھا۔ اس طرح جب ویرا وہاں پہنچی تو میں براہِ راست اس کی گاڑی میں جا بیٹھا۔ سلطان شاہ یا دوسری گاڑی کی طرف رجوع کرنے کی نوبت ہی نہیں آسکی۔
حالات کے پیشِ نظر مجھے قوی شبہ تھا کہ وہ کوئی چلتا پھرتا چور اُچکا نہیں تھا کیونکہ کراچی میں مشین گن اور کلاشنکوف کے بل پر ڈاکے توڑ پڑنے لگے تھے لیکن نوبت یہاں تک نہیں پہنچی تھی کہ معمولی اُچکے اور رہزن وزنی پستولوں سے لوگوں کو ہراساں کرتے پھریں۔ البتہ یہ شہ زوری ہیروئن اور دیگر منشیات کے لین دین میں روا تھی۔ ہیروئن کا کام کرنے والے دوسروں کو نشے کا عادی بناتے بناتے خود اس قدر سنگ دل بلکہ بے حس ہو چکے تھے کہ اپنے مفاد کو خطرے میں دیکھتے ہی شہر کی بھری پُری بستیوں میں جیتے جاگتے انسانوں کو یوں خاک و خون میں نہلاتے تھے جیسے وہ انسان نہیں،

مٹی کے بے جان پتلے ہوں۔

ویرا کی نیت جو کچھ بھی رہی ہو لیکن بظاہر وہ ہیروئن فروشوں کی بین الاقوامی بساط پر ایک اہم رتبے پر فائز تھی اور پاکستان میں اس کے ملک گیر مفادات کی نگراں بھی بنی ہوئی تھی۔ وان ہوفٹ اس سے ٹکرا کر فنا ہو چکا تھا' مارٹن معذور نہ ہوتے ہوئے بھی بڑی بُری موت کا شکار ہوا تھا اور اب داؤد مقامی سربراہ تھا۔

شاید اسے ویرا پر اعتبار نہیں رہا تھا۔ اس نے مارٹن کی موت کی تصدیق کے لیے ویرا کو استعمال کیا تھا۔ ویرا کے تین خونخوار تنخواہ دار مارٹن کی لاش کے چیتھڑے دریافت کر کے لوٹ گئے مگر ان کی نگرانی کے لیے آیا ہوا' داؤد کا آدمی میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گیا۔ وہی موت اس کا بھی مقدر بنی تھی جو مارٹن کے حصے میں آئی تھی۔ ویرا نے اپنے آدمیوں کی بھاگ دوڑ کے نتیجے سے تو داؤد کو آگاہ کر دیا ہوگا لیکن اس کی کہانی میں داؤد کے آدمی کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

مارٹن کی موت کی تصدیق داؤد نے ویرا سے کرائی اور ویرا کی کہانی کی تصدیق کے لیے وہ اپنے آدمی کی واپسی کا منتظر رہا ہوگا جو جہنم واصل ہو چکا تھا۔

اس کی واپسی نہ ہونے پر داؤد کا تشویش میں مبتلا ہونا لازمی تھا۔ اس نے یقینی طور پر صورتِ حال جاننے کے لیے پھر کسی کو مارٹن کے ویران مکان میں بھیجا ہوگا اور اس بار لوٹنے والے نے اسے دو لاشوں کے چیتھڑوں کی کہانی سنائی ہوگی۔

ایکسپلوڈر کے استعمال سے لاش کے ٹکڑے ضرور اُڑ جاتے تھے لیکن ان لوتھڑوں سے اعضا کی شناخت دشوار نہیں تھی کہ وہ کتنے مقتولین کے جسموں سے جدا ہوئے ہوں گے پھر مارٹن خواب گاہ میں ویرا کے فائر کا نشانہ بنا تھا اور دوسرا مارٹن کے مکان کے عقبی حصے میں میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

دونوں مختلف اوقات میں مارے گئے تھے مگر ان کا حشر یکساں ہوا تھا' دونوں کے ایکسپلوڈر جائے واردات سے غائب تھے۔ واقعات کی وہ یکسانیت داؤد کے ذہن میں ویرا کی طرف سے شبہات کو جنم دینے کے لیے کافی تھی لہٰذا اس نے اپنا ایک آدمی' بلکہ امکانی طور پر وہی آدمی جس نے مارٹن کے مکان میں دوسری لاش کی موجودگی کی اطلاع دی ہوگی' ویرا کی نگرانی پر مامور کر دیا اور دوسری طرف فون پر اس کو یہ پیغام بھی دے دیا کہ اسے کسی بھی لمحے داؤد کے ساتھ لندن روانہ ہونا ہے۔

میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا' ویرا' اجنبی کی ہدایت پر کار کا انجن اسٹارٹ کر کے ہل پارک کی طویل ڈھلوان سڑک عبور کر کے داہنی طرف شہیدِ ملت روڈ پر نکلنے کے بجائے اندرونی راستوں پر کار ڈرائیو کر رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اس طرح ویرا کو بے یقینی کی کیفیت سے دوچار کر کے داؤد نے زبردست نفسیاتی حربہ آزمایا تھا۔ اگر شہر میں ویرا کی کچھ خفیہ مصروفیات تھیں تو لامحالہ اس کی کوشش یہی ہونا چاہیے تھی کہ لندن روانگی سے قبل اپنی ذمے داریاں کسی اور کو سونپ دے یا اپنے پھیلے ہوئے کام نمٹانے کی فوری کوششیں شروع کر دے۔

اس مرحلے پر عیار ویرا' داؤد کے دام میں آگئی اور مجھ سے ملاقات کے لیے نکل کھڑی ہوئی اور اس کا پیچھا کرنے والے نے ہم دونوں کی گفتگو سے ہمارے باہمی تعاون اور ویرا کے باغیانہ رجحانات کا اندازہ لگاتے ہی موقع پا کر ہمیں بے بس کر لیا تھا۔

پوزیشن اتنی نازک تھی کہ وہ مسلح تھا اور عقبی نشست پر براجمان تھا۔ مجھے گردن گھمانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ ویرا تو شاید رہ رہ کر عقب نما آئینے کی طرف نظریں اُٹھا کر اسی کو دیکھ رہی تھی مگر مجھے اس مردود کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا' نہ ہی یہ معلوم تھا کہ سلطان شاہ ہمارے تعاقب میں آ رہا تھا یا وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

اجنبی' سلطان شاہ کے وجود سے لاکھ بے خبر سہی لیکن میں نے اس کے کریہہ چہرے کی جو ایک جھلک دیکھی تھی' اس سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ پیشہ ور مجرم تھا۔ اس اعتبار سے اس کی پیشہ ورانہ جبلت کا تقاضا تھا کہ ہم دونوں کو اغوا کرتے ہوئے وہ تعاقب کے موہوم سے امکان کو بھی اپنی نظروں میں رکھے۔

مگر وہ مسلسل خاموش تھا۔ راستوں کے بارے میں ویرا کو مختصر ہدایات دینے کے علاوہ کچھ نہیں بول رہا تھا جس کا مطلب یہی تھا کہ یا تو سلطان شاہ نے تعاقب نہیں کیا تھا یا پھر اجنبی اپنی پوری کارروائی کے بارے میں اس قدر پُراعتماد تھا کہ کار روانہ ہو جانے کے بعد اس نے ہم دونوں پر سے توجہ ہٹا کر پیچھے دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کی تھی۔

پیچھے دیکھنے کی صورت میں اسے یہ خطرہ بھی رہا ہوگا کہ کہیں ویرا عقب نما آئینے میں اس کی لمحہ بھر کی عدم توجہی بھانپ کر کوئی ایسا کاری وار نہ کر گزرے کہ جیتی ہوئی بازی اس کے ہاتھ سے جاتی رہے۔

چند منٹ کی اس قلیل سی مدت ہی میں میرے اعصاب بُری طرح چٹخنے لگے اور میں نے اس کی برہمی کی پروا کیے بغیر کار میں چھایا ہوا سکوت توڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

"گاڑی ہل پارک سے کافی دور نکل آئی ہے یار! اب تو کچھ بتا دو۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"منزل پر پہنچ کر سب سامنے آجائے گا۔ فی الحال بکواس

"بند رکھو۔" اس نے کھکھنے کتے کی طرح غراتی ہوئی آواز میں کہا اور لمحہ بھر کے لیے پستول کی سرد آہنی نال میری گردن سے آلگی جو چھو کر فوراً ہی ہٹالی گئی۔

"اگر... اگر تمھیں یہ لڑکی پسند ہے تو اسے جہاں جی چاہے لے جاؤ مجھے یہیں اتار دو۔" میں نے جھجکنے کی اداکاری کرتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ "بس گوری چمڑی کے چکر میں مارا گیا۔ مجھے پتا ہوتا کہ تم جیسے لوگ بھی اس کے پیچھے ہیں تو ہرگز اس سے دوستی نہ کرتا۔"

"بزدل۔" خلافِ توقع ویرا نفرت انگیز لہجے میں بول پڑی۔ "پستول دیکھتے ہی سارا عشق ہوا ہو گیا، شرم بھی نہیں آتی کہ خود سے مجھے اس کے حوالے کرنے پر تل گئے ہو۔"

"تمھیں تو وہ لے ہی جا رہا ہے، میں بے چارہ بلاوجہ کیوں مارا جاؤں؟" میں نے بے بسی کے ساتھ کہا۔

"اے، لڑائی بند کرو۔" وہ ڈپٹ کر غرایا۔ "یہ ناٹک نہیں ہے دو منٹ پہلے لندن میں ملنے کے پروگرام بن رہے تھے اب بلیوں کی طرح لڑ رہے ہو... یہ اداکاری نہیں چلے گی۔"

"اداکاری نہیں، یہ حقیقت ہے بھائی۔" میں کراہا۔ "یہ مجھے پٹی پڑھا رہی تھی کہ میں اپنا گھر بار چھوڑ کر خاموشی کے ساتھ اس کے ہمراہ لندن فرار ہو جاؤں بس پھر وہاں ہمارے عیش ہی عیش ہوں گے۔"

"اے مسٹر!" اس بار ویرا غصیلے لہجے میں اجنبی سے مخاطب ہوئی تھی۔ "میں اس سے زیادہ توہین برداشت نہیں کر سکتی میں گاڑی روک رہی ہوں تم اسے گولی مار کر یہیں پھینک دو۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے واقعی بریکوں پر ہلکا سا دباؤ ڈال دیا۔ وہ اس وقت غضب کی اداکاری کر رہی تھی۔ ....

اجنبی سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ایسا کوئی منصوبہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا لیکن ویرا نے موقع سے زبردست فائدہ اٹھایا تھا۔

"بریک چھوڑو۔" وہ اضطراری طور پر غرایا۔ "ورنہ گولی مار دوں گا۔" اس بار اس نے قدرے آگے جھک کر پستول کی نال ویرا کی پسلیوں میں پیوست کر دی تھی۔

وہ صورت برقرار تھی۔ میں نے سرعت کے ساتھ سوچا کہ ڈن کے مکان میں میرے ہاتھوں مرنے والے نقاب پوش کی طرح اجنبی بھی مجھے ڈینی کی حیثیت سے نہیں پہچانتا تھا ورنہ اب تک اس کا اظہار کر چکا ہوتا۔ دوسری بات یہ کہ اگر وہ داؤد کا آدمی تھا تو ہیرڈن کے وسیع کاروبار سے ضرور واقف رہا ہوگا۔

ان دو نکات کے روشن ہوتے ہی اپنی کہانی میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے میری زبان ایک بار پھر چل پڑی۔ "اسے لے جاؤ تو بہتر ہے یہ خوبصورت لڑکی نہیں، ایک فتنہ ہے۔ اپنے سحر میں الجھا کر مجھے تقریباً آمادہ کر لیا تھا کہ میں دو چار کلو ہیروئن ساتھ لے کر لندن جاؤں گا اور یہ مجھے کروڑ پتی بنا دے گی۔ موت کو سامنے دیکھ کر مجھے ہوش آیا ہے کہ میں اس سفید گیتا کے چکر میں کیا کرنے والا تھا۔"

ویرا نے اپنی پسلیوں میں اڑے ہوئے پستول کی نال کے دباؤ کی پروا کیے بغیر بایاں ہاتھ گھما دیا جو خاصی شدت کے ساتھ میرے سینے پر پڑا اور میں بے اختیار کراہتا ہوا آگے جھک گیا۔

اسی لمحے ویرا نے نہایت عامیانہ انداز میں بازاری گالیاں بکتے ہوئے سختی سے بریک لگایا۔ اجنبی اپنی تمام تر سخت گیری کے باوجود اس صورتِ حال سے بوکھلایا ہوا تھا۔ بریک لگنے کے جھٹکے سے پستول کی نال ویرا کی پسلیوں سے نکل گئی اور اجنبی، ویرا کی سیٹ کی پشت گاہ کا سہارا لینے پر مجبور ہو گیا۔

میرے لیے وہ مہلت غنیمت تھی، میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کی کلائی تھام کر اس قدر شدید جھٹکا دیا کہ پستول اس کی گرفت سے نکل کر گیئر لیور سے ٹکراتا ہوا اگلے پائیدان میں آ گرا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" اسی لمحے میرے کانوں سے سلطان شاہ کی متوحش آواز ٹکرائی۔ میں نے پستول اٹھاتے ہوئے گردن گھما کر دیکھا تو وہ اپنی کار ویرا کی گاڑی کے برابر میں لے آیا تھا۔

"سب ٹھیک ہو گیا تم پیچھے آؤ۔" ویرا نے تقریباً چیخ کر کہا۔ اس وقت تک وہ اپنی گھسٹتی ہوئی کار کی رفتار دوبارہ بڑھا چکی تھی لیکن اسی لمحے اجنبی کسی وحشی گینڈے کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ مجھے اتنی مہلت ہی نہ مل سکی کہ میں پستول کو پوری طرح اپنے قبضے میں لے سکتا، وہ میرے ہاتھ سے نکل کر ایک بار پھر پائیدان میں آ گرا۔

اجنبی کسی جونک کی طرح مجھ پر چھا جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اپنا پورا وزن مجھ پر ڈالا ہوا تھا اور میں اگلی نشست میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ ذہن پر یہ خوف بھی مسلط تھا کہ وہ بدمعاش غیر مسلح فرد ہو چکا تھا لیکن کراٹے میں اپنی مہارت کا اعلان بھی کر چکا تھا اگر اسے ایک ہی بھرپور ہاتھ دکھانے کا موقع مل جاتا تو ویرا اس کے رحم و کرم پر تنہا رہ جاتی۔ اس خطرناک صورتِ حال میں بس یہی ایک احساس تقویت کا باعث تھا کہ سلطان شاہ بھی ہمارے پیچھے لگا ہوا تھا اور اس کی گاڑی میں وہ ایکسپلوڈر میگزین سمیت موجود تھا جو میں نے ہیرڈن کے مکان میں نقاب پوش کو ہلاک کر کے حاصل کیا تھا۔

قریب تھا کہ شہ زور اجنبی مجھ پر پوری طرح حاوی ہو جاتا اور میں اس کے توانا بازوؤں اور پشت گاہ کے درمیان جکڑ کر رہ جاتا کہ ویرا نے کام دکھایا۔ اس نے اجنبی کے جسم کے کسی بہت ہی نازک اور حساس حصے پر بائیں ہاتھ سے ایسی کھلی ضرب لگائی

تھی کہ ایک کرب ناک چیخ کے ساتھ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔
اس کی خون آشام گرفت ڈھیلی پڑتے ہی میں سیٹ میں پنجوں کے بل پوری قوت سے اوپر اچھلا اور میری ٹکر اندازے کے عین مطابق اس کے چہرے پر پڑی، وہ ایک غراہٹ کے ساتھ عقبی نشست پر گر گیا اور میں پھرتی کے ساتھ پائیدان سے پستول اٹھا کر پیچھے ہی کود گیا تاکہ اس برتری کو ختم کرسکوں جو اسے پچھلی نشست پر ہونے کی وجہ سے حاصل تھی۔
ویرا کی لگائی ہوئی شدید ضرب اور پھر میری ٹکر نے اسے دہرا کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ اپنے جسم کو گٹھری بنائے ماہئی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور اپنی دردناک چیخوں پر قابو پانے کی سرتوڑ کوششیں کر رہا تھا لیکن وحشیانہ غراہٹیں پھر بھی ابھر رہی تھیں۔ میں نے اس کے پہلو میں عقبی نشست سنبھالتے ہی اس کے جبڑے پر پے در پے کئی زوردار مکے رسید کیے اور وہ کسی جنگلی بھینسے کی طرح اپنی ساری تکلیف کو بھول کر مجھ سے لپٹ پڑا۔
وہ علاقہ آباد ضرور تھا مگر سڑکیں ویران تھیں کچھ فاصلے پر لیسی روشنیاں نظر آرہی تھیں کہ ہم اگر اسی طرح لڑتے بھڑتے ادھر سے گزرتے تو شاید مداخلت کا سامنا کرنا پڑتا اور شاید اسی بنا پر ویرا نے یک بیک کار بائیں طرف کنارے سے لگا کر روک دی۔ اجنبی مجھ سے الجھا ہوا تھا۔ وہ جسمانی طاقت کے اعتبار سے اگر مجھ سے برتر نہیں تو کم تر بھی نہیں تھا اور چند شدید ترین ضربات کھانے کے باوجود اس کے جارحانہ غیظ و غضب میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس وقت مجھ پر بھی کوئی عجیب سی دُھن سوار تھی کہ بھرا ہوا پستول ہاتھ میں ہونے کے باوجود محض طاقت کے بل پر اسے زیر کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر ویرا کے کار روکتے ہی مجھے کچھ عجیب سا احساس ہوا اور اسی لمحے عقب میں کسی کار کے ٹائر دل کے چرچرانے کی آواز کے لحظہ بھر بعد سلطان شاہ دوڑتا ہوا ہماری گاڑی کے قریب آپہنچا۔
اس مرحلے پر کسی کی مداخلت میرے لیے قابلِ قبول نہیں تھی۔
میں نے پستول پر اپنی گرفت تبدیل کیے بغیر اس کی وزنی نال سے اجنبی کی کنپٹی پر ضرب لگانا چاہی لیکن وہ اپنے بدن کا زاویہ بدل کر وہ چوٹ بڑی آسانی کے ساتھ اپنے بازو پر سہہ گیا اور اسی کے ساتھ ٹرائیگر سے انگلی ہٹنے کی بنا پر پستول میری گرفت سے نکل گیا جسے دوبارہ حاصل کرنا محال تھا۔
"ٹھہرو، میں اسے سنبھالتا ہوں"، سلطان شاہ کی آواز قریب سے ابھری۔
"تم دور رہو"، میں کسی بھیڑیے کی طرح غرایا۔ "یہ میرا شکار ہے۔ اسے کوئی ہاتھ نہ لگائے"۔
شاید اس وقت میری انا ہی کچھ جوش میں آگئی تھی کہ میں نے اس کا گریبان تھام کر اس کے چہرے پر پوری قوت سے ایک ٹکر رسید کی تو وہ غراتا ہوا بالکل بے جان ہو کر میرے ہاتھوں میں آگیا۔
وہ بے ہوش ہو چکا تھا مگر میں اس وقت اس قدر مغلوب الغضب ہو رہا تھا کہ فوری طور پر خود پر قابو نہ پاسکا اور اس کے چہرے پر ایک اور بھرپور ٹکر رسید کر دی۔ میرے ہاتھوں پر رکے ہوئے اس کے ساکت بدن کا توازن اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ میرا نشانہ قدرے خطا ہو گیا۔ ٹکر غلط زاویے سے پڑنے کی بنا پر میری پیشانی پر بھی شدید چوٹ آئی اور لحظہ بھر کے لیے میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ میں نے بے اختیار اپنے شکار کو چھوڑ دیا اور اگلی نشست کی پشت گاہ کا سہارا لے کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔
چند ثانیوں کے لیے میرا ذہن بالکل تاریک اور گرد و پیش سے بے خبر ہو کر رہ گیا۔ اس دوران میں ویرا اور سلطان شاہ نے یقینی طور پر میری خبر لی ہوگی اور بے ہوش اجنبی کو اس طرح پچھلے پائیدان میں چھپایا ہوگا کہ باہر سے کسی کو کار میں کسی قیدی کی موجودگی کا شبہ نہ ہو سکے مگر مجھے ان میں سے کسی بات کا ادراک نہیں۔ میرے ذہن سے رفتہ رفتہ دُھند چھٹنا شروع ہوئی تو کار یکساں رفتار سے کسی ہموار سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ ویرا اسٹیئرنگ وہیل پر موجود تھی اور میرے قدموں میں قیدی بے ہوش پڑا گہرے گہرے بے ترتیب سانس لے رہا تھا۔
میرے اندازے کی غلطی کی وجہ سے میری کھوپڑی پر شدید چوٹ آئی تھی۔ ہوش آجانے کے باوجود بھی میرا سر بری طرح دھمک رہا تھا۔
"آج ستارے ہی اچھے تھے جو بچ گئے ورنہ یہ ہمیں ہانک کر اپنے آقا کے پاس لے جاتا"، میں نے گہرا سانس لے کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور ویرا چونک پڑی۔
"تو تم ہوش میں آہی گئے"، وہ بولی۔ "ہوا کیا تھا تم کو؟"
"اسے ٹکر مارتے ہوئے سر میں چوٹ آگئی تھی لیکن یہ تو بتاؤ کہ اسے تم کہاں سے اپنے پیچھے لگا لائی تھیں؟" میں نے ذرا ترش لہجے میں سوال کیا۔
"میں!" اس نے حیرت سے کہا پھر چٹخ کر بولی۔ "میں کیوں لگا لاتی اسے، پہلے سے ہی وہیں کہیں مرا ہوا ہوگا۔"
میں دھیمے سے ہنس پڑا۔ "بس انگلیاں چٹخا کر کوسنا اور شروع کر دو تو خالص ہماری طرف کی شبراتن کی ماں معلوم ہونے لگو گی۔ یہ کوئی چلتا پھرتا اُچکا نہیں تھا جو اچانک نازل ہو گیا۔"
"اس کی باتوں سے تو معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ یہ کون ہے اور کیا چاہ رہا تھا۔ ابتدا میں تو تمہیں بھی سانپ سونگھ گیا تھا۔"

"سانپ نہیں، میں تمہاری زلفوں کی بھینی بھینی مسحور کن خوشبو میں ڈوبا ہوا تھا۔ اگر اس وقت ذہن پر زور نہ دیتا تو یہ اب تک ہمیں کسی بد بو دار گڑھے میں دفن کر چکا ہوتا۔"

"تم نے کیا زور دیا تھا، تم نے تو اسے میرے پیچھے لگنے میں کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ۔ ۔"

"بس وہی ایک رُخ سوچا تھا جمود توڑنے کا، ہل پارک میں جوان جوڑے عموماً ایسے ہی چکروں میں آتے ہیں یا پھر زیادہ بچوں والے خوشحال گھرانوں کی بھیڑ رہتی ہے بیوی بچوں سے سیکڑوں میل دور روزی کمانے کے لیے آئے ہوئے مایوس اور حسرت زدہ مجرد بے چارے بس تاک جھانک کر ہی خوش ہو لیتے ہیں۔"

"اور اگر وہ تمہیں اتار کر واقعی مجھے لے جاتا؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"وہ تو میں نے اسے الجھانے کی کوشش تھی، تمہاری برمحل اداکاری نے اس میں چار چاند لگا دیے۔ میں پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ داؤد ہر قیمت پر ہم دونوں کو ایک ساتھ دیکھنا چاہے گا۔"

"داؤد کا ذکر کہاں آگیا یہاں؟" وہ میرے انکشاف پر بھونچکا لگی تھی۔

"ہوش میں آئے گا تو خود اسی سے پوچھ لینا۔ میں نے ہیروئن کی اسمگلنگ کا شوشہ بلا وجہ نہیں چھوڑا تھا۔ میں ابتدا ہی سے بھانپ گیا تھا کہ یہ داؤد کا آدمی ہے۔"

"اور میں ابھی تک یہی سوچ رہی ہوں کہ یہ کون ہے اور ہم سے اسے کیا پرخاش ہے؟" وہ اُلجھن آمیز لہجے میں بولی اور میں نے قدرے توقف کے بعد اسے ان تمام نکات سے آگاہ کر دیا جن پر غور کرنے کے بعد میں نے اس کی اصلیت کے بارے میں نتائج اخذ کیے تھے اور وہ حیرت کے ساتھ میری منطقی گفتگو سنتی رہی۔

"اس کا مطلب ہوا کہ لندن روانگی کا پیغام غلط تھا، جو کچھ ہونا ہے یہیں ہوگا۔" میرے خاموش ہونے پر وہ بولی۔

"ضروری نہیں۔ میں نے تو ہر پہلو پر منفی انداز سے غور کیا تھا لہٰذا اسی لیے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اچانک لندن روانگی کی اطلاع دے کر اس نے تم کو بوکھلانے کی کوشش کی تھی لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ واقعی تمہیں اپنے ساتھ لندن لے جانے پر آمادہ ہو اور اس نے حقیقی پروگرام کی اطلاع دے کر ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی ہو۔ اچانک اور غیر یقینی پروگرام سامنے ہو تو اہم اور فوری نوعیت کے کاموں کو جلد از جلد سمیٹنا انسان کی فطرت ہے۔ یہ بات طے ہے کہ مارٹن کے مکان میں اپنا ایک آدمی گنوا دینے کے بعد وہ تمہاری طرف سے شبہات میں مبتلا ہو گیا ہے اور تمہیں اپنے ساتھ لندن لے جانے سے پہلے یہ یقین کرنا چاہتا ہے کہ تنظیم کی وفاداریوں سے ہٹ کر تم نے کوئی اور چکر تو نہیں چلایا ہوا ہے۔"

"یہ سب تو بعد میں سوچا جا سکتا ہے، پہلے یہ بتاؤ کہ اس قیدی کا کیا کیا جائے؟"

"اسے تو مارنا ہی پڑے گا۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "بازپرس کے بعد اسے آزاد کیا تو اس کا باس ہوشیار ہو جائے گا۔ دوستی اور دشمنی کا سارا بھرم بھی کھل جائے گا۔ وہ تم پر شبہ کرتا ہے تو کرتا رہے مگر اسے یقین میں نہیں بدلنا چاہیے۔"

"بازپرس کے لیے کوئی ٹھکانا بھی تو نہیں ہے ہمارے پاس۔" وہ بڑبڑائی۔

"پروا نہ کرو، اس وقت ہم شاہراہِ فیصل پر آ گئے ہیں، بس سیدھی ہی چلتی رہو۔" میں نے اپنے ذہن میں منصوبہ ترتیب دیتے ہوئے مڑ کر دیکھا تو سلطان شاہ بہت کم فاصلے سے ہمارے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

"تمہارا یہ ساتھی بڑا وفادار معلوم ہوتا ہے۔ ہر وقت سائے کی طرح ساتھ لگا رہتا ہے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ویرا بولی تو اس کے لہجے میں حسد کی ہلکی سی بو تھی۔

"تنظیم سے مخالفت مول لینے کے بعد ہر ایک سے کٹ کر رہ گیا ہوں، تمہارے بعد بس اسی پر اعتماد کر سکتا ہوں ہر وقت میرے پسینے پر اپنا لہو بہانے کے لیے تیار رہتا ہے۔" میں نے اس کے جذبات کا پاس کرتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"سائے کی طرح پیچھے لگا ہوا ہے۔" وہ عجیب سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "مشکل سے چند گز کے فاصلے پر گاڑی ڈرائیو کر رہا ہے، ذرا بھی بریک لگاؤں تو سیدھا آ ٹکرائے گا۔"

"لیکن اس صاف اور سیدھی سڑک پر اچانک بریک لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" میں نے کہا۔ "اسی بھروسے پر وہ اتنے قریب ہے پھر وہ تمہیں ایک سیدھی سادی لڑکی سمجھتا ہے جسے میں نے اپنے دام میں پھانسا ہوا ہے، اسے تمہاری اصلیت کا پتا چل جائے تو وہ ہر لمحے تم سے چوکنا رہے گا۔"

"کہاں سے خریدا تھا؟" ویرا نے مضحکانہ لہجے میں سوال کیا۔

"تمہاری طرف بکتے ہوں گے، یہاں تو بے مول مل جاتے ہیں۔" میں نے قدرے ترش لہجے میں کہا۔

"کیا اسے بھی اپنے ساتھ لندن لے جاؤ گے؟" اس بار ویرا کا لہجہ تجسس آمیز تھا۔

"فی الحال تو ارادہ نہیں ہے۔ وہاں اس کا کام ہی کیا ہوگا؟"

"لے جاؤ تو سیر ہی کر لے گا۔" اس نے اکسانے والے انداز میں کہا۔

"کیا کوئی خاص بات سوچ رہی ہو اس کے بارے میں؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"حالات سے مار کھایا ہوا معلوم ہوتا ہے جب ہی کاس قدر جی جان سے تمہارا ساتھ دے رہا ہے۔ پیٹ بھرا ہوتا تو ہر لمحے تمہارے بجائے اپنی سلامتی کی فکر میں کھویا رہتا۔"

"کھل کر بات کرو، کیا سوچ رہی ہو اس کے بارے میں؟" میں نے اُلجھ کر کہا۔

"ڈر لگتا ہے کہ کہیں تم بھڑک نہ جاؤ۔"

"کوئی بے ہودہ بات ہے تو بہتر ہوگا کہ اسے زبان پر نہ لاؤ۔ وہ میرا زرخرید نہیں ہے۔ اسے میں اپنے بھائی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔"

"اتنی بھی برائی نہیں ہے۔ دو چار کلو ہیروئن بھی ساتھ لے جائے تو اس کی دنیا سنور جائے گی۔" آخر کار اس کے دل کی بات اس کی زبان پر آ ہی گئی۔ "ترکیب میں بتا دوں گی مال چھپانے کی۔"

"پھر اسے ترکیب بتانے کے بجائے خود ہی مال لے جانا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "کہیں پکڑا گیا تو زندگی برباد ہو جائے گی اس کی۔"

"تو تم کیا سمجھ رہے ہو۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ بولی۔ "میں تو لے ہی جاؤں گی اور وہ میرا ذاتی بزنس ہوگا۔ اس آمدنی سے تنظیم کا کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ جب بھی پاکستان آتی ہوں، دو چار کلو ہیروئن لے ہی جاتی ہوں اور آج تک کبھی کسی کو شبہ تک نہیں ہو سکا کہ میرے پاس غیر قانونی منشیات ہوں گی۔"

"تم کھلاڑی ہو اور وہ اناڑی۔ پھر عورت ہونے کی وجہ سے بھی تم کو رعایت ملتی ہوگی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تم سفید فام ہو۔ سنا ہے کہ ہیتھرو پر تو معزز ایشیائیوں تک کی توہین آمیز تلاشی لی جاتی ہے۔"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ "معزز ایشیائی۔ تمہارے یہاں تو شاید خبریں دبا دی جاتی ہیں، باہر جا کر دیکھو کہ وہاں کے جیل خانوں میں تمہارے کتنے صنعت کار اور سفارت کار سڑ رہے ہیں۔"

"تم بکواس کر رہی ہو۔ اکا دکا کالی بھیڑیں ہر جگہ ہوتی ہیں۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میری بات تم اپنے اوپر نہ لو۔" وہ میری بات کاٹ کر جلدی سے بولی۔ "بات معزز ایشیائیوں کی ہو رہی تھی، صرف پاکستانیوں کی نہیں، ان میں ہندوستانی، نیپالی اور برمی سب ہی آجاتے ہیں۔"

"بہر حال میں اسے یہ مشورہ نہیں دے سکتا۔ گھر برباد ہو گیا، فیکٹری تباہ کر دی گئی لیکن اس ملک میں ابھی بھی میرے پاس اتنے اثاثے ہیں کہ میں اس کی کفالت کر سکتا ہوں۔ اگر روپوشی ضروری نہ ہوتی تو شاید میں تم سے سفر کے اخراجات بھی نہ مانگتا تم ہمیں منشیات کے اسمگلروں کی قوم تصور مت کیا کرو۔"

وہ ہنس پڑی۔ "پتا نہیں بعض باتوں پر تم اتنی جلد جذباتی کیوں ہو جاتے ہو حالانکہ میں کھری بات کہتی ہوں۔ میں تمہارے ہم قوموں میں سے جتنوں کو جانتی ہوں ان میں سے بیشتر اسمگلر ہیں مگر تمہارے معاشرے میں عزت اور شان کے مالک ہیں۔ ایمانداری سے سوچو کہ کچھ عرصے پہلے تک تم خود کیا تھے؟"

وہ سوال بہت تلخ تھا کیونکہ اپنے گریبان میں جھانکنا سب سے مشکل کام ہوتا ہے لہٰذا میرے پاس خاموش رہ جانے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

میں کھڑکی کے شیشے سے باہر اندھیرے میں گھورنے لگا۔ اس وقت تک کار ڈرگ روڈ اور ملیر کی آبادیوں کو پیچھے چھوڑ چکی تھی اور اس وقت وسیع و عریض ندی پر بنے ہوئے پل پر سے گزر رہی تھی۔

شاید ویرانے بھی میرے وجود پر طاری ہونے والی ندامت کو محسوس کر لیا تھا اس لیے خود ہی موضوع بدلنے کی نیت سے بولی۔ "ہمیں چلتے چلتے کافی دیر ہو گئی ہے، آخر اور کتنا سفر باقی ہے؟"

"چلتی رہو۔ اب ہم قریب پہنچ گئے ہیں۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

"اس بار داؤد تلملا اٹھے گا۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ خیال انگیز لہجے میں بولی۔

"لازمی بات ہے۔ اس نے ایک آدمی مارٹن کی طرف بھیجا، وہ مارا گیا اور دوسرا تمہارا تعاقب کرتے کرتے لاپتا ہو جائے گا۔ ایسی شکست سہہ جانے کے لیے بھی بڑے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کاش ان لوگوں کو یہاں رہتے ہوئے بے نقاب کرنے کا موقع ملتا۔" میں نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "تاکہ لوگوں کے خوبصورت نقابوں کے پیچھے چھپے ہوئے گھناؤنے چہروں سے تو واقفیت ہوتی۔"

"یہاں ناممکن ہے۔" اس نے پُریقین لہجے میں کہا۔ "تم انھیں ہلاک کر سکتے ہو، بے نقاب نہیں۔ یہ تنظیم کا بنیادی اصول ہے کہ ہر ملک میں مقامی بڑوں کا درجہ انھیں دیا جاتا ہے جن کی معاشرے میں گہری جڑیں ہوں اور جن کے کردار بظاہر بالکل بے داغ بلکہ قابل رشک ہوں۔ تم نے مارٹن کو دیکھ ہی لیا کہ وہ نہ صرف معزز بلکہ اس حد تک قابلِ رحم بنا ہوا تھا کہ اگر کبھی اس پر ہاتھ ڈال بھی دیا جاتا تو اس مظلوم کے حق میں دردمند شہریوں کے مظاہرے شروع ہو جاتے، یہی حال داؤد کا ہے۔ اس کی گرفتاری کو ہر حال میں سیاسی چپقلش کا نتیجہ قرار دیا جائے گا۔ اپنی حسرت پوری کرنے کے لیے تمھیں ان کو ان کے بھٹوں سے باہر ہانکنا پڑے گا۔"

اسی لمحے میرے قدموں میں پڑے ہوئے بے ہوش قیدی

نے ہوئے ہوئے کراہنا اور اپنے بدن کو جنبش دینا شروع کر دیا۔
میں نے بوکھلا کر اس کا چہرہ قدموں میں دبا لیا تاکہ وہ اچانک اٹھنے کی کوششیں شروع نہ کر دے کیونکہ اس وقت ہم لانڈھی سے گزر کر بورسٹل جیل کے سامنے سے گزر رہے تھے۔

دوبارہ ویرانہ شروع ہوتے ہی میں نے جلدی جلدی اس کی جامہ تلاشی لی لیکن اس سے چھینے ہوئے پستول کے علاوہ کوئی ہتھیار برآمد نہ کر سکا۔ اس دوران میں وہ خاصی حد تک ہوش میں آچکا تھا۔ میں نے اس کا گریبان تھام کر پائیدان سے گھسیٹتے ہوئے اپنے برابر میں نشست پر بٹھا لیا۔

چند لمحوں تک اِدھر اُدھر جھومتے رہنے کے بعد اس کے بدن میں دوبارہ سختی پیدا ہوئی۔ شاید وہ پوری طرح ہوش میں آچکا تھا لیکن زبان کھولنے سے پہلے صورتِ حال کا ادراک کرنا چاہتا تھا۔

"ذرا بھی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو بے دریغ جہنم واصل کر دوں گا۔" میں نے دھمکی آمیز انداز میں اس کے پستول کی نال اس کی گردن سے لگاتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"وہیں جہاں تم ہمیں لے جاتے۔ اب شرافت سے یہ بتا دو کہ تمہیں کس نے ہمارے پیچھے لگایا تھا؟"

"کسی نے نہیں، میں تم کو کسی ویرانے میں لے جا کر لوٹنا چاہتا تھا۔"

"تو ویرانہ آچکا ہے انتظار کس کا ہے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا پھر پل بھر کے سکوت کے بعد سرد لہجے میں بولا۔ "اگر تم ہٹ دھرمی پر تلے رہے تو گولی مار کر یہیں سڑک پر پھینک دوں گا۔ یہ نیشنل ہائی وے ہے۔ رات بھر تمہارے اوپر سے ٹرک اور گاڑیاں گزرتی رہیں گی اور صبح تک تمہارا قیمہ شناخت کے قابل بھی نہیں رہے گا۔"

"جو حقیقت تھی وہ میں نے بتا دی ہے۔"

اسی اثنا میں بائیں طرف تاروں بھرے آسمان کے سائے میں چوکھنڈی کے تاریخی کھنڈرات کے آثار نظر آنے لگے اور میں نے ویرا کو اسی طرف گاڑی گھما لینے کی ہدایت کی۔

راستہ ویرا کے لیے نیا اور کچا تھا اس لیے شدید ہچکولے لگ رہے تھے مگر میں پوری طرح چوکنا تھا کہ کہیں اجنبی قیدی عدم توازن کا فائدہ اٹھا کر مجھ پر حملہ نہ کر بیٹھے مگر وہ اپنی جگہ بیٹھا بے چینی کے ساتھ پہلو بدلتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اپنے عبرت ناک انجام کی تفصیل سننے کے بعد اُس کا حوصلہ ٹوٹ گیا تھا اور وہ اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہو گیا تھا۔

ناہموار راستے کے باعث گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی پھیلتی سکڑتی روشنی میں ویرا کو کچھ انسانی ہیولے افراتفری کے عالم میں مختلف سمتوں میں فرار ہوتے نظر آئے تو اس نے نہایت ہیجانی انداز میں میری توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہی لیکن میرے لیے ویران قبروں کے درمیان جوا کھیلنے والوں سے زیادہ اہم قیدی کی ذات تھی۔

کھنڈرات کے قریب پہنچ کر ویرا نے کار روک دی اور میں نے اچانک دروازہ کھول کر قیدی کو بے رحمی کے ساتھ نیچے دھکیل دیا۔ وہ حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکالتا ہوا سلطان شاہ والی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نیچے گرا تو میں فوراً ہی اس کے سر پر مسلط ہو گیا۔

مجھے اس پر حاوی دیکھ کر سلطان شاہ نے ہیڈ لیمپس آف کر دیے۔ ویرا اپنی کار کی روشنیاں پہلے ہی گل کر چکی تھی۔ ہمارے

چاروں طرف اچانک ہی اندھیرا پھیل گیا۔

تیز روشنی یکا یک معدوم ہونے کی وجہ سے چند لمحوں کے لیے میری نگاہوں میں اندھیرا چھا گیا مگر اس دوران میں، میں اس سمت پوری طرح متوجہ رہا جدھر اجنبی قیدی کھڑا تھا۔ یقینی طور پر وہ بھی بصارت کی ایسی کیفیت سے دوچار ہوا ہوگا لیکن اس وقت اس کی جان پر بنی ہوئی تھی لہٰذا وہ نتائج کی پر[illegible] بغیر وحشیانہ قوت کے ساتھ مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ اعصابی طور پر میں کسی بھی [illegible] تصادم کے لیے تیار تھا لیکن کار میں ہاتھا پائی ہونے کے باوجود مجھے کھلی فضا میں اس کی بے پناہ قوت کا احساس نہ ہو سکا تھا لہٰذا میں نے ایک آدھ قدم پیچھے ہٹ کر اسے روک تو لیا لیکن اس کوشش میں پستول میرے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔

"الگ ہٹو ورنہ مار دوں گا!" اندھیرے میں سلطان شاہ کی درندگی سے لبریز آواز گونجی پھر اسی کے ساتھ اس نے یہ عقل مندی دکھائی کہ دوبارہ اپنی کار کے ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔

میری آنکھیں ایک بار پھر چندھیا گئیں اور میں تیز غصیلی آواز میں چیخا۔ "روشنی گل کر دو ورنہ ہائی وے سے کوئی پولیس پارٹی بھی ادھر آ نکلے گی!"

ایک بار پھر اندھیرا ہو گیا۔ تاریکی اور روشنی کی اس تکرار میں میرا توانا حریف مجھے زیر کرنے کی اندھا دھند کوششوں میں مصروف رہا مگر میں نپے تلے انداز میں مسلسل اس کے چہرے اور خصوصاً جبڑوں کو ادھیڑنے کی کوشش کرتا رہا۔

"ہینڈز اپ!" اچانک سلطان شاہ کی بوکھلائی ہوئی آواز گونجی۔ "میں ہر ایک کو پہچان رہا ہوں، الگ نہ ہوئے تو گولی مار دوں گا!"

پل بھر کے لیے میرے حریف کے ہاتھ پاؤں سست پڑے تھے اور میں نے [illegible] گھونسوں کی باڑھ پر رکھ لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ خاک چاٹنے پر مجبور ہو گیا۔

"جہاں ہو وہیں رہنا، آگے نہ بڑھنا!" میں نے سلطان شاہ کو ہانک لگائی مگر اسی اثنا میں ویرا، جو اب تک بالکل خاموش تھی، آگے بڑھ کر زخمی حریف کے سر پر پہنچ گئی۔

آتے ہی اس نے اپنی داہنی لات گھمائی تھی جو زخمی کے چہرے پر پڑی اور وہ ایک کریہہ چیخ مار کر تڑپتا ہوا کئی فٹ دور چلا گیا۔ ویرا اس کے تعاقب میں تھی۔

"میرا نام ویرا ہے... ویرا لائیڈ!" اس نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "تیس سیکنڈ میں سچ اگلنا شروع نہ کیا تو ٹھوکروں ہی ٹھوکروں میں بھیجا زمین پر بہا دوں گی!"

"مم.... مجھے معاف کر دو مادام!" وہ یکا یک گھگھیانے لگا۔ "مجھے اصلیت کا پتا نہیں تھا۔ راجا نے تمھارا پتا بتا کر بس اتنا ہی کہا تھا کہ وہاں رہنے والی سفید فام لڑکی کی نگرانی کروں اور اگر وہ کسی سے ملاقات کرے تو ملاقاتی سمیت اسے اٹھا کر اڈے پر پہنچا دوں۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ مادام کے خلاف ایسی جسارت کرے گا!"

وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، مبہم ہونے کے باوجود ناقابلِ فہم نہیں تھا۔ شاید وہ ویرا کے نام، وجود اور مرتبے سے تو واقف تھا لیکن صورت آشنا نہیں تھا مگر اب اس کا نام سنتے ہی اس کا پتّا پانی ہو گیا تھا۔

"راجا!" ویرا نے بھیانک آواز میں دہرایا۔ "یہ مونچھوں والا وہی سینڈو ہے جو دن میں داؤد کی گاڑی چلاتا ہے؟"

"جب مادام جانتی ہیں تو میری زبان کیوں کھلوانا چاہتی ہیں!" وہ مٹی میں پڑے پڑے خوف زدہ آواز میں بولا۔ "داؤد سیٹھ کو پتا بھی چل گیا کہ میں نے تمھارے سامنے اس کا نام لیا تھا تو مجھے پیس کر رکھ دے گا۔ راجا، سیٹھ کا منہ چڑھا ہے، سارے کام وہی لیتا ہے۔ اصل بات کسی کو نہیں بتائی گئی مگر ہم تینوں جانتے ہیں کہ ہمارا اصل مالک راجا نہیں، سیٹھ ہے۔"

"تم تینوں کون کون ہو؟" ویرا نے اسی لہجے میں سوال کیا۔

"الماس دادا آج صبح سے لاپتا ہے، تیسرے کا نام تراب ہے اور ریس میں ہوں۔ ہم سب راجا کے حکم کے غلام ہیں مگر سیٹھ کبھی کبھی الماس دادا کو بھی منہ لگا لیتا ہے۔" ویرا کا نام سنتے ہی وہ اپنی تمام چوٹوں کو بھول کر سچ بولنے کی خود کار مشین بن گیا تھا جو بٹن دباتے ہی چل پڑتی ہو۔

"اس کے لیے کیا کام کرتے ہو؟" ویرا کا لہجہ اور سرد ہو گیا تھا۔

"جج.... جو وہ کہتا ہے مادام! وہی ہمارا مائی باپ ہے۔" وہ تقریباً رو دینے والی آواز میں بولا۔

"قتل کر سکتے ہو؟" ویرا نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

"کک... کسے مادام؟" اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"راجا یا پھر داؤد کو۔ اس طرح کہ کسی کو کانوں کان تمھارے بارے میں پتا نہ چلے۔"

"اصل تو یہی کام ہے اپنا!" اس کے لہجے میں زندگی کی تھوڑی سی رمق سمٹ آئی۔ شاید وہ بدنصیب اس غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا کہ ویرا اسے اعتماد میں لے کر واقعی اس سے کسی کو قتل کرانا چاہتی ہے۔ "تم حکم کرو، اسے خود پتا نہیں چلے گا کہ اسے کس نے مارا۔ راجا سے تو سب خار کھاتے ہیں مگر مجبوری ہے کہ ظاہر میں ہم اسی کے ملازم ہیں اور اسی سے تنخواہ لیتے ہیں مگر سیٹھ۔" وہ لحظہ بھر کے لیے رکا پھر بولنے لگا۔ "اس پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل کام ہے وہ چالاک آدمی ہے، ہر وقت جیکٹ پہنے رہتا ہے، اس پر تو گولی

بھی اثر نہیں کرے گی پھر دن رات باڈی گارڈ بھی ساتھ لگے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو حکم دو' مجھے اپنا غلام پاؤ گی۔"

"قتل کے اعتراف کے بعد موت تمہاری سزا ہے۔" ویرا نے سرد لہجے میں کہا۔ اس کے حلق سے کوئی احتجاج آمیز الفاظ نکلنے ہی پائے تھے کہ ویرا نے پھرتی کے ساتھ اپنا ایکسپلوڈر نکالا اور اس کے بدن میں گولی اتار دی۔

کھلی فضا میں ایک ہلکے سے دھماکے کے ساتھ اس کے بدن کے چیتھڑے اڑ گئے۔

واپسی کا سفر بہت بوجھل سا تھا چوکھنڈی کے قبرستان سے روانہ ہونے سے قبل میں نے ویرا کی کار کے عقبی نشست کے پائیدان سے رقم کا پیکٹ نکال کر سلطان شاہ کے حوالے کر دیا تھا پھر ہم اسی ترتیب سے واپس ہوئے تھے جس ترتیب سے وہاں پہنچے تھے۔

پاکستان میں ڈرگ مافیا پانچ ستونوں پر قائم تھی جن میں سے دو گرائے جا چکے تھے تیسرا ڈانواڈول تھا کیونکہ داؤد کی سربراہی چار نفوس کے سہارے چل رہی تھی۔ راجا اور تراب باقی رہ گئے تھے اور دو مارے جا چکے تھے کافی دیر بعد جب سکوت ٹوٹا اور گفتگو کا آغاز ہوا تو ویرا نے اس اڈے پر جانے کے عزم کا اظہار کیا جہاں ہم دونوں کو اغوا کر کے لے جایا جانا تھا مگر میں نے اس خیال کو سختی کے ساتھ مسترد کر دیا۔

داؤد اتنا احمق نہیں تھا کہ اس اڈے پر بیٹھ کر ویرا کے لائے جانے کا انتظار کرتا وہاں پہنچنے کے بعد امکان یہی تھا کہ ہم بہت نچلے درجے کے کارکنوں سے تصادم میں الجھ کر اپنا وقت اور توانائی برباد کرنے کے ساتھ ہی داؤد کو بھی کھلے خطرے سے آگاہ کر دیتے جب کہ اپنے دو آدمیوں کے خاموشی سے غائب ہونے کے سبب داؤد سخت ذہنی اذیت اور پریشانی سے دوچار ہو سکتا تھا لیکن پھر بھی اپنے اصل دشمن کو شناخت کرنا اس کے لیے دشوار ہوتا۔

اس کا پروگرام یقیناً یہی رہا ہو گا کہ اگر مقتول ہمیں اغوا کر کے مقررہ اڈے پر لے جانے میں کامیاب ہو جاتا تو وہ راجا کو مطلع کرتا اور پھر داؤد فاتحانہ شان سے وہاں آ پہنچتا۔ ویرا کے ساتھ مجھے موجود پا کر داؤد کے لیے پوری صورت حال کو سمجھنا ذرا بھی دشوار نہ ہوتا اور ہم دونوں ہی بدترین مصائب کا شکار ہو جاتے۔

مگر میرے لیے حیران کن بات یہ تھی کہ داؤد کے حواری ویرا کے وجود سے باخبر تھے جب کہ میں اپنی دانست میں تنظیم میں خاصے اہم رتبے کا مالک رہا تھا مگر مجھے کبھی ویرا کے وجود کی بھنک بھی نہ مل سکی تھی۔

میرے استفسار پر ویرا نے بتایا کہ اے ٹو' بی ون' بی فور اور سی ون وغیرہ تنظیم کے نچلے درجے کے کارندے تھے جنھیں بظاہر اتنے اختیارات اور مشاہرے دیے جاتے تھے کہ وہ خود کو کلیدی عہدے دار تصور کرتے ہوئے تنظیم کے مفادات کے لیے جان کی بازی بھی لگانے سے گریز نہیں کرتے تھے جب کی درحقیقت ان کی حیثیت مچھلی کے شکار کے لیے لگائے جانے والے چارے سے زیادہ نہیں تھی' جب بھی ضرورت پیش آئی تنظیم کے حقیقی حکمرانوں نے بے رحمی کے ساتھ ان کی گردنیں کٹوا دیں۔

تنظیم میں اقتدار کا سرچشمہ پانچ بڑوں کا گروپ تھا جن کی طے شدہ ذمے داریاں تھیں لیکن تنظیمی امور کی خاطر ان کی بھی درجہ بندی کی گئی تھی جس میں وان ہوف سب سے اوپر تھا۔ داؤد کے چار جاں نثار تو اب سامنے آئے تھے مگر ویرا کا خیال تھا کہ ان سب ہی نے اپنا اپنا مختصر سا ذاتی گروہ بنایا ہوا تھا جس کے ذریعے وہ اپنے احکامات نافذ کرانے کی قوت رکھتے تھے۔ تنظیم کے ان پانچ بڑوں کو ویرا کے بارے میں بخوبی علم تھا اور شاید وہ اس سے خائف بھی رہتے تھے لہٰذا یہ کوئی غیر متوقع بات نہیں تھی کہ داؤد یا کسی دوسرے نے اپنے حواریوں کو ویرا کے وجود سے باخبر رکھا ہو۔

میرے اصرار پر ویرا نے راجا کے اڈے کا رخ کرنے کا ارادہ تو ترک کر دیا لیکن اپنے جبلی تقاضوں کے تحت مجھے اپنے ساتھ لے جانے پر اڑ گئی۔ سچی بات یہ تھی کہ مارٹن کا گھر مخدوش ہونے کے بعد میرے لیے شہر میں کوئی محفوظ ٹھکانا نہیں رہا تھا۔ مجھے خود کو ہر قیمت پر تنظیم کے لوگوں کی نگاہوں سے بچانا تھا تاکہ وہ میرے وجود سے لاعلم اسی خیال میں مگن رہیں کہ میں لائیڈز کالج کی تباہی کے ساتھ ہی موت کے منہ میں چلا گیا تھا مگر روپوشی کی خاطر ویرا کے ساتھ قیام میرے لیے قید سے ہرگز کم نہ ہوتا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ مل کر کچھ اور ہی منصوبہ بندی کرنا

تھا اور ویرا کو اپنے اس پروگرام سے لاعلم رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے ویرا کے سر سے وہ بھوت اتارنا ضروری تھا۔

جب میں نے اسے یاد دلایا کہ لاہور سے واپسی پر اس نے خود مجھے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا تو اب کیوں ساتھ رہ جانے پر مُصر ہو رہی تھی تو اس نے بتایا کہ اس وقت حالات غیر یقینی تھے، اب شبہات کی دھند چھٹ چکی تھی اور وہ اپنے حریفوں سے آگاہ ہو چکی تھی۔ رہی سہی کسر نگرانی کرنے والے کی موت نے پوری کر دی تھی۔ اسے یقین تھا کہ قلیل سی مدت میں اپنے دو وفادار آدمیوں کی پُراسرار گمشدگی کے بعد داؤد رہے سہے دو آدمیوں کو داؤ پر لگانے کی جسارت نہیں کر سکے گا۔

ہم ویرانوں کو بہت پیچھے چھوڑ کر ڈرگ روڈ اسٹیشن سے آگے شہر کے آباد علاقے میں داخل ہو چکے تھے اور وہ بحث جاری تھی۔ میں نے وقت حاصل کرنے کے لیے پیاس کا بہانہ کرتے ہوئے ویرا کو لبِ سڑک واقع ایک اسنیک بار پر گاڑی روکنے پر مجبور کر دیا۔ سلطان شاہ نے ہماری تقلید کی تھی کیونکہ وہ پروگرام سے لاعلم تھا۔

سلطان شاہ کی طرف ذہن مبذول ہوتے ہی مجھے ایک معقول بہانہ سوجھ گیا۔ میں نے ویرا سے کہا کہ جب بُرے وقت میں سلطان شاہ میرے ساتھ لگا رہا تو اب ذرا سی تبدیلی کے لیے اسے تنہا چھوڑنا مناسب نہ ہوگا۔ پھر میں لندن روانگی سے پہلے اس کا کوئی اور بندوبست بھی کرنا چاہتا ہوں، جو ویرا کے ساتھ رہتے ہوئے ممکن نہیں ہے۔

ویرا نے لاکھ متبادل تجاویز پیش کیں لیکن سلطان شاہ کی ذات اس موقع پر میرے لیے بہت مضبوط بہانہ ثابت ہوئی اور میں بالآخر ویرا کو قائل کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

"پھر تم کہاں قیام کرو گے؟" اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"فون پر آگاہ کر دوں گا، ابھی تو خود بے خبر ہوں۔" میں نے کولڈ ڈرنک کی بوتل سے آخری گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"بس یہ خیال رہے کہ میں ایک دو روز میں لندن روانہ ہو ہی جاؤں گی۔"

"اور اگر داؤد کا پیغام فراڈ ثابت ہوا؟" میں نے ازراہِ تمسخر سوال کیا۔

"ایسی صورت میں اکیلی چلی جاؤں گی۔ ویسے مجھے یہ اُمید نہیں کہ اوپر والوں کے احکام کے بارے میں داؤد مجھ سے جھوٹ بولے گا۔ بس خوش قسمتی سے اسے فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا۔"

"میری بھی یہی کوشش ہے کہ جلد از جلد نکل جاؤں، جیسے ہی ویرا کا مسئلہ حل ہوا، روانہ ہو جاؤں گا۔"

"غزالہ سے مل کر مجھے بھول تو نہیں جاؤ گے؟" اس نے ہنستے ہوئے سوال کیا لیکن اس کے لہجے میں کسک موجود تھی۔

"محبت اور دوستی۔ دو الگ راستے ہوتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کو نہیں کاٹتے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تم کو دوست بنایا ہے اور یہ دوستی نباہتا رہوں گا۔"

"یاد رکھنا کیا کہہ گئے ہو۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ "ایسا نہ ہو کہ تمہیں اپنا وعدہ یاد دلانے کے لیے دوبارہ غزالہ کو اغوا کرانا پڑ جائے۔"

"وہ نوبت تو بعد میں آئے گی، پہلے اس سے ملاقات تو ہونے دو۔" میں نے ہنس کر کہا۔

منزلیں الگ ہو گئی تھیں لہٰذا میں وہیں ویرا کو الوداع کہہ کر سلطان شاہ کی گاڑی میں سوار ہو گیا۔ ویرا نے بہت تیزی کے ساتھ گاڑی وہاں سے نکالی تھی، شاید میرا رویہ اس کے لیے مایوسی اور دل آزاری کا سبب بنا تھا۔ سلطان شاہ طویل تنہائی سے اکتایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنی گاڑی کی رفتار سست رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ویرا کی کار ٹریفک کے ہجوم میں لہریے بناتی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میں نے سلطان شاہ کے پوچھنے سے پہلے ہی اسے ہل پارک سے چوکھنڈی کے قبرستان تک پہنچنے کی کہانی اختصار کے ساتھ سنانا شروع کر دی۔

"اور اب مسئلہ ہے قیام کا۔" میں نے وہ روداد ختم کرنے کے بعد آخر میں کہا۔

"میں خود اس بارے میں سوچ رہا تھا۔ لانڈھی ریلوے کراسنگ کے سامنے سے گزرتے ہوئے مجھے خیال آیا تھا کہ قائد آباد میں بھی میرے کئی شناسا رہتے ہیں، تم تنگ مکان میں ایک دو راتیں گزار سکو تو کوئی نہ کوئی پناہ دے ہی دے گا۔ ان سادہ دل لوگوں میں ہم زیادہ اونچی نہ ہانک سکیں گے۔"

"بہترین تجویز ہے۔" میں نے بلاتامل اس سے اتفاقِ رائے کرتے ہوئے کہا۔ "ہم شہر میں ہوتے ہوئے بھی شہر کے باہر ہوں گے۔ سواری ہونے کی وجہ سے کوئی دقت بھی نہ ہوگی۔"

"بس تو پھر یہ یاد رکھنا کہ یہ گاڑی میری ملکیت ہے جسے میں ٹیکسی کے طور پر چلاتا ہوں اور تم میرے دوست ہو۔"

"یاد کیا رکھوں، حقیقت بھی یہی ہے۔" میں نے کہا۔ "گاڑی کے تم مالک ہو۔ اسے لاوارث چھوڑنے سے بہتر ہوگا کہ لندن جاتے ہوئے اپنے اس محسن ہی کو دے دینا جو ہمیں پناہ دے گا۔"

"پناہ دینے والے کی تو لاٹری نکل آئے گی۔" وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ "وہ یہی سمجھے گا کہ کار چوری کی ہے ورنہ اس دور میں

تنے قیمتی تحفے کون کسی کو دیتا ہے۔"

اگلے ٹریفک سگنل سے سلطان شاہ نے یوٹرن لے کر کار کو واپس گھما لیا۔ اب ہمارا رُخ دوبارہ لانڈھی کی طرف ہو چکا تھا۔

"اب رقم بھی ہاتھ آگئی ہے ہمیں کوشش کرنا چاہیے کہ کل ہر نبت پر یہاں سے نکل جائیں۔ یہاں رُکے رہے تو دوبارہ دشواریوں سے دوچار ہو جائیں گے۔" میں نے رقم کا لفافہ کھول کر کریڈٹ کارڈ اور اس سے متعلقہ جعلی شناختی کاغذات نکالتے ہوئے کہا۔ "دیرا بہت ضدی طبیعت کی مالک ہے، ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں کی موجودگی سے شہ پاکر وہ داؤد سے اُلجھ ہی پڑے۔"

"یہ عورت کچھ عجیب ہی خمیر سے بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے"

"معلوم ہونا کیا معنی، وہ تو ہے ہی۔ خود سوچو کہ اتنی عمر گزار لینے کے باوجود وہ زمانے کے سرد و گرم تھپیڑے کھاتی اپنے باپ کو تلاش کرتی پھر رہی ہے۔ دراصل ولدیت سے اسی محرومی کی بنا پر وہ شدت سے احساسِ کمتری کا شکار ہو گئی ہے اسی لیے اپنا وجود منوانے کے لیے خلوت سے جلوت تک، ہر مقام پر انتہا پسندی سے کام لیتی ہے اور اسی قدر حساس بھی ہے ورنہ اتنی آسانی کے ساتھ ہمارے ساتھ تعاون پر آمادہ نہ ہو گئی ہوتی۔"

"میں تو پیدائشی مجرد ہوں۔" وہ ہنس کر بولا۔ "عورتوں کی فطرت کو تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ ہمارے قبیلے میں مرد عورت کو نہیں سمجھتا بلکہ عورت مرد کے مزاج کو سمجھنے پر مجبور ہوتی ہے۔"

"روایت کے طور پر شاید یہ درست ہو لیکن اصولاً یہ رویہ غلط ہے۔ عورت اگر محبوبہ یا بیوی ہوتی ہے تو ماں اور بہن بھی ہوتی ہے۔ ان رشتوں کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"تم یہی تو نہیں سمجھ سکتے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "ماں صرف ماں ہوتی ہے اور بہن صرف بہن۔ بہن کو عورت سمجھنا گالی ہوتی ہے۔ عورت تو بس بیوی ہی ہوتی ہے جسے اپنی مرضی پر چلایا جا سکتا ہے۔"

فاصلہ طویل تھا اور موضوع دلچسپ لہٰذا میں بھی پسپائی اختیار کرنے کے بجائے اس کے ساتھ بحث میں الجھا رہا اور اسی اثناء میں گاڑی شاہراہ سے داہنی طرف مڑ کر اس خونی ریلوے کراسنگ سے گزر گئی جو ہر برس متعدد انسانی جانوں کی بھینٹ لینے کے باوجود بدستور شہر کی مصروف ترین، عام گزرگاہوں میں شمار ہوتا تھا۔ کراسنگ سے آگے اسے آبادی کی طرف مڑتے دیکھ کر مجھے اچانک ایک اہم نکتہ یاد آ گیا۔ "کسی بال بچے دار دوست کے یہاں نہ پہنچ جانا، میں گھٹ کر رہ جاؤں گا۔"

"یہاں سب غریب اور مزدور طبقہ رہتا ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں کہنے لگا۔ "جو پرانے ہیں انھوں نے بال بچے بلا لیے ہیں۔ نئی نسل کے بیشتر مزدور ٹولیوں کی صورت میں اجتماعی زندگی گزارتے ہیں۔ ٹھکانا ان ہی کے پاس مل سکے گا بال بچے داروں کو تو خود سر چھپائے رکھنے میں دشواری ہوتی ہے بلکہ کبھی کبھار تو ماں باپ اکتا کر بچوں کو خود باہر ہانک دیتے ہیں۔ وہ بے چارے ہمیں کہاں جگہ دے سکیں گے، ان کا تو رُخ کرنا بھی مناسب نہ ہوگا۔"

اسی سڑک پر ایک جگہ گنجائش دیکھ کر سلطان شاہ نے کار کچے میں اتار کر پارک کر دی۔ "تم بیٹھو، میں ذرا سی دیر میں واپس آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

بنیادی طور پر وہ جھونپڑیوں اور نیم پختہ مکانات پر مشتمل رہائشی علاقہ تھا لیکن اسی کے درمیان جا بجا چائے خانے اور روزمرہ ضروریات کی اشیاء کی دوسری دکانیں بھی تھیں۔ قرب و جوار میں بڑی چھوٹی فیکٹریاں واقع ہونے کی وجہ سے اس سڑک سے ہر لمحے نت نئے ماڈلوں کی چمکتی دمکتی گاڑیاں گزرتی رہتی ہوں گی مگر وہاں رہنے والوں کے لیے یہ بات عجیب سی تھی کہ ان کی بستی میں رہنے والے کسی شخص کا ملاقاتی رکشا یا ٹیکسی کے بجائے ایک معقول سی پرائیویٹ کار کا مالک ہو۔ بچے دور کھڑے گاڑی کی طرف دیکھ کر سرگوشیاں کرتے رہے لیکن کسی نے قریب آنے کی کوشش نہیں کی۔

چند منٹ بعد سلطان شاہ آیا تو خوش تھا۔ "چلو۔ گل بادشاہ موجود ہے۔"

میں کار کا دروازہ مقفل کر کے اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس بار ہم مین روڈ سے ہٹ کر ایک گلی نما بازار میں داخل ہوئے تھے اور سو قدم چل کر سلطان شاہ ایک مختصر سے چائے خانے کے سامنے رُک گیا جہاں ایک چبوترے پر بنی ہوئی انگیٹھیوں پر گندی پتیلیوں اور چائے دانیوں میں پانی جوش کھا رہا تھا اور فضا چائے کی تیز بو سے لبریز تھی۔

چبوترے پر بیٹھا ہوا شخص پنجوں کے بل آگے جھک کر بڑے تپاک کے ساتھ مجھ سے ملا تھا مگر نگاہیں چار ہوتے ہی اس کے چہرے پر پل بھر کے لیے عجیب سی کیفیت آ کر گزر گئی جسے میں کوئی معنی نہ پہنا سکا۔

میری مزاج پرسی کے ساتھ وہ چند ثانیوں تک سلطان شاہ کے ساتھ پشتو میں رسمی گفتگو کرتا رہا پھر اس کے ایما پر سلطان شاہ مجھے لے کر اندر بڑھ گیا اور ہم دیوار کے ساتھ بنی ہوئی سیمنٹ کی پختہ بنچوں میں سے ایک پر بیٹھ گئے جہاں پہلے ہی تین چار گاہک اپنے سامنے پڑی ہوئی چوبی میز پر چائے کی پیالیاں سجائے کسی پُر جوش بحث میں مصروف تھے۔

چائے ساز کارخانے اور مالکانہ بیٹھک پر مشتمل چبوترے سمیت اس ہوٹل کا رقبہ بمشکل پندرہ فٹ کے مربع پر مشتمل ہوگا

مگر اندر جگہ کی کمی کو باہر چوبی بینچیں ڈال کر پورا کر لیا گیا تھا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ باہر کے مقابلے میں اندر چھت کی بلندی خاصی کم تھی جس کا عقدہ ذرا سی کوشش کے بعد حل ہو گیا۔ ہوٹل کی اندرونی چھت آہنی شہتیروں پر رُکی ہوئی تھی اور اس میں چبوترے کے قریب ایک جگہ اتنا خلا نظر آ رہا تھا کہ اس میں سے آدمی گزر کر اوپر جا سکتا تھا۔

ہمارے داخل ہونے پر وہاں پہلے سے موجود گاہکوں کی توجہ چند ثانیوں کے لیے ہماری طرف مبذول ہوئی تھی لیکن پھر وہ ہماری طرف سے بے پروا نظر آنے لگے تھے۔ اسی اثنا میں گل بادشاہ جو ہوٹل کا مالک ہونے کے ساتھ وہاں کا واحد ہنر مند کاریگر بھی تھا، اپنی گدی پر ایک بار والے کو بٹھا کر دوبارہ مزاج پرسی کرتا ہوا ہمارے پاس آ بیٹھا۔ اس بار اس نے میزبانی کے آداب ملحوظ رکھتے ہوئے کھڑی اردو کا سہارا لیا تھا جو میں بہ آسانی سمجھ سکتا تھا۔

دوسرا بار والا فوراً ہی میز پر تام چینی کی ایک سبز کیتلی میں چائے اور تین پیالیاں رکھ گیا اور گل بادشاہ نے چائے پیالیوں میں انڈیلتے ہوئے سلطان شاہ سے طویل غیر حاضری کا شکوہ شروع کر دیا۔ اس دوران میں میں نے محسوس کیا کہ گل بادشاہ بار بار میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔

سلطان شاہ نے اسے بتایا کہ ہم دونوں حیدر آباد سے آئے تھے۔ ارادہ یہ تھا کہ کسی ہوٹل میں شب بسری کے بعد میں اگلے دن شہر کی سیر کرتا اور سلطان شاہ اپنے کام سے فارغ ہو کر شام میں مجھے لیتا ہوا واپس لوٹ جاتا۔

"ہوٹل گیا تو لعنت ہے گل بادشاہ خان پر۔" میزبان، ہوٹل کا نام سنتے ہی حسبِ توقع بھڑک گیا۔ "برادر نعیم کو اگر ہمارا ڈیرا پسند نہیں تو تم اسے ہوٹل چھوڑ کر ادھر آ جاؤ، رات میں ہم باتیں کریں گے۔" تعارف کے دوران ان کے درمیان میرا نام نعیم ہی قرار پایا تھا۔

"پسند کی بات نہیں گل بادشاہ!" میں نے انجان بنتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "ابھی تو میں نے تمھارا ڈیرا دیکھا بھی نہیں مگر....."

"اگر مگر کچھ نہیں۔" گل بادشاہ نے میری بات کاٹ دی۔ "ہمارا ڈیرا یہ ہے... ادھر... اوپر۔" اس نے ہاتھ کے پُرزور اشاروں کے ساتھ کہا۔ "سلطان خانا ہمارا بھائی ہے۔ تم اس کے ساتھ آیا تو تم بھی ہمارا بھائی ہے، اوپر سیٹھ لوگ والا نخرا نخرا نہیں ہے، سیدھا زمین پر گدّے کا بستر ہے۔"

"بس یہی مجبوری ہے۔" سلطان شاہ بے بسی کے ساتھ بولا۔ "میرے ساتھ دس آدمی بھی ہوں تو گل بادشاہ اپنی چھت کی مضبوطی کی پروا کیے بغیر ایک کو بھی کہیں اور شب باش نہ ہونے دے گا ورنہ ناراض ہو جائے گا۔ اسی لیے جب میں جلدی میں آتا ہوں تو اس سے ملے بغیر لوٹ جاتا ہوں۔"

"او نئے برادر! دل مضبوط ہونا چاہیے۔" وہ خاصی قوت کے ساتھ اپنے بائیں پہلو پر ہاتھ مار کر بولا۔ "چھت گرے گا تو گل بادشاہ تم سے پہلے نیچے دبے گا۔ ابھی قصہ خلاص، چائے پی کر تم اوپر چڑھ جاؤ، تھوڑی دیر میں میں بھی تمھارے پاس آتا ہوں۔"

ہمارا مسئلہ خلافِ توقع بہت آسانی کے ساتھ حل ہو گیا تھا۔ سلطان شاہ نے اسے گاڑی کے بارے میں بتایا تو اس نے صرف رنگ معلوم کر کے اسے مطمئن کر دیا کہ وہ اوپر آنے سے پہلے کسی کی ذمے داری لگا دے گا کہ وہ گاڑی کے قریب ہی سوئے، اسے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔

چائے نوشی کے دوران میری متجسس نگاہیں وہاں کوئی سیڑھی تلاش کرتی رہیں جس کے ذریعے دو چھتی پر پہنچا جا سکے مگر وہاں ایسی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

پہلا اجلاس برخواست ہوتے ہی وہ تجسس بھی دور ہو گیا۔ چبوترے پر چڑھ کر پہلے انگلیوں پھر ہتھیلی کے زور پر اپنا وجود اُوپر اُٹھاتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ وہ خالص مردانہ ڈیرا تھا۔ صنفِ نازک کو کہیں اس مشقت سے گزرنا پڑتا تو پہنچے سے کلائی، شانے اور کمر تک کوئی جگہ موچ سے نہ بچتی، رہی سہی کسر کششِ ثقل پوری کر دیتی جو قوی کمزور پڑتے ہی پورے وجود کو چبوترے کے راستے سنگلاخ فرش پر دے مارتی۔

دو چھتی ہر لحاظ سے صاف ستھری اور آرام دہ تھی، ایک دیوار میں قدِ آدم آئینے کے بعد جتنی جگہ میسر تھی سب ملکی اور غیر ملکی اداکاراؤں کے رنگین پوسٹروں سے سجادی گئی تھی۔ ریڈیو اور ٹی وی کے علاوہ وہ مختصر سا وی سی پی بھی موجود تھا۔ داخلے کے راستے کے اوپر اسی قسم کا ایک اور خلا نظر آیا مگر وہ ایک نفیس اور ہلکی آہنی سیڑھی کے ذریعے قابلِ رسائی تھا۔ سلطان سے پتا چلا کہ اس سے اوپر چھت پر غسل و حاجت روائی کی سہولیات میسر تھیں۔

وہاں بیٹھنے کے بعد جب میں نے سلطان شاہ کو گل بادشاہ کے پہلی بار ملنے پر چونکنے اور پھر بار بار میری طرف دیکھنے کے بارے میں آگاہ کیا تو وہ فکر مند نظر آنے لگا۔

"یہ بات تمھیں پہلے ہی بتانا چاہیے تھی تاکہ ہم یہاں نہ ٹھہرتے۔" اس نے دھیمی، تشویش زدہ آواز میں کہا۔

"کیوں؟ کیا یہ تمھارے بھروسے کا آدمی نہیں ہے؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔ "خطرے کی طرف تو میرا ذہن گیا ہی نہیں تھا پھر مجھے تم سے علیحدگی میں بات کرنے کا موقع بھی کہاں ملا۔ نیچے تو ہماری سرگوشی تک اس کے کانوں میں پڑ سکتی تھی۔"

"وفادار اور دوستوں کے لیے کٹ مرنے والا آدمی ہے لیکن

تم نے جو کچھ بتایا اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ تمھیں پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر اس نے تمھیں ڈینی کی حیثیت سے پہچان لیا تو وہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے متنفر ہو جائے گا کہ میں نے اس پر بھروسا نہیں کیا اور تمھیں اس سے نعیم کے فرضی نام سے متعارف کرایا۔"

"پھر تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اسے اپنی بے عزتی تصور کرتے ہوئے ہمیں کوئی نقصان ہی پہنچا دے۔" سلطان کی تشویش میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ گل بادشاہ جیسے لوگ محبت اور نفرت کے معاملے میں انتہا پسند اور مغلوب الغضب ہوتے ہیں۔ انا کو ذرا بھی ٹھیس پہنچے تو برسوں کی رفاقت لمحوں میں خونخوار دشمنی میں بدل جاتی ہے۔

"میرا خیال ہے کہ ابھی ہمارے پاس وقت ہے۔" اس نے پُرتفکر انداز میں کہا۔ "وہ تمھیں پہچاننے کی کوشش ضرور کر رہا ہے لیکن پہچان نہیں سکا ہے ورنہ اس کا رویہ فوراً ہی سرد مہرانہ ہو جاتا۔ لہٰذہ نوبت آنے سے پہلے ہی ہمیں یہاں سے نکل بھاگنا چاہیے۔"

"اگر تم مناسب سمجھو تو یہاں سے بھاگنے کے بجائے اسے اعتماد میں بھی لے سکتے ہو۔ بڑی خوبصورتی سے بات بنائی جا سکتی ہے کہ نیچے گاہکوں کی موجودگی میں تم نے میرا اصل نام بتانا مناسب نہ سمجھا۔ گل بادشاہ کا نہ نام میرے ذہن میں ہے نہ شکل۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اس نے مجھے کس حوالے سے پہچانا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں اسے یہیں بلاتا ہوں۔" یہ کہہ کر سلطان شاہ دو چھتی سے نکاسی والے خلا کے قریب پہنچا اور گل خانا کو آواز دی۔ جواب میں نیچے سے کسی نے پشتو میں جواب دیا اور سلطان شاہ بھی اسی زبان میں کچھ کہہ کر واپس لوٹ آیا۔

پتا چلا کہ گل بادشاہ ہوٹل سے کہیں گیا ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے اس کے جانشین کو پیغام دے دیا تھا کہ وہ جیسے ہی واپس آئے اسے اوپر بھیج دیا جائے کیونکہ ایک فوری کام درپیش تھا۔

"وہ اس وقت کہاں گیا ہوگا ہوٹل چھوڑ کر؟" میں نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ گاڑی کی دیکھ بھال کے لیے کسی کو ہدایت دینے گیا ہو۔" سلطان شاہ نے سرسری لہجے میں کہا۔ "ہمیں اس کی طرف سے اتنا بدظن نہ ہونا چاہیے۔"

میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگائی اور صورتِ حال پر غور کرنے لگا۔ گل بادشاہ، سلطان شاہ کا دوست تھا اس لیے میں نے اس کے مشورے پر خاموشی تو اختیار کر لی تھی لیکن میرے ذہن پر فکر سوار ہو گئی تھی۔ نجانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دو چھتی ہمارے لیے چوہے دان بننے والی ہو۔

جب بے چینی حد سے تجاوز کرنے لگی تو میں سگریٹ پیتے ہوئے کمرے میں چہل قدمی کرنے لگا۔ سلطان شاہ اس وقت میری دلی کیفیت کو خوب سمجھ رہا تھا لیکن اس نے زبان کھولنے کے بجائے خاموشی اختیار کیے رکھنا ہی مناسب سمجھا۔

پھر خدا خدا کر کے نیچے سے گل بادشاہ کی آواز سنائی دی اور اس کی انگلیاں اوپر رہنمائی کرنے والے خلا سے گزر کر چوبی فرش کے کناروں پر جم گئیں۔ پلک جھپکتے میں وہ اوپر آ چکا تھا۔ اس سے پہلے ہی میں اپنا اضطراری انداز دبا کر نیچے بیٹھ چکا تھا۔

"کہو سلطان خانا! کیا بات ہے؟" اس نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے بے تکلفانہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔ تم سے کچھ اہم باتیں کرنا ہیں۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی کے ساتھ کہا اور وہ بغور میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے ہمارے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"تم کہاں گئے ہوئے تھے برادر؟" میں نے نرم لہجے میں جاننا چاہا۔

"ہمارے کو غرق کر دیا۔ تم اپنا کام بولو۔ ہم پریشان ہے کہ سلطان کو ہمارا کیا ضرورت پڑ گیا۔" اس کے لہجے سے واقعی تشویش کا اظہار ہو رہا تھا۔

"نیچے تمھارے گاہک بیٹھے ہوئے تھے اس لیے میں کھل کر بات نہ کر سکا۔" سلطان شاہ نے نپے تلے الفاظ میں احتیاط سے اپنی بات شروع کی۔ "میرے دوست کو کچھ لوگوں سے اپنی جان کا خطرہ ہے اس لیے اس نے نعیم کا فرضی نام اختیار کیا ہوا ہے مگر اس کا اصل نام ڈینی ہے۔"

گل بادشاہ کا ردِ عمل قابلِ دید تھا۔ پہلے اس کے چہرے پر خوشی کی پُرجوش چمک نمودار ہوئی جو لحظہ بھر میں حیرت میں ڈھل گئی۔ پھر وہ متاسفانہ انداز میں سر ہلانے لگا۔

"تم نے یہ راز بتانے میں بہت دیر کر دی خانا۔" وہ دردمندانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے تو دیکھتے ہی شبہ ہوا تھا کہ صورت جانی پہچانی ہے لیکن تم نے فوراً ہی غلط نام بتا کر مخمصے میں ڈال دیا اور میں یہ کہہ ہی نہیں سکا کہ تمھارا دوست میرے لیے اجنبی نہیں ہے۔۔۔ اب تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اپنے ہاتھ پیر میں نے خود کاٹ لیے ہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟ کھل کر بات کرو گل بادشاہ۔" سلطان شاہ اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے، دبی دبی ہذیانی آواز میں بولا۔

"میں ابھی وہیں سے آ رہا ہوں۔ میں نے اس کے دشمنوں کو مخبری کر دی ہے۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔

سلطان شاہ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ میرا دل اچھل کر

حلق میں آگیا۔ آخر کار میرے بدترین خدشات نے حقیقت کا روپ دھار ہی لیا تھا۔

"یہ تم نے کیا کیا گل خان؟" سلطان شاہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر کراہا۔

"سچی بات۔" وہ اپنی شہادت کی انگلی اپنے سینے پر رکھ کر بولا۔ "میں سمجھا کہ یہ دوست تم کو بھی اُلو بناتا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم مجھ کو جان بوجھ کر غلط نام بتاؤ گے۔"

"مجبوری تھی گل خان!" سلطان شاہ بے بسی کے ساتھ بولا۔ "ہوٹل میں تمہارے گاہک بیٹھے تھے، میں نے سوچا تھا کہ اوپر آؤ گے تو پوری بات بتا دوں گا۔"

"تمہاری وجہ سے مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آسکا تھا، مجھے بس شبہ تھا اور میں نے ان لوگوں کو بھی اپنے شبے سے آگاہ کیا ہے۔ تصدیق کیے بغیر وہ اس پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے، پکی بات کرتا تو وہ اب تک یہاں آگھسے ہوتے۔"

صورت حال یک بیک بے حد سنگین ہوگئی تھی۔ میرا نام اور میری صورت شہر میں اتنی بھی غیر معروف نہیں تھی جتنی میں سمجھتا رہا تھا۔ پناہ حاصل کرنے کے لیے لانڈھی جیسا دور افتادہ علاقہ بھی اب اپنا مدفن بنتا نظر آرہا تھا۔

"اگر مخبری سے بڑھ کر تمہاری مجھ سے کوئی عداوت نہیں ہے تو ہم دونوں کو خاموشی سے نکل جانے دو۔ ہم شہر میں کہیں بھی اپنا انتظام کرلیں گے۔"

"تم باہر قدم بھی نہیں نکال سکتے۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔ "باہر مسلح آدمی تمہاری گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں، تمہیں پہچانتے ہی وہ بے دردی کے ساتھ تمہیں گولیوں کی باڑھ پر رکھ لیں گے، انھیں یہ بھی پروا نہ ہوگی کہ تمہارے ساتھ دو چار بے گناہ راہگیر بھی مارے جائیں گے۔ اب تک تمہاری گاڑی بھی ان کے کڑے پہرے میں آچکی ہوگی۔ جب تک تم اندر ہو، میری امان میں ہو، تم دس دن بھی باہر نہیں نکلو گے تو وہ تمہارا انتظار کرتے رہیں گے۔"

میں بے اختیار اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا، وہ جو کچھ بتا رہا تھا، وہ بہت سنگین تھا۔ ہوٹل میں قدم رکھتے ہی میری چھٹی حس نے خطرے کا جو الارم دیا تھا، وہ سلطان شاہ کی تمام تر خوش خیالی کے باوجود درست ثابت ہوا تھا۔ باہر ہر طرف موت ڈیرے ڈالے ہوئے تھی اور ہم دونوں اس چوہے دان میں بند تھے۔

وہ تو غنیمت تھا کہ اس وقت ہم دونوں مسلح تھے۔ سلطان شاہ کے پاس ایکسپلوڈر فاضل میگزین سمیت موجود تھا، میرے پاس آخری شکار سے چھینا ہوا پستول موجود تھا جس سے ایک بھی گولی نہیں چلائی گئی تھی۔ بس غیر ارادی طور پر ہی ہم نے اسلحہ گاڑی میں چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا ورنہ اس وقت نہتے ہی ہوتے۔

ہماری تمام سفری دستاویزات ٹریول ایجنٹ کے پاس تھیں اور کریڈٹ کارڈ سمیت ساری رقم میری تحویل میں تھی، یعنی فرار کی کوئی راہ مل جاتی تو ہم کار چھوڑ کر بہ آسانی کوئی بھی راہ اختیار کرسکتے تھے۔

"تم نے ہمیں امتحان میں ڈال دیا ہے گل بادشاہ۔" سلطان شاہ کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری پیدا ہوگئی تھی۔ "دشمنوں سے اتنا ہی پیار تھا تو ان کو خبر پہنچانے سے پہلے مجھ سے تو اعتماد میں بات کرلی ہوتی۔"

"اب تو تیر کمان سے نکل چکا ہے، جو چاہو کہتے رہو، حالات بدل نہیں سکتے۔" اس نے مضبوط اور پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "نکلنے کی ایک ہی صورت ہے کہ مجھے اسلحہ کے زور پر یرغمال بناؤ اور میری آڑ میں نکل جاؤ۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری زندگی کی پروا کیے بغیر فائر کھول دیں۔" وہ فکر مندانہ لہجے میں بولا۔

"میں اس موت کو اپنی سزا سمجھ کر قبول کرنے کو تیار ہوں۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔

"اتنی عجلت مناسب نہیں۔" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد کہا۔ "ہم یہاں رات تو گزارنے کے لیے ہی آئے ہیں، صبح تک مسلح آدمیوں کو کوئی تشویش نہیں ہوگی۔ ہاں دن چڑھے بھی ہم اندر مقید رہے تو وہ چوکنا ہوجائیں گے اس لیے ہمیں رات بھر میں سوچ کر کوئی نہ کوئی راہ نکالنا ہوگی۔"

"اگر ابھی بھی تم مجھے ڈینی کا اصل نام نہ بتاتے تو بخدا میں تمہیں ایک لفظ نہ بتاتا اور تم باہر نکلتے ہی بے خبری میں مارے جاتے۔ تم سچ بولے تو مجھے بھی مجبوراً زبان کھولنا پڑی ورنہ جیسے تم میرے دوست ہو اسی طرح تمہارا دشمن مجھے عزیز ہے۔"

اس کے آخری فقرے نے مجھے چونکا دیا۔ اس وقت بس تنظیم ہی میرے لہو کی پیاسی ہوسکتی تھی لیکن ان کی صفوں میں بظاہر ایسا کوئی شخص نہیں تھا جو گل بادشاہ کا اس حد تک ہم مزاج ہوتا کہ ان دونوں کی رفاقت مثالی سمجھی جاتی۔

"تم نے میرے بارے میں خبر کس کو پہنچائی تھی؟" میں نے آہستگی کے ساتھ سوال کیا۔

پہلی بار اس کے لبوں پہ ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ نظر آئی۔ "بڑی عجیب بات ہے برادر کہ تم اپنے دشمنوں کو اتنی جلدی فراموش کر بیٹھے ہو جب کہ تمہارا نام تمہارے دشمن کے بہی خواہوں کے دلوں پر بھی نقش ہے۔"

"جب دشمن کئی ہوں تو ایسا ہی ہوتا ہے گل خانا۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

"راجو۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی مگر مجھے ٹٹولنے پر بھی اپنے حافظے میں وہ نام کہیں نہ مل سکا۔ سلطان شاہ استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"شاید تم اسے بھول گئے لیکن وہ آج تک اپنے جوان بھائی کے خون کا داغ سینے سے لگائے تمھیں ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا اور میرے ذہن میں یک بیک کئی برس پرانا وہ واقعہ تازہ ہو گیا تھا جس میں راجو ایک کردار تھا۔

وہ اس وقت کی بات تھی جب لوگ ہیروئن کے نام سے قطعی ناواقف تھے اور میں اپنے تین ساتھیوں سمیت شہر میں چرس کی تقسیم اور فروخت کے کاروبار میں تنظیم کی اجارہ داری کا عملی نگراں تھا۔ یہ وہ دور تھا جب ہم سب سکندر علی کی خوف آور آواز کے اسیر تھے اور چرس کی فراہمی یکلخت موقوف کر کے شہر میں ہیروئن پھیلانے کا پروگرام آخری مراحل میں تھا۔

اسی زمانے میں عیسیٰ خان نامی ایک ٹرانسپورٹر نے راجو کے تعاون سے لانڈھی میں واقع اس کے ہوٹل کی آڑ میں اس چرس کی فروخت شروع کرا دی جو وہ فاضل آمدنی کے لالچ میں اپنے ڈرائیوروں کے ذریعے تھوڑی مقدار میں ملک کے بالائی علاقوں سے منگواتا تھا۔ اس کی وہ حرکت تنظیم کی اجارہ داری میں مداخلت تصور کی گئی اور تنظیم کے مسلح کارندوں نے ایک رات ہوٹل میں قیامت مچا دی۔ ہوٹل برباد ہو گیا اور اس تصادم میں راجو کا بھائی مارا گیا۔

"مگر راجو کے بھائی کے قتل سے میرا تو کوئی تعلق نہیں تھا۔" میں نے ماضی کی یادیں کریدتے ہوئے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر وہی میرے خون کا پیاسا ہے تو مقابلے سے پہلے میں اس سے ملنا چاہوں گا۔"

"ان دنوں میں بھی اس کے لیے کام کرتا تھا۔" گل بادشاہ کہہ رہا تھا۔ "اس کے بھائی کے بعد تم لوگوں نے عیسیٰ خان کو بھی مروا دیا۔ اس کی موت کے بعد نجانے کتنے گھروں میں مہینوں چولہے روشن نہ ہو سکے تھے۔"

اس بار سلطان شاہ کی چونکنے کی باری تھی۔ عیسیٰ خان کے ورکشاپ میں ہیلپر کی نوکری سے اس نے کراچی میں اپنی زندگی کا آغاز کیا تھا کیونکہ وہ مقرب خان کا دوست تھا اور مقرب، عیسیٰ خان کا دست راست ہوا کرتا تھا۔ میرے ذہن میں پرانی تلخ یادیں سر ابھارنے لگیں۔ مقرب خان کو عیسیٰ خان کے ایک حریف کی تلاش تھی۔ وہ اس کا پتا معلوم کرنے کے لیے سلطان اور اپنے بھائی عقرب کے ساتھ طارق علی کے مکان میں گھسا اور وہاں اچانک گولیاں چلنے لگیں۔ سلطان شاہ اور عقرب کو واپس لوٹا دیا گیا اور پھر طارق علی کو تنظیم کے کسی کارندے نے ہلاک کر دیا۔ میرے شبہات عیسیٰ خان کی طرف گئے۔ اسی دوران میں مقرب اور عقرب خان بھی مار ڈالے گئے۔ عیسیٰ خان نے خوفزدہ ہو کر سلطان شاہ کا حساب بے باق کیا اور اسے پہلی فرصت میں شہر سے بھاگ جانے کا خوف دے کر غائب ہو گیا مگر میں اس کی راہ پر تھا۔ سلطان شاہ کو اپنے دوست طارق کا قاتل سمجھ رہا تھا للہٰذا میں نے اسے اپنی گاڑی میں بٹھا لیا۔ پھر اس کی دوٹوک باتیں مجھے اتنی پسند آئیں کہ میں نے اسے اپنے ساتھ ملا لیا اور اسی کے بعد تنظیم کے خلاف میری مہم زور پکڑتی چلی گئی۔

اس دوران میں تنظیم کے مقامی معاملات سے خاصا دور ہو گیا تھا للہٰذا مجھے اندر کے بہتیرے واقعات کا علم نہیں تھا مگر اب گل بادشاہ بتا رہا تھا کہ عیسیٰ خان بھی مروا دیا گیا تھا۔

اس تصدیق کے بعد سلطان شاہ کو بھی بڑا قلق ہوا کہ اس کا محسن اور مربی بھی خونریزی کا نشانہ بنا تھا۔ عیسیٰ خان اور راجو کے تعلق کا مختصر سا خاکہ سننے کے بعد سلطان شاہ کو پوری صورتِ حال کا احساس ہو گیا مگر گل بادشاہ پر اس کہانی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ جذبات سے عاری انداز میں سب کچھ سنتا رہا۔

"راجو اب وہ آدمی نہیں رہا جو برسوں پہلے تھا۔" وہ میرے خاموش ہونے پر بولا۔ "اس وقت وہ اسلحہ جیب میں لیے ان گلیوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ اب وہ ایک سخت گیر اور خونخوار آدمی ہے جس تک پہنچنا ناممکن ہے۔ آج کل آدھے شہر میں اسی کے اڈے چل رہے ہیں۔ اس نے تمھارے آدمیوں کو پکڑ کر موت کی سیج پر ان ہی سے اگلوایا ہے کہ ان دنوں شہر میں جو کچھ ہوتا تھا تمھارے حکم سے ہوتا تھا اور تم خود کو منشیات کی دنیا کا بے تاج بادشاہ سمجھتے تھے۔"

"میں ایک بار اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ اسی کے بعد موجودہ صورتِ حال کے بارے میں کوئی فیصلہ کروں گا۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "اگر وہ تصادم پر اڑا رہے گا تو ہم بھی اس کے دو چار آدمی گرا کر ہی زیر ہوں گے۔"

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ اب میرے مقابل تنظیم نہیں بلکہ راجو اور اس کا گروہ ہے، میں ذہنی طور پر خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا اور دل ہی دل میں گل بادشاہ کا ممنون بھی تھا کہ اس نے بروقت ہمیں صحیح صورتِ حال سے آگاہ کر دیا تھا۔

"میں اب کچھ بھی نہ کر سکوں گا برادر!" گل بادشاہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "وہ پاگل آدمی ہے۔ میں نے تمھاری طرف سے

اسے کوئی پیغام بھیجا تو وہ تمھیں بھول کر میرے خون کا پیاسا ہو جائے گا کہ میں نے اس کے آدمیوں کو بے خبری میں شکار کو دبوچنے کے موقع سے محروم کر دیا۔ اب تو بس یہی ایک راستہ ہے کہ اس سے اُلجھے بغیر چپ چاپ نکل جانے کی کوئی ترکیب سوچو۔"

"باہر اس کے کتنے آدمی ہوں گے؟" سلطان نے سوال کیا۔

"کچھ پتا نہیں۔ دو بھی ہو سکتے ہیں اور دس بھی۔" اس نے جواب دیا۔ "میں اس کے ساتھ کام کرتا تھا اس لیے اچھی طرح جانتا ہوں کہ ڈینی کا نام معلوم ہو جانے کے بعد اس کی بس یہی آرزو تھی کہ اس کی ایسی ہی چھلنی کی ہوئی لہولہان لاش دیکھے جیسے اس کے بھائی کی موت ہوئی تھی۔"

کچھ دیر کے لیے کمرے کی فضا پر بوجھل سکوت چھا گیا۔ تینوں اپنی اپنی جگہ سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ فضا میں بس ہوٹل اور گلی سے آنے والی ملی جلی آوازوں کا شور ہی گونج رہا تھا۔

"میرے پاس ایک کلاشنکوف پانچ سو راؤنڈز سمیت موجود ہے، چاہو تو وہ بھی لے جا سکتے ہو۔" گل بادشاہ نے پیشکش کی۔ اپنی جلد بازی سے ہمارے لیے مسئلہ کھڑا کر دینے پر وہ خاصا پشیمان نظر آ رہا تھا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی ہتھیار ہے تمھارے پاس؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"بس اللہ کا نام ہے۔ آج کل کلاشنکوف سے کم کوئی ہتھیار رکھنا ہی بے سود ہے۔" وہ پھیکی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"پھر ہمیں کلاشنکوف کی ضرورت نہیں، ہتھیار مرد کا زیور ہوتا ہے۔ ہم خود غرضی میں تمھیں اس سے محروم نہیں کریں گے۔" سلطان نے فراخ دلانہ انداز میں کہا۔

"یہ سب پہاڑوں کی روایتیں ہیں، یہاں تو اسے چھپا کر رکھنا پڑتا ہے۔"

کافی دیر کے غور کے بعد اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور میں فوراً ہی چھت پر جانے والے زینے کی طرف ہو لیا۔ ان دونوں نے مجھ سے کچھ پوچھنے کی زحمت نہیں کی، شاید وہ یہی سمجھے ہوں گے کہ میں کسی ضرورت کے تحت اوپر جا رہا تھا مگر میں اس وقت ایک اور ہی امکان کا جائزہ لینا چاہ رہا تھا۔

پختہ چھت پورے ہوٹل کے طول و عرض پر محیط تھی، وہ چڑھتے چاند کی ابتدائی راتیں تھیں۔ لہٰذا یہ امکان نہیں تھا کہ دھندلاتے ہوئے آسمان کے پس منظر میں نیچے سے میرا ہیولا دیکھا جا سکے مگر میں پھر بھی بہت زیادہ محتاط تھا۔ سامنے کی سمت کا تو جائزہ لینا ہی بے سود تھا کیونکہ ادھر بارونق گلی میں بازار واقع تھا۔

ہوٹل کی مختصر سی عمارت کے دائیں بائیں ٹین کی نیچی چھتوں والے چھوٹے چھوٹے مکان تھے لیکن عقبی سمت میں دیکھتے ہی میرے دل میں اُمید کی کرن پیدا ہو گئی۔

وہ آبادی بہت گنجان اور بے ترتیب تھی لیکن پھر بھی قابضین نے اپنی اپنی ملکیت کی حد بندی کرتے ہوئے اپنی سہولتوں کا خیال رکھا تھا۔ پشت پر مکان ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہونے کے بجائے ایک دوسرے سے کم و بیش دس فٹ دور تھے اور اس تنگ سی گلی میں کسی مکان سے نکاسی کا راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"تنگ اور گھپ تاریک گلی میں سے اُٹھنے والے متعفن بھبکوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ گلی کوڑا کرکٹ پھینکنے کے کام آتی ہوگی۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ عین ہوٹل کی پشت پر ایک دوسرے سے ملحق کئی مکانات کی بلندی ہوٹل جتنی یا اس سے زیادہ ہی تھی جس کے سبب ہوٹل کی عقبی دیوار کا دور سے دیکھا جانا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ اس سمت میں گندی گلی ہونے کے باعث کسی دیوار میں کوئی کشادہ کھڑکی نہیں تھی البتہ ایک دو روشن دان نظر آ رہے تھے۔

میں فوراً ہی دو چھتی میں واپس لوٹ آیا۔ میری دریافت پر گل بادشاہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا کیونکہ آخر کار اس کی سرخروئی کی ایک صورت نکل ہی آئی تھی۔

کچھ دیر تک اپنی تجویز کی جزئیات پر دبی آواز میں تبادلہ خیال کرنے کے بعد گل بادشاہ نیچے چلا گیا تاکہ معمول کے مطابق اپنا ہوٹل کا کام سنبھال سکے۔ جاتے جاتے اس نے ہم سے کھانے کے بارے میں بہت اصرار کیا مگر اس کٹھن صورتِ حال سے دوچار ہونے کے بعد ہماری بھوک سرے سے اُڑ گئی تھی پھر یہ شبہ بھی میرے لاشعور میں کلبلا رہا تھا کہ راجو کے آدمی بہت بالادست تھے، اگر گل بادشاہ ہمارے لیے ہوٹل سے کھانا منگواتا تو وہ اس میں کوئی خواب آور دوا ملا سکتے تھے تاکہ مقابلے کا خطرہ مول لیے بغیر بے ہوشی کی حالت میں ہماری شناخت کرتے اور پھر ہم میں سے جو مطلوب ہوتا اسے خاموشی سے اُٹھا لے جاتے۔

گیارہ بجے تک ہوٹل زور و شور سے چلتا رہا جس کا اندازہ نیچے سے آنے والی آوازوں سے ہو رہا تھا۔ اس دوران میں سلطان شاہ نے گل بادشاہ کی ہدایت کے مطابق اس کے سامان میں سے نائیلون کی ایک مضبوط رسی تلاش کر لی تھی جس کے سہارے چھت سے پچھلی گلی میں اترا جا سکتا تھا۔

سلطان شاہ خود بھی اوپر جا کر پورا جائزہ لے آیا تھا اور اس کا بھی یہی خیال تھا کہ راجو کے آدمیوں نے گندی گلی کو نظرانداز کیا ہوا تھا کیونکہ انھیں شبہ تک نہ رہا ہوگا کہ ہماری حکمتِ عملی سے

متاثر ہو کر گل بادشاہ ہمیں خطرے سے ہوشیار کردے گا اور ہم عام راستے کے بجائے عقبی سمت سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔

صبح کی ڈیوٹی والے سو چکے تھے پھر رات والے بھی چلے گئے۔ اس کے بعد آخری رونق شاید شام کی ڈیوٹی سے لوٹنے والوں کی تھی۔ سوا گیارہ بجے تک نیچے سناٹا چھانے لگا اور آوارہ کتوں کا شور فضا پر حاوی ہوتا محسوس ہونے لگا۔

سناٹا پھیلنے کے بعد نیچے برتنوں کے ساتھ ہوٹل کا فرش بھی دھویا جانے لگا۔ ان سب کاموں سے فارغ ہو کر گل بادشاہ بارہ بجے کے قریب اوپر آیا تو اس کے بشرے سے تکان کا اظہار ہو رہا تھا۔

"ارے تم سوئے نہیں اب تک؟" اس نے حیرت سے یہ کہتے ہوئے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ہمیں محتاط ہونے کا اشارہ کیا تھا۔

"تمھارے انتظار میں جاگ رہے تھے گپ شپ لگا کر سو جائیں گے۔" سلطان شاہ بولا۔

"میں ذرا سی دیر میں تازہ دم ہو کر آتا ہوں۔" گل بادشاہ نے اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھتے ہوئے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور میں جوتے پہنے بغیر پنجوں کے بل اس کے پیچھے ہو لیا۔

اس کے محتاط رویے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ایک مرتبہ پھر نیچے کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی جو اس کے بس سے باہر تھی۔

"سب کچھ گڑبڑ ہو گیا۔" وہ چھت پر پہنچتے ہی دبی دبی متوحش آواز میں بولا۔ "وہ لوگ بہت چالاک ہیں۔ ان کا ایک مسلح ساتھی نیچے کھردری بینچ پر لیٹا اوپر کی سن گن لے رہا ہے۔ وہاں ہم بات کرنا تو درکنار، ہل جل بھی نہ سکیں گے۔"

"اس کے باقی ساتھی کہاں ہیں؟"

"ہوٹل بند ہونے تک آتے جاتے رہے تھے۔ اب قرب و جوار میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ رات کے سناٹے میں وہ کھلے عام تو نگرانی نہیں کر سکتے۔ یہاں رہنے والے ان کو پکڑ لیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ہم دو بجے اپنے منصوبے پر عمل شروع کریں گے۔ اس وقت تقریباً ساری ہی آبادی گہری نیند سو چکی ہو گی۔ سب کچھ طے ہے، اب ہمیں بولے بغیر خاموشی سے عمل کرنا ہو گا۔"

"اور اگر اسے ذرا بھی آہٹ مل گئی تو وہ اندر سے کنڈی کھول کر اپنے ساتھیوں کو جمع کر لے گا۔ دو چھتی کا فرش تختوں کا ہے جو کبھی کبھی بوجھ پڑنے سے چرچرا بھی جاتے ہیں۔" وہ پہلی بار خوفزدہ نظر آنے لگا تھا۔ "ایک مرتبہ پھر سوچ لو کہیں آخری وقت پر لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔"

"تم ہمت کرو تو سب کچھ آسان ہو سکتا ہے۔" میں نے اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ اب مجھے تمھاری سلامتی سب سے زیادہ عزیز ہے۔"

"ہمارے سو جانے کا بہانہ کر کے اسے اوپر بلا لینا، ہم اس کا کام تمام کر دیں گے۔" میں نے جھجکتے ہوئے تجویز پیش کی۔

"قتل کا الزام میرے سر آئے گا۔" خلافِ توقع اس نے برہمی کے بجائے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"راجو اصول پرست ہے، وہ پولیس سے رجوع نہیں کرے گا۔"

"میں جانتا ہوں مگر وہ اپنا حساب خود لینا جانتا ہے۔"

"تمھیں بے دست و پا کرنے کے بعد ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ تمھارے دفاع کے لیے یہی کافی ہو گا کہ صبح دروازہ توڑ کر ہوٹل کھولا جائے گا اور تم اوپر بندھے ہوئے ملو گے۔"

"اللہ مالک ہے۔" وہ سر جھٹک کر بولا۔ "تم اپنی جان بچانے کی فکر کرو، بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" میں نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور پھر ہم دونوں نیچے لوٹ آئے۔

اس وقت ہم تینوں ہی شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھے اور آپس میں کئی باتیں طے کرنے کی ضرورت محسوس کر رہے تھے لیکن نیچے والے کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں تھا۔ اسی کے ساتھ اسے یہ باور کرانا بھی ضروری تھا کہ ہمیں صورتِ حال میں کسی غیر معمولی تبدیلی کا کوئی احساس نہیں ہوا ہے لہٰذا کچھ دیر تک آپس میں غیر ضروری گفتگو کرتے رہنے کے بعد ہم نے یوں خاموشی اختیار کر لی جیسے سو جانے کا ارادہ رکھتے ہوں لیکن حقیقت یہ تھی کہ ہماری آنکھوں میں نیند کا کوسوں دور بھی پتا نہیں تھا۔ انتظار اور غیر یقینی مستقبل کے تردد نے ہمارے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

بظاہر خاموشی اختیار کر لینے کے بعد میں نے سلطان کے کان میں سرگوشیاں کرتے ہوئے اسے اپنے اور گل بادشاہ کے درمیان ہونے والے خوف ناک فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا جس کے نتائج پر ہماری سلامتی کا دارومدار تھا۔

ٹھیک دو بجے گل بادشاہ نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میں نے دل ہی دل میں اس کی کامیابی کے لیے دعا کی اور وہ پنجوں کے بل چلتا ہوا فرش کے خلا کی طرف بڑھ گیا۔ نیچے اترنے سے قبل اس نے فرش پر گھٹنے ٹیک کر خلا سے نیچے سر جھکا کر خفیف سی شِشکاری بلند کی اور پھر کوئی آواز پیدا کیے بغیر آہستگی سے نیچے چلا گیا۔

ہم دونوں تاریکی میں سانس روکے پیچھے سے آنے والی

کسی آواز کے منتظر تھے لیکن وہاں گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔

ہوٹل بند ہونے کے بعد نیچے کی روشنیاں تو گل کر ہی دی جاتی تھیں لیکن خاموشی اختیار کرنے کے ساتھ ہی ہم نے دو چھتی میں بھی اندھیرا کر دیا تھا۔ ایک نادیدہ مسلح دشمن کے مقابلے میں تاریکی ہی ہمارے حق میں بہتر تھی۔ روشنی سے بننے والے سائے بھی ہماری کسی لغزش کی بنا پر اس کو آخری لمحات پر چوکنا کر سکتے تھے۔

نیچے بدستور موت کا سا لامتناہی سکوت چھایا ہوا تھا جیسے وہاں کوئی ذی روح موجود نہ ہو۔ میں نے سلطان شاہ کو اشارہ کر کے اپنی جگہ چھوڑ دی اور اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی ڈوری کی مضبوطی کا اندازہ لگاتا ہوا احتیاط سے چوبی فرش کے خلا کے قریب اس طرح اکڑوں ہو کر بیٹھ گیا کہ نیچے والا مجھے نہ دیکھ سکے۔

پل بھر کے بعد سلطان شاہ بھی میرے قریب آگیا۔ ہم پوری طرح تیار تھے اور اس چار دیواری میں کسی بھی لمحے خونریز کھیل شروع ہو سکتا تھا۔

وقت دھیمے دھیمے سرکتا رہا پھر میرے حساس کانوں میں نیچے سے گہرے گہرے سانسوں کی آوازیں آئیں پھر چند ثانیوں بعد ہم سے چند فٹ کے فاصلے پر خلا میں سے ابھر کر دو انسانی ہاتھوں کی مضبوط انگلیاں فرش پر جم گئیں۔

وہ گل بادشاہ تھا یا ہمارا حریف؟

یہ سوال ذہن میں ابھرتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہو گئیں۔ پروگرام طے کرتے ہوئے وہ معمولی سا نکتہ فراموش کر دیا گیا تھا۔ نہ گل بادشاہ کو مارا جا سکتا تھا اور نہ اپنے دشمن کو پوری طرح اوپر چڑھ آنے کی مہلت دی جا سکتی تھی۔ میں تن بہ تقدیر ہو کر بدترین صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

میں نے اندھیرے میں اپنی نگاہیں فرش کے خلا پر مرکوز کی ہوئی تھیں پھر جوں ہی ایک انسانی دھڑ کہنیوں کے بل اس خلا میں ابھرا تو میرے وجود میں اطمینان کی ایک لہر سی سرایت کر گئی کیونکہ میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ گل بادشاہ تھا۔

اس کے اوپر آنے کے بعد بس ایک لمحے کے لیے ہماری آنکھیں چار ہوئیں اور اس نے ہاتھ ہلا کر نیچے کسی کو اوپر آنے کا اشارہ دیا۔ پھر دو ہاتھ خلا میں ابھرے انگلیوں کا زاویہ دیکھ کر میں نے اپنی پوزیشن قدرے تبدیل کی، دونوں ہاتھوں میں ڈوری کو پھیلا کر مضبوطی کے ساتھ تھاما اور جوں ہی دوسرا انسانی وجود اس خلا میں سے طلوع ہوا میں نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اس کے گلے میں ڈوری ڈال کر اسے پوری قوت سے پیچھے گھسیٹ لیا۔

شاید اس نے چیخنا چاہا تھا لیکن میری بے رحمانہ گرفت بہت سخت تھی، اس کے حلق سے ایک معمولی سی خرخراہٹ کے بعد کوئی آواز نہ نکل سکی اور اس نے اپنے نرخرے کو موت کے بھیانک چنگل سے بچانے کے لیے دونوں ہاتھ فرش سے ہٹا لیے۔ ہاتھ ہٹتے ہی اس کے جسم کا سارا زور اچانک ڈوری پر آگیا۔ مجھے ایک شدید جھٹکا لگا کیونکہ یک بیک اس کا بدن ڈوری کے سہارے خلا میں تقریباً معلق ہو گیا تھا اور اس کے ہاتھ ڈوری ہٹانے کی وحشیانہ کوششوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

قریب تھا کہ میں اپنا توازن کھو کر اپنے شکار سمیت فرش کے خلا میں سے ہوتے ہوئے نیچے جا گرتا کہ وہ دونوں ہی موقع کی نزاکت بھانپ کر اس پر ٹوٹ پڑے۔

میں اس کا سر اپنے گھٹنوں میں دبوچ کر پوری قوت سے ڈوری کے سرے کھینچنے لگا۔ سلطان شاہ نے اس کے سینے پر سوار ہو کر اسے وہیں روک لیا تھا۔ اس وقت صورت یہ تھی کہ اس کی کمر فرش کے کنارے سے لگی ہوئی تھی اور نچلا دھڑ خلا سے نیچے معلق بری طرح تڑپ رہا تھا۔

میں نے رسی کے پھندے پر زور لگا کر اسے آہستہ آہستہ اوپر کھینچنا شروع کر دیا اس وقت ہم تینوں کے درمیان بلا کی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو چکی تھی۔ سلطان شاہ میرے مطالبے کے بغیر اسے اوپر لانے میں میری مدد کر رہا تھا اور جوں ہی سخت جان حریف کا بدن اوپر آیا، گل بادشاہ نے پوری قوت سے اس کی ٹانگیں جکڑ لیں تاکہ چوبی فرش پر اس کے تڑپنے سے آوازیں پیدا نہ ہو سکیں۔

وہ بری طرح ہمارے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا لیکن اس کا بدن بار بار بری طرح مچل رہا تھا۔ ڈوری کے سرے میری ہتھیلیوں میں پیوست ہونے لگے تھے اور وہ چند ثانیے مجھے صدیوں پر محیط معلوم ہونے لگے تھے۔ نجانے وہ صورتِ حال کتنی دیر قائم رہی پھر آخر کار اس کے بدن نے ایک ایسی شدید جھرجھری لی کہ لمحے بھر کے لیے مجھے خوف ہوا کہ کہیں وہ ہم تینوں کو ہی الٹ کر کھڑا نہ ہو جائے لیکن وہ شاید اس کی زندگی کا آخری لمحہ تھا۔

اس سے گزرتے ہی اس کا بدن ڈھیلا پڑنے لگا مگر میں نے اس وقت تک اس کے نرخرے پر ڈوری کی گرفت ڈھیلی نہیں کی جب تک گل بادشاہ نے اس کی ٹانگیں چھوڑتے ہوئے اس کی موت کی تصدیق نہیں کر دی۔

اس کے شانے سے روسی ساخت کی لوڈ کی ہوئی کلاشنکوف کا تسمہ الجھا ہوا تھا جیبوں میں فاضل راؤنڈز کے ساتھ ایک بھرا ہوا فاضل میگزین بھی موجود تھا جو اس اسلحہ کے تیز تر اور مؤثر استعمال میں بہت مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔

لاش کا چہرہ بری طرح بگڑ کر رہ گیا تھا۔ اندھیرے میں سیاہ چہرے پر باہر ابلی ہوئی آنکھوں کی سفیدی بہت بھیانک لگ رہی تھی۔ زبان دہانے سے باہر لٹکی ہوئی تھی اور تاریکی کے باعث اس کے اصل خدوخال کا اندازہ لگانا دشوار ہو کر رہ گیا تھا۔

وہ واقعی بدترین موت کا شکار ہوا تھا لیکن ہم میں سے کسی کے دل میں اس کے لیے رحم یا ہمدردی کے جذبات نہیں تھے۔ سلطان شاہ نے کلاشنکوف فاضل راؤنڈ اور میگزین سمیت اپنی تحویل میں لے لی اور ہم دوسرے مرحلے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس کو ٹھکانے لگانے کے بعد بھی ہم نے دوچھتی میں روشنی کرنے کی ہمت نہیں کی تھی کہ مبادا وہ روشنی کسی روزن سے باہر دیکھ لی جائے اور مرنے والے کے ساتھی اتنی رات گئے کسی تبدیلی کے امکان کے پیش نظر ہوشیار ہو جائیں۔

گل بادشاہ واقعی دل کا بادشاہ تھا۔ اس نے ایک غلط فہمی بلکہ اپنی عجلت کے سبب ہمارے لیے دشواری پیدا کی اور پھر اس کا سدِّباب کرنے کے لیے اپنی چھت کے نیچے ایک ایسے خطرناک آدمی کا قتل کرنے کی اجازت دے دی جس کا کفارہ اسے بہت مہنگا پڑ سکتا تھا۔ ہم نے اس پر یہ واضح کر دیا تھا کہ اگر ہماری کار مل سکے تو بلا شرکتِ غیرے اس کی ملکیت ہوگی۔

"میں تیار ہوں، تم اپنا کام شروع کر سکتے ہو۔" اندھیرے میں گل بادشاہ کی آواز ابھری اور وہ وہیں فرش پر بیٹھ گیا اور ہم دونوں نے ندامت کے زبانی اظہار کے ساتھ عملی طور پر اس کے ہاتھ پیر مضبوطی سے باندھنے شروع کر دیے تاکہ صبح ہمارے فرار اور لاش کی موجودگی کا انکشاف ہونے کے بعد وہ اپنی بے گناہی کے حق میں یہ عذر پیش کر سکے کہ اسے بے دست و پا کر کے ہم نے اس کی نگاہوں کے سامنے راجو کے آدمی کو ہلاک کیا اور پھر فرار ہو گئے۔

ہماری اس کارروائی کے جواز میں اسے مقتول پر بے احتیاطی کا الزام عائد کرنا تھا جس کی بنا پر نہ صرف ہم ہوٹل میں اس کی موجودگی سے واقف ہوئے بلکہ ہم نے گل بادشاہ کو بھی تشدد کا نشانہ بنا ڈالا اور اس سے ہمیشہ کے لیے متنفر ہو گئے۔

مضبوطی کے ساتھ اس کے ہاتھ پیر باندھنے کے بعد ہم نے اسے الوداع کہا جواب میں اس نے بھی دعائیہ کلمات ادا کیے اور پھر ہم نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر ایک رومال سے اس کا دہانہ جکڑ دیا۔ اب وہ نہ ہل جل سکتا تھا اور نہ بولنے کے قابل رہا تھا۔ یہ اسی کا حوصلہ تھا کہ محض دوستی کی خاطر اس نے صبح کسی کے وہاں پہنچنے تک اس قدر قابلِ رحم حالت میں رہنا منظور کر لیا تھا۔

سلطان شاہ نے چلتے چلتے گل بادشاہ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور ہم نائیلون کی رسی لے کر چھت پر جانے والے زینے کی طرف ہو لیے جہاں دھندلائی ہوئی تاریک فضا ہمیں اپنی آغوش میں لینے کی منتظر تھی۔

اس وقت میرے لیے خطرات زیادہ سنگین تھے اس لیے سلطان شاہ نے کلاشنکوف بھرے ہوئے فاضل میگزین سمیت میرے حوالے کر دی اور خود رسی کا سرا چھت سے ابھرے ہوئے ایک پائپ کے سہارے باندھنے لگا۔

"اس بستی میں بھاری اکثریت پٹھانوں کی ہے۔" اس نے رسی کو بل دے کر گرہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اگر اتفاق سے کسی پٹھان سے سامنا ہو جائے تو تم گونگے بن جانا۔ میں خود بات سنبھال لوں گا۔"

"اب یہ بھی بتا دو کہ گندی گلی میں اترنے کے بعد کدھر کا رخ کرنا مناسب ہوگا۔ یہ علاقہ تمہارا دیکھا بھالا معلوم ہوتا ہے۔"

"بستی میں گھومنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ بس گل بادشاہ کے پاس آتا رہا ہوں۔ ویسے اندر گنجان آبادی میں جانا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ بہتر یہی ہوگا کہ مین روڈ کا رخ پکڑا جائے۔"

"کلاشنکوف لے کر تو ہم سڑک پر نہ جا سکیں گے۔ گشتی پولیس سے بھی سامنا ہو سکتا ہے۔"

"کلاشنکوف تو کسی تصادم سے نمٹنے کے خیال سے لی ہے۔ میدان صاف ملا تو سڑک پر نکلنے سے پہلے گندی گلی ہی میں اس سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔"

وہ رسی باندھ چکا تھا۔ میں نے پوری قوت سے اسے کھینچ کر اس کی مضبوطی کا اندازہ لگایا پھر اس کے بل کھول کر اس کا آزاد سرا دیوار پر سے گزار کر گلی میں پھینک دیا اور تیزی سے پیچھے ہٹ آیا۔

اگر پچھلے حصے میں کوئی ہوتا تو اسے رسی گرتے ہی چونکنا چاہیے تھا لیکن کئی منٹ گزرنے کے بعد بھی فضا پر سناٹا چھایا رہا تو ہم نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

بظاہر رسی پھینکنے کا کوئی ردِعمل نہیں ہوا تھا مگر میں یہی سوچ رہا تھا کہ شاید نیچے کوئی موجود ہی ہو اور رسی گرنے کے بعد دیوار سے چپکا اس کمند کے ذریعے کسی کے نیچے اترنے کا منتظر ہو مگر اب ہم میں سے کسی ایک کو خطرہ مول لینا ہی تھا۔ میں آگے بڑھا تو سلطان شاہ نے سختی سے مجھے روک دیا۔

"تمہاری زندگی اہم ہے۔ اگر کوئی خطرہ موجود ہی ہے تو اس کا سامنا پہلے مجھے کرنا چاہیے۔" اس کے لہجے سے بے خوفی عیاں تھی جیسے اس کی نگاہوں میں موت کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

"میں تمہیں قربانی کا بکرا نہیں بنا سکتا، یہ منصوبہ میرا ہے

لہٰذا پہل مجھے کرنا چاہیے۔" میں نے اس کے ایثار سے متاثر ہو کر گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"قربانی کا بکرا تو بے چارہ دو جھتی میں بندھا ہوا پڑا ہے۔" اس نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا "میرے آگے پیچھے تو کوئی رونے والا نہیں ہے۔ تمھیں لندن پہنچنے تک زندہ رہنا ہے۔ تمھیں کچھ ہو گیا تو بھابی بیچاری اس بے رحم دنیا میں اکیلی رہ جائے گی۔ سب گھر والوں کے بعد تمھاری ذات ہی تو اس کے لیے واحد سہارا ہے۔ اپنے لیے نہیں تو کم از کم بھابی کے لیے میری بات مان لو۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ ادھر کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔"

میں نے اس سے بحث کی لیکن جیت نہ سکا اور آخر کار وہ مجھ سے ہاتھ ملا کر دیوار پر چڑھا اور اگلے ہی لمحے نیچے غائب ہو گیا۔ میں دیوار کی اوٹ میں تنی ہوئی رسّی کو تھامے دم بخود بیٹھا رہا۔

چند ثانیوں بعد رسی کا ارتعاش ختم ہو گیا۔ شاید سلطان شاہ خیریت کے ساتھ گلی میں اتر چکا تھا۔ لمحے سرکتے رہے گندی گلی پر بدستور بیکراں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

پھر یکے بعد دیگرے رسّی پر تین جھٹکے محسوس ہوئے۔ وہ سلطان شاہ کی طرف سے میرے لیے میدان صاف ہونے کا سگنل تھا۔ میں بھی دیوار پر چڑھا اور پھر رسّی تھام کر فضا میں معلق ہو گیا۔ توازن درست کر کے میں نے رسّی پر اپنی انگلیوں کی گرفت قدرے ہلکی کی اور رسی کے سہارے تیزی سے نیچے پھسلنے لگا۔ اسی کے ساتھ رسی کی رگڑ سے میری ہتھیلیوں اور انگلیوں کی پوروں میں آگ سی بھر گئی لیکن آزادی کی وہ حقیر سی قیمت ناگزیر تھی۔

میں نے دانت پر دانت جما کر آنکھیں بھینچ لیں۔ وہ کیفیت لمحہ بھر میں گزر گئی۔ میرے پیر زمین سے لگ چکے تھے اور سلطان شاہ نے میرا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس وقت وہ متعفن گلی مجھے ایک نعمتِ غیر مترقبہ محسوس ہو رہی تھی۔

میں نے رسّی چھوڑی تو دونوں ہاتھوں میں خون کی نمی اور چپچپاہٹ کا احساس ہوا۔ شاید دونوں ہاتھ بری طرح زخمی ہو گئے تھے لیکن اس لمحے مجھے تکلیف کا کوئی احساس نہیں تھا۔ میں نے دیوار سے ہاتھ رگڑ کر تاریکی میں اندازے سے صاف کیے اور پھر ہم دونوں مین روڈ کی سمت ہو لیے۔

تاریکی میں اس گندی گلی میں راستہ طے کرنا خاصا کٹھن کام تھا۔ کیونکہ وہاں جا بجا نرم اور سخت کوڑے کے ڈھیر جمع تھے۔ اسی کے ساتھ زمین میں بھی جا بجا گڑھے کھدے ہوئے تھے اور اندازے کی ذرا سی غلطی سر سے پیر تک گندگی کی چادر میں لپیٹ سکتی تھی۔ اس سست رفتار پیش قدمی میں بعض ایسے کٹھن مقام بھی آئے جہاں مجھے سانس روک لینا پڑا ورنہ امکان یہ تھا کہ ایسی فضا میں چند گہرے سانس دوسرے جہانوں کی سیر کرا سکتے تھے۔

آخر کار گلی کے پیچ و خم سے گزرتے ہوئے ہم ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں گلی سے نکاسی کا راستہ قدرے روشن نظر آ رہا تھا۔ وہ روشنی شاید سڑک پر لگے ہوئے کمزور اسٹریٹ لیمپس کے انعکاس کا نتیجہ تھی۔ ارد گرد کے مکانات پر موت کی سی خاموشی طاری تھی مگر میں پھر بھی زبان کھولنے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے شانے سے کلاشنکوف اتار کر سلطان شاہ کو دکھائی اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

میں نے میگزین نکال کر کلاشنکوف آہستگی سے نیچے رکھ دی پھر دونوں بھرے ہوئے میگزین بھی وہیں ڈال دیے۔ اس اثنا میں سلطان شاہ فاضل راؤنڈز کا بار ہلکا کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

گلی سے نکلنے کا مرحلہ بھی بہت اہم تھا کیوں کہ وہ عام گزرگاہ نہیں تھی۔ اگر وہاں رہنے والے کسی بھی شخص کی نگاہ ہم پر پڑ جاتی تو وہ ہماری جانوں کے لیے عذاب بن سکتا تھا اس لیے ہم دونوں فوری طور پر آمنے سامنے کی دیواروں کے ساتھ لگ کر آگے بڑھنے لگے۔ اس ترکیب کا مقصد صرف اتنا تھا کہ گلی کے دہانے پر بیک وقت دونوں طرف نگاہ رکھی جا سکے۔ اس طرح ہم گلی کے نکڑ تک پہنچ گئے۔ میرے سامنے سناٹے کا راج تھا۔ سلطان شاہ نے راستہ صاف دیکھ کر اشارہ کیا اور ہم دونوں پھرتی سے باہر نکل کر شانہ بشانہ یوں آگے بڑھنے لگے جیسے دور سے یوں ہی چلتے آ رہے ہوں۔

ہر طرف سکوت اور سناٹے کا راج تھا۔ فضا میں کافی فاصلے پر ملوں میں چلتی ہوئی مشینوں کا دھیما دھیما شور گونج رہا تھا یا پھر قرب و جوار میں پھرتے ہوئے آوارہ کتوں کی آوازیں۔

ہم نے آگے اپنی کار کی طرف جانے کے بجائے واپسی کی راہ اختیار کی تھی۔ اس طرح ہوٹل والی گلی کے سامنے سے گزرنے سے بھی بچ گئے تھے جہاں راجو کے مسلح آدمی میرے ظہور کے منتظر تھے۔ اعصاب شکن اور خونریز معرکے سے آزاد فضا میں آتے ہی ذہن کے بند دریچے بھی کھلنے لگے تھے اور اس علاقے میں پھیلی ہوئی ویرانی کا سبب ذہن میں آنے لگا تھا۔

گل بادشاہ نے بتایا تھا کہ پرانی شکست کے بعد راجو بہت زور پکڑ چکا تھا۔ لانڈھی اور اس سے ملحقہ مضافاتی علاقوں میں وہ ہوا بنا ہوا تھا۔ وہ مقام ایسا تھا کہ قانون کے نفاذ کے جنس

ذ تے داروں کی پشت پناہی کے بغیر برقرار نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ دوسری طرف راجو کے آدمی بھی بُرے لوگوں میں پہچانے جاتے ہوں گے۔ لہٰذا انھیں اسلحے سے لیس گل بادشاہ کے ہوٹل کے گرد منڈلاتے دیکھ کر ہر ایک نے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ رات اس علاقے پر بھاری گزرنے والی ہے لہٰذا ہر شخص اپنے گھر میں دبکا ہوا تھا کیونکہ واردات کے بعد قانون کے محافظ حرکت میں آتے تو گواہوں کی تلاش شروع ہوتی اور راجو جیسے شخص کے خلاف گواہی دے کر کوئی اپنے بھرے پُرے گھر کو برباد نہیں کرا سکتا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے تو سلطان شاہ بے اختیار مسکرا دیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تمھارے ہاتھ بھی زخمی ہیں۔"

"آگ بھر گئی تھی ہاتھوں میں، صبح تمھیں دستانے لانے ہوں گے میرے لیے، تمھارا کیا حال ہے؟"

"نہ تم سے بہتر، نہ بدتر۔" وہ بولا۔ "لیکن اتنا بتا دوں کہ اب ایک دم تکان سی آ گیا ہے۔ تم نے کوئی بندوبست نہ کیا تو یہیں کہیں سڑک کے کنارے پڑ کر سو جاؤں گا۔ بعد میں جو ہوگی دیکھی جائے گی۔"

میرے دل میں بھی اس وقت نرم بستر اور پُرسکون ماحول کی آرزو پیدا ہو چکی تھی لیکن بستر اور ایک محفوظ چھت کی جستجو میں ہم نے گل بادشاہ کے پاس جو بدترین وقت گزارا تھا اس کے بعد اب کسی نئی مہم جوئی کی ہمت نہیں رہی تھی۔ سنسنی اور اعصابی ہیجان نے کم از کم وقتی طور پر اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔

"پھر اب کہاں کا ارادہ ہے؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس نے پھر ٹوکا۔

"آج کی رات تو شاید کسی چھت کا سایہ مقدر میں نہیں ہے۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "کوئی ٹیکسی مل جائے تو صدر چلتے ہیں۔ اُجالا پھیلنے میں تھوڑی دیر رہ گئی ہے۔ یہ وقت جہانگیر پارک میں گزار لیں گے۔"

"اگر آنکھ لگ گئی تو دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔ رقم اور اسلحے سے محرومی کے ساتھ ہی ہمارے زخمی ہاتھ ہمارے لیے بدترین خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"کسی ویرانے کا رُخ کیا تو پولیس کا سامنا ہو سکتا ہے۔" اُس نے مجھے بھی فکرمند کر دیا تھا۔

"کیوں نہ ویرا کے پاس چلیں؟" اس نے کہا۔ "تم نے بتایا تھا کہ وہ تمھیں ساتھ لے جانے پر مُصر تھی۔"

"اس کی تو عقل پر پردہ پڑ گیا تھا۔ دوسرے آدمی کی واپسی نہ ہونے پر داؤد نے اسے اپنی لسٹ پر لے لیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اب کوئی دوسرا اس کی نگرانی کر رہا ہو۔ یہ آسمان سے گِر کر کھجور میں اٹکنے والا قصہ بھی بن سکتا ہے پھر میرے پاس اس کا صرف فون نمبر ہے۔ اسے رِنگ کر کے اس کا پتا معلوم کرنا ہوگا۔ زخمی ہاتھوں کے ساتھ اس وقت میں کہاں سے اسے فون کر سکوں گا؟"

اُسی وقت عقب سے ایک خالی ٹیکسی آ کر ہمارے قریب سے گزری اور میں نے آواز دے کر اسے روک لیا۔

"مگر یہ تو سوچ لو کہ جانا کہاں ہے؟" سلطان شاہ منمنایا۔

"بعد میں سوچیں گے، پہلے اس علاقے سے نکلو۔"

جتنی دیر میں ٹیکسی ریورس گیئر میں ہمارے قریب پہنچتی، میں فیصلہ کر چکا تھا۔ "ایمپریس مارکیٹ۔" میں نے ڈرائیور سے کہا اور اس کا جواب اثبات میں ملتے ہی دروازہ کھول کر پھرتی سے عقبی نشست پر بیٹھ گیا تاکہ وہ میرے ہاتھوں پر خون کے سوکھے ہوئے دھبے نہ دیکھ سکے۔ سلطان شاہ دوسری طرف سے میرے پہلو میں آ گیا۔

راستے بھر میرا ذہن اگلے پروگرام میں اُلجھا رہا۔ زخمی ہاتھوں سے قطع نظر یہ بات بھی میرے زیرِ غور تھی کہ راجو کو میری موجودگی کی اطلاع مل چکی تھی اور ہمارے فرار نے اس مشکوک اطلاع کی توثیق کر دی تھی۔ وہ مخالف کیمپ کا آدمی تھا لیکن زیرِزمین دنیا کے بہتیرے ایسے لوگوں سے اس کے مراسم ہو سکتے تھے جو کسی نہ کسی طرح تنظیم کے ہمدرد یا کارکن تھے۔ ان کے ذریعے میری شہر میں موجودگی کی خبر تنظیم کے اعلیٰ حلقوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل سکتی تھی۔ جس کے بعد بہت بڑے پیمانے پر میری تلاش کی مہم شروع ہو سکتی تھی۔

وہ بُرا وقت آنے سے پہلے مجھے شہر بلکہ ملک سے نکل جانا چاہیے تھا لیکن اس کے لیے بھی سلطان شاہ کو اپنی کارروائیاں پوری کرنے کے لیے کم از کم آنے والا دن درکار تھا جسے عافیت اور سلامتی سے گزارنے کے لیے کوئی محفوظ ٹھکانا تلاش کرنا ناگزیر تھا۔

ذہن پر کافی زور دینے کے بعد آخر کار میرے ذہن میں مارٹن کے نام نے سر اُبھارا۔

اس کے ویران مکان میں دو لاشیں پڑی ہوئی تھیں مگر دونوں ہی چیتھڑوں کی شکل میں تھیں جن کی تدفین سے داؤد یا کسی اور کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔ داؤد کی کوشش تو یہی ہوتی کہ مارٹن کے مکان میں اپنے کسی آدمی کو مامور کر دے تاکہ بہ وقت

لانے اور لے جانے والوں کے لیے وہ ٹھکانا بدستور استعمال ہوتا رہے۔

لیکن اس کارروائی سے پیشتر اسے چند روز لامحالہ انتظار کرنا تھا تاکہ مارٹن کے نامعلوم قاتل یا قاتلوں کے صحیح عزائم کا اندازہ لگا سکے۔ دوسری طرف وہ ویرا کے معاملے میں اُلجھا ہوا تھا اور دوسرے آدمی کی گمشدگی نے پچھلی رات تک اس کی اُلجھنوں میں خاصا اضافہ کر دیا ہوگا۔ اس بنا پر مجھے پورا یقین تھا کم از کم اگلے چوبیس گھنٹوں کے لیے مارٹن کا مکان ہمارے لیے شہر میں بہترین ٹھکانا ثابت ہو سکتا تھا۔

وہ مکان اچھی طرح ہمارا دیکھا بھالا تھا۔ وہاں فون کی سہولت بھی موجود تھی اور اسلحہ کے سہارے ہم وہاں بہتر طور پر اپنی حفاظت اور کسی موہوم خطرے کے خلاف مدافعت کر سکتے تھے شرط بس اتنی سی تھی کہ ہمیں پھاٹک کے بجائے وہاں سے آمد و رفت کے لیے عقبی دیوار کا سہارا لینا پڑتا۔

آخری خیال ذہن میں آتے ہی میں خود بخود مسکرا کر رہ گیا۔ مقدر ہمیں ایک ایسی راہ پر لے آیا تھا جہاں گندی گلیاں ہی ہماری سلامتی کی ضامن بن کر رہ گئی تھیں لیکن مارٹن کے مکان کی عقبی گلی جو پہلے بہت بدبودار محسوس ہوئی تھی گل بادشاہ کے ہوٹل کا پچھواڑا دیکھنے کے بعد یقیناً بہت صاف ستھری محسوس ہوتی۔

ایمپریس مارکیٹ کے علاقے میں پہنچنے کے بعد میں نے کٹرک ہال کے سامنے والے تاریک حصے میں ٹیکسی رکوالی۔ اس سے پہلے ہی میں اپنے پرس سے پچاس روپے کا نوٹ نکال چکا تھا۔ ٹیکسی رُکتے ہی میں وہ نوٹ ڈرائیور کی گود میں ڈال کر نیچے اُتر گیا۔ زخمی ہاتھوں نے اُس وقت مجھے خوف میں مبتلا کیا ہوا تھا۔

"چوالیس روپے بنے ہیں صاحب!" ڈرائیور میرے اُترتے اُترتے کیبن لائٹ جلا کر بولا۔

"باقی تم رکھ لو،" مجھ سے پہلے سلطان شاہ بول پڑا اور ڈرائیور کا ہاتھ جیب کی طرف جاتے جاتے رُک گیا۔

ہم دونوں سُست قدموں سے آگے کی طرف چل دیے کیونکہ پیچھے گڈھیالی بلڈنگ کے قرب و جوار کے علاقے میں اس وقت بھی کافی رونق تھی۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ٹیکسی ڈرائیور اچھی ٹپ ملنے کی خوشی میں زیادہ دیر وہاں رُکنے کے بجائے گاڑی گھما کر واپس چلا گیا کیونکہ اتنی رات ڈھلے اسے وہاں ون وے کی خلاف ورزی پر ٹوکنے والا کوئی نہیں تھا۔

تھوڑی دُور چلنے کے بعد ہمیں ایک دوسری ٹیکسی مل گئی اور اس میں ہم مارٹن کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔ سلطان میرے اس خیال سے بہت خوش ہوا تھا کیونکہ اتنی کڑی مشقت کے بعد وہ بجا طور پر خود کو بستر کا حقدار سمجھ رہا تھا۔

دوسری ٹیکسی میں نے مارٹن کے مکان سے دور ہی چھوڑ دی اور ڈرائیور ٹپ سمیت رقم لے کر فوراً ہی وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا کسی مکان کے بجائے راستے میں اُترنے کی وجہ سے وہ ہمیں غالباً چور یا ڈاکو سمجھا تھا جو کسی واردات کی نیت سے شہر کے اس خوش حال علاقے میں آئے ہوں۔

یہاں میدان دُور دُور تک صاف تھا۔ ہم پیچھے سے دیوار پھاند کر نہایت اطمینان سے مارٹن کے مکان میں داخل ہو گئے۔ احاطے سے عمارت میں گھستے ہوئے ہم نے پوری احتیاط سے کام لیا تھا لیکن یکے بعد دیگرے سارے کمروں کی تلاشی کے بعد وہاں چڑیا کا بچہ بھی دریافت نہ کر سکے۔

پوری طرح مطمئن ہو کر ہم نے نہ صرف داخلی دروازہ اندر سے بولٹ کیا بلکہ مارٹن کی کرسی کے دستے میں لگا ہوا مخصوص بٹن دبا کر اسے برقی طور پر بھی مقفل کر دیا۔

سلطان شاہ ہر خطرناک مرحلے سے لڑائی بھڑائی کے بغیر گزرا تھا اس لیے اس کا حلیہ ٹھیک ٹھاک تھا لیکن ویرا کی کار میں داؤد کے آدمی سے ہونے والی ہاتھا پائی کے نتیجے میں میرے لباس پر بننے والی شکنیں پھولے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ مل کر مجھے تیسرے درجے کا کوئی لفنگا ظاہر کر رہی تھیں۔ داؤد کے آدمی کے چہرے پر ٹکر رسید کرتے ہوئے نشانہ قدرے بہک جانے کی وجہ سے میری پیشانی پر نمودار ہونے والا ابھار اچانک تکلیف دینے لگا تھا۔

ہم دونوں نے ایک دوسرے کے اُدھڑے ہوئے ہاتھوں کا جائزہ لیا پھر باتھ روم میں اچھی طرح ہاتھ دھو کر کسی مرہم کی تلاش شروع کر دی۔ میرا خیال تھا کہ زخموں کی اسی وقت دیکھ بھال کر لی جاتی تو اگلے دن تک ہمیں ان کو چوروں کی طرح چھپانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

"میں تو سو رہا ہوں،" سلطان شاہ بے طرح بستر پر گرتے ہوئے بولا۔ "مرہم مل جائے تو میرے ہاتھوں پر بھی لگا دینا۔"

میں اس سے کوئی تعرض کیے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔

صبح نو بجے کے بعد میری آنکھ کھلی تو سلطان شاہ چائے تیار کیے میرے بیدار ہونے کا منتظر تھا۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر

سلیقے سے بال جمائے باہر جانے کے لیے تیار تھا۔ اُس نے جلد
بیدار ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے اور میرے کپڑے اور
غلاظت میں لتھڑے ہوئے جوتے صاف کر کے چمکا لیے تھے۔
رات کو لگائے ہوئے مرہم سے میرے ہاتھوں کو کافی افاقہ
ہوا تھا۔ سلطان شاہ بھی خوش تھا کہ شاید لندن روانگی تک زخم
بالکل ہی صاف ہو جائیں۔

مجھے گھر پر ہی رُکنا تھا لہٰذا میں تسلی کر کے اس کے ساتھ
چائے نوشی میں شریک ہو گیا۔ اس دوران میں سلطان شاہ نے
ایکسپلوڈر میرے حوالے کر دیا۔ وہ غیر ضروری طور پر شہر میں اسلحہ
لے کر نہیں گھومنا چاہتا تھا۔

میں نے اسے ٹکٹوں اور سامان کی خریداری کے لیے ویرا
کے دیے ہوئے پیکٹ میں سے پانچ نوٹ نکال کر ساری رقم
سونپ دی کیونکہ ٹکٹوں کے ساتھ ہی زرِ مبادلہ کی خریداری بھی
ضروری تھی ورنہ قلاش ہونے کی صورت میں لندن ائرپورٹ پر
دشواری پیش آنے کا قوی امکان تھا۔

کچھ دیر گفتگو کے بعد سلطان شاہ اپنی مہم پر نکل گیا اور
میں باتھ روم میں جا گھسا۔ پچھلی رات کی جانگسل بھاگ دوڑ کے
بعد مارٹن کے گھر کی ایک ایک چیز نعمت معلوم ہو رہی تھی۔
غسل سے فراغت کے بعد میں نے مارٹن ہی کا ایک
لباس منتخب کر کے زیب تن کیا اور پھر باورچی خانے میں جا گھسا
کیونکہ امکانی خطرات کے پیشِ نظر رات کا کھانا بھی گول کرنا پڑ
گیا تھا۔

آملیٹ اور ڈبل روٹی پر مشتمل ناشتا کرتے ہوئے میرا
ذہن ویرا کے معاملے میں اُلجھا ہوا تھا۔ اگر اُسے میں اپنی روانگی
کے صحیح پروگرام سے باخبر کر دیتا تو یہ ممکن تھا کہ وہ مقررہ وقت
پر ائرپورٹ پر آموجود ہوتی اور اس طرح میرے ساتھ سلطان شاہ
کی روانگی کا راز فاش ہو جاتا جب کہ نہ صرف ویرا نے مجھے اپنی
روانگی سے باخبر کرنے کی ہدایت کی تھی بلکہ غزالہ تک رسائی
ہونے تک مجھے ویرا کو ہر حال میں ہاتھ میں رکھنا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے اس سے فون پر رابطہ قائم
کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

"میں کسی بھی وقت لندن کے لیے روانہ ہو سکتا ہوں۔" رسمی
شناختی فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے اُسے براہِ راست کام
کی بات سے آگاہ کیا تو وہ چونک پڑی۔

"کیوں؟ ایسی بھی کیا عجلت ہے؟" اس کی آواز
تحیر آمیز تھی۔

"بس خیریت ہی ہو گئی ورنہ رات پچھلے گناہوں کی پاداش
میں بے رحمی کے ساتھ ذبح کر دیا گیا ہوتا۔" میں نے ایک گہرا
سانس لے کر کہا۔

"چرس کے زمانے کے ایک حریف کے آدمی نے
مجھے پہچان لیا تھا۔ یوں سمجھو کر چوہے دان میں پھنس کر رہ گیا تھا۔
مقدر یاور تھا کہ زندہ سلامت بچ نکلا اور اپنے بدلے دشمن کا
ایک آدمی بھی مار آیا۔" میں نے اس کے استفسار کے جواب
میں بتایا۔

"مگر وہ کون دشمن تھا؟ ہوا کیا تھا؟ مجھے تفصیل سے بتاؤ۔"
اس کا لہجہ تجسس آمیز تھا۔

"اس دور کا ایک چھچھورا چرس فروش ہے مگر آج کل اس
کا طوطی بول رہا ہے۔ اسے غلط فہمی ہے کہ کئی سال قبل اس
کے بھائی کی ہلاکت میرے ایما پر ہوئی تھی۔ تم سے الگ ہو کر
سلطان شاہ کو ایک ضروری کام یاد آ گیا اور ہم اس کے دوست
سے ملنے لانڈھی چلے گئے۔ سلطان نے میرا تعارف فرضی نام سے
کرایا مگر اس کا دوست کسی زمانے میں راجو کا آدمی رہا تھا وہ پہلی
ہی نگاہ میں مجھے پہچان گیا لیکن ہمیں اس کا احساس کرائے بغیر
مہمان نوازی کی آڑ میں ہمیں زبردستی وہاں روکنے پر تل گیا۔
سلطان کے مراسم کی وجہ سے مجھے آمادہ ہونا پڑا اور اس خبیث
نے میرے بارے میں اپنے شبہے سے راجو کو آگاہ کر دیا۔ ہم نے
جان پر کھیل کر اس غدار کو بے دست و پا کیا۔ میں تو اسے مار
ہی دیتا مگر سلطان شاہ کی وجہ سے رعایت کرنا پڑی۔ اسی
ہڑبونگ میں راجو کا آدمی نگاہ میں آ گیا جو ہماری گھات میں
اسی گھر میں چھپا ہوا تھا۔ اس کو ہم نے ٹھکانے لگا دیا اور پچھلے
راستے سے رات گئے فرار ہو گئے۔" لانڈھی جانے کے مقصد
اور گل بادشاہ کی ملی بھگت کے علاوہ میں نے اس کو پوری کہانی
بلا کم و کاست سنا دی جو وہ شاید انہماک سے سن رہی تھی۔

"اب تم نکل ہی جاؤ تو بہتر ہوگا۔" میرے خاموش ہونے
پر اس کی تھکی ہوئی آواز اُبھری۔ "رات اُدھم مچا کر تم نے بھیانک
غلطی کی ہے۔ تنظیم کے ارکان کسی بھی لمحے پورے شہر میں تمہاری
تلاش کی مہم شروع کر سکتے ہیں۔"

"میرا اندازہ بھی یہی ہے لیکن راجو سے یہ خبر تنظیم تک پہنچنے
میں وقت لگے گا۔" میں نے کہا۔

ریسیور پر اس کی استہزائیہ سی ہنسی سنائی دی۔ "ضروری
نہیں کہ تمہارے اندازے ہمیشہ درست ہی ثابت ہوتے
رہیں۔ راجو تنظیم کا خاص آدمی بن چکا ہے۔ مضافاتی علاقے اسی
کے ذمے ہیں۔"

یہ اطلاع میرے لیے کسی بم کے دھماکے سے کم نہیں

تھی۔" نہیں۔" بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔" یہ کیسے ہوسکتا ہے؟"

"حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔" اس کی گمبھیر آواز سنائی دی۔" تنظیم میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگالو کہ اسے مجھ تک رسائی حاصل ہے۔ آج کل جہانگیر اس کے نیچے ہے۔ وہ بھی حیثیت میں تمہارے خون کا پیاسا تھا لیکن تم میری بات لکھ کر رکھ لو کہ تنظیم کے ریکارڈ پر تم آج بھی باغی ہو۔ اپنی ناکامی کا داغ مٹانے کے لیے اب وہ تنظیم کا سہارا لے گا۔ وہ یہ خبر میرے ہی پاس لائے گا کہ تم شہر میں دیکھے گئے ہو اور مجھے یہ خبر داؤد کو پہنچانا ہوگی۔"

" لیکن کیوں؟ تم داؤد کو کیوں مطلع کرو گی؟" مجھ پر ایک بار پھر اضطراب طاری ہونے لگا۔

" اس لیے کہ عام کارکن آج بھی یہی سمجھتے ہیں کہ تم تنظیم کو مطلوب ہو۔ یہ راز صرف مقامی بڑوں کے علم میں تھا کہ میں نے تمہاری غلطیاں معاف کر کے تمہیں لائیڈز کا ٹیچ بھجوا دیا تھا۔ اب اگر لائیڈز کا ٹیچ کی تباہی کے بعد وہاں سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی آدمی کہیں زندہ دیکھا جاتا ہے تو بڑوں کو اس کا علم ہونا چاہیے۔"

" تم یہ خبر اپنی سطح پر دبا سکتی ہو۔"

" ناممکن۔" اس کا لہجہ مضبوط تھا۔" آخری ہدایات کی روشنی میں راجو اب تنظیم کے آدمیوں کو تمہاری تلاش پر مامور کر دے گا اور یہ خبر داؤد سے چھپی نہ رہ سکے گی۔ وہ ٹرانسمیٹر پر راجو سے براہِ راست تفصیلات طلب کر سکتا ہے۔ جب اسے پتا چلے گا کہ میں نے راجو سے ملی ہوئی اتنی اہم اطلاع اپنی ذات تک محدود رکھی تھی تو تم خود سوچ سکتے ہو کہ موجودہ نازک حالات میں میری کیا پوزیشن ہوگی؟"

" اور اگر کاغذ تیار نہ ہو سکے؟" اس کے انکشافات نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

"جعلی کاغذات پر یا کاغذات کے بغیر ملک سے باہر کہیں بھی چلے جاؤ، وہاں سے لندن پہنچنے کی کوشش کر سکتے ہو۔ تم خود بتا چکے ہو کہ ہوٹل بند رہے گا تو دس گیارہ بجے تک دروازہ توڑا جا سکتا ہے اور پھر راجو سب کچھ سمجھ جائے گا۔ یہ سمجھ لو کہ دوپہر سے پہلے ہی وہ میرے پاس دوڑا آئے گا۔"

" میں کوشش کروں گا۔" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

" راجو اب بہت خوفناک ہوگیا ہے۔ تم سلطان کے دوست کو زک دے کر نکل تو آئے لیکن راجو اس کے بدن سے چمڑی گرا دے گا۔ وہ اپنی راہ میں آنے والوں کے ساتھ بہت سفاکی کے ساتھ پیش آتا ہے۔"

میں نے جس مقصد سے فون کیا تھا، نئی اطلاعات کی روشنی میں وہ بہت ثانوی ہو کر رہ گیا تھا۔ نہ ویرا نے سلطان شاہ کی روانگی کے بارے میں کچھ پوچھا، نہ مجھے بتانے کی ضرورت پیش آئی۔

" پھر اب تم سے لندن ہی میں ملاقات ہوگی۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

" ابھی تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟"

" کہیں بھی نہیں، رات کا باقی حصہ ایک پبلک پارک میں آوارہ گردوں کی بھیڑ میں اونگھ کر گزارا تھا اور اب ایک پبلک بوتھ سے تم کو فون کر رہا ہوں۔"

" کرائسٹ تمہاری حفاظت کرے۔" اس کی آواز میں تشویش امڈ آئی۔" ان حالات میں میں تمہارے لیے صرف دعا ہی کر سکتی ہوں۔ یہ یاد رکھنا کہ جب تک تم نہیں آتے، عزالہ پوری عزت کے ساتھ میری مہمان رہے گی۔"

" اگر میں اس تک نہ پہنچ سکا تو وہ عمر بھر کے لیے تمہاری ذمے داری ہوگی۔" جوں جوں گفتگو آگے بڑھ رہی تھی، مجھے اپنے دل پر بوجھ سا اترتا محسوس ہو رہا تھا اور آواز گھٹتی جا رہی تھی۔

میری آواز سے میری کیفیت کا اندازہ لگا کر ویرا نے ایک بار پھر نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے ریسیور شاید کریڈل پر ڈال دیا۔ میں چند ثانیوں تک اس کے دوبارہ ریسیور اٹھانے کا منتظر رہا مگر لائن پر سناٹا محسوس کر کے آخرکار میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

ویرا سے گفتگو کے بعد میرا دل بہت زیادہ اداس اور پریشان ہوگیا تھا۔ ذہن میں عجیب سے ڈراؤنے اور مہیب خاکے تشکیل پا رہے تھے، جیسے مقدر مجھے چاروں طرف سے بے دست و پا کر کے مقتل کی جانب دھکیل رہا ہو۔ میرے لیے اس وقت تنہائی کا ایک ایک لمحہ عذاب بنا ہوا تھا اور رواں رواں سلطان شاہ کی کامیابی کے لیے دعاگو تھا۔

پھر شاید میری دعائیں قبول ہو ہی گئیں۔ سوا تین بجے بیرونی دروازے پر مخصوص انداز میں چار دستکیں سنائی دیں اور میں نے دروازہ کھول دیا۔ وہ ایک پھولا ہوا لفافہ لیے سامنے کھڑا تھا۔ سلطان شاہ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا لیکن جب اس نے میرا بژمردہ چہرہ دیکھا تو وہ بھی اپنی خوشی بھول کر پریشان ہوگیا۔" کیا ہوا؟ بہت اداس نظر آ رہے ہو؟" اس نے اندر گھستے ہی پوچھا۔

" تم سناؤ، میری کہانی ذرا لمبی ہے۔" میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”سب کام ہوگیا۔ لُفت ہنسا کی پرواز رات گیارہ بجے روانہ ہوگی۔ رات فرینکفرٹ میں قیام کے بعد صبح سویرے وہاں سے لندن کی پرواز ملے گی۔“ اس نے کہا۔

”یہ بہت اچھا ہوا۔“ میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ ”لیکن تم نے خریداری نہیں کی؟“

”سامان اور سوٹ کیس کے ساتھ پچھلی دیوار پھاند کر اندر آنا مشکل تھا اس لیے میں نے ارادہ بدل دیا۔ تم یہاں سے وقت پر نکل کر سیدھے ائر پورٹ چلے جانا میں پانچ بجے نکلوں گا اور بازار سے خریداری مکمل کرتا ہوا ائر پورٹ پر تم سے آملوں گا۔“

”میں وقت ضائع نہیں کرسکتا، سب کچھ ہوگیا ہے تو میں ابھی ائر پورٹ جارہا ہوں تاخیر کی تو شاید وہاں تک پہنچنے کی نوبت ہی نہ آسکے۔ میرے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔“

”کیوں؟ یہ سب تم کیا کہہ رہے ہو؟“ وہ فکرمندانہ لہجے میں بولا۔

”رات جو کچھ ہوا وہ ایک بڑے کھیل کی ابتدا تھی، راجو تنظیم کے لیے کام کر رہا ہے اور ہوٹل کے اندر کی صورت حال سامنے آتے ہی پورے شہر میں میری تلاش کی مہم شروع ہوجائے گی۔“

”ناقابلِ یقین!“ اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی اور اس کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

میں اسے ویرا سے [illegible] معلومات [illegible] لگا۔ **گل بادشاہ**، سلطان شاہ کا گہرا دوست تھا اور اسی بنا پر سلطان شاہ مجھے ساتھ لے کر سکون کی ایک رات بسر کرنے کے لیے اُس کے ہوٹل پہنچا تھا اور وہاں اس نے مجھے ایک فرضی نام سے گل بادشاہ سے متعارف کرایا تھا لیکن وہ کسی زمانے میں راجو نامی منشیات فروش کا قریبی ساتھی رہا تھا لہٰذا وہ مجھے پہچان گیا اور اس نے ہمیں دھوکے میں رکھ کر وہ خبر کسی طرح راجو تک پہنچادی۔ راجو کے مسلح آدمیوں کا محاصرہ توڑ کر ہم دونوں بخیر و عافیت اس پنجرے سے نکل تو بھاگے تھے لیکن ویرا نے میری ساری توقعات پر پانی پھیر دیا تھا۔

میں تنظیم سے چھپتا پھر رہا تھا اور راجو میری طرف سے اپنے دل میں بغض رکھنے کے ساتھ ہی تنظیم کا ایک اہم کارندہ تھا۔ یہ بات لازمی تھی کہ ذاتی طور پر مجھ سے [illegible] ہوجاتا اور پھر نہ صرف ویرا کو میری یعنی ڈینی کی موجودگی [illegible] دیتا بلکہ اپنے تجربہ کار اور بے رحم ساتھیوں کو میری تلاش میں ہر طرف پھیلا دیتا۔

”ہر بار کہیں نہ کہیں کوئی گڑ بڑ ہو ہی جاتی ہے۔“ میری کہانی سُن کر سلطان شاہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔

”مقدرات اٹل ہوتے ہیں سلطان شاہ!“ میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ ”ہم مافوق الفطرت قوتوں کے مالک تو نہیں ہیں کہ اپنی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو پہلے سے دور کرسکیں۔“

”پھر تمہارا غیر مسلح ہونا خطرناک ہوسکتا ہے۔“ وہ بولا۔ ”کم از کم پورے میگزین والا ایک ایکسپلوڈر ضرور ساتھ رکھنا۔ باقی اسلحہ یہیں چھوڑا جاسکتا ہے۔“

”ائر پورٹ کی حدود میں اسلحہ لے کر داخل ہونا قانوناً جرم ہے۔“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”ہوسکتا ہے کہ راستے میں تمہارا کسی سے تصادم ہوجائے اسے ضائع تو تم کہیں بھی کرسکتے ہو۔“ وہ بولا۔ ”لاؤنج میں داخل ہونے سے پہلے ایکسپلوڈر باہر کسی بھی باتھ روم یا کوڑے دان میں ڈال سکتے ہو۔“

”تمہاری تجویز معقول ہے۔“ میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ”لیکن تمہیں خود بھی اسی ترکیب پر عمل کرنا ہوگا تاکہ کسی ناگہانی صورت حال میں اپنا دفاع کرسکو۔ طیارے میں سوار ہونے تک ہمیں ہر لمحے چوکنا رہنا ہوگا۔“

”لعنت ہو گل بادشاہ پر۔“ وہ تلخ لہجے میں بڑبڑایا۔ ”کسی دوست کے ہاتھوں ایسا چرکا میں نے زندگی میں پہلی بار کھایا ہے۔ اس نے نجانے ہم سے کب کی دشمنی نکالی ہے۔“

”سب کچھ غلط فہمی کی بنا پر ہوا۔“ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”زیادہ سے زیادہ تم اسے نادان دوست کہہ سکتے ہو۔ اگر اسے مجھ پر شبہ ہو ہی گیا تھا تو اسے راجو کے پاس جانے کے بجائے علیحدگی میں تم سے بات کرنا چاہیے تھی۔ اس بے چارے کی نیک نیتی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہماری دشواریوں سے آگاہ ہوتے ہی اس نے نتائج سے بے پروا ہوکر خود کو ہمارے رحم و کرم پر چھوڑ دیا اور ہم اُسے چارا بنا کر وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے اگر وہ ہم سے تعاون نہ کرتا تو ہم کسی بھی قیمت پر وہاں سے زندہ سلامت باہر نہیں نکل سکتے تھے۔“

”جو ہوگیا سو ہوگیا اب آگے کی فکر کرو۔“ سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا۔ ”جو کچھ تم نے مجھے بتایا وہ بہت خوف ناک ہے تمہیں واقعی شدید خطرہ درپیش ہے، پورے شہر میں تلاش کی مہم کا آغاز ہونے سے قبل تمہیں ائر پورٹ کے کسی گوشے میں روپوش ہوجانا چاہیے مقررہ وقت پر ہم لاؤنج میں مل جائیں گے راجو یا اس کے آدمی سوچ بھی نہ سکیں گے کہ تم اتنی جلدی ملک سے نکل بھاگو گے۔ ان سے تو بس راستے ہی میں ٹکراؤ کا خطرہ ہوسکتا ہے۔“

”اب تک تو وہ لوگ شہر کے چپے چپے پر پھیل چکے ہوں گے

دس گیارہ بجے تک راجہ کے آدمیوں نے صبر کیا ہوگا۔ پھر ہوٹل کھلنے
کے کوئی آثار نہ دیکھ کر دروازہ توڑ دیا ہوگا۔ اب تک نہ صرف اس
کے آدمی پھیل چکے ہوں گے بلکہ اس سے ویرا تک ہوتی ہوئی وہ
خبر داؤد کو بھی مل چکی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ معاملے کی سنگینی کے پیشِ نظر
اس نے اپنے طور پر کچھ کھوجی اور قاتل میری تلاش پر مامور کر دیئے ہوں۔"
میرے خدشات سن کر وہ گہری فکر میں ڈوب گیا۔

"حالات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوگئے ہوں، ہم زیادہ دیر تک
ہاتھ پر ہاتھ دھرے یہاں بیٹھے نہیں رہ سکتے۔" کچھ دیر کے توقف
کے بعد میں نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "مارٹن کا گھر بھی ان کی نظروں
میں ہے، ہمیں محتاط رہتے ہوئے فوری طور پر یہاں سے نکلنا
ہوگا۔"

"میرے پاس تو سارا ہی وقت فالتو ہے۔" اس نے پہلو
بدلتے ہوئے کہا۔ "ایسا کیوں نہ کروں کہ میں پیچھے رہ کر تمہاری
حفاظت کرتا رہوں ... کسی ٹکراؤ کی صورت میں تمہاری
مدد بھی کرسکوں گا۔"

اس وقت ہم دونوں ہی پیدل تھے۔ غزالہ کے مرحوم
باپ کی جو کار ہمارے تصرف میں تھی، وہ نہایت مجبوری اور
بے بسی کے عالم میں گل بادشاہ کے ہوٹل سے فرار ہوتے ہوئے
چھوڑنا پڑ گئی تھی لہٰذا طے یہی پایا کہ میں مکان سے نکلنے کے
بیس منٹ بعد ایک مخصوص مقام سے ٹیکسی میں ایئرپورٹ کے
لیے روانہ ہو جاؤں تاکہ سلطان شاہ کو میرا تعاقب کرنے کے
لیے مناسب مہلت مل سکے۔

سلطان شاہ کے ساتھ پروگرام طے کر کے میں نے ایکسپلوڈر
جیب میں ڈالا اور نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ اس عمارت میں
پناہ لیتے ہوئے ہم نے نہ صرف داخلی دروازہ اندر سے بولٹ
کر دیا تھا بلکہ مارٹن کی عجیب و غریب وہیل چیئر کے دستے میں
لگا ہوا مخصوص بٹن دبا کر دروازے کا الیکٹرونک قفل بھی لگا دیا
تھا۔ سلطان شاہ نے دروازے کا بولٹ کھولا اور میں نے قریب
ہی پڑی ہوئی کرسی کا دوسرا بٹن دبا کر الیکٹرونک قفل کھولا اور اطمینان
سے آگے بڑھا لیکن اسی لمحے سلطان شاہ میری طرف پلٹ پڑا۔
اس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرا رہے تھے۔
"کیا ہوا؟" بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

"ششش!" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے ہونٹوں
پر شہادت کی انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور محتاط
انداز میں کوئی کھٹکا پیدا کیے بغیر دوبارہ دروازے کا بولٹ
چڑھا دیا۔

میں تجسس آمیز انداز میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے
طرزِ عمل سے مجھے شبہ ہوا تھا کہ شاید اس نے باہر کوئی آہٹ سن
لی تھی۔ یہی وجہ ہے اس راستے کو استعمال کرنے کا ارادہ ترک
کر دیا تھا۔

"تم نے کرسی کے کنٹرول بورڈ کا صحیح بٹن دبایا ہے؟" اس
نے دبی دبی سرگوشیانہ آواز میں مجھ سے سوال کیا۔ اس کے بشرے
پر چھائی ہوئی تشویش لحظہ بہ لحظہ گہری ہوتی جارہی تھی۔

"ہاں!" میں نے قدرے حیرت کے ساتھ کہا۔ "یہ شبہ کیوں
ہوا تم کو؟"

"ذرا ایک بار پھر دیکھ لو۔" اس نے بائیں ہتھیلی سے اپنی
پیشانی کو رگڑتے ہوئے کہا۔

"تم بھی آؤ۔" میں نے فراخ دلی کے ساتھ کہا۔ "میرا خیال ہے
کہ بٹن دبانے میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔"

"پھر ہم پھنس گئے ہیں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر
کہا۔ "میں دروازہ کھولنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ معلوم ہوتا
ہے کہ اسے باہر سے بولٹ کر دیا گیا ہے۔"

"لیکن یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ باہر سے دروازہ کون
بولٹ کرے گا؟"

"وہ جو بھی ہے، ہمارا خیر خواہ نہیں ہوسکتا۔" اس نے دو ٹوک
لہجے میں کہا۔

میں نے کرسی کے دستے میں نصب کنٹرول بورڈ پر دروازے
کو مقفل کرنے والا بٹن دبایا اور بورڈ پر دروازے کو مقفل ظاہر کرنے
والی مدھم سی سبز روشنی جل اٹھی۔ سلطان شاہ غور سے میری حرکات
کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے دوبارہ قفل کھولنے والا بٹن دبایا
اور سبز روشنی یک بیک غائب ہوگئی۔

"میں نے پہلے بھی ٹھیک بٹن دبایا تھا۔" میں نے سلطان شاہ
کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر ضرور کوئی باہر موجود ہے۔" اس کے لہجے میں مایوسی
امڈ آئی تھی۔

"ضروری نہیں، ہوسکتا ہے کہ قفل کا الیکٹرونک سرکٹ صحیح
طریقے سے کام نہ کر رہا ہو۔" میں نے تیزی سے سوچتے ہوئے کہا۔

"تم بھی دروازے پر طبع آزمائی کرلو، پھر میری بات سمجھ سکو
گے۔" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "قفل دروازے
کو وسط میں پکڑتا ہے اور بولٹ اوپر پھنستا ہے۔ اس رکاوٹ کو
محسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مارٹن کا شیطانی نظام
بالکل ٹھیک کام کر رہا ہے، باہر سے کسی نے ہمیں چوہے دان میں
بند کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"بات سمجھ میں نہیں آتی۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"اگر باہر کوئی موجود ہی ہے تو دروازہ بولٹ کرنے کے بجائے اس کے لیے یہ زیادہ آسان ہوتا کہ جھاڑیوں میں گھات لگائے ہمارے باہر نکلنے کا انتظار کرتا اور جوں ہی ہم بے خبری میں باہر نکلتے ہمیں دھمکا کر زیر کرنے کی کوشش کرتا ورنہ ہلاک یا زخمی کرنا تو اس کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا۔"

"تمہاری اسی منطق بازی سے میں گھبراتا ہوں۔" وہ چڑ کر بولا۔" اس سے تو بہتر ہے کہ زبان کھولنے کے بجائے تمہاری رائے کا انتظار کیا جائے۔"

"تو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"یہی تو مشکل ہے کہ میں دلیلوں سے تمہاری بات کو غلط ثابت نہیں کر سکتا مگر میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ باہر خطرہ منڈلا رہا ہے اور کچھ پتا نہیں کہ باہر قدم نکالتے ہی کس سمت سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو جائے۔"

"ٹھہرو۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر آہستگی کے ساتھ کہا۔" ادھر الیکٹرونک تالا ہے مگر عقبی دروازے کا نظام سیدھا سادہ ہے۔ اسے دیکھ لیتے ہیں، اگر وہ بھی باہر سے بند ہوا تو تمہارے شبے کی تصدیق ہو جائے گی ورنہ ہم اسی سمت سے باہر نکلیں گے۔"

وہ کچھ کہے بغیر میرے ساتھ ہو لیا اور پھر چند ثانیوں بعد اس کے شبے کی تصدیق بھی ہو گئی۔

عقبی دروازہ بھی باہر سے بولٹ تھا جس کا مطلب تھا کہ باہر کوئی موجود تھا اور اس نے ہمارے باہر نکلنے کا انتظار کر کے مقابلے سے گریز کرتے ہوئے ہمیں عمارت میں قید کرنے کو ترجیح دی تھی۔

"اب بتاؤ کہ اس نے ہمیں کھلی فضا میں گھیر کر مارنے کے بجائے اندر کیوں بند کیا ہے؟" دروازہ کھولنے میں میری ناکامی پر سلطان شاہ نے سوال کیا۔ اتنی بحث کے بعد اس مرحلے پر وہ شیر ہونے میں قطعی حق بجانب تھا۔

"سیدھی سی بات ہے کہ ہمیں بند کرنے والا معذور ہے۔" میں نے اضطراری طور پر کہا اور اس بلا تامل جواب پر سلطان شاہ کی کھوپڑی ناچ گئی جس کا اظہار اس کی آنکھوں سے ہو گیا تھا۔

"گولی چلانے کے لیے صرف ایک صحت مند ہاتھ درکار ہوتا ہے۔" وہ جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔" ہو سکتا ہے کہ تمہارے اندازے کے مطابق وہ معذور ہو لیکن اتنا بھی نہیں کہ چند فائر نہ کر سکے۔ یہ نہ بھولو کہ دونوں دروازوں کو باہر سے بولٹ کر کے اس نے ہمیں یہ جتا دیا ہے کہ وہ نہ صرف اتنا لمبا چکر کاٹ سکتا ہے بلکہ ایک یا دونوں ہاتھوں سے کام بھی لے سکتا ہے اسے اپنے سے کم تر سمجھ کر ہم بھاری خسارے میں رہیں گے۔"

اس کے لہجے پر میں بے اختیار ہنس پڑا مگر اندر لوٹتے ہوئے فوراً ہی سنجیدگی اختیار کر لی۔" یہ نہ سمجھو کہ وہ میرا رشتے دار ہے اور میں اس سے ملا ہوا ہوں۔ ضروری نہیں کہ معذوری جسم یا ہاتھ پیروں کی ہو، یہ اسلحے کی بھی ہو سکتی ہے۔ اسے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اندر ہم دو آدمی ہیں اور وہ نہ صرف اکیلا ہے بلکہ غیر مسلح بھی لہٰذا اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے دونوں دروازے بند کر دیے اور اب تک وہ کسی نہ کسی کو ہمارے گھیرے جانے کی خبر دے چکا ہوگا یا دینے والا ہوگا تاکہ اسے کمک مل سکے اور وہ للکار سکے۔"

اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار ابھر آئے۔" لیکن مارٹن کے اس مکان میں کسی غیر مسلح آدمی کا کیا کام؟ یہ مکان داؤد کی نگاہوں میں ہے اور اس کے آدمی بہت گھاگ ہیں وہ تو شاید سوتے ہوئے بھی اسلحہ اپنے جسموں سے جدا نہیں کرتے ہوں گے اور اگر تمہاری تلاش میں راجو کا کوئی آدمی ادھر آ نکلا ہے تو وہ بھی غیر مسلح نہیں ہو سکتا پھر آخر وہ کون ہے جو ہمیں یوں گھیرنا چاہ رہا ہے؟"

"ہم اس بحث میں الجھ کر اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔" میں نے ایک فوری خیال کے تحت چونکتے ہوئے کہا۔" ہمارے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ جب تک وہ اکیلا در نہتا ہے، ہم اس سے لڑ بھڑ کر نکل سکتے ہیں اس کے مددگار آ پہنچے تو کھیل بگڑ جائے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اب تک اسے مدد مل گئی ہو۔" سلطان شاہ نجانے کیوں اس موقع پر باہر نکلنے میں غیر معمولی پس و پیش سے کام لے رہا تھا ورنہ بدترین مواقع پر بھی اس نے ... اپنی جان کی بازی لگانے سے گریز نہیں کیا تھا۔ کئی بار تو اس نے صریحاً خودکشی کی کوشش کی تھی۔

"اپنی برتری اور کامیابی کا یقین ہوتا تو وہ بولٹ گرا چکا ہوتا۔ بند دروازہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی تک باہر کی صورت حال جوں کی توں برقرار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ چند لمحوں کی تاخیر ہمارے نکلنے کے امکانات ہی مسدود کر دے کھڑکیوں پر آہنی گرل کی موجودگی میں ہمیں شاید کوئی دروازہ ہی توڑنا پڑے گا۔"

بات اس کی کھوپڑی میں سما گئی اور وہ جلدی سے بولا۔" تم پچھلی سمت کی کھڑکیوں کو بھول رہے ہو، ادھر صرف شیشے لگے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک تم نے باہر سے توڑا بھی تھا جب داؤد کے آدمی تمہیں گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے اور تم شیشہ توڑ کر اندر گھسنے کے بجائے کسی پائپ کے سہارے چھت پر چڑھ

گئے تھے۔"
وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ میں اوپر پہنچ گیا تھا اور میرے لہو کے پیاسے ٹوٹے ہوئے شیشے سے غلط راہ پر پڑ گئے تھے وہ مجھے اندر عمارت کی بھول بھلیوں میں تلاش کرتے رہے اور واپس لوٹ گئے مگر ان کی نگرانی کرنے والے نے مجھے ڈھونڈ نکالا اور آخر کار ایک کمرے میں میرے ایکسپلوڈر کا نشانہ بن گیا۔
اس بار وہی ٹوٹا ہوا شیشہ ہمیں فرار کا ایک بہترین راستہ فراہم کرسکتا تھا۔
ہم دونوں نے ایک بار پھر اپنا اسلحہ چیک کیا اور واپس عقبی سمت میں ہو لیے۔ شیشے سے محروم کھڑکی کے قریب چھپ کر ہم کئی منٹ تک باہر کی سن گن لیتے رہے لیکن ادھر مکمل سناٹے کا راج تھا آخر کار میں نے ایکسپلوڈر ہاتھ میں سنبھالا اور سر باہر نکال کر قرب و جوار کا جائزہ لیا لیکن وہاں کوئی ذی روح نظر نہیں آیا سورج کی تیز روشنی میں جھاڑیوں کی اوٹ کے سوا چپا چپا صاف نظر آرہا تھا۔
میں نے سر اندر کر کے اوٹ میں چھپے ہوئے سلطان شاہ کو سرگوشیانہ آواز میں وہیں چھپے رہ کر صورتِ حال پر نگاہ رکھنے کو کہا تو وہ میرے بجائے خود باہر نکلنے پر مصر ہو گیا۔
" آج تم کچھ بے اعتمادی کا شکار ہو گئے ہو اس لیے اندر ہی رکو" میں نے کہا۔ "اگر باہر مجھے کوئی خطرہ درپیش ہوا تو تم اس کا سدِباب کر سکو گے۔"
اس وقت زیادہ بحث کرنے کی گنجائش نہیں تھی لہٰذا وہ مجبوراً خاموش ہو گیا اور میں احتیاط کے ساتھ کھڑکی سے باہر نکل گیا۔
پھر جوں ہی میں باہر نکل کر سیدھا کھڑا ہوا اچانک فضا 'ہینڈز اپ' کی کرخت مردانہ آواز سے گونج اٹھی۔
میں نے بے ساختہ دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے پھر انداز سے آواز کی سمت کا تعین کرتے ہوئے آہستگی کے ساتھ اسی سمت میں گھوم گیا لیکن وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آیا۔
" تم میری رائفل کی زد میں ہو۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد مالتی کی جھاڑیوں کی اوٹ سے پھر وہی کرخت آواز گونجی۔
" میری ہدایات سے ذرا بھی انحراف کیا تو بے دریغ فائر کر دوں گا۔"
" ہدایات کیا ہیں ؟" میں نے پرسکون لہجے میں سوال کیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ سلطان شاہ کی پیشگی تادیب کے باوجود وہ صورتِ حال مجھے بہت غیر متوقع اور خطرناک محسوس ہو رہی تھی۔
" اسی طرح ہاتھ سر سے بلند کیے جھاڑیوں کی طرف آجاؤ۔"
" ضرور آجاؤں گا۔" میں نے اپنی تشویش کو لہجے میں نہ جھلکنے دیا۔ " لیکن تمہارے حکم کی تعمیل سے پہلے میں تمہاری صورت ضرور دیکھنا چاہوں گا۔"
" یہ مت بھولو کہ تم اس وقت میرے نشانے پر ہو" اس کی غراہٹ سنائی دی۔
میرے ذہن میں وہ تجزیہ تازہ تھا جو سلطان شاہ کے ساتھ مل کر کیا گیا تھا جس میں بنیادی نکتہ یہ تھا کہ باہر والے کے پاس اسلحہ نہیں تھا اور اس نے وقت حاصل کرنے کے لیے دروازے باہر سے بولٹ کیے تھے۔
میں نے اچانک اپنے ہاتھ گرا دیے مگر میری نگاہیں پوری طرح جھاڑیوں پر مرکوز تھیں۔ "ہو سکے تو گولی بھی چلا دو۔ اس کے نتیجے سے تمہیں مایوسی ہوگی۔"
" ہاتھ اٹھاؤ ورنہ واقعی فائر کر دوں گا۔" اس کی دھمکی آمیز آواز میں بوکھلاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ غالباً میرا طرزِ عمل اس کی توقع کے خلاف رہا تھا۔
" یہ شوق ضرور پورا کرو۔" میں نے مضحکانہ لہجے میں کہا اور جھاڑیوں پر نگاہ رکھتے ہوئے عقبی دیوار کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت تک میں نے ایکسپلوڈر نہیں نکالا تھا کیونکہ میں پوری طرح اس کی حوصلہ افزائی کر کے اسے باہر نکلنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا۔
پھر اچانک ہی اس نے غیر متوقع بلکہ عجیب و غریب ردِعمل کا مظاہرہ کیا۔ مالتی کی جھاڑیوں کی اوٹ سے اس کا جسم ابھرا اسی کے ساتھ اس کا داہنا ہاتھ گردش میں آیا اور وہ فوراً ہی جھاڑیوں کے پیچھے دبک گیا۔ اس کا پھینکا ہوا پتھر فضا میں اڑتا ہوا سیدھا میری طرف آرہا تھا۔
گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ کے باوجود اس کا نشانہ قابلِ داد تھا لیکن میں خود کو اس پتھر کی مہلک زد سے بچانے میں کامیاب ہو گیا اور پتھر پرشور آواز سے زمین پر گرنے کے بعد اپنے زور میں دور تک لڑھکتا چلا گیا۔
اس کی دھمکی مجھ پر کارگر نہیں ہوئی تھی اسی کے ساتھ اس کے مسلح ہونے کا بھرم بھی کھل گیا تھا لہٰذا میں بہ آسانی اسے زیر کر سکتا تھا۔ وہ شخص شاید جسمانی طور پر مجھ سے برتر ہی تھا لیکن عقل سے عاری نہیں تھا میرے فائر نہ کرنے اور کسی اسلحہ کی نمائش نہ کرنے کے باوجود اسے اندازہ تھا کہ میں ضرورت کے وقت اسلحہ استعمال کرنے سے گریز نہیں کروں گا اور وہ اپنی جسمانی برتری کے باوجود مار لیا جائے گا۔ ان خدشوں کے پیشِ نظر اس نے اپنی کمین گاہ سے کھلی فضا میں نکلنے کی حماقت نہیں کی تھی اور جب میں نے پتھر کی زد سے خود کو بچاتے ہوئے مالتی کی جھاڑیوں کی طرف دوڑ لگائی تو وہ بھی پھرتی کے ساتھ ایک طرف بھاگ نکلا۔ میں جتنی دیر میں جھاڑیوں تک پہنچتا وہ موڑ گھوم کر میری نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔
میرے ذہن میں یہ خطرہ موجود تھا کہ موڑ گھوم کر اس نے

آگے بڑھتے رہنے کے بجائے دیوار سے چپک کر ایسی پوزیشن نہ لے لی ہو کہ میرے نمودار ہوتے ہی مجھ پر فوراً ٹوٹ پڑے لہٰذا میں نے عمارت کی دیواروں سے حتی الامکان دور رہتے ہوئے وہ موڑ کاٹا تو وہ واقعی دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی اس نے ایک بار پھر دوڑ لگا دی لیکن اس بار اس کا رُخ دوبارہ مالتی کی جھاڑیوں اور عمارت کے عقبی حصے کی جانب تھا۔

"رک جاؤ، ورنہ میں گولی مار دوں گا۔" میں نے اس کے تعاقب میں پلٹتے ہوئے اسے للکارا۔ اسی کے ساتھ میں نے اپنی جیب سے بھرا ہوا ایک ایکسپلوڈر بھی نکال لیا تھا۔

لیکن میری آواز کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے مڑ کر میری طرف دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی بلکہ بگٹٹ آگے کی طرف دوڑتا رہا۔

اس موقع پر اگر وہ میری رینج میں ہوتا تو میں ضرور اس پر فائر کر دیتا لیکن وہ مجھ سے بہت آگے تھا اور مجھے خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں وہ میرے پہنچنے سے قبل ہی دیوار پھاند کر فرار نہ ہو جائے مگر اس وقت میں سلطان شاہ کو بھولا ہوا تھا جو اکثر اہم مواقع پر مختصر مگر کلیدی رول ادا کرتا آیا تھا۔

وہ ٹوٹے ہوئے شیشے سے شاید پوری صورتِ حال کا مشاہدہ کرتا رہا تھا۔ اپنے حریف کی طرف سے رائفل کی دھمکی کے بعد پھر مارنے سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ حریف غیر مسلح تھا لہٰذا وہ اطمینان سے باہر نکل آیا تھا۔

میں بھاگنے والے کے تعاقب میں تھا اور سلطان شاہ آگے اس کی راہ میں حائل تھا۔ اس شخص نے بھاگتے بھاگتے اچانک ہی اپنا رُخ تبدیل کیا اور احاطے کی دیوار کی طرف بھاگنا چاہا لیکن اس وقت تک وہ سلطان شاہ کی زد میں آ چکا تھا۔ اس نے ہاتھ سیدھا کر کے فائر کر دیا۔

بارودی دھماکے کے ساتھ چلی ہوئی ایکسپلوڈر کی گولی، بھاگتے ہوئے دشمن کے جسم میں پیوست ہونے کے بجائے اس کے داہنے شانے میں اتر گئی۔

گولی کا زخم کھاتے ہی اس کے حلق سے گھٹی گھٹی غرّاہٹ بلند ہوئی تھی مگر پل بھر بعد ہی ایکسپلوڈر کی گولی اس کے جسم کا [illegible] ت پاکر پھٹی تو اس کے حلق سے ایک کریہہ چیخ بلند ہوئی [illegible] اور وہ مُنہ کے بل زمین پر جا گرا تھا۔ ایکسپلوڈر کے ہولناک وار سے دھماکا ہوتے ہی اس کا داہنا بازو شانے سے اکھڑ کر دور جا گرا تھا اور وہ زمین پر گرا ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

"تم اسے سنبھالو، میں اندر سے کاغذات نکال لاؤں۔" سلطان شاہ نے دور ہی سے کہا اور واپس عمارت کی طرف ہو لیا۔ فائر کے دھماکے کے بعد اس نے صورتِ حال کی نزاکت کو پوری طرح بھانپ لیا تھا اور جانتا تھا کہ اب ہم زیادہ دیر تک وہاں نہ رک سکیں گے، اس لیے سفری دستاویزات کو فوری طور پر اپنی تحویل میں لینا ناگزیر ہو گیا تھا۔

"کون ہو تم؟" میں نے اپنے تڑپتے ہوئے شکار کے سر پر پہنچ کر خونخوار لہجے میں سوال کیا، جواب میں اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان امڈ پڑا۔

قریب سے اس کے داہنے شانے کے خاک اور خون میں لتھڑے ہوئے زخم کا جائزہ لیتے ہی میرے بدن میں پھریریاں سی دوڑ گئیں۔ اس وقت پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ ایکسپلوڈر کا ادھورا وار بھی پورے وار سے کہیں زیادہ خوفناک تھا۔ دھماکے کے باعث اس کے شانے کی ہڈی کے ساتھ ہی پسلیاں بھی بری طرح مجروح ہوئی تھیں اور اپنی اذیت کے اعتبار سے وہ شخص حقیقی طور پر فوری موت کا مستحق ہو چکا تھا۔

مگر میں نے اس کی کھوپڑی پر ایک بھرپور ٹھوکر رسید کر دی جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اس کے منہ سے جاری گالیوں کا طوفان فوری طور پر تھم گیا۔

"جواب دو گے تو فوری طبّی امداد کے ساتھ کوئی زود اثر مسکّن دوا بھی مل جائے گی ورنہ اسی طرح [illegible] بیر اڑا کر تمھارے دھڑ کو یہیں تڑپتا اور سسکتا ہوا چھوڑ جائیں گے۔" میں نے سرد اور سفّاکانہ لہجے میں کہا۔ "کون ہو اور یہاں کیوں آئے تھے؟"

اس کی آنکھوں میں نفرت آمیز خوف کے آثار امڈ آئے۔ "میں راجو کے لیے کام کرتا ہوں۔" اس نے کراہوں کے درمیان اٹک اٹک کر کہنا شروع کیا۔ "میں یہاں مال لینے آیا تھا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ عمارت آج کل ویران پڑی ہے اور پھاٹک کے بجائے مجھے کسی دوسرے طریقے سے اندر پہنچنا ہوگا۔ اندر گھس کر میں نے راہداری میں عمارت کا چکر لگایا تو اندر سے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں اور میں ہوشیار ہو گیا۔ میرا ذہن فوراً راجو کے ان دشمنوں کی طرف گیا جو پچھلی رات لانڈھی میں گل بادشاہ کے ہوٹل میں اس کا ایک آدمی مار کر نکل بھاگے تھے۔ راجو ان کی تلاش میں پاگل ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نکاسی کے دونوں راستے باہر سے بند کر دیے اور اسے خبر کر دی۔ اب وہ کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتا ہے، میری اطلاع پر وہ بہت خوش ہوا تھا۔"

"اسے کس طرح اطلاع دی تھی؟"

"یہاں آج کل گیراج میں ہیروئن رکھی جاتی ہے۔" زخم سے بہت زیادہ خون بہنے کی وجہ سے اس کی اٹکتی ہوئی آواز میں لمحہ بہ لمحہ نقاہت بڑھتی جا رہی تھی۔ "وہیں ایک ٹرانسیٹر بھی ہے جس پر حسب ضرورت راجو سے بات کی جا سکتی ہے۔ ہر آنے والے کو اس ٹرانسمیٹر پر راجو کو اسٹاک اور ڈیلیوری کی تفصیل بھی بتانا پڑتی ہے، میں نے اسی پر اطلاع دی تھی۔"

"لیکن تم غیر مسلح کیوں تھے؟" میں نے آخر کار وہ اہم سوال بھی کر ہی ڈالا جو ابتدا ہی سے میرے ذہن میں بہت شدت کے ساتھ چبھتا رہا تھا۔

"شروع سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ اس عمارت میں آنے والوں کو غیر مسلح ہو کر آنا پڑتا ہے۔ میں یہ معلوم کرنا بھول گیا تھا کہ دروازے کے بجائے دوسرے راستے سے داخل ہونے کی صورت میں یہ پابندی برقرار رہے گی یا ختم ہو جائے گی اور شاید اس وقت میں اپنی اسی بھول کی قیمت ادا کر رہا ہوں۔" اس نے ایک تیز ہچکی لی اور رو دینے والی آواز میں بولا۔ "خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو، میرا حال بہت ابتر ہے۔ اس وقت کسی تیز خواب آور دوا کا انجکشن دے دو، بعد میں میں تمہارے ہر سوال کا جواب دے دوں گا۔"

میں کوئی جواب دیے بغیر اسے سرد اور بے رحمانہ نگاہوں سے گھورتا رہا۔

وہ انسان ضرور تھا مگر اس روپ میں درندوں سے بھی بدتر تھا۔ درندے ایک وقت میں ایک آدھ ہی کو نقصان پہنچاتے ہیں مگر وہ ہیروئن فروشوں کے اس منظم ٹولے کا ایک اہم ہرکارہ تھا جو محض مالی فائدوں کی خاطر پورے معاشرے کی بنیادوں میں زہر سرایت کر رہا تھا۔ میرے نزدیک ان خونی بھیڑیوں میں سے ایک بھی معافی دیے جانے کے قابل نہیں تھا۔ جس طرح وہ لوگوں کو ہیروئن کی لت میں مبتلا کر کے دھیمے دھیمے قبروں کی طرف دھکیل رہے تھے، اسی طرح انہیں بھی سسکا سسکا کر مارا جانا چاہیے تھا اور وہ خود بھی موت کی اسی راہ پر گامزن تھا لیکن اسے سسکتا ہوا چھوڑنا میرے نزدیک قرینِ مصلحت نہیں تھا۔ اگر راجو اس کی زندگی میں ہی آ جاتا تو وہ اسے بہت کچھ بتا سکتا تھا، جب کہ میں ہر لفظ کو ایک راز رکھنا چاہتا تھا۔ میرے لیے وہ موقع غنیمت تھا کہ راجو اپنے کارندوں کی ایک ٹولی کے ساتھ مارٹن کے مکان میں اپنے ایک آدمی کی پراسرار موت کے اسباب میں الجھا رہتا اور میں اطمینان سے ایئرپورٹ کی طرف نکل جاتا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟ قصہ ختم کرو اس کا اور نکلو یہاں سے۔" سلطان شاہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"نہیں۔" اس کا تبصرہ سنتے ہی زخمی فنکار حلق پھاڑ کر ہذیانی انداز میں چیخا۔ اس کی آنکھیں موت کی دہشت سے پھٹنے لگی تھیں "تم مجھ سے وعدہ خلافی نہیں کر سکتے... تم مجھے نہیں مار سکتے۔"

"ہمیں کون روک سکے گا؟" میں نے زہرخند کے ساتھ کہا۔ "جب تم لوگ اپنی مٹی سے کیے ہوئے عہد توڑ سکتے ہو تو ہمیں وعدہ خلافی سے کون روکے گا؟"

فقرہ پورا کرتے ہی میں نے اس کے سینے میں ایکسپلوڈر کی گولی اتار دی اور اس کا پورا وجود کسی بم کی طرح پھٹ کر چاروں طرف دور تک بکھر گیا۔

اس عمارت میں وہ ایکسپلوڈر کا تیسرا شکار تھا۔

دن بھر کا تھکا ہارا سورج دھیمے دھیمے اپنے سفر کی آخری منزل کی طرف رواں تھا کرنوں کی تیزی ماند پڑ چکی تھی لیکن شہر میں ہر طرف اجالا ہی اجالا تھا کیونکہ اس وقت شام کے صرف پانچ بجے تھے۔

میں رکشے میں تیزی کے ساتھ ایئرپورٹ کی طرف جا رہا تھا اور سلطان شاہ ٹیکسی میں میرے پیچھے آ رہا تھا۔ اس دن میں نے پہلی بار ڈرائیور کے سامنے مختلف زاویوں سے لگے ہوئے متعدد آئینوں کی اذیت محسوس کی تھی کیونکہ میں فریق ثانی کی طرف سے کسی مداخلت کے خطرے کے پیش نظر گردوپیش پر نگاہ رکھنا چاہتا تھا لیکن ڈرائیور اپنے آئینوں میں ہر زاویے سے غالباً میرے بدن کے ایک ایک حصے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اگر میں ذرا بھی بے چینی یا اضطراب کا مظاہرہ کرتا تو وہ میری طرف سے چونک سکتا تھا لہٰذا میں سب کچھ فراموش کر کے تن بہ تقدیر ہو کر نشست پر سیدھا بیٹھ گیا اور وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگا لی لیکن میں ان آئینوں کو اپنے ذہن سے نہ جھٹک سکا۔

"یہ چار پانچ شیشے کیوں لگا رکھے ہیں تم نے اپنے سامنے؟" نرسری کے قریب سے گزرتے ہوئے بالآخر وہ سوال میری زبان پر آ ہی گیا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات چوتھے حصے میں ملاحظہ فرمائیں

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

دیوتا

موت کے سوداگر

4

چوتھا حصہ

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

مچھیرا بھی لعنت مارتے ہیں مگر اُن کا نشانہ خطا بھی ہو جاتا
ہے۔ ہیروئن سسکا سسکا کر مارتی ہے اور اس کا نشانہ
خطا نہیں ہوتا۔ موت کی سوداگری کرنے والے اُن بین الاقوامی قنو
کی ہولناک داستان جو ستمگر طاقت و اقتدار کی بساط اُلٹ کر من
مہرے سجاتے ہیں۔ اُن سفاک اور درندہ صفت مسیحاؤں کا
ایک پُرعزم نوجوان کی ولولہ انگیز سرگزشت جس نے اپنے ضمیر کی آواز پر
لبیک کہہ کر قہر و جبروت کے ناخداؤں کو للکارا اور دہشت و انتقام کی
نادیدہ زنجیر کو توڑ کر اُن کے قدم اُکھاڑ دیے۔ اپنے دامن میں اندر کی اَن گنت
کہانیاں سمیٹے ہوئے پل پل رنگ بدلنے والی ایک انوکھی کہانی

حقیقت سے زیادہ فکر انگیز سسپنس کا ایک تعمیری سلسلہ

ڈرائیور زندہ دل اور لاأبالی سا نوجوان تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا "یہ ڈبل کام دیتے ہیں۔ پچھلے ٹریفک کا پتا چلتا رہتا ہے اور دل بھی پشوری ہوتا رہتا ہے۔" آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے وہ سڑک کے بجائے آئینوں میں میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے قدرے حیرت کے ساتھ کہا۔

"کراچی میں آدھا چریا ڈرائیور ہے کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کدھر سے آئے گا اور کیسے سائڈ سے دباتا ہوا جائے گا۔" وہ کبھی سڑک کی طرف اور کبھی میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر دل کیسے پشوری ہوتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پیچھے زنانی سواریاں ہوں تو یہ شیشے بڑا مزہ دیتے ہیں جس نے بھی شیشہ بنایا، بڑا آفت بنایا ہے۔ اسٹیرنگ اپنے ہاتھ میں ہو تو یہ شیشے بڑا کام دیتے ہیں۔ جب چاہا سواریوں کو اچھال دیا، جدھر چاہا ادھر موڑ کاٹ کر جھٹکا دیا۔"

"یہ تو بری بات ہے، تاک جھانک سے سواریاں بے آرام ہوتی ہوں گی۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"جب سے برقع ختم ہوا ہے زیادہ تر زنانیاں بن سنور کر اسی امید پر نکلتی ہیں کہ ہر مرد انھیں دیکھے گا اور بس دیکھتا رہ جائے گا۔ شاید کوئی بے آرام بھی ہوتا ہو مگر شکایت کسی نے نہیں کی۔ ہاں، دوستیاں کئی ہو چکی ہیں۔" یہ کہہ کر وہ زور سے ہنسا اور پھر بولا۔ "یہ شیشے ہمارے ہی نہیں، سواریوں کے کام بھی آتے ہیں۔ تمھیں معلوم ہے کہ رکشا کھلی سواری ہے، دو چار میل کے سفر ہی میں ہوا بال بکھیر دیتی ہے۔ منزل قریب آتی ہے تو اسی آئینے میں دیکھ کر سواریاں بال بناتی اور سرخی پوڈر بھی ٹھیک کر لیتی ہیں۔"

"اور ان شیشوں پر پولیس کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا، یہ ڈرائیور کی توجہ بھی تو ہٹاتے ہیں۔"

"ہم لوگ عادی ہو گئے ہیں، کوئی توجہ نہیں ہٹتی۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "اپنی پولیس کو کہاں اتنا وقت ہے کہ ایک ایک رکشا اور ٹیکسی کے شیشے اور ہارن دیکھتی پھرے، پھر ہم بھتا بھی دیتے ہیں۔" اس وقت وہ آئینوں میں میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے شہید ملت روڈ کے کراسنگ پر لگا ہوا ٹریفک سگنل سبز سے زرد پھر سرخ ہوا، شہید ملت روڈ سے آنے والا ٹریفک رواں ہو گیا مگر ڈرائیور میری طرف متوجہ تھا۔ خطرناک چوراہے پر رونما ہونے والی تبدیلیوں سے وہ بے خبر رہا اور اگر میں چیخ کر اسے ہوشیار نہ کرتا تو رکشا شہید ملت روڈ سے شارعِ فیصل پر شہر کی طرف گھومنے والے ایک فوجی ٹرک کے نیچے گھس کر پچھلے پہیوں میں پس گیا ہوتا۔

رکشا ڈرائیور نے اچانک پوری قوت سے بریک لگائے اور میں اپنی نشست سے اچھل کر پائیوں کی اگلی ریلنگ پر جا رہا۔

"بچ گئے، ورنہ ابھی کام ہو گیا ہوتا" میں نے سنبھل کر اپنی جگہ پر سرکتے ہوئے گہرا سانس لے کر کہا۔

"یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے" وہ بے پروایانہ لہجے میں بولا۔ "لوگ ہمیں گالیاں دیتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں مگر تم خود دیکھ لو کہ ہم ہر روز موت کے منہ میں ہاتھ ڈال کر اپنی روزی نکالتے ہیں۔"

"شیشے کم ہوں تو تمہاری یہی روزی آسان بھی ہو سکتی ہے۔"

"شیشوں میں کچھ نہیں رکھا بابو! موت آنی ہو تو بستر میں بھی آجاتی ہے، وہاں تو چھت میں کوئی شیشہ نہیں ہوتا۔" یہ کہہ کر وہ یوں فخریہ انداز میں ہنسا جیسے اس نے کوئی عظیم الشان طنز کیا ہو۔

میں نے اس کی بات کا جواب نہ دینا ہی مناسب سمجھا ورنہ میں اس سے یہ پوچھ سکتا تھا کہ بلندی سے کود کر یا پٹری پر آتی ہوئی تیز رفتار ریل کے سامنے لیٹ کر زندگی کی امید رکھنا کہاں کی عقل مندی تھی؟

سگنل سبز ہوا اور رکشا ایک تیز جھٹکے سے آگے بڑھ گیا۔ میں بظاہر تو خاموش ہی رہا لیکن یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ہمارا ٹریفک پولیس کا عملہ پبلک ٹرانسپورٹ کی فٹنس سے ہٹ کر شاہراہوں پر گاڑیوں کے انجن، بریک، پریشر ہارن، ٹیپ ریکارڈ اور آئینوں کی قطاریں کیوں چیک نہیں کرتا جن کی بنا پر ہر روز سڑکیں انسانی لہو سے غسل کرتی ہیں۔

پبلک ٹرانسپورٹ کے شعبے سے تعلق رکھنے والی گاڑیوں کی فٹنس کی ہر چھ ماہ بعد تجدید لازمی ہوتی ہے۔ اس موقع پر ہر چیز کو قانون کے مطابق کر لیا جاتا ہے حتیٰ کہ کرایہ بتانے والے میٹر تک درست کر جاتے ہیں مگر فٹنس گراؤنڈ سے گاڑی باہر نکلتے ہی ہر چیز پرانی ڈگر پر لوٹا دی جاتی ہے۔ عملے کا ریکارڈ صاف رہتا ہے کہ اتنی ہزار گاڑیوں میں سے ایک میں بھی کوئی چیز خلافِ قانون نہیں ہے۔ شہری اخباری مراسلات میں جھوٹ بکتے ہیں۔ رہا شاہراہوں پر چشم پوشی کا معاملہ تو اس کے لیے کالی بھیڑوں کو بھتا ادا کر دیا جاتا تھا۔

دوسری چیزیں تو جو تھیں سو تھیں مگر آئینوں کا معاملہ بہت سنگین تھا کیونکہ اس کا مقصد چادر کے تقدس کو پامال کرنا تھا اور ہر زاویے سے پڑنے والی دو نگاہیں لباس کی چار دیواری کو بھی تسلیم کرنے سے شاید گریزاں ہی رہتی ہوں۔

رکشا چلتا رہا۔ گفتگو کے اختتام پر ڈرائیور کا موڈ قدرے خراب ہو گیا تھا جس کا اظہار کرتے ہوئے اس نے رکشے کی رفتار تیز کر دی تھی مگر میرا ذہن اس سے کہیں تیز چلتا رہا اور آخر کار رکشا صیہونی ستارۂ داؤدی کے سائے سے گزر کر ایئرپورٹ ٹرمینل نمبر ایک کی طرف جانے والی سڑک پر گھوم گیا۔

رکشا میں نے پارکنگ لاٹ کے قریب ہی چھوڑ دیا۔ جب میں کرایہ ادا کر رہا تھا تو سلطان شاہ ٹیکسی میں قریب سے گزرا۔ میں اس کا منتظر تھا اور وہ بھی میری ہی طرف متوجہ تھا۔ لمحہ بھر کے لیے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشاروں کا تبادلہ ہوا اور یہ طے پا گیا کہ میں بخیر و عافیت ایئرپورٹ تک پہنچ چکا تھا لہٰذا وہ واپس لوٹ جائے گا اور پروگرام کے مطابق خریداری کر کے مقررہ وقت پر ایئرپورٹ پر آجائے گا۔

پرواز رات گیارہ بجے روانہ ہونے والی تھی یعنی لفٹ ہنسا کی اس پرواز کے لیے کاؤنٹر پر چیک ان کا آغاز نو بجے ہو جاتا تھا۔ اس حساب سے میرے پاس کم و بیش ساڑھے تین گھنٹے باقی تھے جو مجھے کسی کی نظروں میں آئے بغیر ایئرپورٹ کی ان ہی عمارات میں گھوم پھر کر گزارنے تھے۔ اتنی دیر کے لیے اگر میں کسی ایک جگہ جم کر بیٹھ جاتا تو لامحالہ کسی نہ کسی کی نظروں میں آسکتا تھا پھر دوسری خطرناک بات یہ تھی کہ ایکسپلوڈر میگزین سمیت میری جیب میں موجود تھا اور حفاظتی عملے سے ٹکراؤ یا ان کی کسی باز پرس کے نتیجے میں اس کا راز بھی فاش ہو سکتا تھا۔

میں عمومی انداز میں ٹرمینل نمبر ایک کے سامنے والے چوڑے فٹ پاتھ پر سے گزرتا ہوا ٹرمینل نمبر دو اور تین کی طرف ہو لیا، وہاں پہنچ کر میں نے کلوز ڈ سرکٹ ٹیلی وژن اسکرین پر پروازوں کی آمد و رفت کے شیڈول کا جائزہ لیا اور پھر باتھ روم کی طرف ہو لیا۔ اندر میدان صاف تھا اور میری متجسسانہ نظریں کسی ایسی جگہ کا جائزہ لے رہی تھیں جہاں میں ایکسپلوڈر کو اس طرح ٹھکانے لگا سکوں کہ وہ میری روانگی تک کسی کی نظروں میں نہ آسکے مگر ان صاف ستھرے اور چمکتے ہوئے باتھ رومز میں مجھے ڈسٹ بن کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آئی جہاں ایکسپلوڈر چھپایا جا سکے۔

پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ ان دنوں شہر میں دہشت گردی کی متوقع وارداتوں کے پیش نظر ایئرپورٹ پر حفاظتی انتظامات سخت کر دیے گئے تھے اور ایئرپورٹ کی عمارات میں کئی مقامات پر ایسے خفیہ کیمرے نصب کیے گئے تھے جن سے لی جانے والی تصاویر ایک مرکزی کمرے میں مانیٹر کے اسکرین پر دیکھی جاتی رہتی تھیں یوں اس طرح مشتبہ افراد کی نگرانی کرتے ہوئے انہیں رنگے ہاتھوں پکڑا جا سکتا تھا۔

اندرونی اور بیرونی لاؤنج کے درمیانی دروازے پر لگا ہوا

متحرک کیمرا میں خود دیکھ چکا تھا، مجھے شبہ ہوا کہ کہیں باتھ روم کے کسی مقام پر کوئی خفیہ کیمرا نصب نہ ہو کیونکہ کسی بھی تخریبی کارروائی کے لیے وہ سب سے محفوظ جگہ تھی جہاں بھیڑ بھاڑ سے الگ ہو کر کوئی بھی شخص رازدارانہ انداز میں کوئی کارروائی سرانجام دے سکتا تھا۔

میں نے باتھ روم کے کوڑے دان کو استعمال کرنے کا ارادہ ملتوی کیا اور منہ ہاتھ دھو کر وہاں سے باہر نکل آیا۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ وقتِ ضرورت ہتھیار کا حصول ہی دشوار نہیں ہوتا بلکہ اس سے گلو خلاصی بھی بسا اوقات گلے کی ہڈی بن جاتی ہے۔

رات کا اندھیرا اس معاملے میں بڑا مہربان ہوتا ہے، چلتے چلتے کسی بھی سنسان مقام پر کچھ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن دن کے اجالے میں، جب نگاہیں دور تک تعاقب کرتی ہوں تو ایسا ہر کام کٹھن ہو جاتا ہے۔

کشادہ اور نیم آباد ریستوران کے ایک گوشے میں کافی پیتے ہوئے میں وقت گزاری کے ساتھ ایکسپلوڈر کے مسئلے پر بھی غور کرتا رہا۔ آخر کار مجھے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ایک ترکیب سوجھ ہی گئی اور میں بل ادا کر کے وہاں سے اٹھ گیا۔ اس وقت تک میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹا گزار چکا تھا اور میری رسٹ واچ سات بجا رہی تھی۔

میں ٹرمینل نمبر تین کے سامنے سے براہِ راست شاہراہِ فیصل سے ملنے والی سڑک پر ہو لیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور اندھیرا دور کرنے کے لیے ہر طرف اسٹریٹ لیمپس جل اٹھے تھے مگر میری مطلوبہ سڑک پر زیادہ روشنی نہیں تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد میں بالکل سناٹے میں آ گیا جہاں میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ میں نے جیب سے ایکسپلوڈر نکال کر اس کا میگزین الگ کیا اور اسلحہ ایک طرف اچھال دیا۔ لمبی لمبی نرم گھاس سے بھری ہوئی زمین نے بڑی نرمی سے ایکسپلوڈر کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ پھر یہی حشر میگزین کا بھی ہوا اور مجھے اپنے سر سے ایک بڑا بوجھ اترنے کا احساس ہوا۔

میرا کام ہو گیا تھا اس لیے اس سڑک پر مزید آگے تک جانا بے سود تھا۔ میں تھوڑی دور چل کر داہنی طرف والی پختہ سڑک پر مڑ گیا جو آگے جا کر ٹرمینل نمبر ایک کے سامنے نکلتی تھی۔

میں کسی عجلت کے بغیر خراماں خراماں راستہ طے کرتا ہوا دوبارہ ٹرمینل نمبر ایک میں پہنچا اور بیرونی لاؤنج میں ایک بینچ پر بیٹھ کر سگریٹ نوشی میں مصروف ہو گیا کیونکہ ابھی تک سلطان شاہ کا کہیں پتا نہیں تھا۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور میں اپنے قرب و جوار سے گزرنے والے لوگوں کے بارے میں دلچسپ نکات نوٹ کر کے محظوظ ہوتا رہا اور آخر کار ساڑھے آٹھ بجے وہاں فٹ پاتھ کے کنارے ایک ٹیکسی آ کر رکی جس کی اگلی نشست سے سلطان شاہ برآمد ہوا تھا۔ قریب ہی کہیں سے ٹریفک کے سپاہی نے تیز سیٹی بجا کر شاید ٹیکسی والے کو آگے بڑھنے کا اشارہ دیا مگر اس وقت تک ڈرائیور ڈکی کھول کر سپاہی کو یہ سمجھا چکا تھا کہ وہ وہاں مسافر کا سامان اتارنے کے لیے رکا ہے، بھتا گول کر کے براہِ راست کسی مسافر کو لے جانے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

سلطان شاہ کو دیکھتے ہی میرے وجود میں مسرت آمیز اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کر جلدی سے اس کے پاس پہنچ گیا۔

اس نے دانت نکال کر میرا استقبال کیا۔ اس وقت تک کئی قلی اس پر یلغار کر چکے تھے جنھیں اس نے سختی سے ٹال دیا اور ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے خود ایک خالی ٹرالی لے آیا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس نے بہت معقول خریداری کی تھی جو اس سفر کے لیے شاید ناگزیر تھی۔

سارا سامان دو مختصر سے سوٹ کیسوں اور ایک بریف کیس پر مشتمل تھا۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے دستاویزات کا لفافہ بریف کیس میں منتقل کر دیا۔

قلی مایوس ہو کر لوٹ گئے تو میں نے میدان صاف دیکھ کر اس سے پوچھ ہی لیا۔ "ایکسپلوڈر کا کیا رہا؟"

"میں اس وقت نہتا ہوں۔" اس نے ٹرالی آگے دھکیلتے ہوئے کہا۔ "آتے ہی تم سے ملاقات نہ ہوتی تو ایکسپلوڈر پر دوبارہ قبضہ کر لیتا۔"

"تو کیا وہ ٹیکسی میں ہی چھوڑا ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

اس نے مسکراتے ہوئے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "ڈکی میں سامان ڈالتے ہوئے میں نے ڈرائیور کی نگاہ بچا کر ایکسپلوڈر میٹ کے نیچے فاضل ٹائر کی درمیانی جگہ میں ڈال دیا تھا۔ جب وہ ٹائر کی ضرورت محسوس کرے گا تب ہی اسے وہ ہتھیار نظر آ سکے گا۔ پھینکنے سے بہتر یہی تھا کہ اسے جان بوجھ کر کسی کے حوالے کر دیتا۔"

داخلی دروازے پر ایئرپورٹ سیکیورٹی فورس کے جوان کو ٹکٹ دکھا کر ہم دونوں اندر داخل ہوئے، سامان ایکسرے مشین سے گزارنے کے بعد کلیئرنس ملنے پر دوبارہ ٹرالی پر لادا اور اس کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئے جس پر لفت ہنسا کی مطلوبہ پرواز کا نمبر آویزاں تھا۔ کچھ مصروف کاؤنٹرز پر ایئر فرانس اور کیتھی پیسفک

کی چیک ان جاری تھی۔

بورڈنگ کارڈ، امیگریشن اور جامہ تلاشی کے مراحل سے گزر کر لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے بھی مجھے ہر آن کسی ناگہانی رکاوٹ کا خدشہ لاحق تھا۔ اس لیے میں بریف کیس لیے لاؤنج کے بالکل انتہائی سرے پر دروازے کے قریب والی نشست پر جا بیٹھا جہاں لگے ہوئے شفاف شیشوں کے پیچھے ٹارمک صاف نظر آرہا تھا۔

اس وقت تک لاؤنج میں چند ہی مسافر تھے اور غالباً وہ بھی کسی دوسری پرواز کے منتظر تھے۔ وہاں بھیڑ بڑھنے سے پیشتر میں نے اگلی نشستوں پر اس خیال سے قبضہ کیا تھا کہ بورڈنگ کا اعلان ہوتے ہی پہلی بس سے طیارے کی طرف روانہ ہو سکوں۔

ہمارے پہنچنے کے چند منٹ بعد ہی لاؤنج بہت تیزی کے ساتھ بھرنے لگا۔

ساڑھے نو بجے ایئر فرانس کی ٹوکیو جانے والی پرواز کی بورڈنگ کا اعلان ہوا اور مختلف قومیتوں کے لوگ بھانت بھانت کا دستی سامان اٹھائے دروازے کے سامنے قطار بند ہونے لگے۔ دروازے کے اوپر لگا ہوا کیمرا کوئی آواز پیدا کیے بغیر گھوم گھوم کر قطار اور دروازے سے گزرتے ہوئے مسافروں کا جائزہ لے رہا تھا۔

دیگر پروازوں کی بین الاقوامی روٹ پر روانگی کے لیے بورڈنگ کے اعلان کے بعد آخر کار ساڑھے دس بجے لفتھانسا کے فرینکفرٹ جانے والے طیارے پر بورڈنگ کے آغاز کا اعلان کیا گیا اور ہم دونوں سب سے پہلے دروازے پر پہنچ گئے۔ اس بار نشستوں سے اٹھنے والے مسافروں کی تعداد بہت کم تھی۔

اس پرواز کے لیے کراچی سے سوار ہونے والے سارے ہی مسافر آرام سے پی آئی اے کی دیوہیکل بس میں سما گئے اور وہ طیارے کی طرف روانہ ہو گئی۔

وہ پرواز بنکاک سے شروع ہوئی تھی اور وسیع و عریض بوئنگ ۷۴۷ طیارے میں مشرقِ بعید اور یورپ سے تعلق رکھنے والے مسافروں کی بھاری تعداد موجود تھی۔

ہم دونوں اپنی نشستوں تک پہنچے تو مجھے اپنی کھڑکی کے ساتھ والی سیٹ پر ایک جواں سال لڑکی براجمان نظر آئی جو خاصی دلکش تھی اور شاید کراچی ہی سے طیارے پر سوار ہوئی تھی مگر میں لاؤنج میں اس کو دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ مجھے وہاں ٹھٹکتے دیکھ کر کیبن کے عملے کی ایک خوش اندام دوشیزہ میری مدد کے لیے آگے آئی اور میرا بورڈنگ کارڈ دیکھ کر معذرت خواہانہ انداز میں لڑکی سے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ میں نے اسے روک دیا۔

"نہیں، ان خاتون کو بیٹھا رہنے دیں۔ شاید طیارے میں خاصی نشستیں خالی ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" ائیر ہوسٹس مسکراتی ہوئی واپس لوٹ گئی۔

"آپ چاہیں تو میں آگے اپنی سیٹ پر جا سکتی ہوں۔" لڑکی نے اپنے پرس سے بورڈنگ کارڈ نکال کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "غلطی میری ہے۔"

"ساتھی اچھا مل جائے تو طویل سفر خوشگوار گزرتا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ مجھے اپنی ہم نشینی کے اعزاز سے کیوں محروم کرنا چاہتی ہیں؟"

وہ غیر ارادی طور پر اپنی سیٹ میں قدرے سمٹ سی گئی۔

"آجائیں۔ آگے بھی کسی نہ کسی کو میرے برابر میں بیٹھنا ہی تھا۔"

میں بے تکلفی کے ساتھ اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ میرے ایما پر سلطان شاہ نے اگلی سیٹ سنبھال لی۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟" چند ثانیوں کے بعد میں نے گفتگو کا آغاز کرنے کی نیت سے رسمی سوال کیا۔

"روم۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "اور آپ؟"

اس کی زبان سے روم کا نام سنتے ہی میرے ذہن میں ڈان مرسیانو کا نام ابھر آیا جو روم میں کمیشن پر قحبہ گری کا گھناؤنا کام کرتا تھا مگر دوسری طرف جمی لائیڈ کی حیثیت سے نہ صرف ویرا کا باپ تھا بلکہ ہیروئن فروشوں اور اسلحہ کی اسمگلنگ کرنے والے ایک منظم بین الاقوامی گروہ کا سربراہ بھی تھا۔

"میں لندن جا رہا ہوں۔" میں نے خود کو ذہنی جھٹکے سے سنبھالتے ہوئے اسے جواب دیا۔ "فرینکفرٹ میں رات قیام کے بعد صبح دوسری پرواز لینا ہوگی۔"

"موقع ملا تو میں بھی روم میں اپنے کام سے فارغ ہو کر لندن کی سیر کروں گی۔ سنا ہے کہ قابلِ دید شہر ہے۔"

"روم میں کیا کام ہے آپ کو؟" میں اضطراری طور پر سوال کر بیٹھا۔

میں نے محسوس کیا کہ میرے اس سوال پر وہ یوں بوکھلا گئی جیسے میں نے اس کی کوئی چوری پکڑ لی ہو۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولی تھی۔ "م م۔۔ مجھے تو کوئی کام نہیں ہے وہاں۔ بس ایک سہیلی سے ملنا ہے وہاں۔ وہ تین سال سے روم ہی میں رہ رہی ہے۔ بڑی اچھی لڑکی ہے۔"

"شاید یہ پہلا سفر ہے آپ کا؟" میں نے تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ج۔۔۔ جی ہاں۔" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔ "ملک سے باہر کا پہلا ہی سفر ہے۔"

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی ابھرا تھا کہ کہیں وہ کوئی

کیریئر نہ ہو۔ تنظیم میں اپنے سرگرم دور میں میں خود جواں سال طالب علموں کو غیر ممالک کی مفت بلکہ بامعاوضہ سیاحت کے لالچ میں ہیروئن کی اسمگلنگ کے لیے استعمال کر چکا تھا پھر اس نے جس انداز میں ردِعمل میں کام کا ذکر کر کے اس کی تردید کی تھی، اس سے بھی میرے شبے کو تقویت پہنچتی تھی۔ تیسری بات یہ تھی کہ وہ اس جوان لڑکی کا پہلا غیر ملکی سفر تھا جس پر وہ تنہا جا رہی تھی۔ ہمارا معاشرہ لاکھ آزاد اور ترقی یافتہ کہلانے کے جنون میں مبتلا ہو گیا ہو لیکن اب بھی اِس عمر کی لڑکی کے والدین اپنی اولاد کو محض کسی سہیلی سے ملاقات کے لیے تنہا سمندر پار کے سفر پر روانہ ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔

"غالباً بڑی گہری سہیلی ہے وہ آپ کی؟" لمحہ بھر کی پُرخیال خاموشی کے بعد میں نے قیاس آرائی کی۔

"جی ہاں۔ بچپن سے ہم ساتھ پلے بڑھے تھے، میری کوئی بہن بھی ہوتی تو شاید مجھے اس سے زیادہ عزیز نہ ہوتی۔" اس نے اپنی گھبراہٹ پر خاصی حد تک قابو پا لیا تھا۔

"بھائی کتنے ہیں آپ کے؟" میں نجانے کیوں اس لڑکی کی اصلیت کا کھوج لگانے پر تُل گیا تھا۔

"میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں۔" یہ کہہ کر وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی جس کا مطلب تھا کہ وہ اس موضوع پر مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتی تھی۔

طیارے کی ہر نشست کے اوپر انگریزی اور جرمن زبان میں تمباکو نوشی کی ممانعت اور حفاظتی بند باندھنے کی ہدایات روشن تھیں۔ طیارے سے سیڑھیاں وغیرہ شاید ہٹائی جا چکی تھیں کیونکہ فضا میں طیارے کے جیٹ انجنوں کا شور گونجنے لگا تھا اور کیبن کریو ٹیک آف کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

مقررہ وقت پر طیارہ کپتان کے اعلان کے بعد حرکت میں آ گیا اور ٹارمک پر دھیمی رفتار سے ٹیکسی کرتا ہوا اپنے ٹیک آف رن وے کی طرف بڑھنے لگا۔ میں بظاہر لڑکی کی طرف سے بے پروا بنا ہوا تھا لیکن کن انکھیوں سے اس کی اضطراری حرکات کا جائزہ لے رہا تھا۔

رن وے کے سرے پر طیارہ چند ثانیوں کے لیے ٹھہرا، کیبن کریو نے اپنی نشستیں سنبھالیں اور طیارہ پوری رفتار سے رن وے پر دوڑتا ہوا قلیل سی مدت میں تیزی سے فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔

"بلندی سے شہر کی روشنیاں کس قدر خوبصورت اور ترتیب وار نظر آتی ہیں۔" لڑکی نے میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے گہرا سانس لے کر کہا۔ شاید اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس نے خود کوئی نیا موضوع نہ چھیڑا تو میں وہیں سے گفتگو کا آغاز کر دوں گا جہاں سے ذرا دیر پہلے سلسلہ ٹوٹا تھا۔

"بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو دور سے بہت حسین اور سہانی نظر آتی ہیں مگر قریب جانے پر ان کی دلفریبی کی آڑ میں ہزار برائیاں اور خامیاں پوشیدہ نظر آتی ہیں۔ سچ بتائیں کیا ہمارا شہر واقعی اسی قدر خوبصورت ہے جتنا اس وقت نظر آ رہا ہے؟"

"نہیں۔" اس نے اگلی نشست کی جیب سے ہنگامی ہدایات والا کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔ "نہ جانے کیوں، مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ ذومعنی باتیں کرنے کے عادی ہیں۔"

"یہ نتیجہ کیسے اخذ کر لیا آپ نے؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"شاید آپ مجھے یہ احساس دلانا چاہ رہے ہیں کہ میں جس سہیلی سے ملنے کے لیے اتنا لمبا سفر مول لے بیٹھی ہوں ملاقات ہونے پر وہ پہلے جیسی مخلص ثابت نہیں ہو گی۔" اس نے اپنی وضاحت سے مجھے خود ہی راہ دے دی۔ میں نے اس سے دانستہ ذومعنی بات کہی تھی لیکن اس نے جو نتیجہ اخذ کیا تھا، وہ میرے ذہن کے کسی دور دراز گوشے میں بھی موجود نہیں تھا۔

"میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا کیونکہ تمباکو نوشی کی ممانعت کے الفاظ مترنم گھنٹی کی آواز کے ساتھ معدوم ہو چکے تھے۔ "دراصل یہ خود آپ کے خدشات ہیں جنھیں آپ میری ذات سے وابستہ کر رہی ہیں، میں نے تو دور کے ڈھول سہانے والے محاورے کی سیدھی سی وضاحت کی تھی، مجھے کیا پڑی ہے کہ میں آپ کے ذاتی معاملات میں مداخلت کروں۔" کہنا ہی چاہتا تو میں یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ صرف سہیلی سے ملاقات کے لیے ہزاروں میل کے سفر والی بات میرے حلق سے نہیں اترتی، اس کے پس پردہ کوئی اور مقصد کارفرما ہے لیکن میں نے یہ نہیں کہا۔ اگر آپ کسی بات کو اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتی ہیں تو مجھ جیسے اجنبی کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔"

وہ یک بیک مضطرب نظر آنے لگی۔ "نہیں، آپ کھل کر بات کر سکتے ہیں، اتنی دیر کی گفتگو کے بعد ہم اجنبی نہیں رہے ہیں، اگر ہم اپنے اپنے خول میں سمٹے رہے تو یہ سات آٹھ گھنٹے اکٹھے گزارنے دشوار ہو جائیں گے۔"

"اے مسٹر!" اچانک پچھلی نشست سے ایک تحقیر آمیز نسوانی آواز بلند ہوئی۔ پیچھے سے ابھرنے والی بڑبڑاہٹیں میں کئی سیکنڈ سے سن رہا تھا لہٰذا وہ آواز سنتے ہی اضطراری طور پر پلٹ پڑا۔

شوخ و شنگ اور ضرورت سے زیادہ میک اپ میں لدی ہوئی ایک ادھیڑ عمر خاتون اپنی پیشانی پر ہزاروں بل ڈالے ناک

کے آگے داہنی ہتھیلی کو پنکھے کی طرح لہراتے ہوئے میری طرف نگراں تھیں۔

" سگریٹ بجھا دیں۔" خاتون نے ناگواری کے ساتھ حکم دیا۔
" آپ اس تنگ سی جگہ میں بھی چند گھنٹے سگریٹ کے بغیر نہیں گزار سکتے۔"

اس کا تحکم اور تنفر آمیز لہجہ میرے لیے ناقابل برداشت تھا' اگر وہ شرافت سے درخواست کرتی تو شاید میں سگریٹ بجھا ہی دیتا یا اپنی نشست بدل لیتا مگر اب مصالحت کا کوئی امکان نہیں رہ گیا تھا۔ میں نے اپنی اور برابر والی خالی نشست کی پشت گاہوں کی درمیانی جگہ سے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔" میں پورا ٹکٹ لے کر اس جہاز پر سفر کر رہا ہوں اور ان نشستوں پر تمباکو نوشی کی کھلی اجازت ہوتی ہے' اگر دھواں آپ کو گراں گزر رہا ہے تو نو اسموکنگ ایریا میں جا کر بیٹھیں۔"

اس دوران میں ہماری اردو میں ہونے والی بحث سے لاعلم دو غیر ملکی قرب وجوار کی نشستوں پر سگریٹ جلا چکے تھے۔ ادھیڑ عمر عورت کا ساتھی بھیگی بلی بنا ہوا بیٹھا تھا۔ میں سیدھا ہوا تو عورت کی آواز آئی۔" جان! دوسری جگہ تلاش کرو' یہاں تو سب ہی اسٹیم انجن بنے ہوئے ہیں' میرا تو دم گھٹ جائے گا۔"

طرز تخاطب سے ظاہر ہو گیا تھا کہ موصوف ان خاتون کے شوہر زوجہ نما تھے اور ان خاتون کے لیے دھوئیں کی بو سے زیادہ یہ احساس پریشان کن تھا کہ ان کے جہاز میں ان کی حکم عدولی کی جا رہی تھی۔

" بہت اچھا کیا۔" میرے ساتھ والی لڑکی دھیمی آواز میں بولی۔" سگریٹ کا دھواں مجھے بھی اچھا نہیں لگتا لیکن میں اس سے مر تو نہیں جاؤں گی۔ ایسے مقامات پر بہت سے سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔"

" تم کہو تو میں سگریٹ بجھا دوں۔" میں نے یک بیک بے تکلفی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

" نہیں' یہ تو ہرگز نہ بجھانا۔" اس نے میرے تخاطب کو تسلیم کرتے ہوئے خود بھی فوری طور پر وہی انداز اپنا لیا۔" اس کا دماغ خراب ہو جائے گا۔ کہیں وہ غیر ملکیوں سے الجھ پڑی تو ہمیں بھی خفت اٹھانا پڑے گی۔ چین اسموکنگ نہ کرو تو میں اکا دکا سگریٹیں برداشت کرتی رہوں گی۔"

" شکریہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے ایک گہرا کش لے کر دانستہ اس کا دھواں کیبن کی فضا میں اگل دیا۔" تو تم کیا کہہ رہی تھیں؟ اور ہاں' تم نے ابھی تک نام بھی نہیں بتایا اپنا۔"

" میرا نام ایمی ہے... مس ایمی فرانسس۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

" اور مجھے اکبر کہتے ہیں۔" اس نے داہنا ہاتھ بڑھایا جو میں نے گرمجوشی کے ساتھ قبول کر لیا۔ اب تک اس کی قمیص شلوار سے میں اسے مسلمان سمجھ رہا تھا لیکن نام معلوم ہوتے ہی اس کا مذہب بھی سامنے آ گیا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی تھی کہ کرسچین ہونے کی بنا پر وہ شاید مے نوشی میں بھی میرا ساتھ دے سکے گی۔

" تم کچھ نہ کہنے کی آڑ میں بہت کچھ کہہ گئے ہو۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔" دراصل اس وقت میں بہت پریشان ہوں' سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ اب ہم سفر کی صورت میں تم جیسا سمجھ دار ساتھی ملا ہے تو چاہتی ہوں کہ کھلے دل سے چند باتیں کر لی جائیں۔"

" ضرور کرو' مشورے کی حد تک تم مجھے مخلص پاؤ گی۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

" تم نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے کہ میں کسی سہیلی سے ملنے نہیں جا رہی۔ دراصل یہ میرا ایک تفریحی دورہ تھا لیکن عین موقع پر گڑبڑ ہو جانے کی وجہ سے اب میں مجبوراً سفر کر رہی ہوں۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

" ایسی کیا مجبوری پیش آ گئی؟" میں اس کی کہانی میں دلچسپی محسوس کر رہا تھا۔

" کہانی ذرا لمبی ہے۔ تم بور تو نہیں ہو جاؤ گے؟"
" تم شروع کرو' بوریت محسوس ہوئی تو آگاہ کر دوں گا۔" میرے اور اس کے درمیان تکلف کی دیوار تیزی کے ساتھ گرتی جا رہی تھی جس کا دونوں کو ہی بخوبی احساس تھا۔

" یہ سارا کیا دھرا میرے ایک مسلمان بوائے فرینڈ کا ہے۔" وہ بتانے لگی۔" میں شہر کے ایک دفتر میں کام کرتی ہوں اور اپنے وسائل سے ایسی کسی سیاحت کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ہمارے معیار زندگی کا اندازہ تم اس بات سے لگا لو کہ میں دفتر آنے جانے کے لیے بسوں میں سفر کرنے کی عادی ہوں مگر میرا بوائے فرینڈ مجھے نئی ہنڈا کار میں شہر کی بہترین تفریح گاہوں اور مہنگے ہوٹلوں میں لے جاتا رہا ہے۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے میرے گھر والے راضی ہیں مگر اس کے والدین کے لیے کرسچین بہو ناقابل قبول ہے مگر وہ یہ جانتے ہیں کہ ان کا بیٹا ایک عیسائی لڑکی میں دلچسپی لے رہا ہے۔ ہم گھومنے سے اکتا کر موسی نے میرے ساتھ روم جانے کا پروگرام طے کیا' اس کا خیال تھا کہ وہاں شادی رچانے کے دو تین ماہ بعد وہ گھر لوٹے گا تو اس کے والدین کو مجبوراً مجھے قبول کرنا ہو گا۔ میرے گھر والوں نے مجھے اس کے ساتھ سفر کی اجازت دے دی' آج ہم دونوں سامان لے کر ساتھ ہی ایئرپورٹ پہنچے تھے لیکن ٹرالی میں سامان لے

جاتے ہوئے اسے بھیڑ میں اپنا باپ نظر آگیا جو شاید کوئی خبر مل جانے کی وجہ سے اسی کی تلاش میں آیا تھا۔ موسیٰ اپنے کروڑپتی باپ کے غصے اور وسائل سے ڈرتا ہے۔ اس نے عجلت میں مجھے اپنا سفر جاری رکھنے کا مشورہ دیا اور اپنا ٹکٹ لے کر بوکھلاہٹ میں واپس چلا گیا۔ اس نے مجھے روم کے ایک ہوٹل کا پتا دیا ہے، وہ کل مجھے وہاں فون کرے گا اور موقع پا کر پہلی فرصت میں مجھ سے وہیں آملے گا۔ اسے ڈر تھا کہ وہ جہاز میں سوار ہو بھی گیا تو اس کا باپ اسے بے عزت کرکے طیارے سے اتروالے گا اور ایک بار رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد وہ زندگی بھر مجھ سے شادی کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے گا۔ آخری لمحات پر ہونے والی اس گڑبڑ نے میرا دماغ ماؤف کرکے رکھ دیا جس کے نتیجے میں میں تمہارے ساتھ سفر کر رہی ہوں۔"

موسیٰ کا سامان کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میرے ہی ساتھ ہے۔ سامان کیا، بس ایک مختصر سا سوٹ کیس ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ جب وہ دو چار دن میں پہنچنے ہی والا ہے تو سامان میرے ساتھ نکل جانا چاہیے تاکہ وہ موقع ملتے ہی بے فکری کے ساتھ کراچی سے روم کے لیے روانہ ہو سکے مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ تم موسیٰ کی سازش کا شکار ہوئی ہو، وہ تم سے شادی کے بارے میں ہرگز سنجیدہ نہیں ہے نہ وہ روم پہنچے گا۔ اسے تم سے جو کام لینا تھا، وہ اپنی دانست میں لے چکا ہے۔ یہ بتاؤ کہ موسیٰ واپس بھاگ گیا تو اس کے باپ نے تم کو کیوں نہیں گھیرا؟"

"وہ مجھ سے واقف ہی نہیں ہے، نہ میں نے کبھی اس کی صورت دیکھی ہے کبھی کبھار وہ اس کا ذکر ضرور کرتا رہتا تھا۔"

"پھر یہ کیسے پتا چلا کہ اس کا باپ واقعی ایئرپورٹ پر پہنچا ہوا تھا؟"

"موسیٰ نے ہی بتایا تھا۔ وہ اپنے باپ کی موجودگی سے خوفزدہ ہو کر اتنی عجلت میں ایئرپورٹ سے بھاگا تھا کہ میں اس سے یہ بھی نہ کہہ سکی کہ وہ دور سے اپنے باپ کی صورت ہی دکھا جائے۔"

"اور تمہارے گھر والے موسیٰ کو جانتے ہیں؟"

بس اسی حد تک کہ وہ میرا بوائے فرینڈ ہے۔ میرے گھر والے اس سے ملنا چاہتے تھے لیکن وہ کبھی میرے ساتھ گھر نہیں گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ کسی شناسا نے اسے میرے گھر آتے جاتے دیکھ کر اس کے باپ کو خبر کر دی تو وہ علاقہ پولیس کے ذریعے ہمارے گھر والوں کو اس قدر تنگ کرے گا کہ شاید ہم شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیے جائیں جب کہ موسیٰ مجھے ہر وقت اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھنا چاہتا تھا۔ مناسب موقع آنے سے پہلے وہ ہر طرح محتاط رہنا چاہتا تھا۔"

"اور شہر کے ہوٹلوں اور تفریح گاہوں میں کسی نے اسے تمہارے ساتھ نہ دیکھا ہوگا؟"

"یہ میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ جو کچھ وہ کہتا رہا اس پر آنکھ بند کرکے یقین کرتی رہی۔ اب بھی اگر مجھے اکیلے سفر نہ کرنا پڑتا تو شاید میں اس کے بارے میں کسی الجھن کا شکار نہ ہوتی۔ تمہارے سوالات پر یاد آرہا ہے کہ موسیٰ نے مجھے سختی سے تاکید کی ہوئی تھی کہ اپنے ساتھ کسی گھر والے کو ایئرپورٹ نہ لے جاؤں ورنہ معاملہ بگڑ جائے گا۔ اس نے مجھے سوٹ کیس سمیت فلیٹ کلب سے ساتھ لیا تھا۔ اس وقت یہ سب ایڈونچر محسوس ہو رہا تھا لیکن اس کی موجودگی کا طلسم ٹوٹتے ہی ہر بات کچھ مضحکہ خیز سی نظر آنے لگی ہے۔"

"اگر وہ اسی قدر اجنبی تھا تو تمہارے ساتھ اس کی دوستی کیسے ہو گئی تھی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک دن چھٹی کے بعد گھر واپسی کے لیے بس کے انتظار میں اسٹاپ پر کھڑی ہوئی تھی کہ اس نے گاڑی میرے قریب روک کر لفٹ کی پیشکش کی جو میں نے قبول کرلی۔ صدر تک پہنچتے پہنچتے ہم کافی گھل مل گئے اور اس نے اگلے دن آنے کا وعدہ کرکے مجھے ایمپریس مارکیٹ پر اتار دیا۔ اس کے بعد سے ہمارا یہ معمول بن گیا تھا کہ صبح میں بس سے دفتر جاتی اور شام کو وہ مجھے لینے کے لیے آجاتا اور چند گھنٹے ساتھ گزارنے کے بعد مجھے گھر کے پاس چھوڑ دیتا تھا۔"

"اس کی حیثیت کا اندازہ تم نے کس بات سے لگایا؟"

"لباس، رکھ رکھاؤ، گاڑی۔ پھر وہ بڑی فراخ دلی کے ساتھ پیسہ خرچ کرتا تھا۔ اس نے مجھے میری پسند کی کئی چیزیں دلوائیں، دو تین بار نقد رقم بھی لفافے میں بند کرکے میرے پرس میں ڈالی تھی۔"

"مقدر اچھا ہے کہ تم زنداں کے سفر سے پہلے مجھ سے مل بیٹھیں ورنہ اٹلی کی کوئی بدترین جیل ہی تمہارا ٹھکانا بنتی۔" میں نے نئی سگریٹ سلگاتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

ایمی کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ "تم کھل کر بات کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کون سا جرم کیا ہے کہ مجھے جیل جانا پڑتا؟"

"تمہیں منشیات بلکہ ہیروئن کی اسمگلنگ کے لیے بڑی خوبصورتی کے ساتھ آلۂ کار بنایا گیا ہے۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ موسیٰ کے مختصر سے سوٹ کیس میں کئی کلو ہیروئن پوشیدہ ہوگی، نہ اس کا باپ ایئرپورٹ پر آیا تھا نہ اسے تم سے عشق ہے۔ اس نے سب کچھ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا۔ تم اٹلی میں کسٹم

والوں سے بچ نکلیں تو تمہاری مفت کی سیاحت کے ساتھ موسیٰ کے وارے کے نیارے ہو جائیں گے۔ پکڑی گئیں تو تمہاری زندگی تباہ ہوگی، موسیٰ کی نشاندہی کوئی نہ کر سکے گا۔ تمہیں تو اس نے اپنا گھر بھی نہ دکھایا ہوگا۔"

اس خوف ناک انکشاف پر اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "گھر تو واقعی مجھے معلوم نہیں مگر اس کی کار کا نمبر یاد ہے۔۔"

"وہ جعلی رہا ہوگا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"لیکن سوٹ کیس میرے قبضے میں ہے، اسے فائدہ کیسے ہوگا؟"

"ہوٹل کا پتا اس نے اسی لیے فراہم کیا ہے۔ کل وہ تمہیں فون کر کے مزید سبز باغ دکھائے گا اور آخر کار سوٹ کیس کسی خاص آدمی کے حوالے کرنے کی ہدایت دے گا۔ سوٹ کیس مطلوبہ آدمی تک پہنچتے ہی تمہارا کردار ختم ہو جائے گا۔"

"مگر میں سوٹ کیس اسے دوں ہی کیوں؟"

"یہ تم مجھ سے گفتگو کے بعد کہہ رہی ہو۔ اگر بے خبری میں کسٹم سے سوٹ کیس نکال لے جانے میں کامیاب ہو جاتیں تو عشق اور ایک کروڑ پتی کے لڑکے سے شادی کے سنہرے خواب کی رَو میں ہر وہ بات کر گزرتیں جس کی موسیٰ ہدایت دیتا۔ یہ لوگ اپنے مال کے بارے میں بہت بے رحم اور سخت گیر ہوتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے تم سوٹ کیس دینے سے انکار کر دیتیں تو روم کی زیرِ زمین دنیا کے خونی بھیڑیے تمہاری راہ پر لگ جاتے اور تمہارا انجام ایسا عبرت ناک ہوتا کہ تم جیل اور سزا کو اس کے مقابلے میں جنت تصور کرنے پر مجبور ہو جاتیں۔"

"نہیں، میں ایسے بھیانک انجام سے دوچار نہیں ہونا چاہتی۔ تم فرشتہ بن کر آئے ہو تو میری مدد کرو، مجھے بتاؤ کہ اس انجام سے بچنے کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"پہلی اور سب سے سیدھی بات یہ ہے کہ موسیٰ کے دیے ہوئے سوٹ کیس کو بھول جاؤ۔۔۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔

"میں سب کچھ بھول جانے کو تیار ہوں، تمہاری ذات میں مجھے بڑا بھرپور اعتماد نظر آ رہا ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ تم بھی میرے ہی ساتھ اتر جاؤ۔"

"ناممکن۔" میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ "تمہارا ٹکٹ روم تک کا ہے، تم روم میں اترے بغیر لندن تک سفر کا ٹکٹ حاصل نہیں کر سکتیں۔ میرا ٹکٹ لندن تک کا ہے، میں اچانک روم میں اپنا سفر ختم نہیں کر سکتا۔ اول تو اٹلی کا ویزا ضروری ہے جو اتفاق سے میرے پاسپورٹ پر لگا ہوا ہے پھر حفاظتی وجوہ آتی ہیں۔ کسی مسافر کی یوں اچانک روپوشی سے اس دور میں یہی شبہ کیا جاتا ہے کہ کہیں وہ اپنے سامان میں تخریب کاری کا مواد نہ چھوڑ گیا ہو۔ ایسی غلطی کر بیٹھا تو اٹلی کی پولیس سے مجھے اپنی جان چھڑانا مشکل ہو جائے گی۔"

"مجھے تو اب خوف آ رہا ہے۔ نہ جانے وہ کون سا لمحہ تھا جب میں نے اس سفر پر آمادگی ظاہر کی تھی۔"

"جو ہو چکا اسے بھول جاؤ۔" میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "اور اپنے اوسان بحال رکھ کر آنے والی دشواریوں کے سدِباب کی کوئی راہ سوچو۔ سب سے مناسب ترکیب یہی ہے کہ تم روم میں اتر جاؤ، اپنا سوٹ کیس سنبھالو اور موسیٰ کے دیے ہوئے سوٹ کیس کو لاوارث چھوڑ کر اسی ہوٹل میں قیام کرو جس کا پتا موسیٰ نے دیا ہے۔ کل یقیناً اس کا فون آئے گا۔ سوٹ کیس کی بات کرے تو تم اس سے کہہ سکتی ہو کہ اس کے سوٹ کیس پر منشیات کا سراغ لگانے والے کتوں نے خون آشام انداز میں حملہ کیا تھا لہٰذا تم نے خوفزدہ ہو کر سوٹ کیس کو ائیرپورٹ پر ہی چھوڑ دیا۔ یہ اس کی اپنی ذمے داری ہوگی کہ وہ روم ائیرپورٹ سے سوٹ کیس نکلوائے یا اپنے ناکام منصوبے پر سر پیٹ کر رہ جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اور کہانی غیر محفوظ ہوگی۔"

"اگر وہ واقعی اتنا خود غرض اور ہیروئن کا اسمگلر ہے تو وہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔ وہ فوراً روم میں اپنے آدمیوں کو فون کرے گا اور وہ مجھے ہوٹل سے اٹھا لے جائیں گے۔ وہ ہوٹل تو میرے لیے جال ثابت ہو سکتا ہے جس سے میں کوشش کے باوجود نہ نکل سکوں گی۔"

"تمہارا خیال بالکل درست ہے۔ موسیٰ سے فون پر گفتگو ہوتے ہی تم پر اس کی گھناؤنی اصلیت ظاہر ہو جائے گی تم اسی وقت ہوٹل تبدیل کر سکتی ہو یا روم میں مزید کوئی کام نہ ہو تو کسی بھی ائیرلائن کا ٹکٹ خرید کر پہلی پرواز سے لندن روانہ ہو سکتی ہو۔"

"مگر میرے پاس برطانیہ کا ویزا نہیں ہے۔" اس وقت وہ ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ گئی تھی حالانکہ سفر اور گفتگو کے آغاز میں وہ خود کہہ چکی تھی کہ روم کے بعد اس کا لندن کی سیر کا ارادہ تھا۔

میں نے اسے اس کی ابتر ذہنی حالت کا احساس دلانا مناسب نہ سمجھا اور دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "ہم دولت مشترکہ میں نہیں رہے ہیں لیکن پھر بھی ہمیں برطانیہ کے لیے ویزا کی کوئی ضرورت نہیں رہی ہے۔"

"لیکن وہاں میں تم کو کیسے تلاش کر سکوں گی؟" وہ اس وقت ہر بات اور تجویز کے منفی پہلوؤں پر خاص طور پر توجہ دے

رہی تھی۔

"موسیٰ کی طرح میں بھی تمھیں ایک ہوٹل کا بتا دے دوں گا اور مناسب وقفوں سے وہاں چیک کرتا رہوں گا۔ میں نہ بھی ملوں تو لندن میں تمھیں کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے۔ موسیٰ کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکے گا کہ تم اتنی قلیل مدت میں روم سے لندن پہنچ گئی ہو گی۔"

"لیکن میرے لیے موسیٰ کے بتائے ہوئے ہوٹل میں ٹھہرنا کیوں ضروری ہے؟" چند ثانیوں تک خاموشی سے سوچتے رہنے کے بعد وہ بولی "کیوں نہ اسے انتظار کی خلش میں مبتلا رکھوں؟"

"اگر تمھارا پاکستان واپس جانے کا ارادہ نہیں ہے یا تمھیں اپنے گھر والوں کی سلامتی عزیز نہیں ہے تو ضرور ایسا کرو، پر یہ نہ بھولو کہ موسیٰ بنیادی طور پر ایک بُرا آدمی ہے۔ تمھیں اس کی نگاہوں میں اپنی ذات کو ہر شبہے سے بالا رکھنا ہو گا تاکہ وہ تمھاری نیت پر شبہ نہ کر سکے۔ سوٹ کیس کی اصلیت اس نے تم سے چھپائی ہے لہٰذا اس کے کہے رستے پر وہ براہِ راست تم سے باز پرس نہ کر سکے گا۔"

اس اثنا میں طیارے کی راہداریوں میں مشروبات کی ٹرالیاں حرکت میں آ چکی تھیں۔ میں نے اسکاچ کا پیگ منتخب کیا مگر ایمی بیئر سے آگے بڑھنے پر راضی نہ ہوئی۔

"فرصت ہو تو چند منٹ مجھے بھی درکار ہیں۔" مشروبات کی ٹرالی گزرتے ہی سلطان شاہ مسکراتا ہوا میرے سر پر آ کھڑا ہوا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے لڑکی کو دیکھا ہی نہ ہو۔

"یہیں بیٹھ جاؤ۔" میں نے اپنے برابر والی خالی نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سلطان شاہ اپنی نشست سے جوس کا مختصر گلاس لے کر تیسری نشست پر آ گیا۔

"یہ کون ہے؟" ایمی میرے کان کے نیچے سمنائی۔ "میں تو اب تک تمھیں اکیلا ہی سمجھ رہی تھی۔"

"اکیلا ہی ہوں۔" میں نے اپنے لبوں کو ترکتے ہوئے ہنس کر کہا "ہزار مردوں کی بھیڑ میں بھی ہر مرد خود کو تنہا اور خالی خالی محسوس کرتا ہے۔ ویسے یہ میرا دوست ملی شیر ہے۔" میں نے سلطان شاہ کا پاسپورٹ والا نام دہراتے ہوئے کہا "اور یہ مس ایمی فرانسس ہیں، شاید اینگلو پاکستانی۔"

میں نے آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے تائید طلب نگاہوں سے ایمی کی طرف دیکھا اور وہ بے اختیار بول پڑی "میں خالص پاکستانی ہوں، میرے والدین ضرور اینگلو انڈین تھے۔"

"پرانی شناسائی معلوم ہوتی ہے۔" سلطان شاہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

"یہ روم جا رہی ہیں، شاید بعد میں لندن میں بھی ملاقات ہو جائے۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" سلطان شاہ نے اس کی طرف جھک کر شائستگی کے ساتھ کہا "لندن میں مل کر مزید خوشی ہو گی۔"

"اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تم دونوں صورت سے پڑھے لکھے نظر آئے اور لندن جانے کے باوجود انگریزی کے بجائے اردو بول رہے ہو ورنہ بیشتر پڑھے لکھے پاکستانی مجھے دوغلی نسل کی لڑکی سمجھتے ہی الٹی سیدھی انگریزی پر اتر آتے ہیں۔"

"اسے قابلیت کا ہیضہ کہتے ہیں۔" میں نے آتشیں سیال میں گھلتے ہوئے برف کے ڈلوں پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"تمھاری اردو دانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمھارے والدین بھی اردو بولتے ہوں گے۔"

"نہیں۔" وہ بیئر کا گھونٹ لے کر بولی "سمجھ لیتے ہیں مگر بولنے میں دشواری ہوتی ہے۔ ہوش سنبھالنے کے بعد سے ہی انھیں انگریزی میں لڑتے جھگڑتے دیکھتی آئی ہوں۔"

شاید بیئر نے اسے خاصا ذہنی سکون پہنچایا تھا کیوں کہ گلاس خالی ہونے تک وہ اپنی مشکلات کو بھول کر خاصی چہکنے لگی تھی۔ میں اپنا گلاس خالی کر کے دوسرے پیگ کے لیے کچن کی طرف ہو لیا اور سلطان شاہ بھی میرے پیچھے لگ گیا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتیں تم سے اتنا کیوں چپکتی ہیں۔" چند قدم آگے نکل آنے کے بعد اس نے تبصرہ کیا۔

"عورتیں سماجی جانور ہوتی ہیں، جہاں انھیں ہمدردی کے دو بول مل جائیں وہیں ڈھیر ہو جاتی ہیں اور یہ تو بڑی نفرت انگیز سازش کا شکار ہوئی ہے۔"

"وہ کیا؟" اس نے حیرت سے منہ پھاڑ دیا۔

"چلے آؤ، ابھی بتاتا ہوں۔"

لفتہانسا واقعی مہمان نواز ایئر لائن تھی۔ اسکاچ کی دوسری ننھی سی بوتل بلا تامل دے دی گئی اور جب میں نے اس فاضل عیاشی کے دام ادا کرنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ہوسٹس نے مسکرا کر مجھے منع کر دیا۔ "تم ہمارے مہمان ہو۔ یہ ہماری طرف سے ہوتا ہے۔" اس نے انگریزی میں کہا تھا۔

بوتل گلاس میں خالی کر کے میں نے اس میں برف کے دو ڈلے ڈالے اور وہیں راستے سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

حقیقت یہ تھی کہ ایمی کے معاملے میں میں اپنی کامیابی

پر رشک کر رہا تھا۔ اگر وہ غلطی سے میری نشست پر نہ بیٹھ
جاتی تو نہ اس سے تعارف ہوتا اور نہ اسے ہوشیار کرنے
کا موقع ملتا۔ وہ اطمینان سے ہیروئن کی قابلِ ذکر مقدار روم میں
انجانے طور پر کسی گروہ کو پہنچا دیتی یا بے خبری میں کسٹم والوں
کے چنگل میں آجاتی۔

یہ درست تھا کہ ہیروئن کی تیاری کے لیے بہت سا
بنیادی خام مال باہر سے آتا تھا۔ افغانستان کے نظم ونسق سے
آزاد تہ در تہ پہاڑی سلسلوں میں کاشت کی جانے والی ٹنوں
افیون سرحد پار ہیروئن بنانے کے کارخانوں میں لائی جاتی تھی،
پھر افیون کو اس کے ہولناک الکلائڈ میں تبدیل کرنے کے لیے
استعمال کی جانے والی تمام کی تمام سائیکوٹراپک ادویات یا عام
طور پر کیمیکل کہلائے جانے والے مرکبات ترقی یافتہ مغربی
ممالک سے برآمد کیے جاتے تھے مگر ایک ملک کی حیثیت سے
ہیروئن کی تیاری اور برآمد میں پاکستان کا نمایاں حصہ تھا۔

اس گھناؤنے کھیل میں جمی لائیڈ کے بے ضمیر تنخواہ دار
ملوث رہے ہوں یا چھوٹے موٹے افراد اور گروہ۔ میرے
نزدیک وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے اس اعتبار
سے موسیٰ بھی ان ہی کی صفوں کا آدمی تھا جس نے ایمی جیسی محبت
سے ترسی ہوئی لڑکی کو اپنی بے پناہ وجاہت اور دولت کی چکاچوند
میں الجھا کر اپنا آلۂ کار بنانے میں کامیابی حاصل کرلی تھی مگر میں
نے پاکستان سے باہر نکلتے نکلتے بھی ایمی کو پورے کھیل سے آگاہ
کرکے اس کی بساط الٹ دی تھی۔

میرے لیے وہ ایک مشن تھا جس میں ہر کامیابی خواہ وہ
چھوٹی ہو یا بڑی، اپنی جگہ اہم تھی۔ میں نے اختصار کے ساتھ
سلطان شاہ کو ایمی کی سنسنی خیز کہانی سے آگاہ کیا تو اس
ناقابلِ یقین اتفاق پر وہ ششدر رہ گیا کہ اتنے بڑے جہاز کے
مسافروں میں ایمی اسی شخص سے ٹکرائی تھی جو ہیروئن اور ہیروئن
فروشوں کی بیخ کنی پر تلا ہوا تھا۔

"اور اس نے تمھاری باتوں میں آکر اپنے محبوب پر لعنت
بھیج دی۔" اس نے میرے خاموش ہونے پر حیرت کے ساتھ
سوال کیا۔ دوسرے مسافروں کی آمدورفت کی وجہ سے اس کا
لہجہ دھیما ہی تھا۔

"ہر بات منطقی ہے، وہ میرے ایک اندازے کو بھی نہ
جھٹلا سکی۔ موسیٰ نے اس پر اپنی ذات کا ایسا سحر باندھا تھا کہ
جب تک وہ اس سے ملتی رہی اس کی ہر بات کو من وعن تسلیم
کرتی رہی مگر اس سے الگ ہوتے ہی وہ اس کی مکاریاں سمجھنے
لگی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے اس کی زندگی تباہ ہونے سے
بچالی۔"

"خدا کرے کہ تمھاری یہ خوش فہمی دیرپا ثابت ہو۔" اس
نے دعائیہ انداز میں کہا۔ "ایسی جذباتی عورتوں کی کھوپڑیاں الٹی
ہوتی ہیں، اگر پاکستان واپسی پر موسیٰ اس سے پھر ملا تو وہ اس
کی معصومیت کی قائل ہوجائے گی اور تم شاید اپنا سر پیٹتے رہ
جاؤ گے۔"

"محض اسی خدشے کی وجہ سے میں نے اسے روم کے
طے شدہ ہوٹل میں قیام پر آمادہ کیا ہے تاکہ اس پر موسیٰ کی اصلیت
ظاہر ہوسکے۔ بات شبہات تک رہتی تو وہ اپنی رائے کبھی بھی
بدل سکتی تھی۔" میں نے کہا۔

"اگر وہ روم جا رہی ہے تو کیوں نہ ڈان مرسیانو کا
سراغ بھی لگاتی آئے۔" سلطان شاہ نے رائے دی۔

"میں نے سوچا تھا لیکن اس طرح وہ دشواریوں میں پڑ
سکتی ہے۔ میں تنظیم سے بہت دنوں سے کٹا ہوا ہوں۔ ہوسکتا
ہے کہ موسیٰ ان ہی لوگوں میں سے رہا ہو۔ اس کے معاملے میں
ملوث ہونے کی وجہ سے ایمی کی ذات بہت مخدوش ہوگئی ہے
وہ ڈان مرسیانو جیسے گھاگ کے ہاتھ لگ گئی تو وہ کسی تشدد کے
بغیر اس سے سب کچھ اگلوالے گا۔"

"اگر میں علی شیر ہوں تو تم اس کے لیے اکبر ہی ہوگے؟"
اس نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"ظاہر ہے کہ اب ہمارے یہی نام ہیں۔" میں نے سخت
لہجے میں کہا۔ "یہ بات ہمیں ہر لمحے یاد رکھنا ہوگی۔"

"ہم پہلے اتریں گے یا وہ؟" اس نے جھجکتے ہوئے
سوال کیا۔

میں نے بمشکل اپنا قہقہہ ضبط کیا۔ "روم فرینکفرٹ سے
بہت پہلے آتا ہے، دیکھو وہاں کیا ظہور میں آتا ہے، شاید تمھیں علم
نہ ہو کہ مغربی دنیا میں مافیا کا ہیڈ کوارٹر اٹلی ہی میں ہے۔"

"ہوا کرے، مجھے کون سی اس کی رکنیت لینا ہے۔"
اس نے بے پروائی سے کہا اور میں اسے گھورتا ہوا اپنی
نشست کی طرف واپس چل دیا۔

ایمی اپنی نشست کی پشت گاہ پیچھے کیے کسی سوچ میں
ڈوبی ہوئی تھی۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ روم ایئرپورٹ پر کیوں نہ اپنا
سوٹ کیس بھی چھوڑ دوں۔" میرے پہنچتے ہی اس نے یوں
سوال کیا جیسے میرے جانے کے بعد اسی بارے میں سوچتی
رہی ہو۔

"کیوں؟ کیا اس نے تمھارا سوٹ کیس کھولا تھا؟" میں

نے سوال کیا۔

"نہیں، لیکن پھر بھی احتیاط ضروری معلوم ہوتی ہے۔" وہ ہولے سے بولی۔

"یہ احتیاط گلے بھی پڑ سکتی ہے۔ تم بلا وجہ لوگوں کی نظروں میں آجاؤ گی۔ بین الاقوامی پرواز سے کسی نئے ملک میں پہنچنے والے غیر ملکی کا ائیرپورٹ کی عمارت سے خالی ہاتھ باہر نکلنا بہتوں کو الجھن میں ڈال سکتا ہے۔"

"مجھے تو یہ سوچ سوچ کر وحشت ہو رہی ہے کہ میں اتنے دنوں تک منشیات کے ایک اسمگلر کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہی ہوں۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"ذہن پر زیادہ زور نہ دو، ایسا نہ ہو کہ عین موقع پر تمہارے اعصاب جواب دے جائیں۔" میں نے اسے مشورہ دیا۔ "اور ایک بات ضرور یاد رکھنا کہ اپنا سوٹ کیس لیتے ہی اس کا ٹیگ نمبر دیکھ کر اپنے ٹکٹ سے چپکا ہوا دوسرا ٹیگ ضائع کر دینا۔ بعض اوقات کوئی چھوٹی سی بھول بھی بڑی پریشانی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہارا یہ احسان کیسے اتار سکوں گی۔" اس نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا اور پشت گاہ سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

*

روم کا ہوائی اڈا کراچی سے زیادہ مختلف ثابت نہیں ہوا تھا۔ وہاں بھی زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی اور طیارے سے اترنے کے لیے مسافروں کو سیڑھیاں استعمال کرنا پڑی تھیں جہاں سے وہ بس میں سوار ہو کر ٹرمینل کی عمارت کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ روم میں طیارے سے اترنے والے مسافروں کی تعداد کافی تھی جب کہ وہاں سے سوار ہونے والے بہت کم تھے اور۔۔۔ ائیرپورٹ کو دیکھتے ہوئے ان معاشی اسباب کا اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا جن کی بنا پر اٹلی کا شمار یورپ کے غریب ترین ملک کے طور پر ہوتا تھا۔

جتنی دیر وہاں طیارے کی فیولنگ اور چیکنگ ہوتی رہی طیارے میں نشہ آور مشروبات کی سروس موقوف رہی۔ مسافروں کو اس عرصے میں طیارے سے اترنے کی اجازت نہیں تھی لہٰذا میں دروازے پر کھڑا گندمی مائل سرخ رنگت والے مقامیوں کے ۔ ترمیوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر میں ایک ائیر ہوسٹس سے گفتگو میں مصروف ہو گیا۔ اس نے میری فرمائش پر مجھے اسکاچ کے بجائے جوس کا گلاس دیتے ہوئے بتایا کہ دوران سفر کہیں بھی لینڈ کرتے ہوئے طیارے کے عملے کو ڈیوٹی وغیرہ سے کے نفاذ کے باعث ہر قسم کی اسپرٹ اور الکحل کا گوشوارہ تیار کرنا ہوتا ہے جس میں کوئی بھی کمی بیشی قابل مواخذہ ہوتی ہے لہٰذا طیارے کے دوبارہ ٹیک آف سے قبل کسی بھی قسم کی شراب مسافروں کو نہیں دی جاتی۔

ایمی مجھ سے جذباتی انداز میں رخصت ہوئی تھی اور چند گھنٹوں کی رفاقت میں میرے وجود میں کسی غیر مرئی سی کمی کا موہوم سا احساس چھوڑ گئی تھی جس کا ازالہ میں ائیر ہوسٹس کی پیشہ ورانہ مسکراہٹوں سے کر رہا تھا

روم سے پرواز کرتے ہوئے سلطان شاہ میرے ساتھ والی نشست پر مستقل براجمان ہو گیا۔ اپنے پہلے بین الاقوامی سفر پر وہ خاصا خوش اور پرجوش نظر آ رہا تھا۔

پھر جب فرینکفرٹ پر پرواز کا اختتام ہوا تو اس کی حیرت دیدنی تھی طیارے کے دروازے کے قریب پہنچتے ہی جب نیچے اترنے والی سیڑھیوں کی جگہ ٹیلی اسکوپک گینگ وے نظر آیا تو وہ کچھ بوکھلایا ہوا سا نظر آنے لگا۔ اس چوکور سرنگ کا دوسرا دہانہ ٹرمینل کی عالیشان عمارت سے منسلک تھا۔ وسیع و عریض راہداریوں کے وسط میں بھاری سامان کے ساتھ عمارت کے دور افتادہ حصوں میں آمد و رفت کے لیے بھاری مشینی کنوے چل رہے تھے۔ عمارت میں ہر طرف اطلاعی نشانات جرمن زبان میں لگے ہوئے تھے۔ گزرنے والا مقامی عملہ بھی بلا استثنا جرمن بول رہا تھا۔

لیکن نشانات اس قدر واضح اور علامتی تھے کہ ہم ان کے سہارے نکاسی کے راستے پر پہنچ گئے جہاں محافظوں سے گزر کر بارڈر پولیس کے دفتر سے رجوع کرنا پڑا کیوں کہ... لفتھانسا کے ٹرانزٹ مسافروں کے لیے بھی رات بھر قیام کے لیے چوبیس گھنٹوں کا عارضی ویزا حاصل کرنا لازمی تھا۔

باوردی جرمن افسر سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں بے اختیار ہٹلر کا تصور ابھر آیا۔ وہ مجھ سے مسکراتے ہوئے خلیق انداز میں انگریزی میں بات کر رہا تھا مگر اس میں انکساری کی جگہ نخوت سی نمایاں تھی، جیسے وہ واقعی خود کو نطشے کا فوق البشر تصور کر رہا ہو۔

اس نے یکے بعد دیگرے ہم دونوں کے ویزا فارم پاسپورٹ کے مطابق مکمل کیے اور پھر تین مارک فی کس کے حساب سے چھ جرمن مارک کا مطالبہ کر دیا۔ مگر وہ فضا میں اپنی فضائی میزبانوں کی فیاضیوں سے لاعلم تھا جنھوں نے کراچی سے فرینکفرٹ تک کے سفر میں طیارے میں نہ رقم کے استعمال کی نوبت آنے دی نہ میں نے ڈالر ترکیش کرائے۔

میرا ہاتھ جیب سے برآمد ہوا تو سو ڈالر کا نوٹ دیکھ کر وہ باوردی افسر عارفانہ شان سے ہنسا جیسے جتا رہا ہو کہ ہم اتنے بڑے نوٹوں سے مرعوب ہونے والوں میں سے نہیں ہیں پھر اس نے شکستہ انگریزی میں واقعی وہ چھ مارک معاف کر دیے۔

"تم جاؤ، ہم ادا کر دیں گے۔"

میں نے عمارت میں پھیلی ہوئی دن جیسی روشنی میں ویزا فارموں کا جائزہ لیا تو ہر فارم پر ہاتھ سے لکھی ہوئی ویزا فیس کی رقم موجود تھی جو ظاہر ہے کہ سرکاری خزانے میں جمع ہونا تھی، وہ کوئی غیر سرکاری بھتا نہیں تھا جسے معاف کر دینے کی صورت میں سرکاری حساب کا کچھ نہیں بگڑتا۔ میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ وہ ڈیوٹی پر دن بھر اسی طرح فیاضی دکھانے کا عادی تھا تو تنخواہ میں سے گھر کیا لے جاتا ہو گا؟ لیکن اس کی انگریزی کچی تھی، میں جرمن زبان سے نابلد تھا لہٰذا تفصیل دریافت کرنے کی ہمت نہ کر سکا اور شکریے کے انداز میں سر کو جنبش دے کر شیشے کے دروازوں کی طرف ہو لیا۔

دروازے سے نکلتے ہی خیال آیا کہ طیارے کو خیرباد کہنے سے ویزا کے حصول تک سامان کا کہیں درشن نہیں۔ داؤد ویزا لینے کے بعد ہم دونوں شاید عملاً ایئرپورٹ سے باہر آ چکے تھے تو پھر ہمارا سامان کہاں غائب ہو گیا تھا۔ میں نے پلٹ کر دروازے سے دوبارہ اندر گھسنا چاہا لیکن وہاں موجود اکھڑ محافظ نے دروازے میں ٹانگ اڑا کر میرا راستہ روک دیا۔ "آؤت" یہ کہہ کر اس نے مجھے روکنے کے لیے زور لگایا۔ میں نے مشق نہ ہونے کے باوجود فصیح و بلیغ انگریزی میں اپنے سامان کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا مگر اس پر میری تقریر کا اُلٹا ہی اثر ہوا۔

وہ وہی ایک لفظ دہرائے جا رہا تھا۔ اس کا لہجہ کرخت ہو گیا تھا۔ جب اس نے یہ اندازہ کر لیا کہ محض جسمانی طاقت کے بل پر مجھے باہر نہ روک سکے گا تو اس نے شاید آخری بار "آؤت" کہتے ہوئے اپنی شہادت کی انگلی اوپر اٹھا دی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سارا ہی یورپ مادیت پرست نہیں ہو گیا تھا۔ کم از کم جرمنوں میں خوفِ خدا اور یادِ خدا باقی تھی۔ اُس نے مجھے شاید خدا کا واسطہ دے کر روکنے کی کوشش کی تھی۔ لہٰذا میں تھم گیا لیکن سنبھالا لیتے ہوئے ذرا پیچھے ہٹا تو نگاہ خود بخود دروازے کے اوپر اٹھ گئی جہاں جرمن زبان کے ساتھ ہی انگریزی میں بھی اخراج اور داخلہ ممنوع کے الفاظ مُنہ چڑا رہے تھے۔

شاید میں پہلا آدمی نہیں تھا جس کے ساتھ وہ صورت پیش آئی ہو، اسی وجہ سے انگریزی کو بھی شرفِ باریابی بخش دیا گیا تھا۔

میں دوسری بار محافظ کو ذرا متوسط قسم کی انگریزی میں مخاطب کرنے والا تھا کہ بارڈر پولیس کا ایک باوردی افسر جو دور کھڑا سارا تماشا دیکھ رہا تھا، باوقار انداز میں چلتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور انگریزی میں کچھ ایسے فقرے ادا کیے جن کا مطلب "تمہارا سامان مُردہ باد" نکلتا تھا۔ اس وقت تک مجھے جرمنوں کی علمی قابلیت کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا لہٰذا میں نے اس کے فقرے کے بجائے الگ الگ الفاظ پر غور کیا کہ وہ مجھے سامان کے لیے نیچے گراؤنڈ فلور پر جانے کا مشورہ دے رہا ہے۔

معاملہ کچھ سلجھتا نظر آ رہا تھا لہٰذا میں سلطان شاہ کے ساتھ ہو لیا۔ وہاں ہمارا سامان واقعی ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ اس سے آگے فٹ پاتھ تھی اور فٹ پاتھ سے آگے صاف ستھری سڑک جہاں کئی ایئر کنڈیشنڈ مائیکرو بسیں قطار میں کھڑی ہوئی تھیں۔ شاید کسٹم چیکنگ کسی خودکار مرحلے پر پہلے ہی کر لی گئی تھی۔

پاکستان ہوتا تو نقل و حمل اتنی وافر سہولتوں کی موجودگی میں کوئی بھلا ان لاوارث سوٹ کیسوں کو اٹھا کر لے جا سکتا تھا؟ جرمنی کے باشندے ایسے موقع شناس نہیں تھے۔ سوٹ کیسوں کو ہاتھ لگاتے ہی کہیں سے ایک باوردی اہلکار نمودار ہوا۔ میں نے اپنے ٹیگ اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے نمبروں کا موازنہ نہ کیے۔ بغیر بے پروائی سے ٹیگ پھاڑ کر ڈسٹ بن میں ڈال دیے اور مجھے شبہ ہونے لگا کہ وہاں چوری کا تصور صرف پیشہ ور چوروں تک ہی محدود تھا۔

ایئرلائن کے ٹکٹ کے ساتھ متفرق فری کوپن بھی فولڈر میں موجود تھے۔ مفت ٹرانسپورٹ، مفت شبینہ قیام، مفت طعام ان سب پر ہوٹل برگر کا نام نمایاں تھا۔

مائیکرو بسوں کی طرف دیکھا تو دو پر اُسی ہوٹل کا نام درج تھا۔ میں سلطان کو اشارہ کرتے ہوئے بس کی طرف لپکا تو داہنی سمت سے سارنگی، طنبورے لٹکائے تین ادھیڑ عمر مردوں اور دو سالونی سلونی دلکش لڑکیوں پر مشتمل ایک قافلہ آڑے آ گیا۔

ان میں سے ایک مرد نے کسی زبان میں کچھ کہا جو میرے پلے نہ پڑ سکا، لیکن اتنا اندازہ ہو گیا کہ وہ جرمن نہیں بول رہے تھے جس سے اس وقت تک کان قدرے مانوس ہو چکے تھے کیونکہ دورانِ پرواز طیارے کا کپتان بھی کبھی کبھار فضا کی بیکراں یکسانیت سے اُکتا کر جرمن بولنے لگتا تھا۔

میں نے انگریزی میں انھیں بتایا کہ ان کی زبان میری فہم سے بالا تھی۔ اسی کے ساتھ اردو میں دونوں لڑکیوں کا جائزہ لیا تو ایک سٹپٹا کر دوسری طرف دیکھنے لگی، دوسری کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے گلابی ہونٹوں تک مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس بار وہی بولی تھی۔ پورے فقرے میں صرف اطالیہ لو میرے، پلے پڑ سکا پھر معاً مجھے یاد آ گیا کہ وہ موسیقی کے ردم سے ہمارے ہی طیارے پر سوار ہوئے تھے۔

طیارے میں رنگ دلو کا ایک ہجوم ہمسفر تھا اس لیے اس

بھیڑ میں اُن پر نگاہیں نہ رک سکیں لیکن اس بھیڑ سے الگ ہوتے کے بعد وہ سب ہی خاصے دلکش نظر آ رہے تھے۔

رات خاصی ڈھل چکی تھی۔ طیارے سے اترنے والے سارے مسافر نجانے کہاں غائب ہو چکے تھے۔ اِدھر اُدھر بس کا اِکا دُکا اہلکار نظر آ رہا تھا یا وہ پانچوں اور ہم دونوں۔

صحیح معنوں میں زبان کا بحران بس وہی تھا، اپنی جس انگریزی پر ہمیشہ نازاں رہا تھا وہ فرینکفرٹ کی سرزمین پہ جواب دے گئی تھی جرمن تو جرمن، اطالوی بھی ہمارے مُنہ آنے لگے تھے۔

میں نے قیاس سے کام لیا اور سابقہ تجربوں کے مطابق فقروں کے بجائے الفاظ سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔

"ٹکٹ؟" میں نے سیاہ آنکھوں والی کی تتلاہٹ کو دہراتے ہوئے ٹکٹ مانگے جو اسی کے پرس سے برآمد ہوئے۔ میں نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا کہ اُن کے پاس بھی وہی سب تھا جو ہمارے پاس تھا تو پھر اُنھیں کس کی تلاش تھی؟

"ہوتیل؟" میں نے سوال کیا اور پانچوں کھوپڑیاں بے صبری کے ساتھ اثبات میں ہلنے لگیں۔ میں نے کسی فاتح کمان دار کی طرح انھیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور ہوٹل کی بس کی طرف بڑھ گیا۔

لیڈیز فرسٹ کے اصول پر عمل کرتے ہوئے پہلے دونوں لڑکیوں کو بس میں سوار کرایا گیا۔ ڈرائیور نے سب سے سامان لے کر عقبی حصے میں ڈالنا شروع کر دیا۔ سلطان شاہ مروّت میں پیچھے رہ گیا۔ موسیقی نوازوں کو میں نے غیر محسوس طریقے سے پیچھے دھکیل دیا۔ اور یوں کالی آنکھوں والی کے برابر میں جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ مائیکرو بس میں آمنے سامنے چھ سواریوں کی گنجائش تھی۔ ان نشستوں پر سات بیٹھے تو وہاں من تو شدم تو من شدی کا سماں پیدا ہو گیا اور ڈرائیور نے دروازہ بند کر کے گاڑی پھولوں سے لدے ہوئے تختوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے روشن اور خوبصورت شاہراہ پر آگے بڑھا دی۔

اونچے اونچے اسٹریٹ لیمپس کے انعکاس میں کبھی کبھی میں اپنی ہم نشین کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ اُس کے لب بھنچے ہوئے تھے مگر آنکھیں مسکرائے جا رہی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُس سے گفتگو کا آغاز کیسے اور کس زبان میں کیا جائے۔

وہ ہوٹل خاصا شاندار تھا۔ سفر بمشکل چند منٹ میں ختم ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ ہوٹل ائیرپورٹ سے ذرا اور دُور ہوتا تو بہتر رہتا۔ کم از کم کچھ اچھے لوگوں کو ایک دوسرے سے متعارف ہونے کا موقع مل جاتا۔

ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر پر مجھے پھر خدمتِ خلق کرنا پڑی کیونکہ فارم جرمن، فرنچ اور انگریزی میں چھپے ہوئے تھے اور ان میں سے کوئی زبان اطالوی سے مشابہ نہیں تھی۔ اس بار فارم پُر کرنے کے لیے ان کے پاسپورٹ لینے پڑے اور ان سے پتا چلا کہ دوسری لڑکی ان میں سے ایک کی بیوی تھی جبکہ کالی آنکھوں والی کا آخری نام اُن میں سے کسی سے نہیں ملتا تھا۔

"یہ میراثیوں میں کہاں پھنس گئے تم؟" میری طول پکڑتی ہوئی مصروفیات پر آخر کار سلطان شاہ بول ہی پڑا۔ "ان سے جان چھڑا کر سیدھے کمرے میں چلو ورنہ تمھارے ستارے آج گردش میں نظر آ رہے ہیں۔"

"اچھا ہوا کہ تم جاگ رہے ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ذرا یہ تو بتاؤ کہ کس مدار پر گردش کے امکانات ہیں میرے ستارے کے؟ میرا تو ان سے غزلیں سننے کا ارادہ ہو رہا ہے۔"

"یہ لوگ تو شاید اپنے سازوں کو صحیح طرح پکڑ بھی نہ سکیں گے۔" وہ بولا۔ "یہ پانچوں مظلوم اور سادہ لوح بن کر بیوقوف بنانے والوں میں سے معلوم ہوتے ہیں۔"

میں نے ان کے فارم مکمل کر کے انھیں لوٹائے تو ایک شخص نے اپنی جیبیں ٹٹولنا شروع کر دیں۔ مجھے شبہ ہوا کہ کہیں وہ فارم بھرنے کی اُجرت نہ دینا چاہتا ہو مگر اس کا بایاں ہاتھ دو ماچسوں کے ساتھ برآمد ہوا جو اُس نے میری طرف بڑھا دیں۔ ان ماچسوں پر ایک طرف ان پانچوں کی آلاتِ موسیقی سمیت تصاویر چھپی ہوئی تھیں اور اوپر انگریزی میں السولیڈو گروپ لکھا ہوا تھا۔

مجھے ماچس دینے والا کسی حوصلہ افزائی کی اُمید میں دانت نکالے کھڑا تھا۔ جب تک میں نے سر نہیں ہلایا اس نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی اور پھر وہ ہوٹل کے رجسٹر پر دستخط کرنے بڑھ گیا۔

ہمیں نویں منزل پر کمرے ملے، انھیں پانچویں منزل کے کمروں کی چابیاں ملیں۔ اس اثنا میں پورٹر ہم سب کا سامان کارگو لفٹ میں ڈال چکے تھے۔ لفٹ کی طرف جاتے ہوئے سیاہ آنکھوں والی اپنے ساتھیوں سے کٹ کر دانستہ میرے قریب آ گئی اور پھر بھیگی بھیگی مخمور سرگوشیانہ آواز میں بولی۔ "شوگر اسموکنگ... مَم... روم۔"

میں نے آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے اُسے دیکھا اور دل ہی دل میں 'یا وحشت' کا نعرہ لگاتا ہوا اس سے الگ ہو گیا۔ وہ جو کچھ کہہ گئی تھی وہ میرے لیے ناقابلِ فہم نہیں تھا۔

پتا نہیں میری پیشانی پر ہیروئن کا لفظ تحریر تھا کہ ہر جگہ اور ہر موڑ پر اس حوالے سے کچھ نہ کچھ رونما ہو رہا تھا یا پھر مغرب کی جوان نسل میں وہ نشہ اتنا مقبول ہو چکا تھا کہ تشکر کے اظہار کے لیے کسی کو ہیروئن نوشی کے لیے اپنے کمرے میں مدعو کرنا معیوب نہیں رہا تھا۔

"کیا کہہ دیا اُس نے جو ایک دم بھڑک گئے؟" شاہ سلطان

نے نکلف انداز ہوتے ہوئے سوال کیا۔
"آنکھیں کس قدر جاندار ہیں۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "مگر یہ بھی ہیروئن پیتی ہے۔ مجھے اپنے کمرے میں مدعو کر رہی تھی۔ لعنت ہو ایسے شوق پر۔"
"یہ بات بڑی آسانی سے سمجھا دی اُس نے۔" وہ زور سے ہنسا۔

ہم ایک ساتھ لفٹ میں سوار ہوئے۔ لڑکی نے اپنی دعوت پر میرے حوصلہ شکن ردِعمل کو محسوس کر لیا تھا مگر پھر بھی پانچویں منزل پر لفٹ سے نکلتے ہوئے اُس نے بڑے دلآویز انداز میں میری طرف ہاتھ لہرایا تھا۔
"میرا خیال ہے کہ تمھیں اس لڑکی سے مل بیٹھنا چاہیے۔" لفٹ میں تخلیہ میسر آتے ہی سلطان شاہ نے کہا۔
"وہ ہیروئن کی دعوت نہ دیتی تو میں خود شب بیداری کے فراق میں تھا۔ اُتو کی پٹھی نے سارا موڈ چوپٹ کر دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس جیسی دلکش اور صحت مند لڑکی اس شوق میں مبتلا ہو گی۔"
"ہو سکتا ہے تمھارے سننے میں غلطی ہوئی ہو۔ کیا اُس نے ہیروئن کا نام لیا تھا؟"
"میں اتنا بھی ناسمجھ نہیں ہوں۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "شوگر گلو کوز کو تو نہیں کہتے نا؟"
لفٹ نویں منزل پر تھم گئی۔ اس سے قریب ہی راہداری میں ایک کمرے کے سامنے پورٹر پہلے سے ہمارے سوٹ کیسوں سمیت موجود تھا۔ ہم دونوں سے چابیاں لے کر اس نے باری باری دونوں کمرے کھولے اور سوٹ کیس اندر پہنچا دیے۔ وہ ٹپ کے انتظار میں ٹھٹکا تھا مگر میں نے اُسے نظر انداز کر دیا کیوں کہ ابھی تک میرے پاس بڑے کرنسی نوٹ ہی موجود تھے۔ اس کے باہر نکلنے سے پہلے سلطان شاہ اپنا کمرہ مقفل کر کے میرے کمرے میں آ گیا۔
پورٹر کے جاتے ہی میں دروازہ بند کر کے جوتوں سمیت نرم اور آرام دہ بستر پر گر گیا۔
"شاید تم میری بات کو مذاق سمجھ رہے تھے۔" سلطان شاہ نے کرسی سنبھالتے ہوئے پھر اپنی بات شروع کر دی۔ "میں کسی مقصد کے تحت مشورہ دے رہا تھا۔"
"نہ مذاق، نہ مشورہ، میں اس لڑکی کے ساتھ اب پندرہ منٹ بھی نہیں گزار سکتا۔"
"ایسی کو تم نے اُلجھانا نہیں چاہا۔ اب یہ خود ہی آ ٹکرائی ہے۔ اطالوی نژاد ہے اور ہیروئن بھی پیتی ہے تو اس لائن کے لوگوں سے بھی روابط رکھتی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی سے ڈان مرسیانو کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔"
"پتا نہیں وہ کیوں تمھارے سر پر سوار ہو گیا ہے۔" میں نے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "تم یہ بھول رہے ہو کہ ڈان مرسیانو ہمارا نہیں ویرا کا ذاتی معاملہ ہے۔"
"لیکن کسی مرحلے پر ہمیں بھی ویرا کا ساتھ دینا ہو گا۔"
"وہ بعد کی بات ہے۔ سب سے پہلے ہمیں غزالہ کو تلاش کرنا ہے۔ اس کے بغیر ہم کسی بات کے پابند نہیں ہیں۔ میں نے اپنی یہ شرط ویرا پر بھی واضح کر دی تھی۔"
"ٹھیک ہے۔ اب تم میری زبان سے ڈان مرسیانو کا تذکرہ نہیں سنو گے۔ میرا تو خیال تھا کہ تم خود بھی اسے کیفرِ کردار کو پہنچانا چاہو گے۔ اسی لیے بار بار یاد دہانی کرا رہا تھا۔"
"اس میں شبہ نہیں کہ وہ بہت دلچسپ شکار ثابت ہو گا مگر ہم نے ... کے ساتھ بہت وقت ضائع کر لیا۔ یہاں ہم اُس کے آنے تک پوری طرح آزاد ہیں اور اپنی ترجیحات کے مطابق کام کریں گے۔"
سلطان شاہ نے خاموشی اختیار کر لی اور میں سوٹ کیس سے شب خوابی کا لباس نکال کر غسل خانے میں گھس گیا۔ کئی دن کی تکان اور بھاگ دوڑ میں مجھے نہانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس وقت کا غسل گہری نیند کے ساتھ ہی تھکے ہوئے اعصاب کے لیے بھی مفید ہو گا۔
نہاتے ہوئے میرا ذہن ایک مرتبہ پھر ہیروئن میں اُلجھ گیا۔
شاور سے گرنے والی نیم گرم پانی کی تیز دھاریں بدن کے مساموں کے ساتھ ہی ذہن کے دریچے بھی وا کر رہی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ لوگ اس دور کو خلاء سے بلاوجہ ہی موسوم کرتے ہیں۔ یہ خلائی نہیں بلکہ بدترین ذہنی خلاء کا دور تھا۔ ہر ذہن میں ہَول ناک ویرانے سنسنا رہے تھے۔ ہجوموں میں گھرے ہوئے انسان تنہائی کا شکار تھے۔ زردار اپنے افلاس کے شاکی تھے اور جو مفلس تھے وہ محرومی کے عذاب میں جھلس رہے تھے۔ مادّی ترقیوں نے انسان کو ہوس میں مبتلا کر کے رکھ دیا تھا۔ ہر شخص پیسا کمانے کی مشین بننے پر تُلا ہوا تھا خواہ اس کے لیے راتیں سیاہ کرنا پڑیں یا دنوں کی مشقت سہنا پڑے اور اس دوڑ میں وہ ساری قدریں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی تھیں جو کسی بھی معاشرے کو ایک مضبوط اکائی کی صورت میں مربوط رکھتی ہیں۔ خلوص اور محبت عنقا ہو گئی تھی۔ ہوس کے مہیب سائے ہر روپ کو نگلنے کے لیے بے تاب تھے، زندگی

کا حسن ماند پڑ گیا تھا، سانسوں میں حرارت باقی نہیں رہی تھی۔ اس گھٹن سے ہر فرد گھبرایا ہوا تھا اپنے گرد و پیش کو بھول کر بس اپنی ذات میں گم ہو جانا چاہتا تھا۔

اور یہ خواب — خود فراموشی کی کیفیت بس نشے ہی فراہم کر سکتے تھے، جن میں ہیروئن سب سے آگے تھی۔ سب جانتے ہیں کہ یہ زہر ہے مگر وقتی نشاط اور کیف و سرور کے لیے اس کی طلب دن بدن بڑھ رہی تھی۔ چند گھنٹوں کے سفر میں بھی میرے کان اس نام سے نامانوس نہیں رہے تھے۔ ایمی بہتر مستقبل کی اُمید پر ہیروئن کے ایک اسمگلر کے وار سے بال بال بچی تھی اور کالی آنکھوں والی بے زبان لڑکی نے بڑی ہی فصاحت کے ساتھ ہیروئن سے اپنے تعلق کا واضح اظہار کیا تھا اور وہ سب اپنے اپنے ذہن کے کسی مہیب خلا کو پاٹنے کے لیے کوشاں تھے۔

*

ٹھیک نو بجے طیارہ کسی سبک اندام پرندے کی طرح ہیتھرو ایئرپورٹ کے رَن وے پر لینڈ کر گیا۔ جوں جوں میں منزلیں طے کرتا غزالہ سے قریب ہوتا جا رہا تھا، میرے اعصاب پر ہیجان طاری ہوتا جا رہا تھا اور اب تو آخر کار میں پاکستان میں اپنی ذات کو لاحق تمام خطرات کو فریب دے کر آخر کار برطانیہ کی سرزمین پر آ ہی پہنچا تھا۔ جہاں دیرانے غزالہ کو یرغمال بنا کر رکھا ہوا تھا۔

میرا ذہن غزالہ میں اُلجھا ہوا تھا مگر نگاہیں پُرتجسس انداز میں کھڑکی سے باہر بھٹک رہی تھیں کیوں کہ اس سرزمین پر میری وہ پہلی لینڈنگ تھی۔ باہر سے ہیتھرو ایئرپورٹ فرینکفرٹ کے مقابلے میں سال خوردہ اور گندا نظر آ رہا تھا لیکن ٹرمینل کی روشن اور صاف ستھری عمارت اندر سے بہت پُرشکوہ تھی۔

گینگ وے سے نکل کر کئی راہداریوں میں گھومتی ہوئی برٹش ایئرویز کے مسافروں کی بھیڑ ایک ہی سمت میں چلتی رہی اور آخر کار امیگریشن ہال میں داخل ہو گئی جہاں پائپ ریلنگ کے سامنے ایک سرے سے دوسرے سرے تک متعدد قطاریں بننے لگیں۔ ہر قطار کے سامنے اونچی ڈیسک اور کرسی پر مرد اور عورت امیگریشن افسران براجمان تھے۔

پائپ ریلنگ کے پیچھے سے مسافر باری باری اندر داخل ہوتے تھے اور چند ثانیوں میں فارغ ہو کر خوشی خوشی آگے بڑھ جاتے تھے۔ آخر کار میری بھی باری آ گئی۔ امیگریشن افسر نے عینک کے محدّب عدسوں کے پیچھے سے تیز نگاہوں سے میرا جائزہ لیا، پھر پاسپورٹ کی ورق گردانی کرتے ہوئے نام، برطانیہ آمد کا مدعا اور مدتِ قیام دریافت کی پھر ایک خالی صفحے پر مہر لگا کر تین ماہ کے ویزے کا اندراج کر دیا۔

میں افسر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا اور اس ہال میں جا پہنچا جہاں کنویئر پر سامان آتا ہے۔ چند ثانیوں بعد سلطان شاہ بھی مجھ سے آملا اور میں نے وہ کٹھن مرحلے طے ہو جانے پر اطمینان کی سانس لی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں برطانوی افسران ہمارے پاسپورٹوں میں جعل سازی نہ پکڑ لیں مگر ویزا لگنے کے بعد وہ خطرہ ٹل گیا تھا۔

سامان آجانے کے بعد ہمیں کسٹم افسران کا سامنا کرنا پڑا۔

"یہ تمہارا ہی ہے؟" کسٹم افسر نے دونوں ہاتھوں سے میرے سوٹ کیس کو قربانی کے بکرے کی طرح تھپکتے ہوئے سوال کیا۔

"اسے تم نے خود پیک کیا ہے؟" میرا جواب اثبات میں پا کر دوسرا سوال کیا گیا اور میں نے اس بار بھی اثبات میں جواب دیا۔

"کھولو۔" اُس نے اچانک سخت لہجے میں کہا اور میں نے نہایت اطمینان کے ساتھ تالے کھول کر سوٹ کیس کا ڈھکن اُٹھا دیا۔ میں اپنے سوٹ کیس کی طرف سے بے فکر تھا۔ لہٰذا میری توجہ اُسی کاؤنٹر پر برابر والے ایک سفید فام جوڑے پر مرکوز ہو گئی۔

کسٹم افسر نے مرد کے دونوں جوتے اُتروا لیے تھے اور جوتے کو بینٹ سے لگائے اس کی اونچی ایڑی میں ایک کھوکھلا سُوا پیوست کر رہا تھا۔ اس کارروائی کا شکار ہونے والا سخت مضطرب تھا اور بار بار اپنا نچلا ہونٹ دانتوں سے کاٹ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی ٹانگیں بھی کانپ رہی تھیں۔

"شکریہ — اسے بند کر لو۔" میرے سامنے والے افسر کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ سوٹ کیس کی اچھی طرح تلاشی لینے کے بعد اسے میرے آگے کھسکا چکا تھا۔

میں نے کپڑوں وغیرہ کو یوں ہی ٹھونس کر سوٹ کیس بند کیا اور اُسی لمحے برابر والے سفید فام نے ننگے پاؤں اچانک نکاسی کے راستے کی طرف دوڑ لگا دی۔

اس کے جوتے کی تلاشی لینے والا افسر جوتا وہیں چھوڑ کر بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ کاؤنٹر پر سے کُود کر باہر نکلا تھا اور اسی کے ساتھ اُس نے جیب سے نکال کر وِسل بجا دی تھی۔ وہ صورتِ حال اس قدر اچانک رونما ہوئی تھی کہ کسی کو کچھ پتا نہ چل سکا کہ کیا ہوا تھا اور وہاں افراتفری کے ساتھ سنسنی پھیل گئی مگر بھاگنے والا کسٹم ہال سے باہر جانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وِسل بجنے تک دو باوردی سپاہی اسے اپنی مضبوط گرفت میں لے چکے تھے اور

وہ مغلظات بکتا ہوا خود کو اُن کی گرفت سے چھڑانے کی جان توڑ کوشش کر رہا تھا۔

اسی اثنا میں اُس کی تلاشی لینے والے افسر نے پیچھے سے اُس کا کالر پکڑ لیا۔ اس وقت تک ہال میں تلاشی کا عمل موقوف ہو چکا تھا اور عملے کا ہر فرد اپنی جگہ مستعد کھڑا ایک ایک مسافر کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔

"چھوڑو، میرا کالر چھوڑ دو اُلّو کے پٹھے!" ننگے پیروں بھاگنے والا مزاحمت کرتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ "میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ تم لوگ شریف شہریوں کو بلاوجہ ہراساں کرتے ہو۔"

"شریف شہری!" اس افسر نے گالی کھا کر اُس کے کالر کو زور سے جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ "کوئی جرم نہیں کیا تو جوتے کیوں چھوڑ بھاگے تھے؟ آؤ تم کو دکھاؤں کہ ایڑیوں میں تم کیا لائے ہو۔"

"تم جھوٹے ہو، میرے جوتوں میں کچھ نہیں تھا۔ تم بلاوجہ مجھ پر تشدد کر رہے ہو، میں تم پر دعویٰ کر دوں گا۔۔۔ میرا ڈاکٹر گواہی دے گا کہ میں گردوں کا مریض ہوں۔ گردے کے درد سے بے چین ہو کر میں غیر ارادی طور پر اچانک دوڑ پڑا تھا۔" وہ شخص مسلسل حلق پھاڑ پھاڑ کر چلّائے جا رہا تھا۔

آثار سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مجرم تھا اور راز فاش ہونے کے خوف سے اُس نے انجام پر غور کیے بغیر فرار ہونے کی ناکام کوشش کی تھی مگر اُس کے واویلا مچانے پر وہاں موجود بھیڑ میں اُس کا ایک حمایتی بھی پیدا ہو گیا۔

"اِس کا کالر چھوڑ دو آفیسر!" ایک دراز قد سفید فام نے آگے بڑھ کر دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "تم وردی میں ہوتے ہوئے اِس پر تشدد کر کے دوہرے جرم کا ارتکاب کر رہے ہو۔"

"تشدد!" افسر پلٹ کر حیرت سے بولا۔ "اگر میں بروقت اسے نہ پکڑتا تو یہ دونوں محافظوں کو گرا کر فرار ہو گیا ہوتا۔ شاید تم اِس کی مغلظات بھی نہیں سُن رہے۔"

"یہ مجرم ہے، مغلظات بک رہا ہے تو اسے عدالت میں لے جاؤ۔ تم وردی میں ہونے کی بنا پر دھاندلی نہیں کر سکتے۔ ہم جنگل میں نہیں، قانون کے سائے میں رہ رہے ہیں۔ میں نے خود تمہیں اِس کے کالر کو جھٹکا دیتے دیکھا تھا۔"

افسر اُس شخص کو گھور کر رہ گیا لیکن مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اُس نے فوراً ہی اپنے شکار کا کالر چھوڑ کر ہاتھ تھام لیا تھا اور مسلح محافظوں نے اس پر پستول تان لیے تھے۔

وہ صورتحال میرے لیے ناقابلِ یقین تھی کہ روئے زمین پر ایک معاشرہ ایسا بھی تھا جہاں ملزم نہیں بلکہ مجرم کے بھی کچھ مستند قانونی حقوق ہوتے ہیں، کیسی عجیب بات تھی کہ مجمع میں سے ایک عام تماشائی نے ایک بااختیار افسر کو الزام لگایا تھا اور اس افسر نے دخل انداز ہونے والے پر اعانتِ جرم کا الزام عائد کرتے ہوئے اسے بھی ساتھ گھسیٹنے کے بجائے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے مجرم کا کالر چھوڑ دیا تھا۔ ہمارے ملک میں تو اسی ایک جسارت پر ننگے پاؤں بھاگنے والے کو گولیوں سے بھون کر پولیس مقابلے کی ڈرامائی کہانی تیار کی جا سکتی تھی۔

اس شخص کی ساتھی بدستور اپنی جگہ کھڑی رومال میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ چند افسران اِن دونوں کو مشتبہ جوتوں سمیت ایک کمرے کی طرف لے گئے اور ہال میں چند لمحوں بعد دوبارہ مسافروں کو نمٹانے کا کام شروع ہو گیا۔

سلطان شاہ کے فارغ ہونے تک میں وہاں رُکا تھا پھر ہم دونوں ہی ایک ساتھ باہر نکل آئے اور انڈر گراؤنڈ کے نشانات کے سہارے ہیتھرو ٹیوب اسٹیشن کی طرف ہو لیے۔

میری معلومات کے مطابق لندن میں تیز ترین اور سستے سفر کے لیے زیرِ زمین چلنے والی برقی ٹرینیں سب سے بہتر تھیں۔ جو ایئرپورٹ سے شہر کے کسی بھی حصے میں پہنچا سکتی تھیں۔

زیرِ زمین اسٹیشن پر ہی سیاحوں کے لیے معلومات کا مرکز اور ہوٹلوں کی بکنگ کا انتظام بھی تھا جہاں سے کم و بیش ہر بجٹ کے اعتبار سے رہائش کا انتظام کیا جا سکتا تھا۔ گو میرے لیے بھی وہ نیا تجربہ تھا لیکن سلطان شاہ کے لیے زندگی کے ہر شعبے میں اتنا نظم و ضبط حیران کن تھا۔

میں نے مختلف نقشوں اور کتابچوں کے حصول کے بعد معلومات کے کاؤنٹر پر تھوڑا سا وقت ضائع کیا اور یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ کنگز کراس کا علاقہ رہائش کے لیے مناسب ہو گا جہاں قرب و جوار میں سستے ہوٹل بکثرت واقع تھے۔ اس کے بعد ٹیوب کے روٹ کے نقشے پر تھوڑی سی دماغ سوزی کرنے کے بعد یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ کسی اسٹیشن سے باہر نکلے بغیر آدمی کئی ٹرینیں بدل کر ایسے مقامات پر بھی رسائی حاصل کر سکتا تھا جو براہِ راست کسی ایک ٹیوب سروس سے منسلک نہیں تھے۔

پلیٹ فارم پر ٹرین موجود تھی اور ایئرپورٹ سے آنے والے اپنے جملہ ساز و سامان سمیت ٹیوب میں سوار ہو رہے تھے۔ میں نے قریب کے کاؤنٹر سے سو ڈالر کا نوٹ پاؤنڈز میں تبدیل کرایا اور پکاڈلی لائن کی اسٹیشن پر موجود ٹرین میں سوار ہو گیا جو براہِ راست کنگز کراس پر اُتارتی تھی۔

چند منٹ بعد ٹیوب کے خودکار دروازے بند ہوئے اور وہ برق رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔ زیرِ زمین

تاریک سرنگوں کے بعد کھلے آسمان کے نیچے سفر شروع ہوا۔ ٹیوب راستے میں ہر اسٹیشن پر مقررہ مدت کے لیے رکتی ہوئی آگے بڑھتی رہی، پھر مضافات سے نکلنے کے بعد سفر کا بیشتر حصہ سرنگوں میں طے ہونے لگا۔

لندن میں اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کے لیے میں نے ٹیوب کے جیبی نقشے کا مطالعہ شروع کر دیا تاکہ کم سے کم وقت برباد کر کے مطلوبہ مقامات پر پہنچنے میں کامیاب ہو سکوں۔

اس مطالعے کے دوران انکشاف ہوا کہ شیفرڈز بش کا علاقہ جہاں کے بارٹینڈر سے ویرا کے بارے میں تازہ ترین معلومات حاصل ہو سکتی تھیں کنگز کراس اسٹیشن سے خاصی دور سینٹرل لائن پر واقع تھا۔ میں سارے راستے اسی معاملے میں منہمک رہا اور سلطان شاہ باہر کے دلفریب مناظر یا سرنگوں کے اندھیرے سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

میں نے کچھ دیر بعد اکتا کر نقشہ موڑ کر جیب میں رکھ لیا اور بے بسی سے شیشوں پر بنے ہوئے ان نشانات کو دیکھنے لگا جن پر تمباکو نوشی کی واضح ممانعت درج تھی۔

ہیتھرو سے ٹیوب کا ٹکٹ خریدتے ہوئے مجھے کرایہ مہنگا ہونے کا احساس ہوا تھا مگر سفر کی طوالت کو دیکھتے ہوئے یہ احساس زائل ہو گیا اور آخر کار ٹیوب کنگز کراس کے اسٹیشن میں داخل ہو گئی۔

پلیٹ فارم سے گزرنے کے بعد اوپر اور نیچے چلنے والی عظیم الشان سیڑھیوں پر سیکڑوں افراد کھڑے نظر آئے، جنھیں اوپر نیچے کی آمدورفت میں ذرا بھی زحمت نہیں کرنا پڑ رہی تھی۔ ہم دونوں اپنے سامان سمیت اوپر جانے والی سیڑھیوں پر سوار ہو گئے۔ بظاہر وہ لندن کی شہری ٹرانسپورٹ کا ایک مقامی نظام تھا مگر اس کا رابطہ ملک گیر ٹرینوں سے بھی ملا ہوا تھا کیوں کہ کنگز کراس کا اسٹیشن غیر معمولی طور پر بڑا تھا اور وہاں موجود سہولیات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ برٹش ریل سروس اس اسٹیشن سے گزرتی تھی جو ہمارے لیے شاید ایک اضافی سہولت ہوتی۔

مشرق سے آنے والوں کے لیے اس شہر کی فضا بڑی سحر آمیز تھی۔ ہر شخص اپنی دھن میں مگن تھا کسی کو دوسروں کی مصروفیات سے کوئی غرض نہیں تھی۔ نوجوان جوڑے سرعام ایک دوسرے کو روایتی مغربی انداز میں الوداع یا خوش آمدید کہہ رہے تھے سیاحوں کے پرے کے پرے بھانت بھانت کے کپڑوں اور ساز و سامان کے ساتھ گھومتے پھر رہے تھے اور کسی کو اجنبیت کا کوئی احساس نہیں تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سب وہیں کے شہری ہوں۔

ہمارے پاس نہ زیادہ وزنی سامان تھا نہ ہم پر تکان غالب تھی، اس لیے ہم سوٹ کیس اٹھائے کافی دیر تک اس علاقے میں گھومتے رہے اور آخر ہم نے بلگریو اسٹریٹ کے ایک سستے لیکن آرام دہ ہوٹل میں قیام کا فیصلہ کر لیا جہاں انگریزوں کے معیار کے مطابق ملحقہ باتھ روم کی سب سے بڑی عیاشی میسر تھی۔

رات کو فرینکفرٹ کے ہوٹل میں گہری نیند سے سونے کے باعث ہم دونوں ہی تازہ دم تھے اور اس شہر نگاراں میں اپنے وقت ہوٹل کے کمروں میں بند رہ کر ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے اس لیے سامان سے چھٹکارا پا کر ہم نے اپنے پاسپورٹوں کے علاوہ کچھ رقم ساتھ لی اور ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔

میرے پاس ویرا کا دیا ہوا وہ خاص کریڈٹ کارڈ بھی موجود تھا جس کے ذریعے میں ایک وقت میں کسی بھی جگہ سے پانچ ہزار ڈالر کے مساوی مالیت کی خریداری کر سکتا تھا۔ خرابی بس یہ تھی کہ کارڈ کسی بی۔ سی۔ گلمور کے نام پر تھا مگر ویرا نے مجھے وہ ایسی مصدقہ دستاویزات بھی دی تھیں جن میں سے ایک پر میں نے اپنی تصویر چسپاں کر لی تھی اور میں کہیں بھی خود کو اس نام سے شناخت کروا سکتا تھا۔

لندن سے باہر اس کی بہت سی چیزوں کا شہرہ ہے جن میں دریائے ٹیمز، بگ بین، پکاڈلی اسکوائر اور ٹریفالگر اسکوائر شامل ہیں، مگر سلطان شاہ نے ان سب کو نظرانداز کرتے ہوئے پہلے آکسفورڈ سرکس چلنے کی فرمائش کی اور ہم اپنے اسٹیشن میں داخل ہو کر وکٹوریا لائن کے پلیٹ فارم پر پہنچ گئے۔

آکسفورڈ سرکس کی نیم دائرے نما سرنگ میں پلیٹ فارم سے گزر کر ہم باہر نکلے تو وہاں ہر طرف سیاحوں کا اژدہام تھا۔ سلطان شاہ کچھ دیر تو میرے ساتھ بازار کی سیر کرتا رہا۔ پھر وہ پوچھ ہی بیٹھا۔ ”یہ آکسفورڈ سرکس کہاں ہے؟“

”جہاں ہم اسٹیشن سے نکلے تھے وہی آکسفورڈ سرکس تھا۔ وہاں بورڈ بھی لگا ہوا تھا۔“ میں نے کہا۔

”وہ بورڈ تو میں نے بھی دیکھا تھا مگر سرکس کہیں نظر نہیں آیا۔“ اس نے سادگی سے کہا۔

”اوہ! تو تم اسے وہ جانوروں والا سرکس سمجھ رہے تھے؟“ میں نے ایک گہرا سانس لے کر ہنستے ہوئے سوال کیا۔

”تو کیا کوئی اور بھی سرکس ہوتا ہے؟“ اس نے معصومیت سے جوابی سوال کیا۔

”انگریز عجیب قوم ہے اس کا سرکس ایسا ہی ہوتا ہے۔“ میں نے اس کی سادہ لوحی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ ”یہ سرکل یعنی

چوراہے کو سرکس کہتے ہیں۔ اس شہر میں تمھیں جابجا سرکس نظر آئیں گے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ہر جگہ جانوروں کے بجائے انسانوں کے ہجوم چلتے پھرتے نظر آئیں گے۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" وہ خفت آمیز انداز میں ہنسا۔ "میں نے تو اسی خیال سے آکسفورڈ سرکس کے لیے کہا تھا کہ یہاں تھوڑی دیر بیٹھ کر مسخروں اور جانوروں کا تماشا دیکھیں گے اگر سرکس صرف چوراہے ہی ہوتے ہیں تو لعنت بھیجو ان پر ___ کیوں نہ ہم اسی لمحے سے اپنے کام کا آغاز کر دیں؟"

میں اس پر اپنی رائے مسلط نہیں کرنا چاہ رہا تھا لیکن اُس نے ولایتی سرکس سے مایوس ہو کر میرے دل کی بات کہہ دی تھی جسے میں نے بلا تامل قبول کر لیا۔

ہمارے کام کا آغاز دو مقامات سے ہو سکتا تھا۔ پہلا تو رسل اسکوائر کے قریب امپیریل ہوٹل تھا جہاں ویرا کو قیام کرنا تھا مگر وہاں ویرا کے علاوہ کسی اور سے رابطہ قائم نہیں کیا جا سکتا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ ویرا اتنی جلدی لندن نہیں آ سکے گی۔ اس کے بعد دوسرا ٹھکانا شیفرڈز بش کے علاقے میں ایسکیوزا آرمز نامی پب تھا جہاں کا جیکب میکفرسن نامی بارٹینڈر میگی ہاروے کے بولائے فرینڈ کے حوالے پر ویرا کے بارے میں تازہ ترین معلومات فراہم کر سکتا تھا۔

اس وقت ہم دونوں کافی آگے نکل گئے تھے۔ تھوڑی دیر تک بھٹکنے کے بعد ہم بانڈ اسٹریٹ کے ٹیوب اسٹیشن پہنچ گئے۔ میں نے جیب سے نقشہ نکال کر دیکھا اور ہم بے دھڑک اندر گھس گئے کیونکہ شیفرڈز بش جانے والی سینٹرل لائن ٹیوب اسی اسٹیشن سے گزرتی تھی۔

لیکن ٹیوب کا ٹکٹ خریدنے سے پہلے ہی میں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا کیونکہ سامنے ہی فون بوتھ موجود تھے۔

ٹونی یا جیکب میکفرسن لاکھ ویرا کے اعتماد کا آدمی سہی لیکن اُس سے براہِ راست ملنا حفظِ ماتقدم کے منافی ہو سکتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ ٹیلی فون ڈائرکٹری سے پب کا نمبر تلاش کر کے اسے فون کر لیا جائے۔

تھوڑی سی تلاش کے بعد ڈائرکٹری سے ایسکیوزا آرمز کا فون نمبر مل گیا جو میں نے ٹیوب کے جیبی نقشے پر نوٹ کر لیا اور چند ہی ثانیوں بعد میں گھنٹی کے جواب میں دوسری طرف سے ریسیور اٹھائے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔

"گڈ مارننگ۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "کیا میں ٹونی سے بات کر سکتا ہوں؟"

"میں بول رہا ہوں۔" ریسیور پر اُس کی سرد مہرانہ آواز اُبھری۔

"مگر تمھاری آواز نہیں پہچان سکا۔"

"میں میگی ہاروے کا بولائے فرینڈ بول رہا ہوں۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"ہیلو جونی!" دوسری طرف سے لہجے میں اچانک گرم جوشی عود کر آئی۔ "تو تم یہاں پہنچ ہی گئے، کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟"

"شہر کے ایک ہوٹل میں ہوں اور تم سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔ "کیا تمھیں میری آمد کے بارے میں پہلے سے علم تھا؟"

"اوہ یس۔" میگی ہاروے کا نام لیتے ہی اس کا لہجہ بہت دوستانہ ہو گیا تھا۔ "میڈم از گریٹ ___ وہ جو کہتی ہے وہ کسی نہ کسی طرح ہو ہی جاتا ہے۔ ابھی پونے بارہ بجے ہیں۔ دو بجے پب بند ہو جائے گا اور چار بجے تک میری چھٹی ہو گی مگر میں پب میں رُک کر تمھارا انتظار کروں گا۔ پب بند ہو گا۔ تم پچھلے دروازے پر گھنٹی بجا دینا۔ میں ٹھیک ڈھائی بجے تمھارا منتظر رہوں گا۔"

"شکریہ ٹونی!"

میں نے ریسیور ہک سے لٹکایا اور واپس ہو لیا۔

"یہ ویرا بھی بڑے غضب کی عورت ہے۔" سلطان گفتگو کی تفصیل سن کر بولا۔ "کراچی میں بیٹھی ہے مگر لندن سے رابطہ برقرار ہے۔ پل پل کی خبر رکھتی ہے۔"

میں اُسے ساتھ لے کر اسی علاقے کے ایک پب میں جا بیٹھا۔ سلطان شاہ کے لیے اسکواش اور اپنے لیے بیئر کا مگ لیا تھا۔ اس وقت پب میں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی، بس چار چھ ہی گاہک جمع ہوئے تھے ورنہ بیشتر تو بس کاؤنٹر پر ہی فارغ ہو کر لوٹ رہے تھے۔

ہم دونوں ایک بجے تک وہاں بیٹھے اپنی آئندہ حکمتِ عملی طے کرتے رہے۔ ٹونی کے حوصلہ افزا رویے سے مجھے اُمید ہو چلی تھی کہ ہم جلد ہی غزالہ سے مل بیٹھیں گے لیکن اس بارے میں وقت کا تعین ٹونی سے ملاقات سے پہلے نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہاں سے شیفرڈز بش ٹیوب اسٹیشن کا فاصلہ چند منٹ سے زیادہ نہیں تھا لیکن باہر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مطلوبہ پب اسٹیشن سے خاصی دُور واقع تھا۔ ہمارے پاس وقت کافی تھا۔ اس لیے ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے پیدل ہی پب کی طرف چل دیے۔ اسی راستے میں ایک بڑا بس اسٹاپ بھی آیا جہاں ایشیائی مردوں، عورتوں اور بچوں کی کثرت تھی۔ ان میں کئی سکھ اپنی وضع قطع کے اعتبار سے دُور سے پہچانے جا سکتے تھے۔ قریب سے گزرتے ہوئے بورڈ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ لندن کے مشہور سکھ اکثریتی علاقے ساؤتھ آل جانے والی بسیں

وہاں سے گزرتی تھیں۔

چہل قدمی کے انداز میں بازار اور دکانیں دیکھتے ہم دو بجے کے بعد مطلوبہ پب کے قریب پہنچ گئے۔ سیاہ بیک گراؤنڈ پر بڑے بڑے سنہرے حروف میں ایسکیوز آرمز کا نام دور ہی سے دیکھا جا سکتا تھا۔

ٹونی نے ہمیں بلکہ مجھے ڈھائی بجے کا وقت دیا تھا لیکن یہ بھی بتا دیا تھا کہ پب دو بجے بند ہو جاتا ہے لہٰذا سلطان شاہ کو قرب و جوار میں چوکنا رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے سوا دو بجے میں پب کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

حسبِ توقع پب بند تھا۔ میں اس کے عقبی دروازے پر جو فی الحقیقت بغلی دیوار میں واقع تھا، پہنچا اور دیوار گیر بٹن دبا دیا۔ پب کے اندرونی حصے سے گھنٹی کی آواز بلند ہوتے ہی میں نے بٹن سے انگلی ہٹا لی۔

کافی دیر گزرنے کے بعد بھی اندر سے جواب نہ ملا تو میں نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے دوبارہ ذرا طویل گھنٹی بجاتے ہوئے سوچا کہ کہیں ٹونی پابندیٔ وقت کے بارے میں پکا انگریز ہی نہ ہو، اگر میرا وہ خیال درست تھا تو موصوف سے ملاقات کے طے شدہ وقت میں ابھی چھ منٹ باقی تھے۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر ٹونی دوسری گھنٹی کے جواب میں نہ آیا تو تیسری گھنٹی ٹھیک ڈھائی بجے بجاؤں گا۔

اس وقت مجھ پر ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔ ٹیلی فون پر ہونے والی بے تکلفانہ گفتگو کے بعد اطلاعی گھنٹی کی طرف سے اس کی سرد مہری غیر فطری سی لگ رہی تھی۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ وہ انگریز نسل سے تھا۔ وہ لوگ گھر میں چھٹی منا رہے ہوں تو لنگوٹ میں آرام کرتے ہیں لیکن احتیاطاً ٹائی لگا کر جوتے موزے بھی پہن لیتے ہیں کہ اچانک کوئی ملاقاتی نکل ہی آئے تو لباس کے معاملے میں بدذوقی کا طعنہ نہ دے سکے۔

میں ایسی ہی خرافات سوچ کر وقت گزار رہا۔ سلطان شاہ نے کوئی ایسا ٹھکانا تلاش کیا تھا جو میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔

آخر کار ٹھیک ڈھائی بجے میں نے تیسری اطلاعی گھنٹی بجائی مگر جواب میں اندر سناٹا ہی چھایا رہا۔ اس مرتبہ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ مجھے تشویش ہونے لگی۔ پھر میں نے غیر ارادی طور پر دروازے پر ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ اندر کھلتا چلا گیا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

ویرا لائیڈ کا معتمدِ خاص اتنا غیر ذمے دار نہیں ہو سکتا تھا کہ مجھ سے ملاقات کا وقت طے کر کے کوئی پیغام دیے بغیر اپنے پب کا عقبی دروازہ کھلا چھوڑ جاتا۔

میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو ہر طرف میدان صاف تھا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور بولٹ چڑھا دیا۔

سنسنی اور ہیجان کے ساتھ ہی مجھے خطرہ بھی لاحق تھا کیونکہ اس وقت میں بالکل نہتا تھا۔ محتاط اور بے آواز قدموں سے میں اندرونی کمرے سے ہوتا ہوا آگے بڑھا تو میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

بار کاؤنٹر کے قریب شفاف اور چکنی کھوپڑی والے

ایک ادھیڑ عمر اور دراز قامت سفید فام کی خون میں نہائی ہوئی لاش فرش پر پڑی ہوئی تھی اور وہ یقیناً ٹونی تھا جو ڈھائی بجے خلافِ معمول پب میں رک کر مجھ سے ملنے والا تھا۔

دور ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اسے کسی تیز دھار آلے سے ذبح کیا گیا تھا۔

اس نے فون پر بتایا تھا کہ دو بجے پب بند ہوتا تھا جب کہ میں سوا دو بجے پب کے عقبی دروازے پر پہنچ گیا تھا اور دروازہ بظاہر بند ہونے کے باوجود اندر سے غیر مقفل تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ قاتل اسی راہ سے اندر داخل ہوا تھا اور جو کچھ ہوا وہ دو اور سوا دو کے درمیان ہوا تھا۔

ٹونی اپنی صحت اور جسامت کے اعتبار سے کوئی گیا گزرا انسان نہیں تھا جو شہ رگ پر چھری چلتے ہی جان دے دیتا۔ اسے دم توڑنے میں بھی کئی منٹ لیے ہوں گے اور قاتل اپنی کارروائی کے انجام تک پہنچنے تک ضرور وہاں ٹھہرا ہوگا۔ میرا اندازہ تھا کہ جب میں نے سوا دو بجے پہلی بار گھنٹی بجائی تو قاتل وہاں موجود تھا اور ٹونی دم توڑ رہا تھا۔ اس کے بعد میں مسلسل باہر موجود تھا اور قاتل کو فرار کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

اچانک میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایک سفاک اور شہ زور قاتل اپنے ہتھیاروں سمیت اس چار دیواری میں موجود تھا۔ ٹونی کو ذبح کرنے کے بعد اس کے سر پر خون سوار تھا۔ دوسرا شکار اس کے مشتعل اعصاب کے لیے بہت آسان ثابت ہوتا اور میں بالکل نہتا اس کے رحم و کرم پر تھا۔

شاید وہ اندر میری موجودگی سے آگاہ تھا اور کہیں چھپ کر میری نگرانی بھی کر رہا تھا۔

اچانک ایک آواز پیدا ہوئی، میں بھڑک کر پلٹا اور موت کی بے یقینی سے میرے بدن کے سارے مساموں سے ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے کی دھاریں بہہ نکلیں۔

کھڑے ہوئے جسم والا ایک تنومند سفید فام نوجوان، خون آلود خنجر تھامے میرے سامنے موجود تھا۔ بالوں سے محروم گھٹی ہوئی کھوپڑی سے اس کی پیشانی تک رنگین نقوش و نگار بنے ہوئے تھے اور آدھی آستین کی ٹی شرٹ کے نیچے کلائیوں پر آہنی زنجیر پر مشتمل وزنی ڈھیلے کڑے جھول رہے تھے۔

اس کی آنکھوں سے چھلکتی ہوئی موت کی سرد پیاس اور حلیے سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا کہ اس کا تعلق لندن کے ان بدنام اسکن ہیڈز یعنی گنجوں کے جنونی گروہ سے تھا جو ذرا ذرا سی بات پر کوئی بڑے سے بڑا جرم کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ پاکستانی اخبارات میں آئے دن ان کی دہشت انگیز مجرمانہ سرگرمیوں کے بارے میں خبریں چھپتی رہتی تھیں، کیونکہ ان کے جرائم کا نشانہ بیشتر رنگ دار نسل کے لوگ اور ان کے اہل و عیال ہی بنتے تھے۔

ان میں بیشتر وہ بگڑے ہوئے نوجوان لڑکے لڑکیاں ہوتے تھے جو سن بلوغت کو پہنچنے کے ساتھ ہی اپنی فلاحی مملکت کے خزانے پر بوجھ بن جاتے تھے اور کوئی کام کیے بغیر ہر ہفتے خزانۂ عامرہ سے بے روزگاری الاؤنس وصول کیا کرتے تھے۔ ایسے بے روزگاروں کو پورے برطانیہ میں ایسا تحفظ میسر تھا کہ وہ رعایتی نرخوں پر سفر کے ساتھ ہی مقررہ مقامات پر قیام و طعام کے رعایتی داموں کے حق دار بھی ہوتے تھے اور یوں اپنے معاشرے میں ایک الگ اکائی کی صورت اختیار کر کے منشیات نوشی، تشدد، خون ریزی اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہوتے چلے جاتے تھے۔

لیکن میرے خنجر بردار مقابل نے چند منٹ قبل کسی ایشیائی کا نہیں بلکہ کسی انگریز ہی کا خون کیا تھا۔ جیکب میکفرسن کی خون میں نہائی ہوئی لاش اس کی درندگی کا کھلا ثبوت تھی۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" وہ آہستہ آہستہ میری طرف پیش قدمی کرتے ہوئے دھیمی مگر سفاکانہ آواز میں غرایا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ آدم زاد نہیں بلکہ لہو کا پیاسا بھیڑیا ہو۔

میں نے اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

وہ مختصر سے ہال کے وسط میں آکر ٹھہر گیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بھی لمحے خنجر سمیت مجھ پر ٹوٹ پڑے گا۔

"اسے تم نے ذبح کیا ہے؟" میں نے جمود توڑتے ہوئے گمبھیر لہجے میں سوال کیا۔

اس نے خلاف توقع بھڑکنے کے بجائے فخر اور اعتماد کے ساتھ اپنے سر کو اوپر نیچے جنبش دی۔ "کالا مان سے تصادم مول لینے والوں کو زیادہ دن زندہ رہنے کی مہلت نہیں ملتی۔"

"اوہ! تو تم ہی کالا مان ہو!" میں نے بے اختیار تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

وہ فقرہ بالکل اضطراری طور پر میری زبان سے نکلا تھا، بالکل اسی طرح جیسے کوئی کلید دباتے ہی ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں کمپیوٹر کا ننھا سا سرکٹ آناً فاناً میں حساب لگاتا ہے اور کسی وقفے کے بغیر جواب اس کی اسکرین پر روشن ہو جاتا ہے۔

اس نے جس زعم سے کالا مان کی قوت اور دسترس کا اظہار کیا تھا اس سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بلا کا مغرور اور انا پرست تھا۔ شاید وہ اسے اپنی خوبی تصور کرتا ہو لیکن میری نظروں میں جسمانی طاقت سے الحمد تک وہ ہر اعتبار سے مجھ سے برتر تھا، اگر اس میں کوئی کمی تھی تو بس یہی کہ وہ انا پرست تھا اور اس کی انا کو ابھار کر میں شاید اسے اپنی راہ پر لا سکتا تھا ورنہ اس ویران اور بند شراب خانے میں میری چیخ و پکار بھی مجھے اس کے ہاتھوں ذبح ہونے سے نہیں بچا سکتی تھی۔

اس کے چہرے پر بہت حوصلہ افزا ردعمل رونما ہوا تھا، لمحہ بھر کے لیے کسی خود پسند احمق کی طرح اس کا منہ کھلا، سرد اور بے رحم آنکھوں میں حیرت آمیز جزبہ نظر آئی۔ پھر وہ بولا۔ "تم مجھے کیا جانو؟"

"ملاقات پہلی ہی ہے لیکن شہرہ بہت دنوں سے سنتا آیا ہوں، مجھے امید نہیں تھی کہ تم سے اتنی آسانی کے ساتھ ملاقات ہو سکے گی، شاید اب میرا کام بن ہی جائے گا۔"

اس وقت یقین آیا کہ خوشامد واقعی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں پر زہر قاتل کا اثر رکھتی ہے۔ میرے جھوٹ پر اس کا دیو ہیکل سینہ ذرا اور پھیل گیا۔

"تم کون ہو اور مجھ سے کیا کام آ پڑا ہے تمہیں؟" اس نے گردن تان کر سوال کیا۔

"بات لمبی ہے، اجازت دو تو ذرا ایک سگریٹ سلگا لوں۔" میں نے کوئی کہانی تراشنے کے لیے وقت حاصل کرنے کی نیت سے کہا مگر اس نے سختی سے انکار کر دیا۔

وہ جس ذوق کا مالک تھا وہ میرے سامنے تھا۔ صورت حال کے ہر پہلو سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جیکب کا قتل اسی نے کیا تھا لہٰذا میں اس سے ایسے ہی کسی کام کی امید ظاہر کر سکتا تھا لیکن "میں کون تھا؟" یہ میں اسے کیا بتاتا۔

میرے ذہن میں تیزی کے ساتھ ریل چلنے لگی۔

جیکب نے مجھے مینگی کے بوائے فرینڈ کے طور پر پہچانا تھا اور مجھے وہ حوالہ ویرا نے بتایا تھا۔ فون پر مجھے شناخت کرنے کے بعد ہی جیکب نے ڈھائی بجے مجھے ملاقات کے لیے ایسکوئرز آرمز میں بلایا تھا مگر بار بند ہونے کے بعد یعنی دو بجے سے ساڑھے تین بجے

ی قلیل سی درمیانی مدت میں کالا ہان نے بے رحمی کے ساتھ اسے ہلاک کر دیا۔

جیکب کے قتل کا سبب کچھ بھی رہا ہو، میرے نزدیک اصل اہمیت واردات کے وقت کی تھی۔ کالا ہان کو اگر اس سے کوئی دشمنی تھی تو وہ اسے پہلے یا بعد میں بھی مار سکتا تھا۔ آخر اس نے ایسے ہی وقت کا انتخاب کیوں کیا جب میں جیکب سے ملنے وہاں پہنچنے والا تھا پھر یہ نکتہ بھی قابلِ غور تھا کہ کالا ہان دو بجتے ہی اندر نہ گھسا ہوگا ورنہ تھوڑی بہت بحث اور شاید ہاتھا پائی کے بعد ٹھیک سوا دو بجے اس کے نرخرے پر چھری نہ پھیر چکا ہوتا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بہت پہلے سے پب میں موجود تھا اور وقت ختم ہو جانے کے باوجود باہر نہیں گیا تھا ورنہ پب بند ہو جانے کے بعد جیکب اپنے کسی دشمن کو اتنی آسانی کے ساتھ عقبی دروازے سے اندر نہ آنے دیتا۔

یہ بھی ممکن تھا کہ بار بند ہونے کی گھنٹی بجتے ہی کالا ہان... سوچے سمجھے منصوبے کے تحت باتھ روم میں جا چھپا ہو اور پھر اندازے کی بنا پر میدان صاف ہوتے ہی باہر نکل آیا۔

لیکن ان سب نکات میں وقت کا انتخاب سب سے اہم تھا اور وہی مجھے اپنی شناخت کے اخفا پر اکسا رہا تھا۔

ویرا کا آدمی ہونے کے ناتے جیکب میرا دوست اور ہمدرد تھا لہٰذا اس کا جانی دشمن میرا دوست ہرگز نہیں ہو سکتا تھا

"میرا نام اکبر ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہنا شروع کیا۔ "میں یہاں ایڈم کی تلاش میں آیا ہوں۔ تمہارا ہم نسل وہ چھوکرا بھارت سے میری منگیتر کو ورغلا لایا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ کام تم ہی بہترین طریقے پر سر انجام دے سکو گے۔"

"بھارت سے؟" اس نے برا سا منہ بنا کر دہرایا۔ "نام کیا ہے لڑکی کا؟"

"ہاں بھارت سے۔ اس کا نام شکتی ہے۔ بہت سادہ لوح اور معصوم ہے، ہر ایک کی باتوں میں آ جاتی ہے۔" میں نے اپنے الفاظ میں زور پیدا کرنے کے لیے اداس لہجے میں کہا۔

وہ یوں چپ ہو گیا جیسے میری کہانی سن کر کسی گہری سوچ میں پڑ گیا ہو لیکن اس کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور ہاتھ میں دبا ہوا خون آلود خنجر کسی بھی لمحے وار کرنے کے لیے تیار تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ میری سنائی ہوئی کہانی کی کڑیاں کسی اور واقعے سے ملا رہا ہو۔

"تمہیں میرا نام کس نے بتایا تھا؟" آخر کار اس نے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"کرشن لال نے... وہ کچھ عرصہ پہلے یہاں رہ چکا ہے۔"

میں نے محتاط لہجے میں کہا۔

"میں کسی کرشن لال کو نہیں جانتا۔" اس نے چند ثانیوں تک ذہن پر زور دینے کے بعد کہا۔

"میرے لیے یہی کافی تھا کہ وہ اجنبی ملک میں کسی کو جانتا تھا۔ ضروری نہیں کہ وہ براہِ راست تم سے آشنا رہا ہو۔ وہ خود بھی شہ زور آدمی ہے، ہو سکتا ہے کہ کسی سے تمہارے بارے میں سنا ہو۔"

وہ عجیب سے انداز میں یوں ہنسا کہ اس کا پورا بدن ہلنے لگا پھر فخر آمیز لہجے میں بولا۔ "یہ مان سکتا ہوں۔ میرا نام تو لیک ڈسٹرکٹ تک میں جانا پہچانا جاتا ہے۔"

"اجازت ہو تو میں اپنے ہاتھ گرا لوں؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"ابھی نہیں۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "میرے پاس وقت کم ہے اور ابھی اہم ترین سوال کا جواب ملنا باقی ہے، اسی پر تمہاری زندگی کا انحصار ہوگا۔"

"پوچھو۔ میں تیار ہوں۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

"تم شکتی کی تلاش میں آئے ہو۔ یہ ملک تمہارے لیے اجنبی ہے اور تم مجھ سے ملنا چاہتے تھے پھر پورا شہر چھوڑ کر ٹھیک سوا دو بجے اس ذلیل پب میں کیسے آ پہنچے؟"

"کرشن لال نے بتایا تھا کہ تمہارے بارے میں ایکیوزائز کے بارٹینڈر سے معلومات حاصل ہو سکیں گی۔" میں نے اپنے ہیجان پر قابو پاتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "یہاں پہنچا تو بار بند تھا۔ میں سمجھا کہ پب دیوالیہ ہو گیا ہے لیکن تجسس سے مجبور ہو کر بغلی دروازے پر پہنچ گیا۔ کئی بار ڈور بیل بجانے کے بعد بھی جواب نہ ملا تو دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور وہ کھل گیا۔ اس طرح میں اندر آ گیا، میرا خیال ہے کہ متوفی ہی یہاں کا بارٹینڈر تھا۔"

"تو تمہیں نہیں معلوم کہ دوپہر میں یہاں کے ہر پب میں قفل ہوتا ہے؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"آج صبح پہلی بار لندن آیا ہوں، یقین نہ ہو تو پاسپورٹ دیکھ لو۔"

"آنے سے پہلے جیکب سے بات ہوئی تھی؟" اس کا لہجہ بدستور کاٹ دار تھا۔

"کون جیکب؟" میں نے معصومانہ سادگی کے ساتھ سوال کیا۔

"یہ۔" اس نے ٹھوکر سے خون میں لتھڑی ہوئی بے جان

لاکش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"اوہ! پھر مجھے اس کا آخری نام بتایا گیا ہوگا۔ میں اسے میکفرسن کے نام سے تلاش کر رہا تھا۔ میرے پاس اس کا فون نمبر نہیں تھا پھر یہاں ٹیلی فون ڈائریکٹریز کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ محض نام کے سہارے انھیں کھنگالنے کی ہمت نہ کر سکا۔ میرے لیے چند گھنٹے برباد کر کے یہاں پہنچنا ہی آسان تھا۔"
"حیرتناک!" اس کی بڑبڑاہٹ خاصی بلند آہنگ تھی "پھر وہ کون تھا اور کہاں گیا؟"
"تم کس کی بات کر رہے ہو؟ کون غائب ہوگیا۔"
"اگر میں تمھاری کہانی کو درست تسلیم کرلوں تو اس وقت یہاں ایک اور آدمی کو موجود ہونا چاہیے۔ جیکب نے اس کے ساتھ یہاں ڈھائی بجے ملاقات کا وقت مقرر کیا تھا۔"
"تو یہ وقت تمھارے مشورے سے طے پایا تھا؟" میں نے اسے کسی شبہے کا موقع دیے بغیر معصومانہ انداز میں پوچھا۔
اس نے مجھے قہر بار نظروں سے گھورا پھر بولا۔ "جیکب کو علم نہیں تھا مگر میں اسی سلسلے میں اس سے بات کرنے آیا تھا۔ میں کاؤنٹر پر فون کے نزدیک بیٹھا ہوا تھا۔ پونے بارہ بجے میں نے اسے کسی سے پروگرام طے کرتے سنا تھا۔ اس آدمی کو جیکب نے جونی کہہ کر مخاطب کیا تھا اور گفتگو میں میڈم کا حوالہ بھی آیا تھا جس کی بنا پر مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ جونی ہی میرا مطلوبہ آدمی تھا۔"
میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ کالاہان یقینی طور پر کسی مخالف گروہ کا آدمی تھا اور مجھے گھیرنے کے چکر میں تھا۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ میں نے مدعا برقرار رکھتے ہوئے سارے نام ہی بدل ڈالے ورنہ وہ میری گردن پر سوار ہو سکتا تھا۔
"اگر جونی تمھارا مطلوبہ آدمی تھا تو تم نے اس کے آنے سے پہلے جیکب کو کیوں مار دیا؟" اس نے خودسری میں مجھے بازپرس کا موقع فراہم کیا تھا تو اس سے فائدہ اٹھانا میرا اوّلین فرض تھا۔
"تم اس معاملے میں کیوں دلچسپی لے رہے ہو؟" وہ مجھے گھورتے ہوئے غرّایا۔
"تمھارے دشمنوں سے دلچسپی ہونا لازمی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کشتی کی روپوشی میں اسی کا ہاتھ رہا ہو۔"
"میں خود جیکب سے اس آدمی کی اصلیت جاننا چاہتا تھا مگر اس مردود نے زبان نہ کھولی اور میں نے غصے میں بے قابو ہو کر اسے ذبح کر ڈالا۔ اب میں خود ہی آنے والے سے جیکب بن کر بات کروں گا۔"
"اور اگر وہ جیکب کا شناسا رہا ہو؟" میں نے شوشہ چھوڑا۔
"تم اپنی ننھی سی کھوپڑی کو نہ تھکاؤ۔ میں بس تین بجے تک اس کا انتظار کروں گا۔ وہ نہ آیا تو تمھارا فیصلہ کر کے یہاں سے چل دوں گا۔ ساڑھے تین کے بعد کسی بھی وقت باقی عملہ دوسری شفٹ کے آغاز کے لیے یہاں آسکتا ہے۔" اس نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا اور میں کاؤنٹر کا سہارا لے کر کھڑا ہوگیا۔
اس نے میرا دھیان رکھتے ہوئے بائیں ہاتھ سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائیٹر نکال کر بیک وقت دو سگریٹیں سلگائیں اور ان میں سے ایک میری طرف اچھال دی جسے میں نے شکریے کے ساتھ فضا ہی میں لپک لیا۔
اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت متکبر اور بدمزاج آدمی تھا۔ حسبِ توقع اس سے زیادہ دیر خاموش نہ رہا گیا۔ "جانتے ہو، مجھے اس مردود جونی کا کیوں انتظار ہے؟"
میں نے اس کی امید پر پورا اترتے ہوئے احمقانہ انداز میں سر کو نفی میں ہلا دیا۔ مجھے پوری امید تھی کہ میری طرف سے لاعلمی کے اظہار پر وہ متکبرانہ انداز میں کچھ نہ کچھ بتاتا چلا جائے گا۔
اس معاملے میں وہ میری توقعات پر سو فیصد پورا اترا۔
"تم کشتی کی تلاش میں ہو اور مجھے گے زے لا کی تلاش ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولا اور میں اس کی منحوس زبان سے غزالہ کا بگڑا ہوا نام سن کر چونک پڑا۔ میرا وجود یک بیک سُن ہو کر رہ گیا تھا۔
"یہ گے زے لا کیا بلا ہے؟" میں نے اپنی دلی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔
"واقعی بلا ہے بلا۔" وہ ایک ٹھنڈا سانس لے کر بولا اور میری رگوں میں دورانِ خون یک بیک تیز ہوگیا۔ "ایک بے حد حسین اور پُرکشش مشرقی لڑکی ہے جسے دیکھتے ہی خواہ مخواہ اس پر عاشق ہونے کو دل چاہتا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا اور مجھے اس کی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ "کچھ پتا نہیں کہ وہ کہاں سے مرتی کھپتی جیکب کے ہاتھ آ لگی اور اس نے کسی بہتر سودے کی امید پر اس دلفریب لڑکی کو لندن میں اپنے پاس رکھنے کے بجائے کاؤنٹی میں اپنے بھائی کے پاس پہنچا دیا۔ جیکب کا بھائی بے چارہ مجرد ہے اور عورتیں عموماً اسے بےضرر تصور کرتی ہیں۔ میرے آدمیوں کو بھنک ملی تو وہ اس لڑکی کو اپنی انا کا مسئلہ بنا

بیٹھے۔ پہلے دُور دُور سے اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب اس میں کامیابی نہیں ہوئی تو پچھلے ویک اینڈ پر جیکب کے بھائی کے گھر ایک پارٹی کر ڈالی۔ جب جیکب کا بھائی رات گئے نشے میں بے سُدھ ہو گیا تو اُسے ایک کمرے میں بند کر کے لڑکی کا رُخ کیا گیا مگر وہ کہیں سے ایک مشینی پستول حاصل کر چکی تھی۔ خود کو خطرے میں پاتے ہی اس نے بے دریغ فائرنگ شروع کر دی اور مکان سے بھاگ نکلی۔ نشے کی جھونک میں ہونے کی وجہ سے میرے دو ساتھی بے موت مارے گئے اور اب لڑکی لاپتا ہے۔"

جب تک وہ بولتا رہا میری کیفیت لمحہ بہ لمحہ بدلتی رہی۔ نگاہوں کے سامنے اندھیرا چھاتا جا رہا تھا اور میرے پورے وجود میں انتقام کی سرد اور بھیانک لہر سرایت کرتی جا رہی تھی لیکن جب اس نے عزالہ کے باعزت فرار کا ذکر کیا تو آسودگی کے ایک گہرے احساس کے ساتھ میرا مزاج معمول پر آ گیا۔ وقتی طور پر عزالہ کی رُوپوشی پر تشویش تک نہ ہو سکی تھی کیونکہ وہ جن حالات سے بچ کر فرار ہوئی تھی، وہ اس کی روپوشی سے کہیں زیادہ سنگین تھے۔

"خیر۔ وہ تمھارا معاملہ تھا۔" میں نے خود کو حتی الامکان عزالہ سے لاتعلق رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "لڑکی تمھارے دو آدمیوں کو مار کر فرار ہو گئی تو اس میں جیکب کا کیا قصور تھا جو تم نے اسے مار دیا؟"

"تم ان اطراف میں اجنبی ہو اس لیے یہ احمقانہ سوال کر رہے ہو۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "جیکب کو علم نہیں تھا کہ لڑکی کے ہاتھوں مرنے والے میرے آدمی تھے ورنہ وہ میرے پب میں گھستے ہی مجھ سے اُلجھ پڑتا۔ یہاں اس کی پُشت پر بھی بے جگر لوگ ہیں جو کسی عورت کے لیے کام کرتے ہیں۔ ان میں وہ میڈم کہلاتی ہے۔ جب جیکب نے فون پر جونی سے بات کرتے ہوئے میڈم کا نام لیا تو میں چونک پڑا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ گفتگو لڑکی کے بارے میں ہی تھی۔ مجھے اپنے ذرائع سے خبر مل چکی تھی کہ کاؤنٹری میں واردات کرنے کے بعد لڑکی لندن آنے والی بس میں سوار ہوتی دیکھی گئی تھی، وہ یقیناً جیکب کے پاس پہنچ چکی ہو گی اور اس نے حالات قابو سے باہر ہونے سے پہلے جونی سے اس کا معاملہ طے کر لیا ہو گا۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد ہی میں نے پب بند ہونے کے بعد جیکب سے سختی کے ساتھ نمٹنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر بازپرس کا آغاز ہوتے ہی وہ ہٹ دھرمی پر اُتر آیا اور مجھے اس کی شہ رگ کاٹنا پڑ گئی۔ مجھے امید تھی کہ میں اس کو ختم کرنے کے بعد اس کی لاش کی موجودگی میں جونی کو دہشت زدہ کر کے بہت کچھ اُگلوا سکوں گا لیکن اس کی جگہ تم بیچ میں آ ٹپکے۔"

"وہ تمھارا اپنا مسئلہ تھا۔" میں نے بے پروائی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟"

وہ معنی خیز انداز میں ہنسا پھر اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "وقت گزاری کے لیے.... شاید تمھیں ابھی تک اندازہ نہیں ہو سکا ہے کہ تم کس قدر غلط موقع پر یہاں پہنچے ہو۔ میں بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ تمھاری بدنصیبی ہی تمھیں ہانک کر یہاں تک لائی ہے۔"

"پتا نہیں تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" میں نے اُلجھن آمیز لہجے میں کہا حالانکہ میں اس کے ناپاک عزائم کے بارے میں پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا اور اس کے سدِباب کے امکانات کا جائزہ لے رہا تھا۔

"بات بہت سیدھی سی ہے۔" وہ کریہہ صورت گنجا مکارانہ لہجے میں بولا۔ "میں اپنے ہم پیشہ لوگوں میں اس بات کے لیے شہرت رکھتا ہوں کہ اپنے حریفوں کو پاتال میں بھی نہیں چھوڑتا۔ انھیں ان کے بِلوں سے باہر گھسیٹ کر جہنم واصل کر دیتا ہوں لیکن اس کے باوجود آج تک کوئی پولیس افسر مجھ پر فردِ جرم عائد کر کے مجھے عدالت کے کٹہرے میں نہیں لے جا سکا۔ جانتے ہو کیوں؟"

"بہتر ہو گا کہ سبب بھی تم خود ہی بتا دو۔" میں نے اکتاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ میں اسے یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ میں اس کے الفاظ میں پوشیدہ دھمکی کو نہیں سمجھ پایا تھا۔

"صرف اس لیے کہ میں نے آج تک اپنے جرم کے کسی ایسے گواہ کو زندہ نہیں چھوڑا جو میرے خلاف قانون کی مدد کر سکے۔" اس نے خون آلود خنجر کو فضا میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔

"تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟" میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"مطلب صاف ظاہر ہے۔" وہ دونوں ہاتھ پہلوؤں پر فضا میں پھیلا کر میری طرف بڑھنے لگا۔

میں دم بخود اپنی جگہ کھڑا اس پر نظریں جمائے رہا۔ کالا اِملن کو جسمانی طور پر مجھ پر واضح برتری حاصل تھی اس کا بدن کسی گینڈے کی طرح مضبوط تھا اور اپنے بھاری

تن و توش کے باوجود اس کی ایک ایک حرکت میں بجلی کی سی پھرتی رچی ہوئی تھی۔

خنجر کا دستہ اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ اس نے چند قدم بڑھنے کے بعد اچانک اپنے داہنے ہاتھ کو یوں جنبش دی جیسے دور ہی سے میرے سینے پر خنجر پھینکنا چاہتا ہو، فضا اس کے ہاتھوں میں پڑے ہوئے آہنی زنجیر کے کڑوں کی جھنکار سے گونج اٹھی مگر میں نے اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت نہیں کی۔ میں جانتا تھا کہ وہ خنجر زنی میں کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو، نوک سے تھامے بغیر خنجر نشانے پر نہ پھینک سکے گا۔ میرا سکون ایک لمحے کے لیے اسے حیران کر گیا۔

وہ لمحہ بھر کے لیے جھجکا پھر فضا میں کسی دیو ہیکل پرندے کی طرح تقریباً اڑتا ہوا میرے اوپر آیا تھا۔ اس کا اندازہ اس قدر درست تھا کہ آخری لمحے پر اگر میں نے سرعت کے ساتھ اپنی جگہ نہ چھوڑی ہوتی تو اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے خنجر کا پھل دستے تک میرے بائیں پہلو میں پیوست ہو گیا ہوتا۔

وار خالی جانے کی وجہ سے اسے خود کو سنبھالنے کے لیے تھوڑی سی جدوجہد کرنا پڑی اور اسی دوران میری بائیں ٹانگ چل گئی۔ وہ بھی غافل نہیں تھا اس لیے اپنا چہرہ صاف بچا گیا لیکن پھر بھی بچتے بچتے اس کی ٹھوڑی میرے جوتے کی زد میں آ ہی گئی اور وہ چوٹ کھا کر بھڑک اٹھا۔

اس بار وہ کسی غضبناک درندے کی طرح غراتا ہوا میری طرف لپکا تھا کہ پیچھے ہٹتے ہوئے میں نے اچانک ایک اسٹول اٹھا کر اس پر دے مارا۔ اس نے پھرتی کے ساتھ فضا میں اڑتے ہوئے چوبی اسٹول سے بچنا چاہا مگر اس کی کھوپڑی چٹخ ہی گئی۔ زخم سے بہہ نکلنے والی خون کی باریک لکیروں نے اس کی منقش پیشانی سے چہرے تک کو بھیانک بنا دیا تھا لیکن اس پر اسٹول پھینک مارنے کی کوشش میں میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا تھا۔

ابتدا میں اس کے خنجر اور جثے سے مجھ پر جو تشویش طاری تھی، وہ تصادم شروع ہوتے ہی رفع ہو چکی تھی۔ اسے دو ضربات لگانے کے بعد مجھے اپنے بچ نکلنے کی امید پیدا ہو چکی تھی، اس لیے جب وہ میرے گرتے ہی دانت پیستا ہوا میرے اوپر آیا تو میں نے براہِ راست اس کی داہنی کلائی پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ اسے خنجر سے محروم کر کے اطمینان سے دست بدست مقابلہ کر سکوں۔

لیکن اسی لمحے پب کی محدود فضا 'ہینڈز اپ' کی غراہٹ سے گونج اٹھی اور کالاطان جہاں تھا مشینی انداز میں وہیں رک کر رہ گیا۔ پل بھر کے لیے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ کوئی مشینی روبوٹ ہو جس کا سوئچ آف کر دیا گیا ہو۔

میرے لیے سلطان شاہ کی وہ للکار بہت حوصلہ افزا تھی۔ میرے اندر داخل ہونے کے بعد وہ غالباً بہت قریب سے پب کی نگرانی کر رہا تھا اور اندر دھما چوکڑی کی سن گن ملتے ہی اس نے دخل اندازی ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں نے اندر داخل ہونے کے بعد بغلی دروازے کا بولٹ چڑھا دیا تھا۔ ایسی صورت میں وہ کہاں سے اور کس طرح اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوا تھا۔

لیکن میں وہ قیمتی مہلت اس سوال میں سر کھپا کر ضائع نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ایک اٹل حقیقت تھی کہ سلطان شاہ میری مدد کے لیے اندر آ چکا تھا اور ہم دونوں کو جلد از جلد کالاطان سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا ورنہ کسی بھی لمحے پب کا کوئی ملازم وہاں پہنچ کر سارا کھیل بگاڑ سکتا تھا۔

کالاطان نے لمحہ بھر کے لیے ساکت کھڑے کھڑے غیر محسوس طریقے پر خنجر فضا میں اچھال کر اپنی گرفت تبدیل کی۔ اب خنجر کی نوک اس کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیان دبی ہوئی تھی۔

"ہوشیار! یہ خنجر باز ہے۔" میں نے اضطراری طور پر دبی ہوئی آواز میں کہا اور عقب سے کالاطان پر ٹوٹ پڑا۔ سلطان شاہ کو میں نے وارننگ اردو میں دی تھی جو کالاطان کے پلے ہی نہ پڑ سکی تھی۔ پھر مجھے سلطان شاہ کی دھمکی کے کھوکھلے پن کا اندازہ بھی تھا کیونکہ لندن میں اس وقت تک ہم دونوں بالکل غیر مسلح تھے۔ حد یہ تھی کہ ہمارے پاس قلم تراش چاقو تک موجود نہیں تھا۔

کالاطان کے ستارے بُری طرح گردش میں آ چکے تھے۔ اسے اپنے خنجر کی کاٹ دوبارہ آزمانے کا موقع نہ مل سکا۔ میں نے اس کی ٹانگوں میں اپنی ٹانگیں الجھا کر اسے پھرتی سے نیچے گرایا اور سلطان شاہ نے اس کی داہنی کلائی اپنے جوتے کے نیچے پوری طاقت سے دبالی۔ میں نے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد کالاطان سے خنجر چھین لیا اور ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس کا پورا پھل دل کے مقام پر اس کی پسلیوں کے درمیان اتار دیا۔

وہ وار اتنا کاری تھا کہ کالاطان کے پورے بدن کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ چیخنے یا سانس لینے کے لیے اس کا منہ کھلا اور پھر وہ بے جان ہو کر قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ شاید خنجر کے چوڑے پھل نے دل سے جسم کو خون فراہم کرنے والی رگیں کاٹ کر رکھ دی تھیں۔

کالاطان کی دیو ہیکل لاش پر سے اٹھتے ہوئے میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو ساڑھے تین سے پانچ منٹ اوپر ہو چکے تھے۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ وہاں رک کر دونوں لاشوں کی تلاشی لیتے البتہ چلتے چلتے میں نے باہر سے ان کے جسموں کو ٹٹول کر یہ دیکھ لیا تھا کہ ان میں سے کسی کے پاس آتشیں اسلحہ نہیں

تھا جو ہمارے لیے کارآمد ہوتا۔

سلطان شاہ نے پب کے بغلی دروازے کا بولٹ گرایا اور ہم دونوں کسی کی نظروں میں آئے بغیر یکے بعد دیگرے باہر نکل آئے۔ مجھے شدت سے یہ خوف لاحق تھا کہ کالاہان سے ہاتھا پائی میں میرے چہرے وغیرہ پر کوئی خون آلود خراش نہ آگئی ہو جو باہر کسی پولیس والے کی نظروں میں آکر میرے لیے دشواری کا سبب بن جائے لیکن میرے استفسار پر سلطان شاہ نے میرے ان اندیشوں کی تردید کردی اور مجھے ٹیوب اسٹیشن پہنچنے کی ہدایت کرتے ہوئے سڑک عبور کر کے اس سے الگ ہو لیا۔ اس وقت میرے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں جب تک کالاہان موت بن کر میرے سر پر سوار تھا میں سب کچھ بھول کر اپنی ساری توجہ اسی پر مرکوز کیے ہوئے تھا لیکن اسے موت کی بے رحم وادیوں میں دھکیلتے ہی یہ ہولناک احساس دماغ پر طاری ہو گیا تھا کہ کالاہان کی کہانی کے مطابق غزالہ اب کاؤنٹری میں نہیں تھی بلکہ اپنی طرف بڑھنے والے دو بھیڑیوں کو جہنم واصل کر کے کہیں فرار ہو چکی تھی اور جیکب، جس سے غزالہ کے بارے میں کوئی اطلاع مل سکتی تھی، کالاہان کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس طرح غزالہ انسانوں کے اتھاہ سمندر میں کہیں گم ہو چکی تھی، جس کا سُراغ لگانا، اس اجنبی سرزمین پر جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔

میں جیبوں میں ہاتھ ڈالے سڑک کی بائیں سمت والی فٹ پاتھ پر آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ سلطان شاہ دوسری فٹ پاتھ پر مجھ سے کافی آگے چلا جا رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب میں غزالہ کی تلاش کی مہم کس طرح جاری رکھ سکوں گا۔

★★

پوری کہانی سن کر سلطان شاہ کے چہرے پر فکرمندی کی لکیریں اُبھر آئیں۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شیفرڈ بش کے ایکیوز آرمز میں غزالہ کی بازیابی کی کہانی نے ایسا غیر متوقع اور سنسنی خیز موڑ لیا ہو گا۔ اس کے نزدیک اس پب میں دو لاشوں کی موجودگی سے زیادہ اہم یہ بات تھی کہ غزالہ اس ٹھکانے پر نہیں تھی جہاں ویرا نے اسے مہمان کے طور پر رکھا ہوا تھا۔

مجھے یہ سوچ کر حیرت ہو رہی تھی کہ غزالہ جیسی سیدھی اور خانہ دار لڑکی نے ...... بُرا وقت آنے پر برطانیہ میں اپنے کھلنے کا آغاز گہرے خون سے کیا تھا۔ محض اسی بنا پر میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اب وہ خون آشام ہو گئی تھی اور اپنے تحفظ کے لیے دو کے بعد تیسرا، چوتھا قتل بھی کر سکتی تھی۔

لیکن ایسے خونریز معاملات میں وہ بالکل اناڑی تھی۔ اگر کالاہان کو یہ علم تھا کہ کاؤنٹری میں دو آدمیوں کو ہلاک کرنے والی غزالہ تھی تو یہ بات قانون کے محافظوں سے بھی پوشیدہ نہ رہی ہو گی۔ ان دنوں تاجِ برطانیہ کے زیرِ سایہ نسلی منافرت کی جو لہر چل رہی تھی، اس کے پیشِ نظر غالب امکان یہی تھا کہ جیکب کے بھائی کے گھر پر ہونے والے بدمست اسکن ہیڈز یا گنجوں کے اجتماع سے غزالہ کے حق میں کوئی گواہی ریکارڈ پر نہ آسکی ہو گی اور اس معاملے کو روایتی طور پر ایک ایشیائی عورت کے ہاتھوں دو انگریزوں کے قتل کا سنگین معاملہ قرار دے کر ملک گیر پیمانے پر اس سفاک قاتلہ کی تلاش کی مہم شروع کر دی گئی ہو گی۔

"کالاہان اس پب میں بلا وجہ نہیں آیا تھا۔" سلطان شاہ طویل سکوت کے بعد بولا۔ "جیکب کو یقیناً اس بارے میں علم رہا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ کاؤنٹری سے فرار ہو کر بھابی نے لندن میں اسی کے پاس پناہ لی ہو۔"

"جیکب کے مر جانے کے بعد اب یہ سب قیاسات ہیں جن سے ہمیں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ جیکب کی قیام گاہ سے کوئی سُراغ مل سکے۔"

"جیکب کی لاش دریافت ہوتے ہی اس کا مکان پولیس کا گڑھ بن جائے گا، ہم اُدھر کا رُخ بھی نہیں کر سکتے۔ پھر کالاہان جیسے چالاک آدمی نے بھی یہ امکان نظر انداز نہ کیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ اُدھر سے مایوس ہونے کے بعد ہی اس نے پب میں جیکب سے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا ہو۔"

"اس کا تو مطلب ہوا کہ اب ہم پھر اندھیرے میں ہیں؟"

"بدقسمتی ہے کہ جیکب ہم سے ملنے سے قبل ہی مار ڈالا گیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ویرا کی آمد پر ہی اس اُلجھی ہوئی ڈور کا کوئی سرا ہاتھ آسکے گا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"ویرا!" وہ پُرخیال لہجے میں بولا۔ "ہاں وہی کسی کام آسکے گی۔"

"بشرطیکہ وہ یہاں آتے ہی تنظیم کے معاملات میں مصروف نہ ہو جائے۔"

"اب تو یہ بھی تنظیم کا مُعاملہ بنتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ اگر پورے قصّے سے بھابی کی ذات کو الگ کر دیا جائے تو پورا قصّہ گروہی اختلافات کا رنگ لے سکتا ہے، جس میں دونوں طرف کے آدمی مارے گئے ہیں۔ ویرا جیکب کے قتل سے آسانی کے ساتھ چشم پوشی اختیار نہ کر سکے گی ورنہ لندن میں اپنی ساکھ سے محروم ہو جائے گی۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ میں نے معاملات پر اس زاویے

سے غور ہی نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ویرا نے لندن میں گروہ اپنی ذاتی خدمت کے لیے تو ہرگز نہ پالا ہوگا۔ اس کا تعلق بھی تنظیم کے مفادات اور کارکردگی سے رہا ہوگا۔

پھر اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ دنیا میں برطانوی اخبارات کی آزادی اور سماجی دوستی کا بڑا شہرہ تھا۔ معاشرے پر اثر انداز ہونے والے ہر جرم کے بارے میں اس وقت تک کرید کرید کر خبریں اور رپورٹیں شائع کیے جاتے تھے، جب تک اصل مجرم بے نقاب ہو کر قانون کی گرفت میں نہ آجائے، جب کہ کاؤنٹری میں غزالہ کے ہاتھوں دُہرے قتل کا واقعہ تازہ تھا لہٰذا اخبارات میں اس بارے میں سنسنی خیز تفصیلات کی موجودگی ناگزیر تھی اور شاید شام کے ایڈیشنوں میں ایسکیوز آرمز کے دُہرے قتل کی کہانیاں بھی آنے والی تھیں۔

"میں ذرا نیچے سے اخبارات لے کر آتا ہوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا۔

"کیا یہی بات تم انگریزی میں دُہرا سکتے ہو؟" اُس نے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"کیوں؟" میں نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"ہم یہاں آتے ہی جن حالات سے دوچار ہوگئے ہیں، ان میں زبان سے لاعلمی میرے لیے دشواریوں کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ علیحدگی میں تم میری مدد کرو۔ کم از کم مجھے اظہارِ مدعا کے قابل تو ہونا ہی چاہیے۔ ایسکیوز آرمز میں ہینڈز اپ کرانے کے بعد میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ضرورت پیش آگئی تو آگے کیا کہوں گا۔"

"بہت اچھی بات ہے، انگریزی سے واقفیت کے بعد تم اپنا رول بہتر طریقے پر ادا کر سکو گے۔" میں نے ایک فوری خیال کے تحت دوبارہ کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔ "یہ تو بتاؤ کہ تم ایسکیوز آرمز میں داخل کیسے ہوئے تھے؟"

"جس دروازے سے تم اندر گئے تھے وہی استعمال کیا تھا۔"

"لیکن اسے تو میں نے اندر سے بولٹ کر دیا تھا۔"

وہ دھیمے سے ہنسا۔ "اس کا مطلب ہے کہ کالا لارن نے اپنی موت کا بندوبست خود ہی کیا تھا۔ تمہارے اندر داخل ہونے کے چند ثانیوں بعد دروازہ دوبارہ کھلا تھا اور کالا لارن نے سر باہر نکال کر گردوپیش کا جائزہ لیا تھا کہ کہیں باہر تمہارا کوئی ساتھی موجود نہ ہو۔ غالباً اس نے دروازہ بند کرنے کے بعد دوبارہ اندر سے بولٹ نہیں کیا تھا۔ میرے زور دیتے ہی دروازہ آسانی کے ساتھ کھلتا چلا گیا تھا۔"

"لاحول ولاقوۃ!" میں سر جھٹکتے ہوئے دوبارہ اٹھ گیا۔

ہوٹل سے نکل کر میں ہیگر لیوا سٹریٹ سے ہوتا ہوا مین روڈ پر آیا اور اسٹال سے صبح کے اخبارات کے ساتھ ہی دو اخبارات کے تازہ ترین ایڈیشن بھی خرید لیے۔

میں اخبارات کے دام ادا کر رہا تھا کہ مجھے سینٹ کی تیز مہک کے ساتھ اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں تیزی سے پلٹا اور اس خوب صورت اور دراز قامت خاتون سے ٹکرا گیا جو پورے سٹال کو چھوڑ کر عین میری پشت پر کھڑی نجانے کیا کر رہی تھی۔

غلطی اس کی تھی مگر ہم دونوں نے تقریباً بیک وقت ہی ایک دوسرے سے معذرت کی اور اس کے ہلکی لپ اسٹک میں رچے ہوئے لبوں پر دلکش مسکراہٹ بکھر گئی۔

تصادم خوشگوار تھا اور پھر اس پر ہلچل ماحول میں ان کی نگاہوں میں معنی خیز چمک نظر آئی تو میں نے بڑھ کر نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "کیا میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہوں؟"

مغرب کی سرزمین پر کسی عورت سے یوں سر راہ ٹکرانے کا میرا یہ پہلا موقع تھا۔ ان لوگوں کی آزادروی کے بارے میں میں نے بہت کچھ سُنا ہوا تھا اور پھر ویرا لائیڈ کو تو میں نے بہت قریب سے دیکھا تھا مگر پھر بھی میں اس کے ردِعمل کے بارے میں تذبذب کا شکار تھا اس لیے میں نے دانستہ ذومعنی الفاظ کا انتخاب کیا تھا۔ وہ مالی منفعت کے لیے کسی شکار کی تلاش میں تھی تو میرے الفاظ حوصلہ افزا تھے اور اگر اس کے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں تھی تو جسمانی تصادم کے بعد میرے وہ الفاظ ایک رسمی اور اخلاقی پیشکش سے زیادہ نہیں تھے۔

"آؤ۔" اس نے یوں دوستانہ انداز میں کہا جیسے ہماری برسوں کی شناسائی رہی ہو۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

"اب تو منزل کا تعین تمہارے مشورے سے ہوگا۔ فیس کیا ہوگی؟"

"شش!" اس نے لب کھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔ "لندن میں آج کل پولیس نے ہماری زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ بعض اوقات فیس کا ذکر آتے ہی قانون حرکت میں آجاتا ہے۔"

"مگر مجھے تو یہاں دُور دُور تک قانون نظر نہیں آرہا۔" میں نے دائیں بائیں نظریں دوڑاتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"خاص خاص مقامات پر آج کل سادہ پوش سپاہی دُور بینوں سمیت موجود ہوتے ہیں اور دُور سے مشتبہ جوڑوں کا

جائزہ لیتے رہتے ہیں، جہاں گھپلے کا شبہ ہو جائے، وہاں پولیس
پر اپنے باوردی ساتھیوں کو باخبر کر دیتے ہیں اور وہ آناً فاناً
گھیرا ڈال لیتے ہیں۔"

"کام کی بات نہیں بتائی تم نے ابھی تک۔"

"یہ دقیانوسی کی باتیں نہ کرو۔" وہ بے تکلفانہ لہجے میں
بولی۔ "میں تمھیں اخبار کا بل ادا کرتے ہوئے دیکھ چکی ہوں کہ
تمھارے پرس میں خاصی رقم موجود ہے...."

"لیکن وہ سب تمھارے لیے نہیں ہے۔" میں نے
خشک لہجے میں کہا۔

"مجھے پروا نہیں ہے، یہ بتاؤ کہ کدھر چلو گے؟ میں سکس
گارڈنز میں رہتی ہوں۔ ہوٹل میں بالکل الگ تھلگ کمرے میں
رہتی ہوں۔ تمھارا قیام کہاں ہے؟"

"پتا دے دو، ضرورت محسوس کی تو آجاؤں گا۔" مجھے
یک بیک اس سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔

اس کے بشرے سے ساری نرماہٹ یک لخت کافور
ہو گئی اور وہ مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے
غرائی۔ "مجھے پہلے ہی اندازہ تھا، تم ایشیائی لوگ پیدائشی
بھکڑ ہوتے ہو۔"

"پھر جانتے بوجھتے مجھ سے کیوں آ ٹکرائی تھیں لکڑ کووڑ؟"
میں نے زہریلے لہجے میں سوال کیا لیکن وہ میرا فقرہ پورا ہوتے ہی
تیزی سے مخالف سمت میں مڑ گئی تھی۔ شاید کسی نئے شکار
کی تلاش میں۔

دراصل ابتدا میں میرا ارادہ اس سے کچھ دیر کے لیے مل بیٹھنے
کا تھا کیونکہ وہ ابتدا ہی سے پیشہ ور نظر آئی تھی اور میرا خیال
تھا کہ دس بیس پاؤنڈ کے لالچ میں وہ لندن کی زیرِ زمین دنیا
کے بارے میں بہتیری کارآمد باتیں بتا سکے گی لیکن پھر اس اندیشے
کے پیشِ نظر وہ ارادہ ملتوی کر دیا کہ کہیں میں سلطان شاہ سمیت
شیفرڈز بش میں کسی کی نگاہوں میں نہ آ گیا ہوں یا کسی نے ہماری
لاعلمی میں ہمیں ایسکیموز آرمز کے بغلی دروازے سے نکلتے نہ دیکھ
لیا ہو۔ اگر اس بارے میں پولیس کو ذرا بھی بھنک مل جاتی تو پورے
شہر کے ہوٹلوں میں ایک ساتھ ٹھہرنے والے ہر اس ایشیائی سے
باز پرس کا سلسلہ شروع ہو جاتا جس کا کوئی ساتھی بھی رہا ہو اور
ایسے معاملات میں ہر ملک کی پولیس بدقماش عورتوں پر انحصار
کرتی ہے کیونکہ وہ غیر ملکی سیاحوں میں عموماً خاصی رسائی رکھتی
ہیں۔ اس طرح وہ عورت مجھے اور سلطان شاہ کو یک جا دیکھ لینے
کے بعد ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ رہا ہوٹل کا عملہ تو
اس سے مجھے کسی پیش رفت کا ڈر نہیں تھا کیونکہ اس طرح
ہوٹل کی شہرت داغدار ہو سکتی تھی۔ پھر وہ جب تک اپنے
مہمانوں کی کسی مشکوک سرگرمی سے واقف نہ ہوں، عموماً پولیس
سے رجوع کرنے سے گریز ہی کرتے ہیں۔

میری دستک کے جواب میں سلطان شاہ نے کمرے کا
دروازہ کھولا اور میں اندر گھستے ہی بستر پر اخبار پھیلا کر بیٹھ
گیا۔ سلطان شاہ نے بھی ایک اخبار اٹھا لیا۔ اپنی واجبی تعلیم کی
وجہ سے وہ انگریزی پر عبور نہیں رکھتا تھا لیکن پڑھنے اور
فقروں سے ٹوٹا پھوٹا مفہوم اخذ کرنے پر قادر تھا۔

روزنامہ سن کے اندرونی صفحے پر کاؤنٹری کا پُراسرار دہرا
قتل کے عنوان سے ایک سہ کالمی سرخی فوراً ہی میری توجہ کا مرکز
بن گئی۔ ذیلی سرخی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بے رحم ایشیائی قاتلہ اس
وقت تک روپوش تھی۔ میں نے اس خوش خبری پر اطمینان کا سانس
لیتے ہوئے خبر کا تفصیلی مطالعہ شروع کر دیا۔

کالاہان نے مجھے اس واقعے سے تو آگاہ کر دیا تھا لیکن یہ
نہیں بتایا تھا کہ وہ واردات کب وقوع پذیر ہوئی تھی۔ سن کی
خبر کے مطابق وہ واقعہ پچھلے ویک اینڈ پر یعنی دو دن پہلے رونما
ہوا تھا۔

تفصیلات پڑھتے ہوئے میرے دل میں بے اختیار جیک
کے مجرد بھائی کے لیے احترام کے جذبات پیدا ہو گئے۔ کالاہان
نے اس کا تذکرہ تحقیر آمیز انداز میں کیا تھا لیکن اخباری اطلاعات
کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھیں۔

جوزف میکفرسن کے مکان میں آدھی رات کے بعد فائرنگ
ہوتے ہی اس کے پڑوسیوں نے فون پر پولیس کو مطلع کیا تھا اور
جب پولیس وہاں پہنچی تو نکاسی کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ اندر شہر کے
دو اوباش نوجوانوں کی تازہ لاشیں اپنے خون میں لت پت پڑی
ہوئی تھیں اور جوزف کثرتِ مے نوشی کے باعث دنیا و مافیہا
سے بے خبر اپنی خواب گاہ میں بے سدھ پڑا ہوا تھا۔

جوزف نے ہوش میں آنے کے بعد یہ موقف اختیار کیا
تھا کہ دونوں مقتول اس کے شناسا تھے اور وقوعہ کی شام ایک
مقامی لڑکی کو ساتھ لے کر اس کے گھر آئے تھے۔ وہ چاروں بیٹھے
شراب نوشی اور گپ شپ کرتے رہے۔ اس دوران میں دونوں
مقتولین نے جوزف کو باتوں میں الجھا کر اس قدر شراب پلا دی
کہ وہ وہیں بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ اسے کچھ علم نہیں تھا وہ اپنی خواب گاہ
میں کیسے پہنچا اور وہاں بعد میں کیا واقعات پیش آئے۔

حیرتناک بات یہ تھی کہ غزالہ کا نام پوری خبر میں کہیں
نہیں تھا۔ جوزف نے اس نامعلوم لڑکی کا نام سونیا بتایا تھا۔
اس نے اپنے مکان میں غزالہ کے قیام کے سلسلے میں اتنی

راز داری برتی تھی کہ اس کے پڑوسیوں تک کو اس کے وجود کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ اگر کالاہان نے مجھے اس واقعے کی تفصیل سے آگاہ نہ کر دیا ہوتا تو خبر پڑھ کر میرے لیے یہ تصور کرنا بھی محال ہوتا کہ غزالہ اس واردات کا مرکزی کردار تھی۔

مگر بعد میں تفتیشی افسران کو مقتولین کے لباس پہ سے لمبے اور سیاہ نسوانی بال ملے جو جوزف کی مقامی لڑکی والی کہانی کی نفی کر رہے تھے۔ اس پر جوزف کے مکان کی تلاشی لی گئی اور ایک خواب گاہ میں ملبوسات سمیت نسوانی استعمال کی بہت سی اشیاء دریافت ہوئیں جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس کے گھر میں کوئی لڑکی مقیم تھی۔ اس انکشاف کے بعد ہی اُسے حراست میں لے لیا گیا اور اس نے تسلیم کر لیا کہ قاتل لڑکی اس کی مہمان تھی لیکن اس مرتبہ بھی اس نے غزالہ کی اصلیت سے پردہ ہٹانے کے بجائے یہی کہا کہ وہ بھارتی نژاد لڑکی تھی اور اس کا نام سونیا ہی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ جوزف کے سو جانے کے بعد مقتولین نے لڑکی پر دست درازی کرنے کی کوشش کی ہو اور وہ اپنے دفاع میں انھیں ہلاک کر کے خوف کے عالم میں موقع سے فرار ہو گئی ہو۔ جوزف کی کہانی اپنی جگہ مضبوط تھی لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ ان حالات میں کالاہان کو غزالہ کے نام کا علم کیسے ہوا؟

بظاہر اس کا ایک ہی امکان نظر آتا تھا کہ شاید واردات کے بعد مگر جوزف کی گرفتاری سے قبل کالاہان نے اسے جا لیا ہو اور کسی طرح اس کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو گیا ہو۔ پھر یہ تو جرائم کی دنیا کا ایک عالمی اصول تھا کہ باہمی تنازعات قانون کی عمل داری سے باہر ہی نمٹائے جاتے تھے۔ کسی بھی فریق کی طرف سے قانون کا سہارا لینے کی کوششوں کو روایت شکنی اور بزدلی تصور کیا جاتا تھا۔ لہٰذا عین ممکن تھا کہ کالاہان نے پولیس اور جوزف کے درمیان کوئی نئی الجھن کھڑی کرنے کے بجائے اس واقعے میں جوزف کی بے گناہی کو تسلیم کر لیا ہو اور خود غزالہ سے حساب برابر کرنے کی نیت سے لندن چل پڑا ہو، یوں جوزف کو غزالہ کے بجائے سونیا کے نام پر اڑے رہنے کا جواز مل گیا ہو۔

شاید کالاہان میرے سامنے بھی غزالہ کا نام نہ لیتا لیکن وہ مجھے ختم کر دینے کا فیصلہ کر چکا تھا اس لیے اس بارے میں احتیاط کو نظر انداز کر بیٹھا ورنہ جیکب کے قتل کے بعد میرے لیے غزالہ کے بارے میں کچھ بھی جاننا ممکن نہ ہوتا۔

غزالہ کہاں تھی؟ یہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ جوزف نے اسے قتل کے الزام سے بچائے رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی تھی جو اس وقت تک کامیاب ہوتی نظر آ رہی تھی۔ اس بار میں مجھے بس ایک ہی خلش تھی کہ کالاہان کی کہانی کے مطابق کسی نے اسے خبر دی تھی کہ قاتل لڑکی کو کاؤنٹی سے لندن آنے والی بس میں سوار ہوتے دیکھا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ مخبر غزالہ کو پہچانتا تھا اور ابھی تک زندہ تھا۔

اس بارے میں کالاہان کی ایک اور بات بھی قابلِ غور تھی۔ اس نے کہا تھا کہ پہلے اس کے آدمی دور دور سے غزالہ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتے رہے، اس میں ناکامی کے بعد اصغر نے جوزف کے مکان پر پارٹی کا ڈراما رچانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ غزالہ کاؤنٹی میں منظرِ عام پر موجود تھی اور لوگ اسے جانتے تھے لیکن اخباری اطلاعات میں کہیں ایسا اشارہ نہیں تھا۔ حد تو یہ تھی کہ جوزف کے پڑوسی تک اس کے گھر میں کسی لڑکی کے قیام سے لاعلم تھے لہٰذا کالاہان کے اس تبصرے کو روا روی میں کہی ہوئی بات سمجھ کر نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔

اس طرح میرے سامنے دو ترجیحات رہ گئی تھیں۔

اوّل غزالہ کا سراغ لگانا جو فی الحال دشوار نظر آ رہا تھا اور کالاہان کے اس مخبر کا پتا چلانا جو غزالہ کو پہچانتا تھا، کیونکہ وہ شخص غزالہ کی آزادی کے لیے کسی بھی وقت بدترین خطرہ بن کے سامنے آ سکتا تھا۔ اگر اس کی نشاندہی پر پولیس کسی بھی وقت غزالہ پر ہاتھ ڈال دیتی تو لاشوں کے لباس سے چپکے ہوئے نسوانی بالوں اور غزالہ کے بالوں کے تجزیے کی یکساں رپورٹ مزید کسی شہادت کے بغیر اس کو قاتل قرار دے سکتی تھی۔

لیکن سلطان شاہ میرے اس نظریے سے متفق نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ غزالہ کاؤنٹی میں پوری رازداری کے ساتھ رہی تھی لیکن وہ غالباً کوئی چھوٹا شہر یا قصبہ تھا جہاں ہر محلّے میں رہنے والے ایک دوسرے کو بخوبی پہچانتے ہوں گے لہٰذا جوزف کے علاقے میں رہنے والے کسی فرد نے اگر رات گئے کسی اجنبی لڑکی کو علاقے کے بس اسٹاپ سے لندن کے لیے سوار ہوتے ہوئے دیکھا ہوگا تو اس کا ذکر بھی کسی نہ کسی سے کیا ہوگا اور کالاہان نے وہ اطلاع ملتے ہی دو اور دو کو ملا کر چار کر لیا۔ اس سے قطع نظر کالاہان کے لندن پہنچنے کے لیے کسی ایسی مخبری کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر اس نے جوزف پر ایسے طریقے سے ہاتھ ڈالا تھا کہ اس سے غزالہ کا نام اگلوانے میں کامیاب ہو گیا تھا تو جوزف ہی نے اسے یہ بھی بتایا ہوگا کہ غزالہ کو اس کے چچا بھائی، جیکب میکفرسن نے اس کے پاس بھیجا تھا۔ اس کا مشورہ تھا کہ ہمیں سب کچھ بھول کر صرف اور صرف غزالہ کا کھوج نکالنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

"لیکن لندن میں ہم اسے کہاں تلاش کریں گے؟" میں صدمے
ور مایوسی سے مغلوب لہجے میں بولا۔
"سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں فوری طور پر ایک
دوسرے سے الگ ہوٹلوں میں قیام کرنا چاہیے۔ کالاہان کے
قتل میں ملوث ہونے کے بعد یہ احتیاط ضروری ہو گئی ہے۔" وہ
میری کیفیت کے پیشِ نظر اس وقت ضرورت سے زیادہ سنجیدہ منظر
رہا تھا۔
"کمرے تو یہاں بھی الگ ہی ہیں ہمارے۔" میں نے خالی الذہنی
کے عالم میں کہا۔
"کمروں کی بات نہیں، ہمیں الگ الگ ہوٹلوں میں ٹھہرنا چاہیے
تاکہ ہم میں سے ایک پر کوئی اُفتاد آئے تو دُوسرا محفوظ رہتے ہوئے
اس کی مدد کر سکے۔ یہاں کی پولیس سے مجھے بہت زیادہ خوف محسوس
ہو رہا ہے۔"
"یہاں کم از کم ایک رات تو گزارنا ہی پڑے گی۔ اس سے پہلے
ہوٹل چھوڑا تو انتظامیہ شبہات میں مبتلا ہو سکتی ہے۔"
"انتظامیہ!" وہ ہولے سے ہنس دیا۔ "یہاں کی انتظامیہ
خوش مزاج ضرور ہے لیکن کافی موٹی ہے۔"
اس کے تبصرے پر میں بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا کیونکہ اس
ہوٹل میں ابھی تک وہی ایک دیوہیکل عورت نظر آئی تھی جو بیک وقت
سارے انتظامی امور نمٹاتی نظر آئی تھی بلکہ میرا تو خیال تھا کہ شاید
بوقت ضرورت وہی ہوٹل کی ویٹریس کے فرائض بھی انجام دیتی ہو گی۔
"تم بس پہلی بات بتا کر رہ گئے، دوسری بات کیا ہے؟" میں
نے اسے ٹوکا۔
"معاملہ سنگین صُورت اختیار کر چکا ہے۔ ہم دریا کے انتظار میں
ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتے۔ اگر ہم لندن کے جرائم پیشہ لوگوں
میں سے کسی کام کے آدمی تک رسائی حاصل کر سکیں تو اپنے طور پر خاصی
پیش رفت کر سکتے ہیں۔"
"میں نے تو بس سوہو کے علاقے کا ہی نام سنا ہوا ہے
اور اس جگہ کی شہرت رنگینیوں کے باعث ہے۔ یہ ضروری تو
نہیں کہ وہاں ہم کو کوئی کامیابی حاصل ہو سکے۔"
"کوشش تو کی جا سکتی ہے...... ورنہ جی تو بہل جائے گا۔"
اس وقت جس ہوٹل میں ہمارا قیام تھا، وہاں مہمانوں کے لیے
طعام کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ بس کمروں کے ساتھ صبح کا ناشتا
دیا جاتا تھا جو روایتی طور پر کانٹی نینٹل ناشتا کہلاتا تھا یعنی ٹوسٹ،
مکھن، دو انڈوں اور چائے پر مشتمل ہوتا تھا جب کہ برطانوی طرز
کا ناشتا جو نہایت بھرپور اور متنوع ہوتا تھا شاید متوسط سے
اونچا اونچے ہوٹلوں میں ہی سرو کیا جاتا تھا۔ ناشتا تو صبح کا معاملہ
تھا لیکن اس وقت ہمیں رات کے کھانے کے لیے باہر نکلنا ہی تھا
لہٰذا میں نے سلطان شاہ کی تجویز قبول کرتے ہوئے فوری طور پر
باہر چلنے کا فیصلہ کر لیا۔
سلطان شاہ نہا دھو کر لباس تبدیل کرنے کے لیے چند منٹ
کی مُہلت لے کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا اور میں بھی تھکان اتارنے
کے لیے غسل خانے میں گھس گیا۔
میں تیار ہو گیا لیکن سلطان شاہ واپس نہ پہنچا تو میں خود اس
کے کمرے کی طرف ہو لیا۔ بند دروازے کے سامنے پہنچتے ہی میں ایک ثانیے
کے لیے ٹھٹکا تھا کیونکہ اندر سے کسی عورت کے انگریزی میں بولنے
کی آواز آ رہی تھی مگر فوراً ہی میرا وہ شبہ دُور ہو گیا کیونکہ متن، انداز
اور لہجے سے ظاہر ہو گیا تھا کہ سلطان شاہ کے کمرے میں ٹیلی وژن
آن تھا۔
میرے دستک دیتے ہی سلطان شاہ نے دروازہ کھولا تو
اس کے چہرے پر عجیب سی چمک موجود تھی، اس نے عُجلت میں میرا
ہاتھ تھام کر مجھے اندر کھینچ لیا اور دروازہ مقفّل کرتے ہوئے میری
طرف گھوم گیا۔ اس کے گیلے بدن پر تولیا لپٹا ہوا تھا۔
"تم نے ٹیلی وژن دیکھا؟" اس نے ہیجانی لہجے میں سوال کیا
لیکن اس اثنا میں میں اسے نظر انداز کر چکا تھا۔ ٹیلی وژن نے فوری
طور پر میری توجّہ اپنی طرف مرکوز کرا لی تھی۔
شیفرڈ زبش کے علاقے میں ہونے والی دُہرے قتل کی
واردات کی خبر پھیل چکی تھی اور اسکرین پر ایک عورت ڈرامائی لب و
لہجے میں واردات سے متعلقہ نکات پر روشنی ڈال رہی تھی۔
پھر اسکرین سے وہ خاتون غائب ہو گئی۔ اس کا تبصرہ جاری
تھا اور اب اسکرین پر کیمرہ شیفرڈ زبش کی سڑکوں پر ہوتا ہوا دھیمے
دھیمے اسیکوز آرمز پر مرکوز ہو گیا جہاں لندن پولیس کا بھاری
محاصرہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے بعد مختلف لوگوں کے انٹرویو شروع
ہو گئے۔
میں پوری توجّہ کے ساتھ ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔ کسی بھی
مہذب شہر میں انسانی قتل کی وارداتیں ہمیشہ سنسنی خیز اور خوفناک
ثابت ہوتی ہیں لیکن مختصر سی مدّت میں ٹیلی وژن کے نامہ نگار نے یہ
کھوج نکال لیا تھا کہ لندن کے قریبی قصبے کاؤنٹری میں ہونے والے
دُہرے قتل کا اسیکوز آرمز سے تعلق موجود تھا۔
کاؤنٹری میں دُہرا قتل جوزف کے گھر ہوا اور اب لندن میں
جوزف کا بڑا بھائی جیک میکفرسن پُراسرار حالات میں اسیکوز آرمز
میں ذبح کر دیا گیا تھا۔
"ان وارداتوں میں کیا تعلق ہے؟ کہیں کاؤنٹری والی پُراسرار
سونیا اب لندن میں سرگرم تو نہیں ہو گئی ہے؟ یہ بہت اہم سوال

ہے" اس لیے آئیے اب ذرا کاؤنٹری چلتے ہیں۔" آخر میں مبصر
اسکرین پر نمودار ہو کر کہہ رہی تھی اور اس کا فقرہ ختم ہوتے ہی
اسکرین پر لمبے بالوں والی ایک معصوم دوشیزہ سرکش گھوڑے پر سوار
نظر آئی۔ وہ کوئی متحرک تصویر نہیں بلکہ ایک ساکت مجسمہ تھا اور پھر
اس پتھریلے مجسمے کے معدوم ہوتے ہوتے آواز ابھری۔" کاؤنٹری
مادام گوڈائیوا کی سرزمین جہاں آج ایک سفاک عورت نے شہر کا
امن وسکون غارت کیا ہوا ہے۔ گوڈائیوا امن و عافیت کی علامت
کے طور پر آج بھی یاد ہے لیکن سونیا اس شہر میں دہشت اور بربریت
کی علامت بن گئی ہے.....!"

پروگرام جاری رہا لیکن میرے لیے اس میں کوئی خاص جاذبیت
نہیں رہ گئی تھی۔ اصل نکتہ سامنے آچکا تھا کہ کالاہان کے قتل کے چند
ہی گھنٹوں کے اندر دونوں وارداتوں کے درمیان تعلق پیدا کر لیا گیا
تھا اور ایسکوزا آرمز کی خون ریزی کو سونیا کی مفروضہ ذات سے
منسلک کرنے کی غیر شعوری کوششوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ ہمارے حق
میں یہ بہت امید افزا صورتِ حال تھی کیونکہ ابلاغِ عامہ کے ادارے
کسی نہ کسی طرح تفتیش کرنے والے اداروں پر اثر انداز ہونے کی قوت
رکھتے ہیں اور اگر پولیس ان کے نظریات کو یکسر نظر انداز کرنے لگے
تو نااہلی کے طعنوں کی بھرمار شروع ہو جاتی ہے۔

"تمھیں کیسے پتا چلا کہ اس وقت ٹیلی وژن پر یہ پروگرام آرہا ہے؟"
میں نے سلطان شاہ سے پوچھا جو عجلت میں لباس تبدیل کرنے میں
مصروف تھا۔

"مجھے خاک پتا نہیں تھا" وہ خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا۔
"میں نے تو بس وقت گزاری کے لیے کمرے میں آتے ہی ٹیلی وژن
آن کر دیا تھا اور غسل خانے کا دروازہ کھول کر شاور کے نیچے نہا رہا
تھا کہ اچانک ہی رقص و موسیقی کا پروگرام روک کر پہلے شیفرڈز بش
میں دوہرے قتل کی خبر نشر کی گئی۔ پھر دوسرا پروگرام شروع ہو گیا تفصیلات
شاید میرے پلّے نہ پڑی ہوں لیکن کام کی باتیں سمجھ میں آگئی تھیں۔"

"ابتدائی رائے یہی قائم کی جا رہی ہے کہ جیکب اور کالاہان
کے قتل کا تعلق سونیا کی ذات سے ہے...." اپنی بات ادھوری چھوڑ
کر مجھے ایک بار پھر ٹیلی وژن اسکرین کی طرف متوجہ ہو جانا پڑا کیونکہ
وہاں جوزف کی مدد سے پولیس کے ماہرین اور مصوروں کا بنایا ہوا
خاکہ دکھایا جا رہا تھا۔

اسکرین پر قاتلہ کے چہرے کی آؤٹ لائن دیکھتے ہی میرا دل
اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ سو نہیں تو نوّے فی صد غزالہ سے مشابہ
تھا لیکن جب اس اسپاٹ خاکے میں دیگر نقش و نگار کا اضافہ ہونا
شروع ہوا تو میری جان میں جان آئی کیونکہ اس بار ہر شناخت
غزالہ سے مختلف تھی۔

غزالہ کی جھیل جیسی سیاہ غزالی آنکھوں کی جگہ نیلی آنکھیں نظر
آرہی تھیں، بال ترشے ہوئے تھے، ناک کی ساخت ہی مختلف تھی اور
نتھنے یوں پھولے ہوئے تھے جیسے قاتلہ پھنکار رہی ہو۔ لب نہ یاقوتی تھے
نہ احمریں بلکہ موٹے موٹے، سلگتے ہوئے ہونٹوں نے اس خاکے کو خاصا
کشش انگیز بنا دیا تھا۔ رہی سہی کسر بائیں ابرو کے اختتام پر ابھرنے
والے سیاہ تل نے پوری کر دی تھی جو غزالہ کے چہرے پر سرے سے
موجود ہی نہیں تھا۔

میں نے اسی وقت دل میں فیصلہ کر لیا کہ اگر زندگی نے ساتھ دیا
اور مقدر یاور رہا تو اس اٹل حمایت پر جوزف میکفرسن کو میں ایسے
شایانِ شان انعام سے نوازوں گا کہ وہ عمر بھر اسے فراموش نہ کر سکے
گا۔ اس نے جس ماہرانہ بلکہ پیشہ ورانہ انداز میں غزالہ کی ذات کو ہر
قسم کے شبہات سے بالاتر رکھنے کی کوشش کی تھی، اس کی بنا پر
مجھے پورا یقین ہو چلا تھا کہ وہ صرف جیکب کا چھوٹا بھائی ہی نہیں تھا
بلکہ بذاتِ خود بھی دیرا کا وفادار، نمک خوار تھا ورنہ اس دور میں مغرب
کی مادہ پرست معاشرت میں بھلا کون کسی مظلوم مجرم کی پشت پناہی
کر سکتا تھا۔

پروگرام کے آخر میں نیلی آنکھوں والی اس سفاک ایشیائی
قاتلہ کے بارے میں برطانیہ کے شہریوں سے اس اپیل کے ساتھ پروگرام
ختم کر دیا گیا کہ وہ جہاں بھی دیکھی جائے اس کے بارے میں قریب ترین
پولیس اسٹیشن کو اطلاع دی جائے تاکہ ان کا شہر مزید خونریزی
سے محفوظ رہے۔

سلطان شاہ شاید پروگرام کے ساتھ ہونے والی تقریر سے
اتنا مطلب اخذ نہ کر پایا ہو جتنا اس نے اندازوں سے سمجھ لیا تھا
کیونکہ وہ انگریزی فلمیں دیکھنے کا سدا کا شوقین تھا اور مکالمات
نہ سمجھنے کے باوجود فلم کی کہانی حرف بحرف دہرانے میں خاص ملکہ رکھتا
تھا۔ اس نے ٹیلی وژن آف کرتے ہوئے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور
کنگھے سے اپنے بال سنوارتے ہوئے بولا۔" اب تو تم خوش ہو نا؟"

"کس بات پر؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے
میں سوال کیا۔

"یہ پروگرام تم بھی دیکھ رہے تھے۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ
اب سب ہی ایک غلط لڑکی کی تلاش میں مصروف رہیں گے اور
بھابی کو نقل و حرکت کی آزادی مل سکے گی۔"

"تم تو خاصے قابل ہو۔ کون کہتا ہے کہ تمھیں انگریزی سکھانے
کی ضرورت ہے؟"

"مضحکہ نہ اڑاؤ میرا!" وہ اچانک ہی اداس ہو گیا۔" تم
جانتے ہو کہ سمجھنے کے باوجود میں مکمل جملے نہیں بول سکتا۔"

"ارے میں تو مذاق کر رہا تھا،" میں نے ایسی کون سی بات

"کبھی جو تم بُرا مان لیتے ہو۔"

"میں کسی بات کا بُرا نہیں مانتا، آؤ چلیں۔ میں تیار ہوں۔"

اس بار ہوٹل سے نکلتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس وقت تک میری کھوپڑی پر برف جمی رہی ہو۔ لندن پہنچنے کے بعد میں نے بس ایک ہی کام کیا تھا کہ جیکب میکفرسن سے رابطہ قائم کر کے اس سے ملاقات کا وقت مقرر کیا تھا لیکن اس سے آگے میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑا ہوا تھا اور جو کچھ ہو رہا تھا اسے کسی ذہنی مشق کے بغیر من و عن تسلیم کرتا جا رہا تھا۔ حالانکہ ان واقعات میں بہت کچھ حل طلب نکات تھے۔

لندن پہنچ کر علم ہوا کہ ویرا لائیڈ پاکستان میں ہوتے ہوئے بھی لندن میں اپنے آدمیوں سے کٹی ہوئی نہیں تھی بلکہ اس کے تمام عالمی رابطے برقرار تھے اور شاید اس نے جیکب کو یہ اشارہ بھی دے دیا تھا کہ میں میگی ہارڈی کے بوائے فرینڈ کے حوالے سے کسی بھی وقت اس سے رابطہ قائم کر سکتا تھا۔

پاکستان میں میرے اور ویرا کے درمیان میگی ہارڈی والا کوڈ صرف ایک دن پہلے طے پایا تھا جب ویرا نے مجھے ملاقات کے لیے ہال پارک طلب کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ پچھلے دن ہی کسی وقت ویرا اور جیکب کے درمیان بات ہوئی تھی جب کہ کاؤنٹری میں غزالہ کے ہاتھوں ڈسپرے کے قتل اور غزالہ کے فرار کو دو دن گزر چکے تھے یعنی جب جیکب اور ویرا کے درمیان رابطہ قائم ہوا تو جیکب غزالہ کے بارے میں نئی صورتِ حال سے پوری طرح واقف تھا اور اس نے یقینی طور پر ویرا کو بھی اس بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد میری ویرا سے فون پر بات ہوئی لیکن اس نے شاید میرے شدید احتجاجی ردِعمل کے خوف سے مجھے غزالہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا بلکہ مجھے ہر قیمت پر کراچی بلکہ پاکستان سے نکل کر لندن پہنچنے کا مشورہ دیتی رہی۔

اس کا مطلب تھا کہ ویرا غزالہ کے معاملے سے بے خبر نہیں تھی۔ دوسری طرف وہ اس کی بازیابی کے سلسلے میں میری بے چینی سے بھی پوری طرح آگاہ تھی اس لیے امکان یہی تھا کہ کراچی میں تنظیم کے نئے سربراہ، داؤد کے ساتھ اپنے پروگرام کے بعد جو وہ جلد از جلد لندن پہنچنے کی کوشش کرتی تاکہ یہاں کے معاملات پر اس کی گرفت پوری مضبوطی کے ساتھ برقرار رہتی۔

دوسری طرف جس وقت میں نے فون پر جیکب سے بات کی تو اس نے ابتدائی خشک گفتگو کے بعد میگی ہارڈی کے حوالے سے واقف ہوتے ہی نہایت خوش دلی کے ساتھ ڈھائی بجے مجھے اپنے پب میں بلایا تھا۔ وہ لازمی طور پر غزالہ کے بارے میں کچھ اہم باتیں بتلانے والا تھا لیکن بدقسمتی سے مجھ سے ملاقات سے پہلے ہی کالاہان کے ہاتھوں مارا گیا اور یوں ساری صورتِ حال الجھ کر رہ گئی۔

اگر میرا ذہن صحیح خطوط پر کام کر رہا ہوتا تو پب سے فرار کے بعد معاملات کی سنگینی کے پیشِ نظر مجھے فوری طور پر امپیریل ہوٹل فون کر کے ویرا کی آمد کے بارے میں استفسار کرنا چاہیے تھا لیکن میں ان کڑیوں کو یکجا کیے بغیر بس یہی فرض کیے بیٹھا رہا کہ ویرا کا اتنی جلدی لندن پہنچنا ناممکنات میں سے ہے۔

اب پہلا کام یہی تھا کہ ہوٹل فون کر کے ویرا کی آمد کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔ امپیریل ہوٹل یاد آتے ہی مجھے ایمی فرانسس بھی یاد آئی جو ایک سازش کا شکار ہو کر میرے ہی طیارے میں کراچی سے رُوم پہنچی تھی لیکن اس کی لندن میں موجودگی کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ اس کا بوائے فرینڈ، موسیٰ اسے اسی شام فون کرنے والا تھا۔

ٹیوب اسٹیشن پر بنے ہوئے پبلک فون بوتھ اس شہر کی زندگی کا ایک نیا ہی رُخ پیش کر رہے تھے۔ وہ فراڈ مجھے اس شہر میں پہلی بار نظر آئی تھی۔ ذو معنی فقروں اور کہیں کہیں جسمانی پیمائشوں کے ساتھ ہر بوتھ میں متعدد رنگ برنگے اسٹکر چسپاں تھے جن پر نمایاں حروف میں متعدد نسوانی نام اور رابطے کے فون نمبر موجود تھے۔ ان میں کوئی بھی اسٹکر مطبوعہ نہیں تھا بلکہ سب ہاتھ سے لکھے ہوئے تھے۔

ہر بوتھ کو دوسروں سے الگ کرنے والی شیشے کی دیواروں سے وہ ادھیڑ عمر آدمی بھی صاف نظر آ رہا تھا جو ایک ہاتھ میں چھوٹا کوڑے دان اور دوسرے میں اسکریپر لیے وہ بے ہودہ اسٹکر اکھاڑ رہا تھا۔

فون پر رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے آپریٹر کی آواز سنائی دی تھی۔ میں نے فوری طور پر ویرا لائیڈ سے سلسلہ ملانے کے لیے کہا۔ وہ مجھے ہولڈ آن کرنے کی ہدایت کر کے غائب ہو گئی۔ میں خاصی دیر تک لائن ہولڈ کیے رہا آخر کار لائن پھر جاگ اٹھی۔

"نو ریپلائی سر!" اس کی مشینی آواز سنائی دی اور میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہونے لگیں۔ اس کے جواب سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا لندن پہنچ چکی تھی اور حسبِ وعدہ اسی ہوٹل میں مقیم تھی مگر اس وقت اپنے کمرے میں نہیں تھی۔

"کمرہ نمبر کیا ہے اس کا؟" میں نے جلدی سے آپریٹر سے دریافت کیا۔

"فور تھری ون۔"

"وہ ہوٹل ہی میں ہے یا باہر گئی ہوئی ہے؟" میں نے تجسس کے عالم میں اگلا سوال داغ دیا۔

"ہولڈ آن!" اُس کی آواز میں بیزاری عود کر آئی۔ شاید اس کا بورڈ اس وقت خاصا مصروف تھا اور وہ میری طویل ہوتی ہوئی جرح سے اکتا گئی تھی۔

"ریسپشن!" لائن کی ہلکی سی کلک کے ساتھ اس بار ایک نئی نسوانی آواز سنائی دی تھی "کیا میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں؟"

"کمرہ نمبر چار سو اکتیس۔" میں نے کہا "مس ویرالا ہوٹل میں ہے یا باہر؟"

"ایک منٹ!" اس نے مجھ سے کہا پھر اس کی گنگناہٹ سنائی دینے لگی، شاید وہ کی بورڈ کا جائزہ لے رہی تھی۔ چند ثانیوں بعد ہی وہ پھر بولی تھی "چابی نہیں ہے سر! اسے ہوٹل ہی میں ہونا چاہیے۔"

اس کا شکریہ ادا کر کے میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر میں نے دوبارہ اسی ہوٹل کا نمبر ملا کر اس بار ایلی فرانسس کا کمرہ نمبر مانگا تھا لیکن طویل ہولڈ آن کے بعد جواب ملا کہ ہوٹل میں اس نام کا کوئی مسافر مقیم نہیں تھا۔

میں نے فوری طور پر اپنا پروگرام تبدیل کر دیا جو سلطان شاہ کے لیے حیران کن ثابت ہوا۔

"میں ہوٹل واپس جاؤں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "اور تم کہاں جا رہے ہو؟"

"ویرا لندن پہنچ چکی ہے۔ اس سے بات نہیں ہو سکی مگر وہ ہوٹل میں ہے میں اس سے ملنے جا رہا ہوں۔ اسے میں تمہاری موجودگی سے بے خبر رکھنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن وہ اتنی جلدی کیسے یہاں پہنچ گئی؟"

"میں نے کہا نا کہ اب تک ہماری عقلوں پر برف جمی رہی ہے ہم یہ بھول ہی بیٹھے تھے کہ ہم نے پوری ایک رات فریکفرٹ میں سو کر گزاری ہے۔ اگر ویرا کسی براہِ راست پرواز سے آئی ہے تو وہ ہم سے پہلے یہاں پہنچ گئی ہو گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اوڈ بھی اس کے ساتھ آیا ہے یا وہ اکیلی ہے۔"

سلطان شاہ مجھ سے الگ ہو گیا اور میں رسل اسکوائر جانے کے لیے ٹیوب اسٹیشن کی طرف بڑھ گیا۔

شام ڈھل چکی تھی۔ ٹیوبس میں دفتری اور کاروباری زندگی سے تعلق رکھنے والوں کی بھیڑ کے اوقات گزر چکے تھے لیکن ٹیوب اسٹیشنوں پر ابھی بھی خاصا رش تھا جس میں سیاحوں اور ان کی دلفریبیوں سے متعلق افراد و خواتین کی کثرت تھی۔ میں بھی ایسے ہی ایک ہجوم میں شامل ہو گیا۔

رسل اسکوائر کے زیرِ زمین ٹیوب اسٹیشن سے نکل کر میں نے سمت کا تعین کیا اور چند ہی منٹ میں امپیریل ہوٹل پہنچ گیا۔

چوتھی منزل پر کمرہ نمبر چار سو اکتیس کے سامنے میں چند ثانیوں کے لیے جھجکا پھر دروازے پر دستک دی لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ تین ناکام کوششوں کے بعد میں مایوس ہو کر لفٹ کی طرف ہو لیا۔ میرا ارادہ تھا کہ نیچے جا کر ڈائننگ ہال میں اسے تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔

لفٹ فلور پر نہیں تھی۔ میں نے جوں ہی کال بٹن دبانے کے لیے ہاتھ بڑھایا، اچانک کسی طرف سے ایک جھلملاتا ہوا چھوٹا سا خنجر ہوا میں اڑتا ہوا آیا اور میرے بڑھے ہوئے ہاتھ کے اوپر سے گزرتا ہوا دیوار پر نصب انسولیشن کارک کی منقش اور رنگین چادر میں پیوست ہو گیا۔

اِس ناگہانی اُفتاد نے مجھے خوف زدہ کر دیا۔ میں نے بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ اِرد گرد کی راہداریوں میں نگاہ دوڑائی لیکن وہاں اس وقت میرے علاوہ کوئی ذی رُوح موجود نہیں تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے خنجر پھینکنے والا اپنا کام کرتے ہی اچانک فِضا میں تحلیل ہو گیا ہو۔

چند گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں مجھے دُوسرے خنجر زن سے واسطہ پڑا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون لوگ تھے جو اس جدید اور ترقی یافتہ شہر میں نئے دور کے خطرناک اور مؤثر ہتھیاروں کو چھوڑ کر خنجر زنی کے صدیوں پُرانے فن میں اپنی مہارت دکھلانے پر تُلے ہوئے تھے۔

پہلے کالاہان نے جیکب کو خنجر سے ذبح کرنے کے بعد مجھ پر وار کرنے کی کوشش کی اور اب ہوٹل کی ویران چوتھی منزل پر کسی مشاق خنجر زن نے میرا نشانہ لینے کی کوشش کی تھی۔

میں نے بڑھ کر وہ دمکتا ہوا آہنی خنجر دیوار سے کھینچ لیا۔ اس کا دستہ منقّش تھا لیکن جس چیز نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی وہ خنجر کے دستے سے ٹیپ کے ذریعے چپکا ہوا کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جس پر عجلت میں انگریزی کے صرف تین الفاظ لکھے گئے تھے جن کا مطلب تھا "فوراً واپس جاؤ۔"

وہ بہت عجیب حکم تھا اور اس سے کہیں زیادہ عجیب انداز میں مجھ تک پہنچایا گیا تھا۔ کاغذ پر پیغام بھیجنے والے کے بارے میں کچھ تحریر نہیں تھا۔ اگر وہ پیغام ویرا ہی کی طرف سے تھا تو وہ میرے بارے میں ناقابلِ یقین حد تک باخبر معلوم ہوتی تھی لیکن وہ حکم خنجر کے بجائے خنجر پھینکنے والا زبانی طور پر بھی مجھ تک پہنچاتا تو مجھے اس کی تعمیل میں تامل نہ ہوتا، شاید ویرا نے اس طرح مجھے اپنے ذرائع اور وسائل کے اظہار سے مرعوب کرنا چاہا تھا۔

اور اگر وہ خنجر ویرا کی طرف سے نہیں آیا تھا تو یقینی طور پر اس کے ستارے گردش میں آ چکے تھے اور اس کے حریف اِس مرحلے پر

میری مداخلت برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ اپنی ساری توجہ ویرا پر مرکوز کر کے اپنا مقصد حاصل کرنے پر تلے ہوئے تھے اور میں ان کی مخاصمت مول لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

بہرحال میرے پاس ایک چھوٹے پھل والا خنجر آ چکا تھا، اس اعتبار سے میں بالکل ہی غیر مسلح نہیں رہا تھا۔ میں لفٹ کا بٹن دبا چکا تھا۔ جیسے ہی فلور پر لفٹ کا دروازہ کھلا، میں اندر داخل ہوا جہاں پہلے سے ایک سفید فام موجود تھا۔ میں لفٹ کے سوئچ بورڈ پر گراؤنڈ فلور کا بٹن دبا رہا تھا کہ اچانک ایک سرد آہنی نال میری داہنی کنپٹی میں چبھنے لگی۔

"لفٹ سے نکل کر تم بے چون و چرا میرے ساتھ چلو گے۔"
سفید فام کی غراتی ہوئی سفاکانہ آواز میرے کانوں میں آئی۔ "یہ پستول میری جیب میں رہے گا۔ حکم عدولی کی صورت میں بے آواز گولی تمھارے سینے میں اتر جائے گی۔"

میں لمحہ بھر کے لیے اپنی جگہ پر سُن ہو کر رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہوٹل میں قدم رکھتے ہی کس کھیل کا آغاز ہو چکا تھا۔ پہلے خنجر کے ذریعے ایک پیغام ملا اور اب وہ دبلا پتلا سفید فام سر پر سوار ہو گیا تھا۔

گراؤنڈ فلور پر لفٹ رکنے پر اس کا دروازہ کھلا تو باہر دو جوڑے اوپر جانے کے لیے لفٹ کے منتظر تھے۔ وہ سفید فام مجھ سے تقریباً جُڑا ہوا ان لوگوں کے درمیان سے نکلا اور ہم دونوں استقبالیہ ہال میں موجود لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے شیشے کے دروازے سے باہر فٹ پاتھ پر نکل گئے جہاں چوراہے کے وسط میں نصب فوارے اور پھلواری کے گرد سڑک پر بائیں طرف متعدد گاڑیاں پارک تھیں۔

وہ نامعلوم سفید فام مجھے ساتھ لیے ہوئے آگے بڑھتا رہا، پھر ایک سفید ٹویوٹا کراؤن کے قریب رک گیا۔ گاڑی کے دروازے مقفل تھے اور غنیمت تھا کہ اس میں کوئی ڈرائیور موجود نہیں تھا۔

"تم اگلی سیٹ پر میرے ساتھ بیٹھو گے۔" اس نے پسنجر سیٹ کے دروازے کا قفل کھولتے ہوئے سرد اور سپاٹ آواز میں کہا۔ "ہوشیاری دکھانے کی کوئی بھی کوشش خودکشی کے مترادف ہو گی۔"

"گاڑی میں سوار ہونے سے پہلے یہ جاننا میرا حق ہے کہ تم کون ہو؟" میں نے احتجاج کیا۔

اس کی جیب میں پوشیدہ آتشیں ہتھیار کی نال میرے جسم سے آ لگی۔ "تمھیں کوئی حق حاصل نہیں رہا ہے۔ جو کہا جا رہا ہے اس پر بے چون و چرا عمل کرنے کی کوشش کرو۔"

میں دروازہ کھول کر بے دلی کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھ گیا اور وہ پھرتی کے ساتھ گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ کار کا انجن اسٹارٹ ہوا اور وہ تیزی کے ساتھ حرکت میں آ گئی۔ اس کے ساتھ سفید فام نے اپنی سمت میں لگے ہوئے بٹن دبا کر نہ صرف چاروں دروازے مقفل کر دیے تھے بلکہ کھڑکیوں کے شیشے اتارنے چڑھانے کا برقی کنٹرول بھی اپنے پاس منتقل کر لیا تھا تاکہ میں ٹریفک کے ہجوم میں اس کی غفلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہیں اچانک ہی دروازہ کھول کر باہر چھلانگ نہ لگا دوں۔ اگرچہ میں اس کارروائی کا مطلب سمجھ چکا تھا لیکن پھر بھی اس نے مجھ کو پوری صورتِ حال سے از خود آگاہ کرنا ضروری سمجھا تاکہ میں بے بسی کے ساتھ اس کے احکام پر عمل کرتا رہوں۔

لندن میرے لیے نیا شہر تھا پھر اس وقت نہ میں نقشہ دیکھ سکتا تھا نہ اپنی کتابی معلومات کی حد تک حافظہ کام کر رہا تھا، اس لیے مجھے راستوں کا کوئی علم نہ ہو سکا۔ ہاں اتنا احساس تھا کہ کافی دیر تک شہر کے مصروف اور بھیڑ بھاڑ کے علاقوں سے گزرنے کے بعد آخرکار وہ گاڑی ایک نسبتاً ویران لیکن روشن سڑک پر نکل آئی اور سفید فام نے اس کی رفتار تیز کر دی۔

میں دل ہی دل میں اس منحوس گھڑی کو کوس رہا تھا، جب کنگز کراس سے ویرا کے ہوٹل فون کرنے کے بعد میں نے سلطان شاہ کو واپس لوٹ جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اگر وہ میرے ساتھ آیا ہوتا تو وہ سوکھا سڑا سفید فام مجھے یوں اپنا قیدی بنا کر کسی نامعلوم منزل کی طرف لے جانے میں ہرگز کامیاب نہ ہو پاتا۔

"میرے حقوق تم نے مسترد بلکہ پامال کر دیے۔" سنسان سڑک پر نکل آنے کے بعد میں نے کہا۔ "لیکن مجھے اتنا تو بتاتے چلو کہ مجھ اجنبی کو کس جرم کی پاداش میں پکڑا گیا ہے؟"
"تم وہاں کیوں گئے تھے؟" اس نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد سوال کیا۔

"ایک مہمان سے ملنے۔" میں نے دانستہ مبہم سا جواب دیا۔
"مہمان کس کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے تمھارا؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

اس سفید فام کو میں نے نیچے یا چوتھی منزل پر کہیں نہیں دیکھا تھا لیکن پہلے خنجر کے وار کے بعد اس نے لفٹ میں جس اعتماد کے ساتھ مجھ پر ہاتھ ڈالا تھا، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ہوٹل میں کچھ نادیدہ لوگ ویرا کے کمرے کی کڑی نگرانی کر رہے تھے۔ وہ ویرا کے دوست رہے ہوں یا دشمن، یہ بعد کی بات تھی۔

امکان یہ بھی نظر آ رہا تھا کہ نادیدہ نگرانوں نے اس سفید فام کو کسی صوتی یا لاسلکی رابطے پر میری نقل و حرکت سے اس حد تک باخبر رکھا ہو کہ چوتھی منزل پر جب میں لفٹ میں داخل ہوا تو وہ

پوری طرح پُریقین تھا کہ میں ہی اس کا مطلوبہ شکار تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں میرے لیے اس سے جھوٹ بولنا بے سُود تھا لہٰذا میں نے قدرے توقف کے بعد ویرا کے کمرے کا وہ نمبر دُہرا دیا جو مجھے ہوٹل کی ٹیلی فون آپریٹر سے معلوم ہوا تھا۔

"شاید تمھیں اس مہمان کے نام کا بھی علم ہو گا؟" اس کا لہجہ تلخ تر ہو گیا۔

"ویرا لائیڈ!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

اسی لمحے گاڑی ایم وَن کے بڑے سے نشان کے نیچے سے گزری اور میں چونک پڑا۔ سیاحوں کی رہنمائی کرنے والے کتابچوں کی مدد سے میں یہ جان چکا تھا کہ لندن سے مختلف سمتوں میں کئی شاہراہیں باہر نکلتی تھیں جو خشکی کے راستے اس شہر کو دوسرے شہروں سے منسلک کرتی تھیں۔ ان میں موٹر وے ایم وَن شمال میں جانے والی سب سے بڑی اور مصروف شاہراہ تھی جس کے ذریعے برمنگھم یا کاؤنٹری بھی پہنچا جا سکتا تھا۔

"ویرا لائیڈ اس بار کڑی نگرانی میں ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "ہمیں ہر اس اجنبی کو زندہ یا مُردہ پکڑ لینے کا حکم ملا ہوا ہے جو اس سے ملنے یا اس تک پہنچنے کی کوشش کرے۔"

"لیکن تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں اس کے لیے اجنبی ہوں؟"

"اس کے تم لاکھ آشنا سہی لیکن ان لوگوں کے لیے اجنبی ہو جن کے لیے وہ کام کرتی ہے۔"

"لیکن تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" میں نے برہمی کے ساتھ کہا۔ "ان لوگوں سے میرا کیا واسطہ؟"

"تھوڑی دیر صبر کرو، پھر سب معلوم ہو جائے گا۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "زیادہ گرمی دکھانے کی کوشش کی تو تمھیں گولی مار کر سڑک پر پھینک دوں گا۔"

کار شہر سے بالکل باہر موٹر وے پر تیز رفتاری کے ساتھ اُڑی جا رہی تھی۔ رات اُتر آنے کے سبب گاڑی میں اندھیرا تھا اور ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دُور تک سیاہ سڑک یا درمیان میں لگا ہوا فولادی جنگلا چمک رہا تھا۔

میں نے آہستگی کے ساتھ اپنی جیب سے وہ چھوٹا سا خنجر نکال لیا جس کے ذریعے مجھ تک ہوٹل سے فوری واپسی کا حکم پہنچایا گیا تھا۔

سفید فام سے گفتگو کے بعد میرے ذہن میں صورتِ حال کسی حد تک واضح ہونے لگی تھی۔ ویرا پاکستان سے لندن تو پہنچ گئی تھی لیکن اسے پوری آزادی نہیں مل سکی تھی۔ تنظیم کے برطانوی برطرمل کو غالباً اس کی وفاداریوں پر شبہ ہونے لگا تھا اور انھوں نے ہوٹل میں ویرا کی نگرانی شروع کرا دی تھی مگر وہ خود بھی بالکل ہی بودی نہیں تھی۔ اسے اپنی نگرانی کی بھنک مل گئی تھی، اسی وجہ سے اس نے نہ مجھ سے فون پر بات کی نہ کمرے میں اپنی موجودگی کی ہوا لگنے دی۔ اسی کے ساتھ موقع پا کر اس نے خود یا اپنے کسی آدمی کے ذریعے مجھے اس طرح واپسی کا پیغام دیا جو اس کی نگرانی کرنے والے بھی نہ پکڑ سکے اور مجھ پر بھی صورتِ حال کی نزاکت پوری طرح واضح ہو گئی۔

اگر خنجر پھینکے جانے کے بجائے اس کا کوئی آدمی مجھے واپسی کا پیغام پہنچاتا تو میرے ساتھ وہ بھی عتاب میں آ سکتا تھا جب کہ ویرا اپنے پتّے پوری احتیاط کے ساتھ کھیلنے پر تلی ہوئی تھی۔

اس وقت اندھیرے میں میری نگاہیں موٹر وے کا بے چینی کے ساتھ جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر ایک بار جوں ہی عقب میں آنے والی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کی روشنی کا سیلاب ختم ہوا، میں نے بڑی بے رحمی کے ساتھ خنجر سفید فام کے حلق میں اتار دیا۔ وہ ایک کربیہہ چیخ کے ساتھ اپنی نشست پر اُچھلا اور گاڑی جھٹکے کھا کر سڑک پر بڑا سا لہریا بناتی ہوئی اس فولادی جنگلے کی طرف ہولی جو دو طرفہ ٹریفک کو الگ رکھنے کے لیے موٹر وے کی درمیانی کچی پٹی پر لگایا گیا تھا۔

موسم خوشگوار تھا لیکن ان جاں گسل لمحات میں میرے بدن کے سارے مسامات کے منہ کھل گئے۔ زندگی اور موت کے درمیان بس ایک لمحے کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ گاڑی پوری قوت کے ساتھ ریلنگ سے ٹکرا کر چکنا چُور ہو سکتی تھی، عقب سے کوئی گشتی پولیس پارٹی دخل انداز ہو سکتی تھی یا کوئی مسافر کار صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے ٹھہر سکتی تھی۔

بدترین اعصابی تناؤ کے عالم میں میں نے اسٹیئرنگ کو قابو میں کرتے ہوئے اس کی سمت کے دروازے میں لگے ہوئے بٹن دبا کر دروازوں کے قفل کھولے اور عین اس وقت جب اس کے بدن میں عالمِ سکرات سے گزرتے ہوئے اکڑاؤ پیدا ہوا، میں نے اس کی سمت کا دروازہ کھول کر پوری قوت سے اسے باہر دھکیل دیا۔

تیز رفتار کار سے سڑک پر گر کر اس کا بدن فولادی ریلنگ والی درمیانی پٹی پر لڑھک گیا اور میں نے دروازہ بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

میں نے عقب نما آئینوں کی مدد سے فوراً ہی یہ تعین کر لیا کہ اس ہولناک واردات کا کوئی گواہ نہیں تھا۔ عام دن ہونے کی وجہ سے ایم وَن پر ٹریفک غالباً کم تھا ورنہ سنا یہی تھا کہ ویک اینڈ یا لمبی تعطیلات کے آغاز اور اختتام پر لوگ دُور دراز مقامات پر وقت گزاری اور تفریحات کے لیے یوں دیوانہ وار موٹر وے پر نکلتے تھے کہ گاڑیوں کے اژدہام میں ٹریفک کی رفتار نصف سے بھی

کم رہ جاتی تھی اور یہ بات میرے حق میں جاتی تھی۔

لندن سے نکلنے کے بعد راستے یاد رکھنے کی فکر میں میں اس عظیم شاہراہ پر نصب تقریباً تمام ہی نشانات کو غور سے دیکھتا آیا تھا اور میرا خیال تھا کہ اس وقت تک ہم ایم ون کے گیارھویں جنکشن سے گزر چکے تھے اور تھوڑی دیر بعد ہی بارھواں جنکشن آنے والا تھا جہاں سے بائیں طرف کٹنے والے راستے پر ہو کر ذیلی سڑک پر سفر جاری رکھا جا سکتا تھا یا ایک طویل چکر کاٹ کر دوبارہ ایم ون کے لندن واپسی کے راستے پر آیا جا سکتا تھا۔

میرے پاس نہ ڈرائیونگ لائسنس تھا نہ دوسرے شناختی کاغذات، اس لیے میرے حق میں یہی بہتر تھا کہ میں جلد از جلد کار چھوڑ دوں مگر اسی کے ساتھ میری لندن واپسی بھی ضروری تھی، بارھواں جنکشن آنے تک میں لندن واپسی کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد ہی اس کار سے بھی نجات حاصل کی جا سکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد میں سفید گاڑی میں ایک اوورہیڈ کراسنگ کے ذریعے ایم ون کو عبور کرتا ہوا چند منٹ بعد ایم ون پر لندن کی جانب رواں تھا۔

ٹرکوں، ٹریلروں اور اکا دکا گاڑیوں کے ساتھ ایم ون پر سفر کرتے ہوئے چند میل کے بعد میں چونک پڑا کیونکہ آگے گاڑیوں کی خاصی بھیڑ نظر آ رہی تھی اسی کے ساتھ بار بار بریک لائٹس بھی جل بجھ رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ اس مقام پر ٹریفک کی روانی میں کوئی رکاوٹ درپیش تھی۔

یہ گمان بس ایک لمحے کے لیے ہی قائم رہا پھر میری ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ ایم ون کے لندن سے آنے والے ٹریک پر پولیس کی ایک موبائل وین ایک مقام پر رکی ہوئی تھی اور اس کی چھت پر لگی ہوئی سرخ ایمرجنسی لائٹ مسلسل گردش کیے جا رہی تھی۔ وہ مقام کم و بیش وہی تھا جہاں میں نے ذرا ہی دیر پہلے سفید فام کو پھینکا تھا۔

غالباً اس کی لاش دریافت کر لی گئی تھی یا شاید وہ صرف شدید زخمی ہی ہوا ہو۔ دوسرا خیال آتے ہی میرے پیٹ میں شدید اینٹھن ہونے لگی۔

دونوں طرف کا ٹریفک اس مقام سے سست رفتاری سے گزر رہا تھا ہر ایک کو چلتے چلتے معلومات حاصل کرنے کا خبط تھا میری کار رینگتی ہوئی آگے بڑھی تو نیلی وردیوں اور ٹوپیوں میں کئی پولیس افسران سیٹیاں بجاتے ٹریفک صاف کرنے کی کوششوں میں مصروف نظر آئے۔

ایم ون کے ذریعے فوری طور پر لندن واپسی کا فیصلہ کرتے ہوئے میں یہ بات بالکل ہی بھلا بیٹھا تھا کہ مجھے دوبارہ اس خطرناک مقام سے گزرنا ہوگا جہاں میں نے سفید فام کو پھینکا تھا۔

میری سست رفتاری کے باعث پیچھے بھی گاڑیاں جمع ہو چکی تھیں آگے بھی ٹریفک کا ہجوم تھا دائیں طرف سڑک کے وسط میں مسلسل فولادی باڑھ لگی ہوئی تھی جس میں سے سائیکل سوار بھی نہیں گزر سکتا تھا۔ بائیں طرف چڑھتی ہوئی سرسبز ڈھلانوں پر مویشیوں کو شاہراہ پر آنے سے روکنے کے لیے ایک اور مضبوط حصار قائم تھا۔ کسی طرف فرار کا کوئی امکان نہیں تھا۔ بس دو ہی صورتیں باقی رہ گئی تھیں کہ میں وہ سفید ٹویوٹا کراؤن وہیں ٹریفک کی بھیڑ میں چھوڑ کر پوری قوت کے ساتھ کسی طرف دوڑ لگا دیتا یا تن بہ تقدیر ہو کر رینگتی ہوئی رفتار سے آگے کی طرف سفر جاری رکھتا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایم ون پر لندن جانے والے ٹریفک کی پانچ متوازی قطاریں بن گئیں جن میں میں داہنی طرف سے دوسری قطار میں تھا۔

آخر کار میری کار ایک پولیس کانسٹیبل کے اتنے قریب پہنچ گئی کہ میں گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں اس کی آنکھوں میں چھائی ہوئی جھنجلاہٹ صاف دیکھ سکتا تھا مگر میں دانستہ اس سے نظریں چراتا رہا۔

اچانک اس نے تیزی کے ساتھ سیٹی بجائی اور غصے سے فضا میں ہاتھ لہرا کر کسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ میں نے سر گھمایا اور اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گیا۔ وہ میری ہی طرف دیکھ رہا تھا اور کچھ بچتا بچاتا گاڑیوں کے درمیان سے میری طرف چلا آ رہا تھا۔

مشینی انداز میں میرا بایاں پاؤں کلچ پر پڑا اور داہنا ایکسلیٹر سے ہٹ کر بریک پیڈل پر جم گیا۔ وسیع و عریض کار ایک جھٹکے کے ساتھ جہاں تھی وہیں تھم گئی اسی لمحے عین میرے سر پر کسی ٹریلر کا ہارن چیخا اور میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنی بھیڑ میں اس باوردی اہلکار نے آخر مجھے ہی کیوں روکا تھا؟ میں نے ڈوبتے ہوئے دل اور شکست کے احساس کے ساتھ اپنی طرف کا شیشہ اتار دیا۔

"کیا لائسنس رکھتے ہیں جناب عالی"؟ قریب آ کر اس سپاہی نے دانت پیستے ہوئے انگریزی میں سوال کیا۔

میرے لیے وقت کی رفتار یک لخت تھم گئی، سماعت ساتھ چھوڑنے لگی اور اس سپاہی سمیت گرد و پیش کی ہر شے اتنی چھوٹی نظر آنے لگی جیسے وہ سب مجھ سے ہزاروں میل خلا میں کہیں تیر رہے ہوں۔

میرا ہاتھ غیر ارادی طور پر اپنی پتلون کی عقبی جیب کی طرف گیا تھا اور اسی لمحے اچانک کئی تیز ہارن بج اٹھے اور پھر بجتے ہی چلے گئے۔

سڑک پر بائیں طرف کی تین قطاروں میں ٹریفک رواں تھا۔

لیکن میری کار رک جانے کے باعث داہنی طرف کی دونوں قطاریں جام ہو کر رہ گئی تھیں اور متاثر ہونے والے ڈرائیور ہارن بجا کر اپنی دانست میں مجھ کو لعن طعن کر رہے تھے۔

میں نے جیب ٹٹولتے ہوئے بے بسی سے سپاہی کی طرف دیکھا مسلسل بجتے ہوئے ہارن اس کی جھلاہٹ میں اضافے کا سبب بن گئے تھے۔ اس نے غصے کے ساتھ سڑک پر پیر مارا اور غراتے ہوئے بولا۔ "جاؤ! مگر ہوش میں رہ کر گاڑی چلاؤ۔ اسٹیئرنگ پر تمہارے ہاتھ کانپ رہے تھے۔"

میں نے داہنا ہاتھ پیشانی تک لے جا کر اس کا شکریہ ادا کیا پھر گاڑیوں کے غضبناک انجنوں سے خارج ہوتے ہوئے گرم گرم دھوئیں سے بچنے کے لیے شیشہ چڑھاتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس وقت میرا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے کسی بھی لمحے سینہ پھاڑ کر باہر آ جائے گا۔

مجھے کچھ ہوش نہیں کہ میں اس ٹریفک جام میں سے کیسے گزرا۔ میں نے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے دوسروں کے احتجاج کی پروا کیے بغیر اپنی گاڑی زبردستی بائیں طرف کی پہلی قطار میں اڑا دی تھی اور کافی دور تک اسی قطار میں سست رفتاری کے ساتھ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے بکھرے ہوئے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر کار ٹریفک کا ہجوم صاف ہو جانے پر میں نے قدرے اعتماد کے ساتھ کار کی رفتار تیز کر دی۔

جائے واردات پر پیچھے والوں کے بآواز احتجاج نے مجھے ایک ناقابلِ تصور دشواری سے بچا لیا تھا۔ اگر اس کانسٹیبل کو وہ لوگ بروقت ٹریفک جام کے بگڑ جانے کا احساس نہ دلاتے تو شاید بغیر لائسنس ڈرائیونگ کے جرم میں گرفتاری کے آغاز کے بعد یہ قصہ مقدمۂ قتل میں سزا پر ہی ختم ہوتا۔

ایم ون سے لندن میں داخل ہوتے ہی میں نے کسی مناسب جگہ کی تلاش شروع کر دی پھر جوں ہی ایک چوراہے پر یوسٹن روڈ کا نام نظر آیا میں نے محض قیاس سے کام لیتے ہوئے کار بائیں طرف گھما دی اور اس طرح چند ہی منٹ کے بعد یوسٹن اسٹیشن پہنچ گیا جو ٹیوب سروس کے ساتھ برٹش ریل کا بھی وسیع و عریض اسٹیشن تھا۔

یوسٹن اسٹیشن کی پارکنگ لاٹ میں اپنی گاڑی چھوڑ کر دوبارہ آزاد فضا میں سانس لینے کا تصور بہت خوشگوار تھا۔ میں نے گاڑی پارک کر کے اس کے ڈیش بورڈ کے خانوں وغیرہ کی تلاشی لینا شروع کی تو گلو کمپارٹمنٹ میں کاغذات کے نیچے دبا ہوا اعشاریہ دو دو کا ریوالور ہاتھ آیا جس کا چیمبر بھرا ہوا تھا۔ چھوٹے سے خنجر کے بدلے یہ سودا مہنگا نہیں تھا۔ میں نے ریوالور کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈالا اور گاڑی لاک کر کے باہر آ گیا۔ چابی میں نے ڈرائیونگ سیٹ کے پائیدان پر ڈال دی تھی اور ایک پچھلا دروازہ دانستہ غیر مقفل چھوڑ دیا تھا تاکہ کوئی اس گاڑی کو وہاں سے چرا لے جانا چاہے تو اسے کوئی دقت نہ ہو۔ یوسٹن سے اس کار کی چوری کے بعد میری ذات ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رہ سکتی تھی۔

اسٹیشن کی عمارت میں داخل ہوتے ہوئے میں نے ایک اسٹال سے پانچ پاؤنڈ مالیت کا فون کارڈ خرید لیا کیونکہ فون کرنے کے لیے بار بار ریزگاری حاصل کرنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ اس الیکٹرونک کارڈ کے ذریعے مخصوص بوتھ سے کہیں بھی کال کی جا سکتی تھی۔ انسٹرومنٹ اس کارڈ میں سے ہر کال خود بخود منہا کر دیتا تھا۔ جس کارڈ پر ایک بار کوئی انسٹرومنٹ صفر کی مالیت ظاہر کر دے اسے کہیں بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں نے مخصوص بوتھ سے کارڈ کے ذریعے ایک بار پھر دیرا کے ہوٹل سے رابطہ قائم کیا۔ اس بار میں نے آپریٹر سے دیرا کا کمرہ مانگنے کے ساتھ ہی اپنا نام بھی بتایا تھا جو ڈین ہارپر تھا۔ مقصد یہی تھا کہ دیرا ہارپر کا نام کانوں میں پڑتے ہی میرے بارے میں سوچ سکے کیونکہ جیکب میکفرسن سے ملاقات کے لیے میگی ہارپر کا کوڈ اسی نے دیا تھا۔ میں نے بس میگی کے زنانہ نام کی جگہ مردانہ نام ڈین لگا دیا تھا۔

اس نام کا نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوا تھا۔ فوراً ہی لائن پر دیرا کی آواز سنائی دی تھی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہاری آواز تو سنی ورنہ میں تو اب تمہاری طرف سے مایوس ہی ہو چلا تھا۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے اردو میں کہا۔ اس وقت میں نے اردو کا استعمال رازداری کی نیت سے دانستہ کیا تھا تاکہ کوئی وہ فون کال سن رہا ہو تو میری بات کا مفہوم نہ سمجھ سکے۔

"تم کاسینو رائل پہنچو، میں پونے دس بجے وہاں ڈائننگ روم میں تمہارا انتظار کروں گی۔" دیرا نے بھی اردو میں کہا اور میں نے اس کی بات پوری ہوتے ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

فون کارڈ سلاٹ سے نکال کر جیب میں رکھتے ہوئے میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو میرے پاس کاسینو رائل پہنچنے کے لیے کل دس منٹ رہ گئے تھے جبکہ میں نہ اس کے محل وقوع سے واقف تھا نہ فاصلے سے مگر مجھے اتنا یقین تھا کہ دس پانچ منٹ کی تاخیر بھی ہو گئی تو دیرا میرا انتظار کرے گی۔

یوسٹن اسٹیشن پر سیاحوں کی معاونت کے لیے دفترِ اطلاعات قائم تھا لیکن میں نے وہاں چند منٹ خراب کرنے کے بجائے براہِ راست ٹیکسی اسٹینڈ کا رخ کیا اور سیڑھیاں طے کر کے زیر زمین اڈے پر لگی ہوئی قطار میں کھڑا ہو گیا جو خالی ٹیکسیوں میں مسافروں کے

روانہ ہونے کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔

"کاسینو رائل!" اپنی باری آنے پر میں نے ٹیکسی میں سوار ہوتے ہوئے ڈرائیور سے کہا اور اس نے زبان سے کچھ کہے بغیر میٹر اسٹارٹ کر کے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

ٹھیک پونے دس بجے میں کاسینو کی کثیر المنزلہ عالی شان عمارت کے سامنے موجود تھا۔ ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے میں اندر داخل ہوا تو احاطے میں کئی لمبی لمبی رولس رائس گاڑیاں کھڑی نظر آئیں، جس کا مطلب تھا کہ اس کاسینو میں اعلیٰ پیمانے پر جوا ہوتا تھا۔

میں اندر داخل ہوا تو وہاں متوسط طبقے کے لوگ بھی نظر آئے جو استقبالیہ ہال میں کسی کے منتظر تھے یا باتوں میں مصروف تھے۔

اندر داخل ہوتے ہی میں وہاں کا رکھ رکھاؤ دیکھ کر گڑبڑا گیا۔ اسی لمحے کاسینو کے ملازمین میں سے ایک لڑکی اٹھلاتی ہوئی میری طرف آئی۔ "کیا میں تمھاری مدد کر سکتی ہوں؟"

"مجھے ایک خاتون سے ملنا ہے۔ ویرا لائیڈ نام ہے اس کا۔ تمھارا ڈائننگ ہال کس طرف ہے؟" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنا مدعا بیان کر ڈالا۔

"وہ یہاں کی رکن ہیں؟" اس نے خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

"مجھے علم نہیں۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا اور وہ مجھے ہمراہ لے کر استقبالیہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔

وہاں ڈین ہارڈے کا نام پہلے سے موجود تھا۔ پتا چلا کہ ویرا اوپر ڈائننگ ہال میں میری منتظر تھی۔ ویرا کا ذکر آتے ہی اس لڑکی کے رویے میں مزید نرماہٹ پیدا ہو گئی اور وہ مجھے ساتھ لے کر ایک ایسی لفٹ کے سامنے جا رکی جس کے بارے میں صرف گولڈن کارڈ ہولڈرز کے لیے درج تھا۔

لفٹ کا دروازہ ایک مؤدب گورے نے کھولا۔ لڑکی میرے بارے میں اسے ہدایت دے کر سر کو خم دیتی ہوئی ایک طرف چلی گئی اور لفٹ مجھے لے کر اوپر روانہ ہو گئی۔

جس منزل پر لفٹ رکی وہاں ہر طرف سرخ قالین بچھا ہوا تھا۔ لفٹ سے باہر نکلتے ہی ایک اور شخص نے بڑے احترام سے سر کو خم دے کر مجھے خوش آمدید کہا پھر اسی انداز میں بولا۔ "آپ کا کارڈ سر؟"

"یہ مسٹر ویرا لائیڈ کے مہمان ہیں۔" مجھ سے پہلے ہی لفٹ مین بول پڑا اور باہر والا مجھے ساتھ لے کر ایسی آراستہ راہداری میں داخل ہو گیا جہاں تزئین و آرائش کے لیے بڑی فیاضی کے ساتھ پیسہ بہایا گیا تھا۔ وہاں اس قدر سکون اور خاموشی تھی کہ سانس لیتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا تھا۔

آخر کار اس نے مجھے دھیمی خوابناک روشنی میں ڈوبے ہوئے ڈائننگ ہال میں پہنچا دیا جس سے ذرا آگے تیز روشنیوں میں جوئے کی مشینوں پر کھیل ہو رہا تھا۔

ڈائننگ ہال اور جوئے خانے کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں تھی لیکن پھر بھی وہاں کوئی شور و شغب نہیں تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہاں آنے والے مہذب امرا ہی تھے جو اپنی آزادیوں کے ساتھ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنے کے بھی عادی تھے۔

مجھے لانے والے نے دروازے سے گزر کر دو نشستوں والی ایک میز کا رخ کیا جہاں ویرا بیٹھی سگریٹ کا دھواں اڑانے میں مصروف تھی۔ اس کے سامنے اسکاچ کا پیگ اور آئس پاٹ رکھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ کرسی چھوڑ کر باہر نکل آئی۔

اس نے جس والہانہ اور خالص مغربی انداز میں میرا استقبال کیا اس پر میرے لہو میں گرمی کی لہر سی دوڑ گئی لیکن جب ہم نے میز پر ایک دوسرے کے مقابل کرسیاں سنبھالیں تو میرے ذہن میں غزالہ کا پیکر جاگ اٹھا تھا۔

"غزالہ کہاں ہے؟" میں نے ویرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر براہ راست سوال کیا۔

"اس کے بارے میں میں خود پریشان ہوں۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولی۔ "تمھیں یہاں بھیجنے کا بنیادی سبب یہی تھا کہ غزالہ کو خطرات درپیش تھے ورنہ پاکستان میں حالات کو سنبھالنا اتنا دشوار نہیں تھا۔"

"لیکن تم نے مجھے آخر تک بالکل بے خبر رکھا۔" میں نے تند لہجے میں کہا۔

"یہاں آکر تم نے سب کچھ خود دیکھ لیا ہے۔ پاکستان میں تم میری بات کا یقین نہ کرتے بلکہ اس کی روپوشی کو میری ہی بدنیتی سمجھ لیتے۔ میں خود پریشان ہوں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ آج ٹونی کو ذبح کر دیا گیا۔ پب میں کالاہان نامی ایک نامور بدمعاش کی لاش بھی ملی ہے۔ یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے آسمان سے لاشیں برسنے لگی ہوں۔"

ویرا بیرے کو شاید پہلے ہی ہدایات دے چکی تھی کیونکہ اسی لمحے وہ میرے لیے ڈبل پیگ لے آیا۔ ہم دونوں نے خاموشی سے پیمانے فضا میں ہولے سے ٹکرائے اور لبوں کو تر کرنے لگے۔

"اور تمھاری بھی نگرانی ہو رہی ہے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے پب کے واقعات پر کوئی تبصرہ کیے بغیر کہا۔ "یہاں تو تمھیں کام کرنے کی زیادہ آزادی ہونا چاہیے تھی؟"

"داؤ بہت خطرناک ثابت ہوا ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "میں ہمیشہ صحیح اندازے قائم کرتی ہوں لیکن اس معاملے میں چوٹ

کھا گئی ہے۔ وہ میرے خلاف ہیڈ کوارٹر والوں کے کان بھرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ یہ نگرانی ان ہی کی طرف سے کی جا رہی ہے تاکہ تنظیم سے باہر میرے روابط اور وفاداریوں کی تحقیقات کی جا سکے۔"

"داؤد کہاں ہے؟"

"میرے ساتھ ہی آیا ہے لیکن میں اس کی قیام گاہ سے لاعلم ہوں۔ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ہی ٹھہرا ہو گا۔ جب تم ہوٹل آئے تو میں کمرے میں موجود تھی مگر میں نے دانستہ جواب نہیں دیا۔ امید ہے کہ تم خنجر کے ذریعے ملنے والے پیغام کی اہمیت کو سمجھ گئے ہو گے۔ میں ایسا نہ کرتی تو تم اس وقت کہیں اور ہو سکتے تھے۔"

اس کی خوش فہمی پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ "وہ خنجر کس نے پھینکا تھا؟"

"میں اس وقت کسی پر بھروسا نہیں کر سکتی۔ کچھ دنوں تک ایسے کام بھی خود ہی کرنے ہوں گے۔" وہ پیالے سے ایک اور گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔

"سوال یہ ہے کہ اب غزالہ کا کیا ہو گا؟" میں اپنی کہانی کا آغاز کرنے سے قبل اسے اچھی طرح ٹٹول لینا چاہتا تھا۔

"تم یہاں کب پہنچے؟" وہ اچانک سوال کر بیٹھی۔

"آج صبح ہی فرینکفرٹ سے آئے تھے۔" میں نے کہا۔

"ٹونی سے ملاقات نہیں ہوئی تمھاری؟" اس کے لہجے سے مایوسی مترشح تھی۔

اس کی مکاری پر میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ "ملاقات تو بیشک نہیں ہوئی لیکن فون پر بات ہو گئی تھی۔ میں مقررہ وقت پر پب میں پہنچا تو وہ ذبح کیا جا چکا تھا۔"

وہ میرے الفاظ سنتے ہی کرسی سے اُچھل پڑی۔ "تو تم اس کی لاش دیکھ چکے ہو؟"

"ہاں، سکون سے سنتی رہو۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اس قدر اضطراب ظاہر نہ کرو کہ دُور بیٹھے ہوئے لوگ ہماری آوازیں نہ سننے کے باوجود ہماری طرف متوجہ ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہی میں سے کوئی تمھاری نگرانی کر رہا ہو۔"

"اس طرف سے بے فکر رہو۔ ان میں سے کوئی میرے پیچھے آنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ وہ سر ہی پیٹتے رہ گئے ہوں گے اور یہ صرف اس وجہ سے ممکن ہوا کہ تم سے بات اردو میں ہوتی تھی...."

"لیکن کاسینو رائل کا نام تو سنا گیا ہو گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"شاید تم نے غور نہیں کیا تھا۔ میں نے یہ نام کئی حصوں میں توڑ کر لیا تھا جیسا ہمارے یہاں عام رواج ہے ایسی انگریزی میں تم چار دن بھی تقریر کرتے رہو تو یہاں کسی کو ایک لفظ بھی پلے نہیں پڑے گا۔ تلفظ اور لہجے کے بغیر ہر زبان بے معنی آوازوں کا ملغوبہ بن کر رہ جاتی ہے.... ہاں تو تم ٹونی کے بارے میں کیا بتا رہے تھے؟"

"میں وہاں نہ گیا ہوتا تو غزالہ کے بارے میں کچھ بھی نہ جان سکتا تھا...."

"جب وہ ذبح کیا جا چکا تھا تو غزالہ کے بارے میں تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" وہ جلد از جلد سب کچھ جاننے کے لیے بے چین تھی۔

"اسے ذبح کرنے والا کالا مان وہیں موجود تھا۔ اس نے اپنی بالادستی کے زعم میں خود ہی پوری کہانی سنائی تھی۔ وہ غزالہ کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا لیکن اس کے ستارے گردش میں تھے کہ وہ میرے ہاتھوں مارا گیا۔"

"وہ اسی انجام کا مستحق تھا۔" وہ آنکھیں بند کر کے ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ "مجھے خوشی ہوئی کہ وہ تمھارے ہاتھوں مارا گیا۔ وہ واحد آدمی تھا جسے یہ معلوم تھا کہ غزالہ اس کے دو آدمیوں کی قاتل ہے ورنہ جیکب کے بھائی جوزف نے سختی کے ساتھ بس سونیا کے نام کی ہی رٹ لگا رکھی ہے اور میں نے سنا ہے کہ وہ پولیس کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ کالا مان سے تمھیں کوئی ذاتی پرخاش بھی تھی۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"بہت موذی اور کمینہ تھا وہ۔" وہ نفرت آمیز لہجے میں بولی۔ "پانچ چھ سال پہلے اس نے مجھے بھی اغوا کرنا چاہا تھا لیکن میں اس کے ہاتھوں زخمی ہونے کے باوجود بچ نکلی تھی پھر مجھے فوری طور پر مشرق بعید جانا پڑ گیا اور میں اسے فراموش کر بیٹھی۔ غزالہ کے معاملے میں اس کا نام سامنے آتے ہی میرے پرانے زخم تازہ ہو گئے تھے اور اس بار میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کرنے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔ اس جیسے موذی کو مار کر تم نے واقعی عظیم کام سرانجام دیا ہے۔"

"بدقسمتی سے میں نہتا تھا اور وہ خنجر سے مسلح۔" میں نے سلطان شاہ کا ذکر کیے بغیر کہا۔ "لیکن ستارے اچھے تھے کہ اسی کا ہتھیار ہاتھ آ گیا اور اس کی موت کا بہانہ بن گیا۔"

"تم واقعی خوش نصیب ہو۔" وہ بولی۔ "کالا مان آنکھیں بند کر کے محض آواز کے سہارے صحیح نشانے پر خنجر پھینکتا تھا۔ میں نے بھی خنجر زنی اسی سے سیکھی تھی اور اسی شوق میں اس کا شکار ہونے سے بال بال بچی تھی۔"

"تم نے غزالہ کے بارے میں اب تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"آج صبح سویرے کراچی سے روانگی سے پہلے مجھے ٹونی کا فون ملا تھا۔ سائونٹری سے فرار کے بعد غزالہ سنجلانے کہاں کہاں کی خاک چھانتی کل رات گئے ٹونی کے گھر پہنچی تھی۔ اس نے مجھے خبر دی تھی کہ وہ اس مرتبہ غزالہ کو ایسی محفوظ جگہ رکھے گا، جہاں پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ٹونی اتنی جلدی مار ڈالا جائے گا ورنہ اس سے اس محفوظ ٹھکانے کا پتا ہی لے لیتی۔ اب ہمیں اس ٹھکانے کا سراغ خود ہی لگانا ہو گا۔"

دن بھر کی کوفت اور تکان کے بعد وہ پہلی خوش خبری تھی جسے سن کر مجھے اپنے سر سے یک لخت کوئی بھاری بوجھ اترتا ہوا محسوس ہوا اور میں سکون کے ساتھ کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔

گفتگو کا تسلسل ٹوٹتے ہی ایک ویٹر آ موجود ہوا اور میرے مشورے پر ویرا شراب کے بجائے کھانے کا آرڈر نوٹ کرانے لگی۔ اس دوران میں میں نے سامنے پڑے ہوئے مینو کی ورق گردانی کی تو ہر آئٹم کے سامنے ہوشربا داموں کا اندراج دیکھ کر بوکھلا گیا۔

بیرے کے چلے جانے پر میں نے ویرا کو اپنی تشویش سے آگاہ کیا۔ "یہاں کھانا بہت مہنگا ہے، ہم کہیں اور چلتے ہیں۔"

"داموں پر نہ جاؤ، تمہارے لیے یہ سب مفت ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"ہو سکتا ہے۔ لیکن مجھے تمہارا پیسہ بھی اسی قدر عزیز ہے جتنا اپنا۔" میں نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔

"ہمیں کوئی بل ادا نہیں کرنا ہو گا۔ گولڈن کارڈ رکھنے والوں کے لیے خور و نوش کی ساری سہولتیں کاسینو کی انتظامیہ مفت فراہم کرتی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن گولڈن کارڈ حاصل کرنے کی کوئی فیس بھی تو ہو گی؟"

"اوں ہونہہ۔" اس نے گردن جھٹک کر خالص مشرقی انداز میں کہا۔ "جو لوگ اس کاسینو کے مختلف فلورز پر لمبی رقموں سے جوا کھیلتے ہیں، انتظامیہ کے گرگے ان پر نگاہ رکھتے ہیں اور ان کو بلا کسی معاوضے کے گولڈن کارڈز جاری کیے جاتے ہیں تاکہ وہ لوگ اس مخصوص فلور پر خصوصی توجہ کے ماحول میں اپنا شوق پورا کریں۔ اس فلور پر رولیٹ کی مشینوں کا چھوٹے سے چھوٹا ٹوکن پانچ پاؤنڈ کا ہے۔ یہ لوگ پورے ریستوران کا خرچہ ایک ہی میز سے پورا کر لیتے ہوں گے، یہاں جواری ایک ایک رات میں ہزاروں پاؤنڈ ہار کر جاتے ہیں۔"

لیڈی مارٹن کی بیش قیمت شیمپئن سے سروس کا آغاز ہوا مگر میرے لیے اس وقت آپس کی گفتگو زیادہ دلچسپ تھی کیونکہ ویرا، داؤد کے بدمعاشوں پر روشنی ڈال رہی تھی مگر میں نے ابھی تک اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کی طرف سے تمام تر احتیاط کے باوجود مجھے گھیر لیا گیا تھا اور میں نے اپنے حریف کو ایم ون پر ٹھکانے لگا دیا تھا۔

"میں ابھی تک یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ لندن میں تنظیم میں تمہارا کیا مقام ہے؟" میں نے کہا۔

"اب حالات نے مجھے اور تمہیں ایک دوسرے سے اتنا قریب کر دیا ہے تو میں بتاتی چلوں کہ تنظیم کا اپنا ایک خاص نام ہے جو عالمی حلقوں میں ہیبت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ انگریزی میں اس کو مخفف کر کے شی کہتے ہیں لیکن اصل نام سنڈیکیٹ فار ہیروئن ایڈکشن ہے۔ یہاں بھی شی کی اپنی ایک تنظیم ہے جس میں لوگوں کی ذمے داریاں متعین ہیں جبکہ میں ایک طرح کی فری لانسر ہوں۔ متعین ذمے داریاں نہ ہونے کے باوجود ان کے برابر اختیارات رکھتی ہوں بلکہ بعض اوقات ان پر اپنے احکام نافذ بھی کر سکتی ہوں۔ میرے ایسے فیصلوں پر صرف شی کی سپریم باڈی ہی جواب طلب کر سکتی ہے جس کا سربراہ غالباً میرا باپ جمی لائیڈ یا ڈان مرسیالوز ہے۔"

"لیکن ٹونی کا تو شی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ میں نے کہا نا کہ میں آزادانہ طریقے پر کام کرتی ہوں۔ بعض لوگ میری اصل حیثیت سے لاعلم ہیں لیکن وسیع تر پس منظر میں دیکھو تو میرے ذریعے وہ بھی شی کی خدمت کرتے ہیں۔ ان ہی میں ٹونی اور بہت سے دوسرے لوگ شامل ہیں جن میں میں میڈم کے نام سے پہچانی جاتی ہوں۔"

"اتنا بلند مقام حاصل ہوتے ہوئے بھی تم ان کے سامنے اتنی بے بس ہو کہ انھوں نے عملاً تمہیں تمہارے ہوٹل کے کمرے میں محصور کر کے رکھ دیا ہے!" میں نے حیرت کے ساتھ کہا۔

"سازشیں۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔ "ان کے لگے بندھے فرائض ہیں اور وہ اسی دائرے میں کام کرتے ہیں۔ تم وان ہوف کو کیوں بھول رہے ہو۔ کیا اس حقیر کیڑے نے لائیڈز کالج کے معاملے میں میرے منہ آنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن اس کا انجام سامنے ہے۔ دراصل پاکستان میں میری موجودگی میں تم نے شی کے مفادات کو جیسے ناقابل تلافی اور بھاری نقصانات پہنچائے ان کی بنا پر داؤد کی رائے کو وزن حاصل ہو گیا ہے اور وہ خبیث اب ہمیشہ کے لیے میری بالادستی کے خاتمے پر تل گیا ہے۔ اس نے لندن میں اپنے ہم رتبہ لوگوں کے ساتھ مل کر مجھے بے نقاب کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اب تم دیکھ لینا کہ وہ یہاں سے زندہ واپس نہ لوٹ سکے گا۔ میں اسے کسی کتے کی طرح گھیر کر ماروں گی۔"

"لیکن تم تو اس طرح اپنے کمرے میں چھپ کر بیٹھ گئی تھیں کہ مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ تم نے شکست تسلیم کر لی ہے۔"

"مصلحت! اسی حکمتِ عملی کے تحت تو آج میں انھیں جُل دے کر نکلی ہوں۔ نگرانی میری لاعلمی میں کرائی جا رہی تھی مگر مجھے سب معلوم تھا۔ میرے بھی بہتیرے ہمدرد ہیں۔ اب وہ سب مل کر بھی میرا سراغ نہ لگا سکیں گے۔ ہوٹل میں احتیاط کی دوسری بڑی وجہ تمھاری ذات تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ غزالہ کے بارے میں تم ہر قیمت پر مجھ سے ملنے کی کوشش کرو گے۔"

"لیکن تمھیں کیا پتا کہ میں لندن میں ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں نے تو تمھیں اپنے روانگی کے پروگرام کی ہوا بھی نہ لگنے دی تھی کیونکہ آخر میں راجو نے میرا کھیل خراب کر دیا تھا۔"

"یہ نہ کہو، میرا قیاس تھا کہ تم نکل چکے ہو۔" جواباً وہ بھی ہنسی۔

"خنجر کے ذریعے اپنی پیغام رسانی کے بارے میں کیا قیاس ہے تمھارا؟"

"میں وہ ترکیب اختیار نہ کرتی تو ہم اس وقت کاسینو کی انتظامیہ کے مہمان نہ ہوتے۔"

"میں بُری طرح بے بس کر دیا گیا تھا مائی بے بی!" میں نے ہلکے سے طنز کے ساتھ کہا۔ "صبح کے اخبارات میں تم ایم ون پر ایک پُراسرار لاش کے بارے میں کوئی کہانی پڑھو گی جس کے دل میں تمھارا منقش دستے والا ننھا سا خنجر پیوست ہو گا۔"

"یہ کیسے ہوا؟" اس کا منہ وفورِ حیرت سے کھل گیا اور میں نے مختصر الفاظ میں لفٹ میں بے بس کیے جانے سے لندن واپسی تک کی کہانی مختصر الفاظ میں دہرانی شروع کر دی۔

"تمھارے ہاتھ چوم لینے کو دل چاہتا ہے۔" وہ میرے خاموش ہونے پر اضطراری لہجے میں بولی۔ "وہی دبلا پتلا شخص تو میری نگرانی کی مہم کا ذمے دار تھا اور میرا وہ خنجر بھی شی کے بعض حلقوں میں پہچانا جا سکتا ہے کیونکہ وہ ایک مہم میں میری غیر معمولی کامیابی پر اعزاز کے طور پر مجھے دیا گیا تھا۔ واہ! کیا تاثر پیدا ہو گا" وہ دل ہی دل میں صورتِ حال سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ "یہی سمجھا جائے گا کہ میں نے وہ اعزاز ایک لاش کے دل میں سجا کر شی کے ان ذمے داروں کو لوٹا دیا ہے جنھوں نے میری نیت پر شبہ کرتے ہوئے مقتول کو میری نگرانی پر لگایا تھا۔"

"یعنی اب تم کھل کر شی سے بغاوت کرو گی؟"

"امپیریل ہوٹل میں ہونے والے کھیل کے بعد تو میرا یہ ردِعمل قدرتی ہی ہو گا۔"

"اس طرح تمھارے دشمنوں کو کھل کر تم پر وار کرنے کا موقع مل جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس بار وہ تمھیں بے رحمی کے ساتھ مروا ہی نہ ڈالیں۔" میں نے اس کے زندگی سے بھرپور چہرے پر نظریں جما کر کہا۔

"یہی ان کے بس سے باہر ہے۔" وہ پُرغرور انداز میں ہنسی۔ "وہ سب میرے باپ کے نمک خوار ہیں اور اس سے کانپتے ہیں۔ جی لائیڈ نے کھل کر آج تک مجھے اپنی بیٹی تسلیم نہیں کیا لیکن اس نے کبھی میرے دعوے کی تردید بھی نہیں کی بلکہ عملاً مجھے ڈھیل دے کر شی میں ترقی کے مواقع فراہم کرتا رہا ہے....."

"اس طرح تو تم اسے بھی اشتعال دلا کر اپنے خلاف کر لو گی۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"یہی تو تمھاری سمجھ سے باہر ہے۔ میری رگوں میں اسی کا خون دوڑ رہا ہے۔ میں اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتی۔ اسی لیے یہ سب مجھ سے نالاں ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "یہ لوگ مجھے ذرا بھی نقصان پہنچانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ ان سب کی کوششیں یہ ہیں کہ میرے خلاف جرائم کی فہرست، ثبوت اور گواہوں سمیت اکٹھی کر کے سپریم باڈی میں پہنچائیں اور اس کے ذریعے میرے خلاف فیصلہ حاصل کریں۔ اس سے پہلے وہ مجھے ہاتھ بھی نہ لگا سکیں گے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تم اس ہوٹل میں نہیں جاؤ گی۔" میں نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایم ون سے فرنگی کی لاش ملنے پر تو وہ سب ہی جھلا کر اپنے منہ نوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ وہ ان کا مانا ہوا سازشی دماغ تھا۔"

"پھر میں تم سے کہاں رابطہ قائم کر سکوں گا؟"

"لندن میں میرے بہتیرے ٹھکانے ہیں۔ میں کہیں بھی جا سکتی ہوں۔ تم اپنے ہوٹل کا نمبر دے دو۔ میں خود تمھیں اپنے ٹھکانے سے آگاہ کر دوں گی۔"

"پھر بھی کوئی ایسا پتا یا ٹھکانا تو ضرور ہو گا جہاں سے تمھارے بارے میں کوئی خیر خبر مل سکے۔" میں نے اصرار کیا۔

"کچھ پتا نہیں کہ میرا کس سے رابطہ ہو گا۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔ "پھر بھی میں ایش برن کو باخبر رکھنے کی کوشش کروں گی۔ تم چاہو تو اس سے مل سکتے ہو۔ وہ سوہو کے علاقے میں ہوسٹس کلب کے نام سے چلائے جانے والے ایک گھٹیا شراب خانے میں شراکت دار ہے جہاں لڑکیوں کی آڑ میں غیر ملکی سیاحوں کی کھال اتاری جاتی ہے۔"

ایش برن کے پیشے کی اس عجیب و غریب وضاحت پر میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ "تم خاصے وسائل کی مالک ہو۔ اسے کوئی باعزت کاروبار کیوں نہیں کرا دیتیں؟"

"یہ اس کا نفسیاتی معاملہ ہے۔" وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولی۔ "اس نے اپنی عمر کا بہترین حصہ سوہو کی

"اعتراض ہو تو اسے آج ہی واپس لوٹا دوں۔" مفاہمت بڑھ جانے کے بعد میں نے اس بارے میں جھوٹ بولنا مناسب نہ سمجھا۔ "وہاں سے نکلنے کا پورا بندوبست اسی نے کرایا تھا۔"

"یہ اچھا کیا کہ اسے بھی لے آئے۔ موجودہ حالات میں وہ ہمارے لیے بہت کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔" وہ اطمینان سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "یہاں فوری طور پر ایسا بے خوف ساتھی مشکل ہی سے پیدا ہو سکے گا۔"

میرا خیال تھا کہ وہ اپنی گاڑی میں آئی ہو گی لیکن پتا چلا کہ وہ بھی میری ہی طرح پیدل تھی۔ میں نے اسے اپنے ہوٹل کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ اس نے پیشکش کی کہ وہ مجھے کنگز کراس پر اتارتی ہوئی آگے نکل جائے گی مگر میں نے نرمی کے ساتھ انکار کر دیا۔

اس مخدوش صورت حال میں ہمارا ایک ساتھ باہر نکلنا بھی خطرے کا باعث ہو سکتا تھا۔ ذرا سی بے پروائی کی بنا پر ایک کی وجہ سے دونوں کا خطرہ مول لینا کسی طرح دانشمندانہ نہیں تھا۔

"میں کسی ٹھکانے پر پہنچتے ہی تمہیں ہوٹل فون کر کے خود ہی مطلع کر دوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ کل ہمیں شہر میں کہیں مل بیٹھ کر آئندہ کے لیے اپنا پروگرام طے کرنا پڑے۔" وہ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولی۔

"بس یہ یاد رکھنا کہ غزالہ اب ہماری پہلی ترجیح ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"پہلی نہیں دوسری۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "فی الحال تو حالات کے دباؤ میں ہم دونوں کی ذات ایک دوسرے کے لیے پہلی ترجیح اختیار کر گئی ہے۔"

اور ہم ایک دوسرے سے الگ ہو کر دو مختلف ٹیکسیوں کی طرف بڑھ گئے۔

کم از کم اخبارات کی حد تک اگلی صبح بہت ہنگامہ خیز تھی۔ بیشتر اخبارات نے پب میں ہونے والی دہرے قتل کی واردات کو اپنے صفحۂ اول پر ذیلی شہ سرخیوں میں جگہ دی تھی۔ ایک اخبار نے کالا ہان کے بدنام لیکن قانون کی گرفت سے محفوظ ماضی کے حوالے سے اونٹ پہاڑ کے نیچے آ ہی گیا کی سرخی لگائی تھی۔

تقریباً ہر اخبار نے کالا ہان کے ماضی کو کریدا تھا جس شخص پر درجنوں انسانی جانوں کو زندگی سے محروم کر دینے کے الزامات رہے ہوں اور قانون کے محافظ پوری محنت کے باوجود اس پر کوئی الزام ثابت نہ کر سکے ہوں، اس کی عبرتناک موت پر اخباری اطلاعات میں تلخ نوائی فطری سی بات تھی، کیونکہ اپنی تمام تر سنسنی خیزی کے باوجود اخبارات کو اس معاشرے میں قانون کی پاسداری کا ساتھ لازماً دینا پڑتا تھا۔

ان ہی گلیوں میں ایک بے جان کھلونے کی طرح گزارا ہے اور اب وہ اپنی اس بے توقیری کا انتقام لے رہی ہے، وہاں سے ساقی گری پر مامور لڑکیاں ہر طرح گاہکوں کی دلداری کرتی ہیں لیکن وہ سب آبرو مندانہ طریقے پہ اپنے گھروں کو واپس جاتی ہیں جو لڑکی بھٹکنے کی کوشش کرے، ایش برلن اسے کھڑے کھڑے نوکری سے برطرف کر دیتی ہے۔"

"آؤ، خوش خوراکی کے بعد ذرا مقدر بھی آزما لیا جائے۔" اس نے میز چھوڑتے ہوئے کہا۔ "یہ لوگ اسی امید پر موٹی اسامیوں کو مہنگا کھانا مفت کھلاتے ہیں کہ جوئے کی میز پر ان سے کئی گنا وصول کر سکیں گے۔"

میں اس کے ساتھ ہو لیا۔

ڈائننگ ہال سے آگے مختلف میزوں پر بے حد حسین و جمیل لڑکیاں اشتعال انگیز لباس میں جوا کھلا رہی تھیں۔ رقم کا کسی میز پر کوئی پتا نہیں تھا، ہر طرف مختلف مالیت کے رنگ برنگے پلاسٹک ٹوکن چل رہے تھے، جیتنے والوں کو ادائیگیاں بھی ان ہی ٹوکنوں کے ذریعے ہو رہی تھیں، واپس لوٹنے والے اپنی تحویل میں موجود ٹوکن واپس کر کے اسی مالیت کی رقم حاصل کر سکتے تھے۔

ہر میز پر سنجیدگی اور انہماک سے کھیل ہو رہا تھا لیکن ذرا سا غور کرنے سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ کئی بلکہ شاید تمام میزوں پر بعض جواریوں اور لڑکیوں کے درمیان سنجیدگی کی آڑ میں اشارے کنائے بھی ہو رہے تھے، ہارنے والے پسینوں میں شرابور ہوئے جا رہے تھے اور جیتنے والوں کے چہرے فاتحانہ مسرت سے دمک رہے تھے۔ دو میزوں کے گرد مشرقِ وسطیٰ کے بے فکرے نوجوان اپنی روایتی وضع قطع میں ٹوکنوں کے بڑے بڑے ڈھیر سنبھالے بیٹھے ہوئے تھے، ان کی مدارات کے لیے خاص طور پر تین لڑکیاں مشروبات کی ٹرالیاں لیے گھوم رہی تھیں۔

اس ہجوم میں جوئے کے بعض خاندانی شوقین بھی تھے جو اپنی بیویوں کے مشورے سے کھیل رہے تھے۔ بعض مرد محض تماشائی بنے اپنی خواتین کی حوصلہ افزائی پر اکتفا کر رہے تھے۔

ویرا نے ایک میز سے سو پاؤنڈ کے ٹوکن خریدے اور اسی میز پر رک کر دو تین راؤنڈز تک کھیل کے رخ کا اندازہ لگاتی رہی، اس کے بعد وہ خود بھی کھیل میں شریک ہو گئی۔ تقریباً پون گھنٹے کے بعد جب اس نے کھیل ختم کر کے ٹوکن واپس کیے تو وہ بیس پاؤنڈ جیت چکی تھی۔

واپسی پر عملے کو فیاضی کے ساتھ ٹپ دیتی ہوئی وہ باہر نکل رہی تھی تو اچانک ہی اسے سلطان شاہ یاد آ گیا۔ "پاکستان سے اکیلے آئے ہو یا تمہارا دوست بھی ساتھ آیا ہے؟"

لیکن جس طرح کالاہان کے جرائم اس کی زندگی میں پولیس کے لیے حل نہ ہونے والا معما بنے رہے، اسی طرح اس کی موت بھی بہت پُراسرار تھی۔ پب میں دو لاشیں دریافت ہوئی تھیں اور دونوں ہی خنجر کا شکار ہوئے تھے۔ ایک کی گردن کاٹ دی گئی تھی اور دوسرے کے دل میں وہی خنجر گھونپا گیا تھا۔ قرائن سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان دونوں کا قاتل کوئی ایک ہی تھا لیکن پولیس یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ پب بند ہونے کے بعد وہ دونوں مقتول وہاں کیوں یکجا ہوئے تھے، کیونکہ اُن کے شناسا حلقوں میں پوچھ گچھ کے بعد ایسی کوئی شہادت سامنے نہیں آئی تھی جس کے ذریعے ان دونوں میں ماضی قریب میں کسی قسم کے تعاون کا ثبوت ملتا ہو اور اگر وہ دونوں جمع ہو ہی گئے تھے تو ان میں کوئی قدر مشترک دریافت نہیں ہو سکی تھی جس کی بنا پر کوئی ایک ہی شخص بیک وقت ان دونوں کے لہو کا پیاسا ہو جاتا۔

کاؤنٹری میں ہونے والے قتل سے جیکب کا تعلق تو شک و شبہ سے بالاتر تھا۔ بی بی سی ٹیلی وژن کی پچھلی نشریات کی طرح اخبارات نے بھی اس نکتے کو خاص اہمیت دی تھی کہ دو روز پہلے کاؤنٹری میں ایک غیر ملکی لڑکی نے جیکب کے چھوٹے بھائی جوزف کے مکان پر دو مقامیوں کو ہلاک کیا اور اس کے بعد جیکب بھی بے دردی کے ساتھ اپنے پب میں ذبح کر دیا گیا۔ اس حقیقت کی روشنی میں ہر نامہ نگار نے بہتیری ذہنی قلا بازیاں کھانے کی کوشش کی تھی لیکن اس بارے میں کوئی منطقی بنیاد سامنے نہیں آسکی تھی جس کی بنا پر پولیس کو تفتیش آگے بڑھانے میں مدد مل سکتی۔

اس واردات کے حوالے سے ایک دو اخبارات نے تو خوبصورت ماڈل گرلز کی نیم عریاں تصاویر بھی چھاپ ڈالی تھیں جو اُن کی دانست میں پولیس کے ماہر مصوروں کے ترتیب دیے ہوئے اس خاکے سے بہت مشابہ تھیں جو کاؤنٹری کی نیلی آنکھوں والی سفاک قاتلہ کی شناخت کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔ قانون کی مدد اور شہریوں کی رہنمائی کی آڑ میں وہ صنفِ نازک کا کھلا استحصال تھا، لیکن مساوات کے علم بردار، اس معاشرے میں اسے ناپسندیدہ تصور نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ ہر ماڈل کو اس کے استحصال کی پوری پوری قیمت ادا کی جاتی تھی اور اس کارِ خیر کو صنفِ نازک کے لیے ترقی اور ملازمت کے مساوی مواقع کا عنوان دیے دیا جاتا تھا۔

جوزف اور جیکب میں برادرانہ رشتے کی بنیاد پر کاؤنٹری اور ایسکیوز آرمز کی چار لاشوں میں تعلق پیدا کرنے کی کوشش تو ضرور کی گئی تھی، مگر اس حقیقت کے بارے میں کہیں موہوم سا اشارہ بھی نہیں تھا کہ کاؤنٹری میں مرنے والے دونوں بدمعاش، کالاہان کے پروردہ تھے، البتہ ان کا اسکن ہیڈز ہونے کا ذکر موجود تھا۔

دوسری اہم خبر ایم ون سے ملنے والی فرینکی کی لاش کے بارے میں تھی جو لندن کے مہنگے رہائشی علاقوں میں جائداد کی دلالی کیا کرتا تھا۔ وہ فقرہ پڑھ کر مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی کیونکہ شی کے اہم اراکین اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کی پردہ پوشی اور معاشرے میں اپنا مقام برقرار رکھنے کے لیے عموماً زرخیز پیشوں کی آڑ لیتے تھے۔

فرینکی کا موٹر وے پر پایا جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ اُسے کسی چلتی ہوئی کار سے وہاں پھینکا گیا تھا۔ جس وقت پولیس اس تک پہنچی تو وہ زندہ مگر بے ہوش تھا اور ایمبولینس میں ابتدائی طبی امداد کرا کے اسپتال تک پہنچانے کی کوششیں کامیاب نہیں ہو سکی تھیں۔ اس نے راستے ہی میں دم توڑ دیا تھا۔

ایسکیوز آرمز کے گرماگرم واقعے کی وجہ سے شاید فرینکی کے قتل کا معاملہ سرسری خبروں سے آگے نہ بڑھا ہوتا لیکن ایک اخباری نامہ نگار نے فرینکی کے قتل کو محض اس بنا پر اُچھالا تھا کہ اس کو بھی ایک خوبصورت خنجر کا نشانہ بنا کر موٹر وے پر پھینکا گیا تھا اور پب کی دونوں لاشیں بھی خنجر زنی کے نتیجے میں وجود میں آئی تھیں اور محض اسی ایک مفروضے کی بنا پر سونیا کی ذات سے ایک حیرت انگیز فیچر بنا لیا گیا تھا کہ وہ سفاک سرد مہر اور چالاک ہونے کے ساتھ ساتھ خنجر زنی اور آتشیں اسلحے کے استعمال میں بے مثال مہارت رکھتی تھی بلکہ شاید مارشل آرٹ پر بھی اُسے قابلِ رشک دسترس حاصل تھی، ورنہ وہ ایسکیوز آرمز میں جیکب اور کالاہان جیسے دو دیوہیکل مردوں کو اتنی آسانی کے ساتھ ختم کرنے میں کامیاب نہ ہوتی۔

میرے لیے یہ بات تسلی بخش تھی کہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی غرض سے اخبارات میں نہ ختم ہونے والی قیاس آرائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور ان پانچوں لاشوں میں باہمی تعلق کے موہوم سے امکان کے علاوہ ہر نکتہ بالکل بے سروپا اور گمراہ کن تھا جس کے ذریعے نہ غزالہ کی ذات بے نقاب ہو سکتی تھی، نہ میرے لیے تشویش کی کوئی بات تھی۔

اخبار کی ورق گردانی کرتے ہوئے اندرونی صفحے پر ایک جگہ میری نظریں ٹھٹک کر مرکوز ہو گئیں۔ لندن اور کاؤنٹری کے واقعات پر برمنگھم، کاؤنٹری اور لندن کے بعض علاقوں میں نقاب پوش اسکن ہیڈز کی ٹولیوں نے نہایت منظم انداز میں پُرتشدد کارروائیاں کی تھیں جن کے نتیجے میں چار ایشیائی زخمی ہو کر اسپتالوں میں پہنچ گئے تھے اور ایک تخمینے کے مطابق ساٹھ ہزار پاؤنڈ کا نقصان ہوا تھا۔ ان نقاب پوش اسکن ہیڈز نے تمام کارروائیوں میں ایشیائیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ ساتھ ہی ایسے نعرے بھی لگائے تھے جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بھارتی نژاد سونیا کی گرفتاری تک وہ ایشیائیوں کی زندگی عذاب بنا دیں گے تاکہ اُسے پناہ دینے والوں کو سبق دیا جا سکے۔

بدترین واردات ساؤتھ ہال کے علاقے میں ہوئی تھی جہاں کچھ

سے بھری ہوئی ناقابلِ شناخت نمبر پلیٹ والی ایک کار میں سوار تین افراد نے ایک بارونق مقام پر گاڑی روک کر اچانک چمڑے کے چابکوں سے لوگوں کو بلا امتیاز ادھیڑنا شروع کر دیا۔ اُن کی زد میں آنے والی ایک تیئیس سالہ حاملہ عورت اسپتال میں نازک حالت میں تھی۔ وہ لوگ چند منٹ تک بے رحمی کے ساتھ مار دھاڑ اور توڑ پھوڑ کرنے کے بعد پولیس کی آمد سے قبل اُسی کار میں فرار ہو گئے۔

وہ ان حالات کا بہت تکلیف دہ پہلو تھا۔ اسکن ہیڈز کی اِکا دُکا وارداتوں کی خبریں تو کبھی کبھار پاکستانی اخبارات میں بھی شائع ہوتی رہتی تھیں لیکن یہ سوچا بھی نہ جا سکتا تھا کہ اوباش اور جوان لڑکے لڑکیوں کے اِن گروہوں نے اتنی طاقت پکڑلی ہوگی کہ بیک وقت تین شہروں میں منظم تشدد کا آغاز کر سکیں۔

اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے میں سلطان شاہ کو بھی متن سے آگاہ کرتا جا رہا تھا۔ ابتدا میں اس نے فوری طور پر تبصرہ کرنا چاہا لیکن میں نے اُسے روک دیا تاکہ شہر کی پوری صورتِ حال سے واقف ہونے کے بعد ہر پہلو پر ایک ساتھ تبادلۂ خیال کیا جا سکے۔

"اب کہو، کیا کہہ رہے تھے؟" میں نے اخبارات ایک طرف پھینک کر انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"اب کیا رہا ہے کہنے کو؟" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "یہ اخبار والے بھی بڑے ہوشیار ہوتے ہیں۔ نکتے پیدا کر کے خود ہی اِس کا جواب بھی دے دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اب یہ موضوع کئی دن تک رگڑا جائے گا۔"

"تین دن میں پانچ قتل کسی کو بھی جھنجوڑ دینے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔" میں نے سگریٹ کا ادھ جلا ٹکڑا جوتے سے رگڑتے ہوئے کہا۔ "خاص طور پر ایسی حالت میں کہ اُن کی کڑیاں ایک دوسرے سے منسلک نظر آتی ہوں۔"

"یہ سب تو چلتا ہی رہتا ہے۔ خطرناک بات یہ ہے کہ گنجے کھلی ہوئی بدمعاشی پر اُتر آئے ہیں۔"

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، اسکن ہیڈز کا کوئی منظم گروہ نہیں ہے۔ یہ تو بس ایک وبائی فیشن چلا اور ہر علاقے میں سرکش لڑکے لڑکیوں نے سر منڈا کر نقش و نگار بنوانے شروع کر دیے۔ اُن کی حیثیت محلوں کے آوارہ گردوں سے زیادہ نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ یک بیک منظم کیسے ہو گئے؟"

"تم کالا ہان کو بھول رہے ہو..." اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ بنیادی طور پر ایک بڑا بدمعاش تھا اور بدمعاش اسکن ہیڈ بھی ہو سکتا ہے، بالوں والا بھی۔ اسکن ہیڈز کی کوئی برادری نہیں ہے بلکہ یہ محض ایک فیشن ہے۔"

"جو ہو رہا ہے، ہوا کرے۔ مجھے تو اس میں کوئی خاص دلچسپی محسوس نہیں ہوتی۔ جو لوگ اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ کر پرائی زمینوں کو آباد کرتے ہیں، انھیں ایسی قیمت ادا کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔ ان میں سے جو بے حوصلہ ہوتے ہیں، وہ پنپنے کے بجائے اپنے ہی ہاتھوں خود ختم ہو جاتے ہیں اور جو حالات کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں وہ جلد یا بدیر اپنی خوشحالی کی وجہ سے مقامیوں میں غاصب سمجھے جانے لگتے ہیں اور یہیں سے نسلی منافرت شروع ہو جاتی ہے۔"

"بعض اوقات تم خاصی عقل کی باتیں کرنے لگتے ہو۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

"اس کا عقل سے زیادہ مشاہدے سے تعلق ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "یہ فارمولا ہر جگہ ملے گا۔ برِاعظم، ملک، صوبے بلکہ اب تو شہروں اور دیہاتوں میں بھی ایسا کھنچاؤ پیدا ہونے لگا ہے۔ یہاں تو پھر بھی سفید گنجے ایشیائیوں کو مار رہے ہیں کیا مذہبی اور نسلی جنون میں مبتلا ہو کر ہم سب ہی جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے پر نہیں تُل جاتے؟ یہ ہوا ہر طرف اور ہر ملک میں چلی ہوئی ہے جہاں غصہ اتارنے کے لیے غیر ملکی نہیں ملتے، وہاں دوسرے بہانے ڈھونڈ لیے جاتے ہیں۔"

"غلطی معاف کر دو۔ گنجوں کی حرکتوں پر اب مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"گنجوں سے مجھے بھی دلچسپی نہیں ہے، اگر بُرا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں؟" پہلا فقرہ ادا کرنے کے بعد اُس نے قدرے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا اب کوئی نیا نکتہ سوجھا ہے؟" میں نے خوش دلی سے پوچھا۔

"کل سے میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے کمرے میں آتے ہی بے پروائی کے ساتھ ہر چیز ادھر اُدھر بکھیر دیتے ہو۔ اب یہی دیکھو کہ تم نے سگریٹ ایش ٹرے میں ڈالنے کے بجائے جوتے کے تلے سے بجھا کر قالین پر پھینک دی ہے۔"

"مجھے ایک انگریز عورت سے اپنا کمرہ صاف کراتے ہوئے عجیب سی تسکین ملتی ہے۔" میں نے اُس کے سوال سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ "ابھی تمھارے بیدار ہونے سے پہلے ناشتا کرنے نیچے گیا تھا تو ایک گورے سے جوتوں پر پالش کرائی تھی۔ اپنے سابقہ حکمرانوں کو اس طرح اپنی خدمت کرتے دیکھ کر دل کو خوشی ہوتی ہے کہ اب ہم بھی اِن سے کام لینے اور انھیں بخشش دینے کے قابل ہو گئے ہیں۔ ابھی وہ موٹی میرے کپڑے استری کر رہی ہوگی۔"

"ہم میں خرابی یہی ہے کہ ہم ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہوتے رہتے ہیں۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر صاف گوئی کے ساتھ بولا۔ "بڑی باتوں کی پروا نہیں کرتے۔"

"اب اس سے بڑی بات اور کیا ہوگی کہ دیو کو شیشے میں اتار لیا ہے۔"

"اس کا فون کب تک آنے کی اُمید ہے؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"کسی بھی وقت آسکتا ہے۔ اس سے بات ہونے تک ہم میں سے ایک کو کمرے میں رکنا ہوگا۔"

"تم ٹھہرنا، میں تو ذرا گھومنے جاؤں گا۔ مجھے مناروں والیاں دیکھنے کا شوق ہے۔"

بے اختیار میرے ذہن میں ابنِ صفی کا نام تازہ ہوگیا جن کے ایک ناول کا یہی نام تھا۔ آسمان کی طرف کھڑے ہوئے سخت اور لمبے بالوں کے اونچے اونچے، رنگ برنگے مینار سروں پر سجائے بازاروں میں پھرنے والی وہ لڑکیاں خود کو پنک کہتی تھیں اور مناروں والیاں کا نام انھی کو زیب دیتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ابنِ صفی نے ایسے ہی کسی شاہکار سے متاثر ہوکر اپنے ناول کا یہ نام تجویز کیا ہو۔

"ضرور جاؤ۔" میں نے کہا۔ "لیکن ذرا ہوشیار رہنا۔ یہ پنک لڑکیاں اپنے کھڑے ہوئے بالوں سے سینگوں کا کام بھی لے ڈالتی ہیں۔ ہوٹل کا کارڈ ضرور لے لینا تاکہ راستہ بھول جانے کی صورت میں کسی ٹامی سے مدد لے سکو۔"

وہ خوشی کے ساتھ اُٹھا اور اپنے کمرے کی طرف ہولیا۔ میرا خیال تھا کہ اگر ہمیں غزالہ کی تلاش کا کٹھن مرحلہ درپیش نہ ہوتا تو وہ لندن کی فسوں خیز اور رنگین زندگی کے بارے میں زیادہ جوش و خروش کے ساتھ اپنی دلچسپیوں کا مظاہرہ کرتا۔ پہلے وہ جو کچھ پردۂ فلم پر دیکھتا رہا تھا، انھی سب چیزوں کو سامنے پا کر وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔

وہ تیار ہوکر ہوٹل سے چلا گیا اور میں نے کاہلانہ انداز میں بستر پر دراز ہوکر ٹیلی وژن آن کر دیا۔

گیارہ بجے اچانک ہی کمرے میں تپائی پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی اور میں نے بستر سے چھلانگ لگاتے ہوئے بے تابی کے ساتھ ریسیور اٹھالیا۔

"باہر سے تمہاری کال ہے مسٹر کبیر!" آپریٹر کے پیغام کے ساتھ ہی دوسری طرف سے لائن مل گئی۔

"میں فائیو ایٹ، فور ایٹ، ٹو سیون تھری بول رہی ہوں۔" دوسری طرف سے ویرا کی آواز آئی۔ "ٹیوڈر ہوٹل کمرہ نمبر دو سو پانچ۔ یہ سوہو کے علاقے میں واقع ہے۔"

"ہوٹل میں؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ بُرا وقت آنے پر یہاں تمہارے شناساؤں نے بھی تم سے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ میں تو کسی پُرتکلف مکان میں تمہارے پاس منتقل ہونے کے امکانات پر سوچ رہا تھا۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔" اس کی خشک آواز سنائی دی۔ "یہاں بہتیرے لوگ مجھے سرآنکھوں پر خوشی سے بٹھائیں گے اور کوئی نہیں تو ایش برن میری میزبان بن سکتی تھی مگر میں اپنی وجہ سے دوسروں کے لیے پریشانیاں نہیں کھڑی کرنا چاہتی۔"

"اخبارات تو تم نے دیکھ ہی لیے ہوں گے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ وہ لوگ بوکھلا گئے ہیں۔ تین شہروں میں تشدد کے واقعات کے پس پُشت اُنھی کا ہاتھ کارفرما ہے۔"

"لیکن اخبارات میں تو گنجوں کا ذکر تھا۔" میں نے حیرت کے ساتھ کہا۔

"ان سب نے مکمل نقابیں استعمال کی تھیں جس میں چہرہ چھپنے کے ساتھ ہی بال بھی چھپ گئے تھے اور وہ دور سے گنجے نظر آتے تھے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے ہیں۔"

"لیکن مقصد کیا تھا اُن کا؟"

"وہ جھلاہٹ میں کی گئی منظم لیکن بے مقصد کارروائی تھی۔ البتہ وہ یہ تاثر دینے میں کامیاب رہے کہ تشدد کے واقعات میں گنجے ملوث تھے۔ اب پولیس ان ہی پر زیادہ توجہ دے گی۔"

داؤد کا کچھ سُراغ ملا؟" میں نے فوری خیال کے تحت سوال کیا۔

"اس سے میری بات ہوئی ہے۔ میری روپوشی پر بھنایا ہوا ہے مگر میں نے اُسے دو ٹوک الفاظ میں بتا دیا ہے کہ اب میں فضا سازگار ہونے تک دُور ہی رہوں گی۔ آؤ گے تو تفصیل بتاؤں گی۔"

"سُراغ نہیں ملا تو بات کیسے ہوگئی اس سے؟" میں نے اُلجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میں کل رات ہوٹل سے آپریٹس اپنے ساتھ نکال لائی تھی۔ اس پر جب چاہوں اس سے بات کرسکتی ہوں، بلکہ کئی اور لوگوں سے بھی رابطہ قائم ہوسکتا ہے مگر فی الحال میں تمہارے کام پر توجہ دینا چاہتی ہوں۔"

"کچھ پتا چلا اُس کے بارے میں؟" میں نے غزالہ کا نام لیے بغیر سوال کیا۔

"ایک نام روشنی میں آیا ہے، اُسی سے ساری اُمیدیں وابستہ ہیں۔"

"چاہو تو میں اسی وقت تمہارے پاس آسکتا ہوں۔" میں نے اس سے قریب رہ کر غزالہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی نیت سے پیشکش کی۔

"فی الحال بے کار ہوں لیکن یہ خیال رکھنا کہ کسی بھی وقت بھاگ دوڑ میں مصروف ہوسکتی ہوں۔"

"ایسا وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ میں آرہا ہوں۔" میں نے جواب سُنے بغیر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور فوری طور پر روانگی کی تیاری میں مصروف ہوگیا۔

راستے میں ایک آف لائسنس شاپ سے بلیک لیبل کی بوتل خریدتا ہوا میں ٹیوڈر ہوٹل پہنچا تو یہ دیکھ کر خاصی مایوسی ہوئی کہ وہ ایک بارونق مقام پر واقع ہونے کے باوجود مشتبہ ماحول والا ایک معمولی سا

ہوٹل تھا جہاں شرفا کا قیام کرنا بظاہر مشکل نظر آتا تھا۔ اندر قدم رکھتے ہی احساس ہو جاتا تھا کہ وہاں ہوٹل کی آڑ میں کچھ اور ہی دھندے ہوتے ہیں اور شاید انہی خصوصیات کی وجہ سے ویرا نے اس ہوٹل کو اپنی روپوشی کے لیے منتخب کیا تھا۔

ہوٹل کی عمارت کی ساخت سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ رہائشی کمرے اوپر ہوں گے۔ ویرا کے کمرے کے نمبر سے میرا اندازہ تھا کہ وہ دوسری منزل کا پانچواں کمرہ ہوگا لہٰذا میں براہِ راست اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھا لیکن استقبالیہ کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے شخص نے نرمی کے ساتھ مجھے روک لیا: "آپ کس سے ملیں گے سر؟"

اس کی خلیقانہ آواز سنتے ہی مجھے گھوم جانا پڑا۔ اس ہوٹل میں استقبالیہ کاؤنٹر ایسی جگہ پر بنایا گیا تھا کہ وہاں پر بیٹھے ہوئے کلرک کی نظروں سے بچ کر سیڑھیوں تک پہنچنا ناممکن تھا۔ کلرک کی مداخلت سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ یہ لوگ ملاقاتیوں سے زیادہ اپنے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے مہمانوں کے آرام اور خلوت کا خیال رکھتے تھے اور شاید ملاقاتیوں کے لیے میزبان سے پیشگی اجازت لیے بغیر اوپر جانا دشوار تھا۔ یہ احتیاط محض اسی خیال سے رکھی گئی تھی کہ کہیں کسی گاہک کو اپنے اچانک نمودار ہونے والے ملاقاتی کے سامنے ناگفتہ صورتِ حال کی بنا پر شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔

"کمرہ نمبر دو سو پانچ" میں نے ویرا کا نام لیے بغیر خشک لہجے میں کہا کیونکہ میں اس سے یہ پوچھنا بھول گیا تھا کہ وہ ٹیوڈر میں کس نام سے ٹھہری ہوئی ہے۔ "میرا نام اکبر ہے۔"

"جس سے ملنا ہے اس کا نام جانتے ہو؟" کلرک نے انٹرکام کا ریسیور اٹھاتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں، مگر وہ مجھ سے واقف ہو گی۔"

کلرک نے آنکھیں چڑھا کر معنی خیز انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور نمبر ملا کر ویرا سے بات کرنے کے بعد مجھے سیڑھیوں کی طرف جانے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنی نیک خواہشات کے اظہار میں داہنی مٹھی بند کر کے انگوٹھا فضا میں بلند کر دیا۔ شاید اس طرح وہ "ملاقات" سے واپسی پر اپنی ٹپ پکی کر رہا تھا۔

ویرا اپنے کمرے کا دروازہ کھولے راہداری میں میری منتظر تھی۔ وہ مجھے ساتھ لے کر کمرے میں داخل ہوئی تو میں چونک پڑا، کیونکہ ایک مدقوق سا ادھیڑ عمر سفید فام پہلے سے اس کے کمرے میں موجود تھا اور کرسی پر بیٹھا تقریباً اونگھ رہا تھا۔

ٹیوڈر کے ماحول کی طرح وہ کمرہ بھی عجیب تھا۔ کمرے میں خوابناک انداز میں بالواسطہ دھیمی روشنی رکھنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن اس سے رومانوی فضا کے بجائے گھٹن ہو رہی تھی۔ کمرہ چوڑائی کے مقابلے میں غیر معمولی تناسب سے طویل تھا اور اس میں ایک دوسرے سے متصل چار سنگل بیڈ پڑے ہوئے تھے جن میں سے تین پر بیڈ کور تھا، چوتھے پر آنے والا چادر کا حصہ ویرا نے الٹا ہوا تھا۔ معروف معنوں میں وہ چار بستروں والا کمرہ تھا، جہاں ایک گوشے میں ڈریسنگ ٹیبل اور وارڈ روب کے ساتھ ہی ایک گول میز کے گرد چار کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور وہ عجیب الخلقت سفید فام ان ہی میں سے ایک کرسی پر براجمان تھا۔

اس کے بدن پر گہرے رنگ کا سالخوردہ سا تھری پیس سوٹ چڑھا ہوا تھا جس پر جا بجا شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ میلے کالر سے ٹائی جھول رہی تھی۔ اگر اس کے تھری پیس کے بٹن بند ہوتے تو شاید ٹائی کی بدنمائی بڑی حد تک چھپ جاتی۔

میں نے اس کا جائزہ لینے کے بعد استفہامیہ انداز میں ویرا کی طرف دیکھا اور وہ مسکرا دی۔

"یہ لارڈ ڈائرک میکفرسن ہیں۔" ویرا اس کے قریب پہنچ کر بلند آواز میں مجھ سے مخاطب ہوئی۔ اونگھتے ہوئے لارڈ نے کسلمندانہ انداز سے آنکھیں کھول کر سپاٹ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں کانپ کر رہ گیا۔

اس کی آنکھوں میں موت کی سرد ویرانی اور بے رونقی رچی ہوئی تھی جو منشیات کے عادیوں میں عام طور پر نظر آتی ہے۔

"یہ اپنے خاندان کے اب آخری چشم و چراغ رہ گئے ہیں۔" ویرا نے میرے ہمراہ اس کے سامنے کرسی سنبھالتے ہوئے انگریزی میں تعارف جاری رکھا۔ "جوزف اور جیکب کے سگے چچا زاد بھائی ہیں۔"

اس دوران میں ادھیڑ عمر لارڈ یوں تفہیمی انداز میں سر ہلا رہا تھا جیسے غیر ارادی طور پر ویرا کی باتوں کی تائید کر رہا ہو۔ پھر ویرا میرا تعارف کرانے کے بعد خاموش ہوئی تو میں نے لارڈ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

اس نے نیم دلی کے ساتھ اپنا سرد استخوانی ہاتھ میری گرفت میں دے دیا۔

"بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔" میں نے ہاتھ ملاتے ہوئے وہ گھسا پٹا روایتی فقرہ دہرایا، مگر اس نے کسی جوابی خوشی کا اظہار کرنے کے بجائے سر کو یوں جنبش دی جیسے اس سے مل کر خوش ہونا میرے فرائض منصبی میں شامل رہا ہو۔

"شاید غیر ملکی ہو؟" مصافحے کے بعد اس نے سپاٹ اور بوجھل لہجے میں پہلی بار زبان کھولی۔ "کہاں سے آئے ہو؟"

"یہ انڈیا سے کل ہی آئے ہیں۔" میری لائی ہوئی بلیک لیبل کی بوتل کھولتے ہوئے ویرا اچانک بولی۔

"اوہ!" اس نے بے پروایانہ انداز سے اپنے ڈھلکے ہوئے شانے اچکانے کی ناکام کوشش کی۔ "مجھے یاد پڑتا ہے، اس نام کے علاقے پر طویل مدت تک ہماری حکومت رہی ہے۔"

"بالکل بالکل!" میں نے اس کے شکن آلود اور سالخوردہ سوٹ

پر نگاہ دوڑاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "جب ہم تمہارے زیرِنگیں تھے تو تمہاری سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا مگر اب تو مہینوں طلوع بھی نہیں ہوتا۔"

میرا طنز اس کے پلے ہی نہ پڑ سکا یا پھر بلیک لیبل کی چمکتی اور للکارتی ہوئی بوتل نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی کیونکہ وہ بوتل کو دیکھ کر ندیدوں کی طرح اپنے لبوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"بڑا ہی بھکّڑ لارڈ ہے یہ تو!" میں نے اردو میں اتنی دھیمی آواز میں کہا کہ بس ویرا ہی میری آواز سن سکے۔

"اسے چڑانے کی کوشش نہ کرنا۔ ایک بار منک گیا تو گھنٹوں قابو میں نہیں آئے گا۔"

"گلاس کہاں رکھے ہیں؟" لارڈ میکفرسن نے بوتل کو گھورتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"میں بندوبست کرتی ہوں۔ تم ذرا نیچے کسی اسٹور سے باداموں کا ڈبا لے آؤ۔" ویرا نے اپنے پرس سے دس دس پاؤنڈ کے دو نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور وہ رقم لے کر سعادت مندانہ انداز میں کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

"کیا بادام بہت مہنگے ہیں یہاں؟" اس کے نکل جانے کے بعد میں نے بیس پاؤنڈ کو روپوں میں منتقل کرتے ہوئے ویرا سے سوال کیا۔

"یہ ہیروئن کا عادی ہوگیا ہے۔" وہ مغموم لہجے میں بولی۔ "باداموں کے ساتھ وہ اپنے نشے کا بھی کوئی بندوبست کر کے آئے گا۔ بصورتِ دیگر یہ پوری بوتل بھی اس کے لیے ناکافی ہوتی۔"

انٹرکام پر برف، سوڈے اور خالی گلاسوں کے لیے ہدایت دے کر وہ مجھے لارڈ آئزک میکفرسن کے پس منظر اور اس کی اہمیت سے آگاہ کرنے لگی۔

اس خطاب کے حصول میں میکفرسن کی ذاتی صلاحیتوں کے بجائے صرف وراثت کا دخل تھا، جو پچھلی چار نسلوں سے ہوتی ہوئی اسے اپنے اجداد کی طرف سے ملی تھی۔ اس طرح اس کے پیش رو بھی کچھ نااہل یا بدنصیب ثابت ہوئے تھے جو نسل در نسل انحطاط کا شکار ہوتے چلے آئے لیکن پھر بھی جو کچھ اسے ملا تھا وہ اس کے گزارے کے لیے کافی تھا۔ بلکہ کبھی کبھار وہ جیکب اور جوزف کی اعانت بھی کرتا رہتا تھا، مگر پھر کسی طرح اسے ہیروئن کا روگ لگ گیا جو اس خطے میں ایک بہت مہنگا شوق تھا اور اس کی بساط سے باہر بھی۔ پہلے اس نے اپنے تمام اثاثے اس شوق کی بھینٹ چڑھا دیے۔ پھر جب وہ مقروض ہونے لگا تو اس کے فارم ہاؤس میں پلے ہوئے مویشیوں کی باری آئی جو ایک سال کی قلیل سی مدت میں اس کے باڑے کو ویران کر کے دھیرے دھیرے آس پاس کے باڑوں میں منتقل ہو گئے اور وہ اپنے فارم ہاؤس میں عملاً بالکل تنہا رہ گیا۔

اس کے نشے کی لت سے اس کی کاؤنٹی کے سب ہی لوگ نالاں تھے اور اسے اپنی بستی کے لیے ناپسندیدہ بوجھ سمجھنے لگے تھے بہرحال ہی میں سے کچھ لوگوں کی نگاہیں اس کی زمین پر تھیں لہٰذا اس کے ایک چالاک پڑوسی نے حالات سازگار دیکھ کر اس سے دوستی گانٹھ لی اور ہمدردی کی آڑ میں ایک مضبوط قانونی معاہدہ کر کے اس کی زمین اپنے پاس گروی رکھ کر اسے واپسی کی کڑی شرائط کے ساتھ چھوٹی چھوٹی قسطوں میں رقم قرض دینا شروع کر دی۔

لارڈ صاحب کے لیے رقم کی واپسی ناممکن تھی۔ قرض آسانی سے مل رہا تھا اس لیے شوق میں شدت آتی چلی گئی۔ پھر ایک دن ایسا بھی آگیا جب اس کے پڑوسی نے مزید رقم قرض دینے سے انکار کر کے معاہدے کی شرائط کے مطابق اپنی رقم کا سختی کے ساتھ مطالبہ شروع کر دیا اور ایک دن میکفرسن کو اس کے فارم سے بے دخل کر دیا گیا۔

اپنے اچھے دنوں میں وہ جیکب سے بہت قریب تھا اور ویرا ان دونوں کے مراسم سے نہ صرف واقف تھی بلکہ آئزک میکفرسن سے کئی بار مل بھی چکی تھی۔ جوزف کی گرفتاری اور جیکب کی موت کے بعد لامحالہ اس کے ذہن میں آئزک کا خیال آیا۔ پچھلی رات مجھ سے الگ ہونے کے بعد اس نے آئزک کے بارے میں ایلش برلن سے بات کی تو اس نے بتایا کہ آئزک نے کچھ عرصے سے جیکب کے گھر ہی قیام کیا ہوا تھا اور اکثر مدہوشی کے عالم میں اپنی راتیں سوہو کی گلیوں میں شراب خانوں کی سیڑھیوں یا فٹ پاتھوں پر گزارتا تھا۔ کبھی کبھی وہ ایلش برلن کے ہوسٹس کلب کی طرف بھی آنکلتا تھا اور وہ اس کے خاندانی پس منظر کی بنا پر اس کی کچھ نہ کچھ مدد کرتی رہتی تھی۔ ورنہ اس کی گزربسر سرکاری بے روزگاری الاؤنس پر ہی ہو رہی تھی جو ہیروئن کی لت کی وجہ سے اس کے لیے کبھی پورا نہ پڑ سکا۔

یہ معلوم ہوتے ہی ویرا نے ایلش برلن کے ذریعے آئزک کو اپنے پاس بلوا لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ آئزک کے ہوش و حواس کو اعتدال پر لا کر وہ غزالہ کے بارے میں اس سے کچھ کام کی باتیں معلوم کر سکے گی۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس ملک میں بھی ایسے لارڈ پائے جاتے ہوں گے۔" آئزک کی کہانی سن کر میں نے عبرت آمیز لہجے میں کہا۔

"تلاش کرو گے تو تمہیں یورپ میں بہتیرے مفلوک الحال شہزادے شہزادیاں مل جائیں گے۔" وہ بولی۔ "خاص طور سے فرانس کے انقلاب کے بعد ایسے لوگوں کی ایک بڑی کھیپ وجود میں آئی تھی، جو نسل در نسل بڑھ رہی ہے۔ ان میں سے جو لوگ محض اپنے اصلی خاندانی پس منظر پر گھمنڈ کرنے کے عادی ہیں، وہ تمہیں ستار بجا کر بھیک مانگتے ہوئے بھی ملیں گے۔"

"میرا تو خیال تھا کہ صرف ہماری ہی طرف شہزادے گلیوں میں چنا جور گرم کی آوازیں لگاتے پھرتے ہیں لیکن کابل کو چھوڑو لارڈ سے تم کس قسم کی معلومات کی توقع کر رہی ہو؟" میں نے اچانک ہی موضوع

بڑھتے ہوئے پوچھا۔
"غزالہ کے بارے میں نہ سہی تو وہ جیکب کے کسی خفیہ ٹھکانے کی نشاندہی کر سکے گا یا شاید کسی ایسے آدمی تک رہنمائی کر سکے جو اس بارے میں معلومات رکھتا ہو۔"
"سچ پوچھو تو مجھے اس خبطی سے کوئی امید نہیں ہے۔" میں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "تم اس پر لاحاصل اپنا وقت برباد کرو گی۔ مجھے تو اس کی صورت دیکھ کر ہی نیند آنے لگی تھی۔"
"چار بستر موجود ہیں۔ نیند آئے تو سو جانا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے بلوایا ہے تو اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ وقت تو گزارنا ہی ہوگا۔ وہ نشے کے سرور میں آئے گا پھر تم اسے دلچسپ آدمی پاؤ گے۔"
اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی اور آرتھر جواب کا انتظار کیے بغیر ہینڈل گھما کر اندر آگیا۔ کمرے میں پہنچتے ہی اس نے سکے ہوئے باداموں کا ڈبا بستر پر اچھالتے ہوئے جیب سے سگریٹ نکال کر ہونٹوں سے لگائی تھی کہ ویرا نے اسے ٹوک دیا۔
"ابھی نہیں لارڈ میکھرسن!" وہ اس سے یوں مخاطب ہوئی تھی جیسے کسی بچے کو اس کی غلطی پر ٹوک رہی ہو۔ "میں نے نیچے گلاسوں وغیرہ کے لیے کہا تھا شاید کوئی موجود نہیں ہے، تم ہی جا کر لے آؤ۔"
"سگریٹ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا اور دیا سلائی جلا کر سگریٹ سلگا لی۔ وہیں کھڑے کھڑے بے صبری کے ساتھ دو تین کش لینے کے بعد وہ گلاس لینے کے لیے چل پڑا تھا۔
"تم نے بھی بے چارے لارڈ کی مٹی پلید کر رکھی ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اچھا خاصا ذاتی خدمت گار بنا ہوا ہے تمہارا۔"
"دکھ یہ ہے کہ اسے اپنی توہین کا ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔ ذہن پر جو دھن سوار ہو جائے اسی میں کھویا رہتا ہے۔ اس وقت اسے شدت سے نشے کی طلب تھی جو پوری ہو گئی۔ اب تم اسے گدھے کی طرح رینکنے کا حکم بھی دو گے تو وہ بے چون و چرا اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے گا۔"
"لیکن اس کا ہیروئن پینے کا طریقہ بہت خطرناک ہے۔ براہ راست بھری ہوئی سگریٹ پیتا ہے۔ اس طرح ہم پر بھی دھوئیں کے ذریعے ہیروئن اثر انداز ہوگی۔" میں نے کہا۔
"میں نہ بتاتی تو تمہیں علم بھی نہ ہوتا۔ اس میں بو تو ہوتی نہیں ہے۔"
میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "مجھے یہ سب نہ سمجھاؤ مس ویرا! میں ٹنوں ہیروئن کا ہیر پھیر اپنے ہاتھوں سے کر چکا ہوں۔"
"تو کیا کوئی اور طریقہ بھی ہوتا ہے اسے پینے کا؟" اس نے سوال کیا۔
"سگریٹ کے پیکٹ کی پنی پر سفوف رکھ کر اسے نیچے سے گرم کیا جاتا ہے اور ہیروئن سے اٹھنے والے بخارات گہرے سانسوں کے ذریعے پھیپھڑوں میں کھینچ لیے جاتے ہیں۔ بھری ہوئی سگریٹ پینے سے پہلے کئی کئی نشئی باز سر جوڑ کر سروں پر چادر یا تولیہ اوڑھتے ہیں پھر ایک آدمی کے کش لینے سے سگریٹ سے دھواں خارج ہوتا ہے، دوسروں کو اسی سے نشہ ہونے لگتا ہے۔"
"کمال ہے!" وہ حیرت سے بولی۔ "میں نے تم سے کئی گنا زیادہ ہیروئن کا لین دین کیا ہوگا لیکن اس کے استعمال کے بارے میں میری معلومات ناقص ہیں۔"
"اس سے کہو کہ اپنی سگریٹ باتھ روم میں جا کر ختم کرے۔ اندر ایگزاسٹ فین چلا دینا یا ہوادان کھول دینا۔ تنگ جگہ میں دھواں بھرے گا تو اسے بھی زیادہ لطف آئے گا۔"
اسی وقت آرتھر لوٹ آیا۔ اس بار اس کے ویسٹ کوٹ کے بٹن بند تھے اور ٹائی اندر دبی ہوئی تھی۔ سگریٹ ہونٹوں میں دبی ہوئی تھی اور ہاتھوں میں وزنی ٹرے تھی جو اس نے ہمارے سامنے میز پر رکھ دی۔
"کتنی سگریٹیں لائے ہو؟" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔
"پیسے کم تھے، دو ہی ملی ہیں۔" اس نے معصومانہ بے چارگی سے منہ لٹکا کر کہا۔
"پھر اس کمرے میں انہیں ضائع کرنے کے بجائے باتھ روم میں چلے جاؤ۔"
لمحہ بھر کے لیے اس کی بے نور اور ویران آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ "اچھی تجویز ہے۔ پھر گلاس مجھے دے دو۔" اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے مطالبہ کیا۔
"شراب بھی ساتھ ساتھ پیو گے؟" ویرا نے آنکھیں نکالیں۔
"سوڈا نہ ملانا، برف کے ساتھ لوں گا۔" وہ ویرا کی بات پر دھیان دیے بغیر بولا۔ خوراک ملتے ہی اس کی خود اعتمادی کسی حد تک بحال ہو چکی تھی، سستی بھی کافور ہو گئی تھی۔
ویرا نے اس کے گلاس میں ڈبل پیگ انڈیلا تھا۔ پھر وہ اس میں برف ڈال ہی رہی تھی کہ آرتھر نے بے تابانہ انداز میں بوتل اٹھا کر تقریباً نصف گلاس بھر لیا۔
"یہ کیا جنگلی پن ہے؟" ویرا اس بار جھنجھلا اٹھی۔ "بالٹی ہی کیوں نہیں بھر لیتے۔"
اس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر سر جھکا دیا۔ "باتھ روم میں دھواں بھرے گا تو مزا آ جائے گا۔ میں بار بار باہر نکل کر اپنا لطف غارت نہیں کرنا چاہتا۔"
وہ اپنا گلاس اٹھا کر باتھ روم کی طرف چلا تھا کہ میں نے سرگوشیانہ لہجے میں ویرا سے کہا۔ "کہیں وہ اندر ہی اندھا نہ ہو جائے

اس سے کہو کہ اندر سے دروازہ بولٹ نہ کرے۔"

بات معقول تھی۔ ویرا نے اونچی آواز میں میری ہدایت اُس تک پہنچائی اور سامنے رکھے ہوئے خالی گلاسوں کی طرف متوجہ ہو گئی اور میں بھنے ہوئے باداموں کا ڈبا کھولنے لگا۔

دھیمی اور شریفانہ رفتار سے مے نوشی کا آغاز کرتے ہوئے وہ مجھے داؤد سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگی۔ اس نے رت ہی داؤد کو فرینکی کے قتل کی خبر دیتے ہوئے تنبیہ کی تھی کہ اگر اب بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا گیا تو وہ براہِ راست اس کا گلا دبا ڈالے گی۔ داؤد اس وقت تک فرینکی کے قتل سے لاعلم تھا مگر اسے یہ خبر مل چکی تھی کہ ویرا اپنی نگرانی کرنے والوں کو جُل دے کر نکل گئی ہے۔ اس نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے ویرا کا ٹھکانا معلوم کرنے کی سر توڑ کوشش کی لیکن ویرا نے حالات ساز گار ہونے سے پہلے سامنے آنے سے انکار کر دیا۔

ہم باتیں کرتے ہوئے دوسرا گلاس خالی بھی نہ کر پائے تھے کہ انکل اپنا کورس ختم کر کے واپس آگیا۔ اس کے ڈھلکے ہوئے شانے قدرے سیدھے ہو چکے تھے اور چہرے پر رونق نظر آرہی تھی۔

"تھینک یو ہنی!" اس نے آتے ہی بے تکلفانہ انداز میں ویرا سے کہا تھا۔ یہ معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر قبل ویرا کے اشارے پر کسی ملازم کی طرح باہر کے پھیرے لگا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ جیکب کے انشورنس کی رقم تمہیں اور جوزف کو ملے گی؟" ویرا نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اس کے بعد تمہارے دن بھی پھر جائیں گے؟"

"میں خود یہی سوچ رہا ہوں؟" وہ میرے پیکٹ سے نکال کر اپنے لیے سادہ سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔ "مجھے اس کی موت کا بڑا دکھ ہے۔ میں اُسے زندہ تو نہیں کر سکتا۔ ہاں کچھ رقم ہاتھ آجائے تو چرچ میں اس کے ایصالِ ثواب کے لیے میموریل سروس کرا رہا ہوں گا۔" اس کے چہرے اور آنکھوں سے گہرے نشے کے اثرات مترشح تھے لیکن لہجہ بالکل ٹھیک تھا۔

"بشرطیکہ تمہیں ہیروئن سے فرصت مل سکے!" ویرا نے درشت لہجے میں کہا۔

"یہ تم بھی پیا کرو!" وہ پُر اسرار لہجے میں بولا۔ "یہ نشہ انسان کو بہت سی برائیوں سے روکتا ہے۔ آدمی بس اپنی ہی ذات میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بھی ہیروئن پی رہا ہوتا تو ہرگز نہ مارا جاتا۔ اس کے خلاف بلاوجہ بکواس کی جاتی ہے۔ قتل و غارت، لوٹ مار اور دہشت گردی نے زندگی عذاب بنائی ہوئی ہے۔ ارے اگر یہی سب کرنا ہے تو اس سے بہتر ہیروئن پی کر کچھ نہ کرنا ہے۔ یہ کسی کے دھیان میں نہیں آتا؟"

"تمہارے خیال میں وہ کیوں مارا گیا ہے؟"

"اسی لڑکی کا کوئی چکر تھا جس نے جوزف کے یہاں دو آدمی ملدے تھے۔ اپنے قتل سے ایک روز پہلے جیکب نے پب سے چھٹی لی تھی۔ وہ کچھ الجھا ہوا تھا۔ مجھے تو شبہ ہے کہ جوزف نے اُس لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ واردات کے بعد مدد کے لیے جیکب کے پاس آ پہنچی ہو۔" وہ خود ہی اصل موضوع کی طرف آگیا تھا لیکن لمحہ بہ لمحہ اس پر نشے کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔

"لیکن پھر گئی کہاں؟" ویرا نے سوال کیا۔ "جیکب نے اُسے کہاں چھپایا ہو گا؟"

وہ آنکھیں نیم وا کر کے پہلی بار آسودہ انداز میں ہنسا۔ "جیکب بہت گہرا آدمی تھا۔ اس نے اپنی بچت سے لندن کے مضافات میں اپنی جائداد بنائی ہوئی تھی۔ وہ ان میں سے کسی بھی ٹھکانے پر ہو سکتی ہے۔" پھر اچانک ہی اُسے ہچکیاں آنے لگیں۔

"تم اُن ٹھکانوں سے واقف ہو؟" ویرا کے لہجے میں بلا کا تجسس امڈ آیا۔

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی، پھر ہچکیوں کے درمیان بولا: "واقف ہوتا تو بھی کسی کو نہ بتاتا کہ جیکب کا ایک مکان سرے میں ہے۔ اگر اس لڑکی نے جوزف سے شادی کر ہی لی تھی تو اب وہ میری بھی بہو ہے اور اس کی حفاظت میرا فرض ہے۔"

ویرا اپنی کرسی پر آگے سرک آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے بولی: "میں بھی جیکب کے عزیزوں کی خیر خواہ ہوں۔ تم بتاؤ یا نہ بتاؤ مگر مجھے معلوم ہے کہ سرے میں جیکب کا مکان ہے، میں وہاں پہنچ کر لڑکی کی مدد کروں گی۔"

"ہائیں!" اس نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ "کس نے بتایا تمہیں؟ میں اس کا خانہ خراب کر دوں گا۔"

ہچکیوں کے درمیان وہ کرسی پر بیٹھے ہی بیٹھے جھولنے لگا۔ نہ ذہن اس کا ساتھ دے رہا تھا نہ زبان۔ بس وہ اول فول بکنے لگا تھا۔ ہیروئن اور اسکاچ کا خطرناک سنگم اپنا رنگ دکھا رہا تھا لیکن غنیمت تھا کہ..... کھوپڑی سے آؤٹ ہوتے ہوتے بھی جیکب کے سرے والے مکان کی صورت میں ایک امید افزا بات اس کی زبان سے نکل گئی تھی۔

پھر اس کی آواز ماند پڑتی چلی گئی اور آخر کار وہ کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر بے حس و حرکت ہو گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ بے جان ہو کر پہلوؤں میں جھولنے لگے۔

"لو یہ تو گیا کام سے!" ویرا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی اور میں ترحم آمیز نگاہوں سے لارڈ ڈائرک میکفرسن کو دیکھتا رہ گیا جو دُہرے نشے کے سُرور میں شاید ایک بار پھر کہیں حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا۔

میرے لیے اس وقت لارڈ آرٹرک میکفرسن
کی مجہول اور مضحکہ خیز ذات ہی سب سے زیادہ
اُمید افزا تھی۔ اُس نے ہیروئن اور اسکاچ کے دُہرے نشے میں خود ہی
سرے کے علاقے میں جیکب کے مکان کی موجودگی کی اطلاع دی تھی
لیکن نشے کی زیادتی کے باعث وہ ایسی بدترین ذہنی کیفیت سے دوچار
ہو چکا تھا کہ ویرا کی زبان سے سرے والے مکان کا ذکر سنتے ہی اس قدر
مشتعل ہوا کہ غصے کے عالم میں بڑبڑاتے ہوئے بے ہوشی کی گہری دلدلوں
میں دھنستا چلا گیا۔

نشہ اُس نے میرے سامنے کیا تھا لہٰذا اُس کے ہوش و حواس پر
اعتبار کرنا میرے لیے سہل نہیں تھا لیکن صرف ایک نکتے کے سوا اس کی
ہر بات اپنے پورے سیاق و سباق سے فٹ بیٹھتی تھی۔ سرور میں آتے ہی
اُس احمق لارڈ کی کھوپڑی یک بیک اتنی خالی ہو گئی تھی کہ اُس نے
متوفی جیکب کی مغفرت کے لیے میموریل سروس کے اخراجات کی آڑ
میں اُس کے انشورنس کی رقم میں اپنا حصہ وصول کرنے کے امکانات پر
غور کرنا شروع کر دیا تھا پھر فوراً کے سونیا نامی مفرومہ بہروپ کے حوالے
سے اُس نے یہ بھی سوچنا شروع کر دیا تھا کہ شاید جیکب نے مرنے سے
پہلے سونیا سے شادی کر لی تھی۔ اس بارے میں جیکب کے اضطراب اور
رازداری کے بارے میں جتنے بھی واقعات میرے علم میں آئے تھے اُن
کی بنا پر اس معاشرے کا ہر معقول شخص یہی سوچتا کہ سونیا، جیکب کی محبوبہ
تھی جب ہی وہ اُسے بچانے کے لیے ہر خطرے سے بے پروا ہو کر حالات
کے سامنے ڈٹ گیا تھا، ورنہ اس دور میں کون ایک خونخوار اور مفرور لڑکی کے
لیے اپنے مفادات کو داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اس نشے باز
سنکی لارڈ نے بس ایک ہی بات احمقانہ کی تھی کہ اگر جیکب نے سونیا سے
شادی کر لی تھی تو وہ خود بھی سونیا کو اپنی بیوی سمجھتے ہوئے اس کے تحفظ کے
لیے جان کی بازی لگا دینے پر تیار تھا۔

یہ بات وہ بس اپنی رَو میں کہہ گیا تھا' ورنہ اس حقیقت سے وہ
بھی لاعلم نہیں تھا کہ بیوی کے رشتے میں دُنیا کے کسی قانون اور مذہب
کی رُو سے شراکت ناممکن تھی۔ عورت بہتیروں کی ماں ہو سکتی ہے' بہن
ہو سکتی ہے' محبوبہ ہو سکتی ہے لیکن بیوی بس ایک ہی کی ہوتی ہے۔
اب وفا اور دغا کا انحصار اس رشتے کی گہرائی پر ہوتا ہے لیکن عورت
کسی ایک بدترین اور ناکارہ شوہر کی بیوی ہوتے ہوئے بھی اس کی
موجودگی میں دوسرے شوہر کو قبول نہیں کر سکتی۔ یہ اچھوتا خیال ایک
بہکے ہوئے ذہن ہی میں اُبھر سکتا تھا اور آرٹرک اس وقت مستقل طور پر
ایک بہکا ہوا نشے باز تھا۔

پھر اُسی لمحے میرے ذہن میں عورت کا پانچواں رشتہ بھی اُبھرا
جس میں شراکت ناممکن تھی۔ عورت بیٹی بھی کسی ایک ہی کی ہوتی ہے۔
نکتہ آفرینی کا سہارا لیا جائے تو دو کی بیٹی ہوتی ہے یعنی ماں اور باپ
کی لیکن مرد سے رشتے کی بات ہو رہی ہو تو اس خانے میں بس ایک
ہی نام لکھا جا سکتا تھا جب کہ ویرا اس نام سے بھی محروم تھی۔

اس کا وجود اس بات کی دلیل تھا کہ وہ کسی باپ کی بیٹی تھی
لیکن اس کا باپ ابھی تک محض ایک خیال تھا، وہ جسے اس منصب
کا سزاوار سمجھتی تھی، وہ نہ الزام قبول کرتا تھا نہ بن بلائی جواں سال بیٹی
کو ٹھکراتا تھا اور اگر ویرا اسی بے یقینی کے عالم میں ماردی جاتی یا مر
جاتی تو اس کی شناخت بس ماں کے نام سے ہو پاتی جو اب اس دُنیا
میں نہیں تھی۔ دوسری طرف اُس کی ماں کی کوکھ تک رسائی رکھنے والا
کوئی بھی فرد بلا خوفِ تردید ویرا کی ولدیت کا دعوے دار بن سکتا تھا،
لہٰذا یہ رشتہ بھی بہت کمزور ہو گیا تھا۔ اس دور میں جب پارسائی دیارِ
مغرب میں ایک بھولا بسرا خواب بلکہ کمتری کا ایک کھلا اعتراف
بنتی جا رہی تھی، پانچواں رشتہ کمزور ہی نہیں، بے معنی بھی ہو کر رہ گیا تھا
کیونکہ وہاں قانونِ ولادت کے جواز سے صرفِ نظر کرتے ہوئے پرورش
کے جواز سے متعلق ہو کر رہ گیا تھا۔ یہ بات اہم نہیں رہی تھی کہ باپ کون
ہے بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ کس نے ایک نومولود کو اپنا نام دے کر اپنی
گود میں پالا ہے اور اگر ولدیت کی تہمت کے لیے کوئی بھی نام میسر نہ
آ سکے تو بچے یا بچی کو "اکلوتے والدین کی قانونی اولاد" تسلیم کر لیا جاتا تھا
اس طرح سارے رشتے کمزور ہو گئے تھے۔ بس بیوی ہی ایک ایسی جنس
تھی، جس میں نہ قانون کسی کی شراکت کو درگزر کرتا تھا نہ مذہب کسی دخل
کو معاف کرتا تھا اور دوآتشہ نشے میں دُھت لارڈ آرٹرک اس رشتے
میں اپنی شراکت کا اعلان کر کے اپنی مخبوط الحواسی کا اعتراف
کر چکا تھا۔

اور اب وہ بے ہوش تھا۔ ویرا ترحم آمیز نگاہوں سے اُس کی
طرف دیکھ رہی تھی اور میں اس مفلوک الحال لارڈ کو ہوش میں لانے کی
کسی مؤثر تدبیر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

ویرا نے تشویش زدہ انداز میں آرٹرک کا فضا میں جھولتا ہوا بے جان
بازو تھام کر اوپر بلند کیا اور پھر چھوڑ دیا۔ وہ بازو ایک جھٹکے کے ساتھ نیچے
گرا اور چند ثانیوں تک متحرک رہنے کے بعد ایک بار پھر پہلے کی طرح
جھول اور بے جان ہو کر ساکت ہو گیا۔

"یہ مر تو نہیں گیا ہے؟" ویرا تشویش زدہ انداز میں بڑبڑائی۔
میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "کمال ہے کہ تم جیسی تجربہ کار عورت
ایسی بات کر رہی ہے۔ مرنے والوں کے رگ پٹھے اتنے نرم نہیں
رہتے کہ فطری انداز میں متحرک رہیں۔ لارڈ صاحب پر تشنج کی گرفت
ذرا مضبوط ہو گئی ہے، تھوڑی دیر میں خود بخود ہر چیز اعتدال پر آ جائے گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولی پھر اس کا
لہجہ مدافعانہ ہو گیا۔ "میرا بس چلے تو اسی وقت آرٹرک سے لارڈ کا
خطاب واپس لے کر اسے قید کرا دوں۔ کس قدر غیر ذمہ دارانہ رویہ ہے"

اس کا؟"

"تم بھی خاصی متعصب معلوم ہوتی ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اگر ہمارے مغل شہزادے چنا جور گرم بیچ سکتے ہیں تو تمہارے لارڈ کیوں مادر پدر آزاد نہیں ہو سکتے۔ لارڈ بھی آخر عام انسان ہی ہوتے ہیں اور کسی اضطراری ردِ عمل کے تحت کسی بھی وقت کوئی حرکت کر سکتے ہیں۔"

"وہ سب درست ہے لیکن اس میں برداشت کی قوت نہیں تھی تو بھلا ہیروئن اور اسکاچ کو یکجا کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"یہ ایک الگ بات ہے۔ اس کا لارڈ ہونے یا نہ ہونے سے کیا تعلق ہے؟"

"تم بلاوجہ مجھ سے بحث کرنے پر کیوں تُلے ہوئے ہو؟" وہ غصیلے لہجے میں غرائی۔

"تمہاری روایت پرستی بحث پر اُکسا رہی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "نہ جانے تم خطاب یافتہ لوگوں کے بارے میں اتنی حساس کیوں ہو۔ میں تو تمہاری ملکہ تک کو عام انسانوں سے ماورا سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"بس ملکہ معظمہ کے بارے میں ہی کچھ نہ کہنا۔" وہ یک بیک برہم ہو گئی۔

"ہرگز نہ کہتا بشرطیکہ اُس کے دُم لگی ہوئی ہوتی۔" میں نے مضحکانہ لہجے میں کہا۔ "نہ جانے تم کیوں انسانوں کو ان کے اصل مقام سے اُوپر دیکھنے کی عادی ہو گئی ہو۔ سیاسی مرتبہ اور چیز ہے اُس کا بنیادی ساخت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ لوگ بھی عام انسانوں کی طرح ہی مرتے جیتے ہیں۔ نہ ان کی دُم ہوتی ہے نہ سروں پر سینگ اُگے ہوتے ہیں پھر انھیں کیوں مختلف تصور کیا جاتا ہے؟"

"تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔ "بات اُس منحوس لارڈ کی ہو رہی تھی اور تم ملکہ معظمہ کی ذات تک پہنچ رہے ہو۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "تم نے اُسے منحوس قرار دے کر سارا قصّہ ہی ختم کر دیا۔ میرے کہنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ کسی خطاب یا عہدے سے آدمی کی اصلیت نہیں بدل سکتی...."

"یہ بتاؤ کہ اب اس مردود کا کیا کیا جائے؟" وہ بے بسی کے ساتھ لارڈ آرنز میکفرسن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"منہ پر پانی چھڑکو۔ پھر بھی ہوش میں نہ آئے تو سر پر جوتے لگاؤ، دو منٹ میں ہوش میں آ جائے گا۔"

"تم میری مدد نہیں کرو گے؟" وہ بے بسی کے ساتھ بولی۔

میں نے آئس پاٹ میں پگھلی ہوئی برف کا سرد پانی احتیاط کے ساتھ ایک خالی گلاس میں منتقل کیا اور ایک پُرشور چھپاکے کے ساتھ آرنز کے منہ پر اُچھال دیا۔

یخ بستہ پانی کا لمس چہرے پر محسوس کرتے ہی اُس کے وجود میں جھرجھری پیدا ہوئی مگر اگلے ہی لمحے وہ اپنے گیلے کپڑوں سے بے نیاز پھر اُسی طرح بے حس و حرکت ہو گیا۔

مگر ویرا کو اُسے ہوش میں لانے کی راہ سوجھ گئی تھی۔ اُس نے آرنز کی ٹائی کی گرہ ڈھیلی کر کے اُس کے کالر کا بٹن کھولا اور آئس پاٹ میں سے برف کے سارے ٹکڑے گریبان میں ڈال دیے۔

وہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی اور آرنز نے چند منٹ بعد تھکے تھکے خوابناک انداز میں بڑبڑاتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ اس وقت اس کی ذہنی حالت قابلِ اعتماد نہیں تھی لیکن میں جانتا تھا کہ کام کی باتیں اس سے اسی وقت اُگلوائی جا سکیں گی، ورنہ حواس بحال ہوتے ہی وہ سختی کے ساتھ اپنی زبان بند کر لے گا۔

"سرے میں جیکب کا مکان کہاں ہے؟" اسے ہوش میں آتے دیکھ کر میں نے اضطراری لہجے میں انگریزی میں سوال کیا۔

"شٹ اپ!" وہ غصے میں ہاتھ لہرا کر غرایا۔ "کسی کا کوئی گھر نہیں ہے۔"

"تم خاموش رہو۔" ویرا نے اُردو میں مجھے ٹوکا۔ "یہ بدمعاش میرے ہی قابو میں آئے گا۔"

میں نے ایک کرسی پر دراز ہو کر سگریٹ سُلگائی اور ویرا اُس کے قریب جم گئی۔

"تم بہت ندیدے اور بے صبرے ہو۔" وہ اُس کے استخوانی رخساروں پر ہولے ہولے تھپڑ لگاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "بھوکے مرتے رہتے ہو اور ذرا سی چھوٹ ملے تو توقعات سے زیادہ نشہ کر بیٹھتے ہو۔ یہی حرکتیں رہیں تو کسی دن بے ہوش ہونے کے بعد آنکھیں کھولنا بھی نصیب نہ ہوگا۔"

"تم کتنی اچھی ہو.... میرا کتنا خیال رکھتی ہو۔" وہ آنکھیں پھاڑنے کی کوشش کرتے ہوئے روہانسی آواز میں بولا۔ "تمہارے سینے میں محبت بھرا دل ہے۔ مجھ جیسے ناہنجار سے بھی پیار کرتی ہو۔ اگر میری اولاد بھی ہوتی تو شاید مجھ کو اتنا پیار نہ دیتی۔"

"اب تمہارے دن بدل جائیں گے۔" ویرا تسلی آمیز لہجے میں بولی۔ "جیکب بے چارہ بدنصیب تھا جو بے رحمی کے ساتھ مارا گیا لیکن قدرت کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے، وہ تمہارے لیے بہت کچھ چھوڑ کر گیا ہے۔"

آرنز بنیادی طور پر حریص نہیں تھا لیکن اس کی مفلسی اور ضرورتوں نے اُسے حریص بنا دیا تھا اور نشے کی حالت میں بھی وہ جیکب کے انشورنس کی رقم کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ویرا نے نہایت مکارانہ انداز میں اس کے اسی کمزور پہلو سے اپنے وار کی ابتدا کی تھی۔

"وہ بھی میرا بہت خیال رکھتا تھا۔" آرنز پر بدستور مظلومیت کا احساس چھایا ہوا تھا۔ "انشورنس کی رقم اور اس کی ساری جائداد پر اب

میرا اور جوزف کا حق ہوگا۔"

"تمہیں تو شاید پتا بھی نہیں ہوگا کہ اس کی کتنی جائداد تھی۔" ویرا نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔

وہ ایک ہچکی لے کر ہنسا "تب مجھے نہیں تو اور کسے معلوم ہوگا؟"

"لندن کے علاوہ سرے میں بھی ایک مکان تھا اُس کا۔" ویرا نے اُسے اُکسانے والے انداز میں کہا۔

"چرچ روڈ والا وہی ایک مکان اُس کے قبضے میں تھا۔" وہ اپنی جھونک میں بولنے لگا۔ "جب لندن کے ہنگاموں سے وہ اُکتا جاتا تھا تو اکثر وہیں چھٹیاں گزارتا تھا، باقی مکان اُس نے کرائے پر دیے ہوئے تھے۔"

"چرچ روڈ پر تو خاصے شاندار مکان ہیں۔" میں نے ویرا کے لہجے سے اندازہ لگایا کہ اُس نے سرے کا چرچ روڈ خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا، بس اندھیرے میں تیر چلا رہی تھی۔ "بھلا کیا نمبر ہے جیکب کے مکان کا؟"

"لکی ڈبل سیون۔" وہ اپنی ہتھیلی چوم کر بولا۔ "میں جیکب کے ساتھ کئی بار وہاں جا چکا ہوں۔"

"بس اب زیادہ باتیں نہ کرو۔" ویرا نے اُٹھ کر اُسے سہارا دیتے ہوئے کہا۔ "تھوڑی دیر آرام کرلو ورنہ طبیعت بگڑ جائے گی۔"

اس سے جو کچھ معلوم کرنا تھا وہ اُگلوایا جا چکا تھا لہٰذا ویرا نے اُسے سہارا دے کر قطار میں بچھی ہوئی مسہریوں میں سے ایک پر ڈال دیا اور آئزک نے تکیہ سینے سے لگا کر آنکھیں موند لیں۔

مجھے خوشی تھی کہ آخرکار ایک بار پھر غزالہ کا سُراغ ملنے کی اُمید پیدا ہو چلی تھی۔

"سرے یہاں سے کتنی دُور ہے؟" میں نے ویرا کو سگریٹ پیش کرتے ہوئے سوال کیا۔

"زیادہ دُور نہیں ہے۔ ذرا یہ آرام کر کے رخصت ہو جائے تو ہم باہر نکلیں گے۔" ویرا نے مسہری پر بے حس و حرکت پڑے ہوئے آئزک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا پھر اچانک سوال کر بیٹھی۔ "تمہارا ساتھی کہاں ہے؟"

"وہ مناروں والیاں دیکھنے گیا ہے۔" میں نے پُرخیال انداز میں مُسکراتے ہوئے کہا۔

"مناروں والیاں؟" وہ بُرا سا مُنہ بنا کر بولی۔ "یہ کیا بلا ہے؟"

میں نے اُسے وضاحت سے بتایا تو اُس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرانے لگے۔ "اُسے ایسی تفریحات سے دُور ہی رہنا چاہیے۔ ان میں سے بیشتر لڑکے، لڑکیاں اپنے شکار کو اذیت پہنچا کر لذت حاصل کرتے ہیں، ان میں سے کسی کے ہتھے چڑھ گیا تو کئی دن تک بستر سے بھی نہ اُٹھ سکے گا۔"

"وہ دُور کی تفریح کا قائل ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن وہ تمہیں کیسے یاد آ گیا؟"

"میرا خیال تھا کہ ہم تینوں ہی سرے چلیں۔ یہ مہم خاصی دُشوار بھی ہوسکتی ہے۔"

"وہ کیسے؟" میں نے سوال کیا۔

"بس تم یہی سمجھ سکتے ہو جب حالات سازگار نہ ہوں تو ہر قدم پر احتیاط ضروری ہوتی ہے۔"

"ساتھ جانے میں یہ خرابی بھی ہے کہ کوئی مصیبت نازل ہوئی تو تینوں ایک ساتھ ہی مارے جائیں گے۔"

"میں ایسے ہی کسی خطرے کا سدِباب کرنا چاہ رہی ہوں۔" وہ سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے بولی۔ "تم میرا تعاقب کرو گے اور وہ تمہارے پیچھے آئے گا۔ اس طرح ہم الگ رہ کر بُرے وقت میں ایک دوسرے کی مدد کرسکیں گے۔"

"اور جیکب کے سرے والے مکان میں سب یکجا ہو جائیں گے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔" وہ سختی کے ساتھ بولی۔ "ہماری واپسی بھی اسی طرح الگ الگ ہوگی۔ تمہیں اس دوران میں اپنے جذبات پر قابو رکھنا ہوگا۔" پھر اس کی آواز نرم ہوگئی۔ "غزالہ وہاں ملے یا نہ ملے ہمیں ہر صورت میں ایک دوسرے سے دُور رہنا ہوگا۔"

"کیوں بُری فال مُنہ سے نکال رہی ہو؟" میں نے اُس کی بات کاٹ کر تلخ لہجے میں کہا۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو، غزالہ کی بازیابی کی اُمید پر ہی ہم وہاں جا رہے ہیں لیکن تم اس معاملے میں پولیس کے کردار کو بالکل بھلا بیٹھے ہو۔ جیکب کی موت کے بعد اُس کے گھر سے یقیناً ایسی دستاویزات برآمد ہوئی ہوں گی، جن کے ذریعے اس کی جائداد کی تفصیلات پولیس کے علم میں آ گئی ہوں گی۔ یہاں کی پولیس بہت مستعد ہے، ہوسکتا ہے کہ اب تک وہ قتل کی تفتیش کے سلسلے میں جیکب کے سرے والے مکان پر بھی پہنچ چکے ہوں۔"

میں اس کی قیاس آرائی پر سر جھٹک کر رہ گیا۔ اس کی سوچ غلط نہیں تھی لیکن میرا خیال تھا کہ اسے سرے پہنچنے تک اخلاقاً اس معاملے میں اپنی زبان بند ہی رکھنا چاہیے تھی۔

"جیکب کا بھائی بھی تمہارے لیے کام کرتا ہے؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے سوال کیا۔

"نہ کرتا ہوتا تو پولیس کو نیلی آنکھوں والی سونیا کی کہانی نہ سُناتا۔"

"ان دونوں بھائیوں کے علاوہ تمہارے اور آدمی بھی ہوں گے؟"

"بہتیرے ہیں لیکن میں ان سب کو جیکب کے ذریعے ہی کنٹرول کرتی تھی۔ اس طرح بھرم اور رُعب قائم رہتا ہے۔"

"جیکب کی موت کے بعد تو لامحالہ تمہیں ان سے براہِ راست کام لینا ہوگا پھر سلطان شاہ کے بجائے ان ہی سے کام کیوں نہیں لیتی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"جیکب ان لوگوں کی رگ رگ سے واقف تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ کس پر کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ حالات میرے لیے مخدوش ہیں۔ داؤد سے میری دشمنی ہو گئی ہے۔ شی کے ہرکارے پورے شہر میں مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے اور جیکب کے معاملے میں پولیس سے ٹکراؤ کا اندیشہ ہے۔ ایسے حالات میں، میں اندھا جوا نہیں کھیل سکتی۔ کچھ عرصے کے لیے تو مجھے اپنے سائے سے بھی چوکنا رہنا ہوگا، جب کہ تمہارا آدمی قابلِ اعتماد ہے۔ وہ اپنی جان کی پروا کیے بغیر تمہارا ساتھ دینے والوں میں سے معلوم ہوتا ہے جب ہی تم اسے پاکستان سے اپنے ساتھ یہاں لائے ہو۔"

"میں اس مہرے کو کسی اور وقت کے لیے بچائے رکھنا چاہتا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم شی سے کچھ زیادہ ہی خوفزدہ ہو۔ پاکستان میں تم اپنی خود اعتمادی اور حوصلے کی بنا پر واقعی شوگر کوئین نظر آتی تھیں لیکن لندن پہنچ کر تم اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں رہی ہو۔ تمہاری یہ بے اعتمادی ہمیں کہیں بھی ڈبو سکتی ہے۔"

"پاکستان ہمارا اہم ترین سپلائی سینٹر ہے۔ وہاں شی کے مفادات بہت محدود ہیں۔ اسلحے کی کھپت کے لیے ہر سطح پر خود بخود تحفظ ملتا رہتا ہے لہٰذا مسئلہ صرف ایک ہی ہے کہ وہاں سے ہیروئن کی سپلائی برقرار رہے۔ وہاں کی مقامی منڈی میں جو کچھ ہوتا ہے وہ تنظیم کے مقامی بڑوں کا انتظامی معاملہ ہے۔ اپنے لمبے چوڑے اخراجات پورے کرنے کے لیے اُنھیں مقامی منڈی میں بھی مال کھپانا پڑتا ہے جس کی آمدنی میں سے برائے نام حصہ مرکزی قیادت کو ملتا ہوگا جب کہ ہیروئن کی اصل منڈی یورپ، برطانیہ اور امریکا میں ہے۔ یہاں تم شی کی وسعت کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ میری کیفیت کو تم بے اعتمادی قرار نہیں دے سکتے، مجھے اندازہ ہے کہ میں یہاں کن خطرات سے دوچار ہوں۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ فرنگی تمھیں امپیریل ہوٹل کی لونٹ سے کس طرح لے گیا تھا۔ اگر تمہارے ستارے ساتھ نہ دیتے تو تم اس وقت کہیں اور ہوتے۔"

"اگر تم درست کہہ رہی ہو تو ہمیں ٹیوڈر ہوٹل کے اس کمرے ہی میں محصور ہو جانا چاہیے۔" میں نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔ "کیونکہ شی کا پورا نیٹ ورک تمہارے خلاف حرکت میں آ چکا ہے اور تم جمی لائیڈ کی بیٹی ہونے کے باوجود اس عالمی تنظیم کے سامنے طفلِ مکتب ہو۔"

"تم شاید میرا مذاق اُڑانا چاہ رہے ہو لیکن یہ بتا دوں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ حقیقت ہے۔ میرے لیے بس ایک ہی بات حوصلہ افزا ہے کہ ان میں سے کوئی مجھ پر ہاتھ نہ اُٹھا سکے گا، میرا راستہ روکا جا سکتا ہے، میرے خلاف ثبوت اکٹھے کرنے کے لیے دن رات میرا پیچھا کیا جا سکتا ہے لیکن مجھے اس وقت تک ان سے جان کا خوف نہیں ہے جب تک شی کی سپریم باڈی مجھ پر سنگین الزامات عائد نہ کر دے۔"

"اس طرح تو تمہارا سرے جانا بھی نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ اگر شی کا کوئی ہرکارہ باہر نکلتے ہی تمہیں پہچان کر تمہاری راہ پر لگ گیا تو وہ تمہارا کھیل بگاڑ بھی سکتا ہے۔"

"میرے پاس کرائے کی کل وقتی کار موجود ہے جسے اندھیرے میں ڈرائیو کرتے ہوئے میں اپنی وضع قطع میں نمایاں تبدیلیاں کر سکتی ہوں۔ لندن میں بہتیری عرب عورتیں چہرے پر آنکھوں کے نیچے نقاب لگا کر ڈرائیونگ کرتی ہیں، کسی کو مجھ پر شبہ تک نہ ہو سکے گا۔"

"پھر میں تمہارا تعاقب کیسے کروں گا؟ ٹیوب یا ٹرین کی بات تو مختلف تھی۔"

"تمہارے لیے میں ایک اور گاڑی کا بندوبست کر سکتی ہوں۔"

"اور سلطان شاہ میرے پیچھے کیسے آئے گا؟" ویرا اس وقت مجھے اپنی ذہنی سطح سے بہت گری ہوئی محسوس ہو رہی تھی لہٰذا مجھے ہر سوال براہِ راست الفاظ میں کرنا پڑ رہا تھا۔

"چاہو تو اس کے لیے تیسری کار کا بندوبست ہو سکتا ہے۔" وہ خوش دلی کے ساتھ بولی۔ "مگر بہتر یہ ہوگا کہ تم دونوں ایک ساتھ سفر کرو، سرے پہنچ کر ضرورت محسوس ہو تو عارضی طور پر ایک دوسرے سے الگ ہو کر دوبارہ یکجا ہو سکتے ہو۔ یہ صورت زیادہ سہل اور قابلِ عمل ہوگی۔"

"اسلحہ بھی فراہم کر سکو گی؟" میں نے سوال کیا۔

"تمہارے پاس فرنگی کا ریوالور موجود ہے۔ سلطان کے لیے بندوبست ہو جائے گا۔"

یہ طے ہو گیا تھا کہ حفاظتی وجوہ کی بنا پر مہم کا آغاز اندھیرا پھیلنے کے بعد کیا جائے گا لہٰذا میں ویرا کو آزک کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ کر وہاں سے واپس ہو لیا کیونکہ مجھے سلطان شاہ کو مطلع کرنا تھا، جو واپسی کے کسی طے شدہ پروگرام کے بغیر شہر کی سیر کو نکلا ہوا تھا۔

سلطان شاہ تھکا ہارا، دوپہر کے بعد ہوٹل پہنچا تو میں اُس کے انتظار میں اپنے کمرے میں پڑا سگریٹیں پھونک رہا تھا۔ میرے کمرے کا دروازہ اندر سے غیر مقفل محسوس کر کے وہ وہیں جم گیا۔

"بڑا ہی عجیب اور غریب پرور شہر ہے۔" آتے ہی وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"کیا دیکھ لیا اس شہر میں تم نے؟ چہرے پر خاصی رونق نظر آ رہی ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"لوگ بڑے فراخ دل ہیں، محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم یہاں اجنبی ہیں۔ بس زبان کا مسئلہ درپیش نہ ہو تو اجنبیت کا ذرا بھی احساس باقی نہ رہے۔ ہر ایک عزت اور احترام کے ساتھ پیش آتا ہے۔"

"تو کسی ملک میں اس کے برعکس بھی تجربہ ہوا تمہیں؟" میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"میرا تو یہ پاکستان سے باہر پہلا سفر ہے لیکن لوگوں سے جو کچھ

سُنتا رہا ہوں، وہ اتنا خوشگوار نہیں تھا۔" وہ کہنے لگا۔ "میرے بہت سے جاننے والے تیل کے علاقے میں برسہا برس سے نوکریاں کر رہے ہیں۔ وہاں چند ایک استثنیٰ کو چھوڑ کر ہر غیر ملکی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، انھیں دوسرے درجے کا ایسا غیر ملکی تصور کیا جاتا ہے، جسے اس کی اپنی سرزمین نے ٹھکرا کر ملک بدر کر دیا ہو اور وہ روزی کمانے کے لیے جھلستے ہوئے صحراؤں کا رُخ کرنے پر مجبور ہو گیا ہو۔"

"شاید تم درست کہہ رہے ہو۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ان ملکوں میں ہمارے ملک سے بڑی تعداد میں غیر تعلیم یافتہ اور نیم تعلیم یافتہ مزدور گئے ہیں جو اپنے مزاج اور عدم تربیت کے باعث نئے ماحول میں ضم ہونے کے بجائے اپنے گروہوں میں محدود رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس معاشرتی فاصلے کی وجہ سے ایک دوسرے کے رہن سہن اور طور طریقوں کے بارے میں رواداری پیدا نہیں ہو پاتی اور یہی ساری خرابی کی جڑ ہے۔"

"میں نے آج ہی یہاں بہتیرے ایسے دیکھے جو سوٹ پہننے کے باوجود داڑھی اور پگڑی میں نظر آئے۔ نہ انھیں کوئی عجوبے کی طرح گھورتا ہے نہ اُن سے تحقیر آمیز سلوک کرتا ہے۔"

"یہ لوگ بھی اتنے فراخ دل نہیں ہیں۔ یہاں آئے دن نسلی امتیاز کے جھگڑے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ یہ لوگ قدرے زیادہ مہذب ہیں۔ اپنے تعصب کو میٹھی زبان اور نرم مسکراہٹ میں چھپائے رکھتے ہیں۔ موقع بے موقع اس کا اظہار نہیں کرتے مصلحت سے کام لیتے ہیں۔" وہ پھر بُرا سا منہ بناتے ہوئے اُٹھ گیا۔ "لاحول ولاقوۃ، یہ تم نے کس بحث میں اُلجھا لیا مجھے، میں بہت دیر سے تمھارا انتظار کر رہا تھا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ ویرا سے دوستی دن بہ دن مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"تم گدھے ہو۔" میں نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں ویرا کے پاس غزالہ کے سلسلے میں گیا تھا۔"

"نہ چڑنے کی ضرورت ہے اور نہ وضاحت کرنے کی۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم وہاں کیوں گئے تھے۔ اگر اُس سے دوستی مضبوط نہ ہوئی ہوتی تو وہ ہرگز تمھارے ساتھ تعاون نہ کرتی۔ یہ اہم بات ہے کہ شی سے روپوشی اختیار کرنے کے باوجود اُس نے تمھیں اعتماد میں لے کر اپنے ٹھکانے سے آگاہ کر دیا ہے۔"

"میرے ساتھ اُس کی بھی کچھ مجبوری ہے۔ مجھے غزالہ کی تلاش ہے اور وہ جیکب سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے بعد اپنے آدمیوں پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں ہے... اسے بھی قابل اعتماد ساتھیوں کی ضرورت ہے۔"

"یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ شوگر کوئین جیسی مکار اور خطرناک عورت اس وقت خود کو اتنا بے بس سمجھ رہی ہے۔ ایسا تو نہیں کہ وہ تمھارے گرد کوئی نیا جال بُن رہی ہو؟"

"داؤد نے اسے بڑی بھاری چوٹ پہنچائی ہے۔ اُس نے لندن آنے سے پہلے ہی شی کے بڑوں کو ویرا کی طرف سے اس حد تک بدظن کر دیا تھا کہ یہاں پہنچتے ہی ویرا کی کڑی نگرانی شروع کرا دی گئی۔ تنظیم میں وہ اس قسم کے واقعات سے پہلی بار دوچار ہوئی ہے اور اس وقت بہت ہراساں ہے۔ اس سے مل کر تم یقین نہیں کر سکو گے کہ یہ وہی عورت ہے، جو ہنستے مسکراتے پلک جھپکتے میں بڑے سے بڑے فیصلے صادر کر دیتی تھی۔"

"اس پر لعنت بھیجو، یہ بتاؤ کہ بھابی کے بارے میں کیا پروگرام رہا؟"

"سرے میں جیکب کے ایک مکان کا سُراغ ملا ہے، جو اسی کی تحویل میں تھا لیکن چند مخصوص لوگوں کے سوا کسی کو علم نہیں تھا، وہ غلط لائن کا آدمی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے بُرے وقت میں کسی محفوظ ٹھکانے کے خیال سے اپنے سرے والے مکان کا وجود راز میں رکھا ہو، خیال ہے کہ غزالہ وہیں مقیم ہے۔"

"اور تم یہاں پڑے، وقت برباد کر رہے ہو۔" وہ پُرجوش انداز میں اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" میں نے اُکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "پوری بات سُنے بغیر نتائج پر چھلانگ نہ لگایا کرو۔ غزالہ نگر نگر بھٹکنے کے بعد اب جہاں بھی ہے، محفوظ ہے۔ ہمیں ویرا ہی اُس مکان تک لے جا سکتی ہے مگر وہ نگرانی کرنے والوں کو جُل دے کر فرار ہوئی ہے، اس لیے دن کے اُجالے میں وہ باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی ہم آج شام دُھندلکا پھیلنے کے بعد اس مہم پر روانہ ہوں گے۔"

"اور ویرا ہماری رہنمائی کرے گی؟" اُس نے دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے استفسار طلب لہجے میں کہا۔

"رہنمائی نہیں بلکہ پوری مہم وہی سر کرے گی۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "ہم دونوں ایک علیحدہ کار میں اس کے پیچھے رہتے ہوئے اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ کوئی اس کے آڑے نہ آ سکے۔"

"اور ابھی تم بتا رہے تھے کہ وہ بہت ہراساں ہے؟" اس کے لہجے میں چُبھن عود کر آئی۔

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" میں نے اضطراری طور پر نئی سگریٹ سُلگاتے ہوئے اُلجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"سیدھی سی بات ہے۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔ "بھابی کی بازیابی کا معاملہ بہت نازک اور اہم ہے۔ اگر ویرا اس وقت اپنے مسائل

کی وجہ سے پریشان اور ہراساں ہے تو یہ مہم اس کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑی جاسکتی۔ کسی نازک موڑ پر کیا ہوا، اس کا ایک غلط فیصلہ تمہارے لیے عذاب بن جائے گا۔"

اس کی بات درست تھی۔ اس وقت ویرا کی ذہنی صلاحیتوں پر اندھا اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ ہمیں ایسی جگہ مروا سکتی تھی، جہاں سے فرار کی کوئی بھی راہ نہ ملتی۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔

اور شاید اس وقت میں بھی ذہنی انتشار کا شکار ہو چلا تھا کیونکہ ویرا کی ذہنی کیفیت کا بذاتِ خود مشاہدہ اور تجربہ کرنے کے باوجود میں نے اس کے منصوبے کو من و عن تسلیم کر لیا تھا جب کہ سلطان شاہ نے محض میری کہانی سن کر دُور رس نتائج اخذ کر لیے تھے، جن سے فرار کسی طرح ممکن نہیں تھا۔

"پھر تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"مہم تمہیں اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہیے۔ تم نے اس بار بھابی کا سُراغ کھو دیا تو شاید طویل مدت تک کفِ افسوس ہی ملتے رہو گے۔ تمہاری باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ویرا بحران میں گھر کر اس وقت ایک عام سی، ناقص العقل عورت رہ گئی ہے۔ اس کا شوگر کوٹین والا دبدبہ رخصت ہو گیا ہے۔"

"مگر میں بھٹکے بغیر، براہِ راست جیکب کے مکان پر نہیں پہنچ سکتا۔ میں جہاں بھٹکا دریافت کروں گا، وہیں کسی نہ کسی کی نگاہوں میں آجاؤں گا۔"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں۔" وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "تم ویرا کے ساتھ جاؤ، میں دوسری کار میں پیچھے رہ کر تم دونوں کی حفاظت اور نگرانی کروں گا۔ راستہ وہ بتلائے گی، فیصلے تم خود کرو گے۔"

میں خفت آمیز انداز میں بے اختیار ہنس پڑا۔ کس قدر سادہ اور سہل حل موجود تھا، سارے مسائل کا مگر میں اس گمبھیر صورتِ حال میں جذباتی طور پر ملوث ہونے کی وجہ سے خود بھی، ویرا کی طرح ذہنی انحطاط کا شکار ہو چلا تھا۔

"میری رائے میں تو اس وقت تمہاری عقل سب سے تیز چل رہی ہے۔ اس لیے پوری مہم کا چارج تمہارے ذمے ہونا چاہیے۔ موجودہ حالات میں تم بہترین فیصلے کر سکو گے۔"

"شاید تم درست کہہ رہے ہو لیکن میری زبان کی کمزوری کو نہ بھولو۔ میں گونگا محافظ تو بن سکتا ہوں لیکن تیزی سے بدلتی ہوئی کسی بھی صورتِ حال میں کسی سے مذاکرات اور پھر فیصلوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔"

میں نے فوراً ہی ریسیور اٹھا کر فون پر نوکا بندسہ ڈائل کیا۔ ڈائل ٹون ملتے ہی میں نے ٹیوڈر ہوٹل کا نمبر ملایا اور کمرہ نمبر دو سو پانچ میں ویرا سے رابطہ قائم کر لیا۔

"خیریت تو ہے؟ فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" اس نے میری آواز پہچانتے ہی حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"لارڈ میکفرسن کا کیا حال ہے؟" میں نے روا روی میں سوال کیا۔

ریسیور پر اس کی کھنکتی ہوئی نقرئی ہنسی سنائی دی پھر اس کی شوخ آواز ابھری۔ "بے چارہ کمرے میں چاروں طرف لنگڑاتا پھر رہا ہے، سارا نشہ ہرن ہو گیا ہے۔"

"کیا یہ بھی مارٹن کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کر رہا ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"بس تم تو میری افتادِ طبع سے واقف ہی ہو۔" ہنسی کے دوران اس کی آواز ابھری۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ گزرے ہوئے لمحات کے بارے میں سوچ سوچ کر محظوظ ہو رہی ہو۔ "اس نے اپنی اولاد سے میرا موازنہ کر کے مجھے کم سن قرار دیا تھا اور میں نے تمہارے جانے کے بعد اسے عملاً اپنا ہم سن بن جانے پر مجبور کر دیا۔ اب وہ مجھے بُرا بھلا کہتے ہوئے اپنے پٹھوں اور جوڑوں کو اعتدال پر لانے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"بعض اوقات تم بہت گھٹیا ہو کر رہ جاتی ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"بکواس مت کرو۔" ریسیور پر اس کی مصنوعی غرّاہٹ ابھری۔ "یہ میرے ذاتی معاملات ہیں، تمہیں ان پر تنقید کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے فون کیوں کیا ہے؟"

"شام کے پروگرام کے بارے میں کچھ مشورہ کرنا تھا۔"

"وہ پروگرام طے ہے، اس میں مشورے کی کیا ضرورت ہے؟ آخر کچھ چلا جائے تو میں دوسری گاڑی کا بندوبست بھی کر لوں گی۔ تم اس طرف سے بالکل بے فکر رہو۔"

"میں تمہارے ساتھ چلنا چاہتا ہوں، میرا ساتھی دوسری گاڑی میں ہمارا پیچھا کرے گا۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"اگر تمہیں اس کی عقل اور قوتِ فیصلہ پر اتنا ہی بھروسا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں، بس یہ خیال رکھنا کہ اس نے کسی بگڑی ہوئی صورتِ حال کو صحیح طریقے پر ہینڈل نہیں کیا تو ہم بے موت مارے جائیں گے۔"

اس کے تبصرے پر میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ سلطان شاہ کو اس کی صلاحیتوں پر شبہ ہونے لگا تھا اور وہ سلطان شاہ کے بارے میں بے اعتمادی کا شکار تھی۔

"تم فکر نہ کرو، میں اسے سب کچھ سمجھا دوں گا۔ تم اس کے لیے گاڑی کے ساتھ اسلحے کا بندوبست کرنا نہ بھولنا۔ تم کو اس کے طریقۂ کار سے مایوسی نہیں ہوگی۔"

اس سے گفتگو کا سلسلہ منقطع کرتے ہوئے میں ذہنی طور پر خود

کو بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ سلطان شاہ کے لیے بھی یہ بات تسلی بخش ثابت ہوئی کہ دیرانے بلا حیل و حجت اس کی تجویز مان لی تھی۔

سلطان شاہ سیر سے واپسی پر میکڈانلڈ شاپ سے کچھ کھا پی کر اپنی آتشِ شکم سیر کر آیا تھا لہٰذا میں نے اُسے تیاری کے لیے اُس کے کمرے میں بھیج دیا۔ اپنے غسل خانے میں نہاتے ہوئے میں اُس کی معصومانہ خوشیوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ جدید دَور میں رہنے والا ایک دلیر لیکن سادہ لوح انسان تھا، جو وسائل کی کمی کی وجہ سے خود کو کبھی اس سطح پر نہ لا سکا جہاں گھر بیٹھے انسان دُنیا جہان کی معلومات سے بہرہ ور ہو سکتا ہے اور اس کی یہی بے خبری اس کی زندگی میں اچانک چھوٹی چھوٹی بہتیری خوشیاں بکھیر دیتی تھی۔ جب کوئی انجانی چیز یا کوئی نیا تجربہ سامنے آتا تو وہ یوں کھِل اُٹھتا تھا جیسے وہ سب بس اسی کی دریافت ہو۔

وہ شہر اس کے لیے نیا تھا اس لیے دن کے اُجالے میں بھی اُس نے وہاں اپنا دل بہلانے کے بہت سے لوازمات دریافت کر لیے تھے، ویسے بھی وہاں دن کی بہت سی تفریحات تھیں اور کچھ نہیں تو دو منزلہ لال بسوں کی اُوپری منزل سے شہر کے معروف بازاروں اور مشہور مقامات کی سیر ہی ایک بھرپور تفریح تھی لیکن جو لوگ اس شہر کی نبضوں سے واقف تھے، وہ جانتے تھے کہ دُھند لکا پھیلتے ہی یہ شہر تیزی کے ساتھ اپنی کینچلی بدلتا تھا اور اس کا رد [illegible] نہایا ہُوا پُراسرار رُوپ ہر اعتبار سے رنگین اور دلکش ہوتا تھا۔ اس کے سحر میں ڈوب کر شاید یہی آرزو پیدا ہوتی ہوگی کہ کاش اس شہر میں اُجالا کبھی طلوع نہ ہوتا کہ رات کا حسن اور نکھار سدا بہار رہے۔ ایسے شب بیدار زندہ دلوں کے لیے نہ صرف لندن کے سیاحتی کتابچوں میں مخصوص اصطلاحات رائج تھیں بلکہ قدرت نے بھی انھیں اس اعتبار سے شرفِ قبولیت بخشا ہُوا تھا کہ سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں خال خال ہی سُورج اس شہر پر فیاضی کے ساتھ چمکتا تھا، ورنہ ہر وقت ہی نیلے آسمان کی بیکراں وسعتوں میں سرمئی اور سیاہ بدلیوں کے پرے کے پرے لہراتے پھرتے تھے اور جب چاہتے کہیں بھی برسنے لگتے تھے۔ اس موسم سے وہاں کے رہنے والے بیزار نظر آتے تھے لیکن سیّاحوں کے لیے وہی بدلیاں نت نئی تفریحات کی محرک بن جاتی تھیں۔

اس وقت میرے سامنے غزالہ کی بازیابی کا اہم مشن موجود تھا جس کو پورا کیے بغیر میں ذہنی سکون سے محروم تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد سلطان شاہ کو اس شہر کے شب ورونہ کے ایسے بھرپور جلوے دکھاؤں گا کہ اس کی ساری حسرتیں نکل جائیں گی۔

ہوٹل میں بیٹھنا بے سُود تھا، اس لیے غسل سے فراغت اور تیاری کے بعد میں سلطان شاہ کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل کھڑا ہُوا۔ بیکراسٹریٹ کے ٹیوب اسٹیشن پر اتر کر میں نے سب سے پہلے ایک ریستوران میں اپنی شکم پُری کی پھر ہم بیکر اسٹریٹ کے چھوٹے سے بازار کی سیر کرتے ہوئے لندن کے سب سے بڑے مرکزِ خریداری کی طرف ہو لیے۔ آکسفورڈ اسٹریٹ کا رُخ کرنے سے پہلے ہی ٹیوب اسٹیشن کے قریب سلطان کی نگاہ ایک بڑے سے سبز گنبد پر پڑی تو وہ احترام آمیز انداز میں چونکا تھا۔

"یہ کون سی مسجد ہے یہاں؟" اُس نے اسی انداز میں دریافت کیا تھا۔

"مسجد نہیں، یہ مادام تساد کی یادگار ہے، جہاں اندر بیٹھے ہوئے تماشائیوں کے لیے کیمروں کی مدد سے سیاروں کی نقل و حرکت اور طلوع و غروب کا سماں پیدا کیا جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھنے والا تماشا ہوگا۔ یہیں مومی مجسموں کی وہ مشہور نمائش گاہ ہے، جہاں موم اور گوشت پوست کے انسانوں میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

وہ شوق اور حیرت کے ساتھ ہر چیز کو دیکھتا میرے ساتھ چلتا رہا پھر ہم آکسفورڈ اسٹریٹ پر بائیں طرف مُڑ گئے۔ گھومتے ہی لندن کا سلفریجز اسٹور سامنے آ گیا جہاں لفٹوں اور بھاری مشینی زینوں سے مزین کثیر المنزلہ عمارت میں ہر روز لاکھوں پاؤنڈ کے تحائف اور اشیائے ضرورت کی فروخت ہوتی تھی۔ جو شاید ہیرڈس کے بعد لندن کا سب سے بڑا ڈیپارٹمنٹل اسٹور تھا۔

اندر جا کر سلطان شاہ کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ "یہ تو خواب سا لگتا ہے۔ یہاں آ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کراچی کے ڈیپارٹمنٹل اسٹور تو اس کے مقابلے میں عشرِ عشیر بھی نہیں ہیں۔"

"ان کا تصور بھی یہیں سے لیا گیا ہے۔" سامان اور خریداروں کے ہجوم میں سے گزرتے ہوئے میں نے کہا۔ "یہاں لوگ اس نظام کے عادی ہیں۔ ہمارے یہاں وقت لگے گا۔"

"یہاں چوری چکاری بھی بہت ہوتی ہوگی؟" اُس نے باہر تھیلوں کے ساتھ لدے پھندے آنے والے خریداروں کا جائزہ لیتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"خفیہ کیمروں، محافظوں اور اسٹور کے اپنے تنخواہ دار جاسوسوں کی مستعدی کے باوجود چوریاں ہوتی ہیں مگر ان وارداتوں کی وجہ سے کاروبار کے اس طریقے کو ترک نہیں کیا گیا۔ ان سے اب بھی بھاری منافع حاصل ہوتا ہے۔" یہ کہہ کر میں اُسے ان اسٹورز کے بارے میں اپنی کتابی معلومات سے آگاہ کرنے لگا۔

بازار دُور تک پھیلا ہُوا تھا اور ہمارے پاس وقت کم تھا لہٰذا اسٹور کی نچلی منزل میں گھوم کر ہی ہم باہر نکل آئے اور ایک مرتبہ پھر پُرہجوم راستے پر آگے بڑھنے لگے۔

فٹ پاتھ پر کہیں کہیں خوشبویات اور مصنوعی زیورات بیچنے والے

جعل ساز، پولیس والوں سے نگاہ بچا کر مجمع لگائے گلا پھاڑ پھاڑ کر سیاحوں اور دوسرے شہروں سے آنے والوں کو اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ ان کا کل سامان اس قدر مختصر ہوتا تھا کہ پولیس کے اچانک نمودار ہونے پر اگر انھیں تیزی میں رفو چکر ہونا پڑے تو سامان پھینک کر بھاگنے کی صورت میں زیادہ نقصان نہ ہو۔ ایسے لوگ غالباً اپنا اسٹاک کار کی ڈکی یا کسی اور ٹھکانے پر محفوظ رکھتے تھے اور وہیں سے حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا نکال کر بیچتے رہتے تھے۔ ایسے مجمع بازوں کی بے چین عقابی نگاہیں اپنے متوقع گاہکوں کے ساتھ، دُور دُور تک پولیس والوں کی موجودگی کا جائزہ بھی لیتی رہتی تھیں۔ ان کی حرکات و سکنات سے یہ اندازہ لگانا دُشوار نہیں تھا کہ وہ کوئی غیر قانونی کام کر رہے تھے۔

مست خرامی کے انداز میں بازار کی سیر کرتے اور آپس میں تبصرے کرتے ہم آکسفورڈ اسٹریٹ کے چیرنگ کراس سے ملنے والے اس چوراہے پر پہنچے، جہاں سے اس سڑک کا نام نیو آکسفورڈ اسٹریٹ ہو جاتا تھا تو اچانک سلطان شاہ ٹھٹک کر رک گیا۔

,,دلیپ کمار!،، اُس کے ہونٹوں سے نکلی ہوئی سرسراتی سی، تحیر زدہ آواز سُن کر میں نے سامنے دیکھا تو نقرئی پیس سُوٹ میں ملبوس سامنے سے وہ وجیہہ اور بلند قامت اداکار اکیلا چلا آرہا تھا، جس کا نام ایک زمانے میں اردو فلم بینوں کے لیے طلسم سے کم نہیں تھا۔

وہ مشہورِ عالم اداکار گوروں، کالوں اور رنگ دار لوگوں کے درمیان اپنا راستہ بناتا، کسی گم نام اجنبی کی طرح لندن کی اس فٹ پاتھ پر چلا آرہا تھا۔ اس کے چہرے پر سن رسیدگی کے آثار نمودار ہو چلے تھے اور پھر شاید وہ اپنے عظیم نام کی یوں گمنامی پر بھی کچھ مجروح اور آزردہ سا نظر آرہا تھا لیکن سلطان شاہ کے ہونٹوں سے نکلی ہوئی تحیر اور عقیدت میں ڈوبی ہوئی آواز اس کے کانوں تک پہنچ گئی تھی کیونکہ فوراً ہی اس کے لبوں پر آسودہ سی مُسکراہٹ اُبھری اور چمکتی ہوئی نگاہیں ممنونیت کے جذبے کے ساتھ سلطان شاہ کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

انسان بھی کس قدر عجیب اور انا پرست مخلوق ہے کہ جب ہزاروں پرستاروں کے بے تاب ہجوم اسے پہچانتے ہوں اور اس کو چھونے یا اس کی زبان سے اپنے لیے دو بول سُننے کے متمنی ہوں تو وہ ان میں سے کسی کی طرف نہیں دیکھتا۔ نگاہیں اپنے راستے پر مرکوز کیے اُن کی طرف علامتی انداز میں ہاتھ لہراتا ہُوا آگے بڑھ جاتا ہے۔ کوئی اظہارِ عقیدت کے لیے اس کی راہ میں حائل ہونا چاہے تو اُسے غصے سے ایک طرف دھکیل دیتا ہے لیکن وہی انسان زندگی کے سفر میں دھیمے دھیمے آگے بڑھتے ہوئے مقبولیت کی چند یوں کو چھوکر جب نیو آکسفورڈ اسٹریٹ کی فٹ پاتھ جیسے مقام سے گزرتا ہے، جہاں کوئی والہانہ انداز میں اس کا استقبال نہیں کرتا تو وہاں ایک آدمی کی دو شناسا نگاہیں اور دو الفاظ اس کی انا کے زخموں پر مرہم کا کام کرتے ہیں اور وہ اپنے اس انجان شیدائی کے لیے اپنے دل کی گہرائیوں سے احسان مندی کا جذبہ اُمڈتا محسوس کرتا ہے۔

,,ہیلو!،، دلیپ کمار نے قریب آکر اپنی مخصوص دھیمی آواز میں سلطان شاہ سے کہا۔ ,,آپ کس دیش سے آئے ہیں؟،، لہجہ صاف ستھرا اور الفاظ موتیوں کی طرح ایک دوسرے سے الگ مگر تکلم کی حسین لڑی میں پروئے ہوئے تھے۔

,,پاکستان سے،، سلطان شاہ کی آواز فرطِ مسرت سے مغلوب تھی۔ فلموں کا وہ دیوانہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کا ایک من پسند عظیم فنکار کبھی یوں دُو بدو اس سے ہم کلام ہوگا۔

,,واقعی، وہ پاک استھان ہے،،۔ دلیپ کمار کا بدن ایک طرف قدرے جھکا ہُوا تھا اور چہرے کی غیر محسوس لکیروں میں سنجیدگی کی لہر اُترتی محسوس ہو رہی تھی ,, مجھے خوشی ہے کہ وہاں رہنے والے مجھے اب بھی یاد کرتے ہیں۔،،

,, مجھے خوشی ہوتی اگر اس ملاقات کی ابتدا ہیلو کے بجائے سلام سے ہوتی یوسف خان۔،، میں نے اُس کا اصل نام یاد کرتے ہوئے زبان کھولی ــــ

اُس کے لبوں پر نرم سی مُسکراہٹ تیر گئی اور وہ پیشانی پر جھُولتے ہوئے بالوں کو پیچھے سمیٹتے ہوئے آہستگی کے ساتھ بولا ,,ضرور ہوتی اگر مجھے تم دونوں کا مذہب معلوم ہوتا۔ ہیلو ہر جگہ چل جاتا ہے مگر تم جانتے ہو کہ ہندو سلام سے اور مُسلمان نمستے سے چڑتے ہیں۔ اداکار کا فرض سب کو خوش رکھنا ہوتا ہے۔،،

سلطان شاہ کی خواہش تھی کہ وہ کسی قریبی ریستوران میں اس کے ساتھ کچھ یادگار لمحے گزارے مگر دلیپ کمار عجلت میں تھا۔ اُس نے بڑی فنکارانہ چابکدستی کے ساتھ ایک آدھ اختتامی فقرے میں ملاقات ختم کر ڈالی اور ہم ایک دوسرے کی مخالف سمتوں میں چل دیے۔

بازار کا دَورہ ختم ہو چُکا تھا لہٰذا ہم نے قریبی زیرِ زمین اسٹیشن سے ٹیوب پکڑی اور دیرا کے ہوٹل کی طرف روانہ ہوگئے، جہاں سے ہمیں غزالہ کی تلاش کی مہم پر سرے کے لیے روانہ ہونا تھا۔

ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر سے اجازت ملنے پر ہم دونوں اُوپر پہنچے تو دیرا نے سلطان شاہ کا خاصی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا کیونکہ وہ ان دونوں کی پہلی باقاعدہ ملاقات تھی۔ ان دونوں کا ایک دوسرے سے سامنا تو کئی بار ہو چُکا تھا لیکن رُو برو باقاعدہ تعارف کی نوبت کبھی نہیں آئی تھی۔

سفر اور لندن میں قیام کے بارے میں سلطان شاہ کے تاثرات معلوم کرنے کے بعد اس وقت دیرا بہت حیران ہوئی جب اس کی پیشکش کے جواب میں سلطان شاہ نے کسی بھی نشے سے انکار کیا۔

,, حیرت ہے کہ اس کے بغیر بھی تم بے خوفی کا مظاہرہ کر سکتے ہو۔ وہ

حیرت کے ساتھ بولی۔

"نشے میں بہادری کا اظہار خودکشی بن جاتا ہے میں تو سگریٹ کو بھی ہاتھ نہیں لگاتا۔" سلطان شاہ نے کن انکھیوں سے ویرا کے حسین سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"میری طرف نگاہیں بھر کر بھی دیکھو گے تو میں بُرا نہیں مانوں گی۔" ویرا نے اپنی ذات میں اس کے اشتیاق کو بھانپتے ہوئے بےباکانہ لہجے میں چوٹ کی اور سلطان شاہ کا چہرہ ندامت سے سُرخ ہو گیا۔

"م... میں تمہیں تو نہیں دیکھ رہا تھا۔"

"مرد ہو کر شرما رہے ہو۔" وہ جاندار قہقہہ لگا کر بولی۔ "تم مشرقیوں کی یہی عجیب و غریب ادائیں تو مار ڈالتی ہیں۔"

"بس۔" میں نے جلدی سے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "اسے تو معاف ہی رکھو، یہ تمہاری ذات کے سحر میں پھنسنے والوں میں سے نہیں ہے، فی الحال تم آزک پر ہی اپنی توجہ مرکوز رکھو۔"

میرے اس تغافل پر وہ تلملا کر رہ گئی لیکن سلطان شاہ کے کچھ پلے نہ پڑ سکا کیونکہ میں نے اُسے فون پر ویرا سے ہونے والی پوری گفتگو سے آگاہ نہیں کیا تھا۔

"اندھیرا پھیل گیا ہے، روانگی کا کیا بندوبست ہے؟" میں نے ویرا کے زبان کھولنے سے پہلے ہی موضوع تبدیل کر دیا۔

"چلو۔" اس نے تنک کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "میں بس دو منٹ لوں گی۔" اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر ہونٹوں پر لپ اسٹک کی ہلکی سی تہ جمائی۔ لباس کی شکنیں درست کیں اور وینٹی بیگ میں کچھ اُلٹ پلٹ کرنے کے بعد نکاسی کے دروازے کی طرف ہو لی۔

"سلطان کے لیے ہتھیار کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اوہ، میں تو بھول ہی گئی تھی کہ یہ بےچارہ نہتا ہی ہے۔" وہ جھجکتے ہوئے لہجے میں چوٹ کر ہی گئی پھر جلدی سے بولی۔ "باہر نکلو گاڑی میں یقیناً کچھ نہ کچھ موجود ہو گا۔"

ہوٹل کی عمارت سے نکلنے کے بعد ہم ویرا کی رہنمائی میں چند گلیوں سے گزرتے ہوئے ایک بند گیراج کے سامنے پہنچ گئے۔ بند دروازے سے باہر سرمئی رنگ کی ایک کار پارک کی ہوئی تھی۔

ویرا نے وینٹی بیگ میں سے چابی نکال کر گیراج کا مقفل دروازہ کھول کر اندر روشنی کی تو وہاں بھی ایک سیاہ کار پارک کی ہوئی تھی اور فرش پر رنگ میں لگی ہوئی ایک چابی پڑی ہوئی تھی، جو غالباً بند دروازے کے نیچے سے اندر ڈالی گئی تھی۔

ویرا نے فرش سے چابی اُٹھا کر سلطان شاہ کی طرف بڑھا دی۔

"یہ تمہاری گاڑی کی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے گیراج سے باہر پارک کی ہوئی سرمئی کار کی طرف اشارہ کیا تھا۔ "ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے بڑے بور کا پستول فاضل میگزین سمیت موجود ہو گا۔ یہاں گاڑی چلاتے ہوئے ٹریفک کے قوانین اور علامات پر نگاہ رکھنا، ورنہ کسی نے روک لیا تو بچنا مشکل ہو جائے گا۔ یہاں بلا لائسنس ڈرائیونگ کا شمار سنگین جرائم میں ہوتا ہے۔"

سلطان شاہ نے سرمئی کار میں ویرا کے بیان کے مطابق اسلحے کی موجودگی کی تائید کی اور انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی وہاں سے ہٹا لے گیا۔ چند ثانیوں بعد گیراج مقفل کر کے ہم دونوں سیاہ کار میں وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ویرا ڈرائیونگ کر رہی تھی اور میں اس کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔

سلطان شاہ ٹریفک کے ہجوم میں مناسب فاصلے سے سرمئی کار میں ہمارے پیچھے آ رہا تھا۔

"تمہارا آپریٹس کہاں ہے؟" میں نے تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد ایک فوری خیال کے تحت سوال کیا۔

"میرے پاس ہی ہے۔ اب تو کچھ پتا نہیں کہ کب، کون سا ٹھکانا چھوڑنا پڑ جائے۔" وہ بولی۔ "ذرا ایک سگریٹ تو سلگا دو میرے لیے، کافی دیر ہو گئی ہے۔"

"تمہارا تو چہرے پر آدھی نقاب لگا کر ڈرائیونگ کرنے کا ارادہ تھا تاکہ کہیں پہچانی نہ جا سکو۔"

"نقاب موجود ہے لیکن اندھیرے میں اس کا استعمال ضروری نہیں رہا۔ باہر سے کوئی مجھے نہ پہچان سکے گا۔"

"کیوں نہ داؤد کو ٹٹولا جائے؟" میں نے جلی ہوئی سگریٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے تجویز پیش کی۔

"تجویز معقول ہے، پتا تو چلے کہ فرینکی کے قتل کے بعد وہ کیا سوچ رہا ہے۔ ذرا میرے وینٹی بیگ میں سے آپریٹس تو نکالو۔ اس کی جھلاہٹ اس وقت قابلِ دید ہو گی۔" اس نے کار ایک پُرسکون سڑک پر موڑتے ہوئے کہا۔

میں نے دونوں نشستوں کے درمیان رکھا ہوا اس کا وینٹی بیگ اُٹھایا تو وہ غیر معمولی طور پر وزنی تھا۔ زپ کھول کر اندر ہاتھ ڈالا تو دیگر اشیاء میں ایک چھوٹا سا پستول اور وزنی آپریٹس الگ ہی محسوس ہوا۔ میں نے آپریٹس نکال کر ویرا کی ہدایت کے مطابق اس کا مائیکرو اینٹینا باہر کھینچ کر پاور سپلائی سوئچ آن کیا اور اس کی ناب گھما کر آواز اتنی بڑھا دی کہ کار میں ہلکا سا ریڈیائی شور سنائی دینے لگا۔

ویرا نے داہنے ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا، بائیں ہاتھ میں آپریٹس تھام کر انگوٹھے سے ٹرانسمیشن بٹن دباتے ہوئے وقفے وقفے سے شو گر کوئین کے حوالے سے اپنی کال داؤد کے لیے نشر کرنے لگی۔

"داؤد ریسیونگ وکٹی" بار کی کوششوں کے بعد آخرکار آپریٹس پر ریڈیائی شور میں ایک مردانہ آواز اُبھری جسے میں نہ پہچان سکا کیونکہ فون اور ٹرانسمیٹر کی آوازوں میں نمایاں فرق ہو جاتا ہے۔

"میں خود کئی بار تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر چکا ہوں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا آپریٹس کل رات سے مسلسل آف پڑا ہوا تھا... اوور۔"

"کیا ضرورت پیش آگئی تھی مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی... اوور؟" ویرا نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"فریزنگ کے دل میں پیوست تمہارا خنجر پہچان لیا گیا ہے۔ اس کو مار کر تم نے اچھا نہیں کیا، وہ ہمارے مایہ ناز ماتحتوں میں شمار ہوتا تھا۔ میں تمہیں بتانا چاہتا تھا کہ تم نادانستگی میں تباہی کے راستے پر چل پڑی ہو۔ ابھی بھی وقت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری صفوں میں تمہاری واپسی ہی ناممکن ہو کر رہ جائے... اوور۔"

"مشورے کا شکریہ۔" ویرا زہریلے لہجے میں بولی۔ "اور میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اپنی راہ میں حائل ہونے والے ہر شخص کو اسی طرح بے رحمی کے ساتھ ذبح کردوں گی لہٰذا میرا پیچھا چھوڑ دیا جائے، اوور۔"

"تم دھمکی دے رہی ہو۔ یہاں والے اپنے معاملات میں آزاد ہیں۔ وہ چاہیں تو اپنے شبہات کی تصدیق یا تردید کے لیے دن رات میری بھی نگرانی کرا سکتے ہیں، اوور۔"

"مزدور کرا سکتے ہیں کیونکہ تم محض حکم کے غلام ہو مگر میں اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتی... اوور۔"

"مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم ڈینی کے ساتھ مل گئی ہو۔ وہ لائٹرز کانج کے سانحے میں مرا نہیں تھا بلکہ زندہ سلامت لندن میں موجود ہے مگر میں پھر بھی تمہیں مصالحت کی پیش کش کر رہا ہوں... اوور۔"

داؤد کے وہ الفاظ سن کر میں اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا۔ میری تمام تر احتیاط اور رازداری کے باوجود وہ لوگ میرے زندہ بچ نکلنے کی خبر سے آگاہ ہو چکے تھے اور یہ بات یقینی تھی کہ کوئی بھی موقع ملنے پر وہ مجھے گھیرنے کی سفاکانہ کوششوں کا آغاز کر سکتے تھے۔

"یہاں والے اپنے معاملات میں آزاد اور خود مختار ہیں تو میرے بارے میں تم اپنی پیش کش ان پر کیسے مسلط کر سکو گے... اوور۔" ویرا اس سے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں دریافت کر رہی تھی۔

"اپنا لہجہ درست کرو ویرا۔" داؤد کی آواز میں غصہ عود کر آیا۔ "یہ نہ بھولو کہ اگر تم کبھی مجھے جوابدہ نہیں رہی ہو تو میں بھی تم سے کم تر نہیں ہوں۔ میں جب چاہوں تمہاری گردن پکڑ سکتا ہوں... اوور۔"

"اسی وقت کوشش کیوں نہیں کرتے؟ اوور۔" ویرا کا لہجہ ہڈیاں سلگا دینے والا تھا۔

"یہ نہ سمجھو کہ تم میرے آدمیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گئی ہو۔" ویرا کے انداز گفتگو پر وہ میری توقع کے عین مطابق مشتعل ہو گیا تھا۔ "تم ایک لمحے کے لیے بھی میری دسترس سے نہیں نکل سکی ہو۔ آج صبح ڈینی تمہارے پاس تھا۔ وہ پھر تم نے آزک کے ساتھ

گزاری ہے اور اب شاید سرے کے قرب و جوار میں ہو۔" اسٹریٹ لیمپس کے گھٹتے بڑھتے انعکاس میں، میں نے دیکھا کہ ویرا کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

"ڈینی تمہارے ساتھ ہے اور اس کا درباری مصاحب پیچھے دوسری گاڑی میں ہے۔" آپریٹس کے ریسیور پر داؤد کی غصیلی آواز ابھر رہی تھی۔ "میں جب چاہوں تمہیں اپنے قدموں میں جھکا سکتا ہوں، اوور۔"

چند ثانیوں کے لیے ویرا کی قوتِ گویائی سلب ہو کر رہ گئی اور کار میں صرف انجن کا دھیما شور یا ہلکی ریڈیائی آوازیں باقی رہ گئیں اور اس گونج میں میرا ذہن تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

داؤد ان لوگوں میں سے نہیں تھا، جو اپنے دشمن پر برتری حاصل کرنے کا کوئی بھی موقع ضائع کرتے ہیں، وہ واقعی ویرا کے بارے میں ہر بات سے واقف تھا اور شاید اس سے آگے بھی بہت کچھ جانتا ہو کیونکہ وہ ہماری سرے کی طرف روانگی سے بھی باخبر تھا مگر یہ بات حیرت انگیز تھی کہ اس باخبری کے باوجود اس کا کوئی آدمی ویرا سے نہیں ٹکرایا تھا۔ داؤد سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ساری معلومات حاصل کر لینے کے بعد کسی عملی کارروائی سے گریز کرتے ہوئے محض آپریٹس پر ویرا سے رابطہ قائم کرنے کی ناکام کوشش کرتا رہا تاکہ اسے اپنی معلومات سے مرعوب کر کے واپس آنے پر مجبور کر سکے۔

جو کچھ وہ غصے میں بتا گیا تھا، اس کے بعد تو اسے مجھ کو پوری قوت کے ساتھ پیس ڈالنے کی کوششیں کرنا چاہیے تھیں لیکن وہ فریزنگ جیسے اہم آدمی سے ہاتھ دھونے کے بعد بھی خاموش تھا۔ اس کا وہ رویہ میرے لیے ناقابلِ فہم بلکہ انتہائی غیر فطری تھا، جس کا سبب اندھیرے میں تھا۔

"ٹرانسمیٹنگ بٹن چھوڑ دو ویرا۔" میں نے پُرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ اس لمحے مجھے یہ خوف نہیں رہا تھا کہ میری آواز داؤد کے کانوں تک پہنچنے کا امکان بھی تھا کیونکہ اسے ویرا کے ساتھ میری موجودگی کا علم تھا۔

معاً اس کے آخری دو فقرے میرے ذہن میں چھماکا کر گئے۔ میرے ویرا کے ساتھ جانے کا فیصلہ بہت تاخیر سے ہوا تھا۔ ویرا سے فون پر جو بات ہوئی اس میں ساری تجویز میں نے ہی پیش کی تھی اور میری یادداشت کے مطابق ویرا نے جواب میں فون پر جو کچھ کہا، اس سے پروگرام میں تبدیلی کا صحیح اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ویرا کے ہوٹل سے گیراج تک ہونے والی گفتگو بھی داؤد نے سنی تھی اور وہ ہر اس بات سے باخبر معلوم ہو رہا تھا، جو ویرا کی موجودگی میں ہوئی تھی کیونکہ ہوٹل میں ہماری گفتگو سننے والا کوئی چوتھا فرد موجود نہیں تھا۔ اس لیے میرے ذہن میں پہلا شبہ یہی پیدا ہوا کہ کہیں ویرا نادانستگی میں کوئی طاقتور لاسلکی ڈکٹافون نہ لیے پھر رہی ہو جس کے ذریعے اس کے ساتھ میری ہونے والی ہر بات کہیں سنی جا رہی ہو۔

"بازی اُلٹی نظر آرہی ہے ڈیفی" ویرا کی سستی ہوئی آواز اُبھری۔ اُس نے شکست خوردہ انداز میں آپریٹس اپنی گود میں ڈال لیا تھا۔

"ابھی کچھ نہیں بگڑا" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا "وہ ابھی تک تمہاری قیام گاہ سے بے خبر ہے۔ میں نے ان لوگوں میں بہت وقت گزارا ہے اور میں دیکھ چکا ہوں کہ جدید ترین مواصلاتی شعبدے ہر وقت اُن کی دسترس میں رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم نادانستگی میں کوئی طاقتور وائرلیس ڈکٹا فون لیے پھر رہی ہو، جو اس بدمعاش کی معلومات کا ذریعہ بنا رہا ہے۔"

"میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ایسی کوئی چیز نہیں ہے، جس پر ڈکٹا فون کا شبہ ہو سکے" ویرا نے مضمحل آواز میں جواب دیا۔

"تم لوگ کہاں غائب ہو، میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں ویرا، اوور" ویرا کی گود میں پڑے ہوئے آپریٹس سے داؤد کی آواز اُبھری لیکن میں نے ویرا کا بازو دبا کر اُسے داؤد کی کال کا جواب دینے سے روک دیا۔

"اسے بکنے دو" میں نے بلند آواز میں ویرا سے کہا "تم ذرا ذہن پر زور دے کر یہ بتاؤ کہ آج صبح جب فون پر تم نے مجھے اپنے پتے سے آگاہ کیا تو ایسی کون سی چیز تمہارے قریب نہیں تھی، جو پہلے ساتھ رہی ہو؟"

"وینٹی بیگ اُس وقت میرے ساتھ نہیں تھا۔ اسے کمرے میں چھوڑ کر میں نے نیچے سے کال کی تھی کیونکہ کمرے کا انسٹرومنٹ خراب تھا۔" اُس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"اور اس بیگ میں سب تمہارے نجی استعمال کی چیزیں ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں پھر بھی تم چاہو تو دیکھ سکتے ہو۔"

میں نے ایک بار پھر وینٹی بیگ چھان مارا لیکن اس میں رقم، میک اپ کے سامان اور پستول کے علاوہ ذاتی استعمال کی چند نسوانی اشیاء کے علاوہ کوئی مشتبہ چیز موجود نہیں تھی اور یوں آخر کار میری نگاہیں ویرا کی گود میں پڑے ہوئے آپریٹس پر مرکوز ہو گئیں۔

وہی ایک ایسی چیز تھی، جو غالباً داؤد سے ویرا تک پہنچی تھی اور اُس پر شبہ کرنا آسان نہیں تھا لیکن میں نے جیو ماٹرڈس میں ایم ٹی تھری ہنڈرڈ جیسے طاقتور اور وسیع حیطۂ عمل والے ٹرانسمیٹر سے کر فوٹو سیل سے منسلک خود کار حفاظتی نظام تک بہت سی محیر العقول چیزیں دیکھی تھیں، اس لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ داؤد نے ویرا پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے اسی آپریٹس میں کوئی ڈکٹا فون نصب کرا دیا تھا، جو آپریٹس آف ہونے کے باوجود کام کرتا رہتا تھا اور اس قدر حساس تھا کہ سارے مکالمات من و عن دوسرے سرے پر منتقل کر دیتا تھا۔

میں نے ایک اہم فیصلہ کرتے ہوئے ویرا کی گود سے آپریٹس اٹھا لیا۔ آپریٹس کے بارے میں اُسے اپنے شبہات سے آگاہ کیے بغیر میں نے براہِ راست داؤد سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم اس گاڑی میں ہونے والی تمام گفتگو لفظ بہ لفظ سُنتے رہے ہو لیکن دانستہ انجان بن کر ہمیں فریب دینے کی کوشش کر رہے ہو... اوور" میں نے خشک اور درشت لہجے میں کہا۔

"یہ اچھا ہوا کہ تم نے براہِ راست بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔" آپریٹس پر داؤد کی آواز اُبھری "میرا خیال ہے کہ ویرا اپنی ساری چالاکی اور مکاری کے باوجود شروع سے تمہارے جال میں پھنستی چلی گئی اور اب تم اسے اس حد تک آگے لے گئے ہو کہ وہ خود کو تمہارے اشاروں پر ناچنے پر مجبور پاتی ہے... اوور"

"یہ تقریر میری بات کا جواب نہیں ہے، اوور"

"مجھے تمہاری ذہانت کا اعتراف ہے ڈیفی... تمہاری سانسوں کی آواز بھی مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ویرا پر مجھے مارٹن کی موت کے بعد ہی سے شبہ تھا اور میں نے اُسے اس طرح بگ کرایا ہے کہ تم سر کے بل کھڑے ہو کر بھی ڈکٹا فون کا سُراغ نہ لگا سکو گے۔ تمہاری ذہانت ہماری نگاہوں میں تھی لیکن تنظیم سے بغاوت کی راہ اختیار کر کے تم نے نہ صرف اپنے لیے ترقی کے امکانات ختم کر لیے بلکہ بدترین سزا کے حق دار بن گئے ہو... اوور"

مجھے یک بیک اپنی آنتوں میں بل پڑتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ اُس نے بگ کی موجودگی کا اعتراف کر لیا تھا۔ وہ ہماری سرے رسائی سے بھی باخبر تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ غزالہ کے بارے میں ویرا کے کمرے میں ہونے والی گفتگو سے بھی وہ حرف بحرف آگاہ تھا اور اُسے کوئی گھناؤنا کھیل کھیلنے کے لیے طویل مہلت مل چکی تھی۔

شاید وہ جیکب کے مرے والے مکان میں غزالہ پر بہت دیر پہلے ہاتھ ڈال چکا تھا لیکن اس کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ مجھے خوف آنے لگا کہ کہیں وہ مجھے اور ویرا کو مصالحت پر آمادہ نہ پا کر غزالہ کی ذات کو ترپ چال کے طور پر استعمال کرنے پر نہ تل جائے۔

"اتنے بلند بانگ دعوے نہ کرو مسٹر داؤد، کہ بعد میں شرمندہ ہونے کی گنجائش بھی نہ رہے" میں نے اپنا لہجہ دانستہ دھیما رکھتے ہوئے کہا "تم نے ایک دن کی مدت میں ڈکٹا فون ویرا کے بدن میں تو نہیں چھپایا ہو گا۔ مجھے چیلنج کرو گے تو ذرا سی دیر میں اس کا سُراغ لگا لوں گا... اوور"

"اسے چیلنج ہی سمجھ لو... اوور"

"چیلنج کے لیے کوئی شرط ضروری ہوتی ہے، شرط یہ ہے کہ مجھے صرف پندرہ منٹ دے دو، میں تمہارا بگ تلاش کر لوں گا، نہ کر سکا تو ویرا سے تعلق ختم کر دوں گا... اوور"

"تم مجھے کسی شرط کو پورا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے، اس لیے شرط کے بغیر ہی کوشش کرو... اوور"

"سرے کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ اوور"۔ میں اپنی بے چینی پر مزید قابو نہ پا سکا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کیا جانتا ہوں۔" غراہٹ نما طنزیہ ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ "تم بلاوجہ ہی اپنا وقت اور پٹرول برباد کر رہے ہو... اوور۔"

"اسے ذرا بھی نقصان پہنچا تو یہ یاد رکھنا داؤد! کہ تم موت کی آرزو کرو گے لیکن تمہیں موت نہ مل سکے گی... اوور۔" میں نے غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ بس یہی ایک صورت اسے بچا سکے گی ورنہ اس کے ساتھ جو کچھ ہو سکتا ہے اس کے بارے میں سوچنا زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔ تمہارے ساتھ ویرا بھی ہوگی۔ اکیلے آئے تو انجام کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا... اوور۔"

ویرا نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے ٹرانسمیٹر میرے ہاتھ سے چھین لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگی "تم نے کوئی کمینگی کی تو میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکو گے... تمہاری جسارتیں بڑھتی جا رہی ہیں، مجھے جلد از جلد تمہارا سدباب کرنا ہوگا... اوور۔"

"میری باری بہت بعد میں آئے گی ویرا بے بی" داؤد کی آواز مضحکانہ تھی۔ "ایلن برڈ اپنے چھ ساتھیوں کو لے کر کھلی اجازت کے ساتھ سرے گیا ہوا ہے۔ اس کے مزاج سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ وہ تو کھلے بندوں تمہاری ہم نشینی کے قصے بھی گاتا پھرتا ہے۔ مجھے بس اس کی واپسی کا انتظار ہے، وہ کسی بھی لمحے آ سکتا ہے لیکن تم دونوں کے لیے میں وقت مقرر کر رہا ہوں۔ رات دس بجے تم دونوں نہتے ہو کر ٹاور ہل ٹیوب اسٹیشن کے باہر پڑی ہوئی چوبی بنچوں پر نہ پہنچے تو پھر میں دوسرے ذرائع اختیار کروں گا اور کسی کو مجھ سے شکایت کرنے کا حق نہیں رہے گا... اوور۔"

میں نے ٹرانسمیٹر ویرا سے واپس لے لیا اور بے تابانہ انداز میں اس کی ساخت کا جائزہ لینے لگا۔

"اسے برباد نہ کر دینا۔" ویرا نے میرے تیور دیکھتے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں سے رابطے کا یہی ایک ذریعہ رہ گیا ہے، جو قدرے محفوظ ہے ورنہ ہمیں سامنے آنا پڑ جائے گا۔"

"دیکھتی رہو۔" میں نے ہیجان آمیز لہجے میں کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ حساس ڈکٹافون اسی میں پوشیدہ ہے، اس سے نجات حاصل کر کے میں تمہیں اپنا پروگرام بتاؤں گا۔"

"تم واقعی بہت خبیث ہو ڈینی۔" ٹرانسمیٹر پر داؤد کی آواز ابھری۔ "مجھے اعتراف ہے کہ تم چیلنج جیت گئے۔ بہت شوریدہ دماغ پایا ہے تم نے... اوور۔"

"شٹ اپ۔" میں نے دانت پیستے ہوئے ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔

گاڑی میں چھوٹے منہ والا اسکرو ڈرائیور موجود نہیں تھا لہٰذا میں نے ویرا کا وینٹی بیگ الٹ کر اس کے سامان میں سے ناخنوں کو رگڑنے والی فائل نکال کر باقی سامان دوبارہ بیگ میں ڈال دیا اور چند ہی منٹ میں ٹرانسمیٹر کا عقبی کور علیحدہ ہو چکا تھا۔

بجلی سے دوبارہ چارج ہونے والی ننھی ننھی مگر طاقتور بیٹریوں کے قریب پلاسٹک کے ڈھانچے میں عام سگریٹ میں لگے ہوئے فلٹر کے سائز کا ایک چھوٹا سا پرزہ بقیہ سرکٹ سے الگ ہی نظر آ رہا تھا۔ میں نے نیل فائل کی مدد سے اسے باہر نکالا تو وہ کافی وزنی ثابت ہوا جیسے ٹھوس لوہے سے بنایا گیا ہو۔ اگلے سرے پر مائیکروفون کی طرح بہت حساس سیاہ جالی لگی ہوئی تھی۔ میں نے اسے چٹکی میں دبا کر ویرا کو دکھایا پھر اسے دہانے کے قریب لا کر بولا۔ "آخری بار اپنے ننھے سے ڈکٹافون پر میری آواز سن لو داؤد! تمہاری مکاری کا یہ شاہکار اب سڑک پر جا رہا ہے۔" اپنا فقرہ مکمل کر کے میں نے ڈکٹافون کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور خود اطمینان کے ساتھ ٹرانسمیٹر کا کور لگانے میں مصروف ہو گیا۔ اس وقت میرا ذہن مسلسل غزالہ میں ہی الجھا ہوا تھا۔

"اوہ خدا۔" ویرا تھکی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "تم یقین کرو ڈینی! کہ میں بالکل بے قصور ہوں، مجھے ٹرانسمیٹر پر ذرا بھی شبہ نہیں تھا، میں بے خبری میں اسے ساتھ لیے پھرتی رہی ہوں۔"

"تم بچ گئیں اگر فون پر مجھے ٹیوڈر ہوٹل کا پتا بتاتے ہوئے ٹرانسمیٹر تمہارے قریب ہوتا تو صبح میرے پہنچنے سے قبل وہ لوگ تمہیں بے بس کر کے لے گئے ہوتے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہم بے خبری میں غزالہ کے خلاف اپنے دشمنوں کے مخبر بن گئے۔ نہ جانے وہ بے چاری اب کہاں اور کس حال میں ہوگی۔"

"وہ آسانی کے ساتھ ان کے قابو میں نہیں آئے گی۔" ویرا پُراعتماد لہجے میں بولی۔ "دو خون کرنے کے بعد وہ بہت بدل چکی ہوگی۔ اسے اپنے سائے پر بھی اعتبار نہیں رہا ہوگا۔ ایلن برڈ بہت درندہ صفت اور عیاش آدمی ہے لیکن غزالہ اسے ناک چنے چبوا دے گی... میرا تو خیال ہے کہ اب ہمیں سرے کا ارادہ ترک کر دینا چاہیے۔ وہاں جو ہونا تھا ہو چکا ہوگا۔ داؤد کو علم ہے کہ ہم اسی طرف جا رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ جھلا کر ہمیں گھیرنے کی کوشش کر ڈالے۔ موجودہ حالات میں ہمارا یہ سفر بہت خطرناک ہو سکتا ہے۔"

"لیکن ہم سفر جاری رکھیں گے۔" میں نے کہا۔ "میں صبح تک اطلاعات کا انتظار نہیں کر سکتا۔ اگر وہاں کچھ ہونے والا تھا تو ہمیں اپنی آنکھوں سے نتائج کا مشاہدہ کرنا چاہیے تاکہ داؤد کی دس بجے والی دھمکی کے بارے میں کوئی مؤثر فیصلہ کیا جا سکے۔ میں غزالہ کو یوں بے یارومددگار نہیں چھوڑ سکتا۔"

سلطان شاہ پورے راستے مناسب فاصلے سے ہمارے پیچھے لگا رہا۔ ویرا نے بھی عقب نما آئینے میں اُس کی کار کی روشنیوں کا خیال رکھتے ہوئے بھیڑ بھاڑ والے مقامات پر اپنی کار کی رفتار سُست رکھی تھی کہ سلطان شاہ کو اس کا پیچھا کرنے میں کوئی دُشواری نہ ہو۔ وہ اپنی جگہ ان تبدیلیوں سے قطعی بے خبر تھا، جو سفر کے دوران میں رُونما ہو چکی تھیں، جن میں سب سے بڑا خدشہ غزالہ کی اسیری کا تھا۔ اس کے بعد داؤد کے آدمیوں سے ہمارے کسی تصادم کے امکان کی باری آتی تھی۔

اس کشادہ لیکن ویران اور تاریک سڑک کے دونوں طرف مکانات ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر بنے ہوئے تھے۔ درمیانی جگہوں پر کہیں گھاس اور کیاریاں نظر آ رہی تھیں اور کہیں سنگلاخ زمین جو اس علاقے کے قدرتی حُسن کو چار چاند لگا رہی تھی۔

مکانات سڑک سے خاصے دُور ہٹ کر بنائے گئے تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سب کئی کئی ایکڑ کے قطعاتِ اراضی ہوں جن کا بیشتر حصہ خالی چھوڑ کر زمین کے تقریباً وسط میں مکانات بنائے گئے ہوں۔

بہت بڑے موڑ کی صورت میں گھومتی ہوئی اس سڑک پر تیز رفتاری کے ساتھ ہمارا سفر جاری تھا کہ اچانک پوری زمین ایک دھماکے کے ساتھ لرز اُٹھی۔ دھماکے کے نتیجے میں ویرا کی کار آندھی کی زد میں آتے ہوئے کسی حقیر تنکے کی طرح یوں ڈگمگا اُٹھی جیسے کسی دیو پیکر عفریت نے اُسے جھنجوڑ کر رکھ دیا ہو۔ اگر وہ تیزی کے ساتھ کار کی رفتار کم نہ کرتی تو یقینی طور پر کار سڑک سے اُتر کر کسی چیز سے ٹکرا کر تباہ ہو گئی ہوتی۔

”نہ جانے آج کیا ہونے والا ہے۔“ ویرا کار کو دوبارہ صحیح سمت میں ڈالتے ہوئے بڑبڑائی۔ ”ہم اب جیکب کے مکان کے بہت قریب آ پہنچے ہیں۔“

”مجھے ڈر ہے کہ یہ دھماکا وہیں نہ ہوا ہو۔ داؤد کے آدمی مایوسی کے عالم میں کوئی بھی قدم اُٹھا سکتے ہیں۔“ میں نے کہا۔

”اگر یہ دھماکا وہیں ہوا ہے تو مجھے ایک بات کی خوشی ہے کہ کھیل ابھی تک جاری ہے۔ داؤد کے آدمی غزالہ پر آسانی کے ساتھ ہاتھ نہیں ڈال سکے۔“

”لیکن اس دھماکے کے بعد کھیل کیا رہ گیا ہوگا؟“ میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”یہ تو بالکل آخری کارروائی معلوم ہوتی ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ یہ دھماکا غزالہ نے ہی کیا ہو۔“ ویرا چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پُرخیال لہجے میں بولی۔

”کیوں بہلا رہی ہو؟“ میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”وہ اپنی جان بچا کر بھی بھاگ رہی ہے۔ اسے بارود کہاں سے مل سکے گا؟“

”جیکب ایک زمانے میں آرڈیننس ری پبلک آرمی کا سرگرم کارکن تھا اور بارُودی اشیا میں مہارت کی وجہ سے وہ دہشت گرد سے متعلق ایک شعبے کا سربراہ بھی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اُسی نے کوئی بندوبست کیا ہو۔“

”اُسے الہام تو نہیں ہو سکتا تھا کہ ایلن بریز اپنے چھ آدمیوں کے ساتھ اس پر چڑھ دوڑے گا۔“

”یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تفصیلات سے بے خبر ہو۔ میں نے اُسے بتا دیا تھا کہ غزالہ کے بارے میں کوئی غفلت ماکو تاری برداشت نہیں کرے گی۔ ہو سکتا ہے کہ کاؤنٹری کے واقعے کے بعد جیکب نے صورتِ حال کی سنگینی کو بھانپ کر سرے میں غزالہ کو اس طرح مسلح کیا ہو کہ وہ ہر حال میں اپنا دفاع کر سکے۔“

”تمہاری باتیں میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔“

”اس وقت شاید تمہارا ذہن کام نہیں کر رہا۔“ وہ نرم لہجے میں بولی۔ ”ذرا سا غور کرو تو یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ایک بے بس لڑکی پر چڑھائی کرنے والے سات سُورماؤں نے زورِ بازو کے علاوہ صرف اپنے خودکار اسلحے پر ہی اعتماد کیا ہوگا کیونکہ اُن کی مہم بہت معمولی تھی۔ انھیں بارُود یا ڈیم اور بم ساتھ لانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔“

”خیر، جو کچھ بھی ہے ابھی سامنے آ جائے گا۔“ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔ ”وہ مکان اب کتنی دُور رہ گیا ہے؟“

”بس اگلے موڑ کے بعد نظر آنے لگے گا۔“

اور چند منٹ کے بوجھل اور اعصاب شکن سکوت کے بعد آزاد ویرا کے حلق سے تحیر آمیز آواز آزاد ہو گئی کیونکہ موڑ گھومنے کے بعد دُور بائیں طرف فضا میں غبار اور دُھوئیں کے بادلوں میں شعلے بھڑکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

”یہی جیکب کا مکان ہو سکتا ہے۔“ ویرا اضطراری لہجے میں بولی۔ ”میرے خدا! دُور سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ مکان ہی دھماکے سے اُڑا دیا گیا ہو۔“

ہمارے لیے وہ صورتِ حال بہت اعصاب شکن اور صبر آزما تھی۔ مطلوبہ منزل ہمارے سامنے تھی اور وہاں جو تباہی نازل ہوئی تھی وہ بھی سامنے ہی تھی لیکن ہم اپنے تمام تر تجسس اور بے چینی کے باوجود اُدھر کا رُخ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ان اطراف میں داؤد کے سات بدمست غنڈوں کی موجودگی ہمارے علم میں تھی اور اگر تمام بہترین مواقع غزالہ کے حق میں شمار کر لیے جاتے تو بھی یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ ایک دھماکے سے ان ساتوں کو گرانے میں کامیاب ہو گئی ہوگی۔ ان میں سے اگر ایک بھی صحیح سلامت تھا تو وہ یقینی طور پر کسی زخمی بھیڑیے کی طرح تاریکی کی آڑ میں کسی شکار کا منتظر رہا ہوگا۔

داؤد نے ویرا سے جس انداز میں ایلن بریز کا ذکر کیا تھا، اس کی روشنی

میں قوی امکان تھا کہ اس کے ساتھی بھی ویرا کو بخوبی پہچانتے رہے ہوں جبکہ ہم اس وقت کوئی نیا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔
دھماکے کے باعث قرب و جوار سے لوگ جائے واردات پر پہنچنا شروع ہو گئے تھے، سڑک کے کنارے کئی گاڑیاں کھڑی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔
"رُکے بغیر آگے بڑھتی رہو۔" کار کی رفتار سست پڑتے ہی میں نے ویرا کو مشورہ دیا اور اس نے دوبارہ رفتار بڑھانا شروع کر دی۔
"غنیمت ہے کہ یہ فیصلہ تم نے کیا۔ میں تو یہ کہتے ہوئے ڈر رہی تھی کہ کہیں تمہاری کھوپڑی ہی نہ اُلٹ جائے۔" وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔
چند ہی منٹ میں ہم آگ اور دھوئیں میں لپٹے ہوئے جیکب کے مکان سے آگے نکل گئے۔
"اب کہیں گاڑی روک کر ہمیں سلطان شاہ کو صورتِ حال سے آگاہ کر دینا چاہیے، ورنہ وہ اس بے مقصد بھاگ دوڑ سے اُکتا جائے گا۔ اس کی دانست میں ہم ابھی تک صرف ڈرائیونگ ہی کرتے رہے ہیں۔" میں نے کچھ دیر کے پُرہول سکوت کے بعد زبان کھولی۔
"اس راستے پر رُکنے میں خطرہ ہے، دھماکے نے دُور دُور تک لوگوں کو چوکنا کر دیا ہو گا، کسی کی بھی نگاہ پڑ گئی تو پولیس کو علاقے میں دو مشتبہ گاڑیوں سے آگاہ کر دے گا۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ویسے سلطان کو باخبر کرنا بھی ضروری ہے، اگلے کسی موڑ سے میں گاڑی عقبی راستے پر ڈال دوں گی۔"
اگلے کراسنگ سے ویرا نے کار بائیں طرف ایک چھوٹی سڑک پر موڑ لی اور ہم یک بیک گھنے درختوں کے درمیان آ گئے۔ اس سڑک پر سفر کر کے ہم غالباً جیکب کے مکان کے عقب میں پھیلے ہوئے جنگل کے پار نکل کر اپنا واپسی کا سفر جاری رکھ سکتے تھے۔
پھر ویرا نے اچانک ہی سختی کے ساتھ بریک لگائے تھے اور عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے اضطراری طور پر بڑبڑائی تھی "اوہ، یہ کون دیوانہ درمیان میں آ گیا؟"
میں نے بے اختیار سر پیچھے گھمایا اور میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔
سلطان شاہ کی کار کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں دونوں گاڑیوں کے درمیان پتلی سڑک کے وسط میں ایک قوی ہیکل شخص دونوں بازو پھیلائے کھڑا تھا اور سلطان شاہ کی کار کی رفتار دم توڑ رہی تھی۔
"ٹھہرو، میں گاڑی پیچھے لیتی ہوں۔" مجھے نیچے اُترنے پر آمادہ پا کر ویرا نے تیز آواز میں کہا۔
"حماقت نہ کرو۔ گاڑی سڑک سے اُتار کر انجن اور بتیاں بند کر دو۔" میں نے سختی سے کہا۔ "وہ سمجھ رہا ہے کہ ہم رُکے بغیر آگے نکل گئے ہیں۔ ہماری طرف سے مداخلت کا اندیشہ ہوتے ہی وہ خطرناک ہو سکتا ہے۔"
کہتے ہوئے میں اپنا ریوالور نکالتا ہوا گاڑی سے اُتر گیا اور پنجوں کے بل اس خبیث کی طرف دوڑ لگا دی، جس کا بھیانک سایہ سڑک پر دُور تک کسی عفریت کی طرح پھیلا ہوا تھا۔
وہ غالباً مسلح تھا اور اس کے تیور تو بہرحال دوستانہ نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اس کا رُخ سلطان شاہ کی طرف تھا اور سلطان شاہ میرے مقابلے میں اجنبی کے عزائم سے زیادہ باخبر تھا۔ اس نے گاڑی لہرا کر پہلو سے آگے گزارنا چاہی لیکن وہ شخص جھپٹ کر ادھر بھی کار کے سامنے آ گیا اور سلطان شاہ کو اپنی کار روک دینا پڑی۔
اس وقت تک میں ہیڈ لیمپس کی روشنی سے بچتے ہوئے لمبے لمبے قدموں سے دوڑتا ہوا اس کے خاصا قریب پہنچ گیا تھا اور ضرورت پڑنے پر بہ آسانی اس کا نشانہ بھی لے سکتا تھا مگر اُسی لمحے وہ جست لگا کر سلطان شاہ کے برابر والی نشست کے دروازے پر پہنچا۔ سلطان شاہ اس کے اسلحے کی للکارتی ہوئی نال سے بے بس ہو کر دروازہ غیر مقفل کر چکا تھا لہٰذا وہ دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔
اس سے پہلے کہ وہ سلطان شاہ کو روانہ ہونے پر مجبور کرتا، میں سلطان شاہ کے سر پر پہنچ گیا اور اُن دونوں میں سے کسی کو بھی بطورِ خاص مخاطب کیے بغیر "ہینڈز اَپ" کا نعرہ بلند کر دیا۔
اندھیرے کیبن میں اس شخص کی آنکھیں کسی وحشی درندے کی پیاسی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ میری آواز سنتے ہی اُس نے بے دریغ میری طرف فائر جھونک مارا۔ کھٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ اس کے سائیلنسر لگے ہوئے پستول کی نال سے بارود کا شعلہ لپکا اور کھلی ہوئی کھڑکی میں سے نکل کر اندھیرے میں تحلیل ہو گیا۔ اگر میں نے تیزی کے ساتھ ایک طرف جُھک کر خود کو نہ بچایا ہوتا تو کھوپڑی صاف اُڑ گئی ہوتی۔
"چلو۔" اجنبی کی خوفناک غراہٹ میرے کانوں سے ٹکرائی۔ سلطان شاہ کو شاید اس وقت مجھ سے کسی معجزے کی اُمید تھی کیونکہ کار رینگتی ہوئی آگے بڑھی تھی۔ میں اگر چاہتا تو اسی لمحے کار کے کم از کم دو ٹائر ناکارہ کر کے اجنبی کو فرار ہونے سے روک سکتا تھا لیکن میں نے اس خیال کو عملی جامہ نہ پہنایا۔
لحظہ بھر کے لیے اس کی ایک جھلک دیکھ کر ہی میں نے اس پر چھائی ہوئی وحشت اور بربریت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ بظاہر زخمی نظر آ رہا تھا کیونکہ اُس کے چہرے پر سفاکی کے ساتھ ہی کرب کی پرچھائیاں بھی نظر آئی تھیں۔ عین ممکن تھا کہ کسی بھی ناکامی پر وہ جھلا کر بے مقصد ہی سلطان شاہ کی کنپٹی میں پگھلا ہوا سیسہ اُتار دیتا۔
میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس کا جیکب کے مکان پر ہونے والے دھماکے سے کسی نہ کسی طرح گہرا تعلق تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اس نے دھماکے میں زخمی ہونے کے باوجود اوسان برقرار رکھتے ہوئے مین روڈ کی طرف جانے کے بجائے عقبی جنگل سے نکل کر فرار کا فیصلہ کیا ہو۔
ویرا کی کار کی طرف دوڑتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ جیکب کے

قتل کے بعد اُس کے مکان سے بس غزالہ کا تعلق باقی رہ گیا تھا یا داؤد کے
ذریعے ایلن بریز اور اُس کے ساتھیوں کا ذکر کیا تھا اور قوی امکان یہی تھا
کہ بے آواز پستول کے نشانے پر سلطان شاہ کو لے جانے والا ایلن کا ساتھی ہو۔

"وہ اُسے لے گیا اور تم مُنہ دیکھتے رہ گئے"۔ وہ مجھے آتے دیکھ
کر دُور ہی سے بولی۔

"وہ بہت زیادہ مشتعل اور مضطرب ہو رہا تھا۔ ذرا سی بھی مزاحمت
ہوتی تو خون ریزی پُر اُتر آتا۔ میرے پہنچتے پہنچتے وہ سلطان شاہ کو
پستول کی زد پر لے چکا تھا"۔ میں نے کار میں سوار ہوتے ہوئے کہا۔
"اب جلدی چلو، ضروری نہیں کہ وہ لندن ہی جانے کا ارادہ
رکھتا ہو"۔

سلطان شاہ کے گزر جانے کے بعد ویرا اپنی سیاہ کار کا انجن اسٹارٹ
کر چکی تھی۔ میرا اشارہ پاتے ہی اُس نے کار تیزی سے آگے بڑھا دی۔
اسی کے ساتھ اگلی کار کی معدوم ہوتی ہوئی عقبی سُرخ روشنیاں
بتدریج واضح ہونے لگیں۔

"میں نے اس کی بس ایک جھلک ہی دیکھی تھی۔" ویرا پُرجوش لہجے
میں کہہ رہی تھی۔ "میرا خیال ہے کہ وہ ایلن بریز ہی تھا اور یہاں سے اپنے
زخم چاٹتا ہوا واپس بھاگ گیا ہے"۔

"اس کا مطلب ہے کہ غزالہ بھی اب اس مکان میں نہیں رہی ہو
گی"۔ میں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ بھی
راستے کی تلاش میں جنگل میں بھٹک رہی ہو"۔

"اس وقت ہم اُس کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ایلن کو مہلت دی گئی
تو وہ سلطان شاہ کو مار ڈالے گا۔ تم اُسے یہیں زیر کر لیتے تو ہم گاڑیاں نیچے
اُتار کر جنگل میں چھپا سکتے تھے"۔ وہ منافقانہ لہجے میں بولی۔ "بے سروسامانی
کے عالم میں ایلن کے فرار سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس وقت ستارے غزالہ
کا ساتھ دے رہے ہیں۔ وہ ہر مشکل مرحلے سے سُرخرو گزر رہی ہے۔
فی الحال اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دینا ہی مناسب ہو گا"۔

"تم بھول رہی ہو کہ میں اُسے کھونے نہیں، تلاش کرنے کے لیے
آیا ہوں"۔ میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"داؤد سے میرا پیچھا چھوٹ گیا اور میں دوبارہ آزادانہ طور پر کام کرنے
کی پوزیشن میں آ گئی تو یقین کرو کہ یہاں میرے اتنے وسائل ہیں کہ چوبیس
گھنٹوں میں غزالہ کو تلاش کر لیا جائے گا۔ اُسے جیکب کے ذریعے اشارہ
ضرور مل گیا ہو گا کہ تم کسی بھی وقت لندن پہنچنے والے ہو۔ وہ تم سے ملے بغیر یہ
شہر نہیں چھوڑے گی"۔

بات کرتے کرتے اُس نے دھیمی آواز میں کار ریڈیو آن کر دیا، جس پر
موسیقی کا پروگرام آ رہا تھا۔

"یہ کیا خرافات شروع کر دی، بند کرو اس لعنت کو"۔ میں نے
چڑچڑے لہجے میں کہا۔

"میں موسیقی نہیں سن رہی۔ مجھے خصوصی بلیٹن کا انتظار ہے"۔
اُس نے میرے لہجے کی نقل اُتارتے ہوئے کہا۔ "کسی بھی لمحے مقامی ریڈیو
اسٹیشن سے دھماکے کے بارے میں خبر نشر کی جا سکتی ہے۔ اس خبر
سے ہمیں کم از کم فوری طور پر اصل صُورتِ حال کا اندازہ ہو جائے گا"۔

"میری ناکام مداخلت نے ایلن کو چوکنا کر دیا ہو گا"۔ میں نے
سگریٹ سُلگاتے ہوئے اضطراری انداز میں کہا۔ "وہ اپنے تعاقب
کے امکان پر بھی نظر رکھے گا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم سلطان شاہ کے
لیے کیا کر سکیں گے؟"

وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ "مجھے بس اگلے کراسنگ کا انتظار
ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ سیدھا ہی جائے گا اور میں دوسرا راستہ
اختیار کر کے تیز رفتاری سے دوبارہ اسی سڑک پر اس سے آگے نکل
جاؤں گی۔ وہ احمق کی طرح پیچھے گھورتا رہ جائے گا اور ہم آگے سے
اُسے بلاک کر لیں گے"۔

میں نے محسوس کیا کہ وقت گزرنے کے ساتھ آہستہ آہستہ اُس
کی خود اعتمادی بحال ہوتی جا رہی تھی۔

اگلے کراسنگ پر وہی ہُوا، جس کی ویرا اُمید کر رہی تھی۔ سلطان شاہ
کی گاڑی کراسنگ سے سیدھی نکلتی چلی گئی اور ویرا نے رفتار بڑھاتے
ہوئے اپنی کار بائیں طرف گھمائی۔ ویرا نے مشاقانہ تیز رفتاری کا مظاہرہ
کرتے ہوئے چند موڑ کاٹے اور پھر اُسی سڑک پر کئی میل آگے نکل
آئی، جس سے اُس نے راستہ کاٹا تھا۔

سڑک پر کافی پیچھے بس ایک ہی کار کے ہیڈ لیمپس چمک رہے
تھے، جو میرے اندازے کے مطابق سلطان شاہ کی کار کے تھے۔

آگے نکل آنے کے بعد بس ایک ہی خطرہ تھا کہ اگر ایلن نے
راستے میں اچانک ہی کہیں مُڑنے کا فیصلہ کر لیا تو ہمیں واپس گھوم کر
اُس تک پہنچنا دشوار ہو جاتا۔ اس امکان کے پیشِ نظر ویرا نے سڑک
کے اُسی سیدھے حصے پر کارروائی کا آغاز کرنے کی نیت سے اپنی گاڑی
کی رفتار کم کرنا شروع کر دی۔

"ڈیش بورڈ میں پلاسٹک کی گیندیں سی پڑی ہوئی ہیں۔ درمیانی
فاصلہ کم رہ جائے تو دو گیندیں پیچھے سڑک پر اُچھال دینا۔ اس کے بعد کام
آسان ہو جائے گا"۔ ویرا نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"ان گیندوں میں کیا ہے؟" میں نے تاریک ڈیش بورڈ میں
ٹٹولتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ درحقیقت گیس بم ہیں، جو ذرا سی ضرب لگنے پر بے آواز
پھٹ جاتے ہیں۔ یہ بھاری گیس بم پھٹنے کی جگہ پر خاصے رقبے میں عام
موسمی حالات میں دس بارہ منٹ تک اتنی مقدار میں موجود رہتی ہے
کہ اس میں سے گزرنے پر آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ
ایلن کو زیر کرنے کی کوئی صُورت نہیں ہے"۔

"پھر تو سلطان شاہ بھی بے ہوش ہو جائے گا۔"

"امکان یہی ہے لیکن اسے اتنی مہلت مل جائے گی کہ گاڑی روک کے کسی حادثے کا ڈر نہیں ہے۔ سلطان کے ہاتھ پیر باندھ کر دوسری گاڑی تم ڈرائیو کر لینا۔"

"اور یہ بے ہوشی کتنی دیر قائم رہے گی؟"

"زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹا... ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے پہلے ہوش میں آجائیں۔"

پھر کیبن میں صرف ریڈیو سے ابھرنے والی موسیقی کی دھیمی آواز باقی رہ گئی۔

"اب فاصلہ مناسب ہے۔" ویرا نے عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نے گردن گھما کر پچھلی گاڑی کا جائزہ لیا اور اپنی سمت کا شیشہ اتار کر دو گیندیں ایک ساتھ پیچھے اچھال دیں۔

دھوئیں کے وہ بے آواز بم پھینکنے کے بعد میں پیچھے کا جائزہ لینے کے لیے دوبارہ واپس مڑا تھا لیکن وہاں فضا صاف تھی۔ سلطان شاہ کی کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں کہیں کوئی کثیف غبار نظر نہیں آرہا تھا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے سلطان شاہ کی کار سڑک پر لہرائی اور پھر یک بیک اس کی رفتار کم ہوتے ہوتے صفر رہ گئی۔ اس کے ہیڈ لیمپس بدستور روشن تھے۔

ویرا نے اپنی کار روک کر تیزی سے ریورس کی اور پچھلی کار کے قریب لے گئی۔

"خدا کا شکر ہے!" نیچے اترتے ہی میں سلطان شاہ کی آواز سن کر حیران رہ گیا "مجھے تشویش ہونے لگی تھی کہ تم لوگ کہاں رہ گئے ہو لیکن تم ہم سے آگے کیسے پہنچ گئے؟"

"یہ بتاؤ کہ تم ہوش میں کیسے ہو؟" ویرا نے نیچے آکر تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں نے سوچا کہ ایک وقت میں تمہارے لیے ایک ہی بے ہوش کافی ہوگا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا "دراصل یہ الّو کا چرخا میری طرف متوجہ تھا اور میں سامنے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اپنی گاڑی کی روشنی میں تمہاری کار سے گیندیں گرتے دیکھ کر ہی خطرہ بھانپ لیا تھا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اگلی کار میں تم لوگ ہو گے۔ پھر جوں ہی نتھنوں سے نامانوس سی میٹھی میٹھی بو ٹکرائی میں نے سانس روک لیا۔ چند ثانیوں بعد وہ بو صاف ہوئی تو دوبارہ سانس لینے لگا۔"

"پھر تمہاری کار کیوں لہرائی تھی؟" ویرا نے پوچھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے سلطان شاہ کی وضاحت پر پوری طرح یقین نہ آسکا ہو۔

"اس گدھے کو کچھ اندازہ ہی نہ ہو سکا اور وہ گہرے گہرے سانس لیتا اچانک کسی لاش کی طرح میرے اوپر آرہا۔" اس نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کا سیفٹی کیچ چڑھاتے ہوئے کہا "گاڑی روک کر اسے واپس اس کی سیٹ میں ٹھونس رہا تھا کہ تمہاری کار رک کر پیچھے آتی نظر آئی اور میں پستول سنبھال کر مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔"

اس اثنا میں ویرا سلطان شاہ والی کار کی پسنجر سیٹ کے قریب پہنچ چکی تھی "میرا اندازہ درست تھا، یہ ایلن برنز ہی ہے۔" اس کی مسرت آمیز آواز سنائی دی "اور مجھے خوشی ہے کہ یہ بری طرح زخمی ہے۔ اس کا بایاں شانہ اور پوری آستین خون میں تر ہے۔"

بے ہوش شکار کا جائزہ لے کر اس نے کیبن لائٹ بجھا دی۔ پہلے میرا ارادہ اسی طرح سلطان شاہ کی کار میں منتقل ہونے کا تھا تاکہ ایلن ہوش میں آکر اس کے لیے دشواریاں پیدا نہ کر سکے لیکن آخری لمحے پر میں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا۔

اگر ایلن راستے میں ہوش میں آجاتا تو اس سے ویرا کی موجودگی میں بازپرس زیادہ سودمند ثابت ہو سکتی تھی لہٰذا اس کے سائیلنسر لگے ہوئے پستول پر قبضہ کرنے کے بعد میں نے سلطان شاہ کی مدد سے اسے ویرا کی کار کی عقبی نشست پر ڈال دیا اور ڈکی سے رسّی کے چند مضبوط ٹکڑے لے کر اسی کے برابر میں بیٹھ گیا۔

وہ ساری کارروائی کسی مداخلت کے بغیر نہایت سکون کے ساتھ مکمل ہوئی اور ہم ایک بار پھر پرانی ترتیب کے ساتھ لندن کی طرف روانہ ہو گئے۔

ایلن برنز کے ہاتھ پیر باندھنے کے بعد میں نے اس کی جیبوں سے بھرا ہوا فاضل میگزین گولیوں کی ایک تھیلی سمیت نکال لیا اور پھر چلتی کار میں اگلی نشست پر ویرا کے پہلو میں پہنچ گیا۔

"کوئی ہوش میں لانے والی گیند ہو تو اب وہ بھی دے دو مجھے۔"

"فکر نہ کرو، یہ جلد ہی ہوش میں آجائے گا۔" وہ تسلی آمیز لہجے میں بولی۔ "میں ویسے بھی واپسی کے لیے لمبا راستہ اختیار کروں گی تاکہ اس کا معاملہ راستے ہی میں نمٹ جائے۔"

"کہیں پولیس پارٹی ٹکرا گئی تو یہ بے ہوش قیدی ہم تینوں کو لے ڈوبے گا۔"

"فکر نہ کرو، یہ پاکستان نہیں ہے۔ یہاں پولیس بلاجواز شریف شہریوں کو روک کر ہراساں نہیں کرتی۔"

میں فوری طور پر کچھ نہ بول سکا۔ میرے ذہن میں وہ خبریں ابھر آئیں جو پولیس کی عام کارکردگی سے متعلق تھیں۔ پُرنور بستیوں میں گناہوں کے جزیروں اور قحبہ خانوں سے بامعاوضہ چشم پوشی اختیار کرنے والے افسروں اور اہلکاروں نے بارہا شادی شدہ جوڑوں کو آوارگی کے جرم میں زنداں کی سیر کرائی تھی اور نکاح نامے کے بغیر ان دکھیاروں کی گلوخلاصی کی کبھی کوئی صورت نہیں بن سکی تھی۔ مجرموں کے بدلے بے گناہوں کو الٹا لٹکا کر جوتے کے زور پر ناکردہ گناہوں کا اقبالی بیان لینے کے واقعات بھی اکادکا ہی تھے اور وہاں پولیس کی عالمی کا یہ عالم تھا کہ شریف

شہریوں کی آزادی کی آڑ میں ویرا جیسی مجرمہ بھی پناہ کی اُمید رکھتی تھی۔

"میں غزالہ کے بارے میں فکرمند ہوں، تمہارا ریڈیو بھی اس واردات کے بارے میں ابھی تک خاموش ہے۔"

"اور مجھے حیرت ہے کہ ایلن اس حال کو کیسے پہنچا۔ پتا نہیں تم لوگ کسی مٹی کے بنے ہوئے ہو کہ کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتے میرے لیے تمہارے ہاتھوں کالاہان کا قتل ہی کم حیرت ناک نہیں تھا کہ تم نے فرنیکی کو بھی ٹھکانے لگا دیا اور اب غزالہ ایک چھلاوا بنی ہوئی ہے۔ دیکھنے میں ایسی نازک لگتی ہے کہ پستول تھامے تو کلائی میں موچ آ جائے۔"

"بس بس، مجھے بہلانے کی کوششیں نہ کرو۔" میں نے اُسے خاموش کر دیا۔ "یہ سب اتفاقات ہیں، جن کے سہارے وہ زیادہ دن خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتی۔"

اس کے بولنے سے قبل ہی ریڈیو سے موسیقی ختم ہوئی اور اناؤنسر ایک اہم خبر نشر کرنے لگا۔

چند روز قبل ایسکوز آرمز میں دوپہر کے کھانے کے وقفے کے دوران ذبح کر دیے جانے والے، وہاں کے بارٹنڈر، جیکب کے مکان میں جو عموماً ویران پڑا رہتا تھا، ایک ہولناک دھماکا ہوا، جو آتش گیر مادوں کے ماہرین کے ابتدائی اندازوں کے مطابق ٹرائی نائٹرو ٹولین یا بارود کا تھا، جو ڈائنامائیٹ کی شکل میں برآمدے کے کسی حصے میں پوشیدہ تھا۔ دھماکے سے عمارت کا اگلا حصہ مکمل طور پر تباہ ہو گیا تھا۔ آگ پر قابو پانے کی کوششیں جاری تھیں۔ اس اثنا میں اس ایک منزلہ مکان کے ملبے سے پانچ سفید فام مردوں کی مسخ شدہ لاشیں اور ایک بے ہوش زخمی کو نکالا گیا تھا۔ بظاہر وہ پانچوں براہِ راست بارودی دھماکے کی زد میں آئے تھے، جس کے نتیجے میں ان کے بعض اعضا اُڑ گئے تھے۔ اس مکان کے قریب گھاس کے میدان میں ایک سیاہ کرسلر کار کھڑی ہوئی ملی تھی، جس کا کوئی دعوے دار نہیں مل سکا تھا۔ پولیس کا خیال تھا، کار کا تعلق مرنے والوں اور زخمی سے تھا۔ زخمی کو طبی امداد دی جا رہی تھی، اس کے ہوش میں آنے پر اہم انکشافات کی توقع تھی۔

نشریے کے اختتام پر شہریوں سے اس معاملے میں پولیس کی مدد کی اپیل کی گئی تھی۔

خصوصی بلیٹن کے بعد ہی سرے کے علاقے میں سنگین جرائم کی شرح اور ان کے سدِباب پر ایک پروگرام کا آغاز ہو گیا اور میں نے ریڈیو آف کر دیا۔

"میرا اندازہ درست ہی نکلا۔" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "پوری خبر میں غزالہ کے بارے میں کوئی مبہم سا اشارہ بھی نہیں ہے۔"

"ایلن بریز کا نام بھی نہیں لیا گیا۔" میں نے کہا۔ "خدا کرے کہ غزالہ بھی کسی نہ کسی طرح اس علاقے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی ہو۔ جیکب کے مکان کے حوالے سے یہ قصہ بھی کاؤنٹری اور ایسکوز آرمز کے واقعات سے مربوط کر لیا جائے گا اور وہ ناقابلِ بیان خطرات میں گھِر جائے گی۔"

"تم احمق ہو۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "یہ کڑیاں ملنا اُس کے حق میں سود مند ہے۔ اس کا نام ابھی تک پولیس ریکارڈ پر نہیں آ سکا ہے، وہ سب نیلی آنکھوں والی سونیا کو ہی تلاش کرتے رہیں گے۔"

ریڈیو سے میں نے جو کچھ سُنا، وہ میرے لیے توقعات سے کہیں زیادہ سنگین تھا۔ پانچ لاشوں کے ساتھ ایک زخمی قیدی اور ایلن بریز کو شامل کر کے وہی تعداد بنتی تھی، جو داؤد کے بیان کے مطابق جیکب کے مکان پر دھاوا بولنے والوں کی تھی۔ اگر وہ سب غزالہ ہی کی کسی تدبیر کے نتیجے میں ہلاک اور زخمی ہوئے تھے تو غزالہ کی صلاحیتیں قابلِ رشک تھیں۔ وہ جیکب کے مکان میں تنہا پناہ گزین تھی۔ وہاں جانے والوں نے غزالہ کی انتقامی کارروائی کا نشانہ بننے سے قبل اسے چار دیواری سے باہر نکالنے یا خود اندر گھسنے کی ہر ممکن کوشش کی ہو گی، جس میں وہ بُری طرح ناکام رہے اور غزالہ نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اُن سب کو ایک جگہ جمع ہونے پر مجبور کر کے اُن پر دھماکا خیز آتش گیر مادہ پھینکا یا برآمدے پر پہلے سے پوشیدہ کسی ڈائنامائیٹ کے اگنیشن سسٹم کو محفوظ فاصلے سے آن کر کے اُنھیں اپنے لہو میں نہانے پر مجبور کر دیا۔

جائے واردات سے فرار ہونے والے تعداد میں دو تھے جن میں سے ایک ظالم اور دوسرا مظلوم تھا اور دونوں ہی بظاہر پولیس یا قانون کی دسترس سے باہر نکل چکے تھے مگر تقدیر اٹل ہوتی ہے۔ ہوس اور بربریت کا پجاری زخمی حالت میں اتفاقی طور پر ہمارے ہاتھ آ چکا تھا اور غزالہ کو رات کے گھور اندھیرے نے پناہ فراہم کر دی تھی۔ حالات جس رُخ پر جا رہے تھے، اس کی بنا پر اُمید یہی تھی کہ پولیس پوری تن دہی کے ساتھ سونیا کی تلاش کی مہم میں مصروف رہے گی اور غزالہ کو ایک بار پھر کسی محفوظ ٹھکانے تک پہنچنے کی مہلت مل جائے گی۔

"کس قدر پُراعتماد تھا داؤد اپنے آدمیوں کے بارے میں۔" ویرا زہریلے لہجے میں بولی۔ "اب وہ ساری رات بیٹھا اُن کا انتظار ہی کرتا رہے گا۔"

"کیا وہ ریڈیو سننے کا عادی نہیں ہے؟" میں نے سادگی سے دریافت کیا۔

اندھیرے میں وہ مجھے گھور کر رہ گئی۔

اسی لمحے مجھے داؤد کی دھمکی یاد آ گئی۔ اس نے آپریشن پر گفتگو کرتے ہوئے ہمیں تنہا ہو کر رات دس بجے ٹاور ہل ٹیوب اسٹیشن کے باہر پڑی ہوئی چوبی بینچوں پر پہنچنے کا حکم دیا تھا۔ حکم عدولی کی صورت میں جن بدترین نتائج کی دھمکی دی گئی تھی، ان میں غزالہ کے ساتھ بدسلوکی کا پیغام پنہاں تھا۔ اگر اس رات غزالہ، ایلن بریز یا اس کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئی ہوتی تو میری بازی ختم ہو جاتی اور مجھے غزالہ کی خاطر خود کو بے بسی کے عالم میں داؤد کے بھیجے ہوئے تیسرے درجے کے

مقامی غنڈوں کے حوالے کرنا پڑجاتا۔

اس بارے میں وہ اتنا پُریقین تھا کہ اس نے ہماری سرے روانگی
و وقت اور بٹرول کی بربادی قرار دیا تھا۔ شاید اسے توقع تھی کہ ہمارے
ے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں کھیل ختم ہوچکا ہوگا اور اس کے آدمی عزالہ
و اپنا قیدی بنا کر لندن کی شہری حدود میں داخل ہوچکے ہوں گے۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ دس بجے تک وڈہل اسٹیشن پر آئے گا؟" میں
نے دیرا سے پوچھا۔

"ریڈیو سُننے کے بعد بھی دوڑا آیا تو اس سے بڑا احمق کوئی نہ ہوگا۔"
وہ جلے کٹے لہجے میں بولی۔

"میں ہنس پڑا۔ "مرچیں نہ چباؤ، اب میں سنجیدہ ہُوں۔"

"میں بھی رنجیدہ نہیں ہوں۔" وہ بدستور اسی لہجے میں بولی۔ "سب
سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ایسے کام وہ خود نہیں کرتا، اپنے گرگوں کو
دوڑانے کا عادی ہے۔"

"یعنی کوئی نہ کوئی ضرور پہنچے گا؟" میں نے اُسے منانے کے لیے
تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"امکان یہی ہے۔ وہ آخری نتیجہ سامنے آنے تک اپنے فیصلوں پر
قائم رہتا ہے اور پورے اختیار کے ساتھ اس پر عمل بھی کراتا ہے۔" اس کا
لہجہ قدرے مصالحانہ ہوگیا۔ "آخر تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟"

"کیوں نہ وہاں بھی چھاپا مارا جائے؟"

"میں بلاوجہ یہ خطرہ مول نہیں لوں گی۔ ہمارا وار کارگر رہا تو اس کا کوئی
معمولی آدمی مارا جائے گا۔ ہم سے چُوک ہوئی تو اسے بہت بڑی کامیابی
حاصل ہوگی جس کا امکان زیادہ ہے۔ ہمیں تو احمقوں کی طرح ایک چوبی
بنچ پر بیٹھ کر محض انتظار ہی کرنا ہے۔ اس کے آدمی کسی بھی سمت سے
سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تعداد میں کئی ہوں اور ہم ان سے مقابلہ
ہی نہ کرسکیں، وہ ہمیں چُوہوں کی طرح گھیر لیں گے۔"

"میں اُسے ایلن بریز کے حشر سے آگاہ کرکے بس یہ جتانا چاہتا
ہُوں کہ وہ ہمارے سامنے بالکل بے بس ہے۔ اس کے وسائل
ہمارا راستہ نہیں روک سکتے۔"

"بڑی آسان ترکیب ہے یہ جتانے کی۔ ایلن بریز کے کالر سے
ایک رقعہ باندھ دو کہ وڈہل اسٹیشن کے لیے ساتواں انجن۔ اور بازپرس
کے بعد ایلن کی لاش کسی کوڑا گھر میں پھینک کر ٹرانسمیٹر پر داؤد کو آگاہ کردینا کہ
ایلن وہاں بے چینی کے ساتھ اس کا منتظر ہے۔"

"تمہاری یہ تجویز معقول ہے۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔
"یہ تو بتاؤ کہ کیا تم نے ایلن کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"یہ شخص کسی بھی وقت ہمارے خلاف ایک اہم گواہ بن سکتا
ہے۔" وہ خشک لہجے میں بولی۔ "پھر وہ لوگ خود اپنے آدمیوں کو گاجر
مولی سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ تم میری پیش گوئی لکھ کر رکھ لو کہ جلیب کے
مکان سے زخمی حالت میں گرفتار کیا جانے والا ہوش میں آکر بیان
دینے سے پہلے ہی مار ڈالا جائے گا اور اگر اس نے ہوش میں آکر پولیس
کے سامنے ایلن بریز کا نام لے لیا تو داؤد خود ہی ایلن کو بھی مروا دے
گا۔ یہ لوگ اپنا اقتدار انسانی لاشوں کے سہارے قائم رکھتے ہیں، پھر
کیوں نہ پہل کا فائدہ ہم خود ہی اُٹھائیں۔"

"تم تو اس طرح بات کررہی ہو جیسے داؤد سدا سے یہیں رہ
رہا ہو۔"

"اسے یہاں شخص کا بے عمل مہمان نہ سمجھو، وہ اس کی مکاری تھی۔"
وہ بولی۔ "یہاں بھی اسے وہی مراعات حاصل ہیں، جو پاکستان میں تھیں۔
مقامی بڑوں کے مشورے سے وہ اپنے فیصلے نافذ بھی کرسکتا ہے۔ ہوسکتا
ہے کہ موجودہ مخصوص حالات میں ہماری بیخ کنی کے لیے خاصی نفری براہ راست
اس کی تحویل میں دے دی گئی ہو۔"

"میں ایلن کی لاش کے ساتھ اپنی یا تمہاری کوئی تحریر چھوڑنے کے
حق میں نہیں ہوں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اسے اب جلدی ہوش
میں آنا چاہیے۔"

"پیچھے جاکر ہلانے جلانے کی کوشش کرو تو شاید جلدی آنکھیں کھول
دے گا۔" اس نے کہا اور میں اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے عقبی
نشست پر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد میری کوشش بارآور ہوئی اور ایلن نے مُنہ
ہی مُنہ میں بڑبڑاتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور سیٹ پر سیدھا ہونے
کی کوشش کرنے لگا۔

بے دست وپا ہونے کی وجہ سے اُسے صورتِ حال کو سمجھنے
میں دیر نہیں لگی۔ اُس نے غرّاتے ہوئے مجھ سے میری اصلیت کے بارے
میں سوال کیا تھا۔

"دوستوں میں سے ہوتے تو تم اس حال کو نہ پہنچے ہوتے۔"
میں نے کہا۔

"چاہتے کیا ہو مجھ سے؟" اُس کی آواز دبنگ تھی، مجھے حیرت
تھی کہ اس کی آواز میں بائیں بازو کے زخم کی تکلیف کا کوئی اثر
نہیں تھا۔

"جہاں اور جس کام سے گئے تھے، اس کے بارے میں بلاکم وکاست
سب کچھ بتلاتے چلے جاؤ، اس سے آگے تمہیں ہمیں کوئی غرض نہیں۔"

"شاید تمہیں علم نہیں کہ تم بے خبری میں کس سے اُلجھ بیٹھے ہو۔ یہ
معاملہ بہت سنگین ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ جسارت تمہیں مہنگی پڑ جائے۔
میرا مشورہ مانو تو میرے ہاتھ پیر کھول کر مجھے یہیں اُتار دو، میں وعدہ
کرتا ہوں کہ اپنے خونخوار ساتھیوں کو تمہاری مداخلت کے بارے میں
کچھ نہیں بتاؤں گا۔ اگر انہیں تمہارے بارے میں بھنک بھی مل گئی تو وہ
تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

”اس سے نرمی سے بات مت کرو، یہ سیدھی طرح زبان کھولنے والوں میں سے نہیں ہے۔“ ویرا نے سرد لہجے میں انگریزی میں کہا اور وہ ویرا کی آواز سنتے ہی مضطرب ہو گیا۔

”اوہ، کیا یہ مادام ویرا کی آواز تھی؟“ اُس نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

”غنیمت ہے کہ تم نے آواز سے پہچان لیا لہٰذا اب جو کچھ پوچھا جا رہا ہے، اُس کا جواب دیتے جاؤ، ورنہ میں بلا وجہ اپنا وقت برباد کرنے کی عادی نہیں ہوں۔“ ویرا نے درشت لہجے میں کہا۔

”میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مجھے اس طرح کیوں باندھا گیا ہے؟“ وہ احتجاج آمیز لہجے میں بولا۔ ”مادام کو علم ہونا چاہیے کہ مجھے جو حکم دیا گیا تھا، میں اُسی کی تعمیل کر رہا تھا۔“

”جو کچھ تم کرنے والے تھے، وہ شاید شی کے مفادات کے خلاف تھا؟“ ویرا کی سرد آواز گونجی۔

”مفادات کے خلاف؟“ اُس کی آواز میں تحیر آمیز احتجاج تھا۔ ”یہ تم کیا کہہ رہی ہو مادام؟ مجھے مسٹر ایکس نے اس کام پر مامور کیا تھا اگر اُس سے کوتاہی ہوئی ہے تو میں اس کا ذمّے دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ بڑوں کے غلط فیصلے کا عتاب نیچے والوں پر ڈالنا سراسر زیادتی ہے۔“

اُس کی گفتگو سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت بھی ویرا کو تنظیم کے بڑوں میں شمار کر رہا تھا۔ اُسے علم نہیں تھا کہ پچھلی رات ویرا نے کھُل کر باغیانہ روش اپنا لی تھی۔

”مسٹر ایکس یہاں مہمان ہے۔“ ویرا کی آواز میں شوگر کوئین کا تحکم پیدا ہو گیا تھا۔ ”اُس نے ذاتی عداوت میں اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے۔ جواب طلبی اُسی سے ہوگی مگر تمہارا بیان ضروری ہے۔“

”اوہ!“ اُس کے منہ سے ایک گہرا سانس برآمد ہوا۔ ”اچھا ہی ہوا کہ میں اپنے مشن میں ناکام رہا۔ وہ لڑکی اُٹھالی جاتی تو شاید میں بھی سزا سے نہ بچ پاتا کیونکہ مسٹر ایکس نے لڑکی کو زیر کرنے کے بعد مجھے اس پر پورے تصرّف کی آزادی دے دی تھی۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ یہ اس کا کوئی ذاتی معاملہ تھا، ورنہ ہم میں ایسا انعام کون کسی کو دیتا ہے۔“

بے اختیار میرا ہاتھ چل گیا۔ منہ پر بھرپور تھپّڑ کھا کر ایلن بریز کے حلق سے غضب ناک غراہٹ آزاد ہوئی تھی۔ ”یہ زیادتی ہے، مادام! میں یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا۔“

”تم بھول رہے ہو ایلن کہ اس وقت مجبور ہو... تم جس لڑکی کی بات کر رہے ہو، وہ رتبے میں مجھ سے کم نہیں ہے۔ کیا تم کسی کی زبان سے میری تضحیک برداشت کر سکو گے؟“

”یقیناً نہیں۔“ وہ بڑبڑایا تھا۔ ”غلطی میری ہے، مجھے محتاط رہنا چاہیے تھا۔“

”اب من و عن سب کچھ بتاتے چلے جاؤ۔“ ویرا نے قدرے [illegible] لہجے میں کہا۔

”مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہیے تھا کہ وہ کوئی عام عورت نہیں [illegible]“ ایلن بریز کا لہجہ معذرت خواہانہ ہو گیا تھا۔ ”ویسے تو تم مجھ پر اکثر مہربان [illegible] ہو لیکن تمہاری صلاحیتوں کا سب کو اعتراف ہے... مسٹر ایکس [illegible] اس معاملے میں کڑی باز پُرس ہونا چاہیے۔ اُس نے مجھ سے کہا تھا [illegible] سرے کے ایک مکان میں ایک خوبصورت ایشیائی لڑکی مقیم ہے [illegible] بالوں سے پکڑ کر اس کے قدموں میں لا ڈالنا ہے مگر وہ لڑکی... خدا [illegible] پناہ، وہ چھلاوے سے کم نہیں تھی۔ وہ مکان میں ہر طرف سے محصور تھی اور مکان کے ہر آہنی حصّے میں اُس نے خطرہ بھانپتے ہی بجلی [illegible] دوڑا دی تھی۔ اُس نے ہمیں مکان سے دُور رکھنے کے لیے ہم پر گولیاں بھی چلائیں، اس کے پاس کوئی بے آواز ہتھیار تھا۔ پھر مجھ سے اشتعال کے عالم میں حماقت ہوئی اور میں نے اسے عام سی لڑکی سمجھتے ہوئے [illegible] کمین گاہ سے بلند آواز میں دھمکی دی کہ وہ تنہا ہے اور ہم سات مردوں کا دیر تک مقابلہ نہیں کر سکتی۔ وہ اس کے باوجود کافی دیر تک مزاحمت کرتی رہی۔ آخر کار ہم نے ایک انوکھی تجویز سوچی اور اس مکان کو بجلی فراہم [illegible] کا تار کاٹ ڈالے۔ اندھیرا ہوتے ہی اُس نے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے ہماری تعداد پر بے یقینی کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ میں اس کی چال کو نہ سمجھتے ہوئے اس سے بحث میں اُلجھ گیا اور بات یہاں تک آ گئی کہ [illegible] نے اس کو چھونے کی کوشش بھی کی تو وہ اپنی زندگی کی پروا کیے بغیر سب کچھ تباہ کر دے گی۔ ہاں اگر ہم ساتوں برآمدے میں جمع ہو کر اُسے اپنی نوا اور نیک نیتی کا یقین دلا دیں تو وہ رضا کارانہ طور پر خود کو ہمارے حوالے کر دے گی۔ میں سوچ بھی نہیں سکا کہ وہ ہمیں گھیر رہی تھی۔ میں نے اُسے فریب دینے کی نیت سے اس کی شرط تسلیم کر لی۔ براؤن ڈرتے ڈرتے سب سے پہلے برآمدے میں گیا لیکن اندھیری کھڑکیوں سے اُس پر کوئی فائر نہیں ہوا تو یکے بعد دیگرے میرے باقی ساتھی بھی برآمدے میں پہنچ گئے مگر جب میں سب سے آخر میں سیڑھیاں طے کر رہا تھا، اچانک برآمدے میں خوفناک دھماکا ہوا۔ ملبے کے ٹکڑوں نے مجھے زخمی اور حواس باختہ کر دیا اور میں اپنے ساتھیوں کی دلدوز چیخوں کی پروا کیے بغیر اندھا دُھند وہاں سے بھاگ نکلا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اُس نے جہاں ہم سب کو اکٹھا کیا تھا، وہاں ٹوائنا مائٹ پوشیدہ تھا جس کا کنکشن بجلی نہ ہونے کی صورت میں کسی بیٹری سے منسلک تھا۔ میں وحشیانہ انداز میں جنگل کی تنگ سی پٹی عبور کر کے عقبی سڑک پر نکلا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس سے شاید تم بے خبر نہیں ہو۔“

میں اُس کا بے آواز، بھرا ہوا پستول سنبھالے، اس کے پہلو میں اور خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی کہانی سنتے ہوئے غرور سے میرا سینہ

پھوتا جارہا تھا۔

"اس لڑکی کو اپنے پیشے پر پورا عبور تھا مادام!" وہ سحر زدہ انداز میں کہے جارہا تھا۔ "اس کی آواز سے آخر تک یہی اندازہ ہوتا رہا کہ وہ خوفزدہ ہو رہی تھی۔ دھماکا ہونے تک۔ ہم اپنی کامیابی کے بارے میں ہر طرح پُر یقین تھے۔ پتا نہیں، خود اس کا کیا حشر ہُوا ہو گا اگر دھماکے میں ذرا بھی تاخیر ہوتی تو شاید اس وقت میں تمہیں یہ کہانی سُنانے کے لیے زندہ نہ ہوتا۔ میرے ساتھی مرے نہیں تو زندگی بھر کے لیے معذور ہو گئے ہوں گے۔"

لمحہ بھر کے سکوت کے بعد ویرا کی سپاٹ آواز اُبھری۔ "ایلن کے ہاتھ پیر کھول دو، یہ بے قصور ہے۔"

اُس کے نادر شاہی حکم پر میں سٹپٹا کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر قبل وہ ایلن کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی اور اب مجھے اس کے ہاتھ پیر کھولنے کا حکم دے رہی تھی۔ ایلن کے جُثّے کو دیکھتے ہوئے مجھے پورا یقین تھا کہ ایک بار آزادی مل جانے کے بعد وہ نہتا ہوتے ہوئے بھی آسانی کے ساتھ زیر نہیں کیا جا سکے گا۔

مگر اس وقت وہ مادام ویرا یا شوگر کوئین کا رُوپ اختیار کر چکی تھی لہٰذا اس کے حکم سے سرتابی کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ میں نے ایلن کے ہاتھوں کی بندشیں کھولیں تو پیروں پر بندھی ہوئی رسّی اُس نے خود کھول ڈالی۔

"بہت بہت شکریہ مادام!" وہ سیٹ پر اپنی پوزیشن درست کرتے ہوئے بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے تم سے ایسے ہی انصاف کی توقع تھی۔ میں بہت زیادہ زخمی ہُوں، اجازت ہو تو سگریٹ سُلگا لوں!"

مادام کے دربار سے فوراً ہی اجازت صادر ہو گئی اور ایلن نے بے صبری کے ساتھ جیبیں ٹٹول کر سگریٹ سُلگائی۔ اُس نے میرے ہاتھ میں دبے ہوئے اپنے پستول کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا البتہ غور سے میرا جائزہ ضرور لیا تھا۔

"بُرا نہ مانو تو ایک سوال کر لوں مادام؟" سگریٹ کا دھواں اُگلتے ہوئے اُس نے سوال کیا۔

"آج تم موت کے مُنہ سے بال بال بچے ہو، تمہیں کھُلی چھوٹ ہے۔" ویرا نے کہا۔

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ہمارے معاملات میں یک بیک ایشیائی کیوں اتنے زیادہ فعال ہو گئے ہیں کیا ہم لوگ معاملات سنبھالنے کے لیے ناکافی تھے؟"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔"

"مجھے اس مہم کے لیے ملٹن کے بار میں آج شام ایک ایشیائی سے ہدایات ملیں، سرے والی عورت بھی ایشیائی تھی، تمہارا ساتھی بھی ایشیائی ہے جس کار میں، میں نے زبردستی لفٹ لی تھی، وہ بھی ایک ایشیائی چلا رہا تھا بلکہ میرا تو اندازہ ہے کہ مسٹر ایکس بھی ایشیائی ہی ہے۔"

"مسٹر ایکس کے بارے میں کیسے اندازہ لگایا تم نے؟" ویرا نے موضوع فوراً محدود کر دیا۔

"فون پر اُس نے مقامی لب و لہجہ اختیار کرنے کی کوشش کی تھی۔" وہ رسمی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "مگر تم جانتی ہو کہ یہ لوگ تلفّظ میں عموماً مار کھا جاتے ہیں۔ اُس نے مجھے مخصوص حُلیے میں ملٹن بار میں پہنچنے کی ہدایت کی تھی جہاں اس کا کوئی آدمی مجھے پہچان کر کام سے آگاہ کرتا لیکن میرا اندازہ ہے کہ ملٹن بار میں مجھ سے ملنے والا خود مسٹر ایکس تھا۔ اُس کے انداز کی برتری دیر تک میرے ذہن میں چُبھتی رہی تھی لیکن تمہارے انکشاف نے میرا ذہن صاف کر دیا ہے۔"

"ذرا حُلیہ تو دُہراؤ ملٹن بار میں ملنے والے کا۔" ویرا نے سپاٹ اور شینی لہجے میں کہا اور وہ رُک رُک کر خدوخال سے لے کر اُس کے لباس تک کی تفصیلات بتانے لگا جن میں میرے لیے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ اس وقت تک میں نے داؤد کو سرے سے دیکھا ہی نہیں تھا۔

"تعارف کس نام سے ہُوا تھا؟" ویرا کے سوال سے میں نے اندازہ لگایا کہ ایلن کی بتائی ہوئی تفصیلات اس کے لیے دلچسپ اور کارآمد ثابت ہوئی تھیں۔

"ڈی۔ اے خان نام بتایا تھا اُس نے اگر اُس کے دماغ میں برتری کا خنّاس نہ ہوتا تو اُسے مخفف کے بجائے اپنا پہلا نام بھی بتانا چاہیے تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ مجھ سے فاصلہ برقرار رکھنے پر مجبور ہو، شاید وہ اپنے اس ذاتی جھگڑے کو کم سے کم لوگوں تک محدود رکھنا چاہتا تھا۔" وہ ہاتھ پیر کھُل جانے پر بہت مگن نظر آرہا تھا۔ اس خوشی میں وہ اپنے زخموں کی تکلیف بھی یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔

"پھر تم نے چھ آدمیوں کو لے جانے کی اجازت کیوں دی؟"

"اُس لڑکی سے بدترین انتقام کے لیے، جو اُس کے لیے موت سے ذرا ہی کم ہوتا۔" وہ بولا۔ "پھر وہ اس مہم کو ہر قیمت پر کامیاب دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ تو میرے ستارے ہی یاور تھے کہ ناکام لوٹ رہا ہوں۔"

میں دل ہی دل میں اُس کی احمقانہ سوچ پر ہنس کر رہ گیا۔ اس مودود کو میں نے ایک سوچی سمجھی حکمتِ عملی کے تحت سلطان شاہ کی گاڑی سے اپنی کار میں منتقل کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ویرا کی موجودگی میں اس سے باز پرس سود مند ہو سکے گی لیکن اُس نے تو ویرا کی آواز سُنتے ہی ایسے سحر زدہ معمول کا رُوپ اختیار کیا تھا کہ میں حیران رہ گیا تھا۔ ویرا کو بدستور تنظیم کے اہم مفادات کا نگراں سمجھتے ہوئے اُس نے جس آسانی کے ساتھ سب کچھ بتا دیا تھا، وہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اگر اس واقعے کے بارے میں اُس کی زبانی ساری تفصیلات میرے علم میں نہ آتیں تو غزالہ سے ملاقات ہونے تک میں اس بارے میں بدترین خلش کا شکار رہتا۔ مجھے یہ جان کر بے انتہا خوشی ہوئی تھی کہ بُرا

وقت آنے پر عزاللہ نے خود کو ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کا اہل ثابت کیا تھا۔

"واپسی پر رپورٹ کیسے دو گے؟" ویرا نے اگلا سوال کیا۔ وہ بہت نرمی کے ساتھ کرید کرید کر اس سے کام کی باتیں پوچھتی جا رہی تھی اور وہ مادام ویرا پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے سب کچھ بتاتا چلا جا رہا تھا۔

"فون پر اسی ڈی اے خان سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ وہ ہلٹن ہی کے کمرہ نمبر پانچ سو دس میں مقیم ہے۔" اس کے جواب پر میں دل ہی دل میں خوشی سے جھوم اٹھا۔ ہدایات دینے والے ایشیائی کے نام کے مخفف سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ شاید وہ داؤد احمد خان ہی رہا ہو اور اب ایلن نے اس کی قیام گاہ کا پتا بھی دے دیا تھا جس سے ویرا جیسی مکار اور باخبر عورت بھی ابھی تک لاعلم تھی۔

"تم بہت جلد خود کو ترقی پانے والوں کی صف میں دیکھو گے۔" ویرا نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا اور ایلن کے شکریے کے ساتھ کار میں سکوت چھا گیا۔

جب ویرا نے لندن کے مضافات میں ایک ویرانے میں کار روکی تو وہ یک بیک چوکنا نظر آنے لگا۔ چند گز پیچھے سلطان شاہ نے بھی اپنی کار روک دی تھی۔

"ہم یہاں کیوں رک گئے مادام؟" اس نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہاں سے ہمارے راستے مختلف ہو جائیں گے، تم یہیں اتر جاؤ۔" ویرا کی آواز سرد اور پرسکون تھی۔

"مم... مگر میری حالت ابتر ہے۔" وہ تشویش زدہ لہجے میں ہکلایا۔ "میں زخمی ہوں، میری قمیص اور دامن آستین خون میں تر ہے میں کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر شہر میں کیسے داخل ہو سکوں گا؟ میرا خیال ہے کہ ابھی ہم لندن کے مضافات میں ہی ہیں اور شہر خاصی دور ہے۔"

"یہ تمہارا مسئلہ ہے ایلن۔" ویرا نے گردن گھما کر اپنے مخصوص اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں نہیں چاہتی کہ اس مرحلے پر تمہیں میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے دیکھا جائے۔ اس خبر پر مسٹر ایکس چوکنا ہو سکتا ہے۔ تمہارا بیان بہت اہم ہے لیکن شی میں اس کا اپنا ایک مقام ہے۔ محض تمہارے بیان کو بنیاد بنا کر میں اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتی۔ ہمارا الگ ہو جانا خود تمہارے بھی مفاد میں ہوگا۔"

"جیسا تم چاہو، میرا پستول مجھے مل سکے گا؟" ایلن کا لہجہ شکست خوردہ تھا۔

"نیچے اترتے تو گولی کھوپڑی میں اترنا چاہیے۔" ویرا نے میری طرف مخاطب ہوتے ہوئے بغیر اسی لب و لہجے میں اردو میں کہا اور میرے وجود میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی کہ ساری زبانی قلابازیوں کے باوجود ویرا کو ایلن کے بارے میں اپنا اٹل فیصلہ یاد تھا اور وہ اس بدمعاش کو کوئی رعایت دینے پر آمادہ نہیں تھی۔

"یہ لو۔" ویرا نے اپنا پستول اس کی طرف بڑھا دیا۔ "بے کار ہتھیار کی مجھے ضرورت ہے۔"

اس نے ویرا کے ہاتھ سے اس کا پستول لیا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ شاید اس کی چھٹی حس اسے خطرے کے امکان سے آگاہ کر چکی تھی کیونکہ وہ ہم دونوں پر سے نظریں ہٹائے بغیر الٹے قدموں پیچھے ہٹ رہا تھا۔ ویرا مخالف سمت میں تھی لہٰذا میں ایلن کی خالی کی ہوئی جگہ پر اس سمت کی کھڑکی کے قریب سرک آیا۔ ویرا کا پستول اس کے ہاتھ میں ایسی پوزیشن میں تھا کہ وہ بلاتامل ہم پر فائر کر سکتا تھا۔ مجھے ویرا پر شدید غصہ آیا کہ اس نے غیر ضروری فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے حریف کو آخری لمحات پر خود ہی مسلح کر دیا تھا۔

مگر میرے پاس وقت نہیں تھا لہٰذا میں نے کسی بھی خطرے کی پروا کیے بغیر نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ چلی گولی اس کی پیشانی میں پیوست ہوئی تھی۔ اس نے لڑکھڑا کر گرتے گرتے بھی ہاتھ سیدھا کر کے دوبار ویرا کے پستول کا ٹریگر دبایا لیکن دونوں بار صرف ٹرائیگر کی آواز ابھر کر رہ گئی۔ شاید ویرا نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت راستے ہی میں اپنے پستول کا میگزین خالی کر دیا تھا۔

گولی کھا کر ایلن ایک بھیانک چیخ مار کر کسی شہتیر کی طرح لہراتا ہوا زمین پر ڈھیر ہوا تھا۔ گرتے ہوئے ویرا کا پستول اس کی گرفت سے نکل گیا تھا اور تاروں کی روشنی میں نمایاں طور پر چمک رہا تھا۔

میں دروازہ کھول کر نیچے اترا اور پستول سمیت میرے کار میں داخل ہوتے ہی ویرا نے تیزی کے ساتھ سفر کے آخری مرحلے کا آغاز کر دیا۔ ایلن وہیں خاک پر پڑا، جانکنی کے عالم میں سسک رہا تھا اور میں ویرا کے پہلو میں براجمان تھا۔

"خس کم جہاں پاک۔" گاڑی کے رفتار پکڑتے ہی ویرا ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولی۔

"تمہاری اردو قابل رشک حد تک بامحاورہ ہے۔" میں نے موت کے بوجھل سکوت کو کم کرنے میں اس کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔

"میں بتا چکی ہوں کہ تمہارے علاقے میں کام کرنے کے لیے میں نے باقاعدہ اردو کی تعلیم حاصل کی تھی۔ پسماندہ علاقوں میں کسی کی مقامی زبان سے واقفیت کے بغیر نچلی سطح پر کام کرنا دشوار ہوتا ہے۔" وہ میرے پیکٹ سے سگریٹ نکال کر لائٹر آن کرتے ہوئے بولی۔

"ہم پسماندہ نہیں ترقی پذیر قوموں میں شمار کیے جاتے ہیں۔" میں نے اس کی تصحیح کی۔

"تمہیں کس نے روکا ہے، چاہو تو خود کو ترقی یافتہ بھی کہہ سکتے ہو۔" وہ لائٹر سے سگریٹ سلگاتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں بولی۔ "دیکھا جاتا ہے کہ دوسرے تمہیں کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔"

"تم جرائم کے علاوہ دوسرے موضوعات پر بھی بول لیتی ہو؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"کسی علاقے میں قدم رکھنے سے پہلے وہاں کے مفادات اور اجتماعی جذباتی کمزوریوں کا علم ہو تو لوگوں میں گھُل مل جانے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ تمہارے قبائلی علاقوں میں مجھے ایسے دیوانے نوجوان بھی ملے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ملک میں جلد ہی رائفلوں کے لیے ایٹمی کارتوس بھی بننے لگیں گے۔"

"میں اس وقت بحث کے موڈ میں نہیں ہوں، ورنہ صرف دس منٹ میں تمہیں لاجواب کر سکتا ہوں۔" میں نے اس سے اُلجھے بغیر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب ذرا داؤد سے بھی چھیڑ چھاڑ کر لی جائے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اَپریٹس کا پاور سپلائی سوئچ آن کر دیا۔

"ایلن نے ڈی۔ اے خان کا جو حلیہ بتایا وہ سو فیصدی داؤد کا ہے۔ جب ہمیں اس کے ہوٹل کا کمرہ نمبر تک مل چکا ہے تو کیوں نہ اُسے ہوشیار ہونے کا موقع دیے بغیر وہیں گھیرا جائے۔"

"دس بج رہے ہیں۔" میں نے رسٹ واچ کے روشن ڈائل پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "اور کچھ نہیں تو ٹاو وہل نہ پہنچنے کی معذرت ہی کر لیں گے۔"

"حالات کے بدترین دباؤ سے غیر متوقع طور پر نکل آنے کے سبب تم پر ذہنی عیاشی کا دورہ پڑا ہوا ہے۔ اَپریٹس پڑا ہوا ہے، جو چاہو کر سکتے ہو۔" اس نے بے بسی کے ساتھ کہا۔

میں نے غور کیا تو ویرا کے مشورے کو وزن دینا ہی پڑا۔ وقتی طور پر ہم نے مسائل پر قابو پا لیا تھا لیکن صورتِ حال ابھی تک غیر یقینی تھی۔ غزالہ تک رسائی حاصل کیے بغیر ہم حالات کی طرف سے بے فکری اختیار نہیں کر سکتے تھے اور نہ کسی فریق کو غیر ضروری اشتعال دلا کر اپنے پیچھے لگانا مناسب تھا۔ اگر میں داؤد کو ایلن کی ہلاکت کی خبر دیتا تو اُس کا ہوشیار ہونا ناگزیر تھا۔ وہ بہ آسانی یہ سوچ سکتا تھا کہ سرے سے دُور ہم نے ایلن کو محض آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے ہلاک نہیں کیا ہو گا بلکہ راستے میں اُس سے باز پُرس بھی کی ہو گی۔ لہٰذا وہ ہر اس بات کا توڑ اختیار کر سکتا تھا، جو ایلن کے علم میں تھی اور ان ہی میں سے ایک نکتہ یہ تھا کہ ایلن، ڈی۔ اے خان کے ہوٹل کے پتے سے واقف تھا۔ میرے ذریعے ایلن کے قتل کی خبر ملتے ہی داؤد ہلٹن ہوٹل چھوڑ سکتا تھا اور ہمیں اس کی دوبارہ تلاش میں دانتوں پسینہ آ سکتا تھا۔ دوسری صورت میں وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ لندن کے ان مضافات میں ایلن ہمارے ہاتھوں مارا گیا ہو گا۔

ایلن کی لاش کی اتفاقی دریافت کی صورت میں قرینِ قیاس کہانی یہی بن سکتی تھی کہ ایلن سرے میں زخمی ہونے کے بعد طاقت کے بل پر کسی سے لفٹ لے کر لندن روانہ ہوا ہو اور مضافاتِ لندن میں لفٹ دینے والے کو موقع مل گیا ہو کہ ایلن کو وہیں جہنم واصل کر کے اس مسلح عذاب سے نجات حاصل کر لے۔

"تم داؤد سے چھیڑ چھاڑ کرنا چاہ رہے ہو اور میں پچھلے واقعات کو اپنے ذہن میں دُہراتے ہوئے اپنے لیے فضا میں کچھ خطرات کی بو سونگھ رہی ہوں۔" کچھ دیر بعد ویرا نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

"تم تو خطرات سے کھیلنے کی عادی ہو، تمہیں کس سے خطرہ ہو سکتا ہے؟" میں نے ازراہِ تمسخر کہا۔

"داؤد نے اپارٹمنٹ میں پوشیدہ ڈکٹا فون کے ذریعے میرے ہوٹل کے پتے کے علاوہ سب کچھ معلوم کر لیا تھا۔ میرے اور تمہارے تعاون کے علاوہ، وہ تمہارے ساتھی کے وجود سے بھی واقف ہو گیا تھا مگر مجھے تشویش آرٹر کے بارے میں ہے۔ داؤد کو آرٹر کی میرے کمرے میں موجودگی کا علم ہو گیا تھا۔"

"اسے تو ایلن سے تمہارے تعلقات کا بھی علم تھا، پھر اس نے تمہارا کیا بگاڑ لیا؟"

"سنجیدگی اختیار کرو ڈیئر۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "آرٹر کی تضحیک کے لیے ہم بار بار اس کا پورا نام لیتے رہے جس میں اس کا خطاب بھی شامل تھا، اس حوالے سے شہر میں اس کا سُراغ لگانا بہت آسان ہے۔ شہر کے بیشتر لوگ اس پر ترس کھا کر اس کی مالی اعانت کرتے رہتے ہیں اور سب جانتے ہیں کہ وہ اکثر سوہو کی گلیوں میں پایا جاتا ہے۔"

"پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں نے جھنجھلا کر سوال کیا۔ آرٹر کے بارے میں اُس کی بے موقع تقریر سُن کر مجھے سخت کوفت ہوئی تھی۔

"وہ لوگ میرے ہوٹل کا پتا معلوم کرنے کے لیے آرٹر کو اُٹھوا سکتے ہیں۔"

میں چونک پڑا۔ ویرا نے بہت دُور کی بات سوچی تھی۔ آرٹر کے ذریعے ٹیوڈر ہوٹل کا پتا معلوم کر کے داؤد کے آدمی ویرا کے لیے وہاں چوہے دان تیار کر سکتے تھے۔

"تم نے بالکل ٹھیک سوچا ہے۔ آرٹر کے ساتھ ذرا سی ہمدردی جتا کر وہ لوگ اس سے ہر بات معلوم کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں اب تمہارا ٹیوڈر ہوٹل کا رُخ کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔"

"پھر میں کہاں جاؤں؟" وہ اُلجھے ہوئے انداز میں بولی۔ "مجھے تو یہ شہر خود پر یکایک ہی تنگ ہوتا ہوا نظر آنے لگا ہے۔"

"کسی ہوٹل وغیرہ کے مقابلے میں تمہارے لیے غیر معروف ٹھکانا محفوظ رہے گا۔ تم ایش برن سے رجوع کیوں نہیں کرتیں؟" میں نے اس کی شناساؤں میں سے وہی ایک نام لے دیا، جو مجھے معلوم تھا اور ویرا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"وہاں کئی لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ ان میں، میں آسانی کے ساتھ خود کو چھپا سکوں گی۔"

شہر میں داخل ہونے کے بعد ویرا نے اپنی کار کا رُخ پکاڈلی اور
سوہو کی مشہورِ عالم گلیوں کی طرف موڑ دیا کیونکہ وہ وقت مس ایش برن
کے کلب میں بزنس کے عروج کا تھا اور سرِ شام سے رات دو بجے تک
ایش برن وہیں مصروف رہتی تھی۔

ٹریفک کے ہجوم میں رُک رُک کر بڑھتے ہوئے آخر کار ویرا نے
گاڑی ایک پارکنگ لاٹ میں چھوڑی اور سلطان شاہ کو وہیں انتظار
کرنے کی ہدایت کر کے میرے ساتھ جلتی بجھتی روشنیوں سے جگمگاتے
اس بازار کی طرف چل دی جہاں بس راتیں ہی جوان ہوتی تھیں۔ ہم
نے اپنا اسلحہ نشستوں کے نیچے چھوڑ دیا تھا۔

سوہو کی تنگ پتلی گلیوں میں ملک ملک کے سیاحوں کے غول
گھوم رہے تھے اور جابجا زینوں اور کیبنوں میں کھڑی ہوئی دلکش اور
خوبرو لڑکیاں سیاحوں کو پُرلطف و پُراسرار تفریحات کی ترغیبات دلا رہی
تھیں۔ میلے کے اس رنگا رنگ سماں سے تیزی کے ساتھ گزرتے ہوئے
ہم ہوسٹس کلب پہنچے تو سیڑھیوں کے قریب میز ٹالے دو لڑکیاں والہانہ
انداز میں داخلے کے ٹکٹ فروخت کر رہی تھیں۔ ویرا نے اپنی سہیلی
کا حوالہ دیے بغیر دو ٹکٹ لیے اور سیڑھیاں طے کرتی ہوئی اوپر پہنچ
گئی جہاں قدم رکھتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے
سر پر پوری قوت سے لٹھ دے مارا ہو۔

مختصر سے ہال میں اُجلے اُجلے جسموں پر سیاہ منی اسکرٹ
پہنے ہوئے، خوبصورت لڑکیاں گاہکوں کو سرو کر رہی تھیں اور جو
گاہک زیادہ فیاض تھے اُن کے ساتھ بیٹھی ان کی طبیعت بہلا
رہی تھیں۔

لیکن میری توجہ لمحہ بھر سے زیادہ اس طرف مرکوز نہ رہ سکی
کیونکہ کاؤنٹر پر موجود سیاہ فام خاتون ویرا کو دیکھتے ہی تحیّر آمیز انداز
میں تقریباً چیخ پڑی تھی ”مس ویرا! تم یہاں؟“ وہاں کا ماحول کچھ ایسا
طلسم انگیز تھا کہ سیاہ فام خاتون کی چیخ کسی کے انہماک میں خلل انداز
نہ ہو سکی۔

”پھر مجھے کہاں ہونا چاہیے تھا؟“ ویرا نے زبردستی اپنے ہونٹوں پر
مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا ”ایش برن کہاں ہے؟“

سیاہ فام خاتون جو ویرا کو اپنی مالکن کی سہیلی کی حیثیت سے پہچانتی
تھی، حیرت اور بے اعتباری کے ساتھ بولی ”وہ تو ڈیڑھ گھنٹے سے تمہیں
دیکھنے گئی ہوئی ہے۔“

”مجھے؟“ ویرا نے آنکھیں نکال کر کہا ”تم ٹھیک تو ہو مسز ایڈی؟“

”ہاں تمہیں“ مسز ایڈی کے لہجے کی تیزی ایک دم جھاگ کی طرح
بیٹھ گئی ”وہ بہت عجلت میں گئی تھی کسی نے فون پر بتایا تھا کہ تمہارا شدید
ایکسیڈنٹ ہوا ہے، کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں اور تم کرامویل اسپتال میں
بے ہوشی کی حالت میں زیرِ علاج ہو مگر میں دیکھ رہی ہوں کہ تم ٹھیک
ٹھاک ہو۔“

ویرا نے اپنی دونوں کہنیاں کاؤنٹر پر ٹکا کر دونوں ہاتھوں سے
سر تھام لیا۔

میرے لیے اس کی تشویش قابلِ فہم تھی۔ آرٹک کی سلامتی کے
بارے میں اُسے جو اندیشے تھے ان کی تصدیق ہو گئی تھی۔ ویرا کا پتا لگانے
کے لیے پہلے شاید آرٹک کو گھیر لیا گیا پھر اُس سے ویرا اور ایش برن کے
تعلقات کے بارے میں معلوم ہوتے ہی ایش برن کو دھوکے سے
اُس کے ٹھکانے سے ہٹا کر غالباً اغوا کر لیا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ
مخالفین نے جھلاہٹ میں ہر اُس شخص پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا، جس
کا میری یا ویرا کی ذات سے ذرا بھی تعلق رہا ہو۔

اگر ایش برن ان کی نگاہوں میں آ چکی تھی تو اس کا ہوسٹس
کلب بھی ہمارے لیے مخدوش ہو چکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہمیں ذرا بھی
وقت ضائع کیے بغیر وہاں سے نکل بھاگنا چاہیے۔

”چلو“ میں نے سختی سے ویرا کا بازو تھام کر کہا ”اب یہاں
رُکنا خطرناک ہے۔“

وہ ہتھیلیوں سے سر اُٹھا کر مایوسانہ انداز میں میرے ساتھ چلنے
کے لیے مڑی اور پھر ہم دونوں اپنی جگہ پتھر کے مجسموں کی طرح جم
کر رہ گئے۔

زینوں کے سرے پر خبیث صورت والا ایک سفید فام پستول
کی نال ہماری طرف اُٹھائے سفاکانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ اس وقت
تک کلب کے عملے یا گاہکوں میں سے کسی کو کسی خطرناک تبدیلی کا
احساس تک نہ ہو سکا تھا۔

ہم سے نگاہیں چار ہوتے ہی اُس کے
ہونٹوں پر رچی ہوئی سفاکانہ مسکراہٹ
کچھ اور گہری ہو گئی۔ ہم دونوں کے اضطراری ردِ عمل سے اُس نے بھانپ
لیا تھا کہ ہم بگڑی ہوئی صورتِ حال کا اندازہ کرنے کے ساتھ ہی اُس کے
ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کا مہیب دہانہ بھی اچھی طرح دیکھ چکے ہیں
لہٰذا اُس نے ہوسٹس کلب کے گاہکوں کی رنگین بلکہ سیاہ و سفید تفریحات
میں بدمزگی پیدا ہونے کے خیال سے اپنے آتشیں ہتھیار کی مزید نمائش کو
غیر ضروری سمجھتے ہوئے اپنا داہنا ہاتھ پستول سمیت اپنے لانگ کوٹ
کی جیب میں ڈال لیا۔

اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ضرورت پیش آئی تو وہ
بے دریغ کوٹ کی جیب ہی میں سے گولی چلا دے گا۔ وہ دُشمن کا کوئی
نیا کارندہ تھا یا پھر اسے یہ علم ہو چکا تھا کہ ویرا کا نام دشمن کے سربرآوردہ
لوگوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا تھا کیونکہ ایلین بریز محض ویرا کی آواز
سُن کر ہی ریشہ خطمی ہو گیا تھا مگر نووارد ویرا سے نگاہیں چار کر کے
بھی متاثر یا خوفزدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے ویرا کی وہ خوش فہمی خاک

میں ملتی نظر آ رہی تھی کہ تنظیم میں داؤد اور اس کے ہمنوا اس کے خلاف سب کچھ کر گزریں گے، لیکن شی کی سپریم باڈی کی طرف سے الزامات عائد کیے جانے سے پیشتر کسی بھی قیمت پر اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ کر سکیں گے۔

مگر اب ایک مسلح سفید فام ہماری راہ میں حائل ہو چکا تھا۔ نظر یہ آ رہا تھا کہ میرے ساتھ ہی ویرا بھی پستول کے بل پر اغوا کی جانے والی تھی۔ اس صورتِ حال سے دو ہی نتائج اخذ کیے جا سکتے تھے۔ یا تو داؤد نے ویرا کو گھیرنے کے لیے ہنگامی طور پر شی کی سپریم باڈی سے کھلی اجازت لے لی تھی یا وہ سرے میں اپنے آدمیوں کی شرمناک ناکامی پر جھلا کر شی کے ضابطوں کی پروا کیے بغیر اپنی تمام افرادی قوت کے ساتھ ہمارے خلاف سرگرم عمل ہو گیا تھا۔

لمحہ بھر کے لیے میں نے وہاں ہڑبونگ پھیلانے کے بارے میں سوچا لیکن وہاں کاؤنٹر اور میزوں کی ترتیب کچھ ایسی تھی کہ کوئی آڑ لینے سے قبل ہی میں نووارد کی گولی کا نشانہ بن سکتا تھا، دوسری بڑی بات یہ تھی کہ وہاں روشنی کے مرکزی نظام سے میں لاعلم تھا۔ ہال میں جا بجا کونوں کھدروں میں پوشیدہ متعدد دھیمی روشنیاں جل رہی تھیں جنھیں بیک وقت توڑ کر وہاں اندھیرا کرنا ناممکن تھا لہٰذا میں نے فوری طور پر مزاحمت کا آغاز کرنے کے بجائے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس وقت شاید ویرا بھی انہی خطوط پر سوچ رہی تھی کیونکہ اس نے اپنا وینٹی بیگ کندھے سے لٹکا کر دونوں ہاتھ پہلوؤں پر گرا لیے تھے، اس طرح وہ نووارد کو اپنے تعاون کا یقین دلا رہی تھی۔

اپنی حکمتِ عملی کو کامیاب ہوتے دیکھ کر نووارد سیڑھیوں کے کنارے سے آگے بڑھا ہی تھا کہ پگھلے ہوئے کندن کی طرح دمکتے اور لچکتے ہوئے بدن والی ایک سفید فام ویٹریس نیلا منی اسکرٹ میں ملبوس اس نووارد کی طرف بڑھی اور وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔

"نہیں، مجھ سے دور رہو۔" وہ اپنا ہاتھ فضا میں اٹھا کر درشت لہجے میں بولا۔ "میں اپنی جگہ اور میزبان کا انتخاب اپنی مرضی سے کروں گا ورنہ داخلے کی رقم پر لعنت بھیج کر واپس چلا جاؤں گا۔"

ویٹریس نے حقارت سے منہ بنا کر راستہ تبدیل کر لیا۔ نووارد کا لب و لہجہ اس کے لیے واضح طور پر توہین آمیز تھا کیونکہ اس نے بڑھنے والی کو یکسر مسترد کر دیا تھا۔

"میرا اندازہ غلط نہیں تو شاید تم کو ایش برن کی تلاش ہے؟" نووارد نے قریب آ کر دھیمی مگر جارحانہ آواز میں ویرا سے سوال کیا۔

"تم گندے سور ہو۔" ویرا نے بے خوفی کے ساتھ غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں کون ہوں اور کس کام سے یہاں آئی ہوں، اس سے تمھیں کوئی غرض نہیں ہونا چاہیے۔"

"کیا بات ہے مس ویرا؟" مسز ایڈی کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر ہمارے قریب آتے ہوئے بولی۔ "یہ کون ہے؟ تم کچھ پریشان سی لگ رہی ہو؟"

"ہماری آپس کی بات ہے، تم جا کر اپنا کام کرو۔" مسلح نووارد نے درشت لہجے میں کہا۔ "مس ویرا اپنی سہیلی کے بارے میں فکرمند ہیں، ابھی ٹھیک ہو جائیں گی۔"

مسز ایڈی کچھ بولنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن ویرا نے سر ہلا کر اسے نووارد کے مشورے پر عمل کرنے کا اشارہ کیا اور وہ اسے سر سے پیر تک ناپسندیدہ نگاہوں سے گھورتی ہوئی چوبی کاؤنٹر کے پیچھے واپس چلی گئی۔

"بڑھیا نے کام آسان کر دیا۔" مسز ایڈی کے چلے جانے کے بعد سفید فام دھیمے سے ہنسا۔ "میں تمھاری شان میں کسی گستاخی کا ارتکاب کرنے سے پہلے گھما پھرا کر تمھارا نام معلوم کرنا چاہ رہا تھا لیکن بڑھیا نے مشکل آسان کر دی۔ اگر تم ویرا لائیڈ ہو تو تم سے مجھے کوئی تعرض نہیں۔ تم جب اور جہاں چاہو جا سکتی ہو۔ مجھے تمھارے ساتھی کو اٹھانے کی ہدایت ملی ہے۔ یہ ڈینی ہی ہے نا؟"

"ڈینی ہی سمجھ لو۔" میں نے یہ کہتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ اس کی طرف اپنا داہنا ہاتھ بڑھا دیا۔ "تمھارا نام کیا ہوا کرتا ہے؟"

"چالاک بننے کی کوشش نہ کرو۔" وہ تحقیر آمیز لہجے میں غرایا۔ "تھوڑی دیر میں ساری شوخی اور طراری ہوا ہو جائے گی۔" مجھ سے یہ کہہ کر وہ پھر ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "مجھے بتایا گیا تھا کہ ڈینی تمھارے ساتھ ہے، اور تمھارے ہوسٹس کلب پہنچنے کا قوی امکان ہے۔ اگر دو باتیں درست ہیں تو تیسری کیسے غلط ہو سکتی ہے؟"

"پھر درست ہی ہوگی، لے جاؤ اس ڈفر کو۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

اس کے چہرے پر الجھن کے آثار ابھر آئے۔ ویرا نے مجھے ڈفر کہہ کر اس کا اعتماد متزلزل کر دیا تھا۔

"چلو، چلے جاؤ اس کے ساتھ۔" اسے خاموش پا کر ویرا نے مجھ سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ زخمی ہوئے یا مارے گئے تو میں ذمے دار نہ ہوں گی۔"

میں نووارد کے قریب سے ہو کر سعادت مندانہ انداز میں سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ میرے اس رویے نے اس کا رہا سہا اعتماد بھی زائل کر دیا اور وہ بے یقینی کے عالم میں قدم بڑھا کر میرے ساتھ ہو لیا کہ

کہیں میں موقع پاتے ہی کسی طرف تیزی کے ساتھ دوڑ نہ لگا دوں۔

میں نے دیکھا کہ پل بھر میں ہی اُس کے چہرے پر پتیمی برسنے لگی تھی۔ ویرا نے پیشگی منصوبہ نہ ہونے کے باوجود میری بات کو سہلا دے کر اُسے خود کو دُنیا کا احمق ترین شخص سمجھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"تم جاؤ، تم کہاں چلی آ رہی ہو؟" سیڑھیوں سے اُترنے کے بعد نووارد نے ویرا کو اپنے پیچھے لگے ہوئے دیکھ کر جھلّاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔" ویرا نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں اس سادہ لوح شخص کو تم جیسے خرّانٹ کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی۔ کیا پتا کہ تم اسے بلاوجہ گولی مار کر اپنے بڑوں سے کہہ دو کہ اس نے موقع پا کر فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔"

"میں اپنی تسلی کرنے کے بعد خود اس کاٹھ کے اُلّو کو لات مار کر بھگا دوں گا۔ مجھے صرف اور صرف ڈینی درکار ہے، ورنہ یہاں ہزاروں کی بھیڑ میں سے جسے چاہوں لے جا سکتا ہوں۔"

"زبان سنبھال کر بات کرو، کاٹھ کے اُلّو ہو گے تم۔" میں نے بھڑک کر کہا۔

"میری مانو تو اسے چھوڑ کر مجھے لے چلو، شاید تمہارے بڑے تشدد کر کے مجھ سے کچھ اُگلوا ہی لیں۔" ویرا نے کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ یہ ڈینی ہے، مجھے جو حلیہ بتایا گیا تھا، یہ اس پر پورا اُترتا ہے، پھر یہ ایشیائی بھی ہے۔" وہ جھلّاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ اُس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی فیصلہ کرنے سے قبل ہم سے بحث کر کے یہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ میں ڈینی نہیں کوئی اور تھا۔

"ایشیائی ہونے کی بات نہ کرو۔" ویرا مضحکانہ لہجے میں بولی۔ "اس برّاعظم کا بڑا حصّہ فاقہ زدہ ہے۔ اُدھر سے تعلق رکھنے والے سیکڑوں بلکہ ہزاروں افراد تمہیں اس وقت ان گلیوں میں منڈلاتے ہوئے ملیں گے۔"

"میں سیاست پر بات نہیں کرنا چاہتا۔" وہ پہلو بدل کر غصیلے لہجے میں بولا۔

"مجھے بھی سیاست سے نفرت ہے۔" ویرا نے اُس کے ساتھ چلتے ہوئے اُسے چڑانے والے لہجے میں کہا۔ "میں تفریحی فاقوں کی بات کر رہی تھی۔ ان میں سے بیشتر آسودہ حال یہاں صرف رنگین تفریحات کے لیے آتے ہیں، اس لیے اس کا ایشیائی ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔"

"میں اپنا اطمینان خود کر لوں گا، تم ویرا لائیڈ ہو اور یہ تمہارے ساتھ ہوسٹس کلب پہنچا تھا، اس لیے مجھے قوی شبہ ہے کہ یہ ڈینی ہی ہوگا۔"

"یہ بات تم دوسری بار دُہرا رہے ہو، شاید تمہارے اطمینان کے لیے تمہیں ڈینی کی شناخت کی کچھ خفیہ نشانیاں بھی بتائی گئی ہوں گی۔" ویرا کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"خدا کے لیے تم اپنا راستہ پکڑو۔" وہ چلتے چلتے تھم کر بولا۔ "میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے اور اس کے لیے کون سا طریقۂ کار بہتر ہوگا۔" ویرا کے سُلگانے والے انداز اور تیوروں سے وہ زچ آ گیا تھا لیکن صبر کا پیمانہ لبریز ہو جانے کے باوجود اشتعال کے عالم میں بھی وہ میری طرف سے غافل نہیں ہُوا تھا۔

"میں بتا چکی ہوں کہ میں اس شخص کو تم جیسے وحشی کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی۔ تم اسے جہاں لے جاؤ گے، میں بھی ساتھ جاؤں گی۔" یہ یقین ہو جانے کے بعد کہ اُسے ویرا سے نہ اُلجھنے کا حکم ملا ہُوا تھا، ویرا بیشر ہو گئی تھی اور اس کے سر پر سوار ہوئی جا رہی تھی۔

وہ غصّے اور بے بسی کے ساتھ چند ثانیوں تک ویرا کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر اُکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تم نے ٹھیک ہی کہا تھا، یہ بالکل ڈفر اور بے ہمت معلوم ہوتا ہے، جب کہ ڈینی کے بارے میں مجھے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ہدایت ملی تھی۔ میں اسے ایک شرط پر چھوڑ سکتا ہوں کہ تم مجھے ڈینی کا پتا بتا دو۔"

"یہ ڈینی کا ایک ساتھی ہے۔" ویرا نے یک بیک نرم اور مصالحانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "وہ لومڑی کی طرح چالاک ہے۔ اسے پہلے ہی سے خطرے کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ کسی قریبی پارکنگ لاٹ میں گاڑی میں بیٹھا ہماری واپسی کا انتظار کر رہا ہوگا، تم اس پر ہاتھ نہ ڈال سکو گے۔"

"مجھے صرف اُس پارکنگ لاٹ کا نمبر بتا دو، اپنا شکار میں خود تلاش کر لوں گا۔"

"ڈفر یہ ہے، میں نہیں۔" ویرا میری طرف اشارہ کرتے ہوئے تلخ لہجے میں بولی۔ "تم نے شرافت سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا تو میں ہیں تھپیڑوں سے تمہارا چہرہ بگاڑ دوں گی۔"

اُس نے خوفناک تیوروں کے ساتھ یوں مُنہ چلایا، جیسے حلق میں پھنسی ہوئی کڑوی گولی موسے میں اُتاری ہو، پھر تیز لہجے میں بولا۔ "کاش! مجھے معلوم نہ ہُوا ہوتا کہ تم کون ہو تو اس ہرزہ سرائی پر تمہیں ایسا سبق دیتا کہ آئندہ تم اپنی زبان احتیاط سے استعمال کرتیں۔"

اس وقت اس شخص کی پوری توجہ ویرا پر مرکوز تھی اور وہ میری طرف سے غافل ہو گیا تھا۔ شاید یہ بات اُس کے لاشعور میں جم گئی تھی کہ میں اس کا مطلوبہ آدمی نہیں تھا۔ میں نے اس مہلت سے فائدہ اُٹھایا اور بھیڑ کے ساتھ ہجوم میں شامل ہو کر آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دُور گلی کے نکڑ پر نیم تاریکی میں ایک بند دُکان کے زینوں میں مجھے بہترین کمین گاہ نظر آئی اور میں اُن چند زینوں کو عبور کر کے دُکان کے بند دروازے کے قریب تقریباً تاریکی میں پوری طرح چھپ گیا۔ میرے لیے وہ جگہ اس اعتبار سے خطرناک ہو سکتی تھی کہ اگر کوئی گشتی سپاہی اُدھر آ نکلتا تو نقب زنی کے ارادے کے شبہ میں مجھ سے باز پرس کر سکتا تھا لیکن مجھے اُمید تھی کہ میری روپوشی زیادہ سے زیادہ چند منٹ تک برقرار رہے گی۔ جونہی اُس مسلح اجنبی کو میرے لاپتا

ہونے کا احساس ہوتا، وہ افراتفری کے عالم میں مجھے ڈھونڈتا ہوا کسی طرف نکل جاتا اور میرے لیے میدان صاف ہو جاتا۔

تاریک زینوں کی پناہ گاہ سے میں نے دیکھا کہ اس مرتبہ ویرا نے اُسے اپنے ساتھ گفتگو میں ضرورت سے زیادہ ہی اُلجھا لیا تھا اور وہ شخص بدستور ویرا کی طرف متوجہ تھا۔ اس طرح ویرا نے مجھے فرار کی کارروائی مکمل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مہلت فراہم کرنے کی کوشش کی تھی جس سے میں فائدہ اُٹھا چکا تھا۔

چند ثانیوں بعد وہ اچانک ہی مُڑا اور پھر عملاً ایڑیوں کے بل پورا چکر کاٹ گیا مگر اُسے میرا سایہ تک کہیں نظر نہ آسکا۔ ویرا اُسے وہیں چھوڑ کر واپس ہوسٹس کلب کی سمت چل دی۔ بوکھلاہٹ کے عالم میں اجنبی کا داہنا ہاتھ جو ابتدا سے مسلسل کوٹ کی جیب میں تھا، باہر آگیا لیکن اس بار وہ خالی تھا۔ لمحہ بھر تک سراسیمگی کے عالم میں وہیں رُکے رہنے کے بعد وہ لوگوں کے درمیان راستہ بناتا ہوا ویرا کی طرف جھپٹا تھا۔ ویرا کے رُکتے ہی شاید دونوں میں مختصر سی تکرار ہوئی اور ویرا نے اچانک راستہ تبدیل کر لیا۔ اب وہ ہوسٹس کلب کی طرف جانے کے بجائے میری طرف آرہی تھی لیکن اجنبی کو یقین ہو گیا کہ میں اسی طرف فرار ہوا تھا، جدھر ویرا بظاہر اضطراری طور پر چل پڑی تھی۔ وہ ویرا کی پروا کیے بغیر بہت عجلت کے عالم میں اُسی راستے پر چل پڑا اُدھر سے ہمیں لے کر آیا تھا۔

ویرا نے کچھ دُور چلنے کے بعد گردن گھُما کر پیچھے کا جائزہ لیا اور اپنی رفتار تیز کر دی۔ اُس نے مجھے روانہ ہوتے ہوئے ضرور دیکھا تھا لیکن اجنبی سے بحث میں اُلجھے ہوئے ہونے کی وجہ سے میری کمین گاہ کے بارے میں اندازہ نہیں لگا سکی تھی۔ میں اُسے دیکھتے ہوئے اپنی جگہ دبکا رہا اور جب وہ میرے سامنے سے گزر گئی تو میں نے اپنی جگہ سے نکل کر عقب سے اُسے آواز دی۔ اُس کا ردِعمل قابلِ دید تھا۔ وہ تیر کی طرح میری طرف پلٹی تھی اور ہم دونوں ایک دوسرے سے ایک بھی لفظ کہے بغیر اُسی نیم تاریک گلی میں گھُستے چلے گئے، جس کے نکڑ والی دُکان کے زینوں میں میں نے پناہ لی ہوئی تھی۔

کئی منٹ تک تیز رفتاری کے ساتھ راستہ طے کرنے کے بعد آخر کار میں نے ہی سکوت توڑا تھا۔ ”یہ تو بالکل ہی بودا اور احمق ثابت ہُوا۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب گلو خلاصی مشکل ہو جائے گی۔“

”شاید شپ میں نیا نیا آیا ہے۔ ایسے لوگ ضرورت سے زیادہ جوشیلے ہونے کی وجہ سے عموماً مار کھا جاتے ہیں۔“ وہ میرا ہاتھ تھام کر ایک قریبی گلی میں مُڑتے ہوئے ہنس کر بولی ”میرے بارے میں رعایت کا اعتراف کر کے اُس نے اپنے لیے خود مصیبت پیدا کر لی، ورنہ وہ بڑے آرام سے اپنا مقصد حاصل کر سکتا تھا۔“

”داوود نے اس بار ضرورت سے زیادہ تیزی اور پھرتی دکھائی ہے۔“

میں نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔ ”تمہارے ایجیڈنٹ کی جھوٹی اطلاع دے کر ایش برن کو بھی اغوا کرایا گیا ہوگا۔ اس تک رسائی کا مطلب ہے کہ وہ لوگ مختصر سی مدت میں آرزک پر بھی ہاتھ ڈال چکے ہیں۔“

میں قرب و جوار سے گزرنے والے راہگیروں سے بالکل بے خوف تھا۔ کیونکہ ہم دونوں کی ساری گفتگو اُردو میں ہو رہی تھی۔ ویرا عام طور پر علیحدگی میں مجھ سے اُردو ہی میں بات کرتی تھی، اس طرح ہم کسی غیر متعلقہ فریق کو متوجہ کیے بغیر بآسانی اپنا مافی الضمیر ایک دوسرے پر واضح کر سکتے تھے۔

”آرزک کی وجہ سے ٹیوڈر ہوٹل مخدوش ہوگیا۔ ہوسٹس کلب کا ٹھکانا بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب مجھے کوئی اور غیر معروف ہوٹل تلاش کرنا ہوگا۔“ وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔

”ہوسٹس کلب کے تجربے کی روشنی میں مجھے پورا یقین ہے کہ ٹیوڈر ہوٹل کی کڑی نگرانی شروع ہو گئی ہوگی، وہ تم پر ہاتھ ڈالیں یا نہ ڈالیں لیکن تمھیں ایک پل کے لیے بھی اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیں گے۔“ میں نے کہا۔ ”بظاہر ٹیوڈر ہوٹل بھی غیر معروف اور بدنام ہے۔ تمہارے وہاں نہ پہنچنے کی صورت میں وہ لوگ لندن کے ایسے تمام اقامتی اڈّوں کو کھنگال ڈالیں گے۔ میری رائے میں تو تمھیں اب ایسا قدم اُٹھانا چاہیے، جس کا وہ تصوّر بھی نہ کر سکیں۔“

”تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟“ اُس نے اُلجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تمہیں نام بدل کر کسی معروف ہوٹل میں قیام کرنا چاہیے بلکہ امپیریل ہوٹل ہی ہو تو بہتر ہے۔ داؤد سوچ بھی نہ سکے گا کہ اس ہوٹل میں فریڈی کے معاملے کے بعد تم دوبارہ اِدھر کا رُخ کرو گی۔"

"تمہاری رائے معقول ہے۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولی۔ "لیکن یہ سب بعد کے مراحل ہیں۔ پہلے تو ہمیں داؤد سے نمٹنا چاہیے۔ اس معاملے میں تاخیر ہوئی تو وہ بدمعاش ہماری دسترس سے نکل جائے گا۔ وہ اس قدر محتاط واقع ہوا ہے کہ ایلن کی ہلاکت کی خبر ملتے ہی سب سے پہلے اپنا ٹھکانا تبدیل کرے گا۔"

"حالانکہ وہ ایلن بریز سے مسٹر ایکس کے نام سے رابطہ قائم کرتا تھا اور ہلٹن ہل میں اس سے ڈی۔ اے خان کے نام سے اپنے ہی ایک ماتحت کی حیثیت سے ملا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"تم اُس سے نہیں ملے لیکن میں اُس کے مزاج سے واقف ہوں۔ اُس کے ہوٹل چھوڑنے کے لیے بس یہی ایک بات کافی ہوگی کہ ایلن کو کسی نے ہلاک کر دیا اور وہ اس سے کسی نہ کسی حیثیت میں مل چکا تھا۔"

"داؤد کے ساتھ ہی تمہیں ایش برن اور آئزک کی بھی فکر ہونا چاہیے۔" میں نے چند ثانیوں کے بعد کہا۔ "ان دونوں کے ساتھ اگر تلخ واقعات پیش آئے تو ان کی وجہ صرف تمہاری ذات ہوگی۔"

"میرے ذہن میں یہ سب چیزیں موجود ہیں اور میں اسی بارے میں اپنی ترجیحات طے کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ خاموش رہ کر ہم دونوں اپنی اپنی جگہ زیادہ بہتر طور پر سوچ سکیں گے۔"

ویسے تو میں نے ویرا کو آئزک اور ایش برن کے بارے میں کچھ سوچنے کا مشورہ دے ڈالا تھا لیکن مجھے بھی داؤد کے بارے میں زیادہ پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔ ایلن بریز کی سرے میں ناکامی سے وہ باخبر ہو گیا تھا لیکن یہ توقع نہیں تھی کہ صبح کے اخبارات شائع ہونے سے پہلے وہ ایلن کی ہلاکت سے باخبر ہو سکے البتہ ہوسٹس کلب میں ہمیں گھیرنے والے مسلح اجنبی کی کہانی فوری طور پر اُس تک پہنچ سکتی تھی اور وہ غیظ و غضب کے عالم میں ہمارے گرد اپنا حصار تنگ کرنے کی کوششیں کر سکتا تھا، جو ویرا کے لیے نہ سہی تو میرے لیے مہلک ثابت ہو سکتی تھیں۔

ویرا ہم سے الگ ہوئی تو اُس کے تیور بہت جارحانہ تھے۔ وہ داؤد کے بارے میں تازہ ترین صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے تنہا ہلٹن ہوٹل گئی تھی۔ اُس نے سوچ لیا تھا کہ وہ حتی الامکان داؤد کی نگاہوں سے بچنے کی کوشش کرے گی لیکن اُس سے اتفاقاً سامنا ہو ہی گیا تو راہِ فرار اختیار کرنے کے بجائے اُسے ایسی کھری کھری سنائے گی کہ اُس کی طبیعت صاف ہو جائے گی۔

اُس کی واپسی خلافِ توقع بہت تاخیر سے ہوئی لیکن اُس کا مُوڈ بہت خوشگوار تھا۔ اُس نے ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر سے معلوم کیا تو کمرہ نمبر پانچ سو دس کی چابی، کی بورڈ پر موجود نہیں تھی جس کا مطلب تھا داؤد کمرے میں یا ہوٹل ہی کی حدود میں موجود تھا۔

یہ اطلاع مل جانے کے بعد ویرا نے ہوٹل کے ڈائننگ ہال، بال رُوم، بار، ریستوران اور بلیئرڈ روم سے لے کر لابی تک کا ... کھنگال ڈالا، جہاں ہوٹل میں ٹھہرنے والے وقت گزاری کے لیے ... سکتے تھے لیکن وہاں کہیں بھی داؤد کا پتا نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہ لفٹ سے اُوپر گئی تھی اور فلور کی رُوم سروس کے ایک ویٹر کو ... دے کر یہ معلوم کر لیا تھا کہ پانچ سو دس نمبر والا اپنے کمرے میں تھا اور اُس نے رات کا کھانا بھی اپنے کمرے میں ہی کھایا تھا۔

"اب دیکھنا یہ ہے کہ تم اُسے باہر کیسے لاتے ہو؟" ویرا نے پوری تفصیلات سے آگاہ کرنے کے بعد چیلنج کرتے ہوئے کہا۔ "ایک مرتبہ وہ قابو میں آ جائے تو تم دیکھنا کہ میں اُس کا کیا حشر کرتی ہوں۔"

"نہ آیا تو میں، وہیں اس کا کام تمام کر دوں گا۔ ڈر بس یہ ہے کہیں اُس کے دھوکے میں کوئی بے گناہ میرے ہاتھوں نہ مارا جائے۔"

"اس کے ملاقاتیوں میں کوئی پارسا نہیں ہے۔ یہ اندیشہ تو اپنے ... سے نکال ہی دو لیکن اسے زندہ پکڑنا ہمارے لیے ہر اعتبار سے ... ثابت ہوگا۔" ویرا نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں اس کے خدوخال کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتی ہوں لیکن اس کا کوئی بھروسا نہیں۔ وہ ... قسم کے فلمی جاسوسوں کی طرح بہروپ بدلتا رہتا ہے۔ میں نے اسے ... مواقع پر مصنوعی بالوں کی ایسی وِگیں استعمال کرتے دیکھا ہے کہ اس کے اصل بالوں کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اسی طرح ... اس کی آنکھیں سیاہ تھیں لیکن ہیتھرو پر امیگریشن سے فارغ ہوتے ... نے ٹوائلٹ میں جا کر رنگین کانٹیکٹ لینس لگائے اور اس کی آنکھوں کی پتلیوں کا رنگ گہرا سبز ہو گیا۔"

"یعنی میرے شکار کی آنکھوں کا رنگ فی الحال سبز ہے؟" میں نے اس کے جوشیلے انداز سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"سبز اور سُرخ کے چکر میں نہ پڑو۔" وہ چڑ کر بولی۔ "بس یہ یاد رکھو کہ کمرہ نمبر پانچ سو دس میں جو بھی ہے وہی تمہارا شکار ہے اور اس کو زندہ پکڑنا ہے۔"

"چلو پکڑ لوں گا۔" میں نے ہنستے ہوئے بے پروائی سے کہا۔ "بتاؤ کہ اب تمہارا پروگرام کیا ہے؟"

"وہ اوپر اپنے کمرے میں ہے۔ میں یہیں ڈائننگ ہال میں کھانا کھاؤں گی۔ اس کے بعد آگے کی سوچی جائے گی۔ یہاں کھانا بہت اچھا ملتا ہے۔"

"تمہارا خالی معدہ شاید دماغ پر بھی اثر انداز ہو رہا ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "وہ اوپر ہے تو ضروری نہیں کہ میدان بالکل صاف ہو۔ کوئی اور بھی تمہیں پہچان سکتا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ داؤد نے

مقامی تنظیم کو بھی تم سے پوری طرح بدظن کر دیا ہے اور تمہارا یوں کھُل کر برسرِعام گھومنا مناسب نہ ہوگا۔"

"تم تو واقعی میرے سرپرست بنتے جا رہے ہو۔" اس نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔ "خیر، میں جا رہی ہوں۔ ہوٹل سے تھوڑی دور رک کر تمہاری گاڑی کی واپسی کی منتظر رہوں گی۔"

"تو کیا یہ کار ہمارے ہی پاس رہے گی؟" سلطان شاہ نے حیرت سے سوال کیا۔

"اب اسے اپنی ہی ملکیت سمجھو کل رقم ادا کر دی جائے گی۔ آج یہ گاڑی ٹرائل پر ہمارے پاس آئی تھی۔" ویرا نے کہا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی جس کا مطلب تھا کہ مجھے سلطان شاہ والی گاڑی استعمال کرنا تھی۔

گاڑی کے دروازے مقفل کر کے ہم دونوں بھی پارکنگ لاٹ سے ہوٹل کی طرف چل دیے۔ اس وقت میرا ذہن نئی مہم کے بارے میں تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ براہ راست داؤد کے کمرے میں داخلے کی صورت میں بعض ناقابلِ تصور دشواریاں بھی پیدا ہو سکتی تھیں لہٰذا بہتر یہی تھا کہ کسی طرح اسے کمرے سے باہر نکلنے پر مجبور کیا جائے۔ اس سلسلے میں کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کے لیے میں سلطان شاہ کے ساتھ نیچے ہی ریستوران میں جا بیٹھا۔

کئی تجویزوں پر غور کرنے کے بعد میں نے آخر کار ایک حکمتِ عملی وضع کر ہی لی اور ویٹر سے سادہ لفافے سمیت ایک سادہ کاغذ طلب کر کے اس پر انگریزی میں مختصر سی دو سطور لکھ ڈالیں۔

"تم خطرے میں ہو۔ فوراً یہ ہوٹل چھوڑ دو۔" میرا خیال تھا کہ بھیجنے والے کے نام کے بغیر وہ دو سطری پیغام داؤد کو بوکھلانے کے لیے کافی ہوگا۔ درحقیقت وہ خیال میرے ذہن میں ویرا کی تقلید میں ابھرا تھا کیونکہ اس نے امپیریل ہوٹل میں خنجر کے ذریعے ایک رقعہ مجھ تک پہنچا کر ہی مجھے واپسی کا مشورہ دیا تھا۔ اس رقعے پر بھی ویرا نے اپنا نام نہیں لکھا تھا مگر میں جن حالات سے دوچار تھا ان کی روشنی میں میرے لیے اس ہدایت کو نظرانداز کرنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ داؤد بھی میرے بھیجے ہوئے پیغام کو آسانی کے ساتھ نظرانداز نہ کر سکے گا اور اسے اپنے کسی ہمدرد کا مشورہ تصور کرتے ہوئے فوری طور پر اس پر عمل کر گزرے گا۔

اس وقت میرے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ رقعہ کس طرح داؤد تک پہنچایا جائے؟

اگر میں ٹپ دے کر ہوٹل کے عملے کے کسی فرد سے یہ کام لیتا تو وہ شخص داؤد کی بازپرس پر ہماری نشاندہی کر دیتا اور اگر ہم اسے اس بارے میں خاموش رہنے یا جھوٹ بولنے کی ہدایت دیتے تو وہ شبہات میں مبتلا ہو کر وہ رقعہ داؤد تک پہنچانے کے بجائے ہوٹل کی انتظامیہ کے حوالے کر سکتا تھا اور یوں ہمارا کھیل بگڑ جاتا۔

میں داؤد کی نگاہوں میں تھا لہٰذا میرا اوپر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لے دے کر سلطان شاہ ہی رہ جاتا تھا جسے اس مقصد کے لیے احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا تھا۔

"وہ مجھے دیکھ کر بھی بھڑک سکتا ہے۔" سلطان شاہ نے بند لفافہ لیتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔

"ضرور بھڑکے گا لیکن وہ تمہیں پہچانتا نہیں۔" میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ ہوٹل سے باہر ایک سفید فام نے تمہیں لفافہ پہنچانے کے لیے پانچ پاؤنڈ معاوضے کی پیش کش کی اور تم تیار ہو گئے۔"

"اور اگر وہ بدمعاشی پر تُل گیا؟"

"پھر تمہارے بھی ہاتھ کھلے ہوئے ہوں گے۔ ایلین بریز کا لائٹ پستول تمہارے پاس ہے تم جس طرح چاہو اپنی مدافعت کی راہ تلاش کر سکو گے۔ ویسے میں بھی غافل نہیں رہوں گا۔ دس منٹ تک تمہاری واپسی نہ ہوئی تو میں بھی تمہاری مدد کے لیے پہنچ جاؤں گا لیکن مجھے اُمید ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ پیغام کا متن ایسا ہے کہ تمہیں بھول کر وہ اپنی فکر میں مبتلا ہو جائے گا اور ہم باہر اسے گھیر سکیں گے۔"

میں نے ویٹر کو طلب کر کے بِل ادا کیا اور ہم دونوں نے ریستوران چھوڑ دیا۔ سلطان شاہ باہر نکل کر لفٹ کی طرف ہو لیا اور میں لابی میں پڑے ہوئے صوفوں کی طرف بڑھ گیا جہاں سے میں لفٹ کے ذریعے آنے جانے والوں پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔ ویرا کی خواہش کے برعکس میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ داؤد کو زندہ گرفتار کرنے کے بجائے ٹھکانے لگانا ہی بہتر ہوگا کیونکہ اس طرح ویرا کے لیے ایک نئی مصروفیت پیدا ہو سکتی تھی۔ داؤد سے بازپرس کے نتیجے میں جو حقائق سامنے آتے، ان کی روشنی میں ویرا فوری طور پر شفی میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دیتی اور غزالہ کی تلاش پر اس کی پوری توجہ مرکوز نہ ہو پاتی۔

میں لابی میں آرام سے سگریٹ نوشی کرتا رہا۔ اس دوران میں لفٹ کے ذریعے لوگوں کی آمد و رفت جاری رہی لیکن میرے اندازے کے مطابق ان میں ایشیائی کوئی نہیں تھا۔

آخر کار سلطان شاہ بھی ایک لفٹ سے نکلتا ہوا نظر آیا اور چند قدم آگے بڑھ کر متجسسانہ انداز میں میری تلاش میں چاروں طرف نظریں دوڑانے لگا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے فضا میں ہاتھ لہرا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تو وہ پُرجوش انداز میں میری طرف لپکا تھا۔ میں نے بھی تیزی کے ساتھ اس کی طرف پیش قدمی کی اور راستے ہی میں اس سے جا ملا۔

"ویرا درست کہہ رہی تھی۔" میرے قریب پہنچتے ہی وہ دبی دبی پُرجوش آواز میں بولا۔ "وہ تو بہت ہی زبردست اداکار بلکہ بہروپیا نکلا۔"

اس نے اتنی چالاکی سے حلیہ تبدیل کیا ہے کہ بالکل انگریز معلوم ہوتا ہے۔"

"تو تمہاری اس سے ملاقات ہو گئی؟" میں نے مسرت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"اس نے خود ہی دروازہ کھولا تھا اور میں نے کچھ کہے بغیر بند لفافہ اسے تھما دیا۔ سالا بالکل انگریز بنا ہوا تھا۔ قد کاٹھ سے خاصا جاندار لگتا ہے۔"

میں اس کی رائے زنی پر کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ اس وقت تک میں نے داؤد کی جھلک بھی نہیں دیکھی تھی۔ اس خبیث کے بارے میں میری معلومات ویرا سے سنی ہوئی باتوں تک محدود تھیں۔

"لفافہ اس نے تمہارے سامنے کھول لیا تھا؟"

"بہت ذلیل آدمی ہے وہ۔" اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ "مجھ سے لفافہ لیتے ہوئے یوں برا سا منہ بنایا تھا جیسے خود پیدائشی سفید فام ہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہاں کے رہنے والے بات بے بات پر معذرت اور شکریے کے الفاظ استعمال کرنے کے عادی ہیں مگر اس نے شکریے کے دو لفظ تک نہ کہے اور لفافہ لیتے ہی دروازہ دوبارہ بند کر لیا اور میں وہاں وقت برباد کیے بغیر واپس لوٹ آیا۔"

داؤد کا یہ رویہ میرے لیے غیر متوقع تھا لیکن پھر بھی مجھے خوشی تھی کہ ان دونوں کے درمیان کسی مکالمے کا تبادلہ نہ ہونے کی وجہ سے سلطان شاہ کا بھرم قائم رہا تھا اور وہ کسی شک و شبے کا نشانہ بنے بغیر خیریت کے ساتھ لفافہ پہنچا کر واپس لوٹ آیا تھا۔

داؤد نے وہ پیغام کمرے کا دروازہ بند کرتے ہی پڑھ لیا ہوگا اور اگر اسے پیغام کی اصلیت پر ذرا بھی شبہ ہوتا تو وہ یقینی طور پر فوراً باہر آ کر سلطان کے نیچے جانے سے قبل اس بارے میں باز پرس کرتا لیکن اس کی طرف سے کسی مداخلت کے بغیر سلطان شاہ کی واپسی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ داؤد نے اس مختصر پیغام پر یقین کر لیا تھا اور اب وہ کسی بھی لمحے ہوٹل کے کمرے کو خیرباد کہہ سکتا تھا اور ہمارے لیے کاؤنٹر کی نگرانی ضروری ہو گئی تھی جہاں اسے ہوٹل کا حساب بے باق کرنے کے لیے آنا تھا۔

بدقسمتی سے میں نے اس کو کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن سلطان شاہ اسے ایک انگریز کے روپ میں دیکھ آیا تھا لہٰذا میں نے سلطان شاہ سمیت دوبارہ وہیں جم جانے کا فیصلہ کر لیا اور ہم دونوں لابی کے ایک دور افتادہ گوشے میں جا بیٹھے جہاں ہمارا آسانی کے ساتھ دیکھا جانا ممکن نہیں تھا لیکن ہم بہ آسانی کاؤنٹر پر نگاہ رکھ سکتے تھے۔

ہمیں وہاں بیٹھے ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ سلطان شاہ نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلتے ہوئے مجھے ایک طرف متوجہ کیا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اچانک مجھے یخ بستہ پانی میں غوطہ دے دیا ہو۔

سامنے سے کاؤنٹر کی طرف آنے والا وہی سفید فام تھا جس نے پستول کے بل پر مجھے اور ویرا کو ہوسٹس کلب سے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی مگر میں لت رستے میں جل دے کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا جب کہ ویرا کے نام سے واقف ہونے کے بعد وہ خود ہی اس سے پیچھا چھڑانے کے چکر میں تھا۔

اس کے پیچھے ایک پورٹر وزنی سوٹ کیس اٹھائے چلا آ رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ سفید فام ہوٹل چھوڑ کر جا رہا تھا مگر مجھے اس کی ذات سے دلچسپی نہیں رہی تھی بلکہ یک بیک سلطان شاہ پر غصہ آنے لگا تھا۔

"کیا بات ہے؟" مجھے اپنی طرف گھورتے دیکھ کر اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"تم بالکل احمق ہو۔" میں نے فیصلے لہجے میں کہا۔ "کیا وہ لفافہ تم اسی کے حوالے کیا تھا؟"

"کمرہ نمبر پانچ سو دس پر دستک دینے پر یہی باہر نکلا تھا۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "کیا یہ داؤد نہیں ہے؟"

"یہ وہی خبیث ہے جس نے تھوڑی دیر پہلے مجھے اور ویرا کو ہوسٹس کلب میں گھیرا تھا۔ کمال ہے کہ تم قریب سے دیکھنے پر بھی اصل چہرے اور میک اپ میں تمیز نہیں کر سکے۔"

"اول تو وہ لمحہ بھر کے لیے سامنے آیا تھا۔ اس کے دروازہ کھولتے ہی میں نے لفافہ اس کی طرف بڑھایا اور اس نے لفافہ لیتے ہی دروازہ بند کر لیا ——— دوم راہداری میں روشنی بہت ہلکی تھی پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میرے ذہن میں ویرا کی بتائی ہوئی تفصیلات تازہ تھیں۔ میں سمجھا کہ داؤد ہی نے میک اپ کیا ہوا ہے؟"

میں سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے سوچ رہا سفید فام کاؤنٹر پر غالباً اپنا حساب بنوا رہا تھا۔

داؤد کے بارے میں میرا منصوبہ خاک میں ملتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ایلن بریز کے اعترافات کی روشنی میں مجھے پورا یقین تھا کہ وہ ہلٹن ہی میں مقیم تھا لیکن سفید فام نے وہاں سے برآمد ہو کر ساری توقعات پر پانی پھیر دیا تھا۔ بہر حال یہی کافی تھا کہ وہ سفید فام بھی داؤد کے آدمیوں میں سے تھا اور اگر تھوڑی دیر پہلے اس نے مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی تو اب میں اس کو گھیر کر اپنا حساب بے باق کر سکتا تھا۔ شاید اسی سے یہ بھی معلوم ہو سکتا تھا کہ میرے نکل بھاگنے کے بعد اس نے داؤد کو کس ٹھکانے پر اپنی ناکامی سے مطلع کیا تھا۔

میرا ذہن تیزی کے ساتھ پوری صورتِ حال کے تجزیے میں مصروف تھا۔ سفید فام داؤد کے لیے کام کر رہا تھا تو میری طرف سے ملنے والے جعلی پیغام کو بھی اسی سے منسوب سمجھ بیٹھا ہوگا مگر اس تمام چکر میں ایک بات میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی کہ گردہ بند

مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث رہنے والے لوگ عام طور پر آپس میں پیغام رسانی کے لیے عجیب و غریب بلکہ بعض اوقات مضحکہ خیز طریقے استعمال کرتے ہیں لیکن پھر بھی کسی اجنبی شخص کے ذریعے ملنے والے بند لفافے کو دیکھتے ہی فطری تجسس سے مجبور ہو کر لفافے کو فوراً نہ کھولنا میرے نزدیک ناقابل فہم بلکہ معنی خیز تھا۔

سفید فام سلطان شاہ سے لفافہ لے کر جس انداز میں کمرے میں واپس پلٹا تھا، اس سے شبہ ہوتا تھا کہ کمرے میں کوئی اور بھی موجود تھا جو اس کمرے کے پتے پر آنے والے لفافے کو کھولنے کا مجاز تھا اور سفید فام نے وہ بند لفافہ اسی کے حوالے کیا ہوگا۔

غصے کی ابتدائی لہر معدوم ہوتے ہی میرے ذہن میں صورت حال رفتہ رفتہ واضح ہونے لگی اور میں نے پوری قوت کے ساتھ اس سفید فام پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔

ایلن بریز کی فراہم کی ہوئی معلومات سو فیصد درست تھیں اور داؤد ہوٹل کے اسی کمرے میں مقیم تھا مگر یہ ایک اتفاق تھا کہ جس وقت سلطان شاہ لفافہ دینے کے لیے اس کمرے پر پہنچا، وہاں سفید فام، داؤد کو اپنی ناکامی سے باخبر کرنے کے لیے آیا ہوا تھا۔ داؤد خود کو حتی الامکان شناخت سے بچائے رکھتا تھا لہٰذا دروازے پر دستک کے جواب میں اس نے سفید فام کو دروازہ کھولنے کا حکم دیا ہوگا اور اس نے سلطان سے لفافہ وصول کر کے داؤد کے حوالے کر دیا ہوگا۔

وہ پیغام شاید داؤد کے لیے بھی قابل قبول ہی تھا۔ اس نے فوری طور پر ہوٹل کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کر لیا لیکن ساتھ ہی وہ اپنی شناخت کے معاملے میں حساس تھا لہٰذا اس نے اپنا حساب بے باق کرنے کے لیے اپنی جگہ سفید فام کو کاؤنٹر پر بھیج دیا اور خود غالباً پچھلے زینوں یا کارگو لفٹ کے ذریعے نکل گیا۔

ہوٹلوں کے بارے میں یہ نکتہ خاصا دلچسپ ہے کہ رہائشی کمرہ حاصل کرتے ہوئے عموماً شناخت ضروری ہوتی ہے۔ رجسٹر میں نام اور ولدیت سے لے کر قومیت تک درج کی جاتی ہے لیکن کمرہ چھوڑتے ہوئے صرف واجبات کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے جو کوئی بھی کر سکتا ہے۔ اس وقت داؤد نے شاید اسی فارمولے پر عمل کیا تھا۔

اگر میرا قائم کیا ہوا نظریہ درست تھا تو سفید فام کی ذات بھی اہمیت حاصل کر جاتی تھی کیونکہ اسے داؤد کے کمرے تک رسائی حاصل تھی۔ اب یہ اور بات تھی کہ سفید فام، داؤد کی اصلیت سے لاعلم رہا ہو۔

سفید فام واجبات کی ادائیگی سے فارغ ہو کر نکاسی کے راستے کی طرف بڑھا تو میرا خیال تھا کہ وہ پورچ سے ہی کسی گاڑی یا ٹیکسی میں سوار ہوگا اور اگر اس کے پاس اپنی گاڑی تھی تو پورٹر کو برآمدے میں روک کر پارکنگ لاٹ سے گاڑی پورچ میں لا کر سامان لیتا ہوا باہر روانہ ہو جائے گا۔

میرے اشارے پر سلطان شاہ مجھ سے آگے ہو لیا تھا اور میں اتنے فاصلے سے چل رہا تھا کہ سفید فام چلتے چلتے اچانک ہی پلٹ پڑے تو میں فوری طور پر کسی آڑ میں پناہ لے سکوں۔ اسی ترتیب سے باہر نکلنے پر مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ سفید فام، پورٹر کو ساتھ لیے براہ راست پارکنگ لاٹ کی طرف جا رہا تھا۔

سفید فام کا وہ اقدام معنی خیز تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کی گاڑی پارکنگ لاٹ میں موجود تھی مگر وہ کسی وجہ سے اپنی گاڑی روشن پورچ میں نہیں لانا چاہتا تھا۔

میرے وجود میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ میں جس بساط کو الٹتا ہوا محسوس کر رہا تھا، وہ اچانک ہی حیرت انگیز موڑ لیتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

پارکنگ لاٹ کی کھلی فضا میں دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور ہم چاروں آسیبی سایوں کی طرح کاروں کی قطاروں کے درمیان سے گزرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ سفید فام ایک کار کے قریب رک گیا۔ وہ پورٹر کو فارغ کرنے کے لیے پرس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے کار کی ڈکی کھولنے کے بجائے سوٹ کیس زمین پر رکھوا لیا تھا۔ اس وقفے سے میرے ساتھ ہی سلطان شاہ نے بھی فائدہ اٹھایا اور ہم دونوں نیچے جھک کر سفید فام سے قریب گاڑیوں کی اوٹ میں دبک گئے۔

پورٹر ٹپ لے کر واپس لوٹ گیا تو چند ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم میں کھڑے رہنے کے بعد سفید فام اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ کی طرف متوجہ ہوا تھا جس کے قریب وہ موجود تھا۔ اسی لمحے فضا میں اس کی دبی دبی تحیر آمیز آواز ابھری اور پھر ویرا کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"دیکھ لو، میں پھر موجود ہوں۔" قہقہے کے ساتھ ویرا کی آواز سنائی دی تھی۔ "تم مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے لیکن میں یہاں بھی پہنچ گئی۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اتنی جلدی تم سے دوسری ملاقات ہو سکے گی۔"

"خان کہاں ہے؟" سفید فام کی آواز میں بوکھلاہٹ کے ساتھ ہی تشویش بھی سمٹ آئی تھی۔

"تمہاری کار کی کیبن لائٹ خراب ہے۔ ٹٹول کر دیکھو گے تو وہ پچھلی نشستوں کے پائیدان میں سوتا ہوا ملے گا۔ نیند کا بڑا کچا معلوم ہوتا ہے تمہارا خان۔"

وہ پھرتی سے کار کے عقبی دروازے کی طرف لپکا تھا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ویرا کی موجودگی کے باعث آنکھ مچولی بے سود تھی۔ وہ شاید داؤد کو پہلے ہی زیر کر چکی تھی اور اب سفید فام بھی گھیرا جا چکا تھا۔

"اوہ، یہ تو بری طرح زخمی معلوم ہوتا ہے۔" سفید فام کی آواز ابھری۔ "اس کی تو گردن خون میں لتھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کیا تم نے اسے مار دیا؟"

"میرا ارادہ نہیں تھا اگر مر گیا تو قصور خود اسی کا ہے۔ خنجر کی نوک گردن پر ہونے کے باوجود اٹھنے کی کوشش کی جائے تو دوہری دھار اپنا کام دکھا دیتی ہے۔" یکسر دلہجے میں اس سے بات کر کے وہ میری طرف مخاطب ہو گئی۔ "تم اسے لے کر میرے ساتھ چلو، سلطان کو واپس ہوٹل بھیج دو۔" سفید فام نے مڑ کر سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر شکست کے آثار پھیل گئے۔

پارکنگ لاٹ میں زیادہ دیر ٹھہرنا خطرناک ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے گاڑی میں پڑے ہوئے داؤد کی نبضیں ٹٹولیں تو دور تک کسی دھڑکن کا شائبہ نہیں تھا۔ اندھیرے کے باوجود میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار ثابت نہیں ہوا کہ ویرا نے بہت بے رحمی کے ساتھ اس کی شہ رگ کاٹ ڈالی تھی۔

سفید فام کا لایا ہوا سوٹ کیس عقبی نشست پر داؤد کی لاش پر ڈلوا کر میں نے سفید فام کو اپنی جیب میں اسلحہ کی موجودگی سے باخبر کرتے ہوئے ویرا کے پیچھے چلنے پر مجبور کر دیا۔ سلطان شاہ اس سے پیشتر ہی اپنی گاڑی کی طرف آگے نکل گیا تھا، ویرا کی کار کے قریب پہنچ کر میں سفید فام کے ساتھ عقبی نشست پر سوار ہو گیا اور ویرا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"کیا تم نے خان کو واقعی ذبح کر دیا ہے؟" کار کے روانہ ہوتے ہی سفید فام نے بھرائی ہوئی، تشویش زدہ آواز میں سوال کیا تھا۔ وہ غیر متوقع طور پر بدلی ہوئی صورتِ حال پر خائف نظر آ رہا تھا۔

"نبض بند ہونے کے بعد دوبارہ چل پڑے تو اور بات ہے ورنہ فی الحال تو وہ مر چکا ہے۔" ویرا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں خود اسے زندہ پکڑنا چاہتی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی موت میرے ہی ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی۔"

"یہ تم نے بہت برا کیا۔" سفید فام متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "خان مسٹر ایکس کا خاص آدمی تھا۔ اس کے قتل پر وہ تمھیں دنیا کے آخری سرے پر بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"یہ مسٹر ایکس کیا بلا ہے؟" ویرا نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے تمھارے بارے میں خان نے سب کچھ بتا دیا تھا لہٰذا میں تمھاری معلومات میں اضافے کے لیے یہ بتانے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتا کہ گروپ نائین آج کل براہِ راست مسٹر ایکس کے احکام کا پابند کر دیا گیا ہے اور اس کی ہدایات خان کے ذریعے متعلقہ لوگوں تک پہنچتی تھیں۔" وہ ویرا سے مخاطب ہو کر بولا۔

"اوہ!" ویرا کی غصیلی آواز ابھری۔ "تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی۔ کیا تم بھی گروپ نائین میں ہو؟"

"نتائج تم خود اخذ کر سکتی ہو۔ میں نے جو بات ضروری سمجھی، وہ تمھارے گوش گزار کر دی ہے۔ تم جانتی ہو کہ گروپ نائین معمولی معاملات سے الگ رکھا جاتا ہے۔ کاش خان نے میری ناکامی سے پہلے ہی مجھے تمھارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہوتا تو شاید اس وقت صورتِ حال ہی کچھ اور ہوتی۔ ہوسٹس کلب سے نکلنے کے بعد تم لوگ میری آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار نہیں ہو سکتے تھے۔"

"تمھارا دماغ ٹھکانے پر لانے کے لیے اب مجھے بھی بتانا پڑے گا کہ خان خود ہی مسٹر ایکس تھا اور تم اس کا حشر دیکھ چکے ہو۔ شوگر کوئین سے ٹکرانے والوں کے لیے زمین عموماً تنگ ہو جایا کرتی ہے۔" ویرا نے سرد لہجے میں کہا۔

"تم مجھے جھوٹی باتوں سے خوفزدہ نہیں کر سکتیں؟" وہ احتجاج آمیز اور خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ میرے ساتھی کسی بھی لمحے تم پر دھاوا بول سکتے ہیں۔"

میں چونک پڑا۔ اس کی دھمکی بے بنیاد نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے اپنے پستول کی نال اس کے پہلو سے لگا دی۔ "ڈیٹیکٹر کہاں ہے؟ ذرا بھی تاخیر کی تو میں ٹریگر دبا دوں گا۔"

"کیسا ڈیٹیکٹر؟" وہ انجان بن کر حیرت سے بولا۔

"وہی، جس کے بل پر تمھارے ساتھی ہمیں گھیر سکیں گے۔"

"میں ایسی کسی چیز سے واقف نہیں۔"

"یہ بکواس کر رہا ہے، تم نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ ڈالا ہے۔" ویرا نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "خاص فری کوئنسی پر بے آواز الیکٹرونک سگنل نشر کرنے والا یہ قیمتی آلہ گروپ نائین کے ہر رکن کے پاس ہوتا ہے اور ڈیڑھ سو میل کے دائرے میں لوکل ہیڈ کوارٹر کے کنٹرول روم کو ہر لمحے ان لوگوں کی پوزیشن کا علم رہتا ہے اور اسی آلے کا ایک چھوٹا سا بٹن دبا دیا جائے تو عام اشارے کے بجائے یہ خطرے کا سگنل بھیجنے لگتا ہے۔ ہیڈ کوارٹر میں سمت اور فاصلے کا تعین کرتے ہی وہ لوگ اس کی مدد کے لیے کوئی پارٹی روانہ کر دیں گے جو اپنی مشین پر ریڈیائی اشاروں کے منبع کا کھوج لگاتے ہوئے ہم تک پہنچ جائیں گے۔"

"سب کچھ جان کر بھی انجان بنتی ہو۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ میں تمھارے لیے موت کا پیغام نشر کر چکا ہوں۔ تم میری بوٹیاں بھی اڑا ڈالو تو میں تمھیں اس کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا اور موت کسی بھی لمحے تمھارا مقدر بن جائے گی۔"

"تم اس پر اپنا وقت کیوں برباد کر رہی ہو؟" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آخر ہم کس لیے اسے اپنے ساتھ لادے ہوئے پھر رہیں ـــ کہیں بھی اسے گولی مار کر پھینک ہی کیوں نہ دیں؟"

"ٹھیک ہی کہتے ہو۔" ویرا بے پروایانہ لہجے میں بولی۔ "جب داؤد ہی زندہ ہاتھ نہ آ سکا تو یہ بھلا کس کام آئے گا۔ میں گاڑی شہر سے نکالتی ہوں، راستے میں ہی اسے ٹھکانے لگا دینا۔"

"تم میرے ساتھ جو سلوک چاہو کر سکتے ہو لیکن یہ یاد رکھنا کہ تم لوگوں کے دن پورے ہو گئے ہیں۔ شی کے لیے تمہاری ذات ایک مستقل خطرے کی حیثیت اختیار کر گئی ہے جس کے سدباب کے لیے مسٹر ایکس کو خصوصی مشن سونپا گیا تھا۔"

اس نے اپنا فقرہ پورا کر کے جوں ہی پہلو تبدیل کیا، میں نے پوری قوت کے ساتھ جچے تلے انداز میں اپنے پستول کا آہنی دستہ اس کی کنپٹی پر رسید کیا اور وہ کراہتا ہوا اسی پوزیشن میں نشست گاہ سے ٹک کر بے ہوش ہو گیا۔

"آگے آ جاؤ۔" ویرا نے میری کارروائی پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے پیش کش کی جسے میں نے قبول نہیں کیا۔ سفید فام کسی بھی لمحے ہوش میں آ کر دشواریاں کھڑی کر سکتا تھا اس لیے ہم میں سے ایک کا اس کے سر پر مسلط رہنا ضروری تھا۔

"یہ بتاؤ کہ تم اچانک پارکنگ لاٹ میں کیسے پہنچ گئیں؟" موقع میسر آتے ہی میں نے اپنے ذہن میں چبھتا ہوا وہ سوال کر ڈالا۔

وہ ہنسنے لگی۔ "میں نے سوچا کہ باہر ممنوعہ علاقے میں گاڑی پارک کر کے تمہاری بخیر و عافیت واپسی کا انتظار کرنے سے بہتر ہو گا کہ اندر ہی چلی جاؤں۔ وہاں تھوڑی ہی دیر بعد مجھے سرچ لائٹ کی روشنی کے حلقے سے بچ کر گزرتے ہوئے داؤد نظر آیا جو بہت عجلت میں تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ میں نے اپنی کار ایسی جگہ پارک کی تھی کہ لاٹ میں آنے والے ہر شخص پر نگاہ رکھ سکوں کیونکہ مجھے تم دونوں کی آمد کا انتظار تھا۔ میں نے محتاط رہ کر اس کا پیچھا کیا اور جب وہ بظاہر کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر کار میں گھس کر عقبی پائیدان میں روپوش ہو گیا تو میں نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اسے جا لیا۔ میرے پاس محض ایک خنجر دیکھ کر وہ مزاحمت پر تل گیا اور مجھے مجبوراً اس کی گردن کاٹنا پڑ گئی کیونکہ ایک بار پائیدان سے اٹھنے کے بعد وہ میرے لیے بدترین حریف ثابت ہو سکتا تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کسی اور کی آمد کا منتظر تھا اور آخر کار تم لوگ آ پہنچے۔"

اس کے استفسار پر میں اسے اپنی کہانی سنانے لگا۔

گفتگو کے ساتھ ہی کار تیز رفتاری کے ساتھ فاصلے طے کرتی رہی اور آخر کار ویرا نے ایک سنسان اور غیر آباد علاقے میں گاڑی روک دی۔ میں نے بے ہوش سفید فام کی بغلوں میں ہاتھ دے کر پھرتی کے ساتھ اسے کار سے نکال کر زمین پر ڈال دیا پھر ویرا نے اس کی کھوپڑی دونوں ہاتھوں میں تھام کر مخصوص انداز میں اس کی گردن کو ایک شدید جھٹکا دیا اور ہلکی سی آواز کے ساتھ سفید فام کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

ویرا نے تھوڑی دیر قبل داؤد کو ذبح کیا تھا اور اب سفید فام کی گردن یوں توڑ ڈالی تھی جیسے وہ زندہ انسان نہیں، ربر کا کوئی بے جان کھلونا رہا ہو۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے یکسر عاری تھا۔ خونریزی کے معاملے میں وہ ہر بار بے حد پُرسکون نظر آتی تھی بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے اپنے دشمنوں کو ہلاک کر کے اسے خاص قسم کا سکون ملتا ہو۔ کسی عورت کی جانب سے قتل و خونریزی کے معاملات میں ایسی سرد مہری میرے لیے ہر بار ہی حیرت انگیز ثابت ہوئی تھی۔

"کسی کی جان لیتے ہوئے تمہیں خوف نہیں آتا؟" واپسی پر میں نے اس سے سوال کر ہی ڈالا۔

"کبھی کسی سانپ یا بچھو پر ترس آیا ہے تمہیں؟" اس نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے ہنستے ہوئے مجھ سے ہی سوال کر ڈالا۔

"میں موذی جانوروں کی نہیں، انسانوں کی بات کر رہا ہوں۔"

"انسان موذی ہو جائے تو بہت خطرناک ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بے ہوش سفید فام کی ہلاکت نے تمہارے دماغ پر کچھ ناخوشگوار اثرات ڈالے ہیں۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اسے تو مرنا ہی تھا کیونکہ وہ کئی باتوں کا چشم دید گواہ تھا، مدہ تمہارے انداز پر ہوا۔ بے ہوش دشمن کو اس قدر سکون اور بے رحمی سے مارنا شاید کسی نارمل انسان کے بس کی بات نہیں۔"

"مجھے فخر ہے کہ میں ایسے معاملات میں ایب نارمل ہوں۔ اس کی جگہ کوئی بے گناہ ہوتا تو شاید میرا ضمیر اسے تھپڑ بھی لگانے کی اجازت نہ دیتا۔"

"تمہاری نگاہوں میں گناہ کیا تھا اس کا؟" میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

اس نے گردن گھما کر ملامت آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا پھر اپنی توجہ دوبارہ سڑک پر مرکوز کرتے ہوئے اداس لہجے میں بولی۔ "مجھے دکھ ہے کہ میرے ساتھ اتنے دن گزارنے کے بعد بھی تم میرے مزاج کو نہ سمجھ سکے۔ میرا ہاتھ انہی پر اٹھتا ہے جن کے اعمال نامے سیاہ ہوتے ہیں اور ایسے بدکرداروں کو مار کر مجھے ملال نہیں ہوتا۔ اس کی اصلیت سمجھنے کے لیے اس کا یہی اعتراف کافی تھا کہ اس کا تعلق گروپ نائین سے ہے۔ اس گروپ میں صرف وہی پیشہ ور قاتل شامل کیے جاتے

ہیں جن کا پولیس کے پاس کوئی ریکارڈ نہ ہو اور دوسری لازمی اہلیت یہ ہے کہ نہ صرف مجرد ہوں بلکہ کسی عورت کی ذات میں دلچسپی بھی نہ لیتے ہوں۔ یہ درحقیقت سفاک اور بھوکے بھیڑیوں کا غول ہے جسے قوت کے بے لگام اظہار کے لیے پرورش کیا جا رہا ہے۔"

اس سے بحث کرنے کے لیے میرے پاس مواد کی کمی نہیں تھی۔ یہ انسانی مزاج ہے کہ کوئی آدمی کتنا ہی بُرا اور بدکردار کیوں نہ ہو اسے ہلاک کر کے خوشی کبھی نہیں ہوتی بلکہ قاتل بھی یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اگر فلاں بات نہ ہوئی ہوتی تو وہ افسوس ناک سانحہ آرام سے ٹل سکتا تھا۔

کسی کو ہلاک کرنا اور اس کا موت کا سزاوار ہونا یا نہ ہونا ایک الگ بات تھی اور قاتل کا اپنے فعل پر نادم ہونا یا اس خونریزی سے محظوظ ہونا ایک دوسری بات تھی۔ ویرا کے بارے میں میرا اعتراض دوسرے پہلو سے تعلق رکھتا تھا لیکن جواب میں اس نے بالکل ہی مختلف دلیل اختیار کی تھی مگر میں نے بدمزگی سے بچنے کے لیے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

"یہ دونوں تو جہنم واصل ہو گئے۔ اب آئزک اور مس ایش برن کا کیا بنے گا؟" کچھ دیر کی بوجھل خاموشی کے بعد میں نے سکوت توڑتے ہوئے سوال کیا۔

"کسی کے مقدر کو تبدیل کرنا انسانی اختیار سے باہر ہے۔ میں خود ان دونوں کے بارے میں فکر مند ہوں لیکن اب انتظار اور ان کی سلامتی کی دعا کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی۔"

"ایسا تو نہیں کہ تمہارے چکر میں یہاں داؤد کو مطلق العنان بنا دیا گیا ہو۔ وہ بہرحال کسی نہ کسی کو جوابدہ رہا ہو گا۔ کیا اس سے معلومات حاصل کرنے کے لیے رجوع نہیں کیا جا سکتا؟"

"مسٹر ایکس تنظیم کا ایک اہم اور عارضی لقب ہے۔ یہ نام جسے دے دیا جائے وہ اس خطاب کی واپسی تک مطلق العنان ہی ہوتا ہے اور دوسرے بڑے اس سے دور دور ہی رہتے ہیں۔ میرے لیے یہ بات ابھی تک ایک معما بنی ہوئی ہے کہ داؤد نے مسٹر ایکس کا خطاب کس طرح حاصل کیا پھر دوسری اہم بات یہ ہے کہ گروپ نائین اس کی تحویل میں دے دیا گیا۔"

"یہ خطاب اسے کس نے دیا ہو گا؟"

"اس کی منظوری سپریم کونسل ہی دیتی ہے۔ اسی طرح گروپ نائین بھی ایک خود مختار گروپ ہے جس کا سربراہ سپریم کونسل کے چیف کو جوابدہ ہوتا ہے۔"

"یعنی اس نے سپریم کونسل کو تمہارے خلاف اپنا ہمنوا بنا لیا تھا؟"

"اسی سلسلے میں وہ ناکام رہا۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اسے میرے خلاف کھلی چھوٹ مل گئی ہوتی تو ہوسٹس کلب میں ٹکرانے والا سفید فام میرے ساتھ نرمی سے ہرگز پیش نہ آتا۔"

"پھر اسے یہ سب مراعات کس خوشی میں دی گئیں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"بڑے بھولے ہو۔" وہ طنزیہ انداز میں ہنسی۔ "یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ جب تک تم روپوش رہے یہی سمجھا جاتا رہا کہ تم بھی لائیڈز کاٹیج میں ہلاک ہو گئے ہو گے لیکن تمہارے زندہ ہونے کے شواہد پیش کر کے داؤد نے شی کے سربرآوردہ لوگوں کو یہ یقین دلا دیا ہو گا کہ پاکستان میں شی کے کاروبار اور اہم ٹھکانوں کی تباہی کے ذمہ دار تم ہو۔ اس بارے میں تمہارے جرائم کی فہرست خاصی طویل ہے۔ قتل و غارت گری کے علاوہ کراچی کے جیوا ہاؤز سے لائیڈز کاٹیج کی تباہی تک بہتیرے ناقابلِ معافی جرائم ہیں۔ اسی وجہ سے لندن میں تمہاری موجودگی کو شی کے مفادات کے لیے بدترین خطرہ تصور کیا جا رہا ہے۔"

"حالانکہ بیشتر کارروائیوں میں تم میری شریک رہی ہو۔"

"میری وفاداریوں پر صرف شبہ کیا جا رہا ہے کھلے عام نہیں لیکن شی کے اندرونی حلقوں میں عموماً مجھے بھی لائیڈ کی بیٹی سمجھا جاتا ہے لہٰذا میرے خلاف صرف شبہات کی بنا پر کوئی قدم اٹھانا ناممکن ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے سنجیدگی کے ساتھ اچانک ہی موضوع بدل دیا۔ "ذرا پیچھے دیکھو، آخری چوراہے سے یہ دونوں گاڑیاں مسلسل ہمارا تعاقب کر رہی ہیں۔"

"رفتار کم کر کے انھیں آگے نکلنے کا موقع دو۔ ہو سکتا ہے کہ تمھیں وہم ہو رہا ہو۔" میں نے گردن گھما کر پیچھے آنے والے ٹریفک کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"میں کافی دیر سے کوشش کر رہی ہوں لیکن میرے ساتھ وہ بھی رفتار کم کر لیتے ہیں۔ یہ دیکھو۔" یہ کہتے ہوئے ویرا نے اپنی کار کی رفتار دھیمی کر دی۔ اسی کے ساتھ پیچھے والی دونوں گاڑیوں کی رفتار بھی کم ہو گئی۔ ان کے پیچھے آنے والا ٹریفک راستہ کاٹ کر دائیں طرف سے گزرنے والی تیز رفتار قطار میں شامل ہونے لگا۔

"یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟" میں نے وہ تماشا دیکھتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"گروپ نائین۔" ویرا نے غیر فطری انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "خیال رہے کہ یہ انسانی لہو کے پیاسے ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کے ساتھ تمہارا مذاکرہ نتیجہ خیز ثابت ہو گا۔"

"گروپ نائین ــــ" میں نے دل ہی دل میں دہرایا۔ ہم سفید فام سے کافی دیر پہلے پیچھا چھڑا چکے تھے پھر وہ ہماری گاڑی تک کیسے پہنچ گئے تھے؟

معاً میرے ذہن میں سفید فام کے آخری الفاظ گونجے اور میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔ شاید اسے اپنے انجام کا یقین ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس نے مرنے سے پہلے ہم لوگوں کا بندوبست کر دیا تھا۔ اسے ہم نے بے ہوش کر کے ایک ویرانے میں ٹھکانے لگا دیا تھا لیکن اس نے اپنا بے آواز الیکٹرونک ڈیٹیکٹر شاید ہماری کار

ہی میں ڈال دیا تھا جو ابھی تک سگنل نشر کر کے ہیڈ کوارٹرز اور تعاقب کرنے والوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔

میں اندھیرے کیبن میں غیر ارادی طور پر ٹٹول کر ڈیٹیکٹر تلاش کرنے لگا۔ میری ان بوکھلائی ہوئی ناکام کوششوں پر ویرا استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی۔

"وقت برباد نہ کرو، ڈیٹیکٹر بٹن کے برابر ننھا سا الاسکی آلہ ہوتا ہے۔ اس نے پشت گاہ کے پیچھے کہیں بھی اُڑس دیا ہوگا۔ اگر اب وہ مل بھی گیا تو ہم ان لوگوں کو دھوکا نہیں دے سکیں گے۔"

اسی لمحے ان دونوں میں سے آگے آنے والی گاڑی نے داہنی سمت میں نکلنے کے لیے انڈیکیٹر جلایا اور اگلے ہی لمحے میں وہ کار ہماری گاڑی کے برابر سے گزرتی ہوئی آگے نکلی اور تیزی کے ساتھ ویرا کی کار کے آگے قطار میں گھستی چلی گئی۔ اس کے تاریک شیشوں کے باعث ذرا بھی اندازہ نہ ہو سکا کہ اس میں کتنے آدمی سوار تھے۔

اب صورتِ حال بہت خطرناک ہوگئی تھی۔ ان کی ایک کار آگے تھی اور دوسری پیچھے لگی ہوئی تھی۔ وہ لوگ ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر دیدہ دلیری کے ساتھ ہمیں گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ویرا دانت پر دانت جمائے ڈرائیونگ کرتی رہی۔ اس وقت اس کے حسین چہرے کی ساری دلکشی مفقود ہوگئی تھی اور اس کے بشرے پر بھیانک سی بے رونقی جم کر رہ گئی تھی۔ میرے لیے اس کے وہ تیور نئے نہیں تھے۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ اب وہ کسی بھی لمحے نتائج کی پروا کیے بغیر کشت و خون کا آغاز کر دے گی۔

چند ثانیوں بعد جب ہمارے گرد و پیش میں ٹریفک صاف ہوا تو ویرا نے رفتار بڑھاتے ہوئے داہنی طرف سے اگلی کار سے آگے نکلنے کی کوشش کی لیکن اگلی کار نے اس بری طرح سائیڈ دبائی کہ ویرا کو تصادم سے بچنے کے لیے اچانک بریک لگانے پڑ گئے۔ اور اسی کے ساتھ اس نے ہارن بجانا شروع کر دیا۔

میں نے وہاں اپنے مختصر سے قیام میں ہی محسوس کر لیا تھا کہ اس سرزمین پر ہارن کو ٹریفک کی زبان کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ ہر شخص قاعدے کے مطابق دوسروں کے لیے راستہ چھوڑ کر ڈرائیونگ کرتا تھا اور ہارن اسی ڈرائیور پر بجایا جاتا تھا جو ضابطے کی کسی خلاف ورزی کا مرتکب ہو رہا ہو۔ بہ الفاظ دیگر وہاں ہارن اگلی گاڑی کے ڈرائیور کے لیے مہذب گالی کا درجہ رکھتا تھا جس کے ذریعے اسے اپنے حواس میں رہ کر ٹریفک کے مروجہ ضابطوں کی پابندی پر مجبور کیا جاتا تھا۔

دوسری بار ویرا نے مسلسل ہارن بجاتے ہوئے بائیں سمت سے آگے نکلنا چاہا تھا مگر اس بار بھی اگلی کار بری طرح اس کی راہ میں حائل ہوگئی اور مجھے اضطراری طور پر ویرا کو ٹھنڈے ذہن سے کام لینے کا مشورہ دینا پڑا۔

پھر اچانک ہی اگلی کار کے بریک لیمپس جل اٹھے اور وہ گاڑی ایک ہچکولے کے ساتھ سڑک کے وسط میں رک گئی۔

"پچھلے دروازے سے لاک کر دو۔" ویرا بریک لگاتے ہوئے سرد لہجے میں بولی اور میں نے پھرتی کے ساتھ اس کی ہدایت کو عملی جامہ پہنا دیا۔

ہماری کار اگلی گاڑی سے بمشکل چند انچ کے فاصلے پر رکی تھی اور پیچھے دوسری گاڑی نے راستہ مسدود کر دیا تھا۔ یہ سب پلک جھپکتے میں ہوا اور اگلی کار کی عقبی نشست سے ایک گرانڈیل آدمی نیچے اتر کر تیر کی طرح ہماری گاڑی کی طرف آیا۔ اس نے بائیں طرف میرے پیچھے والے دروازے پر طبع آزمائی کی۔ اسی لمحے ویرا نے پھر مسلسل ہارن بجانا شروع کر دیا۔ اس اثنا میں گرانڈیل سفید فام نے کسی سخت چیز سے ضرب لگا کر ایک تیز چھناکے کے ساتھ پچھلی کھڑکی کا شیشہ توڑ دیا۔

میرے لیے ان لوگوں کی دیدہ دلیری ناقابل یقین ثابت ہو رہی تھی۔ میں نے گرانڈیل کو روکنے کی پوری کوشش کی لیکن وہ اپنا ہاتھ زخمی ہونے کی پروا کیے بغیر ٹوٹے ہوئے شیشے میں سے ہاتھ ڈال کر دروازے کو مقفل کرنے والی گھنڈی اٹھا کر اندر گھس آیا۔ اس کے سوار ہوتے ہی اگلی کار چل پڑی اور ہمارے پیچھے والے نے ہارن بجانا شروع کر دیا۔

"چلو!" ہماری کار میں سوار ہونے والا گرانڈیل سفید فام حلق کے بل غرایا۔ "میرے ہاتھ میں اعشاریہ تین دو کا بے آواز پستول ہے اور مجھے تمہاری زندگیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

ویرا نے لمحہ بھر کے لیے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا اور اچانک اتنی تیز رفتاری کے ساتھ گاڑی آگے بڑھائی کہ اس کے ٹائر سڑک سے رگڑ کھا کر چیخ اٹھے۔ میرے لیے ویرا کی وہ حرکت متوقع تھی جب کہ گرانڈیل حریف اپنی جارحانہ کارروائی کے بعد ایسے شدید ردِعمل کے لیے تیار نہیں تھا لہٰذا کار کے حرکت میں آتے ہی وہ پچھلی نشست پر لڑھک کر پشت گاہ سے جا لگا اور اس کے پستول والے ہاتھ کا رخ کار کی چھت کی طرف ہوگیا۔

تقریباً اسی لمحے میں نے اپنی کرسی کی پشت گاہ کا لیور دبا کر شانوں کے زور سے پشت گاہ کو پیچھے گرا دیا اور اس کے پستول والے ہاتھ کو گرفت میں لے کر اس کے سینے پر سوار ہوگیا۔

میری دو تین بھرپور ٹکروں نے اسے تیورا کر رکھ دیا۔ دوسری طرف اس کی ٹانگیں بھی نشستوں کے درمیانی پائیدان میں پھنس کر رہ گئی تھیں اس لیے وہ مجھے اچھال پھینکنے کے لیے پوری طرح زور نہیں لگا پا رہا تھا اور جھلاہٹ کے عالم میں اس کے منہ سے مغلظات کا ایک طوفان رواں ہوگیا تھا۔

اس کے لیے بچ نکلنے کے بہت سے امکانات تھے جب کہ مجھے اس کی کامیابی یا برتری کی صورت میں اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی جس کی وجہ سے ہم دونوں کے جذبات بھی مختلف تھے۔ وہ جھلایا ہوا تھا اور میرے دماغ پر خون سوار ہوگیا تھا۔ اپنی وحشیانہ ٹکروں سے

اس کا چہرہ لہو لہان کرتے ہوئے میرے بائیں ہاتھ میں کھڑکی کے شیشے کا ٹوٹا ہوا ایک لمبا سا ٹکڑا آگیا اور میں نے اپنے ہاتھ اور انگلیوں کے زخمی ہونے کی پروا کیے بغیر وہ دھار دار شیشہ مضبوطی سے گرفت میں لے کر پے در پے اس کے چہرے اور گردن پر کئی وار کر ڈالے۔
میرے تیوروں نے اس کے اوسان خطا کر دیے بھیانک غراہٹوں اور چیخوں کے درمیان اس نے شیشے کی دھار سے بچنے کی بہتیری کوششیں کیں لیکن چہرہ بچا لینے کے باوجود وہ جسم کے دوسرے حصوں کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ جہاں تک چہرے کا تعلق تھا تو وہ پہلے ہی وار میں بری طرح اُدھڑ کر رہ گیا تھا۔
اچانک اس نے پستول گرا دیا اس طرح مجھے اپنا داہنا ہاتھ بھی استعمال کرنے کا موقع مل گیا۔ اگر وہ گروپ نائین کا کوئی خونخوار جیالا تھا تو جان کے خوف نے اس وقت مجھے بھی لہو کا پیاسا بنا کر رکھ دیا تھا میں نے داہنے ہاتھ سے اس کا گریبان پکڑ کر ایک بار پھر نوکیلے اور دھار دار شیشے کا وار کیا اس بار شیشہ اس کی داہنی آنکھ میں پیوست ہو گیا۔ نیا زخم کھا کر اس کے حلق سے بھیانک چیخ نکلی تھی۔
میں نے وہ شیشہ اس کی آنکھ سے باہر کھینچا تو اس کے گرم گرم خون کی دھاریں اس کے چہرے سے گلے تک بہہ کر میرے داہنے ہاتھ کو تر کرنے لگیں جو اس کے گریبان پر جما ہوا تھا۔ اس وقت مجھ پر صحیح معنوں میں خون سوار ہو گیا تھا میں نے اپنا بایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا اور شیشے کی دھار پوری قوت سے اس کے دہانے میں حلق تک اتار دی۔
اس کا بدن میرے نیچے بری طرح تڑپ رہا تھا مگر اس کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ اپنی جارحیت کو بھول کر اب وہ اپنی بقا کے لیے جاں گسل جدوجہد کر رہا تھا۔ میں نے شیشہ اس کے دہانے میں ہی پیوست چھوڑ کر اپنے زخمی ہاتھ کی ہتھیلی سے شیشے کے پچھلے حصے پر ایک ضرب لگا کر اسے اس کے حلق اور دہانے کے زخموں میں اور گہرا اتار دیا۔
مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ گہرے زخم بہت مہلک تھے اور ہر زخم سے بہنے والی خون کی دھاروں نے اس کے جسم سے ساری قوت نچوڑ لی تھی لہٰذا میں نے اس کھیل کو فی الفور ختم کرنے کے لیے اپنی گرفت قدرے کمزور کر کے پائیدان میں سے اس کا بے آواز پستول اٹھا لیا۔
دوسری طرف میرے گرانڈیل حریف کے حلق میں پیوست شیشہ بھی اس کے لیے سائلنسر بنا ہوا تھا جو اس نے کار کی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر خود ہی فراہم کیا تھا اور وہ کوشش کے باوجود شیشے کے اس مضبوط ٹکڑے کو اپنے حلق سے نہیں کھینچ سکا تھا۔
میں نے اس کے پستول کی نال اس کی کنپٹی سے لگا کر ٹرائیگر دبا دیا۔ کھٹکے کی آواز کے ساتھ گولی اس کے بھیجے میں اتر گئی اور اس کے آخری سانسوں کے ساتھ کار کے کیبن میں بارود کی ہلکی سی بو جم گئی۔

اسے ختم کر کے میں نے عقبی ونڈ شیلڈ سے پیچھے نگاہ ڈالی تو سڑک ویران پڑی ہوئی تھی اور شاید ویرا نے راستہ بھی تبدیل کر لیا تھا جس کا مجھے احساس ہی نہ ہو سکا تھا میں اپنے سر کو جھٹکتا ہوا اپنی اگلی نشست پر واپس آیا اور پشت گاہ سیدھی کی تو اندازہ ہوا کہ میری بائیں ہتھیلی اور انگلیاں شیشے کی دھاروں سے خاصی بری طرح زخمی ہوئی تھیں اور ان سے خاصی مقدار میں خون بہہ رہا تھا۔
"زخمی ہوا ہے یا مر چکا ہے؟" ویرا کی جذبات سے عاری آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔
"زخمی ہو کر مرا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "کوئی پرا دو، میرا بایاں ہاتھ خاصا زخمی ہوا ہے۔"
"میرے بیگ میں سے رومال نکال لو۔ اب ہمیں کسی بھی لمحے یہ گاڑی چھوڑنا پڑے گی۔"
"وہ دونوں گاڑیاں کہاں گئیں؟" میں نے اس کے بیگ میں سے رومال نکال کر اپنے زخمی ہاتھ پہ لپیٹتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔
"پچھلی کار والوں کے لیے پلاسٹک کی وہی ایک گیند کام آئی تھی جس کی مدد سے ایلن بریزکو بے ہوش کر کے پکڑا تھا۔ ان کی گاڑی داہنی قطار میں آنے والی ایک تیز رفتار کار سے ٹکرا گئی تھی شاید دوسری گاڑی والے بھی گیس سے متاثر ہو گئے تھے۔" ویرا بتانے لگی۔ "اگلی کار آگے نکل گئی تھی۔ میں نے بائیں طرف والے پہلے موڑ پر اپنی گاڑی گھمالی تھی۔ اب وہ ہماری تلاش میں ہوں گے۔"
"ہماری تلاش سے پہلے شاید وہ کچھ دیر کے لیے دوسری کار کے حادثے میں اُلجھے رہیں۔ ہمیں جلد از جلد اس گاڑی سے پیچھا چھڑانا چاہیے۔ ایک ڈیٹیکٹر تو پہلے ہی گاڑی میں موجود تھا دوسرا اس لاش کے ساتھ بھی موجود ہوگا۔ اس کار کو وہ جلد ہی ڈھونڈ نکالیں گے۔"
"سامان سمیٹو۔" وہ بولی۔ "یہ اچھا ہوا کہ ایک اور بے آواز پستول ہاتھ آ گیا۔ ڈیش بورڈ کے نچلے خانے میں دو گیندیں اور پڑی ہوں گی انھیں ذرا احتیاط سے نکالنا۔"
"کاغذات وغیرہ؟" میں نے وہ خانہ ٹٹولتے ہوئے سوال کیا۔
"پڑے رہنے دو اس میں میرا کچھ بھی نہیں ہے۔ گاڑی کو نقصان پہنچا تو اس کے مالک کو انشورنس کمپنی سے معاوضہ مل جائے گا۔" وہ بے پروایانہ لہجے میں بولی۔ "مگر تمھاری حالت بہت ابتر ہو رہی ہے۔ پیشانی اور ہاتھ زخمی ہے، لباس پر جا بجا خون کے تازہ دھبے بھی نمایاں نظر آ رہے ہیں ــــ کسی کی نظروں میں آ گئے تو دشواریاں کھڑی ہو جائیں گی۔"
"یہ بتاؤ کہ ارادہ کہاں کا ہے؟"
"تم اس حالت میں نہ اپنے ہوٹل کا رُخ کر سکتے ہو نہ میرے ساتھ کسی اور ہوٹل میں جا سکتے ہو۔" وہ پُر خیال لہجے میں بولی۔ "اب تو کسی شناسا ہی کی طرف رُخ کرنا ہوگا۔"

میں خاموش ہی رہا کیونکہ اس بارے میں میں کوئی حل پیش کرنے سے قاصر تھا۔ مجھے اتنا معلوم تھا کہ علی نواز نامی میرا ایک پرانا ہم جماعت لندن میں نارتھولٹ کے علاقے میں مقیم تھا اور ہر طرح سے میرے کام آسکتا تھا میرے لیے اس کے گھر تک پہنچنا بہت زیادہ آسان نہیں تھا ورنہ حضرو کے ایک قریبی گاؤں میں پروان چڑھنے والا وہ شخص خاصا فراخ دل اور ہر اعتبار سے اعتماد کے قابل تھا۔

تھوڑی دیر بعد ویرا نے ایک سنسان مقام پہ گاڑی روک دی جہاں سڑک کے دونوں طرف دور تک سبزہ پھیلا ہوا تھا اور تاریکی میں ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر مکانات کی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔

چابی اگنیشن میں لگی چھوڑ کر ویرا نیچے اتری پھر اس نے عقبی دروازہ کھول کر لالٹین کی روشنی میں پچھلی نشست پر پڑی ہوئی لاش کا جائزہ لیا اور جھرجھری لے کر پیچھے ہٹ گئی۔

"تم نے تو قیمہ ہی کر دیا اس کے جیسے کا۔" وہ بائیں طرف کی سرسبز ڈھلوان پہ چڑھتے ہوئے بولی۔ "اب بتاؤ کہ اس کی جان لیتے ہوئے خوف نہیں آیا تمہیں؟"

"میں اپنے وجود کی گہرائیوں میں لرز کر رہ گیا تھا۔" میں نے صریحاً جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اسے نہ مارتا تو میں مارا جاتا پھر وہ بھی گروپ نائین کا ہرکارہ تھا۔ ان لوگوں کے بھیانک روپ سے تم نے مجھے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ اس لیے میں اس کے ساتھ کوئی رعایت نہ کر سکا۔"

"یہ رات بھی کسی کے لیے یادگار رہے گی۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "لاشوں کی یہ برسات نیچے سے اوپر تک سب کو بوکھلا کر رکھ دے گی اور اس خونریزی کا سارا کریڈٹ تمھارے نام جائے گا۔"

"میں اس دلدل سے جس قدر نکلنا چاہ رہا ہوں اسی قدر اس میں غرق ہوتا جا رہا ہوں۔" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں تو یکسو ہو کر غزالہ تک رسائی کی امید میں یہاں آیا تھا لیکن یہاں بھی میرے لیے پاکستان جیسے حالات پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہ کب زیر کر لیا جاؤں۔"

"اتنی مایوسی کی ضرورت نہیں۔" وہ میرا شانہ تھپتھپا کر بولی۔ "اصل خطرہ داؤد کی ذات سے تھا اور وہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ مقامی لوگوں کے لیے تمہیں شناخت کرنا اتنا آسان ثابت نہ ہوگا۔ اگر تم اپنی ظاہری وضع قطع میں نمایاں تبدیلیاں کر لو تو اپنے رنگ روپ کی وجہ سے ایشیائی کم اور اطالوی زیادہ معلوم ہو گے۔"

"وہ سب کچھ کر لوں گا لیکن غزالہ کا کیا کیا جائے؟ اسے میں کہاں تلاش کروں گا؟" میں نے اپنے وجود میں کرب کی لہریں محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اول تو وہ یہیں تم کو مل جائے گی۔" ویرا نے رات کے اندھیرے میں اس قدرتی سبزہ زار پر پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔ "کسی وجہ سے حالات سازگار نہ ہو سکے تو وہ سمجھ دار لڑکی ہے سیدھی پاکستان ہی جائے گی۔"

"پاکستان۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "وہاں اب اس کے لیے کیا رہ گیا ہے۔ وہاں تو اسے کوئی تسلی بھی نہ دے سکے گا۔ ماں باپ کے بعد اس کا رہ کون گیا ہے پھر تمھاری تنظیم بھی اس کی تلاش میں ہے۔ یہاں یہ تو غنیمت ہے کہ جوزف کی وجہ سے پولیس غزالہ کو بھول کر سونیا کی تلاش میں بھٹک رہی ہے۔"

"مجھے تمھارے ان تفکرات کا علم ہے۔" وہ ناصحانہ لہجے میں بولی۔ "ضروری نہیں کہ اگلا دن بھی اسی قدر حوصلہ شکن ثابت ہو ہمیں آنے والے وقت سے بہتر امیدیں وابستہ رکھنا چاہئیں۔"

"بہتر امیدیں۔" میں تلخ انداز میں ہنس پڑا اور اپنی رسٹ واچ کے روشن ڈائل کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "اس وقت رات کا ڈیڑھ بجا ہے اور ہمیں کچھ علم نہیں کہ رات کا باقی ماندہ حصہ بسر کرنے کے لیے ہمیں کسی چھت کا سایہ مل سکے گا یا ہم پوری رات ہی کھلے آسمان کے نیچے بھاگتے دوڑتے گزار دیں گے۔"

"تم پر قنوطیت طاری ہو رہی ہے۔ تم دیکھنا کہ تھوڑی ہی دیر میں تمھارے لیے کیا آسائشیں موجود ہوں گی۔ الجھن صرف اتنی سی ہے کہ میں اپنی وجہ سے اپنے کسی شریف دوست کو امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ لندن کے بیشتر حلقوں میں میں ایک کھلنڈری امیر زادی کی حیثیت سے مقبول ہوں اس لیے مشتبہ انداز میں کسی دروازے پر دستک دینے سے گھبرا رہی ہوں مگر اب یہ کرنا ہی ہوگا۔"

اس نے مجھے بتایا کہ اگر ہم داہنی طرف کا راستہ اختیار کرتے تو جلد ہی ایک ایسی سڑک پر پہنچ سکتے تھے جہاں سے کوئی سواری مل سکتی تھی جبکہ ہمارا اختیار کردہ راستہ زیادہ طویل تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ گروپ نائین کے موت کے ہرکارے اگر جلد ہی گاڑی تک پہنچ گئے تو سب سے پہلے داہنی طرف والی سڑک کا رخ کریں گے جبکہ بائیں سمت کا راستہ طویل ہونے کی وجہ سے محفوظ تھا۔

ڈھلان کی چڑھائی ختم ہوتے ہی دوسری طرف کافی فاصلے

پر شہر کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ اس طویل مسافت کا جائزہ لے کر میں نے تھکے ہوئے انداز میں سگریٹ سلگالی۔ ویرا نے بھی میری تقلید کی اور ہم دونوں سستانے کے لیے وہیں نرم گھاس پر بیٹھ گئے۔

"کتنا سکون ہے یہاں، ماحول اور کھلی فضائیں۔" ویرا ایک گہرا سانس لے کر گھاس پر دراز ہوتے ہوئے بولی۔

"اس فضا میں سکون ہوتا تو تمہارے ہونٹوں سے سگریٹ نہ لگی ہوئی ہوتی۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اور نہ کھلے آسمان کے نیچے فٹ پاتھوں پر سونے والوں کو ہیروئن کی طلب محسوس ہوتی۔"

"یوں سوچو گے تو بات ہی کچھ اور نکل آئے گی۔ ماحول و فضا سے تو بس سہارا ملتا ہے، اصل سکھ تو انسان کے اپنے اندر رہتا ہے۔ اندر سے من دکھی ہو تو اسے بھلانے کے لیے نشہ درکار ہوتا ہے۔ جس کے جتنے زیادہ دکھ ہوتے ہیں، اس کی نشے کی طلب بھی اتنی ہی شدید اور گہری ہوتی ہے۔"

بے اختیار مجھے اپنی ہم سفر لڑکی فرانسس یاد آگئی جو کراچی سے میرے ساتھ روانہ ہو کر روم میں اتری تھی۔ وہ ایک سادہ سی محبت کو ترسی ہوئی لڑکی تھی جسے دولت کے ایک بیوپاری نے اپنی ظاہری چمک دمک سے مرعوب کر کے پہلے اپنی محبت کے جال میں گرفتار کیا اور پھر ہیروئن یا کسی اور بیش قیمت نشے کی ایک کھیپ دے کر بہلانے سے بین الاقوامی سفر پر روانہ کر دیا۔

اس طیارے پر کئی سو مسافر موجود تھے لیکن وہ نہ جانے کیوں مجھ سے قریب ہو گئی اور پھر اس نے دھیمے دھیمے مجھے اپنے سفر کی کہانی بھی سنادی۔ اس کے سفر کے پس منظر سے واقف ہونے کے بعد میں نے اسے ممکنہ خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے محتاط رہنے کا مشورہ دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر میرے اندیشے درست ثابت ہوں تو وہ روم میں وقت ضائع کیے بغیر لندن پہنچ کر امپیریل ہوٹل میں قیام کرے جہاں میں خود اس سے رجوع کروں گا لیکن لندن آتے ہی میں پے در پے ایسے حالات کا شکار رہا تھا کہ اس کے بارے میں سوچ بھی نہ سکا تھا لیکن اب نشے کا ذکر آتے ہی مجھے اس کا خیال آگیا تھا جیسے اس کا وجود بھی ایک سرور انگیز نشہ ہو۔ میں بدلیوں میں چھپتے، ابھرتے تاروں پر نظر جمائے اپنے من کو ٹٹولنے لگا کہ میں بھی اندر سے دکھی تھا جو مجھے کسی نشے کا دھیان آرہا تھا۔

ویرا نے ڈرائیور کو کرائے کے ساتھ ایک پاؤنڈ کی ٹپ دی تو اس کا رویہ ایک دم تبدیل ہو گیا ورنہ وہ شروع ہی سے مجھے مشتبہ نظروں سے دیکھتا آیا تھا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق میں نے نشے میں بدمست ہونے کی اداکاری کی تھی اور ویرا نے راستے ہی میں ڈرائیور کو میرے بارے میں ایک کہانی سنا ڈالی تھی جس کے مطابق میں اس کا بوائے فرینڈ تھا اور ہیروئن پینے کے ساتھ ہی جوا کھیلنے کا بھی شوقین تھا اور ایسی ہی ایک محفل میں دوستوں سے لڑ پڑا تھا۔ سب لوگ نشے میں بدمست تھے لہٰذا اس ہڑبونگ میں کئی جواری زخمی بھی ہوئے اور آخر میزبان کی بیوی کا فون ملنے پر اسے مجھ تک پہنچنا پڑا۔ ٹیکسی میں سوار ہوتے ہوئے ویرا نے ڈرائیور کو آکسفورڈ اینڈ کیمبرج مینشن کا پتا بتایا تھا لیکن راستے میں اپنی دردبھری داستان سناتے ہوئے یہ بھی کہہ ڈالا کہ ایسی خستہ حالت میں وہ مجھے نہ اپنے گھر لے جاسکتی تھی نہ میرے گھر چھوڑ سکتی تھی اور ڈرائیور نے فوراً ہی سسکس گارڈنز کے علاقے میں ایک چھوٹے سے ہوٹل میں شب بسری کا مشورہ دیا جو ویرا نے فوراً ہی قبول کیا اور یوں ہم ٹیکسی میں براہِ راست ایوان ہوٹل کے دروازے تک پہنچ گئے۔

ڈرائیور نے انجن بند کیے بغیر ویرا سے کرایہ وصول کیا تھا لیکن ٹپ کی رقم دیکھتے ہی وہ انجن بند کر کے نیچے اترا تھا اور کھڑکی میں سے سر اندر ڈال کر مودبانہ انداز میں بولا تھا۔ "اس حالت میں اس بے چارے کا تماشا بنانا مناسب نہیں، تم دونوں یہیں بیٹھو، میں کمرے کا بندوبست کر کے آتا ہوں۔"

"بڑی چالاکی سے زیر کیا تم نے اس مردود کو۔" اس کے چلے جانے کے بعد میں نے ویرا سے کہا۔

"معقول ٹپ نہ دیتی تو وہ ہمیں اتار کر سیدھا قریبی پولیس اسٹیشن پہنچ کر ہمارے بارے میں اطلاع درج کرا دیتا۔ لندن کے ٹیکسی ڈرائیور بہت گہرے اور پُراسرار ہوتے ہیں۔ کسی مسافر سے بھاری ٹپ ملنے کی امید ہو تو یہ لوگ معلومات اور رہنمائی کا خزانہ ثابت ہوتے ہیں اب تم دیکھ لینا کہ وہ تمہیں سہارا دے کر کمرے تک پہنچائے گا ورنہ پہلے اس نے انجن بند کرنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔"

وہ چند ثانیوں بعد ہی پھرتی کے ساتھ واپس باہر آیا تھا اور ویرا کی سمت کی کھڑکی کے قریب جھک کر مودبانہ لہجے میں بولا تھا۔ "ڈبل بیڈ، پرائیویٹ واش روم کے ساتھ ہے مادام! کرایہ وی اے ٹی کے ساتھ صرف اٹھائیس پاؤنڈ۔"

ویرا نے بیگ میں سے پرس نکال کر دس دس پاؤنڈ کے تین نوٹ اس کی طرف بڑھا دیے اور وہ ایک مرتبہ پھر ایوان ہوٹل کے شیشے کے دروازے کے پیچھے غائب ہو گیا۔

"ہوٹل کے کرائے میں اس کا کمیشن بھی شامل ہوگا؟" میں نے آہستگی کے ساتھ سوال کیا۔

"یہ بہت چھوٹی باتیں ہیں۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ کسی شناسا کے سامنے شرمندہ ہوئے بغیر اتنی رات گئے محفوظ ٹھکانا مل گیا۔ یہ لندن کے بدنام ترین ہوٹلوں کا علاقہ ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے ہوٹلوں کے ہر کمرے میں روزمرہ بیش کئی مہمان آتے جاتے ہیں اور کوئی دھڑ

میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لیتا۔"
دوسری بار ڈرائیور نمودار ہوا تو خوش اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس نے ویرا کو اپنی ایمانداری سے مرعوب کرنے کے لیے آتے ہی ادب کے ساتھ بچے ہوئے دو پاؤنڈ اسے پیش کیے جو ویرا نے خندہ پیشانی سے اُسے بخش دیے۔

"یہاں ہیروئن کا نام نہ لینا مادام!" اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا "اس طرف سارے ہی ہوٹل والے الکحل کے علاوہ دوسرے نشوں سے گھبراتے ہیں۔ میں نے بتایا ہے کہ تمھارا ساتھی ایک طوائف کی تشدد پرستی کا شکار ہوا ہے اور گھر جانے سے پہلے آرام کرنا چاہتا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔ تم بہت نرم دل اور مہربان معلوم ہوتے ہو۔" ویرا یہ کہتے ہوئے ٹیکسی سے نیچے اتر گئی۔

اس نے دوسری طرف سے آ کر مجھے سہارا دے کر ٹیکسی سے نیچے اتارا اور میرا ایک بازو اپنے شانے پر گردن کے پیچھے سے گزار کر میرا سارا وزن اپنے کندھوں پر لے لیا۔ ویرا نے میرا دوسرا ہاتھ تھاما اور ہم ان دونوں کے ساتھ کشاں کشاں ہوٹل کی طرف ہو لیا۔

اندر مختصر سی لابی میں کوئی نہیں تھا۔ ہم سیڑھیاں طے کر کے دوسرے بستر والے ایک مختصر سے کمرے میں پہنچ گئے۔ مجھے بستر پر لٹانے کے بعد ویرا نے ٹیکسی ڈرائیور کو مزید پانچ پاؤنڈ کی ٹپ دی اور وہ اس کا شکریہ ادا کرنے کے بعد اپنا نام اور وقتِ ضرورت طلبی کے لیے فون نمبر بتا کر واپس جانے لگا۔

"رجسٹر کے اندراجات کا کیا ہوگا؟" ویرا نے پوچھا۔

"اوہو" وہ معذرت خواہانہ انداز میں واپس مڑا۔ "میں نے پوچھے بغیر مسٹر اور مسز اے جی رولف کا نام درج کرا کے خود ہی دستخط کر دیے تھے۔ کرائے کی رسید لڑکی صبح دے دے گی۔"

"زحمت نہ ہو تو ذرا مجھے استری لا دو۔ مجھے شاید مسٹر رولف کی بھی قمیص دھو کر استری سے سکھانا پڑے گی۔" ویرا نے کہا اور وہ سعادتمندی کے ساتھ سر ہلاتا ہوا باہر چلا گیا۔

نیچے سے برقی استری اس نے فوراً ہی پہنچا دی اور واپس چلا گیا۔

"حیرت ہے کہ نیچے چڑیا کا بچہ بھی موجود نہیں تھا" ویرا کے دروازہ مقفل کرنے کے بعد میں نے دھیمی آواز میں حیرت سے دریافت کیا۔

"دیکھتے جاؤ۔ یہ معاملہ صبح ہی حل ہو گا" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "ایسے گھٹیا ہوٹلوں میں ڈرائیوروں کی ملی بھگت ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے سرے سے کرایہ دیا ہی نہ ہو اور صبح ہم سے ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے۔ کوئی سامنے موجود ہوتا تو یہ بات ابھی صاف ہو سکتی تھی۔"

میں نے اٹھ کر آئینے میں اپنا جائزہ لیا تو چونک پڑا۔ اس حلیے میں اتنی رات گئے واقعی کہیں اور پناہ ملنا ناممکن تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے، پیشانی پر سوجن موجود تھی۔ دونوں آستینوں سمیت قمیص پر جا بجا خون کے داغ لگے ہوئے تھے اور بایاں ہاتھ تو خیر زخمی ہی تھا۔

ویرا نے سب سے پہلے میری قمیص اتروا کر واش بیسن میں پانی میں بھگو دی اور پھر میرے بائیں ہاتھ پر بندھا ہوا خون آلود رومال کھول کر زخموں کا جائزہ لینے لگی جو خون کی پپڑیاں جم جانے کے باعث بہت گہرے نظر آ رہے تھے۔

ویرا نے تشویش کے ساتھ اس رومال کو پانی میں تر کر کے ہولے ہولے سے میری ہتھیلی اور انگلیاں صاف کیں اور اُدھڑی ہوئی کھال کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد فرسٹ ایڈ کا سامان لینے نیچے چلی گئی۔ اس کی واپسی کامیابی کے ساتھ ہوئی تھی۔

دوبارہ اس نے اسپرٹ سے زخم کو صاف کرنا شروع کیا تو تکلیف ضبط کرنے کی کوشش میں میری آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ پھر وہ کرید کر شیشے کے ذرات صاف کرنے لگی۔ کئی جگہ شیشے کے لمبے لمبے اور باریک ٹکڑے پیوست تھے۔ انھیں نکال کر ویرا نے مشاقانہ انداز میں مرہم لگا کر میرا پورا بایاں ہاتھ اچھی طرح پٹی میں لپیٹ دیا اور خون آلود اشیا سمیٹ کر باتھ روم میں چلی گئی۔

وہ ایک پیشہ ور مجرمہ تھی بلکہ یہ پیشہ اسے اپنے باپ سے ورثے میں ملا تھا لہٰذا وہ بہت محتاط تھی۔ اس نے تمام خون آلود ٹکڑوں کو اسپرٹ میں بھگو کر اچھی طرح نذرِ آتش کیا اور راکھ کموڈ میں پانی کے تیز ریلے میں بہا دی اور میری قمیص دھونے میں مصروف ہو گئی۔

میں باتھ روم کے دروازے پر کھڑا دلچسپی کے ساتھ اس کی حرکات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس وقت وہ حقیقی معنوں میں ایک خانہ دار عورت نظر آ رہی تھی۔ میں سوچنے لگا کہ اگر اسے زندگی کے کسی موڑ پر کوئی اچھا ساتھی مل جاتا تو شاید وہ اپنی تمام مجرمانہ مصروفیات کو خیرباد کہہ کر خوشی کے ساتھ گھریلو زندگی اختیار کر چکی ہوتی لیکن اس خوبصورت مغربی عورت کا المیہ یہ تھا کہ یا تو وہ مردوں کو اپنا کھلونا سمجھتی رہی یا مرد اُسے کھلونا سمجھ کر اس کے وجود سے اپنی آسودگیاں نچوڑ کر اُسے خیرباد کہتے رہے۔

قمیص دھو کر اس نے بڑی محنت کے ساتھ بستر ہی کے ایک کنارے پر استری کی مدد سے خشک کی اور اسے سنوار کر ہینگر میں لٹکا دیا۔ اس نے یہ کام اتنے شوق اور انہماک کے ساتھ کیا کہ وہ باہر کی دنیا سے بے نیاز ایک سیدھی سادی بیوی نظر آنے لگی تھی جو صرف اور صرف اپنے شوہر کی خوشنودی کا خیال رکھتی ہے۔

ڈرائیور نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنی مرضی سے ہم دونوں کو مسٹر اور مسز لکھوا دیا تھا لیکن نہ میں اس کا شوہر تھا نہ وہ میری بیوی پھر بھی میرے معاملے میں وہ ہمیشہ سے اپنائیت کا اظہار کرتی آئی تھی لہٰذا اس رات کے باقی لمحات میں بھی اس نے میری دلجوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اسے اندازہ تھا کہ غزالہ کا سراغ کھو کر میں بہت اداس تھا اور آئندہ درپیش مراحل کو طے کرنے کے لیے اداسی کی اس لہر سے نجات حاصل کرنا ضروری تھا۔

ویرا کی رفاقت میں مجھے ایک محفوظ چھت کا سایہ بھی میسر آ گیا تھا اور آرام دہ بستر بھی موجود تھا لیکن اس کمرے میں خوابناک ماحول بنانے کے باوجود اس رات کے باقی لمحات میں ہم دونوں میں سے کوئی ایک پل کے لیے بھی نہ سو سکا ہماری کچھ مشکلات منفرد تھیں اور کچھ مشترک، جن پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے اس رات کی بھیگی بھیگی اور بوجھل ساعتیں گزرتی ہی چلی گئیں۔

پچھلی شام سے اس رات تک سرے اور لندن میں جو کچھ ہوا وہ ہر اعتبار سے بہت خوفناک تھا۔ ہر واردات کے نتیجے میں کچھ نہ کچھ خون خرابا ضرور ہوا تھا اور لندن پولیس اور اسکاٹ لینڈ یارڈ کے ماہرین کے لیے ان چند گھنٹوں میں اتنا کام پیدا کر دیا گیا تھا کہ وہ کئی ہفتوں کی شب و روز مصروفیت کے بعد بھی شاید اس ہولناک قتل و غارت گری کی تہ تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔

لندن مشینی دور کے طرزِ معاشرت کا ایک ایسا شہر تھا جہاں ملک ملک اور قریے قریے کے لوگ آباد تھے لیکن وہاں قانون کی بالادستی نے زندگی کی تمام سرگرمیوں کو ایک ضابطے میں ڈھالا ہوا تھا جس کے، اس شہر کے مکین عادی ہو گئے تھے اور اس ضابطے میں امن و سکون اور باہمی رواداری کو بہت اہم مقام حاصل تھا۔

غزالہ کے ہاتھوں کاؤنٹری میں دو سفید فام اسکن ہیڈز کے قتل سے شروع ہونے والی وہ خونریز کہانی ابھی تک نہ صرف جاری تھی بلکہ تصادم اور خونریزی میں دن بدن شدت آتی جا رہی تھی ان دو اسکن ہیڈز کے بعد شیفرڈ زبش کے علاقے کے ایسکیوز آرمز میں ویرا کا معتمدِ خاص ٹونی ان اسکن ہیڈز کے سرغنہ کالاہان کے ہاتھوں مارا گیا پھر وہیں کالاہان میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوا۔ اس کے بعد مجھے اغوا کرنے کی کوشش کرنے والا شی کا ایک بہترین سازشی دماغ، فرینکی ایک موٹر وے پر میرے ہاتھوں مارا گیا اور ابھی ان واقعات کی گرد دبنے نہ پائی تھی کہ لاشوں کے انبار وجود میں آنے لگے — ویرا نے جیکب کے مکان پر حملہ آور ہونے والے بھیڑیوں کے غول میں سے پانچ کے چیتھڑے اُڑا دیے، چھٹا زخمی ہو کر پولیس کی تحویل میں اسپتال پہنچ گیا اور ساتواں جو اُن سب کی کمان کر رہا تھا، فرار ہونے کی جدوجہد میں ہمارے ہاتھ آیا اور ایک شاہراہ کے کنارے اُسے بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ وہ رات ایلن بریز کے قتل پر ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ اُس کے بعد ہمارے ہاتھوں مزید تین سفاک درندے موت کے گھاٹ... اُتر چکے تھے۔ پہلے ہلٹن کی پارکنگ لاٹ میں ویرا نے اپنے ہاتھوں سے داؤد کو ذبح کیا پھر داؤد کا وہ ہرکارہ ہمارا قیدی بن گیا جس نے ہوسٹس کلب سے ہم دونوں کو پستول کی زد پر لے کر باہر نکلنے پر مجبور کیا تھا بعد میں ویرا نے ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی گردن توڑ کر اُسے بھی جہنم واصل کر دیا تھا اور آخر میں گرد پ[illegible] کا ایک گرانڈیل سُور ما میرے ہاتھوں دردناک موت سے د[illegible] ہوا تھا۔ اس طرح .... چند گھنٹوں کی قلیل سی مدت [illegible] ہماری طرف سے نو دشمنوں کو ہلاک کیا جا چکا تھا۔ ٹونی سمیت [illegible] پانچ لاشیں اس کے علاوہ تھیں۔ اسی کے ساتھ یہ امر بھی قابلِ غور [illegible] مس ایش برن کو بہلانے سے اس کے ٹھکانے سے ہٹا کر اغوا کر [illegible] گیا تھا اور شاید لارڈ آسٹرک بھی آزاد نہیں تھا اگر داؤد نے ان [illegible] قتل کا فیصلہ صادر کر دیا تھا تو صورتِ حال بہت مہیب ہو جا[illegible]

ہمیں پورا یقین تھا کہ ان واقعات پر برطانوی پریس پوری [illegible] سے چیخ اُٹھے گا اور اگلی صبح کے اخبارات ان وارداتوں کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی تفصیلات سے بھرے ہوئے ہوں گے اور لندن کے امن پسند شہریوں میں ان پے در پے خونریزیوں پر خوف و ہراس کی لہر دوڑ جائے گی۔ ہر شخص اپنے سائے سے بھڑکنے لگے گا اور کسی مشکوک اجنبی کو شہر میں کہیں بھی آسانی سے نظر انداز نہ کیا جا سکے گا۔

میں جس حالت میں ایوان ہوٹل پہنچا تھا اس کی وجہ سے بادی النظر میں ہی مشکوک نظر آتا تھا۔ عام حالات میں رقم کے لالچ میں مشتبہ افراد کو کمرے کرائے پر دے دینا اور بات تھی لیکن اخبارات میں شہر کے واقعات پڑھنے کے بعد مجھ جیسے مشکوک شخص کو نظر انداز کرنا ہوٹل والوں کے لیے آسان نہیں تھا۔ ویرا کا خیال تھا کہ ان لوگوں کے باخبر ہونے تک اگر ہم ہوٹل ہی میں رُکے رہتے تو وہ پولیس کو مطلع کر کے ہمیں ہوٹل ہی سے گرفتار کرا دیتے اس اعتبار سے عافیت کی راہ بس ایک ہی تھی کہ ایوان ہوٹل میں اخبارات پہنچنے سے پہلے ہم ہوٹل چھوڑ دیتے اگر بعد میں اخبارات پڑھ کر ہوٹل کے مالکان کو ہمارا خیال بھی آتا تو ہمارے موجود نہ ہونے کی بنا پر وہ ہوٹل کی بدنامی اور پولیس کی کڑی بازپرس سے بچنے کے لیے خاموشی اختیار کیے رہتے۔ پولیس کو ہوٹل مدعو کر کے وہ لوگ اپنا سارا اگلا پچھلا ریکارڈ تفتیش کاروں کے سامنے رکھنے پر مجبور ہو جاتے اور اندراجات کی بے قاعدگیوں کی بنا پر اُن کا لائسنس منسوخ ہونے کے امکانات پیدا ہو جاتے۔ اس معاملے میں ہوٹل والوں کی بے پروائی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے نہ صرف ٹیکسی ڈرائیور کے بتائے ہوئے مفروضہ نام کسی تصدیق کے بغیر تسلیم کر لیے تھے بلکہ رجسٹر میں بھی اسی سے دستخط کرا لیے تھے۔

نہا دھو کر ٹھیک چھ بجے ہم نے ہوٹل کا کمرہ چھوڑ دیا۔ پٹیوں میں لپٹے ہوئے زخموں کو چھپانے کے لیے میں نے اپنا بایاں ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈال لیا تھا اور قمیص صاف ہونے کے بعد میری پٹیوں کے ابھار بھی اپنی اہمیت کھو بیٹھے تھے۔

ہم نیچے اُترے تو دفتر میں ایک طرف پڑے ہوئے صوفے پر ایک دُبلی پتلی خوبصورت سی لڑکی دنیا و مافیہا سے بے خبر سو رہی تھی. ہم ڈرائیور کے ذریعے کرایہ پیشگی ادا کر چکے تھے، ہوٹل سے مستعار لی ہوئی استری اوپر کمرے میں موجود تھی، جب کہ کرائے کی رسید سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں تھی لہٰذا میں نے اس لڑکی کی نیند خراب کرنے کے بجائے ویرا کو خاموشی سے نکل جانے کا مشورہ دیا اور وہ معنی خیز انداز میں مسکرا دی۔

"سسکس گارڈنز کے یہ ہوٹل عیاشیوں کے اڈّے ہیں۔ انتظامیہ سے اجازت لیے بغیر کوئی مہمان جنسِ مخالف کے کسی ملاقاتی کو اپنے کمرے میں نہیں لے جا سکتا اور صبح تین چار بجے کے بعد نکاسی کے راستے بھی بند کر دیے جاتے ہیں... جا کر دیکھ لو، دروازہ مقفل نہ ہوا تو اس کی نیند خراب کیے بغیر نکل چلیں گے۔"

میں نے دروازے کے ہینڈل پر طبع آزمائی کی اور لندن کی اس کھلنڈری امیرزادی کے تجربات کا قائل ہو گیا۔ وہ نجانے کب اور کس کے ساتھ ادھر آئی تھی جو ان ہوٹلوں کے بارے میں اتنی باخبر تھی۔

ویرا کے چھیڑنے پر سوئی ہوئی لڑکی نے ایک بھرپور انگڑائی لی اور میں بوکھلا کر ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر نئی سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

"صبح بخیر!" چند ثانیوں بعد اس لڑکی کی معصومانہ آواز سنائی دی۔ "میں کیا خدمت کر سکتی ہوں تمہاری؟"

"ہم تین نمبر کمرے میں مقیم تھے۔ اب واپس جانا چاہتے ہیں۔" ویرا نے کہا۔

"اوہ! رات تم دونوں ہی آئے تھے۔" وہ صوفے سے اُٹھ کر اپنی کرسی پر جا بیٹھی۔ "بیٹھو، بیٹھو، میں ابھی بل تیار کیے دیتی ہوں۔"

"بل شاید رات ادا کر دیا گیا تھا، ہمیں رسید کی ضرورت نہیں۔"

"اوہ — نو۔" اس نے بڑی ادا سے گردن جھٹک کر کہا۔ "رسید کے بغیر ہم گاہکوں سے ایک پیسہ بھی وصول نہیں کرتے۔ اس بارے میں تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ہماری پشت پر لگے ہوئے ایک دیوارگیر نوٹس کی طرف اشارہ کیا جس پر گاہکوں کے لیے ہر ادائیگی کی رسید وصول کرنے کا مشورہ درج تھا۔

"کرایہ اٹھائیس پاؤنڈ۔" اس نے اُونچی آواز میں کہتے ہوئے بل پر اندراج کیا۔

"مگر یہاں تو ڈبل رُوم مع شاور کرایہ بیس پاؤنڈ درج ہے۔" میں نے اس کے بتائے ہوئے نوٹس کے برابر میں لگے ہوئے نرخ نامے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تین نمبر میں صرف شاور نہیں، پرائیویٹ واش اور باتھ روم بھی ملحق ہے۔" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے اسی معصومانہ لہجے میں کہا اور اپنی دانست میں اس موضوع کو ختم کرتے ہوئے بولی۔ "اور استری کے دو پاؤنڈ ہوئے... وہ اوپر ہی ہے نا؟"

"ہاں کمرے میں پڑی ہے۔" ویرا نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"استری استعمال کی تھی؟" لڑکی نے قلم روک کر سوال کیا اور ویرا سے اثبات میں جواب ملتے ہی بجلی کی مد میں نوّے پی کی رقم کا اعلان کرتے ہوئے اسے بل میں درج کر دیا۔

"واش روم بھی دو مرتبہ استعمال ہوا تھا۔" میں نے سنجیدہ رہنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"وہ کرائے میں شامل ہے۔" اس نے خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ بل پھاڑ کر ویرا کی طرف بڑھا دیا۔

بل کی رقم وصول کر کے اس نے میز کی دراز سے چابی نکالی اور ننگے پاؤں نکاسی کے راستے کی طرف چل دی۔ دروازہ کھول کر اس نے دلفریب انداز میں ہمیں الوداع کہا اور اس سے پہلے کہ اسے ادائیگی کی کوئی اور مد یاد آتی، ہم دونوں پھرتی کے ساتھ کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئے۔

"یہ تو کھلی ہوئی دھاندلی ہے!" کہر آلود فضا میں چند قدم آگے بڑھنے کے بعد میں نے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔

"دھاندلی نہیں، یہ تمہاری مجبوری کی قیمت ہے جو وصول کی گئی۔" ویرا ہنستے ہوئے بولی۔ "میں نے تو رات ہی تمہیں بتا دیا تھا کہ صبح دوبارہ بل کی ادائیگی کا مطالبہ ہو گا۔"

"یعنی وہ خبیث اٹھائیس پاؤنڈ صاف لے اُڑا؟"

"اس نے لڑکی کو بھی اس کا حصّہ دیا ہو گا ورنہ رات کو وہ دفتر سے غائب نہ ہوتی، اسی بات پر تو میرا بھی ماتھا ٹھنکا تھا۔"

"اور پھر بھی تم نے ڈرائیور کو نکل جانے دیا؟"

"یہ نہ بھولو کہ صرف اٹھائیس پاؤنڈ خرچ کر کے تم بہت سی دشواریوں سے بچ گئے۔ رواداری اسی کو کہتے ہیں کہ دوسروں کی حرکتوں پر نہ جاؤ، بس یہ خیال رکھو کہ تم اپنی مجبوریوں کی کتنی قیمت ادا کر سکتے ہو۔"

"میں ڈرائیور کو فون پر ملامت تو ضرور کروں گا۔" میں اس طرح علی الاعلان بے وقوف بنائے جانے پر جھلایا ہوا تھا مگر ویرا نے جلد ہی مجھے ٹھنڈا کر دیا۔ جب ڈرائیور کی نیّت شروع ہی سے خراب تھی تو نہ اس نے اپنا درست نام بتایا ہو گا نہ ہی فون نمبر صحیح رہا ہو گا۔ ٹیکسی کا نمبر نوٹ کرنے کی ہم میں سے کسی نے ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

صبح کی خُنک ہواؤں سے لُطف اندوز ہوتے ہوئے ہم... رو ڈ کے ٹیوب اسٹیشن پر پہنچے جو اپنی ساخت کے اعتبار سے لندن کا

قدیم ترین ٹیوب اسٹیشن نظر آرہا تھا۔ ہم ٹکٹ گھر کی کھڑکی سے فارغ ہوئے تو وہاں کہیں بھی دوسرے جدید ٹیوب اسٹیشنوں کی طرح نشیبی زینے تھے نہ کشادہ فضا۔ البتہ لوہے کے جنگلوں والی، کمرے نما ایک دیوہیکل لفٹ مسافروں کو نیچے لے جانے کے لیے تیار تھی۔

اس لفٹ کے دونوں طرف پھسلنے والے آہنی جنگلے تھے۔ ایک طرف سے مسافر داخل ہو کر پچھلی سمت میں سمٹتے جا رہے تھے۔ اٹھارھویں صدی کے کسی شاہی قید خانے سے مشابہ اس لفٹ میں جب مسافروں کا ایک جمِ غفیر جمع ہو گیا تو لندن ٹرانسپورٹ کے باوردی ملازم نے دروازہ بند کیا اور لفٹ ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ نیچے اترنے لگی۔ آہنی جنگلوں کے درمیان سے نظر آنے والی سنگلاخ دیواریں دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم کسی اندھے کنوئیں میں اُترتے جا رہے ہوں۔ سست رفتاری کے ساتھ ایک طویل عمودی فاصلہ طے کرنے کے بعد لفٹ تھم گئی۔ دوسری طرف کا دروازہ سرکایا گیا اور قطار بند مسافروں کے ساتھ باہر نکل کر ہم دونوں بھی اپنے پلیٹ فارم کی طرف بڑھ گئے۔

"اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟" ٹیوب اسٹیشن کے ایک گوشے میں ٹرین کا انتظار کرتے ہوئے میں نے ویرا سے اردو میں سوال کیا۔

"فی الحال تو تمہیں کنگز کراس تک پہنچانے جا رہی ہوں۔ اس کے بعد سب سے پہلے کوئی ایسا ٹھکانا تلاش کروں گی جہاں ہم تینوں آزادی کے ساتھ رہ سکیں۔ ہوٹلوں میں رہ کر ہم زیادہ دن تک اپنی گردنیں نہ بچا سکیں گے۔ رات کے واقعات کے بعد پولیس شہر کا چپّا چپّا چھان مارے گی۔"

"آخر تم پہلے کہاں رہتی رہی ہو؟" میں نے چونک کر وہ سوال کیا جو مجھے اصولاً بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔

"مے فیئر کے علاقے میں میرا تین کمروں کا ذاتی فلیٹ ہے، جہاں زندگی کی ساری آسائشیں موجود ہیں لیکن میں اُدھر کا رُخ نہیں کر سکتی کیوں کہ وہ فلیٹ شی کے بہتیرے لوگوں کے علم میں ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔

"آخر تم ان لوگوں سے کب تک چھپتی پھرو گی؟ اب تو داؤد بھی راستے سے ہٹا دیا گیا ہے۔ اس کے بعد تم اپنی کھوئی ہوئی حیثیت بحال کرانے کی کوشش کر سکتی ہو۔"

"سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ابھی تک یہی معلوم نہیں کہ فی الوقت تنظیم میں میری کیا حیثیت ہے۔ میں نے واقعی کچھ کھویا بھی ہے یا محض سایوں سے ڈر کر بھاگتی پھر رہی ہوں۔"

"اتنی کھلی محاذ آرائی کے بعد بھی اگر تمہاری بے یقینی کا یہ عالم ہے تو مجھے حیرت ہے!"

"محاذ آرائی داؤد سے تھی۔" اس نے فوراً میری تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "یہ نہ بھولو کہ داؤد اور شی دو الگ الگ اکائیاں ہیں۔ داؤد کو اوپر سے تمہارے معاملے میں جو چھوٹ اور رعایتیں ملیں وہ ان کی آڑ میں مجھے بھی نیچا دکھانا چاہ رہا تھا۔ تنظیم نے میرے خلاف فیصلہ دے دیا ہوتا تو داؤد کبھی کا مجھے راہ سے ہٹا چکا ہوتا۔"

"پھر یہ گتھی کیسے سلجھاؤ گی؟"

"داؤد کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے میں سب ہی سے کٹ کر رہ گئی تھی۔ اب کوئی ٹھکانا تلاش کر کے سب سے پہلے جان سے رابطہ قائم کروں گی تاکہ موجودہ صورتِ حال واضح ہو سکے۔"

"یہ جان کون ہے؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"بس انگلینڈ کا اے لو سمجھ لو۔ عملاً سارے معاملات کا ذمّے دار ہے اور اس کے اوپر تین بڑوں کا ایک بورڈ ہے جو جماعت کے لیے پالیسیاں وضع کرتا ہے۔ یہاں جان صرف بورڈ کو جواب دہ ہے۔"

"اور میرے لیے کیا تجویز ہے؟"

"تم حتی الامکان ہوٹل کے کمرے میں ہی محدود رہو لیکن اس طرح بھی نہیں کہ ہوٹل کے عملے کو شک ہو جائے۔ اس وقت تمہیں دو طرف سے بدترین خطرات کا سامنا ہے۔ شی اور مقامی حکام دونوں والے تمہاری گھات میں ہیں اور مقامی حکام کو اپنے مجرم یا مجرموں کی تلاش ہے۔"

دور سے پٹریوں پر برقی ٹرین کے آہنی پہیوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی اور پلیٹ فارم پر موجود مسافر سرے پر جمع ہونے لگے۔ ٹرین کے رکتے ہی اس کے خودکار دروازے کھلے اور مسافروں کے اترنے کے بعد نئی کھیپ کے سوار ہوتے ہی ٹرین ہچکولے لیتی ہوئی مخصوص آوازوں کے ساتھ تیزی سے آگے روانہ ہو گئی۔

میرے ذہن میں گزری ہوئی رات کے واقعات پھر سے تازہ ہونے لگے۔ آخری بار ہم شکست سے بال بال بچے تھے اور اس کامیابی میں بے ہوش کرنے والی کیمیاوی گیس کی گیند نے اہم کردار ادا کیا تھا جو اس وقت ویرا کے وینٹی بیگ میں پڑی ہوئی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ شعبدہ میرے لیے کہیں بھی کارآمد ثابت ہو سکتا تھا۔

"تمہارے بیگ میں دو گیندوں کے ساتھ ایک بے آواز ہتھیار بھی موجود ہے۔ اگر یہ چیزیں میری تحویل میں ہوں تو کسی بُری گھڑی میں کام آ سکتی ہیں۔" میں نے قرب و جوار میں موجود مسافروں کا جائزہ لے کر اردو میں آہستہ سے کہا۔

"یہاں میں بیگ کھولنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی، تم دیکھ رہے ہو کہ ٹیوب کی کھڑکیوں کے سارے شیشے اس وقت آئینے بنے ہوئے ہیں، کچھ پتا نہیں کہ کون کہاں بیٹھا شیشے میں ہم ہی کو دیکھ رہا ہو۔" میں دل ہی دل میں اس کے مشاہدے کی داد دیے بغیر نہ

سکا اس وقت ٹرین ایک تاریک زیرِ زمین راستے سے گزر رہی تھی اور اندر کمپارٹمنٹ میں روشنیاں جلی ہوئی ہونے کی وجہ سے کھڑکیوں کے شفاف شیشوں میں ہر طرف مختلف زاویوں سے مسافروں کے عکس نظر آ رہے تھے اور ایسی صورت میں کوئی بھی مشتبہ حرکت خطرناک ہو سکتی تھی۔

پھر ایک شیشے ہی میں مجھے ایک مسافر کے ہاتھوں میں دبا ہوا ایک روزنامے کا پہلا صفحہ نظر آیا جس میں جلی سُرخی سَرے کے واقعے سے متعلق تھی اور میں نے کنگز کراس پر اسٹال سے اخبارات لینے کا فیصلہ کر لیا۔

کنگز کراس ٹیوب اسٹیشن پر ویرا نے گیس کی گیندیں میرے حوالے کر دیں لیکن پستول کے لیے میرے لباس میں کہیں گنجائش نہیں تھی لہٰذا میں گیندوں پر ہی اکتفا کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا۔

اسٹیشن کی زیرِ زمین عمارت سے باہر آ کر میں نے ایک اسٹال سے صبح کے دو تین اخبارات خریدے جن کے پہلے صفحے شہر میں ہونے والی خونریزی کی خبروں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس دوران میں میرا بایاں ہاتھ مستقل طور پر پتلون کی جیب میں تھا لہٰذا میں نے رقم ادا کر کے اخبارات بغل میں دبائے اور اسٹیشن کی عمارت سے کھلی فضا میں نکل کر سڑک عبور کرتے ہوئے اپنے ہوٹل کی طرف ہو لیا۔

ہوٹل پہنچ کر میں نے اپنے کمرے میں جانے کے بجائے سلطان شاہ کے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھلنے پر اس کی ورم آلود اور بے خواب آنکھیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔

اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں اور لبوں میں سُلگتی ہوئی سگریٹ دبی ہوئی تھی۔

"تمباکو نوشی کب سے شروع کر دی تم نے؟" میں نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اپنے دیدوں کو گردش دے کر سوال کیا۔

"کچھ دیر اور نہ آتے تو شاید شراب پی رہا ہوتا۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔ "میں نے زندگی میں کبھی خود کو اتنا ذلیل اور بے بس محسوس نہیں کیا جتنا آج رات محسوس کر رہا تھا۔"

"مجبوری تھی برخوردار!" میں نے جیب سے ہاتھ نکال کر تھکے ہوئے انداز میں کرسی پر گرتے ہوئے کہا۔ "ستارے ہی اچھے تھے جو میں زندہ بچ گیا ورنہ اس وقت تم مردہ خانے میں میری شناخت کر رہے ہوتے۔"

"مر جاتے تو گلہ نہ ہوتا۔" اس نے میری طرف مُڑے بغیر بے رحمانہ لہجے میں کہا۔ "بچ گئے تھے تو کم از کم فون ہی کر دیتے کہ آج رات ہوٹل واپس نہ آ سکو گے۔"

"خون میں لتھڑے ہوئے کپڑوں کے ساتھ میں کسی کا سامنا نہیں کر سکتا تھا، فون کرنا تو بہت بڑی بات تھی تمہیں کیا معلوم کہ میں کن خطرناک حالات سے گزر کر یہاں تک پہنچا ہوں۔"

اس نے غصے میں سگریٹ قالین پر پھینک کر چپل سے مسل دی۔ "مجھے اندازہ تھا کہ تم خطرات میں گھرے ہوئے تھے۔ تمہیں ویرا کے ساتھ چھوڑ کر میں نے ایک فاش غلطی کی تھی لیکن ہوٹل میں آنے کے بعد میں بے بس ہو کر رہ گیا تھا نہ تمہارا سُراغ لگا سکتا تھا نہ اپنی جہالت کی وجہ سے کسی سے بات کرنے کے قابل تھا۔ میں نے ساری رات کمرے میں ٹہل کر گزاری ہے... اگر تم چاہتے تو ویرا ہی سے مجھے فون کرا سکتے تھے لیکن میں اسے اچھی طرح سمجھنے لگا ہوں۔ اس کی رفاقت نے تمہارے ذہن سے میرا خیال ہی محو کر دیا ہو گا۔"

شاید وہ درست ہی کہہ رہا تھا، میں نے دل ہی دل میں ندامت محسوس کی لیکن زبان سے اس کے لگائے ہوئے الزام کو تسلیم کر لینا میرے لیے ناممکن تھا۔ میں نے اُٹھ کر اسے اپنے داہنے ہاتھ سے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ "کیا اول فول بک رہے ہو تم... میں اس کے ساتھ گلچھرے نہیں اُڑا رہا تھا۔ آخر تم سے کس نے کہا تھا کہ رات بھر میری واپسی کا انتظار کرو؟ پڑ کر سو جاتے آرام سے ۔۔۔ مجھ پر احسان کس بات کا جتا رہے ہو؟"

وہ میری طرف پلٹا تو اس کی آنکھیں نمناک تھیں۔ "تمہیں اپنے روبرو زندہ دیکھ کر شاید میرا دماغ الٹ گیا ہے۔" اس نے وفورِ جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ورنہ رات مجھے یقین ہو گیا تھا کہ تم کہیں کسی معرکے میں کام آ گئے۔"

میں نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا اور دھیمی آواز میں بولا۔ "میں اتنی آسانی سے مرنے والوں میں سے نہیں ہوں سلطان شاہ ۔۔۔ تم سے الگ ہونے کے بعد بھی دو اور حریفوں کو موت کی نیند سلایا ہے۔ اخبار پڑھو گے تو تمہیں اندازہ ہو گا کہ میری رات کس طرح ٹھوکریں کھاتے گزری ہے۔"

اسے اپنی جھوٹی پارسائی اور سنگلاخ مردانگی کا یقین دلانے کے لیے میں نے دانستہ ویرا کے ساتھ ایوان ہوٹل میں قیام کا تذکرہ گول کر دیا حقیقت یہ تھی کہ ایوان ہوٹل سے اسے اطلاع نہ دے کر میں نے اس کے ساتھ ظلم کیا تھا اور میرا دل اس غلطی پر مسلسل مجھے ملامت کر رہا تھا۔

"یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہوا؟" مجھ سے الگ ہوتے ہوئے اس کی نگاہ میرے بائیں ہاتھ پر بندھی ہوئی پٹیوں پر پڑی تو وہ مضطرب ہو گیا۔

"ہتھیلی اور انگلیوں پر زخم آئے ہیں۔" میں نے بے پروایانہ

لہجے میں کہا اور وہ شرمندہ ہو کر اپنی تلخ نوائی پہ معذرت کرنے لگا قصور اس کا بھی نہیں تھا۔ ہم دونوں نے اپنے وطن میں اور وطن سے باہر جس انداز میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا اس کی بنا پر اس نے میری ذات سے بہت سی توقعات وابستہ کرلی تھیں اب یہ میری بدقسمتی تھی کہ اس رات میں ویرا کی ذات کا سہارا ملنے پر اسے بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا۔

میری کہانی اس کے لیے بہت دلچسپ اور سنسنی خیز ثابت ہوئی مگر آخر میں میں نے ایوان ہوٹل کا ذکر گول کر کے اسے یہی بتایا کہ رات گئے ویرا مجھے لے کر اپنے ایک شناسا کے گھر پہنچی تھی جہاں فون نہیں تھا۔ وہاں خون کے داغ دھو کر قمیص سکھاتے ہی ہم روانہ ہو گئے تھے۔

وہ مجھ سے بہت کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اسے بتایا کہ اخبار دیکھے بغیر میں مزید کوئی بات نہ کر سکوں گا لہٰذا ایک اخبار اس نے لے لیا اور میں روزنامہ سن کے مطالعے میں مصروف ہو گیا جس کا پہلا صفحہ لندن اور سرے میں قتل و غارتگری کی کہانیوں سے بھرا ہوا تھا۔

جو کچھ میرے اور ویرا کے ہاتھوں سرزد ہوا تھا وہ اخبار میں من و عن موجود تھا اور نامہ نگار نے گزری ہوئی رات کو خونریزی کے اعتبار سے لندن کے جرائم کی تاریخ میں بدترین رات قرار دیا تھا جس میں متعدد انسانی جانوں کے اتلاف کے باوجود نہ تو کوئی مجرم ہاتھ آیا تھا نہ اس خونریزی کے اسباب اور مقاصد روشنی میں آسکے تھے البتہ نامہ نگار نے بڑی جدوجہد کے بعد یہ کھوج نکال ہی لیا تھا کہ اپنی کرائے کی کار میں ذبح کیا جانے والا داؤد احمد خان ایک معزز پاکستانی تھا جو چند روز قبل ہی وہاں پہنچ کر ہلٹن میں مقیم ہوا تھا۔ ہوٹل کے فلور سروس اسٹاف کے بیان کے مطابق داؤد کے بہت سے مقامیوں سے گہرے روابط تھے جو اکثر اس سے ملنے آتے رہتے تھے اور ڈیوڈ ڈایولنگ نامی سفید فام جس کی موت گردن کی ہڈی ٹوٹنے سے واقع ہوئی تھی اور جس کی لاش ہلٹن سے بہت دور ایک ویرانے میں دریافت ہوئی تھی، پچھلے دو روز سے داؤد کے پاس آ رہا تھا اور واردات سے چند گھنٹے قبل اسی کے کمرے میں موجود تھا بلکہ یہ راز بھی فاش ہو گیا تھا کہ ہلٹن سے روانگی پر داؤد نے کار گو لفٹ استعمال کی تھی اور ڈیوڈ نے کاؤنٹر پر اس کا حساب بےباق کیا تھا۔

کمرے سے ڈیوڈ کے ہمراہ سوٹ کیس لے کر آنے والے پورٹر کے بیان سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ جب ڈیوڈ پورٹر کو ٹپ دے رہا تھا تو اس وقت یا اس سے ذرا آگے پیچھے داؤد کو ذبح کیا گیا تھا اور داؤد کے قاتل یا قاتلوں نے ہی ڈیوڈ کو یرغمال بنا کر بازپرس کے بعد ایک ویرانے میں گردن توڑ کر ہلاک کر دیا۔

اس طرح دو لاشوں کے درمیان ایک یقینی تعلق دریافت کر لیا گیا تھا۔ تیسری لاش جو شیخ انقلبی کا شاہکار تھی ان دونوں سے الگ سمجھی گئی تھی لیکن اسکاٹ لینڈ یارڈ کے ماہرین کے مطابق وہ مسخ شدہ لاش نہ یہ زیر زمین دنیا کے ایک ایسے بدنام شخص کی تھی جسے کئی بار منشیات کی غیر قانونی تجارت کے شبہ میں پکڑا گیا تھا لیکن کسی مرتبہ بھی پولیس اسے چوبیس گھنٹوں سے زیادہ حوالات میں رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ ہر بار اس کی فوری ضمانت کرا لی گئی تھی اور پولیس اس پر عائد الزامات ثابت کرنے میں بُری طرح ناکام رہی تھی۔

اخبار نے سوال اٹھایا تھا کہ پولیس میں ریکارڈ نہ ہونے کے باوجود ڈیوڈ ڈایولنگ کا ماضی بھی داغدار تھا کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ شہر میں منشیات کا کاروبار کرنے والی حریف تنظیموں میں کوئی تنازعہ کھڑا ہو گیا ہو اور وہ پولیس کو درمیان میں لائے بغیر اپنے وسائل سے ایک دوسرے کو میدان سے نکال باہر کرنے پر تل گئی ہوں۔

سرے کا واقعہ پولیس سمیت ہر ایک کے لیے ایک بے سرو پا معمّا بنا ہوا تھا مگر دلچسپ بات یہ تھی کہ وہاں مرنے والے پانچوں آدمی جرائم پیشہ ثابت ہوئے تھے جو ان دنوں ایلین بریز کے لیے کام کر رہے تھے اور ایلین بریز خود لندن اور سرے کے درمیان ایک سڑک کے کنارے مردہ حالت میں ملا تھا۔ پولیس کو شبہ تھا کہ ایلین کسی بڑے گروپ کے لیے کام کر رہا تھا۔ چونکہ اس کے آدمی سرے میں جیکب کے مکان پر ہونے والے دھماکے میں مارے گئے تھے لہٰذا ان تمام وارداتوں کا تعلق ایسکیوز آرمز کے دہرے قتل سے قائم کر لیا گیا تھا جو کاؤنٹری میں دو گنجوں کے قتل کے بعد رونما ہوئے تھے یعنی پولیس نے سونیا کی ذات سے داؤد تک سب کو تفتیش کی ایک ہی لڑی میں پرو کر یہ نظریہ قائم کر لیا تھا کہ دو جرائم پیشہ گروہوں میں سے کم از کم ایک بین الاقوامی گروہ تھا جسے سونیا سے داؤد تک ہر ایک کا تعاون حاصل تھا اور مقامی مجرم دونوں گروہوں کے لیے کام کر رہے تھے۔

اس صورت حال میں سرے سے ہاتھ آنے والے زخمی کو کلیدی اہمیت دی گئی تھی لیکن پولیس کے اہلکار یہ تصور بھی نہ کر سکے تھے کہ اس زخمی کو مزید کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس زخمی کے ہوش میں آنے سے قبل ہی رات گئے پُراسرار طریقے پر اسپتال میں زہر دے کر اس واحد گواہ کو بھی ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا گیا اور ایسی جسارت کسی اکیلے ذہن کے بس سے باہر تھی۔

زخمی کی ہلاکت میرے لیے اچنبھے کی بات نہیں تھی کیوں کہ ویرانے سرے سے واپسی پر ہی اس خدشے کا اظہار

کیا تھا اور پولیس نے جس تیزی کے ساتھ کاؤنٹری سے لندن
تک کے واقعات کی کڑیاں ملائی تھیں ان کی بنا پر مجھے پورا
یقین تھا کہ سَرے کے زخمی کو راستے سے نہ ہٹایا جاتا تو پولیس
بہت جلد شی کے ذمے داروں تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتی۔
اسی صفحے پر آخری اطلاعات کے حوالے سے بتایا گیا تھا
کہ ڈیوڈ ڈایولنگ کچھ عرصے پہلے تک ہیروئین کے لین دین میں
ملوث تھا اور اس حوالے سے اس خونریز تصادم کے پس پشت
ہیروئین کی غیر قانونی تجارت کے بھاری مفادات کارفرما نظر
آتے تھے۔

میرے لیے یہ خبریں بہت دلچسپ ثابت ہوئیں۔ ان
میں سب سے حوصلہ افزا پہلو یہ تھا کہ سارا زور گرد ہی تصادم پر دیا گیا
تھا اور میرے یا غزالہ کے بارے میں کہیں موہوم سا اشارہ بھی نہیں
تھا لیکن آخری صفحہ پلٹتے ہی میں اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔

آخری صفحے پر سیاہ حاشیے کے ساتھ ایک بدنصیب اور مفلوک الحال
لارڈ کی خودکشی کی خبر درج تھی اور متن میں لارڈ آئزک میکفرسن کا نام
نمایاں تھا۔

خبر کے مطابق آئزک کی لاش سوہو کے علاقے میں ایک
پب کے ان زینوں سے برآمد ہوئی تھی جو عرصہ دراز سے زیر استعمال
نہیں تھے۔ آئزک کے جسم پر تشدد کے واضح نشانات تھے۔
کمر، سینے اور کولھوں پر لمبی لمبی خون آلود نیلی دھاریاں پڑی ہوئی
تھیں جیسے اس پر چابک برسائے گئے ہوں لیکن پولیس سرجن
کی ابتدائی رپورٹ کے مطابق موت ان چوٹوں کی وجہ سے واقع
نہیں ہوئی تھی بلکہ ہیروئین کی زیادہ مقدار پی لینے کی وجہ سے آئزک
زندگی کی حرارت سے محروم ہو گیا تھا۔

اس اخبار نے مجھے اپنے بیشتر سوالات کے جواب فراہم کر دیے تھے
لیکن سارے صفحات چھان مارنے کے باوجود مجھے کہیں بھی مس ایش
برن کے بارے میں کوئی خبر نظر نہ آئی جو میرے لیے تشویش کی بات تھی۔

صاف ظاہر تھا کہ آئزک نے خودکشی نہیں کی تھی بلکہ اسے ویرا
سے دوستی کی قیمت اپنے لہو سے ادا کرنا پڑی تھی۔ اس نے ٹیوڈر
ہوٹل کے کمرے میں ویرا سے جو کچھ باتیں کی تھیں، وہ داؤد نے اپنے
حساس ترین لاسلکی ڈکٹافون پر لفظ بہ لفظ سنی تھیں اور ویرا کی تلاش
میں داؤد نے آئزک کو اٹھوا لیا ہوگا تاکہ اس سے ویرا کا ٹھکانا معلوم
کر سکے۔ آئزک بظاہر مجہول اور مظلوم سا آدمی تھا جو ذرا سی ڈانٹ
ڈپٹ پر کھایا پیا تک اُگل سکتا تھا لیکن کسی وجہ سے وہ داؤد کے
آدمیوں کی دھونس میں نہ آیا ہوگا جس کے نتیجے میں چرمی چابکوں سے
اس کا بدن اُدھیڑ ڈالا گیا۔ اس تشدد اور اس کے زبان کھولنے کے
بعد شاید اس کی حالت اعتدال پر لانے کے لیے اسے ہیروئن پلائی
گئی جس کی بھاری مقدار اس کا نحیف و نزار اور دلفگار وجود برداشت
نہ کر سکا اور اس نے ان وحشیوں سے آزادی ملنے کے بعد اسی
مقام پر دم توڑ دیا جہاں اسے لا ڈالا گیا ہوگا۔ مار دھاڑ اور خونریزی
کے اس ہیبت ناک ڈرامے میں صرف آئزک ہی ایک ایسا مقتول
تھا جس کے لیے میرا دل اُداس ہوا ورنہ باقی سب ہی اس انجام
کو پہنچے تھے جس کے وہ مستحق نظر آتے تھے۔

"اخبار تو پورا ہی کل کی خبروں سے بھرا ہوا ہے، ذرا ان کی
تفصیلات تو بتاؤ۔" سلطان شاہ نے اخبار کی سرخیاں چاٹ کر اسے
ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔

"مرنے والوں کے ماضی اور ان کے موجودہ روابط کی روشنی
میں پولیس نے حیرت انگیز تیزی کے ساتھ سارے واقعات کو
یکجا کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ شہر میں منشیات فروشوں کے
دو گروہوں میں تصادم ہو گیا ہے اور وہ پولیس یا قانون کو درمیان
میں لائے بغیر طاقت کے بل پر اپنے اختلافات طے کر رہے ہیں۔"
میں نے دوسرا اخبار اٹھا کر اس کی سرخیوں پر سرسری نظر دوڑاتے
ہوئے کہا۔

"دیکھا جائے تو یہ نظریہ بھی کسی حد تک ٹھیک ہی ہے۔" وہ
بولا۔ "وہ لوگ منشیات کے فروغ میں لگے ہوئے ہیں اور تم ویرا
کے ساتھ مل کر ان کی بیخ کنی پر تلے ہوئے ہو۔"

اور اسی لمحے میں ڈیلی میل میں ایک چھوٹی سی خبر دیکھ کر چونک
پڑا۔ پولیس نے تفتیش کے دوران میں فرینکی کے ایک قریبی ساتھی

کوحراست میں لیا تھا جس کے بیان کے مطابق ان دنوں فرینکی
فون پر اکثر مختلف لوگوں سے کسی شوگر کوئین کے بارے میں گفتگو
کرتا رہتا تھا لیکن وہ شخص شوگر کوئین کی اصلیت سے بے خبر تھا۔
اس کا مطلب تھا کہ آخر کار ریڈیلا کا نام بھی ریکارڈ پر آ ہی گیا
تھا۔ اخبار نے شوگر کوئین کی لفظی ترکیب سے بالکل صحیح مفہوم اخذ
کیا تھا کہ شوگر کوئین فرینکی کے مخالف گروہ کی کوئی ایسی مجرمہ تھی جو
برطانیہ کی منڈی میں غالباً ہیروئن کی تجارت کے بڑے حصے کو کنٹرول
کرتی تھی۔
"کیا کوئی خاص خبر مل گئی اخبار میں؟" سلطان شاہ نے مجھے ٹوکا۔
"خبریں ہی خبریں بھری ہوئی ہیں لیکن کام کی بات کہیں نہیں ہے۔"
میں نے ایک گہرا سانس لے کر ڈیلی میل کے صفحات بھی بستر پر ڈال دیئے۔
"شاید تم بھابی کے بارے میں سوچ رہے ہو؟"
"اس کے علاوہ اور کیا رکھا تھا یہاں؟ جس کی تلاش میں اتنا لمبا
سفر طے کر کے یہاں پہنچا وہی لاپتا ہے۔ مجھے تو یہ ساری بھاگ دوڑ
بے سود نظر آ رہی ہے۔"
"ہو سکتا ہے کہ اب ویرا کھل کر تمہاری مدد کر سکے۔" اس نے
پُرخیال لہجے میں کہا۔ "داؤد کی یہاں موجودگی نے اسے بڑی حد تک
مجبور کر کے رکھ دیا تھا۔"
"حالات اب بھی خراب ہیں۔" میں نے اکتائے ہوئے
لہجے میں کہا۔ "داؤد سے تصادم میں جو خونریزی ہوئی ہے اس کی بنا
پرسش کے اعلیٰ حلقوں میں ویرا کے لیے سازگار رائے باقی نہیں رہی
ہوگی کیوں کہ نقصان تنظیم ہی کو اٹھانا پڑا ہے۔"
"تو کیا اب ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے؟"
"میں تو وہ بھی نہیں کر سکتا، میرا بایاں ہاتھ بری طرح زخمی
ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
وہ ایک مرتبہ پھر مُصر ہونے لگا کہ میری پٹیاں کھول کر
دوبارہ اچھی طرح زخم صاف کر کے ڈریسنگ کرے گا لیکن میں
نے اُسے بتایا کہ ویرا نے شیشے کے تمام ذرات نکال کر بہت
اچھی طرح مرہم پٹی کی تھی جسے فوری طور پر بدلنے کی کوئی ضرورت
نہیں تھی۔
اس نے باہر... جا کر ناشتا کمرے میں ہی پہنچانے کی ہدایت
کی اور ایک بار پھر ان پیچیدہ حالات کے بارے میں میرے ساتھ
بحث میں مصروف ہو گیا۔
بھاگ دوڑ اور خونریزی کے بعد غزالہ ہماری نگاہوں سے
یوں اوجھل ہوئی تھی کہ فوری طور پر اس کا سُراغ ملنے کے بھی کوئی
آثار نہیں تھے دوسری طرف باہر کی فضا ہمارے حق میں نہیں
تھی جس کی وجہ سے ہماری مہم کچھ عرصے کے لیے جمود کا شکار ہوتی
نظر آ رہی تھی اور سلطان شاہ ان ہی امکانات سے اکتایا ہوا نظر
آ رہا تھا اور مجھ سے بحث کر کے اس جمود کو توڑنے کی کوئی
نکالنے کی فکر میں تھا۔
اسی دوران میں ناشتا آ گیا لیکن ناشتا کرتے ہوئے
کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ میرے ریسیور اُٹھاتے ہی ہوٹل
آپریٹر نے لائن ڈائرکٹ کر دی۔
دوسری طرف سے ویرا بول رہی تھی۔ "تم خیریت سے
ہوٹل پہنچ گئے نا؟" اس نے شوخ لہجے میں اردو میں سوال
"مجھے اندازہ تھا کہ تم اسی کمرے میں ہو گے۔"
"آ تو گیا لیکن سلطان یہاں کسی بیزار بیوی کی طرح منہ
بیٹھا تھا۔" میں نے فضا کا بوجھل پن دور کرنے کی نیت سے
لہجے میں جواب دیا۔ "اس وقت تم کہاں ہو؟"
"جہاں بھی ہوں خیریت سے ہوں لیکن تمہارے بار
میں ایک تشویشناک اطلاع ہے کہ پولیس نے فوری طور پر شہر
تمام ہوٹلوں کا ریکارڈ چیک کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ مہم
پولیس کمشنر کی نگرانی میں فوری طور پر شروع کی جا چکی ہے۔ پولیس
پارٹی کسی بھی لمحے تمہارے ہوٹل تک پہنچ سکتی ہے۔"
"اگر فوری طور پر کوئی متبادل بندوبست نہیں ہوا
میرا خیال ہے کہ ہمیں خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت
بس اسلحہ وغیرہ ٹھکانے لگانا ہوگا ورنہ ہمارے کاغذات
ہی ہیں۔"
"بات اسی قدر ہوتی تو میں تمہیں فون نہ کرتی۔ گروپ
نائین کے آخری شکار کی لاش گلے پڑتی نظر آ رہی ہے۔ شیشے
سے تمہاری جلد، ریشوں اور خون کے نمونے کے علاوہ پولیس
گاڑی سے فنگر پرنٹ بھی حاصل کیے ہیں اور اس کا خیال
قاتل کا ہاتھ بھی اس واردات میں بری طرح لہولہان ہوا ہوگا
لیے تمہارا پٹیوں میں لپٹا ہوا ہاتھ نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا۔
کسر خون اور جلد کا موازنہ پوری کر دے گا۔"
"میں پٹیاں کھول کر دونوں ہاتھوں پر دستانے پہن
"یہ حماقت کر بھی نہ بیٹھنا۔ دستانے بھی مشکوک
گے اور پھر تمہارا زخم بھی سڑ سکتا ہے۔ ڈریسنگ کے لیے
زخم کو جلد از جلد خشک کرنے والا پاؤڈر استعمال کیا تھا۔"
"یہ بھی نہ کرو، وہ بھی نہ کرو، تو پھر تم ہی بتاؤ کہ میں کیا
میں نے چڑ کر کہا۔
"ہوٹل اسی وقت چھوڑ دو۔ ہائیڈ پارک میں بہت
اور گنجائش ہے اسی کے کسی گوشے میں ڈیرا ڈال دو۔ ہوٹل
میں وہ کھلی جگہ تمہارے لیے زیادہ محفوظ رہے گی۔" ریسیور
آواز اُبھری۔ "میں بھی کسی ٹھکانے کی تلاش میں ہوں، شاید
کام بن جائے۔"

"پھر تم سے رابطہ کیسے قائم ہوگا؟"

"میں تو اس وقت بھی ایک پبلک بوتھ سے بول رہی ہوں، تم فکر نہ کرو، ٹھکانے کا بندوبست ہوتے ہی کسی نہ کسی طرح میں تم سے رابطہ قائم کرلوں گی۔ خود نہ آسکی تو کسی اور کو ہائیڈ پارک میں بھیجوں گی، وہ تھنڈر کہہ کر اپنی شناخت کرلے گا اور تم جواب میں کالے گلاب کا حوالہ دوگے۔"

"اور اگر راستے ہی میں کسی سے ٹکراؤ ہوگیا؟"

"تم فکر نہ کرو اب میرے ہاتھ بہت مضبوط ہوگئے ہیں، میں غافل نہیں رہوں گی۔ جیکب کے ناٹ سے میرا رابطہ قائم ہوگیا ہے، میں جلد از جلد اپنے آدمیوں کو یکجا کرنے کی فکر میں ہوں۔"

"اس بڈھے کا دردناک انجام تو تم نے پڑھ ہی لیا ہوگا؟"

"مجھے دکھ ہے کہ میں اس کے لیے کچھ بھی نہ کرسکی سالیش برن کے ساتھ بھی انھوں نے بڑا شرمناک سلوک کیا۔ وہ تو غنیمت ہے کہ اسے میری نقل وحرکت کے بارے میں معلومات ہی نہیں تھیں، وہ ان چار درندوں کے چنگل سے نکلی تو اس کے اوسان خطا ہوچکے تھے لیکن وہ خود بھی کبھی پارسا نہیں رہی ہے اس لیے اس نے پولیس سے رجوع نہیں کیا ورنہ اس قصے میں میرا ذکر ضرور آجاتا۔"

"شاید تم نے ڈیلی میل نہیں دیکھا......"

"وہ معمولی بات ہے.... اس سے میری نشاندہی نہیں ہوتی۔ الیش برن کی بات مختلف تھی۔ اسے پولیس کو یہ بتانا پڑتا کہ اسے کس مقصد کے لیے اغوا کیا گیا تھا۔"

پھر اس نے سلسلہ منقطع کردیا۔

سلطان شاہ جو صرف میرے یک طرفہ مکالمات سن رہا تھا، خاصا بے چین نظر آرہا تھا۔ میرے بولنے سے بیشتر ہی وہ سوال کربیٹھا "کوریا کیا کہہ رہی تھی؟"

"بس یہاں بھی ہمارا وقت پورا ہوگیا۔ سامان سمیٹو اور چل پڑو، خود سے نہ گئے تو جلد ہی پولیس اٹھا لے جائے گی۔" یہی غنیمت تھا کوریا نے قبل از وقت ایک خطرہ بھانپ کر ہمیں آگاہ کردیا تھا لیکن اس وقت ہوٹل سے نکلنا مجھے بہت ناگوار محسوس ہورہا تھا۔ ہم اپنی مرضی کے بجائے بری طرح حالات کے قیدی ہوکر رہ گئے تھے اور سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس اعصاب شکن صورت حال سے کب تک چھٹکارا مل سکے گا۔

لیکن جو طے ہوچکا تھا اس پر عمل کرنا ہی تھا۔ ہمارے پاس انتخاب کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ لہٰذا ہم نے ناشتے سے فارغ ہوکر اسی کمرے میں اپنا سامان یکجا کرنا شروع کردیا۔ کیمیاوی گیس کے دونوں گولے پستولوں کے ساتھ دستی بیگ میں رکھ لیے تھے تاکہ کہیں کوئی ناگزیر صورت حال پیدا ہوجائے تو ان سے کام لیا جاسکے۔

ہماری کل کائنات ایک مختصر سے سوٹ کیس اور ایک دستی بیگ پر مشتمل تھی جسے سمیٹ کر ٹھیک نو بجے ہم نے ہوٹل کا کمرہ چھوڑ دیا اور نیچے استقبالیہ دفتر میں جا پہنچے۔

دفتر میں منیجر کے پاس پہلے سے ایک طویل قامت اور تجربہ کار شخص موجود تھا، جو شاید منیجر کا پرانا شناسا تھا کیوں کہ وہ دونوں خاصی بے تکلفی کے ساتھ چائے نوشی میں مصروف تھے لیکن ہمارے پہنچتے ہی دونوں یکلخت خاموش ہوگئے اور منیجر خوشگوار حیرت کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوگیا۔

جس وقت منیجر رجسٹر کے اندراجات دیکھ کر ہم دونوں کا حساب تیار کررہا تھا تو اس کا ملاقاتی چبھتی ہوئی ناقدانہ نظروں سے باری باری ہمارا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا تجسس رچا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے وہ ہم سے کچھ پوچھنے کے لیے بے چین ہو لیکن اپنے سوال کے لیے مناسب الفاظ کا انتخاب نہ کرپارہا ہو۔

"واپسی کا پروگرام بن گیا ہے یا کسی دوسرے شہر کی سیاحت کا ارادہ ہے؟" منیجر نے ہمارا بل بناتے ہوئے سرسری لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"لیک ڈسٹرکٹ کا بڑا چرچا سنا ہے۔" میں نے کتابچوں میں پڑھی پڑھائی معلومات کے سہارے اندھیرے میں تیر چھوڑا۔ "آج کسی وقت اسی طرف روانگی کا ارادہ ہے۔"

"واقعی بہت خوبصورت علاقہ ہے۔" منیجر کے دوست نے گفتگو میں دخل انداز ہوتے ہوئے کہا۔ منیجر نے سر اٹھا کر مسکراتی ہوئی تحیر آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

"ہیشام کے خوب صورت ساحلی قصبے میں میری بھانجی رہتی ہے جس نے پورے لیک ڈسٹرکٹ کا چپا چپا چھانا ہوا ہے۔ تم چاہو تو میں تمھیں اس کا پتا دے سکتا ہوں۔ تمھاری مدد کرکے اسے بہت خوشی ہوگی۔" منیجر کا ساتھی کہہ رہا تھا۔ "وہ ویسے بھی ذرا کچھ عجیب طبیعت کی مالک ہے اور ایشیائیوں میں بڑی دلچسپی لیتی ہے۔"

اپنی بھانجی کے بارے میں اس کی پیش کش بہت حوصلہ افزا تھی مگر اس شخص کی چبھتی ہوئی ناقدانہ نگاہوں کے باعث میں اس سے محتاط ہی رہنا چاہ رہا تھا۔ "تمھاری پیش کش کا بہت بہت شکریہ! ہم یہ پسند نہیں کریں گے کہ ہماری وجہ سے تمھاری بھانجی کی خانگی زندگی کے معمولات میں فرق آئے......"

"اوہ تم سمجھتے نہیں۔" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ "وہ بہت خوبصورت اور خوش مزاج لڑکی ہے۔ اس کے دوستوں کا

حلقہ بہت وسیع ہے لیکن اپنا گھر بسانے کی اسے کوئی خواہش نہیں۔ نئے نئے لوگوں کے ساتھ گائیڈ کی خدمات سرانجام دیتے ہوئے اسے جو تجربات حاصل ہوتے ہیں بس وہ انھی میں مگن رہتی ہے۔"

"پیشہ ور گائیڈ ہے وہ؟" میں نے سوال کیا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنی بھانجی میں وہ تمام خصوصیات گنوانے کی کوشش کر رہا تھا جو میری عمر کے کسی بھی دل پھینک سیاح کے لیے کشش انگیز ثابت ہو سکتی تھیں۔

"اسکول کی عمر سے یہی کام کر رہی ہے۔ اب تو باقاعدہ لائسنس بھی رکھتی ہے۔" اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"مجھے اس سے مل کر خوشی ہوگی۔" میں نے کہا۔ "اگر وہ مجرد ہی ہے تو ہمارے ساتھ یادگار وقت گزار سکے گی۔" میں نے دانستہ وہ ذومعنی تبصرہ کیا تھا جسے وہ شخص ڈھٹائی سے نظرانداز کر گیا۔

"تم بھی اسے مدتوں نہ بھول سکو گے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی بھانجی کا نام اور فون نمبر لکھ کر میری طرف بڑھا دیا۔ "ہیتھرو پہنچ کر تم کہیں سے بھی اسے فون کر لینا۔ میرا نام سنتے ہی دوڑی ہوئی تمھیں لینے آجائے گی۔"

"نام بتاؤ گے تو معلوم ہوگا۔" میں نے مسکراتے ہوئے اپنا داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ "مجھے اکبر کہتے ہیں۔"

"مجھے شون کہتے ہیں۔ شون میکارتھی۔" اس نے جاندار انداز میں مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

میں نے منیجر سے بل لے کر اسے رقم کی ادائیگی کی اور ہم دونوں سے الوداعی مصافحہ کر کے ہوٹل سے نکل آئے۔

"شون خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" باہر نکلتے ہی سلطان شاہ نے ہیجان آمیز لہجے میں کہا تھا۔ "وہ مسلسل تمھارے جیب میں پڑے ہوئے ہاتھ کا جائزہ لے رہا تھا۔"

"یہ بات میں نے بھی محسوس کر لی تھی۔ وہ جس انداز میں ہم سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا وہ بھی کم تشویش انگیز نہیں تھا۔ پتا نہیں وہ کون تھا اور وہاں کیوں آیا تھا؟"

"میری مانو تو تم جیکٹ یا کوٹ پہن لو، تمھارا بایاں ہاتھ ہر جگہ لوگوں کی توجہ کا نشانہ بنے گا۔ اس کا مستقل طور پر جیب میں رہنا غیر فطری سا نظر آتا ہے۔"

"جیکٹ یا کوٹ سے کون سا فرق پڑ جائے گا؟"

"ہاتھ کے مقابلے میں پورا بازو غائب ہو تو کوئی توجہ نہیں دے گا۔ تم بایاں بازو آستین میں ڈالے بغیر کوٹ کے اندر چھپا سکتے ہو۔ میری دانست میں یہ طریقہ محفوظ رہے گا۔"

"کوٹ کے لیے سوٹ کیس کھولنا ہوگا۔" میں نے اس کی تجویز کی معقولیت کو سراہتے ہوئے کہا۔ "اسٹیشن کے باتھ روم میں یہ کام تمھی کو کرنا ہوگا۔"

وہ مسکرا کر رہ گیا۔ "پھر کہو گے کہ میں تمھاری بیوی کی جگہ لینے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"وہ میری اور دیرا کی بات تھی، تمھیں اس پر کان نہیں دھرنا چاہیے تھا۔" میں نے خفت آمیز لہجے میں کہا۔

"بعض اوقات مجھے دیرا پر بے تحاشا غصہ آنے لگتا ہے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم بھابی کی وجہ سے جو خلا محسوس کرتے ہو، وہ غیر محسوس طریقے پر اسے پُر کرنے کی کوشش کرتی ہے اور تم اس بارے میں خاصے بے پروا واقع ہوئے ہو۔ نتائج کی پروا کیے بغیر جذبات کی روانی میں بہہ جاتے ہو۔"

"اسی طرح ٹوکتے رہو گے تو محتاط رہنا شروع کر دوں گا۔" میں نے کہا۔ "لیکن تمھیں ابھی سے محتاط رہنا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم لاہور میں کسی کو اپنے پیچھے لگا لیں۔"

اسٹیشن پر پہنچ کر ہم سیدھے باتھ روم کی طرف ہو لیے۔ سلطان شاہ نے ایک خالی بینچ استعمال کر کے سوٹ کیس میں سے میرا کوٹ نکال کر میرے حوالے کیا اور میں باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

اندر پہنچ کر میں نے ایک ٹوائلٹ پر قبضہ کر کے دروازہ بند کیا اور احتیاط سے اس طرح کوٹ پہن لیا کہ میرا بایاں ہاتھ آستین سے گزرے بغیر کوٹ کے اندر میرے پہلو میں جھولتا رہے۔ آئینے میں اس تبدیلی کا جائزہ لے کر میں اطمینان سے باہر آگیا۔ بائیں ہاتھ کو مستقل طور پر جیب میں ڈالے رکھنے سے بہتر تھا کہ میں ایک ہاتھ سے محروم شخص کی سی اداکاری کرتا رہوں۔

سلطان شاہ نے تحسین آمیز نگاہوں کے ساتھ اس تبدیلی کا خیر مقدم کیا تھا اور پھر ہم دونوں ٹکٹ خرید کر برقی زینوں کے ذریعے نیچے ٹیوب اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہمارے پہنچتے ہی پکاڈلی لائن کی ٹیوب پلیٹ فارم پر رُکی تھی اور ہم اس میں سوار ہو کر تیز رفتاری کے ساتھ ہائیڈ پارک کارنر کے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔

پُرہجوم ٹیوب اسٹیشن سے اپنا راستہ بناتے ہوئے ہم ہائیڈ پارک میں پہنچ گئے جہاں اس وقت زیادہ رونق نہیں تھی لیکن پھر بھی سیاحوں کی ٹولیاں اور ظالم سماج سے ناراض جوڑوں کی خاصی تعداد اندر چہل قدمی یا دوسری سرگرمیوں میں مصروف تھی جو دیدنی تو سب ہی تھیں مگر گفتنی بہت کم تھیں۔

مجھے حیرت تھی کہ آخر وہ کون لوگ تھے جو صبح سویرے دنیا جہان کے سارے ضروری کام چھوڑ کر عشق کی کہانیاں لکھنے

ہائیڈ پارک میں آموجود ہوتے تھے لیکن سلطان شاہ نے یہ بتا کر میری حیرت دور کردی کہ وہ ان لوگوں کے کام کا نہیں بلکہ آرام کا دن، اتوار تھا اور دیارِ مغرب میں ہفتے کا وہ دن ہر بالغ کا اپنا دن ہوتا ہے جسے وہ جس طرح چاہے گزار سکتا ہے۔

پارک میں طویل چہل قدمی ہمارے لیے ممکن نہیں تھی کیوں کہ ہلکا ہی سہی لیکن سلطان شاہ کے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس جھول رہا تھا۔ ابتدا میں تو مجھے خوف تھا کہ اس سوٹ کیس کی وجہ سے کہیں ہم لوگ تماشا نہ بن جائیں لیکن ہائیڈ پارک میں جہاں بے فکر زندہ آرزوؤں سے لدے پھندے لوگ اپنی دوستوں کی بانہوں میں بانہیں ڈالے دنیا و مافیہا سے بے خبر من تو شدم، تو من شدی کی عملی تفسیر بننے کے لیے کوشاں تھے، وہیں بہتیرے زرد، سفید اور سیاہ فام سیاح اپنی پشت اور شانوں پر وزنی سامان کے تھیلے لٹکائے بھی گھوم رہے تھے۔ دو چار جو اپنے بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک گئے تھے انھوں نے فولڈنگ ٹرالیاں کھول کر اپنے سامان کو پہیوں پر دھکیلنا شروع کردیا تھا اور اس متنوع ہجوم میں ہم دونوں کسی بھی طرح امتیاز کے حامل نہیں رہے تھے۔

سرمئی بادلوں سے چھن کر آتی ہوئی گرم گرم سنہری دھوپ میں ہم ایک گوشۂ عافیت تلاش کرکے خالی بینچ پر بیٹھے تو اچانک ہی سلطان شاہ بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔

میں نے پلٹ کر ناگوار نظروں سے عقب میں اُگی ہوئی اُن گھنی جھاڑیوں کی طرف دیکھا جہاں سے کچھ نازیبا سی آوازیں آرہی تھیں یہ دو جوڑے تھے جو نازو انداز کے ساتھ وہاں بیٹھے پیمانِ وفا باندھ رہے تھے اور شاید ان ہی کی خلوت آرائی سلطان شاہ کی بے آرامی کا سبب بنی تھی۔

"بیٹھ جاؤ!" میں نے اس کا ہاتھ چھو کر نرمی سے کہا۔ "یہاں ان ذرا ذرا سی باتوں پر بھڑک گئے تو ایک پل کے لیے بھی آرام سے نہ بیٹھ سکو گے۔"

"ان پر لعنت بھیجو، میں کچھ اور دیکھ رہا تھا۔" اس نے قدرے تیز اور ہیجان آمیز لہجے میں کہا۔

میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ واقعی جھاڑیوں میں نہیں بلکہ ان کے پار کچھ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرے لیے بیٹھے رہ کر اس کی نگاہوں کا تعاقب کرنا ناممکن تھا لہٰذا میں بھی اس کی تقلید میں اُٹھ گیا۔

جھاڑیوں کے اُس پار مجھے کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی۔ ادھر بھی لوگوں کے پرے کے پرے گھوم رہے تھے اور عیالدار لوگوں کے بچے کھیل کود میں مصروف تھے۔

"مجھے تو کوئی خاص بات نظر نہیں آئی تم کیا دیکھ رہے ہو؟" میں نے چند ثانیوں تک تجسس آمیز نظروں سے ایک وسیع علاقے کا جائزہ لینے کے بعد سوال کیا۔

وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بینچ پر بیٹھ گیا۔ "مجھے شون ہیکار تھی کی ایک جھلک نظر آئی تھی۔ وہ یہیں جھاڑیوں کی آڑ میں دوسری طرف نظر آیا تھا لیکن میرے متوجہ ہوتے ہی غائب ہوگیا۔"

"تمھیں یقین ہے کہ وہ تمھارا وہم نہیں تھا؟" میں نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"وہم نہیں مجھے پورا یقین ہے کہ وہ ہماری نگرانی کر رہا تھا۔ میرے متوجہ ہوتے ہی وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں دُبک گیا تھا پھر دوبارہ نظر نہ آسکا۔"

میرے لیے وہ اطلاع بہت زیادہ تشویش انگیز تھی۔ وہ سفید فام جس انداز میں ہوٹل میں ہم دونوں میں دلچسپی لے رہا تھا اس کی بنا پر میں پہلے ہی اس کی طرف سے بھڑکا ہوا تھا اور اب سلطان شاہ نے پارک میں اس کی موجودگی کی اطلاع دے کر مجھے حیران کردیا تھا۔ اگر وہ واقعی ہماری نگرانی کر رہا تھا تو ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ وہ ہمارے لیے خطرناک ترثابت ہوسکتا تھا۔

اس وقت حالات بہت غیر یقینی تھے، شون کوئی سرکاری مخبر یا جاسوس بھی ہوسکتا تھا جو اتفاقاً ہم سے ٹکرانے کے بعد میرے چھپے ہوئے بائیں ہاتھ کی وجہ سے ہم میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوگیا یا پھر دشمن کا ہرکارا بھی ہوسکتا تھا اور دونوں ہی صورتوں میں اپنے شبہات کی تصدیق کے بعد وہ اپنے ساتھیوں کو ہماری موجودگی سے باخبر کرسکتا تھا اور ہم نہایت آسانی کے ساتھ نرغے میں لے کر پکڑے جاسکتے تھے۔

"تم سامان کے ساتھ یہیں بیٹھو، میں ذرا گھوم پھر کر جائزہ لیتا ہوں۔ اگر وہ یہاں موجود ہے تو ہمیں ذرا بھی وقت ضائع کیے بغیر یہاں سے بھاگنا ہوگا۔" میں نے یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

میں نے سلطان شاہ سے دور رہتے ہوئے دور دور تک اس علاقے کے قرب و جوار کا جائزہ لے ڈالا لیکن پچاس منٹ کی جدوجہد کے بعد بھی کہیں اس کا سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اگر سلطان شاہ کو وہم نہیں ہوا تھا تو یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے یک بیک زمین نگل گئی ہو یا آسمان کھا گیا ہو۔

میں واپس آیا تو سلطان شاہ ایک نئی سگریٹ سلگا کر اس پر مشقِ ستم کر رہا تھا اور اس کی دونوں آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔

"رو کیوں رہے ہو؟" میں نے اس کی نمناک آنکھیں دیکھتے ہی ہمدردانہ لہجے میں سوال کیا۔

"رو نہیں رہا، سگریٹ کا دھواں آنکھوں میں لگتا ہے۔"

اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا "کش لیتے ہی جلتے ہوئے سرے سے دھوئیں کی ایک پتلی سی لکیر سیدھی آنکھوں میں جاتی ہے۔"

میں اپنی تشویش اور پریشانی کے باوجود بے ساختہ ہنس پڑا۔ "پینا نہیں آتی تو بلاوجہ وقت اور اپنا خون کیوں ضائع کر رہے ہو۔ تمھیں یہ عادت راس نہیں آسکے گی۔"

"اگر آنکھوں میں دھواں نہ لگے تو واقعی اس سے بڑا سکون ملتا ہے۔" اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"جو دھواں آنکھوں کا یہ حال کرتا ہے وہ پھیپھڑوں کو کتنا زخمی کرتا ہوگا؟ یہ بھی سوچا ہے تم نے سگریٹ شروع کرنے سے پہلے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"تم نجانے کب سے سگریٹ پی رہے ہو مگر تمھارے پھیپھڑے مجھ سے زیادہ مضبوط معلوم ہوتے ہیں۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "میرا تو خیال ہے کہ سگریٹ کو ہاتھ نہ لگانے والے بھی عادی تمباکو نوشوں کی وجہ سے روزانہ کم از کم دو چار سگریٹوں کا دھواں تو نگل ہی جاتے ہیں۔ تم لعنت بھیجو اس قصے پر۔ یہ بتاؤ کہ وہ کہیں نظر آیا یا نہیں؟"

"مجھے تو نظر نہیں آسکا۔ تم ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے دیکھو تو شاید پھر نظر آجائے۔"

"پھر بیٹھے رہو یہیں۔ جب سر پر پڑے گی تو دیکھا جائے گا۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"ہم یہاں سے جا بھی کہاں سکتے ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "ویرا نے کسی جگہ کا بندوبست کر لیا تو وہ ہمیں اسی پارک میں تلاش کرتی پھرے گی۔"

"اور میں سوچ رہا ہوں کہ ہم اس کے آنے سے پہلے ہی دھر لیے گئے تو کیا ہوگا؟"

"ساری تشویش بس اسی ایک بات کی ہے۔ اتنا تو مجھے یقین ہوگیا ہے کہ شون پولیس کا آدمی نہیں ہوسکتا۔"

"کیا پولیس کے آدمی کے سر پر سینگ ہوتے ہیں؟" وہ بدستور جھلایا ہوا تھا۔ "اگر اس کے جسم پر وردی نہیں تھی تو وہ کوئی سادہ پوش سراغرساں بھی ہوسکتا ہے۔"

"پولیس والوں کی پشت پر قانون کی طاقت ہوتی ہے اگر اسے ہم پر شبہ تھا تو وہ اپنی شناخت ظاہر کر کے ہم سے کہیں بھی بازپرس کر سکتا تھا۔ اسے چوروں کی طرح ہمارا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ ہمیں بہت زیادہ خطرناک مجرم تصور کر رہا ہو۔ اخباروں نے بھی ایسی ہی کہانیاں شائع کی ہیں اور زخمی ہاتھ والے سے تو سب ہی خوفزدہ ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کمک آنے سے پہلے ہم سے الجھنا نہ چاہ رہا ہو۔"

"یہ ایک مہذب ملک ہے۔" میں نے نرمی کے ساتھ کہا۔ "پولیس مقابلے یہاں بھی ہوتے ہیں لیکن عام طور پر قانون کے محافظوں کی بہت ہیبت ہوتی ہے۔ خالی وردی دیکھ کر ہی بڑے بڑے بے خوف مجرم ہتھیار پھینک دیتے ہیں۔ ان سے الجھنے کی صورت میں جرم کی نوعیت بہت سنگین ہو جاتی ہے اور یہ لوگ اس ماحول میں کام کے عادی ہیں۔"

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم میری بات کو نظر انداز کرتے جا رہے ہو۔" وہ اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔ "رکنا چاہتے ہو تو یہیں رک کر انتظار کریں گے۔ جو ہوگی دیکھی جائے گی۔"

ہم بارہ بجے تک اسی بنچ پر بیٹھے ایک دوسرے سے بحث میں الجھے رہے۔ اس دوران میں نہ شون دوبارہ نظر آیا اور نہ ہی پولیس یا اس کا کوئی آدمی ہم تک پہنچا۔ جب دھوپ کی تمازت جلد کے لیے ناقابل برداشت ہونے لگی تو ہم نے وہ جگہ چھوڑ دی اور سایہ دار لان پر دوسری خالی بنچ پر منتقل ہوگئے۔

ہمیں نئی جگہ پر منتقل ہوئے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ گداز بدن اور نیلی آنکھوں والی ایک خوبصورت لڑکی دوستانہ انداز میں مسکراتی ہوئی ہمارے پاس آرکی۔

چند ثانیوں تک وہ تبسم ریز نگاہوں سے دلچسپی کے ساتھ ہماری طرف دیکھتی رہی پھر میری طرف والے بنچ کے سرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟"

"کیوں نہیں۔ ضرور، ضرور۔" میں نے سلطان شاہ کی طرف سرک کر لڑکی کے لیے جگہ پیدا کرتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ سلطان شاہ اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔

"تم دونوں اکیلے ہو؟" اس نے سلطان شاہ کو نظر انداز کرتے ہوئے بے تکلفی کے ساتھ میرے برابر میں بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"دو آدمی کبھی اکیلے نہیں ہوتے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔" میں نے اس کے وجود کی مہکتی ہوئی حرارت سے پگھلتے ہوئے پرخیال لہجے میں کہا۔

"میرا مطلب تھا کہ کوئی عورت تمھارے ساتھ نہیں ہے؟" اس نے جلدی سے وضاحت کی۔ خلیقانہ مسکراہٹ مسلسل اس کے چہرے پر رقصاں تھی جیسے وہ ہمیشہ ہنستے رہنے کی عادی ہو۔

"چند ثانیوں پہلے تک نہیں تھی، اب آگئی ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بڑے زندہ دل معلوم ہوتے ہو۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "میں یوں ہی ادھر گھومنے آئی تھی۔ تمھیں دیکھا تو بے اختیار قدم اسی طرف اٹھ گئے...."

"حالاں کہ میں اتنا کشش انگیز نہیں ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"کم از کم تم زندہ لوگوں کی طرح باتیں تو کرنا جانتے ہو۔ دراصل مجھ میں ایک بہت بڑی کمزوری ہے کہ معذور لوگوں کو دیکھتے ہی بے اختیار ان سے مل بیٹھنے کو دل چاہتا ہے... تمھارا بازو کسی حادثے میں ضائع ہوا تھا یا پیدائشی طور پر غائب تھا؟"

"ایک حادثے میں کٹوانا پڑ گیا تھا۔ کہیں تم میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش تو نہیں کر رہیں؟"

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔" وہ اضطراری طور پر میرے قریب سرک آئی۔ "دراصل میرے تجربات بہت تلخ اور عجیب ہیں۔ صحت مند مرد اول درجے کے خود غرض اور ہرجائی ہوتے ہیں۔ معذوروں کو کسی سے ذرا بھی پیار مل جائے تو زندگی بھر اس کے گن گاتے رہتے ہیں۔ میں تو جب بھی کسی ایسے مرد کو دیکھتی ہوں تو بے اختیار اس سے دوستی کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

"تو لے بن کر بھی راجہ اندر سے کم نہیں ہو۔" سلطان اردو میں آہستہ سے بڑبڑایا۔

میں نے اسے تیکھی نظروں سے گھورا اور پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تمھاری دوستی میرے لیے باعث فخر ہو گی۔ تمھارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام ریٹا ہے۔ ایک دفتر میں کام کرتی ہوں۔"

"اور میرا نام اکبر ہے، یہاں تفریح کے لیے آیا ہوں۔" میں نے کہا۔ "یہ میرا دوست علی شیر ہے۔"

"یہ سامان کیوں ساتھ لیے پھر رہے ہو؟ کیا ابھی لندن آئے ہو؟" اس نے پُراشتیاق لہجے میں سوال کیا۔

"ذرا لمبی کہانی ہے۔ ایک دوست کے پاس ٹھہرنا تھا اور وہ ہمیں لینے کے لیے ایئرپورٹ پہنچنے والا تھا لیکن ہم پہنچ گئے، وہ نہ آیا۔ اب یہاں کھلی ہوا میں بیٹھے سوچ رہے ہیں کہ کہاں جائیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"میرے ساتھ چلو۔" اس نے بلا تامل پیش کش کر ڈالی۔ "دو کمرون کے فلیٹ میں تنہا رہتی ہوں، ایک کمرہ تم دونوں لے لینا۔"

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہم تم پر بوجھ نہ بن جائیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔

"یہ خیال بھی نہ کرنا۔" اس نے اپنی سمت والا، میرا داہنا بازو دباتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "میں خود تمھاری خدمت کروں گی۔ دفتر سے لوٹ کر شام کو تمھیں باہر لے جایا کروں گی۔ اگر تمھاری طبیعت اسی قدر حساس ہے تو جتنے دن میرے ساتھ رہو، میرے فلیٹ کا آدھا کرایہ ادا کرتے رہنا۔"

"یہی تو سب سے بڑی مشکل ہے مائی بے بی!" میں نے دردناک آواز میں کہا۔ "ہمارے ملک میں زرِ مبادلہ کے قوانین بہت ناقص ہیں۔ سیاحت کے لیے زرِ مبادلہ ہر دو سال بعد ملتا ہے اور ہماری یہ ایک سال میں دوسری سیاحت ہے۔ ہماری کل پونجی دس پاؤنڈ کے ایک نوٹ پر مشتمل تھی جو میں جوتے میں چھپا لایا تھا۔ اس میں سے ٹیوب کا کرایہ دے کر اب صرف سات پاؤنڈ بچے ہیں۔ رقم بھی اسی دوست سے لینا تھی۔"

میرے انکشاف پر لڑکی کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ ہونٹوں سے سدابہار مسکراہٹ یوں رخصت ہوئی جیسے وہ برسوں سے نہ مسکرائی ہو۔ اس کے نرم نرم مخروطی ہاتھ میرے بازو سے ہٹ گئے اور وہ مجھ سے قدرے دور سرک گئی۔

"بہت ذلیل ہے تمھارا دوست۔" وہ ملامت آمیز لہجے میں بولی۔ "دس پاؤنڈ کی رقم لانے والوں کو تو یہاں کا ویزا تک نہیں دیا جاتا۔ مجھے حیرت ہے کہ تم ہیتھرو سے کیسے نکل آئے!"

"بس جھوٹ چل گیا۔ اب میں تمھارے گھر رہ کر اس دوست کو آسانی سے تلاش کر سکوں گا۔" میں نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے امید افزا لہجے میں کہا۔

"تو کیا تم واقعی میرے گھر رہو گے؟" اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں بے یقینی کے ساتھ پوچھا۔ اس دوران میں اس نے اپنا ہاتھ نرمی کے ساتھ میری گرفت سے چھڑا لیا تھا۔

"شاید نہ رہتا مگر تم اس قدر حسین اور خوش اخلاق ہو کہ تمھارا دل نہیں توڑ سکتا... معذوروں سے محبت کرنے والی لڑکیاں عموماً نرم دل اور زود حس ہوتی ہیں۔"

"تم یہیں بیٹھو، میں پانچ منٹ میں ابھی واپس آتی ہوں، ذرا اپنی سہیلی کو بتا دوں کہ میں تمھارے ساتھ گھر واپس جا رہی ہوں۔" وہ اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"واپسی کی کیا ضرورت ہے، بس ہم بھی ساتھ ہی چلتے ہیں۔" میں دل ہی دل میں اس کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ گیا۔

"نہیں۔ تم یہیں بیٹھو۔" وہ میری طرح بوکھلا گئی۔ "ایک بازو سے محروم شخص کے ساتھ چلتے ہوئے مجھے شرمندگی ہو گی... تم بیٹھو، بس میں آتی ہوں۔"

وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر اتنی تیزی کے ساتھ وہاں سے بھاگی تھی جیسے اسے خدشہ رہا ہو کہ اس نے ذرا بھی تاخیر کی تو میں جونک بن کر اس سے چمٹ جاؤں گا۔

"وہ چلی گئی۔ اب آرام سے بیٹھ جاؤ۔" سلطان شاہ کے طنزیہ آواز سن کر میں مسکراتے ہوئے بیٹھ گیا۔

"کیا حاصل ہوا؟" سلطان شاہ نے ملامت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تجربہ! یہ سب زندگی کے تجربات ہیں برخوردار۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اگر جیب میں معقول رقم ہو تو ایک کوڑھی بھی حسینۂ عالم سے عشق لڑا سکتا ہے۔ وہ مفلس ہرکولیس بھی ہو تو کسی کو نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔"

"اسے ایک دم سے ہوا کیا تھا جو یوں بھاگ گئی؟"

اور میں اسے اپنی اور لڑکی کی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔

ہمیں وہاں بیٹھے بیٹھے تین بج گئے لیکن صورت حال جوں کی توں برقرار رہی۔ نہ کسی پولیس پارٹی نے ہم سے باز پرس کی، نہ مسلح غنڈوں کی ٹولی نے ہم پر حملہ کیا اور مجھے یقین ہونے لگا کہ شون کے بارے میں سلطان شاہ کو وہم ہوا ہوگا۔ اگر وہ ہمیں مشتبہ سمجھ کر ہمارا تعاقب کر رہا ہوتا تو اتنی دیر میں کچھ نہ کچھ ہو جانا چاہیے تھا۔

سوا تین بجے ایک متوسط عمر کا پستہ قامت شخص دھیمی آواز میں "تھنڈر" کہتا ہوا ہمارے سامنے سے گزرا تھا اور میں نے فوراً ہی کالے گلاب کے الفاظ ادا کر ڈالے تھے۔ طویل انتظار کے بعد خود کلامی کے انداز میں اس شخص کا کہا ہوا لفظ سن کر میرے وجود میں سکون کی لہر دوڑ گئی تھی۔

میرا جوابی کوڈ سنتے ہی وہ واپس لوٹا اور باری باری ہم دونوں سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا تھا "میرے ساتھ آؤ۔"

نہ اس نے اپنا نام بتایا تھا نہ میں نے اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا تھا۔ اس نے گھاس پر رکھا ہوا سوٹ کیس اٹھا لیا تھا اور سلطان شاہ نے بریف کیس سنبھال لیا تھا۔

"ویرا کہاں ہے؟" راستے میں میں نے اس سے سوال کیا۔

"میں کسی ویرا کو نہیں جانتا۔" اس نے غراتے ہوئے مجھے غصیلی نگاہوں سے گھورا اور مجھے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ مجھے اس سے کوئی فالتو بات نہیں کرنا چاہیے —— وہ ویرا کے نمک خواروں میں سے ایک تھا اور کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ ویرا کو جانتا بھی تھا یا نہیں، اور جانتا تھا تو کس نام سے جانتا تھا؟

اس کی رہنمائی میں ہماری پیش قدمی کا اختتام گہرے سبز رنگ کی دو دروازوں والی بی ایم ڈبلیو کار پر ہوا جس میں ڈرائیونگ سیٹ پر پہلے سے ایک سفید فام تھا۔

اگلی نشست الٹ کر میں سلطان شاہ کے ساتھ عقبی نشست پر سوار ہو گیا اور ہمیں وہاں تک لانے والے نے سوٹ کیس ڈکی میں ڈال کر ڈرائیور کے برابر والی نشست سنبھال لی۔

تقریباً دس منٹ کی مسافت کے بعد ہمارے سفر کا اختتام بیکیا سٹریٹ کی ایک گلی میں ہوا جہاں صاف ستھری پختہ سڑک کے دونوں جانب دور تک ایک جیسی قدیم ساخت کی تین منزلہ عمارتیں سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ ایک عمارت پر پکن ہال اسٹریٹ کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

اس شخص کی رہنمائی میں ہم پتھر کے زینے عبور کر کے عمارت کے آگے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلے ہوئے پتھریلے برآمدے کو عبور کر کے داخلی دروازے کے سامنے پہنچے اور اس نے ایک سو انسٹھ نمبر کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

"کون ہے؟" دروازے پر لگے ہوئے انٹر کام کے اسپیکر پر ایک نسوانی آواز ابھری۔

"پال۔" اس شخص نے اپنا دہانہ اسپیکر کے نیچے لگے ہوئے مائیکروفون کے قریب لے جا کر کہا اور اندر سے کسی خودکار نظام کے تحت دروازے کا قفل کھول دیا گیا۔

داخلی دروازے سے گزر کر وسط میں پختہ فرش تھا اور چاروں طرف عمارت کھڑی ہوئی تھی جس میں اٹھارویں صدی کے طرز تعمیر کے مطابق سرخی مائل پتھر استعمال کیا گیا تھا۔ گراؤنڈ فلور پر ایک فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا جہاں ایک بوڑھی سفید فام خادمہ ہماری منتظر تھی۔

اندر گھستے ہی میری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ باہر سے فرسودہ اور متروک طرز تعمیر کی حامل اس عمارت کی اندرونی ساخت ہر اعتبار سے جدید تھی اور فلیٹ زندگی کے تمام لوازمات سے آراستہ تھا۔

مجھے توقع تھی کہ شاید منزل پر پہنچ کر ویرا سے ملاقات ہو سکے گی لیکن تین خواب گاہوں والا وہ فلیٹ بالکل خالی پڑا ہوا تھا۔ ہمیں لانے والا سوٹ کیس اندر چھوڑ کر واپس لوٹ گیا اور ہم بوڑھی خادمہ کے ساتھ فلیٹ میں رہ گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ویرا کے بارے میں خادمہ سے دریافت کروں یا خاموش رہوں۔

ہم دونوں ایک خواب گاہ میں داخل ہو کر تھکے ہوئے انداز میں بیک وقت نرم اور آرام دہ بستر پر دراز ہو گئے۔

"مسٹر اکبر؟" بوڑھی خادمہ کی استفسار طلب آواز سن کر میں نے سر گھمایا تو وہ ایک لفافہ لیے خواب گاہ کے دروازے میں کھڑی تھی۔

"میرا نام اکبر ہے اور یہ علی شیر ہے۔" میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے جوڈی کہتے ہیں، بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔ یہ تمہارے لیے ہے۔" یہ کہتے ہوئے خادمہ نے بند لفافہ میری طرف بڑھا دیا اور خود الٹے قدموں واپس لوٹ گئی۔

لفافے میں سادہ کاغذ پر صرف دو سطریں درج تھیں۔

کام پڑ گیا ہے۔ جلد ہی ملاقات ہوگی۔" نیچے ویرا کا نام درج تھا۔
میں نے اس کاغذ کے پرزے پرزے کرکے کموڈ میں بہا دیے۔
"فکر میں پڑ گئے، کیا لکھا تھا پرچے پر؟" ٹھکانا میسر آتے ہی سلطان شاہ کی زندہ دلی عود کر آئی تھی۔
میں نے اسے پیغام کا متن بتا دیا اور اسی وقت باہر لابی سے فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ فلیٹ اس وقت ہمارے تصرف میں تھا لیکن اجنبیت کی وجہ سے فوری طور پر میرے قدم فون کی طرف نہ اٹھ سکے اور گھنٹی کی آواز معدوم ہو گئی۔ میں خواب گاہ سے نکلا تو ایڈی اسی طرف آ رہی تھی۔
"تمہاری کال ہے مسٹر اکبر!" اس نے کہا اور میں نے فون کرنے والے کے بارے میں اس سے کچھ پوچھنے کا ارادہ کرتے ہی ترک کر دیا لیکن مجھے امید تھی کہ فون ویرا ہی کا ہوگا ورنہ لندن میں ایسا کون تھا جو میرے اس فلیٹ میں گھستے ہی میرے نئے ٹھکانے اور فون نمبر سے واقف ہو جاتا۔
ریسیور پر دوسری طرف سے غیر متوقع طور پر بھاری مردانہ آواز سن کر میرا دماغ سن ہو کر رہ گیا اور جیب میں سفنے اپنا پاسپورٹ والا نام دہرایا تو جواب میں میں نے اس کی آواز پہچان لی۔
دوسری طرف سے شون میکارتھی بول رہا تھا۔
میری آنکھوں کے سامنے تاریک دائرے سے ناچنے لگے اس کے بارے میں سلطان شاہ کا مشاہدہ درست ثابت ہوا تھا شاید وہ شروع ہی سے ہمارا پیچھا کرتا رہا تھا اور ہم تمام تر احتیاط کے باوجود اب اس فلیٹ میں بھی محفوظ نہیں تھے۔ زخمی ہاتھ کا پیدا کیا ہوا فتور اب کسی لمحے بھی بھیانک روپ دھار سکتا تھا۔

"تم خیریت سے فلیٹ میں پہنچ گئے نا؟ میری آواز پہچان کر دوسری جانب سے شون میکارتھی نے خوش دلانہ لہجے میں سوال کیا تھا اور مجھے اس کی آواز کسی گہرے کنوئیں کی تہ سے ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔
"تم کون ہو؟" میں نے قدرے توقف کے بعد خشک اور سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔
"ارے! اتنی جلدی بھول گئے؟" ریسیور پر اس کی تحیر آمیز آواز ابھری۔ "صبح پارک ہوٹل میں ہی تو ہمارا تعارف ہوا تھا۔ تم لیک ڈسٹرکٹ میں میری خوبصورت اور فراخ دل بھانجی سے ملنے والے تھے۔ میں شون بول رہا ہوں، شون میکارتھی۔"
"اس حد تک میں نے بھی تمہیں پہچان لیا تھا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو اور کس کے لیے کام کر رہے ہو؟"
"پہلے سوال کا جواب دے چکا ہوں، دوسرے کے لیے پابند نہیں ہوں۔" بولنے والے کا لہجہ قدرے ترش ہو گیا۔
"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟"
"میں تمہیں اپنی بھانجی کا نام اور پتا دے بیٹھا ہوں لیکن یہ ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ کوئی اوباش آدمی میرا حوالہ دے کر اس سادہ لوح لڑکی کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو جائے۔"
"میں نے تو تم سے اس کا پتا نہیں مانگا تھا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔
"میں مانتا ہوں۔" ریسیور پر اس کی مصالحانہ آواز ابھری۔ "لیکن بہتیرے لوگ ندیدے اور عیاش ہوتے ہوئے بھی بظاہر لڑکیوں کی طرف سے بے پروائی اختیار کرنے کی اداکاری کرتے رہتے ہیں۔"
"تم مجھے فضول باتوں میں الجھا رہے ہو۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم میرا تعاقب کیوں کر رہے ہو؟ شاید ہائیڈ پارک میں بھی تم میری نگرانی کر رہے تھے۔"
"تم بہت چالاک ہو۔ میرا خیال تھا کہ میں شروع سے آخر تک تمہاری لگا ہوں سے بچا رہنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔" اس کی آواز اس مرتبہ تحیر آمیز تھی۔ "لیکن تمہیں میرا ممنون ہونا چاہیے کہ میں نے تمہارے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی تم کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔"
"ہم اپنی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ تم کوئی کوشش کر بیٹھتے تو بری طرح منہ کی کھانا پڑتی۔"
"مجھے ایسی کوئی امید نہیں ہے۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ مار کر کہا۔ "ہوٹل سے روانہ ہوتے ہوئے تمہارا بایاں ہاتھ جیب میں تھا لیکن کنگز کراس کے باتھ روم میں تمہارا پورا بایاں بازو ہی غائب ہو گیا۔ اپنے اعضا تم یوں ہی چھپاتے پھرے تو مجھے یا کسی اور کو کس طرح زیر کر سکو گے؟"
اس کی گفتگو نہ صرف خطرناک بلکہ معنی خیز تھی۔ وہ مجھے کوئی براہِ راست دھمکی دیے بغیر رواروی میں یہ جتانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ اسے میرے بارے میں ایسی اہم باتیں معلوم تھیں جن کو ظاہر کر کے وہ میرے لیے ناقابلِ یقین دشواریاں پیدا کر سکتا تھا جب کہ وہ خود مجھ سے ایک بالمشافہ ملاقات کے بعد میری دسترس سے باہر تھا اور میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔
"تم چاہتے کیا ہو؟" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بے بسی کے ساتھ سوال کیا۔
"کہیں سے اپنے نیک چال چلن کا سرٹیفکیٹ مہیا کر سکو تو میں بہتیری الجھنوں سے بچ جاؤں گا۔"
"مجھے کسی سے کوئی سرٹیفکیٹ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔
"پھر مجھے ہر لمحے اپنے آس پاس ہی پاؤ گے۔ تمہارے چال

چلن کی تصدیق کے بغیر میں تمھیں ہرگز اپنی بھانجی کے پاس نہیں جانے دوں گا۔"

"اسے احتیاط سے کسی چڑیا گھر میں رکھوا دو، اگر تم اس فکر میں ہو کہ مجھے گھیر گھار کر اپنی بھانجی کا شوہر بنانے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو یہ تمھاری خام خیالی ہے۔" میں نے اس کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ میں بھی اخبارات پڑھنے کا عادی ہوں اور یہ جانتا ہوں کہ پولیس کسی ایسے قاتل کی تلاش میں ہے جس نے پچھلی رات ایک شخص کو کار کی کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے کے پے در پے وار کر کے ہلاک کر دیا تھا۔ تم بایاں ہاتھ جیب میں ڈالے رہو یا پورا بازو غائب کر لو، میری نشاندہی سے نہ بچ سکو گے۔" اس کی غصیلی آواز سنائی دی۔ "اگر اب تم نے مجھے دھوکا دے کر اپنا ٹھکانا بدلنے کی کوشش کی تو یہ یاد رکھنا کہ پولیس ہی تم سے نمٹے گی۔"

"تمھارا مطالبہ کیا ہے؟" میں نے اپنے وجود کی گہرائیوں میں اُبھرنے والی خوف کی لہر کو دباتے ہوئے سوال کیا۔ "میں مانتا ہوں کہ تم بہت کچھ جانتے ہو لیکن مجھے یہ سب بتانے کا مقصد کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ میں اب تمھارے کردار سے مطمئن ہوں، تمھارا چال چلن بھی ٹھیک ٹھاک معلوم ہوتا ہے۔ تمھیں فوری طور پر ہیشام روانہ ہو جانا چاہیے۔ میری بھانجی اس سیزن میں میری طرف سے کام ملنے پر خاصی خوش ہو گی۔"

"اور اگر میں لیک ڈسٹرکٹ کی سیاحت سے انکار کر دوں؟"

"تو ہو سکتا ہے کہ پولیس تمھارے بائیں بازو کی تلاش شروع کر دے۔" آواز معنی خیز ہو گئی تھی۔

"تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟" میں نے زچ آ کر کہا۔ "اگر تمھاری بھانجی اتنی ہی خوبصورت اور سوشل ہے تو ضروری نہیں کہ وہ تمھارے بھیجے ہوئے گاہکوں کی تلاش میں خالی بیٹھی مکھیاں مار رہی ہو۔ ایسے میں بہتیرے ایسے سیاح مل سکتے ہیں جو محض ایک شام کے لیے اسے اتنا معاوضہ دے سکتے ہیں جو میں شاید پورے ہفتے میں بھی نہ دے سکوں۔ اس ڈھکوسلے کے بجائے تم کھل کر بتاؤ کہ مجھے ہیشام بھیج کر تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

"میرے اور اس لڑکی کے ذاتی معاملات سے تمھیں کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔ تمھارا کام صرف اتنا ہے کہ تم ہیشام جا کر اس سے رابطہ قائم کرو۔ وہ تمھیں وقت دے سکی تو تمھیں اس کے ساتھ ٹھہرنا ہو گا، اگر اس نے معذرت کر لی تو تمھیں آزادی ہو گی کہ جدھر سینگ سمائیں اُدھر چلے جاؤ۔"

"اگر تم یہی چاہتے ہو تو میں ابھی اسے فون کیے لیتا ہوں، اس کے لیے مجھے لندن سے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ایریا کوڈ ڈائل کر کے میں لمحہ بھر میں اس سے بات کر سکتا ہوں۔"

"مجھے تم سے جو کچھ کہنا تھا، وہ میں کہہ چکا... تمھاری بحث سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ تمھیں ہر قیمت پر ہیشام جانا ہو گا ورنہ نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس کی آواز تلخ ہو گئی۔

"اپنا نمبر دے دو تاکہ میں تھوڑی دیر بعد تمھیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر سکوں۔" میں نے کہا۔

"جو کچھ کہنا ہے ابھی کہہ دو، میرے پاس اور بھی بہتیرے کام ہیں۔" خوش دلی کے ساتھ شروع ہونے والی گفتگو میں اس وقت تک خاصی تلخی آ چکی تھی۔

"ہوٹل کے بعد ہائیڈ پارک میں بھی تم نے دیکھا ہو گا کہ میرا ایک ہمزاد بھی ہے۔ اس سے مشورہ کیے بغیر میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ تمھیں وقت دینا ہی ہو گا۔"

"ہمزاد!" اس کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "سچ پوچھو تو اسی کی وجہ سے میری توجہ تمھاری طرف مبذول ہوئی تھی۔ تمھارا زخمی ہاتھ تو بعد میں میری نگاہوں میں آیا تھا۔"

"اسے چاہو تو میں ابھی ہیشام روانہ کر سکتا ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"وہ تو بس تمھاری شناخت کا ذریعہ تھا ورنہ سودا تمھارے ہی بارے میں ہوا ہے۔"

"سودا!" میں نے تحیر آمیز لہجے میں دہرایا۔ "آخر کار تم اپنی اصلیت اگل ہی بیٹھے، اب یہ بھی بتاتے چلو کہ یہ سودا کس قسم کا ہے اور کس سے ہوا ہے؟"

"اُڑنے کی کوشش مت کرو۔" اس کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ شاید وہ الفاظ اس کی زبان سے غیر ارادی طور پر پھسل گئے تھے اور وہ اپنی اس بے احتیاطی پر جھلایا ہوا تھا۔ "بحث کے بجائے مجھے ہاں یا نہ میں جواب چاہیے۔"

"میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ اپنے ساتھی سے مشورہ کیے بغیر کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"وہ بھی اس فلیٹ میں تمھارے ساتھ ہی مقیم ہے، اس سے ابھی مشورہ کر سکتے ہو۔"

"مجھے کم از کم ایک گھنٹے کی مہلت درکار ہے۔" میں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ "تم اپنا نمبر دے دو، ہو سکا تو اس سے پہلے ہی فون کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"ایک گھنٹے بعد میں خود تمھیں رنگ کر لوں گا۔" دوسری طرف سے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

میں ریسیور کریڈل پر رکھ کر پلٹا تو سلطان شاہ میری پشت پر کھڑا تھا۔ شاید وہ میری طویل غیر حاضری یا کمرے میں تنہائی سے اکتا کر باہر نکل آیا تھا۔

"کس کا فون تھا؟" نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا کیونکہ ہمیں اس فلیٹ میں پہنچتے ہی ویرا کی طرف سے تحریری

پیغام مل چکا تھا اس لیے میرے مفروضہ نام کے حوالے سے آنے
والی وہ فون کال اس کے لیے بھی پریشان کن ثابت ہوئی تھی۔
"تمہارا شبہ سو فیصد درست تھا۔ پارک ہوٹل کے منیجر کے کمرے
میں ملنے والا اجنبی کسی بدروح کی طرح ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے۔۔۔ وہ
ہائیڈ پارک میں بھی ہماری نگرانی کر رہا تھا اور یہ اسی کی فون کال تھی۔"
"اوہ! تو اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہم بکن ہال مینشن کے کسی فلیٹ
میں مقیم ہیں۔" سلطان شاہ نے میرے ہمراہ خواب گاہ میں داخل ہوتے
ہوئے متحیرانہ لہجے میں سوال کیا۔ "آخر وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟"
"بس یہی کام کی بات پوچھی ہے تم نے۔" میں نے بستر پر دراز ہو کر سگریٹ
سلگاتے ہوئے کہا۔ "ذرا بوجھنے کی کوشش کرو کہ وہ ہم سے کیا چاہ
سکتا ہے؟"
"شاید شون میکارتھی نام تھا اس کا۔" وہ پُرخیال انداز میں بڑبڑایا۔
"وہ نہ تو پولیس کا مخبر معلوم ہوتا ہے نہ ہی ہمارے دشمنوں کا آدمی نظر
آتا ہے۔۔۔۔"
"بہت خوب۔" میں نے ہلکے سے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "شرلاک ہومز صاحب
اپنے ان نظریات کی بنیاد بھی واضح کرتے چلیں تو ذرا نتائج اخذ کرنے میں
آسانی ہو سکے گی۔"
"پولیس والا نظریہ تو تمہارا اپنا ہے۔ ہم نے ہائیڈ پارک میں خاصا
وقت گزارا تھا وہ جب چاہتا ہمیں پکڑوا سکتا تھا اسے چوروں کی طرح
یہاں تک ہمارا پیچھا کرنے اور پھر فون پر مزاج پرسی کرنے کی کیا ضرورت
تھی اور یہی بات دشمنی کے سلسلے میں صادق آتی ہے جن لوگوں سے ہمارا
واسطہ پڑا ہوا ہے وہ بہت بے رحم اور سفاک ہونے کے ساتھ
جدید وسائل پر بھی پورا پورا عبور رکھتے ہیں۔ شون میکارتھی ان کا آدمی
ہوتا تو ہم ہائیڈ پارک ہی میں کھلے آسمان کے نیچے بے دردی کے ساتھ
بھون دیے گئے ہوتے۔"
"تو کیا تم اسے اپنے ہمدردوں میں شمار کر رہے ہو؟"
"شی اور دیرا کے علاوہ یہاں ہمارے سامنے اور کون سا فریق
ہے؟ اگر وہ شی کا آدمی نہیں ہے تو یقیناً دیرا نے اسے ہماری حفاظت
پر مامور کیا ہو گا۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ جیکب کے نائب سے رابطہ قائم
کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے اور اب تیزی کے ساتھ اپنے آدمیوں
کو یکجا کر رہی ہے ہو سکتا ہے کہ شون ان ہی میں سے ایک ہو۔"
"اس کی گفتگو دھمکی آمیز تھی۔" میں نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر
کہا۔ "دیرا کا کوئی آدمی ایسی جسارت نہیں کر سکتا پھر اس کا مطالبہ بھی عجیب و
غریب ہے کہ میں ہیشام جا کر اس کے دیے ہوئے فون نمبر پر اس کی
بھانجی سے رابطہ قائم کروں جو اس علاقے میں پیشہ ور گائیڈ کی حیثیت
سے کام کرتی ہے۔"
"یعنی پھر وہی لڑکی۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا اور میں اپنی تشویش
کے باوجود بے اختیار ہنس دیا۔
"تولے بن کر بھی تم ان لڑکیوں کے عذاب سے نہیں بچ سکے اور
اب شون تمہیں اپنی بھانجی کے پاس بھیج رہا ہے کہیں اس نے تمہارا
ماموں سسر بننے کا فیصلہ تو نہیں کر لیا ہے؟" وہ بکتا چلا گیا۔
"یہ معاملہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ لڑکی کو فون یہاں سے بھی کیا
جا سکتا ہے مگر شون بضد ہے کہ میں ہیشام جا کر ہی اس کی بھانجی کو فون
کروں ورنہ وہ اخبارات پڑھنے کے بعد میرے زخمی ہاتھ کے بارے
میں بہتیرے درست اندازے لگا چکا ہے۔ اس نے دھمکی دی ہے کہ
وہ پولیس کو میرے پیچھے لگا دے گا۔"
"یہ ہیشام ہے کیا بلا؟"
"جھیلوں سے بھرے ہوئے پُرفضا علاقے کے مغربی ساحل پر
ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ قصبہ بلیک پول کی مشہور
ساحلی تفریح گاہ کے قریب ہی واقع ہو گا۔" میں نے کہا۔
"تو تم نے اسے کیا جواب دیا؟"
"تم سے مشورے کے بہانے ایک گھنٹے کی مہلت لی ہے۔
میرا جواب معلوم کرنے کے لیے وہ دوبارہ فون کرے گا۔"
"کیوں نہ اس کے دیے ہوئے نمبر پر فون کر کے اندازہ لگانے
کی کوشش کی جائے کہ اس کی بھانجی کس قماش کی لڑکی ہے۔ تم اپنا نام
ظاہر کیے بغیر اس سے بات کر سکتے ہو۔" اس نے تجویز پیش کی۔
مشورہ معقول تھا وہ اپنی کھوپڑی پر زور دیتا تھا تو کوئی نہ
کوئی مثبت بات تلاش کر ہی لیتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ میری موجودگی
میں وہ عام طور پر اس مشقت سے گریز ہی کرتا تھا۔
شون میکارتھی نے اپنی بھانجی کا نام مس لوسی بتایا تھا میں جیب
سے فون نمبر والا رقعہ نکال کر ایک بار پھر فون کی طرف چل دیا سلطان شاہ
میرے ساتھ تھا۔
لندن کی ٹیلی فون ڈائریکٹری بھی انسائیکلوپیڈیا سے کم نہیں تھی
اور اس کی کئی موٹی موٹی جلدیں تھیں جنہیں ہاتھ لگاتے ہوئے خوف آتا تھا
لیکن پہلی ہی جلد میں مجھے مطلوبہ معلومات بہت آسانی کے ساتھ مل گئیں اور
میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس قصبے کے کوڈ کے ساتھ لوسی
کا نمبر ڈائل کر لیا۔
میری پہلی ہی کوشش بار آور ہوئی اور دوسری طرف سے ریسیور
اٹھا لیا گیا۔
"کیا میں مس لوسی سے بات کر سکتا ہوں؟" رابطہ قائم ہوتے ہی
میں نے بگڑے ہوئے لہجے اور بدلی ہوئی آواز میں سوال کیا۔
"لوسی گھر پر نہیں ہے۔" ایک خشک سی نسوانی آواز سنائی دی۔ "تم
کون ہو؟ کوئی پیغام ہو تو نوٹ کرا دو۔" میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ
دوسری طرف جو کوئی بھی تھی اپنی آواز بدل کر بولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ویسے تو اس کا لب ولہجہ بھی عجیب سا تھا مگر لہجے کو میں نے اس وجہ سے نظر انداز کر دیا کہ ایک ہی ملک کے مختلف علاقوں کے لب ولہجے میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے اور پھر برطانیہ میں لب ولہجے تو کیا تلفظ تک کے بارے میں اتنا تضاد پایا جاتا تھا کہ اس بنیاد پر بہتیری کہاوتیں اور لطیفے وجود میں آ چکے تھے۔

"میں لنکاسٹر سے ایڈمنڈ بول رہا ہوں۔" میں نے وقفے کے بغیر کہا۔ "لوسی کب تک واپس آئے گی؟"

"کچھ پتا نہیں۔ وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔" اکتائے ہوئے انداز میں جواب دیا گیا لیکن آواز کا تصنع اس وقت بھی برقرار تھا۔ بولنے والی اس معاملے میں اتنی اناڑی تھی کہ ایک فقرے میں کئی آوازیں بدل رہی تھی۔

"اس سے بہت بدظن معلوم ہوتی ہو۔ نام کیا ہے تمہارا؟" میں نے نرم اور دعوت آمیز لہجے میں کہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید اس کی ہمدردیاں جیت کر میں اس سے لوسی کے بارے میں کارآمد معلومات حاصل کر سکوں گا۔

"میرے نام سے کیا لینا ہے تمہیں؟" دوسری طرف سے اکھڑے ہوئے درشت لہجے میں سوال کیا گیا۔

"تمہیں پتا ہے کہ لوسی کتنی سنگدل اور بددماغ ہے۔" میں نے اپنی آواز پر مظلومیت طاری کرتے ہوئے اندھیرے میں تیر پھینکا۔ "میں خود اس سے اکتایا ہوا ہوں۔ اگر تم چاہو تو ہم ایک دوسرے کے اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"شٹ اپ۔" ریسیور پر غراہٹ ابھری۔ "میں فلرٹ نہیں ہوں۔ آواز سن کر مجھ پر فدا ہونے کے بجائے لنکاسٹر میں ہی کوئی قرینے کی لڑکی تلاش کرنے کی کوشش کرو۔"

"لنکاسٹر کی لڑکیوں میں آج کل شیطان حلول کر گیا ہے اور وہ ایک ہی وقت میں کئی کئی بوائے فرینڈز رکھنے کی عادی ہوتی جا رہی ہیں تاکہ اپنے لیے ان کے رقیبانہ جذبات کو بھڑکا کر زیادہ سے زیادہ تحائف سمیٹ سکیں اور اپنی شامیں بہترین اور مہنگی تفریح گاہوں میں گزار سکیں، اسی لیے میں پورے خلوص کے ساتھ اپنے شہر سے باہر کسی پرخلوص ساتھی کی تلاش میں ہوں جو زندگی کی دشوار راہوں پر دور تک میرا ساتھ دے سکے۔" اس کے ساتھ گفتگو کو طول دینے کی غیر ارادی خواہش کے تحت میں نے روایتی عاشقانہ انداز اختیار کر لیا۔

"تم بہت بدتمیز اور گستاخ ہو... فون تم نے کیا ہے لہٰذا یہ تمہارا اخلاقی فرض ہے کہ ہذیان بکنے کے بجائے فون بند کر دو، اگر تم نے خود فون بند نہ کیا تو میں ریسیور رکھ دوں گی۔"

"کم از کم اتنا ہی بتا دو کہ تم لوسی کی ملازمہ ہو یا سہیلی؟" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"بہت ڈھیٹ ہو تم۔ ان میں سے کوئی رشتہ نہیں ہے میرا اس سے۔"

"مگر تم اس سے ڈرتی ضرور ہو۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"پھر بکواس شروع کر دی تم نے۔" اس کے لہجے میں برہمی عود کر آئی مگر ساتھ ہی اس پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

"مشق کے بغیر آواز بدل کر بولنے کی کوشش کا یہی انجام ہوتا ہے۔ حلق پر غیر ضروری بوجھ ڈالا جائے تو کوا اپنی جگہ سے ہٹنے سے انکار کر دیتا ہے۔" میں خوش دلی کے ساتھ وہ تبصرہ کرتے ہوئے اچانک غیر ارادی طور پر اپنی اصل آواز میں بولنے لگا کیونکہ ذہن سے لوسی سے ہم کلامی کا امکان کافور ہو چکا تھا۔

"ڈینی!" اچانک ریسیور پر کھانسیوں کے درمیان بھرائی ہوئی شناسا آواز سنائی دی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اگر میرے کان دھوکا نہیں دے رہے تھے تو وہ غزالہ کی آواز تھی۔

"غزالہ... ہاں میں ڈینی ہی ہوں... تت... تم وہاں کیا کر رہی ہو؟" میں اردو میں دیوانہ وار چیخ اٹھا۔

"تم... میں تھک گئی ہوں... مجھے آپ کے سہارے کی ضرورت ہے۔" میری آواز سنتے ہی دوسری طرف غزالہ کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا اور وہ شاید بے بسی کے ساتھ بلک کر رو پڑی۔ "جب تک اپنے سائے سے بھی بھڑکتی رہی کشت وخون کے باوجود آزاد رہی مگر کسی پر اعتماد کرتے ہی کہ بے جان دیواروں کی قیدی بن گئی ہوں..."

میری زبان سے غزالہ کا نام سنتے ہی چند ثانیوں تک تو سلطان شاہ سکتے کے عالم میں کھڑا رہا پھر جیسے اس پر ایک دم جنون سوار ہو گیا اور اس نے بے اختیار ہو کر میرے ہاتھوں سے ریسیور چھین لیا۔

"السلام علیکم بھابی! میں سلطان بول رہا ہوں، تم فکر نہ کرو ہم ابھی تمہارے پاس آ..." اس نے ماؤتھ پیس میں مشینی انداز میں بولنا شروع کیا تھا مگر اچانک ہی اس کی زبان بند ہو گئی اور آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ اگلے ہی لمحے میں اس نے پژمردہ انداز میں ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"ہاں غزالہ...!" میں نے ریسیور لیتے ہی اسے دلاسا دینا چاہا مگر اس نے روتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔

"کل رات سے میں سخت عذاب میں ہوں۔ سرے میں کئی بدمعاشوں نے میری کمین گاہ کو گھیر لیا تھا مگر میں ایک دھماکا کر کے وہاں سے نکل گئی۔ پتا نہیں ان کا کیا حشر ہوا مگر میں سڑک پر نکل آئی۔ وہاں شمال کی طرف جانے والے ایک ٹرک ڈرائیور سے لفٹ لی تو وہ صورت حرام بہت نرم دل اور معصوم نظر آیا۔" وہ سسکیوں اور ہچکیوں کے درمیان مختصر ترین الفاظ میں اپنی کہانی سنا رہی تھی اور میں سانس روکے سن رہا تھا۔

"سرے کے مکان میں ہونے والا دھماکا بہت خوفناک تھا مجھے کچھ پتا نہیں کہ وہاں آنے والے سات بھیڑیوں میں سے کتنے مرے تھے اور کتنے زندہ تھے مگر میں بری طرح سہمی ہوئی تھی میں نے ٹرک ڈرائیور کو بتایا کہ میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑی ہوئی ہوں اگر

وہ انھیں تلاش کر سکے تو میں اسے معقول معاوضہ دوں گی۔ تھوڑی سی بحث کے بعد وہ رضامند ہو گیا اور میں نے آپ کے بجائے اسے سلطان شاہ کا حلیہ بتا دیا۔ میرا خیال تھا کہ اگر اس کی نیّت خراب ہو بھی جائے تو وہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور اگر وہ سلطان شاہ تک پہنچ جاتا تو وہ معاملہ آپ سے بھی ملاقات ہو جاتی مگر اس کی توجہ سلطان پر ہی مرکوز رہتی۔ یہ سب سن کر اس نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا اور رات گئے مجھے یہاں لوسی کے پاس پہنچا دیا۔ مجھے کچھ پتا نہیں کہ یہ کون سا شہر ہے۔ میرے بارے میں ان دونوں میں کچھ راز و نیاز ہوئے پھر ڈرائیور کے جاتے ہی لوسی اپنے اصل روپ میں آ گئی۔ اس نے کہیں سے اپنے دراز قامت ساتھی کو بھی بلا لیا اور ان دونوں نے ریوالور کی زد پر میری جامہ تلاشی لے کر پانچ ہزار پاؤنڈ سے زیادہ وہ رقم برآمد کر لی جو میں نے جیکب کے سرے والے مکان سے اس کی ہدایت کے مطابق حاصل کی تھی اور اب میں اسی مکان کے ایک کمرے میں قید ہوں۔ لوسی باہر جاتے ہوئے شاید میرے فون کا پلگ نکالنا بھول گئی مگر وہ مجھے بتا چکی ہے کہ دوسرے کمرے میں فون کے ساتھ ایک خودکار ریکارڈر منسلک ہے.... اسے واپس آتے ہی میری اور آپ کی گفتگو کا علم ہو جائے گا مگر آپ کی آواز سن لینے کے بعد میں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہوں۔"

"یہ لوگ خود اپنی شامت کو دعوت دے بیٹھے ہیں۔" میں نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ "لوسی کا ساتھی لندن میں مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور مجھے دھمکیاں دے کر ہیشام میں لوسی تک پہنچنے پر مجبور کر رہا ہے... ابھی تک میں اندھیرے میں تھا اور جھجک رہا تھا۔ اسی لیے فون بھی کیا تھا تاکہ جانے سے پہلے اندازہ لگا سکوں۔ مقدر یاور تھا کہ اس طرح تم سے بات ہو گئی۔ میں آج ہی ہر قیمت پر تم تک پہنچوں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں موٹی اسامی سمجھ رہے ہیں اور آپ کو گھیر کر کوئی لمبی رقم ہتھیانے کے چکر میں ہیں۔" دل کی بھڑاس نکلنے کے بعد وہ بتدریج اعتدال پر آتی جا رہی تھی۔

"تم ان کا حشر دیکھنا۔" میں نے غصے سے کہا۔ "سرے والے ساتوں بدمعاش جہنم داخل ہو گئے، اب ان کی باری ہے۔"

"آپ یہاں کب پہنچیں گے؟"

"وقت اتنا مصروف گزر رہا ہے کہ یہ عرصہ مہینوں پر محیط معلوم ہوتا ہے۔ لمبی کہانیاں ہیں۔ انشاء اللہ ملاقات ہو گی تو بتاؤں گا کہ دشمنوں کو کیسی رو سیاہی نصیب ہوئی ہے۔ ویسے تم تو خیریت سے ہو نا؟"

"بالکل خیریت سے ہوں اور ہاں، یہ سن لیں کہ پچھلے چند دنوں میں میں نے بہت کچھ سیکھ لیا ہے۔ جس دن اپنی طرف اٹھنے والے ہاتھوں کو توانائی سے نہ اکھاڑ سکی تو مدافعت میں خود اپنی جان دے دوں گی۔"

"وہ وقت آنے سے پہلے میں تمہارے پاس موجود ہوں گا۔"

"آپ کو یہ فون نمبر کہاں سے ملا؟" جذباتی ہیجان گزر جانے کے بعد اسے سوال یاد آ رہے تھے۔

"لوسی کے اسی دراز قامت ساتھی نے دیا تھا جو مجھ سے لوسی کے ملنے والوں کی حیثیت سے ملا تھا۔ اس نے ہمیں پہچان تو لیا ہے لیکن اس بارے میں شاید پُریقین نہیں ہے۔ اسی لیے ہمیں لوسی کے پاس بھیجنا چاہتا ہے تاکہ تمہارے ذریعے ہماری شناخت ہوتے ہی ہمیں وہیں گھیر لے۔ کسی وجہ سے ہم زیر ہو جائیں تو یہ یاد رکھنا کہ تمہیں ہماری طرف سے بھرپور اجنبیت کا اظہار کرنا ہو گا۔"

"آپ بے فکر رہیں۔ میری وجہ سے آپ پر ذرا بھی آنچ نہ آئے گی۔"

اس نے سرے سے پہلے کے واقعات چھیڑنے کی کوشش کی مگر میں نے سختی کے ساتھ اسے روک دیا کیونکہ وہ مجھے لوسی کے فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر کے بارے میں بتا چکی تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ اس آلے کے ذریعے غزالہ کے ماضی کے بارے میں لوسی کی معلومات میں اضافہ ہو۔

"جب آپ آئے تو میرے گھر پر تو سب خیریت تھی نا؟" اس نے پُرامید اور تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا اور میرے رُویں رُویں میں درد کی لہریں سرایت کر گئیں۔ آخر میں اسے کیا بتاتا اور کس منہ سے بتاتا!

"سب خیریت تھی۔ یہ باتیں ملاقات پر ہوں گی۔" میں نے اس موضوع کو وہیں ختم کرتے ہوئے درد بھرے دل کے ساتھ کہا اور وہ بے چاری اپنے بدنصیب پیاروں کے بارے میں ذرا بھی اندازہ نہ لگا سکی۔

سلسلہ منقطع کرنے سے قبل میں جذباتی انداز میں اسے دلاسا دیے رہا تھا اور وہ ایک بار پھر کسی بچے کی طرح سسکنے لگی تھی کہ اچانک ریسیور میں اس کی تیز چیخ سنائی دی اور پھر دوسری طرف سے لائن بے جان ہو گئی۔ میں کسی بے جان پتلے کی طرح کئی سیکنڈ تک ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا پھر اسے کریڈل پر ڈال دیا۔

سرے میں جیکب کے مکان سے فرار کے بعد غزالہ کا رابطہ دنیا بھر سے منقطع تھا۔ شاید اخبارات بھی اس کی رسائی سے باہر تھے جب ہی اسے اپنے دشمنوں کے انجام کا علم نہ ہو سکا تھا لیکن اسے قیدی بنانے والوں کو ہر معمولی سی معمولی بات کا علم تھا۔ سرے کے واقعے کے بارے میں اخباری قیاس آرائیوں نے بہت سے امکانات کی نشاندہی کی تھی لیکن ایلن بریر سمیت چھ آدمیوں کی ہلاکت اور ساتویں زخمی کے اسپتال میں قتل کے بعد وہ واردات سارے تفتیشی اداروں کے لیے ایک بے سرو پا معاملہ بن کر رہ گئی تھی جس میں نہ مجرم کا پتا تھا نہ واردات کے محرکات کا۔ لیکن غزالہ کو لفٹ دینے والے ٹرک ڈرائیور اور اس کے رفقائے کار کے لیے غزالہ کو سونا سمجھنا بہت سہل نظر آتا تھا کیونکہ وہ بھی ایک خوبصورت ایشیائی لڑکی تھی اور ایک ایسے علاقے میں مشتبہ

نماز میں ملی تھی جہاں ایک دھماکے کے نتیجے میں کم از کم پانچ قتل ہو چکے تھے۔

جیکب کے بھائی جوزف نے طویل باز پرس کے نتیجے میں پولیس کو سونیا کے جو مفروضہ خدوخال فراہم کیے تھے' وہ ہر لحاظ سے غزالہ سے مختلف تھے لیکن ایک بار غزالہ پولیس کی تحویل میں دے دی جاتی تو کاؤنٹری اور سرے کے مکانات سے ملنے والے فنگر پرنٹس کی بنیاد پر اس کے لیے اپنا دفاع ناممکن ہو کر رہ جاتا اور شاید یہی پیلو لوسی اور اس کے ساتھیوں کے پیشِ نظر تھا۔ وہ مجھے زیر کر لینے کے بعد غزالہ والے معاملے میں بھی بلیک میلنگ کر سکتے تھے۔

غزالہ سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے مجھے حیرت ہوئی تھی کہ اس نے لوسی کو سلطان کا حلیہ بتایا تھا مگر شون نے ساری توجہ میری ذات پر مرکوز رکھی تھی لیکن ذرا سا غور کرنے پر اس کے اسباب بھی واضح ہو گئے۔ شون نے خود کہا تھا کہ میری شناخت سلطان کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ غزالہ کو لوسی کی قید میں بے بس کرتے ہی وہ ہماری تلاش میں لندن آ پہنچا تھا پھر شاید وہ پارک ہوٹل کے منیجر سے اپنے مراسم کی بنا پر سیدھا وہیں پہنچا۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ہم نے اسی وقت ہوٹل چھوڑنے کا ارادہ کیا جب وہ نیچے موجود تھا۔

اس نے پہلے یقینی طور پر سلطان شاہ کو شناخت کیا لیکن وہ بلیک میلر ہونے کی بنا پر ہمیشہ فریقِ مخالف کے کمزور پتوں پر گہری نگاہ رکھنے کا عادی تھا لہٰذا میرا جیب میں پڑا ہوا بایاں ہاتھ فوری طور پر اس کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ صبح کے اخبارات کی دی ہوئی اطلاعات کی روشنی میں ٹوٹے ہاتھ والا اس کا آسان شکار ثابت ہو سکتا تھا لہٰذا اس نے فوری طور پر سلطان شاہ کے بجائے مجھے اپنی ترجیحی فہرست پر لے لیا کیونکہ غزالہ کو بلیک میل کرنے کے لیے تو سونیا اور سرے میں پانچ آدمیوں کی ہلاکت کا حوالہ ہی کافی ہو سکتا تھا۔

اگر وہ سلطان شاہ کو بھول کر میرے چکر میں پڑ گیا تھا تو ہمیں ہیشام بھیجنے والی بات کیس فٹ نہ بیٹھتی تھی۔ سلطان شاہ کی حتمی شناخت کے لیے ادھر جانے کی بات قابلِ قبول تھی مگر مجھے تو وہ لندن میں زیادہ بہتر طریقے پر خوفزدہ کر کے رقم اینٹھ سکتا تھا کیونکہ اس شہر میں قانون نافذ کرنے والے ادارے زیادہ مستعد اور فعال تھے۔ شون کے ذرا سے اشارے پر پولیس کی بھاری نفری کسی بھی ایسی عمارت کو آناً فاناً میں گھیرے میں لے سکتی تھی جہاں کسی زخمی ہاتھ والے کی موجودگی کا شبہ ہوتا۔

پھر وہ مجھے ہیشام جیسے غیر معروف علاقے کی طرف کیوں ہانک رہا تھا؟

اس نکتے پر غور کرتے ہوئے میرے بدن کے مساموں سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ بہہ نکلا۔

اس نے فون پر بات کرتے ہوئے کسی سودے کا حوالہ دیا تھا اس کا مطلب تھا کہ وہ مجھے ہیشام لے جا کر اپنا قیدی بنانا اور بھاری داموں پر کسی کے ہاتھوں فروخت کرنا چاہتا تھا۔

بیسویں صدی میں بھی بعض دور افتادہ اور غیر مہذب علاقوں پر کمزور انسانوں کی خرید و فروخت رائج تھی مگر یہ تجارت اتنی عام نہ تھی کہ لندن جیسے بین الاقوامی شہر میں راہ چلتوں کے سودے ہونے لگتے۔ میرے خریدار صرف اور صرف شی کے بڑے ہی ہو سکتے تھے جنہیں داؤد نے جہنم داخل ہونے سے پہلے میری طرف سے پوری طرح بدظن کر دیا تھا۔

شی اندھیروں میں رینگنے والی کسی زہریلی ہزار پا بلا کی طرح زیرِ زمین دنیا میں اپنے مفادات کا تحفظ کرتی تھی اور شون بھی اسی زیرِ زمین دنیا کا ایک ادنیٰ کارندہ تھا جو بلیک میلنگ کے پیشے سے وابستہ ہونے کی وجہ سے دوسرے مجرموں کے مقابلے میں زیادہ قابلِ اعتماد تھا۔

میں اس موضوع پر جتنا غور کرتا گیا اسی قدر یہ خیال میرے ذہن میں راسخ ہوتا چلا گیا کہ شون کسی کی مدد لیے بغیر مجھے قید کر کے شی کے ہاتھوں فروخت کرنے کے منصوبے پر کام کر رہا تھا اور غزالہ کے ساتھی کو تلاش کرتے ہوئے اتفاقاً ہی مجھے دریافت کر بیٹھا تھا جب کہ اس کے دیے ہوئے فون نمبر کی مدد سے میں نے برطانوی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد پہلی بار غزالہ کی نہ صرف آواز سنی تھی بلکہ اس کے ٹھکانے سے بھی واقف ہو گیا تھا۔

کارڈ کھل چکے تھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ شون میکارتھی میرے لیے بھیانک موت کا پیغام بر بنا ہوا تھا لیکن غزالہ کی بقا اور آزادی کے لیے میں اس کے اشاروں پر ناچنے کے لیے مجبور تھا۔ فون پر ابھرنے والی اس کی آخری چیخ رہ رہ کر میرے ذہن میں آسیبی انداز میں گونج رہی تھی اور میں بے چینی کے ساتھ شون کے فون کا منتظر تھا تاکہ اسے اپنی رضامندی سے آگاہ کرتے ہی ہیشام کے سفر پر روانہ ہو سکوں جہاں لوسی ایک زہریلی ناگن بن کر غزالہ کو اپنے خون آشام حصار میں لیے ہوئے بیٹھی تھی۔

سلطان شاہ کا تجزیہ درست ہی تھا کہ شون نہ پولیس کا مخبر تھا نہ دشمن کا کارندہ ۔۔۔ بلکہ وہ خود اپنے مفاد کے لیے کام کرنے والا تھا۔ آخری لمحے تک اپنا کھیل کھیلنے کے بعد وہ اپنی شرائط پر میرے دشمنوں کے ساتھ سودے پر نظرِ ثانی بھی کر سکتا تھا کیونکہ داؤد نے شی کے بڑوں کی نگاہوں میں مجھے ایک ایسا ناقابلِ شکست عفریت بنا دیا تھا جسے زیر کرنے کے لیے داؤد کو مسٹر ایکس کا قابلِ رشک منصب دے کر گرد و پیش نائین کے موت کے ہرکارے پچھلے معرکے میں جھونک دیے گئے تھے۔ ان اقدامات کی ناکامی کے بعد وہ ڈینی کے لیے منہ مانگی رقم دے سکتے تھے۔

۔۔۔ ہیشام کے ساحلی قصبے میں غزالہ کی قید کا انکشاف ہوتے ہی

صورتِ حال بالکل بدل کر رہ گئی تھی اور مجھ سے فوری طور پر کسی فیصلہ کن کارروائی کی متقاضی تھی کیونکہ میں پاکستان سے محض اسی کی خاطر طویل سفر طے کر کے لندن پہنچا تھا لیکن وہ میرے لندن پہنچنے سے پہلے ہی ناگزیر حالات کا شکار ہو کر ان لوگوں کی تحویل سے فرار ہو گئی تھی، جو دیرا کی طرف سے اس کی حفاظت اور چھان داری پر مامور کیے گئے تھے اور طویل روپوشی کے بعد اب پہلی بار اس کا کوئی سراغ ہاتھ آیا تھا۔

جب تک غزالہ سے میری بات نہیں ہوئی تھی صورتِ حال خاصی مختلف اور محفوظ تھی۔ غزالہ کو لوسی کی قید میں کوئی خطرہ نہیں تھا مگر اس سے فون پر براہِ راست رابطہ ہونے کے بعد اس کے لیے خاصی دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ لوسی واپس آنے کے بعد فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر پر میری اور غزالہ کی گفتگو سن کر چونک سکتی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ بدلی ہوئی آواز میں انگریزی میں ہونے والی گفتگو خطرناک نہیں تھی لیکن اس سے آگے لوسی اردو جیسی اجنبی زبان میں ہونے والے مکالمات سنتے ہی گڑبڑ کا اندازہ لگا سکتی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ غزالہ اس کی باز پرس کے جواب میں اسے ہرگز کوئی ڈھنگ کی بات نہ بتاتی لیکن اس کی وہ مزاحمت تاخیری حربے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ لوسی گفتگو کا ٹیپ کسی نہ کسی شناسا کو سنا کر میری اور غزالہ کی اردو میں ہونے والی گفتگو کے متن سے آگاہ ہو سکتی تھی اور بس وہیں سے اس کے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں جن میں لوسی کے انتقامی تشدد کے امکانات بھی شامل تھے۔

دوسری طرف لوسی کا جعلی ماموں درحقیقت اس کا قریبی شریکِ کار تھا اور بدقسمتی سے میں اس کی نگاہوں میں آ چکا تھا اور یہ بھی یقینی تھا کہ ان دونوں میں قریبی رابطہ برقرار رہا ہو گا۔ میری اور غزالہ کی گفتگو سے باخبر ہوتے ہی لوسی شون میکارتھی کو اس سے آگاہ کر سکتی تھی اور شون میرے بارے میں سخت رویہ اختیار کر سکتا تھا۔

مگر اس پورے معاملے میں میرے نزدیک اہمیت اس بات کی تھی کہ شون اور لوسی بنیادی طور پر بلیک میلر معلوم ہوتے تھے جو بڑے مالی مفاد کے لیے کسی سودے میں بھی ملوث ہو سکتے تھے۔ بلیک میلر ہونے کی وجہ سے اپنے معاملات کی رازداری ان کے لیے سب سے اہم تھی اور وہ زیادہ لوگوں کو اعتماد میں نہیں لے سکتے تھے۔ اس سے بظاہر مقابلتاً آسان تھا۔ لوسی غزالہ پر مسلّط تھی اور شون ہم دونوں کی نگرانی کر رہا تھا۔

ہم پارک ہوٹل میں سامنا ہونے کے بعد سے شون مسلسل ہمارے تعاقب میں لگا رہا تھا اور بظاہر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میرے بائیں ہاتھ کے بارے میں ایک نظریہ قائم کر لینے کے بعد وہ ہمیں کسی قیمت پر بھی اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس نے پارک ہوٹل سے لنگر کراس ٹیوب اسٹیشن، ہائیڈ پارک اور پھر اس فلیٹ تک ہر لمحہ ہماری نگرانی کی تھی اور اس وقت بھی غالباً کین ہال مینشن کے قرب و جوار ہی میں منڈلا رہا تھا تاکہ ہم بوکھلا کر کہیں اور فرار ہونے کی کوشش کریں تو وہ ہماری نقل و حرکت پر نظر رکھ سکے۔

اگر شون میکارتھی اپنے ہوٹل یا کسی اور ٹھکانے پر موجود ہوتا تو لوسی بہ آسانی فون پر رابطہ قائم کر کے اسے نئے امکانات سے باخبر کر سکتی تھی لیکن ہمارے فراق میں لندن کی گلیوں میں بھٹکتے ہوئے وہ فوری طور پر لوسی کی رسائی سے باہر تھا۔ جب تک وہ خود اسے فون نہ کرتا ہیشام کے بارے میں تازہ ترین صورتِ حال سے واقف نہیں ہو سکتا تھا۔

اس اعتبار سے شون کے فوری طور پر ہوشیار ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اوّل تو اسے ہیشام فون کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی اور اگر وہ فون کر بھی لیتا تو لوسی گھر پر موجود نہیں تھی۔

میں نے بہت احتیاط کے ساتھ سارے امکانات کا جائزہ لیتے ہوئے جب یہ رائے قائم کر لی کہ شون میکارتھی اس وقت بھی ہماری کمین گاہ کے قرب و جوار میں ہی موجود ہے تو مجھے اپنا کام نسبتاً آسان ہوتا نظر آنے لگا۔ ذرا سی احتیاط اور مکاری سے کام لے کر ہم اس کو آسانی اپنے راستے سے ہٹا سکتے تھے۔

"تم مسلسل خاموش کیوں ہو؟" طویل سکوت کے بعد سلطان شاہ نے آخر کار جھجکتے ہوئے مجھے ٹوک ہی دیا۔ "یہ تو خوشی کا موقع ہے کہ تمہیں اتفاقاً ہی اس وسیع و عریض انسانی سمندر میں بھابی کا سراغ مل گیا ہے اور تم اس بارے میں کچھ کر گزرنے کی پوزیشن میں آ گئے ہو۔"

"تمہارے خیال میں ہم اس وقت کیا قدم اٹھا سکتے ہیں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دھیمے لہجے میں سوال کیا کیونکہ اس سے تبادلۂ خیال ہمیشہ ہی سودمند ثابت ہوتا رہا تھا۔

"شون میکارتھی ہمیں ہیشام کی طرف دھکیلنا چاہ رہا ہے، ہمیں اس کے حکم کی تعمیل کرنا چاہیے۔ وہاں پہنچ کر ہم لوسی کو فون کرنے کے بجائے اس کے مکان کا سراغ لگا کر وہاں دھاوا بول سکتے ہیں!"

"یہ نہ بھولو کہ شون کسی مکار لومڑی کی طرح ہیشام تک ہمارا پیچھا کرے گا اور ہمیں نقل و حرکت کی آزادی دینے کے بجائے لوسی سے رابطہ قائم کرنے کا کوئی مخصوص طریقہ بھی بتائے گا۔ اس کے بتائے ہوئے طریقۂ کار سے انحراف کرتے ہی ہم اس کی گرفت میں آ جائیں گے۔ یہ کام اتنا سہل نہیں ہے جتنا نظر آ رہا ہے۔"

"ہم اسے پہچانتے ہیں، کوشش کریں گے کہ اسے راستے ہی میں کہیں گھیر سکیں۔"

"ہم اوچھا وار کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ناکامی کی صورت میں وہ لوگ غزالہ سمیت اس طرح غائب ہوں گے کہ ہم ان کی دھول بھی نہ پا سکیں گے۔" میں نے رک

کر سگریٹ سلگائی پھر دھیمے سے کہا۔ "غزالہ سے فون کا رابطہ عجیب انداز میں ختم ہوا ہے.... بات کرتے کرتے اچانک اس کی تیز اضطراری چیخ سنائی دی اور پھر لائن بے جان ہو گئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ لوسی اپنے گھر واپس پہنچ گئی ہو۔"

"ہمیں ہیشام پہنچنے میں تاخیر نہیں کرنا چاہیے... ہماری غفلت سے بھابی کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔"

"بڑے کھیل میں چھوٹی موٹی باتوں کو نظر انداز کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "غزالہ نے خود کو خونخوار مرد پر فاتح ثابت کیا ہے اس لیے مجھے لوسی کی حد تک کوئی فکر نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے غزالہ کو فون پر بات کرتے دیکھ کر بے خبری میں اس کے بال نوچ لیے ہوں یا تھپڑ مار دیا ہو، میری نگاہیں اس وقت ان معمولی باتوں کے بجائے غزالہ کی آزادی پر مرکوز ہیں۔"

"پتا نہیں، ڈیلا کہاں غائب ہو گئی ہے؟" وہ بڑبڑایا۔ "اس موقع پر وہ ہمارے لیے کارآمد ثابت ہو سکتی تھی۔"

"اس کے نزدیک خشی میں اپنے مقام کی بحالی زیادہ اہم ہے۔ اس کے بعد وہ ہماری طرف توجہ دے سکے گی۔ فی الحال تو یہی کافی ہے کہ اس نے ہمیں سر چھپانے کو ایک ٹھکانا فراہم کر دیا ہے۔"

"لیکن اس کے آدمی اندھے ہی تھے جو شون کو اپنے پیچھے یہاں تک لے آئے۔ ٹھکانا ضرور مل گیا ہے لیکن یہ محفوظ ہرگز نہیں ہے۔ شون کا ہاتھ ہماری شہ رگ پر رکھا ہوا ہے۔"

"میرے ذہن میں جو تجویز ہے اس میں تمہارا کردار بہت اہم ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"کیا! میں ہر کام کے لیے تیار ہوں۔" اس نے پُراشتیاق لہجے میں کہا۔

"وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "تھوڑی ہی دیر میں شون کا فون آئے گا۔ وہ کال تمھیں وصول کرنا ہو گی۔ تم تو اسے بس اتنی دیر تک فون پر الجھانا ہو گا کہ میں اس عمارت سے باہر نکل سکوں۔ تم اس سے بہانا کر سکتے ہو کہ میں غسل خانے میں نہا رہا ہوں۔"

"اس طرح تو میں چند منٹ ہی کے لیے اسے دھوکا دے سکوں گا۔ اس کے بعد بھی وہ تم سے بات کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو ہوشیار ہو جائے گا۔"

"مجھے صرف اتنی مہلت چاہیے کہ میں اس کی نظروں میں آئے بغیر بے آواز پستول سمیت باہر نکل سکوں۔ وہ بہت قریب سے ہماری نگرانی کر رہا ہے۔ فون کرنے کے لیے اسے اپنا مورچا چھوڑنا ہو گا۔ میں ایک بار باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا تو اُسے زیر کرنا زیادہ دشوار نہ ہو گا۔"

"میں انگریزی میں بس اپنا کام ہی چلا سکتا ہوں۔ اس کو زیادہ چکر دینا میرے لیے مشکل ہو گا۔ یہ بتاؤ کہ آخر میں مجھے اس سے کیا کہنا ہو گا؟" اس نے پوچھا۔

"غسل خانے میں میری طویل مصروفیت پر معذرت کر کے اُسے چند منٹ بعد دوبارہ فون کرنے کا مشورہ دے دینا۔ جاتے جاتے یہ بھی بتا دینا کہ ہم اس کی خواہش کے مطابق ہیشام جانے کے لیے آمادہ ہیں لیکن تفصیلات وہ مجھ ہی سے طے کر سکے گا۔"

"تم بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہو۔" وہ تشویش زدہ لہجے میں بولا۔ "رات کے واقعات اخبارات میں شائع ہوئے چند گھنٹے گزرے ہیں۔ اس وقت شہر میں ہر شخص چوکنا ہو گا۔ ہائیڈ پارک تک ہم مجبور تھے لیکن ایک ٹھکانا ملنے کے بعد زخمی کے ساتھ تمہارا باہر نکلنا مخدوش ہو سکتا ہے۔ میری مانو تو تم یہیں ہی رُکو۔ میں باہر نکل جاؤں گا۔ مجھے بس اتنا سمجھا دو کہ کیا کرنا ہو گا۔ تم سے بات کرنے کے بعد وہ بالکل مطمئن اور بے خوف ہو گا۔ اس طرح مجھے کسی بھی کارروائی میں اس کی بھرپور غفلت سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکے گا۔ عجب کہ تم سے بات نہ ہونے کی صورت میں وہ بھڑک سکتا ہے۔"

ان حالات میں اس کا مشورہ حقیقت پسندانہ تھا۔ جس پر عمل کر کے زیادہ بہتر نتائج حاصل کیے جا سکتے تھے۔ میں نے لحظہ بھر غور کرنے کے بعد اس کی بات مان لی۔

"یہ بات ذہن نشین رکھنا کہ شون پکا بلیک میلر ہے اور اگر وہ مارا گیا تو بہت سے لوگ سکون کی نیند سو سکیں گے۔" میں نے کہنا شروع کیا۔ "اصل مقصد اُسے گھیر کر فلیٹ میں لانا ہے لیکن خود کو محفوظ رکھتے ہوئے اگر اُسے ہلاک بھی کرنا پڑ جائے تو دریغ نہ کرنا۔"

"یہ خاصا بارونق اور آباد علاقہ ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے حیرت سے کہا۔ "یہاں خونریزی کر کے بچ نکلنا آسان نہیں ہو گا۔ اُسے خوفزدہ کر کے گھیرنا ہی مناسب رہے گا۔"

"اب تک وہ ہمارے بارے میں بہت کچھ جان چکا ہے ورنہ یوں جونک بن کر پیچھے نہ لگا ہوتا۔" میں نے کمرے میں بے چینی کے ساتھ ٹہلتے ہوئے کہا۔ "اُسے ہم سے رحم یا ہمدردی کی ذرا بھی امید نہیں ہو گی۔ فرار کی راہ مسدود پا کر وہ شور بھی مچا سکتا ہے، پھر وہ زندہ بچے، زخمی ہو یا مارا جائے، تم نہیں بچ سکو گے۔"

"جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔" اس نے بیگ میں سے سائلنسر سمیت پستول نکالتے ہوئے کہا۔ "تمھاری یادداشت بہتر ہے۔ ذرا مجھے اس جگہ کا محلِ وقوع سمجھا دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں خود اس کے چنگل میں پھنس جاؤں۔"

وہ علاقہ میرے لیے بھی نیا تھا لیکن میں نے ویرا کے آدمیوں کے ساتھ آتے ہوئے یہ دیکھ لیا تھا کہ بکن ہال اسٹریٹ بیکر اسٹریٹ سے ملتی تھی اور اگر ہمارے فلیٹ والی عمارت سے نکلنے کے بعد سلطان شاہ داہنی طرف چل پڑتا تو چند سو قدم کے بعد ہی بیکر اسٹریٹ آجاتی، جہاں داہنی طرف چند قدم کے فاصلے پر ڈاکخانے کے آگے فٹ پاتھ پر پبلک فون بوتھ نصب تھا، میرے خیال میں شون کے لیے وہی قریب ترین بوتھ تھا جہاں سے وہ ہمیں رنگ کرسکتا تھا۔

سلطان شاہ نے میگزین چیک کر کے پستول کی نال پر سائلنسر فٹ کیا پھر میرے مشورے پر اس نے بے ہوش کرنے والی جادوئی کیمیاوی گیس کی ایک گیند بھی جیب میں رکھ لی تاکہ کسی موقع پر آخری حربے کے طور پر استعمال کی جاسکے۔

اپنا پروگرام طے کر کے ہم دونوں بے چینی کے عالم میں وقت گزار رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی اور میں نے جھپٹ کر فوراً ہی ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف سے آنے والی آواز سنتے ہی میرا دل باغ باغ ہوگیا۔ کیونکہ وہ ویرا کی آواز تھی جب کہ مجھے اس کی طرف سے اتنی جلدی کسی رابطے کی امید نہیں تھی۔

"تم کہاں ہو؟ اور کتنی دیر میں یہاں پہنچ سکتی ہو؟" میں نے اس کی آواز پہچانتے ہی سوال کر ڈالا۔

"میں اس وقت بہت مصروف اور عجلت میں ہوں۔ تم سے کل رات سے پہلے ملاقات نہیں ہوسکتی۔" ریسیور میں اس کی سپاٹ آواز ابھری۔ "میں نے صرف یہ معلوم کرنے کے لیے فون کیا ہے کہ تم کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

"ایک ساتھ کئی دشواریاں کھڑی ہوگئی ہیں۔ میں فون پر بات نہیں کرسکتا، وقت نکال کر تھوڑی دیر کے لیے چلی آؤ۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "معاملہ بہت اہم ہے۔"

"سوری ڈارلنگ!" اس کا لہجہ خشک اور حوصلہ شکن تھا۔ "مجھے لندن سے باہر ایک بہت اہم مہم درپیش ہے، میں کل رات سے پہلے ایک منٹ بھی نہیں دے سکتی۔ شام کو ایک ڈاکٹر تمہارے زخموں کے علاج کے لیے آئے گا۔ تم فی الحال آرام کرو اور اپنی ترجیحات کو کل تک کے لیے ملتوی کردو۔"

مجھے اس کے لاتعلقانہ اندازِ گفتگو پر یک بیک غصہ آگیا۔ ایک روز پہلے تک میرے ساتھ ماری ماری پھرنے والی اچانک ہی اتنی مصروف ہوگئی تھی کہ اس نے میرے مطالبے کا سبب جانے بغیر مجھے اگلی رات تک ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے کا مشورہ دے ڈالا تھا۔

"ڈاکٹر کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ میں بھی مصروف ہوں، تھوڑی دیر بعد یہاں نہ مل سکوں گا۔" میں نے طیش کے عالم میں جواب دیا اور اس کی کوئی وضاحت سنے بغیر ریسیور کریڈل پر دے مارا۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے۔" ریسیور رکھ کر میں نے غصے سے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "شی پیں بحالی کی امید ہوتے ہی الو کی پٹھی خود کو پھر سے شوگر کوئین سمجھنے لگی ہے۔"

"غلطی تمہاری بھی ہے۔" سلطان شاہ نے آہستگی سے مجھے سمجھانا چاہا۔ "وہ معاملے کی اہمیت کا اندازہ نہیں لگا سکی۔ اگر تم بھابی کا نام بھی لے لیتے تو شاید وہ دوڑی چلی آتی۔ کیا کہہ رہی تھی تم سے؟"

"لاٹ صاحب کی بچی کل رات سے پہلے وقت نہیں دے سکتی۔ بہت مصروف ہے الو کی پٹھی۔"

"یہ گھٹیا زبان تمہیں زیب نہیں دیتی۔" وہ ملامت آمیز لہجے میں بولا۔ "یہ نہ بھولو کہ اب اس کا مستقبل شی سے ہی وابستہ ہے، ہوسکتا ہے کہ اسے کوئی کام سونپ دیا گیا ہو؟"

اچانک پھر فون کی گھنٹی بجی اور میں نے یہ سمجھتے ہوئے ریسیور اٹھایا کہ دوسری طرف ویرا ہی ہوگی لیکن ادھر سے شون کی آواز آرہی تھی۔

میں نے فوراً ہی ہاتھ ہلا کر سلطان شاہ کو نکل بھاگنے کا اشارہ کیا اور اس نے پھرتی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "کیا سوچا تم نے؟" شون میکارتھی فون پر پوچھ رہا تھا۔

"ہم سمجھ رہے ہیں کہ تم ہمیں بلیک میل کر رہے ہو تمہاری دھمکیوں کے نتائج سے محفوظ رہنے کے لیے شاید ہمیں تمہارے احکام پر عمل کرنا ہی پڑے لیکن تمہیں یہ ضرور بتانا ہوگا کہ تم ہمیں ہیشام بھیج کر کون سا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہو؟" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اس نکتے پر تم پہلے بھی خاصی بحث کر کے میرا وقت برباد کرچکے ہو۔ لہٰذا اب میرا دماغ مت چاٹو۔" اس کی ناگوار آواز سنائی دی۔ "یہ بتاؤ کہ تم تیار ہو یا نہیں؟"

"اس وقت میرا ردعمل اضطراری تھا۔ اب میں ہر بات کے لیے تیار ہوں۔" میں نے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ میرے ذریعے تم کوئی بڑا فائدہ اٹھانا چاہتے ہو اور اگر میں ہیشام جانے سے انکار کردوں تو بھی تم اپنی معلومات پولیس کے حوالے کرنے کی حماقت نہیں کرو گے کیونکہ اس طرح تمہیں ایک پینی بھی نہ مل سکے گی۔"

اس سے گفتگو کرتے ہوئے میرا ذہن سلطان شاہ میں الجھا ہوا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس وقت تک وہ بکن ہال مینشن

سے باہر نکل کر بیکر اسٹریٹ کی طرف کم از کم نصف فاصلہ طے کر چکا ہوگا۔

"یہ تمہاری خام خیالی ہے" اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں تمہاری ذہنیت کو اچھی طرح سمجھ چکا ہوں" میں نے اس کی بے آرامی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ "تم اتنے احمق نہیں ہو کہ محض میرے انکار پر اپنے کسی بڑے فائدے سے دست بردار ہو کر لندن پولیس کے حقیر سے ٹاؤٹ بن کر رہ جاؤ۔"

دوسری طرف سے ریسیور پر ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر وہ بولا۔ "ہیتھسام میں دراصل آج رات کچھ لوگ تم سے اہم معاملات پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ آج کی رات گزر گئی تو تمھیں ایک کوڑی بھی نہیں مل سکے گی اور تم میرے لیے بے مصرف ہو جاؤ گے۔ ایسی صورت میں مجھے پولیس ہی کی مدد کرنا ہوگی کیونکہ یہ ہر اچھے شہری کا فرض ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ فرض تمہاری بنیادوں میں بیٹھ چکا ہے" میری دانست میں سلطان شاہ کو خاصی مہلت مل چکی تھی۔ لہٰذا میں بے خوفی کے ساتھ اس کا مضحکہ اڑانے پر تل گیا۔ "لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ ہیتھسام میں مجھ سے ملاقات کی خواہش رکھنے والے میری کس حیثیت میں دلچسپی لے رہے ہیں؟"

"صرف تمہارا زخمی ہاتھ ہی اُن کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ انھیں نام سے کوئی غرض نہیں" اس نے مکارانہ لہجے میں کہا۔

"تو کیا لوسی اُن ہی کے لیے کام کر رہی ہے؟"

"وہ میری بھانجی ہے۔ ملاقات کا وقت اور طریقۂ کار وہی طے کرے گی۔"

"میں تیار ہوں۔ پولیس کے ہاتھوں بے بس ہو جانے سے بہتر ہوگا کہ میں تمہاری شرائط پوری کر کے اپنا پیچھا چھڑانے کی کوشش کر دوں۔ تو کیا تم ہمیں اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟"

"برٹش ریل سے تم براہِ راست جا سکتے ہو۔ میری کوئی ضرورت نہیں۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "یعنی تم حسبِ معمول ہمارا پیچھا کرو گے؟"

"مجبوری ہے۔" اس کی آواز آئی۔ "تم راستہ بھی تو بھٹک سکتے ہو نا۔"

مزید چند فقروں کے تبادلے کے بعد دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور میں پھرتی کے ساتھ اس تھیلے کی طرف متوجہ ہو گیا جس میں ہتھیار موجود تھے۔

"چائے لے آؤں سر؟" جوڈی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے خلیقانہ انداز میں اُسے ٹالا اور پھر دوسرا پستول اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال کر باہر نکل گیا۔

میری دانست میں اس وقت اندر بیٹھے رہنا خطرناک ہو سکتا تھا جب کہ باہر نکل کر میں شون میکارتھی کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکتا تھا۔ وہ مجھے تنہا دیکھ کر الجھن میں پڑ جاتا اور اس دوران میں سلطان شاہ کو اپنا کام دکھانے کا موقع مل سکتا تھا۔ اگر صورت حال قابو سے باہر ہوتی تو میں سلطان شاہ کی مدد بھی کر سکتا تھا۔

میں فلیٹ سے باہر نکل کر عمارت کے داخلی گیٹ کی طرف بڑھا تو میرا دل آنے والے لمحات کے تصور سے کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا کیونکہ ایک بھری پری شاہراہ سے کسی کا اغوا آسان کام نہیں تھا مگر عمارت سے نکل کر مختصر سے برآمدے کی سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے میرا دل خوشی اور فخر کے جذبات سے لبریز ہو گیا اور قدم سیڑھیوں پر ہی جم کر رہ گئے۔

بیکر اسٹریٹ کی سمت سے سلطان شاہ شون میکارتھی کے پہلو بہ پہلو چلا آ رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ جیب میں تھا اور شون کے چہرے پر برہمی اور جھلاہٹ کے آثار دور ہی سے دیکھے جا سکتے تھے۔

میں تیزی کے ساتھ واپس پلٹا اور اپنے فلیٹ کی گھنٹی دبا دی۔ انٹر کام پر فوراً ہی جوڈی کی استفہامیہ آواز سنائی دی تھی۔ میں نے اپنا مفروضہ نام دہرایا تو فوراً ہی بزر کی ہلکی آواز گونجنے لگی جس کا مطلب تھا کہ دروازے کا برقی قفل کھول دیا گیا تھا۔ میں نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھول لیا اور ان دونوں کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

"خوش آمدید شون!" ان دونوں کے قریب آنے پر میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "امید ہے کہ ہمارا یہ ہلکا پھلکا مذاق تمھیں پسند آیا ہوگا۔ ہم آنکھ مچولی کے بجائے آمنے سامنے کا کھیل زیادہ پسند کرتے ہیں۔"

اس نے مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورا۔ اگر اسے سلطان شاہ نے پستول کی زد پر نہ لیا ہوا ہوتا تو وہ یقیناً ڈیوڑھی میں ہی مجھ سے الجھ پڑتا۔

جوڈی نے ہم تینوں کا حیرت کے ساتھ استقبال کیا تھا اور ہمارے اندر داخل ہوتے ہی پھرتی کے ساتھ دروازہ بند کر دیا تھا۔ وہ گھریلو خادمہ ضرور تھی لیکن دیریا اس کے آدمیوں کے ساتھ کام کرنے کی وجہ سے ایسے غیر معمولی حالات کی عادی نظر آتی تھی جو عام عورتوں کے لیے خوف کا باعث بن سکتے تھے۔

فلیٹ کی محفوظ چار دیواری میں گھستے ہی میں نے اپنا پستول جیب سے نکال لیا تھا۔ تمام کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے اس لیے عمارت کے کسی حصے سے ہمارے دیکھے

تھا۔
جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

ایک کمرے میں پہنچتے ہی میرے اشارے پر سلطان شاہ نے شون میکارتھی کی جامہ تلاشی لے ڈالی اور وہ نفرت کے اظہار کے باوجود ذرا بھی مزاحمت نہ کر سکا۔ اس کے پاس سے ایک پستول کے علاوہ کچھ رقم بھی برآمد ہوئی لیکن اُسے بے نقاب کرنے میں وہ پھولا ہوا لفافہ معاون ثابت ہوا جس میں مختلف لوگوں کی ایسی تصاویر موجود تھیں جن کے دباؤ میں وہ اپنی حیثیت کے اندر ہر مطالبے کے سامنے جھک سکتے تھے۔ کچھ پرانے اور بوسیدہ خطوط بھی تھے جنھیں پڑھے بغیر ان کے متن کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی تھی کہ وہ چند اشیا شون کے وسیع خزانے کا عشرِ عشیر بھی نہیں تھیں۔ شاید وہ انھیں کسی فوری مقصد کے حصول کے لیے اپنے ساتھ لندن لے آیا تھا۔

سلطان شاہ نے میرے کسی مشورے کا انتظار کیے بغیر ان سب تصویروں کے پُرزے پُرزے کر دیے۔ شون نے اضطراری طور پر اس کی طرف بڑھنا چاہا تھا لیکن میں نے للکار کر اسے اپنی جگہ جمے رہنے پر مجبور کر دیا۔

"اب اپنے بارے میں سب کچھ اُگلتے چلے جاؤ ورنہ چیتھڑے اڑا دیے جائیں گے اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہو سکے گی کہ تم کہاں دفن کیے گئے ہو۔" میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی: "ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔ میں کہتا ہوں کہ مجھے جانے دو، ورنہ تم بہت بڑے خسارے میں رہو گے۔ میں کچا کھیل کبھی نہیں کھیلتا۔"

سلطان شاہ نے جھپٹ کر پوری قوت سے اس کے مُنہ پر تھپڑ رسید کر دیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اور قالین پر خون تھوکتے ہوئے غرایا: "میں یہ بدلے گن گن کر چکاؤں گا۔"

"تم جس زعم میں ہو وہ خاک میں ملنے والا ہے۔" میں نے اس کے اعتماد کو ختم کرنے کی نیت سے کہا: "ہمیں علم ہے کہ لڑکی تمھاری قید میں ہے، مگر اب یہ کھیل ختم ہو جائے گا۔"

میرے الفاظ پر اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی کے آثار اُبھر آئے: "کس لڑکی کی بات کر رہے ہو؟" اس نے بے پروایانہ لہجہ اختیار کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"وہی جس سے تم ہماری شناخت کرانا چاہتے ہو۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا: "اور میں یہ بھی جاننا چاہوں گا کہ تم نے اس کے ساتھ ہمارا تعلق کیسے قائم کر لیا؟"

غالباً اس کا سارا اعتماد اسی ایک نکتے کے سہارے تھا کہ غزالہ ہیتشام میں لوسی کی تحویل میں تھی لیکن میری زبان سے اس کا ذکر سُننے کے بعد وہ شکست خوردہ سا نظر آنے لگا۔ اس نے مزاحمت کی سخت کوشش کی لیکن جوڈی کی فراہم کی ہوئی مضبوط ڈوری کے ذریعے اُسے بے دست و پا کر کے سلطان شاہ نے اس کے مُنہ میں کپڑا ٹھونسا اور اس پر تھوڑا سا تشدد کیا تو وہ زبان کھولنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس کے ہتھیار ڈالنے پر اس کے مُنہ سے کپڑا نکال دیا گیا۔

اس کے بارے میں غزالہ کی رائے سو فیصد درست نکلی۔ اُسے اپنا قیدی بنانے کے بعد جب شون نے غزالہ کے قبضے سے پانچ ہزار پاؤنڈ سے زیادہ رقم برآمد کی تو اس کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ وہ غزالہ کے ساتھی کو بھی یرغمال بنا کر ورثا سے تاوان میں بھاری رقم وصول کر سکے گا۔ اسی لالچ میں وہ فوراً لندن روانہ ہو گیا۔ وہاں پارک ہوٹل میں مجھے اور سلطان کو دیکھتے ہی اس کے ذہن میں ایک نیا منصوبہ جاگ اُٹھا۔

غزالہ نے سلطان کا حُلیہ محض زبانی طور پر سمجھایا تھا جس کے مطابق شون نے سلطان کو پہچان تو لیا مگر وہ پھر بھی غزالہ کی تصدیق ضروری سمجھتا تھا۔ اسی کے ساتھ میرا جیب میں پوشیدہ زخمی ہاتھ بھی اس کی دلچسپی کا مرکز بن گیا کیونکہ وہ اخبارات میں ڈیوڈ ڈایولنگ کے قتل کی تفصیلات پڑھ چکا تھا جسے ٹوٹے ہوئے دھار دار شیشے سے بُری طرح ادھیڑا گیا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ پچھلے چند دنوں سے شہر میں جو خونریزی ہو رہی تھی، اس کی وجہ سے ہیروئن کی تجارت پر بالادستی رکھنے والے لندن کے زیرِ زمین حلقے خاصی تشویش میں مبتلا تھے اور اپنے حریف کے کسی آدمی پر ہاتھ ڈالنے کے لیے پوری طرح کوشاں تھے۔ شون میکارتھی کی معلومات کے مطابق ڈیوڈ ڈایولنگ ان ہی ہیروئن فروشوں کا کارندہ تھا اور وہ لوگ ڈیوڈ کے قاتل کے بارے میں معلومات کی بھاری قیمت ادا کر سکتے تھے۔ لہٰذا شون میکارتھی نے ہمارے پارک ہوٹل سے نکلتے ہی ڈیوڈ ڈایولنگ کے قاتل کے حوالے سے اس گروہ کے ایک آدمی سے رابطہ قائم کیا اور اس نے فوری طور پر میری قیمت بیس ہزار پاؤنڈ مقرر کر دی اور شون نے اس کو رات گیارہ بجے ہیتشام کے واحد پب میں ملنے کا پیغام دے کر ہوٹل چھوڑ دیا اور ہمارے پیچھے ہو لیا۔

اس طرح وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے کے چکر میں تھا۔ ایک طرف غزالہ اور سلطان کو یرغمال بنا کر بھاری تاوان وصول کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا اور دوسری طرف مجھے بیس ہزار پاؤنڈ میں فروخت کرنا چاہتا تھا۔ اُسے امید تھی کہ ہیتشام میں مجھے اپنا قیدی بنانے کے بعد وہ ڈیوڈ کے آدمیوں سے سودے بازی کر کے معاوضے کی رقم بڑھوانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس کا کھیل بالکل سیدھا سادا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ

پارک ہوٹل میں ہم سے ملاقات کی صورت میں اس کی لاٹری نکل آئی تھی۔ اس پورے قصے میں میری یا غزالہ کی شناخت کا کہیں ذکر نہیں تھا اور مجھے امید تھی کہ ڈیوڈ کے ساتھی میرے معاملے میں زیادہ احتیاط یا تیاری نہیں کریں گے۔

میرا خیال تھا کہ وہ لوگ لندن بلکہ برطانیہ میں خاصے طاقتور تھے اور اگر شون میکارتھی پروگرام کے مطابق رات کے گیارہ بجے ان کے آدمی سے ہیشام کے پب میں نہ ملتا تو وہ اس کے مکان پر پہنچ سکتے تھے۔ یہاں میں تو ان کے ہاتھ نہ آتا لیکن غزالہ اُن کے قبضے میں چلی جاتی۔

پاکستان میں تنظیم کے حلقے غزالہ کے لہو کے پیاسے تھے اور شاید لندن میں شی کے اعلیٰ ذمے دار اس کے وجود ہی سے لاعلم تھے کیونکہ وہ پاکستان کا ایک مقامی معاملہ تھا لیکن مجھے خدشہ تھا کہ کہیں داؤد نے میرے خلاف اپنی کہانی میں زور پیدا کرنے کے لیے شی کی سُپریم کونسل کو غزالہ کے کوائف اس کی تصویر سمیت مہیا نہ کر دیے ہوں۔ ایسی صورتِ حال میں میں لندن میں بیٹھ کر ڈیرا کے فارغ ہونے کے انتظار میں وقت برباد نہیں کر سکتا تھا۔ ہمیں اوّلین فرصت میں غزالہ کو شون میکارتھی کے مکان سے نکالنا تھا تاکہ وہ ناقابلِ تصور مظالم سے محفوظ رہ سکے۔

شون میکارتھی ہماری تحویل میں بالکل بے بس تھا۔ اس کا گھناؤنا کردار بھی سامنے آ چکا تھا لیکن ڈیرا سے مشورہ کیے بغیر میں اُسے فلیٹ میں ختم کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اوّل تو مجھے یہ علم نہیں تھا کہ جوڈی کس حد تک قابلِ اعتماد تھی۔ مار دھاڑ کے مناظر کو سہہ لینا اور بات تھی لیکن ایک تندرست اور توانا مرد کو بے جان لاش میں تبدیل ہوتے دیکھ کر مضبوط اعصاب کی مالک بیشتر عورتیں بھی بے اختیار چیخنا شروع کر سکتی تھیں پھر اس فلیٹ سے لاش کو ٹھکانے لگانے کا مسئلہ تھا جو کم از کم میرے بس سے باہر تھا۔ ڈیرا ہی اس کا بندوبست کر سکتی تھی ورنہ وہ لاش اسی فلیٹ میں پڑی سڑتی رہتی حتیٰ کہ ایک دن قرب و جوار میں رہنے والے تعفن کی بنا پر پولیس کو ادھر متوجہ کر سکتے تھے۔

شون میکارتھی سے سب کچھ اگلوا لینے کے بعد میرا اشارہ پا کر سلطان شاہ نے دوبارہ اس کے دہانے میں حلق تک کپڑا ٹھونس دیا اور شون اس غلط فہمی میں مبتلا نظر آ رہا تھا کہ شاید ہم اُسے آزاد ہی کر دیں گے۔

میں نے ٹہلتے ہوئے شون کے قریب جا کر جونہی اس کی کنپٹی پر پستول کا دستہ رسید کیا بوڑھی جوڈی راہداری سے اچانک کھلے ہوئے دروازے کے وسط میں آ گئی۔

"سر! کیا آپ اِسے مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" اس کے ہونٹوں سے کپکپاتی ہوئی آواز نکلی۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا اور خوف سے پھیلی ہوئی آنکھیں شون کے بدن پر مرکوز تھیں، جو ساکت ہو چکا تھا۔

"فی الحال تو بے ہوش کیا ہے۔ جا ہوگی تو مار بھی دیں گے۔" میں نے اس کے قریب جا کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرم لہجے میں سرگوشی کی اور وہ مجھے یوں دیکھنے لگی جیسے اُسے میری دماغی صحت پر شبہ ہو رہا ہو۔

"یہاں مارنے کے بعد لاش کا کیا ہو گا؟" اس نے منمناتی ہوئی تشویش زدہ آواز میں پوچھا اور مجھے خوشی ہوئی کہ اُسے خونریزی کے بجائے صفائی کی زیادہ فکر تھی۔

"یہ مکان میری مستقل رہائش گاہ ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "اگر آپ اسے مار کر یہیں سڑنے کے لیے چھوڑ گئے تو میں کب تک یہاں رہ سکوں گی؟"

"تمھیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اُسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم ایک دلیر عورت ہو۔ ہم اسے یونہی باندھ کر اس کمرے سے ملحق باتھ روم میں ڈال جائیں گے۔ اس کے مُنہ میں کپڑا ٹھنسا رہے گا۔ یہ بہت بدذات آدمی ہے۔ اِسے کھانے پینے کے لیے کچھ دینے کی ضرورت نہیں۔ تم جس کسی کی تنخواہ دار ہو جب وہ رجوع کرے تو اُسے ہمارے چھوڑے ہوئے قیدی کے بارے میں بتا دینا۔"

"اِسے چھوڑ کر کیا آپ چلے جائیں گے سر؟" اس نے نیاز مندانہ انداز میں سوال کیا۔

"ہم کل تک واپس لوٹ آئیں گے۔ نہ لوٹ سکے تو ہمارا انتظار مت کرنا۔"

"مجھے آپ لوگوں کی خصوصی خبرگیری کی ہدایت دی گئی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ ایک رات بھی اس چھت کے نیچے نہیں گزاریں گے۔ ہو سکے تو اپنی روانگی صبح تک ملتوی کر دیں۔" وہ خوشامدانہ انداز میں بولی۔

"ہمارا آج رات ہیشام پہنچنا ضروری ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "واپسی پر یہیں قیام کریں گے۔ بس تم ذرا قیدی کی طرف سے ہوشیار رہنا۔ اس کی بندشیں مضبوط ہیں لیکن تمھیں عمر رسیدہ عورت سمجھ کر وہ شیر ہو سکتا ہے۔ اس سے دور ہی دور رہنے کی کوشش کرنا۔"

"میں بہت نرم دل ہوں سر!" وہ گردن جھکا کر بولی۔ "اِسے بھوکا پیاسا نہ دیکھ سکوں گی۔ اس کے مُنہ میں ٹھنسے ہوئے کپڑے پر وقفے وقفے سے اسکاچ یا برانڈی ڈالتی رہوں گی تاکہ اس کا حلق تر ہوتا رہے۔۔۔!"

"تم جانو۔" میں نے اُسے تنبیہہ کرتے ہوئے کہا: "اگر ایک بار اس نے کسی ترکیب سے تمہیں گرالیا تو محض ٹکریں مار مار کر ہی تمہاری جان ہلکان کردے گا۔"

"آپ فکر نہ کریں سر!" وہ مسکراتے ہوئے اپنے ایپرن کی جیب سے ایک تیز دھار چھری نکالتے ہوئے بولی: "اس کے قریب جاتے ہوئے یہ میرے ہاتھ میں رہے گی۔ اس نے ذرا بھی مکاری دکھانے کی کوشش کی تو بے دریغ اس کی نوک اس کے دل میں بھونک دوں گی۔"

میں اس نرم دل بڑھیا کو گھور کر رہ گیا۔ بظاہر معصوم اور نرم خو نظر آنے والی وہ عورت اندر سے بہت سنگدل اور سفاک واقع ہوئی تھی اور کیوں نہ ہوتی۔ آخر کو وہ بھی ویرا ہی کے زیر سایہ رہ رہی تھی جو سرد مہری کے ساتھ انسانی لہو سے ہولی کھیلنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔

مجھے خوشی ہوئی کہ میں شون میکارتھی کو کسی سادہ لوح عورت پر بوجھ بنا کر نہیں جارہا تھا۔ وہ اپنے کام سے بہت اچھی طرح واقف معلوم ہوتی تھی۔

اُسے دس پاؤنڈ ٹپ دے کر ہم دونوں نے وہ فلیٹ چھوڑ دیا۔

☎

ہم اس قصبے میں پہنچے تو وہاں رات ڈیرے ڈال چکی تھی۔ آسمان ابرآلود تھا اور دھیمی دھیمی خنک ہوا ناقابلِ بیان سُرور دے رہی تھی۔ لندن کے بھرپور مشینی ماحول کے برعکس وہاں کی فضا نہ صرف صاف ستھری اور غیر آلودہ تھی بلکہ شور و غل نہ ہونے کی بنا پر ہر طرف سکون کا سمندر لہریں لے رہا تھا۔

شاید قصبے کا وسطی حصہ گنجان رہا ہو لیکن ہم جس علاقے میں کوچ سے اُترے وہ خاصا پُرسکون تھا۔ وسیع و عریض قطعاتِ اراضی پر مکانات ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع تھے۔ بیشتر مکانات کی کھڑکیاں تاریک پڑی ہوئی تھیں، البتہ احاطوں یا پھاٹکوں پر اکا دکا روشنیاں جل رہی تھیں۔ کافی فاصلے پر کسی مکان کی چند کھڑکیوں کے پیچھے روشنی چمک رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ عام دیہی آبادیوں کی طرح ہیشام کے رہنے والے بھی رات گئے تک جاگ کر اپنی صحت خراب کرنے کے عادی نہیں تھے۔

لندن سے روانہ ہونے سے پہلے ہم نے .... ریلوے اسٹیشن کے ایک پبلک بوتھ میں ہینگر سے ٹکی ہوئی ٹیلی فون ڈائریکٹریوں کی مدد سے شون میکارتھی کے گھر کا پتا نوٹ کرلیا تھا کیونکہ ہیشام میں اس نام کے ایک ہی شخص کا فون نمبر ڈائریکٹری میں درج تھا اور وہ وہی نمبر تھا جو شون نے مجھے لوسی سے رابطے کے لیے دیا تھا۔ ہمارے لیے ہیشام بالکل اجنبی قصبہ تھا۔ لہٰذا مانچسٹر سے کوچ میں روانہ ہوتے ہوئے میں نے دانستہ ایک ایسی نشست کا انتخاب کیا جہاں پہلو والی نشست پر ایک عمر رسیدہ شخص اپنے ہاتھ میں مفت سفری پاس تھامے پہلے سے براجمان تھا۔

برطانوی معاشرے میں بوڑھوں کے ساتھ جوان نسل کی بے رحمانہ لاتعلقی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ ٹیکس دینے والوں میں عام طور پر یہ رُجحان پایا جاتا تھا کہ ہر شخص کو اپنی جوانی کا دور اپنی پسند اور مرضی کے مطابق گزارنے کا حق حاصل ہے اور بوڑھوں کو اپنی بے جا آرزوؤں اور آسائشوں کے لیے جوانوں پر ہرگز بوجھ نہیں بننا چاہیے کیونکہ وہ اپنی زندگی کی ساری بہاریں پہلے ہی نچوڑ چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے ازکار رفتہ بوڑھوں کی پرورش سراسر سرکار کی ذمے داری تھی جو برسرِ روزگار لوگوں سے ٹیکسوں کی خطیر رقوم جمع کرتی تھی۔

اس پس منظر میں میری خوش اخلاقی نے اس معمر شخص کو خاصا متاثر کیا اور اس کے چہرے پر چھائی ہوئی بیزاری یکلخت کافور ہوگئی۔ ایک بار جمود ٹوٹنے کے بعد میرا کام سہل ہوگیا کیونکہ وہ شخص ہیشام سے چند میل آگے ہی رہتا تھا اور مانچسٹر میں اپنی اکلوتی بیٹی سے ملاقات کی کوشش میں ناکام رہنے کے بعد واپس جارہا تھا۔

وہ ہیشام سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے لوسی کا پتا دیکھ کر مجھے اس حد تک راستہ ذہن نشین کرادیا تھا کہ بس سے اترنے کے پندرہ منٹ بعد ہی ہم مطلوبہ مکان کے سامنے پہنچ گئے جہاں وسیع احاطے کے وسط میں قدیم طرز کا ایک دو منزلہ مکان اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور چوبی پھاٹک پر دو برقی لیمپ روشن تھے۔

میں نے سست رفتاری سے مکان کے قریب سے گزرتے ہوئے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو ابھی گیارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔

"میرا خیال ہے کہ آگے سے گھوم کر پہلو کی دیوار سے اندر کود جانا چاہیے۔" سلطان شاہ نے میرے بائیں پہلو کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ "اس طرف گہری تاریکی کا راج ہے۔"

"احاطہ اس قدر وسیع اور تاریک ہے کہ اندر پوری پلاٹون بھی چھپی ہوئی ہو تو باہر سے کچھ اندازہ نہیں ہوسکتا۔" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔ "کہیں اندر ہمارے لیے چوہے دان تیار نہ ہو۔"

"گیارہ بجے تک میدان صاف ہوگا۔" سلطان نے پیش قدمی

جاری رکھتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا: "مقررہ وقت تک پب میں شون کا انتظار کیا جائے گا۔ اس کے بعد کچھ ہونے کا امکان ہے۔ ہمیں اس سے پہلے ہی اندر گھس کر پوزیشن سنبھال لینا چاہیے۔"

"پوزیشن!" میں بے اختیار ہنس دیا۔ "دو پستولوں اور دو گیندوں کے سوا رکھا ہی کیا ہے تمھارے پاس جو اندر پوزیشن سنبھالو گے؟ آدھے گھنٹے میں سارا میگزین ختم ہو جائے گا۔"

"میرا مطلب تھا ہمیں بھابی تک پہنچنا چاہیے!" اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا: "ایک بار چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی تو ہم اندر پھٹک بھی نہ سکیں گے۔"

اس وقت صورتِ حال نہایت سنسنی خیز ہو چکی تھی۔ سامنے لوسی کا تاریکی میں ڈوبا ہوا مکان کسی آسیبی ہیولے کی طرح تاریکی میں تاریک تر نظر آ رہا تھا اور اسی مکان کے کسی کمرے میں غزالہ قید تھی جسے میں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا لیکن وہ ایک مدت سے مجھ سے بچھڑی ہوئی تھی اور اپنی بقا کے کئی خونریز معرکوں میں سرخرو ہونے کے بعد آخر کار لوسی کی قیدی بن گئی تھی۔ لوسی کے فون پر میں غزالہ سے گفتگو کر چکا تھا اور اس کی آخری چیخ کی گونج میرے ذہن میں ابھی تک باقی تھی۔ اس کی آزادی کی مہم بظاہر چند لمحوں کی بات نظر آ رہی تھی۔ لوسی کتنی بھی دلیر اور بے خوف رہی ہو لیکن وہ ایک عورت تھی۔ پھر تنہا بھی رہ گئی تھی کیونکہ اس کا رازدار اور ساتھی ہیمن ہال مینشن کے ایک فلیٹ میں ایک سفید فام بڑھیا کے رحم و کرم پر بے دست و پا پڑا ہوا تھا۔

لیکن اسی کے ساتھ مجھے ان لوگوں کا خوف بھی دامن گیر تھا جو میرے خریدار تھے۔ وہ شون میکارتھی کو ایک خطیر رقم کی پیشکش کر چکے تھے اور میرا پختہ اندازہ تھا کہ وہ لوگ بھی اس وقت ہیشام کی کھلی فضا میں خون آشام بھیڑیوں کی طرح سرگرم تھے۔ وہ میری اصلیت یا لوسی کے مکان میں غزالہ کے وجود سے بے خبر تھے۔ انھیں زخمی ہاتھ والے اس شخص کی تلاش تھی جس نے ان کے ساتھی ڈیوڈ ایولنگ کو بے رحمی کے ساتھ قتل کیا تھا۔

احاطے کے پہلو میں پہنچنے تک میں سلطان کی رائے سے متفق ہو چکا تھا۔ اگر ایک بار ڈیوڈ کے ساتھی درمیان میں حائل ہو جاتے تو نہ ہم غزالہ تک پہنچ سکتے تھے نہ وہ بارود کی برسات سے بچ کر نکل سکتی تھی۔

عجلت میں ہم سے ایک چوک ہو گئی۔ سلطان شاہ کی آواز سنتے ہی میں اپنے خیالات کی محویت سے یوں چونکا جیسے میرے کان کے قریب ہی گولی داغ دی گئی ہو۔

"ہمیں مانچسٹر سے ایک مرتبہ پھر ہیشام فون کر لینا چاہیے تھا تاکہ تازہ ترین صورتِ حال کا اندازہ ہو جاتا۔" اس نے تھوڑے سے وقفے کے بعد تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ ایک اتفاق ہی تھا کہ غزالہ کے کمرے والے فون پر رِنگ لگا رہ گیا۔ اس کی چیخ سنتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ لوسی واپس پہنچ گئی ہو گی۔ ایسے اتفاقات بار بار رونما نہیں ہوا کرتے۔" میں نے کہا۔

"ضروری تو نہیں تھا کہ تم غزالہ کے شناسا بن کر ہی فون کرتے۔ شون ابھی تک ہیشام نہیں پہنچا۔ تم اس کے دوست بن کر لوسی کو اس کا کوئی پیغام دینے کے ساتھ ہی صورتِ حال بھی دریافت کر سکتے تھے۔"

اس بار بھی اس کی بات معقول تھی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ پہاڑوں کی سرزمین پر جنم لینے اور پروان چڑھنے والا سلطان شاہ کھلی فضاؤں کا آدمی تھا۔ شہروں میں شاید وہ احساسِ کمتری کا شکار ہو کر اپنی صلاحیتوں سے کسی حد تک محروم ہو جاتا تھا مگر فطری ماحول میسر آتے ہی اس کا دماغ پوری طرح کام کرنے لگتا تھا۔

لیکن اس کی تجویز پر عمل کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں دھیمے دھیمے گیارہ کی طرف سرک رہی تھیں۔ اب اتنا وقت نہیں رہ گیا تھا کہ ہم سرِشام خوابیدہ ہو جانے والے قصبے میں لوٹ کر کہیں سے لوسی کو فون کرتے۔ ہمارے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی اور فیصلہ کن تھا جسے ضائع کر کے ہم مجرمانہ کوتاہی کے مرتکب ہوتے۔

احاطے کی دیوار کے ساتھ چلتے چلتے ہم رک گئے کیونکہ اس طرف اوپر کی چند اینٹیں گری ہوئی تھیں۔

"آگے بڑھو۔ اندر کوئی موجود ہوا تو دیوار کے اس حصے پر ضرور نگاہ رکھے گا۔" سلطان شاہ نے میرے پہلو سے ہو کر سرگوشی کی مگر میں وہیں جما رہا۔

"میرا بایاں ہاتھ زخمی ہے۔ ایک ہاتھ کے سہارے میرے لیے دیوار پھاندنا دشوار ہو گا۔" میں نے بھی سرگوشیانہ لہجے میں اسے یاد دلایا۔ "پہلے میں اندر اتروں گا۔ کوئی خطرہ دیکھو تو تم لوٹ کر نکل جانا۔"

وہ کچھ نہ بولا اور میں نے زمین سے ایک پتھر اٹھا کر احاطے کے اندر اچھال دیا۔ اندر زمین پر پتھر گرنے کی آواز رات کے گہرے سناٹے میں بہت نمایاں تھی لیکن اس کے جواب میں ہر طرف گہرا سکوت چھایا رہا۔

چند ثانیوں کے روح فرسا انتظار کے بعد میں نے ٹوٹی ہوئی دیوار کے سرے پر داہنا ہاتھ جماتے ہوئے اپنا بدن اوپر اٹھانا چاہا مگر ناکام رہا اور سلطان شاہ نے جھک کر اچانک ہی اپنی کھوپڑی میری ٹانگوں کے درمیان سے گزاری اور میرا

بوجھ اپنے شانوں پر سہار لیا۔ اپنی مجبوری کی بنا پر میں خاموش ہی رہا۔ میرے لیے یہی تدبیر آسان اور قابلِ عمل تھی۔

میرے اشارے پر سلطان شاہ نے آہستہ آہستہ اوپر اٹھنا شروع کر دیا۔ میں نے دیوار کے پار اندھیرے کی چادر میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ پھر میرا اشارہ پاتے ہی سلطان شاہ یکلخت سیدھا کھڑا ہوگیا۔ میں دیوار کے سرے پر سینے کے بل لیٹ کر اس کے شانوں سے شکستہ اینٹوں پر پلٹتا ہوا پنجوں کے بل اندر کود گیا۔

میں کچی زمین پر اندھیرے میں کئی سیکنڈ تک یونہی بے حس و حرکت اکڑوں بیٹھا رہا۔ زمین سے پیر لگتے ہی میں نے جیب سے پستول نکال لیا تھا لیکن میری پیدا کی ہوئی دھمک کے بعد بھی ہر طرف قبرستان کا سناٹا سا چھایا رہا۔ اس وقت میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اور دورانِ خون یک بیک تیز ہوگیا تھا۔

میں نے اٹھ کر ہلکی سی آواز میں سلطان شاہ کو اشارہ دیا۔ اور وہ کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ دیوار پر سے ہوتا ہوا اندر آگیا۔ وہیں رک کر اس نے بھی اپنا پستول نکال لیا۔ فاضل راؤنڈز اور میگزین ہم پہلے ہی آپس میں تقسیم کر چکے تھے۔ البتہ کیمیاوی گیس کی دونوں گیندیں میرے پاس تھیں۔ میں نے ان میں سے ایک گیند سلطان شاہ کے حوالے کر دی تاکہ ایک دوسرے سے بچھڑ جانے کی صورت میں دونوں ہی آزادانہ طور پر اپنا دفاع کر سکیں۔

"اپنی رسٹ واچ اتار کر جیب میں ڈال لو۔" سلطان شاہ نے مجھے چوپایوں جیسی پوزیشن لیتے دیکھ کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "اندھیرے میں ریڈیم ڈائل دور ہی سے دیکھ لیا جائے گا۔"

رسٹ واچ جیب میں ڈال کر میں چوپائے کی طرح محتاط انداز میں عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔ بائیں ہاتھ کے زخموں میں گو تکلیف کم ہوگئی تھی مگر پھر بھی مجھے پیش قدمی کے لیے محض ہتھیلی کے سرے پر زور دینا پڑ رہا تھا کیونکہ پوری ہتھیلی میرا وزن سہارنے کے قابل نہیں تھی۔

سلطان شاہ نے مجھ سے کئی فٹ دور رہ کر اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ اس لیے تاریک عمارت کے عقب میں پہنچ کر مجھے لمحہ بھر کے لیے اس کا انتظار کرنا پڑا اور پھر ہم دونوں دیوار سے چپک کر کھڑے ہوگئے۔ اس وقت آسمان پر چھائے ہوئے گھرے سیاہ بادل ہمارے لیے ایک نعمت سے کم نہیں تھے اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ہم غزالہ کو لوسی کی قید سے نجات دلا کر شاید اسی آسانی کے ساتھ واپس بھی ہو لیں۔

اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہم دیوار سے چپکے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ اس طرف ہماری راہ میں کئی کھلی ہوئی کھڑکیاں حائل ہوئیں لیکن چوبی فریم پر جڑی ہوئی مضبوط آہنی گرل ہر جگہ سدِ راہ بنی ہوئی تھی۔ البتہ میں نے یہ نوٹ کر لیا تھا کہ ان کھڑکیوں کے اس پار اندھیرے میں گہرا سکوت طاری تھا۔ حتیٰ کہ غور کرنے پر کسی کے سانس لینے کی آواز تک نہیں سنائی دی تھی، جس کا مطلب تھا کہ اس مکان میں زیادہ افراد سے سامنا ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

آخر کار ایک کوڑے دان کے قریب مجھے رکنا پڑ گیا۔ کوڑے دان دیوار کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اس سے آگے تین پختہ زینے تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی بغلی دروازہ تھا۔ کوڑے دان سے اٹھنے والی خورد و نوش کی اشیاء کی ہلکی ہلکی مانوس بو کی بنا پر میرا خیال تھا کہ وہ دروازہ باورچی خانے کا ہو سکتا ہے۔

میں کوڑے دان کے پاس دیوار سے چپکا کھڑا تھا کہ سلطان شاہ اچانک ہتھیلیوں اور گھٹنوں کے بل چلتا ہوا میرے قریب سے گزر گیا۔ مختصر سی سیڑھیوں کے قریب رک کر اس نے چوبی دروازے کے نچلے حصے پر ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ ڈالا اور پھر وہ اچانک ہی سیڑھیوں پر سے زقند لگا کر عمارت میں تحلیل ہوگیا۔

میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ وہ رات ہمارے لیے ہر اعتبار سے مبارک ثابت ہو رہی تھی۔ شگون ہیکارتھی کی شکست سے یروشلم تک ہر جگہ ستارے یاوری کرتے نظر آرہے تھے۔

میں نے قدرے آگے جھک کر اندر کی سمت کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا پھر خود بھی لپک کر اسی تاریک خلا میں گھس گیا۔ سلطان شاہ اندر دیوار سے لگا یوں ہانپ رہا تھا جیسے میلوں دور سے دوڑتا ہوا وہاں تک پہنچا ہو۔ اندر گھستے ہی میری ناک سے ٹکرانے والے مانوس بو کے جھونکے نے میرے اس اندازے کی تائید کر دی تھی کہ وہ لوسی کے مکان کا باورچی خانہ ہی تھا اور اس وقت ویران پڑا ہوا تھا۔

میں نے آہستگی کے ساتھ دروازے کا پٹ بند کر دیا اور اس سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے دروازہ بولٹ کرنے کا خیال آیا تھا جسے میں نے فوراً ہی ترک کر دیا۔ اگر لوسی اتنی بے خوف ہو سکتی تھی کہ دروازہ کھلا چھوڑ کر سو سکتی تھی تو ہمیں اس سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا؟ دوسری طرف کسی ہنگامی صورتِ حال میں وہ کھلا ہوا دروازہ ہمیں وقت ضائع کیے بغیر فرار میں مدد دے سکتا تھا۔

اچانک ایک غیر معمولی مشینی آواز سن کر میں تقریباً اچھل پڑا لیکن پھر فوراً ہی پُرسکون بھی ہوگیا کیونکہ وہ قریب ہی رکھے ہوئے ریفریجریٹر کے کمپریسر کے چلنے کی آواز تھی جو مقررہ درجۂ حرارت برقرار رکھنے کے لیے خود کار نظام کے تحت رکتا اور

چلتا رہتا ہے۔

ہمیں اپنی اپنی جگہ کھڑے تقریباً آدھا منٹ گزر گیا۔ آخر تاریکی میں سلطان شاہ کا ہیولا حرکت میں آیا اور اس نے میرے قریب آکر سرسراتی ہوئی آواز میں دروازہ بولٹ کرنے کا مشورہ دیا۔

"فرار کا راستہ کھلا رہنا چاہیے۔ اندر جانے کیا صورت حال پیش آئے؟" میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"تم گیارہ بجے والوں کو بھول رہے ہو۔ دروازہ کھلا رہا تو وہ بھی ادھر سے ہی اندر گھسیں گے۔"

میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ غالباً گیارہ بج رہے تھے اور شاید یہی پب بند ہونے کا وقت تھا۔ وہاں ڈلیوڈ کے حامیوں میں سے جو بھی آیا تھا، شون کے نہ آنے پر غصے اور مایوسی کے عالم میں اس کے مکان ہی کا رخ کرتا۔ اس لیے اس کے عمارت میں داخلے کی راہیں مسدود کرنا اپنے فرار کا راستہ کھلا رکھنے سے زیادہ اہم تھا۔

میں نے ٹٹول کر آہستگی اور احتیاط سے دروازے کا بولٹ چڑھا کر اندر سے کنڈی بھی لگا دی۔ اس اثناء میں ہماری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں۔ دوسرے دروازے کا تعین کر کے ہم دونوں پنجوں کے بل آگے بڑھنے لگے۔

وہ عمارت بہت زیادہ طویل و عریض نہیں تھی لیکن اندھیرے کے باعث ہمارے لیے بھول بھلیاں بن کر رہ گئی۔ کہیں بھی روشنی کرنے کا خطرہ مول لیے بغیر ہم بڑھتے رہے۔ دو کمروں میں ہم دو مرتبہ گھسے اور اپنی دانست میں نچلی منزل کے ویران کمروں کا جائزہ مکمل کر کے اوپر جانے والے زینوں کی طرف ہو لیے۔

عمارت میں اس وقت تک زندگی کے کوئی آثار نہیں ملے تھے جس کی وجہ سے مجھے وحشت ہونے لگی تھی۔ پھر گراؤنڈ فلور پر کوئی بھی ایسا کمرہ دریافت نہیں ہو سکا تھا، جہاں کسی کو اس کی مرضی کے خلاف قید کیا جا سکے۔ ہر کمرے میں باہر کی سمت میں کھلنے والی ایسی کھڑکیاں اور روشندان موجود تھے کہ قیدی ذرا سی چیخ و پکار سے قرب و جوار کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا تھا۔

نچلی منزل کے جائزے کے بعد مجھے قطعی امید نہیں تھی کہ اوپر کوئی قید خانہ دریافت ہو سکے گا اور ہوا بھی یہی۔ کیونکہ زینوں کے اختتام پر ایک وسطی ہال کے تین طرف چار کمرے بنے ہوئے تھے۔ چوتھی سمت میں کچن اور اسٹور روم واقع تھا اور یہاں بھی کسی ذی روح کا پتا نہیں تھا۔

"یہ تو سارا ہی مکان بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔" آخری کمرے سے نکلتے ہوئے سلطان شاہ نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "آخر وہ دونوں کہاں گئیں؟ کہیں ہم کسی غلط مکان میں تو نہیں گھس آئے؟"

"پھاٹک پر لوسی براؤن کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔" میں نے قدرے بلند لہجے میں سرگوشی کی۔ "ابھی تک ہم نے جتنے کمرے دیکھے ہیں، ان میں کوئی بھی اس قابل نہیں ہے کہ اس میں کوئی قیدی رکھا جا سکے۔"

"تم بھی تو شون کو ایک فلیٹ میں قید کر کے آئے ہو۔" وہ بولا۔

اس کا منہ بند ہے۔ وہ شور نہیں مچا سکتا اور غزالہ نے لوسی کی غیر موجودگی میں مجھ سے فون پر بات کی تھی۔" میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ یہاں کوئی تہ خانہ بھی ہو۔"

"میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔" وہ زینوں کی طرف بڑھتے ہوئے تشویش آمیز لہجے میں بولا۔ "کہیں وہ بے صبرے شون کے دیے ہوئے وقت سے پہلے ہی لوسی اور بھابی کو اٹھا نہ لے گئے ہوں۔ اس طرح وہ شون سے اپنے مطلوبہ قیدی کے سلسلے میں سخت رویہ اختیار کر سکتے تھے۔"

اندھیرے اور ویران مکان کے کھلے ہوئے عقبی دروازے کے ساتھ سلطان شاہ کا قیاس بہت ہی لرزہ خیز تھا۔ میرے اعصاب پر گھٹن کی حد تک تناؤ طاری ہو گیا۔

"اپنی زبان بند رکھو اور پہلے تہ خانہ تلاش کرو۔" میں نے دانت بھینچ کر سخت لہجے میں کہا اور وہ کوئی جواب دیے بغیر سیڑھیاں اترنے لگا۔

مکان کی ویرانی کے پیش نظر ہم دونوں نے بہت زیادہ احتیاط کو خیرباد کہتے ہوئے نچلی منزل پر تیزی کے ساتھ تہ خانے کی تلاش شروع کر دی جس کا بادی النظر میں کہیں وجود نہ مل سکا لیکن میرے ذہن میں وہ خیال اتنی سختی کے ساتھ جاگزیں ہوا تھا کہ میں نے اونچی اونچی دیوار گیر الماریوں کے چوبی پٹ کھولنے شروع کر دیے۔ ایک الماری مقفل تھی مگر میں نے ہیجان اور اشتعال کے عالم میں جھٹکے سے اس کا قفل توڑ دیا مگر وہاں کاغذات اور تصاویر کے سوا کچھ نہیں تھا۔ شاید اسی مواد کے سہارے شون اور لوسی بلیک میلنگ کا دھندا چلا رہے تھے۔

آخر کار نچلی منزل کی اس خوابگاہ میں ہمیں اپنی دیوانہ وار کوششوں کا ثمر مل گیا جہاں فون موجود تھا۔ ایک الماری کھلتے ہی زینے نظر آئے تھے اور ان سے نیچے روشنی نظر آتی تھی جبکہ پوری عمارت تاریک تھی۔

زینوں پر قدم رکھنے سے پہلے میں نے کمرے میں کھڑے کھڑے اس خلا کا جائزہ لیا تو اندازہ ہوا کہ تقریباً دس زینوں کے بعد کرسی آگئی تھی اور وہاں سے شاید مزید زینے واپس مڑ

تھے۔ اسی وجہ سے تہ خانے سے آنے والی روشنی سامنے کی
دیوار پر پڑ رہی تھی مگر اوپر والے کمرے تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

صورتِ حال بہت گمبھیر تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے
سے کچھ کہے بغیر یقین اور بے یقینی کے ملے جلے جذبات کے
ساتھ زینے طے کرتے ہوئے ہتھیار بدست جونہی ابتدائی زینے
طے کر کے تہ خانے کی طرف گھومے ایک ہولناک منظر نگاہوں
کے سامنے آ گیا اور ہم نے تقریباً دوڑتے ہوئے باقی ماندہ زینے
طے کر ڈالے جن کے اختتام پر ایک کھلا ہوا دروازہ موجود تھا۔

تہ خانے کی سنگین دیواروں میں کہیں معمولی سا روزن بھی
نہیں تھا اور فضا میں ہلکی سی سیلن رچی ہوئی تھی۔ فرش پر
خوبصورت پھول دار قالین اور اس پر ایک خواب گاہ کے سارے
ضروری لوازم موجود تھے۔ مگر شکن آلود بستر خالی تھا اور قالین پر
زینوں کے سامنے ایک جواں سال عورت کی بھیانک لاش
پڑی ہوئی تھی۔

اسکرٹ اور بلاؤز میں ملبوس لاش کے پیروں میں سینڈل
بھی موجود تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ باہر سے واپسی پر موت
کا شکار ہوئی تھی۔ اس کے چہرے اور برہنہ بازوؤں پر لمبی لمبی
خراشیں تھیں جن سے رسنے والا خون جم کر سیاہ ہو چکا تھا۔ بکھرے
ہوئے بالوں اور ان خراشوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مرنے سے
قبل اس کی کسی ناخنوں والی سے دست بدست جنگ ہوئی مگر
موت کا سبب وہ خراشیں نہیں بلکہ دل کے مقام پر پیوست،
آتش دان کے انگاروں کو کریدنے والی وہ سلاخ تھی جس کے پیدا
کیے ہوئے زخم کے گرد خون کی تھوڑی سی مقدار جمع تھی۔ لاش
کی حالت بتا رہی تھی کہ آہنی سلاخ کے کاری وار نے اس کو
تڑپنے کی مہلت دیے بغیر آناً فاناً میں ختم کر دیا تھا۔

اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے ابلی ہوئی تھیں۔ منہ کھلا
ہوا تھا اور مہلک وار کی اذیت سے زبان دہانے سے باہر نکل
آئی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ لوسی تھی اور اسے اپنی
جسارت کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی تھی۔

تہ خانے میں بھی ٹیلی فون انسٹرومنٹ موجود تھا۔ میرے
ذہن میں ایک بار پھر غزالہ کی چیخ گونجنے لگی۔ شاید لوسی نے
باہر سے واپس لوٹتے ہی تہ خانے کا رخ کیا تھا۔ غزالہ سے ریسیور
چھین کر اس نے ہاتھ اٹھایا ہوگا۔ غزالہ اس وقت مجھ سے ہم کلام
تھی لہٰذا اس کا حوصلہ بلند تھا۔ وہ یقیناً مقابلے پر تل گئی ہوگی۔
اور آخر کار لوسی اپنے قابلِ نفرت کردار سمیت غزالہ کے ہاتھوں
جہنم واصل ہو گئی اور غزالہ وہاں سے فرار ہو گئی۔

شاید اس نے فرار کے لیے باورچی خانے والا راستہ اختیار
کیا تھا۔ اسی وجہ سے ہمیں وہ دروازہ کھلا ہوا ملا اور ہم بآسانی
عمارت میں داخل ہو گئے۔

مجھے جہاں لوسی کی موت کی خوشی تھی وہیں غزالہ کے
نکل جانے کا افسوس بھی تھا۔ اس کی آواز سننے کے بعد میرے
دل میں اس کے لیے ناقابلِ بیان اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ وہ
میری تھی مگر اس کے باوجود میری دسترس سے باہر انسان نما
درندوں کے خلاف اپنے تحفظ کی جنگ لڑ رہی تھی اور مجھے کچھ
اندازہ نہیں تھا کہ ہیشلم سے فرار ہو کر اس نے کون سی سمت
اختیار کی ہوگی۔

فون پر میں نے اُسے بتا دیا تھا کہ میں جلد از جلد اس
تک پہنچوں گا لیکن وہ لوسی کو قتل کر دینے کے بعد میرے انتظار
میں وہاں رُک کر اپنی سلامتی کو داؤ پر نہیں لگا سکتی تھی۔

اچانک تہ خانے تک پہنچنے والی کال بیل کی آواز نے
مجھے چونکا دیا۔

"وہ آ گئے۔" سلطان شاہ کے ہونٹوں سے ہیجان آمیز آواز
برآمد ہوئی اور ہم دونوں یک لخت زینوں کی طرف مڑ گئے۔

کال بیل تین چار مرتبہ مسلسل بجائی گئی پھر سناٹا چھا گیا۔ آنے
والوں نے پہلی ہی کوشش میں سوئے ہوئے مکینوں کو بیدار کرنے
کا ارادہ کیا ہوا تھا لیکن لوسی اب زندگی کے ان جھمیلوں سے بہت
دور جا چکی تھی۔

تہ خانے سے باہر آ کر میں نے ایک کھڑکی کی آڑ سے دیکھا
کہ داخلی دروازے کے سامنے برآمدے میں دو تنومند ہیولے
موجود تھے۔ شاید انھیں یقین تھا کہ ان پر حملہ کرنے میں پہل نہیں کی
جائے گی اس لیے وہ قدرے بے پروا نظر آ رہے تھے۔ مجھے پورا
اندازہ تھا کہ ان کے ساتھ ہماری مصالحت نہ ہو سکے گی وہ میرے
خریدار تھے اور ہر قیمت پر مجھے اپنا قیدی بنانا چاہتے تھے۔ ان سے
مسلح تصادم کے بغیر اس عمارت سے نکلنا ہمارے لیے ناممکن تھا
اور جب تصادم ہی ہونا تھا تو پہل کا فائدہ نہ اٹھانا کسی بھی طرح
قرینِ دانش نہیں تھا۔

وہ دونوں ہی میری براہِ راست زد میں تھے میں نے پستول
والا ہاتھ سیدھا کیا تو ان میں سے ایک اچانک دو قدم آگے بڑھ
کر میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور عمارت میں ایک مرتبہ پھر
گھنٹی کا شور گونجنے لگا۔ میں نے شست لے کر اپنی زد میں
کھڑے ہوئے شخص کی پسلیوں پر بے آواز فائر کر دیا۔

پستول کے گھوڑے کی ہلکی سی آواز گھنٹی کے شور میں دب
گئی۔ بارودی شعلے کی لکیر کے ساتھ گولی برآمدے میں کھڑے
ہوئے شخص کے پہلو میں اتر گئی۔ وہ کربیہ چیخ مار کر کسی کٹے

ہوئے شہتیر کی طرح برآمدے کے پختہ فرش پر گرا تھا۔ اسی کے
ساتھ گھنٹی کی آواز معدوم ہوگئی اور ویران احاطہ پے درپے کئی
گولیوں کے شور سے گونج اٹھا جن میں سے کم از کم ایک گولی
رائفل سے چلائی گئی تھی جو میرے قریب والی کھڑکی کا شیشہ توڑتے
ہوئے دیوار میں پیوست ہوگئی۔ اگر میں اپنے پستول سے فائر کرتے
ہی جھک نہ گیا ہوتا تو وہ گولی میرے جسم کے کسی حصے کو بھی
چاٹ سکتی تھی۔

رائفل والا یقینی طور پر دروازے کے سامنے اندھیرے
میں کہیں مورچا زن تھا اور اس نے میرے پستول کی نال سے
شعلہ خارج ہوتے دیکھ لیا تھا ورنہ اندھیرے میں محض اندازے
سے اتنا صحیح فائر کرنا دشوار تھا۔

باہر سے ایک بار پھر گولیاں چلائی گئیں اور کئی کھڑکیوں کے
شیشے پُرشور آواز کے ساتھ چُور چُور ہوگئے۔ میرے کان اس بار
بھی آوازوں پر مرکوز تھے میں نے محسوس کیا کہ شاید وہ چار ہی تھے
کیوں کہ ایک میرے ہاتھوں زخمی ہوکر بلند آواز میں چیخ رہا تھا۔
دو نے پستول چلائے تھے اور چوتھا رائفل بردار تھا۔

میں تیزی کے ساتھ سلطان شاہ کی طرف پلٹا اور سرگوشیانہ آواز
میں بولا۔ "وہ تعداد میں کم از کم چار ہیں اگر ہم نے ابتدا ہی میں تابڑ توڑ
فائرنگ نہیں کی تو ان سے مغلوب ہوجائیں گے تم مکان کا طواف کرکے
ہر سمت سے باہر فائر کرتے چلے جاؤ، میں انھیں اس طرف مصروف
رکھوں گا۔ اس طرح وہ ہماری تعداد کا اندازہ نہیں لگا سکیں گے۔ چاہو
تو اپنے پستول کی نال پر سے سائلنسر اتار لو۔"

وہ زبان سے ایک لفظ بھی کہے بغیر تابعدارانہ انداز میں
اندھیرے مکان میں اندر کی سمت میں بڑھتا چلا گیا اور میں سکوت کا
فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک محفوظ زاویے سے باہر کا جائزہ لینے لگا۔

باہر فائرنگ تھمی ہوئی تھی لیکن میرے ہاتھوں زخمی ہونے
والے کی کربناک آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔ وہ ابھی تک
برآمدے میں ہی پڑا ہوا سسک رہا تھا۔ میری طرف سے ہونے
والی بے آواز فائرنگ کے خوف سے اس کے کسی ساتھی نے اسے
وہاں سے اٹھالے جانے کی ہمت نہیں کی تھی۔ اس کی لحظہ بہ لحظہ دم
توڑتی ہوئی نقاہت آلود آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی بھی لمحے
دم توڑ سکتا تھا۔ غالباً میرے فائر کا شکار ہوتے ہی اس کے اعضائے
رئیسہ پر یکلخت مُردنی طاری ہوگئی تھی اور اس کے ساتھیوں نے
بھی اندازہ لگالیا تھا کہ ان کی کوششوں کے باوجود وہ جانبر نہ
ہوسکے گا۔

اچانک عمارت پستول کے فائر کی تیز آواز سے گونج اٹھی
وہ واضح طور پر اندر سے کیے گئے فائر کی آواز تھی۔ مجھے اپنے حریفوں
کی پوزیشن کا کوئی اندازہ نہیں تھا اور رائفل والا میرے پستول کی زد
سے باہر تھا لیکن پھر بھی میں نے اسی کی سمت میں نال اٹھا کر گولی
چلادی۔ اس مرتبہ پھر رائفل سے بے آواز فائر ہوا چند ثانیوں کے
بعد باہر سے پستول چلانے کا دھماکا ہوا لیکن جواب میں کسی کی
چیخ نہ سنائی دی جس کا مطلب تھا کہ دونوں طرف کے وار خالی گئے تھے۔

مجھے حیرت ہوئی کہ باہر والوں کا تیسرا ساتھی نہ جانے کیوں خاموش
رہا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق ادھر سے دو کے بجائے
تین فائر ہونا چاہیے تھے۔

ایک بار پھر عمارت میں بارودی دھماکے کی آواز گونج اٹھی۔
سلطان شاہ نے تواتر کے ساتھ تین فائر کیے تھے اور باہر سے ایک
دبی دبی سی چیخ سنائی دی تھی۔ شاید ان تینوں میں سے کوئی سلطان شاہ
کے ہاتھوں زخمی ہوگیا تھا۔

وقفے وقفے سے دونوں طرف سے فائرنگ ہوتی رہی اس
دوران میں میرے شکار کی آوازیں معدوم ہوچکی تھیں۔ رائفل والا
اپنی جگہ جما ہوا تھا۔ پستول والوں میں سے ایک جگہیں بدل بدل کر فائر
کر رہا تھا لیکن ان کے تیسرے ساتھی کی کوئی سرگرمی میں نوٹ نہیں
کرسکا تھا۔ اس کے بارے میں میں نے فرض کرلیا تھا کہ شاید وہ سلطان شاہ
کے پستول کی گولی کھا کر کسی گوشۂ عافیت میں دبکا اپنے زخم کو سنبھالنے
کی کوشش کر رہا ہوگا۔

سلطان شاہ میری ہدایت کے مطابق اس مکان میں جگہ بدل بدل
کرتے ہوئے فائرنگ کرتا رہا اور میں سامنے کے محاذ پر ڈٹا رہا۔ ہر
طرف پھیلے ہوئے گھور اندھیرے کے باعث اس وقت ماحول انتہائی
خوف ناک ہوکر رہ گیا تھا۔ وہ لوگ باہر کھلے میدان میں تھے اور کسی کے
متوجہ ہوتے ہی گہری تاریکی کا فائدہ اٹھا کر وسیع و عریض احاطے
سے کسی بھی سمت میں فرار ہوسکتے تھے لیکن ہم اس عمارت میں محصور
ہوکر رہ گئے تھے جہاں ہماری موجودگی کا کوئی قانونی یا اخلاقی جواز نہیں
تھا۔ ایک لاش عمارت کے اندر سنگین تہ خانے میں پڑی ہوئی تھی اور
دوسری برآمدے یا اس کے قرب و جوار میں موجود تھی اور ان دو لاشوں
کی وجہ سے ہم قانون کی بدترین گرفت میں آسکتے تھے۔ جوں جوں اس
لاحاصل بارودی مقابلے میں وقت گزر رہا تھا میرے ذہن پر تشویش
سوار ہوتی جارہی تھی۔ کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ لوگ وہاں
مقامی آبادی یا پولیس کی مداخلت کے انتظار میں رکے ہوئے تھے
تاکہ ہمیں فرار کا موقع نہ مل سکے۔ مداخلت کا آغاز ہوتے ہی وہ لوگ
فرار ہوجاتے اور ہم ناقابلِ تصور مشکلات سے دوچار ہوجاتے۔

بڑھتی ہوئی بے چینی اور ہیجان کے تحت میں نے ایک بار
پھر نیچے جھک کر کھڑکی سے باہر کی کھلی فضا میں پے درپے دو
فائر کرڈالے پھر تیسرے فائر کا ارادہ کیا ہی تھا کہ میرا وجود اچانک

سن ہو کر رہ گیا۔

"ہتھیار پھینک کر ہاتھ سر سے اوپر اٹھالو۔" اندھیری عمارت میں ایک تحکمانہ نسوانی آواز گونجی تھی۔ "اندھیرے کے باوجود تم اس وقت میرے پستول کی زد میں ہو۔" لہجہ مقامی اور زبان انگریزی تھی۔

تیسرا فائر ہونے سے پہلے ہی میرا ہاتھ پستول سمیت نیچے جھک گیا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا مگر مجھے آس پاس کوئی سایہ تک نظر نہ آیا لیکن وہ سمت گیر آواز میں ہزاروں آوازوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔

"میرا نشانہ خطا نہیں کرتا۔" اس بار وہ آواز قہر بار تھی۔ "اور نہ میں حکم دہرانے کی عادی ہوں۔"

اس بار میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ اوپری منزل سے اترنے والے زینوں پر کہیں موجود تھی اور شاید اوپری منزل سے ہی عمارت میں گھسی تھی۔ اس لمحے مجھے اندازہ ہوا کہ باہر سے ایک پستول کی آواز کیوں معدوم ہوگئی تھی۔ غالباً وہ کسی پائپ یا کمند کے سہارے اوپر چڑھنے کی کوششوں میں مصروف تھی اور اس کے باقی ماندہ دو ساتھیوں نے ہمیں اپنے ساتھ بارودی مکالموں میں الجھایا ہوا تھا۔

"گولی چلادو۔" میں نے کھڑکی سے دور ہٹتے ہوئے اردو میں کہا۔ "شاید مقدر میں یہی لکھ دیا گیا ہے کہ تمہارے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار اجاؤں گا۔"

"ڈینی!" اندھیرے میں ویرا کی تحیر آمیز سرگوشی گونجی، اسی کے ساتھ زینوں پر اُس کے تیز قدموں کی آواز سنائی دی، جو بتدریج قریب آتی چلی گئی۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

"اِدھر اوٹ میں آجاؤ۔" تیز تیز سانسوں کے درمیان اُس نے اضطراری لہجے میں کہا۔ "ایک آدمی مر گیا ہے مگر ابھی بھی باہر دو لٹیرے موجود ہیں۔ . . رائفل والے کو اگر تمہارا ہیولا بھی نظر آگیا تو وہ بھیجا اُڑادے گا۔"

"تمہارے آدمیوں کے ہاتھوں مرتے ہوئے دُکھ نہ ہوگا۔" میں نے اُس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ ایک بار پھر شوگر کوئین کے روپ میں میرے سامنے موجود تھی۔ اُس کے بدن پر سر سے پیر تک سیاہ رنگ کا چُست لبادہ موجود تھا، چہرہ سیاہ نقاب میں پوشیدہ تھا اور جُوتے بھی سیاہ ہی تھے۔ بے اختیار میرے ذہن میں کراچی کے جیوا ہاؤز کی وہ خون آشام رات گھوم گئی جب میں نے شوگر کوئین کو پہلی بار اس روپ میں تنظیم کے ایک مقامی بڑے کو گولی مارتے دیکھا تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہاں تم سے ٹکراؤ ہوگا۔" وہ اُس وقت تک اپنی بے پناہ حیرت پر قابو نہیں پاسکی تھی۔ "شوون میکارتھی کہاں ہے؟"

"وہ بکن ہال مینشن کے فلیٹ میں قید ہے، یہ بتاؤ کہ تم یہاں کس خوشی میں نظر آرہی ہو؟"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ آج رات مجھے لندن سے باہر ایک مُہم در پیش ہے۔ سپریم کونسل نے مجھے دوبارہ اپنی صفوں میں شامل کر لیا ہے لیکن عارضی طور پر مجھے فیلڈ میں کام سونپا گیا ہے۔ آج گیارہ بجے شوون بیس ہزار پاؤنڈ کے عوض ایک قیدی میرے حوالے کرنے والا تھا جس کا ایک ہاتھ زخمی ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ خود ہی چونک پڑی اور ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "اوہ خدایا! تمہارا بھی تو بایاں ہاتھ زخمی ہے۔ تو کیا شوون نے تنظیم سے تمہارا ہی سودا طے کیا ہوا تھا؟"

"بہت دیر سے سمجھی ہو!" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "تمہاری یہ اداکاری مجھے ذرا بھی متاثر نہ کر سکے گی۔"

"تم احمق ہو!" وہ جھلا کر بولی۔ "شوون سے سارا پروگرام صبح طے پاگیا تھا۔ اُس نے ظاہر کیا تھا کہ قیدی اس کی تحویل میں ہے جب کہ تم اُس وقت آزاد تھے۔ ہائیڈ پارک میں میرے آدمیوں نے تمہاری راہنمائی کی، پھر فلیٹ میں تم سے فون پر میری بات ہوئی۔ میں بھلا کیسے اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ قیدی تم ہوگے؟"

"شوون میرے تعاقب میں تھا، وہ مجھے گھیر کر بیشام لانا چاہ رہا تھا اُسی وجہ سے میں نے مشورے کے لیے تمہیں بلانا چاہا تھا کیونکہ شوون نے اپنی ہدایات کی عدم تعمیل کی صورت میں پولیس کو میرے پیچھے لگانے کی دھمکی دی تھی۔"

"وہ تمہیں کہاں ٹکرا گیا تھا؟" میرا انکشاف اس کی حیرت میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔

"پارک ہوٹل میں میرا زخمی ہاتھ اُس کی نظروں میں آگیا تھا۔ اُس نے وہیں بیٹھے بیٹھے تمہارے کسی آدمی سے میرا سودا طے کیا اور پھر سائے کی طرح ہمارے پیچھے ہولیا۔ فلیٹ پہنچنے کے بعد اس نے مجھ سے وہیں فون پر رابطہ قائم کر کے دھمکیاں دی تھیں۔ ہم فلیٹ میں بُری طرح محصور ہو کر رہ گئے تھے، اگر مقدر ساتھ نہ دیتا تو شاید شوون اب تک میرے بدلے رقم وصول کر چکا ہوتا اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ قصہ غزالہ کی ذات سے شروع ہوا تھا۔"

"وہ کیسے؟" سوال کرتے ہی وہ چونکی تھی۔ "باہر کی طرف اکا دُکا فائر کرتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ سناٹا دیکھ کر میرے آدمی آگے بڑھ آئیں۔ شاید سلطان بھی تمہارے ساتھ ہی ہے۔"

"پچھلا محاذ اُسی نے سنبھالا ہوا ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے کھڑکی کے قریب جا کر میگزین کی آخری گولی فائر کی اور میگزین کو دوبارہ لوڈ کرتا ہوا اُس کے قریب آگیا۔

"سرے سے نکلنے کی کوشش میں غزالہ شون کے ہتھے چڑھ گئی تھی اور اسی مکان کے ایک تہ خانے میں قید تھی۔ ۔ ۔"

"اب کہاں ہے وہ؟" اُس نے میری بات کاٹ کر پُراشتیاق لہجے میں سوال کیا۔

"ہمارے پہنچنے سے پہلے نکل گئی۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن لندن سے میں فون پر اُس سے بات کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ ۔"

"تم تو مجھے طلسم ہوش رُبا سنا رہے ہو۔" وہ تحیر آمیز لہجے میں بولی۔ "اُس وقت میرے پاس وقت نہیں ہے، یہ سب لندن آکر سنوں گی۔۔ یہ بتاؤ کہ یہاں لوسی براؤن بھی رہتی تھی۔ وہ اب کہاں ہے؟"

"شون کی غیر موجودگی میں غزالہ اُسی کی قیدی تھی، چاہو تو تہ خانے میں اُس کی لاش دیکھ سکتی ہو۔"

"اوہ! تو یہاں بھی بہت کچھ ہو چکا ہے۔ اُسے غزالہ نے ہی مارا ہوگا؟"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "غزالہ غائب ہے، لوسی مر چکی ہے۔ ان دو باتوں سے بہتیرے نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔"

"خس کم جہاں پاک۔" وہ بولی۔ "یہ دونوں ہی بڑے موذی بلیک میلر تھے۔ شون اگر قابو میں آگیا ہے تو اسے بھی مر ہی جانا چاہیے۔ وہ شی کے بعض اہم لوگوں سے بھی باقاعدہ بھتا وصول کرتا ہے اور وہ لوگ اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے ہمیشہ اس کا منہ بھرتے رہتے ہیں۔"

"جوڈی کو اُس کی لاش کے سڑنے کی فکر تھی ورنہ ہم نے تو اُسے مار ہی دیا ہوتا۔"

"وہ بہت دلیر عورت ہے۔۔ خیر تم واپس وہیں جاؤ، میں شون کا بھی کوئی بندوبست کروں گی۔"

"میں کہاں جاؤں؟ اب تو تمہارے ساتھ ہی چلنا پڑے گا۔"

"کیوں؟ کیا سواری نہیں ہے تمہارے پاس؟" اُس نے حیرت سے پوچھا۔ "پھر یہاں تک کیسے پہنچے تھے؟"

"بس سے اُتر کر پیدل آئے تھے۔ دوست نہ سہی قیدی بنا کر لے چلو۔"

"یہ ناممکن ہے۔۔ وہ میری طرف سے شبہات کا شکار ہوگئے تو میں پھر دشواریوں میں پڑ جاؤں گی۔ ابھی تو واپس جا کر اُنھیں مطمئن کرنا ہوگا کہ میں اوپری منزل سے داخلے کا کوئی راستہ نہ ملنے کی وجہ سے ناکام لوٹی ہوں۔"

"پھر ہم کیسے نکلیں گے؟" میں نے پوچھا۔ ویرا کے ساتھیوں کی وجہ سے وہ مسئلہ مجھے گمبھیر ہوتا نظر آرہا تھا۔ فائرنگ ابھی تک جاری تھی۔ سلطان شاہ بھی مصروف تھا۔ اگر ویرا اپنے آدمیوں کو خاموشی کے ساتھ واپس ہٹا لے جاتی تو وہ اپنی ذات کو کسی بھی طرح شبہات سے بالا نہیں رکھ سکتی تھی۔ اپنا ایک آدمی گنوانے کے بعد اس کی رضاکارانہ پسپائی اُس کی وفاداری پر حرف لا سکتی تھی۔

"یہ لو۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اُس نے اپنے جُست لباس کی جیب سے ایک چابی نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "احاطے کے عقب میں دو گاڑیاں موجود ہیں۔ یہ میری سیاہ ڈاج کی چابی ہے۔ میں باہر واپس جا کر اپنے دونوں آدمیوں کو سامنے کے رُخ پہلے آؤں گی۔ جب تواتر سے فائرنگ ہو تو تم کسی عقبی راستے اندھیرے میں نکل جانا۔ گاڑی کی ٹنکی بھری ہوئی ہے۔ تم آسانی سے لندن پہنچ سکتے ہو۔"

"تو کیا تم اُن تینوں کے ساتھ نہیں آئی تھیں؟"

"شوگر کوئین کے قرب سے لوگوں کے حواس خطا ہونے لگتے ہیں۔" اُس نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "میں اکیلی آئی تھی مگر اب مجبوراً اُن کے ساتھ سفر کرنا ہوگا۔"

"کار ہمیں دے کر تم اپنے لیے دشواریاں تو پیدا نہیں کر لو گی؟" میں نے سوال کیا۔

"میں بات بنا لوں گی کہ چابی اگنیشن میں لگی چھوڑ دی تھی۔" وہ پہلی بار آہستگی کے ساتھ ہنسی۔ "سچ پوچھو تو ہمیں یہاں کسی مزاحمت کی ذرا بھی اُمید نہیں تھی۔ بس ایک خیال تھا کہ کہیں شون عین وقت پر رقم میں اضافے کا مطالبہ نہ کر بیٹھے۔ ایسی صورت میں قیدی کو سنبھالنے کے ساتھ ہی شون کی گوشمالی بھی کرنی پڑ جاتی ورنہ میرا ارادہ تو یہاں تنہا آنے کا ہو رہا تھا۔"

"لندن پہنچ کر گاڑی کا کیا کرنا ہوگا؟"

"چابی سمیت کہیں بھی چھوڑ دینا۔ میرے آدمی اُسے تلاش کر لیں گے۔" اُس کے ایک ایک لفظ سے بھرپور اعتماد کا اظہار ہو رہا تھا۔ تنظیم میں اپنا کھویا ہوا مقام کسی حد تک واپس مل جانے پر اُس میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں جو میرے لیے اس اعتبار سے خوش آئند تھیں کہ اب وہ یکسوئی کے ساتھ غزالہ کے معاملے پر توجہ دے سکتی تھی جو سُلجھتے سُلجھتے ہر بار پیچیدہ تر ہوتا جا رہا تھا۔

"پھر اب لندن ہی میں ملاقات ہوگی۔" میں نے الوداعی لہجے میں کہا۔

"مجھے رشک آتا ہے تمہارے مقدر پر۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ "میں نے بارہا محسوس کیا ہے کہ موت تم سے کترا کر گزر جاتی ہے۔ اس وقت میرے بجائے اسمتھ اوپر چڑھا ہوتا تو تم پیچ کے ساتھ ہلاک یا کم از کم زخمی کر دیے گئے ہوتے اور میں تمہاری کوئی مدد نہ کر پاتی۔"

"اسمتھ ہمارا کوئی نیا دوست ہے؟" میں نے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"دوست نہیں ماتحت ہے۔ . . . پروگرام طے ہونے کے بعد وہ پائپ کے سہارے اوپر چڑھنے کی نیت سے عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا کہ سلطان شاہ کی چلائی ہوئی گولی اُس کی ران کا گوشت پھاڑتی ہوئی گزر گئی اور مجبوراً یہ کام مجھے اپنے ذمے لینا پڑا۔"

"تمہارے علاوہ ایک اور آدمی بھی تو موجود ہے۔"

"رائفل سے صحیح نشانے پر فائر کرنا نہ اسمتھ کے بس کی بات ہے، نہ میرے ــــ رسک تو اسی بات پر آتا ہے کہ حالات تمہارے حق میں خود بخود ہموار ہوتے چلے جاتے ہیں۔"

"ایسا ہوتا تو میں اب تک غزالہ کو ساتھ لے کر پاکستان لوٹ گیا ہوتا۔" میں نے دوبارہ کھڑکی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور وہ خاموشی سے زینوں کی طرف بڑھ گئی۔

تنہائی میسر آتے ہی میرا ذہن ایک مرتبہ پھر اس صورت حال میں اُلجھ گیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس علاقے میں مکانات ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر تھے لیکن یہ مفروضہ ناقابل یقین محسوس ہوتا تھا کہ وہاں ہونے والی فائرنگ کے تبادلے کی آوازیں مقامی آبادی میں سے کسی نے نہ سُنی ہوں۔ اس لحاظ سے کسی طرف سے مداخلت کا نہ ہونا تشویشناک تھا۔ اگر قرب و جوار میں رہنے والے ڈرپوک تھے تو ان میں سے کوئی بھی پولیس کو فون کر کے شون میکارتھی اور لوسی کے مکان کی طرف متوجہ کر سکتا تھا لیکن ایسا ابھی نہیں ہوا تھا۔

عام حالات میں شاید وہ لاتعلقی غیر فطری محسوس ہوتی مگر میرے ذہن نے تھوڑی سی ورزش کے بعد اس کا جواز بھی تلاش کر لیا۔ شاید شون اور لوسی ہیتھام کے باشندے ہونے کے باوجود اپنے پڑوسیوں میں مقبول نہیں تھے اور ان میں سے کوئی بھی ان کے پھٹے میں اپنی ٹانگ اڑانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

اسی اثنا میں سلطان شاہ بھی واپس لوٹ آیا اور میرے قریب آ کر تشویش آمیز سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "اس بے مقصد چاندماری کا تو اختتام ہوتا نظر نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح صبح ہو جائے گی۔"

"تھوڑی دیر بعد ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے ــــ گاڑی مل گئی ہے۔" میں نے ویرا کی دی ہوئی چابی اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔

"گاڑی؟ . . . کیسی گاڑی آ گئی ہے؟" اُس نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ویرا نے بھیجی ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا اور وہ خوشی سے تقریباً اچھل پڑا۔

"کمال ہے ــــ اُسے کیسے پتا چلا کہ ہم یہاں موجود ہیں؟" اُس نے اس نامساعد صورت حال میں اُمید کی کرن محسوس کرتے ہی مسرت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"باہر سے گولیاں اُسی کے حکم پر برسائی جا رہی ہیں۔" میرے انکشاف پر وہ بھونچکا رہ گیا اور میں آہستہ آہستہ اُسے اپنی اور ویرا کی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔ اس دوران میں باہر سے گولیوں کی آوازیں موقوف ہو گئی تھیں اور سکوت کا وہ وقفہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ فائرنگ ہو رہی تھی تو میرے ذہن پر نکاسی کی فکر مسلط تھی۔ سکوت چھایا تو وہ اعصاب شکن محسوس ہونے لگا۔ مکمل سکوت کے وہ چند منٹ مجھے لامتناہی محسوس ہو رہے تھے پھر اچانک ہی یکبارگی فائرنگ شروع ہو گئی۔ وہ لوگ نہایت تسلسل کے ساتھ اپنا اسلحہ برباد کر رہے تھے۔

وہ سگنل ملتے ہی میں تیزی کے ساتھ کچن کے قریب سے گزرتا ہوا اس عقبی راستے کی طرف ہو لیا جو نچلی منزل کی تلاشی کے دوران میں دریافت ہوا تھا۔

ویرا کی یقین دہانی کے پیش نظر مجھے پورا یقین تھا کہ اس طرف میدان صاف ہو گا لہٰذا ہم نے تیزی کے ساتھ دروازہ کھولا اور باہر اندھیرے میں دوڑ لگا دی۔ اس طرف گھاس پر مشتمل ایک وسیع قطعے کے بعد گھنے درختوں کی بڑی تعداد ایستادہ تھی جن کی آڑ میں دور سے دیکھ لیا جانا ناممکن تھا۔ ہم گھور اندھیرے میں بھاگتے ہوئے احاطے کی عقبی دیوار تک پہنچے اور سلطان شاہ نے ایک بار پھر مجھے اپنے شانوں پر لاد کر دیوار عبور کرائی اور پھر خود بھی اُسی طرف اُتر گیا۔ وہاں چند قدم کے فاصلے پر آگے پیچھے دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ میں آسمانی رنگ کی سن بیم کو نظرانداز کرتے ہوئے سیاہ ڈاج کی طرف بڑھا اور پسنجر سیٹ کے دروازے کا قفل کھول کر وہیں براجمان ہو گیا۔ سلطان شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر طاقتور انجن اسٹارٹ کیا اور ڈاج ایک جھٹکے سے آگے روانہ ہو گئی۔

ویرا سے کار کی چابی مل جانے پر میں دل ہی دل میں بہت خوش تھا کہ ہمارا واپسی کا سفر بہت آسان ہو جائے گا لیکن اندازے سے چند موڑ گھومنے کے بعد بھی ہم اُس سڑک پر نہ نکلے جس سے بس گزری تھی تو مجھے تشویش لاحق ہونے لگی۔

بس سے ہم رات کے اندھیرے میں ہی ہیتھام پہنچے تھے اور میں نے بس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں راستوں کی نشانیاں مقرر کرنے کی حتی الامکان کوشش کی تھی مگر کار میں صحیح راستہ تلاش کرنے کی جدوجہد کرتے ہوئے مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ نشانیوں کے تقرر میں نشست کی بلندی اور سفر کی سمت بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ دن کے اجالے کی بات اور تھی مگر اندھیری رات میں نگاہوں کا دائرہ کار بس روشنیوں یا ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نظر آنے والی اشیا تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

ہیشام سے نکاسی کے درست راستے کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے مجھے یہ خیال بھی ستا رہا تھا کہ ہمارے پاس کوئی رہنما نقشہ نہیں تھا اور برطانیہ میں ایسے نقشوں میں دی ہوئی تفصیلات جانے بغیر سفر کا نتیجہ منزل سے مخالف سمت میں ڈرائیونگ کی صورت میں بھی برآمد ہو سکتا تھا۔

"ایسا نہ ہو کہ ان اطراف میں بھٹکتے ہوئے ہمارا ویرا کی ٹیم سے سامنا ہو جائے۔" سلطان شاہ نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔ "اگر اس کے آدمیوں نے سیاہ ڈاج دیکھ لی تو وہ بے بس ہو جائے گی۔"

میں چونک پڑا۔ اس خطرناک امکان پر میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ "ان سے سامنا ہوتے ہی تصادم کے بجائے فرار کی راہ اختیار کرنا ہوگی، خواہ کار چھوڑ کر پیدل ہی بھاگنا پڑے۔"

"اور پیدل بھاگتے ہوئے لندن تک پہنچنا ہوگا۔" اس نے ہنستے ہوئے ٹکڑا لگایا۔

"پیدل ہونے کی صورت میں ہم شاید زیادہ بھٹکے بغیر کسی بس یا ٹرک وغیرہ تک رسائی حاصل کر لیں گے۔" میں نے کہا۔ "اب اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ سفر زیادہ محفوظ ثابت ہوتا۔"

"ضروری تو نہیں کہ رات کے ایک بجے ہیشام سے کوئی سواری مل جاتی۔"

"ان چھوٹے قصبوں سے شاید بسیں رات بھر نہ چلتی ہوں۔ لیکن یہاں سامان اور اجناس کے لیے سڑکوں کے ذریعے نقل و حمل بہت عقبول ہے اور کچھ نہیں تو اناج، سبزیاں یا سبزیاں لے جانے والے کسی ٹرک یا لاری پر ہی لفٹ مل جاتی۔ بہرحال اب کار ملی ہے تو اسے بھگتنا ہی پڑے گا۔"

سامنے کی بلندی پر ایک ٹاور پر جلتے ہوئے سُرخ بلب پر پڑی اور میری یادداشت تازہ ہوگئی۔ مانچسٹر سے ہیشام آتے ہوئے ہماری سڑک شاہراہ کے کنارے واقع اس مواصلاتی ٹاور کے بہت قریب سے گزری تھی۔ میں نے اس روشنی کو مرکز بنا کر سلطان شاہ کو ہدایات دینا شروع کر دیں اور چند منٹ بعد ہی واضح طور پر اس روشنی سے ہمارے فاصلے میں کمی واقع ہونے لگی۔

☎

جوڈی کے جھنجوڑنے پر میں ہڑبڑا کر بیدار ہوا اور... بے اختیار میری نظریں رسٹ واچ پر گئیں جس کی سوئیاں چھ بجا رہی تھیں۔

ہم لوگ ایم سکس موٹروے پر پہنچ کر بہت پریشان ہوئے تھے پھر آخر کار مانچسٹر اور برمنگھم سے گزرتے ہوئے صبح کے سات بجے لندن میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اس طویل اور تھکا دینے والے سفر سے نجات ملتے ہی میں فلیٹ پر پہنچ کر گرم پانی کے شاور کے نیچے دیر تک نہاتا رہا پھر گدھے گھوڑے بیچ کر گہری نیند سو گیا تھا۔ گھڑی کی سوئیوں سے میں اندازہ لگا پایا وہ اگلی صبح نہیں بلکہ اسی دن کی شام تھی۔

"سر! فون ہے آپ کا۔" جوڈی نے میرے بیدار ہونے پر مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"کہہ دیا ہوتا کہ میں سو رہا ہوں۔" میں نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"دوسری طرف کوئی لڑکی ہے...... یہ اس کی تیسری کال ہے۔ اس بار وہ مُصر تھی کہ آپ کو جگا دیا جائے ورنہ میں ہرگز مخل نہ ہوتی۔" جوڈی نے سراپا معذرت بن کر کہا۔

لڑکی کا نام سنتے ہی میرے ذہن میں نغزالہ کا خیال آیا مگر لیکن اسے فلیٹ کا فون نمبر معلوم نہیں تھا پھر شاید وہ ویرا ہی ہو سکتی تھی۔ بہرحال مجھے کسلمندانہ انداز میں بستر چھوڑنا پڑ گیا۔

"بڑی لمبی تان کر سوئے ہو۔" اپنی ہیلو کے جواب میں ویرا کی چہکتی ہوئی سدابہار آواز سنائی دی۔ "واپس کب پہنچے تھے؟"

"ساری رات کالی ہو گئی۔ راستوں سے ناواقفیت کے باعث یہاں ڈرائیونگ عذاب سے کم نہیں ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "اوپر سے یہ خوف کہ کہیں تمہارے آدمیوں سے ٹکراؤ نہ ہو جائے۔ گاڑی پہچانتے ہی وہ ہماری جان کے درپے ہو جاتے۔"

وہ ہنسی۔ "مجھے تمہاری دشواریوں کا اندازہ تھا۔ میں نے انھیں صبح کے چار بجے تک ہیشام میں ہی الجھائے رکھا تھا تاکہ تمھیں دور نکلنے کا موقع مل جائے...... یہ بتاؤ کہ شون کو تم نے کس حال میں چھوڑا ہے؟"

"بندھا ہوا باتھ روم کے فرش پر پڑا ہوا ہے۔" میں نے کہا۔ "جوڈی اس عمر میں بھی زندہ دل معلوم ہوتی ہے۔ واپسی پر مجھے اندازہ ہوا کہ شون کے ساتھ کوئی شرارت کی گئی ہے لیکن غنیمت ہے کہ وہ ابھی تک بے دست و پا ہے۔ تمہاری بڑھیا نے اس کے منہ سے کپڑا نکالے بغیر اس کے معدے میں اتنی اسکاچ اتار دی تھی کہ صبح وہ مجھے نشے میں دھت نظر آیا تھا۔ یہ بتاؤ کہ اس کا کیا کرنا ہے؟"

"اسی لیے فون کیا تھا۔" اس کی آواز پر سنجیدگی طاری ہو گئی۔ "کچھ دیر بعد ایک ایمبولینس آئے گی اور پیرا میڈیکل کا عملہ شون کو اسٹریچر پر ڈال کر لے جائے گا۔ آنے والے ہوم کے بارے میں دریافت کریں گے۔"

"لیکن شون تو اس حالت میں کسی میڈیکل پارٹی کے سامنے نہ لایا جا سکے گا؟"

"یہ اسے فلیٹ سے نکالنے کی ترکیب ہے۔" اس کی آواز اُبھری۔ "میں نے شون کے مقدر کا فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ اسے

قبضے سے نکال کر ختم کر دیا جائے گا۔"

"اور تم کب آ رہی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"میں کسی وقت بھی آ جاؤں گی لیکن یہ خیال رکھنا کہ جو ڈطبی کے سامنے شی کے سلسلے میں محتاط رہنا ہوگا۔ وہ میری نجی ملازمت میں ہے مگر میرے اور شی کے قریبی تعلق سے خاصی باخبر ہے۔"

"حیرت ہے کہ اس کے باوجود بھی وہ فون پر تمہاری آواز نہ پہچان سکی۔"

"میں نے اس سے آواز بدل کر بات کی تھی، اعتماد کے باوجود میں اس سے ہمیشہ فاصلہ رکھ کر بات کرتی ہوں، بے تکلفی کی نوبت کبھی نہیں آ سکی۔"

"یہ یاد رکھنا کہ اب غزالہ کا معاملہ سب سے اوپر آ گیا ہے۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "دن بدن اس کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اب مجھے اس کی زندگی کی فکر لاحق ہو گئی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تاخیر اور عدم توجہی کی صورت میں ہمیں پچھتاوے کے سوا کچھ نہ مل سکے۔"

"مجھے اس پر رشک آنے لگا ہے۔" اس کا لہجہ واضح طور پر حسد آمیز ہو گیا۔ "شاید حسینۂ عالم کی رفاقت بھی تمہارے دل میں اس کا تصور کم نہ کر سکے گی۔"

"تمہارے ساتھ رہتا ہوں تو کسے سے کسی حد تک بھولا رہتا ہوں۔" میں نے اسے خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ "لیکن دنیا کی ہر عورت تو غزالہ یا دیرا نہیں ہو سکتی۔ حسینوں سے دوستی کی جا سکتی ہے لیکن رفاقت کے لیے خالی حسن سے کام نہیں چلتا، پوری شخصیت کو اپنے معیار پر تجزیہ کرنا پڑتا ہے۔"

"تم جھوٹے ہو۔" کھوکھلی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز سنائی دی۔ "میرے وجود میں بھی تم غزالہ کی ذات کا کوئی پرتو تلاش کرتے رہتے ہوگے۔ میرا تو خیال ہے کہ تم مجھے ایک کھلونے سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتے۔"

"کاش میں تمہیں اپنا دل چیر کر دکھا سکتا۔" میں نے دل ہی دل میں اپنے اوپر لعنت بھیجتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔ "تم غزالہ کا خلا پر نہیں کر سکی ہو لیکن اس کے بعد میرے دل میں تمہارے لیے بڑی قدر ہے۔"

"تم بہت خود غرض اور فریبی ہو، میں تم پر اعتماد نہیں کرتی۔"

"میں نے کب کہا کہ تم مجھ پر یقین کرو۔" میں نے کہا۔ "میں نے تو بس حقیقت بیان کی ہے ورنہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم ان میں سے نہیں ہو جو کسی ایک مرد سے وابستہ ہو کر پوری زندگی اس کے ساتھ گزار دیتی ہیں۔"

"سچ پوچھو تو یہ سب بڑھاپے کی باتیں ہیں، جب انسان کو کسی سہارے کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے ورنہ جوانی تو بہت بے لگام ہوتی ہے اور اسے اپنی مرضی سے ہی گزارنا چاہیے کیونکہ انسان کو زندگی صرف ایک بار ملتی ہے۔"

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس کے اپنے معیار سے شاید وہ درست ہی تھا کیوں کہ وہ خود ایک ایسے جوڑے کی اولاد تھی جس کے درمیان نہ کوئی مذہبی بندھن تھا اور نہ قانونی رشتہ۔ ولدیت کے خلانے میں جو نام تصور کر کے وہ پروان چڑھتی رہی، ہوش سنبھالنے پر اس نے ڈیلا کو اپنی بیٹی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور شاید اس کے ذہن میں کچھ ایسی نفسیاتی گرہیں پڑتی چلی گئیں کہ اب وہ اپنے معاشرے اور اخلاقی اقدار سے بغاوت کو آزادی سمجھنے لگی تھی۔ شاید اس طرح وہ اپنے حسین پیکر کے جال کو استعمال کر کے لاشعوری طور پر مردوں سے انتقام لے رہی تھی۔

لیکن وہ بھی عورت ہی تھی۔ دنیا کی دوسری عورتوں کی طرح اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خواہش بھی خوابیدہ تھی کہ اسے چاہا جائے۔ بات صرف میری اور غزالہ کی نہیں تھی بلکہ وہ شاید ہر خوش و خرم جوڑے سے حسد کرتے ہوئے اپنی اس خواہش سے مغلوب ہو جاتی تھی اور خود کو ایسی لڑکی کی جگہ دیکھنے کی آرزو کرنے لگتی تھی جسے کوئی مرد ٹوٹ کر چاہتا ہو۔

میں اس کی ذہنی کیفیت کو سمجھ رہا تھا مگر یہ باتیں اس سے نہیں کہہ سکتا تھا ورنہ وہ مجھ سے بھڑک سکتی تھی جب کہ میں غزالہ کے معاملے میں اس کی مدد کا خواہاں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس وقت وہ حسد کے جذبے کے باعث ایک نفسیاتی گرہ میں تھی لہٰذا میں نرمی کے ساتھ اس کی دلجوئی کرتا رہا اور پھر خوشگوار انداز میں ہماری گفتگو ختم ہو گئی۔

غنیمت یہ تھا کہ اس گفتگو کے دوران میں سلطان شاہ بدستور اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا ورنہ ویرا سے میری چاہت کے جھوٹے وعدوں کو بنیاد بنا کر مجھے بری طرح زچ کر دیتا۔ اسے پہلے ہی یقین تھا کہ ویرا غزالہ کی روپوشی سے میری زندگی میں پیدا ہونے والے خلا کو اپنی ذات سے پر کرنا چاہتی تھی۔

حالاں کہ میں نے بہت لمبی نیند لی تھی لیکن اس کے باوجود تھکان پوری طرح نہیں اتری تھی۔ لہٰذا میں جو ڈطبی کو سلطان شاہ کو بیدار کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے دوبارہ غسل خانے میں جا گھسا۔

شاور سے بدن پر گرنے والی پانی کی تیز دھاروں کا اثر حیرت انگیز تھا۔ میں نے باری باری کئی مرتبہ گرم اور پھر ٹھنڈے پانی کے استعمال سے ایسا فرحت آمیز غسل شاید ہی کبھی کیا تھا۔ کچھ دیر بعد جب میں تازہ دم ہو کر اپنے کمرے سے نکلا تو سلطان شاہ

مجھ سے پہلے تیار ہو کر لابی میں ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھا پروگرام دیکھ رہا تھا۔ میرے پہنچتے ہی جوڈی فوراً چائے کی ٹرے لے آئی۔

"وہ زندہ جنازہ کب تک یہاں پڑا رہے گا؟" سلطان شاہ نے چھوٹتے ہی شون میکارتھی کے بارے میں سوال کیا۔ شاید میرے آنے سے پہلے وہ اس کا جائزہ لے چکا تھا۔

"اس کی باری کسی بھی لمحے آسکتی ہے، کیا ہوش و حواس میں آگیا ہے؟" میں نے کہا۔

"ہاں۔ اب تو بحال نظر آرہا ہے مگر آنکھوں میں نشے کی سرخی ابھی تک باقی ہے۔"

اسی وقت اچانک ڈور بیل بج اٹھی۔ جوڈی نے چند ثانیے بعد آکر اطلاع دی کہ باہر سینٹ جان ایمبولینس کی گاڑی کا عملہ اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا، انھیں ہومر نامی کسی مریض کی تلاش تھی، پتا اسی فلیٹ کا دہرایا گیا تھا مگر جوڈی ایسے کسی مریض کے وجود سے لاعلم تھی۔

"بلاؤ، وہ قیدی کو لے جائیں گے۔" میری ہدایت پر اس کے چہرے پر سکون کی لہر دوڑ گئی اور وہ واپس ڈور انٹرکام کی طرف چل دی۔

میں نے جلدی سے سلطان شاہ کو دریا کے اس انتظام سے مطلع کیا، اسی دوران سفید لباس میں ملبوس دو مہذب اور نورانی چہروں والے نوجوان سفید فام جوڈی کی رہنمائی میں اسٹریچر سمیت اندر آپہنچے۔ اپنے پیشہ ورانہ لباس اور چہرے مہرے سے وہ دونوں کسی طرح بھی مجرموں کے ٹولے سے تعلق رکھنے والے بہروپیے نظر نہیں آرہے تھے۔

ہم چاروں نے تپاک سے آپس میں ہاتھ ملائے وہ دونوں عجلت میں تھے اس لیے انھوں نے میری چائے کی پیش کش کو نرم الفاظ میں ٹال دیا اور میں انھیں ساتھ لے کر ہومر کی آرام گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ ان دونوں نے اتنی سنجیدگی سے بے دست و پا شون کا معائنہ کیا تھا جیسے وہ واقعی مریض رہا ہو، پھر ان میں سے ایک نے متاسفانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"اودھم باز معلوم ہوتا ہے۔ منہ سے کپڑا نکالا تو شاید چلانا شروع کر دے گا؟"

میں نے اس کی تائید کی اور شون قہر آلود نگاہوں سے ہمیں گھورتے ہوئے رسیوں میں زور کرنے لگا۔ اس اثنا میں دوسرا میل نرس اپنے سفید کوٹ کی جیب میں سے ایک سی سی کی ہائپوڈرمک سرنج اور کتھئی رنگ کی ایک ننھی سی سیال کی شیشی نکال چکا تھا۔ دندانے دار بلیڈ سے شیشی کی گردن کاٹ کر اس نے اوپری حصہ ایک جھٹکے کے ساتھ الگ کر کے بلیڈ سمیت اپنی جیب میں ڈالا اور شیشی کا شفاف سیال سرنج میں منتقل کرنے میں مصروف ہو گیا۔

اس وقت تک شاید شون کو اپنے انجام کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا لیکن ان دونوں کی تیاریاں دیکھ کر وہ اتنا ضرور سمجھ گیا تھا کہ اسے بے ہوش کر کے کہیں منتقل کرنے کا پروگرام بن چکا تھا۔

سرنج سے ہوا خارج کرنے کے بعد وہ شخص آگے بڑھا۔ دوسرے نے بے دردی کے ساتھ شون کے بدن کو تھاما اور پہلے کا بازو برہنہ کرنے کا تکلف کیے بغیر لباس پر ہی سے سرنج کی سوئی اس کے بازو میں اتار دی گئی۔ میں نے یہ بات نوٹ کی کہ سیال کی خالی شیشی بھی اس شخص نے احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لی تھی۔

اگلے ہی لمحے شون کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں اور بدن بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ کون سی بے ہوشی کی دوا تھی جس نے جسم میں انجیکٹ ہوتے ہی اپنا کام دکھا دیا تھا۔

"بے ہوشی ابدی ہے۔" میرے استفسار پر انجکشن لگانے والے نے مسکرا کر کہا جیسے مجھے مریض کی خیریت کی اطلاع دے رہا ہو۔ اس کے جواب پر مجھے شدید ذہنی صدمہ ہوا۔ وہ لوگ انسانی جان کو کبھی بھی گاجر مولی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے اور یہی سفاکی دریا کا طرۂ امتیاز تھی۔

انھوں نے شون کے منہ سے کپڑا نکال کر پہلے اس کا منہ بند کیا پھر عجلت میں اس کے بدن سے رسیاں کھول کر ڈنڈا ڈولی کے انداز میں تقریباً فرش پر گھسیٹتے ہوئے باتھ روم سے باہر لے آئے۔

اسٹریچر درست کر کے شون کی لاش اس پر منتقل کی گئی اور جب وہ اس کی لاش پر سر سے پیر تک چادر ڈال رہے تھے تو جوڈی وائپر سنبھال کر باتھ روم میں داخل ہو گئی تاکہ اس کی دھلائی کر سکے۔

"آگے چل کر دروازہ کھولو۔" ان میں سے ایک نے ہم سے کہا۔ سلطان شاہ آگے بڑھ گیا اور وہ دونوں اسٹریچر اٹھا کر اس کے پیچھے چل دیے۔

مجھے اپنا دل ایک دم بوجھل سا محسوس ہونے لگا۔ خون میکارتھی کے روپ میں ایک خطرناک بلیک میلر ختم ہو گیا تھا جو عمر بھر لوگوں سے ان کی کمزوریوں کی بھاری قیمت وصول کرتا رہا اور اس کی ایسی ہی ایک کوشش آخر کار اس کی زندگی کے خاتمے کا سبب بن گئی۔ اس نے عمر بھر جو کچھ جوڑا تھا وہ یوں ہی دھرا رہ گیا تھا اور وہ یوں اچانک اپنے سفرِ آخرت پر روانہ ہو گیا تھا کہ اتنا قریب ہونے کے باوجود مجھے اس کی موت کا احساس نہیں ہو سکا تھا۔

بس وہ انسان کی زندگی تھی۔ پانی کے ایک بلبلے کی طرح
جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ کتنی دیر تک پانی کی
سطح پر تیرتا رہے گا اور پھر پھٹ کر پانی میں فنا ہو جائے گا۔
وہ میری زندگی کا ایک عجیب سا لمحہ تھا۔ زندگی کی بے ثباتی
اچانک یوں ذہن پر نقش ہوئی تھی کہ میں خود کو اداس اور مضمحل محسوس
کرنے لگا۔

شون نے مجھے اور سلطان شاہ کو گھیرنے کی کوشش میں اپنی
جان کی بازی ہار دی تھی اور غزالہ پاکستان سے کاؤنٹری اور پھر
ہیشام تک جگہ جگہ دشمنوں کے نرغے میں آتی رہی تھی۔ وہ کب تک
بچتی رہے گی؟ اس سوال کا جواب کوئی نہیں دے سکتا تھا۔ کوئی
بھی فیصلہ کن لمحہ اس کی زندگی کا آخری لمحہ ہو سکتا تھا۔

مجھے وحشت ہونے لگی اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔
میل نرس ویرا کے بھیجے ہوئے تھے اور شاید مجھے اس کا
بتا سکتے تھے۔ میں تیزی کے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف
لپکا مگر فلیٹ سے نکلتے ہی میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔

دونوں میل نرس شون میکارتھی کی لاش سمیت عمارت
سے جا چکے تھے اور سامنے سے ویرا
سلطان شاہ کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔

مجھے احساس ہوا کہ اگر کوئی بھی خواہش، خلوصِ نیت کے ساتھ دل
کی گہرائیوں سے کی جائے تو وہ ضرور پوری ہوتی ہے ورنہ اس وقت
ویرا کی آمد کی کوئی امید نہیں تھی کیونکہ اس سے ذرا ہی دیر پہلے فون پر
میری بات ہوئی تھی اور مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ بھی ایمبولینس کے
تقریباً ساتھ ہی آ پہنچے گی۔

اس وقت اس کے جسم پر شوگر کوئین والا پُراسرار سیاہ لبادہ نہیں
تھا اور وہ عام شہری لباس میں ایک دلکش انگریز حسینہ نظر آ رہی تھی۔
میں نے فلیٹ سے باہر ہی خاموشی مگر گرمجوشی کے ساتھ اس
کا استقبال کیا جو عملی اعتبار سے اسی منزل پر شمار ہوتا تھا جس کی بنا پر
آج کل ملکۂ برطانیہ شہزادی ڈیانا کو تادیب کرتی نظر آتی ہیں جب کہ
وہ بے چاری اس معاملے میں بڑی مجبور نظر آتی ہے۔ ان کی ساری
ہی معاشرتی اقدار جوان نسل کو اپنے جذبوں کے بھرپور اور سرِ عام
اظہار پر اکساتی ہیں پھر بھلا پرجوش جوانوں کے استقبالی ہجوم میں سے
گزرتے ہوئے بے چاری ڈیانا کہاں تک اپنے لب و رخسار کو ان
کی والہانہ زد سے بچا سکتی ہے۔ اس صورتِ حال کا تو ایک ہی حل
ہے کہ وہ ایسی بھیڑ بھاڑ میں جانا ترک کر دے یا اپنے زندگی سے
بھرپور چہرے اور مسکراتی نگاہوں میں عمر رسیدہ لوگوں کے تاثرات
پیدا کر لے تاکہ عقیدت مند سر جھکائے محض ہتھیلی کی دستانہ پوش پشت
پر بوسہ دے کر پیچھے ہٹ جائیں۔

مگر ویرا نہ شہزادی تھی نہ اسے کسی مادرِ معظم کی طرف سے
پھٹکار پڑنے کا اندیشہ تھا لہٰذا اس نے دل سے میری اس پیش
قدمی کی قدر کی اور ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے فلیٹ کی طرف ہو لیے۔
سلطان شاہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے ہم سے چند قدم پیچھے رہ گیا۔
مجھے اندازہ تھا کہ میرا رویہ اسے پسند نہ آیا ہو گا لیکن میں ویرا سے فون
پر ہونے والی گفتگو کی روشنی میں اُسے پوری طرح رام کرنے کا فیصلہ
کر چکا تھا۔

اپنے غیر یقینی رویے اور سرد مہری کی بنا پر وہ کئی بار ناقابلِ
برداشت محسوس ہونے لگتی تھی لیکن مجھے اس کے خلوص پر ذرا بھی
شبہ نہیں تھا۔ اگر وہ میری مدد کرنے پر آمادہ نہ ہوتی تو میں لاہور ریلیں
لائیڈز کارٹیج کو تباہ و برباد کرنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوتا بلکہ شی کے
گرگے نہایت آسانی کے ساتھ مجھے اس تہ خانے میں زیر کر کے اپنا
قیدی بنا لیتے پھر ہیشام میں شون میکارتھی کے مکان میں میں سو فیصدی
اس کے رحم و کرم پر تھا۔ ہم دونوں اسلحہ بدست ایک دوسرے
کے مقابل آ گئے تھے نہ وہ مجھے پہچان سکی تھی نہ میں اُسے پہچان
سکتا تھا۔ اُسے شی کے بڑوں کی طرف سے ایک اہم مہم کا سربراہ بنا کر
ہیشام بھیجا گیا تھا جہاں اسے ہر قیمت پر شون میکارتھی سے ایک
قیدی وصول کرنا تھا جس کا ایک ہاتھ بری طرح زخمی تھا۔

میں نے اُسے آواز سے پہچانا تو اس نے بھی مجھے شناخت کر لیا
اور فوری طور پر سمجھ گئی کہ نادانستگی میں وہ میری ہی خریدار بن کر وہاں تک
آئی تھی۔ اس وقت باہر اس کے دو مسلح ساتھی پوری طرح چوکنے تھے،
ایک غالباً مر چکا تھا اور وہ مجھے نشانے پر لے چکی تھی مگر اس نے
صورتِ حال کی نزاکت بھانپتے ہی شی سے بغاوت کا خفیہ فیصلہ کر لیا
اور اپنے خون آشام ساتھیوں کو ایک طرف سمیٹ کر مجھے عقبی راستے
سے فرار ہونے کا موقع فراہم کر دیا۔ اس نے اپنی ذات کو لاحق
ہونے والے کسی بھی خطرے کی پروا کیے بغیر فرار کے لیے اپنی گاڑی
کی چابی مجھے سونپ دی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ میرے دل میں اس
کے ان اقدامات کے لیے بڑی قدر تھی جبکہ سلطان شاہ لڑکیوں،
خصوصاً سفید فام لڑکیوں کے بارے میں اس وقت تک نرا قدر ناشناس
تھا اور اس بارے میں میرے ہر عمل کو شبے کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔
اسے ابتدا ہی سے یہ وہم تھا کہ ویرا غزالہ کو دانستہ مجھ سے دور رکھ
کر مجھے اپنی ذات کے سحر میں گرفتار کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

فلیٹ میں داخل ہو کر ویرا دروازہ بند کرنے کے لیے لمحہ
بھر کو جھجکی تھی مگر اپنے پیچھے سلطان شاہ کی موجودگی کا احساس کرتے
ہی آگے بڑھ گئی۔

"یہ بھی عجیب ہی کیریکٹر پالا ہوا ہے تم نے۔" اس نے ہنستے
ہوئے انگریزی میں ایسے لب و لہجے میں کہا کہ مفہوم شاید سلطان شاہ

کے پلّے ہی نہ پڑ سکا ہوگا۔

"بڑی عجیب قوم سے تعلق ہے اس کا۔" میں نے گہری سنجیدگی اور عقیدت کے ساتھ انگریزی میں ہی کہا۔ "جسے دوست کہہ دیتے ہیں اس کے لیے اپنا لہو تک بہانے سے دریغ نہیں کرتے اور دشمن کو پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑتے، وہ مجھے اس قدر عزیز رکھتا ہے کہ درمیان میں تمھارے وجود کو بھی نظر انداز نہیں کر پاتا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ رات کو بھی تم دونوں ایک ہی بستر میں سوتے ہو۔" اس نے انگریزی میں ہی طنز کیا۔

"بس یہی ایک کمی ہے ورنہ اسی شوق کی بنا پر تمھارے دارالامراء کی رکنیت مل جاتی۔" میں نے اپنی معلومات کے سہارے اس کی دکھتی رگ پر وار کیا جو کارگر رہا۔

"قانون سازی ذاتی مشاغل سے بالا ہوتی ہے..." اس نے پُراحتجاج لہجے میں کہنا چاہا لیکن میں نے سرد مہری کے ساتھ اس کی بات کاٹ دی۔

"یہ سب انھیں بتانا جو حالاتِ حاضرہ سے بے خبر رہتے ہیں، مجھے ان لارڈز کے نام تک یاد ہیں جنھوں نے ذاتی تجربات کی بنا پر اس قانون کی حمایت کی تھی۔"

"تم ایسی باتوں پر ضرورت سے زیادہ حسّاس اور جذباتی ہو جاتے ہو۔" وہ پھیکے لہجے میں بولی۔ "مجھے پتا نہیں کہ سلطان شاہ کس نسل سے تعلق رکھتا ہے ورنہ افغانوں کے بارے میں میرے تجربات بہت تلخ ہیں۔ تم ان کے درمیان اسی وقت محفوظ رہ سکتے ہو جب خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔ ذاتی حفاظت یا مال اسباب کی نگرانی اپنے ذمّے لینا مصائب کو دعوت دینے کے برابر ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ لوگ چیلنج سمجھ کر شب خون مارتے ہیں یا چوری کرتے ہیں۔"

"اوّل تو سلطان شاہ افغان نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو میں تم کو افغانوں پر اتھارٹی تسلیم نہیں کرتا۔ تمھیں دیکھ کر تو احمق اور سادہ لوح آدمی بھی مشتعل ہو سکتے ہیں۔"

"اپنی طاقت سے مرعوب کر کے تم ان سے جو کام چاہو لے سکتے ہو۔" اس نے میرے تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستان پر جتنے حملے درۂ خیبر کے راستے ہوئے اتنے دوسری سمتوں سے مجموعی طور پر نہیں ہوئے اور افغانوں نے ہر حملہ آور کی پذیرائی کی تھی۔"

"یہ آج افغان دشمنی کیوں سوار ہو رہی ہے تم پر؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تاریخ خود کو دُہرانے جا رہی ہے۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "آج وہ روسیوں کی میزبانی کر رہے ہیں اور روسی وہاں جم کر اپنی قوت اور ممکنہ مزاحمت کا اندازہ لگا رہے ہیں اور جس دن انھوں نے ستارے موافق پائے، وہ بحرِ ہند کی طرف چل پڑیں گے۔"

میں آہستگی سے ہنس پڑا اور میرے ذہن میں سب اہم کانفرنس کی یاد تازہ ہو گئی جو انسدادِ منشیات کے سلسلے پروفیسر ڈاکٹر دیسلر کی صدارت میں کراچی میں منعقد ہوئی تھی۔ انٹرنیشنل کنٹرول بورڈ کے اس اجلاس میں دنیا بھر کے نمائندے شریک تھے اور وہیں پہلی بار یہ انکشاف ہوا تھا کہ پاکستان کے پسماندہ اور ناخواندہ قبائل کو ہیروئن کی تیاری میں مدد دینے کے لیے ایک انگریز لڑکی کے ذریعے ایک لاکھ مارک کے خطیر معاوضے پر ڈاکٹر پی جے ڈالٹن نامی ایک جرمن کیمسٹ مومن خان تک پہنچا گیا تھا اور پھر اس کے کچھ دنوں بعد نہایت سرعت کے ساتھ ہیروئن پہاڑوں سے نکل کر قریے قریے میں پھیلتی چلی گئی۔

اسی کانفرنس میں امریکن بیورو آف نارکوٹکس اینڈ ڈینجرس ڈرگس کے نمائندے جے آرتھر نے اس خطے میں ہیروئن کی تیاری اور استعمال کی ایسی بھیانک تصویر کشی کی تھی کہ سارے مندوبین دم بخود رہ گئے تھے۔ اس کی اطلاعات کے مطابق روسی اپنے ایجنٹوں کے ذریعے افغان حکومت کے مخالفین کو ہیروئن فروشی کے ذریعے سرمایہ حاصل کرنے کی کامیاب ترغیب دے رہے تھے تاکہ انھیں عالمی برادری میں بدنام کر کے ہر بیرونی حمایت سے محروم کر سکیں۔ شاید اسی کانفرنس کے بعد امریکی حکومت کے ذمے داروں نے افغان تحریکِ مزاحمت کی ضروریات کا صحیح ادراک کرتے ہوئے ان کی مالی اور فوجی امداد میں بیش بہا اضافے کیے تھے لیکن بعد از آں کیے گئے وہ اقدامات ہیروئن کے سیلاب کے سامنے کوئی بند نہ باندھ سکے اور مردان و صوابی وغیرہ کے علاقوں میں افیم بدستور نفع بخش فصل کے طور پر کاشت ہوتی رہی۔ ان خطوں میں افیم وہ واحد فصل تھی جو زمین میں بوائی ہوتے ہی پیشگی نقد داموں پر فروخت ہو جاتی تھی کیونکہ لیبارٹری میں تیار کیا ہوا اسی کا ایک الکلائیڈ ہیروئن کے نام سے مُنہ مانگے داموں پر فروخت ہوتا تھا۔

جو کچھ میں نے اس کانفرنس میں حیرت سے سُنا تھا، وہ اب ویرا اطمینان سے بتا رہی تھی۔

"میں نے سُنا ہے کہ پاکستان کی سرزمین پر ہیروئن کی پہلی لیبارٹری تم نے قائم کرائی تھی؟" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" اس نے تحیّر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے پتا چلا ہے کہ مومن خان کے لیے ڈاکٹر ڈالٹن کی خدمات تم ہی نے حاصل کی تھیں۔"

"میں نہ کرتی تو وہ کام کسی اور کو سونپ دیا جاتا لیکن مجھے حیرت ہے کہ یہ بات تمھیں کیسے معلوم ہوئی۔ میں نے پوری طرح رازداری

اپنا کام سرانجام دیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ پاکستان میں شی روسی مفادات کے لیے کام کر رہی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"جرائم کی دنیا کا ایک اپنا ضابطہ ہوتا ہے۔ وہاں نہ سیاست چلتی ہے نہ اخلاقیات پر غور کیا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ روسیوں کی کوئی بہت بڑی ڈیل رہی ہو۔"

"پاکستان میں بیٹھ کر تو یہ مقامی مجرموں کی کوئی بڑی کارروائی نظر آ رہی تھی۔ اب شی کا چہرہ ذرا بے نقاب ہو رہا ہے۔ مجھے شبہ تک نہیں ہوسکا تھا کہ ہم روسیوں کے لیے کام کر رہے تھے۔"

وہ تلخ انداز میں ہنسی۔ "روسیوں اور امریکیوں کو بھول جاؤ۔ شی صرف اقتدار اور پیسے کے لیے کام کرتی ہے۔ ایران کے خلاف نہ جانے کہاں کہاں شی امریکی مفادات کے لیے کام کر رہی ہے اور اس کے تمام کے تمام پروجیکٹ بہت کامیابی سے چل رہے ہیں۔"

"پھر پاکستان میں اسلحے کی اسمگلنگ کا کیا جواز تھا؟" میں نے لائیڈز کالج کے تہ خانوں میں موجود اسلحے کے ذخائر کو یاد کرتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہارے ملک میں منظم پیمانے پر عدم تحفظ کا احساس اُبھارا جا رہا ہے۔ پبلک مقامات پر ہلکے بھاری بموں کے دھماکوں کا مقصد کسی خاص فرد یا عمارت کو نشانہ بنانا نہیں ہوتا جن کی موت آ چکی ہوتی ہے وہ زد میں آ جاتے ہیں ورنہ اصل مقصد خوف وہراس پھیلانا ہوتا ہے اور یہ کام باقاعدہ وقفوں سے چل رہا ہے۔"

"لیکن اس سے فائدہ کسے پہنچ رہا ہے؟"

"فائدہ بعد میں پہنچے گا پہلے تو تمہاری قومی یک جہتی اور اعتماد میں دراڑیں ڈالنا ہیں۔ ان دھماکوں کے نتیجے میں افغان مہاجرین کے خلاف نفرت عام طور پر بڑھی ہے۔ ہر واردات کے بعد مقامی پیمانے پر شورشوں کا سلسلہ بھی چل نکلا ہے لوگ غیر قانونی طور پر اسلحہ حاصل کرنے کے جنون میں بھی مبتلا ہو رہے ہیں۔ حالات کو رفتہ رفتہ ایک ایسی نہج پر ڈالا جا رہا ہے کہ ایک دن سب کچھ بکھر کر رہ جائے گا اور مغربی سرحدوں سے آنے والوں کو کوئی نہ روک سکے گا۔"

"خدا سے ڈرو ویرا!" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "تم کتنی بے تکلفی کے ساتھ میرے سامنے یہ سب بکواس کیے جا رہی ہو۔"

"تم چاہو تو اپنے کان بند کر سکتے ہو۔" اس نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "میرے خاموش رہنے یا تمہارے کان بند کر لینے سے حالات نہیں بدل سکتے۔ وقت کا دھارا بہت بے رحم ہوتا ہے۔ ہاتھیوں کی جنگ میں اگر چیونٹے بھی کود پڑیں تو نتائج کا اندازہ لگانے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ اس کے قیاسات تھے لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ ہمارے جو لوگ فیصلوں کے ذمے دار تھے ان کی نگاہوں کی رسائی دور تک تھی۔ وہ ویرا سے زیادہ ذہین اور دوربین تھے اور انھوں نے اپنی سرزمین کے خلاف ہر بد نگاہی کا سدباب کیا ہوا تھا ورنہ پچھلے پانچ برسوں میں ہونے والی معرکہ آرائیاں بہت آسانی کے ساتھ پہاڑوں کے اس پار منتقل ہوسکتی تھیں۔

ویرا مزاج کے اعتبار سے کینہ پرور نہیں تھی لیکن اس وقت وہ جو کچھ بک رہی تھی وہ میرے ذہن کے لیے قابلِ قبول نہیں تھا لہٰذا میں نے اس مرحلے پر خاموشی کو بہتر سمجھتے ہوئے خود کو سگریٹ سلگانے میں مصروف کر لیا اور وہ وائن کیبنٹ کی طرف بڑھ گئی۔

اسی اثنا میں جوڈی اپنے لباس پر ایپرن باندھے اور ہاتھ میں وائپر سنبھالے غسل خانے سے بڑبڑاتی ہوئی برآمد ہوئی مگر ویرا پر نگاہ پڑتے ہی مشینی انداز میں خاموش ہوگئی۔

"گڈ ایوننگ مادام!" اس نے اپنے سر کو قدرے خم دے کر کہا اور مجھے اندازہ ہوگیا کہ ویرا سے اس کی روح فنا ہوتی تھی۔

"ایوننگ جوڈی!" ویرا نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے اُمید ہے کہ تم نے میرے ان مہمانوں کا پوری طرح خیال رکھا ہوگا؟"

جواب میں جوڈی نے اچانک ہی کوئی ایسی زبان بولنا شروع کردی جو میرے لیے بالکل لایعنی تھی مگر ویرا انہماک سے اس کی تقریر سنتی رہی۔ اس دوران میں پل بھر کے لیے بھی اس کی نظریں جوڈی کے چہرے پر سے نہیں ہٹی تھیں اور اس کے خاموش ہونے پر خود بھی اسی زبان میں شروع ہوگئی۔

ان دونوں کے اجنبی زبان میں گفتگو کرنے کی وجہ سے مجھے اُلجھن ہونے لگی تھی کیونکہ جوڈی نے جو کچھ کہا وہ ہماری مہمانداری کے بارے میں ویرا کے سوال کے جواب میں تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ شاید جوڈی کو ہم دونوں سے کچھ شکایات تھیں جنھیں وہ ویرا کے علم میں لا رہی تھی۔

"کہیں تم اس بڑھیا پر عاشق ہونے کی کوشش تو نہیں کر بیٹھے تھے؟" میں نے سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو کر اردو میں سوال کیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" سلطان شاہ نے بھنا کر برا سا منہ بنایا۔ "اتنا بدذوق نہیں ہوں۔ جیب میں پیسے ہوں تو اس شہر میں تنہائی دور کرنے کے لیے من پسند رفاقتیں خریدی جاسکتی ہیں۔ اس بڑھیا میں کیا رکھا ہے۔"

اسی اثنا میں جوڈی چلی گئی اور ویرا اسکاچ کے دو گلاس لیے مسکراتی ہوئی ہمارے قریب آ بیٹھی۔ "وہ فرنچ میں تمہاری شکایت نہیں کر رہی تھی بلکہ مجھے ان لوگوں کے بارے میں بتا رہی تھی جو میری عدم موجودگی میں میرے لیے یہاں فون کرتے رہے تھے۔"

"شکایت کر کے بھی کیا بگاڑ لیتی؟" میں نے اپنا گلاس اُٹھا

کر ویرا کے گلاس سے ہولے سے ٹکراتے ہوئے کہا۔ "جب تک تم راضی ہو اس بارے میں، ہمیں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

طلائی رنگ سیال میں برف کے ٹکڑے گھل رہے تھے اور ہم دونوں آہستہ آہستہ اس سیال کو اپنے معدوں میں منتقل کر رہے تھے۔ سلطان شاہ بے نیازی کے ساتھ صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ویرا کی آنکھیں کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور میں خود گزرے ہوئے حالات پر غور کر رہا تھا۔

تنظیم میں میری شمولیت سے اس وقت تک بے شمار واقعات گزر چکے تھے۔ میں نے جس کام کو ایک مقامی اور منظم گروہ سے منسلک سمجھ کر قبول کیا تھا، اس کی جڑیں بتدریج سامنے آئی تھیں۔ پہلے تنظیم کی ملک گیر سرگرمیاں بے نقاب ہوئیں پھر بین الاقوامی روابط سامنے آئے، اسی کے ساتھ یہ عقدہ بھی کھلا کہ ہیروئن کی غیر قانونی برآمد کے ساتھ تنظیم پاکستان میں اسلحہ کی اسمگلنگ میں بھی پوری طرح ملوث تھی اور اب لندن میں ویرا کی وجہ سے مزید سنسنی خیز انکشافات ہو رہے تھے کہ شی مجرموں کا کوئی محدود ٹولا نہیں تھا بلکہ وہ مجرموں کی ایک عالمگیر تنظیم تھی جو منشیات اور اسلحے کی اسمگلنگ سے لے کر مختلف ملکوں کے سیاسی مفادات کے لیے بھی غیر قانونی سرگرمیاں انجام دیتی تھی۔

ایک دور میں میں خود پاکستان میں شی کا بہت اہم اور باخبر کارندہ رہا لیکن میرے فرشتوں کو بھی اصل کھیل کی ہوا نہ لگ سکی میری ساری توجہ بس ان بدنصیبوں پر مرکوز رہی جو شدید معاشرتی دباؤ یا ترغیب کے تحت ہیروئن کے عادی بنائے جاتے تھے اور پھر اپنے تمام اثاثے برباد کر کے دردناک موت کی دلدل میں دھنستے چلے جاتے تھے جب کہ فی الحقیقت وہ صرف ایک محاذ تھا۔ ملک کے خلاف تخریب اور دشمنی کی کارروائیوں کے کئی اور محاذ بھی کھلے ہوئے تھے جن میں بظاہر کوئی تعلق نہیں تھا لیکن ہر طرف کام کرنے والے ذہن مشترک تھے۔

اس ہولناک تخریبی سازش میں میرا کردار خاصا شرمناک رہا تھا لیکن مجھے خوشی تھی کہ غزالہ کی ذات کا سہارا ملنے کے بعد میں نے نہ صرف ان کارروائیوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی بلکہ تنظیم کو پاکستان میں ناقابلِ تلافی نقصانات بھی پہنچائے تھے لیکن اس جانگسل مقابلے میں غزالہ میری دسترس سے اس طرح نکلی تھی کہ اب وہ ایک موہوم سا چھلاوا بن کر رہ گئی تھی جس کے بارے میں میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ وہ کب کہاں ہو گی۔ برطانیہ کی سرزمین پر لہو کے پیاسے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے، یہ اس کی خوش بختی تھی کہ وہ اب تک ہر وار سے خود کو بچاتے ہوئے روپوشی اختیار کرنے میں کامیاب ہوتی چلی آئی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ پیشہ ور مجرموں کی چار طرفہ یلغار کے سامنے وہ زیادہ دیر تک اپنا کامیاب دفاع نہ کر سکے گی۔ پھر اس کے ساتھ جو کچھ ہوتا اس کا تصور ہی میرے لیے لرزہ خیز تھا۔

دوسری طرف میں خود خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ پاکستان میں داؤد نے برطانیہ پہنچ کر شی کے بڑوں کو نہ صرف میرے زندہ ہونے کا یقین دلا دیا تھا بلکہ انھیں یہ بھی باور کرا دیا تھا کہ میں برطانیہ ہی میں موجود تھا اور ویرا کے ساتھ مل کر شی کے مفادات کے خلاف کام کر رہا تھا گو داؤد جہنم واصل کر دیا گیا تھا لیکن اس کی لگائی ہوئی آگ بدستور بھڑک رہی تھی۔ گروپ نائین کے سفاک قاتلوں کی ٹولیاں شہر میں میری بو سونگھتی پھر رہی تھی اور شاید وہ یہ اندازہ بھی لگا چکے تھے کہ ان کے ایک ساتھی کو قتل کرتے ہوئے جس قاتل کا دایاں ہاتھ ٹوٹے ہوئے شیشے سے زخمی ہوا وہ میں ہی تھا۔ اس پورے کھیل میں ویرا فائدے میں رہی تھی۔ شی والوں سے ٹھن جانے کے بعد بھی اسے محض اس وجہ سے معافی مل گئی تھی کہ وہ جمی لائیڈ کی بیوی تھی۔ میں اس قابل بھی نہیں رہا تھا کہ بے خوف ہو کر اپنے طور پر غزالہ کو تلاش کر سکوں۔

"اب تمھیں چند روز تک اسی فلیٹ کی چار دیواری میں محدود رہنا ہو گا۔" کافی دیر کے پُرخیال سکوت کے بعد ویرا نے اپنے گلاس میں بچے ہوئے سیال کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"محدود تو خیر کیا رہوں گا؟ دو چار روز کے لیے سب کچھ بھول کر تفریح کرنے کا ارادہ ہے کیونکہ کلفورڈ کے کریڈٹ کارڈ پر اب تک میں نے ایک پینی بھی خرچ نہیں کی ہے۔" میں نے کہا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے خود ہی یاد دلا دیا۔" وہ چونک کر بولی۔ "اس کارڈ کو اب ہرگز استعمال نہ کرنا۔ داؤد کی بدمعاشیوں کے نتیجے میں ان لوگوں نے وہ کریڈٹ کارڈ منسوخ کرا دیا تھا بلکہ وہ کارڈ اور اس سے متعلقہ شناختی کاغذات اب ضائع ہی کر دو۔"

"اتنی اہم بات تم مجھے اب بتا رہی ہو؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ابھی کچھ اس سے بھی اہم باتیں باقی ہیں۔" اس نے اپنے لب تر کرتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اس وقت میں تفریحاً تمھارے پاس نہیں آئی ہوں۔"

"حالانکہ اس سے زیادہ دلچسپ تفریح میسّر آنا مشکل ہے۔" سلطان شاہ نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصّہ لیتے ہوئے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوہو! تمھاری گویائی بھی بحال ہے۔" ویرا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "میں تو سمجھی تھی کہ کسی صدمے سے تمھاری زبان ہی بند ہو گئی ہے۔"

اس سے پہلے کہ ان دونوں کے درمیان مزید تلخ فقروں کا

تبادلہ ہوتا میں نے دخل اندازی کرتے ہوئے وہ سلسلہ وہیں روک دیا۔ "سلطان سے اُلجھنے کے بجائے اگر تم کام کی بات شروع کر دو تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

"قتل کی پے در پے وارداتوں نے پولیس والوں کو بوکھلا کر رکھ دیا ہے کیونکہ کہیں سے بھی قاتل یا قاتلوں کے بارے میں کوئی قابلِ ذکر سراغ نہیں مل سکا ہے، بس یہی اندازہ لگایا جا سکا ہے کہ آخری واردات کے مجرم کا ایک یا دونوں ہاتھ زخمی ہوئے ہیں۔ اس نظریے کی تصدیق کار میں گرنے والے تمہارے خون کے تجزیے سے بھی ہو گئی ہے کیونکہ وہ مقتول کے خون سے بالکل مختلف ہے۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، میرے علاوہ تمہیں بھی اندازہ تھا کہ ایسا ضرور ہوگا۔"

"اور اب پولیس پوری مستعدی کے ساتھ قاتل کی تلاش میں ہے۔ میری اطلاع کے مطابق دو تین ایسے افراد بھی باز پرس کے لیے حراست میں لیے جا چکے ہیں، جن کے ہاتھوں پر کسی گھریلو کام یا پیشہ ورانہ مصروفیات کے دوران کچھ معمولی زخم آئے ہوئے تھے، اُنھیں خون کے تجزیے کے بعد ہی رہائی نصیب ہو سکی۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں پولیس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر لندن سے ہیشام تک کا دو طرفہ سفر کر کے بخیر و عافیت یہاں آگیا۔ شاید دو تین روز میں میرے ہاتھ کے زخم بھی بھر جائیں گے۔"

"میں بھی یہی کہنا چاہ رہی تھی کہ زخم بھرنے تک تمہیں اسی فلیٹ میں محدود رہنا ہوگا۔"

"کیا یہی وہ اہم بات ہے جس کے لیے تم یہاں دوڑی آئی ہو؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"خوب!" وہ اٹھلا کر بولی۔ "اتنا ہی احمق سمجھا ہوا ہے تم نے مجھے؟"

"پہیلیاں تو اسی طرح بجھوا رہی ہو جیسے خود کو کم سنوں میں شمار کرانے کا شوق ہو۔"

"ویلنگٹن آرکیڈ کے ایک صراف نے آج تمہارے خلاف ڈکیتی کی باقاعدہ رپورٹ درج کرائی ہے۔" وہ میری طرف جھک کر آہستگی کے ساتھ بولی اور میرے وجود میں سنسنی سرایت کر گئی۔

"لندن کے کسی صراف کو مجھ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"وہ صرف صراف ہی نہیں شی کا ہرکارا بھی ہے۔ یہ رپورٹ یقیناً اوپر والوں کے ایما پر درج کرائی گئی ہے۔" ویرا نے اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"تو انھیں پورا یقین ہو گیا ہے کہ میں نہ صرف زندہ ہوں بلکہ لندن میں ان کے خلاف ہونے والی کارروائیوں میں بھی میرا ہی ہاتھ ہے۔" یہ کہتے ہوئے اچانک ہی مجھے ایک نکتہ سوجھا اور میں، ویرا سے سوال کر بیٹھا۔ "رپورٹ میرے خلاف کیسے ہو سکتی ہے۔ آخر اس صراف نے رپورٹ میں میرا نام کیسے درج کرایا ہوگا؟ ڈاکو واردات سے پہلے اپنا تعارف تو کہیں بھی نہیں کراتے؟"

"یہی تو اس پوری کہانی کی جان ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "رپورٹ کسی نامعلوم مسلح ڈاکو کے خلاف لکھوائی گئی ہے جو فرار ہوتے ہوئے بے خبری میں اپنا پرس صراف کی دکان میں پھینک گیا تھا۔ اس پرس میں سے معمولی رقم اور چند بے مقصد کاغذ کے پُرزوں کے علاوہ تمہاری ایک تصویر بھی برآمد ہوئی ہے لہٰذا اب پولیس اس تصویر والے کی تلاش میں ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ پولیس والوں نے ڈکیتی کی اس بودی کہانی پر یقین کر لیا۔"

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی ہونا چاہیے تھی۔ کیا کمی ہے اس کہانی میں؟"

"میں نے سنا ہے کہ یہاں کی بیشتر دکانیں اینٹی برگلری الارم سسٹم سے منسلک ہوتی ہیں، آخر دکاندار نے وہ الارم استعمال کیوں نہیں کیا۔ پھر میں ویلنگٹن آرکیڈ کے محل وقوع سے تو واقف نہیں لیکن وہ ضرور لندن کا کوئی بارونق علاقہ ہوگا۔ وہ دکاندار ڈکیتی کے گواہ کہاں سے پیش کرے گا؟"

وہ یوں ہنسی جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ "تم شی کے اندر رہنے کے باوجود یہ سب کہہ رہے ہو۔ رپورٹ درج کرانے سے پیشتر اس دکان پر عملاً ساری کارروائی کی گئی تھی۔ قرب وجوار کے لوگوں نے اس صراف کے یہاں سے ایک آدمی کو تھیلا اٹھائے عجلت میں ایک کار کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ اس نے ہیٹ ماتھے پر جھکایا ہوا تھا اور السٹر کے کالر کھڑے کیے ہوئے تھے۔ اس لیے کوئی اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ ایک پڑوسی اپنے تجسس سے مجبور ہو کر صراف کی دکان میں داخل ہوا تو وہاں اودھم برپا ہو گیا۔ صراف کاؤنٹر کے پیچھے اپنی نشست سے نیچے بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ تجوری کھلی ہوئی تھی اور وہیں ڈاکو کا پرس پڑا ہوا تھا۔ پولیس اور ایمبولینس کو پڑوسیوں نے طلب کیا تھا۔ صراف نے بعد میں ہوش میں آکر اپنا بیان درج کرایا۔ وہ اس علاقے کا چھوٹا سا صراف ہے اس لیے اس نے کبھی الارم لگوانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ اس واردات میں وہ دس ہزار پاؤنڈ نقد اور بائیس ہزار کے زیورات سے محروم ہوا ہے۔"

"پوری طرح سوچ سمجھ کر رپورٹ درج کرائی گئی ہے۔" میں نے ہولے سے سیٹی بجاتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ وہ مجھے ہر طرف سے گھیرنے پر تُل گئے ہیں۔"

"صراف کا بیان ہے کہ ڈاکو نے دکان میں داخل ہوتے ہی اس کے منہ پر کوئی زود اثر ٹھنڈا اسپرے پھینکا تھا اور وہ اس کی صورت دیکھے یا کوئی آواز نکالے بغیر آناً فاناً میں ڈھیر ہو گیا۔" ویرا بولی۔ "میری

زندگی میں یہ پہلا موقع ہے کہ شی نے اپنے کسی حریف کو زیر کرنے کے لیے پولیس کا سہارا لیا ہے۔"

"آخر تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کر لیا؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ڈکیتی کی کوئی حقیقی واردات رہی ہو، تم کس بنا پر اس واقعے کو مجھ سے منسوب کر رہی ہو؟"

"ڈاکو کے پرس سے برآمد ہونے والی تصویر شام کے اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کی ہے۔ میں تمھاری وہ تصویر دیکھ کر ہی چونکی تھی پھر باقی معلومات حاصل کرنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ تصویر نہ دیکھتی تو میرے فرشتوں کو بھی اس قصے کا علم نہ ہو پاتا۔"

"وہ اخبار لائی ہو؟" میں نے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا۔

ویرا نے اپنے پرس میں سے تہ کیا ہوا دو ورقی اخبار نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے تہیں کھولیں تو پہلے ہی صفحے پر اپنی تین کالمی تصویر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ میری کم از کم دو سال پُرانی تصویر تھی جس کا پس منظر دھندلا بلکہ ناقابلِ شناخت تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں نے پاکستان میں کبھی بھی تنظیم کے کسی اہلکار کو اپنی تصویر نہیں دی تھی جس کا مطلب تھا کہ شی کے سربرآوردہ لوگ اپنے اہم مہروں کا ریکارڈ خود ہی تیار کر کے محفوظ رکھتے تھے اور وہ تصویر ایسے ہی کسی ذخیرے سے شاید داؤد کے ذریعے پاکستان سے لندن پہنچی تھی۔

خبر کی تفصیلات وہی تھیں جو ویرا اختصار کے ساتھ مجھے سُنا چکی تھی۔ نامہ نگار نے اپنی حاشیہ آرائیوں اور کئی افراد کے بیانات کے سہارے خبر کو خاصا پھیلا دیا تھا۔

"یہ تو بڑی تشویش ناک صورتِ حال ہے۔" میں نے اخبار سلطان شاہ کو دیتے ہوئے کہا جو تجسس کے عالم میں میرے قریب ہی آ بیٹھا تھا۔

"اسی وجہ سے میں خود آئی ہوں۔" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ اب تمھیں داڑھی رکھ لینا چاہیے کیونکہ اخبار کی تصویر میں تم کلین شیو ہو۔ بالوں کا انداز تو خود بخود ہی بدل چکا ہے۔ چاہو تو رنگین کانٹیکٹ لینس بھی استعمال کر سکتے ہو۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ وہ مسئلے کے ساتھ اس کا حل بھی لے کر آئی تھی جس کی معقولیت پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تمھیں میری سلامتی کی اتنی فکر ہے۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "لیکن غزالہ کے بارے میں ابھی تک کوئی طریقۂ کار طے نہیں کر سکی ہو۔"

"اس کی تلاش پر آدمی مامور کر دیے گئے ہیں۔" اس نے پُرسکون [illegible] کہا۔ "مشکل یہ [illegible] میرے پاس اس کی کوئی تصویر نہیں ہے [illegible] تمھارا میرے بتائے ہوئے حلیے پر ہے۔"

"مگر جوزف میکفرسن تو اسے اچھی طرح پہچانتا ہے۔ دیکھو جائے تو اس کے لیے دشواریوں کا آغاز اسی کے گھر سے ہوا تھا۔ تم اسے غزالہ کی تلاش پر مامور کیوں نہیں کرتیں؟"

"اس وقت اس سے دور رہنے میں ہی عافیت ہے۔ بہر [illegible] کالا پانی اور کاؤنٹری میں دو اسکن ہیڈز کے قتل کا معاملہ ابھی تازہ ہے اور جوزف پولیس کی نگاہوں میں ہے وہ جہاں بھی جائے گا خفیہ پولیس والے اس کا پیچھا کریں گے۔ میں اس بارے میں غور [illegible] سوچ چکی ہوں۔"

"بس یہ یاد رکھنا کہ اب ہم دونوں کے گرد قانون کا حلقہ بھی تنگ ہونے لگا ہے۔ پولیس کے پاس سرے اور کاؤنٹری سے ملے ہوئے غزالہ کے فنگر پرنٹ موجود رہی تھے۔ اب ڈیوڈ ڈایولنگ کے قتل کے بعد میری جلد، ریشوں اور خون کی رپورٹ بھی پولیس کی تحویل میں آ چکی ہے۔ ان حالات میں ہم زیادہ وقت نہیں گزار سکتے۔"

"خود کو الگ کر کے نہ سوچو۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "شاید تمھیں علم نہیں کہ پولیس نے فرینکی کے ایک ساتھی کو حراست میں لیا ہے جس نے بتایا ہے کہ اپنی موت سے چند روز پیشتر فرینکی کی سرگرمیاں مشکوک ہو گئی تھیں اور وہ فون پر مختلف لوگوں سے کسی شوگر کوئین کے بارے میں گفتگو کرتا رہتا تھا۔"

بے اختیار میرے ذہن میں ڈیلی میل کی وہ چھوٹی سی خبر گھوم گئی جس کا متن ویرا کے بیان سے مطابقت رکھتا تھا۔ "بے شک تمھارا ایک خفیہ نام پولیس کے ریکارڈ پر آ گیا ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن یہ تمھارے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے، وہ کس طرح ثابت کریں گے کہ تم ہی شوگر کوئین کا نام استعمال کرتی رہی ہو؟"

"وہ بعد کی بات ہے۔ میں تو تمھیں یہ جتانا چاہ رہی تھی کہ میں بھی خطرے سے باہر نہیں ہوں۔ شی میں مجھے اپنا کھویا ہوا مقام کسی حد تک واپس مل گیا ہے لیکن باہر میرے لیے بھی خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔"

"تمھارے یہاں بہتیرے روابط ہیں۔ تم کہیں بھی پناہ لے سکتی ہو لیکن میں تو بالکل تمھارے رحم و کرم پر ہوں۔ مجھے یہ تک معلوم نہیں کہ اچانک ضرورت پیش آ جائے تو تم سے کہاں اور کیسے رابطہ کیا جا سکے گا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے قدرے ترش لہجے میں کہا۔

"مرچیں نہ چباؤ۔ ایک آدھ روز میں مَیں مے فیئر میں اپنے فلیٹ میں منتقل ہو جاؤں گی۔ میری طویل غیر حاضری کی وجہ سے فلیٹ بہت گندا ہو رہا ہے جس کی صفائی ہو رہی ہے۔ وہاں تم کسی بھی وقت کسی کوڈ کے تحت مجھ سے رابطہ قائم کر سکو گے۔ شی میں [illegible]

کے لیے وہ فلیٹ میرے لیے مخدوش نہیں رہا ہے۔"

"کوڈی کی ضرورت بھی پیش آئے گی؟" میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"میں نہیں چاہتی کہ تم مجھے اپنے اصل نام سے فون کرو، ہوسکتا ہے کہ کچھ عرصے تک جان میرے فون کی نگرانی کراتا رہے۔ ایڈی کے نام سے اردو میں بات کر سکتے ہو لیکن الفاظ کے انتخاب میں محتاط ہی رہنا ہوگا۔"

"اور اگر اس سے پہلے ضرورت پیش آگئی؟"

"انتہائی مجبوری کی صورت میں تم موریس سے بات کر سکتے ہو۔ اس کا نمبر جوڈی کے پاس موجود ہے۔" اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا، "جیکب کے قتل کے بعد اب وہی میرا دستِ راست ہے مگر جوڈی اس کی اہمیت سے بالکل بے خبر ہے۔ وہ بہت بے خوف اور جان پر کھیل جانے والا آدمی ہے۔"

"تمہارے لیے تو بے چارہ لارڈ آرٹزک تک جان پر کھیل گیا۔ اس معاملے میں تو میں پہلے دن سے تمہاری صلاحیتوں کا معترف ہوں، جس مرد کو چاہتی ہو اشاروں پر نچانے لگتی ہو۔"

سلطان شاہ کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ ویرا کے ساتھ میرے مصالحانہ رویّے کے بارے میں وہ ہمیشہ ہی شاکی رہتا تھا للٰہذا اس وقت میری کھری کھری باتوں سے اسے خاصی خوشی ہوئی تھی مگر فوراً ہی ویرا نے اس کی مسکراہٹ بھانپ لی اور اس کے پیچھے پڑ گئی۔

ویرا ایک تجربے کار اور منہ زور عورت تھی جو بھانت بھانت کے مردوں سے نمٹنا خوب جانتی تھی جب کہ سلطان شاہ اپنے دیہاتی مزاج کی وجہ سے عورتوں سے نہ صرف دور دور رہتا تھا بلکہ ان سے گفتگو کرتے ہوئے بھی جھجکتا تھا للٰہذا ویرا سے دو چار مکالموں میں ہی اُسے پسینے چھوٹ گئے اور وہ اپنی مدافعت کرتے ہوئے اس قدر سنجیدہ نظر آنے لگا جیسے برسوں سے مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو کر نہ گئی ہو۔

مزید کچھ دیر ٹھہر کر ویرا واپس چلی گئی۔

☆☆

یہ شام تک بھاگ دوڑ کی تکان کچھ اتنی عجیب اور گہری تھی کہ وہاں سے واپسی پر صبح سویرے سو لینے کے باوجود نیند پوری نہیں ہوئی اور رات کو کھانے کے بعد ایک بار پھر نیند کا شدید غلبہ ہوا اور میں سیدھا خواب گاہ میں جا کر بستر پر دراز ہو گیا۔

اسی عالم میں خوابیدہ ذہن کے کسی گوشے میں ایک گھٹی گھٹی سی چیخ گونجی اور میں ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا۔ میرا نیم خوابیدہ ذہن یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ خواب تھا یا کوئی حقیقی چیخ تھی۔

میری خواب گاہ کے ادھ کھلے دروازے کے باہر راہداری میں دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور فلیٹ میں مکمل سناٹے کا راج تھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور میں اپنے حواس مجتمع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بستر پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا کہ طویل وقفے کے بعد اچانک فلیٹ کی محدود فضا میں ڈور بیل کی دھیمی اور مختصر سی آواز گونجی جو سناٹے میں بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے باہر کسی نے ڈور بیل کے بٹن پر انگلی رکھ کر فوراً ہی ہٹالی ہو۔

غیر ارادی طور پر میری نگاہ اپنی روشن ڈائل والی گھڑی پر گئی جس کی سوئیاں صبح کے پانچ بجے کا اعلان کر رہی تھیں۔ اتنی صبح گھنٹی کا بجایا جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میرے ذہن پر چھایا ہوا نیند کا خمار فوراً ہی کافور ہو گیا اور سارے حواس یک بیک کام کرنے لگے۔

میں نے تکیے کے نیچے سے بھرا ہوا پستول نکالا اور پھرتی کے ساتھ بستر چھوڑ دیا۔ نیم روشن راہداری کو عبور کرکے میں انٹرکام کی طرف لپکا تو وہاں جوڈی مجھ سے پہلے شب خوابی کے لباس میں بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ پریشان لہجے میں انٹرکام پر ہکلا رہی تھی۔ بڑھاپے کی کچی نیند کے علاوہ اس کی خواب گاہ کا انٹرکام سے تقریباً ملحق ہونا اس کی وہاں موجودگی کا بنیادی سبب تھا۔ میری آہٹ پاتے ہی وہ ریسیور کان سے لگائے میری طرف مڑی تھی اور میں نے اس کی آنکھوں میں لرزاں خوف کے سائے واضح طور پر دیکھ لیے۔

"م... مگر آفیسر! یہاں سب خیریت ہے.... تم یہاں کیوں آنا چاہتے ہو؟" اس کی زبان سے بدقت تمام ٹوٹے پھوٹے الفاظ ادا ہوئے تھے۔

اس کی زبان سے آفیسر کا لفظ سُن کر میں چونکا تھا پھر جوڈی نے دوسری طرف کا جواب سنتے ہوئے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا تھا۔ "پولیس آگئی ہے۔"

مجھ پر اضطراری کیفیت طاری ہو گئی۔ میرے لیے وہ بدترین صورتِ حال تھی جس سے فرار کی کوئی راہ سامنے نہیں تھی۔ میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کر جوڈی کو اشارہ کیا کہ وہ انہیں آنے دے۔

میرا داہنا ہاتھ بُری طرح لہولہان اور پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا جس کی بنا پر مجھ پر فوری طور پر ڈیوڈ ایولنگ کا قاتل ہونے کا شبہ کیا جا سکتا تھا پھر میرے خلاف ڈکیتی کی ایک جھوٹی رپورٹ بھی درج تھی جس کی وجہ سے میری گلو خلاصی کا کوئی امکان نہیں رہا تھا۔ میں نے بے بسی کے ساتھ اپنے بائیں ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کا جائزہ لیا اور پھر اس کا سیفٹی کیچ چڑھا کر پستول قریبی تپائی کے پیچھے ڈال دیا۔ اس دوران میں جوڈی بٹن دبا کر بیرونی دروازے کا قفل

چلی تھی پھر لحظہ بھر بعد اس نے سلیپنگ گاؤن کی پروا کیے بغیر فلیٹ کا داخلی دروازہ بھی کھول دیا۔

سرد رات کے سناٹے میں باہر کئی وزنی جوتوں کی چاپ سنائی دی۔ میرا دورانِ خون لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور پھر تین مہیب وردیوں میں سنگلاخ چہرے سامنے آ گئے۔

آگے والا ان میں سینئر افسر معلوم ہوتا تھا۔ اس نے جوڈی کے سامنے ٹھہر کر عادتاً سر کو قدرے خم کیا پھر اس کی سرد اور سپاٹ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ "مادام! کیا ہمیں گھر میں داخل ہونے کی اجازت ہے؟"

جوڈی کی آواز اس کے گلے میں گھٹ کر رہ گئی۔ وہ مضطربانہ انداز میں پیچھے پلٹی تو اس کی آنکھوں میں بے بسی کی فریاد رچی ہوئی تھی۔

تینوں پولیس والے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اسے نرمی سے ایک طرف ہٹاتے ہوئے اندر داخل ہو گئے اور پھر آگے آنے والے افسر کی سرد اور بے رحمانہ نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں۔

میں نے اپنا داہنا ہاتھ پشت پر لے جا کر عارضی طور پر چھپا لیا تھا لیکن چہرہ چھپانا میرے بس سے باہر تھا۔ اس کے ماتحتوں میں سے ایک نے فلیٹ کا دروازہ بند کیا اور دوسرے نے قریبی سوئچ بورڈ پر طبع آزمائی کر کے فلیٹ کے اس حصے میں تیز روشنی کر دی۔

"ہمیں افسوس ہے کہ یوں ناوقت تم لوگوں کی نیند خراب کی مگر میرا خیال ہے کہ ہماری یہاں آمد بے سود نہیں رہی ہے۔" افسر نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مجھے انسپکٹر گورڈن کہتے ہیں اور میرے پاس اس مکان کی تلاشی کا اجازت نامہ موجود ہے۔ کیا تم اپنا تعارف کرانا پسند کرو گے؟"

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" مجھے اچانک اپنی پشت سے سلطان شاہ کی متوحش آواز سنائی دی اور پھر وہ بھی میرے پہلو میں آ کھڑا ہوا۔

"میرا نام اکبر ہے اور یہ میرا ساتھی علی شیر ہے۔" میں نے سلطان شاہ پر توجہ دیے بغیر اس افسر کو جواب دیا۔ "کیا میں اس مکان میں تم لوگوں کی آمد کا سبب جان سکتا ہوں؟"

"میرا خیال تھا کہ تم خود ہی سبب جان گئے ہو گے۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ویلنگٹن آرکیڈ میں ڈکیتی کی واردات میں کامیابی کے بعد تم زیادہ دیر تک خود کو قانون کی گرفت سے نہ بچا سکے۔"

"میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" جوڈی نے اچانک ہی روہانسی آواز میں فریاد شروع کر دی۔ "مجھے ہرگز علم نہیں تھا کہ ان لوگوں نے کوئی واردات کی ہے۔ میں تو بس اپنے گزارے کے لیے مناسب شناختی کاغذات کی جانچ پڑتال کے بعد کسی کو بھی کرائے پر چند روز کے لیے ٹھہرا لیتی ہوں...!"

"تم فکر نہ کرو۔" افسر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ لہجے میں کہا۔ "ہمیں تم پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ ہاں عدالت میں اور گواہی کے لیے تمہیں ضرور زحمت دی جائے گی۔ دراصل ہم کے سامنے ندامت سے بچانے کے لیے ہی ہم نے کار کے لیے صبح کے اوّل وقت کا انتخاب کیا ورنہ تمہارا فلیٹ رات سے ہماری نگرانی میں ہے۔ اگر یہ ہوشیار ہو کر فرار ہو کوشش کرتے تو شاید ہم رات کو ہی پکڑ کر گزرتے۔"

"خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔" جوڈی نے بھرائی ہو آواز میں کہا۔ شوون میکارتھی کے سینے میں چھری کی نوک بھو آمادہ وہ بڑھیا اس وقت مظلومیت اور ہم لوگوں سے لاتع بہترین اداکاری کر رہی تھی جو اس اعتبار سے ہمارے حق میں ہمارے لے جائے جانے کے بعد ویرا کو نئی صورتِ حال کر سکتی تھی۔

افسر نے اچانک اپنے ہولسٹر سے سروس ریوالور نکال دونوں کو اس کی زد میں لے لیا اور ٹھہری ہوئی سپاٹ آواز میں "میں تم دونوں کو ڈکیتی کے الزام میں حراست میں لیتا ہوں اپنے ہا اُٹھا لو۔"

بازی اس قدر غیر متوقع انداز میں پلٹی تھی کہ کسی بھی قسم کی کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا لہٰذا میں نے شکست خوردہ انداز اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ میرے داہنے ہاتھ پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی اور وہ تحیر آمیز آواز میں بولا۔ "تو تمہارا ایک ہاتھ بھی زخمی ہے۔ مجھے تو یہ صبح خوش نصیبی کی نقیب ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم میرے لیے ترقی کا زینہ بن جاؤ۔"

اس اثنا میں دونوں ماتحت ہم دونوں کی جامہ تلاشی فرد چکے تھے۔ میں نہتا تھا لیکن سلطان شاہ کے پاس سے بھرا ہوا برآمد کیا گیا جو اس نے شاید سرکاری وردیاں دیکھتے ہی جیب ڈال لیا تھا۔

"تم جو چاہو کہتے رہو۔ میں بس اتنا بتا دوں کہ آخر میں شر ہی تمہارے ہاتھ آئے گی۔" میں نے کہا۔

اس نے اشارے سے اپنے ماتحتوں کو خانہ تلاشی کے اندر بھیج دیا اور خود ہم دونوں کو ریوالور کی زد پر لیے ڈرائنگ کی طرف ہو لیا۔ جوڈی نے اس مرحلے پر بھی خوشامد کا موقع نہیں کیا اور اسے چائے کی پیشکش کی جو اس نے خشک لہجے میں کر دی اور جوڈی کو اچانک ہی خیال آ گیا کہ وہ گاؤن کے بغیر بنیان سوٹ میں اب تک کارٹون بنی پھر رہی تھی۔

وہ اپنی خوابگاہ کی طرف چل دی اور ہم تینوں ڈرائنگ میں بیٹھ گئے۔

ملزموں سے باز پرس میں ہم مہذب اور محتاط رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد انسپکٹر گورڈن نپے تُلے لہجے میں کہنے لگا۔ "لیکن مجرموں کے معاملے میں ہم خاصے غیر مہذب ہو جاتے ہیں۔ تم جو چاہو ہرزہ سرائی کر لو لیکن نہ اپنی صورت بدل سکتے ہو اور جہاں تک میرا اندازہ ہے نہ تجزیوں کے نتیجے میں ایک قتل کے جرم سے دامن بچا سکو گے لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ خود بخود سچ اگلتے چلے جاؤ۔ اس طرح تم اس ناروا تشدد سے بچ سکو گے جس کی علامت جسم کے کسی حصے پر نظر نہیں آتی۔"

میں دل پر جبر کر کے مسکرایا۔ "میں فی الحال تمھارے کسی اندازے کی تردید کیے بغیر یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ تم اس فلیٹ تک کیسے پہنچائے گئے ہو؟"

"یہ بھی ایک اتفاق ہی سمجھو۔" وہ بولا۔ "ہم گمنام اطلاعات پر عموماً کوئی کارروائی نہیں کرتے لیکن آج شام جب اس عمارت میں کام کرنے والی ایک ہاؤس میڈ نے اپنا نام ظاہر کیے بغیر اس فلیٹ میں دو مشتبہ ایشیائیوں کی آمد و رفت کی اطلاع دی تو میرے پاس کوئی کام نہیں تھا لہٰذا میں نے وقت گزاری کے لیے اس اطلاع پر کارروائی کا فیصلہ کر لیا اور نتیجہ تمھارے سامنے ہے۔"

"کیا وارنٹ کے بغیر تمھیں کسی گرفتاری کا اختیار ہے؟" میں نے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

"ہر مجرم اسی طرح کتابی نکتوں کا سہارا لیتا ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "ایسی ہنگامی ضرورت کے لیے تصدیق شدہ سادے وارنٹ ہر ذمے دار افسر کی تحویل میں رہتے ہیں۔ اس میں تمھارا نام بھر کر ضابطے کی کارروائی پوری کر لی جائے گی۔"

وہ خاصا خوش اخلاق اور اچھا افسر تھا جو میری ہر بات کا جواب دیتا جا رہا تھا ورنہ کوئی بد دماغ افسر ہوتا تو میری گفتگو کو اپنی توہین تصور کر کے وہیں جوتے کاری بھی شروع کر سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں سپاہی تلاشی سے فارغ ہو کر واپس لوٹ آئے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ انھوں نے سرسری انداز میں پورے گھر کا جائزہ لیا تھا ورنہ ان کا اتنی جلدی فارغ ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ مقصد یہ تھی کہ وہ دونوں اس پستول تک بھی نہیں پہنچ سکے تھے جو میں نے ان کی آمد کی وجہ سے راہداری میں ایک تپائی کے پیچھے ڈال دیا تھا۔

ان تینوں کو میری غیر متوقع گرفتاری کی دل ہی دل میں اتنی خوشی تھی کہ وہ اس وقت صرف مجھے اور سلطان شاہ کو سلاخوں کے پیچھے پہنچانے پر اکتفا کرتے نظر آ رہے تھے اور انسپکٹر گورڈن تو خود میرے زخمی ہاتھ کو دیکھ کر مجھے اپنی ترقی کا زینہ قرار دے چکا تھا۔

"مادام!" اپنے ماتحتوں کے لوٹ آنے پر انسپکٹر گورڈن نے کھڑے ہو کر ہانک لگائی اور جوڈی فوراً ہی بوکھلائی ہوئی وہاں آموجود ہوئی۔ اس کے جسم پر ریشمی سلیپنگ گاؤن موجود تھا مگر جس معمولی بات نے میری توجہ اس کی طرف مبذول کرائی، وہ یہ تھی کہ اس کے بال بدستور منتشر تھے جب کہ گاؤن پہننے کے بعد اس کے پاس بال سنوارنے کے لیے خاصا وقت موجود رہا ہوگا۔

"یہ بہت خطرناک مجرم ہے۔" انسپکٹر گورڈن نے جوڈی سے میرے بارے میں کہا۔ "اس کا ساتھی بھی بہت سے جرائم میں ملوث رہا ہوگا، اس لیے ہم ان دونوں کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔"

"ضرور لے جاؤ۔" جوڈی نے کانپتی ہوئی خوفزدہ آواز میں کہا۔ "قدرت نے تم لوگوں کو میرے لیے رحمت کا فرشتہ بنا کر بھیجا ہے ورنہ یہ دونوں کسی بھی وقت اپنی فطرت سے مجبور ہو کر مجھے موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے۔ میرے خدا! اب تو یہ سوچ کر ہی میرا دل ڈوب رہا ہے کہ میں نے یہ پوری رات ان ڈاکوؤں کے ساتھ بسر کی ہے۔"

"تمھیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر گورڈن نے کہا۔ "اگر میرے قیاسات درست ہیں تو ان دونوں کی گرفتاری تمھیں بہت شہرت بخشے گی۔ ہمیں اس سلسلے میں تمھارے بیان کی بھی ضرورت ہے مگر میں تمھیں مزید بے آرام نہیں کروں گا۔ فی الحال تم اپنی نیند پوری کر لو۔ صبح گیارہ بجے تک میں خود تمھارا بیان لینے آؤں گا مگر اس وقت تک تم ان دونوں کے بارے میں کسی سے زبان نہیں کھولو گی۔"

"میں کسی سے ایک لفظ بھی نہ کہوں گی۔" وہ اپنے دونوں کانوں کو چھو کر بولی۔

"چلو۔" انسپکٹر گورڈن نے اپنے ریوالور کی نال کو جنبش دے کر مجھ سے کہا۔ اس کا ایک ماتحت ہم سے آگے ہو لیا اور وہ دوسرے ماتحت کے ساتھ ہمارے پیچھے نکاسی کے راستے کی طرف چل دیا۔ اس بار ہم نے ہاتھ نہیں اٹھائے تھے اور نہ ہی گورڈن نے اس پر اصرار کیا تھا۔ ہماری جامہ تلاشی کے بعد اسے اپنی برتری پر مکمل بھروسا ہو چلا تھا اور میرا ذہن مسلسل اس ناگہانی افتاد سے نجات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اگر ہم دونوں کی گرفتاری کسی چھوٹے موٹے جرم میں ہوئی ہوتی تو شاید میں اتنا فکرمند نہ ہوتا لیکن اس وقت ہمیں جس فردِ جرم کا سامنا تھا، وہ نہ صرف بہت سنگین بلکہ زبان زدِ خاص و عام بھی تھی۔

ڈکیتی کی مفروضہ واردات کے سلسلے میں شائع ہونے والی میری تصویر گرفتاری کا بہانہ بنی تھی لیکن اپنے زخمی ہاتھ کی وجہ سے میں ڈیوڈ ایولنگ کے قتل کے الزام سے کسی طرح اپنا دفاع نہیں کر سکتا تھا۔ لندن کے اخبارات نے پچھلے چند دنوں میں پے در پے رونما ہونے والی قتل کی وارداتوں پر اس قدر قیاس آرائیاں کی تھیں

کہ چھوٹی سے چھوٹی تفصیلات بھی قارئین تک پہنچا دی تھیں، جن میں ٹیپ کا بند یہ تھا کہ ڈیوڈ کے قتل کا تعلق دوسری وارداتوں سے بھی قائم کرلیا گیا تھا۔ مزید خطرناک بات یہ تھی کہ ڈیوڈ منشیات کی دنیا کے ایک چالاک مجرم کے طور پر پہچان لیا گیا تھا جسے قانون کبھی چوبیس گھنٹے سے زائد قید میں نہیں رکھ سکا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ ایک بار حوالات میں پہنچنے کے بعد جوں ہی میری گرفتاری کی خبر پھیلتی، پورے برطانیہ کے نامور تفتیشی ماہرین مجھ پر یلغار کر دیتے اور اس معاملے کو پریس کے ذریعے اس قدر تشہیر ملتی کہ میرے لیے نجات یا فرار کی تمام راہیں مسدود ہو کر رہ جاتیں اور حوالات پر پولیس کی بھاری گارڈ متعین کر دی جاتی۔

فلیٹ کی خنک مگر آرام دہ فضا سے باہر آتے ہی شب خوابی کے لباس میں سردی کا احساس ہوا تھا۔ فضا کہر آلود تھی اور باہر کا سناٹا آسیبی سماں پیدا کر رہا تھا۔

"ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں گولی چلانے میں دریغ نہیں کروں گا۔" گورڈن نے باہر آتے ہی تیز سرگوشیانہ آواز میں کہا۔

"مجھے آزادی سے زیادہ زندگی عزیز ہے۔" میں نے خوش دلی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اگر زندگی ہے تو آزاد فضا دوبارہ بھی نصیب ہو سکتی ہے۔"

"کاش، پھانسی کی سزا برقرار ہوتی تو تم جیسے قاتل کو یہ آرزو کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔" انسپکٹر گورڈن نے غصے اور حسرت کے ساتھ کہا۔

"آدمی کو قید کیا جا سکتا ہے، آرزوؤں کو پابند نہیں کیا جا سکتا۔"

"یہ شاعری تھوڑی دیر بعد صاف ہو جائے گی۔" باہر نکلتے ہی اس کی کھوپڑی کچھ گرمی کھا گئی تھی اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں نے اسے زیادہ غصہ دلانے کی کوشش کی تو خود ہی خسارے میں رہوں گا۔ لہٰذا جواب میں مزید کچھ کہنے کے بجائے میں نے خاموشی اختیار کر لی۔

باہر سڑک کے کنارے پر ان کی کشادہ نشستوں والی واکسہال کار موجود تھی جو اپنے مخصوص رنگ اور چھت پر نصب گھومنے والی زرد روشنی کی وجہ سے دور ہی سے پہچانی جا سکتی تھی۔

انسپکٹر گورڈن کے ایک ماتحت نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور دوسرا ہم دونوں کے ساتھ عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ انسپکٹر نے ڈرائیور کے برابر والی سیٹ اس طرح سنبھالی تھی کہ اس کی نگاہیں ونڈ شیلڈ کے بجائے ہم دونوں پر مرکوز تھیں اور ریوالور والا ہاتھ سیٹ کی پشت گاہ پر ٹکا ہوا تھا۔ ہماری ذرا سی حرکت پر وہ نہایت آسانی کے ساتھ ہمیں نشانہ بنا سکتا تھا۔

آنے والے روح فرسا حالات کی دہشت اپنی جگہ تھی اور میں خود کو ذہنی طور پر آنے والے حالات کے لیے تیار کر رہا تھا کیونکہ راستے میں کوئی کارروائی خارج از امکان ہی نظر آ رہی تھی۔

ویران سڑکوں پر پولیس کار تیز رفتاری کے ساتھ ہماری منزل کی طرف بڑھ رہی تھی اور آخر کار اس سفر کا بھی اختتام ہو گیا۔ پولیس اسٹیشن کے احاطے میں داخل ہوتے ہی کار ڈرائیو کرنے والے نے ہیڈ لیمپس جلا بجھا کر کوئی مخصوص اشارہ دیا تھا اور کار رکتے ہی اس کے دونوں طرف کہیں سے تین مسلح سپاہی آموجود ہوئے۔ وہ پوری مستعدی اور ..... جارحانہ تیوروں کے ساتھ کار کے اندر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

انسپکٹر گورڈن اندر کی بتی روشن کر کے بے پروایانہ انداز میں کار سے اتر گیا اور پچھلا دروازہ کھول کر ہمیں بھی نیچے اتار لیا گیا۔

"لاک اپ ون۔" گورڈن نے اپنے ایک غیر مسلح ماتحت سے کہا اور وہ وہاں سے تقریباً دوڑتا ہوا قریبی عمارت میں معدوم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تین بندوقوں کی نالوں کے سہارے ہم کو بھی اسی طرف روانہ ہونا پڑا۔

وہ عمارت خاصی پرشکوہ تھی مگر اندر اس کے چپے چپے سے ہیبت سی برس رہی تھی۔ ایک قطار میں بنے ہوئے کمروں کے سامنے سے گزرتے ہوئے یہ مختصر سا جلوس کمروں کے اختتام پر دائیں جانب گھوما اور فوراً ہی مضبوط سلاخوں والے آہنی دروازے والا ایک لاک اپ سامنے آ گیا، جہاں اندر ایک دھندلایا ہوا بلب روشن تھا اور پورے کمرے میں ننگی دیواروں اور سنگلاخ فرش کے علاوہ ایک تنکا بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

گورڈن کا ماتحت پہلے سے دروازے کا قفل کھولے ہم لوگوں کی آمد کا منتظر تھا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ گورڈن میرے بارے میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا اور سب سے پہلے مجھے سلاخوں کے ساتھ لاک اپ میں بند کرنے کے بعد ضابطے کی کارروائیات مکمل کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"تمہارے پاس صرف چند گھنٹے ہیں، چاہو تو ٹھنڈے دل کے ساتھ کوئی بہتر فیصلہ کر سکتے ہو، ورنہ صبح افسران بالا کی آمد کے ساتھ ہی تھرڈ ڈگری کا آغاز ہو جائے گا۔" اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"اس ننگے فرش پر دل و دماغ کے ساتھ جسم بھی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ مناسب انتظام کے بغیر ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔" میں نے لاک اپ کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے رک کر کہا۔

"اندر چلو۔" اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "جو کچھ یہاں موجود ہے فراہم کر دیا جائے گا۔"

اس کے الفاظ کے ساتھ ہی تینوں مسلح سپاہیوں کے بند...

گئے تھے، جیسے میری زبان سے مزید انکار کی صورت میں وہ مجھے زبردستی اندر دھکیلنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ میں زیرِ لب بڑبڑاتا ہوا حوالات میں داخل ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے اس رویے سے بہت دل برداشتہ نظر آ رہا تھا۔ وہ اندر جا کر سیدھا ایک کونے میں جا کھڑا ہوا جب کہ میں وہیں رُک کر گورڈن کی طرف متوجہ ہو گیا، جو اپنی نگرانی میں دروازہ بند کر کے مقفل کروا رہا تھا۔

"ہو سکے تو مجھے سگریٹ فراہم کر دو۔ میں اپنا پیکٹ بستر پر ہی چھوڑ آیا ہوں۔" میں نے موٹی موٹی آہنی سلاخوں کے درمیان سے اُس کو دیکھتے ہوئے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

"اس حوالات میں دھات کی بنی ہوئی یا آتشیں اشیاء کا داخلہ ممنوع ہے۔" اُس نے خشک لہجے میں کہا۔ "ماچس یا لائٹر کے بغیر سگریٹ تمہارے لیے بے کار ہو گی۔"

"ماچس سے لوہے یا کنکریٹ میں آگ تو نہیں لگائی جا سکتی۔"

"اپنا لباس جلا کر خود کشی تو کی جا سکتی ہے۔" اُس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "مایوس مجرم کسی بھی لمحے کوئی انتہائی قدم اٹھا سکتا ہے لہٰذا تم صبر کرو۔ کمبل اور تکیے ابھی مل جائیں گے، چاہو گے تو چائے یا کافی بھی بھجوا دی جائے گی۔"

"صبح کافی ہی بھجوا دینا۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا اور وہ آخری بار تالے کی مضبوطی کا یقین کر کے واپس چل دیا۔ بقیہ پانچوں اُس کے پیچھے ہو لیے تھے اور اُن کے قدموں کی آوازیں دُور ہوتے ہوئے بتدریج معدوم ہو گئیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" تخلیہ میسر آتے ہی سلطان شاہ کی بھرّائی ہوئی آواز گونجی تھی۔ اس پورے معاملے میں ابتدائی ایک فقرہ ادا کرنے کے بعد وہ مسلسل خاموش رہا تھا۔

"زخمی ہاتھ اور اخباری تصویر گلے پڑتی نظر آ رہی ہے۔" میں نے دھیمے اور تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ سب اس قدر اچانک ہوا کہ ہاتھ پیر مارنے کی نوبت ہی نہ آ سکی۔"

"اب شاید بجلی کی کرسی ہی مقدر بنے گی؟" اس کی آواز میں مایوسی اُمڈ آئی۔

"سزائے موت یہاں رائج نہیں ہے مگر چودہ برس کی عمر قید بھی موت سے کم نہ ہو گی۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "مگر مجھے ابھی بھی اُمید کی کرن نظر آ رہی ہے۔"

"کس اُمید کی بات کر رہے ہو؟" وہ یک بیک جذباتی ہو گیا۔ "اس ناقابلِ شکست حوالات میں کون تمہاری مدد کو آئے گا؟ تم نے اُس چھوکری پر بھروسا کر کے اپنے ہی ساتھ بھائی کی زندگی بھی برباد کر دی ہے۔ تم جیل میں سڑو گے اور وہ بے چاری کسی نہ کسی کے ہاتھوں ماری جائے گی۔"

"پاگل نہ بنو۔۔۔ تم نے جوڈی کی اداکاری پر غور نہیں کیا۔" میں نے اُس کا بازو تھام کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "وہ بہت گھاگ عورت ہے۔ اگر ہم سے ہمدردی ظاہر کرتی تو یہ لوگ اسے بھی ساتھ لے آتے۔ اب وہ آزاد ہے اور ویرا کو اس نئی اُفتاد سے مطلع کر سکتی ہے۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ اُس نے ان لوگوں کی موجودگی میں سلیپنگ گاؤن پہننے کے بہانے ویرا کو آگاہ کر دیا ہو گا۔"

"ویرا!" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "وہ تمہاری سانسوں میں رچ گئی ہے۔ اُسے پتا چل بھی گیا تو وہ کیا کر لے گی؟ قانون توڑنا اور بات ہے، قانون سے ٹکرانے کے لیے پتھر کا کلیجا ہونا چاہیے۔"

مجھے اس قدر طیش آیا کہ اگر میں اپنے عضلات کی اضطراری جنبش پر بر وقت قابو نہ پا لیتا تو اُس کے منہ پر میرا بھرپور طمانچہ پڑا ہوتا۔

میں اپنی مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے ویرا کے ساتھ مصالحانہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھا اور وہ اُس کی طرف سے حسد کی آگ میں جل رہا تھا۔ میری ہر بات میں اُسے منفی پہلو نمایاں نظر آتا تھا اور اب وہ کسمپرسی کے عالم میں بھی میرے زخموں پر نمک پاشی کیے جا رہا تھا، مگر مجھے اُس کی نیت پر بھروسا تھا۔ وہ بعض اوقات عقل کے بجائے دل سے سوچنے لگتا تھا اور ویرا سے تو اُسے ابتدا ہی سے للّٰہی بغض تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، اپنی دانست میں میرے فائدے کے لیے ہی کہہ رہا تھا۔ میں اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ اُس سے دُور ہٹ گیا۔

حوالات کی نیم روشن کوٹھری میں موت کا سا سناٹا چھا گیا، جس میں مجھے اپنی سانسوں کی آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔

غنیمت یہ تھا کہ وہ دیسی نہیں بلکہ ولایتی حوالات تھی جو نہ سیلن زدہ تھی اور نہ متعفن اور وہیں ملحقہ باتھ روم بھی موجود تھا، جو پاکستانی معیار سے بہت صاف ستھرا تھا۔

یہ سکوت چند منٹ ہی برقرار رہ سکا اور راہداری میں کہیں دُور وزنی جوتوں کی دھمک گونجنے لگی جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ آخر کار ایک مسلح سپاہی موڑ گھوم کر سامنے آ گیا۔ اُس کے ہاتھوں میں کئی کمبل اور تکیے دبے ہوئے تھے۔ قریب آنے پر میں نے اُسے پہچان لیا۔ وہ اُن تینوں میں سے ایک تھا جنھوں نے تھانے پہنچنے پر پولیس کار کے گرد گھیرا ڈالا تھا۔

اس وقت اُس کی نگاہوں میں عجیب سی چمک تھی اور وہ سلاخوں کے پار سے بغور میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے میرے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر ایک ایک کر کے سلاخوں کے درمیان سے چار کمبل اور دو تکیے میرے حوالے کیے جو میں اُس

سے لے کر فرش پر ڈھیر کرتا رہا۔ آخری تکیہ دیتے ہوئے اُس نے اچانک سختی سے میرا ہاتھ دبایا اور میں چونک پڑا۔

اُس نے پلٹ کر ایک نگاہ پیچھے ڈالی اور بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اپنی جیب سے ایک مڑا تڑا کاغذ نکال کر مجھے تھماتے ہی واپس چل پڑا۔

میں چند ثانیوں تک سکتے کے عالم میں یوں ہی کھڑا اُسے اور اُس کی پشت پر شانے سے جھولتی ہوئی بندوق کو دیکھتا رہا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ وہ کاغذ میرے لیے بہت اہم تھا۔ شاید قید یا آزادی کے بارے میں اُسی پر کوئی فیصلہ کیا گیا تھا اور اگر کوئی سپاہی کاغذ میری تحویل میں دیکھ لیتا تو بچاؤ کے سارے امکان ہمیشہ کے لیے معدوم ہو سکتے تھے۔

میں پلٹ کر تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے باتھ روم میں داخل ہوا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

سنسنی اور ہیجان کے عالم میں میں نے وہ کاغذ کھولا تو اس پر عجلت میں ہاتھ سے چند مختصر مگر بے حد اہم سطور لکھی ہوئی تھیں۔

"تم احمق ہو، کافی ہرگز نہ پینا ورنہ صبح تک سوتے رہو گے۔ ہوشیار رہو اور میرا انتظار کرو۔ اس کاغذ کے پرزے کر کے نالی میں بہا دینا۔"

نیچے کسی کا نام وغیرہ نہیں تھا مگر تحریر کے متن سے ظاہر تھا کہ وہ پیغام دوستوں یا خیر خواہوں کی طرف سے تھا جو مجھ سے غافل نہیں تھے۔ میرا جی چاہا کہ اسی وقت سلطان شاہ کو بھی باتھ روم میں بلا کر وہ پیغام پڑھواؤں تاکہ وہ خود دیکھ سکے کہ اُس کی بدگمانیاں کتنی بے بنیاد تھیں لیکن وہ وقت ایسی کسی جذباتی غلطی کا نہیں تھا جو سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دے۔ میں نے اس کاغذ کو پھاڑ کر ننھے ننھے پرزوں میں تبدیل کیا اور انھیں کموڈ میں ڈال کر فلش ٹینک چلا دیا اور وہ سارے پرزے پانی کے تیز ریلے میں بہہ گئے۔

وہ پیغام جس انداز میں ملا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جوڈی کی طرف سے میری پُر امیدی غلط نہیں تھی۔ اس نے پہلی فرصت میں ویرا کو ہماری دشواری سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ اپنے پورے وسائل کے ساتھ فوری طور پر فعال ہو گئی تھی۔ مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ داؤد کی پیدا کردہ مشکلات پر قابو پانے کے بعد ویرا نے ثابت کر دیا تھا کہ لندن میں اس کی دسترس بہت وسیع تھی۔

اس مسلح سپاہی نے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ جس طرح بے خوفی سے انسپکٹر گورڈن کی موجودگی میں ہمیں اپنی زد میں لیا تھا اُس کی بنا پر یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اُس نے محکمے کے کسی آدمی کو غائب کر کے اُس کی جگہ لی ہو گی بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ محکمۂ پولیس کا وہ مستقل ملازم تھا یا ویرا کا زر خرید تھا اور محکمے میں رہ کر اُن کے مفادات کے لیے کام کرتا تھا۔

اُس نے مجھے آنکھوں ہی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے زبان سے ایک لفظ بھی ادا کیے بغیر وہ تحریری پیغام میرے حوالے کیا تھا۔ اس سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ قرب و جوار میں کسی کے موجود نہ ہونے کے باوجود وہ خائف تھا کہ کہیں اُس کی آواز اُس کے افسران یا ساتھیوں کے کانوں تک نہ پہنچ جائے۔ اگر اُسے ایسا کوئی خدشہ ہوتا تو اپنی تحریر کا ثبوت چھوڑنے کے بجائے وہ لازمی طور پر زبانی پیغام رسانی کا سہارا لیتا۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں اس سنگلاخ حوالات میں کوئی حساس ڈکٹا فون پوشیدہ نہ ہو جس کی مدد سے محکمے کے افسران حوالات میں لائے جانے والے ملزمان کی بے خبری میں اُن کے خیالات سے آگاہ رہنے کی کوشش کرتے ہوں۔

باتھ روم سے نکلتے ہوئے میں نے اسی خدشے کی بنا پر عمل کا وقت آنے تک اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کر لیا اور سلطان شاہ سے اس موضوع پر کوئی بات کیے بغیر سیدھا اِن کمبلوں اور تکیوں تک جا پہنچا جو ہمارے لیے بھیجے گئے تھے۔

وہ کمبل خاصے دبیز اور آرام دہ تھے۔ سلطان شاہ لاتعلقانہ انداز میں حوالات میں ایک طرف بیٹھا رہا اور میں نے دو کمبل فرش پر بچھا کر بستر بنایا اور دو کمبل اوڑھنے کے لیے رکھ لیے۔

اسی اثنا میں ایک سادہ پوش اردلی ایک دوسرے مسلح سپاہی کی معیت میں ہمارے لیے کافی لے آیا جو انھی سلاخوں کے درمیان سے ہمیں تھما دی گئی۔ اپنے ضوابط کے سلسلے میں وہ لوگ اتنے سخت تھے کہ کافی پلاسٹک کے نرم مگوں میں بھیجی گئی تھی جنھیں کسی بھی طرح کسی کو زخمی کرنے کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہ دونوں کافی دے کر چلے گئے۔ انھوں نے آپس میں ہم پر ایک آدھ فقرہ بھی چست کیا جسے میں نے نظر انداز کر دیا۔ سلطان شاہ نے اُن کے جاتے ہی گرم گرم کافی کا گھونٹ لینا چاہا تھا جس کی بھاپ سے اُٹھنے والی تیز خوشبو بہت اشتہا انگیز تھی لیکن میں نے سلطان شاہ کا بازو دبا کر اُسے سر کے اشارے سے منع کر دیا۔ اُس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کچھ پوچھنا چاہا مگر میں نے سختی کے ساتھ اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے خاموش کر دیا۔

میں کچھ دیر تک کافی کے مگ کو سامنے رکھے وقت گزارتا رہا۔ یہ بات یقینی تھی کہ اس سیال میں انسپکٹر کی ہدایت پر کوئی خواب آور دوا ملا دی گئی تھی تاکہ صبح کا اُجالا نمودار ہونے تک ہم حوالات میں بے سُدھ پڑے رہیں اور اُن لوگوں کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہ کریں۔

پھر میں نے محتاط انداز میں وہ مگ باتھ روم میں لے جا کر سنک میں خالی کر دیا۔ میری واپسی پر سلطان شاہ نے بھی میری تقلید کی اور ایک دوسرا کمبل تان کر بستر پر دراز ہو گیا تاکہ انسپکٹر گورڈن کا کوئی آدمی کافی

کے اثرات کا جائزہ لینے آئے تو اُسے مایوسی نہ ہو۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ میں کمبل اوڑھے بے حس و حرکت لیٹا رہا مگر میرے حواس پوری طرح بے دار تھے اور کان آہٹوں پر جمے ہوئے تھے جو کافی فاصلے پر ڈوبتی ابھرتی سنائی دے رہی تھیں۔ اس دوران میں ایک سپاہی گشت کرتا ہوا ادھر آیا اور باہر سے کچھ دیر تک ہمارا جائزہ لینے کے بعد واپس لوٹ گیا۔

اس اعصاب شکن انتظار میں کافی وقت بیت گیا پھر اچانک ہی اس عمارت کے کسی دور اُفتادہ حصے میں یکے بعد دیگرے دو شدید دھماکے سنائی دیے جن کی وجہ سے حوالات کا فرش لرز کر رہ گیا۔ ہلکی ہلکی آوازوں کے ساتھ بہت سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز آئی اور اسی کے ساتھ یک بیک اندھیرا پھیل گیا اور میں اپنے اوپر سے کمبل دور اچھال کر بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اندھیرے میں ہر طرف ہڑبونگ اور افراتفری مچی ہوئی تھی کہ اچانک کوئی پنجوں کے بل دوڑتا ہوا ہماری حوالات کی طرف آیا اور ہلکی سی آہنی کھڑکھڑاہٹ کے بعد حوالات کا قفل کھول دیا گیا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ پہلے ہی حوالات کے دروازے کے قریب موجود تھا اور آنے والے نے بھی قفل کھولتے ہی اندھیرے میں اپنے قریب ہماری موجودگی کو بھانپ لیا تھا۔

"یہاں سے نکل کر داہنی طرف۔" تاریکی میں اُس نامعلوم ہمدرد کی ہیجان آمیز سرگوشیانہ آواز ابھری۔ "پھر ایک گلیارا چھوڑ کر دوسرے موڑ پر دوبارہ دائیں گھوم جانا بالکل سامنے ایک دروازہ آئے گا اُس کی کنڈی کھول کر باہر نکل جانا۔ چند فٹ کے فاصلے پر دیوار ہے، اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی تمہارا منتظر ہوگا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے دروازے کے دیو ہیکل بولٹ بھی کھول دیے اور میں سلطان شاہ کے ہمراہ حوالات کا دروازہ دھکیلتا ہوا باہر نکل آیا۔

دو دھماکوں کے بعد جس انداز میں اندھیرا پھیلا تھا اُس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ پہلے عملے کی توجہ مبذول کرانے کے لیے باہر سے کارروائی کی گئی تھی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی افراتفری کا فائدہ اٹھا کر عملے میں موجود ویرا کے ساتھی یا ساتھیوں نے مین سوئچ آف کر دیے تھے تاکہ اندھیرے میں ہمیں آسانی کے ساتھ فرار ہونے کا موقع مل سکے۔

وفادار عملے میں سے کوئی بھی شخص کسی بھی لمحے مین سوئچ آن کر کے اندھیرا دور کر سکتا تھا۔ اس خطرے کی وجہ سے ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہاں رُک کر اپنے محسن کا شکریہ ادا کرتے لہٰذا حوالات سے نکلتے ہی ہم نے اس کی بتائی ہوئی سمت میں دوڑ لگا دی اور آناً فاناً اُس کے بتائے ہوئے دونوں موڑ گھوم کر اُس بند دروازے پر پہنچ گئے جس کے پار آزادی ہماری منتظر تھی۔

اُس دروازے کے پار ایک تنگ سی گلی تھی جس کے اختتام پر احاطے کی دیوار تھی۔ اُس وقت ہم دونوں کے بدن میں نہ جانے کہاں کی سرعت پیدا ہو گئی تھی کہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے کوئی مدد لیے بغیر تقریباً بیک وقت دیوار کی دوسری جانب کود گئے تھے۔

زمین سے پیر لگتے ہی میں نے فٹ پاتھ کے سہارے ایک لمبی سی سیاہ کار کی جھلک دیکھی تھی، پھر دیوار سے چپکا ہوا ایک انسانی سایہ الگ ہو کر میری طرف جھپٹا اور اس سے قبل کہ میں دیوار سے کودنے کے بعد اپنا توازن درست کرتا، کنپٹی پر کسی سخت چیز سے ضرب لگائی گئی اور میرا ذہن تاریکیوں کی اتھاہ دلدل میں ڈوبتا چلا گیا مگر پوری طرح حواس کھو بیٹھنے سے قبل میرے کانوں میں سلطان شاہ کے کراہنے کی آواز آئی تھی جس کا مطلب تھا کہ اُس کا حشر بھی مجھ سے مختلف نہیں ہوا تھا۔

☆☆

دوبارہ ہوش آیا تو سماں ہی کچھ اور تھا۔

میں ایک وسیع و عریض اور آراستہ خواب گاہ میں نرم بستر پر موجود تھا اور اسی دُہرے بستر پر میرے قریب سلطان شاہ بے سدھ پڑا ہوا تھا اور ہمارے لباس بدلے ہوئے تھے۔

ہوش میں آجانے کے بعد مجھے اپنی بائیں کنپٹی کسی پھوڑے کی طرح دکھتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ضرب کھلتے ہی میرے ذہن میں پہلا خدشہ یہ آیا تھا کہ شاید ہماری فرار کی کوشش ناکام ہو گئی تھی۔ اور دیوار کے قریب موجود پولیس کے حفاظتی عملے نے ہمیں بے ہوش کر کے بے بس کر دیا تھا لیکن دوبارہ آنکھ کھلنے پر اس اندیشے کی نفی ہو گئی تھی۔

اگر ہم دوبارہ پولیس ہی کی تحویل میں آئے ہوتے تو انھوں نے ہمیں پُرتکلف خواب گاہ کے بجائے اس بار حوالات کے ننگے فرش پر ہی ڈالا ہوتا۔ پھر اس خواب گاہ میں قالین اور پردوں سے فرنیچر تک ہر چیز اس قدر بیش قیمت اور نفیس تھی کہ برطانیہ جیسے ملک میں عوامی پیسے سے سرکاری اہلکار ایسی شاہ خرچیوں کی جسارت بھی نہیں کر سکتے تھے۔

میرے لیے یہ خیال بہت تقویت کا باعث تھا کہ ہم جہاں کہیں بھی تھے، پولیس کی تحویل میں نہیں تھے۔ یہ سوچتے ہوئے میں نے بستر چھوڑ دیا اور نرم قالین پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے کمرے میں سگریٹ تلاش کرنے لگا جس کی طلب ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔

کئی درازوں اور گوشوں میں جھانکنے کے بعد میں آخر میں بیڈ سائیڈ ٹیبل کی طرف متوجہ ہوا تو وہاں اوپر کی دراز میں سگریٹ کے کئی نئے اور نیم استعمال شدہ پیکٹ موجود تھے۔

میں سگریٹ سلگا کر آرام سے ایک گوشے میں پڑی ہوئی آرام دہ کرسی پر جا بیٹھا اور گزرے ہوئے واقعات کی کڑیاں ملانے کی کوشش کرنے لگا۔

جوڈی کی چالاکی اور مکاری میرے ذہن پر نقش تھی اور ہمیں حوالات سے فرار میں جس طرح مدد ملی اس میں جوڈی کا کلیدی کردار نظر آ رہا تھا۔ پولیس کے علاوہ میرے سامنے دو فریق تھے جن میں سے ویرا کی ہمدردیاں میرے ساتھ تھیں اور شی میرے لہو کی پیاسی تھی۔

اُن میں لے دے کے ویرا ہی کو میری رہائی سے دلچسپی تھی اور غالباً وہ ساری کارروائی اُسی کے اشارے پر عمل میں آئی تھی لیکن اس پوری کہانی میں میری اور سلطان شاہ کی بے ہوشی کا قصہ فرار کے ہمدردانہ کارروائی سے میل نہیں کھاتا تھا۔ اگر تھانے کی دیوار کے ساتھ موجود لوگ ہمارے ہمدرد اور ویرا کے ساتھی تھے تو اُنھیں ہم کو بے دردی کے ساتھ بے ہوش کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ان حالات میں وہ لوگ ہمیں جو ہدایات دیتے، ہم اُس پر بلا چون وچرا عمل کرتے اور اُن کے بوجھ ڈھونے کے بجائے خود اپنے قدموں سے چل کر سرعت کے ساتھ اُن کی لائی ہوئی گاڑی میں سوار ہوتے۔

سلطان شاہ کے ہوش میں آنے تک میں مسلسل اسی نکتے پر غور کرتا رہا لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔

سلطان شاہ ہوش میں آتے ہی متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا ہوا بستر سے نیچے کودا تھا مگر فوراً ہی دھمک کے باعث سر کی چوٹ میں اٹھنے والی ٹیسوں کے باعث اُس کا چہرہ بگڑ گیا تھا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر وہیں مسہری کے کنارے پر بیٹھ گیا تھا۔

"ہم کہاں پہنچے ہوئے ہیں؟" اُس نے وہیں بیٹھے بیٹھے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"فی الحال اپنی چیختی ہوئی کھوپڑی پر اتنا زور نہ دو۔" میں نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔ "فی الحال اتنا ہی کافی ہے کہ ہم شریف اور مہربان لوگوں میں ہیں۔ جنھوں نے ہمیں یہ آرام دہ خواب گاہ فراہم کی ہوئی ہے۔"

"تو کیا تمھاری بھی ابھی تک کسی سے ملاقات نہیں ہوئی؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میں بھی چند منٹ پہلے ہی ہوش میں آیا ہوں۔" میں نے اُسے ہاتھ سے اپنے قریب آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ شریف لوگ بڑے عجیب ہیں کہ اپنے مہمانوں کی کھوپڑیاں داغ دار کر کے انھیں بلاتے ہیں۔" وہ بُرے بُرے منہ بناتا ہوا میرے قریب پڑی ہوئی دوسری کرسی پر آ بیٹھا۔

"دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔" میں نے اپنا دہانہ اُس کے کان کے قریب لے جا کر دھیمی آواز میں کہا۔ "جب تک یہ لوگ سامنے نہ آ جائیں، ویرا کا نام زبان پر نہ لانا۔"

اُس نے مجھے یوں گھور کر دیکھا جیسے میری صحیح الدماغی کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر بولا۔ "اگر وہ لوگ سامنے نہ آئے تو ہمیں اس کمرے سے نکل کر اُنھیں تلاش کرنا چاہیے ۔۔۔ مجھے شدت سے بھوک بھی محسوس ہو رہی ہے۔"

میں نے نظریں اٹھا کر وال کلاک کی طرف دیکھا جس کی سوئیاں دس بجا رہی تھیں لیکن کھڑکیوں پر پڑے ہوئے دبیز پردوں کے پیچھے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ اس وقت دن تھا یا رات اور اگر دن تھا تو وہی دن تھا یا ہمیں تھانے سے باہر بے ہوش ہوئے چوبیس گھنٹوں سے زیادہ گزر چکے تھے؟

مجھے ہوش آتے ہی میرے ذہن پر سگریٹ کی طلب یوں سوار ہوئی تھی کہ میں سب کچھ بھول گیا تھا مگر سلطان شاہ کے ذکر کرنے پر احساس ہو رہا تھا کہ میرے معدے کی حالت بھی اُس سے زیادہ مختلف نہیں تھی۔

میں نے اُٹھ کر قریبی کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر کے ماحول سے دن یا رات کا اندازہ لگانا چاہا لیکن کھڑکی پر لگے ہوئے شفاف شیشے کے پیچھے باہر کی طرف لگے ہوئے بلائنڈز اس طرح گرے ہوئے تھے کہ نہ باہر کا جائزہ لینا ممکن تھا نہ اُن کے درمیان سے روشنی کی کوئی کرن اندر آ رہی تھی۔ دوسری کھڑکی کی بھی یہی صورت تھی۔

"یہاں تو دن رات کا بھی پتا نہیں چل رہا۔" سلطان شاہ میرے عقب سے بڑبڑایا۔

"اب نکاسی کے راستے پر بھی طبع آزمائی کیے لیتے ہیں۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ مجھے کچھ شبہ ہونے لگا تھا کہ حوالات سے ہمارا فرار کسی سازش کے تحت عمل میں آیا تھا اور ہمیں ایک چوہےدان سے باہر ہانک کر دوسرے پنجرے میں پھانس لیا گیا تھا۔

نکاسی کا راستہ خلافِ توقع کھلا ہوا تھا۔ دروازے کے ہینڈل پر ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہی پٹ کھل گیا اور ہم دونوں محتاط انداز میں خواب گاہ سے باہر نکل گئے۔

بظاہر اس مکان میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا ذی روح موجود نہ ہو۔ اس کے علاوہ مکان کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ اندر رہ کر باہر کے ماحول کے بارے میں اندازہ لگانا ناممکن تھا۔ جہاں جہاں بھی شیشے کی کھڑکیاں تھیں، اُن پر باہر بلائنڈز گرے ہوئے تھے جو غالباً آہنی اور بہت مضبوط تھے۔ مکان سے نکاسی کا مضبوط دروازہ مقفل اور اس قدر مضبوط تھا کہ غیر معمولی توڑ پھوڑ اور زور آزمائی کے بغیر اُسے جنبش دینا بھی محال نظر آ رہا تھا۔ کچن میں فریج اور ڈیپ فریزر

یہاں خورد و نوش کا سامان اتنی وافر مقدار میں موجود تھا کہ ہم کئی ہفتے بے فکری کے ساتھ گزار سکتے تھے اور حیرت کی بات تھی کہ مکان ویران ہونے کے باوجود کچن میں ایسی علامات موجود تھیں جیسے وہ مسلسل زیرِ استعمال رہتا آیا ہو۔

خورد و نوش کا سامان دیکھتے ہی سلطان شاہ کی بھوک چمک بھی اور وہ وہیں اڑ گیا۔ مگر میں آتشِ شکم سرد کرنے سے پہلے پورے مکان کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں اسے وہیں واش بیسن میں منہ دھوتا چھوڑ کر کچن سے آگے بڑھ گیا۔ آخری خواب گاہ سے ملحق اسٹڈی روم میں داخل ہوتے ہی میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ کتابوں سے بھری ہوئی دیوار گیر الماریوں کے درمیان پڑی ہوئی میز پر ایک لڑکی دنیا و مافیہا سے بے خبر دروازے کی طرف پشت کیے کرسی پر دراز کسی کتاب کے مطالعے میں منہمک تھی۔

میں نے آہستہ سے کھنکھار کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی اور وہ ہڑبڑا کر یوں میری طرف پلٹی تھی جیسے اس کی پشت پر کوئی دھماکا ہوا ہو۔

نگاہیں چار ہوتے ہی اس کے چہرے پر خفت آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اور میں اسے وہاں دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا کیونکہ وہ ایمی فرانسس نامی وہی کرسچین لڑکی تھی جس نے کراچی سے روم تک ہمارے ساتھ سفر کیا تھا اور عین وقت پر اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ نہ آنے پر پریشان تھی۔

وہ لڑکی دفتر میں کام کرتی تھی اور کراچی میں موسیٰ نامی ایک عیار شخص نے اپنی شان و شوکت سے مرعوب کر کے اسے اپنے ساتھ دوستی پر آمادہ کیا اور پھر ایک روایتی سی کہانی کا سہارا لے کر میری دانست میں ایمی کو ہیروئن کی ایک قیمتی کھیپ کے ساتھ تنہا روم روانہ کر دیا تھا جہاں ایک مقررہ ہوٹل میں قیام پذیر ہونے کے بعد ایمی کو باخبر کیے بغیر سوٹ کیس سمیت وہ ہیروئن کسی کو حوالے کرنے کی ہدایت ملنے کا امکان تھا۔

ایمی کو میں نے اپنے خدشات سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ مشتبہ سوٹ کیس روم ایئر پورٹ پر لاوارث چھوڑ کر نکل جانے پر آمادہ ہو گئی تھی، اس کے بعد میرا اور اس کا کوئی رابطہ نہیں رہا تھا۔ اب اسے یوں پُراسرار حالات میں اپنے ساتھ اِس مکان میں موجود پا کر میرا حیران ہونا فطری امر تھا۔ دوسری طرف اس کی مسکراہٹ میں شامل اطمینان سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس مکان میں میری موجودگی سے لاعلم نہیں تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" کتنی ثانیوں کے بعد میں اپنی حیرت پہ قابو پا کر اس سے سوال کرنے کے قابل ہو سکا تھا۔

"میں تو کئی دن سے یہیں رہ رہی ہوں۔" وہ مجھے کرسی پیش کرتے ہوئے بولی۔ "لیکن تمھیں کیا ہو گیا تھا؟ تمھیں پیٹر کے ساتھ دیکھ کر مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ سکا تھا کہ دنیا اتنی مختصر ہو سکتی ہے۔ چند روز پیشتر ہم دورانِ پرواز مل کر بچھڑ گئے تھے اور آج تم پھر میرے مہمان ہو۔"

اس کی آنکھوں میں اعتماد کی چمک موجود تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، اس کے بارے میں پُریقین تھی اور اگر ہمارے خلاف کوئی سازش کی گئی تھی تو کم از کم وہ اس میں شریک نہیں تھی۔

"یہ پیٹر کون ہے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"بہت اچھا اور مہربان آدمی ہے، شاید ہم دونوں جلد ہی شادی کر لیں گے۔" وہ بات کرتے کرتے ایک دم چونک کر بولی۔ "مگر وہ تو شاید تمھارا شناسا سا ہے؟"

"یہ کس بنا پر کہہ رہی ہو؟"

"روم میں میں ناقابلِ بیان دشواریوں سے دوچار ہو گئی تھی۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "میں نے تمھارے مشورے پر عمل کرتے ہوئے موسیٰ کا سوٹ کیس ایئر پورٹ پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ تمھارے اندازے کے عین مطابق پاکستان سے موسیٰ کا فون آیا اور اس نے اپنا سوٹ کیس مجھے اپنے کسی اطالوی دوست کے حوالے کرنے کا مشورہ دیا جو ہوریشو کے نام سے مجھ سے ملنے والا تھا۔ وہ لوگ مجھ سے موسیٰ کے سوٹ کیس کا مطالبہ کر رہے تھے، اسی دوران میں پولیس کی ایک گاڑی آتی نظر آئی اور وہ غنڈے میرا وینٹی بیگ چھین کر مختلف سمتوں میں فرار ہو گئے اور پولیس نے مجھے دھر لیا۔ پاسپورٹ سمیت میرے شناختی کاغذات وینٹی بیگ میں تھے۔ اس لیے میں پولیس والوں کو مطمئن نہ کر سکی اور مجھے اٹلی میں غیر قانونی داخلے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا لیکن چند گھنٹوں کے اندر ہی پیٹر ایک فرشتۂ رحمت بن کر نمودار ہوا اور مجھے ضمانت پر رہا کرا کے اپنے ساتھ لے گیا۔ پھر اسی نے میرے تمام کاغذات تیار کرائے اور اگلے دن ہم ایک ساتھ روم سے روانہ ہو کر لندن آ گئے۔"

"جب وہ تمھارے لیے اجنبی تھا تو تمھاری ضمانت کرانے کیسے پہنچا؟" ایمی کے بیان کی روشنی میں مجھے پیٹر کا کردار بہت زیادہ مشکوک نظر آ رہا تھا۔

"وہ ایک خیراتی ادارے کا سرگرم رکن ہے جو اٹلی میں ضرورت مند غیر ملکی سیاحوں کو مالی اور قانونی امداد فراہم کرتا ہے۔ اسی ادارے کے ذریعے اسے میرے کوائف کا علم ہوا تھا۔"

"اور اس نے تم سے تمھاری گرفتاری کے اسباب پر خاصی تفصیلی گفتگو کی ہو گی؟"

"وہ خود بات نہ بھی چھیڑتا تو میں خود اسے ہر بات من وعن بتا دیتی۔" اس نے کہا۔ "موسیٰ کے بارے میں اس کی رائے بھی تم سے مختلف نہیں تھی۔"

"تم نے اسے یہ بھی بتا دیا ہو گا کہ موسیٰ کا دیا ہوا سوٹ کیس تم نے ائیر پورٹ پر ہی چھوڑ دیا تھا؟"

"میں نے اس سے کوئی بات نہیں چھپائی تھی بلکہ یہاں تک بتا دیا تھا کہ مجھے موسیٰ پر ہرگز شبہ نہ ہوتا اگر دورانِ پرواز تم نے مجھے مشورہ نہ دیا ہوتا۔"

"پھر میری اور اس کی شناسائی کا ذکر کہاں سے آ گیا؟"

"تمھارا ذکر آنے پر اس نے مجھ سے تمھارا حلیہ دریافت کیا تھا پھر بتایا کہ پاکستان میں اس کا بھی ایک قریبی دوست ہے جو بہت ذہین ہے مگر اکثر اپنا نام بدلتا رہتا ہے۔ وہ تمھیں اکبر کے بجائے کسی اور نام سے جانتا ہے۔" وہ فخریہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "اس کا خیال تھا کہ میرا بتایا ہوا حلیہ اس کے دوست ہی کا تھا۔"

"اس خیال کی تائید کس طرح ممکن ہو سکی تھی؟" میں نے سوال کیا۔ اس کی کہانی میرے لیے بہت دلچسپ اور سنسنی خیز ثابت ہو رہی تھی۔ پیٹر بہت چالاک اور خود غرض آدمی تھا اور یقینی طور پر کسی فلاحی ادارے کا رکن ہونے کے بجائے ہورلیشو کے ساتھیوں میں سے تھا۔ ہورلیشو کی ناکامی کے بعد اس نے بہت چالاکی کے ساتھ امی کی ہمدردیاں حاصل کیں اور نہ صرف ہیروئن والے سوٹ کیس کا پتا چلا لیا بلکہ اس سے میرے برطانیہ کے سفر کے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم کر لیا۔ امی فرانسس وطن سے دور آ کر خود کو بے سہارا محسوس کر رہی تھی لہٰذا اس نے خود کو پوری طرح پیٹر کے حوالے کر دیا جو اسے شادی کی امید دلا کر لندن لے آیا مگر میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس نے مجھ پر ہاتھ ڈالنے کے لیے امی کو چارہ بنایا تھا اور آخر کار امی کی ذات کا سہارا لیے بغیر مجھے زیر کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کی ذات کے بارے میں میرے دل میں شدید تجسس بیدار ہو چکا تھا کہ وہ کون تھا جو روم میں بیٹھ کر میرے بارے میں اتنا باخبر تھا۔

امی کے جواب نے پیٹر کے بارے میں میرے شبہات کی تصدیق کر دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "پیٹر نے مجھے اپنے چیدہ چیدہ ایشیائی اور سفید فام دوستوں کی تصاویر کا البم دکھایا تھا۔ اس میں تمھاری تصویر بھی موجود تھی۔ جب میں نے تمھیں پہچانا تو وہ بہت محظوظ ہوا تھا اور دیر تک دل کھول کر ہنستا رہا تھا۔"

"مگر میری یادداشت کے کسی خانے میں پیٹر کا نام نہیں ہے۔" میں نے اسے حقائق سے آگاہ کرنے کے بجائے اپنے ذہن پر زور دینے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ تم بھی اسے کسی اور نام سے پہچانتے [illegible]" [illegible] ہنستے ہوئے بولی۔ "ٹھہرو، میں تمھیں اس کی تصویر دکھاتی ہوں [illegible] طرح تمھاری یادداشت تازہ ہو سکے۔"

وہ اٹھی اور کتابوں کی ایک الماری میں چند منٹ [illegible] کے بعد ایک تصویر لیے میری طرف مڑی۔ "یہ تصویر مجھے لفافہ [illegible] گئی تھی جو میں نے یہاں کتابوں میں دبا دی تھی۔"

قریب آ کر اس نے تصویر میرے ہاتھ میں دی تو میرا [illegible] جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔

وہ سوفی صد ویرا کے باپ جمی لائیڈ کی تصویر تھی جو [illegible] میں لائیڈز کالج کے تہ خانے میں کسی اور انداز میں پہلے بھی [illegible] چکا تھا۔

وہ تصویر پہچانتے ہی چند ثانیوں کے لیے میری آنکھوں [illegible] سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس بار میں ویرا کی [illegible] سے آزاد نہیں ہوا تھا بلکہ حوالات سے نکل کر براہِ راست شہ[illegible] سربراہ جمی لائیڈ کا قیدی بن گیا تھا۔ جو ویرا کے بیان کے مطابق [illegible] میں ڈان مرسیانو کے نام سے ایک گھٹیا دلال کے طور پر [illegible] تھا اور دوسری طرف پیٹر کے روپ میں امی کو اپنے ساتھ [illegible] کے سہانے سپنے دکھا کر احمق بنا رہا تھا۔

میرے لیے وہ صورتِ حال یک بیک بہت سنگین [illegible] گئی تھی۔

"پیٹر ہم دونوں کو خود یہاں لایا تھا؟" چند ثانیوں [illegible] سکوت کے بعد میں نے سوال کیا۔

"ایمبولینس میں ڈلوا کر لایا تھا۔ تم دونوں کسی حادثے [illegible] زخمی ہو کر اسے سڑک کے کنارے پڑے ہوئے ملے تھے [illegible] پر وہ بہت افسردہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ اتفاقاً ادھر [illegible] نکل گیا ہوتا تو کوئی لاپروا ٹرک ڈرائیور تمھیں کچلتا ہوا گزر جا[illegible] اور تمھاری لاشیں قابلِ شناخت بھی نہ رہتیں۔"

"اور تمھیں [illegible] کہانی پر یقین آ گیا؟" [illegible] سے سوال کیا۔

[illegible] دل [illegible] قی [illegible]

[illegible] میں [illegible] تمھاری یادداشت تازہ نہیں [illegible] سکی۔ [illegible] وہ بہت معصوم اور نرم دل آدمی ہے [illegible] کر جا[illegible] بھلا اسے مجھ سے کوئی جھوٹ بولنے کی [illegible] تھی وہ [illegible] کہتا میں مان لیتی۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ جمی لائیڈ نے اپنے رویے [illegible] لڑکی کی اس قدر مکمل برین واشنگ کی تھی کہ وہ خود کسی تلخ ترین [illegible] سے دوچار ہوئے بغیر اپنی رائے نہیں بدل سکتی تھی۔

"اب تمھارا ہونے والا شوہر کہاں ہے؟" میں نے ایک گہرا سانس لے کر سوال کیا۔

"وہ کل صبح تمھیں یہاں پہنچانے کے بعد بلفاسٹ چلا گیا تھا۔" اس کی زبان سے کل صبح کا ذکر سن کر میں بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ اگر ہمارا حوالات سے فرار پچھلی صبح کا واقعہ تھا تو پھر بھوک کے بارے میں سلطان شاہ کی شکایت اور بے تابی بالکل جائز تھی۔

"بلفاسٹ میں آئرش دہشت پسندوں کے ایک گروپ نے تین پادریوں کو یرغمال بنا کر دو لاکھ پاؤنڈ تاوان کا مطالبہ کیا ہے۔ پیٹر ان ہی پادریوں کی مدد کے لیے گیا ہے۔ ایک دو روز میں واپس لوٹ آئے گا۔" ایمی نے میرے ردِعمل پر مسکراتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "اس کی بتائی ہوئی دوا میں مقررہ وقفوں سے تمھارے جسموں میں انجیکٹ کرتی رہی ہوں۔ تم بے فکر رہو تمھاری دیکھ بھال صحیح طریقے پر ہوتی رہی ہے۔"

"تم بالکل احمق اور کند ذہن ہو۔" میں غصے میں تقریباً دانت پیستے ہوئے بولا۔ "ہمیں کسی دوا کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمیں انجکشن دے کر تم ہماری بے ہوشی کی مدت بڑھاتی رہی ہو۔"

"پتا نہیں تم پیٹر کی طرف سے اتنے بدظن کیوں ہو؟" وہ سہم کر بولی۔ "وہ تمھارا خیر خواہ نہ ہوتا تو تمھیں سڑک کے کنارے سے اٹھا کر کیوں لایا ہوتا؟"

"یہ سب بکواس ہے۔" ایک بار غصہ آنے کے بعد میری ذہنی رو بہکتی ہی چلی گئی۔ "تمھیں اور ہمیں وہ ایک ہی جگہ سے لایا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ تمھاری ضمانت لی گئی تھی اور ہم دونوں کو حوالات سے اغوا کر کے یہاں پہنچایا گیا ہے اور اب ہم تینوں یہاں اس کے قیدی ہیں۔"

"مجھے تم سے خوف آ رہا ہے۔" وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے ہکلا کر بولی۔ "پتا نہیں تمھیں پیٹر کی ہر بات پر شبہ کیوں ہو رہا ہے۔ میں سمجھ رہی ہوں کہ تمھیں میری اور اس کی شادی کی خبر سے ذہنی صدمہ پہنچا ہے مگر میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں... پیٹر پرستش کے قابل ہے۔"

اس کی مختصر سی کھوپڑی پر صرف عشق اور پیٹر کی عظمت کا بھوت سوار ہو رہا تھا لہٰذا میں پیر پٹختا ہوا اسٹڈی سے باہر نکل آیا۔ راستے ہی میں سلطان شاہ سے مڈبھیڑ ہو گئی جو کچن سے شکم سیر ہو کر بارونق چہرے کے ساتھ میری تلاش میں اسی طرف آ رہا تھا۔

"کون مل گیا؟ کس سے باتیں کر رہے تھے؟" اس نے سامنا ہوتے ہی میرے تیوروں کا اندازہ کیے بغیر سوال داغ دیا۔

"ویرا کی والدہ سے باتیں کر رہا تھا۔" میں نے کچن کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"ویرا کی والدہ؟" حیرت سے اس کا منہ بھاڑ کی طرح کھل گیا اور میں بے اختیار مسکرا دیا۔

"ہاں، علاوہ ویرا کی سوتیلی ماں بن چکی ہے اور دو چار روز میں باقاعدہ شادی کا خواب دیکھ رہی ہے۔" میں نے اس کی پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"کس کی بات کر رہے ہو؟ ذرا کھل کر بتاؤ نا؟" اس کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

"میرے خدشات درست ثابت ہوئے ہیں۔ اس وقت ہم براہِ راست جمی لائیڈ کے قیدی ہیں اور وہ خود ہی ہمیں یہاں لایا تھا۔" میں نے کہا۔

اس انکشاف پر وہ بھونچکا رہ گیا اور میں مختصر الفاظ میں اسے ایمی فرانسس اور پیٹر کے قصے کی تفصیلات سے آگاہ کرنے لگا جو اس کے لیے بے اعتباری کی حد تک حیران کن ثابت ہو رہی تھیں۔ باتیں کرتے ہوئے ہم کچن میں پہنچ گئے جہاں سلطان شاہ نے اپنی جھوٹی پلیٹیں صاف کرنے کے بعد میرے لیے میز سجائی ہوئی تھی۔ اس اہتمام کے لیے اس نے صرف جمی ہوئی غذاؤں پر ہی انحصار نہیں کیا تھا بلکہ چولھا جلا کر کچھ گرما گرم چیزیں بھی تیار کر ڈالی تھیں جن سے انصاف کرتے ہوئے میں نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا۔

"میرے لیے تو یہ سب ناقابلِ یقین ہے۔" میرے خاموش ہونے پر وہ تحیر زدہ لہجے میں بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ ویرا اور جوڈی کی طرف سے رہائی کی امید کرتے کرتے یہ جمی لائیڈ اچانک کہاں سے آ کودا؟"

"اور میرے لیے یہ سمجھنا دشوار ہو رہا ہے کہ اس نے ہمیں کس مقصد کے لیے زندہ رکھا ہوا ہے۔ اگر پولیس اسٹیشن کے عملے میں اس کے آدمی موجود تھے تو زیادہ سہل یہ ہوتا کہ وہ ہمیں حوالات ہی میں زہر دے کر ختم کرا دیتا۔ اس پورے کھیل میں اہم کردار اسی مسلح سپاہی کا ہے جس نے ہمیں رقعہ پہنچایا تھا۔" میں نے کہا۔

"یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ اس سپاہی نے ڈکیتی والی تصویر کی روشنی میں تمھیں پہچان کر شی میں اپنے اس آقا کو اطلاع دی ہو گی جو اس سے کام لیتا رہا ہے۔ پھر دھماکے کی آڑ میں ہمیں حوالات سے فرار کراتے ہی باہر بے بس کر لیا گیا مگر یہ جمی لائیڈ والی بات حلق سے نہیں اترتی۔"

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تسی کے لیے وہ محض ایک نام ہے، صورت سے اسے کوئی بھی نہیں پہچانتا۔ اگر ویرا نے لائیڈز کا بچہ میں اپنے باپ کی تصویر نہ پہچانی ہوتی تو ایمی کی دکھائی ہوئی تصویر۔

میرے سیلیے بالکل اجنبی ہوتی۔ ہوسکتا ہے کہ جمی لائیڈ ایک عام کارکن کی طرح اس ٹولی میں شامل رہا ہو جس نے ہمیں پولیس اسٹیشن کا احاطہ پھلانگتے ہی بے ہوش کیا تھا۔"

اسی وقت اچانک ایمی کچن کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں زندگی کی چمک کے بجائے عجیب سی لاتعلقی اور بے رونقی بچی ہوئی تھی۔

"اب یہاں کیوں آئی ہو، میرے پیچھے؟" میں نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کرنے آئی تھی۔" اس کے ہونٹوں سے کمزور سی آواز خارج ہوئی۔ سلطان شاہ حیرت سے اس کی طرف تکے جا رہا تھا۔

"میں اب تمہارے ہاتھوں بے ہوش ہونے کے بجائے اپنی نیند سونا پسند کروں گا۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "تمہیں ہمارے سیلیے کوئی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اپنا کام ہم خود کر سکتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے ناراض ہو۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولی۔ "مگر میں تمہاری خدمت کرنا چاہتی ہوں کیونکہ میں تمہاری احسان مند ہوں۔ اگر تم مجھے جہاز میں مشورہ نہ دیتے تو میں پیٹر جیسے بے مثال آدمی سے کبھی نہ مل پاتی۔"

"شاید تمہیں معلوم نہیں کہ وہ تمہاری عمر کی ایک لڑکی کا باپ بھی ہے۔۔۔"

"ہوا کرے۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ پیٹر کے تذکرے پر اس کی آنکھوں میں پھر چمک عود کر آئی تھی۔ "اس کی عمر کچھ بھی ہو مگر وہ قوت، مردانگی اور کردار میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔"

"جاؤ، اور اس کی تصویر سینے سے لگا کر دعا کرو کہ وہ بلفاسٹ سے جلد از جلد زندہ سلامت لوٹ آئے۔" میں نے پچکارتے ہوئے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"ذرا یہ تو بتاتی جاؤ کہ اس وقت باہر دن ہے یا رات؟" اچانک سلطان شاہ نے ہانک لگائی اور وہ جاتے جاتے ٹھٹھک گئی اور میں سلطان شاہ کو قہر آلود نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

"دن ہی ہوگا۔" وہ بولی۔ "اگر کسی کام کے سیلیے میری ضرورت محسوس کر سکو تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"پھر یہ بھی بتا دو کہ یہ جگہ لندن کے کس حصے میں واقع ہے؟" اس بار میں نے سوال کیا تھا۔

"مجھے کچھ اندازہ نہیں۔ بس یہ بتا سکتی ہوں کہ ہم ایک طویل سفر کے بعد یہاں پہنچے تھے۔"

پھر وہ خوابناک انداز میں چلتی ہوئی وہاں سے واپس چلی گئی۔

"مجھے تو یہ اپنے ہوش و حواس میں نظر نہیں آتی۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "جب وہ یہاں آئی تھی تو تم نے دیکھا تھا کہ اس کی آنکھوں میں کیسی بھیانک لاتعلقی جھانک رہی تھی۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ لڑکی مسکّن دواؤں کے زیر اثر ہے۔" میں نے رائے دی۔ "اور اس کے دماغ پر جمی لائیڈ کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ اس کے چلے جانے کے باوجود یہ تسلسل کے ساتھ اس کی ڈوز لے رہی ہے ورنہ یہ اتنی کند ذہن ہرگز نہیں تھی، اشارے سے بات کی تہ تک پہنچ جاتی تھی۔"

"اس بار قید ہوتے ہی ہم جمود کی زد میں آ گئے ہیں۔" سلطان شاہ نے میرے سیلیے پیالی میں چائے بناتے ہوئے کہا۔ "یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم پسپائی اختیار کرتے ہوئے دیوار سے آ لگے ہوں اور اب کوئی بھی لمحہ ہماری زندگی کا آخری لمحہ ہو سکتا ہے جسے کسی قیمت پر نہ ٹالا جا سکے گا۔"

"میں ابھی اتنا مایوس نہیں ہوا۔ اس عمارت میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اندر ساری آسائشیں موجود ہونے کے باوجود باہر کی دنیا سے ہر رابطہ منقطع ہے۔ میں کوشش کے باوجود کسی فون کا سراغ نہ لگا سکا۔ باہر سے رابطے کی کوئی صورت نکل آئے تو یہ بازی آسانی سے پلٹ سکتی ہے۔"

"کھڑکیوں پر طبع آزمائی کیوں نہیں کرتے؟" اس نے چونک کر کہا۔ "بڑے بڑے شیشوں پر کہیں بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ شیشے توڑ کر بلائنڈز اکھاڑنا زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔"

"ہمارا حریف جمی لائیڈ ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں شرط لگا سکتا ہوں کہ سارے شیشے بلٹ پروف ہوں گے۔ انھیں توڑنا آسان نہ ہوگا۔"

"ابھی لو۔" سلطان شاہ نے یہ کہتے ہی میز پر سے ایک وزنی چھری اٹھا کر پوری قوت کے ساتھ کچن کی واحد کھڑکی کے شیشے پر دے ماری۔ چھری ایک پُرشور چھناکے کے ساتھ شیشے سے ٹکرا کر اچٹ گئی اور فرش پر آ کر گری۔ سلطان شاہ کے چہرے پر مایوسی کی لہر دوڑ گئی اور وہ میں اس صورتِ حال سے نجات کے امکان پر غور کرنے لگا۔

☆☆

سارا دن اسی چار دیواری میں بے مقصد بھٹکتے ہوئے گزر گیا لیکن وہ جمود توڑنے کی کوئی راہ نہ سوجھ سکی۔ اس دوران میں کئی بار ایمی سے بھی سامنا ہوا اور اس کی ذہنی کیفیت کا صحیح ادراک ہونے کے بعد مجھے اپنے اس رویّے پر ندامت محسوس ہونے لگی جو میں نے اس کے ساتھ پہلی ملاقات میں اختیار کیا تھا۔ اس کے ازالے کے سیلیے میں نے بعد میں ایمی کے ساتھ ہمدردانہ رویّہ اختیار کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم تینوں نے دوستانہ فضا میں ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے سے بھی

...ی کی خواب گاہ میں ایک مختصر سی نشست جمائی جہاں ایک کیبنٹ میں اسکاچ اور عمدہ قسم کی سُرخ و سفید وائن کی چند منتخب بوتلیں موجود تھیں۔

کھانے کے فوراً بعد امی اپنے کمرے میں چلی گئی اور ہم دونوں اپنی خواب گاہ میں آکر رمی کھیلنے میں مصروف ہوگئے۔ دن بھر کی مغز زنی کے بعد تھوڑی سی اسکاچ معدے میں اُتارنے کے بعد میں نے حالات سے بے پروائی اختیار کرکے وقت گزارنے کا فیصلہ کرلیا تھا بعد میں جو حالات سامنے آتے ان کے مطابق فوری طور پر نئی حکمتِ عملی مرتب کی جاسکتی تھی اس بارے میں پہلے سے سوچ سوچ کر اپنی جان کو روگ لگائے رکھنا بے سود تھا۔

سلطان شاہ رمی کے تیسرے ہاتھ کے پتّے بانٹ رہا تھا کہ اچانک کمرے میں ایک بھاری مردانہ آواز گونجی اور ہم دونوں بے ساختہ اُچھل پڑے۔

"مجھے امید ہے کہ یہ بندوبست تمہیں پسند آیا ہوگا؟" بولنے والے کا لہجہ صاف اور تحکم آمیز تھا لیکن آواز کے ساتھ ہلکا سا ریڈیائی شور بھی گونجا تھا جس کی وجہ سے میری توجہ فوراً ہی کسی ایسے ریڈیائی انسٹرومنٹ کی تلاش میں مبذول ہوگئی، جس سے مواصلاتی رابطے کا کام لیا جاسکے جب کہ دن میں میں کسی بگ یا ٹرانسمیٹر کی تلاش میں پورا گھر کسی کامیابی کے بغیر چھان چکا تھا لیکن اس وقت میں آواز کے مخرج کا تعین کرنے میں کامیاب ہوگیا جو خواب گاہ میں رکھے ہوئے ایک سیک سے چوبی صوفے کا نچلا حصّہ تھا جس پر باہر سے مصنوعی چمڑا منڈھا ہوا تھا۔

"صرف میزبان کی کمی ہے ورنہ یہاں ہر آسائش میسّر ہے۔" میں نے قدرے بلند آواز میں کہا جو دوسری طرف سُن لی گئی جس کا مطلب تھا کہ وہ جدید مواصلاتی سلسلہ دو مختلف چینلوں پر کام کر رہا تھا۔

"میزبان لڑکی پسند نہیں آئی؟" آواز میں ہلکا سا طنز تھا۔

"لڑکی تو شروع سے ہی پسند ہے لیکن تم اُسے تباہی کے راستے پر ڈال چکے ہو، اس کا ذہن ماؤف ہوتا جارہا ہے۔" میں نے اپنے دل کی تیز دھڑکنوں کے درمیان کہا۔

"لڑکی اب اپنا کام پورا کرچکی ہے اسے بہت جلد سارے دُکھوں سے نجات مل جائے گی۔"

"شاید تم پیٹر بول رہے ہو... وہ لڑکی تو تمہاری ذات کے طلسم میں گرفتار ہے۔"

"میرا پورا نام پیٹر اینج ہے۔" آواز گمبھیر ہوگئی "وہ لڑکی کے ذریعے مجھے اپنی تصویر تم تک پہنچانا تھی تاکہ یہ دیکھ سکوں کہ تم مجھے پہچانتے ہو یا نہیں ــــ اس نے اپنا کام بے خبری کے باوجود پورا کردیا۔

اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ تم لائیڈز کالج کے اس مخصوص حصّے میں رسائی حاصل کرچکے تھے جہاں میری تصویر مقفل رہتی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے میری اور امی کی گفتگو سُن لی تھی؟"

"میں نے صبح سے اب تک اس عمارت میں لی جانے والی سانسوں کی آوازیں تک سُنی ہیں۔ تم دونوں کو وہاں چھوڑنے کا مقصد یہی تھا کہ میں دور رہ کر تمہاری گفتگو سُنتا رہوں لیکن تم سے دو طرفہ رابطے کا ذریعہ صرف اسی خواب گاہ میں ہے جہاں تم شاید ابھی رمی کھیل رہے تھے۔"

"اپنے اغوا، میزبانی اور پھر نگرانی کا مقصد میری سمجھ میں اب تک نہیں آسکا۔"

"پاکستان ہمیشہ ــــ میری سب سے آسان پیداواری منڈی رہا ہے لیکن جس دن سے تم نے سر اٹھایا اسی دن سے مجھے اپنا بیشتر وقت پاکستان کے بارے میں سوچتے ہوئے گزارنا پڑتا ہے اب میں پاکستان میں تمہارے لیے کام کرنے والے ہر فرد کا خاتمہ چاہتا ہوں اور اسی لیے تم ابھی تک زندہ ہو۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ میں صرف اور صرف پیٹر اینج ہوں میرا کوئی دوسرا نام تمہاری زبان پر آیا تو وہ تمہاری زندگی کا آخری لمحہ ہوگا۔"

"تمہارے اینچ، فٹ یا گز ہونے سے میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا، میرے لیے تم جو ہو وہی رہوگے... لیکن مجھے میرے سوال کا جواب ابھی تک نہیں مل سکا۔"

"میں تمہاری کسی بدتمیزی کو نظرانداز کرنے پر مجبور نہیں ہوں لیکن تمہاری مجبوریوں سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں لہٰذا سُنو کہ تمہاری لندن آمد کی پہلی اطلاع مجھے اتفاقاً امی سے ملی تھی۔ تمہاری تصویر کی شناخت کے بعد میں امی سمیت لندن آگیا اور زاؤ وو تمہاری راہ پر لگادیا کیوں کہ تمہارا مسئلہ اصولاً اسی کو بھگتنا چاہیے تھا مگر وہ تمام رعایتیں حاصل کرکے بھی سرخروئی حاصل نہ کرسکا بلکہ اس کی نااہلی نے تمہارے حوصلے بڑھا دیے اور تمہارے راستے بند کرنے کے لیے تمہاری تصویر کی اشاعت ضروری سمجھتے ہوئے ڈکیتی کا واقعہ بنالیا گیا یہ تمہاری بدقسمتی تھی کہ تم غیر متوقع طور پر پولیس کے ہاتھ لگ گئے لیکن مجرم تم میرے تھے۔ عدالتی قصتوں میں تم نہ جانے کیا کیا ہذیان بک سکتے تھے لہٰذا اپنے مخبر سے تمہاری گرفتاری کی اطلاع ملتے ہی میں نے تمہیں اٹھوانے کا منصوبہ بنالیا مجھے معلوم تھا کہ ویرا کے دل میں تمہارے لیے نرم گوشہ ہے اور تم اس کی طرف سے پُرامید ہوگے لہٰذا تمہاری اسی کمزوری سے فائدہ اٹھایا گیا اور اب تم میرے قیدی ہو۔ یہ یاد رکھنا کہ تمہاری زندگی کا انحصار اب خود تم پر ہے۔ مجھ سے مخاصمت مول لی تو مرنے کی ہزار دل خواہشوں

کے باوجود نرم سکے گا اور اگر مطلوبہ معلومات مہیا کر دیں تو ہمیشہ اسی مکان میں میرے قیدی رہو گے اور سکون سے اپنی طبعی عمر گزار سکو گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ویرا کسی وقت خود کو اہل ثابت کر کے کسی منصب پر آ جائے تو تمھیں اس کے قدموں میں ڈال دیا جائے۔"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ تمہاری نسبت ویرا کا دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے؟"

"ذاتیات میں دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں۔"

اس کی غراہٹ سنائی دی۔" اس بساط پر صرف وہی مہرے آگے بڑھتے ہیں جنہیں میری شہ حاصل ہو ورنہ وہ پیٹ دیے جاتے ہیں۔ میرے گرد ایسے بے شمار مرد اور عورتیں موجود ہیں جو مجھے اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں۔ مجھے اس میں کسی نام کے اضافے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"میں تمھاری پیش کش پر غور کرنے کے لیے مہلت چاہتا ہوں۔" میں نے قدرے سکوت کے بعد کہا۔" پاکستان میں میرے ساتھیوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" وہ اسی لہجے میں غرایا اور میں دل ہی دل میں اس کی حماقت پر ہنس کر رہ گیا۔ کہ وہ میرے بارے میں خاک جانتا تھا۔ دولفری جماعت کو وہ اپنا قیدی بنا کر اس کی سابقہ انتقامی کارروائیوں کو محض اس لیے کسی گروہ سے منسوب کر رہا تھا کہ اس کے نزدیک بے خوفی اور بے جگری کا مفہوم بہت محدود تھا۔

"تم دونوں میرے قیدی ہو اور تمہاری ساتھی لڑکی کہیں روپوش ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔" سونیا والی کہانی پولیس والوں کو چکر دے سکتی ہے مگر مجھے نہیں۔ جلد یا بدیر وہ بھی تمہارے ساتھ ہو گی۔"

"لیکن اُسے تمہارے آدمیوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔" غزالہ کے ذکر پر میں نے اپنے وجود میں بھڑک اٹھنے والی آگ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ کوئی دھمکی ہے؟"

"قیدی دھمکی نہیں دیتے، التجا کر سکتے ہیں۔" موضوع کی نزاکت کے پیش نظر میں نے لہجہ اور نرم کر لیا۔

میرے جواب پر وہ خوش ہو گیا۔" میں ضمانت دیتا ہوں اگر وہ میرے آدمیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے بھی ماری گئی تو اس کی موت آبرو مندانہ ہو گی۔ زندگی اور موت کا انتخاب خود اس کا اپنا ہو گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میں تمہارا قیدی ہوں، کم ظرف دشمن سے بڑی اذیت کوئی اور نہیں ہوتی۔" اس بار الفاظ میرے دل کی گہرائیوں سے نکلے تھے کیوں کہ مجی لائیڈ نے غزالہ کے بارے میں ایک ضمانت دے کر میرے سر سے بڑا بوجھ اتار دیا تھا۔

"سوچنے کے لیے تم کتنی مہلت چاہتے ہو؟" اس نے سوال کیا پھر بدلے ہوئے لہجے میں اس کی آواز ابھری۔" یہ یاد رکھو کہ اب میرے ساتھ کوئی مکاری نہیں چل سکے گی۔ میں جب چاہوں ایذائیں دے کر تمھیں زبان کھولنے پر مجبور کر سکتا ہوں تمھیں [illegible] کی پیش کش کر کے میں صرف اس بات کی قیمت ادا کر رہا ہوں کہ [illegible] بارے میں تم ضرورت سے کچھ زیادہ ہی جان چکے ہو۔"

"صرف دو دن اور وہ بھی تمھارے الفاظ کا وزن پرکھنے کے لیے۔" میں نے کہا۔" تم خود اعتراف کر رہے ہو کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ کسی کے علم میں نہیں ہے۔ مطلوبہ معلومات حاصل ہونے کے بعد کون سی قوت تمھیں میرے قتل سے باز رکھ سکے گی جس لمحے یہ نکتہ سمجھ میں آ گیا، میں سب کچھ اگلتا چلا جاؤں گا۔"

"یہ میرا ظرف ہے کہ میں تم سے اتنی بات کر رہا ہوں ورنہ تمھاری موت میرے سارے مسائل کا آسان حل ہے۔ تم واپس نہ لوٹ سکے تو پاکستان میں تمھارا گروہ خود بکھر جائے گا۔ نہ جانے کیوں میں تمھیں زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں تمھیں دو روز دیتا ہوں مگر یہ یاد رکھنا کہ ذرا بھی شرارت کرنے کی کوشش کی تو ہتھیلیاں اور پاؤں کٹوا کر کسی کوڑے گھر میں پھنکوا دوں گا اور تم عمر بھر کسی کو کچھ نہ بتا سکو گے۔ ساتھ ساتھ ڈکیتی کے مقدمے میں عمر قید بھی بھگتنا پڑے گی۔"

"میں تیار ہوں۔" میں نے دل کڑا کر کے کہا۔ اس وقت میں اس بُری طرح بے بس ہوا تھا کہ اس سے وقت حاصل کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔" میں تم سے رابطہ کیسے قائم کر سکوں گا؟"

"میرا یہ آپریٹس ہر وقت آن رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کمرے میں پیدا ہونے والی آوازیں سولہ پوائنٹس سے مانیٹر کی جاتی ہیں [illegible] غیر موجودگی میں یہ سب ریکارڈ ہوتا رہتا ہے جب بھی تمھارا پیغام ملا وقت ملتے ہی میں خود تم سے بات کر لوں گا۔"

"یہاں میں کھلا آسمان دیکھنے کو ترس گیا ہوں..."

"ناممکن۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔" ایسی کوئی بھی کوشش خودکشی کے برابر ہو گی۔ بلٹ پروف شیشے تم نے آزما لیے۔ ان کے باہر بلائنڈز میں ہر وقت طاقتور برقی رو دوڑتی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ دو مسلح محافظ دن رات باہر پہرہ دیتے ہیں۔ بہتر [illegible] اب اسی چار دیواری میں رہنا ہے، حالات سے سمجھوتا کرنا سیکھو۔"

"امی کے حسن ناخوشگوار انجام کا تم نے ذکر کیا تھا اس میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے؟"

"سفارشوں کے بجائے اپنے مستقبل پر دھیان دو [illegible] لہجہ درشت ہو گیا۔" میں اپنے طریقوں پر کام کرنے کا عادی ہوں۔"

(یہ)ہاں میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔"
میں خاموش رہا اور دوسری طرف سے بھی گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"غنیمت ہے کہ باہر کی دنیا سے کوئی آواز تو سنائی دی۔" کچھ دیر کے انتظار کے بعد سلطان شاہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ انگریزی سے واجبی واقفیت کے باعث شاید مسئلے کی سنگینی پوری طرح اس کے ذہن میں نہیں سما سکی تھی۔ ورنہ وہ بھی میری طرح پریشان ہو گیا ہوتا۔

"ہمیں ساری عمر قید رہنا ہو گا۔" میں نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب یہ فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے کہ اسی مکان میں رہتے رہیں یا کسی اذیت خانے میں منتقل ہو جائیں۔"

اس کے استفسار پر میں نے اسے اپنی اور جمی لائیڈ کی گفتگو کا خلاصہ سنا دیا۔

"یہ کھلی بکواس ہے۔" میرے خاموش ہونے پر سلطان شاہ بے اعتباری کے ساتھ بولا۔ "وہ کوئی مشنری نہیں ہے جو ہمیں خدمتِ خلق کے نام پر ساری زندگی یہاں پالتا رہے گا۔ وہ یقیناً کسی لمبے چکر میں ہے۔ ہمیں اپنے مقصد سے آگاہ کیے بغیر وہ کوئی ایسی بات معلوم کرنا چاہتا ہے جو ہماری نظروں میں بالکل بے وقعت ہو گی۔"

"بہرحال دو روز میں ہمیں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہے اور یہ بھی ذہن میں رکھنا ہے کہ اس عمارت سے فرار کی کوئی کوشش بار آور نہ ہو سکے گی۔ ہمیں پیٹر اپنج کے ساتھ کوئی نہ کوئی سمجھوتا کرنا ہی ہو گا۔"

"پاگل ہوئے ہو۔" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔ "دشمن سے سمجھوتا کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہی ہمیں ٹھکانے لگا دے گا اور تم اس کے وعدوں کی دہائی دیتے رہ جاؤ گے۔"

"اور ایک مجبوری یہ بھی ہے کہ یہاں سو لہ حسّاس مائیکرو فون نصب ہیں جن کے ذریعے وہ ہمارے ایک ایک لفظ سے باخبر رہتا ہے۔" میں نے دانستہ لہجہ دھیما کر لیا جیسے سلطان شاہ کو کوئی راز کی بات بتا رہا ہوں۔ "یہ اور بات ہے کہ اسے اردو کا ترجمہ حاصل کرنے میں شاید کچھ وقت لگ جائے۔"

"اب ہم قیدی ہیں تو اسے پورا اختیار ہے کہ ہمیں جس طرح چاہے رکھے مگر میں زندگی کی امید میں اس کا آلۂ کار بننا پسند نہیں کروں گا۔ اگر مرنا ہی ہے تو یہ احساس دلا کر مروں گا کہ میں نے جانتے بوجھتے ہوئے موت کو اپنے گلے سے لگایا ہے اس کی کسی مکاری یا عیاری کا نشانہ نہیں بنا ہوں۔"

"بہرحال ابھی ہمارے پاس دو دن ہیں میں تمہیں قائل نہ کر سکا تو جو تمہارا جرم وہ میرا جرم ہو گا کہ چاہ ہو گے۔" میں نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کرتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا اور بستر پر دراز ہو گیا۔

جمی لائیڈ بہت چالاک شخص تھا لیکن میں نے اس کی گفتگو سے اس کی کمزوری بھانپ لی تھی۔ اس نے اپنے اور ویرا کے رشتے کے بارے میں میرے سوال پر اپنی خفگی کا اظہار کیا تھا مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہہ گیا تھا کہ تنظیم میں وہی کارکن آگے بڑھتے ہیں جن کی وہ خود پشت پناہی کرتا ہے۔ ویرا کو پاکستان کی حد تک تنظیم میں ایک اہم مقام حاصل تھا لندن میں بھی شوگر کوئین کے نام سے وہ سرگرم رہی تھی پھر پچھلے دنوں داؤد کے مقابلے میں شی کے بڑوں سے مخاصمت کے بعد جس طرح اس کی سرکشی کو نظر انداز کر کے دوبارہ شی کی ذمے داریاں سونپی گئی تھیں ان کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا کہ اُسے ڈھکے چھپے انداز میں جمی لائیڈ کی حمایت حاصل تھی اور تنظیم کے سربرآوردہ لوگ جمی لائیڈ کی ناراضگی کے خوف سے ویرا کی بے اعتدالیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی میں ضرورت سے زیادہ محتاط رہتے تھے۔

ان کھلی کھلی علامتوں کی روشنی میں کم از کم میرے لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا کہ بظاہر جمی اس رشتے کے اعتراف سے گریز کرتا تھا لیکن ویرا کی طرف سے اس کے دل میں چور موجود تھا جس کی وجہ سے وہ ویرا کی بہت سی حرکتوں کی طرف سے چشم پوشی اختیار کیے رہتا تھا۔

اس کی دانست میں میں شی کا مجرم تھا لیکن اس نے اعتراف کیا تھا کہ وہ اس بات سے پوری طرح باخبر تھا کہ ویرا میرے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتی تھی مگر مجھ سے مراسم رکھنے پر اس نے کبھی ویرا سے جواب طلب نہیں کیا تھا بلکہ یہاں تک کہہ گیا تھا کہ اگر کبھی ویرا اپنی اہلیت کی بنا پر کسی بڑے منصب پر فائز ہوئی تو اسے میرے مقدر کا فیصلہ کرنے کا کھلا اختیار مل جائے گا جس پر خود اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔

بستر کی پُرسکون آغوش میں جمی لائیڈ کی گفتگو کے ان منتشر اور بظاہر بے ربط جملوں کو یکجا کرنے سے اس کی اس خواہش کا سبب سامنے آ جاتا تھا کہ وہ مجھے زندہ دیکھنا چاہتا تھا۔

غزال کے وجود سے واقف ہونے کے باوجود اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات جم گئی تھی کہ ویرا مجھے چاہنے لگی تھی۔ لہٰذا وہ مجھے اپنی بیٹی کا محبوب سمجھ کر کچھ رعایتیں دینے پر آمادہ تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ویرا کی رگوں میں اسی کا خون دوڑ رہا ہے لیکن زندگی میں باپ کا شفقت آمیز سایہ نہ ملنے کی وجہ سے اس کی تربیت جس آزادانہ اور بے باک ماحول میں ہوئی تھی اس نے ویرا کو سرکش اور ضدی بنا دیا تھا۔

ویرا کو اپنی باضابطہ ولدیت نہ دے کر جمی لائیڈ نے اس کے حق میں ایک ناقابلِ تلافی جرم کا ارتکاب کیا تھا اور اپنی بیٹی کے ساتھ ڈان مرسیانو کے نرغے میں اس نے ایک بے رحم سوداگر بن کر

دوسرا جرم کیا تھا۔ گو اسے علم نہیں تھا کہ ویرا اس کے اس گھناؤنے روپ کو پہچان چکی تھی مگر اس کے دل میں خلش ضرور رہی ہوگی۔ اس پس منظر میں وہ میرے بارے میں کوئی سنگدلانہ فیصلہ کر کے ویرا کے قہر کو نہیں للکارنا چاہتا تھا۔ اُس کی دبی دبی سی خواہش یہی معلوم ہوتی تھی کہ اگر ویرا کو اپنی زندگی میں باپ کی محبت نہ مل سکی تو کم از کم شوہر کی محبت ضرور ملنا چاہیے اور اس کی نظروں میں اس منصب کا سزاوار میں قرار پا چکا تھا۔

میری، سلطان شاہ کی اور غزالہ کی زندگیوں کے لیے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ جمی لائیڈ کے ذہن میں وہ غلط فہمی مضبوطی کے ساتھ جمی رہے تاکہ وہ ہمارے بارے میں اپنی روایتی سنگدلی کا مظاہرہ نہ کر سکے جس کی ایک جھلک اُس نے ایمی جیسی معصوم اور سادہ لوح لڑکی کے بارے میں بے رحمانہ فیصلہ صادر کر کے دکھائی تھی۔

اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اب ایمی کو زیادہ مہلت نہیں دے گا لیکن وہ ہمارے ساتھ اسی چھت کے نیچے مقیم تھی۔ تو پھر کیا ایمی کو وہاں سے نکال لے جانے کی کوشش کی جائے گی؟

یہ خیال ذہن میں اُبھرتے ہی میں مضطرب ہو گیا۔ اگر ایسی کوئی کوشش کی جانے والی تھی تو وہی ہمارے لیے نجات کا بہترین موقع فراہم کر سکتی تھی۔

میں نے زبان سے ایک لفظ بھی نکالے بغیر سلطان شاہ کا شانہ چھو کر اسے خاموشی کے ساتھ بستر چھوڑنے کا اشارہ کیا اور پھر خود بھی بستر سے نیچے قالین پر اُتر گیا۔

اس مکان کے پورے فرش پر دبیز قالین موجود تھا مگر پھر بھی میں بہت احتیاط سے آگے بڑھ رہا تھا کیوں کہ ہمیں کچھ پتا نہیں تھا کہ جمی لائیڈ تک ہماری آوازیں پہنچانے والے مائیکروفون کہاں کہاں نصب تھے۔

خواب گاہ سے باہر نکل کر میں نے اشاروں کی مدد سے بدقت تمام سلطان شاہ کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا اور جب اُس نے سر ہلا کر پوری بات سمجھ جانے کا اشارہ کیا تو میں آگے چل دیا اور اسے نکاسی کے دروازے کے سامنے اسٹور میں جگہ سنبھالنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود ایمی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ایمی اپنی خواب گاہ میں پڑی بے خبر سو رہی تھی۔ اس کا جائزہ لے کر میں واپس ہوا اور کچن کے دروازے کے ساتھ ایک ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے سلطان شاہ مجھے نظر آ رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ شاید وہ لوگ ہماری بے خبری میں اسی رات ایمی کو نکال لے جانے کی کوشش کریں گے اگر چھپ کر ان کی نگرانی کرتے ہوئے ہمیں ان پر حملہ آور ہونے کا موقع مل گیا تو ہمیں دُنیا کی کوئی طاقت اس پنجرے سے فرار ہونے سے نہ روک سکے گی۔

ہم لوگ چوبیس گھنٹے سے زائد مدت تک بے ہوش رہے تھے۔ پھر شکم سیر ہو کر کھانے پینے کے بعد دوپہر میں بھی تھوڑی دیر اونگھ لیے تھے اس لیے اس وقت آنکھوں میں دُور دُور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ان لوگوں کے انتظار میں ہم آسانی کے ساتھ رات کالی کر سکیں گے۔

بستر سے اپنے ان خفیہ مورچوں پر منتقل ہونے کے بعد وقت کی رفتار یک لخت سست ہو گئی تھی مگر پھر بھی ہم نے آدھی سے زیادہ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی جس کے بعد سلطان بار بار منہ پھاڑ کر جمائیاں لینے لگا اور مجھ پر بھی اکتاہٹ کا غلبہ شروع ہو گیا۔

آخر کار ساڑھے تین بجے کے قریب ہم مایوس ہو کر بوجھل قدموں سے چلتے ہوئے اپنی خواب گاہ میں واپس آ گئے اور بستر سنبھال لیا۔

خواب گاہ میں طویل خاموشی کے بعد ہم آپس میں کوئی بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ورنہ دوسری طرف سے ہماری آوازیں سن کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ہم مکان میں خاموشی کے ساتھ کوئی کارروائی کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ دُہرے بستر والی وہ مسہری بہت مضبوط تھی اگر اس کی چولیں آواز پیدا کر رہی ہوتیں تو ہمارے لیے بے خوابی کے اس عالم میں بار بار کروٹیں بدلنا بھی دشوار ہو جاتا۔

پھر نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو وال کلاک دس بجا رہا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ وہ صبح ہی کے دس بجے تھے لیکن سلطان شاہ کا بستر خالی تھا۔ شاید وہ مجھ سے پہلے بیدار ہو گیا تھا۔

میں غسل خانے سے فارغ ہو کر کچن میں پہنچا تو سلطان شاہ انڈے فرائی کر رہا تھا۔

”ایمی غائب ہے۔“ مجھے دیکھتے ہی اُس نے بلند آواز میں یوں اعلان کیا جیسے ایمی کی گمشدگی اس کے لیے سراسر غیر متوقع رہی ہو۔ اور میں دل ہی دل میں خود کو ملامت کرنے لگا۔

ایمی کے بارے میں میری چھٹی حس کی وارننگ بالکل درست اور بروقت تھی لیکن ہم دونوں ہی کے اعصاب طویل اور اکتا دینے والے انتظار کی مشقت برداشت نہ کر سکے اور ہمیں وہاں سے نکلنے کا ایک سنہرا موقع ہاتھ آتے آتے رہ گیا۔ مشکل یہ تھی کہ اپنی حماقت پر ہم آپس میں بات کر کے دل کی بھڑاس بھی نہیں نکال سکتے تھے لہٰذا میں نے اس کی اطلاع سُن کر مصنوعی لہجے میں حیرت کا اظہار کیا اور پھر ایمی کے بارے میں چند ہمدردانہ تبصروں کے ساتھ

موضوع کو وہیں ختم کر دیا کیوں کہ اب اس میں سر کھپانا بے سود تھا۔
خاموشی کے ساتھ ناشتا معدے میں اُتارتے ہوئے مجھے
اچانک اس تصویر کا خیال آیا جو امی نے اسٹڈی میں مجھے دکھائی
تھی۔ میرا خیال تھا کہ اگر آنے والا امی لائیڈ ہی تھا تو تصویر اپنی جگہ
سے غائب ہونا چاہیے تھی۔ کیوں کہ وہ اپنی تصویر اپنے کسی کارکن
سے منگوا کر اپنے پیٹرانچ کے روپ کو موضوعِ سخن بنانے کی حماقت
نہیں کر سکتا تھا۔

امی نے تصویر جس جگہ واپس رکھی تھی، وہ مقام مجھے یاد تھا لیکن
ناشتے کے بعد جب میں نے وہاں کی تلاشی لی تو تصویر کا کہیں
پتا نہیں تھا۔

کچن سے میں سلطان شاہ کو بلند آواز سے بلا کر
اسٹڈی روم میں لایا تھا لہٰذا اس نے بلا تکلف سوال کر ڈالا کہ میں
وہاں کیا تلاش کر رہا تھا۔

"امی نے پیٹرانچ کی تصویر یہیں واپس رکھی تھی لیکن اب وہ
غائب ہے اس کا مطلب ہے کہ رات کو وہ خود امی کو اٹھالے گیا
ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تمھیں کیوں اس تصویر کی فکر لاحق ہو رہی ہے؟" اس
نے بیزاری کے عالم میں کہا۔ "یہاں جو کچھ ہوتا ہے، ہونے دو اور
تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھے رہو، جب خود پر کوئی افتاد پڑے گی تو دیکھا
جائے گا۔"

"تم پر چڑچڑا پن سوار ہونے لگا ہے۔" میں نے مصنوعی
برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "شاید تم مسلسل میری موت دیکھ
دیکھ کر اُکتا گئے ہو۔ امی چلی گئی ہے لہٰذا اب تم اس کی خواب گاہ
میں رہو تاکہ ہمارے آپس میں دست و گریباں ہونے کی نوبت
نہ آئے۔"

"اگر تم مجھ سے چھٹکارا چاہتے ہو تو چلو یہ بھی کر لوں گا۔" اس
نے میرے اشارے کو سمجھتے ہوئے کہا اور پھر وہ راستے میں ہی امی
کی خالی خواب گاہ میں گھس گیا۔

اس قید خانے میں کھانے اور آرام کرنے کے علاوہ کوئی کام
نہیں تھا اس لیے میں پھر بستر پر دراز ہو گیا مگر ذہن خالی نہیں تھا۔
مجھے جمی لائیڈ کی قید اپنے حق میں سرکاری حوالات سے بھی بدتر ثابت ہوتی
نظر آ رہی تھی۔ جہاں ڈھنگ کا بستر میسر نہ ہونے کے باوجود کھلے آسمان
کے نیچے جانے کی اجازت تھی۔

بارہ بجے صوفے کے نچلے حصے میں آپریٹس سے اُبھرنے والی
آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"ڈینی! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟" جمی لائیڈ سوال کر
رہا تھا۔

"سن رہا ہوں۔" میں نے بستر پر لیٹے لیٹے جواب دیا۔

"تم لوگوں کی زبان کا ترجمہ کرانے میں مجھے دقت ہوتی ہے۔
لیکن مجھے اعتراف ہے کہ تم بہت ذہین ہو، تم نے میری تصویر کی
بنا پر صحیح اندازہ لگایا کہ رات میں خود وہاں آیا تھا۔"

"ایسی ذہانت کس کام کی جو بند کمروں میں سڑ رہی ہے؟" میں
نے تلخ لہجے میں کہا۔ "بتا کر آتے تو ذرا تم سے آمنے سامنے ملاقات
بھی ہو جاتی۔"

"فضول باتیں مت کیا کرو۔" اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "اور
کان کھول کر سُن لو، مجھے تمھارا ساتھی خطرناک ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔
وہ تمھارے منصوبے قبول کرنے کے بجائے اس بُرے وقت میں
سرکشی پر اُتر آیا ہے۔ شاید تم نے بھی اُسے اپنے سے الگ کر کے
دوسرے کمرے میں بھیج دیا ہے۔"

"یہ ہماری آپس کی باتیں ہیں۔ وہ جلد ہی ٹھیک ہو جائے
گا۔ تمھیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے خشک لہجے
میں کہا۔

"وہ تمھیں بھی گمراہ کر دے گا۔ میں نے اسے تمھارے پاس
سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" اس کی تحکم آمیز آواز اُبھری۔

"میں اکیلا تو یہاں پاگل ہو جاؤں گا۔ کھانے اور ناشتے وغیرہ
کا بندوبست وہی کرتا ہے۔ اس کی جگہ تمھیں کوئی اور آدمی دینا
ہو گا۔"

"میرے لیے یہی کافی ہے کہ تم ذہنی طور پر اس سے الگ
ہونے کے لیے تیار ہو۔" اس نے میری مرضی کے مطابق نتیجہ
اخذ کرتے ہوئے کہا۔ "دو گھنٹے بعد میرے آدمی کسی بھی وقت وہاں
پہنچیں گے اور اسے ساتھ لے جائیں گے۔ یہ خیال رکھنا کہ تمھاری
گفتگو میں پیٹرانچ کے علاوہ میرے کسی اور نام کا حوالہ نہیں آنا چاہیے۔"

"تم مطمئن رہو۔ مجھے اپنی زندگی تم سے زیادہ عزیز ہے۔"

"اُسے میرے اس پیغام سے باخبر نہ کرنا ورنہ وہ مزاحمت
کے لیے تیار ہو جائے گا۔" اس پیغام کے بعد فضا پر سکوت چھا گیا
اور میں نے آہستگی کے ساتھ مسہری چھوڑ دی۔

مایوسی اور ناامیدی کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں وہ اُمید
کی پہلی کرن نظر آئی تھی اور میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر سلطان شاہ
کو جلد از جلد اس موڑ سے آگاہ کرنا چاہتا تھا تاکہ وقت ضائع کیے
بغیر ہم دونوں آنے والے خطرناک معرکے کی تیاریاں کر سکیں۔
ہم نہتے ضرور تھے لیکن کچن میں موجود وزنی چھریوں کے سہارے
آنے والوں کو زیر کر کے ان کے اسلحے پر قابض ہونا بظاہر زیادہ دشوار
نظر نہیں آ رہا تھا کیوں کہ وہ ذہنی طور پر سلطان شاہ کے خلاف صف آرا
ہو کر آ رہے تھے اور میں ان کے اعتماد کا آدمی تھا۔

جمی لائیڈ کو ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ہم دونوں ساتھ جینے اور ساتھ مرنے والوں میں سے تھے۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ ایک کی موجودگی میں دوسرے کو کسی چوپائے کی طرح بے دست و پا کیا جاتے اور وہ خاموش تماشائی بنا رہے اور جمی لائیڈ اپنے اس غلط اندازے کی بھاری قیمت ادا کرنے والا تھا۔

اپنی تمام تر ہوشیاری اور چالاکی کے باوجود وہ آخر کار ہمارے دام میں آنے ہی والا تھا۔

قدرت کی دی ہوئی ہر نعمت اپنی جگہ بے مثال ہوتی ہے جس کا بدل تلاش کرنا انسانی لغید سے باہر ہوتا ہے۔ اس وقت میں پوری شدت سے یہی سوچ رہا تھا کہ آخر انسان اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلا سکے گا؟ ہم قوتِ گویائی سے پوری طرح مالا مال تھے اور دنیا کے کسی بھی، برے بھلے موضوع پر گھنٹوں بے تکان گفتگو کر سکتے تھے لیکن اس مکان کے مختلف حصوں میں لگے ہوئے سولہ حساس ڈکٹا فون ہماری زبانوں کے لیے قفل بن کر رہ گئے تھے۔ میں ہیڈ رابنج سے ملنے والی نئی معلومات سے سلطان شاہ کو آگاہ کرنا چاہ رہا تھا لیکن وہ موضوع ایسا نازک اور غیر یقینی تھا کہ میرے تمام اشارے اُسے کچھ سمجھانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور اُس کے چہرے پر اُلجھن بڑھتی ہی چلی گئی۔

مجھے اپنی پوری زندگی میں اس وقت پہلی بار گونگوں کی بے بسی کا اندازہ ہوا جو اللہ کی ایک نعمت سے محروم ہونے کے باوجود دوسروں کو اپنی بات سمجھانے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتے ہیں لیکن اس بارے میں اُن کا تجربہ اُن کے کام آتا ہے۔ اپنے گہرے مشاہدے سے وہ ہر عمل اور فعل کے لیے ایک ایسا بھرپور اشارہ مقرر کر لیتے ہیں جو اس عمل یا فعل کی پوری پوری عکاسی کرتا ہے مگر ہم دونوں اس معاملے میں بالکل اناڑی تھے اور میں سلطان شاہ کو کسی طرح یہ سمجھا نہیں پا رہا تھا کہ تھوڑی دیر قبل ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو کی بنا پر ہیڈ رابنج نے اُسے خطرناک قرار دے دیا تھا اور دو گھنٹے بعد کسی بھی وقت اُسے وہاں سے لے جایا جا سکتا تھا۔

پھر اس سے قبل کہ سلطان شاہ میرے اشاروں سے زچ آ کر زبان کھول بیٹھتا، میں نے وہ سلسلہ وہیں منقطع کر دیا اور لائبریری کی طرف چل دیا۔ وہاں کوئی آواز یا آہٹ پیدا کیے بغیر میں نے پینسل اور سادہ کاغذ تلاش کیا اور ایک کونے میں بیٹھ کر اپنی اور ہیڈ کی گفتگو کا خلاصہ کاغذ پر لکھ کر سلطان شاہ کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" خلاصہ پڑھ کر اُس نے لکھا۔ "ہمیں اپنی نوک جھونک جاری رکھنا چاہیے تاکہ ہماری محاذ آرائی کے بارے میں اُس کے رہے سہے شبہات بھی زائل ہو جائیں۔"

"وہ بھی کرتے رہو لیکن اصل مسئلہ اسلحے کا ہے۔ اُس کے آدمی کسی بھی وقت آ سکتے ہیں۔ کچن سے تیز دھار اور مضبوط چھریاں جمع کر لو، ان کے مقابلے میں وہی کام آ سکیں گی۔ نہتے رہ کر ہم اُن کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے۔"

"فکر نہ کرو، کچن میرا دیکھا بھالا ہے۔ وہاں تین چھریاں تو ایسی ہیں کہ اُن سے سانڈ بھی ذبح کیے جا سکتے ہیں۔" رقعہ پر آخری سطر لکھ کر وہ چلا گیا اور میں اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔

اسکاچ کا ایک گلاس تیار کر کے میں سگریٹ سے شغل کر رہا تھا کہ وہ واپس لوٹ آیا۔ "اب میں تمہاری خدمت نہیں کر سکتا۔" اس نے کمرے میں گھستے ہی چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "کچن میں اپنا کام تمہیں خود کرنا ہوگا۔ ہر وقت چولہا جھونکنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"جو کر سکتے ہو کرو، جو نہیں کر سکتے، نہ کرو۔ میں بغیر کھائے پیے بھی دو چار دن گزار سکتا ہوں لیکن بدقسمتی سے کھانا تیار کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔" میں نے اُس کے ہاتھ میں دبی ہوئی لمبے پھل والی چھریوں کو آسودہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری نقاہت پر ترس کھا کر میں موم ہو جاؤں گا بلکہ اب تو دو تین وقت تمہیں میری خدمت کرنا چاہیے اگر ہمیں خوشگوار ماحول میں ساتھ رہنا ہے تو سارے کام باری باری کرنے ہوں گے۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے آہستگی کے ساتھ چھریاں بستر پر ڈال دیں۔

"تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔" میں نے ترش لہجے میں کہا۔ "یہ درست ہے کہ اس وقت ہم دونوں کسی کے قیدی ہیں لیکن تم میرے زیر دست ہو، اپنی اِس حیثیت کو فراموش نہ کرو۔" میں نے چھریوں کی تیز دھار پر اُنگلی پھیرتے ہوئے سلطان شاہ کو آنکھ مار کر کہا۔

"اس وقت تو محمود و ایاز کو ایک ہونا پڑے گا، مقدر سے رہائی نصیب ہو گئی تو تم مجھے دوبارہ اپنا فرماں بردار پاؤ گے۔ یہاں رہ کر اگر ہم نے کھلے دل کے ساتھ ایک دوسرے کے مشوروں سے استفادہ نہ کیا تو کسی بھی لمحے بے دردی کے ساتھ ذبح کر دیے جائیں گے۔ چھری کی دھار زیر دست اور زبردست کی گردن میں کوئی امتیاز نہیں کرتی۔"

"چھری نہیں، یہ بارودی ہتھیاروں کا دور ہے۔" میں نے اپنے لیے ایک چھری کا انتخاب کرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر گم کتا گئے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ تم بیشتر وقت مجھ سے دور رہ کر گزارو تاکہ ہم میں تھوڑی بہت مفاہمت ضرور برقرار رہے۔ تمہاری یہی روش جاری رہی تو ہمیں فنا کرنے کے لیے باہر کی کسی کارروائی کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی، ہم خود ہی ایک دوسرے کے گریبان تھام لیں گے۔"

"مجھے خود پر اتنا بھروسا ہے۔" اُس کا لہجہ طنزیہ تھا جیسے ہمارے درمیان ہونے والے وہ مکالمے ڈراما نہیں حقیقت ہوں۔ "کہ نہ میں تمہارا

گریبان تھاموں گا نہ آنکھ بند کر کے تمہارے کسی حکم کی تعمیل کروں گا۔"
"یعنی تم سرکشی پر تُل گئے ہو؟" میں نے غراتے ہوئے سوال کیا۔

"سرکشی نہیں۔ ۔ ۔ بس تمہاری ذہنی حالت پر بھروسا نہیں رہا ہے۔" اُس کا لہجہ بے پروایانہ تھا جیسے وہ میری بات کو ذرا بھی وزن دینے پر آمادہ نہ ہو۔ "تم ان لوگوں سے بہت زیادہ مرعوب ہو گئے ہو اور بزدل بن کر ان سے زندگی کی بھیک تک مانگنے پر آمادہ ہو جب کہ میں لڑتے ہوئے مر جانے کو ترجیح دوں گا۔"

"مسلح اور مکار دشمن سے خالی ہاتھوں تصادم مول لینا خودکشی سے کم نہیں ہوگا۔ میں تمہیں مرنے سے نہیں روک سکتا مگر موت باعزت اور بامقصد ہونا چاہیے۔"

"میں کب مرنا چاہتا ہوں؟" اُس نے حیرت سے کہا۔ "دلیری کے ساتھ زندہ رہ سکا تو ضرور رہوں گا اور مغلوب ہو گیا تو میرے بس میں کچھ بھی نہیں رہے گا۔"

"یہ توقع نہ رکھنا کہ تمہارے سفاک اور مکار دشمن تمہاری موت کے بعد تمہیں وکٹوریہ کراس دلوا دیں گے۔ تم جس طرح بھی مارے گئے، اُن کے لیے ایک ناپسندیدہ لاش ہی رہو گے۔"

"مجھے تو اُن سے ذرا بھی اُمید نہیں ہے۔ بس اپنے دل اور حوصلے کی بات ہے۔ میں دل میں کوئی خلش لے کر زندہ نہیں رہنا چاہتا۔" اُس نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "تم جانتے ہو کہ میں عقیدے کے اعتبار سے پکا مسلمان ہوں اور یہ جانتا ہوں کہ جس کی جتنی زندگی لکھ دی گئی ہے اُس میں نہ ایک پل کی کمی ہو سکتی ہے نہ اضافہ ۔۔۔ پھر کیوں نہ ایک شیر کی طرح زندہ رہنے کی کوشش کی جائے۔"

"عجیب منطق ہے۔" میں نے جھنجھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ٹرین کے سامنے پٹڑی پر لیٹ جاؤ۔ اگر زندگی باقی ہے تو پوری ٹرین پٹڑی چھوڑ کر ہوا میں تیرتی ہوئی گزر جائے گی۔"

"جب ایمان مضبوط تھے تو یہ بھی ہوتا رہا ہے۔" وہ یک بیک جوش میں آگیا۔ "عقیدہ اتنا مضبوط ہو کہ دل کے کسی بھی گوشے میں ناکامی کا خوف نہ ہو تو انسان کا ارادہ جیت جاتا ہے۔ ہاں میرے دل میں ٹرین کے نیچے کچلے جانے کا خوف موجزن ہو اور سورمائی دکھانے کے لیے پٹڑی پر لیٹ جاؤں تو میرے چیتھڑے بھی نہ مل سکیں گے میری تعلیم واجبی سی ہے لیکن لکھ پتی بننے کے چکر میں کراچی آنے سے پہلے میں نے اپنی تاریخ اچھی طرح پڑھی ہے جو ایسے بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے۔ لوگ اسے کشف اور کرامات کہتے ہیں اور میں کامل توکل اور ناقابلِ شکست قوتِ ارادی کہتا ہوں۔ تم دیکھ لینا کہ ابھی ہمارا وقت نہیں آیا۔ تم ان کی خوشامد کر کے زندہ رہو گے اور میں لڑ کر زندہ رہوں گا۔"

"تمہیں سمجھانا بے سود ہے۔" میں نے دوسری چھریاں اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں تمہارا مشکور ہوں کہ تم نے آخری وقت پر مجھے دھوکا نہیں دیا بلکہ پہلے ہی سمجھا دیا ہے کہ اب میں اکیلا ہوں اور اپنی بقا کی جنگ مجھے تنہا لڑنا ہے۔"

"یہ تمہاری سراسر غلط بیانی ہے۔" اُس نے ڈھٹائی سے کہا۔ "تم خود مجھ سے کٹ رہے ہو کیونکہ تمہارے دماغ پر ویرا کا بھوت سوار ہے۔ تم اُس کے عشق کی آڑ میں پناہ ڈھونڈ رہے ہو۔ ۔ ۔ خود کو میری جگہ رکھو اور پھر بتاؤ کہ پیٹرا نیچ نے اب تک ہمیں زندہ کیوں رکھا ہوا ہے؟ اُسے ایسی کیا مجبوری لاحق ہے جو وہ ہمیں اس پُرتعیش عمارت میں عمر بھر روٹیاں کھلاتا رہے؟ وہ یقیناً کسی لمبے چکر میں ہے جُوں ہی اُس کا مقصد حاصل ہوا، وہ ہمیں چیونٹیوں کی طرح مسل کر پھینک دے گا۔"

اس مردود نے ڈرامے بازی میں وہ نازک موضوع چھیڑ دیا تھا جس سے واقف ہوتے ہوئے بھی میں اس پر رائے زنی کرنے سے گریز کرتا رہا تھا مگر مجھے خوشی تھی کہ باہمی تبادلۂ خیال نہ ہونے کے باوجود اس بارے میں میری اور اُس کی سوچ ایک ہی تھی۔ ہمیں جو کچھ رعایت مل رہی تھی، ویرا کی وجہ سے مل رہی تھی اور جمی لائیڈ یا پیٹرا نیچ کی رائے میں سارے خصوصی سلوک کا مستحق صرف میں تھا کیونکہ اُس کی غیر قانونی بیٹی، ویرا میری ذات میں دلچسپی لے رہی تھی اور وہ نکتہ ذہن میں آتے ہی پیٹرا نیچ نے سلطان شاہ کو مجھ سے الگ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اُس نے سلطان شاہ کے بارے میں خاصا نرم لب و لہجہ اختیار کیا تھا مگر میں اُس کا مفہوم اچھی طرح سمجھ سکا تھا۔ سلطان شاہ کو وہاں سے لے جائے جانے کے بعد یقیناً قتل کر دیا جاتا اور اسی خون ریز سازش کو ناکام بنانے کے لیے ہم دونوں خاموشی کے ساتھ وسائل یکجا کر رہے تھے۔

"طویل فاقوں کے بعد یہاں ملنے والی مرغن اور وافر غذاؤں نے تمہارے دماغ پر خراب اثرات ڈالے ہیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "لہٰذا بہتر یہ ہوگا کہ تم فی الحال میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔"

"جا رہا ہوں۔" وہ مجھے آنکھ مارتے ہوئے گہرا سانس لے کر بولا۔ "لیکن یہ یاد رکھنا کہ جس وقت بھی دل گھبرایا دوبارہ آ جاؤں گا۔ اتنی آسانی کے ساتھ تمہارا پیچھا نہیں چھوٹ سکے گا۔"

"فی الحال تو یہاں سے جاؤ۔" میں نے اپنے لہجے میں بیزاری پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے بارے میں مجھے اب سنجیدگی کے ساتھ کچھ سوچنا پڑے گا۔"

وہ مسکراتا ہوا میرے کمرے سے چلا گیا۔ اور میں اپنی منتخب کی ہوئی چھری کی دھار پر اُنگلیاں پھیرتے ہوئے یہ سوچنے لگا کہ وہ واحد ہتھیار آنے والوں کے مقابلے میں کس حد تک کارگر ثابت

ہوسکے گا۔

مَیں بستر پر دراز اسی سلسلے میں ذہن میں یکے بعد دیگرے بہت سے خاکے بناتا اور بگاڑتا رہا لیکن دل مطمئن نہ ہو سکا۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ اپنی آپس کی نوک جھونک سے ہم جمی لائیڈ کو یہ تاثر دینے میں تو کامیاب ہو گئے تھے کہ ہمارے درمیان شدید قسم کا اختلاف رائے پیدا ہو گیا ہے اور وہ اس قید خانے میں اپنے آدمی بھیجنے پر بھی آمادہ ہو گیا تھا مگر ہمارے پاس اپنی مدافعت کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ دو تین چھریوں سے ہم تھوڑی سی خون ریز مزاحمت تو کر سکتے تھے لیکن آنے والوں کو زیر کر کے جمی لائیڈ کے اس پرتعیش قید خانے سے نکلنا محال نظر آ رہا تھا۔ وہ لوگ ہم پر حاوی ہونے کے بعد سلطان شاہ کو وہاں سے اٹھا لے جاتے اور پھر اُس کا پتا بھی نہ چلتا کہ اُسے ذبح کر کے کس گڑھے میں دفن کیا گیا ہے۔ اس طرح ہم نے خود ہی اپنے لیے ایک دشواری کو دعوت دی تھی۔

اُس وقت میرے اعصاب پر لحظہ بہ لحظہ تناؤ طاری ہوتا جا رہا تھا اور میرے کان مکان میں چھائے ہوئے گمبھیر سکوت پر جمے ہوئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اگر اس وقت اس مکان کے کسی حصے میں ننگے فرش پر سُوئی بھی گرتی تو میرے کان اُس کی آواز سُن لیتے مگر آنے والے لمحات نے میرے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا۔

خواب گاہ کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے اچانک ہی دو انسانی ہیولے نمودار ہوئے تھے۔ اُن پر نگاہ پڑتے ہی میرا دل اچانک تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا۔ نگاہوں کے سامنے لمحہ بھر کے لیے تاریکی چھا گئی اور سنسنی کی شدت سے میری دونوں طرف کی پسلیوں سے اُبھر کر درد کی ایک میٹھی سی لہر پشت میں سرایت کرنے لگی۔

وہ دونوں ملک الموت کی طرح بالکل بے آواز قدموں کے ساتھ وہاں تک پہنچے تھے اور اُن کے ہاتھوں میں مہیب آہنی دہانوں والے پستول موجود تھے۔ مَیں نے اُن پر نگاہ پڑتے ہی پھرتی کے ساتھ مسہری چھوڑ دی۔

اُن کے نمودار ہونے سے میرے مسہری چھوڑنے تک جو کچھ ہوا کسی وقفے کے بغیر تسلسل کے ساتھ ہوا لیکن مجھے یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت کی رفتار یک بیک دھیمی ہو گئی ہو۔ جب میری نگاہوں کے سامنے سے دھندلاہٹ چھٹی تو مَیں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ خواب گاہ کے دروازے پر موجود دو ہیولوں میں ایک میرا آشنا سا تھا۔ اور وہ ویرا تھی۔

جس قدر حیرت مجھے اُس کو وہاں دیکھ کر ہوئی اُس سے زیادہ حیرت ویرا کے بُشرے اور آنکھوں سے ہویدا تھی۔ اُس کا چوڑے شانوں والا، دراز قامت ساتھی سرد، بے رحمانہ نگاہوں سے یُوں مجھے گھور رہا تھا جیسے اگلے ہی لمحے گولی چلا کر مجھے وہیں ڈھیر کر دے گا۔

"تو یہاں بھی تم ہی ہو!" آخر کار ویرا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی تحیر آمیز آواز اُبھری۔ "اس کا مطلب ہے کہ تمہارا ساتھی سلطان ہو گا اور مجھے اسی کو لے جانا ہے۔ ۔ ۔"

اُس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اسی لمحے فضا میں ایک گھٹی گھٹی سی ادھوری چیخ گونجی تھی۔ ویرا یکلخت خاموش ہو کر چوکنے انداز میں چیخ کی سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگی مگر اس کا دراز قامت ساتھی فوراً ہی کسی بھڑکے ہوئے درندے کی طرح پلٹ کر واپس بھاگا تھا۔

"اسے روکو!" مَیں اضطراری لہجے میں بولا۔ "اس نے کوئی گڑبڑ کی تو سلطان شاہ اُسے ذبح کر ڈالے گا۔"

ویرا کوئی جواب دیے بغیر پُرتجسس نگاہوں سے میری طرف گھورتی رہی۔ پل بھر کے فطری اضطراب کے بعد وہ ایک بار پھر یُوں پُرسکون نظر آنے لگی تھی جیسے اُس نے کوئی غیر معمولی چیخ سُنی ہی نہ ہو۔ اُس کی بولتی ہوئی آنکھوں اور خاموش لبوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اُسے اپنی آواز ریکارڈ ہونے یا کہیں اور سُنے جانے کا شبہ تھا جس کی تائید یا تردید ہونے تک وہ گفتگو کی حد تک محتاط رہنا چاہتی تھی۔

"تم یہاں کیسے لائے گئے؟" قدرے سکوت کے بعد اُس نے پُرسکون لہجے میں سوال کیا تھا۔

اس بار میرے زبان کھولنے سے قبل ہی اندر سے فائر اور پھر کراہ کی آواز سنائی دی تھی اور مَیں ویرا کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی خوابگاہ سے نکل کر سلطان شاہ کی طرف دوڑتا چلا گیا۔

اُس طرف خاصی ہنگامہ آرائی ہو چکی تھی۔ ویرا کا دراز قامت ساتھی پستول ہاتھ میں لیے غضبناک تیوروں کے ساتھ راہداری میں موجود تھا۔ میرے قدموں کی دھمک محسوس کرتے ہی وہ پلٹا تھا اور اُس نے سختی کے ساتھ اپنے پستول والے ہاتھ کو جنبش دے کر مجھے اپنی جگہ رُک جانے کا حکم دیا تھا اور مجھے مشینی انداز میں وہیں تھم جانا پڑا۔

اُس سے آگے سلطان شاہ اپنی لہولہان پنڈلی کو دونوں ہاتھوں سے تھامے دراز قامت کو کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا اور قالین پر ایک اور شخص بے حس و حرکت اوندھا پڑا ہوا تھا۔ اُس کی پشت پر بائیں جانب کوئی کاری زخم آیا تھا جس سے خون اُبل اُبل کر قالین پر پھیلتا جا رہا تھا۔

فضا میں پھیلی ہوئی بارود کی بُو اور دوسری علامتوں کی بنا پر میرے لیے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا کہ قالین پر بے حس و حرکت پڑا ہوا شخص ویرا ہی کا ساتھی تھا جسے وہ مکان کی تفصیلی تلاشی کے لیے اُدھر چھوڑتی ہوئی اندر میری طرف آئی تھی اور وہ شخص بے خبری

سلطان شاہ کی چھری کا نشانہ بن گیا ہوگا۔ زخم کے مقام اور زخمی کے بے حس و حرکت جسم کو دیکھتے ہوئے یہ شبہ ہو رہا تھا کہ اُس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی اور شاید ویرا کا دراز قامت ساتھی بھی حقیقت سے واقف ہو چکا تھا ورنہ اب تک اُسے اپنے ساتھی کی طبی امداد میں مصروف ہو جانا چاہیے تھا۔

میرا اندازہ تھا کہ سلطان شاہ نے شاید دراز قامت پر بھی چھری سے حملہ کرنے کی کوشش کی تھی اور اُس نے اپنی مدافعت میں فائر کر کے سلطان شاہ کی داہنی پنڈلی کو زخمی کر دیا تھا۔

دراز قامت کی دھمکی پر مَیں اضطراری طور پر اپنی جگہ رُک گیا مگر چند ثانیوں میں صورتِ حال کا ادراک ہوتے ہی مَیں نے کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"میرے ساتھی سے زیادہ تمھارا ساتھی زخمی معلوم ہوتا ہے تمھیں اس کی مدد کرنا چاہیے۔" مَیں نے اپنی جگہ سے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے ناصحانہ لہجے میں کہا۔

"وہیں رُکے رہو۔" وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اپنا پستول والا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے غرّایا۔ "میرے ساتھی کی فکر نہ کرو، وہ ہر قسم کی مدد سے بے نیاز ہو چکا ہے۔"

"کیا؟" مَیں نے مصنوعی حیرت کے ساتھ سوال کیا۔ "اتنی خاموشی کے ساتھ مر گیا؟"

"اب کوئی حرکت کی تو تم اس سے زیادہ خاموشی کے ساتھ مرو گے۔" وہ زہریلے لہجے میں بولا۔

"اگر تم اپنے ساتھی کی موت کے بارے میں اتنے ہی پُریقین ہو تو مجھے اپنے ساتھی کی دیکھ بھال کرنے دو، اُس کی ٹانگ بُری طرح زخمی معلوم ہوتی ہے۔" مَیں نے خوشامدانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ وہ قاتل ہے ۔۔۔ کسی اور کا لہو بہا کر وہ خود کب خیریت سے رہ سکتا تھا۔" دراز قامت کا لہجہ بدستور زہر آلود تھا۔ "اگر مَیں نے گولی چلانے میں ذرا بھی تردّد کیا ہوتا تو وہ مجھ پر چھری پھینک چکا ہوتا۔"

اس وقت مَیں نے پہلی بار دیکھا کہ سلطان شاہ والی چھری دراز قامت کے بائیں جوتے کے نیچے دبی ہوئی تھی اور اس کے چمکتے ہوئے پھل پر مرنے والے کے خون کے داغ نمایاں تھے۔

"مَیں ٹھیک ہوں۔" سلطان شاہ نے شکستہ انگریزی میں اپنا مطلب واضح کرتے ہوئے قدرے بلند لہجے میں کہا۔ "تمھیں اس مردود کے سامنے گڑگڑانے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"زبان کو لگام نہ دی تو ابھی دوسری پنڈلی کو بھی اُدھیڑ ڈالوں گا۔" دراز قامت سفید فام نے طیش میں آکر کہا۔ "اور اس چار دیواری سے باہر کوئی تمھاری فریاد بھی نہ سن سکے گا۔"

"کھوپڑی ٹھنڈی رکھو فل۔" اچانک ویرا کی سرد اور سپاٹ آواز گونجی۔ "میری موجودگی میں دوسروں کے اشاروں پر ناچنا تمھیں زیب نہیں دیتا۔"

"مادام!" ویرا کی الزام تراشی پر وہ سراپا احتجاج بن گیا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ تم نے دیکھا نہیں کہ یہ کالا خبیث 'ایڈی' کو بے رحمی سے ہلاک کر چکا ہے اور میرے ہاتھوں مرنے سے ابھی تک محفوظ ہے۔"

"مَیں سب دیکھ چکی ہوں، اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ تمھیں ان دونوں کے ہاتھوں میں نہیں کھیلنا چاہیے۔ یہ تمھیں اشتعال دلا کر ایسی کسی غلطی پر مجبور کرنا چاہتے ہیں جس کے نتیجے میں بازی ان کے حق میں پلٹ جائے۔ مَیں انھیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ ایڈی سے محروم ہونے کے بعد نفری برابر ہو گئی ہے، اس لیے اب ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔"

ویرا دراز قامت سے مخاطب تھی۔ مگر مَیں اُسے بہت قریب سے دیکھ چکا تھا بلکہ اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ مَیں نے فوراً ہی اس کے الفاظ میں پوشیدہ پیغام کو محسوس کر لیا۔ اُس نے بہت لطیف پیرائے میں مجھے آگاہ کر دیا تھا کہ وہاں ان دونوں کے علاوہ کوئی اور موجود نہیں تھا جب کہ جمی لائیڈ نے اس پُرتعیش قید خانے کے باہر ہمہ وقت مستعد مسلح محافظوں کی کہانی سنائی ہوئی تھی، جو اِن حالات میں قرینِ قیاس بھی لگتی تھی۔

"تم فکر نہ کرو۔" فل نے پُرغرور لہجے میں ویرا سے کہا۔ "تمھیں ہاتھ بھی نہیں ہلانا پڑے گا اور مَیں محض مُکّے مار مار کر اِن دونوں کو زمین چٹوا دوں گا۔"

مَیں اِس وقت ویرا کی طرف متوجہ تھا۔ مَیں نے پل بھر کے لیے اُس کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک اُبھرتے دیکھی مگر وہ بولی تو اُس کی آواز پُرسکون تھی۔

"تم اِن دونوں سے طاقت ور ضرور ہو مگر یہ بلا کے مکّار اور چالباز ہیں۔ تمھارے زیر ہونے کے بعد مَیں تنہا اِن دونوں کو نہ سنبھال سکوں گی۔"

ویرا کے الفاظ پر فل کا ردِّعمل میری توقع کے عین مطابق تھا۔ اُس کے منہ سے بے اختیار کئی غلیظ گالیاں اُبلی تھیں۔ پھر وہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولا تھا۔ "مَیں تمھارے بارے میں مدّت سے بہت کچھ سنتا آ رہا ہوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ تم فل کی طاقت اور کارناموں سے یکسر بے خبر ہو۔ مَیں نے اسپین میں ایک سانڈ کے سر پر گھونسا مار کر ناک کے راستے اُس کا بھیجا بہا دیا تھا۔ میرے سامنے یہ دونوں تو بالکل حقیر سے بچھڑے ہیں۔"

وہ شہ زور ضرور تھا مگر عقل سے اسی قدر تیم نظر آ رہا تھا۔ ویرا بڑے غیر محسوس انداز میں اُس کی انا پر تازیانے لگا کر اُسے اُکسا رہی تھی اور وہ ہم سے بھڑ جانے پر تُلا جا رہا تھا۔

لمحہ بھر کے لیے میری اور ویرا کی نظریں چار ہوئیں اور میرے ابرو کے اشارے سے اپنے خاموش سوال کا جواب پاتے ہی وہ پھر فل کی طرف متوجہ ہوگئی "زخمی کو تم زیر کرلو۔ ۔ ۔ ڈینی کو میں پستول کی زد پر لیے رہوں گی۔ یہ تمہارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

اُس کی کھوپڑی پر اس وقت واقعی کھرچنے لگی تھی کیونکہ ویرا کی پیش کش سنتے ہی وہ مچل گیا "آج تم بھی میرا تماشا دیکھ ہی لو تاکہ میرے بارے میں تمہاری رائے ٹھیک ہو سکے۔ تم زخمی کو کور کرو۔ میں اِس کا بانکا کرتا ہوں۔"

فل کے آخری الفاظ میرے بارے میں تھے۔ ویرا بے بسی کے ساتھ شانے اُچکا کر رہ گئی اور وہ ویرا کی اِس حرکت کو لپٹنے لیے اجازت تصور کر کے بازو پھیلائے میری طرف بڑھنے لگا۔ اپنا پستول اُس نے سیفٹی کیچ چڑھا کر پتلون کی عقبی جیب میں نال کے رُخ سے اُڑس لیا تھا۔

ویرا نے اپنے پستول کا دہانہ سلطان شاہ کی طرف گھما لیا۔

فل نے خاصے فاصلے سے میرے اوپر جست لگائی تھی شاید وہ پہلے ہی وار میں مجھے اپنے وجود کے سہارے پیس کر رکھ دینا چاہتا تھا۔ اُس کے بازو یُوں پھیلے ہوئے تھے کہ میرے لیے دائیں بائیں جھکائی دینا ممکن نہیں تھا لہٰذا میں نے فوری طور پر ایک خطرناک فیصلہ کر لیا اور جب وہ فضا میں کسی دیو ہیکل عفریت کی طرح اُڑتا ہوا میرے اوپر آیا تو میں پشت کے بل نیچے لیٹ کر اپنے دونوں پیر فضا میں بلند کر چکا تھا۔

میری وہ حرکت فل کی توقع کے برعکس تھی وہ ایک ایسی پوزیشن اختیار کر چکا تھا جس میں تبدیلی اُس کے لیے ممکن نہیں رہی تھی لہٰذا وہ اپنے وجود کی پوری جھونک میں پیٹ کے بل جوں ہی میرے پیروں پر آیا، میں نے پیروں کے ہلکے سے اشارے سے اُسے اُسی کے زور پر سر کے بل پیچھے اُچھال دیا۔

وہ ایک غضب ناک غراہٹ اور پُرشور دھماکے کے ساتھ دیوار سے ٹکرا کر قالین پر گرا تھا اور اُس کے اُٹھنے سے پہلے میں سیدھا کھڑا ہو کر دوسرے وار کی تیاری کر چکا تھا۔

دیوار سے ٹکرا کر بُری طرح گرنے کے باوجود اُس کا پستول اُس کی پتلون کی عقبی جیب میں اسی طرح اُڑسا ہوا تھا مجھے یقین تھا کہ اگر پستول اُس کی جیب سے نکل جاتا تو سلطان شاہ اُس پر قبضہ کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہ کرتا۔

فل بگڑے ہوئے خوف ناک چہرے کے ساتھ دہاڑتا ہوا قالین سے اُٹھ رہا تھا تو میں نے دوسرے وار کے لیے اُسے پیش قدمی کا موقع دینے کے بجائے خود پہل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور جب وہ سیدھا کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا تو میں نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ آگے بڑھ کر اُس کے پیٹ کے نچلے حصے میں پوری قوت سے [illegible] رسید کی جس پر اُس کے حلق سے اضطراری طور پر ایک کریہہ [illegible] آزلو ہوئی مگر میری ٹانگ اُس کی وحشیانہ گرفت میں آ گئی۔

غصّے اور جھلاہٹ میں اُس نے میری ٹانگ کو بے رحمی [illegible] مروڑتے ہوئے اس طرح جھٹکے دینے شروع کیے جیسے وہ [illegible] کسی جوڑ سے اکھاڑ دینا چاہتا ہو۔ میں نے دونوں ہتھیلیاں قالین [illegible] ٹکا کر اپنے جسم کو کرتبی انداز میں بل دیتے ہوئے خود کو گویا اس اذیت سے بچانے کی کوشش کی مگر اُس کی لمحہ بہ لمحہ مضبوط ہوتی [illegible] گرفت سے بوکھلا کر مجھے اپنی آزاد ٹانگ کا بھی خطرہ مول لینا [illegible] اور میں نے اپنی ہتھیلیوں پر اپنے جسم کا توازن سنبھالتے ہوئے دوسری ٹانگ سے اس کے چہرے پر لات رسید کر دی اس مرتبہ وہ [illegible] نہیں تھا۔ وہ میری لات کی ضرب سے اپنا چہرہ تو نہ بچا سکا مگر میری پُشت پر ایک زوردار ٹھوکر رسید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

اس دوران میں سلطان شاہ اپنی جگہ بیٹھا وہ تماشا دیکھتا رہا ویرا اپنی جگہ پستول سنبھالے خاموشی کے ساتھ وہ کھیل دیکھتی رہی اُس کی آنکھوں سے لاتعلقی اور سخت گیری جھلک رہی تھی لیکن [illegible] خیال تھا کہ وہ جلد از جلد میری بالادستی اور کامیابی کی منتظر تھی۔

میں پشت پر پڑنے والی ٹھوکر سے سنبھالا لے کر دوبارہ فل کے مقابل آیا تو میرا ذہن بالکل صاف تھا۔ ویرا فل سے گفتگو کرتے ہوئے مجھے بہت کچھ سمجھا چکی تھی۔ ایڈی کے مرنے کے بعد ہمارے سامنے صرف وہی دونوں رہ گئے تھے اگر ہم فل کو بے دست و پا کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو ویرا کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہوتیں، وہ پہلے ہی فل کو خبردار کر چکی تھی کہ اس کے بعد وہ تنہا ہم دونوں کو نہ سنبھال سکے گی۔ اس طرح ویرا نے کسی نہ کسی کو اپنی غیر جانبداری کا یقین دلانے کی کوشش کی تھی۔ شاید اُسے اندازہ تھا کہ اس عمارت میں کہیں نہ کہیں ڈکٹافون نصب تھے جن پر ساری گفتگو کوئی سُن رہا تھا لہٰذا اُس نے اپنی باتوں سے سننے والے کو یہ تاثر دینے کی کوشش [illegible] تھی کہ فل اُس کے روکنے کے باوجود اپنی شہ زوری کے مظاہرے [illegible] اُڑ گیا تھا اور اگر وہ زیر کر لیا جاتا تو ویرا ہمارے فرار کے معاملے [illegible] بڑی حد تک بری الذمہ ہو سکتی تھی۔

لیکن اس بارے میں مجھے زیادہ غور کرنے کی مہلت [illegible] سکی۔ فل اس بار اشتعال کے عالم میں کسی پیشہ ور [illegible] کی طرح [illegible] سمیٹ کر فضا میں اپنے دونوں مُکّے ہلاتا ہوا میری طرف لپکا تھا [illegible] کے لیے میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا اور میں نے دونوں ہاتھ [illegible] کو فل کے مُکّوں سے بچانے کی کوشش کی مگر اُس نے اچانک [illegible] طرف سے میرے چہرے پر ایسا زبردست [illegible] رسید کیا [illegible] ہل کر رہ گیا اور میری آنکھوں کے سامنے ستارے گردش کرنے [illegible]

میں لڑکھڑاتا ہوا بائیں پہلو کے بل نیچے گرا۔ اس لمحے مجھے اپنے
دکھتے ہوئے جبڑے کے سوا کچھ یاد نہیں رہا تھا اور میں گرتے گرتے
گردن جھٹک کر اپنی آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی دھند کو صاف
کرنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ فل کے اگلے حملوں سے اپنا بچاؤ کر سکوں
جو میرے لیے مہلک بھی ہو سکتے تھے۔

اسی وقت میرے کانوں میں ویرا کی للکارتی ہوئی سرد آواز
گونجی: "خبردار! تم اپنی جگہ بیٹھے رہو، یہ برابر کا مقابلہ ہے۔ اگر تم نے
دخل اندازی کی کوشش کی تو گولی مار دوں گی۔"

ویرا نے وہ فقرہ اُردو میں ادا کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس
کا مخاطب سلطان شاہ تھا۔

جب تک میں حاوی رہا وہ تماشائی بنا رہا لیکن مجھے مغلوب ہوتے
دیکھ کر شاید اُس نے میری حمایت میں فل سے بھڑ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا
جب ہی ویرا نے اُسے روکا تھا۔

اس وقت میں اپنے تحفظ کی جنگ لڑ رہا تھا جس کے نتیجے پر نہ
صرف میری آزادی بلکہ شاید سلطان شاہ کی زندگی اور موت کا بھی انحصار
تھا جب کہ فل صرف اپنی طاقت کے گھمنڈ میں لڑ رہا تھا۔ مجھے زیر
کرنے سے زیادہ وہ ویرا کو اپنی جی داری سے مرعوب کرنا چاہ رہا تھا۔
لہٰذا میرے جبڑے پر ایک شدید ضرب لگانے کے بعد اُس کے قدم
ذرا دھیمے ہو گئے تھے، جب کہ مجھے اپنا چہرہ بگڑنے کا خوف ستا
رہا تھا۔

میں ایک بار پھر اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا اور اس بار ہم دونوں
ایک دوسرے سے بُری طرح گتھم گتھا ہو گئے۔ فل نے میری بغلوں کے
نیچے ہاتھ ڈال کر میری پسلیوں کو اپنے آہنی بازوؤں میں بھینچنا شروع
کر دیا جیسے زور لگا کر میری پسلیاں توڑ دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔ میرے
دونوں ہاتھ اُس کی گرفت سے آزاد تھے مگر میں نے محسوس کر لیا تھا کہ چند
ہی ثانیوں میں میرا سانس سینے میں گھٹنا شروع ہو جائے گا اور میں فل کی
گرفت میں مفلوج ہو کر رہ جاؤں گا۔

میں نے آخری کوشش کے طور پر اپنے دونوں ہاتھوں کو پوری
طرح استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اسی وقت میرے ذہن میں فل کے
پستول کے مہیب دہانے نے سر اُبھارا۔ یاد داشت کا وہ خانہ تازہ
ہوتے ہی میرے دونوں ہاتھ فل کی پتلون کی عقبی جیب میں اُڑسے
ہوئے پستول کے دستے پر جم گئے۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت تک
میری ہتھیلی کے زخموں پر کھرنڈ جم چکا تھا ورنہ اتنی زور آزمائی
سے دوبارہ خون جاری ہو گیا ہوتا۔

میری اُنگلیاں ہر قسم کے ہلکے آتشیں ہتھیاروں کی خوب عادی
تھیں، اس لیے سیفٹی کیچ ہٹانے میں مجھے ذرا بھی دقت پیش نہ آئی اور
میں نے فل کے پستول کی نال اُس کی کھوپڑی کے عقبی حصے سے لگا
کر ایسے زاویے سے گولی چلا دی کہ اگر وہ اس کی کھوپڑی کے پار بھی نکل
جاتی تو میرا سر یا چہرہ اس کی زد میں نہ آتا۔

"اوہ! یہ کیا کر دیا تم نے؟" فائر کا دھماکا ہوتے ہی ویرا کی سے
تحیر زدہ چیخ اُبھری تھی۔ "فل چاہتا تو تمہارے بدن کو ہاتھ لگائے بغیر
تمہیں گولی مار سکتا تھا۔"

میں اُسے گولی کا نشانہ بناتے ہی اُس کی گرفت سے آزاد
ہو چکا تھا اور وہ کسی شہتیر کی طرح قالین پر گر کر یوں بُری طرح تڑپ
رہا تھا، جیسے اُسے کچھ نظر نہ آ رہا ہو۔ میں نے اس پر تحیر آمیز نظر ڈال
کر ویرا کی طرف دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ اُس نے مجھے فل کی جیب سے
پستول نکالتے دیکھا تھا اور اگر وہ اُسے بچانا چاہتی تو عین وقت پر
جھپٹ کر اُس پستول پر قبضہ کر سکتی تھی لیکن وہ یوں انجان بن رہی
تھی جیسے اُس نے فائر کے دھماکے سے پہلے کچھ بھی نہ دیکھا ہو۔ اِس
وقت میرا سانس پھولا ہوا تھا، اعصاب پر سنسنی طاری تھی اور ذہن
کچھ ماؤف سا ہو رہا تھا اُس لیے میری زبان سے ویرا کے بارے
میں کوئی تلخ تبصرہ نکلنے ہی والا تھا کہ اُس نے عین وقت پر آنکھیں
نکالتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے مجھے خاموش کرا دیا اور میں جھرجھری
لے کر دوبارہ اپنے حواس میں آ گیا۔

مجھے یاد آ گیا کہ ویرا کچھ نہ جانتے ہوئے بھی شی کے مواصلاتی
شعبدوں سے خائف تھی اور اپنی تمام تر عملی ہمدردیوں کے باوجود زبانی طور
پر غیر جانبدار رہنا چاہتی تھی۔

"فل احمق تھا اور میں احمق نہیں ہوں، اسی لیے اس کا پستول
میرے ہاتھوں چلا ہے ــــ میں مسلح ہوتا تو خود اُسے اپنے قریب
نہ آنے دیتا۔" میں نے صورتِ حال کا اندازہ کرتے ہی برجستہ جواب
دیا۔ "اور اب تم بھی آئندہ مجھے نہ دھمکا سکو گی، اپنا پستول نیچے گرا دو۔"
اس وقت تک فل کا بدن تڑپ تڑپ کر ساکت ہو چکا تھا۔

"فل کے انجام پر مجھے دُکھ ہے مگر وہ واقعی ایک احمق بل فائٹر
تھا۔ . مجھے تم اپنی دھمکیوں سے مرعوب نہیں کر سکو گے۔ ہمت ہے
تو چلا دو گولی مجھ پر۔" وہ مُسکراتے ہوئے بولی۔

"یہی کام مجھ سے نہ ہو سکے گا۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے
کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میری دوست ہو یا دشمن؟ اگر یوں ہی اپنا
قیدی بنانا تھا تو فلیٹ سے حوالات اور پھر وہاں سے فرار کا ڈراما
رچانے کی کیا ضرورت تھی، جب چاہتیں اپنا قیدی بنا سکتی تھیں۔"

"مجھے خود علم نہیں تھا کہ تم حوالات سے فرار ہو کر لندن آ گئے ہو۔"
وہ مصالحانہ لہجے میں بولی۔ "تم جن لوگوں کے قیدی ہو، ان کو میں جواب دہ
ہوں لیکن مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ تم یہاں قید ہو۔"

"پھر یہاں کیوں آئی ہو؟" میں نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں
سوال کیا۔

"انجانے میں یوں دوسری بار سامنا ہوا ہے۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "سنا ہے کہ ہیشام میں شون میکارتھی کے مکان میں تم ہی چھپے ہوئے تھے اور میرے آدمیوں کا محاصرہ توڑ کر نکل بھاگے تھے۔"

"اوہ! تو وہ تمہارے آدمی تھے!" میں نے مصنوعی حیرت کے ساتھ کہا۔ "بہت سخت مقابلہ تھا، مقدر ہی یاور تھا کہ بارود کی برسات میں ہم صحیح سلامت نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔"

"اور اب میں یہاں سے ایک قیدی کو لے جانے کے لیے آئی تھی مجھے بتایا گیا تھا کہ یہاں دو میں سے ایک قیدی سرکش ہے، اُسی کو ساتھ لے جانا ہے۔" وہ بولی۔

"یہ کیسے پتا چلتا کہ ہم میں سے کون سرکش ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"زخمی قیدی کو یہیں چھوڑنا تھا، ظاہر ہے کہ تمہارا ہاتھ زخمی ہے لہٰذا سلطان میرا مطلوبہ آدمی ہے۔" اُس نے کہا۔ "اس کے باوجود دشواری ہوتی تو حسب ضرورت ماسٹر بیڈروم میں کسی ذریعے سے ہدایات مل سکتی تھیں لیکن میں اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔"

"میں سب کچھ مان سکتا ہوں لیکن یہ بات میرے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتی کہ ہیشام کے بعد دوسری بار تم کو بے خبر رکھ کر یہاں میرے مقابل لانے کی کوشش کی گئی ہے۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "تم شی میں اتنی بھی بے وقعت نہیں ہو کہ تمہیں اس طرح کسی بے وقعت مُہرے کی طرح استعمال کیا جا سکے۔"

"معاملات بڑوں کے ہاتھوں میں ہوں تو اس سے زیادہ عجیب واقعات جنم لے سکتے ہیں۔ تم اب تک یہی اندازہ نہیں لگا سکے کہ اس وقت کس کے قیدی ہو؟" وہ قدرے ترش لہجے میں بولی۔

"اگر تم پیٹرانیج کو اپنا بڑا سمجھتی ہو تو تمہارا خیال درست ہے۔" میں نے ڈکٹافون پر سنانے کے ساتھ ویرا کو ٹٹولنے کی نیت سے کہا کیونکہ جمی لائیڈ نے مجھے اپنا وہ مفروضہ نام استعمال کرنے کی اجازت دی ہوئی تھی۔

"پیٹرانیج!" ویرا تنفر آمیز انداز میں ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "اس بہروپیے کو تو میں اس قابل ہی نہیں سمجھتی کہ اُسے شی کے تنظیمی ڈھانچے میں کوئی بھی مقام دوں ــــ وہ کرائے کا ٹٹو ہے اور معاوضے پر اکثر شی کے لیے عارضی کام سرانجام دیتا رہتا ہے۔"

"بدقسمتی سے میں اسی کرائے کے ٹٹو کا قیدی ہوں۔" میں نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ مجھے حیرت تھی کہ ویرا پیٹرانیج سے واقف ہونے کے باوجود اُسے جمی لائیڈ کی حیثیت سے پہچاننے سے قاصر تھی جب کہ پیٹرانیج کے چہرے کا ایک ایک نقش لائیڈز کاٹیج میں ملنے والی جمی لائیڈ کی تصویر سے مشابہ تھا۔

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔" ویرا پُراعتماد لہجے میں بولی۔ "اسے تمہارے اغوا کے سلسلے میں استعمال کیا گیا ہوگا، مگر تم اس کے قیدی نہیں ہو سکتے، ہمیں جانا تو سرکس کا ایک بھانڈ ہے جو برسوں وضع وضع کا میک اپ کر کے اسٹیج سے لوگوں کو ہنساتا رہا ہے اور اپنی چالاکی سے یہ چھوٹے موٹے جرائم بھی صفائی کے ساتھ کرتا رہا ہے۔ اس کی اس سے زیادہ کوئی وقعت نہیں ہے۔"

"تم نے کبھی اسے اسٹیج پر دیکھا تھا؟"

"دیکھا نہیں لیکن ہر ایک سے اس کے ماضی کے بارے میں یہی ایک کہانی سُنی ہے اور وہ اب بھی بہت کامیابی کے ساتھ اپنا چہرہ بدل سکتا ہے۔"

میں دل ہی دل میں جمی لائیڈ کی عیاری کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ شی کی نچلی صفوں میں شامل رہنے کے لیے اُس نے پیٹرانیج کے نام سے اپنے بارے میں ایسی مفروضہ کہانیاں پھیلائی ہوئی تھیں کہ اس پر شی کا سربراہ ہونا تو کجا، کوئی ذمے دار رکن ہونے کا بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا جب کہ میں نے اُسے بہت قریب سے اُس کے اصل چہرے میں جمی لائیڈ کی حیثیت سے پہچانا تھا۔

"پیٹرانیج اسی قدر حقیر اور ناکارہ آدمی ہے تو اُس کی رسائی شی کی ٹرانسمیشن سسٹم تک بھی نہ ہونی چاہیے؟" میں نے چیلنج کرنے والے لہجے میں سوال کیا۔

"جس ٹرانسمیٹر پر پیٹرانیج کی آواز سنائی دے جائے سمجھ لو کہ اس کی تباہی کا وقت قریب آگیا ہے۔" اس کا ایک ایک لفظ پُراعتماد تھا یعنی وہ پورے خلوص کے ساتھ وہی کچھ کہہ رہی تھی جو اُس کے دل میں تھا۔

"پھر یہاں دو لاشوں کی پوجا کرنے کے بجائے میرے ساتھ ماسٹر بیڈروم میں چلو اور اپنے مطلوبہ آدمی کے بارے میں کسی سے تصدیق کرنے کی کوشش کرو، سب کچھ خود بخود واضح ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔

"ضرور چلو ــــ مگر یہ لاشیں؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"ہماری واپسی تک کہیں نہیں بھاگیں گی۔ تم خواب گاہ میں تو چلو" میں نے اصرار کیا۔

"تم چغد ہو" وہ چڑ کر بولی "مجھے اب ان کو ٹھکانے لگانے کا انتظام بھی کرنا ہے، چلو یہ بھی دریافت کر لوں گی۔"

"مجھے اجازت ہو تو میں اپنے زخم کی مرہم پٹی کر لوں؟" سلطان شاہ نے ہمیں وہاں سے روانگی پر آمادہ پا کر مسمسی آواز میں سوال کیا۔

"اسے اجازت ہے لیکن یہ سمجھا دو کہ یہ کسی شرارت کے بارے میں ہرگز نہ سوچے ورنہ میرا رویہ بہت سخت اور دو ٹوک ہوگا۔" ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تم مطمئن رہو، ہماری دشمنی تمہارے ساتھیوں سے تھی، ان کے مرجانے کے بعد تمہیں ہم سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ میرے اور تمہارے مراسم کا سلطان شاہ بھی لحاظ کرتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

وہ مطمئن نظر آنے لگی۔

سلطان شاہ کے ٹوکنے پر مجھے دل ہی دل میں شرمندگی ہوئی تھی کہ دیر سے گفتگو میں مصروف ہو کر میں اُس کے زخم کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔ میں نے زخم صاف کرنے میں اُس کی مدد کرنا چاہی لیکن وہ اتنا تنگ دل نہیں تھا۔ اسے صورتِ حال کی نزاکت کا پورا احساس تھا۔ پھر گولی نے اُس کی پنڈلی کی ہڈی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا بلکہ گوشت پھاڑتی ہوئی گزر گئی تھی لہٰذا اسے اُس کی خواب گاہ کے دروازے پر چھوڑ کر میں ویرا کے ساتھ ہو لیا۔

"سلطان شاہ میرے اور تمھارے کون سے مراسم کا لحاظ کرتا ہے؟" اتنے میں ویرا متجسس لہجے میں انگریزی میں وہ نازک سوال کر ہی بیٹھی۔

"اسے معلوم ہے کہ ہم خلوت میں بھی ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں" میں نے دھیمی اور پُرخیال آواز میں کہا "مجھے خود اندازہ نہیں کہ تمھارے اور غزالہ کے درمیان میری کیا حیثیت ہے، لیکن سلطان شاہ اس بات کا شاکی ہے کہ میرے دل میں غزالہ کا خیال دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے اور اس کی گمشدگی کی وجہ سے تم یہ خلا پُر کر رہی ہو۔"

"کیا یہ درست ہے؟" اُس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ اُس کے لہجے میں اشتیاق سمٹ آیا تھا پھر وہ فوراً ہی سنبھل گئی۔ شاید اُسے اپنی آواز سُنے جانے کا خیال آگیا تھا۔

اُس کی آواز یک بیک استہزائیہ ہو گئی "میرا نام ویرا ہے ڈینی ڈارلنگ! اس دنیا میں مرد خود کو شاہ سمجھتے ہیں اور لڑکیاں اُن کی خواہشوں کی غلام تصور کی جاتی ہیں مگر میں مردوں کو کھلونا سمجھتی ہوں اور ہر کھلونے سے بہت جلد اس قدر اُکتا جاتی ہوں کہ کچھ عرصے بعد ذہن میں دور تک اُس کی شناخت بھی باقی نہیں رہتی۔ مجھے تم اپنے عشق کے جال میں نہیں پھانس سکو گے۔ بس جب تک تمھیں پسند کرتی ہوں، تھوڑی سی ڈھیل دیتی رہوں گی ــــ وہ بھی صرف اس لیے کہ میرے بڑوں نے تم کو اس عمارت کا شریف قیدی قرار دیا ہے۔"

"مجھے سوچنا پڑے گا۔" میں نے اُداس لہجے میں کہا "شاید جسموں کی بھول بھلیوں سے گزرنے والے راستے مجھے آخر میں غزالہ ہی کے نام تک پہنچا دیں کیوں کہ وہ ایک مشرقی لڑکی ہے جو نہ خود کھلونا بن سکتی ہے اور نہ کسی اور کو اپنا کھلونا سمجھنے کے بارے میں سوچ سکتی ہے۔"

"مشرق کا طعنہ نہ دو۔" وہ تلخ لہجے میں بولی "میں تمھارے ملک میں بُرے لوگوں کے ساتھ کافی دن گزار چکی ہوں۔ کھلونے وہاں بھی بکتے ہیں بلکہ بہت سستے بکتے ہیں اور بے جوڑ بکتے ہیں...."

"ویری گڈ ویرا ڈارلنگ!" ہمارے خواب گاہ میں گھستے ہی ایک جانب صوفے کے نچلے حصے سے تحسین آمیز ریڈیائی آواز اُبھری اور ویرا کی بات ادھوری رہ گئی۔

"تم نے طبیعت خوش کر دی۔" دوسری طرف سے پیٹرانچ یا جمی لائیڈ کی آواز سنائی دے رہی تھی "تمھارے خیالات بہت واضح اور قابلِ قدر ہیں مگر یہ بُری بات ہے کہ تمھارا عمل اتنا واضح نہیں ہے۔"

"تم.... اُلو کے پٹھے! کون ہوتے ہو میرے معاملات میں دخل دینے والے؟" ویرا اس کی آواز پہچانتے ہی ایک دم بھڑک اُٹھی۔

"میں تمھارا خادم پیٹرانچ ہوں مائی ڈیئر بے بی!" اس کی آواز چڑانے والی ہو گئی تھی "اور اس وقت تمھیں جو کام سونپا گیا ہے، اس کے لیے تم براہِ راست مجھ ہی کو جوابدہ ہو۔"

"میں اپنے اوپر کسی گھٹیا بھانڈ کی بالادستی تسلیم نہیں کرتی" ویرا کی برہمی بڑھتی ہی جا رہی تھی "تمھیں اس بائی چینل ٹرانسمیٹر پر گدھے کی طرح رینکنے کا اختیار کس نے دیا ہے؟"

"شاید اسی نے جس پر تم زبردستی اپنا باپ ہونے کا الزام لگاتی پھرتی ہو کیوں کہ شی کے تمام فیصلوں کی آخری ذمے داری اسی کی ہوتی ہے۔ ڈینی کو پکڑنے کے لیے داؤد اور گروپ نائن کی ناکامی کے بعد تم بھی ہشام میں جھک مار کر واپس آگئیں تو تمھارے بڑوں نے اس کام کے لیے میری خدمات حاصل کیں اور میں نے مختصر سی مدت میں ان دونوں کو مقررہ ٹھکانے پر پہنچا دیا۔ جب تک میں ان دونوں کو کسی کے چارج میں نہ دوں، اس مہم کا سربراہ میں ہی رہوں گا اور اسی حیثیت میں اس وقت تم سے مخاطب ہوں۔"

ویرا اسے پیٹرانچ سمجھ کر اس کی تضحیک کر رہی تھی مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کس سے بات کر رہا تھا۔ میرے لیے باپ بیٹی کی وہ گفتگو سخت تحیّر انگیز تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جمی لائیڈ دانستہ ویرا کو چڑا کر گالیاں کھانے پر تُلا ہوا ہو۔ میری دانست میں اس کا واحد سبب یہ تھا کہ ان دونوں کے مابین جو بھی رشتہ تھا وہ مذہب، اخلاق اور قانون کی ساری حدود سے ماورا تھا، اس لیے گفتگو میں بھی وہی رنگ غالب تھا۔

"شاید شہر کے سب لوگ مر گئے ہیں جو تم سے کام لینے کی نوبت آگئی۔" ویرا کا لہجہ زہریلا تھا "مگر تم اس ٹرانسمیٹر پر مجھ سے مخاطب ہو جس پر کوئی خارش زدہ کتا بھی بھونکنے لگے تو میں جواب دینے پر مجبور رہوں گی۔ اس لیے جو پوچھنا ہے بلاتوقف پوچھتے چلے جاؤ۔"

"پہلی بات کہ تم نے ایڈی کے قتل کے بعد فِل کو دانستہ کیوں قتل کرایا؟"

"تم سامنے ہوتے تو اس الزام تراشی پر تمہارا منحوس چہرہ نوچ لیتی۔" ویرا پھر چراغ پا ہو گئی۔ "مجھ سے بات کرنا ہے تو ہوش میں رہ کر کرو ورنہ خاموشی سے ڈکٹا فون پر سُن گن لیتے رہو۔ مجھے کیا ضرورت تھی اُسے مروانے کی؟ تم نے سنا نہیں کہ وہ ایک گھونسے میں ڈینی کا بھیجا ناک کے راستے بہا کر مجھ پر اپنی طاقت کی دھاک بٹھانا چاہتا تھا اور میرے سمجھانے کے باوجود باز نہ آیا۔"

"زیادہ طاقت عقل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ تمھاری چالاکی نہیں سمجھ سکا جب کہ میں تمھارا مقصد بھانپ گیا تھا۔ تم بظاہر اسے روک رہی تھیں لیکن در حقیقت اس کی انا کو اُبھار کر اسے مقابلے پر اُکسا رہی تھیں۔"

"تم اس مہم کے سربراہ ہو لہٰذا اپنی رپورٹ کے ساتھ میری اور اس کی گفتگو کا ٹیپ بھی بھیج دینا۔ میرے بڑے خود فیصلہ کرلیں گے کہ میری نیت کیا تھی؟"

"میں کوئی ٹیپ کہیں نہیں بھیجوں گا۔ اپنے معاملات کی تم سے خود وضاحت چاہتا ہوں۔"

"تمھارا کوئی معاملہ نہیں۔" ویرا نے سرد مہری کے ساتھ جواب دیا۔ "کرائے کے لوگوں کو جواب دینا میری توہین ہے جن کا معاملہ ہے وُہی مجھ سے باز پُرس کا حق رکھتے ہیں۔"

"تمھارے دل میں ڈینی کے لیے نرم گوشہ موجود ہے؟"

وہ میرے اسی سوال پر انکار کر رہی تھی مگر پیٹرانچ کے استفسار پر چڑ گئی۔ "ہاں ہے، مجھے اس سے محبت ہے اس پر بھروسا نہ ہونے کے باوجود میں اسے زندہ دیکھنا چاہتی ہوں تم کیا بگاڑ سکتے ہو میرا؟"

"اور میرے لیے؟" جمی لائیڈ نے وہ سوال ایک باپ کے جذبے کے ساتھ کیا تھا۔

"سامنے ہوتے تو سینڈل ہاتھ میں لے کر جواب دیتی۔" ویرا نے اسے ایک مرد کا روایتی سوال سمجھ کر تلخ لہجے میں جواب دیا۔

چوبی صوفے میں پوشیدہ اسپیکر پر پیٹرانچ کے ایک گہرے سانس کی آواز اُبھری۔ شاید وہ ویرا سے اتنے تلخ جواب کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

وہ خود عجیب سی ذہنی کیفیت سے دوچار تھا اور اس نے خود ہی ویرا سے اپنے تعلق کو اپنے لیے سوہان روح بنایا ہوا تھا۔ اگر ویرا اپنے دعوے میں جھوٹی تھی تو جمی لائیڈ جیسے سنگدل آدمی کے لیے بہت آسان تھا کہ اپنی ذات کو بدنامی سے بچانے کے لیے وہ خاموشی کے ساتھ مدتوں پہلے ویرا کو ٹھکانے لگوا دیتا۔ ایک فرانس جیسی تنہا اور مجبور لڑکی کے بارے میں اپنا سفاکانہ فیصلہ صادر کر کے جمی لائیڈ نے مجھ پر اپنی شقی القلبی واضح کر دی تھی۔

لیکن دوسری طرف وہ اپنے اور ویرا کے رشتے کے بارے میں اپنی زبان سے کوئی اعتراف کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ جب میں نے ویرا کے دعوے کے سلسلے میں اس سے سوال کیا تو وہ برہم ہو گیا تھا اور اس وقت بھی وہ براہِ راست ویرا سے ہم کلام ہونے کے باوجود اسے یہ تک بتانے پر آمادہ نہیں تھا کہ وہ پیٹرانچ نہیں بلکہ جمی لائیڈ تھا۔ پیٹرانچ بن کر وہ ویرا سے گاہے گاہے کبھار رابطہ کرتا رہا تھا اُس کی کے معاملات میں اسے ضرورت سے زیادہ ڈھیل دیتا رہا تھا اور ویرا کو باخبر کیے بغیر یہ امید بھی کر رہا تھا کہ وہ خود ہی اپنے رویے کی اصلاح کر کے محض چھٹی حس کے سہارے اس کا احترام کرے گی۔

وہ عجیب صورتِ حال تھی، وہ چاہتا تو ویرا کے سامنے اپنی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر سارا معاملہ ختم کر سکتا تھا۔ باپ کو سامنے پا کر برسوں کی ترسی ہوئی ویرا خود اس کے سینے سے لگ جاتی لیکن وہ ویرا سے الگ رہتے ہوئے بھی ہر لمحے اس کی نگہداشت کرتا رہتا تھا۔ وہ جرائم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا، اس کی اپنی ایک مخصوص سوچ تھی، وہ ویرا کو شفقت پدری نہ دینے کے باوجود اسے اپنا جانشین بنانے کے لیے کوشاں تھا۔ اس راہ میں ویرا کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ اس کا لڑکی ہونا تھا مگر جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو کے گھناؤنے کردار میں ویرا سے قریب ہو کر اسے ایسے بامعاوضہ تجربات سے دوچار کیا تھا کہ اب ویرا بالکل بے حجاب ہو چکی تھی، اس کے نزدیک اس کا عورت ہونا یا نہ ہونا یکساں تھا کیوں کہ اس کی ذات سے ڈان مرسیانو نے وہ جوہر ہی کھرچ کر صاف کر دیا تھا جس کی بنا پر عورت اپنے عورت ہونے پر سدا ناز کرتی ہے وہ باپ تھا مگر خود کو باپ کہلوانے پر آمادہ نہیں تھا، ویرا اپنی ولدیت کی متلاشی تھی اور کوئی اسے اپنی بیٹی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ ان دونوں کے تعلق کی درمیانی کڑی اس قید کے دوران میں میرے ہاتھ آ چکی تھی مگر جمی لائیڈ کے قہر کے خوف سے میں اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور تھا۔

"یہ میری بدنصیبی ہے ویرا کہ تم مجھ سے اتنی متنفر ہو سینہ چیر کر دیکھو تو تم پیٹرانچ کے دل میں اپنے لیے بہت جگہ پاؤ گی۔" جمی لائیڈ کی آواز سپاٹ ہو گئی۔

"کبھی تمھارا سینہ چیر سکی تو تمھارا دل چیل کوّوں کو ہی کھلاؤں گی۔ مجھے تم جیسے نکمے اور ناکارہ آدمی کے دل میں بسنے کوئی دلچسپی نہیں ہے، میرے لیے ڈینی ہی کافی ہے۔"

"مجھے بھی تم سے عشق نہیں ہے۔ بس چڑانے میں لطف آتا ہے۔" پیٹرانچ کا لہجہ یک بیک شوخ ہو گیا۔ "اب تم فوراً استعفا

شاہ کو ساتھ لے کر وہاں سے چل دو تاکہ میں اپنے دوسرے کام نمٹا سکوں۔"

"اور اگر میں ڈینی کو بھی ساتھ لے جانا چاہوں؟"

"میں تمھیں نہ روک سکوں گا لیکن میری ساری محنت برباد ہو جائے گی۔ وہ لوگ ڈینی کے بغیر مجھے ایک پیسہ بھی نہیں دیں گے۔ تم ان سے اچھی طرح واقف ہو۔"

"اور لاشوں کا کیا ہوگا؟" ویرا نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"تم انھیں بھول جاؤ۔ مُردوں کی دیکھ بھال بھی میرے ہی معاہدے میں شامل ہے۔"

"لیکن میں یہاں تنہا نہیں رہ سکتا۔" میں نے پہلی بار دخل اندازی کرتے ہوئے احتجاج کیا۔

"شٹ اپ۔" پیٹرانچ کی آواز ایک دم غرّاہٹ میں تبدیل ہوگئی۔ "تم یہاں مہمان نہیں، میرے قیدی ہو۔"

"ایسی صورت میں ویرا میرے ساتھی کو یہاں سے نہ لے جاسکے گی۔" اس کی قلابازی پر مجھے بھی یک بیک تاؤ آگیا۔ "میرے اور اس کے لاکھ اختلافات سہی مگر تم اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکو گے۔"

"پھر تم دونوں کو یہیں ٹھکانے لگانا ہوگا۔ میں تمھیں زندہ رکھنے کا پابند نہیں ہوں۔" پیٹر کی سرد اور بے رحمانہ آواز اُبھری۔ "وہ لوگ صرف تمھاری بازیابی میں دلچسپی رکھتے ہیں، انھیں تمھارے زندہ یا مُردہ ہونے سے کوئی غرض نہیں ہے۔"

"پھر شاید دیرا کے لیے امی کی کہانی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔" میں نے دھمکی دی۔

"تمھارا حشر عبرتناک کر دوں گا۔" غضب ناک آواز سنائی دی۔ "امی ایک حادثے میں مر چکی ہے۔ اگر تم نے دوبارہ اس کا نام لیا تو میرے عتاب سے نہ بچ سکو گے۔"

"موت سے زیادہ عبرت کسی انجام میں نہیں ہوتی اور میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

"میرے ہوتے ہوئے تم ڈینی کا بال بھی بیکا نہ کر سکو گے۔" ویرا بولی۔ "اور اب میں امی کی کہانی ضرور جاننا چاہوں گی۔ تم ڈینی کو نہیں روک سکتے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم بغاوت پر آمادہ ہو؟"

"میں تمھاری وفادار کب تھی جو اب بغاوت کروں گی؟" ویرا نے ترش لہجے میں کہا اور میرے شانے پر ہاتھ مار کر خاموشی سے ساتھ وہاں سے کھسکنے کا اشارہ کیا۔

"یہ معاملہ اب شی سے ہٹ کر میرے اور تمھارے درمیان آگیا ہے۔" جمی لائیڈ یا پیٹرانچ کی مشتعل آواز سنائی دی۔ "اور میں شی میں تمھاری رپورٹ کیے یا ان لوگوں کو درمیان میں لائے بغیر خود تم سے نمٹوں گا۔"

"مجھے تمھاری مردانگی اور زبان پر بھروسا نہیں ہے۔ کاش تم اپنے اس عہد پر قائم رہ سکو۔" ویرا وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میرے پیچھے خواب گاہ سے نکل آئی۔

میں اس سے کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا اور اُسے کچھ بتانا بھی چاہتا تھا لیکن وہ اچانک ہی بہت زیادہ محتاط اور عجلت میں نظر آنے لگی تھی۔ اس نے اشارے سے مجھے بالکل خاموش رہنے کی ہدایت کی تھی۔ ہم دونوں تیزی کے ساتھ سلطان شاہ تک پہنچے اور اُسے بھی خاموشی سے اپنے ساتھ لے کر اس قید خانے سے نکاسی کے راستے کی طرف ہو لیے۔

وزنی چوبی دروازہ مقفل تھا۔ ویرا اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ اس راستے سے گزر کر اندر داخل ہوئی تھی اور دو ہی ساتھیوں کو واپس لے جا رہی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس کے ہمراہ آنے والے اندر پہنچنے کے بعد زندگی کی حرارتوں سے محروم ہو چکے تھے اور ہمیں قید سے رہائی مل رہی تھی۔

ویرا نے مخصوص انداز میں ٹھہر ٹھہر کر پہلے تین مرتبہ پھر پانچ مرتبہ اس چوبی دروازے پر اپنی پوری ہتھیلی کی ضرب سے دستک دی تھی اور دروازہ فوراً ہی یوں کھل گیا تھا جیسے ان دستکوں سے کوئی مشینی نظام متحرک ہوگیا ہو۔ دروازے سے باہر چمکتے ہوئے آسمان پر نظر پڑتے ہی میں نے بے اختیار کئی گہرے سانس لیے اور دروازے سے گزرنا چاہا لیکن چست لباس میں ملبوس دو مسلح محافظوں نے میرا اور سلطان شاہ کا راستہ روک لیا۔

ان میں سے ایک کے ہاتھ میں عجیب ساخت کی فولادی چابیاں تھیں اور دوسرا اپنے شانے سے لٹکی ہوئی سب مشین گن اتار چکا تھا اور ان دونوں کی اشتباہ آمیز نظریں ہم پر جمی ہوئی تھیں۔

"ہٹ جاؤ۔" ویرا نے ان دونوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے کہا۔ "ان دونوں کو میں اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں۔"

"مگر مادام! ہمیں بتایا گیا تھا کہ تم ایک کو ساتھ لے جاؤ گی دوسرا یہیں رہے گا۔" چابی والے سفید فام نے محتاط اور مؤدبانہ لہجے میں ویرا کو آگاہ کیا۔ "پھر تمھارے ساتھ آنے والے بھی کہیں نظر نہیں آرہے۔"

"تو کیا یہاں سے جانے کے لیے مجھے تم دونوں کو پوری رپورٹ دینا پڑے گی؟" ویرا نے برہمی کے عالم میں سوال کیا۔

"تم جانتی ہو کہ ہمیں ہدایات سے سرِمو انحراف کی بھی اجازت نہیں ہے۔" وہی کلید بردار معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "ہمیں تو یہ بھی علم نہیں کہ تم کو کسے لے جانا اور کسے چھوڑنا تھا، بات صرف تعداد کی ہے۔"

ویرا نے غصیلے انداز میں اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور بند مٹھی میں کوئی چیز نکال کر ان کے سامنے کر دی جسے دیکھتے ہی وہ رکوع کے انداز میں اس کے سامنے جھکتے چلے گئے اور اس نے اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی چیز دوبارہ اسی رازدارانہ انداز میں واپس اپنی جیب میں ڈال لی۔

ہم دونوں ان کے سیدھے ہونے کا انتظار کیے بغیر آگے بڑھ گئے مگر میرے دل میں اس چیز کے بارے میں تجسس جاگ اٹھا تھا جسے دیکھتے ہی محافظوں کا رویہ بدل گیا تھا۔

⁂

وہ چاروں طرف سے چٹانوں میں گھرا ہوا کوئی بہت ہی محفوظ اور پُراسرار مقام تھا جہاں تاحدِ نظر اس ہولناک قید خانے کے علاوہ کوئی عمارت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس عمارت کی بیرونی ساخت چوکور اور بالکل سیدھی تھی، اس کے ایک طرف مختصر سا باغ تھا اور کافی جگہ چھوڑ کر کنکریٹ کی تین چار فٹ اونچی دیوار پر چاروں طرف آہنی جنگلے نصب تھے جنھوں نے احاطے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ وہیں کچھ فاصلے پر مکمل آہنی باڈی والی بند لینڈ روور کھڑی ہوئی تھی جس میں شاید ویرا وہاں تک آئی تھی۔

سیاہ لینڈ روور کے ٹائر اور باڈی کا نچلا حصہ دھول میں اٹا ہوا تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس عمارت تک رسائی کے لیے گاڑی میں کافی دیر تک کچے راستے پر سفر کیا گیا تھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟" جب ویرا لینڈ روور کے دروازے کا قفل کھول رہی تھی تو میں اپنے اس سوال کو نہ روک سکا۔

"یہ عمارت عرفِ عام میں ڈیلٹا کیمپ کہلاتی ہے۔" وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے بولی اور میں دوسری طرف سے گھوم کر پسنجر سیٹ پر پہنچ گیا۔ سلطان شاہ نے عقبی نشست سنبھال لی تھی۔

"اس کا مصرف کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک مصرف تو تم بھگت ہی چکے ہو۔" اس نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "میں بھی یہاں دوسری بار آئی ہوں، پہلی مرتبہ یورپ کے نمائندوں کے اجلاس میں شرکت کرنے آئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ عام دنوں میں یہاں کچھ اور بھی ہوتا ہو۔"

"تم نے محافظوں کو جیب سے کیا چیز نکال کر دکھائی تھی؟"

"وہ میری نئی دریافت ہے اور ہر بڑے کی شناخت کا ذریعہ ہے۔" اس نے یہ کہتے ہوئے اپنی جیب سے ایک طلائی سکہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا جس کے دونوں طرف چاندی سے ابھری ہوئی ایک حسین انسانی آنکھ ڈھلی ہوئی تھی۔ طلائی سکے کے دونوں طرف انسانی آنکھ اس قدر بھرپور اور مکمل انداز میں ڈھلی ہوئی تھی کہ اس کی ایک ایک پلک تک نمایاں تھی اور ڈائی کاسٹنگ کے بغیر مہارت سے اس قدر یکساں نقاشی کرنا انسانی بساط سے باہر معلوم ہوتا تھا۔ سکے کے پس منظر پر سفید آنکھ دور ہی سے نمایاں طور پر نظر آ سکتی تھی۔

میں نے تفصیلی جائزہ لے کر وہ سکہ اپنی جیب میں ڈالا تو ویرا بُری طرح تلملائی تھی۔ اس نے سکہ واپس لینے کے لیے مجھ سے بہت بحث کی مگر میں کسی بُرے وقت کے لیے اس طلسماتی سکے کو اپنے پاس محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر چکا تھا لہٰذا ویرا کو ہار ماننا ہی پڑی۔

وہ ہمیشہ سے ایسے سکوں کے بارے میں سنتی آئی تھی جن کو حاصل کرنے والے شی میں آئی مین کہلاتے تھے مگر ویرا ابھی تک اس مقام پر نہیں پہنچی تھی کہ خود بھی ایسے سکے کی مالک ہوتی لیکن داؤد کو ہلاک کرنے کے بعد اسے خوش قسمتی سے اس کی جیب سے وہ نقرئی آنکھ مل گئی تھی۔ ویرا کا خیال تھا کہ داؤد کو گروپ نائین کی سربراہی کے ساتھ ہی وہ سکہ عطا کیا گیا تھا تاکہ وہ کسی بھی مرحلے پر اپنے اختیارات میں کمی کے احساس میں مبتلا نہ ہو ورنہ یورپ سے باہر شی کے اراکین میں اس خفیہ شناخت کا رواج نہیں تھا۔

اس سکے کے مالک آئی مین سے شی میں کسی کو کوئی دوسری شناخت طلب کرنے کا اختیار نہیں تھا اور جو ایسی جسارت کا مرتکب ہوتا اُسے آئی مین اپنی مرضی کے مطابق مواخذے کے کسی خوف کے بغیر قتل بھی کر سکتا تھا۔ اس شناختی سکے کی اہمیت کے پیشِ نظر ہر ذہن میں یہ خیال پیدا ہونا لازمی تھا کہ داؤد کی موت کے بعد ہر طرف سے گمشدہ سکے کی تلاش میں بھرپور کوششیں کی گئی ہوں گی مگر ناکامی کے بعد شی کے سربرآوردہ لوگوں کو یہ یقین ہو گیا ہوگا کہ اُن کا ایک شناختی نشان شی سے باہر کسی کے قبضے میں چلا گیا ہے جو اس کی اہمیت سے واقف ہونے کے بعد کسی بھی وقت اُسے شی کے مفادات کے خلاف استعمال کر سکتا ہے۔

"داؤد کی موت بلکہ اس سلور آئی کی گمشدگی کے بعد ہی تمہاری تلاش کی مہم میں شدت آئی ہے۔ وہ لوگ داؤد کی موت کو تم

منسوب کر رہے ہیں اور اسی کی بازیابی کے سلسلے میں تمھارے خلاف ڈکیتی کا اسکینڈل کھڑا کیا گیا تھا تاکہ تمھیں پکڑ کر سلور آئی کے بارے میں بازپرس کی جاسکے۔" اُس نے میرے سوال پر کہا۔

"لیکن پیٹرانچ نے اس بارے میں مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں پوچھا۔ بے ہوشی کے دوران میں میری تلاشی لے کر انھیں یہ اندازہ تو ہو ہی گیا ہوگا کہ نقرئی آنکھ اگر میرے قبضے میں نہیں تھی تو میں نے اُسے کہیں چھپایا ہوگا۔"

"تم پیٹرانچ کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "تم یہ غور کیوں نہیں کرتے کہ انھوں نے تمھیں مروانے کے بجائے زندہ قیدی بنا کر ڈیلٹا کیمپ میں کیوں رکھا تھا۔ بازپرس کی ابتدا تو اُسی وقت ہوتی جب پیٹرانچ تمھیں شی کے نقتے داروں کے حوالے کرتا۔ انھیں ایک بار یہ یقین ہو جاتا کہ سلور آئی تمھارے قبضے میں نہیں ہے تو وہ تمھیں ایک لمحے کے لیے بھی زندہ نہ رہنے دیتے۔ شی اپنے دشمنوں کو زندہ رکھ کر پروان چڑھانے کے بجائے پہلی فرصت میں انھیں موت کے گھاٹ اتارنے میں یقین رکھتی ہے۔ انھیں تم سے محبت نہیں ہوگئی تھی جو تم اب تک زندہ ہو۔"

بات قابلِ فہم تھی بلکہ ہم دونوں ہی اس بات کا کوئی جواز تلاش نہیں کرسکے تھے کہ پیٹرانچ ہمیں بہلا پھسلا کر زندہ رہنے کی اُمید دلاتا رہا تھا مگر اہم نکتہ یہ تھا کہ ویرا پیٹرانچ کی اصلیت سے بے خبر تھی۔ اُسے باہر کا ایک ادنیٰ آدمی سمجھ رہی تھی جب کہ وہ خود ہی شی کا روحِ رواں، جمی لائیڈ تھا جسے ہم سے براہِ راست سلور آئی کے بارے میں بات کرنا چاہیے تھی۔

"تم پیٹرانچ کے بارے میں اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جس میں وہ تمھیں اُلجھائے رکھنا چاہتا ہے۔" میں نے چند ثانیوں کے پُرخیال توقف کے بعد ویرا سے کھُل کر بات کرنے کا ارادہ کر ہی لیا۔ "یہاں وہ روپ بدل کر شی کی نچلی صفوں میں گھس کر اپنے ایک ایک آدمی کی کارکردگی پر نظر رکھتا ہے مگر دراصل وہی جمی لائیڈ ہے۔"

وہ بے اختیار زور سے ہنس پڑی۔ "مجھے حیرت ہے کہ تم اس سے مل کر بھی اس کی اصلیت اور ذہنی صلاحیتوں کے بارے میں درست اندازہ نہیں لگا سکے! پتا نہیں تم کس طرح اُس کے ہاتھ لگ گئے ورنہ وہ انتہائی کند ذہن اور غبی آدمی ہے۔ یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ شی کا سربراہ تو کجا، کوئی اہم رکن بھی ہوسکتا ہے۔"

"میں نے اُسے بہت قریب سے دیکھا ہے، وہ ہو بہو اس تصویر کی نقل ہے جو ہم دونوں نے لائیڈز کاٹیج میں دیکھی تھی۔" میں نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اُس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے کبھی اس راز کا ذکر بھی کیا تو وہ میری زندگی کا آخری لمحہ ثابت ہوگا۔"

"وہ میک اَپ میں رہا ہوگا۔" ویرا نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "اب یہی دیکھ لو کہ تم وہ راز میرے سامنے افشا کر چکے ہو مگر وہ تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں۔" میں نے قدرے چڑ کر کہا۔ "اصل صورت اور میک اَپ میں آسانی کے ساتھ تمیز کرسکتا ہوں۔ وہ اپنی اصلی صورت میں رہتا ہو یا نہ رہتا ہو مگر ایمی نے مجھے اُس کی جو تصویر دکھائی وہ لائیڈز کاٹیج والی تصویر سے مشابہ تھی۔"

"اوہ! تو تم نے اس کی صرف تصویر ہی دیکھی ہے اور میری آنکھوں کی دیکھی ہوئی بات پر شبہ کر رہے ہو مائی ڈیئر ڈینی! تصویر میں تو بڑے سے بڑا ماہر بھی اچھے میک اَپ کا پتا نہیں چلا سکتا۔ بہرحال مجھے یہ اندازہ ہوگیا ہے کہ وہ مسخرہ تمھیں مرعوب کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ تصویر سرے سے اُس کی نہ ہو۔"

"پھر وہ تصویر ڈیلٹا کیمپ میں کیسے پہنچی؟ وہاں اس کا کیا مقصد تھا؟ ایمی نے اس تصویر کو پیٹرانچ کی حیثیت سے میرے حوالے کیا تھا اور وہ کئی دن سے اُس کے ساتھ تھی۔"

"یہ ایمی کون ہے؟" ویرا نے چونک کر سوال کیا۔

جواب میں میں نے اختصار کے ساتھ اُسے ابتدا سے پوری کہانی سُنا ڈالی جو ویرا کے لیے بہت دلچسپ ثابت ہوئی۔ وہ ناہموار اور کچے پہاڑی راستے پر لینڈ روور ڈرائیو کرتے ہوئے درمیان میں سوال بھی کرتی جا رہی تھی۔

"یہ تو میں مان ہی نہیں سکتی کہ پیٹرانچ جمی لائیڈ ہے۔" میرے خاموش ہونے پر وہ پُرخیال انداز میں بولی۔ "لیکن جو کچھ تم نے بتایا، وہ خاصا تشویشناک ہے۔ اگر وہ احمق و پاگل لڑکی اُس کے عشق میں مبتلا ہوگئی تھی تو اُس نے پیٹر کے میک اَپ پر غور ہی نہیں کیا ہوگا۔ . . ."

"آخر اس وقت پیٹر کو جمی لائیڈ کا میک اَپ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔ "وہ تو اُس سوٹ کیس کی تلاش میں ایمی تک پہنچا تھا جس میں ہیروئن چھپا کر اٹلی لائی گئی تھی۔ میرا معاملہ تو اتفاقاً ہی درمیان میں آگیا ورنہ وہ ایمی سے ہمدردی جتا کر سوٹ کیس کے بارے میں معلومات حاصل کرکے لاپتا ہو جاتا۔"

اُس وقت تک گاڑی ایک سرسبز علاقے میں پختہ سڑک پر آچکی تھی جہاں کچھ فاصلے پر دیہی آبادی کے آثار نظر آرہے تھے۔

"پھر تو یہ خیال بھی غلط ہو جاتا ہے کہ وہ جمی لائیڈ ہی تھا مگر پیٹرانچ کے نام سے ایمی کے سامنے آیا تھا۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔ "کوئی جلتے ہوئے توے پر کھڑا ہو کر بھی کہے کہ جمی لائیڈ ہی یہاں پیٹرانچ بنا ہوا ہے تو میں یقین نہیں کرسکتی مگر اب یہ ضرور دیکھنا پڑے

گا کہ یہ دونوں نام یکجا کیسے ہو گئے۔"

"تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے حقائق نہیں بدل سکتے۔" میں نے اس کی ہٹ دھرمی پر بد نگواری کے ساتھ کہا۔ "تم سے ملاقات کے بعد میرے ذہن میں تو سب کچھ صاف ہو گیا ہے۔ جمی لائیڈ ایمی کو ساتھ لے کر میری تلاش میں لندن آیا اور اس نے داؤد کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے آئی مین بنا دیا کیونکہ وہ شی کا پاکستانی سربراہ ہونے کی وجہ سے میرے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا مگر داؤد اپنی بد قسمتی سے مارا گیا اور اس کی سلور آئی تم نے اڑا لی اور یوں جمی لائیڈ کو خود میری طرف متوجہ ہونا پڑ گیا۔ اس نے مجھے زیر بھی کر لیا مگر وہ مجھے اپنی ہمدردی کا پورا یقین دلانے کے بعد ہی سلور آئی کا مسئلہ اٹھانا چاہتا تھا اور اسی لیے اس نے مجھے بتائے بغیر یا تمہیں میرے بارے میں بتائے بغیر تم کو بے خبری میں ڈیلٹا کیمپ بھیج دیا۔ شاید اسے امید رہی ہو کہ میں تم سے سلور آئی کا ذکر کروں گا تو وہ اپنے حساس لاسلکی نظام پر ہماری گفتگو سننے میں کامیاب ہو جائے گا۔"

"موقع ملا تو میں تم کو دکھاؤں گی کہ پیٹرانیج کس قدر حقیر اور نکما آدمی ہے۔" وہ بولی۔ "میں اسے تمہارے سامنے گریبان سے پکڑ کر طمانچے بھی لگاؤں گی تو وہ ہنس ہنس کر میرے ہاتھوں سے پٹتا رہے گا۔ تم لائیڈز کا جیج والی تصویر کی بات کر رہے ہو تو جیج کی شکل دور دور تک اس سے نہیں ملتی۔"

"نہ ملتی ہو گی۔ میں نے تو سارے واقعات تسلسل کے ساتھ تمہیں سنا دیے۔ مجھے یقین ہے کہ ایمی سے ٹکرانے والا جمی لائیڈ تھا اور اسی نے مجھے قید کیا تھا پھر اسی سے میری ٹرانسمیٹر پر بات ہوئی تمہارے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے میں نے اس کی آواز پہچانی تھی اب اگر تم مصر ہو تو میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ جمی لائیڈ نے پیٹرانیج کا نام استعمال کیا ہو گا لیکن ایک نکما اور غیر متعلق آدمی یک بیک اتنا اہم کیسے ہو سکتا ہے کہ شی کا سربراہ اس کا نام استعمال کر بیٹھے ایسے واقعے کا کوئی نہ کوئی پس منظر ضرور ہونا چاہیے ورنہ جمی لائیڈ بھی خبطی اور فاتر العقل ثابت ہو جاتا ہے۔"

"ہمیں سفر کرتے ہوئے کافی دیر ہو گئی ہے۔" اچانک سلطان شاہ نے دخل اندازی کی۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ تم دونوں کی بحث میں ہم راستہ بھول گئے ہوں۔"

"شاید تمہیں یہ اندازہ نہیں کہ تم دونوں لندن سے تقریباً پچاس کلو میٹر باہر قید تھے اور اب میں تمہیں دوبارہ لندن لے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ اس لیے ہم ایک ساحلی قصبے کی طرف جا رہے ہیں۔"

"میرا تو خیال ہے کہ فی الحال تمہیں بھی لندن کا رخ نہیں کرنا چاہیے۔ ڈیلٹا کیمپ کے محافظوں سے یہ بات پھیل جائے گی کہ سلور آئی تمہارے قبضے میں ہے۔" میں نے کہا۔

"یہی میرا ٹیسٹ پوائنٹ ہے۔" وہ بولی۔ "پیٹرانیج نکما نہیں ہے محافظ اسے سلور آئی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتائیں گے بلکہ میرے نکل جانے کا کوئی بہانہ بنا دیں گے اور اگر وہ شی کا سربراہ ہے تو اسے علم ہو جائے گا کہ سلور آئی میرے پاس ہے اس وقت میں اس کی حیثیت کے بارے میں کسی ڈھنگ کی بات پر ضرور غور کروں گی۔"

"یعنی تم لندن جانے کا خطرہ مول لو گی؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ تو لینا ہی پڑے گا۔ مجھے زندہ رہنے کے لیے سہارے کی ضرورت ہے، شی سے کٹ کر میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ میں الگ رہ کر اپنا دفاع کروں گی اس بار میں بڑا مقام دوبارہ نہیں کھونا چاہتی۔"

"یعنی اب میرے اور تمہارے راستے الگ ہوں گے؟"

"میں نے یہ نہیں کہا۔ میرے لیے شی کی اہمیت بس اسی قدر ہے کہ میں اپنے باپ تک پہنچ سکوں کیونکہ میری زندگی کا اس کے سوا کوئی مقصد نہیں رہ گیا ہے۔ تم نے پیٹرانیج کا شوشہ چھوڑ کر مجھے الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔ میں اب بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ میں اتنے گھٹیا باپ کی بیٹی ہو سکتی ہوں۔"

"حالانکہ تمہارا باپ کسی معیار سے بھی اچھا آدمی نہیں ہے۔ اس نے ڈان مرسیانو کے روپ میں تمہارے ساتھ جو شرمناک سلوک کیا اسے سوچ کر ہی تم چراغ پا ہو گئی تھیں۔"

"وہ اس کی سوچ کا ایک رخ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ میرے ذہن سے عورت اور مرد کے فرق کو مٹانا چاہتا ہو مگر ڈان مرسیانو کے روپ میں بھی وہ بلا کا ذہین اور کائیاں ثابت ہوا تھا۔"

"یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ ڈان مرسیانو اٹلی میں مقیم تھا اور پیٹرانیج بھی روم ہی میں ایمی سے ٹکرایا تھا اور ان ناموں کو تم دونوں نے جمی لائیڈ کی حیثیت سے شناخت کیا ہے۔"

"روم پہنچ کر میں بہت کچھ کر سکوں گی۔" وہ پرخیال لہجے میں بولی۔ "اس نے ایمی کے سامنے جو نام بھی اختیار کیا ہو، پولیس کے ریکارڈ میں اس کا نام پتا ضرور ہو گا کیونکہ کسی کی ضمانت لینے والے کے لیے باحیثیت ہونا ضروری ہوتا ہے۔"

"ضمانت کی کہانی اس نے ایمی کو سنائی تھی، ہو سکتا ہے کہ اس نے بالا ہی بالا رشوت دے کر ایمی کو چھڑایا ہو۔ اس جیسے چالاک لوگ کہیں بھی اپنا کوئی سراغ نہیں چھوڑتے۔"

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال تو میں یہ سوچ رہی ہوں کہ تمہارا لندن کے مضافات بلکہ برطانیہ میں رہنا ہی تمہارے حق میں خطرناک ہو سکتا ہے تمہیں پہلی فرصت میں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"ہم کہاں جا سکتے ہیں؟ اب تو ہمارے پاس کاغذات بھی

نہیں رہے ہیں۔"

"کاغذات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس وقت ہم جیتھام جا رہے ہیں۔ اگر مطلوبہ آدمی مل گیا تو وہ راتوں رات تم دونوں کو یہاں سے نکلوانے کا بندوبست کر سکتا ہے۔"

"اور غزالہ کا کیا ہوگا؟" میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"تم یہاں رہ کر بھی اُس کے لیے کچھ نہ کر سکو گے لہٰذا فی الحال تمھیں اُس کو بھولنا ہوگا۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "میرے آدمی اس کی تلاش میں مصروف ہیں، اگر وہ مل گئی تو تمھارے پاس پہنچا دی جائے گی۔"

"پیٹر اینج بھی اس کا ذکر کر رہا تھا۔ وہ لوگ بھی غزالہ کی تلاش میں ہیں۔ سونیا والی کہانی کاؤنٹری کی پولیس کے لیے تو کارگر ثابت ہو گئی تھی مگر ان لوگوں کو اس پر شبہ ہے۔"

"مجھے یہ نظر آ رہا ہے کہ تم لوگوں کے انہماک کا یہی عالم رہا تو جیتھام پہنچنے سے پہلے کہیں ہمارے چیتھڑے اڑا دیے جائیں گے۔" سلطان شاہ کی طنزیہ آواز اُبھری۔

"کیوں؟" ویرا نے چونک کر سوال کیا اُس کی نگاہیں فوراً ہی عقب نما آئینے پر گئی تھیں اور میں نے بھی اضطراری طور پر سر گھما کر پیچھے ویران سڑک کا جائزہ لیا تھا۔

"پیچھے تو کوئی بھی نہیں ہے، پھر یہ وہم کیوں ہو رہا ہے تمھیں؟" ویرا نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"تم دونوں باتوں میں مصروف ہو اور میں خالی بیٹھا گھٹتی بڑھتی آوازیں سن رہا ہوں۔ مجھے موہوم سا شبہ ہے کہ ہمارا پیچھا کیا جا رہا ہے اور ہم ہر لمحے اُن کی زد میں ہیں۔" وہ جھجکتے ہوئے بولا۔

"سڑک تو صاف پڑی ہے، کہیں تمھیں بدروحیں تو نظر نہیں آ رہی ہیں؟" ویرا نے اُس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

"بدروح ہی سمجھ لو کیونکہ واسطہ شی سے پڑا ہوا ہے۔" سلطان شاہ نے بُرا مانے بغیر کہا۔ "ہماری کیمپ سے روانگی کے چند ہی منٹ بعد مجھے ہیلی کاپٹر کا شور سنائی دیا تھا جو بار بار کبھی قریب آ جاتا ہے اور کبھی دُور ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہمارے پیچھے بڑے دائرے میں چکر کاٹتے ہوئے نگرانی کر رہا ہے۔"

"اوہ!" ویرا مضطرب ہو گئی۔ "تو اتنی دیر سے چُپ کیوں بیٹھے تھے؟ ذرا دیکھو تو ڈینی!"

میں اُس کی ہدایت سے پہلے ہی کھڑکی کا شیشہ گرا کر سر باہر نکال چکا تھا۔ ہماری گاڑی سے کافی پیچھے زمین سے کافی بلندی پر فضا میں ایک ہیلی کاپٹر واپس جاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میں نے سر اندر ڈال کر ویرا کو فضا میں ہیلی کاپٹر کی موجودگی کی اطلاع دی تو اس کے چہرے پر گہری تشویش پھیل گئی۔

"سلطان شاہ کا خیال دُرست معلوم ہوتا ہے کیونکہ شی کے لیے ڈیلٹا کیمپ بہت اہمیت رکھتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اب اس کے قریب ہیلی پیڈ بھی بنا لیا گیا ہو۔"

"لیکن ڈیلٹا کیمپ تو پیٹر اینج کی تحویل میں ہے، وہ باہر کا آدمی ہوتے ہوئے شی کے وسائل کو کیسے حرکت میں لا سکتا ہے؟" میں نے تشویش کے باوجود طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"ڈیلٹا کیمپ صرف اُس کے تصرف میں ہے، اُس کی حفاظت کے لیے معمول کے مطابق ہر کارروائی کی جاتی رہے گی۔ ذرا کچھ دیر تک اس کی نقل و حرکت پر نگاہ جمائے رہو، میں راستہ تبدیل کرتی ہوں۔"

"جب تم سلور آئی دکھا چکی ہو تو اب تمھارے تعاقب کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟ میرا خیال ہے کہ وہ ہیلی کاپٹر کسی تفریحی پرواز پر ہے اور سلطان شاہ ہمیں وہم میں ڈال رہا ہے۔"

"وہ تفریحی پرواز پر ہوتا تو راستہ بدل چکا ہوتا۔ تم نے سنا نہیں کہ سلطان شاہ مسلسل اُس کی آوازیں سنتا رہا ہے۔ اس وقت ہم ایک مغربی ملک میں ہیں، پاکستان میں نہیں، جہاں بعض سرکاری ایجنسیاں بھی ایسی سہولتوں سے محروم ہوتی ہیں۔ تم ذرا اُس ہیلی کاپٹر کو دیکھتے تو رہو۔"

مجھے یاد آیا کراچی میں ڈاکٹر ویسلر کی سربراہی میں ہونے والی بین الاقوامی انسدادِ منشیات کی کانفرنس میں جب پہاڑی علاقوں میں مومن خان اور دوسرے لوگوں کی ہیروئن تیار کرنے والی فیکٹریوں کا ذکر چلا تو یہ بات بھی سامنے آئی تھی کہ قبائلی علاقوں کے بعض مخلص اور نیک نیت لوگوں کو بھی ہیروئن کی برآمد کے ذریعے علاقے کی مجموعی معاشی خوشحالی کے خواب دکھا کر کارخانے قائم کرنے پر اُکسایا گیا تھا اور پھر تعلیم اور جدید دُور کی سہولتوں سے ناآشنا ان لوگوں نے دشوار گزار پہاڑی دَرّوں اور وادیوں میں ایسے کارخانے قائم کیے تھے جن کی حفاظت ریڈار اور دوسرے جدید ترین مواصلاتی رابطوں کے ذریعے کی جاتی تھی۔ اگر شی کے کارندے خیبر کے دونوں طرف ایسی سہولتیں متعارف کرا سکتے تھے جن سے پاکستان میں قانون کے محافظ بھی محروم تھے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ خود عالمی پیمانے پر ان سہولتوں سے استفادہ نہ کرتے۔

میں کھڑکی سے سر باہر نکالے فضا میں بہت دُور معدوم ہوتے ہوئے ہیلی کاپٹر پر نظریں جمائے یہی سب سوچتا رہا۔ ابھی دوران میں ہیلی کاپٹر معدوم ہوتے ہوتے ایک بار پھر لمحہ بہ لمحہ واضح ہونے لگا۔ ہوا کی سمت مخالف ہونے کی وجہ سے اس کے انجن یا پنکھوں کا شور نہیں سنائی دے رہا تھا لیکن یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ہواباز ایک طویل چکر کاٹ کر دوبارہ ہماری طرف آ رہا تھا۔ اگر اس ہیلی کاپٹر کا تعلق شی سے ہی تھا تو ہم تینوں کے لیے صورتِ حال سنگین

ہو چکی تھی۔

ہیلی کاپٹر سڑک کے بائیں طرف سرسبز میدانی علاقے پر بلندی پر پرواز کرتا ہوا لینڈ روور سے چند سو گز کے فاصلے تک آیا تھا اور پھر اچانک داہنی طرف گھوم کر سڑک کی دوسری جانب نیم دائرہ بناتا ہوا میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے خنک ہوا سے بھی ہوئی کھوپڑی اندر کی تو سلطان شاہ داہنی کھڑکی سے ہیلی کاپٹر کی واپسی کے منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"وہ ہم سے چند سو گز کا فاصلہ برقرار رکھ کر ایک بڑے دائرے کی صورت میں پیچھا کر رہا ہے اور ابھی واپس گیا ہے۔" میں نے ویرا کو باخبر کرتے ہوئے کہا۔

"شاید وہ ہمارا پیچھا کر کے منزل کا تعین کرنا چاہتے ہیں، اسی لیے میں نے گاڑی کا رخ چیتھام کے بجائے ایش فورڈ کی طرف موڑ دیا ہے تاکہ انھیں یہ اندازہ نہ ہو سکے کہ ہم ساحلی پٹی کی طرف نکلنا چاہتے ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں گاڑی سے باہر نکل کر ہوا باز کے ردِعمل کا جائزہ لینا چاہیے۔"

"وہ غیر مسلح نہیں ہو گا۔" میں نے کہا۔ "کھلے آسمان کے نیچے اس نے ہماری جھلک بھی دیکھ لی تو وہ ہمیں اپنی مشین گن کی بوچھاڑ سے بہ آسانی بھون ڈالے گا۔"

"ادھر خودرو گھاس میں ہم آسانی سے خود کو چھپا سکیں گے۔" وہ بائیں طرف لہلہاتی ہوئی ہریالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "وہ ویسے بھی زیادہ نیچے آنے کی غلطی نہیں کرے گا۔ اسے خوف لاحق ہو گا کہ کہیں نیچے سے چلائی جانے والی کوئی گولی ہیلی کاپٹر کی تباہی کا سبب نہ بن جائے۔"

"پھر یہیں گاڑی روک دو۔" میں نے کھڑکی سے سر نکال کر پیچھے فضا کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔ "ابھی تک وہ واپسی کے لیے نہیں گھوما ہے، وہ لوٹ آیا تو پھر اگلے چکر کا انتظار کرنا ہو گا۔"

"پیچھے سے اسٹین گن لے لو۔" ویرا نے لینڈ روور کچے میں اتار کر بریک لگاتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا اور پھر ہم تینوں نے گاڑی سے اتر کر بائیں طرف اگی ہوئی لمبی خودرو گھاس کے میدان میں دوڑ لگا دی۔ ایک دوسرے کے پیچھے کئی گز اندر گھسنے کے بعد ویرا نے آس پاس سے کافی گھاس توڑ کر اپنے سر پر جما لی تاکہ ہیلی کاپٹر کے قریب آنے پر دیکھے جانے کے خدشے کے بغیر کھڑی ہو کر صورتِ حال کا جائزہ لے سکے۔ ہم دونوں بھی اس کے قریب ہی کھڑے ہوئے تھے۔ سلطان شاہ اسٹین گن کا میگزین چیک کر رہا تھا اور میری نگاہیں واپس آتے ہوئے ہیلی کاپٹر پر مرکوز تھیں۔

فاصلہ کم رہ جانے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ گھاس میں دبک گیا۔ ہیلی کاپٹر کا دبتا ابھرتا شور تیزی کے ساتھ قریب آتا گیا۔ اس دوران میں ویرا مسلسل تبصرے کرتی جا رہی تھی تاکہ ہم دونوں بھی بدلتی ہوئی صورتِ حال سے پوری طرح باخبر رہ سکیں۔ اس بار ہیلی کاپٹر گاڑی سے دور واپس لوٹنے کے بجائے چنگھاڑتا ہوا عین گاڑی کے اوپر سے گزرا تھا۔ شاید پائلٹ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ اس بار لینڈ روور سڑک پر متحرک نہیں تھی۔ اس بار ہیلی کاپٹر دور تک جا کر لمبا چکر کاٹنے کے بجائے قریب سے ہی لوٹا تھا اور پھر اس نے ایک مختصر سے دائرے میں لینڈ روور کے گرد کئی چکر کاٹنے کے بعد گھاس کے میدان پر پرواز شروع کر دی تھی۔ ویرا کے اندازے کے عین مطابق پائلٹ نے بلندی کم کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا تھا جس کی وجہ سے ہمارے دیکھ لیے جانے کا امکان بہت کم رہ گیا تھا۔

پائلٹ نے مختلف سمتوں اور زاویوں سے سڑک کے دونوں طرف میدان پر کافی دیر تک پُرپیچ پرواز کی مگر ہمارا سراغ لگانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس علاقے میں خودرو گھاس کی اتنی کثرت تھی کہ کئی سو افراد بھی سبزے میں روپوش ہو جاتے تو ان کا پتا چلانا محال تھا۔

آخر کار ہیلی کاپٹر لینڈ روور کے اوپر ایک خاص بلندی پر فضا میں معلق ہو گیا۔ ویرا کو لمحہ بھر کے لیے شبہ ہوا کہ شاید کسی کا رسے کی مدد سے نیچے کودنے کا ارادہ ہو مگر اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا اور ہیلی کاپٹر دوبارہ آگے بڑھ گیا۔ اس بار اس نے بتدریج بلندی کم کرتے ہوئے دو بار گاڑی پر چکر لگایا تھا اور آخر کار پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد پائلٹ نے اسے عظیم الجثہ پرندے کی طرح قریب ہی کہیں اتار لیا اور فضا انجن اور پنکھوں کے کان پھاڑ دینے والے شور سے گونجنے لگی۔ فضا صاف ہوتے ہی ہم دونوں بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس وقت صورتِ حال بہت خطرناک اور سنسنی خیز تھی، دونوں حریف ایک دوسرے کے عزائم سے بے خبر قریب قریب موجود تھے۔ ہمارے لیے گھاس اور جھاڑیوں کے پار دیکھنا محال تھا اور کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ ہیلی کاپٹر میں کتنے افراد سوار تھے اور وہ لینڈنگ کے بعد کس قسم کی کارروائی کا ارادہ رکھتے تھے۔ ہیلی کاپٹر کے مسلسل چلتے ہوئے انجن سے یہ اندازہ ضرور ہو رہا تھا کہ وہ زیادہ دیر تک وہاں رکنے پر مائل نہیں تھے۔

میں اس وقت پیش قدمی کر کے انھیں خوف زدہ کرنے کے حق میں تھا جب کہ ویرا ان سے ذرا بھی الجھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ مجھے یہ خوف تھا کہ لینڈنگ کے باوجود کوئی مزاحمت نہ ہونے پر ان کے دلوں سے ہیلی کاپٹر گرائے جانے کا خوف دور ہو جائے گا اور وہ

بڑ رو دور کے مسافروں کی تلاش میں اُس علاقے پر نیچی پرواز کا سلسلہ شروع کر دیں گے جو ہمارے لیے خطرناک تھا۔

خود رو گھاس کے اس جنگل پر ہیلی کاپٹر جدھر سے بھی گزرتا اُس کے پنکھوں سے خارج ہونے والی تیز ہوا زمین پر آندھی کی سی کیفیت پیدا کر دیتی اور گھاس زمین پر جھک کر یوں کھلتی جاتی کہ ہماری نشاندہی ان کی نظروں میں آجاتی۔ اس کے علاوہ بھی میرے ذہن میں کچھ خدشات موجود تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر ویرا کا اُن سے ملنے کا ارادہ نہیں تھا تو ہمیں گاڑی روکنے کے بجائے کسی بھی سمت میں سفر جاری رکھنا چاہیے تھا اور جب انھیں ایندھن کی کمی کی وجہ سے واپس لوٹنا پڑ جاتا تو ہم تیزی کے ساتھ جہاں چاہے نکل سکتے تھے۔

خالی گاڑی میں وہ چاہتے تو کوئی بھی خرابی کر کے اُسے سفر کے لیے ناکارہ بنا سکتے تھے یا پھر قرب و جوار میں اپنا کوئی مسلح آدمی چھوڑ سکتے تھے جو ہمارے نمودار ہوتے ہی اپنے اسلحہ کے بل پر ہمیں بے بس کر سکتا تھا۔ تیسرا اور سب سے زیادہ خطرناک امکان یہ تھا کہ وہ گاڑی میں کوئی ایسا ناقابل شناخت، ننھا سا بگ نصب کر جاتے جو اُن کے واپس لوٹ جانے کے باوجود طاقتور ریڈیائی سگنل نشر کر کے ان کے کسی مانیٹرنگ اسٹیشن کو ہماری پل پل کی نقل و حرکت سے باخبر کرتا رہتا۔ داؤد کے لیے کام کرنے والے گروپ نائین کے سفاک قاتلوں سے دو دو ہاتھ کرتے ہوئے ہمیں ایسے آلات کا تجربہ ہو چکا تھا اور میں آزادی مل جانے کے بعد ایک مرتبہ پھر کسی کے جال میں پھنسنے کے لیے قطعی تیار نہیں تھا۔

ہیلی کاپٹر کی نیچی پرواز کا ازالہ ویرا کے ذہن میں تھا۔ اُس نے کہا کہ پائلٹ نے ایسی حماقت کی تو وہ اپنے بے نقاب ہونے سے پہلے ہی فائرنگ کر کے ہیلی کاپٹر تباہ کرا دے گی لیکن انجن ناکارہ ہونے یا بگ لگائے جانے کے سلسلے میں وہ بالکل کوری تھی اور ہمارے لیے تحمل کے ساتھ انتظار کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہ گیا تھا۔

آخر کار چند منٹ کے انتظار کے بعد ہیلی کاپٹر کے انجن کی آواز تیز ہوئی اور وہ دوبارہ فضا میں بلند ہو کر خلاف توقع میدان کی طرف آنے کے بجائے تیزی سے اسی طرف پرواز کرتا چلا گیا جدھر سے نمودار ہوا تھا۔

شور معدوم ہونے کے بعد کافی دیر تک فضا پر چھایا ہوا سکوت غیر فطری محسوس ہوتا رہا۔ پھر ہم نے سرگوشیوں میں فیصلہ کیا کہ ہمیں ایک ساتھ نکلنے کے بجائے مختلف سمتوں میں پھیل کر سڑک پر نکلنا چاہیے اگر ہیلی کاپٹر کا کوئی سوار اگر گاڑی کے قریب رہ گیا ہو تو ہم میں سے کسی ایک پر اپنی توجہ مرکوز کر سکے اور باقی دو دور رہ کر اُس کی مدد کر سکیں۔

اس مرتبہ ہیلی کاپٹر شاید واپس ہی چلا گیا تھا کیونکہ آسمان تاحدِ نظر صاف پڑا ہوا تھا اور فضا میں ہیلی کاپٹر کے انجن کی ذرا بھی دھمک باقی نہیں رہی تھی۔

ویرا نے اپنے لیے وہی راستہ اختیار کیا جس سے ہم گھاس کے جنگل میں داخل ہوئے تھے۔ اُس نے سلطان شاہ سے اسٹین گن واپس لے لی تھی اور ہم دونوں دو مختلف سمتوں میں آگے بڑھنے لگے۔ میرے لیے وہ راستہ بہت ناہموار اور دشوار ثابت ہوا کیونکہ نرم اور لمبی گھاس کی جڑوں میں جابجا خاردار جھاڑیاں بھی اُگی ہوئی تھیں جن کا پتا اسی وقت چلتا تھا جب کانٹے جسم یا لباس کے کسی حصے میں چبھتے تھے لیکن میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر مسلسل آگے بڑھتا رہا پھر رُخ تبدیل کر کے سڑک کی طرف ہو لیا۔ جھاڑیوں سے نکلنے سے پیشتر میں نے لینڈ روور کی سمت میں نگاہیں دوڑائیں تو وہاں ویرا اطمینان سے کھڑی سگریٹ پیتی ہوئی نظر آئی۔ اس کے علاوہ دُور تک کسی متنفس کا پتا نہیں تھا۔

سلطان شاہ تقریباً میرے ساتھ ہی وہاں پہنچا تھا۔ "یہاں تو میدان صاف ہے۔" ویرا نے فضا میں دھوئیں کے مرغولے بکھیرتے ہوئے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "پتا نہیں وہ لوگ اپنا وقت کیوں برباد کر رہے تھے۔ بس انجن کا ڈسٹری بیوٹر کیپ نکال کر ڈرائیونگ سیٹ پر ڈال دیا گیا ہے۔"

"وارننگ!" میں نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "انھوں نے ہمیں جتایا ہے کہ وہ چاہتے تو گاڑی کو ناکارہ بھی کر سکتے تھے مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ اس پلاسٹک کیپ کو آسانی سے توڑا جا سکتا تھا پھر نیا کیپ ڈالے بغیر انجن ہی اسٹارٹ نہ ہو پاتا لیکن یہ مہربانی کیوں کی گئی ہے؟"

"تم ڈسٹری بیوٹر کیپ اور تار واپس لگاؤ۔ میں گاڑی میں بگ تلاش کرتی ہوں۔" اُس نے گہرا سانس لے کر کہا اور میں بونٹ اٹھا کر انجن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کیپ لگا کر میں نے وسطی سوراخ میں کوائل سے آنے والے تار کا سرا لگایا پھر پلگ وائر لگانے لگا جس کی ترتیب مجھے یاد نہیں رہی تھی۔ چار سلنڈر والی گاڑیوں میں سلنڈر فائرنگ کی ترتیب ایک تین چار دو ہوتی ہے مگر چھ سلنڈر والے انجن کا معاملہ ذرا دشوار تھا۔ خرابی یہ تھی کہ پلاسٹک کیپ پر ڈھلے ہوئے نمبر کھرچ کر مٹا دیے گئے تھے مگر مجھے اندازہ تھا کہ تاروں کی ترتیب غلط ہونے سے زیادہ سے زیادہ کاربوریٹر میں دو چار زوردار پٹاخے ہی ہوں گے اس سے زیادہ کچھ نہ ہوتا۔ تین بار میں نے تار تبدیل کر کے سیلف لگایا اور فضا انجن کے بیک فائر سے گونج اٹھی۔ ویرا نے گھبرا کر ڈیش بورڈ کے خانے میں گاڑی کی کتاب تلاش کی جو نہ مل سکی اور اسی دوران میں میری

جو تھی کوشش بار آور ہوئی اور انجن ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ بیدار ہو گیا۔

ویرا نگ کی تلاش میں ناکام رہی تھی مگر مجھے پورا یقین تھا کہ ہیلی کاپٹر والوں نے کوئی خفیہ کارروائی کیے بغیر ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا ہو گا۔ لہٰذا یہ طے ہوا کہ ہم لوگ لینڈ روور سے براہ راست چیتھام جانے کے بجائے ایش فورڈ کی راہ میں پڑنے والے قریب ترین شہر میڈ اسٹون کا رخ کریں اور لینڈ روور وہاں کرائے کے کسی گیراج میں بند کر کے کرائے کی گاڑی میں چیتھام روانہ ہو جائیں۔ وہاں سے واپسی پر ویرا اپنی گاڑی واپس لے کر لندن جا سکتی تھی۔

پروگرام میں اس تبدیلی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب ہماری کرائے کی کار چیتھام کی حدود میں داخل ہوئی تو فضا میں شام کا دھندلکا پھیل چکا تھا اور مغرب سے آنے والی سمندری ہواؤں میں رچی ہوئی خنکی سے براہ راست ہڈیوں میں اترنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ویرا کے لیے وہ نئی جگہ نہیں تھی، اس لیے اندھیرا پھیلنے کے باوجود وہ آسانی کے ساتھ سلائٹ کے وسیع و عریض رقبے پر بنے ہوئے کاٹیج پر پہنچ گئی جہاں ایک طرف احاطے میں مویشی پلے ہوئے تھے۔ کال بیل کے جواب میں مکان سے برآمد ہونے والی ادھیڑ عمر خاتون نے ہم تینوں کو اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھا تھا پھر ویرا کے استفسار پر بتایا کہ دھندلکا پھیلنے کے بعد سلائٹ رات گئے تک چیتھام کے واحد پب میں ہی رہتا تھا۔ ویرا نے چاہا کہ سلائٹ کو مہمانوں کی آمد کی اطلاع دے کر گھر بلا لیا جائے مگر اس خاتون نے صاف انکار کر دیا وہ سلائٹ کے غصے سے خوف زدہ نظر آتی تھی جو پب میں اپنا ڈسٹرب کیا جانا بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔

ویرا سلائٹ کے ساتھ ہمارا معاملہ چپ چپاتے طے کرنا چاہتی تھی، اس لیے کسی بھیڑ بھاڑ کے مقام پر سلائٹ سے ملنا نہیں چاہتی تھی مگر اس خاتون کے انکار پر ہمیں مجبوراً پب کا رخ اختیار کرنا پڑ گیا۔ میں دل ہی دل میں خوش تھا کہ بھاگ دوڑ کے بعد کم از کم بیٹھ کر اہتمام کے ساتھ پینے کا موقع میسر آنے والا تھا۔

ویرا ہمیں گاڑی میں چھوڑ کر سلائٹ سے ملنا چاہتی تھی لیکن قدرے بے فکری میسر آتے ہی میں نے اس کی تجویز ماننے سے انکار کر دیا اور ہم چند منٹ بعد ہی کوسٹل ان پہنچ گئے جس کا نام بڑے بڑے نیون سائن میں جگمگا رہا تھا مگر چوبی عمارت کے گیٹ پر وکٹورین طرز کے وہ لیمپ دھیمی لو کے ساتھ جل رہے تھے جو کراچی میں خال خال نظر آنے والی تفریحی بگھیوں پر کوچوان کے پہلوؤں پر روشن نظر آتے ہیں۔

پب کی عمارت کی سلامی دار چھت پر بنی ہوئی چمنی سے خا
ہونے والا دھواں بڑھتی ہوئی ٹھنڈک کی وجہ سے فضا میں تحلیل ہو
کے بجائے پب کے اوپر سیاہ بادلوں کا روپ اختیار کیے ٹھہرا ہوا نظر
تھا۔ ہم تینوں چوبی دروازے سے گزر کر پب کے ہال میں داخل ہ
تو میں اندر کی فضا دیکھتے ہی مسحور ہو گیا۔

چوبی فرش اور دیواروں کے علاوہ پب کی آرائش میں بھی
لکڑی ہی استعمال کی گئی تھی۔ ایک کونے میں بنے ہوئے بار کے فرش
چھت تک بنی ہوئی الماریاں بھانت بھانت کی ہلکی اور تیز
شراب کی وضع وضع کی حسین بوتلوں سے سجی ہوئی تھیں اور آگے چوبی
پر کئی دمکتی ہوئی پیتل کی ٹونٹیاں لگی ہوئی تھیں جن میں سے مگوں میں
بھانت بھانت کی بیئر ہینڈل والے مگوں میں انڈیل کر گاہکوں کو پیش
کی جا رہی تھی۔ کاؤنٹر کے عین اوپر پیتل کی چمکتی ہوئی گھنٹیوں کی قطار
ڈوریوں سے اس طرح لٹکی ہوئی تھی کہ بارٹینڈر ڈوری کا ایک سرا
کر بیک وقت ساری گھنٹیوں میں خوابیدہ ترنم کو بیدار کر کے پب کے
کو پب بند ہونے کا اعلان سنا سکتا تھا مگر یہاں مرد کا صیغہ غلط
کیونکہ اس پب میں کاؤنٹر کے پیچھے کوئی مرد موجود نہیں تھا بلکہ تین حسین
اور نوخیز لڑکیاں بنے سنورے چہرے کے ساتھ گلابی ہونٹوں پر
سجائے ساقی گری کر رہی تھیں۔ ان کے گورے جسموں پر سیاہ اسکرٹ اور
بلاؤز نے ان تینوں کو بہت زیادہ نمایاں کیا ہوا تھا اور شاید ان ہی کی
وجہ سے نوجوانوں کی کئی ٹولیاں ہال میں پڑی ہوئی نشستوں کو چھوڑ کر
کاؤنٹر کے سامنے درختوں کے تنوں سے بنے ہوئے اسٹولوں پر برا
خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ ان نوجوانوں میں ساقیوں کے قرب کی
اتنی شدید تھی کہ جنہیں بیٹھنے کی جگہ نہیں مل سکی تھی وہ وہیں کھڑے
مے نوشی کر رہے تھے مگر درحقیقت لڑکیوں کی طرف متوجہ تھے جو گلا
چمکانے اور گاہکوں کو سرو کرنے کے ساتھ ہی تیکھی چتونوں اور دل نواز
مسکراہٹوں کے ساتھ بار بار ان کی حوصلہ افزائی کر رہی تھیں۔

ہال میں دیوار کے ساتھ چوبی شہتیروں کی بینچ بنی ہوئی
تھی جن کے سامنے تپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس طرف ادھیڑ عمر کے مقامی
لوگ نظر آ رہے تھے۔ داخلی دروازے کے عین مقابل دیوار گیر آتش دان
میں لکڑیوں کا الاؤ روشن تھا اور وسط میں ایک بڑے سے جنگل سے کاٹی
ہوئی لکڑی کے چھوٹے بڑے آڑھے ٹیڑھے ٹکڑے سلیقے سے چ
ہوئے تھے۔ آتشدان کے سامنے ایک ادھیڑ عمر شخص اکڑوں بیٹھا
منقش پیتل کے دستے والی آہنی سلاخ سے آتشدان میں لکڑیوں کو الٹ
پلٹ کر رہا تھا۔ سرخ چمنی کے ذریعے دھوئیں کی مناسب نکاسی کا انتظام
ہونے کے باعث ہال میں ذرا بھی گھٹن نہیں تھی۔

پب میں اندر کہیں بھی برقی روشنی نہیں تھی بلکہ مناسب مقامات
پر چمکتے ہوئے پیتل کے ڈھانچوں اور شفاف شیشوں والی چوبی

بڑی جہازی روشنیاں تیز لُو کے ساتھ جل کر ماحول کو خوابناک بنا رہی تھیں۔ ان لیمپوں میں مٹی کے تیل کے بجائے شاید اسپرٹ استعمال کی گئی تھی کیونکہ باہر کے مقابلے میں اندر کی گرم اور آرام دہ فضا میں شراب اور تمباکو کے دھوئیں کی ملی جلی بُو کے سوا مٹی کے تیل کی چراند کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

"یہاں تو الف لیلیٰ بنائی ہوئی ہے۔" سلطان شاہ نے اندر داخل ہوتے ہی اس رومانی فضا میں چند گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔ "شاید اسی ماحول میں آکر پارسا اپنی قسم توڑتے ہوں گے۔"

"قطعی فطری ماحول ہے۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "نہ بجلی کی مجبوری ہے نہ پنکھے کی ضرورت لیکن اس مشینی دور میں یہ ماحول مصنوعی لگتا ہے۔"

"اردو شاعری کی ساری ضرورتیں یہاں موجود ہیں۔" وہ کاؤنٹر کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "مے خانوں میں ایسے ساقی تو مقدر ہی سے ملتے ہوں گے۔"

"دیہی علاقوں میں اب بھی کہیں کہیں ایسے روایتی پب پائے جاتے ہیں جن کے تذکرے سیاحوں کے لیے شائع ہونے والے کتابچوں میں ملتے ہیں۔ باہر سے آنے والے طویل مسافت طے کرکے ایسے پبوں میں آتے ہیں اور اپنی شامیں گزار کر ہلکے ذہن کے ساتھ واپس لوٹ جاتے ہیں۔"

ویرا ہمارے ساتھ کھڑی خاموشی کے ساتھ پب میں موجود لوگوں کا جائزہ لے رہی تھی مگر اسے سلائٹ غالباً کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ہے سلائٹ!" اچانک ایک بینچ پر بیٹھے ہوئے شخص نے ٹھیٹ دیہاتی لہجے میں ہانک لگائی۔ "آگ سے زیادہ نہ کھیلو، یہ انگلیاں جلا دے گی۔"

تیسرے پہر آس پاس کے کئی افراد دھیمی آواز میں ہنسے اور آتش دان کے سامنے اکڑوں بیٹھا ہوا شخص سیدھا کھڑا ہو گیا۔ "جس کے دل میں الاؤ روشن ہوا ہو اُسے اس کا کچھ نہیں بگاڑتے۔" اس نے گمبھیر لہجے میں کہا اور پلٹ کر آگ کریدنے والی سلاخ ہک پر لٹکانے لگا۔

ویرا اسے پہچان کر تیزی کے ساتھ اس کی طرف لپکی۔ اس دوران پب میں موجود کئی افراد نے تجسس آمیز نظروں سے ہماری طرف دیکھا تھا لیکن کسی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ وہاں لوگ الگ الگ ٹولیوں کی شکل میں بیٹھے ہوئے تھے لیکن ان سب کے درمیان بے تکلفانہ آشنائی نمایاں تھی۔ جیتھام نسبتاً ایک چھوٹی سی آبادی تھی اس لیے اس پب میں روزمرہ آنے والوں نے رفتہ رفتہ ایک برادری کی صورت اختیار کرلی تھی جس میں کوئی کسی کی بات کا برا نہیں مانتا تھا اور اسی وجہ سے پب غیر رسمی طور پر دو حصوں میں بٹ کر رہ گیا تھا۔ جواں سال لڑکے لڑکیاں کاؤنٹر کے آس پاس جمع تھے اور ہال کا باقی حصہ زیادہ عمر کے لوگوں کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا تھا جہاں وہ ماضی کی حسرتوں اور ذاتی کمزوریوں کے حوالے سے کھل کر ایک دوسرے پر چوٹ کر سکتے تھے۔

سلائٹ بہت زیادہ عمر رسیدہ نہیں تھا لیکن اس کا چہرہ دور ہی سے بارعب نظر آ رہا تھا۔ سیدھی کمر، مضبوط قویٰ اور چمکدار آنکھوں کے ساتھ وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ تجربہ کار نظر آتا تھا۔

ویرا کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کے لیے خالی الذہن نظر آیا لیکن پھر ویرا کو پہچانتے ہی اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اسی عالم میں وہ اپنی جگہ سے آگے لپکا اور پھر ہال کے وسط میں دونوں گرمجوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے تھے۔

وہ نیم بزرگانہ انداز میں ویرا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ایک گوشے کی طرف بڑھا تھا جہاں میز پر اس کا خالی گلاس رکھا ہوا تھا۔ اس میز پر سلائٹ کے ہم عمر تین اور افراد بھی موجود تھے۔

"یہ دونوں میرے ساتھ ہیں۔" ویرا نے ہمیں اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے سلائٹ سے کہا۔

"اوہ! پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے؟" اس نے شکایتی لہجے میں کہا، پھر بڑھ کر ہمارا استقبال کیا اور اپنی میز کی طرف گھوم کر اونچی پاٹ دار آواز میں بولا۔ "چلو لیری! میری میز خالی کرو، میرے مہمان آگئے ہیں۔"

اس بار پب میں موجود تقریباً سارے ہی مے خواروں نے گردنیں گھما گھما کر سلائٹ کے مہمانوں کا جائزہ لینا ضروری سمجھا تھا مگر سلائٹ کی میز کے گرد موجود لوگوں نے خاموشی کے ساتھ اپنے مگ اور گلاس سنبھال کر جگہ خالی کر دی تھی۔

میز کے گرد جگہ سنبھالتے ہی سلائٹ نے سب سے پہلے مشروب کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ ویرا کو حالانکہ اسی وقت واپس لندن جانا تھا اور انگلینڈ میں شراب پی کر ڈرائیونگ کرنے والوں کے خلاف سخت قوانین موجود تھے مگر پھر بھی اس نے تلخ بیئر کا ایک بڑا مگ پینے کا فیصلہ کر لیا۔

میں سلائٹ کے ساتھ بار تک گیا تھا جہاں ا[illegible] کم کے ایک شوخ لڑکی کو آرڈر دیا۔ سلائٹ کے جاتے ہی نوجوانوں میں قدرے خاموشی کی لہر دوڑ گئی۔ بلند قہقہے مسکراہٹوں میں دم توڑ گئے اور اونچی آوازیں سرگوشیوں میں بدل گئیں مگر سلائٹ نے ان پر نگاہ ڈالنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ سلائٹ اپنے علاقے میں احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا یا پھر لوگ اس سے خائف رہتے تھے۔

ہم دونوں واپس لوٹے تو سلطان شاہ کا منہ پھولا ہوا تھا۔ شاید ہماری غیر موجودگی میں ویرا کے ساتھ اس کی کوئی نوک جھونک ہوئی تھی

لیکن وہ وقت ان تفصیلات میں جانے کا نہیں تھا لہٰذا ہم تینوں نے سگریٹیں سلگا کر ایک دوسرے کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے گلاسوں کو فضا میں ہولے سے ٹکرا کر اپنے لب تر کیے اور سلطان شاہ نے ایک لمبے گھونٹ میں لیمونیڈ کا گلاس آدھا کر دیا۔

ویرا نے سرسری انداز میں سر گھما کر گرد و پیش کا جائزہ لیا پھر کہنیاں میز پر ٹکا کر دھیمی آواز میں سلائٹ سے بولی "یہ دونوں میرے گہرے دوست ہیں اور خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔"

"یہ جب تک چاہیں، میرے پاس رہ سکتے ہیں۔" وہ سگریٹ کا دھواں اُگلتے ہوئے فراخ دلی سے بولا۔ "چیتھام میں کسی کی مجال نہیں کہ میرے مہمانوں کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ سکے۔"

"پولیس بھی ان کی راہ پر ہے۔"

"ہوا کرے۔" وہ بے پروائی کے ساتھ بولا۔ "تم جانتی ہو کہ میں یہاں ان پر کتنا پیسہ بہاتا ہوں لیکن یہ کتنے دن تک یہاں رُکیں گے؟ میں شاید اگلے ہفتے باہر چلا جاؤں گا۔"

"میری تو خواہش ہے کہ تم انھیں بھی جلد از جلد انگلینڈ سے باہر نکال دو۔ ان کے لیے یہاں کے حالات دن بدن مخدوش ہی ہوتے چلے جائیں گے۔" ویرا بیئر کا گھونٹ لے کر بولی۔

"کاغذات وغیرہ؟" سلائٹ نے ٹٹولنے والے لہجے میں سوال کیا۔

"سب بندوبست تم ہی کو کرنا ہوگا۔" ویرا نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتی ہوں کہ یہ کسی نہ کسی طرح روم تک پہنچ جائیں، وہاں میں سنبھال لوں گی۔"

"ان کے ساتھ کوئی ذاتی سامان وغیرہ تو نہیں ہوگا؟" سلائٹ نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔" ویرا پُریقین لہجے میں بولی۔ "تم یقین رکھو کہ تمھارے ساتھ کوئی گھپلا نہیں ہوگا۔ مجھے آسٹن والا قصہ معلوم ہے۔ اس نے دیدہ و دانستہ سازش کی تھی اور تمھیں بے وقوف بنا کر کوکین کی بھاری کھیپ یورپ پہنچانے کی کوشش کی تھی۔"

"اور تمھیں معلوم ہے کہ میں نے کھلے سمندر میں اس کے دونوں آدمیوں کو ہلاک کر کے کوکین سمیت سمندر میں شارک مچھلیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ میں ہر کام کرتا ہوں لیکن خطرناک منشیات سے ہمیشہ دور رہتا ہوں۔ یہ دھندا ایک نہ ایک دن انسان کو لے ڈوبتا ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ اس دنیا میں آج بھی تم جیسے وضعدار انسان باقی ہیں۔" میں نے مجرم کی جگہ انسان کا لفظ استعمال کرتے ہوئے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"اسی لیے پولیس والے میری عزت کرتے ہیں۔" وہ فخر کے بغیر سپاٹ لہجے میں بولا۔ "وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کیا کرتا ہوں اور کن دھندوں سے دور رہتا ہوں حالانکہ ایسے کاموں کے لیے مجھے بارہا ناقابلِ تصور معاوضے کی پیش کش موصول ہوئی ہے لیکن میں اپنے اصول نہیں توڑتا۔"

"تم چاہو گے تو یہ سفر پر تمھارا ہی دیا ہوا لباس بھی استعمال کریں گے۔ ان کا ڈرگ ٹریفک سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ مجھے تم پر اعتماد ہے۔"

سلائٹ دوسرے راؤنڈ کے لیے اُٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ جہازی لیمپوں کی دھیمی اور خواب ناک روشنی میں بار کاؤنٹر پر کام کرنے والی ایک سیاہ پوش خوبرو دوشیزہ وہاں آ پہنچی۔ وہ سلائٹ کے لیے کسی کے فون کا پیغام لائی تھی۔

"کون اُلّو کا پٹھا ہے؟" سلائٹ نے برا سا منہ بنا کر برہمی کے ساتھ پوچھا۔ "یہ لوگ مجھے یہاں بھی چین نہیں لینے دیتے۔"

"اس نے نام نہیں بتایا۔ تم سے بات کرنے پر مُصر ہے۔" بار والی دوشیزہ سلائٹ کے لہجے سے سہم کر بولی۔

سلائٹ نے ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور نیم تاریکی میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ بار والی سیاہ پوش لڑکی اس کے پیچھے تھی۔

"عجیب خبطی آدمی ہے۔" اس کے چلے جانے پر میں نے سر جھٹک کر ویرا سے کہا۔ "اس دور میں تو نیک نام افسر، تاجر اور صنعتکار تک لمبے ہاتھ مارنے کے چکر میں منشیات کی طرف راغب ہو رہے ہیں اور یہ جرائم کی دنیا کا آدمی ہوتے ہوئے بھی اصولوں کو سینے سے لگائے بیٹھا ہے۔"

"اس نے اپنی جوان بیٹی کو ایڈکشن کے کرب ناک عذاب سے گزر کر، گُھل گُھل کر مرتے دیکھا ہے۔ آخری دنوں میں تو یہ اپنی بیٹی کی زندگی کو طول دینے کے لیے خود مارفین کے انجکشن خرید کر اس کی نسوں میں اتارتا تھا۔ بیٹی کی موت کے بعد اس نے تنِ تنہا چیتھام سے منشیات فروشوں کو مار مار کر نکالا ہے۔ یہاں تمھیں ہر معاشرتی خرابی ملے گی لیکن شراب کے علاوہ کسی اور قسم کی منشیات کی ایک چٹکی بھی نہیں مل سکتی۔"

"پھر اس کی آمدنی کے ذرائع کیا ہیں؟" میں نے پوچھا۔

ویرا نے کچھ کہنے کے لیے مُنہ کھولا مگر پھر خاموش رہ گئی کیونکہ سلائٹ واپس آ رہا تھا۔ اس کی چال میں اشتعال نہیں تھا، شاید فون پر اسے کوئی پریشان کن خبر ملی تھی۔

اپنی جگہ واپس آ کر وہ کئی ثانیوں تک خاموشی کے ساتھ باری باری ہمارے چہرے تکتا رہا۔ اس کا انداز اس قدر پُراسرار تھا کہ مجھے اپنے وجود میں چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہونے لگیں۔

"کیا دیکھ رہے ہو سلائٹ؟ کیا ہمارے بارے میں کوئی خبر ملی ہے؟" ویرا مضطربانہ لہجے میں اس سے سوال کر ہی بیٹھی۔

"ان میں ڈکیتی کا مجرم کون ہے؟" سلائٹ نے دھیمی آواز میں

سوال کیا اور میں بری طرح چونک پڑا۔

"یہ الزام اس پر ہے۔" ویرا نے تحیر اور بے یقینی کے عالم میں سلائٹ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے میری طرف اشارہ کیا۔ "مگر تم یقین کرو کہ اس کا دامن صاف ہے۔ اسے دشمنوں کی طرف سے گھیرنے کی کوشش کی گئی ہے۔" پھر وہ چونک کر بولی۔ "مگر تم کو یہ اطلاع کیسے ملی؟"

"یہاں پولیس سے میرے مراسم بہت اچھے ہیں۔" وہ پرسکون لہجے میں بولا۔ "انسپکٹر اسمتھ کا فون تھا۔ اسے کسی نے فون پر اطلاع دی ہے کہ کوسٹل اِن میں میرے ساتھ لندن میں ڈکیتی کا ایک مجرم موجود ہے۔"

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا۔ ہمیں واقعی محتاط رہنا چاہیے تھا۔" ویرا مضطربانہ لہجے میں بولی۔ "اخبارات میں شائع ہونے والی تصویر یقیناً بہت سے ذہنوں میں محفوظ رہ گئی ہوگی۔"

"کچھ برا نہیں ہوا۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "انسپکٹر اسمتھ اپنے ماتحتوں کے ساتھ بیس منٹ بعد یہاں پہنچے گا۔ میں نے اسے صاف بتا دیا کہ آنے والے چور ہوں یا ڈاکو مگر میرے مہمان ہیں۔ اگر اس کو ملنے والی اطلاع درست ہوئی تو اس کے آنے سے پہلے میرے مہمان پب سے نکل جائیں گے۔"

بے اختیار ہم تینوں کے لبوں سے گہرے سانس آزاد ہوگئے۔

"اور اگر اس نے یہاں سے نکلتے ہوئے ہمیں روک لیا؟" ویرا نے سوال کیا۔

سلائٹ کے بشرے پر ناگواری کی لہر دوڑ گئی۔ "اس میں اتنی جرأت ہوتی تو مجھے فون کرنے کے بجائے پب پر اچانک ہی دھاوا بولتا۔ تم گھر جا کر انتظار کرو۔ میں اپنے معمول کے مطابق یہاں سے اٹھوں گا۔ مجھے یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ مخبری کس نے کی ہے؟"

"تم اسے اپنے خلاف مخبری کیوں تصور کر رہے ہو؟" ویرا اٹھتے ہوئے ناصحانہ انداز میں بولی۔ "تصویر کی بنیاد پر کوئی بھی اسے پہچان سکتا تھا۔"

"اپنے معاملات کو میں بہتر سمجھتا ہوں۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "شکایت یا رپورٹ میں میرا حوالہ دیا گیا ہے.... اب مجھے دیکھنا پڑے گا کہ تم لوگوں کی آمد کے بعد کون کون پب سے واپس گیا تھا۔ ان میں سے اسمتھ کے گمنام مخبر کو کھوج نکالنا میرے لیے زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔"

"تم کب تک گھر واپس لوٹو گے؟"

"گیارہ بجے پب بند ہوتا ہے۔ اسی وقت یہاں سے نکلتا ہوں۔ تم گھر جا کر آرام کرو۔ میں تمہارے پہنچنے سے پہلے کیتھی کو فون کر دوں گا۔ وہ تمہارے لیے علیحدہ کمرے کھول دے گی۔"

ہم تینوں اس سے ہاتھ ملا کر اس فسوں خیز پب سے باہر آ گئے۔

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ اسمتھ کو خبر دینے والا تاریخ کے انتظار میں آس پاس ہی موجود ہو اور سلائٹ کے گھر تک ہمارا پیچھا کرکے دوبارہ انسپکٹر اسمتھ کو فون کر دے۔" میں نے خنک ہوا اور لو سے بچنے کے لیے کالر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"سلائٹ بہت بے رحم اور وحشی آدمی ہے۔" ویرا نے جواب دیا۔ "اپنی کرنے پر آتا ہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس سے چیتھام کا بچہ بچہ ڈرتا ہے۔ مخبری کرنے والا اس کا کوئی دشمن رہا ہو تو اور بات ہے ورنہ وہ شریف آدمی تو اپنی خواب گاہ میں گھسا اپنی جلد بازی اور حماقت پر پچھتا رہا ہوگا۔"

ہم کار میں واپس سلائٹ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو دور تک کسی تعاقب کرنے والے کا پتا نہیں تھا اور گھر میں ادھیڑ عمر کیتھی شاید دروازے پر ہی گھنٹی کے انتظار میں کھڑی تھی۔

کیتھی کے ایما پر ویرا نے کار مویشیوں کے باڑے سے ملحق گیراج میں کھڑی کر دی اور ہمیں داخلی دروازے کے قریب ہی ان دو خواب گاہوں میں لے گئی جو اپنے محل وقوع کے اعتبار سے مہمانوں کے لیے مخصوص معلوم ہوتی تھیں لیکن ہم تینوں سلائٹ کی آمد تک اپنا وقت ایک ساتھ رہ کر گزارنا چاہتے تھے للہٰذا کیتھی کا شکریہ ادا کرکے نسبتاً کشادہ خواب گاہ میں آ گئے۔

"تمہارا فوری واپسی کا پروگرام تو اب منسوخ ہوتا نظر آ رہا ہے۔" میں نے ویرا سے کہا۔

"مجھے ہر قیمت پر واپس جانا ہوگا۔" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ڈیلٹا کیمپ کے واقعات کے بعد مجھے جلد از جلد جان کو رپورٹ دینا ہوگی ورنہ حالات میرے حق میں خراب ہو سکتے ہیں۔"

"یعنی تم جان کی ہدایت پر ڈیلٹا کیمپ پہنچی تھیں؟"

"داؤد کی پیدا کی ہوئی غلط فہمیاں دور ہونے کے بعد میں براہ راست اسی کی نگرانی میں کام کر رہی ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ پیٹرارنج کو بھی اسی نے وقتی طور پر کام دے دیا ہو۔"

"پیٹرارنج کا معاملہ تو خیر تم دیکھ ہی لوگی مگر میں سلائٹ سے بھی بہت متاثر ہوا ہوں۔ اپنی شامیں پب میں گزارنے والا یہ آدمی بھی کچھ کم پراسرار نہیں ہے ورنہ پولیس والے ہزار رشوتوں کے باوجود مجرموں کا اتنا لحاظ کہاں کرتے ہیں، جب موقع ملتا ہے گردن پکڑ کر حوالات میں ڈال دیتے ہیں۔"

"چیتھام میں منشیات کے خاتمے اور دوسرے بڑے جرائم کے سدباب میں سلائٹ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں شاید اسی وجہ سے اس کے ساتھ خصوصی سلوک کیا جاتا ہے پھر شاید مقامی آبادی کی ہمدردیاں بھی اس کے ساتھ ہیں، پولیس والوں کو ان تمام باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے کیونکہ وہ بھی اس ماحول اور معاشرے میں رہتے بستے ہیں۔"

"سلائٹ کی آمدنی کے ذرائع والی بات ادھوری رہ گئی تھی۔"

سلطان شاہ نے یاد دلایا۔

"لندن کے بہت سے تفریحی مقامات پر سلائٹ کی جوئے کی مشینیں نصب ہیں۔ وہ معاوضے پر اس ساحلی پٹی سے لوگوں کو اندر لانے اور برطانیہ سے نکالنے کا کام بھی کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ وہ پرانے اور ازکار رفتہ جہازوں کی خرید و فروخت کا کام بھی کرتا ہے۔ پہلے وہ ایسے سودوں میں صرف دلالی کرتا تھا مگر اب اپنا سرمایہ لگاتا ہے۔ سستے سودے خرید کر بھاری منافع پر مناسب گاہکوں کو فروخت کر دیتا ہے۔"

"اس کام میں بھی کوئی نہ کوئی تو گر ہو گا؟"

"مجھے زیادہ تفصیلات کا علم نہیں لیکن یہ سنا ہے کہ سلائٹ پرانے جہازوں پر گاہکوں کی مرضی کا نیا مال لدوا دیتا ہے جسے جہاز کے اسٹور میں اندراجات کر کے قانونی بنا لیا جاتا ہے۔ عام طور پر پرانے جہاز درآمد کرنے والے ملکوں میں ایسے مال کی براہ راست درآمد پر کڑی پابندیاں ہوتی ہیں یا اس پر ٹیکسوں کی شرح بہت بھاری ہوتی ہے۔ جہازوں کی توڑ پھوڑ سے پہلے ہی وہ سارا مال احتیاط سے نکال کر گوداموں یا بازار میں پہنچا دیا جاتا ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ اس طرح منشیات کی غیر قانونی تجارت بھی ہوتی رہتی ہو؟" [illegible] نے سوال کیا۔

"منشیات [illegible] کے کہاں سے لائی جاتی ہیں، یہاں سے وہاں بھیجنے میں [illegible] وہ بولی۔" اور پھر سلائٹ خود بھی محتاط رہتا ہے۔ اسے [illegible] جائے تو وہ اپنے نقصان کی پروا کیے بغیر سودے کو منسوخ کر سکتا [illegible] بہت ضدی اور سخت طبیعت کا مالک ہے۔ جب میں تو تم نے اسے بہت شائستہ روپ میں دیکھا ہے۔"

سلائٹ کی واپسی تک ہمارے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ اسی کے ساتھ میرے ذہن پر دھیمے دھیمے یہ احساس بھی مسلط ہوتا جا رہا تھا کہ ویرا کے ساتھ سنسنی خیز رفاقت کے بعد آخر کار ہمیں اس کو چھوڑنا پڑ رہا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ وہ چند روز میں روم پہنچنے کا وعدہ کر رہی تھی لیکن میں اس اہم نکتے کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اپنی مرضی کی مالک نہیں تھی بلکہ شی میں اپنے بڑوں کی ہدایات کے تحت کام کرنے پر مجبور تھی۔

سچی بات تو یہ تھی کہ اس وقت اگر مجھے اپنی سلامتی کی طرف سے چار طرفہ خطرات لاحق نہ ہوتے تو میں ہرگز برطانیہ کی سرزمین کو خیرباد کہنے کے بارے میں نہ سوچتا جہاں غزالہ میری ہمدردی اور حمایت سے محروم تنہا اپنی بقا کی جدوجہد کر رہی تھی۔ شون میکار تھی کے ہیشام والے مکان میں اس کی موجودگی کا سراغ ملنے کے بعد وہ پھر لاپتا ہو گئی تھی اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اٹلی جا کر مجھے عملاً غزالہ کو طویل مدت کے لیے بھول جانا پڑے گا۔ اگر ہمارے مقدر میں یکجائی لکھی ہوئی تھی تو وہ زندگی کے کٹھن راستوں پر سفر کرتی ہوئی کہیں نہ کہیں دوبارہ مجھ سے ٹکرا سکتی تھی۔ اس کی تلاش کے سلسلے میں ویرا کے دعووں اور اس کے آدمیوں کی صلاحیت پر مجھے ذرا بھی اعتماد نہیں تھا کیونکہ ان کے لیے غزالہ کی وہ اہمیت ہرگز نہیں ہو سکتی تھی جو میرے دل میں موجود تھی۔ میرے علاوہ روئے زمین پر اگر غزالہ کا کوئی خیر خواہ تھا تو وہ صرف سلطان شاہ تھا جس نے محض میرے اور غزالہ کے دل کے رشتے کی بنا پر اسے اپنے لیے محرم بنا لیا تھا۔

سلائٹ کی واپسی تک ویرا نے دو مرتبہ سلور آئی کی واپسی کا معاملہ اٹھایا مگر میں نے دونوں مرتبہ اسے ٹال دیا۔ اس شناختی نشان کی اہمیت کے پیش نظر میں کسی برے وقت کے لیے اسے اپنے پاس محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

سلائٹ واپسی پر ہمارے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا تھا لیکن آثار بتا رہے تھے کہ اس کا موڈ خوشگوار نہیں تھا۔ وہ اپنی دیگر خصوصیات کے علاوہ بلانوش بھی نظر آ رہا تھا کیونکہ اس کے چہرے اور آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ جب سے ہماری واپسی کے بعد وہ مسلسل پیتا رہا تھا لیکن اس کے لب و لہجے یا گفتگو میں ذرا بھی لغزش نہیں تھی۔ چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد وہ فوراً ہی اصل موضوع کی طرف آ گیا تھا۔

رقم کے معاملے میں ویرا بہت فیاض تھی لہٰذا تین ہزار پاؤنڈ اسٹرلنگ کے عوض سلائٹ سے معاملہ طے ہو گیا۔ رقم ویرا کو لندن ہی میں ادا کرنا تھی جس میں ہمارے سفر کے جملہ اخراجات کے ساتھ اطالوی کرنسی میں ملنے والی وہ رقم بھی شامل تھی جو سلائٹ کے آدمی ہمیں روم میں ابتدائی اخراجات کے لیے فراہم کرتے۔

ہماری روانگی کے بارے میں سلائٹ وقت کا تعین نہیں کر سکا۔ اس نے بتایا کہ اسمتھ کے فون کے بعد ہی اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہم دونوں کا جلد از جلد برطانیہ سے نکلنا کتنا ضروری تھا لہٰذا اس نے اپنے ایک آدمی کو معلومات جمع کرنے پر مامور کر دیا تھا کہ ہمیں پہلی فرصت میں برطانوی قانون کی عمل داری سے نکال سکے لیکن اپنے آدمی کی واپسی سے قبل وہ اس بارے میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا تھا۔

روانگی سے قبل ویرا نے اسمتھ کے معاملے کے بارے میں جاننا چاہا تو سلائٹ کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "وہ آیا اور رسمی کارروائی پوری کر کے چلا گیا۔ میں تم لوگوں کی آمد سے انکار نہیں کر سکتا تھا مگر میں نے اسے بتا دیا کہ تم تینوں میں سے کوئی اشتہاری مجرم نہیں تھا نہ ہی جب میں کسی اور نے تمہارے ساتھی کو شناخت کیا تھا۔ وہ تو بس! برا ہام کی شامت ہی آئی ہوئی تھی کہ اسے لندن کے صراف کے یہاں ہونے والی ڈکیتی کی تصویریں یاد رہ گئیں کیونکہ بدقسمتی سے وہ خود بھی صراف ہے، اسی کے ساتھ لوگوں کو سود پر قرض بھی دیتا ہے۔"

"تم نے اتنی جلدی مخبر کا کھوج بھی نکال لیا؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "کوئی دشمنی تو نہیں ہے اس سے تمھاری؟"

"دشمن کا کھوج اتنی جلدی نہیں ملتا۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "پیسے کی بہتات اکثر لوگوں کو بزدل بنا دیتی ہے۔ ان ہی میں ابراہام کا شمار ہوتا ہے۔ تمھاری آمد اور انسپکٹر اسمتھ کی فون کال کے درمیان پب سے واپس جانے والے تین افراد میں وہ بھی شامل تھا اور مجھے پہلا شبہ اُسی یہودی پر ہوا۔ دو چار ہی تھپڑوں میں وہ اعتراف کر بیٹھا کہ اسمتھ کو اُسی نے فون کیا تھا۔ تمھیں پہچان کر اُسے لپنے کٹنے کا خوف لاحق ہو گیا تھا۔"

"اچھا ہوا کہ یہ معاملہ بھی صاف ہو گیا۔" ویرا یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

سلطان شاہ کے ساتھ ہونے والی تمام تر تلخیوں کے باوجود وہ ہم دونوں سے بہت گرم جوشی کے ساتھ رخصت ہوئی تھی اور اس کی کار روانہ ہونے کے بعد سلائٹ ہمیں ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں جا بیٹھا۔ مضافاتی علاقے کا باشندہ ہونے کی وجہ سے اس کی دیر تک جاگنے کی عادت میرے لیے حیران کن تھی مگر وہ ہمارا میزبان تھا اور اُس کا ساتھ دینا ہمارا اخلاقی فرض قرار پاتا تھا لیکن جب اُس نے کیبنٹ سے ڈمپل کی بڑی سی بوتل نکالی تو سلطان شاہ چُھری کی دھار کے نیچے آئے ہوئے بکرے کی طرح بے بسی سے میری طرف دیکھنے لگا اور میں نے سلائٹ سے سلطان شاہ کی کمزور انگریزی اور پارسائی کا عذر کرتے ہوئے اُسے خواب گاہ میں جانے کی اجازت دلوا دی۔

"کمال ہے کہ تمھارا ساتھی ہنگامہ خیز زندگی گزارنے کے باوجود شراب نہیں پیتا۔" سلطان شاہ کے چلے جانے کے بعد سلائٹ نے اپنے اور میرے لیے دو گلاس تیار کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کٹر مسلمان ہے، سگریٹ تک کو ہاتھ نہیں لگاتا۔" میں نے پیکٹ سے اپنے لیے سگریٹ منتخب کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"تو کیا تم مسلمان نہیں ہو؟" اُس نے بھویں چڑھا کر سوال کیا۔

بہت ذاتی اور جارحانہ سوال تھا جسے میں نے اُسی پر لوٹا دیا۔

"شاید تم کرسچین ہو، تمھارا مذہب بھی شراب نوشی کی اجازت نہیں دیتا مگر تم پیتے ہو۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم عیسائی نہیں ہو۔"

وہ ہنس پڑا۔ "اچھا جواب ہے۔۔۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ تمھارا مذہب ان عیاشیوں کے بہت زیادہ خلاف ہے۔ ہمارے یہاں تو فادر بھی کبھی کبھار موقع پا کر دو چار ڈبل چڑھا لیتے ہیں۔"

"کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم مذہب کے علاوہ کسی اور موضوع پر بات کریں؟" میں نے اپنا گلاس اٹھاتے ہوئے خوش گوار لہجے میں کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم لاعلمی میں ایک دوسرے کی دل آزاری پر اُتر آئیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ انسان کو بہت زیادہ حساس بنا دیتا ہے اور تم لوگ تو مذہب کے معاملے میں ویسے بھی بہت زیادہ حساس ہوتے ہو۔ خود مذہب کو جتنا چاہو مسخ کر لیتے ہو مگر دوسروں کو اس بارے میں ذرا بھی رعایت نہیں دیتے۔ جمہوریت سے آمریت اور بادشاہت تک جہاں جو بھی حکومت ہے اُسے اسلامی قرار دیا جاتا ہے لیکن کوئی نقاد یہ کہہ دے کہ تمھارے مذہب میں جمہوریت کا تصور محدود ہے تو اُس کے پیچھے پڑ جاتے ہو۔"

"ہماری روانگی کے بارے میں کوئی اطلاع کب تک مل سکے گی؟" میں نے موضوع بدلنے کی نیت سے فوراً ہی سوال کر ڈالا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اپنے ہوش و حواس میں ہونے کے باوجود وہ اس وقت اپنی ذہنی رَو کا غلام ہو کر رہ گیا تھا جو بدقسمتی سے مذہب کی طرف بھٹک رہی تھی۔

"میرا آدمی گھاٹ پر گیا ہوا ہے۔" وہ گلاس سے اپنے لبوں کو تر کرتے ہوئے بولا۔ "اسی کے انتظار میں میں نے یہ بکھیڑا پھیلایا ہے۔ فرانس میں عنقریب ایک میلے کا آغاز ہونے والا ہے جس کے لیے یہاں سے شراب فرانس اسمگل کی جا رہی ہے۔ کوئی لانچ تیار مل گئی تو تمھیں اُسی پر روانہ کر دوں گا۔"

"فرانس ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "پورے یورپ کو خشکی کے راستے عبور کر کے ہم روم تک پہنچ سکیں گے۔ کاغذات کے بغیر سفر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"بحری راستہ اس کے مقابلے میں محفوظ ہے مگر وہ تمھارے لیے بہت تکلیف دہ ہوگا۔" وہ بولا۔ "انگلش چینل عبور کرتے ہی تم فرانس کے ساحل پر اُتر سکتے ہو مگر بحری راستے سے روم پہنچنے کے لیے فرانس اور اسپین کے گرد بحر اوقیانوس میں سفر کرتے ہوئے تم جبرالٹر سے گزر کر کئی دن بعد بحیرۂ روم میں داخل ہو سکو گے۔"

"میرے لیے دوسرا راستہ زیادہ آسان ہوگا۔" میں نے اصرار کیا۔

"وہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے کھلے سمندر میں میرا ایک جہاز لنگر انداز ہے جو کل اپنے آخری سفر پر پاکستان روانہ ہونے والا ہے۔ یہ بحیرۂ روم اور پھر نہر سویز سے گزر کر ہی بحیرۂ احمر اور بحر ہند میں داخل ہوگا۔"

"پاکستان؟" اُس کی زبان سے اپنے ملک کا نام سن کر میرے دل میں ہوک سی اُٹھی۔ "تو کیا یہ چلتا ہوا جہاز وہیں لے جا کر توڑا جائے گا؟"

پروگرام یہی ہے . . . ویسے بھی کوئی خریدار اسے منافع کے ساتھ نہیں چلا سکتا کیونکہ پرانے انجنوں میں ایندھن کا خرچ کراوں سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے . . . اگر تم پاکستانی ہو تو اسی جہاز سے اپنے وطن جا سکتے ہو۔"

"خالی جہاز کا سودا ہوا ہے یا اس پر کچھ مال بھی ہے؟" میں نے اس کی پیش کش کو نظرانداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"پرفیوم، قیمتی دوائیں اور مصنوعی جواہرات تمہارے ملک میں بہت مقبول معلوم ہوتے ہیں۔ فاضل پرزوں کی پیٹیوں میں تمہیں یالیسا بہت سا سامان ملے گا۔"

وہ حقائق کی بات کر رہا تھا اور میں مفروضوں پر سوچ رہا تھا۔ کھلے کھلے جرائم اور اسمگلنگ کی اور بات تھی لیکن اسمگلنگ کو کاروبار کا ضروری حصہ بنا لینا یقیناً قابلِ نفرت جرم تھا جو دن بدن میرے ملک میں فروغ پا رہا تھا۔ ملکی صنعتوں کو خام مال فراہم کرنے اور ان کے فروغ کے لیے عالمی پیمانے پر ناکارہ بحری جہازوں کی درآمد اور شکست و ریخت یقیناً قابلِ تحسین تھی اور ایسے سودے لازماً مروجہ قانونی پابندیوں کے مطابق ہوتے ہوں گے لیکن کچھ کالی بھیڑوں نے اس کام میں بھی چور دروازے پیدا کر لیے تھے اور راتوں رات لکھ پتی بننے کے لیے کوشاں تھے۔

میں سوچ رہا تھا کہ دیگر درآمدی اشیاء کی طرح پرانے جہاز بھی کسٹم کے ضابطوں کے مطابق پاکستان پہنچتے ہوں گے ان کی ٹنکیوں میں ایندھن کی مقدار کا کم یا زیادہ پہنچنا تو قرینِ قیاس تھا لیکن جہاز کے اپنے ساز و سامان میں دوسری غیر قانونی اشیاء کسٹم کے عملے کی نگاہوں سے کیسے بچائی جاتی ہوں گی؟ اس سوال کا جواب زیادہ دشوار نہیں تھا، جس معاشرے میں رشوت ایک رواج بن جائے وہاں پیسے کے زور پر اس سے بڑی بڑی دھاندلیاں ہو سکتی تھیں۔

ایک بجے کے بعد سلائٹ کا آدمی واپس آیا تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ فرانس کے لیے ڈھسکی سے کر روانہ ہونے والی لانچ اسی شام نکل چکی تھی اور اگلے دو روز تک ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ سلائٹ نے چند منٹ تک گفتگو کے بعد اسے واپس لوٹا دیا۔ اسے میرے خیالات سے آگاہی حاصل ہو چکی تھی اور لانچ نہ ہونے کے باعث اب واحد راستہ یہی رہ گیا تھا کہ پاکستان کے سفر پر روانہ ہونے والے جہاز کے ذریعے ہماری روانگی کا بندوبست کیا جائے۔

"وہ جہاز صبح لنگر اٹھائے گا، میرا خیال ہے کہ تمہیں جہاز پر پہنچانے کے لیے اسی وقت کچھ کرنا ہوگا۔ رات کا اندھیرا ہمارے لیے مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ دن کے اجالے میں نادیدہ دشواریاں حائل ہو سکتی ہیں۔" اس نے واپس آکر تھکے ہوئے لہجے میں اعلان کیا اور میں نے فوراً اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا۔ میرے لیے اس سے اچھی کیا بات ہو سکتی تھی کہ وہاں پڑے رہنے کے بجائے فوری طور پر روانگی کا بندوبست ہو جائے۔

اس وقت تک سلطان شاہ گہری نیند سو چکا تھا۔ سلائٹ نے اس کی خواب گاہ میں موجود لباسوں سے بھری ہوئی دیوارگیر الماری میرے لیے کھول دی۔ "اس میں سے اپنی ضرورت کے لیے جو چاہو لے سکتے ہو۔" اس نے فراخدلی کے ساتھ کہا۔ "یہ خیال رکھنا کہ وہ مال بردار جہاز ہے۔ بستر اور خور و نوش کے سامان کے علاوہ جہاز پر کچھ نہیں مل سکے گا۔ ذاتی ضرورت کی چیزیں ہر ایک اپنے طور پر لاتا ہے۔"

وہ آدھے گھنٹے میں واپسی کا وعدہ کر کے چلا گیا اور میں سلطان شاہ کو بیدار کر کے نئے پروگرام سے آگاہ کرنے لگا جو اس کے لیے حیرت ناک ثابت ہوا تھا۔

"مجھے تو یہ سلائٹ بھی خطرناک آدمی نظر آتا ہے۔" سلطان شاہ نے میری بتائی ہوئی تفصیلات سننے کے بعد کہا۔

"ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ویرا کو اس پر اعتماد ہے . . . آخر یہ ہمارے ساتھ کیا ہیر پھیر کر سکتا ہے؟"

"میں تم کو یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ کہیں ویرا اس کے بارے میں خوش فہمی کا شکار نہ ہو۔" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ عجیب اتفاق نہیں ہے کہ آج شام ویرا ہمیں یہاں لائی اور صبح سویرے سلائٹ کا جہاز اسی طرف روانگی کے لیے تیار ہے جدھر ہم کو جانا ہے۔"

"ویرا بتا چکی تھی کہ سلائٹ پرانے جہازوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے۔ اتفاق ہے کہ ہمیں پاکستان جانے کے لیے اس جہاز میں جگہ مل رہی ہے جو اس روٹ پر اپنا آخری سفر کر رہا ہے۔" میں نے کہا۔ "کم از کم یہ بھی تو پتا چلے کہ تم کو سلائٹ پر کس بات کا شبہ ہو رہا ہے؟"

"بظاہر کوئی بات اس کے خلاف نہیں جاتی بس تم اسے میری چھٹی حس کی تنبیہ کہہ سکتے ہو۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ ہم آسمان سے گر کر کھجور میں پھنس جائیں گے۔"

"دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ہم یہیں رہ کر حالات کا مقابلہ کریں۔ یہ بات بھی سامنے آجائے گی کہ ہمارے انکار کا اس پر کیا ردِعمل ہوتا ہے۔ اس کی نیت صاف ہے تو اسے ہمارے پروگرام کی تبدیلی پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے۔"

"میں یہاں رکنے کا مشورہ نہیں دیتا۔ یہاں سے تو اب ہمیں نکل ہی جانا چاہیے لیکن سلائٹ کو آزمانے کے لیے تم اسے چھیڑ سکتے ہو بشرطیکہ اس کے بھڑکنے کا اندیشہ نہ ہو۔"

"یہی تو دیکھنا ہے کہ وہ ہمارے پروگرام کی تبدیلی قبول کر لیتا ہے یا اس پر بھڑک اٹھتا ہے۔"

"وہ الگ الگ باتیں ہیں" سلطان شاہ نے اپنی بات واضح کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ایک تو وہ اپنا منصوبہ ناکام ہونے پر مشتعل ہو سکتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اسے ہمارے پل پل بدلنے والے پروگرام پر غصہ آجائے اور وہ سرے سے ہماری مدد کرنے سے انکار کر دے۔"

"وہ آئے گا تو دیکھوں گا۔" میں نے کہا۔ "فی الحال تو اس الماری سے اپنے لیے کپڑے منتخب کر لو۔"

"انسپکٹر اسمتھ کی فون کال کا قصہ بھی مجھے من گھڑت محسوس ہوا تھا۔" وہ الماری میں لٹکے ہوئے ملبوسات کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "کسی مجرم کے اس قدر معزز ہونے کا واقعہ پہلی بار میرے سامنے آیا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پرانے نسلانے کا کوئی عوامی ڈاکو دوبارہ زندہ ہو گیا ہو۔"

"اب اُس کی طرف سے میرا دماغ خراب نہ کرو۔" میں نے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "جب تک کوئی بات سامنے نہ آئے، ہمیں اس پر اعتماد کرنا ہی ہو گا۔"

تھوڑی دیر بعد سلائٹ بالکل ہی مختلف، ملاحوں جیسے حیثت لباس اور سیاہ چرمی جیکٹ میں واپس آیا تھا تو اُس کا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ بحری سفر کئی دن کی طوالت اختیار کر سکتا ہے، اگر چند روز کسی بہتر ذریعے کا انتظار کر لیا جائے تو مناسب ہو گا۔" میں نے کہا۔

"شوق سے انتظار کرو۔" اُس نے پیشانی پر بل لائے بغیر کہا۔ "لیکن یہ بتا دوں کہ فرانس کے ساحل سے خشکی کا راستہ تمہیں پر خطر معلوم ہوتا ہے اور میں اِس کے علاوہ بحری سفر کا بندوبست ہی کر سکتا ہوں جبکہ تم اِس کے علاوہ کسی ذریعے سے نہ نکل سکو گے۔"

اُس کے ردِ عمل میں کوئی مشتبہ بات نہیں تھی لہٰذا میں نے فوراً ہی قلابازی کھائی۔ "میرا مطلب تھا کہ سفر کے لیے شاید کوئی بہتر اسٹیمر میسر آ سکے۔ اِس علاقے میں تم خاصے وسائل کے مالک معلوم ہوتے ہو۔"

"تمہاری جگہ میری تصویر اخباروں میں چھپی ہوتی تو مجھے ہرگز ایسی عیاشیاں نہ سوجھتیں۔" اُس نے منہ بنا کر کہا۔ "تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ تم ایک اجنبی ملک میں مشکل حالات سے دوچار ہو۔"

"بس ایک سرسری سا خیال آیا تھا ذہن میں لیکن تمہارا مشورہ مناسب ہے، ہم تیار ہیں۔"

ہم تینوں وہاں سے سلائٹ کی گاڑی میں روانہ ہوئے تو رات گزر چکی تھی اور میری رسٹ واچ صبح کے پونے تین بجا رہی تھی۔ فضا پر کہر کی گہری چادر محیط تھی، موسم سرد تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ تیز ہوائیں نہیں چل رہی تھیں ورنہ اس وقت دہی سردی ناقابلِ برداشت ہو کر رہ جاتی۔

چیتھا اکی سنسان اور خوابیدہ سڑکوں سے گزرتے ہوئے کچھ دیر بعد ہم قصبے کی ساحلی آبادی میں داخل ہوئے جہاں دوسرے شور کے سمندر کی لہروں کا دھیما دھیما شور ہوا کی لہروں پر گونج رہا تھا۔ پھر چند تنگ اور پُرپیچ سڑکوں پر ڈرائیونگ کرنے کے بعد سلائٹ نے ایک جگہ گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر انجن بند کیا اور چند منٹ میں واپسی کے لیے کہتا ہوا ایک قریبی گلی میں روپوش ہو گیا۔

"یہ اب کہاں گیا ہے؟" سلطان شاہ نے عقبی نشست سے سوال کیا۔

"کسی ملاح کو لینے گیا ہے۔ اس کا جہاز کھلے سمندر میں لنگر انداز ہے، ہمیں لانچ کے ذریعے وہاں تک پہنچایا جائے گا۔"

"سلائٹ خود بھی ہمارے ساتھ جہاز تک جائے گا؟"

"دیکھنا پڑے گا ــــ ابھی تک تو آثار یہی بتا رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

سلائٹ کچھ دیر بعد داڑھی والے ایک قوی الجثہ شخص کے ساتھ نمودار ہوا جس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے سوتے سے اٹھایا گیا تھا۔ آنے والے نے سلطان شاہ کے ساتھ عقبی نشست سنبھال لی اور سلائٹ نے ایک مرتبہ پھر انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی کو ساحل کی طرف جانے والے راستے پر ڈال دی۔

تھوڑی دیر بعد ہم نے آبادی سے نکل کر مختصر سا راستہ عبور کیا اور پھر یہ سفر ایک بے قاعدہ سے کچے پارکنگ ایریا پر ختم ہو گیا۔ اس دوران میں نووارد مسلسل خاموش رہا تھا۔

گاڑی کے دروازے کھڑکیاں مقفل کر کے سلائٹ نے ہماری رہنمائی شروع کر دی اور تھوڑی دیر بعد ہم سیڑھیاں طے کر کے اس کشادہ چوبی برتھ پر پہنچ گئے جو شہتیروں کے سہارے سمندر میں آگے تک پھیلی ہوئی تھی اور سمندر کا پانی اس کے نیچے ہلکورے لے رہا تھا۔ برتھ پر جا بجا ماہی گیری کے جال اور دوسرا سامان ڈھیر تھا۔ اس سے آگے سمندر میں کئی لانچیں لنگر انداز تھیں جن کی اِکا دُکا لائٹس دھند میں چمک رہی تھیں، ادھر کے موسمی حالات کی وجہ سے وہاں تقریباً تمام ہی روشنیاں زرد رنگ کی تھیں جو کہر میں بھی دُور سے نظر آ سکتی تھیں۔

"کون ہے؟" چوبی برتھ پر ہم چاروں کے قدموں کی گونج کے جواب میں کسی طرف سے کسی نے ناگواری کے ساتھ للکارا تھا۔

"اسٹیوارٹ سلائٹ۔" اُس نے اونچی رعب دار آواز میں اپنا پورا نام دُہرایا۔ "میں اپنی لانچ پر جا رہا ہوں۔"

"ٹھہرو۔" وہی آواز گونجی۔ "آج سمندر پر کہر بہت گہری ہے، تمہارا اُدھر جانے کا ارادہ تو نہیں ہے؟" آواز کے ساتھ ہی قدموں کی چاپ بھی سنائی دی تھی، شاید وہ ہماری طرف آ رہا تھا۔

سلائٹ کا ہاتھ اپنی جیکٹ کی جیب میں رینگ گیا اور وہ وہیں رُک کر آنے والے کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے اشارے پر ہم تینوں بھی وہیں تھم گئے تھے۔

"صبح آٹھ بجے تک کسی لانچ کو برتھ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔" کہر سے نمودار ہونے والے شخص نے ہم دونوں کا تجسس نگاہوں سے جائزہ لیتے ہوئے کہا لیکن اُس کا لہجہ تحکمانہ نہیں بلکہ نرم تھا اور اُس کے دہانے سے دُھواں خارج ہو رہا تھا۔

"اطلاع دینے کا بہت بہت شکریہ پیٹر! ہم اس سے بہت پہلے واپس آجائیں گے۔" سلائٹ کی مُٹھی جیکٹ کی جیب سے نمودار ہوئی اور پیٹر کی جیب میں کھل گئی۔ "اگر ہماری بدقسمتی سے کوئی حادثہ پیش آجائے تو تم کہہ دینا کہ ہم تمہاری وارننگ کے باوجود لانچ لے بھاگے تھے۔"

"تمہاری مرضی۔" پیٹر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بے بسی کے ساتھ کہا۔ "تم جیتھام کے بادشاہ ہو، تمہیں کون روک سکتا ہے ویسے بھی سمندر کو تم سے زیادہ کون سمجھے گا — ذرا جلدی لوٹ آنا ... فارم ..."

سلائٹ نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "فارم واپسی پر بھر دوں گا اس پر کوئی اندراج ذکرنا۔ واپسی پر خانہ پُری بھی میں خود ہی کروں گا۔"

"وش یُو لک۔" اُس نے اپنے داہنے ہاتھ کی کھلی انگلیوں سے اپنی پیشانی چھو کر کہا اور ہم چاروں ایک مرتبہ پھر جوبی برتھ پر پُرشور قدموں کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔

سلائٹ کی سفید لانچ کا نام اسپیڈ بوٹ تھا جس کے کیبن میں بارہ مسافروں کے لیے ہر آسائش موجود تھی۔ اُس کے ساتھ آنے والا دھیل پُھرتی کے ساتھ روانگی کا انتظام کرنے لگا اور سلائٹ ہمارے ساتھ کیبن میں آگیا۔ پھر ہمیں تاریک کیبن میں چھوڑ کر وہ خود بھی نووارد کے پاس چلا گیا۔ چند ثانیوں بعد ہی لانچ کا طاقتور ڈیزل انجن اسٹارٹ ہوا اور کیبن میں روشنیاں جگمگا اُٹھیں۔ مزید چند ثانیوں تک لانچ اپنی کھڑی ہلکورے لیتی رہی۔ شاید اس کے برتھ پول سے بندھے ہوئے رسّے کھولے جا رہے تھے اور پھر لانچ آہستہ آہستہ برتھ سے دور ہٹنے لگی۔

قرب و جوار میں موجود دوسری لانچوں اور رکاوٹوں سے دور ہو لینے کے بعد ہولے ہولے لانچ کا رُخ تبدیل ہوا اور وہ قدرے تیز رفتار کے ساتھ کھلے سمندر کی طرف بڑھنے لگی۔

کیبن کے سامنے والی ونڈ شیلڈ سے میں نے پردہ ہٹایا تو سلائٹ اپنے ساتھی کے ہمراہ لانچ کے کنٹرول میں مصروف نظر آیا۔ لانچ کی اگلی تیز روشنیوں کے باوجود گہری کہر میں زیادہ دور تک دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ اس وقت پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ سلائٹ نے ایسے ناساز گار موسم میں کھلے سمندر کا قصد کر کے بہادری غلطی کی تھی۔

جُوں جُوں لانچ آگے بڑھ رہی تھی اُس کی رفتار بڑھتی جا رہی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت سمندر پُرسکون تھا ورنہ اس بڑھتی ہوئی رفتار پر مخالف سمت سے آنے والی موجیں لانچ کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھیں۔ ہم دونوں کے لیے تعزیز سے قطع نظر کسی بحری سفر کا وہ پہلا تجربہ تھا جس کا آغاز زیادہ خوش گوار نہیں تھا۔ للٰذا ہم دونوں ہی خاموش بیٹھے ونڈ شیلڈ سے باہر فضا میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے جو دونوں سمتوں سے اُڑنے والے سمندری جھاگ کی ہلکی بوچھاڑ سے لمحہ بہ لمحہ دھندلاتی جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد سلائٹ فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ کیبن میں آگیا۔

"موسم واقعی بہت سرد اور خراب ہے۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ میرے دہانے سے نکلنے والے آبی بخارات نے بھی ٹھنڈ کی وجہ سے سفید دھوئیں کی صورت اختیار کر لی تھی۔ "اور شاید لانچ کی رفتار بھی بہت تیز ہے۔"

"ملاح بہت تجربہ کار ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "موسم ہی کی وجہ سے وہ چالیس ناٹ کی رفتار سے جا رہا ہے ورنہ اسپیڈ بوٹ سمندر کی سطح پر اُڑتی ہے۔"

"جہاز ساحل سے کتنی دُور لنگر انداز ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اس رفتار سے ہمیں تقریباً ایک گھنٹا لگے گا۔ آبنائے ڈوور کی سمندری گزرگاہ کے قریب ہی جہاز نے لنگر ڈالا ہوا ہے۔ اس طرف زیادہ بھاری جہاز ساحل کے قریب نہیں آسکتے۔ اس لیے گہرے پانی میں رُکنا پڑتا ہے۔"

"ٹھنڈ واقعی زیادہ ہے۔ تھوڑی سی برانڈی لوگے؟" اُس نے [illegible] جیکٹ کی اندرونی جیب سے برانڈی کا ادّھا نکالتے ہوئے [illegible] سے سوال کیا۔

"[illegible] خون کرو سلائٹ!" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "تم [illegible] جا رہے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تم واپسی کے سفر کے [illegible]

"[illegible] اپنی اوقات [illegible] کر [illegible] پیئے تو کبھی نشہ نہیں ہوتا۔" وہ [illegible] کر ایک لمبا گھونٹ معدے میں اُتارنے کے [illegible] اسی وقت چڑھتی ہے جب اوقات سے زیادہ پی لی جاتی ہے۔"

[illegible] اندازہ ہوا کہ وہ بہت دلچسپ اور یار باش آدمی تھا لیکن اسے اس کے خیالات سے باہر نکالنا بہت مشکل کام تھا جس میں [illegible] حاصل ہوئی تھی [illegible] باتوں میں اس سے پتا چلا کہ پاکستان جانے والے جہاز کا نام رود رانی تھا۔ اس کا سارا عملہ یونانیوں پر مشتمل تھا لیکن اس آخری سفر کے لیے سلائٹ نے یونانی کپتان کو [illegible] کر کے اپنے اعتماد کے ایک انگریز کا تقرر کیا تھا تاکہ

جہاز پر لادے جانے والے غیر قانونی مال کا راز فاش نہ ہو سکے۔

ٹھیک ایک گھنٹے کے سفر کے بعد لانچ کی رفتار سُست پڑنے لگی پھر یوں محسوس ہوا جیسے وہ ایک بڑے دائرے کی صورت میں داہنی طرف موڑی جا رہی ہو چند منٹ بعد گہرے پانی میں لنگر انداز روزالی کی روشنیاں بھی نظر آنے لگیں۔ لانچ کے پائلٹ نے مخصوص اونچی نیچی آوازوں میں تسلسل کے ساتھ ہوٹر بجاتے ہوئے روزالی کے گرد چکر لگانا شروع کر دیا۔ اسی کے ساتھ اسپیڈ بوٹ کی رفتار بھی بالکل دھیمی ہو گئی۔

روزالی کے عرشے پر تمام بتیاں روشن تھیں لیکن گہری دُھند کے باعث وہ سیاہی مائل ڈیو ہیکر مال بردار جہاز سمندر کے سینے پر کسی مہیب عفریت کی طرح ہلکورے لے رہا تھا۔

سلائٹ ہم دونوں کو ساتھ لے کر کیبن سے نکلا تو برف میں بھیگی ہوئی سرد ہواؤں نے ہمارا استقبال کیا لیکن اس وقت روزالی سے جوابی سگنل موصول ہونے تک ہمیں لانچ کے ملاح کی مدد کرنا تھی پھر جہاز کے عرشے پر ایک تیز روشنی تین مرتبہ چمک کر معدوم ہو گئی اور میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ ہمیں دیکھ لیا گیا تھا۔

"لنگر کی چین کے قریب ٹھہرنے کی کوشش کرو۔" اوپر سے کسی نے انگریزی میں چیخ کر کہا۔ "ہم سیڑھی نیچے اُتارتے ہیں تمہیں اس کے ذریعے اوپر آنا ہو گا۔"

جہاز کے گرد دوسرا چکر کاٹتے ہوئے اسپیڈ بوٹ آہستگی کے ساتھ ہچکولے لیتی ہوئی جیسے ہی اگلے لنگر کی آہنی زنجیر کے قریب پہنچی، سلائٹ نے نائیلون کی مضبوط رسّی کے سرے پر بندھا ہوا فولادی ہُک زنجیر کی طرف اُچھال دیا۔ فضا میں لوہے سے لوہا ٹکرانے کی جھنکار گونجی اور سلائٹ نے رسّی کے سہارے لانچ کو جہاز کے قریب کھینچ کر رسّی کا سرا اینکر بورڈ سے باندھ دیا تاکہ لانچ سمندر کی تیز لہروں کے ریلے میں دُور نہ بہہ سکے۔

کئی منٹ کے انتظار کے بعد عرشے کی ریلنگ پر دو افراد جھکے ہوئے نظر آئے اور انھوں نے دُہرے رسّوں میں مضبوطی سے ایک ایک فٹ کے فاصلے سے بندھے ہوئے چوبی زینوں والی سیڑھی نیچے لٹکا دی جس کے سطح آب تک پہنچتے ہی سلائٹ نے حلق سے آواز نکال کر اوپر والوں کو سگنل دیا اور سیڑھی وہیں روک لی گئی۔

"اوپر آجاؤ۔" لہروں کے شور میں چند منٹ بعد اوپر سے پیغام ملا۔ سلائٹ نے ہم دونوں کی پیراکی کے بارے میں سوال کیا لیکن کھلے سمندر کی خوف آور لہروں کو دیکھ کر ہم دونوں نے ہی اپنی معذوری کا اعتراف کر لیا۔

"پھر پہلے تم اوپر جاؤ۔" اُس نے کہا۔ "تاکہ ہاتھ پیر پھسل جائے تو میں تمہیں پانی سے نکال سکوں۔"

میں پھریری لے کر رہ گیا۔ اُس کا تبصرہ بہت بے محل تھا۔ میں نے کچھ کہے بغیر سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور لانچ سے ذرا دُور فضا میں لہراتی ہوئی سیڑھی کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔

کہیں اور ایسی سیڑھی پر طبع آزمائی اور بات تھی لیکن کھلے سمندر کی جھاگ اُڑاتی موجوں پر وہ تجربہ بہت سنسنی خیز تھا جسے ہواؤں اور ہوا کے جھونکوں سے سیڑھی گزوں کے حساب سے فضا میں اِدھر اُدھر جھول رہی تھی اور میرا دل پوری رفتار سے کنپٹیوں تک دھڑک رہا تھا۔

اگر ذرا بھی توجہ کسی اور طرف مبذول ہوتی تو بلندی سے چھپاک کے ساتھ سمندر میں گرنا یقینی تھا۔ لمحہ بہ لمحہ تقریباً تیس فٹ کی بلندی طے کر کے میں ریلنگ تک پہنچا تو وہاں موجود دو افراد نے سہارا دے کر مجھے اوپر کھینچ لیا۔ ان میں ایک انگریز تھا اور دوسرا شکل سے یونانی لگ رہا تھا۔

انگریز نے اپنا تعارف کاٹرل کے نام سے کرایا، یونانی کا نام جوناس تھا۔ میرے لیے اپنا اصل نام چھپانا بے سود تھا لہٰذا میں نے اُنھیں ڈینی بتانا مناسب سمجھا جو اُن کے لیے مختصر اور سہل تھا۔

میرے بعد سلطان شاہ اوپر آیا۔ آخر میں سلائٹ ہمارے سامان کا بیگ اپنے کندھے سے لٹکائے کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ اوپر آ پہنچا۔ اُس نے آتے ہی رسمی طور پر سب کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "ڈیوڈ کاٹرل اِس جہاز کا نیا کپتان ہے اور تمہیں اس کی ہدایات پر لفظ بہ لفظ عمل کرنا ہو گا۔ اس کے تعاون سے تم اپنے سفر کو یادگار اور کسی حد تک خوشگوار بنا سکو گے۔"

"تم روم جا رہے ہو۔ بس یہ یاد رکھنا کہ روم جانا ہو تو وہی کرنا چاہیے جو رومن کرتے ہیں۔" کاٹرل اپنی عقابی نظریں میرے چہرے پر جما کر خوشگوار لہجے میں بولا۔ "میں تمہیں عملے کا ایک آرام دہ ڈبل کیبن دے دوں گا۔ میری پیشگی اجازت کے بغیر تم اس کیبن سے نہیں نکلو گے۔"

"کپتان کاٹرل کو ہمارے مسائل کا بھی علم ہو گا؟" میں نے جھجکتے ہوئے سلائٹ سے سوال کیا۔

"سب معلوم ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "جب میں گھڑی بھر گھنٹے کے لیے تم سے الگ ہوا تھا تو میں نے ریڈیو فون پر کاٹرل کو سب کچھ بتا دیا تھا ورنہ ان لوگوں کا صبح سے پہلے بیدار ہونا محال تھا۔ سمندر کے سینے پر زندگی گزارنے والے نیند کے پکے ہوتے ہیں۔ ان کے سروں پر نقارے بھی بجاتے رہو تو مقررہ وقت سے پہلے بیدار نہیں ہوتے۔"

سلائٹ نے وہیں عرشے پر کھڑے رہ کر گفتگو ختم کی اور ہاتھ

نکلی نے کرنیک خر . شانت کا اظہار کرتے ہوئے اسی سیڑھی کے ذریعے دوبارہ اسپیڈ بوٹ پر پہنچ گیا۔ اس کے نیچے پہنچ جانے کے بعد جوناس نے بڑی سی چرخی گھما کر سیڑھی واپس لپیٹنا شروع کر دی اور اسی دوران میں اسپیڈ بوٹ، روزالی سے دور ہوتے ہوئے کہر کے اتھاہ دھندلکے میں معدوم ہوتی چلی گئی۔

"تم آرام کرو ——— میں انھیں ان کے کیبن میں پہنچا دوں گا۔" کاٹرل نے چرخی پر مصروف جوناس سے کہا اور پھر نیچے جانے والے زینوں کی طرف بڑھ گیا جوناس عرشے پر اکیلا کھڑا چرخی گھماتا رہ گیا۔

عمودی گولائی میں بنے ہوئے تنگ آہنی زینوں سے تین منزلیں اُترنے کے بعد وہ ایک راہداری میں رکا تھا۔ "تمھیں اپنے کیبن میں تو رہنا ہی ہے۔ پہلے میرے کیبن میں تمھاری آمد کی خوشی میں ایک چھوٹا سا دور ہو جائے۔"

"میں تیار ہوں مگر میرا ساتھی خشک ہے۔" میں نے بے تکلفی کے ساتھ کہا کیونکہ کھلے سمندر کی یخ بستہ ہواؤں نے مجھے حرارت کی تلاش پر مجبور کر دیا تھا جس کی پیش کش کاٹرل خود کر رہا تھا۔

اسی راہداری میں اُس کا کیبن تھا۔ اُس نے قفل میں چابی گھما کر دروازہ کھولا تو میں اندر قدم رکھتے ہی اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔ بالکل یہی کیفیت سلطان شاہ کی ہوئی تھی۔

بے اختیار میرے ذہن میں سلطان شاہ کے خدشات سر اُبھارنے لگے۔ شاید اُس کی چھٹی حس صحیح رُخ پر کام کر رہی تھی جو اُس نے چیتھام میں ہی خطرہ بھانپ لیا تھا کہ ہم کسی ایک چکر سے نکل کر دوسرے میں پھنسنے جا رہے تھے۔ سلائٹ ہمیں روزالی پر چھوڑ کر جا چکا تھا۔ زمین سے ہمارا ہر رابطہ منقطع ہو چکا تھا اور اب ہم روزالی کے کپتان اور اُس کے عملے کے رحم و کرم پر تھے۔ پیشہ ور ملاحوں کی اتنی بڑی تعداد سے ٹکرا کر کامیاب ہونا ہمارے لیے ناممکن تھا اس لیے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ میری کنپٹیاں سنسنانے لگی تھیں اور دورانِ خون یکلخت تیز ہو گیا تھا۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کپتان کے کیبن میں سامنے کی دیوار پر لگی ہوئی جمی لائیڈ کی تصویر ہمیں دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکرا رہی ہو۔ وہ بالکل اُسی تصویر کی نقل تھی جسے میں نے ویرا کے ساتھ لائیڈز کاٹیج کے تہ خانے میں دیکھا تھا اور اسی کی ایک چھوٹی نقل انکل فرانسس مجھے اور سلطان شاہ کو ڈیلٹا کیمپ میں دکھا چکی تھی۔

"رُک کیوں گئے؟ آگے بڑھو نا۔" ڈیوڈ کاٹرل کی آواز مجھے کسی میلوں گہرے کنوئیں کی تہ سے اُبھرتی سنائی دی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھ پر طنز کر رہا ہو۔

میں نے ایک جھٹکے کے ساتھ قدم اُٹھائے اور دروازے سے گزر کر کیبن میں داخل ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا اور ڈیوڈ کاٹرل ہمارے پیچھے کیبن میں داخل ہوا تھا۔ اس کی رسمی پیش کش سے پہلے ہی میں نے اس کے آراستہ کیبن میں ایک آرام دہ نشست سنبھال لی کیوں کہ اس وقت جمی لائیڈ کی تصویر کی وجہ سے میرے اعصاب پر ناقابلِ بیان تناؤ طاری ہو چکا تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اپنی ساری جدّوجہد کے باوجود بھی میں شی کے ہولناک چنگل سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ شی کا ہر راہ ایک آسیبی سائے کی طرح ہمارا تعاقب کر رہا تھا۔ ویرا نے اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے سلور آئی کی مدد سے ہمیں ڈیلٹا کیمپ سے نکالا تھا لیکن اب آبنائے ڈوور کے اس کھلے سمندر میں جمی لائیڈ کی تصویر ایک بار پھر ہماری بدنصیبی پر خندہ زن تھی۔

ہم تینوں ایک دوسرے کے ساتھ تھے، اس لیے ڈیوڈ کاٹرل کو شاید ہمارے چہروں پر اُبھرنے والے تحیّر آمیز تاثرات کا جائزہ لینے کا موقع نہیں مل سکا اور اسی وجہ سے وہ ہمارے ٹھٹکنے کے سبب سے واقف نہ ہو سکا تھا۔

"باربرداری کے اس سالخوردہ جہاز پر اتنے خوبصورت کیبن کا وجود میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اتنی آسائش تو عام گھروں میں بھی میسر نہیں ہوتی۔"

"لمبا سفر درپیش ہو تو اس یکسانیت سے بھی دل اُکتا جاتا ہے۔ عرشے پر جاؤ تو ہر طرف پانی ہی پانی اور کیبن میں وہی در و دیوار اور فرنیچر نظر آتا ہے۔" ڈیوڈ کاٹرل نے کہا اور اس کی تقلید میں ہم دونوں نے اندر داخل ہو کر کشن والی ہلکی مگر آرام دہ کرسیاں سنبھال لیں۔

"شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ بحری زندگی تمھارا پیشہ بن گئی ہے ورنہ لوگ تو سمندری سفر کو بجائے خود ایک تفریح اور عیاشی سمجھتے ہیں۔"

"مسافر بردار جہازوں کی زندگی بہت پُرکشش اور رنگین ہوتی ہے۔" وہ واش کیبنٹ کا پٹ کھولتے ہوئے بولا۔ "بھانت بھانت اور ملک ملک کے ہزاروں لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ دورانِ سفر بہت سے مسافروں کے ساتھ ایسی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ برسوں یاد رہتے ہیں۔ میں نے بھی ایسے کئی سنسنی خیز اور رومان انگیز سفر کیے ہیں لیکن مال بردار جہازوں پر زندگی بہت سپاٹ اور سنگلاخ ہو جاتی ہے۔ چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے بھی کرخت مردانہ چہروں اور ملاحوں یا خلاصیوں کی درشت آوازوں کے ساتھ گزارا کرنا پڑتا ہے۔"

"بحری سفر کا سارا مزہ اُس کی طوالت میں ہوتا ہے۔ کیا جہاز کے دفتری عملے میں بھی لڑکیاں وغیرہ نہیں رکھی جاتیں؟" میں نے شوخ لہجے میں سوال کیا۔

"ایسے حسین انداز میں سوچنے والے تم پہلے آدمی نہیں ہو۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "ساری دُنیا میں ملاحوں کی برادری عام طور پر اپنی تند خو اور فسادی ہوتی ہے کہ ان کے درمیان عورتوں کا گزارا ہو ہی نہیں سکتا، روز خون خرابے ہوں گے اور ہر ملاح عورتوں کو قتل کر کھا جانے پر تلا ہوا نظر آئے گا۔ یہ سب مسافر بردار جہازوں کے چونچلے ہوتے ہیں جو مال بردار جہازوں پر بالکل نہیں چل سکتے، یہاں تو لڑکوں سے دوستی پر خون آشام رقابتیں چل نکلتی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے پیمانہ میرے سامنے رکھ کر اس میں اسکاچ انڈیل دی۔

"تم واقعی نہیں لو گے؟" اس نے سلطان شاہ سے پوچھا۔ اور اس نے مسکراتے ہوئے نرمی سے انکار کر دیا اور ڈیوڈ اپنا جام لے کر میرے سامنے جم گیا اس دوران میں میں کئی بار دُزدیدہ نگاہوں سے جمی لائیڈ کی تصویر کی طرف دیکھ چکا تھا اور کسی ایسے مناسب موقع کی تلاش میں تھا کہ ڈیوڈ سے تصویر کے بارے میں سوال کر سکوں۔

ہم دونوں نے اپنے جام فضا میں ہولے سے ٹکرا لئے اور پھر اپنے لبوں کو تر کرنے لگے۔

"یہ تمہاری داہنی ہتھیلی پر کیسا زخم ہے؟" اچانک ہی اُس کی نگاہ میرے زخم پر پڑ گئی۔

"اب تو یہ ٹھیک ہو چلا ہے۔" میں نے جام رکھ کر خود اپنی ہتھیلی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "ٹوٹی ہوئی بوتل کا وار روکتے ہوئے یہ ہتھیلی شیشے کی نوکیلی دھار سے کٹ گئی تھی۔"

"خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔" اُس نے معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس قسم کی مار دھاڑ سے شرفا کا واسطہ کم ہی پڑتا ہے۔"

"یہ کیوں بھول رہے ہو کہ شرفا بغیر دستاویزات کے مال بردار جہازوں پر سفر نہیں کیا کرتے۔" میں نے ہنستے ہوئے اُس کی وہ بات وہیں اُڑا دی اور وہ بھی میرے ساتھ ہنسی میں شریک ہو گیا۔

"اگر مجھے اجازت ہو تو میں اپنے کیبن میں چلا جاؤں؟" ہماری گفتگو میں توقف آتے ہی سلطان شاہ نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا اور ڈیوڈ فوراً ہی انٹرکام پر اپنے کسی ماتحت سے بات کرنے لگا۔

مجھے اندازہ تھا کہ ڈیلٹا کیمپ میں پنڈلی زخمی ہونے کے بعد سلطان شاہ مسلسل ہی بھاگ دوڑ کرتا رہا تھا جب کہ اسے

تھوڑے سے آرام کی ضرورت تھی۔ وہ تو غنیمت تھا کہ اس کی پنڈلی کی ہڈی محفوظ رہی تھی ورنہ وہ چلنے کے قابل بھی نہ رہتا۔ اس کے چہرے سے مجھے احساس ہوا تھا کہ وہ بہت زیادہ تھکا ہوا تھا۔

چند منٹ بعد ڈیوڈ کا ایک آدمی کیبن کے دروازے پر دستک دے کر اندر آیا اور ڈیوڈ نے اسے کیبن نمبر پانچ کے بارے میں ہدایت دے کر سلطان شاہ کے ساتھ روانہ کر دیا۔

"یہ تصویر کس کی ہے؟" تخلیہ ہوتے ہی میں نے سرسری لہجے میں دیوار گیر تصویر کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

"یہ جمی لائیڈ کی تصویر ہے۔" اس نے میرے سوال پر چونکے بغیر جواب دیا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی زبان سے شپ کے سربراہ کا نام سنتے ہی میری کھوپڑی سُن ہو کر رہ گئی ہو۔

"یہ بحری نقل و حمل کا شہنشاہ سمجھا جاتا ہے۔" ڈیوڈ کا ارادہ کہہ رہا تھا۔ "ایک وسیع ذاتی بحری بیڑے کے علاوہ دُنیا کی تمام بڑی جہاز راں کمپنیوں میں کسی نہ کسی طرح اس کے بیش قیمت مفادات ہیں۔"

"تو کیا جہازوں میں اس کی تصاویر شگون کے طور پر لگائی جاتی ہیں؟"

"دراصل اسٹیوارٹ سلاٹ نے یہ جہاز جمی لائیڈ کی کمپنی سے خریدا ہے۔ اس کے ہر ذاتی جہاز پر کپتان کے کیبن میں اس کی تصاویر آویزاں ہوتی ہیں۔ اس لائن میں تمام سودے جہاز کے پورے آرائشی سامان سمیت ہوتے ہیں، کسی بھی چیز کو اس کی جگہ سے اکھاڑنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے یہ تصویر بھی رہ گئی۔"

"بعض لوگ واقعی مقدر کے دھنی ہوتے ہیں جس کام میں ہاتھ ڈالیں وارے کے نیارے ہو جاتے ہیں اور بعض بے چارے ساری عمر روتے دھوتے گزار دیتے ہیں۔"

"میں نے اب تک جن سات کمپنیوں میں کام کیا ہے اُن میں سے پانچ کے بیشتر اثاثے جمی لائیڈ کی ملکیت ہیں۔" اُس نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "اور سُننے میں آیا ہے کہ سب کچھ اس نے اپنی محنت سے پیدا کیا ہے، موروثی طور پر اُسے کچھ بھی نہیں ملا تھا کیوں کہ اُس کا تعلق ایک معمولی گھرانے سے تھا۔"

"تمہارا ہم قوم ہی معلوم ہوتا ہے۔" میں نے تصویر پر ایک نگاہ ڈال کر کہا۔

"سرمایہ دار کی کوئی قوم نہیں ہوتی۔" وہ گھونٹ لے کر فلسفیانہ لہجے میں بولا۔ "پیدائشی طور پر وہ انگریز ہی ہے، مگر اس کا تمام کاروبار یورپ اور امریکا میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں سب سُنی سُنائی باتیں ہیں ورنہ میں ابھی سے کبھی نہیں مل سکا۔ میں اس سے جمی لائیڈ کے بارے میں بہت کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا

مجھے یہ خوف بھی لاحق تھا کہ کہیں ڈیوڈ میری طرف سے شبہات
انکار نہ ہو جائے لہٰذا میں وہیں خاموش ہو گیا مگر میرے ذہن میں
دقت خیالات کی آندھیاں سی چلنے لگی تھیں اور ان کا مرکز جمی لائیڈ
پُراسرار اور طلسماتی ذات تھی۔

کراچی کے گلی کوچوں میں چرس اور پھر ہیروئن کی فروخت سے شروع ہونے والی اس کہانی کے پس پشت دن بدن نت نئے مفادات سامنے آ رہے تھے۔ پہلے میں پاکستانی تنظیم کو مقامی لوگوں کا محتاط گروپ سمجھتا رہا لیکن رفتہ رفتہ ان کے وسائل اور عجیب و غریب طریقۂ کار سے واقف ہوتے ہوئے لاہور کا لائیڈز کاٹیج سامنے آیا تو پتا چلا کہ وہ وسیع و عریض محل اپنی جگہ ایک حکومت کا مرکز تھا۔ وہاں سے صرف منشیات کی مقامی تجارت اور برآمد ہی کنٹرول نہیں کی جاتی تھی بلکہ لائیڈز کاٹیج کی زمین دوز تعمیرات میں غیر قانونی طور پر درآمد کیے ہوئے اسلحے اور بارود کے ذخائر بھی رکھے جاتے تھے اور وہیں میں نے پہلی بار جمی لائیڈ کی تصویر دیکھی تھی اور ویرا نے انکشاف کیا تھا کہ اسی شخص نے اٹلی میں ڈان مرسیانو کے نام سے ویرا کے ساتھ بہت برا سلوک کیا تھا۔ پھر دوسری بار ڈیلیٹا کیمپ میں قید کے دوران میں ایمی فرانسس کے ذریعے وہی تصویر سامنے آئی جسے ایمی نے پیر طاہوخ کے نام سے شناخت کیا مگر ویرا کا کہنا تھا کہ پیر طاہوخ محض ایک بہروپیا اور بھانڈ تھا جو کسی بھی طرح شی کا سربراہ کہلائے جانے کے قابل نہیں تھا اور اب ڈیوڈ کاٹرل جمی لائیڈ کو جہاز رانی کی صنعت کا ایک بڑا نام قرار دے رہا تھا۔ کمال کی بات یہ تھی کہ جمی لائیڈ کی ذات کے بارے میں ہونے والے سارے انکشافات اس کی ذات کو بے نقاب کرنے کے بجائے اس کی شخصیت کو مزید الجھائے جا رہے تھے۔ اور یہ فیصلہ کرنا دشوار تر ہوتا جا رہا تھا کہ اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے کون سی راہ اختیار کی جائے؟

شی کے بارے میں میری یہ غلط فہمی عرصہ دراز پہلے دور ہو چکی تھی کہ اس میں نیچے سے اوپر تک صرف مجرم ہی بھرے ہوئے تھے۔ ان میں اعلیٰ دماغ اور پیشہ ور فنی ماہرین بھی تھے جو جدید دور کی اہم مواصلاتی اور دیگر سہولتوں سے شی کو فیضیاب کر رہے تھے اور غالباً یہ بات بھی ایک کھلا ہوا راز تھی کہ شی کا مطلق العنان سربراہ جمی لائیڈ تھا۔ شی کا ہر اہم فرد جمی لائیڈ کے نام سے واقف تھا اور اگر وہی جمی لائیڈ جہاز رانی میں ایک بڑا نام تھا تو ویرا اس حقیقت سے کیوں لاعلم تھی۔ تنظیم میں رہ کر اپنے باپ کی تلاش کا طویل راستہ اختیار کرنے کے بجائے اسے جہاز رانی سے متعلقہ لوگوں سے مراسم استوار کر کے براہِ راست اپنے باپ کے دفتر میں پہنچنے کی کوشش کرنا چاہیے تھی۔

جب ویرا پاکستان میں مجھ سے ٹکرائی تو اپنے باپ کی صورت سے واقف نہیں تھی، بس نام ہی جانتی تھی، اگرچہ جمی لائیڈ کا نام اسے شی میں لانے کا محرک بنا تو نام ہی کی بنا پر اسے جہاز راں جمی لائیڈ کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہیے تھا جو اپنی کاروباری سرگرمیوں کی بنا پر کوئی ڈھکا چھپا نہیں بلکہ معروف نام رہا ہو گا۔

لیکن اس بارے میں میرے ساتھ عجیب اتفاقات پیش آ رہے تھے۔ اگر ڈیوڈ کاٹرل مجھے اپنے کیبن میں شراب نوشی کی دعوت نہ دیتا یا میں اس کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیتا تو میں جمی لائیڈ کے بارے میں اس سنسنی خیز کہانی سے محروم رہ جاتا کیوں کہ ڈیوڈ کے بیان کے مطابق وہ تصویر صرف کپتان ہی کے کیبن میں ہوا کرتی تھی جہاں عام حالات میں میرے گزر کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ میں روز الی پر اپنا سفر طے کر کے اٹلی پہنچ جاتا اور میرے فرشتوں کو بھی اس جہاز سے یا جہازی صنعت سے جمی لائیڈ کے تعلق کا پتا نہ لگ پاتا۔

ڈیوڈ کے کیبن میں جمی لائیڈ کی تصویر دیکھتے ہی مجھ پر دہشت اور تشویش کی جو لہر طاری ہو گئی تھی، ڈیوڈ سے بات ہونے کے بعد رفع ہو گئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ سلطان شاہ بھی کیبن میں اپنے بستر پر اسی تشویش میں مبتلا ہو گا پھر رات بھی جاگتے ہوئے گزر چکی تھی لہٰذا میں نے دوسرے دور کی فرمائش کیے بغیر ہی اپنی کرسی چھوڑ دی اور ڈیوڈ کی رہنمائی میں اپنے کیبن کی طرف روانہ ہو گیا جو اسی طور پر میری راہداری میں واقع تھا۔

ڈیوڈ کو صبح کی روانگی کے لیے کچھ پیشگی تیاریوں کا جائزہ لینا تھا۔ لہٰذا وہ مجھے پانچ نمبر کیبن کے سامنے چھوڑتا ہوا آگے بڑھ گیا اور سلطان شاہ نے پہلی دستک پر میرے لیے کیبن کا دروازہ کھول دیا۔

”یہ جہاز پہلے جمی لائیڈ کی ملکیت میں تھا اُس وجہ سے اُس کی تصویر موجود ہے۔“ میں نے جوتوں سمیت بستر پر دراز ہوتے ہوئے گہری سانس لے کر کہا۔

”کیا یہ بات تمہیں ناقابلِ یقین نہیں لگتی؟“ اُس نے پُرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

”ڈیوڈ سے میری تفصیلی بات ہوئی ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔“

”لیکن یہ جمی لائیڈ مال بردار جہاز کیوں رکھنے لگا؟“ اس نے دوسرا سوال کیا اور میں نے وہ تمام معلومات اس کے سامنے دُہرا دیں، جو ڈیوڈ سے میرے علم میں آئی تھیں۔ وہ خاموشی کے ساتھ میری باتیں سُن رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مترشح تھی۔

"اگر وہ اتنا ہی کامیاب کاروباری ہے تو اسے منشیات کی لعنت میں ہاتھ ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟" میرے خاموش ہوتے ہی اس نے اگلا سوال کر ڈالا۔

"تم اُلٹی طرح سوچ رہے ہو۔ سارا پیسہ اس نے ہیروئن اور اسلحے کی اسمگلنگ کے ذریعے کمایا ہے لیکن اس کالے دھن کے ذریعے وہ معاشرے میں عزت کا مقام حاصل نہیں کر سکتا تھا لہٰذا اُس نے اپنی بے اندازہ دولت کا ایک حصّہ جہاز رانی کی صنعت میں لگا دیا اور اسی کی آڑ میں کھلے بندوں دندناتا پھرتا ہے۔"

"اور وہ خود کو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کرتا۔"

"آخر وہ کیوں چھپائے؟ وہ جہاز راں کی حیثیت ... سامنے آتا اور اپنی تصاویر لگواتا ہے کشتی میں صرف اس کا نام چلتا ہے۔ میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ کشتی میں کبھی کسی نے جمی لائیڈ کو نہ دیکھا ہوگا اور وہ اس قدر کامیاب دُہری زندگی گزار رہا ہے کہ کشتی والے یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ان کی مجرمانہ سرگرمیوں کی سرپرستی کرنے والا اتنا بڑا صنعتکار بنا بیٹھا ہے۔ وہ ڈٹ کر پوری دُنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہے۔"

"جب ڈیرا میت اس کے تمام قریبی ساتھی اس حقیقت سے بے خبر ہیں تو میں حیران ہوں کہ تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کر لیا۔" وہ فرطِ حیرت سے اس لمحے شاید خالی الدماغ ہو کر رہ گیا تھا۔

"کشتی کے اراکین کے لیے جمی لائیڈ بس ایک نام ہے جب کہ میں نے لائیڈ کاٹیج میں اس کی پوشیدہ تصویر دیکھی تھی تم مان لو کہ رفاقت پر اگر ڈیرا بھی ہمارے ساتھ ہوتی تو وہ بھی یہی نتیجہ اخذ کرتی جو میں نے کیا ہے۔"

"یہ تو مافیا کا سا چکر معلوم ہونے لگا ہے۔" وہ پُرخیال لہجے میں بڑبڑایا۔ "مجرم بھی سیاست داں اور صنعت کار ہونے لگیں تو انسان کس پر اعتبار کر سکے گا؟"

"یہ اعتبار کا دور ہی نہیں رہا۔" میں نے جوتے اُتارتے ہوئے کہا۔ "چھوٹے موٹے جرائم کی اور بات ... لیکن بڑے جرائم اس وقت رونما ہوتے ہیں جب ان کے پیچھے بارسوخ لوگ کارفرما ہوں۔"

"اس کی جہازی کمپنی کا کیا نام ہے؟"

"اس بارے میں مَیں نے ڈیوڈ سے زیادہ بات نہیں کی ورنہ وہ میری طرف سے شبہات کا شکار ہو جاتا۔ موقع ملا تو میں جہاز کے عملے سے بات کروں گا۔ اسٹیوارٹ نے بتایا تھا کہ اس جہاز کا سارا عملہ پرانا ہے۔ اس نے بس کپتان ہی کو بدلا ہے ان پرانے آدمیوں کو جمی لائیڈ کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوگا۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جمی کے بارے میں ہمارے اندازے اگر درست ہیں تو وہ حیرت ناک صلاحیتوں کا مالک ہے۔" اس نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

"اس کی صلاحیتوں میں تو واقعی کوئی شبہ نہیں لیکن تم کس بنا پر یہ کہہ رہے ہو؟"

"وہ بیک وقت کئی کردار ادا کر رہا ہے۔ لندن میں پیلازو کی حیثیت میں وہ اسٹیج کا ایک ریٹائرڈ مسخرہ ہے جو گزارے کے لیے چھوٹے موٹے جرائم بھی کر لیتا ہے، روم میں ڈان ریٹو ہے جو تخریب گری میں مصروف ہے کشتی کا سربراہ بھی ہے اور جہاز رانی کا کاروبار بھی کرتا ہے اور ہر جگہ موجود نظر آتا ہے کسی کو اپنی ذات پر شبہے کا موقع دیے بغیر بیک وقت اتنے متضاد کردار ادا کرنا آسان نہیں ہے۔"

"اور اب میرے ذہن میں ایک اور خطرہ سر اُبھار رہا ہے" میں نے بستر پر پہلو بدلتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"تمہارے اندیشے کبھی بے بنیاد نہیں ہوتے۔" وہ ہلکے سے مُسکرا کر بولا۔ "اب کیا سوچ رہے ہو؟"

"جمی لائیڈ بہت چالاک اور محتاط آدمی ہے۔ اگر ڈیوڈ کا بیان درست ہے تب بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جمی لائیڈ نے اپنی تصویر دروازے پر کیوں چھوڑی، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے تمام جہازوں کے کپتانوں کے کیبن میں اپنی تصویریں کیوں آویزاں کرائی ہوئی ہیں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ یوں اپنی انا کی تسکین کرتا ہو۔"

"انا کی تسکین کی بات ہوتی تو تصویر کپتان کے کیبن کے بجائے عرشے پر کسی ایسی جگہ لگی ہوئی ہوتی، جہاں زیادہ لوگ اسے دیکھ سکتے۔ کیبن کے بجائے جہاز کا میس بھی اس کے لیے مناسب ہوتا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "دوسری بات یہ کہ جمی لائیڈ جیسے متضاد رُوپ اختیار کیے ہوئے ہے، اس کی وجہ سے وہ حتی الامکان اپنی تشہیر سے بچنے کی کوشش کرتا ہوگا۔ اس خیال سے غور کرو تو محسوس ہوتا ہے کہ تصویر لگانے کے لیے کپتان کا کیبن سب سے موزوں جگہ ہے، جہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں پھٹک سکتا۔"

"پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تشہیر ہی مقصود نہیں تو تصویر لگانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "اب تم صحیح لائن پر آئے ہو، میرا خیال ہے کہ وہ صرف تصویر نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ کوئی شعبدہ بھی منسلک ہے..."

"ٹرانسمیٹر!" اس نے میری بات کاٹ کر تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

"طاقت ور ٹرانسمیٹر جس کے ذریعے کپتان کے کیبن میں

ہونے والی ہر بات کہیں سُنی یا ریکارڈ کی جاتی ہے تاکہ جمی لائیڈ ہر وقت اپنے سینئر عملے کے عزائم پر نگاہ رکھ سکے۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "تشی میں تم دیکھ ہی چکے ہو کہ جدید ترین مواصلاتی آلات یہ لوگ کتنی بے دردی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں، میں نے پاکستان میں جیوا ہاؤز بھی دیکھا تھا اور ابھی آخر میں ہم ڈیلٹا کیمپ کے تجربے سے گزر چکے ہیں۔"

"جہاں تک مجھے معلوم ہے، ہر ٹرانسمیٹر کے کام کرنے کی ایک حد ہوتی ہے، جب کہ بحری جہاز دُنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کرتے رہتے ہیں اور مرکز سے ایک مخصوص فاصلہ پیدا ہوتے ہی ٹرانسمیٹر ناکارہ ہو جاتے ہوں گے پھر ان کی کیا افادیت رہ جاتی ہے؟" اس نے سوچ سمجھ کر سوال کیا۔

"یہ بات میرے ذہن میں بھی تھی، اسی لیے میں نے سُننے کے ساتھ ریکارڈنگ کا بھی ذکر کیا تھا۔ ریکارڈنگ یونٹ جہاز کے کسی بھی محفوظ اور ناقابلِ رسائی حصّے میں ہوگا۔ جہاز کے شیڈول کے مطابق راستے کی مخصوص بندرگاہوں پر اس یونٹ سے کارٹرج نکال لیا جاتا ہوگا جو جمی تک پہنچ جاتا ہوگا۔"

"لیکن آپریٹس تو کیبن میں کہیں بھی لگایا جا سکتا تھا، اس کے لیے تصویر کی آڑ کی کیا ضرورت تھی؟"

"ان کیبنوں میں بہت کم اور ہلکا پھلکا سامان ہوتا ہے اور سارا بحری عملہ ہمیشہ یکسانیت کا شاکی رہتا ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ دورانِ سفر کیبن کے سامان کو الٹ پلٹ کرتے رہتے ہوں، اس میں ٹرانسمیٹر کا راز فاش ہو سکتا تھا لیکن جہاز کے مالک کی تصویر عملے کے لیے ایک اعتبار سے اہم ہو جاتی ہے، پھر وہ تصویر اتنی مہارت کے ساتھ لگائی گئی ہے کہ دیوار کی ساخت کا ایک حصّہ بن گئی ہے۔ اسے اُکھاڑنے سے اس مقام پر چوکور بدنما خلا بھی پیدا ہو سکتا ہے لہٰذا تصویر ہمیشہ جُوں کی توں رہتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ملبے کے دام جہاز فروخت ہونے کے بعد بھی اسے نہیں چھیڑا گیا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اس موضوع پر بلاوجہ اپنا ذہن تھکا رہے ہو۔" وہ بولا۔ "اگر سب کچھ اس طرح ہی کیا گیا ہے تو اس میں ہمارے لیے تشویش کی کوئی گنجائش نہیں۔"

"مجھے بس اتنا خوف ہے کہ ہم اس وقت برطانوی ساحل کے پاس لنگر انداز ہیں، اگر شی کے کسی ساحلی مانیٹرنگ اسٹیشن پر اس ٹرانسمیٹر کی آواز سُنی جا رہی ہے تو ہم چوہے دان میں پھنس سکتے ہیں۔"

"تم تھک گئے ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "شی کا اس جہاز یا جمی لائیڈ کی جہاز راں کمپنی سے کوئی متعلق نہیں ہو سکتا۔ ابھی ہم یہی بات کر رہے تھے کہ اس کی ذلت ہر جگہ مشترک ہونے کے باوجود اس نے کامیابی کے ساتھ ہر کام کو ایک دوسرے سے الگ رکھا ہوا ہے۔"

اس پر اکتاہٹ کا حملہ ہو چکا تھا، لہٰذا میں خاموش ہو گیا لیکن میری تشویش میں کوئی کمی نہ آ سکی۔ میں جانتا تھا کہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے سُنی ہوئی ہر بات بھی جمی لائیڈ تک پہنچتی، وہ پل بھر میں شی کے متعلقہ لوگوں کو پہنچائی جا سکتی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ان دنوں جمی لائیڈ ہیرا پھیری کے رُوپ میں لندن میں موجود تھا اور ویرل کے ذریعے ہمارے فرار نے اُسے مشتعل کیا ہوا تھا، وہ صرف ہماری آوازیں سُن کر بھی ہم کو پہچان سکتا تھا جب کہ کیبن میں میری زخمی ہتھیلی اور کاغذات کے بغیر سفر کے معاملات بھی گفتگو کا موضوع بنے تھے، جن کی مدد سے جمی لائیڈ پوری صورتِ حال کا صحیح اندازہ لگا سکتا تھا۔

یہی سب سوچتے سوچتے میرے ذہن پر تکان غالب آنے لگی اور پھر میری آنکھ لگ گئی۔

جہاز پر ڈیوڈ کا ٹرل کا رویّہ مفاہمانہ اور حوصلہ افزا تھا لیکن مجھے اس کی پہلی ہدایت بھی یاد تھی جو اس نے اسٹیوارٹ سلائٹ کی موجودگی میں دی تھی۔ لہٰذا میرے پاس کیبن میں بیٹھے رہ کر سگریٹیں پھونکنے کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا۔ ڈیوڈ نے پیشگی اجازت کے بغیر کیبن سے نکلنے پر پابندی لگا کر عملاً ہمیں قیدی بنا لیا تھا۔ اس کے ساتھ مے نوشی کرتے ہوئے مجھے اس پابندی سے پیدا ہونے والی کوفت کا ذرا بھی خیال نہیں رہا ورنہ میں اس سے دوستانہ فضا میں دوبارہ اس موضوع پر بات کر لیتا۔

جہاز میں موہوم سے ارتعاش کے ساتھ طاقت ور انجنوں کی دھمک بھی سُنائی دے رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ جہاز حسبِ پروگرام لنگر اٹھا چکا تھا لیکن انٹرکام پر تین مرتبہ کی کوشش کے باوجود ڈیوڈ سے رابطہ نہ ہو سکا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جہاز کے حرکت میں آتے ہی اس پر کام کا دباؤ بڑھ گیا ہو۔

اس وقت میری رسٹ واچ بارہ بجا رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ جہاز کو اپنے سفر کا آغاز کیے کافی دیر ہو چکی تھی اور شاید کچھ ہی دیر بعد دوپہر کے کھانے کا آغاز ہونے والا تھا۔ میں نے اُٹھ کر دروازے کا اندرونی بولٹ گرا کر دروازے کا ہینڈل گھمایا تو دروازہ باہر سے بند نہیں کیا گیا تھا لیکن مسئلہ اسی پیشگی اجازت کا تھا۔ میں ڈیوڈ سے بات کیے بغیر باہر نکل کر کوئی ناخوشگوار صورتِ حال پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں نے انٹرکام کے ساتھ چوبی دیوار پر لٹکی ہوئی فہرست

میں جہاز کے ریڈیو روم کا نمبر تلاش کیا اور آپریٹر پر ڈیوڈ کاٹرل سے اپنی ملاقات کی خواہش کا اظہار کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اسے تلاش کر کے میرا پیغام پہنچا سکے گا۔
"تم اس سے ملنے کے لیے اتنے مضطرب کیوں ہو؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔
"اسی تصویر کا مسئلہ حل کرنا چاہتا ہوں۔"
"میرا خیال تھا کہ اب تک تم اسے بھول چکے ہو گے اگر وہاں واقعی کوئی ٹرانسمیٹر پوشیدہ ہے اور اس پر ہر بات سُنی جا رہی تھی تو اب تک کچھ نہ کچھ ہو جانا چاہیے تھا۔ ہمیں جہاز پر آئے ہوئے سات آٹھ گھنٹے گزر چکے ہیں۔ ہمارے دشمنوں کو اگر رزالی پر ہماری موجودگی کا شبہ بھی ہو گیا ہوتا تو وہ ہمیں ہرگز اتنی لمبی مہلت نہ دیتے۔"
"اس موضوع پر بحث نہ کرو۔" میں نے ناگواری کے احساس کے ساتھ خشک لہجے میں کہا۔ "میری چھٹی حس مجھے خطرے کا احساس دلا رہی ہے اور ویسے بھی کیبن میں محدود ہو کر رہ جانا میرے لیے دشوار ہے۔"
وہ میری بات کا بُرا مانے بغیر انگڑائی لے کر بستر پر دراز ہو گیا۔
چند ہی منٹ بعد انٹرکام کی گھنٹی بجی تھی، میں نے جھپٹ کر ریسیور اُٹھایا تو دوسری طرف حسبِ توقع ڈیوڈ بول تھا۔ "کیا بات ہے۔ سنا ہے تم میری تلاش میں ہو؟"
"کیبن سے نکلنے کے لیے تمہاری اجازت درکار ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"فی الحال یہ ناممکن ہے۔ ایک بجے تک شاید یہ پابندی ختم کر دی جائے۔" اس کی معذرت خواہانہ آواز اُبھری۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم نے میری ہدایت کو نظرانداز کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اس وقت کارگو ہولڈ میں پھنسا ہوا ہوں۔"
"تمہارے کیبن میں تو دو دن بھی گزارے جا سکتے ہیں لیکن اس خشک کمرے میں گھٹن ہو رہی تھی۔ خیر، میں ایک بجنے کا انتظار بھی کر لوں گا۔" میں نے خوش دلی سے کہا اور اس نے شکریے کے ساتھ سلسلہ منقطع کر دیا۔
انٹرکام پر ڈیوڈ کی آواز کے پس منظر میں انسانوں اور سامان کا ملا جلا شور سُنائی دے رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ جہاز پر موجود کچھ مال اِدھر اُدھر کیا جا رہا تھا اور شاید اسی کام کی رازداری کو برقرار رکھنے کے لیے ہم دونوں کو اپنے کیبن میں محدود رہنے کی ہدایت دی گئی تھی۔
مجھے ایک لمحے کے لیے خیال آیا کہ کیبن کا دروازہ مقفل تو نہیں تھا اور ڈیوڈ کاٹرل جہاز کے نچلے حصے میں کارگو ہولڈ میں کچھ دیر کے لیے مصروف تھا۔ میں اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر اس کی لاعلمی میں اس کے کیبن کی دیوار پر لگی ہوئی ممی لائیڈ کی تصویر کا بھی جائزہ لے سکتا تھا لیکن اس خیال کو میں نے خود ہی مسترد کر دیا۔ کیوں کہ ایسی کوشش کے دوران کسی سے سامنا ہونے کی صورت میں معاملات ناقابلِ تصور حد تک بگڑ سکتے تھے۔
ڈیڑھ بجے کے قریب ڈیوڈ اپنے کام سے فارغ ہو کر سیدھا ہمارے پاس آیا تھا۔ "اب تم کیبن سے نکل سکتے ہو لیکن پیچھے کا رُخ نہیں کرو گے۔ یہ رعایت میں تمہیں سو فیصد اپنی ذمے داری پر دے رہا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ تم میرے الفاظ کی پاسداری کرو گے۔" اس نے دوستانہ انداز میں میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔
"بہت بہت شکریہ۔" میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔ "ہم پوری احتیاط رکھیں گے۔"
"ناشتے کے وقت تم دونوں بے خبر سوئے ہوئے تھے، کھانے کی خواہش ہو تو ڈائننگ ہال میں چلے جانا۔" اس نے نہایت شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "چاہو تو عرشے پر کچھ وقت گزار سکتے ہو، اس وقت مطلع ابر آلود ہے لیکن سمندر پُرسکون ہے اور ہم پچیس ناٹ کی رفتار سے سفر کر رہے ہیں۔ دُعا کرو کہ موسم ایسا ہی رہے تو سفر خوشگوار گزرے گا۔"
"معلومات فراہم کرنے کا شکریہ۔ کیا تم ہمیں تھوڑا سا وقت دے سکو گے؟"
"اس وقت مشکل ہے۔" اس نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ "بدقسمتی سے یہ اس جہاز پر میرا پہلا مگر اس جہاز کا آخری سفر ہے۔ اس لیے مجھے بہت کچھ دیکھنا پڑ رہا ہے۔ جب تک ہم فرانس اور برطانیہ کے درمیان سفر کرتے ہوئے انگلش چینل سے بحیرۂ اوقیانوس میں داخل نہیں ہو جاتے، میں چین سے نہیں بیٹھ سکوں گا..."
"ٹھیک ہے... میں انتظار کر لوں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر بے پروائی سے کہا اور وہ عجلت میں وہاں سے نکلا چلا گیا اور ہم دونوں بھی کیبن سے نکل آئے، ہمارے پاس کوئی قیمتی سامان نہیں تھا لہٰذا میں نے کیبن کے غیر مقفل دروازے کو یوں ہی بند کر دیا البتہ سلور آئی میں نے ایک پٹی کے ساتھ اپنے پیٹ پر باندھی ہوئی تھی کیوں کہ اس سے مجھے بہت سی توقعات وابستہ تھیں۔ اس مہم میں وہ سکہ کہیں بھی کام آ سکتا تھا۔
زینہ طے کرتے ہوئے ہم عرشے کی طرف بڑھے تو سمندری لہروں کے ساتھ دیوہیکل جہاز کے ہچکولوں کا احساس واضح ہونے لگا جب کہ ڈیوڈ کی اصطلاح میں سمندر پُرسکون تھا۔ میری

دالنست میں اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جہاز پر مال نہیں لدا ہوا تھا۔ پاکستانی خریدار کی خواہش پر جہاز کے وسیع وعریض کارگو ہولڈ میں جو کچھ لادا گیا تھا وہ اُونٹ کے منہ میں زیرے سے زیادہ وزن کا مال نہیں رہا ہوگا۔ وزن کی اس کمی کی بنا پر سطح سمندر پر روزالی کی بلندی معمول سے زیادہ رہی ہوگی جو ہچکولوں کی شدت میں اضافے کا سبب بن رہی تھی۔

زنگ خوردہ آہنی چادروں اور چوبی شہتیروں پر مشتمل عرشہ ویران پڑا ہوا تھا۔ گھڑی کے حساب سے دن کافی گزر چکا تھا لیکن آسمان پر گہری سرمئی بدلیاں اس طرح بکھری ہوئی تھیں کہ سورج کی ایک شعاع بھی نظر نہیں آرہی تھی جس کی وجہ سے سردی بڑھی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔ عرشے کے دونوں طرف تاحدِ نظر سمندر کا نیلگوں پانی جھاگ اُڑاتا لہریں لے رہا تھا اور خشکی کا دُور تک پتا نہیں تھا۔

"اگر یہ خوشگوار موسم ہے تو خراب موسم تو واقعی خوفناک ہوتا ہوگا۔" سلطان شاہ نے ہاتھوں کو حرارت پہنچانے کے لیے بغلوں میں دباتے ہوئے کہا۔

"ملاحوں کی زبان میں موسم کا تعلق جہاز کے کل پرزوں کے ردِعمل سے ہوتا ہے۔ روزالی کے لیے شاید یہی موسم بہتر ہوگا۔" میں نے نائیلون اور فولادی تاروں کے بنے ہوئے موٹے موٹے رسّوں کے بنڈلوں سے بچ کر عرشے کے ایک دُور افتادہ حصے میں پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "ہم واقعی زیادہ دیر یہاں نہ رُک سکیں گے۔"

"کھلا آسمان اور خوشگوار موسم تو دیکھ ہی لیا۔ شام ہوتے ہوتے گھری کُہر آلے گی، میری مانو تو یہاں بیٹھ کر نمونیے کا خطرہ مول لینے کے بجائے نیچے واپس چلو۔" وہ جھرجھریاں لیتے ہوئے بولا۔ "کہیں جہاز کے ساتھ ہی یہ ہمارا بھی آخری سفر نہ بن جائے۔"

میں ہنستے ہوئے واپس ہولیا۔

ڈیوڈ نے بتایا تھا کہ جہاز پچیس ناٹ کی رفتار سے سفر کر رہا تھا جس کا ثبوت طاقت ور انجنوں کے شور اور دھواں اُگلتی چمنی سے بھی مل رہا تھا لیکن سمندر کی طرف دیکھنے سے کسی حرکت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے وہ جہاز جھاگ اُڑاتے سمندر کے بیچ میں ساکت کھڑا دائیں بائیں جھول رہا ہو۔

"ادھر کہیں فرانس کا ساحل ہوگا اور اس طرف برطانوی علاقہ ہے۔" میں نے اندازے سے سلطان شاہ کو بتایا کیوں کہ کھلے عرشے پر سمتوں کی رہنمائی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ ہر شناخت سمندر کے بیکراں سینے میں گم ہوگئی تھی۔

"بحیرۂ منجمد بھی نہیں کہیں شمال میں ہوگا۔" اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اُلو کے پٹھے نے ہمیں ٹھنڈ پھانکنے کے لیے اِدھر ہانک دیا۔ اور خود اپنے آدمیوں سمیت جہاز کے گرم حصوں میں دُبکا ہوا ہے۔"

"شاید تمھیں بھوک لگ رہی ہے۔" میں نے اس کی پشت پر ہاتھ جماتے ہوئے کہا۔ "اب آتی بھی ٹھنڈ نہیں ہے کہ تمھارا دم نکلنے لگے۔ کھانے کے بعد ہم اوورکوٹ وغیرہ پہن کر اُوپر آئیں گے۔"

"ضرور آنا لیکن میرے نہیں بلکہ ڈیوڈ کے ساتھ آنا، وہ بوتل بھی ضرور ساتھ لائے گا۔"

اپنے فلور پر پہنچ کر ہم ذرا ٹھٹکے تھے کہ ایک پتلی سی لہراتی سے جھلسی ہوئی رنگت لیکن تیکھے نقوش والا ایک یونانی ملاح اپنی میلی ڈانگری میں نمودار ہوا۔ میں نے اس سے ڈائننگ ہال کے بارے میں استفسار کیا تو وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں راستہ سمجھا کر لاتعلقانہ انداز میں اپنے راستے پر ہولیا۔

کھانے کا اصل دور شاید ختم ہوچکا تھا کیوں کہ جب ہم ڈائننگ ہال میں پہنچے تو وہاں جہاز کے عملے کے صرف تین افراد نظر آئے جو سفید فارمیکا کی میزوں پر موجود تھے ہمارے داخل ہوتے ہی ان میں سے ایک ہمیں دیکھ کر بدتمیزی کے ساتھ اُونچی آواز میں ہنسا تھا۔ پھر وہ تینوں ہی ہمیں یوں استہزائیہ نگاہوں سے گھورنے لگے جیسے ہماری پیشانیوں پر سینگ اُگ آئے ہوں۔

"انھیں نظرانداز کرنے کی کوشش کرو۔" میں نے سلطان شاہ کے بدلتے ہوئے تیور بھانپ کر جلدی سے کہا۔ "ان اُجڈ لوگوں سے اُلجھ کر ہم خسارے میں رہیں گے اور تماشا بن جائیں گے۔"

ڈائننگ ہال میں کچن کے قریب ایک لمبی سی میز پر کھانوں کی بھری ہوئی ڈشیں دھیمی لَو کے چولہوں پر سجی ہوئی تھیں اور دونوں سروں پر کراکری اور کٹلری کے ڈھیر موجود تھے۔ میز کے پیچھے صرف ایک آدمی موجود تھا جو شاید چائے، چینی یا مصالحوں وغیرہ کی فراہمی کا ذمے دار تھا۔

دیارِ فرنگ ہمارے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔ مگر سلطان شاہ کھانے کے معاملے میں بہت محتاط تھا۔ اس نے گوشت کی کسی ڈش کو نہیں چھوا کیوں کہ وہ جھٹکے کا حرام گوشت کھانے کے لیے بالکل آمادہ نہیں تھا۔ سبزیوں اور سلاد سے اپنی پلیٹ بھر کر وہ میری طرف متوجہ ہوا اور ہم اس موضوع پر کوئی بات کیے بغیر ایک ایسے گوشے کی طرف بڑھ گئے جہاں ان تینوں شرپسندوں کی طرف سے کسی اشتعال انگیزی کا امکان نہیں تھا۔

"اس جہاز پر ہر چیز ہتھوڑا چھاپ ہے۔" سلطان شاہ بیٹھتے ہوئے بولا۔ "نہ میز پوش ہیں نہ نیپکن جب کہ نیپکن تو ان کے گھٹیا ترین ہوٹلوں میں بھی فراہم کیے جاتے ہیں۔"

"عملے کی حالت تم دیکھ ہی چکے ہو، میز پوش ہر سروس کے بعد دھلوانے پڑ جائیں گے۔ کالے پیلے لباس کے ساتھ یہی مناسب ہے۔ صفائی ستھرائی ہر چیز کا ازالہ کر دیتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہاری عملے سے مل بیٹھنے کی کوشش کامیاب نہ ہو سکے گی۔" وہ چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولا۔ "یہ لوگ باہر کے کسی آدمی کو اپنے میں قبول کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتے۔"

وہ کچھ ایسا لمحہ تھا کہ سلطان شاہ کے خاموش ہوتے ہی اس کی قیاس آرائی کی تردید کا موقع فراہم ہو گیا کیوں کہ دروازے سے جو ناس ڈائننگ ہال میں داخل ہوتا نظر آ رہا تھا وہ وہی یونانی تھا جس نے ہماری آمد کے بعد چرخی کے ذریعے سیڑھی اوپر کی تھی اور شاید انگریزی بھی خاصی جانتا تھا۔

اس کے جسم پر وردی کے بجائے قرینے کا گرم سوٹ چڑھا ہوا تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جہاز میں کسی صاف ستھرے دفتری کام پر مامور تھا جس کے لیے حلیہ خراب کرنا چنداں ضروری نہیں تھا۔

کچن کے قریب والی میز سے اپنی پلیٹ صاف کر کے وہ جوں ہی فارغ ہوا، میں نے اپنی جگہ سے اس کا نام لے کر پکارا اور اس کو دعوت دی کہ وہ اکیلا ہو تو ہماری ہی میز پر آ جائے۔ اس نے گھوم کر قدرے حیرت سے ہماری طرف دیکھا تھا پھر اطمینان سے ہماری ہی طرف آ گیا۔ اس کی آنکھوں سے شناسائی کا اظہار ہو رہا تھا اور لبوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"تو تمھیں کیبن چھوڑنے کی اجازت مل ہی گئی؟" اس نے کرسی سنبھالتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"ڈیوڈ بہت اچھے دل کا آدمی ہے، ہمارے بارے میں اس نے بہت جلدی اندازہ لگا لیا کہ ہماری نیتیں صاف ہیں۔" میں نے کہا۔ "لیکن کیبن چھوڑ کر بھی ہم یہاں نہ نکلتے دوسری طرف بیٹھے ہوئے تینوں مزدوروں نے تو ہمیں دیکھتے ہی اشتعال دلانے کی کوشش کی تھی اب تم ملے ہو تو ذرا زبان کی بھڑاس نکل سکے گی۔"

"وہ تینوں ہی بدمعاش ہیں، اپنے حصے کا کام بھی دوسروں پر لاد دیتے ہیں اور ڈیوٹی کا وقت اِدھر اُدھر بیٹھ کر ضائع کر دیتے ہیں۔ ڈیوڈ نیا آدمی ہے، میں نے دانستہ اسے ان تینوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا مگر مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی نفری میں تین کی کمی کو بُری طرح محسوس کر رہا ہو گا۔"

"تو ان کی چھٹی کیوں نہیں کر دی گئی؟"

"بس آخری سفر کی رعایت سمجھ لو، ویسے ان میں سے دو سیمنز ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری کے رشتے دار ہیں۔ اسی زعم نے ان کے دماغ خراب کیے ہوں گے۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ تم کافی عرصے سے انھیں بھگت رہے ہو... کب سے ہو اس جہاز پر؟" موقع پلٹتے ہی میں نے ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر اپنے مطلوبہ سوال کی بنیاد ڈال دی۔

"اس جہاز پر تو یہ میرا اٹھائیسواں سفر ہے، پہلے میں اسی کمپنی کے دوسرے جہاز پر تھا، ان میں سے دو وہاں بھی میرے لیے سوہانِ روح بنے رہے تھے... بس یوں سمجھ لو کہ پچھلے تین سال سے ان سے تقریباً مسلسل واسطہ پڑا ہوا ہے۔"

"تمھاری کمپنی انگلش ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں یونانی کمپنی ہے، اس کے صدر دفاتر بھی وہیں ہیں جی لائیڈ کی مشہور کنگ لائنز ہے۔" اس نے ایسے لہجے میں کہا جیسے اس بارے میں میری لاعلمی اس کے لیے حیرت ناک رہی ہو اور جی لائیڈ سے واقف ہونا ہر شخص کا بنیادی فرض ہو۔

"وہ خود ایسے لوگوں پر نگاہ نہیں رکھتا؟" میں نے مصنوعی حیرت سے سوال کیا۔

"وہ بہت مصروف آدمی ہے۔" اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "پورا کاروبار اس کے پیشہ ور ملازمین چلا رہے ہیں۔ میں اٹھارہ سال سے اس کی ملازمت میں ہوں، لیکن آج تک اس کی صورت بھی نہیں دیکھ سکا۔ سنا ہے کہ اس کے اور بھی لمبے چوڑے کاروبار ہیں اور وہ سال میں اپنا بیشتر وقت عالمی دوروں پر گزارتا ہے۔"

"حیرت کی بات ہے، میں تو اسے مقدر کا دھنی ہی کہوں گا جو اتنی بے پروائی کے باوجود کمپنی کو منافع میں چلا رہا ہے ورنہ اس دور میں مخلص ملازم کہاں ملتے ہیں؟"

"میرا مشورہ ہے کہ جہاز پر کسی سے الجھنے کی کوشش نہ کرنا۔" وہ ایک دم موضوع بدل کر ہمدردانہ لہجے میں بولا۔ "تمھارا سفر مختصر سا ہے، اسے ٹھنڈے ٹھنڈے ہی تم بہتر طور پر گزار سکو گے۔"

"مشورے کا شکریہ، میں بھی اس بات کو سمجھتا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر گفتگو وہیں ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا، کیوں کہ جی لائیڈ کے بارے میں اٹھارہ سال کی طویل مدت میں وہ جو کچھ جان سکا تھا وہ اس نے دو فقروں میں بتا دیا تھا اور اب اس سے مزید کوئی کارآمد بات معلوم ہونے کی امید نہیں تھی۔

کھانے کے بعد ہم دونوں پانچ نمبر کیبن میں لوٹ آئے اور اپنے آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں بحث کر کے وقت گزارنے کی کوشش کرنے لگے۔ اسی اثنا میں چار بجے کے بعد انٹرکام پر ڈیوڈ نے پیغام دیا کہ وہ فارغ ہو چکا ہے اور میں اس سے اس کے کیبن میں ملاقات کر سکتا ہوں۔

ڈیوڈ کاٹرل اپنے آرام دہ اور گرم کیبن میں نہا دھو کر گاؤن پہنے بے تکلفی کے ماحول میں میرا منتظر تھا۔ اس کا وہ غیر روایتی انداز میرے لیے خوشگوار طور پر حیران کن تھا کیوں کہ میں نے یہی سُنا ہوا تھا کہ حقیقی انگریز کٹر روایت پرست ہوتے ہیں اور پورا لباس زیب تن کیے بغیر اپنے گھر میں بھی مہمانوں کے استقبال کو معیوب سمجھتے ہیں، مگر وہ گاؤن کی ڈوری کسے نہایت اطمینان سے بیئر پی رہا تھا۔

"تمھیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟" رسمی کلمات کے بعد اس نے براہ راست سوال کیا تھا۔

"قطعی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ایک ایسے جہاز پر جو اپنے آخری سفر پر جا رہا ہو، اس سے زیادہ کوئی سہولت نہیں سوچی جا سکتی جو ہمیں پہلے ہی میسر ہیں۔" میں نے سگریٹ سُلگاتے ہوئے کہا۔

"مصروفیت کے باوجود میں کئی بار سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو۔ میرا خیال تھا کہ تمھارے ساتھ کوئی بدمزگی ہوئی ہے۔"

"تم بے فکر رہو، چھوٹے موٹے معاملات سے ہم خود نمٹنا جانتے ہیں، ان کے لیے تمھارا وقت برباد نہیں کریں گے۔"

"تو کیا کوئی بڑا واقعہ ہوا ہے؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا۔

"واقعہ کوئی نہیں ہوا۔ بس میں ذرا اس تصویر کو قریب سے دیکھنا چاہ رہا تھا۔" میں نے دیوار پر آویزاں جمی لائیڈ کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔

"اس تصویر کے بارے میں تم ضرور کوئی خاص بات جانتے ہو جو مجھ سے چھپا رہے ہو۔" وہ اپنی نظریں میرے چہرے پر جما کر مضبوط لہجے میں بولا۔ "میرا اندازہ ہے کہ صبح تم میرے کیبن میں داخل ہوتے ہوئے یہی تصویر دیکھ کر ٹھٹکے تھے۔"

"تمھارا اندازہ درست ہے۔ دراصل میں پہلے بھی ایک ایسی ہی تصویر دیکھ چکا ہوں جو بولنے پر بھی قادر تھی۔" میں نے نپے تلے لہجے میں ایک سوچا سمجھا جواب دیا اور وہ حیرت سے اپنی کرسی پر اُچھل پڑا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟ بھلا تصویریں بھی کبھی بولتی ہیں؟" اس نے بُرا سا مُنہ بنا کر تلخ لہجے میں کہا جیسے میں نے اس کے ساتھ کوئی بھونڈا مذاق کرنے کی کوشش کی ہو۔ "وہ نہیں بتانا چاہتے تو میں تمھیں مجبور نہیں کر رہا جو تم یوں بے سر و پا کہانی سُنا رہے ہو۔"

"میں سنجیدہ ہوں مسٹر ڈیوڈ کاٹرل!" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "پہلی بار میں نے آواز سُنی تو مجھے بھی وہم ہوا تھا کہ تصویر کے لب ہلے ہیں لیکن آواز دراصل تصویر کے فریم میں پوشیدہ ایک لاسلکی مواصلاتی ریسیور سے اُبھری تھی جس کا راز فریم توڑ کر ہی فاش ہو سکا تھا۔"

"اوہ۔" اس کی تنی ہوئی تیوریاں یک بیک ڈھیلی پڑ گئیں۔ "یہ تصویر تو نہ جانے کب سے یہاں لگی ہوئی ہے۔ اگر اس میں سے کبھی کوئی آواز اُبھری ہوتی تو مجھے ضرور بتایا جاتا۔ مجھے تو یہ عام سی تصویر لگتی ہے۔ اس کے مقابلے میں مجھے تمھارے بارے میں اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرنا پڑے گی۔ تم یقیناً وہ نہیں ہو جو نظر آنے کی کوشش کرتے ہو۔"

اچانک میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس موضوع پر ڈیوڈ سے بات کرنے میں یہی ایک خطرہ تھا کہ وہ ہماری طرف سے بھڑک نہ جائے اور وہ خطرہ درست ثابت ہوتا نظر آ رہا تھا مگر میں نے بظاہر اس کی بات کا کوئی اثر لیے بغیر ہنستے ہوئے کہا۔ "میرے بارے میں تم جو چاہو فیصلہ کر لینا لیکن فی الحال مجھے تصویر کا جائزہ لینے کی اجازت دے دو۔"

"اور اگر تم نے تصویر کو نقصان پہنچانے کی کوشش یا کوئی شرارت کی؟" اس کی آنکھوں میں شبہات کی پرچھائیاں اُمڈ آئی تھیں۔

"تمھارے جہاز پر میری موجودگی کا کوئی اندراج نہیں ہے۔ بے دریغ گولی مار کر سمندر میں پھکوا دینا۔" میں نے بلا تامل جواب دیا۔

"تصویر تو یہاں سے بھی نظر آ رہی ہے۔ اسے چھیڑ کر تم کیا تیر مار لو گے؟"

"میں اس کے فریم کے مختلف حصّوں پر زور دے کر اس میں کہیں دُہری ساخت کا پتا چلانا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمھیں واقعی کوئی حیرت ناک ثبوت دکھلانے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"کوئی اوزار نہیں ملے گا۔ ہاتھوں سے جتنا چاہو ٹٹول لو۔" اس نے بیئر کے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لے کر کہا۔ "مگر یہ یاد رکھنا کہ میری نگاہیں تم پر ہر لمحہ مرکوز رہیں گی۔"

میں نے گہری فکرمندی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی اور جمی لائیڈ کی تصویر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کی طرف بڑھ گیا۔ پہلے میں نے ایک تپائی پر کھڑے ہو کر تصویر کو چھیڑے بغیر غور سے تصویر اور پورے فریم کا جائزہ لے ڈالا لیکن اس میں کہیں بھی کوئی غیر معمولی بات تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا پھر میں نے دونوں ہاتھوں سے مضبوط

چوبی فریم کے ہر حصے پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا لیکن فریم اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہو سکا۔

" سر کے بل کھڑے ہو کر دیکھو تو شاید کچھ مل ہی جائے گا۔" ڈیوڈ کی استہزائیہ آواز میرے کانوں میں آئی۔

" مجھے بھی یہی محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے چوبی فریم پر اپنا کام جاری رکھتے ہوئے جواب دیا۔" زیادہ افسوس اس بات کا ہوگا کہ میں نے اپنے ساتھ تمہارا بھی قیمتی وقت برباد کیا۔"

چند ثانیوں کے لیے کیبن کی فضا پر بوجھل سکوت چھا گیا۔

میں فریم کی اوپری لکڑی پر طبع آزمائی کر رہا تھا کہ اچانک کیبن ڈیوڈ کی پُرجوش ہذیانی آواز سے گونج اٹھا۔" ہٹو... تصویر سے دور ہٹو... وہ رنگ بدل رہی ہے۔"

میں نے بوکھلاہٹ میں تپائی سے چھلانگ لگا دی۔ ڈیوڈ اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا اور حیرت سے مُنہ پھاڑے تصویر کی طرف یوں نگراں تھا جیسے وہ ہولے ہولے زندہ ہو رہی ہو۔

اس کی حیرت اور محویت کو دیکھتے ہوئے میں بھی پنجوں کے بل تصویر کی طرف گھوما اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تصویر تیزی کے ساتھ سرخی مائل رنگ بدلتی جا رہی تھی اور پوری تصویر کی اوپری سطح پر ایسی جھرّیاں نمودار ہو گئی تھیں جیسے تصویر انگاروں پر رکھ دی گئی ہو۔

یہ صورت بمشکل چند ثانیوں تک برقرار رہی پھر پوری تصویر اچانک جل اٹھی۔ دیوار پر شعلوں کی لپک دیکھتے ہی ڈیوڈ بدحواس ہو گیا اور گاؤن ہی میں کیبن کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور میں سحر زدہ انداز میں جلی ہوئی تصویر کی راکھ کو قالین پر گرتے دیکھتا رہا۔ تصویر کے ساتھ ہی اس کی پشت پر لگا ہوا گتا اور چوبی فریم بھی جلنا شروع ہو گیا تھا۔

ڈیوڈ آگ بجھانے کا ایک آلہ اُٹھائے فوراً ہی واپس آیا تھا اور اس نے پائپ کے سرے پر لگا ہوا نوزل لیور دبا کر جیسے ہی تصویر پر دھار ماری اچانک اس کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی طاقتور عفریت نے اسے پورے وجود سے ہلا کر رکھ دیا ہو۔ پائپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ خود بھی بے دم ہو کر قالین پر گر گیا۔ اس کا چہرہ خوف سے دُھواں ہو رہا تھا اور دہشت زدہ پھٹی پھٹی آنکھیں تصویر کے سلگتے ہوئے ڈھانچے پر یوں مرکوز تھیں جیسے اسے دُھویں کی آڑ میں جمی لائیڈ کا بھوت نظر آ رہا ہو۔ اس کے ہاتھوں پر گرنے کے بعد بھی تشنج طاری تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ اس ساری ہنگامہ آرائی اور ڈیوڈ کی چیخوں کے باوجود کسی نے دخل اندازی نہیں کی تھی یا شاید خوش قسمتی سے اس وقت جہاز کا وہ حصہ ویران ہی پڑا ہوا تھا۔

" اس کیبن سے نکل چلو۔" ڈیوڈ کے حلق سے سرسراتی ہوئی پھنسی ہوئی آواز ابھری۔" یہ تصویر آسیبی تھی، اس پر دھار مارتے ہی کسی نادیدہ وجود نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔" خوف سے اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔

" کچھ نہیں، یہ سب ثبوت ضائع کرنے کے لیے شعبدہ بازی تھی۔" میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔" تصویر اور گتے کے درمیان چھپے ہوئے ملنے والے طاقتور برقی ہیٹر پوشیدہ تھے جو فریم میں پوشیدہ کوئی خفیہ سوئچ دبتے ہی آن ہو گئے اور تصویر خاکستر ہو گئی۔ تم نے آلے سے جو دھار تصویر پر ماری، اس کے ذریعے تمہیں برقی جھٹکا لگا ہوگا کیونکہ آگ بجھانے کے عام آلے بجلی کی آگ پر خطرناک ثابت ہوتے ہیں، تم یہیں ٹھہرو۔ میں بجلی کی آگ بجھانے والا آلہ تلاش کر کے لاتا ہوں ورنہ سلگتی ہوئی لکڑیاں پھر بھڑک اٹھیں گی۔"

" انٹرکام پر کسی سے کہہ دو، تم یہیں ٹھہرو۔ وہ واقعی بجلی کا طاقتور جھٹکا تھا... بدن سے ساری جان نکل گئی ہے۔" اس نے ہانپتے ہوئے اٹک اٹک کر کہا۔

" شکر ادا کرو کہ تم زندہ بچ گئے، یہ جھٹکا تو شاید ہاتھی کو بھی ختم کر دیتا۔ اب کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں، میری مانو تو اس واقعہ کا کسی سے ذکر بھی نہ کرنا۔ یہ کہانی پھیل گئی تو کچھ لوگ تمہارے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔"

اس کی ساری اکڑفوں رفع ہو گئی تھی اور وہ سہمے ہوئے کسی فرماں بردار بچے کی طرح توجہ سے میری بات سن رہا تھا۔ میں کیبن سے نکلا اور راہداری کے سرے سے بجلی کی آگ بجھانے والا آلہ اٹھا لیا۔ جلی ہوئی تصویر میں سے ہیٹر کے کئی سیاہ تار ٹوٹ کر باہر نکل آئے تھے اور یہی ڈیوڈ کی خوش نصیبی تھی، اگر جلتے ہوئے تار فوم کمپاؤنڈ کی ٹھنڈی دھار پڑتے ہی ٹوٹ نہ جاتے تو شاید ہزاروں واٹ کی برقی لہر آناً فاناً میں اس کے بدن کو جلا کر سیاہ کر دیتی۔

میں نے اپنا لایا ہوا آلہ احتیاط کے ساتھ استعمال کر کے پوری آگ سرد کر دی۔ اس دوران میں ڈیوڈ کا ٹرل قالین سے اٹھ کر تھکے ہوئے انداز میں بستر پر گر گیا تھا لہٰذا میں ایک مرتبہ پھر تصویر کے باقی ماندہ فریم کی طرف متوجہ ہو گیا کیونکہ اس حیرت ناک آتش زنی کے بعد میرے نتھنوں نے پلاسٹک اور فائبر کے جلنے کی بو نمایاں طور پر محسوس کی تھی جب کہ تصویر میں وہ مادے کہیں استعمال نہیں ہوئے تھے۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد میں تصویر تک آنے والے دیوار میں پوشیدہ برقی تاروں کے سرے تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا جو داہنی طرف سے فریم کے نیچے آئے تھے۔ انھیں علیحدہ کر کے میں نے ادھ جلے فریم کو دیوار سے الگ کرنا شروع کر دیا جو آگ سے محفوظ کسی مصالحے کی چادروں سے کھڑی کی گئی تھی۔

تصویر اپنے سارے لوازمات کے ساتھ خاکستر ہو چکی تھی لہٰذا فریم کی اوپری لکڑی کے نیچے کا کھوکھلا حصہ بہت آسانی کے ساتھ

ظاروں میں آگیا جہاں پلاسٹک اور ننھے ننھے الیکٹرونک پرزوں پر مشتمل ایک جلا ہوا ڈھیر پوشیدہ تھا۔ اس ڈھیر کو نکال کر میرے زین خدشات کی تصدیق ہو گئی کیونکہ جلنے سے پہلے وہ اشیا یقینی طور پر کسی طاقتور ٹرانسمیٹر کی صورت میں رہی ہوں گی مگر میں نے ڈیوڈ حد تک اپنی بولتی ہوئی تصویر کی کہانی پر جمے رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔" اس نے ادھ جلے ڈھیر کا معائنہ کرتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "تو تمہارا خیال ہے کہ یہ لاسلکی ریسیور ہے جس پر کسی بھی وقت آواز ابھر سکتی تھی۔"

"میرا اندازہ یہی ہے کیونکہ میں نے ایک تصویر کو خود بولتے سنا تھا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"وہ کون لوگ ہیں، جو اس واقعہ سے آگاہ ہوتے ہی میرے خون کے پیاسے ہو سکتے ہیں؟" اس کی آواز میں خوف اور تشویش کے آثار بدستور برقرار تھے۔

"میں خود ان سے لاعلم ہوں۔" میں نے بے بسی کے ساتھ کہا۔ میں بولتی ہوئی تصویر کا کہیں ذکر کر بیٹھا تھا۔ اس کے بعد مجھ پر یکے بعد دیگرے تین ناکام قاتلانہ حملے ہوئے تھے۔ زندگی تھی جو بچ گیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ کنگ لائنز کے ہر جہاز میں جمی لائیڈ کی ایسی ہی ہولناک تصاویر لگی ہوئی ہیں؟" اس نے پُرخیال انداز میں فضا میں گھورتے ہوئے کہا۔

"امکان یہی ہے۔" میں گفتگو کو اختصار دے کر اس سے جلد از جلد پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔

"لیکن اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ ہر جہاز پر طاقتور ریڈیو مواصلاتی نظام ہوتا ہے، اس کی موجودگی میں یہ دوہرا خفیہ نظام کیوں ضروری سمجھا گیا؟"

"اس پر بعد میں بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ پہلے دیوار کے اس حصے کو صاف کر کے یہاں کینوس یا ریکسین لگانے کا بندوبست کرو، تاکہ نئے آنے والے کو کیبن میں کسی بڑی تبدیلی کا احساس نہ ہو۔"

جمی لائیڈ کی تصویر کے حیرت ناک انجام نے میرے اور ڈیوڈ کے درمیان ہر تکلف اور فاصلہ آناً فاناً میں مٹا دیا تھا اور وقتی طور پر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میری مدد کے بغیر کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ دیوار کے متاثرہ حصے کو چھپانے کے لیے اس کے پاس کوئی چیز نہیں تھی جبکہ پہلے میں جہاز کے عملے کے کسی فرد کی آمد پر میں نے پابندی عائد کر دی تھی لہٰذا میں نے اسے ضروری سامان کیبن نمبر پانچ میں بھجوانے کا مشورہ دیا اور خود بھی سلطان شاہ کے پاس پہنچ گیا۔

تصویر کی کہانی اس کے لیے ناقابلِ یقین حد تک حیرت ناک ثابت ہوئی اور وہ اس بارے میں اپنی کہی ہوئی باتوں پر نادم نظر آنے لگا۔ "ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے کہ تم جو کچھ کہہ دیتے ہو وہ اٹل ثابت ہوتا ہے مگر مجھ میں اتنی مغز زنی کی قوت نہیں ہے جو سامنے آ جاتا ہے اسی پر یقین کر لیتا ہوں۔ میرے تبصرے تمہیں ناگوار بھی گزرے تھے۔"

"تصویر میں آگ لگنے کا مطلب ہے کہ وہ نظام پوری طرح فعال تھا۔ ان لوگوں کی طرف سے ابھی تک کوئی کارروائی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تک ہماری اس جہاز پر موجودگی کی خبر جمی لائیڈ تک نہیں پہنچی ہے۔ اب ہمیں روم کا خیال ترک کر کے پہلی فرصت میں روزالی چھوڑنے کی فکر کرنا چاہیے۔"

"اس بارے میں تو ڈیوڈ ہی کوئی مناسب مشورہ دے سکے گا۔"

"میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ ظاہری بھرم اور رعب دار شخصیت کے باوجود وہ اندر سے بہت بودا آدمی ہے، وہ اس قدر خوفزدہ ہو گیا ہے کہ اب اعتدال پر آنے تک مجھے اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہے گا۔ تمہاری طرح تصویر جل اُٹھنے تک وہ بھی میرا مضحکہ اڑا رہا تھا اور سر کے بل کھڑے ہو کر تصویر دیکھنے کا مشورہ دے رہا تھا۔"

اسی گفتگو کے دوران میں ایک خلاصی ڈیوڈ کے بتائے ہوئے سامان کا تھیلا لے آیا اور ہم اس کی واپسی کے چند منٹ بعد تھیلے سمیت ڈیوڈ کے کیبن کی طرف ہو لیے۔

"اوہ خدا!" اندر قدم رکھتے ہی سلطان شاہ حیران رہ گیا تھا۔ "یہاں تو ایسا معلوم ہو رہا ہے، جیسے کوئی بہت بڑا معرکہ ہوا ہو، بس چند لاشوں کی کمی نظر آ رہی ہے۔"

"سب کچھ اس قدر غیر متوقع انداز میں ظہور پذیر ہوا کہ چند منٹ کے لیے تو میں بھی حواس باختہ ہو گیا تھا اور ڈیوڈ کو ہر طرف آسیب نظر آنے لگے تھے۔" میں نے کہا۔

"تم کون سی زبان بولنے لگے؟ انگریزی میں بات کرو تاکہ میں بھی کچھ سمجھ سکوں۔" ڈیوڈ نے کمزور آواز میں اعتراض کیا جو ان حالات میں بالکل جائز تھا۔

"میرے ساتھی کی انگریزی ذرا کمزور ہے، اس لیے اسے اپنی قومی زبان میں صورتِ حال سمجھا رہا تھا۔ تم آرام کرو، میں اس کے ساتھ مل کر دیوار کی مرمت کراؤں گا۔" میں نے اس کے قریب جا کر نرم لہجے میں کہا۔ "تم چاہو تو تھوڑی سی وھسکی لے لو، اس سے تمہارے اعصاب کو سکون مل سکے گا۔"

"تم نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس تصویر کا راز معلوم کر کے تمہیں کیا حاصل ہو گیا۔ لگی رہتی تو پاکستان میں جہاز توڑنے والے مزدور خود ہی اس کا حلیہ بگاڑ دیتے۔"

"یہ بتاؤ کہ جہاز پر تمہارے پاس کچھ اسلحہ بھی ہے؟" میں نے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

وہ بوکھلا کر بستر سے اٹھ گیا۔ "خدا کا خوف کرو ڈینی! یہ جنگی نہیں ایک بوسیدہ اور از کار رفتہ مال بردار جہاز ہے کیا اب تم اس

پر چاند ماری کی مشق کرنا چاہتے ہو؟"

" میں نے تو پہلے تصویر کو صرف بولتے دیکھا تھا، ہو سکتا ہے کہ تمھارے کیبن کی تصویر سے جو کچھ برآمد ہوا وہ محض ریسیور نہیں بلکہ ٹرانسمیٹر بھی رہا ہو تو صورت حال کیا بنے گی؟" میں نے موقع دیکھ کر اسے آنے والے حالات کے لیے تیار کرنے کی نیت سے صحیح صورت حال سے آگاہ کرنا چاہا۔

" اس وقت تو اگر تم یہ بھی کہہ دو کہ وہ ٹرانسمیٹر نہیں بلکہ چھ ٹانگوں والا ہاتھی تھا تو شاید مجھے یقین کرنا پڑے گا۔" اس نے منہ بنا کر تلخ لہجے میں کہا۔ سلطان شاہ تھیلے سے سامان نکال کر کیبن کی دیوار کی مرمت میں مصروف ہو گیا تھا۔

" مجھے ڈر ہے کہ اس آلے کے ذریعے تمھارے کیبن میں لیے جانے والے سانسوں کی آواز بھی کہیں سنی یا ریکارڈ کی جا چکی ہو گی اور انھیں علم ہو گیا ہو گا کہ ہم دونوں تصویر کے راز سے واقف ہو کر نادانستگی میں اسے تباہ کر چکے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ راستے ہی میں کہیں ہم کو گھیرنے کی کوشش شروع کر دیں۔"

" اپنا دماغ تھکانے کے بجائے کیوں نہ ہم اپنے ریڈیو آفیسر کو اعتماد میں لے لیں، وہ پلاسٹک اور لوہے کے اس وزنی ڈھیر کو دیکھ کر اس کی کارکردگی کے بارے میں صحیح رائے دے سکے گا۔" اس نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

" تم ریڈیو آفیسر کو اعتماد میں لو اور وہ کسی اور کو اعتماد میں لے گا اس طرح رات کے کھانے تک یہ کہانی جہاز کے پورے عملے میں پھیل جائے گی میرا خیال ہے کہ تم جہاز پر اسلحہ دیکھو اور اپنے اعتماد کے دو چار آدمیوں کو عرشے پر مامور کر دو۔"

" کھلے سمندر میں چلتے ہوئے جہاز کے قریب کوئی نہیں پھٹک سکتا، دوسری بات یہ کہ روزالی کا عملہ میرے لیے اجنبی ہے مگر ان میں کوئی بھی آتشیں اسلحہ نہیں رکھتا۔ پورے جہاز پر میرے پستول کے سوا شاید ہی کوئی دوسرا ہتھیار موجود ہو۔ اس بارے میں تم معاملات مجھ پر چھوڑ دو، جہاز پر کوئی ہیلی کاپٹر سے ہی کود جائے تو اور بات ہے ورنہ سمندر سے تو پرندہ بھی ہمارے جہاز پر پر نہیں مار سکے گا۔ چلتے ہوئے جہاز کے گرد سرکش موجوں کا بہاؤ اس قدر خوفناک ہوتا ہے کہ اس کی زد میں آنے والے سیدھے تہ نشین ہو جاتے ہیں۔" اپنے موضوع کا آغاز ہوتے ہی اس میں خود اعتمادی بحال ہونے لگی تھی۔

اس نے بستر چھوڑ دیا اور خاموشی کے ساتھ دو گلاس تیار کرنے لگا۔ اس سے پہلے میں اس کے کیبن میں آیا تو وہ بیئر پی رہا تھا لیکن اس نے مروتاً بھی مجھے مدعو کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ اس وقت وہ میری طرف سے شبہات میں مبتلا ہو چکا تھا مگر اب ہمارے درمیان باہمی اعتماد کا مضبوط رشتہ استوار ہو چکا تھا۔

" اس وقت ہم کس علاقے میں سفر کر رہے ہیں؟" اس کے ساتھ مے نوشی کا آغاز کرتے ہوئے میں نے سوال کیا۔

" ہم انگلش چینل سے گزر چکے ہیں اور فرانس یا برطانیہ کی بحری حدود سے باہر بحیرۂ اوقیانوس کے بین الاقوامی پانیوں میں تقریباً جنوب کی طرف سفر کر رہے ہیں کل دن میں کسی وقت ہم اسپین کے ساحل کے قریب پوزیشن بدل کر اسپین اور پرتگال کے ساحلوں سے ملحق کھلے پانیوں میں ہوں گے۔"

" یعنی ہم عملاً ہر قانون کی پابندیوں سے آزاد ہیں؟"

" علاقائی سمندری حدود سے باہر بین الاقوامی بحری قوانین لاگو ہوتے ہیں کم از کم کتابی حد تک سمندر میں ایک اینچ بھی جگہ ایسی نہیں ہوتی جہاں سرے سے کوئی قانون ہی رائج نہ ہو۔" اس نے وضاحت کے ساتھ بتایا۔

" اور علاقائی حدود میں اسی علاقے کا قانون چلتا ہے؟" میں نے اپنی معلومات میں اضافے کے لیے سوال کیا۔

" ہاں اور اس بارے میں ہمیں بہت محتاط رہنا پڑتا ہے کیونکہ بعض پڑوسی ملکوں کے قوانین ایک ہی چیز یا عمل کے بارے میں اتنے متضاد ہوتے ہیں کہ ذرا سی چوک ہمیں مجرم بنا سکتی ہے۔"

" جہاز کے اسٹور میں جو سامان شامل کیا گیا ہے غالباً پاکستان کی بحری حدود میں وہ بھی غیر قانونی ہو گا۔" میں نے کہا اور وہ بری طرح چونک کر مجھے گھورنے لگا۔

" میں نے تمھیں کارگو ہولڈ کا رخ کرنے کی سختی کے ساتھ ممانعت کی تھی۔" اس نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "مگر تم باز نہیں آئے۔"

" ہم نے تمھاری ہدایت کا پورا پورا احترام کیا ہے یہ راز ہمیں اسٹوارٹ سلائیڈ نے خود بتایا تھا۔"

وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ " یہ اسٹوارٹ بھی عجیب آدمی ہے۔۔ ریڈیو فون پر خود مجھے ہدایت کی تھی کہ اپنے اہم معاملات کی تم دونوں کو ہوا بھی نہ لگنے دوں اور اہم ترین بات خود ہی تمھیں بتا بیٹھا لیکن یہ کان کھول کر سن لو کہ اس کے باوجود ہم پاکستان کے کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔"

" میں کوئی کسٹم آفیسر نہیں ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ " تم بھی جانتے ہو کہ تم پاکستان میں غیر قانونی برآمد یا صاف لفظوں میں اسمگلنگ کا ارتکاب کر رہے گئے اس کام میں خرابی یہی ہے کہ جب تک آدمی مخصوص ضابطوں کے تحت پکڑا نہ جائے خود کو مجرم نہیں سمجھتا۔ ملک میں ہزاروں عام شہری ذاتی سامان میں بیرون ملک سے ممنوعہ اور تجارتی مقدار میں اشیاء لاتے ہیں اور صاف نکل جاتے ہیں جو دس پانچ بد نصیبی سے دھر لیے جاتے ہیں، انھیں اخبارات اور سرکاری کاغذات میں اسمگلر قرار دیا جاتا ہے فرق بس اتنا ہوتا ہے کہ اسمگ

سارے ہی ہوتے ہیں، بچ نکلنے والے کامیاب اور پکڑے جانے
والے ناکام اسمگلر ہوتے ہیں۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ ہم پاکستان کی سمندری حدود سے پچاس
میل باہر پارٹی کو جہاز کی ڈیلیوری دیں گے، جہاز کو گودی میں لے جانا
اور مقامی قانونی ضابطے پورے کرنا اسی کی ذمے داری ہے۔"

"اور تمھاری واپسی کی کیا صورت ہوگی؟"

"جو لانچ روزالی کے لیے مقامی عملہ لائے گی وہی ہمیں دوبئی
پہنچا دے گی جہاں ان کے لیے ہمارے پاس مکمل سفری دستاویزات
ہیں۔ دوبئی سے ہم طیارہ لے کر لندن آجائیں گے۔"

"تمھارے ساتھ تو جہاز پر کافی عملہ موجود ہے۔ کیا یہ سب
ایک لانچ میں سما جائیں گے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"لانچ بڑی ہو تو اس سے زیادہ مسافر لے جا سکتی ہے لیکن جہاز
ڈلیور کرتے وقت جہاز پر صرف چھ افراد ہوں گے، باقی عملہ راستے
کی بندرگاہوں پر آف لوڈ ہوتا جائے گا۔ اس سلسلے میں لزبن ہماری
پہلی پورٹ ہوگی، ایندھن کے ساتھ ہی جبرالٹر کے لیے کلیئرنس لینے
کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہوں گے۔"

اسی وقت انٹرکام کی گھنٹی نے گفتگو میں خلل ڈال دیا۔ ڈیوڈ
چند سیکنڈ تک دوسری طرف کا پیغام سنتا رہا پھر جلد ہی آنے کا وعدہ
کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔ ایک لمبے گھونٹ میں گلاس خالی کر کے وہ
اٹھا تو میرا چونکنا فطری امر تھا۔

"ریڈیو پر میرے لیے کوئی پیغام آ رہا ہے۔" وہ پُرتشویش
لہجے میں بولا۔

"یہ پروگرام میں شامل نہیں تھا، نہ جانے کیا بات ہے۔" اس
نے بتایا اور پھرتی کے ساتھ لباس تبدیل کرنے میں مصروف ہو گیا۔

خلافِ توقع اس کی واپسی خاصی دیر سے ہوئی۔ اس کے چہرے
پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"تم نے قانون کی پابندیوں سے آزاد رہ کر سفر کرنے کے بارے
میں کیوں پوچھا تھا؟" اس نے آتے ہی مجھ سے درشت لہجے میں
سوال کیا تھا۔

"بس یوں ہی خیال آ گیا تھا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو اور پکے سازشی معلوم ہوتے ہو۔ پتا
نہیں اسٹوارٹ سلائٹ نے کس جرم کی سزا میں تمھیں میرے ہی سر
پر مسلط کیا ہے۔ اگر تم نے مجھ سے کھل کر بات نہ کی تو میں واقعی تمھیں
شوٹ کر دوں گا۔" وہ تیز اور غصیلے لہجے میں غراتے ہوئے بولا۔

"تم بلاوجہ اعصاب زدہ ہو رہے ہو۔ سکون سے بیٹھ کر بتاؤ کہ
کیا ماجرا ہے تو تمھاری پریشانی کا حل سوچا جا سکے گا۔ اس طرح دھمکیاں
دے کر تم ہمیں خودکشی پر مجبور کر دو گے۔" میں نے بھی خشک لہجے
میں کہا۔

"تم کالی زبان والے ہو۔ جو بک رہے ہو وہ خود بخود ہوتا چلا جا رہا ہے۔"

وہ غصے میں ایک دم پھٹ پڑا۔ "فرانسیسی بحریہ کی ایک گن بوٹ
روزالی کے قریب منڈلا رہی ہے۔ ان ہی کا پیغام تھا۔ وہ ہمیں روک
کر جہاز کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

وہ خبر سن کر میرے اعصاب جھنجھنا اٹھے اور میں نے برجستہ
ڈیوڈ سے سوال کیا۔ "مگر تم تو بتا رہے تھے کہ روزالی اس وقت
بین الاقوامی سمندر میں سفر کر رہا ہے؟"

"کوئی دھونس اور دھاندلی پر اتر آئے تو کوئی دلیل نہیں چلتی۔"
وہ غصے اور جھلاہٹ کے عالم میں بولا۔ "تم نے سنا نہیں کہ وہ عام
لانچ نہیں بلکہ گن بوٹ ہے۔ انھوں نے میری ہر دلیل کو مسترد کر دیا اور
دھمکی دی ہے کہ اگر اگلے ایک گھنٹے میں جہاز کے لنگر نہ ڈالے گئے
تو وہ فائرنگ کر کے روزالی کو سفر کے ناقابل بنا دیں گے اور اس کے
نتیجے میں ہونے والے جانی اور مالی نقصان کی ساری ذمے داری میری
گردن پر ہوگی۔"

"انھوں نے تلاشی کا کوئی جواز تو بتایا ہوگا؟" اس وقت میرا
ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا لیکن ہم ایسی نازک صورتِ حال
سے دوچار تھے کہ مفر کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

"تمھارا ہی معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ انھیں روزالی پر کچھ مفرور
مجرموں کی تلاش ہے۔ پہلے انھوں نے مجرموں کو اپنے حوالے کرنے
کا مطالبہ کیا تھا۔ میں نے ایسے افراد کی موجودگی سے انکار کیا تو وہ
تلاشی کا مطالبہ کر بیٹھے۔"

"لب و لہجے سے کیا وہ واقعی فرنچ لگتے ہیں؟"

"ان کے جس افسر نے مجھ سے بات کی وہ تو کم از کم فرنچ ہی تھا۔
تمھیں ان کی اصلیت پر شبہ نہیں ہونا چاہیے وہ جہاز پر آ کر اپنی
شناخت دکھلانے پر آمادہ ہیں۔" اس نے میرا مقصد سمجھتے ہوئے کہا۔

"شناخت دکھاتے دکھاتے وہ ہمیں بے بس بھی کر سکتے ہیں۔"
میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "پھر گن بوٹ کی بات بھی بس زبانی ہے۔
باہر کہر کے باعث کچھ نظر نہیں آئے گا۔ وہ قریب آئیں تو جب ہی
پتا چل سکے گا کہ وہ واقعی اتنے طاقتور ہیں یا ہمیں صرف گیدڑ بھبکی دے
رہے ہیں۔"

"یہ نہ بھولو کہ ہمارے قریب آ کر وہ بھی بہت بڑا خطرہ مول
لیں گے۔ انھیں کیا معلوم کہ ہم بالکل غیر مسلح ہیں؟ انھیں یہ ڈر رہے
گا کہ اگر ہمیں ان کے جھوٹ کا اندازہ ہو گیا تو ان کے زد میں آتے
ہی ہم عرشے کی بلندی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں بوٹ سمیت
تہس نہس کر دیں گے۔"

"ان کے پاس ہماری تصاویر تو ہرگز نہ ہوں گی۔" میں نے

چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد کہا۔ ”ان سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم لباس اور حلیہ بدل کر تمھارے عملے میں گھل مل جائیں۔“

”تعداد میں دو کا اضافہ کہاں جائے گا، میرے پاس تو صرف اپنے عملے کی سفری دستاویزات ہیں؟“

”وہ پوری فوج تو نہیں لائے ہوں گے، دو آدمی تو اتنے بڑے جہاز پر کہیں بھی چھپ سکتے ہیں۔“

”یہ کوشش تم کر لینا، میری طرف سے پوری اجازت ہے۔ ضرورت پڑے تو تمھیں کارگو ہولڈ میں بھی گھسنے کی آزادی ہوگی۔ میں اپنے کسی آدمی کو داؤ پر نہیں لگاؤں گا۔ ان کی تعداد کتنی بھی ہو، وہ جہاز کا چپا چپا دیکھیں گے۔ اگر انھوں نے سمندر میں چلتے جہاز کو روکا ہے تو کسی یقین کی بنا پر روکا ہے۔“

”بدقسمتی سے ہم دونوں ہی اناڑی ہیں، تمھارے دو تیراک عرشے کی دوسری طرف سے بوٹ کی واپسی تک کے لیے سمندر میں کود جائیں تو تعداد بھی درست ہو سکتی ہے۔“

”بوٹ کی واپسی تک وہ ٹھنڈے پانی میں ٹھٹھر کر مر چکے ہوں گے....“

”تم انھیں غوطہ خوری کا لباس دے سکتے ہو۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”تاکہ بوٹ کے جہاز کے چاروں طرف گھومنے کی صورت میں وہ زیرِ آب جا سکیں۔ وہ لباس انھیں سردی سے بھی بچائے گا۔“

”بنیادی بات یہ ہے کہ تمھارے لیے اپنے دو آدمیوں کو میں خطرے میں نہیں جھونک سکتا۔“ اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”پھر تم ان اطراف کی سمندری زندگی سے بھی بے خبر ہو۔ دیو ہیکل موجوں کے ریلے میں یہاں جابجا شارک مچھلیاں ملیں گی، ان میں سے ایک بھی نکل آئی تو پانی میں اترے ہوئے کسی ملاح کا سراغ تک نہیں مل سکے گا۔“

اس کی آخری بات میں وزن تھا۔ اس لیے مجھے خاموش ہونا پڑا۔ اب تن بہ تقدیر ہو کر صورتِ حال کا سامنا کرنے کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نظر نہیں آ رہا تھا۔

”پھر ہمیں دو استعمال شدہ ڈانگریاں منگوا دو۔ ستارے یاور رہے تو شاید ہم آنے والوں کی نگاہوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو جائیں۔“ میں نے اس کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

”انجن روم تمھارے لیے سب سے بہتر رہے گا۔“ وہ نرم پڑتے ہوئے بولا۔ ”وہاں ہاتھ منہ کالے کر کے تم خود کو پوری طرح چھپا سکو گے۔“ اسی وقت فضا میں کسی ہوٹر کی آواز گونجی جو رد زالی کا نہیں تھا۔ شاید گن بوٹ والے اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے تھے۔

”انجن روم!“ میں تلخ انداز میں ہنسا۔ ”مسئلہ تو یہی ہے کہ ہمیں جہاز کی ساخت سے پوری واقفیت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم ان کے ایک آدمی سے بچنے کی کوشش میں بے خبری میں دوسرے کے سامنے جا کھڑے ہوں ورنہ ہمیں بزدلوں کی طرح اپنی جگہ دوسروں کو رگڑوانے کا شوق نہیں ہے۔“

”بات پھر وہیں آ جاتی ہے کہ میں عملے کے لیے نیا آدمی ہوں۔ کام اور ڈیوٹی سے ہٹ کر وہ میری بات کیوں مانیں گے؟ اگر میں نے دھونس دینے کی کوشش کی تو ان کی رسمی حمایت سے بھی محروم ہو جاؤں گا اور وہ سب تم دونوں کو پکڑ کر آنے والوں کے سامنے ڈال دیں گے۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔“

اسی افہام و تفہیم میں کافی دیر گزر گئی اور آخر کار ہم میلی ڈانگریوں کی معیت میں انجن روم کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں وہ ہم دونوں کو انجن روم کی روایتی احتیاطی تدابیر سے آگاہ کرتا رہا جن پر عمل کر کے ہم وہاں موجود عملے کے کام میں خلل انداز ہوئے بغیر خود کو مصروف رکھ سکتے تھے۔ نچلی منزل پر انجن روم تک پہنچنے سے پہلے ہی شور اور ارتعاش میں اس قدر وحشت انگیز اضافہ ہو گیا کہ میں نے وہاں پناہ لینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس ماحول میں چند منٹ گزارنے کے بعد ذہن کوئی بھی ڈھنگ کی بات سوچنے کے قابل نہ رہ جاتا۔ میری فرمائش پر ڈیوڈ نے راستہ تبدیل کر دیا اور تھوڑی سی مسافت کے بعد ہمیں ایک وسیع و عریض لیکن نمناک اور بڑی حد تک نیم تاریک گودام میں چھوڑ کر چلا گیا۔

”اب جو کچھ نہ ہو جائے کم ہے۔“ تخلیہ میسر آتے ہی میں نے سلطان شاہ سے کہا۔ ”مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ فرانس کی بحری پولیس ہوگی۔ یہ یقیناً شی کی کارروائی ہے ورنہ فرانسیسیوں کو ہم سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟“

”آج کا دن تمھارا ہے، اس لیے میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔“ وہ پُرتشویش لہجے میں بولا۔ ”ویسے مجھے بھی آثار مایوس کن نظر آ رہے ہیں۔ غالباً انھوں نے سارا دن گزار کر اپنی کارروائی کے لیے دانستہ شام کا وقت منتخب کیا ہے تاکہ گھر کی چادر ان کی کارروائی کو تحفظ فراہم کر سکے۔“

”لیکن ڈیوڈ بالکل الو کا پٹھا ہے۔“ میں نے ایک فوری خیال کے تحت چونک کر کہا۔ ”اسے ان کی بات پر یقین کرنے کے بجائے کسی قریب ترین بندرگاہ یا جہاز سے رابطہ قائم کر کے فرانسیسی حکام سے اس چھاپے کی تصدیق کرنا چاہیے تھی۔ اگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتے تو وہ بحری قزاقی کا خطرہ ظاہر کر کے ساحل سے مدد بھی طلب کر سکتا تھا۔“

”ہر آدمی کی کھوپڑی تمھاری جیسی نہیں ہو سکتی، جب دل میں چور ہو تو قانون کے کسی محافظ کا نام سامنے آتے ہی اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ آنے والے بہروپیے ہو سکتے ہیں

یا دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ اس وقت ہر ریڈیائی رابطے کی پہنچ سے باہر ہو۔"

"ساحل سے فاصلہ بھی اہمیت رکھتا ہے ہو سکتا ہے کہ جب تک وہاں سے مدد آتی، آنے والے اپنا کام کر کے لوٹ جاتے۔" میں نے خود ہی اپنے خیال کی تردید کرتے ہوئے بلند آواز میں سوچا۔ "اس نے اوپر جا کر ایمرجنسی کا اعلان کر دیا ہو گا اور اب کسی بھی وقت جہاز کے لنگر ڈالے جا سکتے ہیں۔"

ہم دونوں کافی دیر تک وہاں بیٹھے مختلف سمتوں سے آنے والی آوازوں پر غور کر کے آپس میں رائے زنی کرتے رہے۔ میرا خیال تھا کہ سمندری لہروں کے ہچکولوں کے لحاظ سے وہ گودام پانچ نمبر کیبن سے بہت بہتر تھا۔ آخر کار ہمیں لنگر کی دیو ہیکل زنجیر کی کڑیوں کی آواز سنائی دی جس کا مطلب تھا کہ روزالی کی رفتار دم توڑ چکی تھی اور گھیر میں گھرے ہوئے غضب ناک سمندر کے سینے میں لنگر اتارے جا رہے تھے۔

کھیل کسی بھی لمحے شروع ہو سکتا تھا۔ ہم دونوں سنسنی اور ہیجان کے عالم میں گنگ ہو کر رہ گئے تھے۔ دنیا جہان کے موضوعات پر مختلف اوقات میں ہم اتنی بکواس کر چکے تھے کہ اپنی زندگی کے اس نازک موڑ پر ہمارے لیے ایک دوسرے سے کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔ وہ میری حالت سے واقف تھا اور میں اس کی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

اور پھر وہی ہوا جو ایسے اعصاب شکن لمحات میں ہوا کرتا ہے۔ سلطان شاہ نے اعصابی تناؤ سے نجات پانے کے لیے اچانک ہی غزالہ کا ذکر چھیڑ دیا اور میرے وجود میں درد کی ایک میٹھی سی لہر دوڑ گئی۔

اپنی زندگی میں نے بری بھلی جیسی بھی گزاری، اپنی مرضی کے مطابق گزاری تھی کبھی عقل میرے فیصلوں پر غالب رہی اور کبھی میں نفس کا غلام بنا رہا لیکن عیش و نشاط کی پُر شکوہ محفلوں میں سب کچھ پا کر بھی کبھی مجھے وہ خوشی نہیں ملی تھی جو غزالہ کی ایک میٹھی اور دلکش مسکراہٹ سے ملتی تھی اور بڑی بات یہ تھی کہ اس نے میرے ماضی اور حال سے واقف ہونے کے باوجود مجھے میری ذات کی تمام اچھائیوں اور برائیوں سمیت قبول کر لیا تھا۔ اس قبولیت کے ساتھ ہی وہ نیک نفس لڑکی اپنی قبولیت کی ایک صلیب پر لٹکا دی گئی تھی۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اس کا مجھ سے تعلق تھا۔ وہ میری چاہت تھی اور میں اس کا شیدا تھا۔ اس جرم میں وہ وطن سے بے وطن کر دی گئی۔ ماں نے بیٹی کے اندوہناک غم میں، اس کی بے خبری میں سسک سسک کر جان دے دی۔ بیٹی کی رفاقت سے محروم باپ نے بیوی کی آغوش میں فرشتۂ اجل کو براجمان دیکھا تو اپنی وفا کی وہ بے وفائی برداشت نہ کر سکا۔ اس عظیم انسان نے پے در پے صدموں سے بوکھلا کر اپنے ہاتھوں خود اپنی زندگی کا چراغ گل کر لیا۔ غضب یہ تھا کہ غزالہ اپنے گھرانے پر گزرنے والے ان جانکاہ حادثات سے یکسر بے خبر تھی۔ وہاں سے میری مفاہمت بھی غزالہ کے مقدر کی گردش کو دور نہیں کر سکی تھی بلکہ اس کے بعد سے غزالہ مسلسل ایک جدوجہد سے گزر رہی تھی جس میں وہ بالکل اکیلی تھی اور میں اپنی پوری کوشش کے باوجود اس کے کام نہ آ سکا۔

غزالہ بھیڑیوں کے خونخوار غول میں پھنسی اپنا دفاع کر رہی تھی اور مجھ پر وہ سرزمین اس حد تک تنگ کر دی گئی تھی کہ اسے وہاں چھوڑ کر نکل بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

جذبات کی اس شدید ذہنی لہر میں وقتی طور پر یہ فراموش کر بیٹھا کہ میں کہاں اور کن مشکل حالات سے دوچار ہوں لہٰذا میرے کان بھاری قدموں کی وہ چاپ نہ سن سکے جو لحظہ بہ لحظہ قریب آتی جا رہی تھی۔ ان آہٹوں پر میرا کوئی ردِ عمل نہ دیکھ کر سلطان شاہ نے رحمی کے ساتھ مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

"وہ شاید اسی طرف آ رہے ہیں، ہوش میں آؤ ورنہ وہ گردن میں رسی باندھ کر لے جائیں گے۔" اس کی ہذیانی سرگوشی نے مجھے غزالہ کے درد و کرب میں ڈوبے ہوئے تصور کی حسین وادیوں سے نکال کر روزالی کے اس نمناک اور نیم تاریک گودام میں لا پھینکا۔

چوبی شہتیروں پر دو آدمیوں کے قدموں کی چاپ یکایک معدوم ہو گئی۔ وہ رک گئے تھے یا معجزاتی طور پر جہاز کے پیندے میں نمودار ہونے والے کسی سوراخ سے خوف ناک موجوں کی نذر ہو گئے تھے۔ میں خوابناک ذہن کے ساتھ بس اسی قدر سوچ سکا تھا کہ آوازیں پھر قریب آنے لگیں، وہ یوں تھم تھم کر بڑھ رہے تھے جیسے گودام میں قدم رکھنے سے پہلے ہمیں سسکا سسکا کر ادھ موا کر دینا چاہتے ہوں۔

ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ شانے سے شانہ ملائے بے آواز قدموں سے سرک کر اسی دیوار سے چپک گئے جس میں سامان کے داخلے کے لیے وسیع و عریض خلا چھوڑا گیا تھا۔

آہٹیں قریب تر ہوتی چلی گئیں، پھر وہ دونوں اس قدر عجیب انداز میں گودام میں داخل ہوئے تھے کہ ہم دونوں ایک تانیے کے لیے بھی ان کی نگاہوں سے نہ بچ سکے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے پشت ملا کر الٹے یا سیدھے کے بجائے پہلو سے چلتے ہوئے یوں اندر آئے تھے کہ ایک کی نگاہیں براہِ راست ہم پر پڑی تھیں اور دوسرا داخلی خلا کے بعد والی دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ دونوں ہی پوری وردیوں میں ملبوس تھے اور ان کے ہاتھوں میں ٹارچیں دبی ہوئی تھیں۔ ہمیں دیکھنے والے نے

فوراً ہی ٹامی گن کا دہانہ ہماری طرف تان کر للکارا تھا "ہینڈز اپ!" دوسرا اس کے جسم کی جنبش محسوس کرتے ہی آن کی آن میں اس کے برابر آ کھڑا ہوا تھا۔ دو ٹامی گنیں پل بھر میں ہمارے چیتھڑے اڑا سکتی تھیں، اس لیے ہاتھ بلند کرنے کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں تھی۔

اپنے خدوخال اور لہجے سے وہ فرانسیسی ہی لگ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر وہی پیشہ ورانہ پختگی اور سنجیدگی چھائی ہوئی تھی جو باقاعدہ فوجیوں کا طرۂ امتیاز ہوتی ہے۔ ان کا ایک ایک انداز ایسا نپا تُلا تھا کہ ان پر فوجی نہ ہونے کا شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ وہ دونوں چند ثانیوں تک اسی پوزیشن میں کھڑے ہم کو گھورتے رہے پھر داہنی طرف کھڑے ہوئے فوجی نے کرخت لہجے میں بولنا شروع کر دیا۔

"اپنی دونوں پنڈلیاں ننگی کرو اور دونوں ہاتھ سامنے پھیلا کر ہتھیلیاں اوپر کی طرف کھول لو۔" پہلے فوجی کی طرح وہ بھی فرنچ تھا اور انگریزی پر قادر الکلام نہ ہونے کے باوجود سپاٹ اور آسان الفاظ میں اپنا حکم صادر کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا جو میرے لیے مایوس کن ثابت ہوا تھا۔

حُلیہ تبدیل کر کے اور ڈانگری پہن کر میں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ آنے والوں کے پاس نہ ہماری تصاویر ہوں گی نہ وہ ہم کو پہچان سکیں گے اور یوں بچاؤ کی ایک راہ نکل آئے گی مگر میں یہ بھول گیا تھا کہ ہمارا واسطہ جمی لائیڈ جیسے چالاک دشمن سے پڑا ہوا تھا جسے یہ معلوم تھا کہ گروپ نائین کے ایک ہرکارے کو زخمی کرتے ہوئے میری داہنی ہتھیلی پر اتنا گہرا زخم آیا ہوا تھا جو اتنی جلدی نہیں بھر سکتا تھا اور ڈیلٹا کیمپ میں ویرا کے ساتھی کی گولی سے سلطان شاہ کی پنڈلی زخمی ہونے کا واقعہ تو پچھلے دن ہی رونما ہوا تھا۔

ڈانگری کا پائنچا پلٹتے ہی جوں ہی سلطان شاہ کے زخم پر بندھی ہوئی پٹی نمودار ہوئی ایک فوجی نے دانت پیستے ہوئے فرنچ میں کچھ کہا اور ہمیں فوری طور پر ایک دوسرے سے پانچ قدم دور ہٹنے کا حکم دیا۔ اس حکم کی تعمیل ہوتے ہی وہ دونوں اپنی ٹامی گنیں تانے الگ الگ ہماری طرف بڑھے تھے۔

قریب آ کر میری ہتھیلی کا مندمل ہوتا ہوا زخم دیکھتے ہی وہ فوجی قہر آمیز لہجے میں انگریزی میں غرایا تھا "اور یہ دوسرا باسٹرڈ ہے۔ اب کپتان سے پوچھیں گے کہ ان دونوں کو اس کی ماں نے کب جنا تھا۔"

اس کا ایک ایک لفظ توہین آمیز اور اشتعال انگیز تھا مگر اس وقت میرے دماغ پر مایوسی کی کہر جمنا شروع ہو گئی تھی لہٰذا میں خالی الذہنی کے عالم میں اسے گھورتا رہ گیا، زبان سے کچھ نہ کہہ سکا۔

وہ دونوں تلخ اور گندی زبان میں ہدایات دے کر ہمیں لے کر اوپر عرشے پر پہنچے تو وہاں ڈیوڈ کاٹرل مجرمانہ انداز میں ہاتھ بلند کیے ریلنگ کے پاس کھڑا تھا، اس کے قریب جو ناس کے علاوہ اس کا ایک اور ماتحت بھی موجود تھا۔ ان تینوں کو ایک تیسرے فوجی نے اپنی خود کار گن کی زد پر لیا ہوا تھا، اس فوجی کے پیچھے وردی میں ملبوس ایک ادھیڑ عمر شخص موجود تھا جو وردی پر بنے ہوئے نشانات اور اپنے افسرانہ انداز کے باعث ان تینوں کا کمانڈر نظر آ رہا تھا۔ ہمیں ڈیوڈ اور اس کے ماتحتوں کی طرف دھکیل کر ہمیں لانے والوں میں سے ایک نے فرنچ میں اپنے کمانڈر کو ہمارے بارے میں اپنی کارگزاری سے آگاہ کرنا شروع کر دیا، اس اثنا میں میری اور ڈیوڈ کی نگاہیں چار ہوئیں تو اس کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا۔ ہمیں بچانے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد اسے ہمارے نامعلوم انجام کا ملال تھا اور وہ خود اپنے انجام سے بے خبر تھا۔

"تم کتیا کے بچے۔" فوجی کے خاموش ہوتے ہی کمانڈر ڈیوڈ کاٹرل پر انگریزی میں برس پڑا۔ "تم تو ان کے وجود سے انکاری تھے پھر اب یہ کس کی کوکھ سے نکلے ہیں؟"

"مجھے کچھ نہیں معلوم، یہ میری بے خبری میں جہاز پر چڑھے ہوں گے۔" ڈیوڈ نے کمزور لہجے میں اپنا دفاع کیا۔

"بے خبری؟" کمانڈر غصیلے لہجے میں دہاڑا اور اشتعال کے عالم میں اس نے اپنے بغلی ہولسٹر سے پستول نکال کر ڈیوڈ کی کھوپڑی پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ "تو چلو ہمیشہ کے لیے بے خبری کے جہنم میں جاؤ۔"

پہلی گولی خطا ہوئی، دوسری ڈیوڈ کی پیشانی میں اُتر گئی تیسری اس کی بائیں آنکھ کو بھیانک غار میں بدلتی ہوئی کاسۂ سر میں کہیں معدوم ہو گئی اور ڈیوڈ دو قدم لڑکھڑا گئے وہ ایک کربناک چیخ کے ساتھ عرشے کی ریلنگ سے ہوتا ہوا سمندر کی سفاک موجوں میں پُرشور چھپاکے کے ساتھ جا گرا۔ اس کے ریلنگ پر سے سمندر میں گرتے گرتے بھی کمانڈر نے مزید دو گولیاں اس کے دم توڑتے ہوئے بدن میں اتار دی تھیں۔

چند ثانیوں کے لیے عرشے کی فضا پر موت کا سناٹا چھا گیا۔ گہر آلود فضا میں بارود کا دھواں جگہ جگہ انگڑائیاں لے رہا تھا لیکن سب مُہر بہ لب تھے۔ کمانڈر کی دیوانگی دیکھتے ہوئے کوئی بھی اس کی بربریت پر احتجاج کرنے کی جرأت نہیں کر سکا تھا۔ آخر اس

وت کو کمانڈر ہی نے اپنے ماتحتوں سے مخاطب ہو کر توڑا اس
بھی وہ فرنچ بول رہا تھا لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی
دش زدہ کتا اپنے زخموں میں لگی ہوئی جونکوں سے پریشان ہو کر
بلبلا رہا ہو۔

ایک فوجی ہم تمام قیدیوں پر ٹامی گن تانے رہا، دوسرا وائی
ائی پر کسی سے بات کرنے میں مصروف ہو گیا اور تیسرا جہاز کے
زیب سمندر میں ٹھہری ہوئی گن بوٹ والوں سے کچھ کہنے لگا۔

مجھے ڈیوڈ کی موت کا بڑا قلق تھا۔ وہ بالکل بے گناہ مارا
گیا تھا سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ بنیادی طور پر قانون کی
پاسداری کرنے والا ایک شریف انسان تھا جو ایک مغلوب الغضب
درندے کا شکار ہو گیا تھا۔ اگر وہ واقعی فوجی افسر تھا تو اسے
انسانوں کی غیر قانونی نقل و حمل کے جرم میں کسی کو گولی مارنے کا
کوئی اختیار نہیں تھا لیکن انھوں نے زخموں کی بنا پر ہم دونوں کو
شناخت کر کے خود ہی اپنے کامیاب ڈرامے کا بھانڈا پھوڑ
دیا تھا۔

اپنی تمام تر تربیت اور رکھ رکھاؤ کے باوجود وہ کسی طرح
بھی پیشہ ور فوجی نہیں تھے کیوں کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں
فوجیوں کو محاذ سے دور درندگی دکھانے کی تربیت نہیں دی
جاتی جب کہ محاذ پر یہی درندگی اور بے رحمی شجاعت کی حسین
اور فکر انگیز کہانیوں کا عنوان بن جاتی ہے۔

میں نے دل ہی دل میں عہد کیا کہ اگر ذرا بھی موقع مل گیا
تو میں اس کمانڈر سے ڈیوڈ کی موت کا انتقام ضرور لوں گا خواہ
اس کے لیے مجھے ایک بار فرانس کا سفر ہی کیوں نہ
کرنا پڑے۔

دن کے مقابلے میں اس وقت سردی زیادہ شدید تھی۔
گو ہوائیں بھی چل رہی تھیں لیکن روح فرسا واقعات کی تیزی
نے موسم کی شدت کے احساس کو بالکل ہی سلب کر لیا تھا۔
میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ کمانڈر اب عرشے پر کیوں
رکا ہوا تھا۔ بظاہر تو ہماری گرفتاری کے بعد اس کا مقصد حاصل
ہو گیا تھا اور اسے وقت ضائع کیے بغیر روانہ ہو جانا چاہیے تھا۔

چند منٹ بعد عرشے پر ایک سمت سے مزید دو انسانی
ہیولے ابھرے اور پتا چلا کہ وہ دونوں بھی نوواردوں کی ٹولی سے
تعلق رکھتے تھے۔ اس دوران میں ایک تیسرا فوجی رسے کی مدد سے
ایک مضبوط آہنی صندوق عرشے پر کھینچ چکا تھا۔ نئے آنے والوں
نے کمانڈر کو مختصر سی رپورٹ دینے کے بعد صندوق والے کا ہاتھ
بٹانا شروع کر دیا اور وہ تینوں صندوق لے کر ایک بار پھر چکردار
زینے کے کنوئیں میں غائب ہو گئے۔

"یہ صندوق ریموٹ کنٹرولڈ بم ہے جو اس جہاز کی تباہی
اور غرقابی کے لیے کافی ہے۔" کمانڈر نے جوناس اور اس کے
ساتھی سے مخاطب ہو کر کہنا شروع کیا۔ "اس کا کنٹرول یونٹ ہمارے
پاس ہے اور بم جہاز کی تہ میں لگا کر جا رہے ہیں تاکہ مجرموں
کے ساتھ ہماری واپسی پر تم کوئی شرارت نہ کر سکو۔ میرے آدمیوں
نے رپورٹ دی ہے کہ جہاز پر کہیں بھی اسلحہ کی موجودگی کے
آثار نہیں ملے۔ یہ بات تمھارے حق میں بہت اچھی ہے۔ اگر
واپسی پر ہم کو نہ چھیڑا گیا تو یہ بم یوں ہی پڑا رہے گا تم کہیں بھی
اسے گہرے سمندر میں پھینک دینا لیکن ہمارے ساتھ ذرا بھی
شرارت ہوئی تو عملے سمیت جہاز کا ملبہ منٹوں میں سمندر کی تہ میں
پہنچا دیا جائے گا۔"

"ہم قانون کا احترام کرتے ہیں۔" جوناس نے خوف زدہ
اور ہکلائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہم کوئی شرارت نہیں کریں گے خدا
کے لیے یہ تباہ کن بم یہاں نہ چھوڑو۔"

قریب ہی لگی ہوئی زرد فاگ لائٹ کے انعکاس میں
کمانڈر کے پتلے پتلے ہونٹوں پر سفاکانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "یہ
یقین کر لو کہ وہ لوگ ان دونوں قیدیوں سے کم خطرناک ہیں جنھیں
ہم ساتھ لے جا رہے ہیں۔ جب تم نے انھیں پناہ دی ہوئی تھی
تو کچھ دیر بم کو بھی برداشت کرو۔" اس کا لہجہ زہریلا تھا۔

جوناس خوف سے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔
"بم پھٹے یا نہ پھٹے، اس کی موجودگی کے انکشاف کے ساتھ
ہی ہمارے عملے میں سراسیمگی پھیل جائے گی، ہو سکتا ہے کہ کچھ
لوگ خوفناک لہروں اور شارک مچھلیوں کی پروا کیے بغیر سمندر میں
چھلانگ لگا دیں۔" جوناس کے ساتھی نے سہمی ہوئی آواز میں
فریاد کی جو اس پر اثر انداز نہ ہو سکی۔

ترحم آمیز رویے کے بجائے اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر
ہلکا سا کھچاؤ نمودار ہوا تھا جیسے وہ ملاحوں میں پھیلنے والے خوف
اور ہراس کا تصور کر کے دل ہی دل میں خوش ہو رہا ہو پھر وہ سپاٹ
لہجے میں بولا تھا۔ "جن کی موت آ گئی ہے انھیں دنیا کی کوئی طاقت
نہیں روک سکے گی وہ ہر خطرے کو نظر انداز کر کے ضرور خودکشی کی
انتھک کوشش کریں گے لیکن تم دونوں کا رول بہت اہم ہو گا تم
انھیں جہاز پر بارود کی ڈھیر کی موجودگی سے کیوں آگاہ کرنا چاہتے
ہو؟ کیا تمھیں اپنے آدمیوں پر اعتماد نہیں رہا ہے؟"

چند ثانیوں کے لیے وہ ٹپٹا گئے جیسے ان سے کمانڈر
کے سوالات کے جواب نہ بن پا رہے ہوں پھر جوناس نے
ہی سنبھالا لیا تھا۔ "ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ اب کیا کرنا ہو گا۔ ان سب
سے کام لینے والا اپنی بدقسمتی سے تمھارے ہاتھوں موت

کے گھاٹ اُتر چکا ہے۔"

"وہ اَب تک اپنے لباس سمیت خونخوار مچھلیوں کی خوراک بن چکا ہوگا۔ اسے بھولنے کی کوشش کرو، ماضی سے رشتہ برقرار رکھ کر کوئی زیادہ دیر نہیں جی سکتا۔" وہ منہ بنا کر بے پروائی کے ساتھ بولا۔ "مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا ورنہ آج دنیا کی آبادی اتنی نہ بڑھی ہوتی۔"

"ہم دونوں....." میں نے زبان کھولی ہی تھی کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر سخت لہجے میں میری بات کاٹ دی اور کسی قدر استہزائیہ لہجے میں بولا۔

"تم سے بوٹ پر بات ہوگی۔ فی الحال تم دونوں اپنی زبانیں بند رکھو گے۔ فرصت اور انتظار کے ان لمحات میں مجھے ان یتیموں کا دُکھ بانٹنے دو جن کا باپ ابھی سمندر کی بھینٹ چڑھا ہے۔"

اور میں نے سختی کے ساتھ اس کی ہدایت پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا کیوں کہ وہ سرپھرا کسی بھی لمحے ہم کو بھی اپنے تشدد کا نشانہ بنا سکتا تھا کیوں کہ اس کے اصل شکار ہم دونوں ہی تھے، باقی لوگوں سے تو وہ بس اپنا دل بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سفر جاری رکھنا چاہو یا واپس لوٹو، یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہوگا۔" کمانڈر ان سے کہہ رہا تھا۔ "بس یہ یاد رکھنا کہ اب تم ساحل یا کسی اور جہاز سے رہنمائی نہ لے سکو گے کیوں کہ تمہارے ریڈیو روم کے بعض اہم پرزے ناکارہ بنا دیے گئے ہیں اور تمہیں اپنے سفر کے باقی حصے کے لیے صرف اور صرف اپنے آلات پر انحصار کرنا ہوگا۔ یہ اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ تم جمہوریہ فرانس کے بحری محافظوں کے خلاف اپنے نامعلوم حمایتیوں سے مدد طلب نہ کرسکو۔"

ان دونوں کے چہرے تاریک پڑ گئے، جیسے وہ خبر ان کے لیے سب سے زیادہ منحوس رہی ہو۔ خوف ناک کھلے سمندر میں ریڈیائی آلات کی مدد کے بغیر سفر کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسے کسی اندھے شخص کو کسی پُر ہجوم شاہراہ پر ٹریفک کی بھیڑ میں چھوڑ دیا جائے۔

اسی وقت بارودی صندوق لے جانے والے تینوں سپاہی خالی ہاتھ عرشے پر واپس لوٹ آئے۔ کمانڈر نے ان سے چند فقروں کا تبادلہ کیا اور دو سپاہی اپنی ٹامی گنیں شانوں سے لٹکا کر رسّوں کی سیڑھی کے ذریعے گن بوٹ پر اُترنے لگے۔

ان کے اُتر جانے کے بعد کمانڈر نے مجھے اور سلطان شاہ کو روزالی چھوڑنے کا حکم دیا۔ سیڑھی کی طرف بڑھتے ہوئے میری اور جوناس کی نگاہیں چار ہوئیں تو اس کی آنکھوں میں ہمارے لیے ترحم اور افسوس کے جذبات صاف پڑھے جا سکتے تھے جب کہ میرا دل ان کی بدنصیبی پر رو رہا تھا لیکن یہ قدرت ہی کو معلوم تھا کہ ہم میں سے کون زیادہ اور کون کم مظلوم ہونے والا تھا۔

گن بوٹ ایک چھوٹے سے جہاز سے کم نہیں تھی اگر روزالی کے مقابلے میں اس کا عرشہ بہت مختصر تھا جس کا بیشتر حصّہ توپ نما گن نے گھیرا ہوا تھا مگر عرشے سے نیچے جانے والے زینوں سے یہ ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ بوٹ پر زیادہ نہیں تو کم از کم دو منزلیں ضرور تھیں۔ گن کا وزن اور گن فائر کی طاقتور تھرسٹ سنبھالنے کے لیے اس جنگی کشتی کی وہ ساخت زیادہ تحیّر خیز نہیں تھی۔

گن بوٹ کا دھیمی آواز والا انجن بیدار تھا اور روزالی سے اترنے والے دو فوجیوں کے علاوہ عرشے پر مزید دو سادہ پوش مسلح افراد ہمارے استقبال کے لیے تیار تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ کمانڈر سمیت گن بوٹ پر کل لڑاکا نفری انہی سات نفوس پر مشتمل تھی جن میں سے تین ابھی روزالی پر تھے اور شاید مزید دو تین آدمی گن بوٹ کی نیویگیشن میں رہے ہوں گے۔

دونوں سادہ پوش ہمیں ٹامی گنوں سے کور کر کے فوراً ہی عرشے سے ہٹا لے گئے۔ نچلی منزل پر اُترتے ہی اس گن بوٹ کی نفیس ترین تزئین و آرائش اور راہداری میں پڑے ہوئے دبیز قالین دیکھ کر میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ فرانس کی بحریہ اپنے فرائضِ منصبی کو بھول کر عیش کوشی میں مبتلا ہو چکی تھی اور زندگی کے اس روپ کے رسیا رنگین بزم آرائیاں تو بڑی دھوم سے کر سکتے تھے لیکن اپنے کمزور ترین حریف کے خلاف بھی رزم آرا ہونا ان کی فطرت اور مزاج کے بالکل خلاف ہوتا۔

گن کا ڈھانچا اس منزل پر بھی خاصی جگہ گھیرے ہوئے تھا اور باقی جگہ میں راہداری کے دونوں طرف آٹھ وسیع کیبنوں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ وہ دونوں ہمیں انہی میں سے ایک کیبن میں لے گئے جہاں فرش پر پڑے ہوئے دبیز قالین اور منقش وال پیپر سے آراستہ سپاٹ دیواروں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ بغلی دیوار میں نظر آنے والا دروازہ شاید ملحقہ باتھ روم کا تھا۔

میرا خیال تھا کہ ہمارے پیچھے وہ دونوں سادہ پوش بھی اندر آئیں گے لیکن میں دروازہ بند ہونے کی ہلکی سی آواز سن کر مڑا تو کیبن میں میرے اور سلطان شاہ کے سوا کوئی تیسرا نہیں تھا اور اندر کے رُخ پر دروازہ بھی دیواروں کی طرح بالکل سپاٹ تھا۔ اس میں کوئی ہینڈل یا دستہ تک نہیں تھا جس کی مدد سے دروازے کو اندر کی طرف کھولا جا سکتا جس کا مطلب تھا کہ اس مختصر سے بحری یونٹ کا قید خانہ تھا جو اب ہمارا مقدر بن گیا تھا۔

"سب کچھ چوپٹ ہو گیا۔" سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی

آواز میں کہا۔"لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ فرانس کی بحریہ کو ہماری
تلاش کیوں ہے؟"
"یہ سب ڈھکوسلا معلوم ہوتا ہے۔" میں نے آہستگی کے
ساتھ کہا۔"انھوں نے روزالی پر دھاوا بولنے کے لیے بحری فوج کی
وردیاں اور نشانات ضرور استعمال کیے ہیں لیکن اس گن بوٹ
کے شاہانہ ٹھاٹ باٹ سخت فوجی زندگی سے ذرا بھی میل..
نہیں کھاتے....."
"تم آرمی سے مقابلہ کر رہے ہو، نیوی والے تو شاید ہر
جگہ تھوڑی سی بہتر زندگی گزارتے ہیں۔"
"سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انھوں نے ہمیں ناموں
یا چہروں کے بجائے ہمارے زخموں سے پہچانا ہے اور یہ
معلومات صرف شی والے ہی فراہم کر سکتے تھے... تھوڑی دیر
صبر کرو، سب کچھ سامنے آجائے گا۔"
سلطان شاہ سر جھٹک کر باتھ روم کی طرف چلا گیا اور
میرا ذہن ایک بار پھر ڈیوڈ کاٹرل کی طرف چلا گیا۔
اسے جس قدر بھیانک اور لاتعلقانہ انداز میں ٹھکانے
لگایا گیا تھا، وہ میرے نزدیک ناقابل معافی تھا۔ کمانڈر نے
یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ ڈیوڈ سمندر میں گر کر مرا
تھا یا مر کر گرا تھا۔ اسے ایک بے جان پتھر کی طرح سمندر
میں لڑھکا دیا گیا تھا۔
ڈیوڈ نوجوان نہیں تو اتنا عمر رسیدہ بھی نہیں تھا۔ چند
گھنٹوں کی رفاقت میں اس ضدی مگر محنتی جہازراں نے میرے
دل میں اپنے لیے ایک خاص مقام پیدا کر لیا تھا۔ اسے اسٹیورٹ
سلائٹ نے خاص طور پر اس بحری سفر کے لیے چنا تھا اور ڈیوڈ
بھی یہی سوچ رہا تھا کہ وہ سمندر کے سینے پر روزالی کے آخری
سفر کی کمان کر رہا تھا لیکن روزالی کا آخری سفر مکمل ہونے سے
پہلے ہی ڈیوڈ کی زندگی کا چراغ بے رحمی کے ساتھ گل کر دیا گیا
تھا۔ وہ جب تک زندہ رہا پوری شان کے ساتھ، اپنی مرضی
کے مطابق سمندروں کو پامال کرتا رہا اور موت کے بعد بھی اس
کے بے گور و کفن جسد خاکی کو سمندر کی لہروں نے اپنی آغوش
میں لے لیا تھا........ شاید سمندر کی سبک خرام
موجیں لمحہ بہ لمحہ اسے کسی انجان ساحل کی طرف لے جا رہی تھیں
جہاں تک اگر وہ مچھلیوں کی خوراک بننے سے محفوظ رہتا تو ایک
گمنام لاش کی حیثیت سے کہیں دبا دیا جاتا۔
میرا خیال تھا کہ ہم دونوں کی تلاش میں شی والوں نے
فرانس کی بحری فوج کی آڑ لے کر ایک بہت بڑی غلطی کی تھی۔ ان
کی پرشکوہ گن بوٹ سے ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ ان سمندری علاقوں
میں عرصہ دراز سے فعال تھے اور شاید قریبی ممالک بھی اپنے
قرب و جوار میں ان کی سرگرمیوں سے لاعلم تھے لیکن روزالی کے
واقعے کی خبر پھیلتے ہی تحقیقات کے نتیجے میں یہ بات سامنے
آتی کہ فرانس کے کسی بحری یونٹ نے روزالی کا رخ نہیں کیا
تھا تو لامحالہ فرانس اور ساتھ ہی برطانیہ کو ان بحری مجرموں کی
فکر لاحق ہو جاتی جو ان کی سمندری حدود سے آگے بین الاقوامی
سمندر میں اپنی بالادستی قائم کر چکے تھے، اس طرح شی کی بحری
سرگرمیوں پر براہ راست زد پڑ سکتی تھی۔
کمانڈر نے روزالی کے ریڈیو روم کے اہم پرزوں کو
ناکارہ بنا کر یہ بندوبست تو کر لیا تھا کہ وہ لوگ فوری طور پر
گن بوٹ کے بارے میں کسی کو کوئی پیغام نہ دے سکیں لیکن
یہ امر یقینی تھا کہ جلد یا بدیر روزالی والوں کو کہیں نہ کہیں سے
مدد مل سکتی تھی یا وہ سمندری خطرات سے بچتے ہوئے کسی ساحل
پر لنگر انداز ہو سکتے تھے۔ ایک بار ان کا خشکی سے رابطہ قائم
ہو جاتا تو ڈیوڈ کی موت کے ساتھ ہی گن بوٹ والوں کی
چیرہ دستیوں کی کہانی علاقائی حکام تک پہنچ جاتی اور بڑے پیمانے
پر ان کی تلاش کی مہم کا آغاز ہو جاتا۔
اس موازنے سے یہ ظاہر ہو جاتا تھا کہ وہ ہر خطرہ مول
لے کر ہماری گرفتاری پر تل گئے تھے اور اس مقصد کے حصول
کے لیے تھوڑی سی مدت کے لیے اپنے بعض مفادات سے
دستبردار ہونے کے لیے تیار تھے، روزالی پر ڈیوڈ کے کیبن
میں جمی لائیڈ کی تصویر دریافت ہونے سے اس وقت واقعات
جس تسلسل سے رونما ہوتے تھے، ان کی بنا پر یہ بات پایۂ ثبوت
کو پہنچ گئی تھی کہ جہاز رانی کی دنیا کا ایک معتبر نام ہی شی کی سربراہی
کر رہا تھا اور یہ ایک ایسا ہولناک راز تھا جس سے روئے زمین
پر میرے اور سلطان شاہ کے علاوہ شاید کوئی تیسرا واقف نہیں تھا۔
ہم جمی لائیڈ پر محض الزام ہی عائد کر سکتے تھے لیکن اس کی
دوہری زندگی کے بارے میں کوئی ٹھوس ثبوت فراہم کرنا ہمارے
بس سے باہر تھا۔ پیٹرائیج کے بارے میں ویرا کے سامنے
زبان کھول کر میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس نے میرے مشاہدے
کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جب کہ میرے یقین کے مطابق
پیٹرائیج اور جمی لائیڈ ایک ہی شخصیت کے دو نام تھے اور ایمی
فرانسس جو اس امر کی واحد گواہ تھی، اسے جمی لائیڈ نے ایک
حادثے کی آڑ میں قتل کرا دیا تھا۔ اس کا ہر کام اتنا مکمل اور بھرپور
ہوتا تھا کہ اسے کہیں بھی غلط ثابت کرنے میں دانتوں پسینہ
آ سکتا تھا۔
میں ان ہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک کیبن کا

دروازہ کھلا اور کمانڈر ایک مسلح سادہ پوش کے ساتھ اندر
آگیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں کسی عقاب جیسی چمک تھی جس
نے دور کسی شکار کو بھانپ لیا ہو۔

"جسے ہم پکڑنا چاہیں، وہ روئے زمین پر کہیں بھی محفوظ
نہیں رہ سکتا۔" اس نے پرغرور لہجے میں ہرزہ سرائی شروع کردی۔
"تم نے دیکھا کہ ہم نے کتنی آسانی کے ساتھ تمہیں کابک میں دبکے
ہوئے کبوتروں کی طرح پکڑ لیا۔"

"لیکن ابھی تک ہمیں ہمارا جرم نہیں بتایا گیا۔" میں نے
سنجیدگی سے کہا۔ "روزالی پر تم اتنے مشتعل نظر آرہے تھے کہ
میں نے تم سے کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" اسی لمحے
سلطان شاہ باتھ روم سے باہر آگیا۔

"میرا خیال ہے کہ سب کچھ بہت واضح ہے۔ کسی کے
کچھ بتائے بغیر تم کو معاملے کی تہ تک پہنچ جانا چاہیے۔" اس نے
جیب سے ایک سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑا اور اسے سلگانے
میں مصروف ہو گیا۔

"ہمارے دشمنوں کی تعداد کافی ہے۔" میں نے تجاہل عارفانہ
سے کام لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر
ہوں کہ فرانس کے قانون کو ہم سے کیا پرخاش ہے جو ہماری گرفتاری
کے لیے اس کی بحری فوج کے ایک یونٹ کو غیر معمولی انداز میں یہ
کارروائی کرنا پڑی۔"

اس نے بہت برا سا منہ بنایا تھا۔ "تمہارے بارے میں
جو کچھ سنا تھا، اس کی روشنی میں تم کو اتنا ڈفر نہیں سمجھ رہا تھا۔
تم تو عقل سے بالکل کورے معلوم ہوتے ہو۔"

"تو کیا تمہارا تعلق بحری فوج سے نہیں ہے؟" میں نے چونکنے
کی اداکاری کرتے ہوئے سوال کیا۔

"بحری فوج کھلے سمندر میں روزالی کی تلاشی لینے کے بجائے
پورے جہاز کو کسی قریبی بندرگاہ پر لے جا کر ضابطے کے مطابق
کارروائی کرتی ہے۔ ہم لوگ قانون کی ہر عمل داری سے آزاد ہیں۔
جہاں، جو کچھ دل میں آتا ہے، طاقت کے بل پر کر گزرتے ہیں۔
تمہاری زخمی ہتھیلی سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تمہارا نام
ڈینی ہے؟"

آخری فقرہ اس نے تصدیق طلب لہجے میں کہا تھا۔ میں نے
اثبات میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم اسی حد تک طاقت
کے پجاری ہو تو شاید تمہارا تعلق صنفِ نازک سے ہو۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ ایک دم غرایا۔ غصے سے
اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ "میں بدتمیزی برداشت کرنے کا عادی
نہیں ہوں۔"

"معاف کرنا کمانڈر! تم میری بات نہیں سمجھ سکے۔" میں
نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "میرا اشارہ شی کی طرف تھا۔ اس
وقت شاید وہی سب سے زیادہ منظم اور طاقتور گروپ ہے۔
کوئی اور یوں کھلے عام فوجی وردیاں استعمال کرنے کی جرأت نہیں
کر سکتا۔ مجھے اعتراف ہے کہ تمہاری مکمل اداکاری مجھے اب
تک حقیقت سے بے خبر رکھنے میں کامیاب رہی۔"

"اس کے بغیر روزالی کو لنگر انداز کرانا مشکل تھا اور ہم کوئی
جانی نقصان اٹھائے بغیر اس مہم کو سر کرنا چاہتے تھے۔" وہ سگار
کے کثیف دھوئیں کے مرغولے اگلتے ہوئے بولا۔ "لیکن ہماری
مہم ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ تم میرے ساتھ آؤ تو میں تمہیں ایک تماشا
دکھاؤں گا۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے مجھے کسی دعوت کے قابل سمجھا
تھا۔ میں فوراً ہی اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ "کیا میں اپنے
ساتھی کو بھی لے لوں؟"

"اس کی ضرورت نہیں۔" وہ سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے
معنی خیز لہجے میں بولا۔ "یہ تو محض ایک روبوٹ ہے جو تمہارے
دیے گئے احکام کی تعمیل کرتا رہتا ہے۔ اصل بات تم ہی سمجھ سکو گے۔"
سلطان شاہ کو اسی کیبن میں مقفل کر کے ہم تینوں باہر نکل
گئے۔ نقلی فوجی کمانڈر مجھ سے آگے تھا اور سادہ پوش مسلح شخص
پیچھے چلا آ رہا تھا۔

ویران عرشے پر پہنچ کر میں نے چاروں طرف دیکھ ڈالا۔
لیکن گہری دھند میں روزالی کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید کارروائی کی
تکمیل کے بعد گن بوٹ تیزی کے ساتھ حرکت میں آکر روزالی سے
کافی دور آ چکی تھی۔ دوسری حیرت ناک بات یہ تھی کہ عرشے پر گن کی
نال کہیں نظر نہیں آرہی تھی اور عرشے پر پھیلے ہوئے گن کے ڈھانچے
نے اس وقت دھات کے ایک گنبد کی صورت اختیار کر لی تھی
جس پر کسی بھی طرح گن ہونے کا شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"یہ فولڈنگ گن ہے۔" میری حیرت بھانپ کر کمانڈر فخریہ
لہجے میں بولا۔ "اپنے سائز اور رینج میں یہ دنیا کی سب سے مہنگی گن
ہے جس کا نشانہ کم ہی خطا ہوتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے آہنی گنبد کے کسی حصے کو چھیڑا اور
فوراً ہی عرشے سے چند انچ کی بلندی پر ایک اتنا بڑا خلا پیدا ہو گیا
جس میں سے ایک آدمی اندر داخل ہو سکتا تھا۔ پہلے کمانڈر نے کہ
اور جب میں اسی خلا سے گزر کر اندر پہنچا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے
میں کسی فولادی ڈبے میں آگیا ہوں۔

اس تنگ جگہ میں پہلو بہ پہلو دو کرسیوں کے سامنے ایک
پیچیدہ الیکٹرانک پینل موجود تھا جس میں دو اسکرینیں بھی لگی ہوئی

تھیں میں حیرت سے ان تمام چیزوں کا جائزہ لے رہا تھا کہ کمانڈر نے پینل کے اوپر نصب ٹیلی اسکوپ کے آئی پیس سے آنکھ لگا دی اور ہولے ہولے ٹیلی اسکوپ کو نیچے اوپر اور دائیں بائیں گھمانے لگا۔ اس آلے کا دوسرا سرا آہنی دمدمے سے باہر نکلا ہوا تھا اور اسی نکتے کے سہارے پورے آلے کو کسی بھی طرف گھمایا جا سکتا تھا۔

اس وقت میں.... کمانڈر پر حملہ کر کے اسے بہ آسانی زیر کر سکتا تھا کیوں کہ وہ ٹیلی اسکوپ پر کسی خاص نشانے کی تلاش میں منہمک تھا لیکن اسی وقت سادہ پوش شخص نے فولادی گنبد کے خلا سے کھنکار کر مجھے اپنی موجودگی کا احساس دلا دیا۔ اس کی ٹامی گن کی نال خلا میں موجود تھی اور وہ خود عرشے پر بیٹھا میری طرف نگراں تھا۔

"یہ اس گن کا آٹو فائرنگ کنٹرول ہے۔" آخر کار وہ ٹیلی اسکوپ سے ہٹتے ہوئے بولا۔ "اس کے مانیٹرنگ یونٹ پر ٹیلی اسکوپ کے ذریعے ایک بار نشانے کا تعین کر دیا جائے تو خود کار نظام کے تحت گن موزوں ترین سمت اور زاویے سے اس وقت تک لگاتار فائر کرتی رہتی ہے جب تک نشانہ نیست و نابود نہ ہو جائے۔"

"اور اب تم شاید گن کی اسی صلاحیت کا مظاہرہ کرنے والے ہو؟" میں نے اپنے وجود میں بیک وقت ہزاروں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس کیں۔

"تم اتنے بھی اہم نہیں ہو کہ تمہارے لیے اس گن کو بیدار کیا جائے۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "تم ٹیلی اسکوپ میں دیکھو، میں ابھی ایک تماشا دکھانے والا ہوں۔"

میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ٹیلی اسکوپ سے آنکھ لگا دی۔ فوری طور باہر پھیلی ہوئی گہری دھند میں مجھے چند زرد دھبوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا لیکن کمانڈر نے جو اہتمام کیا تھا اس کے مطابق کچھ نہ کچھ نظر آنا لازمی تھا لہٰذا میں اپنے بصری عضلات پر زور ڈالے زرد روشنیوں کے گرد ایسی علامات دیکھنے میں کامیاب ہو گیا جن کی بنا پر یہ اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ کوئی جہاز تھا جو ٹیلی اسکوپ پر آہستہ آہستہ بائیں طرف سرکتا محسوس ہو رہا تھا۔

"یہ.... یہ تو کوئی جہاز معلوم ہوتا ہے۔" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔ اس وقت مجھے اپنا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"ابھی نظر آ رہا ہے نا؟" اس نے سوال کیا اور میری تائید پر پھر بولا۔ "بس اسے غور سے دیکھتے رہو۔"

ابھی چند سیکنڈ بھی نہیں گزرے تھے کہ اچانک آگ اور دھوئیں کے ایک ہولناک طوفان میں سب کچھ غائب ہو گیا۔ ٹیلی اسکوپ پر سمندر کے وسط میں نظر آنے والا وہ منظر بہت بھیانک تھا۔

"وہ روزالی تو نہیں تھا؟" میں نے ٹیلی اسکوپ سے آنکھ ہٹا کر امید و بیم کے عالم میں اس سے سوال کیا۔

"خوب پہچانا۔" وہ میری تشویش سے لطف اندوز ہوتے ہوئے قہقہہ مار کر بولا۔ "اس وقت ہمارے گرد و پیش میں بس وہی ایک جہاز موجود تھا۔"

"اور تم نے اس پر فائر کر دیا؟" میں نے دہشت اور بے یقینی کے عالم میں سوال کیا۔

اس نے اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے اپنے بائیں ہاتھ میں دبی ہوئی پلاسٹک کی ایک ڈبیا میری طرف اچھال دی۔ "یہ روزالی میں لگائے گئے بم کا ریموٹ کنٹرول تھا۔ اسے آپریٹ کرتے ہی وہ سب ہزاروں مشکلات سے آزاد ہو گئے۔ ایسی سہل موت خوش نصیبوں کو ہی ملتی ہے۔"

میرے ہاتھ پیر یکلخت ٹھنڈے پڑ گئے، کنپٹیاں چٹخنے لگیں اور یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے وجود سے ساری طاقت سلب کر لی ہو۔ اس شخص نے اپنی انگلی کے ذرا سے اشارے سے پچیس تیس آدمیوں سمیت روزالی کو تباہ کر دیا تھا۔ میرا دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس خون آشام درندے سے کیا سلوک کروں جو اذیت رسانی کے کسی ہولناک ذہنی عارضے میں مبتلا نظر آ رہا تھا۔

اسے جو کرنا تھا وہ کر گزرا تھا اور اس سے اس موضوع پر بات کرنا اسے مزید خونریزی کی طرف مائل کرنے کے مترادف ہوتا لہٰذا میں نے زبان سے ایک لفظ بھی نکالے بغیر اضطراری طور پر اپنی آنکھ ٹیلی اسکوپ سے لگا دی۔

سامنے پورے عدسے کی گولائی میں یکساں دھندلی دھند نظر آ رہی تھی اور کچھ بھی نہ تھا جس کا مطلب تھا کہ یا تو روزالی اپنے بدنصیب عملے سمیت غرقاب ہو چکا تھا یا گن بوٹ کی سمت تبدیل ہونے سے جائے حادثہ ٹیلی اسکوپ کی زد سے نکل گئی تھی۔

"اب میری مہم ختم ہوئی، چلو باہر نکلو۔" اس نے سگار کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "تمہیں یہ منظر دکھانا ضروری تھا تاکہ تم اپنے مستقبل کے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار نہ رہو۔"

"مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ تم نے ان سب کو اتنے اطمینان اور بے رحمی سے مار ڈالا، وہ بے چارے بھلا میرے لیے کیا کر سکتے تھے؟" میں نے تاسف آمیز بوجھل لہجے میں کہا۔

"سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اب اس علاقے میں ہماری موجودگی کا راز فاش نہیں ہو گا۔" اس نے براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ زندہ بچ جاتے تو پورے یورپ میں

سیکڑوں پُراسرار کہانیاں پھیلنے لگتیں جن میں ہماری مداخلت سے ڈیوڈ کے قتل تک کی بازگشت سنائی دیتی مگر اب بدنصیب روزالی کے ساتھ کسی مہلک اتفاقی حادثے کے علاوہ کچھ بھی نہیں سوچا جا سکتا۔ جس مقام پر روزالی غرق ہوا ہے، وہاں سمندر اس قدر گہرا ہے کہ کوئی بھی جہاز کے ملبے تک نہ پہنچ سکے گا اور ہمارا راز ہمیشہ سمندر کے سینے میں دفن رہے گا۔"

وہ خاموش ہوا تو میں توپ کے سوا ٹیول بیس کے نیچے بنے ہوئے فولادی دمدمے سے باہر آ گیا اور ہم تینوں ایک بار پھر کیبن کی طرف ہو لیے۔ اس وقت میرا دل روزالی والوں کی ناگہانی اجتماعی موت پر خون کے آنسو رو رہا تھا اور میں اپنے دور کے اس سفاک ترین انسان سے انتقام لینے کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔

اس وقت اسے ہر اعتبار سے ہم پر بالادستی حاصل تھی۔ اور ہم اپنی خواہشات کے برعکس اس کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور تھے۔ بظاہر دور دور تک ایسا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا جس کی بنا پر صورتِ حال میں کسی نمایاں تبدیلی کی امید کی جا سکتی۔

ہم تینوں خاموشی کے ساتھ اسی کیبن میں واپس پہنچے تو وہاں سلطان شاہ کا پتا نہیں تھا۔

"میرا ساتھی کہاں گیا؟" میں نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔ مجھے یاد تھا کہ ہمارے جانے سے پہلے ہی وہ باتھ روم سے فارغ ہو کر آیا تھا، اسے اتنی جلدی دوبارہ وہاں جانے کی ضرورت پیش نہیں آ سکتی تھی۔

"کہیں نکل گیا ہوگا۔" اس نے مکارانہ اطمینان کے ساتھ کہا۔ "لیکن فکر نہ کرو، وہ کھلے سمندر میں چلتی ہوئی گن بوٹ سے کہیں فرار نہ ہو سکے گا۔"

"مجھے معلوم ہے کہ اس کیبن سے تمھاری مرضی کے بغیر چڑیا کا بچہ بھی نہیں نکل سکتا پھر وہ کہاں گیا؟" میرے لہجے میں غیر ارادی طور پر تحکم اور سخت گیری عود کر آئی۔

"میں تمھارے ساتھ تھا، مجھے کیا معلوم کہ وہ کہاں گیا۔" اس کا بھی لہجہ تیز ہو گیا مگر وہ ایک دم آپے سے باہر نہیں ہوا تھا۔

"تم نے ایک تیر سے دو شکار کیے ہیں۔ مجھے روزالی کی تباہی کا تماشا دکھانے اوپر لے گئے اور یہاں سے سلطان شاہ کو غائب کرا دیا.... یہ یاد رکھنا کہ اسے کچھ ہوا تو میں کسی کو معاف نہیں کروں گا۔"

وہ زور سے ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی بہت بھیانک تھی۔ "اپنی اور میری حیثیت کا فرق نہ بھول ڈیئر! میں اپنی مرضی کا مالک ہوں اور تم میرے ایک مجبور قیدی.... اگر تم اسی طرح ہذیان بکتے رہے تو ایسا نہ ہو کہ زندہ ہونے کے باوجود تم اپنے لیے عبرت کا ایک شاہکار بن جاؤ۔"

غصے کے باوجود میرا ذہن حاضر تھا۔ میں نے محسوس کر لیا کہ اس نے مشتعل ہو کر مجھے ہلاک کرنے کی دھمکی نہیں دی تھی، شاید اسے میری زندہ گرفتاری کا حکم ملا ہوا تھا اور اس بارے میں وہ مجبور تھا۔

"وقت بدلتے دیر نہیں لگتی... اور وقت ہمیشہ کسی کا ساتھ بھی نہیں دیتا۔" اپنے بارے میں اس کی کمزوری بھانپ کر میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "بہتر یہی ہوگا کہ میرے ساتھی کے بارے میں اگر تمھارے کوئی ناپاک عزائم ہیں تو انھیں ترک کر دو۔ روزالی کے پورے عملے کی ہلاکت اور بات تھی کیوں کہ ان میں سے کوئی مجھے عزیز نہیں تھا لیکن میرے لیے میرا ایک ساتھی ان سب پر بھاری ہے۔ اس کے لیے میں تمھارے تصور سے بڑھ کر خطرناک ثابت ہو سکتا ہوں۔"

کمانڈر کے قدم بجلی کی سی سرعت کے ساتھ حرکت میں آئے تھے اور اس نے میرے چہرے پر الٹے ہاتھ کا تھپڑ رسید کرنے کی کوشش کی تھی جو میں نے بروقت اپنی جگہ چھوڑ کر ناکام بنا دی اور وہ اپنی جھونک میں لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم آگے چلا گیا۔ اس کے قدم اکھڑتے ہی سادہ پوش نے ٹامی گن سیدھی کر کے مجھے للکارا تھا اور میں کمانڈر پر جھپٹتے جھپٹتے رک گیا ورنہ اس کی کمر پر لات ضرور رسید کر سکتا تھا۔

وہ سنبھل کر پلٹا تو غصے اور توہین کے احساس سے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا اور آنکھیں اپنے حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ "میں تمھیں پیس کر رکھ دوں گا۔" وہ غراتے ہوئے بولا تھا۔

"زیادہ باریک نہ پیسنا، آج کل تو قصاب بھی موٹا قیمہ بیچنے لگے ہیں۔" میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں اسے مزید اشتعال دلانے کی نیت سے کہا۔

وہ تصادم کا آغاز کر چکا تھا تو میں نے بھی کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں بہتیرے روح فرسا خیالات گڈمڈ ہو رہے تھے جن میں یہ خوف سب پر حاوی تھا کہ ڈیلٹا کیمپ میں بھی لائبیڈ کی آخری خواہش سلطان شاہ کو مجھ سے الگ کرنے کی تھی اور اس نے ویرا کو سلطان کے اغوا کے لیے ہی دو مددگاروں کے ساتھ بھیجا تھا لیکن بازی پلٹ گئی تھی اور ہم ان دونوں مددگاروں کو ختم کر کے ویرا کے ساتھ ڈیلٹا کیمپ سے فرار ہو گئے۔

بظاہر ڈیلٹا کیمپ کا معرکہ پورے تسلسل کے ساتھ

جاری تھا۔ ہم ڈیلٹا کیمپ سے جیتے جاگتے پہنچ کر روزالی کے ذریعے برطانیہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن طویل وقفے کے بعد آخر کار جمی لائیڈ کے آدمیوں نے روزالی پر دھاوا بول کر ہمیں اپنا قیدی بنا لیا تھا۔ اس موقع پر منطقی طور پر کمانڈر کی خواہش وہی ہونی چاہیے تھی جسے جمی لائیڈ ڈیلٹا کیمپ میں ویرا کے ذریعے پورا نہیں کرا سکا تھا یعنی مجھے زندہ قیدی بنا کر سلطان شاہ کو مجھ سے الگ کرنا اور پھر اسے قتل کرا دینا۔

میں نے ڈیلٹا کیمپ میں ہی محسوس کر لیا تھا کہ جمی لائیڈ سلطان شاہ سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے میرے قریبی تعلق کی بنا پر اسے میرے سامنے نہیں مروانا چاہتا تھا اور اب کمانڈر نے بھی بجنسہٖ یہی کام کر دکھایا تھا کہ میں اس کا اسیر تھا اور سلطان شاہ غائب تھا۔

کمانڈر زخم کھائے ہوئے کسی غضب ناک درندے کی طرح میرے مدِمقابل تھا اور میرا ذہن تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ گن بوٹ پر موجود مسلح نفری کے مقابلے میں، میں بالکل بے بساط تھا۔ انھیں کتنا بھی مار دھاڑ لیتا لیکن آخر میں میرا زیر ہونا یقینی تھا اور مایوسی کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں آخر کار امید کی ایک کرن چمک ہی اٹھی۔

ڈیلٹا کیمپ سے ہمارا فرار طاقت کے ذریعے عمل میں نہیں آیا تھا بلکہ عمارت کے باہر موجود مسلح محافظوں کو ویرا نے سلور آئی دکھا کر اپنی راہ سے ہٹنے پر مجبور کیا تھا جو اس وقت بھی میلی ڈانگری کے نیچے میرے بیلٹ سے بندھی ہوئی تھی۔

یہ ثابت ہو چکا تھا کہ وہ شی کے آدمی تھے اور اسی کے اقتدارِ اعلیٰ کی خواہشات پر عمل کر رہے تھے لہٰذا ان کے لیے بھی سلور آئی نامی وہ طلائی سکہ واجب الاحترام ہونا چاہیے تھا جسے دکھانے والے کی شی سے وفاداریاں ہر شک و شبہ سے بالا سمجھی جاتی تھیں سالیسی کوشش میں مشکل بس یہی تھی کہ کمانڈر نے کسی کے حکم پر مجھ پر ہاتھ ڈالا تھا اور میرے پاس سلور آئی کی موجودگی کو تسلیم کرنا اس کے لیے بہت دشوار تھا۔

دوسری طرف مجھے یہ بھی اندازہ تھا کہ سلور آئی شی کے بڑوں کا باہمی شناخت کی ایک ایسی عالمی کلید تھی جس سے شی کا ہر چھوٹا بڑا اچھی طرح واقف تھا۔ اس لیے سلور آئی کے بھرم کو بچانے یا برقرار رکھنے کے لیے جمی لائیڈ نے ایسے ایک سکے کے ہاتھ سے نکل جانے کا واقعہ اپنی ہی ذات تک محدود رکھا ہوا تھا اور مجھے گھیر کر ذاتی طور پر داؤد کی لاش سے غائب ہونے والے اس نشان کو برآمد کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے میرے جرائم کی طویل فہرست کے باوجود شی میں جمی لائیڈ کے علاوہ کوئی اور میرے پاس موجود سلور آئی پر مسروقہ ہونے کا شبہ نہیں کر سکتا تھا۔

"میری بیم گن لاؤ۔" کمانڈر نے مجھے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔ "اب میں اسے ہاتھ لگائے بغیر زندگی بھر کے لیے معذور کر دوں گا۔"

مسلح آدمی نے اپنے شانے سے جھولتے ہوئے واکی ٹاکی کا بٹن دبا کر فرنچ زبان میں غالباً وہی ہدایت کسی کو دہرا دی۔ اس کی گفتگو میں بیم گن کے علاوہ کوئی لفظ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"ٹھہرو۔" میں نے حتی الامکان پُراعتماد مسکراہٹ کے ساتھ داہنا ہاتھ فضا میں بلند کر کے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "اب اس کھیل کو خطرناک ہونے سے پہلے ختم ہو جانا چاہیے۔"

میرے رویے کی اس اچانک تبدیلی نے کمانڈر کو بوکھلا دیا اور اس کی نگاہوں میں تحیر آمیز بے یقینی سی تیر گئی۔ "کوئی ڈراما نہیں چل سکے گا۔ میں وہی کروں گا جو چاہتا ہوں۔"

"حماقت کی ضرورت نہیں۔" میں غرایا اور پھرتی کے ساتھ ڈانگری میں ہاتھ ڈال کر اپنے بیلٹ سے بندھی ہوئی کپڑے کی وہ پٹی کھول دی جس میں نقرئی آنکھ والا طلائی سکہ بندھا ہوا تھا۔

"خبردار جو کوئی ہتھیار نکالا۔" کمانڈر دہاڑا تھا۔ "یہ پٹی پھینک کر ہاتھ اٹھا لو ورنہ گولی مار دوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے پھرتی کے ساتھ اپنا پستول نکال لیا تھا۔

میرے ذہن میں اچانک ڈیوڈ کی زندگی کے آخری لمحات گھوم گئے۔ کمانڈر اگر احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اضطراری حالت میں مجھے گولی مار دیتا تو بعد میں اسے جو سزا ملتی سو ملتی مگر میری زندگی واپس لوٹنا ناممکن تھی اس لیے میں نے بلاتاخیر وہ پٹی قالین پر پھینک کر اپنے ہاتھ اٹھا دیے۔

"پٹی کو دیکھو گے تو اپنا سر پیٹتے رہ جاؤ گے۔" میں نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کہا۔ "میں اپنی شناخت کرانی چاہ رہا تھا۔ تم اپنا کام پورا کر چکے ہو۔"

"زخمی ہتھیلی کے بعد اب کسی شناخت کی ضرورت نہیں رہی۔" وہ قالین پر پڑی ہوئی پٹی کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ "میں اچھی طرح تمھیں پہچان چکا ہوں۔ تمھاری کوئی مکاری اب تمھارے کام نہیں آئے گی۔"

مجھے لمحہ بھر کے لیے خوف ہوا کہ اس وقت سلور آئی میری تحویل سے نکل چکی تھی مگر امید یہ تھی کہ ان لوگوں میں اس شناختی سکے کی جو وقعت تھی اس کی بنا پر وہ مجھے اس سے محروم کرنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔

"پٹی کھول کر دیکھو۔" چند ثانیوں تک اسے گھورتے رہنے

کے بعد میں نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ "اس وقت تم اپنے آئی مین سے مخاطب ہو۔ اب دیر کی تو خود کو سزا سے نہ بچا سکو گے۔"

حیرت سے اس کا منہ کھل گیا اور آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں۔ اس کے لیے یہ انکشاف اس قدر غیر متوقع تھا کہ وہ فوری طور پر اپنی جگہ نہ چھوڑ سکا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو لیکن آئی مین کے الفاظ سنتے ہی اس کے مسلح ساتھی کے بدن میں بجلی سی دوڑ گئی۔ وہ ٹامی گن سنبھالے تیزی سے لپکا اور قالین سے پٹی اٹھا کر درمیانی تہوں میں لگی ہوئی گرہ کھول دی۔

سلور آئی ہاتھ میں آتے ہی وہ ٹامی گن میرے قدموں میں پھینک کر رکوع کی حالت میں جھکتا چلا گیا۔ پھر اس نے اسی حالت میں پیش قدمی کر کے وہ مقدس سکہ دونوں ہتھیلیوں پر سجا کر میری طرف بڑھا دیا تھا۔ اس کا ردِعمل دیکھ کر کمانڈر کے حلق سے ایک کربناک آواز نکلی اور وہ بھی جھکتا چلا گیا لیکن رکوع کی حالت سے گزرنے کے بعد بھی اس کا جسم نہ ٹھہر سکا۔ مجھے گمان ہوا کہ شاید وہ اپنی گستاخیوں کے ازالے کے لیے سجدہ ریز ہونا چاہتا تھا مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اس کی پیشانی قالین سے چند انچ دور رہی تھی کہ وہ سر کے بل لڑکھڑا کر قالین پر گرا اور ساکت ہو گیا۔

حیرت اور خوف کی شدت سے وہ موذی شاید بے ہوش ہو گیا تھا۔

"اٹھو۔" میں نے دوسرے کی ہتھیلی سے سلور آئی اٹھاتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا اور وہ کانپتے ہوئے میرے روبرو سیدھا کھڑا ہو گیا۔

اس کی پنڈلیاں واضح طور پر کانپ رہی تھیں، چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا تھا اور آنکھیں قالین کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے قدموں میں پڑی ہوئی ٹامی گن اٹھا لوں لیکن میرے لیے وہ امتحان کا لمحہ تھا۔ ایسی کوئی بھی حرکت شی کے ایک آئی مین کے وقار کے منافی سمجھی جا سکتی تھی۔

کمانڈر جھکتے ہوئے قالین پر ڈھیر ہوا تھا اس لیے بائیں پہلو پر گرنے کے باوجود اس کے گھٹنے پیٹ کی طرف سمٹے ہوئے تھے۔ میں نے ٹھوکر سے اس کے بائیں رخسار پر زور دے کر اس کا چہرہ اوپر گھمایا تو اس کی پھٹی پھٹی، بے رونق آنکھوں میں موت ٹھٹھری ہوئی نظر آئی اور میرے وجود میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔

گن بوٹ پر وہ میرا سب سے بڑا مجرم تھا اور میں اس سے بوزلی کے بے گناہ عملے کی ہلاکت کا خوف ناک انتقام لینے کا عزم کر چکا تھا لیکن قدرت کا ایک اپنا نظام ہوتا ہے جو مکافاتِ عمل کہلاتا ہے۔ ان گنت انسانوں کا قاتل اپنے جیسے ایک انسان کو آئی مین کے مصنوعی روپ میں سامنے دیکھ کر دہشت کے باعث ایسے جان لیوا دورے کا شکار ہوا تھا کہ اس کے حلق سے کوئی آواز تک نہیں نکل سکی تھی۔

میں نے جھک کر اپنی ہتھیلیوں سے اس کے پپوٹے آنکھوں پر گرا دیے۔ وہ میرا مجرم ضرور تھا لیکن لاش کی حرمت میرے نزدیک ہر جذبے پر مقدم تھی۔ میں نے سوچا کہ اچھا ہی ہوا جو وہ اپنی موت آپ مر گیا۔ اس کے جرائم اتنے سنگین تھے کہ اگر میں اسے بے دست وپا کر کے اس کے جسم سے ننھی ننھی بوٹیاں بھی کٹواتا تو میرے دل کو قرار نہ ملتا۔ اس مرحلے پر میرے ہاتھوں اتنی سفاکی شاید ابھی قدرت کو منظور نہیں تھی۔

سادہ پوش چونکہ میرے اور کمانڈر کے ساتھ عرشے پر گن کے بنکر کی طرف گیا تھا لہٰذا مجھے یقین تھا کہ وہ سلطان شاہ کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے گا اور میرے استفسار پر ہوا بھی یہی۔ اس سے پتا چلا کہ گن بوٹ چلانے والے دو افراد کے سوا اس کشتی پر چھ افراد کمانڈر کے نیچے کام کرتے تھے جن میں سے ایک وہ خود تھا۔ بقیہ پانچوں کو بھی میں دیکھ چکا تھا۔

"ان پانچوں کو میں فوراً یہاں دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے ترش لہجے میں حکم دیا۔ "سب کو بتا دو کہ اب اس گن بوٹ پر انگریزی کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں بولی جائے گی۔"

"او کے سر!" اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا اور اپنے واکی ٹاکی پر کسی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

میں نے وقت گزاری کے انداز میں ٹہلتے ہوئے قالین پر پڑی ہوئی ٹامی گن اٹھائی جس کا میگزین پوری طرح لوڈ تھا۔ اس دوران میں غیر مسلح شخص نے اپنے آپریٹس پر انگریزی میں میری ہدایات کسی تک پہنچاتے ہوئے یہ بھی بتا دیا کہ گن بوٹ اس وقت ایک عظیم آئی مین کی تحویل میں تھی جسے چند منٹ قبل تک بدقسمتی سے ایک مجرم سمجھا جا رہا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" اس کا کام ختم ہو جانے پر میں نے کمانڈر کے وجود کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔ میرا خیال تھا کہ اس کا لباس میرے بدن پر بالکل صحیح طور پر فٹ آ سکے گا۔

"ریمبراں۔" اس نے مؤدبانہ انداز میں سر کو خم دے کر کہا۔ وہ غیر ضروری طور پر گفتگو کرنے سے خائف نظر آ رہا تھا۔

"یہ کب سے تمہارا کمانڈر تھا؟" میں نے لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں شروع سے موسیو شیلون کے [illegible] کرتا آ رہا ہوں۔"

"شیلون کے بارے میں تمہاری رائے کیا تھی؟"

اس نے میرے چہرے کی طرف دیکھنا چاہا لیکن مجھے پوری طرح اپنی طرف متوجہ پا کر بوکھلا کر پھر نظریں نیچی کر لیں۔ "موسیو شیلون بہت ذہین افسر تھے۔ تنظیم کے لیے اپنی جان بھی دے سکتے تھے۔ پتا نہیں، تمہارے معاملے میں بدقسمتی نے کیوں ان کی عقل پر پردے

ڈال دیے۔ وہ اپنے بڑوں کے سامنے ہمیشہ عاجز و محکوم ہی نظر آتے تھے۔"

اسی وقت کیبن کا دروازہ کھلا۔ چار باوردی اور ایک سادہ پوش مسلح شخص اندر داخل ہوا۔ اندر آ کر وہ سب صف آرا ہو کر رکوع کی حالت میں میرے سامنے جھکے اور پھر پانچ تھامی گئیں میرے قدموں میں ڈال دی گئیں۔ انھیں لگام ڈالنے کے لیے مجھے سلور آئی نکالنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ان کے پتے ویسے ہی پانی ہو رہے تھے۔

"میرا ساتھی کہاں ہے؟" ان کے سیدھے ہوتے ہی میں نے کرخت آواز میں سوال کیا۔

سب کے چہرے دھواں ہو گئے۔ چار خاموشی سے مجرمانہ انداز میں سر جھکائے کھڑے رہے۔ پانچواں دراز قامت باوردی شخص بدقت تمام بولنے میں کامیاب ہوا تھا۔ "وہ فریزنگ باکس میں قید ہے ... م... موسیو شیون کے حکم پر۔"

اس نے جو کچھ کہا، وہ بہت واضح تھا۔ وہ ڈبا یقینی طور پر ڈیپ فریزر کی ہی کوئی شکل رہی ہوگی جس میں سلطان شاہ کو ڈالا گیا تھا۔ "اسے فوراً لاؤ۔ اگر اس کا بال بھی بیکا ہوا تو تم سب فنا کر دیے جاؤ گے۔" میں نے دہاڑ کر کہا۔ وہ سب یوں گھبرا کر وہاں سے دوڑے تھے جیسے لمحہ بھر کی تاخیر ان پر جہنم کے دہانے کھول دے گی۔

میں بھی اضطرار کے عالم میں ان کے پیچھے لپکا تھا۔

اس وقت اندازہ ہوا کہ گن بوٹ پر عرشے سے نیچے صرف دو منزلیں تھیں۔ درمیانی منزل پر کیبن تھے اور نچلی منزل پر انجن روم وغیرہ واقع تھا۔ گن کا دیو ہیکل فولادی ڈھانچا نیچے کی طرف بتدریج پھیلتا ہوا جہاز کی تہ تک چلا گیا تھا۔ وہیں ایک روشن کمرے میں وہ سب گھسے تھے۔

اس کمرے میں دیگر آلات کے علاوہ دو قد آدم صندوق بھی کھڑے تھے جن کے دروازے شیشے کے تھے تاکہ اندر کا منظر نظر آتا رہے۔ ایک فریزنگ باکس خالی تھا جب کہ دوسرے میں سلطان شاہ کھڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ ٹھنڈ کی زیادتی سے نیلے پڑے ہوئے تھے۔ سانس اُکھڑ اُکھڑ کر چل رہا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ غالباً سردی کی شدت سے وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

خالی صندوق کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ سلطان شاہ بے ہوش ہونے کے باوجود اپنے قدموں پر کھڑا ہوا کیسے نظر آ رہا تھا۔ اس میں بغلوں کے مقام پر دو مضبوط چرمی تسمے لگے ہوئے تھے جن میں قیدی کو شانوں کے سہارے جکڑا جا سکتا تھا اور بے ہوشی کے بعد سارا وزن ان ہی تسموں پر منتقل ہو جاتا۔ قیدی کو بے بس کرنے کے لیے ٹخنوں اور پنڈلیوں سے اوپر چار تسموں کے ساتھ پہلوؤں میں کلائیاں جکڑنے کے دو تسمے بھی موجود تھے۔ ان آٹھ تسموں میں باندھے جانے کے بعد مضبوط قیدی بھی اس برف گھر میں بے بس ہو سکتا تھا۔

ان میں سے بولنے والا اس کمرے میں پہنچتے ہی سلطان شاہ والے برف گھر کا قفل کھولنے میں مصروف ہو گیا تھا اور میری نگاہیں سلطان شاہ کے سینے کے ناہموار زیر و بم پر جمی ہوئی تھیں۔ برف گھر کے دروازے میں لگے ہوئے شیشے کے علاوہ اندر ہر طرف برف کے نرم نرم گالے جمنا شروع ہو گئے تھے جنھیں دیکھ کر سلطان شاہ کی دردناک حالت کا بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

"مشین بند کرو۔" میں نے رہبر ان کا کالر پیچھے سے گھسیٹ کر غراتے ہوئے کہا اور وہ بوکھلا کر قریبی ساکٹ سے مشین کا پلگ نکالنے کے لیے دوڑ گیا۔

برف گھر کا دروازہ کھلتے ہی پورے کمرے میں خنکی کی لہر دوڑ گئی۔ سلطان شاہ کی انگلیوں کے ناخن بھی اودے ہو چکے تھے اور وہ یوں رک رک کر اکھڑے ہوئے سانس لے رہا تھا جیسے ٹھنڈ اس کی ہڈیوں میں اُتر کر اعضائے رئیسہ تک میں سرایت کر چکی ہو اور اس کے پھیپھڑوں میں بھی آبی بخارات کی برف جمنا شروع ہو گئی ہو۔

میں نے اس کے یخ بستہ رخساروں پر پے در پے تھپڑ لگاتے ہوئے کئی بار اضطراری انداز میں اسے پکارا لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کا ذہن بے ہوشی کی اتھاہ گہرائیوں میں خوابیدہ تھا۔ اس کے سانسوں کی لڑی یوں ٹوٹ ٹوٹ کر جڑ رہی تھی کہ اس تک پہنچنے میں ذرا بھی تاخیر ہوتی تو اس کی زندگی کا ساز ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا ہوتا۔

چرمی تسموں کی بندشیں مضبوط اور پیچیدہ تھیں اور سلطان شاہ یک بیک ناپسندیدہ قیدی سے آئی مین کے منظورِ نظر کے منصب پر فائز ہو چکا تھا للٰذا ایک باوردی شخص نے پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے شکاری چاقو نکال کر یکے بعد دیگرے تسمے کاٹنے شروع کر دیے۔

ٹانگوں کے آزاد ہوتے ہی اس کے جسم نے زبردست جھرجھری لی تھی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کہ کہیں وہ اس کی آخری سانس نہ ہو لیکن اس کے سینے کی دھونکنی اس کے بعد بھی چلتی رہی اور میں نے یہ سوچ کر اطمینان کا سانس لیا کہ شاید وہ اس کے لاشعور میں دبی ہوئی اپنے جسم کو جنبش دینے کی شدید خواہش تھی جس نے جھرجھری کا روپ دھار لیا تھا۔

سب سے آخر میں اس کے شانوں کے تسمے کاٹے گئے اور دو آدمیوں نے اس کے بے جان، یخ بستہ وجود کو تیسرے قوی ہیکل شخص کے کندھوں پر لاد دیا۔

"اسے حرارت کی ضرورت ہے کسی ایسی جگہ لے چلو، جہاں کافی

حرارت مل سکے۔" میں نے کسی خاص آدمی سے مخاطب ہوئے بغیر اونچی آواز میں ایک عمومی ہدایت جاری کی۔

" ہر کیبن میں حسبِ خواہش حرارت بڑھائی جاسکتی ہے سر!" ریمبراں نے ادب سے کہا۔" میرا مشورہ ہے کہ ہم اسے موسیو شیلون کے کیبن میں لے چلیں۔"

" میرے سامنے اس ملعون خونی کا نام اتنے احترام سے نہ لو۔" میں غیر ارادی طور پر سلگ اٹھا۔" ایسا نہ ہو کہ اس کی موت کے بعد تم میرے قہر کا نشانہ بن جاؤ۔"

میری اونچی آواز پر سب کے قدم رک گئے' چہروں پر ہراس سمٹ آیا۔ ریمبراں کی درگت کے بعد شاید وہ منزل کے بارے میں میرے فیصلے کے منتظر تھے۔ آئی مین کے عتاب سے ہر ایک ضرورت سے زیادہ خوفزدہ تھا۔ شاید انھیں ڈر تھا کہ میں ان سے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ ضرور چکاؤں گا۔

" شیلون کے کیبن میں چلو۔" میں نے اپنی کھوپڑی پر قابو پاتے ہوئے حکم جاری کیا۔ سب کے قدم حرکت میں آگئے مگر ایک شخص بجلی کی سی سرعت کے ساتھ دوڑا تھا۔

ہم مخمل و حریر سے آراستہ شیلون کے کیبن میں پہنچے تو دوڑ لگانے والا ہم سے پہلے وہاں موجود تھا اور درجۂ حرارت کو کنٹرول کرنے والے آلات سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔ جس کے نتیجے میں کیبن کا درجۂ حرارت کافی حد تک بڑھ گیا تھا۔

قوی ہیکل شخص نے آہستگی کے ساتھ سلطان شاہ کو نرم اور وسیع بستر پر ڈال دیا۔

وہ سب مل کر سلطان شاہ کے تلوؤں اور ہتھیلیوں پر اپنی ہتھیلیوں سے مالش کر کے اس کے جسم کو تیزی سے حرارت پہنچانے کی کوشش کرنے لگے۔ ریمبراں کیبنٹ سے برانڈی کی بوتل نکال لایا۔ میں اسے خاموشی کے ساتھ گلاس میں برانڈی انڈیلتے دیکھتا رہا۔ اس وقت میرے دل و دماغ میں ایک عجیب کشمکش جاری تھی۔ سلطان شاہ نے اپنی زندگی میں کبھی شراب کی ایک بوند بھی نہیں چکھی تھی مگر اب اس کے یخ بستہ بدن کو حرارت کی فوری ضرورت تھی جس کے لیے برانڈی ایک بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتی تھی۔

ریمبراں کا عمل اپنی جگہ درست تھا مگر سلطان کی ابتر حالت کو دیکھتے ہوئے میں اس کی زندگی یا موت کے بارے میں بہت زیادہ پر یقین نہیں تھا۔ اگر اس کا آخری وقت آ ہی گیا تھا تو محض زندگی کی جھوٹی امید میں اس کے منہ میں برانڈی انڈیل کر مجھے اس کی ساری زندگی کا پندار توڑنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا کیونکہ حرام اور حلال کے لیے مقرر کیے گئے الہامی اصول اس نے ہمیشہ اٹل سمجھے تھے۔

میں نے بڑھ کر ریمبراں کے ہاتھ سے برانڈی کا گلاس لے لیا' اسے گمان ہوا کہ شاید میں اپنے ہاتھوں سے وہ سیال سلطان شاہ کے معدے میں انڈیلنا چاہتا تھا لیکن جب میں نے وہ گلاس اپنے لبوں سے لگا کر پے در پے گھونٹوں میں یکلخت خالی کر ڈالا تو اس کے چہرے پر حیرت پھیل گئی۔

میں نے حلق سے معدے تک اترتی ہوئی تیز لکیر پر ذرا سا منہ بنایا' ایک دو ہچکیاں آئیں اور پھر میں سلطان شاہ کے بستر کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت تک کمرے کا درجۂ حرارت بہت بڑھ چکا تھا لیکن ریمبراں کے ہاتھ میں برانڈی کی بوتل دیکھنے کے بعد سے مجھے سلطان شاہ کا آخری وقت قریب آنے کا یقین ہو چلا تھا۔ اسے سمندر برد کرنے کا تصور میرے لیے ناقابلِ قبول تھا۔ اگر میرا اندیشہ درست ثابت ہوتا تو اس کا بدن مناسب قبر ملنے تک برف گھر میں ہی محفوظ رہ سکتا تھا۔

میرا دل ڈوبنے لگا اور آنکھوں کے گوشے نمناک ہونے لگے۔

" ریمبراں کے علاوہ سب باہر ٹھہرو۔" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہنا چاہا لیکن میری جو آواز بلند ہوئی وہ بھرائی ہوئی تھی اور کیوں نہ ہوتی؟ سلطان شاہ میرے بدترین لمحوں کا ساتھی اور میرا جاں نثار تھا جس پر میں کہیں بھی آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتا تھا۔ وہ میرا بھائی نہیں تھا مگر مجھے بھائی سے زیادہ چاہتا تھا۔ اس نے اپنے خلوص اور بے لوث محبت سے چپکے چپکے میری زندگی میں اپنا ایک ایسا مقام بنا لیا تھا جسے زندگی بھر کوئی دوسرا پُر نہیں کر سکتا تھا۔

وہ سب چلے گئے اور میں بستر پر سلطان کے قریب بیٹھ گیا۔

اسے برف گھر کی اذیت سے نجات مل چکی تھی مگر اس کی حالت بگڑتی ہی جا رہی تھی۔ سانس بدستور بے ربط تھے اور ہر بار سانس اندر لیتے ہوئے اس کا سارا بدن بستر سے اوپر اٹھ جاتا تھا جو سانس خارج کرتے ہوئے بے جان وجود کی طرح گر جاتا تھا۔

" اسے برف گھر میں کس نے ڈالا تھا؟" میں نے اپنی جھلملاتی ہوئی آنکھوں سے ریمبراں کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

" میں نہیں تھا سر!" اس نے گڑگڑا کر میرے پیر تھام لیے۔ "یہ کام اولینی کا ہو سکتا ہے کیونکہ اسی نے تمہارے سوال کا جواب دیا تھا' ہو سکتا ہے کہ کسی اور نے بھی اس کی مدد کی ہو۔"

میری آنکھوں میں آنسوؤں کی چادر دبیز ہو گئی اور جھلملاتے ہوئے رنگا رنگ ستاروں کے سوا سب کچھ غائب ہو گیا۔ جو ہونا تھا اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹال سکتی تھی۔ سلطان شاہ کو برف گھر میں قید کرانے والا شیلون خود حرکتِ قلب بند ہونے سے مر گیا تھا اور سلطان ابھی تک زندہ تھا۔ اس کی زندگی کے جتنے سانس لکھ دیے گئے تھے وہ ہر حال میں پورے ہونے تھے' انھیں نہ شیلون کم کر سکا نہ میں بڑھا سکتا تھا مگر اولینی کا نام میرے دل پر نقش ہو گیا تھا۔ شیلون کی موت کے بعد اگر کوئی میرے انتقام کا مستحق تھا تو وہ اولینی ہی تھا۔

وقت کی رفتار ایک جگہ تھمی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ سرد اور گہر آلود موسم میں گن بوٹ کھلے سمندر کے سینے پر کسی ایسی منزل کی جانب سفر کر رہی تھی جس سے میں یکسر بے خبر تھا اور نہ ہی اس وقت میرے دل میں کوئی بات جاننے کی خواہش باقی رہ گئی تھی۔ بوٹ کے اس پُرتعیش کیبن میں سلطان شاہ میری نگاہوں کے سامنے نرم اور آرام دہ بستر پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کا سانس بدستور اکھڑ اکھڑ کر چل رہا تھا۔ نیلے اور ستے ہوئے ہونٹوں پر زندگی کی حرارت معدوم تھی اور اس کے چہرے پر بے ہوشی سے قبل برف گھر کی اذیت کے تمام آثار یوں ثبت ہو کر رہ گئے تھے جیسے وہ زندہ انسان کے بجائے برفانی موت کے کسی صدیوں پرانے شکار کی حنوط شدہ ممی ہو جس کے چہرے کے تاثرات اور نقوش وقت کے بے رحم ہاتھ بھی آج تک نہ کھرچ سکے... آنسوؤں کی چادر سے جھلملاتی ہوئی میری دھندلی آنکھیں اپنے اس عزیز دوست اور ہم سفر کے چہرے پر مرکوز تھیں جو ذرا دیر پہلے زندگی کے پورے جوش اور جذبے سے سرشار تھا مگر اب موت اس کی دہلیز پر دستک دے رہی تھی۔

مے نوشی میری ایک بہت بری عادت تھی جس پر میں نے کبھی ناز نہیں کیا تھا۔ جانتا تھا کہ میرا وہ شوق گناہ کبیرہ تھا مگر میں اپنی کمزوری سے مجبور تھا' سامنے ہوتی تو اس سے گریز میرے بس سے باہر ہو جاتا تھا۔ یہ ضرور تھا کہ سُرور کی بات دیگر تھی لیکن وہ کبھی میرے سر پر چڑھ کر نہیں ناچی تھی' مجھے ہمیشہ اپنی سوچ اور اعمال و افعال پر پوری طرح اختیار رہتا تھا لیکن ان جذباتی لمحات میں میں نے محض سلطان شاہ کے پندار کو بچانے کے لیے ریمبراں سے لے کر برانڈی کا جو گلاس اپنے معدے میں انڈیلا تھا' وہ اپنا رنگ دکھاتا محسوس ہو رہا تھا جس کی وجہ سے میرے دل پر چھائی ہوئی رقت اور مایوسی کی لہر لحہ بہ لمحہ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

" یہ مر گیا تو میں اولینی کی زندگی کو عبرت کا ایسا شاہکار بنا دوں گا کہ اُسے دیکھنے والے اسے موت کی دعائیں دینے پر مجبور ہو جایا کریں گے۔" میں نے کئی ثانیوں کی خاموشی کے بعد بھرائی ہوئی تند آواز میں کہا۔

" کوئی تمہارا راستہ روکنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔" ریمبراں نے سہمی ہوئی آواز میں ہکلاتے ہوئے کہا۔" اولینی نے جو کچھ کیا اپنی مرضی سے نہیں بلکہ شیلون کے حکم پر کیا ہو گا مگر پھر بھی وہ سزاوار ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ اسے تو زندہ کولھو میں ڈال کر پلوا دینا چاہیے۔"

میں چونک پڑا۔ میں نے اپنی ہتھیلی کی پشت سے اپنی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسو صاف کیے اور غور سے ریمبراں کی طرف دیکھا جو میرے قدموں میں سر جھکائے قالین پر بیٹھا ہوا تھا۔

سلور آئی دیکھ لینے کے بعد سے وہ میرے مقام اور مرتبے سے خوفزدہ تھا' اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ کشتی میں کسی بھی آئی مین کو اپنے آدمیوں کے مقدر کے فیصلے کرنے کا اختیارِ مطلق حاصل ہوتا ہے مگر پھر بھی وہ بے ضمیر نہیں تھا' اس نے میرے الفاظ کی تائید کرتے ہوئے لفظوں کی آڑ میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ مجھے یہ جتا دیا تھا کہ اولینی نے سلطان شاہ پر وہ ستم اپنی مرضی سے نہیں ڈھایا تھا' وہ خود شیلون کے حکم کا تابع تھا اور اس نے وہی کچھ کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ اسے الہام نہیں ہو سکتا تھا کہ جس قیدی کو وہ برف گھر میں ٹھونسنے جا رہا تھا' وہ کچھ دیر بعد کشتی کے ایک آئی مین کا منظورِ نظر بھی ثابت ہو سکتا تھا۔

" اولینی کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا اختیار میں تمہیں دے دوں تو تمہارا فیصلہ کیا ہو گا؟" میں نے اس سے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ اس نے زبان کھولنے سے قبل بوکھلا کر سر اوپر اُٹھایا مگر مجھے پوری توجہ کے ساتھ اپنی طرف نگراں پا کر پہلے سے بھی زیادہ بوکھلاہٹ کے ساتھ اپنا سر جھکا لیا۔" مجھ میں یہ تاب اور مجال نہیں ہے کہ میں تمہاری ہمسری کا تصور بھی کر سکوں۔" وہ بدستور سہمی ہوئی آواز میں بولا۔" تمہاری شناخت سے قبل میں بھی اولینی کی طرح شیلون کے احکام کا تابع تھا۔ یہ اولینی کی بدنصیبی تھی کہ اسے تمہارے ساتھی پر برفانی تشدد کے لیے منتخب کیا گیا۔ وہی حکم مجھے ملا ہوتا تو شاید اس وقت مجھے تم سے ہم کلام ہونے کی سعادت بھی نہ ملی ہوتی۔ خدا کے لیے میرا امتحان نہ لو' اولینی کا فیصلہ تم ہی کر دو گے اور اب اس گن بوٹ پر صرف وہی ہو گا جو تم چاہو گے۔ کوئی اس کے خلاف دم بھی نہ مار سکے گا۔"

" مجھے تمہارا انداز پسند آیا ہے ریمبراں!" میں نے توصیفی لہجے میں کہا۔" مجھ سے اپنی بھرپور وفاداری کے اظہار کے ساتھ ہی تم نے اولینی کی بھی قابلِ تعریف وکالت کی ہے۔"

" مم... میں۔" اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔" میں ہرگز کسی کی وکالت نہیں کر رہا۔ مجھے کسی کی وکالت یا سفارش کا کوئی اختیار نہیں ہے... اگر میری کسی بات سے اس امر کا اظہار ہوا ہے تو میں اپنے کیے پر نادم ہوں اور دل کی گہرائیوں سے تم سے معافی چاہتا ہوں۔"

" میں مختلف مزاج کا آدمی ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا۔" تمہارا مقصد جو بھی رہا ہو لیکن تم سے بات کرنے کے بعد مجھے احساس ہو گیا ہے کہ اولینی بے قصور ہے۔ وہ تنظیم کے ڈسپلن کا غلام ہے' اس نے وہی کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ شیلون چاہتا تو یہی کام تم سے بھی لے سکتا تھا' اس لیے اولینی کو اپنے کسی بڑے کے حکم کی تعمیل کی سزا نہیں دی جا سکتی۔"

"تم اپنی مرضی کے مالک ہو" اس نے تابعدارانہ لہجے میں کہا۔ جو فیصلہ چاہو کر سکتے ہو۔ مجھے اپنے حکم کا غلام پاؤ گے۔ ہم لوگ اپنی عقل اور جذبات کا سہارا لینے لگیں تو شپ کا سخت ڈسپلن چند روز بھی نہ چل پائے گا۔"

"میں نے اولینی کو معاف کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "میرا اندھا انتقام سلطان شاہ کے سانسوں کی ٹوٹتی ہوئی لڑی کو کوئی سہارا نہیں دے سکتا۔"

"اس کیبن کی حرارت سے اس کی حالت بہتر ہو رہی ہے" ریمبراں نے بستر کی طرف دیکھتے ہوئے پُرامید لہجے میں کہا۔ "اس کے سانسوں کی رفتار آہستہ آہستہ بہتر ہو رہی ہے۔"

اس کے کہنے پر میں نے گہری نظر سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا تو اندازہ ہوا کہ ریمبراں کا قیاس درست تھا۔ سانسوں کے مدّوجزر کے ساتھ اس کے بدن پر طاری ہونے والی کرب کی کیفیت میں خاصی کمی ہو چکی تھی اور سانس اندر لیتے ہوئے سلطان شاہ کے بدن پر بس تناؤ سا طاری ہو رہا تھا پھر عضلات ڈھیلے پڑ جاتے تھے۔ اس کی پشت مسلسل بستر ہی سے لگی ہوئی تھی۔

"اسے برانڈی دے دیتے تو یہ جلدی سنبھل جاتا" ریمبراں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہم ایک بہت بھیانک مہم پر ہیں" میں نے مذہب کا حوالہ درمیان میں لائے بغیر پُرخیال آواز میں کہا۔ "شیلون تو پھر بھی اپنا تھا دوسروں کے ہاتھوں ہم اس سے بری حالت سے گزر سکتے ہیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ برانڈی یا کسی اور سہارے کے بغیر یہ کتنی دیر میں سنبھل سکے گا.... لاؤ ایک گلاس مجھے دے دو۔"

ریمبراں کے چہرے پر تحیّر آمیز بے بسی پھیل گئی اور وہ میرے خالی کیے ہوئے گلاس میں دوبارہ برانڈی انڈیلنے میں مصروف ہو گیا۔ شاید یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی کہ ایک طرف تو میں سلطان شاہ کی زندگی اور سلامتی کی طرف سے بہت زیادہ فکرمند تھا اور دوسری طرف اس کو برانڈی پلانے سے گریز کرتے ہوئے خود پینے پر تلا ہوا تھا لیکن میں شپ کا ایک معتمد آئی مین تھا جس کے کسی بھی حکم یا فیصلے پر کسی کو کوئی سوال کرنے کا اختیار نہیں تھا للٰذا اپنی حیرانی کے باوجود وہ لب کشائی کی جرأت نہ کر سکا۔

وہ برانڈی بہت عمدہ تھی۔ اضطرار کے عالم میں میں نے اس کا پہلا گلاس پانی کی طرح خالی کیا تو اس کا اثر محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا تھا اس لیے اس مرتبہ میں نے احتیاط برقرار رکھی تھی۔ ریمبراں گلاس میرے نزدیک ایک تپائی پر رکھ کر کسی پشتینی غلام کی طرح سینے پر ہاتھ باندھ کر ادب سے ایک کونے میں جا کھڑا ہوا تھا۔

"وہ پانچوں کہاں ہیں؟" میں نے سگریٹ سلگا کر گلاس سے اپنے لب تر کرتے ہوئے سوال کیا۔

"راہداری میں تمہارے حکم کے منتظر ہیں" مؤدبانہ آواز میں جواب ملا۔

"وہ اپنی اپنی جگہوں پر واپس جائیں۔ پہلے کیبن سے اپنا اپنا اثاثہ بھی لے لیں۔.. اس گن بوٹ کا ریڈیو آفیسر کون ہے؟"

"اولینی ہی ہے سر!" اس کی آواز میں معذرت آمیز مایوسی اُمڈ آئی۔

"اسے بتا دو کہ میرے اگلے احکام تک گن بوٹ سے نہ کسی ریڈیائی پیغام کا جواب دیا جائے گا نہ از خود کسی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی" میں نے اس کے لہجے کا اثر لیے بغیر برجستہ حکم دیا۔ "اس ہدایت پر بہت رازدارانہ سختی کے ساتھ عمل ہو گا اسی کے ساتھ میں سمندر میں گن بوٹ کی موجودہ پوزیشن اور منزل سے اس کا فاصلہ بھی جاننا چاہوں گا۔"

وہ اپنے سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے پھرتی کے ساتھ کیبن سے باہر چلا گیا۔ میں نے آخری ہدایت کے لیے سوچ سمجھ کر ذو معنی الفاظ منتخب کیے تھے کیونکہ شپ کے خون آشام ہرکاروں سے نجات کے لیے میں نے دریا سے ملی ہوئی سلور آئی تو کامیابی کے ساتھ استعمال کر ڈالی تھی مگر اس وقت گن بوٹ پر سب سے زیادہ با اختیار ہوتے ہوئے بھی میں سب سے زیادہ بے خبر تھا۔ سلطان شاہ کی حالت میں بہتری کے آثار محسوس کرتے ہی یہ خواہش میرے ذہن پر حاوی ہو گئی تھی کہ گن بوٹ کی طے شدہ منزل میرے علم میں آئے تاکہ اسی کے مطابق اپنا آئندہ لائحۂ عمل طے کر سکوں۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ اس دوران میں سلطان شاہ کی حالت اس حد تک سنبھل گئی کہ اس کی موت کا خوف میرے دل سے نکل گیا۔ اس کا تنفس رفتہ رفتہ اعتدال پر آ گیا اودے ہونٹوں پر خون کی سرخی ابھرتی ہوئی محسوس ہونے لگی اور پپوٹوں کے نیچے وقفے وقفے سے آنکھوں کی پتلیاں بھی متحرک نظر آنے لگیں کم و بیش بیس منٹ تک میں پوری یکسوئی اور توجہ کے ساتھ اسی مشاہدے میں مصروف رہا اور پھر ریمبراں واپس آ گیا۔

"منزل کا انحصار اب تمہاری مرضی پر ہے" اس نے آتے ہی کہا تھا۔ "ویسے گن بوٹ اس وقت فرانس کے مغرب میں ساحل سے تقریباً ڈیڑھ سو میل دور مغرب ہی میں گہرے سمندر کی طرف سفر کر رہی ہے۔"

"میری مرضی کا عنصر شامل ہوا ہے" میں نے اس کے چہرے سے اس کی نیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ "اس سے پہلے کیا پروگرام تھا؟"

"کچھ بھی نہیں" میرے سخت لہجے پر وہ خائف ہو کر بولا۔ "شیلون اس گن بوٹ کا کمانڈر تھا اسی کے حکم پر ہم سب اپنی کمین گاہ

لیے گئے سمندر میں نکلے تھے واپسی کی سمت کا تعین اسی کو کرنا تھا لیکن اب وہ ہم میں نہیں رہا.... کپتان کو بھی نئی صورتِ حال سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اس نے گن بوٹ کی رفتار بہت دھیمی کر لی ہے اور اب تمھارے حکم کا منتظر ہے۔"

"اگر میں گن بوٹ پر نہ آیا ہوتا لیکن شیلون مر گیا ہوتا تو کیا ہوتا؟" میں نے قدرے برہمی اختیار کر لی۔

"میں کپتان سے ہر امکان پر بات کر کے آیا ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "وہ کہتا ہے کہ کسی مجبوری کی حالت میں ناچار ہمیں اپنے بیس اسٹیشن لوٹنا پڑتا۔"

وہ آئی مین کی حیثیت سے میرے بھرم کا ایک کڑا امتحان تھا۔ اس کی ادھوری باتوں سے مجھے الجھن ہونے لگی تھی۔ میں اپنی طرف سے کم از کم سوال کر کے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا لہٰذا میں نے فوراً ہی مشتعل ہونے کی اداکاری کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"میرے لیے یہ سب غیر اہم ہے... تمھارے یونٹ کا طریقۂ کار جہنم میں جائے۔ میں تمھاری مبہم اصطلاحات کے بجائے جغرافیائی حوالوں سے جواب سننا چاہتا ہوں۔"

"میں معافی چاہتا ہوں... مجھے معاف کر دیں سر!" وہ بوکھلا کر رکوع کے انداز میں جھکتے ہوئے رو دینے والی آواز میں بولا۔ "یہ گن بوٹ فرانس کے انتہائی شمال مغربی کونے پر بریسٹ نامی ساحلی شہر کے نواح میں دشوار گزار کھاڑیوں میں لنگر انداز رہتی ہے، وہی ہمارا بیس اسٹیشن کہلاتا ہے۔ اس وقت ہم بریسٹ سے کم از کم سوا دو سو میل دور نکلے ہوئے ہیں۔ شیلون کی کمان میں ہم نے وہیں سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا لیکن ہمارا کپتان بہت گھاگ ہے، وہ یورپ کی ہر بندرگاہ سے اچھی طرح واقف ہے۔ تم جہاں چاہو، وہ جا سکتا ہے کیونکہ گن بوٹ پر راشن کا وافر ذخیرہ موجود ہے جو پندرہ روز کے لیے کافی ہوگا۔ اس مدت میں ہم پورا بحرِ اوقیانوس بھی عبور کر سکتے ہیں۔"

"بریسٹ کی خفیہ کھاڑیوں میں چھپے رہنا اور بات ہے لیکن یورپ کی دوسری بندرگاہوں میں یہ گن بوٹ فوری طور پر پکڑی جائے گی۔" میں خود کلامی کے انداز میں بولا۔

"تفصیلی جانچ پڑتال کے بغیر کوئی اسے گن بوٹ ثابت نہیں کر سکتا۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ریمبراں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "ہماری بوٹ لی ہاورے کی بندرگاہ پر ایک پرائیویٹ سیاحتی بوٹ کے طور پر رجسٹرڈ ہے اور ہمارے پاس موجود ہتھیاروں کے بھی باقاعدہ قانونی کاغذات ہیں۔ گن اور اس کے بارودی گولے غیر قانونی ہیں مگر وہ آہنی خول میں اس طرح پوشیدہ رہتے ہیں کہ کوئی ان کا سراغ نہیں لگا سکتا۔"

"پھر بھی میں پہلے بریسٹ پہنچنا چاہوں گا۔" میں نے نئی سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس بارے میں ریڈیو پر کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا جائے گا۔ میں اچانک وہاں پہنچوں گا۔"

"ریڈیو رابطے کی ممانعت کی جا چکی ہے۔ اگر کہیں سے ہمارے لیے کوئی پیغام آیا تو اولین جوابی رابطے کے بجائے براہِ راست تم سے رجوع کرے گا۔"

"جاؤ اور میری ہدایات کپتان تک پہنچا دو۔ میرے ساتھی کے ہوش میں آنے تک تم اسی کیبن میں موجود رہو گے۔"

میں ایک دفعہ پھر بے ہوش سلطان شاہ کے ساتھ اس کیبن میں اکیلا رہ گیا جہاں بڑھا ہوا درجۂ حرارت اب مجھے ناخوشگوار محسوس ہونے لگا تھا۔ سلطان شاہ خطرے کی حد سے نکل چکا تھا لہٰذا میں نے تھرموسٹیٹ گھما کر درجۂ حرارت میں کمی کا بندوبست کیا اور اپنے اس منصوبے پر غور کرنے لگا جو میرے ذہن میں جنم لے چکا تھا۔

گن بوٹ کے عملے پر اپنی مضبوط گرفت کا اندازہ لگاتے ہی میں نے اس چھوٹے سے جنگی جہاز پر مکمل قبضے کا منصوبہ بنا لیا تھا جس کی کلید اس کے بیس اسٹیشن کی تباہی میں تھی۔ بریسٹ کی نواحی کھاڑیوں والے جب تک زندہ اور محفوظ تھے، گن بوٹ کو فراموش نہیں کر سکتے تھے اور جب کئی دن تک گن بوٹ واپس نہ لوٹتی یا اس کی طرف سے کوئی پیغام نہ ملتا تو ہنگامی بنیادوں پر ہر طرف اس کی تلاش کی مہم کا آغاز ہو جاتا لیکن ایک بار ان کو ہلاک اور ان کے مواصلاتی آلات کو تباہ کرنے کے بعد میں نسبتاً زیادہ مدت تک بے فکری کے ساتھ گن بوٹ کو استعمال کر سکتا تھا۔ اس بارے میں مجھے ابھی ریمبراں سے بہت کچھ معلوم کرنا تھا اور اس سے کام بھی لینا تھا۔

ان لوگوں کو شی اور جہاز راں جمی لائیڈ کے تعلق کا علم نہیں تھا مگر میں اس بارے میں پوری طرح پُریقین تھا کیونکہ ہم دونوں کے روزالی پر سفر کے بارے میں انگلینڈ میں کوئی ایسا سراغ نہیں چھوڑا گیا تھا جو شی کی مدد کرتا۔ ویرا نے ایک مبہم پروگرام کے تحت ہمیں اسٹیوارٹ سلائٹ کے حوالے کیا اور اس نے ہمیں روزالی پر پہنچا دیا۔ وہ دونوں ہی ایسے سخت جان اور ضدی تھے کہ شی والے کسی طرح ان تک رسائی حاصل بھی کر لیتے تو انھیں ذبح کرنے کے باوجود ان کی زبانیں نہیں کھلوا سکتے تھے۔ روزالی پر گن بوٹ کے چھاپے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ روزالی کے کپتان ڈیوڈ کارٹل کے کیبن میں لگی ہوئی جمی لائیڈ کی تصویر میں پوشیدہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے اس کیبن میں ہونے والی ہر بات کہیں سنی جا رہی تھی اور اسی ذریعے سے روزالی پر ہمارے فرار کا راز فاش ہوا۔

مجھے ریمبراں کو کسی شبے کا موقع دیے بغیر اس ست... باقی

کہہ نا تھا کہ شیلون کو روزالی کی تباہی اور اس پر موجود دو افراد کو قید کرنے کا حکم اوپر سے ملا تھا یا ان لوگوں کو ڈیوڈ کاٹرل کے کیبن میں ہونے والی گفتگو کا بھی علم تھا۔ جمی لائیڈ کی دُہری زندگی کے باعث یہ امکان کم ہی تھا کہ اس کی تصویر والے ٹرانسمیٹر کا تعلق گن بوٹ یا بریسٹ کے بیس اسٹیشن کے مواصلاتی نظام سے رہا ہو مگر یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ گن بوٹ کس کے ایما پر اس تباہ کن مہم پر روانہ ہوئی تھی۔ اگر حالات اجازت دیتے تو بریسٹ سے دوبارہ روانگی سے پہلے شیلون کو ہدایت دینے والے پر بھی ہاتھ ڈالا جا سکتا تھا جو یقیناً شی کا کوئی عام کارندہ نہ ہوتا۔

ریمبراں کی واپسی سے پہلے سلطان شاہ نے ہولے ہولے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں اور میں اضطراری انداز میں اپنی جگہ چھوڑ کر اُٹھ گیا۔ اس کی کھلی ہوئی آنکھوں میں اس وقت بھی اذیت کے آثار موجود تھے اور آنکھوں کے ڈھیلے یوں بے معنی انداز میں گردش کر رہے تھے جیسے آنکھیں کھلی ہوئی ہونے کے باوجود اُسے کچھ نظر نہ آ رہا ہو۔

"اوہ خدا!" اس نے دبی دبی چیخ کی صورت میں کراہتے ہوئے دونوں ہتھیلیوں سے اپنی کنپٹیاں بھینچ کر آنکھیں موند لیں۔ "یہ میں کس عذاب میں پڑ گیا؟"

اس کی رُندھی ہوئی آواز سنتے ہی میں اس کے قریب پہنچ گیا "کیا ہوا سلطان شاہ؟ تم اب بہتر ہو اور میرے قریب ہی موجود ہو۔" میں نے اس کی ٹھنڈی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ بدن میں خاصی حرارت آجانے کے باوجود اس وقت تک اس کا جسم بہت ٹھنڈا تھا۔

"شکر ہے کہ تمہاری صورت نہیں دیکھ سکا مگر آواز تو سُن لی، تم خیریت سے تو ہو نا؟" اس کی آواز میں کرب اور مایوسی کے باوجود خوشی کی ایک ہلکی سی رمق پیدا ہو گئی۔

میں نے جلدی سے کیبن کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ ریمبراں اس وقت تک واپس نہیں آیا تھا۔ میں نے دھیمی آواز میں جلدی سے کہا "اب ہم ان کے قیدی نہیں رہے، یہ سب ہماری مرضی کے تابع ہیں۔ مجھے مجبوراً اپنی خفیہ شناخت ظاہر کرنا پڑی اور اب میں اُن کا آئی مین ہوں۔"

میں نے دیدہ و دانستہ وہ الفاظ استعمال کیے تھے تاکہ کوئی سن لے تو مجھ پر شبہ نہ کر سکے۔

"مبارک ہو۔ تم آئی مین بن گئے مگر میں شاید اندھا ہو گیا ہوں۔" وہ بستر پر اپنی گردن جھٹکتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔

"ڈرو نہیں، آنکھیں کھولو۔" میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "تم کافی دیر تک نقطۂ انجماد سے بھی بہت کم درجۂ حرارت پر رہے ہو۔ اس سردِ خشک سے تمہارے عضلات متاثر ہوئے ہیں، بینائی زائل نہیں ہو سکتی۔"

میرے لیے وہ بڑے روح فرسا اور صبر آزما لمحات تھے۔ میں زبان سے اسے تسلی دے رہا تھا لیکن دل ہی دل میں اس کی حالت پر کُڑھ رہا تھا اور بے بس تھا کیونکہ عملاً اس کے لیے کھلے سمندر میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"دھند، تاریکی اور روشن دھبے ناچ رہے ہیں... کچھ نظر نہیں آتا۔" اس کی مایوسانہ آواز اُبھری۔ میری ہدایت پر وہ بڑی تیزی کے ساتھ پلکیں جھپکاتے ہوئے سر اور آنکھوں کو بے تابانہ مختلف سمتوں میں گھما رہا تھا۔

"ٹھہرو۔" وہ اچانک چیخ پڑا اور نظریں ایک جگہ ٹھہرا لیں۔ "دھند چھٹ رہی ہے۔ کچھ کچھ واضح ہونے لگا ہے۔ شاید تم درست کہہ رہے تھے، میں اندھا نہیں ہوا ہوں۔" میں بستر سے اُٹھ کر اس کے سرہانے جا کھڑا ہوا۔

بصارت کا تعلق آنکھوں سے تھا۔ اس وقت سلطان شاہ نے کسی اندھے کی طرح یوں فضا میں ہاتھ چلانے شروع کر دیے جیسے کسی نادیدہ شے کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس پر کرب کے ساتھ ساتھ امید افزا اضطراب بھی طاری ہو گیا تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہاتھ پیر چلا کر اپنی بصارت کی بحالی کے عمل کو تیز کرنے کی غیر ارادی کوشش کر رہا ہو اور پھر وہ اچانک ہی بستر سے اُٹھ گیا۔

اس کے چہرے پر گزری ہوئی اذیت کی علامات نقش تھیں مگر آنکھیں وفورِ جوش سے چمک رہی تھیں اور وہ میری ہی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تیرا شکر ہے میرے مالک کہ میں دیکھ سکتا ہوں۔" اس کے لبوں سے بھرائی ہوئی آواز نکلی اور اس نے بستر سے اتر کر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ جانا چاہا لیکن اس کے قدموں نے اس کے وجود کا بوجھ سہارنے سے انکار کر دیا۔ اگر میں لپک کر اسے اپنے بازو کا سہارا نہ دیتا تو وہ یقیناً کسی معذور کی طرح قالین پر ڈھیر ہو گیا ہوتا۔

اسی وقت ریمبراں کے ہولے سے کھنکھارنے کی آواز آئی جو اس نے مجھے کیبن میں اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے شاید زبردستی پیدا کی تھی۔

"یہ زندہ ضرور ہے مگر اس کی حالت قابلِ رحم ہے۔" میں نے سلطان شاہ کو احتیاط سے بستر پر بٹھاتے ہوئے قہر بار لہجے میں ریمبراں سے کہا۔

"اس کے اکڑے ہوئے رگ پٹھے آہستہ آہستہ ہی اعتدال پر آ سکیں گے۔" ریمبراں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "قوت بحال ہونے

کے ساتھ یہ بستر پر لیٹا ہلکی ہلکی ورزش کرتا رہے تو یہ مدت مختصر بھی ہو سکتی ہے۔"

"مختصر تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "مگر... مگر میں اویلینی کو معاف کر چکا ہوں اور شیلون کی خوش نصیبی ہے موت اسے اپنی آغوش میں پناہ دے چکی ہے۔ اس کی لاش کہاں ہے؟" آخری سوال میں نے چونکتے ہوئے کیا تھا کیونکہ اچانک ہی مجھے ایک بار پھر روزالی کے کپتان ڈیوڈ کارٹل کی المناک موت یاد آگئی تھی جسے شیلون نے بے دردی کے ساتھ کسی موذی چوپائے کی طرح گولی مار کر جھاگ اڑاتے سمندر میں پھینک دیا تھا اور ایسا کرتے ہوئے اس سفاک کی پیشانی تک شکن آلود نہیں ہوئی تھی۔

"اسی جگہ اور اسی حالت میں پڑی ہے جیسے تم نے چھوڑی تھی۔" ریمبراں نے آہستگی کے ساتھ کہا۔ "تمہاری ہدایت کے بغیر کوئی اسے ہاتھ بھی نہ لگائے گا۔"

"اس کی لاش سمندر میں پھینک دو۔" میں نے سر جھٹکا نہ لہجے میں کہا۔ "بدمعاش روح جب جسد خاکی سے پرواز کر جاتی ہے تو لاش بھاری ہو جاتی ہے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لے ڈوبتی ہے۔ بہتر ہو گا کہ ایسی بری گھڑی آنے سے پہلے اسی کو سمندر میں غرق کر دیا جائے۔"

غصے کی روانی میں میں وہ حکم دے گیا اور ریمبراں اس نئے نادر شاہی حکم کی تعمیل کے لیے کیبن سے الٹے قدموں واپس بھی چلا گیا لیکن اگلے ہی لمحے میرا دل اس فیصلے پر مجھے ملامت کرنے لگا۔ مردوں کی تذلیل کر کے انتقام لینا کسی بھی طرح مردانگی کے شایان شان نہیں تھا۔ شیلون اگر سنگدل اور بے حس تھا تو مجھے یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ اس کے مرجانے کے بعد میں بھی اس کی طرح کمینگی اختیار کروں مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ میں اس وقت شپ کا ایک طاقت ور آئی مین بن کر گن بوٹ کے عملے کو کنٹرول کر رہا تھا اور صادر کیے ہوئے فیصلے کو واپس لینا آئی مین کے منصب کے منافی محسوس ہوتا تھا لہٰذا میں نے ان خیالات کو سگریٹ کے دھوئیں میں تحلیل کرتے ہوئے سلطان شاہ پر اپنی پوری توجہ مرکوز کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس وقت مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ سلطان شاہ سکرات کے عالم سے گزر کر دوبارہ زندگی کی دہلیز پر واپس آ چکا تھا البتہ اس کے اعصاب اور قویٰ کی گہرائیوں میں اتری ہوئی برف گھر کی ہڈیوں میں گودا جما دینے والی ٹھنڈک کے اثرات باقی تھے جن کے زائل ہونے میں چند گھنٹوں سے چند دن تک کوئی بھی مدت لگ سکتی تھی جس کے بارے میں مجھے اب زیادہ فکر نہیں رہی تھی۔

"کمال ہے، آئی مین ہو جانے کے باوجود تمہارے بدن پر ابھی تک وہی میلی ڈانگری نظر آ رہی ہے جو روزالی پر پہنی تھی۔" سلطان شاہ نے بستر پر لیٹے لیٹے خود کو سنبھالتے ہوئے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ شاید اس نے اپنے حواس بحال ہوتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کی ابتر حالت کی وجہ سے میں بدترین ذہنی دباؤ کا شکار ہو گیا تھا۔ اسی لیے وہ شگفتہ گفتگو کر کے اس بوجھل پن کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میری جسامت شیلون سے مشابہ ہے۔ اس کا لباس میرے بالکل فٹ ہو گا۔" میں خود بھی اس پر گزرے ہوئے کٹھن لمحات کے ذکر سے گریز کرنا چاہ رہا تھا۔ "اور اس وقت ہم اسی کے کیبن پر قابض ہیں۔"

"ابھی تو تم اس آدمی سے شیلون کی لاش سمندر میں پھینکنے کی بات کر رہے تھے۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔

"ہاں، وہ دل کے دورے سے مر گیا، وہ وہی ملعون تھا جس نے پہلے ڈیوڈ کارٹل کو ہلاک کیا اور پھر تمہیں برف گھر میں قید کرا دیا، اس گن بوٹ کا کمانڈر وہی تھا۔"

"پھر اب اس بوٹ کا کمانڈر کون ہے؟" اس نے کمزور مگر تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"آئی مین سپریمو ہوتا ہے۔" میں نے داہنی آنکھ دبا کر کہا۔ "میری موجودگی میں کوئی دوسرا کمانڈر نہیں ہو سکتا۔ تم نے اچھا کیا جو یاد دلا دیا، مجھے اپنا لباس بدل لینا چاہیے۔"

"بہت پہلے بدل لینا چاہیے تھا۔" وہ نحیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "یہ ظاہر داری کا زمانہ ہے۔ شان و شوکت کے بغیر بڑے سے بڑا انسان بھی بری طرح نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔"

میں کیبن کی ایک الماری کی طرف بڑھ گیا جو بادی النظر میں وارڈروب محسوس ہو رہی تھی۔ اس میں تہ کیے ہوئے متعدد مردانہ ملبوسات کے علاوہ ہینگروں پر بہت سے ملبوسات لٹکے ہوئے تھے جن میں سے کئی اپنی وضع اور تراش خراش کی بنا پر بہ آسانی وردی قرار دیے جا سکتے تھے۔ غالباً وہ لوگ گن بوٹ کی آڑ میں کھلے سمندر میں من مانی کارروائیاں کرنے کے عادی تھے اور ایسی کسی بھی مہم پر متعلقہ ملک اور محکمے کی سرکاری وردیوں کے استعمال میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ میں نے وردیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے الماری میں سے اپنے لیے ایک نرم اور گرم لباس منتخب کیا اور کیبن کا دروازہ اندر سے بولٹ کر کے پھرتی کے ساتھ ڈانگری سے نجات حاصل کر لی کیونکہ میں اس مضحکہ خیز حالت میں ریمبراں کی موجودگی پسند نہیں کرتا تھا۔

"اب تم نے اپنا اصل روپ نکالا ہے۔" سلطان شاہ نے بستر پر پڑے پڑے تعریفی لہجے میں کہا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ کہ گن بوٹ

پر کنٹرول حاصل کر لینے کے بعد اب تمھارا کیا پروگرام ہے؟"

"میں نے اسی خفیہ اڈے کی طرف واپس چلنے کے لیے حکم دے دیا ہے جہاں سے یہ گن بوٹ ہماری تلاش کی مہم پر روانہ ہوئی تھی۔" میں نے اس کے قریب جا کر سرگوشیانہ لہجے میں بتایا۔

اس کی آنکھوں میں حیرت تیر گئی۔ "کیا یہ خودکشی کی کوشش نہیں ہوگی؟"

"ہم بے خبری میں وہاں پہنچیں گے اور اس اڈّے کا نام و نشان تک مٹا دیں گے۔ اس جنگی کشتی کی گن سے گرنے والا ایک گولا ہی اس ٹھکانے کو ختم کر دے گا اور ہم کسی مزاحمت کے بغیر گن بوٹ پر طویل مدت تک اپنا قبضہ برقرار رکھ سکیں گے کیونکہ اب اسی کے ذریعے ہمیں نجات کی کوئی راہ تلاش کرنا ہے۔"

"اور تمھیں خوش فہمی ہے کہ اس بحری اڈّے کی تباہی میں گن بوٹ کا عملہ بے چون و چرا تمھارا ساتھ دے گا؟" اس نے بے چینی کے عالم میں سوال کیا۔

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ میں آئی مین ہوں۔ وہ میرے کسی حکم سے سرمو انحراف نہیں کر سکیں گے۔" میں نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ "شیلون کی موت کے بعد میں نے ان کے رویّے سے اپنی طاقت کا صحیح اندازہ لگا لیا ہے اور ان لوگوں کو کسی سے بھی ریڈیائی رابطہ قائم کرنے کی ممانعت کر دی ہے۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ تمھارے حکم پر شی کے مفادات کے خلاف بھی جا سکیں گے؟"

"شی کے مفادات اور ترجیحات کا تعین ان کا کام نہیں ان معاملات میں آئی مین پالیسی ساز تصور کیا جاتا ہے جو کچھ وہ طے کر دے وہی شی کا مفاد ہوتا ہے، اس سے انحراف کرنے والے کے لیے موت سے کم کوئی سزا تجویز نہیں کی جا سکتی۔" میں نے مختصر ترین الفاظ میں اپنے اخذ کیے ہوئے نتائج کا نچوڑ اسے سنا دیا۔

"اللہ کرے کہ تمھارے قیاسات درست ثابت ہوں۔۔۔"

اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اسی وقت کیبن کے بند دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی تھی۔ میں فوری طور پر دروازے کا بولٹ گرانے کے لیے بڑھ گیا۔ دروازہ کھولنے پر ریمبراں کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر میں نے اسے اندر بلا لیا لیکن اس کے چہرے پر ثبت تاثرات کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ شیلون کے ساتھ کافی عرصے سے کام کر رہا تھا اور اس طویل رفاقت کے نتیجے میں اس کے دل میں اپنے کمانڈر کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو گیا تھا۔ شیلون کی موت میں خوف و دہشت کا عنصر ضرور نمایاں تھا لیکن عملاً اس کی موت فطری انداز میں ہوئی تھی جس پر صبر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا لیکن اپنے کمانڈر کی بے جان لاش کو سنگدل

کی بے رحم اور سفاک موجوں کے حوالے کرتے ہوئے ریمبراں کا اُداس ہونا انسانی جبلّت کے عین مطابق تھا جس پر مجھے معترض ہونے کا کوئی حق نہیں تھا کیونکہ مجھے پورا یقین تھا کہ اب پوری دنیا کی ہمدردیاں بھی شیلون کو واپس نہ لا سکیں گی۔

"اس وقت گن بوٹ کی کیا پوزیشن ہے؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے سوال کیا۔

"ہر چیز نارمل ہے۔" ریمبراں نے محتاط لہجے میں کہا۔ "فرانسیسی بحریہ کا پرچم اتار دیا گیا ہے۔ عملے نے وردیاں بھی تبدیل کر لی ہیں اور اب یہ ایک نجی تفریحی بوٹ کی حیثیت میں کھلے سمندر سے بریسٹ کی واپسی کی راہ اختیار کر رہی ہے۔ اندازہ ہے کہ صبح ہونے سے پہلے ہم بہ حفاظت اپنے بیس اسٹیشن پر پہنچ جائیں گے۔"

"میرے ساتھی کی حالت کافی سنبھل گئی ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن اسے دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ تم یہیں اس کے پاس ٹھہرو، میں بریسٹ پہنچنے سے پہلے گن بوٹ کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔"

"تم چاہو تو تمھاری رہنمائی کے لیے میں کسی کو بلا لوں؟" اس نے مؤدبانہ لہجے میں سوال کیا۔ "اس طرح تم ترتیب کے ساتھ گن بوٹ کا ہر حصّہ دیکھ سکو گے۔"

بات معقول تھی لہٰذا میں نے رضامندی ظاہر کر دی اور وہ ایک گوشے میں دیوار پر ہُک سے لٹکے ہوئے انٹرکام کی طرف بڑھ گیا اور میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس سے پہلے پیغام رسانی کے لیے انٹرکام استعمال کرنے کے بجائے وہ خود کیوں دوڑ کر جاتا رہا تھا؟

"تم نے ہر بار مجھے احکام پہنچانے کا حکم دیا اور میں نے تعمیل کی، اگر میں انٹرکام استعمال کرنے کی اجازت طلب کرتا تو تم اسے میری گستاخی بھی سمجھ سکتے تھے۔" میرے استفسار پر اتنا کہہ کر وہ لمحہ بھر کے لیے جھجکا اور پھر بولا۔ "تم یہ بھی سوچ سکتے تھے کہ میں کسی وجہ سے تمھارے قریب رہنا چاہ رہا ہوں۔"

"ایلی نور کون ہے جسے تم نے بلایا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"گن بوٹ کی اسسٹنٹ نیوی گیٹر ہے۔ فرنچ ہونے کے باوجود اس کی انگریزی بہت رواں اور صاف ستھری ہے دوسروں سے بات کرتے ہوئے تم الجھن میں پڑ سکتے تھے۔"

بہ ظاہر اس کی ہر بات معقول اور قابلِ قبول تھی لیکن میں اس نئے ماحول میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ دوسری طرف میرے ذہن میں شیلون کی وہ بیم گن موجود تھی جو اس نے مرنے سے قبل ریمبراں سے طلب کی تھی۔ اس کی مدد سے اس نے مجھے ہاتھ لگائے بغیر زندگی بھر کے لیے معذور کرنے کی دھمکی دی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی نیا اور مہلک ہتھیار تھا جو

کسی مخدوش صورت حال میں میرے کام آسکتا تھا۔
"شیلون کی بیم گن کہاں ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔
"اجازت ہو تو نکال دوں؟" اس نے استفسار طلب لہجے میں کہا اور میرا اشارہ پاتے ہی مسہری کی دوسری طرف رکھی ہوئی میز کی دراز سے سیاہ پستول نما ایک ہتھیار نکال لایا جس کی نال بہت مختصر تھی اور اس کے آخری سرے پر کھلی ہوئی پوری گولائی کے بجائے چھوٹے سوراخ والا ایک نوزل نظر آرہا تھا۔ وہ ہتھیار اعتبار یہ دو دو کے پستول کے برابر ہونے کے باوجود کافی وزنی تھا۔
"یہ شیلون کو حال ہی میں ملا تھا" وہ کہنے لگا۔ "اس سے خارج ہونے والی لیزر بیم ایک انچ موٹی لوہے کی چادر میں سے بہ آسانی گزر جاتی ہے۔"
"میرے لیے یہ نئی چیز ہے۔" میں نے اپنی علمیت کے اظہار کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے فراخ دلی کے ساتھ کہا۔ "اپنی موجودہ مہم کے سلسلے میں کافی عرصے سے اہم شعبوں سے میرا رابطہ ٹوٹا ہوا ہے۔ ذرا اس کے استعمال پر روشنی تو ڈالو۔"
"اس کے دستے سے اوپر انگوٹھے کے قریب ایک سرکنے والا سوئچ نصب ہے اسے نیچے سرکاتے ہی اس ہتھیار کی پاور سپلائی بحال ہو جاتی ہے اور ٹریگر دبانے پر نوزل سے لیزر شعاعیں خارج ہوتی ہیں جو ایک انچ موٹے لوہے میں سوراخ کر دینے کی طاقت رکھتی ہیں مگر ان شعاعوں کی خاصیت یہ ہے کہ یہ ایک جسم میں سے گزرتے ہی بے جان ہو جاتی ہیں۔" وہ فخریہ لہجے میں لیزر گن کی کارکردگی کی وضاحت کرنے لگا۔ "یعنی لوہے کی دو پتلی چادریں ایک دوسرے سے چند ملی میٹر کے فاصلے پر آگے پیچھے کھڑی کر دی جائیں تو بیم صرف آگے والی چادر میں سوراخ کرے گی پچھلی چادر محفوظ رہے گی۔ ایسی صورت میں یہ ٹھوس لوہے کی ایک انچ موٹائی میں سے گزرنے کی طاقت کنڈکشن کی وجہ سے کھو بیٹھتی ہے۔"
"اور اس کی رینج کتنی ہے؟"
"سو میٹر تک یہ شعاعیں بہت مہلک رہتی ہیں۔ انتہائی تیز رفتار ہونے کے باوجود کشش ثقل کے باعث بیم آگے بڑھتے ہوئے زمین کی طرف بتدریج جھکتی جاتی ہے اس لیے فاصلے پر مار کے لیے پروجکٹائل کے اصول حرکت کو ذہن میں رکھنا پڑتا ہے۔ نال کے قریب بیم کی موٹائی سوئی جیسی ہوتی ہے لیکن فاصلہ بڑھنے کے ساتھ اس کا دائرہ کار بھی پھیلتا جاتا ہے۔ سو میٹر کے بعد یہ شعاعیں حیرتناک سرعت کے ساتھ فضا میں تحلیل ہو جاتی ہیں۔"
"اگر شیلون کو یہ بیم گن دی تھی تو اس کے پاس ایکسپلوڈر بھی رہا ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔
"ایکسپلوڈر سے میں لاعلم ہوں۔" اس نے بے بسی سے کہا۔
"وہ بھی پستول ہی ہے لیکن اس کی گولی کسی بھی جسم میں داخل ہوتے ہی پھٹ جاتی ہے اور لاش کے چیتھڑے اڑ جاتے ہیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔
"اوہ!" وہ تفہیمی انداز میں بولا۔ "ہم اسے تھرموبلاسٹ کہتے ہیں۔ وہ تو میرے پاس بھی موجود ہے۔ وہ شیلون ہی نے مجھے دیا تھا لیکن ایک کتے پر آزمانے کے سوا آج تک اس کے استعمال کی نوبت نہیں آئی۔"
"وہ مجھے دے دو، تمہارے پاس اور بھی اسلحہ ہوگا؟"
"ہمارے پاس کافی ہتھیار ہیں، تھرموبلاسٹ فالتو میگزین سمیت میں ابھی اپنے کیبن سے لے آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ ایک مرتبہ پھر کیبن سے چلا گیا۔ میرا خیال تھا کہ لیزر گن میں اپنے ساتھ رکھوں گا اور تھرموبلاسٹ یا ایکسپلوڈر سلطان شاہ کو دے دوں گا کیونکہ اس وقت ہم بالکل ہی نہتے تھے۔
دروازہ اس بار اندر سے بولٹ نہیں تھا دروازے پر دستک کے جواب میں میں نے اس طرف مڑنے کی زحمت کیے بغیر بلند آواز میں "کم ان" کہا میرا خیال تھا کہ آنے والا ریمبراں ہوگا لیکن چند ثانیوں کے بعد میرے کانوں میں ایک سُریلی نسوانی آواز آئی تو میں خوشگوار حیرت کے ساتھ تیزی سے پلٹا اور پھر اپنے سامنے کھڑی اس حسین ساحرہ کو دیکھتا ہی رہ گیا جس کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر دعوت انگیز مسکان مچل رہی تھی اور نیلی آنکھوں میں عجیب وحشیانہ سی چمک موجود تھی جس نے اس کے تیکھے خدوخال اور گلابی رنگت کا حسن ناقابلِ بیان حد تک بڑھا دیا تھا۔ اس کے سلیقے سے ترشے ہوئے اخروٹی رنگ کے بال بے پروائی سے اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور فر کے کالر والے سیاہ اونی کوٹ کے نیچے اس کے بدن پر اسکرٹ اور بلاؤز نظر آرہا تھا۔
"مجھے ریمبراں نے طلب کیا تھا سر!" میری کا بدن میں اتر جانے والی جارحانہ نظروں سے بوکھلا کر اس نے جلدی سے کہا۔ "میرا نام ایلی نور ہے، میں گن بوٹ کی اسسٹنٹ نیوی گیٹر ہوں۔"
"تم جو بھی ہو، بہت خوب ہو۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ سلطان شاہ پر گزرنے والے روح فرسا لمحات کے بعد اس حسین و جمیل دوشیزہ کو اپنے روبرو دیکھ کر میری جمالیاتی حس یک بیک ہی پوری قوت سے بیدار ہو گئی تھی اور میرے ذہن میں کچھ تر و تازہ خوشگوار لمحات کی امید پیدا ہو گئی تھی۔
"تمہیں معلوم ہے کہ تم اس وقت کس کے روبرو موجود ہو؟" میں نے اس کی زندگی سے بھرپور آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پُر اشتیاق لہجے میں سوال کیا۔
"یس سر!" اس نے مستعدی سے جواب دیا۔ اس کے یاقوتی

لبوں پر مخصوص مسکان بدستور موجود تھی جو شاید پیدائشی طور پر ہمیشہ سے اس کی ذات کا ایک ناگزیر حصہ تھی "سب کو معلوم ہے کہ گن بوٹ اس وقت آئی مین کے کنٹرول میں ہے یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں تم سے ہم کلام ہوں۔"

یہ انگریزی زبان کی ایک بڑی خامی ہے کہ اس میں مخاطب کے لیے صرف تم کا ایک ہی صیغہ ہے۔ لب و لہجے کی بنا پر یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تخاطب میں کس قدر احترام شامل ہے اور اس صیغے کا اردو میں ترجمہ تم سے کیا جاسکے گا یا آپ کا لفظ مناسب رہے گا۔ میرا اندازہ تھا کہ ایلی نور اس وقت مجھ سے آپ جناب کے لہجے میں مخاطب تھی۔

"تم نے مجھے آئی مین کیسے سمجھ لیا جب کہ یہاں ایک اور بھی اجنبی موجود رہے؟" مجھے اس زہد شکن سراپا سے گفتگو کو طول دینے میں لطف آرہا تھا لیکن وہ اپنی ذات میں میری بڑھتی ہوئی دلچسپی کو نہیں بھانپ سکی تھی۔

"بوٹ پر سب کو معلوم ہے کہ کمانڈر شیلون نے اپنی بدترین غلط فہمی کی بنا پر تمہارے ساتھی کو فریزنگ باکس میں ڈلوا دیا تھا پھر تمہاری شناخت ظاہر ہوتے ہی دہشت سے اس کا ہارٹ فیل ہوگیا۔ اگر تمہارا ساتھی بستر پر دراز ہونے کے بجائے اپنے قدموں پر کھڑا ہوتا تو شاید میرے لیے شناخت دشوار ہوتی۔"

میں نے آگے بڑھ کر نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کے چہرے پر مسرت کی سرخی دوڑ گئی۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم صرف خوبصورت ہی نہیں بلکہ ذہین بھی ہو۔" اس وقت مجھے ایلی نور کے دبیز اونی کوٹ پر ہلکا سا غصہ آیا تھا۔

اس کی چمکتی ہوئی نیلی آنکھوں میں آرزوؤں کے الاؤ بھڑک اُٹھے۔ اس مرحلے پر اسے یک بہ یک ہی اپنی ذات میں میری دلچسپی کا ادراک ہوا تھا اور شاید اس کا ذہن فضاؤں میں پرواز کرنے لگا تھا۔ اس نے آنکھیں موند کر اپنے شانے پر رکھے ہوئے میرے ہاتھ کی جانب اپنی گردن کو خم دینا شروع کیا تو میں نے آہستگی سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں جن میں ہلکا سا ہراس اُمڈ آیا تھا۔

جذبات کی رو میں بہہ کر وہ جو کچھ کر گزری تھی اس کے بارے میں پُریقین نہیں تھی کہ میں اس حرکت کو قبول کرلوں گا یا اس کی سرزنش کروں گا لیکن اس وقت میں خود بھی ریمبراں کی متوقع واپسی کی وجہ سے محتاط تھا۔ اس لیے ایلی نور سے نگاہیں چار کیے بغیر سلطان شاہ کی طرف گھوم گیا۔

"چند منٹ ٹھہرو، ریمبراں آجائے تو میں تمہارے ساتھ گن بوٹ کا معائنہ کروں گا۔" میں نے ایلی نور کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نرم سہمی آواز میں کہا۔

"مجھ سے اگر کوئی گستاخی ہوئی ہو تو میں معافی چاہتی ہوں۔" میرے کانوں میں ایلی نور کی سہمی ہوئی آواز آئی۔ "میرے ذہن میں آئی مین کا تصور بہت ہولناک اور روح فرسا تھا جس سے بات کرتے ہوئے بڑے بڑے سورماؤں کا پتا پانی ہوجانا چاہیے لیکن تم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تمہاری نرم دلی اور خوش کلامی سے مسحور ہوگئی تھی۔"

"کوئی بات نہیں، تم سے مل کر مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم جیسی لڑکیاں بھی ہیں۔ تم مجھے اپنے حق میں مہربان اور ہمدرد پاؤ گی مگر ایجنٹ وغیرہ کے لیے میں ایک سخت گیر آئی مین ہوں میری شخصیت کے اس تصور میں کوئی فرق نہ آنا چاہیے۔" میں نے اپنے دل کی تیز دھڑکنوں کے درمیان سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"تم بہت عظیم ہو۔" ایلی نور کی آواز وفورِ مسرت سے کپکپا رہی تھی اس کے وجود میں چھپی ہوئی عورت نے میرے الفاظ میں پوشیدہ پیغام پڑھ لیا تھا۔ "میری وجہ سے تمہاری ذات پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ شاید میں تمہارے ہی انتظار میں اپنی طرف بڑھنے والے ہر مرد کو سرد مہری سے ٹھکراتی رہی ہوں۔"

"کیا کہہ رہی ہے یہ؟" سلطان شاہ نے اردو میں کمزور لہجے میں سوال کیا۔

"مجھ سے دوستی چاہتی ہے۔" میں نے اردو ہی میں جواب دیا۔ "بڑی دوآتشہ لڑکی ہے۔ میں اس سے کام لینے کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔ اس سے بہت مدد مل سکتی ہے۔"

"ضرور غور کرو، یہ تو خود تمہارے کام آنے پر تلی ہوئی ہے۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا۔ "میں نے تو اس کے لہجے سے ہی دال میں کالا ہونے کا اندازہ لگا لیا تھا۔ عجیب لہجے اور تلفظ سے انگریزی بولتی ہے چند الفاظ کے سوا میرے پلے کچھ بھی نہیں پڑسکا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہاری رگوں میں جمی ہوئی برف پگھلنے لگی ہے۔" میں نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لیکن اس لڑکی کو میری طرف سے بھڑکانے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ مجھے ریمبراں کے مقابلے میں زیادہ قابلِ اعتماد نظر آتی ہے۔"

"برقع میں سامنے آئی ہوتی تو تمہاری رائے ہرگز یہ نہ ہوتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے پہلے سے تمہاری کمزوری کا اندازہ تھا۔"

اسی وقت ریمبراں دروازے پر دستک دے کر کیبن میں آگیا اس کے ہاتھ میں تھرمو بلاسٹ اور ایک ڈبا موجود تھا جو اس نے آتے ہی ادب و احترام سے مجھے تھما دیا۔

"یہ ایکسپلوڈر اور اس کا فاضل میگزین ہے۔" میں نے دونوں چیزیں سلطان شاہ کو دیتے ہوئے اردو میں کہا۔ "اس کے ہوتے

ہوئے تم کبھی خود کو بے بس محسوس نہیں کرو گے۔"

"ایلی نور حکم کی منتظر ہے سر!" خاموشی کا وقفہ طویل ہوتے ہی ہمبران نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" میں اس کی طرف گھوم گیا۔ "میں ایلی نور کے ساتھ جا رہا ہوں۔ تم میری واپسی تک یہیں ٹھہرو گے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے وارڈ روب سے السٹر نکال کر شانوں پر ڈالا اور پھر نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ ایلی نور نہایت سعادت مندانہ انداز میں میرے پیچھے آئی تھی۔

کیبن کا دروازہ بند کر کے وہ نیم روشن راہداری کے نرم قالین پر بے آواز قدموں سے لپک کر میرے برابر میں آ گئی اور میں نے اضطراری طور پر اس کا ملائم، مخروطی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا جس میں پڑھتے خون کی حرارت موجود تھی۔ اس کے ہاتھ کا بھرپور لمس محسوس کرتے ہی میرے وجود میں بیک وقت ہزاروں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں اور میں نے فوراً اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ مجھے خوف پیدا ہوا تھا کہ راہداری میں کہیں عملے کا کوئی شخص مجھے ایلی نور کے ساتھ اس بے تکلفانہ حالت میں نہ دیکھ لے۔

"کہاں سے شروع کرو گی؟" میں نے لمحہ بھر کے بعد سوال کیا۔

"میرا کیبن قریب ہی ہے... کیوں نہ پہلے ادھر ہی چلا جائے؟" اپنے آئی مین کی توجہ حاصل کر لینے پر اس کا ذہن اس کے قابو سے باہر ہوا جا رہا تھا اور آواز بوجھل ہو گئی تھی۔

"اس کی باری آخر میں آئے گی۔ نیوی گیشن کنٹرول اور ریڈیو روم سے ابتدا بہتر رہے گی۔ گن بوٹ پر بے فکری کے کچھ لمحات گزارنے سے پہلے میں اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتا ہوں۔ ورنہ سچ پوچھو تو میں اپنی طویل مہم کے دوران ہونے والے جدال و قتال سے اکتایا ہوا ہوں۔"

"تمھاری زندگی کس قدر سنسنی خیز اور ہنگاموں سے لبریز ہوگی؟" وہ منمناتی ہوئی آواز میں رشک آمیز لہجے میں بولی۔ "میں تو اس بلا کی مسرت سوچ کر ہی پاگل ہوئی جا رہی ہوں۔"

"اچھا اب خاموش رہو۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "بے تکلفی کے لمحات بعد میں بھی میسر آ سکتے ہیں۔"

گن بوٹ کا نیوی گیشن روم مختصر لیکن جدید ترین آلات سے مزین تھا جس میں ایک پیچیدہ کنٹرول پینل بھی موجود تھا جس پر انجن کے مختلف حصوں میں تیل کے دباؤ اور رفتار سے لے کر درجۂ حرارت بتلانے والے گیج بھی نصب تھے۔ اسی پینل سے ایک بٹن دبا کر انجن اسٹارٹ یا بند کیا جا سکتا تھا اور وہیں سے لنگر ڈالنے والے مشینی نظام کو حرکت میں لایا جا سکتا تھا۔ وہاں بحری کپتان کی مخصوص سفید وردی میں ملبوس ایک نوجوان شخص موجود تھا جبکہ ایلی نور کی نشست عارضی طور پر بوٹ کے محافظوں میں سے ایک نے سنبھالی ہوئی تھی۔

ریڈیو روم اس سے بھی مختصر اور صاف ستھرا تھا۔ وہاں اولینی کانوں پر ہیڈ فون چڑھائے پینل کے سامنے اپنی اونچی کرسی پر براجمان تھا۔ جگہ جگہ سبز، سرخ اور نارنجی روشنیاں جل رہی تھیں۔ اولینی نے ہمیں دیکھتے ہی اپنی کرسی چھوڑ کر احترام میں سر جھکا دیا تھا۔ اس سے پتا چلا کہ اس وقت تک گن بوٹ کے لیے کوئی پیغام موصول نہیں ہوا تھا البتہ کئی اسٹیشنوں اور قرب و جوار سے گزرنے والے جہازوں کے پیغامات واضح طور پر سنے جا رہے تھے۔

اولینی اور ایلی نور کے جانشین کے علاوہ ڈیوٹی روم میں ایک اور آدمی نظر آیا۔ ایلی نور نے بتایا کہ باقی دو آدمی اگلی شفٹ کی تیاری کے لیے اپنے کیبنوں میں آرام کر رہے تھے۔ اس طرح گن بوٹ کا سارا عملہ آٹھ نفوس پر مشتمل تھا۔ بعد میں انجن روم اور سوئچ روم سے گزرتے ہوئے ایلی نور کے بیان کی تصدیق ہو گئی کیونکہ وہاں چڑیا کا بچہ بھی نہیں تھا۔

"اب کدھر کا ارادہ ہے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں ایلی نور سے سوال کیا۔

"کچن اور میس بیکار ہیں۔ اسٹور میں پرزوں کی پیٹیوں کے ساتھ ہی اسلحہ کی پیٹیاں بھی موجود ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تمھیں ان میں تو کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔"

"اپنے کیبن کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟"

"بس یہی ٹھیک ہے۔" وہ ایک دم کھل اٹھی اور اس کا چہرہ گلنار ہو گیا۔ "وہ لوگ سمجھیں گے کہ میں تمھیں پوری بوٹ کا تفصیلی معائنہ کرا رہی ہوں۔"

ہم گن بوٹ کی درمیانی منزل پر آئے۔ اس پورے حصے میں سردی کا اثر بہت کم تھا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ کسی مرکزی نظام کے ذریعے اس منزل کو گرم رکھا جا رہا تھا۔ راہداری کے وسط میں ایلی نور ایک مقفل دروازے کے سامنے رکی اور کوٹ کی جیب سے چابی نکال کر قفل کھول دیا۔

گن بوٹ کے معیار کے مطابق وہ کیبن ستھرا، کشادہ اور آراستہ تھا۔ ہر چیز قرینے سے اپنی جگہ پر موجود تھی جس سے ایلی نور کے ستھرے ذوق کا اندازہ ہوتا تھا۔ ایلی نور کو اونی کوٹ اتارنے میں مدد دیتے ہوئے میں نے اس کے سراپا کا جائزہ لیا تو دل ہی دل میں قدرت کی فیاضی کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس جیسی متناسب جسم اور اعضا والی عورتیں میری نگاہوں سے کم ہی گزری تھیں۔ اونی کوٹ نے درحقیقت اس کی آدھی سے زیادہ دلکشی کو چھپایا ہوا تھا۔ وہ بغیر کوٹ پہنے شیلون کے کیبن میں آئی ہوتی تو تقویٰ کے موضوع پر... سلطان شاہ کی تقریر یقیناً خاصا طول پکڑ جاتی۔

اپنا اسٹر اتار کر میں نے ایک کھونٹی پر ٹانگ دیا اور بے تکلفانہ انداز میں آرام دہ صوفے پر دراز ہو گیا۔ ایلی نور نے پلٹ کر کیبن کا دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا۔

"مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا ہے کہ تم مجھ پر اتنے مہربان ہو گئے ہو۔" وہ میرے قریب بیٹھتے ہوئے والہانہ انداز میں بولی۔ "کسی آئی مین سے ملاقات کا تصور شپ کے عام کارندوں کے لیے بس ایک خواب ہوتا ہے۔ پتا نہیں میرا یہ خواب کیسے پورا ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا پینا پسند کرو گے؟"

"جو جی چاہے لے آؤ۔ ویسے میں ڈی لکس اسکاچ کو ترجیح دیتا ہوں۔"

"برا نہ مانو تو کہوں کہ تمہارے سانسوں سے عمدہ قسم کی برانڈی کی بو آ رہی ہے۔"

میں ہنس پڑا۔ "وہ ریمبراں میرے ساتھی کو پلانا چاہ رہا تھا۔ ویسے تم اس معاملے میں کافی تجربے کار معلوم ہوتی ہو۔"

"اپنا وقت اسی شوق میں گزارتی ہوں۔ مردوں سے میری دوستی آج تک ایک حد سے آگے نہیں بڑھ سکی۔"

"تبھی تمہارے سانسوں میں ارمانوں کی آگ دہک رہی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر آنکھیں موندتے ہوئے کہا۔ "ایسی خود پسندی کبھی کبھی انسان کو تباہی کے راستے پر لے جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم جیسی عورت کو مجھ سے بہتر مردوں نے پوجنا چاہا ہوگا مگر تم نے انھیں ٹھکرا دیا کیونکہ وہ آئی مین نہیں تھے اور اب محض اپنے آئی مین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تم فراخ دلی پر آمادہ ہو۔"

"انسان صرف آنکھ ناک اور خدوخال کا نام نہیں ہوتا۔" وہ اسکاچ کے دو گلاس بناتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "مزاج، اخلاق اور زبان کے بغیر انسان پتھر کا ایک حسین مجسمہ بن کر رہ جاتا ہے جسے نظر بھر کر دیکھا تو جا سکتا ہے لیکن چاہا نہیں جا سکتا۔ ماپنے معیار پر میں نے تمھیں ایک مکمل انسان پایا ہے۔"

"مگر میں جب تک اپنی موجودہ مہم کو مکمل نہ کر لوں خود کو ادھورا تصور کرتا رہوں گا۔" میں نے موقع پاتے ہی گفتگو کو اپنی مرضی کے رخ پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "مکمل انسان سدا بہار اور آسودہ ہوتے ہیں۔"

"تمہارا منصب بہت بلند ہے جو شاید میرے تصور کی دسترس سے بھی باہر ہے۔" اس نے اسکاچ کے دونوں گلاس تپائی پر رکھتے ہوئے کہا۔ "پھر بھی میں تمہارے کسی کام آ سکی تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"تم۔" میں نے اپنا گلاس فضا میں ہولے سے اس کے گلاس سے ٹکراتے ہوئے پر خیال لہجے میں کہا۔ "مجھے تمہاری عمر معلوم نہیں لیکن چہرے سے تم خاصی کم سن نظر آتی ہو۔ . . . تم سے میں کسی مدد کی توقع نہیں کر سکتا۔ ہاں تمہیں سمندری زندگی کا تجربہ ہوتا تو تم میرے کام آ سکتی تھیں۔"

وہ اتنی بھی کم سن نہیں تھی لیکن میں نے اس کے دماغ میں ہوا بھرنے کی نیت سے پنے تلے الفاظ کا انتخاب کیا تھا۔ ان کا اثر میری توقع کے مطابق ہوا۔ اپنی کمسنی کے ذکر پر وہ ایک دم کھل اٹھی اور فخریہ لہجے میں بولی۔ "یہ بات پہلے بھی کئی مرد کہہ چکے ہیں مگر میں نے ہمیشہ یہی سمجھا کہ وہ مجھے رجھانے کے لیے میری تعریف کرتے ہیں مگر تمہاری رائے یقیناً میرے لیے سند ہے — ویسے میں اتنی بھی کم سن نہیں ہوں۔ میری عمر بائیس برس ہے جس میں سے چھ سال میں نے سمندر میں گزارے ہیں اور یہی میرا کل تجربہ ہے۔"

"سمندر کے چھ سال تو بہت ہوتے ہیں۔" میں نے تعجب آمیز حیرت سے کہا۔ "تم شپ میں کب سے آئی ہو؟"

"شپ میں یہ میرا پہلا سال ہے۔ اس سے پہلے میں کنگ لائنز میں کام کرتی تھی۔" اس کے جواب نے میرے ذہن کے بے شمار دریچے منور کر دیے کیونکہ کنگ لائنز میرے لیے نیا نام نہیں تھا۔ روزالی کے میس میں ڈیوڈ کاٹرل کا ماتحت جوناس ہمیں بتا چکا تھا کہ کنگ لائنز جمی لائیڈ کی ملکیتی جہاز راں کمپنی تھی جس کے صدر دفاتر یونان میں تھے اور اب ایلی نور جمی لائیڈ کی اسی کمپنی سے اپنے پرانے تعلق کا اعلان کر رہی تھی۔ جبکہ میں خود ایک طویل تمہید کے بعد گفتگو کو اسی رُخ پر لانے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ ایلی نور نے کنگ لائنز کا نام لے کر میرا کام خاصا آسان کر دیا تھا۔

"پانچ سال میں نے کنگ لائنز کے مالک کے خوب صورت نجی جہاز پر معاون جہاز راں کے طور پر گزارے تھے۔" ایلی نور میرے ذہن میں اٹھنے والی آندھیوں سے بے خبر اپنی رَو میں کہہ رہی تھی۔ "میڈوسا نامی اس تفریحی جہاز پر دنیا کی ساری آسائشیں موجود تھیں اور وہ سال میں دس مہینے بحیرۂ مُردار میں لنگر انداز رہتا تھا۔ اس پر کبھی کبھار بڑی دعوتیں ہوتی تھیں جن میں قیمتی شراب پانی کی طرح بہائی جاتی تھی اور مدہوش جوڑے ساری ساری رات بال روم میں ناچتے رہتے تھے۔ مشہور اداکاروں سے معزز سیاست دان تک میڈوسا کے طلسماتی ماحول میں آ کر سحر زدہ ہو جاتے تھے اور ایسی رنگین راتوں میں اس جہاز پر ایسی ایسی بے اعتدالیاں کر گزرتے تھے جن کے بارے میں وہ عام زندگی میں سوچتے ہوئے بھی شرماتے ہوں گے۔ . . ."

"کنگ لائنز تو شاید جمی لائیڈ کی ملکیت ہے۔" میں نے اسے ماضی کی دلفریب یادوں سے واپس حقائق کی دنیا میں لانے کی نیت سے ٹوکا اور وہ ایک جھرجھری سی لے کر رہ گئی۔

"وہ جہاز رانی کی صنعت کا بے تاج بادشاہ ہے۔" وہ بولی۔ "اس نے مجھے میڈوسا پر ملازمت دی تھی اور پھر اسی کی وجہ سے مجھے وہ

یادگار ملازمت چھوڑنا پڑ گئی۔ ان پانچ سالوں میں مَیں نے مشہور اور بڑے لوگوں کی اکثریت کو قریب سے دیکھا ہے اور اُن کے گھناؤنے روپ نے مجھے ان سب سے متنفر کر دیا۔ ان پارٹیوں میں بڑے بڑے کاروباری سودے اور رشوت کے لین دین طے ہوتے تھے۔ ہوسِ زر میں مبتلا ساہوکار اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو دولت کے جنگل میں چھوڑ کر میڈوسا پر نئے شکار کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے لیکن میڈوسا کی وہ رُسوا کُن کہانیاں کبھی منظرِ عام پر نہ آسکیں۔ کیونکہ اس حمام میں سب ننگے تھے کوئی شکاری ایسا نہ تھا جو خود شکار نہ ہوتا ہو۔"

"تم اس ملازمت سے بہت متاثر نظر آتی ہو۔۔۔ پھر آخر وہ ملازمت کیوں چھوڑنا پڑی تم کو؟" مَیں نے گلاس سے ایک گھونٹ لیتے ہوئے رواروی میں سوال کیا۔

"میرا متاثر ہونا لازمی تھا۔" وہ پُرخیال انداز میں اپنے گلاس پر نظریں جما کر بولی۔ "مَیں اب کم سِن نہیں ہوں لیکن اُس وقت ضرور کم عمر تھی اور مَیں نے میڈوسا پر زندگی کا وہ قیمتی تجربہ حاصل کیا ہے جو شاید سو برس کی عمر میں بھی مجھے حاصل نہ ہو سکتا لیکن مَیں نے اِس بھیڑ میں اپنی انا کو کبھی قربان نہیں کیا۔ جمی لائیڈ نے ایسی ہی ایک دعوت میں مجھے اپنی ملازمہ سمجھ کر ایک غیر ملکی امیر البحر کے حوالے کرنا چاہا لیکن مَیں نے وہ میزبانی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور وہی میڈوسا پر میری ملازمت کے آخری لمحات تھے۔ جمی لائیڈ نے مہمانوں کو کریٹ کے ساحل سے میڈوسا پر لانے والی ایک بوٹ کے ذریعے مجھے اُسی وقت ساحل پر بھجوا دیا ورنہ مَیں آج میڈوسا کی چیف نیوی گیٹر ہوتی۔"

"بڑی عجیب کہانی ہے تمہاری۔" مَیں نے متاثر ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "عمر کے اس مرحلے پر ترقی کے جوش میں انسان عموماً انا سے سمجھوتا کر کے بڑی سے بڑی قربانی بھی دے جاتا ہے مگر تم تو نری احمق نکلیں۔"

"سمجھوتے کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔" اُس کے نتھنے سے دماغ پر فلسفہ طاری ہونے لگا۔ "شاید جمی لائیڈ خود میری طرف پیش قدمی کرتا تو مَیں اُسے نہ ٹال پاتی لیکن اُس نے اپنے مہمان کو آگے لا کر مجھے یہ احساس دلانا چاہا کہ وہ مجھے اپنی زرخرید جاگیر سمجھتا ہے۔ بس یہ بات مَیں قبول نہ کر سکی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم شاید میری مدد کر سکو گی۔" مَیں نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "میری موجودہ مہم بھی کنگ لائنز والے جمی لائیڈ کے خلاف ہے۔"

اُس کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو گئیں۔ "کنگ لائنز والے جمی لائیڈ کے خلاف۔۔۔ یعنی کچھ نہ کچھ گڑبڑ شروع ہو چکی ہے۔"

"تم کسی اور جمی لائیڈ سے واقف ہو؟" مَیں نے سوا اور پُرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"صرف نام سنتی رہی ہوں۔۔۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ میری دوسری ملازمت بھی جمی لائیڈ نامی شخص کے پاس ہے۔۔۔ شی میں ہر ایک اس نام سے شناسا ہے۔"

"ناموں کی اس یکسانیت نے کبھی تمہیں کچھ سوچنے پر مجبور نہیں کیا؟"

"مَیں نے کنگ لائنز میں ملازمت نہ کی ہوتی تو شاید ضرور سوچتی۔" اُس نے بلاتوقف جواب دیا۔ "وہ اس وقت دنیا کا کامیاب ترین جہازراں اور ایک معزز شخص ہے، شی کے سربراہ کا اس سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔"

"کنگ لائنز سے نکالے جانے کے بعد تم شی میں کیسے آ گئی تھیں؟" مَیں نے اطمینان سے اپنے لب تر کر کے سگریٹ سلگانے کے بعد اُس سے اگلا سوال کیا۔

"ساحل پر اتارے جانے کے بعد میرا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ مَیں ایک ہوٹل میں چلی گئی اور وہیں مجھے شیلون مل گیا۔ اُس نے میرے ساتھ دو پیگ پینے کے بعد مستقل ملازمت کی پیش کش کی جو مَیں نے قبول کر لی۔ اس طرح میں چند گھنٹوں سے زیادہ بے روزگار نہیں رہی۔ تیسرے دن شیلون مجھے اپنے ساتھ فرانس لے آیا۔"

"تمہیں علم تھا کہ تم شی کی ملازمت اختیار کر رہی ہو؟"

"فرانس واپسی کے بعد ایک ہفتے تک کسی نامعلوم مقام پر میری ذہنی آزمائشیں ہوتی رہیں۔ ان سے گزرنے کے بعد رازداری کا حلف لینے کے بعد مجھے اصلیت سے آگاہ کیا گیا تھا۔ میرے اثباتی ردِّعمل کے دوسرے دن مجھے گن بوٹ پر پہنچا دیا گیا اور مَیں اپنی اس زندگی سے بہت خوش ہوں۔" اُس نے دھیمی آواز کہا۔

"جہازراں جمی لائیڈ کو کسی طرح علم ہو گیا ہے کہ اُس کا کوئی ہمنام شی نامی ایک زیرِ زمین تنظیم کا روحِ رواں ہے۔" مَیں نے اُس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "اور اُس نے بدمعاشی کی ٹھان لی ہے۔ اُس نے شی کا سربراہ بن کر ہمیں لاکھوں ڈالر مالیت کے کئی چرکے لگائے ہیں۔ ایشیائی علاقے خاص طور پر اس کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں اور اب مَیں ہر قیمت پر اُس تک پہنچ کر ہمیشہ کے لیے اُس کا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں۔"

میرے مفروضہ انکشاف پر وہ ہکا بکا رہ گئی۔ "ارب پتی ہونے کے باوجود وہ اس قسم کی گھٹیا حرکتیں کرنے لگا ہے؟"

"قناعت صرف مفلسی اور بے مائیگی میں ہوتی ہے۔ پیسہ بڑھنے کے ساتھ اُس کی ہوس بھی بڑھتی جاتی ہے لیکن تمہارے پرانے آجر کا وقت اب پورا ہو چکا ہے۔ شاید اُسے کہیں سے بھنک مل گئی

ہے کہ اُس کی موت کا پروانہ جاری ہو چکا ہے۔ اس لیے آج کل وہ ایک جگہ نہیں ٹکتا، چھلاوے کی طرح ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔ اس تلاش میں تم میری کیا مدد کر سکتی ہو؟"

"یہ میرے لیے بہت دلچسپ کام ہوگا" وہ اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے بولی: "یہ میری خوش نصیبی ہے کہ تم نے مجھے اپنے اعتماد کے قابل سمجھا ہے۔ اس طرح میں اُس سے نہ صرف اپنی توہین کا انتقام لے سکوں گی بلکہ شی کی خدمت بھی کر سکوں گی جو لوگ ظاہر میں معصومانہ سوانگ رچا کر جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں میری نظر میں وہی معاشرے کے ناقابلِ معافی مجرم ہوتے ہیں۔ ورنہ مسلّمہ بدکاروں سے تو ہر ایک ہی چوکنا رہتا ہے۔"

"وہ تمھیں پہچانتا ہے۔ یہ کام تم کیسے کر سکو گی؟"

"یہ باتیں کیا ہم کسی اور وقت طے نہیں کر سکتے؟" وہ دوسرا گلاس تیار کرنے کے لیے اُٹھتے ہوئے اِٹھلا کر بولی: "وقت تیزی سے گزرتا جا رہا ہے۔ ہم یہاں اس لیے تو نہیں آئے تھے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو" میں نے پہلو بدلتے ہوئے کہا "لیکن میرے ذہن پر شب و روز کام سوار رہتا ہے۔ تمھاری زبان سے جعلی جمی لائیڈ کا ذکر سننے کے بعد میرے لیے اس موضوع میں ایک نئی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔"

"جعلی جمی لائیڈ!" وہ مخمور لہجے میں ہولے سے ہنسی "تم اسے جو چاہو کہہ سکتے ہو لیکن ہے وہ بھی اصلی سے۔ بلکہ دیکھا جائے تو وہ زیادہ معروف ہے۔ اُس کی شہرت یورپ کے کاروباری حلقوں سے باہر بھی پھیلی ہوئی ہے۔"

مجھے خوشی تھی کہ میں اسے جمی لائیڈ نامی دو مختلف اشخاص کے وجود کا یقین دلانے میں کامیاب رہا تھا کیونکہ وہ خود بھی یہی سمجھتی تھی جب کہ میرے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں وہ دونوں ایک ہی تھے اور اُس اکلوتے جمی لائیڈ کی تسخیر میرے لیے عرصۂ دراز سے ایک حسرت بنی ہوئی تھی۔

ایلی نور اسکاچ کا دوسرا گلاس لے کر میرے پہلو میں صوفے پر آئی تو اُس کے قدموں میں بہت ہلکی سی لغزش پیدا ہو چلی تھی اور اُس کی نیلی آنکھوں میں خمار کے ڈورے تیر رہے تھے۔

"تم بہت سست پیتے ہو" اُس نے بے حجابی کے ساتھ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے ایک ہی گھونٹ میں اپنا گلاس خالی کر دیا۔

دوسرا گلاس پیتے ہوئے گفتگو کا دائرہ سمٹتے سمٹتے بس ہم دونوں کی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا اور اِن ہی لمحات میں پہلی بار مجھے خیال آیا کہ گن بوٹ کھلے سمندر میں سفر کر رہی تھی اور اُس کی اسسٹنٹ یونی گیٹر میرے ساتھ مے نوشی میں مصروف تھی۔ اپنی نشست سے اُس کی طویل غیر حاضری گن بوٹ کے عملے میں بہت سی چہ میگوئیوں کو جنم دے سکتی تھی لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ ایلی نور کے اعصاب پر چڑھتے ہوئے سُرور کو زائل کرنا میرے بس سے باہر تھا میں زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا تھا کہ آئی مین کی حیثیت سے اُس کی انا کی تسکین کا سامان کر کے جلد از جلد وہاں سے اپنے کیبن میں پہنچ جاؤں تاکہ ایلی نور کی غیر حاضری زیادہ شدت سے میری طرف منسوب نہ کی جا سکے۔

میں اپنے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی طاری کیے واپس اپنے کیبن میں پہنچا تو سلطان شاہ اونی کمبل اوڑھے مسہری پر گہری نیند سو رہا تھا اور رمیراں کسی وفادار کتے کی طرح صوفے پر مستعدی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھتے ہی وہ ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ وہ پوری طرح بیدار تھا مگر میں نے اُس کی آنکھوں میں اکتاہٹ کے آثار پڑھ لیے تھے۔ اِس لیے فوراً ہی اُسے چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

"تم جا کر آرام کرو لیکن اپنے آدمیوں کو بتا دینا کہ ایلی نور کو ڈسٹرب نہ کریں۔ وہ گہرے نشے میں ہے۔ اس سے پوچھ گچھ کے لیے مجھے مجبوراً الکحل کا سہارا لینا پڑا کیوں کہ میں عورتوں پر تشدد کا قائل نہیں ہوں۔" رمیراں سے وہ کہانی تراش کر میں نہ صرف ایلی نور کو آرام کا موقع دینا چاہتا تھا بلکہ اس طرح میں نے اپنا کامیاب دفاع بھی کیا تھا۔

رمیراں کی آنکھوں سے اُکتاہٹ کافور ہو گئی اور اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ "کیا ایلی نور قابلِ اعتبار نہیں ہے سر؟" اُس نے حیرت اور بے یقینی کے عالم میں جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا" میں نے سخت لہجے میں کہا "یہ تفصیل تم اپنی ذات تک محدود رکھو گے۔ فی الحال میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ ایلی نور کے خود ہوش میں آنے سے قبل کوئی اُس کی تنہائی میں مخل نہ ہو۔ فیصلہ کر لوں گا تو سب کو علم ہو جائے گا۔"

"او۔ کے سر!" وہ مزید کچھ پوچھنے کی جرأت کیے بغیر سر جھکا کر کیبن سے رخصت ہو گیا اور میں اپنے جسم پر لدے ہوئے وزنی لباس سے چھٹکارا حاصل کرنے میں مصروف ہو گیا۔

"کہاں کہاں کی سیر کر آئے؟" اچانک سلطان شاہ کی شوخ آواز سُن کر میں چونک پڑا۔

"تم تو گہری نیند سو رہے تھے" میں نے اُسے گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تم جس بلا کو میرے سر پر مسلط کر گئے تھے اُس سے نجات حاصل کرنے کے لیے سونے کی اداکاری کرنا پڑی ورنہ وہ ہر منٹ بعد خور و نوش اور دیگر خدمات کے بارے میں سوال کر کر کے پاگل کیے دے رہا تھا۔ کئی دفعہ زبردستی بستر پر چڑھ کر میرے ہاتھ پیر

دبانے لگا تھا۔

"تو یوں کہو کہ میرے آئی مین ہونے کا صحیح فائدہ تم اُٹھا رہے تھے۔"

"صحیح فائدہ تو تم ساتھ لے گئے تھے، اُسے کہاں چھوڑ آئے؟ مجھے حیرت ہے کہ تم جیسے شکر خورے کو اس کھلے سمندر میں بھی شکر کی پوری بوری میسر آ گئی۔"

"بکواس مت کرو۔" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "یہ خرافات کا موقع نہیں ہے، وہ لڑکی میرے منصوبے کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوگی کیونکہ وہ کنگ لائنز میں پانچ برس جمی لائیڈ کے نجی جہاز پہ ملازمت کر چکی ہے۔"

میرے اس انکشاف پر وہ ششدر رہ گیا اور میں نے آہستہ آہستہ اُسے ایلی نور کے پورے پس منظر سے آگاہ کر دیا۔

"کہانی تو واقعی بہت دلچسپ ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایلی نور تمہارے کس منصوبے کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتی ہے؟" اس نے بستر پر پہلو بدلتے ہوئے سوال کیا۔

"ابھی میرے ذہن میں بھی اس منصوبے کا خاکہ واضح نہیں ہوا ہے۔ اس پر میں بریسٹ سے واپسی پر غور کروں گا۔ فی الحال یہ سمجھ لو کہ میں ایلی نور کے ذریعے جمی لائیڈ تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"جن حالات میں ایلی نور کنگ لائنز کی ملازمت سے نکالی گئی ہے ان کی روشنی میں تو شاید وہ جمی لائیڈ تک پھٹک بھی نہ سکے گی۔" اس نے پُرخیال انداز میں ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"یہی تمہاری خام خیالی ہے۔ میڈوسا پر امیر البحر اور ایلی نور کا واقعہ اتفاقی بھی ہو سکتا ہے اور پہلے سے طے شدہ بھی کیونکہ جمی لائیڈ اپنے لیے کام کرنے والوں کی نفسیات پر گہری نظر رکھنے کا عادی ہے۔ ایلی نور کی کھلی ہوئی حکم عدولی کے نتیجے میں اسے میڈوسا کی ملازمت سے فوری طور پر برطرف کر دیا گیا لیکن جمی لائیڈ اسے کھونا نہیں چاہتا تھا لہٰذا ایلی نور کے ساحل پر اترنے کے بعد جمی لائیڈ کی ہدایت پر شیلون اس سے جا ٹکرایا اور یوں وہ میڈوسا سے نکالے جانے کے بعد گن بوٹ پر رکھ لی گئی۔ اس لڑکی میں یقیناً کچھ ایسے خواص موجود ہیں جن کی جمی لائیڈ قدر کرتا ہے۔"

"کچھ خواص تو اس قدر ظاہر ہیں کہ مجھ جیسا موٹی عقل والا بھی ان سے انکار نہیں کر سکتا۔ حسین اور اخلاقی اقدار میں یقین نہ رکھنے والی عورتیں مجرموں کے لیے ہمیشہ کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔" مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہا ہو لیکن میں اسے ایلی نور کی پارسائی کے دعوے سے آگاہ کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

"یہ تو خیر ایلی نور ہے، تم ویرا کو دیکھ لو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو بن کر اسے کس قدر گھناؤنے راستوں پر ڈال رکھا تھا جبکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ویرا اس کی بیٹی ہونے کی دعوے دار ہے۔"

"میں اس وقت بحث کے موڈ میں نہیں ہوں ...۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا لیکن اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے کاٹ دی۔

"تھک گئے ہوگے۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

اس سے قبل کہ میں چڑ کر اسے کوئی سخت جواب دیتا کیبن میں لگے ہوئے انٹر کام کی گھنٹی نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی۔

"اودلینی اسپیکنگ سر!" ریسیور اُٹھاتے ہی میرے کانوں میں اودلینی کی تفکر آمیز آواز آئی۔ "میں نے اس وقت نہایت مجبوری کی حالت میں آپ کو ڈسٹرب کیا ہے۔"

"لمبی تمہید کے بجائے مختصر بات کرو۔" میں سرد اور درشت لہجے میں غرایا۔

"سوری سر!" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری۔ "پچھلے دس منٹ سے کوئی ہم سے ریڈیائی رابطہ قائم کرنے کی مسلسل کوششیں کر رہا ہے۔ میں نے ابھی نیوی گیشن کنٹرول سے بھی بات کی ہے، لیون کو شبہ ہے کہ کوئی تیز رفتار بوٹ ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔ اس کی تمام روشنیاں گل ہیں اور سمندر پر چھائی ہوئی گہری کہر میں اس کی نشاندہی ناممکن ہو کر رہ گئی ہے۔ مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے؟"

"اس وقت ہم ساحل سے کتنی دور ہیں؟" میں نے جواباً سوال کر ڈالا۔ اس کا انکشاف سنتے ہی میرے ذہن میں پوری شدت کے ساتھ اس خدشے نے سر ابھارا تھا کہ کہیں روزالی کی طرح گن بوٹ پر بھی خفیہ ٹرانسمیٹر نصب نہ ہوں جن کی مدد سے شی کے ذمے داروں کو گن بوٹ پر میرے قبضے کی اطلاع مل گئی ہو اور اب انھوں نے مجھے زیر کرنے کے لیے گن بوٹ کی طرف کوئی مہم روانہ کر دی ہو۔

"فرانس کے ویران سواحل سے ہمارا فاصلہ ڈیڑھ سو میل ہوگا۔"

"سب لوگوں کو الرٹ کر دو، میں خود ریڈیو روم میں آ رہا ہوں۔ ویسے وہ لوگ کون سی زبان بول رہے ہیں؟"

"انگریزی بول رہے ہیں مگر لب و لہجہ ہسپانوی معلوم ہوتا ہے۔"

"بس میں پہنچ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

گن بوٹ کے رہائشی فلور کا درجۂ حرارت بہت آرام دہ تھا لیکن میں نے پھر بھی شب خوابی کے لباس پر اوور کوٹ پہن

لیا تاکہ عرشے پہ جانا پڑ جائے تو سردی میں قلفی نہ جم سکے۔

"معلوم ہو رہا ہے کہ اس سمندری خطے میں سارے ہنگامے ہمارے ساتھ ساتھ ہی سفر کر رہے ہیں۔" سلطان شاہ نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔ "اپنی بیم گن ضرور ساتھ لے لینا، ضرورت پیش آئی تو میں بھی ایکسپلوڈر استعمال کرنے میں دریغ نہیں کروں گا۔"

"کاش، تم اس وقت اپنے قدموں پہ چلنے کے قابل ہوتے تو میں یکسوئی کے ساتھ اس نئی افتاد کا مقابلہ کرتا۔ اب میرا ذہن تمہاری ذات میں اُلجھا رہے گا۔"

"میرے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "اس وقت ہم دونوں عملاً ایک ہی کشتی کے سوار ہیں اور ہمارا انجام ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہوگا۔ تم بچے رہے تو کوئی میری طرف نگاہ بھی نہ اُٹھا سکے گا ورنہ ہم دونوں ہی زیر ہو جائیں گے۔"

"ذرا ہوشیار رہنا۔" یہ کہتے ہوئے میں کیبن سے نکل گیا۔ میں ریڈیو روم کی طرف جانے والے راستے پر پہنچا تو وہاں ریمبراں سمیت گن بوٹ کے چار مسلح محافظ اپنی لوڈ کی ہوئی ٹامی گنوں سمیت پہنچ چکے تھے۔ پانچواں ایلی نور کی جگہ ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا اور چھٹا اولینی اپنی ڈیوٹی پر تھا۔

میں ریمبراں کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے دو پتلی پتلی دیواروں کے درمیان بنے ہوئے بغلی راستے میں مڑ گیا۔ نیم دائرے میں تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد اوپر جانے والے چند زینے تھے جنھیں عبور کر کے اس مختصر راستے سے ہم ریڈیو روم میں داخل ہوئے تو اولینی کانوں پر ہیڈ فون چڑھائے پینسل اور سادا پیڈ سنبھالے تشویش زدہ انداز میں انسٹرومنٹ پینل کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اپنے انہماک کی وجہ سے وہ دبیز فرشی قالین پر ہمارے قدموں کی دھمک نہ سُن سکا اور جب ریمبراں نے قریب پہنچ کر نرمی سے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا تو وہ اس بری طرح اچھلا تھا جیسے اس پر طاقتور برقی رو والا ننگا تار آ گرا ہو لیکن ہمیں دیکھتے ہی اس نے فوری طور پر اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو پا لیا اور پینل پر لگی ہوئی ایک ناب کو چھیڑنے لگا۔

"وہ اس وقت بھی لائن پر ہیں۔" وہ اپنے کام سے توجہ ہٹائے بغیر بولا۔ "میں اسپیکر کھولنے جا رہا ہوں تاکہ ان کی ہرزہ سرائی آپ خود سُن لیں، اس بار ان کے تیور خراب ہیں۔"

"فرنچ فلیگ بوٹ... فرنچ فلیگ بوٹ!" اچانک اسپیکر پر ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دینے لگی۔ بولنے والا انگریزی بول رہا تھا لیکن اس کا لب و لہجہ اور تلفظ انگریزی سے یکسر مختلف تھا۔ کال سگنل کی تکرار کے بعد اس نے جہاز رانی کی مخصوص اصطلاحات میں عرض البلد اور طول البلد کے ساتھ شمال مشرقی سمت میں ایک مخصوص زاویے کا ذکر کیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ غلط فہمی کا ہر امکان ختم کر کے ہمیں یہ یقین دلانا چاہ رہا تھا کہ ریڈیائی رابطے پر اس کے مخاطب ہم ہی لوگ تھے۔

"تم سے رابطے کی یہ ہماری آخری کوشش ہے۔" ریڈیائی ریسیور پر وہی آواز اُبھر رہی تھی۔ "یہ نہ سمجھنا کہ خاموشی اختیار کر کے تم ہم کو چکمہ دے سکو گے۔ ہم ان تین فری کوئنسی چینل میں سے ایک پر بول رہے ہیں جو اس علاقے میں سفر کرنے والے ہر جہاز یا بوٹ کے لیے آن رکھنے لازمی ہیں، اگر اب بھی جواب نہیں دیا گیا تو نتائج کے ذمے دار تم خود ہو گے۔"

"صرف ایک چینل ٹرائی کر کے تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ ہماری بوٹ کے مواصلاتی نظام میں وہی چینل کام کر رہا ہوگا؟" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اولینی سے ہیڈ گیئر اور ماؤتھ پیس لے کر اپنے [illegible] جماتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف سے تلخ ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "تم نے دیکھ لیا کہ ہمارا مفروضہ درست تھا۔"

"یہ ہمارے آرام کا وقت ہے، تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"معذور ملاحوں کی بین الاقوامی انجمن کے لیے ہمیں چندہ درکار ہے۔ امید ہے کہ تم ہمیں مایوس نہیں کرو گے۔" دوسری طرف سے [illegible]نجیدگی کے ساتھ کہا گیا۔ "حادثات کسی کے بھی ساتھ ہو سکتے ہیں، یہ انجمن معذور ملاحوں کی زندگی بھر کفالت کرتی ہے۔"

"کھلے سمندروں میں نتائج کی دھمکی دے کر چندے جمع نہیں کیے جاتے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "کھل کر بات کرو کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"پندرہ ہزار پاؤنڈ اسٹرلنگ کا حقیر سا چندہ۔" جواب میں کہا گیا۔ "اس کارِ خیر میں حصہ لے کر تم خود کو بہت سے مستحق خاندانوں کی دعاؤں کا حق دار بنا لو گے ورنہ وہ سب مل کر تم کو کوسیں گے۔ اس کے علاوہ معذور اور مفلس لوگ تم کو کیا دھمکی دے سکتے ہیں!"

آخری فقر[illegible]ے پر بولنے والے کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کی دھمکی بے بنیاد نہیں تھی لیکن اس نے مجھے جتلانے کے بعد محض اس خیال سے بات بدل دی تھی کہ کہیں اسی فریکوئنسی پر کوئی اور جہاز بھی ہماری گفتگو نہ سُن رہا ہو اور دھمکیوں کا ذکر سنتے ہی قزاقی یا دہشت گردی کے خطرے کے پیش نظر ہماری مدد پہ آمادہ نہ ہو جائے۔

"ہم سب ملازمین ہیں اور اتنی بڑی رقم کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے۔" میں نے اس کے الفاظ میں پنہاں پیغام کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تم اپنی معذور انجمن کا پتا لکھوا دو، ہمارے مالکان بہت فراخ دل ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمھاری توقع سے کہیں زیادہ بڑی رقم کا عطیہ بھیج دیں۔"

"زبان سنبھال کر بات کرو۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "ہماری انجمن بہت طاقتور اور بارسوخ ہے۔ اسے معذور نہ سمجھنا۔ معذوروں کی فلاح و بہبود کے کام کرنے والے عموماً بہت لمبے ہاتھ رکھتے ہیں۔"

"ہاتھ لمبے ہوں یا ٹانگیں چھوٹی، ہم تمھارا مطالبہ پورا نہیں کرسکتے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا اور اسی وقت ریمبراں آگے آگیا۔ اس کی آنکھیں ملتجیانہ انداز میں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"ہم تمھیں صرف آدھا گھنٹا دے رہے ہیں۔" دوسری طرف سے تلخ لہجے میں کہا گیا۔ "ہمارا آپریٹس آن رہے گا۔ تمھارے دل میں معذوروں کی بد دعاؤں کا خوف پیدا ہو جائے تو ہمیں اپنی رضامندی سے آگاہ کر دینا ورنہ ہم کوئی اور راہ تلاش کریں گے۔"

"تمھیں کیا تکلیف ہے؟" میں نے ریڈیائی ٹرانسمیشن کا بٹن دبائے بغیر جھلائے ہوئے لہجے میں ریمبراں سے پوچھا۔

"ان سے سمجھوتا کرنا پڑے گا۔" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ اس علاقے کے بدنام بحری قزاقوں کا گروہ ہے۔ ریڈیو پر یہ معذور ملّاحوں کی بین الاقوامی انجمن کے حوالے سے ہی بات کرتے ہیں لیکن جہاز راں پچھلے تین برس سے اس کو ڈکو سمجھنے لگے ہیں کیونکہ یہ بے رحم درندے اپنا مطالبہ تسلیم نہ کرنے والے تین جہازوں کو خطرناک ہلکے میزائلوں سے تباہ کرچکے ہیں۔"

"اگر تم ان کو اتنا خطرناک سمجھتے ہو تو پھر تمھی کو ان سے بات کرنا چاہیے تھی۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تمھاری گفتگو میں دخل انداز ہونے کی جرأت نہ کرسکا۔" وہ خوشامدانہ انداز میں گھگیایا۔

"لعنت ہو تم پر۔" اس کے رویے پر میرا غصہ اور بڑھ گیا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شی میں تم کو کیسے برداشت کیا جا رہا ہے۔ اس قدر کم ہمت لوگ تو عام معاشرے میں بھی زیادہ دن زندہ نہیں رہ پاتے۔"

"میں بزدل نہیں ہوں سر!" وہ احتجاج آمیز لہجے میں بولا۔ "میں ان درندوں کی کہانیاں سن چکا ہوں۔ خشکی پر عمارتیں اور گلیاں ہر خطرے سے پناہ فراہم کرتی ہیں لیکن اس کھلے سمندر میں اگر ہماری گن بوٹ پر ایک تباہ کن میزائل آگرا تو دندناتی ہوئی بلند لہریں ہمیں لمحوں میں نگل جائیں گی۔" اس اثنا میں اولینی ریڈیو روم سے باہر نکل گیا تھا۔

"تو کیا یہ لوگ کوئی جنگی جہاز لیے پھرتے ہیں؟" لمحہ بھر کے لیے میں نے اس کے جواب کی معقولیت پر غور کرنے کے بعد نسبتاً نرم اور دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"سنا ہے کہ ایک عام سی لیکن تیز رفتار موٹر بوٹ ہے۔" اس نے کہا۔

"پھر وہ میزائل کیسے چلا سکتے ہیں؟" میں نے بے یقینی کے ساتھ کہا۔

"یہ دور بدل چکا ہے سر!" وہ جھجکتے ہوئے معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "آج کل اسلحہ کی کھلی منڈی میں بیسیوں ایسے تباہ کن میزائل آئے ہوئے ہیں جو کندھے سے فائر ہونے والے ہلکے پھلکے لانچر سے نشانے پر داغے جاتے ہیں اور ان میں بعض تو گائیڈڈ ہوتے ہیں۔ ٹارگٹ کی روشنی یا حرارت محسوس کرکے وہیں جا گرتے ہیں۔"

اگر اس وقت اولینی بھی وہیں موجود ہوتا تو شاید میرا ردِعمل مختلف ہوتا لیکن میں کچھ نہ بولا۔ اس کے کہتے ہی میرے ذہن میں اسٹنگر اور سلک ورم میزائلوں کے نام ابھرے تھے جو ان دنوں نئے نئے چلے تھے اور دو محاذوں پر ناقابلِ تصور تباہیاں پھیلانے کی وجہ سے دنیا بھر میں تیزی سے مقبول ہو رہے تھے۔ اس موضوع پر اخباری اطلاعات ذہن میں تازہ ہوتے ہی میں دل ہی دل میں شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

ریڈیائی رابطے پر گفتگو کے بعد میرے ذہن سے وہ خطرہ ٹل گیا تھا کہ کہیں آنے والے شی کے ہرکارے نہ ہوں جنھیں گن بوٹ پر میرے قبضے کے خاتمے کے لیے بھیجا گیا ہو۔ اگر وہ شی کے آدمی ہوتے تو عام ریڈیو فریکوئنسی پر گفتگو کرنے کا خطرہ ہرگز مول نہ لیتے بلکہ گن بوٹ تک رسائی کے لیے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرتے۔ پھر ریمبراں نے جس بے ساختہ انداز میں ان کی مہلک سرگرمیوں کا ذکر کیا تھا، وہ بھی میرے پیشِ نظر تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ واقعی بحری قزاق تھے اور قرونِ وسطیٰ کے دور کی طرح خونریز لوٹ مار کے بجائے کھلے سمندر میں سفر کرنے والوں کو دردناک تباہی کے خطرے سے بلیک میل کرکے لمبی رقمیں اینٹھنے کے عادی تھے۔ ملاحوں پر اپنی دھاک بٹھانے کے لیے انھوں نے چند جہازوں کو غرقاب بھی ضرور کیا ہوگا تاکہ جان کے خوف سے کوئی بھی ان کا مطالبہ ٹھکرانے کی جرأت نہ کرسکے۔

"تو تمھارا مشورہ ہے کہ ہمیں ان کا مطالبہ مان لینا چاہیے؟" خاصے توقف کے بعد میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"سودے بازی کی جاسکتی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اپنی مجبوری کی وجہ سے ہمیں جھکنا پڑے گا۔"

"تو کیا گن بوٹ پر اتنی رقم موجود ہے جو دے کر انھیں مطمئن کیا جاسکے؟"

لمحہ بھر کے لیے وہ سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔ "رقم تو ناممکن ہے، ویسے میرا خیال ہے کہ وہ اسلحہ حاصل کر کے بھی خوشی خوشی لوٹ جائیں گے۔ ابھی بریسٹ تک ہمارا کافی سفر باقی ہے، انھیں نظر انداز کر کے ہم ایک بھیانک خطرہ مول لیں گے جس کا سدِ باب کرنا ہمارے اختیار سے بالکل باہر ہوگا۔"

میں طنزیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "ریمبراں! اس وقت تم یہ حقیقت فراموش کر بیٹھے ہو کہ اولینی کے بجائے آئی میں سے مخاطب ہو جو آسانی کے ساتھ شکست تسلیم نہیں کر سکتا، اگر تم میں حوصلہ اور زندہ رہنے کی امنگ ہو تو گن بوٹ کی تباہی کے بعد تم ایک ٹوٹتے ہوئے تختے کے سہارے بھی تیر کر ساحل تک پہنچ سکتے ہو۔"

"درست ہے۔" وہ سنبھالا لے کر بولا۔ "امید مجھے بھی یہی ہے لیکن یہاں بڑی بڑی شارک مچھلیوں کے غول کے غول لہروں کے مدوجزر میں ڈوبتے ابھرتے رہتے ہیں، یہ مچھلی خون کی بُو سے بالکل دیوانی ہو جاتی ہے، اگر میرے جسم پر حادثے میں ذرا بھی خراش آگئی تو میرے زخم سے سمندر کے پانی میں ملنے والے خون کے قطرات دور دور سے شارک مچھلیوں کو ادھر کھینچ لائیں گے۔ میری عقل محدود ہے اس لیے مجھے یہ خطرات نظر آ رہے ہیں لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ تم کوئی فیصلہ کرو گے تو ہر خطرے کا توڑ تمھارے ذہن میں ہوگا، تمھاری حیثیت تو میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھول سکتا۔"

"گن کون فائر کرتا ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد اور گمبھیر لہجے میں پوچھا۔

"یہ میرا شعبہ ہے۔" اس نے مجھ سے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ گن کی نال ظاہر کیے بغیر ٹارگٹ کا نشانہ لے کر عین وقت پر نال باہر نکالتے ہی فائر کر دیا جائے تاکہ حریف کو کچھ سمجھنے یا کرنے کا موقع نہ مل سکے۔"

"اس ہاربیٹ ٹائپ گن میں فائرنگ کا جدید ترین خودکار نظام موجود ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہنا شروع کیا۔ "اس کے آٹو سرچ سسٹم پر ٹارگٹ کا تعین کر دیا جائے تو گن سے کا پورا نظام اس طرح حرکت میں آتا ہے کہ نشانے کی قریب ترین پوزیشن لے لی جاتی ہے اور گن کی بیرل باہر نمودار ہوتے ہی سرچ سسٹم کے تحت ڈفلکشن اور ایلیویشن وغیرہ آٹومیٹک طور پر خود بخود درست ہوتا ہے اور گن فائر کر دیتی ہے۔"

"اتنی ٹیکنیکل تقریر کی ضرورت نہیں تھی۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "سیدھی سی بات ہے کہ جو میں چاہتا ہوں وہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔"

"جی بالکل۔ یہی میں بھی کہنا چاہ رہا تھا۔" وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بولا۔

"اب کان کھول کر سنو کہ انھوں نے ہمیں للکار کر اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ میں معذوروں کی اس انجمن کو ہمیشہ کے لیے ویران کر دوں گا۔ میں انھیں ان کا مطالبہ مان لیے جانے کی نوید دوں گا اور جب وہ ہماری نظروں میں آ جائیں گے تو گن بوٹ سے فائر ہونے والا ایک ہی گولا ان کے چیتھڑے اڑا دے گا۔ اپنے تحفظ کے ساتھ یہ بہت بڑی خدمتِ خلق بھی ہوگی۔"

میرا منصوبہ سن کر وہ سُن ہو کر رہ گیا۔ شاید وہ مجھ سے اتنے شدید ردِعمل کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

"نہ ہم سب راہب ہیں اور نہ ان کے دامن انسانی لہو سے پاک ہیں۔" اس کی حالت دیکھتے ہوئے میں نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی۔ "اگر ہم نے انھیں جہنم واصل نہ کیا تو وہ گن بوٹ کو ڈبو دیں گے اور یہ ناممکن ہے کہ وہ تیسرے درجے کے غنڈے میری زندگی میں گن بوٹ کو اپنے ناپاک قدموں سے روندتے پھریں۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ اس قدر آسان اور سادہ تجویز میرے ذہن میں کیوں نہیں آئی۔" اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "گن بوٹ پر سفر کرتے ہوئے ہمیں چوہوں کی طرح سہمنے کی کیا ضرورت ہے! لیکن بات وہی ہے کہ بڑے فیصلے تم جیسے عالی دماغ لوگ ہی کر سکتے ہیں، ہم محنت اور جان سوزی ضرور کرتے ہیں لیکن کشتی کے اصل دماغ اوپر والے ہیں اور وہی اس کو چلا رہے ہیں۔"

"تم گن کے فائرنگ بنکر میں جا کر تیاری کرو، میں انھیں دانہ ڈالتا ہوں۔ اگر وہ تمھاری نظروں میں آ جائیں تو انٹرکام پر مجھے خبر کر دینا، میں خود عرشے پر آ جاؤں گا۔" میں نے کہا اور وہ تابعدار انداز میں سر جھکا کر ریڈیو روم سے نکلا چلا گیا اور میں ریڈیائی آلات کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"معذور ملاحوں کے چیف کے لیے ایک اہم پیغام ہے، اگر وہ میری آواز سن رہا ہے تو فوری جواب دے۔" میں نے ہوائی لہروں پر گن بوٹ سے پیغام نشر کیا۔

"مجھے امید تھی کہ تم بھاگنے کی کوشش کرنے کے بجائے وقت گزرنے سے پہلے کوئی اچھا فیصلہ کر کے ہم سے رجوع کرو گے۔" دوسری طرف سے فوراً ہی جواب آیا تھا۔

"ہم اتنی رقم نقد فراہم نہیں کر سکتے۔" میں نے کہا۔ "یہ ہماری مجبوری ہے۔"

"پھر بھی تم کتنی رقم چندے میں دے سکتے ہو؟" تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا گیا۔

"دس گیارہ ہزار برطانوی پاؤنڈ سے زیادہ رقم نہیں ہوگی۔"

"باقی جنس دے دینا، ہم راشن، فاضل پُرزے اور قانونی اسلحہ

بھی قبول کرتے ہیں۔"

"یہ باتیں دوبدو ہی مناسب رہیں گی... یہ بتاؤ کہ تم سمندر میں کس طرف اور ہم سے کتنی دور ہو؟"

بولنے والا فخریہ انداز میں ہنسا پھر اس کی آواز ابھری۔ "دھند کی وجہ سے تم ہمیں نہیں دیکھ سکے ورنہ ہم تمہاری بوٹ سے چند ہزار گز پیچھے اسی سمت میں سفر کر رہے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے روشنیوں کے نظام میں کسی خرابی کی وجہ سے ہماری بوٹ پر مکمل اندھیرا ہے، اس لیے ہماری نشاندہی بہت دشوار ہے اور اس سے بھی بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے عملے کے ایک آدمی کا دماغ چل گیا ہے اور وہ عرشے پر ایک ہلکا میزائل لانچر لیے بالکل تیار بیٹھا ہے۔ اسے دھماکوں سے الرجی ہے، اس وقت اس نے پٹاخے کی آواز بھی سن لی تو بلا تردد میزائل فائر کر دے گا۔"

"دونوں مسئلے خطرناک ہیں، انھیں حل کیے بغیر ہمارے قریب آنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ اس کہر آلود سمندری فضا میں ہماری بوٹ سے ٹکرا بھی سکتے ہو... یہ یقین رکھو کہ ہم کوئی دھماکا نہیں ہونے دیں گے، تم اپنے پاگل آدمی کو راکٹ لانچر سمیت کسی کیبن میں بند کراؤ۔"

"مجھے تم سے یہی امید تھی، تم بہت سمجھدار ہو۔" کاٹ دار لہجے میں کہا گیا۔ "تمہاری طرف سے دھماکا نہ ہوا تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ وہ میزائل فائر نہیں کرے گا۔ میرا سارا ہی عملہ ناکارہ ہے، میں ابھی خود بجلی کی خرابی تلاش کر کے روشنی کا بندوبست کرتا ہوں تاکہ بے خبری میں کوئی حادثہ نہ ہو سکے۔" اس نے لمحہ بھر توقف کیا پھر بولا۔ "یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہم ایک دوسرے کی بات سمجھ رہے ہیں، کبھی کبھار تو بڑے کوڑھ مغز لوگوں سے واسطہ پڑ جاتا ہے جو میری مجبوریوں کو سمجھنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم باتوں میں وقت برباد کرنے کے بجائے بجلی کے نظام کی خرابی تلاش کرو تاکہ جلد از جلد مل بیٹھنے کی صورت پیدا ہو سکے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"روشنیاں درست کر کے ہم تمہاری داہنی جانب متوازی کنے کی کوشش کرتے ہیں پھر لنگر انداز ہو کر بات کریں گے لیکن میں پھر کہہ رہا ہوں کہ دھماکے کی احتیاط رکھنا۔ میرے پاس آنے سے قبل وہ دو جہازوں کو میزائل سے سمندر میں غرق کر چکا ہے۔ وہ تیس سال سے سمندر میں رہ رہا ہے، اسی لیے اسے نوکری دیتے ہوئے میں نے اس کے بارے میں زیادہ چھان بین نہیں کی۔ اگر مجھے بروقت اس کی کمزوری سے واقف ہو گیا ہوتا تو ہرگز اس مصیبت کو اپنے گلے نہ لگاتا اور نہ اس وقت تم جیسے سخی کے سامنے گڑگڑا رہا ہوتا۔"

عام ریڈیو فریکوئنسی کی وجہ سے وہ اشاروں کنایوں میں سنگین دھمکیاں دے رہا تھا اور میں سب کچھ سمجھتے ہوئے اس کی تسلی کرا رہا تھا للہٰذا میں نے ایک بار پھر اسے اپنے مصالحانہ رویے کا یقین دلایا اور آپریٹس پر سکوت چھا گیا۔ اس دوران میں اولینی نہ جانے کس وقت میرے قریب آکھڑا ہوا تھا۔

"تم باہر کیوں گئے تھے؟" اس پر نظر پڑتے ہی مجھے بلاوجہ غصہ آ گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ اسی کے ہاتھوں سلطان شاہ پر اذیت کے ناقابلِ تصور لمحات گزر رہے تھے۔

"ریمبراں پر تمہارے غصے کی وجہ سے میں نے یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا۔" اس نے نظریں جھکا کر کہا۔ بلاوجہ اس کو میرے سامنے شرمندگی محسوس ہونے لگتی۔

"بلاوجہ؟" میرا پارہ چڑھ گیا۔ "کیا وہ بزدلی کی باتیں نہیں کر رہا تھا؟ تمہاری یہ جرأت کہ میرے فیصلے کو بلاجواز قرار دے رہے ہو؟"

میرے دہاڑنے پر اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور نگاہوں سے خوف جھانکنے لگا۔ "میں معافی چاہتا ہوں... بغیر سوچے سمجھے کہہ گیا تھا، اب ایسی غلطی کا اعادہ نہیں کروں گا۔" اس نے کمزور لہجے میں کہا۔

اس کی تحقیر کر کے بلکہ اس کی زبان سے اس کا اعتراف سن کر میرا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ "بغیر سوچے سمجھے بولنے سے بہتر ہے کہ خاموش رہا کرو۔ ایسی عادتیں انسان کو اچانک ہی لے ڈوبتی ہیں۔"

"شکریہ سر!" اس نے آہستگی سے کہا۔ "آئندہ آپ میری زبان پر لغزش نہ پائیں گے۔"

میں اسے مزید کچھ توہین آمیز مشورے دینے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک انٹرکام کی گھنٹی چیخ اٹھی اور میں نے فوری طور پر ریسیور اٹھا لیا۔

"وہ بوٹ ہمارے سروں پر سوار ہے سر!" اس کی آواز تحیر آمیز اور ہیجان انگیز تھی۔ "ہمارا اندازہ درست تھا کہ وہ اپنی تمام روشنیاں گل کر کے دھند کی آڑ میں ہمارا تعاقب کر رہے تھے، اب اچانک ہی اس بوٹ کی ساری روشنیاں جل اٹھی ہیں، ان میں سے تین فاگ لائٹس تو دھند کے باوجود محض آنکھ سے دیکھی جا سکتی ہیں۔"

"یعنی وہ اب تمہاری نظروں میں آ گئے ہیں۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "شاید وہ گن کی رینج میں بھی ہوں گے۔"

"بالکل رینج میں ہیں... اس وقت گن بیرل ایکسٹنڈ کی جائے تو دہانہ اسی بوٹ کی سمت میں ہوگا۔" ایک اہم اور خونریز معرکہ قریب آنے کی وجہ سے اس کے لیے اپنے جوش پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی رفتار بڑھا کر ہماری گن بوٹ کے متوازی آنے کی کوشش کریں، تم ان پر نگاہ رکھو، میں عرشے پر

اٹھا ہوں۔ یہ خیال رہے کہ ہمارا وار ذرا بھی اوچھا پڑا تو میزائل ہمیں لے ڈوبے گا۔ یہ صرف شبہ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور اس نے خاص طور پر بتایا ہے کہ ہماری طرف سے گولی بھی چلی تو وہ میزائل فائر کرنے میں دریغ نہیں کریں گے۔"

"مجھے اپنی مہارت سے زیادہ اس ہاربیٹ گن کے آٹو سرچ سسٹم پر ناز ہے۔ ہماری طرف سے فائر ہوا تو وہ بچ نہ سکیں گے، اجازت ہو تو عرشے کی روشنیاں گل کرادوں تاکہ ہماری نقل و حرکت نہ دیکھی جا سکے۔"

"ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "کسی بھی غیر معمولی تبدیلی سے وہ چوکنا ہو جائیں گے۔ عرشے پر ایک دو آدمیوں کی موجودگی ان کے لیے تعجب انگیز نہیں ہوگی کیونکہ قریب آکر وہ ہم سے مذاکرات کرنا چاہتے ہیں۔"

"بہت بہتر۔ میں تمھارا منتظر ہوں۔"

الوداعی فقرہ اس نے ادا کیا اور ریسیور میں نے کریڈل پر ڈال دیا۔

ایلی نور کے ساتھ گن بوٹ کا معائنہ کرتے ہوئے میں سارے راستوں سے واقف ہو چکا تھا لہٰذا اولینی کو ریڈیو روم میں چھوڑ کر میں اکیلا ہی عرشے کی طرف ہولیا۔ درمیانی رہائشی منزل سے چکردار آہنی زینے کے ذریعے عرشے کی سمت اختیار کرتے ہی بھیگی ہوئی سرد ہوا کے جھونکے میرے چہرے سے ٹکرائے تو میں پھریری لے کر رہ گیا۔ عرشے کے علاوہ جہاز کا تمام زیریں حصہ مرکزی نظام کے تحت اتنا گرم اور آرام دہ تھا کہ وہاں رہتے ہوئے کھلی فضا کی ہڈیوں میں اترنے والی سردی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ تو غنیمت تھا کہ میں نے کسی امکانی ضرورت کے پیش نظر دبیز اسٹر پہنا ہوا تھا ورنہ اس وقت میں سردی سے جم کر رہ گیا ہوتا۔ میں نے اسٹر کا کالر اونچا کر کے گردن اس میں دبکائی اور ہاتھ جیبوں میں ڈال کر آخری چند سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے کھلے آسمان کے نیچے ویران عرشے پر پہنچ گیا۔ جہاں اس وقت رگوں میں خون منجمد کر دینے والی یخ بستہ ہواؤں کا راج تھا۔ اس وقت فضا پر اتنی گہری دھند چھائی ہوئی تھی کہ گرد و پیش کا سمندر تو درکنار عرشے پر بھی چند فٹ سے آگے دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن میرے ذہن پر اس وقت بحری قزاقوں کی میزائل سے لیس تیز رفتار بوٹ سوار تھی جس کی روشنیاں جل اٹھنے کی اطلاع دیتے ہوئے ریمبراں نے فاگ لائٹس روشن ہونے کا ذکر بھی کیا تھا۔

گن بوٹ کا طاقتور انجن بڑی حد تک ہموار اور بے آواز تھا کیونکہ گن بوٹ کے چلنے کے باوجود اس وقت عرشے پر صرف سمندر کی بپھری ہوئی موجوں کا غضبناک شور سنائی دے رہا تھا جو کسی بھی کمزور دل آدمی کو دہشت زدہ کرنے کے لیے کافی تھا بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بہت سے دیوپیکر عفریت لمبی چوڑی آہنی چادروں کے سرے ہاتھوں میں تھامے وحشیانہ انداز میں ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوں ور رہ رہ کر اُن آہنی چادروں کو جھٹکے دے کر عجیب جھنکار پیدا کر رہے ہوں۔

اُس وقت میرے لیے سمت کا کوئی احساس باقی نہیں رہا تھا. لیکن گن بوٹ کی تیز رفتار کے خلاف اپنے جسمانی ردِعمل کی وجہ سے مَیں نے فوراً ہی اُس سمت کا تعین کر لیا، جدھر بحری قزاقوں کی بوٹ کی اطلاع ملی تھی۔ اس طرف اندھیری دُھند میں مجھے زرد روشنیوں کے کچھ موہوم سے دھبّے ایک ثانیے کے لیے نظر آئے اور پھر غائب ہو گئے شاید سمندر کی جھاگ اڑاتی، بلند موجیں میری بصارت اور ان روشنیوں کے درمیان دیوار بن گئی تھیں۔

چند سیکنڈ کے بعد وہ روشنیاں پھر نظر آئیں، اُن کی تعداد تین ہی تھی۔ اُن کے آس پاس یقینی طور پر عام روشنیاں بھی رہی ہوں گی جو اس موسم میں دُھند کا جزو بن کر معدوم ہو گئی تھیں۔ اس بار گن بوٹ کے عقب میں فاصلے پر نظر آنے والی فاگ لائٹس نسبتاً زیادہ دیر تک نظر آتی رہیں اور ایک مرتبہ پھر غائب ہو گئیں جس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ کھلا سمندر اس وقت میری طرح بپھرا ہوا تھا جو محض اپنی لہروں کی بے پناہ قوت سے کمزور بحری ڈھانچوں کو آناً فاناً تہس نہس کر سکتا تھا۔

بحری قزاقوں کی بوٹ کی روشنیاں دیکھ لینے کے بعد مَیں گن کی طرف بڑھا۔ پہلی بار اندازہ غلط ہوا لیکن دوسری مرتبہ مَیں اس بکتر بند آہنی خول کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جو عام طور پر کچھوے کے خول کی طرح گن کی نال وغیرہ کو چھپائے رہتا تھا۔

اس آہنی بنکر کے کھلے ہوئے مین ہول میں سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ مَیں نے عرشے پر جھک کر اندر دیکھا تو تنگ جگہ میں ریمبراں ماہرانہ انداز میں فائرنگ کنٹرولز سے کچھ چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔

"انھوں نے سمت بدلی ہے یا ابھی تک اسی پوزیشن میں چلے آ رہے ہیں؟" مَیں نے محسوس کیا کہ جسم پر دبیز اسٹر موجود ہونے کے باوجود ہڈیوں میں پیوست ہونے والی سردی کے اثر سے میری آواز کانپ رہی تھی۔

"اسی پوزیشن میں ہیں۔" اُس نے ایک روشن اسکرین پر بنے ہوئے نکتوں اور لکیروں کے ایک پیچیدہ جال پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ بنکر میں زیادہ گنجائش نہیں ہے ورنہ تم بھی اندر آ کر دیکھتے کہ آٹو سرچ کنٹرول کیسی سبک رفتاری سے گن کو نشانے پر لے کر آتا ہے۔"

"مَیں باہر رہ کر اپنی آنکھوں سے اس بوٹ کی تباہی کا منظر دیکھنا زیادہ پسند کروں گا۔" مَیں جواب دیتے دیتے چونک پڑا۔

چونکہ اس آرمرڈ بنکر میں سے خفیف لیکن وزنی مشینی گڑگڑاہٹ سنائی دی تھی۔

"کچھ نہیں، گن کا رُخ تبدیل ہوا ہے۔" ریمبراں نے میری حیرت بھانپتے ہوئے اندر سے جواب دیا۔ "یوں سمجھو کہ گن کا دہانہ اب اُن کے حلق میں اُترا ہوا ہے۔ جو بھی سمت اختیار کریں بیرل اُسی طرف گھوم جائے گی۔"

"تو کیا وہ رُخ بدل رہے ہیں؟"

"نہیں — لیکن لہروں کے زور سے ہزاروں ٹن وزنی جہاز تک اِدھر سے اُدھر ہو جاتے ہیں۔ پھر اُن کی یا ہماری بوٹ کی کیا بساط ہے۔ ہر لہر کے ساتھ سمت میں ایک آدھ درجے کا فرق آ ہی جاتا ہے۔"

اس وقت مجھے احساس ہوا کہ بحری جہازوں پر ہمہ وقت مشاق نیوی گیٹر کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ موسم اور سمندر پُرسکون ہو تو جہاز میلوں میل اپنی ٹھیک سمت میں چلتا رہتا ہے لیکن مدوجزر کی صورت میں نیوی گیٹر کو ہر لمحے اپنے آلات پر نظر رکھنا پڑتی ہے۔ تاکہ غیر اختیاری تبدیلیوں کا لمحہ بہ لمحہ حساب رکھتے ہوئے جہاز کا رُخ موڑ کر اُسے صحیح سمت میں سفر پر گامزن رکھ سکے۔

"اُن پر فائر کرنے کے لیے موجودہ پوزیشن کیسی ہے؟" میں نے اضطراری طور پر سوال کیا۔

"شاید بہترین۔" اس نے کہا۔ "اگر وہ ہماری داہنی طرف آ گئے تو اُن پر فائر کرنے کی صورت میں فائر کی ساری تھرسٹ گن بوٹ کے بائیں پہلو میں پوری لمبائی پر آئے گی اور گن بوٹ سطح سمندر پر بُری طرح ڈگمگائے گی لیکن پیچھے فائر کرنے میں تھرسٹ گن بوٹ کے اگلے حصے پر آئے گی، جس کا ڈیزائن ہائیڈروڈائنامک ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں لمحاتی طور پر گن بوٹ کی رفتار میں قدرے اضافہ ہوگا لیکن توازن پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔"

مسئلہ فنی نوعیت کا اور بہت پیچیدہ تھا لیکن اُس نے نہایت آسانی سے پوری بات مجھے سمجھا دی تھی۔ میری معلومات کے مطابق بارودی گولوں کے پچھلے حصے کا حساس پائنٹ چارج گن چلتے ہی ایک نپے تُلے انداز میں نال کے اندر جل اُٹھتا ہے جس سے فوری ردِعمل پیدا ہوتا ہے یعنی نال میں گولا آگے بڑھتے ہی گن کے ڈھانچے پر زور آتا ہے اور اگر اُس ردِعمل میں ڈھانچے کا توازن خراب ہو جائے تو نال ضرورت سے زیادہ اوپر اُٹھ سکتی ہے جس کے نتیجے میں گولا نشانے سے آگے گر سکتا تھا کیونکہ تباہ کُن گولے کو آگے پھینکنے والے چارج کے جلنے اور گولے کے گر کر پھٹنے میں وقفہ لازمی تھا، جو گن کی ساخت اور قوت کے اعتبار سے کم و بیش ہو سکتا تھا۔

"پھر انتظار کے بجائے انھیں ابھی اُڑا دو۔" میں نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد کہا۔

"بس ایک منٹ بعد اُن کا پتا بھی نہیں ملے گا۔" مجھے جواب دے کر وہ پینل پر جھک گیا اور میں اعصابی کشیدگی کی حالت میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔

فولادی خول میں سے چند ہلکی ہلکی مشینی آوازیں اُبھریں پھر بھاری گونج کے ساتھ اوپری خول نہایت تیزی کے ساتھ سرک کر ایک پہلو میں غائب ہوتا رہا۔ گن کا اوپری حصہ خالی ہوتے ہی بیرل ایک دم آگے بڑھی تھی۔ اُس کا رُخ اُسی طرف تھا جدھر میں نے زرد روشنیاں دیکھی تھیں۔

کسی زراف کی گردن کی طرح گن کی نال قدرے داہنی طرف ہو کر ذرا نیچے آئی اور پھر میں عرشے پر منہ کے بل گرتے گرتے بچا کیوں کہ ہولناک دھماکے کے ساتھ گولا چلتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے عرشے کا فرش میرے قدموں سے نکل گیا ہو۔ آگ اُگلتا ہوا گولا کہر آلود فضا میں تیرتا ہوا نشانے کی طرف گیا اور پھر پہلی بار سمندر کی لہروں کا شور ایک ہولناک دھماکے میں معدوم ہو گیا۔

گولا پھٹنے کے دھماکے کے ساتھ ہی فضا میں سیاہ دھوئیں کے کثیف بادل کی آغوش میں سُرخ شعلے آتشیں ناگوں کی طرح اپنی زبانیں نکالتے ہوئے آسمان کی طرف لپکے تھے۔ میرے لیے وہ منظر ناقابلِ فراموش تھا۔

اگر گن کا گولا سمندر میں گرا ہوتا تو دھماکے کے بعد آگ اور دُھواں نہ اٹھا ہوتا۔ ان علامات سے ظاہر تھا کہ گولا ٹھیک نشانے پر پھٹا تھا اور بحری قذاق اپنی بوٹ سمیت لقمۂ اجل بن چکے تھے۔ چند سیکنڈ کے سکوت کے بعد اسی طرف یکے بعد دیگرے مزید کئی خوفناک دھماکے ہوئے اور کہر میں لپکتے ہوئے شعلوں میں زبردست تیزی آ گئی۔ میں نے بوکھلا کر اپنی گن کی طرف دیکھا تو وہاں اب کچھ بھی نہیں تھا۔ نال دوبارہ غائب ہو چکی تھی اور فولادی خول نے پوری گن کو اپنے دامن میں چھپا لیا تھا۔

"مبارک ہو، وہ غرق ہو گئے۔" ریمبراں دمدمے سے نکل کر پُرجوش لہجے میں بولا۔

"یہ بعد والے دھماکے کیسے تھے؟" میں نے آگ کی سمت دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میں نے تو ایک فائر ہی کیا تھا۔ وہ لوگ بھی مسلح تھے، ہو سکتا ہے کہ بوٹ پر آگ لگنے سے ان کے میزائل پھٹے ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ گن بوٹ ان کا نشانہ بننے سے بچ گئی۔"

"اس سے پہلے کہ آگ دیکھ کر یا دھماکے کی آواز سُن کر کوئی اِدھر متوجہ ہو، ہمیں اپنا رُخ تبدیل کر لینا چاہیے۔" میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ

اس خطرے کے کامیاب سدِ باب پر میں ریمبراں کو اپنے گلے سے لگانا چاہ رہا تھا لیکن آئی مین کا وقار میری راہ میں حائل ہو گیا۔

"آگ ضرور دیکھی جا سکتی ہے لیکن سمندر میں ہر لمحے اس قدر دھماکے گونجتے رہتے ہیں کہ گولے کی آواز عملاً کہیں بھی نہ سنی جا سکی ہو گی۔"

موٹر بوٹ پر اتنی شدید آگ لگی ہوئی تھی کہ اونچی لہریں بھی اسے اپنی اوٹ میں نہ چھپا سکیں شعلوں کے اوپری سرے ہر صورت میں نظر آتے رہے جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت سمندر میں کم و بیش پچاس ساٹھ فٹ بلند موجیں پیدا ہو رہی تھیں جو تھوڑی دیر بعد ہی جلتی ہوئی بوٹ کے ریختہ شکستہ ٹکڑوں کو اس کے بدنصیب مسافروں سمیت انجان سمتوں میں بہا لے جانے والی تھیں۔

ریمبراں کو فائر کرنے کا حکم دینے کے بعد سے اس وقت تک سردی کا احساس ایک دم کافور ہو گیا تھا اور میری ساری توجہ اپنے فیصلے کے نتائج پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھی لیکن بھڑکتی ہوئی فیصلہ کن آگ دیکھتے ہی سردی کی وجہ سے مجھے اپنی انگلیوں کی پوریں سرد ہواؤں سے منجمد ہوتی محسوس ہونے لگیں۔

"میں اپنے کیبن میں جا رہا ہوں، تم گن پر اپنے کام سے فارغ ہو کر وہیں آ جانا۔" میں نے واپسی کے لیے پلٹتے ہوئے کہا۔

"میں فارغ ہوں۔ گن نارمل ہو چکی ہے، میں نیوی گیشن والوں کو سمت تبدیل کرنے کی ہدایت دے کر آتا ہوں۔" اس نے میرے پیچھے زینوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

درمیانی منزل پر پہنچ کر ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ میں کیبن میں پہنچا تو سلطان شاہ وحشت کے عالم میں بستر کے کنارے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ایکسپلوڈر اس کی گود میں پڑا ہوا تھا۔

"تھوڑی دیر پہلے کیا ہوا تھا؟" اس نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔ "ایک زبردست دھماکے سے پوری گن بوٹ لرز اٹھی تھی۔ میں نے اٹھ کر باہر نکلنا چاہا تھا لیکن میری ٹانگوں نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔"

"یہ سمندر نہ ہوا، لٹیروں کا بازار ہو کر رہ گیا۔" میں نے کرسی پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ "بحری قذاقوں کی بوٹ تھی۔ میزائل مارنے کی دھمکی دے کر رقم اینٹھنا چاہ رہے تھے لیکن انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ تباہ کن گن بوٹ ہے۔ انھیں دلاسا دے کر ہم نے فائر کر دیا۔ وہ اسی کا دھماکا اور جھٹکا تھا۔ اب تک وہ پوری ٹولی تہ نشین ہو چکی ہو گی۔"

"تعداد میں کتنے تھے وہ؟" سلطان شاہ کو وہ خبر سن کر صدمہ ہوا تھا۔

"پوچھا نہیں لیکن وہ سب ہی خونی تھے۔ مطالبہ پورا نہ ہونے پر اسی علاقے میں کئی جہازوں کو ڈبو چکے تھے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "یقین نہیں آتا کہ بیسویں صدی میں مغربی سمندروں میں لٹیروں کو اتنی آزادی ہو گی کہ جب اور جسے چاہیں لوٹ لیں۔ یہ قصے ایشیائی ملکوں کو تو زیب دیتے ہیں لیکن انگلینڈ اور فرانس کے پڑوسی علاقوں میں ایسی کھلی لاقانونیت کا راج میرے تصور میں بھی نہیں تھا۔"

پھر میں اسے مختصر الفاظ میں پورے واقعہ سے آگاہ کرنے لگا۔ سلطان شاہ کے لیے اوّل تو یہی بات قابلِ قبول نہیں تھی کہ اس ترقی یافتہ دور میں کھلے سمندروں میں چلتے جہازوں کو یوں لوٹا جا سکتا ہے پھر ان کا طریقۂ کار اور معذور ملاحوں کی بین الاقوامی انجمن کا ڈھونگ اس سے بھی زیادہ حیرتناک تھے۔

سلطان شاہ قذاقی کی اس ناکام کوشش کے بارے میں حیران ہو رہا تھا اور میرے ذہن پر آنے والے لمحات کا تناؤ طاری ہونے لگا تھا کیوں کہ بریسٹ کے بحری اسٹیشن میں داخل ہونا آسان کام نہیں تھا۔

فرانس کی علاقائی سمندری حدود میں داخل ہوتے ہی ریمبراں نے انٹر کام پر مجھے مطلع کیا تھا۔ "سر ہم اب فرانس کے سمندری علاقے میں داخل ہو چکے ہیں... یہاں ہماری بوٹ کا کپتان کون ہو گا؟"

اسی لمحے میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ سمندری حدود بدلتے ہی ان لوگوں کے تیور بھی بدلتے نظر آ رہے تھے جب ہی اس مرحلے پر مجھ سے وہ بے تکا سوال کیا گیا تھا۔ "اب تک بوٹ کا کپتان کون تھا؟" میں نے قدرے برہمی کے ساتھ سوال کیا۔

"کوئی نہیں۔" اس کی طرف سے بلا تامل جواب آیا۔ "سیلون بوٹ کا کپتان تھا اس کی موت کے بعد سارا کنٹرول تمہارے پاس ہے۔"

"آخر فرانس کے سمندر میں داخل ہوتے ہی یہ سوال کیوں پیدا ہو گیا؟" کھوپڑی ٹھنڈی رکھنے کی کوشش کے باوجود مجھے اچانک غصہ آ گیا۔

"فرانس کی بحری پولیس ان معاملات میں بہت سخت ہے۔" حسبِ معمول اس کی آواز ایک دم خائفانہ ہو گئی۔ "اگر ان سے سامنا ہو گیا تو وہ پہلا سوال یہی کریں گے۔ پیشہ ورانہ صلاحیت اور تجربے کی سند کے بغیر وہ کسی کو کپتان تسلیم نہیں کرتے اور کپتان کے بغیر انجن بوٹ کو سمندر میں چلانا سنگین جرم تصور کیا جاتا ہے بشرطیکہ نشستوں کی گنجائش چار سے

یادہ ہوا اس لیے میں نے پوچھ لیا۔"
"تم احمق ہو گئے ہو ریمبراں!" میرا غصہ بڑھ گیا۔ "ہم کسی
ک پر کار نہیں چلا رہے جہاں کوئی بھی ٹریفک کانسٹیبل سڑک
کنارے روک کر کاغذات طلب کر سکتا ہے۔ کھلے سمندر
میں وہ کاغذات کیسے دیکھ سکیں گے؟ ان سے سامنا ہو بھی گیا
تم کوئی بھی نام لے سکتے ہو۔"
"اجازت ہو تو اولینی کا نام لے لوں، اس کے پاس بھی
بے کاغذات موجود ہیں۔"
"اگر یہی بات تھی تو اتنا طول دینے کی کیا ضرورت تھی؟"
میں نے برہمی کے عالم میں کہا۔ "آئندہ ایسا پیچیدہ انداز اختیار
کیا تو میں نظر انداز نہیں کروں گا... معمول کے چھوٹے موٹے
مسائل میں مجھے ملوث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"
"میں احتیاط کروں گا۔" اس کی مردہ سی آواز
سنائی دی۔
اس سے گفتگو ختم ہونے کے بعد کوئی اور مسئلہ پیدا نہیں
ہوا لیکن میرے ذہن پر الجھن سوار ہو گئی۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ
محسوس ہو رہا تھا کہ مجھ سے خائف ہونے کے باوجود اپنے
ملن کی حدود میں داخل ہو کر وہ شیر ہونے کی کوشش کر رہے
تھے اور اس خیال نے مجھے پوری طرح محتاط رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔
کافی دیر بعد انٹرکام پر ایلی نور کی بوجھل اور بھرائی
ہوئی آواز سنائی دی۔ گزرے ہوئے لمحات کے بارے میں وہ بہت
پُرسرور اور آسودہ تھی۔ اس نے بتایا کہ آنکھ کھلنے کے بعد وہ منہ
ہاتھ دھو کر ڈیوٹی پر گئی تھی لیکن اس کے ذہن پر چھائے ہوئے
ہینگ اوور کی وجہ سے اسے آرام کرنے کے لیے واپس بھیج دیا گیا
لہٰذا وہ اپنے کیبن میں بستر پر دراز سوچوں کی دنیا میں کھوئی ہوئی
تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کی طرف سے کھلی دعوت تھی۔
مدہوشی کی بات اور تھی لیکن اپنی تمام تر بے تکلفی کے باوجود
وہ ہوش میں آنے کے بعد آئی مین کو براہِ راست اپنے کیبن
میں مدعو کرنے کی ہمت نہیں کر پائی تھی۔
ریمبراں کے الجھا دینے والے سوال کے بعد میں خود بھی
خلش محسوس کر رہا تھا۔ ایلی نور کا فون آیا تو میرے ذہن میں پہلا
خیال یہی آیا کہ اس سے مل کر کچھ کریدنے کی کوشش کی جائے
لہٰذا میں نے اسے اپنے انتظار کی ہدایت کرتے ہوئے
انٹرکام کا سلسلہ منقطع کر دیا۔
ویسے تو مے نوشی کے باعث ایلی نور کے ساتھ جمی لائیڈ
کی تلاش کے طریقۂ کار کا معاملہ طے ہوتے سے رہ گیا تھا لیکن
ٹرانسک کے سمندر میں داخل ہونے کے بعد جمی لائیڈ کی ذات میرے

لیے ثانوی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس وقت میرے لیے سب سے اہم
مسئلہ میرا اپنا تحفظ تھا۔ گن بوٹ کے عملے کی نیت کا اندازہ لگانے
کے بعد ہی میں فیصلہ کر سکتا تھا کہ مجھے برلیسٹ کے خفیہ بحری
اڈے پر دھاوا بولنا چاہیے یا گن بوٹ پر قبضے پر قناعت
کر کے وہیں سے دوبارہ کھلے پانیوں کی طرف لوٹ جانا چاہیے۔
"اب یہ نئی لڑکی تمہارے سر پر سوار ہوتی جا رہی ہے۔"
سلطان شاہ نے میرے پروگرام سے واقف ہوتے ہی ناخوشگوار
لہجے میں کہا۔ "وقت کے دھارے میں بہہ کر تم اکثر و بیشتر غزالہ کو
فراموش کر بیٹھتے ہو جو اپنے دل میں تمہارے نام کی شمع روشن
کیے نجانے کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے۔"
اس نے پہلی بار بھابی کہنے کے بجائے غزالہ کا نام لیا تھا
اور وہ نام سنتے ہی میرے دل میں ہوک سی اٹھی تھی میرے
لیے وہ نام اور وہ موضوع بہت زیادہ جذباتی اہمیت رکھتا
تھا، جب کہ اس اہم اور فیصلہ کن مرحلے پر میں کسی جذباتی گرداب
میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا لہٰذا میں نے بے تابانہ انداز میں ہاتھ اٹھا
کر اسے خاموش کر دیا۔
"اس قسم کی طنزیہ گفتگو نہ کرو، تمہیں اندازہ نہیں ہو پا رہا کہ
ہم ایک مرتبہ پھر سنگین دشواریوں سے دوچار ہو سکتے ہیں ان ہی
کے سدِباب کے لیے میں ایلی نور سے بات کرنے جا رہا ہوں۔"
میرے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ وہ آگے ایک لفظ بھی
نہ بولا اور میں کیبن سے باہر نکل گیا۔ سلطان شاہ کے تبصرے سے
میرے ذہن میں ایک موہوم سا خیال آیا تھا کہ کہیں ایلی نور نے
اپنے کیبن سے باہر نکل کر میرے بارے میں کوئی ایسی بات نہ
کی ہو جس کی وجہ سے وہ لوگ میرے بارے میں نسبتاً غیر
فدویانہ رویہ اختیار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ سوچتا
ہوا میں اس کے کیبن پر پہنچا تو وہ دروازہ کھولے میرا انتظار
کر رہی تھی۔
اس کی مزاج پرسی اور چند رسمی فقروں کے تبادلے کے
بعد میں فوراً ہی اپنی مطلب کی بات پر آ گیا۔ "تم نے کچھ غور کیا
کہ جمی لائیڈ کی تلاش کے سلسلے میں تم کیا کر سکو گی؟"
"ابھی میرے ذہن اور جسم پر گہرا خمار چڑھا ہوا تھا۔"
وہ ایک ہلکی سی انگڑائی لیتے ہوئے بولی۔ "لیکن میں یہ ضرور
سوچ رہی تھی کہ تمہارے لیے اگر جمی لائیڈ کی بیخ کنی اسی قدر
ضروری ہے تو تم برلیسٹ کیوں جا رہے ہو۔ گن بوٹ لمبے سفر
کے قابل ہے کیوں نہ اسی پر براہِ راست یونانی ساحل کا رخ
کیا جائے؟"
"میرا برلیسٹ جانا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔" میں

نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔" اس کے کچھ آدمی شی کے کلیدی ٹھکانوں میں بھی داخل ہو چکے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ برلیسٹ کا بیس اسٹیشن بھی ان میں سے ایک ہے۔"

"پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تم برلیسٹ والوں کو اطلاع دیے بغیر وہاں کیسے داخل ہو سکو گے؟"

"کیوں؟ اس میں کیا دشواری ہو گی؟"

"تم آئی مین ضرور ہو لیکن شاید ایشیائی علاقے سے ادھر آئے ہو اور یہاں کے ٹھکانوں کے بارے میں بہت زیادہ باخبر نہیں ہو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر جھجکتے ہوئے بولی۔ "اجازت ہو تو میں کچھ کہوں؟"

"ضرور کہو۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تو یہ توقع رکھتا ہوں کہ گن بوٹ کا سارا عملہ حتی الامکان میرے ساتھ تعاون کرے گا اور اپنی جملہ معلومات سے مجھے باخبر رکھے گا۔"

"وہ اور بات ہے لیکن تمہارے فیصلے پر کوئی اعتراض کرنے کی جرات نہ کر سکے گا۔" وہ اپنے لیے سگریٹ نکال کر پیکٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "برلیسٹ کے بارے میں تمہارے فیصلے سے گن بوٹ کا سارا ہی عملہ ہراساں ہے لیکن کسی میں تمہارے سامنے دم مارنے کی جرأت نہیں ہے۔ تم نے جو کہہ دیا ہے وہ ہو کر رہے گا خواہ اس کوشش میں گن بوٹ ہم سب سمیت تباہ ہی کیوں نہ کر دی جائے۔"

"مگر کیوں؟ مجھے یہ بھی تو پتا چلے۔" میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔ اس سے مل کر مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میرا وہ فیصلہ بہت درست تھا اور وہ اس معاملے کے کچھ نامعلوم پہلوؤں سے واقف تھی۔ گن بوٹ کے عملے میں پھیلے ہوئے ہراس کی اطلاع سے رہبراں کے بدلے ہوئے اور غیر یقینی رویے کا سبب بھی خود بخود واضح ہو گیا تھا۔ وہ مجھ سے کوئی چالبازی نہیں کر رہا تھا بلکہ جانوں کے خوف نے شاید ان سب کے ذہن ماؤف تھے۔"

"وہ لوگ ابھی تک یہ سمجھ رہے ہیں کہ تم امکانی خطرات سے پوری طرح باخبر ہو اور اس کے سدباب کے لیے کچھ نہ کچھ سوچ چکے ہو۔ بحری قزاقوں والے معاملے میں تمہارے فیصلے نے سب لوگوں کے دلوں میں تمہارے لیے احترام کے جذبات میں زبردست اضافہ کر دیا ہے اور عملاً وہ خود کو پوری طرح تمہارے رحم وکرم پر چھوڑ چکے ہیں۔"

"یہ سب میں بھی جانتا ہوں، لیکن وہ خطرات کیا ہیں؟ ابھی تک تم نے اس بارے میں زبان نہیں کھولی۔" میں نے اپنے اندرونی اضطراب کو چھپاتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

"برلیسٹ میں ہمارا بیس اسٹیشن اونچے اونچے آبی پودوں کے درمیان چھپے ہوئے ایک تنگ اور خطرناک آبی راستے پر واقع ہے۔ خطرناک چٹانوں کے درمیان کھاڑیوں سے بھرے ہوئے اس راستے سے گزر کر خفیہ اڈے تک پہنچنا اجنبی لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ ذرا سی بے احتیاطی یا لاعلمی کی وجہ سے گن بوٹ چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو سکتی ہے اور اسی کے ساتھ وہاں اڈے کی حفاظت کے لیے خفیہ مانیٹرنگ آلات نصب ہیں اور اگر ایک بڑی مچھلی بھی سمندر میں اس راستے کو عبور کرتی ہے تو اڈے پر اس کا سگنل مل جاتا ہے۔" وہ سگریٹ کا ایک گہرا کش لینے کے لیے رکی اور پھر بولنے لگی۔ "اب اگر انہیں گن بوٹ کی بحفاظت واپسی کی اطلاع نہیں دی جاتی تو گن بوٹ کے اس راستے سے گزرتے ہی انہیں مانیٹرنگ آلات کے ذریعے سگنل ملے گا [illegible] پھر کوئی طاقت گن بوٹ کو تباہی سے نہ بچا سکے گی اسی لیے ہر بار واپسی سے قبل ہمیں ان سے سیکیورٹی کلیئرنس لینا ہوتی ہے... ہمارے بتائے بغیر اول تو انہیں علم ہی نہ ہو سکے گا کہ واپس آنے والی گن بوٹ ہے، موسم بھی بہت خراب ہے۔ اضطراری طور پر وہ کوئی بھی قدم اٹھا سکتے ہیں اور اب ایک نئی بات یہ کہ اگر ان میں کنگ لائنز والے جمی لائیڈ کا کوئی مخبر بھی گھسا ہوا ہے تو وہ گن بوٹ کی خاموشی کے ساتھ واپسی کو پراسرار سمجھتے ہوئے خطرہ بھانپ سکتا ہے پھر ہو سکتا ہے کہ وہ دیگر لوگوں کو گن بوٹ کے بارے میں کچھ بتائے بغیر بے خبری میں اُن کے ہی ہاتھوں ہی غرق کرا دے۔"

"میں تم سے متفق ہوں۔" میں نے اپنے اندرونی ہیجان کو چھپاتے ہوئے روا روی میں کہا۔ "یہ خطرات میرے علم میں لائے گئے ہوتے تو میں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر سکتا تھا۔ اصل مسئلہ نقلی جمی لائیڈ کے آدمیوں کو بے خبر رکھنا ہے لیکن اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ واپسی کی اطلاع نہ دینے سے ہمارا کھیل زیادہ بگڑ سکتا ہے... اطلاع نہ دینے کی ایک بنیادی وجہ یہ تھی کہ کہیں اولینی جوش میں گن بوٹ پر آئی مین کی موجودگی کی اطلاع نہ دے بیٹھے، اس سے سارا معاملہ بگڑ سکتا ہے۔"

"یہ تم درست کہہ رہے ہو۔ گن بوٹ پر تمہاری موجودگی کی خبر سنتے ہی ہر ایک چوکنا ہو جائے گا اور مشتبہ لوگوں کو بھی سنبھلنے کا موقع مل جائے گا بے خبری میں وہ رنگے ہاتھوں بھی پکڑے جا سکتے ہیں۔ لیکن اولینی بہت ذمہ دار اور وفادار آدمی ہے اگر تم اسے پابند کر دو کہ اسے بیس اسٹیشن سے کیا بات کرنی ہے تو وہ ایک لفظ بھی [illegible] نہیں بولے گا۔"

"کیوں نہ میں اسے یہیں بلا لوں؟"

"یہاں نہ بلاؤ۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "وہ لوگ

یے کھڑے اُکھڑے سے نظر آ رہے ہیں۔ سڈیوٹی پر واپس جا کر میں نے پہلی بار اُن لوگوں میں اجنبیت سی محسوس کی ورنہ وہ ہمیشہ مجھ سے گرمجوشی کا اظہار کرتے رہے ہیں۔"

میں ہنس پڑا۔ "اُن کی سرد مہری کی وجہ یہ ہے۔ میں نے ریمبراں کو بتایا تھا کہ میں نے تمہیں خاصی شراب پلائی ہے اور جب تک تم خود اپنے کیبن سے نہ نکلو، تمہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔"

"اوہ!" اُس نے حیرت سے اپنا سر تھام لیا۔ "جب ہی کسی نے میری طویل غیر حاضری کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں پوچھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پچھلے چند گھنٹوں سے مجھ جیسی ایک معمولی لڑکی تمہارے ساتھ ناقابلِ تصور ذہنی ہم آہنگی پیدا کر چکی ہے۔ تمہاری بات سے ریمبراں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہوگا کہ تم نے مجھ سے کچھ اگلوانے کے لیے مجھے زبردستی شراب پلائی ہوگی اور نشے میں باز پرس کی ہوگی۔"

میں ہنس کر رہ گیا۔ اُسے یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ ریمبراں نے کیا سوچا ہوگا کیونکہ میں نے خود اُسے وہی کچھ بتایا تھا جو احمق ایلی نور اُس سے منسوب کر کے سوچ رہی تھی۔

"تو پھر اب کب باز پرس کا ارادہ ہے؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد ایلی نور نے شوخ لہجے میں سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔ اُس کے ہونٹوں پر وہی دعوت انگیز مسکان رقصاں تھی اور اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی تھی۔

"یہ سب فرصت کے مشاغل ہیں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں اُسے یہیں بلا رہا ہوں۔ وہ سمجھے گا کہ تم سے مزید باز پرس کی گئی ہے اور اس کے نتیجے میں ہونے والے انکشافات کی روشنی میں میں نے اپنا فیصلہ تبدیل کیا ہے۔"

"مزید باز پرس!" وہ آنکھیں موند کر ہولے سے ہنسی۔ "کاش واقعی ہوئی ہوتی۔"

"ذہن پر قابو رکھو ایلی نور!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "اور اولینی کو یہاں طلب کر دو۔"

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ میرے لہجے پر وہ حیرت اور بے یقینی سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ عورتوں میں سب سے بڑی خرابی یہی ہوتی ہے کہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی، مرد کے مقابلے میں جنسِ مخالف سے نسبتاً دشواری سے بے تکلف ہوتی ہیں لیکن جس کے ساتھ ایک بار فراغت اور بے تکلفی کے کچھ لمحات گزار لیں اسے ہمیشہ کے لیے اپنی اداؤں کا اسیر سمجھنے لگتی ہیں۔

مجھے اپنی طرف متوجہ نہ پا کر وہ اٹھی اور انٹرکام پر اولینی کو پیغام دے کر واپس آ گئی۔

بمشکل ایک منٹ بھی نہ گزرا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور اجازت ملنے پر اولینی اندر آ گیا۔ ایلی نور اُداسی کے ساتھ منہ لٹکائے لاتعلقانہ انداز میں بیٹھ رہی۔

"ہم بریسٹ سے کتنی دُور ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"صرف آدھے گھنٹے بعد ہم خطرناک آبی ذخیرے میں داخل ہو جائیں گے۔" اولینی نے کہا۔

"پروگرام بدل گیا ہے سر۔ بیس اسٹیشن کو اپنی واپسی کی رپورٹ کر دو۔"

اُس کے چہرے پر واضح طور پر سکون اور اطمینان کی ایک لہر پھیل گئی۔ جیسے اس کے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو اور وہ مستعد لہجے میں بولا۔ "میں ابھی اطلاع دے دیتا ہوں... کیا میں اپنی واپسی کے لیے کامیاب اور محفوظ کے الفاظ استعمال کر سکتا ہوں؟"

"الفاظ کے انتخاب میں تم محتاط رہو گے۔" میں نے تاکیدی لہجے میں کہا۔ "یہی پروگرام میں تبدیلی کی کلید ہے۔ کامیاب اور محفوظ واپسی کے چار الفاظ کے علاوہ پانچواں لفظ نہ ہونا چاہیے۔ نہ شیلون کی موت کی اطلاع دو گے اور نہ میری موجودگی کی۔ انھیں یہ سمجھنا چاہیے کہ سب کچھ معمول کے مطابق ہوا ہے اور گن بوٹ اپنے نارمل اسٹاف کے ساتھ واپس آ رہی ہے۔"

"بولو، بولو، کیا بات ہے؟" میں نے اُس کے چہرے پر تردد کے آثار دیکھ کر اُس کی حوصلہ افزائی کی۔

"شیلون کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔ میری آواز سنتے ہی وہ پہلا سوال ہوگا کیونکہ میرے رابطہ قائم کرنے کے بعد ہمیشہ شیلون خود ہی بیس اسٹیشن سے بات کیا کرتا تھا۔" اُس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"وہاں پہنچنے کے بعد سارے معاملات میں سنبھال لوں گا۔ تم کہہ دینا کہ اسے ہیضہ ہو گیا ہے اور وہ اپنے کیبن میں آرام کر رہا ہے۔"

"یس سر! میں سمجھ گیا۔" وہ سر جھکائے واپس چلا گیا۔

"تم نے مجھے آسمان کی بلندیوں سے یک بیک تحت الثریٰ میں پھینک دیا ہے۔" اولینی کے چلے جانے کے چند ثانیوں بعد ایلی نور دل شکستہ لہجے میں بولی۔

"وہ کیسے؟" میں نے انجان بن کر حیرت سے سوال کیا۔

"تمہارے سخت لہجے سے میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "ظاہر ہے کہ تم عظیم آئی مین ہو اور میں ایک ادنیٰ کارکن، مجھے تمہاری ہمسری کا تصور کرنے کا کوئی حق نہیں ہے!"

"تمہیں اس قدر عقل ہوتی تو آج تم کہیں اور ہوتیں۔" میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ مار کر کہا۔ "آئینے میں اپنی صورت دیکھو گی تو میرے سخت لہجے کا سبب جان جاؤ گی۔"

"میں تو تمہیں بھی آئینہ ہی سمجھ رہی تھی لیکن ابھی معلوم ہوا کہ

آئینے بھی کبھی کبھی اصل صورت نہیں دکھاتے۔"

میرے لیے وہ توقع سے کہیں زیادہ کارآمد ثابت ہو رہی تھی اور پھر جمی لائیڈ تک رسائی کی مہم کا بیشتر دارومدار اسی کے تعاون پر تھا لہٰذا اس مرحلے پر میں اسے ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

"تمہاری آنکھیں چمک رہی تھیں اور چہرہ خوشی سے گلنار ہو رہا تھا اولینی آتے ہی تمہاری صورت دیکھ کر اندازہ لگا لیتا کہ ہم دونوں تمہارے کیبن کی خلوت میں سکون سے بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے جبکہ میں اُسے بالکل ہی مختلف تاثر دینا چاہتا تھا۔ اگر میں تمہیں اپنے تاثرات پر قابو پانے کی ہدایت دیتا تو تم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی تھیں لیکن میرا ایک سخت فقرہ سنتے ہی تمہاری آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی اور چہرہ مرجھا گیا تھا۔ اولینی نے تمہارے لیے یقیناً دل میں ضرور ہمدردی کے جذبات محسوس کیے ہوں گے؟"

اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "کیا تم واقعی سچ کہہ رہے ہو؟"

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم واقعی عظیم ہو۔ کتنے برجستہ اور دوررس فیصلے کرنا کی مین ہی کا کام ہے۔ ہم جیسے عام لوگ تو تمہاری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔" اُس نے محبت اور عقیدت سے لبریز لہجے میں کہا۔

"عام نہیں، تم تو بہت خاص مخلوق ہو۔" میں نے اس احمق لڑکی کو مزید خوش کرنے کی نیت سے کہا۔ "کمی بس اتنی سی ہے کہ عقل پر زور دینے کے بجائے ہر بات کا دل پر اثر لیتی ہو۔ کوئی ہنس کر بول لیا تو خوش ہو جاتی ہو اور ترش لہجے میں بات کی جائے تو اداس ہو جاتی ہو۔ اس کے اسباب پر غور نہیں کرتیں۔"

"اسباب پر غور نہ کرتی تو جمی لائیڈ کے دوست امیر البحر کی خوشنودی حاصل کر کے آج میڈوسا کی چیف نیوی گیٹر ہوتی۔" اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن دیکھ لو کہ تمہارے ساتھ بیٹھی ہوں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں آج تک وہ موقع گنوا دینے کا افسوس ہے چاہو تو میں اس ایڈمرل کو تلاش کر کے تمہارے قدموں میں لا ڈالوں؟"

"وہ مار ڈالا گیا۔۔۔ ایک چھوٹے سے افریقی ملک کی بحریہ کا سربراہ تھا۔ فوجی بغاوت کو کچلنے کی کوشش میں بے چارہ خود باغیوں کے ہاتھوں کچلا گیا۔۔۔ اس بارے میں مجھے کوئی خلش نہیں ہے لیکن وہ میری زندگی کا ایک اہم موڑ تھا جسے میں کبھی بھی فراموش نہ کر سکوں گی۔ زندگی میں پہلی بار میری قیمت لگائی گئی جو میں نے قبول نہیں کی۔"

اُس کی ناراضگی دُور ہو گئی تھی اور موڈ خوشگوار ہو گیا تھا لہٰذا میں نے اپنے کیبن کے اعصاب شکن ماحول میں انتظار کے وہ لمحات گزارنے کے بجائے وہیں اپنے لیے اسکاچ کا ایک گلاس بنا لیا۔ ایلی نور نے پہلے میرا ساتھ دینے کا بہانا کر کے پھر طلب ظاہر کر کے دوسرا گلاس بنانا چاہا لیکن اس کی اعصابی حالت کے پیش نظر میں نے سختی کے ساتھ اسے روک دیا۔ اس وقت سلطان شاہ اپنے قدموں پر چلنے سے معذور تھا اور ایلی نور کے ساتھ میری خاصی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو چکی تھی لہٰذا میں نہیں چاہتا تھا کہ بیس اسٹیشن پر پہنچنے کے وقت وہ اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر عضو معطل بن کر رہ جائے۔

عالم سرور میں ایلی نور کی صورت اور آواز کی دلکشی کچھ زیادہ ہی محسوس ہونے لگتی تھی پھر اُس وقت وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دنیا کے ہر موضوع پر بے حجابی کے ساتھ گفتگو کرنے پر آمادہ تھی لہٰذا وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہو سکا اور پھر انٹرکام کی گھنٹی نے ہمیں چونکا دیا۔

وہ اولینی تھا۔

اُس کے کہنے کے مطابق گن بوٹ اپنا سفر طے کر کے برلیسٹ پہنچ چکی تھی اور چند لمحوں بعد بیس اسٹیشن جانے والے خطرناک آبی راستے پر مڑنے والی تھی اور وہ خود بیس اسٹیشن کو میری ہدایت کے مطابق واپسی کی اطلاع دے چکا تھا۔ شیلون کے بارے میں اس کی توقع کے مطابق سوال کیا گیا تھا اور اُس نے شیلون کو بیٹھنے میں مبتلا بتایا تھا۔

"پھر آؤ، نیوی گیشن روم میں ہی چلتے ہیں۔" ایلی نور نے اولینی سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سنا کر کہا۔ "یہ راستہ اور اُس کا دہانہ قابل دید ہے۔ میرا خیال ہے کہ دنیا میں شاید ہی کہیں اس قدر محفوظ اور پُرخطر بحری راستہ موجود ہو۔"

"محفوظ اور پُرخطر!" میں اس تضاد پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔

"جاننے والوں کے لیے محفوظ اور اجنبیوں کے لیے وہ موت کا چنگل ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "صاف موسم میں عرشے سے دیکھ کر ہی اُس کی اصل ہیبت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ رنگین اسکرین پر تو بس بڑا محدود سا منظر دیکھا جا سکے گا۔"

میرا اس کے مشورے پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ باہر دھند نے بصارت کو مفلوج کیا ہوا تھا لیکن رنگین اسکرین کا ذکر سن کر میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ عرشے پر یخ بستہ اور کاٹ دار ہواؤں میں کھڑے ہو کر اندھوں کی طرح دھند میں دیدے پھاڑنے کے مقابلے میں نیوی گیشن روم میں اسکرین پر باہر کا مشاہدہ کرنا ہر اعتبار سے قابل قبول تھا۔

"اپنے نازک جذبات یہیں کیبن میں چھوڑ دینا۔" میں نے اس سے کہا۔ "دوسروں کے سامنے بھرم رکھنے کے لیے شاید کہیں میری تلخ کلامی بھی تمھیں سہنی پڑے۔ ایسے موقع پر تم گھٹنوں میں سر دے کر رونے بیٹھ گئیں تو میں تمھاری کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔"

"تم نے ایک دفعہ جو بات سمجھادی وہ میں اب کبھی نہیں بھول سکوں گی۔"

ہم دونوں نیوی گیشن روم میں پہنچے تو گن بوٹ کا چیف نیوی گیٹر اپنے کام میں منہمک تھا اس نے اپنے سر کو قدرے خم دے کر مجھے تعظیم دی اور پھر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ ایلی نور کی جگہ کام کرنے والا ابھی مصروف تھا۔

نیوی گیشن کنٹرول پر لگی ہوئی اسکرین پر اس وقت صرف دھند یا سمندر کی جھاگ اڑاتی موجیں ہی نظر آرہی تھیں جو باہر روشنی نہ ہونے کی وجہ سے بہت غیر واضح تھیں۔ ایلی نور کے ایما پر ہم اسی پٹل پہ چیف نیوی گیٹر کے پیچھے کھڑے ہوگئے۔

"صرف دو منٹ۔" چیف نیوی گیٹر ہماری طرف متوجہ ہوئے بغیر مؤدب لہجے میں بولا۔ "گرین لائن نمودار ہونے ہی والی ہے۔"

دو منٹ بہت کافی تھے۔ ان لوگوں پر دشوار گزار آبی درہ عبور کرنے کا تناؤ طاری تھا اور میں اس خفیہ بحری اڈے پر پیش آنے والے امکانی خطرات پر تردد کا شکار تھا لہٰذا میں نے خود کو مصروف رکھنے کے لیے سگریٹ سلگا لیا۔

شیلون مرچکا تھا، سلطان شاہ وقتی طور پر معذور تھا اور میں گن بوٹ پر قابض تھا یہ تمام تبدیلیاں بحری اڈے والوں کے علم میں نہیں تھیں مجھے نہ اس اڈے کی ساخت کا پتا تھا، نہ نفری کی تعداد کا اندازہ تھا لیکن اپنے تجربے کی بنا پر یہ یقین تھا کہ خفیہ اور غیر قانونی ہونے کی وجہ سے اڈہ بہت محدود اور مختصر رہا ہوگا جہاں کے عملے کو میں سونی کی مدد سے بہ آسانی مسخر کرسکوں گا۔

میری بے چین نظریں اسکرین پر مرکوز تھیں جہاں کا منظر ابھی تک نہیں بدلا تھا پھر اچانک ہی اسکرین کے اوپری سرے پر دائنی طرف ایک سیاہی مائل سبز دھبا نظر آیا اور ایلی نور نے اضطراری طور پر میرا ہاتھ دبایا۔

اس وقت گن بوٹ کی رفتار خاصی سست تھی کیونکہ وہ دھبا بہت دھیمے دھیمے بڑھ رہا تھا اور اسکرین پر دائنی طرف بھی پھیلتا جارہا تھا۔ میں سانس روکے گہری نظروں سے اس منظر کو دیکھتا رہا اور آخر کار وہ گرین لائن اوپر پورے اسکرین پر پھیل گئی اور دائنی طرف قدرے نیچے تک اتری ہوئی تھی۔

اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سمندر میں گن بوٹ کے آگے سبزے کی ایک مسلسل دیوار تھی جو یقینی طور پر خشکی پہ اگا ہوا تھا اور اس سبزے کی بلندی کا تصویر سے اندازہ لگانا ناممکن تھا کیونکہ ان درختوں کی پوری بلندی اس وقت تک کیمرے کی زد میں نہیں آئی تھی۔

"یہ خوفناک دھاردار چٹانیں ہیں جن پر گھنا جنگل پھیلا ہوا ہے۔" ایلی نور کہہ رہی تھی۔ "یہاں سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ چٹانیں ایک دیوار کی طرح سامنے حائل ہیں لیکن ان کے درمیان تقریباً تیس فٹ چوڑا ایک راستہ موجود ہے اور اس کی نشاندہی وہ دھبا ہے جو ہم نے قائم کیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے سکرین کے وسط میں اشارا کیا اور میں نے بھی وہ دھبا دیکھ لیا جو بادی النظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ "اس دھبے سے آگے صرف وہ راستہ ہے اور یہاں اندازے کی ذرا سی بھی غلطی تباہی پر منتج ہوسکتی ہے۔"

"تو کیا اس راستے پر یہ سبزہ پانی پر اگا ہوا ہے؟" اسکرین پر سبزے کا تسلسل دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں وہ سوال ابھرنا لازمی تھا۔

"یہ بید جیسے درخت ہیں جو اپنی لچک کی وجہ سے دونوں طرف سے جھک کر آپس میں ملے ہوئے ہیں اس کے علاوہ پانی میں بیلیں وغیرہ پھیلی ہوئی ہیں جن کی جڑیں خشکی میں ہیں۔ گن بوٹ کے گزرنے کے بعد چند منٹ تک یہ راستہ کسی حد تک باقی رہتا ہے پھر سمندر کی لہروں کے ریلے میں سب کچھ اپنی جگہ لوٹ آتا ہے۔"

ابھی وہ یہ تفصیل بتا ہی رہی تھی اور میں پوری توجہ کے ساتھ اسکرین کی طرف متوجہ تھا کہ اچانک فضا میں ایک ہولناک بارودی دھماکا ہوا اور اسکرین پر سبز دیوار میں سے نکل کر ایک آتشیں گولا تیزی کے ساتھ گن بوٹ کی طرف آتا نظر آیا۔ اس گولے کو تیزی سے بڑھتا ہوا پھیلاؤ دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا اور پورے وجود میں کروڑوں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔

بس ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کامیابی کی شاہراہ پہ سفر کرتے کرتے اچانک اور ناگہانی طور پہ دلدوز موت مقدر بن کر رہ گئی ہو۔ ہیشام سے شروع ہونے والے بحری سفر کی وہ داستان اس وقت مجھے اپنے دردناک انجام کو پہنچتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ سب لوگ نہ مرتے لیکن گن بوٹ ضرور تباہ ہوجاتی جس پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے میں نے وہ سارے جتن کیے تھے زخمیوں کو تو پھر بھی گرین لائن کہلانے والے جنگل اور بے رحم دھاردار پہاڑیوں میں بھی پناہ مل سکتی تھی۔

وہ آتشیں گولا میری توقع سے کہیں زیادہ سرعت کے ساتھ پل بھر میں کیمرے کی آنکھ سے اوجھل ہوگیا پھر باہر فضا میں ہلکے سے دھماکے کے ساتھ گرد و پیش کی فضا اس قدر منور ہوگئی کہ نیوی گیشن روم کے بند شیشوں میں سے آنے والی

چکا چوند سے آنکھیں کھلی رکھنا دشوار ہو گیا۔

"یہ روشنی کا بم تھا۔" ایلی نور کی آواز سن کر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ "فلیش گن کے جھماکے کی طرح یہ بہت تیزی کے ساتھ معدوم ہوتا ہے تاکہ اس کے مخرج اور جائے وقوع کا اندازہ نہ لگایا جاسکے۔ اپنے حساس آلات پر ان اطراف میں کسی انجن کی موجودگی کا سگنل ملتے ہی وہ ایسے خراب موسم میں عموماً روشنی کے گولے پھینکتے ہیں تاکہ گن بوٹ کو صاف طور پر دیکھا اور پہچانا جاسکے۔ اب ہم اطمینان کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھ سکتے ہیں، مجھے امید ہے کہ گن بوٹ کو دیکھ لیا گیا ہوگا۔"

میرے لیے وہ بہت احمقانہ سچویشن تھی۔ میں ان سب سے اعلا اور برتر ہوتے ہوئے بھی بہت سی ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں سے لاعلم تھا جو غلط فہمی کا سبب بن سکتی تھیں لیکن اس بارے میں میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

روشنی کے جھماکے اور اپنی آنکھیں بند کرنے کے درمیانی وقفے میں میں نے اسکرین پر جنگل میں بے ترتیبی سے اُگے ہوئے درختوں کی تفصیل بھی دیکھی تھی کیونکہ روشنی کے بم سے لمحہ بھر کے لیے جنگل بھی منور ہو گیا تھا لیکن اب پوری اسکرین تاریک پڑی ہوئی تھی کیونکہ گن بوٹ اتنی آگے بڑھ چکی تھی کہ اب سمندر کے کچھ حصے کے بجائے کیمرے کے فوکس میں صرف اور صرف گرین لائن تھی جس نے پوری اسکرین کو گھیرا ہوا تھا۔ اسکرین پر جنگل کی واضح ہوتی ہوئی مبہم جزئیات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ گن بوٹ کسی بھی لمحے اس دیوار سے کسی صحیح یا غلط مقام پر جا ٹکرائے گی۔ اس دوران میں اسکرین پر اچانک زلزلہ سا آگیا، اس وقت نشانی کے طور پر قائم کیا ہوا دھبا بڑا ہوتے ہوتے ایک دم غائب ہو چکا تھا جس کا مطلب تھا کہ گن بوٹ دھار دار چٹانوں کے درمیان سمندر پر جھکے اور پھیلے ہوئے جنگل میں سے ہو کر خفیہ آبی راستے سے گزر رہی تھی۔

لازمی طور پر اس وقت گن بوٹ کی رفتار بہت کم رہ گئی تھی۔ اس لیے اسکرین پر ہلکے اور گہرے سیاہ دھبوں کا تلاطم خاصی دیر تک جاری رہا اور پھر اچانک ہی اسکرین کے اوپری حصے پر سفیدی نمودار ہوئی جو جنگل کے پار پھیلے ہوئے سمندر کی عکاسی کر رہی تھی۔ اس کے چند ہی ثانیے بعد سامنے کھڑی ڈھلان والے ہولناک چٹانوں کے مدھم ہیولے نظر آنے لگے۔

"یہ موت کی چٹانیں ہیں۔" ایلی نور بتانے لگی۔ "ان میں سلیٹ جیسے پرت دار اور دھار والے پتھر ہیں جن کے دامن میں سمندر کی لہریں مچلتی رہتی ہیں اور بظاہر یہ سمندر کا آخری کنارہ معلوم ہوتا ہے لیکن یہاں داہنی طرف ایک لمبی سی کھاڑی ہے جو ایک طرف چٹانوں سے گھری ہوئی ہے، اسی کے اختتام پر گھاٹ ہے جو ہمارا بیس اسٹیشن کہلاتا ہے۔ گن بوٹ عموماً وہیں لنگر انداز رہتی ہے۔"

"اسکرین پر دیکھے بغیر اس خطرناک علاقے کی ساخت کو سمجھنا دشوار تھا۔" میں نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "یہاں تک رسائی واقعی کسی کے بس کی بات نہیں۔"

"لیکن قدرتی حسن میں یہ علاقہ جنتِ ارضی سے کم نہیں۔" وہ میرے ساتھ نیوی گیشن روم سے نکلتے ہوئے بولی۔ "ویسے تو یہاں سارا سال شکار کی بہتات رہتی ہے لیکن اگست سے تو یہ سمندری کھاڑی آبی پرندوں کا عجائب گھر بن جاتی ہے۔ شمالی علاقوں سے ہجرت کر کے آنے والے بھانت بھانت کے آبی پرندوں کے بڑے بڑے غول سارا دن پُرسکون سمندر کی سطح اور کناروں پر چھوٹی مچھلیوں یا کیڑے مکوڑوں کا شکار کرتے رہتے ہیں، چاہو تو انہیں ہاتھ سے بھی پکڑا جاسکتا ہے۔ وہ تو غنیمت ہے کہ یہ علاقہ انسانی دستبرد سے محفوظ ہے ورنہ موسم کا آغاز ہوتے ہی یہاں ہر طرف آبی پرندوں کے پیشہ ور شکاریوں کے پڑاؤ نظر آنے لگتے۔"

"بہت خوبصورت علاقہ ہوگا یہ۔" میں نے کہا۔ "زمین کے کسی بھی خطے کا قدرتی حسن اسی وقت تک محفوظ اور برقرار رہتا ہے جب تک وہاں انسانی قدم نہ پہنچیں۔ انسان کی رسائی ہوتے ہی فطری حسن مصنوعی رنگینیوں میں معدوم ہوتا چلا جاتا ہے۔"

اسکرین پر دھار دار چٹانیں لمحہ بہ لمحہ واضح اور بڑی ہوتی جا رہی تھیں پھر بتدریج گن بوٹ کا رُخ بدلنے لگا اور رفتہ رفتہ داہنی طرف والی وہ لمبی سی کھاڑی بھی نظر آنے لگی جس کے آخری سرے پر بیس اسٹیشن واقع تھا۔ آخر کار گن بوٹ اس بحری کھاڑی میں اپنے سفر کا آخری حصہ طے کرنے لگی۔

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا اور میں آنے والے حالات کے پیشِ نظر اپنی حکمتِ عملی مرتب کرنے کی فکر میں تھا تاکہ وقت آنے پر پورے اعتماد کے ساتھ صورتِ حال کو اپنی گرفت میں لے سکوں۔

"اس کھاڑی میں بائیں طرف کھڑی ڈھلان والی دھار دار چٹانیں ہیں اور داہنی طرف دور تک دلدلی جنگلات پھیلے ہوئے ہیں۔ آگے جا کر دلدل بتدریج ختم ہو گئی ہے، اسی علاقے کو بیس اسٹیشن کے قیام کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔" ایلی نور ایک مرتبہ پھر مجھے بتانے لگی۔ "موسم بہار میں یہ علاقہ اس قدر حسین ہو جاتا ہے کہ یہاں سے نکلنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"ادلینی سے معلوم کرو کہ بیس اسٹیشن سے رابطہ برقرار ہے یا نہیں؟" میں نے اُسے مصروف رکھنے کی نیت سے کہا کیونکہ اس کی شاعرانہ گفتگو میرے خیالات میں حارج ہو رہی

تھی، یہ بھی کہہ دینا کہ معمول سے مختلف کوئی بھی واقعہ اس کے علم میں آجائے تو مجھے فوراً باخبر کرے۔“

وہ سر ہلا کر انٹرکام کی طرف بڑھ گئی۔

اس وقت میرے سامنے دو راستے کھلے ہوئے تھے۔ پہلا اور بظاہر آسان راستہ یہ تھا کہ میں اولینی کے ذریعے بیس اسٹیشن والوں کو مطلع کراتا کہ اس وقت گن بوٹ پر شی کا ایک آئی مین موجود ہے جو گن بوٹ کے برتھ سے لگتے ہی اسٹیشن کے تمام عملے کو برتھ پر صف آرا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس طرح ان سب کو اترتے ہی بے دست و پا کیا جاسکتا تھا۔ گن بوٹ کے عملے کو میرے آئی مین ہونے پر کوئی شبہ نہیں تھا لہٰذا اس کام میں وہ میرے ساتھ ہر ممکن تعاون کرتے، وہ یہی سمجھتے کہ میں شی میں کالی بھیڑوں کی تلاش کی مہم کے سلسلے میں ان سب کو حراست میں لے رہا تھا لیکن اس طریقۂ کار میں سب سے بڑی خامی یہ نظر آ رہی تھی کہ گن بوٹ کے لنگر انداز ہونے کے وقت میرے حکم کے باوجود بیس اسٹیشن کے سارے عملے کا ایک جگہ جمع ہونا عملاً ناممکن تھا۔ ریڈیو روم سے گن بوٹ کی رہنمائی کرنے والا عملہ اپنی جگہ چھوڑتا تو گن بوٹ لنگر انداز ہونے کی کوشش میں کسی بدترین سانحے سے بھی دوچار ہوسکتی تھی اور پھر وہی لوگ کسی ریڈیائی رابطے پر شی کے سربرآوردہ لوگوں کو یہ اطلاع بھی دے سکتے تھے کہ گن بوٹ پر کوئی آئی مین موجود ہے جبکہ میں سلور آئی کو بھرپور طریقے سے استعمال کرنے کے باوجود اس کی تشہیر کو حتی الامکان محدود رکھنا چاہ رہا تھا۔ ان خدشات کے سدِّباب کے لیے بہتر یہی تھا کہ بیس اسٹیشن والوں کو کوئی بھی اطلاع دیے بغیر میں گن بوٹ کے عملے کے ساتھ وہاں اترتا اور پھر سلور آئی دکھا کر تیزی کے ساتھ ہر اس شخص کو بے دست و پا کرتا چلا جاتا جو میری نگاہوں میں آجاتا۔ اس طرح میں وہاں کی صورت حال کے پیشِ نظر ہر لمحہ اپنی حکمتِ عملی پر نظرِ ثانی کرسکتا تھا اور کوئی بڑا خطرہ مول لیے بغیر اس اسٹیشن کو نیست و نابود کرسکتا تھا۔

اسی اثنا میں ایلی نور انٹرکام سے فارغ ہوگئی۔ اس وقت تک کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہیں ہوا تھا اور اولینی کا رابطہ بیس اسٹیشن والوں کے ساتھ برقرار تھا۔

آخر کار گن بوٹ دھیمی ہوتے ہوتے اپنی برتھ پر لنگر انداز ہوگئی۔ چیف نیوی گیٹر نے میری طرف گھوم کر سر جھکاتے ہوئے ہاتھ فضا میں لہرا کر کام ختم ہونے کا اشارہ کیا اور ہم نیوی گیشن روم سے نکل آئے۔

ریمبراں، سلطان شاہ کے پاس موجود تھا۔ میں نے اسے تاحکمِ ثانی وہیں ٹھہرنے کی ہدایت کی کیونکہ آنے والے حالات سے میں خود پوری طرح باخبر نہیں تھا۔ ایسی صورت میں سلطان شاہ کو گن بوٹ سے اتارنا مخدوش ہوسکتا تھا کیونکہ وہ ابھی تک سہارے کے بغیر چلنے کے قابل نہیں ہوسکا تھا اور اگر بیس اسٹیشن پر بساط اُلٹنے کی صورت میں ہمیں راہِ فرار اختیار کرنا پڑتی تو سلطان شاہ کو سنبھالنا دشوار ہی نہیں، ناممکن ہوکر رہ جاتا۔ کسی ناگہانی صورتِ حال سے اپنے بچاؤ کے لیے ایکسپلوڈر سلطان شاہ کی تحویل میں تھا جس کی مدد سے وہ بہت کچھ کرسکتا تھا۔

”گن بوٹ پر بیس اسٹیشن کا عملہ آئے تو مجھے کیا کرنا ہوگا؟“ ریمبراں نے میری ہدایت سننے کے بعد معذرت خواہانہ لہجے اور دھیمی آواز میں سوال کیا۔

”گن بوٹ پر کوئی نہیں آئے گا۔“ میں نے سخت اور دوٹوک انداز میں کہا۔ ”نیچے اترتے ہی میں یہ ہدایت جاری کردوں گا۔ اس کے باوجود اگر کوئی آتا ہے تو تمھیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ میرا باغی ہے اور حکم عدولی کا مرتکب ہوا ہے، اسے تم بلاتامل گولی مار سکتے ہو.... اپنے کام سے فارغ ہوکر نئی ہدایات میں صرف اور صرف ایلی نور کے ذریعے بھیجوں گا جو اولینی تمھیں پہنچا دے گا۔“

”یعنی اولینی بھی گن بوٹ پر رُکے گا؟“ اس نے سوال کیا۔

”ریڈیو روم میں کسی نہ کسی کا رہنا ضروری ہے۔“ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ”اس کے علاوہ نیوی گیشن والے دونوں افراد بھی اپنے کیبنوں میں آرام کریں گے کیونکہ ہم یہاں سے کسی بھی وقت لنگر اٹھا سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بعد میں انھیں کافی دیر تک آرام کا موقع نہ مل سکے۔“

مزید کچھ ہدایات اور مشوروں کے بعد سلطان شاہ نے آردو میں میرے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا اور میں اپنے اوورکوٹ کی جیب میں موجود بیم گن کو ٹٹولتے ہوئے کیبن سے باہر آگیا۔

گن بوٹ کا سارا عملہ کُل نو نفوس پر مشتمل تھا جو شیلون کی موت کے بعد کُل آٹھ افراد تک محدود ہوگیا تھا۔ ایلی نور کو نیوی گیشن سے نکالنے کے بعد ایک آدمی وہاں مامور کرنا پڑا تھا جو چیف نیوی گیٹر کے ساتھ گن بوٹ پر ہی آرام کرتا۔ اس کے علاوہ ریمبراں، سلطان شاہ کے پاس ٹھہرا ہوا تھا، اولینی ریڈیو روم میں مامور تھا لہٰذا میرے ساتھ گن بوٹ سے اترنے والی نفری کُل چار نفوس تک محدود ہوگئی تھی۔ ان میں ایک ایلی نور تھی اور تین گن بوٹ کے مسلح محافظ۔

ان لوگوں کو ساتھ لے کر میں درمیانی منزل کے گرم اور آرام دہ ماحول سے کھلے ہوئے عرشے پر پہنچا تو ہڈیوں میں اتر جانے والی یخ بستہ ہواؤں نے استقبال کیا اور میں بے اختیار جھرجھری

بے کر رہ گیا۔ کہر ان اطراف میں بھی موجود تھی لیکن زیادہ گہری نہیں تھی جس کی وجہ سے نیچے برتھ کی صورت حال کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔

گن بوٹ کے عرشے سے لگی ہوئی سیڑھی سے ہم پختہ برتھ پر اترے تو وہاں ایک دراز قامت سفید فام شخص سبز اور زرد شیشوں والے ہری کین لیمپ سمیت ہمارے استقبال کے لیے موجود تھا۔

مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ بری طرح چونکا تھا اور اس نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ہری کین لیمپ زمین پر رکھ کر اپنے بغلی ہولسٹر سے پستول کھینچ کر میری طرف تان لیا تھا۔ "ہینڈز اپ!" اُس نے آگے بھی کچھ کہا جو میرے پلے نہ پڑ سکا کیونکہ اس نے شاید اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے پستول کی معروف علامت کے ساتھ فرنچ زبان کا سہارا لیا تھا جو میرے لیے نامانوس تھی۔

"پستول گرا دو ہاک!" اچانک فضا میں ایلی نور کی اضطراری آواز گونجی۔ وہ میری ہدایت نہیں بھولی تھی کیونکہ اس نے اپنے ساتھی کو انگریزی میں ہی مخاطب کیا تھا۔ "اس وقت تم آئی مین سے مخاطب ہو جو صرف اور صرف انگریزی سُننا پسند کرتا ہے۔"

آئی مین کے الفاظ سُنتے ہی پستول بردار دراز قامت شخص کے اعصاب مفلوج ہوتے ہوئے محسوس ہوئے تھے لیکن اس نے لمحہ بھر میں ہی سنبھالا لے لیا۔

"سوری سر!" وہ مجھ پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر سر کو خم دے کر ادب سے بولا تھا۔ "گن بوٹ سے اس برتھ پر نیچے اترنے والا پہلا شخص ہمیشہ شیلون ہوتا ہے۔ یہ یہاں کا پروٹوکول ہے جس میں کسی بھی قیمت پر تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔ تم اپنی شناخت کرا دو۔ اگر ایلی نور کا بیان درست ثابت ہوا تو میں تمھارے قدموں میں گر کر معافی مانگ لوں گا۔"

اس کا حکم سُنتے ہی میں اپنے ہاتھ اُٹھا چکا تھا، جنھیں گرائے بغیر میں نے تحکم آمیز اور تلخ لہجے میں کہا۔ "اور اگر میں شناخت ظاہر کیے بغیر تم کو ایلی نور کے بیان پر یقین کر لینے کا مشورہ دوں تو کیا ہو گا؟"

"اگر تم آئی مین ہو تو جانتے ہو گے کہ ہم ماتحت لوگ کن ضابطوں کے تحت کام کرتے ہیں۔" وہ مجھ سے ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر مضبوط لہجے میں بولا۔ "ایلی نور مجھے مشورہ دے سکتی ہے لیکن اسے میرے کام میں مداخلت کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اپنا کام میں بہتر سمجھتا ہوں اور اپنے ہی طریقۂ کار پر عمل کرنے کا عادی ہوں۔"

"جب تک تم اپنا پہلا حکم واپس نہیں لیتے میں شناخت ظاہر کرنے سے معذور رہوں گا میرے فرض شناس دوست!" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"پہلا حکم!" اس کے چہرے پر تحیر کے آثار نظر آئے

"ہاتھ گرائے بغیر میں کچھ نہ کر سکوں گا!" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اوہ!" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "تم ہاتھ گرا لو مگر یہ یاد رکھنا کہ میری نگاہیں بہت تیز ہیں۔"

میرے لیے بیم گن کو استعمال کرنے کا وہ سنہری موقع تھا لیکن میں اس مرحلے پر محاذ آرائی سے گریز کو مناسب سمجھ رہا تھا۔ وہاں موجود نفری اور اس کی کمین گاہوں سے واقف ہوئے بغیر کوئی انتقامی اقدام میرے کام کو غیر ضروری طور پر طول دے سکتا تھا لہٰذا میں نے بیم گن کو بھول کر اندرونی جیب سے وہ بیش قیمت طلائی سکہ نکالا جس پر چاندی سے ایک ابھری ہوئی حسین آنکھ بنی ہوئی تھی اور وہ سکہ دراز قامت کی طرف اچھال دیا۔

اس کے داہنے ہاتھ میں پستول موجود تھا لہٰذا اس نے بائیں ہاتھ سے سلور آئی کو لپکا اور اس پر پہلی نگاہ پڑتے ہی پستول پختہ فرش پر پھینک کر رکوع کے انداز میں جھکتا چلا گیا۔

"میں اپنی گستاخی پر معذرت خواہ ہوں سر!" اس کی خوفزدہ آواز میرے کانوں میں آئی۔ "مگر میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ میرا کام ہی ایسا ہے کہ میں واضح شناخت کے بغیر کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ اب تم مجھے کسی کُتے کی طرح وفادار پاؤ گے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آج میں نے ایک مقدس آئی مین کی زیارت کی ہے۔"

وہ اسی طرح رکوع کی حالت میں چلتا ہوا میری طرف بڑھا اور اس نے سلور آئی دونوں ہتھیلیوں پر سجا کر مجھے واپس پیش کر دی جو میں نے بے نیازی کے ساتھ اٹھا کر جیب میں ڈال لی۔

"سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اپنا پستول واپس اُٹھا لو۔" میں نے دانستہ قدرے توقف کے بعد کہا۔ اس نے مستعدی کے ساتھ حکم کی تعمیل کی اور پستول فرش سے اُٹھا کر ہولسٹر میں اُڑس لیا۔

"اجازت ہو تو میں اپنے عملے کو تمھاری موجودگی سے باخبر کر دوں؟" اس نے اپنے کندھے سے جھولتے ہوئے واکی ٹاکی کو سنبھالتے ہوئے اجازت طلب لہجے میں دریافت کیا۔

"قطعی نہیں۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "میں چاہتا تو گن بوٹ سے ہی یہ پیغام بھجوا سکتا تھا۔ میں یہاں کسی خاص مقصد سے آیا ہوں اور اپنی موجودگی کی تشہیر نہیں چاہتا۔ تمھارے علاوہ کسی کو میرے بارے میں بھنک بھی نہ ملنا چاہیے۔"

"بہت بہتر سر!" اس نے تابعدارانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "میں پوری احتیاط کروں گا۔ فوری طور پر کوئی کام ہو تو مجھے خوشی ہو گی۔ ورنہ میں آرام کا بندوبست کراتا ہوں۔"

"یہاں برتھ پر کچھ نہ ہو سکے گا پہلے ریڈیو روم کی طرف چلو۔"

میں نے آگے خشکی میں قدرے نشیب کی طرف نظر آنے والی دھندلی روشنیوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

ہمارا مختصر سا کارواں فوراً ہی ان روشنیوں کی طرف بڑھنے لگا۔ ہاک ہری کین لیمپ اٹھائے ہم سب کی رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ پختہ برتھ زیادہ وسیع نہیں تھی چند منٹ بعد ہی ہم برتھ سے کچے راستے پر اتر آئے جس پر بڑے بڑے پتھر جما کر اسے باقاعدہ گزرگاہ کی شکل دی گئی تھی۔ ٹیلوں اور جھاڑیوں کے درمیان سے گزرنے والا وہ راستہ ہر اعتبار سے مثالی اور محفوظ تھا۔

"یہاں اجنبیوں کی طرف سے مداخلت کو روکنے کا کیا بندوبست ہے؟" میں نے ہاک سے دریافت کیا۔

"میری رہنمائی کے بغیر کوئی اس راستے سے زندہ سلامت نہیں گزر سکتا خواہ وہ شیطان ہی کیوں نہ ہو۔ دونوں طرف جھاڑیوں میں مسلح محافظ چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر مامور رہتے ہیں۔ رات کے اندھیرے میں وہ مجھے میرے ہری کین لیمپ سے پہچانتے ہیں اس وقت بھی وہ مجھے پہچان لینے کے باوجود لومڑیوں کی طرح ہمارا تعاقب کر رہے ہوں گے۔ ہمیں عمارت تک پہنچانے کے بعد وہ واپس ساحل کی طرف آجائیں گے۔"

"اور اگر ان کی واپسی سے پہلے ہی کوئی ادھر گھس آئے تو کیا ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"ان کی تعداد کم از کم تین ہوتی ہے۔ ایک اب بھی ساحل کی نگرانی کر رہا ہوگا... دو آدمی دونوں پہلوؤں پر جھاڑیوں میں چھپے ہمارے ساتھ چل رہے ہوں گے۔"

"انھیں خطرے کا ادراک کیسے ہوگا؟ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تمہیں بے بس کر لیا گیا ہو اور تم دشمن کی ہدایات پر عمل کرنے پر مجبور ہو۔" میں اسے باتوں میں الجھائے رکھنا چاہ رہا تھا تاکہ وہ میری آمد کے بارے میں یکسوئی کے ساتھ نہ سوچ سکے۔

"راستے پر پتھر لگے ہوئے ہیں۔ ایک دانستہ ٹھوکر کھا کر اگر میں مخصوص انداز میں گرا ہوں تو دشمن کو ہوشیار کیے بغیر اپنے محافظوں کو پوری صورتِ حال سمجھا دوں گا۔"

"میں ان کی موجودگی کا یقین کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے کہا۔

ہاک نے اچانک اپنے حلق سے کسی الو کی سی چیخ نکالی اور تقریباً بیک وقت دو ہولناک دھماکوں کے ساتھ دونوں طرف سے رائفلوں کے شعلے آسمان کی رفعتوں میں معدوم ہو گئے۔ وہ ہوائی فائر بہت قریب سے کیے گئے تھے اور اس وقت ہماری پوری جماعت یقینی طور پر ان روپوش محافظوں کے اسلحے کی زد میں تھی۔

ایک ٹیلے سے اترتے ہوئے نشیب میں بنی ہوئی نیچی چھت والی وہ روشن عمارت پوری طرح ہمارے سامنے آگئی جو غالباً ہماری منزل تھی۔ عمارت نہ زیادہ وسیع تھی نہ پُرشکوہ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی عارضی لیکن شدید ضرورت کے تحت اس ویرانے میں کیمپ لگا لیا گیا ہو۔

وہ سادہ اینٹوں سے بنی ہوئی ایک بے روپ یک منزلہ عمارت ثابت ہوئی جس کے بیرونی حصے پر نہ پلاسٹر کی ضرورت محسوس کی گئی تھی نہ رنگ کی اور نیچی چھت بھی پرانی کھپریل کی تھی جس کا سرخ رنگ شاید دانستہ طور پر سیاہ کر دیا گیا تھا تاکہ فضا سے گزرتے ہوئے اس طرف کسی عمارت کے آثار نہ دیکھے جا سکیں۔

چند کھڑکیاں روشن ہونے کے باوجود عمارت بظاہر ویران نظر آ رہی تھی۔ اس کے کسی دور افتادہ حصے میں جنریٹر چلنے کی گونج ایک تسلسل کے ساتھ سنائی دے رہی تھی۔

سرد ہواؤں میں وہ طویل راستہ طے کرنے کے بعد ہم کسی بھی شخص کا سامنا کیے بغیر اس عمارت میں داخل ہوئے تو اندر قدم رکھتے ہی خوشگوار حرارت نے رگوں میں جمتے ہوئے لہو میں دوبارہ روانی پیدا کر دی۔ وہ ایک مختصر سی راہداری تھی جس میں دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ بیرونی خستہ حالی کے برعکس اندر سے وہ عمارت بہت مزین اور آراستہ تھی۔ دیواروں پر رنگ کے ساتھ خوبصورت تصاویر وغیرہ آویزاں تھیں، فرش پر دبیز قالین موجود تھا اور راہداری میں دیواروں کے ساتھ دونوں طرف پیتل کے دمکتے ہوئے گملوں میں بیش قیمت اِن ڈور پودے لگے ہوئے تھے۔

ہاک راہداری کے تقریباً وسط میں ایک بند دروازے کے سامنے رک گیا۔ "یہ ہمارا ریڈیو روم ہے۔"

"تم چاروں یہیں ٹھہرو۔" میں نے ایلی نور سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بلکہ یہ سامنے والا کمرہ اگر خالی ہے تو اس میں ستا لو، میں یہیں واپس لوٹوں گا۔"

"بالکل۔" ہاک نے مشینی انداز میں تائید کی۔ "یہ میرا کمرہ ہے، دفتر بھی اور خواب گاہ بھی... تم لوگ اندر آرام کرو۔" وہ براہِ راست ایلی نور سے مخاطب تھا۔ "فریج میں خورد و نوش کا سامان بھرا ہوا ہے کیبنٹ میں کافی بھی مل جائے گی۔"

میں نے ایلی نور کے لبوں پر غیر محسوس سا تبسم دیکھ کر اندازہ لگایا کہ شاید اس وقت تک ہاک کا کمرہ ان لوگوں کے لیے شجرِ ممنوعہ بنا ہوا تھا لیکن میری ہدایت پر وہ اسے مہمان خانہ بنانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

ہاک نے بڑھ کر ریڈیو روم کا دروازہ کھولا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ اندر ایک نوجوان شخص ہماری طرف پشت کیے، سر پر ہیڈ فون

چڑھائے سرور کے عالم میں قدموں سے قالین پر تھاپ دیتے
ہوئے جھوم رہا تھا۔ اس کے سامنے مختصر سا ریڈیو پینل موجود تھا
جس کے نیچے ریڈیائی آلات موجود تھے۔ دیواروں پر معروف
فلمی اداکاراؤں وغیرہ کی بڑی بڑی برہنہ تصاویر آویزاں تھیں جو
اس ویرانے میں جبری تجرد کی بے کیف زندگی سے پیدا ہونے والی
محرومیوں کی عکاسی کر رہی تھیں۔

میں نے موسیقی کے سرور میں ڈوبے ہوئے نوجوان کے
شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ اپنی کرسی سے یوں اچھلا تھا جیسے اس پر
بجلی کا ننگا تار آ گرا ہو۔ اس نے سر گھما کر حیرت سے میری طرف دیکھا
پھر ہاک کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گیا۔

"یہ کیا ہو رہا تھا؟" ہاک کوشش کے باوجود اپنی بھیڑیئے جیسی
غصیلی غراہٹ پر قابو نہ پا سکا۔

اس نوجوان نے سہمے ہوئے انداز میں ہیڈ فون کانوں سے
اتار کر انسٹرومنٹ ٹیبل پر ڈال دیا۔ اس نے فرنچ میں کچھ کہا اور ہاک
دانت پیس کر بولا۔ "انگریزی میں جواب دو۔"

"ریڈیو پیرس سے موسیقی کا فرمائشی پروگرام سن رہا تھا۔"
نوجوان نے مردہ آواز میں ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔ اس کی نگاہیں
مجرمانہ احساس کے ساتھ جھکی ہوئی تھیں۔

"بوٹ برتھ سے لگی ہوئی ہے اور تم گانے سن رہے تھے!"
ہاک اسے پھٹکارنے لگا اور میں نے بڑھ کر ہیڈ فون کانوں سے
لگایا تو اس میں واقعی تیز موسیقی گونج رہی تھی۔

"غلطی ہو گئی۔ گن بوٹ کے لنگر ڈالنے کے بعد میں نے۔"

"شٹ اپ اینڈ گٹ آؤٹ!" ہاک دروازے کی طرف
ہاتھ اٹھا کر غرایا اور نوجوان بے جان قدموں سے چلتا ہوا کمرے
سے باہر نکل گیا۔

"یہاں تمہارے پاس کُل کتنی نفری ہے؟" دروازہ بند ہو جانے
کے بعد میں نے ہاک کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"بارہ بارہ گھنٹے کی شفٹ میں دو ٹیمیں کام کرتی ہیں۔ ہر ٹیم میں
تین محافظ اور ایک ریڈیو آپریٹر ہے۔ مجھ سمیت کُل نو افراد یہاں
متعین ہیں۔"

"میں ان سب کو تمہارے کمرے میں یکجا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اس وقت صرف چار آدمی آ سکیں گے۔" وہ مجھ سے نظریں
چراتے ہوئے آہستہ سے بولا۔ "آج ہفتے کی رات ہے۔ ہر ٹیم باری
باری ہفتے کی شام اور اتوار کا دن باہر چھٹی میں گزارتی ہے۔ وہ لوگ
شام سے پہلے واپس نہیں لوٹیں گے۔"

"پھر تینوں محافظوں کو ہی طلب کر لو۔"

"باہر کوئی بھی نہ رہے گا۔" اس نے گویا مجھے یاد دلایا۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا، گن بوٹ کی موجودگی میں کوئی ادھر پھٹکنے
کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

وہ فوراً ہی واکی ٹاکی پر باہر پہرہ دینے والے محافظوں سے
رابطہ قائم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا اور میں حساس و
نازک ریڈیائی پینل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

محافظوں سے بات ختم کر کے ہاک بھی میرے قریب آ گیا
اور ریڈیو پینل میں میری دلچسپی کو دیکھتے ہوئے اس کے مختلف حصوں
کے بارے میں تفصیلات بتانے لگا۔

گن بوٹ کے بیس اسٹیشن کو آنے والے خفیہ آبی راستے
پر مختلف سمتوں اور زاویوں سے چار مانیٹرنگ یونٹ لگے ہوئے
تھے جو چوتھائی مکعب میٹر سے زیادہ حجم والی کوئی بھی جاندار
یا بے جان شے زد میں آتے ہی ریڈیو روم میں الارم اور روشنی کا
سگنل دیتے تھے اور اطلاع ملنے پر ہاک اپنے کمرے میں موجود
اسکرین کی مدد سے متعلقہ وڈیو یونٹ کو پوزیشن میں لا کر اپنے
کمرے میں بیٹھے بیٹھے آنے والے جسم کا جائزہ لے سکتا تھا۔ اس
کی میز پر تین خود کار میزائل لانچرز کے ریموٹ کنٹرول بٹن موجود
تھے جنھیں دبا کر وہ دلدلی خطے سے میزائل فائر کر کے آبی راستہ
عبور کرنے والے جسم کے پرخچے اڑا سکتا تھا۔ اس طرح ہاک کی
مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی اس خفیہ سمندری راستے کو زندہ و
سلامت عبور نہیں کر سکتا تھا۔

"اپنے اختیارات کے لحاظ سے تم خاصے اہم آدمی معلوم
ہوتے ہو۔" میں نے اوور کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے
تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "شی کے لیے کب سے کام کر رہے ہو؟"

"گیارہ برس سے شی میں کام کر رہا ہوں اور میرا ریکارڈ بالکل
بے داغ ہے۔" اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "اس سے پہلے سات
خون کر چکا تھا لیکن کبھی قانون کی گرفت میں نہیں آیا۔ شاید میرا
یہی ریکارڈ مجھے مونٹی کارلو کے ایک قمار خانے سے شی میں لانے
کا سبب بنا تھا اور میں خود کو اپنے بڑوں کے اعتماد کا اہل ثابت
کرتا چلا آیا ہوں۔"

"لیکن تم بھول گئے کہ قدرت کا بھی ایک اٹل قانون ہوتا
ہے۔" میں نے اپنی جیب میں بیم گن کا دستہ گرفت میں لیتے ہوئے
پُرسکون لہجے میں کہا۔ "اس کی گرفت سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔"

اس نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ آنکھیں پھاڑ کر میری
طرف دیکھا۔ "میں سمجھا نہیں؟" اس کی کھوکھلی آواز سے ظاہر ہو رہا
تھا کہ شی کے آدمی کی زبان سے قانونِ قدرت کا تذکرہ اس کے
لیے ناقابلِ تصور تھا۔

"قدرت ڈھیل ضرور دیتی ہے، سزا دیے بغیر نہیں چھوڑتی۔"

شاید اسی لیے مجھے یہاں بھیجا گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے یم گن جیب سے نکال کر اس کی طرف تان لی۔

"تم مجھے نہیں مار سکتے... مجھے بتاؤ کہ میرا قصور کیا ہے؟" وہ ہونٹ بھینچ کر ہزیانی انداز میں بولا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ پل بھر میں صورتِ حال یوں اس کے خلاف ہو سکتی تھی۔

"تمہارا قصور ہو یا نہ ہو، بس یہی کافی ہے کہ میں تم کو مارنا چاہتا ہوں۔" میں نے اسے اشتعال دلانے کی نیت سے کہا۔ مقصد یہی تھا کہ بے بسی کے عالم میں وہ ایسی غیر ذمے دارانہ حرکت شروع کرے جسے بنیاد بنا کر میں گن بوٹ سے آئے ہوئے عملے کے سامنے اسے سزاوار ٹھہرا سکوں کیونکہ ان لوگوں کو میں بہرحال اپنی مٹھی میں رکھنا چاہتا تھا۔

ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مٹھیاں بھینچ کر مجھ پر ٹوٹ پڑے گا مگر وہ قالین پر ایک ٹھوکر مار کر رہ گیا۔

"تمہیں دیکھتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ تمہاری نیت خراب ہے مگر یہ اندازہ نہیں ہوا تھا کہ تم میرے ہی گریبان پر ہاتھ ڈال دو گے۔ شبہ بھی ہو جاتا تو وہیں بے دریغ گولی مار دیتا لیکن یہ یاد رکھنا کہ مجھے مار کر تم بھی یہاں سے زندہ سلامت نہ نکل سکو گے۔"

"آخاہ!" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "ذرا ٹھہرو، تم دلچسپ باتیں کر رہے ہو، ہمیں دوسروں کو بھی اس میں شریک کرنا چاہیے چلو، اپنے کمرے میں چلو۔"

اس نے مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورا مگر وہ میرے حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور تھا۔

اس کا کمرہ بہت پُرتعیش اور کشادہ تھا، وہاں موجود پانچوں افراد نے ہم دونوں کو بڑی حیرت سے دیکھا تھا۔

"یہ دغاباز اور مکار ہے۔" اپنے کمرے میں گھستے ہی ہاک پھٹ پڑا۔ "یہ مجھے مارنا چاہتا ہے۔ تم سب مل کر اس کی ہڈیاں تُڑ ما کمر دو اور اسے بتا دو کہ ہاک یہاں اتنا کمزور نہیں ہے۔"

"بس!" میں نے دہاڑ کر اسے خاموش کر دیا۔ "مجھے اسی لیے یہاں آنا پڑا ہے کہ یہاں شئی نہیں بلکہ تمہاری ذات مضبوط ہے مگر تمہارے مکروہ خواب کبھی پورے نہیں ہو سکیں گے۔" یہ کہہ کر میں ایلی نور کے ساتھ گن بوٹ سے آئے ہوئے ایک مسلح محافظ سے مخاطب ہو گیا۔ "تم راہداری میں ٹھہرو، میں نے باہر ڈیوٹی دینے والے محافظوں کو بھی بلوایا ہے۔ وہ آ جائیں تو انہیں اندر لے آنا تاکہ وہ بھی اپنے آقا کا اصلی روپ دیکھ سکیں۔"

"وہ میرے جاں نثار ہیں۔ تمہاری باتوں میں آنے کے بجائے میرے ایک اشارے پر تمہیں بھون ڈالیں گے۔" ہاک موت کو سامنے پا کر تیزی کے ساتھ بہکتا جا رہا تھا اور میں اپنا کیس مضبوط کر رہا تھا۔

"اچھا کیا کہ تم نے یہ بھی بتا دیا۔" میں دوبارہ باہر جاتے ہوئے محافظ سے مخاطب ہو گیا۔ "ان تینوں کو اندر لانے سے پہلے غیر مسلح کر دینا تاکہ اس بے چارے کو اپنی حیثیت کا اندازہ ہو سکے۔"

"تم میرا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے اور خود فنا ہو جاؤ گے۔" ہاک چیخا۔

"اسی طرح کلکلا کر بد دعائیں دیتے رہے تو شاید ایسا بھی ہو جائے۔ تم یہ بھول رہے ہو کہ اس وقت اپنے آئی مین سے مخاطب ہو جو پوری طرح اپنے فیصلوں کو نافذ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔"

"میرے نزدیک اب تم آئی مین نہیں بلکہ میرے خون کے پیاسے ہو، میں تمہیں ٹھوکروں سے اڑا دوں گا۔"

"شاید صدمے سے تمہارا دماغ چل گیا ہے۔" میں نے متاسفانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "معافی مانگنے کے بجائے تمہاری سرکشی بڑھتی جا رہی ہے اور مجھے اپنے فیصلے کی درستگی پر یقین ہوتا جا رہا ہے.... تمہیں ختم کر کے مجھے ایک فتنے سے نجات ملے گی اور تھوڑی دیر بعد ہم یہاں سے دور کھلے پانیوں میں تمہارے دردناک انجام پر افسوس کر رہے ہوں گے۔"

وہ کسی پاگل کی طرح گلا پھاڑ کر ہنسا۔ "خفیہ راستے سے تمہارا سایہ تک سلامت نہ نکل سکے گا۔ میں نے ریڈیو روم میں تم سے بات کرتے ہوئے مانیٹرنگ یونٹ اور میزائل لانچرز کو خودکار سوئچ پر ڈال دیا ہے۔"

"اس سے کیا ہوگا؟" میں نے اپنے وجود میں اُٹھنے والی خوف کی لہر پر قابو پا کر سپاٹ لہجے میں کہا۔

"واپسی پر مانیٹرنگ یونٹ جوں ہی گن بوٹ کی موجودگی محسوس کرے گا لانچرز سے خود بخود میزائل فائر ہوں گے اور گن بوٹ کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔ میرے بٹن دبائے بغیر تمہاری موت کا پورا پورا بندوبست ہو چکا ہے۔ اب تم دلدلوں میں سسک کر جان دے دو گے یا تمہیں کوئی اور راستہ تلاش کرنا پڑے گا۔"

"یہ واقعی پاگل ہو گیا ہے۔" ایلی نور میرے قریب ہو کر منمنائی۔ "تم اس کا قصہ ختم کیوں نہیں کرتے؟"

"میں اس کے محافظوں کا منتظر ہوں تاکہ وہ بھی اس کی زندگی میں کھل کر سامنے آ جائیں۔" میں نے کہا۔

"وہ دشواریاں کھڑی کر سکتے ہیں۔" وہ بولی۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہاک ہماری آستین کا سانپ ہے۔ اس کے قتل کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ اس نے آئی مین کی توہین کی ہے۔ ان تینوں کے بارے میں یہ خود بتا چکا ہے کہ وہ اسی کے آدمی ہیں۔ وہ آئیں تو

انھیں بھی اسی کے پیچھے روانہ کر دینا۔"

"کتیا کی بچّی!" ہاک اس کا مشورہ سن کر چیخا۔ "میں جانتا ہوں کہ ایڈمرل کو ٹھکرانے کا تجھے آج تک افسوس ہے اور اب تو آئی مین کی خوشامد کر کے کسی نہ کسی طرح اس کے قریب ہونا چاہتی ہے تاکہ اپنی انا کی تسکین کر سکے لیکن میری بات لکھ لے کہ یہ آئی مین تجھے بھی برا وقت آنے پر سفاکی کے ساتھ روند ڈالے گا۔"

"یہ اپنی زندگی کے لمحات خود مختصر کر رہا ہے۔" میں نے غراتے ہوئے کہا اور بیم گن کا ٹرائیگر دبا دیا۔ نیلگوں رنگ کی ایک بہت پتلی سی دھار ہاک کے بائیں پہلو پر پڑی اور میرے ہاتھ کی جنبش کے ساتھ پیٹ کی طرف تیر گئی۔

بیم کا اثر اس قدر فوری اور شدید تھا کہ ہاک کا دہانہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ دہشت کے آخری آثار چہرے پر منجمد ہو کر رہ گئے اور وہ دل میں سوراخ ہوتے ہی کسی وزنی شہتیر کی طرح قالین پر ڈھیر ہو گیا۔

فضا میں گوشت، چربی اور ہڈیاں جلنے کی ہلکی سی بو پھیلی تھی کیونکہ اس نیلگوں شعاع کا جلانے کا عمل اتنا تیز اور مؤثر تھا کہ اس کی راہ میں آنے والا ہر ریشہ آناً فاناً میں خاک ہو گیا تھا اور اس زخم سے خون تک نہ بہہ سکا تھا۔

ٹرائیگر سے انگلی کا دباؤ ہٹاتے ہی گن کے دہانے سے مہلک شعاع کا اخراج ختم ہو گیا اور اسی کے ساتھ کمرے کی فضا پر موت کا بوجھل اور ایسا بھرپور سکوت چھا گیا کہ بس کمرے کے سانسوں کی آوازیں ہی سنائی دے رہی تھیں۔

"اس کے انجام پر تمہارا ردِعمل کیا ہے؟" میں نے باری باری سب کے چہروں کا جائزہ لینے کے بعد سکوت توڑنے کی نیت سے نوجوان ریڈیو آپریٹر سے سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے سپاٹ اور دھیمی آواز میں کہا۔

"کیوں؟" میں نے قدرے حیرت سے کہا۔ "برا یا بھلا، وہ تھا تو تمہارا افسر ہی۔ بروں سے نجات ملنے پر خوشی ہوتی ہے اور اچھوں کے بچھڑنے پر افسوس ہوتا ہے۔"

"مشین میں ایک پرزہ گڑبڑ کرنے لگتا ہے تو اسے پھینک کر اس کی جگہ نیا پرزہ لگا دیا جاتا ہے، دوسرے پرزوں کو اس پر نہ غم ہوتا ہے نہ خوشی کیونکہ یہ مشین چلانے والے کی مرضی ہوتی ہے، وہ کس پرزے کو کب تک چلا سکتا ہے۔" اس نے بدستور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "ویسے ہاک بدزبان ہونے کے باوجود نرم دل تھا۔ وہ مارا گیا ہے تو یقیناً اس سے کوئی ناقابلِ معافی جرم سرزد ہوا ہو گا۔ میں اس معاملے سے بالکل لاتعلق ہوں۔"

"اور تینوں محافظوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کچھ نہیں کہہ سکتا، ویسے وہ ہاک کے منہ چڑھے ہیں۔"

اسی وقت کہیں قریب سے بیک وقت کئی رائفلیں چلنے کی آواز آئی، اسی کے ساتھ ایک جگر خراش ادھوری چیخ سنائی دی اور وہاں موجود سب لوگ بری طرح چونک پڑے۔

"شاید ہمارا آدمی مارا گیا!" ایلی نور تشویش زدہ لہجے میں بولی۔ "وہ انھیں غیر مسلح کرنا چاہ رہا ہو گا اور انھوں نے اپنا اسلحہ اس کے حوالے کرنے کے بجائے اسی کو بھون ڈالا۔"

"ہوشیاری سے باہر نکل کر انھیں گھیرو۔" میں نے گن بوٹ سے آئے ہوئے بقیہ دو محافظوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اگر وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ ہوں تو بے دریغ انھیں گولی مار دینا۔"

وہ دونوں اپنی ٹامی گنیں سنبھال کر چوکنے انداز میں دروازے کی طرف بڑھے تاکہ باہر نکلنے سے پہلے راہداری کی صورت حال کا جائزہ لے سکیں۔ اس وقت میری پوری توجہ لمحہ بھر کے لیے ان کی طرف مبذول ہوئی اور اسی اثنا میں میری چھٹی حس نے کام کیا اور میں تیزی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ کر پیچھے پلٹا تو بیس اسٹیشن کا بے ضرر اور غیر جانبدار نظر آنے والا ریڈیو آپریٹر فضا میں جست لگا کر میری طرف آتا نظر آیا۔ اس کے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلے ہوئے تھے۔ شاید اس نے مجھے بے خبر پا کر اضطراری طور پر بیم گن پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا جو میری نظروں میں ناقابلِ معافی تھا۔

اسے واقعات کی پوری تفصیل کا علم نہیں تھا لیکن ایلی نور اس کے سامنے میرے آئی مین ہونے کا ذکر کر چکی تھی لہٰذا آئی مین کے ہتھیار پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت سنگین جرم سے کم نہیں تھی۔ میں نے فیصلہ کرنے میں ذرا بھی تاخیر کیے بغیر ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں بیم گن کی نال سیدھی کی اور ٹریگر دبا دیا۔

نیلگوں شعاع اس کی کھوپڑی میں اتر کر فضا میں اڑتے ہوئے جسم میں سرایت کر گئی اور وہ جہاں تھا وہیں ایک گھٹی گھٹی سی چیخ مار کر قالین پر گرا اور ہلکے سے تشنج کے بعد بے جان ہو گیا۔

بیس اسٹیشن کا رخ کرتے ہوئے مجھے اندیشہ تھا کہ وہاں کے عملے پر ہاتھ ڈالتے ہوئے مجھے اپنی آئی مین کی حیثیت برقرار رکھنا دشوار ہو جائے گا اور شاید گن بوٹ کا عملہ یہ سمجھ لے کہ میرا تعلق شی کے ہمدردوں سے نہیں بلکہ دشمنوں سے تھا لیکن ہاک کے ساتھ تنہائی میں ہونے والی گفتگو کے نتیجے میں ان سب نے ایسا رویہ اختیار کر لیا تھا کہ مجھے وہاں کھل کر من مانی کارروائیاں کرنے کی آزادی مل گئی تھی اور مزے کی بات یہ تھی کہ اپنی ان کارروائیوں میں مجھے گن بوٹ کے عملے کی پوری حمایت حاصل تھی۔

غنیمت یہ تھا کہ بیس اسٹیشن والوں کے چار آدمی چھٹی

پڑ گئے ہوئے تھے۔ ہاک اپنی سرکشی اور ہرزہ سرائی کی بنا پر میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ ریڈیو آپریٹر مجھ پر ناکام حملہ کرتے ہوئے جہنم واصل ہوگیا تھا اور باہر کے تین مسلح محافظ فائرنگ کا آغاز کرکے خود ہی موت کو للکار بیٹھے تھے۔

فائرنگ باہر سے سنائی دی تھی۔ محافظوں نے راہداری میں جھانکا تو وہ ویران پڑی ہوئی تھی۔ وہ دونوں اپنی ٹامی گنیں سنبھال کر محتاط انداز میں باہر نکل گئے۔ اسی وقت مجھے خیال آیا کہ کہیں ہاک کے محافظ خطرہ بھانپتے ہوئے گن بوٹ پر دھاوا نہ بول دیں۔ ایسا ہوتا تو وہ سب بے خبری میں مارے جاتے۔

"ریڈیو آپریٹر مارا گیا۔ اب اولینی سے رابطہ کیسے قائم ہوگا؟" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔

"میں کرلوں گی۔" ایلی نور نے پیار سے میرے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا کیونکہ ہاک کے کمرے میں اس وقت میرے ساتھ وہی رہ گئی تھی یا دو خوف آور لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔

"تو فوراً ریڈیو روم چلو۔" میں نے اسے الگ کرتے ہوئے کہا۔ "اور اپنی کھوپڑی پر قابو رکھو، کمال ہے کہ دو تازہ لاشوں کے ہوتے ہوئے بھی تمہارے دماغ پر رومان کا بھوت سوار ہے۔"

"اولینی سے اچانک کیا کام پڑ گیا؟" اس نے میرے ساتھ ہاک کے کمرے سے نکلتے ہوئے سوال کیا۔

"باہر والے تین محافظ یقیناً غیر مسلح کیے جانے کے مسئلے پر بدک گئے ہوں گے۔" میں نے کہا: "انھیں روکنے والا گن بوٹ کا گارڈ تھا لہٰذا عین ممکن ہے کہ وہ تینوں یہاں رکنے کے بجائے گن بوٹ پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں۔ ایسا ہوا تو وہ لوگ مقابلہ کیے بغیر بے خبری میں مارے جائیں گے۔"

بات اس کی سمجھ میں آگئی اور اس نے پینل پر پہنچتے ہی چند سوئچ اوپر نیچے کرکے اولینی سے رابطہ قائم کرلیا اور براہ راست اصل موضوع پر آگئی۔

"بیس اسٹیشن پر ہاک نے آئی مین کی بالادستی کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے۔ اس کے تین مسلح آدمی باہر سے فائرنگ کررہے ہیں، ہوسکتا ہے کہ مایوسی کے عالم میں وہ برتھ کی طرف دوڑ لگا دیں اور گن بوٹ پر قابض ہونے کی کوشش کریں۔ سیڑھی ہٹا کر اپنے آدمیوں کو ہوشیار کردو۔ اوور۔"

"فکر نہ کرو، عرشے سے میں تنہا ہی پوری بٹالین کو روک لوں گا... اب ریڈیو روم میں میری ضرورت تو باقی نہیں رہی؟ اوور۔" اولینی کا لہجہ پُرجوش تھا۔

"اس کال کے بعد تمہیں پوری آزادی ہے۔" اس بار ایلی نور کے بجائے میں نے کہا۔ "گن بوٹ کو بچانے کے لیے میری طرف سے تمہیں ہر کارروائی کا اختیار ہے، ضرورت ہو تو میرے ساتھی کے پاس سے ریبراں کو بھی ہٹا لینا... اوور۔"

"اعتماد کا شکریہ سر!" اولینی کی آواز تشکر سے لبریز تھی۔ "باغیوں میں سے جو بھی زد میں آگیا زندہ نہ بچ سکے گا۔ احتیاطاً میں گن بوٹ کو برتھ سے دور کھلے پانی میں لنگر انداز کرا دیتا ہوں تاکہ وہ لوگ ہماری بے خبری میں کمند ڈال کر اوپر نہ آسکیں۔ خطرہ ٹلتے ہی ہم برتھ پر آجائیں گے... اوور۔"

"مجھے احساس ہے کہ تمہارے پاس نفری کم ہے... جیسا چاہو، کرسکتے ہو... وش یو گڈ لک... اوور اینڈ آل۔" میں نے گفتگو کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"یہاں تو ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے لوگ مدت سے بھرے بیٹھے تھے۔" ایلی نور نے حیرت سے کہا۔ "مگر ہمیں ان کے ساتھ رہنے کے باوجود کبھی ان کے باغیانہ عزائم کا اندازہ نہیں ہوسکا۔"

"لیکن میں دور ہونے کے باوجود ان حالات سے بے خبر نہیں تھا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"یہ تو میں بار بار کہہ رہی ہوں کہ تم لوگ عام سطح سے بہت بلند ہو۔ تمہاری سوچ اور فیصلوں کے انداز کو سمجھنا ہم جیسوں کے بس کا روگ نہیں... ایسا نہ ہوتا تو تم آج عالمگیر سطح پر کام نہ کررہی ہوتی۔"

اسی وقت عمارت کے قریب سے ٹامی گن کی خوفناک تڑتڑاہٹ سنائی دی اور چند ثانیوں بعد یکے بعد دیگرے رائفل کے دو فائروں کے ہولناک دھماکے گونجے اور میرے منہ سے بے اختیار اطمینان کا ایک گہرا سانس آزاد ہوگیا۔

"بڑا گہرا سانس لیا ہے، کیا بات ہے؟" ایلی نور نے شوخ لہجے میں سوال کیا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس خون آشام ماحول اور اعصاب شکن بارودی برسات کا ایلی نور کے ذہن پر کوئی اثر نہیں تھا۔

"مجھے خوشی ہوئی ہے کہ وہ گن بوٹ کی طرف جانے کے بجائے ان ہی اطراف میں موجود ہیں۔ بے مقصد فائرنگ کرکے انھوں نے اپنی کمین گاہیں ظاہر کردی ہیں، اب وہ جلد ہی گھیر لیے جائیں گے۔"

"باہر بہت سوں تھی، تم تھک بھی گئے ہوگے کیوں نہ ہاک کے کمرے میں ہم اپنی کامیابی کا مختصر سا جشن منا ڈالیں۔" اس نے پُرمسرت لہجے میں تجویز پیش کی۔

"برفانی ہواؤں نے شاید تمہاری کھوپڑی جما دی ہے۔ وہاں دو بھیانک لاشیں پڑی ہوئی ہیں، تم لاشوں پر جشن مناؤ گی؟"

"میرا تو خیال تھا کہ آئی مین ہونے کی وجہ سے تمہارا دل بھی پتھر ہوگا مگر..."

"دل پتھر نہیں ہے جب ہی تو تمھارے دام میں آگیا۔"

میں نے اُسے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر کہا۔ "جب تک ان کا ایک بھی آدمی زندہ ہے، میری تشویش دُور نہ ہوسکے گی۔"

"رومیل اور منٹگمری نے جنگ میں ہزاروں لاشوں پر کھڑے ہو کر شیمپئن بہا کر فتح کا جشن منایا تھا۔ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ اس وقت باغیوں سے ہماری جنگ جاری ہے اور مجھے تم سے محبت ہے، اسی لیے مجھے ہاک کا آرام دہ کمرہ یاد آرہا ہے، تم چاہو گے تو میں ان دونوں لاشوں پر چادریں ڈال دوں گی۔"

"اصولاً ہمیں باہر نکل کر اپنے آدمیوں کی مدد کرنا چاہیے۔ وہ دو ہیں اور دشمن تین۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"ہوسکتا ہے کہ ہمارا تیسرا آدمی مرا نہ ہو، صرف زخمی ہوا ہو۔" وہ بے پروائی سے بولی۔ "ان کی ٹامی گنیں خاموش ہوگئیں تو ہم باہر نکلیں گے۔ اس وقت میں تمھیں باہر نہیں جانے دوں گی۔"

اس نے میرا بازو تھام لیا اور مجھے ہاک کے کمرے کی طرف لے جانے کے لیے زور آزمائی کرنے لگی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اس کمرے سے تمھاری ماضی کی کچھ یادیں وابستہ ہیں جنھیں تم میرے ساتھ تازہ کرنا چاہتی ہو۔" میں نے اس کی ترپاہٹ کے آگے ہتھیار ڈالتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہاں عمدہ شرابیں موجود ہیں لیکن ہاک کبھی اخلاقاً بھی کسی کو پیشکش نہیں کرتا تھا۔ آج اس کمرے کی ہر چیز پر ہمارا تصرّف ہوگا۔ وہ تو تمھارے حکم کے سامنے بے بس ہوگیا، ورنہ اس کے کمرے میں کوئی پھٹک بھی نہیں سکتا تھا۔"

ہاک کے کمرے میں پہنچ کر ایلی نور نے واقعی دونوں لاشوں پر گہرے رنگ کی چادریں ڈال دیں، میں نے صوفہ سنبھال لیا اور ایلی نور نے ساقی گری کی تیاریاں شروع کردیں۔

دوسرے چکر میں وہ ٹرے لے کر آئی تو دو گلاسوں کے ساتھ مخمل کی تھیلی میں رائل سیلوٹ کی حسین بوتل بھی موجود تھی جو اسکاچ وھسکی کی مادرِ معظم تصوّر کی جاتی ہے۔

معدے میں حرارت پہنچنے کے بعد اس سے قبل کہ ایلی نور کے دماغ پر رومان کی گرفت مضبوط ہوتی، میں نے ہاک کی آخری دھمکی کا ذکر چھیڑ دیا۔ "ہم لوگ تو خشکی کے راستے سے بھی نکل سکتے ہیں لیکن گن بوٹ اسی کھاڑی میں قید ہو کر رہ جائے گی، میرے لیے یہ خیال سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔"

"اگر تم اس بارے میں سوچ رہے ہو تو مجھے پورا یقین ہے کہ جلد ہی اس مسئلے کا کوئی حل بھی تلاش کرلو گے۔" اس نے اپنا گلاس فضا میں لہراتے ہوئے کہا۔

"حل تو ضرور ہے مگر اس پر عمل کرتے ہوئے مجھے دکھ ہوگا۔" میں نے اداس لہجے میں کہا۔

"وہ کیا؟" ایلی نور متجسسانہ انداز میں میز پر میری طرف جھک آئی۔

"سب کچھ کنٹرول ریڈیو روم سے منسلک ہے اس لیے روانگی سے پہلے ریڈیو روم کی تنصیبات تباہ کردی جائیں تو ہر چیز ناکارہ ہو کر رہ جائے گی۔"

"ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو۔" وہ بولی۔ "ممکن ہے کہ مانیٹرنگ یونٹ اور لانچرز میں براہِ راست کوئی تعلق ہو۔"

"پھر اس کا سوئچ ریڈیو روم میں کیسے آگیا؟" یہ کہہ کر میں نے قدرے توقف کیا پھر خود ہی بولا۔ "ہر لانچر میں ایک میزائل ہوگا۔ ہم روانگی سے پہلے بٹن دبا کر سارے میزائل فائر کردیں گے، اس طرح ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ ریڈیو روم کی تنصیبات بھی احتیاطاً تباہ کرنا ہوں گی تاکہ کوئی دوسرا ٹریپ ہو تو وہ بھی ناکارہ ہو جائے۔"

"یہ ہوسکتا ہے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "لانچرز کی لوڈنگ تو خود ہی کرنا پڑتی ہے۔ ایک ایک میزائل فائر ہونے کے بعد تمام لانچرز ناکارہ ہو جائیں گے۔"

"مگر اس میں ایک خطرہ ہے۔" میں نے اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں کچھ علم نہیں کہ لانچرز کس رُخ پر نصب ہیں۔ اگر اندھا دھند فائر بٹن دبا دیا جائے تو کوئی میزائل اِدھر یا گن بوٹ کی طرف بھی آسکتا ہے۔"

"یہ سب تم سوچتے رہو، مجھے تو سُرور آرہا ہے۔" وہ دونوں خالی گلاس بھرتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں بولی۔ "اس وقت تو موسیقی سننے کو دل چاہ رہا ہے۔"

باہر سے وقفے وقفے سے ٹامی گنوں اور رائفلوں کا شور اُبھر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دونوں فریق ایک دوسرے کی پوزیشن سے آگاہ ہونے کے بعد مقابلے پر ڈٹ گئے ہوں۔ ایلی نور اپنے خوابناک تصوّرات کی دنیا میں مگن تھی اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس صورتِ حال سے کیسے نکلا جائے۔

امکان یہ تھا کہ لانچرز کا رُخ اس خفیہ آبی گزرگاہ کی طرف ہوگا جس کی حفاظت کے لیے مانیٹرنگ کے آلات لگائے گئے تھے لہٰذا میں نے کافی سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ آخری تجویز ہی مناسب تھی جس پر عمل کی ابتدا فوری طور پر کی جاسکتی تھی۔

میں ہاک کی میز کی طرف گیا تو ایلی نور بھی میرے ساتھ لگی چلی آئی۔ میز پر ہر لانچر کے لیے ایک علیحدہ سوئچ موجود تھا جس

سے کئی روشنیاں منسلک تھیں۔ اس وقت تمام روشنیاں لانچرز کو اسٹینڈ بائی ظاہر کر رہی تھیں۔ سوئچ کو حرکت دے کر میں نے ہر لانچر کو ریڈی کیا۔ سرخ روشنیاں یکے بعد دیگرے جل اُٹھیں پھر میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ پہلا فائر بٹن دبا دیا۔ اس لانچر کی سرخ بتی بجھ گئی اور سبز بلب روشن ہو گیا جس کے نیچے لکھی ہوئی تحریر سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے چارج کیے بغیر دوبارہ فائر نہیں کیا جا سکے گا۔

بمشکل چند سیکنڈ گزرے تھے کہ فضا میں ایک گھُٹا گھُٹا سا مگر شدید دھماکا ہوا اور زمین لرز کر رہ گئی۔

"آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ میزائل زیر آب پھٹا ہے۔" ایلی نور بولی اس کی آواز پر خمار کے ہلکے ہلکے اثرات نمایاں ہو چلے تھے۔

"اور اب دوسرا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے دوسرا بٹن دبا دیا۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد دوسرے میزائل کا دھماکا زیادہ شدت کے ساتھ سنائی دیا اور پورا کمرہ لرز کر رہ گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ دوسرا میزائل دھار دار پہاڑیوں سے ٹکرا کر پھٹا تھا۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں گن بوٹ والے ان دھماکوں سے ہراساں نہ ہو جائیں لہٰذا میں ایلی نور کو وہیں چھوڑ کر ریڈیو روم کی طرف ہو لیا۔ اسے ایک بار گن بوٹ سے ریڈیائی رابطہ قائم کرتے دیکھ کر میں نے اس اپریٹس کا استعمال بخوبی سمجھ لیا تھا اور خود اس سے کام لے سکتا تھا۔

ریڈیو روم میں دوسری طرف سے پہلے ہی اولینی چیخ جا رہا تھا۔ میں نے اندر گھستے ہی بٹن دبا کر اس کی کال کی وصولی کا اشارہ دیا اور وہ فوراً ہی شروع ہو گیا۔ "ابھی ابھی دو خوفناک دھماکے ہوئے ہیں پہلا سمندر میں اور دوسرا چٹانوں میں ہوا۔ دوسرا میزائل میں نے خود فضا میں اڑتے دیکھا تھا... ہم شدید خطرات سے دوچار ہو چکے ہیں۔ اوور۔"

"خطرات ٹل رہے ہیں۔" میں نے کہا۔ "صرف دو دھماکے اور ہوں گے اس کے بعد راستہ صاف ہو جائے گا۔ تم بے فکر رہو، کوئی میزائل تمہاری طرف نہیں آ ئے گا... اوور۔"

"خدا کا شکر ہے۔" گہرے سانس کے ساتھ اولینی کی آواز اُبھری۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ ہمارے دشمن گن بوٹ کی تلاش میں میزائل فائر کر رہے ہیں اور کسی بھی لمحے ہمیں غرق کر دیں گے... اوور۔"

میں جواب بھی نہیں دے پایا تھا کہ اچانک تیسرا دھماکا ہوا اور پھر فوراً ہی ان سب سے شدید چوتھا دھماکا بھی ہو گیا جس نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا۔

"اولینی کالنگ... دو دھماکے اور ہوئے ہیں۔" ریڈیو اپریٹس پر اولینی کی خوفزدہ آواز اُبھر رہی تھی۔ "آخری دھماکا ہمارے بہت قریب سمندر میں ہوا ہے اور پوری بوٹ لرز کر رہ گئی ہے۔ اوور۔"

"فکر نہ کرو۔ اب سکون رہے گا۔ اوور اینڈ آل۔" میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا اور سلسلہ منقطع کر کے بھناتا ہوا ہال کمرے کی طرف ہو لیا۔

وہاں ایلی نور اسکاچ کا گلاس ہاتھ میں لیے ہوئے ہال کی میز کے قریب کھڑی دیوانہ وار ہنسے جا رہی تھی۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" میں نے اس کے شانے پکڑ کر اسے جھنجوڑتے ہوئے غصے سے سوال کیا۔

"سارے بٹن دبا دیے مگر صرف دو دھماکے ہوئے۔" اس نے اپنی مخمور آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال کر معصومانہ لہجے میں کہا۔ "میں نے سوچا کہ مجھے بھی تمہارا کچھ ہاتھ بٹانا چاہیے۔"

"تم شراب پی کر ناقابلِ برداشت ہونے لگتی ہو۔" میں نے اس کے شانے چھوڑتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

"تو چھوڑ کیوں دیا؟" وہ نشیلی آواز میں بولی۔ "مجھے تو چوٹ مارو، میری ہڈیاں توڑ ڈالو۔"

میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اُسے صوفے پر دھکیل دیا اور اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ میرے جاتے ہی موقع پا کر وہ آناً فاناً میں پورا ایک گلاس خالی کر گئی تھی جو اسے لگ گیا تھا۔

باہر فائرنگ کے تبادلے میں شدت آ چکی تھی لیکن کسی طرف سے کمزوری کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ میں تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا اور ایلی نور اچانک میری گود میں سر رکھ کر رونے لگی۔

میرے لیے وہ غیر متوقع صورتِ حال سخت مضحکہ خیز تھی۔ میرا سارا غصہ کافور ہو گیا اور میں بوکھلا کر اس مدہوش لڑکی کو خاموش کرانے کی ناکام کوششیں کرنے لگا۔

قیدی کی پنڈلیاں بُری طرح چھلنی ہوئی تھیں اور چہرہ بھی لہولہان تھا۔ اس کی آنکھوں میں موت کا خوف جھلک رہا تھا۔ گن بوٹ کے دونوں محافظوں کی حالت بھی ابتر تھی لیکن طویل مقابلے کے بعد وہ اپنے قدموں پر چلتے ہوئے قیدی کو گھسیٹتے ہوئے لائے تھے، شاید انھوں نے اسے زیر کرنے کے بعد ٹھوکروں سے بُری طرح مارا تھا کیونکہ قیدی کو کسی پہلو چین نہیں مل رہا تھا اور اپنے جسم کی ہر جنبش کے ساتھ وہ مسلسل کراہ رہا تھا۔

"تمہارا تیسرا ساتھی کہاں ہے؟" میں نے گن بوٹ کے محافظوں سے مشفقانہ لہجے میں سوال کیا۔

"ہمارے پہنچنے تک وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔" ان میں سے ایک متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "اسلحہ چھوڑنے کے مطالبے پر مر

انھوں نے قریب سے فائر کرکے اس کی کھوپڑی اُڑا دی تھی۔"
"اور اس کے دونوں ساتھی؟"
"وہ مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے۔ ان کی لاشیں باہر پڑی ہوئی ہیں۔ یہ بہت مشکل سے قابو میں آیا تھا اس لیے ہم اس کے اذیت کے لمحات کو طول دینے کی نیت سے قیدی بنا کر یہاں لے آئے۔"
"تم گن بوٹ کے محافظ کو پہچانتے تھے؟" میں نے سرد لہجے میں قیدی سے سوال کیا اور اس نے اثبات میں سر ہلا کر مقتول سے اپنی شناسائی کا اعتراف کیا۔
"پھر اس کے مطالبے کو تسلیم کیوں نہیں کیا؟" میرا لہجہ سخت ہو گیا۔
"ہم آئی مین سے خود ملنا چاہتے تھے کیونکہ اس بیس اسٹیشن کی حفاظت ہماری ذمے داری تھی۔" اس نے اٹک اٹک کر جواب دیا۔ "ہم کسی کے کہنے پر اپنی ذمے داریوں سے غافل نہیں ہو سکتے تھے۔"
"اور اب کیا خیال ہے اپنی ذمے داریوں کے بارے میں؟" میں نے تلخ لہجے میں پوچھا۔
"ہم نے بدنیتی سے کام نہیں لیا۔" وہ کمزور مدافعانہ لہجے میں بولا۔ "جو کام ہمارے سپرد تھا، اسے حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کی اور طے شدہ طریقے سے انحراف نہیں کیا۔ اگر وہ ہمیں اسلحے سمیت اندر آنے دیتا تو ہم سلور آئی دیکھتے ہی اپنے ہتھیار آئی مین کے قدموں میں ڈال دیتے۔"
"یہ کیسے مان لیا جائے جبکہ ہاک نے سلور آئی دیکھ لینے کے باوجود تم لوگوں کے بل پر بغاوت کر دی تھی۔ اسے یقین تھا کہ تم لوگ آتے ہی اس کے حق میں بائنسالیٹ دو گے۔"
"یہ اس کی خام خیالی تھی۔" وہ کراہتے ہوئے بولا۔ "وہ ہمارا افسر ضرور تھا مگر ہماری وفاداریاں اس کے نہیں، شی کے ساتھ تھیں۔"
میں نے گن بوٹ کے ایک محافظ کو اشارہ کیا اور ہاک کے کمرے کی فضا تامی گن کی آواز سے گونج اٹھی۔ قیدی کا سینہ اور چہرہ بُری طرح چھلنی ہو گیا اور اس نیم جاں نے فوراً ہی جان دے دی۔ میرے نزدیک اسے زندہ رکھنا اپنا وقت برباد کرنے کے مترادف ہوتا کیونکہ وہ بہت نچلی سطح کا آدمی تھا اور اس سے کوئی ایسی بات معلوم ہونے کی امید نہیں تھی جو میری مہم کے لیے سود مند ثابت ہوتی۔ ویسے میری بنیادی حکمت عملی یہ تھی کہ گن بوٹ کے بیس اسٹیشن کی تباہی کے کسی بھی چشم دید گواہ کو زندہ نہ چھوڑا جائے تاکہ شی کے اعلیٰ عہدیداروں کو اپنے اصل حریف کا کوئی سراغ نہ ملے۔

اس اڈّے کی تباہی کا راز اسی وقت فاش ہو سکتا تھا جب شی والے باہر سے رابطہ قائم کرنے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد کوئی تفتیشی مہم ادھر روانہ کرتے جو کھنڈرات اور چند لاشیں دریافت کرکے واپس لوٹتی یا پھر آگ تمام چھپلیاں گرا کر واپس آنے والے اس تباہی کی اطلاعات سمیت اپنے کسی قریبی اڈّے سے رجوع کرتے۔
"اب ریڈیو روم کی ساری تنصیبات کو تباہ کر دو۔" میں نے زخمی محافظوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ وہاں سے اب بھی کوئی خطرناک سرکٹ آپریٹ ہونے کا امکان ہو۔ گن بوٹ کی واپسی سے قبل ہمیں خطرے کے ہر امکان کا سدِباب کرنا ہوگا۔" میں نے وہ تفصیل اس لیے بیان کی کہ وہ میرے فیصلے کے جواز کو بھی سمجھ لیں۔ بصورتِ دیگر ان کے ذہنوں میں شی سے میری وفاداری کے بارے میں سنگین شبہات جنم لے سکتے تھے۔
"اجازت ہو تو ریڈیو روم میں پٹرول پھیلا کر آگ لگا دیں؟" ایک محافظ نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔ "ایسا نہ ہو کہ توڑ پھوڑ میں کوئی اہم چیز تباہ ہونے سے رہ جائے۔"
"اس فیصلے پر میں خوش نہیں ہوں لیکن ہماری سلامتی کے لیے یہ ناگزیر ہے۔" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "جب تباہ کرنا ہی ہے تو آگ لگا دو۔ ہر چیز کو خاکستر کر دو۔"
سوال کرنے والے نے میرا شکریہ ادا کیا اور وہ دونوں ہاک کے کمرے سے نکل گئے۔
"اب تم بھی اٹھو ورنہ یوں ہی کوئلہ بن جاؤ گی۔" میں نے ایلی نور سے کہا۔
"میں اس وقت خود کو پھولوں سے بھی ہلکا محسوس کر رہی ہوں۔" اس نے خوابناک لہجے میں کہا۔ "تم کتنے اچھے ہو کہ میرا اتنا خیال رکھتے ہو۔ تمھاری بانہوں میں مجھے موت بھی آئی تو وہ بہت حسین ہوگی۔"
"اٹھو۔ میرا پٹرول کے شعلوں میں جل مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" میں نے جھلا کر کہا۔ "وہ دونوں پٹرول کے کنستروں کی تلاش میں گئے ہیں اور جلد ہی واپس لوٹیں گے۔"
"اور یہ تینوں لاشیں؟" اس نے اٹھتے ہوئے سوال کیا۔
"اپنے گناہوں کی چتا میں خود ہی جل جائیں گی۔" میں نے یہ کہتے ہوئے رائل سیلوٹ کی بوتل اٹھا لی جو ابھی نصف سے زیادہ بھری ہوئی تھی۔
"میں سب کچھ سُن اور دیکھ رہی تھی۔" وہ کمرے سے نکل کر راہداری میں میرے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے سرور آمیز لہجے میں بولی۔ "لیکن بولنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

تمہارا ہر فیصلہ اٹل اور بہت نپا تلا ہوتا ہے جس پر کسی حرف گیری کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ریڈیو روم کی تباہی کا فیصلہ تمہارے لیے تکلیف دہ لیکن ناگزیر تھا۔"

"آدمی کو بہت سی تکلیف دہ باتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "تمہارے سدا مسکراتے چہرے اور ملائی رو پہلے سراپا کے قرب کی آرزو ایڈمرل سمیت نہ جانے کس کس کے دل کی حسرت بنی رہی ہوگی لیکن گولیوں کی گھن گرج اور لاشوں کی موجودگی میں میرا دل تم سے گریزاں تھا... میں نے جو کچھ جتن کیے، وہ صرف تمہاری اشک شوئی کے لیے کیے کیونکہ تمہاری نیلی آنکھوں میں آنسو مجھ سے دیکھے نہیں گئے۔"

"تم عظیم آدمی ہو۔" وہ میرا بازو تھام کر بولی۔ "کاش میں کسی طرح تمہارے قریب رہ سکوں۔"

میں دل ہی دل میں سلطان شاہ کو یاد کر کے رہ گیا۔ غزالہ کا ملنا یا سامنے آنا تو بعد کا معاملہ تھا اس سے پہلے سلطان ہی گن بوٹ پر ایلی نور کو میرے قریب نہ پھٹکنے دیتا۔ وہ خوبصورت لڑکیوں کو میرے قریب دیکھ کر ہی بری طرح بھڑکتا تھا اور پھر ایلی نور تو غیر معمولی حد تک حسین لڑکی تھی۔

ہم دونوں راہداری عبور کر کے عمارت سے باہر نکلے تو دھند میں صبح کا ہلکا ہلکا اجالا سرایت کر چکا تھا۔ دھند بھی گہری نہیں تھی لہٰذا میں نے قرب و جوار کا جائزہ لیا تو دیوار سے ذرا دور گن بوٹ کے ایک محافظ کی بغیر سر کی لاش پڑی ہوئی نظر آگئی۔ وہ بے چارہ صحیح معنوں میں میرے حکم پر قربان ہوا تھا۔

"افسوس نہ کرو۔" ایلی نور نے میرے شانے سے چپکتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "یہ سب شطرنج کے بے بساط مہرے ہیں جنھیں بڑے مہروں کو بچانے کے لیے پٹنا ہی پڑتا ہے۔"

میں دونوں ہاتھ اوور کوٹ کی جیبوں میں ڈال کر واپس نکاسی کے راستے کی طرف ہو لیا جہاں دیوار کی اوٹ ہونے کی وجہ سے کاٹ دار ہواؤں کا اثر نہ ہونے کے برابر تھا۔

ہمیں وہاں زیادہ دیر نہیں رکنا پڑا۔ راہداری میں سے پٹرول کی تیز بو آ رہی تھی۔ پھر وہ دونوں ریڈیو روم سے نکاسی کے دروازے تک قالین پر کنستر سے پٹرول کی ایک لکیر بناتے ہوئے باہر آگئے۔ میری اور ان کی نگاہیں چار ہوئیں اور میں نے دیا سلائی جلا کر قالین کے سرے پر اچھال دی۔ سرے پر بہت زیادہ بھیگے ہوئے قالین نے بھق کی تیز آواز کے ساتھ آگ پکڑ لی اور شعلے پٹرول کی لکیر پر سفر کرتے ہوئے تیز رفتاری سے ریڈیو روم کی طرف بڑھنے لگے۔

شی کا ایک اور اہم اڈا میرے ہاتھوں ہولناک بربادی کا نشانہ بن چکا تھا۔ میں اپنی شدید خواہش کے باوجود وہاں اپنی کوئی شناخت چھوڑنے کی جرأت نہ کر سکا۔

میں شی کے بڑوں کو جتانا چاہتا تھا کہ ان کے ناقابلِ تصور وسائل کے باوجود مجھ جیسا تنہا اور بے مایہ انسان محض اپنے عزم کے سہارے کیسے ناقابلِ فراموش چرکے لگا رہا تھا لیکن میرا سراغ ملتے ہی وہ سمجھ لیتے کہ گن بوٹ میرے قبضے میں آچکی تھی اور وہ گن بوٹ کی تلاش میں اپنے سارے وسائل جھونک کر ہمیں کھلے سمندر میں کہیں بھی گھیر لیتے۔ جب کہ میرا نام سامنے نہ آنے پر کئی دن تک تو وہ اپنے دشمن کا تعین کرنے میں مصروف رہتے اور جب عمومی انداز میں گن بوٹ کی تلاش کی مہم کا آغاز کیا جاتا تو میں گن بوٹ سے اپنا کام لے کر دور نکل چکا ہوتا۔

ان دونوں نے عمارت میں پٹرول اتنی فراخدلی کے ساتھ پھیلایا تھا کہ آناً فاناً میں کئی کھڑکیوں سے ہولناک شعلے اٹھنے لگے اور فضا پر کثیف دھواں محیط ہونے لگا۔ پھر ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ عمارت کی ساری روشنیاں معدوم ہوگئیں غالباً بجلی کے تار جلنے کے باعث جنریٹر کو نقصان پہنچا تھا۔

عمارت کو بھڑکتے ہوئے شعلوں میں گھرا ہوا چھوڑ کر ہم پتھروں والی پگڈنڈی پر ہو لیے جس کے اختتام پر گن بوٹ ہماری منتظر تھی۔ مجھے ذاتی طور پر بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی لیکن وہ تینوں اداس تھے۔ ان کا ایک ساتھی اس خون آشام معرکے میں لقمۂ اجل بن گیا تھا اور ان کی تنظیم کا ایک اہم اڈا خود ان کے ہاتھوں برباد ہوگیا تھا۔

ہم چاروں پتھریلی پگڈنڈی طے کر کے گھاٹ پر پہنچے تو وہاں میدان صاف تھا۔ برتھ ویران پڑی ہوئی تھی اور گن بوٹ کا حدِ نظر تک کہیں پتا نہیں تھا۔

تشویش اور تجسس کے عالم میں ہم چاروں آنکھیں پھاڑتے ہوئے برتھ کے سرے تک آگئے جہاں آگے گہرا پانی ہلکورے لے رہا تھا لیکن دھند کم گہری ہونے کے باوجود نہ کہیں گن بوٹ کا ہیولا نظر آیا نہ اس کی کوئی روشنی دکھائی دی۔

"مقابلے کے دوران تیز روشنی کے ساتھ وقفے وقفے سے کئی زبردست دھماکے ہوئے تھے۔" اچانک ایک محافظ نے ہیجان آمیز لہجے میں بولنا شروع کر دیا۔ "کہیں ان لوگوں نے شکست سامنے دیکھ کر کسی خودکار نظام سے گن بوٹ کو غرق ہی نہ کر دیا ہو۔"

دھماکے کا سن کر مجھے بھی یہی شبہ ہوا تھا مگر اس وقت میں اپنی توجہ پل بھر کے لیے بھی کسی اور طرف مبذول نہیں کر سکتا تھا۔

دوسرے محافظ کی آواز پہ یک بیک تکان غالب آگئی تھی۔

"وہ دھماکے ہم نے کیے تھے۔" اس مرحلے پر ایلی نور بھی

خاموش نہ رہ سکی۔" دو میزائل آئی مین نے فائر کیے تھے اور دو میں نے۔ ہوسکتا ہے کہ میرا ہی فائر بھٹک کر گن بوٹ کو تباہ کرگیا ہو۔"

میں نے انھیں یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ میں نے چاروں دھماکوں کے بعد بذاتِ خود اولینی سے بات کی تھی اور اس وقت تک گن بوٹ محفوظ تھی۔ مجھے یہ بھی یاد تھا کہ کمنڈر کے خطرے کے پیشِ نظر اولینی نے گن بوٹ کو گھاٹ سے دور سمندر میں ہٹا لے جانے کی بات کی تھی لیکن فکر یہ تھی کہ اس وقت گن بوٹ کی کوئی روشنی بھی کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔

آخر میں نے سمندر کی طرف گھوم کر منہ پر دونوں ہتھیلیوں سے پیالہ سا بنا کر پھیپھڑوں کی پوری قوت سے اولینی کا نام لے کر پکارا اور میری آواز کی بازگشت دور تک گونجتی چلی گئی۔

چند ثانیوں تک فضا پر تجسس آمیز سکوت چھایا رہا پھر سمندر کی جانب سے میگا فون پر ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔" ادھر گھاٹ پر کون چیخ رہا ہے؟"

میرا اندازہ تھا کہ وہ آواز اولینی کی ہی تھی۔" آئی مین!" میں نے دوبارہ اسی طرح چیخ کر کہا۔

"شناخت کیا ہے؟" اندھیرے میں میگا فون پر سوال کیا گیا۔

"سلور آئی!" میں نے پھر چیخ کر جواب دیا۔" ادھر میدان صاف ہوگیا ہے۔"

"ہم فوراً پہنچتے ہیں۔" اس بار میگا فون پر بولنے والے کا لہجہ مؤدبانہ ہوگیا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ وہ لوگ موجود ہیں۔" ایلی نورا نے ایک گہرا سانس لے کر تشکر آمیز لہجے میں کہا۔" میں تو ڈر گئی تھی کہ کہیں گن بوٹ تہ نشین ہی نہ ہوگئی ہو۔"

اسی اثنا میں سمندر کے سینے پر کہر کی چادر میں کچھ روشنیاں جل اٹھیں۔ ان لوگوں نے گن بوٹ کی حفاظت کے لیے اسے ساحل سے ہٹا کر تمام روشنیاں گل کی ہوئی تھیں اس طرح کہر کی آڑ میں پوری گن بوٹ غائب ہوکر رہ گئی تھی۔

سمندر کی طرف سے آنے والی بھیگی بھیگی یخ بستہ ہوائیں گرم اونی لباس سے گزر کر ہڈیوں میں اترتی جارہی تھیں۔ میں نے اوورکوٹ کا کالر کھڑا کرکے گردن اس میں چھپائی ہوئی تھی لیکن ناک کا سرا سردی سے سُن ہوکر رہ گیا تھا۔ ایسے میں گن بوٹ کی واپسی کا انتظار بہت صبر آزما تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ گن بوٹ کے لیے وہ فاصلہ بہت مختصر تھا لیکن انجن اسٹارٹ کرکے لنگر اٹھانے سے برتھ پر لگنے تک وہی سارے مشینی تقاضے پورے ہونے لازمی تھے جو کسی بڑے بحری سفر کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے سردی کا احساس ہٹانے کے لیے یکے بعد دیگرے دو سگریٹیں ختم کیں لیکن سردی کی وجہ سے وہ سلسلہ بھی موقوف کرنا پڑگیا کیونکہ تمباکو نوشی کے لیے ایک ہاتھ اوورکوٹ کی جیب سے نکالے رکھنا ضروری تھا جس کی انگلیاں دو سگریٹوں کے خاتمے تک بری طرح اکڑ اکڑ کر رہ گئی تھیں۔

خدا خدا کرکے سمندر کے سینے پر روشنیوں نے حرکت کی اور چند منٹ بعد ہی بوٹ برتھ پر لنگر انداز ہونے کی پوزیشن میں آگئی۔

"لنگر نہ ڈالنا!" میں نے یہ توقع کرتے ہوئے کہ کوئی نہ کوئی عرشے پر موجود ہوگا' اونچی آواز میں کہا۔" ہمارے سوار ہوتے ہی سفر دوبارہ شروع کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے' سیڑھی اتاری جارہی ہے۔" عرشے پر سے اولینی کی آواز آئی۔ اس بار میگا فون استعمال نہیں کیا گیا۔" تمھارے ساتھ قیدیوں کی تعداد کتنی ہے؟"

"کوئی قیدی نہیں ہے بلکہ ہماری نفری میں بھی ایک کی کمی ہوگئی ہے۔"

"اللہ مرنے والے کی روح کو سکون عطا کرے۔" اولینی نے اونچی آواز میں کہا پھر فضا پر سکوت چھا گیا جس میں بس گن بوٹ کے انجن کی ہلکی ہلکی گونج رچی ہوئی تھی۔

سیڑھی لگتے ہی ہم چاروں حفظِ مراتب کا خیال کیے بغیر دیوانہ وار عرشے پر چڑھے تھے جہاں اولینی اور ریمبراں نے ہمارا استقبال کیا۔ وہ دونوں شاید بہت دیر سے عرشے پر موجود تھے' ان کے قریب ٹامی گنیں' رائفلیں' دوربینیں اور متعدد اقسام کے دستی بموں کا خاصا ذخیرہ موجود تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ اپنے ذہنوں میں کسی بڑے معرکے کا تصور لیے بیٹھے تھے جس کے رونما ہونے سے پہلے ہی قصہ نمٹ گیا۔

اولینی سیڑھی ہٹانے کے لیے عرشے پر ہی رکا رہا۔ محافظ اپنے کیبن کی طرف چلے گئے۔ ایلی نورا اور ریمبراں میرے ساتھ بڑھے تھے لیکن میں نے نرمی سے انھیں لوٹا دیا۔" دونوں محافظ میری طرح زخمی ہیں۔ انھیں مجھ سے زیادہ تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔ انھیں فرسٹ ایڈ دے کر میرے پاس آنا' میں اپنے کیبن میں ملوں گا۔"

وہ دونوں بے حیل و حجت واپس مڑ گئے اور میں اپنے کیبن کی طرف ہولیا جو کبھی شیلون کے تصرف میں ہوا کرتا تھا۔

کیبن کی گرم اور فرحت آمیز فضا میسر آتے ہی میں نے وزنی اوورکوٹ اتار پھینکا۔ سلطان شاہ بستر پر بیٹھا مسکرانے کی کوشش کررہا تھا لیکن اس کے بشرے سے گزرے ہوئے لمحات

کا تناؤ صاف ظاہر تھا۔ اس کی متجسس نگاہیں کسی امکانی ٹوٹ پھوٹ کی تلاش میں میرے بدن کا طواف کر رہی تھیں۔

"مجھے یوں نہ دیکھو، میں بالکل ٹھیک ہوں تمھارا کیا حال ہے؟" میں نے ہنستے ہوئے اس سے دریافت کیا۔

"نئے واقعات سے پیدا ہونے والا اعصابی تناؤ میرے حق میں مفید ثابت ہوا ہے۔" اس نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "میں بغیر سہارے کے کئی قدم چلنے کے قابل ہو چکا ہوں۔ بحالی کی یہی رفتار رہی تو اگلے دس بارہ گھنٹوں میں کیں بڑی حد تک نارمل ہو جاؤں گا۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کر آئے ہو؟"

"اڈا نیست و نابود ہو گیا، پانچ آدمی مارے گئے اور یہ سب اتنی خوش اسلوبی کے ساتھ ہوا کہ گن بوٹ والوں نے انھیں باغی سمجھ کر کارروائی کی ہے اور وہ پوری طرح میرے ساتھ ہیں۔ یوں سمجھو کہ ہم نے اپنے حق میں شی کے وہ تمام آدمی توڑ لیے ہیں جو گن بوٹ پر موجود ہیں۔"

"لیکن تم کب تک ان سے کام لے سکو گے؟"

"جی لائیڈ پر ہاتھ ڈالنے تک ان ہی پر تکیہ کرنا ہو گا۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "لیکن گن بوٹ زیادہ دیر تک ہمارا ساتھ نہ دے سکے گی، اس سے جلد از جلد پیچھا چھڑانا ہو گا۔"

"کیا گن بوٹ کو بھی کچھ نقصان پہنچا ہے؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"گن بوٹ بالکل صحیح سالم ہے لیکن شی والے اپنے بحری اڈے کی تباہی کا معاملہ حل کرنے کے لیے اب گن بوٹ کی تلاش پر توجہ مرکوز کریں گے۔ کھلے سمندروں یا بین الاقوامی بندرگاہوں میں ہم زیادہ دن تک اس دیو ہیکل بوٹ کو نہ چھپا سکیں گے۔"

"تو پھر کیا کرو گے؟ اپنے ان آدمیوں سمیت ہم کو کسی قریب ترین بندرگاہ پر اتر جانا چاہیے۔ گن بوٹ شی والوں کو لاوارث حالت میں ملے گی تو ان کی مہم زیادہ زور نہیں پکڑ سکے گی۔"

"میرے ذہن میں کوئی اور ہی منصوبہ پروان چڑھ رہا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں انھیں گن بوٹ کے بارے میں بھی ایسی زک پہنچاؤں گا کہ یہ مدتوں اپنے زخم چاٹتے رہیں گے۔"

"کیا کوئی خاص بات ہے ذہن میں؟" اس نے سوال کیا۔

"ابھی ایک مبہم سا خاکہ ہے۔ جب تک اولینی وغیرہ سے بات نہ کر لوں، کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"پھر بھی کچھ تو بتاؤ۔" اس نے اصرار کیا لیکن میرے جواب دینے سے پیشتر ہی دروازے پر دستک ہوئی اور ریمبراں مجھ سے اجازت ملتے ہی اندر آ گیا۔ اس کے پیچھے ایلی نور بھی موجود تھی۔

"وہ دونوں خیریت سے ہیں۔" ریمبراں نے آتے ہی زخمی محافظوں کے بارے میں رپورٹ دی۔ "سطحی زخم خاصے آئے ہیں لیکن وہ جلد ہی مندمل ہو جائیں گے۔ ان کی کارکردگی اور نقل و حرکت پر بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا۔"

"ہم اس گرداب سے بچ نکلے۔" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ "لیکن ہم ابھی تک خطرات سے دوچار ہیں۔ اپنے لوگوں سے ہمارا رابطہ ٹوٹا ہوا ہے۔ جب تک یہ رابطہ بحال نہ ہو جائے، ہم لوگوں کو غیر معمولی یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ٹیم کی طرح کام کرنا ہو گا اور آپس میں مشاورت کرنا ہو گی۔"

"باک اور اس کے ساتھیوں کے رویے پر ہم حیران ہیں۔" ریمبراں نے شرمسار لہجے میں کہا۔ "وہ یقینی طور پر دشمن کے آدمی تھے ورنہ آئی مین کے حکم پر انھیں اپنی گردنیں خود کاٹ لینا چاہیے تھیں۔ میرا خیال ہے کہ گن بوٹ کے عملے نے تمھیں مایوس نہیں کیا بلکہ پوری قوت اور صلاحیت کے ساتھ تمھارے ساتھ تعاون کیا ہے۔"

"اسی وجہ سے میں نے ٹیم کا ذکر کیا ہے۔ میں تم سب کا سربراہ ضرور ہوں لیکن موجودہ حالات میں تم میں سے ہر ایک مجھے آزادانہ طور پر مشورے دے سکتا ہے جو مناسب ہوئے تو ضرور قبول کیے جائیں گے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "چیف گن بوٹ چلا رہا ہے، ایک محافظ نے ایلی نور کی جگہ لی ہوئی ہے، باقی دو زخمی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت اولینی بھی یہاں آ جائے تو ہم مستقبل کے خطرات اور امکانات پر کھل کر گفتگو کر سکیں گے۔"

"وہ ریڈیو روم میں جا چکا ہے۔" ایلی نور بولی۔

"اُسے بلا لو وہاں سے۔" میں نے کہا۔ "ریڈیو روم میں کیا رکھا ہے اب تو پورا سفر چیف نیوی گیٹر کی صوابدید پر ہی طے ہو گا۔ ہم نے کہیں بھی رابطہ قائم کیا تو مسائل جنم لینے لگیں گے۔"

ایلی نور انٹرکام پر اولینی کو پیغام دے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ میرے اشارے پر ریمبراں نے بھی نشست سنبھال لی اور میں اُٹھ کر اپنے لیے رائل سیلوٹ کا گلاس تیار کرنے لگا۔

اولینی نے کیبن میں آ کر اپنی نشست سنبھالی تو میں نے ایک مرتبہ پھر اپنی باتیں دُہرائیں اور خاموش ہو کر اسکاچ سے اپنے لب تر کرنے لگا۔

"تم نے ہر ایک کے ذہن کو پڑھ لیا ہے۔" اولینی بولا۔ "ہم میں سے ہر شخص یہی سوچ رہا ہے اور تمھارے احکام پر اندھا دھند عمل کرنے کے باوجود خطرات کی طرف سے پریشان ہے۔ پہلے ہمارا خیال تھا کہ بحری اڈے پر ایک آدھ کالی بھیڑ ہو گی جسے تم آسانی کے ساتھ پکڑ لو گے مگر وہاں تو پورا گروپ ہی باغی تھا۔"

"مجھے بھی وہاں پہنچ کر ہی معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔ پہلے گمان ہوتا تو شاید میں کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتا لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔"

"باغیوں کی پشت پناہی کرنے والے ہاتھ بہت مضبوط معلوم ہوتے ہیں۔" اولینی ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ چھٹی منانے جانے والوں میں بھی ہاک کا کوئی نہ کوئی ہمدرد ہوگا جو اس تباہی کی اطلاع اپنے آقاؤں کو پہنچا دے گا اور ان کے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہوگا کہ اس واقعہ کے ذمہ دار گن بوٹ والے ہیں۔ ہمارے پاس زیادہ سے زیادہ آج ہی کی مہلت ہے کیونکہ کھلے سمندر میں گن بوٹ ایک جزیرے کی مانند ہوگی۔ کسی دشمن نے ہمیں بھانپ لیا تو ہمارے لیے ہتھیار ڈالنے یا لڑتے ہوئے مر جانے کے علاوہ کوئی تیسرا باعزت راستہ نہیں ہوگا۔"

"اور میں اسی کے بارے میں فکرمند ہوں۔" میں نے کہا۔

"جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، ہمارے لیے گن بوٹ سب سے زیادہ پریشانی کا سبب بنی ہوئی ہے کیونکہ ہمارے دشمن اسے پہچانتے ہیں۔" ریبران آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولا۔ "اگر گن بوٹ سے گلوخلاصی ہو جائے تو ہم سب سکون کا سانس لے سکیں گے۔"

"ہونہہ!" ایلی نور منہ بنا کر بولی۔ "بریسٹ سے نکلنے کے بعد ہم فرانس کے مغربی ساحل سے اسپین کے شمالی ساحل تک کہیں بھی گن بوٹ چھوڑ کر بڑی آسانی کے ساتھ مقامی آبادی میں روپوش ہو سکتے ہیں۔"

"بحری اڈے کی تباہی شی کی تاریخ کا ایک افسوسناک واقعہ ہے۔" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "لیکن وہ تباہی وسیع تر مفادات کے لیے ناگزیر ہو گئی تھی، اس لیے مجھے وہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ لیکن میں گن بوٹ کو نہیں کھو سکتا۔ یہ شی کا ایک بیش قیمت امانت ہے۔ اس فیصلے کے بجائے میں اپنی سلور تھی اپنے بڑوں کو واپس کرنے کو ترجیح دوں گا۔"

چند ثانیوں کے لیے سب کو سانپ سونگھ گیا۔ میرے پُرزور الفاظ سن کر انھیں احساس ہوا کہ گن بوٹ کوئی معمولی کشتی نہیں تھی جسے آسانی کے ساتھ بھلایا جا سکے۔ وہ یقیناً ایک بیش قیمت جنگی کشتی تھی جو اپنے خصوصی ڈیزائن اور فائر پاور کی وجہ سے شی کے بحری مفادات کے تحفظ میں کلیدی کردار ادا کرتی تھی۔

"دشمن بہت مکار اور بارسوخ ہے۔" اولینی نے ہی آخرکار سکوت توڑا۔ "جب تک اس کا سر نہ کچلا جائے گن بوٹ پر تباہی کے اندیشے منڈلاتے رہیں گے... میرے ذہن میں ماضی کے حوالے سے ایک تجویز جنم لے رہی ہے جو پتا نہیں موجودہ حالات میں قابلِ قبول ہوگی یا نہیں۔"

"کھل کر بات کرو۔" میں نے اسے ٹوکا۔ "میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہر معقول بات مانی جائے گی۔"

"فلسطینیوں کے ابوالبحر گروپ کے کچھ ممتاز لوگوں سے میرے ذاتی مراسم ہیں۔" اولینی نے جھجکتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔ "انھیں کئی بڑے ملکوں سے خطیر مالی امداد ملتی ہے جس کے سہارے وہ مقبوضہ علاقوں میں اسرائیل کے خلاف مہلک چھاپہ مار کارروائیاں کرتے رہتے ہیں..."

"بات مختصر کرو اولینی۔" میں نے اپنے وجود میں ابھرنے والے تجسس اور اضطراب سے مجبور ہو کر کہا۔

"اوہ! شاید میں بہک رہا تھا۔" وہ سنبھل کر بولا۔ "دراصل اپنی احمقانہ تجویز دہرانے سے پہلے میں ابوالبحر والوں کی مالی حیثیت کی وضاحت کرنا چاہ رہا تھا۔ ان کے ایک ممتاز لیڈر نے آج سے کئی ماہ پہلے مجھے گن بوٹ کے بارے میں کھلی پیشکش کی تھی۔ اسے میرے پیشے کا علم نہیں تھا لیکن میں اسے گن بوٹ کی خفیہ جنگی صلاحیتوں کے بارے میں بتا چکا تھا۔ اس وقت وہ لوگ گن بوٹ کی منہ مانگی قیمت دینے پر آمادہ تھے۔"

"یعنی تمھارا مطلب ہے کہ تم آج بھی گن بوٹ ان کو فروخت کر سکتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"میرا خیال یہی ہے۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔ "اسلحہ اور ہتھیاروں کی کھلی منڈیوں میں خالد کو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے کیونکہ وہ کھرے کھرے لاکھوں ڈالر کے سودے کرتا ہے اور اس کا دیا ہوا کوئی چیک آج تک واپس نہیں لوٹایا گیا۔ میری اسی سے دوستی ہے اور اسے کوئی لمبی مہم درپیش نہ ہو تو وہ عموماً پیرس کے شبینہ ہوٹلوں اور کلبوں میں ملتا ہے۔"

"تجویز قابلِ غور ہے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "گن بوٹ کے پیسے سیدھے کر کے ہم اپنی بلاؤں کے سر منڈھ سکتے ہیں لیکن قانونی طور پر تو شاید ہم میں سے کوئی بھی گن بوٹ کی فروخت کی دستاویز پر دستخط کرنے کا مجاز نہیں ہے۔"

"یہی تو دلچسپ بات ہے۔" اولینی بولا۔ "اس وقت بھی اس نے مجھے یہی پیشکش کی تھی کہ میں رقم لے کر جنوبی امریکا کے کسی گمنام گوشے میں روپوش ہو جاؤں۔ پھر گن بوٹ پر اپنا قبضہ برقرار رکھنا اور قانونی موشگافیوں سے بچنا اس کے ذمے ہوتا۔ دراصل ان لوگوں کی سیاسی قوت بھی ہے جس کے بل پر وہ بہت کچھ کر گزرتے ہیں۔"

"میرے خیال میں یہ صورت سب سے بہتر ہوگی۔" میں

...ے کہا۔" گن بوٹ کے پیسے کھرے کرکے ہم خاموشی کے ساتھ ...ی کے لیے کوئی دوسرا اثاثے خرید سکتے ہیں۔"

"میں ڈر رہا تھا کہ کہیں اس تجویز پہ میرا مضحکہ نہ اڑایا جائے۔" ...لینی ایک گہرا سانس لے کر بولا۔" اس وقت خود مجھے بھی خالد ...ی تجویز پہ ہنسی آئی تھی کہ بھلا ایسے سودے کہاں اور کیسے ہو سکتے ...ہیں لیکن اب تمہاری حوصلہ افزائی کی بنا پر میں گن بوٹ تو کیا ...رانس کی پوری بحریہ کا بھی سودا کر سکتا ہوں۔"

"آئی مین جس کی پشت پناہ ہو اس کا دنیا کی کوئی طاقت ...بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔" ریمبراں نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"خالد سے ملاقات کی سہل ترین صورت کیا ہو سکتی ہے؟" ...میں نے اولینی کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا۔

اولینی نے میری نظروں کی تاب نہ لا کر نگاہیں جھکا لیں۔ "پیرس جانا طوالت کا باعث بنے گا۔ میں ریڈیو فون پر ہی اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔"

"صبح ہو چکی ہے اب تو پیرس کی تمام شبینہ محفلیں دم توڑ چکی ہوں گی۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔" اسے کہاں تلاش کرو گے؟"

"میں اس کے چند ٹھکانوں سے واقف ہوں لیکن یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت وہ کہاں ہوگا۔ بہر حال اپنی سی کوشش تو کر ہی سکتا ہوں۔"

"جاؤ، میں بے چینی سے نتیجے کا انتظار کروں گا۔" میرا اشارہ پاتے ہی وہ پھرتی کے ساتھ کیبن سے چلا گیا۔

تیزی سے پیش آنے والے واقعات کے نتیجے میں مجھ میں اتنی خود اعتمادی پیدا ہو گئی تھی کہ اس وقت تک میں یہ فراموش کر چکا تھا کہ میں نے خود کو ان پر زبردستی مسلط کیا ہوا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں واقعی کشتی کا آئی مین ہوں اور وہ سب میرے محکوم۔

میں نے انٹرکام پر چیف نیوی گیٹر سے گن بوٹ کی پوزیشن دریافت کی تو پتا چلا کہ ہم خفیہ آبی درے سے گزر چکے تھے جو دھماکوں کے باعث چند بڑی بڑی ساحلی چٹانیں ٹوٹنے کی وجہ سے کافی کشادہ ہو گیا تھا اور دور ہی سے واضح طور پر نظر آنے لگا تھا۔

"اگلے فیصلے تک ہمیں ساحل سے قریب رہ کر محفوظ بحری پٹی پر سفر جاری رکھنا ہے۔" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔" ہو سکتا ہے کہ ہمیں کہیں ہنگامی طور پر لنگر انداز ہونا پڑے۔ ویسے اب قریب ترین گھاٹ کتنے فاصلے پر ہے؟"

"پورا ہی ساحل کشتی رانی کے شوقینوں کے لیے بنے ہوئے گھاٹوں سے بھرا ہوا ہے۔" اس کی خشک اور بھاری آواز سنائی دی۔" اس طرف کبھی جانے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن سمندر کی ساخت اور اپنے تجربے کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ ہم کہیں بھی آسانی کے ساتھ ساحل تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"ان معاملات میں مجھے کوئی تجربہ نہیں لیکن زیرِ آب چٹانوں کی ہلاکت خیزی کے بارے میں بہت کچھ پڑھ اور سن چکا ہوں۔ نئے اور غیر روایتی راستوں پر ایسی چٹانیں عموماً انسانی جان کی بھینٹ لیتی رہتی ہیں۔"

"سمندر اناڑیوں کو نگل جاتا ہے اور کھلاڑیوں کو اپنے سینے پر تیراتا ہے۔ میری ساری عمر سمندروں میں گزری ہے۔ یہ علاقہ ایسی خونی چٹانوں سے بالکل محفوظ ہے۔"

"ٹھیک ہے، مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔" یہ کہہ کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"میں بھی جاؤں؟" میرے فارغ ہوتے ہی ریمبراں نے سوال کیا۔

"کہاں جاؤ گے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا اور وہ گڑبڑا گیا۔

"اولینی کا ہاتھ بٹاؤں گا۔" وہ بلا سوچے سمجھے بول پڑا۔ "تنہائی میں وہ بہتیرے غلط کام کر گزرتا ہے۔" اس کے جواب پر میں بمشکل اپنی ہنسی ضبط کر سکا اور وہ میرا اشارہ پاتے ہی وہاں سے چلا گیا۔

"یہ خاتون یہاں کیا کر رہی ہے؟" میدان صاف ہوتے ہی سلطان شاہ نے اردو میں سوال کیا۔" اس کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ مجھے زہر لگتی ہے۔"

"ایسی مٹھاس کو زہر کب سے سمجھنے لگے ہو؟" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

"غلطی سے چکھ لوں تو شاید میں بھی مٹھاس کا قائل ہو جاؤں ورنہ مجھے تو اس کی مسکراہٹ میں دنیا کے سارے مردوں کے لیے چیلنج پنہاں نظر آتا ہے۔" سلطان شاہ چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اور اس کی نیلی آنکھوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے اسے چھیڑا۔

"شکار پر جھپٹنے والی بلی کی آنکھوں کی طرح چمکتی رہتی ہیں۔" وہ بلند آواز میں بڑبڑایا۔" پتا نہیں گن بوٹ پر مردوں کی بھیڑ میں اسے کیوں رکھا گیا ہے۔"

"عورت کیسی بھی ہو اسے دیکھ کر جو اں دلوں میں زندہ رہنے

کی امنگ پیدا ہوتی ہے۔" میں نے اُسے چڑانے کی نیت سے ہنستے ہوئے کہا: "کہو تو اس سے تمہاری پنڈلیوں پر شہد کی مالش کرا دوں، تھوڑی ہی دیر میں ہرن کی طرح عرشے پر قلانچیں بھرنے لگو گے۔"

"مجھے معاف رکھو۔" وہ اپنے دونوں کانوں کو چھو کر بولا۔ "اس کے چھوتے ہی میری پنڈلیوں پر فالج کا اثر ہو جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تم کو بھی دانہ ڈال رہی ہے۔"

"دانہ نادانوں کو ڈالا جاتا ہے اور میں اب اتنا نادان نہیں ہوں۔ چاہو تو میں اسے تم سے شادی پر آمادہ کر سکتا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے معاف رکھو۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "ہم لوگ عورتوں کے پیچھے منڈلانے کو کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ ان کی نازبرداریاں تم ہی کر سکتے ہو، جب ہی سب تمھیں ٹکراتی ہیں۔ میرے مُنہ کوئی نہیں لگتی۔"

"فکر نہ کرو، آج تمہارے مُنہ بھی لگوا دوں گا، حسرتیں پوری ہو جائیں گی۔" میں نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا اور اس نے یوں بُرا سا مُنہ بنا لیا جیسے اچانک اس کے دانتوں میں کوئی کڑوی کسیلی چیز آگئی ہو۔

"اگر تم دونوں کو خلوت درکار ہو تو میں باہر جا سکتی ہوں۔" ایلی نور نے کھنکار کر آہستہ سے کہا۔ میں نے معنی خیز نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا، پھر ایلی نور سے کہا: "خلوت تمہارے ساتھ تو ہو سکتی ہے، اس مردود کے ساتھ نہیں۔ اس پر ہر وقت وعظ و تلقین کا شوق سوار رہتا ہے۔ اس کا بس چلے تو تمھیں اسی وقت سمندر میں پھنکوا دے۔"

میرے الفاظ پر ایلی نور کا مسکراتا ہوا، سدا بہار چہرہ کچھ اور کھل اُٹھا: "صورت سے ہی خونخوار اور تند خو نظر آتا ہے۔ سچ پوچھو تو میں نے اپنی زندگی میں جو چند خوف آور مردانہ چہرے دیکھے ہیں، یہ اُن میں سرِفہرست ہے۔"

"ایسی خشک باتیں کر رہا ہے جیسے اپنی ماں کی کوکھ کے بجائے پہاڑ کے انڈے سے پیدا ہوا ہو۔" میں نے نرم لہجے میں کہا: "لیکن اس کے باوجود مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔"

"میں زیادہ گاڑھی انگریزی نہیں سمجھ سکتا لیکن یہ سمجھ رہا ہوں کہ تم اس کے ساتھ مل کر میرا مضحکہ اُڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔" سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی متاسفانہ آواز میں کہا: "لیکن تم لکھ کر رکھ لو کہ یہ ساری حسین تتلیاں آہستہ آہستہ اُڑ جائیں گی اور آخر میں صرف میں تمہارے ساتھ رہ جاؤں گا۔"

"جب ہاتھ میں جنبش اور گھٹنوں میں دم باقی نہ رہے تو سب اکیلے رہ جاتے ہیں، میں تمہارے ساتھ مل کر عبادت کیا کروں گا۔ لیکن یہ خیال دل سے نکال دو کہ میں تمہارا مضحکہ اڑا رہا ہوں۔ دراصل میں اس لڑکی سے مراسم بڑھا رہا ہوں کیونکہ یہ اگلے چند روز میں ہمیں جمی لائیڈ کے کسی ٹھکانے تک لے جانے والی ہے۔"

"تم نے کہا تھا کہ ایلی نور کے ذریعے جمی لائیڈ تک رسائی کے منصوبے پر بریسٹ سے واپسی پر غور کرو گے تو اس بارے میں کیا سوچا ہے؟" جمی لائیڈ کا ذکر آتے ہی وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"بریسٹ میں جو کچھ ہوا ابھی تک اس کے اثرات اعصاب پر باقی ہیں۔ پھر گن بوٹ سے گلو خلاصی کی فکر بھی ذہن پر سوار ہو گئی ہے۔ ان مسائل کے حل کے بعد ہی کچھ سوچا جا سکے گا۔" میں نے کہا۔

"اولینی اور ریمبراں کو کہاں بھیجا ہے تم نے؟" اُس نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا اور میں اُسے گن بوٹ کی غیر قانونی فروخت کے فوری امکانات سے آگاہ کرنے لگا۔

دن طلوع ہو چکا تھا۔ فضا میں پوری طرح اجالا پھیلا ہوا تھا لیکن سورج نقرئی اور سرمئی بادلوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا جس کی وجہ سے سردی کا احساس بڑھ گیا تھا۔ اس وقت تک میں کئی بار عرشے پر آکر دوربین سے سمندر کا دُور تک کا جائزہ لے چکا تھا لیکن وہاں تاحدِ نظر گن بوٹ کے علاوہ کوئی چیز متلاطم سمندر کے سینے پر موجود نہیں تھی۔

اس وقت گن بوٹ بہت سست روی کے ساتھ جنوب مشرق کی طرف فرانسیسی ساحل کے متوازی سفر کر رہی تھی۔ ہماری بائیں سمت پر کافی دُور ساحلی پٹی نظر آ رہی تھی اور بقیہ تین اطراف میں جھاگ اُڑاتا یخ بستہ پانی ہی پانی تھا جو موج در موج ساحل کی طرف لپکا جا رہا تھا۔

میرے اضطراب کا سبب یہ تھا کہ اولینی کافی دیر کی کوششوں کے بعد پیرس کی ایک کال گرل کے فلیٹ پر سوئے ہوئے خالد کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ پہلے تو وہ لڑکی خالد کو بیدار کرنے پر آمادہ نہیں ہوئی لیکن اُسے اولینی کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اولینی نے رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد جب خالد کی پرانی پیشکش کے حوالے سے بات آگے بڑھائی تو اس کی نیند کا سارا خمار کافور ہو گیا کیونکہ وہ اس وقت بھی گن بوٹ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

اس کی دلچسپی بھانپتے ہی اولینی نے اُسے فوری طور پر مل بیٹھنے کا مشورہ دیا تھا جو خالد نے بڑے شوق سے قبول کر لیا۔ پہلے اس نے پیرس میں ہی ملنا چاہا تھا لیکن جب اولینی نے اُسے

بتایا کہ وہ گن بوٹ سمیت خلیج بنگال میں موجود ہے اور فوری طور پر سودا طے کرکے گن بوٹ ڈلیور کرنے پر آمادہ ہے تو خالد وہیں سمندر میں پہنچنے پر تیار ہو گیا۔

وہ ایک چھاپا مار جنگجو تھا اور ہر قسم کے حالات میں کام کرنے کا عادی تھا لہٰذا اس نے پیرس سے گن بوٹ تک پہنچنے کے لیے تین گھنٹے کی مہلت مانگی تھی۔ اس مدت کے بعد ہمیں نان تیس نامی گودی کے قرب وجوار میں اس کا انتظار کرنا تھا۔ خالد کا دیا ہوا وقت تقریباً گزر چکا تھا اور ہم نان تیس سے چند ناٹ آگے نکل آئے تھے، اسی لیے گن بوٹ کی رفتار بہت دھیمی کر دی گئی تھی اور میں بار بار عرشے پر آکر سمندر کا جائزہ لے رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ خالد نان تیس سے کرائے کی کسی لانچ کے ذریعے ہی گن بوٹ تک آئے گا اور سودا ہو جانے کی صورت میں اسی گودی میں گن بوٹ کی ڈلیوری لینا پسند کرے گا تاکہ ہمارے عملے کی چھٹی کے بعد وہاں سے اپنی مرضی کا عملہ بھرتی کرکے گن بوٹ کو نئی منزل کی طرف روانہ کر سکے۔

میں چوتھی بار گرد و پیش کا جائزہ لینے کے بعد عرشے سے نیچے اتر رہا تھا کہ اچانک فضا میں کسی انجن کی بھاری گونج سنائی دی جو تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے نیم فوجی ساخت کا ایک بھاری ہیلی کاپٹر گن بوٹ پر پُرشور آواز میں نیچی پرواز کرتا ہوا آگے نکلتا چلا گیا۔

میں تیزی کے ساتھ واپس عرشے پر آیا، اولینی اور ریمبراں نے بھی میری تقلید کی۔ اس وقت ہم تینوں ہی مسلح تھے کیونکہ ہمیں خالد کے انتظار کے ساتھ ہی ہر لمحے دشمن کی طرف سے مداخلت کا دھڑکا بھی لگا ہوا تھا۔

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" میں نے دور سے دائرے کی صورت میں واپس آتے ہوئے ہیلی کاپٹر پر نظریں جما کر تشویش زدہ لہجے میں کسی کو مخاطب کیے بغیر کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ خالد ہی ہو... کوئی اور ہوتا تو پرواز اس قدر نیچی نہ ہوتی۔" اولینی بولا۔

"بہر حال رائفل سنبھال کر ہوشیار رہو۔" میں نے وسوسوں کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے کہا۔ "ہمیں پوری طرح چوکنا رہنا ہوگا۔ وہ ہمارے حریف کے آدمی ہوئے تو بازی وہی جیتے گا، جو وار میں پہل کر جائے گا۔"

"کاش میں نے خالد سے پوچھ لیا ہوتا کہ وہ گن بوٹ تک کیسے پہنچے گا۔ کم از کم اس وقت کے اعصابی تناؤ سے تو نجات مل سکتی تھی۔" اولینی کا لہجہ ندامت آمیز تھا۔

ہیلی کاپٹر ایک طویل چکر کاٹ کر دوبارہ گن بوٹ کی طرف پرواز کرتا ہوا آیا تو اس کے پیچھے سفید کپڑے کی ایک لمبی سی پٹی ہوا میں پھڑپھڑا رہی تھی جو واضح طور پر آنے والوں کی طرف سے دوستی کے پیغام کی علامت تھی، جواب میں اولینی نے اضطراری طور پر رائفل عرشے پر ڈال کر اپنے دونوں ہاتھ فضا میں تیزی سے لہرانا شروع کر دیے۔

شاید اس کی حرکت دیکھ لی گئی کیونکہ سفید علامتی پرچم ہیلی کاپٹر سے جدا ہو کر تیز ہوا میں اڑتا ہوا سمندر میں جا گرا۔ اسی کے ساتھ ہیلی کاپٹر اچانک اوپر اٹھنا شروع ہوا اور اس کی افقی رفتار یک بیک دھیمی ہو گئی، عین گن بوٹ کے اوپر آکر ہیلی کاپٹر فضا میں معلق ہو گیا، اس کے پنکھوں کا شور اور ان سے پیدا ہونے والا ہوا کا دباؤ وحشتناک تھا لیکن ان نازک لمحات میں ہم عرشہ چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے۔

ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ہیلی کاپٹر کے دروازے سے ایک لمبی رسی فضا میں اچھالی گئی اور پھر ایک جوان سال گورا چٹا آدمی اس رسی کے سہارے تیزی سے پھسلتا ہوا نیچے آنے لگا۔ اس کی مہارت اور بے خوفی قابلِ دید تھی، آناً فاناً میں وہ دبلا پتلا فلسطینی نوجوان رسی چھوڑ کر عرشے پر کود چکا تھا، رسی اوپر کھینچی جانے لگی تھی اور ہیلی کاپٹر ایک تیز ہچکولا لے کر تیزی کے ساتھ ساحل کی طرف پرواز کرتا چلا گیا تھا۔

فلسطینی نوجوان، اولینی کو پہچان کر پُرجوش انداز میں اس کی طرف لپکا اور اس سے بغل گیر ہو کر خالص عربی انداز میں اس کا رخسار چوم لیا، وہ دونوں بیک وقت ایک دوسرے کی مزاج پرسی کرتے ہوئے الگ ہوئے تو اولینی نے باری باری خالد کا ہم سے تعارف کرایا، وہ آئی مین کے علاوہ میرے کسی نام سے واقف نہیں تھا لہٰذا میں نے خود ہی اپنا نام ڈیوڈ بتا دیا۔

"تم یہودی تو نہیں ہو؟" خالد نے میرا نام سنتے ہی چونک کر بے خوف لہجے میں سوال کیا۔ اس کے انداز سے بالکل بھی ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ سمندر کے بیچ میں کچھ ایسے مسلح اجنبیوں کے درمیان موجود تھا جن کے مزاج اور مذہب سے وہ سراسر لاعلم تھا اور جو کسی بھی بات پر جاتے تو اس کے لہو کے پیاسے ہو سکتے تھے۔

"یہودی ہی ہوں۔" میں نے اسے آزمانے کی نیت سے مسکراتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟"

"صرف اتنا کہ مجھے تھوڑا سا محتاط رہنا ہوگا۔" وہ بے پروائی سے بولا۔ "میں فلسطینی ہوں اور اسرائیل کی وجہ سے یہودیوں کے بارے میں ہماری رائے کچھ اچھی نہیں ہے ورنہ یہودی بھی ہمارے لیے محترم اور اہلِ کتاب ہیں۔"

"محتاط کیسے رہو گے؟ تم تو شاید مسلح بھی نہیں ہو۔" میں نے اپنی ہیم گن انگلیوں کے درمیان نچاتے ہوئے سوال کیا۔

"اسے جیب میں رکھ لو ڈیوڈ!" وہ ناصحانہ لہجے میں بولا۔ "میں ایک دوست کی دعوت پر یہاں آیا ہوں، اس لیے غیر مسلح ہوں ورنہ بستر پر

بھی اسلحہ ہمارے جسموں سے جدا نہیں ہوتا ـــــ ہماری نسلوں کو جہاد کرتے ہوئے نصف صدی ہونے والی ہے ہم موت سے نہیں ڈرتے، مکاری سے گھبراتے ہیں...... مجھے تم سے کوئی اندیشہ نہیں لیکن سودے بازی میں مجھے تمہاری مکاری سے ہوشیار رہنا پڑے گا۔"

"بہت دلیر ہو۔" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

"خوف صرف موت کا ہوتا ہے اور ہم روز موت کے منہ میں ہاتھ ڈال کر اپنے لیے نئی زندگی حاصل کرتے ہیں پھر دلیر کیوں نہ ہوں گے"

"میں سب کی نہیں صرف تمہاری بات کر رہا ہوں۔" میں نے عرشے سے نیچے جانے والے زینوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"میرے بجائے اب گن بوٹ کی بات کرو۔" اس نے خوش دلی کے ساتھ موضوع تبدیل کر دیا۔ "میرے پاس وقت کم ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ سودا تم ہی سے کرنا ہوگا۔"

"یہ کیسے سمجھ لیا تم نے؟" میں نے سیڑھیاں اترتے ہوئے دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔

"تم بول رہے ہو اور دوسرے خاموش ہیں۔ یہی ایک بات تمہیں ان میں ممتاز کرنے کے لیے کافی ہے۔" اس نے بلاتوقف میری بات کا جواب دیا تھا۔ "میری عمر پر نہ جاؤ، میں نے ہر روز برسوں کی زندگی کا تجربہ حاصل کیا ہے اور پورے یقین کے ساتھ اڑتی ہوئی چڑیا کے پر تک گن سکتا ہوں۔"

میں نے سمجھ لیا کہ میرا واسطہ کسی کمزور آدمی سے نہیں تھا۔ اس کے بعد میرے کیبن میں داخل ہونے تک سب خاموش ہی رہے تھے کیبن میں ایلی نور کسی بات پر سلطان شاہ سے الجھ رہی تھی لیکن ہمیں دیکھتے ہی فوراً خاموش ہو گئی۔

"میں نے سنا ہے کہ تم گن بوٹ حاصل کرنے کے خواہاں ہو؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے خالد سے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"مل جائے تو اچھا ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "کیا مانگتے ہو اس کا؟"

"یہ کسی طرح آٹھ دس لاکھ ڈالر سے کم مالیت کی نہیں ہوگی۔" میں نے کاروباری انداز میں کہا۔ "ریڈار، باربیٹ گن، آٹو سرچ سسٹم اور دوسری خوبیاں گنوانا بے سود ہے یہ باتیں تم جانتے ہی ہو۔"

وہ ہنس پڑا۔ "اس کی مارکیٹ ویلیو تو شاید اس سے بھی زیادہ ہو لیکن یہ نہ بھولو کہ تم گن بوٹ مجھے قانونی حقوق کے ساتھ نہیں بیچ رہے، یہ تو چوری کے مال کا سودا ہے، جو مل جائے غنیمت ہوگا۔"

"پھر تم کیا دیتے ہو؟" میں نے اس کائیاں نوجوان سے بحث کو بے سود سمجھتے ہوئے کہا۔

"میری آفر لینے سے پہلے یہ سن لو کہ مجھے اس گن بوٹ کا شجرہ معلوم ہو چکا ہے، یہ یورپ کی سب سے مضبوط ڈرگ مافیا یعنی شی کی ملکیت ہے۔ تم سے اس کا سودا کر کے میں ایک بہت بڑا جوا کھیلوں گا جس میں میری ہار بھی ہو سکتی ہے۔ زیرِ زمین دنیا کے عام کارندے تو شی کے سائے سے بھی بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "لیکن دس بیس ہزار میں بات نہیں بن سکے گی۔"

"اب میں اتنا احمق بھی نہیں ہوں، اگر تم دس آدمی ہو تو کم از کم اتنی رقم تو ہر ایک کے حصے میں آنا چاہیے کیونکہ خطرہ تم بھی مول لے رہے ہو۔ میں ڈھائی لاکھ ڈالر دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"یہ رقم بہت کم ہے۔" اولینی نے احتجاج کیا۔

"لیکن تم میرا رسک بھی تو دیکھو، مجھے یہ بوٹ یہاں سے خلیج میں لے جانا ہے۔ شی والوں سے کہیں بھی ٹکراؤ ہو گیا تو میری ساری رقم ڈوب جائے گی۔" اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"پانچ لاکھ سے کم میں یہ سودا نہیں بنے گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اس پر رضامندی کے بعد ہی بات آگے چل سکے گی۔"

"بات تو آگے چلانا ہی ہوگی کیونکہ ہیلی کاپٹر مجھے لینے کے لیے واپس نہیں آئے گا۔ سودا مکمل ہونے کے بعد تم لوگ مجھے گن بوٹ سمیت نان تیس پہنچاؤ گے، وہیں میں ڈلیوری لوں گا۔" اس کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

اس سے مختصر سی حجت ہوئی اور آخر کار پونے چار لاکھ ڈالر پر بات ٹھہر گئی۔ میرے کیبن میں موجود سب لوگوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر آپس میں سودے کی مبارکباد دی اور ایلی نور رائل سیلوٹ کی باقی ماندہ بوتل اٹھا لائی۔

خالد نے جیب سے اینگلو سوئس بینک کی چیک بک نکال کر مطلوبہ رقم کا بیئرر چیک کاٹا اور میری طرف بڑھا دیا۔

"مجھے امید ہے کہ یہ باؤنس نہیں ہوگا۔" میں نے چیک لیتے ہوئے خوش خلقی کے ساتھ کہا اور خالد کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔

"مجھے گالی نہ دو ڈیوڈ۔" اس نے برہمی کے عالم میں کہا۔ "ذاتی طور پر میں بہت مفلس اور بے مایہ انسان ہوں لیکن ابوالبحر کی جانب سے جب میں کوئی معاہدہ کرتا ہوں تو وہ موت سے زیادہ اٹل ہوتا ہے۔ آج تک میرا لکھا ہوا کوئی چیک بینک کو دوبارہ پیش کرنے کی نوبت نہیں آئی، میں

ساری ادائیگیاں چیک ہی سے کرتا ہوں۔"

"یہ ضمانت میں بھی لیتا ہوں۔" اولینی نے کہا۔

"نہیں، تمھیں ضمانت لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔" خالد نے تیز لہجے میں کہا۔ "ڈیوڈ کو اب بھی شبہ ہے تو میں چیک واپس لینے کو تیار ہوں۔ اپنی نیک نامی کی قیمت پر میں بڑے سے بڑا فائدہ بھی ٹھکرا سکتا ہوں۔"

"بہت گرم کھوپڑی ہے تمھاری۔" میں نے اپنا گلاس اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "چلو گلاس اُٹھا کر سودے کی خوشی کا جشن مناؤ۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے الفاظ سے تمھاری دل شکنی ہوئی۔"

اُس نے گلاس اُٹھا کر فضا میں ہوا سے میرے گلاس سے ٹکرایا اور لب تر کر کے ہنستے ہوئے بولا۔ "مجھے اندازہ تھا کہ تم چیک واپس نہیں کرو گے، یہودی آئے ہوئے مال کو کبھی نہیں چھوڑتا۔"

"چیف کو بتا دو کہ گن بوٹ کا رُخ نان تیس کی طرف موڑ لے۔" میں نے اولینی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "لنگر انداز ہونے کے مقام کی نشاندہی خالد خود کرے گا۔"

"اگر تمھارا ناخدا پُرانا آدمی ہے تو اسے بتا دو کہ نان تیس کی گودی پر سے قدرے جنوب میں پرل بیچ پر لنگر انداز ہونا ہے، وہ کھاڑی محفوظ اور ویران رہتی ہے۔" خالد نے کہا۔

"پرل بیچ اور ویران رہتا ہے۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"کسی زمانے میں وہاں سچے موتیوں والی سیپیوں کی بہتات ہوتی تھی مگر اب ادھر سارا سمندری گند جمع رہتا ہے اسی لیے کوئی ادھر کا رُخ نہیں کرتا لیکن نام پُرانا ہی چلا آ رہا ہے۔"

"سب کچھ طے ہو گیا، اب یہ بتاؤ کہ تم گن بوٹ کو خلیج تک کیسے لے جاؤ گے؟" میں نے سوال کیا۔

"اسپین میں سین سبطین کے قریب بحری قزاقوں کی ایک ڈرائی ڈاک ہے جہاں نہایت رازدارانہ انداز میں بہت بڑے بڑے کام کیے جاتے ہیں۔ گن بوٹ چند دن وہاں رہنے کے بعد سمندر میں آئے گی تو تم بھی اسے شناخت نہیں کر سکو گے۔ رنگ و روغن سے لے کر اس کی ظاہری حالت تک بدل جائے گی اور یہ کسی نئے نام سے سمندر میں سفر کرتی رہے گی۔"

"اور عملہ کہاں سے لاؤ گے؟"

"تم لوگ چاہو تو میں پورا پورا معاوضہ دینے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے پیشکش کی۔ "ورنہ نان تیس میں مجھے صرف کپتان کا تقرر کرنا ہوگا، باقی عملہ وہ خود تلاش کرے گا۔"

"ہم لوگ اب ایک لمحے بھی گن بوٹ پر نہیں ٹھہر سکتے۔ رنگ و روپ کی تبدیلی کے بعد بھی گن بوٹ ہماری وجہ سے پہچان لی جائے گی، اس میں تمھارے لیے خطرہ رہے گا۔" میں نے وہ پیشکش ٹال دی۔

وہ سودا بالکل غیر متوقع طور پر آناً فاناً میں ہوا تھا جس پر میں دل ہی دل میں بے حد مسرور تھا کیونکہ شی کی گن بوٹ کو بالا ہی بالا فروخت کر ڈالنا کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا، اس طرح ہم نے نہ صرف ایک بہت بڑے خطرے سے جان چھڑا لی تھی بلکہ ایک خطیر رقم بھی ہماری تحویل میں آ گئی تھی۔

اس وقت میں گن بوٹ کے عملے کے ساتھ اپنا اگلا پروگرام طے کرنے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا لہٰذا میں نے دو ٹوک انداز میں خالد کو بتا دیا کہ اس کی میرے کیبن میں موجودگی غیر ضروری تھی، وہ اس معاملے میں بھی فراخ دل ثابت ہوا اور ریمراں نے ایک محافظ کو طلب کر کے خالد کو اس کے ہمراہ گن بوٹ کے معائنے کے لیے روانہ کر دیا جو اس وقت خالد کی ملکیت ہو چکی تھی۔

"مبارک ہو کہ تم نے گن بوٹ فروخت کر دی۔" خالد کے چلے جانے پر میں نے اولینی سے کہا۔ "یہ خیال تم ہی کو آیا تھا اور پھر ناقابل یقین انداز میں پورا بھی ہو گیا۔"

"تمھاری رہنمائی میں ذہن ہر وقت جاگتا رہتا ہے۔ مجھے خلش بس اتنی ہے کہ سین سبطین والی ڈرائی ڈاک میں گن بوٹ کے رنگ و روپ میں تبدیلی کرانے کا خیال مجھے کیوں نہ سوجھا اس طرح ہم گن بوٹ کو اونے پونے فروخت کرنے سے بچ سکتے تھے اور ہمارے سروں پر منڈلاتا ہوا خطرہ بھی ٹل جاتا۔"

"یہ تمھاری بھول ہے۔" میں نے ترش لہجے میں کہا۔ "گن بوٹ کا حلیہ تبدیل ہو جاتا لیکن ہم اپنے چہرے کہاں لے جاتے ساتھی بھیڑیں میں تو کوئی بھی کہیں بھی پہچانا جا سکتا تھا کیونکہ شی کے دُشمن بہت بارسوخ ہیں، انھیں ہاک اور اُس کے آدمیوں کے ذریعے گن بوٹ کے عملے کے سارے کوائف معلوم رہے ہوں گے۔"

"پرل بیچ یہاں سے زیادہ دُور نہیں ہے۔" ایلی نور نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "اگر ہم گن بوٹ چھوڑنے سے پہلے مستقبل کا پروگرام طے کر لیں تو بہتر رہے گا۔"

"تمھارا کیا حال ہے؟" میں نے اچانک سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو کر اردو میں سوال کیا۔

"دوڑ نہیں سکتا لیکن آسانی سے چل پھر سکتا ہوں۔" اُس نے کہا۔ "رفتار بڑھاتے ہی توازن برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے اور میں لڑکھڑا کر گر پڑتا ہوں۔"

"کاش تم جلد از جلد نارمل ہو سکو۔ اب ہم پر تھوڑا سا سخت وقت آنے والا ہے۔" اردو میں اس سے یہ کہہ کر میں دوبارہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو میری زبان سے اگلا پروگرام سننے کے منتظر تھے۔

"ہمیں نان ٹیس میں اترتے ہی ایک دوسرے سے الگ ہونا ہوگا۔" میرے الفاظ سنتے ہی ان کے بشروں پر بے چینی پھیل گئی اور وہ سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اس ردِعمل کو بھانپتے ہی میں نے وضاحت کی۔

"ہم بظاہر ایک دوسرے سے الگ اور انجان ہوں گے لیکن ہمارا سفر ایک ساتھ جاری رہے گا۔ اس طرح ہم بہتر طریقے پر ایک دوسرے کی حفاظت کر سکیں گے۔ میں نان ٹیس پہنچتے ہی خالد کی معرفت چیک کے بدلے نقد رقم حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں تاکہ آزادانہ گزارے کے لیے کچھ رقم ہم آپس میں بانٹ سکیں۔ ہم نان ٹیس میں رکنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے، ہمیں وہاں سے فوراً ہی کسی قریب ترین شہر کی طرف کوچ کرنا ہوگا جہاں ٹھہر کر ہم اپنے سفری کاغذات تیار کرا سکیں۔"

"ہم سب کے سفری کاغذات تو مکمل ہیں۔" اولینی نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "اس کے بغیر ہم گن بوٹ پر سفر ہی نہیں کر سکتے تھے۔"

"ضرور ہوں گے مگر میرے اور میرے ساتھی کے کاغذات بنوانا ہوں گے۔ اسی اثناء میں ہم فیصلہ کریں گے کہ دشمن کو پچھاڑنے کے لیے کس محاذ کی طرف پیش قدمی کی جائے۔"

وہ گفتگو کرتے ہوئے میں نے دانستہ کنگ لائنز والے جمی لائیڈ کا ذکر کیا نہ ہی ایلی نور کو اس گفتگو میں ملوث کیا کیونکہ ان سے بات کرتے ہوئے میرے ذہن میں ایک نیا نقشہ جنم لے چکا تھا۔

"نان ٹیس سے کسی غیر معروف شہر میں جانے کے بجائے پیرس جانا ہی مناسب ہوگا۔" اولینی نے رائے دی۔ "وہ انسانوں کا سمندر ہے اور وہاں دنیا کے گوشے گوشے سے بھانت بھانت کے سیاح آتے ہیں۔ ان کی بھیڑ میں ہمارا وجود محسوس بھی نہ ہو سکے گا۔ چھوٹے شہر میں ہم سب کا بیک وقت داخلہ راز نہیں رہ سکے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اس کا مشورہ قبول کر لیا۔ "نان ٹیس سے ہم پیرس ہی جائیں گے۔"

اسی لمحے انٹرکام کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریمبراں نے پیغام سننے کے بعد بتایا کہ خالد گن بوٹ سے ایک اہم فون کال کرنا چاہ رہا تھا تاکہ پرل بیچ کے غلیظ اور ویران ساحل پر سواری کا بندوبست کر سکے۔ میں اولینی کو ساتھ لے کر ریڈیو روم کی طرف ہو لیا۔

اولینی نے اپنے آپریٹس پر خالد کا دیا ہوا نمبر ملا کر ریسیور اسے تھما دیا۔ سلسلہ ملنے پر خالد نے عربی میں گفتگو کرنا شروع کی اور چند فقروں کے تبادلے کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کہاں بات کی ہے تم نے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"نان ٹیس ہی سے سواری کا بندوبست کیا ہے۔ پرل بیچ پر ایک کوسٹر ہمارا انتظار کرے گی۔" اس نے کہا۔ "تاکہ ہم تعفن میں زیادہ دیر سڑنے کے بجائے فوراً شہر روانہ ہو سکیں۔"

"شاید ہم بینکاری کے اوقات ختم ہونے سے پہلے ہی نان ٹیس پہنچ جائیں گے۔" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ہاں لیکن یہ خیال کیسے آ گیا تم کو؟ نان ٹیس میں اینگلوسوئس بینک کی کوئی برانچ نہیں ہے۔" وہ فوری طور پر بات کی تہ تک پہنچ جانے میں یدطولیٰ رکھتا تھا۔

"لیکن ہمیں فوری طور پر رقم کی ضرورت ہو گی۔ نان ٹیس سے ہماری راہیں جدا ہو جائیں گی۔ ہم زیادہ دیر اکٹھے رہ کر شی والوں کے کسی عتاب کا شکار نہیں ہونا چاہتے۔" میں نے اپنی آئی بین کی حیثیت کو فراموش کرتے ہوئے کہا۔

"بداعتمادی سے مجھے نفرت ہے لیکن تمہاری مجبوری میرے لیے قابلِ فہم ہے۔ میں نان ٹیس پہنچ کر تمہیں کہیں نہ کہیں سے پوری رقم نقد دلا دوں گا۔ معمولی سود پر کوئی بھی ساہوکار میرا چیک خرید لے گا لیکن ایک روز کے سود کی رقم تمہیں اپنی گرہ سے ادا کرنا ہو گی۔ میرے بینک کی شاخیں صرف پیرس اور مارسیلز میں ہیں۔ وہاں سے چیک کل ہی کیش ہو سکے گا۔" اس نے کہا اور میں نے بلا کسی حیل و حجت کے اس کی شرط تسلیم کر لی۔

پرل بیچ شاید اس علاقے کا سب سے گندا اور اتھلا ساحل تھا۔ خوبصورت نام والے اس بدنما علاقے میں دور ہی سے فضا میں بدبو کا احساس ہونے لگا تھا۔ عرشے پر آ کر جائزہ لیا تو پتا چلا کہ کوڑے کے ڈبوں، ناکارہ ٹائروں اور خالی بوتلوں سمیت سارا سمندری کچرا اسی علاقے میں سمٹ آیا تھا اور پھر چیف نے اطلاع دی کہ وہاں ساحل تک رسائی ناممکن تھی۔ زبردستی کی صورت میں گن بوٹ ریت میں دھنس سکتی تھی لہٰذا باہمی مشورے کے بعد ساحل سے تقریباً پچاس گز دور گن بوٹ کو ٹھہرا کر سمندر میں لنگر ڈال دیا گیا۔

مجھے تشویش تھی کہ اس گہرے پانی سے ساحل تک کیسے

پہنچا جا سکے گا۔ موسم سخت ناموافق اور سمندر گندا ہونے کی وجہ
سے تیز رو مسافت طے کرنے کا تصور ہی روح فرسا تھا۔ دوسری
صورت یہ تھی کہ وہیں ٹھہر کر تعفن کی پروا کیے بغیر پانی اترنے کا
انتظار کیا جاتا اور پھر ڈیڑھ دو فٹ گہرے پانی میں چلتے ہوئے
ساحل تک رسائی حاصل کی جا سکتی تھی لیکن بوٹ کا انجن وغیرہ بند
کرنے کے بعد جب چیف نیوی گیٹر اولینی کے ساتھ لائف بوٹ
کی طرف متوجہ ہوا تو میری ساری تشویش رفع ہو گئی۔ لائف بوٹ
بہت کشادہ تھی اور ایک ہی پھیرے میں سب کو بہ آسانی ساحل
پر پہنچا سکتی تھی۔

رسّوں کی مدد سے لائف بوٹ سمندر میں اتارنے کے بعد
رسّوں ہی کی سیڑھی نیچے لٹکائی گئی۔ سب سے پہلے ریمبراں نے
نیچے جا کر لائف بوٹ کو سنبھالا پھر یکے بعد دیگرے سب لوگ
گن بوٹ سے لائف بوٹ میں منتقل ہو گئے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی
ہوئی کہ سلطان شاہ کو غیر متوازن سیڑھی سے اترنے میں کوئی
قابل ذکر دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

پتواروں کی مدد سے لائف بوٹ کو کھیتے ہوئے ہم چند
منٹ میں ساحل پر پہنچ گئے۔ گن بوٹ کے عرشے کی بلندی سے
لائف بوٹ پر آتے ہی سمندر کی سطح سے اٹھنے والے تیز بھبکوں
نے طبیعت کو بہت مکدر کیا تھا لیکن اس وقت ہمارے پاس
اپنے دلوں پر جبر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

ساحل پر اترنے کے بعد ریمبراں دو محافظوں کے
ساتھ پلاسٹک سے بنی ہوئی لائف بوٹ کو ساحلی ریت پر
گھسیٹتا ہوا پانی سے بہت دور خشکی میں لے گیا تاکہ لائف بوٹ
پانی کے ریلے میں سمندر میں واپس نہ جا سکے پھر ہم سب خالد
کے پیچھے ہو لیے جو ساحل سے آگے ریتیلے ٹیلوں کی طرف
جا رہا تھا۔

ٹیلوں کی ڈھلان پر پہنچتے ہی ہمیں دوسری طرف نشیب
میں ہلکے نیلے رنگ کی کوسٹر نظر آئی تھی اور ہم سب ریتیلی زمین
کو عبور کرتے ہوئے اسی طرف چل دیے۔

کوسٹر میں ڈرائیور مقامی معلوم ہو رہا تھا لیکن اس کے
ساتھ ایک عرب بھی آیا ہوا تھا جو خالد سے بہت تپاک سے
ملا اور ہمارے سوار ہوتے ہی سفر کا آغاز ہو گیا۔

نان تیس کوئی جدید یا بڑا شہر نہیں تھا۔ وہاں کی زندگی پر
دیہاتی طرز کی چھاپ ہر طرف نمایاں نظر آ رہی تھی۔ نیچی چھتوں
اور پرانی ساخت کے دو رویہ مکانوں اور بازاروں کے درمیان
صاف ستھری سڑکوں سے گزرتے ہوئے آخر کار کوسٹر ایک
پارک کے قریب ٹھہر گئی جہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی۔

باقی لوگوں کو گاڑی میں چھوڑ کر خالد نے مجھے ساتھ لیا اور
چند تنگ گلیاں عبور کرنے کے بعد ہم پرانی وضع کے ایک
تنگ سے بازار میں پہنچ گئے جہاں بھری پُری دکانوں میں ہر عمر
اور جنس کے خریداروں کا کافی ہجوم تھا۔ خالد کے کہے بغیر
مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہم رقم کے بندوبست کے لیے جا رہے تھے۔

"یہ کوسٹر کرائے کی ہے؟" راستے میں موقع پا کر میں نے
اس سے سوال کیا۔

"شاید کرائے کی ہی ہو۔ بندوبست میرے دوست
نے کیا ہے۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ ہم یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اسی
گاڑی میں پیرس تک جا سکیں! اس طرح ہم گاڑی بدلنے اور
لوگوں کی نگاہ میں آنے سے بچ جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس میں کوئی ہرج نہ ہو گا۔" اس نے
بے پروائی سے کہا۔ "اسے معقول کرایہ دے کر تم کہیں بھی لے
جانے پر آمادہ کر سکو گے۔"

پھر وہ اچانک ہی تنگ زینوں والی ایک نیم تاریک
راہداری میں گھس گیا جس کا اختتام ایک چھوٹے سے دفتر پر ہوا
تھا جہاں دو افراد موجود تھے جنھوں نے قدرے حیرت کے
ساتھ خالد کا استقبال کیا اور مجھے اشتباہ آمیز نظروں سے
گھورنے لگے۔

"یہ میرا ساتھی ڈیوڈ ہے۔" خالد نے ان دونوں سے باری باری
ہاتھ ملاتے ہوئے میرا تعارف کرایا۔ "تمھیں اس سے خائف ہونے کی
ضرورت نہیں کیونکہ یہ تمھیں لوٹنے کے لیے نہیں آیا ہے۔"

انھوں نے نیم دلانہ انداز میں مجھ سے بھی ہاتھ ملائے اور میز کے
سامنے پڑی ہوئی سالخوردہ سی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ خالد نے ان سے
میرا تعارف انگریزی میں کرایا تھا پھر ان سے فرنچ میں گفتگو کرنے لگا جو
غالباً ان دونوں کے لیے زیادہ سہل اور قابل فہم تھی۔ چند منٹ کی گفتگو
کے بعد خالد نے مجھ سے اپنا دیا ہوا چیک طلب کیا اور ان میں سے
سن رسیدہ شخص کی طرف بڑھا دیا جو محدب شیشوں والی عینک کے
پیچھے سے کاغذ کے اس بیش قیمت پرزے کا معائنہ کرنے لگا۔

"سود کے ایک ہزار ڈالر کاٹ کر یہ بڑے نوٹوں کی صورت میں
تین لاکھ چوہتر ہزار ڈالر دینے پر آمادہ ہے۔" خالد نے مجھے آگاہ کیا۔ "سود
بہت زیادہ ہے لیکن اس قصبے میں اتنی بڑی رقم غیر ملکی کرنسی میں
کہیں اور نقد نہیں مل سکے گی۔"

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ جب میں پیرس ہی جا رہا تھا
تو وہ چیک اگلے دن وہاں کیش کرا سکتا تھا لیکن رقم ہاتھ آنے میں
تاخیر میرے پروگرام سے میل نہیں کھاتی تھی اس لیے میں نے اپنی رضامندی

ظاہر کر دی اور ان دونوں نے اپنے دفتر کا دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی چڑھا دی۔

اسی کمرے میں کتابوں کے نیچے دبی ہوئی ایک آہنی الماری تھی جس میں سے ایک تھیلا میری طرف بڑھا کر سن رسیدہ شخص نے احتیاط کے ساتھ ڈالرز کے بڑے نوٹوں کی سربمہر گڈیاں میرے سامنے ڈھیر کرنا شروع کر دیں۔

دس ہزار ڈالر کی ایک گڈی جیب میں ڈال کر باقی رقم میں نے گڈیاں گن کر تھیلے میں بھر لی اور ہم ان دونوں کو الوداع کہہ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ میرے لیے خالد کی وہ ساکھ حیرتناک ثابت ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے اس کے لکھے ہوئے چیک کو پورے احترام کے ساتھ قبول کیا تھا۔

میرا خیال تھا کہ خالد گن بوٹ کے سودے کے لیے پیرس سے وہاں پہنچا تھا اس لیے ہمارے ساتھ ہی پیرس جائے گا لیکن وہ کوسٹر لانے والے عرب سے ہمارے پیرس تک سفر کی بات طے کرا کے وہیں اتر گیا کیونکہ گن بوٹ عملے کے بغیر سمندر میں کھڑی ہوئی تھی اور وہ اس پر جلد از جلد عملہ تعینات کر کے اسے سین سبطین روانہ کرنا چاہتا تھا۔

نان تیس کے مضافات سے باہر نکلتے ہی میں نے دس ہزار ڈالرز کی گڈی اولینی کے حوالے کر دی۔ "ایلی نور میرے ساتھ رہے گی تم اس کے اخراجات میں ادا کروں گا تم فی الحال اپنے آدمیوں کو اخراجات کے لیے ایک ہزار ڈالر فی کس دے دو جو رقم بچے وہ مساویانہ طور پر تمہاری اور ریمبراں کی ہے۔"

"رقم کا شکریہ۔" اولینی نے گڈی لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن پیرس سے آگے ہمارا پروگرام کیا ہو گا؟"

"یہ کسی بھی وقت طے کر لیا جائے گا۔" میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہم سب کسی ایک ہی علاقے میں الگ الگ ہوٹلوں میں ٹھہریں گے تاکہ رابطہ برقرار رکھنے میں آسانی رہے اور کسی کے ساتھ کسی ایک کی وجہ سے دوسروں پر کوئی عتاب نازل نہ ہو۔"

پیرس اولینی کے لیے نیا شہر نہیں تھا اس کے مشورے پر میں نے پارک ہوٹل میں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا جو متوسط درجے کا ہوٹل تھا اور ہم وہاں کسی کی توجہ کا مرکز بنے بغیر با آسانی چند روز قیام کر سکتے تھے اس ہوٹل کا منیجر اولینی کا شناسا تھا اور اسے پوری امید تھی کہ اس کی سفارش پر میرے یا سلطان شاہ کے شناختی کاغذات کا مسئلہ نہیں اٹھایا جائے گا۔

آرام دہ کوسٹر میں ہیٹر آن ہونے کی وجہ سے ہمارا وہ سفر بہت خوشگوار ثابت ہوا۔ موسم سرما کے باوجود سارا راستہ ہی سرسبز کھیتوں اور باغات سے گھرا ہوا تھا اور آخر کار کوسٹر پیرس میں داخل ہو گئی جو نان تیس کے برعکس قدیم اور جدید طرز زندگی کا ایک پرشکوہ سنگم نظر آ رہا تھا۔

بھری پُری اور بارونق شاہراہوں سے گزرتے ہوئے کوسٹر پارک ہوٹل کے سامنے ٹھہر گئی۔ ڈرائیور کا معاوضہ راستے میں ہی ادا کیا جا چکا تھا لہٰذا میں سلطان شاہ، ایلی نور اور اولینی کے ہمراہ فوراً ہی گاڑی سے اتر گیا۔

پارک ہوٹل کے منیجر سے اولینی کی شناسائی بہت گہری تھی، اس لیے ہمیں کسی بھی باز پرس کے بغیر نہایت آسانی کے ساتھ ہوٹل میں ایک ایسا کمرہ مل گیا جس میں خوش قسمتی سے تین بستر تھے ہمارے وہاں قیام کا بندوبست کر کے اولینی فوراً ہی چلا گیا۔ ہمارے درمیان یہ طے ہو چکا تھا کہ دیگر افراد اپنے ٹھکانوں سے پارک ہوٹل فون کر کے مجھے اپنے پتے اور فون نمبروں سے آگاہ کر دیں گے تاکہ میں فوری ضرورت کے تحت ان سے رابطہ قائم کر سکوں۔

"گن بوٹ سے بھی جان چھوٹ گئی۔ اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟" کمرے میں پہنچتے ہی ایلی نور نے سینڈلوں سمیت بستر پر دراز ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے اب ایک نئی فکر لاحق ہو گئی ہے۔ اولینی کے بارے میں کیا رائے ہے تمہاری؟" میں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"محنتی اور ایماندار آدمی ہے۔" وہ چونک کر بولی۔ "میرا تو اندازہ ہے کہ تم خود بھی اسے پسند کرنے لگے ہو۔"

"پسند ضرور کرنے لگا تھا لیکن وہ لالچی معلوم ہوتا ہے جب تک ہم سب اکٹھے رہے ہیں ان کی ایک ایک پل کی مصروفیات پر نظر رکھنا تھا مگر اب وہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ جب سے میرے پاس رقم آئی ہے اس کے تیور کچھ بدلے ہوئے نظر آ رہے ہیں، میرا اندازہ ہے کہ وہ رقم حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کرے گا۔"

"شاید اب تم کوئی نئی کہانی سوچ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے اردو میں کہا۔ "تمہارے تیور کچھ اچھے نظر نہیں آ رہے ہیں۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ اب اس پورے جلوس کو ساتھ لیے پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے ان سے کام لے لیا اب وہ زندہ رہیں یا مارے جائیں، میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ایلی نور ابھی بھی ہمارے کام آ سکتی ہے اس لیے اسے میں نے ساتھ رکھا ہے۔"

"تمہیں اس پر شبہ تھا تو پھر اس ہوٹل میں ہرگز نہ ٹھہرنا چاہیے تھا۔" ایلی نور بولی۔ "یہاں اسے اپنی من مانی کرنے کی زیادہ آزادی ہو گی۔"

"ہم اسی وقت یہاں سے غائب ہو سکتے ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں اسے اپنی طرف سے ہوشیار نہیں کرنا چاہتا تھا پھر کیا پتا کہ وہ بھی دشمن ہی کا آدمی ہو اور

مناسب وقت کے انتظار میں اب تک ہمارا ساتھ دیتا چلا آ رہا ہو۔ یہاں سے جانے میں زیادہ سے زیادہ ایک دن کا کرایہ ضائع ہو گا لیکن سوال یہ ہے کہ کاغذات کے بغیر پیرس میں ہمیں کون پناہ دے گا؟"

"پیشہ ور لڑکیاں شناختی کارڈ نہیں، صرف نوٹ دیکھتی ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولی "تم دونوں کو ذرا سی محنت کے بعد کوئی کام کی لڑکی مل جائے گی، میں کسی ہوٹل میں ٹک جاؤں گی۔"

"ہم بہت غیر یقینی حالات سے دوچار ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہ کب اچانک فرار ہونا پڑ جائے، میں تمہیں بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ میرا اصل مقصد کنگ لائنز والے جمی لائیڈ کی بیخ کنی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ساری کارروائیوں کی پُشت پر اسی کا دماغ کام کر رہا ہے۔"

"ایسی ہی بات ہے تو میں کسی دلال کی معرفت ایک ہفتے کا پیشگی کرایہ دے کر کوئی چھوٹا سا فلیٹ لے سکتی ہوں۔ تم دونوں میرے دوستوں کی حیثیت سے بآسانی میرے ساتھ رہ سکو گے۔" اس نے کہا اور اس تجویز پر میرا دل خوش ہو گیا۔ پیرس جیسے اجنبی شہر میں سر چھپانے کے لیے اس سے محفوظ اور سہل تجویز ممکن ہی نہیں تھی۔

"تم دونوں کمرے میں ٹھہرو، میں نیچے اتر کر جائزہ بھی لیتا ہوں، واپسی پر اخبارات لیتا آؤں گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ایلی نور رقم کا تھیلا مسہری کے نیچے اڑسنے لگی۔

میں نے باہر جانے کے لیے دروازہ کھولا ہی تھا کہ لمحہ بھر کے لیے میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اولینی کے بارے میں بدنیتی کی بنیاد پر تراشے ہوئے میرے الزامات درست ثابت ہوتے نظر آ رہے تھے کیونکہ وہ میرے مدمقابل ہوٹل کی راہداری میں موجود تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اوور کوٹ کی جیبوں میں تھے اور وہ نہ جانے کب سے وہاں کھڑا اندر کی سن گن لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ جیب میں پڑی ہوئی بیم گن کے دستے پر میری گرفت سخت ہو گئی اور میں نے کمرے کا پورا دروازہ کھول کر پھرتی کے ساتھ بائیں ہاتھ سے اولینی کا گریبان تھام کر اسے کمرے میں گھسیٹ لیا۔

اولینی کے لیے میرا وہ اقدام شاید بالکل غیر یقینی تھا۔ میرے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر جھٹکا دیتے ہی وہ بری طرح لڑکھڑاتا ہوا کمرے میں آیا تھا اور پھر مسہری کا سہارا لے کر توازن برقرار رکھتے ہوئے تیزی سے میری طرف گھوما تھا۔

"کیا بات ہے؟ کیوں آئے ہو یہاں؟" میں نے غراتے ہوئے جارحانہ لہجے میں سوال کیا۔

"سب لوگوں کو یہ تو معلوم ہے کہ تم پارک ہوٹل میں قیام کرو گے لیکن ان کے ٹھکانے فی الحال تمہارے علم میں نہیں ہیں۔ میں نے سوچا کہ رخصت ہونے سے پہلے میں تم کو اپنا ٹھکانا بتا دوں۔ میں ہوٹل ڈی پیرس میں ٹھہروں گا۔ وہاں تم جس وقت چاہو مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔ وہ ہوٹل یہاں سے بمشکل چند منٹ کی مسافت پر واقع ہے۔"

"رقم کی ضرورت ہو تو وہ بھی لیتے جاؤ۔" ایلی نور نے اسے ٹوکا۔

"یہاں آٹھ دس روز بھی ٹھہرنا پڑا تو شاید مجھے رقم کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" اولینی نے عاجزانہ انداز میں کہا "کسی حادثے کی اور بات ہے، اس بارے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"تم واقعی شریف اور وفادار آدمی ہو۔" میں نے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا "تمہارے بارے میں مجھے شبہ ہوا تھا کہ شاید تم بدنیتی کی بنا پر رقم ہتھیانے کے لیے واپس آئے ہو۔"

"میں قناعت پسند آدمی ہوں۔" وہ بولا "جو مل جاتا ہے اسی پر گزارا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کسی مہم جوئی میں پڑ کر مجھے نہ اپنا روزگار گنوانا گوارا ہے نہ میں کوئی اور خطرہ مول لے سکتا ہوں۔"

"تو اب تم سیدھے ہوٹل ڈی پیرس جاؤ گے؟" میں نے اپنی جانب سے لطیف پیرائے میں گفتگو کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے سوال کیا "وہاں کا فون نمبر کیا ہے؟"

"فون نمبر میں وہاں پہنچتے ہی تمہیں یا آپریٹر کو نوٹ کرا دوں گا۔" اولینی نے فوری طور پر جواب دیا "ویسے بھی ہوٹل ڈی پیرس اتنا غیر معروف نہیں ہے۔ محض نام کے حوالے سے آپریٹر براہ راست کال ملا سکتا ہے۔"

"اور تم غالباً وہاں اپنے اصل نام سے ہی قیام کرو گے؟" میں نے سوال کیا۔

"ضرورت ہوئی یا تمہارا حکم ہو تو نام بھی بدل لوں گا۔" اس کے تیوروں میں تندی یا بغاوت کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "تمہارے اصل نام سے ہی میں بمشکل سے مانوس ہوا ہوں، تم نے نام تبدیل کیا تو اسے یاد کرنے میں کئی دن صرف ہو جائیں گے۔ میرے لیے تم اولینی ہی رہو تو بہتر ہے اور اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ اب تم یہاں ٹھہر کر وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنے ہوٹل واپس جاؤ تاکہ میں کچھ سوچ سکوں۔"

"میں واپس لوٹ کر سکھ کا سانس نہ لے سکوں گا۔" اس نے سر اٹھائے بغیر کہا "یہاں سے میں اپنے دل پر ایک گہرا زخم لے کر جا رہا ہوں کہ تم کو میری نیت پر شبہ ہوا ہے۔ مجھے اپنے ہر قول اور فعل کا محاسبہ کرنا ہو گا کہ مجھ سے کب اور کہاں ایسی غلطی سرزد ہوئی ہے جس نے میرے بارے

میں تمھاری رائے خراب کی ہے۔"

"کسی محاسبے کی ضرورت نہیں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں تمھارا آئی مین ہوں لیکن موجودہ حالات میں مَیں خود ایسی بے یقینی کا شکار ہوں کہ اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔ تمھارے لیے میں نے جو کچھ کہا' وہ تمھارے کسی عمل کا ردِ عمل نہیں تھا بلکہ خود میرے ذہن پر چھائے ہوئے خدشوں کا پرتو تھا...... تم جاکر اطمینان سے آرام کرو۔ تم سے جو کچھ پوچھنا تھا' وہ میں پوچھ چکا۔ اب اس معاملے میں مغز زنی بالکل بے سود ہے۔"

اس نے سر کو خم دے کر اپنا داہنا ہاتھ پیشانی تک اٹھایا اور تعظیمی انداز میں کمرے سے باہر نکل گیا۔

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اب تمھارے اعصاب پر خوف طاری ہونے لگا ہے جس کی وجہ سے تم اپنے سائے سے بھی بھڑک رہے ہو۔" کمرے کا دروازہ بند ہوتے ہی ایلی نور بولی۔

"تم گھاس کھا گئی ہو۔" اچانک غیر متوقع طور پر سلطان شاہ گفتگو میں دخل اندازی کر بیٹھا۔ "خوف اور دہشت تو ہم پیچھے چھوڑ آئے، یہ سب کام کرنے کی علامتیں ہیں۔ بس تم دیکھتی جاؤ کہ اب کیا ہوتا ہے۔ اولینی کی گردن بچ گئی ہے لیکن جلد ہی کسی مردود کی شامت آنے والی ہے۔"

"کس مردود کا ذکر کر رہے ہو تم؟" ایلی نور نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے بے پروایانہ انداز میں بات ٹالتے ہوئے کہا۔ "اسے ہر وقت کنگ لائنز والے جمی لائیڈ کی تباہی کے خواب آتے رہتے ہیں جو شپنگ کے جمے جمائے کاروبار پر قابض ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے۔"

"کاروبار!" ایلی نور نے پُرخیال انداز میں دُہرایا اور چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بولی۔ "کیا تم نے یہ لفظ سوچ سمجھ کر استعمال کیا ہے؟"

"اچھی طرح سوچ سمجھ کر۔" میں نے کہا۔ "کیا تمھیں اس پر کوئی اعتراض ہے؟"

"ہم جو کچھ کر رہے ہیں' وہ ہمارا روزگار تو ضرور کہا جا سکتا ہے لیکن اسے کاروبار نہیں کہا جا سکتا۔" ایلی نور کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

"تم بیس برس پرانی باتیں کر رہی ہو۔ آج کل قدریں بدل چکی ہیں۔ ملاوٹ' بے ایمانی اور چور بازاری کے بغیر کاروبار کا تصور ویسا ہی رہ گیا ہے جیسے پانی کے بغیر کنوئیں کا تصور۔ آج کل تو معاشرے میں وہ جرائم بھی اس وقت تک باعزت کاروبار سمجھے جانے لگے ہیں جب تک وہ قانون کی گرفت میں نہ آئیں اور ہم ابھی تک قانون سے کوئی بڑا تصادم مول لیے بغیر بہت کامیابی کے ساتھ پیش قدمی کر رہے ہیں۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو کیوں کہ ہم نتائج کے عہد میں جی رہے ہیں۔ لوگ صرف نتائج پر غور کرتے ہیں' اس سے کسی کو غرض نہیں کہ وہ نتائج کیسے حاصل کیے گئے۔" وہ مضمحل لہجے میں بولی۔ "اگر تمھارے پاس سرمایہ ہے تو تم کامیاب انسان ہو۔ کوئی یہ پوچھنے کی زحمت نہیں کرے گا کہ تم نے وہ پیسہ کسی کا گلا کاٹ کر حاصل کیا ہے یا ہیروئن کی اسمگلنگ میں کمایا ہے۔ بس پیسے کے بل پر تم معزز، محترم اور منصف سمجھ لیے جاؤ گے۔"

"شاید تمھارے اندر سوئی ہوئی وہ پرانی ایلی نور پھر جاگ رہی ہے جس نے سیڈوسا پر ایک امیر البحر کی رفاقت کو بے اعتنائی سے ٹھکرا دیا تھا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"مشکل یہی ہے کہ وہ ایلی نور آج تک نہ سو سکی۔" اس نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "رشتہ تو تم سے بھی کوئی نہیں ہے بلکہ امیر البحر تو میرے آقا کا دوست تھا لیکن تم میرے لیے سراسر اجنبی تھے۔ تمھارے وجود کی مقناطیسی کشش نے مجھے بے خود کر دیا اور اب میں تمھارے اشاروں کی غلام ہوں۔ اس غلامی پر میرا رُواں رُواں خوشی سے سرشار ہے کیوں کہ یہ میں نے جانتے بوجھتے ہوئے اپنی مرضی سے قبول کی ہے۔"

"میرے وجود کی کشش میں شاید میرا آئی مین ہونا ہر خصوصیت پر بھاری تھا۔" میں نے سگریٹ کا گہرا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"آئی مین ہونے سے صرف اتنا فرق پڑا کہ فاصلے لمحوں میں سمٹ گئے ورنہ پسند اور ناپسند کا تعلق ان سطحی باتوں سے نہیں ہوتا۔ ایک ایڈمرل اپنی جگہ آئی مین سے کہیں زیادہ معروف اور طاقتور ہوتا ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمھارے فیصلے سوچے سمجھے ہوتے ہیں جن کی تائید میں تمھارے پاس دلائل بھی ہوتے ہیں ورنہ اس عمر کی عورتیں عموماً وقتی جذبات کے ریلے میں بہہ کر احمقانہ فیصلے کرتی ہیں اور چند لمحوں کے لیے بھی ان کا دفاع نہیں کر سکتیں۔ ابتدا میں مَیں نے اندازہ لگایا تھا کہ تم میرے نہیں' کسی بھی نادیدہ آئی مین کے عشق میں مبتلا تھیں اور اس حیثیت میں مجھے سامنے دیکھتے ہی تم نے مجھ پر اپنی عنایتوں کی بارش کر دی۔"

"ابتدائی اندازے عام طور پر غلط ثابت ہوتے ہیں۔ اب تم یہی دیکھ لو کہ آئی مین کی حیثیت سے تمھارے کئی فیصلے میرے لیے الجھن کا باعث بنے ہوئے ہیں لیکن میں نے تم سے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا۔ بے چون وچرا تمھاری تقلید کیے جا رہی ہوں۔ بعد میں جو ہوگا' وہ دیکھا جائے گا۔"

"کون سے فیصلے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"چھوڑو ان باتوں کو۔" وہ براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "پتا نہیں' یہ بات کیوں میری زبان پر آ گئی۔ میں نے خود کو تمھارے

رحم وکرم پر چھوڑ دیا ہے۔ جیسا کھوگئے' اسی طرح کرتی جاؤں گی۔"

"میں آئی مین ضرور ہوں لیکن ہمارے اور تمہارے درمیان ایک ذہنی تعلق پیدا ہو چکا ہے' اس لیے ہم کھل کر بات کر سکتے ہیں۔ تنہائی میں تمہاری تنقید بھی میں قبول کر لوں گا البتہ ڈسپلن کی خاطر دوسروں کے سامنے مجھے سخت رویہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اس وقت تم کھل کر بات کرسکتی ہو۔" میں نے فراخ دلی سے کہا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ ایلی نور کی ان باتوں نے مجھے پریشان کر دیا تھا اور میں جلد ان کوتاہیوں سے واقف ہونا چاہ رہا تھا جن کی طرف ایلی نور نے اشارہ کیا تھا۔

"نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ تم آئی مین ہونے کے باوجود اس وقت تنظیم کے مفادات کے خلاف جا رہے ہو۔" اس نے جھکتے ہوئے کہا۔ "لیکن میرے سامنے بس وہی حالات اور واقعات ہیں جو مجھے بتائے گئے ہیں' ان سے آگے جو کچھ ہوسکتا ہے وہ صرف تمہارے علم میں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری نگاہ آخری نتائج پر ہو' جو موجودہ نقصانات کے باوجود آخر کار شی کے لیے سودمند ثابت ہوں گے۔"

"تمہارا جواز درست ہے لیکن پھر بھی میں تمہاری زبان سے ایسے اقدامات کی نشاندہی کرانا چاہتا ہوں۔" میں نے اپنی اضطراری کیفیت پر قابو پاتے ہوئے اصرار کیا۔

"سب سے پہلا تو گن بوٹ کی فروخت کا معاملہ ہے۔" اس نے قدرے توقف کے بعد زبان کھولی۔ "میں تصور بھی نہیں کرسکتی تھی کہ تم اسے یوں اونے پونے داموں پر فروخت کر دوگے۔ دوئم یہ کہ تم شروع سے اب تک شی کے ٹھکانوں سے رجوع کرنے سے گریز کرتے آ رہے ہو۔ میں اس کا کوئی سبب سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"حالاں کہ بات بالکل سیدھی ہے۔" میں نے اوپری دل کے ساتھ ایک کھوکھلا قہقہہ لگا کر کہا۔ "بریسٹ کے بحری اڈے پر دشمن کے آدمی موجود تھے' میں انھیں اپنی طرف سے ہوشیار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پھر ان لوگوں کے ساتھ ہی وہ اڈا بھی تباہ ہو گیا۔ جب شی کے دشمنوں کو اپنے ہرکاروں کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملے گی تو انھیں تشویش ہو گی اور وہ اپنے وسائل گن بوٹ کی تلاش پر مامور کر دیں گے' اس لیے گن بوٹ مخدوش ہو گئی تھی۔ کھلے سمندر میں اس کی تباہی سے بہتر تھا کہ جو رقم ہاتھ آسکے' وہ حاصل کر لی جائے۔ اس اقدام سے شی کو کوئی نقصان نہیں ہوا کیوں کہ ہم... انڈر رائٹرز سے بیمے کی پوری رقم وصول کر لیں گے...."

"بیمے والی بات میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "لیکن رقم مل جانے کے باوجود ہم فوری طور پر گن بوٹ کا متبادل تلاش نہ کرسکیں گے' وہ ہر اعتبار سے اپنی مثال آپ تھی۔"

"اس کے نہ ہونے سے شی کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اصل نکتہ یہ ہے کہ شی کے سارے معاملات رازداری کے ساتھ طے پاتے ہیں۔ گن بوٹ کے غائب ہونے کا معاملہ بھی اخبارات وغیرہ میں نہیں آئے گا اور شی کے دشمنوں پر گن بوٹ کا نفسیاتی دباؤ باقی رہے گا اور وہ شی کی سرگرمیوں کے لیے کوئی خطرہ پیدا نہیں کر سکیں گے جس کے سدباب کے لیے گن بوٹ خریدی گئی تھی۔"

"خیر یہ سب اعلیٰ قیادت کے مسائل ہیں' اپنا بُرا بھلا وہی سمجھ سکتے ہیں لیکن رابطے سے گریز کے بارے میں اب بھی تم نے کوئی وضاحت نہیں کی۔" وہ بولی۔

"بریسٹ کے بحری اڈے کے بارے میں میں نے جو کچھ کہا' اسی میں اس سوال کا جواب بھی موجود تھا۔" میں نے حیرت سے کہا۔ "شاید تم ذہنی طور پر کہیں غائب تھیں۔"

"اس بارے میں تم نے جو کچھ کہا' وہ بریسٹ کے بارے میں تھا کہ وہاں موجود دشمن کے ایجنٹوں کو تم اپنی طرف سے ہوشیار نہیں کرنا چاہ رہے تھے لیکن اب پیرس میں بھی ایسا نظر آ رہا ہے جیسے تم دشمنوں میں محصور ہو حالاں کہ یہاں شی والے بہت مستحکم اور بارسوخ ہیں لیکن تم نے انھیں نظرانداز کر کے خود کو اولیبی کے رحم و کرم پر چھوڑا ہوا ہے۔ یہ ہوٹل اسی نے بتایا ہے اور تم یہاں سے نکلنے کے بعد مجھ پر انحصار کر رہے ہو۔"

ایلی نور بظاہر سیدھی سادی سہل پسند عورت نظر آتی تھی لیکن اس کے ٹیڑھے سوالات نے مجھے اس کی طرف سے چوکنا کر دیا۔ اس کا اٹھایا ہوا نکتہ بہت مضبوط اور دور رس تھا جس کا فوری جواب دینا محال تھا لیکن اپنے بارے میں مجھے بس ایک ہی خوش فہمی ہے کہ ناموافق حالات میں میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ برجستہ فیصلے کرتا ہے۔

"تم یہ بھول رہی ہو کہ میں کون ہوں اور یہاں کیوں آیا ہوں۔" میں نے فی البدیہہ کہنا شروع کیا' اس بار میرا لہجہ قدرے سخت اور مستحکم تھا۔ "اصل مسئلہ شی میں مخالف گروہ کے ایجنٹوں کا ہے جو ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر نہ جانے کہاں کہاں اپنے قدم جما چکے ہیں۔ مجھے ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنا ہے' اس لیے میری موجودگی کا راز رہنا نہایت ضروری ہے۔ بریسٹ کا اڈا ان کی سرگرمیوں کے نتیجے میں برباد ہو گیا۔ اب عین ممکن ہے کہ پیرس کی شاخ میں بھی ان کے ہمدرد اور مددگار موجود ہوں۔ میں نے ایک بار ان سے رابطہ قائم کر لیا تو ساری رازداری ختم ہو جائے گی۔ میں دشمنوں کو ان کے اصل روپ میں نہ دیکھ سکوں گا اور وہ سب بظاہر وفادار رہتے ہوئے میری جان کے دشمن ہو جائیں گے' اس لیے میں اپنے لیے عارضی دشواریوں کی پروا کیے بغیر ذاتی یا بقول تمہارے اولیبی کے وسائل

پر انحصار کر رہا ہوں تاکہ کم سے کم افراد کو اس علاقے میں میری موجودگی کا علم ہو سکے۔"

"آئی مین صرف آئی مین ہوتا ہے، وہ چاہے تو اپنی ذات کو پردۂ راز میں رکھ سکتا ہے، جیسے شی کے سربراہ جی لائیڈ سے اس کے تمام ماتحت کانپتے ہیں لیکن آج تک کسی نے اس کی زیارت نہیں کی۔ اگر تم پیرس میں شی والوں سے رابطہ قائم کر کے ان کی خدمات طلب کرو تو انھیں کیسے پتا چلے گا کہ تم مقامی آئی مین ہو یا ایشیا سے کسی خاص مشن پر یہاں آئے ہو؟"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری ننھی سی کھوپڑی میں کسی چوزے کا بھیجا ہے۔ اگر ان لوگوں نے میرے قیام کا بندوبست کرایا ہوتا تو پوشیدہ رہ کر وہ نہ صرف مجھے دیکھ سکتے تھے بلکہ میری سرگرمیوں پر میری لاعلمی میں نگاہ بھی رکھ سکتے تھے۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے جارحانہ لہجے میں کہا۔

"بحث میں تم سے جیتنا مشکل ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "لیکن میری چھٹی حس یہ احساس دلا رہی ہے کہ تم شی کے بدخواہوں کے ساتھ خیر خواہوں سے بھی بچنے کی کوشش کر رہے ہو اور اس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے کہ تم درحقیقت وہ نہیں ہو جو خود کو ظاہر کرتے پھر رہے ہو۔"

"پھر بھلا میں کیا ہو سکتا ہوں؟" میں نے مضحکانہ لہجے میں سوال کیا۔ "الف لیلیٰ کا جن یا کوئی آسیب؟"

"ہم اس وقت بالکل ذاتی سطح پر بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں؟" اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تائید طلب مگر محتاط لہجے میں کہا۔

"بالکل بالکل۔" میں نے اس کا مدعا بھانپتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ بالکل نجی گفتگو ہے، جو کچھ تمھارے دل میں آتا ہے، بے تکلفی کے ساتھ کہہ ڈالو۔ میں قطعاً برا نہیں مانوں گا۔"

"تم ایشیا سے آئے ہو تو تم نے ڈینی کا نام ضرور سنا ہوگا؟"

ایلی نور کی زبان سے وہ سوال سنتے ہی میں بھونچکا رہ گیا۔ اس وقت مجھے اس سے ہر بات کی امید تھی لیکن یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ وہ براہِ راست میرا نام لے بیٹھے گی۔

"شی کے حلقوں میں ڈینی کے حوالے سے عجیب و غریب واقعات سننے میں آتے ہیں۔" وہ میری حیرت سے بے پروا اپنی ہی رو میں کہے جا رہی تھی۔ "اس نے بہت نچلی سطح سے شی کے لیے کام شروع کیا تھا پھر محنت اور کارکردگی کے بل پر ترقی کرتے ہوئے مقامی سربراہ بھی ہو گیا لیکن پھر اچانک وہ تنظیم سے باغی ہو گیا۔ مقامی بڑوں نے فوری طور پر اس کے لیے موت کا فیصلہ صادر کر دیا۔ جب اسے گھیرنے کی کوششیں کی گئیں تو وہ خونریز مقابلے پر تل گیا۔ اس نے صرف اپنے دفاع پر بس نہیں کیا بلکہ وہ دیدہ دلیری کے ساتھ شی کی انتہائی اندرونی صفوں میں گھس کر شی کے مفادات کو ناقابلِ فراموش زک پہنچانے لگا۔ اپنا وار کر کے وہ ہر بار صاف بچ نکلتا رہا اور شاید آج بھی زندہ ہے۔ مجھے تمھارے وطن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں لیکن تمھارے فیصلوں اور طریقۂ کار کو دیکھتے ہوئے مجھے کئی بار ڈینی کا خیال آیا ہے۔"

میں نے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔ "ڈینی کا نام میرے لیے اجنبی نہیں ہے لیکن تم نے اس کے بارے میں کچھ زیادہ ہی افسانہ طرازی کی ہے ورنہ بات صرف اتنی سی ہے کہ وہ شی کا مفرور مجرم ہے اور جب بھی پکڑا گیا نہایت دردناک انجام سے دوچار ہوگا..... اور تمھارا خیال ہے کہ میں ڈینی ہوں۔"

"نن... نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "میں نے یہ نہیں کہا۔ تم ایشیائی ہو اور بے خوف ہو کر بڑے بڑے فیصلے کرتے ہو۔ اگر تم آئی مین نہ ہوتے تو ضرور ڈینی ہوتے۔"

"اب تم بات گھما رہی ہو ایلی نور!" میں یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ "مجھ سے کھل کر بات نہیں کی تو خسارے میں رہو گی۔ اگر تمھیں میرے طریقۂ کار پر اعتراض ہے تو میری ذات پر بھی شبہ ہو سکتا ہے اور میں تم سے اس شبے کا سبب جاننا چاہتا ہوں۔"

وہ چند ثانیوں تک خاموش رہی جیسے شدید ذہنی الجھن سے دوچار ہو پھر کمزور لہجے میں بولی۔ "آئی مین اپنے طریقۂ کار اور فیصلوں سے ہی خود کو منوا سکتا ہے۔ ابھی تک گن بورٹے کا سارا عملہ تمھاری ذات کے سحر میں مبتلا ہے، اس لیے وہ لوگ تمھارے خلاف کوئی بات نہیں سوچ سکے لیکن میرا ذہن مسلسل کام کر رہا ہے۔ مجھے کسی کسی وقت تمھاری اصلیت پر شبہ ہونے لگتا ہے۔"

"لیکن کیوں؟" میں نے پُرزور لہجے میں دریافت کیا۔

"بعض اوقات تمھارا ردِ عمل اس قدر اضطراری ہو جاتا ہے جیسے تم کسی چیز سے خائف ہو۔ تم نے ابھی اولینی کو دوبارہ دروازے پر دیکھتے ہی اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے تم اپنی شناخت ظاہر ہونے سے خوفزدہ رہتے ہو اور اسی لیے تم نے شی سے بالکل کنارہ کشی اختیار کی ہوئی ہے۔"

"پھر تم سب نے بظاہر مجھے آئی مین کیوں تسلیم کر لیا؟" میں نے سوال کیا۔ "اپنے اس تجزیے کے بعد تم مجھ سے بغاوت بھی کر سکتی تھیں، دوسروں کو اعتماد میں لے سکتی تھیں۔"

"شی کا ضابطہ ہے کہ سلور آئی کا مالک آئی مین ہوتا ہے۔ میری نظروں میں یہ بڑا احمقانہ اصول ہے۔ کسی بھی سڑک پر کوئی اٹھائی گیرا یا چور تمھاری جیب سے سلور آئی نکال سکتا ہے یا تمھیں زیر کر کے یہ تم سے چھین سکتا ہے پھر تم اپنے سارے اقتدار اور اختیار سے محروم

ہو جاؤ گے دوسری طرف اس چور کو اگر شی کے بارے میں ذرا بھی واقفیت ہے تو وہ شی کے ہر کاروں کے سامنے محض سلور آئی کے بل پر آئی مین کا روپ اختیار کر سکتا ہے۔"

اس کا ذہن بالکل واضح تھا اور وہ صحیح خطوط پر سوچ رہی تھی۔ مجھے اس حسین و جمیل لڑکی کی ذہانت پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ کتنی آسانی کے ساتھ مسئلے کی تہ تک پہنچ گئی تھی لیکن میں اس کے الزامات کو کسی بھی قیمت پر تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ میں ہر اعتبار سے اس پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا چاہتا تھا۔

"تو تمہارا خیال ہے کہ میں ڈمی ہوں اور میں نے کسی اصلی آئی مین سے سلور آئی بزور طاقت حاصل کی ہے؟" میں نے گمبھیر لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"میرا خیال تو کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ تم نے بتا دیا وہ میں نے من و عن قبول کر لیا ہے لیکن میرے ذہن میں بار بار شبہات کے سائے لہرانے لگتے ہیں۔ اس وقت تم نے خود ہی کھلی کھلی باتیں کرنے کی دعوت دی تو میں نے سب کچھ اگل دیا لیکن تم یقین رکھو کہ یہ میرے ذاتی خیالات ہیں اور ہر حالت میں میری ذات تک محدود رہیں گے۔" وہ خوف زدہ بلکہ تقریباً رو دینے والے لہجے میں بولی "تم جو کچھ بھی ہو لیکن میں تمہیں آئی مین تسلیم کرتی ہوں۔"

"رونے دھونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا "اچھا ہوا کہ اس وقت تم نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی ورنہ خود ہی سوچ سوچ کر پاگل ہو جاتیں۔ جب تک سلور آئی میری تحویل میں ہے شی کا کوئی کارندہ میرے اختیارات کو چیلنج نہیں کر سکتا لیکن تم نے سلور آئی کی چوری کا بہت خیال انگیز نکتہ اٹھایا ہے۔ شی کے بڑوں کو مل کر اس کا کوئی حل تلاش کرنا ہوگا۔ اصل آئی مین کو تو دوبارہ سلور آئی عطا کی جا سکتی ہے لیکن تنظیم سے باہر چلی جانے والی سلور آئی کے غلط استعمال اور اس کے سدباب کے بارے میں شاید آج تک سوچا ہی نہیں گیا۔ بس یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ہر آئی مین اتنا مستعد اور طاقتور ہوگا کہ اپنی زندگی میں سلور آئی کی حفاظت کر سکے۔"

"اب دیکھو، مجھے پھر ایک خیال آ رہا ہے۔" وہ رو دینے والے لہجے میں بولی اور میں بے اختیار ہنس پڑا۔

"تم اپنے شبہات پر یقین کا اظہار بھی کر دیتیں تو میرے رویے میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی۔" میں نے تشفی آمیز انداز میں اس کی پشت پر تھپکی دیتے ہوئے کہا "تمہارے بارے میں میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ تم اس قسم کی عورتوں سے تعلق رکھتی ہو جو کھل کر محبت یا نفرت کرتی ہیں۔ وفا کے ڈھکوسلے اپنا کر چوری چھپے بے وفائی نہیں کرتیں۔"

"بس یہی میری کمزوری ہے۔" اس نے میری باتوں سے حوصلہ پا کر کہا "اب میں یہ سوچ رہی تھی کہ آئی مین انسان ہی ہوتا ہے جسے ایک نہ ایک دن مرنا ہے اب اگر کوئی آئی مین کسی حادثے کا شکار ہو جائے اور معاملہ پولیس کی مداخلت تک پہنچ جائے تو مرنے والا معاشرے میں اپنی ظاہری نیک نامی کے باوجود اس عجیب سکے کی وجہ سے مشتبہ بن جائے گا اور شی کا ایک کلیدی راز پولیس کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گا۔"

"اور بھی ہزاروں امکانات ہیں۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "بنیادی مسئلہ ایک ہی ہے کہ سلور آئی شی کی تحویل سے غلط ہاتھوں میں چلے جانے کا تدارک کیسے ممکن ہے؟"

"کبھی کبھی واقعی مردوں کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور کسی عورت کی کھوپڑی زور دکھانے لگتی ہے۔" اچانک سلطان شاہ دخل دے بیٹھا۔ وہ پوری گفتگو لفظ بہ لفظ نہ سمجھنے کے باوجود عام طور پر طویل گفتگو کا متن سمجھنے لگا تھا۔

"ایلی نور کی کھوپڑی ہی نہیں بلکہ یہ سر سے پیر تک زوردار ہے۔" میں نے سلطان شاہ کو آنکھ مارتے ہوئے کہا "اور تم دیکھنا کہ یہی عورت ہمیں کنگ لائنز والے جمی لائیڈ تک پہنچائے گی جو اپنی.... بدمعاشیوں سے شی کے اربوں ڈالر کے کاروبار پر قابض ہونے کی سازشیں کر رہا ہے۔"

"جس طرح یہ تمہارے جگر کاٹتی ہے اس سے مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ تم نہیں بچ سکو گے۔" اس بار سلطان شاہ اردو میں بولا تھا "ایلی نور زوردار ہے تو تم بھی زور آور ہو۔ تم نے میرے مشوروں پر کان نہ دھرا تو یہ لکھ لو کہ ایک نہ ایک دن کوئی عورت ہی تمہارے زوال کا سبب بنے گی۔"

"یہ تم سے جلنے لگا ہے۔" میں نے ایلی نور سے انگریزی میں کہا اور سلطان شاہ کا منہ بگڑ گیا "یہ اپنے سوا کسی عورت یا مرد کو مجھ سے زیادہ قریب ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔"

"تو تم اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟" ایلی نور کا لہجہ شوخ ہو گیا۔ وہ کافی دیر بعد اعتدال پر آئی تھی۔

سلطان شاہ بھنا کر بڑبڑاتا ہوا بستر سے اٹھ گیا "یہ کار خیر اسکنڈے نیویا کے ملکوں میں ہی ہو سکتا ہے اور وہاں سردی بہت ہوتی ہے۔ میں زیادہ دن ٹھنڈ برداشت نہیں کر سکوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج کل تو سرجری بہت ترقی کر گئی ہے اگر اس میں عورتوں جیسے جذبات موجود ہیں تو ایک ہی آپریشن میں اسے عورت بنایا جا سکتا ہے پھر تمہیں اسکنڈے نیویا جانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔" ایلی نور نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بکواس بند کرو کتے کی بچی!" سلطان شاہ غضب ناک نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے دہاڑا۔ غنیمت یہ تھا کہ غصّے کی اضطراری حالت میں وہ انگریزی بھول گیا تھا اور اُردو میں ہی ایلی نور پر برسا تھا۔

وہ بات نہ سمجھ سکی لیکن سلطان شاہ کے چنگھاڑتے ہوئے لہجے سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں تھا۔ وہ کسی کڑک مُرغی کی طرح یوں پھولا ہوا کھڑا تھا جیسے ایلی نور نے اگر اس کے آپریشن کے معاملے پر مزید رائے زنی کی تو وہ جھپٹ کر اس کا گلا دبوچ لے گا۔

"اب چُپ ہی رہو تو بہتر ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے۔ تم دونوں یہیں ٹھہرو۔ میں ذرا نیچے کا چکر لگا کر آتا ہوں۔"

میرا ارادہ دیکھتے ہی ایلی نور لوکھلا گئی۔ وہ سلطان شاہ کے تیوروں سے خوف زدہ تھی۔ اسے خوف تھا کہ تنہائی میں موقع پاتے ہی سلطان شاہ اس کے ساتھ کوئی تشدد آمیز انتقامی کارروائی کر گزرے گا لیکن میں اسے اپنے ساتھ باہر لے جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں بمشکل اسے باور کرا سکا کہ تنہائی میں اگر وہ سلطان شاہ کو جوتے بھی لگائے گی تو وہ اس پر ہاتھ نہ اُٹھا سکے گا۔

میں ان دونوں کو سمجھا بجھا کر لفٹ کے ذریعے نیچے آیا اور ہوٹل ہی میں موجود بک شاپ میں گھس گیا۔ اندر جاتے ہی اسٹینڈ پر لٹکے ہوئے شام کے اخبارات میری توجہ کا مرکز بن گئے جن کی سرخیوں کے بعض الفاظ میرے لیے نامانوس نہیں تھے۔ ان ہی فرنچ اخبارات میں ایک انگریزی اخبار بھی تھا جس کی شہ سُرخی بر لیسٹ میں خون کے دریا کا اعلان کر رہی تھی۔ اپنے اشتیاق پر قابو پاتے ہوئے میں نے وہ انگریزی اور چند فرنچ اخبارات لیے اور کاؤنٹر پر ابوالبحر کے خالد کے ذریعے ملا ہوا امریکی کرنسی کا ایک بڑا نوٹ ادائیگی کے لیے پیش کر دیا کیوں کہ بُک شاپ کے ایک گوشے میں غیر ملکی کرنسیوں کے قابلِ قبول ہونے کی اطلاع شرحِ تبادلہ سمیت آویزاں تھی۔ شی کے مالِ غنیمت سے وہ میری پہلی خریداری تھی۔ اس وقت پہلی بار مجھے یاد آیا کہ شی کے ہرکاروں نے کراچی میں میری فیکٹری اور گھر کو نذرِ آتش کر کے مجھے جو مالی زک پہنچائی تھی، اس کا ازالہ ہو چکا تھا۔ ابوالبحر والوں کے ہاتھ گن لوٹ فروخت کر کے میں نے کراچی میں ہونے والے اپنے نقصانات سے کئی گنا زیادہ رقم کمائی تھی۔

میں استقبالیہ کاؤنٹر کے سامنے لفٹ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اچانک ایک باوردی بیرا میری طرف لپکا۔ "موسیو! تم سے ہوٹل کا منیجر ملنا چاہ رہا ہے۔" اس نے شستہ انگریزی میں کہا اور میں اس کے ساتھ ہولیا۔

استقبالیہ سے ملحق مختصری راہداری میں منیجر کا کمرہ تھا جہاں وہ تنہا ہی میرا منتظر تھا۔ اس نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ میرا استقبال کرتے ہوئے تکلیف دینے پر معذرت کی اور بتایا کہ کاغذات وغیرہ کی فراہمی تک ہمیں ہوٹل میں اپنے کمرے تک محدود رہنا ہوگا۔

"لیکن کیوں؟" میں نے منیجر سے اولینی کی دوستی کے پیشِ نظر احتجاج کیا۔ "یہ تو قید کی سزا ہوگی۔"

"جو چاہے سمجھو۔" وہ خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "ہوٹل سے باہر اگر تم کسی واردات، حادثے یا واقعے میں ملوث ہو گئے تو میرا ہوٹل بدنام ہو جائے گا۔ میرے کاروباری رقیب اس نکتے کو اچھالیں گے کہ پارک ہوٹل میں سفری دستاویزات نہ رکھنے والے مشتبہ غیر ملکی اور مجرم ڈیرے ڈالے رہتے ہیں، اس لیے از راہِ کرم اب اپنے کمرے میں ہی محدود رہنا۔ جو چیز چاہو گے، وہ روم سروس والے تمھیں وہیں پہنچا دیں گے۔ میرا ایک آدمی اس بات پر مامور کیا جا چکا ہے کہ تم اس باہمی معاہدے کی خلاف ورزی نہ کر سکو۔"

"اوہ! یعنی ہماری نگرانی بھی ہوگی؟" میں نے غراتے ہوئے کہا۔ "اولینی اسی لیے ہمیں تمھارے پاس لایا تھا؟"

میری غراہٹ سنتے ہی منیجر کے ہونٹوں سے پیشہ ورانہ مسکراہٹ یکلخت غائب ہو گئی اور وہ خشک لہجے میں بولا۔ "یہ اولینی ہی کا دم ہے کہ تم اس وقت میرے ہوٹل میں رہ رہے ہو۔ ہوش میں رہ کر بات کرو ورنہ امیگریشن کے قوانین کے تحت میں تمھیں اسی وقت پولیس کے حوالے کر سکتا ہوں۔"

"میں اسی وقت تمھارا ہوٹل چھوڑ رہا ہوں۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "ایسی ذلت آمیز قید سے تو بہتر ہے کہ ہم اپنی راتیں پیرس کے کسی پبلک پارک میں گزار لیں۔"

"میرے ہوٹل میں نہ آئے ہوتے تو جو چاہتے کر لیتے مگر میری مرضی کے بغیر اب قدم باہر نہ نکال سکو گے۔" اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور لہجہ سخت ہو گیا۔ "بہتر یہی ہوگا کہ جو میں کہہ رہا ہوں، اسے گرہ میں باندھ لو ورنہ حوالات کی سیر کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہاں غیر قانونی تارکینِ وطن کے لیے بہت سخت سزائیں مقرر ہیں۔"

"یہ کھلی ہوئی بلیک میلنگ ہے...!" میں نے احتجاج کرنا چاہا۔ لیکن اس نے میری بات اڑا دی۔

"شش..... اس ہوٹل میں ایسے گھٹیا الفاظ استعمال نہ کرو۔ یہاں پیرس کے شرفا آتے ہیں۔" اس کا لہجہ اس بار سرد اور دھمکی آمیز ہو گیا تھا۔

"پتا نہیں، اولینی تم جیسے بازاری لوگوں سے کیوں ملنے لگا ہے؟"

"فی الحال وہی ہوگا جو تم چاہ رہے ہو لیکن میں جلد از جلد اولینی سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے بدقت تمام اپنے غصّے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تم اسے نہ بلا سکے تو میں اسے فون کر لوں گا۔"

"کوشش کر لینا، اس کا سراغ مل جائے تو مجھے بھی آگاہ کر دینا۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چونک کر سوال کیا۔

"سارا مسئلہ یہی ہے کہ اولینی سرے سے ہوٹل ڈی پیرس نہیں پہنچا۔" اس نے پہلی بار قرینے سے بات کی اور میرے منہ سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔

"ہوٹل ڈی پیرس یہاں سے چند منٹ کی مسافت پر ہے، اولینی کے وہاں نہ پہنچنے کا مطلب ہے کہ اسے راستے میں سے اغوا کیا گیا ہے۔ جب تک اس کا سراغ نہیں ملتا تمھیں میری پابندیاں قبول کرنا ہوں گی۔"

"اگر تم سچ بول رہے ہو تو تمھاری عائد کی ہوئی پابندیاں کسی بھی لمحے اس ہوٹل کو جہنم میں تبدیل کر دیں گی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ ظاہر ہے کہ اولینی کو اغوا کرنے والے اس کے دوست نہیں بلکہ دشمن تھے۔ وہ اس پر تشدد کر کے ہمارا ٹھکانا معلوم کریں گے اور ہماری یہاں موجودگی کا یقین کرتے ہی یہاں دھاوا بول دیں گے۔"

اس کی آنکھوں کی چمک معدوم ہو گئی اور چہرہ لمحے بھر میں لٹتا ہوا نظر آنے لگا۔ "یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ تمھیں پہلی فرصت میں میرے ہوٹل سے نکل جانا چاہیے۔"

"ہم اس طرح بے سروسامانی کے عالم میں کہاں جائیں گے؟" میں نے آنکھیں نکالیں۔ "پیرس میں ہمارے قیام کا متبادل بندوبست تم ہی کو کرنا ہو گا، اخراجات ہم ادا کریں گے۔"

"میری طرف سے تم جہنم میں جاؤ مگر میرا ہوٹل فوراً چھوڑ دو۔" وہ دانت پیستے ہوئے غرایا۔

"عجیب آدمی ہو۔ ابھی زبردستی روکنے پر مُصر تھے اور اب کھڑے کھڑے نکال رہے ہو، آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"کچھ نہیں، کچھ نہیں۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر بولا۔ "پہلے میں اولینی کے دشمنوں کا سراغ لگانا چاہتا تھا کیوں کہ وہ میرا بہت عزیز دوست ہے مگر میں دوستی میں ہوٹل کی ساکھ قربان نہیں کر سکتا۔ تم لوگ میرے ہوٹل سے پکڑے گئے تو یہاں کل ہی سے اُلّو بولنے لگیں گے اور میں ملازمت سے نکال دیا جاؤں گا۔"

"تو اب تم ہمیں یہاں نہیں دیکھنا چاہتے؟" میں نے اپنا داہنا پاؤں کرسی پر رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔" وہ بے بسی کے ساتھ بولا۔ "میری عقل پر پردے پڑے ہوئے تھے، میں تمھارا شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے بروقت حقیقی خطرے سے آگاہ کر دیا۔"

اس وقت منیجر کی ساری طراری دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ میں چاہتا تو اسے نئے ٹھکانے کے بندوبست پر مجبور کر سکتا تھا مگر میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

اگر بریسٹ والے اڈے کی تباہی کے بعد شی والوں نے ... کو اٹھوایا تھا تو معاملات یک بیک سنگین ہو چکے تھے۔ اولینی ... آئی میں سمجھتے ہوئے پوری طرح میرا وفادار تھا لیکن تشدد کے سا... بڑے بڑے سورما بول پڑتے ہیں۔ اولینی سے پوری کہانی کا ... ہی جب سارے واقعات شی کی اعلیٰ قیادت کے علم میں لائے جا... میرا کھیل بے نقاب ہو جاتا۔ ان کے آدمی پارک ہوٹل کا رُخ ... اور ہمیں موجود نہ پا کر لامحالہ منیجر پر ہاتھ ڈالتے۔ ایسی صورت ... کا فراہم کیا ہوا کوئی بھی ٹھکانا ہمارے لیے موت کا پھندا ثا... سکتا تھا۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ ہوٹل چھوڑ کر ایلی نور ک... پر ہی انحصار کیا جائے لیکن اس پوری کارروائی میں میں ایلی... واقعات کی ہوا بھی نہیں لگنے دینا چاہتا تھا۔

"ہم ابھی چلے جائیں گے مگر میری ایک شرط ہے۔" میں ... توقف کے بعد کہا۔

"مجھے ہر شرط منظور ہے۔ بولو کتنی رقم چاہیے؟" وہ جلد... بول پڑا۔

"تم بالکل ڈفر ڈھونچ ہو۔" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ... جا میں چھوٹے موٹے چوری ڈاکے سے رقم پیدا کر سکتے ہیں۔"

"ڈفر تو ٹھیک ہے لیکن یہ ڈھونچ کیا ہوتا ہے؟" ا... گفتگو میں وقفہ آتے ہی سوال داغ دیا۔

"جو بھی ہوتا ہے بڑا نایاب ہوتا ہے۔" میں نے بے... کہا۔ "میری شرط صرف اتنی سی ہے کہ تم میرے دونوں ساتھیو... کے اغوا کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے۔ وہ میری طرح نرم دل... وہ لامحالہ تمھاری نیت پر شبہ کریں گے اور اولینی کی بازیابی کی بغیر تمھیں اسی دفتر میں گولی مار دیں گے۔"

"لل... لیکن اولینی نے بتایا تھا کہ تم تینوں شریف آدمی ہو... نظر آنے لگا تھا۔

"مجرم جب تک قانون کی گرفت میں نہ آئے، شریف کہلاتا ہے۔ وہ لڑکی گیارہ قتل کرنے کے باوجود کبھی پولیس کی نظر... نہیں آسکی۔ خیر دفع کرو ان باتوں کو، ہم یہاں سے ابھی رخصت ہو... جاتے ہیں۔"

وہ خوف اور تشکر سے لبریز نگاہوں سے میری طرف دیکھتا رہا اور میں اسے آنکھ مارتا ہوا دفتر سے نکل گیا۔

اوپری منزل پر میں دستک دے کر کمرے میں داخل ہوا تو ان دونوں کے چہروں پر دور تک برہمی کا شائبہ نہیں تھا۔ سلطان شاہ کی نگاہیں مسکرا رہی تھیں اور چہرہ گلنار ہو رہا تھا جب کہ ایلی نور کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک کوند رہی تھی۔ میں نے اندر جاتے ہی اخبار ایلی نور کی گود میں ڈال دیے۔

"اخبار بعد میں پڑھنا، فی الحال یہاں سے روانگی کی تیاری کرو۔"

میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ میرے اس ناگہانی اعلان پر وہ دونوں ہی حیران نظر آتے تھے۔

"اولینی کی نیت میں فتور آ گیا ہے، منیجر اس سے ملا ہوا ہے۔" میں نے کہا۔ "اولینی ہوٹل ڈی فرانس پہنچنے کے بجائے کہیں روپوش ہو گیا ہے اور منیجر ہماری کڑی نگرانی کرا رہا ہے۔ ہماری ٹپ پا کر ایک بیرے نے مجھے منیجر کے گندے عزائم سے آگاہ کیا ہے اور ڈی فرانس میں نے فون کیا تھا۔"

"لیکن ہم کہاں جائیں گے؟" سلطان شاہ نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے سوال کیا۔ ایلی نور مسہری کے نیچے سے ڈالروں سے بھرا ہوا بیگ نکال رہی تھی۔

"ہم اپنے پروگرام پر عمل کریں گے۔" میں نے کہا۔ "ایلی نور کوئی فلیٹ کرائے پر لے کر ہمیں اپنے مہمانوں کے طور پر ساتھ رکھے گی یا پھر ہمیں کسی پارک کی بینچوں پر رات گزارنا ہوگی۔"

"وقت ہو تو میں یہاں سے دو چار فون کر لوں۔" ایلی نور کی آواز میں ہیجان پیدا ہو گیا تھا۔ "تم شروع سے ہی اس کم بخت اولینی کی طرف سے بدکے ہوئے تھے اور اب آخر کار وہ سامنے آ ہی گیا۔"

"میرا بس چلے تو میں لفٹ کے بجائے کھڑکی سے کود کر نکل جاؤں۔" میں نے کہا۔ "یہاں ہر لمحہ بھیانک خطرہ ہے۔ یہ ہوٹل کسی بھی وقت ہمارے لیے موت کا پنجرہ بن سکتا ہے۔"

ایلی نور نے پھرتی سے رقم کا تھیلا اٹھا لیا۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا اس لیے ہم تینوں فوراً ہی کمرے سے راہداری میں نکل آئے۔ مجھے منیجر نے بتا دیا تھا کہ اس کا کوئی آدمی قریب رہ کر ہماری نگرانی کر رہا تھا۔ اس لیے وہ شخص میری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکا جو کم و بیش ہمارے ساتھ ہی ایک قریبی کمرے سے برآمد ہوا تھا۔

اس کے چہرے پر کسی خانگی جاسوس جیسی روایتی یتیمی طاری تھی۔ کوٹ کی اوپری جیب میں دو قلم لگے ہوئے تھے جن کے پیچھے نوٹ بک اڑسی ہوئی تھی تاکہ باز پرس کرتے ہوئے عین وقت پر قلم کاغذ کی تلاش میں نہ دوڑنا پڑے۔ اس وقت لفٹ فلور پر نہیں تھی لہٰذا اسے ہمارے ساتھ ہی رکنا پڑا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کا مضحکہ اڑانے کی نیت سے دانت نکال دیے۔ وہ ویسے تو ہم تینوں سے نظریں چرا رہا تھا لیکن میرے دانت نکالنے پر جوابی انداز میں اسے بھی مسکرانا پڑ گیا۔ اس کے لب مسکرائے تھے لیکن باقی چہرے پر تشویش کے آثار بدستور منجمد تھے۔

اسی لمحے خالی لفٹ فلور پر آ گئی اور میں نے اندر داخل ہوتے ہی پورے اعتماد کے ساتھ مضبوطی سے اس کے داہنے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ہمارا پیچھا کرنے سے پہلے منیجر سے مشورہ کر لینا۔ ہم دشمن کے شانوں کو بلا توقف کھوپڑی کے وزن سے آزاد کرنے کے عادی ہیں...."

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" اس کی انگریزی قابلِ رحم اور لہجہ خائفانہ تھا۔ "میں کسی کا پیچھا نہیں کر رہا، حجامت خانے جا رہا ہوں، پتا نہیں تم کون ہو اور کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"یہ حرام مونچھیں ضرور ترشوا لینا۔" میں نے مضحکانہ انداز میں اس کی پلی ہوئی داہنی مونچھ کو چھو کر کہا۔ "ورنہ منیجر انہی کے سہارے تمہیں لٹکا دے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے شانے سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"ماروں اسے؟" سلطان شاہ نے اردو میں سوال کیا۔

میں نے آنکھ کے اشارے سے اسے روک دیا اور اسی لمحے لفٹ گراؤنڈ فلور پر رک گئی، دروازہ کھلتے ہی وہ بھڑک کر سب سے پہلے باہر نکلا تھا جیسے اسے لفٹ کے دھنسنے کا خوف رہا ہو۔ لفٹ سے نکل کر وہ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ منیجر کے کمرے والی راہداری کی طرف لپکا تھا اور پلٹ پلٹ کر ہمیں بھی دیکھتا جا رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ عجلت اور بوکھلاہٹ میں منیجر اپنے اس خانگی جاسوس کو تبدیل شدہ حکمتِ عملی سے آگاہ نہیں کر سکا تھا ورنہ وہ بےچارہ اس غیر ضروری تذلیل سے ضرور بچ جاتا جو میرے ہاتھوں اسے لفٹ میں سہنا پڑی۔ وہ راہداری میں غائب ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اب وہ واپس نہیں آئے گا اس لیے میں ایلی نور اور سلطان شاہ کے ہمراہ بےفکری سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ کون تھا جس سے تم الجھ رہے تھے؟" ہوٹل سے نکلتے ہوئے ایلی نور نے سوال کیا۔

"خانگی جاسوس جو ہماری نگرانی پر مامور تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ان کا ہر انداز اس قدر فرسودہ اور کتابی ہوتا ہے کہ دور سے پہچانے جاتے ہیں، اب وہ منیجر کے دفتر میں اس سے الجھ رہا ہوگا۔"

"تم نے اس کو چھیڑ کر غلطی کی۔ پہچان لیا تھا تو ہم اسے کہیں بھی جُل دے سکتے تھے۔"

"میں نے اسے وہم میں ڈالا ہے۔" میں نے قریب ہی رکنے والی ٹیکسی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "جتنی دیر میں وہ منیجر سے بات کر کے لوٹے گا، ہم دور نکل چکے ہوں گے۔"

ہم تینوں کے سوار ہوتے ہی ایلی نور نے ڈرائیور کو کسی مقام کا نام بتایا اور ٹیکسی پیرس کی صاف و شفاف سڑکوں پر پھسلنے لگی۔ ہوٹل والے جاسوس کی طرف سے مجھے کوئی فکر نہ تھی لیکن ذہن پر شی کے کارندوں کا خوف سوار تھا۔ ہم نے ان کی کارروائی سے پہلے ہوٹل چھوڑنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی لیکن یہ اندیشہ برقرار تھا کہ کہیں پہلے سے پارک ہوٹل کی نگرانی نہ ہو رہی ہو۔ اولینی کا وہاں سے نکلتے ہی اغوا ہو جانا محض

اتفاق نہیں ہو سکتا تھا۔ شام کے اخبارات کی شہ سرخیوں میں بریسٹ کے واقعے کی موجودگی سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ شی کے اس بحری اڈے کی تباہی کی خبر ہم سے بہت پہلے پیرس پہنچ چکی تھی جس کے نتیجے میں پیرس میں شی کے کارندوں کا سرگرم ہو جانا بعید از قیاس نہیں تھا۔ اگر ان لوگوں نے اولینی کو پارک ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے پہچانا تھا تو نہ صرف ہم تینوں بلکہ کوسٹر میں موجود سارے آدمی دیکھ لیے گئے تھے اور غالباً وہ بھی اولینی جیسے انجام سے دوچار ہوئے تھے کیوں کہ ان میں سے کسی نے پارک ہوٹل فون کر کے اپنے ٹھکانے سے آگاہ نہیں کیا تھا جب کہ طے یہ ہوا تھا کہ وہ کہیں بھی قیام کرتے ہی پہلی فرصت میں مجھے اپنے ٹھکانے سے آگاہ کریں گے۔

ٹیکسی اس وقت پیرس کی ایک مصروف اور بارونق شاہراہ پر سفر کر رہی تھی جہاں ٹریفک کے اژدہام میں تعاقب کرنے والی کسی گاڑی کا سراغ لگانا ناممکن تھا لیکن اس کے باوجود میری نگاہیں اضطراری طور پر بار بار پیچھے کا طواف کر رہی تھیں اور میں ٹیکسی کے کسی ویران سڑک پر گھومنے کا انتظار کر رہا تھا تاکہ اپنے خدشات کی تصدیق یا تردید کر سکوں لیکن ٹیکسی مسلسل بولیوارڈ سینٹ جرمین پر سفر کر رہی تھی۔

سینٹ جرمین کے اختتام پر سینٹ برنارڈ اسٹریٹ کو عبور کرتی ہوئی جب ٹیکسی دریائے سین کے پونٹ سلی نامی پل کی طرف چلی تو ایلی نور کچھ مضطرب ہو گئی اور اس نے فرنچ میں ٹیکسی ڈرائیور کو ٹوکا۔ اس پر دونوں میں فرنچ زبان میں چند فقروں کا تبادلہ ہوا اور پھر خاموشی چھا گئی لیکن ایلی نور کے چہرے پر اضطراب کی لہریں مچل رہی تھیں۔

"کیا بات ہے؟" میں نے آہستگی سے اُس سے انگریزی میں سوال کیا۔

"کچھ نہیں مونسیور!" ایلی نور سے پہلے ہی ٹیکسی ڈرائیور ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بول پڑا۔ "ہمیں سینٹ مارسل کے علاقے میں جانا ہے جو دریا کے اسی کنارے پر ہے لیکن راستے میں یونیورسٹی کے لڑکے لڑکیوں کا ایک بے لگام جلوس آ رہا ہے اس لیے میں نے محفوظ راستہ لیا ہے۔ دوسرے پل سے واپس لوٹ کر ہم چند منٹ میں منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

"ٹیکسی روک لو۔" میں نے اس کی نیت آزمانے کی غرض سے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"پل پر گاڑی روکنا جرم ہے مونسیور!" ڈرائیور نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ پیرس کے ٹیکسی ڈرائیور دنیا بھر میں سب سے شریف تسلیم کیے جاتے ہیں۔"

اسی لمحے میرا ماتھا ٹھنکا۔ گیا یقینی طور پر دال میں کچھ کالا تھا اور وہ ہمیں بہلا پھسلا کر اپنے کسی ٹھکانے پر لے جانا چاہ رہا تھا لہٰذا میں نے فوراً ہی جیب سے بیم گن نکال لی۔

"میرے ہاتھ میں بے آواز پستول ہے۔" میں نے سخت تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "پل عبور کرتے ہی گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر انجن بند کر دو اور ڈرائیونگ سیٹ سے میری طرف کھسک آؤ ورنہ اسی وقت ٹھنڈے ہو جاؤ گے۔"

اس وقت سامنے سڑک صاف تھی، اس نے پل عبور کرتے ہی انتہائی تیزی سے ٹیکسی کو سڑک پر لہرایا اور میرا توازن بگڑنے سے فائدہ اٹھا کر میری بیم گن پر ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن میں پوری طرح چوکنا تھا۔ میں نے بیم گن کو بچاتے ہوئے پوری قوت سے اس کے چہرے پر ٹکر کی۔ میرا جوابی حملہ اس کے لیے غیر متوقع تھا اور شاید اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا کیوں کہ ٹیکسی سڑک پر آڑی ہو گئی لیکن اس سے پیشتر کہ وہ وسطی سبزہ زار کی پختہ منڈیر سے ٹکرا کر الٹتی، میں نے پوری قوت سے ہینڈ بریک کھینچ لیا۔ پچھلے ٹائروں کی پرشور آواز کے ساتھ ٹیکسی رک گئی اور گاڑی چونکہ گیئر میں ہونے کی وجہ سے انجن دھڑ دھڑ کرتے ہوئے خود بخود بند ہو گیا۔

سڑک اس وقت اتفاقاً صاف تھی لیکن حقیقت میں وہ شہر کی ایک مصروف شاہراہ تھی اور ٹیکسی اس وقت بہت غلط پوزیشن میں رکی تھی لیکن ایلی نور کو مجھ سے زیادہ اس صورت حال کا ادراک تھا۔ ٹائروں کی پرشور آواز بلند ہوتے ہی وہ دروازہ کھول کر نیچے اتری تھی اور ٹیکسی ٹھہرتے ہی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر گھس آئی اور اپنے جسم کا زور لگا کر چندھیائے ہوئے ڈرائیور کو بے رحمی سے میری طرف دھکیل دیا۔

وہ سب آناً فاناً میں ہو گیا اور ٹیکسی سڑک پر ایک بار پھر آگے بڑھ گئی۔ اسی اثنا میں ڈرائیور اپنے چہرے پر پڑنے والی ٹکر کے اثرات سے سنبھلا تو میری بیم گن کی نال اس کی پسلیوں میں اڑی ہوئی تھی۔

"تم بچ نہیں سکو گے۔" ڈرائیور بے بسی کے عالم میں غصیلے لہجے میں غرایا۔ "میں نے ریڈیو فون پر نمبر ملایا ہوا تھا۔ یہ ساری بات چیت دوسری طرف سنی گئی ہو گی اور تم چند ہی منٹ میں گھیر لیے جاؤ گے۔"

میں چونک پڑا۔ ڈرائیور کی وہ بکواس ہمارے حق میں مفید تھی۔ کیوں کہ ہمیں آنے والے خطرے کی پیشگی اطلاع مل گئی تھی۔ اس وقت میں نے ایلی نور کی زبان سے پہلی بار ننگی بازاری گالیاں سنیں جو ٹیکسی ڈرائیور کو دی گئی تھیں اور پھر اس نے ڈیش بورڈ کا ایک سوئچ دبا کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

ٹیکسی کی اگلی نشست پر اس وقت دو کے بجائے تین افراد موجود تھے۔ ڈرائیور میرے اور ایلی نور کے درمیان پھنسا ہوا تھا اور اپنی ہرزہ سرائی سے یہ ظاہر کر چکا تھا کہ اس کا تعلق شی سے تھا اور وہ ہوٹل پارک کی نگرانی پر مامور تھا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ وہ ہم تینوں کو اغوا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا لیکن یہ بات باعث تشویش

پیرس میں ہماری آمد کی خبر پھیل چکی تھی اور ہمارے خلاف شی
سائی حرکت میں آ چکے تھے۔

ایلی نور نے یونٹ سٹی عبور کرتے ہی ٹیکسی بائیں طرف پہلی گلی
میں موڑلی اور پھر دریائے سین کے شمال میں پیرس کی پُرپیچ گلیوں
میں ہمارا سفر شروع ہوگیا۔ ایلی نور ماہرانہ انداز میں ٹیکسی کو تیز رفتاری
سے تنگ گلیوں میں گھما رہی تھی تاکہ ریڈیو فون پر سنی جانے والی
گفتگو کے نتیجے میں کسی نے تعاقب کا آغاز کیا ہو تو آسانی سے ہم تک
نہ پہنچ سکے۔

"تم نے ریڈیو فون پر کون سا نمبر ملایا ہوا تھا؟" ایلی نور نے ٹیکسی
چلاتے ہوئے سخت لہجے میں ڈرائیور سے سوال کیا۔

"گاڑی کسی ویرانے کی طرف موڑلو۔" ڈرائیور کو خاموش پا کر میں
نے درشت لہجے میں کہا۔ "اس ولدالحرام کو مار کر کہیں راستے میں پھینک
دیں گے۔ اگر یہ بولنے پر آمادہ نہیں ہوتا تو اسے گلے کا ہار بنائے رکھنا
بیکار ہے۔"

میرے ان الفاظ پر ڈرائیور اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اپنی پسلیوں
میں گھسی ہوئی نال کی پروا کیے بغیر ایلی نور سے لپٹ گیا۔ اس کی جنونی
حالت کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ آخر کار ٹیکسی ایلی نور
کے قابو سے باہر ہو کر کہیں جا ٹکرائے گی۔ وہ بار بار اسٹیئرنگ سنبھالنے
کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ مردود وحشی اس کے جسم کے حساس
حصوں کو نوچے کھسوٹے جا رہا تھا۔ میں نے اسے ایلی نور سے دور ہٹانے کی
کوشش کرتے ہوئے وارننگ بھی دی لیکن وہ باز نہ آیا تو میں نے اس کی داہنی پسلیوں میں
پیوست کی نال اڑا کر ٹرائیگر دبا دیا۔ اس کے بدن کو ایک ہلکا سا جھٹکا
لگا، وہ یوں ہی ایلی نور کے وجود پر ڈھیر ہوگیا۔ میں نے بے رحمی کے
ساتھ اسے ایلی نور کے بدن سے علیحدہ کیا اور پھر اس کے گرم گرم لیکن
بے جان بدن کو کسی نہ کسی طرح پائیدان میں ٹھونس دیا۔

"ذرا سی دیر میں ہم ایک ویران سڑک پر نکلیں گے، وہیں اس
کی لاش پھینک دینا۔" ایلی نور نے اپنے چڑھتے ہوئے سانسوں پر
قابو پاتے ہوئے کہا۔ "راستے میں کسی سے مڈبھیڑ ہوگئی تو اس کی لاش
کے بارے میں جواب دہی مشکل ہو جائے گی۔"

"لاش کو گولی مارو۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "ہمیں اب
یہ ٹیکسی ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ ہر طرف سے اس ٹیکسی کو گھیرنے
کی کوشش کریں گے۔ اسے چھوڑ کر ہم زیادہ محفوظ رہیں گے۔"

"تم تو آئی مین ہو پھر ان سے کیوں بچ رہے ہو؟" اس نے سپاٹ
لہجے میں سوال کیا لیکن اس کے الفاظ معنی خیز تھے۔

"اس وقت ہمارا ٹکراؤ ہو رہا ہوگا جس میں بالکل نئے لوگ بھی
شامل ہوں گے، وہ کیا جانیں کہ آئی مین کیا ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ
میرے سلور آئی دکھانے کے باوجود وہ مجھے گولی مار دیں۔"

وہ اعصاب زدہ انداز میں ہنس پڑی۔ "مُعذرت تراشی تو کوئی تم سے
سیکھے۔ تمھیں اب بھی اصرار ہے کہ تم آئی مین ہو؟"

"سلور آئی میری تحویل میں ہونے کے باوجود تم مجھے آئی مین تسلیم
کرنے پر آمادہ نہیں ہو..... اس کا ایک ہی علاج ہے کہ میں تمھاری
روح کو قفسِ عنصری کے جھمیلوں سے آزاد کر دوں یا تمھیں اپنا قیدی
بنالوں۔"

"قیدی تو بنا ہی چکے ہو۔" وہ لذت آمیز انداز میں ہنستے ہوئے
بولی۔ "روح اور جسم کے ساتھ ہی دل و دماغ پر بھی تصرف حاصل کر
چکے ہو۔ اس سے زیادہ قید اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس وقت بھی جو چاہو
گے، آنکھیں بند کر کے وہی کر گزروں گی۔ اس کے لیے تمھارا آئی مین
ہونا یا نہ ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔"

ٹیکسی میں میرے پائیدان میں ایک تازہ لاش پڑی ہوئی
تھی اور ایلی نور کے ذہن پر عشق کا بھوت سوار ہو رہا تھا جس سے
صرف اور صرف ایک ہی بات ظاہر ہوتی تھی کہ اس کے مزاج میں
اذیت پرستی کا کسی نہ کسی حد تک دخل تھا۔ اپنے ساتھ ہونے والے
ناگفتہ جسمانی تشدد کے بعد ٹیکسی ڈرائیور کی موت نے اس کے خوابیدہ
احساسات کو بیدار کر دیا تھا اور وہ اچانک میرے ساتھ اظہارِ
تعلق پر تل گئی تھی لہٰذا میری دانست میں وہ حقیقت کے اعتراف
کا مناسب ترین وقت تھا جو ایلی نور کے حوالے سے میرے لیے بہت
زیادہ سازگار تھا۔

"اور اگر میں یہ کہوں کہ میں آئی مین نہیں بلکہ ڈینی ہوں اور میں
نے اپنی طاقت کے بل پر ایک آئی مین کو موت کے گھاٹ اتار کر سلور
آئی حاصل کی ہے تو تمھارا کیا تاثر ہوگا؟" میں نے کہا۔

"کاش تم یہ کہہ دو۔" وہ ٹیکسی ڈرائیو کرتے ہوئے حسرت آمیز
لہجے میں بولی۔ "یہی تو میرا خواب ہے۔ میں یہی سوچتی رہی ہوں کہ کاش!
تم اصلی آئی مین نہ ہو اور ایک دن مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر مشرق
کے ان پُراسرار دھندلکوں میں لے جاؤ جہاں انسان اپنی ذات کو
فراموش کر کے ایک طلسم میں ڈوب جاتا ہے۔"

"مشرق فسوں خیز ضرور ہے لیکن اتنا بھی نہیں جتنا تم نے سوچ لیا
ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "زندگی رہی تو تمھیں ادھر بھی لے
جاؤں گا کیونکہ وہی میرا وطن، میری مٹی ہے۔ اسی کے خمیر نے مجھے
ڈینی بنایا اور ڈینی آج تمھارے جمی لائیڈ کے خوابوں کا عذاب بنا
ہوا ہے۔"

اس نے بے اختیار میرا بایاں ہاتھ تھام کر چوم لیا۔ "آخر اسے
تم سے کیا خطرہ ہے؟ وہ تمھارے خون کا پیاسا کیوں ہو رہا ہے؟" اس کا
لہجہ سرسری اور محبت سے لبریز تھا۔

"اب یہ بھی سن لو کہ اس صدی میں صرف ایک ہی جمی لائیڈ پیدا

ہوا ہے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "وہی شی کا سربراہ ہے اور وہی کنگ لائنز کا مالک..... "

"نہیں!" ایلی نور بے اختیار چیخ پڑی اور اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ بہک گئے۔

"لیکن اس نے بڑی خوب صورتی کے ساتھ اپنی دونوں شخصیتوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھا ہوا ہے، اس کوشش میں وہ اس حد تک کامیاب ہے کہ اس کی جہاز راں کمپنی میں ملازم رہنے والی تم جیسی لڑکی بھی اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں کر سکی۔" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس کے دونوں روپ ایک دوسرے سے اتنے متضاد ہیں کہ کوئی ان میں ذرا بھی مشابہت تلاش نہیں کر سکتا۔"

"سب کچھ درست ہے لیکن اس کی پرواز بہت بلند ہے، اس کام سے کسی طرح کوئی جوڑ نہیں پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمھاری اور اس کی دشمنی کہاں سے شروع ہو گئی؟"

"ہیروئن کے بارے میں باتیں کرنا یا دو چار کلو کا لین دین کر کے کروڑ پتی بن جانا بہت آسان اور خوش گوار لگتا ہے۔ شیش محلوں میں رہنے والے آئے دن ہیروئن کی تباہ کاریوں کے بارے میں اخباری بیان جاری کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے اثرات بہت کم لوگوں نے دیکھے ہوں گے۔ میں نے بہت نچلی سطح پر ہیروئن کے عادیوں کا عبرت ناک حشر دیکھا ہے اور وہیں سے میرے دل میں تنظیم کے خلاف نفرت بیٹھتی چلی گئی۔ وسیع مالی فائدے کے لیے یہ لوگ پوری دنیا میں زہر بیچ رہے ہیں اور پاکستان جیسا غریب ملک بھی ان کا نشانہ بنا ہوا ہے کیوں کہ وہ ہیروئن کی آسان پیداواری منڈی اور گزرگاہ ہے، بس اسی وجہ سے میں نے تنظیم سے الگ ہونا چاہا اور وہ سب میرے خون کے پیاسے ہو گئے۔"

"ایسے دھندوں میں شامل ہونا آسان ہوتا ہے لیکن اس چکر سے نکلنا ناممکن ہوتا ہے۔ کنارہ کشی کی آسان صورت تو یہ ہوتی کہ تم خاموشی سے پاکستان چھوڑ کر کسی دور دراز ملک میں گوشہ نشینی اختیار کر لیتے۔" وہ بولی۔

"یہ میرے ضمیر نے گوارا نہیں کیا۔ میں جو کچھ کر چکا تھا، اس کے ازالے کی واحد صورت یہی تھی کہ میں پاکستان میں تنظیم کے مفادات کو ایسی زک پہنچاؤں کہ ان کے لیے اپنی سرگرمیاں جاری رکھنا محال ہو جائے اور میں اپنی کوششوں میں اب تک کامیاب ہوتا رہا ہوں جس کے نتیجے میں وہ ہر قیمت پر مجھے ختم کر دینے کے درپے ہو گئے ہیں۔"

"ایک عالمگیر تنظیم کے سامنے تمھاری بساط ہی کیا ہے۔" وہ جھرجھری لیتے ہوئے بولی۔ "یہ تو ایسا ہی ہے جیسے تم بالٹی سے سمندر خالی کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ ان کے سامنے ڈٹے رہے تو ایک نہ ایک دن وہ تمھیں زیر کر ہی لیں گے۔"

"شی کا روحِ رواں جمی لائیڈ ہے۔ جس دن میرے ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ گئے، اسی دن شی کا شیرازہ بکھر جائے گا۔"

اس وقت ہم گلیوں میں سفر کرتے ہوئے ایک ویران سڑک پر نکل آئے تھے، اس لیے میں نے فوراً ہی موضوع بدلتے ہوئے ایلی نور کو ٹیکسی روکنے کا مشورہ دیا اور اس نے گاڑی کنارے لگا کر روک دی۔

ہم تینوں سرعت کے ساتھ ٹیکسی سے اُترے تھے، رقم کا تھیلا بدستور ایلی نور کی ذمے داری بنا ہوا تھا۔

"یہ علاقہ تو تمھارا دیکھا بھالا ہو گا۔" میں نے سڑک سے وسیع میدان میں اُترتے ہوئے سوال کیا۔

"ہم غالباً سینٹ ہونور کے آس پاس ہیں۔" وہ گرد و پیش میں نگاہیں دوڑاتے ہوئے بولی۔ "اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو دس پندرہ منٹ بعد ہی ہم ایک پارک کے قریب جا نکلیں گے۔ تمھیں وہاں چھوڑ کر میں کہیں سے بھی فون پر رہائش کا بندوبست کر لوں گی، اس وقت کسی ہوٹل کا رُخ کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔"

"لیکن اس وقت ہمیں یکجا ہی رہنا چاہیے، وہ لوگ شہر میں ہمارے علاوہ گن بوٹ کے عملے کو بھی گھیر رہے ہوں گے، تم دور ہی سے پہچان لی جاؤ گی۔"

"ہم تینوں اکٹھے رہے تو زیادہ آسانی کے ساتھ پہچان لیے جائیں گے۔" وہ فکر مندانہ لہجے میں بولی۔ "میری کوشش تو یہ ہے کہ کسی اسٹیٹ بیورو کو فون کر کے ہی معاملات طے کر لوں اور براہِ راست اسے طے شدہ پراپرٹی پر بلا کر کرائے اور کمیشن کی رقم ادا کر دوں تاکہ میرا زیادہ ایکسپوژر نہ ہو۔"

"اگر براہِ راست ایسا کرنا ممکن ہے تو کام بہت آسان ہو گا۔ پبلک فون تو تمھیں کسی اچھے پارک میں بھی مل جائے گا۔" میں نے کہا۔ "وہاں سے ہم اکٹھے مکان کی طرف جا سکیں گے۔"

"ہاں۔ یہ زیادہ بہتر ہو گا۔" اس نے کہا اور پھر ہم خاموشی کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ اس وقت میرے ذہن پر بس یہی ایک فکر سوار تھی کہ کسی طرح پیرس میں اپنا قیام مختصر کر کے جلد از جلد جمی لائیڈ کے ٹھکانے کی طرف روانہ ہو سکوں۔

♠

ڈور بیل سنتے ہی میں بُری طرح چونک پڑا۔

سینٹ جرمین کے بنگلے۔ بالشی علاقے میں دو بیڈ روم کے اس فلیٹ میں آئے ہمیں چند ہی گھنٹے گزرے تھے۔ ایلی نورا اور سلطان شاہ خواب گاہوں میں تھے اور میں آراستہ ڈرائنگ روم میں صوفے پر دراز تھا، اس لیے گھنٹی کی آواز پر مجھے ہی بڑھ کر دروازہ کھولنا تھا لیکن گھنٹی کی وہ غیر متوقع آواز میرے اعصاب پر کسی بم کے دھماکے کی طرح

اثر انداز ہوئی اور میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ پیرس جیسے اجنبی شہر میں ہمارا کون سا شناسا پیدا ہو گیا تھا۔

اسی لمحے ایلی نور شب خوابی کے باریک لباس پر گاؤن کی ڈوریاں کستی ہوئی باہر آگئی۔ "تم ٹھہرو، میں دیکھتی ہوں کہ کون آیا ہے۔" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"جو بھی ہو اس سے ذرا ہٹ کر بات کرنا۔" میں نے کشن کے نیچے سے بیم گن نکالتے ہوئے کہا۔ "میرے اور آنے والے کے درمیان خالی نہ ہونا تاکہ ضرورت پڑنے پر میں کوئی کارروائی کر سکوں۔"

ایلی نور نے دروازے کے قریب جا کر فرنچ میں سوال کیا جس کا باہر سے جواب دیا گیا اور ایلی نور نے اندر سے دروازے کا بولٹ گرا دیا۔ بولٹ گرتے ہی دروازے کا ہینڈل خود بخود تیزی سے اندر کھلا تھا۔ شاید آنے والوں نے اس پر طبع آزمائی کی تھی۔

کھلے ہوئے دروازے سے اندر آنے والے پر نگاہ پڑتے ہی مجھے طیش آیا تھا کیوں کہ وہ کرائے پر مکانات دلوانے والی فرم کا وہی دلال تھا جو کچھ دیر قبل ہمیں اس آراستہ فلیٹ میں چھوڑ کر گیا تھا۔ لیکن میرا غصہ زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا۔ اس کے پیچھے دو قوی ہیکل افراد موجود تھے جن کے ہاتھ سیاہ اونی کوٹوں کی جیبوں میں پڑے ہوئے تھے۔ اندر گھستے ہی انھوں نے پھرتی کے ساتھ اپنی جیبوں سے پستول نکالے اور ایک نے پلٹ کر دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا۔

وہ ساری کارروائی اس قدر سرعت سے ہوئی کہ مجھے بیم گن استعمال کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ جتنی دیر میں دلال پر غصے کی لہر پر قابو پانے میں کامیاب ہوا اتنی دیر میں دونوں نو وارد مجھے پستولوں کی زد پر لے چکے تھے۔

"گن پھینک کر ہاتھ اٹھا لو۔" نو واردوں میں سے عینک والے نے انگریزی میں غرا کر کہا۔ "ورنہ کھوپڑی میں روشندان کھول دیا جائے گا۔"

"تم لوگ کون ہو اور میری اجازت کے بغیر اندر کیسے داخل ہوئے؟" ایلی نور نے انگریزی میں احتجاج کرتے ہوئے پراپرٹی ڈیلر کے کوٹ کا کالر دونوں ہاتھوں میں تھام کر اسے جھنجوڑ ڈالا۔

"میں مجبور تھا میڈموازیل!" وہ بے بسی کے ساتھ بولا۔ "اسلحہ کے زور پر کسی بھی شریف آدمی کو مرغ کی طرح بانگ دینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ تو مجھے فلیٹ تک ہی لائے ہیں۔"

"اور تم لوگ کون ہو؟" ایلی نور ان کی طرف مڑ کر غرائی۔ میں نے محسوس کیا کہ ان مسلح اجنبیوں کو اپنے سر پر مسلط دیکھ کر بھی وہ قطعاً خائف نہیں ہوئی تھی۔ اس اثنا میں میں نے بیم گن صوفے پر ڈال کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے تھے تاکہ وہ دونوں مجھ پر خصوصی توجہ مرکوز نہ کر سکیں۔

"سوال کرنے کا حق صرف ان کو ہوتا ہے جو بالا دست ہوں۔" ستواں چہرے والا عینک والا شخص گمبھیر لہجے میں بولا۔ "اور اس وقت دو پستولوں کی وجہ سے بالا دستی ہمیں حاصل ہے لہٰذا تم کو سوال کرنے کے بجائے جوابات دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"میں تمھارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔" ایلی نور تنک کر بولی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ آج کل سینٹ جرمین کا علاقہ بھی لفنگوں کی زد میں آیا ہوا ہے۔"

"ہم لفنگے نہیں، کالے گلابوں کے تاجر ہیں اور یہ شعبہ شاید تمھارے لیے بھی اجنبی نہیں ہوگا۔" ستواں چہرے والے نے پرسکون لہجے میں کہا۔ کالے گلاب کا حوالہ غالباً شناخت کے طور پر دیا گیا تھا۔

"میں سمجھ گئی۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "لیکن بل ایتھی کو میری نجی زندگی میں دخل انداز ہونے کا حق کس نے دیا ہے۔ تم لوگ اس طرح میرے سر پر کیوں سوار ہوئے ہو؟"

"اس کا جواب بل ایتھی ہی دے سکے گا۔ ہم اس کا حکم ماننے پر مجبور ہیں اور اس کی یہ ہدایت ہے کہ تمھیں اپنے ساتھیوں سمیت فوری طور پر پکڑ لیا جائے، شاید تمھارا نام ایلی نور ہی ہے۔" اسی شخص نے کہا۔

"ہاں میں ایلی نور ہوں۔" وہ غصیلی آواز میں بولی۔ "بل ایتھی پیرس والوں کا خدا ہو سکتا ہے لیکن میں اس کی تابع نہیں ہوں، میرا اپنا یونٹ ہے اور میں صرف اسی کو جواب دہ ہوں۔"

"یہ تمھارا اور اس کا معاملہ ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ بریسٹ کا بیس اسٹیشن تباہ ہو گیا، گن لوٹ لاپتا ہے لہٰذا اس سے تعلق رکھنے والا جو بھی فرد مل سکے اسے تحویل میں لے لیا جائے۔ آج دوپہر تک اولینی اور ریمبراں سمیت کئی آدمی مل چکے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق تم دو اجنبیوں کے ساتھ لاپتا تھیں۔ سنا ہے کہ ایک آدمی تم تک پہنچ گیا تھا مگر اسے ہلاک کر دیا گیا۔ یہاں ایک تو نظر آ رہا ہے تمھارا دوسرا ساتھی کہاں ہے؟"

"میں تمھارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔ بل ایتھی کو جو کچھ معلوم کرنا ہے، خود یہاں آکر مجھ سے معلوم کرے۔" ایلی نور واقعی برہم نظر آنے لگی تھی۔ ان دونوں کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ بل ایتھی شاید پیرس میں شی کی مقامی تنظیم کا سربراہ تھا۔

"ایسی صورت میں ہم تمھیں زبردستی لے جائیں گے۔" وہ کسی خاص ردِ عمل کا مظاہرہ کیے بغیر بولا۔ "ہمیں یہی بتایا گیا تھا کہ ہوٹل سے فرار کے بعد تم کہیں نہ کہیں کرائے کا مکان لینے کی کوشش کرو گی اور تم دیکھو کہ ہم تمھارے پراپرٹی ڈیلر کے ذریعے چند ہی گھنٹوں میں تم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔"

"تم لوگ سخت بے احتیاطی کے مرتکب ہو رہے ہو۔" میں نے

حالات سے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "تم لوگ وہی کرو گے جس کی تمہیں ہدایت ملی ہے لیکن انہیں کی گفتگو میں یہ غیر آدمی کیوں شامل کیا گیا ہے؟" میرا اشارہ پراپرٹی ڈیلر کی طرف تھا۔

"تم نے غور نہیں کیا کہ اس کے ہاتھ نہیں اٹھوائے گئے۔" اس نے میری بات کا مضحکہ اڑانے کے بجائے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ اپنے پیشے سے مجبور ہے اور غیر ضروری بکواس کرنے کا عادی ہو گیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہمارے لیے کام کرتا ہے اور تمہاری بدقسمتی کہ تمہیں بھرے شہر میں یہی ایک پراپرٹی ڈیلر نظر آیا تھا۔ تم اس خاتون کو سمجھاؤ کہ ہمیں تشدد کرنے پر مجبور نہ کرے۔"

"تم غسل خانوں اور کمروں میں تیسرے کو تلاش کرو۔" عینک والے نے پراپرٹی ڈیلر سے کہا اور وہ سیدھا سلطان شاہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا جس کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔

وہ شخص کمرے کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ فیوز اڑنے کی ہلکی سی آواز کے ساتھ فلیٹ میں گھور اندھیرا چھا گیا۔ لمحے بھر کے لیے میری کچھ سمجھ میں نہ آسکا لیکن سلطان شاہ کے کمرے کی طرف سے پراپرٹی ڈیلر کی گھٹی گھٹی غراہٹ سنتے ہی مجھے ہوش آ گیا۔

"جو جہاں ہے وہیں ٹھہرے ورنہ میں بے دریغ گولی مار دوں گا۔" ان دونوں میں سے ایک کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری اور میں نے ہیم گن سنبھال کر اسی پر جست لگا دی، اتنی دیر میں ایلی نور اس کے ساتھی سے لپٹ پڑی تھی اور اندھیرے فلیٹ میں اچھی خاصی ہڑبونگ پھیل گئی تھی جس میں ہمیں پیش رفت کا فائدہ حاصل تھا۔

میں نے حملہ آور ہوتے ہی اپنے حریف کی گردن اپنی بغل میں دبوچی تھی اور پھر ہیم گن اس کے پیٹ میں پسلیوں کے اختتام پر گاڑ کر ٹریگر دبا دیا۔ ایسا کرتے ہوئے میں نے اپنے ہاتھ کو کئی سمتوں میں جنبش دی تھی تاکہ وہ مہلک شعاعیں ایک ہی وار میں اس کے سارے اعضائے رئیسہ کو خاکستر کر دیں اور ہوا بھی یہی، کیوں کہ اسی لمحے وہ کسی بے جان بوجھ کی طرح میری گرفت میں جھول گیا اور میں نے آہستگی سے اسے فرش پر ڈال لیا۔

اس سے نمٹ کر میں نے ایلی نور کا ہاتھ بٹانے کا ارادہ کیا تو پتا چلا کہ سلطان شاہ پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا اور وہ دونوں مل کر اپنے شکار کی درگت بنا رہے تھے جب کہ پراپرٹی ڈیلر نہ جانے کہاں غائب تھا۔

"کمال ہے، ایک آدمی تم دونوں کے قابو میں نہیں آرہا۔" میں نے نیچی آواز میں ہانک لگائی۔ "یہ دھما چوکڑی جلد ختم کرو ورنہ نچلی منزل والے بوکھلا کر اوپر آجائیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو، نچلی منزل کا فلیٹ غیر آباد پڑا ہوا ہے۔" چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان ایلی نور کی آواز آئی۔ "ہم اسے زندہ پکڑنے کی فکر میں ہیں۔"

پھر یکلخت اندھیرے میں ساری آوازیں معدوم ہو گئیں اور بس کسی کے گھٹتے ہوئے بھاری سانسوں کی گونج فضا میں باقی رہ گئی شاید ان دونوں نے اپنے شکار کو زیر کر لیا تھا اور سلطان شاہ اس کا گلا دبا کر اسے بے ہوش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے جیب سے ماچس نکال کر دیاسلائی جلائی تو میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ اس وقت تک سلطان شاہ نووارد کے سارے کس بل نکال کر اسے بے حس و حرکت کر چکا تھا۔

"بورڈ تلاش کر کے فیوز باندھو۔" سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں ٹیبل لیمپ کے بلب میں سے سکہ الگ کرنے جا رہا ہوں۔"

"تو یہ فیوز تم نے اڑایا تھا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ گڑبڑ کا احساس ہوتے ہی میں نے ٹیبل لیمپ کا بلب نکال کر اس کے کیپ پر ایک سکہ رکھ کر بلب دوبارہ ہولڈر میں لگا دیا تھا پھر بات بڑھتے ہی میں نے ٹیبل لیمپ کا سوئچ آن کیا تو سکے کی وجہ سے فیوز اڑ گیا۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ پورے فلیٹ میں ایک ہی مشترکہ فیوز رہا ہو گا۔"

"باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی، پہلے روشنی کا بندوبست کرو۔" میں نے کہا اور دوسری دیاسلائی جلا کر ایلی نور کے اشارے پر سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ گیا جس کے محل وقوع سے صرف ایلی نور ہی واقف تھی۔ فیوز باندھنے کے لیے اندھیرے میں تار تلاش کرنا دشوار تھا لہٰذا میں نے سگریٹ کے پیکٹ کی پنی کریپ میں لگا کر اسے واپس فیوز شو میں بٹھا دیا اور فلیٹ میں روشنی بحال ہو گئی۔

اس وقت ڈرائنگ روم کی حالت ابتر تھی۔ ایلی نور کے جسم سے نائٹ گاؤن اتر گیا تھا جو اس نے آراستہ فلیٹ کے وارڈ روب سے نکالا تھا۔ شب خوابی کا لباس بھی کئی جگہ سے پھٹ گیا تھا۔ اپنے بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ اس وقت وہ اکھاڑے سے نکلی ہوئی پہلوان نظر آرہی تھی۔ میرے شکار کی جھلسی ہوئی لاش قالین پر کسمپرسی کے عالم میں پڑی ہوئی تھی۔ اس سے ذرا دور دوسرا نووارد ایک گٹھڑی کی صورت میں بے حس و حرکت پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اس کا چہرہ کئی جگہ سے زخمی تھا اور داہنی آنکھ نیلی ہو کر سوج گئی تھی۔

"اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دو۔" ایلی نور کو یہ ہدایت دیتے ہوئے میں سلطان شاہ کی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا جہاں وہ قالین پر بے سدھ پڑے ہوئے پراپرٹی ایجنٹ کو ہلا جلا کر اس کی حالت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اندر قدم رکھتے ہی میری چھٹی حس نے موت کی بُو سونگھ لی، میں نے بڑھ کر پراپرٹی ایجنٹ کی نبضیں ٹٹولیں تو وہ موت کی اتھاہ وادیوں میں ڈوب چکی تھیں جب کہ بظاہر اس کے جسم پر کسی ٹوٹ پھوٹ کے آثار نہیں تھے اور نہ ہی سلطان کے کمرے سے زیادہ دھینگا مشتی کی آوازیں سنائی دی تھیں۔

"یہ مرچکا ہے۔ کیا کیا تھا تم نے اس کے ساتھ؟" میں نے سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"شاید اشتعال میں زوردار ہاتھ پڑ گیا ہوگا۔ میں نے اس کی گردن پر کراٹے کا وار کیا تھا۔" اس نے ندامت کے کسی احساس کے بغیر کہا۔

"پھر اس کی گردن ہی ٹوٹی ہوگی۔" میں نے کہا۔ "اب اس میں کچھ نہیں رکھا۔ دوسری لاش ڈرائنگ روم میں پڑی ہے۔ اب انھیں چھپانے کی کوشش کرو، کوئی اور نکل آیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"دونوں کو مسہری کے نیچے ٹھونس دوں گا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس واقعے کے بعد ہم اب یہاں سے نکلنے کی ہی سوچیں گے۔" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا اور میں سر ہلاتے ہوئے باہر آ گیا۔

وہاں ایلی نور بڑی محنت سے اپنے کام میں مصروف تھی۔ قیدی کے ہاتھ اس کی پشت پر باندھنے کے لیے اس نے گاؤن کی مضبوط اور خوب صورت ڈوری استعمال کی تھی۔ میں اس کی کارروائی کا جائزہ لیتے ہوئے سگریٹ سلگا کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

ہم پر وہ ناگہانی افتاد جس غیر متوقع انداز میں نازل ہوئی تھی، اسی تیزی کے ساتھ نمٹ بھی گئی تھی اور نو واردوں میں سے ایک نے مرنے سے پہلے یہ بھی بتا دیا تھا کہ پراپرٹی ایجنٹ بذاتِ خود شی کا مُخبر وقتی کارندہ تھا اور ایلی نور نے رہائش کی فراہمی کے لیے انجانے میں اسی کا انتخاب کیا تھا جب کہ اس وقت شی سے تعلق رکھنے والے گُرگے بھی شہر میں ہم تینوں کی بُو سونگھتے پھر رہے تھے۔

پراپرٹی ایجنٹ نے ہمیں فلیٹ کا قبضہ دیتے ہی یقینی طور پر ان دونوں پر اپنے شبہے کا اظہار کیا ہوگا اور پھر ان تینوں نے ہی فلیٹ پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگر اس راز سے وہی تینوں واقف تھے تو ہمارے سر سے ہر خطرہ ٹل چکا تھا اور ہم وہیں ٹھہر کر سکون کے ساتھ اپنے اگلے پروگرام کی منصوبہ بندی کر سکتے تھے بصورتِ دیگر ان کی واپسی میں تاخیر ہونے کی صورت میں ان کے مددگار زیادہ قوت اور نفری کے ساتھ کسی بھی لمحے ہم پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔

"یہ لِی اینتھی کیا بلا ہے؟" ایلی نور کے فارغ ہو جانے پر میں نے اس سے سوال کیا۔

"پیرس میں شی کا سربراہ ہے اور اس قدر بدطینت آدمی ہے کہ اس سے یہاں کے جرائم پیشہ لوگ بھی پناہ مانگتے ہیں لیکن پولیس اور دوسرے سرکاری محکموں میں رسوخ کا یہ عالم ہے کہ کوتوالیوں میں مہمان کے طور پر عزت کے ساتھ بلایا جاتا ہے اور جو کچھ کہہ دیئے اس پر من و عن یقین کر لیا جاتا ہے۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"اس سے تمھاری اتنی زیادہ واقفیت کیسے ہو گئی؟"

"ایک بار اپنے چند دوستوں کے ساتھ بریسٹ والی سمندری کھاڑی میں آبی پرندوں کا شکار کھیلنے آیا تھا تو کئی دن تک بیس اسٹیشن پر ٹھہرا تھا، وہیں ملاقات ہوئی تھی۔ نگاہوں کا بھی بہت گندا ہے، ہر عورت کو حریص اور لُبھانے والی نظروں سے دیکھنے کا عادی ہے، مجھے تو اس کی صورت ہی سے چڑ ہو گئی تھی۔"

اسی اثنا میں سلطان شاہ آیا اور ہم گن کے شکار کی لاش کو قالین پر گھسیٹتے ہوئے اپنی خواب گاہ کی طرف لے جانے لگا۔

"مُردے ڈھونے کے بہانے مجھے اپنی توانائی کی بحالی کا احساس ہو رہا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ کہا۔

"تم لوگ بہت عجیب ہو۔" ایلی نور جھرجھری لے کر بولی۔ "لاشوں کی موجودگی میں بھی ہنس لیتے ہو۔۔۔ میں تو ہفتوں اس منظر کو نہ بھول سکوں گی۔"

"سلطان دو عدد لاشیں اپنی مسہری کے نیچے ٹھونسے گا، اور پھر اسی مسہری پر سکون سے رات گزارے گا۔ دشمنوں سے انتقام لینے کی یہ لذت بڑی عجیب ہوتی ہے۔ ہم ذرا بھی چُوک کے ہوتے تو ہمارا حشر شاید ان سے بھی بُرا ہوا ہوتا۔" میں نے کہا۔ "اب تم اس کے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دے کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو تاکہ اس کے بیان کی روشنی میں ہم یہاں ٹھہرنے یا فوری روانگی کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکیں۔"

"میری دانست میں تو یہاں سے نکل چلنا ہی بہتر ہوگا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی اور کچن سے ٹھنڈے پانی کی بوتل لا کر بے ہوش قیدی کے منہ پر چھینٹے مارنے لگی۔

میری تیسری سگریٹ ختم ہونے سے پہلے ہی وہ ہڑبڑا کر ہوش میں آ گیا۔ اس کے چہرے پر اذیت کے آثار ضرور نمایاں تھے مگر آنکھوں سے دہشت کے بجائے نفرت جھانک رہی تھی۔

میں نے قریب جا کر اس کے بالوں کو تھام کر ایک ہلکا سا جھٹکا دیا اور وہ ایلی نور کو بھول کر مجھے گھورنے لگا۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اگر اس کے ہاتھ بندھے ہوئے نہ ہوتے تو وہ نتائج کی پروا کیے بغیر مرنے مارنے پر تُل گیا ہوتا۔ اس کے منہ میں حلق تک کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا لہٰذا وہ کوئی آواز بھی نہ نکال سکا۔

"تم پوری طرح بے بس ہو چکے ہو۔" میں نے اس کی لاتوں کی زد سے بچ کر قالین پر اکڑوں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تمھارے دونوں ساتھی مارے جا چکے ہیں، یہ تمھاری خوش نصیبی ہے کہ ایلی نور جیسی حسین عورت سے زور آزمائی کر کے زندہ بچ گئے ہو۔ اگر تم نے ہمارے سوالات کے سیدھے سیدھے جوابات دیے تو فائدے میں رہو گے ورنہ اپنے ساتھیوں سے جا ملو گے۔"

اس نے غصے اور بے بسی کے ساتھ اپنے سر اور گردن کو تیزی سے جھٹکے دیے۔ مطلب شاید یہی تھا کہ دہانہ آزاد ہوئے بغیر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکے گا مگر میں نے اس کی آنکھوں میں خون کی پیاس دیکھ لی تھی۔

"یہ ہیم گن ہے۔" میں نے اپنا وہ نادر ہتھیار جیب سے نکال کر اس کی نال پیتل کے ایک آرائشی گلدان کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "یہ پلک جھپکتے میں ہر چیز کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔"

میں نے آہستگی سے ٹریگر دبایا اور موت کی نیلی شعاعوں نے اس گلدان میں آر پار سوراخ کر دیا۔ "اس کا شکار ہونے والے کو اپنا سانس بھی پورا کرنے کی مہلت نہیں ملتی۔" میں نے ٹریگر پر سے انگلی کا دباؤ ختم کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمھارے منہ سے کپڑا نکال رہا ہوں۔ اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو یہ شعاعیں تمھارے سینے کو جلا کر راکھ کر دیں گی۔"

وہ بہت بے خوف آدمی تھا یا اس وقت اشتعال کی وجہ سے پاگل ہو رہا تھا کیوں کہ میری دھمکی کے باوجود اس کے چہرے کے تاثرات نہ بدل سکے اور اسی لمحے میرے ذہن میں ایک نئی تجویز جنم لے بیٹھی۔

وہ تینوں فلیٹ میں آئے، خونریز تصادم ہوا اور ان میں سے دو مارے گئے لیکن اس پورے واقعے میں مجھے سلور آئی کو آزمانے کا موقع نہیں مل سکا تھا جب کہ اپنے بارے میں بل اینتھی کی معلومات کی گہرائی جانچنے کے لیے وہ چال ضروری تھی۔

"تم خودکشی کے راستے پر چل رہے ہو۔ اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھو گے تو بہت دن جی سکو گے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "بل اینتھی ایک نیم دیوانہ آدمی ہے جو میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہے جب کہ میں آئی مین ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے جیب سے نقرئی آنکھ والا وہ پُراسرار طلائی سکہ نکال کر اس کے سامنے کر دیا اور وہ بے اختیار قالین پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

سلور آئی دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ اس کا وہ ردِعمل اس قدر اضطراری اور حقیقی تھا کہ میں نے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس کے منہ میں ٹھونسا ہوا کپڑا نکالنا شروع کر دیا۔

منہ صاف ہوتے ہی اس پر شدید کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔ چند ثانیوں بعد اسے سکون نصیب ہوا تو وہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولا تھا۔

"میں معافی چاہتا ہوں چیف۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ بل اینتھی یوں مکاری سے کام لے کر ہمیں تمھارے مقابل کھڑا کر دے گا۔"

"مجھے پوری بات بتاؤ۔ یہ سب کیسے ہوا اور اس کی ہدایات کیا تھیں؟" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ایلی نور نے میری اس کارروائی اور اس کے حوصلہ افزا ردِعمل کو بہت حیرت سے دیکھا تھا۔

"یہ تو تمھیں بھی معلوم ہو گا کہ رات بریسٹ کا ایک نیول میں تباہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے گن بوٹ بھی لاپتا تھی پھر آج شہر بھر میں آدمی پھیلا دیے گئے تاکہ گن بوٹ کے عملے کا کوئی فرد نظر آئے تو اسے بل اینتھی تک پہنچا دیا جائے۔ اس مہم کے نتیجے میں گن بوٹ کے عملے کے کئی آدمی ہاتھ لگے۔ انھوں نے کیا بتایا یہ صرف بل اینتھی جانتا ہے۔" وہ رک رک کر بول رہا تھا اور اس کے لہجے میں غصے کے بجائے عاجزی پیدا ہو گئی تھی۔ "پھر معلوم ہوا کہ ایلی نور اور اس کے دو ساتھیوں نے بل اینتھی کے ایک آدمی کو ہلاک کر دیا۔ اسی وقت ہمیں تم تینوں کو تلاش کرنے اور زندہ یا مردہ پکڑنے کے احکام ملے تھے۔"

"تمھیں میرے بارے میں کیا بتایا گیا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"خاص طور پر تو کچھ بھی نہیں کہا گیا تھا لیکن بل اینتھی نے یہ ضرور بتایا تھا کہ ایلی نور کا ایک ساتھی جعلی آئی مین بنا پھر رہا ہے لیکن میں سلور آئی اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اس خرافات پر کیسے یقین کر سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ بل اینتھی کو کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی ہو یا اسے خود ہی غلط اطلاع ملی ہو۔"

"بل اینتھی کو یہ علم ہے کہ تم نے ہمارا سراغ لگا لیا ہے؟" میں نے سپاٹ لہجے میں وہ اہم سوال کر ڈالا۔

"راجر نے جب ہمیں تم لوگوں کے بارے میں بتایا تو سچی بات ہے کہ اس پر اعتماد ہونے کے باوجود ہمیں یقین نہ آیا کہ تم لوگ اتنی آسانی سے خود ہی آ پھنسو گے اس لیے ہم کسی کو مطلع کیے بغیر راجر کے ساتھ سیدھے ادھر چلے آئے۔ مجھے شبہ بھی ہوتا کہ ہم ایک عظیم آئی مین کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرنے جا رہے ہیں تو میں ہرگز ادھر کا رخ نہ کرتا۔"

"ہم لوگوں کو کہاں پہنچانے کا پروگرام تھا؟"

"بل اینتھی کی حویلی ہی لے جاتے کیوں کہ جب کوئی مہم درپیش نہ ہو تو وہ عموماً وہیں رنگ رلیاں مناتا رہتا ہے۔"

"گن بوٹ کے عملے کے دوسرے لوگ بھی وہیں لے جائے گئے ہوں گے؟"

"مجھے کچھ علم نہیں... ان کے بارے میں مجھے اڑتی اڑتی خبریں ملی ہیں۔" اس نے رک کر تھوک نگلتے ہوئے اپنا حلق تر کرنے کی کوشش کی پھر خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ "میرے حلق میں کانٹے پڑ رہے ہیں، دو بوند

پانی پلا دو تو بڑا احسان ہوگا۔"

"تم اس مہربانی کے مستحق تو نہیں ہو لیکن ایلی نور، تمھاری یہ خواہش ضرور پوری کرے گی۔"

"میں تمھارا مجرم ہوں، تم میرے سر پر جوتے بھی لگاؤ گے تو سر جھکا کر تیار رہوں گا۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کسی دن اپنے کسی آئی مین کے سامنے آؤں گا۔"

ایلی نور نے بوتل سے پانی اس کے حلق میں انڈیلنا شروع کیا اور وہ بے تابانہ انداز میں آدھی بوتل پی گیا۔ "اس کے ہاتھ بھی کھول دو۔" میں نے ایلی نور سے کہا اور اگلے ہی لمحے وہ آزاد تھا۔

"تم واقعی عظیم آئی مین ہو۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کلائیاں مسلتے ہوئے بھرائی ہوئی، احسان مندانہ آواز میں بولا۔ "تم چاہتے تو مجھے سسکا سسکا کر پیاسا بھی مار سکتے تھے... ہم نچلے اور درمیانی درجے کے لوگ اپنے بڑوں پر بلاوجہ ناز نہیں کرتے، ہماری ایک ایک سانس کا دارومدار تمھاری خبر گیری اور ہمدردی پر ہوتا ہے۔"

بے تحاشا ٹھکائی ہونے کے بعد اس کی جو درگت بنی تھی، اس کی بنا پر یہ سوچنا محال تھا کہ وہ اس وقت چاپلوسی کر رہا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ سلور آئی کی زیارت کرتے ہی اس پر شرمندگی اور ندامت کا ایسا بھرپور اخلاقی حملہ ہوا تھا کہ اس کے لیے میرا سامنا کرنا دشوار ہوا جا رہا تھا اور میں دل ہی دل میں اس کے انجام پر ہنس رہا تھا۔

وہ قاتلوں اور موت کے سوداگروں کے گروہ کا ایک کارندہ تھا اور یقینی طور پر اس کا دامن بہتیرے جرائم سے داغ دار تھا۔ اس کے دو ساتھی جہنم واصل ہو چکے تھے، اس لیے اسے بھی ان کے تعاقب میں روانہ ہونا تھا لیکن اپنے بارے میں بل ایتھی اور دوسروں کی لاعلمی کی اطلاع ملنے کے بعد میرے اعصاب پر چھایا ہوا تناؤ ختم ہو چکا تھا اور میں اس سے بتدریج سب کچھ اگلوا کر سکون سے اس پر کاری وار کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

ایلی نور اپنا پھٹا ہوا شب خوابی کا لباس تبدیل کرنے کے لیے خواب گاہ میں چلی گئی اور سلطان شاہ دونوں لاشوں کو ٹھکانے لگا کر میرے پاس آ موجود ہوا تھا۔

"وہ دونوں کہاں ہیں؟" قیدی نے متلاشی نظروں سے فلیٹ کا جائزہ لیتے ہوئے متامل لہجے میں سوال کیا۔

"اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر دونوں ہی نکل بھاگے، تمھاری بدقسمتی تھی کہ گھیر لیے گئے۔" میں نے لطف لینے کی نیت سے کہا اور وہ یک بیک مضطرب ہو گیا۔

"یہ بہت برا ہوا۔" وہ بے تابانہ لہجے میں بولا۔ "تمھیں فوراً ٹھکانا تبدیل کر لینا چاہیے کیوں کہ وہ وقت ضائع کیے بغیر پوری تیاری کے ساتھ دوبارہ دھاوا بولیں گے۔ بدقسمتی سے وہ بل ایتھی کی باتوں میں آئے ہوئے ہیں، انھیں تمھارے مرتبے کا علم ہی نہ ہو سکا ہوگا۔ ان کے لوٹنے سے پہلے تمھیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"انھیں آنے دو۔ میری شناخت اب تم ہی کراؤ گے... وہ لوگ یہاں تک کیسے پہنچے تھے؟"

"سڑک کے کنارے سرخ بیجو پارک کی تھی... اس کی چابیاں راجر ہی کے پاس تھیں، وہ اسی کار میں واپس بھاگے ہوں گے اور اس بار وہ براہِ راست بل ایتھی سے کمک لے کر آئیں گے۔"

"گاڑی کا نمبر بتاؤ، میں ان کا بھی بندوبست کیے لیتا ہوں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ اس نے نہایت سعادت مندی کے ساتھ کار کا نمبر بتایا تھا اور پھر میں اسے اشارہ کرتے ہوئے سلطان شاہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

خواب گاہ بالکل صاف پڑی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ نے دونوں لاشیں بہت مہارت اور صفائی کے ساتھ چھپائی تھیں، وہ اندر جا کر سٹپٹائے ہوئے انداز میں کمرے کے وسط میں کھڑا ہو گیا۔

"مسہری کے نیچے دیکھو۔" میں نے جیب میں بیم گن کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے اس سے نرم لہجے میں کہا اور وہ فوراً ہی گھٹنوں کے بل قالین پر جھک گیا۔

نیچے اس [illegible] کچھ دیکھا اُس کے بعد وہ تیزی سے سیدھا ہونا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اس کی پشت سے بائیں پہلو پر بیم فائر کی اور وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر وہیں قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس وقت پہلی بار مجھے گن کی اس خوبی کا احساس ہوا کہ اس سے خونریزی بہت صاف ستھری ہوتی تھی اور قالین گندا ہونے کا خطرہ مول لیے بغیر آسانی سے فائر کیا جا سکتا تھا۔

"اسے یہاں تک کیوں لائے تھے؟" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر سوال کیا۔

"خود چل کر آ گیا ورنہ تمھیں گھسیٹنا پڑتا۔ اب جلدی سے راجر کی جیب سے بیجو کی چابیاں نکال کر تیسرے کو بھی اندر ٹھونس دو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہمیں آج رات ہی میں کسی وقت یہاں سے نکل جانا چاہیے، صبح تک ان تینوں کی گمشدگی کی وجہ سے نت نئی پریشانیاں جنم لے سکتی ہیں۔"

اسی وقت ایلی نور شعلہ جوالہ بنی ہوئی وہاں آ پہنچی۔ "اوہ! تو تم نے اسے بھی ختم کر دیا!" تیسری لاش پر نظر پڑتے ہی اس کے منہ سے تحیر آمیز آواز نکلی تھی۔

"لیکن تم ہمیں بھی زندہ نہیں رہنے دو گی۔" میں نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "رات کے دو بجے اتنی زبردست تیاری کس کے لیے کی ہے کہ تمھاری طرف نظر بھر کر دیکھنا محال ہو رہا ہے۔"

"میرا اندازہ تھا کہ ہم اسی وقت فلیٹ کو خیرباد کہیں گے، اس

لیے شب خوابی کا پھٹا ہوا لباس اتار کر ڈریسنگ کا لباس پہن لیا ہے اور تھوڑی سی سرخی وغیرہ لگائی ہے۔"

"سہولتوں سے آراستہ مکانات کرائے پر ملنے کا ذکر تو میں سنتا آیا تھا لیکن یہ پہلا فلیٹ دیکھا ہے جہاں مکان اور ساز و سامان کے ساتھ لباس بھی کرائے میں شامل ہیں۔" سلطان شاہ بولا۔

"لباس کرائے میں شامل نہیں ہے احمق آدمی۔" ایلی نور خفت آمیز مگر بے تکلفانہ لہجے میں بولی اور میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر سلطان شاہ کو دیکھنے لگا جو ایلی نور کے اس طرزِ تخاطب پر پانی پانی ہوا جا رہا تھا اور وہ کہہ رہی تھی۔" میں نے اپنی ضرورت کے لیے غیر اخلاقی حرکت کرتے ہوئے ایک وارڈ روب میں قفل شکنی کی ہے۔ فلیٹ کا مالک جوڑا دو مہینے کی تفریح پر باہر جاتے ہوئے چابیاں اپنے پراپرٹی ایجنٹ کو دے گیا تھا تاکہ اس مدت میں فلیٹ سے کچھ آمدنی حاصل ہو سکے۔"

"اور اتفاق ہے کہ لباس بھی تمھارے ہی سائز کے ہیں۔" میں نے کہا۔" لیکن یہ تو بتاؤ کہ تیسرے کی ہلاکت پر تمھیں حیرت کیوں ہو رہی ہے؟"

"میرا خیال تھا کہ تم اسے زندہ رکھو گے۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔" سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بل ایتھی کی زہر فشانی کے باوجود اس نے تمھیں آئی مین تسلیم کر لیا تھا اور اب وہ بے چون و چرا تمھارے اشاروں پر عمل کرتا اور کچھ نہیں تو پیرس سے نکلنے کے لیے وہ ہمارے ڈرائیور کی خدمات ہی انجام دے لیتا۔"

"ادھڑے ہوئے ورم آلود چہرے والا ڈرائیور ہوتا تو پولیس خواہ مخواہ ہماری طرف متوجہ ہو جاتی۔ اس سیٹ پر تم براجمان ہو گی تو کوئی روکنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ سنا ہے کہ فرانسیسی مرد خوبصورت عورتوں کے حق میں بڑے نرم خو ہوتے ہیں۔"

"جس نے میرے کپڑے پھاڑ کر درگت بنائی تھی وہ بھی فرنچ ہی تھا۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔" سنی سنائی باتیں ہمیشہ خوبصورت ہوتی ہیں مگر تجربات تلخ ہوتے ہیں۔"

وہ لباس تبدیل کر کے اپنا حلیہ درست کر چکی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ ہم دونوں بھی مقدر آزمائیں۔ ہم دونوں کے جسم کم و بیش یکساں تھے اور اگر ایک کو لباس فٹ آ جاتا تو دوسرے کا کام بھی بن سکتا تھا۔

ایلی نور والی خواب گاہ زنانی تھی اور وہاں کی الماری میں سارے ہی زنانے ملبوسات تھے۔ اس لیے میرے ایما پر ایلی نور نے ایک تار کی مدد سے سلطان شاہ والی خواب گاہ کی دیوار گیر چوبی الماری کے قفل پر طبع آزمائی کی تو دروازہ کھلتے ہی طبیعت خوش ہو گئی اور ایلی نور فخریہ انداز میں اٹھلاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

"کیا بات ہے، وہ تم سے بڑے لاڈ سے بات کر رہی تھی۔" میں نے الماری میں سے اپنے لیے لباس منتخب کرتے ہوئے معنی خیز لہجے میں سلطان شاہ سے پوچھا۔

"تم سے نگاہ بچا کر صبح سے مجھے چڑانے پر تلی ہوئی تھی۔" وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے جھینپی ہوئی آواز میں بولا۔" جب تم پارک ہوٹل سے اخبارات لینے گئے تو اس نے ہاتھا پائی شروع کر دی تھی۔"

"اور تم اس سے پٹ گئے ہو گے۔" میں نے اسے خاموش پا کر چھیڑا۔

"پٹنا کیا تھا بس اسی وقت سمجھ میں آیا کہ بڑے بوڑھے عورت سے دور رہنے کا مشورہ کیوں دیتے ہیں۔ عورت شرارت پر اتر آئے تو مرد کو اندھا کر دیتی ہے۔"

میں قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔" مجھے معلوم ہوتا کہ وہ تمھاری بینائی پر اس حد تک اثر انداز ہو رہی ہے تو ذرا دیر سے واپس آتا۔ ویسے کسی خوش فہمی میں نہ رہنا۔ یہ مغربی عورتیں بڑی مرد مار اور حیا سے عاری ہوتی ہیں۔ وہ تمھیں تمھارے خول سے باہر نکالنا چاہ رہی تھی اور شاید اس میں کامیاب بھی ہو گئی۔"

"کوئی دوسری بات کرو۔" وہ چڑ کر بولا۔" اس وقت کی سچویشن یاد کر کے اب اپنے اوپر غصہ آ رہا ہے۔ دیکھنے میں بڑی معصوم اور خوبصورت نظر آتی ہے لیکن ویرا سے بھی کہیں زیادہ آزاد خیال معلوم ہوتی ہے۔"

"ویرا کا نام کہاں سے دیا۔" میں نے اپنے لیے منتخب کیے ہوئے نفیس اونی سوٹ کی پتلون پہنتے ہوئے گہرا سانس لے کر کہا۔" ویتنام سے وہ ایسی بچھڑی ہے کہ دیکھو اب کہاں ملتی ہے۔"

"لیکن تمھارا عورتوں والا خانہ خالی نہیں رہتا۔ وہ بچھڑی نہیں تھی کہ ایلی نور چاروں ہاتھ پیروں سے تمھارے سر پر سوار ہو گئی۔ دیکھو یہ کب تمھارا پیچھا چھوڑتی ہے۔" وہ بے تکلفی کے ساتھ بولا کیونکہ اس وقت ہماری گفتگو اردو میں ہو رہی تھی جو باہر یا دوسرے کمرے میں موجود ایلی نور کے لیے ناقابلِ فہم تھی۔

"یہ زیادہ دن ساتھ رہے گی۔" میں نے قدِ آدم آئینے میں پتلون کی شاندار فٹنگ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔" ویسے تم نے صبح کے خریدے ہوئے اخبارات خوب یاد دلائے۔ انھیں تو ہم بھول ہی بیٹھے تھے۔ ان میں بریسٹ کی تباہی کی بڑی پراسرار کہانیاں چھپی ہوں گی کیونکہ آتش زنی کے باوجود وہاں سے حساس اور پیچیدہ مواصلاتی تنصیبات کے آثار ملے ہوں گے پھر گن بوٹ کی برتھ بھی سراسر غیر قانونی ہی تھی۔ اب ہم اخبارات دیکھ کر ہی یہاں سے روانہ ہوں گے۔"

سلطان شاہ نے میرے لباس کی تبدیلی کو رشک آمیز

نگاہوں سے دیکھا اور میں ٹائی کی ناٹ درست کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آگیا جہاں رقم کا تھیلا صوفے پر رکھا ہوا تھا اور اخبارات اسی میں اڑسے ہوئے تھے۔ ایلی نور کی گنگنانے کی آواز کچن سے آ رہی تھی اور فضا میں چائے کی بھینی بھینی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

میں نے اخبارات کے بنڈل میں سے واحد انگریزی اخبار نکالا اور اپنے سامنے میز پر پھیلا لیا۔ خوفناک آتش زنی، راکھ بنے ہوئے تین انسانی ڈھانچوں اور تین گولیوں سے چھلنی لاشوں کے حوالے سے اخبارات نے بریسٹ کے ساحلی علاقے میں واقع اس حسین اور ویران وادی کو مجرموں کی جنت قرار دیا تھا جو آپس کی کسی چپقلش کی بنا پر موت کے جہنم میں بدل گئی تھی۔ ساحل پر پختہ برتھ اور تیل اور پانی کی ٹنکیوں کو ماہرین کے علاوہ اخباری نمائندوں نے بھی حیرت سے دیکھا تھا لیکن یہ اندازہ لگانے سے قاصر رہے تھے کہ وہ کس قسم کے خفیہ بحری ٹریفک کے لیے استعمال کی جاتی ہوگی کیونکہ حکام نے ان اطراف میں کسی کو تجارتی یا شوقیہ جہاز رانی کا اجازت نامہ جاری نہیں کیا تھا۔

مختلف ذرائع سے اس حادثے کی اطلاع دینے کے بعد اخباری نمائندے نے یہ رائے قائم کی تھی کہ اس دشوار گزار علاقے میں یقینی طور پر بحری قزاقوں کا کوئی مستحکم اور منظم اڈا قائم تھا جس پر قابض ہونے کے لیے دو مضبوط گروہوں میں خونریز تصادم ہوا جس کے نتیجے میں نہ صرف جانی اتلاف ہوا بلکہ دونوں متحارب گروہوں کو لاشیں چھوڑ کر وہاں سے فرار ہونا پڑا کیونکہ جنگلات میں بھڑکنے والے ہولناک شعلے میلوں دور آبادیوں میں بھی دیکھے گئے اور پھر آگ بجھانے والی امدادی پارٹیاں رات گئے وہاں پہنچنا شروع ہوگئیں۔

پوری کہانی میں حسبِ معمول نہ قسی کا نام موجود تھا نہ ہیروئن کی عالمی تجارت کا تذکرہ تھا جس کے بطن سے وہ ساری ضمنی برائیاں جنم لے رہی تھیں۔

اتنی دیر میں ایلی نور ٹرے میں چائے کے ساتھ کچھ بنیاولر بسکٹ سجا کر لے آئی۔ "بڑے سج رہے ہو" اس نے کچن سے نکلتے ہی مجھے دیکھ کر کہا تھا۔

"کپڑوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ یہاں رہنے والا جوڑا اس معاملے میں بہت خوش ذوق ہے لیکن تم میری توقع کے خلاف بہت بدذوق ثابت ہوئی ہو" میں نے آخری فقرہ ملامت آمیز لہجے میں ادا کیا تھا۔

"کیا بدذوقی سرزد ہوگئی مجھ سے؟" اس نے چائے کی پیالی میری طرف بڑھاتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔

"تم نے سلطان پر بھی ڈورے ڈالنا شروع کر دیے" میں نے اپنے لہجے میں خفگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

وہ دل کھول کر ہنسی تھی اور جب اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی تھمی تو وہ بولی "آخر کار یہ بات بھی اس کے پیٹ میں نہ ٹک سکی۔ وہ ہر وقت اس طرح سہمے سہمے رہتا ہے کہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بھی خوف آتا ہے لیکن تمہارے جاتے ہی وہ پارک ہوٹل کے کمرے میں خود کو میرے ساتھ تنہا پا کر بوکھلا گیا تھا اور مجھے اس پر حاوی ہونے کا موقع مل گیا تم یقین نہیں کرو گے کہ اس نے مجھ سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے ہاتھ جوڑ کر دیوار پر اپنی ناک تک رگڑی تھی اگر تم چند منٹ اور نہ آتے تو وہ کمرے سے نکل کر بھاگ گیا ہوتا"

"جب وہ خشک بننے کی کوشش کرتا ہے تو تم اسے کیوں چھیڑتی ہو۔ اسے اس کے حال میں مست رہنے دو"

"تنہائی میں اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار دیکھ کر مجھے واقعی ایسا محسوس ہوا جیسے اس پر عمر بھر عورت کا سایہ نہ پڑا ہو اور وہ پہاڑ کے انڈے سے پیدا ہوا ہو۔ بس میری رگ پھڑک اٹھی اور اب میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ شادی کے بعد تمہارا دوست اپنی جورو کا مثالی غلام ثابت ہوگا"

"چاہو تو تمہارا رشتہ طے کرا دوں اس سے ابھی لباس بدل کر نکلے گا تو دیکھ لینا کہ ہزاروں کی بھیڑ میں الگ نظر آئے گا" میں نے فخر آمیز لہجے میں کہا "اس دور میں ایسے سادہ لوح اور مخلص لوگ ملنے محال ہیں"

"میں دوسرے ہی نظریات رکھتی ہوں" وہ اخبارات کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی "میرا تو مشاہدہ یہ ہے کہ جذبے مضبوط اور رشتے کمزور ہوتے ہیں ورنہ دنیا میں ہر طرف شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی بے وفائی کی کہانیاں عام نہ ہوتیں"

وہ بات اس نے کسی خاص مقصد کے بغیر روا روی میں کہی تھی مگر اپنے حالات کے پیشِ نظر میرے دل کو لگ گئی۔ گو غزالہ کے ساتھ میرا کوئی رشتہ قائم نہیں ہوا تھا لیکن دونوں طرف یہ نیت اور ارادہ ضرور موجود تھا جو قانونی نہ سہی اخلاقی طور پر دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ وفا کرنے کا پابند کرتا تھا لیکن ایلی نور کی بات درست ہو رہی تھی۔ انگلینڈ کی سرزمین پر غزالہ سے بچھڑنے کے بعد میرے دل میں مسلسل ایک آگ سی ضرور بھڑک رہی تھی مگر میرا رویہ بے اعتدالیوں کے رخ پر تھا۔ ڈیرا لائیڈ سے ملاقات ہوئی تو اس کی ذات اور خوش کلامی کے سحر میں ڈوب گیا اور اب ایلی نور ملی تو اس نے اپنے طلسم میں گرفتار کر لیا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے غزالہ سے بچھڑ کر میں بالکل بے یار و مددگار رہ گیا ہوں اور میرا کچھ بھی نہیں ہے حتیٰ کہ میرے جذبات بھی خود میرے اپنے نہیں

تھے، جو چاہتی تھی ذرا سی محنت سے نفس کے سانپ کی کنڈلی کے سامنے بین بجاتی تھی اور وہ ہولناک ناگ ایک خوف ناک پھنکار کے ساتھ بیدار ہو کر سارے نیک اور لطیف جذبات کو نگل جاتا تھا اور میرے سامنے صرف اور صرف وہی بین بجانے والی رہ جاتی تھی۔

میری منزل دور مگر بہت صاف اور سیدھے راستے پر تھی لیکن اس راستے میں ہر قدم پر پگڈنڈیاں مل رہی تھیں۔ اس وقت پہلی بار مجھے اپنی ذات پر ندامت ہوئی کہ میں طبیعت کے تجسس اور نفس کی طلب سے مجبور ہو کر پگڈنڈیوں کی سیر کرتا آگے بڑھ رہا تھا۔ مجھے اپنے اس زیاں کا کوئی احساس نہیں تھا جو میرے سفر کی طوالت کے سبب رونما ہو سکتا تھا۔ ہجر کی مدت طویل ہونے لگے تو دلوں کو خود بخود قرار سا آنے لگتا ہے کیونکہ قدرت نے وقت کو انسان کے تمام دکھوں کا مداوا بنایا ہے۔ غزالہ مجھے مردہ تصور کر کے صبر کر سکتی تھی اور صبر کے ان لمحات میں جب وہ اپنے ماضی میں اپنے گھر کے جھروکوں پر نگاہ ڈالتی تو اسے ہر گوشہ تاریک نظر آتا۔ اس کا محروم نصیب بھائی، کامران ایڈکشن کیور سوسائٹی کے زیرِ سایہ مشکوک سرگرمیوں میں مصروف ایک علاج گاہ میں زیرِ علاج تھا۔ اس کی ماں بیٹی کی جدائی کا داغ اپنے فگار سینے پر لیے موت کی اندھی اور بے رحم وادیوں میں جا سوئی تھی۔ کرنل زوار زیدی یعنی غزالہ کے معصوم باپ نے بیوی کی موت سے کوئی سمجھوتا کرنے کے بجائے خود کشی کر لی تھی اور یوں غزالہ بھری دنیا میں بالکل تنہا رہ گئی تھی۔

وہ ایک لڑکی تھی، لڑکی ہی نہیں مشرقی لڑکی تھی جو سہاروں کے بغیر زندگی کے کٹھن سفر میں اکثر آبلہ پا یا لہولہان ہو جاتی ہے، وہ کسی بھی مرحلے پر محبت کی خاطر نہیں، محض باعزت زندگی گزارنے کے لیے کسی کا ہاتھ تھام سکتی تھی، کسی کو اپنا سکتی تھی، کسی کو میری جگہ دے سکتی تھی۔ وہ لمحہ گزرنے کے بعد میں کندن ہو کر بھی اس کے سامنے جاتا تو اس کا کچھ بھی نہ ہوتا، اس کے لیے ایک اجنبی ہوتا جس کا نہ کسی پر کوئی حق ہوتا ہے اور نہ مطالبہ۔

انسان کتنا بھی زور آور ہو مگر خیالات شہ زور ہوتے ہیں، جب ان کی لہر چلتی ہے تو ہر انسان بے بس اور مضطرب ہو جاتا ہے۔ اس وقت یہی کچھ کیفیت میری ہوئی اور میں چائے کی پیالی ادھوری چھوڑ کر بے تابانہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ میرے دل و دماغ میں اچانک ہی طاغوتی بگولوں نے وحشیانہ انداز میں رقص شروع کر دیا تھا۔

نمناک رات کے سائے ڈھلتے جا رہے تھے اور پیرس کی رات پر تسکان کا عنصر پوری طرح حاوی ہو چلا تھا۔ ایلی نور سرخ پیجو ڈرائیو کر رہی تھی، میں اپنے خیالات کی چتا میں سلگتا اس کے برابر والی نشست پر خاموش بیٹھا تھا۔ سلطان شاہ نے عقبی نشست سنبھالی ہوئی تھی۔ سنسان سڑک پر اس وقت پیجو کے انجن کی دھیمی اور مسلسل گونج کے سوا کوئی اور آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

اپنے دشمنوں کی کار میں سفر کا آغاز کرنے سے پہلے ہم نے کار کا اچھی طرح جائزہ لے کر یہ اطمینان کر لیا تھا کہ اس میں بظاہر ایسا کوئی ٹرانسمیٹر یا آلہ موجود نہیں ہے جو کسی کو ہماری نقل و حرکت سے باخبر کرتا رہے۔

ایلی نور کافی دیر تک خاموشی سے دریائے سین کے شمالی کنارے کے ساتھ خوبصورت شاہراہ پر خاموشی سے کار ڈرائیو کرتی رہی پھر اس نے ہی جمود توڑنے میں پہل کی۔ "رات کافی ڈھل چکی ہے، چاہو تو شہر کا ایک چکر لگاتے ہوئے چلیں۔"

"نہیں، سیدھی نکل چلو۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اس وقت میں ایلی نور سے بے تکلفانہ لہجے میں بات کرنا بھی اپنے ضمیر پر بوجھ سمجھ رہا تھا کیونکہ خیالات کی رو غزالہ کے مصائب میں الجھی ہوئی تھی۔

"بہت خوبصورت شہر ہے اور یہ دریائے سین ایک قوس کی شکل میں شہر کو دو حصوں میں بانٹتا ہوا بتیس پلوں کے نیچے سے گزرتا ہے۔ تم بھی شاید پہلی بار پیرس آئے ہو، دیکھتے چلو، پھر نہ جانے کب ادھر آنا ہو گا۔" وہ دھیمے دھیمے بولتی رہی۔

"نہیں۔ تفریح کے لیے ساری عمر پڑی ہے۔" میرا لہجہ بالکل خشک اور سرد تھا۔ "رات ہر بڑے شہر میں جرائم پیشہ لوگوں کے لیے ایک آڑ ثابت ہوتی ہے۔ بل ایتھی کے کسی گرگے نے کار پہچان لی تو ہمارے چہرے ناقابلِ شناخت بنا دیے جائیں گے۔"

"تم جس موڈ میں بھی رہو، بات پتے کی کرتے ہو۔" پیچھے سے سلطان شاہ بولا۔ "فلیٹ میں تم اچھے خاصے تھے پھر چلتے چلتے اچانک تم پر خاموشی اور اداسی کیوں طاری ہو گئی؟" اس نے اس بار اردو کا ہی سہارا لیا تھا۔

"اداسی کوئی خود سے طاری نہیں کرتا۔ ان چیزوں کا تعلق دل سے ہوتا ہے، بس اچانک ہی غزالہ کی طرف سے ذہن پریشان ہو گیا ہے۔ وہ نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہو گی؟" میں نے بھی اردو ہی میں کہا۔ انگریزی زبان پر خاصی حد تک عبور رکھنے کے باوجود میرا تجربہ یہ تھا کہ جب بات ریاکاری سے ہٹ کر سچے جذبوں کی ہو تو انسان کی اپنی زبان ہی اس کی صحیح عکاسی کر سکتی ہے۔

"وہ مظلوم لڑکی!" سلطان شاہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "مقدر بھی واقعی عجیب ہوتا ہے۔ انگلینڈ میں وہ ملتے ملتے بھی تم سے نہ مل سکی، بظاہر تمہارے راستے الگ ہو گئے ہیں لیکن کچھ پتا نہیں کہ کب کہاں سامنا ہو جائے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ شاید ایلی نور سے تمہاری کچھ ان بن ہو گئی ہے۔"

"میں نے اپنا نام سُنا ہے۔" ایلی نور بول پڑی۔ "تم لوگ ایسی کیا باتیں کر رہے ہو جس میں مجھے شریک کرنا نہیں چاہتے؟"

"سلطان شاہ تمھاری تعریف کر رہا ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آج سے تم اس کا چارج سنبھال لو۔ اسے تربیت کی ضرورت ہے تم یہ کام بہتر طور پر کر سکو گی۔"

"دو دن میں سدھا لوں گی۔" وہ کار کی رفتار کم کرتے ہوئے فخریہ لہجے میں بولی۔ "بس تم ہمارے معاملات میں کسی بھی صورت میں دخل انداز نہ ہونا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن کار کی رفتار کیوں کم کر رہی ہو؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"احتیاطاً۔" وہ بے پروائی سے بولی۔ "پیچھے کسی کار کے ہیڈ لیمپس نظر آ رہے ہیں۔ اسے آگے نکل جانے کا موقع دے رہی ہوں، مقابلہ شی سے ہو تو چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

میں نے گردن گھما کر دیکھا تو پیچھے کافی فاصلے سے ایک کار تیزی کے ساتھ لمحہ بہ لمحہ ہمارے قریب آتی جا رہی تھی۔ میں نے اضطراری طور پر اپنے پائیدان میں رکھے ہوئے رقم کے تھیلے میں سے ڈالرز کی چند گڈیاں نکال کر ان دونوں کی طرف اچھال دیں اور دو گڈیاں اپنی جیبوں میں اڑس لیں۔

"یہ کیوں بانٹ رہے ہو؟" ایلی نور نے اپنی گود میں سے رقم اٹھاتے ہوئے سوال کیا۔

"احتیاطاً!" میں نے اسی کے انداز میں کہا اور وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ "ہم پر کوئی برا وقت بھی پڑ سکتا ہے۔"

"برا وقت آیا تو تم رقم لے کر بھاگ تو نہیں جاؤ گے۔"

"یہ گڈیاں جیب میں رکھ لو، ہو سکتا ہے کہ کہیں کسی سے تصادم ہو جائے اور ہمیں فرار ہوتے ہوئے یہ تھیلا ساتھ لے جانے کی مہلت ہی نہ مل سکے تو کم از کم بھوکے ننگے تو نہیں رہیں گے۔" میرے ذہن پر جمی ہوئی گرد رفتہ رفتہ صاف ہونے لگی تھی اور خطرے کے امکانات سامنے آتے ہی موڈ بحال ہونا شروع ہو گیا تھا۔

پیچھے سے آنے والی تیز رفتار کار ہماری گاڑی کے قریب آ کر زن سے آگے نکلتی چلی گئی اور میں نے دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیا کہ خطرہ ٹل گیا تھا۔ اس اثنا میں ایلی نور نے رقم کی گڈیاں اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لی تھیں۔

"تم ویرا لائیڈ کو جانتی ہو؟" اچانک سلطان شاہ غیر متوقع طور پر براہِ راست ایلی نور سے سوال کر بیٹھا اور میں اپنی جگہ دم بخود رہ گیا کیونکہ میں نے شروع سے اس وقت تک دانستہ ایلی نور سے اس موضوع پر بات نہیں کی تھی۔

"وہی حرافہ جو خود کو جمی لائیڈ کی ناجائز بیٹی کہتی پھرتی ہے؟" اس نے تائید طلب لہجے میں تیزی سے کہا۔ "اور اسی آڑ میں شی میں بڑی حد تک اپنی من مانی کرتی رہتی ہے۔۔۔۔ اسے تم کیسے جانتے ہو؟"

"جب جمی لائیڈ سے مخاصمت مول لی ہے تو اس کے پورے کنبے کو جاننا پڑے گا۔" میں نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "کیا کبھی تمھارا بھی اس سے واسطہ پڑ چکا ہے؟"

"بہت بے ضمیر عورت ہے۔ کئی بار گن بوٹ پر بھی رہ چکی ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "ادلینی کو تو اس نے اپنا بے دام غلام بنایا ہوا تھا۔ جب بھی گن بوٹ پر آتی بیشتر وقت ریڈیو روم میں ہی گھسی رہتی تھی۔ شاید وہ پہلی اور آخری عورت تھی جس سے کوئی ذاتی پرخاش نہ ہونے کے باوجود میں اسے سخت ناپسند کرتی تھی۔"

"ذاتی پرخاش تو ہو ہی گئی ہو گی۔" میں نے کہا۔ "وہ بڑے جارحانہ مزاج والی لڑکی ہے۔ اس کی موجودگی میں تم کو بری طرح نظر انداز کیا جاتا ہوگا۔"

"لوگوں کی توجہ کا مرکز بن کر مجھے کوئی خوشی نہیں ہوتی، میں تو بس اپنے حال میں مست رہنے کی عادی ہوں۔ تم دونوں میں سے وہ کس سے زیادہ قریب رہی ہے؟"

"کسی سے بھی نہیں!" میں نے دانستہ سفید جھوٹ کا سہارا لیا۔ "اس کا بس چلے تو ہم دونوں کو زندہ کولھو میں پلوا دے۔ ہماری بیخ کنی کی ذمے داری سب سے پہلے اسی پر ڈالی گئی تھی اور پاکستان میں اس سے خاصی آنکھ مچولی ہوتی رہی جس کا نتیجہ ہمیشہ ہمارے حق میں ہی نکلتا رہا۔"

"واقعی بہت سنگدل عورت ہے۔" ایلی نور بولی۔ "مردوں کو خاص طور سے اپنا کھلونا تصور کرتی ہے۔ شی میں اس نے کم از کم دو ایسے آدمیوں کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کیا ہے جو اس سے قرب کے دعوے دار تھے۔ اس کی تم تک رسائی ہو گئی تو وہ واقعے تمھیں زندہ نہیں چھوڑے گی کیونکہ تم اس کے باپ کے دشمن ہو۔"

"وہ عموماً کہاں رہتی ہے؟"

"میں نے کبھی سنجیدگی سے اس کے بارے میں جاننے کی کوشش نہیں کی لیکن سُنا ہے کہ وہ اپنا زیادہ وقت لندن میں گزارتی ہے اور اسی کو اسٹیشن بنا کر پورے یورپ میں کارروائیاں کرتی پھرتی ہے۔ مجھ سمیت ہر ایک کو حیرت اس بات پر ہے کہ اس کے جمی لائیڈ سے تعلق کے کھلے دعوؤں کے باوجود اسے زندہ کیوں رکھا گیا ہے؟"

"کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس کا دعویٰ سچا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے لیکن اسے دنیا بھر میں خود کو لٹاتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے باپ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں، وہ چاہے تو آسانی کے ساتھ اپنی بیٹی کا گھر آباد کرا سکتا ہے لیکن اس نے آج

تک کھُل کر کبھی ویرا کی سرپرستی نہیں کی' بس اسے ڈھیل ہی دیتا رہا ہے۔"

"اگر ویرا کا دعویٰ درست مان لیا جائے تو اس کی رگوں میں ایک بڑے مجرم کا خون دوڑ رہا ہے' اس لیے اخلاقیات کے بارے میں اس کے اپنے اصول ہوں گے، طبیعت بھی مہم جویانہ رہی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا باپ اسی طرح اسے اپنے گندے پیشے کی بھرپور تربیت دے رہا ہو۔"

"ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولی۔ "لیکن تمھیں یہ بات عجیب محسوس نہیں ہوتی ؟ میرا تو اندازہ ہے کہ کوئی کتنا ہی گھٹیا مجرم کیوں نہ ہو، اپنی اولاد کو گناہ آلود زندگی سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔"

"یہ وہی مجرم کرے گا جس کا ضمیر زندہ ہو اور وہ اپنے کاموں کو بُرا سمجھتا ہو' جو لوگ اپنے غلط کاموں کا جواز رکھتے ہیں، وہ اپنی قسم کی مجرمانہ سرگرمیوں کو ایک کاروبار قرار دیتے ہیں۔ . . اس طرح غور کرو تو جمی لائیڈ اپنی بیٹی کو کاروبار کی تربیت دے رہا ہے۔"

ایلی نور سے وہ سب کہتے ہوئے مجھے بے اختیار ویرا کی کہانی کا وہ باب یاد آ گیا جس میں جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو کے روپ میں اُسے گردن تک غلاظتوں میں دھکیل دیا تھا۔

"اُس نے دیدہ و دانستہ مجرمانہ زندگی اختیار کی ہے مگر میں نے میڈوسا سے برطرفی کے بعد گن بوٹ پر ملازمت کی پیش کش قبول کی تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں کسی غلط راستے پر چل پڑی ہوں مگر پھر رفتہ رفتہ میں اس دلدل میں دھنستی چلی گئی' رفتہ رفتہ میں اُن کے اتنے رازوں سے واقف ہو گئی کہ اب میری واپسی عملاً ناممکن ہو کر رہ گئی تھی۔" چند ثانیوں کی بوجھل خاموشی کے بعد ایلی نور نے افسردہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "پھر تم درمیان میں آ گئے۔ تمھیں آئی مین سمجھ کر میں نے تمھاری اطاعت قبول کی تھی مگر تم شی کے دشمنوں میں سے نکلے' اب وہ جانتے ہیں کہ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ اس دوران میں تم اُن کے چار آدمیوں کو ہلاک کر چکے ہو' وہ مجھے اِن جرائم میں پوری طرح ملوث سمجھ رہے ہوں گے۔ اس طرح ان لوگوں میں میری واپسی کے راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اب میرا مستقبل کیا ہوگا ؟ تم کب تک مجھے ساتھ لیے پھرتے رہو گے ؟"

"جب تک حالات اجازت دیں تم ہماری تحویل میں رہ سکتی ہو۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "تم زندگی بھر بھی ہمارے ساتھ رہ سکتی ہو . . ."

"نہیں۔" وہ تڑپ کر میری بات کاٹتے ہوئے جذباتی لہجے میں بولی۔ "اپنی کسی باعزت شناخت کے بغیر یوں کسی مرد کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ وقتی دوستی اور بات ہے لیکن مستقل ساتھ نہیں ہو سکتا۔"

"تم خوب صورت اور خوش مزاج ہو، ہماری ذہنی ہم آہنگی بھی ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "لیکن میری زندگی کسی سے وابستہ ہے۔ اُس کی زندگی میں میں اپنا عہد نہ توڑ سکوں گا۔ اس کے علاوہ تم جو شناخت چاہو' وہ اختیار کر سکتی ہو۔"

وہ یک بیک اُداس ہو گئی۔ "اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا . . . جب میں تمھارے قریب آئی تو عارضی رفاقت کے سوا میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا لیکن تمھارے ساتھ رہ کر رفتہ رفتہ میں تم سے مانوس ہو کر اپنے ذہن میں مستقبل کے کچھ نازک سے گھروندے بنانے لگی تھی جو اچھا ہوا کہ بننے سے پہلے ہی بکھر گئے۔ . . میرا خیال ہے کہ تمھیں میری ضرورت صرف اس لیے تھی کہ تم جمی لائیڈ تک پہنچنا چاہتے ہو جو شی کی سربراہی کے ساتھ کنگ لائنز کا بھی مالک ہے' اس کے بعد تمھارا راستہ بدل جائے گا۔"

"میں جمی لائیڈ تک ضرور پہنچنا چاہتا ہوں لیکن اس کے لیے تمھیں آلۂ کار نہیں بنانا چاہتا۔ یہ تصور تمھارے ذہن کی پیداوار ہے تم جب تک چاہو خوشی کے ساتھ میرے ساتھ رہ سکتی ہو اور نہ چاہو تو ابھی سے کسی الگ راستے کا انتخاب کر سکتی ہو۔ یہ ساری رقم تمھاری ہے، جو چاہو گزارے کے لیے ہاتھ اٹھا کر ہمیں دے دینا۔"

"میں تمھارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" وہ بھرآئی ہوئی آواز میں بولی۔ "ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہ میں برداشت کر سکوں گی نہ تمھاری محبوبہ تمھیں اجازت دے گی۔ . ."

"ضروری نہیں کہ عورت بیوی یا محبوبہ ہی بن کر رہے، تم بہن بھائی بھی بن سکتے ہو۔" سلطان شاہ اُس کی بات کاٹتے ہوئے ناصحانہ لہجے میں بولا اور میرا وجود سُن ہو کر رہ گیا۔

ایلی نور بھی کچھ نہ بول سکی۔ ہم دونوں ہی جانتے تھے کہ گن بوٹ پر تعارف کی ابتدا ہوتے ہی ہم نے اپنے درمیان ایسے کسی پاکیزہ رشتے کی گنجائش بالکل ختم کر دی تھی۔

کار کی رفتار کم ہونے لگی، میں نے بوکھلا کر پیچھے کا جائزہ لیا تو سڑک دور تک ویران پڑی ہوئی تھی۔ شاید اس وقت ہم کافی فاصلہ طے کر کے پیرس کے مضافات میں آ نکلے تھے۔ میں نے ایلی نور سے اس بارے میں استفسار کیا تو اُس نے رندھی ہوئی آواز میں بتایا کہ اُس کے لیے گاڑی چلانا دشوار ہو رہا تھا۔

خود میں بھی محسوس کر رہا تھا کہ جب سے اُس نے اپنے غیر یقینی مستقبل کا ذکر چھیڑا تھا، اسٹیئرنگ پر اس کا ہاتھ مسلسل بہک رہا تھا اور کار ویران سڑک پر لہراتے ہوئے چل رہی تھی لیکن میں نے اُسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا مگر اب کول تار کی چمکتی ہوئی سڑک

سے آنے والے انعکاس میں اُس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لرزتے نظر آرہے تھے اور بہتر یہی تھا کہ وہ ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ کر اپنے اُس جذباتی اُبال پر یکسوئی کے ساتھ قابو پاتی۔

آخر کار اُس نے گاڑی سڑک سے اتار کر آہستگی سے کچے میں روک دی۔ انجن بند کرتے ہوئے اُس کا بدن بے آواز ہچکیوں کے سبب لرز رہا تھا۔ شاید وہ ضرورت سے زیادہ ہی دل گرفتہ ہو گئی تھی۔

"تم اِدھر آجاؤ، تمھیں سکون کی ضرورت ہے، ڈرائیونگ میں کر لوں گا۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اُتر گیا۔

کھُلی فضا میں اُترتے ہی پہلے یخ بستہ کھُلی ہوا کے تھپیڑوں نے استقبال کیا پھر میں جوں ہی ایلی نور کی سمت کے دروازے پر پہنچا اچانک وہ ویرانہ پولیس کار کے سائرن کے آسیبی شور سے گونج اُٹھا۔ اسی کے ساتھ پیچھے ویران سڑک پر تین روشنیاں جل اُٹھیں جن میں سے دو واضح طور پر کسی کار کے ہیڈ لیمپس تھے اور تیسری کار کی چھت پر گردش کرتی ہوئی ایمرجنسی لائٹ تھی۔

سڑک بالکل سیدھی تھی، میں نے چند ثانیے قبل ہی دیکھا تھا کہ وہاں کسی کار کی روشنی کا پتا نہیں تھا۔ اب وہ روشنیاں جس طرح اچانک نمودار ہوئی تھیں اس سے مجھے شُبہ ہو رہا تھا کہ شاید وہ پولیس کار تھی اور کافی دیر سے تمام روشنیاں گُل کیے ہماری کار کا تعاقب کر رہی تھی لیکن ہماری کار کے رُکتے ہی انھوں نے غالباً قریب آکر اپنا اطمینان کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ایلی نور کے پاس سارے کاغذات موجود تھے جبکہ میرے پاس نہ ڈرائیونگ لائسنس تھا اور نہ پاسپورٹ۔ اگر اس وقت میں ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لیتا تو گشتی پولیس کی باز پُرس سے بچنا محال تھا لہٰذا سائرن کی آواز سنتے ہی میں کار کے گرد گھوم کر دوبارہ پسنجر سیٹ کی طرف پہنچ گیا جہاں ایلی نور سرک کر منتقل ہو چکی تھی۔

پولیس کار برق رفتاری سے قریب آتی جا رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھول کر اضطراری طور پر ایلی نور کو دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف دھکیل دیا۔ "اسٹیرنگ تم ہی سنبھالو، میرے پاس لائسنس نہیں ہے۔"

وہ جیب سے رومال نکال کر جلدی جلدی آنکھیں صاف کرنے لگی اور میں نے بیم گن جیب سے نکال کر پھرتی کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے ڈال دی۔ پھر ایلی نور نے اگنیشن لگانے کی نیت سے ہیڈ لیمپس آف کیے ہی تھے کہ پولیس کار تیز رفتاری سے ہماری کار کے آگے ایک شدید جھٹکے کے ساتھ اس طرح رکی کہ ہمارا راستہ مسدود ہو گیا۔

پولیس کار کے پوری طرح رکنے سے پہلے ہی اُونی کوٹوں میں ملبوس دو باوردی پولیس افسران دروازے کھول کر نیچے کود چکے تھے، تیسرا ڈرائیونگ سیٹ پر موجود رہا۔ پھر اُترنے والے افسران دونوں سمتوں سے تیر کی طرح ہماری کار کی طرف آئے تھے، اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں ٹارچ دبی ہوئی تھی۔

ایلی نور نے اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ اتار دیا، میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ اس کی طرف والے پولیس افسر نے فرنچ میں کچھ کہتے ہوئے اپنی ٹارچ کی روشنی ایلی نور کے چہرے پر ڈالی تھی اور بے اختیار سیٹی بجا کر رہ گیا پھر وہ روشنی باری باری میرے اور سلطان شاہ کے چہروں پر پڑی تھی۔

اس افسر نے ایک مرتبہ پھر فرنچ میں کچھ کہا، لہجہ استفسار طلب تھا۔ ایلی نور نے فرنچ میں مختصر سا جواب دیا پھر انگریزی میں بولی۔ "میرے دوست فرنچ نہیں جانتے، بہتر ہو گا کہ ہم انگریزی میں بات کریں۔"

"پہلے ڈرائیونگ لائسنس اور گاڑی کے کاغذات دکھاؤ۔" وہی افسر انگریزی میں بولا۔ "اس کے بعد تم سے فرنچ میں بات ہوگی اور تمھارے ساتھیوں سے انگریزی میں، اس طرح کوئی بھی تضاد بیانی آرام سے پکڑی جا سکے گی۔"

"تو تم یہ فرض کر کے آئے ہو کہ ہم تضاد بیانی ضرور کریں گے۔" ایلی نور نے برہمی کے عالم میں کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی آواز بدستور بھرائی ہوئی تھی۔

"تم کہہ رہی ہو کہ یہ اغوا کی واردات نہیں ہے۔ ہم مانے لیتے ہیں لیکن تمھیں شاید اندازہ نہیں کہ تم اس شاہراہ پر کافی دیر سے اسٹیرنگ لہرا کر ڈرائیونگ کر رہی تھیں جو ایک سنگین جرم ہے۔ کاغذات دکھاؤ۔"

ایلی نور نے اپنا ڈرائیونگ لائسنس نکال کر غصے سے اُس کی طرف بڑھا دیا۔ اس دوران میں تیسرا افسر بدستور پولیس کار میں موجود رہا تھا۔ گاڑی سے وائرلیس سیٹ پر آنے والی آوازوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ نہ صرف نشر ہونے والے پیغامات سن رہا تھا بلکہ اپنے ہیڈ کوارٹر کو اپنی تازہ ترین پوزیشن سے بھی آگاہ کر رہا تھا۔

ایلی نور نے کیبن لائٹ جلا کر ڈیش بورڈ کے خانے میں سے گاڑی کے کاغذات تلاش کر کے نکالے اور روشنی میں ان پر ایک نگاہ ڈال کر اسی افسر کی طرف بڑھا دیے۔

"خوب!" وہ ٹارچ کی روشنی میں کاغذات دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ گاڑی کس کے نام پر ہے؟"

"بل ایتھی!" ایلی نور کی زبان سے وہ نام سنتے ہی میں چونک پڑا لیکن مجھے یقین تھا کہ ایلی نور نے وہ نام یقیناً گاڑی کے کاغذات پر ہی پڑھا ہو گا ورنہ وہ اتنے اعتماد سے جواب نہ دیتی۔

"پھر یہ تمہارے پاس کیسے ہے؟" افسر نے چبھتے ہوئے لہجے
میں سوال کیا۔
"وہ میرا دوست ہے، اُس سے میں نے یہ گاڑی عاریتاً لی ہے۔"
ایلی نور آہستہ آہستہ خود پر قابو پاتی جا رہی تھی۔
"مجھے افسوس ہے میڈم موازیل! کراس نے صرف ڈیڑھ گھنٹے
پہلے اپنی کار چوری ہونے کی رپورٹ درج کرائی ہے۔" پولیس افسر کا
لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ "باہر سردی ضرور ہے لیکن تم تینوں کو نیچے اُترنے
کی زحمت کرنا پڑے گی، ہم گاڑی کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"
"تم جو چاہو کر سکتے ہو، ہم ذرا بھی مزاحمت نہیں کریں گے۔"
ایلی نور نے مصالحانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہمیں
صبح ہونے سے پہلے سینٹ میل پہنچنا ہے تم چاہو تو کوئی باہمی
سمجھوتا بھی ہو سکتا ہے۔ کار کی چوری کا معاملہ ہم واپسی پر بل ایتھی سے
حل کر لیں گے۔ تم یقین کرو کہ بل ایتھی کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"
"سمجھوتا!" وہ ایک دم ہتھے سے اُکھڑ گیا۔ "کیا مطلب ہے
تمہارا؟ تم قانون کو خریدنا چاہتی ہو؟"
"وہ قانون کی نہیں، تمہاری بات کر رہی تھی آفیسر!" میں
نے نرم لہجے میں دخل انداز ہوتے ہوئے کہا۔ "قانون اپنی جگہ اٹل اور
واجب الاحترام ہے لیکن اس وقت تم قانون کے مالک ہو، تمہارا
ہر فیصلہ قانون سمجھا جائے گا۔"
"پہلے دار باتیں نہ کرو۔" وہ غرایا۔ "کھل کر کہو کیا کہہ رہے ہو؟"
شاید میرا ابتدائی جملہ پوری طرح اس کے پلے نہیں پڑ سکا تھا۔
"بل ایتھی نے رپورٹ درج کرائی ہے اور ہم اس کار میں
سفر کرتے ہوئے روکے گئے ہیں لہٰذا ہم تمہارے مجرم ہیں۔" میں
نے پہلو بدل کر نرمی سے کہنا شروع کیا۔ "لیکن قانون کا تعلق کار کی بازیابی
سے ہے، ہم چور اُچکے نہیں بلکہ باحیثیت لوگ ہیں، ایسی دس کاریں
خرید کر خیرات کر سکتے ہیں لیکن سینٹ میل کا سفر ملتوی نہیں
کر سکتے تم افسرِ مجاز ہو، اس کار کی قیمت کا تعین کرو، ہم اتنی رقم
تمہیں نقد دے دیتے ہیں جو تمہارے پاس ہمارا زرِ ضمانت
ہوگا۔ اگر ہم رات آٹھ بجے تک کار سمیت تمہارے پاس واپس
نہیں پہنچتے تو وہ رقم تمہاری ہو جائے گی جس پر ہمارا کوئی مطالبہ
نہیں ہوگا اور تم ہمارے خلاف ہر کارروائی کرنے کے لیے
آزاد ہو گے۔"
"لیکن قانون مجھے ایسا کوئی اختیار نہیں دیتا مونسیور!"
غیر ارادی طور پر اس کے لہجے میں نرمی آگئی۔
"مجھے معلوم ہے کہ قانون اندھا اور بے رحم ہوتا ہے لیکن
مہربان افسروں کے ہاتھ میں قانون کی یہی کتاب آغوشِ مادر
کی طرح مہربان بن جاتی ہے۔ اپنی مجبوری کے تحت ہم تمہیں سے
صرف یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم چور نہیں ہیں، اسی لیے کار کی
قیمت کا تعین تمہارے ہاتھ میں دے رہے ہیں۔ چاہو تو
تمہارے اس تعاون کے لیے ہم کوئی ہرجانہ بھی ادا کرنے کے
لیے تیار ہیں۔ ہم واپس لوٹیں یا نہ لوٹیں، ہرجانے کی رقم کے تم
مالک ہو گے۔ یہ میرا شریفانہ وعدہ ہے۔"
فرض شناسی اور ایمان داری اپنی جگہ لیکن تھے وہ تنخواہ دار
ملازم ہی —— اس قدر کھلی کھلی پیش کش سُن کر میری طرف کھڑے
ہوئے افسر کی رال ٹپک پڑی۔ "یہ بات نہیں بنے گی کیونکہ میری
دانست میں یہ کار کسی طرح سو ہزار فرانک سے کم مالیت کی نہیں ہوگی۔"
وہ کار کا جائزہ لیتے ہوئے بڑبڑایا۔
"تم کار کی دُگنی سے زیادہ مالیت جانچ رہے ہو۔" میں نے
احتجاج کیا۔
"اسی لیے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ بات نہیں بنے گی۔"
وہ بولا۔ "اگر تم واپس نہ آئے تو ہم تینوں کے حصے میں صرف تینتیس
ہزار فرانک فی کس آئیں گے جو زیادہ بڑی رقم نہیں ہوگی۔"
"خیر اس پر میں بحث نہیں کرتا۔" میں نے کہا۔ "حسبِ وعدہ
ہم لوٹ آئے تو رقم واپس مل ہی جائے گی۔"
"لیکن رقم اسی وقت نقد ادا کرنا ہوگی۔" وہ ڈھٹائی کے
ساتھ بولا۔
"ٹھہرو —— پہلے ہم آپس میں مشورہ کر لیں۔" ایلی نور کی طرف
والا افسر بول پڑا اور وہ دونوں ہماری کار سے ہٹ کر اپنی کار میں
بیٹھے ہوئے تیسرے ساتھی کی طرف چلے گئے۔
میدان صاف ہوتے ہی میں نے بیم گن نشست کے
نیچے سے نکال لی۔
"تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" سلطان شاہ نے اُردو میں اضطراری
طور پر سوال کیا۔
"دیکھتے جاؤ۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "بات نہ بنی
تو بہت بُرا ہوگا لیکن ہم ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔"
"وہ لالچ میں تو آگئے ہیں۔" ایلی نور نے تشویش آمیز لہجے
میں کہا۔ "لیکن دیکھنا یہ ہوگا کہ ان تینوں میں اتفاقِ رائے بھی ہوتا
ہے یا نہیں ویسے سو ہزار فرانک کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے۔"
"فرانک کی مالیت کیا ہوتی ہے؟" سلطان شاہ نے پرتجسس
لہجے میں سوال کیا۔
"اپنے تین روپے سمجھ لو، سیدھے تین لاکھ بن گئے۔ ویسے اتنی
رقم میں بھی یہ سودا بُرا نہیں رہے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنے
اعصابی تناؤ پر قابو پانے کے لیے سگریٹ سلگالی۔ میری نگاہیں
ونڈ اسکرین کے پار کھڑی ہوئی پولیس کار پر جمی ہوئی تھیں، جس

میں تینوں پولیس افسران مشاورت میں مصروف تھے۔

چند منٹ کے اعصاب شکن سکوت کے بعد وہ تینوں ہی ایک ساتھ کار سے اُترے تھے اور ٹارچ والے افسر نے آتے ہی ہمیں بھی نیچے اُترنے کے لیے کہا تھا۔ اُس کا لہجہ نارمل تھا لیکن اس میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ میری چھٹی حس یکلخت بیدار ہوگئی۔

"ہینڈز اپ۔" ہمارے اُترتے ہی تینوں پولیس افسروں نے اپنے پستول نکال لیے اور ٹارچ والا ایک قدم آگے بڑھ آیا۔ "اب تمہیں یہ بھی بتانا ہوگا کہ تمہارے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی اور تم اس وقت رقم لے کر کیوں گھوم رہے ہو؟"

"رقم ہماری اپنی ہے اور ہم ایک کاروباری سودے کے لیے سینٹ میبل جا رہے ہیں۔" میں نے اپنا لہجہ پُرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "شاید اس بارے میں تمہارے تیسرے ساتھی نے ہی تمہیں بہکایا ہے۔"

ٹارچ والا تلخ اور مغرور لہجے میں ہنسا۔ "بہکایا نہیں بلکہ سمجھایا ہے۔ تم یقیناً کوئی بڑی واردات کرکے آ رہے ہو جب ہی اپنی گلو خلاصی کے لیے اتنی فیاضانہ پیش کش کر رہے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری واپس آنے کی کوئی نیت نہیں تھی اور تم زرِ ضمانت رشوت کے طور پر دے رہے ہو۔ اب سچ سچ بتاؤ کہ تمہارے پاس کتنا مال ہے اور کہاں سے آیا ہے؟"

"مال تو یہ لو!" میں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اپنی جیب سے ڈالروں کی ایک گڈی نکال کر ان کی طرف اچھال دی جو میرے ناخن کی رگڑ سے کمزور ہونے والا ربر بینڈ ٹوٹنے کی وجہ سے گرتے ہوئے بکھر گئی۔

تیسرا افسر حریصانہ انداز میں بکھرے ہوئے نوٹوں کو سمیٹنے میں مصروف ہوگیا اور ٹارچ والا کہنے لگا۔ "شاید بات بن ہی جاتی لیکن ہماری کار پر موجود ریڈیو فون پر ہمارا ساتھی ہم سے مشورہ کیے بغیر کار کے رجسٹریشن نمبر کی بنا پر بل اینتھی کو اطلاع دے چکا ہے کہ اس کی کار پکڑ لی گئی ہے۔ اس کے پولیس میں گہرے مراسم ہیں اور وہ کسی بھی لمحے یہاں پہنچ سکتا ہے۔"

"ایسے مواقع بار بار نہیں ملتے۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "ابھی بھی اگر تم ہمیں نکل جانے دو تو یہ دس ہزار ڈالر تمہارے ہو سکتے ہیں۔"

"اب تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" وہ فیصلہ کُن لہجے میں بولا۔ اس کا اشارہ پاکر دوسرا افسر ہماری کار کی طرف بڑھا اور میں نے دوبارہ اپنی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

میری جیب پھولی ہوئی تھی۔ ٹارچ والے نے میری اس حرکت کو دیکھا لیکن کوئی تعرض نہیں کیا۔ شاید وہ یہی سمجھا ہوگا کہ میں اسے بہلانے کے لیے مزید رقم نکالنا چاہتا تھا لیکن میرے لیے بل اینتھی کی کسی بھی لمحے آمد کی اطلاع اعصاب شکن ثابت ہوئی تھی۔ میں ان لوگوں کے ساتھ مزید مذاکرات میں اُلجھ کر وقت برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔

بل اینتھی ایک بدنام گروہ بند بدمعاش تھا اور اگر وہ وہاں آرہا تھا تو اس کے ساتھ یقیناً حواریوں کا ایک جلوس بھی ہوتا اور ہمارے لیے مسلح بدمعاشوں کی اس بھیڑ سے بچ نکلنا ناممکن ہوکر رہ جاتا۔

میرا ہاتھ جیب سے برآمد ہوا تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس میں ہیم گن ہوگی اور پھر وہ ویرانہ ٹارچ والے پولیس افسر کی دردناک چیخ سے لرز اُٹھا کیوں کہ عجلت میں میرا نشانہ خطا ہونے کے سبب اس کا چہرہ جھلس گیا تھا اور صورتِ حال یک بیک بہت سنگین ہوگئی تھی۔

کار کی طرف جانے والے پولیس افسر نے اپنے ساتھی کی چیخ سنتے ہی فائر کیا تھا مگر سلطان شاہ موقع کی نزاکت بھانپتے ہی اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اس اثنا میں مَیں نے اپنی غلطی کا ازالہ کرتے ہوئے زخمی پولیس افسر کا سینہ چھید دیا۔ اس وقت نوٹ اُٹھانے والا میرے سینے کا نشانہ لے کر فائر کرنا چاہ رہا تھا لیکن اپنے ساتھی کو کٹے ہوئے بے جان شہتیر کی طرح گرتے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کے لیے تذبذب میں مبتلا ہوا اور اسی اثنا میں ایلی نور نے اس کی کلائی پر ٹھوکر مار کر اس کے ہاتھ سے ریوالور نکال دیا جو زمین پر گرتے ہی چل پڑا۔

اسے غیر مسلح ہوتے ہی نوشتۂ دیوار جلی حروف میں نظر آگیا تھا اس لیے وہ اپنے جسم کی پوری قوت مجتمع کرکے گرے ہوئے پستول کی طرف جھپٹا اور میں نے اسے اپنی ہیم گن کی مہلک نیلی شعاعوں کی زد پہ لے لیا۔ جسم کے مختلف حصوں پر شعاعوں کی جلتی تپش محسوس کرتے ہی وہ غضب ناک ہوتے ہوئے کسی وحشی درندے کی طرح بلبلاتا ہوا میری طرف بڑھا تھا اور یوں اس کا دل براہِ راست میری زد میں آگیا۔ وہ دونوں ہاتھ فضا میں اچھال کر منہ کے بل زمین پر آرہا۔

اسے ڈھیر کرتے ہی میں تیسرے کی طرف مڑا جو سُرخ کار کی اوٹ میں سلطان شاہ سے وحشیانہ انداز میں لڑ رہا تھا۔ وہ دونوں کار کی اوٹ میں گھرے ہوئے تھے اس لیے مجھے نظر نہ آسکے لیکن جو کچھ نظر آیا وہ رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی تھا۔

ویران شاہراہ پر چھ سات گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس ایک قطار کی صورت میں تیزی کے ساتھ ہماری طرف بڑھتے چلے آرہے تھے۔ وہ یقینی طور پر شی کے سفاک مقامی سربراہ بل اینتھی اور اس کے مسلح حواریوں کا جلوس تھا جو اپنی پوری قوت کے ساتھ ہماری پیشوائی کے لیے آخر کار آہی پہنچا تھا۔

"گاڑی میں سے رقم کا تھیلا سنبھالو! وہ آگئے ہیں۔" میں نے

ہذیانی انداز میں چیخ کر ایلی نور سے کہا اور پھر سُرخ کار کی اوٹ میں غرّا غرّا کر ایک دوسرے کو ادھیڑتے ہوئے سلطان شاہ اور تیسرے پولیس افسر کی طرف بڑھ گیا۔

اچانک سُرخ کار کا انجن بیدار ہوا اور کار پوری رفتار سے گھوم گئی لمحہ بھر بعد ہی ایلی نور اس کار کو سڑک کے وسط میں آڑا پارک کر کے اُتری اور اس نے دوڑتے ہوئے پولیس کار میں سوار ہو کر اس کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔

میں نے کئی بار سیم گن فائر کرنے کا ارادہ کیا لیکن ہر بار ارادہ ترک کرنا پڑا کیوں کہ وہ دونوں آپس میں لڑتے ہوئے اتنی تیزی کے ساتھ ایک دوسرے کو روند رہے تھے کہ ہر لمحے ان کی پوزیشن بدل رہی تھی اور ایک کو بچاتے ہوئے دوسرے کو نشانہ بنانا محال تھا۔

غصّے اور اضطراب کی حالت میں مجھے کچھ اور نہ سوجھا تو میں نے بڑھ کر پوری قوت سے اس پولیس افسر کی کھوپڑی پر ٹھوکریں برسانا شروع کر دیں۔ دوسری طرف آنے والا گاڑیوں کا جلوس اتنے قریب پہنچ چکا تھا کہ اگر وہ رائفل سے گولیاں چلاتے تو ہم ان کی رینج میں ہوتے۔

معاً مجھے احساس ہوا کہ سلطان شاہ کی حالت خراب تھی۔ میری ٹھوکروں کی ضربیں پڑنے کی وجہ سے پولیس افسر نہ صرف بوکھلا گیا تھا، بلکہ اس کی مزاحمت بھی دم توڑتی جا رہی تھی لیکن سلطان شاہ سے پھر بھی زمین سے نہیں اٹھا جا رہا تھا۔

اسی وقت ایلی نور پولیس کار کو ریورس کر کے ہمارے قریب لے آئی۔

"جلدی کرو، وہ سر پر آ گئے ہیں۔ وہ ہمیں چیونٹیوں کی طرح مسل کر ہمیں فنا کر دیں گے۔"

میں نے تیسرے پولیس افسر کو بھی مہلک شعاعوں کی زد پہ لے لیا۔ اور پھر سلطان شاہ کو کندھے پر لاد لیا جو کراہ رہا تھا۔

اسے پولیس کار کی عقبی نشست پر ڈالتے ہوئے میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ سُرخ کار سڑک کے وسط میں اس طرح کھڑی کی گئی تھی کہ سڑک مسدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس سے نیچے پولیس افسران کی لاشیں اس بے ترتیبی سے بکھری ہوئی تھیں کہ انھیں روندے یا راستے سے ہٹائے بغیر کچے راستے سے بھی گاڑیاں بڑھا لے جانا ممکن نہیں تھا۔

پولیس کار کا انجن بیدار تھا ایلی نور نے اس کا روح فرسا سائرن اور گردشی لائٹ بھی آن کر دی پھر میرے سوار ہوتے ہی کار کا طاقتور انجن تیزی سے غرّایا اور پولیس کار ناہموار کچی سڑک پر اچھلتی ہوئی سپاٹ سڑک پر آئی اور برق رفتاری سے آگے تیرتی چلی گئی۔ صرف چند ثانیوں کے لیے پیچھے آنے والی کاروں سے ہمارا فاصلہ برقرار رہا پھر انھیں جائے واردات پر ٹھہرنا پڑ گیا اور ہم انھیں پیچھے چھوڑتے ہوئے آندھی اور طوفان کی رفتار سے آگے بڑھنے لگے۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ ڈرائیونگ میں ایلی نور کو قابلِ رشک مہارت حاصل تھی۔

پولیس کار

پیرس کی اس مضافاتی شاہراہ پر سائرن بجاتی برق رفتاری کے ساتھ آگے پھسلتی جا رہی تھی اور پیچھے رُکی ہوئی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس سکڑتے سکڑتے اب روشن نقطوں کی مانند نظر آ رہے تھے۔ پولیس کار کے انجن کی طاقت اور رفتار کو دیکھتے ہوئے مجھے پوری اُمید تھی کہ ان لوگوں نے سڑک صاف کر کے ہمارا تعاقب جاری رکھا تب بھی اس درمیانی فرق اور فاصلے کو کسی طرح کم نہ کر سکیں گے لیکن اس وقت ان سے لاحق خطرات سے کہیں زیادہ تشویش مجھے سلطان شاہ کے بارے میں تھی۔ گن بوٹ پر برفانی تشدد کے اثرات سے وہ ابھی پوری طرح سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ گشتی پولیس کے افسر سے ہونے والی سوح فرسا زور آزمائی نے اسے پھر نڈھال کر کے رکھ دیا تھا۔ مجھے تشویش یہ بھی کہ ہم اس شاہراہ پر یا اسی طرف کسی اور سمت میں سفر جاری رکھتے ہوئے زیادہ دیر تک پولیس کار پر قابض نہیں رہ سکتے تھے۔ موقع سے ہمارے فرار ہونے سے قبل ہی بل ایتھی اپنے مسلح بدمعاشوں کے لشکر کے ساتھ جائے واردات پر پہنچ چکا تھا اور سُرخ پیجو کے قریب تین باوردی پولیس افسران کی لاشیں دیکھنے کے بعد اس کے لیے یہ سمجھنا نہایت آسان تھا کہ اس کے حریف پولیس افسران کو زیر کر کے ان کی کار لے بھاگے تھے۔ اس کے ساتھ آنے والی گاڑیوں کی تعداد اتنی تھی کہ وہ بھاری نفری کے ساتھ ہمارا تعاقب جاری رکھتے ہوئے بہ آسانی ایک گاڑی حکّامِ بالا کو باخبر کرنے کے لیے روانہ کر سکتا تھا۔

فرانس کے مہذب معاشرے میں تین پولیس افسران کی بیک وقت ہلاکت کی خبر پورے محکمے کو ہلا ڈالنے کے لیے کافی تھی یہ خبر پھیلتے ہی ہر سمت سے پولیس کی مسلح گاڑیاں اسی سمت میں سمٹنا شروع ہو جاتیں جدھر ہم جا رہے تھے پھر ہم آسانی کے ساتھ چاروں طرف سے گھیر کر بے دست و پا کیے جا سکتے تھے اس لیے ہمارے حق میں بہتر یہی تھا کہ جلد از جلد اس پولیس کار سے چھٹکارا حاصل کر لیں جو جائے واردات سے فرار میں ہماری مددگار ثابت ہونے کے بعد ہمیں برقی کرسی تک بھی پہنچا سکتی تھی۔

لیکن اہم ترین مسئلہ یہ تھا کہ تعاقب کرنے والوں سے اپنا فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے ہمیں کسی مناسب مقام پر گاڑی چھوڑتے ہی پوری قوت سے کسی محفوظ سمت میں بھاگنا تھا مگر سلطان شاہ اس جد و جہد میں ساتھ دینا محال نظر آ رہا تھا۔ نہ ہی میں اس کو اپنے کندھے پر لاد کر دوڑ لگانے کی طاقت رکھتا تھا۔

"تم کیا محسوس کر رہے ہو؟" کئی ثانیوں کے طویل اور اعصاب شکن سکوت کے بعد میں نے بوجھل لہجے میں سلطان شاہ سے سوال کیا۔

"اب کچھ بہتر ہوں" اس کی آواز سرد اور بالکل سپاٹ تھی۔ "مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ لوگ آ پہنچے ہیں اور ہم زیادہ دیر اس کار میں سفر جاری

نہیں رکھ سکیں گے... تم میری فکر نہ کرو، مجھے بھول کر اپنی زندگیاں بچانے کی کوشش کرو۔"

وہ خطرات سے بے خبر نہیں تھا۔ اپنی ذات کو لاحق بھیانک انجام بھی شاید اس کے سامنے تھا لیکن اس نے گڑگڑا کر زندگی کے لیے بھیک مانگنے کے بجائے مردانہ وار خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے موت کو اپنے گلے سے لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا اسی لیے اس کی آواز جذبات سے عاری اور سخت ہو گئی تھی۔

"کیا تم اپنی ٹانگوں پر کھڑے نہیں ہو سکتے؟" میں نے کرب آمیز لہجے میں سوال کیا۔ وہ وہی کہہ رہا تھا جو اسے اس سنگین موڑ پر کہنا چاہیے تھا لیکن میری مجبوری یہ تھی کہ میں اس کے کہے ہوئے پر عمل نہیں کر سکتا تھا۔ طویل رفاقت کے بعد اس نے میرے لیے میرے وجود کے ایک اہم حصّے کی حیثیت اختیار کر لی تھی جسے چھوڑ جانے کا میں تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"کوشش کروں تو شاید تھوڑا بہت چل بھی لوں گا لیکن دوڑ نہ سکوں گا۔" اس کی آواز میں مایوسی کی کوئی رمق نہیں تھی' بس سپاٹ لہجہ تھا۔ "اس وحشی سے زور آزمائی کرتے ہوئے اچانک ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے تمام اعصاب کی توانائی ختم ہو رہی ہو۔"

میرے دل میں اُمید کی کرن جاگ اٹھی۔ "سیٹ پر سیدھے ہو کر بیٹھو اور ہاتھ پیر ہلانے کی کوشش کرو۔ برف زدہ اعصاب کی کمزوری کی وجہ سے تم اس کیفیت سے دوچار ہوئے ہو۔ ذرا سی ہمت اور کوشش کرو گے تو کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو جائے گی۔" میں نے لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو کر اسے سہارا دے کر نشست پر سیدھا بٹھایا اور دوبارہ کہا۔ "یہ لڑکی شاید نکل جائے لیکن یہ یاد رکھنا کہ میں تمہیں چھوڑ کر نہیں بھاگوں گا۔ یہ سمجھ لو کہ اب ہم دونوں کی زندگی کا انحصار تمہاری اور صرف تمہاری ہمت پر ہے۔"

اس نے اپنے ہاتھ پیروں کو فضا میں ہلانا شروع کر دیا۔ اس کی جسمانی کاوشیں اپنی جگہ تھیں لیکن میں نے اس پر نفسیاتی دباؤ بھی بڑھا دیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میری وہ تدبیر کارگر رہی تھی۔ پہلے اسے صرف اپنی فکر لاحق تھی اور اب میں نے اس پر واضح کر دیا تھا کہ میری بقا بھی اس کی سلامتی سے وابستہ تھی۔

"ہمیں یہ گاڑی جلد از جلد چھوڑنا ہو گی۔" ایلی نور نے پولیس کار کے ریڈیو ٹرانسمیٹر کے خاموش ہونے پر تشویش زدہ لہجے میں کہا۔ "ابھی اس بارے میں ہدایات نشر کی گئی ہیں اور پولیس کے سارے موبائیل عملے کو اس اغوا شدہ کار کو گھیرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

میں نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو کافی فاصلے پر بل ایتھی کی کاروں کے ہیڈ لیمپس بدستور نظر آ رہے تھے گو ان کا فاصلہ کافی زیادہ تھا لیکن وہ روشنیاں معدوم نہیں ہوئی تھیں جس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ راستے کی رکاوٹیں ہٹا کر اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھے۔

اس وقت ہمارے پاس بیم گن اور ایکسپلوڈر کے علاوہ ایک پولیس افسر کے ہولسٹر سے چھینا ہوا پستول بھی موجود تھا لیکن اس وقت کی صورتِ حال کے پیشِ نظر وہ تینوں ہتھیار کھلونوں سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتے تھے' ان کی مدد سے دو چار حریفوں کا مقابلہ تو کیا جا سکتا تھا لیکن خون کے پیاسے مسلّح بھیڑیوں کے غول کو روکنا ناممکنات میں سے تھا۔ آتشگیر بارودی بموں یا اسی نوعیت کے اسلحے کے بل پر ضرور ان کی پیش قدمی روکی جا سکتی تھی لیکن ہمارے پاس ایسا کوئی مہلک اسلحہ موجود نہیں تھا۔

"فیول گیج کی پوزیشن کیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔ اس وقت کی صورتِ حال کی وجہ سے میرے اعصاب پر بھی زبردست تناؤ طاری ہونے لگا تھا جو لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"ٹنکی آدھی سے زیادہ بھری ہوئی ہے... میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہ سڑک چھوڑ کر کوئی ذیلی راستہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ بے موت مارے جائیں گے۔" ایلی نور بولی۔

"کار کی ایمرجنسی لائٹ اور سائرن آف کر دو۔" میرے الفاظ مکمل ہونے سے پہلے ہی فضا میں سائرن کی دل ہلا دینے والی مہیب آواز موقوف ہو گئی۔ ساتھ ہی گردوپیش میں پڑنے والا گردشی روشنی کا گھٹتا بڑھتا انعکاس بھی معدوم ہو گیا۔

"چاندنی رات ہے۔" میں نے کھڑکی کے چڑھے ہوئے شیشے سے اپنی سمت کے ویرانے پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "گاڑی کی روشنیاں گُل کر کے ڈرائیونگ جاری رکھ سکو تو ہم انہیں چکما دینے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔"

"جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس کے علاوہ کچھ اور کرنا ہی ناممکن ہے۔" ایلی نور تلخ لہجے میں بولی پھر اس نے کار کی داہنی سمت کا انڈیکیٹر آن کر دیا۔ "میں گاڑی کچے میں اتار رہی ہوں تاکہ ٹائروں کے نشان اُنہیں دھوکا دے سکیں... مختصر سا چکر کاٹ کر ہم روشنیاں گُل کر کے دوبارہ سڑک پر آ جائیں گے۔"

اچانک ہی کار نے سڑک چھوڑ دی اور شدید ہچکولوں کے ساتھ داہنی سمت کے ناہموار پتھریلے میدان میں اتر گئی۔ ایلی نور نے ایسا کرتے ہوئے کار کی رفتار کم نہیں کی تھی' ہر لمحے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کار اس کے قابو سے باہر ہو کر اُلٹ جائے گی مگر وہ ان خطرناک لمحات میں اسٹیئرنگ پر اپنی بے مثال مہارت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس وقت اگر ایلی نور کی جگہ میں کار ڈرائیو کر رہا ہوتا تو شاید اس سے بہتر مہارت کا مظاہرہ نہ کر پاتا۔

کچھ دور تک یوں ہی طوفانی رفتار سے بڑھتے رہنے کے بعد ایلی نور نے کار کا رُخ گھمایا۔ میں نے دیکھا کہ اس دوران میں بل ایتھی کی گاڑیوں کی روشنیاں نسبتاً واضح ہو چکی تھیں لیکن وہ ابھی بھی ہم سے کافی دور تھیں لہٰذا ہمارے لیے دوبارہ سڑک پر آنے کے لیے خاصی مہلت تھی بشرطیکہ

ایلی نور کو کسی مجبوری کی وجہ سے کار کی رفتار کم نہ کرنا پڑتی۔

پھر اچانک کار کے آگے پھیلی ہوئی روشنی کی وسیع چادر یک بیک معدوم ہوگئی اور ویرانے میں صرف چاند کی پھیکی روشنی باقی رہ گئی جو فضا میں موہوم سی گرد کی وجہ سے قدرے دھندلائی ہوئی تھی۔

روشنیاں گل کرتے ہی ایلی نور نے بریکوں کا استعمال ترک کر دیا کیونکہ عقب میں بریک لائٹس کے بار بار جلنے بجھنے سے دشمنوں کو ہماری اسکیم کا اندازہ ہوسکتا تھا اُس کے بجائے وہ کار کی رفتار گھٹانے بڑھانے کے لیے گیئر استعمال کررہی تھی جس کی وجہ سے انجن کی آواز غضب ناک غرّاہٹوں میں بدل گئی تھی۔

اندھیرے میں ناہموار میدان میں وہ سفر بہت تکلیف دہ تھا۔ ہم بار بار اپنی نشستوں سے اچھل رہے تھے کئی بار سر کافی شدت سے چھت سے بھی جا ٹکرایا اگر ہم ان شدید جھٹکوں کے لیے تیار نہ ہوتے تو بڑی آسانی کے ساتھ اپنی گردن تڑوا سکتے تھے آخر کار وہ جاں گداز لمحات آخری سانسوں پر آگئے کیونکہ چمکتی ہوئی سیاہ سڑک دوبارہ سامنے نظر آنے لگی تھی۔

پھر کار کا اگلا ایک پہیہ زمین پر اُبھری ہوئی خود رو جھاڑیوں پر سے گزرتے ہوئے اچانک نادیدہ گڑھے میں جا گرا نچلے حصّے میں سے کسی کمانی کے ٹوٹنے کی پُرشور آواز پیدا ہوئی مگر کار قدرے گھوم کر اس رکاوٹ سے نکل گئی اور جب کار دوبارہ پختہ سڑک پر آئی تو آگے سے بائیں طرف جھکی ہوئی تھی۔

"اگلے سسپنشن میں کچھ ٹوٹا ہے۔" کیبن میں ایلی نور کی بھرائی ہوئی آواز گونجی "شاید ہمیں رفتار کم رکھنا ہوگی۔"

"جب تک سڑک پر کوئی پُرزہ رگڑنے کی آواز نہ آئے بے خطر ہوکر گاڑی دوڑاتی رہو اور اب جہاں بھی راستہ نظر آئے یہ سڑک چھوڑ دینا۔ اسی میں ہماری عافیت ہے۔"

ہیڈ لیمپس بجھانے کے بعد کئی میل تک سفر جاری رہا۔ پیچھے آنے والے ہماری توقع سے کہیں زیادہ چالاک تھے اور اپنی عددی بالادستی کو پوری طرح استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ان کی چند گاڑیاں اسی مقام پر رک گئی تھیں جہاں ایلی نور نے پولیس کار کو کچے میدان میں اتارا تھا۔ شاید کوئی گاڑی ٹائروں کے نشانات کے تعاقب میں سڑک سے اتر کر ویرانے میں بھی گئی تھی اور کم از کم تین گاڑیاں بدستور ہمارے پیچھے بڑھی چلی آرہی تھیں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ ان کی احتیاطی تدبیر تھی ورنہ اتنے فاصلے سے ہماری گاڑی کا نمبر دیکھ لیا جانا ناممکنات میں سے تھا۔ چاند کی روشنی سے جو اُجالا پھیلا ہوا تھا وہ چند سو گز دور تک ہی مددگار تھا اُس کے آگے چاندنی کے اثرات کو ہلکی کُہر نے ختم کر دیا تھا۔

اچانک میں چونک پڑا۔ پولیس کار کے انجن کی آواز بدل رہی تھی جس میں بھاری پن نمایاں تھا میں نے مضطرب ہوکر ڈیش بورڈ پر نگاہ ڈالی پھر اپنی اس اضطراری حرکت پر خود ہی نادم ہوکر پشت گاہ سے ٹک گیا کیونکہ کار کی تمام روشنیاں گل تھیں جس کی وجہ سے ڈیش بورڈ بھی تاریک تھا ورنہ وہاں نصب کسی نہ کسی میٹر سے انجن کی بدلتی ہوئی آواز کا سبب معلوم ہوسکتا تھا۔

"انجن دم توڑتا جارہا ہے۔" اسی لمحے ایلی نور کی تھکی ہوئی آواز سُنائی دی۔ "پورا ایکسیلریٹر دینے کے باوجود رفتار لمحہ بہ لمحہ کم ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔"

"اندھیرے میں کچھ اندازہ نہیں ہوسکتا۔" میں نے بے بسی کے ساتھ کہا۔ "اور ہم روشنی کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ میرا خیال ہے کہ کچے راستے پر کسی پتھر وغیرہ سے ریڈی ایٹر لیک ہوگیا ہے۔ پانی نکل جانے کی وجہ سے انجن گرم ہوتا جارہا ہے۔"

"پھر تو یہ کسی بھی لمحے سیز ہوسکتا ہے۔" وہ بولی۔

"خدا کرے کہ اس سے پہلے ہی کوئی راستہ مل جائے اس سڑک پر کار کھڑی ہوگئی تو ہم بے موت مارے جائیں گے۔" میں نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔

وہ شاید دعاؤں کی قبولیت کی کوئی ساعت سعید ہی تھی کیونکہ اسی لمحے بائیں طرف سے ایک ذیلی سڑک شاہراہ سے ملتی ہوئی نظر آئی اور ایلی نور نے گیئر بدل کر کار کی رفتار کی کمی کا سارا زور گرم ہوتے ہوئے انجن پر ڈال دیا۔

اِدھر ہم بائیں طرف والی ذیلی سڑک پر گھومے اور اسی وقت ہمارے پیچھے آنے والے طویل تعاقب سے اُکتا کر واپس لوٹتے نظر آئے کیونکہ ان کی اگلی گاڑی نے یوٹرن لے لیا تھا اور اس کے ہیڈ لیمپس کے بجائے عقبی سُرخ روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔

"پیچھے میدان صاف ہوگیا۔" سلطان شاہ کی آواز میں خوشی کے جذبات نمایاں تھے۔ "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن پولیس کی گاڑیاں کسی بھی سمت سے نمودار ہوسکتی ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "ہم ابھی تک پیرس کے مضافات سے زیادہ دور نہیں نکل سکے ہیں۔"

"ہیڈ لیمپس تو جلالوں نا؟" ایلی نور نے دریافت کیا۔ "اندھیرے میں ڈرائیونگ کرتے کرتے آنکھیں دُکھنے لگی ہیں۔"

میری اجازت پاکر اس نے ہیڈ لیمپس روشن کیے اور ڈیش بورڈ پر روشنی بحال ہوتے ہی اس کے حلق سے غیر ارادی طور پر تحیر آمیز آواز آزاد ہوگئی۔ "تمھارا اندازہ درست تھا۔ انجن کا درجۂ حرارت بتانے والی سوئی ڈائل کے سُرخ بینڈ پر پہنچی ہوئی ہے۔ کیوں نہ ہمیں رُک کر انجن

کا جائزہ لے لیں گے۔"

"ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "اوّل تو ہم ٹوٹے ہوئے ریڈی ایٹر کی مرمت نہ کر سکیں گے، دوئم یہ کہ ہمیں جلد از جلد اس کار سے پیچھا چھڑانا ہے اور سوئم یہ کہ کار جب تک چل رہی ہے، چل رہی ہے۔ ایک بار انجن بند کیا تو دوبارہ اسٹارٹ کرنا محال ہو جائے گا۔"

لیکن ہماری وہ ساری احتیاط بے سود ثابت ہوئی اور چند منٹ بعد ہی حرارت پیمائی سوئی آخری سرے پر پہنچنے کے بعد انجن نے چند تیز جھٹکے لیے۔ ایلی نور نے فوراً کلچ دبا کر گیئر نیوٹرل کر دیا اور انجن کے خودبخود بند ہو جانے کے باوجود کار کی رفتار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچے میں اتار دیا۔

انجن بند ہونے کے بعد اس میں سے سیٹیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بانٹ کے کناروں سے بھاپ بھی نکل رہی تھی۔ اسی کے ساتھ ناہموار زمین پر ٹوٹی ہوئی اگلی کمانی بھی تیز آوازیں پیدا کر رہی تھی لیکن ہمارے کسی حادثے سے دوچار ہوئے بغیر کار کافی دور جا کر خودبخود رُک گئی۔ ایلی نور کی حاضر دماغی کی بنا پر ہم مسروقہ پولیس کار کو ذیلی سڑک سے اتنی دور لے آنے میں کامیاب ہو گئے تھے کہ سڑک سے بادی النظر میں اس کار کا دیکھا جانا ممکن نہیں رہا تھا۔

دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہی برف میں بھیگی ہوئی ہلکی ہوا نے استقبال کیا تھا۔ ایلی نور بھی اپنی نشست چھوڑ کر تیر کی طرح میری طرف آئی تھی تاکہ میرے ساتھ سلطان شاہ کو سہارا دے کر نیچے اترنے میں مدد دے سکے لیکن اسی اثنا میں سلطان شاہ دوسری سمت کا دروازہ کھول کر نیچے اتر چکا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ابھی میں اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوں۔" اس نے نیچے اترتے ہی قدرے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ اور بات ہے کہ بھاگ دوڑ میں شاید پوری رفتار سے تمہارا ساتھ نہ دے سکوں۔" یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ مگر ہموار قدموں سے چلتے ہوئے ہمارے قریب آ گیا۔ اس کی کیفیت دیکھتے ہوئے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے کمزور اعصاب غیر معمولی مشقت آ پڑنے کے باعث وقتی طور پر مفلوج ہو گئے تھے اور زور آزمائی کا مرحلہ گزرنے کے بعد تدریجی طور پر لمحہ بہ لمحہ ان کی کھوئی ہوئی قوت بحال ہوتی جا رہی تھی جو ایک حوصلہ افزا بات تھی۔

"یہ کون سا علاقہ ہے؟ اور اب ہمیں کدھر کا رُخ کرنا چاہیے؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے ایلی نور سے سوال کیا جو کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"وہ سب سوچ رہے ہوں گے کہ ہم پیرس سے فرار ہو گئے ہیں اس لیے ان کی پوری توجہ پیرس سے نکاسی کے دور افتادہ مقامات پر مرکوز ہوتی چلی جائے گی تاکہ وہ ہمیں گھیر سکیں۔ میرا خیال ہے کہ ان حالات میں ہماری پیرس واپسی ہی سب سے زیادہ محفوظ رہے گی۔ وہ سوچ بھی نہ سکیں گے کہ ہم ایک بار پھر شہر میں گھسنے کی جرأت کریں گے۔" وہ بولی۔

"تجویز معقول ہے بشرطیکہ پیرس واپسی کا کوئی محفوظ راستہ ہماری نظروں میں ہو۔"

"صبح ہونے والی ہے۔ تھوڑی دیر میں دودھ اور سبزیوں کے ٹرکوں کا ٹریفک پیرس میں داخل ہونا شروع ہو جائے گا۔ ان ٹرکوں پر ڈرائیور اور کلینر کے علاوہ عموماً کوئی تیسرا نہیں ہوتا۔ اگر ہم ہوشیاری سے کام لیں تو ایسے ہی کسی ٹرک پر بہ آسانی قبضہ کر سکتے ہیں۔" اس نے ایک طرف پیش قدمی کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہمارے پاس وقت کم ہے۔" میں نے قدرے سکوت کے بعد کہا۔ "ہم اسی وقت تک کچھ کر سکتے ہیں جب تک اس ویرانے میں پولیس کار دریافت نہیں کی جاتی۔ ایک بار کار کا سراغ ملنے کے بعد وہ سمجھ جائیں گے کہ ہم ان ہی اطراف میں کہیں ہوں گے اور یہ علاقہ چھلنیوں سے چھان ڈالا جائے گا۔"

"ابھی ہمارے پاس کافی وقت ہے۔" وہ بولی۔ "انجن نے ساتھ دیا ہوتا تو میں کار کو اور اندر لے جاتی۔ پھر بھی جہاں وہ اس وقت موجود ہے وہاں دن کا اجالا پھیلنے سے قبل نہ دیکھی جا سکے گی۔ وہ لوگ سوچ بھی نہ سکیں گے کہ ہم نے پولیس کار کسی ویرانے میں چھوڑ دی ہوگی۔ بھرپور روشنی طلوع ہونے تک ان کی ساری توجہ سڑکوں اور شاہراہوں پر ہی مرکوز رہے گی جس سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"

سردی کا احساس مٹانے کے لیے میں نے سگریٹ سلگا کر اپنے کوٹ کے کالر کھڑے کر لیے اور خود کو ایلی نور کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ اس وقت وہی اس علاقے کے جغرافیے سے کسی حد تک واقف تھی اور رہنمائی کے فرائض بہتر طور پر انجام دے سکتی تھی۔

ہم تینوں شاہراہ کی مخالف سمت میں کافی دور تک کچے میدان میں ذیلی سڑک کے متوازی آگے بڑھتے رہے اور پھر سڑک کی طرف ہو لیے۔ اس وقت میرے ذہن میں بس ایک ہی خوف جاگزیں تھا کہ اگر ہم پہلے ٹرک کو روکنے میں ناکام رہے تو اس کا عملہ اتنے منہ اندھیرے ہمیں اس ویران سڑک پر دیکھ کر شبہات میں مبتلا ہو سکتا تھا اور عین ممکن تھا کہ وہ آگے جا کر پولیس کی کسی گشتی گاڑی کو اپنے شبہات کے حوالے سے ہماری موجودگی کی خبر دے دیتا۔ ایسی صورت میں ہمارا منصوبہ بُری طرح ناکام ہو سکتا تھا اور ہم بے سروسامانی کے عالم میں وہیں گھیرے جا سکتے تھے۔

سڑک تک پہنچتے پہنچتے میں اس بارے میں ایک اٹل فیصلہ کر چکا تھا۔ مرنے والوں میں سے ایک پولیس افسر نے خونریز تصادم سے قبل ریڈیائی رابطے پر اپنے ہیڈکوارٹرز کو ہمارے بارے میں تفصیلات سے

آگاہ کر دیا تھا للذا پولیس کے ساتھ ہی ہمارے حریفوں کی توجہ ایسی عورت کی تلاش پر مرکوز رہی ہوگی جس کے ساتھ دو مرد بھی موجود ہوں للذا بہتر یہی تھا کہ سلطان شاہ کو کسی آڑ میں چھپا کر میں ایلی نور کے ہمراہ سڑک کے کنارے کھڑا ہوتا تاکہ ہمارے دشمنوں میں سے کوئی ادھر آ نکلتا تو محض تعداد کی مناسبت سے ہماری طرف متوجہ نہ ہوتا۔

میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ آنے والی پہلی گاڑی کو ہمیں ہر صورت میں روکنا ہوگا۔ اگر ڈرائیور ہمارے اشارے کا مثبت جواب دینے پر آمادہ نہ ہوتا تو میں پولیس افسران سے حاصل کیے ہوئے پستول سے فائر کر کے گاڑی کا ایک ٹائر پھاڑ سکتا تھا جسے فاضل ٹائر سے تبدیل کر کے ہم فرار ہو سکتے تھے۔

ہم سڑک کے کنارے پہنچے تو سلطان شاہ ایک تناور درخت کی اوٹ میں چھپ گیا اور میں ایلی نور کے ہمراہ سڑک کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ بھرا ہوا پستول میری تحویل میں تھا جسے میں بوقت ضرورت استعمال کر سکتا تھا۔ سیم گن ایلی نور کے پاس تھی اور سلطان شاہ ایکسپلوڈر سے مسلح تھا۔

ہم اس وقت جس ذیلی سڑک پر موجود تھے اس سے ایلی نور پوری طرح واقف نہیں تھی لیکن اس کا اندازہ تھا کہ وہاں سے شاہراہ پر واپس پہنچ کر پیرس کے شمالی حصے میں براہ راست داخل ہوا جا سکتا تھا اور آگے سے گھوم کر غالباً پیرس کے جنوبی حصے تک جانے والے راستے تک رسائی حاصل کی جا سکتی تھی جس کا مطلب تھا کہ دوسری طرف سے آنے والا صرف وہی ٹریفک اس ذیلی شاہراہ پر آتا جس کی منزل پیرس کے شمال میں ہوتی۔

ہم چاند کی پھیکی روشنی میں وقت گزاری کے لیے ان ہی امکانات پر باتیں کر رہے تھے کہ اچانک سناٹے میں کسی انجن کی موہوم سی آواز سنائی دی اور چند ثانیوں بعد شاہراہ والی سمت سے دو روشنیاں اپنی طرف بڑھتی ہوئی نظر آئیں۔

"اب تمھاری باری ہے۔" ایلی نور پُرجوش لہجے میں بولی۔ "مجھے ہیجان خیز زندگی ہمیشہ سے پسند رہی ہے لیکن عملاً میں پہلی بار ایسے سنسنی خیز حالات سے گزر رہی ہوں۔"

"یہ ٹرک نہیں کوئی جیپ معلوم ہوتی ہے۔" میں نے آنے والی روشنیوں کا جائزہ لیتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں کہا کیونکہ کسی کار کے مقابلے میں ان ہیڈ لیمپس کی سڑک سے بلندی قدرے زیادہ تھی لیکن دونوں روشنیوں کا درمیانی فاصلہ اسے چھوٹی باڈی والی گاڑی ثابت کر رہا تھا۔

"اگر یہ جیپ ہے تو اسے جانے دو۔" وہ میرا بازو تھام کر بولی۔ "کہیں اس میں بل اینٹھنے کے ہی آدمی نہ ہوں۔ ہمیں بھی کسی اوٹ میں دبک جانا چاہیے۔"

"پتا نہیں دوسری گاڑی کب آتی ہے۔ میں یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اگر وہ لوگ بھی ہوئے تو ہم ان سے نمٹ لیں گے کیونکہ اس ایک گاڑی میں ان کی تعداد چار چھ سے زیادہ نہ ہوگی۔"

"پھر تم کہیں چھپ جاؤ۔" وہ اضطراری لہجے میں بولی۔ "وہ جو کوئی بھی ہوئے، ویرانے میں ایک لڑکی کو تنہا دیکھ کر گاڑی ضرور روکیں گے۔ پوشیدہ رہ کر تم زیادہ مؤثر کردار ادا کر سکو گے۔ میدان صاف ہوا تو میں تم دونوں کو بلا لوں گی۔ خطرے کی صورت میں پوشیدہ رہ کر تم ان پر کاری وار کر سکو گے۔"

اس کی بات میں خاصا وزن تھا۔ میں نے ذیلی سڑک پر آنے والی روشنیوں کی طرف دیکھا جو تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں اور نگاہوں ہی نگاہوں میں ایلی نور کو الوداع کہہ کر درختوں کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ بھی رکھو۔" میرے جاتے جاتے ایلی نور نے سیم گن بھی میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "وہ ہمدرد ثابت ہوئے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑے گی، دشمن نکلے تو اس کے استعمال کی نوبت ہی نہیں آسکے گی۔"

"ادھر ہی آجاؤ۔" سلطان شاہ نے اپنی کمین گاہ سے ہانک لگائی۔ "یہ تنا آسانی سے ہم دونوں کو آڑ فراہم کر سکتا ہے، تم سے مشورہ بھی ہوتا رہے گا۔"

"الگ الگ مورچے زیادہ مؤثر ثابت ہوں گے۔" میں نے اس سے ذرا دور دوسرے درخت کی آڑ لیتے ہوئے کہا۔

"تم تو اس طرح تیاری کر رہے ہو جیسے ان سے واقعی بھڑ جانے پر تُلے ہوئے ہو۔"

"چھٹی حس تصادم کی بُو محسوس کر رہی ہے۔"

"تم دیکھ لینا کہ کچھ بھی نہ ہوگا۔" وہ مجھے اکسانے والے لہجے میں بولا۔ "انھیں روکنے کے لیے تم نے اتنا حسین چارا لگایا ہے کہ اسے غیبی انعام سمجھ کر انھیں رُکنا ہی پڑے گا۔ یہ ضرور ہے کہ بعد میں ہم دونوں کو دیکھ کر انھیں کباب میں ہڈیوں کی موجودگی کا ناخوشگوار احساس ہوگا لیکن پھر بھی وہ بداخلاقی نہ دکھا سکیں گے۔"

"اب چپ چاپ اور ہوشیار بیٹھے رہو، وہ قریب آگئے ہیں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

جوں ہی ایلی نور آنے والی کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں آئی، اس نے سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر بے تابانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہرانے شروع کر دیے۔

معاً سڑک پر تیرتی ہوئی روشنی کی چادر تیز ہو گئی۔ شاید انھوں نے ایلی نور کو دیکھ کر ہی ہیڈ لیمپس پورے آن کر دیے تھے اور ان کی کل بیم نے سڑک کو دور تک منور کر دیا تھا۔ اسی کے ساتھ آنے والی گاڑی کی رفتار میں کمی کے آثار نمودار ہوئے تھے جو ہمارے منصوبے کے لیے حوصلہ افزا تھے۔

جیسے جیسے گاڑی قریب آتی گئی ایلی نور کے ہاتھ لہرانے کی رفتار میں کمی آتی چلی گئی اور پھر وہ سڑک کا کنارا چھوڑ کر کچی زمین پر کھڑی ہو گئی۔ آنے والی گاڑی میرے اندازے کے مطابق آہنی باڈی والی لینڈ روور تھی۔ رُکنے سے قبل وہ رینگ ہی رہی تھی کہ ڈرائیور کے پہلو والی اگلی نشست کا دروازہ کھلا اور چرمی جیکٹ میں ملبوس ایک قوی الجثہ آدمی کود کر تیزی سے ایلی نور کی طرف جھپٹا۔ اسے دیکھتے ہی ایلی نور کے حلق سے ایک سُریلی خوفزدہ چیخ آزاد ہو گئی جس کا مطلب تھا کہ سیاہ چرمی جیکٹ والا اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اس اثنا میں قوی الجثہ شخص نے بڑھ کر اسے دونوں بازوؤں سے دبوچ لیا تھا۔

ایلی نور کو پکڑ کر وہ شخص فرنچ میں کچھ غرانے لگا تھا۔ لینڈ روور رُکتے ہی عقبی نشست سے چھریرے بدن والا ایک اور جیکٹ پوش برآمد ہوا تھا جس کے ہاتھ میں رائفل دبی ہوئی تھی۔ پھر گاڑی کے ہیڈ لیمپس گل کر دیے گئے لیکن انجن بند ہونے کے بعد بھی پارکنگ لائٹس روشن رہیں اور ڈرائیو کرنے والا بھی ان دونوں کے ساتھ آملا۔

ایلی نور نے تقریباً چیختے ہوئے، خوفزدہ آواز میں باز پُرس کرنے والے کو کوئی جواب دیتے ہوئے خود کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی تھی جو میری توقع کے برعکس بار آور ثابت ہوئی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ایلی نور ان کو کوئی کہانی سنا کر مصالحانہ رویّہ اختیار کرنے پر آمادہ کر چکی تھی۔

اس کے بعد قوی الجثہ شخص نے نرم لہجے میں سوالات کا آغاز کیا اور ایلی نور ان کے جواب دینے لگی۔ ساری گفتگو فرنچ میں ہو رہی تھی اس لیے اس کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہ پڑ سکا لیکن ایلی نور کے بار بار ہاتھ کے اشاروں سے یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ وہ انہیں ویرانے میں کھڑی ہوئی ازکار رفتہ پولیس کار کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

چند منٹ تک وہ باز پُرس یوں ہی پُرسکون انداز میں جاری رہی پھر اس نے بحث کا رُخ اختیار کر لیا جس کے اختتام پر قوی الجثہ جیکٹ پوش نے جو بظاہر ان کا سربراہ معلوم ہوتا تھا، اپنے ساتھیوں کو پولیس کار کی سمت میں اشارے کرتے ہوئے کچھ ہدایات دیں اور وہ دونوں سڑک چھوڑ کر میدان میں اتر گئے۔ چھریرے بدن والے جیکٹ پوش نے اپنی رائفل کندھے سے لٹکا کر جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کر لی تھی۔

ایلی نور نے جو کچھ بھی کہانی تراشی ہو، وہ یقیناً لاجواب رہی تھی۔ وہ صرف خود تشدد سے محفوظ رہی تھی بلکہ اس نے دو کو وہاں سے روانہ کر کے ہمارا کام بھی آسان کر دیا تھا۔ تین کے بجائے ایک حریف کو گھیر کر مغلوب کر لینا زیادہ دشوار نظر نہیں آ رہا تھا لیکن میرے یہ سب سوچتے ہی لینڈ روور کے قریب تشدد کا آغاز ہو گیا۔

وہ جو کوئی بھی تھا نہایت سنگدل اور حیوان صفت آدمی تھا۔ تخلیہ میسر آتے ہی اس نے ایلی نور کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔ ایلی نور نے بوکھلا کر خود کو دور ہٹانا چاہا لیکن قوی الجثہ شخص نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر اسے اپنی بانہوں میں دبوچ لیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" سلطان شاہ کی کمین گاہ سے مضطربانہ سرگوشی ابھری جسے میں نے نظرانداز کر دیا کیونکہ اس وقت اجنبی کا چہرہ اور ایلی نور کی پشت ہماری جانب تھی جس پہ اجنبی کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ ان دونوں کی وہ پوزیشن زیادہ دیر برقرار نہیں رہے گی۔ ایلی نور کے رویّے سے معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے خود کو درپیش خطرناک صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے مزاحمت ترک کر کے اس زیادتی پر سمجھوتا کر لیا تھا۔

طاقت اور بالادستی کے زعم میں مبتلا اس اجنبی کے وجود میں شاید بنی سنوری ایلی نور کو تنہا دیکھ کر کوئی حیوانی جوالا مکھی پھٹ پڑا تھا کیونکہ اسے کسی کل قرار نہیں آ رہا تھا۔ اس کے قدم متحرک تھے اور اسی کے ساتھ اس کے جنگل میں کسی بے بس پنچھی کی طرح پھنسی ہوئی ایلی نور بھی ہولے ہولے رُخ بدل رہی تھی۔

پھر جوں ہی اجنبی کی پشت ہماری سمت میں آئی، میں نے اپنی کمین گاہ چھوڑ کر پنجوں کے بل اس کی طرف دوڑ لگا دی اور اس سے پیشتر کہ وہ سیماب صفت دوبارہ رخ بدلتا، میں نے پستول کی نال عقب سے اس کے بائیں پہلو میں اڑا دی۔

"ہینڈز اپ!" میری للکار سنتے ہی اس نے ایلی نور کو اتنی سُرعت سے چھوڑا تھا کہ اگر وہ دونوں ہاتھوں سے اس کے چرمی جیکٹ میں نہ جھول جاتی تو سر کے بل بری طرح سڑک پر گری ہوتی۔

شاید اس شخص کا ارادہ پلٹ کر مجھ پر وار کرنے کا تھا جو ایلی نور کی حرکت کی وجہ سے روبہ عمل نہ لایا جا سکا اور وہ غضب ناک انداز میں ایلی نور پر برستے ہوئے اپنی جیکٹ کو اس کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی اثنا میں میں نے شور اور دھماکے سے گریز کرنے کی نیّت سے اپنی جیب سے بیم گن نکال کر پستول جیب میں ڈال لیا۔

"یہی اُلو کا پٹھا ایلی ایتھی ہے۔" ایلی نور اس سے الگ ہوتے ہوئے نفرت کے ساتھ بولی "اب اسے بتاؤ کہ پورے چاند کی روشنی میں محبت کیسے کی جاتی ہے۔"

اضطراری ردِعمل کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ وہ میرے اسلحہ کو نظرانداز کر کے نتائج کی پروا کیے بغیر مجھ سے بھڑ سکتا تھا لیکن ایلی نور نے اس کی جیکٹ سے لپٹ کر اسے سوچنے کے لیے قلیل سی مہلت فراہم کر دی تھی، اس لیے اس نے مشینی انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے اور میں اسے وارننگ دیتے ہوئے اس سے چند قدم دور ہٹ کر اس طرح اس کے سامنے آ گیا کہ سڑک کے ساتھ والا میدانی علاقہ بھی میری نگاہ میں رہے۔ اگر اس کے ساتھی واپس آتے ہوئے نظر آئیں تو میں باز پُرس کا سلسلہ وہیں

ترک کر کے فوری طور پر اسے موت کے گھاٹ اتار سکوں۔

اس کا چہرہ کسی بلڈاگ کی تھوتھنی کی طرح جھڑا ہوا تھا جس پر بھاری جبڑے لٹکے ہوئے تھے بڑی بڑی سرد آنکھوں میں اس وقت سرخی تیر رہی تھی اور اس کے منہ سے وسکی کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ شاید ہمارے پکڑے جانے کی اطلاع ملتے وقت وہ اپنی حویلی میں شراب سے شغل کر رہا تھا اور اسی حالت میں اس مہم پر دوڑا چلا آیا۔ اس کے قد کاٹھ اور ہاتھ پیروں سے اس کی وحشیانہ طاقت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔ قد میں وہ مجھ سے بھی ڈیڑھ دو انچ نکلتا ہوا تھا۔ اس کے سامنے دھان پان سی ایلی نور موم کی گڑیا کی طرح مختصر اور حقیر نظر آ رہی تھی۔ سلطان شاہ ایکسپلوڈر ہاتھ میں لیے ویرانے کی طرف نگراں تھا اور سڑک پر چڑھ آنے کے بجائے کچی ڈھلوان پر کھڑا تھا تاکہ میدان میں جانے والوں کی واپسی پر نگاہ رکھ سکے جس کا فوری امکان نہیں تھا۔ اگر بل ایتھی چیخ دھاڑ شروع کر دیتا یا ہم پستول استعمال کر بیٹھتے تو ان لوگوں کا واپس پلٹ پڑنا قرین قیاس ہو سکتا تھا۔

بل ایتھی نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھرائی ہوئی آواز میں کچھ کہا جو میرے پلے نہ پڑ سکا۔

"انگریزی میں بات کرو۔" ایلی نور نے غرا کر اسے حکم دیا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم انگریزی بول سکتے ہو۔"

بل ایتھی نے اسے سرد اور قہر بار نظروں سے گھورا پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "تمہارا دوسرا ساتھی کہاں ہے؟"

"وہ بھی آس پاس ہی موجود ہو گا۔" میں نے دانستہ اسے اس کے عقب میں سلطان شاہ کی موجودگی سے باخبر کیے بغیر کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تمہاری قبر کہاں کھودی جائے؟"

"بے سود ہو گا۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ "تم سمجھتے ہو کہ مجھے اور میرے دو ساتھیوں کو مار کر خود بچ جاؤ گے لیکن ایسا نہیں ہو سکے گا۔ اس وقت میرے پچاسیوں آدمیوں کے علاوہ پولیس کی بھاری مسلح نفری چپے چپے پر تمہاری بو سونگھتی پھر رہی ہے... اور یہ چلتا پھرتا اشتہار تو تمہیں مروا ہی دے گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے حقارت سے ایلی نور کی طرف اشارہ کیا۔ "سب کو دو ایسے غیر ملکیوں کی تلاش ہے جن کے ساتھ ایک حسین مقامی ناگن بھی لگی ہوئی ہے۔"

"تمہیں علم ہے کہ تم کس سے مخاطب ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پانسا پھینکا۔

"آئی مین والی کہانی کم از کم میرے ساتھ نہیں چل سکے گی۔" وہ بے خوفی کے ساتھ بولا۔ "اس لیے کہ میں خود بھی آئی مین کا درجہ رکھتا ہوں اور یہ راز صرف شی کے آئی مین ہی جانتے ہیں کہ لندن میں داؤد نامی ایک ایشیائی کو قتل کر کے کسی دشمن نے ایک سلور آئی حاصل کر لی ہے جو شاید تمہارے پاس ہے۔ اولیس نے جب مجھے گن بوٹ پر آئی مین کی موجودگی کی کہانی سنائی تھی تو اسی لمحے میں معاملے کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں مار کر میں دوسری سلور آئی حاصل کر سکوں گا۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "اور تمہاری جلی ہوئی لاش یہاں پورے چاند کی روشنی میں اپنی حسرتوں کا ماتم کرتی رہ جائے گی۔"

"پیرس میں کوئی مجھ سے آنکھیں چار کرنے کی جرأت نہیں رکھتا۔ اہم سرکاری اہلکار مجھ سے بھاری ماہانہ مشاہرے پاتے ہیں۔ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا جو ہر وقت سلور آئی ساتھ لیے پھرتا رہوں۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "داؤد ایشیائی تھا اور تم لوگ حد درجہ غیر ذمے دار اور دولت کے لیے حرام ہوتے ہو۔ اسی لیے ایک سلور آئی تنظیم سے باہر نکل گئی ورنہ سلور آئی کی حفاظت ہر آئی مین کے لیے مقدس فریضے کی حیثیت رکھتی ہے۔"

ایلی نور نے بجلی کی سی سرعت سے جھپٹ کر اس کے چہرے پر پوری قوت سے طمانچہ رسید کر دیا اور اس کی گرفت میں آئے بغیر لپک کر میری اوٹ میں آ گئی۔ بل ایتھی اس کے پیچھے آیا تھا لیکن بیم گن کا سامنا کرتے ہی اس کے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ اس کی آنکھوں میں اپنی تذلیل پر خون اتر آیا تھا لیکن بیم گن شاید اس کے لیے نامانوس نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا نشانہ خطا ہو کر بھی خطا نہیں ہوتا تھا۔

"عورت جتنی حسین ہوتی ہے اسی قدر زہریلی بھی ہوتی ہے۔ بالکل کسی ناگن کی طرح۔" وہ غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "کل تک گن بوٹ پر میرا دل بہلاتی تھی اور آج اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ میں نہ سہی تو اب تم ہی یہاں سے جانے سے پہلے اس کے بدن کے چیتھڑے اڑا دو۔ اگر تم اس کی وجہ سے پکڑے نہ گئے تو کسی وقت یہ تم پر بھی جوتے اٹھائے گی۔"

"مجھ سے ہمدردی کا شکریہ۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تم اپنی فکر کرو۔ پہلے اس کی مٹھاس دیکھی تھی، اب زہر بھی چکھو۔ یہی عورت میری حفاظت میں جوتیاں مار مار کر تمہارا بھیجا ناک کے راستے بہائے گی۔ تم سارے سفید سؤر اسی قابل ہوتے ہو کہ تمہیں ان ہی کے ہاتھوں جوتیاں لگوائی جائیں جو شادی کے بغیر تمہارے ساتھ رہنے پر مجبور کی جاتی ہیں۔"

"بس میں اس کی صورت سے دھوکا کھا گیا۔" وہ غصے اور تاسف کے ملے جلے جذبات کے تحت بولا۔ "جب اس نے بتایا کہ یہ تم دونوں کو بس کار میں بے ہوش کر کے بمشکل اپنی عزت بچا کر فرار ہوئی ہے تو میں نے اس پر یقین کر لیا۔ اس کتیا کو اسی وقت دو چار تھپڑ لگائے ہوتے تو نہ صرف سچ اگل بیٹھتی بلکہ اس وقت صورت حال ہی کچھ اور ہوتی۔"

"یہاں وقت کیوں برباد کر رہے ہو؟" اچانک سلطان شاہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں اردو میں ہانک لگائی۔ "وہ دونوں لوٹ آئے تو یہ معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔"

بل ایتھی اس کی آواز سن کر چونکا تھا لیکن میں نے اسے کوئی تبصرہ کرنے کا موقع نہیں دیا البتہ میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ سلطان شاہ کی آواز سنتے ہی اس کا چہرہ تاریک پڑ گیا تھا کیونکہ تعداد کے اعتبار سے

اس کی گلوخلاصی کا کوئی موہوم سا امکان بھی باقی نہیں رہا تھا۔
"ٹھہرو" بیم گن کی نال کی جنبش اور میرے عزائم کو محسوس کرتے ہی وہ اضطراری انداز میں بول پڑا "مجھے مار کر تم کو کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے گا اگر تم میری جان بخشی کر دو تو میں یقین دلاتا ہوں کہ تم فائدے میں رہو گے۔"
"تمہیں مار کر مجھے سب سے بڑی خوشی یہ ہوگی کہ میں دوسرے یورپی آئی مین کو مار دوں گا۔ پہلا آئی مین تو بقول تمہارے ایشیائی ہونے کی وجہ سے بالکل ہی گھامڑ اور بودا تھا۔"
"لو وہ بھی آ گئے۔" اس نے اچانک میرے عقب میں دیکھتے ہوئے بشاش لہجے میں کہا۔ وہ کسی حریف کی توجہ مبذول کرانے کا بہت پرانا اور گھسا پٹا حربہ تھا لیکن بل ایتھی نے وہ الفاظ اتنے اعتماد کے ساتھ ادا کیے کہ میری گردن بے اختیار پیچھے گھوم گئی اور وہ اس مہلت کا فائدہ اٹھا کر کسی دیوہیکل چٹان کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑا۔
اس کی کوشش میرے قبضے سے بیم گن حاصل کرنے کی تھی لیکن اس پر میری مضبوط گرفت کے باعث وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ البتہ اپنے بائیں ہاتھ سے میری داہنی کلائی تھام کر کسی جونک کی طرح مجھ سے لپٹ گیا اور میری ٹانگوں میں اپنی پنڈلیاں اڑا کر مجھے نیچے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔
زور آزمائی کرتے ہوئے جب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ بل ایتھی میری مرضی کے خلاف نیچے جھک کر بیم گن نہ اٹھا سکے گا تو میں نے اس ہتھیار کو نیچے گرا دیا۔ اس کی جسمانی طاقت کو دیکھتے ہوئے مجھے خوف تھا کہ بیم گن میری تحویل میں رہتی تو وہ کسی بھی لمحے طاقت اور چالاکی سے اسے حاصل کر سکتا تھا لیکن نیچے گرانے کے بعد سلطان شاہ اور ایلی نور میں سے کوئی بھی اس پر قابض ہو سکتا تھا۔
اس بارے میں میرا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا۔ ایلی نور نے فوراً ہی بیم گن اٹھا کر بل ایتھی کو اس کی زد پر لے لیا تھا اور غراتے ہوئے بولی تھی: "دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو ورنہ پشت چھلنی کر دوں گی۔"
بل ایتھی نے دونوں ہاتھ اٹھا لیے اور میں نے اس سے الگ ہوتے ہی اس کے لٹکے ہوئے جبڑے پر داہنے ہاتھ سے اتنا شدید مُکا رسید کیا کہ وہ ایک کراہ کے ساتھ لڑکھڑا کر رہ گیا۔ اس کے ساتھ اس کے منہ سے فرنچ میں پے در پے کئی الفاظ آزاد ہوئے تھے جو گالیوں سے کم نہیں تھے کیونکہ ان کے ردِعمل میں ایلی نور نے قدرے پیچھے ہٹ کر پوری قوت سے بل ایتھی کی پشت پر لات جمائی تھی۔
ایلی نور کی نرم و نازک نسوانی لات بل ایتھی کے تابوت کی آخری کیل بن گئی کیونکہ لات کھاتے ہی وہ کسی پاگل بھیڑیے کی طرح غراتا اور دانت پیستا ہوا ایلی نور کی طرف پلٹا تھا اور اس نے قدرے خوفزدگی کی حالت میں اپنا ہاتھ سیدھا کر کے بیم گن کا ٹرائیگر دبا دیا۔
نال کے باریک سوراخ سے پتلی سی مہلک نیلگوں شعاع خارج ہوئی اور بل ایتھی کی گردن کو جھلسانے لگی۔ وہ تکلیف اور اذیت سے بلبلاتے ہوئے دونوں ہاتھ نیلگوں موت کے دھارے میں لے آیا، جیسے ان شعاعوں کو ہاتھ سے روکنا چاہتا ہو۔ فضا اس کے ہاتھوں کے جلنے کی چراند سے بوجھل ہو گئی۔ اسی اثنا میں ایلی نور کا خوف کم ہونے کے ساتھ اعتماد بحال ہوا اور نیلگوں شعاع بل ایتھی کے سینے اور درمیان میں آئے ہوئے بازو کو جلاتی ہوئی بائیں پہلو میں پیوست ہو گئی۔ بل ایتھی اپنی شہ زوری کے باوجود خود کو اس دردناک انجام سے نہ بچا سکا اور کرب و اذیت کے آخری اثرات اس کے چہرے پر یوں ہی ٹھہر کر رہ گئے۔ موت کے بے رحم فرشتے نے اتنی تیزی کے ساتھ اسے اپنی آغوش میں سمیٹا تھا کہ وہ یوں ہی کھڑے کھڑے مر گیا۔ اس کی بے جان ٹانگیں اس گرانڈیل کا وزن نہ سہار سکیں اور وہ منہ کے بل پختہ سڑک پر پُرشور آواز سے ڈھیر ہو گیا۔
"چلو۔" سلطان شاہ نے تیزی کے ساتھ لینڈ رودر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا لیکن میں نے اسے روک دیا۔
"بل ایتھی کی لاش بھی ساتھ لے جانا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔
"تمہیں واقعی مُردے ڈھونڈنے کا شوق ہے۔" سلطان شاہ چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "تم لاش لے جاؤ گے لیکن اس کے ساتھی ذرا سی دیر میں یہ خبر ہر طرف پھیلا دیں گے۔"
"بل ایتھی شراب کے نشے میں دُھت تھا اور ایلی نور کو دیکھتے ہی اس کے ذہن پر رومان کا بھوت سوار ہونے لگا تھا۔ میرے پاس وقت ہوتا تو اس کے ساتھیوں کو بھی ٹھکانے لگا کر واپس ہوتا لیکن ہمارا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ وہ لوگ ہم دونوں کی موجودگی سے لاعلم ہیں۔ گاڑی اور لڑکی سمیت بل ایتھی کو غائب پا کر وہ سوچ بھی نہ سکیں گے کہ ان کا باس لڑکی کے ہاتھوں مارا گیا ہو گا۔ ان کے ذہن میں پہلا خیال یہی آئے گا کہ بل ایتھی لڑکی کو ساتھ لے گیا ہے۔۔" میں نے انگریزی میں کہا۔
"تمہارا خیال درست ہے۔" ایلی نور نے جلدی سے میری تائید کی۔ "عورتوں اور لڑکیوں کے بارے میں بل ایتھی کی شہرت بہت گندی ہے۔ اس طرح ہمیں مزید مہلت مل جائے گی۔"
میں نے سلطان شاہ کے ساتھ مل کر بل ایتھی کی وزنی لاش کو لینڈ رودر کے عقبی پائیدان میں ٹھونسا۔ میری ہدایت پر سلطان شاہ عقبی نشست پر دراز ہو گیا۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور ایلی نور پسنجر سیٹ پر آ گئی۔
لینڈ رودر کی چابی اگنیشن میں موجود تھی۔ میں نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھا دی۔

لیون خوبصورت اور صاف ستھرا شہر تھا جہاں ہمیں کسی دشواری کے بغیر ایک ہوٹل میں کمرے مل گئے۔ وہاں ایلی نور کا فرنچ نژاد ہونا کام آیا تھا اور کمرے اسی کے حوالے سے مل گئے تھے۔ ہم دونوں کا نام درمیان

میں آجاتا تو شناختی کاغذات کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کر سکتا تھا۔

لینڈ روور میں روانگی کے بعد ہم نے کافی دور جا کر سڑک سے نیچے ایک سنگلاخ ویرانے میں بل اینتھی کی لاش سے چھٹکارا حاصل کیا تھا پھر راستے میں کسی روک ٹوک کے بغیر پیرس کے اس ریلوے اسٹیشن پر پہنچے جہاں سے باہر جانے کے لیے ٹرینیں روانہ ہوتی تھیں۔ ہمارے پہنچنے کے بعد روانہ ہونے والی پہلی ٹرین پیرس سے قدرے جنوب مشرق کی طرف ڈیثروں نامی شہر کے لیے روانہ ہونے والی تھی جو ایلی نور کی رائے میں ہمارے لیے مناسب جگہ نہیں تھی کیونکہ وہاں کے مقامی ماحول میں ہم بہ آسانی دوسروں کی نگاہ میں آسکتے تھے مگر ہم پیرس میں زیادہ دیر رکنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے تھے اس لیے طے یہ پایا کہ ہم پہلی ٹرین سے فوراً ہی روانہ ہو جائیں کیونکہ اس وقت تک ہماری تلاش کی ساری کوششیں شاہراہوں پر مرکوز تھیں وہ لوگ یہ سوچ بھی نہ سکے ہوں گے کہ ہم نے دوبارہ پیرس میں داخل ہو کر ٹرین سے فرار ہونے کا منصوبہ بنایا تھا۔ ایلی نور کا خیال تھا کہ ڈیثروں جاکر وہیں قیام کرنے کے بجائے ہم لوگ اس شہر سے تقریباً دو سو کلو میٹر جنوب میں لیون جانے والی دوسری ٹرین پکڑ سکتے تھے اور وہیں ٹک کر اپنا آئندہ پروگرام بھی طے کر سکتے تھے۔

اس طرح ہم شام سے پہلے لیون پہنچ گئے جو فرانس کا ایک خوبصورت اور ترقی یافتہ شہر تھا۔ پیرس کی طرح اس شہر کے وسط سے بھی ایک دریا گزرتا ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ شہر کے عین وسط میں دو دریا ایک دوسرے سے مل کر آگے بڑھتے ہیں ان میں سے ایک مشرق سے آنے والا دریائے سون ہے اور دوسرا مشرق میں سوئٹزرلینڈ کی سرحد سے آنے والا دریائے رہون ہے جو باہم شیر و شکر ہو کر راستے میں آنے والی زمینوں کو سیراب کرتے، بجلی بناتے اور وزنی بجروں کو اپنے سینے پر گزرگاہیں فراہم کرتے رہون کے ہی نام سے سمندر میں جا ملتے ہیں۔

ایلی نور نے بتایا کہ لیون کا شمار فرانس کے قدیم شہروں میں ہوتا تھا جس کے آثار جابجا پرانی تعمیرات کی صورت میں دیکھے جا سکتے تھے۔ فرنچ عام طور پر اسے ایک پُراسرار شہر قرار دیتے ہیں جس کا اپنا ایک مزاج اور انداز ہے جسے سمجھنا اجنبیوں کے لیے عموماً آسان نہیں ہوتا۔ قدیم شہر مشرق میں دریائے سون کے داہنے کنارے پر پہاڑیوں میں پھیلا ہوا ہے جن کے سینے اس شہر کی بیس صدی کی تاریخ کے امین ہیں۔ ان کے نیچے اور دریائے سون کے بائیں کنارے پر خال خال پرانی عمارات کے ساتھ کثیر المنزلہ جدید عمارات کا جال پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔

"شاید تم ہمیں مستقل طور پر اسی شہر میں قیام کا مشورہ دینے والی ہو۔" میں نے اس کی طویل تعارفی تقریر سے اکتا کر کہا تھا۔ "ہمیں لیون سے اس سے زیادہ کیا دلچسپی ہو سکتی ہے کہ ہم یہاں بس ایک آدھ روز ہی گزاریں گے۔"

"راستے میں میں نے تم سے ذکر نہیں کیا تھا لیکن جمی لائیڈ کے بارے میں صحیح معلومات یہاں سے بھی مل سکتی ہیں۔" اس نے دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ انکشاف کیا اور میں چونک پڑا۔

"جمی لائیڈ کا یہاں کیا کام؟"

"تم نے میری باتوں پر غور نہیں کیا۔" وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولی۔ "دریائے رہون آبی گزرگاہ کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور سمندر سے بھاری بجرے سازوسامان لے کر کئی سو کلو میٹر تک اندر آتے ہیں۔ اس روٹ پر کنگ لائنز کے بجرے بھی چلتے ہیں اور لیون کے ایک ہوٹل میں اس کمپنی کا باقاعدہ دفتر بھی قائم ہے۔"

"اوہ، اور یہ معلومات تم نے مجھ سے اب تک چھپائے رکھی تھیں!" میں نے حیرت سے کہا۔

"چھپانے کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔" وہ اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولی۔ "بس یہ بات یاد نہیں آئی تھی کیونکہ کنگ لائنز کے لیون آفس سے میرا کبھی واسطہ نہیں پڑا البتہ کسی سے اس کا ذکر سنا تھا۔ ابھی تمہیں لیون کی پرانی تاریخ بتاتے ہوئے اچانک ہی مجھے یہ بات یاد آئی اور پھر یہ بھی خیال آیا کہ تم جمی لائیڈ کی جستجو میں ہو تو اس کے بارے میں خاصی معلومات یہاں سے بھی مل سکتی ہیں کم از کم اتنا تو پتا چل ہی جائے گا کہ وہ ان دنوں یورپ کے کس حصے میں مقیم ہے۔"

"اس کمپنی کا دفتر کس ہوٹل میں ہے؟"

"ڈائرکٹری میں دیکھنا پڑے گا۔" ایلی نور نے بیڈ سائیڈ ٹیبل کے نچلے خانے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا اور پھر وہ ٹیلیفون ڈائرکٹری کی ورق گردانی میں مصروف ہو گئی۔

چند منٹ بعد ہی وہ ڈائرکٹری میں کنگ لائنز کا پتا تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی جس کے دفاتر ہوٹل ڈی وائل ڈی لیون کی تیسری منزل پر واقع تھے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ کمپنی کے مقامی عہدیداروں کے نام شروع ہونے سے قبل سرفہرست کمپنی کے چیئرمین جمی لائیڈ کا نام درج تھا جس کے آگے دو فون نمبر براہ راست تھے اور تیسرا ہوٹل کے ٹیلیفون ایکسچینج کی معرفت ملوایا جا سکتا تھا جس کا مطلب تھا کہ کبھی کبھار جمی لائیڈ بھی لیون آکر دفتر میں بیٹھا کرتا تھا۔

اس وقت دفتر کھلا ہوا ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن وہ انکشاف اتنا اہم اور دعوت انگیز تھا کہ میں اسی وقت جمی لائیڈ کے نمبروں پر فون کرنے کی اپنی خواہش پر قابو نہ پا سکا۔

انسٹرومنٹ پر صفر ڈائل کر کے میں نے پہلے براہ راست ڈائل ٹون حاصل کی اور پھر جمی لائیڈ کا نمبر ملایا۔ تیسری گھنٹی بجنے پر دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا تو میرا دل بے اختیار اچھل کر حلق میں آگیا۔

دوسری طرف سے ایک خوشگوار نسوانی آواز سنائی دی تھی جس کے کہے ہوئے الفاظ میں سے صرف کنگ لائنز ہی میرے پلے پڑ سکا کیونکہ باقی الفاظ فرنچ میں ادا کیے گئے تھے۔

"میں فرنچ نہیں سمجھ سکتا۔ کیا تم انگریزی بول سکتی ہو؟" میں نے کہا

"بہت کم اور ٹوٹی پھوٹی لیکن سمجھ ضرور لیتی ہوں۔" دوسری طرف سے مترنم ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔ "میں کنگ لائنز کے چیئرمین کے دفتر سے بول رہی ہوں۔"

"کیا میں تمھارے چیئرمین سے بات کر سکتا ہوں؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوال کیا۔

"وہ موجود نہیں ہیں۔ میں ان کی سیکرٹری ہوں کوئی پیغام ہو تو تم مجھے نوٹ کرا سکتے ہو ٹیلکس پر انھیں مطلع کر دیا جائے گا۔" اس کے خوشگوار لہجے میں حوصلہ افزائی کا عنصر نمایاں تھا۔

"پیغام تمھارے لیے تو ہو سکتا ہے، تمھارے خشک اور تند خو باس کے لیے نہیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر محض بات بڑھانے کی نیت سے کہا۔ ڈر تھا کہ کہیں وہ برا مان کر سلسلہ منقطع نہ کر دے۔

اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی سنائی دی "میرا باس بہت نرم اور مہربان ہے۔۔ تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا؟"

"اوہ، میرا نام رونکا ہے، آج ہی پولینڈ سے آیا ہوں۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا، "اور تمھارا نام کیا ہے؟"

"کیا میرا صرف سکرٹیری ہونا کافی نہیں؟" وہ بھی باتونی معلوم ہو رہی تھی۔

"گلاب کو صرف پھول کہنا ظلم ہوتا ہے۔ اسے جب تک اس کے اپنے نام سے نہ پکارا جائے نہ اس کی پوری شناخت ہوتی ہے نہ اس کی مہک کا تصور کیا جا سکتا ہے۔"

"تم تو شاعر معلوم ہوتے ہو۔ میرا نام لوسیلا ہے۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم باس کے لیے اپنا پیغام بھول کر میری ذات میں دلچسپی لینے لگے ہو جو اچھی بات نہیں ہے۔" اس کے الفاظ میں مزاح ضرور تھا لیکن لہجے میں دور تک ملامت کا کوئی شائبہ نہیں تھا جس کی وجہ سے میری مزید حوصلہ افزائی ہوئی۔

"میں فطرت کے اعتبار سے جمال پسند ہوں۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "بچپن میں میری ماں مجھے پرچون کی دکان سے دال آٹا لینے بھیجتی تھی تو میں اکثر قریبی ندی سے خوبصورت سنگریزے چننے بیٹھ جاتا تھا اور اپنی اس دھن میں پیسے کہیں بھول کر دال آٹے کے بجائے جیبوں میں پتھر بھرے گھر پہنچتا تھا۔ میں بہت بے ضرر طبیعت کا مالک ہوں کیا یہ ممکن ہے کہ میں تمھیں دیکھ سکوں؟ تمھاری آواز میں مجھے جھرنوں کا سا ترنم رچا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ اس مشینی دور میں اتنی تر و تازہ اور رسیلی آوازیں برسوں میں سننے کو ملتی ہیں۔" میں نے اپنے لہجے میں گداز پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اس دوران میں ایلی نور مجھے یوں حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی جیسے میرا دماغ چل گیا ہو۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے صرف مجھ سے ملنے کا بہانہ پیدا کرنے کے لیے یہ فون کیا ہو؟" وہ ایک دم ہی سنبھل گئی تھی کیونکہ اس کی آواز میں سنجیدگی عود کر آئی تھی۔

"نہ یہ دفتر کا وقت ہے اور نہ مجھے الہام ہو سکتا تھا کہ دفتر میں اپنے چیئرمین کے بجائے تم موجود ہو گی بس اتفاقاً ہی تمھاری آواز دل پر اثر کر گئی ہے۔"

"چیئرمین کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔ وہ عموماً اٹلی میں ہوتا ہے لیکن جب وہ یہاں آتا ہے تو ہر چیز مکمل دیکھنا چاہتا ہے۔ آج کام زیادہ تھا اس لیے میں ریکارڈ مکمل کرنے کے لیے رکی ہوئی ہوں۔۔ ویسے باس سے تمھارا کیا تعلق ہے؟"

"بہت پرانا اور قریبی تعلق ہے، ملو گی تو تفصیل سے بتاؤں گا۔"

"تم عجیب آدمی ہو مسٹر رونکا۔" شاید وہ میرے جواب سے محظوظ ہوئی تھی۔ "مجھ پر اتنا زور دکھا رہے ہو جیسے میں واقعی تمھاری بات مان لوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ میں تم سے نہ مل سکوں۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم انکار نہیں کرو گی۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں صرف چند منٹ کے لیے تم سے ملنا اور باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ تمھاری مرضی کے خلاف ذرا بھی گستاخی کروں تو تم فوراً چلی جانا۔"

"پھر نو بجے ہوٹل کے نیچے والے کافی شاپ میں آ جانا میں صرف چند منٹ دے سکوں گی۔"

"بہت بہت شکریہ، لیکن میں تمھیں کیسے پہچان سکوں گا؟"

"کیا میری آواز کافی نہیں ہو گی؟" وہ کھلکھلا کر ہنسی پھر سنجیدگی سے بولی۔ "کاؤنٹر پر معلوم کر لینا، وہ تمھیں بتا دیں گے۔"

میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"اب کس سے عشق لڑا رہے تھے؟" فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ کا کڑا لہجہ سنائی دیا۔ "تمھارے مزاج کی یہ رنگینی کسی دن تمھیں لے ڈوبے گی۔۔ عورت کی آواز سنتے ہی پھسل پڑتے ہو۔"

ایلی نور تائیدی انداز میں خاموش کھڑی رہی کیونکہ سلطان شاہ نے اپنے الفاظ میں شاید اس کے جذبات بھی سمو دیے تھے اور میں ان دونوں کے سامنے خود کو نرا احمق محسوس کر رہا تھا۔

"تمھیں معلوم ہے کہ میں نے کہاں فون کیا تھا؟" میں نے سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے سخت لہجے میں سوال کیا۔

"لیکن خوش قسمتی سے اس نمبر پر جمی لائیڈ کے بجائے ایک لڑکی ٹکرا گئی۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ بولا۔

"تم جہنم میں جاؤ۔۔۔ میں اس سے ملنے نہیں جاؤں گا۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم دونوں کو اس بات پر بے حد خوشی ہو گی کہ میں نے جمی لائیڈ کی سیکرٹری کو شیشے میں اتار لیا ہے۔"

"میں کسی لڑکی سے اس کا نام پوچھنے کی بھی ہمت نہیں کر سکتا اور تم اسے ندی سے پتھر چننے کی کہانیاں سنانے بیٹھ گئے تھے اور حیرت

ہے کہ وہ تمہاری ساری باتیں سُن کر بھی وقت دینے پر آمادہ ہوگئی۔"

سلطان شاہ کے تلخ لہجے پر اس بار ایلی نور ہنس پڑی۔ "تو اس میں ڈینی کا کیا قصور ہے؟ اور تم اس معاملے میں بالکل نکمّے ہو، اپنا موازنہ ڈینی سے کرو گے تو شرمندگی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

"دنیا کی ہر عورت تعریف اور خوشامد کی بھوکی ہوتی ہے۔" میں نے اپنے غصّے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "بظاہر وہ کتنا ہی غصہ دکھائے اِن حرکتوں پر من ہی مَن میں اتراتی ہے اور آخر کار جال میں آجاتی ہے۔ اس کے لیے اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہوگی کہ ایک اجنبی غیر ملکی اس کی آواز کی تعریف کر رہا تھا۔"

"تم جانتے ہو کہ جمی لائیڈ کس پائے کا مجرم ہے۔ اُس کی سیکرٹری اتنی احمق نہیں ہو سکتی کہ اُس پر دو میٹھے بول کام کر جائیں، ہو سکتا ہے کہ اپنے باس میں تمہاری دلچسپی کی وجہ سے وہ خود تم کو گھیرنا چاہ رہی ہو۔"

"چلو دونوں ہی اپنی کوشش کر لیں گے، کامیاب وہی ہوگا جو سیانا ہوگا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"یہ خیال غلط ہے۔" ایلی نور اس کی تردید کرتے ہوئے بولی۔ "کنگ لائنز ایک خالص کاروباری ادارہ ہے اور جمی لائیڈ اس کا معزز سربراہ ہے، وہاں مجرمانہ سازشوں کا کوئی گزر نہیں ہے۔ میں خود اس ادارے میں ملازم رہ چکی ہوں، میرا دعویٰ ہے کہ ڈینی نے اس لڑکی کو کامیابی سے بے وقوف بنایا ہے۔"

وہ دونوں اس نئے موضوع پر اپنے اپنے انداز میں رائے زنی کرتے رہے اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر نوسیلا پر میرا داؤ چل گیا تو جمی لائیڈ پر ہاتھ ڈالنا نہایت آسان ہو جائے گا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ پیرس میں مشکلات کا آغاز ہوتے ہی ہم نے لیون کا رُخ کیا تھا جہاں جمی لائیڈ کا ایک ٹھکانا موجود تھا مگر اسی کے ساتھ مجھے یہ فکر بھی لاحق تھی کہ جمی لائیڈ گن بوٹ کے حشر سے واقف ہونے کے بعد اس وقت تک پیرس کے خون ریز واقعات سے بھی باخبر ہو چکا ہوگا۔ اس طرح اُسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی کہ اُس کے بدترین دشمن فرانس کی حدود میں دندناتے پھر رہے تھے اور لیون بھی فرانس ہی میں تھا۔

گو میں نے کبھی بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں چھوڑا تھا جس سے یہ تاثر مل سکے کہ میں جمی لائیڈ کی دُہری شخصیت سے واقف ہو چکا تھا یا شی اور کنگ لائنز کے باہمی تعلق سے باخبر ہو چکا تھا، لیکن جمی لائیڈ نے مجھے اور سلطان شاہ کو انگلینڈ کے ڈیلٹا کیمپ میں قید کر کے نہایت چالاکی سے یہ دریافت کر لیا تھا کہ میں لاہور کے لائیڈز کاسنچ کی تباہی سے قبل ایک خفیہ کمرے میں اُس کی قدِ آدم رنگین قلمی تصویر دیکھ چکا تھا۔ اُس کے نزدیک اُس کی خود ساختہ بیٹی ویرا لائیڈ کے علاوہ میں

واحد شخص تھا جو جمی لائیڈ کی صورت سے واقف ہو چکا تھا۔ محض اسی بنا پر کنگ لائنز والے جمی لائیڈ کی دُہری شخصیت کو ... کر سکتا تھا۔

ان تمام امکانات کو یکجا کر کے جمی لائیڈ کئی دُور رَس نتائج برآمد کر سکتا تھا۔ یورپ نہ صرف اُس کی کاروباری بلکہ مجرمانہ سرگرمیوں کا بھی مرکز تھا اور میں برطانیہ سے بحفاظت فرار ہو کر یورپ کے قلب، فرانس میں داخل ہو چکا تھا اسی لیے اپنے سابقہ تجربے پر جمی لائیڈ کسی بھی پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

ٹیکسی میں ایلی نور میرے ساتھ تھی۔ اُس کا کام صرف مجھے کافی ہاؤس تک پہنچا کر باہر ہی میری واپسی کا انتظار ... شاید میں اُسے ساتھ نہ لیتا لیکن فرانس میں داخل ہو ... میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ انگریزی زبان کے بارے ... فرانسیسیوں کا عام رویہ بہت متعصبانہ تھا۔ بہتیرے لو... جانتے ہوئے بھی اس زبان میں بات کرنا پسند نہیں کر... جس کی وجہ سے نچلے طبقے کا ذریعۂ اظہار صرف فرنچ ... ہو کر رہ گیا تھا۔ اس لیے ٹیکسی ڈرائیور تک اپنا مدعا ... لیے میں نے ایلی نور کو محض گائیڈ کے طور پر ساتھ لے لیا ... دریا کے کنارے خوب صورت سڑک پر ٹیکسی ... سے آگے بڑھتی رہی۔ مشہور مقامات اور بعض تاریخی ... کو دیکھتے ہوئے ہم دونوں دریاؤں کے مقام اتصال ... اور پھر دونوں دریاؤں کے درمیانی علاقے میں تھوڑا ... سفر کرنے کے بعد ہوٹل ڈی وائل ڈی لیون کی عمارت ... لگی جو بلا مبالغہ دونوں دریاؤں کے درمیان کھڑی تھی۔ اسی کے ساتھ، دریائے سون کے داہنے کنارے پر کسی نشریاتی ادارے ... ٹاور نظر آرہا تھا۔

میری رسٹ واچ میں اس وقت نو بجنے میں چند منٹ ... تھے۔ کرایہ ادا کر کے ہم دونوں ٹیکسی سے اُتر آئے۔ اس دو... نے نچلی منزل پر کافی ہاؤس کا روشن بورڈ دیکھ لیا تھا۔

"میں یہیں کہیں تم سے آملوں گی۔" وہ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولی۔ "تمھیں میری تلاش میں بھٹکنا نہیں پڑے گا۔" یہ کہتے اُس نے گرم جوشی کے ساتھ مغربی انداز میں الوداع کہا اور میں مُڑ کر کافی ہاؤس کی طرف ہولیا۔ اس وقت بیم گن میرے کوٹ کی جیب میں موجود تھی تاکہ کسی ناگہانی حادثے کا مقابلہ کیا جا سکے۔

کافی کی تیز اور تلخ بُو کافی ہاؤس کی خواب ناک فضا میں رچی ہوئی تھی جسے سگریٹ، پائپ اور سگار کے ملے جلے دھوئیں نے

مزید بوجھل بنا دیا تھا۔ دھیمی دھیمی روشنیوں میں کافی ہاؤس کی بیشتر میزیں آباد نظر آرہی تھیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ یورپ کے اس ترقی یافتہ شہر میں ایسے جوڑوں کی کمی نہیں تھی جو اپنی شامیں شراب خانوں کے بجائے کافی ہاؤس میں گزارنے کو ترجیح دیتے تھے ورنہ یہ دَور تو سراسر رفتار، سرعت اور مقابلے کا دَور بن کر رہ گیا تھا جس میں ذہنی سکون کے لیے چائے یا کافی تو دور کنار، روایتی نشے تک بُری طرح ناکام ہو رہے تھے۔ جن کی جگہ جوان نسلوں میں تیز اور نئے نشے مقبول ہو رہے تھے۔

لوگ چرس افیم اور بھنگ کو بھول کر اب مارفین، کوکین اور ہیروئن کی آغوش میں پناہ لے رہے تھے۔ نئے نشے مہنگے تھے کیونکہ ان کی طلب رسد سے کہیں زیادہ تھی اس لیے ان نشوں کے عادی زیادہ کمانے پر مجبور تھے۔ زیادہ کمانے کی فکر میں ذہنی دباؤ دن بہ دن بڑھتا جا رہا تھا اور ذہن اور زیادہ شدت سے نشے کا طلب گار ہوتا جا رہا تھا۔ اس طرح ہر طرف ایک ختم نہ ہونے والا طاغوتی چکر چل نکلا تھا جس میں لوگ گرہ سے خطیر رقمیں خرچ کر کے مہنگے نشے خرید رہے تھے، مسائل سے فرار کے لیے اپنی جانوں کو ذگار کر رہے تھے اور اُن کے اس جنون سے ممی لائیڈ جیسے بھیڑیے دولت کی کانیں سمیٹ رہے تھے۔

ایک ویٹریس کی نرم و مترنم آواز نے میرے خیال کی رَو درہم برہم کر دی۔ اُس نے جو کچھ پوچھا تھا وہ میری سمجھ سے بالا تھا، لہٰذا میں بھی اُس کے ہونٹوں پر سجی ہوئی پیشہ ورانہ مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا لیکن وہ فرض کی ماری میرا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئی اور لپک کر میرے سامنے آگئی۔

"میں تمھاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟" اس بار اُس نے شکستہ انگریزی کا سہارا لیا تھا۔

"میں لوسیلا سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔" میں نے اُس کی چمکتی ہوئی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" اُس نے جسم کو قدرے خم دے کر دونوں ہاتھوں کے اشارے سے، ادا کے ساتھ ایک طرف اشارہ کیا اور میں مسحور سا اُس کے پیچھے ہو لیا۔

"پھر پھسل پڑے عورت کو دیکھتے ہی۔" میرے ذہن کے کسی گوشے میں سلطان شاہ نے ہانک لگائی اور میں جھنجھلا کر اپنی پیشانی مَسل کر رہ گیا۔ شاید وہ مردود سچ ہی کہتا تھا کہ قدرت نے صنفِ نازک کے حق میں مجھے بہت بااخلاق بنایا تھا اور اگر سامنے والی کی صورت و گفتار اچھی ہو تو یہ خوش خلقی کچھ زیادہ ہی زور مارنے لگتی تھی۔

میں نے زیرِ لب لاحول پڑھ کر اپنے ڈھلکے ہوئے شانے سیدھے کیے اور اس کے پیچھے میزوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے اپنے چہرے پر کرخت مردانہ سنجیدگی طاری کرنے کی کوشش کرنے لگا اور اُسی لمحے وہ ویٹریس ہال کے گوشے میں ایک ایسی میز کے قریب رُک گئی جس میز کے گرد سیاہ مخملی لباس میں ایک حسین ساحرہ بیٹھی ہوئی تھی جس کے یاقوتی لبوں پر غیر محسوس سی مسکراہٹ ثبت تھی۔

"مادام لوسیلا!" ویٹریس نے اپنے سر کو خم دے کر مجھ سے کہا، پھر سیاہ پوش ساحرہ سے بولی۔" نو بج رہے ہیں، شاید یہی تمھارے وہ مہمان ہیں جن کا انتظار تھا۔"

بے اختیار میرے شانے پھر ڈھلک گئے اور میں مردانہ سنجیدگی کو خیرباد کہہ کر مُسکرانے پر مجبور ہو گیا کیونکہ وہ شعلہ جوالہ میرے استقبال کے لیے کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"خوش آمدید مسٹر رونکا!" اُس نے رسیلی اور مترنم آواز میں وہ کلمات ادا کرتے ہوئے اپنا مرمریں ہاتھ میری طرف بڑھا دیا جسے میں نے نہایت احتیاط اور نرمی سے اپنی کرخت ہتھیلی میں چھپا لیا اور اُس کے وجود کی حرارت میرے اندر کے آدمی کو پگھلانے لگی۔ وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرائے جا رہی تھی۔ اُس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی بھی کوشش نہیں کی تھی لیکن اُس وقت میری وہ حرکت غیر ارادی نہیں تھی بلکہ میں اُسے یقین دلانا چاہ رہا تھا کہ میں صرف جمال پرست تھا اور اس سے ملاقات میں میری کوئی دوسری غرض پوشیدہ نہیں تھی۔ اس طرح میں اُسے آسانی سے راہ پر لا سکتا تھا۔

"ناقابلِ یقین۔" چند ثانیوں بعد میں آہستگی سے اُس کا ہاتھ آزاد کرتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔" میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمھارا چہرہ آواز سے زیادہ حسین ہوگا . . . مونالیزا کی مسکراہٹ شاید تمھارے ہی لبوں سے چرائی گئی ہے۔"

"بیٹھو۔" وہ خفت آمیز لہجے میں بولی لیکن اندر کی خوشی اُس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔"میرا خیال ہے کہ یہ ہماری پہلی ملاقات ہے اور ہمیں اس کی ابتدا محتاط انداز میں کرنا چاہیے۔"

"محتاط نہ رہا ہوتا تو آتے ہی تمھارے قدموں میں بیٹھ گیا ہوتا۔"

"میرا شوہر شوقیہ باکسر ہے . . . یہ بھی یاد رکھنا۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"تمھارا شوہر کوئی بھی ہو سکتا ہے اس سے میرا کوئی جھگڑا نہیں کیونکہ میں تم پر کوئی دعویٰ نہیں رکھتا نہ تم سے شادی کی درخواست کرنے کا ارادہ لے کر آیا ہوں، میرا مسلک تو یہ ہے کہ حسن آفاقی ہوتا ہے اور کبھی کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتا اُسے آزاد ہی رہنا چاہیے ورنہ مرجھا جاتا ہے۔"

"سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" وہ یک بیک

سنجیدہ ہو گئی۔

"میں رُک سکتا ہوں اور صرف اتنی اجازت چاہتا ہوں کہ کبھی کبھی تم سے ملتا رہوں۔" میں نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

"مسٹر جمی لائیڈ کے کاروبار یا اُن کے کسی حریف سے تمہارا کوئی تعلق نہیں؟"

"میرا پولینڈ میں شوگر کا کاروبار ہے اور میرا سارا مال تمہاری کمپنی کے جہازوں کے ذریعے ہی برآمد ہوتا ہے۔" میں نے فی البدیہہ جواب دیتے ہوئے اس کا ردِعمل دیکھنے کے لیے دانستہ شوگر کا لفظ استعمال کیا تھا لیکن اُس کا چہرہ سپاٹ رہا اور میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اسی سلسلے میں جمی لائیڈ سے ملنا چاہ رہا تھا۔"

"وہ کسی بھی دن یہاں آسکتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ مہینوں ادھر کا رُخ نہ کرے، تم ہمارے برانچ مینجر سے کیوں نہیں مل لیتے؟"

"میرے کام کا تعلق لین دین سے نہیں بلکہ دوسرے بین الاقوامی روٹس سے ہے، اس لیے میرا جمی سے ہی ملنا ضروری ہے۔" میں نے اُس کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"لیکن چہرے مُہرے سے تو تم پولش سے زیادہ اطالوی نظر آتے ہو اور لہجہ نہ پولش ہے نہ اطالوی ـــ بہتر یہ ہوگا کہ تم مجھ سے کُھل کر بات کرو کہ کیا چاہتے ہو اور مجھ سے کیوں مل بیٹھنا چاہ رہے تھے؟"

یکایک میری چھٹی حس بیدار ہوگئی۔ اس وقت تک میرا خیال تھا کہ میں اداکاری کرکے اُسے بے وقوف بنا رہا تھا لیکن اُس نے آخری سوال کرکے اپنے بارے میں میری ہر غلط فہمی دُور کردی تھی۔

میں نے اپنے لہجے میں کوئی تبدیلی لائے بغیر کہا۔ "حقیقت میں بتاچکا ہوں لیکن میرا تجربہ بتاتا ہے کہ بعض لوگ خوش گلو اور خوب صورت ہونے کے باوجود ذرا سے مغرور یا بددماغ ہوتے ہیں، اگر تمہارا تعلق اس قبیلے سے ہے تو ہم اسی وقت ایک دوسرے سے علیحدہ ہوسکتے ہیں۔ ابھی تک میں نے تمہاری کافی بھی نہیں پی ہے جو تمہیں کسی خسارے کا احساس ہو۔"

"کافی یہاں ذرا دیر سے لیکن اہتمام کے ساتھ سرو کی جاتی ہے۔" اُس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ اُس کے چہرے پر چھا جانے والی متانت کے نتیجے میں اس کی عمر یک بیک دس برس زیادہ نظر آنے لگی تھی۔ "تم آئے اپنی مرضی سے ہو لیکن میری اجازت کے بغیر واپس نہ جاسکو گے۔ میں تم سے ایک مرتبہ پھر اصرار کررہی ہوں کہ حقیقت بیان کرچلو۔"

"اگر تم دھمکی دے رہی ہو تو میں ابھی جا کر دکھاتا ہوں۔"

"ارے نہیں۔" اُس نے جلدی سے میرا ہاتھ تھام لیا پھر بولی۔ "اگر تم واقعی کنگ لائنز کے ساتھ کام کرتے رہے ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مسٹر جمی لائیڈ بہت کم لوگوں سے اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ملتے ہیں کیونکہ وہ بہت مصروف آدمی ہیں، ایسی صورت میں تمہاری فوری ملاقات کی خواہش حیرت انگیز تھی۔ اگر تم خود ہی مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار نہ کرتے تو میں خود تمہیں دفتر آنے کی دعوت دیتی لہٰذا اب اپنی جمال پرستی کی کہانی بھول جاؤ۔ وہ میں اُسی وقت تک سنتی رہی تھی جب تک میرے مددگار اس ہال میں نہیں آگئے۔ اس وقت وہ دونوں میرے ایک اشارے پر تمہیں بے بس کرکے پولیس کے حوالے کردیں گے کیونکہ یہاں عورتوں سے تند خوئی یا بدتمیزی قابلِ دست اندازیِ پولیس تصوّر کی جاتی ہے۔"

میرے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی، وہ حسین ساحرہ معصومیت کی کینچلی اُتار کر تیزی کے ساتھ اپنے اصل روپ میں سامنے آتی جارہی تھی۔ میں نے غیر ارادی طور پر سر گھما کر اپنے قرب و جوار کا جائزہ لیا لیکن لوسیلا کے ساتھیوں کی نشاندہی میں کامیاب نہ ہوسکا۔ "لیکن میں نے ابھی تک تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں کی۔" میں نے کہا۔

"اس کی تصدیق صرف میں ہی کرسکتی ہوں۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ "تم نہ صرف مرد ہو بلکہ مشکوک اور غیر ملکی بھی ہو، تمہارے مقابلے میں میری بات توجہ کے ساتھ سنی جائے گی۔"

"مجھے علم نہیں تھا کہ تمہاری جہاز راں کمپنی بدمعاشوں کا ٹولہ ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم نہایت بے خوفی کے ساتھ مجھے مسلسل دھمکیاں دیے جارہی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اپنے پشت پناہوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد ہے۔"

"تمہیں علم نہیں کہ مسٹر جمی لائیڈ پورے یورپ میں جہاز رانی کی صنعت کے بے تاج بادشاہ ہیں۔" وہ کہنیوں کے بل میز پر میری طرف جھکتے ہوئے بولی۔ "اُن کی یہ کاروباری بالادستی اُن کے رقیبوں کو ہضم نہیں ہوتی۔ وہ ہر قیمت پر بادشاہی کا یہ تاج اپنے سر پر سجانا چاہتے ہیں، اسی لیے مسٹر جمی لائیڈ میل جول میں احتیاط کرتے ہیں۔ حفظِ ماتقدم کے طور پر اُنھوں نے اپنی جان کو درپیش اِن خطرات کے بارے میں یورپ کے ہر ملک میں رپورٹ درج کرائی ہوئی ہے۔ شاید اب تمہیں اندازہ ہوگیا ہوگا کہ مجھے چھیڑ کر تم خود کو کیسی خطرناک صورتِ حال سے دوچار کر بیٹھے ہو۔"

"میں تمہیں جو کچھ بتاچکا ہوں وہ لفظ بلفظ سچ ہے۔ اس کے بعد تم کیا چاہتی ہو، یہ میری سمجھ سے باہر ہے۔"

اسی وقت ویٹریس کافی کی ٹرے لے آئی اور ہماری گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا۔

لوسیلا ٹرے سے کافی کی دو پیالیاں تیار کرنے میں مصروف ہوگئی اور میں فرصت کے ان لمحات میں خود کو پیش آمدہ واقعات کا تجزیہ کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اپنے ہوٹل سے کنگ لائنز کے دفتر میں جمی لائیڈ کے براہ راست نمبر پر فون کرنے کے بعد مجھے اچانک ہی اپنی مہم بہت جلد ختم ہوتی نظر آنے لگی تھی لیکن درحقیقت میں

اس خوب صورت لڑکی کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ میرے پاس سفری دستاویزات ہی مکمل ہوتیں تو میں کافی ہاؤس میں ہنگامی بھیڑ کر کے نکل بھاگنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ ناکامی کی صورت میں زیادہ سے زیادہ پولیس سے سامنا ہوتا تو میں اپنی شناخت کروا کے گلو خلاصی حاصل کر سکتا تھا لیکن اس وقت میں نہ اُن کا قیدی بننے کے لیے تیار تھا اور نہ ہی پولیس کا سامنا کرنے کی ہمت رکھتا تھا۔

غنیمت تھا کہ لوسیلا کو نہ میری اصلیت کا علم تھا نہ یہ معلوم تھا کہ میں پیرس میں کم از کم چار افراد کے قتل میں کسی نہ کسی طرح ملوث تھا ورنہ وہ میری ناک میں نکیل ڈال کر مجھے کسی چوپائے کی طرح چلنے پر مجبور کر سکتی تھی۔

"پھر کیا سوچا تم نے؟" کافی پیتے ہوئے لوسیلا نے سوال کیا۔

"غالباً مجھے تمھارا قیدی بننا ہی پڑے گا کیونکہ تم سچ کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہو۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"پھر تم حقیقت بھی سن لو کہ مسٹر جمی لائیڈ کو پورا یقین تھا کہ تم اُن تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرو گے۔" اُس نے یہ انکشاف کر کے گویا میرے اعصاب پر ایک کاری ضرب لگائی۔

"وہ کیسے؟ تم تو کہہ رہی تھیں کہ۔۔۔!"

"میں جو کچھ کہتی ہوں اُسے بھول جاؤ اور اب وہ سنو جو میں بتا رہی ہوں۔ آج دوپہر میں کسی نا معلوم مقام سے مسٹر جمی لائیڈ کا فون آیا تھا جو اتفاق سے میں نے ہی ریسیو کیا تھا۔ انھوں نے بتایا تھا کہ اُن کے دشمنوں کے عزائم اب حد سے تجاوز کر چکے ہیں اور اُن لوگوں نے مسٹر جمی لائیڈ کے قتل کے لیے کرائے کے آدمی مامور کیے ہیں جن میں سے کوئی لیون بھی پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا کوئی بھی اجنبی اُن کے حوالے سے رابطہ قائم کرے تو ہمیں اسے اعتماد میں لے کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہیں۔۔ اور اگر اس پر ذرا بھی شبہ ہو تو اُسے مسٹر جمی لائیڈ کی پیرس میں درج کرائی ہوئی پولیس رپورٹ کے حوالے سے مشتبہ قاتل کے طور پر مقامی پولیس کے حوالے کرنے کا حکم دیا ہے۔" وہ مسلسل میرے چہرے پر نظریں مرکوز کیے کہے جا رہی تھی۔ "اس طرح تم نہایت آسانی سے میرے جال میں آ پھنسے ہو۔ اب بتاؤ کہ کیا تم مسٹر جمی لائیڈ کے خون کے پیاسے نہیں ہو؟"

بظاہر اُس نے بساط پر اپنا آخری مہرہ کھیل کر مجھے مات دے دی تھی۔ اُس کی بات اس قدر مدلل اور بھرپور تھی کہ چند ثانیوں کے لیے مجھے اپنے دل کی دھڑکنیں ڈوبتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور لوسیلا مجھے میلوں دور رکھا ہوا کوئی آسیبی مجسمہ نظر آنے لگی مگر میں نے فوراً ہی سنبھالا لے کر کہا۔ "تم اگر سچ بول رہی ہو تو تمھارا قائم کیا ہوا اندازہ سو فی صد درست نظر آتا ہے لیکن میری مشکل یہ ہے کہ میں فی الحال پولیس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ یہاں تمھارے دو مددگار موجود ہیں۔ میں رضاکارانہ طور پر خود کو تمھارے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔ جمی لائیڈ سے میرے بارے میں تصدیق یا تردید ہونے کے بعد میرے مستقبل کے فیصلے کا اختیار تم کو ہوگا۔ اس دوران تم لوگ مجھے اپنی نجی قید میں رکھ سکتے ہو۔"

"تم ہمیں بلا سبب ایک جرم کے ارتکاب کا مشورہ دے رہے ہو۔ کسی کو نجی قید میں رکھنا سنگین جرائم میں شمار ہوتا ہے۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم اس قانون شکنی کے مرتکب ہوں؟"

میں نے جواب میں کچھ کہے بغیر کافی ہاؤس کے نیم روشن اور آباد ہال کا جائزہ لیا۔ مجھے نظر آ رہا تھا کہ لوسیلا سیدھی طرح راہ پر نہ آ سکے گی۔ اس کے لیے کوئی نہ کوئی ہنگامہ آرائی ناگزیر نظر آ رہی تھی۔

پھر اُسی وقت ایک حیرت ناک واقعہ رونما ہوا۔ کافی ہاؤس کے باہر سے پے در پے کئی نسوانی چیخیں سنائی دیں۔ پھر شیشے کی دیواروں کے باہر ہجوم میں بھگدڑ نظر آئی۔ اسی کے ساتھ کافی ہاؤس میں بیٹھے ہوئے بیشتر افراد ہراس کے عالم میں اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے۔ کئی پرجوش نوجوان صورتِ حال کا بہ نفسِ نفیس جائزہ لینے کے لیے نکاسی کے راستے کی طرف لپکے تھے۔ میرے ساتھ لوسیلا بھی کافی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی تھی اور گھبرائی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

اچانک باہر سے پے در پے دو گولیاں چلنے کی آواز آئی اور ایک کرب ناک نسوانی چیخ سے فضا لرز کر رہ گئی، ساتھ ہی کافی ہاؤس میں بھگدڑ مچ گئی۔ سب لوگ اپنی حیثیت یا رُتبے کا خیال کیے بغیر دیوانوں کی طرح چیختے چلّاتے، گرتے پڑتے نکاسی کے عقبی راستے کی طرف دوڑ رہے تھے۔ ساری بھیڑ ادھر ۔۔ سمٹ آنے کی وجہ سے مین گیٹ کی طرف چڑیا کا بچہ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ کافی ہاؤس کا سارا عملہ بھی بھاگنے والوں میں شامل ہو گیا تھا۔

میں نے میدان صاف دیکھ کر مین گیٹ کی طرف دوڑ لگائی لیکن لوسیلا دہشت کے باوجود جونک کی طرح میرے پیچھے لگی رہی، اس کے مددگار اس افراتفری میں نہ جانے کدھر بچھڑ گئے تھے۔ اس وقت کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا اور میرے لیے کچھ کر گزرنے کا موقع میسّر آ گیا تھا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات پانچویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

5

پانچواں حصہ

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خود نوشت۔ اُس نے منشیات کے عالمی سمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھول دیا اور وطن عزیز سے اُن ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنا لیا۔ شہر شہر، ملک ملک اور برِّاعظم برِّاعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لیے خاک اُڑانا اُس نوجوان کا شغل ہو گیا مگر موت کے سوداگر بھی تو اُس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جنگ جو ابھی تک جاری ہے۔

حقیقت سے زیادہ فکرانگیز ـــــ سسپنس کا ایک تحیّر خیز سلسلہ

میں نے رُکے بغیر جیب سے بیم گن نکالی، پلٹ کر سفاکانہ انداز میں ایک نگاہ لوسیلا کے دہشت زدہ چہرے پر ڈالی پھر اُس کے کچھ سمجھنے سے پہلے بیم گن کی نال اُس کے بائیں پہلو سے لگا کر ٹرائیگر دبا دیا۔ سیاہ مخمل کے ساتھ دودھیا بدن جلنے کی چرائندسی پیدا ہوئی۔ میرا نشانہ بے خطا تھا لہٰذا وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اچانک فرش پر ڈھیر ہو گئی اور میں نے بیم گن واپس جیب میں ڈال لی۔

اُسے کسی نے گرتے دیکھا بھی ہو گا تو توجہ نہیں دی۔ دہشت سے وہاں کئی خواتین بے ہوش ہو گئی تھیں یا لڑکھڑا کر گری تھیں پھر اُنھیں اُٹھنا نصیب نہ ہو سکا کیونکہ پیچھے آنے والے اُنھیں بے رحمی کے ساتھ روندتے ہوئے گزر گئے تھے۔ میں کسی بھی مزاحمت سے دوچار ہوئے بغیر اپنے پیچھے ہال میں سسکیوں اور کراہوں کی ماتمی فضا چھوڑ کر باہر فٹ پاتھ پر آ گیا، جہاں ایک مرتبہ پھر لوگ جمع ہونے لگے تھے اور ان میں خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔

میرے دل میں تجسّس تو ضرور پیدا ہوا کہ اس بھیڑ میں مل کر اس واقعے کی نوعیت معلوم کروں جس کے نتیجے میں مجھے ایک یقینی عذاب سے نجات ملی تھی لیکن اس وقت میں بھی لوسیلا کو قتل کر کے آیا تھا، اس کے مددگار خوف زدہ تماشائیوں کی بھیڑ میں کہیں آس پاس ہی موجود تھے لہٰذا میں فٹ پاتھ پر آ کر سیدھا ایک طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس افراتفری میں ایلی نور کو تلاش کرنے کی کوشش بھی وقت کے زیاں سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ حالات اعتدال پر آنے کے بعد جب وہ مجھے موجود نہ پائے گی تو خود ہی واپس ہوٹل چلی آئے گی۔

ٹیکسی اسٹینڈ سے میں براہِ راست ہوٹل نہیں جانا چاہتا تھا تاکہ میری نشاندہی کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور شہر میرے لیے اجنبی تھا لہٰذا میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو ایئرپورٹ چلنے کی ہدایت کی جس پر فوری طور پر عمل شروع ہو گیا۔

گاڑی سڑک پر ڈالنے کے بعد ٹیکسی ڈرائیور نے فرنچ میں مجھ سے کچھ کہا اور میں نے "سوری، نو فرنچ" کہہ کر معذرت کر لی۔ وہ بے چارہ شاید انگریزی کے بارے میں پیدائشی یتیم تھا کیونکہ اُس نے درجوابِ آں غزل کچھ کہنے کے بجائے صرف شانے اچکانے پر اکتفا کیا اور اپنی گاڑی کی رفتار کچھ بڑھا دی۔

میں نے سگریٹ سلگا کر تھکے ہوئے انداز میں پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ چند ثانیے قبل میں اپنی زندگی کے چند بدترین لمحات سے گزرا تھا جن سے بچ کر میرا نکل آنا ٹیکسی میں سفر کرتے ہوئے بھی ناقابلِ یقین محسوس ہو رہا تھا۔ لوسیلا نے مجھے اس قدر مہارت اور خوب صورتی کے ساتھ اپنے دام میں پھنسایا تھا کہ میں آخر تک اس کے عزائم کا صحیح اندازہ لگانے سے قاصر رہا لیکن اب یہ بات صاف ہو چکی تھی کہ جبی لائیہڈ فرانس میں میری سرگرمیوں سے باخبر ہوتے ہی میرا ذہن پڑھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ میں لیون کا رُخ کروں

گا اور اگر ایلی نور بروقت مجھے لیون میں کنگ لائنز کے دفاتر کی موجودگی سے آگاہ نہ کرتی تو میں بعد میں ضرور اس ٹھکانے پر طبع آزمائی کرتا۔ جمی کی کنگ لائنز میں مُجرم نہیں بلکہ معزز پیشہ ور لوگ ملازم تھے لہٰذا اُنھیں میری طرف سے ہوشیار کرنے کے لیے اس نے اپنے نامعلوم جانی دشمنوں کا اسکینڈل کھڑا کیا اور لوسیلا تو مرتے دم تک یہی سمجھتی رہی کہ وہ اپنے آقا کے ایک جانی دشمن کو پکڑنے میں کامیاب ہوگئی۔ یہ اور بات ہے کہ میں کنگ لائنز کے نہیں بلکہ شی کے حوالے سے جمی لائیڈ کے لہو کا پیاسا تھا۔ کافی ہاؤس سے لوسیلا کی لاش کی برآمدگی اور اُس کے دونوں مددگاروں کے بیانات کے بعد جمی لائیڈ کے لیے یہ سمجھنا ذرا بھی دشوار نہ ہوگا کہ میں اس کی توقعات کے عین مطابق اُس کے مقامی دفتر کے ذریعے لوسیلا تک پہنچا اور خطرہ بھانپتے ہی اُس کے آدمیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار ہوگیا۔

باہر ہونے والی فائرنگ اور بھگدڑ کی وجہ سے میرے فرار کے وقت کسی نے لوسیلا کی طرف توجہ نہیں دی تھی کیونکہ بیم گن ایک خاموش مہلک ہتھیار تھا جو شکار کے بدن سے لہو کی ایک بوند بھی گرائے بغیر اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیتا تھا لیکن اُس کی موت کا راز زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ جوں ہی پولیس اور رضا کار امدادی پارٹیاں زخمی اور بے ہوش ہونے والوں کی طرف متوجہ ہوتیں، لوسیلا کے جلے ہوئے مخملیں لباس کے نیچے اس کے بائیں پہلو میں وہ مہیب غار دریافت کر لیا جاتا جس سے اُتر کر جنّی شعلوں نے اُس کے دل کو خاک کر دیا تھا۔ اس طرح کنگ لائنز کے عملے میں ضرور جمی لائیڈ کے دشمنوں کی دہشت پھیل جاتی لیکن جمی لائیڈ کو لیون میں میری موجودگی کا سُراغ مل جاتا اور پورے شہر کے طول و عرض میں شی کے گرگے میری تلاش کی مہم شروع کر دیتے۔

یہ خیال آتے ہی میری طبیعت بے چین ہوگئی۔ سلطان شاہ ہوٹل میں تنہا اور اس مخدوش صورتِ حال سے بالکل بے خبر تھا جب کہ ایلی نور بھی کافی ہاؤس سے باہر ہونے کی وجہ سے اندھیرے میں تھی اس لیے ضروری ہوگیا تھا کہ میں جلد از جلد ہوٹل پہنچ کر ان دونوں کو بدلی ہوئی صورتِ حال کے بارے میں اعتماد میں لیتا۔

ائیرپورٹ پر ٹیکسی رکتے ہی میں کرایہ ادا کر کے سیدھا ٹرمینل کی عمارت میں گھستا چلا گیا۔ پہلے میں نے ٹوائلٹ میں جا کر آئینے میں اپنے سراپا کا جائزہ لیا اور پھر عمارت میں ایک طویل چکر کاٹ کر اس رُخ پر نکل گیا جدھر شہر جانے والی بسیں نظر آ رہی تھیں۔ پہلی بس سے شہر کے ایک بارونق علاقے میں اُتر کر میں نے دوبارہ ایک ٹیکسی کا سہارا لیا اور ہوٹل روانہ ہوگیا۔ اس دوران میں میں نے اس امر کی پوری احتیاط رکھی تھی کہ غیر ضروری طور پر تیز روشنی میں یا زیادہ لوگوں کے سامنے نہ آؤں اور آخر کار میں بخیر و عافیت اپنے ہوٹل میں واپس پہنچ گیا۔

مجھے تنہا دیکھتے ہی سلطان شاہ چونکا تھا۔ "اپنی بہتی کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟"

"آدمیوں کی طرح بات کرو۔" میں نے جوتوں سمیت بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ "ہماری بازی اُلٹ گئی ہے اگر ہم نے فوری طور پر یہ شہر نہ چھوڑا تو پھر یہاں سے زندہ نہ نکل سکیں گے۔ . . . ایلی نور ایک ہنگامے میں بچھڑ گئی۔ وہ بھی بس تھوڑی دیر میں واپس آتی ہوگی اُس کے پہنچتے ہی ہم اپنا اگلا پروگرام طے کریں گے۔"

پھر میں نے سگریٹ کے گہرے گہرے کش لگاتے ہوئے اُسے من و عن پوری کہانی سُنا دی جس کے دوران میں اس کے چہرے کے تاثرات لمحہ بہ لمحہ بدلتے رہے لیکن اُس نے درمیان میں کہیں بھی دخل اندازی نہیں کی۔

"مجھ پر تم بلاوجہ ناراض ہوتے رہتے ہو۔" وہ میرے خاموش ہونے پر سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "دراصل تم ہر لڑکی اور عورت کے ساتھ جذباتی طور پر کسی نہ کسی حد تک ملوّث ہو جاتے ہو اس لیے اُس کے بارے میں صحیح فیصلہ نہیں کر پاتے لیکن میں نے فون پر اُس کے ساتھ تمھاری بے تکلّفانہ بات چیت سے ہی بھانپ لیا تھا کہ وہ کچھ پوشیدہ عزائم رکھتی ہے ورنہ مغرب میں بھی عزت دار عورتیں یوں پہلے فون پر اجنبیوں کو وقت نہیں دے بیٹھتی ہوں گی۔"

"بہر حال اس پر لعنت بھیجو۔ اُس نے مجھے کراس کرنا چاہا اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ مجھے خود اپنی غلطی کا احساس ہے اگر میں احتیاطاً بیم گن ساتھ نہ لے گیا ہوتا تو اس سے پیچھا چھڑانا محال ہو جاتا۔ خوف زدہ ہونے کے باوجود وہ کسی جونک کی طرح میرے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ تمھیں یہ سب بتانے سے میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ تمھیں کسی ناصحانہ تقریر کی دعوت دوں۔ اس بارے میں میں نے اب خود محتاط رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"اور یہ ایلی نور تو بہت ہی عجیب عورت ہے۔" وہ ایک ثانیے کے توقف کے بعد بولا۔ "پہلی فرصت میں اس کا بھی پتا کاٹنا پڑے گا ورنہ یہ ہم دونوں میں نفاق ڈلوا دے گی۔"

"ہم رفتہ رفتہ اپنی منزل سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ اٹلی پہنچنے کے بعد ایلی نور کی افادیت بھی ختم ہو جائے گی۔"

"تم تو اس طرح منزل کا ذکر کر رہے ہو جیسے اٹلی ہی میں غزالہ بھابی کے ملنے کی اُمید ہو۔" وہ چُبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اس وقت ہم دو سمتوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ جمی لائیڈ کی بیخ کنی کے ساتھ ہی ہمیں بھابی کو بھی تلاش کرنا ہے۔"

"نہ جانے کیوں میں اس بارے میں ویرا کی طرف سے پُراُمید ہوں۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "اسی نے غزالہ کو کراچی سے اغوا کرا کے برطانیہ بھیجا تھا۔ غزالہ کی گمشدگی پر وہ ہمیشہ ہی نادم نظر آئی ہے۔"

اور اس سے رقابت بھی محسوس کرتی ہے، کیا پتا کہ ابھی تک وہ خود ہی اُسے دوڑاتی آئی ہو۔"

"یہ سب باتیں ہم بعد میں بھی سوچ سکتے ہیں۔" میں نے اپنا غصّہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "فی الحال مجھے پیرس کا تجربہ یاد آرہا ہے۔ انھوں نے ہمارے پارک ہوٹل پہنچنے سے پہلے ہی سارے ہوٹلوں کی ایسی ناکابندی کرائی تھی کہ ہم فوراً اُن کی نگاہوں میں آگئے تھے۔ یہاں بھی وہی صورتِ حال دُہرائی جاسکتی ہے۔"

"خطرات اپنی جگہ ہیں لیکن پیرس بڑا شہر ہے، وہاں شی کی تنظیم بھی بڑی تھی اس لیے اُنھوں نے فوری طور پر اتنی منظّم کارروائی کر ڈالی، لیکن لیون میں ایسا ہونا مشکل ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ اُٹھا اور ایک گوشے سے ایک بیگ اُٹھا لایا۔ "تمھارے جانے کے بعد میں نے نیچے ہوٹل کے اسٹور سے یہ ہائیکنگ کِٹ بیگ خرید لیا تھا۔ ساری رقم اس میں بھر لی ہے، اسے پُشت سے باندھ کر ہم اپنے ہاتھ آزاد رکھ سکیں گے۔"

میں اس کی تعریف کرتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا کہ اچانک فون کی تیز گھنٹی نے ہمیں چونکا دیا اور ہم دونوں تحیّر آمیز مستفسرانہ نگاہوں سے ایک دوسرے کی شکلیں تکنے لگے۔

وہ صبح کے ناشتے اور اخبار وغیرہ کے سلسلے میں استقبالیہ کلرک یا روم سروس والوں کی اندرونی کال بھی ہو سکتی تھی لیکن اس وقت ہم جن خطرناک حالات سے دوچار تھے ان کی وجہ سے ہر معمولی بات بھی اپنی اصلیت سے کئی گنا بڑی ہو کر ہمیں نظر آتی تھی۔

"اس شہر میں ہمارا کون شناسا نکل آیا؟" سلطان شاہ کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"تم خاموش رہنا، میں دیکھتا ہوں۔" میں نے مسلسل بجتی ہوئی گھنٹی کے شور میں کہا اور لپک کر ریسیور اُٹھا لیا۔

ریسیور میں ہوٹل کے کلرک نے کمرہ نمبر دُہرا کر ایک بیرونی کال کی اطلاع دیتے ہوئے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر لائن ملا دی۔ دوسری طرف سے ایک سنجیدہ اور بھاری آواز سنائی دی تھی۔

"مجھے افسوس ہے انسپکٹر ڈورشے کہ میں فرینچ نہیں جانتا۔" میں نے معنی خیز نگاہوں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ حقیقت تھی کہ بولنے والے کے پورے فقرے میں صرف انسپکٹر ڈورشے ہی میرے پلّے پڑ سکا تھا۔

"تمھارے ساتھ اس ہوٹل میں اور کون رہتا ہے؟" انسپکٹر ڈورشے نے اپنے ابتدائی فقرے کو دُہرانے کی زحمت کیے بغیر انگریزی میں براہِ راست سوال کر ڈالا۔

اوّل تو انسپکٹر کے عہدے کے کسی پولیس افسر کا یوں براہِ راست ہمیں فون کرنا ہی غیر معمولی تھا، پھر اس کے لہجے میں بھی کچھ سنگینی موجود تھی لہٰذا میں نے سنبھل کر کہا۔ "صرف میں اور میری فرینچ گرل فرینڈ۔"

"تمھاری گرل فرینڈ اس وقت کہاں ہے؟" انسپکٹر کا لہجہ سرد اور سپاٹ ہو گیا۔

"وہ باہر کسی سے ملنے گئی ہوئی ہے۔" میں نے بے چینی محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "آخر بات کیا ہے۔ تم اس قدر رازدارانہ انداز کیوں اختیار کیے ہوئے ہو؟"

"پہلے سوالات کے جواب دیتے رہو، مناسب مرحلے پر سب کچھ بتا دیا جائے گا۔" اس بار لہجہ تحکم آمیز ہو گیا۔ "وہ کس رنگ کے لباس میں گئی تھی اور اُس کا حلیہ کیا ہے؟"

میں نے اپنی یادداشت کے مطابق مطلوبہ تفصیلات ماؤتھ پیس میں دہرا دیں۔

"خاتون کا نام کیا ہے؟" اگلا سوال کیا گیا۔

"مادلین۔" میں نے وہی نام بتایا جو ایلی نور نے ہوٹل کے رجسٹر میں درج کرایا تھا۔

"اور تمھارا نام کیا ہے؟" لہجہ اس بار مزید سخت ہو گیا۔

"آندرے رونکا۔"

"شناخت کی کارروائی میری دانست میں فون پر مکمل ہو گئی ہے۔" اس بار انسپکٹر نے نسبتاً لمبا اسٹارٹ لیا تھا۔ "مجھے افسوس ہے کہ مادام مادلین کو کچھ لوگوں نے ہوٹل ڈی وائل ڈی لیون کے سامنے سے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کی مزاحمت پر بھرے مجمع میں اُسے گولیاں مار کر اسلحہ لہراتے ہوئے فرار ہو گئے۔ متوفیہ کی جیب سے تمھارے ہوٹل کے کارڈ کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے شناخت ہو سکے۔ کارڈ پر بال پین سے تمھارے کمرے کا نمبر لکھا ہوا تھا۔ اب تم ہماری اجازت کے بغیر ہوٹل نہیں چھوڑو گے۔ میں پولیس کار میں ایک افسر کو بھیج رہا ہوں تاکہ مردہ خانے میں لاش کی شناخت کی رسمی کارروائی قانونی تقاضوں کے مطابق پوری ہو سکے۔ مجھے اُمید ہے کہ ایک امن پسند شہری کی حیثیت سے تم قتل کی اس سفاکانہ واردات کی تفتیش میں قانون کا پورا ساتھ دو گے۔"

میرے لیے وہ انکشاف کسی بم کے دھماکے سے کم نہیں تھا۔ ایلی نور کے اغوا کی ناکام کوشش کا مطلب یہ تھا کہ جمی لائیڈ نے اپنے فرضی دشمن کا نام لے کر نہ صرف کنگ لائنز والوں کو چونکا دیا تھا بلکہ شی کے ہرکارے بھی لیون میں حرکت میں آچکے تھے۔ ایلی نور چونکہ گن بوٹ پر شی سے وابستہ رہی تھی لہٰذا اُسے اُن میں سے کسی نے پہچان لیا اور آخر کار اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس خبر پر میرے اعصاب سُن ہو کر رہ گئے۔ کیونکہ میں تو اس وقت نہایت اعتماد کے ساتھ اس کی زندہ و سلامت واپسی کا منتظر تھا۔

"تم مطمئن رہو انسپکٹر!" میں نے قدرے توقف کے بعد ماؤتھ پیس میں کہا۔ "میں اپنے فرائض سے بخوبی واقف ہوں، میری ذات سے تمھیں

کوئی مایوسی نہیں ہوگی۔"

"کیا ہوا؟" میں فون سے فارغ ہوکر مڑا تو سلطان شاہ میرے چہرے کے گمبھیر تاثرات دیکھ کر چونک پڑا۔ "فون پر شاید تم ایلی نور کے بارے میں کسی انسپکٹر ڈوشے سے بات کر رہے تھے۔"

"تمھیں مبارک ہو سلطان شاہ! وہ ماری جاچکی ہے۔" اس وقت تک جذباتی تلاطم کے تحت میری آواز بھرّا گئی تھی۔ "تمھیں جن لوگوں سے نفرت ہوجاتی ہے اُنھیں موت بڑی رحمی سے اندھی وادیوں میں دھکیل دیتی ہے۔ کافی ہاؤس میں ہنٹر لونگ کا سبب باہر کی فٹ پاتھ پر ایلی نور کا بے رحمانہ قتل تھا جسے میں نے دیکھنا تک گوارا نہیں کیا۔ تم دیکھو کہ اُس نے مرتے مرتے بھی مجھے ایک ایسی خوف ناک صورتِ حال سے نکالنے کا بہانہ پیدا کر دیا جس کا انجام شاید میری موت کی شکل میں ہی رونما ہوتا۔"

"موت برحق ہے.... کسی کو بھی اور کہیں بھی آسکتی ہے لیکن وہ واقعی دردناک انجام سے دوچار ہوئی ہے۔ اب یہ انسپکٹر ڈوشے اس بارے میں تم سے کیا کہہ رہا تھا؟"

"وہ سب اُلجھنوں سے آزاد ہوگئی اور ہمارے لیے دشواریوں کا آغاز ہوچکا ہے۔ ہم پولیس کی اجازت کے بغیر ہوٹل نہیں چھوڑ سکیں گے جمی لائیڈ بھی پس پردہ رہ کر اپنے چیلوں کے ذریعے پولیس کی مدد کرے گا۔ بل ایشلی اور لوسیلا کے علاوہ پارک ہوٹل کی تین لاشیں بھی ہمارے حساب میں جوڑ دی جائیں گی۔" میں نے کرب آلود مایوسی کے ساتھ کہا۔

"ایلی نور کی یاد میں آنسو بہاتے رہے تو ضرور ایسا ہی ہوگا۔ پولیس یہاں تک پہنچنے میں کچھ وقت لے گی کیوں نہ ہم اُن کے آنے سے پہلے ہی نکل جائیں؟"

"کوشش کر دیکھو، کامیاب ہو جاؤ تو مجھے خبر کر دینا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "انسپکٹر ڈوشے نے مجھ سے بات کرنے سے پہلے ہوٹل کی انتظامیہ کو ہدایات دے دی ہوں گی کیونکہ ایلی نور کی لاش سے ہوٹل کا کارڈ برآمد ہوتے ہی یہ کمرہ اور اس سے تعلق رکھنے والا ہر شخص پولیس کی نظروں میں مشکوک ہوگیا ہوگا۔ میرے کچھ نہ بتانے کی صورت میں بھی انسپکٹر کی ہدایات میں کوئی فرق نہ آتا۔"

وہ تیر کی طرح سوئچ بورڈ کی طرف گیا اور روشنیاں گل کرکے اندھیرے میں عقبی کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی پیش قدمی دیکھتے ہی میری کھوپڑی سے بھی برف پگھلنے لگی اور میں بھی عقبی کھڑکی پر پہنچ گیا۔

اس کھڑکی پر منقش شیشے کے پٹ لگے ہوئے تھے جن پر دبیز پردے جھول رہے تھے۔ سلطان شاہ نے پردے سرکا کر کھڑکی کے تینوں پٹ کھول دیے تھے اور سر باہر نکال کر آس پاس کی دیواروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہوٹل کی اس عقبی سمت میں تاریکی کا راج تھا بس کہیں کہیں اسٹریٹ لیمپ روشن تھے جو تاریکی دور کرنے کے بجائے خود اس کا ایک دھندلا جزو معلوم ہو رہے تھے۔

سلطان شاہ جانے کس فراق میں تھا لیکن مجھے کھڑکی سے سر باہر نکالتے ہی فریم سے چند انچ کے فاصلے پر دیوار کے ساتھ موٹا ڈرین پائپ نیچے جاتا ہوا نظر آگیا۔ میں نے گردن مزید لمبی کرکے دیکھا کہ اس پائپ کے سہارے کسی رکاوٹ سے دوچار ہوئے بغیر زمین پر پہنچا جاسکتا تھا۔ میں فوراً ہی کھڑکی سے پیچھے ہٹ آیا۔ "تم ڈرین پائپ سے نیچے اُتر سکو گے؟" میں نے سلطان شاہ سے سوال کیا اور وہ بھی چونک کر کھڑکی سے ہٹ گیا۔

"نیچے اُترنے میں کچھ پتا نہیں کہ کس سے سامنا ہو جائے۔ ادھر ہوٹل کی سیکیورٹی اسٹاف بھی ہو سکتا ہے؟" وہ تفکر آمیز لہجے میں بولا۔

"اُوپر چڑھنا تمھارے بس سے باہر ہے ورنہ بہتر تو وہی رہتا۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہہ ڈالا۔ "ہم چوتھی منزل پر مقیم ہیں اور نگرانی کا سارا زور اسی فلور پر ہوگا۔ ہمارے اُوپر کھلی چھت ہے کوئی سوچ بھی نہ سکے گا کہ ہم نیچے اترنے کے بجائے اوپر گئے ہوں گے وہاں سے ہم کسی کی نظر میں آئے بغیر زینوں کی مدد سے نیچے آسکتے ہیں۔"

"آئیڈیا لاجواب ہے.... بس میں ہو یا نہ ہو جان بچانے کی کوشش تو کرنا ہی ہوگی۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولا۔ "بلکہ چھت پر تو ہم بے فکری کے ساتھ رات بھی گزار سکتے ہیں پولیس ہر طرف جھک مار کر بے نیل و مرام واپس لوٹ جائے گی لیکن چھت کا رُخ نہیں کرے گی یہ سوچنا ہی ناممکن ہے کہ فرار ہونے کے لیے کوئی اُلٹی راہ اختیار کرے گا۔"

"لیکن میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔" میں نے اٹل لہجے میں کہا۔ "اس ہوٹل میں اب ہمارا ایک لمحے کے لیے بھی رکنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے پولیس نہیں تو تشی والے اس امکان پر غور کریں گے ہمیں نہایت سرعت کے ساتھ اسی وقت فرار ہونا پڑے گا۔"

اچانک دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور پھر میرا دل اُچھل کر حلق میں آگیا۔ سلطان شاہ نے کھڑکیوں کے پٹ بند کرکے پردے برابر کر دیے اور میں بلب آن کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"کون ہے؟" دوسری تیز دستک کے جواب میں میں نے دریافت کیا۔

"منیجر مونسیور!" باہر سے آواز آئی۔ "دروازہ کھولو، مجھے ایک ضروری کام ہے۔"

میں نے ہضمی قفل میں اندر سے چابی گھما کر تالا کھول دیا اور منیجر دروازے کو دھکیلتا ہوا یوں اندر آیا کہ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ "کیا تم لوگ کسی پولیس کیس میں ملوث ہوگئے ہو؟" اس نے چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان بوکھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"یہ ہمارے لیے ایک انکشاف ہے۔" میں نے تیوریاں چڑھا کر ناگواری کے ساتھ کہا۔

"مجھے خود یقین نہیں آتا کہ میرے مہمان ایسے ہو سکتے ہیں لیکن حکمِ حاکم مجھ جیسے مجبور لوگوں کے لیے مرگِ مفاجات سے کم نہیں ہو

مجھے حکم ملا ہے کہ تم لوگ پولیس کی کلیئرنس کے بغیر ہوٹل نہیں چھوڑ سکو گے۔ تھوڑی دیر میں پولیس کا عملہ اس بارے میں قانونی احکام بھی تم تک پہنچا دے گا اور میں بری الذمہ ہو جاؤں گا۔"

"اور اگر ہم ابھی باہر یا اپنے وکیل سے ملنے کے لیے جانا چاہیں؟" میں نے تند لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ ایسا نہ ہو سکے گا کیونکہ پولیس کے آنے تک تمھیں روکے رکھنا میری ذمے داری ہے اور میں نے اپنا سارا عملہ اسی فلور پر مامور کر دیا ہے، وہ تمھیں کسی قیمت پر نہیں نکلنے دے گا۔ تم چاہو تو فون کر کے اپنے وکیل کو یہاں طلب کر سکتے ہو۔ مجھے اس کا پتا بتا دو تو میں اپنا آدمی اس تک بھیج دوں گا۔"

"عجیب زبردستی ہے۔" میں نے کندھے اُچکا کر تلخ لہجے میں کہا۔ "خیر ہم تھوڑی دیر ان کا انتظار کیے لیتے ہیں لیکن اپنے عملے سے کہہ دو کہ پولیس کی آمد سے پہلے ہمیں بالکل ڈسٹرب نہ کیا جائے تاکہ ہم اس ذہنی جھٹکے سے سنبھل کر اپنے دفاع اور قانونی حقوق کے بارے میں کچھ سوچ سکیں۔"

"یہ میں کر سکتا ہوں۔" وہ سعادت مندانہ انداز میں بولا۔ "مجھے اُمید ہے کہ تم میری مجبوریوں کو سمجھ رہے ہو گے۔ میں ان کے اس غیر قانونی حکم کی تعمیل سے انکار کر سکتا تھا لیکن وہ کوئی نہ کوئی بہانہ پیدا کر کے کل ہی اس ہوٹل میں تالے ڈلوا دیں گے۔ ان کی مخاصمت مول لے کر ہم لوگ ایک دن بھی نہیں پنپ سکتے۔"

"ہم سب سمجھتے ہیں.... اب تم جاؤ اور ہمیں تنہا چھوڑ دو۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا اور وہ تیزی کے ساتھ باہر نکل گیا۔ میں نے چابی گھما کر دروازہ نہ صرف مقفل کر دیا بلکہ بولٹ بھی چڑھا دیا تاکہ دروازہ گرائے بغیر کوئی اندر داخل نہ ہو سکے۔

صورتِ حال بہت تیزی کے ساتھ ایک خاص رُخ اختیار کر چکی تھی اور ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ دوسری طرف بدحواس منیجر نے یہ خوش خبری بھی سنا دی تھی کہ اس نے عارضی طور پر سارے محاذ خالی کر کے اپنا تمام لشکر ہمارے فلور پر جھونک دیا تھا لہٰذا میں نے پھرتی کے ساتھ رقم سے بھرا ہوا کٹ بیگ اپنی پشت پر لاد لیا تاکہ اس کی وجہ سے سلطان شاہ کو کوئی دشواری نہ ہو اور کمرے کی واحد بتی گُل کر کے ہم دونوں ایک مرتبہ پھر کمرے کی عقبی سمت میں کھلنے والی کھڑکی کی طرف بڑھ گئے۔

جب سلطان شاہ ڈرین پائپ کی سمت والا پٹ کھول کر چوکھٹ پر چڑھا تو لمحہ بھر کے لیے مجھے لالچ آیا کہ اپنا پروگرام بدل دوں۔ براہِ راست نیچے اُتر کر ہم کافی وقت بچا سکتے تھے لیکن امکانی خطرات کے پیشِ نظر میں نے نظرِ ثانی کا ارادہ اسی وقت منسوخ کر دیا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے سلطان شاہ نے آہنی ڈرین پائپ پر اپنی گرفت کی مضبوطی کا اندازہ لگایا اور پھر وہ جھولتا ہوا کھڑکی کے فریم سے پہلو میں روپوش ہو گیا۔

میں نے کھلی ہوئی کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر دیکھا تو وہ کسی دشواری کے بغیر ہتھیلیوں اور پنجوں کے بل کسی بندر کی طرح چھت کی طرف جا رہا تھا۔ اپنا دل مضبوط کر کے میں بھی اسی لمحے چوکھٹ پر چڑھ گیا۔ اس وقت تک ہوٹل کے عقب میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی تھی نہ نیچے سے کسی نے سلطان شاہ کو دیوار سے چپکے دیکھ کر للکارا تھا اگر اس طرف ہوٹل کا کوئی محافظ موجود تھا تو وہ یقیناً عمارت سے اتنا قریب رہا ہو گا کہ اس کے لیے اندھیرے میں کھڑی دیوار پر اوپر کی طرف رینگتے ہوئے کسی ہیولے کو دیکھنا ناممکن تھا۔

سلطان شاہ کے اوپر پہنچ کر غائب ہونے سے پہلے میں بھی کھڑکی کے راستے کمرہ چھوڑ کر ڈرین پائپ پر آ چکا تھا اس وقت پہلی بار مجھے خوف لاحق ہوا کہ اگر میرے ہاتھ پھسل جائیں تو پچاس فٹ کی مسافت کے بعد زمین سے اتنا شدید تصادم ہو کہ ساری ہڈیاں بکھر کر رہ جائیں پھر فوراً ہی ایک دوسری افتاد شروع ہوئی تو بے اختیار مجھے اپنی عجلت اور حماقت پر غصہ آ گیا۔ اوپر سلطان شاہ کی نقل و حرکت کے نتیجے میں زنگ اور زنگ کی پپڑیاں، آہنی پائپ اور دیوار سے ٹوٹ کر براہِ راست میرے اُوپر آ رہی تھیں۔ اس وقت مشکل یہ تھی کہ میں نہ اپنے کمرے میں واپس لوٹ سکتا تھا نہ اُوپر سر اُٹھا کر سلطان شاہ کی پوزیشن دیکھ سکتا تھا۔ اس وقت اگر میری آنکھ میں ذرا سا بھی کنکر گر جاتا تو میرے لیے پائپ پر اپنی گرفت برقرار رکھنا محال ہو کر رہ جاتا۔

میں کئی ثانیوں تک یوں ہی بے حس و حرکت پائپ پر ایک ہی جگہ چپکا رہا جب اوپر سے آنے والی آخری بوچھاڑ کے بعد کئی سیکنڈ تک سکون رہا تو میں نے سر اُٹھایا۔ اوپر پائپ خالی تھا اور سلطان شاہ بحفاظت چھت پر پہنچ چکا تھا میں نے اپنے ڈالروں سے بھرے ہوئے تھیلے سمیت آہستہ آہستہ اوپر بڑھنا شروع کر دیا۔

بظاہر وہ چودہ پندرہ منٹ کی مسافت تھی لیکن جسم اور اعصاب کے لیے وہ فاصلہ قیامت سے کم نہیں تھا۔ چھت کی تین فٹ اونچی منڈیر کے پار سلطان شاہ میرا منتظر تھا لیکن وہاں پہنچتے ہی چند بڑے بڑے پنکھوں اور مشینوں کے ہلکے سے شور نے مجھے چونکا دیا اور پھر مجھے چھت پر مختلف مشینوں اور بھانت بھانت کے پتلے موٹے پائپوں پر مشتمل وہ جال بھی نظر آ گیا جو عمارت کو مرکزی طور پر گرم یا ٹھنڈا رکھنے کے لیے چھت پر پھیلایا گیا تھا۔

'بُرے پھنسے۔' میں نے دل ہی دل میں سوچا اور سلطان شاہ سے پوچھا۔ "پلانٹ کے کسی اٹینڈنٹ سے تو سامنا نہیں ہوا؟"

"مجھے بھی اُوپر آتے ہی یہی فکر لاحق ہو گئی تھی۔" اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "تمھارے پہنچنے سے پہلے میں پوری چھت کا جائزہ لے چکا ہوں، یہاں ہمارے سوا چڑیا کا بچہ بھی نہیں ہے لیکن ایک بُری خبر ہے کہ زینوں والا دروازہ مقفل ہے۔"

میں نے اپنے کالر اور لباس سے کچرا جھاڑا اور پھر ہم دونوں محتاط چھاپا ماروں کی طرح پائپوں اور ڈکٹس کو عبور کرتے ہوئے اس طرف

چل دیے جدھر سلطان شاہ نے زینوں والا دروازہ دیکھا تھا۔

چوبی دروازہ نہ صرف مقفل بلکہ کافی مضبوط تھا۔ چھت پر سینٹرل ہیٹنگ اور کولنگ پلانٹ نصب ہونے کی وجہ سے جگہ جگہ خاصا کاٹھ کباڑ جمع تھا۔ میں نے اسی میں سے ایک موٹا سا تار تلاش کیا اور اس کا سرا قدرے موڑ کر ہضمی قفل کے کی ہول میں داخل کر دیا۔

ابھی میں تالے کے ایک آدھ ہی لیور کو ہلا پایا تھا کہ خفیف سے کھٹکے کے ساتھ تار میری گرفت کے ساتھ ہی سوراخ سے نکل کر فرش پر گر پڑا اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ پاتا ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا پھر شاید آنے والا ہمیں دیکھ کر چیخنے ہی والا تھا کہ سلطان شاہ نے ایک ہاتھ سے اس کی وردی کا گریبان تھام کر دوسرا ہاتھ اس کے دہانے پر جما دیا۔ اس اثنا میں میں بیم گن نکال چکا تھا جسے دیکھتے ہی آنے والے کے اوسان خطا ہو گئے۔

"یہ بے آواز ہتھیار ہے... چیخنا چاہا تو تمھیں بھی ہمیشہ کے لیے خاموش کر دے گا۔" میں نے غراتے ہوئے کہا اور سلطان شاہ نے اسے گریبان سے اُوپر کھُلی چھت پر گھسیٹ لیا۔

"میں ایک غریب مکینک ہوں۔" وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں گھگھیاتے ہوئے بولا۔ "شام کی شفٹ کے لیے کل پُرزوں کی آخری ریڈنگ لینے آیا تھا... گیارہ بجے رات والوں کے آنے سے پہلے یہ میرا معمول ہے۔ ... مجھے تم سے کوئی تعرض نہیں ہے۔ میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔"

وہ ایک غریب محنت کش تھا جو اپنے فرائض کی بجا آوری میں اتفاقاً ہی ہماری زد میں آ گیا تھا اور پھر اس نے دروازے کا قفل کھول کر ہماری ایک مشکل بھی آسان کی تھی لہٰذا میں نے بیم گن کو فضا میں اُچھال کر اس کی نال اپنی گرفت میں لے لی اور اس کا آہنی دستہ نپے تُلے انداز میں اس کی کنپٹی پہ بجا دیا۔

سلطان شاہ نے اس وقت اس کا دہانہ پوری قوت سے دبوچا ہوا تھا لہٰذا وہ مجبور و بے کس قیدی کوئی اضطراری آواز بھی نہ نکال سکا اور خاموشی کے ساتھ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ جب تک اسے ہوش آئے یا رات کی شفٹ والے اسے دریافت کریں، ہم ہوٹل کی حدود سے بہت دور نکل چکے ہوں گے۔

زینوں پر رہنمائی میں نے سنبھال لی۔ بیم گن میرے ہاتھ میں تھی سلطان شاہ بھی ایکسپلوڈر کے استعمال کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ دو سیڑھیاں طے کر کے میں نے اوپر ہی سے اسٹیئر ہال میں جھانکا لیکن وہاں نیچے سے اوپر تک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ چوتھی منزل تک کے زینے ہم نے بہت احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر طے کیے کیوں کہ منیجر کی زبانی ہمیں چوتھی منزل پر ہونے والے غیر ضروری اجتماع کی اطلاع مل چکی تھی۔ جب وہاں تک میدان صاف ملا تو بقیہ زینے ہم نے دوڑتے ہوئے عبور کیے اور دوسری منزل کا دروازہ کھول کر رہائشی کمروں والی ایک راہداری میں داخل ہو گئے۔

راہداری حسبِ توقع ویران پڑی ہوئی تھی آگے چل کر داہنی سمت والے کوریڈور کے آخری سرے پر شیشے کے ایک دروازے پر فائر ایگزٹ کے الفاظ سرخ رنگ میں چمک رہے تھے ہم تیز تیز قدموں سے اسی طرف ہو لیے۔ اس وقت ہماری کامیابی کا سارا دار و مدار اسی ایک امر پر تھا کہ راستے میں ہماری کسی سے مڈبھیڑ نہ ہو اور محض اسی احساس کے تحت ہم نے ہنگامی اخراج کا راستہ اختیار کیا تھا۔

ہنگامی اخراج کے دروازے کی دوسری جانب چند فٹ کی راہداری کے اختتام پر کشادہ گردشی زینے نظر آئے جو اوپری منزلوں سے براہِ راست عمارت کے باہر ہی باہر نیچے آنے کے لیے استعمال کیے جا سکتے تھے۔ ان آہنی زینوں پر احتیاط سے نیچے اُترتے ہوئے میں نے یہ جائزہ لے لیا تھا کہ اس وقت وہ علاقہ بالکل ویران پڑا ہوا تھا مسافروں کے لیے ادھر کوئی کشش نہیں تھی اور نہ ہی ہوٹل والوں نے اس طرف کسی چوکیدار وغیرہ کی ضرورت محسوس کی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ گاڑی ہوٹل کی پارکنگ لاٹ سے ہی اٹھائی جائے۔ اس وقت وہی جگہ سب سے بہتر رہے گی۔" سلطان شاہ نے آخری چند زینے عبور کرتے ہوئے کہا اور میں سر ہلا کر رہ گیا۔

ہوٹل سے نکل کر ہم عمارت کے پہلو میں احاطے کی دیوار کے ساتھ پارک کی ہوئی گاڑیوں کی طرف بڑھے تو راستے میں ایک آہنی زنجیر کے سوا کوئی رکاوٹ حائل نہیں تھی البتہ آگے گاڑیوں کی نکاسی کے راستے پر دربان کی چوکی نظر آ رہی تھی جو غالباً غیر آباد نہیں تھی۔

پاکستان میں کاروں کی چوری کا اتنا رواج ہو گیا ہے کہ گاڑی کو مقفل کرنے کے بعد بھی مالک کو ہر لمحے اس کے غائب ہونے کا دھڑکا لگا رہتا ہے لیکن فرانس میں غالباً یہ مرض زور پکڑ کر آخر کار دم توڑ چکا تھا کیوں کہ دُھندلائی ہوئی روشنی میں نیچے جھک کر جب ہم نے کاروں کے دروازوں پر طبع آزمائی شروع کی تو جو تیسری کار کا دروازہ غیر مقفل مل گیا اور ہم دونوں اطمینان سے اس میں داخل ہو گئے۔

اگنیشن میں چابی بھی موجود تھی۔ میری دانست میں اس کا تعلق کسی مقامی رواج سے نہیں تھا بلکہ وہ قدرت کی طرف سے ہم دونوں کے لیے ایک انعام تھا۔ اگلے ہی لمحے جاپانی ساخت کی ایک سیاہ ٹویوٹا کرالا کا انجن اسٹارٹ ہوا اور میں نے کار ریورس میں قطار سے باہر نکال لی اور جب ہم نکاسی کے راستے کی طرف روانہ ہوئے تو نگراں نے دور ہی سے ہیڈ لیمپس کی روشنی دیکھ کر رکاوٹ والی زنجیر ڈال دی

بات پھر وہیں آ گئی کہ لیون میرے لیے ایک اجنبی شہر تھا جس کے راستوں سے میں بالکل لاعلم تھا جب کہ ہم زیادہ دیر تک شہر میں بھٹکنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے اس لیے میں نے ذرا بھی توقف کیے بغیر کار داہنی طرف موڑ دی۔ مجھے اتنا یاد تھا کہ میں کچھ دیر قبل اسی طرف سے ہوٹل واپس آیا تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم ہوٹل سے خیریت کے ساتھ نکل آئے شاید ابھی

تک پولیس کی نفری وہاں نہیں پہنچی ورنہ بھاگ دوڑ کے کچھ آثار ضرور نظر آتے۔" سلطان شاہ بولا۔

"پولیس آچکی ہوگی۔" میں نے پُریقین لہجے میں کہا۔ "جب تک وہ بند دروازہ توڑ کر اندر داخل نہیں ہوں گے انھیں اصل صورتِ حال کا اندازہ ہی نہیں ہوسکے گا۔"

"اب پولیس جانے اور ہوٹل کی انتظامیہ جانے لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں؟"

"سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے خود کچھ علم نہیں۔" میں نے اپنی پشت سے رقم کا تھیلا الگ کرتے ہوئے کہا کیوں کہ وہ میرے لیے ڈرائیونگ میں رکاوٹ کا سبب بن رہا تھا۔ "میری کوشش یہ ہے کہ ہم کسی بس اسٹینڈ کی طرف جا نکلیں تو اس کار سے گلوخلاصی ہوجائے گی۔ بس کے ذریعے سفر کرنے میں ہم راستوں کی فکر سے بھی بچ جائیں گے۔"

"ایلی نور زندہ ہوتی تو اس وقت ہم اسی کار سے فرار ہوسکتے تھے۔" سلطان شاہ نے میری پشت سے رقم کا تھیلا لیتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

ایلی نور کا نام آتے ہی میں اداس ہوگیا۔ اس کا کردار بُرا بھلا جیسا بھی رہا ہو، وہ ایک مخلص لڑکی تھی اور گن پوائنٹ پر مجھ سے پہلی ملاقات کے بعد سے اس کے رویّے میں ایک قابلِ احترام تسلسل پایا جاتا تھا۔ میں اس سے شی کے ایک آئی مین کی حیثیت سے متعارف ہوا تھا لیکن بعد میں ڈبنی کی حیثیت کا اعتراف کر لینے کے بعد بھی میں اس کے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی محسوس نہ کرسکا۔ وہ ہر مرحلے پر دل و جان کی گہرائیوں سے ہمارا ساتھ دیتی رہی اور آخر کار تعاون کے اسی جذبے کی بھینٹ چڑھ گئی لیکن اس کی موت رائیگاں نہیں گئی تھی۔ اس نے اپنے آخری سانسوں سے مجھ کو ایک نئی زندگی عطا کی تھی ورنہ اس وقت میں لیون کی سڑکوں پر سفر کرنے کے بجائے کسی حوالات کی آہنی سلاخوں کے پیچھے قید ہوتا اور لوسیلا اپنے آقا سے اپنی کارکردگی کا خراج وصول کر رہی ہوتی۔

ابھی ہم اس سڑک پر کچھ ہی دور گئے تھے کہ اچانک مخالف سمت سے پولیس کی دو گاڑیاں سائرن بجاتی ہوئی برق رفتاری کے ساتھ نمودار ہوئیں اور آناً فاناً میں ہمارے قریب سے گزر کر ہوٹل کی طرف چلی گئیں۔

"شاید انھیں اصل صورتِ حال کا علم ہوگیا ہے۔" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔

"ان سے زیادہ مجھے اب اپنی فکر لاحق ہو رہی ہے۔" میں نے عقب نما آئینے میں پیچھے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "پتا نہیں کہ ہمیں لیون سے نکلنا نصیب بھی ہوتا ہے یا نہیں۔"

"کیا بات ہے؟ تم ایک دم ہی مایوس نظر آنے لگے ہو؟" سلطان شاہ نے چونک کر سوال کیا۔

"تم ڈرائیونگ سیٹ پر ہوتے تو تمھارا ردِ عمل بھی مختلف نہ ہوتا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ہوٹل سے نکلنے کے چند ثانیوں بعد ہی ایک کار ہمارے پیچھے لگ گئی تھی جو کسی بھی قیمت پر آگے نکلنے کے لیے تیار نہیں ہے بس اسی کی طرف سے فکر لاحق ہو رہی ہے۔"

سلطان شاہ نے مڑ کر پیچھے کا جائزہ لیا پھر بولا۔ "یہ شی والے تو ہرگز نہیں ہوسکتے۔"

"کیا ان کے ہیڈ لیمپس سے ہی اندازہ لگا لیا تم نے؟" میں نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "ایسے مواقع پر شتر مرغ کی طرح خوش فہمی میں مبتلا ہونا بہت نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔"

"وہ لوگ لیون میں پچھلے چند گھنٹوں میں پے در پے تین بار زک اٹھا چکے ہیں۔ تمھیں گھیرنے کے چکر میں لوسیلا ماری گئی، ایلی نور کے اغوا کی کوشش ناکام ہوئی اور اب ہم ان کی ساری پیش بندیوں کے باوجود اپنے ہوٹل سے نکل بھاگے ہیں۔ وہ جارحانہ مزاج کے قاتلوں اور مجرموں کا ٹولہ ہے اس وقت وہ سخت اشتعال کے عالم میں ہوں گے۔ ان سے میں یہ امید نہیں رکھ سکتا کہ وہ ٹھنڈے ماتھے سے ہمارا تعاقب کرتے رہیں گے۔ وہ ہوتے تو اب تک ہمارا راستہ روک کر چاند ماری کا آغاز کرچکے ہوتے بلکہ ہمیں ہوٹل سے زیادہ دور بھی نہ نکلنے دیتے۔"

عملی لحاظ سے اس کی بات میں وزن تھا لیکن اپنی تمام تر آتش مزاجی کے باوجود وہ لوگ احکام کے پابند تھے۔ اگر انھیں صرف تعاقب کا حکم دیا گیا تھا تو وہ اپنے اشتعال کو فراموش کرکے ہمارا پیچھا کرنے پر مجبور تھے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اس طرح وہ لوگ ہماری نئی منزل کا سراغ لگا کر ہمارے مقامی مددگاروں تک رسائی حاصل کرنے کی فکر میں ہوں۔ ان کا مدعا کچھ بھی رہا ہو، یہ بات طے تھی کہ انھوں نے چھپ کر تعاقب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ آغاز ہی سے ہمیں یہ احساس دلا دیا تھا کہ ہم کسی کی نظروں میں آچکے ہیں۔

مجھے یہ خیال بھی آیا کہ کہیں وہ سادہ پوش پولیس والوں کی کوئی جماعت نہ ہو جسے ہوٹل سے نکلنے والوں کی نگرانی پر مامور کیا گیا ہو۔ لیکن یہ نظریہ بالکل ہی بے وزن تھا۔ اگر وہ اسی طرح ہر کار کا تعاقب کرتے تو ہوٹل پر سیکڑوں کی نفری بھی کم پڑ سکتی تھی۔ اگر وہ پولیس والے ہوتے تو اس امر کے مجاز تھے کہ ہوٹل سے نکلتے ہوئے ہمیں روک کر چیکنگ کرتے۔ انھیں چوروں کی طرح ہمارا پیچھا کرنے کی بظاہر کوئی مجبوری لاحق نہیں تھی۔

اچانک انھوں نے ایک نئی حرکت کی اور پیچھے سے تین بار ڈپر مارے۔ تیسری بار ان کے ہیڈ لیمپس کی روشنی تیز ہوکر مدھم ہوتے ہی ان کی رفتار بڑھی اور وہ گاڑی یک بیک ہمارے بہت قریب آپہنچی۔

"یہاں سڑک خالی پڑی ہے۔ وہ شرارت پر آمادہ نظر آتے ہیں۔" سلطان شاہ نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

وہ آگے نکلنے کے بجائے عقب سے اتنے قریب آکر وہ حماقت کر رہے ہیں۔" میں نے اُلجھن محسوس کرتے ہوئے جواب دیا۔ "شرارت کرنا ہوتی تو وہ ہمارا پچھلا ٹائر ناکارہ کر چکے ہوتے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ غیر مسلح ہوں۔" سلطان شاہ کے منہ سے نکلا۔

"ہمارے ہوٹل میں ریوڑیاں نہیں بٹ رہی تھیں... اگر وہ شرارت پر آمادہ ہیں تو مسلح ضرور ہوں گے۔"

اچانک ایک بار پھر پچھلی کار کا فاصلہ بڑھنے لگا اور انھوں نے دوبارہ تین ڈپر دینے کے بعد رفتار بڑھائی اور ہماری کار سے بمشکل چند گز دور رہتے ہوئے بار بار ڈپر دینے شروع کر دیئے۔

معاً مجھے خیال آیا کہ وہ بدخواہ ہوتے تو اب تک نہ جانے کیا کچھ کر گزرے ہوتے۔ ان کی تمام حرکتوں میں قدرے دوستانہ انداز نمایاں تھا اور وہ شاید ہمیں رُکنے کا اشارہ دے رہے تھے۔

"تم رُک کر حماقت کرو گے۔" سلطان شاہ میری بات سنتے ہی بولا۔ "روکنا چاہتے تو وہ آگے آکر بڑی آسانی سے ہمارا راستہ مسدود کر سکتے تھے، اس آنکھ مچولی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔"

"انہیں ہم سے خطرہ ہے، آگے نکلنے کی کوشش میں وہ ہمارے ہتھیاروں کا نشانہ بن سکتے ہیں۔ وہ ہماری ذہنی اور اعصابی کیفیت سے پوری طرح باخبر ہیں اس لیے ہم سے دور رہ کر اپنے دوستانہ جذبات کا یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ رُک کر ہم خسارے میں نہیں رہیں گے..."

ڈیش بورڈ کی روشنیوں کے انعکاس میں اس کے چہرے پہ گہری تشویش کے آثار نظر آئے لیکن اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا اور میں نے رفتار کم کرتے ہوئے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔ پیچھے لگی ہوئی گاڑی بھی اسی انداز میں ہم سے چند گز دور رُک گئی۔

"میں ویرا ہوں۔" انجن کی آواز معدوم ہوتے ہی پچھلی کار سے بلند آہنگ آواز آئی اور میں دیوانہ وار اسٹیئرنگ چھوڑ کر نیچے اُتر گیا۔ دوسری کار کی ڈرائیونگ سیٹ سے ویرا اُتری اور پھر والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گئی۔ سلطان شاہ ہم سے چند قدم دور سر جھکائے بُرے بُرے منہ بنا رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم نے عقل سے کام لیا۔" وہ مجھ سے الگ ہوتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "میں ڈر رہی تھی کہ کہیں تم مرنے مارنے پہ نہ تُل جاؤ... یہ کار تو شاید چوری کی ہو گی۔"

"ظاہر ہے... یہ بتاؤ کہ تم اچانک ہم تک کیسے پہنچ گئیں؟" ان سنگین لمحات میں ویرا کو اپنے رُوبرو دیکھ کر مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ چیتھام میں اسٹیوارٹ سلائٹ کے حوالے کرنے کے بعد ہم سے اس کا رابطہ مفقود تھا اور اب وہ اچانک ہی لیون کی اس شاہراہ پہ ہم سے آملی تھی۔

"جلدی سے میری گاڑی میں آجاؤ۔" وہ اپنے گلے سے جھولتی ہوئی دوربین سے کھیلتے ہوئے بولی۔ "راستے میں باتیں ہوتی رہیں گی۔ مجھے ڈر تھا کہ آج رات تم ہوٹل سے نہیں نکل سکو گے لیکن تم دونوں نے واقعی کمال کر دکھایا ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ تم پائپ سے نیچے اُترو گے لیکن تم نے مشکل مگر محفوظ راستہ اپنایا تھا۔"

اس کی زبان سے وہ تفصیل سن کر میں حیران رہ گیا، ویسے تو حیران کن بات یہ بھی تھی کہ اس کے جسم پہ پوری فوجی وردی موجود تھی جس میں وہ بہت شاندار لگ رہی تھی لیکن اس سے اس بارے میں کوئی بات کیے بغیر ہم دونوں اس کی کار میں سوار ہو گئے اور سیاہ ٹویوٹا کراؤن کو وہیں لاوارث چھوڑ کر ہمارا کارواں آگے بڑھ گیا۔

"برلیسٹ کے بحری اڈے کی تباہی کی خبر سے مجھے تمھارا پہلا سراغ ملا تھا۔" چند ثانیوں کے خوش گوار سکوت کے بعد وہ بولی۔ "لندن میں شی کے قریبی حلقوں میں یہ خبر عام تھی کہ فرنچ گن بوٹ کے عملے نے روزالی نامی جہاز سے کھلے سمندر میں چند قیدی پکڑے تھے جنھوں نے کسی طرح گن بوٹ پر قبضہ کر کے برلیسٹ کے بیس اسٹیشن کو تباہ کر دیا اور خود گن بوٹ سمیت گہرے پانیوں کی طرف فرار ہو گئے۔ اس سنگین حادثے پر شی میں ریڈ الرٹ کے احکام جاری کر دیئے گئے۔ روزالی کا نام آنے کی وجہ سے میرا ذہن لامحالہ تمھاری طرف گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اب تمھارے خلاف ساری مہم فرانس میں بل ایتھی کی نگرانی میں زور پکڑے گی۔ اس لیے میں فوری طور پہ پیرس پہنچ گئی۔ لیکن میرے وہاں پہنچنے سے قبل ہی بل ایتھی کے آدمیوں سے تمھارے تصادم کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسی اثنا میں گن بوٹ کا سراغ مل گیا جو شاید تم نے ابوالبحر والوں کے ہاتھ پرل بیچ پر فروخت کر دی تھی۔ شی والوں نے گن بوٹ پر دوبارہ قبضہ کرنا چاہا لیکن کھلے سمندر میں ایک خونریز تصادم کے بعد ابوالبحر والوں نے خود ہی اس نادر الوجود جنگی کشتی کو غرقاب کر دیا۔ ابوالبحر والوں کے ساتھ تمھارے سودے کی تصدیق گن بوٹ کے اس عملے نے کی تھی جو پیرس پہنچنے پر پکڑا گیا تھا لیکن بل ایتھی نے مجھے اُن میں سے کسی کے قریب نہ جانے دیا۔ بڑی جدوجہد کے بعد جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم پیرس کے پارک ہوٹل میں مقیم ہو تو میں وہاں پہنچی لیکن تم اس سے پہلے ہی وہاں سے نکل گئے تھے۔ بعد میں ہوٹل کی نگرانی کرنے والے کی لاش نے یہ ثابت کر دیا کہ تم روپوش ضرور تھے مگر پیرس میں ہی مقیم تھے۔"

وہ گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں اپنی معلومات کا خلاصہ دُہرا رہی تھی اور میں حیرت سے اس کی کہانی سُن رہا تھا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس نے ہمیں سمندر میں ہانکنے کے بعد ہمارے بارے میں اس حد تک باخبر رہنے کی کوشش کی ہو گی لیکن اس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ اس کی صداقت کا آئینہ دار تھا۔

"کل رات گئے تم نے پیرس میں جو ہولناک کھیل شروع کیا، وہ اب تک ایک ڈراؤنے خواب کی طرح شی والوں کے اعصاب پہ سوار ہے۔" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "پارک ہوٹل کی نگرانی کرنے والے ٹیکسی ڈرائیور کی لاش کے بعد فلیٹ سے تین لاشیں ملیں، تین پولیس

افسر مارے گئے اور بل ایتھی بھی بے رحمی کے ساتھ مار ڈالا گیا۔ تم یقین کرو کہ اب شی پر تمہارے نام کی وحشت بیٹھ گئی ہے۔ ریلوے اسٹیشن کی پارکنگ لاٹ سے بل ایتھی کی لینڈ روور دریافت ہونے پر لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ اس قدر سنگین تصادم کے بعد تم پیرس سے دور نکلنے کے بجائے دوبارہ شہر میں داخل ہوئے تھے۔ ٹرین کے ذریعے تمہارے فرار کی خبر پاتے ہی جمی لائیڈ نے شی کے بڑوں کو بتا دیا تھا کہ تمہاری اگلی منزل لیون ہوگی کیونکہ ایلی نور تمہارے ساتھ تھی اور وہ اسی علاقے کی رہنے والی تھی۔ ان اطلاعات کے بعد میں جہاز سے لیون آگئی۔ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ تمہیں اپنے جنون سے باز رکھ سکوں۔ اس وقت شی کے کتے تمہارے لہو کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ پچھلے تین دن سے ساری کاروباری مصروفیات ترک کرکے ہر شخص تمہیں تلاش کرتا پھر رہا ہے اور تم اُن کے مقابلے میں بالکل تنہا ہو۔ تمہارا ذہن اور اعصاب تھک سکتے ہیں اور اپنی کسی غلطی کے نتیجے میں تم بے موت مارے جاؤ گے۔"

"تو تم چاہتی ہو کہ میں ہاتھ پیر چھوڑ کر کسی ڈربے میں محبوس ہو جاؤں۔ تاکہ تمہارے چہیتے جب چاہیں میرے گلے میں رسّی کا پھندا ڈال کر مجھے لے جائیں۔" میں نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔" وہ پُرزور لہجے میں بولی "تمہیں مسلسل بھاگتے بھاگتے کافی مدت گزر گئی ہے اور تمہیں آرام کی ضرورت ہے میرا مشورہ ہے کہ تم دو تین ہفتوں کے لیے اپنی تمام تر سرگرمیوں کو خیرباد کہہ کر سوئٹزرلینڈ چلے جاؤ اور وہاں آرام کرو۔ سرحد میں عبور کرا دوں گی، میرے کچھ دوست بھی ہیں جو وہاں تمہاری خبرگیری کریں گے۔"

"یہ باتیں بعد میں بھی سوچی جا سکتی ہیں تم نے یہ نہیں بتایا کہ ہم تک رسائی کیسے حاصل ہوئی؟" میں نے پُرتجسس لہجے میں اس سے دریافت کیا۔

"میں یہاں آئی تو ہر طرف سناٹا تھا البتہ شی والوں کو تمہاری طرف سے چوکنا کر دیا گیا تھا پھر شام ڈھلے اچانک خبر آئی کہ کافی ہاؤس کے سامنے ایلی نور ماری گئی ہے میں فوراً جائے واردات پر پہنچی جہاں کافی ہاؤس میں لوسیلا نامی ایک لڑکی کی لاش بھی دریافت ہوئی تھی پھر میرے ہی سامنے پولیس حکام نے ایلی نور کی جامہ تلاشی لے کر اس کے ہوٹل کا پتا برآمد کیا۔ اور فوری کارروائی کا فیصلہ کر لیا۔ اس مرحلے پر تمہیں فون کرنا خطرناک ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے ہوٹل پہنچ کر تمہارے کمرے کا محل وقوع دیکھا اور پچھلی سمت سے دوربین کی مدد سے جائزہ لیا تو تم دونوں بندروں کی طرح دیوار سے لپٹے اوپر جا رہے تھے۔ تم دونوں کے غائب ہوتے ہی میں ایک طویل چکر کاٹ کر ہوٹل کے سامنے آئی مجھے اندازہ تھا کہ اب تم کوئی کار چُراؤ گے لیکن مجھے چند نشانیوں کی تاخیر ہو گئی۔ میں پہنچی تو تم پارکنگ لاٹ سے وہ سیاہ کار باہر سڑک پر نکال رہے تھے لہٰذا میں تمہیں چھیڑے بغیر تمہارے پیچھے ہو لی کیونکہ اس وقت تک ہوٹل پر پولیس دھاوا بول چکی تھی۔"

"قسمت کی بات ہے کہ تم یوں اچانک ہم سے ٹکرا گئیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ورنہ ہمیں تو فکر تھی کہ اس اجنبی شہر سے نکلنے کے لیے کون سا راستہ اختیار کریں۔"

"یہ بتاؤ کہ ایلی نور وہاں کس کے ساتھ تھی؟"

"میرے ہی ساتھ گئی تھی اور باہر میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ دراصل وہ شی کے لیے کام کرنے سے پہلے جمی لائیڈ کی کنگ لائنز میں ملازمت کرتی رہی تھی اور اسی کے مشورے پر میں کافی ہاؤس میں جمی لائیڈ کی سیکرٹری سے ملنے گیا تھا جسے میرے بارے میں پہلے سے ہدایات مل چکی تھیں اور وہ مجھے پولیس کے حوالے کرنے پر تُلی ہوئی تھی۔ ایلی نور کے دیدہ دلیرانہ قتل پر کافی ہاؤس میں بھگدڑ مچی تو میں بمشکل اُسے ٹھکانے لگا کر وہاں سے زندہ نکل سکا ورنہ اس وقت کسی حوالات کی ہوا کھا رہا ہوتا۔"

"تمہیں یہ گن کہاں سے ملی؟" اس کا لہجہ تجسّس آمیز تھا۔ "یہ ہتھیار تو ابھی تک مجھے بھی نہیں دیا گیا۔"

"گن بوٹ کے کپتان سے حاصل کی تھی۔۔۔۔ جیتھام سے لیون تک کی اس طویل بھاگ دوڑ کے نتیجے میں یہ بات اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ کنگ لائنز کا مالک اور شی کا سربراہ ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں۔" میں نے کہا۔ "اور اب جمی لائیڈ کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے ہمیں براہِ راست کنگ لائنز کو نشانہ بنانا پڑے گا۔"

"لیکن کچھ آرام کے بعد۔" ویرا نے لقمہ دیا۔

"آرام بھی کر لیا جائے گا لیکن یہ تو بتاؤ کہ تمہارے بدن پر یہ فوجی وردی کیسی نظر آ رہی ہے؟"

"نیم فوجی کہہ سکتے ہو۔ فرانس کی اینٹی نارکوٹکس رینجرز فورس میں میں اعزازی میجر کے عہدے پر فائز ہوں۔ اس وردی کی وجہ سے مجھے بہت سے قانونی اختیارات اور رعایتیں مل جاتی ہیں۔ اسی وردی کی وجہ سے میں بروقت تم سے آملی ہوں ورنہ عام لوگوں کو تو پولیس والوں نے ایلی نور کی لاش کے قریب تک نہیں جانے دیا تھا جبکہ میں کارڈ برآمد ہونے تک تفتیش میں پوری طرح شامل تھی۔ میں محض اپنا شناختی کارڈ دکھا کر یورپ کے کسی بھی ملک میں داخل ہو سکتی ہوں۔ یہ شی کے رسوخ کا ایک ادنیٰ کمال ہے۔"

"اس وردی میں نام کیا ہوتا ہے تمہارا؟" میں نے اُسے چھیڑنے والے لہجے میں سوال کیا۔

"میجر دیبرا لائیڈ۔" وہ فخریہ لہجے میں بولی۔ "میں تمہاری طرح نام بدلنے کی عادی نہیں ہوں!" پھر چونک کر بولی "ارے ہاں، روزنالی کا کیا انجام ہوا تھا؟ بے چارا سلائٹ آج تک اُس کی طرف سے فکرمند ہے کہ اُسے کیا حادثہ پیش آیا تھا؟"

"تو اُسے حادثے کی خبر مل گئی تھی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ بولی۔ "کئی روز بعد روزنالی کے عملے کی پھولی ہوئی لاشیں ساحل سے لگیں تو اندازہ لگایا گیا کہ وہ بدنصیب جہاز کسی حادثے کا شکار ہو گیا ہوگا۔"

"گن بوٹ والوں نے اُسے ریموٹ کنٹرولڈ ڈائنا مائیٹ چارج سے اڑایا تھا۔" میں نے قیامت کے اُن لمحات کا تصور کرتے ہوئے کہا۔ "اس طرح وہ کھلے سمندروں میں اپنی مَن مانی کارروائیوں کی پردہ پوشی برقرار رکھنا چاہ رہے تھے۔"

"پھر تم نے اُن سب کو کیسے رام کر لیا؟ سُنا ہے کہ گن بوٹ کئی دن تمھارے چارج میں رہی ہے؟"

"سلور آئی۔" میں نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "تمھیں یاد ہے کہ میں نے ڈیلٹا کیمپ سے روانہ ہوتے ہی وہ جادوئی سکہ تم سے کسی بُرے وقت کے لیے لے لیا تھا۔ قید ہونے کے بعد وہی میرے کام آیا اور میں بلا مزاحمت اُن کا آئی مین بن بیٹھا۔"

"کمال ہے کہ اس کا ذکر کہیں سننے میں نہیں آیا!" وہ حیرت سے بولی۔

"شاید اب بات پھیل جائے کیونکہ بل ایتھی مارا جا چکا ہے۔ دراصل گن بوٹ کا سارا عملہ اس کی نجی قید میں تھا اور وہی اصل واقعات سے واقف تھا۔ وہ خود بھی آئی مین تھا اس لیے ایک سکے کی چوری کے راز سے واقف تھا۔ اُس نے دوسروں کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔"

"بل ایتھی کے قتل کے بعد اب تمھارے پاس دو سکے ہو گئے ہوں گے؟" وہ پُر اشتیاق لہجے میں بولی۔

"اُمید یہی تھی لیکن بل ایتھی کو اپنے اثر و رسوخ پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ سلور آئی اپنے ساتھ نہیں رکھتا تھا۔ مرنے کے بعد اس کی جامہ تلاشی میں بھی سلور آئی نہ مل سکی۔ ویسے وہ مردود بھی حقیقی معنوں میں ایلی نور کا ہی شکار ہوا تھا۔ میں نے تو بس اس کی رسمی کارروائیوں کو پورا کیا تھا۔" ویرا کے استفسار پر میں اُسے بل ایتھی کے جہنّم واصل ہونے کا قصّہ سنانے لگا۔

ویرا سے ہماری وہ ملاقات ایک طویل وقفے کے بعد ہوئی تھی اور اس دوران میں نہایت تیز رفتاری کے ساتھ متعدد ایسے اہم واقعات رونما ہو چکے تھے جن کی تفصیلات جاننے کے لیے وہ بہت زیادہ مضطرب تھی اس لیے ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ کرید کرید کر مجھ سے سوالات کرتی رہی اور میں اُسے گزرے ہوئے واقعات سے آگاہ کرتا رہا۔

"ہم جا کدھر رہے ہیں؟" ہماری گفتگو میں وقفہ آتے ہی سلطان شاہ اپنی طویل خاموشی سے اُکتا کر آخرکار بول ہی پڑا کیونکہ اس وقت تک کار ریون کی روشن سڑکوں کو پیچھے چھوڑ کر ایک ویران اور تاریک شاہراہ پر کافی دُور آ چکی تھی۔

"ارادہ مونٹ بلانک کے سرحدی علاقے کا تھا جو یہاں سے مشرق میں سوئس سرحد پر ایک گھنٹے کی مسافت پر ہے لیکن اب اسے ملتوی کر کے ہم جنوب میں مارسیلز کی بندرگاہ کی طرف جا رہے ہیں۔" ویرا نے کہا۔

"وقت کی بات کرو۔ اگر سفر طویل ہے تو میں اسی سیٹ پر سو لوں۔" ہماری مسلسل گفتگو سے سلطان شاہ اکتاہٹ کا شکار ہونے لگا تھا ورنہ وہ اس کے سونے کا وقت نہیں تھا۔

"ہمیں تین چار گھنٹے بھی لگ سکتے ہیں، تم چاہو تو اطمینان سے سو سکتے ہو۔" ویرا نے اُسے جواب دیا اور پھر مجھ سے مخاطب ہو گئی۔ یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میرے ساتھ پیش آنے والے ہر واقعے کی جزئیات جاننا چاہتی ہو۔

"ابھی تک تو تمھاری ہی جرح چل رہی ہے اب کچھ میرے بھی سوال ہیں۔" میں نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم کیا پوچھو گے۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولی۔ "میں اُس گھڑی کو کوستی ہوں جب میں نے غزالہ کو کراچی سے لندن بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ابھی تک میرے ہاتھ نہیں آسکی، لیکن اس کا موہوم سا بالواسطہ سُراغ ضرور ملا ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے اشتیاق اور اضطرار کے عالم میں سوال کیا۔

"لندن، اس کے مضافات اور لیک ڈسٹرکٹ میں منشیات کا کاروبار کرنے والے آج کل بہت زیادہ ہراساں ہیں کیونکہ ایک عورت نے اُن کے اڈوں پر تباہی نازل کی ہوئی ہے۔ شاید غزالہ نے تمھارے مشن کو عملی طور پر اپنا لیا ہے۔ شی کے تین آدمی بھی اُس کا نشانہ بنے ہیں، وہ سیاہ نقاب میں نمودار ہوتی ہے، خود کو بلیک کوئین کہتی ہے اور تباہی مچا کر کسی نقصان سے دوچار ہوئے بغیر چھلاوے کی طرح غائب ہو جاتی ہے۔"

"شاید یہ کہانی تم نے مجھے دلاسا دینے کے لیے تراشی ہے۔" میں نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "یہ مار دھاڑ غزالہ جیسی نازک اندام دس بار مر کر بھی نہ کر سکے گی۔ وہ اپنا دفاع کرتی رہے تو اسی کو اس کی بڑی کامیابی سمجھوں گا۔"

"یہ میرا ایک موہوم سا خیال ہے۔ یہ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ جن لوگوں کا اس سے براہِ راست سامنا ہوا ہے، اُن کا خیال ہے کہ وہ سیاہ فام نسل کی کوئی باغی لڑکی ہے جس کا لب و لہجہ بہت زیادہ تند ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے لیے میں کیا کروں، اسے کہاں تلاش کروں؟" میں نے بے بسی اور مایوسی کے ساتھ کہا۔

"تم یقین کرو کہ میرے بہتیرے آدمی شب و روز اُس کی تلاش میں مصروف ہیں شی میں اپنے اختیارات سنبھال ہونے کے بعد میں نے تنظیم کے کئی آدمیوں کو بھی اس کام میں لگا دیا ہے لیکن نتیجہ حاصل کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"میرے نزدیک اہمیت صرف نتیجے کی ہوتی ہے... میں

چیتھام سے پیرس پھر وہاں سے لیون آیا۔ کچھ کشت و خون ہوا اور اب میں بحفاظت باہر نکل آیا ہوں لیکن میری نگاہوں میں یہ ساری بھاگ دوڑ اور خون ریزی رائیگاں گئی کیونکہ اس دوران میں میں جمی لائیڈ کو براہِ راست کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔"

"اس خیال میں نہ رہنا کہ تم لیون سے بحفاظت نکل آئے ہو، یہاں پولیس کے مواصلاتی ذرائع قابلِ رشک حد تک ترقی یافتہ ہیں کچھ پتا نہیں کہ کہاں چیکنگ کا سامنا کرنا پڑ جائے۔" میری دانست میں اُس نے نہایت خوب صورتی کے ساتھ موضوع تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی جسے میں نے دانستہ کامیاب ہونے دیا۔

"چیکنگ کے وقت تمھاری وردی کس کام آئے گی؟"

"وردی تو ضرور کام آئے گی لیکن میں بیم گن اور ایکسپلوڈر جیسے اسلحے کی موجودگی کا کوئی جواب نہیں دے سکوں گی۔ کسی سے سامنا ہو گیا تو کوشش کرنا ہو گی کہ تلاشی کے بغیر گلو خلاصی ہو جائے۔ ویسے سلطان کے تھیلے میں کیا ہے؟"

"گن بوٹ۔" میں نے بے ساختہ کہا اور وہ چونک پڑی جس پر میں نے ہنستے ہوئے اپنی بات کی وضاحت کی۔ "گن بوٹ ہم نے دستاویزات کے بغیر محض قبضے کی بنیاد پر فروخت کی تھی، اس تھیلے میں بچی ہوئی وہی رقم موجود ہے جو لاکھوں ڈالرز پر مشتمل ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس پوری مشق میں جمی لائیڈ کو ہم سے بس یہی ایک زک پہنچی ہے۔"

"زک تو تم اُسے بار بار دیتے رہے ہو۔ لیون کے ہوٹل سے تمھارے یوں فرار ہونے پر بھی وہ اپنے بال نوچتا رہ گیا ہو گا۔ ہر اَنا پرست کی طرح وہ بھی ہر بات کو ذاتی سطح پر لیتا ہے۔ اسے تم اُس کی تنگ نظری بھی کہہ سکتے ہو۔"

"یہ نقصانات تو شی کے لامحدود اثاثوں کے مقابلے میں کوئی بھی وقعت نہیں رکھتے۔ تم تصوّر نہیں کر سکتیں کہ کراچی میں شی نے مجھے کیسے کیسے چرکے لگائے ہیں۔ میری فیکٹری کو آگ لگوا دی گئی، عالی شان مکان تباہ کر دیا گیا۔ ان لوگوں نے مجھے کوڑی کوڑی کا محتاج بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

"اتنا اختیار تو مجھے بھی ہے۔ تم پاکستان پہنچ گئے تو میں شی کے وسائل سے ہی تمھارے سارے نقصانات کا ازالہ کر دوں گی۔ تمھیں اس پر ملال نہیں کرنا چاہیے۔"

"تم مجھے اور میرے مشن کو بددعا دے رہی ہو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا اور اس کے استفسار پر بولا۔ "میں اپنے ملک سے شی کی تباہی کے مشن پر نکلا ہوں اور تم یہ سوچ رہی ہو کہ میری واپسی پر شی کے دھندے اسی طرح چلتے رہیں گے۔"

"سچ پوچھو تو مجھے نہ تمھارے مشن سے دلچسپی ہے نہ شی کے مفادات سے۔" وہ دو ٹوک انداز میں بولی۔ "میں تو صرف اپنے باپ تک رسائی کی خواہاں ہوں تاکہ اس کا گریبان تھام کر اس سے سوال کر سکوں کہ اس میں اور ایک گندے سؤر میں کیا فرق ہے جو دن میں دس نئی ماداؤں کے پاس جاتا ہے لیکن اپنی اولاد کو کبھی نہیں اپناتا۔"

"صرف اس لیے پریشان ہو رہی ہو تو اس کا جواب مجھ سے سن لو۔ وہ مان لے گا کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں اور تم اپنے ہونٹ چاٹتی رہ جاؤ گی۔"

"ایسا ہوا تو تم لکھ کر رکھ لو کہ وہ میرے ہی ہاتھوں مارا جائے گا اور پھر شی واقعی شی بن جائے گی کیوں کہ اسے میں چلاؤں گی اور اپنی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو بے رحمی سے قلم کر دوں گی تاکہ دوسرے اس سے عبرت حاصل کر سکیں۔"

اس لمحے اچانک ہی مجھے ایک روح فرسا خیال آ گیا جو ویرا سے ملاقات کی خوشی میں اس وقت تک مجھے نہیں سوجھا تھا۔ "تم بتا رہی تھیں کہ اسی وردی میں تم ایلی نور کی لاش کے آس پاس موجود تھیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ شی والے لیون میں تمھاری موجودگی سے اچھی طرح نہ صرف واقف ہیں بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ تم ریزرو فورس کی وردی استعمال کر رہی ہو۔"

"ٹھیک ہے لیکن تم کیا کہنا چاہ رہے ہو، ذرا کھل کر بات کرو۔"

"بات بالکل کھلی کھلی اور سامنے کی ہے۔ جمی لائیڈ ہمارے ساتھ تمھاری ہمدردیوں سے بڑی حد تک واقف ہے بلکہ شاید مجھے تمھارا عاشق سمجھتا ہے۔ ہوٹل سے ہمارے غائب ہونے کے بعد جب لیون میں تمھارا سراغ نہیں ملے گا تو وہ واقعات کی کڑیاں ملا لے گا۔ یہ سمجھ لو کہ ہزاروں عورتوں کی بھیڑ میں تم جیسی باوردی عورت الگ پہچان لی جائے گی اور تمھاری وجہ سے ہم بھی بے موت مارے جائیں گے۔ تمھاری یہ طرح دار یونیفارم ہمارے لیے جال ثابت ہو سکتی ہے۔"

"تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ جمی لائیڈ لیون کے اطراف میں اپنے لوگوں کو میجر ویرا لائیڈ کے پیچھے لگا دے گا؟"

"نہیں، بلکہ یہ کہے گا کہ میجر ویرا لائیڈ کے دونوں ساتھیوں کو پکڑ لیا جائے اور میجر کی ایک نہ سنی جائے۔"

"تو تمھارا خیال ہے کہ میں یہ وردی اُتار دوں۔ واقعی عجیب سچویشن پیدا ہو گئی ہے۔ قانون کے محافظوں کو چکما دینے کے لیے وردی ضروری ہے اور انہوں سے بچنے کے لیے وردی اُتارنا پڑ رہی ہے۔ میرے پاس تو کوئی دوسرے کپڑے بھی نہیں ہیں جو وردی کی جگہ پہن سکوں۔ اس اہم نکتے کو میں بھی ابھی تک بھولی ہوئی تھی۔"

"اب یہی ہو سکتا ہے کہ تم ٹوپی اور سارے شناختی نشانات اُتار کر اپنا کوٹ سلطان شاہ سے بدل لو۔ پولیس والوں سے سامنا ہوا تو تم اپنا شناختی کارڈ استعمال کر سکو گی۔"

ویرا نے سختی سے بریک لگاتے ہوئے کار سڑک کے کنارے روک دی۔ سلطان شاہ بیدار تھا لہٰذا ناچار اس کو اپنا کوٹ بدن سے اتارنا پڑ گیا۔ "چاہو تو پتلون ڈینی سے بدل لو، تم دونوں کے سائز خاصے ملتے جلتے ہیں۔" اس نے اپنا کوٹ ویرا کی گود میں اُچھالتے ہوئے نداسی آواز میں کہا۔

"یہ تو خاصا بولنے لگا ہے۔" ویرا نے اپنا کوٹ اُتار کر سلطان شاہ کا کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں کی آب و ہوا راس آگئی ہے۔"

خلاف توقع سلطان شاہ کچھ نہ بولا۔ اس نے سیٹ پر دراز ہو کر ویرا کا گرم کوٹ کمبل کی طرح اپنے بدن پر ڈال لیا تھا۔

اس مختصر سے وقفے کے بعد سفر دوبارہ شروع ہوا تو ماحول کافی بوجھل ہو چکا تھا۔ سلطان خاموشی کے ساتھ سونے کی ناکام کوششوں میں مصروف تھا اور ہم دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ وقت گزاری کے لیے میں نے سگریٹ سلگائی تو وہ ویرا نے مانگ لی اور میں نئی سگریٹ سلگانے کے بجائے کسلمندانہ انداز میں پشت گاہ سے سر ٹکا کر اونگھنے لگا اور پھر رفتہ رفتہ میرے ذہن پر غنودگی طاری ہوتی چلی گئی۔

ویرا کے جھنجوڑنے پر میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو ہماری کار سڑک پر ایک بڑا موڑ کاٹ رہی تھی اور آگے اندھیرے میں سڑک کے کنارے کوئی پٹرولنگ کار کھڑی ہوئی تھی جس کی پارکنگ لائٹس کے ساتھ ہی چھت پر لگی ہوئی گردشی بتی بھی روشن تھی۔ وہیں سڑک کے تقریباً وسط میں بڑے بڑے سرخ شیشوں والی ایک بتی بھی رکھی ہوئی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی چیک پوسٹ تھی جہاں رکنا لازمی تھا۔

ہماری کار کو دیکھتے ہی انھوں نے ثانیے بھر کے لیے اپنے ہیڈ لیمپس چمکا کر ہمیں گویا اپنی موجودگی اور مدّعا کا احساس دلایا اور ویرا نے کار کی رفتار کم کرنا شروع کر دی۔

شی کے کارندے لاکھ بے خوف اور قانون شکن سہی لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ وہ یوں کوئی مین سڑک بلاک کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ مجھے اطمینان تھا کہ ہمارا واسطہ پولیس سے پڑنے والا تھا جسے ویرا اپنے ریزرو فورس والے شناختی کارڈ سے مرعوب کر سکتی تھی۔ ویرا نے اپنی کار آہستہ آہستہ پٹرول کار کے سامنے روک دی اور ہیڈ لیمپس بجھا دیے۔ اس کار کی طرف سے فوراً ہی دو باوردی پولیس افسر دونوں طرف سے ہماری سمت میں آئے اور ہم نے اپنے شیشے اتار دیے۔

"میجر ویرا الائیڈ!" ویرا نے اپنی سمت والے افسر سے باوقار لہجے میں اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنا شناختی کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ میجر!" افسر کے منہ سے تحیّر آمیز آواز نکلی اور میں بے آرامی سے اپنی نشست پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ میں بھانپ چکا تھا کہ اس وقت کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو چکی تھی۔

افسر نے ٹارچ کی روشنی میں ویرا کا کارڈ دیکھا اور پھر اس کا دروازہ کھولتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں بولا۔ "افسوس ہے میجر کہ تمھیں نیچے اُترنا ہوگا۔ دراصل یہاں ہمیں تمھارا ہی انتظار تھا۔ کار کی تفصیلی تلاشی لی جائے گی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے احتیاطاً اپنا دایاں ہاتھ ہولسٹر میں اڑسے ہوئے ریوالور کے آہنی دستے پر رکھ لیا تھا۔

میں اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔ پولیس افسر کا حکم سنتے ہی میری کھوپڑی بھک سے اُڑ گئی تھی کیوں کہ وہ صورتِ حال ہمارے اندازوں کے بالکل برعکس تھی اور میرے خیال میں اس وقت ان کی حکم عدولی کی کوئی گنجائش نظر نہیں آ رہی تھی۔

پولیس

افسر نے اپنے ارادوں کو اخلاق اور خوش کلامی کی آڑ میں چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ اپنے تند لہجے کے ذریعے اپنے عزائم کا برملا اظہار کر دیا تھا۔ اس نے ویرا کو کار سے نیچے اترنے کا حکم دیتے ہوئے جلتی ہوئی ٹارچ کی روشنی میرے چہرے پر ڈالی اور میری آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔

"یہ روشنی میری آنکھوں سے ہٹاؤ آفیسر!" میں نے اپنا چہرہ دوسری طرف گھماتے ہوئے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں کیبن لائٹ جلائے دیتا ہوں تاکہ تم آسانی سے اندر کا جائزہ لے سکو۔" انگریزی میں وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میں نے لب و لہجہ تبدیل کیے بغیر اچانک اردو میں کہا۔ "یوں ہی بیمار بنے نشست پر پڑے رہو۔"

"یہ آخر میں کیا کہا تم نے؟" اُس افسر نے چونک کر سوال کیا۔ اس اثنا میں روشنی میرے چہرے سے ضرور ہٹالی گئی تھی لیکن میرے ہی جسم پر مرکوز تھی۔

"کیا کہے گا؟" مجھ سے پہلے ویرا انگریزی میں بول پڑی۔ "بے چارہ اپنے مقدر کو کوس رہا ہے، کیونکہ اس کا بیمار ساتھی اب مزید تاخیر سے اپنی منزل پر پہنچے گا اور راستے میں اس کی جان کھاتا رہے گا۔"

یہ کہتے ہوئے ویرا اپنی سیٹ چھوڑ کر سرد اور کھلی ہوا میں نیچے اُتر گئی۔ میں نے بھی اُس کی تقلید کی اور اُسی لمحے سلطان شاہ کی بیماری زور پکڑ گئی اور اُس نے عجیب دردناک آواز میں کراہنا شروع کر دیا۔

"اوہ تو کوئی پیچھے بھی ہے۔" اُسی افسر نے تجسس آمیز لہجے میں وہ الفاظ کرتے ہوئے روشن ٹارچ سمیت اپنا سر ڈرائیونگ سیٹ کے کھلے ہوئے دروازے میں داخل کر دیا۔ ساتھ ہی اُس کی بڑبڑاہٹ بھی جاری رہی۔ وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ "میری بھی کھوپڑی سردی سے شاید جم گئی ہے، اطلاع یہی ملی تھی کہ میجر کے ساتھ غالباً دو غیر ملکی بھی ہوں گے اور مجھے دراصل انہی دونوں کو روکنا تھا۔" اس سے آگے وہ اپنی مادری زبان پر آ گیا جو میری سمجھ سے باہر تھی۔

سلطان شاہ نے اپنے قریب اس کی موجودگی بھانپ کر تسلسل کے ساتھ ناک کے بل کراہنا شروع کر دیا تھا۔

"اے . . . باہر نکلو، گاڑی کی تلاشی لی جائے گی۔" افسر نے شاید سلطان شاہ کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

سلطان شاہ کے دہانے سے ایک ہلکی سی اضطراری چیخ بلند ہوئی جس نے لمحہ بھر کے لیے مجھے سہما دیا۔ پھر وہ اپنی گوراشاہی انگریزی میں بولا تھا۔ "خدا کے لیے مجھے تنگ نہ کرو۔ . . میری جان نکلی جا رہی ہے۔ میں اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا۔ جو کچھ کرنا ہے، وقت ضائع کیے اور مجھے اُتارے بغیر ہی کر لو۔"

"ہرگز نہیں۔" وہ افسر سخت لہجے میں بولا۔ "کار کی تلاشی کے ساتھ تمھاری بھی تفصیلی جامہ تلاشی لی جائے گی جس کے لیے تمھارا نیچے اُترنا ضروری ہے۔"

"یہ سراسر زیادتی ہے۔" ویرا نے احتجاج کیا۔ "تم لوگ جو چاہو کر لو، لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمھاری وجہ سے اس مریض کو ذرا بھی نقصان پہنچا تو میں تم دونوں کو عدالت میں گھسیٹ لاؤں گی۔ ہم اس وقت قانون سے آزاد کسی جنگل میں نہیں بلکہ فرانس کی سرزمین پر موجود ہیں . . ."

"آخر اسے تکلیف کیا ہے؟" باہر موجود دوسرے افسر نے دخل اندازی کرتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں ویرا سے سوال کیا۔

"یہ دردِ زِہ میں مبتلا ہے۔" ویرا کے لب کشا ہونے سے پہلے ہی میں بول پڑا اور وہ افسر چونک پڑا۔ اس اثنا میں ٹارچ والا بھی کار سے باہر نکل آیا تھا اور مجھے خشمناک نگاہوں سے گھورنے لگا تھا۔

"ذمے دار سرکاری افسروں سے گھٹیا مذاق کرتے ہو۔" وہ تلخ اور ملامت آمیز لہجے میں بولا۔ "یہ نہ بھولو کہ فرانس میں اگر شہریوں کو کچھ حقوق حاصل ہیں تو سرکاری اہل کاروں کو بھی بہتیرے اختیارات ملے ہوئے ہیں۔ تمھاری اس ہرزہ سرائی پر میں تمھیں قانون کا مضحکہ اُڑانے کے جرم میں گرفتار کر سکتا ہوں۔"

"اختیارات کی فراوانی نے تمھیں کچھ زیادہ ہی حساس بنا دیا ہے آفیسر!" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "ورنہ میں نے صرف حقیقت سمجھانے کی کوشش کی ہے . . ."

"تم اب بھی مُصر ہو کہ میں تمھاری بات مان لوں؟" وہ غصے میں غرّایا۔ "یہ تسلیم کر لوں کہ اب مرد بھی بچے جننے لگے ہیں اور انھیں بھی عورتوں کی طرح دردِ زِہ جیسے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔"

"اوہ! تم میری بات کے لفظی مفہوم میں اُلجھ گئے۔" میں نے مایوسانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "وہ الفاظ تو [illegible] اپنے ساتھی کی اذیت کی شدت واضح کرنے کے لیے استعمال کیے تھے ورنہ درحقیقت اس کی صرف ناف گری ہوئی ہے اور ناف چلے جانے پر درد اور درد کی شدت ناقابلِ برداشت ہوتی ہے، اچھا بھلا آدمی کسی زچہ کی طرح اٹھنے بیٹھنے بلکہ اپنی خواہش کے مطابق ہلنے جلنے سے بھی معذور ہو جاتا ہے۔

"یہ اس سے بھی عجیب بات ہے۔" وہ میرا مضحکہ اُڑاتے ہوئے بے رحمانہ لہجے میں بولا۔ "نومولود بچوں کی ناف کا ذکر ضرور سنا جاتا ہے، لیکن اتنے پلے ہوئے مُشٹنڈوں کی ناف میری سمجھ سے باہر ہے — اور ہاں، یہ چلی کہاں جاتی ہے؟"

"میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ کاش تم بھی کبھی اس تکلیف سے گزرو۔" میں نے اُداسی کے ساتھ کہا۔ "ناف بس پیٹ میں اپنی جگہ سے کھسک جاتی ہے، کبھی کبھار کسی نلے میں گھس جاتی ہے . . ."

"او ہو، یہ وہی تکلیف ہے نا جو بعض لوگوں کو بوجھ وغیرہ اُٹھانے سے لاحق ہو جاتی ہے۔" اچانک ویرا مجھ سے مخاطب ہو گئی۔ اس کے لہجے میں بلا کی دلچسپی عود کر آئی تھی۔ "ایشیا کے ملکوں میں میں نے عموماً اس بیماری کا ذکر سنا ہے لیکن جدید میڈیکل سائنس تو سرے سے اسے تسلیم ہی نہیں کرتی۔ پھر اس کا علاج کس طرح ہوتا ہے؟"

"اس کا علاج بڑا مضحکہ خیز ہوتا ہے۔ کوئی دائی یا پہلوان جب تک مریض کے سینے پر سوار ہو کر مریض کے پیٹ کے بعض مخصوص عضلات کی مالش نہ کرے، ناف اپنی جگہ واپس نہیں لوٹتی . . ."

"فرانس میں دائیاں نہیں ہوتیں اور پیرا میڈیکل اسٹاف ایسے جسمانی تشدّد پر یقین نہیں رکھتا۔ ہمارے پہلوان بھی بس میدان میں ریسلنگ کرتے ہیں۔ ٹوٹ پھوٹ کی صورت میں ایلوپیتھک ماہرین سے ہی رجوع کرتے ہیں۔ پھر بھلا تم اس کا علاج کہاں کراؤ گے؟" ویرا نے دونوں پولیس افسران کی موجودگی کو بری طرح نظر انداز کرتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"پھر مجھ ہی کو شیشے کے ایک گلاس کے اندر اسپرٹ کی پھریری پھیر کر اسے دیا سلائی دکھانا ہو گی۔ پھر شعلہ بھڑک کر معدوم ہوتے ہی گلاس اس کے پیٹ پر اوندھا کرنا ہو گا۔ اس طرح گلاس میں پیدا ہونے والا خلا، پیٹ کی جلد کو گلاس میں کھینچ لے گا۔ اس عضلاتی تناؤ میں ناف اپنی جگہ لوٹ آئے گی۔" میں نے پوری سنجیدگی اور انہماک کے ساتھ ویرا کو متبادل طریقۂ علاج سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اور گلاس یوں ہی مریض کے پیٹ سے چپکا ہوا رہ جائے گا؟" دوسرا پولیس افسر غیر ارادی طور پر سوال کر بیٹھا۔

"نہیں، شیشے کے گلاس کی افادیت یہی ہوتی ہے کہ چند منٹ بعد اسے ہلکی سی ضرب لگا کر مریض کو زخمی کیے بغیر احتیاط سے توڑا جا سکتا ہے اور پیٹ نارمل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات یہی عمل مریض کے ساتھ کئی بار دہرانا پڑتا ہے تب کہیں ناف اپنی جگہ واپس لوٹنے پر آمادہ ہوتی ہے۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"یہ تم کن خرافات میں اُلجھ گئے!" ٹارچ والا بھنا کر اپنے ساتھی پر برس پڑا۔ "یہ سب بکواس ہے۔ یہ لوگ ہمارا وقت برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور تم نادانستگی میں ان سے تعاون کے مرتکب ہو رہے ہو—

بات صرف اتنی ہے کہ اطلاع کے مطابق میجر ویرا الائیڈ یہاں آگئی ہے اور ہمیں گاڑی سمیت اس کے دونوں ساتھیوں کو حراست میں لینا ہے۔"

"اور میرے بارے میں کیا حکم ملا ہے؟" ویرا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تمہارا نام مجرموں کی شناخت کی حد تک لیا گیا تھا اس سے آگے اگر تم قانون کی مدد کرنا چاہو تو ہمیں خوشی ہو گی ورنہ مجرموں کے ساتھ ہونے کے باوجود ہمارے نزدیک تم اینٹی نارکوٹکس ریزرو فورس کی ایک محترم اور ذمّے دار آفیسر ہو۔"

"ان لوگوں کا جرم کیا ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"جرم گرفتاری کے احکامات جاری کرنے والے افسران کو معلوم ہوگا ویسے سُنا گیا ہے کہ یہ دونوں سنگین جرائم میں لیون کی پولیس کو مطلوب ہیں۔ انھیں وہیں بھیجا جائے گا۔"

"گاڑی کے بغیر میں بھی مفلوج ہو جاؤں گی۔ میرا مطالبہ ہے کہ تم مجھے بھی گرفتار کرو تب ہی گاڑی ساتھ لے جا سکو گے، کیونکہ یہ میرے ایک دوست کی ملکیت ہے اس کا ان دونوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" ویرا نے کہا۔

"میرا مشورہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ ایک مہمان کی حیثیت سے کوتوالی چلو۔ وہاں ہمارا انچارج اس بارے میں فیصلہ صادر کر سکے گا ہم نہ گاڑی چھوڑنے کے مجاز ہیں، نہ تمہیں گرفتار کرنے کے۔" ویرا سے بات کرتے ہوئے ٹارچ والے پولیس افسر کا لب و لہجہ مصالحانہ اور نرم ہو گیا تھا۔

"میجر کی مصروفیات اہم اور ناگزیر ہیں۔" میں نے ایک فوری فیصلے کے تحت دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "تم اپنی گاڑی کے وائرلیس پر کوتوالی کے انچارج سے میجر کی بات کیوں نہیں کرا دیتے؟"

"ضرور کرا دیتا لیکن ہمارے وائرلیس کے ٹرانسمیٹنگ بٹن میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ پیغامات موصول ہو رہے ہیں لیکن ہم کوئی پیغام نہیں بھیج سکتے۔" اُس افسر نے میرے بجائے ویرا سے ہی مخاطب ہو کر میری بات کا جواب دیا۔ "کوتوالی یہاں سے چند منٹ کی مسافت پر ہے، تمہارا زیادہ وقت خراب نہیں ہوگا۔ تمہاری گاڑی نہ بھی چھوڑی گئی تب بھی تم شہر سے کوئی ٹیکسی وغیرہ کرائے پر لے کر اپنا سفر جاری رکھ سکو گی، یہاں تمہیں صرف لفٹ پر انحصار کرنا ہوگا۔"

"لیکن بیمار کے بارے میں کوئی فیصلہ ہونا ضروری ہے۔" میں نے اصرار کیا۔ "ایلو پیتھ ناف اور اس کے متعلقہ مسائل کو نہیں سمجھتے لیکن وہ اذیّت میں ہے۔ کسی اسپتال میں اُس کے درد کا کچھ نہ کچھ علاج تو ہو ہی سکے گا۔"

"کوتوالی انچارج کی صوابدید پر اس کا بھی فیصلہ ہو جائے گا، فی الحال تو اسے کوتوالی ہی چلنا ہوگا۔" وہ بولا۔ اس دوران میں ویرا کی کار سے سلطان شاہ مسلسل بھانت بھانت کی دردناک آوازیں نکال کر اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہا تھا۔ شاید وہ ہماری تمام گفتگو بھی سن رہا تھا۔ وہ ملک سے باہر اتنے دن گزارنے کے بعد کافی حد تک انگریزی میں ہونے والی گفتگو کا مفہوم سمجھ لیتا تھا لیکن بولنے میں روانی پر قادر نہیں تھا البتہ اپنی بات مخاطب تک پہنچا دینے میں کامیاب ہو جاتا تھا اسی وجہ سے اس کے مکالموں کی غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لیے میں رواں الفاظ میں اس کا متن دہرانے پر ہی اکتفا کیا کرتا تھا۔ اس سے یہ ظاہر کرنا کبھی بھی مقصود نہیں رہا تھا کہ سلطان شاہ بتدریج شیکسپیئر کا ہم پلّہ ہوتا جا رہا تھا۔

کوتوالی یا اسپتال جانے کے بارے میں میں نے ویرا کے تعاون سے بحث کو اتنا طول دیا کہ اس معاملے میں ٹارچ والے افسر کی انا ملوث ہو گئی اور وہ ہماری جامہ تلاشی یا کار کی تلاشی بھول کر ہمیں ہر قیمت پر کوتوالی لے جانے پر تُل گیا۔ جب میں نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا کہ جھلاہٹ میں وہ ہماری تلاشی کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا تو میں نے ناچاری کا اظہار کرتے ہوئے اُن کے افسرانہ اختیارات کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح دراصل میں نے بیم گن، ایکسپلوڈر اور اس پستول کو بچانے کی کوشش کی تھی جو ہماری تحویل میں تھا۔ بالکل غیر مسلح ہو جانے کے بعد ہمارے لیے فرار کے امکانات بالکل ہی مفقود ہو کر رہ جاتے۔

ہم دونوں کے ساتھ گاڑی بھی کوتوالی لے جائی جاتی تھی۔ اس طرح اس واردات کے جملہ عناصر جوڑیوں میں سمٹ گئے تھے۔ دو پولیس افسران دو گاڑیوں میں دو مجرموں کو لے جانا چاہتے تھے۔ ویرا عملاً اس کھیل میں شریک ہوتے ہوئے بھی ایک معزز افسر قرار دی جا چکی تھی، لہٰذا طے یہ ہوا کہ سلطان شاہ کو چھیڑے بغیر ایک افسر اُسے ویرا کی کار سمیت کوتوالی لے جائے۔ ٹارچ والے نے مجھے پولیس کار میں اپنے ساتھ سوار ہونے کا حکم دیا اور ویرا بھی اسی طرف آ گئی۔

مجھے ٹارچ والے افسر نے ایک بار تیز نظروں سے دیکھا پھر بولا۔ "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میجر ویرا کی ہمدردیاں کسی حد تک تمہارے ساتھ ہیں لیکن مجھے اُمید ہے کہ تم راستے میں کوئی گڑبڑ نہیں کرو گے۔"

"تم بے فکر رہو، میری ذات سے تمھیں مایوسی نہیں ہو گی۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اور سنو آفیسر!" ویرا نے عقبی نشست سے زبان کھولی۔ "اگر یہ دونوں مجرم ہیں تو مجھے ان سے ذرا بھی ہمدردی نہیں، میں نے صرف اس کے بیمار ساتھی پر ترس کھا کر انھیں لفٹ دی تھی۔ راستے میں باتوں باتوں میں پتا چلا کہ یہ دونوں ایشیائی ہیں اور ان کا ملک میرا دیکھا ہوا ہے۔ اس سے زیادہ ان دونوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے مجھے صرف اپنی کار سے دلچسپی ہے۔ تم اسے میرے حوالے کر دو تو میں ابھی آگے روانہ ہو جاؤں گی۔"

اُسی لمحے پیچھے سے ایک دبی دبی سی چیخ کی آواز سنائی دی جو بہت موہوم ہونے کے باوجود میری سماعت سے نہ بچ سکی لیکن میرے ساتھ والا آفیسر غالباً وہ آواز نہیں سن سکا تھا جس پر میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ میری دانست میں پیچھے معمول سے ہٹ کر کوئی بات

ہوئی تھی تو وہ لازماً سلطان شاہ کی پہل کا نتیجہ ہو سکتی تھی۔ یہ امکان کہ پولیس افسر نے ویرا کی کار کا انجن اسٹارٹ کرنے سے پہلے سلطان شاہ کو بے ہوش کرنا چاہا ہو، بہت موہوم تھا۔

"کار کا فیصلہ کوتوالی میں ہی ہو گا۔" اُس نے یہ کہتے ہوئے پولیس کار کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔ ابھی تک نہ دوسرے کار کے انجن کی آواز سنائی دی تھی نہ اس کے ہیڈ لیمپس روشن ہوئے تھے اور میں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

جُوں ہی پولیس کار نے آگے رینگنا شروع کیا معاً ویرا والی کار کے ہیڈ لیمپس روشن ہوئے۔ ہمارے ساتھ والے پولیس افسر نے آنکھوں پر تیز روشنی پڑتے ہی بھنّا کر فرنچ میں کچھ کہا اور پھر اپنی بھی پوری روشنیاں کھول دیں۔ اس اثناء میں ویرا والی کار تیزی کے ساتھ سڑک پر ہمارے پہلو میں سے گزر کر پولیس کار کے عقب میں آ چکی تھی۔

"تمہارا ساتھی بہت چھچھورا اور بد تمیز معلوم ہوتا ہے۔" ویرا نے اُسے سلگانے کی نیّت سے تبصرہ کیا۔ "تم نے پارکنگ لائٹس تک روشن نہیں کی تھیں اور اس نے تمہاری آنکھوں پر ہیڈ لیمپس آن کر دیے۔"

"خاموش رہو میجر!" وہ درُشت لہجے میں بولا۔ "مجھے اس کی حماقت کا احساس دلا کر تم کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکو گی۔"

"مجھے کسی فائدے کی ضرورت نہیں۔ . . . میں نیم فوجی ماحول میں کام کرنے کی عادی ہوں اس لیے کسی ماتحت کی بد تمیزی مشکل ہی سے نظر انداز کر پاتی ہوں۔" اس وقت ویرا کا لب و لہجہ بہت زیادہ پُر وقار ہو گیا تھا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ روانی میں وہ دونوں اپنی مادری زبان کے بجائے انگریزی ہی بولے جا رہے تھے اور مَیں بھی اُن کی گفتگو سے محظوظ ہو رہا تھا۔

شاید اُس نے میرا ذہن پڑھ لیا کیونکہ رفتار پکڑنے سے پہلے ہی اس نے فرنچ میں بڑبڑاتے ہوئے اچانک بریک لگاتے ہوئے اپنی گاڑی دوبارہ سڑک سے کچے میں اتار لی۔

"واقعی اس کا دماغ چل گیا ہے۔" ویرا نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ "اب بلاوجہ کار روک کر کھڑا ہو گیا ہے۔ پتا نہیں اس ویرانے میں کیا کرنا چاہ رہا ہے؟"

میرے لیے وہ اشارہ کافی تھا۔ ہلکی سی چیخ کے بعد گاڑی کا یوں رُک جانا خالی از علت نہیں تھا۔ جوں ہی پولیس آفیسر گاڑی سے اُترا، مَیں نے تاریکی میں بیم گن اپنی جیب سے نکال لی اور ٹارچ والے پولیس افسر کے پیچھے ہو لیا۔

ہم تینوں تقریباً ایک ساتھ ہی ویرا کی کار کے قریب پہنچے تھے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کار دور سے خالی نظر آ رہی تھی۔ سینئر پولیس افسر نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ٹارچ روشن کی تو اُس کا ساتھی پسنجر سیٹ کے پائیدان میں بے حس و حرکت پڑا نظر آیا۔ پچھلی سیٹ خالی پڑی ہوئی تھی۔

ہنگامی صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی اور میرا ذہن تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ مَیں نے دبی دبی چیخ کی جو آواز سنی تھی وہ بلا سبب نہیں تھی شاید سلطان شاہ نے بیماری کی اداکاری کرتے کرتے اچانک ہی عقب سے اس پر وار کر کے اسے بے ہوش کیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ اس وقت دونوں گاڑیاں تھوڑے فاصلے پر آمنے سامنے کھڑی ہوئی تھیں، لہٰذا سلطان شاہ نے خود کو پولیس کار کے ہیڈ لیمپس کی زد سے بچانے کے لیے ویرا کی کار کی روشنیاں جلا کر گاڑی پولیس کار کے پیچھے لے لی اور چند گز کی مسافت طے کرنے کے بعد ہی رُک گیا۔

ابھی میں اس سچویشن کا ادراک کرتے ہوئے اپنا رول ادا کرنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ سلطان شاہ کسی آسیبی سائے کی طرح ویرا کی کار کی دوسری سمت سے کسی چوپائے کی طرح چلتا ہوا نمودار ہوا اور پھر اُس نے پشت سے اپنے ایکسپلوڈر کی نال سینئر پولیس افسر کی پسلیوں سے لگا دی۔

"ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" سلطان شاہ نے ہانک لگائی۔ "اور ہاں میجر ویرا . . . تم بھی۔ تم نے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو یہ افسر ناحق میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔"

پولیس افسر نے اپنے دونوں ہاتھ ضرور اٹھا لیے مگر غصّے سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "قانون سے ٹکرا کر تم اپنے بھیانک انجام کو دعوت دے رہے ہو . . . یہ بتاؤ کہ چارلس زندہ ہے یا تم نے اسے مار دیا ہے؟"

"آہستہ بولو آفیسر!" سلطان شاہ بولا۔ "ابھی تک وہ زندہ ہے، کہیں تمہاری اونچی آواز سے اس کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔ تم لوگوں کے دل عموماً کمزور ہوتے ہیں۔"

"مَیں ہاتھ گرا رہی ہوں۔" ویرا نے غصیلی آواز میں کہا۔ "یہ تم میرے احسان کا صلہ دے رہے ہو؟ تم دونوں ہی پکّے پاجی اور بدمعاش معلوم ہوتے ہو ابھی درد سے مر رہے تھے اور اب مرنے مارنے پر تُلے ہوئے ہو۔"

"تم جو چاہو کر لو لیکن تمہیں ہم ساتھ لے جائیں گے۔" مَیں نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔

"مَیں ہرگز تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" ویرا اینٹھ کر بولی۔ "اب تو تم کھل کر سامنے آ گئے ہو۔"

"ابھی کہاں، کھُل کر تو بعد میں سامنے آئیں گے۔ تم جیسی حسین و جمیل عورت کے ساتھ جب تک کھُل کر کچھ وقت نہ گزارا جائے طبیعت سیر نہیں ہوتی۔"

"تم ان کتوں . . . ایشیائیوں کی بکواس سن رہے ہو؟" ویرا نے روایتی نسوانی ہتھیار کا سہارا لیتے ہوئے روہانسی آواز میں پولیس افسر کی قومی غیرت کو للکارا۔ "مَیں اپنی جان پر کھیل جاؤں گی لیکن ان کے گندے عزائم کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالوں گی چاہے یہ میرے چیتھڑے ہی کیوں نہ اڑا دیں۔"

"تمہارے چیتھڑے دھیمی آنچ پر سینک کر کباب پُرشباب بنائیں گے۔" مَیں نے لذت آمیز سفاکانہ لہجے میں کہا اور پولیس افسر کی قوتِ برداشت

جواب دے گئی۔ وہ اپنی پسلیوں میں اڑی ہوئی نال کی پروا کیے بغیر پلٹا تھا۔ میں نے بلند آواز میں سلطان شاہ کو فائر کرنے سے منع کرتے ہوئے جست لگائی اور پولیس افسر کے سینے پر وحشیانہ ٹکر رسید کرتے ہوئے اُسے خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

زمین پر گرتے ہی اُس کے بدن میں بجلی سی سرایت کر گئی اور اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے اُس نے اپنے ہولسٹر سے پستول نکال لینا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی میں اس کے سینے پر چڑھ گیا اور داہنی کھڑی ہتھیلی سے اس کی بائیں کنپٹی پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ ہلکی سی کراہ کے ساتھ اسی لمحے ساکت ہو گیا اور میں ہاتھ جھاڑتے ہوئے اُس کے سینے پر سے اُتر گیا۔

"سردی ناقابلِ برداشت ہے!" ویرا نے آہستگی سے کہا۔ "اب یہاں سے جلد از جلد نکلنے کی کوشش کرو ورنہ حوالات میں ٹھٹھرنا پڑے گا۔"

"وہ واقعی زندہ ہے نا؟" میں نے سلطان شاہ سے دوسرے پولیس افسر کے بارے میں پوچھا۔ درحقیقت میں ہمیشہ اور ہر ملک میں قانون کے نگہبانوں کا پورا پورا احترام کرتا تھا جس کا ثبوت یہ تھا کہ فرانس میں داخل ہونے سے پہلے گو میرے ہاتھوں متعدد بدمعاش، خونی اور منشیات فروش موت کے گھاٹ اتر چکے تھے لیکن قانون کے محافظوں سے کبھی میرا تصادم نہیں ہوا تھا لیکن فرانس میں داخل ہوتے ہی پیرس کے لواح میں تین پولیس افسر ہمارے ہاتھوں مارے جا چکے تھے اور دو اس وقت بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ المیہ یہ تھا کہ فرانس میں شی بہت بارسوخ تھی اہم سرکاری اہل کاروں پر اس کی گرفت مضبوط تھی اور نادانستگی میں قانون کے محافظ مجرموں اور موت کے سوداگروں کی تنظیم 'شی' کے آلۂ کار بن گئے تھے اور محض شی کے ذمے داروں کی خواہشات کے احترام میں ان کی فراہم کی ہوئی ہدایات پر ہمیں گھیرنے پر تُل گئے تھے اور یوں افسوس ناک انداز میں ہمیں ناچار ان کے مقابلے پر تُل جانا پڑا تھا مگر پھر بھی میری دلی خواہش یہی تھی کہ ہم غیر ضروری طور پر ان اہلکاروں کے ساتھ خون ریزی میں ملوث نہ ہوں۔

"زندہ ہے۔ میں نے بھی اس کی کنپٹی ہی چٹخائی تھی۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا پھر تلخ لہجے میں بولا۔ "مجھے بیمار بنا کر تم نے دردِ زہ کا کیا چکر شروع کر دیا تھا؟"

"سچ پوچھو تو اس وقت میں انھیں بس اُلجھانا چاہ رہا تھا اس لیے تمھاری دردناک کراہیں سُن کر ذہن میں جو تصوّر پیدا ہو رہا تھا وہ بے اختیار زبان پر آ گیا . . . وہ تو بعد میں زافت نلوں کی سوجھ گئی ورنہ بات نباہنا مشکل ہو جاتی۔" میں نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"میرا خیال تھا کہ تم سلطان شاہ کے لیے کوئی ایسی بیماری ایجاد کرنے کی فکر میں تھے جسے پولیس اسپتال کے ماہرین بھی نہ سمجھ سکیں اسی لیے گفتگو میں دخل انداز ہوئی تھی۔" ویرا نے ہنستے ہوئے کہا، پھر پوچھا۔ "یہ بتاؤ کہ میرے بارے میں تم اس سے جو کچھ کہہ رہے تھے وہ کہاں تک درست تھا؟"

"درست؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "وہ تو نری خرافات تھیں۔ میں تو بس یہ چاہ رہا تھا کہ پولیس والے تمھیں ہمارا مددگار نہ سمجھنے پائیں اس لیے تمھارے اغوا کی داغ بیل ڈال رہا تھا۔"

"سمجھ میں بھی گئی تھی لیکن کاش تم میرا دل رکھنے کے لیے ہی اس وقت ذرا سا جھوٹ بول لیتے۔" وہ اداس مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"دل تو تمھارا میرے دل میں رکھا ہوا ہے . . ." میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اسی وقت سلطان شاہ نے ویرا کی کار کی طرف سے مجھے پکارا تھا۔ "ادھر تشریف لے آئیے . . . یہ وزنی سانڈ میرے اکیلے کے بس کا روگ نہیں ہے۔"

"یہ ہمیں اکٹھا دیکھ کر کس قدر جلتا ہے۔" ویرا تلخ لہجے میں بولی۔ "چاہے تو کالر سے پکڑ کر اسے بہ آسانی باہر گھسیٹ سکتا ہے لیکن وہ تمھیں ایک پل بھی میرے پاس نہیں چھوڑ سکتا۔"

"یہ نہ کہو — ہم نے بارہا اکٹھے وقت گزارا ہے۔" میں نے سلطان شاہ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔

"اس کی لاعلمی میں تم جو چاہو کرتے پھرو، جانتے بوجھتے وہ تمھیں ایک پل کے لیے بھی سکھ کا سانس نہیں لینے دے گا۔" اُس کی آواز میرے کان میں آئی مگر میں اسے نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

سلطان شاہ پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولے میرے انتظار میں کھڑا ہوا تھا۔ نشست کے سہارے پائیدان میں پڑے ہوئے پولیس افسر کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سلطان شاہ نے اُسے چھیڑنے کی ذرا بھی زحمت کی ہوتی تو وہ اپنے زور میں خود ہی باہر آ گرا ہوتا۔ مجھے دیکھتے ہی سلطان شاہ نے اس کا ایک بازو تھام کر ہلکا سا زور لگایا اور میری کسی مدد کے بغیر وہ باہر آ گرا۔ سلطان شاہ نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ بے ہوش افسر کی کھوپڑی پر مزید کوئی ضرب نہ آنے پائے۔ پھر اُسے کار کے پہیوں سے ذرا دور گھسیٹ لیا۔

"جب خود ہی اسے اُتار سکتے تھے تو مجھے بلانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے غصیلی مگر دھیمی آواز میں سوال کیا کیونکہ ویرا اردو بہت اچھی طرح سمجھ اور بول لیتی تھی۔

"تمھاری موجودگی سے ذرا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ مسکراتے ہوئے بولا۔ "اس حرّافہ کو یقیناً میری مداخلت ناگوار گزری ہو گی۔ وہ جب تم سے ملتی ہے، تم پر چھا جانے کی کوشش میں لگی رہتی ہے۔"

"تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ وہ ہمیشہ بدترین وقت پر ہمارے کام آئی ہے . . . اب آج ہی کا واقعہ لے لو، اگر وہ ہمیں تلاش کرتی ہوئی ہم سے نہ آ ٹکراتی تو ہم ابھی تک لیون میں ہی پولیس کے بچھائے ہوئے کسی جال میں پھنس چکے ہوتے۔" میں نے ویرا کا دفاع کرتے ہوئے مُڑ کر دیکھا تو وہ سینئر پولیس افسر پر جھکی ہوئی غالباً اس کی جیبوں میں اپنا میجر کے عہدے والا شناختی کارڈ تلاش کر رہی تھی جو اسے واپس نہیں

لوٹایا گیا تھا۔

"میں صرف اتنا تسلیم کر سکتا ہوں کہ ابھی اس کا ضمیر کسی حد تک زندہ ہے اور اس پر یہ بوجھ سوار ہے کہ عزالہ بھابی اسی کی سازش کی وجہ سے اندوہناک حالات کا شکار ہوئی ہے وہ تمہارے ساتھ جو کچھ کر رہی ہے، اسی دباؤ اور احساس کے تحت کر رہی ہے ورنہ عود تمہیں کسی کنوئیں میں گرا چکی ہوتی۔" اُس کا لہجہ تُرش ہو گیا تھا۔

"وہ آ رہی ہے!" میں نے جلدی سے کہا۔ "پیچھے بیٹھ جاؤ گاڑی میں۔"

"تمہارے بتائے بغیر ہی میں اپنے مقام سے واقف ہوں۔" اُس نے موقع پاتے ہی پھر چوٹ کی۔ "اگر تم پیچھے بیٹھ گئے تو وہ سارے راستے کیبن لائٹ جلا کر عقب نما آئینے میں تمہارا دیدار کرتی رہے گی اور کوئی سنگین حادثہ کر بیٹھے گی۔"

"تم بہت گستاخ اور سوَر ہو گئے ہو سلطان شاہ!" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "دشمنوں کی بھیڑ میں اگر کسی بھی وجہ سے ہمیں اس کا تعاون حاصل ہے تو ہمیں اس کی قدر کرنا چاہیے۔"

"تم اس کی اتنی قدر کرتے رہتے ہو پھر میری کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔" وہ دروازہ کھول کر عقبی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ویسے بھی ایک عورت کے اگر دو قدردان پیدا ہو جائیں تو کہیں نہ کہیں تصادم ضرور ہوتا ہے۔ . . مجھے تمہاری دوستی زیادہ عزیز ہے میں ایسی قدردانی سے باز آیا۔"

میں اس پر غصہ آنے کے باوجود کچھ نہ کہہ سکا اور خفت مٹانے کے لیے ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا، جو قریب آ چکی تھی۔ "کیوں جامہ تلاشی لے رہی تھیں اس بے چارے کی؟"

"اینٹی نارکوٹکس ریزرو فورس کا کارڈ اُسی کے پاس رہ گیا تھا۔ میرے لیے موجودہ حالات میں یہ کارڈ بہت اہم ہے۔ اس کی موجودگی میں کوئی غیر فوجی ایجنسی مجھے براہ راست گرفتار کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ اسی وجہ سے یہ دونوں پولیس والے میری طرف سے بے پروائی برت رہے تھے۔"

"ڈرائیونگ تم ہی کرو گی۔" میں نے اُسے پسنجر سیٹ کی طرف آتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔ "اور ہاں، ذرا سفر کی سمت کے بارے میں بھی نظرِ ثانی کر لینا — یہ دونوں صرف بے ہوش ہوئے ہیں مناسب طبی امداد مل گئی تو ایک آدھ گھنٹے میں ہی ہوش میں آ کر پورے محکمے کو ہماری موجودہ سمت سے آگاہ کر دیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو — ہم بدستور مارسیلز کی طرف ہی سفر جاری رکھیں گے۔" اُس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا "اب کوئی ہماری راہ نہیں روک سکے گا۔"

"اگر تمہیں اس کی جامہ تلاشی کے دوران میں جادوئی ٹوپی مل گئی ہے تو ضرور ایسا ہی ہوگا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہ پولیس افسر ہونے کے ساتھ ہی شی کا تنخواہ دار بھی ہے۔ اس کے شناختی کاغذات میں شی کا کارڈ بھی موجود تھا جو میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔" وہ میری کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔

"اور پولیس کا محکمہ اس کارڈ کی اصلیت سے لاعلم ہے؟"

"چھوٹا سا تصویری کارڈ ہے جس پر ایک نابینا کی صرف آنکھیں فوکس کی گئی ہیں۔ بظاہر نابیناؤں کی کسی تنظیم کا تعارفی کارڈ لگتا ہے جس پر کوئی تحریر نہیں ہے۔ یہ کارڈ شی کے تنخواہ دار سرکاری اہلکاروں کو دیا جاتا ہے تاکہ وہ ہمارے گرفتار ہونے والے کارندوں کو اپنی شناخت کرا کے حقائق معلوم کر سکیں۔" اُس نے گاڑی واپس مارسیلز کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔

"پھر تو وہ ہوش میں آتے ہی زیادہ شدت سے تمہیں تلاش کرے گا کیونکہ محکمے کے ساتھ ہی اسے تنظیم کو جواب دہی کی فکر بھی لاحق ہو جائے گی . . ."

"اب تمہیں یہ چٹکلا بھی بتانا پڑے گا۔" وہ میری بات کاٹ کر ہنستے ہوئے بولی۔ "مجھے نہیں معلوم کہ اُس کا ماتحت تنظیم کا وفادار ہے یا قانون کا لیکن میں اس کارڈ کے سرے پر ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے تین مخصوص دائرے بنا آئی ہوں، جس کا مطلب ہے کہ وہ اب اس معاملے کو بالکل بھول جائے کیونکہ اس سے بڑے لوگ براہ راست اس معاملے کو دیکھ رہے ہیں۔ اگر وہ اپنے ماتحت سے پہلے ہوش میں آ گیا تو یقین کر لو کہ ہمارے یہاں سے گزرنے کا قصہ ہی ان دونوں کے سوا کسی تیسرے کے علم میں نہ آ سکے گا۔ کوئی اور صورت پیش آئی تو وہ حقائق کو اس قدر مسخ کر کے پیش کرے گا کہ سب بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہ جائیں گے۔"

"تو تمہیں پہلے سے معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ تمہارا ہی آدمی ہے؟"

"شی چند آدمیوں کا گروہ نہیں، ایک عالمگیر تنظیم ہے جس کے مفادات کے تحفظ کے لیے بیک وقت ہزاروں افراد کام کرتے رہتے ہیں۔" وہ کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے بولی۔ "اسی وجہ سے باہمی شناخت کے لیے سلور آئی اور بلائنڈ کارڈ جیسی چیزیں استعمال کی جاتی ہیں۔ اگر مجھے اس کی اصلیت کا ذرا بھی اندازہ ہو جاتا تو اُسے ریزرو فورس کے کارڈ کے بجائے سلور آئی دکھاتی اور وہ بھیگے ہوئے چوہے کی طرح اپنی سرکاری گاڑی کی حفاظت میں ہمیں مارسیلز پہنچاتا۔ یہ صرف ڈسپلن ہی ہے جو اتنی بڑی تنظیم کامیابی سے چل رہی ہے۔"

"کیا پیرس کے واقعات کے بعد بھی سلور آئی کی کوئی افادیت باقی ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تم بل ایتھی کو بھول جاؤ کیونکہ اتفاقاً وہ خود آئی مین تھا اور اسے ایک سکہ گم ہو جانے کی تفصیلات معلوم تھیں ورنہ اس سے نچلے درجے کا کوئی رکن سلور آئی کی توہین نہیں کر سکتا۔ شی میں سلور آئی کی بہت زبردست ساکھ ہے کارندوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت آئی مین کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی، وہ جو چاہتا ہے، ہر صورت میں ہو کر رہتا ہے۔ اب تم خود ہی سوچو کہ اس لیجنڈ

کو شی کے بڑے کیسے تباہ کر سکتے ہیں؟ جس دن کارندوں کو پتا چلا کہ ایک سلور آئی دشمن کے قبضے میں ہے، طاقت اور عظمت کے اس نشان کی ساکھ مٹی میں مل جائے گی اور خود تنظیم میں بہتیرے لوگ کسی آئی مین کو ہلاک کر کے سلور آئی حاصل کرنے کے خواب دیکھنے شروع کر دیں گے۔ ان کو بھوکے اور خونخوار کتوں کی طرح لڑنے سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ سلور آئی کی چوری کا راز ہر قیمت پر چھپایا جائے جس کے افشا ہوتے ہی سارا ڈسپلن آنِ واحد میں تباہ ہو جائے گا اور کوئی آئی مین ذاتی محافظوں کے گھیرے کے بغیر اپنے لوگوں میں نہ جاسکے گا جو ہر روپ میں انسانی لہو کی ہولی کھیلنے کے عادی ہیں۔"

"یہ گفتگو شاید ہماری اس ملاقات کا نچوڑ ہے۔" میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے پرخیال لہجے میں کہا۔ "بل ایتھی کے تلخ تجربے کے بعد میں نے سلور آئی کو بھلا دیا تھا لیکن تمھاری باتیں قابلِ فہم ہیں۔ شی کی پوری عمارت ساکھ کی بنیادوں پر کھڑی ہوئی ہے۔ جس دن جمی لائیڈ کی گمنام یا دُہری شخصیت کا راز افشا ہوا تنظیم ہی میں سے کوئی طالع آزما قاتل اسے کنگ لائنز کے مرکزی دفاتر میں ہلاک کر کے اُس کی جانشینی اختیار کرنے کے ارادے سے چل پڑے گا۔ یہی حال سلور آئی کا بھی ہے۔ اب میں اس طلائی سکّے کی اصل اہمیت سے واقف ہوا ہوں اور میرا خیال ہے کہ چند گنے چنے آئی مین کے علاوہ کوئی میرے اختیار کو چیلنج نہیں کر سکے گا۔"

"شی کا سربراہ کون ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔" ویرا بولی۔ "یورپ اور امریکا میں جمی لائیڈ کے بارے میں صرف افواہیں ہی افواہیں ملتی ہیں۔ اس سے ملاقات کا دعویدار آج تک پیدا نہیں ہو سکا۔ میں نے شی کے ساتھ رہتے ہوئے اس طویل مدّت میں صرف لاہور کا لائیڈز کا رنج ہی دیکھا تھا جو جمی لائیڈ سے موسوم تھا اور نہ تنظیم کا کوئی ٹھکانا یا جائداد اُس کے نام پر نہیں ہے۔ ہم سب کے لیے وہ بس ایک مفروضہ نام ہے۔"

"یہ تو ناممکن ہے کہ وہ کبھی اپنے لوگوں کے سامنے نہ آیا ہو۔" میں نے بے یقینی کے ساتھ کہا۔

"وہ اہم اجلاسوں کی صدارت بھی کرتا ہے مگر سر سے پیر تک سیاہ نقاب میں ملبوس ہوتا ہے۔ جہاں اس کی آمد متوقع ہوتی ہے وہاں روشنیاں دھیمی رکھی جاتی ہیں۔ وہ عین مقررہ وقت پر آتا ہے اور اپنا کام نمٹا کر سب سے پہلے واپس چلا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر درجے کے کارکنوں پر اس کی دہشت بیٹھی ہوئی ہے۔"

"لیکن یہ کیسے پتا چلتا ہے کہ سیاہ لباس اور نقاب میں شی کا اصل سربراہ موجود ہوتا ہے؟"

"ساکھ اور ڈسپلن۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔ "شی کا ہر عہدیدار اپنے ماتحتوں میں نام اور صورت سے زیادہ اپنے کوڈ سے پہچانا جاتا ہے اور جمی لائیڈ مسلسل اپنا کوڈ استعمال کرتا چلا آ رہا ہے۔" وہ توجہ کے ساتھ ڈرائیونگ کرتے ہوئے بولی۔ "دراصل تنظیم کا سربراہ ایک اعتبار سے سپر آئی مین ہے کیونکہ وہ بیک وقت تین سلور آئیز رکھتا ہے۔ آج اگر تم ایک خارش زدہ کتّے کے گلے میں تین نقرئی سکوں کا ہار ڈال کر اُسے سڑک پر ہانک دو تو تنظیم کے ارکان سینوں پر ہاتھ باندھ کر تعظیماً اس کے پیچھے ہو لیں گے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر میں مزید دو نقرئی سکّے حاصل کر لوں تو بے خوف ہو کر جمی لائیڈ کے مقابل آ سکتا ہوں۔ بہت سے لوگ مجھے اپنا سربراہ تسلیم کر لیں گے۔"

"صرف نچلے درجے کے آدمی متاثر ہو سکیں گے۔ ان کے لیے تو اکلوتی سلور آئی بھی کافی ہے لیکن شی کے بڑوں کو ایک سکّے کی چوری کا علم ہے۔ مزید دو سکّے حاصل کر کے بھی تم انھیں اپنا ہم نوا نہ بنا سکو گے۔ بڑوں کا ٹولہ شی کے ہر اچھے بُرے راز سے واقف ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ تمھیں بل ایتھی سے تصادم میں ہو گیا ہوگا۔"

"تم دونوں مفروضات میں اپنا سر کھپا رہے ہو۔" سلطان شاہ عقبی نشست سے بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیا اتنا کافی نہیں ہے کہ شی اور کنگ لائنز، دونوں کا سربراہ جمی لائیڈ ہے اور وہی ہمارا نشانہ ہے۔ وہ ہم سے واقف ہے۔ اسے ہم تین کیا تیس سکوں سے بھی دھوکا نہیں دے سکیں گے۔ رہے دوسرے کارندے تو اُن کے لیے ایک سلور آئی ہی کافی ہوگی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لیکن میں شی کا طریقۂ کار سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا۔ "میں کراچی میں مدّت دراز تک شی میں اہم عہدے پر فائز رہا لیکن ویرا کی باتیں مجھے آج بھی اجنبی اور تجسّس انگیز محسوس ہو رہی ہیں۔ ایک تہ اترتی ہے تو دوسری تہ سامنے آ جاتی ہے۔ اندر کا بھید نہیں کھلتا۔"

"ہمارا سفر صحیح سمت میں جاری ہے۔" ویرا پرخیال لہجے میں بولی۔ "ہم دن بہ دن شی کے مرکز سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر ہم نے سلور آئی کو احتیاط سے استعمال کرنا شروع کر دیا تو ہماری سرکوبی کے لیے مجبوراً جمی لائیڈ کو خود میدان میں آنا پڑے گا۔"

"بے پناہ وسائل پر دسترس رکھتے ہوئے اُسے کیا مجبوری لاحق ہو سکتی ہے؟ وہ کیوں میدان میں آئے گا؟" میں نے اُلجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تم اپنا گن بوٹ والا تجربہ بھول رہے ہو۔" وہ طنزیہ ہنسی کے ساتھ بولی۔ "کارکن اپنے آئی مین کے احکام پر دل و جان سے عمل کرتے ہیں۔ اگر تم انھیں رازداری کی تاکید کر دو تو وہ شی میں کسی کو تمھارے وجود کی ہوا بھی نہ لگنے دیں گے اور تمھارے لیے کام کرتے رہیں گے۔"

"لیکن گن بوٹ کے عملے نے تو بل ایتھی کو سب کچھ بتا دیا تھا۔"

"تمھاری بدقسمتی کہ بل ایتھی خود آئی مین تھا۔ پھر بھی وہ اُسے کچھ بھی نہ بتاتے کیونکہ منصب میں وہ تمھارے برابر تھا۔ وہ تو بل ایتھی نے اپنے شبہات کی بنا پر ان سب کو اپنا قیدی بنا لیا اور اس کے تشدّد کے سامنے ان لوگوں کی قوتِ برداشت جواب دے گئی ورنہ ایک سکّے والے کے

بارے میں عموماً تین سکوں والا یعنی جمی لائیڈ ہی بازپرس کا حق رکھتا ہے۔ اسی لیے میرا اندازہ ہے کہ اب اسے خود میدان میں آنا پڑے گا۔"

"کاش کہ تمہارے قیاسات درست ہوں۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "یہ معاملہ میری توقع سے کہیں زیادہ طول پکڑ گیا ہے۔ اسے اب کہیں نہ کہیں ختم ہونا ہی چاہیے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ جمی لائیڈ خود میدان میں آنے کے بجائے اپنے اعتماد کے کسی آدمی کو تین سکے سونپ کر میدان میں اُتار دے۔" اس مرحلے پر سلطان شاہ بھی ذہنی طور پر ہماری گفتگو کی طرف متوجہ تھا جو اردو میں ہی ہو رہی تھی۔

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی۔ "بہت بھولے بادشاہ ہو۔ . . کرسی بہت ظالم چیز ہوتی ہے اسے بھلا کون کسی کو سونپتا ہے۔ زیرِ زمین دنیا میں اقتدار کا معاملہ آمرانہ حکومتوں سے زیادہ حساس اور خطرناک ہوتا ہے۔ جیسے ہی ایک بار تین نقرئی سکے مل گئے وہ دوبارہ جمی لائیڈ کا تابع نہیں ہو سکے گا۔ اقتدار میں تو سگے خون تک پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ گاڑی جب تک چل رہی ہے اسی طرح چلتی رہے گی جس دن کسی اور نے جمی لائیڈ کے اختیارات پر عارضی تصرف اختیار کر لیا، اسی دن شی میں سازش اور بغاوت کی داغ بیل پڑ جائے گی۔"

"تم مارسیلز میں شی کے طریقۂ کار سے باخبر ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"فرانس میں لی ہاروے کی بندرگاہ کے بعد مارسیلز ہمارا اہم ترین آپریٹنگ سینٹر ہے۔" اُس نے کہا۔ "وہاں ملاحوں اور دوسرے بحری عملے کی بھیڑ بھاڑ میں باہر سے بآسانی ہمارا مال اندر آتا ہے اور ہاتھوں ہاتھ تقسیم ہو جاتا ہے۔ ہیروئن کی تجارت کا زیادہ زور اسی شہر میں ہے اور بدقسمتی سے وہاں کا مقامی سربراہ میرا دیرینہ حریف ہے جس سے میری کبھی نہیں بن سکی، اس لیے میں پس پردہ رہ کر تمہاری مدد ضرور کرتی رہوں گی لیکن کھل کر سامنے نہیں آسکوں گی۔ عملاً سارے معاملات تم ہی کو نمٹانے ہوں گے ورنہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔"

"اگر تم ہی آئی وومن بن جاؤ۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "پھر تو تمہارا وہ دیرینہ حریف بھی تمہارے احکام سے سرتابی کی جرأت نہ کر سکے گا۔"

"شی میں آئی مین کی اصطلاح رائج ہے۔ یہ اعزاز آج تک کسی عورت کو نہیں دیا گیا۔ اس تبدیلی کو لوگ آسانی سے ہضم نہیں کر سکیں گے اور ان کے ذہنوں میں شبہات پروان چڑھتے رہیں گے۔"

"پھر تم ڈیلٹا کیمپ میں سلور آئی میرے حوالے کرنے سے کیوں ہچکچا رہی تھیں؟" میں نے سوال کیا۔

"لوگوں کے ذہنوں میں شبہات ضرور پیدا ہوں گے لیکن میرے پاس سلور آئی ہونے کی صورت میں وہ میرے احکام کی تعمیل سے اس وقت تک انکار نہیں کر سکیں گے جب تک کہیں سے اُن کے شبہات کی تصدیق نہ ہو جائے۔ اسی امکان کی وجہ سے کسی ہنگامی ضرورت کے لیے میں سلور آئی اپنے پاس رکھنا چاہ رہی تھی۔"

اس وقت اس سے ہونے والی گفتگو بہت اہم اور خیال انگیز تھی۔ میں خاموشی کے ساتھ مارسیلز میں اپنے امکانی طریقۂ کار پر غور کرنے میں مصروف ہو گیا اور ویرا نے اپنے لبوں سے نئی سگریٹ لگالی۔

کار رات کے اندھیرے اور سرد موسم میں تیزی سے مارسیلز کی طرف اُڑی جا رہی تھی۔

مونیگوں تک ہمارا سفر موٹر وے پر جاری رہا پھر ویرا نے کار اس سے ملحقہ ایک دوسری شاہراہ پر ڈال دی۔ ہمیں تو شاید اس تبدیلی کا علم بھی نہ ہو پاتا لیکن ویرا نے ہمیں خود ہی آگاہ کیا کہ وہ مارسیلز جانے والے سیدھے راستے کو چھوڑ کر دانستہ پُرپیچ راستہ اختیار کر رہی تھی تاکہ کسی امکانی مزاحمت کو ٹالا جا سکے۔ اس طرح مونیگوں سے گزرنے کے بعد بہت سی دیہی آبادیوں کے علاوہ ایوگنون، تاراسکون، سینٹ ریمی اور مارٹیگو میں نامی خوب صورت قصبات سے گزرتے ہوئے صبح کے تین بجے مارسیلز کی حدود میں داخل ہوئے۔ اس وقت شہر پر ہر طرف سکوت چھایا ہوا تھا۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ اور مشقت کے بعد اس شہر کے باسی شہر کی سرد اور کہر آلود فضا سے بچ کر اپنی گرم خواب گاہوں میں نرم اور آرام دہ بستروں کی آغوش میں دبکے ہوئے تھے۔ ملاحوں اور سیاحوں کے لیے انسانی کٹھ پتلیوں کے ہیجان انگیز ناچ تماشے دکھانے والے شبینہ کلب بھی اپنے گاہکوں کی جیبیں نچوڑ کر اگلی شام کے انتظار میں بند ہو چکے تھے۔

ویرا شاید مارسیلز میں قیام کے بارے میں راستے میں ہی فیصلہ کر چکی تھی کیونکہ شہر میں وہ کہیں ٹھٹکے یا بھٹکے بغیر تیز رفتاری کے ساتھ شہر کی روشن مگر ویران سڑکوں پر گاڑی ڈرائیو کرتی رہی اور آخر کار شہر کے ایک آسودہ حال علاقے میں اس نے اپنی کار ایک وسیع و عریض مکان کے بند آہنی پھاٹک کے سامنے روک دی۔

ویرا نے پھاٹک پر کار روکتے ہی ہیڈ لیمپس آف کر کے انجن بند کر دیا تھا لیکن اسی قلیل سے عرصے میں اندر والوں نے اپنے دروازے پر کسی کی آمد نوٹ کر لی تھی کیونکہ ویرا کے کار سے اترتے ہی ذیلی دروازہ کھل گیا تھا اور اس میں سے ایک مسلح اور چاق و چوبند دربان اپنی وردی درست کرتا ہوا نمودار ہوا تھا۔ اس کی مستعدی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اپنے مالکان کے سو جانے کے باوجود وہ پوری طرح بیدار رہ کر اپنے فرائض ذمہ داری کے ساتھ ادا کر رہا تھا۔

اس نے ویرا پر نگاہ پڑتے ہی فرنچ میں کوئی سوال کیا تھا۔ شاید ویرا اس کے لیے اجنبی تھی۔ ویرا نے فرنچ میں کئی ثانیوں تک شاید اپنی آمد کا مدعا ظاہر کیا اور وہ تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے واپس ذیلی دروازے میں غائب ہو گیا۔ اس اثنا میں میں نے کار سے باہر نکلنے کا ارادہ کیا تھا لیکن دروازہ کھلتے ہی چہرے سے ٹکرانے والے سرد ہوا کے جھونکے نے فوری طور پر ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا اور میں کار کی حرارت آمیز فضا میں دبکا رہ گیا۔

مسلح دربان کے اندر لوٹتے ہی ویرا بھی پھریریاں لیتی ہوئی کار میں آگئی۔

"یہ کہاں لے آئی ہو؟" میں نے اپنے وجود پر چھائی ہوئی کسولت جھاڑنے کی نیت سے رسما سوال کر ڈالا۔

"یہ چارلس میراندے کا مکان ہے۔" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "آج سردی کے ساتھ ہی ہوائیں بھی چل رہی ہیں کار میں ہیٹر نہ چل رہا ہوتا تو ہم راستے میں ہی جم کر رہ جاتے۔"

"اچھا ہوتا۔ کم از کم نیند تو پوری ہو جاتی۔" پیچھے سے سلطان شاہ نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اب دیکھو کہ یہاں رات کیسے گزرتی ہے۔"

"رات نہیں برخوردار! اب دن شروع ہو چکا ہے۔ صبح کے سوا تین بج رہے ہیں۔" میں نے اسے چڑانے والے لہجے میں کہا۔

"تمہیں رخِ زیبا کی وجہ سے دن نظر آ رہا ہوگا۔ ادھر میں اکیلا ہوں اس لیے رات ہی رات ہے۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "جگہ بدل لو تو شاید میری رائے بھی بدل جائے گی۔"

میں فراخ دلی کے ساتھ ہنسنے لگا اور ویرا غصیلی آواز میں بولی۔ "تم نے اسے حد سے زیادہ سر چڑھا رکھا ہے۔ سچ کہہ رہی ہوں کہ اس کی بدتمیزیاں جاری رہیں تو کسی وقت اسے مار بیٹھوں گی۔"

"مارنے کی اجازت ہے لیکن بیٹھنے سے پہلے ہوشیار کر دینا تاکہ میں اپنی ہڈیاں پسلیاں بچا سکوں۔" راستے میں سستا لینے کی وجہ سے سلطان شاہ کا دماغ اس وقت حیرت ناک طور پر حاضر تھا۔

"میں اتنی بھاری اور بے ہنگم ہوں۔" ویرا غراتے ہوئے اس کی طرف پلٹ پڑی اور میں بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے سمجھانے میں مصروف ہو گیا ورنہ اس وقت بات بڑھ سکتی تھی۔

اسی وقت ذیلی دروازہ پھر کھلا اور وہی محافظ ہمیں اپنی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ہمارے لیے مین پھاٹک نہیں کھولا گیا تھا۔

"کوئی چکر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"میراندے بددماغ اور تند خو آدمی ہے، ذرا مشکل ہی سے قابو میں آئے گا۔" ویرا بولی۔ اس بار وہ گاڑی سے نہیں اتری تھی۔ بلکہ شیشہ قدرے گرا کر محافظ کا انتظار کر رہی تھی جو اپنے وزنی اوور کوٹ کے کھڑے ہوئے کالر میں اپنی گردن چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے آگے آ رہا تھا۔

محافظ نے قریب آ کر سپاٹ لہجے میں ویرا کو کوئی پیغام دیا اور پھر ان دونوں کے درمیان ایک مذاکرے کا آغاز ہو گیا۔ محافظ کے یکساں اور پرسکون لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی ایک مؤقف پر ڈٹا ہوا تھا جو یقینی طور پر اندر سے ملنے والی ہدایت کے مطابق رہا ہوگا جب کہ ویرا شاید متبادل راستے تجویز کر رہی تھی۔ کئی منٹ کی بحث و تمحیص کے بعد ویرا میری طرف متوجہ ہو گئی۔

"میراندے مارسیلز کے کاروبار میں مقامی سربراہ کا نائب ہے۔" وہ اردو میں بولی۔ "میں نے اپنا نام بدل کر اسے پیغام بھجوایا تھا کہ میں بیرونِ شہر سے اس سے ملنے آئی ہوں لیکن اس نے اس وقت کسی بھی مہمان سے ملنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس وقت اس کی سگی ماں بھی آئی ہو تو وہ صبح آٹھ بجے سے پہلے اسے اندر نہیں آنے دے گا جب کہ میرا مفروضہ نام اس کے لیے سرے سے اجنبی ہے، چوکیدار اپنے مالک کے غصے سے بہت خائف ہے اور بمشکل اس بات پر راضی ہو سکا ہے کہ انٹرکام پر میراندے سے براہِ راست ہماری بات کرا دے۔ میرا خیال ہے کہ تم میرے ساتھ محافظ کے کیبن میں چلو۔"

ہم دونوں ہی گاڑی سے اتر گئے۔ محافظ سر جھٹک کر فرنچ میں کچھ بڑبڑاتے جا رہا تھا۔ لیکن وہ کسی گھاگ عقاب کی طرح ہماری ایک ایک نقل و حرکت بھانپ رہا تھا۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ضرورت پیش آنے پر وہ اپنا آتشیں اسلحہ نکالنے اور استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔

اپنے کیبن میں پہنچ کر محافظ نے ایک بار پھر ویرا کو کچھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس کے اصرار پر ریسیور اس کے ہاتھ میں دے کر بائیں نمبر سوئچ خفیف سا دبا کر انگلی ہٹالی۔

"آہستہ بولو میراندے! میں ویرا بول رہی ہوں۔" انٹرکام کے ریسیور پر ابھرنے والی آواز کی گونج میرے کانوں تک بھی پہنچی تھی

لیکن ویرا نے انگریزی میں بڑا نرم لہجہ اختیار کیا تھا۔

"تم درست کہہ رہے ہو"، چند ثانیوں تک توقف کر کے دوسری طرف کی بات سُننے کے بعد وہ بولی "میں نے اپنا فرضی نام بتایا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم مہمانوں کے ساتھ اس قدر سخت گیر ہو گے۔ دراصل میں تو صرف قاصد ہوں، تمہارا اصل مہمان میرے ساتھ ہے، وہ صرف انگریزی جانتا ہے، اسی لیے میں تمہاری فرنچ کے جواب میں انگریزی بول رہی ہوں، اس طرح تمہارا دربان بھی یہ گفتگو نہیں سمجھ سکے گا۔۔"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی اور چند ثانیوں بعد بولی "یہ دلالی میرے بس کی نہیں ہے، جو کہنا ہے خود ہی کہہ دو، میں ریسیور تمہارے مہمان کو دے رہی ہوں۔ پھر کہے دے رہی ہوں کہ تمہارا یہ مہمان وی آئی پی ہے جو کچھ کہو سوچ سمجھ کر کہنا ورنہ بعد میں پچھتانے کا موقع نہیں ملے گا۔"

یہ کہتے ہوئے ویرا نے ریسیور مجھے دے دیا۔ شاید اس کے آخری فقرے کارگر ہوئے تھے کیونکہ دوسری طرف لائن پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔

"میں آئی مین بول رہا ہوں میراندے!" میں نے محافظ پر نگاہ رکھتے ہوئے دھیمی مگر غراتی ہوئی آواز میں براہِ راست اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "کیا بات ہے، نا وقت نیند خراب کیے جانے پر بہت زیادہ برہم معلوم ہو رہے ہو؟"

"نن... نہیں سر... ہرگز نہیں"، ریسیور میں اس کی نقاہت آلود آواز سنائی دی جس میں خوف کا عنصر نمایاں تھا، "ساری غلطی مادام ویرا کی ہے۔ وہ اپنا نام بھی لے دیتی تو میرا رویہ مختلف ہوتا۔ میرے پاس بڑے بڑے گھرانوں کی عورتیں اکثر اسی طرح رات گئے آ جاتی ہیں اور اپنا سب کچھ مجھے سونپ کر منہ مانگے داموں پر براؤن شوگر کی طلب گار ہوتی ہیں۔ ابتدا میں میرے لیے ایسے تجربات دلچسپ اور سنسنی خیز ہوتے تھے مگر اب میں اکتا گیا ہوں۔ میں بے وقت ملاقاتیوں اور خاص طور پر اجنبی عورتوں کو دروازے سے ہی دھتکار دیتا ہوں۔"

وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر میں اندر سے کانپ کر رہ گیا۔ ہیروئن واقعی بدترین لعنت تھی، اگر مارسیلز کی معزز عورتیں بدنامی سے بچنے کے لیے رات کے اندھیرے میں میراندے کی نیند خراب کر کے اپنا نشہ خریدنے آتی تھیں تو وہ شاید اتنا شرمناک نہیں تھا جتنا ان کا محض خوشامد کے لیے خود سپردگی کا جذبہ۔

اب تک جو کچھ خونریزی ہوتی رہی تھی وہ زیادہ تر دفاعی تھی اور بڑی حد تک ناگزیر بھی لیکن اس بار ویرا نے مجھے ایک ایسے گھناؤنے مجرم کے دروازے پر لا کھڑا کیا تھا جو زندہ رہ کر زندگیوں کے لیے روگ پھیلا رہا تھا لیکن اس کے عذاب یافتہ اسے اپنا محسن سمجھ کر اپنا سب کچھ اسے سونپ دینے پر تُلے رہتے تھے۔

"پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے موسیو میراندے؟" لحظہ بھر کے معنی خیز سکوت کے بعد میں نے اپنے وجود میں ابھرنے والی قہر اور انتقام کی لہر کو دباتے ہوئے طنزیہ لہجے میں دریافت کیا۔

"اجازت ہو تو انٹرکام بند کر کے میں پیشوائی کے لیے خود گیٹ پر حاضر ہوتا ہوں۔" دوسری طرف سے گھگھیاتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں کہا گیا۔ "مجھے افسوس ہے کہ مادام ویرا کی غلطی کی وجہ سے تم کو اتنی دیر انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی مگر میری ایک عاجزانہ التجا ہے۔"

اس کی خاموشی اجازت طلب تھی۔ "کہو کہو، میں سن رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں حاضر ہو رہا ہوں اور تمہاری میزبانی کا اعزاز قبول کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے اس مقدس طلائی سکے کی زیارت کرنا چاہوں گا جو ہم میں طاقت اور جبروت کی علامت ہے۔" اس کا لہجہ عاجزانہ اور الفاظ شاعرانہ تھے لیکن مفہوم بہت واضح اور دو ٹوک تھا کہ سلور آئی دیکھے بغیر وہ مجھے آئی مین تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا اور اس کا وہ مطالبہ تنظیم کے مروّجہ ضابطوں کے عین مطابق تھا۔

"تمہارا انداز پسند آیا میراندے!" میں نے جواب دیا۔ "تمہارا مطالبہ پورا کیا جائے گا۔"

"ارے میری کہاں یہ مجال کہ تم سے کوئی مطالبہ کر سکوں۔ میں تو تمہارے قدموں کی خاک بھی نہیں ہوں جسے تمہارے جوتوں کے تلے چھو لیں تو وہ سونا بن جاتی ہے۔۔" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"بس بس، اداکاری کی ضرورت نہیں۔" میں نے لسے درمیان ٹوک کر خاموش کر دیا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم اپنے ذہن اور صلاحیتوں سے کام لینا جانتے ہو۔ آج سردی کے ساتھ تیز ہوائیں بھی چل رہی ہیں، جلدی گیٹ پر آؤ۔ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" یہ کہہ کر میں نے انٹرکام کا ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

چند ثانیوں بعد ہی اس عمارت کے برآمدے اور سامنے والے بیرونی حصے میں بتیاں روشن ہونے لگیں پھر برآمدے میں نصب بلند و بالا چوبی دروازہ کھلا جس میں سے ایک دراز قامت سفید فام شب خوابی کے لبادے پر گاؤن کی ڈوریاں کستا ہوا نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے اس کی دو خادمائیں موجود تھیں جو بہت زیادہ خائف اور پریشان نظر آ رہی تھیں۔ شاید ان کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا کہ اس وقت کون سا ایسا مہمان آ گیا تھا جس کے استقبال کے لیے ان کا آقا خلافِ معمول بستر چھوڑ کر خود پھاٹک کی طرف دوڑا جا رہا تھا۔

اس کے قریب آنے پر میں نے دیکھا کہ وہ سفید فام انتہائی کریہہ اور خوف آور شخصیت کا مالک تھا۔ کسی بلڈاگ کی طرح لٹکے ہوئے بھاری جبڑوں کے ساتھ اس کی پیشانی پر متعدد شکنیں موجود تھیں... جو اس کے موٹے موٹے ہونٹوں پر موجود جبری مسکراہٹ سے ذرا بھی میل نہیں کھا رہی تھیں۔ اپنے قد و قامت کے علاوہ جسم کے اعتبار سے وہ مار دھاڑ کا شائق اور اذیت پرست معلوم ہوتا تھا۔ مجموعی طور

پردہ پیریس والے بل ابھی کا رشتے دار معلوم ہو رہا تھا۔
کچھ فاصلے سے جب اس نے دربان کے کیبن میں ہم تینوں کو دیکھا تو لمحہ بھر کے لیے اس کے چہرے پر تحیر کے آثار نمودار ہوئے جو فوراً ہی غائب ہو گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ اس وقت اگر میراندے کو سوال جواب یا کسی بازپرس کا ذرا بھی موقع دیا تو وہ میری مصنوعی شخصیت سے مناسب طور پر مرعوب نہیں ہو سکے گا لہٰذا میں نے اپنی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر سلور آئی اپنی مٹھی میں نکال لی۔ میری توقع کے عین مطابق ہمارے قریب پہنچنے تک میراندے کے چہرے پر استفسار کی علامات ابھر آئی تھیں لیکن اس سے قبل کہ وہ کیبن میں داخل ہو کر ہم سے کوئی سوال کرتا میں نے دروازے پر پہنچ کر روشنی میں اپنی مٹھی اس کے آگے کھول دی۔

اس سکے پر ابھری ہوئی خواب ناک آنکھ دیکھتے ہی وہ اسی مقام پر میرے سامنے رکوع کی حالت میں جھکتا چلا گیا۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے سلور آئی پر نظر پڑتے ہی اس کے وجود کی کوئی کل خود کار نظام کے تحت حرکت میں آ گئی ہو۔

یوں ہی رکوع کی حالت میں آگے بڑھ کر میراندے نے ادب و احترام سے میرے گھٹنے چھو کر میری ذات سے اپنی وفاداری کا اظہار کیا۔ اگر معاملہ اپنے جیسے کسی عام انسان کا ہوتا تو میں ہرگز اس رویے کو پسند نہ کرتا لیکن اس وقت میں انا پرستوں کے خود سر غول کے ایک وحشی کے روبرو موجود تھا جسے عملاً اپنا تابع بنانے کے لیے سب سے پہلے اس کی انا پر کاری ضرب لگانا ضروری تھا لہٰذا میں نے پرغرور انداز میں داہنے پیر کی جنبش سے اسے سیدھا ہونے کا اشارہ کیا اور وہ مشینی انداز میں اس طرح سیدھا کھڑا ہوا کہ مجھ سے نگاہیں چار نہیں کر رہا تھا بلکہ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"یہ میری عزت افزائی ہے کہ تم نے مجھے اپنی میزبانی کے قابل سمجھا ہے۔" وہ ممنون اور مشکور لہجے میں بولا۔ "میں ایک بار پھر معذرت خواہ ہوں کہ تمہیں یہاں انتظار کی زحمت سے گزرنا پڑا۔ میں مادام ویرا سے تو بخوبی واقف ہوں لیکن تمہارا یہ ساتھی میرے لیے اجنبی ہے۔" آخری فقرہ اس نے سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ادا کیا تھا جو اس دوران میں کار سے اتر کر کیبن میں آ چکا تھا۔

"اسے میری ذات کا پرتو کہہ لو۔" میں نے گمبھیر سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اس جیسا وفادار اور جاں نثار دوست اس دور میں روئے زمین پر ملنا مشکل ہے۔ اس کا نام جوزف ہے۔"

میراندے نے بڑھ کر بڑے تپاک سے جوزف سے ہاتھ ملایا۔ اس کے بعد ویرا سے بھی خاموشی کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ اس وقت اس کی نگاہوں میں عجیب سے تاثرات تھے جیسے ویرا سے کچھ پوچھنا چاہتا ہو لیکن کسی وجہ سے خود میں زبان کھولنے کی ہمت نہ پا رہا ہو۔

"رات گزر چکی ہے میراندے!" میں نے تحکمانہ لہجے میں اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "سورج طلوع ہونے تک کا وقت ہم بستروں میں گزارنا چاہتے ہیں۔"

"اوہ ضرور۔ آؤ، آؤ، میرے ساتھ آؤ۔ اس وقت شاید میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے اپنی زندگی میں کوئی ایسی مبارک رات بھی نصیب ہو سکے گی کہ ایک آئی مین میری چھت کے نیچے موجود ہوگا۔" بوکھلائے ہوئے انداز میں مجھ سے یہ کہہ کر میراندے اپنی خادماؤں کی طرف متوجہ ہو کر تیز لہجے میں فرنچ میں کچھ ہدایات دینے لگا اور وہ دونوں تقریباً دوڑتی ہوئی عمارت کی طرف چلی گئیں۔

ان میں سے ایک معصومانہ حسن کی مالک جوان لڑکی تھی جب کہ دوسری ادھیڑ عمر عورت تھی۔ عمر کے اس حصے میں باقی رہ جانے والے کھنڈرات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اپنے دنوں میں وہ بھی خوش رو اور خوش ادا رہی ہوگی لیکن میراندے کے مکان کے چوکیدار کی طرح وہ دونوں بھی انگریزی سے بالکل ہی نابلد نظر آتی تھیں کیونکہ میری اور میراندے کی گفتگو کے دوران وہ سپاٹ چہروں کے ساتھ لاتعلقانہ انداز میں ایک ایک کے چہرے کو تکتی رہی تھیں۔

خادماؤں کے پیچھے ہم تینوں بھی بڑھے مگر ویرا ٹھٹک گئی۔ "کیا ہماری کار باہر ہی کھڑی رہے گی؟"

"اوہ!" میراندے نے خفت آمیز انداز میں اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "چابی کہاں ہے، میں گاڑی برآمدے کے سامنے لاتا ہوں۔ تم لوگ وہیں پہنچو۔ پہلے ہم ڈرائنگ روم میں گرم گرم کافی کی ایک پیالی پئیں گے۔"

"چابی اگنیشن میں موجود ہے۔" ویرا نے اسے بتایا۔ "گاڑی پورٹیکو کے بجائے گیراج میں رکھ دو تو بہتر ہوگا۔ اس کا یہاں دیکھا جانا ہمارے موجودہ مشن کے لیے مناسب نہ ہوگا۔"

میری بات اور تھی کیونکہ میں آئی مین تھا لیکن ویرا کی آخری ہدایت پر میراندے کے چہرے پر ناگواری کی لہر آ کر گزر گئی۔ "فی الحال تو میں گاڑی اندر لیے لیتا ہوں پھر میرے ڈرائیوروں میں سے کوئی اسے گیراج میں ڈال دے گا۔"

ویرا اس سے مزید کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن میں نے اشارے سے اسے خاموش کرا دیا کیونکہ میں اس قلیل سی مدت میں ہی میراندے کا ٹائپ سمجھ چکا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے بالادستوں کے جوتے بھی خوش بلکہ فخر کے ساتھ چاٹتے ہیں لیکن برابر والوں اور زیردستوں کو بری طرح دبا کر رکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔

وہ پھاٹک کھلوا کر گاڑی اندر لانے کے لیے واپس ہو گیا اور ہم تینوں سرسبز لان سے گزرتے ہوئے برآمدے کی طرف ہو لیے۔

"پہلے تو تم بالکل ہی پس منظر میں رہنا چاہ رہی تھیں اور اب ہمارے ساتھ یہاں تک آ گئی ہو۔" چند قدم دور نکلنے کے بعد میں نے آرزو

میں دیرا سے سوال کیا۔

"پس منظر تم سے ذرا دور ہو جاتا اس لیے ارادہ بدل لیا ہوگا۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے لقمہ دیا۔

"سنجیدگی۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے خشمناک لہجے میں کہا۔ "یہ نہ بھولو کہ اس وقت ہم شیر کے دہانے میں داخل ہو چکے ہیں۔ اگر ہم اپنی توانائیاں گرد و پیش پر مرکوز رکھنے کے بجائے آپس کی نوک جھونک میں برباد کرتے رہے تو کسی بھی لمحے بے خبری میں مارے جائیں گے۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے اس بکھیڑے کو پٹا ڈال دیا۔" دیرا ابھی باز نہ آئی پھر جلدی سے موضوع بدلتے ہوئے بولی۔ "مارسیلز کا سربراہ میرا دیرینہ حریف ہے۔ میں اس سے دور رہنا چاہتی تھی لیکن چارلس میراندے کا خیال آتے ہی میں نے اسکیم بدل دی۔ میراندے یہاں بہت بارسوخ اور طاقتور ہے۔ کئی بار ہم ساتھ کام بھی کر چکے ہیں۔ جب تک یہ تمہیں آئی مین سمجھتا رہے گا، دل و جان سے تمہارے اشاروں پر ناچتا رہے گا اور اپنے باس کو تمہاری موجودگی کی ہوا بھی نہ لگنے دے گا۔ بس ذرا اس کے مقامی معاملات میں دلچسپی کا اظہار ضرور کرنا کیونکہ پچھلے دنوں میراندے کا ایک آدمی درمیان سے آدھا مال غائب کر کے ملاوٹ سے مقدار پوری کرتا رہا تھا۔ میراندے نے بڑی ہوشیاری سے اس مسئلے کو نمٹایا ہے۔" وہ بولی۔

"لیون والوں نے جب بوکھلا کر ہمیں پکڑوانے کے لیے پولیس کا سہارا لیا ہے تو کیا مارسیلز والوں کو مخبر ویرا لائیڈ اور اس کے دو مشتبہ ساتھیوں کے بارے میں ہوشیار نہیں کیا گیا ہوگا؟" میں نے دھیمے لہجے میں اپنے ذہن میں کلبلاتے والا وہ سوال پوچھ ہی لیا جو مجھے کافی دیر سے پریشان کر رہا تھا۔

"مجھے امید نہیں۔" وہ سر کو جنبش دیتے ہوئے بولی۔ "گفتگو کے دوران اس پہلو کا بھی اندازہ لگا لیں گے۔ میرا خیال ہے کہ تمہارے بارے میں شی کے بڑوں کی خود اعتمادی رخصت ہو گئی ہے، وہ سمجھنے لگے ہیں کہ اپنے وسائل سے تمہیں گھیرنا ان کے بس سے باہر ہے اس لیے اب تم پر دوسری سمتوں سے جال ڈالے جائیں گے جن میں پولیس کا محکمہ سرفہرست ہے۔"

"لیکن تمہارے لیے اب خطرات بڑھ گئے ہیں۔" میں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ "پولیس کے ذریعے ہماری گرفتاری کی کوشش میں تمہارا نام جس حوالے سے لیا گیا ہے اس کی روشنی میں یہ سوچنا پڑے گا کہ جمی لائیڈ تمہیں کب تک نظرانداز کرتا رہے گا۔ اس واقعے سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ وہ میرے ساتھ تمہاری بڑھتی ہوئی ہمدردیوں سے پوری طرح باخبر ہے۔"

"جو ہونا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔" وہ بے پروائی کے ساتھ بولی۔ "میں بس اتنا جانتی ہوں کہ وہ مجھے مروانے کی کوشش ہرگز نہیں کرے گا۔ اس بارے میں ڈیلٹا کیمپ والے واقعہ کے بعد ہم تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ اس کے ضمیر میں یہ خلش باقی ہے کہ اس نے باپ ہوتے ہوئے بھی مجھے ہمیشہ اپنی شفقت سے محروم رکھا ہے اور اب وہ مجھے کھلی چھوٹ دے کر اس کا ازالہ کر رہا ہے۔ وہ تمہاری سرگرمیوں کی وجہ سے تمہارا دشمن ضرور ہو گیا ہے مگر اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ شاید میں تمہیں اپنا جیون ساتھی بنانے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔" وہ رک کر استہزائیہ انداز میں ہنسی پھر بولی۔ "کاش! اسے غزالہ کی کہانی کا علم ہو گیا ہوتا۔"

"تمہاری بات اور ہے۔ ناجائز ہی سہی مگر تم اس کی بیٹی ہو لیکن وہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔ لوگ شریف دامادوں کو معاف نہیں کرتے جب کہ تمہاری منطق کے مطابق میں تو جمی لائیڈ کی نظروں میں محض داماد کا امیدوار اور نہایت سرکش انسان ہوں۔ ڈیلٹا کیمپ کا عقدہ بعد میں میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہاں اس نے مجھے محض اس امید میں زندہ رکھا تھا کہ مجھ سے براہ راست مطالبہ کیے بغیر رداردی میں گم شدہ سلور آئی کا سراغ لگا سکے۔ جس لمحے اسے سلور آئی مل جاتی، وہ نہایت بے رحمی کے ساتھ مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ صادر کر دیتا۔"

"پتا نہیں کیوں تم ہمیشہ جائز اور ناجائز کا ذکر کر کے میری تحقیر کرنے کی کوشش کرتے ہو؟" وہ یک بیک اداس ہو گئی۔ "میں اس دنیا میں اپنی مرضی سے نہیں آئی۔ جو گناہ میری ماں سے جمی لائیڈ کی تحریص اور ترغیب پر سرزد ہوا ہو آخر اس کا الزام میرے وجود پر کیسے تھوپا جاتا ہے اور پھر میں تنہا تو نہیں ہوں۔ مشرق نہ سہی، مغرب میں سنگل پیرنٹ فیملی کو قانونی تحفظ اور مراعات حاصل ہیں۔ کسی سے کوئی ولدیت نہیں پوچھتا، ہر جگہ خاندانی نام کافی ہوتا ہے۔ انگلینڈ اور فرانس میں ہزاروں مائیں بن بیاہی مائیں کسی احساس جرم کے بغیر اپنے بچوں کی پرورش کر رہی ہیں۔ ولی برانڈ کا باپ کون تھا؟ عدم ولدیت اسے جرمنی کا چانسلر بننے سے نہیں روک سکی پھر تم میری تحقیر کیوں کرتے ہو.....؟"

"تم جذباتی ہو رہی ہو دیرا!" میں نے نرمی سے کہا۔ "قصور میرا نہیں، میرے جغرافیائی وجود کا ہے جو مشرق کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ وہاں اخلاقی جرائم شاید مغرب سے زیادہ ہوتے ہوں مگر انہیں قانونی تحفظ کہیں نہیں مل سکا۔ میں جو کچھ کہتا ہوں، نیک نیتی سے کہتا ہوں جس میں تمہاری تحقیر کا ذرا بھی شائبہ نہیں ہوتا۔"

"قانون کبھی جرائم کی راہ کا روڑا نہیں بنتے۔ پہلا امتناعی حکم آسمانوں سے آدم کے لیے جاری ہوا تھا لیکن نتیجہ کیا ہوا؟" اس وقت ویرا بہت زیادہ سنجیدہ اور دل گرفتہ نظر آنے لگی تھی۔ "اور میری بات چھوڑو، ان کے بارے میں کیا کہو گے جو شوہروں والیاں ہو کر بھی بے حیائی کی مرتکب ہوتی ہیں۔ دوسروں کے بچے اپنے شوہروں سے پلواتی ہیں۔ کیا تم پورے یقین سے کہہ سکتے ہو کہ جس طرح تم اپنی ماں کو جانتے

سی طرح اپنے حقیقی باپ سے بھی باخبر ہو.....؟"

" اپنی وجہ سے دنیا کی تمام سچائیوں کو الزام نہ دو مس ویرا...!"
لان شاہ نے تلخ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "بات کا دائرہ
لنے کی کوشش کرو گی تو بدمزگی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ڈینی نے
ہ کر بات ختم کردی ہے کہ اس کی تمہاری تحقیر کرنے کی نیت نہیں
ی۔ آئندہ ہم اس بارے میں محتاط رہیں گے۔"

" تمہیں محتاط رہنے کی ضرورت نہیں، نہ مجھے تم سے کوئی شکایت
یں جو کچھ کہہ رہی تھی وہ ایک عام سی بات تھی، بعض لوگ محض میری
ل کرنے کی نیت سے ایسی باتیں کرتے ہیں، اس وقت میرا دل
ا ہے کہ سامنے آنے والی ہر زندہ اور بے جان چیز کے جیتھڑے
دوں۔" وہ برآمدے میں بیگ کر رکھتے ہوئے بولی۔

اسی وقت میراندے، ویرا کی کار وہاں لے آیا اور وہ ناخوشگوار
وع وہیں ختم ہوگیا۔

" الیکٹرونکس نے زندگی عذاب کردی ہے۔" میراندے کار سے
تے ہوئے اونچی آواز میں بڑبڑایا "اگنیشن ہی آن نہیں ہو رہا تھا۔
ی کو چلانا تو درکنار، اب انجن اسٹارٹ کرنے کے لیے بھی حفاظتی
باند ھنا ضروری ہے، بعض اوقات تو زندگی مضحکہ خیز نظر آنے
ہے۔"

برآمدے میں مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ بری طرح چونکا تھا اور
ت ناک سرعت کے ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات میں نمایاں
لی رونما ہوئی تھی۔ شاید گاڑی اسٹارٹ نہ کرسکنے کی جھنجلاہٹ
ہ وقتی طور پر آئی مین کی حیثیت سے میری موجودگی کو فراموش
ا تھا ورنہ اس کی بڑبڑاہٹ بلند آہنگ نہ ہونے پاتی۔

" میں معذرت خواہ ہوں سر!" وہ اپنے سر کو قدرے خم دے کر
دراصل میں اپنی ناکامی پر جھلا گیا تھا، میرے پاس بھی جدید ترین
ی کئی گاڑیاں ہیں لیکن بدقسمتی سے کسی میں اگنیشن کا تعلق سیفٹی بیلٹ
یں ہے۔"

" ڈرائنگ روم کی طرف چلو میراندے!" میں نے اس کی بات کو
ظرانداز کرتے ہوئے خشک لہجے میں کہا اور وہ ایک جھٹکے سے اونچے
ش چوبی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میراندے کا ڈرائنگ روم نہایت پُرتعیش اور بیش قیمت
سے سجا ہوا تھا اور سجاوٹ میں خاصے لطیف ذوق سے کام
ا تھا۔ اندر قدم رکھتے ہی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ میراندے کا
رسیلز کے رؤسا میں ضرور ہوتا ہوگا۔ جیب میں پیسہ موجود ہو تو
نہیں پوچھتا کہ وہ ہیروئن کے دھندے سے آیا ہے یا کڑی
ت سے حاصل کیا گیا ہے، اس صف میں محمود و ایاز سب برابر
تے ہیں۔

" مجھے خوشی ہے کہ ہمارے آدمی زندگی گزارنے کا سلیقہ جانتے
ہیں۔" میں نے ایک کشادہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے تحسین آمیز لہجے میں
کہا۔ "پیسہ ڈھنگ سے خرچ کرنا بھی ایک فن ہے جس سے بہت
کم لوگ واقف ہوتے ہیں ورنہ کمانا تو طوائفیں بھی خوب جانتی ہیں۔"

" واہ کیا بات کہی ہے۔" میراندے خوشامدانہ انداز میں اپنی
نشست سے اچھل پڑا۔ "حالانکہ لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ پیسہ کمانا
بہت مشکل ہوتا ہے مگر حقیقت وہی ہے جو تم نے کہہ دی ہے۔"

" مارسیلز کے کاروباری حالات کیسے چل رہے ہیں؟" میں نے
سوال کیا۔

" بہت اچھے۔" اس کی نیند کافور ہو چکی تھی اور اب وہ نائٹ گاؤن
میں بے آرامی سی محسوس کر رہا تھا۔ "یہ منڈی بہت زرخیز ہے۔ موجودہ
بارہ ہفتوں کا سیل ٹارگٹ ہم ساڑھے دس ہفتوں میں پورا کر چکے ہیں۔
اس عرصے میں ہم نے ریکارڈ کامیابی حاصل کی ہے۔ یہاں کی عورتیں
ذاتی اور خانگی مسائل کی وجہ سے عام طور پر ذہنی دباؤ میں رہتی ہیں۔
اعلیٰ طبقے کی عورتوں میں ہیروئن کی مقبولیت کے بارے میں میں تمہیں
انٹر کام پر بتا ہی چکا ہوں۔ اگر قلت کے دنوں میں ان عورتوں کو یہ
معلوم ہو جائے کہ شہر میں کسی بھی فرد سے حسب ضرورت دس بیس
گرام ہیروئن مناسب قیمت پر ملتی رہے گی تو وہ بلا مبالغہ اس کی
ہر خواہش پوری کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرنے پر آمادہ ہو جاتی
ہیں، اس تجربے سے متاثر ہو کر پچھلے دنوں میں نے چند پیشہ ور لڑکیوں
کی خدمات حاصل کی تھیں جو عورتوں کی تنظیموں اور خاص کلبوں میں
گھس کر نمایاں کام کر رہی ہیں۔ ان کی ترغیب پر مال کی کھپت بڑھی
ہے۔ اگر ہماری کوششیں اسی رفتار سے جاری رہیں تو مجھے یقین ہے
کہ اگلے ایک ڈیڑھ سال میں مارسیلز کی کم از کم چوتھائی نسوانی آبادی
ہمارے مستقل گاہکوں کی صف میں شامل ہو جائے گی۔"

اس کا انکشاف لرزہ انگیز تھا۔ وہ لوگ بہت منظم پیمانے پر معاشرے کے ہر قابلِ ذکر گروہ کو موت کے بھیانک جال میں پھانس رہے تھے جس کی بندشوں میں اسیر ہونے کے بعد پاکبازی، عزتِ نفس اور اخلاقی اقدار کا ہر وہ احساس مٹ جاتا ہے جو ویرا جیسی مجرمہ کے دل میں بھی باقی تھا۔ ہیروئن کے ذہنی اور جسمانی نقصانات سے قطعِ نظر معاشرہ حیوانی اقدار سے مغلوب ہوتا جا رہا تھا۔ اس اعتبار سے میرانڈے ایک بہت بڑا مجرم تھا لیکن اس وقت میں ڈپٹی نہیں بلکہ آئی مین کے روپ میں اس سے مخاطب تھا، اسی لیے اسے داد دینے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔ "میں تمھاری کارکردگی کے تذکرے سُنتا رہا ہوں اور شی کے سربراہ اور وہ لوگوں میں سے کئی تمھاری صلاحیتوں کا دل سے اعتراف کرتے ہیں، اسی وجہ سے میں مارسیلز میں شی کے مقامی چیف کے بجائے تمھارے پاس آیا ہوں۔" میرے ان الفاظ پر اس کا سینہ فخر سے پھول گیا اور چہرے پر سُرخی پھیل گئی۔ جب کہ میں نے اس کی تعریف کی آڑ میں یہ وضاحت بھی کر دی کہ میں اس کے باس کے بجائے اس کے پاس کیوں آیا تھا۔ اس مرحلے پر ویرا بس تحسین آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ کر رہ گئی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "پچھلے دنوں تم نے چوری کا کوئی کیس بھی پکڑا تھا، میں اس سے بھی بے خبر نہیں ہوں۔"

"وہ واقعی عجیب قصہ تھا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "اور مجرم آج بھی اسی مکان کے تہ خانے میں موت کی آرزو میں میری قید کی سزا بھگت رہا ہے۔ ہم شہر کے میڈیکل اور جنرل اسٹورز کو کیپسولوں میں ہیروئن فراہم کرتے ہیں، یہ کیپسول گاہکوں میں ٹرائی اسٹار کے نام سے مقبول ہیں۔ مال پہنچانے والے نے ان کیپسولوں میں سے آدھی مقدار نکال کر اس میں ایک ہم رنگ سفوف کی ملاوٹ شروع کی ہوئی تھی۔ جس کا خریداروں کو کوئی اندازہ نہیں ہو سکا، لیکن میں نے ایک اتفاق کے تحت یہ چوری پکڑ لی۔ اب وہ شخص میری نجی قید میں ہے، مگر اس واقعے سے ہمیں بھی فائدہ ہوا ہے۔ مارسیلز شہر میں ہماری سپلائی میں پچیس فیصد ملاوٹ کی جا رہی ہے۔ جب کہ دام پرانے چل رہے ہیں۔ وہ سفوف ہیروئن کے مقابلے میں کئی ہزار گُنا سستا اور بے ضرر ہے۔"

بے ضرر کی اصطلاح پر میں دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا، جو لوگ ہیروئن جیسے موذی نشے کو مالی منفعت کے لیے شیرِ مادر کی طرح فروخت کر رہے ہوں، ان کے نزدیک تو سنکھیا بھی بے ضرر ہی قرار پاتی۔

"وقت ملا تو میں اس چور سے ضرور ملوں گا — میری تو رائے ہے کہ اسے عبرت کا مرقع بنا کر شہر کی کسی شارعِ عام پر پھنکوا دیا جائے تاکہ کوئی دوسرا تنظیم کے خلاف سوچنے کی جراُت بھی نہ کر سکے۔" میں نے کہا۔

"میں کل ہی اس پر عمل کر گزروں گا۔" اس نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔ "دراصل کیپسولوں میں ملاوٹ کا کام میں نے اسی کے سپرد کیا ہوا ہے تاکہ ہمارا کوئی آدمی ان ہی خطوط پر سوچنا نہ شروع کر دے۔ ہمارے آدمیوں میں ایک سے ایک چھٹا ہوا ولد الحرام موجود ہے، اس لیے ملاوٹ کا کام میں ان سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور پوشیدہ رکھو۔ باصبرت کوئی ملازم رکھ لو لیکن [illegible] پھر واپس لوٹنا ضروری ہے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔" میں نے [illegible] زور دیتے ہوئے کہا۔ "اور ہاں دیکھو، شہر میں میری یا میرے [illegible] سے کسی کی موجودگی کی بھنک بھی دوسروں کو نہ ملے۔ میں اپنا [illegible] سر انجام دینا چاہتا ہوں۔ اسی لیے ویرا نے اپنی کار گیراج میں [illegible] کی ہدایت کی تھی تاکہ وہ یہاں پہچانی نہ جا سکے۔"

"کار کے لیے میں نے چوکیدار کو ہدایت دے دی تھی۔ [illegible] میں کسی کو تمھاری موجودگی کی ہوا بھی نہ لگنے دوں گا، گردن کٹوا لوں گا [illegible] نہیں کھولوں گا۔"

"شاباش مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔"

پھر میرانڈے کی جواں سال خادمہ ٹرالی پر کافی اور دیگر لوازمات آئی اور میرانڈے نے موقع ملتے ہی جگہ چھوڑ دی۔ "اجازت ہو تو [illegible] لباس بدل آؤں۔ ان کپڑوں میں تمھارے سامنے بیٹھتے ہوئے شرم [illegible] میرا اشارہ پاکر وہ چلا گیا اور ملازمہ معصوم مسکراہٹ کے ساتھ سرو کرنے لگی۔

"تم نے ہر بات بہت خوبصورتی سے واضح کر دی۔" اس کے جانے کے بعد ویرا اُردو میں بولی۔ "اسے ابھی سے مارسیلز لوٹنے کے خواب آنے شروع ہو جائیں گے۔"

"واپس آئے تو ذرا کُریدنا کہ پیرس اور لیونز کے معاملات کے بارے میں یہ کس حد تک باخبر ہے؟" میں نے ہنستے ہوئے اسے مشورہ دیا۔ "یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہم کب تک اس پر اعتماد کر سکیں گے۔"

"میں کچھ اور بھی سوچ رہی ہوں۔" وہ پُرخیال انداز میں میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "اسی شہر میں کہیں شی کا ایک بہت بڑا اسلحہ [illegible] ہے جو حکومت کے درپردہ ایما پر بظاہر غیر قانونی طور پر بعض حکومت دشمن تحریکوں کو فراہم کیا جاتا ہے۔ یہاں اکثر اسلحہ کی جدید اور بڑی کھیپ جاتی رہتی ہیں۔ کیوں نہ میں میرانڈے سے اس کا سراغ لگانے کی کوشش کروں؟"

"بہت نیک خیال ہے۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "دراصل میں شی کو ایسے ہی نقصانات پہنچانا چاہتا ہوں، جو اس کی تنظیم کی کمر توڑ کر رکھ دیں۔ اس ڈپو سے اسلحہ پاکستان بھی بھیجا جاتا ہوگا۔ پاکستان تو آج کل اسلحہ کا ایک گڑھ بن گیا ہے۔" وہ جواب میں ہونٹ کافی کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔ "میں سیاست میں دلچسپی نہیں لیتی لیکن یہ موٹی سی بات ہر شخص جانتا ہے کہ افغانستان میں روس کی موجودگی کی وجہ سے امریکا اور اس کی حلیف مغربی حکومتیں بے دریغ مدد کر رہی ہیں۔ مجاہدین خود بھی اسلحہ خریدتے ہیں، مگر جنگ اور [illegible] امدادی اسلحے سے چل رہی ہے۔ ہر ملک یہ جانتا ہے کہ بہت سے مُفت میں ملنے والا اسلحہ اور میگزین روسیوں کے خلاف استعمال کرنے کے بجائے اونے پونے داموں پاکستان میں ہی فروخت کر دیتے ہیں

کی وجہ سے پاکستان کی سرحدی منڈیوں میں غیر قانونی اسلحے کے دام ناقابلِ یقین حد تک گرے ہوئے ہیں، مگر امداد پھر بھی جاری ہے۔ لائیڈز کا ٹیج کے زیرِ زمین گودام میں بہتیری پیٹیوں پر فرانسیسی فیکٹریوں کے نام درج تھے، ہو سکتا ہے کہ وہ سب مارسیلز کے ڈپو سے ہی بھیجا گیا ہو۔"

"لیکن امدادی اسلحہ تو حکومت ہی کے توسط سے مجاہدین تک پہنچتا ہے، پھر لائیڈز کا ٹیج میں اس کے انبار جمع کرنے میں کیا مصلحت پوشیدہ تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"حکومتِ پاکستان سے اختلافِ رائے کی صورت میں ایسے ذخائر حکومت کے مخالفین کو سونپے جا سکتے ہیں، پھر بعض ہتھیار ایسے ہیں، جو حکومتِ پاکستان غیر منظم مجاہدین کی تحویل میں دینا اپنی بقا کے لیے خطرناک سمجھتی ہے، ہر سمجھ دار ملک اپنی سرزمین پر بے لگام اور طاقتور لشکروں کی موجودگی کو اپنے لیے خطرہ تصور کرتا ہے۔ اس لیے ایسے ممنوعہ ہتھیار چور راستوں سے مجاہدین تک پہنچائے جاتے ہیں۔ شی دُنیا میں نہ جانے کہاں کہاں ایسے معاہدوں کے تحت اسلحہ کی ترسیل کر رہی ہے جس کے لیے اسے بھاری معاوضے موصول ہوتے ہیں۔"

"مارسیلز کی عورتوں کو ہیروئن کا عادی بنانے سے اسلحہ کی اسمگلنگ تک، شی کے سارے ہی جرائم بھیانک اور ناقابلِ معافی ہیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ جمی لائیڈ کس لیے ان گھناؤنے کاموں میں ملوث ہے۔ ایک طرف اسے کاروباری دنیا میں باعزت مقام حاصل ہے اور دوسری طرف وہ شی جیسے مکروہ اور مذموم گروہ کی سربراہی میں فخر محسوس کرتا ہے۔"

"انسان بڑی عجیب مخلوق ہے مسٹر آئی مین!" ویرا نے تلخ لہجے میں کچھ کہنا شروع کیا تھا لیکن فوراً ہی خاموش ہو گئی کیونکہ میراندے نفیس لباس زیبِ تن کیے ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہا تھا۔

ڈرائنگ روم میں آ کر وہ بھی ہمارے ساتھ کافی نوشی میں مشغول ہو گیا اور اس بار میری ہدایت کے مطابق ویرا نے گفتگو کی ذمے داری سنبھالتے ہوئے شی کے حوالے سے پیرس کا ذکر چھیڑ دیا۔

میراندے فرانس کے جنوبی ساحل پر ہونے کے باوجود پیرس والے واقعات سے بخوبی واقف تھا۔ وہاں ہونے والے کشت و خون میں بل اہیقی کی ہلاکت اس کے لیے تعجب انگیز تھی، لیکن وہ اس خون ریزی کے اسباب سے یکسر لاعلم تھا، اس کا قیاس تھا کہ بل اہیقی نے اپنی عیاشیوں اور بے پروائیوں کی وجہ سے پیرس میں کسی سر پھرے کی رقابت مول لے لی تھی، جس نے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ بل اہیقی اور اس کے حواریوں سے انتقام لے لیا تھا۔ گن بوٹ والے معاملے کو وہ پیرس کے واقعات سے منسلک نہیں کر سکا تھا۔ البتہ لیونز کے واقعات کے بارے میں اسے تنظیم کی طرف سے کوئی معلومات فراہم نہیں کی گئی تھیں لیکن پھر بھی اسے وہاں ہونے والی گڑبڑ کا اس طرح سے علم تھا کہ لیونز میں بے امنی کی زد میں آ کر ایلی نور ماری گئی تھی۔ دوسری

مرنے والی کا تعلق چونکہ کنگ لائنز سے تھا، اس لیے میراندے نے اسے قابلِ توجہ نہیں سمجھا تھا۔

"ایسا تو نہیں کہ پیرس اور لیونز کے واقعات میں کوئی تسلسل ہو؟" ویرا نے اسے راہ دیتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"ہو سکتا ہے۔" وہ کافی کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے بولا۔ "لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم گن بوٹ کی تباہی اور پیرس کے واقعات کو ایک سلسلے کی کڑیاں تسلیم کر لیں۔ پھر بل اہیقی کی رقابت کی کہانی ختم ہو جائے گی۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" ویرا نے چونک کر سوال کیا۔ "یہ گن بوٹ کا ذکر کہاں سے آ گیا؟"

"لیونز میں ماری جانے والی ایلی نور آخر تک گن بوٹ پر مامور تھی، وہ لیونز میں نظر آتے ہی مار ڈالی گئی۔ جبکہ گن بوٹ کا باقی عملہ ابھی تک لاپتا ہے۔ اگر لیونز کے واقعات کا تعلق پیرس کی خونریزی سے تھا تو وہ خونریزی لازماً گن بوٹ کی تباہی کا نتیجہ تھی۔ بل اہیقی آئی مین بھی تھا، اسے ہم لوگوں سے زیادہ معلومات رہی ہوں گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے گن بوٹ تباہ کرنے والوں کو ڈھونڈ نکالا ہو، اور ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوششوں میں خود مارا گیا ہو۔" میراندے مدلل اور منطقی گفتگو کرنے کے فن سے بخوبی واقف تھا۔

"لیکن گن بوٹ کی تباہی سے تو یہ ہمارے خلاف فوجی کارروائی معلوم ہوتی ہے.....؟"

میراندے نے ویرا کی بات کاٹ دی۔ "تنظیم میں بہت سوں کو گن بوٹ کے وجود کا علم نہیں تھا۔ اس کی کہانیاں اس کی تباہی کے بعد عام ہوئی ہیں، اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ گن بوٹ کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کھوج لگا کر تباہ کیا گیا ہے۔"

بے چارہ اتنا باخبر ہونے کے باوجود اس حقیقت سے لاعلم تھا کہ گن بوٹ کھلے سمندر سے پکڑ کر ابوالبحر والوں کے ہاتھ بیچ دی گئی تھی پھر شی اور ابوالبحر والوں میں گن بوٹ پر قبضے کا جھگڑا اٹھا تو پھر تباہ ہو کر سمندر کی تہ میں غرق ہو گئی تھی۔ اس بیش قیمت اور حسین جنگی کشتی کی تباہی کے لیے نہ سراغ رسی کی گئی تھی اور نہ ہی کوئی پیشگی منصوبہ تیار کیا گیا تھا، بلکہ وہ اپنی بدنصیبی سے حالات کا شکار ہوئی تھی۔

"آخر گن بوٹ سے کس کو اتنی پرخاش ہو سکتی تھی؟" ویرا نے سوال کیا۔

"جن جن کے ملکوں میں ہم باغیوں کو اسلحہ کی کمک پہنچاتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی ہو سکتا ہے۔" وہ ویرا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ بے چارہ ویرا کے جال میں بڑی آسانی سے پھنس گیا تھا۔

"پھر تو تمہارا اسلحہ ڈپو بھی خطرے میں ہے۔" ویرا نے موقع پاتے ہی بات اپنے موضوع پر موڑ لی۔

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے لیکن ابھی تک اس بارے میں اوپر سے

کوئی خصوصی ہدایت نہیں ملی ہے۔" وہ ترش لہجے میں بولا۔

"لڑنے اور الجھنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے موقع مناسب سمجھتے ہوئے ناصحانہ انداز میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ وہاں آج کل اسلحے کی کیا پوزیشن ہے؟"

"زمین سے زمین اور فضا میں سو کلومیٹر تک مار کرنے والے میزائلوں سمیت دستی مشین گنوں، میگزین، بارود اور آتش گیر بموں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ دراصل تین اسلحہ ساز فیکٹریوں کی ساری پیداوار براہ راست اسی ڈپو میں آتی ہے، جس کے لیے وہاں وسیع و عریض زیر زمین اور بالائے زمین ذخیرہ گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ فائر کیمپ میں کسی اجنبی کا داخل ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ کیونکہ چند ماہ پہلے اسپین میں آرمی کے ایک آرڈیننس ڈپو میں تخریبی کارروائی کے نتیجے میں ہونے والی تباہی کے بعد سے فائر کیمپ کے حفاظتی انتظامات بالکل بدل دیے گئے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" اس کی زبان سے اتنا کچھ سن لینے کے بعد میرے لیے باوقار انداز میں بات جاری رکھنا ممکن ہو گیا تھا۔ "لیکن حفاظتی نظام انسان تخلیق کرتے ہیں اور انسان ہی ان میں نقب لگاتا ہے۔ فائر کیمپ کے بارے میں مارسیلیز والوں کی محنت کے بارے میں میں نے بہت کچھ سُن رکھا ہے، مگر جب تک خود وہاں کا دورہ نہ کرلوں، کوئی رائے قائم نہیں کرسکتا۔"

"تو تم وہاں بھی جاؤ گے!" میرانڈے اپنی بے ساختہ حیرت پر قابو نہ پاسکا۔

"یہ موضوع سامنے آ ہی گیا ہے تو میں اسے نظر انداز نہیں کرسکتا۔" میں نے بُردباری کے ساتھ کہا۔ "مجھے اپنی مصروفیات میں سے کچھ نہ کچھ وقت نکالنا ہی پڑے گا۔"

"میں تمھیں صرف فائر کیمپ دور سے دکھا سکوں گا۔" اس کی آواز یک بیک پژمردہ ہو گئی۔ "میرے لیے وہ کیمپ شجرِ ممنوعہ ہے۔ مارسیلیز کا چیف براہ راست اس کا نگراں ہے۔"

"ہوا کرے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "لیکن تم میرے ساتھ چلو گے اور تمھیں کوئی نہیں روک سکے گا۔ فائر کیمپ شئی سے ماورا کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ ہے اسی میں ہے۔"

اس کا چہرہ کھل اُٹھا۔ "یہ میرے لیے بہت بڑی سعادت ہوگی۔ فائر کیمپ ہم سب کے لیے ایک خواب بنا ہوا ہے۔ وہاں کے نئے حفاظتی انتظامات کی کہانیاں سُن سُن کر وہاں جانے کا اشتیاق ہوتا ہے۔"

"کاش، میں وہاں جانے کا وقت نکال سکوں۔" میں نے مربیانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے کیا سُنا ہوا ہے؟"

"احاطے کی دیواریں بلند کر کے ان پر باہر کی طرف جھکے ہوئے آہنی بریکٹ لگائے گئے ہیں، جن کے ساتھ انسولیٹرز کی مدد سے خاردار تاروں کی تین باڑھیں لگائی گئی ہیں۔ ان میں دن رات گیارہ ہزار وولٹ کی برقی رو دوڑتی رہتی ہے۔ کسی بھی تار سے چھوتے ہی ہر شے آناً فاناً میں جل کر راکھ ہوسکتی ہے۔" وہ سحر زدہ لہجے میں بتانے لگا۔ "اس طرح چار دیواری پھلانگ کر اندر داخل ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ داخلے کے واحد راستے پر دن رات دس مسلح محافظوں کا پہرہ رہتا ہے اور اندر بارہ ایکڑ کے پورے رقبے پر خونخوار کتوں کا راج ہوتا ہے۔ اسلحہ لانے یا لے جانے کی صورت میں پہلے رکھوالی کے ان کتوں کو کٹہروں میں بند کیا جاتا ہے، پھر الیکٹرونک آلات سے گاڑیوں اور ڈرائیوروں کی تلاشی لے کر ان میں پہلے سے بارود نہ ہونے کا یقین کیا جاتا ہے، تب کہیں اندر جانے کی نوبت آتی ہے۔"

"یعنی ان مراحل سے گزر کر کوئی بھی اندر جاسکتا ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"احمقانہ بات کرتی ہو۔" میرانڈے چڑ کر بولا پھر سنبھل کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "سوری سر! میں یہ بتانا بھول گیا کہ ہر ٹرک یا ٹریلر کے لیے مقامی چیف علیحدہ اجازت نامہ جاری کرتا ہے جو صرف ایک پھیرے کے لیے کارآمد ہوتا ہے۔ اس کے اجازت نامے کے بغیر میں بھی وہاں نہیں پھٹک سکتا۔"

بارہ ایکڑ کوئی ننھا سا رقبہ نہیں ہوگا۔ اگر فائر کیمپ اتنے رقبے پر قائم تھا تو مقامی انتظامیہ اور حکومت کسی بھی طرح اس کے وجود سے لاعلم نہیں ہوسکتی تھی، لیکن اسے نظر انداز کرنے پر مجبور تھی۔ کیونکہ اس کیمپ سے غیر سرکاری سطح پر سرکاری مفادات کے تحفظ کے لیے عالمی پیمانے پر کارروائیاں کی جاتی تھیں۔

"فائر کیمپ کا کمانڈنٹ کون ہے؟"

"فرینچ آرمی کا ایک ریٹائرڈ بریگیڈیئر ہے، جو براہ راست مقامی چیف کو جواب دہ ہے۔" وہ بولا۔ "کبھی کبھی تو مجھے گمان ہوتا ہے کہ کبھی بریگیڈیئر اور اس کا سارا عملہ تنظیم کے ضابطوں سے الگ اکائی نہ ہوا تو وہ بدنصیب سلور آئی کو بھی نہ پہچان سکیں گے۔"

"اتنا نہ سوچو۔" میں نے ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "کوتاہ کیا ہے، یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر میں دوسروں کے مشورے کا محتاج ہوتا تو آج آئی مین نہیں، تمھارا دربان ہوتا۔"

میرا لہجہ نسبتاً نرم لیکن الفاظ کاٹ دار تھے، وہ سہم کر میرے قدموں میں گر گیا اور کسی وفادار کتے کی طرح اپنا چہرہ میری پنڈلیوں سے رگڑتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں بولا۔ "مجھے معاف کردو، میں تمھارے مقام و مرتبے سے خوب واقف ہوں، لیکن تمھاری شفقت سے مغلوب ہو کر اپنی حیثیت فراموش کر بیٹھا تھا۔ میں تو تمھارا پشتینی غلام ہوں، میری کیا مجال کہ تمھیں کوئی مشورہ دے سکوں۔"

"اٹھو!" میں نے اپنے پیر جھٹکتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "دوسروں کے تلوے چاٹنے کی عادت اپنالو تو یوں جوتیوں میں لوٹنے سے بچے رہو گے ورنہ کسی دن اپنے موجودہ مقام سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔"

وہ صوفے پر واپس لوٹا تو اس کا سر جھکا ہوا تھا اور ویرا کے
ٹوں پر میٹھی سی طنزیہ مسکراہٹ رقصاں تھی جو شاید میراندے کو
گانے کے لیے تھی۔

سب لوگ کافی ختم کر چکے تھے اور صبح کے ساڑھے چار بج
ے تھے اس لیے میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی میرے ساتھ ہی وہ تینوں
ں اٹھ گئے۔

"ہوسکتا ہے کہ صبح میں دیر سے بیدار ہوں، لیکن جاگتے ہی
ے ڈرائیور سمیت گاڑی کی ضرورت ہو گی" میں نے کہا "بہتر ہو گا کہ
ائیور انگریزی سے واقف ہو۔"

"میں تو خود گھر پر موجود رہ کر تمھارے بیدار ہونے کا انتظار کروں
یرے ملازمین صرف فرنچ سمجھتے ہیں البتہ ایک ڈرائیور پیدائشی گونگا
بہرہ ہے جو تمھارے لیے پریشانی کا باعث بن سکتا ہے اس لیے
ں ہی تمھارے ڈرائیور کی خدمات سرانجام دوں گا" اس نے منکسرانہ
ے میں کہا۔

"میری موجودگی کو اپنے معمولات پر اثر انداز نہ ہونے دو" میں
ہاتھ اٹھا کر کہا "تم گاڑی چھوڑ دینا، جوزف یا ویرا میں سے کوئی
ڈرائیو کر لے گا۔"

میراندے نے خود ہی خواب گاہوں تک ہماری رہنمائی کی تھی۔
کا مکان ایک چھوٹے سے محل سے کم نہیں تھا جہاں ایک راہداری
ایک دوسرے سے ملحقہ تین صاف ستھرے اور آراستہ کمرے
ے لیے تیار تھے جن میں پہلے سے ہیٹر جلا دیے گئے تھے، ہمیں ہماری
ش کے مطابق ایک کمرے میں چھوڑ کر میراندے اپنی خواب گاہ میں
یا اور ہم تینوں ہی بیک وقت وسیع دُہرے بستر پر گر گئے۔

"ہم مارسیلز کیوں آئے تھے؟" سلطان شاہ نے تھکی ہوئی آواز
اردو میں سوال کیا۔

"فی الحال تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ کہیں رُک کر تھکن اُتارنے کے
آئے تھے" میں نے جوتے اُتارتے ہوئے کہا "لیکن اب یہاں
دلچسپ مصروفیت پیدا ہو گئی ہے۔ اس دوران میں لیونز کے
ات کی گرد بھی ذرا دب جائے گی پھر ہم اطمینان سے اپنی نئی منزل
لے میں کوئی فیصلہ کر سکیں گے۔"

"فائر کیمپ کے بارے میں مجھے میراندے کا خیال درست
ں ہو رہا ہے" ویرا نے آہستہ سے کہا "وہاں داخلے کے لیے
سلور آئی کسی کام نہ آسکے۔"

"یہ شبہ مجھے بھی ہو رہا ہے لیکن میراندے سے میں یہ اعتراف
ں کر سکتا تھا کہ آئی مین ہوتے ہوئے بھی میں فائر کیمپ کے پروٹوکول
نا واقف ہوں۔"

"پھر تم دلچسپ مصروفیت کسے کہہ رہے تھے؟" سلطان شاہ
سوال کیا "اگر سلور آئی کام نہیں آسکتی تو ہمیں فائر کیمپ کا خیال دل

سے نکال دینا چاہیے، اُدھر کا رُخ کرنا خودکشی کے مترادف ہو گا۔"

"مشکل یہ ہے کہ میں شی کے بہتیرے رازوں سے واقف ہونے کے باوجود سلور آئی رکھنے والوں کی حدود اور اختیارات سے پوری طرح باخبر نہیں ہوں ....." ویرا پُرتشویش لہجے میں بولی "اگر ہم میراندے کے ساتھ فائر کیمپ گئے اور وہاں کے محافظوں نے سلور آئی کو شناخت کرنے سے انکار کر دیا تو بہت سُبکی ہو گی اور میراندے تمھاری اصلیت کی طرف سے شبہات کا شکار ہو جائے گا، پھر اس سے پیچھا چھڑانا دشوار ہو جائے گا۔"

"فی الحال اس موضوع کو یہیں چھوڑ دو، شاید تازہ دم ہونے کے بعد کوئی تدبیر سوجھ جائے... یہ بتاؤ کہ اس کمرے میں کون سوئے گا؟" میں نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

"میراندے نے ہمیں اس کمرے میں لایا ہے اس لیے اصولاً تمھیں یہیں سونا چاہیے، ہم برابر والے کمروں میں چلے جاتے ہیں" سلطان شاہ نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"تم جاؤ، میں تو یہیں رکوں گی" ویرا مجھے آنکھ مارتے ہوئے سلطان شاہ سے بولی "اکیلے سونے کے تصور سے آج مجھے خوف آرہا ہے۔"

"اور مجھے تم دونوں کی یکجائی سے خوف آرہا ہے اس لیے تم رکیں تو پھر مجھے اس کمرے سے دنیا کی کوئی طاقت باہر نہیں نکال سکے گی" سلطان شاہ اسے گھورتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"اچھا بابا! تم دونوں یہیں رُکو، میں دوسری خواب گاہ میں چلا جاتا ہوں" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اسی لمحے ویرا بے اختیار ہنس پڑی اور سلطان شاہ اس کی شرارت بھانپ کر خفت آمیز انداز میں اس خواب گاہ سے نکلتا چلا گیا۔

بستر بہت نرم اور آرام دہ تھا اور کمرے میں گیس ہیٹر جلنے کی وجہ سے خواب گاہ کا درجۂ حرارت بھی بہت خوشگوار تھا لیکن رات بھر کے سفر کی تکان کے باوجود طبیعت پر بے چینی طاری تھی، آنکھوں میں نیند کا دور تک پتا نہیں تھا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ ذہن پر غنودگی طاری ہوتی ہوئی محسوس ہوئی، پلکیں بھی بوجھل ہوئیں لیکن پھر اچانک وہی بے چینی خمار پر غالب آگئی اور رفتہ رفتہ میرے ذہن میں مضحکہ خیز حد تک ڈراؤنے خیالات سر اُبھارنے لگے جن کا کوئی سر پیر ہی نہیں تھا۔

کمرے کی تاریک فضا میں گیس ہیٹر کی وجہ سے روشنی کا اتنا انعکاس موجود تھا کہ میں نے نائٹ لیمپ جلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ میں نے بستر سے اُتر کر ایک بار نیم روشن کمرے میں نرم قالین پر ننگے پاؤں چکر لگایا اور دروازے کے قریب سے گزرتے ہوئے

جب اضطراری طور پر میں نے دروازے کو اندر سے بولٹ کرتے ہوئے اپنی ذہنی کیفیت کا تجزیہ کیا تو پتا چلا کہ وہ میری چھٹی حس کی کوئی للکار تھی جو نیند کو میرے اعصاب پر طاری ہونے سے پوری قوت سے روک رہی تھی۔

وہاں مجھے کیا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا؟ میں نے بستر پر دراز ہو کر سوچنا شروع کیا تو سلیٹ بالکل صاف تھی۔ ہم قانون اور اس کے محافظوں سے بچتے ہوئے اس طرح مارسیلز پہنچے تھے کہ پیچھے کوئی سراغ باقی نہیں رہا تھا۔ ویرا نے شی کے تنخواہ دار پولیس افسر کے بلائنڈ کارڈ پر تین دائرے بنا کر ایک امکانی دشواری کا بھی سدباب کر لیا تھا اور ہم کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر مارسیلز میں میراندے کے مکان پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے جو سلور آئی دیکھتے ہی پورے خلوص کے ساتھ وفاداری کے اظہار پر تُل گیا تھا اور بظاہر بالکل بے ضرر نظر آرہا تھا۔ اس مکان میں اس کے ذاتی ملازمین اور ایک قیدی کے علاوہ کوئی ایسا فرد موجود نہیں تھا جس کی جانب سے ہمیں کوئی حقیقی خطرہ لاحق ہوتا۔ پھر آخر چھٹی حس کی وہ للکار کیسی تھی اور مجھے کس سمت میں لے جانا چاہ رہی تھی۔

میرے پاس اپنے دفاع کے لیے سمتھ گن تھی جو میرے تکیے کے نیچے موجود تھی، سلطان شاہ ایکسپلوڈر اور ایک خودکار پستول سے مسلح تھا اور ویرا کے پاس اپنا اسلحہ موجود تھا۔ اس طرح ہم تینوں کے آسانی سے مار لیے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ شرط صرف ایک ہی تھی کہ بُرا وقت آنے پر ہم سوتے ہی نہ رہ جاتے۔

سوچ بچار میں غلطاں میں اسی بے یقینی اور سنسنی کے عالم میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا پھر ایک دم ہی میں ہڑبڑا کر بستر سے اٹھ بیٹھا کیوں کہ کمرے کی فضا میں رقصاں گیس ہیٹر کا سُرخی مائل انعکاس یکلخت معدوم ہو گیا تھا اور کمرے میں اندھیرے کی مہیب چادر پھیل گئی تھی۔

وہ صورتِ حال اس قدر غیر متوقع اور اچانک تھی کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے حالاں کہ عام حالات میں گیس ہیٹر کا بجھ جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اس وقت میرے سارے حواس پوری شدت کے ساتھ حرکت میں آگئے تھے۔ گیس ہیٹر کا برقی پنکھا آگ معدوم ہونے کے باوجود دھیمی آواز اور پوری رفتار سے چل رہا تھا لیکن فضا میں گیس کی ذرا بھی بُو نہیں تھی جب کہ شعلے بجھنے کی صورت میں بغیر جلی ہوئی گیس کا مسلسل اخراج ضروری تھا جو پنکھے سے پیدا ہونے والی تیز ہوا کے ساتھ پورے کمرے میں گیس کی بُو پھیلا دیتا۔

لمحہ بھر کے لیے مجھے یاد آیا کہ میں پاکستان میں نہیں فرانس میں تھا، شاید وہاں کی گیس بے بُو ہوتی ہو مگر تعجب اس بات پر تھا کہ نوزل سے گیس کے اخراج کی ہلکی سی آواز بھی معدوم تھی۔ میں بستر سے اُتر کر اندھیرے میں اندازہ قائم کر کے گیس ہیٹر کی طرف بڑھنے لگا۔ بند کمرے میں اگر پنکھے کی آواز میری رہنمائی نہ کر رہی ہوتی تو شاید میں نے کوئی بلب روشن کر لیا ہوتا لیکن اپنی طبیعت کی بے چینی اور چھٹی حس کی للکار کے بعد میں گیس ہیٹر کے چولھے بجھنے کے اس واقعے کو غیر ضروری اہمیت دینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

میں ہیٹر سے ذرا ہی دور تھا کہ اچانک نوزل سے سیٹی کی مدھم سی آواز کے ساتھ کمرے میں گیس کی میٹھی میٹھی تیز بُو پھیلنے لگی۔ میرے قدم زمین میں جم کر رہ گئے اور ذہن پر جمی ہوئی برف پگھلنا شروع ہو گئی۔

میں نے دل ہی دل میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ میں بستر پر گرتے ہی سویا نہیں تھا بلکہ میری چھٹی حس پہلے ہی خطرے کی بُو سونگھ چکی تھی۔ یقینی طور پر باہر سے کسی نے گیس کا والو بند کر کے ہیٹر کو گیس کی سپلائی منقطع کر کے اتنی دیر تک انتظار کیا تھا کہ ہیٹر کی آہنی باڈی میں کہیں بھی چنگاری یا اتنی حرارت باقی نہ رہ جائے کہ دوبارہ گیس کھولنے پر چولھا جل اٹھے اور وہ وقفہ گزارنے کے بعد گیس کا والو دوبارہ کھول دیا گیا۔

اس طرح چاروں طرف سے بند خواب گاہ میں سوئے ہوئے لوگوں پر گیس چھوڑ دی گئی تھی جو تیزی کے ساتھ کمرے میں پھیلتی اور بھرتی جا رہی تھی۔ وہ کارروائی باہر سے کی گئی تھی جس کا مطلب تھا کہ آگ سرد کرنے کے لیے مین والو سے کام لیا گیا تھا اور پوری عمارت کی زیرِ تصرف خواب گاہیں یکساں خطرے سے دوچار تھیں۔

سائنس کی عمومی تعلیم اور معلومات کی بنیاد پر میں یہ جانتا تھا کہ کوئلے اور پٹرول سے گیس تک ہر ایندھن مختلف اقسام کے ہائیڈرو کاربن پر مشتمل ہوتا ہے جو اپنی اصل حالت میں انسانی صحت کے لیے مضر ہوتا ہے۔ خواب گاہوں میں وہ گیس بھرنے کے نتیجے میں بے خبر سوئے ہوئے لوگ گیس پھیپھڑوں کے ذریعے دوران خون میں شامل ہونے کی وجہ سے بے ہوشی سے گزرتے ہوئے بہ آسانی موت کی آغوش میں جا سکتے تھے۔

میرے کمرے میں گیس کی بُو لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے بڑھ کر ہیٹر کا گیس والو بند کر دیا۔ اسی کے ساتھ مجھے ویرا، سلطان اور میراندے کی فکر لاحق ہو گئی۔ ان میں سے جو بھی سویا ہوا تھا وہ اس وقت براہِ راست موت کی بھیانک زد میں آیا ہوا تھا اور میں اپنی خواب گاہ میں مقید ہونے کی وجہ سے کسی کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ گیس منقطع اور پھر جاری ہونے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ باہر ہماری جانوں کے کچھ دشمن موجود تھے لیکن نہیں معلوم تھا کہ وہ صرف احاطے میں داخل ہوئے تھے یا عمارت میں گھس کر راہداریوں میں پھیل چکے تھے۔ ایسی غیر یقینی صورت میں اگر میں بولٹ گرا کر اپنی خواب گاہ کا دروازہ کھولتا تو عین

تھا کہ خود کسی دشمنوں کے نرغے میں آجاتا۔

میں اپنی خواب گاہ کی صورتِ حال پر قابو پاچکا تھا اس لیے میرے حق میں بہتر یہی تھا کہ خود اس تاریک خواب گاہ کے کسی گوشے میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر دبک کر باہر والوں کو یہ باور کرنے کا موقع دوں کہ ان کا حربہ کارگر رہا تھا تاکہ وہ بے خوفی کے ساتھ کھل کر سامنے آسکیں۔

میرے لیے دوسری صورت ہی قابلِ عمل تھی۔ اس وقت سلطان شاہ یا ویرا کی فکر میں پڑ کر میں ان کی کوئی مدد کرنے کے بجائے اپنے لیے دشواریاں کھڑی کرسکتا تھا۔ پیروں کے نیچے دبیز قالین ہونے کے باوجود میں محتاط انداز میں گیس ہیٹر کے سامنے سے اٹھا اور دروازے کے قریب دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا۔

عمارت میں ہر طرف گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا جس میں اپنے ہیٹر کے پنکھے کی آواز مجھے کسی تیز گونج کی طرح سنائی دے رہی تھی اور وقت بہت دھیمے دھیمے سرک رہا تھا۔ اس وقت مجھے سگریٹ کی بہت شدید طلب محسوس ہو رہی تھی مگر اس میں دو خطرات پوشیدہ تھے۔ دیا سلائی کے شعلے کا انعکاس کسی بھی زاویے یا دروازے کی جھری سے باہر دیکھا جاسکتا تھا اور کمرے کی فضا میں موجود گیس بھی دھماکے سے آگ پکڑ سکتی تھی لہٰذا اس خواہش کو میں نے دل ہی دل میں کچل دیا۔

سات منٹ گزرنے کے بعد میں نے دوبارہ ہیٹر کا گیس والو کھول کر دیکھا تو نوزل سے گیس کا اخراج جاری تھا۔ میرے وجود کی گہرائیوں میں درد کی لہریں انگڑائیاں لینے لگیں۔ اگر سلطان شاہ گہری نیند سویا ہوا تھا تو کمرے میں گیس کی اتنی بھاری مقدار داخل ہونے کے بعد کوئی معجزہ ہی اسے زندہ بچا سکتا تھا۔ مجھے مارسیلز کی وہ ہلکی پھلکی مہم یکلخت بہت بھاری پڑتی ہوئی نظر آرہی تھی۔

دروازے کے قریب سے لوٹنے کے بجائے میں مزید دو منٹ تک وہیں کھڑا رہا اور وہ وقفہ گزرنے کے بعد میں نے پھر نوزل کھولا تو اس بار گیس خارج نہیں ہوئی۔ باہر والوں نے اپنی کارگزاری پر مطمئن ہو کر آخر کار گیس بند کر دی تھی تاکہ جب وہ خود ہماری خواب گاہوں میں داخل ہوں تو انھیں گیس سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔ دوبارہ گیس بند ہونے کی وجہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ میرے اندیشے بے بنیاد نہیں تھے۔ آنے والے اپنی دانست میں اپنی کارروائی کا پہلا حصّہ بخیر و خوبی مکمل کر چکے تھے۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ ظاہر ہونے کے لیے کس مقام کا انتخاب کرتے۔

میں نے ہیم گن اپنی تحویل میں لی اور دوبارہ دروازے کے قریب دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا۔

چند ثانیوں بعد کمرے کی فضا میں گھنٹی کی تیز آواز گونجی اور میں چونک پڑا۔ دوسری گھنٹی بجی تو معًا مجھے یاد آیا کہ اس کمرے میں مسہری کے سرہانے انٹرکام بھی موجود تھا۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں وہ سلطان یا ویرا میں سے کسی کی کال نہ ہو۔ اس خیال کے تحت پیش قدمی کرنے کا ارادہ کرتے ہی میں نے ترک کر دیا۔ اتنی زیادہ گیس میں اتنا وقت گزارنے کے بعد ان میں سے کسی کو انٹرکام استعمال کرنے کا ہوش ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ آنکھ کھلنے پر گھٹن محسوس کرتے ہی ان کا پہلا اور فطری ردِعمل یہ ہونا چاہیے تھا کہ دروازہ کھول کر باہر کھلی فضا میں پہنچنے کی کوشش کرتے۔ وہ یقیناً سازشیوں میں سے کسی کی کال تھی اور وہ انٹرکام کا بٹن دبا کر یہ یقین کرنا چاہ رہے تھے کہ کمرے والا بے ہوش ہو چکا تھا۔

وقفے وقفے سے چھ بار انٹرکام کا بزر بولا لیکن میں نے اسے اٹھانے کی حماقت نہیں کی۔ آخر کار وہ سلسلہ موقوف ہوگیا لیکن چند ہی ثانیوں کے بعد میری خواب گاہ کے دروازے پر آہٹ ہوئی پھر اس کے ہینڈل کو گھما کر دروازے پر زور آزمائی کی گئی جو اندر سے دروازہ بولٹ ہونے کی وجہ سے ناکام رہی۔ باہر والے نے جھلاّہٹ میں ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر بے دردی سے پورے دروازے کو ہلا کر رکھ دیا کہ شاید ان ہی جھٹکوں سے اندر کا بولٹ گر جائے مگر دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ آخر کار وہ کوششیں ترک کر دی گئیں۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کرنے میں مصروف تھا۔

دروازے پر طبع آزمائی بہت بے خوفی اور دیدہ دلیری کے ساتھ کی گئی تھی جیسے باہر والوں کو کسی بھی مداخلت کا کوئی خوف نہ ہو لیکن اس کے باوجود کوئی انسانی آواز نہیں سنائی دی تھی جو جھلاّہٹ اور ناکامی کی صورت میں اور کچھ نہیں تو بے مقصد گالیوں پر ہی مشتمل ہوتی یا اگر وہ زیادہ افراد ہوتے تو تبصرے اور رائے زنی کی آوازیں ابھرتیں لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شخص تنہا ہو۔ وہ جو کوئی بھی تھا، بہت مستقل مزاج اور دُھن کا پکا تھا۔ مجھے امید تھی کہ وہ زیادہ دیر تک چین سے نہیں بیٹھے گا بلکہ کہیں نہ کہیں سے اندر گھسنے کی کوشش کرے گا۔

اس وقت مجھے خواب گاہ کی عقبی کھڑکیاں یاد آئیں جن پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کھڑکیاں عمارت کے کس حصّے میں کھل رہی تھیں اور پردوں کے پیچھے ٹھوس چوبی پٹ تھے یا صرف شیشے کی کھڑکیاں؟

لیکن وقت گزر چکا تھا۔ اس وقت میں اپنا مورچا نہیں چھوڑ سکتا تھا جہاں سے خواب گاہ کے ہر حصے پر نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ دروازے پر ناکامی کے بعد آنے والا یقینی طور پر پردوں کے پیچھے چھپی ہوئی کھڑکیوں پر طبع آزمائی کرے گا اس لیے میرے کان پوری توجّہ کے ساتھ ہر آہٹ پر مرکوز تھے لیکن، فضا میں ہیٹر کے پنکھے کی ہلکی سی گونج کے علاوہ ہر آواز مفقود تھی۔

اس وقت میرے اوپر ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا کہ اچانک قدآدم بلندی سے کسی کے فرش پر کودنے کی دھمک سنائی دی کھڑکیوں کے پردے میری نگاہوں کے سامنے بدستور ساکت تھے، میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں دشمن کے نئے محاذ کا اندازہ کر لیا میری توقع کے برعکس وہ خواب گاہ سے ملحقہ باتھ روم کی کسی کھڑکی یا روشندان سے اندر کودا تھا اور کسی بھی لمحے باتھ روم کا دروازہ کھول کر خواب گاہ میں داخل ہو سکتا تھا۔

میرے لیے وہ بہت نازک لمحات تھے۔ مجھے فیصلہ کرنا تھا کہ وہیں رک کر اپنے حریف کا مقابلہ کروں یا دروازے کا بولٹ گرا کر خاموشی سے راہداری میں نکل جاؤں۔

اس وقت میرے شعور کی سطح پر بس وہی دو امکانات تھے لیکن میرا فیصلہ لاشعوری اور اضطراری تھا۔ میں جہاں تھا، وہیں قالین پر سینے کے بل بے آواز اوندھا لیٹ گیا۔ اپنا داہنا ہاتھ میں نے اس طرح سینے کے نیچے دبا لیا تھا کہ آنے والے کو اس میں دبا ہوا ایکسپلوڈر نظر نہ آسکے۔ میری کوشش یہ تھی کہ آنے والا مجھے گیس کے زیرِ اثر کسی اندھے کی طرح کمرے میں بھٹک کر بے ہوش ہونے والا انسان تصور کرے۔

اندھیرے میں میری نظریں باتھ روم کی بغلی دیوار پر مرکوز تھیں، جس میں دروازہ نصب تھا۔ مجھے مطلق بھی اندازہ نہ ہو سکا کہ بے آواز قبضوں والا دروازہ کب کھولا گیا۔ سانسوں کی رفتار اس وقت تیز اور ناہموار ہوئی جب کھلے ہوئے دروازے کے خلا سے ایک دراز قامت انسانی ہیولا کسی بن مانس کی طرح تاریک کمرے میں داخل ہوا اور وہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔
باتھ روم سے کمرے میں آتے ہی اس کی نگاہیں خالی بستر کی طرف گئیں۔ اور وہاں سے پھسلتی ہوئی میرے جسم پر مرکوز ہو گئیں اور وہ میری طرف بڑھنے لگا۔

اس وقت تک میں نے تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی آنکھیں پوری طرح کھول رکھی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے اور پہلوؤں میں جھول رہے تھے، جس کا مطلب تھا کہ وہ اپنی کامیابی کے بارے میں سو فیصد پُریقین تھا اس لیے اُس نے جیب سے اسلحہ نکالنے کی ضرورت تک محسوس نہیں کی تھی مگر مجھے یہ یقین تھا کہ وہ غیر مسلح نہیں ہوگا۔ اس کی جیب میں کوئی نہ کوئی بھرا ہوا ہتھیار ضرور موجود تھا۔

اسے اپنی طرف پیش قدمی کرتے دیکھ کر میں نے اپنی آنکھیں یوں موند لیں کہ جھریوں میں سے اس پر نگاہ رکھ سکوں۔ وہ بڑھتا رہا جب کہ میں اُسے فریب دینے کے لیے بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس لیے کمرے کے وسط میں اُس کا چہرہ میری نگاہوں کی زد سے نکل گیا۔ پھر رفتہ رفتہ اس کا پورا وجود معدوم ہو کر صرف اُس کے قدم نظر آنے لگے جو بتدریج میرے قریب آتے جا رہے تھے۔

میرے قریب آکر وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھہرا پھر اُس نے داہنی ٹھوکر میری بائیں پسلیوں میں اڑا کر میرے جسم کو پلٹنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ پسلیوں میں چبھتی ہوئی جوتے کی نوک ہٹالی گئی۔ پھر وہ میرے اوپر جھکا۔ اُس کی مضبوط گرفت میں نے اپنی بائیں کلائی پر محسوس کرتے ہوئے اُس کے چہرے کی اپنے جسم سے بلندی کا اندازہ لگایا اور پھر جونہی اُس نے ہاتھ گھسیٹ کر مجھے پلٹنا چاہا، میں نے بجلی کی سی سرعت سے پلٹ کر داہنے ہاتھ سے اس کے چہرے پر ضرب لگائی۔ غنیمت تھا کہ میرا اندازہ درست ثابت ہوا اور بیم گن اور میرے ہاتھ کی مشترکہ ضرب نے اس کا کچومر نکال رکھ دیا۔ وہ ایک کریہہ چیخ مار کر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا، میرا ہاتھ اُس کی گرفت سے آزاد ہو گیا اور میں اس پر بیم گن تانے پھرتی کے ساتھ اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

اٹھنے کے ساتھ ہی میں نے بائیں ہاتھ سے قریبی دیوار میں نصب سوئچ بورڈ کے بٹن دبا کر کمرہ منور کر دیا۔

"ہاتھ اٹھاؤ ذلیل انسان!" میں نے غصّے سے دانت پیستے ہوئے اُسے حکم دیا۔ "اور یہ بتاؤ کہ اب تم کیسی موت مرنا پسند کرو گے؟"

مجھے زندہ اور متحرک دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گیا تھا اور اُس کا بلڈاگ کی تھوتھنی جیسا چہرہ خوف اور دہشت سے تاریک پڑ گیا تھا۔ "مم... مجھے معاف کر دو۔ . . مجھے معاف کر دو، حرص اور لالچ میں میری عقل سلب ہو گئی تھی۔ میں بہت ذلیل، مکار اور خود غرض ہوں مگر تم عظیم آدمی ہو۔ مجھے معاف کر دو۔" رحم کی فریاد کرتے ہوئے اُس کے دونوں ہاتھ مشینی انداز میں سر سے اوپر اٹھتے چلے گئے تھے۔

"تم ناقابلِ معافی جرم کے مرتکب ہوئے ہو آئی مین کو اپنا مہمان بنا کر اُس کی جان لینے کی کوشش کی ہے اور یہ بھی یاد رکھنا کہ میرے ساتھیوں کا بال بھی بیکا ہوا تو تمھیں دونوں ٹانگوں سے اپنی کار کے پچھلے بمپر سے باندھ کر میں اس وقت تک مارسیلز کے بازاروں میں گھسیٹتا پھروں گا جب تک تمھاری ہڈیاں تک سڑکوں پر گھس کر فنا نہ ہو جائیں۔ تم نے آئی مین کی مہمان نوازی دیکھی ہے اب اس کا قہر بھی دیکھ لو گے۔"

میری سزا سن کر میرا نہ سر سے پیر تک لرز اٹھا اور دہشت سے اُس کی آنکھیں اُس کی شکن آلود پیشانی پر جا چڑھیں اور وہ بے اختیار سے کر رو پڑا۔ "صرف ایک بار معاف کر دو اور جلدی کرو، خدا کرے کہ تمہارے ساتھی ابھی زندہ ہوں۔ اے خداوندا تو اِن پر سایہ کر اور انھیں موت سے محفوظ فرما تا کہ میں بازاروں میں گھسیٹے جانے والے عذاب سے محفوظ رہ سکوں۔" آخری فقرے اُس نے روتے ہوئے اپنا چہرہ چھت کی طرف اٹھا کر ادا کیے تھے۔

مجھے ان دونوں کی طرف سے تشویش لاحق تھی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ گرفت میں آئے ہوئے میرانہ کی طرف سے بھی کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا اگر وہ کسی بھی طرح ہماری گرفت سے نکل جاتا تو ہمارے

یے ناقابلِ تصور دشواریاں پیدا ہوسکتی تھیں جن کا توڑ ہمارے بس سے باہر ہوتا۔

"ولدالحرام!" میں نے غرا کر اسی کا کہا ہوا بُرا نا لفظ دُہرایا۔ "عورتوں جیسا یہ ڈھونگ بند کرو اور دیوار کی طرف منہ کر لو۔ یہ یاد رکھنا کہ میرے ہاتھ میں پستول نہیں لیزر گن ہے جس سے نکلنے والی شعاع جہاں پڑ جائے جسم کے پار نکلتی ہے۔"

اُس نے پوری طاقت سے اپنے چہرے پر دو ہتڑ رسید کیا اور دوبارہ ہاتھ بلند کر کے دیوار کی طرف گھوم گیا۔ اُس نے مجھ سے اپنی بے پناہ وفاداری کا اظہار کر کے جس طرح ہم تینوں کو ہلاک کرنے کی مکارانہ کوشش کی تھی اس کی روشنی میں اب وہ میری نگاہوں میں محض بہروپیا رہ گیا تھا ورنہ جہاں تک حقیقی تاثرات کا تعلق تھا، رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد دہشت سے اس کی حالت غیر ہو رہی تھی اور وہ اپنے بھاری بھر کم وجود اور پر ہیبت چہرے کے باوجود کسی کیچوے سے بھی بدتر نظر آ رہا تھا۔

میں نے اس کی پشت سے بیم گن کا نوزل لگا کر اس کی جامہ تلاشی لی اور اس کی داہنی جیب سے اعشاریہ تین دو کا بھرا ہوا پستول برآمد کر لیا۔

"اب آگے آگے چلو اور باری باری ان دونوں کی خواب گاہوں کے دروازے کھولو۔" میں نے اس کی گدّی پر بائیں کلائی سے بھرپور ضرب لگاتے ہوئے کہا اور وہ محض ہائے کر کے رہ گیا۔

روتا اور کراہتا ہوا وہ میری خواب گاہ سے ملحقہ کمرے کے دروازے پر پہنچا اور اُسے کھول دیا۔ کمرہ تاریک پڑا ہوا تھا اور بستر خالی تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ کمرے میں گیس کی بہت زیادہ بو نہیں تھی۔

میرے روشنی کرتے ہی بستر کی آڑ سے سلطان شاہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اُس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ایکسپلوڈر کی نال ہم دونوں کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور نگاہوں میں قہر کے کوندے لپک رہے تھے۔

"تو یہ اس کی حرکت تھی۔" وہ غصے سے پھنکارتے ہوئے اُردو میں بولا۔ "میں سو گیا تھا لیکن گیس کی تیز بُو سے میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے شروع ہی سے اس پر اعتماد نہیں تھا کیونکہ اپنی فطری خود سری کے برعکس یہ تمہاری حد سے زیادہ چاپلوسی کر رہا تھا، لیکن اس کا مقصد کیا تھا؟ کیا اسے تم پر شبہ ہو گیا تھا؟"

"یہ بھی معلوم کر لیں گے، پہلے ویرا کی خبر لو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا اور سلطان شاہ نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"چاروں ہاتھ پیر پھیلا کر قالین پر اوندھے مُنہ لیٹ جاؤ۔" میں نے میرانڈے کو حکم دیا۔ اُس نے اس قدر عجلت میں میرے حکم کی تعمیل کی تھی کہ اوندھے مُنہ گرتے ہوئے اُسے چوٹیں بھی آئی تھیں۔ قالین پر اپنا سینہ ٹکاتے ہی اُس نے اپنے دونوں ہاتھ جسم سے نوّے درجے کا زاویہ بناتے ہوئے پھیلا لیے تھے۔

چند ثانیوں بعد ہی سلطان شاہ بوکھلایا ہوا واپس آیا تھا۔ "اس کے کمرے میں بری طرح گیس بھری ہوئی ہے اور وہ بے ہوش ہے نبضیں سست چل رہی ہیں اور دہانے سے کف بہہ رہا ہے۔"

"تم اس پر نگاہ رکھو۔ میں ویرا کو دیکھتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں سلطان شاہ کی خواب گاہ سے نکل گیا۔

ویرا کی خواب گاہ میں اس قدر گیس بھری ہوئی تھی کہ وہاں سانس لینا دشوار تھا۔ میں نے بس ایک نظر دیکھا کہ اس کے چہرے پر شدید کرب کے آثار تھے اور اسے سانس لینے میں بھی دقت ہو رہی تھی۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اسے اپنے کندھے پر لادا اور سیدھا سلطان شاہ کے کمرے میں لے آیا۔

نسبتاً ہلکی فضا میسر آتے ہی ویرا کے تنفس کی رفتار میں قدرے تیزی اور بے ترتیبی رونما ہوئی اور میں نے بڑھ کر پردے ہٹا کر خواب گاہ کی کھڑکیاں بھی کھول دیں اور یخ بستہ ہواؤں کے جھونکے کمرے میں آنے لگے۔ ہمارے لیے وہ ہوائیں تکلیف دہ تھیں لیکن ویرا کو اس وقت صرف تازہ ہوا کی کثرت ہی بچا سکتی تھی۔ ساتھ ہی میں نے اس کے چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے بھی دینے شروع کر دیے۔

"میں سمجھ گیا ہوں، اب اس کی دیکھ بھال میں کر لوں گا۔ تم بازپُرس کر کے اس خبیث کا قصہ پاک کرو۔ ایسی چوکڑی بھولا ہے کہ اب منحوس آواز میں مسلسل رٹے جا رہا ہے۔"

میں پانی کا جگ سلطان شاہ کے حوالے کر کے بستر سے اٹھ گیا اور میرانڈے کے قریب پہنچ کر اس کی پسلیوں میں ٹھوکر سے ایسی ضرب لگائی کہ وہ بلبلا کر دُہرا ہو گیا۔ ویرا کی ابتر حالت دیکھنے کے بعد میرے لیے اپنے غصے پر قابو پانا دشوار ہو گیا تھا۔

"خاموش۔" میں نے اس کی پنڈلی پر دوسری ٹھوکر مارتے ہوئے کہا اور اس کی ساری آوازیں یکلخت معدوم ہو گئیں۔

"تیری یہ جرأت کیسے ہوئی؟ ہمیں مار کر کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا تو؟"

"کچھ نہیں۔۔۔ میرا دماغ چل گیا تھا۔ میں نے ایک خواب دیکھا تھا جو کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ مجھے معاف کر دو، میں تمہارے پیر چاٹ لوں گا۔ مجھے میری زندگی بخش دو۔ میں نے اونچا اُٹھنے کی کوشش کی تھی لیکن اس طرح گرا ہوں کہ اپنے پیر تڑوا بیٹھا ہوں۔ بس تم مجھے معاف کر دو۔"

"کیا تھا وہ خواب؟ کیا چاہتا تھا تو؟" میں نے ڈپٹ کر غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"میں۔۔۔ میں سلور آئی پر قابض ہونا چاہتا تھا۔" اس نے جھجکتے اور سسکتے ہوئے اعتراف کیا اور میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔ "اس میں سارا قصور صرف میرا نہیں ہے، خود تم نے بھی میرے جنون کو ہوا

دی تھی۔ تم نے بتایا تھا کہ تم رازداری کے ساتھ میرے پاس آئے
ہو اور کسی کو اپنی یہاں موجودگی کی خبر نہیں دینا چاہتے میں نے سوچا
کہ... میرے منہ میں خاک، میں تم تینوں کو مار کر لاشیں ٹھکانے لگا
دوں تو کسی کو پتا نہیں چلے گا کہ تم لوگ کہاں غائب ہوگئے اور میں
سلور آئی پر قابض ہوجاؤں گا۔ پھر میں اپنی اس موذی خواہش پر قابو
نہ پا سکا۔ میں نے سوچا کہ تمھیں مارسیلز میں کسی سے ملنے کا موقع
دیے بغیر فوراً اپنا کام کر گزروں۔ تم تینوں تھکے ہوئے اور آرام کے
طلبگار تھے۔ میرا خیال تھا کہ میرا منصوبہ کسی رکاوٹ کے بغیر آسانی سے
کامیاب ہوجائے گا مگر میں یہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ جعلی آئی مین بننے
کے لیے میں اصلی آئی مین کے خلاف سازش کر رہا تھا جو سوتے ہوئے
بھی ہزاروں آنکھوں کے ساتھ بیدار رہتا ہے۔"

اس کی کہانی سن کر مجھے اطمینان ہوا کہ اسے میرے آئی مین ہونے
پر شبہ نہیں ہوا تھا۔ ورنہ ابتدا میں تو مجھے یہی فکر تھی کہ کہیں میرا راز
فاش نہ ہو گیا ہو۔ میں نے ویرا کا جائزہ لیا تو اس کی حالت دیکھتے دیکھتے
سُدھر رہی تھی اگر چند منٹ اور وہ اسی زہریلی فضا میں پڑی رہ جاتی
تو شاید دیکھ بھال کے سارے بکھیڑوں سے بے نیاز ہوجاتی لیکن
اب اس کے زندہ بچ جانے کی آس بندھتی نظر آرہی تھی۔

"تمھارا جرم اپنی نوعیت کا پہلا اور بہت سنگین جرم ہے۔" میں
نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "قاتلانہ حملہ تو بڑی بات ہے نٹی کی تاریخ میں
آج تک کوئی کسی آئی مین کے سامنے اونچی آواز میں بولنے کی ہمت
نہیں کرسکا' اس لیے تمھیں زندہ چھوڑنا دوسروں کے حوصلے بڑھانے کے
برابر ہوگا۔ تمھیں اب موت کے لیے تیار ہوجانا چاہیے۔ بڑے کھیل
میں ایسا ہی ہوتا ہے' تم کامیاب ہوجاتے تو جعلی آئی مین بن جاتے'
اب ہار گئے ہو تو تمھیں اپنی موت پر افسوس نہ ہونا چاہیے۔"

"میں ہر سزا کے لیے تیار ہوں لیکن مجھے میری زندگی کی بھیک
دے دو۔" وہ قالین پر پڑے پڑے ایک مرتبہ پھر بلک کر رو پڑا۔
زندگی کی محبت نے اسے بالکل ہی بودا اور نکما بنا کر رکھ دیا تھا۔

"ہر سزا...؟" میں نے چیلنج کرنے والے انداز میں پوچھا۔

"تمھاری زبان کٹوا دی جائے گی۔ ایک ہاتھ اور ایک پیر سے بھی
معذور کر دیے جاؤ گے۔ اسی کے ساتھ سارے اثاثوں سے نٹی کے
حق میں دستبردار ہونا پڑے گا۔ تمھیں کسی خیراتی محتاج خانے میں
داخل کرا دیا جائے گا جہاں تم اپنی باقی زندگی سکھ کے ساتھ گزار
سکو گے۔"

"مجھے زندگی کی اتنی بھیانک تصویر نہ دکھاؤ۔" وہ کانپتے ہوئے
بولا۔ "میں نے اپنا گھر آباد کیے بغیر اپنی جوانی کے لہو سے نٹی کی
بنیادوں کو سینچا ہے۔ مجھے اسی کا کچھ فائدہ دے دو۔"

"جوانی کے لہو سے تم نے گناہوں کی آبیاری کی ہے میرانڈے!
شہر کی خوبصورت اور جوان امیرزادیوں کو نشے کا عادی بنا کر اپنی خلوت
میں محفلیں سجاتے رہے ہو۔ اپنا انعام تو تم خود لیتے رہے ہو۔ اس
لیے اپنی آخری غلطی کا انعام بھی تمھیں خوشی کے ساتھ قبول کرلینا چاہیے۔"

"یہ میری پہلی بھول تھی جو بدنصیبی سے آخری غلطی بنتی نظر
آرہی ہے۔ تم مجھے بس ایک موقع دے دو۔"

وہ اصرار کرتا رہا اور میں انکار پر اڑا رہا۔ وہ بدبخت یہ
بھول رہا تھا کہ اگر ہم ہوشیار نہ ہوتے تو اس نے اپنی بے داغ
منصوبہ بندی سے ایک ہی وار میں تینوں کا صفایا کردیا ہوتا لیکن اس
کے ساتھ معاملے کا ایک اہم پہلو اور بھی تھا کہ ہم تینوں ہی مارسیلز
میں اجنبی تھے بلکہ ویرا جو کسی حد تک شہر آشنا تھی، ایک طرف گیس کا
شکار ہوگئی تھی اور دوسری طرف شہر میں اسے نٹی کے مقامی چیف
کی مخاصمت کا خطرہ تھا۔ جب کہ ہمیں شہر میں ایک محفوظ ٹھکانے کی
شدید ضرورت تھی۔

میرانڈے کا مکان ہمارے لیے ایک بہترین ٹھکانا تھا جہاں
سواری سے لے کر مالش تک ساری آسائشیں میسر تھیں۔ اگر ہم اسے
ٹھکانے لگا دیتے تو اس کے ملازمین ہماری طرف سے شبہات میں
مبتلا ہوجاتے اور ہمارا وہاں مقیم رہنا دشوار ہی نہیں خطرناک بھی ہو
سکتا تھا جب کہ میں فائر کیمپ کا معاملہ سامنے آنے کے بعد کم از کم اس
وقت تک مارسیلز میں مقیم رہنا چاہتا تھا جب تک میں اس بارودی
گودام کی تباہی کے اپنے منصوبے پر عمل نہ کرلوں۔ اس کا بہتر علاج یہ تھا
کہ چند روز کے لیے میرانڈے کو زندہ رکھا جاتا تاکہ اس کی آڑ میں ہم اس
کے مکان پر اپنا تصرف برقرار رکھ سکیں اور جب جانے کا ارادہ ہوتا تو
اسے مار کر اس کی لاش وہیں کسی کمرے میں بند کر جاتے۔

لیکن آخری صورت میں خرابی یہ تھی کہ میرانڈے موقع پا کر فرار ہو
سکتا تھا یا باہر اپنے ہمدردوں سے رابطہ قائم کرکے ہمارے لیے کچھ دشواریاں
کھڑی کرسکتا تھا۔

میں اسے باتوں میں الجھا کر ان ہی امکانات پر غور کر رہا تھا کہ
معاً مجھے میرانڈے کا قیدی یاد آیا جو اسی مکان کے کسی تہ خانے میں
قید تھا اور مجھے ایک اچھوتا خیال سوجھ گیا۔

"تم صرف زندگی نہیں بلکہ بھرپور زندگی گزارنے کا حق چاہتے ہو۔"
آخر کار میں نے کہا۔ "لیکن میری نگاہوں میں تم اپنا اعتبار کھو چکے ہو۔
میں جب تک یہاں ہوں تمھیں زندہ رکھوں گا لیکن اس دوران میں اپنی
زندگی کا ایک ایک لمحہ تمھیں چون و چرا کیے بغیر میری ہدایات کے مطابق
گزارنا ہوگا۔ اگر تم اطاعت کے اس معیار پر پورے اترے تو
زندہ رہو گے ورنہ میرا فیصلہ بحال رہے گا۔"

"میں تیار ہوں۔" وہ تشکر سے لبریز لہجے میں بول پڑا۔ "مجھے
معلوم تھا کہ تم آئی مین ہو اور عام انسانوں سے بہت بلند مقام رکھتے

ہو، اس احسان پر زندگی بھر میرا رُواں رُواں تمہارا احسان مند رہے گا۔"
یہ کہتے ہوئے اس نے قالین پر سرک کر میرے پیر تھام لیے اور عقیدت
سے انھیں چومنے لگا۔

"تہ خانے کا راستہ کہاں سے ہے؟" چند ثانیوں کے بعد میں
نے سوال کیا۔

"میری خواب گاہ میں راستہ ہے۔" وہ اپنا آنسوؤں سے بھیگا ہوا
چہرہ صاف کرتے ہوئے بولا۔

"چلو، میں وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہ یاد رہے کہ تمھاری
آزمائش کا آغاز ہو چکا ہے۔ اگر اب تم بہکے تو میں وارننگ دیے بغیر
تمھیں گولی مار دوں گا۔"

"تم مجھے کسی غلام سے زیادہ وفادار پاؤ گے۔" اس کے لہجے
میں پہلی بار قدرے اعتماد بحال ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

اس کی خواب گاہ اسی راہداری میں آخری سرے پر واقع تھی۔
اندر قدم رکھتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں راجہ اندر کے اکھاڑے
میں آگیا ہوں۔ بیش قیمت قلمی تصاویر سے ایرانی قالینوں تک ہر چیز
پُرشکوہ تھی لیکن اس خواب گاہ میں سونے والا اس وقت میرے سامنے
ایک بھکاری بنا ہوا تھا۔

میرانڈسے نے اپنی خواب گاہ کی ایک دراز سے دو چابیوں
والا ایک کی رنگ نکالا اور پھر ایک دیوارگیر الماری کی طرف بڑھ گیا۔
وزنی اور منقش چوبی دروازے کا پٹ کھلتے ہی تہ خانے میں جانے والا
راستہ ہمارے سامنے آگیا جو خود بخود روشن ہو گیا تھا۔

میرے ایما پر میرانڈسے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا اور میں اس
کے پیچھے ہو لیا۔ آٹھ زینوں کے بعد لینڈنگ سے زینے واپس مڑ
گئے تھے جن کے اختتام پر دس فٹ بلند اور تقریباً اتنی ہی چوڑی
ایک لمبی سی راہداری تھی جس کا اختتام ایک کشادہ ہال میں ہوا تھا جہاں
فضا میں سیلن کے ساتھ ہی بدبُو رچی ہوئی تھی۔

اس وسیع زیرِ زمین ہال میں صرف ایک بلب روشن تھا جو اس
رقبے کے لیے ناکافی تھا۔ میرانڈسے مزید روشنی کرنے کے لیے بڑھا
تو ہال کے انتہائی سرے سے آہنی جھنکار کے ساتھ کسی کی کمزور آواز
سنائی دی اور میں اسی طرف بڑھ گیا۔ میرانڈسے بھی بتیاں روشن کر کے میرے
پیچھے آگیا۔

قیدی کی حالت دیکھ کر میرا دل لرز اٹھا۔ اس کی داڑھی وحشتناک
انداز میں بڑھی ہوئی تھی، آنکھوں میں ورم کے ساتھ ویرانی رچی ہوئی
تھی، لباس پھٹ کر تار تار ہو چکا تھا۔ بکھرے ہوئے بالوں اور بڑھے
ہوئے گندے ناخنوں کے ساتھ وہ انسان کے بجائے دو پیروں والا
کوئی درندہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کی گردن میں آہنی طوق پڑا ہوا تھا جو
ایک فٹ لمبی آہنی سلاخ کے ذریعے داہنی پنڈلی میں پڑے ہوئے
ایک کڑے سے منسلک تھا۔ ڈنڈا بیڑی نما اس آلے کی وجہ سے گردن اور
داہنی ٹانگ کے سہارے وہ شخص کمان بنا ہوا تھا۔ پنڈلی اور گردن والے دونوں
وزنی آہنی حلقے مقفّل تھے اس طرح وہ شخص آزادانہ نقل و حرکت سے
معذور ہو کر رہ گیا تھا۔

"اس کی چابیاں کہاں ہیں؟" میں نے میرانڈسے کی طرف دیکھے
بغیر سوال کیا اور اس نے کی رنگ کی چھوٹی چابی تھام کر دو چابیوں والا
رنگ میری طرف بڑھا دیا۔

"آج کا دن تمھیں اس طوق میں گزارنا ہوگا۔" میں نے بیم گن
سے کھیلتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"مم... میں!" حیرت اور خوف سے اس کی زبان سے نکلا پھر
وہ گڑبڑا کر خود ہی سنبھل گیا۔ "بالکل گزاروں گا لیکن اسے آزاد نہ کرنا ورنہ
یہ دن بھر میرے جوتے لگاتا رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی آنے جانے
والے پر حملہ بھی کر بیٹھے۔"

"پھر تمھارے لیے یہ آلات کہاں سے مہیا ہوں گے؟" میں
نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"میں لاتا ہوں۔" وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔
"یہاں چار جوڑیاں ہیں جو سب ایک ہی چابی سے کھلتی ہیں۔ ان میں
سے کوئی بھی لے آؤں گا۔"

اسے ذرا دیر قبل مجھ سے کیا ہوا معاہدہ یاد تھا اور وہ میرے ہاتھ
میں بیم گن بھی دیکھ رہا تھا لہٰذا خود ہی ایک طرف دوڑ گیا اور اپنے لیے
وزنی آہنی زیور لے آیا۔

قیدی نے حلق سے مسرّت آمیز چیخ کے ساتھ کچھ اور آوازیں بھی
نکالیں جو میرے پلّے نہ پڑ سکیں۔

"یہ خوش ہو رہا ہے، میرے کان کھا جائے گا۔" میرانڈسے نے
جھجکتے ہوئے کہا۔ "اعتراض نہ ہو تو مجھے دوسرا کونا دے دو۔
جہاں میں اس سے محفوظ رہ سکوں۔"

میں اسے ساتھ لے کر زینوں کے مقابل والے گوشے میں
پہنچ گیا اور میری ہدایت پر میرانڈسے نے اپنی گردن میں خود ہی آہنی طوق
پہن لیا۔ گردن والے حلقے کو مقفّل کر کے میں نے اس کی ٹانگ اوپر اٹھائی اور
پھر آہنی سلاخ کے دوسرے سرے والا کڑا اس کی پنڈلی کے گرد بٹھا دیا۔ اس
حالت میں میرانڈسے بس مختصر سے دائرے میں لُڑھک یا گھوم ہی سکتا تھا۔
اس نے فرش پر گھسٹ کر اپنی پوزیشن درست کی اور میری طرف دیکھتے
ہوئے کہا۔ "مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

"بس تو پھر آرام کرو، میں جا رہا ہوں۔" میں نے سفّاکانہ سرد مہری
کے ساتھ کہا۔

"لل... لیکن پھر کب آؤ گے؟" اس نے بے تابانہ لہجے میں سوال کیا۔
"جب وقت مل گیا۔ ویسے میں نے قیدی کے پاس سوکھی

روٹیاں اور پانی کا پیالہ دیکھ لیا ہے۔ ضرورت کی یہ چیزیں تمھیں بھی بھجو دوں گا۔"

"میرے کسی ملازم کو نہ بھیجنا۔" وہ دھیمی آواز میں گڑگڑایا اور میں اثبات میں سر ہلاتے ہوئے زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے ملازمین کو تو میں ہوا بھی نہ لگنے دیتا کہ ان کا آقا کہاں آرام کر رہا تھا۔

عارضی طور پر میراندے کا مسئلہ حل ہوتے ہی میرے ذہن پر ویرا کی فکر سوار ہونے لگی تھی۔

تہ خانے سے نکاسی کے لیے زینے طے کرتے ہوئے میرے ذہن میں مسلسل میراندے کا واقعہ فلم کی طرح بار بار چل رہا تھا۔ وہ بہت مکار اور خود غرض شخص تھا کہ اس نے پہلا موقع میسر آتے ہی سلور آئی پر غاصبانہ قبضہ کرنے کی بھرپور کوشش کر ڈالی تھی جو محض ہماری خوش قسمتی کی وجہ سے ناکام ہو گئی تھی۔ اگر اس رات کے باقی حصے میں ہم سو جاتے تو شاید دوبارہ قیامت کے دن ہی آنکھ کھلتی۔ میرا اندازہ تھا کہ گیس ہیٹر کے ذریعے ہم تینوں کو بے ہوش کرنے والے اقدامات کی تکمیل کے بعد میراندے براہِ راست میرے کمرے کی طرف آیا تھا کیونکہ اسے میری تحویل سے سلور آئی نکالنا تھی سا اپنی کارروائی کی کامیابی کے بارے میں وہ اتنا پُریقین تھا کہ اس نے ویرا اور سلطان شاہ کی خواب گاہوں میں جھانکنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔

مجھے ویرا کی گیس خورانی کا دلی افسوس تھا لیکن خدا کا شکر تھا کہ وہ عین وقت پر موت کے بھیانک جبڑوں سے نکال لی گئی تھی۔ اسی کے ساتھ مجھے سلطان شاہ کی ہوشیاری پر خوشی تھی کہ میری ہی طرح اس نے بھی اپنی خواب گاہ میں میراندے کی سازش ناکام بنا دی تھی ورنہ میرے تنہا کے لیے میراندے کے ساتھ ویرا اور سلطان شاہ کو سنبھالنا دشوار ہو جاتا۔ میں ان ہی خیالات میں غلطاں اوپر میراندے کی خواب گاہ سے گزر کر سلطان شاہ کے کمرے میں پہنچا تو وہاں فضا پراگندہ تھی اور سلطان شاہ بہت زیادہ بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"اس کا بچنا مشکل نظر آ رہا ہے۔" مجھے دیکھتے ہی وہ اضطراری انداز میں میری طرف لپکا تھا۔ "ابھی ابھی اسے بہت بڑی قے ہوئی ہے جس میں زیادہ تر نیلا پانی ہی پانی تھا.... بستر اور اس کا سارا لباس گندا ہو گیا ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بے چاری کے لیے کیا کروں... وہ مرنے کے قریب پہنچی ہوئی نظر آ رہی ہے۔"

اس کا تبصرہ سن کر میں خاموشی سے مسہری کے قریب پہنچ گیا حالانکہ قے کے بارے میں سن کر مجھے قدرے اطمینان ہوا تھا۔ اس طرح جسم میں پہنچی ہوئی گیس کی خاصی مقدار غالباً زائل ہو چکی تھی اور وہ ویرا کی حالت میں بہتری کی علامت تھی۔

میں نے ویرا کے پپوٹے الٹ کر اس کی آنکھوں کی پتلیاں دیکھیں، نبض کی رفتار کا جائزہ لیا اور بستر کی وسیع و عریض چادر کے خشک حصے سے اس کا لباس خشک کرنے میں مصروف ہو گیا۔

"یہ اتنی آسانی سے نہیں مرے گی۔" میں نے ویرا کے جسمانی نظام میں مثبت تبدیلیاں محسوس کرنے کے بعد خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "اس وقت قے ہونا بہت ضروری تھا۔ اب یہ جلد ہی ہوش میں آ جائے گی۔"

"اسے کہاں چھوڑ آئے؟" سلطان شاہ نے دور ہی سے ویرا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"قریب آ کر میری مدد کرو۔ یہ تمھیں کھا نہیں جائے گی۔" میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ "تازہ ہوا اپنا کام دکھا چکی ہے۔ اب کمرے میں آنے والی سرد ہوائیں تکلیف دہ ہوتی جا رہی ہیں۔ پہلے عقبی کھڑکیاں بند کرو پھر میرے پاس آ جاؤ۔"

اس نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ کیے بغیر عقبی کھڑکیاں بند کر کے دبیز پردے ان پر اچھی طرح پھیلا دیے۔ اس طرح دوسری طرف سے کسی کو اتفاقاً بھی کمرے کے اندر کی صورتِ حال کا پتا نہیں چل سکتا تھا۔ ادھر سے نمٹ کر وہ خاموشی کے ساتھ میرے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر عجیب سی مردنی چھائی ہوئی تھی۔

"دوسری طرف جا کر اس کا بایاں ہاتھ آستین سے نکالو۔" میں نے گیلے لباس سے ویرا کا داہنا ہاتھ نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے سلطان شاہ کو حکم دیا لیکن وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس تک نہ ہوا۔

"تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے؟" اس کی ڈھٹائی پر میں نے برہمی سے غراتے ہوئے کہا۔

"سن لیا ہے لیکن اللہ کے لیے اس کام میں مجھے ملوث نہ کرو۔" وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ "اس جیسی زندہ اور صحت مند عورتوں کے لمس ہی سے اب مجھے خوف آنے لگا ہے۔ یہ مر رہی ہوتی یا مر گئی ہوتی تو میں تم سے پہلے اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر جہاں چاہتے پہنچا دیتا لیکن تم بتا رہے ہو کہ ویرا اب ٹھیک ہے اس لیے مجھے اس سے دور ہی رہنے دو۔"

مجھے خیال آیا کہ وہ ایک بار تنہائی میں ایلی نور کی جیرہ دستیوں کا شکار ہو چکا تھا۔ شاید اس وقت اسے کسی کمزور سی عورت کی لرزہ خیز صلاحیتوں کا پہلی بار ادراک ہوا تھا۔ اس روز ہوٹل میں میری بروقت واپسی پر سلطان شاہ نے یوں گہرے اطمینان کا اظہار کیا تھا جیسے میں نے اسے موت کے جنگل میں جلنے سے بال بال بچایا ہو۔

سلطان شاہ کی خوابیدہ حیوانی جبلت کو اکسا کر اسے یادگار سبق پڑھانے والی ایلی نور اپنی بدقسمتی سے اجل کی تاریک وادیوں میں دھکیل دی گئی تھی جبکہ ویرا زندہ اور زندگی کے لیے ہماری مدد کی طلب گار تھی اس لیے میں نے سلطان کی اس اضطراری جھجک کا پس منظر جانتے بوجھتے ہوئے بھی اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورا اور کہا۔ "تم بعض اوقات

بہت تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔ قے کی بُو میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے اور تمھیں نخرے سوجھ رہے ہیں' اس وقت تم نے میرا ہاتھ نہیں بٹایا تو یاد رکھنا کہ آئندہ اپنے کسی کام میں تمھیں ہاتھ نہیں لگانے دوں گا۔"

اس کے چہرے پر یک بیک ایسے تاثرات ابھر آئے جیسے اس کے حلق میں کوئی چیز اٹک گئی ہو۔ اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور وہ نڈھال قدموں سے مسہری کے دوسری جانب ڈیرا کے بائیں پہلو میں پہنچ گیا۔

ڈیرا کی مسہری سے قالین پر منتقلی سے اس کے بدن کی صفائی اور لباس کی تبدیلی تک سلطان شاہ کسی ایسی نوخیز دوشیزہ کی طرح بوکھلاتا اور شرماتا رہا جس سے اوڑھنی چھین کر اسے اوباش نامحرموں کی بھیڑ میں دھکیل دیا گیا ہو لیکن اس کے اس ردِعمل میں تصنع کا کوئی دخل نہیں تھا دراصل اس کی پرورش ہی ایسے سنگلاخ قبائلی ماحول میں ہوئی تھی جہاں مائیں بلوغت کی عمر کو پہنچنے تک اپنے بیٹوں کو ہر حیلے اور بہانے سے نامحرم عورتوں کے سائے تک سے محفوظ رکھتی تھیں اور اس مقصد کے لیے حسین بہروپ بدل لینے والی چڑیلوں تک کے قصّوں کا سہارا لینے سے گریز نہیں کرتی تھیں اس خلا میں وہ مائیں جن لڑکیوں کو اپنی بہو بنا کر لے آتی تھیں ان کے بیٹے بسر و چشم انھیں اپنی بیویوں کے طور پر قبول کر لیتے تھے۔ یہی کچھ سلطان شاہ کا معاملہ نظر آ رہا تھا کہ بیوی کی دریافت تک وہ اپنی کتابِ حیات کا وہ ورق بالکل سادہ رکھنا چاہتا تھا جس پر زندگی میں بس ایک ہی عورت کا نام درج کیا جاتا ہے۔

اپنے طبعی میلان کے برعکس وہ دیر تک میری مدد کرتا رہا آخر کار ہماری کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور ڈیرا نے چند ثانیوں تک نقاہت آلود آوازوں کے ساتھ کسمسانے کے بعد آنکھیں کھول دیں۔

"میں کہاں ہوں؟" اس نے ویران نظروں سے دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے تھکی ہوئی نحیف آواز میں سوال کیا۔

"تم محفوظ ہو ڈیرا!" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔ "ہم تینوں ایک خطرناک سازش سے بال بال بچے ہیں۔ رفتہ رفتہ ہی تمھاری حالت اعتدال پر آئے گی۔"

"ڈینی!" وہ میرا ہاتھ اپنے چہرے سے لگا کر اچانک رو پڑی۔ "تم .... تم میرا کتنا دھیان رکھتے ہو.... کاش اس کے صلے میں میں بھی تمھارے کسی کام آ سکتی۔"

"خود پر قابو رکھو۔" میں نے اس سے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "تمھارے معدے اور خون میں جلائی جانے والی زہریلی گیس کی بھاری مقدار شامل ہو چکی ہے جس کا ایک حصّہ قے کی صورت میں خارج ہو چکا ہے' اس سے پوری طرح نجات حاصل کرنے کی بس یہی ایک

صورت ہے کہ تم دیر تک پھیپھڑوں کی پوری قوت سے گہرے گہرے سانس لیتی رہو۔"

"تو کیا یہ میراندے کی حرکت تھی؟ وہ ہمیں کیوں مارنا چاہتا ہے؟" ابتدائی اور اضطراری ردِعمل کے فوراً بعد ہی وہ پوری طرح سنبھالا لینے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہم نے اسے تاثر دیا تھا کہ ہم نہایت رازدارانہ طور پر اس کے پاس آئے ہیں اس لیے وہ ہمیں کسی سے ملنے کا موقع دیے بغیر خاص طور پر مجھے ٹھکانے لگا کر سلور آئی حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ حسبِ ضرورت آئی مین کی حیثیت سے بھرپور فائدہ اٹھاتا رہے۔ اس کا منصوبہ بہت جاندار اور مکمل تھا جو ہماری خوش نصیبی سے ناکام ہو گیا اور اب وہ مردود ہمارا قیدی ہے۔" میں نے مختصر ترین الفاظ میں پوری صورتِ حال بیان کر دی۔

"میراندے بہت جذباتی اور عملی آدمی ہے۔ اسی وجہ سے آج تک کسی یونٹ کا سربراہ نہ بن سکا۔" وہ قالین پر پڑے پڑے متاسفانہ لہجے میں بولی۔ "دھن کا پکا ہے اور جو سوچ لیتا ہے وہ ہر قیمت پر کر گزرتا ہے۔ مصلحت اور دوراندیشی اسے چھو کر بھی نہیں گزری۔ شاید اس کی یہی عجلت پسندی ہماری زندگی کا بہانہ بن گئی لیکن تم نے اسے کہاں قید کیا ہوا ہے؟ کہیں وہ ہمارے لیے مسائل نہ کھڑے کر دے۔"

"تمھاری حالت سنبھل جائے تو یہ سب بھی سوچ لیں گے...!"

اس نے میری بات درمیان ہی سے کاٹ دی۔ "میری فکر نہ کرو، جب تک میں بے ہوش یا سوئی ہوئی تھی، تمھارے لیے بے کار تھی لیکن اب نقاہت کے احساس کے علاوہ میں ذہنی طور پر پوری طرح ٹھیک ٹھاک ہوں اس لیے ہمیں وقت برباد کیے بغیر اپنا لائحۂ عمل فوری طور پر طے کر لینا چاہیے۔"

اس کے اصرار پر میں نے گزرے ہوئے واقعات کی پوری تفصیل دہرانا شروع کر دی۔

"اگر اس نے گیس کے مین والو کے ذریعے یہ ساری شرارت کی تھی تو اس کی ملازماؤں پر بھی زہریلی گیس اثر انداز ہوئی ہوگی۔" میری کہانی سن کر سلطان نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"اس کا امکان کم ہی ہے۔" ویرا نے کہا۔ "یہاں گیس کے نرخ بہت زیادہ ہیں اور فرانس کے رؤسا اپنے ملازمین کو عام طور پر بہت زیادہ آسائشیں فراہم کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ملازمین کے لیے گیس ہیٹر سرے سے فراہم ہی نہ کیے گئے ہوں لیکن اس کی تصدیق کرنا ہوگی۔"

"ان یخ بستہ راتوں میں تو ہیٹر کے بغیر سونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔" سلطان شاہ تشویش آمیز لہجے میں بڑبڑایا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ لکڑیاں یا کوئلے جلاتے ہوں۔" ویرا بولی۔ "لیکن تھمیں ان کے کمروں کا جائزہ لینا ہوگا جو ایک اعتبار سے ہمارے حق میں خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ وہ میراندے جیسے آدمی کے ملازمین ہیں۔ اس کی غیر موجودگی میں ہماری کوئی بھی غیر معمولی حرکت انھیں ہماری طرف سے شبہات میں مبتلا کر سکتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر ان کے کمروں میں بھی گیس کے چولھے تھے تو وہ اب تک مر چکے ہوں گے۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "ہم انھیں کسی قیمت پر دوبارہ زندہ نہیں کر سکیں گے اور اگر وہ گیس خورانی سے محفوظ ہیں تو تھوڑی دیر میں انھیں بیدار ہو کر اپنے روزمرّہ معمولات میں مصروف ہو جانا چاہیے کیونکہ اس وقت صبح کے سات بج رہے ہیں۔"

طے یہ پایا کہ ان کا انتظار ہی ہمارے لیے سودمند تھا لیکن درمیان میں ایک اور مسئلہ پیدا ہو گیا۔ مارسیلز میں چارلس میراندے کا مکان ہمارے لیے ہر اعتبار سے محفوظ اور آرام دہ تھا جسے ہم فوری طور پر نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ چارلس میراندے کی دو چار گھنٹوں کی غیر حاضری میں شاید اس کے ملازمین پر کوئی اثر نہ ہوتا لیکن اس کی طویل غیر حاضری ان میں خطرناک رجحانات کی پرورش کا سبب بن سکتی تھی۔ خاص طور پر ایسی صورت میں کہ رات کو سارے ملازمین نے اپنے آقا کو مکان میں موجود دیکھا ہو پھر اس کی مکان سے روانگی کا کوئی گواہ نہ ہونے کی صورت میں ان کے تمام تر شبہات ہماری ہی طرف مرکوز ہو جاتے۔ عین ممکن تھا کہ مسلح محافظوں وغیرہ کو ہم تینوں کو قید کرنے پر اکسایا جاتا اور ہم بے خبری میں مار دیے جاتے۔

سلطان شاہ نے فوری طور پر مشورہ دیا کہ ہمیں چارلس میراندے کو ہلاک کر کے ملازمین میں اس کی قدرتی موت کا اعلان کر دینا چاہیے جسے میں نے مسترد کر دیا۔ چارلس کی موت کی خبر کو کسی بھی طرح محدود نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اس کے ملازمین اس کے قریبی دوستوں اور رشتے داروں کو ضرور مطلع کرتے۔ اس طرح تدفین کی رسومات میں شرکت کے لیے مقامی اہلکار بھی پہنچ جاتے اور ویرا کی وجہ سے ہم بہ آسانی شناخت کر لیے جاتے۔

چارلس میراندے کو رنگے ہاتھوں میں نے پکڑا تھا۔ اس لیے ان دونوں کے مقابلے میں اس کی اعصاب زدہ حالت سے میں زیادہ واقف تھا۔ آئی مین بننے کی ہوس میں وہ ہمارے خلاف مکار بھیڑیا بن گیا تھا لیکن پکڑے جانے کے بعد وہ کسی چوہے سے زیادہ بدتر ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے مزاحمت یا مقابلے کے بجائے خود کو مکمل طور پر میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا اور زندگی کی امید میں اس نے میرے احکام پر بے چون و چرا عمل کرنے کا نہ صرف وعدہ کر لیا تھا بلکہ میری ہدایت پر اس نے خود ہی اپنے گلے میں آہنی طوق پہن کر اپنے تہ خانے میں بدحال قیدی کے ساتھ رہنا منظور کر لیا تھا۔

"میں اسے تہ خانے سے نکال کر لاتا ہوں۔" میں نے چند ثانیوں

تک سگریٹ کے گہرے کش لیتے ہوئے سوچنے کے بعد کہا۔" میں نے اسے بتا دیا ہے کہ اس نے میری کسی بھی ہدایت پر کوئی سوال کیا تو میں بلا دریغ اسے گولی مار دوں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ اوپر آنے کے بعد وہ اتنا ہی کرے گا جو اسے بتا دیا جائے گا۔"

"اس نے حالات سے سمجھوتا ضرور کر لیا ہے لیکن تم اس کی فطرت نہیں بدل سکتے۔" ویرا نے کہا۔" وہ کسی بھی لمحے موقع پا کر نکل بھاگے گا یا اپنے ملازمین کے ذریعے اپنے کسی ہمدرد کو کوئی پیغام بھجوانے کی کوشش کرے گا۔"

"یہ میں بھی جانتا ہوں۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔" وہ صرف ناشتے تک ہمارے ساتھ ہماری نگرانی میں رہے گا اور اس دوران میں اپنے ملازمین کو ہدایت دے گا کہ اگر کسی اچانک ضرورت کے تحت اسے چند دنوں کے لیے کہیں جانا پڑ جائے تو وہ ہمارے آرام اور تواضع کا پورا خیال رکھیں۔ اس کے بعد اسے دوبارہ تہ خانے میں پہنچا دیا جائے گا۔ میں اس پر ایک لمحے کے لیے بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے ذرا سے فائدے کے لیے آنکھیں بدلنے والوں میں سے ہے۔"

"اس کے چہرے وغیرہ پر تشدد کے نشانات تو نہیں آئے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"بم گن کی ضرب سے اس کا چہرہ زخمی ہوا تھا لیکن وہ نباہ لیا جائے گا... یہ بتاؤ کہ اب تمھاری حالت کیسی ہے؟" میں نے ویرا کا غور سے جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"بہت بہتر ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اپنی بائیں کہنی کے سہارے قالین پر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔" بس نقاہت بہت زیادہ ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ہاتھ پیروں کا دم نکلا جا رہا ہو۔"

"تمھیں کچھ دیر یہاں تنہا رہنا ہو گا۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ تہ خانے میں جا رہا ہوں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"رہ لوں گی۔ لیکن تمھارا اصل پروگرام کچھ اور ہی معلوم ہو رہا تھا۔"

"ہاں۔" میں نے مسکراتے ہوئے اعتراف کیا۔" میں تمھیں تہ خانے میں لے جانا چاہ رہا تھا تاکہ دوسرے قیدی سے تم یہ معلوم کر سکو کہ قید کیے جانے کے بعد میراندے کیا بکواس کرتا رہا ہے۔ اس کا قیدی فرنچ کے سوا شاید کوئی اور زبان نہیں جانتا۔ تم اس سے آسانی سے بات کر سکو گی۔"

"میں کوشش کرتی ہوں۔" وہ اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بہ دقت تمام کھڑی ہوئی اور کمرے میں چلنے کی کوشش کرنے لگی۔ ابتدا میں وہ لڑکھڑائی تھی لیکن سلطان شاہ کے سہارے سے دس پندرہ قدم چلنے کے بعد اس قابل ہو گئی تھی کہ کسی سہارے کے بغیر چہل قدمی جاری رکھ سکے۔

چند منٹ کے بعد میں ویرا کو ساتھ لے کر اس خواب گاہ سے نکل گیا۔ خواب گاہ میں چند قدم ٹہل لینا اور بات تھی لیکن کچھ فاصلہ طے کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ راہداری میں میراندے کی خواب گاہ کی طرف چند قدم چل کر ہی ویرا لڑکھڑانے لگی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میراندے کے ملازمین اسے ایسی خستہ حالت میں دیکھیں لہٰذا میں ویرا کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے اپنے سہارے میراندے کی پُرشکوہ خواب گاہ میں لے گیا۔ ویرا ستانے کے لیے مسہری پر دراز ہو گئی اور میں نے دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔

"بدن سے بالکل ہی جان نکل گئی ہے... شاید برانڈی سے کچھ تقویت مل جائے۔" ویرا نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا اور میں خواب گاہ کے ایک گوشے میں وائن کیبنٹ کی طرف بڑھ گیا۔

ویرا کو برانڈی کا گلاس دیتے ہوئے اچانک ہی میں نے محسوس کیا کہ اس خواب گاہ کا گیس ہیٹر آن تھا۔ اس وقت تک وہ اہم نکتہ میں نے سرے سے فراموش کیا ہوا تھا۔ اگر اس کھیل میں گیس کے مین والو سے کام لیا گیا تھا تو وہ ہیٹر بھی آف ہونا چاہیے تھا لیکن میں نے اس بارے میں ویرا کے ذہن پر بوجھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا۔

کونیاک کا دوسرا لارج پیگ معدے میں خالی کرتے ہوئے ویرا کی آنکھوں میں زندگی کی حرارت آگیں چمک دوبارہ عود کر آئی تھی۔ پھر اسے تیسرے پیگ کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس اثنا میں میں نے دیوار گیر الماری کے وزنی اور منقش چوبی دروازے کا قفل کھول کر تہ خانے کا خفیہ راستہ ظاہر کر دیا تھا اس لیے ویرا بستر سے اُٹھ کر خود ہی ادھر بڑھ گئی تھی۔ میں نے لپک کر اسے سہارا دینا چاہا لیکن اس نے نرمی سے مجھے

روک دیا۔" اب مجھے سہارے کی ضرورت نہیں رہی۔ میں لڑکھڑائے بغیر سیڑھیاں اتر سکتی ہوں۔"

سیڑھیاں طے کر کے ہم دونوں راہداری میں پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے تہ خانے کے سیلن زدہ، بدبودار ماحول میں پہنچے تو سامنے ہی میراندے سے آہنی زیور میں فرش پر کمان بنا ہوا ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہمارے قدموں کی گونج محسوس کرتے ہی دور افتادہ گوشے سے دوسرے قیدی نے وحشت زدہ کلکاری مار کر فرنچ میں کچھ کہا تھا جو میرے پلّے نہ پڑ سکا۔

"کیا کہہ رہا ہے وہ؟" میں نے ویرا سے پوچھا۔

"میراندے کے بارے میں اپنے ناشائستہ عزائم کا اظہار کر رہا ہے۔" ویرا نے انگریزی میں مجھے بتایا۔ "اسے کھول دو تو یہ ابھی کسی بھوکے بھیڑیے کی طرح میراندے کے ٹکڑے اڑا دے گا۔"

"کتے بھونکتے رہتے ہیں مادام ویرا۔" میراندے مجبور و معتوب ہونے کے باوجود اپنی کھوپڑی پر قابو نہ رکھ سکا۔ "وہ پیدا اسی لیے ہوتے ہیں لیکن ان کے بھونکنے سے تم نے کبھی کوئی گاڑی رکتی نہ دیکھی ہوگی.... میں اپنے عظیم المرتبت آئی مین کا لحاظ کر رہا ہوں ورنہ جواب میں اپنے قیدی کو ایسی ایسی شاہکار گالیاں سنا سکتا ہوں کہ اس کے بزرگوں کے مُردے اپنی قبروں میں شرما جائیں گے۔"

"تمھیں لحاظ کرنا ہی چاہیے۔" میں نے اس کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے مربیانہ لہجے میں کہا۔ "کیونکہ تم مجھ سے عہد کر چکے ہو جس کی پابندی پر تمھاری زندگی کا انحصار ہے... میں نے رائے قائم کی ہے کہ تم انتہا پسند طبیعت کے مالک ہو، بدنیتی پر اتر آؤ تو اپنے محسنوں کو بھی ہلاک کر سکتے ہو اور وفاداری پر آمادہ ہو جاؤ تو اپنی گردن تک کٹوا سکتے ہو۔"

"میری خطا معاف کر دو۔" وہ جھرجھری لے کر بولا۔ "میرے لہو میں اب تمھارے لیے وفا ہی وفا رہ گئی ہے۔ مجھے تم ہر لمحے اپنا بے دام غلام پاؤ گے۔"

"میں نے تمھیں تھوڑی سی چھوٹ دینے کا فیصلہ کیا ہے جو تمھاری آزمائش کا ایک حصہ ہے۔" میں نے قدرے توقف کے بعد ڈرامائی لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "پرتکلف مکان سے اس گندے قید خانے کا مزہ تم نے چکھ لیا ہے اور دوبارہ یہاں ڈالے جا سکتے ہو لیکن فی الحال میں نے تمھیں اوپر لے جانے کا فیصلہ کیا ہے لیکن تم ویرا کے ساتھ تحکمانہ نہیں بلکہ محکومانہ رویّہ اختیار کیے رہو گے کیونکہ تمھارے ذاتی مراسم سے قطع نظر اس وقت وہ میری معاون ہے۔"

"بالکل کروں گا۔" اس نے اپنے آہنی زیورات کی جھنکار میں پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "یہ تو پھر مادام ویرا ہے تم چاہو تو مجھے کسی خارش زدہ کتیا کی خدمت پر بھی مجبور کر سکتے ہو۔"

آخری زہریلا فقرہ اس کے مزاج کا ترجمان تھا جو وہ بلا سوچے سمجھے کہہ گیا تھا مگر میں نے الجھنے کے بجائے اسے بھی نظر انداز کر دیا کیونکہ میں اس سے کوئی خاص کام لینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس اثنا میں ویرا آگے بڑھ کر قیدی کے ساتھ نیچی آواز میں گفتگو میں مصروف ہو چکی تھی۔

میں نے جھک کر چھوٹی چابی سے میراندے کے گلے اور پنڈلیوں کے دونوں طوق کھول دیے اور وہ اتنی پھرتی کے ساتھ بیڑیوں وزنی دور پھینک کر سیدھا کھڑا ہوا جیسے اسے دوبارہ اپنے اسیر ہو جانے کا رہا ہو۔

"تم واقعی بہت عظیم ہو۔ اس قدر عظیم کہ تمھیں دیکھنے سے پہلے میں بڑائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔" وہ میرے قریب آ کر ممنونیت سے لہجے میں بولا۔ "دل چاہتا ہے کہ تمھیں اپنے کندھوں پر اٹھا کر میں مارسیلز کی گلی کوچوں کے چکر لگاؤں اور لوگوں کو بتاؤں کہ عظمت اور بڑائی کیا ہوتی ہے..."

شاید وہ خوشامدانہ جوش اور جذبے میں بولتا ہی چلا جاتا لیکن نے وہیں اس کی بات کاٹ دی۔ "میں تمھیں پھر وارننگ دے رہا ہوں ابھی تک تم نے میری ذات کا صرف مہربان پہلو ہی دیکھا ہے لیکن جس تم نے اپنا عہد فراموش کیا تم دیکھو گے کہ میرا رویّہ بالکل مختلف ہو گا۔ اپنے دشمنوں کو میں ایک ہی وار میں موت کے گھاٹ اتار دینے کا قائل ہوں لیکن نافرمانوں اور غداروں کو سسکا سسکا کر مارنا میرا مشغلہ ہے۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بھاری جبڑوں پر تھپڑ اور بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم نے میری موت اور زندگی کا اختیار خود سونپ دیا ہے، مجھ سے کہیں لغزش نہیں ہوگی۔ میرا مقدر خراب تھا کہ گھڑی میرے سر پر چپکلی سوار ہو گئی ورنہ اوپر والوں کے لیے میں سے غلام رہا ہوں۔"

اسے اپنے قدموں پر کھڑا ہوا دیکھ کر ویرا قیدی کو وہیں چھو ہماری طرف آ گئی اور میراندے سے مخاطب ہو کر بولی۔ "تمھیں کس انتظار ہے یا وہ کون سی امید ہے جو تم بڑے وثوق سے اپنی آزاد دعوے کرتے رہے ہو؟"

"سمجھا کرو مادام!" وہ ڈھٹائی کے ساتھ کھسیائے ہوئے لہجے "کل تک وہ میرا قیدی تھا۔ آج مجھے بندھا ہوا دیکھ کر مجھ پر بار بار کس رہا تھا اور میرا مضحکہ اڑا رہا تھا۔ اس کی زبان کو لگام دینے لیے مجھے کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا اور تم دیکھ لو کہ میں جھوٹا نہیں تھا۔ آ کی عظمت کو میرا سلام کہ اس نے پھر مجھے آزاد کر دیا ہے۔"

"اچھا۔ اب یہاں سے نکلو۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے

"اب شاید ناشتا بھی تم ہی کو تیار کر کے سرو کرنا ہو گا۔"

"کیوں؟" حیرت سے میراندے کی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھ

"میرے ملازمین کہاں مر گئے ہیں؟ کیا انھوں نے تمھیں بیڈ ٹی سرو

"میں تو یہی سمجھ رہا ہوں کہ شاید کہیں سے وہ سب اپنی خواب

یں مرچکے ہیں۔" میں نے راہداری میں بڑھتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "زندہ ہیں تو ابھی تک سو رہے ہوں گے۔"

"ہیٹروں سے ان کا بال بھی بیکا نہ ہوا ہوگا۔ اس مکان کے سارے ہیٹرز میں گیس کی لائن پر تھرمو اسٹیٹک والو لگے ہوئے ہیں جو ہیٹر اور پائلٹ برنر بند ہونے پر خود بخود گیس کی سپلائی منقطع کر دیتے ہیں۔ جب تک والو کو ہاتھ سے دبا کر چند سیکنڈ تک دوبارہ پائلٹ برنر نہ جلایا جائے گیس سپلائی بحال نہیں ہوتی۔" اس نے کہا۔

"پھر ہماری خواب گاہوں میں کیا ہوا تھا؟" میں نے ترش لہجے میں پوچھا۔

اس نے پھر اپنے رخساروں پر تھپڑ لگائے اور گھگھیاتے ہوئے بولا۔ "پانچ کمروں میں سے میں نے وہ خود کار والو نکلوائے ہوئے ہیں رات میں نے تم لوگوں کو ان ہی میں سے تین خواب گاہوں میں ٹھہرایا تھا۔ شاید میرا مقدر خراب تھا کہ میں نے تم جیسے زیرک اور ہوشیار لوگوں کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کی تھی۔"

"پھر تمھاری خواب گاہ کا ہیٹر کیسے روشن رہا؟" میں نے رکے بغیر اگلا سوال کر ڈالا۔

"میں نے اپنی دانست میں مکمل کام کیا تھا۔" وہ شرمسار لہجے میں بتانے لگا۔ "گیس کھولنے اور بند کرنے کے شغل سے فارغ ہو کر میں نے اپنے کمرے میں دوبارہ ہیٹر جلا دیا تھا تاکہ سلور آئی حاصل کرنے کے بعد آرام سے اپنی خواب گاہ میں سو سکوں۔ ایسے ہی مواقع کے لیے میرے کمرے میں گیس کی دُہری سپلائی لائن ہے۔ دوسری لائن مین والو سے پہلے براہِ راست میری خواب گاہ میں آتی ہے تاکہ لائن کی کسی خرابی سے میرے آرام میں خلل واقع نہ ہو۔"

"پھر تو واقعی حیرت ہے کہ انھوں نے بیڈ ٹی کیوں سرو نہیں کی؟" ویرا نے کہا۔ "انھیں آئی مین کے رتبے کا علم یقیناً نہیں ہے لیکن وہ اتنا تو جانتے ہیں کہ ان کی چھت کے نیچے کچھ ایسے اہم مہمان مقیم ہیں جن کی پیشوائی کے لیے ان کا آقا منہ اندھیرے گاؤن پہنے پھاٹک پر پہنچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔"

"چھوڑو یہ خرافات۔" میں نے ناگواری کے ساتھ کہا۔ "بیڈ ٹی نہ ملنے سے کوئی قیامت نہیں آگئی۔"

سیڑھیاں طے کر کے ہم تہ خانے سے میرانڈے کی خواب گاہ کی فرحت انگیز فضا میں پہنچے تو وہ خود میرے اور ویرا کے درمیان موجود تھا۔ کونیاک نے ویرا کی کھوئی ہوئی توانائی بحال کرنے میں حیرت ناک اثر دکھایا تھا اور اسے دیکھ کر یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ گیس کی خاصی مقدار ہضم کر چکی تھی۔

"سارا تنازعہ میرے اور تمھارے درمیان ہے۔" میں نے دیواگیر الماری کا پٹ مقفل کرتے ہوئے میرانڈے سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ تمھارے خانگی ملازمین کے سامنے تمھاری سُبکی ہو۔ اس لیے تمھیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم محتاط رہنا۔ اگر تم نے کسی بھی وقت میری نگاہوں سے اوجھل ہونے کی کوشش کی تو میرے عتاب سے نہ بچ سکو گے۔"

میرانڈے اپنے انجام اور میرے عزائم سے بے خبر اس وقت سراپا عجز و انکسار بنا ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ ورنہ وہ میرے چرنوں میں دھرنا دے کر بیٹھ جاتا۔ اس نے میری آخری ہدایت کو سرِ تسلیم خم قبول کر لیا اور ہم اس کے کمرے سے نکلنے کے بعد سلطان شاہ کی خواب گاہ میں پہنچ گئے جہاں ایک عجیب تماشا ہمارا منتظر تھا۔

اس کمرے میں سلطان شاہ کے ساتھ میرانڈے کی جوان سال اور خوش شکل ملازمہ موجود تھی۔ وہ دونوں ایسے زاویے سے لڑاکا مرغوں کی طرح پھولے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے کہ آخری لمحے تک وہ ہمیں نہیں دیکھ سکے۔ وہ دونوں بیک وقت بول رہے تھے اور کوئی کسی کا مفہوم نہیں سمجھ رہا تھا کیونکہ ملازمہ فرنچ بول رہی تھی اور سلطان شاہ اُردو گالیوں کی لطیف آمیزش کے ساتھ اپنی شکستہ انگریزی میں روانی پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا مدعا صرف اتنا تھا کہ وہ سفید چڑیل کچھ دیر کے لیے اس کمرے سے دفع ہو جائے اور اس وقت وہاں حاضر ہو جب اسے طلب کیا جائے لیکن وہ معصوم صورت خادمہ سلطان شاہ کی انگریزی سمجھنے کی کوشش کیے بغیر فرنچ میں کچھ کہے جا رہی تھی۔

ہم میں میرانڈے کے علاوہ ویرا ہی دونوں زبانوں سے واقف تھی۔ میرانڈے میرا اسیر تھا اس لیے دبا دبا سا تھا لیکن ویرا ان دونوں کے مکالمات سن کر اونچی آواز میں ہنسی تو وہ دونوں ہی اپنے مکالمات بھول کر شرمسار انداز میں ہمیں دیکھنے لگے۔ اس وقت ان کے بُشرے قابلِ دید ہو گئے تھے۔

قبل اس کے کہ ویرا ان دونوں کے مضحکہ خیز مکالمات کے بارے میں کوئی تبصرہ شروع کرتی، میں اُردو میں اس سے مخاطب ہو گیا۔ "میرانڈے کو بتاؤ کہ یہ صورتِ حال مجھے پسند نہیں آئی۔ اسے اپنے ملازمین کو ہدایت کرنا چاہیے کہ وہ موجود ہوں یا نہ ہوں انھیں ہر حال میں ہماری ضروریات اور ترجیحات کا خیال رکھنا چاہیے۔"

ویرا موقع کی نزاکت بھانپتے ہی یک لخت سنجیدہ ہو گئی۔

"تم سن رہے تھے کہ یہاں کیا ہو رہا تھا۔" ویرا انگریزی میں میرانڈے سے کہہ رہی تھی۔ "ہمارا ساتھی اسے یہاں سے ٹالنا چاہ رہا تھا اور وہ خود بھی یہاں سے جانے کے لیے اجازت کی طلب گار تھی لیکن تمھاری ملازمہ کے تیور جارحانہ تھے۔ آئی مین کو اس کا انداز پسند نہیں آیا۔ اس چھت کے نیچے ہم تینوں کی بالادستی کا اعلان کیے بغیر تمھاری رہائش

زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکیں گی۔"

"تم خود ہی بتاؤ کہ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔" وہ بے چارگی کے ساتھ بولا۔ "میں نہ اپنی ملازمہ کو انگریزی سکھا سکتا ہوں نہ تمھارے ساتھی کو فرنچ۔"

"تمھیں اس تنک مزاج نوکرانی کو بتانا چاہیے کہ تمھارے ملازمین تمھارے لیے مہمانوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اُنھیں ہر حال میں ہمارے سامنے نیچ نوائی سے کام لینا ہوگا۔"

"میں تمھارے سامنے ان سب کو جمع کرکے ان کی گوشمالی کیے دیتا ہوں۔" وہ ویرا کے بجائے مجھ سے مخاطب ہو کر بولا اور میں اسے نظرانداز کرتے ہوئے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔ میرا خیال تھا کہ ویرا ہی میری بات مؤثر انداز میں اسے سمجھا سکتی تھی اس لیے اسے ویرا سے بات کرنا چاہیے تھی۔

"صرف گوشمالی کافی نہیں ہوگی۔" ویرا نے کہا۔ "اُنھیں بتاؤ کہ تمھارے موجود ہونے یا نہ ہونے سے ان کے رویّے میں فرق نہیں آنا چاہیے بلکہ میرا تو خیال ہے کہ تم اپنی اچانک غیر حاضری کے بارے میں بھی ان کو بتا دو۔"

"میری غیر حاضری!" وہ چونک کر بولا۔ "اس کا کیا امکان پیدا ہوگیا؟"

"امکان پیدا نہیں ہوا بلکہ مسلسل موجود ہے۔ تمھاری ذرا سی لغزش تمھیں دوبارہ تہ خانے میں پہنچا سکتی ہے۔ اس کے لیے تمھیں اپنے ملازمین کو پیشگی مطمئن کرنا ہوگا۔ تم ان سے باہر کسی اہم اور غیر متوقع کام کا بہانہ بھی کر سکتے ہو۔ ویسے میری دعا ہے کہ تم ثابت قدم رہو اور آئی مین کے کسی عتاب کا نشانہ نہ بنو۔"

میراندے کے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھ کر اس کے لب کشا ہونے سے پہلے مجھے بولنا پڑ گیا۔ "ویرا عقل کی باتیں کر رہی ہے میراندے۔ وہ میری مزاج آشنا ہے اور میں تم کو بس یہی مشورہ دے سکتا ہوں کہ اپنی سلامتی چاہتے ہو تو دہی کچھ کرو جو ویرا تجویز کر رہی ہے ورنہ خسارے میں رہو گے۔"

میرے سخت اور دو ٹوک لہجے کے بعد میراندے کے لیے کوئی گنجائش نہ رہی اور وہ فرنچ میں اپنی ملازمہ سے مخاطب ہوگیا۔ اس کے لہجے سے برہمی اور خفگی صاف ظاہر تھی۔ خادمہ نگاہیں نیچی کیے اس کی تقریر سنتی رہی پھر اس کے خاموش ہوتے ہی عجلت کے ساتھ اس خوابگاہ سے رخصت ہوگئی۔

"چند منٹ انتظار کرنا ہوگا۔" ویرا نے میراندے کی نگاہ بچا کر مجھے آنکھ مارتے ہوئے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "وہ میراندے کی ہدایت پر سارے ملازمین کو بلانے کے لیے گئی ہے۔"

"یعنی ابھی کچھ پتا نہیں کہ چائے کب ملے گی؟" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میں بنا کر لاتا ہوں۔" میراندے نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" میں نے سختی سے اُسے ڈانٹ دیا۔ "جزا اور سزا کی بات دوسری ہے لیکن میں یہ ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ مارسیلز کا نمبر دو آدمی حقیر ملازموں کے سے کام کرتا پھرے۔ اُنھیں سرزنش کرو اور فوری طور پر ہمارے لیے چائے طلب کرو۔ مٹھاس کم اور دودھ زیادہ ہونا چاہیے۔"

"اجازت ہو تو دیہاتیوں والی لذیذ چائے بنوالوں؟" میراندے نے سراپا انکسار بن کر سوال کیا۔ "مضافاتی ڈیری فارموں پر کام کرنے والے اپنی چائے میں عموماً پانی استعمال نہیں کرتے بلکہ دودھ میں پتی اور شکر اُبال کر اسے چھان لیتے ہیں۔ بہت لذیذ چائے ہوتی ہے وہ۔ پورے یورپ میں صرف یہیں دیہی علاقوں میں اس کا رواج ہے۔"

"دودھ پتی!" سلطان اُردو میں بڑبڑایا۔ "یہ وبا یہاں بھی پہنچی ہوئی ہے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ یہ اپنی طرف کا خاصہ ہے جو کہیں اور نہیں ملے گا۔"

"تم نے سُنا نہیں کہ یہ مارسیلز کے گوالوں کی پسند ہے۔" میں نے اردو میں کہا پھر انگریزی میں میراندے سے مخاطب ہوگیا۔ "جو چاہو بنوالو لیکن بنواؤ۔ مجھے تو حیرت ہے کہ تمھاری ملازمہ بیڈ ٹی کی ٹرے کے بغیر یہاں داخل کیسے ہوتی۔"

"یہ اس ملازمہ کے دیہی پس منظر کا قصور ہے۔ ہمارے دیہات میں بہت سے لوگ بیڈٹی کے ساتھ ٹوسٹ اور فاگینہ پسند کرتے ہیں، وہ یہی پوچھنے آئی ہوگی۔"

"پھر تو وہ بیڈٹی نہ ہوئی ناشتا ہوگیا۔" سلطان شاہ بول پڑا۔ "کیا ہم اسے صورت سے ایسے ہی دیہقانی اور جیٹ نظر آرہے تھے؟"

"تم چاہو تو میں اسے ابھی ملازمت سے برخاست کرسکتا ہوں۔" وہ بے چارگی کے ساتھ بولا۔ "میں اپنی آزاد روی کے باوجود ملازماؤں سے فاصلہ رکھنے کا عادی ہوں مگر اس میں بس ایک ہی خوبی ہے کہ بدن بہت اچھی طرح دباتی ہے۔ وہ نہیں تو چند روز میں اور مل جائے گی۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "ایک بار تم ان سب کی بریفنگ کردو گے تو میرا خیال ہے کہ ہمیں ان میں سے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

کچھ ہی دیر بعد اس ملازمہ نے خواب گاہ میں آکر ملازمین کے جمع ہونے کی اطلاع دی اور ایک بار پھر ہم سلطان شاہ کو وہیں چھوڑ کر ڈرائنگ روم کی طرف ہولیے۔ اس اثنا میں ویرا اپنا لباس وغیرہ بھی درست کرچکی تھی اور میرانڈے نے باتھ روم میں پانی سے اپنا چہرہ اس حد تک صاف کرلیا تھا کہ غور سے دیکھے بغیر اس کے چہرے کا نیل نظر آنا دشوار ہوگیا تھا۔ خون کی سُرخی اس نے تولیے سے رگڑ کر صاف کرلی تھی۔

میری موجودگی کی وجہ سے اس کے ذہن پر خوف اور دباؤ... طاری تھا جب کہ ویرا فرنچ جانتی تھی لہٰذا وہ گفتگو میں کوئی بے احتیاطی نہیں کرسکتا تھا۔ ڈرائنگ روم میں آٹھ ملازمین پر مشتمل پورا لشکر موجود تھا جس میں گیٹ پر باری باری ڈیوٹی دینے والے تین مسلح محافظ، دو ڈرائیور اور ایک مالی کے علاوہ اندر کام کرنے والی دونوں خادمائیں بھی شامل تھیں۔

مجھے بعد میں ویرا سے معلوم ہوا کہ میرانڈے نے ڈرائنگ روم میں پہنچتے ہی کسی پیشگی منصوبے کے بغیر بڑی خوش اسلوبی سے مکان کے احاطے میں کچھ نامعلوم لوگوں کی پُراسرار نقل و حرکت کے حوالے سے بات شروع کی تھی اور خاصی تمہید کے بعد ملازمین کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ اس کے مہمان اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں لہٰذا ان کی ہر ہدایت کی بے چون و چرا تعمیل کی جائے اور اگر میرانڈے خود دستیاب نہ ہو تو ہر معاملے میں مہمانوں سے ہی رہنمائی حاصل کی جائے جنہیں کیل سے لے کر تمام گاڑیوں تک ہر شے پر مالکانہ تصرف حاصل ہوگا۔

اس کے ملازمین اس قدر مہذب اور تربیت یافتہ تھے کہ ان میں سے کسی نے میرانڈے کے سامنے لب کشائی نہیں کی اور نہ ہی محافظوں نے اپنی صفائی پیش کرنے کی جسارت کی۔ میرانڈے کے اشارے پر وہ سب سر جھکائے ڈرائنگ روم سے رخصت ہوگئے اور ہم سلطان شاہ کی خواب گاہ کی طرف واپس ہولیے۔

"چائے کا مسئلہ پھر رہ گیا۔" وہاں پہنچتے ہی میں نے چونک کر کہا۔

"کسی کو کہنے کی ضرورت نہیں، وہ خود لے آئے گی۔" میرانڈے نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"اب اسے کب تک ساتھ لٹکائے پھرنا ہوگا؟" ویرا نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اچانک اُردو میں میرانڈے کے بارے میں سوال کیا جو سب سے الگ ایک کرسی پر جا بیٹھا تھا۔

"کم از کم ناشتے تک اس کی نمائش ضروری ہے تاکہ ملازمین کو کسی گڑبڑ کا احساس نہ ہوسکے۔ اس دوران میں، میں اسے چڑا کر کہیں نہ کہیں ایسی غلطی پر مجبور کردوں گا جس کی پاداش میں ہم بہ آسانی اسے دوبارہ ڈنڈا بیڑی پہنا سکیں گے۔ بس تم تماشا دیکھتی جاؤ۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"یہاں میں خود کو بالکل ہی احمق سمجھ رہا ہوں۔" سلطان شاہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "زبان کے معاملے میں لاچاری میں زیادہ دیر تک برداشت نہ کرسکوں گا۔"

"نہ کرو۔" ویرا نے ہنس کر کہا۔ "چاہو تو اسی لمحے سے فرنچ بولنا شروع کردو۔"

"میری کیفیت تم سے مختلف نہیں ہے۔" میں نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہمیں تحمل سے کام لینا ہوگا۔ یہ صورتِ حال زیادہ عرصے برقرار نہیں رہے گی۔"

"اجازت ہو تو میں اپنی خواب گاہ میں نہا دھو کر لباس تبدیل کرلوں۔" میرانڈے نے کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے بعد معذرت طلب لہجے میں کہا۔

"تمہارا لباس ٹھیک ٹھاک ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "چاہو تو اسی کمرے کا باتھ روم استعمال کرسکتے ہو۔ ہمیں کسی بھی لمحے تمہاری ضرورت پیش آسکتی ہے، اس لیے تمہارا ہمارے آس پاس موجود رہنا ضروری ہے۔"

وہ شاید مزید کچھ کہتا لیکن اسی وقت خواب گاہ کا دروازہ کھلا اور خوش شکل خادمہ چائے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر داخل ہوئی جس کی وجہ سے گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا۔

کسی بھی شخص کو اگر ایک طرف معزز میزبان کا درجہ دیا جائے اور دوسری طرف اس کی آزادانہ نقل و حرکت پر کڑی پابندیاں عائد کردی جائیں تو اس کی طرف سے تلخی کا اظہار ناگزیر بن جاتا ہے۔ یہی کچھ...

میرانڈے کے ساتھ ہوا۔ ایک مرحلے پر اس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور وہ ویرا سے الجھ پڑا۔ یوں چند گھنٹے بعد ہی مجھے اس کو دوبارہ تہ خانے میں پہنچانے کا موقع میسر آگیا۔

اس دوران میں صبح کے اخبارات آچکے تھے جن میں لیونز اور مارسیلز کے درمیان شاہراہ پر پیش آنے والے واقعے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں تھا جس کا مطلب تھا کہ بلائنڈ کارڈ پر ویرا کے بنائے ہوئے تین دائرے کارآمد ثابت ہوئے تھے اور متعلقہ افسر نے اپنے اوپر والوں کو پورے معاملے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔ دوسری طرف لیونز میں ہونے والے دُہرے قتل کی بازگشت اخبار کے صفحات پر جابجا موجود تھی۔ اس بارے میں حیرت ناک بات یہ تھی کہ ایلی نور اور لوسیلا کے قتل میں کوئی قدرِ مشترک تلاش کرنے کی سرے سے ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی تھی۔ ساری تفتیش اس ایک مفروضے پر چل رہی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ قتلِ عمد کی وارداتیں تھیں جن کے محرکات بھی الگ الگ تھے۔ ایلی نور کو اغوا کرنے کی کوشش میں مزاحمت کرنے پر گولی ماری گئی تھی اور لوسیلا کا قتل کسی عداوت کا شاخسانہ تھا۔

"مارسیلز میں اب ہم چند دن سکون سے گزار سکیں گے۔" ویرا نے اخبارات ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔ "کوئی سوچ بھی نہ سکے گا کہ ہم نے میرانڈے کے گھر پر قبضہ کیا ہوا ہے۔"

یہاں کے حالات قابو میں آجانے کے بعد اب فائرکیمپ میرے ذہن پر سوار ہونے لگا ہے۔"

"کیوں نہ ہم دور سے اس کا جائزہ لے لیں؟" ویرا نے تجویز پیش کی۔ "اس کے بعد کوئی بہتر منصوبہ بندی کرسکیں گے۔"

"پہلے تم فائرکیمپ کے کمانڈنٹ کو فون کر کے یہ ٹٹولنے کی کوشش کرو کہ وہ سلور آئی کے وجود اور اہمیت سے واقف ہے یا نہیں۔ اسی کے بعد ہم کچھ سوچ سکیں گے۔"

"کیوں نہ ہم میرانڈے کی خواب گاہ میں چلیں۔" سلطان شاہ نے مخل ہوتے ہوئے کہا۔ "وہ بہت بدمعاش اور مکار آدمی ہے، ہم میں سے کسی نہ کسی کو ہر وقت اس کمرے میں موجود رہنا چاہیے کیوں کہ تہ خانے سے نکاسی کا واحد راستہ اسی کمرے میں کھلتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ چابی کے علاوہ بھی اس کو کھولنے کی کوئی ترکیب ہو۔"

اس کی بات معقول تھی لہٰذا ہم اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ ویرا کو بھی میرانڈے کی ڈائریوں میں کہیں فائرکیمپ کا نمبر مل سکتا تھا جو خواب گاہ میں ہونا چاہیے تھیں۔

"میرانڈے دوبارہ تہ خانے میں پہنچ گیا لیکن بات اب بھی وہیں ہے۔ اس کی روپوشی کے بارے میں اس کے ملازمین کے خدشات کے ازالے کے لیے تم نے کیا سوچا ہے؟"

"آج ہم رازدارانہ انداز اختیار کر کے یہاں سے باہر جائیں گے۔ گاڑی روانہ ہوتے وقت کوئی بھی متنفس قرب و جوار میں موجود نہیں ہوگا۔ واپسی پر تم یہ تاثر دو گی کہ میرانڈے ہمارے ساتھ گیا تھا لیکن کسی اہم کام کی وجہ سے باہر ہی رک گیا ہے۔ اپنا کام پورا کرنے کے بعد ہی وہ گھر واپس آئے گا۔"

"اس دوران میں اگر شی کے مقامی چیف کا کوئی فون آگیا تو کیا ہوگا؟"

"آنے والی فون کالز تم ہی ریسیو کرو گی کہ کہ دینا کہ میرانڈے گھر سے باہر ہے۔ نئی ملازمہ کی حیثیت سے اسے سنبھالنا تمہارے لیے دشوار نہیں ہوگا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اگر اس مردود نے میری آواز پہچان لی؟" ویرا نے سوال کیا۔

"اوّل تو وہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ تم یہاں چھپی بیٹھی ہو پھر بھی تم احتیاطاً آواز بدل کر بات کرنا۔ ان کرتبوں میں میں تمہاری خداداد... صلاحیتوں کا پہلے ہی سے معترف ہوں۔"

میرانڈے کی خواب گاہ میں مسہری پر بیٹھتے ہی مجھے عجیب سی نرمی اور حرارت کا احساس ہوا تھا اور ذرا سے تجسس کے بعد یہ حقیقت سامنے آئی کہ مسہری پر ایک انتہائی بیش قیمت گدا موجود تھا جو انسانی جسم سے مشابہ نرم اور بے حد لچک دار مادے سے بنا ہوا تھا۔ اس کھوکھلے گدے کا تعلق ایک ایسے خودکار نظام سے تھا جس کے سارے کنٹرول مسہری کے سرہانے موجود تھے۔ ان کے ذریعے گدے میں دباؤ کم و بیش کیا جاسکتا تھا۔ گدے میں دوڑنے والے پانی کا درجۂ حرارت بھی حسبِ مرضی بڑھایا اور گھٹایا جاسکتا تھا۔ اس پر دراز ہونے کے بعد یوں محسوس ہوتا تھا جیسے انسان کسی دیوپیکر عورت کی نرم اور مہربان آغوش میں لیٹ گیا ہو۔

میں مصنوعی انسانی اعضا بنانے والی سرجیکل فرم کے اس شاہکار گدے میں سر کھپا رہا تھا کہ ویرا نے فون پر فائرکیمپ کا نمبر ملالیا۔ دوسری طرف سے جواب ملتے ہی اس نے انگریزی میں کیمپ کمانڈنٹ سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

چند ثانیوں بعد شاید کمانڈنٹ نے فون پر آتے ہی سردمہری کا اظہار کیا تھا کیوں کہ ویرا نے فوراً ہی خوشامدانہ لہجہ اختیار کرلیا تھا۔ اس نے خودکوشی کا ایک رکن ظاہر کرتے ہوئے فائرکیمپ آنے کی خواہش کا اظہار کیا جس کی پذیرائی نہ ہونے پر چند ثانیوں تک مذاکرات ہوتے رہے پھر شاید اچانک ہی دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کردیا گیا کیوں کہ ویرا نے گالیاں بکتے ہوئے ریسیور کریڈل پر پٹخا تھا۔

"بہت اکھڑ اور بددماغ آدمی ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "شی کا مطلب ہی نہیں جانتا... کہہ رہا تھا کہ مقررہ ضابطے پورے کیے بغیر دنیا کی کوئی طاقت فائرکیمپ میں نہیں پھٹک سکتی۔ اس نے مجھے ضابطوں کے بارے میں بتانے کی زحمت بھی نہیں کی، کہہ رہا تھا

کہ متعلقہ لوگ ہر ضابطے سے واقف ہیں۔ مجھے ان ہی میں سے کسی سے رجوع کرنا چاہیے۔"

"یعنی آئی مین والی چال یہاں کامیاب نہیں ہوگی۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"امکان یہی نظر آتا ہے۔" ویرا بولی۔ "فائر کیمپ سے دراصل شی کے ساتھ حکومت کے مفادات بھی وابستہ ہیں اس لیے وہاں دُہرا کنٹرول نافذ ہے۔ شی کی جانب سے سارے اختیارات مقامی چیف کو حاصل ہیں اور فائر کیمپ کا عملہ اس سے آگے کسی سے واقف نہیں، وہاں وہی ہوگا جو چیف چاہے گا۔"

"پھر ہمیں زبردستی وہاں داخل ہونا پڑے گا۔" سلطان شاہ بولا۔ "میرے خیال میں تو راہ میں آنے والی ایسی ہر چیز کو نیست و نابود کر دینا چاہیے جس سے شی کی طاقت اور برتری کا اظہار ہوتا ہو۔"

"ہوش میں رہ کر بات کرو سلطان!" ویرا غراتے ہوئے بولی۔ "میں اگر ڈینی کے ساتھ تعاون کر رہی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے تمہیں تخریب کاری کا کھلا اجازت نامہ دے دیا ہے۔"

میں چونک پڑا۔ ویرا کا وہ ردّعمل میرے لیے غیر متوقع تھا عملاً وہ تنظیم کو نقصان پہنچانے کی ہر کوشش میں پوری طرح میرا ساتھ دیتی رہی تھی بلکہ لائیڈز کا تیجی کی تباہی کے معاملے میں تو اس نے خود میری رہنمائی کی تھی لیکن سلطان شاہ کا آزادانہ تبصرہ اسے حد سے زیادہ ناگوار گزرا تھا۔

سلطان شاہ بھی ویرا کی برہمی پر بھونچکا رہ گیا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "ویرا جو کچھ کر رہی ہے وہ اس کی مہربانی اور ہمدردی ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ شی اس کے باپ کی تنظیم ہے اور وہ خود اسی کی آغوش میں پلی بڑھی ہے۔ ویرا کی نگاہوں میں ہماری سرگرمیاں کسی تخریب کے زمرے میں نہیں آتیں بلکہ یہ محض چھیڑ چھاڑ ہے۔ اس طرح وہ جمی لائیڈ کو زچ کر کے اس سے اپنا وجود منوانا چاہتی ہے۔ اسے شی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔"

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" سلطان شاہ نے دھیمی آواز میں کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ میں اس مرحلے پر ویرا کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"میری لڑائی اپنی شناخت کے لیے ہے۔" ویرا چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ٹھہری ہوئی آواز میں بولی۔ "ورنہ شی سے میرا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ میں نے اسی ماحول اور تنظیم میں ہوش سنبھالا ہے۔"

"تم سلطان شاہ کو غلط نہ سمجھو۔" میں نے تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہ جذباتی آدمی ہے ورنہ اس کا مقصد وہ نہیں تھا جو تم سمجھی ہو۔"

"میں سب سمجھتی ہوں۔" وہ بے پروائی سے بولی۔ "تم لوگوں کے ساتھ اتنے دن گزار کر میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ تمہارا بس چلے تو تم لمحوں میں شی کو فنا کر ڈالو لیکن میں اب تک دیدہ دانستہ تمہارا ساتھ دیتی آئی ہوں کیونکہ یہ چیونٹی اور پہاڑ کی ٹکر ہے۔ تم زندگی بھر بھی کوشش کرتے رہو تو شی کی مستحکم بنیادوں میں کوئی دراڑ نہ ڈال سکو گے۔"

"پھر تم یہ خیال کیوں ظاہر کر رہی تھیں کہ شی کے بڑے اپنے وسائل سے ہم پر ہاتھ ڈالنے سے مایوس ہو چکے ہیں۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ ایک عارضی بات ہے اس طرح انھیں اپنے مقامی یونٹوں کی خامیوں کا پتا چلتا رہتا ہے۔ تمہارے نزدیک یہ بڑی بات ہو سکتی ہے مگر میں اسے اہمیت نہیں دیتی۔ تمہاری کارروائیوں کے نتیجے میں جس دن میری آزادی سلب کی گئی وہ تمہاری کامیابی کا پہلا دن ہوگا۔"

"چلو ختم کرو اس قصے کو۔" میں نے پینترا بدل کر ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ اب فائر کیمپ کے سلسلے میں کیا کرنا ہے۔ یہ مہم تمہارے بغیر سر نہیں ہوگی۔"

"اس وقت سلطان شاہ نے طبیعت مکدّر کر دی ہے۔" وہ تاسف آمیز لہجے میں بولی۔ "چاہو تو اس وقت ہم باہر سے اس کا جائزہ لے سکتے ہیں۔"

تھوڑی دیر کی گپ شپ کے بعد ویرا کا موڈ بحال ہوا تو میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت وہ کسی ذہنی گرہ کی وجہ سے سلطان شاہ کے تبصرے سے بھڑکی تھی ورنہ عملاً اس کی ساری ہمدردیاں ہمارے ساتھ تھیں

میراندے کے ملازمین کی بریفنگ کر دی گئی تھی اس لیے ان کی طرف سے فوری طور پر کوئی مسئلہ کھڑا ہونے کا امکان نہیں تھا۔ مجھے فائر کیمپ کا جائزہ لے کر آگے کی منصوبہ بندی کرنی تھی اور ویرا ہی اس کے جغرافیے سے واقف تھی لہٰذا لامحالہ سلطان کو وہیں ٹھہرنا تھا تاکہ وہ میراندے کی خواب گاہ میں آرام کرنے کے ساتھ تہ خانے سے نکاسی کے راستے کی نگرانی کرتا رہے۔ اسے میں نے کھلی چھوٹ دے دی تھی کہ اگر میراندے کسی طرح آہنی بیڑیوں کو کھول کر مقابلے پر آنے کی کوشش کرے تو اسے بلا تامل بیم گن سے شوٹ کر دیا جائے۔ اس ہتھیار کی یہ خوبی بے مثال تھی کہ اس کے چلانے سے کوئی آواز پیدا نہیں ہوتی تھی اس طرح میراندے کے ملازمین کو اپنے آقا کی خواب گاہ میں ہونے والی معرکہ آرائی کی بھنک بھی نہ مل پاتی۔

تفصیلات طے ہو جانے کے بعد ویرا نے وہیں سے انٹر کام پر چوکیدار کو کوئی گاڑی پورٹیکو میں لانے کی ہدایت دیتے ہوئے یہ تاکید بھی کر دی کہ گاڑی لگانے کے بعد ہر ملازم اپنے کمرے میں محبوس ہو جائے حتیٰ کہ خود چوکیدار بھی پھاٹک کھول کر اپنے کوارٹر میں چلا جائے۔ گاڑی گیٹ سے نکالتے ہوئے ویرا لمبا ہارن بجاتی جس کے بعد سارے ملازمین اپنے اپنے ٹھکانوں سے باہر آ سکتے تھے۔

اس آخری ہدایت کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ملازمین کو یہ علم نہ ہو سکے کہ اس کار میں گھر سے کون کون روانہ ہوا تھا تاکہ واپسی پر میراندے کے

باہر نکل جانے کی کہانی سُنائی جاسکے۔

دس منٹ بعد ہی چوکیدار نے انٹرکام پر گاڑی تیار ہونے کی اطلاع دی اور میں نے چلتے چلتے سلطان شاہ سے احتیاطاً ایکسپوڈر لے کر جیب میں ڈال لیا۔

میں ویرا کے ساتھ میراندے کی خواب گاہ سے نکلا تو مکان میں ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا اور باہر برآمدے کے ساتھ گاڑی تیار کھڑی ہوئی تھی۔ احاطے میں بھی کوئی ذی روح موجود نہیں تھا، پھاٹک کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔

ویرا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور میں پسنجر سیٹ پر سوار ہو گیا۔ ویرا نے انجن اسٹارٹ کیا اور خود کار گاڑی کے گیئر لیور کو پارکنگ پوزیشن سے ڈرائیو میں دھکیل کر کار سبک رفتاری سے پھاٹک کی طرف بڑھا دی۔ پھاٹک سے گزرتے ہوئے ویرا نے حسبِ پروگرام لمبا ہارن دیا تھا۔

میراندے کا مکان مارسیلز کے آسودہ حالوں کی بستی میں واقع تھا جو دنیا کے دوسرے بڑے شہروں کی طرح بہت پُرسکون اور بھیڑ بھاڑ سے آزاد تھی اس لیے ویرا تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتی ہوئی بتدریج شہر کے بارونق اور مصروف علاقے میں نکل آئی جہاں دن کے ابتدائی حصے میں زندگی کی گہما گہمی دھیمے دھیمے جان پکڑ رہی تھی۔

"سلطان شاہ کے ساتھ آج تمہارا رویہ خاصا جارحانہ تھا۔" طویل سکوت کے بعد آخر کار میں نے اپنی خلش کو شکایتی لہجے میں الفاظ میں ڈھال دیا۔

"یہ ہونا ہی تھا۔" وہ اٹل لہجے میں بولی۔ "میں مسلسل دیکھتی آرہی ہوں کہ تم اسے ناجائز ڈھیل دیتے ہو جس کی وجہ سے وہ سرکش اور گستاخ ہو گیا ہے... تم اس کے لاڈ اٹھا سکتے ہو مگر میں یہ نخرے برداشت نہیں کر سکتی، میں اس کی طرف سے بھری بیٹھی تھی، وہ تو اس نے خود ہی بہانا فراہم کر دیا ورنہ میں کسی اور طرح اپنا غبار نکالتی۔"

"یعنی اپنے اور شی کے تعلق کے بارے میں تم نے جو کچھ کہا وہ حقیقت پر مبنی نہیں تھا؟"

"اس کی حقیقت مجھ سے زیادہ تم خود جانتے ہو۔" وہ لمحے بھر کے لیے میری طرف دیکھ کر بولی۔ "مجھے شی سے اتنی ہی ہمدردی ہوتی تو تم آج زندہ یا کم سے کم آزاد نہ گھوم رہے ہوتے۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

گاڑی شہر کے بارونق اور مصروف علاقوں کو پیچھے چھوڑ کر ایک بار پھر ویرانے میں نکل گئی تھی جس کا مطلب تھا کہ ہم شہر عبور کر کے دوسرے حصے میں جا رہے تھے جو میری دانست میں شہر کا شمالی یا شمال مشرقی حصہ تھا۔

"فائر کیمپ بہت بڑا ایمونیشن ڈمپ ہے۔" میرے استفسار پر ویرا نے کہا۔ "اسی لیے اسے شہر سے باہر مضافات میں تعمیر کیا گیا ہے۔ اسے دیکھ کر تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ وہاں رسائی اتنی آسان نہیں ہے۔"

پھر ہم دونوں اپنے اپنے خیالات میں کھو گئے۔ بڑی کار غراتی اور نرم ہچکولے کھاتی تیزی کے ساتھ منزل کی طرف رواں تھی۔

کافی دیر کے سفر کے بعد آخر کار بل کھاتی ہوئی سیاہ سڑک سے داہنی جانب ایک اونچی قلعہ نما فصیل کے آثار نظر آنے شروع ہوئے جس کے پیش منظر میں ایک نگراں چوکی بھی نظر آرہی تھی۔

"یہ ہے فائر کیمپ۔ اب اس کا اچھی طرح جائزہ لے لو، میں رفتار کم کرنے جا رہی ہوں۔" ویرا نے اپنے لیے سگریٹ سلگا کر سپاٹ لہجے میں کہا۔

فاصلہ رفتہ رفتہ سمٹتا رہا پھر فائر کیمپ کا محل وقوع واضح ہوتا چلا گیا۔ وہ بارود کی قلعہ شاہراہ سے داہنی جانب کئی فرلانگ در رہٹ کر تعمیر کیا گیا تھا اور وہاں تک رسائی کے لیے ایک علیحدہ سڑک فائر کیمپ کے پھاٹک تک چلی گئی تھی۔ نگراں چوکی اسی سڑک کے آغاز پر واقع تھی یعنی فائر کیمپ تک رسائی سے قبل وہاں شناخت کے مراحل سے گزرنا ضروری تھا۔ دور سے اس چوکی کی ساخت اور عملے کی وردیاں اسے نیم فوجی ظاہر کر رہی تھیں یہ کسی طرح بھی قرینِ قیاس نہیں تھا کہ شی کے اراکین ہوتے دار سرکاری اہلکاروں کی اجازت کے بغیر اس مصروف راستے پر اپنی مرضی سے نیم فوجی وردیاں استعمال کرتے رہے ہوں۔ وہ یقینی طور پر شی اور قانون نافذ کرنے والے کسی ادارے کی مشترکہ چوکی معلوم ہو رہی تھی۔

آگے فائر کیمپ کی کم و بیش بارہ فٹ بلند مضبوط دیوار تھی جس کے اوپر باہر کی طرف جھکے ہوئے آہنی بریکٹ دیکھے جا سکتے تھے اور شاید ان ہی کے سہارے خاردار ننگے برقی تار گزر رہے تھے۔

سڑک سے فائر کیمپ کی اس سے زیادہ تفصیلات کا مشاہدہ ناممکنات میں سے تھا کیونکہ اس بارود خانے کی ساری جزئیات سنگین دیواروں کے پیچھے پوشیدہ تھیں، جو داخلے کے بڑے آہنی پھاٹک کے علاوہ ہر طرف سپاٹ اور سیدھی تھیں۔

قدرے خم کھاتی ہوئی سڑک پر ہماری کار آگے بڑھتی ہوئی ایسے مقام پر پہنچی جہاں چیک پوسٹ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی، تو فائر کیمپ کی عقبی دیوار میں دو بلند برجیاں نظر آئیں، جن میں شاید دن رات نگراں مامور رہتے ہوں گے تاکہ کسی بھی سمت سے کوئی زبردستی داخل ہونے کی کوشش نہ کر سکے۔

"مجھے امید نہیں کہ یہاں تم کوئی کارروائی کر سکو گے۔" ویرا نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "فائر کیمپ کو اتنی گہری نظر سے میں نے پہلی بار دیکھا ہے، میرے خیال میں تو ادھر کا رُخ کرنا ہی خودکشی کے برابر ہوگا۔"

"اس وقت ہم دن کی روشنی میں اس کا جائزہ لے رہے ہیں، رات کو یہاں صورتِ حال بہت مختلف ہوگی۔ مجھے احاطے کی دیوار پر روشنیوں کی تعداد بہت کم نظر آرہی ہے، باہر تو شاید گھور اندھیرا ہی رہتا ہوگا۔"

میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تو کیا اب رات کو بھی اِدھر آوارہ گردی کا ارادہ ہے؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"آوارہ گردی نہیں، بلکہ براہِ راست کوشش کہو۔" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "کامیاب ہوگئے تو شی والے اپنا نیا زخم چاٹتے رہ جائیں گے۔ اور کوئی راہ نہیں ملی تو ٹھنڈے ٹھنڈے گھر لوٹ جائیں گے۔"

"شاید تمھارا دماغ چل گیا ہے۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔ "میں بھی تو سنوں کہ تمھارے ذہن میں کیا خاکہ ہے، پھاٹک سے گھسنا ناممکن ہے، دیواروں میں نقب لگانے کی کوشش احمقانہ ہوگی، اُوپر ہزاروں وولٹ کی برقی رو تاروں میں دوڑتی رہتی ہے اور اندر خونخوار کُتوں کا راج ہوتا ہے۔ آخر تم سوچ کیا رہے ہو؟"

"ایک تجویز تو بڑی سہل نظر آتی ہے، بازار میں ریموٹ کنٹرول والے بچوں کے بے شمار ہلکے پھلکے کھلونے مل جائیں گے۔ اگر میں رات کو میرانڈے کی آٹومیٹک کار اسٹارٹ کر کے اس کا رُخ احاطے کی طرف کر کے اسٹیئرنگ رسی سے اس طرح جکڑ دوں کہ اگلے پہیے ناہموار زمین پر پڑنے کے باوجود کار کی سمت نہ بدل سکے، پھر ایکسیلیریٹر پیڈل کے اوپر کوئی ایسا کھلونا نصب کر دوں، جو ریموٹ کنٹرول سے اشارہ ملتے ہی پیڈل پر دباؤ ڈال سکے، تو میں ایک حیران کُن کارنامہ انجام دینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"کیسا کارنامہ؟ میں نہیں سمجھ سکی!" اس نے سوال کیا۔

"کار میں حساس آتش گیر مادہ ہوگا۔ گیئر لیور ڈرائیونگ پوزیشن میں ڈال کر ہم نیچے آجائیں گے، پھر ریموٹ کنٹرول کو آپریٹ کرتے ہی ایکسیلیریٹر پیڈل پر دباؤ پڑے گا اور کار پوری رفتار سے غراتی ہوئی اسی سمت میں دوڑ پڑے گی، جدھر اس کا اسٹیئرنگ مضبوطی سے بندھا ہوا ہوگا۔"

"اوہ خدا!" وہ تحیر آمیز آواز میں بولی۔ "اور کار احاطے کی دیوار توڑ کر جلتی ہوئی فائر کیمپ میں داخل ہو جائے گی، جہاں ہر طرف حساس بارودی ذخائر موجود ہیں۔"

"اس طرح ہم ذرا سی بھی خراش آنے کا خطرہ مول لیے بغیر فائر کیمپ کو راکھ کے ڈھیر میں بدل سکیں گے۔ ہمیں دور سے ہی اپنا کام کرنا ہوگا۔"

"یہ تو بہت محفوظ اور مؤثر ترکیب ہے، میرا خیال ہے کہ تمھیں آنکھیں بند کر کے اس پر عمل کرنا چاہیے۔" ویرا نے فائر کیمپ سے کافی دور نکل آنے کے بعد کار واپس گھماتے ہوئے کہا۔

"ہمیں آنکھیں بند کر کے نہیں آنکھیں کھول کر اس منصوبے پر عمل کرنا ہوگا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس میں ناکامی کا ایک بہت بڑا خطرہ مضمر ہے۔"

"اب ناکامی کا امکان کہاں سے نظر آ گیا تمھیں؟" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "تم مفروضوں پر پوری کہانی تراش کر اس طرح اس کی نفی کرتے ہو کہ تم پر سراغ رساں ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔"

"اندر کے بارے میں ہمیں کچھ پتا نہیں کہ خطرناک اور حساس ذخائر کدھر ہیں۔ ہمارا نشانہ غلط بھی ہو سکتا ہے، پھر دوسرا امکان دیوار کی مضبوطی کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کار دیوار توڑ کر اندر گھسنے کے بجائے باہر ہی اُلٹ کر آگ پکڑ لے اور انھیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکے۔"

"کوڑی دور کی لاتے ہو۔ یہ دونوں امکانات تو واقعی موجود ہیں۔" وہ فکرمندانہ لہجے میں بولی۔

"ان کے سدِباب کے لیے میرے ذہن میں دوسری تجویز آ رہی ہے۔" میں نے کہا۔ "سلطان شاہ کو میرانڈے کے گھر اس لیے چھوڑا گیا ہے کہ وہ کسی طرح آزادی حاصل کر کے ہمارے لیے مسائل نہ کھڑے کر دے۔ اس لیے واپس لوٹ کر ہمیں میرانڈے کو ٹھکانے لگانا ہوگا، تاکہ سلطان شاہ بے فکری کے ساتھ ہماری مہم میں شریک ہو سکے۔ عارضی طور پر دو چار دن کے لیے اس کی لاش تہ خانے میں ہی چھوڑی جا سکتی ہے۔ جہاں اس کے خراب ہونے کا کوئی ڈر نہ ہوگا۔"

"سلطان شاہ ہمارے ساتھ مل کر کون سا تیر مارے گا؟"

"تیر کمان کا زمانہ لد گیا، اسے ریموٹ کنٹرول استعمال کرنا ہوگا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "ہمیں دو سمتوں سے وار کرنا ہوگا۔ کار کا طوفانی دھماکا ہوتے ہی اندر والوں کی ساری توجہ اس کی طرف مرکوز ہو جائے گی، اور ہم اس کی مخالف سمت سے اندر داخل ہونے کی کوشش کر سکیں گے۔"

"پیراشوٹ کے ذریعے اندر اترنا مناسب رہے گا۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "پتا نہیں ادھوری بات کر کے دوسروں کو الجھن میں مبتلا کر کے تمھیں کیا مزہ آتا ہے۔"

"ابھی ہم گھر جانے سے پہلے بازار جائیں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آتش گیر مادے اور مطلوبہ ریموٹ کنٹرول یونٹ کے علاوہ ہمیں کچھ اور خریداری بھی کرنا ہوگی۔ فائر مینوں اور بجلی گھر کے کارکنوں کے استعمال میں آنے والے ربر کے شاک پروف مکمل سوٹ اور جوتے ہمیں برقی بارطے سے بچالیں گے...."

"اور کُتوں کو تم سمجھا ہی لو گے۔" وہ میری بات کاٹ کر تیز لہجے میں بولی۔

"کسی بھی اسٹور سے اُبلے ہوئے پارچے لے کر ان میں بے ہوشی کی دوا انجکٹ کر دی جائے گی۔ تم بالکل فکر نہ کرو، میرا ذہن اس مسئلے کی ہر باریکی پر کام کر رہا ہے۔ گھر سے ہم دو گاڑیاں لے کر چلیں گے — آٹومیٹک کار کی دھماکے سے تباہی کے بعد سلطان شاہ دوسری کار پر پہنچ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لے گا تاکہ ہم تیزی کے ساتھ اندر کارروائی کر کے لوٹیں تو وقت ضائع کیے بغیر واپسی کے سفر کا آغاز ہو سکے۔"

ویرا اپنے ذہنی تحفظات کی وجہ سے فوری طور پر میری ہم خیال نہ ہو سکی، لیکن واپسی کے سفر میں کچھ دیر کی بحث کے بعد وہ میری تجویز کے قابلِ عمل ہونے کی قائل ہوگئی، اور شہر میں داخل ہونے کے بعد کار کا

رخ بازار کی سمت میں ڈال دیا۔
اس وقت تک ہمارے درمیان اس امکان پر کوئی تبادلۂ خیال نہیں ہوا تھا کہ اگر شی کا مقامی چیف مارسلیز میں ویرا کو میراندے کی کار ڈرائیو کرتے ہوئے دیکھ لیتا تو اس کا کیا ردِعمل ہوتا؟ لیکن میرا خیال تھا کہ ویرا بھی اس مسئلے سے غافل نہ تھی، کیونکہ مقامی چیف کے ساتھ اس کی کبھی نہیں بن سکی تھی۔

گاڑی پارکنگ لاٹ میں چھوڑ کر ہم بازار میں داخل ہوئے تو میں قرب و جوار میں کسی مشتبہ شخص کی موجودگی کے بارے میں بہت زیادہ چوکنا تھا۔ میری پوری کوشش تھی کہ ہم بازار میں کم سے کم وقت گزار کر مطلوبہ اشیاء کی خریداری مکمل کر لیں تاکہ کسی ناگہانی تصادم سے دوچار ہوئے بغیر ہم شام کی مہم کے لیے تیاری کر سکیں۔

میری نگاہ میں سب سے اہم مسئلہ آتش گیر مادّے کی خریداری کا تھا جو ویرا نے دکاندار کے منہ مانگے داموں کی ادائیگی پر حاصل کر لیا اور ہم اپنا کام مکمل کر کے چار بجے گھر واپس پہنچ گئے۔

سلطان شاہ میراندے کے کمرے میں اس کے آرام دہ بستر پر بے فکرانہ انداز میں دراز تھا اور خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی اس نے بے اختیارانہ انداز میں بستر چھوڑ دیا۔

"تمہیں دروازہ تو بند رکھنا چاہیے تھا۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر میراندے تہ خانے سے نکل ہی آتا تو گھر کے ملازمین تمہارے مقابلے میں اسی کی مدد کرتے۔"

"میں نے اس کا قصہ نمٹانے کے بعد ہی بے فکر ہو کر دروازہ کھولا تھا۔" وہ بولا۔

"کیا قصہ نمٹایا اس کا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہارا قیاس سو فی صد درست ثابت ہوا.... تمہارے جانے کے آدھے پون گھنٹے بعد ہی تہ خانے کے خفیہ راستے پر آہٹ سنائی دی تھی، پھر دروازہ کھلا تو میراندے آزاد حالت میں میرے سامنے تھا۔" اس نے کسی تدبیر سے طوق اور بیڑی کھول لی تھی اور اس کا چہرہ بھیانک ہو رہا تھا، مجھے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کے لیے بوکھلایا تھا اور میں نے اسے للکارے بغیر اس پر بیم گن سے فائر کر دیا۔"

"لاش کہاں ہے اس کی؟" ویرا نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"تہ خانے میں۔" سلطان شاہ نے اسے مطلع کیا۔

"دوسرے قیدی کا کیا حال ہے؟ میراندے کی لاش دیکھ کر تو وہ بہت خوش ہوا ہو گا؟"

"عالمِ بالا کے حالات سے میں بے خبر ہوں۔ میں میراندے کی لاش تہ خانے کے کوریڈور میں چھوڑ کر دوسرے قیدی کی مزاج پرسی کے لیے ہال میں داخل ہوا تو وہ پہلے سے مرا ہوا تھا۔ شاید میراندے نے آزادی حاصل کرنے کے بعد اوپر آنے سے پہلے خود ہی اسے ہمیشہ کی نیند سلا دیا تھا۔"

"اچھا ہوا کہ یہ کام بھی ہلکا ہو گیا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اب ہمیں تہ خانے اور اس کے مکینوں کے بارے میں نہیں سوچنا پڑے گا۔"

"تو کیا تم نے بھی انھیں ہلاک کرنے کا فیصلہ کیا تھا؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"دونوں کو نہیں، صرف میراندے کو۔ لیکن اچھا ہوا کہ اس کا بھی فیصلہ ہو گیا۔ جلد یا بدیر اسے بھی مرنا ہی تھا۔ کیونکہ وہ تہ خانے کی کہانی کا چشم دید گواہ ہوتا۔"

"یہ ساری خریداری کس سلسلے میں کی گئی ہے؟"

"کچھ آدمیوں اور کتوں سے نمٹنا ہے، اس مہم پر تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے۔"

"سارے کتے ہی ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ صرف ایک ڈارٹ گن سے سب صف در صف لیٹے ہو جاتے۔" اس نے حسرت آمیز لہجے میں کہا۔

"فکر نہ کرو، عملاً صورتِ حال کچھ ایسی ہی ہے۔ دو ٹانگوں پر چلنے اور لباس پہننے والی ہر مخلوق انسان نہیں بن جاتی، اس کے لیے کچھ خواص ہونے بھی ضروری ہیں۔"

"تم نے مجھے بڑی مشکل میں ڈال دیا تھا!" وہ ایک دم چونک کر شکایتی لہجے میں بولا۔

"دردِ زہ کے بعد اب بچہ جننا ہی رہ گیا تھا، کیا اس مرحلے سے بھی گزر گئے ہو؟" ویرا نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

"وہ مرحلہ تمہارے لیے چھوڑا ہوا ہے..... لیکن اپنی تاریخ نہ دہرا بیٹھنا۔" سلطان شاہ نے خلافِ توقع چراغ پا ہوئے بغیر شگفتہ لہجے میں کہا۔

"پھر الجھ پڑے۔" میں نے موضوع کی نزاکت کے پیشِ نظر سلطان شاہ کو دباتے ہوئے کہا۔ "کام کی بات کرو۔ کس مشکل میں ڈال دیا ہم نے تمہیں؟"

"فون کا کوئی بندوبست کر کے نہیں گئے تھے، کوئی ایک ہی شخص تین بار میراندے کے لیے فون کر چکا ہے۔" اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟" ویرا پوچھ بیٹھی۔

"لاحول ولا قوۃ۔" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ "کبھی تو ڈھنگ کی بات پوچھ لیا کرو۔ میں نے تو اس کی زبان سے میراندے کا نام سن کر اندازہ لگایا کہ وہ کال کس کے لیے تھی، ورنہ بولنے والا تو فرنچ میں نہ جانے کیا کیا بک رہا تھا جو میرے سر پر سے گزر رہا تھا۔"

"اور تم چپ چاپ سنتے رہے؟"

"چپ رہتا تو وہ مشتبہ ہو جاتا، انگریزی بولنے سے بھی بات بگڑ سکتی تھی، وہ تو غنیمت ہوا کہ میں نے میراندے کی زبان سے اس کے گونگے اور بہرے ڈرائیور کا ذکر سنا ہوا تھا، اس لیے حلق سے کسی گونگے جیسی بے معنی آوازیں نکال کر رہ گیا اور ہر بار دوسری طرف سے جھلا کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔"

"یہ بہت عمدہ حرکت کی تم نے۔" میں نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے

کہا۔ "وہ اگر میراندے کا کوئی شناسا تھا تو یہی سمجھا ہوگا کہ گھر میں گونگے ڈرائیور کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔"

"اکلوتے مالک مکان کا موجود ہونا یا نہ ہونا تو قابلِ فہم ہے، لیکن آٹھ گھریلو ملازمین میں سے مسلسل تین بار فون پر کسی گونگے ڈرائیور کا موجود رہنا کسی کو بھی شبہات میں مبتلا کر دینے کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔" ویرا نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ شبہے میں پڑ گیا ہوتا تو پہلی بار فون کرنے کے بعد ہی یہاں پہنچ گیا ہوتا۔" میں نے کہا۔ "قوی امکان تو یہ ہے کہ فون کرنے والا شی کا مقامی چیف رہا ہوگا، ویسے وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔"

ہم دونوں اس موضوع پر بات کر ہی رہے تھے کہ میراندے کے خواب گاہ میں رکھے ہوئے انسٹرومنٹ کی گھنٹی بول پڑی اور ویرا لپک کر فون کی طرف بڑھ گئی۔

ویرا نے فون پر گفتگو کا آغاز فرنچ زبان میں کیا تو میں اسے نظر انداز کر کے سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور اسے شام کی مہم کے بارے میں سمجھانے لگا۔

ویرا نے چند منٹ تک بات کرنے کے بعد سلسلہ منقطع کیا اور انٹرکام پر کسی کو کچھ ہدایت دے کر ہماری طرف متوجہ ہوئی تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"فون پر بات کرنے کے بعد یاد آیا کہ ہم نے ابھی تک دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔" وہ بولی۔ "میں نے ملازمہ کو ٹرالی پر کھانا یہیں لانے کے لیے کہہ دیا ہے۔"

"میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب شاید رات کو ہی کھانا نصیب ہو سکے گا۔" سلطان گہرا سانس لے کر بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ فرنچ میں لنچ کے لیے سرے سے کوئی لفظ ہی موجود نہ ہو۔"

"وہ میراندے پر سخت برہم تھا۔" ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر سنجیدگی سے بولی۔ "کہہ رہا تھا کہ گونگے کو فون پر بٹھایا ہے تو چوکیداری اندھے ہی کر رہے ہوں گے۔ ویسے تمہارا اندازہ درست تھا، وہ مقامی چیف ہی تھا اور میراندے کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ آج رات کی میٹنگ اور ڈنر کا پروگرام منسوخ ہو گیا ہے۔ اس نے یہ پیغام مجبوراً میرے پاس چھوڑا ہے کہ میں میراندے سے رابطہ قائم ہوتے ہی اسے پروگرام کی تبدیلی سے آگاہ کر دوں۔"

"میراندے سے جس وقت بھی رابطہ قائم کرنے کا ارادہ ہو تو مجھے مطلع کر دینا۔ ہیم گن میری جیب میں ہی موجود ہے۔" سلطان شاہ نے متانت سے کہا اور ویرا اکتائے ہوئے انداز میں چھت کو گھورنے لگی۔

"یہ بھی اچھا ہوا۔" میں نے سلطان شاہ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "وہ کوئی اہم میٹنگ رہی ہوگی۔ اگر میراندے اس میں نہ پہنچتا تو شام کو اس کے ساتھیوں میں تجسس پھیل جاتا۔"

"تم یہ بتا رہے تھے کہ مجھے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے کار کو تباہ کرنا ہے، اس کے بعد وہاں میرا کیا مصرف ہوگا؟" سلطان شاہ نے ڈھٹائی کے ساتھ مجھے دوبارہ اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے سوال کیا اور میں اسے غضیلی نگاہوں سے گھور کر رہ گیا۔

ہر کام اس حد تک نمٹا لیا گیا تھا کہ جائے واردات پر ہمیں کم سے کم وقت میں مطلوبہ مقاصد حاصل ہو سکیں اور ہم تینوں کو بخوبی علم تھا کہ ہمیں کیا کیا کام سرانجام دینے تھے۔

اس وقت رات کے نو بج چکے تھے، رات کُہر آلود اور بہت سرد تھی، لیکن میں نے کار کا ہیٹر آن نہیں کیا تھا کیونکہ آرام دہ گرم فضا میں کچھ دیر سفر کرنے کے بعد جب ہمیں کھلی فضا میں کام کرنا پڑتا تو اعصاب اس غیر معمولی تبدیلی کو آسانی سے قبول نہ کر پاتے۔

"تمہیں راستہ تو یاد ہے نا؟" ویران سڑک پر کافی دیر سفر کے بعد سلطان شاہ نے جمود توڑنے کی نیت سے شوخ لہجے میں سوال کیا۔

"فرانس پہنچنے کے بعد سے تمہاری زبان میں کافی طاقت آ گئی ہے" میں نے ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔ "موقع بے موقع کچھ نہ کچھ بولتے ہی رہتے ہو۔"

"زبان کی مجبوری کی وجہ سے دوسروں کے سامنے خاموش رہنا پڑتا ہے، اس لیے تم سے یا ویرا سے ساری کسر پوری کرنا پڑ جاتی ہے۔ لیکن اب تو کچھ پتا نہیں کہ تمہاری چہیتی کب کاٹ کھانے کو دوڑ پڑے۔ اپنی مرضی سے جو چاہے کرتی پھرے، لیکن میں اسی میں کوئی بات دُہرا دوں تو بھڑک اٹھتی ہے، بالکل گرگٹ کی طرح رنگ بدلا تھا آج اس نے۔"

"وہ نفسیاتی شاہکار ہے، تم اس سے نہ الجھا کرو، وہ تم سے حسد کرنے لگی ہے، کسی بھی وقت تم پر ہاتھ اُٹھا سکتی ہے۔"

"اس کا ہاتھ اُٹھا ہی رہ جائے گا اور میں اسے دوسرا ہاتھ کمر پر رکھ کر کتھا کلی ناچنے پر مجبور کر دوں گا۔" اس نے پُرغرور لہجے میں کہا۔ "تم جانتے ہو کہ مجھ سے اس کا بغض بلاسبب ہے۔"

پھر کچھ دور فائر کیمپ کے دُھندلائے ہوئے آثار نظر آنے لگے جو فاصلہ گھٹنے کے ساتھ بتدریج واضح ہوتے جا رہے تھے، سڑک کے قریب واقع چیک پوسٹ پر واجبی سی روشنی تھی اور یہی حالت فائر کیمپ کی تھی۔ مین گیٹ پر عام قوت والی چند روشنیاں ضرور دور سے نظر آ رہی تھیں، لیکن احاطے کے اندر یا باہر تیز روشنی کے کہیں کوئی آثار نہیں تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے غیر نمایاں بنانے کے لیے دیدہ و دانستہ نیم تاریک رکھا گیا تھا تاکہ سڑک سے گزرنے والے عام لوگوں کو وہاں کسی اہم ڈپو کے قیام کا اندازہ نہ ہو سکے۔

دن کے وقت میں نے احاطے کی دیوار پر کہیں کہیں اندر کے رُخ پر نصب جو سرخ لائٹس دیکھی تھیں، وہ بھی روشن نہیں تھیں۔ اس طرح خالص روایتی فوجی انداز میں اس اسلحہ خانے کو غیر معروف رکھ کر محفوظ بنانے کی پوری کوشش کی گئی تھی، جو ہمارے منصوبے میں مددگار ثابت

ہوتی نظر آ رہی تھی۔ سڑک سے گزرنے والوں سے بچاؤ کے سلسلے میں ہم کچے میں کوئی اوٹ وغیرہ تلاش کر سکتے تھے، جہاں تاریکی کے سبب کوئی ہماری خفیہ کارروائیوں میں مخل نہ ہو سکتا تھا۔

سڑک کے خم دار حصے پر سفر کرتے ہوئے جوں ہی چیک پوسٹ کی روشنیاں ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوئیں، میں نے رفتار قدرے کم کر کے گاڑی داہنی طرف کچے میں اتار دی، اس سے پہلے میں نے عقبی آئینے میں ویرا کی چھوٹی کار کے ہیڈ لیمپس کا عکس دیکھ کر یہ یقین کر لیا تھا کہ وہ ہماری کار کو کچے میں اُترتے ہوئے دیکھ لے گی۔

ہم ایک ایسے مقام سے کچے میں داخل ہوئے تھے جو فائر کیمپ کی بغلی دیوار کی طرف واقع تھا اور اس مقام کا عقبی نگراں بُرجیوں یا اگلی چیک پوسٹ سے دیکھا جانا ناممکنات میں سے تھا۔

ناہموار زمین پر تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے میں سڑک سے کافی دور نکلنے کے بعد ایک اُونچے ٹیلے کی اوٹ میں رُک گیا، جس کو میں دن میں دیکھ چکا تھا۔ ویرا بھی اپنی کار ہمارے پیچھے وہیں تک لے آئی تھی۔

ویسے تو کار کی اگنیشن کی کے ساتھ اسٹیئرنگ لاک بھی تھا جو اگنیشن آف کر کے چابی باہر نکال لینے کی صورت میں خود بخود اسٹیئرنگ کو لاک کر دیتا، لیکن ہمیں انجن آن رکھ کر گاڑی کو ریموٹ کنٹرول سے چلانا تھا، اس لیے اس تالے کی مدد نہیں لی جا سکتی تھی، میں نے گاڑی روکتے ہی بازار سے خریدا ہوا مضبوط آہنی لاک اسٹیئرنگ اور اس کے کالم میں پھنسا کر مقفل کر دیا اور انجن کو چلتا چھوڑ کر پھُرتی سے نیچے آ گیا۔ ہیڈ لیمپس میں نے گاڑی کچے میں اتارتے ہی بجھا دیے تھے، اس مرحلے پر پارکنگ لائٹس بھی گل... کر دیں اور سلطان شاہ ایکسلریٹر کے پیڈل پر اوپر سے نصب کیے ہوئے عارضی بریکٹ پر بیٹری سے کام کرنے والا ریموٹ کنٹرول ریسیور لگانے میں مصروف ہو گیا۔

بہ مشکل دو منٹ میں وہ فارغ ہو گیا اور اس نے کار سے الگ ہٹ کر اپنے ہاتھ میں موجود ننھے سے ریموٹ کنٹرول ٹرانسمیٹر کا بٹن دبایا اور کار کے انجن کی آواز یک بیک تیز ہو گئی۔ سلطان شاہ نے بٹن چھوڑ دیا۔ پھر اس نے پھُرتی سے آتش گیر مادّہ کار کے حساس حصوں میں پھیلانا شروع کر دیا۔

"ٹھیک دس منٹ بعد۔" میں نے اپنی روشن ڈائل والی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا اور ویرا کی کار میں سوار ہو گیا۔ ویرا نے کار کی کوئی روشنی جلائے بغیر اسے کچے راستے پر ڈال دیا۔

"ریموٹ کنٹرول یونٹ زبردست کام کر رہا ہے۔" ویرا نے ہلکی سی کُہر میں تاریک راستے پر نگاہیں مرکوز رکھتے ہوئے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عام بازاری کھلونوں سے ایسے زبردست کام بھی لیے جاتے ہیں۔"

"کام لیے جا سکتے ہیں۔" میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "ہر ریموٹ کنٹرول یونٹ میں دو بنیادی اجزاء ہوتے ہیں، ایک جائے ہاتھ میں موجود آلہ جو ٹرانسمیٹر ہوتا ہے، اس سے ہم مقررہ فریکوئنسی پر ایک اشارہ نشر کرتے ہیں اور کھلونے میں لگا ہوا ملٹی چینل یا سنگل چینل ریسیور اسی فریکوئنسی پر وہ اشارہ قبول کر کے ایک برقی سرکٹ مکمل کر دیتا ہے، اس سرکٹ کو کسی کھلونے کی موٹر سے منسلک کر دو تو کھلونا چلنے لگے گا اور یہی سرکٹ کسی ڈیٹونیٹر کو بھی حرکت میں لا سکتا ہے۔ میں نے شام کو گھر پر بھی اسے آزما کر دیکھ لیا تھا۔"

"میرا دل دہل رہا ہے۔" وہ تشویش زدہ آواز میں بولی۔ "اگر سلطان شاہ والی گاڑی کا وار کارگر ہو گیا تو فائر کیمپ میں نہ ختم ہونے والے خوف ناک بارودی دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ ہماری یہ کوشش خودکشی سے کم نہیں ہو گی۔"

"فوجی تعمیرات عموماً بہت مضبوط اور مستحکم ہوتی ہیں، میری اسکیم کی بنیاد اسی مفروضے پر ہے کہ کار دیوار توڑ کر اندر نہیں گھس سکے گی۔ فوجیوں کے دماغوں میں جنگ اور دشمن کا تصوّر اتنا مستحکم ہوتا ہے کہ ان کا بس چلے تو اسٹیشنری بھی کاغذ کے بجائے فولادی چادروں کی استعمال کریں۔"

فائر کیمپ کی بغلی دیوار کے متوازی گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے جب ہم احاطے کے پچھلے کونے سے کافی آگے نکل گئے تو ویرا نے کار دوبارہ داہنی طرف موڑ لی، کیونکہ ہمارا پروگرام عقبی دیوار سے اندر داخل ہونے کا تھا۔ اس طرح سلطان شاہ اپنی تخریبی کارروائی سے نمٹ کر بہ آسانی ہم تک پہنچ سکتا تھا۔

فائر کیمپ میں سکوت اور نیم تاریکی کا راج تھا۔ احاطے کی دیواروں کے پیچھے فضا میں کہیں کہیں روشنی کا انعکاس نظر آ رہا تھا، لیکن عقبی کونوں پر احاطے کی دیوار سے بلند نگراں بُرجیوں میں مکمل اندھیرا تھا۔ وہاں مامور محافظ یا تو اپنے وقت گزاری کے روز مرّہ معمولات گزارنے کے بعد آرام کر رہے تھے یا وہ بُرج سرے سے ویران ہی پڑے ہوئے تھے۔

پھر جوں ہی ایک بلند ٹیلا نگاہ میں آیا، ویرا نے کار اسی کی اوٹ میں روک لی، انجن بند کیا، چابی اگنیشن میں چھوڑی اور نیچے اتر آئی تاکہ ہماری غیر موجودگی میں سلطان شاہ ادھر آ نکلے تو اسے گاڑی پر تصرف حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

ہم دونوں نے بیک وقت اپنے وزنی اُونی کوٹ اتار کر گاڑی کی عقبی نشست پر پھینکے اور ہائی انسولیشن ربر کے لبادے اپنے جسموں پر چڑھا لیے، جن میں ٹوپی نما نقاب بھی شامل تھی، جوتے ہم گھر سے اسی قسم کے پہن کر نکلے تھے اس لیے دستانے پہنتے ہی ہم اپنی مہم کے لیے تیار ہو چکے تھے۔

نائیلون کی مضبوط ڈوری اور ٹائم بم میرے کندھے سے لٹکے ہوئے چرمی تھیلے میں موجود تھے، جس کے بارے میں میں نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ اس میں دھات کے نام پر کوئی کیل بھی نہ ہو۔ کتوں کے لیے گوشت کے پارچے بھی اسی تھیلے میں تھے۔

"سردی بہت ہے اور دس منٹ پورے ہونے میں ابھی خاصی

دیر باقی ہے۔" ربر کے نقاب میں سے ویرا کی بھاری آواز اُبھری۔ "کیوں نہ گاڑی میں بیٹھ کر ایک ایک سگریٹ پی لی جائے۔"

"اندھیری رات میں کش لیتے ہوئے سگریٹ کے سُلگتے ہوئے سرے پر روشن ہونے والی چنگاری میلوں دور سے دیکھی جا سکتی ہے۔ دوسری جنگِ عظیم میں کئی فضائی حملے محض دشمن کے سگریٹ نوش سپاہیوں کی وجہ سے کامیاب ہوسکے تھے، یہ نہ بھولو کہ ہم ایک فوجی ڈپو کے قریب بیٹھے ہیں۔"

"ٹائم بم کا ٹائمر تم نے تیس منٹ پر سیٹ کیا ہے۔ اگر کسی وجہ سے ہم اس مدت میں فائر کیمپ سے محفوظ فاصلے پر نہ نکل سکے تو کیا ہوگا؟"

چند ثانیوں بعد ویرا کو ایک نیا خیال سوجھ گیا۔

"آج تم گھر پر آرام کرتیں تو بہتر تھا۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "تمھیں ہر بات میں منفی پہلو ہی نظر آرہے ہیں، حالانکہ آدھا گھنٹا بہت کافی وقت ہوتا ہے۔ مفروضوں پر سر کھپانے لگو تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم کسی ناگہانی مسئلے کی وجہ سے گھنٹوں تک ڈمپ ایریا سے نہ نکل سکیں اور وہیں دھماکوں کی نذر ہو جائیں۔"

اس بار ویرا نے مکمل خاموشی اختیار کرلی اور میں پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے ذہن میں متوقع حالات کا تجزیہ کرنے لگا۔ اگر سب کچھ میرے پروگرام کے مطابق ہوتا تو برقی باڑھ سے گوشت کے پارچے پھینک کر مجھے رکھوالی کے کتوں کی غراہٹیں معدوم ہونے کا انتظار کرنا تھا۔ پھر اندر بارودی ہتھیاروں کے کسی ذخیرے میں ٹائم بم نصب کرکے اس کا ٹائمر آن کرکے لوٹ آنا تھا۔ واپسی کے لیے وہی راہ اختیار کی جاتی جو داخلے کے لیے سوچی گئی تھی۔ اس حصے میں ویرا کی افادیت صرف اتنی تھی کہ اگر اندر ہماری موجودگی کے دوران کسی سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ویرا نہ صرف فرنٹ میں اسے مطمئن کرسکے، بلکہ بوقتِ ضرورت اپنے کراٹے کے ہاتھ بھی دکھا سکے۔

بظاہر میدان صاف تھا اور ہماری کارروائی کے لیے فضا سازگار نظر آرہی تھی، لیکن پھر بھی احتیاط لازم تھی۔ چند منٹ بعد ہم دونوں زمین پر چوپایوں کی طرح چلتے ہوئے فائر کیمپ کے احاطے کی دیوار کی طرف بڑھنے لگے۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ دیوار پر لگی ہوئی طاقت ور برقی باڑھ کو کوئی موٹا اور ننگا تار اچھال کر بہ آسانی ناکارہ بنایا جا سکتا تھا، لیکن اس کارروائی میں دو سقم موجود ہوتے۔ اوّل تو طاقت ور شارٹ سرکٹ کے شعلے اور دھماکے اندر والوں کو اس طرف متوجہ کرلیتے اور دوئم یہ کہ فیوز اُڑتے یا سرکٹ بریکر آف ہونے کے باوجود خطرے کے پیشِ نظر چند ہی منٹ میں برقی رو دوبارہ بحال کی جا سکتی تھی۔

"چاہو تو بم گن تم لے لو۔" دیوار کے سائے میں پہنچ کر میں نے دبی دبی آواز میں ویرا کو پیشکش کی۔

"میں کہہ چکی ہوں کہ میرے لیے میرا خنجر ہی کافی ہوگا۔" اس کی آواز پر وقت گزرنے کے ساتھ ہیجان غالب آتا جا رہا تھا۔ "بم گن کی ضرورت تمھیں ہے۔ میں پکڑی گئی تو میری گلو خلاصی کی کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی، لیکن تم دھر لیے گئے تو زندہ نہ بچ سکو گے۔"

ہم ایک بار پھر خاموش ہوگئے۔ میں نے اپنے چرمی بیگ سے ڈوری نکال کر اس کا پھندا درست کیا تاکہ عین وقت پر پھندے والا سرا تلاش کرتا نہ رہ جاؤں۔

ہلکی ہلکی سرد ہوائیں چل رہی تھیں اور اس مقام پر ہر طرف تاریکی کا راج تھا جسے فضا پر اتری ہوئی ہلکی سی کُہر نے کچھ پُراسرار بنادیا تھا۔ میری رسٹ واچ کے حساب سے سلطان شاہ کو دیا ہوا وقت پورا ہوچکا تھا۔ میں نے تصور کی آنکھ سے میرانڈے کی آٹومیٹک کار کو غرا کر تیز رفتاری سے فائر کیمپ کی دیوار کی طرف بڑھتے دیکھا، پھر اچانک ہم دونوں بے اختیار اپنی جگہوں سے اُچھل پڑے۔

کہیں قریب ہی تصادم کی آواز کے ساتھ ہولناک دھماکا ہوا۔ اور فضا میں کہیں بھڑک اٹھنے والے بارودی شعلوں کا لہو رنگ انعکاس چمکنے لگا۔ شاید سلطان شاہ اپنا کام پورا کرچکا تھا۔

میں بجلی کی سی سُرعت سے اُٹھا اور میں نے نائیلون کی مضبوط ڈوری کا پھندے والا سرا فصیل میں لگے ہوئے برقی باڑھ کے زاویے دار آہنی بریکٹ پر اُچھال دیا۔

فائر کیمپ میں چھایا ہوا قبرستان کا سنّاٹا ختم ہوچکا تھا۔ کُھلی فضا میں لوگوں کے زور زور سے بولنے اور دوڑنے کی آوازوں کے ساتھ ہی خطرے کا سائرن بھی سنائی دے رہا تھا۔ میرا اُچھالا ہوا پھندا آہنی بریکٹ میں پھنس گیا، میں نے ڈوری پر زور ڈال کر پھندا تنگ کیا پھر اس میں جھول کر اپنی کمند کی مضبوطی کا اندازہ کرتے ہی ڈوری کے سہارے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

آہنی بریکٹ دیوار میں ایسے زاویے پر نصب تھے کہ ان کے سرے دیوار سے کم و بیش ڈھائی فٹ دور تھے، مگر میں تھوڑی سی جدوجہد کے بعد تانبے کے اس موٹے تار تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا جس میں گیارہ ہزار وولٹ کی ایسی مہلک برقی رو دوڑ رہی تھی جو خاصے فاصلے سے کسی بھی شے کو اپنی طرف کھینچ کر پل بھر میں خاکستر کرسکتی تھی۔

لمحے بھر کے لیے میرے دل کی دھڑکنیں بھی تیز اور بے ترتیب ہوگئیں مجھے خیال آیا کہ اگر میرے ہائی انسولیشن لباس کی تیاری میں کہیں بھی کوئی خامی رہ گئی تھی تو میں اس وقت جل کر بھسم ہوسکتا تھا۔

برقی رو والے تانبے کے تار بہت موٹے اور مضبوط تھے۔ پہلے تار پر اپنا توازن درست کرکے میں نچلے دو تار عبور کرکے دیوار پر پہنچا تو بغلی دیوار تا حدِ نظر محفوظ تھی، لیکن وسط میں دیوار سے باہر زبردست آگ لگی ہوئی تھی۔ فائر کیمپ کے عملے کے کافی افراد اس مقام پر ہنگامی احتیاطی تدابیر میں مصروف تھے تاکہ باہر لگی ہوئی آگ سے اندر کوئی نقصان نہ ہوسکے۔ اس طرف زمین پر کوئی شیڈ وغیرہ نہیں تھا، بلکہ زمین پر ترپالوں سے ڈھکے ہوئے بڑے بڑے انبار نظر آرہے تھے جو یقینی طور پر اسلحے کے ہی ہوسکتے تھے اور انھیں سب سے بڑا خطرہ

باہر ... کر آنے والی چنگاریوں سے درپیش تھا

فائر کیمپ کے دور افتادہ نکاسی کے واحد راستے پر غیر معمولی سرگرمیاں شروع ہو چکی تھیں۔ پھاٹک پوری طرح کھول دیا گیا تھا اور خاص قسم کی گاڑیاں جو شاید آتش زنی وغیرہ پر فوری طور پر قابو پانے کے لیے ہر وقت وہاں موجود رہتی تھیں، تیزی کے ساتھ فائر کیمپ سے باہر نکل رہی تھیں۔

لیکن میں زیادہ دیر تک ان تفصیلات کا جائزہ نہ لے سکا۔ کیونکہ اندر دیوار کے نیچے بھیڑیوں کی طرح جسیم اور خونخوار کُتوں کا ایک غول میری پذیرائی کے لیے جمع ہو چکا تھا۔ ان کُتوں کی تعداد چھ تھی اور سب ہی دبی دبی غضب ناک آوازوں میں غرا رہے تھے، انھیں دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ انھیں اپنے شکار کو سیکنڈوں میں چیر پھاڑ کر قصہ ختم کر دینے کی تربیت دی گئی تھی۔

میں نے دیوار پر اپنا توازن برقرار رکھتے ہوئے اپنے چرمی بیگ سے گوشت کے پارچوں کی تھیلی نکالی اور اس میں سے ایک ٹکڑا نکال کر ان کی طرف اُچھال دیا۔

اس وقت اپنے اردگرد کی فضا میں ایک اجنبی کی بُو محسوس کر کے ان پر خون سوار ہو چلا تھا، وہ میرے پھینکے ہوئے گوشت کے ٹکڑے کو دشمن کا ایک حصّہ سمجھ کر غراتے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑے۔ دانتوں اور پنجوں سے اسے بھنبھوڑتے ہوئے ان کُتوں نے کچکپا کر جیسی خونخوار آوازیں نکالیں، وہ کسی کا بھی پتا پانی کر دینے کے لیے کافی تھیں۔

میں نے مزید دو ٹکڑے اندر اُچھالے، جو فضا ہی میں لپک لیے گئے، لیکن میں نے وہ منظر خوف آور نظروں سے دیکھا کہ تمام ہی کُتّے شکم سیر تھے اور اُبلے ہوئے اس گوشت کو کھانے کے بجائے اسے نوچ کر چیتھڑے اُڑا رہے تھے، اس وقت فائر کیمپ میں آس پاس کوئی شخص موجود نہیں تھا، میں نے چوکنے انداز میں گرد و پیش کا جائزہ لے کر ہوتے ہوئے انھیں پچکارتے ہوئے مزید گوشت اندر ڈال دیا۔ اس بار ان کی غصے سے تنی ہوئی دُموں میں کچھ مفاہمانہ جنبش پیدا ہوئی۔ گوشت کی کثرت نے ان کُتوں کے لیے انتخاب کی دشواری پیدا کر دی تھی۔ وہ طے نہیں کر پا رہے تھے کہ جب دشمن کی نفری زیادہ ہو تو اپنے قبضے میں آئے ہوئے شکار پر ہی اکتفا کیا جائے یا حسبِ توفیق دوسروں پر بھی منہ ماری جاری رکھنی چاہیے۔

اسی اثنا میں ویرا بھی مہارت کے ساتھ اوپر تاروں پر آ گئی اور میں نے سہارا دے کر اسے دیوار پر لے لیا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے جُڑ کر اس طرح بیٹھے تھے کہ دور سے ہمیں کوئی دیکھ بھی لے تو اسے دو ہیولوں کی موجودگی کا اندازہ نہ ہو سکے۔

"یہ گوشت کھانے کے بجائے بھنبھوڑ رہے ہیں۔" میں نے تشویش آمیز سرگوشی میں کہا۔ "اگر یہ بے ہوش نہ ہوئے تو سارا منصوبہ بُری طرح ناکام ہو جائے گا۔ میرا اندر کی کار بھی دیوار سے ٹکرا کر باہر ہی

تباہ ہو گئی ہے۔"

"تم رکھوالی کے کُتوں کی فطرت سے واقف نہیں ہو۔ ذرا سا جوش ٹھنڈا ہو گا تو کھانے بھی لگیں گے، ویسے ان پارچوں پر بے ہوشی کی [illegible] اتنی کثرت سے لگی ہوئی ہے کہ یہ شاید گوشت بھنبھوڑتے ہوئے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔"

کُتوں کے بارے میں ویرا کو واقعی خاصی معلومات تھیں، چند [illegible] بعد کئی کُتے گوشت کھاتے نظر آئے، جب کہ ایک کُتے کا اشتعال سرد ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب لڑکھڑائے اور مسکین سی آوازیں نکالتے ہوئے وہیں ڈھیر ہو گئے۔

اس اثنا میں ان چھ کے علاوہ قرب و جوار میں کسی ساتویں کُتے کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔

میں نے کمند کی ڈوری باہر سے کھینچ کر اندر لٹکا دی اور پھر ہم [illegible] پھرتی سے فائر کیمپ میں داخل ہو گئے۔

اندر کنکریٹ کے کئی وسیع و عریض گودام نظر آ رہے تھے، [illegible] سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہاں زیرِ زمین بھی خاصے ذخائر موجود تھے۔ ہم نے زیادہ جستجو میں پڑنے کے بجائے سب سے قریبی انبار کا [illegible] کیا جو مضبوط چوبی پیٹیوں پر مشتمل تھا، وہیں ایک فورک لفٹ بھی [illegible] ہوا تھا، اس سے ذرا دور چالیس فٹ لمبے تین خالی ٹریلر موجود [illegible] جس کا مطلب تھا کہ قرب و جوار سے اسلحہ کی بھاری مقدار اگلی صبح [illegible] ہونے والی تھی۔

ایک چوبی پیٹی کے شپنگ مارک پر نظر پڑتے ہی میرا دل [illegible] کر حلق میں آ گیا۔ کیونکہ اس پر ایک بین الاقوامی امدادی ایجنسی کے پتے کے آخر میں پاکستان واضح طور پر اسٹنسل سے چھپا ہوا تھا۔

مجھے محسوس ہوا کہ اس دور میں دُنیا بہت مختصر ہو کر رہ گئی [illegible] میں پاکستان سے بے شمار مصائب برداشت کر کے ہزاروں میل مسافت طے کرتا ہوا محض اتفاقات کے سہارے مارسیلز کے ایک فائر کیمپ میں پہنچا تو وہاں میرے سامنے پاکستان کے لیے پیک ہوئے اسلحہ کے انبار تھے۔ ان پر حکومتِ پاکستان کے کسی ادارے [illegible] محکمے کے بجائے ایک بین الاقوامی امدادی ادارے کا نام ہونے [illegible] پر میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ مہلک انبار پاکستان کی سرزمین سے سرحد پار افغان مزاحمت کے مراکز میں بھیجے جانے [illegible] تھا، لیکن مجھے اس بات کا بھی پورا الیقین تھا کہ منزل پر پہنچنے سے [illegible] ہی ان ہتھیاروں کی ایک بڑی مقدار پاکستان کے چور بازاروں میں [illegible] جاتی تھی یا پھر سرحد پار امداد وصول کرنے والوں میں سے کچھ لوگ اپنے [illegible] کا اسلحہ اپنے دشمن کے خلاف استعمال کرنے کے بجائے دوبارہ سرحدوں میں ... دنے پونے داموں پر فروخت کر دیتے۔ یہ ان ہی کا شاخسانہ تھا کہ پاکستان کے قبائلی ملک اور سردار جدید ترین اور ممنوعہ [illegible] گنوں سے لے کر میزائل لانچرز، راکٹ اور ہلکی توپوں کے مالک [illegible]

کی وجہ سے معمولی قبائلی تنازعات آناً فاناً میں خونریز جنگی تنازعات کا روپ
دھار لیتے تھے، جن کا سدِباب کرنا حکام کے لیے دردِ سر بنتا جا رہا تھا۔

ان نکات پر بہت کچھ سوچا جا سکتا تھا، لیکن ہمارے پاس وقت
نہیں تھا۔ اس وقت ہم دشمن کی ایک اہم کمین گاہ میں گھسے ہوئے تھے۔
جہاں ہماری ذرا سی غفلت ہماری زندگیوں کے چراغ گل کرنے کا سبب
بن سکتی تھی۔ میں نے ان پیٹیوں کا جائزہ لینا چاہا لیکن یہ معلوم کرنے
میں کامیاب نہ ہو سکا کہ ان میں کس قسم کے ہتھیار موجود تھے۔ البتہ ان
پیٹیوں میں سے بارود کی وہ مخصوص بُو آرہی تھی جو میرے لیے اہمیت
رکھتی تھی۔

اگر ٹائم بم آہنی ہتھیاروں کے ذخیرے میں رکھا جاتا تو اس سے
ذرا بھی قابلِ ذکر نقصان نہ ہوتا، بس اس کے آس پاس کی دو دو چار پیٹیاں
متاثر ہوتیں اور کیمپ کی سالمیت کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا۔
لیکن میگزین اور بارود کے کسی بھی ذخیرے میں وہ ٹائم
بم ناقابلِ تصور نقصانات کا سبب بن سکتا تھا۔ جس میں
فائر کیمپ کے تمام ذخائر کی تباہی سرِفہرست ہوتی، جس کا ازالہ سہل
کام نہ ہوتا۔

"جلدی کام ختم کرو۔" ویرا کیمپ کی بغلی دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے
بولی "میرا اندیشہ ہے کہ کار کی آگ پر قابو پاتے ہی وہ معاملے کی تہ تک پہنچ
جائیں گے کہ کسی اہم محاذ سے ان کی توجہ ہٹانے کے لیے اس حادثے کا
ڈراما رچایا گیا ہے اور وہ فائر کیمپ کے چپے چپے پر پھیل جائیں گے۔"

اسی وقت کانوں کے پردے پھاڑ دینے والا ایک دھماکا ہوا۔
کثیف دھوئیں اور شعلوں کی چادر آسمان کی طرف لپکی اور میں نے اضطراری
طور پر ٹائم بم کا ٹائمر آن کر کے اسے پیٹیوں کے انبار کے درمیان ایک
خلا میں ڈال دیا۔

"شاید کار کی پٹرول کی ٹنکی پھٹی ہے۔" ویرا بڑبڑائی "شعلوں کی
شدت بڑھ گئی ہے۔"

"آؤ۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا۔
"ٹائمر چل پڑا ہے، ایسا نہ ہو کہ ہمیں ہمارے کباب بن کر رہ جائیں۔ ہمیں
جلد از جلد یہاں سے دور نکلنا ہے۔"

ہم دونوں جیسے ہی پلٹے، اچانک ایک کرخت مردانہ آواز سُن کر
میرا لہو رگوں میں منجمد ہو کر رہ گیا۔ نیم فوجی وردیوں میں ملبوس دو مضبوط اور
مسلح افراد ہمارے اور رکمند کے درمیان حائل تھے۔ ان کی اسٹین گنوں کے
دہانے ہمارے جسموں کی طرف اُٹھے ہوئے تھے، جن سے کسی بھی لمحے
آگ کی برسات شروع ہو سکتی تھی۔

ویرا نے اس کی للکار سنتے ہی اپنے دونوں ہاتھ اٹھا لیے تھے، میں
نے بھی اس کی تقلید کی۔

پھر ویرا فرنچ میں کچھ بولنے لگی۔ اس کے تحکمانہ لہجے سے ظاہر ہو
رہا تھا کہ اس نے ہتھیار ڈالنے کے بجائے انھیں مرعوب کرنے کا فیصلہ کر
لیا تھا۔

ہمیں للکارنے والے کے ساتھ ویرا کے کئی مکالمات کا تبادلہ ہوا
اس دوران میں اس نے دیوار کے سہارے لٹکی ہوئی ڈوری کی طرف بھی
اشارہ کیا تھا، لیکن گفتگو کے اختتام تک ان کی اسٹین گنوں کے دہانے
زمین کی طرف جھک چکے تھے جس کا مطلب تھا کہ ویرا کی حکمتِ عملی
کامیاب رہی تھی۔

"یہ مصیبت نہ جانے کہاں سے نازل ہو گئی۔" ویرا اپنے ہاتھ گراتے
ہوئے اُردو میں مجھ سے مخاطب ہو گئی "یہ بمشکل انھیں سمجھا سکی ہوں کہ
ہم ہیڈ کوارٹرز سے فائر کیمپ کے حفاظتی اقدامات چیک کرنے آئے
ہیں۔ ورنہ باہر والی آگ کیمپ کے اندر بھی بھڑک سکتی ہے۔ اب ان کے
ساتھ کمانڈنٹ کے پاس جانا ہوگا۔"

ویرا سے بات کرنے والے نے آگے بڑھ کر کچھ احتجاج کیا اور ویرا
مفاہمانہ انداز میں سر ہلا کر رہ گئی، پھر اس نے اپنے چہرے سے نقاب
ہٹا کر اپنے اندرونی لباس میں ہاتھ ڈالا اور ان سے کچھ کہتی ہوئی کیمپ
کے اندرونی حصے کی طرف چل دی۔ میں نے بھی اپنے ہاتھ گرا لیے۔

ویرا کے ذہن میں اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے کیا تجویز ہو
تھی، اس سے میں لاعلم تھا، لیکن میں یہ جانتا تھا کہ اس مرحلے پر وقت
ہمارے لیے سب سے زیادہ قیمتی تھا اور شاید ویرا بھی یہی سوچ رہی تھی
کیونکہ ان دونوں میں سے ایک جیسے ہی میرے قریب سے گزر کر ویرا
کے پیچھے چلا، یوں محسوس ہوا جیسے ویرا کی پشت پر بھی نگاہیں ہوں، بجلی
کی سی سُرعت سے اس کی اُلٹی لات چلی تھی جو پوری قوت سے اس
کے پیچھے والے کے سینے اور چہرے پر پڑی تھی اور میں ایک لمحہ بھی ضائع
کیے بغیر وحشیانہ انداز میں دوسرے پر ٹوٹ پڑا، جو خطرہ بھانپ کر شانے
سے لٹکائی ہوئی اسٹین گن دوبارہ اُتار رہا تھا۔

اپنے حریف سے مقابلہ کرتے ہوئے میں نے پہلی بار ویرا کو اس
کے اصل روپ میں دیکھا، اس کے ہاتھ میں اس کا خنجر دبا ہوا تھا اور
وہ کسی سُبک اندام پرندے کی طرح فضا میں تیر تیر کر اپنے شکار پر
کراٹے کے وار کرتے ہوئے خنجر کی نوک سے گہرے چرکے لگا رہی تھی
میرا حریف بہت سخت جان اور چالاک تھا۔ میری کوشش تھی
کہ میں جلد از جلد اسے زیر کر کے ویرا کا ہاتھ بٹا سکوں، لیکن وہ میری
بھرپور گرفت میں نہیں آرہا تھا۔ دوسری طرف میرے بدن پر چڑھا
ہوا ربر کا لبادہ بھی میری آزادانہ نقل و حرکت میں شدید رکاوٹ ڈال
رہا تھا۔

اسی اثناء میں میں اپنے حریف سے دست و گریبان ہو کر اس
کی گردن اپنی بغل میں دبانے کی فکر میں تھا کہ فضا میں دوسرے کی کرب
ناک چیخ اُبھری اور میں نے اندازہ لگا لیا کہ ویرا نے اسے ذبح کر دیا
تھا۔ چند ثانیوں بعد ہی کوئی وزنی وجود زمین پر ڈھیر ہوا تھا اور پھر دبا

تیر کی طرح میری طرف آئی تھی۔

اس نے آتے ہی بائیں ہاتھ سے اس کے بال جکڑ کر داہنے ہاتھ سے خنجر کا پھل اس کے پیٹ میں بھونک دیا۔ ایک کراہ کے ساتھ اس کی مزاحمت پل بھر کے لیے کمزور ہوئی تھی کہ میں نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر اسے پیچھے الٹ دیا۔ وہ بُری طرح ڈکراتا ہوا سر کے بل زمین پر ڈھیر ہوگیا۔

میں فیصلہ کن تیوروں کے ساتھ اس کی طرف لپکا تو ویرا نے مجھے روک دیا۔ "تم چھوڑ دو، اسے بھی میں ہی دیکھوں گی۔" اس کی آواز میں سفاکی تیر رہی تھی۔

پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے ویرا نے اس کے گلے پر اپنے خنجر کی تیز دھار پھیر کر اس کی شہ رگیں کاٹ دیں اور اسے خاک و خون میں تڑپتا چھوڑ کر الگ ہٹ گئی۔ "آؤ، جلدی نکلو یہاں سے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں، جنھیں خصوصی ہدایت کے بغیر اپنی ڈیوٹی چھوڑنے کا حکم نہیں ہے، خواہ فائر کیمپ کی اینٹ سے اینٹ ہی کیوں نہ بج رہی ہو۔"

ہم دونوں تیزی سے دیوار کے قریب پہنچے اور کمند کے ذریعے دیوار پر پہنچ کر دوسری طرف اُتر گئے۔

برقی باڑھ سے تحفظ کی ضرورت ختم ہو گئی تھی اور اب ربر کے لبادے ہمارے لیے بے کار ہو چکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ خنجر زنی کی وجہ سے ہمارے لبادے خون آلود بھی ہو چکے تھے۔ اس لیے ہم نے پھرتی کے ساتھ وہ لبادے، دستانے اور نقابیں اتار کر وہیں ڈال دیں اور تاریکی میں اپنی کار کی طرف بڑھ گئے۔

سلطان شاہ پہلے سے کار میں موجود تھا اور اس کی آنکھیں دور تک اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں، اس لیے اس نے دور ہی سے ہمیں پہچان لیا اور روشنیاں جلائے بغیر کار آگے بڑھا لایا۔

"شکر ہے کہ تم لوگ خیریت کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔" اس نے ہمارے سوار ہونے پر تشکر آمیز انداز میں ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"سب کچھ پروگرام کے مطابق ہوگیا۔" ویرا نے اس کی جگہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے کہا۔ "آخر میں ذرا سی بدمزگی ہو گئی تھی۔ لیکن وہ بھی سنبھل گئی۔"

وہ ڈرائیونگ میں مصروف ہو گئی اور میں سلطان شاہ کو فائر کیمپ کے اندر پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کرنے لگا تاکہ ہم دونوں کے مقابلے میں وہ کمتری کے کسی احساس کا شکار نہ ہو۔

"اور وہ دونوں تمھاری باتوں میں آکر تمھیں اپنے کمانڈنٹ کے پاس لے جانے کے لیے آمادہ ہو گئے؟" سلطان شاہ نے حیرت کے ساتھ ویرا سے سوال کیا۔

"ان کا ردِعمل بالکل فطری تھا۔ اگر میں خود کو کاروالے حادثے سے لاتعلق قرار دیتی تو وہ مجھ پر یقین نہیں کرتے۔ میں نے انھیں بتایا کہ وہ آتش زنی توجہ مبذول کرانے کے لیے تھی تاکہ ہم کسی اور جگہ سے اندر داخل ہونے کی کوشش کر سکیں۔ اور ہم کامیاب ہو گئے۔"

"ہر بار میں پیچھے رہ جاتا ہوں۔" سلطان شاہ حسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "اس بار بھی میرا کام مضحکہ خیز تھا۔ بٹن دبائے، دور کھڑے رہو اور تصادم کا دھماکا ہوتے ہی دوڑ لگا دو۔"

"لیکن ساری کارروائی کی بنیاد وہی تھی۔" اس وقت ویرا بھی اس کی دلجوئی پر آمادہ نظر آتی تھی۔

موڑ گھومنے کے بعد میرانڈے کی کار کا جلتا ہوا ڈھانچہ ہمارے سامنے آگیا۔ وہاں متعدد افراد اور کئی گاڑیاں آگ بجھانے کی کوششوں میں مصروف تھیں، وہ سب آنے والی تباہ کاری سے بے خبر تھے۔ جس کا بیج پاکستان بھیجے جانے والے اسلحہ کی پیٹیوں کے درمیان بو دیا گیا تھا۔

کار کچا راستہ عبور کر کے سڑک پر چڑھی تو ویرا نے ہیڈ لیمپس روشن کر دیے، میں نے اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی، اور سر جھٹک کر رہ گیا۔ کیونکہ دونوں محافظوں کی مداخلت کی وجہ سے میں ٹائمر آن کرنے کا وقت نوٹ نہیں کر سکا تھا۔ البتہ میرا اندازہ تھا کہ ٹائم بم کے پھٹنے میں اس وقت صرف بیس منٹ باقی رہ گئے تھے۔ اپنی آنکھوں سے فائر کیمپ میں موجود اسلحہ کے غیر معمولی ذخائر دیکھ لینے کے بعد مجھے پورا یقین تھا کہ ٹائم بم نے ٹھیک کام کیا تو فائر کیمپ کی ہولناک تباہی کی خبر عالمی شہ سرخیوں میں جگہ بنا لے گی۔

سڑک پر آنے کے بعد ویرا نے کار کی رفتار میں بہت زیادہ اضافہ کیا تو مجھے اس کو ٹوکنا پڑ گیا۔ "سکون کے ساتھ ڈرائیونگ کرو اور حدِ رفتار کا خیال رکھو، پولیس کی کوئی گشتی گاڑی پیچھے لگ گئی تو ہم سب ناقابلِ تصور دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔"

"تمھیں شاید اندازہ نہیں ہے کہ تم فائر کیمپ میں کیا کر آئے ہو۔" اس نے گاڑی کی رفتار قدرے کم کرتے ہوئے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"تم ساٹھ میل کی رفتار سے بھی ڈرائیونگ کرو تو ٹائم بم آپریٹ ہونے تک ہم فائر کیمپ سے کم از کم دس پندرہ میل دور نکل چکے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ اتنے فاصلے پر دھماکے سنائی ضرور دیں گے، لیکن ان سے ہمیں کوئی خطرہ لاحق نہیں رہے گا۔"

"تم غیر فوجی ہو اس لیے اس خوش فہمی میں مبتلا ہو۔ وہ دستی بموں کا ذخیرہ ہوتا تو ضرور وہی ہوتا جو تم کہہ رہے ہو، لیکن مشینی گولے اور گولیاں حادثے کی صورت میں بہت خطرناک ہو جاتی ہیں۔ حرارت پا کر جب ایسے بموں کا فائرنگ چارج بھڑکتا ہے تو گولے بے لگام میزائل بن جاتے ہیں۔ جس گولے یا جس پر وجکٹائل کا جدھر رُخ ہوا وہ اسی طرف پرواز کر جائے گا۔ اور رینج پوری کرتے ہی گر کر تباہی پھیلا دے گا۔"

"تم مذاق تو نہیں کر رہی ہو؟" میں نے قدرے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ سوال کیا۔

"مذاق نہیں، میں سو فیصد سنجیدہ ہوں۔" وہ بولی۔ "اگر سب کچھ پروگرام کے مطابق ہوا تو آج کی رات مارسیلز والوں پر بہت بھاری گزرے گی، جو شہر کے مضافات میں غیر قانونی اسلحہ کے اس بڑے ذخیرے سے چشم پوشی کرتے چلے آرہے ہیں۔"

"تو کیا عام شہریوں کو فائر کیمپ کے وجود اور نوعیت کا علم ہے؟"

"صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ اسلحہ کا ایک ٹرانزٹ ڈپو ہے، اس کی وسعت تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگی۔ حفاظتی انتظامات اسی لیے احاطے سے باہر تک وسیع نہیں کیے گئے کہ عام شہریوں کو اس ڈمپ کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہ ہوسکے۔"

"آج فائر کیمپ کا معاملہ بھی نمٹ گیا۔ اب تمھارا کیا ارادہ ہے؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد سلطان شاہ نے کسل مندانہ لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے اب ایسی مہمات سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگی ہے، جن میں میرا کوئی مؤثر حصہ نہ ہو۔"

"فرانس پہنچنے کے بعد سے ہمیں ایک پل بھی چین نہیں مل سکا۔ یہاں میراندے کا آراستہ گھر ملازمین سمیت تصرف میں آیا ہے، تو چند روز کے لیے یہاں رُک کر تکان اتارنے کا ارادہ ہو رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"تم تکان اتارو گے اور میں گھر میں پڑا بور ہوتا رہوں گا۔" وہ بڑبڑایا۔

"فکر نہ کرو، تمھارے لیے بھی کام نکل ہی آئے گا۔" ویرا بولی۔

"میں جب مارسیلز آہی گئی ہوں تو یہاں کے چیف کو تھوڑا سا سبق دے کر ہی جاؤں گی۔ اس چھیڑچھاڑ میں تم میرا ہاتھ بٹاؤ گے۔ ویسے بھی مارسیلز ایک بہت پرانا اور دلچسپ شہر ہے۔ گھر سے نکلو گے تو زندگی بہت حسین نظر آئے گی۔"

"میں تو اپنی کمزور انگریزی کو ہی رو رہا تھا، لیکن فرانس والوں کو تو شاید دنیا کی ہر زبان سے بیر ہے۔ میراندے کے علاوہ اب تک جو بھی ملا، فرنچ ہی بولتا ہے۔"

"برطانیہ سے باہر یورپ میں اب انگریزی کا رواج نہیں رہا۔ فرنچ کے بعد جرمن دوسری سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہے۔ انگریز بھی باہر نکلنے سے پہلے ان دو زبانوں میں تھوڑی بہت شُدبُد پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے ہیں۔" ویرا کا رویّہ سلطان شاہ کے ساتھ حیرت ناک حد تک مفاہمانہ ہوگیا تھا۔

وہ دونوں آپس میں گفتگو کرتے رہے، لیکن میرا ذہن اپنی الجھن میں مبتلا رہا۔ ویرا نے مشینی بموں کے ہولناک خواص بتاکر میرے ذہن پر ایک اذیت ناک بوجھ ڈال دیا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر فائر کیمپ کی تباہی کے ساتھ مارسیلز کے معصوم اور بے گناہ شہریوں پر ہلاکت خیز قیامت کی برسات ہوگئی تو شاید میرا ضمیر عمر بھر مجھے اس فعل پر نادم کرتا رہے گا اور میں اس کے ازالے کے لیے کچھ بھی نہ کرسکوں گا۔

میرا وہ احساس اپنی جگہ تھا، لیکن میں آنے والی تباہی کو ٹالنے کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ فائر کیمپ کے ایک بارودی ذخیرے میں ٹائم بم رکھا جاچکا تھا جو ایک مقررہ وقت پر پھٹ جاتا تھا۔ گھڑی کی سو[ئیاں] مسلسل آگے کی طرف حرکت کرتے ہوئے تباہی کے لمحات کو نزدیک لاتی جارہی تھیں اور گھڑی کی ان سوئیوں کو اُلٹا چلانا میرے بس سے باہر [تھا]۔

طویل مضافاتی مسافت طے کرکے ہم شہر کی حدود میں داخل ہو[ئے] تو ویرا نے میرے خیالات کا بھیانک تسلسل توڑ دیا۔ "تم خاموشی سے سوچ میں گم ہو؟"

"فائر کیمپ کی تباہی کے لمحات کا روح فرسا انتظار کر رہا ہوں۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "اب تک تو ٹائم بم یقیناً پھٹ چکا ہو[گا]۔"

"اگر کچھ نہ ہوا تو سمجھ لینا کہ ان کریٹوں میں بارودی اسلحہ کے بجائے صرف آہنی ہتھیار بھرے ہوئے تھے۔ اس حماقت یا ناکامی پر مجھے بھی قلق رہے گا۔"

اس سے قبل کہ میں جواب میں اسے اپنے متضاد جذبات سے آگاہ کرتا، ہولناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ ایک زبردست دھماکہ ہوا جس کی شدت سے اعصاب دہل کر رہ گئے۔ بالکل یوں محسوس ہوا جیسے کچھ دور کوئی خوف ناک آتش فشاں انسانی آبادیوں کو نیست [و نابود] کرنے کے لیے انگڑائی لے کر بیدار ہوگیا ہو۔ دھماکے کے نتیجے میں اسٹ[یرنگ] پر ویرا کے ہاتھ بہک گئے اور آگے جانے والی کئی گاڑیاں بے تحاشا آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔

پھر فضا میں جلتے ہوئے چھوٹے بڑے ٹکڑوں کی بوچھاڑ میں کوئی چیز داہنی طرف پارک کی ہوئی ایک کار پر گر کر دھماکے سے پھٹی اور کار میں آگ لگ گئی۔ پہلا دھماکا ختم ہونے کے بعد اسی قوت کا ایک اور شدید دھماکا ہوا جس سے زمین ہل کر رہ گئی۔ سڑک پر لوگوں نے جو [گاڑی] جہاں تھی، وہیں بند کردی اور بدحواسی کے عالم میں پناہ کے لیے قری[بی] عمارتوں کی طرف دوڑ پڑے۔ اس بار بڑے دھماکے کے چند ثانیوں بعد مختلف سمتوں سے کم اور زیادہ طاقت کے متعدد دھماکے وقفے وقفے سے سنائی دیتے رہے اور اس دوران میں ویرا سڑک پر بے ترتیبی سے کھڑی ہوئی گاڑیوں کے درمیان راستہ بناکر آگے بڑھتی رہی۔ پھر اچانک سائرن کی گھٹتی بڑھتی تیز آواز سے گونج اٹھی، جو شاید شہری دفاع والوں کی طرف سے مارسیلز کے شہریوں کے لیے فضائی حملے کی وارننگ تھی۔

چند سو گز کے بعد گاڑیاں ایک دوسرے میں اس طرح پھنسی ہوئی تھیں کہ ہمارے لیے آگے بڑھنا ناممکن ہوکر رہ گیا تھا۔ ویرا بھی اگنی[شن بند کر]کے اتر پڑی اور ہم دونوں اس کے پیچھے تیزی سے ایک بڑے ہوٹل کے سائبان کی طرف دوڑ پڑے، کیونکہ فضا سے جھلسے ہوئے اور جلتے ہوئے ٹکڑوں کی ہولناک برسات بدستور جاری تھی۔

آسمان سے آگ اور بارود کی گھٹتی بڑھتی برسات اور خوف [زدہ] شہریوں کی چیخ و پکار نے اس وقت علاقے میں قیامتِ صغریٰ کا [سماں] پیدا کردیا تھا اور مجھ پر سکتہ سا طاری ہوگیا تھا۔

پھوٹتے ہوئے پرمچکا ٹائمز کی تباہ کاریوں کے دوران ہی اسی

ہیں کہیں ایک زوردار دھماکا ہوا اور پورے علاقے میں بھڑکتے ہوئے شعلوں کا انعکاس پھیل گیا، شاید فائر کیمپ سے اڑنے والے کسی طاقتور آتش گیر بم نے قرب وجوار میں تباہی پھیلا دی تھی۔ ساتھ ہی فضا میں دل دوز انسانی چیخوں سے کہرام برپا ہو گیا۔

"ساری گالیاں روس کو پڑ رہی ہیں۔" ویرا میرے ساتھ سائبان کے نیچے پناہ لیتے ہوئے بولی۔ "لوگ سمجھ رہے ہیں کہ مشرقی یورپ کے کسی جنگی اڈے سے سوویت یونین نے میزائلوں سے مارسیلز پر حملہ کر دیا ہے۔ شہری دفاع والوں نے بوکھلاہٹ میں سائرن بجا کر لوگوں کے اس شبہ کو تقویت پہنچائی ہے۔"

پورے شہر کی فضا مسلسل دھماکوں سے لرز رہی تھی اور فضا میں آتشیں لکیریں مختلف بلندیوں پہ یوں آزادانہ تیرتی پھر رہی تھیں جیسے آتشیں پروں والے شیاطین کو مارسیلز میں زندگی تہس نہس کرنے کی پوری آزادی مل گئی ہو۔ دھماکوں کی ترتیب سے میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ فائر کیمپ میں کم از کم دو بڑے ذخائر آگ پکڑ چکے تھے اور اس کے نتیجے میں ہزاروں چھوٹے بڑے بم اور راکٹ حرارت پا کر خود بخود چل رہے تھے۔ جن کے نہ نشانوں کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا اور نہ ہی یقینی سمت کا تعین کرنا ممکن تھا۔

اپنے اندازے کے مطابق اس وقت ہم فائر کیمپ سے کم از کم پندرہ میل دور آ چکے تھے اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ جب اتنے فاصلے پر تباہ کاری اور خوف و ہراس کی اتنی شدت تھی تو فائر کیمپ اور اس کے نواح میں کیسی قیامت برپا ہو گی۔

"فائر کیمپ کے عملے کا تو اب خوردبین سے بھی سراغ نہ مل سکے گا۔" میری تشویش کے اظہار پہ ویرا نے کہا۔ "اس تباہی سے سب سے زیادہ خطرہ مارسیلز کے شہریوں کو ہے۔ ورنہ کیمپ کے اطراف میں ویرانہ ہی ویرانہ ہے۔ سڑک پر سفر کرنے والی گاڑیاں اور قرب وجوار کے چھوٹے گاؤں اگر زد میں آ جائیں تو اور بات ہے۔"

آسمان سے برسنے والی برسات میں نہ کوئی تسلسل تھا نہ تواتر۔ بہت سے حواس باختہ لوگ فٹ پاتھ پہ دیواروں کے سہارے کانوں میں انگلیاں ٹھونسے اوندھے پڑے ہوئے بعض سائبانوں کی آڑ میں پناہ لیے خوف زدہ نظروں سے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس ہڑبونگ میں ہر شخص اپنی ذات پہ منڈھے ہوئے مصنوعی خول سے باہر آ گیا تھا۔ سب ہی تشویش زدہ اور لرزتی ہوئی آوازوں سے آپس میں اظہار رائے زنی کر رہے تھے۔

چند منٹ کے لیے اس علاقے میں آگ کی برسات تھم گئی۔ فضا میں دھماکوں کی آوازیں بدستور گونج رہی تھیں، لیکن اب شاید ان کا رخ کسی اور طرف ہو گیا تھا۔ البتہ اس علاقے میں کئی مقامات پہ لگی ہوئی آگ بدستور بھڑک رہی تھی، جسے کچھ لوگ سرد کرنے میں مصروف تھے۔

آخر کچھ سمجھ دار لوگوں نے اس سکون کا فائدہ اٹھایا اور اپنی پناہ گاہوں سے نکل کر تیزی سے اپنی گاڑیوں میں سوار ہوئے اور اپنے سے آگے پھنسی ہوئی گاڑیوں کے مالکان کو حوصلہ دلانے کے لیے ہارن بجانے لگے۔ اس پیش قدمی کا خاطر خواہ اثر ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے گاڑیوں کا ہجوم حرکت میں آ گیا جس میں ہم بھی شامل تھے۔

"لوگوں نے سوویت حملے کے جواز میں حکومت کی خامیاں بھی تلاش کر لی ہیں اور اپنے حکمرانوں کے فیصلوں پر تنقید کر رہے ہیں۔ جنھوں نے ایک بڑی طاقت کی خوشنودی کی پروا کیے بغیر دور رس فیصلے کیے ہیں۔" ویرا بتا رہی تھی اور میں خالی الذہنی کے عالم میں اس کی تقریر سن رہا تھا۔ اس کے لب ولہجے پہ اس بربادی کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔

"یہ بہت بری بات ہے۔" سلطان شاہ کہہ رہا تھا۔ "عام حالات میں کسی کو پروا نہیں ہوتی کہ حکومت کیا کر رہی ہے اور اس کے فیصلوں کے مضمرات کیا ہوں گے۔ لیکن اپنے حکمرانوں پر عوام کے اعتماد کا اظہار جنگی، ہنگامی اور قومی مصائب کے وقت ہی ہوتا ہے۔ اگر لوگ حکومت پہ برس رہے ہیں تو یہ دو طرفہ اعتماد کی کمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

فضا سے نازل ہونے والے مصائب کا سلسلہ یکسر موقوف ہو چکا تھا، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس سمت میں رکھا ہوا سارا اسلحہ چل یا جل چکا تھا۔ لیکن پورے شہر کی فضا ہلکے اور تیز دھماکوں سے لرز رہی تھی اور ٹریفک میں قدرے روانی آ چکی تھی۔ جو لوگ پیدل تھے، وہ بھی جلد از جلد کسی ٹھکانے پر پہنچنے کے لیے تیز چل رہے تھے۔

اچانک فضا میں زناٹے کی آواز سے اڑتا ہوا ایک میزائل اپنے پیچھے بارودی آگ کی لکیر چھوڑتا ہوا داہنی سمت سے نمودار ہوا اور ہم سے چند سو قدم دور پیدل چلنے والوں کی بھیڑ میں ایک جواں سال جوڑے کے آگے گر کر پھٹ گیا۔ زبردست دھماکے کے ساتھ کثیف دھوئیں کا بادل اٹھا، دلدوز انسانی چیخیں بلند ہوئیں اور دھواں صاف ہوا تو جواں سال جوڑے کا کہیں پتا نہیں تھا۔ فٹ پاتھ پہ ایک گہرا گڑھا وجود میں آ چکا تھا اور بہت سے لہولہان راہگیر مدد کے لیے چلا رہے تھے، جن میں سے کئی کے ہاتھ پیر اس دھماکے سے اڑ گئے تھے۔

میں نے بے اختیار اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ ان مناظر کو دیکھ کر رفتہ رفتہ میرا دل بھاری ہوتا جا رہا تھا۔ فائر کیمپ کی تباہی میری زندگی کا وہ پہلا منصوبہ تھا، جس کی کامیابی پر میں دلدوز اور دلگیر ہوا جا رہا تھا۔ اس واقعہ میں شی کو واقعی ناقابل تلافی نقصان پہنچا تھا۔ لیکن اس کامیابی پر ایک بے گناہ شہری کی ہلاکت بھاری تھی، جب کہ شہر میں شاید ہر طرف بے گناہ شہریوں پر موت کے دریدہ دہن طاغوتی ہیولے اپنے لہو ریز پنجوں کے ساتھ حملہ آور تھے۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ زندہ سلامت اپنی منزل پر اپنوں میں پہنچ سکے گا یا کسی بھی لمحے بے موت مارا جائے گا۔

مجھے بے اختیار کراچی یاد آ گیا۔ جہاں سے میں نے اپنی کامیاب عملی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ لاہور میں باپ کی وفات اور سوتیلے

کے مظالم نے مجھے ایک ایسی دلدل میں دھکیل دیا تھا جہاں جرم و گناہ یا سسکتی ہوئی موت میں سے میں صرف کسی ایک کا انتخاب کر سکتا تھا، لہٰذا میں نے زندہ رہنے کے لیے جرائم کی دُنیا کو اپنانے کا فیصلہ کرلیا۔ اور شی کے کارندوں میں شامل ہوگیا۔ جب میں ان میں شامل ہوا تھا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ منشیات اور اسلحے کے بین الاقوامی اسمگلروں کی کوئی عالمی تنظیم ہوگی۔ میری نگاہ میں وہ مقامی منشیات فروشوں کا کوئی گروہ تھا جو منظم انداز میں اپنا کام چلا رہا تھا اور اپنے لیے کہیں کوئی مخالفت برداشت کرنے کا عادی نہیں تھا۔

ان دنوں تنظیم کے مفادات کے تحفظ اور معاشرے میں منشیات کے فروغ کے لیے میری نگاہوں میں انسان کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ میں نے معصوم طالب علموں کو منشیات فروشی کے دھندے میں ملوث کیا اور اپنی بالادستی برقرار رکھنے کے لیے بارہا انسانی لہو سے ہولی کھیلی، لیکن کبھی میرا دل اس خونریزی پر ملول نہیں ہوا۔ کیونکہ جرائم اور بالخصوص منشیات کی دنیا میں اخلاق اور ضمیر کو سب سے پہلے موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے۔ تاکہ معاشرے کے معزز اور شریف طبقات جب ان سرگرمیوں کے خلاف آواز بلند کریں تو انھیں انفرادی اور اجتماعی طور پر ایسی دردناک بہیمانہ سزائیں دی جائیں کہ ان کو دیکھنے والے عبرت پکڑیں اور جرائم کے خلاف آواز بلند کرنے کے بجائے چشم پوشی اختیار کرنے پر مجبور ہوجائیں اور ہر طرف منشیات کو فروغ ملتا رہے۔

خود میں نے بہت سے شرفاء کا ان کے گھروں میں رہنا دشوار کردیا تھا۔ کئی سرپھرے اور اصلاحِ معاشرہ کے شوقین میرے اشاروں پر اپنے گھروں اور بازاروں میں موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تھے، میرے مسلح جتھوں نے رات کی تاریکی میں مزاحمت کرنے والی بستیوں پر شب خون مار کر وہاں رہنے والوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کو ایسا تاراج کیا تھا کہ پھر وہاں شی کے مفادات کے خلاف کوئی آواز سننے میں نہیں آسکی تھی۔

لیکن وہ زمانہ میرے اور شی کے اشتراک کا زمانہ تھا۔ اس دور کا ڈینی صرف اور صرف ایک سنگدل منشیات فروش تھا، جس کے نزدیک نہ انسانی جان کی کوئی حُرمت تھی اور نہ انسانی لہو کا تقدس۔ مگر غزالہ سے ملنے کے بعد میری سوچ میں انقلابی تبدیلی آئی تھی۔ کوکین کے ہاتھوں اس کے گھرانے کی دردناک بربادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد میری سوچ میں تیزی کے ساتھ تبدیلی آتی چلی گئی اور اب میں اپنے ماضی کے کردار پر خود شرمسار رہتا تھا، میری پوری کوشش تھی کہ میں دُنیا بھر سے شی کا نام و نشان تک مٹا دوں تاکہ اپنے ماضی کے گناہوں کا ازالہ کرسکوں۔

لیکن ان کوششوں میں مارسیلز میرے لیے ایک امتحان بن گیا تھا۔ اس ساحلی شہر پر نازل ہونے والی بربادی میں میرا کردار افسوس ناک ثابت ہوا تھا، مگر دل کو بہلانے کے لیے بس یہی ایک خیال باقی رہ گیا تھا کہ جب میں نے فائر کیمپ تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا تو شہری آبادی کو درپیش خطرات کا تصور میرے ذہن کے بعید ترین گوشے میں بھی نہیں تھا۔

شہر پر رُک رُک کر اور سمتیں بدل بدل کر بربادیاں برستی رہیں۔ آگ، خون، دھماکے اور ملبے کے درمیان ہمارا سفر جاری رہا۔ ہماری کار پر نہ کوئی بم گرا نہ ہم کسی گرتی ہوئی عمارت کے ملبے کی زد میں آئے اور میں یہ سب تباہیاں دیکھ کر دل ہی دل میں گُھٹتا اور سوچتا رہا۔

میرے خیالات کا تسلسل اس وقت ٹوٹا جب ویرا نے کار میرانڈے کے مکان کے بند پھاٹک کے سامنے روکی۔

"لو، ہم خیریت سے لوٹ آئے۔" ویرا یہ کہتے ہوئے گیٹ لیمپ کی روشنی میں میرے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی چونک پڑی۔ "ارے تم رو رہے ہو؟ کیا ہوا ڈینی؟"

"کچھ نہیں۔" میں نے سوگوار مسکراہٹ کے ساتھ افسردہ لہجے میں کہا۔ "راستے میں کہیں گرد و غبار آگیا ہوگا آنکھوں میں۔" یہ کہہ کر میں دونوں ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں صاف کرنے لگا، جو واقعی خاموش آنسوؤں سے تر ہو رہی تھیں۔

پھاٹک کھلنے کے بعد ویرا کار اندر لے جانے لگی تو مسلح دربان نے اسے رُکنے کا اشارہ کیا۔ ویرا نے بریک لگا کر اپنی سمت کی کھڑکی کا شیشہ گرادیا۔

ویرا کے استفسار سے پہلے ہی دربان نے آگے بڑھ کر تجسس آمیز اور جوشیلے لہجے میں اسے کچھ بتایا اور میں نے ویرا کے چہرے پر فکرمندی کے آثار نمودار ہوتے دیکھے۔

ویرا وہیں رُک کر چند منٹ تک دربان سے سوال جواب کرتی رہی اس دوران میں میں نے دیکھا کہ آگے روشن پورٹیکو میں پہلے سے ایک نئی کار موجود تھی جس کا مطلب تھا کہ ہم سے پہلے کوئی اور وہاں پہنچا ہوا تھا۔

دربان سے گفتگو ختم کرکے ویرا نے جیسے ہی کار آگے بڑھائی، میں نے ویرا سے سوال کردیا۔ "کون آیا ہوا ہے یہاں؟"

"تمھیں کیسے پتا؟" وہ حیرت سے بولی۔ "اس نے تو فرنچ میں بتایا تھا"

"سامنے ایک نئی کار کھڑی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی ہمارا انتظار کر رہا ہے۔"

"اوہ!" وہ خفت آمیز لہجے میں بولی۔ "میں نے کار نہیں دیکھی تھی ویسے میں خطرے کی بو سونگھ رہی ہوں۔ آنے والے تعداد میں دو ہیں اور خود کو میرانڈے کا دوست کہتے ہیں، جب کہ دربان کے لیے وہ نئے چہرے ہیں"

"انھیں کہاں بٹھایا گیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ڈرائنگ روم میں۔" ویرا نے رینگتی ہوئی کار کو اگلی کار کے پیچھے روکتے ہوئے کہا۔

"پھر صرف تم ہی ان سے ملو تاکہ ضرورت پیش آنے پر ہم دونوں تمھاری مدد کو پہنچ سکیں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ بڑی عجیب بات ہے کہ وہ دربان کے لیے نئے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ سچ کہہ رہے ہوں۔" ویرا بولی۔ "فراڈ ہوتے تو یوں اطمینان سے کار پورٹیکو میں چھوڑ کر اندر نہ بیٹھے ہوتے، بلکہ بہانہ کر

ے واپس لوٹ جاتے۔"
فائر کیمپ سے ہونے والے دھماکوں کی آوازیں وہاں تک سُنائی
ے رہی تھیں اور شمال مشرق میں آسمان پر شعلے اس طرح تیرتے نظر
رہے تھے، جیسے ادھر آتش بازی کا کوئی بڑا مظاہرہ ہو رہا ہو۔ بلادی انظر
ں کئی پردھکتا ئل اس طرف بھی آتے نظر آئے، لیکن پھر راستے میں ہی
یں گم ہو گئے۔

ہم تینوں نے کار سے اتر کر ایک دوسرے کا تنقیدی جائزہ لیا، ویرا
ے کپڑوں پہ نہ خون کا کوئی داغ تھا نہ بے ترتیب شکنیں۔ اس کے لباس کو
ے کے لبادے نے پوری طرح محفوظ رکھا تھا۔

"احتیاطاً یہ گن ساتھ رکھ لو۔" میں نے اس کے ہمراہ برآمدے کی
یڑھیاں عبور کرتے ہوئے کہا۔

"میرے لیے خنجر کافی ہے۔ شاید تم بھول گئے ہو کہ میں نے خنجر بازی
ں باقاعدہ تربیت لی ہوئی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "داؤ لگ
یا تو شاید تمھیں زحمت ہی نہ کرنا پڑے۔"

ویرا نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ اچانک زمین کے ساتھ ہی مکان
ے درو دیوار تک لرز اُٹھے اور میں اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ ویرا
وازے میں جھول کر رہ گئی اور سلطان شاہ لڑکھڑا کر فرش پہ ڈھیر ہو
یا۔ عمارت کے کسی حصے میں جھنجھناہٹ کے ساتھ شیشے ٹوٹنے کا شور
ی سنائی دیا تھا۔

وہ شدت کے اعتبار سے بدترین دھماکا تھا، جس کا مطلب تھا کہ
ر کیمپ کے ذخائر بتدریج تباہی کے زد میں آرہے تھے۔ پہلے دو دھماکوں
ے بعد بھی وہاں بہت کچھ باقی تھا اور دھماکوں کا سلسلہ جلد موقوف ہوتا
ر نہیں آرہا تھا۔

وہ سب اپنی جگہ تھا، لیکن ہمیں فوری طور پر اندر والوں کی فکر
ق تھی، اس لیے ہم نے پھرتی سے خود کو سنبھالا اور پھر ویرا راہداری میں
نگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

اس وقت میرے دل کی دھڑکنیں اچانک ہی تیز ہو گئی تھیں۔

ویرا کے اندر داخل ہوتے ہی کمرے سے
سیٹی کے ساتھ ایک تحیر آمیز لو فرانہ
از سُنائی دی تھی آواز مردانہ اور زبان فرانسیسی تھی لیکن کوئی مفہوم
ے نہ پڑنے کے باوجود یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ میراندے
ے مہمان اوباش طبیعتوں کے مالک تھے۔

"تم لوگ یہاں کس لیے آئے ہو؟" ویرا کی سپاٹ اور اونچی آواز
ائی دی۔ اس نے اجنبیوں سے محض ہماری وجہ سے انگریزی میں
وال کیا تھا تاکہ ہم پوری گفتگو سے باخبر رہیں۔

جواب میں کسی نے فرنچ میں کچھ کہنا چاہا لیکن ویرا نے درمیان
ں ہی اس کی بات کاٹ دی۔ "میں فرنچ نہیں جانتی، مجھ سے انگریزی
ں بات کرو۔"

"ہمیں تم سے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہی آواز
سُنائی دی۔ اس بار بولنے والے کا لہجہ تُرش ہو گیا تھا۔ "میراندے
کے ایک ملازم کو اپنی آمد کا مدعا بتا چکے ہیں، ضروری نہیں کہ اس
کے ہر ملازم اور ملازمہ کی جرح کا جواب دیا جائے۔ کم از کم شرفاء کے
یہاں مہمانوں سے ایسا سلوک نہیں کیا جاتا۔"

"پہلے تو اپنی یہ غلط فہمی دور کر لو کہ میں میراندے کی ملازمہ
ہوں۔" ویرا کی تلخ آواز سُنائی دی۔ "اور دوسری بات یہ کہ شرفاء کے
یہاں آنے والے ان ہی لوگوں کو عزت دی جاتی ہے جو لڑکیوں
کو دیکھ کر بازاری انداز میں سیٹیاں نہیں بجاتے۔ میں چاہوں تو ابھی
مسلح چوکیدار کو بلا کر تم دونوں کو باہر نکلوا سکتی ہوں، میراندے تمھاری
کوئی مدد نہ کر سکے گا۔"

"ہمیں بتایا گیا تھا کہ میراندے ابھی غیر شادی شدہ ہے..."

"میں نے کب کہا کہ میں اس کی بیوی ہوں، ملازمہ نہ ہونے کا
مطلب بیوی ہونا تو نہیں ہوتا اور ہاں، تم تو اس کی دوستی کے دعویدار
بن کر آئے ہو اور اپنے دوست کے بارے میں تمھیں دوسروں
سے ملنے والی معلومات پر انحصار کرنا پڑا ہے۔ کیسے دوست ہو تم
اس کے؟" ویرا بتدریج ان پر حاوی ہوتی جا رہی تھی۔

چند ثانیوں کے توقف کے بعد دوسری مردانہ آواز ابھری
"میں غلط فہمی پر شرمندہ ہوں مادام!" وہ لہجے سے قدرے مہذب
معلوم ہو رہا تھا۔ "تم بیٹھ جاؤ تو ہم سکون سے بات کر سکیں گے۔
ہم دونوں واقعی میراندے کے بچپن کے دوست ہیں۔ ہم نے اسکول
میں اکٹھے تعلیم حاصل کی پھر ہم اٹلی جا کر آباد ہو گئے۔ ایسی صورت
میں نہ ہمارا دعویٰ غلط ہے نہ ہم میراندے کے حالات سے بے خبری
پر قصوروار قرار دیے جا سکتے ہیں لیکن تم نے اپنی طرف سے ہمیں
تجسس میں مبتلا کر دیا ہے اپنا تعارف کرا دو تو ہم زیادہ بے تکلفی
سے گفتگو کر سکیں گے۔"

"میں اجنبیوں سے بے تکلفی کی قائل نہیں ہوں۔" ویرا کا لہجہ

بدستور جارحانہ رہا۔" عام طور پر مجھے کیتھورین ٹروڈینی کہا جاتا ہے اب یہ بتاؤ کہ تمھیں میراندے کی تجرد کی زندگی کے بارے میں کس نے بتایا تھا؟"

"وہ بہت شریف اور بے ضرر آدمی ہے مس کیتھورین....!"

"نہیں۔" ویرا کی غراہٹ نے اس کی بات کاٹ دی۔" میں کہہ چکی ہوں کہ مجھے بے تکلفی پسند نہیں ہے میں اجنبیوں کی زبان سے اپنا پہلا نام سننا برداشت نہیں کر سکتی۔"

"بہت ہو چکی۔" پہلے شخص کی تلملائی ہوئی آواز سنائی دی۔" تم نہ میراندے کی بیوی ہو نہ ملازمہ۔ اس لیے ہم تمھاری کسی بات کا جواب دینے کے پابند نہیں ہیں۔ جب تک تم اپنی یہاں موجودگی کا کوئی معقول جواز نہیں پیش کرو گی، ہم تمھاری کسی بات پر کان نہیں دھریں گے۔"

"مجھے نظر انداز کر کے تم چند منٹ کے لیے بھی یہاں نہ ٹک سکو گے۔" ویرا محاذ آرائی کو طول دینے پر تل گئی تھی۔" تمھیں یہ گھر بار، سازوسامان، ملازمین اور گاڑیاں جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے، اس پر میراندے کا ہر حق ختم ہو چکا ہے اور ان سب چیزوں پر بلا شرکت غیرے میرا تصرف ہے۔"

"ثبوت کے بغیر تمھارا دعویٰ ہرزہ سرائی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم میراندے کے حوالے سے اس کمرے میں بٹھائے گئے تھے۔"

"اس لیے کہ فی الحال میری ہدایات ایسی ہی تھیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میراندے دیوالیہ ہو چکا ہے اور میں سرکاری طور پر اس کے تمام اثاثوں پر ریسیور مقرر کی گئی ہوں۔" اس نے فی البدیہہ منہ توڑ جواب دیا۔

چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھا گئی پھر نسبتاً مہذب آواز والے نے سوال کیا تھا۔" یہ اندوہناک واقعہ کب رونما ہوا مس ٹروڈینی؟"

"کل.... کل کی بات ہے یہ، معاملہ تو بہت دنوں سے چل رہا تھا۔"

"یعنی تم کل ہی یہاں... اس گھر میں آئی ہو؟" بات پر زور دیتے ہوئے تائید طلب لہجے میں پوچھا گیا۔

"کیا اس سے کوئی فرق پڑ سکتا ہے؟" ویرا کی آواز اب ان کا مضحکہ اڑا رہی تھی۔

"ہاتھ اوپر اٹھالو۔" سرد مردانہ آواز سنتے ہی میرے مساموں میں جھرجھری کی لہر سرایت کر گئی۔" پھر تو تم ہی ہماری مطلوبہ لڑکی ہو۔ تمھاری یہ ڈرامے بازی ہمارے ساتھ نہیں چل سکے گی۔"

شاید ویرا نے بے چون و چرا اس کے حکم پر عمل کیا تھا کیونکہ دوسرے مرد کا قہقہہ سنائی دیا تھا۔" معاوضہ پیشگی مل گیا تھا اب ہم انعام کے حق دار بھی ہو جائیں گے۔ اس نے تمھیں سمجھا بجھا کر واپس لانے کے لیے کہا تھا۔ ہم کہہ دیں گے کہ تم اپنی مرضی سے ہمارے ساتھ آئیں لیکن راستے میں اُلجھ بیٹھیں اس لیے ہمیں زبردستی سے کام لینا پڑا۔"

"کس نے بھیجا ہے تمھیں؟" ویرا کی آواز جذبات سے عاری تھی۔

"بڑا بے نفس آدمی ہے، سارے شہر کے لیے آسائشیں بانٹتا ہے۔ اب ہم سے اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ اس کے لیے کام کرنے والی لڑکیاں دنیا کے کسی کونے میں سکھی نہیں رہ سکتیں۔ مجھے اُمید تو نہیں کہ تمھارے پاس کوئی اسلحہ ہو گا لیکن پھر بھی تمھاری تلاشی لینا ہی پڑے گی۔ اس پستول کے بل پر ہم تم سے ہر قسم کی بے تکلفی کر سکیں گے۔"

میری دانست میں وہ کھیل خطرناک مرحلے میں داخل ہو چکا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ دونوں میراندے کے بچپن کے بچھڑے ہوئے دوست رہے ہوں لیکن اس وقت وہ محض میراندے سے ملنے نہیں آئے تھے بلکہ کسی نے اُنھیں کسی لڑکی کی تلاش میں معاوضہ دے کر روانہ کیا تھا اور وہ ویرا کے گلے پڑتے نظر آ رہے تھے۔

وہ سب اس طرح غیر متوقع طور پر ہوا تھا کہ ویرا کو شاید مدافعت کے بارے میں سوچنے کا موقع بھی نہ مل سکا تھا۔ اس سے پیشتر کہ وہ دونوں ویرا کو بے دست و پا کر کے اپنی پوزیشن مستحکم کرتے، میرا دخل انداز ہونا ضروری ہو گیا تھا۔ میں بیم گن جیب سے نکال کر دبے پاؤں میں دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھا۔ میں نے سلطان شاہ کو اپنے پیچھے رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ میری پوری کوشش تھی کہ دخل اندازی سے پہلے کسی طرح اندر کی پوزیشن کا جائزہ لے سکوں۔

میں نے دیوار سے چپک کر جوں ہی سر آگے بڑھایا، ان میں سے ایک کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی۔" کون ہے باہر راہداری میں؟" اس کی تیز اور اضطراری آواز گونجی تھی۔

"میں یہاں اتنی بے سروسامان نہیں ہوں کہ تم اپنی من مانی کر سکو۔" ویرا کی پُراعتماد آواز سنائی دی۔" میرے آدمی میرے ایک اشارے پر اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے، بہتر ہو گا کہ اس ننھے سے آتشیں کھلونے کو جیب میں ڈال لو۔"

ویرا پُرسکون تھی لیکن ان دونوں پر ہیجان طاری ہونا قطعی امر تھا لہٰذا ان میں سے کوئی خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ شاید اس نے ویرا پر حملہ کیا تھا کیونکہ اندر سے ہڑبونگ اور دھینگا مشتی کی آوازیں سنائی دی تھیں۔

میں خطرے کی پروا کیے بغیر بیم گن تان کر کھلے ہوئے دروازے کے سامنے آ گیا۔" جو جہاں ہے وہیں رُک کر اپنے ہاتھ اوپر اٹھالے ورنہ میں بے دریغ فائر کر دوں گا۔"

اس وقت ان میں سے ایک ویرا کے ساتھ لڑ رہا تھا اور دوسرا ہماری طرف پشت کیے کھڑا تھا۔ میری آواز سنتے ہی وہ پستول سمیت پھرتی کے ساتھ گھوما تھا لیکن سلطان شاہ اس سے زیادہ پھرتیلا ہوا۔ وہ جھکا کر کسی سانڈ کی سی تیزی سے مسلح شخص پر حملہ آور ہوا تھا اور اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس کے سینے پر زبردست ٹکر مار کر کے اسے پیچھے اچھال دیا۔

فضا میں اڑتے ہوئے اس کے حلق سے دبی دبی سی چیخ آزاد ہوئی تھی اور اسی لمحے ویرا نے اپنا خنجر نکال کر اپنے مدِمقابل کا دائیاں بازو

کی نوک سے لہولہان کر دیا تھا۔ سلطان شاہ کی کھوپڑی بھی اس
ت پوری طرح فعال تھی اس نے دیکھ لیا تھا کہ ٹکر کھانے کے باوجود
رے نے اپنے پستول پر اپنی گرفت برقرار رکھی تھی لہٰذا وہ اس
قالین پر گرنے سے پہلے ہی جھپٹ کر اس کے سر پر پہنچ گیا اور
کی داہنی کلائی جوتے سے کچل کر ایک ہی جھٹکے میں پستول اس کی گرفت
نکال لیا اور وہیں ایک طرف پوزیشن سنبھال لی۔

وہ دونوں ہی غالباً ویرا کی اصلیت سے بے خبر تھے اور اسے
نرم و نازک سی خوبرو دوشیزہ سمجھ کر اس سے الجھ بیٹھے تھے لیکن
زنی میں اس کے ماہرانہ ہاتھ دیکھ کر ویرا کا حریف واضح طور پر
زدہ نظر آرہا تھا حالانکہ ویرا اس کے چہرے پر ایک چرکا لگانے
بعد محض اسے خوفزدہ کر رہی تھی اور وہ ویرا کے ہر وار کے ساتھ
پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔

"ختم کرو"۔ میں نے بلند آواز میں کہا۔ "اور ان دونوں کی جامہ تلاشی
کر انھیں نہتا کر دو۔"

ان کی تلاشی میں مزید ایک پستول اور ٹرانسمیٹر نما ایک جیبی آلے
کے علاوہ کوئی اور قابلِ ذکر چیز برآمد نہیں ہوئی۔ میں نے اس آلے کو
الٹ پلٹ کر دیکھا لیکن اس میں کہیں کوئی ایسا بٹن یا سوئچ نظر نہیں آیا
جس سے اس کا استعمال واضح ہوتا۔ وہ ہر اعتبار سے ایک ایسا آلہ
تھا جسے غالباً جوں کا توں ہی استعمال کیا جا سکتا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے وہ سیاہ آلہ فضا میں لہراتے ہوئے ان سے
سوال کیا۔

"ہمیں نہیں معلوم"۔ زخمی چہرے والے نے بھاری آواز میں
"ہمیں یہ ایک شناخت کے طور پر دیا گیا تھا۔"

"وضاحت سے بتاؤ"۔ میں نے غرا کر کہا۔ "یہ نہ سمجھنا کہ اب تمھاری
آسانی کے ساتھ گلو خلاصی ہو سکے گی۔ تم لوگوں کو بڑی چالاکی کے ساتھ
جو ہے دان میں ہانکا گیا ہے۔"

"غیر ملکیوں کے ساتھ تم من مانا سلوک نہیں کر سکتے، ہم اطالوی شہری
ہیں اور باقاعدہ پاسپورٹ پر فرانس میں داخل ہوئے ہیں۔ تمھاری ان
حرکتوں پر میراندے کو جوابدہ ہونا پڑے گا۔"

"جہنم کا داروغہ پاسپورٹ نہیں، اعمال نامے کی سیاہی دیکھتا ہے
اور تم ابھی ابھی مس تردینی کو طاقت کے بل پر اغوا کرنے کی ناکام کوشش
کر چکے ہو۔ اس لیے جو کچھ پوچھا جا رہا ہے اس کا مختصر اور سیدھا جواب
دو ورنہ ہم میں سے کسی کے بھی صبر کا پیمانہ لبریز ہو سکتا ہے۔ تمھاری
لاشوں کے ساتھ بھاری پتھر باندھ کر تمھیں اس طرح سمندر میں غرق کیا
جائے گا کہ کسی کو تمھاری باقیات کا سراغ تک نہ مل سکے گا۔"

"یہ جوتے کھائے بغیر سیدھے نہیں ہوں گے"۔ ویرا نے غصیلے
لہجے میں مجھ سے کہا۔ "انھیں تہ خانے میں لے چلو وہاں ان کے سارے
کس بل نکال دیے جائیں گے۔"

ویرا کا مشورہ بہت معقول تھا۔ ان لوگوں کی بے ربط گفتگو سے
میرے ذہن میں جو خاکہ بنا تھا وہ بہت تشویش انگیز تھا۔ ہمیں لیون
سے فرار ہوئے اڑتالیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے لیکن اٹلی سے کسی
نے ان دونوں کو میراندے کے پاس بھیج دیا تھا تاکہ وہ دونوں میراندے
کے پاس موجود لڑکی کو سمجھا بجھا کر واپس لے آئیں۔

انھیں بھیجنے والا کون تھا؟ اور لڑکی کے بارے میں انھیں کیا
شناخت بتائی گئی تھی؟ یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا لیکن پچھلے چند منٹ میں
کم از کم یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ وہ ویرا یا اپنی مطلوبہ لڑکی
کو صورت سے شناخت نہیں کر سکتے تھے۔ ان دونوں نے اپنے بھیجنے
والے کے بارے میں اشاروں کنایوں میں جو کچھ کہا تھا اس سے میرا
ذہن لامحالہ ڈان مرسیانو کی طرف گیا تھا جس کی کہانیاں میں ویرا سے
سن چکا تھا۔

ڈان مرسیانو درحقیقت جمی لائیڈ کا ہی ایک گھناؤنا روپ تھا
جس میں وہ روم کے اوباشوں کے لیے خلوتیں آراستہ کرنے کا دھندا
چلاتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ ایک طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی
اس نے وہ گندا کام نہیں چھوڑا تھا۔ دوسری حیران کن بات یہ تھی کہ ہماری
تمام تر تخریبی کارروائیوں کے باوجود جمی لائیڈ روم میں بیٹھا چین کی بانسری
بجا رہا تھا جیسے اسے قسمت پر نازل ہونے والی جانی اور مالی تباہیوں کی
ذرا بھی پروا نہ ہو۔

ان عقدوں کو بڑی حد تک وہی دونوں حل کر سکتے تھے لیکن
دونوں ہی ضدی طبیعت اور مضبوط قوتِ برداشت کے مالک معلوم
ہوتے تھے اس لیے میں نے فوری طور پر ویرا کے مشورے کو عملی جامہ
پہنانے کا فیصلہ کر لیا۔

انھوں نے ڈرائنگ روم میں جمے رہنے کے لیے بہت زور مارا
لیکن بیم گن سے خارج ہونے والی شعاع کی زد میں آنے والے کانسی
کے ایک آرائشی مجسمے کا انجام دیکھ کر انھیں ہتھیار ڈالنا پڑ گئے۔ انھیں
اپنے ساتھ میراندے کی خوابگاہ میں لے جاتے ہوئے ہم تینوں ہی
اپنی اپنی جگہ محتاط تھے کیونکہ ان کی آنکھوں میں مزاحمت کی جھلک
برقرار تھی۔

میراندے کی خوابگاہ سے تہ خانے کے راستے میں داخل ہوتے
ہوئے ان میں سے زخم خوردہ شخص اچانک پلٹ پڑا تھا لیکن ویرا نے
اس کی کمر پر بھرپور لات رسید کر کے اسے یوں واپس کیا کہ وہ اگلی
لینڈنگ تک سیڑھیوں پر لڑھکتا چلا گیا دوسرے کو سلطان شاہ نے
بے رحمی سے ٹھوکروں پر رکھ لیا اس طرح وہ دونوں اپنے پیروں پر
زور ڈالے بغیر ذرا سی دیر میں تہ خانے میں پہنچ گئے جہاں پہلے سے
دو لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔

"میراندے کو بھی مار ڈالا تم لوگوں نے؟" ان میں سے ایک اس
کی لاش دیکھتے ہی چیخ پڑا۔ دوسرے قیدی کی لاش تہ خانے کے ایک

دورافتادہ گوشے میں پڑی ہوئی تھی۔

"دیوالیہ قرار دیے جانے پر اس نے خودکشی کرلی۔" ویرا نے زہریلے اور بے رحمانہ لہجے میں کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ کچھ دیر بعد تم دونوں بھی برانڈ سے ملاقات کے لیے روانہ ہوجاؤ۔"

"تمھیں اٹلی سے کس نے یہاں بھیجا ہے؟" میں نے ان دونوں کو گھورتے ہوئے سخت لہجے میں سوال کیا۔ بیم گن بدستور میرے ہاتھ میں تھی۔

"وہ بہت بے ضرر اور مخلص انسان ہے۔ یقین کرو کہ اس کے بارے میں تمھیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

وہ مسلسل مزاحمت پر مصر تھے اس لیے میں نے سلطان شاہ کو ان پر نظر رکھنے کی ہدایت کی اور خود تہ خانے کے اس گوشے کی طرف بڑھ گیا جہاں عقوبت کے بہت سے لوازمات جمع تھے لیکن مجھے اس وقت صرف ایک مضبوط اور لمبی رسّی درکار تھی۔

میں نائیلون کی مضبوط رسّی کا لچھا لے کر واپس ہوا تو ویرا اپنے خنجر کی دھار پر ماہرانہ انداز میں انگلی پھیر رہی تھی۔ "پہلے کسے ذبح کرنا ہے؟" میرے قریب پہنچتے ہی اس نے روا داری میں سوال کیا اور ویرا کے ہاتھوں زخمی ہونے والا خوف کے باعث اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"ذبح نہیں کرنا۔" میں نے رسّی کا سرا نکالتے ہوئے کہا۔ "میں ان کی کھوپڑیاں توڑ کر بھیجا باہر نکالوں گا۔ آسان موت کو تو یہ اپنی خوش نصیبی تصور کریں گے۔"

"ڈنڈا بیڑی۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے سلطان شاہ سے اردو میں کہا۔ "کسی بھی ایک کو لگادو تاکہ دوسرے کے ساتھ بے فکری کے ساتھ محفل ہوسکے۔"

سلطان شاہ اس وقت کافی بپھرا ہوا نظر آرہا تھا کیونکہ فائر کیمپ کی تباہی میں اسے حسب منشا کام دکھانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اس نے وحشیانہ انداز میں زخمی رخسار والے کو زمین پر گرا کر اس کی گردن میں آہنی طوق ڈالا اور پھر آہنی ڈنڈے کے سرے پر لگی ہوئی بیڑی اس کی داہنی پنڈلی پر مقفل کردی۔ سلطان شاہ کے الگ ہوتے ہی وہ بری طرح مچلا تھا لیکن اپنے آہنی زیوروں کی جھنکار میں فرش پر پشت کے بل گھوم کر رہ گیا۔ ان دونوں میں وہی زیادہ توانا اور سرکش نظر آرہا تھا ورنہ اس کے ساتھی کی آنکھوں میں اس وقت تک تشویش کے سائے لرزنے لگے تھے۔

"تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" اسی نے گمبھیر لہجے میں سوال کیا تھا۔

"تمھارے ساتھ آنکھ مچولی کھیلیں گے۔" میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "چپ چاپ فرش پر دراز ہوکر اپنے پیر بندھوا لو ورنہ تمھارے ادھڑے ہوئے جسم پر ٹھوکروں کے مزید نشان بن جائیں گے۔"

وہ تذبذب میں تھا کہ سلطان شاہ کی لات پوری قوت سے اس کی پنڈلی پر پڑی اور اس کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ ... طرح بجستہ فرش پر گرا تھا سلطان شاہ اس پر چڑھ بیٹھا اور ... رسّی سے اس کے دونوں پیر مضبوطی سے باندھ دیے۔ سلطان ... نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے ... ہٹنے کا اشارہ کردیا۔

"ادھر سے المونیم کی گھوڑی اٹھا کر رسّی کا دوسرا سرا چھت ... ہوئے آہنی ہک میں سے گزار دو۔" میری اس ہدایت پر سلطان ... فوری عمل کیا۔

"یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" ڈنڈا بیڑی والے قیدی نے اپنے ساتھی کو حوصلہ دلاتے ہوئے کہا۔ "شرط یہی تھی کہ ہم اس کا نام ... کیے بغیر لڑکی کو لائیں گے ورنہ وہ ایک پیسہ بھی نہیں دے گا۔"

"جو کچھ بگڑے گا وہ تمھارے سامنے آجائے گا۔" میں نے ... گزری ہوئی رسّی کو ایک تیز جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ "فکر نہ کرو ... تمھاری بھی باری آئے گی پھر دیکھ لیں گے کہ تم میں کتنی قوت برداشت ..."

میرا منصوبہ واضح ہوچکا تھا لہٰذا ویرا اور سلطان شاہ نے ... کو زور لگا کر کھینچنا شروع کیا اور بندھے ہوئے قیدی کا بدن فرش ... دور گھسٹنے کے بعد سر کے بل فضا میں معلق ہوتا چلا گیا اور پھر اس کے ... پیر چھت سے جا لگے۔ وہ اس مضحکہ خیز صورت حال میں اپنے منہ ... کوئی آواز نکالے بغیر فضا میں ہاتھ چلائے جارہا تھا۔

"تمھیں یوں ہی لٹکاؤں گا نہیں۔ چند منٹ بعد رسّی ایک ... چھوڑ دی جائے گی اور تم کھوپڑی کے بل فرش پر آؤ گے۔ یہ ... کا ایک ادنا سا استعمال ہے۔" میں نے چند ثانیوں تک اس کی ... سے محظوظ ہونے کے بعد کہا۔

"نن... نہیں۔" میری بات سنتے ہی وہ بری طرح بوکھلا گیا۔ "... ایسا نہیں کرسکو گے۔"

"دیکھتا ہوں کہ کون روک سکتا ہے۔" میرا اشارہ پاتے ہی ... نے رسّی کو اچانک ایک ڈیڑھ فٹ ڈھیلا کیا۔ اس کا بدن تیزی سے نیچے آیا اور پھر ایک جھٹکے سے رک گیا۔ اس کے حلق سے نکلنے والی ... بہت بھیانک تھی۔

"مجھے اتار دو... مجھے اتار دو، تم جو پوچھو گے وہ بتا دوں گا۔" ... ہذیانی انداز میں بولا تھا۔ سخت سردی کے باوجود اس وقت اس کا ... پسینے میں ڈوب گیا تھا۔

"لعنت ہو سرجی تیری ماں پر جس نے تجھ جیسے بزدل کو جنم دیا۔" ڈنڈا بیڑی والے نے نفرت آمیز لہجے میں اپنے ساتھی سے کہا۔ "... جگہ میں ہوتا تو پھر دیکھتا کہ کیا ہوتا ہے۔ تو موت سے بچنا چاہ ... مگر میں بتلائے دے رہا ہوں کہ یہ سب خونی درندے معلوم ہوتے ... زبان بند رکھ کر تو شاید زندہ بچا رہے لیکن سب کچھ معلوم کرنے کے ...

یہ تجھے مار دیں گے۔"

وہ اوّل درجے کا ہٹ دھرم تھا اور اس کی سوچ خطرناک حد تک صحیح تھی۔ اگر اسے ڈھیل دی جاتی تو وہ مردود سرجی کو بھی بہکانے میں کامیاب ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے سلطان شاہ کو اس پر پلتے دیکھ کر زبان تک نہ ہلائی۔ سلطان شاہ بڑی بے دردی کے ساتھ اسے اپنی ٹھوکروں سے اڑاتا رہا۔ وہ اذیت سے بلبلا رہا تھا لیکن مزاحمت پر تلا ہوا تھا۔ بے دست و پا ہونے کے باوجود اس نے کئی بار اتنی پھرتی کے ساتھ اپنے جسم کو حرکت دی کہ آہنی بیڑی سے سلطان شاہ کی پنڈلی زخمی ہو گئی۔

ویرا نے رسی کے سہارے تنہا سرجی کو معلق کیا ہوا تھا۔ نہ جانے کس لمحے اس نے آہستگی کے ساتھ سرجی کو فرش پر ڈالا اور عقب سے قیدی کے پیچھے پہنچ گئی۔ میں یک بیک اسے وہاں موجود پا کر حیران ہو گیا۔ ویرا نے پلک جھپکتے میں انگلیاں ملا کر اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے پھر اس کے حلق سے ایک عجیب وحشیانہ آواز کے ساتھ اس کی دونوں ترچھی ہتھیلیاں قیدی کی کنپٹیوں پر پڑیں اور اسی لمحے قیدی کی آنکھوں، کانوں، نتھنوں اور دہانے سے گاڑھے گاڑھے خون کی دھاریں بہہ نکلیں۔ ضرب لگنے کے بعد اس کے جسم میں ذرا سی جنبش ہوئی تھی اور پھر وہ ساکت ہو گیا۔ اس کا خون سب راستوں سے بہہ بہہ کر فرش پر پھیلنے لگا۔

معاً فضا ایک اور شدید دھماکے سے لرز اٹھی۔ یوں محسوس ہوا جیسے اس عمارت کا پورا ڈھانچا نیچے آ رہے گا لیکن غنیمت ہوا کہ دھماکے کی لہر عمارت کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر گزر گئی۔ فائر کیمپ کے ذخائر واقعی کسی بھی اندازے سے کہیں زیادہ اور خطرناک تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی زخمی دیو پیکر عفریت وقفے وقفے سے جھنجلا کر چنگھاڑ رہا ہو۔

سرجی فرش پر رسی سے بندھا ہوا پڑا تھا۔ اپنے ساتھی کا انجام دیکھ کر اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا اور آنکھوں سے دہشت جھانکنے لگی تھی۔

"ہم اپنی مرضی کے مالک ہیں سرجی!" ویرا اس کے قریب پہنچ کر سرد لہجے میں بولی۔ "ہمارا کوئی ارادہ یا فیصلہ تمہارے عزائم سے مشروط نہیں ہو سکتا۔ ابھی وہ گیا ہے اور اب تمہاری باری آ سکتی ہے۔ تیار ہو جاؤ، تم ایک بار پھر معلق کیے جانے والے ہو۔"

"اس کی ضرورت نہیں رہی۔" وہ نحیف اور شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "میں تمہاری ہر بات کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"اب ہم کچھ نہیں پوچھیں گے، خود ہی اپنی کہانی سنا ڈالو۔" ویرا بولی۔

"ہم دونوں کو ڈان مریانو نے یہاں بھیجا تھا۔" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا۔

"وہ نالی کا حقیر کیڑا!" ویرا تنفر آمیز لہجے میں بولی۔ "وہ زندہ ہے ابھی تک؟"

"ہاں کل وہ اچانک خود ہی ہمارے پاس آیا تھا۔ پھر باتوں ہی باتوں میں نہ جانے کیسے میرانڈے کا ذکر نکل آیا۔ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ ہم میرانڈے کے بچپن کے ساتھی ہیں۔ ڈان مریانو نے ہمیں بتایا کہ اس کی ایک بہت عزیز اور چہیتی لڑکی اس سے لڑ کر مارسیلز میں میرانڈے کے پاس چلی گئی ہے، اگر ہم مارسیلز جا کر اسے واپس لوٹنے پر آمادہ کر سکے تو وہ ہمیں پانچ ہزار ڈالر معاوضہ دے گا اور اگر لڑکی نہ آئی تو آمد و رفت کے اخراجات کے علاوہ دو ہزار ڈالر دے گا۔ ہم کئی دن کے لیے فارغ تھے، اس لیے اس کے معقول مشورے کو قبول کر لیا۔" سرجی اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"لڑکی کا نام اور حلیہ وغیرہ کیا بتایا تھا؟" ویرا ڈان مریانو کا نام سن کر اندر ہی اندر پھنک رہی تھی۔

"کچھ بھی نہیں بتایا۔ ہم جانتے ہیں کہ روم میں ڈان مریانو کے قائم کیے ہوئے پُرتعیش ہوسٹلوں میں سیکڑوں لڑکیاں بلا معاوضہ اور تنخواہ پر رہتی ہیں۔ اگر وہ کسی لڑکی کی واپسی کے لیے اتنا ہی بے چین تھا تو وہ یقیناً ہر لحاظ سے بے مثال رہی ہوگی، وہ بھی یہی کہہ رہا تھا۔ لڑکی نے نام بدل لیا ہوگا، وضع قطع بھی بدل سکتی ہے لیکن اس کی انفرادیت ہی اس کی شناخت ہوگی۔ دوسری پہچان یہ تھی کہ وہ میرانڈے کی چھت کے نیچے ہوگی۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ لڑکی کب سے گئی ہوئی ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"اس کی باتوں سے ایک آدھ روز کا تازہ واقعہ معلوم ہو رہا تھا پھر مغربی یورپ کے ملکوں میں سفر بہت آسان ہو گیا ہے، صرف پاسپورٹ دکھا کر کوئی بھی کسی ملک میں آ جا سکتا ہے۔"

"ڈان مریانو سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بس وہی جو مستقل گاہک کا اچھے دکاندار سے ہوتا ہے۔ ہمارے ویک اینڈ ڈان مریانو ہی کے کسی نہ کسی ہاسٹل میں گزرتے ہیں اور اس نے کبھی ہمیں مایوس نہیں کیا۔"

"اور محض اسی بنا پر وہ تمہارے پاس دوڑا چلا آیا؟" میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"بہ ظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، اگر اتفاقاً میرانڈے کا ذکر نہ آ جاتا تو شاید ہم یہاں نظر نہ آتے۔"

"تمہارا پیشہ کیا ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا اور اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار دیکھتے ہی برس پڑا۔ "تم نے ذرا بھی حیل و حجت کی تو میں تم پر اپنا زیادہ وقت برباد نہیں کروں گا اور یہ بھی سن لو کہ میں تمہارے بشرے سے سچ اور جھوٹ کا اندازہ بہ آسانی لگا سکتا ہوں۔"

"ہمارا روم کی زیرِ زمین زندگی سے گہرا تعلق ہے۔" وہ پھیکے لہجے میں بولا۔

"قتل کرتے ہو؟ ڈاکے مارتے ہو؟ آخر کرتے کیا ہو؟" میں برہمی کے عالم میں غرایا۔

"ہم ہیروئن فروخت کرتے ہیں۔" وہ سرسراتی ہوئی خوفزدہ آواز میں بڑبڑایا۔

"کس سنڈیکیٹ کے لیے کام کرتے ہو؟"

اس کی نگاہوں میں دہشت اتر آئی اور وہ اپنے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بدقت تمام کہہ سکا "شی کے لیے۔"

سرجی کے اس اعتراف کے ساتھ ہی ایک بات صاف ہوگئی کہ ڈان مرسیانو نے محض اتفاقاً ان دونوں کو میراندے کے پاس نہیں بھیجا تھا۔ ان دونوں کی نگاہوں میں ڈان مرسیانو روم کی آوارہ منش لڑکیوں کا ایک پیشہ ور دلال تھا۔ وہ اس کی ذات کے دوسرے رُخ سے لاعلم تھے۔ یہ ہم ہی کو معلوم تھا کہ ڈان مرسیانو بذاتِ خود شی کا سربراہ جمی لائیڈ تھا اور اس حیثیت میں وہ اپنے لیے کام کرنے والوں کے بارے میں مکمل ترین معلومات رکھنے کا عادی تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ دونوں میراندے کے کلاس فیلو، رنگین مزاج اور پیسے کے طلبگار تھے لہٰذا ایک طرف اس نے شی کے مقامی سربراہ کو ہدایت دے کر ان دونوں کو چند روز کے لیے شی سے چھٹی دلوائی اور پھر خود ان سے ملنے جا پہنچا اور باتوں ہی باتوں میں میراندے کا ذکر نکال کر انھیں مارسیلز کے سفر پر آمادہ کر لیا۔ اس حد تک بات سمجھ میں آگئی لیکن ڈان مرسیانو نے ان دونوں سے جس انداز میں اپنی ایک چہیتی کال گرل کا تذکرہ کیا اس سے صاف ظاہر تھا کہ اس وقت ہم تینوں کے خواب و خیال میں بھی میراندے کا نام نہیں تھا اور نہ ہمیں یہ اندازہ تھا کہ ہمیں لیون سے اچانک مارسیلز کی طرف کوچ کرنا ہوگا بلکہ اس وقت تک تو دیرا ابھی ہم سے نہیں ملی تھی پھر ڈان مرسیانو نے کس بنیاد پر ایسے صحیح اندازے قائم کر لیے؟

ہمارے بارے میں ڈان مرسیانو کے وہ قیاسات ناقابلِ فہم تھے اور ان کی کوئی عقلی توجیہہ پیش نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس بارے میں صرف یہی کہا جاسکتا تھا کہ دیرا نے مارسیلز آنے اور پھر میراندے کے ساتھ ٹھہرنے کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر اور تاخیر سے ضرور کیا تھا لیکن وہ اس کا فطری فیصلہ تھا اور ڈان مرسیانو یا جمی لائیڈ جو اس کا حقیقی باپ تھا، اس کی فطرت سے خوب اچھی طرح واقف تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کی بیٹی نئے حالات میں کیا فیصلہ کرے گی لہٰذا اس نے اپنی اسی پیش بینی کی بنیاد پر دو قاصد مارسیلز کی طرف روانہ کر دیے۔

لیکن پھر سوال پیدا ہوتا تھا کہ اسے اتنا لمبا چکر چلانے کی کیا ضرورت تھی کہ ایک طرف سرجی اور اس کے ساتھی کو شی سے چھٹی دلائے اور پھر انھیں معاوضے کا لالچ دے کر مارسیلز روانہ کرے۔ اگر اس نے اندازہ لگا ہی لیا تھا کہ دیرا مارسیلز میں میراندے تک ضرور پہنچے گی تو وہ شی کے مطلق العنان حکمراں کی حیثیت میں کسی بھی ذریعے سے مارسیلز کے مقامی چیف کو ہدایت دے سکتا تھا۔ میراندے کے مکان کی نگرانی شروع ہو جاتی اور پھر جوں ہی ہم میں سے کوئی یا دیرا خود وہاں قدم رکھتی جمی کو اطلاع مل جاتی اور وہ اپنا آخری فیصلہ صادر کرسکتا تھا۔

اس نے سامنے کا راستہ چھوڑ کر جس طرح پیچیدہ طریقہ کار اختیار کیا تھا اس سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ اس مرحلے پر جمی لائیڈ دیرا کے معاملے میں ذہنی کشمکش کا شکار ہوچکا تھا۔ اسے دیرا سے نفرت ہی نہیں پیار بھی ہوچلا تھا۔ وہ اس کی سرکشی پر اس کی سرزنش بھی کرنا چاہتا تھا مگر اسے کوئی نقصان پہنچانے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس پر اپنی بالادستی قائم رکھنے کا خواہاں تھا مگر اس کے سامنے آنے پر آمادہ نہیں تھا اور یہ سب اسی وقت ممکن تھا جب وہ تنظیم کو درمیان میں لائے بغیر ذاتی سطح پر دیرا کو اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہتا۔

سرجی کو مارسیلز تک دوڑا کر اس نے دیرا کو یہ جتا دیا تھا کہ وہ دیرا کے امکانی ٹھکانوں سے اتنا لاعلم نہیں تھا جتنا وہ سمجھ رہی تھی اور ان ٹھکانوں کے ذریعے وہ صرف اور صرف ہم دونوں کی مدد کر رہی تھی۔ اس طرح جمی لائیڈ نے اسے پیغام دیا تھا کہ میں یعنی ڈینی کسی بھی وقت اس کی دسترس سے باہر نہیں تھا اس لیے دیرا کو مجھ سے کنارا کشی کر لینا چاہیے۔

مجھے یقین تھا کہ مارسیلز میں فائر کیمپ کی تباہی جمی لائیڈ کے سکون کو تباہ کر دے گی۔ اگرچہ اس نے اپنے پدری وجدان سے دیرا کے بارے میں بہت سے درست اندازے قائم کر لیے تھے لیکن وہ یہ بھی نہ سوچ سکا ہوگا کہ ہم فائر کیمپ جیسے محفوظ و مامون اسلحے کے ذخیرے کا رُخ کرنے کی جرأت کر سکیں گے۔

پھر اسی لمحے مجھے ٹرانسمیٹر نما آلہ یاد آیا جو اس پوری کہانی میں بے جوڑ سا نظر آرہا تھا۔ شناخت ہی مقصود تھی تو ان دونوں کو کوئی بھی علامت دی جاسکتی تھی۔ مجھے لمحہ بھر کے لیے گمان ہوا کہ شاید وہی آلہ اس تمام بھاگ دوڑ کا محور رہا ہو۔ اگر ڈان مرسیانو مارسیلز کے چیف کو درمیان میں لاتا تو وہ آلہ روم میں ہی پڑا رہ جاتا۔ مجھے شبہ ہونے لگا کہ شاید ڈان مرسیانو نے وہی آلہ کسی خاص شخصیت تک پہنچوانے کے لیے ڈراما رچایا ہو جس میں ہم محض اتفاقاً ملوث ہوگئے۔ عین ممکن تھا کہ کسی چہیتی لڑکی کا ذکر کرتے ہوئے اس کے ذہن میں دور دور تک کوئی تصور نہ ہو بلکہ وہ سرجی اور اس کے دوست کو کسی فرضی لڑکی کی کہانی سنا رہا ہوتا کہ وہ اوباش طبیعت لوگ عورت اور پیسے کے لالچ میں اس کی طرف دوڑ لگا دیں اور پھر وہ آلہ مطلوبہ شخص کو پہنچا کر ٹھنڈے ٹھنڈے روم لوٹ جائیں۔

لیکن اس نظریے میں بھی کلیدی بات یہی تھی کہ وہ ڈان مرسیانو کا کوئی ذاتی یا انتہائی خفیہ کام تھا۔ ورنہ وہ جمی لائیڈ کی حیثیت سے کسی کو مارسیلز تو کیا قطب شمالی تک دوڑانے کی طاقت اور صلاحیت رکھتا تھا۔

"وہ ٹرانسمیٹر نما آلہ تمھیں کس لیے دیا گیا تھا؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد آخر کار میں نے سرجی سے وہ سوال کر ہی ڈالا جو میرے ذہن پر بوجھ بننے لگا تھا۔

"اگر میراندے ہمیں پہچاننے سے انکار کر دیتا یا ہمارے عزائم میں حائل ہوتا تو وہ سیاہ ڈبا اسے دے دیتا تھا۔ ڈان مرسیانو کا کہنا تھا کہ وہ ڈبا میراندے کی کایا پلٹ کر رکھ دیتا۔" سرجی نے جواب دیا۔

"اور اگر اس کی ضرورت پیش نہ آتی؟"

"وہ ڈبا ہمارے پاس امانت رہتا اور ہم واپسی پر اسے ڈان مرسیانو کو لوٹا دیتے۔" میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ہر بات سچ بتا رہا تھا۔

"روم میں ڈان مرسیانو کا پتا کیا ہے؟"

"ویسے تو وہ ہوٹل ڈونا کے ایک سوئیٹ میں رہتا ہے لیکن اس کے مختلف اڈوں اور ٹھکانوں پر ملنے کے اوقات مقرر ہیں جو تمہیں روم کے کسی بھی نائٹ کلب کی رقاصاؤں یا عملے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔"

"کیا وہ روم میں واقعی اتنا مشہور ہے؟"

"شاید اس سے بھی کہیں زیادہ۔" سرجی نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "جو لوگ اس کو معاوضہ دے کر نشاط کی گھڑیاں خریدتے ہیں، ان سے کہیں زیادہ سرکاری اہل کار اس کے مداح ہیں۔ مشہور ہے کہ اٹلی میں ڈان مرسیانو جو چاہے فیصلے کرا سکتا ہے۔ اس کا اثر و رسوخ ناقابلِ تصور ہے۔"

"اب اگر تم مس ڑولینی کو ڈان مرسیانو کے پاس لے جاؤ تو کیسی رہے گی؟" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "تمہیں انعام بھی مل جائے گا اور یہ اس کی مزاج پُرسی بھی کر لے گی۔"

"نہیں، اب ڈان مرسیانو تو دور کی بات ہے، میں شاید روم کا رُخ بھی نہ کر سکوں۔" اس نے کمزور اور شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "شی کے بارے میں زبان کھول کر میں نے بڑا سنگین جرم کیا ہے۔ پھر میں اپنے ساتھی کی موت کا بھی کوئی جواز پیش نہیں کر سکوں گا۔ شی والے یہ پسند نہیں کریں گے کہ میں نے چھٹیوں میں ڈان مرسیانو کا کام کیا تھا۔"

میں دل ہی دل میں اس کی خوش فہمی پر ہنس کر رہ گیا۔ وہ واقعی ڈان مرسیانو کو شی سے الگ سمجھ رہا تھا جب کہ وہی بدذات اس عالمی فتنے کا بانی تھا جس نے انفرادی سطح پر کیے جانے والے جرائم اور منشیات فروشی کو کاروباری انداز میں اس طرح منظم کیا تھا کہ دور دور تک اس کا کوئی حریف نہیں تھا۔

میں نے سوچا کہ اپنی آئی مین کی حیثیت کا اظہار کر کے اسے سہارا دوں لیکن وہ اندر سے بالکل ٹوٹ چکا تھا اور ہمارے کسی کام نہیں آ سکتا تھا اس لیے اسے پرورش کرنا بے سود ہوتا۔ وہ شی کے لیے کام کرتا تھا۔ اس کے چہرے مہرے سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وقت آ جانے پر وہ اپنے حریفوں کو خاک و خون میں سلاتا رہا ہو گا۔ وہ یقینی طور پر قاتل تھا۔ اس لیے میں اسے موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا لیکن مختصر سی مدت میں ہونے والی خون ریزی اور پھر فائر کیمپ کی تباہی کے اثرات نے اس وقت میرے وجود میں ہلچل مچائی ہوئی تھی۔

"اپنے مردہ ساتھی کی جیبوں سے کچھ لینا ہے تو لے لو اور روانگی کے لیے تیار ہو جاؤ۔" میری زبان سے وہ الفاظ سُن کر سرجی کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا اور ویرا بھونچکا رہ گئی۔

"یہ شی کا آدمی ہے۔" سلطان شاہ نے اُردو میں مجھے یاد دلایا۔

"میرا حافظہ کمزور نہیں ہے اس کے پیر کھول دو۔" سلطان شاہ کو ہدایت دے کر میں ایک مرتبہ پھر سرجی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم نے دیکھ لیا ہے کہ ہم بھی کچھ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ افسروں کو بازاری کا اسیر نہیں بناتے لیکن پھر بھی جو جاتے ہیں، گزر کرتے ہیں۔ تم نے جو یہاں دیکھا ہے اسے ذہن سے محو نہ کر سکے تو کہیں نہ کہیں پھر ہماری گرفت میں آ جاؤ گے اور زندہ نہ رہ سکو گے اس لیے یہ بھول جانا کہ تم یہاں آئے تھے۔"

"میں جان بخشی پر تمہارا شکر گزار ہوں۔" وہ وفورِ جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "سچ پوچھو تو مجھے زندہ واپسی کی امید نہیں تھی۔ یہاں سے نکل کر میں کہیں نئے سرے سے نئی زندگی کی ابتدا کروں گا۔ مجھے آج پہلی بار احساس ہوا ہے کہ زندگی کا اچانک اختتام کتنا دردناک ہوتا ہے۔ موت فطری انداز میں واقع ہو تو اس میں بھی ایک حسن ہوتا ہے۔ تم بے فکر رہو، میں زندگی بھر کہیں تمہارا راستہ کاٹنے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

"ملازمین کو ہٹا دو۔" میں نے ویرا سے کہا۔ "دو کی جگہ یہ اکیلا جائے گا تو دربان شبہے میں پڑ جائے گا۔" بات اُردو میں ہوئی تھی اس لیے سرجی کے کچھ پلے نہ پڑ سکا۔

"میں پھر کہہ رہی ہوں کہ اسے زندہ نہ جانے دو...." وہ اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

"میں نے جو فیصلہ کر لیا ہے اس پر عمل ہو جانے دو۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر اس کی موت آ ہی گئی ہے تو پورا جل رہا ہے اس کی کار پر بھی کوئی راکٹ یا بم گر جائے گا۔"

ویرا تنک کر وہاں سے چلی گئی۔

"کاش اس نے اپنی بدزبانی پر قابو پایا ہوتا۔" سرجی اپنے مردہ ساتھی کی جیبوں سے کرنسی نکالتے ہوئے انگریزی میں بڑبڑایا۔ "دالبا ڈان مرسیانو کی کسی تفریح گاہ پر ایک دو دن گزارنے کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ پتا نہیں ہم منصوبے بناتے ہوئے موت کو کیوں بھول جاتے ہیں؟"

وہ الفاظ نئے نہیں تھے لیکن ایک پیشہ ور مجرم، قاتل اور منشیات فروش کی زبان سے بہت عجیب محسوس ہوئے اور میں اس سے مخاطب ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ "تم نے اب تک کتنے قتل کیے ہیں؟"

"سات۔" وہ نظریں جھکا کر پشیمان لہجے میں بولا۔ "کوئی زخمی ہو والا بعد میں مر گیا ہو تو وہ اس کے علاوہ ہو گا۔"

"دوسروں کی زندگی کا چراغ گل کرتے ہوئے تمہیں کبھی اپنی زندگی کی بے ثباتی کا خیال نہیں آیا؟"

"کبھی نہیں۔" اس نے اعتراف کیا۔ "آج پہلی بار احساس ہوا ہے

ہر سانس بے یقینی کے عالم میں گزرتا ہے۔"

اس کے ساتھ اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے میں اور میراندے کی خواب گاہ سے ہوتا ہوا راہداری میں پہنچ گیا۔ سلطان شاہ چوکنے انداز میں ہمارے پیچھے چلتا رہا۔ اسے اس وقت بھی سرجی پر پورا یقین نہیں تھا۔

برآمدے میں ویرا کسی سخت گیر منتظمہ کی طرح ہماری منتظر تھی۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا اور دربان سمیت احاطے میں کوئی بھی متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔

سرجی نے کار میں سوار ہونے سے پہلے سراپا انکسار بن کر کئی بار ویرا سے تمیوں پر معذرت چاہی اور پھر کسی شریف انسان کی طرح ہمیں الوداع کہہ کر اپنی کرائے کی کار میں وہاں سے روانہ ہو گیا۔

برآمدے سے واپسی پر ہم تینوں کے درمیان ایک لفظ کا بھی تبادلہ نہیں ہوا۔ وہ دونوں خاموش رہ کر میرے فیصلے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر رہے تھے اور میں خاموشی سے اپنے ذہن کو بلندیوں پر اڑتا محسوس کر رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ سرجی قاتل بن کر میراندے کے گھر آیا تھا لیکن نیک نفس بن کر وہاں سے لوٹا تھا اور اس تبدیلی میں میرا کردار نمایاں تھا۔

صورتِ حال بہت تیزی کے ساتھ تبدیل ہوئی تھی اور اب بھی کسی بھی لمحے کوئی ہنگامی صورتِ حال پیش آسکتی تھی اس لیے کافی نوشی کے آخری دور سے فارغ ہو کر ہم تینوں نے میراندے کی وسیع و عریض خواب گاہ میں اکٹھے سونے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ ضرورت پڑنے پر وقت ضائع کیے بغیر ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔ ہم نے احتیاطاً دوسرے کمروں میں موجود ٹیلیفون لائنیں بے جان کر دی تھیں تاکہ صرف ویرا ہی میراندے کی خواب گاہ میں فون ریسیو کر سکے۔

تھرموسٹیٹک کنٹرول اور انسانی بدن کی نرمی اور لچک سے مزین میراندے کا بستر بہت کشادہ تھا جس پر ہم تینوں آرام کے ساتھ ایک دوسرے سے محفوظ فاصلے پر لیٹ سکتے تھے لیکن سلطان شاہ ویرا سے بہت زیادہ خوفزدہ تھا۔ اس لیے خواب گاہ میں پڑے ہوئے کاؤچ پر دراز ہو گیا اور بستر ہم دونوں کے تصرف میں آگیا۔

خواب گاہ میں موجود ریموٹ کنٹرولڈ ٹیلی وژن آن تھا جس پر چینل نمبر تین سے فائر کیمپ کی تباہی اور اس کے اثرات پر ایک مسلسل پروگرام چل رہا تھا جس میں کبھی اناؤنسر مرد اور عورتیں اسکرین پر نظر آتیں اور کبھی کیمرے شہر کے تباہ حال علاقوں کو اپنی زد میں لے لیتے جہاں سے بے سروسامانی کے عالم میں آبادی کا جبری اور رضاکارانہ انخلا جاری تھا۔ پروگرام فرنچ میں تھا۔ اس لیے ویرا اردو میں ہم دونوں کو اپنے تبصروں کے ساتھ خلاصہ سناتی جا رہی تھی۔

مارسیلز کے مضافات میں فائر کیمپ پر ایسی بھیانک تباہی نازل ہوئی تھی کہ گودی پر لنگر انداز جہازوں کو شپنگ ماسٹر جنرل کے عملے کے تعاون سے فوری طور پر بندرگاہ سے کم از کم دس ناٹیکل میل دور کھلے سمندر میں نکل جانے کا حکم دیا جا چکا تھا۔ آبادی کے مخصوص حصوں سے رضاکارانہ انخلا کے ساتھ ہی انتظامیہ کی مدد کے لیے فوجی دستے حرکت میں آچکے تھے۔ شہر سے نکاسی کے ہر راستے پر ٹرکوں اور گاڑیوں کا بے لگام اژدہام ہو گیا تھا۔ بہت سے لوگ بے خبری میں فائر کیمپ کی طرف بھی چل پڑے تھے۔ بعد میں حکام نے اُدھر جانے والے راستے بلاک کر دیے۔ شہر کے اسپتال زخمیوں اور جھلسے ہوئے متاثرین سے بھرتے جا رہے تھے۔ بلڈ بنک خالی ہو گئے تھے۔ شہر میں بار بار کی اپیلوں کے باوجود کسی کو خون دینے کا ہوش نہیں رہا تھا۔ ہر شخص پر موت کی دہشت طاری تھی اور وہ جلد از جلد شہر سے نکل بھاگنا چاہ رہا تھا۔

مختلف علاقوں سے اس وقت تک بانوے لاشیں اٹھائی جا چکی تھیں جب کہ دھماکے قابو سے باہر تھے۔ اعلیٰ فوجی حکام سائنسدانوں کے ساتھ سر جوڑے فائر کیمپ کے جہنم پر فضا سے ایسے کیمیائی مادے گرانے اور برسانے کے امکانات تلاش کر رہے تھے جس کی مدد سے بارودی ذخائر کی باقی ماندہ مقدار کو ناکارہ بنایا جا سکے۔ قرب و جوار کے شہروں سے نجی اور چارٹرڈ ہوائی جہازوں کے ذریعے زخمیوں کو دیے جانے کے لیے خون لانے کا بندوبست کیا جا رہا تھا۔ ٹیلی وژن اسکرین پر یوں نظر آرہا تھا جیسے پورا مارسیلز آگ اور خون میں نہا گیا ہو۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ ہم فائر کیمپ میں اپنی تخریبی کارروائی مکمل کر کے شہر سے گزرتے ہوئے بخیر و عافیت گھر کیسے آگئے تھے۔

فائر کیمپ میں متعین عملے میں سے چڑیا کے کسی بچے کا بھی سراغ نہیں مل سکا تھا۔ باور کیا جا رہا تھا کہ وہ سب ابتدائی حادثے پر قابو پانے کی کوششوں میں اچانک بھڑک اٹھنے والی آگ اور دھماکوں کی نذر ہو گئے ہوں گے۔ کیمپ میں بھڑکنے والے فلک بوس اور کثیف شعلے میلوں دور سے دیکھے جا سکتے تھے لیکن اس ہولناک ذخیرے کے گرد و نواح سے نہ کوئی امدادی کارروائی کی جا سکتی تھی نہ مشاہدہ کرنا ممکن تھا۔ ابتدائی اطلاع ملنے پر فضا سے رنگین محلول پھینکنے والے پولیس کے ہیلی کاپٹر فائر کیمپ بھیجے گئے تھے لیکن اونچے شعلوں کی وجہ سے وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ زیادہ بلندی سے پھینکا جانے والا پانی ہوائیں اپنے ساتھ اڑا لے گئیں۔

اس وقت تک فائر کیمپ کی نوعیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا لیکن گولہ بارود سے فوج کے پیشہ ورانہ تعلق کی وجہ سے یہی سمجھا جا رہا تھا کہ فائر کیمپ فوجی ذخیرہ رہا ہو گا لیکن بارہ بجے وضاحت کی گئی کہ فائر کیمپ کا فرنچ آرمی سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ وہاں اسلحہ برآمد کرنے والی کچھ نجی کمپنیوں کی پیداوار ذخیرہ کی جاتی تھی اور حفاظتی انتظامات کے لیے ریٹائرڈ فوجیوں پر انحصار کیا جاتا تھا۔

"توقع سے کہیں زیادہ تباہی ہوئی ہے۔" ویرا نے مسہری پر نیم دراز ہو کر برانڈی کا ایک لمبا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"کاش یہ سب نہ ہوا ہوتا۔" میں نے اپنی سائیڈ ٹیبل سے اولڈ اسمگلر اپنے گلاس میں انڈیلتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "یہ میری

زندگی کا بدترین سانحہ ہے۔ نہ جانے کتنے مریں گے اور کتنے ہی زندگی بھر کے لیے معذور ہو جائیں گے۔"

"بہت اچھا ہوا کہ یہ ہو گیا۔" وہ سگریٹ کا کش لے کر بولی۔ "بیشتر بارودی طاقت فائر کیمپ کی حدود میں برباد ہو رہی ہے اگر یہ اسلحہ متوقع منڈیوں اور منزلوں پر پہنچ کر باقاعدہ منصوبہ بندی سے استعمال ہوتا تو اس سے ہزاروں گنا زیادہ مہلک ثابت ہوتا اور ان ہی میں تمہارا ملک بھی شامل تھا۔"

"میرے ملک کی بات نہ کرو۔ وہاں جاتا تو یہ دشمنوں کی بیخ کنی کے لیے استعمال ہوتا۔"

"انسانوں کے دشمن بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔" ویرا تلخ لہجے میں بولی۔ "دشمنی میں دونوں طرف سے لڑنے والے اپنے اپنے لوگوں کے ہیرو اور دوسروں کے غدار ہوتے ہیں جب کہ مرنے والے سب انسان ہوتے ہیں۔ جنگ اور دشمنی کا یہ عالمگیر فلسفہ بھی بہت عجیب ہے۔ منشیات کے خلاف مہم چلائی جاتی ہے تو انسانیت، صحت، معاشرے اور عالمی دوستی کے راگ الاپے جاتے ہیں لیکن ہتھیار ایجاد کرنے اور بنانے والوں کو ہر قوم اپنا نجات دہندہ تصور کرتی ہے۔ اس معاملے میں ہر ملک اور ہر قوم اپنی جغرافیائی حدود میں سمٹ کر رہ جاتی ہے۔"

"تم تھوڑی دیر خاموش رہو۔ اب تمہیں برانڈی چڑھ رہی ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"شاید تم میری بات کو اپنے ملکی مسائل پر طنز سمجھ کر برا مان گئے۔" وہ میرے بازو پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ "حالانکہ میں ساری دنیا کی بات کر رہی تھی۔ اس میں بڑی طاقتیں، روس اور امریکا پیش پیش ہیں۔"

"یہ دھیان رکھنا کہ اس کمرے میں تم دونوں ہی نہیں، میں بھی موجود ہوں۔" سلطان شاہ نے بوجھل آواز میں اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے کہا۔

ویرا کوئی تبصرہ کرنا چاہ رہی تھی کہ فون کی گھنٹی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

ریسیور اٹھا کر فرنچ میں بات کرتے ہوئے اس نے مجھے آنکھ سے اشارہ کیا اور میں اس کے مکالمات پر پوری توجہ مرکوز کرنے کے باوجود غوں غاں کے علاوہ ایک لفظ بھی سمجھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کی گفتگو خلاف توقع کئی منٹ تک جاری رہی پھر اس نے ایک گہرا سانس لے کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"کون تھا؟" میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"شی کا مقامی چیف۔ گیری کسی کتے کی طرح پاگل ہو رہا ہے۔"

"تفصیل سے پوری بات بتاؤ۔ فائر کیمپ بہرحال اسی کی عملداری میں واقع تھا۔ اس واقعے نے تو شی کو اوپر سے نیچے تک ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"واقعی سب ہل کر رہ گئے ہیں۔ بوکھلاہٹ اور غصے میں وہ مجھ سے کئی ایسی باتیں کر بیٹھا جو اصولاً اسے زبان پر نہ لانا چاہیے تھیں اور اب مجھے یہ گھر خطرناک ہوتا نظر آ رہا ہے۔" یہ کہہ کر وہ اپنی اور گیری کی گفتگو کا خلاصہ دہرانے لگی۔

گیری نے چھوٹتے ہی میراندے کے بارے میں دریافت کیا تھا جب ویرا نے اس کی عدم موجودگی کی اطلاع دی تو وہ بھڑک اٹھا کہ فائر کیمپ تباہ ہو چکا تھا، شہر تلپٹ ہو کر رہ گیا تھا اور میراندے کہیں گلچھرے اڑا رہا تھا۔ ویرا نے اسے بتایا کہ فائر کیمپ کی خبر وہ ٹی وی پر دیکھ چکی تھی۔ گیری اس سے میراندے کے کسی متوقع ٹھکانے کے بارے میں دریافت کرتا رہا لیکن وہ کہیں ہوتا تو ویرا بتاتی بھی۔ وہ مسلسل لاعلمی کا اظہار کرتی رہی جس پر گیری نے اسے اعتماد میں لیتے ہوئے بتایا کہ ہیڈ کوارٹر کو فائر کیمپ کی تباہی کی اطلاع دیتے ہی روم سے فون پر پیغام ملا کہ جمی لائیڈ بذات خود فوری طور پر میراندے کے بارے میں جاننا چاہتا ہے کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ گیری کو وہ اطلاعات روم کے مقامی چیف کو دینا ہیں۔ گیری کی پوری کہانی سن کر ویرا معاملے کی تہ تک پہنچ گئی۔

فائر کیمپ کی تباہی کی خبر سنتے ہی ڈان مرسیانو یا جمی لائیڈ نے اپنا پروگرام بدلنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور ویرا سے سرجی ڈنیپر کے ذریعے چھیڑ چھاڑ کے بجائے میراندے کی مدد سے ہماری تلاش کا ارادہ کر لیا تھا۔ شاید اسے یقین تھا کہ ویرا ہمیں ساتھ لے کر میراندے تک پہنچی ہوگی۔

وہ اندازہ لگاتے ہی ویرا نے گیری کو بتایا کہ میراندے درحقیقت اپنے دو پرانے دوستوں کے ساتھ باہر نکلا ہوا تھا جو ایک طویل مدت کے بعد اسی رات روم سے مارسیلز پہنچے تھے۔ وہ خبر سن کر گیری بہت خوش ہوا۔ اس کا اندازہ تھا کہ اس وقت کوئی لمبا کھیل چل رہا تھا۔ میراندے کے دوست شاید شی کا کوئی اہم پیغام میراندے تک لانے تھے اور روم والوں یا جمی لائیڈ کو میراندے سے زیادہ فکر اپنے ان دو قاصدوں کی تھی۔ اس معاملے میں گیری کو نظر انداز کر کے اس کے ماتحت کو براہ راست اعتماد میں لیا گیا تھا۔ اسی لیے اوپر والے اس سے قاصدوں کے بارے میں سوال نہیں کر سکتے تھے۔ اس پیچیدگی کی وجہ سے یک بیک سب کو میراندے کی نقل و حرکت کی طرف سے فکر لاحق ہو گئی تھی۔

گیری سے پہلے فون پر ویرا اپنا تعارف میراندے کے سکریٹری کے طور پر کرا چکی تھی اس لیے گیری نے میراندے کے لیے پیغام چھوڑنے کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ وہ روم والوں کو اپنے ذرائع کے حوالے سے یہ بتا دے گا کہ میراندے روم سے آئے ہوئے اپنے دو مہمانوں کے ساتھ کہیں لاپتا ہے۔ اس معاملے میں گیری نے ویرا کو سخت تاکید کی تھی کہ وہ میراندے کو واپس لوٹتے ہی آگاہ کر دے تاکہ وہ کسی بھی بہانے اپنی سکریٹری کے ذریعے روم سے آنے والوں کا ذکر چھیڑنے کا انتظام نہ کرے۔

ویرا نے چالاکی سے کام لے کر گیری کے دل میں اوپر والوں کی طرف سے نفرت کا بیج بو دیا تھا لیکن فوری طور پر وہ نفرت ہمارے کسی کام کی نہیں تھی۔ جمی لائیڈ یا ڈان مرسیانو نے فائر کیمپ کی تباہی کی خبر ملتے ہی واقعات کی کڑیاں یکجا کرلی تھیں اور اپنی ساری توجہ میراندے اور اس کے ملاقاتیوں پر مرکوز کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس طرح میراندے کا مکان کسی بھی لمحے کڑی تفتیش کی زد میں آسکتا تھا۔

"صبح کا انتظار کیا جائے یا اسی وقت کوچ کرنا ہوگا؟" ویرا کی کہانی مکمل ہونے پر سلطان شاہ نے تشویش آمیز لہجے میں پوچھا۔

"شی میں رات کبھی نہیں ہوتی۔ انھوں نے کچھ کرنے کا فیصلہ کرلیا تو وہ ہمیں سوتے میں آلیں گے۔ اس وقت شہر میں افراتفری کا عالم ہے ہزاروں کی بھیڑ میں ہم آرام سے کسی بھی طرف نکل سکتے ہیں۔" ویرا نے جواب دیا۔

"تو پھر اٹھو! انتظار کس کا ہے؟" میں نے ایک لمبا گھونٹ لے کر اپنا اسکاچ کا گلاس خالی کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن سرجی کا لایا ہوا ٹرانسمیٹر نما آلہ ساتھ لینا نہ بھول جانا۔"

"وہ ہے کیا؟ تم اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو؟" ویرا نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ایسے لہجے میں سوال کیا جیسے اس کی دانست میں میں کوئی بات چھپا رہا تھا۔

"اس کی کچھ نہ کچھ اہمیت ضرور ہے۔" میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں اس کی اصلیت دریافت کرلوں گا۔ شی والے الیکٹرانکس کی جدید ترین ایجادات استعمال کرنے کے عادی ہیں یہ بھی ان ہی میں سے کوئی شعبدہ معلوم ہوتا ہے۔"

"شبہ مجھے بھی یہی ہو رہا ہے مگر کچھ اندازہ نہیں ہو رہا کہ وہ کیا ہوسکتا ہے کیوں نہ اسے توڑ کر دیکھا جائے جو کچھ بھی ہوا فوراً سامنے آجائے گا۔" اس نے کہا۔

"اسے توڑنا اتنا آسان ثابت نہ ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ توڑنے کی کوشش کرتے ہی وہ تباہ ہو جائے۔ اس میں کوئی دھماکا بھی ہوسکتا ہے۔"

"اسے بعد میں بھی سوچا جاسکتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا کرنا مناسب ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ان ہی فضولیات میں الجھے رہ جائیں اور شی والے ہمارا سر توڑ جائیں۔" سلطان شاہ نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

اس کی بات معقول تھی اس لیے ہم فوراً ہی روانگی کے لیے تیار ہوگئے، ہمارے ساتھ گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم کے علاوہ کوئی سامان نہیں تھا پھر بھی ویرا کے ایما پر ہم نے ایک مختصر سے بیگ میں میراندے کے دو جوڑے کپڑے رکھ لیے تاکہ کسی ہنگامی ضرورت میں لباس تبدیل کرنے میں دقت نہ ہو۔

"اگر جمی لائیڈ کو میراندے کے معاملے میں شبہ ہو ہی گیا ہے تو اب کسی بھی لمحے کچھ بھی ہوسکتا ہے۔" ویرا نے ہمارے ساتھ میراندے کی خواب گاہ سے نکلتے ہوئے کہا۔ "وہ بہت تیزی کے ساتھ فیصلے کرتا ہے اور عام طور پر اپنے سارے وسائل کو بیک وقت حرکت میں لاتا ہے تاکہ حریف کو سنبھلنے کا کوئی موقع نہ مل سکے۔"

"شاید تم ہمیں اس کی طرف سے خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں احمقوں کی تصوراتی دنیا میں رہنا پسند نہیں کرتی۔" اس نے بُرا مانے بغیر سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "میں تمھیں صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ ضروری نہیں کہ جمی لائیڈ یا ڈان مرسیانو نے میراندے کے سلسلے میں صرف گیری پر ہی انحصار کیا ہو۔ اس نے اپنے دوسرے ذرائع بھی متحرک کردیے ہوں گے۔"

"ان وسائل کی بات الگ ہے، یہ بتاؤ کہ شہر میں ہر طرف غیر یقینی صورتِ حال کا دور دورہ ہے۔ اگر کسی ناگہانی حادثے کی صورت میں ہم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تو ہمارے دوبارہ یکجا ہونے کی کیا صورت ہوگی؟" میں نے راہداری طے کرتے ہوئے باہر سے سنائی دینے والی تیز گڑگڑاہٹ پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ بڑا مشکل سوال ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "مارسلینہ میں میراندے کے بعد میں کسی پر اعتماد نہیں کرسکتی اور اسے بھی تم نے دیکھ لیا کہ وہ موقع ملتے ہی سلور آئی کی فکر میں پڑ گیا تھا۔"

"پھر بھی کوئی جگہ، کوئی ٹھکانا تو مقرر کرنا ہی پڑے گا۔" میں نے اصرار کیا۔

"بندرگاہ کے علاقے میں میکس نامی ایک بدمعاش کا گندا سا شراب خانہ ہے۔" وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "مجھے اندازہ نہیں کہ میں اس پر کس حد تک اعتماد کرسکوں گی لیکن پھر بھی تم اس سے رابطہ قائم

کرسکتے ہو اور اس کے ذریعے ہم دوبارہ مل بیٹھنے کی کوئی نہ کوئی صورت نکال لیں گے لیکن وہ مجھے لیناجیرالڈ کے نام سے جانتا ہے۔"

جوں جوں ہم آگے بڑھتے جارہے تھے گڑگڑاہٹ کی آواز واضح ہوتی جارہی تھی، یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی ہیلی کاپٹر مسلسل اسی علاقے میں نیچی پرواز کر رہا ہو پھر ہم دروازہ کھول کر راہداری سے برآمدے میں پہنچے تو میرا شبہ درست ثابت ہو گیا۔ سامنے ہی کھلے آسمان کے پس منظر میں فوجی ساخت کا ایک ہیلی کاپٹر فضا میں منڈلا رہا تھا۔

"کچھ گڑبڑ ہو چکی ہے۔" ہیلی کاپٹر کو دیکھتے ہی ویرا نے بے ساختہ تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"فوجی ہیلی کاپٹر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہوئے اس مشینی پرندے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا "شاید وہ ہنگامی پرواز پر نکلا ہوا ہے۔"

"وہ کئی منٹ سے اسی علاقے میں منڈلا رہا ہے۔" ویرا میرانڈے کی کار کی چابی سے اپنا رخسار کھجاتے ہوئے بولی "میں اس کے انجن اور پروں کا شور تو اندر بھی سن رہی تھی لیکن یہ نہیں سمجھ پائی تھی کہ وہ کسی ہیلی کاپٹر کی آواز تھی۔ ہو سکتا ہے کہ جمی لائیڈ نے مارسیلز کے فوجی حکام کو میرانڈے کے بارے میں کوئی ٹپ دے دی ہو۔ موجودہ حالات میں کوئی بھی اتھارٹی فائر کیمپ کے حوالے سے ملنے والی کسی معلومات کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔"

"کھل کر کہو کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"جمی لائیڈ کا صرف یہ کہنا کافی ہو سکتا ہے کہ فائر کیمپ کو تباہ کرنے والے تخریب کار میرانڈے کے مکان میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ اطلاع علاقے کے سارے انتظامی وسائل کو حرکت میں لانے کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی "جمی لائیڈ محض شبہے کی بنا پر بھی یہ حرکت کر گزرنے کا اہل ہے۔ اس طرح اس نے فرار کی راہیں مسدود کرنے کی کوشش کی ہے، اگر فوجیوں کو کچھ بھی نہ مل سکا تو جمی لائیڈ کا کچھ نہیں بگڑے گا لیکن اسے یہ اطمینان ہو جائے گا کہ میرانڈے کے بارے میں اس کے تمام شبہات قطعی بے بنیاد تھے۔"

"چلو۔" سلطان شاہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کار کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے بہت تیزی کے ساتھ ہیلی کاپٹر کی آواز پھر قریب آتی ہوئی سنائی دی تھی اور جوں ہی وہ مہیب آہنی عفریت فضا میں سبک رفتاری کے ساتھ ہماری نظروں میں آیا اس میں سے اچانک کئی ہیولوں نے باہر کھلی فضا میں چھلانگ لگا دی۔ میرے لیے وہ منظر ناقابل یقین تھا کیوں کہ زمین سے ہیلی کاپٹر کی بلندی ڈیڑھ سو فٹ سے زیادہ نہیں تھی اور اتنی کم بلندی سے چھلانگ لگانے والے پیراشوٹ کھلنے سے پہلے ہی سنگلاخ زمین یا عمارتوں پر گر کر اپنی ہڈیاں پسلیاں تڑوا کر خون آلود اور بے جان لوتھڑوں میں تبدیل ہو سکتے تھے۔

اور ہوا بھی یہی کہ پل بھر میں فضا ایک دلدوز انسانی چیخ سے لرز اٹھی کشش ثقل نے کسی بدنصیب کو پوری قوت سے زمین پر دے مارا تھا مگر اسی کے ساتھ ایک اور واقعہ ہوا جس نے ان لوگوں کی چھلانگوں کا معمہ حل کر دیا۔

ان لوگوں کی بدقسمتی کہ شاید فائر کیمپ سے چلا ہوا کوئی بم یا آتشیں راکٹ اسی لمحے سیدھا ہیلی کاپٹر کی طرف آیا تھا اس سے لوگوں کے کودتے ہی پائلٹ نے تیزی سے رخ بدل کر فضا میں آنے والی ناگہانی آفت سے خود کو بچانا چاہا لیکن بدنصیبی اس کا مقدر بن چکی تھی۔ راکٹ براہ راست ہیلی کاپٹر کے کیبن سے ٹکرایا تھا جس کے نتیجے میں فضا میں ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ آگ اور دھوئیں کا ایک کثیف بادل بلند ہوا اور فضا ہی میں ہیلی کاپٹر کے ٹکڑے اڑ گئے۔

ہیلی کاپٹر سے کودنے والوں نے شاید اسی راکٹ کا خطرہ بھانپ کر اضطراری طور پر چھلانگیں لگائی تھیں، ورنہ اتنی کم بلندی سے کوئی عام آدمی بھی پیراشوٹ جمپ کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

جو ہونا تھا پل بھر میں ہو گیا لیکن ہمیں میرانڈے کی کار میں بیٹھنا نصیب نہ ہو سکا جس وقت ہیلی کاپٹر راکٹ کا نشانہ بنا، اس کا رخ میرانڈے کے مکان ہی کی طرف تھا اس لیے ہیلی کاپٹر کے ملبے کے بڑے بڑے جلتے ہوئے ٹکڑے قرب و جوار کے ساتھ ہی میرانڈے کے مکان پر بھی گرے۔

مکان کا ایک حصہ پرشور دھماکے کے ساتھ زمین بوس ہو گیا اور ہیلی کاپٹر کی ایندھن کی ٹنکی پھٹنے سے احاطے میں جگہ جگہ تیز آگ بھڑک اٹھی۔

تباہی کا عمل ناقابل یقین سرعت کے ساتھ جاری تھا، اگر اس وقت ہم شش و پنج میں مبتلا رہتے تو میرانڈے کے مکان کے ملبے میں زندہ دفن ہو سکتے تھے لہٰذا میں نے "بھاگو" کا نعرہ مار کر پھاٹک کی طرف دوڑ لگا دی۔

اس اثنا میں میرانڈے کے مکان کا اگلا حصہ بھی ملبے کا ڈھیر بن گیا

آس پاس کے کئی اور مکانوں کا حشر اس سے بھی ابتر ہوا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس رہائشی علاقے کا ایک بڑا حصہ آگ اور دھوئیں کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ فائر کیمپ کی تباہ کاری سے وہ علاقہ حیرت ناک طور پر محفوظ رہا تھا لیکن ادھر سے آنے والے ایک ہی پروجیکٹائل نے سارا حساب بے باق کر دیا تھا۔ قرب و جوار کے محفوظ اور جلتے ہوئے مکانوں نے خوف زدہ مرد، عورتیں اور بچے اگلنا شروع کر دیے تھے۔

چیخ و پکار کے باعث اس پرسکون علاقے میں اچانک ہی قیامت صغریٰ کا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ وہ وضع دار فرنچ باشندے جو شاید ٹائی کوٹ اور پتلون کے بغیر خواب گاہوں سے باہر نکلنا معیوب سمجھتے تھے اس وقت شب خوابی کے لبادوں میں برہنہ پا سڑک پر دوڑ رہے تھے۔

چند گز دور ریند پیراشوٹ میں الجھا ہوا ایک فوجی زخموں سے چور مدد کے لیے کراہ رہا تھا لیکن کوئی اس کے قریب رکنے کے لیے تیار نہیں

تھا۔ سب کو اپنی جانیں عزیز تھیں۔
پھر آسمان سے ایک طاقت ور راکٹ ہمارے پیچھے گر کر ہولناک دھماکے کے ساتھ پھٹا۔ فضا میں دردناک چیخوں کا شور بڑھ گیا۔ پُرشور پٹاخوں کے ساتھ بجلی کے تار جل اٹھے جن کی چکاچوند سے علاقہ منوّر ہو گیا لیکن لمحہ بھر بعد ہی پورا علاقہ گھور تاریکی میں ڈوب گیا۔ جس میں مکانوں اور ملبے میں لگی ہوئی آگ کی مدّھم روشنی کے سوا اُجالے کی کوئی کرن نہیں تھی اور وہ روشنی بھی دھوئیں کے کثیف بادلوں کے سبب اپنے اثرات کھو بیٹھی تھی۔

اس علاقے پر بدنصیبی اچانک ہی نازل ہوئی تھی۔ فائر کیمپ میں تباہی کے آغاز کے بعد سے اس علاقے میں فائر کیمپ کا تنکا بھی اُڑ کر نہیں آیا تھا لیکن اس وقت شاید کسی ایسے ذخیرے نے آگ پکڑ لی تھی جس کے متعدد ہتھیار اسی آبادی کی سمت میں رکھے ہوئے تھے۔ ہیلی کاپٹر کی تباہی کے ساتھ ہی اس علاقے میں جا بجا گولے اور راکٹ گر گر کر پھٹنے لگے اور فضا میں ہر طرف بارود کی تیز بو پھیلتی چلی گئی۔

اس علاقے پر نازل ہونے والی تباہی اپنی جگہ تھی لیکن بجلی کی فراہمی منقطع ہونے سے ماحول یک بیک آسیبی اور ڈراؤنا ہو گیا تھا جس میں موت کا خوف ہر احساس پر غالب آ گیا تھا۔

دوڑتے دوڑتے اچانک ہی مجھے یاد آیا کہ میں اکیلا نہیں تھا۔ میں لمحے بھر کے لیے رُک کر پلٹا۔ کئی ہیولے چیختے اور بلبلاتے ہوئے میرے قریب سے گزر گئے لیکن دریا یا سلطان شاہ کا کہیں پتا نہ تھا۔ دہشت اور ہول کے باعث مجھے اپنے پیٹ میں گرہ سی پڑتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

"سلطان... سلطان شاہ! تم کہاں ہو؟" میں اضطراری طور پر پوری قوت سے چلایا تھا لیکن میری آواز شور و غل میں زیادہ نہ اُبھر سکی۔ وہاں اور بھی کئی سمتوں میں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے لوگ اپنے بچھڑے ہوئے عزیزوں اور پیاروں کو پکار رہے ہوں۔

جو ہوش و حواس میں تھے، وہ مجھ سے بچتے ہوئے اور بدحواس لوگ مجھے دھکے دیتے ہوئے گزرتے رہے لیکن ان میں سلطان شاہ یا دریا کا کوئی پتا نہیں تھا۔

میرے ذہن میں وسوسے جنم لینے لگے اور پھر میرے ذہن میں سناٹا سا گونجنے لگا جس میں نہ شور و غل تھا نہ دھماکوں کی کوئی آواز... سیکڑوں لوگوں کے ہجوم میں میں خود کو بالکل تنہا محسوس کر رہا تھا۔

دریا بہت چالاک، مکار اور حسین عورت تھی، اسے مقامی زبان پر دسترس حاصل تھی اس لیے جو کام وہ اپنی چالاکی اور مکاری سے نہیں نکال پاتی تھی، وہاں اپنے حسن و ادا سے لوگوں کو مسحور کرنا شروع کر دیتی تھی۔ وہ عورت ضرور تھی لیکن نسوانی غرور سے ناآشنا تھی، کیونکہ اس کی تربیت ڈان مرسیانو نے کی تھی، اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ عورت ہونا بلکہ آبرومند عورت ہونا کتنی بڑی بات تھی اس لیے وہ ہر جگہ اور ہر قیمت پر خود کو بچانے کے فن سے آشنا تھی لیکن سلطان شاہ کی بات دیگر تھی۔

پاکستان کی سرزمین کو خیرباد کہنے کے بعد وہ ہر وقت سائے کی طرح میرے ساتھ رہا تھا اور بڑی حد تک مجھ پر انحصار کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔ وہ لاکھ دلیر اور بے جگر سہی لیکن اس شہر اور ماحول میں یکسر اجنبی تھا۔ اسے فرنچ کا ایک لفظ نہیں آتا تھا اور نہ وہ روانی کے ساتھ انگریزی بولنے پر قادر تھا۔ اسے ہزاروں کی بھیڑ میں ایک اجنبی غیر ملکی کی طرح آسانی کے ساتھ پہچانا جا سکتا تھا۔ میرے نزدیک مجھ سے بچھڑ کر وہ بدترین خطرات سے دوچار ہو سکتا تھا۔

میں اسی کھوئی کھوئی حالت میں نہ جانے کب تک وہاں کھڑا رہتا، لیکن کسی نے سختی کے ساتھ میرا شانہ جھنجوڑ کر مجھے چونکا دیا۔ میں نے جھرجھری لے کر اس کی طرف دیکھا تو خوف سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

اس ہنگامۂ دار و گیر میں وہ سب سے مختلف اور منفرد نظر آ رہا تھا اور اس کی عقابی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جن میں تلوار کی سی کاٹ نمایاں تھی۔

اس کے بدن پر چست خاکی پتلون اور اسی رنگ کی وزنی جیکٹ چڑھی ہوئی تھی۔ قد اور جسامت میں وہ مجھ سے نکلتا ہوا تھا۔ اس کے تیور خطرناک تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کے پتلے پتلے ہونٹوں میں سلگتی ہوئی سگریٹ دبی ہوئی تھی، جو اس بات کی مظہر تھی کہ اس کا علاقے کے آفت زدہ لوگوں سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ وہ کسی خاص مقصد کے تحت اس علاقے میں آیا تھا اور اطمینان سے سگریٹ نوشی کرتے ہوئے اپنے کام میں مصروف تھا۔ دھماکوں وغیرہ کی طرف سے اس کے بُشرے پر ایسی لاتعلقی طاری تھی جیسے اسے پورا یقین ہو کہ اس کے گرد و پیش میں زندگی کو تاراج کرنے والی طاغوتی قوتیں اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گی اور اس کا یہی اعتماد میرے خوف کا باعث تھا۔

مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے غراتے ہوئے کوئی سوال کیا تھا۔ میں نے اسے آگاہ کیا کہ انگریزی کے علاوہ کوئی اور زبان سمجھنا میرے بس سے باہر تھا۔

"تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے انگریزی میں سوال کیا لیکن وہ لہجے پر قادر نہیں تھا۔

"یہ احمقانہ سوال تمھیں ان سب سے بھی کرنا چاہیے۔" میں نے اپنے خوف پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہوئے قدرے بگڑ کر کہا اور اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"ان سب کا ردّعمل فطری ہے۔" وہ زہریلے لہجے میں بولا۔ "یہ اپنی جانیں بچانے کے خوف میں مبتلا ہیں لیکن تم اس بھیڑ سے الگ نظر آ رہے ہو، یہاں کھڑے کیا سوچ رہے تھے؟"

"مجھے نہیں پتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ صدمے کے باعث مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا ہو کیوں کہ میں ابھی تک اپنے اوسان میں نہیں ہوں۔" میں نے اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے مصالحانہ لہجے میں کہا۔ "ایسی تباہی میں

نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج پورا مارسیلز تہس نہس ہو جائے گا۔"

"میں تمھاری طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" اس نے ادھ جلی سگریٹ ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "تمھیں میرے ساتھ چلنا ہوگا تاکہ ہم اپنا پورا اطمینان کر سکیں۔"

اس کا حتمی فیصلہ سننے کے بعد مصالحت کی مزید کوشش بے سود تھی لہٰذا میں نے بھڑک کر کہا۔ "یہاں سے چلتے بنو، تم جیسے بدمعاشوں کو میں اچھی طرح سمجھتا ہوں جو ایسے ہنگامی حالات سے فائدہ اٹھا کر لوٹ مار کے لیے اپنی کمین گاہوں سے نکل پڑتے ہیں، میں تمھارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔"

یہ کہتے ہوئے میں آگے جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ اس نے نہایت غیر دوستانہ انداز میں سختی سے میرا بازو تھام لیا۔ "سنو مسٹر! یہ ہرزہ سرائی مجھے اس لیے برداشت کرنا پڑ رہی ہے کہ میں نے تم سے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا ہے، میرا نام الکزینڈر رشکن ہے اور میں مارسیلز کے محکمۂ سراغرسانی سے تعلق رکھتا ہوں اور اس وقت تمھیں تخریب کاری کے شبہے میں حراست میں لے رہا ہوں۔"

"تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" میں نے یک بیک بدلے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "شہر پر تباہی نازل ہو رہی ہے، فائر کیمپ مسلسل جل رہا ہے اور تم میلوں دور مجھے تخریب کاری کے شبہے میں پکڑ رہے ہو، آخر کیوں؟"

"خفیہ اداروں کے اراکین اس وقت پورے شہر میں پھیلے ہوئے ہیں۔" وہ بھی ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "میں یہاں مامور تھا، میں نے فوجی ہیلی کاپٹر دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ لینڈنگ کے لیے کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھے، وہ کمانڈو گروپ کسی خفیہ اطلاع پر یہاں کارروائی کے لیے آیا تھا لیکن بدنصیبی کا شکار ہو گیا۔ میں اسی لمحے سے چوکنا ہو گیا تھا اور کسی مشتبہ شخص کی تلاش میں تھا۔"

"شاید تمھارا دماغ الٹ گیا ہے۔" میں نے بدستور اسی لہجے میں کہا۔ "میں نے کیا بلکہ پورے علاقے میں کسی نے کوئی ہیلی کاپٹر نہ دیکھا ہوگا۔ یہ تو سب فائر کیمپ کی تباہی کا شاخسانہ ہے۔"

میرے مزاحمانہ عزائم کو بھانپتے ہی اس نے فوری طور پر اپنی حکمتِ عملی بدلنے کا فیصلہ کر لیا۔ داہنے ہاتھ سے اس نے میرا بازو تھاما ہوا تھا اس لیے اس کا بایاں ہاتھ تیزی سے حرکت میں آیا اور میرا داہنا جبڑا ہل کر رہ گیا۔

میں نے پہلے ہی مدافعانہ جھٹکے میں خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرا لیا اور پھر اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں پوری قوت سے ایسی لات رسید کی کہ وہ غراتا ہوا دوہرا ہو گیا، میری دوسری ٹھوکر اس کی کھوپڑی پر پڑی اور اس بار وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے ہوئے سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔

اپنے بھاری تن و توش کے باوجود مار کھاتے ہی شاید اسے ادراک ہو گیا تھا کہ وہ مجھ پر اپنی بالادستی قائم نہ رکھ سکے گا اس لیے اس نے سڑک پر گرتے ہی مدد کے لیے چلّانا شروع کر دیا لیکن وہاں ایسی نفسا نفسی کا عالم طاری تھا کہ کسی نے اس کی طرف توجہ دینے کی زحمت نہیں کی۔

میرے لیے وہ صورتِ حال سخت مخدوش تھی، اگر وہ شور مچاتے ہوئے تخریب کاری وغیرہ کا ذکر شروع کر دیتا تو شاید لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اس لیے میں نے پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے بیم گن نکالی اور اس کا نوزل اپنے حریف کی کنپٹی سے لگا کر ٹرائیگر دبا دیا۔

خطرہ بھانپ کر اس نے سڑک سے اٹھنا چاہا تھا لیکن اس سے پہلے مہلک شعاع اپنا اثر دکھا چکی تھی۔ وہ ایک خفیف سا جھٹکا لے کر بے جان ہو گیا اور میں نے جلدی سے بیم گن اپنی جیب میں ڈال لی۔

اس وقت مارسیلز کی وہ خوشحال آبادی کسی جنگی محاذ کا سماں پیش کر رہی تھی، جا بجا آگ اور دھوئیں کے بادل امڈ رہے تھے، وقفے وقفے سے اکا دکا دھماکے بھی سنائی دے رہے تھے۔ اپنے شکار سے فارغ ہو کر آگے بڑھتے ہوئے میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ کاش کوئی بم یا راکٹ اس کی لاش پر بھی آ گرے تاکہ اس کا نام و نشان ہی مٹ جائے۔

یوں تو میرا اندازہ تھا کہ اس علاقے میں متعدد لوگ مرے ہوں گے جن کی تعداد میں اس کا اضافہ بے معنی تھا۔ خرابی بس اتنی تھی کہ وقت کی کمی اور صورتِ حال کی نزاکت کی وجہ سے وہ بیم گن جیسے نادر الوجود ہتھیار کا نشانہ بنا تھا۔ اگر اس کی لاش صحیح سالم دریافت ہو جاتی تو تحقیقات کا ایک نیا پٹارا کھل جاتا۔ ان اطلاعات کی بنا پر ڈان مرسیانو . . . . کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہ ہوتا کہ کمانڈو گروپ کے فوجی ہیلی کاپٹر کی تباہی کے وقت ہم اسی علاقے میں موجود تھے اور اپنی راہ میں مزاحم ہونے والے الکزینڈر کو ہلاک کر کے فرار ہو گئے۔ اس طرح نہ صرف اسے اپنے قیاسات کی درستگی کا پتا چل جاتا بلکہ ہمارے خلاف اپنی حکمتِ عملی مرتب کرنے کے لیے ایک نیا سراغ بھی اس کے ہاتھ آ جاتا۔

پھر اس علاقے میں مختلف امدادی اداروں کی گاڑیاں پہنچنے لگیں، ان کی گھنٹیوں اور تیز سائرنوں کے شور سے یک بیک دل اڑنے لگا تھا۔ ان میں ایمبولینسوں کی تعداد کم تھی کیوں کہ اس وقت شہر کے مختلف حصوں میں ان کی ضرورت پیش آئی ہوئی تھی۔ اس بھیڑ میں کئی فوجی گاڑیاں بھی تھیں۔

محض ذہنی دباؤ اور انتشار کی وجہ سے ایک بار میں ایک سرکاری اہلکار کی نظروں میں آ چکا تھا اس لیے بہت محتاط ہو گیا تھا لیکن سلطان شاہ کی طرف سے طبیعت سخت مضطرب تھی، مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس بار شاید وہ دشواریوں سے اپنا دامن نہ بچا سکے گا۔ گن لوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم کا بیگ سلطان شاہ کے ہی پاس تھا، غنیمت یہ تھا کہ کسی آڑے وقت کے لیے ہم تینوں

نے بڑے نوٹوں کی ایک ایک گڈی اپنی تحویل میں لی ہوئی تھی جس کے سہارے میں کچھ دن بے فکری سے گزار سکتا تھا۔ میں سوچتا اور چلتا رہا۔ میری داہنی پنڈلی میں آہستہ آہستہ درد بیدار ہونا شروع ہو گیا تھا۔ شاید الکزینڈر کی گوشمالی کرتے ہوئے پنڈلی پر کہیں کوئی ضرب آگئی تھی جو وقت گزرنے اور ٹھنڈی ہوا لگنے کے بعد اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔

آخر کار آگ، خون، دھوئیں اور شور و غل کو پیچھے چھوڑ کر میں متاثرہ علاقے سے باہر آیا تو میں نے سردی کا احساس مٹانے کے لیے ایک سگریٹ سلگا کر ہونٹوں میں دبائی اور اوور کوٹ کے کالر کھڑے کر کے دونوں ہاتھ جیبوں میں اڑس لیے۔ کافی دیر تک چلنے کے باوجود اکا دکا پرائیویٹ گاڑیوں کے علاوہ کوئی ٹیکسی نظر نہیں آئی۔ سردی اور پھر فائر کیمپ کے حادثے کی وجہ سے سڑکوں پر ہو کا عالم تھا۔ کئی مقامات پر تو تاحدِ نظر میں اکیلا ہی ذی روح نظر آ رہا تھا۔

میرا ذہن ماؤف ہو رہا تھا اور مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ میرا وہ سفر کہاں ختم ہو گا۔ مارسیلز میں میں واضح طور پر اجنبی اور غیر ملکی تھا۔ جب کہ میرے پاس نہ کوئی شناختی کاغذ تھا، نہ سفری دستاویز۔ اس لیے میں شہر کے کسی ہوٹل کے بارے میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا جب کہ اس وقت بندرگاہ کے علاقے میں پہنچنا دشوار تھا۔

میری پنڈلی کا درد رفتہ رفتہ اتنا بڑھ گیا کہ مجھے اپنی پیش قدمی جاری رکھنی دشوار معلوم ہونے لگی اور میں نے نتائج کی پروا کیے بغیر فیصلہ کر لیا کہ جو بھی پبلک پارک سامنے آئے گا، باقی ماندہ رات اسی کے کسی گوشے میں گزار لوں گا۔

لیکن قدرت کے اپنے کھیل نیارے ہوتے ہیں۔ میں اپنی تھکا دینے والی جدوجہد سے اُکتا کر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو چکا تھا اور قدرت میرے لیے مدد کا بندوبست کر رہی تھی جس کا میرے ذہن میں دور دور تک کوئی گمان نہیں تھا۔

اچانک سامنے سے آنے والی کسی کار کی تیز روشنی میرے چہرے پر پڑی تو میں چونک پڑا۔ ادھر دیکھتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ اس کار کی رفتار بھی یکلخت سست ہو گئی تھی پھر کار نے اپنی سمت کا ٹریک بدلا اور رانگ سائڈ پر میری طرف آگئی۔ جیب میں پڑی ہوئی بیم گن کے دستے پر میری گرفت مضبوط ہو گئی اور میں خود کو ذہنی طور پر کسی نئی افتاد کے مقابلے کے لیے تیار کرنے لگا، کیوں کہ یہ واضح ہو چکا تھا کہ جگمگاتی ہوئی وہ سیاہ لمبی کار رینگتی ہوئی میری ہی طرف آ رہی تھی۔

دو دروازوں والی وہ اوپیرا کوپے میرے قریب فٹ پاتھ کے کنارے رکی تو اس کے انجن کی آواز اس قدر خفیف تھی کہ اس کے اسٹارٹ یا بند ہونے کا فیصلہ کرنے کے لیے سماعت پر زور دینا پڑتا تھا۔ کار کے رکتے ہی اس کی میری سمت والی کھڑکی کا خود کار شیشہ نیچے سرکا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہوئی عورت نے سر نکال کر فرنچ میں مجھے مخاطب کیا تو بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں کیوں کہ ایسی حسین اور خوش گلو عورتیں میری نگاہ سے کم ہی گزری تھیں۔

”میں صرف انگریزی سمجھتا ہوں مادام!“ میں نے کار کی طرف بڑھ کر نرم لہجے میں کہا لیکن بیم گن کے دستے پر میری گرفت کمزور نہیں ہوئی تھی۔

اس کی آنکھوں میں چمک عود کر آئی ”غیر ملکی ہو؟“

اس کی نگاہوں میں کوئی ایسا رمز پوشیدہ تھا کہ میرے ذہن میں سنسنی دوڑنے لگی۔ میرا اثبات کا اشارہ پا کر وہ پھر بولی ”مسلح ہو؟“

اس کا انداز تائید طلب اور حوصلہ افزائی کا تھا لیکن میری چھٹی حس مجھے اعتراف سے روک رہی تھی۔ میں نے مسکین سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”پردیس میں اسلحہ رکھ کر کیا کروں گا۔ اور اس وقت اسلحہ تو در کنار میرے پاس تو ضرورت کی کوئی چیز بھی نہیں رہی ہے۔“

اس کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”تو پھر آجاؤ۔ کچھ دیر باتیں کریں گے۔“ اس نے اپنے برابر والی نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میرے لیے اس کی وہ پیش کش نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی۔ وہ جو بھی اور جیسی بھی تھی، اس کے عزائم جو بھی رہے ہوں وہ اس وقت مجھے ایک ٹھکانا فراہم کر رہی تھی جو میری سب سے بڑی ضرورت تھی لہٰذا میں کوئی تردد کیے بغیر بونٹ کے آگے سے گھوم کر اس کے برابر والی نشست میں دھنس گیا۔

”حفاظتی بیلٹ باندھ لو۔“ اس نے بٹن دبا کر اپنی کھڑکی کا شیشہ چڑھاتے ہوئے کہا اور میں نے فوراً اس کی ہدایت کی تعمیل کی۔ کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ یورپ کے بیشتر ممالک میں حفاظتی بیلٹ باندھے بغیر کسی کار کی اگلی نشست پر سفر کرنا قابلِ تعزیر جرم تھا۔

نہ صرف وہ کار بہت بیش قیمت اور آرام دہ تھی بلکہ کار چلانے والی بھی اعلیٰ حیثیت کی مالکہ نظر آتی تھی۔ اس کی انگلیوں میں ہیرے کی انگوٹھیاں جھلملا رہی تھیں اور اس نے نیچے گلے والے سیاہ مخملیں لباس پر فر کا اوور کوٹ پہنا ہوا تھا جس میں وہ کوئی شاہ زادی نظر آ رہی تھی۔

خود کار گیئر تبدیل ہوتے ہی اوپیرا کا آٹھ سلنڈروں والا اسپیک انجن قدرے تیز ہوا اور کار چکنی سڑک پر پھسلتی ہوئی اپنے صحیح ٹریک پر چلی گئی۔

کھلی ہوا کے مقابلے میں بند کار میں چلتے ہوئے ہیٹر کی حرارت حیات آگیں تھی مگر مجھے اندازہ ہوا کہ کار میں شراب کی ہلکی سی بو رچی ہوئی تھی۔ اس خاتون کے دہانے سے آنے والی چیونگم کی خوشبو سے شبہ ہو رہا تھا کہ شاید وہ خود ہی سرور میں تھی لیکن اپنی مے نوشی پر پردہ ڈالنے کے لیے اس نے چیونگم کا سہارا لیا ہوا تھا۔

میں جمود توڑنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ خود بول پڑی: "مجھے ربیکا ڈارلنگٹن کہتے ہیں۔ تم مارسیلز میں کتنے دن سے مقیم ہو؟"

"اور میں تنویر ہوں۔" میں نے ڈینی کے بجائے اپنا اصل نام بتاتے ہوئے کہا: "تین چار دن ہوئے ہیں لیکن آج کی تباہی میں سب کچھ ختم ہو گیا۔ میں جس گھر میں پے انگ گیسٹ کے طور پر ٹھہرا ہوا تھا، وہاں کوئی بم گر چکا ہے۔ میں واپس لوٹا تو وہاں دھواں اگلتے ہوئے کھنڈرات کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا تھا۔"

"بڑا افسوس ہوا۔" اس نے رسمی لہجے میں کہا پھر یک بیک شوخ لہجے میں بولی: "لیکن وہی حادثہ ہماری ملاقات کا بہانہ بن گیا۔ تمہیں خوشی نہیں ہوئی مجھ سے مل کر۔"

"ضرور ہوگی۔" میں نے پر یقین مگر معنی خیز لہجے میں کہا: "مگر ملنے پر، فی الحال تو صرف گفتگو ہو رہی ہے اور یہ بھی خاصی خوشگوار ہے۔ اس مہمان خانے پر بم نہ گرا ہوتا تو میں اس وقت اپنی خواب گاہ میں تمہاری ہی جیسی کسی نازنین کے خواب دیکھ رہا ہوتا لیکن اس حادثے کے نتیجے میں تمہارا ہم نشین بن بیٹھا ہوں۔"

میں نے محسوس کیا کہ ذرا سی فراغت اور امید میسر آتے ہی میرا ذہن تیزی کے ساتھ تر و تازہ ہونے لگا تھا۔ سلطان شاہ کی فکر اپنی جگہ تھی لیکن اس کے لیے میں اسی وقت کوئی جدوجہد کر سکتا تھا جب خود مجھے سر چھپانے کے لیے کوئی ٹھکانا میسر آ جاتا۔ مجھے امید تھی کہ رات گئے آ ٹکرانے والی ربیکا کم از کم چند روز کے لیے ضرور مجھے ٹھکانا فراہم کر سکے گی۔

"اسکاچ پیتے ہو تو رائل سیلوٹ کا آدھا گلوو کمپارٹمنٹ میں پڑا ہے۔" اس نے کہا: "بوتل سے منہ لگا کر نیٹ لینی ہوگی۔ اسی خانے میں چیونگم کا پیکٹ بھی ہے۔"

"تم کتنی نیک اور مہربان ہو۔" میں نے گلوو کمپارٹمنٹ کھولتے ہوئے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا: "جی چاہتا ہے کہ تمہیں بہت ہی پیار سے پکارا جائے۔"

"تنہائی میں تم مجھے بے تکلفی کے ساتھ میرے پہلے نام سے مخاطب کر سکتے ہو۔"

"بھلا نہیں مجھے ٹن کے بغیر دوسرا نام پسند ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا اور بوتل سے ایک لمبا گھونٹ معدے میں انڈیل لیا۔

"وہ بھی کہہ سکتے ہو۔" اس نے قدرے ناپسندیدگی کے ساتھ کہا: "لیکن اتنا بتا دوں کہ نام کا دوسرا حصہ ہی میرے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے لیکن تم اس طرح خوش ہو سکتے ہو تو یوں ہی سہی۔"

"مجھے تو تم نے یہ بھی نہیں بتایا کہ تم مس ہو یا مسز.... قیاس ہی کر سکتا ہوں کہ ڈارلنگٹن تمہارے باپ کا نام ہوگا۔" میں نے اسے خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولا حالاں کہ یہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ کوئی بھی ناتجربہ کار لڑکی اتنی رات گئے ایک [illegible] سڑک سے کسی اجنبی کو یوں لفٹ نہیں دے سکتی تھی۔

وہ تلخ انداز میں ہنسی: "عمر میں وہ میرا باپ ہی ہے مگر میں اس سے شادی کرنے کی غلطی کر بیٹھی۔ چند روز کے ابال کے بعد وہ مجھے بھی اپنی حسین اور بیش قیمت گاڑیوں کی طرح بے جان سمجھ بیٹھا ہے جنہیں وہ جب چاہتا ہے، استعمال کرتا ہے ورنہ مہینوں صرف شوفر ہی ان کی رگڑائی کرتے رہتے ہیں۔"

"اوہ! پھر تو تمہیں ڈارلنگ کہہ کر ہی مخاطب کرنا بہتر ہوگا۔ اس سے زیادہ اپنائیت انگریزی کے کسی لفظ میں نہیں ہے اور بوڑھے شوہروں کی جوان بیویاں عموماً اپنائیت ہی سے محروم پائی جاتی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے دوستانہ انداز میں اپنا ہاتھ اس کے فرکوٹ کے شانے پر رکھ دیا۔

"ہماری شادی کو صرف تین ماہ ہوئے ہیں اور وہ پچھلے آٹھ ہفتوں سے کاروباری دورے پر ہے۔" چند ثانیوں کے بعد وہ اداس لہجے میں بولی: "طویل تنہائی کے عذاب سے اکتا کر آج میں پہلی بار بغاوت کا ارادہ کر کے گھر سے نکلی ہوں۔ میں شہر میں کسی سے دوستی نہیں کر سکتی ورنہ ہر طرف کہانیاں پھیل جائیں گی، اس لیے مجھے کسی بالکل گمنام اجنبی کی تلاش تھی جس کے ساتھ میں اپنے دل کی بھڑاس نکال سکوں۔ اس بڈھے کے کانوں میں میرے کسی اسکینڈل کی افواہ بھی پہنچ گئی تو وہ میری زندگی جہنم بنا دے گا۔"

"تم مجھے بالکل بے زبان پاؤ گی۔ کسی کا دکھ درد بٹانا ہی انسانیت کی معراج ہے۔" میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"تم میرا مضحکہ تو نہیں اڑا رہے؟" ڈرائیونگ کرتے کرتے اس نے سڑک سے نظریں ہٹا کر مجھے گھورتے ہوئے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے اپنے پچھلے فقرے کی معنویت پر غور کرتے ہوئے بوکھلا کر کہا: "میں ایسی جسارت نہیں کر سکتا ورنہ تم سے مل کر جتنی خوشی ہوئی ہے، اس سے کہیں زیادہ دکھ بچھڑ کر ہوگا۔"

"بچھڑنا تو ہوگا۔" وہ بولی: "اسی ایک خوبی نے مجھے تمہاری طرف متوجہ کیا ہے۔ وجیہہ اور معقول ہونے سے زیادہ تم دور ہی سے غیر ملکی نظر آ رہے تھے اور پردیسی جلد یا بدیر چلے ہی جاتے ہیں۔"

"تمہارے شوہر کا کاروبار کیا ہے؟" اپنے تجسس سے مجبور ہو کر میں دوبارہ اس کے شوہر کا ناپسندیدہ موضوع نکال بیٹھا۔

"آج تک یہی پتا نہیں چل سکا۔ ویسے لکھ پتی ہے۔ رات گئے تک دعوتوں اور پارٹیوں میں لوگوں سے کاروباری ملاقاتیں کرتا رہتا ہے اور پھر کسی تھکے ہوئے گدھے کی طرح گھر آ کر سو جاتا ہے۔"

"اتنی رازداری سے کام لیتا ہے تو کہیں ہیروئن نہ بیچتا ہو۔"

"ممکن ہے۔ اس سے ہر اس کام کی توقع کی جا سکتی ہے جس میں معقول آمدنی ہو۔" وہ بے پروائی کے ساتھ بولی: "جائز کام کرنے والے

اپنی بیویوں کو اپنی کامیابیوں کے قصے فخر سے سناتے ہیں جب کہ وہ اس موضوع پر مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔"

میں نے رائل سیلوٹ کی بوتل سے دوسرا گھونٹ لیا تو وہ بھی اپنی طلب پر قابو نہ رکھ سکی میرے ہاتھ سے بوتل لے کر اس نے اپنا دہانا بھر ا پھر بُرے بُرے مُنہ بناتے ہوئے وہ آتشیں سیال معدے میں اتار لیا۔ بُو ختم کرنے کے لیے اس نے فوراً ہی دو چیونگم پیس مُنہ میں ڈال لیے تھے۔

"فضول باتیں چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ مجھ سے مل کر تمھیں مایوسی تو نہیں ہوئی؟" چند ثانیوں کے بعد اس نے قدرے مخمور لہجے میں سوال کیا اور میں نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام لیا۔

اس کے بدن کا طلسماتی لمس محسوس کرتے ہی میرے وجود میں چنگاریاں سی سلگ اٹھیں اور پھر میں نے انگریزی میں اُردو شاعری کی ابتدا کر دی جو صورت سے سارے اعضا کا سفر کرتے ہوئے جنونِ ذات پر ختم ہوتی ہے۔

میں دس بجے کے قریب کسلمندانہ انداز میں بیدار ہوا تو ربیکا نہا دھو کر بنی سنوری ناشتے کی میز پر میری منتظر تھی۔ اپنے نفیس لباس پر کچن ایپرن باندھے وہ ایک سُگھڑ خانہ دار عورت نظر آ رہی تھی، اسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا ناممکن تھا کہ پچھلی رات کسی پرانی شناسائی کے بغیر ایک ویران سڑک سے مجھے اپنے گھر لے آئی تھی۔

اس کا وسیع و عریض فلیٹ ایک چار منزلہ عمارت کے گراؤنڈ فلور پر واقع تھا جہاں ربیکا کے ساتھ اس کی معتمد ایک بوڑھی ملازمہ رہتی تھی جو گھر میں صفائی کی ذمے دار تھی۔ کھانے پکانے کی ذمے داریاں ربیکا خود اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتی تھی جن میں اسے خاص ملکہ حاصل تھا۔

پچھلی رات بوڑھی ملازمہ اپنی مالکن کی واپسی کے انتظار میں جاگ رہی تھی، ربیکا اپنی چابی سے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر اندر پہنچی تو وہ سونے چلی گئی اور مجھے ربیکا اپنی خواب گاہ میں لے گئی۔ جہاں آرائش اور آسائش کے تمام تر اہتمام کے باوجود اداسی سی راج کر رہی تھی اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ انسان کی ذاتی ناآسودگیاں... گرد و پیش کی بے جان چیزوں کو بھی اسی طرح متاثر کرتی ہیں جس طرح جاندار اپنے ماحول سے اثر قبول کرتے ہیں۔

رات کو کھانے کے بعد ربیکا نے پینا شروع کر دی۔ وہ تھوڑے سے سرور میں تھی اس لیے اس کے مزاج کی شادابی مجھ پر بھی اثر انداز ہونے لگی، رائل سیلوٹ کی نئی بوتل اور بلور کے پیمانوں میں طلا رنگ سیال میں پگھلتی ہوئی برف نے خواب گاہ کی نیم روشن فضا کو خواب ناک بنا دیا تھا۔ شراب برف کو پگھلاتی رہی اور ربیکا کے سانسوں کی آنچ مجھے موم بناتی رہی، اس عالمِ کیف میں ہم دنیا جہان کے ہر بُرے بھلے موضوع پر بات کرتے رہے لیکن اس پوری داستان میں اس کے شوہر کا کہیں ہیولہ بھی نہیں تھا۔ خود فراموشی کے ان لمحات میں مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ باہر فائر کیمپ میں آگ بھڑکی ہوئی تھی جس کے اثرات دور دور تک مارسیلز کے مکانوں اور مکینوں کو خاکستر کر رہے تھے اور اسی آگ کی کچھ چنگاریاں میرے وجود میں سلگ رہی تھیں جو کسی بھی لمحے ڈارلنگٹن کے پندار کو مجروح کر سکتی تھیں۔

اس سے آگے نہ جانے وقت کیسے گزرا البتہ میں بیدار ہونے کے بعد کثرتِ مے نوشی کے باوجود خود کو حیرت ناک طور پر ہلکا محسوس کر رہا تھا سر پر اس بوجھل پن کا کہیں پتا نہیں تھا جو ایسی محفلوں کے بعد ناگزیر ہوتا ہے۔

میں گرم پانی کے شاور میں دیر تک نہاتا اور پچھلی رات کے بارے میں سوچتا رہا جو اپنے تضادات کی وجہ سے میری زندگی کی عجیب رات ثابت ہوئی تھی جس میں الف لیلوی رنگ نمایاں تھا۔

میں تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تو ربیکا دیر تک کچھ بولے بغیر بس آسودہ انداز میں مسکراتی رہی، آخر مجھے ہی وہ سکوت توڑنا پڑ گیا۔ "رات کی کیا خبریں ہیں؟"

"تم سے زیادہ مجھے معلوم نہیں۔" وہ نظریں جھکا کر ندامت آمیز لہجے میں بولی۔ "میں پینے میں کچھ زیادہ ہی تجاوز کر گئی تھی۔"

"میں اخبار کی بات کر رہا تھا۔" میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "شہر میں اور بھی بہت کچھ ہو رہا تھا۔"

"بڑی دردناک خبریں ہیں، میں نے ڈرائیور کو تمھارے لیے

انگریزی اخبار لانے بھیجا ہے۔" وہ میرے لیے ٹوسٹ پر مکھن لگاتے ہوئے بولی۔

"کچھ پتا چلا کہ ہوا کیا تھا؟" میں نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے انجان بن کر سوال کیا۔

"متضاد خبریں ہیں۔" وہ ایک خاص ادا سے ناک چڑھا کر بولی۔ "تخریب کاری یا حادثہ۔ ان ہی میں سے کوئی امکان ہے۔ اس میں سب سے المناک حادثہ ایک فوجی ہیلی کاپٹر کو پیش آیا جو ایک انتہائی خفیہ اور اہم مہم سر انجام دینے سے پہلے فائر کیمپ سے چلے ہوئے ایک گولے کا نشانہ بن گیا۔"

ربیکا نے اپنی تنہائی اور محرومی سے چھٹکارا پانے کے لیے مجھے ایک ٹھکانا تو فراہم کر دیا تھا لیکن میرے لیے وہ بڑی مخدوش صورتِ حال تھی۔ ربیکا نے مجھے یقین دلایا تھا کہ ڈارلنگٹن اسے پیشگی اطلاع دیے بغیر گھر واپس نہیں آئے گا لیکن میں وہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ شکی مزاج شوہروں میں بیویوں کو دھوکے میں رکھ کر اچانک کہیں بھی پہنچ جانے کا عارضہ صدیوں سے لاحق چلا آ رہا تھا پھر ان دونوں کے معاملے میں عمر کی خلیج بھی اہم تھی جس کی وجہ سے باہمی اعتماد میں دراڑیں موجود تھیں۔ ان سب سے بڑھ کر خطرناک بات یہ تھی کہ انھوں نے میاں بیوی کی حیثیت سے بہت زیادہ وقت اکٹھے رہ کر نہیں گزارا تھا اس لیے وہ ایک دوسرے کے مزاج اور نفسیات کو پوری طرح نہیں سمجھ پائے تھے۔ اگر دور بیٹھے بیٹھے ڈارلنگٹن کے ذہن میں کوئی شبہ سر ابھارتا تو وہ اپنے بے پناہ پیسے کے زور پر کم سے کم وقت میں گھر لوٹ کر رنگے ہاتھوں پکڑنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ ایسے موقع پر اس فلیٹ میں میری موجودگی کی وجہ سے ان کی خانگی زندگی کا جو بھی انجام ہوتا اس سے کہیں زیادہ ناخوشگوار صورتِ حال میرے ساتھ پیش آ سکتی تھی جس کا پیشگی انسداد بہت ضروری تھا۔

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ تمھارے ملازمین اس سے ملے ہوئے ہوں۔ ان کے سامنے تم اپنے گھر میں میرے قیام کا کیا جواز پیش کرو گی؟" اسے بضد پا کر میں نے ہر پہلو پر کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"شوفر باہر گیراج میں رہتا ہے اور صبح آ کر شام کو واپس چلا جاتا ہے۔ اسے پتا ہی نہیں چلے گا کہ تم یہاں رہتے ہو اور بوڑھی خادمہ شادی سے سات سال پہلے سے میرے ساتھ رہتی ہے۔ درحقیقت وہ واحد ہستی ہے جو میرے مسائل کو سمجھتی ہے اور مجھ سے پوری پوری ہمدردی رکھتی ہے۔" اس نے کہا۔

"اور اگر ڈارلنگٹن اچانک آ گیا؟"

"میں کہہ چکی ہوں کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ میں اس کی جبلت کو کچھ کچھ سمجھ گئی ہوں۔ وہ کھل کر کبھی میرے سامنے شکست تسلیم نہیں کرے گا لیکن دانستہ مجھے یوں ڈھیل دیتا رہے گا کہ میں اس کی لاعلمی میں اپنی من مانی کرتی رہوں۔ میں نے بھی ہفتوں کی سوچ بچار کے بعد بہت سوچ سمجھ کر اس کی دہلیز سے قدم باہر نکالا ہے۔"

"لیکن میں یہاں بے آرام رہوں گا۔ مجھے ذہنی سکون نہ مل سکے گا۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس جیسی مدلل گفتگو کرنے والی ڈارلنگٹن کو قائل کیوں نہ کر سکی۔

"یہ اور بات ہے۔" وہ بولی۔ "لیکن تمھارے شناختی کاغذات؟ وہ تو شاید اسی مکان کے ملبے میں جل گئے ہوں گے۔"

اس نے خود ہی مجھے جواب فراہم کر دیا تھا اس لیے میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"پھر تو تمھیں تاحکمِ ثانی اسی فلیٹ میں محدود رہنا ہو گا۔" اس نے مجھے چونکا دیا۔ "مقامی انتظامیہ نے شہر میں دہشت گردوں کا سراغ لگانے کے لیے باوردی پولیس والوں کو مشتبہ لوگوں کی گرفتاری کے لامحدود اختیارات دے دیے ہیں۔ کوئی بھی بالغ شہری کسی بھی سطح پر جاری کیا ہوا سرکاری یا اپنے آجر کا شناخت نامہ ساتھ لیے بغیر باہر نہیں نکل سکتا۔ غیر ملکیوں کو ہر وقت پاسپورٹ ساتھ رکھنا ہو گا۔ آج کے اخبار میں تفصیلی خبر کے ساتھ ہی انتظامیہ کی طرف سے اس متن کا اشتہار بھی شائع ہوا ہے۔ ہوٹلوں اور دوسری اقامت گاہوں کے مالکان سے اپیل کی گئی ہے کہ مشتبہ یا لوگوں سے دور رہنے کی کوشش کرنے والے مسافروں کے بارے میں قریب ترین مجسٹریٹ کو آگاہ کریں تاکہ شہر کو مزید بڑے حادثات سے بچایا جا سکے۔"

"ان حالات میں تو میں یہاں سے ہل بھی نہ سکوں گا۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "پھر تو یہی ہو سکتا ہے کہ تم مجھے اپنے گھر میں ملازم رکھ لو۔ اس حیثیت پر تمھارے شوہر کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

وہ میری صورت دیکھتے ہوئے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "تم لاکھ اپنا حلیہ بدل لو لیکن صورت سے کبھی بھی گھریلو ملازم نظر نہیں آ سکتے۔ تمھاری آنکھ ملا کر بات کرنے کی ایک عادت ہی سارا پول کھول دے گی لیکن تم فکر نہ کرو۔ سرکاری چکروں میں بہت وقت لگے گا۔ میں کسی طرح تمھارے لیے کاغذات کا بندوبست کرا دوں گی کہ تم شہر میں آزادی کے ساتھ جہاں چاہو جا سکو۔"

وہ خبر سن کر میرا سارا پروگرام چوپٹ ہو گیا ورنہ میں سوچ رہا تھا کہ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد ربیکا کے ڈرائیور کے ساتھ ساحلی علاقے میں میکس کے شراب خانے جاؤں گا تاکہ وہاں سے ویرا کے بارے میں معلوم کر سکوں یا پھر اپنے بارے میں اس کے لیے پیغام چھوڑ دوں تاکہ جوں ہی وہ میکس سے رجوع کرے اسے میرا پیغام مل جائے۔

"گھر میں ڈارلنگٹن کے بہت سے کاغذات موجود ہوں گے، فی الحال تو ان ہی میں سے کسی پر تصویر بدل کر کام چل جائے گا۔" میں نے تجویز پیش کی جو اس نے سختی سے مسترد کر دی۔

"وہ شہر میں خاصا معروف ہے اور تمھیں یہ سن کر شاید حیرت ہو کہ اس کے ملنے والوں میں زیادہ تعداد پولیس والوں کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے کاروبار میں کسی ہیر پھیر کے لیے انھیں رشوت بھی دیتا ہو۔"

"تم کب تک کاغذات کا بندوبست کرسکتی ہو؟"

"میرے اختیار سے باہر کی بات ہے۔ مجھے کسی سے کہنا ہو گا۔ دیکھو وہ کتنا وقت لیتا ہے۔"

ناشتے کے دوران ہی ڈرائیور انگریزی اخبار لے آیا جو ملازمہ نے میز پر پہنچا دیا اور ربیکا اپنی کافی ختم کر کے، مجھے اخبار کے مطالعے میں مصروف چھوڑ کر اندر چلی گئی تاکہ فون پر میرے کاغذات کے بارے میں کسی سے بات کر سکے۔

اخبار فائر کیمپ کی خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ اس واقعہ میں مرنے والوں کی مصدقہ تعداد ایک سو ستاسی تھی، جبکہ شہر سے متعدد افراد لاپتا تھے اور بہت سی جگہوں پر ملبے میں تلاش کا کام جاری تھا۔ اسپتال زخمیوں سے بھر گئے تھے، جن کے لیے ملک کے مختلف حصوں سے طبی امداد مارسیلز پہنچنی شروع ہو گئی تھی۔ ایک سیاہ حاشیے میں کام کی نوعیت پر روشنی ڈالے بغیر یہ خبر دی گئی تھی کہ ایک اہم مشن پر جانے والا فوجی ہیلی کاپٹر نیچی پرواز کے دوران ایک آبادی پر مہلک راکٹ لگنے کے نتیجے میں تباہ ہو گیا۔ اس حادثے میں پانچ کمانڈو ہلاک اور تین بری طرح زخمی ہوئے۔ تینوں کمانڈو کم بلندی سے پیراشوٹ جمپ لگانے کی وجہ سے اپنی ہڈیاں تڑوا بیٹھے تھے۔ جب کہ وہی حماقت کرنے والے تین فوجی زمین سے ٹکراتے ہی چل بسے تھے۔ بقیہ دو لوگوں ہیلی کاپٹر کو راکٹ کی زد سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے اس کے ڈھانچے میں ہی پھنس کر جل مرے تھے۔

شناخت ناموں کے بارے میں ربیکا کی دی ہوئی اطلاع لفظ بہ لفظ درست تھی۔ سرکاری طور پر دی جانے والی اطلاعات کے علاوہ اخبار کے وقائع نگار نے رائے ظاہر کی تھی کہ کمانڈوز کی فضائی مہم غالباً فائر کیمپ کے سانحے کے مجرموں کے خلاف تھی۔ اگر اس کا کوئی اور سبب ہوتا تو مقامی کمانڈران خطرناک حالات میں ہیلی کاپٹر کو شہر پر نیچی پرواز کرنے کی اجازت دینے کے بجائے اس مہم کو کسی اور وقت کے لیے ملتوی کر دیتے۔

پورے اخبار میں کہیں بھی شی یا اس کی عالمگیر مجرمانہ سرگرمیوں کے بارے میں ایک لفظ بھی شائع نہیں ہوا تھا۔

پچھلے صفحے پر آخری لمحات میں موصول ہونے والی خبروں میں مختصراً لکھا گیا تھا کہ علاقائی فوجی کمان نے سائنسدانوں کے مشورے سے ایک مخصوص کیمیائی محلول سے بھرے ہوئے آٹھ سو کنستر ڈرم محفوظ بلندی سے فائر کیمپ میں پھینکنے کا فیصلہ کر لیا تھا تاکہ ڈرم نیچے گرتے ہی پھٹ کر وہاں لگی ہوئی آگ کو سرد کر سکیں۔ اس کارروائی کی بنیاد اس مفروضے پر رکھی گئی تھی کہ فیصلہ کیے جانے تک دھماکوں کی شدت اور آگ کی حدت کے باعث فائر کیمپ کی حدود میں متعین عملے کا کوئی فرد زندہ نہیں رہا ہو گا، جسے کیمیائی ڈرم پھینکے جانے سے نقصان پہنچ سکے۔ زندہ بچنے والے اس وقت تک وہاں سے دور نکل آئے ہوں گے۔ فوجی ترجمان کے مطابق مارسیلز کے شہریوں کو مزید دس گنا جانی اور مالی نقصان سے بچانے کے لیے وہ فیصلہ ناگزیر ہو گیا تھا۔

آخری سطر پڑھ کر میں لرز اُٹھا۔ اس کا مطلب تھا کہ فائر کیمپ میں اسلحہ اور گولہ بارود کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود تھا جو بے قابو ہونے کی صورت میں پورے شہر کو راکھ کا ڈھیر بنا سکتا تھا۔

وہ انسان کے لیے ایک شرم ناک المیہ تھا کہ شرافت، اُخوت اور محبت کا درس دینے والے اپنے علاقائی اور بین الاقوامی مفادات کی تکمیل کے لیے ہنستی بستی آبادیوں کے درمیان بارود کی آتش فشاں تعمیر کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، جو ذرا سی لغزش کی بنا پر بھیانک آگ اُگلنے پر قادر تھے۔

وہ خبریں پڑھتے ہوئے میرے وجود پر کئی بار ملامت کی لہر سوار ہوئی، لیکن مجھے ہر بار ویرا کے الفاظ یاد آ گئے کہ فائر کیمپ کا ذخیرہ وہاں تباہ نہ ہوتا تو اپنی منزلوں پر پہنچ کر ہزاروں گنا زیادہ تباہی کا باعث بنتا۔ اس حادثے سے یہ اثر ضرور پڑا تھا کہ پورے فرانس کی رائے عامہ آبادیوں کے قریب واقع اسلحہ کے مراکز کے خلاف چیخ اٹھی تھی اور یہ مطالبہ کر دیا گیا تھا کہ اسلحہ برآمد کرنے والی بڑی بڑی کمپنیوں کو مارسیلز کی آبادی کے مضافات میں فائر کیمپ قائم کرنے کی اجازت دینے والوں کو بے نقاب کر کے ان کا سخت محاسبہ کیا جائے۔

میں فرانس میں اجنبی تھا، لیکن جانتا تھا کہ وہ جذباتی مطالبے وقت کے ساتھ سرد ہو جانے والے تھے۔ دُنیا کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ شہر ہشت پا بلاؤں کی طرح ہر سمت میں تیزی سے پھیل رہے تھے اور جو اسلحہ خانے پچیس برس پہلے آبادیوں سے میلوں باہر تھے اب آبادیوں کے وسط میں آ گئے تھے، پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گولہ بارود کی رینج بھی حیرت ناک طور پر بڑھتی جا رہی تھی۔ رائفلوں سے زیادہ ہلکے لانچروں کے ذریعے پھینکے جانے والے میزائل سیکڑوں کلومیٹر کے فاصلے پر تباہی مچا سکتے تھے۔ ایسے اسلحے کے ذخائر اگر دور بھی ہٹا دیے جائیں تو ان کی حادثاتی تباہی سے انسانی آبادیوں کو محفوظ رکھنا ناممکنات میں سے ہو گا۔ جب تک قوموں اور انسانوں میں جنگ کا جنون باقی ہے، آئے دن فائر کیمپوں میں حادثات اور تخریب کاریاں ہوتی رہیں گی اور ان کے ملبے پر نئے ذخائر تعمیر ہوتے رہیں گے۔ وقتی نعرے اور جذباتی تقریریں ایسے حالات کو ٹالنے میں کبھی بھی کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کر سکیں گی۔

سلطان شاہ، ویرا اور فائر کیمپ — میرے وہ تینوں مسائل اتنے سنگین تھے کہ تنہا رہ کر انھیں بھلانا ناممکنات میں سے تھا، اس لیے میں ناشتے کی میز سے اُٹھ کر ربیکا کی تلاش میں چل دیا۔

وہ ڈرائنگ روم میں ایک کاؤچ پر میری طرف پشت

کیے کروٹ کے بل دراز تھی اور ہنس ہنس کر نہایت دعوت آمیز انداز میں فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ گفتگو فرنچ میں ہو رہی تھی۔ جو میرے پلّے نہ پڑ سکی، لیکن ربیکا سے محض آدھی رات کی شناسائی کے باوجود مجھے اس شخص سے حسد ہونے لگا، جس سے وہ اتنے دلآویز انداز میں بات کر رہی تھی۔ میں دبیز قالین پر بے آواز قدموں سے بڑھتا رہا اور وہ آخری لمحے تک میری آمد سے آگاہ نہ ہو سکی۔ اس کے جسم اور پنڈلیوں کی حرکات و سکنات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ہونے والی گفتگو ربیکا کے لیے بہت لذت انگیز تھی۔

حسد کی آنچ جب بڑھنے لگی تو میرے دل میں گمان پیدا ہوا کہ وہ جو بھی تھا، صرف ربیکا کی آواز سن رہا تھا جبکہ وہ مجسم میرے تصرف میں تھی اور یہ گمان لمحے بھر میں اتنا قوی ہو گیا کہ میں نے ربیکا پر اپنے حق کے لاشعوری اظہار میں اضطراری طور پر اپنے بدن کا بوجھ اس پر ڈال دیا۔

وہ چونک کر خوف زدہ انداز میں پلٹی، لیکن اس کے منہ سے کوئی غیر معمولی آواز نہ نکلی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی حیرت سے پھٹی ہوئی نگاہیں معمول پر آ گئیں اور وہ مجھے جلدی سے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے دوسری طرف سے کہی گئی کسی بات کا جواب دینے لگی۔ میں بے پروائی سے اسے آگے دھکیل کر وہیں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

کئی منٹ بعد وہ گفتگو ختم ہوئی تو ربیکا اُچھل کر بیٹھ گئی۔ "تم نے تو میرا دم ہی نکال دیا تھا۔"

"اتنی محبت کے ساتھ کس سے پینگیں لڑا رہی تھیں مائی ڈارلنگ؟"

"بس جل گئے۔" وہ میرے طنزیہ لہجے پر قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ "تم میرے دوست ہو اس لیے مجھ سے پوچھ بھی لیا، لیکن تمہارے تیور دیکھ کر میں شرط لگا سکتی ہوں کہ تم میرے شوہر ہوتے تو فون پر اس بے تکلفی کے الزام میں ابھی کھڑے کھڑے طلاق دے دیتے۔"

میں لاجواب ہو کر رہ گیا اور وہ چونک کر بولی۔ "تم نہ فرنچ جانتے ہو اور نہ تمہیں یہ معلوم ہے کہ میں کسی مرد سے بات کر رہی تھی یا کسی عورت سے .... پھر آخر تم میں اتنا حسد کیسے پیدا ہو گیا؟"

"فون پر گفتگو کرتے ہوئے تم اپنے اعضا سے جو شاعری کر رہی تھیں، اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ دوسری طرف کوئی مرد تھا اور موضوع محبت۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "ایسے جذبوں کو زبان کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ اپنے اظہار پر خود قادر ہوتے ہیں۔ ہمت ہے تو جھٹلا دو میری بات۔"

"تمہارے کاغذات کی بات کرتے ہی ڈارلنگٹن کا فون آ گیا تھا۔" وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی۔ "بات طویل ہونے لگی تو میں یوں ہی کاؤچ پر دراز ہو گئی۔ میں تو بس یوں ہی ساکت و صامت لیٹی ہوئی تھی، پھر تم نے ایسے ٹھیک ٹھیک اندازے کیسے لگا لیے؟"

"تمہیں تو چڑ تھی اپنے شوہر کے نام سے۔ لیکن اس وقت تم اس کے ایک ایک لفظ پر فدا ہوئی جا رہی تھیں۔"

"سچ پوچھو تو آج میں نے پہلی بار اس سے محبت سے بات کی ہے، میرے اس رویے پر وہ بھی پھولا نہ سما رہا تھا۔ اس نے بھی اظہار محبت میں کوئی کنجوسی نہیں کی۔ ہماری مختصر سی ازدواجی زندگی میں یہ مسرت کے پہلے لمحات تھے، ورنہ خلوت میں بھی وہ چُپ چاپ نہ جانے کیا سوچتا رہتا تھا۔" وہ پوری سنجیدگی کے ساتھ مجھے قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اور اس کی کوئی معقول وجہ بھی ہو گی؟"

"ظاہر ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "جب تک میں اس کی دی ہوئی آزادی کے مقصد سے لاعلم رہی، اس سے چڑتی رہی، لیکن آج میں اس آزادی کا استعمال سیکھ چکی ہوں، اس لیے اس بڈھے طوطے پر پیار آ رہا تھا۔ وہ ہر قیمت پر مجھے خوش دیکھنا چاہتا ہے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ میں اپنی خوشیاں کہاں سے اور کیسے حاصل کرتی ہوں، لیکن وہ انہیں اپنے کھاتے میں جمع کرنے کا خواہش مند ہے۔"

"شاید وہ لوگوں سے یہ سننے کا آرزو مند ہے کہ ڈارلنگٹن نے اپنی بیٹی کی عمر کی بیوی کو نوجوانوں سے زیادہ خوش رکھا ہوا ہے۔" میرا لہجہ اس بار بھی غیر ارادی طور پر تلخ ہو گیا۔ "مراسم خوش گوار ہو گئے ہیں تو اب وہ کب تمہارے پاس ہجر کا حساب چکانے واپس آ رہا ہے۔"

"یہی بتلانے کے لیے تو اس نے لندن سے فون کیا تھا وہ کم از کم اس ویک اینڈ تک واپس نہ آ سکے گا۔ اب تم بے فکری کے ساتھ یہاں رہ سکتے ہو۔"

میں نے دل ہی دل میں ربیکا سے ہار مان لی۔ میں اس کے شوہر کو جوان بیوی کا شکی اور بوڑھا شوہر سمجھ رہا تھا جب کہ میری رائے قطعی غلط تھی۔ ربیکا نے اپنے بڈھے طوطے کو صحیح سمجھا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو ربیکا کے لہجے میں خوشگوار تبدیلی محسوس کرتے ہی اسے بھڑک کر اپنے سارے پروگرام ترک کر دینا چاہئیں تھے۔ تاکہ جلد از جلد ربیکا کی خوشیوں کا سبب دریافت کر سکے، لیکن بقول ربیکا کے وہ مسلسل اسے ڈھیل دے رہا تھا۔

"اور کاغذات کا کیا رہا؟" میں نے نیم دلی کے ساتھ سوال کیا۔

"کل تک تمہارا برٹش پاسپورٹ آ جائے گا۔ آج کسی وقت ایک تصویر پہنچانا ہو گی۔ ویسے تمہاری اصل قومیت کیا ہے؟"

"پیدائشی برٹش ہوں۔" میں نے فی البدیہہ جواب دیا۔

"رنگ روپ مان بھی لیا جائے تو تمہارے خدوخال برٹش ہرگز نہیں ہیں۔" وہ اشتباہ آمیز لہجے میں بولی۔

"میرے والدین ایشیائی تھے اور میری ولادت سے پہلے گلاسگو میں آباد ہوگئے تھے۔ میرا اصل پاسپورٹ بھی برطانوی ہی تھا۔ مل گیا تو دکھا دوں گا۔" آخری فقرہ میں نے بڑے خلوص سے ادا کیا تھا۔

تصویر کے لیے میرا گھر سے باہر جانا مخدوش ہوسکتا تھا' اس لیے یہ طے ہوا کہ ربیکا اپنے کیمرے سے گھر ہی میں میری تصویریں کے ساتھ کچھ اور تصاویر اتار کر رول مکمل کرے گی اور بازار سے پرنٹ بنوائے گی۔ یہ بات طے ہوجانے کے بعد ربیکا نے رقم کے ساتھ ایک رقعہ لکھ کر خادمہ کے ہاتھ ڈرائیور کو بھجوا دیا۔

"اب میرا بھی ایک کام ہے۔" میں نے صوفے پر دراز ہوکر سگریٹ سلگاتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"مجھے آج ہر قیمت پر بندرگاہ کے علاقے میں ایک شراب خانے پہنچنا تھا۔ وہاں جانا تو مشکل ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ فون ہی کرلوں' اس سلسلے میں تمھاری مدد درکار ہے۔"

"فون رکھا ہوا ہے، جہاں چاہو کرلو۔ اگر گلاسگو میں تمھارے ایشیائی والدین حیات ہیں تو ذرا ان سے بھی میری بات کرادو۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں بولی۔

"حد ہوگئی۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "تمھیں میری بات پر یقین نہیں آیا۔ کاش' وہ زندہ ہوتے اور میں ان سے تمھاری بات کرا سکتا۔ شکی مزاج ڈارلنگٹن نہیں بلکہ تم خود ہو۔"

"ہم دونوں سادہ لوح میاں بیوی ہیں، ہمیں کچھ نہ کہو۔" وہ مجھے چڑاتے ہوئے بولی۔ "اور ہاں، میری کس مدد کی ضرورت ہے تمھیں؟ ابھی مجھے لنچ کے لیے بھی کچھ تیار کرنا ہے۔"

"تمھیں شاید تازہ غذا کی ضرورت پڑ جائے، میں تو رات والی ڈش پر ہی گزارا کرلوں گا۔"

"بہت بے ہودہ ہو تم۔" وہ خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولی۔ "ہر بات کو گھما لیتے ہو، کام نہیں بتایا تم نے ابھی تک۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ مجھے تازہ، باسی جو بھی مل جائے گا گزارا کرلوں گا۔ میرے لیے زحمت نہ کرنا.... اور ذرا مجھے میکس کے شراب خانے کا نمبر نکال دو۔"

"میکس کا شراب خانہ؟" اس نے منہ بنا کر حیرت سے دہرایا۔ "کیا یہی نام ہے اس شراب خانے کا؟"

"یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ وہ نچلے درجے کا شراب خانہ ہے اور اس کے مالک کا نام میکس ہے۔"

"اس طرح قیامت تک بھی فون نمبر نہیں مل سکتا۔ ہر شراب خانے کے لیے لائسنس جاری ہوتا ہے اور جو نام لائسنس پر درج ہوگا، اسی نام پر فون بھی رجسٹرڈ ہوا ہوگا۔ اس کے بغیر تو پوری ڈائریکٹری چھان مارنے پر بھی مطلوبہ نمبر معلوم نہ ہوسکے گا۔"

"سب کچھ ہوسکتا ہے پہلے ڈائریکٹری دیکھ لو، ہوسکتا ہے کہ میرا بتایا ہوا نام ہی مل جائے۔ نہ ملے تو پھر ساحلی علاقے کے کسی بھی شراب خانے سے فون پر معلوم کرسکتی ہو۔ اول تو میں فرنچ سے نابلد ہوں اور تم خوب بولتی ہو اور اگر فون کرتے ہوئے تم نے اپنے ذہن میں اپنے بُڈھے طوطے کا تصور تازہ رکھا تو تمھاری آواز سُن کر کوئی مائی کا لعل سرد مہری کا مظاہرہ نہ کرسکے گا۔"

"تم کیسے جاؤ، جو کہنا ہے۔" وہ ڈائریکٹری اُٹھاتے ہوئے بولی۔ "میری طرف سے تمھیں معافی ہے، کیونکہ مجھے اپنی دریافت میں تم ہی سے مدد ملی ہے، لیکن تم ڈارلنگٹن کی جگہ نہیں لے سکتے۔"

اس کا آخری فقرہ چڑانے والا تھا۔ وہ خود ہی مجھے بھڑکانا چاہ رہی تھی، لہٰذا میں نے اس فقرے کو یوں نظر انداز کردیا جیسے سرے سے سُنا ہی نہ ہو۔ وہ مجھے خاموش پاکر ڈائریکٹری کی ورق گردانی میں مصروف ہوگئی۔

ٹیلی فون ڈائریکٹری میں میکس سے شروع ہونے والا کوئی نام سرے سے موجود ہی نہیں تھا' اس لیے ربیکا کے سامنے میری دوسری تجویز پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا پھر اس نے ڈائریکٹری کے اشتہاری صفحات میں شراب خانوں کی فہرست سے بندرگاہ کے علاقے میں واقع چند شراب خانوں کے نمبر نوٹ کیے اور ان پر باری باری طبع آزمائی کا فیصلہ کرلیا مگر اس کی پہلی کوشش ہی بار آور ثابت ہوئی اور اسے نہ صرف میکس کے شراب خانے کا صحیح نام بلکہ نمبر بھی بتا دیا گیا۔

وہ نمبر میرے حوالے کر کے ربیکا نے وہاں سے اُٹھ جانا چاہا۔ لیکن میں نے اُسے روک لیا۔ میکس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اگر وہ انگریزی سے یکسر نابلد ہوتا تو میرے لیے اسے سمجھانا دشوار ہو جاتا۔ ایسے مرحلے پر ربیکا میرے کام آسکتی تھی۔

تیسری گھنٹی کے بعد دوسری طرف سے کسی نے کٹکھنے کُتّے کی طرح غرّاتے ہوئے ریسیور اُٹھایا تھا۔

"گڈ مارننگ ۔۔۔ میں مسٹر میکس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے انگریزی میں خلیقانہ لہجے میں کہا۔

"میں مسٹر میکس ہی ہوں۔" اس آواز میں درندگی کی حد تک درشتگی موجود تھی۔ انگریزی بہت شکستہ تھی۔ لیکن غنیمت یہ تھا کہ وہ انگریزی بول اور سمجھ رہا تھا۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے ربیکا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بتایا کہ وہ چاہے تو کچن میں جانے کے لیے آزاد ہے۔

اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ لیکن ایک ہاتھ کمر پر رکھے وہیں کھڑی رہی۔ شاید وہ میری اس فون کال کا مقصد جاننا چاہتی تھی۔

"میں مس لینا جیرالڈ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"اوہ! تم کہاں مرے ہوئے ہو؟ وہ شاید تمھارے ہی بارے میں کئی بار پوچھ چکی ہے۔" مربیانہ غراہٹ اُبھری۔ "ہولڈ کرو، میں اسے بلواتا ہوں۔"

اس وقفے سے فائدہ اُٹھا کر میں نے ربیکا کی طرف دیکھا تو وہ خشمناک نظروں سے مجھے گھور رہی تھی۔

"تم سکون سے اپنا کام کرو۔" میں نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اس سے خوشامدانہ انداز میں کہا۔ "لینا اسی شراب خانے میں کام کرنے والی ایک گھٹیا لڑکی ہے، جو میری مقروض ہے۔ آج اسے میری رقم لوٹانی تھی۔ میں اسے فون نہ کرتا تو اسے میرا گھر تباہ ہونے کا بہانہ مل جاتا اور وہ میری رقم پی جاتی۔"

"ایسی بازاری عورت کو فون کرنے کے بجائے تم وہ رقم مجھ سے لے سکتے تھے۔" وہ غصے سے بولی۔ "تم نے بھی اسے کوئی لمبی رقم تو اُدھار نہیں دی ہوگی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ لیکن تم میرے بارے میں غلط رائے قائم کر سکتی تھیں۔ میں ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے گلگو سمجھنے لگو۔" میں نے کہا۔ اور وہ غصے میں پیر پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

اسی لمحے لائن پر ویرا کی آواز سُن کر میں نے ماؤتھ پیس سے ہتھیلی ہٹا لی۔

"تم خیریت سے تو ہو نا؟" ویرا تشویش زدہ لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ "وہاں سے نکل کر تم ایسے بھاگے کہ ہم دونوں چیختے ہی رہ گئے اور تم بھیڑ میں کہیں گم ہو گئے۔" وہ اُردو بول رہی تھی۔

"میں خیریت سے ہوں اور ایک مہربان مقامی عورت کے فلیٹ میں ہوں۔" میں نے اُردو میں ہی کہا۔ "اگر کسی لمحے میرے لب و لہجے میں سختی آجائے تو اسے نظر انداز کر دینا۔ وہ بہت حاسد اور ملکیّت پسند عورت ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ وہ تم پر عاشق ہو گئی ہے۔" ویرا کی آواز میں رقابت کی کسک نمایاں تھی۔

"فضول باتیں نہ کرو اور یہ بتاؤ کہ سلطان شاہ کہاں ہے؟" میں نے اس کا تبصرہ گول کرتے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں وہ کہاں ہوگا۔" اس کی آواز بجھ سی گئی تھی۔ "وہ میرے ساتھ ہی تھا کہ قریب ہی گرنے والے ایک بم کا ٹکڑا لگنے سے اس کا بازو زخمی ہو گیا۔ بعد میں ایک امدادی جماعت والے اس کے خون میں تر کپڑے دیکھ کر اسے زبردستی ایمبولینس میں ڈال کر لے گئے۔ اس میں زخمیوں کو بُری طرح بھرا جا رہا تھا، اس لیے میں کوشش کے باوجود ساتھ نہیں جا سکی۔ پتا نہیں، وہ کس اسپتال میں ہے۔ اس کے لیے میں دسیوں اسپتالوں میں فون کر چکی ہوں، لیکن اس کا کوئی سُراغ نہیں مل رہا۔"

"تمھیں معلوم ہے کہ نئے انتظامی احکامات کے بعد شناختی کاغذات کے بغیر میرا باہر نکلنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ اس لیے تم ہی کو سلطان شاہ کا پتا لگا کر دیکھ بھال کرنی ہے ۔۔۔ اور تمھارا قیام کہاں ہے؟"

"میں اپنی کوششوں میں لگی ہوئی ہوں اور میکس کے شراب خانے کی اُوپری منزل پر ایک تنگ اور سیلن زدہ کمرے میں ٹھہری ہوئی ہوں۔ سلطان شاہ کے زخمی ہونے کے بعد رقم کا تھیلا میں نے لے لیا تھا، اسی میں سے ایک خطیر رقم دے کر وحشی میکس کو رام کیا ہے۔ وہ بہت لالچی ہے اور سمجھ رہا ہے کہ میں کہیں ڈاکا ڈال کر رُوپوش ہونے کے لیے اس کے پاس پہنچی ہوں، لیکن اب میں کسی ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں گی۔"

"تم اپنی مرضی کی مالک ہو، لیکن میری رائے ہے کہ فی الحال میکس کے پاس ہی رہو تو ہمیں رابطے اور مشوروں میں آسانی رہے گی۔ انتظامیہ کی تازہ حکم کے نتیجے میں ہوٹلوں وغیرہ کا ماحول اس وقت مخدوش رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" اس کی طنزیہ آواز سنائی دی۔ "تم اپنی نئی گرل فرینڈ کے ساتھ عیش کرتے رہو اور میں میکس کی گندی کوٹھری میں سڑتی رہوں۔ ویسے نمبر کیا ہے تمھاری چہیتی کے فون کا؟"

"تم میری مجبوری کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے بھی بکواس کیے جا رہی ہو۔ معمولی شکل و صورت کی عورت ہے۔ اگر میں حالات کے چنگل میں پھنسا ہوا نہ ہوتا تو شاید اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ تم یہاں کا فون نمبر نوٹ کر لو، لیکن یہ صرف ہنگامی صورتِ حال میں ہی استعمال کرنا۔" ربیکا کی شکل و صورت کے بارے میں سفید

جھوٹ بولتے ہوئے میں نے انسٹرومنٹ پر لکھا ہوا نمبر اس سے دُہرا دیا۔

"پھر بھی تمھیں مجبوراً اس کی دلجوئی کرنا پڑ رہی ہو گی۔ جب تک تمھارے کاغذات تیار نہ ہوں یا انتظامیہ اپنے احکام واپس نہ لے، تمھیں یہ سزا تو برداشت کرنا ہی ہو گی۔" اس کا لہجہ بدستور طنزیہ تھا کیونکہ آخر کار وہ ایک عورت ہی تھی۔ ڈان میر سیالو نے عملی حد تک اسے نسوانیت سے عاری بنا دیا تھا، لیکن اس کے جذبوں کی تربیت نہیں کر سکا تھا۔ ویرا اپنی ساری آزاد روی کے باوجود محض ایک عورت ثابت ہو رہی تھی۔ جو نجی اور ذاتی معاملات میں اپنی کسی ہم جنس کی شراکت کسی قیمت پر گوارا نہیں کرتی۔ مجھے نہ جانے وہ کیوں اپنے ذاتی خانے کی چیز تصوّر کرنے لگی تھی۔ حالانکہ غزالہ کے ساتھ میرے گہرے قلبی تعلق سے دُنیا میں کوئی عورت باخبر تھی تو وہ صرف ویرا ہی تھی۔

"میرے کاغذات کے لیے وہ کوشش کر رہی ہے، شاید کل تک تیار ہو جائیں۔" میں نے اس سے مزید بحث میں اُلجھنے کے بجائے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"تاکہ اسے تمھارے ساتھ باہر گھومنے اور تفریح کرنے کی آزادی مل سکے۔" ویرا نے اس معاملے میں بھی ربیکا کی بدنیّتی کا جواز تلاش کر لیا۔

"جو چاہو، فی الحال سمجھتی رہو۔ لیکن میں اتنا بتائے دے رہا ہوں کہ کاغذات ملنے کے بعد میں ایک سیکنڈ بھی یہاں نہیں رکوں گا۔ میری رہائش کا متبادل بندوبست تم ہی کو کرنا ہو گا۔" میں نے برشتہ ہو کر کہا۔

"کوئی بیوہ ہے یا غیر شادی شدہ؟" اُس کا تجسس رہ رہ کر لفظوں کا روپ دھار رہا تھا۔

"وہ شادی شدہ اور ایک معزز لکھپتی کی بیوی ہے۔ ڈارلنگٹن کی شہر میں خاصی ساکھ بنی ہوئی ہے۔" میں نے کہا۔

"ڈارلنگٹن!" نام سُنتے ہی ویرا بُری طرح چونکی تھی "یہ وہی پینسٹھ سالہ بڈھا تو نہیں، جس نے تین ماہ پہلے ایک چوبیس سالہ لڑکی سے شادی کی ہے؟"

میرے دل کی دھڑکنیں یک لخت سُست پڑنے لگیں، یہاں بھی ویرا کی شناسائی نکل آئی تھی اور وہ اچھی طرح ربیکا کے بے مثال حُسن و جمال سے واقف رہی ہو گی۔ میں نے نیم دلی سے اقرار کر لیا۔ "تفصیل کا مجھے علم نہیں، لیکن میرا اندازہ ہے کہ تم درست کہہ رہی ہو۔"

"اور تم اس کی بیوی کو معمولی شکل و صورت والی بتا رہے تھے۔" ویرا کا لہجہ اچانک تیز اور ملامت آمیز ہو گیا۔ "شاید اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ مسلسل دو سالوں تک مقابلۂ حُسن میں مس مارسلیز کا خطاب حاصل کر چکی ہے، تم کس قدر جھوٹے اور خود پرست ہو گئے ہو ڈیئر!"

"حُسن صرف صورت کا نہیں، سیرت کا بھی ہوتا ہے۔" لاجواب ہونے کے بجائے میں ڈھٹائی کے ساتھ فلسفیانہ ہتھکنڈوں پر اُتر آیا۔ "میں نے اُس کی صورت پر نہیں سیرت پر تنقید کی تھی۔ وہ حد سے زیادہ بے شرم عورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ مکیس جیسا آدمی بھی خلوت میں اس سے گھبرا کر بھاگ نکلے گا۔"

"لیکن مبارک ہو کہ تم ڈٹ گئے ہو۔" وہ صورت اور سیرت کو بھول کر نئے نکتے میں اُلجھ گئی اور میں نے جان آسانی سے چھوٹ جانے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ دُنیا کی ہر عورت جس مرد کو چاہے، عمر بھر کے لیے نہ سہی چند دنوں یا چند گھنٹوں کے لیے ضرور حاصل کر لیتی ہے۔ جب کہ ہزاروں مرد دن رات اپنی پسند کی عورتوں کا طواف کرتے ہوئے بھی انھیں چھُونے تک کی حسرت پوری نہیں کر سکتے۔ یقیناً تم نے نہیں بلکہ اس عورت نے تم پر جال ڈالا ہو گا۔ ورنہ تم اتنی آسانی سے اس کے فلیٹ میں نہیں پہنچ سکتے تھے۔"

"جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اب میں اس کے ساتھ ہوں اور شاید مزید تیس چالیس گھنٹے رہنا پڑے، مگر تم یہ بتاؤ کہ مارسلیز کے اس مالدار بوڑھے کو کیسے جانتی ہو؟"

"اب تمھیں اصل بات کا دھیان آیا ہے۔" ریسیور پر اس کی غرور آمیز اور قدرے ہزیانی ہنسی کی آواز اُبھری۔ "تمھیں اس کی حقیقت کا علم ہو جائے تو اس فلیٹ میں مس مارسلیز کی زُلفوں کے سائے میں رہنے کے بجائے کسی اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے پر تیار ہو جاؤ گے۔"

"تفصیل بھی تو بتاؤ۔" میں نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ محسوس کرتے ہوئے اضطراری لہجے میں کہا۔

"وہ جنوبی فرانس کا واحد ڈان ہے۔" ویرا کی فاتحانہ سرگوشی سنائی دی۔ "چھوٹے پھندوں سے بچتے بچاتے بے خبری میں تم خود ہی بڑے جال میں جا گرے ہو۔ نام کیا ہے اس عورت کا؟"

"ربیکا!" میرے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"ہو سکتا ہے کہ ربیکا اس کھیل میں اپنے شوہر کی شریک ہو اور اس نے تمھیں پہچان کر گھیرا ہو۔" وہ کہنے لگی۔ "یہ فیصلہ تم ہی کر سکتے ہو کیونکہ صرف تم کو معلوم ہے کہ وہ تم سے کہاں اور کن حالات میں ٹکرائی تھی۔ شی ٹیمیں کوئی کسی کی بیوی اور شوہر نہیں ہوتا تنظیم کے مفاد پر ہر چیز داؤ پر لگا دی جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے تم جیسے خطرناک دشمن کو قید کرنے کے لیے مس مارسلیز طشتری میں سجا کر تمھاری سیج پر ڈال دی گئی۔"

خوف سے میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ویرا نے حالات کی جو منظر کشی کی وہ بہت بھیانک تھی۔ مجھے اچانک یوں محسوس ہونے لگا، جیسے ڈارلنگٹن لندن میں نہیں بلکہ اسی فلیٹ

میں کہیں موجود ہو اور ہزار آنکھوں سے ہر لمحے میری نگرانی کر رہا ہو۔
شاید وہ میرے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہا تھا اور مجھ پہ
آخری وار کرنے سے پہلے اپنے جال میں اچھی طرح تھکا لینا چاہتا
تھا تاکہ جب وہ میرے مقابل آئے تو میرے توانا جسم کے مقابلے
میں اس کی بوڑھی ہڈیوں کو زیادہ مشقت برداشت نہ کرنا پڑے۔
مجھے تھکانے کے لیے چارا اس نے ربیکا کو بنایا تھا۔

گزرے ہوئے واقعات میرے ذہن میں کسی فلم کی طرح
چلنے لگے۔

ربیکا جیسی حسین اور گداز بدن دوشیزہ کے لیے مارسیلز میں
یقیناً چاہنے والوں کی کمی نہ رہی ہوگی۔ وہ جب چاہتی اپنے ایک
اشارے پر اسکول یا بچپن کے ساتھیوں میں سے کسی کو رازداری
کے ساتھ اپنا بندۂ بے دام بنا سکتی تھی، لیکن اپنے کہنے کے مطابق
اس نے اپنے شوہر سے بغاوت کا فیصلہ کر کے کسی اجنبی کے وجود
میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ شہر کی ایک ویران سڑک پر مجھ سے
ملاقات کا وہ جواز بالکل بودا اور بھونڈا تھا، لیکن ربیکا کے فسوں خیز
حسن اور جذبۂ سپردگی نے میری کھوپڑی پر برف جما دی اور میں
اسے سچ سمجھ بیٹھا، لیکن ویرا نے لمحہ بھر میں وہ ساری برف
پگھلا دی تھی۔

پھر ربیکا نے اپنے شوہر کی کاروباری مصروفیات کے بارے میں
میرا ہر سوال خوبصورتی سے ٹال دیا۔ حالانکہ اس نے اپنی مرضی سے عمر
کے واضح فرق کے باوجود ڈارلنگٹن سے شادی کی تھی۔ اس بارے میں
ربیکا کی بے خبری اس وقت مجھے ناقابلِ قبول نظر آ رہی تھی جب ایک
جوان سال دوشیزہ اپنے سے کئی گنا عمر والے مرد سے شادی کا فیصلہ
کرتی ہے تو شعوری یا لاشعوری طور پر مرد کے کاروبار اور مالی استحکام
کے بارے میں ضرور پورا اطمینان کرتی ہے۔ اس کے پس پردہ یہ
فطری خوف لاحق ہوتا ہے کہ شادی کے کچھ ہی عرصے بعد بڈھا مر گیا
تو عورت کا مستقبل کیا ہوگا۔ وہ پُرسکون، خودمختارانہ زندگی گزار سکے
گی یا اسے اپنی ضروریات کے لیے دوسروں کا دستِ نگر رہنا پڑے
گا۔ مجھے یقین ہونے لگا کہ ربیکا اپنے شوہر کی غیر قانونی حرکتوں اور
عزائم سے پوری طرح آگاہ تھی، لیکن مجھے اندھیرے میں رکھنا چاہ رہی
تھی تاکہ میں رسیاں تڑا کر اس کے چنگل سے فرار ہونے کا فیصلہ نہ
کر بیٹھوں۔

تیسری کھٹکنے والی بات ان دونوں کا ناقابلِ فہم باہمی رویّہ تھا۔
ربیکا مجھ سے ملی تو اپنے شوہر سے شاکی تھی اور اس میں دنیا جہان
کی خرابیاں گنوا رہی تھی جن سے تنگ آ کر وہ بغاوت پر آمادہ ہوئی
تھی۔ لیکن جب میں نے اس کی لاعلمی میں اسے فون پر والہانہ انداز
میں پیمانِ وفا باندھتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تو اس نے نہایت
مکاری کے ساتھ ڈارلنگٹن کی دی ہوئی آزادیوں کا استعمال اور
عدم استعمال کا فلسفہ تراش کر اس تبدیلی کی ساری ذمے داری میرے
اُوپر ڈال دی، جسے میں نے تسلیم بھی کر لیا، لیکن ویرا کے انکشاف
کے بعد یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ ربیکا کے تعلقات اپنے شوہر سے کبھی
بھی کشیدہ نہیں رہے تھے اور اگر میں رنگے ہاتھوں اس کی مست کلامی
نہ سُن لیتا تو وہ بعد میں بھی اپنے شوہر سے بددلی اور بغاوت کا اظہار
کرتے ہوئے مجھے احمق بناتی رہتی اور شاید ڈارلنگٹن اسی کے ہاتھوں
آخر کار مجھے ذبح کرا دیتا۔

ڈارلنگٹن تنظیم کے بااختیار بڑوں میں سے ایک تھا اور شی
میں وہ منصب کسی کو آسانی سے نہیں ملتا تھا۔ اس نے یقیناً اپنی
بے پناہ محنت اور قربانیوں سے وہ مقام حاصل کیا تھا اور اگر اس
اعزاز میں ترقی کے لیے اسے دوچار دنوں کے لیے اپنی حسین و جمیل بیوی
کو بے وفائی کی اداکاری پر مجبور کرنا پڑا تھا تو مغرب کے آزاد معاشرے
اور شی جیسی جرائم پیشہ تنظیم میں رہتے ہوئے یہ اس کے لیے ناگوار نہیں تھا۔
شی تو ناسور تھی۔ ایک رستا ہوا ناسور۔ جس کے سربراہ نے
ڈان مرسیانو کے روپ میں خود اپنی سگی بیٹی کی جسم کے سودے کر
کے اسے بے راہ روی کی تربیت دی تھی تاکہ عورت ہونا کبھی بھی
اس کی راہ کا پتھر نہ بن سکے۔ پھر ڈارلنگٹن تو جمی لائیڈ یا ڈان مرسیانو
سے بہت کم تر تھا اور ربیکا سے اس کا رشتہ بھی بہت کمزور تھا۔

اس پوری کہانی میں ویرا کی کہی ہوئی ہر بات صادق آ رہی
تھی۔ چبھن ہوتی تھی تو بس اس بات کی کہ ہنگامی حالات میں میرے
بے سوچے سمجھے فرار کے بعد آخر ربیکا اتنی رات گئے براہِ راست مجھ
سے کیسے آ ٹکرائی۔ اس واقعہ کو اگر میری بدنصیبی یا محض اتفاق سمجھ
کر قبول کر لیا جاتا تو ویرا کی کہانی مکمل تھی۔

چند لمحوں میں یہ ساری تصویر میرے ذہن میں مکمل ہو گئی۔

"کہاں کھو گئے؟" میری طرف سے سکوت محسوس کر کے ویرا
نے ٹوکا۔

"تمہارے انکشاف نے ذہن سُن کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ
بتاؤ کہ اب کیا کیا جائے۔ یہ عورت مجھے آسانی کے ساتھ اپنے جال
سے نہیں نکلنے دے گی۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

"میں تو بس ایک ہی مشورہ دے سکتی ہوں، شاید تم بھی ان
ہی خطوط پر سوچ رہے ہو۔" اس کا لہجہ تجسس آمیز تھا۔

"میں کچھ نہیں سوچ رہا، میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا ہے، تم
بتاؤ کہ کیا فیصلہ کرنا چاہیے؟"

"اس سے پہلے کہ زہریلی ناگن تم کو ڈسے، تم پیش قدمی کر کے
اس کا سر کچل دو۔" ویرا کی آواز میں ہلکی سی لذت کی چاشنی پیدا ہو
گئی۔ جیسے وہ ربیکا کے قتل کا فریضہ اپنے ہاتھوں سے انجام دے رہی
ہو۔ "ڈارلنگٹن کے سامنے آنے سے پہلے تمہیں یہ کام پورا کرنا ہوگا۔"

"ڈارلنگٹن نے اسے آج ہی لندن سے فون پر بتایا ہے کہ وہ

اس ویک اینڈ تک واپس نہ آسکے گا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ اس وقت میں یکایک ہی خود کو مضمحل محسوس کرنے لگا تھا۔

"وہ جھوٹی ہے۔" ویرا کی آواز کسی سانپ کی پھنکار سے مشابہ تھی۔ "بوڑھے شوہر سے اکتائی ہوئی وہ عورت تمھیں غافل رکھ کر رنگ رلیوں میں اُلجھائے رکھنا چاہتی ہے تاکہ اس کا شوہر جب چاہے تمھارے زخرے پر سوار ہو جائے۔ بیم گن تو تمھارے ہی پاس ہے نا؟"

"ہاں۔" وہ ذکر آتے ہی مجھے الگزینڈر یاد آگیا، لیکن میں نے ویرا کو اس بارے میں بتانا ضروری نہیں سمجھا، کیونکہ اس وقت ہم ایک اہم ترین موضوع میں اُلجھے ہوئے تھے جس پر میری بقا کا دار و مدار تھا۔

"میں تمھاری کال کا یہیں انتظار کروں گی۔ اپنا کام مکمل کرتے ہی مجھے مطلع کر دینا۔"

"اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد میرا کیا ہوگیا۔" میرے اعصاب پر بوجھ ہر لمحے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ "شہر بھر میں سخت ترین چیکنگ ہو رہی ہوگی، میں باہر نکلتے ہی دھر لیا جاؤں گا۔"

"میں کوئی تدبیر سوچتی ہوں۔ اگر کچھ ممکن نہ ہوا تو تمھیں میکس کی کار کی ڈکی میں چھپا کر وہاں سے نکال لاؤں گی۔ میرے میجر والے کارڈ کی وجہ سے کوئی کار کی تفصیلی تلاشی نہیں لے گا۔"

"پھر تم آہی جاؤ۔ تمھارے پہنچنے تک میں اپنے کام سے فارغ ہو جاؤں گا۔ یہاں صرف ایک بوڑھی ملازمہ ساتھ رہتی ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے اسے بھی بہلایا جا سکتا ہے کہ اس کی مالکن غسل کر رہی ہے۔"

"بس میں ابھی نکلتی ہوں۔" ویرا کی آواز ہیجان آمیز تھی۔ "ڈارلنگٹن کا فلیٹ مجھے معلوم ہے۔"

میں نے شکست خوردہ انداز میں ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ شاید سلطان شاہ سچ ہی کہتا تھا کہ میرا زوال کسی عورت کے ہاتھوں ہونے والا تھا، کیونکہ میں خوبصورت چہروں پر ہمیشہ اعتماد کر بیٹھتا تھا اور شاید ڈارلنگٹن میری اس کمزوری سے واقف ہو چکا تھا۔ اسی لیے اس نے خود سامنے آنے کے بجائے ربیکا کو میری راہ پر لگایا تھا۔

میری بیم گن ربیکا کی خواب گاہ میں جوتوں کی دراز میں پوشیدہ تھی۔ پچھلی رات میں نے لباس تبدیل کرتے ہوئے ربیکا کی آنکھ بچا کر اسے وہیں چھپا دیا تھا کیونکہ میں اس سے اپنے پاس کسی اسلحے کی موجودگی سے انکار کر چکا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی مرحلے پر وہ ہتھیار میری تحویل میں دیکھ کر میری طرف سے شبہات کا شکار ہو جائے، مگر اب ربیکا کے خلاف اسی بے مثال گن کے استعمال کا مرحلہ آچکا تھا۔

میں نے اپنے اعصاب اور منتشر خیالات کو یکجا کرنے کے لیے وہیں بیٹھے بیٹھے یکے بعد دیگرے دو سگریٹیں پھونک دیں۔ سچی بات یہ تھی کہ اس وقت مجھے ربیکا کے انجام پر قلق ہو رہا تھا۔ مختصر سی دوستی اور یکجائی کے بعد اس کے خلاف یک بیک سفاکانہ رویّہ اختیار کرنا میرے مزاج کے خلاف تھا۔ وہ جو کچھ بھی کر رہی تھی اس سے قطع نظر لطیف جذبات اور لطیف تر اظہارِ رائے رکھنے والی ایک خوش جمال، سُبک اندام، شیریں گفتار اور نوخیز عورت تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میرے ہاتھوں ڈارلنگٹن کے عزائم کی بھینٹ چڑھنے والی تھی۔

ویرا شاید میکس کے بارے سے چل پڑی تھی۔ میرے پاس وقت کم رہ گیا تھا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اُٹھتے ہی میری پنڈلی میں درد کی لہر اُبھری اور میں نچلا ہونٹ دانتوں میں داب کر رہ گیا۔ پچھلی رات ربیکا نے میری پنڈلی کی ورم آلود ہڈی پر اپنے مہربان ہاتھوں سے بام کی مالش کر کے لچک دار بینڈیج باندھی تھی جس سے درد میں بہت افاقہ ہوا تھا، مگر صبح غسل کرتے ہوئے میں نے وہ پٹی اتار دی تھی جس کے اثرات رفتہ رفتہ رنگ دکھا رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ ربیکا کا قصہ پاک کرنے کے بعد روانگی سے پہلے میں خود ہی پٹی باندھ لوں گا۔

میں ربیکا کی خواب گاہ میں داخل ہوا اور اس پر نگاہ پڑتے ہی اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔ وہ جوتوں کی اسی دراز کے پاس کھڑی ہوئی تھی جس میں میں نے بیم گن چھپائی تھی۔ دراز کھلی ہوئی تھی۔ اور ربیکا پھٹی پھٹی خوفزدہ نظروں سے اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی بیم گن کو دیکھ رہی تھی۔

"تم ..... تم؟ ..... یہ تمھاری ہے؟" میری آہٹ پاتے ہی اس نے گھبرائی ہوئی خوف زدہ آواز میں کہا۔ "کل رات میں نے باہر جانے کے لیے جوتے نکالے تو یہ یہاں نہیں تھی۔"

"لاؤ، یہ مجھے دے دو۔" میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے نرمی سے کہا تو میری آواز گمبھیر اور بھاری ہو چکی تھی۔ "یہ بے ضرر کھلونا ہے۔ تمھارے خوف زدہ ہونے کے خیال سے میں نے جوتوں کی دراز میں ڈال دیا تھا۔"

"نہیں!" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔ "یہ میں تمھارے ہاتھ میں نہیں دوں گی، تمھارے تیور بھیانک ہو رہے ہیں، آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے... تمھیں کیا ہو گیا ہے؟" گھومتے ہوئے غیر ارادی طور پر بیم گن کی نال میرے سینے کی طرف ہو گئی۔

"تمھارا وہم ہے۔ تم ڈر گئی ہو۔" میں نے بہلانے کی نیت سے قہقہہ لگانا چاہا، لیکن فوراً ہی خاموش ہو گیا۔ اس وقت مجھے اپنی آواز پر اختیار نہیں رہا تھا جو لمحہ بہ لمحہ ڈراؤنی ہوتی جا رہی تھی۔

"رُک جاؤ! ورنہ میں اسے چلا دوں گی۔" اس نے تیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ یہ بے ضرر نہیں ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس پر بروقت میرا ہاتھ پڑ گیا، ورنہ تم تو اس وقت وحشی درندے بنے ہوئے ہو۔ ذرا آئینے میں اپنی صورت دیکھو اور پھر مجھے بتاؤ کہ کیا تم وہی آدمی ہو، جسے میں کل رات پناہ دینے کے لیے اپنے گھر لائی تھی۔"

میں بیم گن کی مہیب آہنی نال کے ننھے سے سوراخ کو گھورتے ہوئے اپنی جگہ تھم گیا۔ "شروع سے تمھارے ارادے خراب ہیں۔ تم مستقل میری کھوج میں لگی ہوئی ہو۔ تمھیں یہ کھلونا نہ ملتا تو تم مجھے مارنے کے لیے کوئی اور بہانہ تلاش کر لیتیں۔ تمھیں بہلنے کی بھی کیا ضرورت تھی۔ تم رات ہی کو میرے گلاس میں زہر ملا سکتی تھیں۔ مگر تم ..... ؟ بوڑھے شوہر کی محروم بیوی! تم اپنے شوہر کے قیدی سے اپنی محنت کا خراج وصول کرنا چاہتی تھیں۔ اس لیے تم نے رات مجھے زندہ رکھا ..... !"

"خاموش!" وہ روہانسی آواز میں حلق کے بل چیخی۔ "یہ تم کہہ رہے ہو، جس کے لیے میں نے وفا کا عہد توڑا۔ ارادے تمھارے خطرناک تھے جو اس وقت تمھاری صورت پر پھٹکار بن کر برس رہے ہیں..... وہ دیکھو!" اس نے بیم گن کی نال میری طرف سے ہٹائے بغیر بائیں ہاتھ سے ایک دیوارگیر پینٹنگ کی طرف اشارہ کیا۔ "میں پستول چلانا جانتی ہوں۔ میں نے تمھارے اس بے ضرر کھلونے کا سیفٹی کیچ ہٹا کر اس تصویر پر فائر کیا تھا اور تم دیکھ رہے ہو کہ مہلک شعاعوں نے تصویر سے گزر کر دیوار کی کنکریٹ کو کئی انچ کی گہرائی تک راکھ بنا دیا ہے۔ اب میرے قریب نہ آنا ورنہ اس بار یہ شعاعیں تمھارے بدن کو چاٹ جائیں گی۔" غصے اور

ہیجان کے باعث اس کا سانس پھولنے لگا تھا اور سینے کے زیر و بم دور ہی سے نمایاں نظر آ رہے تھے۔

"میرے ارادے نیک تھے۔" میں نے چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد کہا۔ "لیکن یہ مجھے اب پتا چلا کہ تم آئی مین کی بیوی ہو اور تم دونوں نے ایک سازش کے تحت مجھے پھانسا..."

"کیا بک رہے ہو؟" وہ غصے میں جھنجلا کر بولی۔ "میں حلف اٹھا سکتی ہوں کہ میں کسی آئی مین کو نہیں جانتی، میرے شوہر کا نام ڈارلنگٹن ہے۔ جیف ڈارلنگٹن۔ سمجھے تم!"

مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ اس کے الفاظ اور لہجے میں بے ساختگی تھی، وہ آئی مین کو بھی ایک نام سمجھ رہی تھی اور اگر میں نے زندگی بھر بھاڑ ہی نہیں جھونکا تھا تو میرے تجربے کی روشنی میں وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔

تو کیا ویرا نے رقابت کے جوش میں مجھے اس کے خلاف ورغلانے کی کوشش کی تھی؟ میرے ذہن میں سوال ابھرا اور چند ثانیوں کے لیے میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔

"میرے بارے میں جیف ڈارلنگٹن کی کیا رائے ہے؟" چند سیکنڈ تک خاموش رہنے کے بعد میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد اور بے رحمانہ لہجے میں سوال کیا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو۔ تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" وہ تیز مگر ہراساں لہجے میں بولی۔ "اسے تمھاری موجودگی کی بھنک بھی مل گئی تو وہ تمھاری بوٹیاں کتوں کو کھلا دے گا۔ ان کہے سمجھوتے اور بے غیرتی میں بڑا فرق ہوتا ہے......"

"اور ڈارلنگٹن بے غیرت نہیں ہے۔" میں نے اس کی بات میں ٹکڑا لگایا۔ "تمھیں یہ بھی علم نہیں ہے کہ وہ ہیروئن فروشوں کی ایک عالمی تنظیم کے لیے کام کرتا ہے؟"

"مجھ سے حلف لے لو، جو مجھے ذرا بھی علم ہو۔ میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ اسے بے تحاشا آمدنی ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ اپنے کاروباری معاملات میں مصروف رہتا ہے۔ میں خود تم سے کہہ چکی ہوں کہ اس کے پولیس والوں سے گہرے مراسم ہیں۔ مجھے اس کی سرگرمیوں پر شبہ ہے، لیکن یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ لیکن تمھیں ڈارلنگٹن کے بارے میں اچانک یہ سب کیسے معلوم ہو گیا؟ مجھے پورے گھر میں اس کے کاروبار کے بارے میں کوئی کاغذ نہیں ملا۔"

"میرے اپنے بھی کچھ وسائل ہیں۔" میں نے محسوس کیا کہ ذرا سی بازپرس کے نتیجے میں میرا دماغ آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہوتا جا رہا تھا کیونکہ اس کے الفاظ میں وزن اور لہجے میں بلا کی اپیل تھی۔

"تمھیں میرے بارے میں کس نے بہکایا ہے؟" وہ میرے سینے کی طرف سے بیم گن ہٹائے بغیر رو دینے والی آواز میں بولی۔ "میں تو تمھیں ڈرائنگ روم میں ٹھیک ٹھاک چھوڑ کر آئی تھی، بیچر

وہ ایک دم ہی چونک پڑی۔" میں سمجھ گئی۔ تم کو مکیں کے شراب خانے میں کام کرنے والی اسی کتیا نے بھڑکایا ہوگا جو تم سے رقم اینٹھتی رہی ہے۔ تم نے اسے بتادیا ہوگا کہ اب تم میرے ساتھ رہوگے۔ وہ کتیا بھی یہ برداشت نہ کرسکی ہوگی کہ ایک موٹی اسامی اتنی آسانی کے ساتھ اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ کچھ تم نے اسے بتایا ہوگا' باقی نمک مرچ اس نے لگادیا۔"

"تم نے ڈارلنگٹن کے پاس کبھی سلور آئی دیکھی ہے؟" آخر کار میں نے اس کا تبصرہ نظر انداز کرتے ہوئے اس سے وہ اہم ترین سوال بھی کر ہی ڈالا۔

"یہ کیا چیز ہے؟ میں تمھیں ایک بار پھر بتارہی ہوں کہ اس کے ذاتی معاملات کے بارے میں میں بالکل اندھیرے میں ہوں۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کن لوگوں سے ملتا ہے۔"

"سلور آئی پاؤنڈ اسٹرلنگ کے برابر ایک گول طلائی سکہ ہے جس پر خالص چاندی سے دونوں طرف ابھری ہوئی نیم وا انسانی آنکھ ڈھلی ہوئی ہے۔" میں نے بیم گن کی موجودگی اور ربیکا کے غیر متوازن ذہنی حالت کے پیشِ نظر اپنی جیب سے سلور آئی نکالنے کی کوشش کیے بغیر پرخیال لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"وہ تو سونے کی چین میں پڑا ہوا ایک عجیب لیکن بہت خوبصورت پینڈینٹ ہے۔ جسے وہ ہر وقت لباس کے نیچے گلے میں پہنا رہتا ہے۔" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی اضطراری لہجے میں بول پڑی۔ اور میرے دہانے سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہوگیا۔

"تم واقعی بے قصور ہو۔" بوجھل خاموشی کے بعد میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تمھاری بدقسمتی صرف اتنی ہے کہ نادانستگی میں تم مجرموں کی عالمی تنظیم کے ایک اہم رکن سے شادی کر بیٹھی ہو اور وہ سب میرے لہو کے پیاسے ہیں۔ تم اتفاقاً مجھ سے ٹکرائیں لیکن حقائق سامنے آنے پر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ تم اپنے شوہر کی شریکِ کار ہو۔"

"یہ لو!" اس نے اچانک بیم گن کا سیفٹی کیچ چڑھا کر اسے میری طرف اچھال دیا۔ "اور اب اس جرم کی پاداش میں میرا بدن چھلنی کردو تب بھی مجھے تم سے کوئی شکوہ نہ ہوگا۔" رندھی ہوئی آواز میں اپنی بات پوری کرتے ہی وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر بلک کر رو پڑی۔

میں اپنی جگہ سے ہلے بغیر بیم گن اپنی جیب میں ڈال کر کسی احمق کی طرح اپنا سر کھجانے لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ربیکا کی دلجوئی کرکے اسے خاموش کرانے کی کوشش کروں یا اسے کمرے میں تنہا چھوڑ کر باہر نکل جاؤں تاکہ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال سکے۔

مغاڈور بیل بجی۔ شاید ویرا میری توقع سے بھی کم وقت میں وہاں آپہنچی تھی۔ گھنٹی کی آواز سن کر ربیکا نے سر اٹھایا تو ان چند ہی لمحوں میں اس کی نازک اور غزالی آنکھیں سرخ اور متورم ہوچکی تھیں اور پورا چہرہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوئیں تو اس کی آنکھوں میں ملامت آمیز شکوہ چنگھاڑ رہا تھا۔ میں نے اس کی نظروں کی تاب نہ لاکر سر جھکالیا۔ میں نے واقعی اس کے ساتھ زیادتی کی تھی۔

"جاؤ، جاکر تم ہی دیکھو کہ کون آیا ہے۔" اس نے بھرائی ہوئی عصیلی آواز میں کہا۔ "میں اس حالت میں کسی کے سامنے جاکر خود کو تماشا نہیں بناؤں گی۔"

میں ایک لفظ بھی کہے بغیر دبے قدموں خواب گاہ سے نکل گیا۔ راہداری میں ہی بوڑھی خادمہ مل گئی جس کے ہاتھ میں آنے والے کا کارڈ دبا ہوا تھا۔ میں نے ملازمہ کو اشارے سے روک کر کارڈ اس کی چٹکی سے لے لیا اور اس پر گیری ہارٹ لکھا ہوا دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔

سادہ کارڈ پر نام کے علاوہ کچھ بھی نہیں چھاپا گیا تھا۔ بوڑھی ملازمہ فرنچ میں مجھے کچھ بتانے کی کوشش کررہی تھی، لیکن اس لمحے میرا ذہن اچانک خلاء میں پرواز کرنے لگا تھا۔ ویرا کی بات نہ مان کر شاید میں نے اپنی زندگی کی بدترین غلطی کی تھی۔ کیونکہ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ گیری ٹُشی کا مقامی چیف تھا۔ جس سے میرا اندے کے مکان پر فون کے ذریعے ویرا کی بات ہوئی تھی۔

میری نظروں میں ربیکا کا بھرا بھرا روتا ہوا چہرہ ابھر آیا۔ جس میں سرخ اور متورم آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی تھیں اور میں اپنی مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ گیری کی وہاں آمد اس بات کا ثبوت تھی کہ ٹُشی والوں کو میرا سراغ مل چکا تھا اور میرا ہانکا شروع کردیا گیا تھا۔ ان تک یہ خبر صرف ربیکا ہی پہنچا سکتی تھی۔ ورنہ پورے شہر میں کسی کو علم نہیں تھا کہ میں کہاں روپوش تھا۔

جو ہونا تھا' وہ ہوچکا تھا۔ اس پر اپنی ذہنی توانائی برباد کرنے کے بجائے مجھے تن بہ تقدیر ہوکر آنے والے غیر یقینی حالات کا سامنا کرنا تھا۔ میں جیب میں پڑی ہوئی بیم گن کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے گیری کے استقبال کے لیے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

بوڑھی ملازمہ مجھے یوں حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے اسے میری دماغی صحت پر شبہ ہو۔

جیف ڈارلنگٹن ٹُشی کا ایک سرگرم اور اہم کارندہ تھا جو اپنی خدمات کی بنا پر جنوبی فرانس میں واحد آئی مین کے درجے پر فائز تھا۔ ربیکا اس کی بیوی تھی جو بظاہر اتفاقاً مجھ سے ٹکرائی تھی اور اپنی رفاقت کا یقین دلاکر ڈارلنگٹن کے مکان میں

لے آئی تھی۔ ویرا نے مجھے سمجھانا چاہا کہ وہ اتفاق نہیں تھا بلکہ ربیکا نے دانستہ مجھے اپنے جال میں پھانسا تھا لیکن ربیکا سے بات کرنے کے بعد اس کے لہجے کی بے ساختگی اور چہرے کی معصومیت کی بنا پر مجھے اس کی بے گناہی کا یقین آگیا اور اب مارسیلز میں تھی کا مقامی چیف گیری ہارٹ ربیکا کے فلیٹ کے دروازے پر موجود تھا جس کا مطلب تھا کہ تھی والوں کو اس فلیٹ میں میرے قیام کی اطلاع مل چکی تھی اور اسی کے ساتھ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی کوششوں کا آغاز ہو چکا تھا۔

اس وقت میں دوبارہ ربیکا سے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے ہر حال میں گیری ہارٹ کا سامنا کر کے اپنے طور پر صحیح فیصلے کرنے تھے ورنہ ڈارلنگٹن کا وہ فلیٹ میرا مقبرہ بن سکتا تھا۔

ذہن میں پیدا ہونے والے خیالات کی یلغار میں میں نے آہستگی سے فلیٹ کا دروازہ کھول دیا اور محسوس کیا کہ آنے والا دروازے کے پیچھے میرا چہرہ دیکھتے ہی تھوڑا سا مضطرب نظر آیا تھا۔

وہ مضبوط جسم والا ایک دراز قامت اور خوش پوش شخص تھا جس کے چہرے کی جلد یوں جھلسی ہوئی تھی جیسے وہ ان دنوں کثرت سے سن باتھ لیتا رہا ہو۔ اس کی آنکھیں چمکیلی اور تیز تھیں جن میں ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور وہ میرے چہرے پر مرکوز ہو گئی تھیں اس وقت ان نگاہوں میں تحیر آمیز تجسس کے ساتھ ہی شبہات کی سے پرچھائیاں بھی لرز رہی تھیں لیکن اس سے فوری طور پر کسی اشتعال آمیز رویے کی امید نہیں تھی۔

نگاہیں چار ہونے کے بعد ہم دونوں چند ثانیوں تک ایک دوسرے کو حریفانہ انداز میں گھورتے رہے پھر اچانک ہی اس کے لبوں پر نرم تبسم نمودار ہوا جس نے کشیدگی کا احساس بڑی حد تک کم کر دیا۔ پھر اس نے فرنچ میں کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے ہاتھ اٹھا کر معذرت خواہانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں فرنچ جیسی میٹھی اور محبت آمیز زبان سے نابلد ہوں۔ میرے ساتھ تمہیں انگریزی میں بات کرنا ہوگی۔ بہتر ہوگا کہ پہلے تم اندر آجاؤ' باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔" میں نے اس کے لیے راستہ چھوڑتے ہوئے پیشکش کی لیکن وہ جھجک اور بے یقینی کے عالم میں وہیں کھڑا رہا۔

"اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو یہ فلیٹ مسز ربیکا ڈارلنگٹن کا ہے؟" اس نے انگریزی میں استفسار کیا۔

"میں نے اسے بے دخل کر کے فلیٹ پر قبضہ نہیں کیا ہے بلکہ میں اسی کا مہمان ہوں۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ مار کر خود کو صورت حال کی طرف سے بے پروا ظاہر کرنے کی نیت سے کہا۔ "تم بے فکری کے ساتھ اندر آسکتے ہو۔ مسز ربیکا کی طبیعت اس وقت کچھ ناساز ہے شاید چند منٹ بعد وہ خود تم سے مل سکے گی۔"

وہ چوکھٹ عبور کر کے اندر آگیا اس دوران میں میں نے اس کے لباس کی جیبوں پر نگاہ ڈال کر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ غیر مسلح نہیں تھا۔

"مسٹر گیری ہارٹ!" میں نے ڈرائنگ روم میں اس کے مقابل صوفے پر بیٹھتے ہوئے بلند آواز میں اس کا کارڈ پڑھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تنویر کہتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا پینا پسند کرو گے؟"

"اس وقت صرف کافی۔" اس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں آپس میں رگڑتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "آج صبح ہی سے کافی سرد ہوا چل رہی ہیں اور آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا ہے۔"

ربیکا کی ملازمہ آداب میزبانی سے اچھی طرح واقف تھی اس اثنا میں ڈرائنگ روم کے اندرونی دروازے پر آموجود ہوئی تھی۔ میری زبان سے کافی کا لفظ سنتے ہی وہ تیزی سے اندر غائب ہو گئی کیونکہ اس وقت وہ ایک لفظ ہی ایک جامع ہدایت کا درجہ رکھتا تھا۔

"موسم کی خرابی اپنی جگہ ہے لیکن مارسیلز تو آج کل ایک ڈراؤنا خواب بن کر رہ گیا ہے...." میں نے اس کے جواب میں دانستہ ادھوری بات کہی۔ اس وقت میرا ذہن تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا اور میں اس سے اپنی گفتگو کا کوئی خاص ڈھب سوچ رہا تھا جس کے ذریعے اس کی آمد کا مدعا دریافت کیا جا سکے۔

"ڈراؤنا خواب؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "مارسیلز تو باہر سے آنے والوں کے لیے خوابوں کی جنت ثابت ہوتا ہے۔ تم شاید اسی فلیٹ میں دبک کر بیٹھ گئے ہو اس لیے تمہیں مارسیلز کے ارمان انگیز تجربات سے واسطہ نہیں پڑا ہے ورنہ یہ شہر تو بہت خوبصورت ہے یہاں رہنے والے اس سے بھی زیادہ خوبصورت اور مہمان نواز ہیں۔"

"تم درست کہہ رہے ہو لیکن فائر کیمپ کے خونیں حادثے نے اس شہر کی رنگینیوں کو چاٹ لیا ہے۔ یہاں سالوں میں اتنے لوگ نہ مرتے ہوں گے جتنے چند لمحوں میں لقمۂ اجل بن گئے۔"

اس کے چہرے پر تاریکی کا ایک سایہ سا آکر گزر گیا کیونکہ فائر کیمپ اس کی کمزوری تھا۔ تھی کے مقامی چیف کی حیثیت میں وہ تنہا اس اسلحے کی حفاظت اور انتظام کا ذمے دار تھا۔

"ناگہانی حادثے دنیا میں ہر جگہ ہوتے رہتے ہیں لیکن منچلوں کی یادداشت بہت کمزور ہوتی ہے۔ چند روز میں مارسیلز کے دامن کا یہ داغ بھی دھندلا جائے گا اور یہاں کی روایات پھر سیاحوں کو اپنی طرف کھینچنے لگیں گی۔ مارسیلز تو پھر صدیوں قدیم روایات کا امین ہے تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ آئے دن ہونے والے فضائی حادثات کے باوجود دن بدن ہوائی سفر کے رجحان میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ کبھی روس کو ریل کے مسافر بردار طیارے کو گرا لیتا ہے اور کبھی امریکی کمپیوٹر

...ران کے مسافر بردار طیارے کو ہولناک فضائی عفریت سمجھ کر میزائل
...ت نہ بنا دیتا ہے لیکن پھر بھی جہاز سے سفر کرنے والوں کی تعداد میں
...کے کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے۔"
"تمھاری مصروفیت کیا ہوتی ہے مسٹر گیری ہارٹ" ہوقع پاتے
...میں نے ایک ذو معنی اور چبھتا ہوا سوال داغ دیا۔
"اتنی مختصر سی شناسائی میں یہ سوال ہمارے یہاں معیوب سمجھا
...ہے۔" اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "میری مصروفیت سے
...تمھاری صحت کو کوئی خطرہ لاحق ہو تو دوسری بات ہے۔"
میں ہنس پڑا۔ "تمھاری گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ
...سی ائیر لائن کی ایجنسی چلاتے ہو۔ بس اسی خیال کی تصدیق کے لیے
...چھ لیا تھا ورنہ اس دور میں تو کوئی بھی کاروبار باعثِ عار نہیں رہا
...ے۔ قتل کرنے اور ہیروئن بیچنے والے بھی اپنے پیسے کے زور پر معاشرے
...میں معزز اور اشراف سمجھے جاتے ہیں۔"
"اپنی صاف گوئی پر میں معذرت خواہ ہوں مگر تمھیں یہ ضرور
...تا چاہوں گا کہ تمھارا مبہم اور طنزیہ اندازِ گفتگو مجھے ذرا بھی پسند
...یں آیا۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔ "اگر مسز ربیکا کے آنے میں
...ر ہے تو میں تمھارے ساتھ بیٹھنے کے بجائے تنہا انتظار کرنے کو
...جیح دوں گا۔"
"تم میری توہین کر رہے ہو۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں
...ل کر کہا۔ "یہ نہ بھولو کہ ربیکا کے آنے تک میں ہی تمھارا میزبان
...وں اور ہر ناپسندیدہ ملاقاتی کو مکان سے باہر پھینک دینے کا اختیار
...تا ہوں۔"
اس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور بولا۔ "مسز ربیکا سے سامنا
...ونے تک میں تمھیں برداشت کرنے پر مجبور ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ
...ی بداخلاقی پر وہ تمھیں ضرور سرزنش کریں گی۔"
"تو سن لو کہ ربیکا تم سے نہیں مل سکے گی۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا
...سے اس وقت ذہنی سکون کی ضرورت ہے۔ میں اسے کسی مشکوک
...قاتی سے ملنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"
وہ یک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا اس کا دھوپ سے جھلسا ہوا چہرہ
...ے میں سرخ ہو گیا۔ "تم لٹیرے ہو اور تم نے مسز ربیکا کو اپنا قیدی بنا
...اس گھر پر تصرف حاصل کیا ہوا ہے۔ میں اسی امر کی تصدیق کے
...ے آیا تھا اور اگر تم نے فوری طور پر مسز ربیکا کو آزاد نہ کیا تو میں تمھیں
...لیس کے حوالے کر دوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے پھرتی کے ساتھ
...کی جیب سے اعشاریہ تین دو کا پستول نکال کر میری طرف تان لیا۔
"تمھیں کس نے ربیکا کی دیکھ بھال پر مامور کیا ہے؟" میں نے
...فزدہ ہوئے بغیر کاٹ دار لہجے میں سوال کیا۔
"مارسیلز میں وہ لاوارث نہیں ہے۔۔۔" اس نے غصیلے لہجے میں
کہنا شروع کیا مگر میں نے زہریلے لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔
"مجھے معلوم ہے کہ مس مارسیلز کے اس شہر میں سیکڑوں عاشق اور
خیر خواہ ہوں گے جن کے سروں پر وہ اپنی جوتی توڑنا بھی پسند نہیں کرے
گی۔ اس فلیٹ میں اپنی موجودگی کا کوئی مضبوط جواز بتاؤ ورنہ میں تمھارے
پیٹ میں ہاتھ ڈال کر آنتیں باہر الٹ دوں گا۔"
اسی لمحے خادمہ کافی کی ٹرالی دھکیلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل
ہوئی اور ہم دونوں خاموش ہو گئے لیکن جوں ہی ٹرالی میرے سامنے آئی
میں نے اسے ٹھوکر سے گیری ہارٹ کی طرف اچھال دیا۔ بوڑھی خادمہ
چیخ مار کر ایک طرف ہو گئی اور ربید مجنوں کی طرح کانپنے لگی کیونکہ
میری لات کی گردش کے ساتھ ہی اسے گیری ہارٹ کے ہاتھ میں دبا
ہوا پستول بھی نظر آگیا تھا جسے گیری ملازمہ سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا
اس نے خود کو ٹرالی اور کھولتے ہوئے کافی پاٹ سے بچانے
کی پوری کوشش کی لیکن چہرہ بچنے کے باوجود اس کا سینہ اور ایک بازو
بھاپ اڑاتے ہوئے پانی کی زد میں آگیا۔ میرے لیے بس وہی ایک
لمحہ کافی تھا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑی اور گیری پر ٹوٹ پڑا۔
وہ خاصا جسیم اور شہ زور تھا اس لیے میں اسے گرانے میں کامیاب
نہ ہو سکا لیکن اس کے ہاتھ سے پستول ضرور نکل گیا جو میرے لیے
ایک بھیانک خطرہ تھا۔ اسی اثنا میں بوڑھی فرنچ ملازمہ ایک نحیف
سی چیخ مار کر بے ہوش ہو چکی تھی اور ہم دونوں ڈرائنگ روم کے وسط
میں وحشی سانڈوں کی طرح ایک دوسرے کو رگید نے پر تلے ہوئے تھے
گیری ہارٹ سے باقاعدہ جسمانی تصادم کا آغاز ہونے تک مجھے
پورا یقین تھا کہ میں جلد ہی اسے زیر کر لوں گا لیکن وہ میرے مقابلے
میں کسی چٹان کی طرح ڈٹا ہوا تھا اور بار بار میری ٹانگوں میں اپنی پنڈلیاں
پھنسا کر مجھے گرانے کی کوشش کر رہا تھا اور مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ اگر
پر کوئی بھرپور داؤ نہ لگایا گیا تو وہ کسی بھی لمحے مجھے زیر کر کے میرے
سینے پر چڑھ بیٹھے گا اور میں اس کا کچھ نہ بگاڑ سکوں گا۔
ایک بار جوں ہی میرے ادپری دھڑ کی جھونک میں اس کے
دونوں ہاتھ نیچے گرے اور اس کا چہرہ ایکسپوز ہوا میں نے پوری قوت
کے ساتھ اس کے چہرے پر ٹکر رسید کی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم
پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ میری ٹکر نے اس کی ناک اور دہانہ لہولہان کر دیا تھا
میرا خیال تھا کہ میرا وہ وار فیصلہ کن تھا۔ میں ایسی ہی چند وحشیانہ
کوششوں کے بعد آسانی کے ساتھ اسے زمین بوس کر سکتا تھا۔
"ٹھہرو۔" اچانک فضا میں ایک تحکم آمیز نسوانی آواز گونجی۔ "یہ
کیا ہو رہا ہے؟"
گیری پر اس آواز کا اثر حیرت ناک تھا۔ اس کے سست پڑتے
ہی میں نے اس کے چہرے پر ایک اور وحشیانہ ٹکر رسید کی اور وہ
لڑکھڑا کر دور جا گرا۔ اسی کے ساتھ میں بھی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا

میں نے پلٹ کر دیکھا تو ربیکا اپنی ورم آلود سرخ آنکھوں سمیت دروازے پر موجود تھی۔ شاید ڈرائنگ روم میں ہونے والی دھما چوکڑی نے اسے خواب گاہ سے وہاں آنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی ربیکا نے بھرائی ہوئی مگر غصیلی آواز میں سوال کیا۔

"تمہارا مہمان بہت سرکش اور گستاخ ہے۔" میں نے قالین سے اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے گیری ہارٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "سُنا ہے کہ فرنچ بہت حساس اور نازک مزاج ہوتے ہیں لیکن یہ تو پتھر کی طرح ٹھس اور بے حس نکلا۔ موقع ملتے ہی مرنے مارنے پر تل گیا تھا۔" میں نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے، یہ تو گیری ہارٹ ہے!" ربیکا نے غور سے اس کے لہولہان چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "یہ تو جیف ڈارلنگٹن کے مرغی خانوں اور فروٹ فارمز کا منشی ہے۔ اسے کیا ہوا؟" اس کی بے خبری میرے لیے حیران کن تھی۔

"اسے اس کی اَنا نے لہولہان کر دیا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "یہ منشی کے بجائے خود کو تمہارا نگہبان سمجھ بیٹھا تھا اور ابھی تک اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے۔"

جواب میں گیری ہارٹ نے فرنچ زبان میں ربیکا سے مخاطب ہو کر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ربیکا نے اسے ٹوک دیا۔ "انگریزی میں بات کرو گیری! تاکہ تمہاری بات سب کی سمجھ میں آسکے۔ تم زخمی ہو اور میری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں لیکن میں کسی ناانصافی یا بے جا طرف داری کو پسند نہیں کروں گی۔"

"یہ جھوٹ بول رہا ہے۔" اس بار گیری ہارٹ انگریزی میں بولا تھا۔ "تشدد میں اس نے خود پہل کی ہے۔ میں تو صرف تم سے ملنے آیا تھا لیکن یہ بضد تھا کہ مجھے تم سے نہیں ملنے دے گا۔"

"لیکن تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے مائی ڈیئر ڈارلنگ؟" ربیکا نے ہمدردانہ لہجے میں اس سے سوال کیا۔ "تم جانتے ہو کہ ڈارلنگٹن بھی اپنے گھر میں تمہاری آمد کو زیادہ پسند نہیں کرتا پھر تم اس کی غیر موجودگی میں یہاں کیا لینے آئے تھے؟ مرغی خانوں اور فروٹ فارمز کے بارے میں مجھے تو ذرا بھی معلومات نہیں ہیں۔" میرے قیاسات کے برعکس اس کا لہجہ سرد مہرانہ تھا۔

"مرغی خانوں سے نہ مجھے دلچسپی ہے اور نہ جیف ڈارلنگٹن کسی برڈز فارم کا مالک ہے۔" وہ قدرے برا مان کر بولا۔ "میں اسی کی ہدایت پر تم سے ملنے آیا تھا۔"

"اس کی ہدایت تمہیں کیسے مل گئی؟ وہ تو کئی دن سے انگلینڈ گیا ہوا ہے۔" ربیکا نے ترش لہجے میں سوال کیا۔

گیری ہارٹ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ تلخ لہجے میں پھٹ پڑا۔ "تم کو یہ سب اسی سے پوچھنا چاہیے۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں اس کو جواب دہ ہوں اور اس نے مجھے ایک کام پر مامور کیا ہے جس کی انجام دہی میں نہ صرف تمہارا مہمان بلکہ تم خود بھی مزاحم ہو۔"

میں نے قالین پر گرا ہوا اس کا پستول اٹھا کر اسی کی طرف تان لیا۔ "تم یہاں مجبور اور زیر دست ہو اس لیے بہتر ہو گا کہ اشاروں میں بات کرنے کے بجائے پوری تفصیل بتلاتے چلے جاؤ ورنہ میں کسی کی پروا کیے بغیر تمہیں خون میں نہلا دوں گا اور تم اپنے قدموں پر چل کر واپس نہ جا سکو گے۔"

میرے تلخ اور فیصلہ کن لہجے نے اسے خوفزدہ کر دیا۔ چند ثانیوں تک عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر لہجے پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "تم نے میرے ساتھ جو کچھ زیادتی کی اس پر مجھے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ میں اپنے رویے پر نادم ہوں لہٰذا اب مجھے واپسی کی اجازت دے دو۔"

"یہ ناممکن ہے، اپنی آمد کا پورا پس منظر اور مدعا بتائے بغیر تم یہ دہلیز پار نہ کر سکو گے۔"

گیری نے بے بسی سے ربیکا کی طرف دیکھا اور وہ شانے اچکا کر رہ گئی۔ "شاید تم دیکھ رہے ہو گے کہ میری آنکھیں سرخ اور متورم ہو رہی ہیں۔ میں اپنڈکس کے شدید درد میں مبتلا ہوں۔ میرا ذہن بھی مفلوج ہو رہا ہے لہٰذا تمہیں وہی کچھ کرنا ہو گا جو یہ چاہ رہا ہے۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گی۔"

"اور اگر تم ربیکا کے اس مشورے کو بھی قابلِ قبول نہیں سمجھتے تو میں اپنے افسرانہ اختیارات سے کام لینے پر مجبور ہو جاؤں گا۔" میں نے اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھ کر کہا۔ "میں اب تک تم سے کھیل رہا ہوں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میں ڈارلنگٹن سے کسی طرح کم نہیں ہوں۔"

شاید میری بات کا پورا مفہوم اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو لیکن اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟ پہیلیاں بجھوانے کے بجائے مجھ سے کھل کر بات کرو۔"

"بات بالکل سامنے کی ہے۔۔۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "جو منصب ڈارلنگٹن کا ہے، وہی میرا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس وقت اس کے گھر اور اس کی بیوی پر میرا تصرف ہے دائمی ہے اور میں اپنی پوری قوت اور صلاحیت کے ساتھ تمہارے سامنے موجود ہوں۔"

وہ چند ثانیوں تک پھٹی پھٹی نگاہوں سے بے یقینی کے عالم میں میری طرف دیکھتا رہا پھر کھوکھلے لہجے میں بولا۔ "میں نہیں مانتا۔ اگر تم وہی ہو جو مجھے سمجھانا چاہ رہے ہو تو مجھے ثبوت درکار ہے۔ تم میرے سینے پر پورا میگزین خالی کر دو تب بھی میری زبان نہیں

سکے گی۔"

"میں تمھیں کیا سمجھانا چاہ رہا ہوں؟" میں نے اس کی بے یقینی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے تمسخرانہ لہجے میں سوال کیا کیونکہ میرے ہاتھ میں پستول کی موجودگی میں وہ کوئی غلط حرکت کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔

"اب تم میری زبان نہ کھلوا سکو گے۔" وہ قدرے توقف کے بعد مضبوط لہجے میں بولا۔ "تمھارا دعویٰ درست ہوا تو تم مجھے اپنا بندۂ بے دام پاؤ گے۔"

"یہ کیا سلسلہ شروع کردیا تم نے؟" ربیکا قدرے ناگواری کے ساتھ مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "تم بلاوجہ ایک ادنیٰ ملازم کو اہمیت دے رہے ہو۔ یہ میرے شوہر کا منشی ہے اور اگر میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تو یہ ایک لمحے کے لیے بھی میری چھت کے نیچے نہیں رک سکتا....."

"تم قانونی بات کررہی ہو اور یہ قانون شکنی سے روزی کماتا ہے۔" میں نے پستول کی نال سے گیری ہارٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمھارا شوہر ان قانون شکنوں کا سردار ہے اس لیے مجھے اسی کی زبان میں بات کرنا ہوگی ورنہ یہ میری کسی بات کا جواب نہیں دے گا۔"

"یہ پہلے ہی زخمی ہوچکا ہے۔ میں اپنی چھت کے نیچے مزید خون خرابے کی اجازت نہیں دے سکتی۔" ربیکا نے قدرے غصیلے لہجے میں کہا۔ شاید ڈارلنگٹن کے بارے میں میری کہی ہوئی بات اسے ناگوار گزری تھی۔ اب تک کے طرزِ عمل سے ربیکا نے یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ میرے بارے میں کسی سازش میں شریک نہیں تھی اور نہ ہی گیری ہارٹ سے اس کی کوئی ملی بھگت تھی بلکہ وہ اپنے آقا ڈارلنگٹن کی براہِ راست ہدایت پر کسی خاص مقصد کے تحت وہاں آیا تھا۔ ربیکا بھی وہ بات سمجھ چکی تھی لیکن اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کی موجودگی میں اس کے شوہر پر کسی بھی قسم کی تنقید کی جائے۔

"میں کوئی خون خرابا نہیں کرنا چاہتا لیکن اس کی ضرورت پیش آگئی تو پھر تمھاری اجازت لینے کی مہلت بھی نہ مل سکے گی۔ تم ازراہِ کرم اندر چلی جاؤ اور مجھے اس سے نمٹنے دو کیونکہ یہ میرا شکار ہے۔" میں نے کہا۔

"تمھارا لب و لہجہ جارحانہ ہے۔ تم کو اس کے منہ لگنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ میں اسے فوراً باہر نکالنے پر آمادہ ہوں۔"

"یہ پینڈنٹ والا چکر ہے۔" میں نے اسے بحث پر آمادہ پاکر سنجیدگی کے ساتھ کہا اور اپنی جیب سے سولو آئی نکال کر اس کے سامنے کردی۔

ربیکا نے حیرت کے ساتھ میری ہتھیلی پر چمکتی ہوئی سولو آئی کو دیکھا تھا اور جب میں نے نقرئی آنکھ والا وہ طلائی سکہ گیری ہارٹ کو دکھایا تو اس پر لرزہ طاری ہوگیا اور وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں کے بل قالین پر میرے سامنے جھک گیا۔ ربیکا کے لیے گیری کا وہ ردِ عمل حیران کن ثابت ہوا تھا۔

"یہ تو وہی پینڈنٹ ہے جو ڈارلنگٹن گلے میں پہنے رہتا ہے، یہ تمھارے پاس کہاں سے آیا؟ گیری اسے دیکھ کر تم سے خوفزدہ کیوں ہوگیا ہے؟" ربیکا نے حیرت سے مجھ پر سوالات کی یلغار کردی۔

"یہ ایک تنظیم کا شناختی نشان ہے۔" میں نے سولو آئی واپس جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "یہ جس کے پاس ہو اس کے لیے دوسرے ارکان اسی عقیدت اور احترام کا مظاہرہ کرتے ہیں جو گیری میرے لیے کررہا ہے۔ اب تھوڑی دیر کے لیے تم خاموش رہو اور مجھے گیری سے اپنے مذاکرات مکمل کرنے دو۔"

"میں معافی چاہتا ہوں۔" سکوت ہوتے ہی گیری بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے تم پہلے ہی اپنی حیثیت سے آگاہ کردیتے تو مجھ سے کوئی گستاخی سرزد نہ ہوتی۔ تمھیں معلوم ہے کہ ڈارلنگٹن بھی آئی مین ہے اور تمھاری طرح اس کے احکام بھی میرے لیے قابلِ تعظیم ہوتے ہیں۔"

"تمھیں اس نے لندن سے فون کیا تھا؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"تھوڑی دیر قبل اس نے مجھے فون کرکے ہدایت کی تھی کہ میں اس کے گھر آکر یہ دیکھوں کہ یہاں اس کی بیوی کے پاس کون آیا ہوا ہے۔ اس نے فون پر اپنی بیوی سے بات کرتے ہوئے اس کے لب و لہجے اور انداز میں نمایاں تبدیلیاں محسوس کی تھیں اور میرے ذریعے وہ ان تبدیلیوں کا سبب دریافت کرنا چاہتا تھا۔ یہاں سے واپس لوٹ کر مجھے لندن فون کرکے اسے اپنی رپورٹ سے آگاہ کرنا تھا۔"

"پھر تم نے یہاں کیا دیکھا، اُسے کیا رپورٹ دو گے؟"

وہ بے بسی سے میری طرف دیکھنے لگا۔ "میں نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ جو تم چاہو گے اس سے وہی کہہ دوں گا بلکہ تم چاہو تو میں ابھی تمھارے سامنے اسے فون کیے لیتا ہوں۔"

اس کی تجویز معقول تھی۔ میں نے ربیکا سے لندن کا وہ فون نمبر نوٹ کرنے کے لیے کہا جس پر گیری ہارٹ ڈارلنگٹن کو فون کرنے والا تھا لیکن اسی وقت ایک مرتبہ پھر فلیٹ کی ڈوربیل چیخ اٹھی۔

اندرونی دروازے کی اوٹ سے ربیکا کی ملازمہ دروازے کی طرف لپکی تھی۔ مجھے امید تھی کہ اس بار آنے والی یقیناً ویرا ہی ہوگی لیکن جب تک وہ سامنے نہ آجاتی، تجسس برقرار رہتا لہٰذا ہم تینوں ہی خاموشی کے ساتھ ملازمہ کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

چند ثانیوں بعد ہی داخلی دروازے کی جانب سے ملازمہ

کی ہلکی سی چیخ سُن کر ہم چونک پڑے لیکن اس سے قبل کہ ہم میں سے کوئی دروازے کی طرف جانے کا فیصلہ کرتا ملازمہ اس حالت میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوتی نظر آئی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ بدن پر کپکپی طاری تھی اور اس کے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھے ہوئے تھے۔ اس کے پیچھے ویرا نظر آئی جس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔

اسے علم نہیں ہو سکا تھا کہ اس سے بات ہونے کے بعد اس فلیٹ میں کیا تبدیلیاں نمودار ہو چکی تھیں۔ اس لیے وہ اپنے ہی انداز میں وہاں وارد ہوئی تھی۔ شاید اسے یقین تھا کہ اس وقت تک میں نے ربیکا کو جہنم واصل کر دیا ہوگا اور خود فلیٹ کے کسی کونے کھدرے میں چھپ کر اس کی آمد کا انتظار کر رہا ہوں گا تاکہ وہ مجھے ربیکا کے فلیٹ سے بحفاظت نکال لے جا سکے۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہونے پر میرے ہاتھ میں پستول، گیری ہارٹ کو گھٹنوں پر کھڑا ہوا اور میرے نزدیک مس مارسیلز کو پوری طرح چاق و چوبند دیکھ کر ویرا چونکی اور پھر اس کی خونخوار نگاہیں سب کچھ فراموش کر کے ربیکا کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"یہ حرافہ زندہ ہے ابھی تک؟" کمرے کے سکوت میں ویرا کی آواز کسی ناگن کی زہریلی پھنکار کی طرح گونجی تھی۔

"اوہ مادام ویرا!" گیری ہارٹ اسے پہچان کر خوشامدانہ لہجے میں بول پڑا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم یہاں آگئی ہو۔ شاید تمھاری سفارش آئی مین کو مجھ پر رحم کھانے پر مجبور کر دے۔"

ویرا نے یوں چونک کر اس کو دیکھا جیسے ابھی تک وہاں اس کی موجودگی سے لاعلم رہی ہو پھر قدرے تحیر آمیز آواز میں بولی۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو گیری؟"

میں دانستہ خاموش رہا اور گیری ہارٹ گڑگڑانے لگا۔ "میں ایک آئی مین کی ہدایت پر یہاں آیا تھا مگر بدنصیبی سے دوسرے کا معتوب ہو گیا۔"

اس کی بات سنتے ہوئے ویرا میرے قریب آئی تو میں نے نرمی کے ساتھ اس کے ہاتھ سے پستول اپنی تحویل میں لے لیا۔

"تم نے میری بات نہیں مانی؟" ویرا نے میرے قریب ٹھہر کر اُردو میں شکوہ کیا۔ "ربیکا کو زندہ دیکھ کر مجھے دلی صدمہ ہوا ہے۔ یہ عورت تمھارے حق میں ناگن ثابت ہو سکتی ہے۔"

"ابھی تک تو یہ بے قصور ثابت ہوئی ہے۔ قصوروار نکلی تو اسے بھی مار دیں گے۔" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ ربیکا اپنے شوہر کی مصروفیات سے بالکل بے خبر ہے۔ اس نے تو اپنی دانست میں ایک لکھ پتی تاجر سے شادی کی ہے جو جرائم سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتا....."

"پھر اس نے تمھیں اپنا مہمان کیوں بنا لیا؟" اس نے میری بات کاٹ کر تیز لہجے میں سوال کیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ ربیکا کے بارے میں وہ روایتی حسد اور نفرت کی آگ میں جل رہی تھی۔

"محض اتفاق ہی کہہ سکتی ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"اور گیری بھی اتفاقاً ہی یہاں آ پہنچا؟" ویرا نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"گیری کی آمد اتفاقاً نہیں بلکہ ڈارلنگٹن کی چالاکی کا نتیجہ ہے۔" میں نے اس کے لہجے کا اثر لیے بغیر کہا۔ "پچھلی رات ربیکا نے کانٹوں کے بجائے پھولوں کی سیج پر گزاری تھی کیونکہ اپنی دانست میں اس نے اپنے باغیرت شوہر کی دی ہوئی آزادی کا استعمال سیکھ لیا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل اس کے شوہر کا فون آیا تو اس نے روایتی جھگڑے کے بجائے زندگی میں پہلی بار اپنے شوہر سے میٹھی گفتگو کی اور وہ بڈھا خرانٹ محض لہجے کی تبدیلی سے ربیکا کی مسرت کا سبب بھانپ گیا۔ اس نے ربیکا پر اپنا کوئی شبہ ظاہر نہیں کیا لیکن فوراً ہی گیری کو یہاں دوڑا دیا تاکہ یہ ربیکا کے مہمان کا جائزہ لے کر فون پر اسے اپنی رپورٹ دے سکے کیونکہ اتنی جلدی لندن سے مارسیلز پہنچنا اس کے بس سے باہر تھا۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ تم دونوں کیا بات کر رہے ہو لیکن میں حلفیہ کہتا ہوں کہ اپنے سے اوپر والے کے حکم کی تعمیل کے علاوہ میرا کوئی جرم نہیں ہے۔" اچانک گیری ہارٹ نے فریادی لہجے میں ہانک لگائی۔

"تم اس وقت مجھے اپنا سفارشی سمجھ رہے ہو لیکن یاد ہے کہ لوکن کے معاملے میں تم نے مجھ سے کیا سلوک کیا تھا؟" ویرا زہریلے لہجے میں اس پر برس پڑی۔

"پرانے زخموں کو نہ کریدو مادام ویرا!" وہ دردآمیز لہجے میں کراہا۔ "اس وقت مجھے بتایا گیا تھا کہ تم مارسیلز میں میرا تختہ الٹ کر اپنی پشت پناہی سے لوکن کو چیف بنوانا چاہتی ہو۔ تم دیکھو کہ تمھارا کچھ نہیں بگڑا۔ بس میں نے حسد سے لوکن کو مروا دیا اور یہی میرا قصور تھا۔"

"اسے نہیں کریدتی لیکن یہ تو بتاؤ کہ تمھاری سربراہی میں فائر کیمپ کیسے تباہ ہو گیا؟" ویرا نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"تفتیشی حکام کو اُلجھایا گیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ کھلی تخریب کاری ہے۔" وہ پُریقین لہجے میں بولا۔ "بربادی کے آغاز سے پہلے مجھے ٹرانسمیٹر پر خبر دی گئی تھی کہ فائر کیمپ کی شمالی دیوار سے کوئی کار ٹکرا کر جل اٹھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ عملے کی توجہ مبذول کرانے کے لیے وہ ناٹک رچایا گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میری ہدایت پر ایمرجنسی اسکواڈ کے علاوہ باقی محافظ اپنی اپنی جگہوں پر لوٹ جاتے، تخریب کاروں کو اندر گھسنے کا موقع مل گیا۔"

"اور وہ اپنی کارروائی مکمل کر کے اڑن طشتری میں مر

ں لوٹ گئے؟" ویرا بے رحمی کے ساتھ اس کا مضحکہ اڑا کر اپنا
بڑا انتقام لے رہی تھی "اس کارنامے کی خوشی میں اب
جلد ہی تمھیں ترقی دے دی جائے گی تاکہ آئندہ تم زیادہ وسائل
ساتھ خلائی مخلوق کا مقابلہ کر سکو۔"

"ختم کرو یہ بحث۔" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا "یہ یہاں آ ہی
ہے تو اب اسے مرنا ہی ہو گا کیونکہ جس طرح یہ مجھ سے سچ بولا
اسی طرح ڈارلنگٹن کے سامنے بھی سچ بولنے پر مجبور ہو گا۔ وہ کبھی
ت گوارا نہیں کرے گا کہ اس کی بیوی پر اس کا ذاتی حق ختم کر کے
م کا ٹھپا لگا دیا جائے۔"

"نہیں... میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھارے بارے میں ڈارلنگٹن
ک لفظ بھی نہیں بتاؤں گا۔" گیری ہارٹ بوکھلائی ہوئی خوفزدہ
ز میں تقریباً چیخ پڑا۔

اسی کے ساتھ ربیکا بھی مشتعل لہجے میں غرائی تھی "آپس کے
ڑے میں تمھیں میری توہین کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ میں
ھاری جاگیر ہوں اور نہ ڈارلنگٹن کی، اپنے لیے مجھے مناسب
ی کے انتخاب کا حق ہر وقت حاصل ہے۔ مجھے اندازہ نہیں
ر تم وقت پڑنے پر میرے خلاف اتنی گندی زبان استعمال
و گے۔"

"کتیا!" ویرا آنکھیں نکال کر ربیکا پر برس پڑی "کیسی پارسا بن
ا ہے... اگر تیرا کوئی اسکینڈل نہیں بنا تو یہ نہ سمجھ کہ میں بھی ڈارلنگٹن
طرح اندھی اور بہری ہوں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تو نے
ر تب کیسی گھناؤنی رشوتوں کے ذریعے مقابلۂ حسن کے ججوں کو اپنے
یں فیصلہ دینے پر مجبور کیا تھا۔ تجھے تو اب مارسیلز کے کتے بھی
نا پسند نہیں کریں گے۔"

ویرا کی بکواس سن کر میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا۔ مجھے معلوم
ا کہ وہ اس کی طرف سے حسد کا شکار ہو چکی تھی اور اس کی بے عزتی
رنے کا ہر موقع استعمال کرنے پر تلی ہوئی تھی لیکن میں اسے ناراض
رنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

ربیکا سے میری آشنائی بڑی مختصر سی تھی جسے چند لمحوں یا چند
ٹوں بعد ختم ہو جانا تھا لیکن ویرا ایک مدت سے برے بھلے
ت میں میرا ساتھ دیتی چلی آ رہی تھی اور جب تک مجھے غزالہ کا
راغ نہ مل جاتا میں ویرا کے ساتھ اپنے مراسم استوار رکھنے پر مجبور تھا۔
زالہ جو میرے لیے سرمایۂ حیات تھی، انگلینڈ میں کہیں گم ہو چکی تھی اور
ھے کچھ علم نہیں تھا کہ اپنی آبرو اور بقا کی جدوجہد میں وہ دنیا جہان

سے لڑتی بھڑتی کدھر نکل گئی تھی۔ میں تنہا اس کا سراغ نہیں لگا سکتا تھا۔
ویرا اپنی ذات میں ایک محفل تھی۔ یورپ کے ہر قابل ذکر شہر میں اس
کے جاں نثار وفادار موجود تھے جو اس کے اشارے پر سمندر کی تہ میں

گری ہوئی سوئی تک تلاش کر سکتے تھے اور ان ہی امکانات نے اس
وقت ویرا کو میرے لیے ناگزیر بنا دیا تھا۔
اس سے قبل کہ غصے میں کانپتی ہوئی ربیکا ویرا کو کوئی سخت
جواب دیتی میں نے ملامت آمیز لہجے میں ویرا سے کہا "تم بلاوجہ
ربیکا سے اُلجھ رہی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مقابلۂ حسن میں اس
نے تمھیں زک دے کر خطاب جیتا ہو۔ اس بے معنی جھگڑے میں
اُلجھنے کے بجائے ہمیں آگے کی فکر کرنا چاہیے۔"

"میں بھی پیچھے کی نہیں آگے کی بات کر رہی ہوں۔" ویرا زہر آلود
لہجے میں بولی "اگر تم ربیکا سے اپنے روابط برقرار رکھنے پر مصر ہو
تو شاید تمھیں پچھلے امکانات کا جائزہ لینا ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اب
یہ عورت بھی ہمارے حق میں اسی قدر خطرناک ثابت ہو سکتی ہے جتنا
خطرناک گیری ہارٹ ہو سکتا ہے۔"

"تم اسے مارنا چاہتی ہو؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا اور وہ
جواب دینے کے بجائے محض اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر رہ گئی،
اپنی کٹ حجتی کے باوجود اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ میں اسے آسانی
کے ساتھ ربیکا کو روندنے کی اجازت نہیں دوں گا۔

"لیکن یہ زندہ رہے گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔" میں نے اس کے
ردِ عمل میں کمزوری بھانپتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا "کم از کم ربیکا
کے معاملے میں تمھاری مرضی نہ چل سکے گی۔ اب تم یہ بتاؤ کہ گیری ہارٹ
کے بارے میں کیا فیصلہ کرنا چاہتی ہو؟ اس کے مستقبل کا انحصار سراسر
تمھارے فیصلے پر ہے۔" اس وقت ویرا سے میری وہ گفتگو انگریزی

میں ہو رہی تھی تاکہ معاملے کے جملہ فریق ہمارے فیصلوں سے باخبر رہیں۔
"اپنی چند گھنٹوں کی آشنا کو تم زندہ رکھنا چاہتے ہو تو میں بھی
گیری ہارٹ کو زندہ رکھوں گی۔" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں اردو میں

کہا "میرا دل کہتا ہے کہ گیری، ربیکا سے کم خطرناک ثابت ہو گا۔"
"تم میرے ساتھ ضد پر اتر آئی ہو۔" میں نے بھی اردو میں ہی کہا۔
چند ثانیوں تک وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی

رہی پھر شانے اُچکا کر بولی "ٹھیک ہے، جو تم چاہتے ہو کر گزرو،
میں کوئی دخل نہیں دوں گی۔"
"خدا کا شکر ہے کہ تم راہِ راست پر آ گئی ہو۔ ہمیں اپنے حریفوں
کی وجہ سے آپس کے تصادم میں نہیں اُلجھنا چاہیے اور گیری تو پہلے

بھی کبھی تمہارا خیر خواہ نہیں رہا۔" ویرا سے یہ کہتے ہوئے میں نے گیری کا پستول اپنی جیب میں رکھ کر بیم گن نکال لی جسے پہچان کر گیری کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔

" میں تم سے التجا کرتی ہوں کہ اس چھت کے نیچے خونریزی نہ کرو۔" میرا ارادہ بھانپ کر ربیکا دونوں ہاتھ جوڑ کر خوشامدانہ لہجے میں بولی۔" میں اس کی لاش کہاں ٹھکانے لگاؤں گی؟"

" اس بارے میں تمھی کو کوئی راہ نکالنا ہوگی۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔" باہر کے مخدوش حالات میں ہم اسے یہاں سے نکال کر نہیں لے جا سکتے۔"

" میں پولیس والوں کو جواب دیتے دیتے پاگل ہو جاؤں گی۔" وہ روہانسی آواز میں بولی۔" اور پھر اس کی موت پر میں اپنے شوہر کو کسی بھی قیمت پر اپنی بے گناہی کا یقین نہ دلا سکوں گی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ میری زندگی برباد ہو کر رہ جائے گی۔"

اس کے اندیشے بجا تھے لیکن میں ان کا کوئی حل پیش کرنے سے قاصر تھا۔ ربیکا کی گفتگو پر ویرا کے ہونٹوں پر ہلکی سی فاتحانہ مسکراہٹ ابھر آئی جیسے ربیکا کی ذہنی اذیت سے اسے دلی سکون ملا ہو۔ میں ربیکا سے مخاطب تھا۔ اس گفتگو سے یہ بات تو واضح ہو چکی تھی کہ گیری کو ہر حال میں مرنا تھا۔ اپنا انجام سامنے دیکھ کر وہ بھی گلو خلاصی کے کسی موقع کا منتظر تھا اور پھر مجھے اپنی طرف سے غافل پا کر اس نے اچانک ہی مجھ پر جست لگا دی۔ بالکل آخری لمحے پر میں نے گیری کے سینے کا نشانہ لے کر بیم گن کا ٹرائیگر دبایا اور نیلگوں شعاعیں اس کے سینے میں پیوست ہو گئیں لیکن وہ میری سمت میں حرکت میں آیا ہوا تھا اس لیے مرتے مرتے بھی مجھ پر آ پڑا اور آخر کار اتفاقی طور پر وہ دلخراش واقعہ بھی رونما ہو ہی گیا جسے ٹالنے کے لیے میں نے ویرا کی ناراضگی مول لی تھی۔

جس وقت دم توڑتا ہوا گیری میرے اوپر گرا بیم گن کا ٹرائیگر دبا ہوا تھا اور اس کے نوزل میں سے مہلک شعاعوں کا اخراج جاری تھا۔ اس کے بھاری بھرکم وجود کی جھونک سے اچانک میرا ہاتھ گھوم گیا اور ربیکا کی گردن شعاعوں کی زد میں آ گئی۔ میں نے فوراً ہی ٹرائیگر چھوڑ کر بیم گن نیچے گرا دی۔ اس وقت تک ربیکا کے چہرے کے نقوش بھیانک ہو چکے تھے۔ منہ پھٹا ہوا تھا۔ ہونٹ ہل رہے تھے لیکن کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی کیونکہ بیم گن نے اس کے گلے کے صوتی عضلات لمحہ بھر میں خاکستر کر دیے تھے۔

اس حادثے پر ویرا بھی بوکھلا کر ربیکا کی مدد کے لیے لپکی تھی لیکن وہ تیورا کر قالین پر ڈھیر ہو چکی تھی اور ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ اس کے حلق اور نرخرے سے خوفناک خرخراہٹ پیدا ہو رہی تھی۔ اس کی حالت اس قدر ابتر تھی کہ اس کے لیے کچھ بھی نہ کیا جا سکا اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ اس کی بوڑھی ملازمہ پہلے ہی شدید خوف سے بے ہوش ہو چکی تھی۔

"بہت برا ہوا۔" ویرا نے چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد سپاٹ لہجے میں کہا۔

"لیکن تمھاری خواہش پوری ہو گئی۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔" بعض گھڑیاں خواہشات کی قبولیت کی ہوتی ہیں۔ میں تم سے بحث کرتا رہا پھر میرے ہی ہاتھ سے وہ اپنے انجام کو پہنچی۔"

"وہ زندہ رہتی تو خطرناک مسائل سے دوچار ہوتی۔ ڈارلنگ اس کی زندگی عذاب بنا دیتا یا ربیکا خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاتی۔ اب وہ ہر جھنجھٹ سے آزاد ہو گئی ہے۔ تم سے بحث ختم ہونے کے بعد میری خواہش کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ ربیکا بے حد حسین تھی۔ شاید اسی وجہ سے میں اس سے بدظن ہو گئی تھی۔"

میں تلخ انداز میں مسکرا دیا۔" دنیا اس سے بھی زیادہ حسین ہے۔ تم کس کس کو مارو گی؟"

"جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب ہمیں یہاں سے نکلنے کی فکر کرنا ہے۔" ویرا بات ٹالتے ہوئے بولی۔" شہر بھر میں واقعی زبردست ہنگامے ہو رہے ہیں۔ ہر طرف جنگی سماں نظر آ رہا ہے۔ اس ماحول میں تمھیں لے جانا آسان نہ ہوگا۔"

"گیری ہارٹ کی جیبوں یا گاڑی میں شناختی کاغذات ضرور ہوں گے۔ کیوں نہ انھیں استعمال کیا جائے؟" میں نے تجویز پیش کرتے ہوئے بے جان گیری کی جیبوں کی تلاشی لینا شروع کر دی۔

"بے سود ہے۔" ویرا نے کہا۔" اس کے شناختی کارڈ پر لگی تصویر کو تم نہیں بدل سکو گے۔ میرا خیال ہے کہ تمھیں میکسیکو تک ڈک میں ہی جانا پڑے گا۔"

"کتنی دیر کا سفر ہے؟" میں نے تلاشی موقوف کرتے ہوئے سوال کیا۔

"پندرہ منٹ۔" اس نے کہا۔" ویسے میں نے ڈک کا کچھ سامان نکال دیا ہے۔ دوران سفر تمھیں تازہ ہوا آسانی کے ساتھ ملتی رہے گی۔"

"یہاں سے دن دہاڑے ڈک میں گھسنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ اگر قرب و جوار کے فلیٹوں کے کسی مکین نے دیکھ لیا تو وہ کار کا نمبر پولیس کو بتلائے گا۔" میں نے اپنی جیبوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"آج شہر میں سرد اور تیز ہوائیں چل رہی ہیں۔ کوئی پاگل ہی ایسے موسم میں دروازہ یا کھڑکی کھول کر باہر جھانکنے کا ... اس سے ہمیں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔" اس نے کہا اور مجھے

کو گیری ہارٹ نے بھی آتے ہی تیز اور سرد ہواؤں کے ساتھ آسمان پر چھائے ہوئے سیاہ بادلوں کا ذکر کیا تھا۔

مشرق میں ابر و باراں کو قدرت کا ایک انعام تصور کیا جاتا ہے۔ ساون رت چلتے ہی طبیعتوں پر خود بخود ایک مستانہ کیفیت طاری ہونے لگتی ہے گھٹاؤں کے ساتھ لوگ غول در غول گھروں کو چھوڑ کر تفریح کے لیے نکل پڑتے ہیں۔ اردو شاعری میں سے اگر عشق اور ساون کے ذکر کو نکال دیا جائے تو بیشتر دیوان کورے کاغذ رہ جائیں لیکن مغرب میں جہاں پیرِ فلک ہر لحظہ چشمِ پُرنم کے ساتھ گورے جسموں کی اخلاقی سیاہیوں کو دیکھتا اور روتا رہتا ہے وہاں بادلوں کو ایک عذاب سمجھا جاتا ہے۔ بات وہی ہے جو کبھی مولانا حالی کہہ گئے ہیں بلکہ لکھ گئے ہیں کہ انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا جسے چمکتی ہوئی تیز دھوپ میسر ہے وہ گھٹاؤں کا طلب گار ہے اور جہاں سیاہ بادل ہر لمحے وادیوں اور چوٹیوں کو چومتے رہتے ہیں وہاں چمکتی دھوپ کی آرزوئیں مچلتی نظر آتی ہیں اور جہاں بھی دھوپ کا اُجالا نظر آئے وہاں حسین اور اُجلے اُجلے پیکر اپنے جسموں پر چند انچ کی دھجیاں لپیٹے اپنی رنگت کو جھلسانے پر تل جاتے ہیں۔

شاید ربیکا کے حادثاتی قتل نے میرے ذہن کو متاثر کیا تھا اور اسی دباؤ سے نجات حاصل کرنے کے لیے میرا ذہن غیر ارادی طور پر بادل اور ساون کی رومان افروز وادیوں میں بھٹک گیا تھا۔ مجھے ہوش آیا تو میں ڈرائنگ روم میں دو لاشوں اور تیسری بے ہوش خادمہ کے ساتھ تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ ویرا شاید روانگی کے بندوبست کا جائزہ لینے کے لیے باہر جا چکی تھی۔

اچانک مجھے سلطان شاہ کا خیال آیا اور مجھے اپنی آنتوں میں گرہیں سی پڑتی محسوس ہونے لگیں۔

پچھلی رات مارسیلز میں قیامت کی رات تھی فائر کیمپ تباہ ہو گیا تھا اور شہر میں جگہ جگہ آتشیں شعلے اپنی سُرخ سُرخ زبانیں نکالے انسانی لہو کی بھینٹ لینے کے لیے بے تاب تھے اور جب ایسی ہی تباہی کاجارس میساندرے کے مکان پر نازل ہوئی تو ہمیں وہاں سے سر پر پیر رکھ کر بھاگنا پڑ گیا۔ ہمیں ایک دوسرے کا ہوش نہیں تھا اور ہم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تھے لیکن ربیکا کے فلیٹ میں پناہ ملنے کے بعد میں نے ویرا کو تلاش کر لیا تھا البتہ سلطان شاہ ابھی تک لاپتا تھا۔

وہ زخمی ہو گیا تھا اور ایک امدادی جماعت اسے ایمبولینس میں لے گئی تھی اس سے زیادہ ویرا بھی کچھ نہیں بتا سکی تھی۔ شہر میں ہنگامی صورت حال تھی، سارے اسپتال زخمیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق بہت سے زخمی دوسرے شہروں میں بھیج دیے گئے تھے کیونکہ مارسیلز کے اسپتالوں میں جگہ باقی نہیں رہی تھی۔ ان حالات میں سلطان شاہ کا سراغ لگانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔

مجھے ڈر یہ تھا کہ کہیں اسے مشتبہ غیر ملکی ہونے کی بنا پر حراست میں نہ لے لیا گیا ہو۔ ایسا ہوتا تو سلطان شاہ کی زندگی برباد ہو سکتی تھی۔

پھر اچانک ویرا لوٹ آئی۔ "فوراً میرے پیچھے آؤ" اس نے اندر آتے ہی کہا۔ "باہر میدان صاف ہے اور میں نے کار فلیٹ کے دروازے پر پارک کی ہوئی ہے۔ تم باہر آتے ہی ڈکی میں گھس جانا' مجھے یقین ہے کہ کوئی تم کو نہیں دیکھ سکے گا پھر بھی تم ہیم گن ہر لمحے تیار رکھنا۔"

میکس کی کار پرانے ماڈل کی رینالٹ تھی جس کی ڈکی زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ پھر میں اپنے گھٹنے پیٹ سے ملا کر اس میں آرام سے سما گیا اور ویرا نے جلدی سے ڈکی بند کر دی۔ لحظہ بھر بعد ہی کار کا انجن بیدار ہوا اور ہمارے سفر کا آغاز ہو گیا۔ اس وقت میرے دل میں شدت سے سگریٹ نوشی کی خواہش بیدار ہوئی جسے میں نے پورا کرنے کا فیصلہ کر لیا لیکن فوراً ہی میرے نتھنوں میں پیٹرول کی تیز بو آئی۔ شاید گیسولین ٹینک کا کوئی حصہ ڈکی میں لیک تھا اس لیے میں نے آتشزدگی کے خطرے کے پیشِ نظر اپنا سگریٹ نوشی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

چند منٹ کے پُرسکون سفر کے بعد مجھے گردوپیش میں ٹریفک کا شور سُنائی دینے لگا گاڑی کی رفتار بھی سُست اور ناہموار ہو گئی جس کی وجہ سے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ گاڑی مارسیلز کے کسی بارونق اور مصروف حصے سے گزر رہی تھی۔ پھر ایک جگہ کار رُک گئی۔

اس کے وقفے وقفے سے رینگ کر آگے بڑھنے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہاں شاید قطار لگی ہوئی تھی اور ساری گاڑیاں باری باری تلاشی کے مراحل سے گزر رہی تھیں۔ میرے لیے انتظار کے وہ لمحات بہت صبر آزما اور اعصاب شکن تھے آخر خدا خدا کر کے گاڑی کی رفتار تیز ہوئی تو میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ویرا کے اندازے کے مطابق اس کی کار کی ڈکی نہیں کھلوائی گئی تھی۔

سفر کے اختتام پر ویرا نے انجن بند کر کے ڈکی کھولی تو میں نے خود کو نیچی چھت والے ایک گندے سے گیراج میں موجود پایا۔ ویرا نے ڈکی کھولنے سے قبل گیراج کا دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا تھا۔

"کیا یہی میکس کا ٹھکانا ہے؟" میں نے ڈکی سے باہر نکلتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں، تم دیکھ سکتے ہو کہ مجھے کیسی گندی جگہ پناہ لینا پڑی جب کہ تم رات کو ربیکا کی خوابگاہ میں عیش کر رہے تھے۔ خوابگاہ کا حال اس سے بھی ابتر ہے۔"

"اب تور یکا کو معاف کر دو۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "مرے ہوئے دشمن پر الزام تراشیاں شرفا کو زیب نہیں دیتیں اور میں تمھیں شریف تصور کرتا ہوں۔"

گیراج کے اندرونی حصے میں زینے نظر آرہے تھے، جو شراب خانے کی رہائشی منزل پر جانے کا چور دروازہ تھا۔ دیرا اس وقت مجھے ساتھ لے کر عام راستے سے اوپر نہیں جانا چاہتی تھی کیونکہ وہ راستہ شراب خانے کے ہال سے گزر کر سیڑھیوں کی طرف جاتا تھا یوں میں بلاوجہ میکس کے تمام گاہکوں کی نظروں میں آسکتا تھا۔

گیراج والا زینہ اوپری منزل کے کچن میں جاتا تھا۔ کچن میں ہر چیز سے ابتری اور بے پروائی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ فضا میں مختلف اشیا کی ناگوار بساند بھی رچی ہوئی تھی۔ کچن سے باہر مختصر سا ڈرائنگ روم تھا اور اسی سے ملحق دو خواب گاہیں تھیں۔

ڈرائنگ روم کے ساتھ پتلے سے کوریڈور میں غالباً شراب خانے کے ہال سے آنے والا زینہ پہنچتا تھا لیکن راہداری میں آگے بڑھے بغیر زینے کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ ڈرائنگ روم کا فرنیچر قیمتی اور پُرآسائش تھا لیکن بے توجہی نے سارا تاثر تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ میں اوپر پہنچتے ہی اکتائے ہوئے انداز میں ایک صوفے پر دراز ہو گیا۔

اسی لمحے اچانک ایک خوابگاہ کا دروازہ نیم وا ہوا اور اس کی اوٹ میں ناکافی لباس میں ایک پستہ قامت لیکن گٹھے ہوئے جسم والا سفید فام نظر آیا جس کی آنکھوں میں تیرتی ہوئی سرخی اور سکڑی ہوئی پتلیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے صبح سویرے سے ہی شراب نوشی کا آغاز کیا ہوا تھا۔

"ہیلو لینا ڈارلنگ!" اس نے دروازہ کھولتے ہی لڑکھڑائی ہوئی سپاٹ آواز میں کہا۔ "یہی تمھارا بوائے فرینڈ ہے جو انگریزی کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں جانتا؟"

"ہاں میکس!" دیرا مجھ سے پہلے بول پڑی۔ "میں اس کی طرف سے فکر مند تھی لیکن تمھارے ٹھکانے پر یہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔"

اس دوران میں احتراماً اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو چکا تھا لیکن میکس نے میری اس خیر سگالی پر ذرا بھی توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ وہ وہیں دروازے کی اوٹ میں کھڑے کھڑے مجھے نظر انداز کر کے براہِ راست دیرا سے مخاطب ہوا تھا۔

"میرے پاس بنٹی آئی ہوئی ہے۔" اس نے مخمور لہجے میں دیرا کو آگاہ کیا۔ "میں اس کے ساتھ آرام کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تمھارا دوست غل غپاڑا نہیں مچائے گا۔"

"تم بے فکر ہو کر اپنا دروازہ بند کر لو۔" دیرا نے جلدی سے کہا۔ "تمھیں ہماری موجودگی کی بھنک بھی نہیں مل سکے گی۔ شام کے کھانے پر ہی تم سے تفصیلی بات ہو گی۔"

"تم واقعی بہت ذہین کتیا ہو مائی بے بی!" اس نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ یہ کہتے ہوئے خوابگاہ کا دروازہ بند کر دیا اور میں ناپسندیدگی کے طور پر اپنا سر جھٹکتے ہوئے دوسری خوابگاہ کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دوسری خوابگاہ کی حالت مکان سے بہت مختلف اور صاف ستھری تھی۔ یقینی طور پر دیرا نے اسے سنوارنے میں خاصا وقت صرف کیا تھا لیکن وہ اس کمرے میں کشادگی پیدا نہیں کر سکی تھی۔ دُہری مسہری اور ڈریسنگ ٹیبل کے بعد بچ جانے والی مختصر سی جگہ کو تین کرسیوں نے مزید محدود کر دیا تھا۔ باتھ روم دونوں خوابگاہوں میں مشترک تھا اور اس کے ذریعے بہ آسانی ایک سے دوسری خوابگاہ میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔

"یہاں تک تو آ گئے اب آگے کے لیے سوچنا ہو گا۔" دیرا نے مسہری پر دراز ہوتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "یہاں ہم زیادہ دن نہ گزار سکیں گے۔"

"سوچنا نہیں بلکہ اب کچھ کرنا ہے۔ غزالہ تو مجھ سے بچھڑی ہوئی تھی اب سلطان شاہ بھی کہیں گم ہو گیا ہے۔ غزالہ کے مقابلے میں اسے زیادہ خطرات پیش آسکتے ہیں لہٰذا ہمیں فوری طور پر اس کا سراغ لگانا ہو گا۔"

"اخبارات میں شائع ہونے والی زخمیوں کی فہرست میں اس کا نام کہیں نہیں مل سکا۔ اب میں نے ایک پرائیویٹ سراغ رساں ادارے کو سلطان شاہ کی تلاش پر مامور کیا ہے۔ وہ پیشہ ور لوگ جلد ہی اس کا کھوج نکال لیں گے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے معاملے میں کسی گڑبڑ کا اندازہ لگا کر وہ لوگ پولیس سے رجوع کر بیٹھیں۔ وہ تمھارے کام اور تھوڑی سی رقم کے لیے اپنا لائسنس منسوخ کرانے کا خطرہ تو مول نہیں لیں گے۔" میں نے چونک کر کہا۔

"وہ لوگ عموماً زیرِ زمین دنیا کے لوگوں کے لیے ہی کام کرتے ہیں اور ان کے ہاتھ صاف نہیں ہوتے اس طرف سے تم بے فکر ہو یوں سمجھو کہ وہ لوگ تھوڑے سے قانونی انداز میں قانون شکنیاں کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔"

فوری طور پر میرے لیے وہاں کوئی مصروفیت نہیں تھی کیونکہ بوٹ کی فروخت سے بچی ہوئی خطیر رقم کا تھیلا حفاظت سے دیرا کی تحویل میں تھا اور اسی میں وڈیو کیسٹ جیسا چاروں طرف سے بند وہ آلہ موجود تھا جو سرجی کے کہنے کے مطابق ڈان مرسیانو نے انھیں شناخت کے لیے دیا تھا۔

دیرا لباس تبدیل کر کے بستر پر دراز ہو گئی اور میں فرصت کے لمحات گزارنے کے لیے کیسٹ نما آلہ لے کر بیٹھ گیا جو بظاہر پلاسٹک

سے بنا ہوا معلوم ہوتا تھا لیکن اس اعتبار سے کافی وزنی تھا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے سیل کیوں کیا گیا ہے۔" میں نے اس آلے کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس میں کہیں کوئی اسکرو تک نظر نہیں آ رہا ہے۔"

"تم بلاوجہ اسے پالے بیٹھے ہو۔" ویرا میری طرف کروٹ لے کر بولی۔ "اسے لادے پھرنے سے تو بہتر ہے کہ اسے توڑ پھوڑ کر اچھی طرح اس کا جائزہ لے لو، جو کچھ ہوا سامنے آ جائے گا۔ کوئی بارودی ہتھیار ہوتا تو بھاگ دوڑ میں اب تک پھٹ چکا ہوتا۔"

میں نے ویرا کو کوئی جواب نہیں دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کے بم وغیرہ ہونے کے امکان ہی نے مجھے توڑ پھوڑ سے باز رکھا ہوا تھا۔ بہتیرے خصوصی ساخت کے بم ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک ان کے میکنیزم کو نہ چھیڑا جائے وہ کام نہیں کرتے۔ اس سیاہ آلے میں بھی کوئی ایسا میکنیزم پوشیدہ ہو سکتا تھا۔

میں نے اس آلے کو ناک کے قریب لا کر ہر سمت سے اچھی طرح سونگھا لیکن اس میں بارود کی کوئی بُو محسوس نہیں ہوئی۔ میرا وہ طریقۂ کار مستند اور محفوظ تو نہیں تھا لیکن دل کو سمجھانے کے لیے اس اقدام پر عمل کرنا ضروری تھا۔ اس کے بعد میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ چوڑی سطح کا پلاسٹک توڑ کر نکالنے کی کوشش شروع کر دی۔ چند منٹ کی محتاط کوششوں کے بعد سیاہ پلاسٹک کا ایک بڑا سا ٹکڑا ٹوٹ کر الگ ہوا تو میرے منہ سے بے اختیار ایک اطمینان آمیز آواز خارج ہو گئی کیونکہ اندر ایک مشین میں لگا ہوا آڈیو کیسٹ کا ایک حصہ نظر آیا تھا۔

"کیا ہے؟" ویرا تجسس آمیز انداز میں میری طرف لپکی تھی۔

"ڈبے میں کیسٹ سمیت ایک پلیئر موجود ہے۔" میں نے بقیہ پلاسٹک اُدھیڑتے ہوئے کہا۔ "یہ ڈبا اسی وجہ سے وزنی محسوس ہو رہا تھا۔"

پلاسٹک کے ٹکڑے توڑتے ہوئے میں ایک دم چونک پڑا اور اس مشین کو غیر ارادی طور پر بستر پر ڈال دیا کیونکہ اچانک ہی وہ مشین چل پڑی تھی اور اس میں سے ایک تحکم آمیز مگر خواب ناک اور بھاری مردانہ ابھرنے لگی تھی جو میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ ڈیلٹا کیمپ میں قید کے دوران میں جمی لائیڈ کی وہ آواز کئی بار سن چکا تھا۔

"یہ چل پڑا ہے تو اب اسے ہرگز نہ چھیڑنا۔" جمی لائیڈ کی سحر انگیز آواز زیادہ اونچی نہیں تھی وہ یوں بول رہا تھا جیسے کوئی عامل اپنے معمول پر تنویمی عمل کر رہا ہو۔ "پیغام ختم ہونے پر یہ مشین کیسٹ سمیت خود بخود جل جائے گی۔ اس لیے اسے ننگے فرش یا کسی اور جگہ رکھ دو۔ میرے بھیجے ہوئے دونوں آدمی اپنے مشن میں کامیاب رہتے تو یہ مہر بند مشین جوں کی توں مجھے واپس مل جاتی لیکن تم میری آواز سن رہے ہو، اس کا مطلب ہے کہ میرے خدشات کے عین مطابق تم نے انھیں زیر کر لیا ہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ مارسیلز میں ویرا میرا ندے کے علاوہ کسی کے

پاس نہیں جا سکے گی۔ میں اسے بتانا چاہتا ہوں کہ وہ کبھی بھی میری دسترس سے باہر نہیں رہی ہے۔ میں جب چاہوں اسے اور اس کے حواریوں کو بے دست و پا کر سکتا ہوں لیکن میں ڈھیل دیتا آ رہا ہوں...!" اس مرحلے پر ویرا نے وہ مشین بستر سے اٹھا کر قالین کا گوشہ الٹ کر فرش پر رکھ دی۔

"لیکن برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔" کیسٹ مسلسل بج رہا تھا۔ "ڈینی میرا بدترین مجرم ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ ڈیلٹا کیمپ میں سور آئی دکھا کر نکلا تھا اور اب بھی وہ کہیں کہیں آئی مین کا روپ دھارنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ شاید اسے بتا دیا گیا ہے کہ میں سور آئی کے عالمی اعزاز کو کسی خطرے میں نہیں ڈالوں گا۔ ایک سکے کی چوری کا اعلان ہر آئی مین کی وقعت ختم کر کے رکھ دے گا مگر میرے پاس دوسرے راستے ہیں جن کو استعمال کرنے سے پہلے میں نے یہ آخری پیغام بھیجا ہے۔ اگر ویرا نے ڈینی کو پسند کر لیا ہے تو مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں، میں دونوں کو قبول کر لوں گا لیکن شرط یہی ہے کہ اب میرے ساتھ محاذ آرائی ختم کر کے تم لوگ مارسیلز میں گیری ہارٹ سے جا ملو اور اس کے ذریعے میرے جو احکام ملیں ان پر خلوصِ نیت سے لفظ بہ لفظ عمل کرو۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ عنقریب ایک بڑی خوشخبری تم دونوں کا مقدر بننے والی ہے۔ میرا اقتدار سیاسی اقتدار سے کہیں زیادہ وسیع اور مستحکم ہے۔ تم تصور نہیں کر سکتے کہ میری کہاں کہاں رسائی ہے۔ میرا جانشین وہی بن سکے گا جو میرا وفادار ہے۔ سرکشوں کو اب میں پوری قوت سے پل دوں گا۔ جس طرح میری آواز تم تک پہنچی ہے اسی طرح موت بھی دبے قدموں تمہارے گلے کا ہار بن سکتی ہے۔ حاکم اور محکوم کے علاوہ میرا کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ میرے اس اختیار کو کھلے دل سے تسلیم کرنے والے ہی میرے سامنے سرخرو ہو سکتے ہیں۔"

کیسٹ چلتا رہا لیکن آواز معدوم ہو گئی۔ ویرا کے چہرے پر ابتدا میں حیرت اور بے یقینی کے آثار نمایاں تھے لیکن جمی لائیڈ کی نخوت آمیز تقریر سن کر وہ اثرات نفرت میں ڈھل گئے تھے۔ لمحہ بھر بعد ہی فضا میں پلاسٹک جلنے کی بُو کے ساتھ اس مشین سے دھواں اٹھا اور مشین میں یکایک ایک تیز شعلہ بھڑک کر رفتہ رفتہ معدوم ہو گیا۔ کمرے کی فضا جلے ہوئے پلاسٹک کی ناگوار بُو سے بوجھل ہو گئی تھی۔ مشین میں یقیناً کوئی طاقتور بیٹری لگائی گئی تھی جس سے خارج ہونے والے کرنٹ کی بھاری مقدار نے اس میں آگ لگا دی تھی۔ شاید اس طرح جمی لائیڈ نے اپنی آواز کا سراغ مٹانے کی کوشش کرنے کے ساتھ ہی ہمیں اپنی شعبدے بازی سے مرعوب کرنا چاہا تھا۔

"سن لی تم نے ڈان مرسیانو کی ہرزہ سرائی؟" آخر کار ویرا نے ہی زہریلے لہجے میں سکوت توڑا۔

"میں پھر کہوں گا کہ یہ آواز جمی لائیڈ کی تھی۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ بات اب میری سمجھ میں آچکی ہے کہ وہ شخصیت کے خوف ناک تضاد میں مبتلا ہو کر ایک ذہنی مریض بن گیا ہے۔ کنگ لائنز کے مالک کی حیثیت میں وہ ہر کاروباری اور شہری اعزاز کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ جمی لائیڈ کے روپ میں شی کی سربراہی کرتا ہے اور جب اس پر مظلومیت کا موڈ طاری ہوتا ہے تو اس میں چھپی ہوئی ڈان مرسیانو کی غلیظ اور مکروہ شخصیت ابھر آتی ہے جس سے ہر اوباش رجوع کرتا ہے لیکن دل کی گہرائیوں سے کوئی بھی اس بے غیرت شخص کی عزت نہیں کرتا لیکن اس کی تقریر تم نے سن ہی لی ہے۔" ویرا کا لہجہ بدستور زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔

"یہ پیغام ہم دونوں کے لیے تھا ایک طرف اس نے مجھے اور تمھیں میاں بیوی کی حیثیت میں قبول کرنے کی پیشکش کی ہے اور آخر میں اپنے سارے رشتوں سے انکار کر بیٹھا ہے۔"

"یہ سب ذہنی دیوالیہ پن کی علامات ہیں۔" وہ حقارت سے سر جھٹک کر بولی۔ "یہ پیغام اس نے پہلے ریکارڈ کیا تھا۔ اب تو فائر کیمپ کی تباہی نے اس کو پاگل کر دیا ہوگا۔ وہ یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ ہم نے اس کا پیغام سننے کے بعد فائر کیمپ کو اپنی تخریب کاری کا نشانہ بنایا ہے۔"

"اس پیغام میں دو باتیں بہت اہم اور قابلِ غور ہیں۔۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ تجزیہ کرنا چاہا لیکن ویرا نے ترش لہجے میں میری بات درمیان ہی سے اڑا دی۔

"وہ ایک ہارتے ہوئے جواری کا ہذیان تھا جسے میں ذرا بھی قابلِ توجہ نہیں سمجھتی۔ وہ ہمارے مقابلے میں خود کو اتنا بے بس محسوس کر رہا ہے کہ ہمیں اپنا قیدی بنا کر تشدد کا نشانہ بنانے کے بجائے ہمیں مصالحت کے پیغام بھجوا رہا ہے۔"

"تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ تمھاری ساری سرکشی کے باوجود اس نے شی میں تمھارے لیے تمام دروازے کھلے رکھے ہیں اگر وہ تمھارے خلاف کھلی ہدایات جاری کر دے تو تمھاری آزادی زیادہ دن برقرار نہیں رہ سکے گی۔"

"ایسا ہوا تو تم دیکھ لینا کہ میرا روپ ہی کچھ اور ہو گا۔ ابھی تک میں خود بھی کھل کر شی کے خلاف میدان میں نہیں آئی ہوں۔"

"میں یہی بتا رہا ہوں کہ اس پیغام کے بعد یہی ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔" میں نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اب وہ تمھیں بھی گھیرنے کی کوشش کرے گا اور دوسری بات یہ کہ وہ تمھارے ہر فیصلے کے بارے میں صحیح ترین اندازے قائم کر لیتا ہے ورنہ اس کے آدمی مارسیلز میں میراندے تک پہنچنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوتے۔"

"وہ آئے اور منہ کی کھائی، میراندے مارا گیا، گیری ہارٹ بھی جہنم واصل ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ صحیح اندازوں سے جمی لائیڈ نے شکستوں کے علاوہ اور کیا حاصل کیا؟"

"اس کے پاس بے اندازہ افرادی قوت ہے۔ وہ اپنے مہروں کو بے تکان پٹواتا چلا جائے گا اور ایک نہ ایک دن ہمیں زیر کرے گا جب کہ فی الحال ہم صرف دو رہ گئے ہیں۔ سلطان شاہ اور عزرا جب تک بازیاب نہ ہوں ان کے بارے میں کچھ نہیں سوچا جا سکتا۔ ہم کہاں کہاں جمی لائیڈ کے آدمیوں کا مقابلہ کریں گے؟"

"ہمت ہار بیٹھے ہو تو لڑنے کا ارادہ بے سود ہے۔ تم واپس پاکستان لوٹ جاؤ، میں معافی مانگ لوں گی اس طرح ہم سارے خطرات سے بچ جائیں گے۔" اس نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں تمھیں یہ باور کرانا چاہ رہا ہوں کہ اب شی میں تمھاری واپسی خودکشی کے برابر ہوگی۔ ہمیں ساتھ رہ کر چھوٹے موٹے محاذوں پر الجھنے کے بجائے براہِ راست جمی لائیڈ پر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔ ہم بہت سی جگہ بلا مقصد اپنی محدود توانائیاں ضائع کر دیتے ہیں۔"

"پیرس سے یہاں تک کوئی معرکہ ایسا نہیں تھا جس سے دامن بچا کر تم محفوظ رہ سکتے۔ ہر جگہ مجبوراً ہی ہمیں الجھنا پڑا۔ سرجی اور اس کا ساتھی چارلس میراندے، گیری ہارٹ ان میں سے کون تھا جسے ہم نظر انداز کر سکتے تھے۔ بس ایک فائر کیمپ کی تباہی کا مسئلہ ایسا تھا جس سے ہم دامن بچا سکتے تھے لیکن شی کو اس کی بے بسی کا احساس دلانے کے لیے وہ اقدام بھی ضروری تھا۔ تم دیکھ لینا کہ اب جو اعلیٰ سطحی تحقیقات ہوں گی، ان کے نتیجے میں شی کو مارسیلز میں اپنے آپریشنز بہت زیادہ محدود کرنا پڑ جائیں گے اسی طرح ہم انھیں اپنے خول میں سمٹنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔"

"فائر کیمپ میں الجھنا ہماری جذباتی غلطی تھی۔" میں نے کہا۔ "اسے تباہ کر کے ہم نے اپنے لیے دشواریاں کھڑی کر لی ہیں۔ سلطان شاہ بچھڑ گیا، ہماری نقل و حرکت کی آزادی ختم ہو کر رہ گئی۔ شی والے پورے شہر میں ہماری بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے اور سب سے بڑھ کر اب یہاں سے ہماری نکاسی اتنی آسان نہیں رہے گی۔"

"میں ان مشکلات کی طرف سے غافل نہیں ہوں۔" وہ بولی۔ "میں نے جن لوگوں کو سلطان شاہ کی تلاش پر مامور کیا ہے وہی تمھارے اور سلطان شاہ کے کاغذات بھی فراہم کریں گے۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ جمی لائیڈ کا پیغام سننے کے بعد تم کچھ خوف زدہ ہو گئے ہو ورنہ تمھاری سوچ کبھی بھی ایسی مدافعانہ نہیں رہی تھی۔"

"بات ترجیحات کی ہے۔ جنگی حکمتِ عملی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ دشمن کے مقابلے میں وسائل اور نفری کم ہو تو حیران کر دینے والی اور اچانک پیش رفت سے فتح حاصل ہوتی ہے اور ہم ہر شہر میں اپنی موجودگی کے سراغ چھوڑ رہے ہیں عملاً جمی لائیڈ کو ہماری ساری نقل و حرکت کا علم ہے اسے ہمارے خلاف سوچنے کے لیے بہت زیادہ مہلت مل رہی ہے جس سے وہ فائدہ اٹھا رہا

شی کو نقصان پہنچا کر جمی لائیڈ کو مفلوج کرنے کی کوششوں
ھے ہوئے ہیں حالانکہ جمی لائیڈ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے
خود بخود اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گی۔" میں نے جھجکتے ہوئے
مجھے ڈر تھا کہ کہیں ویرا میرے خیالات پر چراغ پا نہ ہو جائے
وہ بہرحال جمی لائیڈ کو اپنا باپ تصور کرتی تھی اور اسی موضوع
بار سلطان شاہ سے اُلجھ پڑی تھی لیکن غنیمت ہوا کہ
بات سن کر اس کے چہرے پر برافروختگی کے بجائے تفکر
ثار اُبھر آئے۔

"تمھاری آخری بات میں وزن ہے۔" وہ چند ثانیوں کے
ت کے بعد بولی۔ "ہمیں اپنے پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی
ہو گی۔ مارسیلز میں قانونی رکاوٹوں کے علاوہ شی کے ہرکاروں
بھی نمٹنا ہو گا، اس لیے اب ہمیں کاغذات ملتے ہی خاموشی کے
یہاں سے کہیں اور کھسک لینا چاہیے۔۔۔"

"کاغذات نہیں بلکہ سلطان شاہ کے ملتے ہی۔" میں نے اس
ت کاٹ کر کہا اور وہ تلخ انداز میں مسکرا دی۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم اُسے نہیں چھوڑ سکتے۔ غزالہ کی کمی وہ
خاصی حد تک پوری کر رہا ہے۔"

"یہ حقیقت ہے۔" میں نے اس کی تلخ نوائی کو دانستہ نظر انداز
تے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "اس دور میں اس جیسے وفادار آدمی
خود عجائباتِ عالم میں شمار ہونا چاہیے پھر میں اسے کیسے بھول
ہوں۔"

مجھے حیرت ہے کہ اس بار تم غزالہ کو بھولے ہوئے ہو۔" اس
جسس آمیز لہجے میں کہا۔

"میں تمھیں خوشگوار موڈ میں دیکھنا چاہتا ہوں اور غزالہ کے
پر تم کچھ کبیدہ خاطر ہو جاتی ہو اس لیے زبان پر قابو ہی رکھتا
وں ورنہ اس کا خیال ہر لمحے ستاتا رہتا ہے۔"

"میرا خیال تھا کہ جس ہستی کے ملنے کی امید موہوم سی رہ جائے
سے جذباتی رشتے خود بخود کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں اور
ت اس میں بڑا کردار ادا کرتا ہے۔"

"جنھیں اپنے ہاتھ سے دفن کر دیا جائے ان پر تمھارا اصول
وق آتا ہے۔ زندہ لوگوں کو کبھی نہیں بھلایا جا سکتا۔" اس سے
بات کہتے ہوئے میرا دل یک بیک اُداس ہو گیا۔

اس کے بارے میں ویرا ہی سے کچھ عرصے پہلے ایک افواہ
ی تھی کہ انگلینڈ کے ایک ڈسٹرکٹ کے علاقے میں سر تا پا سیاہ پوش
ک عورت نے منشیات فروشوں کی زندگی عذاب بنائی ہوئی تھی۔
ہ کسی چھلاوے کی طرح اچانک کہیں بھی نمودار ہوتی اور اپنی من مانی
کارروائی کر کے روپوش ہو جاتی تھی۔ علاقے میں اس کی خود مختارانہ
کارروائیوں کی وجہ سے اُسے بلیک کوئین کا نام دیا گیا تھا لیکن

کوئی اس کی اصلیت سے واقف نہیں تھا۔ ویرا کو شبہ تھا کہ وہ
غزالہ ہی ہو سکتی تھی جس نے اپنی آزادی اور خود مختاری برقرار
رکھنے کے لیے موت کے سوداگروں کے خلاف ہتھیار اُٹھا لیے
تھے جن کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے نہ صرف اس کا بھرا پُرا گھر برباد
ہوا بلکہ وہ خود بھی مجھ سے بچھڑ کر خاکِ وطن سے ہزاروں میل دُور
غریب الوطنی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔

"بلیک کوئین کے بارے میں تمھاری تحقیقات کا کیا رہا؟"
کچھ دیر کے سکوت کے بعد میں نے سوال کیا۔

"کچھ پتا نہیں چل سکا، زیرِ زمین دنیا کے لوگوں پر اس کا
خوف طاری رہتا ہے لیکن اس کا کہیں کوئی سراغ نہیں مل سکا۔
اگر وہ غزالہ ہی ہے تو سمجھ لو کہ اب وہ پُرانی عورت نہیں رہی ہو گی،
جس کے نقش و نگار اور اداؤں سے تم کو محبت تھی۔ اب تک وہ
میرے جیسے ہی رنگ میں رنگ چکی ہو گی۔"

ویرا سے اس موضوع پر مزید بات کرنا بے سود تھی۔ یہی
کافی تھا کہ غزالہ اس کی تحویل سے غائب ہوئی تھی اور وہ اس
بارے میں اپنی اخلاقی ذمے داری کو قبول کرتے ہوئے غزالہ کی تلاش
میں میری مدد کرنے پر اصولی طور پر آمادہ تھی۔

ہم دونوں شام تک اسی کمرے میں قیدیوں کی طرح
پڑے ایک دوسرے کی صورتیں دیکھ دیکھ کر بیزار ہوتے رہے،
لنچ کے وقت ویرا باہر جا کر خود ہی خورد و نوش کا کچھ سامان خرید

لائی کیونکہ میکس کے شراب خانے میں سستی اور غیر معیاری اشیا کے علاوہ کچھ نہیں ملتا تھا۔

شام کو خواب گاہ کے دروازے پر قدرے پُرشور دستک ہوئی تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا لیکن باہر سے میکس کی اکھڑ آواز سن کر میرے اوسان بحال ہو گئے۔

"آؤ۔ وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔" ویرا نے کہا اور میں اس کے پیچھے ہو لیا۔

ڈرائنگ روم میں میکس نیلی قمیص اور چست جینز پہنے پختہ عمر کی ایک سفید فام عورت کے ساتھ بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اس عورت کے حسین خدوخال پر زندگی کے تجربوں کی گہری چھاپ تھی۔ اپنے طور طریقے اور بے ہودہ لباس کی بنا پر وہ کوئی خاندانی خاتون نظر نہیں آ رہی تھی۔ شوخ لپ اسٹک اور بڑھے ہوئے ناخنوں پر اُسی رنگ کی نیل پالش نے اس کی شخصیت کا رہا سہا تاثر بھی تباہ کر کے رکھ دیا۔

"آؤ لینا!" ویرا کو دیکھ کر اس نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر انگریزی میں کہا۔ "یہ میری گرل فرینڈ بنٹی ہے۔ آج بہت دنوں بعد مجھ سے ملنے آئی تھی۔ اب ہم دونوں تفریح جا رہے تھے تو میں نے سوچا کہ تم سے بھی کام کی بات کر لوں۔"

ویرا نے بنٹی سے ہاتھ ملاتے ہوئے انگریزی میں رسمی الفاظ ادا کیے تو میکس نے ہنستے ہوئے اُسے مطلع کیا کہ بنٹی فرنچ کے علاوہ کوئی زبان نہیں سمجھتی تھی اسی وجہ سے اس نے بنٹی کی موجودگی میں بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ویرا شاید میرے بارے میں میکس کو پہلے ہی بتا چکی تھی کہ مجھے صرف انگریزی سے واقفیت تھی۔

"یہ چارلس ہے۔" ویرا نے میرا تعارف کرایا۔ میں نے باری باری ان دونوں سے ہاتھ ملایا تو بنٹی نے اپنی بڑی بڑی اور مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر فرنچ ہی میں نہ جانے کیا کہا کہ میں بوکھلا کر میکس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس دہشت خور درندے کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ اس کی گرل فرینڈ مجھ پر ڈورے ڈالنا چاہ رہی تھی تو وہ کھڑے کھڑے ہمیں اس پناہ گاہ سے باہر نکال دینے کی اہلیت رکھتا تھا۔

"یہ یہاں کب تک رہے گا؟" میکس نے میری طرف دیکھتے ہوئے ویرا سے انگریزی میں سوال کیا۔

"دو تین دن۔" ویرا نے بے ساختہ جواب دیا۔ "کام ہوتے ہی یہ واپس چلا جائے گا۔"

"تم دونوں آرام کرو۔" میکس اپنی داہنی آنکھ دبا کر بولا۔ وہ اس وقت بھی خاصی حد تک نشے کی جھونک میں تھا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ اس کے کاغذات پورے ہیں یا ادھورے۔ کوئی پوچھے تو اسے پیچھے بار میں نہ جانے دینا۔ بحری راستے سے آنے والے غیر قانونی تارکینِ وطن کی تلاش میں اکثر سرکاری کتے بھی یہاں پھرتے رہتے ہیں اور پھر فائر کیمپ کی تباہی کے بعد شہر میں ویسے بھی سختی ہو گئی ہے۔ تم میری دوست اور مہمان ہو مگر میں اس سے [illegible] ڈالر یومیہ لوں گا۔"

ہمارے لیے پیسے کی کوئی اہمیت نہیں تھی مگر ویرا نے بے جان لہجے میں احتجاج کیا۔ "یہ تو بہت زیادہ ہے۔ اس سے کہیں کم رقم میں یہ بے چارہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہر سکتا ہے۔"

"تو اسے وہیں بھیج دو۔" وہ مکارانہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ "میں کاروبار میں رعایت کا قائل نہیں ہوں۔ اسے کوئی مجبوری ہو گی جو یہ یہاں آیا ہے، ورنہ مارسیلز میں ہوٹلوں کی کمی نہیں۔"

"ٹھیک ہے... تم سودے بازی کے گُر سے اچھی طرح واقف ہو۔"

"سکوک کے تلاشی جوڑوں سے میں بیس سے تیس ڈالر چارج کرتا ہوں، یہ کمرے دن میں دس دفعہ آباد اور خالی ہوتے ہیں۔ اسی سے تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ زیادتی نہیں کر رہا اور ہاں، فی الحال آج کے دو سو ڈالر پیشگی دلواتی رہنا۔ فی الحال آج کے دو سو [illegible]"

ویرا نے تھوڑی سی رد و قدح کے بعد دو سو ڈالر اس کے حوالے کر دیے، بنٹی کی آنکھوں میں اس وقت پیدا ہونے والی غیر معمولی چمک دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ اس سے وہ ساری رقم اینٹھنے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ مالِ حرام بھی ایسے ہی راستے سے جاتا تھا جو آمدنی کے ذرائع سے مطابقت رکھتے ہوں ورنہ توازن دشوار ہو جاتا ہے۔

دو سو ڈالر کی ادائیگی کے لیے ویرا کی مختصر سی بحث سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ویرا اس حریص شخص کو اپنی تنگدستی کا یقین دلانا چاہتی تھی۔ اگر اسے ویرا کی تحویل میں لاکھوں ڈالر کا علم ہو جاتا تو وہ بلا توقف ساری رقم ہتھیا کر ہم دونوں کے دو ٹکڑوں میں باہر پھینک دیتا۔

میکس اپنی بنٹی کے ساتھ اینڈتا اور اکڑتا ہوا چلا گیا تو ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "تم نے دیکھ لیا کہ کتنا لالچی اور مکار آدمی ہے۔ اس کی نیت کسی بھی وقت بدل سکتی ہے اسی لیے میں اسے قابلِ اعتماد نہیں سمجھتی۔"

"لیکن تم پر تو بڑا مہربان ہے... تمہیں بغیر معاوضے اپنا مہمان ٹھہرایا ہوا ہے۔" میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"بکواس کرتا ہے۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "میں نے

فون پر پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اسے ایک خطیر رقم دے کر رام کیا ہے۔ اسے پانچ سو ڈالر نقد دیے تھے پھر پرس چھوڑ کر باتھ روم میں گئی تو اس خبیث نے اس میں پڑے ہوئے ڈھائی تین سو ڈالر اڑا لیے جس پر میں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ وہ تو رقم کے تھیلے میں میرا نیے کے چند جوڑوں نے رقم کا ابھار چھپا لیا تھا اور بیگ مقفل تھا ورنہ میکس اس پر بھی ہاتھ صاف کر دیتا۔"

"ایسے بے ضمیر لوگ بہت موذی اور خطرناک ہوتے ہیں۔ مجھے تو یہ ٹھکانا بہت مخدوش معلوم ہو رہا ہے۔ ہم سے مزید رقم ہتھیانے کے لیے وہ خود بھی کوئی چکر چلا سکتا ہے۔"

"لیکن یہاں سے نکل کر ہم کہاں جائیں گے؟" وہ بھی یک بیک پریشان نظر آنے لگی۔

"جب پیسہ ہی دینا ٹھہرا تو پیشہ ور لوگوں سے بات کرو۔ جو لوگ تمھاری فرمائش پر جعلی کاغذات فراہم کر سکتے ہیں، وہ کسی ٹھکانے کا بندوبست بھی کر دیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ اضطراری لہجے میں بولی۔ "بعض اوقات میری عقل بالکل ماؤف ہو کر رہ جاتی ہے اور سامنے کی بات بھی ذہن میں نہیں آتی۔ میں ڈارلنگٹن کے فلیٹ کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ان کے دفتر پر رکی تھی۔ ابھی ان سے فون پر بات کرتی ہوں۔"

یہ ایک اچھی بات تھی کہ اوپر ڈرائنگ روم میں اسٹینو سوئچ کے ساتھ فون کی اضافی لائن موجود تھی جس میں محض ایک ناب گھما کر لائن اس طرح اوپر لی جا سکتی تھی کہ نیچے شراب خانے والے سیٹ پر گفتگو نہ سنی جا سکے۔

نمبر ملا کر ویرا کافی دیر تک فرنچ میں گفتگو کرتی رہی، اس دوران اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات سے میں نے اندازہ لگایا کہ بات بنتی نظر آ رہی تھی۔

گفتگو ختم کر کے ویرا میری طرف پلٹی تو بہت خوش اور پرجوش نظر آ رہی تھی۔ "اس وقت تم نے سارے مسئلے ہی حل کرا دیے۔۔۔ ہمیں کسی سے پناہ مانگنے کی ضرورت نہیں رہی۔ تمھارے کاغذات بن گئے ہیں جن پر تصاویر لگانے کے بعد تم پورے مارسیلز میں نقل و حرکت کے لیے آزاد ہو گے۔"

"اور تصاویر کا کیا ہوگا؟"

"وہ بندوبست ابھی ہوا جاتا ہے۔ شوقیہ فوٹو گرافروں کے لیے بھی انسٹنٹ کیمرے آ گئے ہیں، میں ابھی ایک کیمرہ لے آتی ہوں، پل بھر میں تمھاری درجنوں رنگین تصویریں تیار ہو جائیں گی۔"

اس بار اس کی عقل کام کر گئی تھی لہٰذا وہ اپنا پرس سنبھال کر پھرتی کے ساتھ نیچے چلی گئی اور میں دوبارہ خواب گاہ میں لوٹ گیا کیونکہ شام ڈھلنے کے ساتھ ساتھ نیچے شراب خانے سے ملی جلی آوازوں کا شور بڑھنے لگا تھا اور میں اتفاقاً اوپر چلے آنے والے عملے کے کسی فرد کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اپنے کاغذات کی تیاری کی خوشی میں، میں ویرا سے یہ پوچھنا بھول گیا تھا کہ سلطان شاہ کی تلاش کے سلسلے میں اس کے جاسوس نے کیا تیر مارا تھا۔

میں ایک سگریٹ ہی ختم کر پایا تھا کہ ویرا قریبی بازار سے کیمرہ خرید لائی جو چھوٹا ہونے کے باوجود ساخت میں روایتی کیمرے سے مختلف نظر آ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں میری یکساں پوز والی بارہ رنگین تصویریں تیار ہو چکی تھیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر ویرا تصاویر سمیت نیچے شراب خانے میں چلی گئی کیونکہ سراغرساں ایجنسی کا نمائندہ جعلی کاغذات اور تصاویر پر ثبت کی جانے والی مہریں ساتھ لے کر وہیں پہنچنے والا تھا۔

اس بار ویرا تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد واپس لوٹی تو اس کی سانسوں میں الکحل کی بو رچی ہوئی تھی۔ "انتظار کی خاطر مجھے دو پیگ لینا پڑ گئے۔" اس نے آتے ہی معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "میں تو انتظار کرتے کرتے مایوس ہی ہو چلی تھی لیکن خدا کا شکر ہے کہ کام بن گیا اور اب تم اطالوی نژاد پیٹر واک بن چکے ہو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے شناختی کاغذات کا لفافہ میری طرف بڑھا دیا جس میں پاسپورٹ سے شناختی کارڈ تک جملہ لوازم موجود تھے۔

"اور اب ہم میکس کی قید سے آزاد ہیں۔" اس نے داہنا ہاتھ فضا میں لہرا کر ٹھٹھا لگایا۔ "نہ جانے وہ بدمعاش پیسے کی خاطر کب ہمیں بلیک میل کرنا شروع کر دے گا۔"

"پہلا مطالبہ وہ تھیٹر سے واپس آتے ہی کرے گا کیونکہ آج کی بیٹی اس کی جیب خالی کرا چکی ہوگی۔" میں نے کاغذات احتیاط کے ساتھ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "اس لیے ہمیں اس کی واپسی سے پہلے ہی یہ ٹھکانا چھوڑ دینا چاہیے، ورنہ وہ ہمیں یہاں سے نکلنے کی اجازت نہیں دے گا۔"

"ایجنسی کا آدمی تصاویر اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا لیکن میرے مجبور کرنے پر اس نے اپنی کار کی عقبی نشست پر بیٹھ کر ساری تصاویر چسپاں کیں اور پھر ان پر مہریں بھی لگا دیں۔ لیکن میں تھک گئی ہوں۔ کوئی اہم فیصلہ کرنے سے پہلے تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کوئی گھٹیا شراب پی ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اچھی شراب کے دو پیگ تو اناڑی بھی آسانی کے ساتھ ہضم کر لیتے ہیں۔"

"بڑھیا کہاں سے لاتی؟ جو میکس کے شراب خانے میں

ہے، وہی پینا پڑ گئی... میرا سر چکرا رہا ہے، ذرا تھوڑی دیر دبا دو تو سکون مل جائے گا۔"

"لعنت ہو تم پر۔" میں نے بھنا کر زیرِ لب کہا پھر اونچی آواز میں بولا۔ "سر دبانا میرے بس سے باہر ہے، چاہو تو مکّے برسا سکتا ہوں۔"

"اوہ۔" اس نے آنکھیں موند کر سسکاری لی۔ "پھر ہولے ہولے مکّے ہی لگا دو۔ کمرے میں آنے کے بعد تو ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے، کہیں ظالموں نے عادی نشے بازوں والی تیز کاک ٹیل مجھے نہ پلا دی ہو۔"

اس وقت میں خود کو روئے زمین کا سب سے بڑا احمق تصور کر رہا تھا، ایک خوب صورت اور چالاک عورت مجھے ہوش رُبا غمزے دکھا رہی تھی اور میں اس وقت اس سے بدظن ہونے کے باوجود اس کی بات ماننے پر.... مجبور تھا۔ میں دل ہی دل میں اپنی مجبوریوں پر لعنت بھیجتا ہوا اس کے سرہانے پہنچ گیا اور اس کے سر اور پیشانی پر بند مٹھیوں سے ہلکی ہلکی ضربیں لگانے لگا۔

ویرا کے حلق سے ایسی آوازیں برآمد ہونے لگیں جیسے سردی کھایا ہوا کوئی کتیا کا پلّا کافی دیر تک ہواؤں میں بھٹکنے کے بعد اپنی ماں کے سینے سے آ لگا ہو۔ اسے سکون مل رہا تھا اور میری ہڈیاں جھلس رہی تھیں۔ اس سے میرے مراسم بہت بے تکلفانہ اور خصوصی نوعیت کے تھے لیکن ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ ویرا کی کسی فرمائش پر مجھے مُکّے بازی جیسا وہ احمقانہ فریضہ انجام دینا پڑا ہو۔

ویرا کی اضطراری کیفیت اور آوازوں کو دیکھتے ہوئے چند ثانیوں کے بعد میری کھوپڑی ٹھنڈی ہونے لگی۔ اگر وہ ناز دکھا رہی تھی تو اصولاً مجھ سے تھوڑی سی خدمت کرانے کے بعد اسے مکّارانہ مسکراہٹ کے ساتھ آنکھیں کھول دینا چاہیے تھیں۔ وہ بار بار آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ہر بار بوجھل پپوٹے سرخ آنکھوں پر ڈھلک آتے تھے۔ مجھے یک بیک اس کی طرف سے تشویش لاحق ہو گئی کہ کہیں اسے شراب میں زہر نہ دے دیا گیا ہو۔

میرے وجود میں اشتعال کی ایک بھیانک لہر سرایت کر گئی اور میں مٹھیاں بھینچ کر بستر سے اٹھ گیا۔ اس وقت میکس شراب خانے میں موجود نہیں تھا اور ویرا اس کی مہمان تھی، اس لیے ویرا کے خلاف کسی شرارت یا سازش کا تصور ہی کم زور نظر آتا تھا، دوسری طرف یہ بات بھی یقینی تھی کہ شراب خانے کے عملے کی ملی بھگت کے بغیر ویرا کو شراب میں کوئی مضر چیز نہیں دی جا سکتی تھی۔ اس بارے میں، میں بارٹینڈر کا گریبان پکڑ کر اس سے جواب طلب کر سکتا تھا لیکن اسی لمحے ایک خیال کی بازگشت میرے قدموں کی زنجیر بن گئی۔

کچھ دیر قبل میں خود ویرا سے کہہ رہا تھا کہ ہم اپنے اصل مشن اور مقصد پر نگاہ رکھنے کے بجائے بہتیرے ضمنی معاملات میں بھی الجھتے رہتے تھے جس سے ہمارا وقت برباد ہوتا تھا۔ اس وقت ویرا کے ساتھ جو ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا۔ اگر میں جوش میں نیچے اتر کر شراب خانے میں مار کٹائی میں ملوث ہو جاتا تو اس کا انجام جو ہوتا سو ہوتا، اتنی دیر ویرا کسی مناسب نگہداشت کے بغیر کمرے میں تنہا پڑی سسکتی رہتی اور کچھ پتا نہیں کہ اس کا کیا حشر ہوتا۔ اس لیے بہتر یہی تھا کہ جوش میں کوئی غلط قدم اٹھانے کے بجائے وہیں رک کر ویرا کی دیکھ بھال کی جاتی۔

سستے شراب خانوں کے پیشہ ور ملازمین عام طور پر اچھے لوگ نہیں ہوتے کیونکہ آئے دن ان کا واسطہ چور، اچکوں اور جواریوں سے پڑتا رہتا ہے اور جو شخص ضرورت پیش آنے پر ان کے جبڑے توڑ کر انھیں باہر پھینکنے کی قوت اور اہلیت نہ رکھتا ہو، اسے بہت جلد کوئی نیا پیشہ اختیار کرنا پڑ جاتا ہے۔ میکس کا شراب خانہ ویسے بھی اچھی شہرت کا حامل نہیں تھا لہٰذا اس کی غیر موجودگی میں اس کے پلے ہوئے ملازمین کی بھیڑ سے الجھ کر میں سراسر خسارے میں رہتا اور اگر نوبت پولیس تک پہنچ جاتی تو ویرا کی مدد کے بغیر میرا بچنا محال ہو جاتا۔

یہ خیالات ذہن کے پردے پر نمودار ہوتے ہی میں تیزی سے واپس پلٹا اور نڈھال ویرا کو بستر پر پیٹ کے بل الٹا لٹا کر اس کا دہانہ مسہری سے نیچے لٹکا کر اس کی پشت پر دو تین پُرزور تھپکیاں دیں اور پھر اس کی کمر پر زور ڈال کر اس کا پیٹ دبانے لگا، یہ وہی ترکیب تھی جو پانی میں ڈبکیاں کھائے ہوئے شخص کا معدہ خالی کرانے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ ویرا اکھڑے اکھڑے انداز میں کراہتی رہی اور پھر یکبارگی اس کے معدے نے سارا کھایا پیا دہانے کے راستے باہر نکال دیا اور خواب گاہ میں ہلکا سا تعفن پھیل گیا۔

ویرا کے بستر سے لٹکے ہوئے دہانے کے نیچے کوڑے کی بالٹی موجود ہونے کے باوجود قالین کا کچھ حصّہ داغ دار ہو گیا لیکن اس عمل کے نتیجے میں چند منٹ بعد ویرا نے ہانپتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے سر میں درد برقرار تھا لیکن قے ہو جانے کے بعد مجموعی طور پر اس کی طبیعت ہلکی ہو چکی تھی۔

"میں نے تمھیں پریشان کر دیا۔" وہ نندا سی آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے نقاہت آلود مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"میں تو نیچے بارٹینڈر سے لڑنے جا رہا تھا لیکن پھر تمھاری دیکھ بھال کا خیال آ گیا۔ آخر ہوا کیا تھا؟"

"غلطی میری تھی۔" وہ سیدھی ہو کر کہنیوں کے سہارے

بستر سے اُٹھتے ہوئے بولی۔ "میں نے کاؤنٹر پر صرف اتنا کہہ دیا تھا کہ ذرا اپنی مرضی سے مزے کا ایک پیگ پلا دو اور اس نے دونوں بار تیز ترین مقامی شرابوں کی کاک ٹیل پلا دی جو اچھے بھلے آدمی کو بھی براہِ راست کھوپڑی میں چڑھتی ہے۔۔۔ پتا نہیں تمھارے کاغذات تیار ہونے تک میں کیسے برداشت کرتی رہی اور پر آتے ہی میں اُلٹ گئی تھی۔"

میں نے رسماً اس سے آرام کرنے کے لیے ضرور کہا لیکن عملاً اسے قالین وغیرہ کی صفائی سے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی کیونکہ تعفن رفتہ رفتہ بڑھتا جارہا تھا۔ ویسے بھی اس کی کہانی سُن کر بے ساختہ میرا دل چاہا تھا کہ اس کا سر کسی دیوار سے لڑا دوں۔ جب اُسے مقامی شرابوں کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات تھیں تو اُسے انتخاب بارٹینڈر پر چھوڑنے کی حماقت نہیں کرنا چاہیے تھی کیونکہ ایک مرتبہ میں خود ایسی غلطی کا خمیازہ بھگت چکا تھا۔

کراچی آنے سے قبل ایک بار میں پنڈی کی لال کُرتی میں ایک پان فروش کے پاس مزیدار تمباکو والے پان کی فرمائش کر بیٹھا اور جب پان والے نے تمباکو کی برداشت کی بابت دریافت کیا تو میں جھونک میں آکر کہہ بیٹھا کہ ڈال دیں اپنی مرضی سے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرا گھر پہنچنا دشوار ہوگیا اور جب تک راستے میں دو تین بار قے نہ ہوئی، میں ہموار قدموں سے راستہ طے کرنے کے قابل نہ ہوسکا۔

کمرے کی صفائی سے فارغ ہو کر میرے مشورے پر ویرا نے نیچے سے یخ فریش لیمن کا گلاس منگوا کر پیا تو اس کی حالت تیزی سے بہتر ہوتی چلی گئی اور ہم ایک مرتبہ پھر اپنے پرانے موضوع پر آگئے لیکن اس بار میں نے ابتدا سلطان شاہ کے بارے میں سوال سے کی تھی۔

"اس کا تو کہنا تھا کہ ابھی تک سراغ نہیں مل سکا لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔"

"اس اندازے کی کوئی وجہ بھی ہوگی؟"

"تھوڑی دیر کی گفتگو میں اس نے کئی بار دُہرایا کہ سلطان شاہ کے معاملے میں ایجنسی خسارے میں رہی کیونکہ ناکام مہم پر معاوضے سے زیادہ اخراجات آچکے تھے۔ اس نے امکان ظاہر کیا کہ سلطان شاہ کو کہیں مارسیلز سے باہر کسی اور شہر میں نہ بھیج دیا گیا ہو۔ معاہدے کی رو سے وہ صرف ایک ہی صورت میں اضافی رقم طلب کرسکتے ہیں جب ان کی مہم مارسیلز کی حدود سے باہر نکل جائے۔"

"اس میں جھوٹ کون سا ہے؟ وہ لالچی ہیں تو تم انھیں امید دلا سکتی تھیں۔"

"میں نے اضافی اخراجات کا تخمینہ دریافت کیا تھا، جو وہ نہیں بتا سکا۔ میرا خیال ہے کہ انھوں نے سلطان شاہ کا کھوج نکال لیا ہے اور اب اس کے بارے میں اپنے طور پر معلومات جمع کر کے یہ اندازہ لگانا چاہتے ہیں کہ مجھ سے سودے بازی میں زیادہ سے زیادہ کتنی رقم کھینچ سکیں گے۔"

"یہاں سب ہی چور ہیں۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "میکس بھی اسی راہ پر چل رہا ہے۔ غضب خدا کا کہ اس تنگ اور گھٹیا سی خواب گاہ کے ہم دو سو ڈالر یومیہ دے رہے ہیں۔"

"چور نہیں۔۔۔ یہ میرا برسوں کا تجربہ ہے کہ جن شہروں میں سیاحت کو آمدنی کے ذرائع میں اہمیت حاصل ہوتی ہے وہاں کے باشندے باہر سے آنے والوں کو ٹھگ اور لٹیرے نظر آنے لگتے ہیں جبکہ مقامی لوگ ہر سودے کی ابتدا اونچے منافع کے ساتھ کر کے کہیں نہ کہیں سودا کر لیتے ہیں۔ اس طرح خریدار سستی خریداری کے باوجود اپنے لُٹ جانے کا شاکی رہتا ہے۔ لوگ تو لندن کے بارے میں بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ میکس اور ایجنسی والے بھی ہم سے زیادہ سے زیادہ رقم بٹورنا چاہ رہے ہیں۔ ہم کون سا روز روز ان کے پھندے میں آتے رہیں گے۔ ہماری گنجائش اور معاملے کی اہمیت کے پیشِ نظر وہ دام لگائیں گے۔"

"اتنی ہی بات تھی تو مجھے لکچر سنانے کے بجائے اسی سے فیصلہ کر کے آتیں۔"

"میں بتا رہی ہوں کہ میں نے بات کرنا چاہی تھی لیکن اس نے رقم کا کوئی عندیہ نہیں دیا۔ ویسے میں دس ہزار کی پیش کش کرتی تو وہ دو لاکھ کے خواب دیکھنے لگتا۔ اُن لوگوں کو میں تم سے زیادہ سمجھتی ہوں۔ ان سے جیتنے کے لیے بس ذرا اعصاب پر قابو رکھنا ہوتا ہے۔ سلطان شاہ اگر ان کی نظروں میں آگیا ہے تو وہ اُسے کبھی اوجھل نہیں ہونے دیں گے۔ یہ لوگ نام نہاد معمولی فیس کے سہارے صرف کیس تلاش کرتے ہیں، اصل معاوضے کی بات کامیابی سے ذرا پہلے اعصابی دباؤ میں طے ہوتی ہے۔"

"اب اگر تمھاری طبیعت سنبھل گئی ہو تو یہاں سے نکلنے کی تیاری کرو۔" میں نے کچھ دیر کے سکوت کے بعد کہا۔

"میں تیار ہوں، رقم کے تھیلے کے علاوہ مجھے کچھ اور نہیں لینا۔" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

میں نے اپنی اس پناہ گاہ پر الوداعی نظریں ڈالیں پھر رقم کا بیگ کندھے سے لٹکا کر ویرا کے ساتھ خواب گاہ سے باہر نکل گیا لیکن ڈرائنگ روم میں پہنچتے ہی نیچے سے آنے والی میکس کی درشت اور اونچی آواز سُن کر ہم اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گئے۔

"وہ آگیا ہے اور کسی ملازم پر برس رہا ہے۔" ویرا سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔ "بیگ واپس کمرے میں رکھ دو، اب ہمیں

اس سے بات کر کے ہی جانا ہوگا، ورنہ وہ برہم ہو جائے گا۔"
"کیوں نہ اس کا سامنا کرنے کے بجائے عقبی راستے سے نکل چلیں۔"
"وہ شراب خانے میں جھنگھاڑ رہا ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس نے گیراج باہر سے مقفل کیا ہوگا۔ عقبی زینوں سے اترنے کے بعد ہم گیراج سے باہر نہ جا سکیں گے۔"
میں بوکھلا کر خواب گاہ میں گھس گیا کیونکہ اسی لمحے وزنی قدموں کی دھمک کے ساتھ میکس کی غراتی ہوئی آواز زینوں پر قریب ہوتی ہوئی سنائی دینے لگی تھی۔ وہ شاید غصے میں پیر پٹخ پٹخ کر سیڑھیاں عبور کر رہا تھا اور اس کے تیور خراب معلوم ہو رہے تھے۔
میرے پیچھے ویرا بھی خواب گاہ میں لوٹ آئی اور دروازہ بند کر کے آہستگی سے اندر سے بولٹ کر لیا۔
چند ثانیوں بعد ہی میکس کی آواز ڈرائنگ روم میں سنائی دی پھر ہماری خواب گاہ کا دروازہ بھی دھڑ دھڑا دیا گیا۔ اس بار میں نے دروازہ کھولا تو میکس کو بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ اپنے مدِمقابل موجود پایا۔ اس کے شانوں پر سے مجھے ڈرائنگ روم میں ایک اور اجنبی چہرہ نظر آیا جو اسی طرف متوجہ تھا۔
"خدا کا شکر ہے کہ تم ٹھیک ٹھاک ہو۔" میکس نے مجھے نظر انداز کر کے بستر سے اٹھتی ہوئی ویرا سے انگریزی میں کہا۔ "میں نے آتے ہی نیچے تمہاری خیریت معلوم کی تو پتا چلا کہ نیچے تمہیں رف رائیڈر کاک ٹیل کے دو پیگ سرو کیے گئے تھے، جو کسی سانڈ کو بھی گرانے کے لیے کافی ہو سکتے ہیں، میں ابھی بار ٹینڈر کو سخت سست کہتا ہوا آ رہا ہوں مگر معلوم ہوتا ہے کہ تم رف رائیڈر ہضم کر گئیں۔"
"میرا ایک اصول ہے میکس!" وہ پُراعتماد لہجے میں بولی۔ "جو شراب ہضم نہ کر سکوں، میں اسے کسی قیمت پر ہاتھ نہیں لگاتی۔ اپنی طرف سے فکرمندی پر میں... میں..."
بات کرتے ہوئے وہ خواب گاہ کے دروازے کے سامنے آئی تو ڈرائنگ روم میں موجود شخص پر نگاہ پڑتے ہی اس کی زبان ہکلا کر گنگ ہو گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں میں خوف و ہراس سمٹ آیا تھا۔
"یہ میری مہمان لینا جیرالڈ ہے۔" میکس اپنے مہمان کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔ مقصد یہی تھا کہ اجنبی ویرا کو اچھی طرح دیکھ لے۔
"اور دوسرا اس کا بوائے فرینڈ چارلس ہے۔" پھر وہ ویرا سے مخاطب ہو گیا۔ "یہ میرا جگری دوست رِک میلون ہے۔"
میں نے بھانپ لیا تھا کہ میلون اور ویرا ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں تھے اور وہ بات میرے لیے خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھی۔ بہرحال ہم دونوں کو باہر نکل کر اجنبی سے ملنا ضروری تھا۔ میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کے پنجے پر خاصا دباؤ ڈالا جو وہ کسی ردِعمل کا مظاہرہ کیے بغیر خندہ پیشانی سے سہہ گیا۔
میکس اس وقت بھی نشے میں تھا اس لیے ویرا اور میلون کے چہروں کے تاثرات پر غور نہ کر سکا اور وہ دونوں بھی گفتگو آگے بڑھانے میں ایک دوسرے کی پیش قدمی کا انتظار کرتے رہے۔ شاید دونوں کو ہی آغاز کے لیے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔
"تم لوگ ایک دوسرے کا تعارف حاصل کرو، میں لباس بدل کر آتا ہوں۔ اجازت ہو تو سر پر تھوڑا سا پانی بھی بہا لوں، سارا دن پیتے رہنے سے سر بھاری ہو رہا ہے۔" میکس نے میلون سے مخاطب ہو کر کہا اور اس نے خوشدلی کے ساتھ اپنے میزبان کو اجازت دے دی۔
"یہاں کیسے آئے ہو رِک؟" تخلیہ میسر آتے ہی ویرا نے تجسس آمیز سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔
"شاید لاٹری لینے۔" وہ اپنی جیب سے پستول نکال کر گود میں رکھتے ہوئے بولا۔ "تمہیں دیکھنے سے پہلے میرا خیال تھا کہ میکس میرا وقت برباد کر رہا تھا لیکن اب اندازہ ہوا کہ کبھی کبھی کھوٹا سکہ بھی کام دکھا جاتا ہے۔"
"پستول دکھا کر مجھے مرعوب کرنے کی ضرورت نہیں۔" ویرا قدرے ترش لیکن دھیمے لہجے میں بولی۔ "مجھ سے کھل کر بات کرو کہ یہاں کیوں آئے ہو اور ابھی کس لاٹری کا ذکر کر رہے تھے؟"
"میکس نہا رہا ہے اس لیے بتانے میں کوئی ہرج نہیں۔" وہ آسودہ سی مسکراہٹ کے ساتھ پستول سے کھیلتے ہوئے بولا۔ "تمہیں علم ہو یا نہ ہو کہ آج صبح گیری ہارٹ کو ایک فلیٹ میں ہلاک کر دیا گیا، وہاں ایک عورت کی لاش بھی ملی ہے، اس واردات کے بارے میں ایک عورت اور ایک غیر ملکی مرد کی کہانی سننے میں آئی ہے۔ شی نے فوری طور پر گیری ہارٹ کا جانشین مقرر کر دیا ہے جس کے ذریعے مارسیلز میں تاحکم ثانی شی کی تمام سرگرمیاں موقوف کرا دی گئی ہیں اور پوری ٹیم کو تمہاری تلاش پر مامور کر دیا گیا ہے شی کی تاریخ میں پہلی بار تمہاری تلاش پر پچاس ہزار ڈالر کا خصوصی انعام مقرر کیا گیا ہے اور اس وقت شہر بھر میں شی کے دس سے زیادہ ادنیٰ اور اعلیٰ کارکن ٹیمیں بنائے تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں، میں بھی اسی چکر میں ایک اوپیرا میں بھٹک رہا تھا تو میکس مل گیا۔ میں نے سرسری طور پر میکس سے ذکر کیا کہ مجھے ایک لڑکی کی تلاش تھی، وہ مل جاتی تو میرے دن پھر سکتے تھے۔ میکس سمجھا کہ کوئی بھی لڑکی چل جائے گی۔ اس لیے جھٹ مجھے دعوت دے بیٹھا کہ اس کے قبضے میں بھی ایک لڑکی ہے جو مجھے پسند آئے تو وہ مجھ

...سودا کرے گا۔ اس وقت مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میکس مجھے ...ی بڑی کامیابی کی راہ پر بڑھنے کی دعوت دے رہا تھا۔ یہ بتا ...ں کہ تمہارے بارے میں شی کے احکام جاری ہونے کے بعد ...پہلے والا رِک نہیں رہا ہوں تم نے ذرا بھی گڑبڑ کرنے کی کوشش ...تو میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

ویرا سنتی رہی اور وہ بولتا رہا۔ اس وقت وہی حکمتِ عملی ...یاب بھی تھی کیونکہ اس طرح ہمیں آنے والے بُرے حالات ...بارے میں زیادہ علم ہو سکتا تھا۔

"تو یوں کہو کہ مارسیلز کی گودیوں پر ہیروئن کی پڑیاں پہنچنے ...لا آج میرا خریدار بن کر آیا ہے۔" ویرا زہریلے لہجے میں بولی۔

"اور تمہارے بوائے فرینڈ کا بھی۔" وہ اس وقت اونچی ...واز کے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔" مجھے شبہ ہے کہ گیری کی ہلاکت ...ں تم دونوں ہی شریک تھے ورنہ تم یہاں لینا جیرالڈ کے نام سے ...رہ رہی ہوتیں۔ شاید تمہارے ساتھی کو لے جانے پر کچھ اور ...ھی انعام دے دیا جائے۔۔۔ اب تم دونوں پھنس چکے ہو میکس ...نے گیراج کا دروازہ باہر سے مقفل کیا ہے اور شراب خانے کے ...ازموں سے کہہ دیا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اوپر سے کوئی ...ھی نیچے اترنے کی کوشش کرے تو اس کی ٹانگیں توڑ کر اسے دوبارہ اوپر پھینک دیا جائے۔"

"اور تم ہم دونوں کو میکس سے خرید کر لے جاؤ گے۔" میں ...نے اُسے چڑانے کی نیت سے اپنی تشویش پر قابو پاتے ہوئے ...حقیر آمیز لہجے میں کہا۔

"میکس خود تم دونوں کو باندھ کر اپنی گاڑی میں میرے گھر ...پہنچائے گا۔ تم فکر نہ کرو، میں نے تمہیں دیکھتے ہی اپنے ذہن میں ...کامیاب سودے کا پورا خاکہ بنا لیا ہے۔"

اس دوران میں، میں مسلسل اس گھات میں لگا رہا کہ وہ لمحہ بھر کے لیے بھی پستول کی طرف سے غافل ہو تو میں ہتھیار چھین کر اُسے غیر مسلح کر دوں لیکن اس نے ایک بار بھی مجھے ایسا موقع فراہم نہیں کیا البتہ اپنی ہرزہ سرائی کے دوران اس نے ہمیں پوری صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا جو ہمارے حق میں بہت خطرناک تھی۔ ہمارے فرار کی راہیں مسدود کی جا چکی تھیں۔ میکس نے ہمیں اپنا مالِ غنیمت بنا لیا ہوا تھا اور رِک ہمیں اونے پونے خریدنے کے چکر میں تھا۔ میرا ذہن اس بارے میں بہت تیزی سے کام کر رہا تھا کیونکہ اس وقت کی ذرا سی لغزش ہمارا مستقبل برباد کر سکتی تھی۔ میرے لیے خوشی کی بات صرف اتنی تھی کہ رِک نے مزاحمت کی صورت میں ہمیں ہلاک کرنے کی کوئی دھمکی نہیں دی تھی بلکہ یہ بتا کر بیٹھا تھا کہ وہ میکس کے ہاتھوں ہمیں بندھوا کر اپنے گھر لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا جس کا مطلب تھا کہ شی کی طرف سے ویرا کو زندہ گرفتار کرنے کے احکام جاری ہوئے تھے۔

میکس کے غسل سے فارغ ہو کر آنے تک ہم دونوں ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے گھورتے رہے، ویرا نے تھکے ہوئے انداز میں صوفے کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر اپنی آنکھیں موند لی تھیں۔

"ہو گیا تفصیلی تعارف؟" میکس نے ڈرائنگ روم میں آتے ہی خاص طور پر کسی سے مخاطب ہوئے بغیر سوال کیا۔ پھر اپنی جگہ سنبھالتے ہوئے ویرا سے بولا۔" اب تم دونوں اپنے کمرے میں جاؤ، ہمیں کچھ بات کرنی ہے۔"

ویرا نے صوفہ چھوڑ دیا، مگر میں اپنی جگہ ڈٹا رہا اور نرم لہجے میں بولا۔" ہمیں رِک نے بتایا ہے کہ تم بردہ فروشی بھی کرنے لگے ہو، ہمارا سودا اگر ہماری موجودگی میں ہی کیا جائے تو تمہارے لیے سودمند رہے گا۔"

میری زبان سے وہ بات سنتے ہی میکس طیش میں آ گیا۔ اس کا بایاں ہاتھ گھوم کر رِک میلون کے منہ پر پڑا اور وہ کراہتا ہوا اپنے پستول سمیت ایک طرف لڑھک گیا۔

"یہ کیا بکواس کی ہے تو نے؟ میں تیری ہڈیاں چبا جاؤں گا۔" میکس آستینیں چڑھاتے ہوئے آگ بگولا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اور ویرا اپنی آنکھوں میں اطمینان کی چمک لیے واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

"خدا کے لیے میکس ہوش میں رہو۔" رِک دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے کے سامنے ڈھال بناتے ہوئے گڑگڑایا۔" میں نے حماقت میں انھیں کچھ باتیں بتا دی ہیں لیکن یہ اب ہم دونوں کو لڑوا کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ تم دیکھنا کہ معاملہ بن جانے کے بعد میں ان خبیثوں سے کیسا سلوک کرتا ہوں۔"

"پھر اس سے پستول ضرور لے لینا۔" میں نے میکس کو مزید بھڑکایا۔" داموں پر تنازعے کی صورت میں یہ ہمیں یہاں سے پستول کے بل پر نکال لے جانے کی سوچ رہا تھا۔"

رِک میلون قد میں میکس سے نکلتا ہوا اور طاقت میں برابر ہی رہا ہو گا، لیکن اس وقت میکس اس پر بُری طرح حاوی تھا۔ اس نے کسی باز کی طرح جھپٹ کر رِک کے ہاتھ سے پستول چھین لیا ساتھ ہی وہ فرنچ میں غرانے بھی لگا تھا۔ میکس ذرا پیچھے ہٹا تو رِک نے بمشکل خود کو اپنی نشست میں سنبھالا اور مجھے کینہ توز نظروں سے گھورنے لگا۔

"لے جا سکتے ہو تو میری مرضی کے بغیر اب انھیں ہلا کر دکھاؤ۔" میکس اسے کینہ توز نظروں سے گھورتے ہوئے غرایا۔" تم دوست نہیں، آستین کے سانپ ہو۔ میرے سامنے کوئی متبادل راستہ ہوتا تو اسی وقت تمہاری منحوس صورت پر تھوک دیتا۔"

"تم غصہ تھوک کر اطمینان سے اپنا سودا کرو۔" میں نے مربیانہ انداز میں میکس سے کہا۔ "بس رقم لے کر اپنی ذمے داری سے یہیں سبکدوش ہو جانا، آگے ہم رک سے خود نمٹ لیں گے۔"

"بکواس بند کرو۔" میکس نے غصے میں مجھے جھڑک دیا۔ "میں بھی اتنا پاگل نہیں ہوں کہ بلاوجہ کی ذمے داریاں اپنے سر لیتا پھروں، یہ بڑا سورما بنا پھرتا ہے، کچھ کام تو وہی کرے گا۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تمہارا پہلا فیصلہ درست تھا تم ان دونوں کو یہاں سے ہٹا دو ورنہ یہ تمہیں مشتعل کر کے آخر کار یہ سودا بالکل تباہ کرا دیں گے۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں تم مجھے ٹھگنے کی کوشش نہیں کرو گے؟"

"یہ موجود رہ کر کیا کر لیں گے؟ انھیں تو آخر کار میرے ہی قبضے میں آنا ہے۔ تمہارے لیے یہ بیکار ہیں اور میں تمھیں معاوضے میں تمہارے تصور سے زیادہ رقم دوں گا۔"

"اجازت ہو تو تمہارے فائدے کی ایک بات بتاؤں؟" میں نے بڑے ادب سے میکس سے دریافت کیا۔

"بکو۔" وہ کسی بھیڑیے کی طرح غرایا۔

"اس وقت حقیقی معنوں میں ہم تینوں تمہارے قیدی ہیں، رک میلون کو تم نے دیکھ لیا کہ یہ تمہارا دوست نہیں بلکہ ایک ذلیل اور خود غرض شخص ہے پھر تم اس کی وجہ سے خسارے میں کیوں رہو؟ کھلی بولی لگوا دو ہم اس کے زیادہ دام لگائیں تو اسے ہمارے سپرد کر دینا، اس کی بولی اونچی ہوئی تو یہ ہمیں لے جائے گا۔"

پہلی بار رک میلون کے چہرے پر اعتماد کی روشنی نظر آئی اور میکس بولا۔ "یہ تجویز زیادہ مناسب ہے۔ میری غرض صرف پیسے سے ہے، دونوں صورتوں میں تم تینوں ہی اکٹھے جاؤ گے۔"

"ہماری بولی کامیاب ہوئی تو ہم اسے کہیں نہیں لے جائیں گے۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "اس کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر یہیں ڈال جائیں گے انھیں پھنکوانا تمہارا کام ہوگا۔"

"اس کے چھ سو ڈالر خالی تو ہوں گے۔" میکس کاروباری لہجے میں بولا۔

رک میلون کو اس شرط پر جمائے رکھنے کے لیے میں نے چھ سو ڈالر پر خاصی بحث کی جسے رک ہماری مالی کمزوری کی دلیل سمجھ کر مسکراتا رہا اور جب میکس نے جھنجلا کر پانچ سو پر بات ختم کی تو وہ جلدی سے بول پڑا۔ "اور اپنی کامیابی کی صورت میں اتنی ہی رقم میں تمھیں ان دونوں کو اپنے اڈے پر پہنچانے کے عوض دوں گا۔"

"پہلی بولی کون دے گا؟" میکس نے سوال کیا۔ اس وقت بہت عجیب و غریب صورت حال پیدا ہو چکی تھی جس میں دو دشمن [illegible] دے کر ایک دوسرے کو خریدنے کے لیے کوشاں تھے میری انوکھی حکمت عملی نے ویرا کو متحیر کر کے رکھ دیا تھا کیونکہ میکس [illegible] لالچ میں بہت آسانی کے ساتھ شیشے میں اتر آیا تھا دوسری طرف [illegible] ہمیں مالی طور پر کمزور سمجھ کر جھانسے میں آ گیا تھا اور [illegible] طرح دلدل میں غرق کرنے سے قبل اصلیت سمجھنے کا موقع نہیں [illegible] چاہتا تھا اس لیے رقم کے بارے میں محتاط روش پر چل رہا تھا۔

"یہ ہمیں خریدنے آیا تھا اس لیے پہلی بولی اس کا حق ہے۔" [illegible] نے براہ راست رک میلون کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا، [illegible] کی بنا پر سبقت کے تمام فائدوں سے محروم ہو چکا تھا۔

"شروع ہو جاؤ۔" میکس بے تابانہ لہجے میں بولا۔ "میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ قسمت کی دیوی آج مجھ پر کتنی مہربان ہے۔"

"ایک ہزار ڈالرز۔" رک نے اپنی جگہ پہلو بدلتے ہوئے کہا

"بارہ سو۔" میں نے اطمینان سے بولی بڑھا دی۔

تدریجی انداز میں دونوں طرف سے رقم میں اضافہ ہوتے [illegible] جب رک نے دس ہزار کی بولی لگائی تو وہ سخت بے آرام ہو چکا تھا اس کی پیشانی پر اس سرد موسم میں پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے رک کی اگلی بولی بارہ ہزار کی ہوئی تو اس کی آواز کمزور پڑنے لگی اور اسی کے ساتھ اس نے ایک ایسا اعتراض اٹھا دیا جو میں خود کسی مناسب مرحلے پر اٹھانے والا تھا۔

"یہ بے بنیاد بولیاں لگا رہا ہے مجھے یقین ہے کہ یہ اتنی رقم [illegible] نہ کر سکے گا۔" اس نے احتجاج کیا۔ "اس سے کہو کہ بولی آگے بڑھانے [illegible] پہلے نقد اثاثے ظاہر کرے۔"

وہ بات میکس کے مفاد میں جاتی تھی۔ اس لیے وہ استفسار[illegible] نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ "مجھے یہ شرط بھی منظور ہے۔" [illegible] نے کہا۔ "لیکن رقم تم کو علیحدگی میں دکھائی جائے گی ورنہ یہ مقابلے سے بھاگ جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے [illegible] ویرا کو اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر تیزی سے خوابگاہ میں چلی گئی۔ مجھے [illegible] سے توقع تھی کہ وہ پوری رقم ظاہر کرنے کی حماقت نہیں کرے گی۔

میکس، رک کے ساتھ ایک گوشے میں چلا گیا اور راک[illegible] جیبوں سے رقم نکال کر میکس کو دکھانے لگا۔ اس مرحلے پر میکس [illegible] کوئی اعتراض کیا، رک نے اسے سمجھانے کی کوشش کی اور دونوں [illegible] فریق میں بحث کا آغاز ہو گیا جو مجھے اپنے حق میں سود مند محسوس [illegible] تھی آخر کار میکس برا سا منہ بنائے بددلی کے انداز میں واپس لو[illegible]

اس اثنا میں ویرا تھیلے کے بغیر کمرے سے نکل آئی اس نے رقم [illegible] کپڑے میں لپیٹ رکھی تھی۔

میکس نے رک سے دور جا کر رقم دیکھی اور پھر گڈیاں [illegible]

لوٹانے کے بجائے اپنی جیبوں میں اڑستے ہوئے کمرے کے وسط میں آگیا۔

"کھیل ختم ہوگیا۔" اس نے انگریزی میں اعلان کیا۔ "رک میلون کے پاس بارہ ہزار ہیں اور لینا کے پاس چالیس ہزار، اس لیے یہ بولی تم جیت گئے۔"

آخری فقرہ اس نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا تھا، اس کامیابی پر میں اپنی اضطراری خوشی پر قابو نہ رکھ سکا اور جھپٹ کر رک میلون کے چہرے پر دو زوردار مکّے جڑ دیے۔ وہ بوکھلاتے ہوئے انداز میں غراتے ہوئے ایک طرف الٹ گیا۔ نیلام کے غیر متوقع انجام پر وہ بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

"ٹھہرو! ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی۔" میکس غرایا۔ "تم لوگ ضرور جیت گئے ہو لیکن سودا صرف رک کا ہوا ہے اس لیے اس کے بارہ ہزار بھی میرے ہیں۔ رقم ڈھیلی کرو رک۔"

"اس کے پاس بارہ ہیں تو ہم سے تم تیرہ لے لو۔ ستائیس ہزار واپس دو۔" ویرا نے اعتراض کیا۔

"اس وقت تم سستی چھوٹ رہی ہو مائی بے بی!" میکس خباثت سے مسکراتے ہوئے بولا۔ "بلائنڈ کال چلتی رہتی تو شاید تم کو پچاس ساٹھ ہزار فراہم کرنا پڑ جاتے، اس کے بعد اب میرا تم سے کوئی مطالبہ نہیں ہوگا۔ ویسے مجھے امید نہیں تھی کہ تمھارے پاس اتنا مال موجود ہوگا۔ کہاں ہاتھ مارا ہے تم نے؟"

"تمھاری طرح میرا بھی ایک داؤ لگ گیا تھا لیکن یہ سراسر ظلم ہے کہ تم نے ہمیں بالکل قلاش کر دیا ہے۔ اس سے پہلے بھی تم ہمیں الٹی چھری سے ذبح کرتے رہے ہو۔"

"اخراجات کے لیے یہ رکھ لو۔" اس نے سو ڈالر کے دو نوٹ ویرا کی طرف بڑھاتے ہوئے سخاوت آمیز لہجے میں کہا۔ جو اس نے بے دلی کی بھرپور اداکاری کے ساتھ لے لیے۔

میکس، رک کا پستول تھامے اس کی طرف پلٹا تو وہ مزاحمت کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ "میرے قریب نہ آنا۔ یہ سارا ڈھونگ غیر قانونی تھا۔ تم کسی جیتے جاگتے آدمی کو یوں فروخت نہیں کر سکتے۔"

میکس دانت پیس کر فرنچ میں کچھ غرایا اور اپنی فربہ جسامت کے باوجود کسی ماہر ریسلر کی طرح فضا میں اچھلتا ہوا رک میلون پر جا پڑا۔ اسے رک کا ردِعمل بھانپنے میں ذرا سی چوک ہوگئی ورنہ اسی کے ساتھ پستول کا آہنی دستہ بھی رک کی کھوپڑی پر پڑ گیا ہوتا۔

"تمھاری کھوپڑی واقعی شیطان کا کارخانہ ہے۔" ویرا اردو میں دھیمی آواز میں بولی۔ "دونوں کتوں کی طرح ایک دوسرے کو نوچ رہے ہیں اور ہم مزے میں ہیں۔"

"اب ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکلنے کی فکر کرنا چاہیے ورنہ میکس مزید رقم کے لالچ میں ہمارے بیگ کی تلاشی لینے کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے۔ ہمیں گرما گرمی میں ہی نکل جانا چاہیے۔"

رک کسی بھی طرح میکس کے مقابلے میں بودا نہیں تھا اس لیے وہ نیچے گرنے کے باوجود میکس کے چہرے اور پسلیوں پر چند ضربات لگانے میں کامیاب ہوگیا اور وہی اس کی شامت کا نقطۂ آغاز بن گیا۔ میکس پر مار کھاتے ہی جنون سوار ہوگیا اور اس نے باضابطہ مقابلے کے بجائے اچانک رک کو چھوڑ کر اسے ٹھوکروں اور مکّوں پر رکھ لیا۔ ہاتھ پیروں کے ساتھ ہی اس کی زبان بھی چل رہی تھی۔

ذرا سی دیر میں رک کا چہرہ لہولہان ہوگیا اور وہ کسی تھکے ہوئے سانڈ کی طرح ہانپنے لگا۔ میکس نے اس کے بدن پر موجود لباس کے چیتھڑے اڑا دیے تھے اور وہ کسی خون آشام درندے کی طرح بار بار رک پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ دونوں کی جیبوں سے نوٹوں کی گڈیاں نکل کر قالین پر بکھر گئی تھیں لیکن اس وقت وہ دونوں ڈالروں کی گڈیوں کو روندتے ہوئے حرص و ہوس کے اس خونیں ڈرامے کو اس کے انجام تک پہنچانے کے لیے کوشاں تھے جس کی ابتدا ہی پیسے کے لالچ سے ہوئی تھی۔

پھر نہ جانے کیا ہوا کہ رک کو قالین پر گرے ہوئے اپنے پستول کی طرف جھپٹنے کا موقع مل گیا، وہ صورتِ حال بہت نازک تھی۔ اگر رک کسی بھی طرح غالب آجاتا تو میکس کے ساتھ ہی ہم دونوں بھی گردش میں آسکتے تھے لہٰذا میں بھی میدان میں آگیا۔

رک کا ہاتھ پستول پر پڑا ہی تھا کہ میرے وزنی جوتے نے اس کی کلائی بری طرح روند ڈالی اور پھر بائیں ہاتھ سے اس کے بال تھام کر میں نے اسے فرش سے سیدھا کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔ وہ مجھ سے لپٹ پڑنا چاہ رہا تھا کہ میں نے پیچھے ہٹ کر اپنے اور اس کے درمیان جگہ بناتے ہوئے اس کے چہرے، پیشانی اور کنپٹیوں پر پے در پے ایسے زوردار رائٹ اور لیفٹ ہک برسائے کہ وہ کسی اندھے کی طرح اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے لڑکھڑاتا ہوا دور جا گرا جہاں میکس اس کے استقبال کے لیے تیار تھا۔

اس وقت میکس پر خون سوار ہو چکا تھا، وہ رک کو نیچے گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ میرے گھونسوں نے رک کی بصارت کو شاید مفلوج کر دیا تھا کیونکہ وہ کسی اندھے کی طرح فضا میں ہاتھ لہرا کر میکس کو گرفت میں لینے کی ناکام کوشش کرتا رہا اور اسی دوران میں میکس نے اس کے دونوں بازو بے رحمی کے ساتھ اپنے گھٹنوں کے نیچے دبا کر اس کے نرخرے پر ہاتھ ڈال دیا۔

وہاں جو کچھ ہو رہا تھا، ہمارے حق میں ہو رہا تھا بلکہ میکس ہمارا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دے رہا تھا۔ اس لیے ہم دور کھڑے تماشا دیکھتے رہے اور میکس نے پوری قوت سے رک کا گلا گھونٹنا شروع

کر دیا۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ کسی مقابلے میں بہ ذات خود شریک ہو کر جوش اور اشتعال میں دس یا پانچ حریفوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا بہت آسان کام تھا لیکن دور کھڑے رہ کر کسی دشمن کی موت کا تماشا دیکھنا زہرہ گداز کام تھا جو کم از کم کمزور دل کے کسی آدمی کے بس کا نہیں تھا۔

میکس کی فولادی انگلیوں نے رک کے جسم میں تازہ ہوا پہنچنے کا ہر راستہ بند کیا ہوا تھا اور رک تڑپ تڑپ کر سانس لینے کے لیے مچل رہا تھا۔ جسمانی مشقت کی وجہ سے اس کی تازہ ہوا کی طلب بڑھی ہوئی تھی جب کہ حلقوم پر میکس کا شکنجہ جما ہوا تھا لہٰذا دیکھتے ہی دیکھتے رک کی آنکھیں اپنے حلقوں سے ابلنے لگیں اور پھر اس کی زبان بھی رفتہ رفتہ دہانے سے باہر لٹکنے لگی لیکن میکس نے اپنی گرفت ڈھیلی نہیں پڑنے دی اور آخر کار رک کی ساری مزاحمت دم توڑ گئی۔ اس کے بعد بھی چند ثانیوں تک میکس اسی طرح اس کے سینے پر سوار رہا۔

"اتر آؤ... اب وہ ٹھنڈا ہو چکا ہے۔" میں نے میکس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ اس نے پلٹ کر اپنی وحشت زدہ، خون آشام نظروں سے مجھے گھورا پھر رک کے بے جان چہرے پر حقارت سے تھوک کر نیچے اتر آیا۔

"یہ تم نے برا کیا۔ اسے مرنا نہیں چاہیے تھا۔" ویرا نے مکارانہ اداسی کے ساتھ کہا۔

"شٹ اپ۔" وہ کسی بھیڑیے کی طرح غرایا۔ "میں وعدہ شکنوں سے نمٹنا اچھی طرح جانتا ہوں۔ شروع ہی سے اس کی نیت خراب تھی ورنہ وہ پستول ساتھ نہ لایا ہوتا۔"

میں نے دل میں سوچا کہ وہ خود کب وعدے کا پاس کرتا تھا جو اسے رک سے شکایت پیدا ہوئی تھی۔ میکس نے ویرا کو اپنا مہمان اور مجھے کرائے دار بنا کر اپنی دانست میں ہمیں بیچ ڈالنے کی پوری پوری کوشش کی تھی لیکن ہمارے ستارے یاور تھے کہ ہم اس کے جال کا توڑ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

"اس واقعے کے بارے میں تم نے کہیں بھی زبان کھولی تو یہ یاد رکھنا کہ میں تم دونوں کو رک میلون کے پاس بھیج دوں گا۔" اس نے باری باری ہمیں گھورتے ہوئے خونخوار لہجے میں کہا۔

"ہم جانتے ہیں۔" ویرا بولی۔ "خود ہمارے ہاتھ بھی صاف نہیں ہیں۔"

"یہ لاش میری کار کی ڈکی میں پہنچا کر اب تم دونوں یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔" وہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر اپنی ضربات اور زخموں کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ اس مقابلے میں کیونکہ دست بدست لڑائی ہوئی تھی، اس لیے میکس کا چہرہ بھی زخموں سے رستے ہوئے خون اور نیلوں کے نشانات کے باعث مضحکہ خیز بن کر رہ گیا تھا۔

وہ نوٹوں کے بنڈل سمیٹ کر اپنی خوابگاہ میں گھس گیا لیکن منہ پر پانی بہا کر تولیے سے چہرہ خشک کرتے ہوئے وہ فوراً ہی واپس آ گیا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں پلاسٹک کا ایک بڑا سا تھیلا تھا جو اس نے میری طرف اچھال دیا۔ "لاش اس تھیلے میں احتیاط سے ڈال کر اس کا منہ رسی سے باندھ دو تاکہ میری گاڑی کی ڈکی میں اس کے ناپاک خون کے نشانات باقی نہ رہنے پائیں۔"

وہ کام خاصا وقت طلب تھا۔ سب سے پہلے ہمیں رک کی بھیانک لاش سے جابجا رِستے ہوئے خون کو خشک کرنا پڑا۔ اس کا چہرہ بری طرح خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ اس صفائی کے لیے میکس نے اپنے گھر سے کوئی کپڑا دینے سے انکار کر دیا کیونکہ اس سے ملنے والا کوئی موہوم سا سراغ بھی اس کی آزادی کے لیے خطرہ بن سکتا تھا۔ اس لیے ہمیں رک میلون کے لباس کے چیتھڑوں پر ہی اکتفا کرنا پڑا۔

اس صفائی سے فارغ ہو کر ہم نے رک میلون کی لاش خون آلود چیتھڑوں سمیت تھیلے میں گھسیڑ دی۔ کوڑا پھینکنے والا وہ قدآور سے بھی نکلتا ہوا تھیلا شاید شراب خانے کے ڈسٹ بن صاف کرنے کے کام آتا تھا کیونکہ یورپ کے بیشتر ملکوں میں کھلا ہوا کوڑا پھینکنا معاشرتی اور بعض ملکوں میں قانونی جرم بھی تصور کیا جاتا ہے کیونکہ اس سے مزید گندگی اور بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ اس لیے ہر مکان اور دکان کے قابض رات میں اپنا سارا کوڑا سیاہ پلاسٹک کے مضبوط تھیلوں میں باندھ کر رات گئے اپنے دروازوں سے باہر رکھ دیتے ہیں جسے صبح اندھیرے صفائی کے اداروں کی گاڑیاں اٹھا لے جاتی ہیں۔

میکس کے تیوروں سے نظر آ رہا تھا کہ رک کی لاش مجھ ہی کو ڈھونی پڑے گی، اس لیے میں نے اس کے کہنے سے قبل وہ سیاہ وزنی تھیلا اپنے کندھے پر اٹھا لیا۔ غنیمت یہ تھا کہ لاش گرم اور تازہ تھی جس کی وجہ سے سارے جوڑ نرم تھے اس لیے مجھے کشتی کے اس بدنصیب ہرکارے کی لاش سنبھالنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی جو پچاس ہزار ڈالر کا انعام تنہا ہتھیانے کے چکر میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

میرے اس رضاکارانہ تعاون پر میکس نے پہلی بار میری حوصلہ افزائی کی اور اس کی نگرانی میں رک کی لاش چند ہی منٹ میں اس کی کار کی ڈکی میں مقفل کر دی گئی۔

"آتے ہوئے میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا چہک رہا تھا لیکن اب ڈکی میں خاموشی کے ساتھ واپس جائے گا۔" میکس گیراج سے کچن میں جانے والی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے بڑبڑایا۔ مجھے اس کی وہ مہارت حیرت انگیز معلوم ہوئی کہ انگریزی پر قادر الکلام نہ ہونے کے باوجود میری وجہ سے

وہ زیادہ تر انگریزی ہی بولتا رہا تھا۔
اوپر پہنچ کر ہم نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تو میکس کو خیال آہی گیا کہ اس نے ہماری وجہ سے بادن ہزار ڈالر کمائے تھے "میں خود تمھیں چھوڑ آتا لیکن موجودہ حالت میں میں خود کو تماشا بنانا پسند نہیں کروں گا۔"
"نہ چھوڑو لیکن نیچے والوں سے کہہ دو کہ ہمیں نکل جانے دیں۔" میں نے کہا۔
"اوہ ضرور۔" کہتے کہتے وہ چونک پڑا۔ "لیکن تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ نیچے تمھیں روک لیا جائے گا؟"
"رِک بہت باخبر آدمی تھا، اس نے ہی ہمیں بتایا تھا۔"
"میری چند منٹ کی غیر حاضری میں وہ کمینہ تمھیں کھایا پیا تک بتا گیا۔" وہ پھر غصے میں آگیا۔ "پتا نہیں اسے اس کی سنڈیکیٹ والے کیسے برداشت کرتے ہوں گے۔"
میکس نے نیچے اُترے بغیر اوپر کے کوریڈور سے کسی کو چیخ کر فرنچ میں ہدایت دی اور ہم اس سے ہاتھ ملا کر قالین والے چوبی زینوں کی طرف بڑھ گئے۔
الکحل، تمباکو اور چرس کی ملی جُلی تیز بُو نچلے زینوں پر ہی اتنی شدید تھی کہ نئے آدمی کو محض اس ماحول میں چند سانس لینے سے نشہ ہو سکتا تھا۔ اوپری منزل کے برعکس میکس کا شراب خانہ خاصا قرینے کا نظر آرہا تھا لیکن دھیمی روشنیوں میں وہاں بیٹھے ہوئے مرد اور عورتیں یقیناً معاشرے کے نچلے طبقے سے تعلق رکھتی تھیں جس کا اظہار شوخ لباسوں، تیز میک اپ اور اونچی آوازوں سے بہ آسانی ہو جاتا تھا۔
ہمیں آخری زینے پر دیکھتے ہی گنجے بارٹینڈر نے دور سے ہاتھ اٹھا کر الوداعی سلام کیا۔
"یہ تصاویر عورتوں کے یہاں آنے میں مانع نہیں ہوتیں؟" میں نے وہاں آویزاں تصاویر کی طرف اشارہ کر کے دیرا سے پوچھا۔
"یہ سب اس طبقے سے تعلق رکھتی ہیں کہ میکس انھیں اجازت دے دے تو وہ سرِ شام ہی بن سنور کر ان تصویروں کی جگہ اسی انداز میں لٹک جائیں۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "تم مشرقی لوگ ابھی تک اٹھارویں صدی میں رہ رہے ہو، ہمارے ہاں یہ چیزیں عرصے سے شجرِ ممنوعہ نہیں رہی ہیں۔ قانون جبر اور تشدد کا مخالف ہے لیکن کہیں بھی فرد کی آزادی اور تفریح پر کوئی قدغن عائد نہیں کرتا۔"
ہم شراب خانے کے دروازے سے نکل رہے تھے۔ میں نے دیرا کے لیے دروازہ کھول کر تھاما ہوا تھا کہ ایک قریبی میز سے

اچانک ایک ملّاح اپنے سانسوں میں الکحل کی بُو لیے تیزی سے اس کی طرف لپکا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرنچ میں کچھ کہنے لگا۔

ڈیرا نے سختی سے اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے کچھ کہا اور وہ میری موجودگی کی پروا کیے بغیر لوفرانہ انداز میں ٹھنڈے ٹھنڈے سانس لیتا ہوا اپنی میز کی طرف واپس ہولیا۔

"کیا کہہ رہا تھا؟"، میں نے فٹ پاتھ پر آکر تیز اور تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ایسے واقعات کو نظرانداز کرنے کے عادی بنو"۔ وہ میرے سوال کو ٹالتے ہوئے بولی "ورنہ ذہنی توازن بگاڑ لوگے"۔

"تم نے اس کے منہ پر تھپڑ نہیں مارا؟"، میں نے حیرت سے کہا۔

"کیوں مارتی؟"، اس نے مجھ سے زیادہ حیرت کے ساتھ سوال کیا۔" میں تمھیں بتا چکی ہوں کہ یہاں قدریں بہت بدل گئی ہیں اور فرد کی آزادی کو ہر چیز پر فوقیت حاصل ہے"۔

"اگر فرد کی آزادی یہی ہے کہ جانوروں کی سطح پر اُتر آئے تو ایسی آزادی کو میرے سات سلام"۔

"یہ صرف ایک رخ ہے، اس کے ہزاروں دوسرے پہلو بھی ہیں۔ کبھی فرصت سے لندن کے ہائیڈ پارک میں اسپیکرز کارنر جانے کا موقع ملے تو تم دیکھو گے کہ عالی شخصیات تو ایک طرف، شاہی خاندان کے ارکین پر گندے اور رکیک حملے کیے جاتے ہیں۔ پولیس والے دور سے سنتے اور تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔ کوئی مقرر سے لڑنے پر آمادہ ہو تو اسے وہاں سے نکال دیتے ہیں۔ آزادی یہی ہوتی ہے کہ ہر فریق کو اپنی بات کہنے کی آزادی ہو۔ اس نے فرمائش کی، میں نے سختی سے اسے منع کر دیا۔ اس طریقۂ کار میں غبار اور گھٹن نہیں ہوتی۔ فطری صلاحیتوں کی نشوونما تیز ہوتی ہے"۔

"خیر تمھارا شاہی خاندان ہائیڈ پارک میں اپنے ساتھ جو سلوک چاہے کراتا رہے، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں"۔ میں نے اس لایعنی بحث کو ختم کرتے ہوئے کہا۔" یہ بتاؤ کہ اس سرد موسم میں پیدل کہاں تک گھسٹنے کا ارادہ ہے؟"

"کاغذات ضرور بن گئے ہیں لیکن تم رِک میلون سے سُن چکے ہو کہ ربیکا اور گیری ہارٹ کے قتل کے سلسلے میں میرا اور تمھارا ذکر پھیل گیا ہے اس لیے میں ٹیکسی وغیرہ سے گریز کر رہی ہوں۔ میں دیکھ چکی ہوں کہ پیدل افراد کے مقابلے میں گاڑیوں کی چیکنگ زیادہ سختی سے کی جا رہی ہے"۔

"میری بات کا جواب اب بھی نہیں ملا کہ ہم سردی میں کب تک پیدل چلتے رہیں گے؟"، میں نے جھلّا کر کہا اور وہ خوش دلی کے ساتھ ہنس پڑی۔

"تھوڑے فاصلے پر دو تین ہوٹل ہیں، بس وہیں تک دوڑ لگانا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ ہوٹل میں ہم ایک دوسرے سے اجنبی بن کر جائیں گے اور الگ الگ کمروں میں ٹھہریں گے تاکہ ہمیں ان دونوں کے قاتلوں کے خانے میں فٹ نہ کیا جا سکے"۔

ہم مارسیلز کی بندرگاہ کے علاقے میں تھے جہاں فضا میں سمندر کی مخصوص بُو رچی ہوئی تھی۔ سرد موسم کے باوجود راستوں اور دُکانوں پر رونق تھی۔ ہوٹل اور بار بھانت بھانت کے لوگوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ہمارے عقب میں بندرگاہ پر لنگر انداز جہازوں کے ہیولے ہلکی دُھند میں آبی لکیروں کی مانند نظر آرہے تھے جن کی روشنیاں دُور سے کافی خوشنما معلوم ہو رہی تھیں لیکن میرا ذہن رِک میلون میں الجھا ہوا تھا۔ وہ انتہائی غیر متوقع طور پر ہمارے سامنے آیا تھا اور اس نے اپنے حد سے بڑھتے ہوئے اعتماد کی وجہ سے ہمیں جو کچھ بتایا تھا، وہ بہت خطرناک تھا۔

اس وقت تک ہم ہر اعتبار سے کامیاب اور سُرخرو رہے تھے۔ ہماری راہ میں حائل ہونے والے خطرات بھی ہماری راہ نہیں روک سکے تھے لیکن فائر کیمپ کو تباہ کرکے ہم نے اپنے خلاف ش کا پورا محاذ زندہ کر لیا تھا۔ جی لائیڈ نے سرجی کے ذریعے بھیجے جانے والے کیسٹ میں جو پیغام دیا تھا اب اس پر عمل ہوتا ہوا نظر آرہا تھا کیونکہ رِک میلون کے بقول ڈیرا کو حاصل تمام رعایتیں منسوخ کرکے اس کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیے گئے تھے بلکہ اس پر ایک خطیر انعام بھی مقرر کر دیا گیا تھا اور اسی طرح میرے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ہو رہا تھا۔ میری ذات سے کوئی انعام وابستہ نہیں کیا گیا تھا اس لیے رِک میلون نے اس بارے میں کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

دوسری طرف فائر کیمپ کی تباہی کے نتیجے میں انتظامیہ شدید عوامی دباؤ میں آگئی تھی۔ اس لیے ہنگامی بنیادوں پر پورے شہر میں مشتبہ لوگوں کی تلاش کی مہم کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کسی ہوٹل میں منتقل ہو کر ہم کتنے عرصے تک دو طرفہ یلغار سے محفوظ رہ سکتے تھے۔

مجھے مختصر سی مدت کے لیے ربیکا کی چھت کا محفوظ ٹھکانا میسّر آیا جو اس کے شوہر کے شبہات پھر گیری ہارٹ کی مداخلت اور دُہرے قتل کی وجہ سے چھوڑنا پڑ گیا۔ میکس کی درندگی اور پیسے کی حرص کا ایک شاہکار ہم رِک میلون کی لاش کی صورت

ں دیکھ چکے تھے اس لیے جان بچانے کے لیے وہاں سے
ی نکلنا پڑ گیا اور اب ہوٹل کا معاملہ درپیش تھا جب کہ شہر
ے سامنے ہی ہوٹل شاید پولیس اور شی والوں کی دُہری
گرانی میں آ چکے تھے۔
ویرا نے میکس کے پاس ضرور اپنا تعارف لینا جیرالڈ
ے طور پر کرایا ہوا تھا لیکن اس نام کے ساتھ اس کے پاس
وئی شناختی دستاویز نہیں تھی۔ اب تک وہ ہر جگہ کھلے بندوں
اپنا اصل نام یا پھر میجر ویرا الائیڈ کا اعزازی کارڈ استعمال کرتی
ہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہوٹل میں کس نام
ے قیام کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔
"اس بارے میں مَیں خود فکر مند ہوں۔" میرا سوال سن
کر اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔" اصل نام استعمال کرتے ہی
یں شی والوں کا نشانہ بن جاؤں گی۔ اس کی بس ایک ہی صورت
ذہن میں آ رہی ہے جو بظاہر میرے لیے محفوظ ہے لیکن کسی
وقت خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔"
"وہ کیا؟" میں اس وقت احمقانہ مشوروں تک پر غور
کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ویرا اسی قسم کی
کوئی ناقابلِ عمل تجویز پیش کرے گی جسے غور و خوض کے بعد
شاید قابلِ عمل بنایا جا سکتا۔
"تم کسی ہوٹل میں اپنے نام پر ڈبل روم بک کرا لو۔ تمہارے
کاغذات بھی پورے ہیں اور اطالوی نژاد پیٹروک کے نام کے
ذریعے کوئی تم تک نہیں پہنچ سکے گا۔ میں بعد میں ایک ملاقاتی
کے روپ میں تمہارے کمرے میں آ کر مقیم ہو جاؤں گی۔ کمرے
کی صفائی کرنے والی خادمہ کے علاوہ کسی کو میرے قیام کا علم
نہیں ہو سکے گا۔ تم مجھے ایک معزز امیر زادی اور اپنی گرل فرینڈ
ظاہر کر کے اسے بھاری ٹپ دیتے رہو گے تو وہ اپنی زبان
بند رکھے گی۔"
تجویز فوری طور پر قابلِ عمل تھی کیونکہ اچھے ہوٹلوں میں
انتظامیہ اپنے مہمانوں کی پرائیویسی میں قطعی دخل انداز نہیں
ہوتی، البتہ کرائے کی مناسبت سے اپنے مہمانوں کو کمرے میں
سہولتیں میسر کرتی ہے جو ڈبل روم کا کرایہ ادا کرنے کی صورت میں
ویرا کے لیے کافی ہوتیں لیکن سوال یہ تھا کہ ویرا شی میں بہت
زیادہ معروف اور جانی پہچانی شخصیت کی مالکہ تھی۔ وہ جب
بھی منظرِ عام پر آتی، شی کے لالچی بھیڑیے پچاس ہزار ڈالرز پر
رال ٹپکاتے اس پر ٹوٹ پڑتے۔ اس کے ساتھ ہوٹل میں
غیر معینہ مدت تک محصور ہو جانا، دوسرے خطرات کو جنم دینے
کا سبب بن سکتا تھا جن کا میں اس وقت کوئی اندازہ نہیں لگا
سکتا تھا۔
جہاں تک میرا تعلق تھا، میں خود بھی شی کی لسٹ میں سرفہرست
تھا۔ ان کے پاس میرا کوئی تازہ ریکارڈ نہیں تھا۔ وہ لوگ
صورت سے زیادہ مجھے ڈینی کے نام سے جانتے تھے۔ ان کے
پاس اگر میری برسوں پرانی کچھ تصاویر موجود بھی تھیں، تو ان کی
بنا پر اس وقت کوئی ماہر شخص بھی مجھے شناخت نہیں کر سکتا
تھا، اس لیے اگر میں ڈینی کا نام ترک کر کے نئے شناختی کاغذات
کے ساتھ پیٹروک کی شخصیت اختیار کر لیتا تو میرے لیے
خطرات نہ ہونے کے برابر رہ جاتے۔ اس طرح میں ہوٹل یا
کسی اور کمین گاہ میں محصور رہنے کے بجائے خاموشی کے ساتھ
جمی لائیڈ کے ٹھکانے کی طرف پیش قدمی کر سکتا تھا۔
ویرا، جمی لائیڈ کے عتاب میں آتے ہی میرے لیے
یک بیک اپنی افادیت کھو بیٹھی تھی اور حالات کا تقاضا یہ تھا
کہ مجھے خود کو ناگہانی بڑے خطرات سے بچانے کے لیے اس
سے فوری طور پر کنارہ کشی اختیار کر لینا چاہیے تھی۔ وہ راستہ
بہت خود غرضانہ ہوتا، لیکن مجبوری یہ آ پڑی تھی کہ مستقبل قریب
میں اس کا کوئی متبادل بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔
میں نے اس وقت ویرا سے اس موضوع پر ایک لفظ بھی
نہ کہا۔ میرا خیال تھا کہ ہوٹل میں سر چھپانے کی جگہ میسر آنے
کے بعد کسی وقت مناسب ماحول میں اسے اعتماد میں لینے کی
کوشش کرتا۔ ویرا کی خاموشی سے میں نے اندازہ لگایا کہ
وہ بھی اس پہلو سے لاعلم نہیں تھی۔
تین ہوٹلوں کی جگمگاتی ہوئی روشنیاں نمودار ہوتے
ہی ویرا نے تھیلا میرے حوالے کر دیا۔" ہوٹل مارکوئیس میں
چلے جانا، میں ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد آؤں گی۔"

میں نے گرمجوشی کے ساتھ اس کا ہاتھ دبایا اور تیز قدموں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ ویرا میرے سامنے ہی سڑک عبور کر کے دوسری طرف چلی گئی تھی جہاں کئی اچھے کافی ہاؤسس نظر آ رہے تھے۔

ہوٹل مارکوئیس چار منزلہ عمارت میں واقع تھا۔ ہوٹل پرانا ہونے کے باوجود رکھ رکھاؤ اور سامان کے اعتبار سے بہت قرینے کا نظر آ رہا تھا۔ چیک ان کاؤنٹر کے برابر میں ایک اسٹینڈ پر ہوٹل کے بارے میں مفت تعارفی کتابچے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے سرسری نظر سے ایک انگریزی بروشر کا جائزہ لیا اور کاؤنٹر پر پہنچ گیا۔

میرا مدعا سنتے ہی کاؤنٹر کلرک نے کارڈ نما فارم میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے پاسپورٹ نکال کر اپنے نئے نام سے زندگی کا پہلا فارم بھرنا شروع کیا اور پیٹرواک کے دستخط کر کے پاسپورٹ سمیت اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے پاسپورٹ کا تصویر اور کوائف والا صفحہ دیکھ کر میرا جائزہ لیا۔ میں بظاہر بے پروائی سے کاؤنٹر پر کہنی ٹکائے سگریٹ پینے میں مصروف تھا مگر کاؤنٹر کلرک کی وہ عجیب حرکت میری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی کہ اس نے فارم دیکھنے سے پہلے کم از کم تین بار دزدیدہ مگر پُرتجسس نظروں سے میرا اور پاسپورٹ کی تصویر کا موازنہ کیا تھا۔ میں اس طرف سے مطمئن تھا، لہٰذا میں نے اسے ٹوکنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور چند ثانیوں کے بعد اس نے تین یوم کا پیشگی کرایہ جمع کر کے تیسری منزل کے ایک کمرے کی چابی پورٹر کے حوالے کر دی۔ اس اثنا میں مزید دو جوڑے میرے پیچھے آ کھڑے ہوئے تھے اس لیے میں فوری طور پر پورٹر کے ہمراہ لفٹ کی طرف بڑھ گیا جو فلور پر موجود تھی۔

کمرے سے پورٹر کو رخصت کرنے اور جوتے وغیرہ اُتارنے کے بعد میں نے ایک بار پھر پاسپورٹ کا تفصیلی جائزہ لیا لیکن اس کے اندراجات یا تصویر میں کوئی گڑبڑ محسوس نہ کر سکا۔ اس پاسپورٹ کی خوبی یہ تھی کہ اس کا اجرا چھ ماہ پرانی تاریخوں میں ہوا تھا اور اس پر کئی بین الاقوامی سفر مندرج تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ویرا والی ایجنسی نے کسی پرانے پاسپورٹ پر مہارت سے تصویر اور مہر تبدیل کر کے مجھے پیٹرواک بنایا تھا۔ اپنے اطمینان کے بعد میں نے شناختی کاغذات والا لفافہ رقم کے تھیلے میں ڈال دیا اور آرام دہ بستر پر دراز ہو گیا۔ ربیکا سے بچھڑنے کے بعد اس وقت پہلی بار مجھے اپنی پنڈلی میں درد کی ہلکی سی کسک محسوس ہوئی تھی۔

دوسری طرف ویرا بھی زیادہ دیر تک باہر نہ رہ سکی۔ ایک گھنٹے بعد کمرے میں فون کی گھنٹی بجی تو میں بُری طرح چونک پڑا۔ ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ میرا وہاں کا نمبر کس نے [illegible] کر لیا تھا۔ ریسیور اٹھانے پر آپریٹر نے ناقابلِ فہم سی مشینی بڑبڑاہٹ کے بعد کال ڈائریکٹ کی تو میں نے سکون کا سانس لیا کیونکہ وہ ویرا تھی جو اس وقت ہوٹل کی لابی سے انٹرکام پر لینا جیر اللہ بن کر بات کر رہی تھی۔

وہ جزئیات کے معاملے میں ہمیشہ محتاط رہتی تھی اس لیے اس نے براہِ راست کاؤنٹر پر جا کر میرا کمرہ نمبر معلوم کرنے اور خود کو ایکسپوز کرنے کے بجائے انٹرکام پر آپریٹر سے میرا نمبر مانگا اور فون پر بات کرنے کے چند ثانیوں بعد ہی اوپر کمرے میں آ پہنچی۔ اس کے ساتھ خورد و نوش کے سامان کا ایک تھیلا اور بلیک لیبل کی بوتل بھی تھی۔

"اب تمھیں میرے لیے خریداری کرنا ہو گی۔" اس نے تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ "میں نے اپنی وضع قطع تبدیل کر کے اب لینا جیر اللہ کا نام اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ عربی وضع کے لباس میں میں بے فکری کے ساتھ باہر نکل کر اپنا کام کر سکوں گی۔ موجودہ نام اور رُوپ تو کسی بھی لمحے میری تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ میرے دل کی بات اس کے ذہن پر بھی سوار تھی اور وہ اس کا حل سوچ کر آئی تھی ورنہ میں تو اس سے کنارہ کشی کے امکانات پر غور کرنے لگا تھا۔

"یہ کیسے ثابت کرو گی کہ تم لینا جیر اللہ ہو؟"

"اسی طرح جیسے تم نے اپنا پیٹرواک ہونا ثابت کر کے یہ کمرہ لیا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "انھی لوگوں سے دوبارہ کام لینا ہو گا۔ ویسے بھی سلطان شاہ کا معاملہ ان پر ادھار ہے۔ جس وقت تم نے لباس فراہم کر دیا، میں اپنے مشن پر نکل جاؤں گی بلکہ الگ کمرہ بھی لے لوں گی۔"

"صرف آج کی رات ٹھہر جاؤ، صبح یہ کام کر دوں گا۔ بس ذرا اپنے سائز وغیرہ بتا دینا۔"

"بتا دوں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "دراصل یہ فرنچ عربوں سے بہت مرعوب ہیں۔ ہر عرب کو لکھ پتی شیخ تصور کر کے معزز گردانتے ہیں) کیونکہ انھیں مشرقِ وسطیٰ میں اربوں کے ٹھیکے ملے ہوئے ہیں۔"

"اس لباس میں تم میکس جیسے لوگوں کے پاس نہیں جا سکو گی۔"

"شاید اب ضرورت بھی نہ پڑے۔ گن بوٹ کی رقم ہی

مجاگ دوڑ کی بہت سی زحمتوں سے بچائے گی۔" پھر چونک کر بولی۔ "یہ تو بتاؤ کہ پیٹرواک کے رُوپ میں تمھاری پہلی اداکاری کیسی رہی؟"

"بہت کامیاب۔" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔

"بس کاؤنٹر کلرک نے کئی بار میرا اور تصویر کا موازنہ کیا تھا لیکن میں نے اس کی حرکت کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔"

"موازنہ!" وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر پُرخیال انداز میں بڑبڑائی، پھر مجھ سے بولی۔ "ذرا اپنا پاسپورٹ تو دکھاؤ مجھ کو، آخر وہ کیا دیکھ رہا تھا۔ اس وقت ہم معمولی باتوں کو بھی نظرانداز کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

اس وقت میرا ارادہ بستر چھوڑنے کا نہیں تھا لیکن ویرا کے اصرار پر مجھے اپنا پاسپورٹ اس کے حوالے کرنا پڑ گیا۔ وہ کئی منٹ تک بستر پر دراز میری تصویر کو دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے جیسے وہ کوئی فیصلہ نہ کر پا رہی ہو، پھر اس نے یونہی خالی الذہنی کے عالم میں میری طرف دیکھا اور پھر اُچھل کر بستر سے اُتر گئی۔

"کیا ہوا؟" اس کے ہیجان آمیز ردِعمل پر میں بھی بوکھلا گیا۔

"وہ صحیح موازنہ کر رہا تھا۔" وہ اچانک دھیمے اور سنسنی خیز لہجے میں بولی۔ "خیریت چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے نکل بھاگو ورنہ کسی بھی لمحے پولیس چھاپا مار سکتی ہے۔"

"کچھ بکو تو کہ کیا مصیبت آ گئی؟" میں نے عجلت میں جُوتے پہنتے ہوئے جھلّا کر کہا۔

"پاسپورٹ کا اجرا چھ ماہ قبل ہوا ہے لیکن تمھارے بدن پر بالکل وہی ٹائی، قمیص اور کوٹ ہے جس میں تصویر اتاری گئی ہے۔ قمیص کے چارخانے والے ڈیزائن نے اس مشابہت کو بہت واضح کر دیا ہے۔ وہ یہی دیکھ رہا ہو گا اور اب تمھارے خلاف جعلی شناختی کاغذات رکھنے کے جرم میں کسی بھی وقت کارروائی ہو سکتی ہے۔"

بات سمجھ میں آتے ہی میرے ہاتھ پیر پھُول گئے۔ اگر مجھے یا ویرا کو ذرا بھی عقل ہوتی تو تصویر اتروانے وقت لباس بدلا جا سکتا تھا یا تصویر اتروانے کے بعد بیگ میں رکھا ہوا میرا اندرے کا کوئی لباس پہنا جا سکتا تھا لیکن اس وقت ہم نے ایک اہم نکتہ سرے سے نظرانداز کر دیا جسے ہوٹل کے معمولی سے کاؤنٹر کلرک نے پہلی نظر میں بھانپ لیا تھا۔

کچی بات یہ تھی کہ ایسی زبردست قوت مشاہدہ رکھنے والے کو ہوٹل میں کلرک کے بجائے کسی اہم سرکاری عہدے پر فائز ہونا چاہیے تھا مگر ہماری بدقسمتی سے وہ ہوٹل مارکوئیس میں بھک مار رہا تھا۔

تیر کمان سے نکل چکا تھا اور اب اس کا مداوا یہی ہو سکتا تھا کہ ہوٹل مارکوئیس کو فوری طور پر خیرباد کہہ کر کوئی نیا ٹھکانا تلاش کیا جاتا۔

روانگی کے لیے ویرا نے بیگ اٹھایا ہی تھا کہ اچانک دروازے پر تیز دستک ہوئی اور میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ ویرا کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس نے بوکھلاہٹ میں باتھ روم میں داخل ہو کر خود کو اندر مقفل کر لیا۔

دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ باہر والے دروازہ جلد از جلد کھلوانے کے لیے بے تاب تھے۔

"ایک منٹ ٹھہرو۔" میں نے اونچی آواز میں یہ کہہ کر رقم کے تھیلے کی تلاش میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں تو تھیلا ندارد تھا۔ میرے کاغذات کا لفافہ میرے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ غالباً ویرا گھبراہٹ میں رقم کا تھیلا بھی اپنے ساتھ باتھ روم میں لے گئی تھی۔

اس سے پہلے کہ باہر والے بے چین ہو کر دروازے پر باقاعدہ طبع آزمائی شروع کرتے، میں نے غصّے اور بے بسی کے ملے جُلے احساسات کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔

میرے سامنے ایک ادھیڑ عمر اور تجربے کار پولیس افسر پوری وردی میں اپنے ایک جواں سال ماتحت کے ساتھ موجود تھا۔ ان دونوں کے پیچھے چیک ان کاؤنٹر کا کلرک اور دو دیگر سادہ پوش افراد موجود تھے، جن کا تعلق شاید ہوٹل کی انتظامیہ سے تھا۔

تدبیر کی سب راہیں مسدود ہو چکی تھیں اور قانون بالآخر اپنی پوری قوت کے ساتھ میری راہ میں حائل ہو گیا تھا۔ میری نگاہوں کے سامنے تاریک دھبے اور رنگین دائرے سے ناچنے لگے، جن کے وسط میں کھڑے ہوئے ادھیڑ عمر پولیس افسر کی گھاگ نظریں نگاہوں کے راستے میرے وجود کی گہرائیوں میں اُترتی جا رہی تھیں۔

"**مونسیور** پیٹرواک؟" ادھیڑ عمر پولیس افسر کی استفسار طلب آواز مجھے کسی گہرے کنوئیں کی تہ سے آتی ہوئی محسوس ہوئی اور میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اس نے جس طرح میرے نام کے ساتھ مسٹر کے بجائے مونسیور لگایا تھا، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پوری گفتگو

فرنیچ میں ہی ختم کرنے کا ارادہ لے کر آیا تھا۔

"پیٹرواک"، میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا پھر بظاہر پُرسکون لہجے میں انگریزی میں سوال کیا "کیا یہاں غیر ملکیوں کے پولیس رجسٹریشن کا بھی رواج ہے؟ میں اطالوی ہوں اور فرانس کے ساتھ شاید اٹلی بھی یورپی مشترکہ منڈی کا رکن ہے۔"

دو باوردی پولیس افسران اور ہوٹل کی انتظامیہ کے تین سادہ پوش نمائندوں پر مشتمل وہ جماعت یقینی طور پر خیر سگالی کے کسی مشن پر مجھ سے ملاقات کرنے نہیں آئی تھی۔ اس خطرے کی داغ بیل اسی وقت پڑ گئی تھی جب ہوٹل کے چیک اِن کلرک نے میرے پاسپورٹ کی تصویر کا میرے بدن پر موجود لباس سے موازنہ شروع کر دیا تھا یہ اور بات تھی کہ میں اپنے طور پر اس خطرے کا ادراک کرنے سے یکسر قاصر رہا تھا اور جب ویرا نے چند منٹ قبل صحیح صورتِ حال کا اندازہ لگایا تو تاخیر ہو چکی تھی کیونکہ وقت ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ چیک اِن کلرک کو اپنے شبہات ہوٹل کے اعلیٰ افسران اور پھر مقامی پولیس تک پہنچانے کے لیے کافی وقت مل گیا تھا اور اس سے قبل کہ میں ویرا کے ساتھ ہوٹل سے خاموشی کے ساتھ فرار ہوتا، پولیس میرے دروازے پر آ چکی تھی۔ میرے لیے وہ صورت حال بہت سنگین اور خطرناک تھی ایک بار پولیس کی گرفت میں آنے کے بعد دنیا کی کوئی طاقت ہیں شی کے خون آشام بھیڑیوں کے چنگل سے نہیں بچا سکتی تھی اس کے بعد ہمارے مستقبل کا فیصلہ صرف اور صرف جمی لائیڈ کی مرضی پر منحصر رہ جاتا۔

لیکن میری طرف سے خوف، عجلت یا گھبراہٹ کا اظہار اس وقت میرے لیے مہلک ثابت ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے اپنے دل میں پیدا ہونے والے تمام خدشات اور وسوسوں پر قابو پا کر پُراعتماد انداز میں صورتِ حال سے نمٹنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس وقت ہمارے ستارے شاید ایک ساتھ ہی گردش میں آئے تھے کیونکہ میں اپنے بدن پر موجود لباس کی وجہ سے مشتبہ سمجھ لیا گیا تھا اور ہوٹل کے رجسٹر میں صرف میری آمد کا اندراج ہوتے ہوئے ویرا میرے کمرے سے ملحقہ باتھ روم میں موجود بلکہ مقفل تھی۔ اگر اسے خطیر رقم کے تھیلے کے ساتھ وہاں دیکھ لیا جاتا تو ہماری گلوخلاصی کی ہر راہ مسدود ہو سکتی تھی۔

پل بھر میں یہ سارے خیالات میرے ذہن میں ابھر کر معدوم ہو گئے اور میں نہایت بااخلاق انداز میں ہمہ تن ادھیڑ عمر پولیس افسر کی طرف متوجہ ہو گیا جو بگڑتے ہوئے لہجے میں انگریزی میں کچھ کہہ رہا تھا۔

"مونسیور پیٹرواک! مجھے افسوس ہے کہ ہم تمہارے آرام میں مخل ہوئے۔" الفاظ نرم لیکن لہجہ کسی بھی قسم کی معذرت سے یکسر عاری اور غیر دوستانہ تھا۔ "لیکن ہم اپنے فرائض سے مجبور ہیں اور ایک اطلاع پر تمہاری سفری دستاویزات کی تفصیلی پڑتال کے لیے یہاں آئے ہیں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ میں اس وقت کسی ایسے شخص کی اداکاری کرنے کی کوشش کر رہا تھا جسے بلاوجہ ہراساں کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ میرے کاغذات ہوٹل کے کاؤنٹر پر دیکھ لیے گئے تھے۔ کیا یہ لوگ اس بارے میں تمہاری کوئی تشفی نہیں کر سکے؟" آخری فقرے ادا کرتے ہوئے میں خاص طور پر تیز نگاہوں سے اس چیک اِن کلرک کی طرف متوجہ ہو گیا جو پولیس افسران کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔

"مجھے افسوس ہے مونسیور!" میری نگاہوں کی تاب نہ لا کر چیک اِن کلرک بے آرامی کے ساتھ گلا صاف کرتے ہوئے بول پڑا۔ "دراصل یہ لوگ میری ہی نشاندہی پر یہاں آئے ہیں۔۔۔"

اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اس کے برابر میں موجود سوٹ میں ملبوس شخص نے دخل درمعقولات پر اسے فرنیچ میں جھاڑنا شروع کر دیا اور وہ بوکھلا کر خاموش ہو گیا کیونکہ برہمی دکھانے والا اپنے اطوار سے ہوٹل کا کوئی ذمے دار عہدے دار معلوم ہو رہا تھا۔ ادھیڑ عمر پولیس افسر سر ہلاتے ہوئے اس کی سرزنش پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کر رہا تھا۔

اس سے قبل کہ سوٹ والے کے خاموش ہونے پر ان میں سے کوئی بولنا شروع کرتا، میں نے رکھائی کے ساتھ ادھیڑ عمر پولیس افسر سے سوال کیا۔ "اس تصدیق کے لیے راہداری میں یہ بہتر نامناسب ہے مجھے چند منٹ کی مہلت دو تو میں کاغذات لے کر نیچے دفتر میں آ جاتا ہوں۔"

"تم یہاں کے آدابِ معاشرت سے بالکل ناواقف معلوم ہوتے ہو۔" وہ عملاً مجھے اپنی راہ سے ایک طرف دھکیل کر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ "میزبان کا فرض ہوتا ہے کہ اپنی ناپسندیدگی کے باوجود دروازے پر موجود مہمانوں کو اندر آنے کے لیے کہے اور ہمیں تم سے اسی شائستگی کی توقع تھی جو پوری نہیں ہوئی اس لیے ہم خود ہی اندر آئے جاتے ہیں۔ کاغذات میں کوئی گڑبڑ نہ ہوئی تو ہم چند منٹ میں واپس چلے جائیں گے۔"

اس کی تقلید میں بقیہ چاروں بھی کمرے میں گھس آئے۔ میرے قریب سے گزرتے ہوئے کلرک نے بےبسی سے میری طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ اسے اپنی رپورٹ کی بنا پر اتنی سنجیدہ اور سخت کارروائی کی اُمید نہیں تھی۔

"یہ رہے میرے کاغذات۔" دروازہ بند کر کے پلٹتے ہوئے میں نے اپنے ہاتھ میں موجود لفافہ پولیس افسر کی طرف بڑھا دیا تاکہ وہ کوئی اور موضوع نہ نکال سکے۔

"خوب، تو یہ تم ہاتھ میں ہی لیے پھر رہے تھے!" اس نے مجھے گھورتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تم نہ آتے تو میں خود نیچے کاؤنٹر پر جا رہا تھا۔ مجھے کچھ مقامی کرنسی تبدیل کرانا تھی جس کا اندراج پاسپورٹ پر ہونا ضروری ہوتا ہے۔" میں نے برجستہ جواب دیا۔

پولیس افسر نے کوئی تبصرہ کیے بغیر لفافے میں سے میرا پاسپورٹ نکالا اور اس کا تصویر والا صفحہ کھول کر نہایت باریکی کے ساتھ بار بار تصویر سے میرا موازنہ کرنے لگا۔ اس دوران میں اس نے صفحہ الٹ پلٹ کر تصویر کا معائنہ کیا لیکن جعل سازی اتنی مہارت کے ساتھ کی گئی تھی کہ تصویر پر لگی ہوئی ابھرے ہوئے حروف والی اطالوی محکمہ داخلہ کی مہر عین پرانی مہر کے نشان پر ثبت کی گئی تھی۔ اس ورزش سے فارغ ہو کر پاسپورٹ کی ورق گردانی کرتے ہوئے وہ ایک صفحے پر رک گیا۔

"فرانس کب آئے ہو؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔ دراصل اسے میرے تاثرات یا گفتگو میں اس گھبراہٹ کی تلاش تھی جو تجربے کار افسروں کو فوراً ہی مجرم کا سراغ دے دیتی ہے لیکن میں نے بھی گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوا تھا۔ اس لیے اب تک وہ اپنی کوششوں میں ناکام رہا تھا۔

"اسی ماہ کی بائیس تاریخ کو پیرس کے اورلی ایئر پورٹ سے فرانس میں داخل ہوا تھا۔" میں نے اپنے جعلی پاسپورٹ پر کیے ہوئے اندراجات دہرا دیے۔

"یہ تو درست ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر پاسپورٹ بند کر دیا۔ "لیکن یہ بات ہر وہ شخص بتا سکتا ہے جس نے ایک بار بھی چند منٹ کے لیے یہ پاسپورٹ دیکھا ہو۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" میں نے قدرے تیزی کے ساتھ سوال کیا۔ "مجھے ابھی تک یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ کارروائی کس بنا پر کی جا رہی ہے؟"

"جو لباس تمھارے بدن پر موجود ہے اسے تم کتنے عرصے سے پہنتے آ رہے ہو؟" چند ثانیوں تک خاموشی کے ساتھ مجھے گھورتے رہنے کے بعد اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

خود کو اس سوال کی اہمیت سے بے پروا ظاہر کرنے کے لیے میں اچانک ہنس پڑا اور بولا۔ "ایک سال یا شاید اس سے بھی زیادہ عرصے سے۔ موسم اجازت دے تو میں اسے ہر وقت پہنے رہوں۔ ڈرائی کلین کرانے کے لیے البتہ مجھے چند روز کے لیے اس لباس کو بھولنا پڑتا ہے۔ کیا میرا یہ فعل کسی تعزیری قانون کے تحت آتا ہے؟"

آخری سوال میں نے نہایت معصومانہ سادگی سے کیا تھا اور ادھیڑ عمر پولیس افسر کی پیشانی پر فکر آلود لکیریں ابھر آئیں۔ اس کی آنکھوں سے وہ اعتماد آہستہ آہستہ زائل ہوتا نظر آ رہا تھا جو میرے مجرم ہونے کے بارے میں ابتدا سے اس کے دل و دماغ میں جاگزیں تھا۔

"تم ساری زندگی ایک ہی لباس میں گزار دو تو بھی قانون معترض نہیں ہو سکتا۔" آخر کار اس نے ایک سگار کا گوشہ توڑ کر اسے سلگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن مسئلہ یہ ہے کہ تقریباً چھ ماہ پہلے جاری ہونے والے پاسپورٹ پر لگی ہوئی تمھاری تصویر میں تمھارے بدن پر ہو بہو وہی لباس نظر آ رہا ہے جو تم اس وقت پہنے ہوئے تھے۔ تمھاری بدقسمتی سے اس وقت مارسیلز کے حالات خراب ہیں۔ اس لیے تمھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

اسے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ گزرا تھا اور اس نے قدرے مبہم انداز میں اپنا مدعا بھی واضح کر دیا تھا مگر میں جارحانہ رویہ اختیار کر کے اس پر اپنی سبقت برقرار رکھنا چاہتا تھا اس لیے ردعمل میں آنکھیں پھیلا کر تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ میرا پاسپورٹ جعلی ہے اور اس پر حال ہی میں پرانی تصویر نکال کر میری تازہ تصویر چپکائی گئی ہے جس کا ثبوت لباس کی یکسانیت ہے؟"

"تم کافی ذہین ہو۔" وہ ہمدردانہ لہجے میں بولا۔ "موجودہ حالات میں ہم یہی فرض کرنے پر مجبور ہیں تاوقتیکہ تم اپنی بے گناہی ثابت نہ کر دو۔ اس کے لیے تمھیں ہر جائز سہولت فراہم کی جائے گی۔"

"اس وقت تک میری قانونی حیثیت کیا ہوگی؟" میں نے احتجاج آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تم حوالات میں رہو گے۔" وہ اپنے شانے اچکا کر نرمی کے ساتھ بولا۔

میں نے بتیرا احتجاج کیا۔ اسے اپنے سفارت خانے سے رجوع کرنے کی کھلی دھمکی بھی دی لیکن وہ اپنا ہمدردانہ لہجہ برقرار رکھنے کے باوجود اپنا موقف تبدیل کرنے پر آمادہ نہ ہوا البتہ اس نے یہ یقین دہانی ضرور کرا دی کہ میرے بارے میں جلد از جلد کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس دوران اگر میں چاہتا تو ہوٹل مارکوئیس میں اپنے کمرے کی بکنگ برقرار رکھ سکتا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس دوران کسی کو بھی باتھ روم پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا اور نہ ہی ویرا نے اندر کوئی آہٹ پیدا کرنے کی حماقت کی تھی۔ سب سے بڑا مسئلہ باتھ روم سے ویرا کی خلاصی کا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ شروع سے آخر تک ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سُن رہی تھی اور اسی کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل طے کر چکی ہوگی۔

نئی چیزوں کے جہاں بہت سے نقصانات ہیں وہیں ان گنت فائدے بھی ہیں۔ کچھ دیر میں ویرا کی آزادی کی بارے میں فکر مند رہا لیکن پھر خیال آیا کہ نہ صرف ہوٹل مارکوئیس بلکہ دنیا کے تقریباً ہر ہوٹل میں الگ سے لگائے جانے والے وزنی تالوں کا سلسلہ مدتوں سے موقوف چلا آ رہا تھا اور دروازوں میں ایسے مخفی قفل استعمال

نے گئے تھے جو باہر سے چابی کے بغیر نہیں کھل سکتے تھے لیکن
سے محض ایک لیور کی پشکی کو گھما کر انھیں مقفل کیا یا کھولا جاسکتا
میری جیب میں چند سو ڈالر کی رقم موجود تھی اس لیے اگر میں ویرا
ہ روم میں چھوڑ کر کمرے کا دروازہ مقفل کر کے پولیس افسران
ساتھ نکل جاتا تو ویرا میدان صاف پا کر اس کمرے سے نکل سکتی
اور شاید اس حوالات کا سراغ بھی لگا سکتی تھی جہاں مجھے قید
جاتا۔

" غالباً مجھے اسی وقت ساتھ چلنا ہوگا؟" بحث کے اختتام پر
نے ویرا کو سُنانے کے لیے وہ لایعنی سا سوال کیا۔

" مجھے افسوس ہے مونسیور کہ آپ کو اس زحمت سے دوچار ہونا
ہوٹل کے ایک سادہ پوش افسر نے شستہ انگریزی میں پہلی بار
مخاطب کیا۔" مجھے اُمید ہے کہ آپ ہماری مجبوری سمجھ رہے ہوں گے۔"

" کاش ایں سمجھ سکتا۔" میں نے بکنگ کلرک کو گھورتے ہوئے
لہجے میں کہا۔" یہ میری زندگی کا شاید پہلا اور آخری تلخ ترین
ہ ہے آئندہ فرانس آنے کی غلطی کی تو اپنے تمام پرانے ملبوسات
ل لگا کر آؤں گا۔"

" تم غیر ضروری طور پر جذباتی ہو رہے ہو مسٹر پیٹر واک"۔ سینئر
ں آفیسر کا لہجہ اس بار سرد اور روکھا ہو گیا۔" یہ ضابطے کی ایک
روائی ہے جس پر تمھارا ردِ عمل نامناسب ہے۔ ہم تمھیں پھانسی
ٹ پر نہیں لے جا رہے۔ تمھارے ملک میں بھی ان حالات میں
ارے ساتھ شاید اس سے بہتر سلوک نہ ہوتا۔"

" خیر... خیر میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ اٹلی میں کیا ہوتا اور
ں کیا ہو رہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ روم جا کر وہی کرنا پڑتا ہے
رومن کرتے ہیں اور یہ مارسیلز ہے... چلو میں تیار ہوں۔"

سب ایک قطار کی صورت میں کمرے سے باہر آگئے کسی کو
روم چیک کرنے کی ضرورت کا احساس نہیں ہوا تھا۔ آخر میں ہوٹل
بکنگ کلرک باہر آیا تھا۔ اس نے اندر کی ہول میں لگی ہوئی چابی سے
ل کر دروازہ مقفل کرنے والا لیور گھمایا اور دروازہ بند کر دیا۔ چلنے
قبل اس نے ایک بار دروازے پر دباؤ ڈال کر یہ یقین کرنا ضروری
تھا کہ دروازہ مقفل ہو چکا تھا۔

ویرا اس کمرے کے باتھ روم میں اب تنہا رہ گئی تھی۔ مجھے
ازہ تھا کہ کمرہ خالی ہونے کا یقین ہوتے ہی وہ پہلی فرصت میں وہاں
ے رقم کے تھیلے سمیت نکل بھاگے گی۔

نیچے ہوٹل منیجر کے کمرے میں بیٹھ کر چند کاغذات کی خانہ پُری
گئی اور دونوں پولیس افسران مجھے اپنے ہمراہ لے کر وہاں سے روانہ
و گئے۔

راستے میں مسلسل خاموشی رہی۔ سینئر پولیس آفیسر سارے

راستے تیز بُو والا ایک سگار پیتا رہا لیکن وہ میری طرف سے ہر لمحے
چوکنا نظر آ رہا تھا۔ اس کا ماتحت خاموشی کے ساتھ ڈرائیونگ کے فرائض
انجام دے رہا تھا۔ اس پوری کارروائی میں میرے جارحانہ اور احتجاج
آمیز رویّے کی بنا پر ان دونوں میں سے کسی کو بھی دو اہم باتوں کا خیال
نہیں آیا تھا۔ اوّل تو میرے ساتھ کسی بھی قسم کے سامان کا ساتھ نہ ہونا
اشتباہ آمیز تھا، دوم میری جامہ تلاشی نہیں لی گئی تھی جس کے نتیجے میں ہیم گن
بدستور میری تحویل میں تھی اور میرا ذہن تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

یہ میری بدقسمتی تھی کہ آخرکار مارسیلز میں میرا قانون کے محافظوں
سے سامنا ہو ہی گیا تھا۔ اگر میں چون وچرا کیے بغیر خود کو ان کے رحم وکرم
پر چھوڑ دیتا تو میرے حق میں حالات بگڑنے کا بدترین اندیشہ موجود
تھا۔ ان حالات میں میرے لیے خود کو پیٹر واک ثابت کرنا تو درکنار،
ڈینی ثابت کرنا بھی مشکل تھا۔ نہ جانے وہ لوگ میری شناخت کے
لیے کون سا طریقہ اختیار کرتے اور اس کے نتائج کیا ہوتے؟ ایک
امکان یہ بھی تھا کہ شی والے میری طرف متوجہ ہو جاتے اور شاید
مجھے پولیس کی تحویل سے نکال لے جانے کی کوششوں کا آغاز
ہو جاتا جس کا انجام میرے حق میں ہرگز نہ ہوتا۔

اگر میں ان پولیس افسران کے سامنے خاموشی سے ہتھیار ڈالنے
کے بجائے ان کے چنگل سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتا تو اوّل تو
ایسی کسی کوشش کے نتیجہ خیز ہونے کا یقین نہیں تھا اور بالفرض میں
انھیں جُل دینے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو ہر ثبوت اور تحقیق سے قطع
نظر محض میرے فرار کی بنا پر مجھے مستند مجرم تصور کر لیا جاتا۔ اس
وقت مجھے فائر کیمپ کے حادثے کے حوالے سے ایک مشتبہ
غیر ملکی کے طور پر حراست میں لیا گیا تھا لہٰذا میرے فرار کی صورت
میں شہر کے جملہ انتظامی وسائل میری تلاش میں جھونک دیے جاتے
جن سے خود کو بچائے رکھنا میرے لیے عملاً ناممکن ہو کر رہ جاتا اور یوں
میرے فرار کی وجہ سے میری ذات غیر ضروری طور پر سنگین شبہات
کا مرکز بن جاتی۔

چند ثانیوں کی ذہنی تگ و دو کے بعد میں نے فوری طور پر
فرار کی کسی کوشش کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ اس وقت مارسیلز میں میں
بالکل تنہا رہ گیا تھا۔ سلطان شاہ زخمی ہونے کے بعد لاپتا تھا۔ ویرا
کو مجبوراً ہوٹل مارکوئیس کے ایک باتھ روم میں مقید چھوڑنا پڑ گیا
تھا۔ دوسری طرف شی کے خون آشام ہرکاروں کا خوف اپنی جگہ تھا۔

" یہ نہ سمجھنا کہ تم ہمیں دھوکا دے کر کہیں فرار ہو سکو گے۔" ادھیڑ
عمر پولیس آفیسر نے سگار کا کثیف دُھواں اگلتے ہوئے تیکھے لہجے میں
کہا اور میں چونک پڑا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ میرا ذہن پڑھ
لینے میں کامیاب ہو گیا ہو۔

" مجھے کیا ضرورت ہے فرار ہونے کی؟" میں نے سنجیدگی سے

قدرے ترشی کے ساتھ کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ جلد ہی تم مجھ سے معذرت کرتے نظر آؤ گے، میں نے نہ کوئی جرم کیا ہے نہ غیر قانونی طور پر تمہارے ملک میں داخل ہوا ہوں۔ ہوٹل کے ایک ادنیٰ سے کلرک کے دماغی فتور کا جادو زیادہ دیر تک نہ چل سکے گا۔"

"تم اسے جو چاہو کہو لیکن میں دل سے اس کی غیر معمولی قوتِ مشاہدہ کا معترف ہوں۔" وہ بولا۔ "لاکھوں میں ایک آدھ ہی آدمی جزئیات پر اتنی گہری نظر رکھتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں اسے اپنے محکمے میں کوئی معقول ملازمت دلانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ ایسے لوگ پیدائشی سراغ رساں ہوتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کی پیدائش ہی کسی سراغ رسانی کا نتیجہ ہوتی ہو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "ویسے تم میرے بارے میں کس طرح اپنی تشفی کرو گے؟"

"بین الاقوامی جرائم اور مجرموں کے لیے ہمارا ایک علیحدہ شعبہ ہے۔" وہ سگار کا ایک گہرا کش لے کر بولا۔ "تم ہماری تحویل میں رہو گے، تمہارے کاغذات اس شعبے کو بھیج دیے جائیں گے۔ وہ ٹیلکس یا فیکس کے ذریعے اٹلی سے تمہارے کاغذات کی رپورٹ لیں گے اور مسئلہ طے ہو جائے گا۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ ٹیلکس کی حد تک تو بات تسلی بخش تھی کہ اس خودکار مشین پر حروف کی صورت میں دنیا کے کسی بھی گوشے میں پیغام بھیجا اور وصول کیا جا سکتا ہے اور الفاظ میں میری تصویر کی تصدیق یا تردید حاصل کرنا دشوار تھا۔ صرف دوسرے کوائف پڑتال کے لیے بھیجے جا سکتے تھے لیکن فیکس مشین کا معاملہ سنگین تھا۔

ٹیلی فون سے منسلک کی جانے والی اس مشین کے ذریعے دنیا کے مختلف حصوں میں فون نمبر ملا کر ایسے کسی بھی ادارے سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے جس کے فون سے فیکس مشین منسلک ہو۔ رابطہ ملتے ہی مشین میں جو بھی کاغذ یا دستاویز ڈالی جائے اس کی فوٹو کاپی فوری طور پر دوسری طرف کی مشین پر موصول ہو جاتی ہے اور وہ طریقۂ کار میرے لیے خطرناک تھا کیونکہ اس کے ذریعے میرے پاسپورٹ کے متعلقہ صفحات اور تصویر کی فوٹو کاپی اٹلی بھیجی جا سکتی تھی اور یہ بات فوراً پکڑی جاتی کہ بیٹرواک کا پاسپورٹ اپنے تمام اندراجات سمیت ٹھیک تھا مگر اس پر تصویر بدل دی گئی تھی۔

اسی ادھیڑ بن میں کوتوالی کی عمارت آ گئی۔ پولیس کار کے رکتے ہی ایک گن مین تیزی سے آگے لپکا تھا۔ کار ڈرائیو کرنے والے افسر نے فرنچ میں اس کو کوئی ہدایت دی اور وہ میری پشت پر ہو لیا۔ کوریڈور میں بنے ہوئے ایک دفتر کے دروازے سے ہم تینوں اندر داخل ہو گئے۔ گن مین وہیں رک رہا۔

قالین اور فرنیچر سے آراستہ وہ سادہ سا دفتر ادھیڑ عمر پولیس افسر کا تھا کیونکہ اس نے میز کے عقب میں پڑی ہوئی سیاہ کرسی سنبھال لی تھی۔ اس کے اشارے پر ہم دونوں اس کے مقابل بیٹھ گئے۔ میز پر رکھی ہوئی تختی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کا نام سائمن بولیتھو ہے۔ اپنی نشست سنبھال کر بے دھیانی میں اس نے بجھے ہوئے سگار کا ایک گہرا کش لیا اور پھیپھڑوں میں تمباکو کے تیز دھوئیں کی موجودگی محسوس کر کے اس کے سرے سے ایش ٹرے میں راکھ جھاڑ کر دوبارہ اسے سلگانے میں مصروف ہو گیا۔ اس دوران میں اس کا ماتحت میز پر پڑے ہوئے کاغذات میں سے ایک فارم اٹھا کر اس کی خانہ پری میں مصروف ہو چکا تھا۔

"شاطر مجرموں کے ساتھ ذہنی اور اعصابی جنگ میں مجھے بڑا سا سرور ملتا ہے۔" سائمن کی آواز نے مجھے اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کی چمکتی ہوئی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ "ان سے کبھی گھٹیا حرکات سرزد نہیں ہوتیں۔ ارتکابِ جرم اور اس کے بعد اپنی مدافعت کے لیے وہ ذہانت کے معیار کو بھی مدِنظر رکھتے ہیں۔ اپنی طویل پیشہ ورانہ زندگی میں ایسے مجرموں کو میں جرم ثابت ہونے تک بہت سی چھوٹی چھوٹی رعایتیں دیتا رہا ہوں اور مجھے خوشی ہے کہ ان میں کسی نے کبھی بھی میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی البتہ نچلے درجے کے مجرموں کو میں مسلح محافظ کی نگرانی کے بغیر ٹوائلٹ میں بھی نہیں جانے دیتا کیونکہ ایسے گھٹیا لوگ ہر وقت اور ہر قیمت پر قانون شکنی پر تُلے رہتے ہیں۔" وہ بولے جا رہا تھا اور مجھے اس طویل تمہید سے گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی تھی۔ نہ جانے وہ آخر میں کہاں تان توڑنے والا تھا لیکن اس کی اس تقریر سے میں نے یہ نتیجہ ضرور اخذ کر لیا تھا کہ وہ نہایت خود پسندی کے ساتھ خود کو شرلک ہومز کا جانشین سمجھتا تھا۔ اس خود پسندی کی بنا پر چالاکی کے ساتھ اس کی انا کو ابھار کر اسے کسی غلطی پر اکسانا بہت آسان نظر آتا تھا۔

"اور تمھیں میں اپنی پہلی فہرست میں شمار کر رہا ہوں۔" وہ بول رہا تھا۔ "میری دعا ہے کہ تم مجرم نہ ثابت ہو لیکن تم مجرم ہوئے تو یقیناً اس خاص قبیلے کے نکلو گے جو سوچ بچار کے بعد کوئی اقدام کرتا ہے۔"

اچانک میں نے بوکھلا کر کرسی چھوڑ دی۔ "اوہ! میرا بیگ وہ تو وہیں کمرے میں رہ گیا۔" میں نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ تیوریوں پر بل ڈال کر تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "کس بیگ کی بات کر رہے ہو تم؟"

"میرے استعمال کے کپڑے اور دیگر ضروری اشیاء کے علاوہ کچھ رقم بھی اس بیگ میں تھی جو میں ہوٹل مارکوٹیس میں چھوڑ آیا

کرسی پر بے چینی کے ساتھ پہلو بدلتے ہوئے کہا۔
کیا واقعی کوئی بیگ بھی تھا تمھارے ساتھ؟" اس نے
تمھاری سے سوال کیا۔" چند ثانیے قبل میں خود یہ سوچ رہا تھا
لی سے خالی ہاتھ فرانس کیسے آ گئے؟ ہوٹل میں کسی نے تمھارے
وہ بیگ دیکھا تھا؟"
کسی اور کے بارے میں دعویٰ نہیں کر سکتا لیکن ہوٹل کا پورٹر
حق میں گواہی دے گا کیونکہ وہی میرا بیگ اٹھا کر کمرے
گیا تھا۔ اس کے بعد نہ میں کہیں گیا اور نہ کوئی میرے پاس آیا۔
وہ بیگ میں ابھی منگوائے لیتا ہوں۔" اس نے میز پر رکھا
ن اپنی طرف کھسکا کر غالباً ہوٹل کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا
یدا سے زبانی یاد تھا۔
فون پر فرنچ میں چند منٹ تک گفتگو کرنے کے بعد سائمن
سلسلہ منقطع کر دیا اور مجھ سے بولا۔" تمھارا بیگ تھوڑی دیر
ں پہنچا دیا جائے گا۔ اتنی دیر میں تم اپنی قانونی حراست کا
دیکھ لو۔ اس میں تمھاری تحویل سے برآمد ہونے والی ان
ا اندراج بھی کیا جائے گا جو ہم اپنے قبضے میں لیں گے۔"
دوسرے افسر نے اپنا بھرا ہوا فارم میرے آگے بڑھا دیا۔
نے اس پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر مایوسانہ انداز میں سر ہلاتے
ئے کہا۔" میں اس پر بلا سمجھے دستخط نہیں کر سکتا کیونکہ میں فرنچ زبان
بلد ہوں۔"
" میں تمھیں ترتیب وار انگریزی ترجمہ سنائے دیتا ہوں۔" سائمن
تحت نے پیشکش کی۔
"تم درمیان میں کوئی اہم نکتہ بھول بھی سکتے ہو۔" میں نے نرم
یں کہا۔" میرا مزاحمت کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ تم مجھے اس فارم
خط کرائے بغیر جب تک چاہو مجھے قید رکھ سکتے ہو۔"
سائمن کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ غصیلی آواز میں بولا۔" ہم دھوکے
یں ملی کہ تم سے کسی غلط دستاویز پر دستخط کرا لیں گے۔ تمھیں ہر حال
ں فارم پر دستخط کرنے ہوں گے۔ اس کی تکمیل کے بغیر ہم کسی
کو ایک رات بھی حوالات میں بند کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔
رے خلاف فوجداری کے الزامات ہوتے تو ہم اس فارم کی سے
دی کرنے پر مجبور نہیں تھے۔ تم الجھو گے تو ہمیں حکام بالا سے
ری اجازت لینا پڑے گی۔"
مجھے افسوس ہے موسیو! کہ میں نے تمھاری دل آزاری کی۔
گ بلا سوچے سمجھے اس فارم پر دستخط کرنے کے لیے تیار ہوں میرے
ن کا اندراج بعد میں کر لینا۔ مجھے یقین ہے کہ تم ایماندار اور فرض
ں ہو۔" یہ کہتے ہوئے میں نے میز پر سے قلم اٹھا کر فارم پر اس
یڈ واک سے دستخط کر دیے جہاں سائمن کے ماتحت نے کہا تھا

بنائے ہوئے تھے۔

"رقم گھڑی یا کوئی دوسری قیمتی چیز جو تم ہمارے پاس جمع کرانا چاہو؟" ماتحت نے سوال کیا۔

مجھے یم گن کا خیال آیا لیکن میں نے جی کڑا کر کے انکار کر دیا۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی اور سائمن بولیتھو فون پر گفتگو کرنے میں مصروف ہو گیا۔ مجھے اس کے لب و لہجے میں تحیّر اور غصّے کا احساس ہو رہا تھا لیکن زبان میری فہم سے بالا تھی۔

"تمھارے کمرے میں بیگ نہیں ملا۔" ریسیور کریڈل پر ڈالتے ہوئے اس نے اپنی دانست میں مجھ پر انکشاف کیا۔ "منیجر نے پورٹر سے تصدیق کر لی ہے کہ اس نے واقعی تمھارا بیگ کمرے میں پہنچایا تھا۔"

"وہ یقیناً ہوٹل کے کسی ملازم نے اڑایا ہو گا۔" میں نے تشویش اور گھبراہٹ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اس میں دوسری اہم چیزوں کے علاوہ خاصی رقم بھی تھی۔"

"خاصی رقم!" سائمن نے مجھے گھورتے ہوئے دُہرایا۔ "پہلے تم نے کچھ رقم کا ذکر کیا تھا جو اب بڑھ کر خاصی رقم ہو گئی ہے۔ کچھ دیر بعد شاید تم خزانے کی کہانی لے بیٹھو گے۔"

"ہزار، پندرہ سو ڈالر ہی ہوں گے مگر میرے لیے وہ خاصی رقم ہی تھی۔" دیرا کے بیگ سمیت بحفاظت نکل جانے کا یقین ہوتے ہی میں نے بلا تامل رقم کا تعین بھی کر دیا۔ "اگر میرا بیگ برآمد نہ کیا جا سکا تو شاید مجھے سرکاری خرچ پر ہی اٹلی واپس بھجوانا ہو گا کیونکہ تمھاری مداخلت کی وجہ سے مجھے اپنے بیگ سے محروم ہونا پڑا ہے۔"

"اگر وہ بیگ کسی ملازم نے معقول موقع کے انتظار میں ہوٹل میں چھپایا ہوا ہے تو اب وہ اسے باہر نہ لے جا سکے گا۔ ہوٹل مارکوئیس کا منیجر انتظامی معاملات میں بہت سخت آدمی ہے۔ اب تم حوالات میں جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہم زیادہ دیر تک اس دفتر میں تمھاری مہمان داری نہیں کر سکیں گے۔"

اپنے افسر کا اشارہ پاتے ہی نوجوان ماتحت نے مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کرسی چھوڑ دی اور مجھے اپنے ساتھ لے کر دوسرے کمرے کی طرف چل دیا۔ غالباً حوالات کا براہِ راست نگراں وہی تھا کیونکہ اس نے اپنے دفتر کی ایک مقفل دراز سے حوالات کی چابی لی تھی۔ اس کے ہولسٹر میں سروس ریوالور موجود تھا۔ بدقسمتی سے میرے بارے میں اس کی رائے زیادہ بری نہیں تھی لہٰذا اس نے کسی مسلح گارڈ کو ساتھ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

عمارت کے ایک دور افتادہ لیکن محفوظ حصّے میں لاک اپ کے آہنی سلاخوں والے مقفل دروازے کے سامنے بیٹھا ہوا مسلح سپاہی اپنے افسر کو دیکھتے ہی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ عمارت کے اس حصّے میں تعفّن یا سیلن کا نام و نشان تک نہیں تھا اور باہر کے ناگوار سرد موسم کے مقابلے میں خوشگوار حرارت رچی ہوئی تھی۔

لاک اپ کے باہر نقل و حرکت کی آوازیں پیدا ہوئیں تو اندر سے ایک جواں سال اور حسین لڑکی دروازے پر آئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بے خبری میں میرے سر پر ہتھوڑا مارا ہو۔ لاک اپ کے اندر جلنے والے بلب کی تیز روشنی میں وہ ایسرا نظر آ رہی تھی اور شاید لاک اپ میں اکیلی ہی قید تھی۔ کسی ہمراہی کی آمد کی امید پیدا ہوتے ہی خوش نظر آنے لگی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمھیں میری تنہائی کا خیال آ گیا۔" وہ انگریزی میں نوجوان پولیس افسر سے بولی۔ "تم سب ہی نکمے اور نااہل ہو۔ کسی ڈھنگ کے ملک میں پکڑی جاتی تو سنگلاخ لاک اپ کے بجائے کسی اعلیٰ پولیس افسر کی قیام گاہ میں قید کی جاتی جہاں دنیا کی آسائشیں ملتیں۔"

اس وقت مجھے نہ اپنی آنکھوں پر یقین آ رہا تھا نہ کانوں پر۔ سلطان شاہ ہمیشہ سے کہتا چلا آ رہا تھا کہ میں جہاں قدم رکھتا تھا وہاں صنفِ نازک کی برسات شروع ہو جاتی تھی۔ اب پولیس نے گرفتار کیا تھا تو حوالات میں بھی ایک شوخ و شنگ لڑکی موجود تھی جس کے آزادانہ خیالات مجھ جیسے خطا کار کے لیے حوصلہ افزا تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ نیلی آنکھوں اور سرخی مائل سفید رنگت کے باوجود وہ انگریزی یا بول رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ فرانس کی بے وفا سرزمین سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔

"اس لڑکی سے ذرا دور ہی رہنا۔" نوجوان افسر نے مجھے لاک اپ میں دھکیلتے ہوئے کہا۔ "اس پر سنگین الزامات ہیں اور یہ انٹرپول کو مطلوب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کل اسے لے جانے والی ٹیم یہاں پہنچ جائے۔"

اس نے برا سا منہ بنا کر تنفر آمیز لہجے میں انٹرپول اور آنے والی ٹیم کو چند گندی گالیاں دیں پھر غرّائی۔ "تم اپنے تمام مشوروں کے باوجود اسے مجھ سے دور نہ رکھ سکو گے۔ قید میں ایک دوسرے کے دوست، ہمدرد اور ہم راز ہوتے ہیں۔ تم اس آفاقی نفسیات کو اپنے فقروں سے نہیں بدل سکتے۔"

سنتری سلاخوں دار دروازہ دوبارہ مقفل کر رہا تھا۔ نوجوان افسر نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "یہ یاد رکھنا کہ تم حوالات میں ہو، کسی کے ساتھ تفریح گاہ میں نہیں ہو۔۔۔!"

"تم بے فکر رہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "میں ایک پُرامن اور قانون دار شہری ہوں۔ تمھاری مہربانی سے اپنے مختصر سے اثاثے سے محروم ہونے کے بعد مجھ میں اب کوئی خطرہ مول لینے کی ہمت نہیں رہی ہے۔ تمھیں میرے رویّے سے کسی بھی قسم کی کوئی شکایت نہیں

البتہ اس سے باتیں ضرور کروں گا، دلچسپ عورت معلوم ہوتی ہے۔"

"اے!" وہ عقب سے میری جیکٹ کا کالر پکڑ کر غرائی۔ "زبان سنبھال کر بات کرو، تمھیں اتنی بھی تمیز نہیں ہے کہ عورت اور لڑکی میں کیا فرق ہوتا ہے؟"

میں جھنا کر اس کی طرف پلٹا تو مجھے گھورتے ہوئے دلآویز انداز میں مسکرانے لگی۔ میں اس بار بوکھلا کر حوالات کے دروازے کی طرف گھوما تو پولیس افسر سپاہی کے ساتھ دھیمی آواز میں باتیں کرتا ہوا راہداری میں واپس جا رہا تھا۔ چند ثانیوں بعد ہی فضا میں ان کے قدموں کی گونج باقی رہ گئی۔ وہ دونوں دروازے کے سامنے سے گزرتی ہوئی راہداری میں میری نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

"میرا نام سنتھیا ہے۔" اس کی آواز اپنے کان کے بالکل قریب محسوس کر کے میں چونک پڑا۔ وہ پشت سے میرے کافی قریب آئی ہوئی تھی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خاصی دراز قامت بھی تھی ورنہ سطح زمین سے میرے اور اس کے چہرے کی بلندی یکساں نہ ہوتی۔

"تم کون ہو اور کس جرم میں دھرے گئے ہو؟" اس نے تجسس آمیز سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا اور پھر یک بیک اس کا چہرہ میرے چہرے سے کئی انچ نیچے چلا گیا تب مجھے اس چنچل لڑکی کی دراز قامتی کا راز ملا کہ اس نے اپنا پورا جسم پنجوں کے بل اوپر اٹھایا ہوا تھا۔

"صرف سنتھیا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"سنتھیا ہچکاک۔" وہ ہنس کر بولی۔ "حیران ہونے کی ضرورت نہیں، یہ میرا اصلی نام ہے کیونکہ میرا باپ الفریڈ ہچکاک کا کزن تھا۔ سچ پوچھو تو الفریڈ ہچکاک کی کہانیوں نے ہی مجھے حوالات میں پہنچایا ہے۔"

حوالات میں دیوار کے سہارے فرش پر ایک دوسرے سے دور چار بستر لگے ہوئے تھے جن پر وزنی اونی کمبل بھی موجود تھے لیکن شکن آلود صرف ایک ہی تھا جس پر شاید سنتھیا کا بسیرا تھا کیونکہ میرا ہاتھ تھام کر وہ مجھے اسی طرف لے گئی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ لڑکی ابتدا ہی سے مجھے دلچسپ محسوس ہوئی تھی اور الفریڈ ہچکاک جیسے شہرۂ آفاق مصنف سے اس کی قریبی رشتے داری نے اس دلچسپی میں کچھ اور اضافہ کر دیا تھا۔

وہ خود صاف ستھری تھی لیکن اس نے سگریٹ کے ٹوٹے اور سگریٹ ہی کی تڑی مڑی ہوئی ڈبیا پھینک کر حوالات کا فرش گندا کیا ہوا تھا جس سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ تمباکو نوشی کی عادی تھی اور شاید اس کا اسٹاک ختم ہو چکا تھا لیکن میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے دانستہ اسے پیشکش نہیں کی۔ میں کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا کہ وہ مجھے حریصانہ نظروں سے گھور رہی تھی اور جوں ہی میں نے سگریٹ کا سرا روشن ہونے کے بعد اس کے گرد سے اپنی ہتھیلیاں ہٹائیں، سنتھیا نے جلتی ہوئی سگریٹ میرے ہونٹوں سے اچک لی اور طنزیہ لہجے میں بولی۔ "اب یاد رکھنا کہ لاک اپ میں ہم دونوں ہیں اس لیے تم اکیلے کوئی تفریح نہیں کر سکتے۔"

"اور اگر میں گدھے کی آواز میں رینکنا چاہوں؟" میں نے جل کر سوال کیا۔

"تم رینکتے رہو گے اور میرے پلے کچھ بھی نہیں پڑے گا۔" وہ بے پروائی کے ساتھ بولی۔ "میں فری نچ نہیں جانتی۔"

میرا جی چاہا کہ اس کے تبصرے پر زور زور سے ہنسنا شروع کر دوں لیکن میں خاموش ہی رہا کیونکہ عافیت اسی میں تھی اور زندگی میں اکثر یہی ہوتا ہے کہ آدمی اپنی خواہشات کو پیدا ہوتے ہی دل کے کسی بے رحم گوشے میں دفن کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ہنسنا چاہتا ہے مگر خاموش رہتا ہے، رونا چاہتا ہے تو مجبوراً ہنسنا پڑتا ہے، آزادی سے پیار کرتا ہے اور آزاد رہنا چاہتا ہے مگر اپنوں اور دوسروں سب کی غلامی کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

"وہ ہچکاک والی بات رہ گئی۔" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد سوال کیا۔ "اس بے چارے نے تمھیں اس حوالات میں کیسے پہنچا دیا جب کہ وہ خود آنجہانی ہو چکا ہے۔"

"لکھنے والے کسی آسیب کی طرح اپنی تحریر دل میں زندہ رہتے ہیں اور آسیب کبھی آنجہانی نہیں ہوتے۔" وہ انگریزی میں قادر الکلام ہونے کے ساتھ ساتھ حاضر جواب بھی تھی۔ "اس کی کہانیوں اور فلموں نے مجھے تجسس، دوسروں کی عیب جوئی اور مار دھاڑ پر اکسایا تھا۔ اسکول کے آخری دنوں میں تو مجھے لڑنے بھڑنے کا ایسا خبط ہو گیا تھا کہ میں از خود اپنے کسی ہم جماعت لڑکے کی حوصلہ افزائی کرتی اور جب وہ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا تو مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیتی تھی۔ میں نے کئی لڑکوں کے دانت تک توڑ دیے تھے لیکن انھوں نے شرم اور خجالت کی وجہ سے کسی سے میری زیادتی کا ذکر تک نہیں کیا اور اسی شوق میں میری رسائی شہر کے خطرناک لوگوں تک ہوئی جو مجھے اکثر بے رحمانہ مار دھاڑ کے مواقع فراہم کرتے رہتے تھے۔ میری ذات میں ان

شی کے معاملے میں وسیع و عریض دنیا سمٹ کر ایک گاؤں سے زیادہ مختصر نظر آنے لگی تھی جہاں ہر گلی اور ہر موڑ پر شی کا نام کسی نہ کسی طرح پہچانا جاتا تھا۔ حد یہ تھی کہ مارسیلز کی اس حوالات میں دو قیدی تھے اور ہم دونوں ہی شی سے مانوس تھے، یہ اور بات تھی کہ سنتھیا اپنی روزی اس تنظیم سے کما رہی تھی اور وہ تنظیم میری روزی اور رزق کا ہر دروازہ بند کر کے مجھے موت کے گھاٹ اتارنے پر تل گئی تھی۔

"یہ شی کیا بلا ہے؟" میں نے انجان بن کر اس سے سوال کیا۔

"ایک ڈراؤنا خواب سمجھ لو۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔ "مافیا کا تو اب صرف نام رہ گیا ہے ورنہ عملاً جرائم کی دنیا پر پورے یورپ میں شی کا راج ہے۔ وہ لوگ جو سوچ لیتے ہیں، وہ ہر جگہ اور ہر قیمت پر کر گزرتے ہیں اور ان کے کسی آدمی کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ میرا براہِ راست شی سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن میں ان کے مفادات کے لیے کام کرتی ہوں اس لیے مجھے پورا یقین ہے کہ انٹرپول والے مجھے ہرگز نہ لے جا سکیں گے۔ ان کے آنے سے پہلے ہی میری گلو خلاصی کی کوئی نہ کوئی صورت نکال لی جائے گی۔ اس سے پہلے بھی ایک بار میں ایمسٹرڈم میں پولیس سے بچائی گئی تھی۔"

لاک اپ کا مسلح نگہبان اپنی جگہ پر واپس آ چکا تھا اور اپنی کرسی پر دراز تھا لیکن اس نے ہم دونوں کے ایک ہی جگہ بیٹھنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ میں نے اس کے چہرے کے تاثرات سے ابتدا ہی میں اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ سنتھیا کی نگرانی سے خاصا خوش تھا کیونکہ وہ شوخ اور خوش مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ بے پروا بھی تھی اور اٹھتے بیٹھتے ہوئے اسے ذرا بھی فکر نہیں ہوتی تھی کہ کون اس کی کن حرکات و سکنات میں غیر معمولی دلچسپی لے رہا ہے۔

رات دھیمے دھیمے گزر رہی تھی اور عمارت کے اس حصے میں غالباً وہی ایک مسلح محافظ مامور تھا جو بار بار دزدیدہ نگاہوں سے بستر پر دراز سنتھیا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سنتھیا اپنے مستقبل کی طرف سے بے فکر تھی، اسے امید تھی کہ شی والے اسے پولیس کی تحویل سے نکال لے جائیں گے مگر میرا معاملہ مختلف تھا۔ مجھے پولیس نے اپنی تحویل میں لیا ہوا تھا اور شی والے میرے خون کے پیاسے تھے، اگر ان میں سے کوئی شناسا سنتھیا کی مدد کے لیے وہاں آن نکلتا تو وہی حوالات میرا مقتل بن سکتا تھا۔

باہر سے مدد ملنے کی کوئی امید نہیں تھی کیونکہ غزالہ مدت سے لاپتا تھی، سلطان شاہ فائر کیمپ کے حادثے کے بعد میراندے کے مکان سے فرار ہوتے ہوئے ویرا سے بچھڑ گیا تھا اور ویرا کی گرفتاری کے لیے شی کی جانب سے خطیر انعام کے اعلان کے بعد اسے پسپائی اور روپوشی اختیار کرنا پڑ گئی تھی۔ ان حالات میں میرے

کی دلچسپی کا عقدہ اس وقت کھلا جب میری مرضی کے خلاف کچھ کام مجھے سونپے گئے میرے انکار پر مجھے چند ویڈیو فلمیں دکھائی گئیں جن میں مجھے اپنے حریفوں سے لڑتے ہوئے میری لاعلمی میں فلم بند کیا گیا تھا۔ ان میں سے دو بعد میں ضربات کی تاب نہ لا کر مر گئے اور مجھے قتل کے الزام سے بچنے کے لیے ہر کام قبول کرنا پڑ گیا۔ اب یہی میری زندگی ہے اور اسی چکر میں کبھی اندر کبھی باہر ہوتی رہتی ہوں۔"

"اس مرتبہ کس جرم میں پکڑی گئی ہو؟"

"مجھے کچھ علم نہیں۔ اتنا بتایا گیا ہے کہ میں انٹرپول کو مطلوب ہوں۔"

"اب اتنی بھولی بننے کی کوشش نہ کرو، تمھیں اندازہ ضرور ہوگا کہ تمھاری کون سی سرگرمیاں انٹرپول کے لیے دلچسپی کا سبب بن سکتی ہیں۔ انھیں بیٹھے بٹھائے تمھارے بارے میں الہام تو نہیں ہوا ہوگا؟"

"تم نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا۔" اس نے میرے سوال کا جواب دیے بغیر مسکراتے ہوئے موضوع بدل دیا۔

"میرا نام پیٹر ڈاک ہے۔ اطالوی باشندہ ہوں۔ ان لوگوں کو میرے پاسپورٹ کے اصلی ہونے پر شبہ ہے۔ اس کی تصدیق ہونے تک مجھے قید میں رہنا ہوگا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر اسے اپنے بارے میں آگاہ کر دیا۔

"منشیات کا کوئی چکر تو نہیں تھا؟" اس نے ٹٹولنے والی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"دکھ تو اسی بات کا ہے۔" میں نے اس کی دلچسپی دیکھتے ہوئے پینترا بدلا۔ "میرے بیگ میں ڈیڑھ کلو اعلیٰ درجے کی مصفا ہیروئن تھی جس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی اور اب وہ بیگ غائب کر دیا گیا ہے اور اسی پاسپورٹ کی بنیاد پر مجھے پکڑ لیا گیا ہے جب کہ وہ چھ ماہ سے میرے زیرِ استعمال ہے۔"

"بیگ پر لعنت بھیجو۔" وہ ہمدردانہ لہجے میں بولی۔ "مشیر نامہ بتانے کے لیے بیگ کھولا جاتا تو ہیروئن برآمد ہو جاتی۔ یہ لوگ منشیات کے معاملے میں بہت بے رحم اور جنگلی ہو جاتے ہیں۔ کسی رو رعایت کے بغیر براہِ راست تیسرے درجے کے تشدد کا آغاز کر دیتے ہیں۔ میں اپنی گرفتاری سے پہلے ہی مال پارٹی کو پہنچا کر ہلکی ہو چکی تھی۔"

"تو تم بھی..." میں نے معنی خیز انداز میں فقرہ ادھورا چھوڑ دیا اور قدرے توقف کے بعد بولا۔ "کس کے لیے کام کرتی ہو؟"

"میں تو صرف اسی کو جانتی ہوں جس سے ہدایات سمیت مال اور معاوضہ ملتا ہے، ویسے سنا ہے کہ وہ شی نامی کسی بڑی تنظیم کا کارندہ ہے۔"

شی کا نام آتے ہی میرے وجود میں سنسنی کی لہر سی دوڑ گئی۔

انے دو ہی راستے رہ گئے تھے کہ میں تن بہ تقدیر ہو کر خود کو
کے دھارے پر چھوڑ دیتا اور یہ اُمید رکھتا کہ اٹلی سے
لات
ے پاسپورٹ کی تصدیق ہوتے ہی وہ لوگ مجھے آزاد کردیں گے
پھر میں اپنے قبضے میں موجود بیم گن سے کام لینے کا فیصلہ کرلیتا۔
بیم گن باہر موجود مسلح محافظ کو بغیر کسی شور شرابے کے موت
ی گھاٹ اتار سکتی تھی اور اسی طرح حوالات کے آہنی دروازے پر
لگے ہوئے مضبوط قفل کو بھی پگھلا سکتی تھی اس طرح میں حوالات
کی چار دیواری سے باہر تو نکل سکتا تھا لیکن اس بات کی کوئی ضمانت
نہیں تھی کہ میں طویل راہداریوں سے گزر کر اس عمارت سے زندہ سلامت
باہر نکل جاؤں گا بستا سے یا ور رہونے کی بات اور تھی لیکن دوبارہ گرفتاری
کے بعد میری گلو خلاصی ناممکن ہو جاتی کیونکہ اس بار مسلح محافظ کے
قتل کے الزام سے بچ نکلنا آسان نہ ہوتا۔

یہ سب سوچتے ہوئے میرے ذہن پر تھکان اور نیند کا
غلبہ ہونے لگا اور میں نے کم از کم وہ رات حالات سے سمجھوتے
کے تحت گزارنے کا فیصلہ کرلیا۔ سنتھیا بیدار تھی اور اس کی آنکھوں
میں زندگی کی رعنائیاں رقصاں تھیں لیکن حوالات کی تنگی اور سپاٹ
دیواروں کے درمیان نصب سلاخوں والے دروازے نے اسے
اپنی حدود میں رہنے پر مجبور کیا ہوا تھا۔ میں اسے نظر انداز کرکے
دوسرے بستر کی طرف بڑھ گیا۔

سنتھیا نے سنتری سے تیز روشنی والا بلب بجھانے کی فرمائش
کی چند سیکنڈ تک ان دونوں میں ایک دوسرے کی زبان فہمی کا
تنازع برقرار رہا پھر سنتری نے اشاروں سے اسے سمجھایا کہ وہ
اندر اندھیرا کرنے سے قاصر تھا۔ چھت میں بلب بلندی پر آہنی جالی
کے پیچھے نصب تھا جسے کوئی چیز اچھال کر توڑنا ممکن نہیں تھا اور نہ
ہی اندر کی سپاٹ دیواروں پر کوئی سوئچ موجود تھا۔

میں نے جوتوں سمیت بستر پر دراز ہو کر سر سے پاؤں تک
اونی کمبل تان لیا کیونکہ بستر پر لیٹتے ہی یک بیک سردی کا احساس
ستانے لگا تھا۔

عجیب وغریب آوازیں میری نیند میں خلل انداز ہوئی تھیں
پہلے میں نے انھیں نظر انداز کرکے سوتے رہنا چاہا کیونکہ میں حوالات
کی محفوظ چار دیواری میں موجود تھا لیکن جب ایک نسوانی آواز
میں اپنا نیا اطالوی نام سُنا تو مجھے بادلِ ناخواستہ کمبل میں سے منہ
باہر نکالنا ہی پڑ گیا۔

میرے نیم خوابیدہ ذہن میں لاشعور سے صرف ایک ہی امکان نے سر اُبھارا تھا کہ شاید رات کا سناٹا حوالات کے مسلح محافظ پر غالب آگیا تھا اور سنتھیا مدد کے لیے مجھے پکار رہی تھی۔ غیر ارادی طور پر میری نگاہیں سب سے پہلے سنتھیا کے بستر کی طرف گئیں جو خالی پڑا ہوا تھا۔

مجھے گمان گزرا کہ کہیں محافظ سنتھیا کو بہلا پھسلا کر حوالات سے باہر راہداری میں نہ نکال لے گیا ہو۔ میں کمبل ایک طرف اچھال کر بستر سے کھڑا ہوا تو حوالات کے بند دروازے کے پیچھے مسلح محافظ کے ساتھ ایک دراز قامت عرب خاتون کو موجود دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"متھو بیٹے! اپنے اوسان درست کرو اور ادھر آؤ۔" عورت نے حلق کے بل اردو میں کہا۔ اس کے الفاظ کو نظر انداز کر دیا جاتا تو لب و لہجے سے یہی اندازہ ہوتا کہ وہ عربی بول رہی تھی۔

میں دروازے کی طرف بڑھا تو عورت نے فرنچ میں محافظ سے کچھ کہا۔ اسی کے ساتھ اس کی بند مٹھی میں سے چند نوٹ محافظ کے ہاتھ میں منتقل ہوئے اور وہ کچھ کہتا ہوا دروازے سے ہٹ گیا۔

آنے والی سر سے پیر تک روایتی عرب لباس میں ملبوس تھی جس پر اس نے قیمتی منک کوٹ پہنا ہوا تھا اور آنکھوں سے نیچے پورا چہرہ دبیز نقاب میں چھپا ہوا تھا اور وہ آنکھیں میری شناسا تھیں۔ مجھے حیرت تھی کہ ویرا نے تمام تر خطرات کے باوجود رات ہی میں اپنا حلیہ تبدیل کرنے کا انتظام کر لیا تھا اور مجھ تک آپہنچی تھی۔

"تم واقعی متحیر کر دینے والی صلاحیتوں کی مالک ہو۔" میں نے اردو میں تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم رات ہی کو یہاں آپہنچو گی۔"

"رات نہیں، اس وقت صبح کے آٹھ بجے ہیں، مجھے بمشکل تم سے ملنے کی اجازت ملی ہے میں نے بتایا ہے کہ تم میرے پاس ملازمت اختیار کرنے والے تھے۔" وہ دھیمی آواز میں جلدی جلدی بولنے لگی۔ "پولیس کا یہ محکمہ صرف غیر ملکی مجرموں کے معاملات کی تفتیش کرتا ہے اور اس کا سربراہ سائمن بویشھوشی کا زرخرید آدمی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ سور آئی استعمال کر کے تم فوراً رہائی حاصل کر سکتے ہو ـــــ میں ریلوڈی الفانسو پر ہوٹل مارٹن کے کمرہ نمبر دو سو دس میں ٹھہری ہوئی ہوں۔ میرا نام کلثوم احمدی ہے۔"

"میرے ساتھ شی کی ایک اور لڑکی بھی تھی۔ وہ کہاں گئی؟"

"اسے جہنم میں ڈالو۔" وہ غصیلی آواز میں بولی۔ "تم حوالات میں بھی لڑکیوں کے چکر کو نہیں بھول سکتے؟"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔" میں نے احتجاج کیا۔ "اس کی وجہ سے میرا معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔ اسے اُمید ہے کہ شی والے کسی بھی وقت اسے چھڑوانے کے لیے آسکتے ہیں۔"

"اوہ، پھر تو مجھے بھی یہاں نہیں رکنا چاہیے۔" وہ چونک کر بولی۔ "لو وہ باتھ روم سے نکل رہی ہے۔"

میں نے پلٹ کر دیکھا تو سنتھیا لاک اپ سے متصل باتھ روم سے بال سنوارتی ہوئی باہر آرہی تھی۔ لاک اپ کے دروازے پر ویرا کو دیکھتے ہی وہ تحیر اور تجسس کے ساتھ اس طرف آئی تھی۔

"یہ کون ہے؟" اس نے اشتیاق آمیز لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"میری ہونے والی مالکن ... یہ صرف فرنچ اور عربی جانتی ہے... تم جاؤ، ملاقات کا وقت مختصر ہے اور مجھے اس سے کچھ اہم باتیں کرنا ہیں۔"

ویرا کی سرد مہری اور میرے رویے کی بنا پر سنتھیا ویرا کے سراپا پر تحقیر آمیز نگاہیں ڈالتی ہوئی واپس چلی گئی۔ "اس سے ہوشیار رہنا۔ میں اس حرافہ کو اچھی طرح جانتی ہوں۔" ویرا اردو میں کہہ رہی تھی۔ "کسی اور پر بس نہ چلا تو یہ محافظ پر ہی جال ڈال دے گی اور وہ اپنی نوکری کی پروا کیے بغیر اسے نکال دے گا۔" وہ مسلسل حلق کے بل عربی لہجہ برقرار رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تمہارے جال میں پھنسنے کے بعد اب میں کسی اور کے دام میں نہیں آسکتا۔ یہ بتاؤ کہ سلطان کا کچھ پتا چلا یا...؟"

"ابھی صرف رات گزری ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کر [illegible] لہجے میں کہا۔ "دن ڈھلے کوئی کام شروع ہو سکے گا اور [illegible] مجھے ہوٹل میں ٹھہر کر تمہارا انتظار کرنا ہو گا۔"

"اگر سائمن پر میرا داؤ نہ چل سکا؟" میں نے اپنے ایک موہوم خدشے کو سوال کا روپ دیا۔

"فضول بات ہے۔" وہ تیزی سے بولی۔ "سور آئی کی قوت سے تم اچھی طرح واقف ہو۔"

"میں تو اپنی سی پوری کوشش کروں گا۔" میں نے یہ خیال ہے میں کہا۔ اسی وقت دور سے محافظ نے ویرا کو مخاطب کر کے فرنچ میں کچھ کہا، غالباً وہ ملاقات کی طوالت یاد دلا رہا تھا۔ اسے نذرانہ دیا گیا تھا جس کے بدلے اس نے ہمیں تخلیے کی رعایت دے دی تھی اور ہمارے درمیان کلیدی نکتے پر بات بھی ہو چکی تھی اس لیے ویرا فوراً ہی مجھ سے رخصت ہو گئی۔

"یہ تو مالکن سے زیادہ تمہاری بیوی نظر آرہی تھی۔" ویرا کے جاتے ہی سنتھیا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے فراق میں ایک رات بھی تنہائی میں بسر نہیں کر سکی۔"

"یہ تنہائی سے خوف کھاتی ہے اسی لیے مجھے ملازمت کی پیشکش کر رہی ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "رقم اور ساتھیوں سے محروم ہونے کے بعد وطن واپسی کے لیے چند روز کے لیے مجھے

کہیں نہ کہیں تو ملازمت کرنا ہی ہوگی۔"

"میری بات لکھ کر رکھ لو کہ دن بھر اسے کسی چیز سے خوف محسوس ہوگا۔ یہ رات کو سوتے سوتے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کرے گا۔ اس کا خوف اس وقت تک دور نہیں ہوگا جب تک تم اسے ... نہیں سناؤ گے۔" وہ تلخ ہنسی کے ساتھ ... لہجے میں بولی۔

"کاش ایسا ہی ہو۔" میں نے حسرت آمیز لہجے میں کہا۔ "ویسے ... ہوتی ہے اور اس کا شوہر اپنے کاروبار کے سلسلے میں عموماً عالمی دوروں پر رہتا ہے۔"

وہ اس وقت مجھ سے اس موضوع پر الجھنے کے موڈ میں نظر نہیں تھی اس لیے میں نے ہوشیاری کے ساتھ اپنا پیچھا چھڑایا اور پھر ... کی طرف چلا گیا۔ ہم دونوں کے درمیان زبان کا سنگین مسئلہ موجود تھا لیکن بار بار سائمن بولیتھو کا نام دہرا کر آخر کار میں نے اسے سمجھا ہی دیا کہ میں اس کے افسرِ اعلیٰ سے ملنا چاہتا ہوں۔

نو بجے ہم دونوں کے لیے ناشتا لایا گیا جو آملیٹ، ٹوسٹ، جیلی اور چائے پر مشتمل تھا۔ یہ وہ ناشتا تھا جو پاکستان میں حالات تو کبھی ... کے گھروں میں بھی میسر نہیں ہوتا تھا لیکن سنتھیا کو وہ لوازمات ... نہیں آئے۔ اپنے ہمدردوں کی آمد میں تاخیر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے مزاج میں بے چینی اور تلخی پیدا ہوتی جا رہی تھی جس کا اظہار ناشتے پر بھی ہوتا رہا اور جب ہم دونوں ناشتے سے فارغ ہو کر خاموشی کے ساتھ سگریٹیں پھونک رہے تھے تو اچانک میرا بلاوا آ گیا۔

... والا مسلح محافظ مجھے سائمن کے نوجوان ماتحت کے کمرے میں لے گیا جو اپنی چمکتی ہوئی میز کے عقب میں گھومنے والی کرسی پر براجمان کچھ فائلیں نمٹانے میں مصروف تھا۔ محافظ کمرے کے دروازے کے باہر ہی رک گیا تھا، اس لیے میں نے اس افسر کے انہماک میں خلل ڈالنے کے بجائے دروازے کے قریب ہی رکنے کا فیصلہ کر لیا۔

چند ثانیوں بعد اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو اس نے فوراً مجھے ... لیا اور ہاتھ سے کرسی پر بیٹھنے کا اشارا کرتے ہوئے بولا۔ "سنا ہے تم انسپکٹر سے ملاقات کرنا چاہتے ہو۔ کیا معاملہ ہے؟"

"کچھ اہم اور ذاتی گفتگو کے علاوہ یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ ... الیس اٹلی کب تک بھیجا جا رہا ہے؟" میں نے کہا۔

"ابھی صرف رات گزری ہے اور دفتری مصروفیات اب شروع ہوئی ہیں۔ آج نہیں تو کل ضرور رپورٹ مانگ لی جائے گی۔ ... والے جو وقت لیں گے، وہ اس کے علاوہ ہوگا... دوسری بات ... انسپکٹر اس وقت مصروف ہیں، وہ تمھیں زیادہ وقت نہیں دے ... سکیں گے۔ تم جو بات کرنا چاہو، پورے اعتماد کے ساتھ مجھ سے کر ... سکتے ہو۔"

... اصرار کیا۔ "میں انسپکٹر کا چند منٹ سے زیادہ وقت نہیں لوں گا۔" میں نے

اس نے مجھ سے لاکھ کریدنا چاہا کہ مجھے کیا شکایت ہے اور میں انسپکٹر سائمن سے کیوں ملنا چاہتا ہوں لیکن میں معذرت خواہانہ انداز میں اسے ٹالتا رہا اور اس نے انٹرکام پر انسپکٹر سائمن سے اجازت لے کر مجھے اردلی کے ساتھ اس کے دفتر کی طرف روانہ کر دیا۔

"کیا بات ہے؟" انسپکٹر سائمن نے مجھے اپنے روبرو دیکھتے ہی ترش لہجے میں سوال کیا۔

میں نے زبان سے ایک لفظ بھی ادا کیے بغیر اپنی جیب سے سلور آئی نکال کر ادب اور احترام سے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلا دی جس پر وہ طلسماتی سکہ پُرشکوہ انداز میں جگمگا رہا تھا۔

وہ سکہ دیکھتے ہی انسپکٹر سائمن کی حالت اچانک غیر ہوگئی، اس کی آنکھیں حیرت اور دہشت کے عالم میں پھیل گئیں، چہرہ زرد ہوگیا۔ اس نے سلور آئی کے احترام میں اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر دوبارہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اس کی دہشت سے پھٹی ہوئی آنکھیں مسلسل میری پھیلی ہوئی ہتھیلی پر جمی ہوئی تھیں جیسے اسے وہاں کوئی آسیب نظر آگیا ہو۔ پھر اس نے اچانک ہی اضطراری انداز میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ لیا۔

شاید وہ پھر یہی حرکت دہراتا لیکن میں نے سلور آئی اپنی جیب میں ڈال کر مضبوطی سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور نیچی مگر تحکمانہ آواز میں بولا۔ "ہوش میں رہو سائمن! کیوں خود کو تماشا

بنانے پر تُلے ہوئے ہو؟"

اس نے نگاہیں اٹھا کر خوفزدہ انداز میں میری طرف دیکھا۔ اس وقت اس کی ساری طراری کافور ہو چکی تھی اور وہ کسی خوف ناک عقاب کے چنگل میں جکڑے ہوئے ننھے سے پرندے کی طرح سہما ہوا اور بے بس نظر آ رہا تھا۔ "مجھے فوراً بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا سر! میں تو تباہ ہو گیا محض میری غفلت کی وجہ سے ایک مقدس آئی مین نے پوری رات حوالات کے سخت فرش پر گزاری اور میں ابھی تک زندہ ہوں۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی ہذیانی بڑبڑاہٹ آزاد ہوئی۔

"تمھارا قصور صرف اتنا ہے کہ تم نے مجھے تنہائی میں اپنے ساتھ ملاقات کرنے کا موقع نہیں دیا ورنہ میں رات ہی کو تمھیں حقیقت سے آگاہ کر دیتا۔" میں نے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "جو ہو گیا اس پر نہ مجھے ملال ہے اور نہ تم سے کوئی شکوہ لیکن اب میرے پاس بالکل بھی وقت نہیں ہے۔ میں اس ڈرامے کا فوری خاتمہ چاہتا ہوں۔"

"میں بڑے مصائب مول لے بیٹھا ہوں۔" وہ میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر کرسی سے اُٹھتے ہوئے بولا تو اس کی آواز بہت کمزور تھی۔ "بائیس برس کی ملازمت میں میرا دامن ہمیشہ بے داغ رہا.... دونوں طرف میرا ریکارڈ بالکل صاف ہے لیکن اس بار ایک انہونی ہوئی ہے۔ تمھاری گرفتاری روزنامچے پر آ چکی ہے اور اب میں کارروائی کیے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ تمھیں بلا تفتیش رہا کیا تو میرے خلاف فائل کھل جائے گی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟"

"سکون سے بیٹھ جاؤ۔" میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے سرد لہجے میں کہا کیونکہ اس وقت میں ایک عام قیدی کے بجائے حقیقی آئی مین کے روپ میں آ چکا تھا۔ "یہ نہ بھولو کہ اس وقت تم سرکاری وردی میں اپنے دفتر میں موجود ہو۔ مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ تمھاری راہ میں کیا رکاوٹ حائل ہے پھر میں ہی اس کا کوئی حل تجویز کر دوں گا۔"

"تمھاری رپورٹ تیار ہے۔" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد وہ دھیمے دھیمے بتانے لگا۔ "فیکس مشین پر مطلوبہ معلومات کی تفصیل کے ساتھ تمھارے پاسپورٹ کی نقل بھی اٹلی بھیجی جائے گی۔ مجھے ہر حال میں اس کا انتظار کرنا ہوگا...."

"پاسپورٹ اصلی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "تمھاری فیکس مشین خراب بھی ہو سکتی ہے۔ فون کے دو نازک سے تار کہیں سے بھی ٹوٹ سکتے ہیں۔ تم ٹیلکس پر اٹلی سے ہنگامی بنیاد پر میرے پاسپورٹ کے کوائف کی تصدیق طلب کرو۔ وہ میری بے گناہی ثابت کر دے گی۔ اس دوران میں تم مجھے ضمانت پر رہا کر سکتے ہو۔"

"میں سمجھ گیا۔" وہ بڑبڑایا۔ "مجھے بھی یہی شبہ تھا کہ تصویر میں کوئی گڑبڑ ہے۔ فیکس مشین خراب ہو جائے گی۔ ضامن بھی ہمارا ہی ہوگا لیکن مجھے کچھ مہلت درکار ہوگی جو ڈیڑھ دو گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوگی۔"

"اتنی مدت میں حوالات میں گزار لوں گا۔" میں نے خندہ پیشانی کے ساتھ کہا۔

میرا مفاہمانہ رویہ اس کے لیے بہت حوصلہ افزا ثابت ہوا۔ اس نے مجھ سے میری ضروریات خصوصاً سگریٹ کے بارے میں دریافت کیا اور چند منٹ بعد اس نیت سے دوبارہ اٹھا کہ مجھے خود حوالات تک چھوڑ آئے لیکن اس کی وہ تجویز صریحاً مضحکہ خیز تھی جو اس کے ماتحت عملے میں سرگوشیوں کو جنم دے سکتی تھی لہٰذا میں نے سختی کے ساتھ اسے مسترد کر دیا۔

افسر اپنی وردی میں یا کرسی پر موجود ہو تو خود کو مطلق العنان سمجھتا ہے۔ اس کے قلم سے ابرو کی جنبش تک ہر بات قانون کا ایک اٹل ضابطہ بنی رہتی ہے۔ یہ خمار ذہن سے اسی وقت اترتا ہے جب کسی زبردست کے سامنے اس حاکم کو اس کی زیردستی کا احساس دلایا جاتا ہے۔ جب تک میں ایک قیدی تھا انسپکٹر سامنے مجھ سے ملاقات کرنے سے بھی گریزاں تھا لیکن میرے آئی مین بنتے ہی وہ بدحواسی کا ایک شاہکار بن کر رہ گیا تھا۔ اسے نہ اپنی وردی کے وقار کا احساس رہا تھا نہ اپنے مرتبے کا...... وہ تو بس آئی مین کا ایک وفادار خدمت گار بن کر رہ گیا تھا۔

"سنتھیا ہیچکاک کا کیا معاملہ ہے؟" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد چلتے چلتے سوال کیا۔

"وہ یورپ کے کئی ممالک میں سنگین جرائم میں ملوث رہی ہے۔ ڈرگ ٹریفکنگ کے علاوہ اس پر تین افراد کے قتل کا بھی الزام ہے۔ اسے انٹرپول نے اشتہاری مجرمہ قرار دیا ہوا ہے۔ ان ہی کی نشاندہی پر ہم نے اسے مارسیلز میں ڈھونڈ کر گرفتار کیا ہے۔ شاید کل اسے حوالات سے جیل بھیج دیا جائے گا جہاں سے ایک دو روز میں وہ انٹرپول کے حوالے کر دی جائے گی۔" اس نے کسی مشینی طوطے کی طرح سارے کوائف دُہرا دیے۔ "مجھے شبہ ہے کہ کہیں وہ بھی ہماری تنظیم کے لیے کام نہ کرتی ہو لیکن مجھے اس کے بارے میں کہیں سے کوئی ہدایت نہیں ملی ہے۔"

"یہاں تمھارا براہِ راست رابطہ کس سے ہے؟"

"گیری ہارٹ سے سارے احکام ملتے تھے۔" اس نے شیخ کے مقتول کارندے کا نام لیا۔ "اس کے قتل کے بعد بردو نواشمٹ کا تقرر ہوا ہے لیکن اس سے ابھی تک میری بات نہیں ہوئی ہے۔"

وہ لحظہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر چونک کر بولا۔ "ہاں! مجھ سے ایک حماقت اور بھی ہوئی ہے۔ کچھ دیر قبل تمھارے

ایک عرب عورت ملنے آئی تھی، اس کا تو ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں تھا؟

"وہ میری دوست تھی۔" میں نے اس کا ذہن دیر اکی ذات سے ہٹائے رکھنے کی نیت سے کہا۔ "دراصل آج میرا اسی سے ملنے کا پروگرام تھا۔ اسے ہوٹل مارکوئیس سے میری گرفتاری کا علم ہوا تو صبح سویرے ہی یہاں دوڑی چلی آئی... کیا اسے بھی پکڑوا بیٹھے ہو تم؟"

"نن... نہیں۔" میرے ترش لہجے پر وہ بوکھلا کر بولا۔ "لیکن ایک آدمی کو اس کے تعاقب میں بھیجا ہوا ہے۔" وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔ "میں اس وقت تک دفتر نہیں آیا تھا، وہ فیصلہ میرے نائب نے کیا تھا۔"

"اس کی فراہم کی ہوئی معلومات روزنامچے میں نہ لکھ ڈالنا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر غصیلے لہجے میں کہا۔ "جو کچھ کر گزرے ہو، وہ قسطوں میں بتانے کے بجائے ایک بار ہی بتا دو تو تمہارے حق میں بہتر ہو گا ورنہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاؤں گا کہ تم سے وفاداری سے زیادہ تمہیں اپنی پنشن اور ریٹائرمنٹ کے فوائد کی فکر ہے۔"

"میں شرمندہ ہوں، میرا سر نہیں اٹھ سکتا۔" وہ ہراساں لہجے میں بولا۔ "میں پنشن پر لات مارتا ہوں، گیری ہارٹ ہمیشہ مجھے میری تنخواہ سے کئی گنا زیادہ رقم ماہانہ دیتا رہا ہے، میرا تو سارا انحصار اسی آمدنی پر ہے۔ اس کی رپورٹ کیا بلکہ روانگی بھی میں روزنامچے سے حذف کرا دوں گا۔ بس اس کے علاوہ کوئی بات نہیں رہی ہے۔"

"وہ ایک معزز اور باحیثیت عرب خاتون ہے... اگر اپنے تعاقب کا اندازہ لگا کر وہ گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں کوئی غلط قدم اٹھا بیٹھی تو کیا ہو گا؟ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے آدمی کو زخمی کر کے نکل جانے کی کوشش کر بیٹھے۔"

"وہ آدمی بہت پرانا اور گھاگ ہے۔ ایسی چوٹ نہیں کھائے گا۔" اس نے اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ جیسے اسے خود بھی اپنی بات پر یقین نہ ہو۔ "وہ صرف زخمی ہوا تو معاملہ بگڑ سکتا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ ایسا نہیں ہو گا۔"

"کاش کہ اس دنیا کا نظام تمہاری آرزوؤں کے مطابق چل سکے۔" میں نے دانت پیس کر کہا پھر رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے اس سے سوال کیا۔ "تمہارے دفتر سے کیا جانے والا فون کہیں سنا تو نہیں جاتا؟"

اس نے میز پر رکھا ہوا سبز انسٹرومنٹ میرے آگے کھسکا دیا۔ "یہ لائن ڈائرکٹ اور محفوظ ہے۔" خوف سے اس کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو گیا تھا اور آواز بھی کانپ رہی تھی۔

میں اس پر بری طرح حاوی ہوا جا رہا تھا مگر حقیقت یہ تھی کہ اس پورے معاملے میں انسپکٹر سائمن بے قصور تھا۔ اگر میں اصلی

آئی مین بھی ہوتا تو وہ میری اصلیت سے بے خبر تھا اس لیے اس نے میرے معاملے میں وہی کچھ کیا جو اس کے فرائضِ منصبی کا تقاضا تھا لیکن اس بے چارے میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ میری ہرزہ سرائی کے مقابلے میں اپنی ذرا بھی مدافعت کرتا۔

میں چاہتا تو اسی سے ٹیلی فون ڈائریکٹری میں ہوٹل مارٹن کا نمبر تلاش کروا سکتا تھا لیکن اس طرح وہ ویرا کے ٹھکانے سے باخبر ہو جاتا اس لیے میں نے خود ہی نمبر تلاش کر کے ڈائل کیا میرا اندازہ تھا کہ راستے میں کوئی گڑبڑ نہ ہوئی تو اسے اتنی دیر میں اپنے ہوٹل واپس پہنچ جانا چاہیے تھا۔ پھر جب ہوٹل کے آپریٹر نے ویرا کے کمرے سے کال ملائی تو اس کی آواز سن کر میں نے سکھ کا سانس لیا۔ میری آواز پہچان کر اس نے خود بھار دو میں بتانا شروع کر دیا کہ انسپکٹر سائمن کے دفتر سے نکلتے ہی اس کا تعاقب شروع کر دیا گیا تھا جس کا اسے فوراً ہی اندازہ ہو گیا اور وہ قریبی بازار کی طرف نکل گئی۔ جہاں کی پُرپیچ گلیاں اس کے لیے اجنبی نہیں تھیں۔ چند منٹ کی بھاگ دوڑ کے بعد اسے ایک گلی میں ایک عمارت کے زینے میں چھپنے کا موقع مل گیا اور تعاقب کرنے والا جب اپنی جھونک میں آگے نکلا چلا گیا تو وہ اپنی کمین گاہ سے نکل کر مخالف سمت میں چل پڑی اور ٹیکسی لے کر سیدھی ہوٹل پہنچ گئی۔

میں نے اسے مختصراً اپنی رام کہانی سے آگاہ کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں ویرا سے بات کرنے کے بعد کرسی سے اٹھا ہی تھا کہ سائمن کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار دیکھ کر مجھے رکنا پڑ گیا۔ پھر میرے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ میرے تجربے کے بعد وہ سنتھیا ہچکاک کے بارے میں تذبذب کا شکار تھا اور میں نے بھی اس کا ذکر چھیڑ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

اس کے یاد دلاتے ہی سنتھیا کے بارے میں میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور میں لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ سنتھیا قد اور جسامت میں بڑی حد تک ویرا سے مشابہ ہونے کے ساتھ ہی مجرمہ اور قاتلہ بھی تھی۔ جسے کسی تردد کے بغیر آسانی سے موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا تھا۔ اگر میں اسے پولیس کی تحویل سے آزاد کرا کر اپنے ساتھ لے جاتا تو بم گن سے اس کا چہرہ مسخ کر کے اس کی لاش ویرا کی چند نشانیوں کے ساتھ کہیں بھی چھوڑی جا سکتی تھی۔ اس منصوبے پر اگر ذرا سی دماغ سوزی کر لی جاتی تو شٹی والوں کو یہ باور کرایا جا سکتا تھا کہ ویرا نے ان کی انعامی اسکیم سے خوف زدہ ہو کر خودکشی کر لی۔ اس طرح ویرا کی تلاش کی مہم فی الفور ختم ہو سکتی تھی۔ اور وہ روپوش رہ کر نہایت اطمینان سے میرا ساتھ دے سکتی تھی۔

یہ خیال آتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے قدرت نے محض اسی مقصد کی خاطر لاک اپ میں مجھے اور سنتھیا کو یکجا کیا تھا۔ لیکن خیالات کی دوسری منطقی رو نے اس منصوبے کی کئی خامیاں روشن کر دیں۔

سنتھیا ہچکاک مقامی نہیں بلکہ بین الاقوامی مجرمہ تھی۔ اس کی گرفتاری کی اطلاع انٹرپول کو دی جا چکی تھی اور ان کی ٹیم اُس قیدی کو لینے کے لیے کسی بھی وقت مارسلیز پہنچ سکتی تھی۔ اول تو انسپکٹر سائمن کے لیے سنتھیا کو رہا کرانا ناممکن تھا۔ کیونکہ اس بارے میں اس کے محکمے کو انٹرپول والوں کے سامنے جواب دہ ہونا پڑتا اور بالفرض وہ سنتھیا کو حوالات سے فرار کرانے کی کوئی راہ نکال بھی لیتا تو اس امر کا قوی امکان تھا کہ اس کے مسخ چہرے والی لاش کے پوسٹ مارٹم کے دوران نشاناتِ انگشت کے ماہرین اس کی اصلیت دریافت کر لیتے اور ویرا کو بچانے کے سلسلے میں کی جانے والی ساری محنت رائیگاں جاتی۔

"بساط پر صرف شاہ کو بچایا جاتا ہے، باقی مہرے یکے بعد دیگرے پٹتے چلے جاتے ہیں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "انھیں بچانے کی کوشش میں اکثر شہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے تم صرف میرے پروگرام کو ذہن میں رکھو۔ سنتھیا کے ساتھ اپنے ضابطے کے مطابق کارروائی کرو۔ اس کے لیے بعد میں بھی کچھ کیا جا سکتا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر دل کی گہرائی سے بولا "تم نے میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا ہے۔ سنتھیا کی رہائی میرے لیے واقعی ایک امتحان بن جاتی۔"

"میں اپنے آدمیوں کو غیر ضروری مشکلات میں نہیں ڈالتا۔" میں نے مربیانہ لہجے میں کہا۔ اور پھر سر جھکا کر اس کے دفتر سے نکلتا چلا گیا۔ انسپکٹر سائمن کے نوجوان ماتحت کے اردلی نے، جو مجھے اپنے ساتھ وہاں لایا تھا، مجھے یوں دُرّانہ وار انسپکٹر کے دفتر سے نکلتے دیکھا تو بوکھلا گیا۔ شاید اسے پہلا خیال یہی آیا ہو گا کہ میں انسپکٹر کو کوئی نقصان پہنچا کر فرار ہو رہا تھا، لیکن جب میں نے اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے حوالات کی راہ لی تو اس کی جان میں جان آئی اور وہ میرے ساتھ ہو لیا۔

سنتھیا بہت بے چینی کے ساتھ میری واپسی کی منتظر تھی۔ واپسی پر اس نے بہت اشتیاق کے ساتھ میری اس ملاقات کا مدعا جاننا چاہا، لیکن میں نے اس خود پسند لڑکی کو اس کی تعریف و توصیف میں الجھا لیا اور وہ یک بیک سارے سوالات بھول کر میرے ساتھ بیٹھ گئی۔ میرے عامیانہ انداز اور فقروں سے وہ یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ رات بھر اپنی ذات کے خول میں زبردستی بند رہنے کے بعد میں آخر کار اس کی نسوانی کشش سے زیر ہو گیا تھا۔

اس دوران میں باہر والا محافظ تبدیل ہو چکا تھا اور نیا آنے والا حوالاتیوں کے باہمی مراسم کے بارے میں فراخ دل نظر آ رہا تھا

ں نے ہمیں یکجا بیٹھنے پر ایک بار بھی نہیں ٹوکا۔ سنتھیا میرے
ے خمار میں ڈوبی جا رہی تھی اور میں بار بار یہ سوچ رہا تھا کہ
مسخ ہونے کے بعد اس کی لاش کس قدر خوفناک ہو جاتی۔
زہ تھا کہ ایک نہ ایک دن اس کا انجام کچھ ایسا ہی ہونا تھا۔
باہر سے وہ جتنی حسین اور پُرکشش نظر آ رہی تھی۔ اندر سے
ے کہیں زیادہ کریہہ اور قابلِ نفرت تھی۔ جس عورت کے ہاتھ
ے آلودہ ہو جائیں وہ پھر کسی قابل نہیں رہتی۔ بہرحال تو اس
لڑائی اور خونریزی ایک عورت ہی کے لیے ہوئی تھی۔ لڑنا
ں کی سرشت کا ایک حصہ تھا۔

سنتھیا کے ساتھ باتوں میں وقت ذرا آسانی کے ساتھ کٹ
پھر ایک گھنٹے بعد انسپکٹر سائمن خود ہی حوالات کے دروازے
یا۔ وہ خاموش اور پُروقار نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا مگر میں
ں کی نظروں سے بھانپ لیا کہ وہ میری رہائی کا مژدہ لے کر

"کیسے آئے ہو انسپکٹر سائمن؟" میرے بجائے سنتھیا لپک کر
کے دروازے پر پہنچی تھی۔ "کوئی بہت ہی خاص بات معلوم
ہے۔" اس کا لہجہ بہت زیادہ پُرامید تھا۔ شاید وہ سمجھی تھی کہ آخرکار
ے حامی انٹرپول والوں سے پہلے اسے رہائی دلانے کے لیے
تھے۔

"بات واقعی خاص ہے، لیکن تمھارے لیے نہیں۔" وہ سنتھیا کو
تے ہوئے خشک لہجے میں بولا۔ "مجھے خوشی ہے کہ میرے پورے
یں کوئی بدکردار افسر نہیں ہے۔ اس لیے تمھیں بڑی بوریت ہو رہی
۔ اور اب تو تمھیں تنہا بھی رہنا ہوگا۔ کیونکہ دوسرے قیدی کی
دی کا وقت آ گیا ہے۔" سنتھیا سے بات کرتے کرتے وہ ایک
ری طرف متوجہ ہو گیا۔ "میں معذرت خواہ ہوں موسیو پیٹر واک!
ے میرے ٹیلکس کا جواب آ گیا ہے، انھوں نے تمھارے کاغذات
تصدیق کر دی ہے، چند کاغذات کی خانہ پُری کے بعد تم جہاں چاہو
ؤ گے۔"

اپنی بات کے دوران ہی اس نے چابی محافظ کے حوالے کی جس
لا کھول کر وزنی دروازہ باہر کھینچا اور میرے باہر نکلتے ہی پٹ بند
ے کنڈے میں دوبارہ قفل ڈال دیا۔

سائمن طنزیہ انداز میں سنتھیا کی طرف ہاتھ ہلا کر واپس چلا تو میں
س کے پیچھے ہو لیا۔ وہ ساری کارروائی اتنی سرعت کے ساتھ مکمل
کہ سنتھیا ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ اور ہم راہداری میں اس سے دور
گئے۔

"کیا واقعی ٹیلکس کا جواب آ گیا؟" راستے میں میدان صاف دیکھ
میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"فیکس مشین کے تار توڑ کر میں نے ارجنٹ ٹیلکس بھجوایا تھا۔
شاید وہاں بھی ہمارا کوئی آدمی موجود ہے کیوں کہ پہلی بار اٹلی سے اتنے
کم وقت میں یقینی جواب ملا ہے۔ انھوں نے پاسپورٹ کے اجرا کی
تصدیق کر دی ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمھارا دامن صاف رہے گا" ... میں نے اپنی
خوشی چھپاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "کلثوم احمد کے تعاقب
میں جانے والا کیا خبر لایا ہے؟"

اس سے وہ سوال پوچھنا ضروری تھا۔ کیونکہ میں نے اسے ویرا
سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ نہیں کیا تھا۔

"وہ بہت ہوشیار عورت تھی۔ راستے ہی میں اسے جُل دے کر
کہیں غائب ہو گئی۔ وہ سارے شہر کی خاک چھاننے کے بعد ابھی کچھ
دیر پہلے ناکام و نامراد واپس آیا ہے۔"

اس کی زبان سے وہ تفصیل سن کر مجھے خوشی ہوئی اور اسی اثنا
میں ہم اس کے دفتر میں داخل ہو گئے۔ جہاں اس کا ایک نیا ماتحت
پہلے سے موجود تھا۔ انسپکٹر سائمن میری عجلت سے آگاہ تھا۔ اس لیے
اس نے نئے افسر سے میرا تعارف کرانے میں وقت برباد کرنے
کے بجائے فوری طور پر کاغذی کارروائی مکمل کی اور چند منٹ بعد
مجھے وہاں سے جانے کی اجازت مل گئی۔ سائمن نے مجھے پولیس کار میں میری
منزل تک پہنچانے کی پیشکش کی، جو میں نے قدرے تردد کے بعد قبول
کر لی۔ اسے میں نے یہی بتایا تھا کہ میں ہوٹل مارکوئیس میں قیام کروں
گا۔ وہ لاکھ شی کا وفادار سہی، لیکن پولیس کے محکمے کا ایک ذمے دار افسر
تھا اور کسی بھی وقت اپنے پیشہ ورانہ دباؤ سے مجبور ہو کر میرے حق
میں کسی بے احتیاطی کا مرتکب ہو سکتا تھا۔ دوسری طرف میں نے شی
کے آئی مین کا بہروپ بھرا ہوا تھا۔ اس لیے یہ خدشہ بھی اپنی جگہ برقرار
تھا کہ اس کے ذریعے شی والوں کو میری نقل و حرکت کی خبر مل سکتی تھی
اس لیے میں نے اسے اپنی نئی منزل کے بارے میں آگاہ کرنا مناسب
نہیں سمجھا تھا۔

چمکتی ہوئی پولیس کار کی عقبی نشست پر آرام سے دراز ہو کر میں
باوردی سرکاری شوفر کے ساتھ شان سے روانہ ہوا۔ انسپکٹر سائمن
نے اس مقامی سپاہی کو ہوٹل مارکوئیس کے بارے میں بتا دیا تھا، اس
لیے راستے میں مجھے اس کو کوئی ہدایت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔
اور میں تھوڑی ہی دیر میں ہوٹل مارکوئیس پہنچ گیا۔ گاڑی مجھے اتار کر
واپس لوٹ گئی تو میں ہوٹل میں داخل ہوا۔ اس وقت بھی میرے بدن
پر وہی لباس موجود تھا جس میں پاسپورٹ والی تصویر اتاری گئی تھی۔
کیونکہ رقم سمیت میرے فاضل کپڑے اسی بیگ میں تھے، جو ویرا ہوٹل
سے لے اڑی تھی۔

ہوٹل کے کاؤنٹر پر وہی باریک بیں کلرک موجود تھا۔ جس کی وجہ

سے مجھے پچھلی رات حوالات میں گزارنا پڑی تھی۔ اس نے تحیر آمیز نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر پُرتپاک انداز میں میرا استقبال کیا تھا۔ "خوش آمدید... خوش آمدید۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے دوبارہ ہمارے ہوٹل کا انتخاب کیا ہے۔ تم یقین کرو کہ میری پچھلی رات بہت کرب کے عالم میں گزری ہے۔ مجھے رات بھر ندامت کا یہ احساس ستاتا رہا کہ کہیں میری وجہ سے کسی معزز اور بے گناہ گاہک کو زحمت نہ اٹھانا پڑی ہو اور بارہ گھنٹوں میں تمھاری باعزت واپسی نے میری ندامت کے بوجھ میں اضافہ کر دیا ہے۔ تمھاری زحمت کے ازالے کے لیے میں انتظامیہ سے سفارش کروں گا کہ تم سے کم از کم تین راتوں کے قیام اور طعام کا کوئی معاوضہ نہ لیا جائے۔ ہوسکا تو مشروبات بھی بلامعاوضہ فراہم کیے جائیں گے۔"

اس وقت کاؤنٹر خالی تھا، اس لیے میں وہاں کھڑا ہو کر اس بدمعاش کی وہ تقریرِ دل پذیر سنتا رہا۔ اور جب وہ خاموش ہوا تو اس کی طرف جھک کر زہریلے لہجے میں بولا۔ "تم چور اور بدمعاش ہو۔ میں یہاں ٹھہرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنا وہ بیگ لینے آیا ہوں جو تم نے اپنے عملے کی ملی بھگت سے چرایا ہے۔ اس میں دیگر اشیاء کے علاوہ میرے ایک ہزار ڈالر بھی تھے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اضطراری طور پر اس کی ٹائی پکڑ کر اسے بُری طرح جھنجوڑ ڈالا۔

میری گرفت سے رہائی پاتے ہی وہ بوکھلا کر عقبی دیوار سے جا لگا۔ پھر اس نے دائیں بائیں نظریں دوڑائیں کہ کسی نے اس کی درگت بنتے تو نہیں دیکھی تھی۔ یہ اس کی اور شاید میری بھی خوش قسمتی تھی کہ اس وقت وہاں کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ استقبالیہ کاؤنٹر بھی خالی پڑا ہوا تھا۔

"تم زیادتی کر رہے ہو۔" وہ عقبی دیوار سے لگے لگے اپنی ٹائی کی گرہ درست کرتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "خود پر قابو رکھو ورنہ میں نے شور مچا دیا تو تم مداخلتِ بے جا، تشدد اور ڈاکے کی نیت رکھنے کے الزام میں پکڑ لیے جاؤ گے.... میں تت.... تمھیں پورا یقین دلاتا ہوں کہ تمھارے بیگ کی چوری میں میرا کوئی دخل نہیں۔ ہم نے پورے ہوٹل اور عملے کی تلاشی لے ڈالی، لیکن تمھارا بیگ بازیاب کرنے میں ناکام رہے۔ تم چاہو تو منیجر سے مل لو۔ شاید وہ تمھارے مالی نقصان کا تھوڑا بہت ازالہ کر سکے۔"

"تم، تمھارا ہوٹل اور اس کا منیجر، سب جہنم میں جائیں۔" میں نے دانت پیسنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ ٹھگوں کا ٹولہ ہو، چاہو تو ابھی بھی ہزار پانچ سو ڈالر تمھیں بھیک دے سکتا ہوں۔"

حقیقت یہ تھی کہ میرا اس سے الجھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں لاؤنج میں داخل ہو کر اندر صرف اتنا وقت گزارنا چاہتا تھا کہ مجھے لانے والی پولیس کار دور نکل جائے۔ لیکن وہاں میدان صاف دیکھ کر میں خواہ مخواہ مشتعل ہو گیا۔ میں وہاں کافی وقت گزار چکا تھا، اس لیے بڑبڑاتا ہوا نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

مارسیلز میرے لیے اجنبی شہر تھا، اس لیے راستوں کے [illegible] تکلیف دہ ثابت ہو سکتی تھی۔ اس کا بہتر علاج یہ تھا کہ میں ہوٹل تلاش کرنے کے بجائے خود کو کسی ٹیکسی ڈرائیور کے رحم و کرم [illegible] دیتا۔ میری وہ ترکیب کارگر رہی۔ میں نے ہوٹل مارکوئیس سے [illegible] نکل کر ٹیکسی پکڑی تو ڈرائیور نے ہوٹل مارٹن کا نام سنتے ہی [illegible] کے ساتھ گاڑی دوڑا دی۔ جس کا مطلب تھا کہ مارٹن کا شمار [illegible] کے معروف ہوٹلوں میں ہوتا تھا۔

نیا ہوٹل میری توقع کے عین مطابق بہت معیاری ثابت [illegible] رلیو ڈی الفانسو شہر کی ایک بارونق شاہراہ تھی جس پر دور و یہ [illegible] بڑی دکانیں اور عمارات موجود تھیں۔ ان ہی کے درمیان ہوٹل کی عمارت موجود تھی۔ دوسری منزل کے کمرہ نمبر دو سو دس [illegible] دستک کے جواب میں ہی دروازہ کھول دیا گیا اور عربی لباس [illegible] ملبوس ویرا میرے سامنے آگئی۔ اس وقت اس کے چہرے [illegible] نقاب نہیں تھی، لیکن اس کے سر پر کسے ہوئے مصری طرز [illegible] رومال نے لباس کے امتزاج سے اس کی شخصیت ہی بدل کر [illegible] دی تھی۔ اگر میں اسے اس حلیے میں دیکھ نہ چکا ہوتا تو میرے [illegible] اسے پہلی نظر میں شناخت کرنا محال تھا۔

اہلاً و سہلاً مرحبا۔ حبیبی حبیّ حبیّ!" مجھے اندر آنے کا راستہ د[illegible] ہوئے وہ حلق کے بل بولتے ہوئے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ا[illegible] کر اندازہ ہو رہا تھا کہ میری غیر موجودگی میں وہ ذہنی طور پر خاص[illegible] تھی۔ اسی لیے مجھے دیکھ کر اپنی خوشی کے غیر ارادی اظہار کو نہ ر[illegible]

"عربی بول بھی لیتی ہو۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "تم [illegible] کمال کی عورت ہو۔"

"میری عربی ان دو فقروں سے شروع ہو کر ان ہی پر ختم ہو[illegible] ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "جب سے تم سے مل کر آئی ہوں [illegible] خراش کے باعث کھانس کھانس کر بے حال ہو گئی ہوں۔ عربی میں [illegible] اور کوے پر خاصا زور پڑتا ہے۔"

"اناڑی ہو، ورنہ ایسی کوئی بات نہیں۔" میں نے کہا۔ "ب[illegible] کہ اب کیا پروگرام رہے گا؟"

"تمھاری رہائی عارضی ہے یا پکی؟" اس نے سوال کر ڈالا۔

"بالکل پکی۔" میں نے آرام دہ ڈبل بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ "سلور آئی دیکھ کر انسپکٹر سائمن کے طوطے اڑ گئے تھے۔ اس[illegible] بہت سعادت مندی کا ثبوت دیا اور فیکس مشین کو ناکارہ کر کے [illegible] پر کارروائی کر ڈالی۔ اٹلی والوں نے میرے پاسپورٹ کی تصدیق [illegible] ہے۔ لیکن پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔" یہ کہہ کر میں نے اسے حو[illegible] سے رہائی سے ہوٹل مارٹن تک پہنچنے کی پوری روداد بلا کم و کاست دی تاکہ اسے صحیح فیصلہ کرنے میں مدد مل سکے۔

”تم بھی ٹھاٹ سے ایک الگ کمرہ بک کرالو۔“ اس نے میری کہانی سن کر کہا۔ ”انسپکٹر سائمن نے ایک رات تمھیں حوالات میں قید رکھا ہے تو پاسپورٹ کے کسی صفحے پر اپنی مہر کے ساتھ اٹلی سے آنے والی رپورٹ کا خلاصہ بھی درج کیا ہوگا۔ یوں سمجھو کہ اب تمھاری پیٹروا کی حیثیت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔“

”اور سلطان شاہ کا کیا ہوگا؟“

”اس کی طرف سے میں غافل نہیں رہی ہوں۔“ وہ ملامت آمیز لہجے میں بولی۔ ”تھوڑی دیر پہلے سوفینی گروپ والوں سے فون پر میری بات ہوئی ہے۔ ان کے پاس یقیناً کوئی اہم اطلاع موجود ہے۔ کیونکہ ان کا چیف فوری طور پر مجھ سے ملنے کے لیے بے تاب تھا، مگر مجھے تمھارا انتظار تھا۔ اس لیے میں نے اس کو اپنے موجودہ پتے سے آگاہ نہیں کیا....“

”تم نے وقت برباد کیا۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”تمھیں اس کو فوراً بلا لینا چاہیے تھا۔ اگر ہمیں سلطان شاہ تک پہنچنے میں تاخیر ہوگئی تو اسے ناقابلِ تلافی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔“

”شاید تم درست کہہ رہے ہو۔ لیکن میں خواہش کے باوجود اسے بلانے کا فیصلہ نہ کر سکی۔“ اس نے اعتراف کیا۔ ”یوں محسوس ہوسکتا تھا جیسے کوئی نادیدہ قوت مجھے اس فیصلے سے روک رہی ہو...... خیر اب میں اسے فون کروں گی تو وہ فوراً ہی دوڑا چلا آئے گا۔ اسے میرے فون کا بے چینی سے انتظار ہوگا۔“

”یہ وہی پرانے لوگ ہیں یا کوئی نئی پارٹی ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”وہی لوگ ہیں۔ تمھارا پاسپورٹ بھی انھوں نے فراہم کیا تھا۔ میرا مشورہ ہے کہ تم اس کے سامنے نہ آنا۔ کیونکہ وہ تمھاری تصویر دیکھ چکا ہے۔ ان لوگوں سے اپنی کمزوریاں چھپانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ مال ملنے کی آس بندھ جائے تو یہ بچے بلیک میلر ثابت ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تمھیں یہاں دیکھنے کے بعد وہ خود تو خاموشی سے لوٹ جائے لیکن اپنے کسی چیلے کو تمھارے پیچھے لگا دے۔ حد یہ ہے کہ انھیں ایک سودے کے دو گاہک مل جائیں تو دونوں کو بیک وقت ڈبل کراس کرتے ہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ مکیس کی فطرت ان لوگوں کی بہترین عکاسی کرتی ہے۔“

ان کے بارے میں ویرا کے تجربات جو کچھ بھی رہے ہوں، اس وقت ہمارے سامنے کوئی انتخاب نہیں رہ گیا تھا۔ سلطان شاہ کی بازیابی کے لیے ہمیں ہر حال میں ان ہی پر انحصار کرنا تھا۔ اس لیے میرے ایما پر ویرا نے سوفینی گروپ کے چیف جان لی پگ سے فون پر دوبارہ بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ فون پر ویرا کی یکطرفہ انگریزی گفتگو سن کر مجھے اندازہ ہوا کہ لی پگ بہت پرجوش تھا اور آنے سے پہلے ویرا سے بہت کچھ معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر ویرا نے اسے اپنے ہوٹل کا نام اور کمرہ نمبر بتا کر گفتگو کا سلسلہ موقوف کر دیا۔

میں نے ویرا کو لی پگ سے انگریزی میں بات کرتے سنا تو مجھے خاصی حیرت ہوئی۔ اور ویرا نے بتایا کہ غیر قانونی کاموں کے سلسلے میں پرائیویٹ سراغرساں مقامیوں کے مقابلے میں غیر ملکیوں پر جلد بھروسا کر لیتے ہیں۔ کیونکہ انھیں اپنے خلاف مقامی حکام کی کارروائیوں کا خوف لاحق رہتا ہے۔ جس کے نتیجے میں ان کا لائسنس بھی ضبط ہو سکتا ہے۔ اس لیے ویرا نے خود کو فرنچ زبان سے یکسر نابلد برٹش نیشنل ظاہر کیا تھا۔ ورنہ شاید وہ سلطان شاہ کی تلاش پر رضامند ہونے کے بعد آسانی کے ساتھ میرے جعلی پاسپورٹ کی فراہمی پر تیار نہ ہوتا۔

”میرا خیال ہے کہ اب تم مجھ سے بدلا چکاؤ گی۔“ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے ویرا سے کہا اور جب وہ میری بات نہ سمجھ سکی تو مجھے وضاحت کرنا پڑ گئی۔ ”ہوٹل مارکوئیس میں تم باتھ روم میں چھپی تھیں اب لی پگ کی آمد پر مجھے باتھ روم میں گھسنا پڑے گا۔“

”وہ یہاں اکیلا آرہا ہے، میرا اندازہ ہے کہ وہ مجھ سے کوئی سودے بازی کرے گا یا پھر مجھے اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہے گا۔ ایسا ہوا تو تمھیں محتاط رہ کر ہمارا پیچھا کرنا ہوگا.....“

”اگر تم اس کی طرف سے اتنی بداعتمادی کا شکار ہو تو تمھیں اس سے رجوع ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

”بداعتمادی نہیں اسے تجربہ کہو۔“ وہ بے پروائی کے ساتھ بولی۔ ”تم خود اس کو دیکھو گے تو اندازہ لگا لوگے کہ میری کوئی پیش بندی ضرورت کے بغیر نہیں ہے۔ دوسروں پر اندھا دھند بھروسا کرنے کے بعد میں پچھتانے کے بجائے احتیاط برتنے کا سبق میں نے تم ہی سے سیکھا ہے اور اب خود ہی اس پر ناک بھوں چڑھا رہے ہو۔“

ویرا اس وقت مجھ سے بحث کرنے کے موڈ میں آچکی تھی، اس لیے باتوں میں وقت تیزی کے ساتھ گزرتا رہا اور پھر دروازے پر ہونے والی دستک نے ہمیں چونکا دیا۔ میں سرعت کے ساتھ بستر سے اٹھ کر باتھ روم میں جا گھسا۔ ہیم گن اس وقت بھی میرے پاس موجود تھی اور وہ کسی بُرے وقت کے مقابلے کے لیے ایکسپلوڈر سے مسلح تھی۔

چند ثانیوں بعد دروازے کے لیور کے کھٹکے کے ساتھ ہی میرے کانوں میں ایک مردانہ تحیر آمیز آواز پڑی۔ جس میں سیٹی کی سی تیزی موجود تھی۔ ”اوہ مادام لینا جیرالڈ! تم تو بالکل ہی بدل کر رہ گئی ہو۔“

”لینا نہیں، اب میں کلثوم احمدی ہوں۔“ ویرا کی آواز سپاٹ اور دھیمی تھی۔

پھر شاید نووارد اندر آگیا اور دروازہ بند ہوگیا۔ ”میرا خیال ہے،

ہیں یہاں وقت ضائع کرنے کے بجائے فوراً ہی یہاں سے چل دینا چاہیے.... میرا خیال ہے کہ میں نے تمہارے مطلوبہ آدمی کا سراغ لگا لیا ہے۔" مردانہ آواز ابھری۔

"میرے جانے کی کیا ضرورت ہے؟" ویرا کی آواز قدرے ترش ہو گئی۔ "شرائط طے ہو چکی ہیں، اسے لے آؤ اور اپنے معاوضے کی رقم لے جاؤ، مجھے خود سامنے آنا ہوتا تو تمھیں کیوں زحمت دیتی۔"

"تمہارا آدمی بہت چالاک اور ضدی ہے۔" مرد کی آواز مصالحانہ تھی۔ "سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ یورپ میں بولی جانے والی ہر زبان سے ناواقف ہے اور اپنی اس کمزوری کو گونگے پن میں چھپاتا ہے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ وہ جن لوگوں کے درمیان موجود ہے ان ہی کو اپنا ہمدرد سمجھ رہا ہے۔ اس نے ہمارے ساتھ آنے سے صاف انکار کر دیا۔ تمہارا نام سن کر بھی اس نے کسی ردِ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ تمھیں لینا جیرالڈ یا کلثوم احمدی کے بجائے کسی تیسرے ہی نام سے جانتا ہے اور وہ نام تم نے ابھی تک مجھ سے چھپایا ہوا ہے۔ تمھیں دیکھ کر ہی وہ وحشی زیر ہو سکے گا۔"

"لیکن وہ ہے کہاں؟" ویرا کی آواز میں اضطراب پیدا ہو چلا تھا۔

"سینٹ فرانسس کے مضافاتی علاقے میں ایک فارم ہاؤس پر مقیم ہے۔ شہر میں زخمی ہونے والے بہتیرے افراد کو دیکھ بھال کے لیے ایسے شہریوں کے حوالے کر دیا گیا ہے، جو سوشل ورک میں یقین رکھتے ہیں۔ فارم ہاؤس کی مالکن بھی مارسیلز کی ایک معروف سماجی کارکن ہے اور تمہارا آدمی وہاں سے ہلتا نظر نہیں آ رہا۔ حد تو یہ ہے کہ اس کے تیمارداروں کو بھی ابھی تک اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ ہم نے محض تمہارے بتلائے ہوئے حلیے کی بنا پر اس تک رسائی حاصل کی ہے۔ اس سے مل کر تم ہی بتا سکو گی کہ ہم نے صحیح سمت میں کام کیا ہے یا ابھی تک اندھیرے میں ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔"

"تم نیچے لابی میں میرا انتظار کرو، میں لباس تبدیل کر کے آتی ہوں۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ویرا کی آواز سنائی دی اور پھر سکوت چھا گیا۔ چند سیکنڈ کے سنسنی خیز وقفے کے بعد باتھ روم کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور میں دروازہ کھول کر پھرتی سے باہر آ گیا۔

جان لی ہگ نے ویرا سے جو کچھ کہا وہ بے بنیاد نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے میری دانست میں ویرا کے چلے جانے میں کوئی حرج نہیں تھا، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ سینٹ فرانسس کا زراعتی علاقہ مارسیلز کے مضافات میں خاصے فاصلے پر واقع تھا۔ اس ویران سڑک پر لی ہگ کی نظروں سے بچ کر اس کا تعاقب کرنا دشوار ہی نہیں ناممکن نظر آ رہا تھا۔ اگر راستے میں اسے ہماری بدنیتی یا بے اعتمادی کا شبہ ہو جاتا تو وہ بھتے سے ہی اکھڑ سکتا تھا۔

ویرا صبح سویرے حوالات میں مجھ سے ملاقات کے لیے تیار ہوئی تھی۔ اس لیے اسے لباس بدلنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن لی ہگ سے بہانہ کرنے کی وجہ سے اسے لباس تبدیل کرنا پڑ گیا۔ جب کہ اصل مقصد اس وقفے میں باہمی طور پر مشورہ کرنا تھا۔ آخر کار ویرا کو ہی ایک امکان سوجھ گیا۔

میرے پاسپورٹ کے حصول کے سلسلے میں وہ میکس کے شراب خانے پر قیام کے دوران لی ہگ کی ٹرائمف اسپورٹس کار دیکھ چکی تھی۔ جسے وہ اپنے گشتی دفتر کے طور پر بھی استعمال کرتا تھا۔ ویرا کو اس کار کے آخری تین نمبر یاد تھے۔ لہٰذا طے یہ پایا کہ ویرا لباس تبدیل کرنے کے بہانے مزید چند منٹ کمرے میں رکی رہے اور میں لی ہگ سے بچ کر باہر نکل کر اس کی کار کی ڈکی میں چھپنے کی کوشش کروں تاکہ تعاقب کے بجائے میرا سفر بھی ان ہی کے ساتھ جاری رہ سکے۔

میرا جان لی ہگ سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ ویرا نے مجھے بتایا کہ وہ استخوانی چہرے اور دبلے پتلے جسم کا ایک دراز قامت شخص تھا جسے دور ہی سے الگ پہچانا جا سکتا تھا۔ اس وقت وہ نیلے سوٹ اور سفید قمیص میں ملبوس تھا۔ اگر کسی وجہ سے میں اس کی کار تلاش کرنے یا اس کی ڈکی میں گھسنے میں ناکام رہتا تو مجھے باہر ہی کہیں رک کر ان کا انتظار کرنا تھا تاکہ سفر کا آغاز ہوتے ہی کسی ٹیکسی میں تعاقب کر سکوں۔

کمرے سے تار کا ایک ٹکڑا لے کر میں وہاں سے نکل گیا۔ لفٹ کے بجائے نیچے اترنے کے لیے میں نے زینوں کا انتخاب کیا تھا، لیکن نیچے ہی میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔ کیونکہ ویرا کے بتائے ہوئے حلیے والا آدمی لابی میں ایسے زاویے سے بیٹھا ہوا تھا کہ زینوں سے اترنے والا کوئی بھی شخص اس کی نگاہوں سے بچ کر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس سے پیشتر کہ میں لی ہگ کو نظر انداز کر کے آگے بڑھتا، وہ اپنی جگہ چھوڑ کر شناسائی کے انداز میں تیزی سے میری طرف لپکا تھا۔

"کہو بیٹیو واک! کیسے ہو؟" اس نے اس قدر پُر یقین لہجے میں مجھے مخاطب کیا کہ میں اس کو کسی غلط فہمی کا احساس دلانے کی ہمت نہیں کر سکا۔ "مجھے امید نہیں تھی کہ مارسیلز میں تم سے یوں ملاقات ہو جائے گی۔" اس کی سیٹی جیسی آواز تیز سرگوشی میں تبدیل ہو گئی تھی اور لہجے میں بلا کی گرم جوشی تھی۔

"میں تمھیں نہیں جانتا۔" میں نے اس سے رسماً ہاتھ ملاتے ہوئے سرد مہری کے ساتھ کہا۔ "کون ہو تم؟"

"خاکسار کیا بتائے کہ کون ہے.... مادام اسی ہوٹل میں مقیم ہیں، چند منٹ ٹھہرو تو وہ نیچے آنے والی ہیں۔ میرا تعارف وہی کرا سکیں گی۔" وہ عاجزانہ لہجے میں بولا۔ "اگر تمہارے پاس وقت ہو تو ہمارے ساتھ چلو۔ ہم سینٹ فرانسس کے علاقے میں کسی سے ملاقات کرنے

جا رہے ہیں۔"
"میں بن بلایا مہمان بننا پسند نہیں کرتا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔" اور نہ میں کسی مادام کو جانتا ہوں۔"
"مادام لینا میری بہت مہربان دوست ہیں۔" وہ دھیمی اور پُراخلاق آواز میں بولا۔" جب انھوں نے لباس تبدیل کرنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے مجھے نیچے بھیجا تو مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ باتھ روم ان کے کسی ملاقاتی کے زیرِ استعمال تھا۔ ورنہ وہ مجھے کمرے میں بٹھا کر باتھ روم میں لباس بدل سکتی تھیں.... تم جانا چاہو تو میں تمھیں روکوں گا نہیں۔ لیکن میری یہ خواہش ضرور ہے کہ مادام کے آنے تک ہم دونوں ساتھ بیٹھ کر ٹھنڈی بیئر کا ایک ایک مگ پی لیں۔"

وہ حد درجہ ڈھیٹ اور لیچڑ تھا۔ میں نے سوچا کہ وہ مجھے دیکھ ہی چکا تھا تو اس کے ساتھ بیٹھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ ویسے بھی میں اس کی کار میں چھپ کر جانا چاہ رہا تھا۔ لیکن اس کی پیشکش کے بعد وہ ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ میں ٹھاٹ سے ان دونوں کے ساتھ ہی جا سکتا تھا۔

"تم ضرور ہمارے ساتھ چلو۔" اس نے لابی میں صوفے پر دراز ہو کر بیئر کا آرڈر دینے کے بعد کہا۔" چاہو تو کار ہی میں بیٹھے رہنا۔ ہم اندر ہو آئیں گے۔ اس طرح تم بن بلائے مہمان بننے سے بھی بچ جاؤ گے۔"

"کلثوم آئے گی تو دیکھا جائے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ اور اس کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

"دیکھا، تم پہچان گئے نا مادام کو۔" سیٹی نما آواز ابھری۔" اسے کوئی بھول ہی نہیں سکتا اور تم تو شاید مادام کے بہت ہی قریبی دوستوں میں سے ہو۔"

وہ وقفے وقفے سے مسلسل کچھ نہ کچھ بولتا رہا۔ لیکن میں نے چُپ سادھ لی تھی۔ نہ جانے اس کے عزائم کیا تھے اور وہ کیا کرنے والا تھا۔ اس لیے میں زیادہ بول کر اپنے لیے کوئی دشواری کھڑی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جس انداز میں میری جان کو آیا تھا اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ میرا ابھی کوئی مصرف اس کے ذہن میں موجود ہے۔

ویرا آئی تو ہم دونوں کے بیئر کے مگ خالی ہونے والے تھے۔ لی ہگ نے صوفے سے اٹھ کر ویرا کو بھی بیئر پینے کی دعوت دی جو اس نے مسترد کر دی۔ لی ہگ نے بیرے سے بل طلب کیا اور بے حیائی کے ساتھ ویرا کی طرف بڑھا دیا۔ ویرا نے اسے گھورتے ہوئے بل پر اپنے دستخط کر دیے تاکہ وہ رقم اس کے کمرے کے بل میں شامل کر دی جائے۔

وہ مجھے لی ہگ کے ساتھ دیکھتے ہی بُری طرح چونکی تھی۔ کیونکہ ہمارا پروگرام اس کے برعکس طے ہوا تھا۔ لیکن شاید وہ خود [illegible] ہگ کی زبونوں کے سامنے والی نشست دیکھ کر معاملے کی تہ تک پہنچ گئی تھی۔ اس لیے اس بارے میں اس نے کوئی رائے نہیں کیا۔ البتہ جب ہم تینوں نکاسی کے راستے کی طرف بڑھے تو اُس نے انگریزی میں بات چھیڑ دی۔

"یہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ تم ہی اس کا تعارف کراؤ گی۔"

"یہ جان لی ہگ ہے۔ اسی نے تمھارا گمشدہ پاسپورٹ بنوایا تھا۔" ویرا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔" لیکن تم تو کسی ضروری کام سے جا رہے تھے۔ پھر لی ہگ سے کہاں مل بیٹھے؟"

"پھر تو یہ بدترین پیشہ ورانہ بددیانتی کا مرتکب ہوا ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔" اس نے مجھے پہچان بھی لیا تھا تو اسے انجان بن جانا چاہیے تھا۔ لیکن یہ زبردستی مجھ سے ملا اور مجھے اپنے ساتھ سینٹ فرانسس چلنے کی دعوت دینے لگا۔ اس نے میرا موڈ غارت کر دیا ہے۔ میں اپنے کام سے گیا تو سب چوپٹ کرا آؤں گا۔"

وہ سب باتوں کا گھماؤ پھراؤ تھا۔ ورنہ لی ہگ پر سب کچھ عیاں ہو چکا تھا۔ وہ کسی طرح بھی باور نہ کرتا کہ میں سلطان شاہ کے معاملے سے بے خبر تھا۔ لیکن ہم دونوں میں سے کسی نے بھی اس کے منہ لگنے کے بجائے ساتھ چلنے کا فیصلہ کر لیا۔

لی ہگ کی کار میں ویرا اگلی نشست پر بیٹھ گئی۔ میں پیچھے گیا اور جان لی ہگ نے کار پارکنگ لاٹ سے نکال کر سڑک پر ڈال دی۔ سلطان شاہ کے بارے میں میں تشویش میں مبتلا تھا، لیکن مجبوراً خاموش تھا۔ آخر ویرا ہی اس بارے میں لی ہگ سے سوال کر بیٹھی۔

"میرے آدمی کا حال کیا ہے؟"

"اس کا داہنا بازو زخمی ہے۔ ملبے کا کوئی ٹکڑا گوشت پھاڑتا ہوا گزر رہا ہو گا۔ ہڈی ٹوٹی تو نہیں، لیکن ابھی تک متورم ہے۔" لی ہگ چیونگم کا ایک پیس منہ میں ڈالتے ہوئے بولا۔" چند روز میں اسے صحت یاب ہو جانا چاہیے۔"

"اس کے میزبان کو جب یہ معلوم ہے کہ اس نے تمھارے ساتھ آنے سے انکار کر دیا تو اب وہ تم کو اپنے گھر میں کیوں گھسنے دے گا؟" میں نے چُبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہزار ڈالر کا سوال ہے۔" اس کی سیٹی بجی۔" مجھے اکیلے کو شاید وہ پھاٹک سے ہی لوٹا دے۔ لیکن میں اس سے کہہ کر آیا تھا کہ اس کی آنٹی کو ساتھ لے کر آؤں گا اور وہ دُم ہلاتا ہوا اپنی آنٹی کے پیچھے چل پڑے گا۔ مادام کو آنٹی سمجھ کر وہ ہماری راہ میں حائل ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

"تمھارا دماغ خراب ہوا ہے۔" ویرا بگڑ کر بولی۔" وہ میرا ہم عمر ہے، میں اس کی آنٹی لگ ہی نہیں سکتی۔"

"او ہو!" وہ بوکھلا کر بولا۔" تم رشتے پہ نہ جاؤ، یہ حکمت ہی

عجیب ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ آنٹی عمر رسیدہ ہو۔ اگر انکل خوش فہم مزاج ہو تو آنٹی کم عمر بھی ہو سکتی ہے۔"

اس کی بات معقول تھی۔ اس لیے ویرا کو خاموش ہو جانا پڑا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ جان لی ہگ درحقیقت بہت شاطر اور مکار آدمی تھا۔ اور سادہ لوح بن کر اپنا الّو سیدھا کرنے کے فن سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ ہمیں کس مقصد کے لیے اپنے ساتھ سینٹ فرانسس لے جا رہا تھا۔

ویسے تو اس کی پوری کہانی مربوط اور قابلِ فہم تھی۔ لیکن میرے ذہن میں یہ نکتہ بُری طرح کھٹک رہا تھا کہ دنیا جہان کی بکواس کرنے کے باوجود اس نے شروع سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ جس میں معاوضہ بڑھوانے کا ذکر ہوتا۔ میکس کے شراب خانے میں ویرا مجھے بتا چکی تھی کہ وہ حیلے بہانوں سے اپنا معاوضہ بڑھوانے کے چکر میں تھا۔ پھر اس کی کنجوسی کا ایک شاہکار کچھ دیر پہلے میں خود دیکھ چکا تھا۔ کہ اس نے ذاتی طور پر مجھے بیئر پینے کی دعوت دی تھی لیکن اس کا حقیر سا بل بھی اس نے اپنی جیب سے ادا کرنے کے بجائے ویرا کی طرف بڑھا دیا تھا۔ ان حالات میں اس کی جانب سے معاوضے کے دلچسپ موضوع پر اس کی خاموشی بہت تشویشناک تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے جلد ہی اپنی کوئی لاٹری نکلنے کی امید ہو۔ جس کے بل بوتے پر اس نے عارضی طور پر قناعت کی راہ اختیار کر لی ہو۔

"آج کل کوئی دوسرا کام بھی ہے تمہارے پاس؟" اپنے ان ہی خیالات کی رو میں میں نے روا روی میں پوچھا۔

"آں.....؟" میرے سوال پر وہ ایک دم چونک پڑا پھر خفت آمیز لہجے میں بولا۔ "دوسرا کیا ابھی تو پہلا ہی کام پھنسا ہوا ہے۔ جب سے ہمارے ہاں شادی کرنے کا رواج کم ہوا ہے، طلاق کے لیے ثبوت فراہم کرنے کے کیس بھی ملنے بند ہو گئے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے پر اپنا کوئی قانونی حق جتائے بغیر بوائے اور گرل فرینڈ بن کر پہاڑ جیسی زندگی گزار لیتے ہیں۔"

"اسی لیے تم اخراجات کا سارا بوجھ ان مؤکلوں پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہو جو اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے تمہارے ہتھے چڑھ جاتے ہیں؟" ویرا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مجبوری ہے..... ایسا نہ کریں تو دفتر چند ہی ہفتوں میں ویران ہو جائے لیکن پھر بھی ہم ہر گاہک کی جیب اور کام کی نوعیت کا خیال رکھتے ہیں..... تم سے بھی میں نے اضافی اخراجات کی بات کی تھی۔ تم نے معاوضے میں دو ڈھائی سو ڈالر اضافے کا عندیہ بھی دے دیا تھا لیکن دیکھ لو کہ تمہارے آدمی نے میرے ساتھ آنے سے انکار کر کے میرے فائدے کی راہ مسدود کر دی۔ اس زحمت کے بعد تم اصل رقم اور اخراجات کا بل ہی دے دو تو میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔"

"اخراجات کا بل؟" ویرا آنکھیں نکال کر غرائی۔ "ہمارے درمیان ایسی تو کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی۔"

"مانتا ہوں کہ طے نہیں ہوئی تھی۔" اس نے خندہ پیشانی سے اقرار کیا۔ "لیکن یہ کام کا بنیادی اصول ہے۔ میرے آدمی تمہارے کام کے سلسلے میں ہوائی جہاز سے آس پاس کے کئی شہروں میں گئے ہیں۔ پانچ سو ڈالر میں سے ان کے اخراجات نکال دو تو میرے پلے کچھ بھی نہیں پڑ سکے گا..... خیر یہ باتیں ہم بعد میں بھی کر سکتے ہیں پہلے تمہارا کام ہونا چاہیے۔"

اس کے بعد کار میں خاموشی چھا گئی اور انجن کی یکساں گونج میں ہمارا وہ پُراسرار سفر جاری رہا۔ سینٹ فرانسس کے علاقے میں کار باغات اور کھیتوں کے درمیان ایک سڑک پر مڑتے ہوئے لی ہگ نے بتایا کہ منزلِ مقصود اب تھوڑی ہی دور رہ گئی تھی۔ میں نے جیب ٹٹول کر ہیم گن کی موجودگی محسوس کی اور اپنی نشست پر تن کر بیٹھ گیا۔

اس سڑک کے دونوں طرف تا حدِ نظر سبزہ ہی سبزہ تھا اور تھوڑے تھوڑے فاصلے کے بعد لبِ سڑک کاٹیج بنے ہوئے تھے جو شاید ان زرعی قطعات کے مالکان نے نجی استعمال کے لیے بنوائے ہوئے تھے۔ ان میں سے بیشتر بادی النظر میں ویران ہی نظر آئے۔ لیکن لی ہگ نے بتایا کہ ہر ویک اینڈ پر ان دیہی مکانات پر رنگ و حسن کا ایسا جشن برپا ہوتا تھا کہ ایک رات کے لیے مردہ جسموں میں بھی زندگی کی ایک نئی جوت جاگ اٹھتی تھی۔ شہر میں رہنے والے جاگیردار ہر ہفتے ان کاٹیجوں پر محفلِ طرب و نشاط کے انعقاد کو ایک ناگزیر رسم کا درجہ دے چکے تھے۔ اس ہلے نے ساز و آہنگ اور شراب کے سودوں سے روزی کمانے والے ایک رات میں اتنا کچھ کما لیتے تھے کہ ان کے گھروں میں پورے ہفتے چولہے روشن رہتے تھے اور وہ بُرے وقت کے لیے کچھ پس انداز بھی کر لیتے تھے۔

گہرے سبزے کے درمیان دونوں طرف سے پتلی پتلی خاکی پٹیوں کے درمیان بل کھاتی ہوئی سیاہ سڑک ابر آلود موسم میں بھی چمک رہی تھی۔ فضا میں دیہی زندگی کی عجیب سی بساندرچی ہوئی تھی کہیں کہیں مویشیوں کی ملی جلی آوازیں اس سازینۂ حیات میں کچھ اور رنگ بکھیر رہی تھیں اور میں اس ماحول میں کھویا ہوا تھا کہ ایک موڑ گھومتے ہی میری نگاہ ان چار شوخ لباس نوجوانوں پر پڑی جو اپنی موٹر سائیکلیں سڑک کے کنارے کھڑی کر کے درختوں کے نیچے سستا رہے تھے اور ہماری کار کی طرف متوجہ تھے۔ ہمارے نمودار ہونے سے پہلے ہی کار کے انجن کی آواز ان تک پہنچ گئی تھی اور وہ غالباً ہمارے منتظر تھے

ہماری کار کو دیکھتے ہی وہ دیوانہ وار اپنی موٹر سائیکلوں کی طرف
بڑھے تھے۔ وہ کلکیں مار کر انجن بیدار کر رہے تھے کہ ہماری کار زن سے
ان کے قریب سے گزر گئی۔ اس لمحے میں نے دیکھا کہ وہ چاروں ہی
مسلح تھے۔ ان سب کا اسلحہ یکساں نہیں تھا، لیکن ان کے تیور یکساں
اور جارحانہ نظر آرہے تھے۔

"کتنا سفر باقی رہ گیا ہے؟" میں نے لی بگ سے سوال کیا۔

"بس چند منٹ کی بات ہے۔" اس کے لہجے سے بے آرامی
مترشح تھی اور اس کی نگاہیں عقب نما آئینے پر جمی ہوئی تھیں۔ غیرارادی
طور پر میری گردن بھی پیچھے گھوم گئی اور میں یہ دیکھ کر تشویش میں پڑ
گیا کہ وہ چاروں موٹر سائیکلیں سڑک پر لہراتی ہوئی تیز رفتاری کے
ساتھ ہمارے پیچھے آرہی تھیں۔

"کسی کے ساتھ پروگرام طے کر کے ادھر آئے ہو یا یہ تمھاری اپنی
اسکیم ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں جان لی بگ سے سوال
کیا۔ اس وقت ہنگامی صورتِ حال درپیش تھی، اس لیے میرا ذہن پوری
تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

"نن.... نہیں۔ اور کسی کو ہمارے پروگرام کا علم نہیں تھا۔" اس
نے بلاتوقف جواب دیا، لیکن میرا ذہنی کمپیوٹر چل پڑا تھا۔ اس کی
ابتدائی ہکلاہٹ یقیناً کسی گڑبڑ کی غماز تھی۔

"اور یہ چاروں موٹر سائیکل سوار تمھارے لیے اجنبی ہیں؟" میرا
لہجہ تند ہو گیا۔

"قسم لے لو، جو میں کسی کو جانتا ہوں۔" وہ گھگھیا کر بولا۔ "پتا
نہیں یہ نمک حرام کہاں سے نازل ہو گئے؟"

"ابھی دو منٹ میں پتا چل جائے گا۔" میں نے بیم گن
خاموشی کے ساتھ جیب سے نکالتے ہوئے کہا۔ "ہماری منزلِ مقصود
اب کتنی دور رہ گئی ہے؟"

"بائیں ہاتھ پر اب تیسرے یا چوتھے کاٹیج میں جانا ہے۔"
وہ مُردہ آواز میں بولا۔ "اس کاٹیج تک پہنچنے کے لیے کچھ فاصلہ
ہمیں کچی سڑک پر طے کرنا ہوگا۔"

"گاڑی وہاں موڑے بغیر سیدھی نکال لے جانا۔" میں نے تحکمانہ
لہجے میں کہا۔

"لل... لیکن کیوں؟" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔
"ہم تو ایک خاص پروگرام کے تحت یہاں آئے ہیں۔"

"پہلا سبب یہ ہے کہ میرے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول ہے۔"
میں نے بیم گن کی نال اس کی گردن سے لگا کر ہٹاتے ہوئے سرد لہجے
میں کہا۔ "دوم یہ کہ میں اس پروگرام میں تمھارے شرکا کی تعداد
کا تعین کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا اس نے کوئی چال چلی ہے؟" ویرا نے اچانک پلٹ کر
اردو میں مجھ سے پوچھا۔

"مجھے شبہ ہو رہا ہے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "یہ نہ
بھولو کہ تمھاری گرفتاری کے لیے پچاس ہزار ڈالر کا انعام مقرر کیا
گیا ہے۔ دس بیس ہزار میں کوئی بھی لی بگ کو خرید سکتا ہے۔"

"اور تمھیں اب یہ خیال آرہا ہے؟" ویرا بھنا کر بولی۔

"کیا کروں؟ میری کھوپڑی ایمرجنسی میں ہی صحیح کام کرتی
ہے۔" میں نے بے بسی کے ساتھ کہا۔ "تمھاری چھٹی حس تو مجھ سے
پہلے ہی حرکت میں آچکی تھی۔ اتنی دیر میں تم نے کیا کر لیا؟"

"ہمیں بائیں ہاتھ پر اگلا موڑ گھومنا ہے۔" لی بگ کی بھرائی
ہوئی سیٹی بجی۔

"سیدھے نکل چلو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں موٹر سائیکل
سواروں کا ردِعمل دیکھنا چاہتا ہوں۔ اب اگر تم نے میری ہدایت
سے ذرا بھی انحراف کیا تو بے دریغ تمھیں موت کے گھاٹ
اتار دوں گا۔"

"تم یقین کرو کہ میں بالکل بے قصور ہوں، میں نے تمھارے
خلاف کوئی سازش نہیں کی ہے۔" وہ رو دینے والی آواز میں
بولا۔ اور اسی دوران میں اسپورٹس کار اگلے موڑ سے آگے نکل گئی۔

"ابھی دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہوا جاتا ہے۔" میں نے
سرد لہجے میں کہا۔ "ابھی تک میری کھوپڑی پر برف ہی جمی ہوئی تھی،
لیکن اب تمھارا کھیل میری سمجھ میں آرہا ہے، تمھیں لینا جیرالڈ کو گھیرنے
کے لیے کتنی رقم کی پیشکش کی گئی تھی؟"

"تم الزام تراشی کر رہے ہو۔" وہ خوف زدہ آواز میں حلق
کے بل چیخا۔ "مجھے کسی نے کوئی پیشکش نہیں کی، نہ میں نے تمھارے
ساتھ غداری کی ہے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے کہ اب کیا ہونے والا ہے؟"

"اب موٹر سائیکلوں سے ہم پر گولیاں برسائی جائیں گی۔"
میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "انھیں اسی لیے راستے پر مامور کیا گیا تھا
کہ تمھاری کسی حماقت کی وجہ سے ہم آخری لمحات پر بھڑک کر فرار
نہ ہو جائیں۔ اب وہ ہر قیمت پر ہمیں گھیر کر اس کاٹیج کی طرف
لے جانے کی کوشش کریں گے جہاں تم نے جال سمیت شکاری
جمع کیے ہوئے ہیں۔"

"یہ بکواس ہے....." وہ ہذیانی انداز میں چیخ پڑا۔ اس سے
آگے اس کی آواز یکے بعد دیگرے کیے جانے والے فائروں کی ہولناک
گونج میں معدوم ہو گئی۔

گولیاں اسپورٹس کار کی باڈی کے مختلف حصوں سے ٹکرا کر اچٹ
گئیں اور اسی لمحے ویرا نے میکس کے شراب خانے میں رک میلون سے
حاصل کیا ہوا پستول میرے حوالے کر دیا۔

"اس کی جیب میں بھی پستول وغیرہ ہوگا۔" میں نے ویرا کو ہدایت

کی۔" اس پر بھی قبضہ کر لو۔ اس نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو اسے بھی کہیں گولی مار کر نیچے لڑھکا دیں گے۔"

"تم لوگ بے ایمان اور بدنیت ہو۔" وہ احتجاج آمیز لہجے میں چیخا۔ "تم شروع ہی سے کھپلا کرنے کے لیے کسی موقع کی تلاش میں تھے اور اب تم میرے ساتھ من مانی پر اتر آئے ہو... تم لکھ کر رکھ لو کہ..."

اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اسی وقت موٹر سائیکل سواروں نے دوبارہ تقریباً بیک وقت فائر کیے تھے اور اس بار ایک دھماکے کے ساتھ کار کا ایک پچھلا ٹائر پھٹ گیا اور کار سڑک پر بری طرح اچھلنے لگی موٹر سائیکل سوار چاہتے تو اس دوران میں قریب آ کر ہمیں روکنے کی کوشش کر سکتے تھے لیکن ان کی دور دور کی فائرنگ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ہمیں محفوظ فاصلے سے اشتعال دلا کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ہمارے پاس کتنا اور کس قسم کا اسلحہ موجود تھا۔

ویرا نے پھرتی کے ساتھ اس کی جیبوں سے ایک پستول اس کا بھرا ہوا فاضل میگزین اور ایک خنجر نکال کر اسے نہتا کر دیا تو میں نے اس کی گدی پر ایک زوردار ہاتھ جمایا۔ اس کے حلق سے دبی دبی سی غراہٹ آزاد ہوئی اور اسٹیئرنگ پر اس کا ہاتھ بہک گیا۔ "گاڑی کسی بھی کھیت میں گھسا دو۔" میں نے اسے حکم دیا کیونکہ سڑک کے متوازی دونوں طرف دور دور تک سبزے کا تسلسل نظر آ رہا تھا اور ایسا میدان ملنے کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی جس میں داخل ہو کر ہم موٹر سائیکل سوار بدمعاشوں کو اپنے سے دور رکھ سکیں۔

داہنی طرف تناور درختوں پر مشتمل ایک باغ تھا اور ہمارے بائیں طرف ایک کھیت گزر رہا تھا۔ لی بگ نے پھرتی کے ساتھ کار اسی کھیت میں اتار دی اور وہ قد آدم پودوں کو بری طرح روندتی ہوئی کھیت میں گھستی چلی گئی۔ کچھ دور نکل جانے کے بعد جوں ہی لی بگ نے کار روکنے کے لیے اس کی رفتار کم کی پیچھے سے پھر دو فائر ہوئے اور لی بگ نے اچانک ہی چلتی کار کا دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگا دی۔ اس وقت اس کا فرار ہونا ہمارے لیے موت کا پیغام ثابت ہو سکتا تھا کیونکہ وہ ہمارے گھر کا بھیدی تھا اسے معلوم تھا کہ ہمارے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی قابل ذکر اسلحہ نہیں تھا اس لیے میں نے بھی فوراً رینگتی ہوئی کار سے نیچے چھلانگ لگا دی اور اسے گھنے کھیت میں داخل ہوتے ہوئے پیچھے سے چھاپ لیا۔ اس معاملے میں ویرا نے بھی پھرتی دکھائی اور چند ہی ثانیوں میں کار سے اتر کر میرے قریب پہنچ گئی۔ کار گیئر میں ہونے کی وجہ سے جھٹکے لے کر اس وقت تک بند ہو چکی تھی۔

لی بگ میری گرفت سے نکل بھاگنے کے لیے کسی شہ زور بھینسے کی طرح زور آزمائی کر رہا تھا۔ ویرا نے آتے ہی پوری قوت سے اس کی پسلیوں میں ٹھوکر رسید کی اور وہ بلبلا کر دہرا ہو گیا۔

"تم نے اب بھی زبان نہ کھولی تو وقت ضائع کیے بغیر جہنم واصل کر دوں گا۔" میں نے اس کے بال تھام کر جھٹکا لیتے ہوئے [illegible] دی اور اس بار وہ ہل کر رہ گیا۔

فضا میں موٹر سائیکلوں کا شور یک بیک دم توڑ چکا تھا اور غیر فطری سا سناٹا پھیل گیا تھا۔ ان لوگوں نے ہمیں کار سے اترتے [illegible] دیکھ کر غالباً خود بھی کھیتوں میں گھس کر ہمیں گھیرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میں نے نہایت بے رحمی کے ساتھ لی بگ کے جبڑوں پر [illegible] مکے رسید کیے اور اس کے دہانے سے خون جاری ہو گیا۔ میرے لیے مشکل یہ تھی کہ ہم سے دگنی تعداد میں دشمن ہمیں اطراف سے گھیرنے کی کوشش کر رہا تھا اور میں اس کو نظر انداز کر کے لی بگ سے بازپرس میں زیادہ وقت برباد نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف اس کے زبان کھولے بغیر ہمیں یہ معلوم ہونا محال تھا کہ ہمارے خلاف کون لوگ محاذ آرا تھے اور ہم سے کیا چاہتے تھے؟

ویرا چوکنے انداز میں قرب و جوار کی جھاڑیوں کی نگرانی کرتی رہی اور میں بے رحمی کے ساتھ لی بگ کو ادھیڑتا رہا۔ وہ کئی منٹ تک بلبلا بلبلا کر مزاحمت پر تلا رہا لیکن پھر اس کی قوت برداشت جواب دے گئی اور اس نے بتایا کہ برونو اشمٹ نے دس ہزار ڈالر کے عوض اسے ویرا کو گھیرنے پر آمادہ کیا تھا۔ اس وقت تک لی بگ کو ویرا کی اصلیت کا علم نہیں ہوا تھا اور وہ اسے لینا جیرالڈ ہی سمجھ رہا تھا اور جب برونو نے اسے ویرا کی تصویر دکھائی تو وہ فوراً ہی اس کام کے لیے آمادہ ہو گیا کیونکہ سلطان شاہ کے معاملے میں وہ ویرا سے ملتا رہا تھا۔

برونو اشمٹ سے معاملہ طے ہو جانے کے بعد خطیر معاوضے کے لالچ میں لی بگ نے اسے سلطان شاہ والے معاملے سے بھی آگاہ کر دیا۔ اس وقت تک لی بگ سلطان شاہ کو تلاش کر کے اپنے اخراجات پر ایک سستے سے فلیٹ میں ٹھہرا چکا تھا۔ برونو نے لی بگ کا دیا ہوا طے شدہ معاوضہ ادا کر کے سلطان شاہ کو اپنی تحویل میں لے لیا اور پھر وہ ڈرا مار جانے کا فیصلہ کیا گیا جس کے نتیجے میں ہم اس وقت سینٹ فرانسس کے کھیتوں میں موجود تھے۔ لی بگ کی ذمے داری صرف اتنی تھی کہ کسی طرح ویرا کو ان مضافات میں لے آتا اس سے آگے کے معاملات کی ذمے داری برونو نے خود قبول کر لی تھی۔

برونو اشمٹ کا نام ویرا کے لیے اجنبی تھا لیکن مجھے انسپکٹر سائمن بتا چکا تھا کہ گیری ہارٹ کے قتل کے بعد برونو اشمٹ کو ہی شی کے مارسیلز یونٹ کا چیف مقرر کیا گیا تھا۔ اس طرح یہ بات طے ہو گئی کہ برونو دس ہزار ڈالر میں لی بگ سے کام لے کر نہ صرف

ویرا کی گرفتاری پر مقرر کیا جانے والا پچاس ہزار ڈالر کا خطیر انعام حاصل کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا بلکہ اس کامیابی کے نتیجے میں اس کی شی کے یونٹ چیف کی پوزیشن بھی مستحکم ہو سکتی تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ لی بگ نے نہایت مکاری کے ساتھ ہمیں بدترین صورتِ حال سے دوچار کرا دیا تھا اور وہ ذرا بھی رعایت کا مستحق نہیں تھا۔

اس وقت ویرا کے پاس ایکسپلوڈر موجود تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ سات فائروں کے بعد اس کا میگزین خالی ہو جاتا اور وہ محض لوہے کا ایک کھلونا بن کر رہ جاتا۔ بیم گن کام کر رہی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ وہ ہتھیار غیر معینہ مدت تک کام نہیں کرے گا۔ میری تحویل میں آنے سے پہلے نہ جانے کتنے عرصے سے اس کا چارج زیرِ استعمال تھا، وہ خطرناک ہتھیار کسی بھی وقت جواب دے سکتا تھا۔ ان کے علاوہ ہمارے پاس دو پستول اور ایک بھرا ہوا فاضل میگزین موجود تھا جو اس نازک صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے ناکافی تھا کیونکہ اوّل تو ان ہتھیاروں کی رینج ناکافی تھی دوئم میگزین کی مقدار نہ ہونے کے برابر تھی اس لیے میں نے لی بگ پر کوئی گولی ضائع کرنے کے بجائے اس کے نرخرے پر ہاتھ ڈال دیا۔

مخنی جسم کا مالک ہونے کے باوجود وہ میری توقع سے کہیں زیادہ جاندار ثابت ہوا۔ موت سامنے دیکھ کر اس نے بھرپور انداز میں مزاحمت کرنے کی کوشش کی لیکن زیادہ دیر تک مدافعت نہ کر سکا اس کی گردن پر میری وحشیانہ گرفت مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑتے چلے گئے اور آخر کار اس کا بدن آخری جھرجھری لے کر ساکت ہو گیا۔

اس دوران میں موٹر سائیکل سوار کھیتوں میں ہمارے گرد پھیلنے کی کوشش کرتے رہے۔ لی بگ کی آوازوں اور غراہٹوں سے اندازہ کر کے انھوں نے چند فائر بھی کیے لیکن ہمیں کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ میں لی بگ کو ٹھنڈا کر کے اس کے سینے پر سے اترا تو فضا میں پہلی بار رائفل کی گونج سنائی دی اور میں چونک پڑا۔ اس مقابلے میں رائفل کی شمولیت ہمارے لیے تشویش ناک ثابت ہو سکتی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ان چاروں کی مدد کے لیے قریبی کاٹیج سے بھی کچھ لوگ ان سے آملے تھے جو شاید بہتر اسلحے سے لیس تھے۔

اس وقت تک ہماری طرف سے ایک بھی فائر نہیں کیا گیا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ چند ہلکے پھلکے ہتھیاروں اور راؤنڈز کی محدود تعداد کے پیشِ نظر کھیتوں میں محصور رہ کر اپنے دشمنوں کی بھاری نفری اور مہلک اسلحے کے مقابلے کا تصور احمقانہ تھا۔ وہ لوگ کسی بھی طرف سے نمودار ہو کر ہم پر اچانک دھاوا بول سکتے تھے۔

اس لیے عقلمندی اسی میں تھی کہ نہایت خاموشی کے ساتھ پسپائی اختیار کرتے ہوئے فوری طور پر وہاں سے فرار کی کوشش کی جاتی۔ سلطان شاہ وہاں ان لوگوں کی قید میں ضرور تھا اور وہ اپنی ناکامی پر جھلا کر اسے اپنے تشدد کا نشانہ بنا سکتے تھے لیکن وہ ہماری ناگزیر مجبوری تھی جس کا حل وہاں سے نکل کر ہی سوچا جا سکتا تھا۔ اس وقت سلطان شاہ کے بارے میں جذباتی رویہ ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا تھا۔

میرا کبھی زراعت سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا لیکن اس گنجان زرعی علاقے کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہاں جنگلی سؤر، خرگوش اور اسی قسم کے فصلوں کو نقصان پہنچانے والے جانوروں کی بہتات ہوگی جن کے سدِباب کے لیے وہاں رہنے والے کاشتکار اپنے ہتھیاروں کو بھی استعمال کرتے رہتے ہوں گے اس لیے عدم تواتر سے چلنے والی گولیوں کی آواز پر کہیں سے کسی کی مداخلت یا مدد کی بھی کوئی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔

ہمارے فرار کے لیے جان لی بگ کی اسپورٹس کار سب سے بہتر ذریعہ بن سکتی تھی لیکن وہاں اس کا پھٹا ہوا ٹائر بدلنا ناممکن تھا اور پھٹے ہوئے ٹائر کے ساتھ کار کو تیز رفتاری کے ساتھ دشمنوں کی دسترس سے باہر نکال لے جانا محال تھا۔ پھر یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں ان کا کوئی آدمی آڑ میں چھپ کر خاص طور پر کار کی نگرانی نہ کر رہا ہو۔ اس لیے کافی سوچ بچار کے بعد میں نے ویرا کو اس سمت میں پسپائی اختیار کرنے کی ہدایت دی جدھر موٹر سائیکلوں کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا۔

ہم آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہے تھے۔ مکئی کے اونچے اونچے پودوں کے درمیان راستہ بنانا زیادہ دشوار نہیں تھا لیکن ہمیں یہ احتیاط کرنا پڑ رہی تھی کہ ہماری نقل و حرکت سے پودے نہ ہلیں تاکہ دور سے کوئی ہماری موجودگی کی سمت کا تعین نہ کر سکے۔ پھر اچانک ہی ویرا کو مکئی کے پودوں کی جڑ میں کسی شخص کے جوتے نظر آئے اور اس نے پستول سیدھا کر کے فائر کر دیا۔

فضا میں ایک دلدوز انسانی چیخ ابھری اور وہ شخص جوتوں سمیت ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ویرا نے زمین سے اتنی بلندی پر فائر کیا تھا کہ امکان یہی تھا کہ اس کے شکار کو جسم کے کسی نازک حصے پر زخم آیا ہو گا لیکن اس وقت ہم اپنے حریفوں میں سے کسی کو پکڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے، اس لیے تیزی سے اپنی مقررہ سمت میں بڑھتے رہے۔

فضا میں پھر دو فائر گونجے اور ویرا سرگوشیانہ آواز میں بولی "میرا خیال ہے، وہ لوگ ہمیں خوفزدہ کرنے کے لیے ہوائی فائرنگ کر رہے ہیں، ابھی میں نے ایک گولی اوپر جاتے دیکھی ہے۔"

کھیتوں میں ہمارے علاوہ خود ان کے ساتھی بھی پھیلے ہوئے تھے۔ اس لیے کھیتوں میں اندھا دھند فائرنگ کے نتیجے میں ان کے ہاتھوں خود اُن کے ساتھی بھی زخمی ہو سکتے تھے۔ دوسرا نکتہ یہ تھا کہ برونو اشمٹ نے ویرا کی تصویر دکھا کر لی بگ سے سودا طے کیا تھا اور شی کی جانب سے ویرا کی زندہ گرفتاری کے احکام جاری ہوئے تھے اس لیے برونو کے آدمی ویرا کو ہلاک کرنے کا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ہمارے لیے وہ نکتہ بہت اہم تھا کیوں کہ چاروں طرف سے مسلح دشمنوں کی یلغار کے باوجود فوری طور پر ہماری آزادی ضرور خطرے میں تھی لیکن جانوں کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔

اچانک پھر ایک ہوائی فائر ہوا اور اسی کے ساتھ فضا میں ایک غصیلی مردانہ آواز گونجی اور میں استفسار طلب نگاہوں سے ویرا کی طرف دیکھنے لگا کیوں کہ میرے لیے وہ زبان ناقابلِ فہم تھی۔

"ان کا کوئی بڑا بول رہا تھا۔" آواز معدوم ہونے کے بعد ویرا بولی۔ "ہو سکتا ہے، وہ برونو خود ہی رہا ہو۔ اپنے آدمیوں کی ناکامی پر وہ سخت برہم ہے اور اس نے ان سب کو سُرخ کار کے قریب جمع ہونے کی ہدایت کی ہے۔ شاید اس طرح وہ کوئی نئی حکمتِ عملی مرتب کرنا چاہ رہے ہیں۔"

ہمارے لیے وہ موقع غنیمت تھا اگر ہم اس دوران میں موٹر سائیکلوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے تو ہمیں رکاوٹ کے بغیر فرار کا راستہ مل سکتا تھا لیکن مشکل یہ آپڑی تھی کہ آٹھ فٹ سے زیادہ بلند کھیتوں میں سمت کا تعین ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ بس ہم اندازے سے ہی ایک طرف بڑھے جا رہے تھے اور کچھ علم نہیں تھا کہ موٹر سائیکلوں کی طرف ہی جا رہے تھے یا لحظہ بہ لحظہ بھٹک کر ان سے دور ہوتے جا رہے تھے۔

"موٹر سائیکلیں کہاں غائب ہو گئیں؟ اتنی دیر میں تو ہمیں وہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔" ویرا تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑائی۔ اور میں نے اپنی سمت میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کر لی۔ اس وقت سمتوں کے سلسلے میں ہمارے لیے بس ایک ہی حوالہ باقی رہ گیا تھا کہ سرخ اسپورٹس کار سے پچھلے ہوئے کھیت میں بنا ہوا راستہ ہماری داہنی طرف تھا۔ ایک بار وہ راستہ نظر آجاتا تو اسی کے کنارے کنارے کھیتوں میں موٹر سائیکلوں تک پہنچنا ممکن ہو سکتا تھا۔

کئی منٹ سکوت اور سناٹے میں گزر گئے۔ زمین پر گرے ہوئے خشک پتوں پر ہماری آہٹوں کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ پھر اچانک ایک تیز دھماکے سے فضا لرز اٹھی۔ وہ یقینی طور پر کوئی دستی بم تھا جو کھیتوں میں پھینکا گیا۔ چند ثانیوں بعد ہی سرد ہوا کے دوش پر فضا میں ناخوشگوار سی تیز بو محسوس ہوئی اور میری آنکھوں میں جلن کے ساتھ پانی رواں ہو گیا۔ ان خبیثوں نے خود باہر نکل کر کھیتوں میں آنسو گیس کے گولے پھینکنا شروع کر دیے تھے تاکہ ہمیں باہر نکلنے پر مجبور کر سکیں۔

تھوڑے سے وقفے کے بعد دوسرا گولا پھٹا اور پھر قدرے تواتر کے ساتھ کھیتوں میں مختلف سمتوں میں پے در پے کئی منٹ تک آنسو گیس کے گولے پھٹتے رہے جن میں سے دو ہم سے چند فٹ دُور پھٹے جس کے نتیجے میں آنکھیں کھولے رکھنا اور سانس لینا دشوار ہونے لگا۔

ہمیں اندازہ ہو چکا تھا کہ اس وقت ہم سرخ کار اور اس کے نزدیک موجود اپنے دشمنوں سے کافی دور نکل آئے تھے، اس لیے میں نے ویرا کا ہاتھ تھام کر کھیت میں دوڑ لگا دی۔

اس بار ہمارے مقدّر نے یاوری کی اور چند سیکنڈ بعد ہمیں موٹر سائیکلیں نظر آگئیں۔ دھندلائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ہم تیزی سے وہاں پہنچے اور یہ دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا کہ دو موٹر سائیکلوں کی چابیاں اگنیشن سوئچ میں لگی تھیں۔

"سڑک پر نکل کر واپس بھاگ لو۔" ویرا نے آنکھوں سے پانی صاف کرتے ہوئے کہا۔

"سڑک ہمارے لیے چوہے دان ثابت ہو گی۔" میں نے موٹر سائیکل پر سوار ہو کر اسے اسٹینڈ سے اتارتے ہوئے کہا۔ "اُدھر ان کا کوئی نہ کوئی آدمی ضرور موجود ہو گا۔"

میں نے کک لگا کر انجن اسٹارٹ کیا۔ ویرا اچھل کر میرے پیچھے سوار ہوئی اور میں نے گیئر ڈال کر موٹر سائیکل گھنے کھیتوں میں ڈال دی۔ موٹر سائیکل کا انجن بیدار ہوتے ہی فضا میں بیک وقت کئی اونچی انسانی آوازیں سُنائی دیں، پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں جنھیں ہم نے پل بھر میں پیچھے چھوڑ دیا۔

مکئی کی کھڑی فصل میں موٹر سائیکل دوڑانا آسان کام نہیں تھا۔ ہینڈل کو قابو میں رکھنے کے لیے مجھے کافی طاقت صرف کرنا پڑ رہی تھی کیوں کہ مکئی کے پودے اتنے نرم و نازک نہیں ہوتے کہ انھیں روند کر سبک رفتاری کے ساتھ آگے بڑھا جا سکے۔ آثار بتا رہے تھے کہ میں کھیتوں میں زیادہ دور تک ڈرائیونگ نہ کر سکوں گا۔

پھر اسی وقت یکے بعد دیگرے مزید موٹر سائیکلوں کے

انجنوں کا شور سنائی دیا جو فوری طور پر قریب آنے لگا۔ مجھے اپنے لیے کھڑی فصل میں راستہ بنانا پڑ رہا تھا جب کہ تعاقب کرنے والوں کو میرے بنائے ہوئے راستے پر روندے ہوئے پودوں پر گزرنے میں زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا تھا لہٰذا وہ تیزی کے ساتھ میرے قریب آتے جا رہے تھے۔

وہ صورتِ حال سخت اعصاب شکن تھی۔ واحد راستہ یہ رہ گیا تھا کہ ہم موٹر سائیکل ایک طرف پھینک کر پھر سے کھیتوں میں دوڑ لگا دیں لیکن اس سے قبل ایک کوشش اور کی جا سکتی تھی۔ اگر ہم سڑک پر نکلنے میں کامیاب ہو جاتے تو اپنے دشمنوں کے کاٹیج کی مخالف سمت میں سفر جاری رکھ کر کہیں نہ کہیں پناہ حاصل کر سکتے تھے۔

میں نے موٹر سائیکل گھمائی لیکن تھوڑی دُور ہی جانے پایا تھا کہ قریب ہی کسی اور انجن کا شور سنائی دیا۔ شاید ان میں سے کوئی میرا بنایا ہوا راستہ چھوڑ کر شارٹ کٹ سے مجھ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا اور خطرناک حد تک ہمارے قریب آ چکا تھا۔ جس طرح میں اس کے انجن کی آواز سُن رہا تھا اسی طرح وہ بھی یقیناً میری موٹر سائیکل کا شور سن رہا ہوگا۔

میں چند ثانیوں تک بے یقینی کا شکار رہا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی فیصلہ کرتا، میری موٹر سائیکل سامنے سے آنے والی موٹر سائیکل سے ٹکرائی اور ہینڈل میری گرفت سے نکل گیا۔ موٹر سائیکل بے قابو ہو کر دور جا گری اور ہم دونوں فضا میں اڑتے ہوئے کھیت میں جا گرے۔

دوسری موٹر سائیکل پر آنے والے کا حشر بھی مختلف نہیں ہوا تھا لیکن وہ فوراً ہی اٹھ کر فرنچ میں شور مچانے لگا۔ وہ یقیناً اپنے ساتھیوں کو اپنی کامیابی سے باخبر کرتے ہوئے انھیں مدد کے لیے بلا رہا ہوگا۔ جوش کے عالم میں اس سے سرزد ہونے والی بے احتیاطی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ویرا نے پلک جھپکتے میں اس کے سینے میں دو گولیاں اتار دیں۔ وہ ایک ادھوری اور کربناک چیخ مار کر کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح ڈھیر ہو گیا اور ہم دونوں نے ایک بار پھر کھڑی فصل میں چھلانگیں لگا دیں لیکن اس بار موٹر سائیکلوں والے ہمارے سروں پر پہنچ چکے تھے۔ انجن بند کیے بغیر موٹر سائیکلیں پھینک کر وہ ہمارے پیچھے لپکے۔ اس وقت انھیں جُل دے کر نکلنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ اس لیے ہم دونوں پلٹ پڑے اور پھر وہاں خون ریز دست بدست مقابلے کا آغاز ہو گیا۔

ان کے ایک ساتھی کو ویرا موت کے گھاٹ اتار چکی تھی لیکن پھر بھی انھیں ہم پر برتری حاصل تھی کیونکہ بعد میں آنے والی دو . . . . موٹر سائیکل پر دو افراد سوار تھے۔ وہ حلق سے آوازیں نکالتے ہوئے وحشیانہ انداز میں بڑھ بڑھ کر ہم پر حملے کر رہے تھے۔ مکئی کے پودوں کے درمیان کھلی جگہ نہ ہونے کے باعث چند ہی ثانیوں میں سب ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ ایک ویرا سے لپٹا ہوا تھا اور دو جونک کی طرح میری جان کو آ گئے تھے۔

اس وقت ہمیں ان پر صرف اتنی سی برتری حاصل تھی کہ ہم اپنی جانیں بچانے کے لیے پوری قوت سے اپنی مدافعت کے لیے برسرِ پیکار تھے اور ان کے تیور جارحانہ تھے۔ اس لیے ابتدا میں میں ان کے جبڑے سہلانے میں کامیاب ہو گیا مگر پھر انھوں نے مل کر مجھے بالکل بے دست و پا کر دیا اور زمین پر گرانے کی کوشش کرنے لگے۔

اس اثنا میں میں نے لحظہ بھر کے لیے ایک جھلک سی دیکھی کہ ویرا کا حریف اس سے لڑنے کے بجائے والہانہ انداز میں اس سے بغل گیر تھا اور ویرا کوئی تعرض نہیں کر رہی تھی۔ پھر جب میں اپنے حریفوں کی گرفت میں بے بس تھا تو تیسرے کی بے ساختہ چیخوں کے ساتھ ہی ویرا میری مدد کو آ گئی۔ اس نے اپنے حریف کو بے خبری کے عالم میں اچانک ایسی ضرب لگائی تھی کہ وہ زمین پر دونوں ہاتھوں سے پیٹ تھامے ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

تعداد برابر ہوتے ہی ایک بار پھر مقابلے میں تیزی آ گئی کیوں کہ ان میں سے ایک کو ویرا نے الگ گھسیٹ لیا تھا لیکن مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ ہم زیادہ دیر تک اپنی جدّ و جہد جاری نہ رکھ سکیں گے کیوں کہ ان کی آوازوں کے سہارے ان کے ساتھی چیختے چلّاتے ہوئے تیزی کے ساتھ قریب آتے جا رہے تھے۔

ہمارے دونوں حریف خون میں نہا جانے کے باوجود مقابلے پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ایک موٹر سائیکل سوار کا سینہ ویرا چھلنی کر چکی تھی اور ایک حریف زمین پر تڑپتے تڑپتے ٹھنڈا یا بے ہوش ہو چکا تھا۔ پھر اچانک مکئی کے کھیت میں سے مزید دو آدمی نکل آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں رائفل دبی ہوئی تھی اور کندھے سے ایک وزنی چرمی تھیلا جھول رہا تھا۔ خدوخال سے وہ جرمن نظر آ رہا تھا۔

ویرا پر نظر پڑتے ہی رائفل والے کے چہرے پر فاتحانہ مسرت جاگ اٹھی اور وہ رائفل سیدھی کر کے دہاڑا۔ وہ فرنچ زبان میں بولا تھا جو میرے پلے نہ پڑ سکی لیکن رائفل کی نال نے مجھے اس کا مفہوم سمجھا دیا اور میرے ہاتھ رُک گئے۔

لیکن ویرا کی لات پھر بھی چل گئی اور اس کے سامنے والا اچھل کر دور جا گرا۔

"انگریزی بولو، ہم فرنچ نہیں جانتے۔" میدان خالی ہو جانے پر ویرا نے رائفل والے سے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"تم نے کوئی بھی حرکت کی تو میں بے دریغ گولی مار دوں گا۔" رائفل والا غرّایا۔ باقی افراد زمین پر پڑے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور جب انھوں نے رائفل والے کو اپنے ایک ساتھی کی ہلاکت کی اطلاع دی۔ تو اس کا چہرہ غضب ناک ہو گیا۔ اس دوران میں مجھے ایک اور شخص کے شانے پر گولی کا زخم نظر آیا۔ وہ شاید وہی شکار تھا جسے ویرا نے راستے میں جوتے دیکھ کر اپنا نشانہ بنایا تھا۔

"ان دونوں کے خون کی تمھیں بھاری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔" رائفل والا خوفناک لہجے میں بولا۔

"تو کیا دوسرا بھی مر گیا ہے؟" ویرا نے معصومیت سے پوچھا "میں نے تو صرف اس کی بدمستی دور کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"جان لی بگ کو تم بھول رہے ہو۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے وہ بھی تمھارے لیے کام کر رہا تھا اور شاید اب زندہ نہیں رہا ہے۔ اس طرح کُل تعداد تین ہو جاتی ہے۔"

"بکواس بند کرو۔" وہ پیر پٹخ کر غرّایا۔ "تم دیکھنا کہ اب تمھارا کیا حشر ہوتا ہے۔"

"برونو اشمٹ تم ہی کہلاتے ہو؟" اچانک ویرا پوچھ بیٹھی۔

"اتنا جانتی ہو تو تمھیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں اپنے دشمنوں سے ذرا بھی رعایت برتنے کا قائل نہیں ہوں۔" اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"ہماری تم سے کون سی دشمنی ہے؟" میں نے کہا میری کوشش یہ تھی کہ غیر محسوس طریقے پر اسے اشتعال دلاتا رہوں۔ "تم نے تو پچاس ہزار کے لالچ میں لی بگ کو ساتھ ملا کر یہ ڈراما رچایا تھا۔ ظاہر ہے کہ مقابلہ تو ہونا ہی تھا کیونکہ تم نے ہمیں گھیرنے کے لیے بہت بھونڈا طریقہ اختیار کیا تھا۔"

"شٹ اپ۔ میں جانتا ہوں کہ تم دونوں سے کیسے نمٹا جانا چاہیے۔" وہ غرایا۔

میں نے اس سے جو کچھ کہا وہ حقیقت پر مبنی تھا۔ اگر سڑک پر اس کے چاروں موٹر سائیکل سوار جارحانہ انداز میں کھلے بندوں ہمارا تعاقب نہ کرتے تو شاید اس قدر خونریزی نہ ہوتی۔ جان لی بگ ہمیں اس کاٹیج میں لے جاتا جہاں برونو اپنے ساتھیوں کے ساتھ موجود ہوتا۔ وہاں تشدد اور اسلحے کے استعمال کے بجائے فیصلہ ذہانت اور چالبازی کی بنیاد پر ہوتا جس کے لیے میں ایک طریقہ سوچ چکا تھا لیکن اس کے آدمیوں سے خونریز تصادم میں اُلجھنے کے بعد معاملہ ضرورت سے زیادہ سنگین ہو گیا تھا۔

"تم اس خاتون سے نمٹ سکتے ہو لیکن مجھ سے ابھی واقف نہیں ہو۔" میں نے بدستور پُرسکون لہجے میں کہا۔ "میں بھی اپنے دشمنوں کو نکیل دینا جانتا ہوں۔"

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم کون ہو۔" وہ برہمی کے عالم میں بولا۔ "میری ساری دلچسپی ویرا لائیڈ کی ذات میں تھی جو عرب حسینہ کا روپ دھار کر بھی خود کو نہ چھپا سکی۔ تم اس پوری کارروائی میں غیر ضروری طور پر ملوث ہوئے ہو اور کسی بھی لمحے نہایت خاموشی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیے جاؤ گے۔"

اس کے جواب سے مجھے اطمینان ہوا کہ وہ مجھے ڈینی کے طور پر نہیں پہچان سکا تھا بلکہ مجھے ویرا کا کوئی ادنیٰ سا جاں نثار سمجھ رہا تھا جس کی حیثیت حکم کے غلام سے زیادہ نہیں تھی۔

برونو اشمٹ کے تینوں ساتھی وہاں سے روانگی کے بندوبست میں مصروف ہو گئے تھے۔ برونو سے مشورے کے بعد ان میں سے ایک وہاں سے چلا گیا اور بقیہ دو نے اپنے ساتھیوں کی لاشیں... کاندھوں پر لاد کر کھیت میں اپنا راستہ بنانا شروع کر دیا۔ رائفل بردار برونو ہم دونوں کے ساتھ اکیلا رہ گیا۔ اس سے بیشتر ہم دونوں

سے پستول چھین لیے گئے تھے۔

آخر کار اس نے ہمیں بھی اسی راستے پر پیش قدمی کا حکم دیا جدھر اس کے لاش بردار گئے تھے۔ اس نے ہمیں ایک بار پھر تنبیہ کی کہ اگر ہم نے اس کی ہدایات سے انحراف کی کوشش کی تو وہ ہمیں لہولہان کرنے میں دریغ نہیں کرے گا۔

اس کے دونوں لاش برداروں کو گنجان اور اونچے کھیتوں میں بھی سمتوں کا پورا پورا ادراک تھا کیوں کہ راستے میں بھٹکے یا رخ تبدیل کیے بغیر چند منٹ بعد ہم اس راستے پر آ گئے تھے جو جان لی بگ کی اسپورٹس کار نے مکئی کے تیار پودوں کو روند کر اس کھیت میں تخلیق کیا تھا۔

ہم جس مقام پر کھیتوں سے نکلے، وہ کار سے کافی دور تھا لیکن وہاں رکنے کے ..... بجائے ان لوگوں نے اپنا رخ کار کی طرف کر لیا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ لاشوں کو جان لی بگ کی کار میں وہاں سے نکال لے جانا چاہ رہے تھے تاکہ کھیتوں کی تباہی کے ساتھ وہاں کسی قابلِ ذکر واردات کا سراغ باقی نہ رہے۔ رہی موٹر سائیکلیں تو وہ بعد میں بھی اٹھائی جا سکتی ہیں۔

مکئی کے ان کھیتوں میں بارودی دھماکوں کے ساتھ جس قدر دھما چوکڑی برپا ہوئی تھی، اس پر کسی کا معترض نہ ہونا میرے لیے حیران کن تھا۔ اس کے دو ہی اسباب ہو سکتے تھے کہ وہ زرعی اراضی اتنی وسیع تھی کہ اس کے مالک یا رکھوالوں کو وہاں ہونے والے معرکے کا علم ہی نہیں ہو سکا تھا۔ یا پھر مکئی کے وہ کھیت بھی شی کے کسی رکن کی جاگیر میں شامل تھے۔ جس کے لیے فصل کی پرورش یا تباہی سے زیادہ تنظیم کے مفادات مقدم تھے۔

خراماں خراماں ہم لوگ جان لی بگ کی کار کے قریب پہنچے تو برونو اشمٹ کا آدمی اس کا پھٹا ہوا عقبی ٹائر تبدیل کر چکا تھا۔ اس کی مدد سے ہمارے ساتھ لائی جانے والی دونوں لاشیں کار کی ڈکی میں ٹھونس دی گئیں۔ پھر جان لی بگ کی کراہت آمیز لاش بھی توڑ مروڑ کر بے دردی کے ساتھ ڈکی میں ٹھونس دی گئی۔ ڈکی بند کرنے کے لیے برونو کے آدمیوں نے سب سے اوپر پڑی ہوئی جان لی بگ کی لاش کی جو عبرت ناک درگت بنائی، وہ میرے لیے بہت لرزہ خیز تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ جان لی بگ کی لاش کی ہڈیوں کے تمام جوڑ سخت ہو گئے تھے۔ جب ڈکی بند نہ ہوئی تو برونو کے آدمیوں نے ہاتھ پیروں کا پورا زور لگا کر اس کی کہنیوں کے جوڑ بے دردی سے توڑ دیے تاکہ ڈکی آرام سے بند ہو سکے۔

اس کارروائی کے بعد وہاں تین لاشوں کے علاوہ بقیہ نفری چھ نفوس پر مشتمل رہ گئی تھی۔ اس میں ہم دونوں کے علاوہ تین برونو کے ساتھی تھے۔

تینوں لاشیں ڈکی میں سما چکی تھیں۔ برونو نے ان تین میں سے ایک کو ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے کی ہدایت کی۔ ویرا کو عقبی نشست پر بٹھایا۔ اور خود ایک ریوالور سمیت اس کے پہلو میں براجمان ہونے کے بعد مجھے ڈرائیور کے پہلو میں اگلی نشست پر سوار ہونے کا حکم دے کر اپنے ان دو آدمیوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو باہر کھڑے ہوئے تھے۔

کار کا انجن اسٹارٹ ہوا تو برونو اپنے آدمیوں کو فرنچ میں ہدایات دے رہا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے اشارہ دیا اور کار حرکت میں آ گئی۔ ایک دائرے کی صورت میں مکئی کے تیار پودوں کو روندتی ہوئی کار دوبارہ اسی راستے پر آ گئی جو جان لی بگ نے ادھر آتے ہوئے بنایا تھا اور تیزی کے ساتھ سڑک کی طرف روانہ ہو گئی۔

سڑک پر ایک رائفل بردار پہلے سے چھپا ہوا تھا۔ اگر اسٹیرنگ وھیل کے پیچھے برونو کا آدمی موجود نہ ہوتا تو رائفل کا فائر ڈرائیو کرنے والے کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ سڑک پر آ کر برونو نے کار رکوائی تو سرمائی شکاریوں جیسے قومی لباس اور فل بوٹ میں ملبوس ایک قوی الجثہ شخص درخت کی اوٹ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل دبی ہوئی تھی اور شانے پر لٹکی ہوئی چرمی بیلٹ فاضل کارتوسوں سے بھری ہوئی تھی۔

برونو نے چیخ کر اس سے کچھ کہا اور وہ اچھل کر کار کے بونٹ پر چڑھ گیا۔ کار ایک مرتبہ پھر چل دی۔

مل سارا ہاؤز سڑک سے کم و بیش تین چار کلو میٹر اندر گھنے درختوں کے درمیان واقع تھا۔ کھپریل کی ڈھلوان چھتوں والے اس وسیع و عریض مکان کے سامنے کی دیوار پر بڑے بڑے حروف میں مل سارا ہاؤز لکھا ہوا تھا۔ مین روڈ سے وہاں تک آنے والی سڑک پتھروں پر مشتمل اور نیم پختہ تھی۔ لیکن کاٹیج کی حدود میں پورچ تک کنکریٹ کا پختہ فرش بنا ہوا تھا۔ پورچ میں کار رکتے ہی ستونوں کی اوٹ سے دو مسلح آدمی سامنے آئے تو میں حیران رہ گیا کیونکہ وہ اتنی مہارت سے ستونوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے کہ چند فٹ کے فاصلے سے بھی ان کی موجودگی کا اندازہ لگانا ناممکن تھا۔

میں نے حساب لگایا کہ اگر اس عمارت میں مزید افرادی قوت موجود ہوتی تو اس موقع پر برونو اشمٹ اس کی نمائش کر کے ہمیں مرعوب کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔ دو آدمی برآمدے کے ستونوں کے پیچھے سے برآمد ہوئے تھے، تیسرا رائفل بردار کار کے بونٹ سے اترا تھا، چوتھا کار ڈرائیو کر رہا تھا، دو کو برونو کھیتوں میں چھوڑ آیا تھا اور ساتواں وہ خود تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ تین حریفوں

کو موت کے گھاٹ اتار دینے کے باوجود ہم دونوں کا مقابلہ کم از کم سات مسلح نفوس سے تھا جب کہ ہمیں کوئی مدد صرف سلطان شاہ سے مل سکتی تھی۔ جو بل سارا ہاؤز کا قیدی تھا۔

"بل سارا ہاؤز دوستوں کے لیے جنت اور دشمنوں کے لیے جہنم ہے۔" برونو اشمٹ سب سے آخر میں کار سے اترتے ہوئے فاخرانہ لہجے میں بولا۔

"ڈکی میں موجود تین لاشوں کو تم دوستوں میں شمار کرتے ہو یا دشمنوں میں؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا کیونکہ اس کی ہرزہ سرائی مجھ سے برداشت نہیں ہو سکی تھی۔

"ذلیل یہودی!" وہ دانت پیس کر غرایا۔ "تم زبان بند رکھو، میں تم سے بات نہیں کر رہا۔"

اس کی دی ہوئی گالی میرے دل میں اتر گئی لیکن میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔ "میں بھی تم سے نہیں، ایک ٹڈے سے مخاطب تھا جو خود کو ہٹلر کی اولاد کہتا ہے۔"

"ہٹلر!" ویرا نے بے ساختہ ایک قہقہہ لگایا۔ "یہ تمہیں ملا ہو گا، میں نے تو ولی برانڈ کے بارے میں پڑھا ہے۔ جرمنی کا چانسلر بن جانے کے باوجود بے چارہ اپنا باپ دریافت نہ کر سکا۔"

برونو ہم سے الجھنے کے بجائے ہمیں پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو گیا۔ اس کے خاموش ہونے پر برآمدے کے ستونوں کے عقب سے برآمد ہونے والوں نے ہم دونوں کو کور کیا اور عمارت کے اندر لے چلے۔ باقی لوگ وہیں رکے رہے۔ شاید وہ لاشوں وغیرہ کا کوئی انتظام کرنا چاہ رہے تھے۔

بیرونی شان و شوکت کے مطابق وہ عمارت اندر سے بھی آراستہ اور پرشکوہ تھی۔ کئی راہداریوں سے گزرنے کے بعد وہ ہمیں لے کر ایک دور افتادہ کمرے کے سامنے رکے جو شاید ملازمین کی رہائش کے لیے بنایا گیا تھا۔ ہمیں کوئی موقع دیے بغیر ایک نے دروازے کا قفل کھولا اور ہمیں اندر داخل کرتے ہی دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

ہم دونوں نے اندر گھستے ہی سلطان شاہ کو دیکھا جو ایک مسہری پر پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ اس کے داہنے بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ میں اسے پکارتے ہوئے تیزی سے اس کی طرف لپکا لیکن اس کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جب وہ جھنجھوڑنے پر بھی بیدار نہ ہوا تو مجھے تشویش لاحق ہونے لگی کیونکہ وہ کبھی اتنی گہری نیند نہیں سوتا تھا۔ اس کی نبض معمول کے مطابق چل رہی تھی۔ ویرا نے اس کے پپوٹے الٹ کر دیکھتے ہوئے اعلان کیا کہ اسے کوئی دوا دے کر بے ہوش کیا گیا تھا۔

اس کمرے میں مزید ایک مسہری کے علاوہ فرشی قالین اور دو بوسیدہ صوفے رکھے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس مکان کا از کار رفتہ سامان اس کمرے میں ڈھیر کر دیا گیا تھا۔ ہم نے صوفوں کو ڈھنگ سے لگا کر صاف کیا اور پھر تھکے ہوئے انداز میں ان پر دراز ہو گئے۔

کھیتوں میں ساری کارروائی اتنی عجلت میں ہوئی تھی کہ برونو کے آدمی ہم سے پستول چھین لینے کے باوجود ہماری جامہ تلاشی لینا بھول گئے تھے جس کے نتیجے میں ایکسپلوڈر اور بیم گن اس وقت بھی ہماری تحویل میں تھی۔

"ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر سوچنا ہو گی۔" ویرا سگریٹ سلگاتے ہوئے بولی۔ "ورنہ یہ سمجھ لو کہ ہمیں پھر کبھی آزادی نصیب نہ ہو سکے گی۔"

"کمرے کے چوبی دروازے کے قفل پر بیم گن آزمائی جا سکتی ہے لیکن باہر کچھ لوگ نگرانی کر رہے ہیں۔" میں نے باہر سے ننگے فرش پر آنے والی قدموں کی آواز پر کان جماتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ برونو فون یا ٹرانسمیٹر پر کسی کو اپنی کامیابی کی خبر دے کر دوبارہ ہماری طرف آئے گا۔ ہماری کارروائی کے لیے وہی موقع مناسب رہے گا۔"

"مارسیلز میں برونو نمبر ایک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ براہ راست ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دے۔ ہو سکتا ہے کہ اس اطلاع پر جمی لائیڈ بذات خود یہاں آنے کا فیصلہ کرے۔" ویرا پرخیال لہجے میں بولی۔

"تم جیف ڈارلنگٹن کو بھول رہی ہو۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ لندن سے واپس آ گیا ہو۔ برونو اسے بھی تو اطلاع دے سکتا ہے۔"

"اس بار ہم بہت بری طرح پھنسے ہیں۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اگر رہائی کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی تو شاید مجھے خودکشی کے امکانات پر غور کرنا پڑے۔ زندہ رہی تو جمی لائیڈ مجھے ذہنی مریض بنا دے گا۔"

"اتنی جلدی نتائج پر چھلانگ نہ لگاؤ۔" میں نے ترش لہجے میں کہا۔ "ابھی سے حوصلہ چھوڑ دیا تو وقت آنے پر تم کچھ بھی نہ کر سکو گی اور وہ لوگ بھی ہمیں ہر طرح سے مفلوج کرنا چاہ رہے ہیں۔"

یہ بڑی عجیب بات تھی کہ سلطان شاہ کی تلاش کی مہم میں ہم خود ہی اس چوہے دان میں آ پھنسے تھے جو برونو اشمٹ نے لی گگ کے تعاون سے تیار کیا تھا۔ جمی لائیڈ اور شی کے خلاف ہماری مہم جو ایک طویل عرصے سے جاری تھی اب یکلخت ختم ہوتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

ویرا تو پھر بھی جی لائیڈ کی بیٹی تھی۔ مارسیلز میں سرجی کے ذریعے ہمیں جی لائیڈ کا جو پیغام موصول ہوا تھا اُس میں بھی ایسا اشارہ موجود تھا کہ ویرا ہتھیار ڈال کر جی لائیڈ سے رعایتیں حاصل کر سکتی تھی۔ لیکن میرا اور سلطان شاہ کا معاملہ قطعی مختلف تھا۔ وہ ہمیں کسی بھی صورت معاف نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ بردنو نے جو جال ویرا کے لیے پھیلایا تھا اُس میں اچانک ہی ہم تینوں آ پھنسے تھے۔ وہ تو غنیمت تھا کہ بردنو کو میری حقیقت کا علم نہیں تھا ورنہ وہ اپنی کامیابی پر جتنا بھی نازاں ہوتا کم تھا۔

"یہ بردنو اشمٹ درمیان میں کہاں سے آ ٹپکا؟" میں نے ویرا سے دریافت کیا۔ "شی کا پرانا آدمی ہوتا تو کم از کم تمہارے لیے تو اجنبی نہ ہوتا۔"

"سربراہی نئے لوگوں کو نہیں دی جاتی۔" وہ بولی۔ "میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ مارسیلز کے دور افتادہ یونٹ کے بارے میں میری معلومات بہت ناقص ہیں۔ میں یہاں گیری ہارٹ اور میراندے کے سوا کسی تیسرے سے واقف نہیں تھی۔"

ہم دونوں وقت گزاری کے لیے آپس میں باتیں کرتے رہے۔ اسی اثناء میں سلطان شاہ کے حلق سے دھیمی دھیمی آوازیں برآمد ہونا شروع ہوئیں۔ میں لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا لیکن اس نے میری کسی مدد کے بغیر تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھول دیں۔ مجھے دیکھ کر اس نے حیرت اور بے یقینی کے عالم میں پلکیں جھپکائیں۔ پھر یک بیک ایک نعرہ مار کر میرے گلے میں جھول گیا۔

ویرا نے دور ہی سے اس کے جذباتی ردِ عمل کا مضحکہ اڑایا تو اسے اس کی موجودگی کا علم ہوا اور وہ مجھ سے الگ ہو کر ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لوگ تمہیں گھیرنے کی فکر میں تھے...!"

"زیادہ پریشانی کی ضرورت نہیں، اب ہم تینوں کا انجام ایک ساتھ ہی ہوگا۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم ان کے ہاتھ کیسے لگ گئے؟"

"مجھے زبردستی ایمبولینس میں ڈال کر وہ امدادی پارٹی ایک اسپتال میں لے گئی تھی۔ وہاں اندر سے باہر تک فرش پر زخمیوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔" وہ بتانے لگا۔ "میرے زخم سے کافی تیزی کے ساتھ خون بہہ رہا تھا۔ میں چاہتا تو افراتفری سے فائدہ اٹھا کر خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکل سکتا تھا مگر اوّل تو خون ضائع ہونے کی رفتار نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ پھر مجھے یہ فکر بھی تھی کہ میں وہاں سے نکل کر اس اجنبی شہر میں کہاں جاؤں گا۔ اس لیے میں برآمدے کے فرش پر لیٹا رہا۔ میری باری آنے پر اسپتال کا بوکھلایا ہوا عملہ میری طرف متوجہ ہوا تو میں گونگا اور بہرا بن گیا کیونکہ فرنچ سے لاعلمی کے اظہار کے مقابلے میں وہ اداکاری آسان تھی پھر کل شام استخوانی چہرے والا ایک دبلا پتلا سفید فام میرے پاس پہنچا اور مجھے اسپتال سے چھٹی دلوا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے عارضی طور پر مجھے ایک بوسیدہ اور گندے فلیٹ میں ٹھہرایا پھر رات کو یہاں لے آیا۔ یہاں مجھ پر تھوڑے سے تشدد کے ساتھ بازپرس کی گئی لیکن میں بدستور گونگا بہرا بنا رہا۔ یہاں والوں کی گفتگو میں بار بار ویرا کا نام سن کر میں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ لوگ میرے ذریعے تم کو گھیرنا چاہ رہے تھے۔ رات میں نے اسی کمرے میں گزاری پھر صبح کے ناشتے کے بعد ایک شخص نے زبردستی میرے بازو میں ایک انجکشن لگایا اور میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔"

"ان لوگوں کے لیے تم ابھی تک گونگے بہرے ہی ہو؟" ویرا نے سوال کیا اور سلطان شاہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"اور زخم کیسا ہے تمہارا؟" میں نے محبت آمیز لہجے میں دریافت کیا۔

"شدید درد ہے لیکن میرا اندازہ ہے کہ زخم تیزی کے ساتھ بھر رہا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب تم میری فکر چھوڑ دو۔ جو کرنا ہے کر گزرو۔ مجھے ہر لمحے اپنے قریب پاؤ گے۔"

"پھر نے کا وقت گزر چکا ہے۔" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اس وقت ہم بھی تمہاری طرح قیدی بنا لیے گئے ہیں بلکہ سچ پوچھو تو تمہاری بازیابی کی امید دلا کر ہی یہاں لائے گئے ہیں۔"

"کاش میں نے بھگدڑ میں ویرا کا ساتھ نہ چھوڑا ہوتا۔" وہ متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "امدادی پارٹی والے زخمیوں کو زبردستی ایمبولینس میں بھر رہے تھے۔ میں ایک آدھ کے مکا جڑ دیتا تو وہ خود ہی مجھے چھوڑ جاتے۔"

باہر سے آنے والی قدموں کی چاپ معدوم ہو چکی تھی جس کا مطلب تھا کہ اس کمرے کی نگرانی کرنے والے بیٹھ کر سستا رہے تھے یا وہاں سے جا چکے تھے۔ میں نے بڑھ کر بند کھڑکی کھول کر آہنی جنگلے کے پار راہداری کا جائزہ لیا جو ویران پڑی ہوئی تھی لیکن میں نے جونہی ادھر سے مطمئن ہو کر دروازے پر زور آزمائی شروع کی، باہر سے کسی کی للکار سنائی دی اور پختہ فرش وزنی جوتوں کی دھمک سے گونجنے لگا۔

میں دروازہ چھوڑ کر دوبارہ کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے گیا تو وہاں وہی دونوں افراد خشمناک تیوروں کے ساتھ موجود تھے جنھوں نے ہمیں اس کمرے میں قید کیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ان میں سے ایک دانت پیس کر فرنچ میں کچھ بولا تھا جو میرے پلے نہ پڑ سکا لیکن ویرا کھلکھلا کر ہنستے ہوئے آگے آ گئی۔

اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ محافظوں کو چڑا رہی تھی۔ ویرا سے چند تیز و تند جملوں کے تبادلے کے بعد آخرکار وہ بھنا کر وہاں سے چلے گئے اور ویرا نے کھڑکی دوبارہ بند کر دی۔

معاً میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں اس کمرے کی عقبی کھڑکیوں کی طرف بڑھ گیا۔ پٹ کھولتے ہی یہ دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا کہ اس طرف عمارت کے کسی اندرونی حصے کے بجائے فارم کا سنسان اور ویران حصہ پھیلا ہوا تھا اور کھڑکی کھل جانے کے بعد

آزادی کی اس راہ میں صرف آہنی گرل حائل تھی جسے بیم گن سے نکلنے والی شعاع آناً فاناً میں پگھلا سکتی تھی۔

میرے چہرے کے تاثرات سے ویرا فوراً ہی میرا مقصد بھانپ گئی اور ہم دونوں نے مختصر ترین تبادلۂ خیال کے بعد فوری طور پر اس تجویز کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔

مضبوط آہنی گرل کی چھ سلاخیں کٹتے ہی وہ پورا فریم کھڑکی سے الگ ہو کر ویرا کے ہاتھ میں آ گیا جسے ہم نے سنبھال کر اندر اتارا اور یقیناً کے ساتھ ایک مسہری کے نیچے ڈال دیا۔ اسی وقت باہر کچھ آہٹوں کے ساتھ قریب آتی ہوئی مردانہ آوازیں سنائی دیں اور ویرا نے جلدی سے عقبی کھڑکی کا پٹ بند کر دیا لیکن مجھے یہ دیکھ کر تشویش ہوئی کہ دوسری کھڑکیوں کے برعکس اس کھڑکی کے شیشوں پر باہر سے آنے والی روشنی کے انعکاس میں گرل کا سایہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ فرق آنے والوں میں سے کسی کو بھی اس کھڑکی کی طرف متوجہ کر سکتا تھا۔

چند ثانیوں بعد قفل میں کنجی گھما کر کمرے کا داخلی دروازہ کھول دیا گیا۔ آنے والوں میں برونو اشمٹ سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے تین مسلح افراد مستعد تھے۔ ان چاروں نے کھلے ہوئے دروازے کے اس پار راہداری میں رک کر ہم تینوں کا جائزہ لیا۔ شاید وہ اندر داخل ہونے سے پہلے یہ اطمینان کرنا چاہتے تھے کہ ہم میں سے کوئی ان پر بے خبری میں حملہ کرنے کے لیے دروازے کی اوٹ میں نہیں چھپا تھا۔

اپنی تسلی کے بعد برونو اندر داخل ہو کر ہم سے محفوظ فاصلے پر صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے تینوں ساتھیوں نے اپنے پستولوں کی آہنی نالیں ہماری طرف اٹھائی ہوئی تھیں۔

"سنا ہے کہ تم خود کو مس ویرا لائیڈ کے نام سے متعارف کراتی ہو؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد برونو نے انگریزی میں استہزائیہ لہجے میں ویرا سے سوال کیا۔

"میرا نام ویرا لائیڈ نہ ہوتا تو اس وقت تم پچاس ہزار ڈالر کے خواب نہ دیکھ رہے ہوتے۔" ویرا نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ ہم دونوں نے ارادی طور پر اپنے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا کہ گرل سے محروم کھڑکی براہ راست برونو یا اس کے ساتھیوں کی نظروں کے سامنے نہ رہے بصورت دیگر ہمارا بنا بنایا کھیل خراب ہو سکتا تھا۔

"مارسیلز میں تمہارے کن لوگوں سے روابط ہیں؟"

"اس شہر میں صرف دو شناسا تھے۔ چارلس میلانڈ اور گیری ہارٹ۔ وہ دونوں ہی آنجہانی ہو چکے ہیں۔ تیسری شناسائی تم سے ہوئی ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ تم کتنی دیر زندہ رہتے ہو۔" ویرا اسے سلگانے کے لیے مسکراتے ہوئے بولی۔

"ان دونوں سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" برونو اپنی کھوپڑی کو قابو میں رکھے ہوئے تھا۔

"دونوں دوست ہیں۔" ویرا ڈھٹائی کے ساتھ بولی۔ "چاہو تو تم بھی ان کی صف میں شامل ہو سکتے ہو۔"

اس اثنا میں میں اندازہ لگا چکا تھا کہ برونو کے تینوں ساتھی انگریزی کے معاملے میں بالکل کورے تھے۔ وہ اپنے چہروں پر درشتگی کے آثار پیدا کیے مشینی انداز میں ہمیں گھورے جا رہے تھے۔

برونو بے آرامی کے ساتھ صوفے پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ "مجھے تمہاری کسی پیشکش کی ضرورت نہیں۔ طاقت کے بل پر جب چاہوں کسی کو حاصل کر سکتا ہوں۔ ان حربوں سے تم مجھے زیر نہ کر سکو گی۔"

"شاید تم انعام کے لالچ میں یہ سارے پاپڑ بیل رہے ہو۔ چاہو تو میں تمہیں اس سے زیادہ رقم دے سکتی ہوں۔"

"رقم کی بھی اہمیت ہے لیکن اس وقت تم میری نہیں، تنظیم کی قیدی ہو۔ چاہو تو اپنے دونوں ساتھیوں کے بارے میں مجھ سے سودا کر سکتی ہو کیونکہ ان کے بارے میں مجھے کوئی ہدایت نہیں ملی ہے۔"

"ہر سودا بے کار ہو گا کیونکہ میں یہاں سے نکلے بغیر رقم کا بندوبست نہیں کر سکتی۔" ویرا نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"چاہو تو مجھے ٹھکانا بتا دو۔ میرے آدمی رقم لے آئیں گے۔" وہ مکارانہ لہجے میں بولا۔ "لی بگ کا خیال تھا کہ تم نے کہیں لمبا ہاتھ مارا ہے اور موٹی رقم ساتھ لیے پھر رہی ہو۔ قیام کہاں تھا تمہارا؟"

ویرا ہنس پڑی اور تلخ لہجے میں بولی۔ "میں دودھ پیتی بچی نہیں ہوں۔ میں تمہیں ایک لاکھ ڈالر نقد دے سکتی ہوں لیکن شرط یہی ہے کہ مجھے آزاد کر دو۔ میرا خیال ہے کہ ابھی تک تم نے اپنے بڑوں کو میرے معاملے سے آگاہ نہیں کیا ہو گا؟"

ایک لاکھ ڈالر کا ذکر سن کر برونو کی آنکھوں میں حریصانہ چمک پیدا ہو گئی پھر وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "تمہارا فیصلہ اوپر سے ہی ہو گا۔ تم نے مجھے رقم نہ دی تو تمہارے ان دونوں ساتھیوں کو سسکا سسکا کر تمہارے سامنے ذبح کر دوں گا۔"

"ایسا ہرگز نہ کرنا۔" میں خوفزدہ آواز میں بول پڑا۔ "میں اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

"گڈ۔" برونو تعریفی لہجے میں بولا۔ "تم عقلمند آدمی معلوم ہوتے ہو۔ یہ ماری گئی تو رقم اس کے کسی کام نہ آ سکے گی۔ جو لوگ اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک انسانی لہو کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ پتا نہیں وہ اس سے کیا چاہتے ہیں کہ اس کی ہلاکت کے بجائے زندہ گرفتاری کے احکام جاری کر بیٹھے ہیں۔"

"لیکن بڑے بھائی!" میں نے اپنی اداکاری جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے ہمارا سودا کر بھی لیا تو سنڈیکیٹ والے تمہیں معاف نہیں کریں گے۔ ہماری ہمدردی میں کہیں تم اپنی چمڑی نہ ادھڑوا ڈالنا۔"

”کیا بکواس کر رہے ہو؟“ وہ برا سا منہ بنا کر غرایا۔ ”کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔“

”درست کہہ رہے ہو۔“ میں نے بوکھلا کر کہا۔ ”لیکن تمہارے آدمی غداری کر سکتے ہیں۔ تم ان کی زبانیں کس طرح بند رکھ سکو گے؟“

”وہ میرا مسئلہ ہے۔“ وہ سینہ پھلا کر فخریہ لہجے میں بولا۔ ”یہ سب شی کے نہیں میرے نمک خوار ہیں۔ ان پر میرے اتنے احسانات ہیں کہ ان میں سے ہر ایک میرے اشارے پر اپنی گردن کٹوا سکتا ہے۔ تم مجھ سے معاملے کی بات کرو۔“

”معاملے کی بات تو یہی کر سکے گی۔“ میں نے بے بسی سے ویرا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”تم تھوڑا سا وقت دو تو میں اسے سمجھانے کی کوشش کر سکتا ہوں۔“

”میں پھر آؤں گا۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ ”اتنا بتا دوں کہ اس نے زبان نہ کھولی تو میں اسے چار چوٹ کی مار ماروں گا اور کوئی مجھ سے باز پرس نہ کر سکے گا۔“

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ اسے ویرا کو زندہ پکڑنے کا حکم ملا ہوا تھا لیکن یہ ہدایت نہیں دی گئی تھی کہ ویرا کی مزاحمت کی صورت میں کیا رویہ اختیار کیا جائے۔ وہ نہایت اطمینان سے ویرا کے ہاتھ پیر توڑ کر اوپر والوں سے کہہ سکتا تھا کہ ویرا کے مقابلے پر اتر آنے کی وجہ سے اسے تشدد کا سہارا لینا پڑا ورنہ وہ موقع سے فرار ہو سکتی تھی۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ بردنو سے رقم کی بات چھیڑ کر ویرا نے جہاں اپنے لیے ایک دشواری کھڑی کر لی تھی، وہیں یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ اس وقت تک ہم تینوں بردنو کی نجی قید میں تھے، شی کے کسی رکن کو ہمارے پکڑے جانے کی اطلاع نہیں دی گئی تھی۔ بردنو شی کا وہ پہلا کارندہ تھا جو اوپر والوں کے احکام کی تعمیل کے ساتھ ہی اپنی صوابدید سے کام لینے کا عادی معلوم ہوتا تھا ورنہ ہمیشہ ہی ہمارا واسطہ حکم کے غلاموں سے پڑتا رہا تھا۔

”یہاں وقت برباد کرنے کے بجائے نکلنے کی فکر کرو۔“ بردنو اور اس کے ساتھیوں کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے کہا۔ ”میں پوری طرح تمہارا ساتھ دینے کی کوشش کروں گا۔ اس گورکھ دھندے میں پھنسے رہے تو بردنو واقعی ہمیں ختم کر دے گا۔ جھلائے ہوئے دشمن کا وار ہمیشہ مہلک اور خطرناک ہوتا ہے۔“

”وہ آ گیا تھا اس لیے اسے ٹٹولنا ضروری ہو گیا تھا۔“ ویرا نے کہا۔ ”ورنہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ ہمارے ساتھ کسی بھی قسم کی رعایت سے کام نہیں لے گا۔“

ملں کا ٹیج میں آتے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ اس وقت بردنو سمیت ہمارے مقابلے پر کل سات نفوس تھے جو ضرورت پیش آنے پر ریوالوروں رائفلوں اور دستی بموں تک سے کام لے سکتے تھے۔ ان میں سے دو ہمارے کمرے کے سامنے راہداری میں پہرے پر مامور تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ عقبی کھڑکی کی کٹی ہوئی گرل سے فرار ہونے سے قبل کسی بہانے سے ان دونوں کو راہداری میں کھلنے والی کھڑکی کے سامنے بلا کر ایکسپلوڈر کا نشانہ بنا دیا جائے تاکہ ان کی نفری سات سے پانچ رہ جائے۔ دھماکے کی آواز پر ان کے ساتھی راہداری میں پہنچ کر لاشوں کے خون آلود چیتھڑے بکھرے ہوئے دیکھتے تو فوری طور پر ان کی سمجھ میں ہی نہ آتا کہ وہاں کیا ہوا تھا۔ اس دوران میں ہم عمارت کے گرد چکر کاٹ کر آسانی کے ساتھ وہاں موجود کسی سواری تک رسائی حاصل کر سکتے تھے جو ہمیں بل سارہا سے محفوظ فاصلے پر پہنچا دیتی۔

لیکن ویرا میرے نظریے سے متفق نہیں تھی۔ اس کی رائے تھی کہ ہمیں نگرانی کرنے والوں سے الجھے بغیر وہاں سے نکل جانا چاہیے۔ راستے میں کوئی مزاحم ہوتا تو اسے ٹھکانے لگا دیا جاتا ورنہ فرار کی کارروائی خاموشی سے مکمل ہونا چاہیے تھی۔ بظاہر ویرا کی تجویز معقول تھی لیکن میں سوچ رہا تھا کہ معمول کے حالات میں وہ ساتوں اپنے مقررہ مقامات پر موجود ہوتے اور ان میں سے کوئی بھی ہمیں فرار ہوتے دیکھ لیتا تو بقیہ افراد اپنے ٹھکانے چھوڑ کر جائے واردات پر جمع ہو جاتے اور ہمیں اپنی کارروائیوں کے لیے کھلا میدان مل جاتا۔ جتنی دیر میں انھیں ہوش آتا ہم بل سارہا سے دور نکل چکے ہوتے۔

دونوں تجاویز کے فائدے اور امکانی خطرات اپنی جگہ تھے لیکن یہ بات طے تھی کہ میری تجویز پر عمل کرنے کی صورت میں فرار کے دوران بردنو کے آدمیوں سے تصادم ہو جاتا تو نہ صرف ان کی نفری میں دو افراد کی کمی ہو چکی ہوتی بلکہ نفسیاتی طور پر بھی وہ افراتفری خوف اور گھبراہٹ کا شکار ہو جاتے جس کا سارا فائدہ ہمیں ملتا۔

میری تجویز کے ہر پہلو پر مختصر سی بحث کے بعد آخر کار ویرا اس کی افادیت کی قائل ہو گئی اور اس نے تجویز پیش کی کہ کھڑکی کے ذریعے فرار سے پہلے بوسیدہ صوفوں میں آگ لگا کر انھیں دروازے اور کھڑکیوں کے قریب ڈال دیا جائے تاکہ ہمارے حریفوں کو زیادہ سے زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ دو آدمیوں کو ہم مار دیتے اور ایک آدھ آدمی کو آگ بجھانے کے لیے بھی رکنا پڑتا ورنہ چوبی ڈھانچے اور شہتیروں پر بنی ہوئی وہ عمارت بھوسے کے ڈھیر کی طرح آناً فاناً میں آگ پکڑ لیتی۔

منصوبہ طے ہوتے ہی سلطان شاہ نے بستر چھوڑ دیا اور پرانے صوفے ادھیڑنے میں مصروف ہو گیا۔ میں نے عقبی کھڑکی کا پٹ کھول کر احتیاط سے قرب و جوار کا جائزہ لیا اور آہستگی کے ساتھ کھڑکی دوبارہ بند کر دی۔ میری اور ویرا کی نگاہیں چار ہوئیں اور وہ میرا اشارہ پاتے ہی اپنی جیب سے ایکسپلوڈر نکال کر راہداری والی کھڑکی کی طرف بڑھ گئی۔

سلطان شاہ نے ایک صوفہ دروازے سے لگا کر اس کے
ادھڑے ہوئے خشک کشن کو آگ دکھا دی اور کمرے میں دھواں
اٹھنے لگا۔ اس اثنا میں ویرا نے کھڑکی کھول کر کچھ کہا۔ دونوں محافظ
...کی طرح دیوار کی اوٹ سے سامنے آئے اور پھر اس سے قبل کہ وہ
...سمجھتے' ویرا نے ایکسپلوڈر کی گولیاں ان کے سینوں میں اتار دیں۔
یکے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے اور دونوں محافظوں کے
...ھوں کے چیتھڑے اڑ گئے۔ ویرا نے پھرتی سے کھڑکی بند کی اور
سلطان شاہ نے پہلے صوفے کا جلتا ہوا ملبہ دوسرے صوفوں قالین
اور مسہریوں پر بکھیرنا شروع کر دیا۔

میں نے گرل سے محروم کھڑکی کھولی اور اس سے گزر کر کاٹیج کے
...قب میں نم آلود کچی زمین پر کود گیا' ان دونوں نے بھی وقت ضائع
کیے بغیر میری تقلید کی تھی پھر ہم تینوں نے پوری قوت کے ساتھ
عمارت کی بغلی سمت میں دوڑ لگا دی۔

فرار کا منصوبہ اس مرحلے تک پوری طرح کامیاب تھا۔ مجھے
یقین تھا کہ ایکسپلوڈر کی گولیوں کے دھماکوں نے زندہ رہ جانے والے
پانچوں افراد کو راہداری میں جمع کر لیا ہوگا۔ ہمارے کمرے کا دروازہ
بدستور مقفل تھا۔ ویرا نے کھڑکی بھی اندر سے بند کر دی تھی اس لیے جب
تک وہ دروازہ کھول یا توڑ کر اندر کی صورتِ حال کا جائزہ نہ لیتے انھیں
معاملے کی نوعیت کا اندازہ ہی نہ ہو پاتا۔

ہم عمارت کے سامنے والے حصے میں پہنچے تو وہاں سناٹے کا راج
تھا۔ جان لی بگ کی اسپورٹس کار برآمدے کے سامنے کھڑی ہوئی تھی
اس کے پچھلے حصے کے جھکاؤ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ تینوں لاشیں بدستور
اس کی ڈکی میں موجود تھیں۔ وہیں چاروں موٹر سائیکلیں بھی موجود تھیں
اور چند سو گز دور ایک سائبان کے نیچے ایک لمبی سی سیاہ کار موجود تھی۔

اس وقت میرے اعصاب پر تناؤ طاری ہو چلا تھا۔ اس وقت
ذرا سی غفلت یا اندازے کی کوئی غلطی ہماری زندگیوں کے چراغ گل کر
سکتی تھی۔ لی بگ کی کار میں چابی موجود نہیں تھی اور دونوں دروازے
مقفل تھے۔ میں نے پوری قوت سے بیم گن کا دستہ مار کر کھڑکی کا شیشہ
توڑا اور بانٹ کھول کر بیٹری کے تاروں پر جھک گیا۔ ویرا ڈرائیونگ
سیٹ پر جم گئی اور سلطان شاہ عقبی سیٹ پر چلا گیا۔

جتنی دیر میں میں اگنیشن کا تار ڈائریکٹ کر کے سیلف لگانے
میں کامیاب ہوا' اتنی دیر میں ویرا جھٹکے مار کر اسٹیئرنگ کا تالا توڑ چکی
تھی۔ میرے بانٹ گراتے ہی کار حرکت میں آ گئی۔ میں رینگتی ہوئی کار
میں سوار رہا پھر میں نے بیم گن نکال کر چاروں موٹر سائیکلوں کے ٹائر
ناکارہ کر دیے تاکہ انھیں ہمارے تعاقب کے لیے استعمال نہ کیا جا سکے
ویرا نے میرے کچھ کہے بغیر کار کا رخ سائبان کے نیچے کھڑی ہوئی کار
کی طرف موڑ لیا' اس کا چہرہ تنا ہوا تھا اور آنکھوں میں زندگی کی چمک
کے بجائے بھیانک سی بے رونقی نے ڈیرے ڈال دیے تھے۔

سیاہ کار کے اگلے دونوں ٹائروں نے ہوا خارج ہوتے ہی
آگ پکڑ لی اور ویرا نے اسپورٹس کار برق رفتاری کے ساتھ نکاسی کے
راستے پر ڈال دی۔ اس وقت تک برآمدہ بدستور ویران پڑا ہوا تھا
بر دلو کو شاید موہوم سا شبہ بھی نہیں ہو سکا ہوگا کہ اس کے ہاتھ آئی ہوئی
سونے کی چڑیا اچانک ہی پنجرے سے اڑ گئی تھی۔

اسپورٹس کار غراتی اور اچھلتی ہوئی کچے راستے پر سڑک کی طرف
بڑھتی رہی' میں نے ویرا کو مشورہ دیا کہ وہ کار کو سڑک پر دائیں کے بجائے
بائیں طرف موڑے لیکن اس کا خیال تھا کہ وہ سڑک آگے کسی اور سڑک
سے ملنے کے بجائے کسی نہر یا نالے پر ختم ہو سکتی تھی' اس لیے ہمیں
مارسیلز کی طرف ہی چلنا چاہیے۔

اس کا اندیشہ بجا تھا' اس لیے میں خاموش ہو گیا۔ ویسے بھی
ہماری رقم کا تھیلا ہوٹل مارٹن میں پڑا ہوا تھا اور میں دیکھ چکا تھا کہ پیسے
کے بغیر ہمارے لیے خود کو بچائے رکھنا ناممکن تھا۔ اگر گن بوٹ کی

فروخت سے حاصل ہونے والی رقم ہماری تحویل میں نہ ہوتی تو میکس کے شراب خانے سے رِک میلون ہمیں کوڑیوں کے مول خرید لے گیا ہوتا اور شاید دونیں ہماری داستانِ حیات اپنے المناک انجام سے دوچار ہو جاتی۔

"مجھے ایک سگریٹ سلگا کر دو۔" ویرا نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا اور میں اس کے لیے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

"اصل صورتِ حال کا ادراک ہوتے ہی برونو پاگل ہو جائے گا۔" وہ مجھ سے سگریٹ لیتے ہوئے جذبات سے عاری لہجے میں بولی۔ "وہ سوچ بھی نہیں سکا ہو گا کہ ہم یوں اس کی دسترس سے نکل جائیں گے۔"

"یہ نہ بھولو کہ مارسیلز میں ابھی بھی ہنگامی حالات چل رہے ہیں اور اس کار کی ڈکی میں تین لاشیں موجود ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "اس کے علاوہ ہمارے لباس پھٹے ہوئے اور خون آلود ہیں۔ اس حالت میں ہم کسی آبادی کا رُخ تو ہرگز نہ کر سکیں گے۔"

"یہ واقعی سب سے اہم مسئلہ ہے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہمیں اپنے حُلیے درست کرنے ہوں گے۔" وہ سگریٹ کا کش لیتے ہوئے پُرخیال لہجے میں بولی۔

"لیکن ہم کہیں بھی اپنی اس ہیئت کذائی کا کیا جواز پیش کریں گے؟" سلطان شاہ نے کہا۔

"کیا؟" ویرا کے حلق سے تحیر آمیز آواز نکلی۔ "کس کا جواز کہہ رہے ہو تم؟ میں اچھی خاصی اُردو بول لیتی ہوں لیکن ایسے مشکل الفاظ کبھی نہیں سنے۔ کیا لفظ استعمال کیا تھا تم نے؟"

"حالت کے بارے میں ہی کہہ رہا تھا۔" سلطان شاہ نے خفت آمیز لہجے میں کہا لیکن ویرا اس کی زبان سے وہی الفاظ سننے پر اڑ گئی جن پر وہ چونکی تھی اور سلطان شاہ کو دوبارہ وہی فقرہ ادا کر کے جان چھڑانا پڑی۔

سرسبز کھیتوں کے درمیان اس ویران سڑک پر ہمارا سفر جاری تھا۔ ہمارے اعصاب بھی رفتہ رفتہ اعتدال پر آتے جا رہے تھے اور میں سلطان شاہ کی بازیابی کے بعد غزالہ کے تصور میں کھویا ہوا تھا کہ سامنے سے ایک لمبی چوڑی سیاہ کار نمودار ہوئی جو سڑک پر تقریباً تیرتی ہوئی ہماری طرف اُڑی آ رہی تھی۔

ویرا نے اسے راستہ دینے کے لیے اپنی کار کی رفتار قدرے دھیمی کر کے اسے کنارے پر کر لیا اور چند ثانیوں بعد وہ سیاہ کار زن سے ہمارے برابر سے گزر گئی۔

"ڈان مرسیانو!" اس کار کے گزرتے ہی ویرا کی زبان سے ہذیانی آواز برآمد ہوئی۔ "اس کار کی پچھلی سیٹ پر ڈان مرسیانو نیم دراز تھا۔"

"کیا واقعی؟ تمہیں وہم ہوا ہو گا۔" میں نے بے اعتباری کے ساتھ کہا۔ میں نے اس کار کے باوردی ڈرائیور کو تو دیکھا تھا لیکن اس کی عقبی نشست پر نگاہ ڈالنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

"میں قسم کھا سکتی ہوں۔" وہ اونچی اور پُرجوش آواز میں بولی۔ "میں ہزاروں کی بھیڑ میں پہچان سکتی ہوں۔"

"تو پھر گاڑی گھما لو، آج اس سے بھی دو دو ہاتھ ہو جائیں۔" میں نے اپنے وجود میں سنسنی کی لہریں محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"میں مشورہ نہیں دوں گی۔" وہ اضطراری لہجے میں بولی۔ "وہ مہمات پر پوری تیاری کے ساتھ نکلتا ہے۔ صرف اس کی کار ہی ہمارے لیے بکتر بند قلعے سے کم ثابت نہ ہو گی۔ اتنا ہی کافی ہے کہ ہمیں راستے میں اس کی موجودگی کا علم ہو گیا۔ اب ہم شہر میں اس کا سراغ لگا سکیں گے۔"

میں سیاہ کار کے تعاقب پر مُصر تھا لیکن ویرا ڈان مرسیانو سے بے اندازہ نفرت کرنے کے باوجود اس سے اس وقت خائف نظر آ رہی تھی اور اس کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ اسے ذہنی جھٹکے سے سنبھلنے کی مہلت دینے کے لیے میں نے فوری طور پر بحث ختم کر کے خاموشی اختیار کر لی لیکن میرا ذہن بدستور مصروف تھا۔

لاہور سے مارسیلز تک میں تنظیم کو بے اندازہ نقصانات پہنچاتا رہا لیکن ہر کامیابی کے بعد میری جھنجلاہٹ بڑھ جاتی تھی کیونکہ تنظیم یا کارگزاری پر میرے اقدامات کا کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی چیونٹی اپنی ساری وحشیانہ قوتیں یکجا کر کے کسی ہاتھی کو روندنے کی ناکام کوشش کر رہی ہو لیکن فائر کیمپ کی تباہی نے شاید تنظیم کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

اگر ویرا نے خواب نہیں دیکھا تھا تو ڈان مرسیانو یا جمی لائیڈ بہ نفسِ نفیس مارسیلز آیا ہوا تھا اور اس وقت برونو اشمٹ کی اطلاع پر پل سارا ہاؤز میں ہم لوگوں سے ملنے جا رہا تھا۔ میں اندازہ نہیں کر سکا کہ ہمیں غائب پا کر وہ اپنے آدمیوں سے کیا سلوک کرے گا لیکن یہ بات یقینی تھی کہ اس کے میدان میں آ جانے کے بعد اب گھمسان کا رن پڑنے والا تھا جس کے انجام کا کوئی اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

سکوت کے ساتھ ہی میرے دل و دماغ پر ناقابلِ تصور سنسنی طاری ہو گئی تھی۔ میں مدت سے جمی لائیڈ کی گھات میں نگر نگر خاک چھان رہا تھا اور اب وہ غیر متوقع طور پر سامنے آ گیا تھا تو میں عجیب اور ناقابلِ بیان ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ راستے میں لمبی سیاہ کار میں نے ضرور دیکھی تھی لیکن شوفر کے عقب میں سوار شخص کی ہلکی سی جھلک بھی نہیں دیکھ سکا تھا کیوں کہ اس پتلی سی مضافاتی سڑک پر اس لمبی چوڑی کار کو کراس کرتے ہوئے میری ساری توجہ سڑک پر مرکوز ہو گئی تھی۔ کیوں کہ پلک جھپکتے میں ہماری کار سڑک سے اُتر کر ناہموار کھیتوں میں داخل ہو سکتی تھی۔ کار ویرا چلا رہی تھی لیکن اگلی نشست پر میں بھی تناؤ کا شکار تھا۔

جمی لائیڈ کے نہ جانے کتنے رُوپ تھے۔ ایک طرف وہ مجرموں اور قاتلوں کی بین الاقوامی تنظیم تنظیم کا ایسا پُراسرار اور مطلق العنان

شی کے کسی ادنیٰ یا اعلیٰ کارکن نے اس کی صورت نہیں
...اہ تھا کہ شی والوں کے لیے وہ بغیر چہرے کا بس ایک نام تھا جس
...تھی۔ ...ا کا تصور تک ممکن نہیں تھا لیکن لاہور کے لائیڈز کا ٹیج
...عدلی ...ک پُراسرار اور خفیہ کمرے میں میں نے ویرا کے ہمراہ جمی لائیڈ
...پینٹنگ اتفاقاً دریافت کر لی تھی جس پر اس کا نام بھی لکھا
...تھا۔ ویرا نے عمر بھر جمی لائیڈ کے اشاروں پر ناچنے اور اسے اپنا
...قانونی باپ تصور کرنے کے باوجود اپنی دانست میں کبھی اس کی
...جھلک بھی نہیں دیکھی تھی لیکن لائیڈز کاٹیج کے خفیہ کمرے میں
...نے تصویر والے شخص کو ڈان مرسیانو کے نام سے فوراً شناخت
...یا تھا کیونکہ اٹلی میں وہ اپنی نوخیزی کے دور میں ہی ڈان مرسیانو
...کرائی تھی جو روم میں نہ جانے کتنی ہی لڑکیوں کو گناہ آلود زندگیاں
...نے کی تربیت دے کر ان کا مستقبل تباہ کر چکا تھا۔ اس نے ویرا کو
...نہایت بے رحمی کے ساتھ اس بھیانک دلدل میں دھکیل
...تھا۔

ویرا اسے ڈان مرسیانو سمجھتی رہی۔ دوسری طرف اس شخص کو
...ب معلوم تھا کہ ویرا اس کی ناجائز اور شاید اکلوتی بیٹی تھی، جو شی میں
...کے احکام پر عمل کر کے روزی کما رہی تھی لیکن پھر بھی اس نے
...نی نوخیز بیٹی کو بے دردی کے ساتھ اس کے نسوانی جوہر سے محروم
...دیا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ ویرا جمی لائیڈ کی تصویر دیکھتے ہی غیظ و
...غضب سے مغلوب ہو کر اتنی مشتعل ہو گئی تھی کہ اس نے جمی لائیڈ
...کی تصویر کے وہیں ٹکڑے اڑا ڈالے تھے اور صحیح معنوں میں اسی
...تھا اس کے دل میں اپنے باپ کی طرف سے نفرت کی پہلی چنگاری
...بھڑکی تھی جو اب رفتہ رفتہ نفرت، قہر اور انتقام کے الاؤ میں
...تبدیل ہو چکی تھی۔

اس دن اور اس فیصلہ کن لمحے سے قبل ویرا کو اپنی آنجہانی
...ماں سے سُنے ہوئے واقعات کی بنا پر پورا یقین تھا کہ اس کی ولادت
...میں جمی لائیڈ اس کی ماں کا شریک تھا۔ پھر جمی لائیڈ کی سربراہی میں
...شی کی سرگرمیوں کی کہانیاں سُن کر وہ کسی نہ کسی طرح تنظیم میں شامل
...ہو گئی۔ اسے بس یہ دھن تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس پُراسرار شخص
...تک رسائی حاصل کر کے اس سے صرف اتنا پوچھ لے کہ کیا وہی
...اس کا باپ تھا؟

لیکن جمی لائیڈ اور ڈان مرسیانو کے دو مختلف ناموں میں ایک ہی
...شخص کے روپوش ہونے کا راز کھلتے ہی ویرا بھڑک اٹھی اور اپنے باپ
...سے بدظن ہو گئی اور وہیں سے میرے اور اس کے مقاصد میں ہم آہنگی
...پیدا ہوتی چلی گئی جسے بعد کے واقعات سے تقویت ملتی رہی۔

پھر دیکھا جمی لائیڈ اپنی اصل صورت اور نام کے ساتھ جہازرانی
...کی عالمی صنعت کا بے تاج بادشاہ بنا ہوا تھا۔ وہ کنگ لائنز
کے بحری بیڑے کا مالک تھا۔ اس کے کاروباری حلیفوں اور حریفوں
میں سے کسی کو شبہ تک نہیں ہو سکا تھا کہ وہ ہی شی جیسی رسوائے
زمانہ تنظیم کا سربراہ بھی تھا۔

جمی لائیڈ نے اپنے عمل اور فیصلوں سے ہمیشہ اس نظریے
کی تصدیق کی تھی کہ وہی ویرا کا باپ تھا۔ لیکن اس نے کبھی کھل کر
ویرا کو اپنی بیٹی تسلیم نہیں کیا تھا۔ ڈان مرسیانو کے روپ میں
ویرا کی برین واشنگ کرنے اور ہر قیمت پر اپنے مقاصد حاصل
کرنے کی تربیت دینے کے بعد اس نے شی میں ویرا کو وسیع اختیارات
کا مالک بنا دیا اور اس کی سرکشیوں کو نظرانداز کرتا رہا لیکن فارکیمپ
کی تباہی کے پس منظر سے آگاہ ہوتے ہی اس نے ویرا کی سرکوبی
کا فیصلہ کیا تو اس فیصلے میں مربیانہ رنگ نمایاں تھا۔ اس نے ویرا
کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم کرانے کے بجائے اس کی زندہ گرفتاری پر
پچاس ہزار ڈالر کا خطیر انعام مقرر کیا تھا۔ اس طرح شاید وہ اپنی
اکلوتی بیٹی کو مصالحت کا آخری موقع فراہم کرنا چاہ رہا تھا۔

ویرا بظاہر اپنے سنگین مسائل سے بے پروا نظر آتی تھی، لیکن
مجھے یقین تھا کہ خیالات کے زہریلے ناگ ہر لمحے اس کے ذہن کو
ڈستے رہتے تھے۔ وہ بے خوف اور دلیر نظر آنے کے باوجود اندرونی
طور پر جمی لائیڈ سے خوف زدہ تھی۔

اس نے قسم کھائی تھی کہ اس نے سیاہ کار کی عقبی نشست
پر ڈان مرسیانو کو نیم دراز دیکھا تھا، لیکن مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں
ویرا کے لاشعور میں پلنے والے خوف نے سیاہ کار میں وہ فریب
نظر تخلیق نہ کیا ہو۔ وہ چند لمحے قبل آگ، خون اور بارود کی ایک
بھیانک دلدل عبور کر کے برونو اشمٹ کے پھیلائے ہوئے جال
سے نکلنے میں بمشکل کامیاب ہوئی تھی۔ اس واقعے پر وہ اتنی دل
برداشتہ تھی کہ بل سارا ہاؤز میں قید کے دوران مایوسی کے عالم میں
اپنی خودکشی کے امکان کا ذکر بھی کر بیٹھی تھی۔ ایسی صورت میں میں اس
کے مشاہدے پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کر سکتا تھا۔

وہ لاکھ دلیر اور باحوصلہ سہی، مگر بنیادی طور پر ایک تنہا اور
بے سہارا لڑکی تھی۔ ماں مر چکی تھی اور زندگی میں اس نے کبھی اپنے
سر پر باپ کا سایہ نہیں دیکھا تھا۔ مجھ سے دوستی اور قابل رشک
ذہنی ہم آہنگی ہو جانے کے باوجود اسے معلوم تھا کہ میرا اور اس کا رشتہ
اٹوٹ نہیں تھا۔ میرے دل میں غزالہ کا پیکر بسا ہوا تھا جسے میں
زندگی میں کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ اس لیے مایوسی نے اسے
گھیر لیا تھا۔

یہ کتنی عجیب بات تھی کہ جس جمی لائیڈ تک پہنچنے کے لیے وہ
سب کچھ کر گزرنے پر تلی رہتی تھی، آج اسے اپنی آنکھوں سے
بل سارا ہاؤز کی طرف جاتے دیکھ کر بھی وہ ادھر واپسی کے لیے آمادہ

نہیں تھی۔ وہ اپنے گرد تنگ ہوتے ہوئے حصار سے گھبرا کر خوفزدہ ہو چکی تھی۔

میرا دل اس کے لیے مغموم ہو گیا۔ میں جو کچھ سوچ رہا تھا، اس بارے میں کئی بار کوشش کرنے کے باوجود اپنی زبان نہ کھول سکا۔ وہ خلافِ معمول خاموشی کے ساتھ ونڈ شیلڈ کے اس پار کسی بے نام نقطے کو گھورتے ہوئے مسلسل سگریٹیں پھونک رہی تھی آخر کار میں نے تنقید یا جرح کرنے کے بجائے مفاہمانہ انداز میں دوبارہ بات چھیڑ ہی دی۔ میری آواز سنتے ہی وہ یوں چونکی تھی جیسے اس وقت تک تنویمی کیفیت میں کار چلاتی رہی ہو۔

"تمہارے اعصاب تھک گئے ہوں تو گاڑی روک لو، میں چلا لوں گا۔" اس کے چونکنے پر میں نے اپنی بات دُہرانے کے بجائے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "تمہارا ذہن بھی کہیں بھٹک رہا ہے۔"

وہ کھوکھلے انداز میں ہنس پڑی۔ "لاعلمی واقعی ایک نعمت ہے۔" اس نے انگریزی کا محاورہ دُہرا کر اُردو میں بات جاری رکھی۔ "وہ جب تک میرے لیے ڈان مرسیالنو رہا، میں نے کبھی اس کے خلاف کوئی کینہ محسوس نہیں کیا، لیکن اس کا دوسرا روپ سامنے آنے کے بعد آج میں نے پہلی بار اس کی ایک جھلک دیکھی ہے۔ غم و غصّے نے واقعی مجھے نڈھال کر دیا ہے۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں کہ ایک باپ کس دل سے اپنی بیٹی کو گناہوں کی دلدل میں گرا سکتا ہے؟"

"تم گاڑی سڑک سے اتار کر کہیں کچے میں روک لو۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ "اس حالت میں تم کوئی حادثہ کر بیٹھو گی۔ ہمیں مضافاتی علاقے سے نکلنے سے پہلے اپنے لباس اور حلیے کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا ہے۔ ورنہ مارسیلز کی حدود میں گھستے ہی پولیس کی گرفت میں آ جائیں گے۔"

اس نے کار کی رفتار بتدریج کم کرتے ہوئے ایک مقام پر اسے کچے میں اتار کر روک دیا اور انجن بند کر کے مضمحل انداز میں انگڑائی لیتے ہوئے بولی۔ "میں اس کا سامنا کیے بغیر اس کے خلاف لڑ رہی تھی اور میرے بہت کچھ عزائم بھی تھے۔ لیکن اس وقت اسے دیکھ کر مجھے اپنے اندر ٹوٹ پھوٹ کا احساس ہوا ہے۔ شاید میں جرأت کے ساتھ اس کا سامنا نہیں کر سکوں گی۔ یہ جنگ تمہیں اکیلے ہی لڑنا ہو گی۔ مجھ پر انحصار کیا تو اب کہیں نقصان سے دوچار ہو بیٹھو گے۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ میں جو کچھ کہتے ہوئے جھجک رہا تھا، وہ ویرا نے خود کہہ دیا تھا۔ اس نے جھوٹی انا کا سہارا لینے کے بجائے صاف اور دو ٹوک انداز میں حقیقت بیان کر دی تھی۔

"کیوں؟" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "کیا صرف اس لیے کہ تم پر ظلم کرنے والا تمہارا باپ ہے؟"

"تم نے لائیڈز کاٹیج میں اس کی تصویر دیکھی تھی۔ ذہن پر زور دو تو تمہیں یاد آ جائے گا کہ اس کی سرد آنکھوں میں ایک عجیب بے رحمانہ سی مقناطیسی کشش موجود ہے۔ وہ بڑی آسانی کے ساتھ مخاطب کو مسحور کر لینے کے فن میں طاق ہے۔ ڈان مرسیالنو نے میرے ساتھ کبھی زبردستی نہیں کی۔ وہ مجھے بتاتا اور سمجھاتا رہتا تھا... اپنے ہوتے تھے۔ اس کی ذات کے سحر سے نکلنے کے ایک طویل عرصے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں بھٹکا دی گئی تھی۔"

"اسی لیے تم واپس بل سارا ہاؤز نہیں جانا چاہتیں؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ بھی ایک وجہ ہے، لیکن حقیقت میں تمہیں پہلے بتا چکی ہوں۔" اس نے کہا۔ "اس کی سیاہ مرسیڈیز بلٹ پروف تھی۔ مجھے یقین ہے کہ کار میں وسیع احاطۂ عمل کا ٹرانسمیٹر بھی موجود ہو گا۔ جس کے ذریعے وہ کئی سو میل کی حدود میں اپنے سارے وسائل کو حرکت میں لانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کے خلاف اوچھا وار کر کے تم ہرگز نہ بچ سکو گے، دو پستول اور چند گولیوں کے ساتھ اس کے مسکن پر دھاوا بولنا میری دانست میں ایسا ہی احمقانہ فعل ہو گا جیسے تیر کمان لے کر کوئی سپر سانک طیارے کو مار گرانے کا دعویٰ۔ اس وقت یہی کافی ہے کہ ہمیں مارسیلز میں اس کی موجودگی کا سراغ مل گیا ہے۔ اور اس وقت وہ بل سارا ہاؤز میں بنا بنایا کھیل بگڑ جانے پر بردلو اشمٹ اور اس کے آدمیوں کی چمڑی ادھیڑ رہا ہو گا۔"

"تمہیں پورا یقین ہے کہ تم نے کالی مرسیڈیز میں جمی لائیڈ کو دیکھا تھا؟"

"میں ابھی اتنی اعصاب زدہ نہیں ہوئی ہوں کہ دن میں خواب دیکھنے شروع کر دوں۔" وہ قدرے تلخ لہجے میں بولی۔ "آخر تمہیں یقین کرنے میں کیا تامل ہے؟ وہ جب بھی حرکت میں آتا ہے، بجلی کی سی خاموشی اور سرعت سے حملہ آور ہو کر اپنے حریف کو متحیر کر دیتا ہے۔"

"اور اس کی کار شوفر چلا رہا تھا؟" میں نے تائیدطلب لہجے میں سوال کیا۔

"یہ بھی درست ہے۔" وہ بولی۔ "اسے تو تم نے بھی دیکھا تھا۔"

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ جب جمی لائیڈ لیوپارڈ تنظیم کے لیے محض ایک ناقابلِ شناخت سایہ ہے تو پھر وہ اپنی اصل شکل میں ایک اہم مہم پر ڈرائیور کے ساتھ کیسے سفر کر رہا تھا؟"

"اسے تو میں نے پہچان لیا، تم دیکھو گے تو تم بھی پہچان لو گے، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اصل روپ کے بجائے کسی اور فرضی شخصیت کا سہارا لے کر بل سارا ہاؤز جا رہا ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ منزل پر کار سے اترنے سے پہلے چند منٹ میں سیاہ پوش بن جائے...."

"وہ ہم سے ملنے جا رہا تھا اور جانتا ہے کہ ہم لائیڈز کاٹیج...

مضبوط قلعے میں اس کی تصویر دیکھ چکے ہیں۔ اس لیے اس کے اصل روپ میں سامنے آنے کا امکان کم ہے اور اگر تمھارا دوسرا نظریہ تسلیم کرلیا جائے تو مسٹر سیٹیز کے ڈرائیور کی شخصیت بہت اہم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ جمی لائیڈ کی دُہری شخصیت کے راز سے واقف ہوگا۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔ ”پتا نہیں اس کے کیا عزائم ہیں، لیکن یہ مان لو کہ وہ ادھر گیا ہے۔“

”اس وقت ہمارا یہاں رکنا خطرات کو دعوت دینے کے برابر ہے۔“ اچانک سلطان شاہ بولا۔ ”یہ کار دور ہی سے پہچانی جا سکتی ہے۔ اس وقت ادھر سے کوئی بھی کار اس طرف نکل آئی تو ہم مشکل میں پڑجائیں گے۔“

”واپس بل سارا ہاؤز کی طرف ہی چلو۔“ ویرا نے ڈرائیونگ سیٹ میرے لیے خالی کرتے ہوئے کہا۔ ”راستے میں سوچیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔“

”ہمیں ادھر کا رُخ ہی نہیں کرنا چاہیے یا پھر ان سے ٹکرا جانے کا ارادہ کرلینا چاہیے۔“ میں نے نشست بدلنے کے بعد کہا۔ ”بے یقینی کے عالم میں ادھر جانا موت کو دعوت دینے کے برابر ہوگا۔“

”راستے میں ان میں سے کسی سے سامنا ہوگیا تو تصادم ہو کر رہے گا۔“ ویرا نے کہا۔ ”اگر مقدر نے یاوری کی تو ہم بل سارا ہاؤز سے پہلے ہی یہ کار کہیں چھپا کر کسی ویران کاٹیج میں گھسنے کی کوشش کریں گے۔ ایک آدھ چوکیدار پر قابو پاکر اسے بے بس کرنا ہمارے لیے زیادہ دشوار نہیں ہونا چاہیے۔ صرف اسی طرح ہم صاف ستھرے ہوکر نیا لباس حاصل کرسکتے ہیں۔ ورنہ ہمیں موجودہ حالت میں ہی رہنا ہوگا۔“

میں انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی کو واپس گھما کر دوبارہ سڑک پر لے آیا۔ ویرا نے واقعی معقول تجویز سوچی تھی۔ ڈان مریانو کی مرسیڈیز نے جس مقام پر ہمیں کراس کیا تھا، وہاں سے گزر کر بل سارا ہاؤز میں پوری صورت حال جاننے کے بعد اس کے لیے یہ امر ناممکن ہوتا کہ وہ واپس آکر ہمیں راستے میں گھیرنے میں کامیاب ہوسکتا۔ اس کا پہلا فطری ردِعمل یہی ہوتا کہ وہ ہمارے نکل جانے پر ہوٹل اشمٹ اور اس کے آدمیوں کی سخت گوشمالی کرتا اور فون یا ٹرانسمیٹر پر مارسیلز میں دوسرے لوگوں کو سرخ ٹرائمف گھیرنے کے احکام جاری کرتا۔ اس کے آدمی شہر آنے والے راستوں کی ناکا بندی کرکے سرخ ٹرائمف کا انتظار کرتے رہ جاتے اور ہم اپنے پھٹے ہوئے خون آلود ملبوسات سے نجات حاصل کرکے کسی دوسرے ذریعے سے شہر واپس لوٹ سکتے تھے۔ ہماری کامیابی کی کلید یہی تھی کہ راستے میں شی کے کسی کارندے سے ٹکرائے بغیر ہم جلد از جلد کسی ویران کاٹیج میں عارضی پناہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے۔

جمی لائیڈ یا اس کا کوئی آدمی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہم ان کے چنگل سے نکل بھاگنے کے بعد ایک بار پھر ان ہی کے قرب و جوار میں پناہ لینے کے لیے واپسی کا ارادہ کر بیٹھے ہوں گے۔ اس ذہنی تجزیے کے ساتھ ہی میں نے باغات اور کھیتوں کے درمیان سے گزرنے والی اس پتلی سی سڑک پر کار کی رفتار میں اضافہ کردیا۔

”میری اب بھی یہی رائے ہے کہ اس وقت بل سارا ہاؤز میں میدان صاف ہوگا۔“ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد سلطان شاہ بولا۔ ”جمی لائیڈ نے وہاں پہنچ کر ان سب کو حواس باختہ کردیا ہوگا بےشک اس وقت ہم کوئی بڑا خطرہ مول لیے بغیر دوبارہ وہاں گھس کر ہراس پھیلا سکتے ہیں۔“

”یہ نہ بھولو کہ شی والے دہشت گرد بھی ہیں۔“ میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ ”جرائم کی دنیا میں اپنی بالادستی برقرار رکھنے کے لیے وہ اپنے ٹھکانوں پر مہلک بارودی اسلحے کے بڑے ذخائر رکھتے ہیں۔ انھوں نے کھیتوں میں آنسو گیس کے بم استعمال کیے تھے اس بار اپنی ناکامی پر جھلایا ہوا جمی لائیڈ ہمارے خلاف بارودی بموں کے استعمال کی ہدایت بھی جاری کرسکتا ہے۔“

اس کے بعد کار میں سکوت چھا گیا، لیکن ہم تینوں ہی اپنی اپنی جگہ سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

خوش قسمتی سے راستے میں ہمیں سبزیاں وغیرہ شہر لے جانے والی ایک بند وین کے سوا کسی گاڑی کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور آخر کار فارمز میں بنے ہوئے کاٹیجز کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

اس بارے میں ہمارے عزائم بہت محدود نوعیت کے تھے لیکن ویرا کے ایما پر میں نے کار ایک مختصر کاٹیج کی حدود میں موڑ لی۔ جہاں کچی زمین پر گاڑیوں کے ٹائروں کے نشانات بکثرت نظر آرہے تھے۔ ان دھندلائے ہوئے نشانات سے اندازہ ہورہا تھا کہ اس کاٹیج کے مکین وہاں بکثرت آمدورفت کے عادی تھے اور

اندر عمارت میں لباس کے علاوہ بھی ضروریات کی دیگر بہت سی اشیا مل سکتی تھیں۔

کنکریٹ کی اس خوش رنگ اور مختصر عمارت کے دروازے کھڑکیاں بند تھیں اور سرسبز احاطے میں دور تک کوئی متنفس نظر نہیں آرہا تھا اس لیے میں کار کو اطمینان سے عمارت کے گرد گھما کر عقبی حصے میں لے گیا۔ تاکہ سڑک پر سے گزرنے والے کسی بھی فرد کو ہماری وہاں موجودگی کا احساس نہ ہوسکے۔

کار کے انجن کا شور سن کر عقبی حصے میں واقع ایک شیڈ میں بہت سی مرغیوں نے اچانک کڑکڑانا شروع کردیا۔ اور اسی کے ساتھ عمارت کا ایک عقبی دروازہ کھلتا ہوا نظر آیا۔

ہم تینوں کسی بھی خطرے کا سامنا کرنے کے لیے پھرتی سے کار سے نیچے اتر آئے۔ پھر یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ کھلے ہوئے دروازے سے ایک ادھیڑ عمر اور تندرست شخص نمودار ہوا تھا جس کے بشرے سے نرمی اور حیرت کا اظہار ہو رہا تھا۔

ویرا تیزی سے آگے بڑھی اور انگریزی میں اس سے مخاطب ہوئی۔

"ہیلو سر! صبح بخیر! کیا تم انگریزی بول اور سمجھ سکتے ہو؟ ہم غیر ملکی ہیں اور ان اطراف میں دشواریوں سے دوچار ہوگئے ہیں۔"

وہ اونچے عقبی چبوترے پر ویرا کے قریب آگیا اور گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "انگریزی بھی بول لیتا ہوں۔ تمہارا تعلق کس ملک سے ہے؟" اس کا لہجہ اشتباہ آمیز تھا۔

"میں برٹش نیشنل ہوں، میرے دونوں ساتھی اطالوی ہیں۔" ویرا روانی میں کہہ گئی۔

"میں اطالوی بھی خوب بول لیتا ہوں۔" اس شخص کا دیا ہوا جواب سن کر مجھے اپنے حلق میں کوئی چیز پھنستی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ ویرا بھی بوڑھے کا جواب سن کر بوکھلائی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"مگر بدقسمتی کہ دونوں پیدائشی گونگے ہیں۔" اس کے مزید کچھ کہنے سے قبل ویرا بول پڑی۔ "یہ دونوں تمہاری بات سمجھ لیں گے، لیکن جواب اشاروں میں دیں گے۔ بہتر یہ ہوگا کہ کوفت سے بچنے کے لیے ہم انگریزی میں بات کرتے رہیں۔"

"ایک خوبصورت لڑکی اور دو گونگے۔" اس نے قدرے استہزائیہ لہجے میں کہا پھر خشک لہجے میں بولا۔ "تم لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"کچھ بھی نہیں، بس کچھ دیر کے لیے آرام کرنا چاہتے ہیں تاکہ میدان صاف ہوتے ہی ہم آگے نکل سکیں۔" ویرا نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "اسی سڑک پر ہمیں چار موٹر سائیکل سوار بدمعاشوں نے گھیر لیا تھا۔ وہ ہمیں لوٹنا چاہ رہے تھے۔ ان سے بہ مشکل بچ بچا کر یہاں آنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔" اس دوران ہم دونوں بھی ویرا کے قریب پہنچ چکے تھے۔

اس شخص کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرانے لگے۔ "تمہارے لباسوں سے ظاہر ہورہا ہے کہ کچھ خونریزی بھی ہوئی ہے۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے فائرنگ اور پے درپے دھماکوں کا شور بھی سنا تھا۔"

"فائرنگ سے بچنے کے لیے ہم مکئی کے کھیتوں میں گھس گئے تھے تو انھوں نے ہمیں خوفزدہ کرنے کے لیے بے ضرر پٹاخے کھیتوں میں پھینکنے شروع کردیے، مگر ہم انھیں چکمہ دے کر دوبارہ اپنی کار تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔"

"تمہاری کہانی بودی معلوم ہوتی ہے لڑکی!" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میرا نام کلثوم احمدی ہے۔" ویرا جلدی سے بولی۔ "ایک عرب سے شادی کرنے کے لیے مجھے اپنا پیدائشی نام اور مذہب تبدیل کرنا پڑ گیا تھا۔"

"خیر تم جو کوئی بھی ہو، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں مشتبہ اجنبیوں کو اس چھت کے نیچے ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ تم کہیں اور پناہ لینے کی کوشش کرو۔"

"لیکن اس وقت ہمارا سڑک پر نکلنا مخدوش ہوسکتا ہے۔" ویرا نے چبوترے پر چڑھ کر خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "ان کی چلائی ہوئی گولیوں سے ہم میں سے ایک آدھ مرگیا تو تم بھی کئی دن تک اپنے ضمیر کی خلش پر قابو نہ پاسکو گے۔"

"یہاں موٹر سائیکلیں صرف بل سارا ہاؤز کے ملازمین کے پاس ہیں۔" اس نے اپنا مدعا واضح کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "وہ سب علاقے کے شرفا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ میں نہیں مان سکتا کہ انھوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کرنے میں پہل کی ہوگی، مجھے تو شبہ ہے کہ تم نے زبردستی ان کی جاگیر میں گھسنے کی کوشش کی ہوگی اور وہاں ناکامی کے بعد اب ادھر آئے ہو۔" اپنی بات پوری کرتے ہوئے اس نے حیرت ناک سرعت کے ساتھ اپنے اوور کوٹ کی جیب سے اعشاریہ تین آٹھ کا مہیب پستول نکال کر ویرا پہ تان لیا۔

ویرا نے خوف زدہ نظر آنے کی بہت کامیاب اداکاری کی تھی اور بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "ارے، ارے! اسے جیب میں رکھو کہیں یہ چل ہی نہ جائے۔ تم ناراض ہوتے ہو تو ہم ابھی واپس چلے جاتے ہیں۔"

"خیریت اسی میں ہے کہ اپنے دونوں گونگوں کے ساتھ فوراً واپس چلی جاؤ۔" اس کا لہجہ زہریلا ہوگیا۔ "میری بیوی ذرا اونچا سنتی ہے، لیکن میرے فائر کی آواز سن کر وہ رائفل لے کر آجائے گی اور اس کا نشانہ بے خطا ہوتا ہے۔"

ویرا نے اسے دو گونگوں کی کہانی سنائی تھی اور وہ ایک بہری کا ذکر لے بیٹھا تھا۔ اگر اس شخص کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول موجود

رتا تو حالات کی ستم ظریفی پر شاید میرے لیے اپنے قہقہوں پہ قابو
دشوار ہو جاتا۔
ویرا اس شخص کے بہت قریب اور براہِ راست اس کے
نے کی زد میں تھی، اس لیے وہ اپنے حریف کی مرضی کے خلاف
بھی حرکت نہیں کر سکتی تھی اس لیے اس خطرے کا سدِ باب اب
کو کرنا تھا۔ ویرا کو بھی اس صورتِ حال کا پورا ادراک تھا۔ اس
ہی پہل کا موقع دینے کے لیے اس نے پستول والے کو باتوں
الجھا کر اس کی ساری توجہ اپنی طرف مرکوز کرائی ہوئی تھی۔ میں
ور اس کا جائزہ لیتا رہا۔ اور پھر اسے اپنی طرف سے غافل پاتے
میں نے زمین سے ایک پتھر اٹھا کر پوری قوت سے اس کے
تول والے ہاتھ کے نشانے پر پھینک دیا۔ دبی دبی غضب ناک
اہٹ کے ساتھ وہ میری طرف پلٹا تو پستول اس کے ہاتھ سے
ل کر پُرشور آواز کے ساتھ پختہ چبوترے پر گر چکا تھا۔ ویرا نے
پٹ کر پستول پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس کے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی فضا میں لہرا
اس شخص کی بائیں کنپٹی پر پڑی۔ وہ کھڑے کھڑے ایک دم
بے جان ہو کر فرش پر گر گیا۔
یہ سب اس قدر پھرتی اور خاموشی کے ساتھ ہوا کہ شاید اس کی
ری بیوی کو باہر ہونے والے واقعات کی بھنک بھی نہ مل سکی۔ ویرا
نے پستول لہرا کر ہمیں بے ہوش آدمی کو سنبھالنے کا اشارہ کیا۔ اور خود پستول
لے کر کاٹیج کے نکاسی کے دروازے کے پاس دیوار سے چپک کر
کھڑی ہو گئی تاکہ اندر سے نکلنے والے کسی بھی شخص کو بے خبری میں
دبوچ سکے۔
میں نے سلطان شاہ کی مدد سے بے ہوش شخص کو چبوترے
سے نیچے تین فٹ اونچی چوکی کی اوٹ میں اتار لیا۔ سلطان شاہ نے
اس کی ڈوری تلاش کرنے کے ساتھ ہی بے ہوش قیدی کے اوورکوٹ
کے نیچے موجود قمیص کے چیتھڑے کرنے شروع کر دیے۔ اس کے منہ
میں کپڑا ٹھونس کر ہم اس کے ہاتھ پیر باندھ رہے تھے کہ کاٹیج کی طرف
سے ایک نسوانی آواز ابھری اور ہم دونوں چبوترے کی اوٹ میں
دبک گئے۔
اجنبی نسوانی آواز کا کوئی مفہوم ہمارے پلے نہیں پڑ سکا۔ پھر
وہ آواز یک بیک ہلکی سی چیخ میں تبدیل ہوئی۔ قریب ہی فرش
پر کوئی چیز گرنے کی دھمک ہوئی اور ہم چبوترے کی اوٹ سے نکل
آئے۔
کاٹیج کے عقبی دروازے کے قریب ویرا کے قدموں میں
چالیس پچاس سالہ ایک فربہ عورت بے ہوش پڑی ہوئی تھی، لیکن
اس کے قریب کوئی ہتھیار نظر نہیں آ رہا تھا۔ غالباً اسے اندازہ نہیں
ہو سکا تھا کہ باہر کوئی سنگین صورت رونما ہو چکی تھی۔ ورنہ وہ اپنی رائفل
لیے بغیر ہرگز باہر نہ آتی۔
اسے بے دست و پا کر کے ہم نے باری باری ان دونوں کو
ان کے کمرے میں پہنچا دیا جو کاٹیج کی حدود میں الگ تھلگ بنا ہوا تھا۔
اس کمرے میں مسہری کے نیچے سے ایک رائفل اور کارتوسوں سے
بھرا ہوا ڈبا بھی ملا جو ہم نے اپنی تحویل میں لے کر کمرہ بند کر دیا۔
کاٹیج اندر سے آراستہ اور زندگی کی ہر آسائش سے مزین تھا۔
ریفریجریٹر اور ڈیپ فریزر میں بیئر کے ڈبوں سمیت خور و نوش کی
اشیاء بھری ہوئی تھیں۔ میں نے فریج میں سے بیئر کا ایک ٹھنڈا کین نکالا
اور پھر ان دونوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اس دوران میں سلطان شاہ ایک
الماری سے پستول کی گولیاں نکال چکا تھا۔
چار میں سے دو خواب گاہوں کی الماریاں مردانہ، زنانہ اور بچگانہ
ملبوسات سے آراستہ تھیں جن میں ہمارے ناپ کے کپڑے بھی موجود تھے۔
ہم تینوں نے پھرتی کے ساتھ غسل کر کے لباس تبدیل کیے اور جب ہم دوبارہ
یکجا ہوئے تو ویرا وہاں موجود میک اپ کے سامان سے استفادہ کر کے اپنے
خدوخال کو دوآتشہ بنا چکی تھی اور جینز میں ملبوس تھی۔
میں نے وہاں ان لوگوں سے باتیں کرتے کرتے بیئر کے دو کین
خالی کیے تو موڈ بڑی حد تک بحال ہو چکا تھا۔ ویرا بھی اپنے خدشات کو خیرباد
کہہ کر بل سارا ہاؤز پر مقدر آزمائی کے لیے تیار ہو چکی تھی، لیکن سب سے
بڑا مسئلہ یہ تھا کہ رائفل اور پستول ہاتھ آ جانے کے باوجود ہمیں اس کاٹیج میں
دور دور تک کوئی کار نظر نہیں آئی تھی جس کا مطلب تھا کہ ہمیں اپنی
مہم کے لیے سرخ ٹرائمف پر ہی انحصار کرنا پڑتا جو دشمنوں کی پہچانی
ہوئی تھی۔
یہ اچھی بات تھی کہ اس کاٹیج میں نگہبانی پر مامور سفید فام جوڑے
کے علاوہ کوئی متنفس موجود نہیں تھا، اس لیے ہم نے پوری آزادی کے
ساتھ عقبی حصے میں درختوں کے ایک ایسے کنج کا انتخاب کیا جہاں
بل سارا ہاؤز میں تخلیق ہونے والی تینوں لاشیں کئی دن تک کسی مداخلت
کے بغیر آرام کر سکتی تھیں۔ جب تک وقت گزرنے کے ساتھ ان
لاشوں میں تعفن پیدا نہ ہوتا، کسی کی توجہ ان درختوں کی طرف مبذول
ہونے کا امکان نہیں تھا۔ یہ اور بات تھی کہ کوئی درندہ ان میں سے
کسی لاش کا کوئی عضو چیر پھاڑ کر اس کے باقیات سرِعام چھوڑ کر
دوسروں کو ادھر متوجہ کر دیتا۔
"ان دونوں میاں بیوی کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔" کار کی ڈکی خالی
کرانے کے بعد مرغیوں والے شیڈ کے کنارے لگے ہوئے نل پہ ہاتھ دھوتے
ہوئے سلطان شاہ نے کہا۔ "وہ خود سے اپنی بندشیں نہیں کھول سکیں
گے، پتا نہیں ہوش میں آنے کے بعد بھی وہ کب تک بھوکے پیاسے
اسی کمرے میں پڑے رہیں۔"
"ان کی فکر نہ کرو، واپسی پر اگر وہ بے ہوش ملے تو ان کے ہاتھ آزاد

کرتے جائیں گے۔" ویرا بولی۔

"اور اگر ہمیں افراتفری کی حالت میں بھاگنا پڑ گیا؟"

سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"مجبوری ہوگی۔" وہ بے پروائی سے شانے اچکا کر بولی۔ "ہمیں اپنی نیت درست رکھنا چاہیے' اس کے آگے ہم بے بس ہو گئے۔"

"اس کاٹیج میں فون موجود ہے تو بل سارا ہاؤز میں بھی فون موجود ہوگا۔" میں نے ویرا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔ اور ویرا کی آنکھیں کسی خیال کے تحت چمکنے لگیں۔

"تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔" وہ پرجوش لہجے میں بولی۔ "اس کاٹیج پر بلا شرکت غیرے ہمارا تصرف ہے۔ ہم خود بل سارا ہاؤز میں گھسنے کے بجائے اگر ڈان مرسیانو کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر سکیں تو اس مورچے سے اس کے خلاف بھرپور کارروائی کر سکتے ہیں۔"

"مرسیڈیز رائفل کی صحیح زد میں آ گئی تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم اس کا جمی لائیڈ کے نام سے ذکر کرنے سے پرہیز کیوں کر رہی ہو؟" بات کرتے کرتے میں نے چونک کر سوال کیا۔

"میرے لیے اس کا پہلا نام ڈان مرسیانو ہی رہے گا۔" وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "اسے جمی لائیڈ کہتے ہوئے مجھے اپنی انا پر کچوکے لگتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔"

ہم نے گاڑی دوبارہ ایک آڑ میں کھڑی کر دی اور نئی تجویز پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے کاٹیج کی طرف چل دیے۔ ہم تینوں کے لیے وہ علاقہ اجنبی تھا' اس لیے ہمارے بل سارا ہاؤز میں گھسنے میں بہتیرے خطرات پوشیدہ تھے۔ اگر اندر کے حالات ہماری توقعات پر پورے نہ اترے تو ہم اس چوہے دان میں پھنس سکتے تھے۔ جب کہ اس مورچے سے لڑائی لڑنے میں ہمارے لیے اتنے زیادہ خطرات پوشیدہ نہیں تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا تھا کہ کمزور پڑنے پر ہمیں وہاں سے فرار کی راہ اختیار کرنا پڑ جاتی۔

اندر پہنچنے تک ہم ایک متفقہ لائحہ عمل طے کر چکے تھے۔

ویرا ٹیلی فون ڈائریکٹری میں بل سارا ہاؤز کا نمبر تلاش کرنے بیٹھی تو میں اپنے لیے اسکاچ کا ایک ڈبل پیگ بنانے کے لیے وائن کیبنٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ویرا نے مجھے وہسکی کے استعمال سے روکنا چاہا۔ اس کا خیال تھا کہ معدے میں بننے والی وہ کاک ٹیل اس نازک مرحلے پر میرے اعصاب پر اثر انداز ہو سکتی تھی' مگر میں اپنی استعداد سے پوری طرح آگاہ تھا' اس لیے اس کے مشورے کو اپنی مصروفیت پر اثر انداز نہیں ہونے دیا۔

ویرا دنیا کی بہت سی زبانوں کے ساتھ ہی اپنی آواز تبدیل کرنے پر بھی کامل عبور رکھتی تھی۔ اس نے نمبر ملا کر چند ثانیوں تک انتظار کیا' پھر بالکل ہی مختلف آواز میں فرنچ میں کسی سے مخاطب ہو گئی۔

ابتدا میں اس کے مکالموں کے درمیانی وقفے مختصر تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے مخاطب اس کی بات ماننے پر آمادہ نہ ہو رہا ہو اور یہ اسے قائل کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہی ہو۔ اس کے بشرے پر تناؤ کے آثار تھے اور آنکھوں سے تشویش ہویدا تھی لیکن جب اس نے طویل سکوت اختیار کیا تو وہ ہم دونوں کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائی تھی۔

ویرا کو لائن ہولڈ کرنے کے لیے کہہ کر اس کا مخاطب شاید کسی دوسرے آدمی کو بلانے گیا تھا۔ میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر آتشیں سیال کا ایک بڑا گھونٹ اپنے معدے میں منتقل کر لیا۔ اس وقت میرے لیے ایک ایک لمحہ اعصاب شکن ثابت ہو رہا تھا اور ویرا کی طوالت اختیار کرتی ہوئی خاموشی مجھے خطرناک محسوس ہونے لگی تھی۔

خدا خدا کر کے ویرا نے پھر بولنا شروع کیا۔ اس بار کی گفتگو طویل اور خاموشی کے وقفے مختصر تھے۔ وہ سلسلہ کئی منٹ تک جاری رہا اور جب ویرا نے ریسیور کریڈل پر رکھا تو اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ موجود ہونے کے باوجود اس کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

"جلدی نکلو۔" اس نے ہیجان آمیز لہجے میں کہا۔ "اس نے چند منٹ میں روانہ ہونے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔"

میں نے رائفل اور کارتوسوں کا ڈبا اٹھا لیا۔ ویرا اور سلطان شاہ نے اعشاریہ تین آٹھ کے پستول سنبھال کر گولیاں آپس میں بانٹ لیں۔

ویرا نے فون پر خود کو متوفی جان لی بگ کی گرل فرینڈ بتاتے ہوئے بل سارا ہاؤز کے چیف سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ فون اٹھانے والے نے سرد مہری کے ساتھ کسی جان لی بگ کو جاننے سے انکار کیا تھا لیکن ویرا نے معاملے کی اہمیت اور سنگینی پر زور دیا تو وہ فون ہولڈ کرانے کے بعد چند ثانیوں کے لیے غائب ہو گیا۔

دوبارہ فون پر آواز ابھری تو وہ ویرا کے بیان کے مطابق جمی لائیڈ کی سرد، بھرائی ہوئی اور خواب ناک آواز تھی جسے وہ ہزاروں آوازوں کے شور میں الگ پہچان سکتی تھی۔ ویرا نے اسے بتایا کہ جان لی بگ اپنی مہم کے مضمرات سے بہ خوبی واقف تھا' اس لیے جانے سے پہلے اس نے ویرا کو اپنے اوپر نگاہ رکھنے کی ہدایت کی تھی کیونکہ وہ ایک خطرناک شکار کو گھیر کر بل سارا ہاؤز لے جا رہا تھا۔ ویرا نے اسے بتائے بغیر اس کے ماتحتوں کو جمع کیا اور جان لی بگ کا تعاقب کرتے ہوئے اس موڑ تک پہنچ گئی جہاں سے سینٹ فرانسس کی راہ شروع ہو جاتی تھی۔

وہ وہیں ٹھہر گئی۔ اسے معلوم تھا کہ سینٹ فرانسس سے واپسی کے لیے جان لی بگ کو لامحالہ اسی مقام سے گزرنا پڑے گا۔ طویل انتظار کے بعد دوپہر کے قریب جان لی بگ کی کار واپس

ں تو اسے ایک زخمی مرد چلا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور
عورت بھی تھی۔ لہٰذا ان لوگوں نے سرخ ٹرائمف
ے علاوہ ایک
ک روک لیا۔ کار کی ڈکی میں تین لاشیں تھیں جن میں ایک
ں بگ تھا۔ ان تینوں نے اپنی بے گناہی کا شور مچایا لیکن
گ کے ماتحت ان تینوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ ویرا نے
پیش کی کہ اگر وہ قیدیوں میں دلچسپی رکھتا ہو تو ان کا سودا کیا
ں ہے بہ صورت دیگر قیدیوں کو تینوں لاشوں کے ساتھ پولیس
ل میں دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔

تمی لائیڈ نے کسی جوش یا ہیجان کا مظاہرہ کیے بغیر اسی سرد مہری
اتھ طریقۂ کار دریافت کیا اور ویرا نے ملاقات کے لیے
ت اطمینان کے ساتھ جان لی بگ کے سوفینی گرد کے دفتر کا پتا بتا دیا۔
یڈ نے سودے بازی کے لیے چند منٹ بعد روانہ ہونے کا ارادہ
ر کے فون بند کر دیا۔

ویرا سے گفتگو کی وہ تفصیلات سنتے ہوئے ہم کاٹیج کی حدود
نکلے تو اندازہ ہوا کہ وہاں مورچا جمانے کی صورت میں گھومی
سڑک ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتی جبکہ سڑک پار کر کے
ے کھیتوں میں چھپنے کے بعد ہم سڑک پر دور تک نگاہ رکھ سکتے
اس وقت سڑک دور تک ویران پڑی ہوئی تھی اس لیے
طمینان سے چلتے ہوئے اس پار کے کھیتوں میں داخل ہو گئے۔

ان کھیتوں میں پچھلے دس بارہ گھنٹوں میں پانی چھوڑا گیا تھا کیونکہ
وں کی جڑوں میں نرم مٹی نے دلدل کی شکل اختیار کی ہوئی تھی۔
دلدلی مٹی سے بچتے بچاتے ہوئے آخر کار ہم نے ایک ایسا خشک
محفوظ قطعہ تلاش کر ہی لیا جہاں نالیوں میں رکاوٹ کی وجہ سے
پانی نہیں پہنچ سکا تھا۔

"تم اتنی آسانی کے ساتھ خود کو کسی بھی اجنبی مرد کی داشتہ قرار
ے دیتی ہو تو تمھیں شرم نہیں آتی؟" وہاں ٹک جانے کے چند
وں بعد سلطان شاہ نے ویرا سے پوچھا۔

"تم بھول رہے ہو کہ میری رگوں میں کسی غیور پٹھان کا نہیں بلکہ
لائیڈ کا خون دوڑ رہا ہے۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "جان لی بگ
بارے میں میں نے صرف زبانی بات کی تھی۔ شی میں رہتے ہوئے
ضرورت کے وقت اپنا سب کچھ داؤ پر لگانا پڑ جاتا ہے۔ سب
ہو کر مقصد حاصل کرنے والے ہی شی میں سرخرو رہتے ہیں۔"

وہ ویرا نہیں بلکہ ڈان مرسیانو کی تربیت بول رہی تھی۔ شاید
ان کا طریقۂ کار وہی رہا ہو لیکن ویرا کے ذہن سے ڈان مرسیانو نے
ی طور پر ایسا ہر احساس کھرچ کر پھینک دیا تھا جو ویرا کو کسی بھی
ت اس کا عورت ہونا یاد دلا سکے۔ مجھے خوشی تھی کہ اب ویرا نے
سا پر جال ڈالا تھا اور وہ اپنی بلٹ پروف گاڑی میں کسی

بھی لمحے ہمارے نشانے پر آ سکتا تھا۔

وقت دھیمے دھیمے گزر رہا تھا۔ ہم تینوں ایک ہی جگہ بیٹھے
ہوئے تھے لیکن تینوں خاموش اور اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔
جب دس منٹ گزرنے کے بعد بھی مرسیڈیز کے آثار نظر نہ آئے تو
مجھے تشویش ہونے لگی۔ اگر جمی لائیڈ کو اپنے خلاف کسی سازش کی بھنک
مل گئی تھی تو وہ سکوت کسی طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا تھا۔

"بل سارا ہاؤز میں کتنے فون موجود ہیں؟" آخر میں نے مضطربانہ
لہجے میں ویرا سے پوچھ ہی لیا۔

"ڈائریکٹری میں تین نمبر موجود تھے۔" اس کے جواب نے میرے
ذہن میں ابھرنے والے بدترین خدشات کی تائید کر دی۔ "لیکن تم یہ
کیوں پوچھ رہے ہو؟" اس نے سوال کیا۔

"شاید ہم غلطی کا ارتکاب کر بیٹھے ہیں۔ جمی لائیڈ جیسے شاطر اور
چالاک شخص کو آسانی سے بیوقوف بنانا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت
ہم ایک ایسے آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھے ہوئے ہیں جو کسی بھی لمحے
پھٹ سکتا ہے۔"

"پہیلیاں بجھوانے کے بجائے کھل کر بات کرو۔" میرے انداز پر
وہ کچھ خوف زدہ سی ہو گئی۔ میری گفتگو سے اس کے ذہن میں امکانات
تو واضح ہو گئے تھے لیکن میری زبان سے ان کی تصدیق کرانا چاہتی تھی۔

"لائن ہولڈ کرنے کے بجائے تم فون کا سلسلہ منقطع کر کے چند منٹ
بعد دوبارہ فون کر لیتیں تو زیادہ بہتر رہتا۔ مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ انھیں الجھا
کر انھوں نے اس وقفے میں دوسرے فون پر ٹیلی فون ایکسچینج سے رابطہ
قائم کر کے یہ معلوم نہ کر لیا ہو کہ تم کس نمبر اور پتے سے فون کر رہی تھیں؟
ایسا ہوا تو وہ ہرگز باہر نہیں نکلے گا۔"

ویرا کا رنگ اڑ گیا اور وہ ندامت آمیز لہجے میں بولی "تم اس
وقت بھی مجھے فون بند کرنے کی ہدایت دے سکتے تھے۔ مگر تمھارے
سر پر تو اسکاچ سوار تھی جو شاید بار سلیز میں نایاب ہو گئی ہے۔"

"اس وقت مجھے کوئی شبہ نہیں تھا۔ ڈائریکٹری تم نے دیکھی تھی،
مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ بل سارا ہاؤز میں کتنے فون نصب ہیں۔ یہ
شبہ تو جمی لائیڈ کی آمد میں تاخیر کی وجہ سے سر ابھار رہا ہے۔ خدا کرے
کہ میرا یہ قیاس بے بنیاد ہو۔"

"یہ سکوت اور غیر فطری سناٹا اسی وجہ سے ہے۔" وہ اضطراری
لہجے میں بولی۔ "وہ کوئی کار یا موٹر سائیکل استعمال کیے بغیر پیدل ہی
اس کاٹیج کو گھیرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اب
تک وہ کھیتوں کی سمت سے اندر داخل ہو کر سرخ کار اور دونوں
بے ہوش قیدیوں کو دریافت کر چکے ہیں۔"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم کاٹیج میں نہیں ہیں۔" سلطان شاہ ایک
گہرا سانس لے کر بولا۔ "ہمیں نہ پا کر وہ بھی بوکھلا گئے ہوں گے اور

ہماری روپوشی کو کوئی چال سمجھ رہے ہوں گے۔"

"واقعی، اگر ہم سڑک کی گولائی کی وجہ سے اس طرف نہ آ گئے ہوتے تو اب تک انھوں نے عقب سے ہمیں چھاپ لیا ہوتا۔" ویرا گھمبیر لہجے میں کہتی ہوئی بولی۔" اس وقت ایک اتفاق نے ہمیں موت کے چنگل سے بچایا ہے۔"

"اس وقت کوئی اور نہیں بلکہ شی کا سربراہ بہ نفسِ نفیس ہمارے مقابلے پر ہے۔ جب تک ہم اس بھیانک صورتِ حال سے نکل نہ جائیں، اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے۔" میری تشویش لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی، کیونکہ ہم نے اپنی کمین گاہ کے لیے جن کھیتوں کا انتخاب کیا تھا، ان میں، اس مختصر سے قطعۂ زمین کو چھوڑ کر، ہر طرف پانی بھرا ہوا تھا۔ اس دلدلی مٹی میں فرار کی کوشش ہمیں ہر اعتبار سے مہنگی پڑ سکتی تھی۔ دوسری طرف کھیتوں سے باہر نکلنا بھی ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ ہمیں کچھ علم نہیں تھا کہ اس دوران میں ان کے آدمی کہاں کہاں مورچے سنبھال چکے تھے اور ہم کس سمت سے ان کے نشانے کی زد میں آ سکتے تھے۔

ہم تینوں وہاں بیٹھے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کھیتوں سے باہر چاروں طرف کا جائزہ لے رہے تھے، لیکن وہاں دور دور تک انسان تو کیا، کسی بھی ذی روح کا وجود نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فضا میں آنے والے خونی لمحات کی بو محسوس کر کے سارے ہی چرند پرند وہاں سے کسی محفوظ ٹھکانے کی طرف کوچ کر گئے ہوں۔

انتظار اور سنسنی میں لمحات رینگ رینگ کر سرک رہے تھے۔ کہیں سے کوئی پیش رفت نہیں ہو رہی تھی۔ حالات جہاں تھے، وہیں ٹھہرے ہوئے تھے، لیکن بے یقینی اور اعصابی تناؤ کے اس مہیب تسلسل نے میری یہ حالت کر دی تھی کہ دل حلق میں دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اور کنپٹیاں بُری طرح چٹخنے لگی تھیں۔

"وہ دیکھو!" اچانک ویرا نے میرا شانہ جھنجوڑ کر ہذیانی انداز میں سرگوشی کی۔ میں نے بھڑکتے ہوئے انداز میں، اس کے اشارے پر سڑک کے پار دیکھا تو کاٹیج کے برآمدے میں ایک دُبلا پتلا دراز قامت شخص نظر آیا جس کے ہاتھ میں رائفل دبی ہوئی تھی اور وہ بہت محتاط انداز میں پیش قدمی کر رہا تھا۔

" سوچ کیا رہے ہو، فائر کرو۔" ویرا کی سرگوشیانہ آواز میں بے یقینی کا کرب نمایاں تھا۔

میں نے رائفل شانے سے لگا کر جوں ہی نال سیدھی کی، سلطان شاہ نے ہاتھ مار کر نال نیچے گرا دی۔" اپنے ذہن پر قابو رکھو، ویرا کا تو جمی لائیڈ کی دہشت سے دماغ چل گیا ہے۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ وہ کس قدر بھونڈے اور غیر محفوظ انداز میں اچانک نمودار ہوا ہے۔ تمھارا پہلا ہی فائر اسے خون میں نہلا دے گا۔"

اس اعصاب شکن ماحول میں سب ہی اضطراری کیفیت [illegible] وجہ سے آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ لہٰذا میں اسے گھور کر رہ گیا [illegible] میں نے جیسے ہی دوبارہ نال سیدھی کرنے کا ارادہ کیا، وہ دوبارہ بول [illegible]

"میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ہماری کمین گاہ کا سراغ لگانے کے لیے [illegible] اسے قربانی کا بکرا بنایا گیا ہے۔ اس کے گولی لگتے ہی سب [illegible] یلغار کر دیں گے۔"

اس کی بات قابلِ فہم تھی۔ ہماری عافیت اسی میں تھی [illegible] سے وہاں دُبکے تماشا دیکھتے رہیں۔ جمی لائیڈ کو دیکھے بغیر اس کے [illegible] کارندے پر گولی چلانا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف [illegible] برآمدے میں نمودار ہونے والا شخص ایک ڈیڑھ منٹ [illegible] بعد درختوں کی اوٹ میں ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

"اس وحشی نے اب میرا نام لیا تو میں نتائج کی پروا کیے بغیر [illegible] کے منہ پر تھپڑ مار دوں گی۔" ویرا نے غراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"معلوم ہو رہا ہے کہ کچھ دیر اور یہی کیفیت رہی تو تم دونوں [illegible] کو بھول کر ایک دوسرے کو چیر پھاڑ ڈالنے پر تل جاؤ گے۔" میں [illegible] ملامت آمیز غصیلے لہجے میں کہا اور اپنی توجہ دوبارہ سڑک پر مرکوز [illegible]

بمشکل چند ثانیے گزرے ہوں گے کہ فضا میں ایک ہلکی سی گو[illegible] سنائی دی اور میرے بدن کے عضلات میں سختی پیدا ہو گئی۔ وہ یقیناً [illegible] یا اس جیسی کسی دوسری بیش قیمت کار کے انجن کا دھیما شور تھا جو [illegible] دوش پر سنائی دے رہا تھا۔ کار ہماری نظروں سے دور تھی، لیکن میں [illegible] پہلے فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ مرسیڈیز بلٹ پروف تھی، مکمل آرمرڈ کار نہیں [illegible] تھی، اس لیے اس کا صرف کیبن گولیوں سے محفوظ ہو سکتا تھا، لیکن [illegible] انجن اور دوسرے حصے عام گاڑیوں کی طرح ہونا چاہیے تھے، اس [illegible] لیے سامنے سے نمودار ہونے والی کار کے ریڈی ایٹر پر اگر رائفل سے [illegible] فائر کیا جاتا تو اس کا انجن بری طرح تباہ کر کے مرسیڈیز کو روکا جا سکتا تھا۔

سڑک کے وسط میں رکی ہوئی بلٹ پروف کار میں محصور [illegible] جمی لائیڈ کا تصور میرے لیے بہت دل خوش کن تھا۔

" شاید وہ آ رہا ہے۔" ویرا نے سرگوشی کی۔

" انجن کی دھیمی اور طاقت ور گونج میں بھی سن رہا ہوں۔ رائفل [illegible] میرے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے اس پر فائر میں ہی کروں گا، تم لوگ [illegible] جوش میں آ کر کوئی حماقت نہیں کرو گے۔" میں نے بل کھاتی [illegible] طرف سے آنے والی سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

خدا خدا کر کے وہ صبر آزما انتظار ختم ہوا اور سڑک کے موڑ [illegible] پر چمکتی ہوئی کالی مرسیڈیز نظر آ ہی گئی۔ اس کی رفتار خلافِ توقع [illegible] بہت سست تھی۔ میں نے رائفل سیدھی کی۔ ریڈی ایٹر کے علاوہ [illegible] نے ٹائروں کے بارے میں بھی سوچا، لیکن وہ خیال ذہن سے نکال [illegible]

پڑا کیونکہ جمی لائیڈ جیسے باحیثیت شخص کے لیے اپنی بلٹ پروف کار میں اسٹیل ربڑ والے ٹھوس ٹائر استعمال کرنا بعید از قیاس نہیں تھا۔ اس قسم کے ٹائروں پر گولیاں اثر انداز نہیں ہوسکتی تھیں۔

مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ ہم آخر کار جمی لائیڈ کو اپنے نشانے پر لانے میں کامیاب ہوگئے تھے، مگر معاً مجھے وہ دبلا پتلا دراز قامت شخص یاد آیا جو سامنے والے کاٹیج میں نمودار ہوا تھا۔ اس کی بہ حفاظت روپوشی کے بعد ہی مرسڈیز کے انجن کی آواز سنائی دی تھی جس کا مفہوم خاصا معنی خیز تھا۔

اس دراز قامت رائفل بردار کو دیکھنے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ جمی لائیڈ نے ویرا کی فون کال کی مدد سے ہمارے ٹھکانے کا سراغ لگا کر وہاں تک رسائی حاصل کرلی تھی۔ جان لی بگ کی سرخ ٹرائمف کار اور وہاں موجود قیدیوں نے اس کاٹیج میں ہماری موجودگی کی تصدیق کردی تھی، لیکن وہ ہمیں تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔

ایسی صورت میں جمی لائیڈ جیسا زیرک آدمی دو ہی نتائج اخذ کرسکتا تھا۔ اگر کاٹیج کا محافظ اپنی بیوی سمیت بدستور بے ہوش تھا تو اسے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ ٹرائمف چھوڑ کر ہم وہاں موجود کوئی دوسری کار لے بھاگے ہوں اور دوسرا امکان یہ ہوتا کہ ہم وہیں کہیں روپوش تھے۔

وہ بے اندازہ وسائل اور دولت کا مالک تھا۔ اگر چاہتا تو ہماری تلاش میں میلوں کے رقبے میں فصلوں کو تہس نہس کرکے ان زمینوں کے مالکان کو معقول معاوضہ ادا کرسکتا تھا لیکن ایسے کسی انتہا پسندانہ اقدام سے قبل وہ مکارانہ حربوں کے ذریعے ہماری کمین گاہ کا سراغ لگانے کی کوشش کررہا تھا۔ اپنے آدمیوں کی ناکامی کے بعد وہ قربانی کے ایک بکرے کو سامنے لایا تھا کہ شاید ہم دشمن کو سامنے دیکھتے ہی اس پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کریں گے۔ بل سارا ہاؤز پہنچتے ہی اسے علم ہوگیا ہوگا کہ اس نے راستے میں جس سرخ کار کو کراس کیا اس میں اس کے دشمن سوار تھے، پھر سامنے والے کاٹیج میں موجود خالی کار نے ہماری واپسی کی نشاندہی کردی تھی۔ اس صورتِ حال میں ویرا کی فون کال اس امر کی غماز تھی کہ ہمارے عزائم خطرناک تھے ہم نے سیاہ کار یا جمی لائیڈ کو شناخت کرلیا تھا اور اس سے الجھ بیٹھنے پر تل گئے تھے۔

جب ہم نے دراز قامت رائفل بردار سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی تو وہ اطلاع ملتے ہی جمی لائیڈ آخری حربہ بھی آزمانے کا اہل تھا۔ شاید اس نے سوچا ہو کہ ہم اس کے آدمیوں کو نظر انداز کرکے صرف اس کے منتظر تھے اس لیے اس نے خود سوار ہوئے بغیر اپنی کار ادھر روانہ کردی۔ وہ اس کا بہت بڑا نفسیاتی حربہ ہوسکتا تھا۔ ہم کالی مرسڈیز کو دیکھتے ہی اس پر فائرنگ شروع کردیتے اور پھر ہمارا گھیراؤ شروع ہوجاتا۔

بل سارا ہاؤز کی طرف آتے ہوئے مرسڈیز کی جو رفتار تھی اس کے پیشِ نظر اس کی واپسی میں لمبی تاخیر اور پھر اس کی سست رفتاری کسی گڑبڑ کی نشاندہی کررہی تھی۔ اس روز جمی لائیڈ ہم پر جال ڈالنے کے لیے اپنے سارے حربے آزمانے پر تل گیا تھا۔ وہ خود کہاں تھا یہ ہمیں معلوم نہیں تھا۔ کار میں اس کی موجودگی کا یقین کیے بغیر محض سیاہ مرسڈیز دیکھ کر مشتعل ہوجانا ہمارے حق میں مہلک ثابت ہوسکتا تھا۔ اگر جمی لائیڈ بذاتِ خود اس گاڑی میں سوار نہیں تھا تو ہمیں اس سے کوئی تعرض نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کی ہر چال کامیابی کے ساتھ اس پر لوٹا کر ہی ہم اسے کسی مہلک اور سنگین غلطی پر مجبور کرسکتے تھے۔

اس وقت میرے تمام حواس پوری صلاحیت کے ساتھ کام کررہے تھے ذہن لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی صورتِ حال کا تجزیہ کرتے ہوئے تیزی کے ساتھ فیصلے کررہا تھا اور نگاہیں بتدریج قریب آتی ہوئی مرسڈیز پر مرکوز تھیں۔

پھر اچانک مرسڈیز کی سن روف والی کھڑکی شاید کھول گئی اور اس میں سے ایک شخص نمودار ہوا۔ اس کا صرف اوپری دھڑ چھت سے اوپر نظر آرہا تھا۔ اس کے گلے میں ایک دوربین جھول رہی تھی، شاید وہ اگلی پائیدان پر کھڑا ہوکر دوربین سے گرد و پیش کا جائزہ لینا چاہ رہا تھا۔

میں اسے پہچان کر حیران رہ گیا کیونکہ وہ برونو اشمٹ تھا اس کے چہرے پر خوف اور بدحواسی کے آثار دور ہی سے دیکھے جاسکتے تھے اس خنک اور ابر آلود موسم میں اس کا چہرہ کھلی فضا میں نمودار ہوتے ہی پسینے میں نہا گیا تھا۔ شاید اسے بھی احساس تھا کہ اس کی وہ حرکت خودکشی کی کوشش سے کم نہیں تھی، وہ مکمل طور پر ہمارے رحم و کرم اور نشانے پر تھا۔ جمی لائیڈ سفاک اور مکار ہونے کے ساتھ بلا کا ستم ظریف بھی تھا۔ اس نے برونو اشمٹ کو غفلت کے جرم میں خود موت کے گھاٹ اتارنے کے بجائے اسے سزا کے طور پر مرسڈیز میں سجا کر موت کے آہنی جبڑوں میں دھکیل دیا تھا مگر بات سمجھ میں آگئی تھی کہ ہمیں جمی لائیڈ کے ٹھکانے کا کوئی علم نہیں تھا۔ ہم برونو کو جوں ہی نشانہ بناتے، جمی لائیڈ کے نمک خوار اپنی ساری توجہ ہماری کمین گاہ پر مرکوز کردیتے

"لیٹ جاؤ! سینے کے بل لیٹ جاؤ، پودے نہ ہلنے پائیں۔" میں نے بہت دھیمی مگر تیز آواز میں ان دونوں کو ہدایت دی جس پر فوری طور پر عمل کیا گیا۔ اس وقت تک میرے سارے اندازے حرف بہ حرف درست ثابت ہوتے آرہے تھے اس لیے اب ان میں سے کسی نے زبان کھولنے کی جرأت نہیں کی تھی۔

برونو اشمٹ دوربین لگا کر غور سے سڑک کے دونوں اطراف میں دور تک کا جائزہ لے رہا تھا۔ مرسڈیز کی رفتار کچھ اور کم ہوگئی

تھی۔ جب وہ ہمارے سامنے سے گزری تو میرے خدشات کی تصدیق ہوگئی۔ اس گاڑی میں باوردی ڈرائیور اور برونو اشمٹ کے علاوہ کسی تیسرے فرد کا نام و نشان نہیں تھا۔ شاید جمی لائیڈ بل سارا ہاؤز میں ہی گھسا ہوا تھا اور اپنی ذات کو ہمارا ہدف سمجھتے ہوئے باہر آنے سے گریز کر رہا تھا لیکن میں اس وقت تک اس کا پورا کھیل سمجھ چکا تھا اور اس کے لگائے ہوئے کسی چارے کو کسی بھی قیمت پر نگلنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

مرسڈیز کا ریڈی ایٹر اور انجن کے پہلو پر ہماری طرف والا اگلا فینڈر میرے بہترین نشانے پر آکر میری زد سے نکل گیا لیکن میں نے کوئی جنبش نہیں کی۔ کاٹیج سے کچھ دور جا کر کار ٹھہر گئی اور فضا میں میگافون پر برونو اشمٹ کی بھرائی ہوئی آواز گونجنے لگی۔

”اس علاقے میں تم لوگوں کی موجودگی کا سراغ مل گیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم ان ہی اطراف میں کھیتوں میں روپوش ہو۔ تم کو وارننگ دی جا رہی ہے کہ خاموشی کے ساتھ باہر آکر ہتھیار ڈال دو۔ تم پر کوئی تشدد نہیں کیا جائے گا۔“ وہ رک رک کر انگریزی میں بول رہا تھا۔ ”ہم صرف پانچ منٹ انتظار کریں گے اس کے بعد یہ پورا علاقہ جہنم میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ تم کو اس پوری زرعی اسٹیٹ پر کہیں امان نہیں مل سکے گی۔۔ صرف پانچ منٹ، پھر ہم اپنی مرحلہ وار کارروائی کا آغاز کر دیں گے۔“

فضا میں سکوت چھا گیا۔ مرسڈیز گھوم کر واپس لوٹی اور کاٹیج سے ذرا پہلے ایسی پوزیشن میں رک گئی کہ ٹرک پر وہ ہم سے تقریباً پچاس فٹ پیچھے تھی لیکن ہم اسے بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

میری اور ویرا کی نگاہیں چار ہوئیں اور وہ ہذیانی انداز میں بول پڑی۔ ”ہرگز نہیں یہ ان کی چال ہے، ہم اس پھندے میں آگئے تو سمجھو کہ یہ ہماری زندگی کا آخری دن ثابت ہوگا۔“

”ہتھیار ڈالنے سے بہتر یہ ہوگا کہ ہم لڑتے ہوئے مر جائیں۔“ ویرا کی سرگوشی کے جواب میں سلطان شاہ کی دھیمی آواز ابھری جس میں خوف یا تشویش کا شائبہ تک نہیں تھا۔

”ان دو کے سوا کوئی تیسری صورت ناممکنات میں سے ہے۔“ ویرا اضطراری لہجے میں بولی۔ ”ہم خود سے موت کے دہانے میں داخل ہوئے ہیں۔ وہ ہمیں پکڑنے یا ہماری لاشیں حاصل کرنے تک یہاں سے نہیں ہلیں گے اور اب ہمارے فرار کی ساری راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ کاش! میں نے ڈان مرسیانو کو نہ دیکھا ہوتا۔“

آرزو ہمیشہ ناممکنات کی ہی کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ ویرا نے ہی جمی لائیڈ کو پہچانا تھا اور ہم ایک کمزور مورچے میں زیادہ دیر تک ان سے اپنا دفاع نہیں کر سکتے تھے لیکن ذہنی طور پر میں نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ اپنی بے بسی کو تسلیم کرنے کا مطلب صرف اور صرف بھیانک انجام ہوتا جب کہ میں تیزی سے کوئی ایسی راہ سوچنے میں مصروف تھا کہ جمی لائیڈ اپنی ناقابلِ شکست برتری کے باوجود ایک بار پھر اپنے زخم چاٹتا رہ جائے۔

برونو اشمٹ نے پانچ منٹ کی مہلت کا اعلان کر کے مجھے سوچنے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

صورتِ حال سخت مایوس کن تھی۔ ان کی نظروں میں آئے اور ان سے مقابلہ کیے بغیر فرار تو درکنار ہمیں اپنی جگہ بدلنا بھی دشوار نظر آ رہی تھی۔ برونو کو ضرور قربانی کا بکرا بنا کر بھیج دیا گیا تھا لیکن بقیہ افراد ان ہی اطراف میں نامعلوم ٹھکانوں پر ہماری گھات لگائے بیٹھے تھے۔

پھر میرا ذہن ان کی نفری کی طرف مبذول ہوگیا۔ جمی لائیڈ کی وہاں موجودگی کی وجہ سے ان کا جماؤ بہت ہولناک صورت اختیار کر گیا تھا لیکن عملاً ہمارے مقابلے میں نفری وہی تھی جو بل سارا ہاؤز سے فرار کے وقت ہماری راہ میں مزاحم ہو سکتی تھی۔

وہاں کل سات نفوس میں سے دو مسلح محافظوں کو ویرا نے فرار سے قبل ایکسپلوڈر کا نشانہ بنا دیا تھا۔ اس طرح بل سارا ہاؤز میں برونو سمیت کل پانچ نفوس رہ گئے تھے۔ ان میں جمی لائیڈ اور اس کے ڈرائیور کی شمولیت کے بعد ان کی تعداد دوبارہ سات ہوگئی تھی۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ تشویش ناک نہیں تھی، مسئلہ صرف یہ تھا کہ انھیں ہمارے خلاف اسلحہ کی برتری حاصل تھی، وہ کئی سمتوں میں پھیلے ہوئے تھے اور انھیں حسبِ مرضی نقل و حرکت کی آزادی حاصل تھی جب کہ ہم تینوں اپنے قلیل اسلحہ کے ساتھ بدقسمتی سے ایک ہی جگہ محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ اگر ہم کسی طرح ان پر عارضی برتری حاصل کر کے اس کھیت سے نکلنے میں کامیاب ہو بھی جاتے تو پیدل وہاں سے فرار ہونا ناممکن تھا، وہ تھوڑی ہی دور پر ہمیں دوبارہ گھیر لیتے۔

اچانک میرے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا اور میری رگ و پے میں سنسنی کی ایک لہر سرایت کر گئی۔

اس وقت تک جمی لائیڈ کا نظر نہ آنا میرے لیے تشویش کا باعث بنا ہوا تھا لیکن اس لمحے مجھے اس کی غیر موجودگی میں اپنی فلاح کا ایک نادر موقع سوجھ گیا۔ شی میں صرف جمی لائیڈ کو ہی علم تھا کہ میرے بال میں چھپائی ہوئی سلور آئی موجود تھی۔ شی کے اس عظیم اور مقدس شناختی نشان کی توقیر برقرار رکھنے کے لیے جمی لائیڈ نے وہ خبر اپنی ذات تک محدود رکھی ہوئی تھی یا شاید اس کے اعتماد کے مزید دو چار افراد کے علم میں ہو مگر یہ بات یقینی تھی کہ برونو اشمٹ اور اس کے درجے کے دوسرے لوگ اس خبر سے لاعلم تھے۔

جمی لائیڈ شی کا مطلق العنان سربراہ تھا لیکن یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ ویرا کے بارے میں برونو اشمٹ کو بے پروائی کا مرتکب

ردہ برونو کے خون کا پیاسا ہوگیا تھا۔ اس کی لُغت میں معافی کا
ے سے موجود نہیں تھا۔ اس نے برونو کو مرسڈیز سے جس
ں بھیجا تھا اس کی بنا پر برونو کو بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ موت
ت پر اس کا مقدر بن چکی ہے۔ وہ فیصلہ کرنے والی ذات جمی لائیڈ
جس کی طرف سے تمام تر خوف کے باوجود برونو کے دل میں نفرت
ا ہونا فطری امر تھا۔

ہمارے بل سارا ہاؤز سے فرار میں ملوث ہر فریق کو یہ اندازہ
اس کارروائی میں برونو اشمٹ اور اس کے آدمیوں کی غفلت
یادہ ہماری مکاری اور چالبازی کا دخل تھا۔ شاید برونو اشمٹ
لائیڈ کے سامنے اپنی مدافعت میں وہ دلائل پیش کرنے کی کوشش
لیکن جمی لائیڈ صرف نتائج پر رکھنے کا عادی تھا۔ اسے اس بات
رض نہیں ہوتی تھی کہ مقصد حاصل کرنے کے لیے دشمن کا خون
بڑا یا خود اس کے دو چار آدمی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔
ں صرف اور صرف مقاصد کا حصول ہی سب سے اہم ہوتا تھا۔
حاظ سے برونو اشمٹ ویرا کو قید کر لینے کے باوجود اسے اپنی
ں میں رکھنے میں ناکام رہا تھا اور جمی لائیڈ کے نزدیک اس کا وہ
ناقابلِ معافی تھا۔

اس معاملے میں برونو اشمٹ کی سوچ کھلی کتاب کی طرح میرے
نے تھی۔ شاید وہ جمی لائیڈ کی ہیبت کے سامنے دم نہ مار سکا ہو لیکن
نے یہ ضرور سوچا ہوگا کہ ویرا کو اس نے اپنی ذاتی کوششوں اور
سے پکڑ کر ایک کامیابی حاصل کی تھی۔ اگر اس کی تمام تر کوششوں
باوجود ویرا فرار ہوگئی تو محض اس کی کامیابی خاک میں ملی تھی، اس
وئی جرم سرزد نہیں ہوا تھا جس پر جمی لائیڈ اس کے خلاف کوئی
لک فیصلہ صادر کرتا۔

دوسری اہم بات یہ تھی کہ بل سارا ہاؤز والی پوری مہم میں برونو اشمٹ
اری توجہ ویرا کی ذات پر مرکوز رہی تھی۔ مجھے وہ اس کا کوئی جاں نثار
ار توہین آمیز انداز میں نظر انداز کرتا رہا تھا۔ نہ اس نے مجھے ڈیپی
یت میں پہچانا اور نہ ہی مجھے اس پر اپنی اہمیت ظاہر کرنے کی ضرورت
ائی تھی، اس لیے مجھے یقین تھا کہ اس وقت میں سلور آئی استعمال
ے برونو اشمٹ کو آسانی کے ساتھ اپنا حلیف بنا سکتا تھا۔ اس بارے
ں کے ذہن میں کچھ شبہات سر اُبھارتے تو جمی لائیڈ کے خلاف
ائد نفرت کے جذبات ان کی نفی کر سکتے تھے۔

پانچ منٹ آہستہ آہستہ گزر گئے۔
پھر اچانک میں نے مرسڈیز کی باڈی کے نچلے حصے میں ایک
ٹی دہانہ نمودار ہوتے دیکھا اور اگلے ہی لمحے فضا مشین گن
کی مسلسل تڑتڑاہٹ سے لرز اٹھی۔ کار میں نصب وہ خفیہ اور خودکار
ن عمودی اور اُفقی دونوں سمتوں میں زاویے بدل کر فائر کر رہی تھی۔
کچھ گولیاں ہم سے چند فٹ اوپر سے بھی گزریں اور پھر یکلخت سناٹا
چھا گیا۔

"پانچ منٹ پورے ہو چکے ہیں۔۔۔" میگافون پر برونو اشمٹ کی آواز
نے سکوت توڑا۔

"ٹھہرو!" اس کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی میں پوری قوت
کے ساتھ چیخ اٹھا۔ "میں آ رہا ہوں۔"

"تمھارا دماغ چل گیا ہے۔" ویرا میرا ہاتھ کھینچتے ہوئے سوہانسی
آواز میں بولی۔ "وہ تمھیں بھون ڈالیں گے۔"

"اب خاموشی سے تماشا دیکھتی جاؤ۔" میں نے رائفل اس کے
حوالے کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "مرنا ہی ہے تو ہاتھ پر ہاتھ
دھر کر موت کا انتظار کرنے کے بجائے کچھ کر گزرنے کی کوشش کیوں
نہ کروں؟"

ان فیصلہ کن لمحات میں سلطان شاہ ایک لفظ نہ بولا۔ وہ ترحم
آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اس نے بحث
کے بجائے مجھے اپنی صوابدید پر عمل کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا تھا
وقت نہیں تھا کہ میں ویرا کو پوری جزئیات سے آگاہ کرتا۔ اس
کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے میں بس اتنا کہہ سکا۔ "وہ مجھے
مار دیں یا پکڑ لیں تو تمھیں اپنے فیصلوں کا اختیار ہوگا۔ بس ذرا سلطان شاہ
کا خیال رکھنا۔"

اس وقت میرے دل و دماغ کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی۔

ذہن میں ہولناک آندھیاں چل رہی تھیں۔ میرے اندازے اپنی جگہ تھے لیکن بردنو اس وقت خود ایک شکستہ انسان تھا۔ اس کا ردِ عمل کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ مجھے اپنی بدنصیبی کا ذمے دار سمجھ کر وہ جنون کے عالم میں مجھ پر گولیوں کی باڑھ مار سکتا تھا کیونکہ جب تک میں اس کے قریب پہنچ کر اسے سلور آئی نہ دکھاتا' وہ مجھے ویرا کا کوئی وفادار ملازم ہی تصور کرتا رہتا۔ وہ فاصلہ میرے لیے فیصلہ کن تھا۔

ایک جھٹکے سے ویرا سے ہاتھ چھڑا کر میں نے اپنی جیب سے سلور آئی نکالی اور وہیں سے چلاتا ہوا' دونوں ہاتھ بلند کیے' کھیت سے باہر آگیا۔ "گنیں پھینک دو' میں بھی غیر مسلح ہوں اور تمہارا آئی مین ہوں' میری شناخت میرے پاس موجود ہے' اب بھی تم میرے خلاف صف آرا رہے تو پورا سینٹ فرانسس جہنم بن جائے گا!"

اس وقت میرے پیٹ میں شدید اینٹھن ہو رہی تھی۔ پشت کے اعصاب میں درد کی لہریں سی اٹھ رہی تھیں۔ بے یقینی کے عالم میں میں کھیتوں سے کئی قدم باہر نکل آیا تو مرسڈیز کی کھلی ہوئی سن روف میں بردنو اشمٹ نمودار ہوا۔ وہ حیرت کے ساتھ میری طرف نگراں تھا۔

اس کے سوا کہیں سے کوئی اور متنفس سامنے نہیں آیا تو رفتہ رفتہ میری اعصابی حالت اعتدال پر آگئی۔

بردنو بدستور سن روف میں کھڑا رہا۔ وہ جن حالات سے دوچار تھا' ان کی دہشت اس کی آنکھوں میں جم کر رہ گئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ آخر کار اسے جمی لائیڈ کے ہاتھوں مرنا تھا لیکن مرتے مرتے بھی وہ اپنے قاتل کے لیے کام کرنے پر مجبور تھا۔

میں نے مرسڈیز کے قریب پہنچ کر سلور آئی بردنو اشمٹ کی طرف بڑھادی۔ وہ طلسمی سکہ دیکھتے ہی جذباتی تغیّر سے بردنو کا چہرہ بگڑ گیا۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں کار میں گھس کر دروازے کی راہ سے نیچے آگیا اور میرے سامنے سر جھکا کر کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ کیا ہوگیا۔ میرے خدا! یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیسی غلط فہمیاں ہیں جنھوں نے اپنوں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کیا ہوا ہے۔ تم مقدس آئی مین ضرور ہو مگر میں سپر آئی مین کے احکام پر عمل کر رہا ہوں۔ جمی لائیڈ سر سے پیر تک اپنے روایتی سیاہ لبادے میں ملبوس بل سلاہاؤ میں اپنے قیدیوں کا منتظر ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی اور ہو۔ تم اس کے بارے میں اتنے پُریقین کیوں ہو؟" اس کے ردِ عمل پر میں نے اپنا اعتماد بحال ہوتا ہوا محسوس کیا اور وہ سوال کر ڈالا۔

"یقین نہ کرنے کی وجہ ہی نہیں' اس نے مجھے ایسے دو سکے دکھلائے ہیں' دو سکوں والا سپر آئی مین کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔ پھر میں بارہا اس کی آواز سن چکا ہوں' میں دھوکا نہیں کھا سکتا۔"

"پھر تم اب کس کے ساتھی ہو؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"سپر آئی مین کے سامنے کون دم مار سکتا ہے۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "میں مجبور ہوں سر! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں!"

"یہ اوپر والوں کے آپس کے جھگڑے ہیں۔ ان میں تم جیسے لوگوں کا ملوث کیا جانا بہتر نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ یہ سب کیا سا ہو رہا ہے۔ تمہاری پچھلی غفلت کو وہ معاف نہیں کرے گا۔ تم زندہ سلامت' مرغیوں کی فیڈ تیار کرنے والی مشین میں ڈال دیے جاؤ گے۔ تھوڑی دیر بعد تمہارے ننھے ننھے' ناقابلِ شناخت ریشے پولٹری فیڈ میں تبدیل ہو کر بوریوں میں پیک کر دیے جائیں گے۔ اس نے تمہیں حکم دیا' تم نے اس کی تعمیل کی مگر اب تم میرے سامنے ہو تو تمہیں میرے حکم پر عمل کرنا چاہیے۔"

میں بہت غور سے اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی کیفیات پڑھ رہا تھا اور کن انکھیوں سے یہ جائزہ بھی لے لیا تھا کہ جمی لائیڈ کا ڈرائیور' انگریزی میں ہونے والی ہماری گفتگو نہیں سمجھ رہا تھا۔ اس معاملے کے سر پیر کا پتا نہ رہا ہوگا نہ وہ مجھ سے متعارف تھا اس لیے اس کے ساتھ بردنو اشمٹ کا مفاہمانہ رویہ بھی اس کے لیے کسی حیرت کا باعث نہ بن سکا۔

"میری عقل کام نہیں کر رہی۔" قدرے سکوت کے بعد وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"یہ خالص ذاتی معاملہ ہے۔ میں ویرا سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور جمی اس کے خلاف ہے۔ اس جنگ میں میں نے ابھی تک تنظیم کو ملوث نہیں کیا۔ صبح تم نے ہمیں گھیرا' اس وقت بھی میں نے سلور آئی استعمال نہیں کی لیکن تمہارے میدان میں اتر آنے کے بعد اب مجھے بھی اپنے اختیارات استعمال کرنے کی آزادی مل گئی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ میرا فیصلہ جو کچھ بھی ہو' جمی لائیڈ مجھے مروا دے گا۔ اس کی تو کوشش تھی کہ میں تمہاری ہی گولی کا نشانہ بنوں۔"

"میں اس کی فطرت سے واقف تھا اسی لیے تم پر فائر نہیں کیا۔ ہمارے ساتھ تم محفوظ رہو گے۔ وہ تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا اور پہلی بار اس کی ویران آنکھوں میں چمک کوندی۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں پوچھا۔

"بہت کچھ چاہتا تھا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "لیکن صورتِ حال بدل گئی ہے۔ میں تمھیں اپنے ساتھ اس مرسڈیز میں زندہ سلامت نکال لے جانا چاہتا ہوں تاکہ جمی لائیڈ اس ناکامی پر ہاتھ ملتا رہ جائے۔"

میں تیار ہوں لیکن اس کا ڈرائیور مزاحمت کرے گا۔" یک بیک اس کا لہجہ دھیما اور سازشی ہوگیا۔

"اس کے سر میں گولی مار کر اسے نیچے لڑھکا دو' ڈرائیونگ تم کرو

نے اسی لب و لہجے میں کہا۔ "اپنی جان بچانے کے لیے دشمن کا خون بہانا
کے ہر ملک میں جائز ہے۔"
"تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟"
"اسی طرف کھیت میں ہیں جدھر سے میں نکلا تھا۔"
"تم ادھر چلو میں گاڑی گھما کر ادھر لاتا ہوں اس کا حساب بھی وہیں بے باق
ہیں گے۔"
لمحہ بھر کے لیے مجھے شبہ ہوا کہ کہیں برونو اشمٹ میرے ساتھ فریب نہ
رہا ہو لیکن اس کے حالات بہت ناموافق تھے۔ اس کے لیے زندگی کی آس مجھ
سمجھوتے سے مشروط ہو کر رہ گئی تھی۔
میں سو رائی جیب میں ڈال کر کھیت کی طرف بڑھ گیا۔ برونو کار
ڈرائیور کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔
مرسڈیز مجھ سے پہلے یو ٹرن لے کر کھیتوں کے کنارے رک گئی میں
پہنچا تو برونو اشمٹ ڈرائیور کو کسی بہانے سے اتار کر کھیت میں لے جا رہا تھا۔
"آ جاؤ!" میں نے کہا اور ویرا سلطان شاہ کے ہمراہ سرعت کے ساتھ
ہر آ گئی۔ ان دونوں کی آنکھیں حیرت سے پیشانیوں پر چڑھی ہوئی تھیں وہ
سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ بدترین صورتِ حال یوں اچانک ہمارے حق میں
سکتی ہے۔
میرے اشارے پر وہ دونوں مرسڈیز کی عقبی نشست پر سوار ہو رہے
تھے کہ اچانک کھیت میں ایک فائر ہوا فضا میں ایک کرب ناک مگر ادھوری
چیخ لہرائی اور پھر کوئی وزنی وجود پودوں کو گراتے ہوئے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔
"یہ کیا ہوا؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔ ادھر تو وہی دونوں گئے تھے۔"
"شاید ان کا قاعدہ نہیں مل سکا۔ اب دیکھو ان میں سے کون واپس
آتا ہے۔" میں نے بے چینی محسوس کرتے ہوئے کہا۔ مجھے ڈر تھا کہ اس فائر
کی آواز سن کر کہیں برونو کے ساتھی اپنی خونریز کارروائی کا آغاز نہ کر دیں۔
فوراً ہی برونو اشمٹ دوڑتا ہوا پودوں کے درمیان سے نکلا۔ کار
کی چابی اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی جو ڈرائیور اترتے ہوئے اپنے ساتھ
لے گیا تھا اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر جوں ہی اگنیشن آن کیا میں
اس کے برابر میں سوار ہو گیا۔ اس نے خود کار ٹرانسمیشن لیور کو ڈرائیو پوزیشن
میں منتقل کر کے تیزی سے کار سڑک پر چڑھا دی۔
"تمہارے آدمی تو مزاحمت نہیں کریں گے؟" میں نے سوال کیا۔
"میری ہدایت کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں کریں گے۔" وہ رفتار بڑھاتے
ہوئے بولا۔۔۔۔ "مجھے شبہ ہے کہ جمی لائیڈ اب ان چاروں کو بھی زندہ
نہیں چھوڑے گا۔ یہ بے چارے بے موت مارے جائیں گے۔"
"مگر تم نے تو کہا تھا کہ وہ تنظیم کے نہیں تمہارے ذاتی ملازم ہیں۔" میں نے حیرت
سے کہا۔
"ان کی تنخواہیں تنظیم ادا کرتی ہے لیکن وہ براہِ راست صرف مجھے جوابدہ
ہیں۔ اس سے قبل سارا ہاؤس اور اس سے ملحقہ دو سو ایکڑ زرعی جاگیر بھی
تنظیم کی طرف سے چیف ڈارلنگٹن کے نام پر ہے۔"
"جمی لائیڈ اپنے ناپسندیدہ لوگوں کو اسی طرح نواز تا رہتا ہے۔" میں
نے بے پروائی سے کہا تاکہ برونو اشمٹ کو میری اصلیت پر شبہ نہ ہو سکے۔
اس نے اپنی جان بچانے کے لیے میرے ساتھ سمجھوتا کر کے بہت بڑا
خطرہ مول لیا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ دل سے تنظیم کی دہشت دور ہو جانے
کے بعد وہ کسی بھی لمحے مجھ سے بھی بغاوت کر سکتا تھا۔
"خطرات کو ہم دور چھوڑ آئے لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کیا
ہو رہا ہے؟" عقبی نشست سے ویرا کی کمزور اور بھرائی ہوئی آواز ابھری۔
"خطرات کی اب پروا نہیں۔" برونو اشمٹ ڈیش بورڈ پر لگے
ہوئے چار یکساں لیوروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں
بولا۔ "اس بلٹ پروف کار میں آگے پیچھے دائیں اور بائیں چار خود کار
گنیں پوشیدہ ہیں جنھیں ایک اشارے سے بیک وقت حرکت میں لایا
جا سکتا ہے۔ میں نے ڈرائیور سے ان کا استعمال سمجھ لیا تھا۔" بات کرتے
کرتے اس نے اچانک ہی چند ثانیوں کے لیے اگلی گن چلا دی اور فضا
میں یکے بعد دیگرے متعدد گولیاں مختلف سمتوں میں اوپر اٹھتی چلی گئیں۔
ویرا کے اندازے کے مطابق کار میں ٹرانسمیٹر بھی نصب تھا
جو بظاہر اسٹیریو نظر آتا تھا لیکن سامنے ہی ہک میں لگے ہوئے دستی
ماؤتھ پیس کی وجہ سے اسے شناخت کرنا دشوار نہیں تھا۔
اس وقت ویرا کی لب کشائی نے مجھے مضطرب کر دیا تھا وہ نادانستگی
میں کوئی ایسی بات کہہ سکتی تھی جو میرے بیانات سے متضاد ہوتی اس
لیے میں نے اسے ہوشیار کرنے کے لیے کہا۔" میں نے برونو کو بتا دیا
ہے کہ ہم دونوں آپس میں شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن جمی لائیڈ اس کا سخت
مخالف ہے اور اس نے ذاتی جھگڑے میں شی کو ملوث کر لیا ہے۔"
"یہ بات تم دوسری بار کہہ رہے ہو۔" برونو سڑک پر سے نظریں ہٹائے
بغیر بولا۔ "جمی لائیڈ ہی شی کا بانی اور سربراہ ہے اسے پورا حق حاصل ہے
کہ وہ شی کے وسائل کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ تم محترم آئی مین
ضرور ہو لیکن تمہارے اختیارات کا منبع اسی کی ذات ہے اس سے کوئی
اپنا موازنہ نہیں کر سکتا۔"
"لیکن پہلی بار تم میری اس بات پر خاموش رہے تھے۔" میں نے
سپاٹ لہجے میں اسے یاد دلایا۔
"اس وقت کی بات اور تھی۔ سپر آئی مین نے میرے خلاف ایک
فیصلہ کر لیا تھا۔ میں اس سے بغاوت کر کے ہی اس سزا سے بچ سکتا تھا
جس کی مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ اس سے بغاوت کے لیے مجھے ایک
سہارا درکار تھا جو تمہاری ذات نے فراہم کر دیا اور میں آنکھیں بند
کر کے تمہارے ساتھ ہو لیا۔"
"پھر تو ہمارا اشتراک بھی شاید زیادہ دیر تک نہ چل سکے؟"
میں نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

"ہم دونوں کے راستے الگ الگ ہیں۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "ایک حقیقی آئی مین کے لیے جمی لائیڈ کا وفادار ہونا پہلی شرط ہے اور تم اس سے محاذ آرائی پر تلے ہوئے ہو اس لیے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ سلور آئی کسی اتفاق کے تحت تمہارے ہاتھ آگئی ہے۔ تم ویرا لائیڈ کے ساتھ مل کر اسے استعمال کر رہے ہو اور جمی لائیڈ کو کسی معاملے میں بلیک میل کرنا چاہ رہے ہو۔" وہ میری توقع سے کہیں زیادہ ذہین اور چالاک ثابت ہو رہا تھا۔ مجھے خوشی اس بات کی تھی کہ اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر اپنے خیالات کا اظہار کر دیا تھا جس کی روشنی میں میں اپنے فیصلے کر سکتا تھا۔

"تم اس سے نہ جانے کب تک الجھتے رہو گے جب کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس سے بغاوت کر کے اب میں آزادی کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکوں گا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے یورپ، برطانیہ اور امریکا کو بھول جانا ہوگا۔ میں پہلی فرصت میں دنیا کے کسی حسین اور غیر معروف ملک کی راہ اختیار کر کے وہاں نئے سرے سے زندگی گزارنے کی کوشش کروں گا۔ میرے لیے سب سے بڑی آسانی یہ ہے کہ میں ابھی تک تنہا ہوں۔ جنوبی امریکا کے کسی بھی ملک میں کسی مقامی دوشیزہ سے شادی کر کے میں اپنا مستقبل بے فکری کے ساتھ گزار سکوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ میں آج ہی یہ سرزمین چھوڑ دوں۔"

"تم کہانیاں اچھی تراش لیتے ہو۔" میں نے دل ہی دل میں اس کی صلاحیت کا اعتراف کرنے کے باوجود چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بہتر ہوگا کہ ہم اس موضوع پر مزید گفتگو نہ کریں ورنہ بدمزگی پیدا ہو سکتی ہے۔"

"جمی لائیڈ کا حافظہ کسی اونٹ سے بھی زیادہ تیز ہے۔ بل سارا ہاؤز پہنچ کر میری ناکامی کی کہانی سنتے ہی اس نے پہلا سوال کار کے رنگ کے بارے میں کیا تھا۔ تمہاری سرخ ٹرائمف کو کراس کرتے ہوئے اس کے اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے ایک عورت کو دیکھ کر اس کے ذہن میں شناسائی کی لہر ابھری تھی لیکن وہ ویرا کے عربی لباس سے دھوکا کھا گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ تم تینوں میرے مسلح آدمیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل جاؤ گے۔"

"تم اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ ڈالو، اس اونٹ سے نمٹنا ہم جانتے ہیں۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میں اس سے باغی ہو ہی گیا ہوں اور اپنی واپسی کا ہر راستہ مسدود کر لیا ہے اس لیے یہ سب تمہیں بتا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ان تفصیلات سے تمہیں کچھ مدد مل سکے ۔۔۔ اور ہاں، یہ بھی بتاتا چلوں کہ وہ ویرا کی سلامتی کے بارے میں بہت فکرمند تھا وہ اسے کوئی نقصان پہنچائے بغیر اپنی قید میں دیکھنا چاہتا ہے۔"

"جوانی کی لغزشیں ادھیڑ عمری میں اسی طرح فکرمند کر دیتی ہیں۔" میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اسی وقت ڈیش بورڈ میں لگے ہوئے ٹرانسمیٹر پر جمی لائیڈ کی سرد اور آسیبی آواز گونجنے لگی تھی۔

"وہ رپورٹ طلب کر رہا ہے۔" ویرا ہیجان آمیز لہجے میں بولی۔ "شاید یہ لوگ وقفے وقفے سے اسے پوزیشن سے آگاہ کرتے رہے تھے لیکن اب کافی دیر سکوت کے عالم میں گزر گئی ہے۔"

"بتاؤ میں کیا کہوں؟" جمی لائیڈ کی آواز سن کر برولوانشمٹ پریشان نظر آنے لگا تھا۔

میں نے تحقیر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تار سے منسلک ماؤتھ پیس ہُک سے اتار لیا اور اس کا ٹرانسمیٹنگ بٹن دبا کر انگریزی میں بولا۔ "ڈینی اسپیکنگ... کیا یہ ممکن نہیں کہ تم انگریزی بولنا شروع کر دو! اوور۔"

"اوہ، تو تم پھر غالب آگئے۔" اس کی آواز تحیّر سے عاری، سرد اور سپاٹ تھی۔ "اس کا مطلب ہے کہ مجھے اپنے آدمیوں کی لاشیں بھی اٹھوانا ہوں گی۔ تمہارا مقدر تمہارا ساتھ دے رہا ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ اس بار تم زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکو گے۔ تنظیم سے منہ پھیرنے والوں کا انجام بہت عبرت ناک ہوتا ہے ۔۔۔ اوور۔"

"تم برولوانشمٹ کو ہمارے ہاتھوں مروانا چاہتے تھے تمہاری سازش کو وہ بھی سمجھ رہا تھا، موقع پاتے ہی اس نے کھلی ہوئی سن روف سے باہر کود کر گھنے کھیتوں میں دوڑ لگا دی، تمہارا ڈرائیور چابی اگنیشن میں چھوڑ کر اس کے پیچھے بھاگا اور ہمیں کار پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا اسی بل بوتے پر عبرتناک انجام کی دھمکی دے رہے ہو تو شاید تمہیں ہمیشہ خاک چاٹنا پڑے گی۔ تم ہمارا بال بھی بیکا نہ کر سکو گے۔ اوور۔"

"عورتوں کی طرح لچر زبان استعمال کرنے کے بجائے تمیز سے بات کرو۔" اس کی آواز درشت ہو گئی۔ "میں اپنے بارے میں تمہارے جذبات سے اچھی طرح واقف ہوں، ان کے مزید اظہار سے تم گفتگو کا یہ موقع کھو دو گے۔ ہمیں شریف دشمنوں کی طرح شائستہ لہجے میں بات کرنا چاہیے۔ اوور۔"

"تم بات کرنا ہی چاہتے ہو تو مجھے یہ شرط قبول ہے۔ بہت دنوں کے بعد تمہاری آواز سننے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اوور۔"

"میرے باقی آدمیوں کا کیا انجام ہوا؟ اوور۔"

"ہمارے سامنے کوئی نہیں آیا۔ لیکن یہ سب تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟ میں تمہارا ملازم تو نہیں ہوں۔ تم خود باہر نکل کر دیکھ سکتے ہو کہ کیا ہوا ہے؟ اوور۔"

"بل سارا ہاؤز میں موجود کار اور موٹر سائیکلوں کے ٹائر تم نے پھاڑ دیے تھے، مرسیڈیز خود لے بھاگے ہو، جب تک میرے آدمی تمہاری چھوڑی ہوئی سرخ کار یا کوئی دوسری کار نہیں لے آتے میں پیدل زیادہ دور نہیں جا سکتا۔ تم شی کی تاریخ میں پہلے آدمی ہو جس کے لیے میں دشمنی کے ساتھ احترام کے جذبات بھی رکھتا

وں۔کار تم خود چلا رہے ہو؟ اوور۔" بات کرتے کرتے وہ اچانک
رمتوقع سوال کر بیٹھا۔
"میرے علاوہ کون چلائے گا؟" میں نے بردلو کو آنکھ سے
شارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ شدید حیرت کے عالم میں منہ کھولے
ری اور جمی لائیڈ کی گفتگو سن رہا تھا، جیسے اسے اپنے کانوں پر
یقین نہ آ رہا ہو۔
"میں بھی تمہاری صلاحیتوں کا معترف ہوں۔" میں نے
پنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "کنگ لائنز اور شی کو تم نے
بہت کامیابی کے ساتھ ایک دوسرے سے الگ رکھا ہوا ہے بحری
ہازرانی کے بھی شہنشاہ ہو اور جرائم کی دنیا کے سرخیل بھی، ہو
ب تم روم میں ڈان مرسیانو بن کر امرا اور مقتدر لوگوں کی دلبستگی
کے لوازم فراہم کرتے ہو تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایسی گھٹیا
محفلیں سجانے والا کنگ لائنز یا شی کا جینئس سربراہ ہو سکتا
ہے۔ اوور۔"
"تم بہت کچھ جان گئے ہو۔" اس کے الفاظ میں تاسّف
چھپا ہوا تھا لیکن لب و لہجہ اسی طرح سرد اور سپاٹ تھا۔ "چاہو
تو میں دوبارہ تمہیں ساتھ لینے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے، اپنے یا تم جیسے
دو چار آدمی مل جائیں تو یقین کرو کہ ہم دھوم مچا سکتے ہیں۔ کل
کی دنیا میں کوئی بڑا فوجی، سیاسی یا معاشی فیصلہ ہماری مرضی
کے بغیر نہ ہو سکے گا۔ اوور۔"
"یہ خواب تم سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے دیکھا
ہے۔ جدید عسکری تاریخ میں ہٹلر کا نام زیادہ پرانا نہیں ہے
وہ بھی پوری دنیا کی تسخیر کا پروگرام لے کر اٹھا تھا لیکن بے بسی
کی موت مر گیا۔ تم اپنے موجودہ محدود مفادات کا تحفظ نہیں کر
سکتے۔ لائیڈز کاٹیج کو نہ بچا سکے، گن بوٹ کھلے سمندر میں اغوا
کر کے بیچ دی گئی، فارم کیمپ تمہارے وسائل اور قوت کا قبرستان
بن گیا لیکن تم کچھ نہ کر سکے، پھر بھلا بڑے پیمانے پر کیا کر سکو گے۔؟
فی الحال اتنا ہی کافی ہے کہ تم مجھے اپنا ممتاز دشمن تصور کرتے ہو اور
یہ یاد رکھنا کہ اب میں تمہاری راہ پر چل پڑا ہوں۔ آج تمہارے
ستارے یاور تھے اس لیے سامنا نہ ہو سکا، آئندہ جلد ہی کہیں بھی
غیر متوقع طور پر ملاقات ہو سکتی ہے، اس وقت سارا نیا پرانا حساب
برابر ہو جائے گا۔ اوور۔"
"تم بھی انہی سب کاموں کی روزی پر برسوں پروان
چڑھے ہو۔" اس کی آواز ابھری۔ "آخر ایک دم مخاصمت پر
اتر آنے کی وجہ کیا تھی، ایسی تبدیلیاں بلا وجہ نہیں آتیں۔ اوور۔"
"اسلحہ کی اسمگلنگ اور دوسری سرگرمیاں بعد میں میرے سامنے
آئی ہیں، اصل دشمنی منشیات کی ہے۔ میں نے اپنی نگاہوں سے کوکین

اور ہیروئن کی تباہ کاریاں دیکھی ہیں۔ اس لعنت کی بدولت
ہنستے کھیلتے گھرانے اجڑتے دیکھے ہیں اور اسی دن سے مجھے ہیروئن
اور شی سے نفرت ہو گئی ہے۔ تم آج ہیروئن سے اپنا تعلق ختم کر لو
تو مجھے اپنا بندۂ بے دام پاؤ گے۔ میں بھی کوئی پارسا نہیں ہوں مگر
ہیروئن فروشی کے تصور سے اب میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے
ہیں۔ اوور۔"
"کاروبار میں جذبات نہیں چلتے۔ اس میں طلب اور
رسد کا سیدھا سا اصول چلتا ہے۔ جس مال کی طلب ہو وہی
بیچا جا سکتا ہے اور پھر ہیروئن دنیا کی وہ واحد جنس ہے جس کی
تجارت پر کم از کم ہزار گنا منافع ملتا ہے، اگر اس کی تیاری کے مراکز
اور صحیح مارکیٹ میں رابطہ ہو تو راتوں رات کروڑ پتی بنتا ممکن ہے۔
اوور۔"
"یہ تم کسی اور کو بتا سکتے ہو، مجھے نہیں۔ پاکستان کی مقامی
منڈی میں ہیروئن میرے ہی ہاتھوں سے متعارف کرائی گئی تھی۔
جب وہاں کوئی ہیروئن کے نام اور شکل سے بھی واقف نہیں تھا،
تمہارے مقامی بڑوں نے چرس کے بڑے ذخائر تباہ کر کے منڈی
میں نشے کا بحران پیدا کیا اور پھر اس خلا کو پُر کرنے کے لیے ہیروئن
کی پڑیاں نشے بازوں میں مفت تقسیم کر کے انہیں نئی لت لگائی گئی۔
اس کے فروغ کے لیے اسے لاگت سے بھی کم نرخ پر بیچا گیا اور پھر
رفتہ رفتہ بات منہ مانگے داموں پر آ گئی۔۔۔۔ یہ سب باتیں میرے
دماغ میں نقش ہیں۔ اوور۔"
"پاکستان سے باہر نکل کر تم دیکھ چکے ہو کہ تمہارے ملک میں
دام اب بھی کم ہیں۔ دراصل منڈی کے طور پر ہمارے لیے پاکستان کبھی
بھی اہم نہیں رہا۔ ہمیں اپنے روٹ قائم کرنے کے لیے وہاں ہیروئن
متعارف کرانا پڑی۔ کیوں کہ آزاد افغانستان کے جنگ زدہ قبائلی
علاقوں میں تیار ہونے والی ہیروئن پاکستان کے راستے ہی مغرب
کی زرخیز منڈیوں میں پہنچائی جا سکتی تھی۔ تم اس پر غور کرو گے تو
حقائق سے سمجھوتا کر لو گے۔ اوور۔"
"ہم ایک دوسرے کے نظریات نہیں بدل سکتے اس لیے
اس موضوع پر سر کھپانا فضول ہے۔ کوئی اور بات باقی ہو تو وہ
کر لو، مجھے ڈرائیونگ میں دقت ہو رہی ہے۔ اوور۔"
"ویرا سے میری بات کرا دو۔ اوور۔"
اس وقت ویرا کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ وہ پہلی بار میرے
ساتھ بیٹھی، براہِ راست اپنے باپ کی آواز سُن رہی تھی۔ اس
نے جمی لائیڈ کا پیغام سُن کر کانپتے ہوئے ہاتھ سے مائیکرو فون
اپنی گرفت میں لے لیا۔
"ویرا اسپیکنگ۔ اوور۔" اس نے بٹن دبا کر بھرّائی ہوئی

آواز میں کہا۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ بہت
مشکل سے اپنے آنسوؤں کو ضبط کر رہی تھی۔

"تمہاری سرکشی اب میرے لیے سوہانِ روح بن گئی ہے
ویرا! اگر تم اپنی اصلاح نہ کر سکیں تو مجھے سب کچھ بھول کر
تمہارے خلاف کچھ سخت فیصلے کرنا پڑجائیں گے۔ اوور۔"

"کیا بھول گے؟ تمہارے پاس تو میرے لیے کوئی گنجائش
نہیں ہے پھر مجھے رعایتیں کس لیے دیتے ہو۔ فیصلہ کرو اور پھر
مجھے اپنے کسی حقیر ملازم سے ذبح کروا دو۔ میں تمہارا کچھ بھی نہ
بگاڑ سکوں گی۔ اوور۔" بولتے ہوئے ویرا کی آواز رندھ گئی اور
اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔ ان دونوں
کے بارے میں حقیقت کچھ بھی رہی ہو، ویرا ہمیشہ سے اسے اپنا باپ
تصور کرتی آئی تھی لیکن اس نے کبھی ویرا کو نہیں اپنایا تھا۔

"بھول جانا چاہتا ہوں لیکن آج تمہیں بتاتا ہوں کہ میں
اپنی زندگی کی کتاب سے وہ باب نہیں پھاڑ سکتا۔" جمی لائیڈ
کی آواز میں پہلی بار کرب آلود ملامت اُمڈ آئی۔ "اپنی حرکتوں
سے تم میرے لیے ایک روگ بنتی جا رہی ہو۔ مجھے یہ دکھ ہے کہ
میرا اپنا خون اب میرے مقابلے پر آمادہ ہے۔ اوور۔"

"پاپا!" وہ تڑپ کر ہذیانی انداز میں پوری قوت سے
چیخ پڑی۔ اس کے وجود پر طاری ہونے والا تشنج دیکھ کر میں اپنی
جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔ "تم کتنے کمینے اور خود غرض ہو پاپا! کہ اپنی
مرضی کی زندگی گزارنے کے لیے تم نے مجھے دنیا جہان کی ٹھوکریں
کھانے کے لیے اکیلا چھوڑ دیا۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ میں تو جب
بھی ڈان مرسیالو کے روپ میں تمہارا تصور کرتی ہوں، میرے وجود
میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے
ہاتھوں سے تمہاری بوٹیاں نوچ کر چیل کوّوں کو کھلا دوں۔ میری
زندگی کے بہترین ایام، تم نے گناہوں کی دلدل میں گزارنے پر مجبور
کر دیا۔ تم کس قدر خبیث اور شیطان صفت ہو پاپا! تم سے تو
وہ درندے بہتر ہیں جو اپنی اولاد کی زیادتیاں سہہ لیتے ہیں
لیکن جب ان کی باری آتی ہے تو سونگھ کر اولاد کو پہچان
کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی
پاپا۔۔۔۔!"

وہ بلک بلک کر ٹرانسمیٹر کے ماؤتھ پیس میں چیخے جا رہی
تھی۔ برسوں کی تنہائی اور محرومی کے بعد جمی لائیڈ کی طرف سے
اچانک اس کی ولدیت کا اعتراف ویرا کے لیے شدید ذہنی
جھٹکے کا سبب ثابت ہوا تھا اور وہ اپنی ذات کا سارا بھرم
بھول کر اس وقت ایک باپ کی ننھی سی بیٹی بن کر رہ گئی تھی۔
میں نے سختی کے ساتھ اس کے ہاتھ سے ماؤتھ پیس واپس
لے لیا ورنہ وہ نہ جانے کب تک دل کی بھڑاس نکالتی رہتی۔ ہاتھ
خالی ہوتے ہی اس نے اپنا منہ دونوں ہتھیلیوں میں چھپایا اور
میری نشست کی پُشت گاہ سے ٹکریں مار مار کر رونے لگی۔ سلطان
بوکھلائے ہوئے، احمقانہ انداز میں اسے دلاسا دینے کی ناکام کوشش
کر رہا تھا۔

"تم واقعی بہت ظالم اور سفاک ہو جمی! تم نے سن لیا نا
کہ تم کون اور کیسے ہو؟ اختیار اور پیسے کی ہوس میں تم نے ویرا کو
نظر انداز کر کے شاید اپنی زندگی کا سب سے بڑا ظلم کیا ہے۔ اوور۔"

چند سیکنڈ تک انسٹرومنٹ کے اسپیکر پر سناٹا رہا پھر جمی لائیڈ
کی دل گرفتہ آواز ابھری۔ "میرا قصور صرف اتنا ہے بیٹی! کہ میں اپنی
پوری کوشش کے باوجود تمہارے ذہن کو اس سلنچے میں نہ ڈھال
سکا جو میں چاہتا تھا۔ لیکن اب میں ماضی کی کوتاہیوں کا ازالہ کرنے
کی کوشش کروں گا۔" وہ میرے بجائے ویرا سے مخاطب ہوا تھا۔ اس
کی زبان سے اپنے لیے بیٹی کا لفظ سن کر برسوں کی ترسی ہوئی ویرا پر
ہچکیوں اور سسکیوں کا دورہ پڑ گیا تھا۔ باپ کے ہوتے ہوئے بھی وہ
پیدائش سے اب تک شفقتِ پدری اور اس کی آسودہ لذتوں
سے ناآشنا رہی تھی۔ اس کے عمر بھر کے گھٹے ہوئے جذبات اس وقت
آنسوؤں کے سیلاب میں بہہ نکلے تھے۔ مضافاتی سڑک کسی لمحے بھی
ختم ہو سکتی تھی اور مجھے خوف تھا کہ کہیں ویرا کی وجہ سے ہم اچانک
ہی لوگوں کی توجہ کا مرکز نہ بن جائیں۔

میں اسے سمجھانے بجھانے لگا اور کار میں جمی لائیڈ کی آواز
گونجتی رہی۔ "لیکن میں ڈینی کو معاف نہیں کر سکتا۔" اس کا لہجہ خوفناک
ہو گیا۔ "اسی نے تمہیں بہکایا اور تمہارے ذہن میں مجھ سے بغاوت
کے جراثیم کو پختہ کیا ہے، اس کا انجام عبرتناک ہوگا۔ کار رکوا کر تم نیچے
اتر جاؤ، ڈینی اپنی سیٹ نہیں چھوڑ سکے گا پھر میری انگلی کے موہوم اشارے
پر کار میں نصب طاقتور الیکٹرونک بم ایک دھماکے سے ڈینی سمیت کار
کے چیتھڑے اڑا دے گا۔ تمہارے پاس بس پندرہ سیکنڈ ہیں میں گنتی شروع
کر رہا ہوں اور پندرہ کہتے ہی میں کار کو اڑا دوں گا۔ اس دھماکے میں تم بھی
مرگئیں تو تمہارا بدنصیب باپ زندگی بھر خود کو معاف نہیں کر سکے گا۔۔۔ ایک
دو۔۔۔۔ تین۔۔۔!"

اس نے گنتی شروع کر دی لیکن اس سے پہلے ہی بردلو اشمٹ
پر دہشت کا دورہ پڑ چکا تھا۔ جمی لائیڈ کو کار میں اس کی موجودگی کے بارے
میں نہیں بتایا گیا تھا۔ جمی لائیڈ نے باتوں ہی باتوں میں ڈرائیور کے بارے
میں دریافت کیا تو میں نے اسے بتایا کہ کار میں خود چلا رہا ہوں۔ جوں ہی جمی
لائیڈ نے یہ کہا کہ ڈینی اپنی سیٹ نہیں چھوڑ سکے گا، میں چونک گیا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے بردلو اشمٹ نے چلتی ہوئی کار کا دروازہ
کھول کر غالباً باہر چھلانگ لگانے کا ارادہ کیا لیکن دروازہ نہ کھل سکا۔

اپنی سمت کے دروازے پر قوت آزمائی کی تو وہ بھی مضبوطی کے ساتھ مقفل تھا۔

شاید مرسڈیز کے تمام دروازے ایسے مرکزی الیکٹرونک نظام سے منسلک تھے کہ کار چلتے ہوئے تمام دروازے خود بخود مقفل ہو جاتے تھے اور کار رکے بغیر دروازہ کھولنا ناممکن تھا۔ اس صورتِ حال کا اندازہ لگاتے ہی برولنو اشمٹ نے بریک لگا دیا۔ کار کی رفتار تیزی سے کم ہونے لگی لیکن اسی لمحے ڈرائیونگ سیٹ کی نشست اور پشت گاہ کے کسی خفیہ خلا سے اندر کی طرف مڑے ہوئے متعدد آہنی پنجے نمودار ہوئے اور تیز کھٹکوں کے ساتھ ان کی نوکیلی دھاریں اس کے شانوں، پیٹ اور رانوں میں پیوست ہو گئیں۔ برولنو اشمٹ کرب اور اذیت کے عالم میں بری طرح چیخا اور اپنے جسم میں پیوست آہنی پنجوں کو دونوں آزاد ہاتھوں سے نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسٹیئرنگ آزاد ہوتے ہی کار لہرائی اور بریک پیڈل پر سے برولنو کا پیر ہٹنے کی وجہ سے کار کے سست ہونے کا سلسلہ بھی جھٹکوں میں تبدیل ہو گیا کیوں کہ ایکسیلریٹر بھی برولنو کے پاؤں کے دباؤ سے آزاد ہو چکا تھا۔

میں نے اسٹیئرنگ تھام کر پوری قوت سے ہینڈ بریک کھینچا تو کار ایک شدید دھچکے سے وہیں رک گئی۔ اس وقت تک جمی لائیڈ کی گنتی پانچ تک پہنچی تھی اور ویرا سکتے کے عالم میں، بھیگی ہوئی ورم آلود آنکھوں سے برولنو کو دیکھ رہی تھی۔

دونوں طرف سے آٹھ آہنی پنجوں نے برولنو اشمٹ کو سیٹ سے چپکا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے زخموں سے بہنے والے خون کی دھاریں نشست اور پائیدان کو رنگین کر رہی تھیں اور وہ پوری کوشش کے باوجود کسی ایک پنجے کو بھی ہلانے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا، اس کا چہرہ موت کی دہشت سے زرد ہو گیا تھا۔ وہ ذبح ہوتے ہوئے کسی درندے کی طرح چیختے ہوئے اپنی گردن اِدھر اُدھر پٹخ رہا تھا۔ خون میں لتھڑی ہوئی انگلیوں سے چہرے پر پڑنے والے نشانات نے اس کا چہرہ بھیانک بنا دیا تھا۔

"بچاؤ۔ مجھے ان خونی شکنجوں سے بچاؤ۔" برولنو حلق پھاڑ کر چیخا۔

میں نے دروازہ کھولنا چاہا اور میری ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی سرد سی لہر سرایت کر گئی تھی۔

"دروازہ مقفل ہے۔" پیچھے سے سلطان شاہ کی خوف زدہ آواز ابھری اور وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ کار رک جانے کے باوجود تالوں کا میکانزم مقفل تھا اور پندرہ تک گنتی پوری ہونے سے پہلے اس کار کے بلٹ پروف شیشے توڑنا ناممکن تھا۔ بظاہر ان شیشوں کو اتارنے کا کہیں کوئی برقی یا میکانیکی نظام نظر نہیں آ رہا تھا اور گنتی سات تک پہنچ چکی تھی۔

جدید ترین ماڈل کی اس کار کے حساس مگر محفوظ نظام سے عدم واقفیت اس وقت موت کا پھندا ثابت ہوتی نظر آ رہی تھی۔ میں نے آخری کوشش کے طور پر ٹرانسمیشن لیور کو پارکنگ پوزیشن میں تبدیل کر کے دروازے پر ہاتھ ڈالا تو وہ فوراً کھل گیا اور میں نے باہر چھلانگ لگا کر عقبی دروازہ کھول کر ویرا کو بے رحمی سے باہر گھسیٹ لیا۔ اسی لمحے جمی لائیڈ کی آواز میں نو کی آواز فضا میں ابھری تھی اور کار کا انجن بدستور چل رہا تھا۔

سلطان شاہ نے باہر چھلانگ لگائی تو برولنو اشمٹ کی دہشت زدہ چیخیں زمین آسمان کو ایک کر رہی تھیں کیونکہ اسے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔

ہم تینوں نے یکجا ہوتے ہی سڑک سے نیچے درختوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ ویرا شدید جذباتی صدمے کی وجہ سے اس وقت نارمل نہیں تھی لیکن خدا کا شکر تھا کہ وہ اپنے قدموں پر چلنے کے قابل تھی۔ اسے ہم دونوں بغلوں میں ہاتھ دے کر زبردستی اپنے ساتھ دوڑا رہے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ مشینی انداز میں ٹانگیں چلا کر ہماری رفتار کا ساتھ دینے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

میں دل ہی دل میں جمی لائیڈ کے انداز میں رک رک کر بقیہ گنتی دہرا رہا تھا۔ چودہ تک پہنچتے ہی اچانک فضا ایک ہولناک دھماکے سے گونج اٹھی۔ وہ دھماکا اس قدر شدید تھا کہ ہمارے قدموں کے نیچے زمین ہل کر رہ گئی اور ہم بمشکل خود کو منہ کے بل زمین پر گرنے سے بچا سکے البتہ ویرا لڑکھڑا کر ہمارے ہاتھوں سے نکل گئی۔

ہم نے پلٹ کر دیکھا تو سڑک پر کثیف دھوئیں اور پٹرول کے خونیں شعلوں میں پُرشکوہ مرسڈیز کار کا ملبہ فضا میں کافی بلندی تک اڑتا ہوا نظر آیا۔ ان ہی شعلوں میں کہیں بدنصیب برولنو اشمٹ کے بدن کے چیتھڑے بھی رہے ہوں گے۔ وہ اپنی پوری کوشش کے باوجود جمی لائیڈ کے چنگل سے بچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے جمی لائیڈ سے بغاوت کے فیصلے کے بعد وہ فوری طور پر فرانس کو خیرباد کہہ کر جنوبی امریکا کے کسی ملک میں شادی کر کے آباد ہونے کا منصوبہ بنا رہا تھا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

میں نے ٹرانسمیٹر پر جمی لائیڈ کو برولنو اشمٹ کے فرار کی اطلاع دی تو میرے ذہن کے بعید ترین گوشوں میں بھی یہ امکان موجود نہیں تھا کہ وہ میری جگہ قربانی کا بکرا بن جائے گا۔ میں نے تو درحقیقت اسے عتاب سے بچانے کی کوشش کی تھی۔ اگر جمی لائیڈ کو یہ بتا دیا جاتا کہ برولنو اشمٹ اس سے خوفزدہ ہو کر کھیتوں میں نہیں بھاگا بلکہ باغی ہو کر ہمارے ساتھ مل گیا تھا تو وہ اسی وقت برولنو کے لہو کا پیاسا ہو جاتا۔

میری اور ویرا کی اور بات تھی۔ ہم جمی لائیڈ کے بہتیرے رازوں سے واقف تھے، اس لیے وہ ہم سے کھل کر بات کر سکتا تھا لیکن اسے پتا چل جاتا کہ ہمارے ساتھ برولنو بھی تھا تو وہ کھل کر بات کرتا نہ ویرا کو اپنی بیٹی تسلیم کرنے کا تاریخی معرکہ سرانجام دیتا بلکہ اس کے برعکس وہ ویرا سے گفتگو کے نتیجے میں محسوس ہونے والی ندامت سے بھی محفوظ

رہتا اور شاید ویرا کی پروا کیے بغیر سب کو ہی کوئی وارننگ دیے بغیر کار کے ساتھ اڑا دیتا۔

کار کی ڈرائیونگ سیٹ میں برولو اشمٹ کو بے بس اور زخمی کرنے والے آسیبی آہنی پنجے بھی بہت بھیانک تھے۔ میرا خیال تھا کہ جمی لائیڈ نے اپنے دشمنوں کو بدترین اذیت سے دوچار کرنے کے لیے شاید اس بلٹ پروف کار کی تمام نشستوں میں ریموٹ کنٹرول سے حرکت میں آنے والے وہ شکنجے نصب کروائے تھے۔ لیکن اس وقت صرف برولو اشمٹ محض اس لیے شکار ہوا کہ جمی لائیڈ کو میں نے اس نشست میں اپنی موجودگی کا یقین دلا دیا تھا۔

مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات انسان جس صورتِ حال کو ٹالنے کے لیے کوئی تدبیر اختیار کرتا ہے، اس تدبیر کے نتیجے میں عموماً زیادہ آسانی سے اسی صورتِ حال میں جا پھنستا ہے۔ جمی سے نجات کے بعد برولو کے ارادے بہت رنگین اور ولولہ انگیز تھے لیکن اس پورے کھیل کا اصل مقصد برولو کو سزایاب کر کے قدرت کو مجھے دردناک موت سے بچانا تھا جو حاصل ہو چکا تھا۔

ریوڈی الفانسو پر واقع ہوٹل مارٹن کا کمرہ نمبر دو سو دس اس شام مجھے اس قدر حسین لگا کہ زندگی میں کبھی اپنے گھر سے بھی اتنا پیار نہیں ہوا تھا۔

جمی لائیڈ کے ساتھ دور دور کی آویزش میں گزرے ہوئے لمحات نے سارے اعصاب کو چٹخا کر رکھ دیا تھا۔ پھر رہی سہی کسر برولو اشمٹ کی بارود کی چتا نے پوری کر دی۔ کچھ دیر تک ہم ان ہی درختوں کے درمیان ویرا کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتے رہے اور پھر کسی قابلِ ذکر دشواری سے دوچار ہوئے بغیر ٹیکسی کے ذریعے ہوٹل واپس پہنچ گئے۔ فائر کیمپ کا واقعہ پرانا ہونے کے ساتھ ہی شہر میں حالات قدرے سنبھل گئے تھے اور شہر میں قائم کی جانے والی ہنگامی چیک پوسٹوں کی تعداد گھٹا دی گئی تھی۔ ان چوکیوں پر بھی صرف مشتبہ لوگوں کو شناخت اور تلاشی کے لیے روکا جاتا تھا۔ بلا استثنا لگنے والی لمبی لمبی قطاروں کا سلسلہ موقوف ہو چکا تھا۔

چار بجے ہوٹل واپس پہنچ کر ہم تینوں نے باری باری ویرا کے کمرے سے ملحقہ باتھ روم میں ہی غسل کیا اور پھر میں بستر پر دراز ہو گیا۔ ویرا کو واپسی پر مکمل چپ لگی رہی، اس کی خالی خالی آنکھوں میں گہرے صدمے کے تاثرات نمایاں تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جمی لائیڈ سے کھلی کھلی گفتگو کے بعد اب اس کا وہ احساسِ زیاں بھی تازہ ہو گیا تھا جسے ڈان مرسیالو نے تھپک تھپک کر ابدی نیند سلانے کی پوری کوشش کر ڈالی تھی۔

"تم یوں اپنی ذات میں کھوئی رہو گی تو ہم کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ آخر تم اتنی اداس کیوں ہو؟ آج تو تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ تمہیں وہ شناخت مل گئی ہے جس کی تمہیں سدا سے تلاش تھی۔" کافی دیر کی خاموشی کے بعد آخر مجھے ہی ویرا سے بات کرنے میں پہل کرنا پڑ گئی۔

"آج سے پہلے مجھے شبہ تھا کہ میں جمی لائیڈ کی بیٹی ہوں۔" وہ مغموم لہجے میں بولی۔ "اس کے بیگانگی کے رویے سے مجھے جھنجلاہٹ سوار رہتی تھی اور میں اس سے اقرار کرانے کی فکر میں لگی رہتی تھی مگر آج اس کی زبان سے اپنے لیے بیٹی کا لفظ سن کر مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں اندر سے خالی ہو گئی ہوں، میرے وجود میں خلا پیدا ہو گیا ہو۔ کیوں کہ میری شناخت بہت شرمناک ہے۔ اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میرا پندار جمی لائیڈ کے اقرار میں نہیں بلکہ اس موہوم سی امید میں تھا کہ شاید وہ واقعی میرا باپ نہ ہو۔ آج تک یہ پندار میرے لاشعور میں تھا اور اب میں خود کو اجڑا اجڑا سا محسوس کر رہی ہوں۔"

"اداس رہ کر تم حقیقتوں کو نہیں بدل سکتیں۔ تمہیں تمہارے باپ کے حوالے سے کون طعنہ دے سکے گا؟"

"کسی اور کی بات نہیں، میں خود اپنی نظروں میں گر گئی ہوں، ڈینی! تم میرا دکھ سمجھ ہی نہیں سکتے۔" وہ کرب آلود لہجے میں بولی۔ "میرا حوصلہ ختم ہو کر رہ گیا ہے۔"

"جس طرح ڈان مرسیالو نے تمہاری بنیاد پر وار کیا ہے، اسی طرح تم پوری قوت سے شی کے خلاف لڑتی رہو۔ اب تو تمہیں پورا یقین ہو گا کہ تم اپنے باپ سے انتقام لے رہی ہو۔"

اس کے ہونٹوں پر مغموم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "میں اس مشن سے دستبردار نہیں ہوئی ہوں لیکن میں بھی ایک انسان ہوں، مجھے اس صدمے سے سنبھلنے میں دو چار دن ضرور لگ جائیں گے۔ میں برولو اشمٹ کی دردناک بے بسی ابھی تک بھولی نہیں ہوں، جب بھی یہ خیال آتا ہے کہ میرے باپ نے اپنی دانست میں وہ وار تم پر کیا تھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں خود درجنوں انسانوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار چکی ہوں لیکن ایسی سفاکی میرے تصور میں بھی نہ آ سکی تھی۔"

"تم ایسا کرو کہ اپنا وہی عرب خاتون والا بہروپ بدل ڈالو، یہ شام ہم شہر کی کسی اچھی تفریح گاہ میں گزاریں گے۔ اس طرح تمہارا بھی دل بہلے گا اور تم جلدی اعتدال پر آ جاؤ گی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اور میرے بارے میں زیادہ سوچا نہ کرو، میں بہت سخت جان ہوں۔ بارہا اس سے بھی خراب حالات سے بچ نکلا ہوں۔ افسوس اس بات کا ہو سکتا ہے کہ میرے دھوکے میں برولو مارا گیا مگر اس کی گنجائش نہیں کیوں کہ وہ خود لائقِ تعزیر تھا۔"

"نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "باہر جانے کا خیال دل سے

نکال دو۔ میرے باپ نے مجھے عرب عورت کے روپ میں بھی دیکھ لیا ہے اس وقت شہر میں میری تلاش کی مہم عروج پر ہوگی۔ میں ہوٹل یا تفریحی مقامات تو درکنار، اس وقت ہوٹل سے باہر جانا بھی پسند نہیں کروں گی، ہوسکے تو ہمیں جلد از جلد مارسیلز بلکہ فرانس ہی سے نکل جانا چاہیے۔ یہاں ہمارے خلاف نہ صرف شی والے بہت زیادہ فعال ہوگئے ہیں بلکہ پولیس بھی ہماری طرف متوجہ ہوگئی ہے۔"

"فرانس سے نکلنے کے لیے سلطان شاہ کی سفری دستاویزات کا کیا ہوگا؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔ "جان لی بگ کی موت کے بعد تو فینی گروپ تو تمہاری رسائی سے باہر ہوگیا۔"

"یہاں ایسی بہتیری ایجنسیاں مل جائیں گی لیکن تمہارے پاس اس سے بھی محفوظ راستہ موجود ہے۔ برولنو اشمٹ کی موت کے بعد فوری طور پر کسی مقامی چیف کا تقرر نہ ہوسکے گا۔ اس خلا سے فائدہ اٹھا کر تم سائمن لوبیتھو سے جو کام چاہو، لے سکتے ہو۔ وہ تم کو ابھی تک آئی مین ہی سمجھ رہا ہوگا۔"

"اور اسی ہوٹل میں الگ کمرہ بھی بُک کرالوں؟" میں نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"ڈبل بیڈ لے لینا۔ سلطان شاہ تمہارا مہمان بن کر تمہارے ساتھ رہے گا۔"

"اور اگر میں اسے تمہارے کمرے میں چھوڑ دوں؟" میں نے اس کے مزاج کا جمود توڑنے کی نیت سے دانستہ شوخ لہجہ اختیار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"چھوڑ دو — اسے میرے پاس کوئی شکایت نہ ہوگی۔ مرد اور عورت کے رشتے کے بارے میں آج سے میری سوچ بالکل ہی بدل گئی ہے۔" اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "کاش! میری ماں کی سوچ درست ہوتی تو وہ جمی لائیڈ کے بہلاووں میں آکر خود کو اس کے حوالے ہرگز نہ کرتی۔ عورت ایک بار بہک جائے تو اسے کھلونا بنالیا جاتا ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم اس نتیجے پر پہنچی ہو لیکن یہ تو مشرق کی عورت کی سوچ ہے جسے پسماندہ اور فرسودہ کہا جاتا ہے۔ مغرب میں تو نا تجربہ کار لڑکیوں کو حیرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔" میں نے اسے گفتگو میں الجھائے رکھنے کی نیت سے کہا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ باتوں میں الجھ کر اس کا ذہن کچھ تازہ ہو رہا تھا ورنہ وہ مجھے انسپکٹر سائمن لوبیتھو کے بارے میں یاد نہ دلاتی۔

"عورت دنیا میں کہیں بھی ہو، صرف عورت ہی ہوتی ہے۔ ہر عورت ہی رہتی ہے اور عورت ہی رہنا چاہتی ہے۔ اسے مغرب کے مرد نے بہت مکاری کے ساتھ گھر سے باہر نکالا ہے کیونکہ جدید طرز زندگی کے اخراجات تنہا پورے کرنا اس کے بس سے باہر ہے۔" وہ جوش میں آئے ہوئے پُر خیال لہجے میں بولی۔ "اور باہر نکلنے والی عورت نے خود ہی اپنی کچھ آزادیاں بھی متعین کرلیں۔ کُنبے کا تصور بنیادی طور پر کفالت سے وابستہ ہے۔ جب دونوں فریق خود کفیل ہوگئے تو کنبہ کمزور ہوگیا۔ ان دونوں کے درمیان اعتماد کم ہوگیا اور یہ خلیج دن بہ دن بڑھتی جارہی ہے۔"

"جدید طرزِ زندگی اب آیا ہے، مغرب کی عورت تو برسوں سے آزاد چلی آرہی ہے۔"

"صنعتی ترقی میں یورپ کو رہنما بنے ایک صدی سے زیادہ مدت گزر چکی ہے اور عورت کے بند بھی جب ہی سے کھلے ہیں۔ صنعتیں جو کچھ بناتی ہیں، انہیں اس کی کھپت کے لیے خریدار چاہئیں اسی لیے تشہیری مہمات چلتی ہیں۔ منظم پیمانے پر ترقی کے جھوٹے ڈھکوسلے سند بنا کر پیش کیے جاتے ہیں مثلاً برطانیہ میں آج ایک متوسط گھرانا شمار ہوتا ہے جس کے پاس گھر اور فرنیچر کے علاوہ ہر خواب گاہ میں ایک ٹیلی وژن، پورے گھر میں کم از کم ایک وی سی آر، دوسری الیکٹرونک اشیاء اور ایک آدھ پرائیویٹ ٹی وی چینل سے رابطے کے علاوہ گھر کے ہر بالغ فرد کے پاس کار ہو۔ لہٰذا خود کو متوسط شمار کرانے کے لیے ہر شخص ان اشیاء کے پیچھے بھاگ رہا ہے اور ان صنعتوں کی چاندی ہو رہی ہے کیوں کہ اس دوڑ میں عورتیں سب سے آگے ہوتی ہیں۔ مردوں کے مقابلے میں عورتیں اور خاص طور پر کمانے والی عورتیں زیادہ آسانی کے ساتھ پروپیگنڈے کا شکار بن جاتی ہیں۔"

"تم تو اچھی خاصی ماہر معاشیات بن سکتی ہو۔" میں نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "یا شاید تم پر اس وقت کوئی خاص معاشی دورہ پڑا ہوا ہے۔"

وہ مضمحل انداز میں ہنس پڑی۔ "مجھے خود یہ باتیں عجیب لگ رہی ہیں جو میں ہمیشہ سوچتی رہی ہوں لیکن ان کے اظہار کی نوبت آج پہلی بار آئی ہے۔"

"تم دونوں کے مذاکرات چلتے رہیں گے، کم از کم اپنا کمرہ تو بُک کرالو تاکہ میں وہاں جاکر کچھ دیر آرام کرسکوں۔" سلطان شاہ نے مجھ سے مخاطب ہوکر اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرے ساتھ نہیں رہو گے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"توبہ توبہ! میری یہ مجال۔" سلطان شاہ کان پکڑتے ہوئے بولا۔ "تنہائی سے خوف آتا ہو تو ڈینی کو روک لینا، میں اس کے کمرے پر قبضہ کرلوں گا۔"

ویرا پہلی بار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

مجھے خیال آیا کہ سلطان ہم دونوں سے زیادہ تھکا ہوا تھا۔ اوّل تو وہ زخمی تھا پھر اسپتال اور وہاں سے جان لی بگ کے فراہم کیے ہوئے سستے سے فلیٹ اور پھر بل سارا ہاؤز کے کباڑ خانے میں منتقلی کے دوران اسے کہیں بھی آرام نہیں مل سکا تھا اس لیے کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اس کے آرام کا بندوبست کیا جانا ضروری تھا۔

ہوٹل کے کمرے میں ہماری ساری رقم محفوظ تھی۔ میں نے ایک

گڈی میں سے چند نوٹ کھینچ کر کھلی ہوئی ڈالروں کی گڈی ویرا کی طرف اچھال دی اور اپنا پاسپورٹ لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس سے پہلے میں نے کسی واقعے کی بنا پر آناً فاناً میں کایا پلٹ ہونے کے بارے میں صرف سُنا ہوا تھا لیکن ویرا کے مقابلے میں وہ مثال میں نے سچی ثابت ہوتے دیکھ لی تھی۔ جمی لائیڈ سے گفتگو نے اُسے بدل کر رکھ دیا تھا۔ سلطان شاہ کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنسی تو اس کی ہنسی میں طنز اور تضحیک کا شائبہ تک نہیں تھا۔

ویرا کے بارے میں کئی دلچسپ باتیں سوچتا ہوا میں کاؤنٹر پر پہنچا تو مجھے کمرہ حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ کلرک نے میرا پاسپورٹ سرسری طور پر دیکھ کر ایک سادہ فارم دستخط کے لیے میری طرف بڑھایا۔

"ڈبل روم۔" میں نے داہنی آنکھ دبا کر فارم واپس کرتے ہوئے کہا۔

"کیا کوئی دوسرا بھی تمھارے ساتھ ہے؟" اس نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"نہیں ہے تو کسی بھی وقت آسکتا ہے۔" میں نے اسی لہجے میں کہا اور وہ معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

"ہمارے ہوٹل کے تمام کمروں میں ڈبل بیڈ ہیں لیکن اکیلے مہمانوں سے ہم سنگل ریٹ چارج کرتے ہیں، تم جیسا چاہو، کیا جاسکتا ہے۔ ڈبل ریٹ دے کر۔۔۔ مالی خسارے کے علاوہ تمھیں اپنے ساتھی کے کوائف بھی رجسٹر میں درج کرانے پڑیں گے۔" اس نے میری فرمائش کے فنی مضمرات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

"جیسا چاہو کرلو، میں نے اپنا مدعا بتا دیا ہے۔ ہوٹل کی انتظامیہ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہونا چاہیے۔"

"ہم اپنے مہمانوں کی خلوت میں خلل انداز نہیں ہوتے۔" اس نے فارم پر کچھ اندراج کرتے ہوئے شریفانہ لہجے میں کہا۔ "تم بے فکر ہوکر رہو، میں سنگل ریٹ ہی چارج کر رہا ہوں۔"

"اس میں دو ڈالر تمھارے ہیں۔" میں نے پیشگی رقم کے طور پر سو ڈالر دیتے ہوئے کہا۔ "فرانک میں تبادلے کا حساب تم خود دیکھ لینا۔ اور ہاں کمرہ اگر دوسری منزل پر ہو تو بہتر رہے گا۔ لفٹ سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ میں زیادہ تر سیڑھیاں استعمال کرنے کا عادی ہوں۔"

"کمرہ نمبر دو سو چھ۔" اس نے بورڈ سے چابی اتارتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ پورٹر لپک کر آیا۔ میرے ساتھ کوئی سامان نہ دیکھ کر اُسے مایوسی ہوئی لیکن کمرے تک تو اُسے بہرحال رہنمائی کرنا ہی تھی۔

کمرے کا محل وقوع دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا۔ راہداری کے ایک طرف طاق نمبروں والے کمرے تھے اور دوسری سمت جفت نمبروں کی تھی۔

اس طرح میرے اور ویرا کے درمیان صرف کمرہ نمبر دو سو آٹھ حائل تھا۔

بیرے کو ٹپ دے کر رخصت کرنے کے بعد میں اپنا کمرہ مقفل کر کے ویرا کے کمرے میں پہنچ گیا۔

"تمھارے پڑوس میں ہی ہوں۔" ویرا کی استفسار طلب نگاہوں کے جواب میں مَیں نے اُسے آگاہ کیا۔ پھر سلطان شاہ سے مخاطب ہوگیا۔ "یہ لو چابی اور کمرے میں جا کر آرام کرو۔ میں ذرا باہر جاؤں گا۔"

"کدھر کا ارادہ ہے؟" اس نے چابی لیتے ہوئے کہا۔

"تمھارے کاغذات۔" میں نے کہا۔ "سائمن بولیتھو کو میں اپنا ٹھکانہ دکھانا نہیں چاہتا۔ اسے کسی پبلک بوتھ سے فون کر کے کسی اور ہوٹل میں بلاؤں گا۔"

"پھر لگے ہاتھوں اس کی تصویر بھی بنالو۔" ویرا بستر چھوڑ کر اپنے بیگ کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "تصویر کے بغیر سائمن کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ واپسی پر اس کے لیے کچھ کپڑے بھی لیتے آنا تاکہ تمھاری طرح اسے مشکلات سے دوچار نہ ہونا پڑے۔"

ویرا اپنے بیگ سے وہی کیمرہ نکال لائی جو اس نے میکس کے یہاں قیام کے دوران میری تصویر بنانے کے لیے خریدا تھا۔ اس کیمرے میں نئی رنگین پلیٹ موجود تھی۔ سلطان شاہ نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بال وغیرہ درست کیے اور ویرا نے ایک دیوار کے پس منظر میں اس کی تصاویر بنالیں۔

"اب یہ رقم اپنے کمرے میں رکھنا۔ میں یہ بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک گئی ہوں۔" ویرا بولی اور میں نے رقم کا تھیلا خاموشی سے سلطان شاہ کی طرف بڑھا دیا۔

سلطان شاہ پر نیند کا غلبہ ہو رہا تھا اس لیے وہ اپنی تصویر کا انتظار کیے بغیر تھیلا لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

"باہر تو جا رہے ہو لیکن ذرا ہوشیار رہنا۔ اکیلا پیرس ہی زیادہ بدنام نہیں ہے۔ پورے فرانس کی پیشہ ور عورتیں اتنے رکھ رکھاؤ کے ساتھ اجنبیوں پر ڈورے ڈالتی ہیں کہ بڑے بڑے گھاگ بھی لٹنے تک خود کو ان کا عاشق تصور کرتے رہتے ہیں۔" ویرا نے ہدایات دیتے ہوئے کہا۔ "درمیانہ اور اعلیٰ درجے کے شراب خانے ان کے خاص نشانے ہوتے ہیں۔"

"میں اتنا ننگا بھوکا نہیں ہوں ویرا خانم!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تمھارے زیرِسایہ میں نے زندگی کے بڑے رمز سیکھے ہیں۔ بس یہ دھیان رکھنا کہ میں واپس تمھارے دروازے پر آؤں گا۔ دو ہلکی دستکوں کے بعد تیسری ذرا تیز ہوگی۔ یہ اشارہ سلطان شاہ کو بھی سمجھا دینا۔"

سلطان شاہ کی رنگین تصاویر کیمرے سے نکالنے کے بعد ویرا نے ٹیلی فون ڈائریکٹری سے انسپکٹر سائمن بولیتھو کے تین نمبروں کے ساتھ گھر کا نمبر بھی نکال دیا اور میں وہاں سے روانہ ہوگیا۔

میں ہوٹل سے باہر نکلا تو مارسیلز کی فضاؤں میں رات کا دھندلکا

اُمڈ چلا تھا۔ ریوڈی انفانسو کی دکانوں کی روشنیاں اور روشن اشتہارات نے اندھیری فضا میں کافی بلندی تک رنگ و نور کی دھنک بکھیری ہوئی تھی۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان زمینی روشنیوں کے ختم ہوتے ہی اچانک ستاروں کی حدود شروع ہو رہی ہوں۔ شام خنک تھی مگر ہوائیں نہ ہونے کی وجہ سے وہ علاقہ پُر ہجوم نظر آ رہا تھا۔

شاید وہ علاقہ فائر کیپ کی تباہی کے اثرات سے محفوظ رہا تھا اور شہر کے اس حصے کو دیکھ کر مارسیلز پر نازل ہونے والی ہولناک تباہی کا تصور کرنا محال تھا۔

میں سگریٹ کا دھواں اڑاتا ہوا گرد و پیش سے لطف اندوز ہوتا آگے بڑھتا رہا۔ سردی کا احساس مٹانے کے لیے میں نے راستے میں ایک بار سے اسکاچ کا لارج پیگ لیا۔ وہاں شوخ و شنگ نوجوان لڑکے لڑکیوں کی کثرت تھی۔ انگلینڈ اور پھر فرانس کی آب و ہوا نے میری کھلتی ہوئی رنگت کو سرخ و سفید بنا دیا تھا جس کی وجہ سے میرا ایک ایشیائی کے طور پر پہچانا جانا ناممکن ہو گیا تھا لیکن پھر بھی میرے وہاں بیٹھنے پر قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے لڑکے لڑکیوں نے بُرا سا مُنہ بنایا تھا جیسے اپنی محفل میں میری مداخلت پسند نہ آئی ہو مگر میں نے انھیں یکسر نظر انداز کر کے عجلت میں اپنا گلاس خالی کیا اور کسی جھڑپ کا آغاز ہونے سے پہلے ہی وہاں سے اُٹھ گیا۔

راستے میں اچانک ہی میری نگاہ بون مارک کے نیون سائن پر پڑی اور مجھے اپنی خریداری یاد آ گئی۔

میں اس ڈپارٹمنٹل اسٹور میں داخل ہوا تو وہاں ایک نئی دنیا انگڑائیاں لے رہی تھی۔ خریداروں کے لیے ہر شعبہ اور ہر چیز کشش انگیز تھی۔ بنی سنوری خوبصورت لڑکیاں مستعدی کے ساتھ خریداروں کی مدد کرنے کے لیے فلور پر بکھری ہوئی تھیں۔ خریداروں کی پُرجوش بھنبھناہٹ اور مشینوں کی کھٹا کھٹ نے وہاں ایک سماں باندھا ہوا تھا۔

چرمی ملبوسات کے شعبے کے قریب سے گزرتے ہوئے یک بیک میں ٹھٹک گیا کیونکہ اجنبی زبانوں کے درمیان پہلی بار اُردو سننے میں آئی تھی اور وہ آواز بھی دلکش تھی۔

وہ واضح طور پر کوئی ایشیائی جوڑا تھا۔ عورت کے ہاتھوں پر نفیس چرمی دستانے چڑھے ہوئے تھے اور وہ مرد کو وہاں سے دھکیل لے جانا چاہ رہی تھی جبکہ مرد وہاں سے ملنے پر آمادہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرے لیے وہ صورتِ حال بہت دلچسپ تھی اس لیے میں بالکل انجان بن کر ان سے ذرا دور چرمی جیکٹوں کا جائزہ لینے لگا۔ میری پشت ان کی طرف تھی اور میں اُن کی گفتگو صاف سن رہا تھا۔

"میں کہتی ہوں کہ اب نکل چلو!" عورت بہ اصرار کہہ رہی تھی۔ "میں نے اپنے پُرانے دستانے ڈسٹ بن میں پھینک دیے ہیں۔ ہاتھوں پر چڑھے ہوئے دستانوں پر کوئی شک نہیں کر سکے گا۔"

"نہیں سرلا، یہ واپس رکھ دو۔" مرد کا لہجہ سخت تھا۔ "زیادہ لالچ نہ کرو۔ ایک وقت میں اتنی چیزیں لے جانا خطرناک ہو سکتا ہے۔ میرے پیر میں نیا جوتا آ چکا ہے، تم ایک میک اپ سیٹ بھی اپنے پرس میں رکھ چکی ہو۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ یہ دستانے اگلے ہفتے لے جانا۔ ہم دھر لیے گئے تو مُنہ کالا ہو جائے گا۔"

"اوّل تو کچھ نہیں ہوگا۔ دیپتی لول کا گھر بھانت بھانت کی چیزوں سے بھرا ہوا ہے اور وہ آج تک نہیں پکڑی گئی۔" عورت اُسے قائل کر رہی تھی۔ "کچھ ہو بھی گیا تو ہاتھ پیر جوڑ لیں گے، ناک رگڑ لیں گے۔ یہ پردیس ہے۔ یہاں کون دیکھنے اور طعنے دینے والا ہے۔ تم تو اوّل درجے کے بزدل ہو اجے! نہ کما سکتے ہو نہ چُرا سکتے ہو۔"

سرلا اجے کے حق میں ڈان مرسیا لو بنی ہوئی تھی۔ اس پر حاوی تھی اور اس کی مردانگی کو للکار کر دستانے لے جانے پر تُلی ہوئی تھی لیکن اجے کا دل چھوٹا تھا۔ وہ صبر اور قناعت کے ساتھ چھوٹی چھوٹی چوریوں پر اکتفا کرنے والا آدمی تھا جب کہ سرلا ایک ہی دفعہ میں پورا اسٹور چرا لے جانے والے حوصلے کی مالک تھی۔

وہ پردیس تھا، وہاں سرلا کا طعنہ کام کر گیا۔ اجے اگر کما نہیں سکتا تھا تو چرا ضرور سکتا تھا۔ سرلا کو خوش رکھنے کے لیے دستانے چرانے ضروری ہو گئے تھے۔ اس کی مردہ سی آواز سنائی دی۔ "پھر میں اپنے جوتے اتارے دیتا ہوں۔ یہ پھر کبھی لے جائیں گے۔"

"دماغ خراب ہوا ہے تمھارا!" سرلا شاید آنکھیں نکال کر غرائی تھی۔ "کیا ننگے پاؤں واپس جاؤ گے؟ تمھارے پُرانے جوتے تو اب تک اٹھا کر کسی برقی بھٹی میں پھینکے جا چکے ہوں گے۔۔۔ چلو! اب یہاں زیادہ وقت برباد مت کرو، ہم خواہ مخواہ لوگوں کی نظروں میں آ جائیں گے۔"

اجے نے ہتھیار ڈال دیے اور وہ دونوں وہاں سے چل دیے۔

میرا دل چاہا کہ مداخلت کر کے انھیں شاپ لفٹنگ جیسے گناہِ بے لذّت سے روکوں لیکن پھر ان کے ناموں کا دھیان آتے ہی میرے اندر کا متعصب انسان بیدار ہو گیا جس کی فطرت میں دشمنوں کی خیر خواہی سرے سے موجود نہیں ہوتی۔

میں نے عجلت میں وہیں سے خریداری کر کے کیش رجسٹر پر رقم کی ادائیگی کی اور تیز قدموں سے ان کے تعاقب میں ہو لیا۔ دور سے میں نے صرف اتنا دیکھا کہ سرلا نے اسٹور سے نکلتے ہوئے محافظ کی طرف خواہ مخواہ شناسائی کے اظہار میں ہاتھ لہرایا اور بون مارک کے مالکان پلک جھپکتے میں زنانہ چرمی دستانوں کی ایک جوڑی، میک اپ سیٹ اور مردانہ جوتوں کی ایک جوڑی سے محروم ہو گئے۔ میں ان پر نگاہ رکھنے کی نیت سے تقریباً دوڑ کر دروازے سے نکل جانا چاہتا تھا کہ اسی مردود 'زن مرید' چوکیدار نے مجھے روک لیا۔ اس کی نظریں بتا رہی تھیں کہ وہ مجھے کوئی اچکا

سمجھ رہا تھا۔
میں نے حقارت سے بون مارک کا خوبصورت شاپنگ بیگ اس کی طرف اُچھال دیا۔ بیگ میں موجود کیش رجسٹر کی رسید کا سامان سے موازنہ کر کے اس نے عاجزانہ انداز میں کچھ کہتے ہوئے بیگ مجھے لوٹا دیا۔ میں تیزی سے باہر نکلا تو سرلا دیوی اچھے کوے کر انسانوں کے سمندر میں کہیں گم ہو چکی تھی۔

محافظ نے صرف عجلت کی بنا پر مجھے روکا تھا جبکہ چور اطمینان سے گزر گئے تھے۔ اپنی اس توہین کے بعد نہ جانے کیوں مجھے سرلا دیوی پر پیار آنے لگا۔ اس محافظ کو ملازم رکھنے والے اسی سلوک کے مستحق تھے جو سرلا دیوی نے ان سے روا رکھا تھا۔

اس واقعے کے بعد میری طبیعت میں تکدر پیدا ہو گیا اور میں کچھ دور چلنے کے بعد ہوٹل لوگس ڈی فرانس میں داخل ہو گیا جو بظاہر اعلیٰ درجے کا ہوٹل نظر آ رہا تھا۔

لابی میں پہنچ کر سب سے پہلے میں نے ایک بوتھ سے انسپکٹر سائمن کا نمبر ملایا۔ سکے ڈالنے کے بعد ایک لڑکی سے بات ہوئی تو پتا چلا کہ وہ گھر جا چکا تھا۔ گھر کا نمبر ملانے پر براہِ راست اسی کی آواز سنائی دی۔

"میں ہیٹرواک بول رہا ہوں سائمن!" میں نے دھیمی لیکن دبنگ آواز میں کہا۔ "اور اسی وقت تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں تیار ہوں سر!" اس کے الفاظ سعادت مندانہ لیکن لہجہ جھجک آمیز تھا۔

"کیا بات ہے؟ تمہارے لہجے سے کچھ مزاحمت کی بو آ رہی ہے۔" میں نے ترشی سے سوال کیا۔

"نن... نہیں سر!" وہ خوف سے ہکلانے لگا۔ "مجھے کوئی عذر نہیں... بات صرف اتنی سی ہے کہ میں نے کچھ الکحل لی ہوئی ہے۔ اس کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔ اس حالت میں ملتے ہوئے میرا سر شرم سے نیچا رہے گا۔"

"یہ یاد رہے تو کافی ہے۔ میں ہوٹل لوگس ڈی فرانس کے بار میں تمہارا انتظار کروں گا۔ تم کتنی دیر میں پہنچ سکتے ہو؟"

"زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں۔" اس کی آواز ابھری۔

"آؤ، میں منتظر ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا اور بون مارک کا شاپنگ بیگ سنبھال کر ہوٹل کے بار کی طرف ہو لیا۔ مجھے یقین تھا کہ ڈنر کے رسمی لباس میں نہ ہونے کی وجہ سے مجھے اس ہوٹل کے ڈائننگ ہال یا بال روم میں داخلے کی اجازت نہیں ملے گی، اسی لیے میں نے سائمن سے ملاقات کے لیے بار کا انتخاب کیا تھا۔

بار بہت خوبصورت اور گاہکوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں ایک ویٹریس کی رہنمائی میں دو نشستوں والی ایک میز پر جا بیٹھا۔ دھیمی دھیمی خواب ناک روشنیوں میں مہذب لوگوں کا وہ اجتماع بہت رنگین اور دلفریب تھا، اس لیے انسپکٹر سائمن کے انتظار میں دس منٹ گزارنے میرے لیے آسان ثابت ہوئے اور وہ عین مقررہ وقت پر بار میں داخل ہو گیا۔

پابندیٔ وقت انسپکٹر کا قومی مزاج تھا۔ اسی طرح اس نے وہاں آنے کے لیے لباس کا بھی پورا اہتمام کیا تھا۔ ویسے بھی بار میں غیر رسمی لباس میں چند ہی گاہک نظر آ رہے تھے۔

"میں بڑی مشکل میں پڑ گیا ہوں سر!" میرے مزاج پرسی کرتے ہی وہ پریشان لہجے میں بولا۔ "آج دوپہر سنتھیا کو حوالات میں زہر دے کر ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا گیا۔"

وہ خبر میرے لیے چونکا دینے والی تھی۔ "ہو سکتا ہے کہ اس نے خودکشی کی ہو، وہ بہت حساس اور جذباتی لڑکی تھی۔" میں نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

"حوالات میں ڈالنے سے پہلے اس کی تفصیلی جامہ تلاشی لی گئی تھی۔ سگریٹ کے علاوہ اس کے پاس کوئی چیز نہیں چھوڑی گئی تھی۔ ماچس تک نہیں دی گئی تھی۔ سنتھیا کو خواہش ہوتی تھی تو سنتری ہی اس کی سگریٹ جلاتا تھا اور اس کے ختم ہونے تک یہ خیال رکھتا تھا کہ وہ کوئی تخریب کاری نہ کرنے پائے۔"

"تم ذہین افسر ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم یہ گتھی سلجھا لو گے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ برونو اسمتھ اچانک کہیں غائب ہو گیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس شہر میں کیا ہو رہا ہے؟"

"بہت تشویش ناک خبر ہے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بڑبڑایا۔ "آج مارسیلز کے مضافات میں سینٹ فرانسس جانے والی سڑک پر بھی ایک عجیب حادثہ ہوا ہے جس میں ایک کار دھماکے سے جل کر پھٹ گئی۔ ملبے میں کئی گنوں کے جلے ہوئے ڈھانچے بھی ملے ہیں جو کار کے آہنی چیسز سے منسلک تھے...."

"یہ ہوتا رہتا ہے سائمن!" میں نے عارفانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ کبھی معلوم نہ ہو سکے گا کہ وہ کار کس کی تھی اور اسے کس نے تباہ کیا۔"

"تت... تو کیا اس واقعے کا تعلق بھی ہم سے ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہر بڑے واقعے کا تعلق ہم سے ہوتا ہے۔" میں نے کہا پھر فوراً ہی موضوع بدل دیا۔ "میرے لیے اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ برونو لاپتا ہے اور مجھے ایک آدمی کی سفری دستاویزات فوری طور پر درکار ہیں۔"

"معاملہ اتنا ہی اہم ہے تو میں تیار ہوں۔ صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے یہ کام کرا سکتا ہوں۔" اس نے پرخلوص لہجے میں کہا۔

"اتنا اہم نہ ہوتا تو اس وقت تمھیں یہاں نہ بلایا ہوتا۔"

"مجھے اس کی ایک تصویر دے دو۔ اسے کسی خاص ملک کا پاسپورٹ درکار ہوگا یا کوئی بھی ملک چل جائے گا؟" انسپکٹر سائمن اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ کارآمد ثابت ہوتا نظر آتا تھا۔

"کوئی ایشیائی ملک ہو تو بہتر رہے گا۔ خدوخال سے وہ ایشیائی معلوم ہوتا ہے۔" میں نے جیب سے سلطان شاہ کی تازہ تصویر نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "یہ پاسپورٹ مجھے کب تک مل جائے گا؟"

"صبح پہنچا دوں گا۔ مجھے پتا دے دو۔" اس نے تصویر پر سرسری سی نگاہ ڈال کر اسے جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"صبح نہیں، یہ کام آج رات ہی ہونا ہے۔ میں مصروف ہوں اور ٹھکانے بدلتا رہوں گا۔ اس لیے تم کو کوئی ایک نمبر نہیں دے سکتا۔ اس وقت سات بجے ہیں، میں دس بجے تم کو فون کروں گا، پھر ہم ملاقات کا پروگرام طے کرلیں گے۔ یہ دھیان رکھنا کہ یہ معاملہ بہت خفیہ ہے اس شخص کی روانگی کی خبر قبل از وقت کسی غلط آدمی کو مل گئی تو کروڑوں کا خسارہ ہوسکتا ہے۔ محض اسی ڈر سے اس کا اصلی پاسپورٹ نہیں بنوایا گیا ہے۔"

"تم بے فکر رہو، میں ایسے معاملات کی نوعیت سے بہ خوبی واقف ہوں، کام کرنے والوں کے علاوہ کسی کو اس معاملے کی بھنک نہیں مل سکے گی۔" اس نے پورے اعتماد کے ساتھ یقین دہانی کرائی۔

اسے کام مل چکا تھا اور وہ وقت ضائع کیے بغیر کام کا آغاز کرنا چاہ رہا تھا، اس لیے صرف ایک ہی پیگ لینے کے بعد اس نے اجازت چاہی، ویسے بھی وہ گھر سے پی کر آیا تھا، اس لیے اس کا مزید رکنا میرے لیے مسائل پیدا کرنے کا سبب بن سکتا تھا۔ اس لیے میں بل ادا کرکے اس کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔

دروازے سے نکلتے ہوئے اس نے مجھ سے میری سواری کے بارے میں پوچھا تو میں نے اطمینان سے اپنی سواری کی موجودگی کا یقین دلا کر اسے رخصت کردیا۔ اور وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

اس وقت تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا اور قرائن بتا رہے تھے کہ انسپکٹر سائمن نے حسب وعدہ اپنا کام سرانجام دے لیا تو ہم تینوں اگلی صبح مارسیلز سے کسی نئی منزل کی طرف روانہ ہوسکتے تھے۔

ہوٹل مارٹن کی طرف واپس لوٹتے ہوئے میرے ذہن میں خیالات کا ایک سلسلہ چل پڑا۔

سنتھیا بیچاک شاید شی کے بارے میں اہم معلومات رکھتی تھی، یا وہ شی کے اہم لوگوں کے لیے کام کرتی تھی، اس لیے انٹرپول والوں کی آمد سے قبل اس کا کام کرایا جانا ناگزیر ضرورت بن گیا تھا لیکن دوسری طرف جمی لائیڈ نے مارسیلز میں ویرا کی موجودگی کا سراغ ملتے ہی شی کی تمام سرگرمیاں معطل کرا کے پوری افرادی قوت کو پچاس ہزار ڈالر انعام کے لالچ کے ساتھ ویرا کی تلاش پر مامور کردیا تھا۔ اس دوران میں سنتھیا کو بھی نظر انداز کردیا گیا۔

سنتھیا شی سے باہر کی عورت تھی، مگر اس کی آزادی سے شی اور اس کے بعض اہم کارندوں کی سلامتی وابستہ تھی، اس لیے برونو اشمڈٹ مقامی سطح پر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں تھا۔ اندازہ یہی ہوتا تھا کہ ویرا کی تلاش پر سارے وسائل مرکوز رکھنے کے لیے جمی لائیڈ نے خود سنتھیا کو زہر دلوانے کا آسان فیصلہ کیا تاکہ شی کے مفادات کے تحفظ کے ساتھ اس کا ذاتی کام بھی کسی تاخیر سے دوچار نہ ہو۔ شاید بل سارا ہاؤز کی طرف روانگی سے قبل وہ سنتھیا کی تقدیر کا فیصلہ کرچکا تھا۔

مگر حیران کن بات یہ تھی کہ انسپکٹر سائمن لوبھتو کو مرسیڈیز کے حادثے کی اطلاع مل چکی تھی، لیکن جلے ہوئے ملبے میں ایک لاش کی موجودگی کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ اسی طرح وہ سینٹ فرانسس کے علاقے میں ہونے والے زبردست کشت وخون اور فصلوں کی بربادی سے بھی بے خبر نظر آرہا تھا۔

میری دل ہی دل میں دعا تھی کہ ان سب واقعات کے بارے میں کوئی سنسنی خیز اطلاع ملنے سے قبل ہی انسپکٹر سائمن، سلطان شاہ کا پاسپورٹ تیار کرادے۔ تاکہ ہم اس جہنم سے کسی گوشۂ عافیت کی طرف فرار ہوسکیں۔ محض اسی خیال سے میں نے اسے تین گھنٹے کی قلیل سی مہلت دی تھی۔

غنیمت یہ تھا کہ ویرا جمی لائیڈ کی زبان سے اس کا اعتراف سننے اور اسے اپنا باپ تسلیم کرنے کے باوجود اس سے بغاوت پر آمادہ تھی۔ اس کا حوصلہ ضرور پست ہوگیا تھا، لیکن ذرا سی محنت کے بعد اسے دوبارہ پہلے کی طرح حرکت میں لایا جاسکتا تھا اور ہم تینوں جمی لائیڈ کو اپنا سر پیٹنے پر مجبور کرسکتے تھے۔

میں انھی خیالات میں کھویا ہوا ہوٹل مارٹن کے ذرا قریب پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس علاقے کو دور تک پولیس نے گھیرے میں لے کر ہوٹل مارٹن جانے والا راستہ مسدود کیا ہوا تھا۔ اور ان کی قائم کی ہوئی رکاوٹوں کے قریب پر تجسس لوگوں کا ایک ہجوم جمع تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں کوئی تازہ اور سنگین واردات رونما ہوئی ہو۔

میرے لیے وہ صورت حال تشویش ناک تھی۔ اس وقت ویرا سے مشورہ کرکے انسپکٹر سائمن سے اگلی ملاقات کی تفصیلات طے کرنا میرے لیے بہت اہم تھا، لیکن بغیر سوچے سمجھے اس بھیڑ میں گھسنے کی حماقت بھی نہیں کرسکتا تھا۔

مقامیوں کے اس ہجوم میں تھوڑی سی تگ ودو کے بعد میں نے ایک ایسے نوجوان کو ڈھونڈ نکالا جو انگریزی پر عبور رکھتا تھا۔

"تھوڑی دیر پہلے کچھ بدمعاش ایک عورت کو زبردستی اٹھا لے گئے

ہیں۔" میرے استفسار پر اس نے بتایا۔

"سڑک سے لے گئے ہیں؟" میں نے متجسسانہ لہجے میں سوال کیا۔

"مارسیلز میں قانون کی حکمرانی ختم ہو رہی ہے۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے باغیانہ لہجے میں بولا۔ "پرانی قدریں تیزی سے تباہ ہو رہی ہیں۔ وہ اسے سڑک سے لے جاتے تو ایسا ظلم نہ ہوتا۔ اس عورت کو ہوٹل مارٹن میں اس کے کمرے سے اغوا کیا گیا ہے۔"

میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہوگئیں اور آنکھوں کے سامنے تاریک دھند سی ناچنے لگی۔ "کون تھی وہ عورت؟" میں نے سوال کیا تو مجھے اپنی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔

"کوئی عرب تھی اور میری بات لکھ کر رکھ لو کہ وہ کوئی معمولی عورت نہ رہی ہوگی۔ عرب شہزادیاں نجی دوروں پر اکثر اپنی شناخت چھپا کر اوسط درجے کے ہوٹلوں میں رہتی ہیں تاکہ آزادی سے فرانس کی شہری زندگی سے لطف اندوز ہو سکیں، مگر دیکھ لو کہ ہماری شہری زندگی اب یہ رہ گئی ہے کہ ہم اپنے مہمانوں کا بھی تحفظ نہیں کر سکتے۔"

اس دل جلے کی آواز میری سماعت میں معدوم ہوتی چلی گئی اور مجھے اپنے وجود میں ایک ہولناک خلا کا احساس ہونے لگا۔

میں نے بہ مشکل خود پر قابو پاتے ہوئے ایک قریبی ریستوران کی راہ تلاش کی، جہاں پبلک فون موجود تھا۔ ریستوران ویران پڑا ہوا تھا۔ گاہکوں کے ساتھ اس کا بیشتر عملہ بھی تماشائیوں میں ملا ہوا تھا۔

میں نے جیب سے ہوٹل مارٹن کا کارڈ نکال کر نمبر ڈائل کیا تو آپریٹر کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی اور اس نے میرے پہلے ہی سوال کے جواب میں تصدیق کر دی کہ کلثوم احمدی اغوا ہو چکی ہے۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ اسے یوں بہ زور لے جانے والے کون ہو سکتے تھے۔

ویرا اغوا ہو چکی تھی تو دنیا کی کوئی طاقت سلطان شاہ کو ناقابلِ تصور مصائب اور دشواریوں سے نہیں بچا سکتی تھی۔ کیونکہ وہ ویرا کے قریب ہی ایک ایسے کمرے میں مقیم تھا جو میرے اطالوی نام پر محفوظ تھا۔ اپنی کسی بھی شناخت کی عدم موجودگی میں وہ اس کمرے میں اپنی موجودگی کا کوئی جواز نہیں دے سکتا تھا۔ اس واردات کا سب سے مضبوط اور مشتبہ ملزم وہی ہو سکتا تھا۔

میں لمحوں ہی لمحوں میں ایک بار پھر تنہا رہ گیا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مارسیلز میرے قدموں کی زنجیر بن گیا ہو۔ نکلنے کی شدید ترین آرزو اور امیدوں کے باوجود اب پھر وہاں سے نکلنے کے آثار ناپید نظر آ رہے تھے۔

ہوٹل مارٹن کے قرب و جوار میں ہجوم رفتہ رفتہ بڑھتا جا رہا تھا۔ بھرے پرے ہوٹل سے یوں کھلے بندوں ایک غیر ملکی عورت کا اٹھا لیا جانا مارسیلز کے شہریوں کے لیے ایک انہونا واقعہ تھا لہٰذا ان میں خوف و ہراس اور سنسنی کا پھیلنا فطری امر تھا۔ ان امن پرور شہریوں کے لیے تو درحقیقت فائر کیمپ کے واقعات کا ہی تسلسل جاری تھا اور انھیں وہ سب بھگتنا پڑ رہا تھا جس کا انھوں نے گزرے ہوئے برسوں میں شاید تصور بھی نہیں کیا تھا۔

ویرا، ہوٹل مارٹن کے کمرا نمبر دو سو دس میں مقیم تھی اور خوش قسمتی سے میں نے ہوٹل چھوڑنے سے قبل اسی فلور پر کمرا نمبر دو سو چھ اپنے اطالوی نام پر بک کرا لیا تھا اور سلطان شاہ گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم کا تھیلا لیے اُسی کمرے میں چلا گیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان صرف ایک کمرا واقع تھا اور یہ بات یقینی تھی کہ ویرا مزاحمت کیے بغیر اغوا کرنے والوں کے قابو میں نہ آئی ہوگی۔ اس کے کمرے میں ہونے والی دھما چوکڑی لامحالہ سلطان شاہ کو بھی اس طرف متوجہ کر سکتی تھی۔ اس اعتبار سے اس ہنگامے میں سلطان شاہ کا ملوث ہونا ناگزیر نظر آ رہا تھا۔

اگر وہ ویرا کو اٹھا لے جانے والوں سے زیر نہ بھی ہوا ہو تو واردات کے فوراً بعد وہ ہوٹل کی انتظامیہ اور پولیس کی نگاہوں میں آ سکتا تھا۔ اس کے پاس نہ کوئی شناختی کاغذ تھا اور نہ ہی وہ فرنچ زبان سے واقف تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر پولیس نہایت آسانی کے ساتھ اس پر ہاتھ ڈال سکتی تھی۔ اپنی مدافعت میں وہ واردات کے وقت ہوٹل مارٹن یا اس کے کمرا نمبر دو سو چھ میں اپنی موجودگی کا کوئی جواز پیش نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ کمرا میرے 'بٹیرداک' کے اطالوی نام پر بک تھا۔ ان حالات کا منطقی نتیجہ یہ ہوتا کہ پولیس، ویرا کو اغوا کرنے والے اصل مجرموں کو فراموش کر کے وہ الزام سلطان شاہ کے سر تھوپ دیتی اور اغوا کی سازش اور اعانتِ جرم کے الزامات میں اُس کی ذات مقامی پولیس کی مہربانیوں کا مرکز بن جاتی۔

اس کے بارے میں میرے ذہن میں ایک بدترین امکان بھی پرورش پا رہا تھا جو لوگ ہوٹل مارٹن میں ویرا کے اغوا کی نیت سے داخل ہوئے تھے انھوں نے لازمی طور پر، ہر قیمت پر اپنا مقصد حاصل کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہوگا۔ ان کے عزائم بھانپ کر اگر ویرا نے مزاحمت کی ہو اور شور مچایا ہو تو سلطان شاہ اس کے بچاؤ کے لیے مداخلت کر سکتا تھا اور مجرم اسے اپنی راہ کا روڑا سمجھ کر بے رحمی کے ساتھ ٹھکانے لگا سکتے تھے۔ باہر موجود تماشائیوں کی بھیڑ میں، میں نے صرف اغوا کی واردات کی بازگشت ہی سنی تھی۔ کسی نے بھی قتل کے بارے میں کوئی لفظ نہیں کہا تھا لیکن میرے ذہن سے وہ امکان معدوم نہیں ہو سکا تھا۔ خون میں نہائی ہوئی لاش کا جب تک اسپتال وغیرہ میں باضابطہ طبی معائنہ نہ کیا جائے، اسے زخمی اور بے ہوش ہی تصور کیا جاتا ہے۔ عین ممکن تھا کہ واردات کے بعد کوئی ڈاکٹر اس وقت وہاں سلطان شاہ کا طبی معائنہ کر رہا ہو اور اسے طبی امداد دے کر اس کی زندگی بچانے کی

کوشش کر رہا ہو۔

یہ سب سوچتے ہوئے میں اس بھیڑ میں کسی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح چکراتا پھر رہا تھا کہ اچانک عقب سے کسی نے مضبوطی کے ساتھ میرا داہنا بازو تھام لیا۔

میں غول سے بچھڑے ہوئے کسی وحشت زدہ بھیڑیے کی طرح بجلی کی سی سرعت سے پلٹا تھا اور پھر اچانک ہی میرے منہ سے اطمینان کا ایک گہرا سانس آزاد ہوگیا۔

سلطان شاہ میرے سامنے موجود تھا اور رقم کا تھیلا اس کے کندھے سے جھول رہا تھا۔ ہم دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں اور میں مشینی انداز میں اس کے ساتھ ہولیا۔ اس کے یوں اچانک سامنے آجانے پر اس وقت مجھے بے اندازہ خوشی ہوئی تھی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اسے پوری قوت سے اپنے سینے سے لگالوں لیکن اس وقت میری کوئی بھی اضطراری حرکت مجھے گرد و جوار میں موجود لوگوں کی نظروں میں مشتبہ بنا سکتی تھی، اس لیے میں خود پر قابو پاکر اس کے ہمراہ بھیڑ میں اپنا راستہ بناتا رہا۔ سلطان شاہ کے چہرے پر پہلی نگاہ ڈالتے ہی میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ بہت زیادہ پریشان اور خوفزدہ تھا۔ مخدوش حالات میں کسی سفری دستاویز کی غیر موجودگی میں مجھ سے بچھڑنے کے بعد اس کی پریشانی میرے لیے ایسی ناقابل فہم نہیں تھی۔

"بہت برا ہوا..... وہ اسے میرے دیکھتے ہی دیکھتے اٹھالے گئے اور میں کچھ بھی نہ کرسکا۔" اس نے بھیڑ سے کٹ کر الگ نکل آنے کے بعد متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "ان کی تعداد کسی بھی طرح دس بارہ سے کم نہیں تھی، وہ سب ہلکی مشین گنوں سے مسلح تھے۔ انھوں نے آتے ہی پورے ہوٹل پر قبضہ کرلیا تھا۔"

"کچھ اندازہ ہوا کہ وہ کون لوگ تھے؟" میں نے تشویش آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ اندازہ نہیں ہوسکا، وہ سر سے پیر تک سیاہ لباسوں میں تھے، ان کے چہروں پر بھی سیاہ نقابیں چڑھی ہوئی تھیں۔ شاید ویرا نے ان کی دستک کے جواب میں دروازہ کھولنے سے انکار کردیا تھا جس پر مشتعل ہوکر انھوں نے ہوٹل کے کمرے کا دروازہ ہی اکھاڑ پھینکا۔ میں ان دھماکوں کی آواز سن کر کمرے سے باہر نکلا تو راہداری میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مسلح نقاب پوش مستعد کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے نال سے اشارہ کرکے کچھ کہا اور میں دوبارہ کمرے میں گھسنے پر مجبور ہوگیا۔ اس کے لب و لہجے سے اندازہ ہوگیا تھا کہ میں نے ذرا بھی حیل و حجت سے کام لیا تو وہ میرا بدن چھلنی کردے گا۔"

"تمھیں کیسے پتا چلا کہ انھوں نے ویرا کو ہی اغوا کیا ہے؟" میں نے ایک موہوم سی امید کے تحت سوال کیا۔

"دو نقاب پوش اس کے کمرے کے باہر کھڑے تھے۔ جس وقت میں دوبارہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو تیسرا نقاب پوش بے ہوش ویرا کو اپنے کندھے پر لادے ہوئے اس کمرے سے برآمد ہوتا ہوا نظر آیا تھا، وہ سب بہت مطمئن اور منظم تھے۔ ان کے انداز سے گھبراہٹ کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہورہی تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے سب کچھ کسی سوچے سمجھے پلان کے تحت ہورہا ہو۔ ویرا کی درگت دیکھتے ہی مجھے خطرے کا اندازہ ہوگیا تھا۔ میں صرف اتنی دیر تک اپنے کمرے میں رکا رہا جتنی دیر میں میرے اندازے کے مطابق وہ اس فلور سے غائب ہوجاتے۔ میں باہر نکلا تو میدان صاف تھا، راہداری میں چڑیا کا بچہ تک نہیں تھا۔ میں نے لپک کر ویرا کے تاراج اور خالی کمرے کا سرسری جائزہ لیا اور خطرہ بھانپ کر اپنے کمرے سے رقم کا بیگ لیتے ہوئے نیچے اتر آیا۔"

"اور تمھیں کسی نے روکنے کی کوشش نہیں کی؟" میں نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"روکتا کون؟" وہ بے ساختہ بولا۔ "میں لفٹ کے بجائے سیڑھیوں سے گراؤنڈ فلور پر پہنچا تو اسی وقت مجرموں کے فرار ہونے کے بعد ہوٹل کے عملے کو ہوش آیا تھا۔ ان میں شدید انتشار اور خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ہوٹل سے باہر نکل گیا۔"

نکاسی کے راستے پر ہوٹل کے باوردی دربان کو زخمی کر کے شاید بے ہوش کر دیا گیا تھا، اس لیے میدان بالکل صاف تھا باہر آ جانے کے بعد بھی میں قرب و جوار میں اس طرح گھومتا رہا کہ ہوٹل کا دروازہ میری نگاہ میں رہے تاکہ میں تمہاری واپسی سے باخبر رہ سکوں۔ پولیس کی آمد کے بعد ہوٹل کے باہر ہجوم جمع ہونے لگا تو مجھے تشویش لاحق ہو گئی۔ میرے لیے یہ تصور ہی وحشت انگیز تھا کہ مجھے تمہارے سہارے کے بغیر مارسیلز میں اپنی جدوجہد جاری رکھنا ہو گی لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں اتنے بڑے ہجوم میں بھی تم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں واپس آتے کتنی دیر ہوئی؟"

"دس پندرہ منٹ۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ اس وقت میرا ذہن ویرا کے معاملے میں اُلجھ گیا تھا، اس وقت ویرا کے دو ہی امکانی دشمن تھے۔ شی کے ایجنٹ یا پولیس..... پولیس والوں کو بیاہ نقابیں لگا کر اسے اسلحے کے بل پر اغوا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اگر انہیں اس پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا تھا تو وہ جب چاہتے کھلے بندوں اُسے ہوٹل سے گرفتار کر کے لے جا سکتے تھے، اس لیے غالب امکان یہی تھا کہ اُسے اُٹھا لے جانے والے شی کے سرکارے تھے۔

اُس روز ہمارے دن کا آغاز ہی شی کے ساتھ محاذ آرائی سے ہوا تھا جس کا انجام کم از کم ویرا کے حق میں خطرناک ثابت ہوا تھا۔ سوفیتی گروپ کے چیف، جان لی بگ کے ذریعے پہلے برونو اشمٹ نے ہمیں بل سارا ہاؤز میں قید کیا لیکن ہم وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے پھر ہماری شامت ہمیں دوبارہ ان ہی مضافات میں ہانک لے گئی جہاں اس بار جمی لائیڈ بذاتِ خود بل سارا ہاؤز پہنچا ہوا تھا۔ اس بار بھی ہم جو سے دان میں پھنستے پھنستے اچانک ہی برونو اشمٹ کو شیشے میں اُتار کر بچ نکلے اور اس جرمن نژاد کی بھینٹ دے کر بہ حفاظت اپنے ہوٹل واپس پہنچنے میں کامیاب ہو گئے لیکن محسوس ہو رہا تھا کہ اس دوران میں کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی اور شی کے خونخوار بھیڑیوں کو ویرا کی کمین گاہ کا سُراغ مل گیا تھا، جب ہی وہ اُسے اُٹھا لے جانے میں کامیاب ہو گئے تھے، یہ بات یقینی تھی کہ ان لوگوں کو ہماری خوش قسمتی سے یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ ویرا کے ساتھ ہم بھی اسی ہوٹل میں مقیم تھے، ورنہ وہ بے صبری سے کام لینے کے بجائے ہم تینوں... یا کم از کم میری اور ویرا کی یکجائی کا انتظار کرتے اور پھر ایک ہی وار میں بھرپور کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟" میری طویل ہوتی ہوئی خاموشی کو ختم کرنے کی نیت سے سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"کچھ پتا نہیں کہ اس بار منزل کہاں ہو گی۔" میں نے کھوکھلی آواز میں کہا اور اپنے لہجے کی بے اعتمادی پر خود ہی ہل کر رہ گیا "اب ہمیں بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اُٹھانا ہو گا۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ جمی لائیڈ کے یہاں پہنچتے ہی شی والوں کی کارکردگی میں یک بیک اضافہ ہو گیا ہے۔"

"اس نے مارسیلز میں اپنی آمد کا اعلانِ عام تو نہیں کیا ہو گا۔ شی کے گنے چُنے لوگوں کے علاوہ کسی کو اس کی آمد کی بھنک بھی نہ مل سکی ہو گی۔" اُس نے کہا۔

"برونو اشمٹ کے علاوہ یہاں صرف ایک آئی مین ہی ایسا تھا جسے جمی لائیڈ کی آمد کی اطلاع ہو سکتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ایبی بوائے کے قتل کے بعد چیف ڈارلنگٹن لندن سے لوٹ آیا ہو لیکن یہ بات طے ہے کہ جمی لائیڈ کی آمد نے شی والوں میں کام کرنے کی نئی رُوح پھونک دی ہے، ورنہ وہ ہوٹل مارٹن تک نہ پہنچ پاتے۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "ویرا کے اغوا کے بعد ہوٹل مارٹن ہمارے لیے مخدوش ہو گیا ہے۔ میں نے کمرا ایک کراتے ہوئے دو دن کی پیشگی کرائے سے زیادہ رقم جمع کرا دی تھی، اس لیے پرسوں تک ہوٹل والوں کو میری عدم موجودگی پر کوئی تشویش نہیں ہو گی لیکن شاید پولیس کی توجہ میری طرف ضرور مبذول ہو جائے گی۔"

"اس معاملے کی تفتیش بھی تمہارا دوست ہی کرے گا۔" سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر کہا "کیونکہ کلثوم احمدی بھی عرب نژاد عورت تھی، تم نے بتایا تھا کہ غیر ملکیوں کے معاملات کی دیکھ بھال کا شعبہ سائمن بولیتھو کے ذمے ہے۔"

سائمن بولیتھو کا نام آتے ہی میں چونک پڑا۔ اہم سرکاری اہل کاروں میں وہ شی کا زر خرید کارکن اور مخبر تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ شی کی عام تنظیم اور افرادی قوت سے اس کا کوئی رابطہ نہیں تھا بلکہ وہ براہِ راست شی کے مقامی چیف کو جواب دہ تھا اور اسی سے اپنا ماہانہ مشاہرہ وصول کرتا تھا۔ گیری ہارٹ کی ہلاکت کے بعد مقامی چیف کے عہدے پر برونو اشمٹ کے تقرر کی اطلاع مجھے اسی سے ملی تھی اور اب برونو اشمٹ بھی جہنم واصل ہو چکا تھا۔ اس طرح وقتی طور پر سائمن بولیتھو کو ہدایات دینے والا کوئی بھی ذمے دار فرد باقی نہیں رہا تھا۔ میں نے جمی لائیڈ کی بُلٹ پروف مرسیڈیز میں فرار ہوتے ہوئے ڈرائیونگ کی ذمے داری برونو پر ڈالی تھی لیکن جب ٹرانسمیٹر پر براہِ راست جمی لائیڈ سے بات ہوئی تو میں نے اُسے برونو کی بغاوت کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی بلکہ اسے یہ بتایا تھا کہ برونو اشمٹ اچانک ہی خوفزدہ ہو کر کھیتوں میں فرار ہو گیا تھا۔ مرسیڈیز کی ڈرائیونگ سیٹ میں نصب ریموٹ کنٹرولڈ خونی شکنجوں کے ذریعے مجھے بے بس کر کے دھماکے میں ہلاک کرنے کے ارادے سے جب جمی لائیڈ نے روا روی میں ڈرائیور کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے آنے والے خونیں لمحات کا کوئی علم نہ ہونے

کے باوجود محض چھٹی حس کے سہارے اُسے بتایا کہ مرسیڈیز میں خود چلا رہا تھا۔

جب جمی لائیڈ نے اپنی دانست میں مجھے ہلاک کرنے کے لیے مرسیڈیز میں نصب خونی آلات سے کام لیا تو میرے بجائے بردنو شمٹ دردناک موت کا نشانہ بن گیا۔ رہی سہی کسر کار میں ہونے والے طاقتور بارودی دھماکے اور اس کے نتیجے میں بھڑک اُٹھنے والی ہولناک آگ نے پوری کر دی جس کے نتیجے میں بردنو کی لاش کے چیتھڑے تک جل کر نیست و نابود ہو گئے ہوں گے۔ اس طرح جمی لائیڈ کو خوش فہمی رہی ہوگی کہ اس نے ہمیشہ کے لیے میرا قصہ پاک کر دیا۔ دوسری طرف شی کے مارسیلز یونٹ کے مفرور چیف کی تلاش شروع کرا دی گئی ہوگی جس کی بازیابی یا موت کا یقین کیے بغیر جمی لائیڈ اس کے جانشین کی نامزدگی کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس اعتبار سے مجھے خوشی تھی کہ عارضی طور پر سائمن بولیتھو اور شی کے درمیان کوئی براہ راست رابطہ نہیں رہا تھا اور کم از کم اگلے چوبیس گھنٹوں تک وہی صورت حال برقرار رہنے کا امکان تھا۔ اس وقت میرے لیے انسپکٹر سائمن بولیتھو کی ذات یک بیک اہمیت اختیار کر گئی تھی کیونکہ مارسیلز کے محکمۂ پولیس میں وہ ایک کلیدی عہدے پر فائز اور دل و جان سے شی کا وفادار تھا۔ شی اس کے روابط کی گمشدہ کڑیوں سے فائدہ اُٹھا کر میں اسے اپنے آئی مین ہونے کا اس حد تک یقین دلا چکا تھا کہ ہوٹل مارکوئیس سے میری گرفتاری کے بعد میری رہائی کے لیے اس نے اپنے محکمے کی فیکس مشین خراب کر کے محض ٹیلکس پر میرے کوائف کی تصدیق سے فائل کی خانہ پری کر لی تھی اور تھوڑی ہی دیر قبل میں نے اپنی آئی مین کی حیثیت استعمال کرتے ہوئے اُسے سلطان شاہ کی سفری دستاویزات تیار کرانے کا کام سونپا تھا جس کے بارے میں مجھے چند گھنٹوں بعد دس بجے اس کے گھر فون کرنا تھا تاکہ پاسپورٹ وغیرہ وصول کرنے کا طریقۂ کار اور مقام طے کیا جا سکے۔

سلطان شاہ کا کہنا درست تھا کہ مارسیلز میں غیر ملکیوں سے تعلق رکھنے والے جرائم کی تفتیش کرنے والے پولیس سیل کا سربراہ سائمن ہی تھا، اس لیے ویرا کے اغوا کے معاملے کی تفتیش اسی کے دائرۂ کار میں آتی تھی، اگر میرے آئی مین ہونے کے بارے میں اس کی غلط فہمی برقرار رہتی تو ہوٹل مارٹن میں مقیم مسافروں کا ریکارڈ دیکھتے ہوئے وہ رجسٹر میں مندرج میرا اطالوی نام پہچان جاتا اور یوں میری اچانک روپوشی کے باوجود وہ میرا نام اپنی فائل پر نہ لاتا اور ہم دونوں بے فکری کے ساتھ مارسیلز میں اپنا باقی وقت کسی بھی ہوٹل میں گزار سکتے تھے، لیکن سائمن بولیتھو کی خوش فہمی دُور ہوتے ہی مجھے پیٹرواک کا اطالوی نام اور پاسپورٹ ترک کرنا پڑ جاتا۔

ان تمام مسائل کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ہمیں دس بجے تک صرف وقت گزاری کرنا چاہیے تھی۔ دس بجے فون پر انسپکٹر سائمن سے گفتگو کے بعد ہم اپنا آئندہ کا لائحہ عمل طے کر سکتے تھے۔

اس معاملے میں سلطان شاہ میرا ہم خیال ثابت ہوا اور ہم گزرے ہوئے واقعات پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے پیدل ہی اس علاقے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں مارسیلز کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہونے والے جہازوں کے غیر ملکی ملاحوں کی تفریح کے بیشتر لوازم یکجا پائے جاتے تھے۔

ریوڈی الفانسو پر ہوٹل مارٹن سے دُور نکل آنے کے بعد وہاں ہونے والے ہنگامے کے اثرات بھی معدوم نظر آنے لگے۔ سڑک پر جا بجا بے پروا ملاحوں کی رنگ رنگ اور بھانت بھانت کی ٹولیاں عجیب و غریب لباسوں میں گھومتی نظر آ رہی تھیں۔ شاید رسمی شہری لباس میں بھی ان کے کچھ ہم پیشہ موجود رہے ہوں مگر وہ عام لوگوں میں گھلے ملے ہوئے تھے لیکن رنگ برنگے چرمی اور سوتی نیکروں، بنیانوں، جینز اور جیکٹوں میں ملبوس تندرست ملاح اور گُدے ہوئے مضبوط بازوؤں والے سارنگ اور خلاصی دُور ہی سے پہچانے جا سکتے تھے۔ میں نے چند روز کے قیام کے دوران محسوس کیا تھا کہ مارسیلز میں اجتماعی زندگی دھیمے آہنگ سے عبارت تھی۔ ہنسنے والی بات پر لوگ مہذب انداز میں دھیمی آواز میں ہنستے تھے۔ بحث اور تکرار بھی شاید اونچی آواز میں معیوب سمجھی جاتی تھی کیونکہ اس طرح دوسروں کی شخصی آزادیاں مجروح ہوتی تھیں لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ اپنے بازوؤں کی پھڑکتی ہوئی مچھلیوں کی نمائش کرنے والے لمبے چوڑے، سیاہ فام ملاح شاید تعلیم کی کمی کی وجہ سے ان حدود سے ناآشنا تھے جہاں فرد کی آزادی، اجتماعی حق کے سائے میں قدرے محدود ہو جاتی ہے، وہ اونچی آوازوں میں اپنی بولیوں میں تبصرے کر رہے تھے، پھیپھڑوں کی پوری قوت سے قہقہے لگا رہے تھے، اونچی آواز میں گنگنا رہے تھے لیکن پھر بھی ان پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی اور ہم اسی بکھرے بکھرے ہجوم کے تعاقب میں ان کے تفریحی علاقے کی طرف جا رہے تھے۔

آخر کار ہم جلتی بجھتی تیز روشنیوں اور روشن اشتہارات سے منوّر اس علاقے میں پہنچ گئے جہاں سستے شراب خانوں، طعام گاہوں، جوئے خانوں اور قحبہ گروں کی بھرمار تھی۔ شہری زندگی پر چھائی ہوئی اُداسی کی وہاں کوئی رمق نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہمارے وہاں پہنچتے ہی کئی افراد ہماری طرف لپکے تھے لیکن اپنی رنگین دعوتوں کے جواب میں میری زبان سے سخت لہجے میں 'نو' سن کر دوسرے شکاروں کی طرف ہو لیے مگر ان میں سے ایک زیادہ ڈھیٹ اور گھاگ ثابت ہوا۔ انگریزی میں میرا انکار سنتے ہی اس نے بھانپ لیا کہ ہم

دونوں انگریزی ہی سمجھ سکتے تھے اور پھر اُس نے تجسس آمیز رندانہ لہجے میں عجیب الف لیلوی داستانیں شروع کر دیں جنھیں سن کر ذہن میں لامحالہ یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ کوہ قاف کی حسین اور نرم و نازک شہزادیوں کی وہ کون سی مجبوری تھی جو انھوں نے اس ڈھیٹ شخص کو اپنا ڈان مرسیانو مقرر کر لیا تھا۔

میں اُسے دھتکارتا رہا لیکن اُس نے ہم دونوں میں نہ جانے کیا دیکھ لیا تھا کہ جونک کی طرح ہمارے پیچھے لگا ہوا تھا اور جب میں زچ آکر اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے ایک بار میں گھسا تو وہ مردود وہاں بھی سائے کی طرح ہمارے پیچھے لگا رہا بلکہ لپک کر بار کے ایک خالی اور نیم تاریک گوشے کی طرف یوں ہماری رہنمائی کرنے لگا جیسے ہم اسی کی سفارش پر وہاں پہنچے ہوں۔

"ابھی ابھی اس نے کاؤنٹر والے کو آنکھ سے اشارہ کیا ہے۔" سلطان شاہ پیچ و تاب کھاتے ہوئے اردو میں بولا "جب تک اسے گریبان سے تھام کر دو چار مکے نہیں لگاؤ گے، یہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔"

سلطان شاہ کا مشاہدہ غلط نہیں تھا۔ گھوم پھر کر روزی کمانے والے دلال عموماً گاہک پھانس کر لانے پر تفریح گاہوں اور دکانوں سے اسی طرح استعاروں میں اپنا کمیشن طے کرتے ہیں جو پیشگی اشارہ مل جانے کی بنا پر مالکان عموماً خریدار ہی کی جیب سے نکلواتے ہیں، اور بعد میں دلال کو ادا کر دیتے ہیں۔

"تم غصہ تھوک دو۔ اس کا ایک مصرف میرے ذہن میں آگیا ہے۔" میں نے اس شخص کی بتائی ہوئی میز کے گرد کرسی سنبھالتے ہوئے مسکرا کر اردو میں کہا "اب اسے میں سنبھال لوں گا۔"

"بس، پھسل گئے۔" سلطان شاہ منہ پھلا کر غرایا "میں پہلے ہی سمجھ رہا تھا کہ اس مردود نے تمہاری دکھتی رگ پر ہاتھ ڈالا ہے۔"

وہ وقت سلطان شاہ سے بحث کے لیے مناسب نہیں تھا، اس لیے میں سر ہلا کر رہ گیا۔ یہ میری بد قسمتی تھی کہ میرے ساتھ ایک طویل مدت گزارنے اور میرے مزاج کو بڑی حد تک سمجھ لینے کے باوجود سلطان شاہ میری رنگین مزاجی کی طرف سے ہمیشہ شاکی رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک سب سے بڑی مجبوری زبان کی تھی جس کی وجہ سے سامنے آنے والی ہر عورت اور لڑکی سے مجھے ہی خوش دلی سے نمٹنا پڑتا تھا اور اس خوش دلی کو وہ ہمیشہ غلط زاویے سے دیکھنے کا عادی ہوتا جا رہا تھا۔ شاید اس کی بڑی وجہ ویرا تھی جو محض اسے چڑانے کے لیے اکثر حقیقت سے بھی زیادہ والہانہ انداز میں مجھ سے اپنا قریبی تعلق جتاتی رہتی تھی اور میں اسے مذاق سمجھتے ہوئے ٹال جایا کرتا تھا لیکن وہ چھوٹے چھوٹے واقعات سلطان شاہ کے ذہن پر اثر انداز ہوتے رہے۔

اُسی وقت ایک ویٹر ہمارے سر پر آموجود ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں پنسل کاپی دبی ہوئی تھی۔

"شیمپین؟ بیئر؟ وھسکی یا کاک ٹیل؟" ہمارے بن بلائے مہمان نے نہایت ڈھٹائی بلکہ بے تکلفی کے ساتھ دریافت کیا "یہاں کا ہیم برگر لاجواب ہوتا ہے۔" معلوم ہو رہا تھا جیسے وہی ہماری میزبانی کرے گا۔

"اسکاچ چلے گی۔ ہیم برگر سے مجھے کوئی رغبت نہیں ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"تم مسلمان تو نہیں ہو؟" میرا جواب سنتے ہی اس نے چونک کر سوال کیا۔

"یہ خیال کیسے آگیا تمھاری معصوم سی کھوپڑی میں؟" میں نے جواب ٹالتے ہوئے پوچھا۔

میرے تبصرے سے اس نے از خود یہ اخذ کر لیا کہ ہم دونوں مسلمان نہیں تھے اور بیرے کو فرنچ میں ہدایات دینے کے بعد مجھ سے بولا "یہ مسلمان قوم بھی عجیب اور سخت موڈی ہوتی ہے۔ اپنے پیشے کی وجہ سے میں نے ہر مذہب کی موٹی موٹی باتوں کا مطالعہ کیا ہوا ہے۔ ان کے مذہب میں شراب اور غیر عورت بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح خنزیر کا گوشت مگر یہاں آنے والا ہر مسلمان شراب شیر مادر کی طرح پیتا ہے۔ ہم پیگ ناپ کر پیتے ہیں، وہ گلاس بھر بھر کر چڑھاتے ہیں اور پورے مارسیلز کو اپنا حرم بنانے پر آمادہ نظر آتے ہیں لیکن خنزیر کے گوشت سے سخت اجتناب کرتے ہیں جیسے وہ چھوت کی کوئی بیماری ہو۔ تمھارے ہیم برگر سے انکار پر لمحہ بھر کے لیے مجھے شبہ ہوا تھا کہ کہیں تم بھی مسلمان ہی نہ ہو۔ آج کل تو بہتیرے لوگ گوشت اور مرغن غذاؤں سے پرہیز کرنے لگے ہیں۔"

وہ تیسرے درجے کا گھٹیا دلال اپنے تجربات کی روشنی میں مسلمانوں کے بارے میں جو کچھ کہہ گیا تھا، اس کے بعد مجھ میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں رہ گئی تھی کہ میں اس کے خیال کی تردید کرتے ہوئے اپنے مسلمان ہونے پر اصرار کرتا۔

"تم یقین کرو کہ میری جھولی نادر و نایاب موتیوں سے مالا مال ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس کی زبان پھر چل پڑی "حسن تو آدم خور قبیلوں میں بھی مل جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ تہذیب، شائستگی اور ذہانت اس خطۂ زمین کی میراث ہے۔ چند گھنٹے، چند دن یا چند راتیں جو تم یہاں آزادی سے گزار لو گے انھیں ہمیشہ اپنی یادوں کا ایک حسین سرمایہ پاؤ گے۔"

"حسن کے علاوہ باقی سارے خواص تم میں بھی ہیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر کہا "لیکن تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا؟"

اس کے چہرے پر حیرت اور بوکھلاہٹ کے آثار نمودار ہوئے

اور وہ تقریباً ہکلاتے ہوئے بولا تھا۔ ”خادم کو لوستاں کہتے ہیں۔ لل... لیکن میں تمھاری بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔“

”اسکاچ پیو گے تو سب کچھ سمجھنے لگو گے۔“ میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”اپنی رٹی رٹائی تقریریں کرتے ہوئے یہ نہ بھولا کرو کہ انسان کو جنت سے نکلوانے والی عورت ہی تھی۔“

اُس کے مُنہ سے بے ساختہ کچھ ناقابلِ فہم کلمات نکلے تھے جو شاید اُس کی مادری زبان پر مشتمل تھے کیونکہ مشکل وقت میں عموماً ہر شخص مادری زبان کا ہی سہارا لیتا ہے۔ سلطان شاہ اس بدلی ہوئی صورتِ حال سے محظوظ ہو رہا تھا۔ اُس نے اُردو میں کہا۔ ”ہوشیار رہنا، یہ کسی بھی لمحے کُرسی چھوڑ کر نکاسی کے راستے کی طرف دوڑ لگا دے گا۔“

”تمھیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں مسٹر لوستاں۔“ میں نے اُسے پُچکارتے ہوئے کہا۔ ”ہم تمھارا بار کا بِل تو آسانی کے ساتھ ادا کر دیں گے لیکن اس سے زیادہ فضول خرچی کے لیے ہمارے پاس رقم نہیں ہے اور اب اس سلسلے میں ہم تمھاری مدد کے طلب گار ہیں۔“

اُس کے مُنہ سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔ ”تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ شاید ہم لوگوں نے ایک دوسرے کا غلط انتخاب کیا ہے۔ نہ تم کوئی فضول خرچ اور عیّاش اسامی ہو اور نہ میں پیسہ بنانے کی کسی آسان ترکیب سے واقف ہوں۔ مجھے ایسا کوئی ہنر آتا تو میں تم جیسے سیّاحوں کی چاپلوسی کرنے کے بجائے اپنا گھر بسا کر بچّے پالنے میں اپنی بیوی کی مدد کر رہا ہوتا۔“

”گُڈ۔“ میں نے مسرّت آمیز لہجے میں کہا۔ ”پھر تو ہمارا مسئلہ حل ہو ہی گیا۔ دراصل ہمارے پاس اتنی کم رقم ہے کہ ہم ہوٹلوں کا کرایہ نہیں دے سکتے ہیں۔ سستی رہائش کے سلسلے میں تمھاری مدد لینا چاہ رہا تھا۔ لیکن تم مجرّد ہو تو میرا خیال ہے کہ ہمیں اپنے مکان میں سونے کی جگہ فراہم کر کے اضافی آمدنی حاصل کر سکتے ہو۔“

وہ دل ہی دل میں کچھ سوچتے ہوئے بے اختیار ہنسا پھر بولا۔ ”اس بار بھی تم غلطی کر گئے۔ میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ میں نے تو خود مادام فلورا کے گیسٹ ہاؤس میں رہائش اختیار کی ہوئی ہے۔“

بیرے کی واپسی کی وجہ سے ہماری گفتگو کا سلسلہ وہیں موقوف ہو گیا، وہ لارج اسکاچ کے تین پیگ آئس پاٹ سمیت لایا تھا۔ میں نے دو گلاس اپنے سامنے رکھتے ہوئے سلطان شاہ کے لیے فریش لیمن کا آرڈر دیا تو لوستاں کے چہرے پر حیرت نظر آئی تھی۔ ”کیا یہ بالکل ہی الکحل نہیں لیتا؟“ بیرے کے چلے جانے کے بعد اُس نے بے اعتباری سے سوال کیا تھا۔

”خود ساختہ اصولوں کا قیدی ہے۔“ میں نے مُنہ بنا کر بے پروائی سے کہا۔ ”صرف اپنی خواب گاہ میں نپی تلی مقدار میں پیتا ہے، اس کے لیے واپسی پر بلیک لیبل کا ادھا لے لیں گے۔“

”لونگ لیو گڈ لک۔“ فریش لیمن آنے پر لوستاں نے اپنا گلاس فضا میں بلند کر کے جام تجویز کیا اور ہم نے ہولے سے ایک دوسرے سے گلاس ٹکرا کر تلخ سیّال کا ہلکا سا گھونٹ لیا۔ نیٹ اسکاچ میں برف کے ڈلے زیادہ نہیں گھلے تھے، اس لیے مجھے دہانے سے سینے تک ایک خراش سی پڑ جانے کا احساس ہُوا لیکن لوستاں دوسرا گھونٹ لیتے ہوئے ندیدے پن سے میرے سامنے رکھے ہوئے دوسرے بلوریں جام کو دیکھ رہا تھا جو دیٹر دراصل سلطان شاہ کے لیے لایا تھا۔

میں نے فوری طور پر مادام فلورا کے گیسٹ ہاؤس کا ذکر چھیڑنے کے بجائے دوسری باتیں شروع کر دیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ دو تین

پیگ ملنے کے بعد میرے لیے زیادہ کارآمد ثابت ہو سکے گا۔

لوستاں کے آٹکرانے سے پہلے میرا ارادہ دس بجے تک وقت گزاری کا تھا تاکہ فون پر سائمن لو لیتھو سے بات کر کے کسی طے شدہ مقام پر اس سے سلطان شاہ کے شناختی کاغذات لے سکوں، اس کے بعد ہم بے فکری کے ساتھ مارسیلز کے کسی بھی ہوٹل میں قیام کر سکتے تھے لیکن لوستاں سے ملاقات ہوتے ہی مجھے یاد آیا کہ شی والوں نے ویرا کی تمام تر احتیاط کے باوجود ہوٹل مارٹن میں اس کا سراغ لگا لیا تھا اور اگر جمی لائیڈ کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ مریسٹ یڈز میں وہ مجھے ٹھکانے لگانے میں ناکام رہا تھا تو وہ اپنے سارے وسائل یکجا کر کے کسی بھی ہوٹل میں ہمارا پتا چلا سکتا تھا۔

اس خطرے کے پیش نظر محفوظ صورت یہی ہو سکتی تھی کہ ہم روایتی ہوٹلوں میں ٹھہرنے کے بجائے لوستاں جیسے کسی شخص کے ساتھ قیام کریں جو ہمارے شریفانہ رویے اور ہوٹل سے کم مگر معقول معاوضے پر ہمیں پناہ دے سکتا تھا ہمیں ویسے بھی مارسیلز سے جلد از جلد نکل بھاگنا تھا لیکن روانگی سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ ویرا کو شی والوں نے ہی اغوا کیا تھا یا وہ افراتفری میں کسی تیسرے فریق کی تحویل میں چلی گئی تھی؟

لوستاں نے مادام فلورا کے گیسٹ ہاؤس کا انکشاف کر کے ہمارے لیے اور آسانی پیدا کر دی تھی، اگر اس گیسٹ ہاؤس میں ذرا بھی گنجائش ہوتی تو لوستاں کی سفارش پر ہمیں وہاں قیام کی اجازت مل سکتی تھی۔ اس اعتبار سے لوستاں یک بیک ہمارے لیے ایک اہم مہمان بن گیا ہ جس کی میزبانی شایان شان طریقے سے ہونی چاہیے تھی۔

اُس نے اپنے پیمانے سے پگھلتی ہوئی الکحل زدہ برف کا آخری قطرہ چوس کر خالی اور سوکھا جام میز پر رکھا تو میں نے اپنے سامنے رکھا ہوا دوسرا پیگ اُس کی طرف سرکا دیا۔ اس وقت میں مصلحتاً سست رفتار سے پی رہا تھا اور لوستاں کو سہارا دے کر اس بار سے لے جانے کا منصوبہ بنا رہا تھا جس کی آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے تیرنے لگے تھے۔

"ابتدا میں، میں ذرا تیز پیتا ہوں۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا "تم پیگ ختم کر لو پھر دوسرا دور ایک ساتھ شروع کریں گے۔"

"ہم یار باش لوگ ہیں۔" میں نے اُس کی طرف جھک کر کہا۔ "تکلفات میں پڑ کر تم اپنا لطف غارت کر لو گے، تم شروع ہو جاؤ۔ مجھے تم جیسے بلانوشوں کے ساتھ پی کر خوشی ہوتی ہے۔ میں بُرا نہیں مانوں گا۔"

"یہ یاد رکھنا کہ بل تم ہی کو دینا ہے۔" اُس نے دوسرے پیگ سے اپنے لب تر کرتے ہوئے گویا مجھے وارننگ دی۔

میں ہنس پڑا "تم فکر نہ کرو، ہم اتنے قلاش نہیں ہیں، پوری بوتل بھی صاف کر گئے تو پیسے کم نہیں پڑیں گے، ہاں کوہ قاف کی سیر کو چل پڑے تو صبح قلاش ہی لوٹیں گے۔" میرا لہجہ اس وقت بہت فراخ دلانہ ہو گیا تھا۔

"تم بہت نیک اور مہربان آدمی ہو۔" وہ ایک ہلکی سی ہچکی لیتے ہوئے بولا "باہر سے آنے والے ملاح تو کبھی اپنے کابیڈ کو کھانے پینے میں شریک نہیں کرتے۔ کوئی زیادہ فیاض ہو تو ایک آدھ گھٹیا ڈرنک دلوا دیتا ہے۔ تم تو مجھے ڈیلکس اور وہ بھی اپنے سے زیادہ پلوا رہے ہو، کاش تم مجھے روز ملتے رہو۔" اس پر شراب اپنا رنگ جمانے لگی تھی۔

"مل سکتے ہیں۔" اُس کا دوسرا پیگ ختم ہونے والا تھا اور اس بار میں بھی اسی کے ساتھ نئے پیگ کا آغاز کرنے والا تھا، اس لیے میں نے آہستگی کے ساتھ کہا "بلکہ تم چاہو تو ہم ساتھ ہی رہ سکتے ہیں۔"

"نہیں رہ سکتے۔" وہ بچی کھچی وسکی اپنے معدے میں انڈیلتے ہوئے اُداس لہجے میں بولا "میرا گھر نہیں ہے اور مادام فلورا رات کو کسی مہمان کو ٹھہرانے کی اجازت نہیں دیتی۔" پھر اُس نے آنکھیں پھاڑ کر میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا "شاید تمھیں جنس مخالف سے کوئی رغبت نہیں ہے، ایسے لوگوں سے مجھے خوف آتا ہے۔"

"ڈرو نہیں۔" میں نے اس کا شانہ سہلاتے ہوئے ہنس کر کہا۔ "میں مذاق کر رہا تھا، ایسی کج روی کو تو ہم خود لعنت سمجھتے ہیں اور ہاں ہمیں تمھارا مہمان بننے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم خود فلورا کے گیسٹ ہاؤس میں کرایہ دے کر ٹھہر سکتے ہیں۔"

"واہ، یہ بات ہوئی نا۔" وہ جھومتے ہوئے بولا اس وقت تک وہ تیسرے لارج پیگ کا افتتاح کر چکا تھا۔ "اسے گاہک ملیں تو وہ اپنی خواب گاہ چھوڑ کر سیڑھیوں پر سونے کے لیے تیار ہو جائے گی، میں تمھیں اُس سے ملوا دوں گا، مگر اتنا تو بتا دو کہ ڈارلنگ! تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟" اس نے خلا میں ہاتھ پھیلا کر خوشامدانہ لہجے میں کہا جیسے میری ٹھوڑی چھو رہا ہو۔

"اس کی خواب گاہ مل جائے تو مزہ آ جائے گا۔" میں نے اس کے سوالات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

اُس نے دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھ کر اپنا سر کلائیوں پر ٹکا لیا اور اٹکتی ہوئی آواز میں بولا "تم فرشتے ہو، اگر وہ تم پر عاشق ہو گئی تو بغیر کرایہ لیے تمھیں رکھ لے گی اور مزے دار کھانے مفت میں کھلائے گی۔"

"یہ بہیں اوندھا ہونے والا ہے۔" سلطان شاہ مجھے گھورتے ہوئے اردو میں غرایا "پتا نہیں تم یک بیک اپنے سنگین حالات کو کیسے فراموش کر بیٹھتے ہو؟" وہ میری اسکیم سے لاعلم تھا، اس لیے

طور پر غصے میں تھا۔

"دیکھتے جاؤ، یہ ان ہی سنگین حالات کا توڑ چل رہا ہے۔" میں مسکراتے ہوئے کہا "یہ مُعنت کی پی کر اتنا ڈاؤن نہ ہوتا تو کبھی بھی میں نہ آتا، کسی بہانے سے ایسا جاتا کہ پھر اس کا سایہ بھی نہ ملتا۔"

"یہ مادام فلورا کیا بلا ہے پیارے لوستاں ؟" میں نے پھر سے چھیڑا۔

"بہت گھاگ اور خوبصورت بلا ہے۔" وہ حسرت آمیز لہجے میں بولا "پینتالیس سے کسی طرح کم نہ ہوگی مگر لڑکیاں اس کے سامنے شرماتی ہیں۔ اُس نے آج تک صرف اس وجہ سے شادی نہیں کی کہ اسے اپنی پسند اور معیار کا کوئی مرد نہیں مل سکا۔" وہ رُک رُک کر شکستہ الفاظ اور فقروں میں بولا۔ اس کے الفاظ سے جھانکتی ہوئی حسرت کی بنا پر میرے لیے یہ اندازہ لگانا دُشوار نہیں تھا کہ فلورا اسے گھاس نہیں ڈالتی تھی اور وہ اس پر زہریلے تبصرے کر کے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم سے تو گہری دوستی ہوگی اس کی ؟" میں نے اُسے چھیڑا۔

اس نے جھومتے ہوئے سر اُٹھایا، نیم وا آنکھوں سے میز پر اپنا پیمانہ تلاش کیا اور پھر ایک بڑا گھونٹ اُس کے معدے کے الاؤ میں اُتر گیا "بڑی خود غرض ہے ... میری مالی حالت پتلی رہتی ہے ... کبھی کبھار اس کا ہفتہ وار کرایہ ادا کرنے میں بھی تاخیر ہو جاتی ہے اس لیے وہ مجھے مُنہ نہیں لگاتی .... اب شراب کچھ چڑھ رہی ہے۔" وہ ہچکی لیتے ہوئے بولا "ایک ہیم برگر منگواؤ تو مزہ ہی آجائے گا۔ میں کئی دن سے اس کے لیے ترس رہا ہوں۔"

"اسے خنزیر تم ہی کو کھلانا ہوگا۔" میں نے بیرے کو آرڈر دینے کے بعد رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "دس بج رہے ہیں، میں سائمن کو فون کر کے آتا ہوں۔" اور سلطان شاہ بُرے بُرے مُنہ بناتا رہ گیا۔

مَیں نے کرسی چھوڑی، تو لوستاں تیسرا پیگ خالی کر کے پھر میز پر مُنہ اوندھائے بیٹھ لیے تکے انداز میں سیٹی پر کوئی دُھن گنگنانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے یہ جتانے کی کوشش کر رہا تھا ... کہ شراب اسے چڑھی نہیں تھی حالانکہ اس کی حالت ابتر ہو چلی تھی اور اپنے قدموں پر ٹوائلٹ تک جانے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ میرے مطلب سے اُس نے زیادہ نہیں لی تھی مگر مذیدے پن کی وجہ سے ایسی میں غیر ذمے دارانہ عجلت سے کام لے بیٹھا تھا جس کا خمیازہ اُسے بہرحال بھگتنا تھا۔

مَیں بار کے پبلک فون بوتھ میں پہنچا تو نمبر ملاتے ہی ریسیور میں انسپکٹر سائمن کی احترام آمیز آواز آئی تھی جیسے وہ میری کال کے انتظار میں فون سے لگا بیٹھا ہو۔ اُس نے پہلی گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے ہی دوسری طرف سے ریسیور اُٹھا لیا تھا۔

"میں بہ مشکل وقت نکال کر گھر لوٹا ہوں۔ ہوٹل مارٹن کا واقعہ میری رات کالی کرا دے گا۔" اُس کی تشویش آمیز آواز سُنائی دی۔ اُس نے جس انداز میں ہوٹل مارٹن والے قصے کا حوالہ دیا تھا، اس سے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس معاملے سے میری واقفیت کی توقع کر رہا تھا۔

"شاید تمھیں رجسٹر میں میرا نام بھی نظر آیا ہوگا۔" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جارحانہ اور معنی خیز لہجے میں کہا۔

"یہی تو مجھے حیرت تھی اور پھر اغوا ہونے والی وہی تھی جو حوالات میں تم سے ملنے آئی تھی۔"

"یہ بہت لمبا کھیل ہے، تم اس پر زیادہ سر نہ کھپاؤ ..."

میں اپنا بھرم برقرار رکھتے ہوئے تفصیلی مشورہ دینا چاہ رہا تھا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی "یہی تو پریشانی ہے، معاملہ سنگین ہے مگر مجھے اغوا ہونے والی کے کمرے میں ایسے نشانات ملے ہیں جن کا مطلب ہے کہ مجھے سرسری کارروائی کے بعد معاملہ داخلِ دفتر کر دینا چاہیے۔ اس ہدایت کی تعمیل کی تو مجھ پر فرائضِ منصبی سے روگردانی اور بے پروائی کا الزام آجائے گا۔"

"اپنی گردن بچاتے ہوئے کم سے کم کام کرو اور ہاں، یہ بتا دوں کہ اب میں ہوٹل مارٹن میں نہیں لوٹوں گا۔ دو دن کا پیشگی کرایہ پورا ہونے کے بعد ہوٹل کی انتظامیہ شاید کمرا کھولنے کے لیے تم ہی سے رجوع کرے گی۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ اپنی سُرخ روئی کے لیے میں اس بار کلثوم کو برآمد کر لوں، تم دوبارہ اُسے اُٹھوا سکتے ہو، اس طرح محکمے میں میری دھاک بیٹھ جائے گی۔" اس کی جھجکتی ہوئی آواز اُبھری۔

"تم بہک رہے ہو سائمن۔" میں نے غرّا کر کہا "ہم بچّوں کا کھیل نہیں کھیل رہے۔ کیا تمھارے سمجھنے کے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ اس عورت کو زیر کرنے کے لیے میں خود کام کر رہا ہوں ؟ میں اسے کس طرح تمھارے حوالے کر سکتا ہوں ؟"

"میں معذرت چاہتا ہوں۔" وہ فوراً ہی سنبھل گیا "تمھارے نرم اور محبت آمیز رویّے نے میرے ذہن کی اُڑان کچھ زیادہ ہی اُونچی کر دی تھی۔ میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔" اس وقت وہ اپنے الفاظ ہی کی طرح شرم سار نظر آ رہا تھا۔

"میں نے اس وقت تمھاری معذرتیں سُننے کے لیے فون نہیں کیا ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"اوہ، وہ کام ہو گیا ہے۔" اس کا جواب سُن کر میرے وجود میں

اطمینان کی ایک لہر سرایت کر گئی "کاغذات جہاں چاہو، پہنچا سکتا ہوں۔ اس سے فارغ ہو کر مجھے دوبارہ مارٹن پہنچنا ہے۔"

"پھر کاغذات لے کر فوارے والے چوک پر پہنچو۔" میں نے بوتھ کے سامنے لگے ہوئے شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اسٹور کے عین مقابل تمہارا انتظار کروں گا۔ کتنی دیر میں پہنچو گے؟"

"صرف دس منٹ۔ وہیں سے میں سیدھا مارٹن نکل جاؤں گا۔"

وہ مجوزہ مقام کے بارے میں خوش ہو گیا تھا۔ میں اُسے پابندیٔ وقت کی تاکید کر کے ریسیور ہک سے لٹکا کر بوتھ سے نکل آیا۔

میں میز پر واپس پہنچا تو سلطان شاہ غصّے اور بیزاری کے عالم میں لوستان کو گھور رہا تھا جو دونوں ہاتھوں میں ہیم برگر تھامے اُسے دانتوں سے کاٹنے میں مصروف تھا۔ میرے پہنچنے پر بھی اس کے انہماک میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"اپنے تاثرات پر قابو رکھو برخوردار۔" میں نے سلطان شاہ کے قریب پہنچ کر آہستہ سے اُردو میں کہا۔ "بعض اوقات عاشقی میں اس سے بھی زیادہ ناگوار لمحات آتے ہیں۔ ناک مُنہ چڑھا کر تم خود کو دوسروں کی نگاہوں کا مرکز بنا لو گے۔"

"تم کیوں نہیں بیٹھ رہے یہاں؟" اُس نے سر اُٹھا کر مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"میں تمہارے کاغذات لینے قریبی چوک تک جا رہا ہوں، پندرہ بیس منٹ تک تم ہی کو اسے برداشت کرنا ہو گا۔" میں نے نرمی سے کہا اور وہاں سے نکاسی کے راستے کی طرف ہو لیا جو اس وقت خالی پڑا ہوا تھا۔

حالات ہمارے حق میں رفتہ رفتہ پیچیدگی اختیار کرتے جا رہے تھے۔ ویرا کے اغوا کے بارے میں اپنے تمام تر اندازوں کے باوجود میں بے یقینی کا شکار تھا اور اس کی قید کا تصور میرے لیے سوہانِ رُوح بنا ہوا تھا لیکن سائمن بولیتھو نے ویرا کے کمرے سے ملنے والے شی کے علامتی نشان کا انکشاف کر کے یہ واضح کر دیا تھا کہ ویرا شی یا بہ الفاظِ دیگر جمی لائیڈ کی قید میں تھی جو آخر کار خود کو ویرا کا باپ تسلیم کر چکا تھا۔ وہ کتنا بھی سفاک اور خود غرض رہا ہو لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ وہ ویرا کو کسی مار و تشدد کا نشانہ نہیں بنائے گا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ایک کُھلی حقیقت تھی کہ جمی لائیڈ کی نجی تحویل سے ویرا کو آزاد کرانا آسان کام نہیں تھا۔ دوسری طرف، وہ جس طرح ہر آڑے وقت میں ہمارا ساتھ دیتی رہی تھی، اس کا تقاضا تھا کہ ہم بُرے وقت میں اسے بے یار و مددگار نہ چھوڑیں۔ بے شک وہ عزالہ کی گمشدگی کی قصور وار تھی لیکن اس نے اپنے ایک قصور کے ازالے کے لیے اس قدر بے خوفی اور دلیری کے ساتھ ہمارا ساتھ دیا تھا کہ اب اس کے بارے میں بھی اپنائیت سی محسوس ہونے لگی تھی۔

اسی کے ساتھ سائمن بولیتھو بھی شی کا ایک خطرناک ... تھا۔ یہ میری خوش نصیبی یا سائمن کی بدنصیبی تھی کہ وہ صرف شی کے مقامی چیف کو جواب دہ تھا۔ اس کڑی میں پہلے گیری بارٹ ہمارے ہاتھوں مارا گیا پھر برونو اشمٹ بھی ہمارے ہاتھ پیر ہلائے بغیر مکافاتِ عمل کے تحت اپنے انجام کو پہنچ گیا لیکن سائمن ان کی ہلاکت سے لاعلم تھا۔ اس کے روابط ٹوٹنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں عارضی طور پر اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ میں ... تھا لیکن میری ذات کا وہ سحر کسی بھی لمحے ختم ہو سکتا تھا۔

ویرا کے ہوٹل مارٹن والے کمرے میں ملنے والے شی کے دیے نشان سے صاف ظاہر تھا کہ برونو اشمٹ کے مر جانے کے باوجود شی کے کسی رُکن یا چند ارکین کو پورے وثوق سے یہ معلوم ہو کہ غیر ملکیوں کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے والے محکمے میں کوئی کوئی ایسا ذمے دار فرد موجود تھا جو شی کی علامتی وارننگ دیکھتے ہی تفتیشی کارروائی کو سمیٹ دینے کا نہ صرف مجاز تھا بلکہ اپنے اس اختیار کو استعمال کرنے پر مجبور بھی ہو سکتا تھا۔ شی کا وہ رُکن کسی بھی لمحے انسپکٹر سائمن کو ہوشیار کر سکتا تھا کہ مارسیلز میں اس وقت چیف ڈارلنگٹن کے علاوہ کوئی اور رآئی میں موجود نہیں تھا اور سارے آپریشن کی نگرانی جمی لائیڈ بہ ذاتِ خود کر رہا تھا۔ اگر انسپکٹر سائمن ویرا کے اغوا کی واردات کے حوالے سے اس میں ایک آئی مین کے ملوث ہونے کی نشاندہی کر بیٹھتا تو وہ معاملہ براہِ راست جمی لائیڈ تک پہنچ سکتا تھا اور اسے خوب معلوم تھا کہ شی سے باہر سلور آئی کس کے قبضے میں تھی۔

ایسی صورت میں مارسیلز میرے لیے موت کا پھندا بن سکتا تھا۔ اس وقت جمی لائیڈ اور شی کے کارندوں کو اپنے ایک دشمن کے طور پر میرا نام تو معلوم تھا لیکن ان کے پاس میری پُرانی اور ناکارہ تصاویر کے علاوہ کوئی نئی شناخت نہیں تھی جس کے سہارے مجھے گھیر کر پکڑنے کی کوئی بڑی کوشش کی جاتی جب کہ انسپکٹر سائمن مجھے بہت قریب سے دیکھ چکا تھا۔ جمی لائیڈ اسے اعتماد میں لے کر ایک سلور آئی کی چوری کے راز سے آگاہ کر سکتا تھا جس کے بعد سائمن اپنی پیشہ ورانہ مہارت اور مجرمانہ ذہنیت کے سہارے دُنیا کے آخری سرے تک بھی میرا پیچھا کر سکتا تھا۔ چند گھنٹے یا چند دن گزرنے کے بعد سائمن بولیتھو، شی میں میرے لیے جمی لائیڈ سے زیادہ مہلک اور خون آشام دشمن ثابت ہو سکتا تھا جس سے پیچھا چُھڑانے میں مجھے دانتوں پسینہ آ سکتا تھا۔

اس نئے مسئلے پر مغز زنی کرتے ہوئے میں چوک کے مقررہ مقام پر پہنچ گیا اور سگریٹ سلگا کر بھیڑ بھاڑ سے الگ ایسی جگہ کھڑا ہو گیا جہاں انسپکٹر سائمن مجھے دُور ہی سے دیکھ سکتا تھا جب کہ

راہگیروں کے لیے ذرا بھی قابلِ توجہ نہ ہوتا۔
...ے
...ت دھیمے دھیمے رینگتا رہا اور سوچوں کے مہیب جالے میں
...ھتی بڑھتی رہی۔ آخر کار انسپکٹر دیے ہوئے وقت سے ذرا
...ں آ پہنچا۔ اس نے سڑک کے کنارے گاڑی روک کر میری طرف
...تھا اور میں اسے پہچانتے ہی لپک کر پسنجر سیٹ پر سوار

...اس میں مکمل کاغذات ہیں۔" وہ ایک لفافہ میری طرف بڑھاتے
...ولا۔ کار کا انجن بیدار تھا لیکن اس نے گاڑی آگے نہیں بڑھائی
...کے ہر انداز سے عجلت کا اظہار ہو رہا تھا۔ شاید اسے توقع تھی
...ت وصول کر کے میں گاڑی سے اتر جاؤں گا۔
...گاڑی چلاؤ انسپکٹر۔" اس کا تردد محسوس کر کے میں نے خشک
...ں لہجے میں کہا۔ "یہاں گاڑی روک کر تم خود کو بلاوجہ لوگوں کی
...ز بنا رہے ہو۔" لفافہ میں نے جوں کا توں جیب میں
...یا تھا۔
...کدھر چلوں؟" اس نے بہت سست رفتاری سے گاڑی
...تے ہوئے بے جان لہجے میں سوال کیا۔
...کہیں بھی، جہاں سکون اور تنہائی ہو۔" میں نے اسی لہجے میں
...ر اچانک سوال کر بیٹھا۔ "برو لواشمٹ کا کچھ پتا چلا کہ وہ اس
...تو پر کہاں مرا ہوا ہے؟" وہ سوال کرتے ہوئے میری نگاہیں
...کے چہرے پر مرکوز تھیں۔
...میں خود اس کی طرف سے فکرمند ہوں۔" وہ گاڑی اپنے صحیح
...ں لے جاتے ہوئے بولا۔ "میں نے ایک ایک کر کے اس
...ہانے ٹھکانوں سے رجوع کیا ہے مگر ہر جگہ سے اس کے
...ے میں مکمل لاعلمی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اس کی گرل فرینڈ میرے اور
...ے خصوصی مراسم سے واقف ہے، وہ بھی بس اتنا بتا سکی کہ برونو
...ڈالا کے کر صبح سویرے ہی کسی مہم پر نکلا ہوا ہے۔ ہوٹل مارٹن پر
...ر تا میری واپسی کا انتظار کر رہے ہوں گے، اس لیے میں شارٹ
...ے ساحلی علاقے کی طرف جا رہا ہوں۔" آخری فقرے اس نے
...ہلے توقف کے بعد جھجکتے ہوئے ادا کیے تھے۔
اندھیرے میں میں خود ہی خود اسے گھور کر رہ گیا۔ "میں تمہارا
...ت نہیں لوں گا لیکن فرض کرو کہ کسی مجبوری کی وجہ سے تم
...رٹن واپس نہ جا سکو تو کیا ہو گا؟" میں نے اپنے لہجے میں ڈرامائی
...بناتے ہوئے سوال کیا۔
لمحہ بھر کے لیے اسٹیئرنگ پر اس کا ہاتھ بہک گیا اور وہ
...ی کی جھنجھلاہٹ کے ساتھ بولا۔ "یہ ناممکن ہے۔ مجھے ہر حال میں واپس
...اگر تاخیر ہو گی تو واپسی میں اس کے لیے کوئی معقول بہانہ
...ا پڑے گا۔ ایک ذمے دار پولیس افسر کو راستے میں کوئی مشتبہ کار

نظر آ سکتی ہے جو کچھ دیر کے تعاقب کے بعد مشتبہ نہیں رہتی اور افسر
اپنے معمول کے فرائض کی طرف لوٹ جاتا ہے۔"
"گڈ!" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "تم واقعی بہت ذہین ہو
لیکن یہ تو بتاؤ انسپکٹر کہ شی کے لیے کام کرتے ہوئے تمہارے ذہن
پر کوئی خلش تو سوار نہیں ہوتی؟ یا کسی قسم کا احساسِ جرم تو کچوکے
نہیں لگاتا؟"
"سچ پوچھو تو مجھے لطف آتا ہے۔ اپنے آدمیوں کی پردہ پوشی
کے لیے جب میں اپنے ماتحت عملے کو فرضی واقعات اور کرداروں
کی تفتیش پر مامور کرتا ہوں تو مجھے ان کٹھ پتلیوں پر ہنسی آتی ہے۔ اپنے
تخلیق کیے ہوئے امکانات کا ذکر جب میں ان کی عرق ریزی سے
تیار کی ہوئی رپورٹوں میں پڑھتا ہوں تو میرا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔"
اس وقت اس کے لب و لہجے میں واقعی فخر و انبساط کا عنصر شامل ہو گیا تھا۔
اس وقت وہ سرکاری وردی کے بجائے سادہ لباس میں تھا
اور حقیقی معنوں میں افسری کے خول سے باہر آیا ہوا تھا۔ اس کے
ذہن کو پڑھ لینے کے بعد میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ منشیات
اور جرائم کی دنیا کے بے تاج بادشاہوں سے کہیں زیادہ قانون نافذ
کرنے والے ایسے اہل کار سولی پر چڑھا دیے جانے کے حق دار تھے،
جو اپنے فرائض اور وسیع اختیارات کی آغوش میں بھیانک جرائم
اور مجرموں کو نہ صرف پناہ دیتے ہیں بلکہ پروان چڑھاتے ہیں اور جو
فرض شناس ہوتے ہیں انھیں اپنے تخلیق کیے ہوئے امکانات اور
مفروضوں میں الجھا کر صحیح راستے سے ہٹا دیتے ہیں بلکہ غلط راستوں پر
بھٹکا دیتے ہیں۔
تعداد کم و بیش ہو سکتی ہے لیکن ہر اس خطے میں جہاں جرائم
پروان چڑھتے اور پنپتے ہیں، وہاں ایسے غدار اور منصب فروش
اہل کار ضرور موجود ہوتے ہیں جو شہریوں سے اپنے فرائض کا معاوضہ اور
مجرموں سے اپنے اختیارات کی قیمت وصول کرتے ہیں۔
جرم کو اگر ایک بار سازگار ماحول اور فضا میسر آ جائے تو پھر وہ
مدتوں قابو میں نہیں آتا۔ آکاس بیل کی طرح معاشرے کی جڑوں میں اترتا
چلا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ نہ کسی کی آبرو محفوظ رہتی ہے اور نہ جانوں کو امان
ملتی ہے۔ چار دیواری، خون کی ہولی کھیلنے کا کھلا میدان بن جاتی ہے،
جہاں انسانی روپ میں سفاک بھیڑیے معصوم جانوں کی بھینٹ دے
کر طاغوتی ناچ ناچنے لگتے ہیں۔ جو ان کی راہ میں مزاحم ہوتا ہے اسے
بے دست و پا کر کے خنجروں سے گودتے ہیں، زندہ انسانی لہو کی گرم
گرم دھاریں ابلتی دیکھ کر وحشیانہ اور لذت آمیز انداز میں سسکاریاں
لیتے ہیں پھر ان بدنصیبوں کے بھیجے اڑا دیتے ہیں یا اپنی آتشِ شوق کو
ہوا دینے کے لیے تڑپتے اور بلبلاتے ہوئے داغ داغ جسموں
کو زندہ جلا دیتے ہیں تاکہ ان کی آن اور شان باقی رہے، کوئی ...

کے مفادات پر بُری نگاہ نہ ڈال سکے۔ لوگ گروہوں اور برادریوں
میں دشمنوں کو ڈھونڈتے رہ جائیں اور وہ سائمن بولیتھو کی نسل کے
اہل کاروں کے کندھوں پر سوار ہو کر اپنی فتح کے ڈنکے بجاتے
رہیں۔ یہ نسل، یہ گندی نسل جب فروغ پا لیتی ہے تو چادر بس ننگی
لاشوں کا کفن بن کر رہ جاتی ہے۔ نہ کسی سر کو ڈھانپ سکتی ہے اور نہ
کسی چادر کے بدن کو پردہ فراہم کر سکتی ہے بھرے بازاروں میں دن
دہاڑے معصوم اور بے گناہ انسان بلاامتیاز، غول در غول خاک و خون
میں نہلا دیے جاتے ہیں، پتنگوں کی طرح ان کا شکار کھیلا جاتا ہے
لیکن کسی کا ضمیر اُس کو اُس کی کوتاہیوں پر ملامت نہیں کرتا۔ مسند دار
جونک بن کر اپنی مسندوں سے چمٹے رہتے ہیں، منصب داروں میں
سے کچھ کی ترقیاں اور کچھ کی بدلیاں ہوتی ہیں۔ مسجدوں، مندروں اور
کلیساؤں میں سب مل کر اپنے اپنے مُردوں کے لیے ایصالِ ثواب
کراتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی موت کے بھیانک جبڑوں سے
اس ایک زندگی کو واپس نہیں لا سکتا جو پورے خاندان کی کفالت
کرتی تھی اور آخر کار جابرانہ بالادستی کی بھینٹ چڑھ گئی۔

چند ہی ثانیوں میں، سوچتے سوچتے میرا ذہن جلنے لگا۔ میں
پاکستان سے نگر نگر کی خاک چھانتا ہوا مارسیلز پہنچا تھا اور میں اچھی
طرح جانتا تھا کہ میرے وطن میں کوئی مثالی معاشرہ موجود نہیں تھا۔
پچھلے چند برسوں میں ذرا ذرا سی بات پر یوں لرزہ خیز خونریزیاں
ہوتی تھیں جیسے لوگ انسانی جان کی حرمت کو مٹانے کے لیے کسی
بہلانے کی تلاش میں مدتوں سے بھرے بیٹھے ہوں اور وہ سب

میرے لاشعور میں دفن تھا لیکن فرانس جیسے مہذب اور امن پرور
معاشرے میں پلائے جانے والے انسپکٹر سائمن بولیتھو کے چند فقروں
نے میرے ذہن میں برسوں سے دبی ہوئی ان چنگاریوں کو یک بیک
بھڑکا دیا تھا۔ میرے نزدیک سائمن محض ایک فرد نہیں رہا تھا بلکہ
وہ منصب فروشوں کے غدار قبیلے کا سرخیل اور نمائندہ نظر آنے لگا
تھا جو اپنی برادری کے وجود کی یاد دہانی کرانے کے [illegible]
مجھ سے آ ٹکرایا تھا۔

مجھے کچھ یاد نہیں کہ باقی راستے میں سائمن [illegible] گفتگو ہوئی،
بس اتنا یاد ہے کہ سکوت توڑنے کے لیے وہ وقفے وقفے سے کچھ
بولتا رہا اور میں خالی الذہنی کے عالم میں ہوں، ہاں کر کے اُسے ٹالتا رہا
البتہ جب ساحل سے سر ٹکرا کر دم توڑتے والی موجوں کا شور سنائی دیا
تو میں چونکا اور دیکھا کہ کافی فاصلے پر چاند کی روشنی میں سمندر کی لہریں
جا بجا پگھلے ہوئے نقرئی سیّال کی طرح چمک رہی تھیں اور وہ علاقہ
دُور تک ویران پڑا ہوا تھا۔ اسی لمحے میں نے محسوس کیا کہ سائمن کی کار
پختہ سڑک چھوڑ کر اس وقت ناہموار زمین پر دوڑ رہی تھی۔ شاید اپنے
آئی مین کی خوشنودگی کے لیے وہ دانستہ ایسے مقام پر پہنچا تھا، جہاں
سکوت اور تنہائی کا بیکراں سمندر موجزن تھا۔

"بس سائمن، گاڑی روک لو۔" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے
میں اُسے ہدایت کی۔ "اس سے زیادہ سکون اور سناٹا تو شاید ہمیں
سمندر کی خودسر موجوں پر بھی نہیں ملے گا۔" بات پوری کر کے میں
سگریٹ سلگانے لگا۔

اُس نے سمندر کے رُخ کر کے گاڑی روک دی اور [illegible]
لہجے میں بولا۔ "تمہاری ذات کے لیے سارے ادب اور احترام کے
باوجود میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ تم ذہنی طور پر اس وقت کچھ پریشان ہو۔"

"جو گھر تم نے برسوں کی محنت سے بنایا اور سجایا، اسے کوئی
درندہ صفت پل بھر میں اُجاڑنے پر تُل جائے تو کیا تم پریشان نہ ہو گے؟"
میں نے اُلٹا اُسی سے سوال کر ڈالا۔ اُسے گھیرنے کے لیے مجھے بھی
مکاری سے کام لینا تھا۔

"یہ تو بہت فطری ردِ عمل ہو گا۔" اُس نے بلا تردد جواب دیا۔
"اس کا زخم رانوچ لینے کو دل چاہے گا۔"

"بس یہی کیفیت میری ہے۔" میں نے اُسی کی بات پر صاد کرتے
ہوئے کہا۔

"لیکن تمہارا دشمن کون ہے؟ مجھے بتاؤ، میں شاید تمہارا ہاتھ بٹا
سکوں۔" میرے مبہم رویے نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"ہاتھ بٹانا چاہتے ہو تو اپنا پستول نکالو، میں دیکھنا چاہتا ہوں
کہ تم نشانے کے کتنے سچے ہو۔" میں نے اُسے کوئی شبہ کرنے کا موقع
دیے بغیر اُسی کی گفتگو کے تسلسل میں اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔

وہ بہت گھاگ آدمی تھا۔ میرے اُلجھے اُلجھے انداز سے وہ
کچھ چوکنا ہو گیا تھا لیکن گفتگو جس ڈھب پر چل رہی تھی، اس کے پیشِ نظر
اُس کے پاس میری فرمائش کی تعمیل کے سوا اور کوئی مصالحانہ صورت
باقی نہیں رہی تھی۔ اُس نے جھکتے ہوئے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب
سے پستول نکالا۔ میگزین چیک کر کے پستول کو دوبارہ لوڈ کیا اور میری
طرف متوجہ ہو گیا۔ "بتاؤ کس چیز کا نشانہ لوں؟"

"اس شاخ کا کوئی بھی حصہ۔" میں نے چاند کی روشنی میں کچھ
دُور، ہوا سے ہلتی ہوئی ایک خود رو شاخ کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے کہا۔ اُس نے دو مرتبہ اپنا داہنا ہاتھ سیدھا کر کے شست کا
اندازہ لگایا اور تیسری بار فائر کر دیا۔ دھماکے کی آواز سمندر کی لہروں
کے شور میں معدوم ہو گئی مگر وہ شاخ خنک ہوا میں بدستور لہرا رہی
تھی۔ درحقیقت میں نے سائمن کی انا کو اُبھار دیا تھا، ورنہ حقیقت
تھی کہ کوئی ماہر نشانچی بھی اتفاقاً اس شاخ کو گرا دیتا تو اور بات تھی
ورنہ نشانہ لے کر ایک ہی فائر میں اُسے اُڑانا محال تھا۔

"لاؤ، میں بتاؤں کہ سچا نشانہ کسے کہتے ہیں؟" میں نے ہاتھ

ھا دیا۔
اس کی اندھیرے میں چمکتی ہوئی آنکھوں میں خوف کی لہر دوڑ
غیر ارادی طور پر وہ ایک قدم پیچھے سرک گیا۔ اس کا پستول والا
پہلو پر گر کر یوں قدرے پشت پر چلا گیا تھا جیسے وہ اضطراری
ر پستول کو میری نگاہوں سے بچانا چاہ رہا ہو۔
ملاڈ" میں نے اسے متردد دیکھ کر نرمی سے اپنی بات دہرائی اور
بادل ناخواستہ پستول میرے حوالے کرنے پر مجبور ہو گیا۔ چاند کی
ی روشنی میں اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نمایاں تھے۔ شاید
کی چھٹی حس خطرے کی بو سونگھ چکی تھی۔
"اس سر سبز شاخ کے بجائے میں کسی درندہ صفت کے سر کا
نہ لوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہ ہو گا؟"
وہ خوفزدہ انداز میں پھیکی ہنسی ہنس دیا۔ "پتا نہیں تم اس
ت کس موڈ میں ہو۔ یہاں دور دور تک ہم دونوں کے سوا کوئی
ر اموجود نہیں ہے۔ تم آخر کس درندہ صفت کے سر کا نشانہ لینا چاہ
ہے ہو؟" اس کے لہجے میں خطرے کا احساس نمایاں تھا۔
"فرض کرو کہ وہ سر تمہارا ہی ہو۔" میں نے ایک جھٹکے کے ساتھ
تول کی نال سے اس کے سر کا نشانہ لے لیا۔
تم... مگر کیوں؟ اس کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیے۔" وہ ہکلاتے
ئے بولا۔ شاید اس وقت پہلی بار وہ اپنی چھٹی حس کا مبہم پیغام سمجھ
تھا۔ میں نے نہایت مکاری کے ساتھ اسے نہتا کر کے خود کو مسلح
ر لیا تھا اور اس سپاٹ ریتیلے ساحل پر دور دور تک اسے کہیں
و پناہ نہیں مل سکتی تھی۔ وہ اپنے پستول کی مہیب آہنی نال کو خوفزدہ
ظروں سے گھور رہا تھا۔
ہ شتی میں انقلاب آچکا ہے انسپکٹر سائمن۔" میں نے تلخ لہجے
ں کہا۔ "ہیر آئی مین نے اصلاحِ معاشرے کا بیڑا اٹھا لیا ہے۔ شاید
والے جرائم کی دلدل میں اتنے غرق نہ ہوتے لیکن تم جیسے افسروں نے
پنے اختیارات کے سائبان تلے شی کے جرائم کو پروان چڑھایا ہے۔
ں کی ہیبت اور قوت کا سرچشمہ تم ہی لوگ ہو۔ دوسرے لوگ شاید
ائب ہو جائیں گے مگر تمہارا مارا جانا اٹل ہو گیا ہے۔ کوئی دعا یاد ہو تو
ڑھ لو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ میرا ساتھی بار میں میرا
نتظار کر رہا ہو گا..."
میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ سائمن نے پوری قوت سے
فوراً حملہ کیا تھا۔ اس کے جھکائی دینے کی وجہ سے میں اس پر بروقت
فائر نہ کر سکا لیکن میری ٹھوکر پوری قوت سے اس کے جھکے ہوئے
سر پر پڑی تھی۔
وہ میری ٹانگوں میں لپٹ کر مجھے زمین سے اکھاڑ پھینکنے کی
نیت سے آگے جھک کر میری طرف آیا تھا لیکن میری لات کے گردش
میں آتے ہی بُری طرح بلبلاتا ہوا پیچھے اُلٹ گیا۔ میں نے بس لمحہ بھر
انتظار کیا اور جب وہ اُٹھتے ہوئے پہلو بدل رہا تھا تو اس کی بائیں
پسلیاں براہِ راست میرے نشانے پر تھیں۔ میں نے ٹریگر دبا دیا اور
ایک پُرشور بارودی دھماکے کے ساتھ سیسے کی گولی اس کی پسلیاں
توڑتی ہوئی دل میں پیوست ہو گئی۔ اُس کے وجود نے طاقت کے
نشے میں بدمست کسی سانڈ کے جسم کی طرح پے درپے کئی قلابازیاں
کھائیں، اُس کے حلق سے کریہہ آوازیں بلند ہوئیں اور پھر اس منصب
فروش کا بدن ساکت ہو گیا۔
اتنے بڑے اقدام کے بعد اس کا زندہ رہ جانا میرے حق میں
مہلک ثابت ہو سکتا تھا، اس لیے میں نے قریب جا کر اس کی نبض
دیکھی، دل کی دھڑکن محسوس کرنے کی کوشش کی اور پھر مطمئن ہو کر
اُس کی کار کی طرف بڑھ گیا۔
انسپکٹر سائمن کو ٹھکانے لگاتے ہی مجھے سلطان شاہ کا خیال
ستانے لگا تھا۔ شراب کے نشے میں بدمست لوستاں اس کے لیے
واقعی بہت سے مسائل کھڑے کر سکتا تھا جن پر قابو پانا سلطان شاہ
کے لیے دشوار ہو سکتا تھا۔
انسپکٹر سائمن کے ہمراہ اس طرف آتے ہوئے میرے ذہن میں
پورا منصوبہ مرتب ہو چکا تھا، اس لیے میں نے راستے پر گہری نگاہ
رکھی تھی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ واپسی پر رہنمائی کے لیے سائمن میرے
ساتھ موجود نہیں ہو گا۔
میں نے سائمن کا پستول اپنی جیب میں رکھ لیا اور اس کی پرائیویٹ
کار کا انجن اسٹارٹ کر کے اپنے واپسی کے سفر کا آغاز کر دیا۔
بل سلاہاؤزر کے بڑوس سے ہم نے جو اسلحہ حاصل کیا تھا، وہ
افراتفری اور جان کے خوف کے باعث جمی لائیڈ کی تباہ ہونے والی
مرسیڈیز میں ہی رہ گیا تھا۔ ایکسپلوڈر ویرا کی تحویل میں تھا اور غالباً اسی
کے ساتھ اغوا ہو گیا تھا۔ لے دے کر بس بیم گن باقی بچی تھی جو سلطان شاہ
کے پاس رقم والے تھیلے میں موجود تھی، اس لیے سائمن کا پستول اس
وقت میرے لیے بہت کارآمد تھا جس کے بھرے ہوئے میگزین
میں سے ایک گولی سائمن نے لہلہاتی شاخ پر ضائع کی تھی اور دوسری
میں نے اُس کے دل میں اُتاری تھی جو کار آمد رہی تھی۔
میں پورے پچیس منٹ کی غیر حاضری کے بعد بار میں پہنچا تو
وہاں سلطان شاہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ لوستاں اپنی خود نوشی
کی جبلہ حسرتوں کی تکمیل کے بعد میز پر سر ٹکائے گنگنائے جا رہا تھا۔ غنیمت
یہ تھا کہ اس کی آواز اونچی یا ناشائستہ نہیں تھی۔ شاید یہ نکتہ اس وقت بھی
اس کے لاشعور میں جاگزیں تھا کہ وہ بالکل ہی تیسرے درجے کے کسی
بار میں نہیں تھا۔ میز بالکل صاف پڑی ہوئی تھی۔ غالباً سلطان شاہ نے میری
غیر حاضری میں لوستاں کو مزید شراب نوشی کی اجازت دینے سے

صاف انکار کر دیا تھا۔

"کاش! اس وقت میرا کوئی ٹھکانا ہوتا تو کافی دیر پہلے یہاں سے اپنا منہ کالا کر چکا ہوتا۔" میرے بیٹھتے ہی سلطان شاہ غصیلے تیوروں کے ساتھ تیز لہجے میں اردو میں بولا۔ "تمہیں معلوم نہ تھا کہ میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ تم نے ایک مصیبت بھی میرے سر پر مسلط کی ہوئی ہے۔"

"میری کہانی سنو گے تو داد دو گے کہ میں کتنی جلدی واپس آ گیا۔ غنیمت ہے کہ تم دونوں بالکل اسی حالت میں موجود ہو جس طرح میں تمہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ مجھے فکر تھی کہ کہیں تم نے اسے باہر نہ نکال دیا ہو۔" میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے لوستاں میری آواز سن کر چونکا۔ اس نے کلائیوں پر سے سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں نشے سے سرخ ہو رہی تھیں پتلیاں سکڑ کر رہ گئی تھیں ان میں غیر معمولی چمک پیدا ہو گئی تھی اور بوجھل پپوٹے آنکھوں پر جھکے پڑ رہے تھے۔ اس کی حالت دیکھ کر مجھے ڈر ہوا کہ کہیں وہ فرنچ بولنا شروع نہ کر دے لیکن اسے یاد تھا کہ فرنچ میں وہ اپنا مافی الضمیر ہمیں نہ سمجھا سکے گا۔

"تم آ گئے میرے عزیز بھائی!" وہ لہک کر والہانہ انداز میں بولا۔ "تمہارا ساتھی بہت سنگدل ہے۔ یہ رونے کا مقام ہے کہ ہم برگر ختم کر کے مجھے وسکی نہیں ملی بلکہ ٹھنڈے پانی کے گلاس سے آخری لقمے حلق سے اتارنے پڑے۔ شاید جہنم کا داروغہ اسی کو بنایا جائے گا... کرائسٹ ہم گناہ گار روحوں پر رحم کرے اور اس سے محفوظ رکھے۔"

"سن لیا تم نے اس کا ہذیان۔" سلطان شاہ اردو میں غرایا۔ "برداشت نہ کرتا تو اب تک اس کا گلا دبا چکا ہوتا۔ وقفے وقفے سے مردود اسی قسم کی بکواس کیے جا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے مجھے اس کو شراب پلوانے کے لیے ہی ملازم رکھا تھا۔"

"دھیرج، سلطان مہاراج!" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "یہ بےضرر مگر بلا کا شرابی ہے۔ نشے میں زیادہ حساس ہو گیا ہے۔ ہوش و حواس ٹھکانے آئیں گے تو شاید تم سے معافی مانگ لے گا۔"

پھر میں انگریزی میں لوستاں سے مخاطب ہو گیا۔ "یہ بری بات ہے کہ تم اپنی اوقات سے زیادہ پی گئے ہو۔ اب تمہارے لیے چلنا بھی دشوار ہو جائے گا۔"

"کہاں چلنا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "ابھی اور نہیں پیو گے؟" اسے ہچکی آ گئی۔

"مادام فلورا کے پاس چلنا ہے۔" میں نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔ "زیادہ پی لو گے تو اس سے بات بھی نہ کر سکو گے۔ خوبصورت عورتیں بہکنے والے شرابیوں سے نفرت کرتی ہیں کیونکہ خلوت میں وہ اذیتیں پہنچانے پر تل جاتے ہیں۔"

"فلورا! ہاں فلورا سے ضرور ملنا ہے۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بولا پھر بہ دقت تمام میز کا سہارا لے کر اپنے قدموں پر کھڑا ہوا اور چند ثانیوں تک کھڑے کھڑے جھومنے کے بعد اس نے پہلا قدم اٹھایا تو لڑکھڑا کر بہ مشکل اپنا توازن برقرار رکھ سکا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ فضا میں بنی ہوئی کسی نادیدہ سیڑھی پر چڑھنے کی کوشش میں بہک کر ناکام ہو گیا ہو۔

ہمیں اٹھتے دیکھ کر بیرا فوراً بل لے آیا اور میں نے بل کی رقم سے زائد چند نوٹ ٹرے میں ڈال کر لوستاں کا بازو تھام لیا۔ سلطان شاہ منہ پھلائے دور سے وہ کارروائی دیکھتا رہا۔ اس نے اخلاقاً بھی میرا ہاتھ بٹانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید وہ سوچ رہا تھا کہ اس مصیبت کو میں نے گلے لگایا تھا لہٰذا اس کے ناز و نخرے اٹھانا بھی میری ہی ذمے داری تھی۔

لوستاں کی گفتگو سے میں پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ اس قلاش دلال کے پاس ذاتی سواری کے نام پر سائیکل تک نہ ہو گی۔ اس وقت لوستاں کو اس کے ٹھکانے تک لے جانے کے لیے انسپکٹر سائمن کی پرائیویٹ کار میری تحویل میں تھی جسے میں نے بار کے قریب ایک پارکنگ لاٹ میں چھوڑا تھا لیکن سائمن کے قتل کے بعد اس کی کار کے استعمال سے گریز ہی کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ محکمہ پولیس کا ایک پرانا اور ذمے دار افسر تھا۔ اس لیے شہر میں اس کے سیکڑوں شناسا ہو سکتے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی شخص سائمن کی کار پہچان کر ہمیں اس میں سفر کرتا ہوا دیکھے۔ دوسری خرابی یہ تھی کہ ساحل پر سائمن کی لاش دریافت ہونے کے بعد اگر اس کی گاڑی فلورا کے گیسٹ ہاؤس کے قرب و جوار سے دستیاب ہوتی تو وہ علاقہ لامحالہ پولیس کی توجہ کا مرکز بن جاتا جب کہ میں گیسٹ ہاؤس میں قیام کا ارادہ کر چکا تھا۔

یہی سب سوچتے ہوئے میں نے بار سے نکل کر فوراً ہی ٹیکسی اسٹینڈ کا رخ کیا تو چند قدم چلنے کے بعد لوستاں کسی اڑیل گھوڑے کی طرح فٹ پاتھ پر رک کر کھڑا ہو گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر راستے کا جائزہ لینے کے بعد لڑکھڑاتی ہوئی شکستہ آواز میں [illegible] "تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" لہجہ بگڑ جانے کی وجہ سے اس کی آواز میں کوئی تاثر باقی نہیں رہا تھا لیکن سوال کے متن سے شبہے کا اظہار ہو رہا تھا۔

"اب تم اپنے حواس درست کرو۔" میں نے اسے جھنجوڑتے ہوئے قدرے غصیلے لہجے میں کہا۔ "ہم ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جا رہے ہیں۔ ڈرائیور کو راستہ تم ہی بتا سکو گے کیونکہ ہمارے فرشتوں کو بھی مادام فلورا کے مسکن کا علم نہیں ہے۔"

"میری گاڑی کا کیا ہو گا؟" اس نے اپنا دایاں ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔ گاڑی کہاں ہے تمہاری؟" میں نے

اف پر خوشی محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔
کہیں نہ کہیں ڈھونڈ ہی لیں گے۔" وہ بے پروایانہ انداز میں
لے چار نمبر پارکنگ لاٹ میں چلتے ہیں۔"
میری کھوپڑی بھنا کر رہ گئی۔ روشن اشتہارات کے انعکاس میں
شاہ کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔
میں نے ایک راہ گیر سے چار نمبر پارکنگ لاٹ کے بارے
ت کیا تو اس نے معنی خیز انداز میں لوستاں کی طرف دیکھا،
میرے سہارے پر اکتفا کرنے کے بجائے عملاً سارا بوجھ مجھ پر
تھا پھر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں چار نمبر کا محل وقوع سمجھانے لگا۔
ریہ ادا کرتے ہوئے مجھے حیرت تھی کہ میں نے لاعلمی میں سائمن
لاٹ میں پارک تھی جو ٹیکسی اسٹینڈ کی بالکل مخالف سمت
تھا اور شاید اسی وجہ سے لوستاں میرے ساتھ چلتے چلتے،
ریل ٹٹو کی طرح جم کر کھڑا ہو گیا تھا۔
ایک بڑی پارکنگ لاٹ میں صرف نمبر کے سہارے کسی کار
پہنچنا آسان نہیں تھا۔ میں لوستاں کو لیے ایک طرف کھڑا رہا
ان شاہ نے پوری لاٹ کا چکر لگا کر جب مطلوبہ کار کی دستیابی
دی تو میں لوستاں کو لے کر اس کی بتائی ہوئی سمت میں چل دیا۔
س کی اس سالخوردہ رینالٹ کار کو دیکھتے ہی میرا خون کھول اٹھا۔
ٹ میں شاید اس سے پرانے ماڈل کی بوسیدہ شکستہ کوئی کار
ں تھی۔ اگر لوستاں نمبر کے ساتھ وہ نشانیاں بھی بتا دیتا تو اس
تلاش کی مہم خاصی آسان ہو سکتی تھی۔
اس نے جیب سے چابی نکال کر دی تو میں نے پہلے پسنجر
کا دروازہ کھول کر اسے سوار کرایا۔ سلطان شاہ میرے لون
کے شاپنگ بیگ اور رقم کے تھیلے سمیت عقبی نشست پر
گیا اور میں ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔
سیلف لگانے پر کار کا انجن خلاف توقع معمولی مزاحمت
آسانی سے اسٹارٹ ہو گیا اور میں احتیاط کے ساتھ رینالٹ
نگ لاٹ سے باہر لے آیا۔ میں نے لوستاں کو ہوش میں رہ کر
ٹ ہاؤس کو جانے والے راستے کی نشان دہی کے لیے ٹوکا
نے مجھے اطمینان دلایا کہ وہ نیند کی حالت میں بھی اپنی قیام گاہ
ئیں ٹھیک ٹھیک رہنمائی کر سکتا تھا۔
نشے کی وجہ سے اس کے پپوٹوں پر نیند کا شدید دباؤ تھا لیکن
سیٹ میں اونگھتے اونگھتے وہ بار بار چونک پڑتا تھا، وہ باوثوق
ز میں مجھے راستوں کے بارے میں ہدایات دیتا رہا۔ تقریباً نصف
ڈرائیونگ کے بعد جب کار ایک پتلی سی سڑک سے دوبارہ
والے چوک کے سامنے نکلی تو میرا خون کھول اٹھا۔ ہم جہاں
چلے تھے گھوم پھر کر وہیں آ گئے تھے۔

"جتھے دی کھوتی، اتھے آن کھلوتی۔" سلطان شاہ نے ایک بے ساختہ قہقہہ لگا کر کہا، وہ مردود اس وقت میری بے بسی اور مجبوری سے پوری بے رحمی کے ساتھ لطف اندوز ہونے کے موڈ میں آ چکا تھا، جو بار والی کونت کے بعد شاید اس کا حق بھی تھا۔

"گیسٹ ہاؤس کدھر ہے مونسیور لوستاں؟" میں نے دانت پیستے ہوئے سوال کیا۔

"اوہ! ہم شاید واپس وہیں آ گئے۔" وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے تشویش آمیز لہجے میں بولا۔ "راستے میں کہیں نہ کہیں تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے، ورنہ اب تک ہم فلورا کے جلووں سے فیض یاب ہو رہے ہوتے۔"

دو پیگ میں نے بھی پیے ہوئے تھے، میری کھوپڑی چٹخنے لگی۔ دل چاہا کہ اس کی گردن دبوچ کر اس کا سر ڈیش بورڈ یا ونڈ شیلڈ پر دے ماروں لیکن یوں ہمارے قیام کا مسئلہ جوں کا توں رہ جاتا۔ انسپکٹر سائمن کے قتل کے بعد ہمارے لیے ہوٹل زیادہ مخدوش ہو سکتے تھے۔ اپنی تمام ترمجرمانہ حرکات اور ذہنیت کے باوجود وہ محکمہ پولیس کا ایک اعلیٰ افسر تھا اور اس کے قتل پر پورے محکمے کا حرکت میں آنا ناگزیر تھا۔

"فلورا کے جلووں کو بھول کر گھر کی فکر کرو۔" میں نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی ہوتی تو ہم جہنم میں جا سکتے تھے لیکن نقطۂ آغاز پر ہرگز واپس نہ آتے، یہ سراسر تمہارا قصور ہے۔ اس وقت تم شراب خانے کے علاوہ سارے راستے بھولے ہوئے ہو۔"

"ہوا لگنے سے اس وقت نشہ گہرا ہونے کے بجائے اتر رہا ہے۔" اس نے آہستگی سے اعتراف کیا۔ "چلو دوبارہ کوشش کرتے ہیں، کہیں غلطی کر دوں تو فوراً ہی بروقت ٹوک دینا۔ بارہ بجے شب فلورا گھر کا داخلی دروازہ مقفل کر دیتی ہے۔"

میں نے غصے میں اسے ہلا کر رکھ دیا۔ "اگر میں تمہیں غلطی پر ٹوکنے کے قابل ہوتا تو تم سے پوچھے بغیر گیسٹ ہاؤس پہنچا سکتا تھا، اس بار تم نے غلطی کی تو یقین کرو کہ تمہیں کسی گندے نالے میں پھینک دوں گا۔"

"ہائے، اتنی سردی میں!" وہ دانت کٹکٹا کر رہ گیا اور میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس وقت گیارہ بج رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ گیسٹ ہاؤس کے دروازے بند ہونے میں صرف ایک گھنٹہ رہ گیا تھا۔ لوستاں نے جس انداز میں دروازے مقفل ہونے کا ذکر کیا تھا، اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے بعد فلورا کسی قیمت پر بھی دروازہ کھولنے پر آمادہ نہ ہوتی۔

اس بار آغاز ہی سے ہم ایک نئی سڑک پر چلے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے لوستاں چوک سے نکلنے والے تمام راستوں پر باری باری طبع آزمائی کا فیصلہ کر چکا تھا لیکن میں خاموش ہی رہا۔ زیادہ تنقید سے اس کی آئی عقل بھی خبط ہو سکتی تھی۔ اس اثنا میں، میں نے سائمن کا دیا

ہُوا لفافہ جیب سے نکال کر سلطان شاہ کو دیا اور اُردو میں کہا کہ وہ کار کی اندر کی لائٹ جلا کر پاسپورٹ وغیرہ کے اندراجات دیکھ لے تاکہ اسے اپنے نئے نام اور شہریت وغیرہ سے واقفیت ہو سکے۔ لفافہ ملنے کے بعد مجھے اتنی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ اسے کھول سکتا۔

جب سلطان شاہ نے بتایا کہ اس کا پاسپورٹ ہندوستانی تھا جس پر کسی راما نند کا نام درج تھا تو بے اختیار میرے دل سے سائمن کے لیے کلمۂ خیر آزاد ہو گیا۔ میرا پاسپورٹ اطالوی تھا لیکن میں اطالوی زبان سے نابلد تھا جب کہ ہندوستانی پاسپورٹ کے حوالے سے سلطان شاہ اُردو روانی سے بول سکتا تھا جسے عام طور پر لوگ ہندی بھی کہتے تھے کیونکہ بولنے میں ان دونوں زبانوں میں ٹھیٹ ہندی کے چند گنے چنے الفاظ ہی کا فرق تھا۔ مجھے بے اختیار وہ ہندی جوڑا یاد آ گیا جو بون مارک کے عالی شان ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں شاپ لفٹنگ کی نیت سے آیا ہُوا تھا۔ وہ شاید سر لا او ۔۔۔ جے کی ذات کا کوئی طلسماتی اثر تھا کہ سائمن نے سلطان شاہ کا ہندوستانی پاسپورٹ تیار کرا دیا تھا۔

دوسری خوشی مجھے اس وقت ہوئی جب لوستاں نے مجھے ایک بنگلے کے سامنے گاڑی روکنے کے لیے کہا۔ اس وقت تک اُس کی حالت قدرے سنبھل چکی تھی اور سردی میں گندے نالے کے یخ بستہ، بدبودار پانی میں پھینکے جانے کے ہولناک تصوّر نے اُسے اپنے ذہن پر زور ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا، ورنہ وہ شاید رات بھر ہمیں مارسیلز کی سڑکوں کی خاک چھنواتا رہتا۔

لوستاں نے نیچے اُتر کر آہنی پھاٹک کی سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ اندر ڈال کر بولٹ سرکایا اور باہر کی طرف پھاٹک کھول دیا۔ اندر پورچ میں سیاہ رنگ کی ایک چمکتی ہوئی کار پہلے سے موجود تھی۔ لوستاں نے مجھے اشارہ کیا اور میں نے پُرانی رینالٹ احاطے میں داخل کر کے سیاہ کار کے پیچھے پارک کر دی۔ اس دوران میں اندر سے کسی نے باہر آنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ برآمدے کا دروازہ کُھلا ہُوا تھا۔ اندر سے آنے والی تیز روشنیوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس مکان کے کچھ مکین اس وقت بھی جاگ رہے تھے۔

ہم دونوں رینالٹ سے اُترے تو لوستاں بھی پھاٹک بولٹ کر کے اپنی ترنگ میں لہراتا ہُوا ہم سے آ ملا۔ ”دیکھ لیا تم نے کہ میں ان راستوں سے کتنا واقف ہُوں“۔ اس نے سینہ پُھلا کر فخریہ لہجے میں کہا۔

”جب تک فلورا سامنے آ کر تمھیں پہچان نہ لے، مجھے جُوتے کھانے کا ڈر رہے گا۔“ میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا کیونکہ اس کی شیخی میں مجھے اپنے لیے چیلنج پوشیدہ نظر آیا تھا۔ غالباً وہ جتانا چاہ رہا تھا کہ پہلی بار راستہ بھولنے میں اس کے دماغ کے خلل کے بجائے میری غائب دماغی کا دخل تھا، ورنہ ہم کافی دیر پہلے وہاں پہنچ گئے ہوتے۔ تبصرہ کرتے ہوئے میں نے رینالٹ کی چابی اُسے تھما دی۔

لوستاں کی رہنمائی میں ہم برآمدہ اور عمارت کا داخلی دروازہ عبور کر کے اندر داخل ہوئے اور خود کو ایک ایسے ستونوں والے ہال میں پایا جہاں کئی کمروں کے بند دروازے نظر آ رہے تھے اور دیوار کے ساتھ وزنی صوفے پڑے ہوئے تھے۔ ایک تپائی پر ٹیلی فون موجود تھا مگر کوئی بھی ایسی چیز نہیں تھی جو اس دو منزلہ بنگلے کو کوئی کاروباری قیام گاہ ثابت کرتی۔

”میرا کمرا اُوپر ہے، تم یہیں بیٹھو، میں مادام فلورا کو بلاتا ہُوں۔“ اُس نے صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔ ہم صوفوں پر بیٹھے ہی تھے کہ ہمیں مغربی معاشرے کی عمومی اخلاقی اقدار کے مطابق اُٹھنا پڑا کیونکہ سامنے والی راہداری سے گلابوں سے زیادہ تروتازہ، حسین اور باوقار ایک عورت سیاہ اونی بلاؤز اور لمبے اسکرٹ میں ملبوس ہماری طرف چلی آ رہی تھی، وہ اس قدر حسین تھی کہ میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی کشش موجود تھی جسے نظر انداز کرنا شاید کسی زاہد کے بس سے بھی باہر تھا۔

اُسے دیکھ کر میرے دل میں اس کا لمس محسوس کرنے کی خواہش اتنی شدّت سے بیدار ہوئی کہ میرے لیے اسے ضبط کرنا محال ہو گیا اور میں نے لوستاں کے کچھ بولنے سے پہلے اپنا اطلوی نام دُہرا کر آنے والی سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

میرا بڑھا ہُوا ہاتھ دیکھ کر آنے والی کی اُجلی اور کشادہ پیشانی پر ہلکی سی شکنیں نمودار ہو گئیں۔ تعارف کے بعد کسی اجنبی مرد کی طرف سے مصافحے میں پہل یورپ میں معیوب سمجھی جاتی ہے۔ عورت سے تعارف کے بعد مصافحہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار عورت کو ہوتا ہے، وہ پہل کرے تو ہاتھ ملا لیا جاتا ہے، ورنہ زبانی مزاج پُرسی کافی سمجھی جاتی ہے۔

یہ بات مجھے معلوم تھی لیکن اضطراری طور پر جو ہو گیا، سو ہو گیا تھا۔ عورت بھی شاید صنفِ مخالف کے لیے اپنی کشش سے اچھی طرح باخبر تھی، اس لیے فوراً ہی معاملے کی تہ تک پہنچ گئی اور مجھے مایوس کرنے کے بجائے میرا سخت، کھردرا ہاتھ اپنے نرم و نازک ہاتھ میں لے لیا۔ میں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ دبایا تو میرے وجود میں دوڑتا خون یک بیک تیز ہو گیا اور میں نے بوکھلا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

اُس نے فرنچ میں کچھ خیر مقدمی کلمات کہے اور میں نے فوراً ہی انگریزی شروع کر دی۔ ”مجھے افسوس ہے کہ میں فرانس میں ہوں مگر فرنچ سے نابلد ہوں، اٹلی میں پیدا ہُوا مگر اطالوی میں کورا ہوں۔ ساری عمر انگلینڈ اور انڈیا میں گزاری ہے، اس لیے انگریزی کے علاوہ تھوڑی بہت ہندی سمجھ لیتا ہُوں اور یہ میرا بزنس پارٹنر راما نند ہے، یہ ہندی کے علاوہ تھوڑی بہت انگریزی بول لیتا ہے۔“

"دلچسپ!" وہ مُسکرائی تو اس کے دونوں رخساروں میں خفیف
...ڑھے نمودار ہوگئے "مجھے فلورا کہتے ہیں... مس فلورا شوہین..."
...نے اپنا نام بتاتے ہوئے اخلاقاً سلطان شاہ سے بھی ہاتھ ملایا
...وستاں سے بھی جو ابھی تک ایک لفظ بھی نہ بول سکا تھا اس کے
...چہرے پر پائے جانے والے خوف کے آثار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ
...رش زدہ کرمے نوشی میں اپنی بے اعتدالی فلورا سے چھپانا چاہ
...تھا۔
"اپنے دوستوں کو بڑے ناوقت لائے ہو لوستاں" وہ مُسکراتے
...ئے کاٹ دار لہجے میں بولی "ذرا تاخیر اور ہوتی تو یہ بے چارے
...ی رات تمھیں پھاٹک بجاتے دیکھتے رہتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ
...تم نے جی بھر کر پی ہے۔"
"تھوڑی سی پی ہے مادام" وہ فلورا سے نظریں چراتے ہوئے
... اس وقت اس کا نشہ ہرن ہو چکا تھا "بس انھیں شہر کی سیر
...نے میں دیر ہو گئی، ورنہ ہم سرِ شام یہاں پہنچ جاتے۔ انھیں مارسیلز
...ں کسی معقول رہائش گاہ کی تلاش ہے میں نے مشورہ دیا کہ مادام
...ے بہتر میزبان مارسیلز تو کیا پورے فرانس میں نہیں مل سکے گا۔
...ید ہے کہ تم انھیں مایوس نہیں کرو گی۔"
"تم اُوپر اپنے کمرے میں جاؤ" میں ان سے معاملات طے کرلوں گی۔"
...ورا نے اُسے گھورتے ہوئے کہا "تمھارے سانسوں میں الکحل کی
...ناتینو کو پچی ہوئی ہے کہ تم کچھ دیر اور یہاں ٹھہرے تو مجھے قے ہو
...ئے گی۔"
وہ کسی سدھے ہوئے جانور کی طرح دُم دبا کر بے چون و چرا
...یڑھیوں کی طرف بڑھ گیا معلوم ہوتا تھا کہ اس پر فلورا کی شخصیت کی
...رفت بہت مضبوط اور ناقابلِ شکست تھی۔ اُس نے کثرتِ مے نوشی
...کے الزام کی تردید کرنے کی جُرأت بھی نہیں کی تھی۔
"یہ مارسیلز کا شاید سب سے پرانا اور تجربے کار گائیڈ ہے
...لیکن بیوی کے فرار کے بعد اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہے..."
...وستاں کے چلے جانے کے بعد وہ صوفے پر ہمارے قریب بیٹھتے
...ہوئے مغموم لہجے میں بولی جیسے اندر سے لوستاں کے لیے دُکھی رہتی
...ہو "اب شہر کی ساری آوارہ لڑکیوں سے اس کی دوستی ہے، ہاتھ
...تنگ ہے تو یہ دن رات شراب میں ڈوبا رہے۔"
"مجھے افسوس ہے کہ میں نے اسے پینے کی پیش کش کی۔"
...ملک نے ندامت سے کہا "حالانکہ رامانند شراب کو چھوتا بھی نہیں۔"
"خیر کوئی بات نہیں" وہ وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔
...میں اپنے نئے مہمانوں کو کافی کی ایک لذیذ پیالی سے خوش آمدید
...کہتی ہوں لیکن اس وقت عجلت میں ہوں، باہر سے میرا ایک ملاقاتی

آیا ہوا ہے۔ بارہ بجے گیٹ مقفل کر کے اپنے کمرے میں نہ پہنچی تو وہ
ناراض ہو جائے گا، یہ بتاؤ کہ تم دونوں ایک ہی کمرے میں گزارا کر سکتے
ہو یا الگ الگ کمرے چاہتے ہو؟"
"جس طرح سہولت ہو" میں نے بات اُسی پر ڈال دی۔
اس دو منزلہ مکان میں نچلے ہال کی طرح اُوپر بھی ہال ہی تھا،
جہاں ٹیلی وژن وغیرہ موجود تھا۔ نیچے اور اُوپر کُل چھ خواب گاہیں تھیں
جن میں سے ایک فلورا کے تصرّف میں تھی۔ اس کا واحد ملازم جو صُبح
مہمانوں کو ناشتا فراہم کرتا تھا، مکان سے ملحق سرونٹ کوارٹر میں رہتا
تھا۔ ایک کمرا مدّتوں سے لوستاں کے پاس تھا۔ باقی دو کمروں میں
چار افراد اس طرح مقیم تھے کہ ایک میں دو ملازم پیشہ لڑکیاں اور
دوسرے میں مارسیلز آئے ہوئے ایک گشتی سرکس کے دو مرد ملازمین
تھے۔ باقی دو کمرے خالی تھے، جن میں سے ایک ہمیں دے دیا گیا،
دوسرا کمرا فلورا اپنے ملاقاتی کے لیے احتیاطاً خالی رکھنا چاہتی تھی۔
ہمارے پاسپورٹ وغیرہ دیکھنے کے بعد اُس نے تاکید کی کہ
ہم کسی سے بھی اپنی کرایہ داری کا ذکر نہ کریں بلکہ خود کو فلورا کا مہمان
ظاہر کریں۔ شاید اس طرح وہ جائداد ٹیکس اور انکم ٹیکس والوں سے
اپنا پیچھا چھڑائے رکھنا چاہتی تھی۔
مکان کی فرسودہ حالت اور پرانے فرنیچر کے باوجود کرایہ
بہت کم تھا۔ فلورا ہم سے ایک ہفتے کا پیشگی کرایہ وصول کرتے ہی
گیٹ مقفل کرنے کے لیے اُٹھ گئی "اوپر کی سیڑھیاں ختم ہوتے ہی
داہنے موڑ پر پہلا کمرا لوستاں کا ہے، وہ تمھارے لیے برابر والا کمرا
صاف کر دے گا، یہ خیال رکھنا کہ اُوپر والے فلور پر تمھارے سامنے
لڑکیاں رہتی ہیں۔ اُمید ہے کہ اس وقت تم میری سرد مہری کو معاف
کر دو گے، اب صُبح ملاقات ہو گی۔"

خواب گاہ بہت صاف ستھری اور آرام دہ تھی۔ وہاں بنیادی
ضرورت اور آسائش کی ہر شے موجود تھی۔ لوستاں ہمارے کمرے
میں جھاڑ پونچھ کر کے چلا گیا تو ہم دونوں جُوتے اُتار کر نرم بستر پر دراز
ہو گئے۔
سلطان شاہ نے فوراً ہی روشنی گُل کر کے نائٹ لیمپ روشن
کر دیا لیکن میری آنکھوں میں دُور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔ کافی دیر
تک کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد میں نے سگریٹ سلگائی تو وہ بول
پڑا "کیا سونے کا ارادہ نہیں ہے؟"
"نیند آئے، جب کی بات ہے۔ میرا ذہن دیرا میں اُلجھا ہُوا ہے،
نہ جانے شی کی قید میں اس پر کیا گزر رہی ہو گی!"
"یا فلورا یاد آ رہی ہے؟" اُس نے ہنستے ہوئے کہا "وہ بھی
چالاک اور دل پھینک معلوم ہوتی ہے، ورنہ بڑی آسانی کے ساتھ

تمھارے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کر سکتی تھی۔" اس نے دانستہ یا نادانستہ طور پر ویرا کے موضوع سے گریز کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"ایسے چہرے کم نظر آتے ہیں، واقعی بہت خوبصورت عورت ہے۔" میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔ "بدن اس قدر متناسب پایا ہے کہ اعضا کے اعتبار سے سراپا شعر نظر آتی ہے، اسی کے ساتھ دل میں گداز بھی رکھتی ہے، ورنہ لوستاں کے لیے کبھی مغموم نہ ہوتی۔"

"اسے بھول کر سونے کی کوشش کرو۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "آج کا سارا دن بھاگ دوڑ میں گزرا ہے۔ پھر ویرا تمھاری ہم عمر بھی تو نہیں، بہت بڑی ہے کسی طرح چالیس پینتالیس سے کم نہیں ہو گی۔ اس وقت ویسے بھی وہ اپنے ملاقاتی کے ساتھ اعضا کی شاعری میں مصروف ہو گی، تم ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس پی لو تو آسانی سے نیند آ جائے گی۔"

"چالیس!" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے دہرایا۔ "اس عمر کی عورت ایک میل دور سے پہچان لی جاتی ہے۔ لوستاں نے حسد کی وجہ سے اس کی عمر بتانے میں مبالغے سے کام لیا اور اب تم بھی شاید اس پر رشک کر رہے ہو۔"

"تم اس کے چہرے میں الجھ کر رہ گئے۔ غور کرتے تو ٹھوڑی کے نیچے گردن پر وہ ہلکی ہلکی جھریاں ضرور دیکھ لیتے جو عمر رفتہ کی یادگار بنتی جا رہی ہیں۔ البتہ یہ مان سکتا ہوں کہ اپنے دور میں واقعی قیامت ڈھاتی ہو گی۔"

میرا جواب زبان پر آتے آتے رہ گیا اور میں چونکتا ہو کر بستر پر اٹھ بیٹھا کیونکہ باہر سے چوبی دروازے پر دستک کی آواز آئی تھی۔ سلطان شاہ نے بھی عمارت کے اندر سے آنے والی وہ آواز سنی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ مجھے پہلا خیال یہی آیا تھا کہ کہیں لوستاں نشے کی جھونک میں سامنے والی لڑکیوں کے دروازے پر نہ جا پہنچا ہو۔ قدرے توقف کے بعد دوبارہ دستک کی آواز سنائی دی اور اس بار میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ کسی مدہوش آدمی کی مجنونانہ دستک نہیں تھی بلکہ کوئی محتاط اور شریف شخص پڑوسیوں کی نیند میں خلل ڈالے بغیر گیسٹ ہاؤس کے کسی مخصوص دروازے پر دھیمی سی دستک دے رہا تھا۔

اس بار دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی لوستاں کی آواز آئی۔ اس نے فرنچ بولی تھی جو میرے لیے ناقابلِ فہم تھی۔

جواب میں ایک خوابناک اور سرد سی مردانہ آواز ابھری جسے سن کر میرا پورا وجود جھنجھنا اٹھا، دورانِ خون تیز ہو گیا اور خوفزدہ نہ ہونے کے باوجود اس سرد موسم میں میرے بدن کے مساموں میں پسینے کی نمی محسوس ہونے لگی۔

اس آواز کو میں ہزاروں آوازوں کے شور میں پہچان سکتا تھا کیونکہ وہ شی کے سربراہ، میرے دشمن جمی لائیڈ کی آواز تھی۔ قدرت کی ستم ظریفی تھی کہ اس نے ایک دوسرے کے لہو کے پیاسوں کو ایک ہی چھت کے نیچے جمع کر دیا تھا اور دونوں ایک دوسرے کی موجودگی سے لاعلم تھے۔ میں نے زیرو واٹ کے نائٹ لیمپ کی روشنی میں سلطان شاہ کی طرف دیکھا لیکن اس کا چہرہ کسی بھی غیر معمولی تاثر سے عاری تھا۔

جمی لائیڈ، جو شاید مجھ سے چند قدموں کے فاصلے پر موجود تھا، فرنچ میں لوستاں سے کچھ کہہ کر خاموش ہو چکا تھا۔ لوستاں بھی خاموش ہو گیا تھا مگر میرے ذہن میں جمی لائیڈ کی آواز کی بازگشت موجود تھی اور سوچنے سمجھنے یا فیصلہ کرنے کی ہر صلاحیت مفقود ہو چکی تھی، مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی غیر متوقع طور پر سنائی دے جانے والی آواز نے مجھے ایک شدید اعصابی جھٹکے سے دوچار کر دیا تھا۔

نہ جانے وہ سرکس کے ملازم کے روپ میں وہاں مقیم تھا یا لوستاں کا ملاقاتی بن کر آیا تھا۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں وہ لوستاں سے ہمارے بارے میں معلومات حاصل کرنے نہ آیا ہو لیکن اس وقت ہم بے بس اور مجبور، اس خواب گاہ کے قیدی تھے۔ دشمن ہمارے دروازے پر آزاد کھڑا تھا اور کسی بھی لمحے ہم پر اپنی پسند کا وار کر سکتا تھا۔

اضطراری طور پر میں نے جھک کر نائٹ لیمپ کا بیڈ سوئچ بھی آف کر دیا۔ ان خوفناک حالات میں روشنی کے مقابلے میں اندھیرا ہمارے لیے زیادہ مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ جمی لائیڈ نے لوستاں سے بازپرس مکمل کرنے کے بعد ہمارے دروازے پر دستک دی تو ہمارا ردِعمل کیا ہونا چاہیے، مجھے یقین تھا کہ وہ پہلی ہی نظر میں مجھے ڈینی کی حیثیت سے پہچان لے گا۔

باہر گہرا سکوت چھایا رہا۔ مجھے گمان ہو رہا تھا کہ کہیں لوستاں جمی لائیڈ کو اپنے کمرے میں نہ لے گیا ہو، اسی لمحے ایک بار پھر جمی لائیڈ کی شناسا اور آسیبی آواز ابھری۔ اس نے مختصر سا کوئی لفظ کہا تھا، اس کے بعد دروازہ بند ہونے کی آواز آئی اور فضا پر پھر وہی اعصاب شکن سکوت طاری ہو گیا جو اندر ہی اندر مجھے پریشان کیے ڈال رہا تھا۔

اپنے کمرے کی گھور تاریکی میں میں نے ایک انسانی ہیولے کو متحرک دیکھا تو ہل کر رہ گیا۔ اس سے قبل کہ میں اس پر حملہ آور ہوتا، اندھیرے سے مانوس نگاہوں نے سلطان شاہ کا بستر خالی دیکھ لیا، وہ اپنی جگہ چھوڑ کر میرے پاس آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟ کیا سوچ رہے ہو؟" میرے قریب آ کر اس نے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"تم نے نہیں سنا؟ باہر جمی لائیڈ بول رہا تھا۔" میں نے اس سے بھی دھیمی اور سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

چٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ اس نے نائٹ لیمپ دوبارہ

شن کر دیا اور ہمدردانہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "تم
ک گئے ہو۔ شی ہیروئن، ویرا اور جمی لائیڈ تمہارے سر پر سوار ہو کر
رہ گئے ہیں۔ وہ آوازیں نے بھی سنی ہے، تمہیں وہم ہوا ہو گا۔ جمی لائیڈ
لاکے اس یتیم خانے میں کیوں آنے لگا۔ کہو تو میں لوستاں سے تمہارے
لیے کوئی خواب آور گولی لے آؤں، وہ ایسی دوائیں ضرور رکھتا ہو گا۔"
"تمہاری کھوپڑی زنگ آلود ہوتی جا رہی ہے، میں اس آواز
کو ہزاروں میں پہچانتا ہوں" میں نے بدستور سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔
وہ تیزی سے پلٹا اور میرے منع کرنے کے باوجود اس نے
دروازہ کھول دیا۔ چوکھٹ سے قدم باہر نکال کر اس نے نیم روشن
ہال کا جائزہ لیا اور اندر آ کر دروازہ دوبارہ مقفل کر لیا۔ "باہر کچھ بھی
نہیں ہے، تم بلاوجہ سوچ سوچ کر اپنا خون سلگا رہے ہو۔" وہ چڑچڑے
لہجے میں بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ سرکس کا کوئی مسخرہ ہی لوستاں سے نیند
کی گولی لینے آیا ہو۔ لیٹ جاؤ، ورنہ صبح تک اعصابی خلل کا شکار
ہو جاؤ گے۔"
اس کے بزرگانہ رویے پر میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔
میں اسے کیسے سمجھاتا کہ میں نے جو کچھ سنا اور محسوس کیا وہ سو فیصد درست
تھا۔ اس نے باہر کا جائزہ لے کر اس وقت اپنی بات درست ثابت
کر دی تھی اور میرے پاس اس سے بحث کرنے کے لیے کوئی نکتہ باقی
نہیں رہ گیا تھا۔ اس کے مقابلے میں خاموشی اختیار کر لینے کے باوجود میں
خود کو کسی بدترین معرکے کے لیے تیار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں جانتا
تھا کہ جمی لائیڈ جیسے خون آشام دشمن کی اتنے قریب موجودگی کے باوجود
غفلت سے کام لیا تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں دردناک موت سے
نہ بچا سکے گی۔
چند ثانیوں کے بعد میں بستر پر دراز ہو گیا۔ سلطان شاہ بھی
کروٹ لے کر لیٹ گیا۔ نائٹ لیمپ کی دھندلاتی ہوئی زرد روشنی
رات کے گہرے سکوت سے مل کر اس وقت بھیانک سماں باندھ
رہی تھی اور میرے ذہن میں خیالات کی آندھیاں چل رہی تھیں جو اس
صورت سے کچھ زیادہ ہی بیدار اور چوکنے ہو گئے تھے۔ ذرا ذرا
سی آہٹ پر میں بھڑک رہا تھا۔ بار بار یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے
جمی لائیڈ کسی بھی لمحے موت کا ہرکارہ بن کر اس کمرے کے دروازے
پر آ سکتا تھا۔
سلطان شاہ میری طرف سے متفکر تھا اور مجھے اندازہ ہو رہا
تھا کہ وہ بستر پر سویا نہیں تھا بلکہ دم سادھے ہوئے میری ہی طرف نگراں
تھا۔ اسے اطمینان دلانے کے لیے کچھ دیر بعد میں سوتا ہوا بن گیا حالانکہ
نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور ہو چکی تھی۔ آنکھیں پوری طرح کھلی
ہوئی تھیں کیونکہ آنکھیں موندتے ہی خیالات کا تسلسل بھیانک
سعار لیتا تھا۔ اسی اعصابی تناؤ کے عالم میں کافی وقت گزر گیا۔
پھر اچانک سلطان شاہ بالکل کوئی آواز پیدا کیے بغیر بستر سے اٹھا
اور مجھے اپنی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔ میں نے فوراً ہی آنکھیں بند
کر لیں۔
آنکھیں بند ہوتے ہی تصور میں فلم چل پڑی۔ سلطان شاہ نے
پہلے قدرے فاصلے سے، پھر قریب آ کر میرا جائزہ لیا۔ اس کے گرم
گرم سانسوں کا لمس میں نے اپنے چہرے پر محسوس کیا، وہ شاید میرے
اوپر جھک کر یہ اطمینان کرنا چاہ رہا تھا کہ میں اس کی ہدایت پر عمل
کرتے ہوئے سونے کی کوشش میں کامیاب ہو چکا تھا۔ میں اتنی دیر
تک اسی طرح دم سادھے پڑا رہا جب تک میرے اندازے کے
مطابق سلطان شاہ اپنے بستر پر واپس نہیں چلا گیا پھر میں نے آہستہ
آہستہ آنکھیں کھول دیں۔
مسلسل سوچنے کی وجہ سے وقت کی رفتار دھیمی پڑ گئی تھی۔ اس
وقت مجھے احساس ہو رہا تھا کہ دن کا اجالا کس قدر مہربان اور شفیق ہوتا
ہے۔ دن کی روشنی میں بدترین خطرات میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود
انسان نسبتاً مطمئن اور بے خوف ہوتا ہے کیونکہ امکانی خوف اور خطرے
کا ہر پہلو اس کی نظروں میں ہوتا ہے۔ انجانی سمتوں سے کسی نادیدہ دشمن
کے اچانک حملے کا ڈر کم ہی رہتا ہے۔
پھر سلطان شاہ میری طرف سے مطمئن ہو کر سو گیا۔ میں نے اپنے
لیے سگریٹ سلگائی اور نائٹ لیمپ کی روشنی گل کر دی۔ اس وقت میں
خود بھی اس اعصاب شکن اور صبر آزما صورت حال سے اکتا گیا تھا۔
سب کچھ مقدر کے حوالے کر کے کچھ دیر کے لیے گہری نیند سونا چاہتا تھا
مگر وہ میرے بس میں نہیں تھا۔ مجھے سلطان شاہ پر رشک آنے لگا۔
صورت حال اس کے لیے بھی بالکل اتنی ہی سنگین تھی جتنی میرے لیے،
فرق بس اتنا تھا کہ میرا ذہن اس کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے کام
کر رہا تھا اور ذہن کی اس تیزی نے مجھے سکون کے ان لمحوں سے محروم
کر دیا تھا جن سے سلطان شاہ اس وقت پوری طرح لطف اندوز
ہو رہا تھا۔
آخر کار میں نے بستر چھوڑ دیا اور پردہ سرکا کر اپنے کمرے کی بند
کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سامنے خوابیدہ بستی میں مکانوں کی اکا دکا
روشنیاں اور روشن گیٹ لیمپ، اسٹریٹ لائٹس کے ساتھ مل کر اس
اندھیری رات میں قدرے خوشگوار سماں پیدا کر رہے تھے۔ آسمان
کی گھور سیاہی میں خفیف سے اجالے کی آمیزش شروع ہو چکی تھی، جس
کا مطلب تھا کہ وہ رات آخر کار گزرنے ہی والی تھی۔
موسم سرد تھا جب کہ اس خواب گاہ میں لذت انگیز حرارت رچی
ہوئی تھی لیکن میرے دل میں تبدیلی سے لطف اندوز ہونے کی خواہش
کچھ اتنی شدت سے بیدار ہوئی کہ میں نے سلطان شاہ کی نیند میں خلل ڈالے
بغیر اور کوئی آواز پیدا کیے بغیر بولٹ گرا کر کھڑکی کا ایک پٹ کھول دیا۔

سمندر کی نمی میں بھیگی ہوئی سرد مگر تازہ ہوا کا پہلا جھونکا بہت خوشگوار تھا۔ میں تاریکی کا ایک جزو بنا کافی دیر تک یونہی سرد ہواؤں سے محظوظ ہوتا رہا۔ نیچے فلورا کے مکان کا احاطہ ویران پڑا ہوا تھا اور آہنی پھاٹک پر روشن لیمپوں نے اس حصے کو منور کیا ہوا تھا، جو مجھے نظر آ رہا تھا۔

سرد ہواؤں سے میری ناک سُن ہونے لگی تھی۔ چہرے کی جلد بھی آخر کار جمتی ہوئی محسوس ہونے لگی تو میں نے کھڑکی بند کرنے کا ارادہ کیا مگر اسی لمحے نیچے سے قدموں کی آہٹ کے ساتھ، ڈھلتی ہوئی رات کے سناٹے میں ایک سرگوشیانہ نسوانی آواز ابھری اور میں چونک پڑا، وہ آواز سو فیصد فلورا کی محسوس ہوئی تھی۔ قدموں کی آہٹ جاری رہی پھر برآمدے سے اُتر کر شب خوابی کے قیمتی اور وزنی گاؤن میں ملبوس ایک نسوانی ہیولا مجھے آہنی پھاٹک کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔ اس عورت کی پُشت میری جانب تھی اور میں اس کی صورت نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن اس کی چال اور قدوقامت سے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا کہ وہ فلورا تھی۔

جس وقت فلورا آہنی پھاٹک کھول رہی تھی، اسی لمحے فضا میں اُبھرنے والی ایک تیز مشینی آواز نے مجھے چونکا دیا مگر پھر میرے اعصاب پُرسکون ہو گئے کیونکہ وہ لوستاں کی رینالٹ کار کے سالخوردہ انجن کے اسٹارٹ ہونے کی مانوس آواز تھی۔ میں اُلجھن میں پڑ گیا کہ رات کے آخری پہر میں یا صبح نمودار ہوتے ہی لوستاں کو کہاں جانے کی ضرورت پیش آ گئی تھی جو وہ فلورا کو نیند سے اُٹھا لایا تھا۔

چند ثانیوں بعد رینالٹ ریورس ہوتی ہوئی پورچ سے پختہ روش پر نمودار ہوئی اور جب وہ گیٹ سے نکلی تو گیٹ لیمپس کی روشنی میں، میں نے ڈرائیو کرنے والے کا مبہم سا خاکہ دیکھا جو لوستاں سے قطعی مختلف تھا۔

"تم نہیں سوئے؟" نیند میں ڈوبی ہوئی سلطان شاہ کی جھلائی ہوئی آواز سن کر میں چونک پڑا اور اس سے قبل کہ وہ مزید کوئی بے احتیاطی کرتا، میں پنجوں کے بل دوڑتا ہوا اُس کے قریب پہنچ گیا۔

"اس شدید سردی میں کھڑکی کھولنے کی کیا ضرورت تھی؟" میرے بولنے سے پہلے ہی اس نے دوسرا سوال داغ دیا۔

"شش! آواز نیچی رکھو۔" میں نے اس کا بازو سختی سے دباتے ہوئے کہا۔ "باہر کوئی بڑی کارروائی ہو رہی ہے۔"

میرے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ وہ کمبل اُچھال کر فوراً بستر سے اُتر آیا اور پھر ہم دونوں کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ کمرے میں مکمل تاریکی ہونے کی وجہ سے نیچے والوں کے لیے ہمیں دیکھنا ناممکنات میں سے تھا۔

کھڑکی سے میری مختصر سی غیر حاضری کے دوران میں اجنبی شخص رینالٹ کار پھاٹک سے باہر فٹ پاتھ کے کنارے پارک کر کے شاید اندر واپس آ چکا تھا۔ فلورا کا شہابی چہرہ، سیاہ مخملی کالر میں دمکتا ہوا نظر آ رہا تھا، وہ بدستور کھلے ہوئے پھاٹک کے سامنے موجود تھی، پھر دوسری کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی ہلکی سی آواز آئی تو صورتِ حال میرے ذہن میں واضح ہو گئی۔ رینالٹ کو باہر ہٹا کر صرف راستہ بنایا گیا تھا تاکہ اجنبی پورچ میں موجود نئے ماڈل کی سیاہ کار میں کہیں روانہ ہو سکے۔ اس اثنا میں فلورا نے رینالٹ کی نشست سنبھال لی تھی پھر جونہی سیاہ کار رینگتی ہوئی باہر نکلی تو فلورا نے راستہ صاف ہوتے ہی رینالٹ دوبارہ مکان میں لے لی۔ سیاہ کار باہر نکل کر اس زاویے سے رُکی ہوئی تھی کہ اس بار بھی ڈرائیور کو اچھی طرح دیکھنا ہمارے لیے ناممکن تھا کیونکہ ڈرائیونگ سیٹ ہم سے مخالف سمت میں تھی۔

رینالٹ کار کو اندر پارک کر کے فلورا دوبارہ کھلے ہوئے گیٹ کی طرف آئی تو اجنبی سیاہ کار سے اُتر کر پُراعتماد انداز میں اس کی طرف آیا۔ اُس وقت میں نے پہلی بار دیکھا کہ وہ طویل قامت اور قوی الجثہ اجنبی جو اُونچے کالر والے سیاہ السٹر میں ملبوس تھا، جمی لابیٹا ہی تھا۔

میرے لیے وہ صورتِ حال سحر انگیز تھی۔ میں پہلی بار اپنے جانی دشمن کو اپنے سے اتنا قریب دیکھ رہا تھا۔ آگے آ کر جمی لابیٹا الوداعی انداز میں فلورا سے بغل گیر ہوا اور میں تکیے کے نیچے سے پستول لینے کے لیے بستر کی طرف لپکا۔ سلطان شاہ پر سکتہ طاری ہو گیا تھا، وہ اپنے خوابیدہ ذہن کے ساتھ، جہاں تھا وہیں جم کر رہ گیا تھا۔

میں بجلی کی سی سُرعت سے واپس لوٹا تو منشیات کی دُنیا کے بے تاج بادشاہ کو جہنم واصل کرنے کا موقع ضائع ہو چکا تھا۔ وہ پستول کی زد سے نکل کر دوبارہ سیاہ کار میں جا بیٹھا تھا اور کار رینگتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔

فلورا اُسے ہاتھ ہلاتی رہی، اُس نے بھی اپنی طرف کا شیشہ گرا کر جوابی انداز میں ہاتھ ہلایا اور پھر سیاہ کار تیز رفتاری کے ساتھ رات کے اس بیکراں سناٹے میں معدوم ہوتی چلی گئی۔

فلورا نے آہنی پھاٹک بند کیا اور گزرے ہوئے لمحات کے حسین تصور میں ڈوبی، مستانہ روی کے ساتھ اندر چلی گئی۔

"ڈراما ختم ہو گیا۔ آؤ اب آ کر دوبارہ گرم گرم کمبل میں دبک جاؤ۔" میں نے سلطان شاہ کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔ "یہ غنیمت ہوا کہ تم نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، ورنہ صبح اُٹھ کر اس واقعے کو بھی میرا مراق قرار دیتے۔"

"مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ میں نے جو کچھ دیکھا، وہ خواب

قت تھا۔" وہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔"یہ تو ہُو بہُو جمی لائیڈ
کی تصویر میڈوسا کے کپتان کے کیبن میں اچانک مل اٹھی تھی۔"
ہو بہو نہیں بلکہ وہی تھا اور یہ فلورا اس کی گرل فرینڈ معلوم ہوتی
رمال، ہم نے آج ایک سُنہرا موقع گنوا دیا۔" میں نے کھڑکی کا
کرتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ صحیح معنوں میں اس وقت
طان شاہ پر غصہ آ رہا تھا۔
اس کا مطلب ہے کہ رات کو تمھارا وہم درست تھا۔" وہ
خوردہ لہجے میں بولا۔
پھر وہی وہم!" میں جھلا کر غرّایا۔"میں بتا رہا ہوں کہ رات میں
کی آواز سُنی تھی۔"
ضرور سُنی ہوگی مگر میں وہ آواز نہیں پہچان سکا تھا۔" اس نے
اعتراف کیا۔"لیکن وہ اُوپر لوستاں کے پاس کیوں آیا تھا؟"
رفتہ رفتہ بات سمجھ میں آ رہی ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔
سے ہماری موجودگی کا علم نہیں ہو سکا، ورنہ ہم اس وقت تک
یں رہ سکتے تھے، وہ اس پوری عمارت کو کھنڈر بنا دیتا۔ یوں سمجھ لو
ہمارے کان پر سے گزری ہے۔ رات کو جب ہم یہاں پہنچے
س وقت وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آتا تو اُسی وقت فیصلہ کُن
شروع ہو سکتا تھا لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہم ادھر کا
رکیں گے، اس کے علاوہ وہ جب تک مرسیڈیز کے ملبے سے
الے برونو اشمٹ کی لاش کے باقیات شناخت نہ کر لیے جائیں،
یڈ اسی خوش فہمی میں مُبتلا رہے گا کہ اس نے مرسیڈیز کے ساتھ
ھی بے بسی کے عالم میں موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔ میرے
یں وہ دوبارہ اسی وقت سوچ سکے گا جب اُسے میرے بچ
کی اطلاع مل جائے گی۔"
"برونو کی لاش کی شناخت کے علاوہ ویرا کو بھی زبان کھولنے
ور کیا جا سکتا ہے۔" اُس کے ذہن سے نیند کا خمار رفتہ رفتہ اُتر رہا
مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ اپنی بیٹی کے اغوا کے وقت وہ سکون
یہاں فلورا کے ساتھ بیٹھا رنگ رلیاں منا رہا تھا۔"
"وہ بہت ٹھنڈے دماغ اور بہترین قوتِ فیصلہ کا مالک ہے۔"
جمی لائیڈ سے اپنی نفرت کے باوجود حقیقت کے اعتراف میں تخمل
نہیں لیا۔"یہ ہو سکتا ہے کہ شام ہی سے یہاں فلورا کے پاس آ گیا
رات کو یہیں ویرا کے اغوا کی خبر ملی ہو۔ اس نے اپنی محفل
کر اسی وقت ویرا سے ملنے کے بجائے رات گزارنے کا
بعد میں ہم آ پہنچے تو ہمارے کمروں میں چلے جانے کے بعد
علم ہوا ہوگا کہ اس کی کار کے پیچھے رینالٹ پارک کر دی
جمی لائیڈ کو صُبح سویرے نکلنا تھا، اس لیے اُس نے رات
رینالٹ کی چابی حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہو سکتا ہے کہ فلورا

اس وقت نشے میں ہو... یا کمرے سے باہر نکلنے کے قابل نہ رہی ہو،
اس لیے جمی لائیڈ بہ ذاتِ خود اوپر آیا اور لوستاں سے اس کی کار کی
چابی لے کر واپس چلا گیا۔ اگر اس وقت تم بے دردی کے ساتھ میری
حوصلہ شکنی نہ کرتے تو ہم خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے سے نکل کر حقائق کا سُراغ
لگا سکتے تھے۔ اس طرح جمی لائیڈ بالکل بے خبری میں خواب گاہ میں پکڑا
جاتا اور یہ قصہ یہیں ختم ہو سکتا تھا۔"

"جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔"تمھیں پورا
حق ہے کہ چاہو تو اس غلطی پر مجھے جُوتے لگا لو لیکن اس طرح جمی لائیڈ
واپس نہیں آئے گا۔ چکنی مچھلی کی طرح وہ ہماری گرفت سے نکل چکا ہے،
اب تو صرف فلورا کو ہی ٹٹولا جا سکتا ہے۔"

"میں شرط لگانے کے لیے تیار ہُوں کہ وہ جمی لائیڈ کی اصلیت
سے بے خبر ہوگی، وہ اس سے کسی اور رُوپ میں ٹکرایا ہوگا۔ جو کچھ ہمیں
معلوم ہو چکا ہے اس سے زیادہ فلورا کچھ نہ بتا سکے گی۔"

اس کے بعد ہمیں نیند نہ آ سکی۔ باقی وقت ہم اسی موضوع پر بحث
کرتے رہے۔ جمی لائیڈ کی مُنہ اندھیرے پُراسرار روانگی سے مجھے ویرا
کی طرف سے فکر لاحق ہو گئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جمی لائیڈ
نے ویرا کا باپ ہونے کا اعتراف کر لیا تھا لیکن وہ سنگدل، بے مہر
اور سفّاک انسانوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جو اپنے مفاد
کے سامنے ہر تعلق اور ہر رشتے کو خاک و خون کا بھیانک غسل دینے
سے دریغ نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک اپنے مقاصد کا حصول ہر
جذبے پر مقدّم ہوتا ہے۔

مارسیلز میں فائر کیمپ کی دریافت کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا
تھا کہ اس شہر میں شی کا بڑا آپریشن چل رہا تھا۔ وہاں روایتی تنظیم کے ساتھ
ہی جیف ڈارلنگٹن سارے معاملات کی خود مختارانہ دیکھ بھال کے لیے
آئی مین کے منصب پر فائز تھا، اس لیے مارسیلز میں شی کے دُشمنوں
اور باغیوں کے لیے انگلینڈ کے ڈیلٹا کیمپ جیسا قید خانہ ہونے کے
قوی امکانات موجود تھے۔

ادھر جمی لائیڈ کی موجودگی کے خوف سے میں ساری رات جاگتا
رہا اور دوسری طرف اس کے صُبح سویرے روانہ ہونے سے مجھے شبہ
ہو رہا تھا کہ اغوا کے بعد شاید ویرا کو کسی تنگ زنداں میں قید کر کے
رات بھر تیز روشنیوں اور دوسرے حربوں سے بیدار رکھا گیا ہوگا
تاکہ صُبح جمی لائیڈ اپنی بیٹی سے ملاقات کرنے پہنچے تو بے خوابی اور
اعصابی تناؤ کے نتیجے میں ویرا کے لیے مربوط جُھوٹ بولنا ناممکن ہو کر
رہ جائے۔

آخر کار وہ رات صُبح کے اُجالوں میں ڈھل ہی گئی۔ ہمیں بتا دیا
گیا تھا کہ اس عمارت میں ناشتے کی میز سات بجے سے ساڑھے آٹھ
بجے تک تیار رہتی ہے، اس سے پہلے اور بعد میں ناشتا کسی بھی

قیمت پر فراہم نہیں کیا جاتا' اس لیے ہم دونوں نے نہایت اطمینان سے باری باری گرم پانی سے غسل کیا اور دل میں فلورا سے ملاقات کی اُمید لیے ٹھیک سات بجے کمرے سے نکل پڑے۔

باہر نکلتے ہی مجھے لونساں کا خیال آیا اور میں نے بلاتوقف اس کا دروازہ بجا دیا۔ دوسری دستک پر اُس نے عجیب حُلیے میں دروازہ کھولا تھا۔ جسم پر شکن آلود شب خوابی کا لباس تھا، بال بکھرے ہوئے تھے، سُرخ آنکھوں پر پچھلی رات کی مے نوشی کا ورم اس وقت بھی باقی تھا۔ اپنی حالت سے اس وقت وہ کوئی عادی بلکہ پیشہ ور شرابی معلوم ہو رہا تھا۔

ہمیں دیکھ کر وہ معذرت خواہانہ انداز میں مُسکراتے ہوئے بولا۔

"کہو، صبح سویرے میری کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"یہ دیکھنا تھا کہ تم اسی کمرے میں ہو۔ یا رات کو فلورا کے کمرے میں بلا لیے گئے تھے۔" میں نے میدان صاف دیکھ کر دھیمی آواز میں کہا۔

"ایسا مقدر کہاں؟" وہ حسرت بھرے لہجے میں بولا۔ "اس جیسی سیم تن کے بلانے پر تو میں سر کے بل چل کر جا سکتا ہوں۔"

"پھر رات تمہارے کمرے پر کون آیا تھا؟" میں نے براہِ راست مطلب کا سوال کر ڈالا۔

"رقیبِ روسیاہ۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "فلورا کا چہیتا ملاقاتی تھا۔ میری کار کی چابی لینے آیا تھا کیونکہ اس کو آج صبح سویرے کسی اہم کام پر جانا تھا۔ اب تک تو وہ ساری بہاریں لُوٹ کر جا چکا ہوگا۔"

"اوہ!" میں نے متحیّر ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "پھر تو ہم نے بلاوجہ تمہاری نیند خراب کی..."

"اب نہیں سو سکوں گا تم نیچے چلو، میں بھی تیار ہو کر ناشتے کی میز پر آتا ہوں۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ میرے نظریے کی تصدیق ہو چکی تھی، اس لیے میں وہاں مزید وقت ضائع کیے بغیر سلطان شاہ کے ساتھ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

نیچے ناشتے کی میز پہ فلورا نے بہ ذاتِ خود ہمارا استقبال کیا۔ نیلے لباس اور ہلکی گلابی لپ اسٹک میں وہ اس وقت بہت تروتازہ اور نکھری ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تکان یا بے خوابی کا دُور دُور تک کوئی نشان نہیں تھا۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم صبح سویرے اُٹھنے کے عادی ہو۔" رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد وہ بولی۔ "لڑکیاں کام والے دنوں میں آٹھ بجے نیچے آتی ہیں۔ بقیہ تینوں کا ناشتا تقریباً روزانہ ہی ضائع کرنا پڑتا ہے۔ لونساں کے علاوہ سرکس والے بھی دن چڑھے تک سوتے رہتے ہیں۔"

"شاید تمہارا مہمان چلا گیا، ورنہ تم اس وقت بھی نظر نہ آتیں۔" میں نے ناشتے کا آغاز کرتے ہوئے بہت سرسری انداز میں اس نازک ترین موضوع پر گفتگو چھیڑ دی جو مسلسل میرے ذہن پر سوار تھا۔

"بعض مرد بہت زیادہ ملکیت پسند ہوتے ہیں، وہ ان میں شمار ہوتا ہے۔ کبھی کبھی آتا ہے لیکن جب بھی آتا ہے اپنی موجودگی میں مجھے کمرے سے ہلنے بھی نہیں دیتا۔" وہ ہمارے ساتھ اپنے لیے بھی کافی بناتے ہوئے قدرے فاخرانہ لہجے میں بولی۔

"ایسے احساس کا تعلق علاقے سے بھی ہوتا ہے۔ عورتوں کے معاملے میں شاید سارے فرنچ مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔" میں نے ہوشیاری کے ساتھ گفتگو کو اپنی مرضی کے ڈھب پر لاتے ہوئے کہا۔ "اور وہ تو تمہارا بوائے فرینڈ بھی ہے۔"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ فرنچ مرد ایسے نہیں ہوتے۔ پورے یورپ میں عورتوں کا سب سے زیادہ احترام فرانس میں ہی پایا جاتا ہے۔ یہاں کے مرد بہت فراخ دل اور کھلے ذہن کے مالک ہیں۔ ڈان مریسانو اطالوی ہے اور جب بھی ان اطراف میں آتا ہے مجھے ملے بغیر نہیں جاتا۔" اس نے میرے آخری تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

اس کی زبان سے ڈان مریسانو کا معروف نام سُن کر میرا دل زور سے دھڑکا تھا لیکن میں نے پوری کوشش کی تھی کہ میرے چہرے پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہ ہو۔ میرے لیے یہ حیرت کی بات تھی کہ جمی لائیڈ نے فلورا سے دوستی استوار کرنے کے لیے کسی نئے نام کے بجائے اپنا پُرانا ہی نام استعمال کیا تھا جو ویرا کے لیے ایک گالی بنا ہُوا تھا۔

"اطالوی تو میں بھی ہُوں۔" میں نے شوخ نظروں سے فلورا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کم از کم اس سے میری ملاقات تو کرا دیتیں۔"

"تم اطالوی زبان سے نابلد ہو' اس لیے میں نے دانستہ اس سے تمہارا ذکر نہیں کیا۔" وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ "زبان کے بغیر علاقہ بے معنی ہوتا ہے۔ تم جیسے لوگوں کے لیے یہ بڑی مشکل ہوتی ہے کہ کوئی بھی قوم تمہیں قبول نہیں کرتی۔ اطالویوں کی بھیڑ میں تم اجنبی بنے ہو گے کیونکہ ان کی زبان سے نا واقف ہو۔ انگریزی جانتے ہو مگر برٹش نیشنل نہیں بن سکتے کیونکہ تمہارا پاسپورٹ اطالوی ہے۔"

"پردیسیوں سے دل لگانے کے بارے میں ہندی میں ایک کہاوت ہے۔" میں نے اس کی گفتگو سے حوصلہ پا کر قدرے بے تکلفی سے کہا۔ "تم نے ڈان مریسانو سے دوستی تو کی ہوئی ہے لیکن ضرورت کے لمحات میں جب وہ تم سے دُور اپنے ملک میں بیٹھا ہوتا ہے' تمہیں محرومی کا احساس ضرور ہوتا ہوگا، وہ یہاں کیوں نہیں آ جاتا یا تمہیں اُٹلی کیوں نہیں بلا لیتا؟"

"وہ بہت عظیم انسان ہے۔" وہ کافی کا ایک گھونٹ لے کر بولی۔

اپنے مسائل وہ بہتر طور پر جانتا ہے میرے لیے اتنا ہی کافی ہے
اس کے ذہن میں میرا خیال موجود رہتا ہے۔"
اس وقت میز پر ہم تینوں کے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا۔ اس
ے وہ گفتگو جاری رہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فلورا زیادہ چالاک
ورت نہیں تھی اور ڈان مرسیانو کے قبضے میں خود بھی لطف لے رہی

ی اس بارے میں اس کی کہانی بہت دلچسپ تھی۔
دو سال پہلے وہ مارسیلز میں جیف ڈارلنگٹن کی ایک تجارتی
رم میں اسٹینو کے طور پر ملازم تھی۔ اس وقت تک جیف نے مس
سیلز ربیکا سے شادی نہیں کی تھی اور ہاتھ دھو کر فلورا کے پیچھے
ڑا ہوا تھا لیکن فلورا محض پیسے کے لالچ میں اپنا مستقبل ایک از کار رفتہ
بوڑھے نکھٹو کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔
ایک دن جیف نے ڈکٹیشن دینے کے بہانے اُسے اپنے
ے میں بلایا اور اس پر شادی کے لیے دباؤ ڈالنے لگا۔ اسی دوران
ڈان مرسیانو دستک دیے بغیر اس کے دفتر میں گھس آیا۔ اس کی
جیف سے دوستی تھی اور وہ اکثر وہاں آتا رہتا تھا۔ اس نے فلورا کی

آنکھوں میں آنسو دیکھے تو اس سے بات شروع کر دی۔ ہمدردی
کے دو بول سنتے ہی فلورا رو پڑی اور اس نے اپنی ملازمت کی
پروا کیے بغیر ڈان مرسیانو کو سب کچھ بتا دیا۔ اس نے جیف کو خاصا
لتاڑا اور اسی وقت فلورا کو اپنے ساتھ لے گیا۔

فلورا کی کہانی کے مطابق وہ مکان اسے ڈان مرسیانو نے
ہی خرید کر دیا تھا اور یوں وہ اس کی مہربانی سے پل بھر میں ایک
بے مایہ ملازم پیشہ عورت سے صاحبِ جائداد بن گئی۔ ڈان مرسیانو
کے مشورے پر ہی فلورا نے اس مکان میں گیسٹ ہاؤس کا کامیاب
سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس مہربانی کے صلے میں ڈان مرسیانو نے اس
سے کوئی مطالبہ نہیں کیا لیکن جب فلورا نے خود اس کی ذات میں
دلچسپی کا اظہار شروع کیا تو اسے والہانہ انداز میں جواب ملا اور یوں
وہ ہر اعتبار سے اس پردیسی کی اسیر ہو کر رہ گئی جو اس سے دور
رہتے ہوئے بھی ہر لمحے اس کے دل میں بسا رہتا تھا۔
مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ جیف ڈارلنگٹن کو اپنے اطالوی دوست

ڈان مرسیانو کی اصلیت کا ہرگز علم نہ ہو گا۔ جمی لائیڈ کے وہی خوفناک
نہ بسے اس کے آدمیوں کو ہر وقت اس سے خائف رکھتے تھے۔ ان
کے لیے ایک پُراسرار نام ہوتے ہوئے بھی وہ جب چاہتا ان کے
زیر سایہ کران کی کارگزاریوں پر گہری نظر رکھنا شروع کر دیتا تھا
اور جب چاہتا، پس منظر سے غائب ہو جاتا تھا۔

"اٹلی میں تو اس کا کوئی بڑا کاروبار ہو گا؟" میں نے اس کی
پوری کہانی سن کر سوال کیا۔
"اس کے کام کی نوعیت سن کر شاید تم اس سے کراہت محسوس
کرنے لگو، لیکن اس بارے میں اس کا اپنا ایک مضبوط فلسفہ ہے جو
میری دانست میں کسی بھی اعتراض کرنے والے کا منہ بند کر سکتا ہے۔"
"ہیروئن بیچتا ہے؟" میں نے بدستور انجان بنتے ہوئے سادگی
کے ساتھ دریافت کیا۔

"کوئی اور بات کرو۔" اس نے مجھے گھورتے ہوئے ایک
گہرا سانس لے کر کہا۔ "وہ جو کوئی بھی ہے اور جو کچھ کرتا ہے، میرے
لیے ہے، تمھیں اس میں دلچسپی لینے کی کیا ضرورت ہے؟ پتا نہیں
میں تمھارے سامنے یہ ذکر کیوں لے بیٹھی؟"

"شروع ہی میں موضوع بدل لیتیں تو اچھا تھا اب ایک بات
ادھوری چھوڑ کر تم نے میرے دل میں تجسس پیدا کر دیا ہے۔ ویسے یہ
بتا دوں کہ میرے نزدیک صرف ایک ہی کام قابلِ نفرت ہے اور
وہ ہے منشیات فروشی۔ ہو سکتا ہے کہ تمھارا ڈان مرسیانو اس
کے حق میں بھی مضبوط دلائل رکھتا ہو مگر میں اس پر بحث نہیں کروں گا۔"
"میں کہہ رہی ہوں کہ وہ ہیروئن نہیں بیچتا۔" وہ قدرے چڑچڑے
لہجے میں بولی۔

"یہ تم نے اب کہا ہے پھر کیا کرتا ہے وہ؟" میں نے اسے غصہ
دلانے کی نیت سے کہا۔
"تم بھی بہت ضدی ہو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "تو
سنو کہ وہ روم اور میلان میں کئی بڑے قحبہ خانے اور نائٹ کلب
چلاتا ہے، نہ وہ اپنے پیشے پر شرمسار ہے نہ مجھے برا لگتا ہے۔ تمھارا
کوئی تبصرہ مجھے اس سے متنفر نہیں کر سکے گا۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے تبصرہ کرنے کی؟" میں نے کافی کی دوسری
پیالی ختم کر کے سگریٹ سلگاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔ "وہ تو
بڑا نیک کام کر رہا ہے۔ چاہو تو اسے سوشل سروس بھی کہہ سکتی ہو
جن لوگوں کو کوئی گرل فرینڈ یا بوائے فرینڈ نہیں ملتا، معاشرے پر
ان کا بھی تو کچھ حق بنتا ہے۔"
اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں پھر اس نے بے یقینی
کے عالم میں سوال کیا "تم اس کا مضحکہ اڑانے کی کوشش تو نہیں کر رہے؟"
"قطعی نہیں" میں نے پورے خلوص سے کہا "بلکہ تمھیں بھی اس
عمارت میں گیسٹ ہاؤس کے بجائے قحبہ خانہ ہی قائم کرنا چاہیے تھا۔"

ایسے ادارے معاشرے کے مایوس اور محروم طبقوں کی بہت بڑی خدمت کرتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ان خدمات کو کھلے دل سے تسلیم نہیں کیا جاتا۔"

"تمہارے خیالات بالکل ڈان سے ملتے جلتے ہیں۔" وہ ستائشی لہجے میں بولی۔ "اس نے گیسٹ ہاؤس کے لیے وہی مشورہ دیا تھا جو تم دے رہے ہو لیکن مجھ میں ڈان کی طرح اپنے معاشرے سے لڑنے کا حوصلہ نہیں تھا، اس لیے یہ گیسٹ ہاؤس بن گیا۔ ڈان تم سے ملتا تو بہت خوش ہوتا۔ اسے تو ہمیشہ اپنے ہم خیال لوگوں کی تلاش رہتی ہے اور وہ ان کی بڑی قدر کرتا ہے۔"

"دوبارہ کب آئے گا وہ؟" میں نے اس سے ملاقات کے امکان پر جوش اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"گیا کہاں ہے وہ ابھی؟" وہ روانی میں بولی۔ "وہ تو مارسیلز میں ہی ہے۔ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر رات میں پھر یہیں، میرے پاس آئے گا۔"

"یہ بہت اچھا ہے۔" میں نے عقیدت مندانہ مکاری کے ساتھ کہا۔ "وہ یہاں موجود نہ ہوتا تو میں تم سے اس کا پتا لے کر روم یا میلان میں ضرور اس کی قدم بوسی کرتا۔ وہ انسان نہیں، درویش ہے، ورنہ اس دور میں کون محروم لوگوں کا درد محسوس کرتا ہے۔"

"کوئی بھی تمہیں اس کے ٹھکانوں پر پہنچا سکتا ہے۔ دونوں شہروں میں ہر ٹیکسی ڈرائیور اس کے نام سے واقف ہے۔" فلورا خوش تھی کہ اسے کم از کم ایک ایسا آدمی مل گیا تھا جس کے نظریات ڈان مرسیانو سے مماثل تھے، وہ بے وقوف عورت بالکل نہیں سمجھ سکی تھی کہ میں اس عالی..... سے کام لیتے ہوئے اس سے ڈان مرسیانو کے پروگرام تفصیلات بہتیری باتیں اگلوا لی تھیں لیکن خرابی یہ تھی کہ جب بھی ڈان مرسیانو واپس لوٹتا، وہ مجھے اس سے ملوانے پر تل جاتی اور وہی ایک میری سب سے بڑی کمزوری تھی جس کے لیے مجھے تیاری کرنا تھی۔

فلورا کا مسئلہ یہ تھا کہ اس کے نزدیک ڈان مرسیانو اٹلی کا ایک تجربہ کار تھا جس نے اپنی دریا دلی کے باعث اسے باحیثیت بنا دیا تھا لیکن وہ اس کے جی لائیڈ والے روپ اور اس کے کالے دھندوں سے بالکل لاعلم تھی۔ اس نے سُشی کے آئی مین جیف ڈارلنگٹن کا تذکرہ بھی ایک لکھ پتی تاجر کے طور پر کیا تھا، جس کا مطلب تھا کہ وہ سُشی کے وجود اور مقاصد کا کوئی علم رکھے بغیر اس کے اہم ارکان سے قریب رہی تھی اور اس کی تمام ذمے داریاں غیر مجرمانہ نوعیت کے سیدھے سادے کاموں تک محدود تھیں جن کے بارے میں وہ کبھی فکرمند نہیں ہوئی تھی۔

لوستاں سے پہلے فلورا کے گیسٹ ہاؤس میں مقیم دونوں لڑکیاں تیار ہو کر نیچے آئیں تو مجھے اور سلطان شاہ کو ناشتے کی میز پر دیکھ کر ان کی نگاہوں میں خوشگوار حیرت اتر آئی۔ فلورا نے ہم چاروں کا آپس میں تعارف کرایا اور ہم ان کی رسمی مزاج پرسی کے بعد ناشتے کی میز چھوڑ کر ہال میں پڑے ہوئے وزنی اور پرانے صوفوں پر آ بیٹھے۔ فلورا اپنے ملازم کی مدد سے لڑکیوں کو ناشتا سرو کر رہی تھی۔

"اب یہاں سے بھی بھاگو۔" ناشتے کی میز سے ہال میں منتقل ہونے کے بعد سلطان شاہ نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ یہ خوشی کی بات تھی کہ دن بہ دن اس کی انگریزی سمجھنے کی صلاحیت حیرت انگیز تیزی کے ساتھ ترقی کر رہی تھی۔

"غنیمت ہوا کہ ہمیں اس کی واپسی کا علم ہو گیا، ورنہ رات کو بے خبری میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ اس وقت ہم دونوں اردو میں ہی دھیمی آواز میں گفتگو کر رہے تھے۔

"اسی کے ساتھ تم نے فلورا کو اپنی طرف سے ہوشیار کر دیا ہے۔" وہ بولا۔ "تم اس پر اپنے گندے خیالات کا اظہار نہ کرتے تو وہ شاید آج بھی اس سے ہمارا ذکر نہ کرتی لیکن اب وہ اسے ضرور بتائے گی اور وہ تم سے ملنا چاہے گا۔"

"کون سے خیالات گندے ہیں میرے؟" میں نے آنکھیں نکال کر سوال کیا۔

"ڈان مرسیانو کے اٹلی والے گھناؤنے دھندے کے بارے میں تم نے کسی شائستہ رائے کا اظہار تو نہیں کیا تھا۔"

"فلورا کی زبان کھلوانے کا اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔" میں نے بے بسی کے ساتھ کہا۔ "تم نے محسوس نہیں کیا کہ میری رائے سنتے ہی اس کا رویہ اچانک تبدیل ہوا تھا، ورنہ وہ بات ختم کرنے پر تل گئی تھی۔"

"کم از کم آج کی رات تو میں یہاں گزارنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔" وہ چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولا۔

"ہماری غیر حاضری ڈان مرسیانو کو شبہات میں مبتلا کر دے گی۔" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ "میرے ذہن میں ایک تجویز جنم لے رہی ہے، اس کے لیے ہمیں لوستاں کو کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ ملانا ہوگا۔"

"تم سمجھ رہے ہو کہ وہ ہمارے داؤ میں آجائے گا؟" اس نے حیرت سے کہا لیکن میرا خیال تھا کہ میں لوستاں سے جس مختصر رول کی توقع کر رہا تھا، وہ اسے آسانی کے ساتھ نباہ سکتا تھا۔

لڑکیوں کے فارغ ہونے سے پہلے لوستاں بھی تیار ہو کر آ پہنچا۔ اس کی پیش کش پر ہم دوبارہ کافی پینے پر آمادہ ہو گئے۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ فلورا کی طرف سے مہمانوں سے وقت کی پابندی ضرور کرائی جاتی تھی لیکن ایشیائے خورونوش کی مقدار پر کوئی پابندی عائد نہیں تھی۔

ستاں ناشتے کی میز پر بیٹھا تھا اس کی دونوں لڑکیوں سے خاصی بے تکلفی
علوم ہوتی تھی اس لیے ہم کباب میں ہڈی بننے کے بجائے کافی کی اپنی
یالیاں اُٹھا کر دوبارہ ہال میں آ بیٹھے تاکہ بدلی ہوئی نازک صورتِ حال
ہمارا تبادلۂ خیال جاری رہ سکے۔

★

فلورا کے گیسٹ ہاؤس سے لوستاں کے ہمراہ روانہ ہونے تک
ں صبح کے اخبارات نہیں آئے تھے۔ باقی لوگوں کو خبروں کے بارے
ں نہ کوئی اندازہ تھا اور نہ تجسّس، اس لیے یہ فرض کرلیا گیا تھا کہ کسی وجہ
سے اگر بروقت نہیں پہنچ سکا تھا لیکن ہمیں معلوم تھا کہ پچھلا دن ہم نے
سی خونریزیوں میں گزارا تھا، اس لیے ہم دونوں ہی اخبارات دیکھنے
کے لیے بے چین تھے۔

لوستاں پر پچھلی رات کی مَے نوشی میں بے اعتدالی کے اثرات
وجود تھے لیکن اس کے باوجود ڈرائیونگ وہی کر رہا تھا۔ اُس نے
ستے میں ایک اسٹال سے ایک فرنچ اور ایک انگریزی اخبار خرید کر
یری گود میں ڈالا تو میں چونک پڑا کیونکہ انگریزی اخبار کی شہ سُرخی میں
ستان کا نام موجود تھا۔ خبر اس ایٹمی منصوبے کے بارے میں تھی جو ابتدا
ں فرانس کی امداد اور تعاون سے مکمل ہونا تھا لیکن بعد میں عالمی طاقتوں
ریشہ دوانیوں کے باعث فرانس اپنے وعدوں سے منحرف ہوگیا۔ پچھلی
برطانیہ کے حوالے سے اخبار میں یہ سنسنی خیز انکشاف کیا گیا تھا کہ ہالینڈ سے
م ایٹمی معلومات اور نقشے حاصل کرنے کے بعد پاکستانی ایٹمی سائنسداں
ڈاکٹر قدیر خان نے یورینیم کو افزودہ کرنے کا ایسا نظام کامیابی سے قائم کر
لیا تھا جس کی مدد سے نام نہاد "اسلامی ایٹم بم" کی منزل ناقابلِ یقین حد تک
قریب آگئی تھی۔ اخبار نے دعویٰ کیا تھا کہ خلا میں موجود مواصلاتی سیاروں
سے پاکستان کے ایک مخصوص علاقے میں زمین کی کشش میں رونما ہونے
والی تبدیلیاں ریکارڈ کی گئیں تھیں جن کی بنا پر ماہرین کو یقین تھا کہ زیرِ
زمین ایٹمی تحقیق اور تیاریوں کے لیے پاکستان اس علاقے میں ناقابلِ
نفوذ زیرِ زمین تعمیرات کر رہا تھا تاکہ فضا سے اس کی جوہری تنصیبات کا
جائزہ لینا ممکن نہ رہے۔

وہ خبر اور اس کا پس منظر جو کچھ بھی رہا ہو، میں نے اس پر اپنے
دل میں فخر کے جذبات محسوس کیے کیونکہ پاکستان اور ایک پاکستانی سے
مغرب کے ماہرین ان کارناموں کی توقع کر رہے تھے جن میں خود بعض
مغربی ماہرین کو دسترس حاصل نہیں تھی۔ اسی کے ساتھ میرے دل
میں ہوک سی اُٹھی کہ میں کافی عرصے سے پاکستان سے باہر تھا۔ مجھے
کچھ علم نہیں تھا کہ میرے ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ مجھے اپنا دوست جہانگیر
یاد آیا جو میرے ساتھ ہی شی کے چنگل میں پھنسا تھا اور بعد میں شی کے
کالے دھندوں اور مستقل خطرات سے خوفزدہ ہوگیا تھا مگر پھر بھی
تنظیم سے چمٹے رہنے پر مجبور تھا کیونکہ تنظیم سے ایک بار رشتہ استوار
کر لینے کے بعد اس سے منحرف ہونے والوں کے لیے صرف اور صرف
موت کا راستہ باقی رہ جاتا تھا۔

میں نے فیصلہ کیا کہ پہلی فرصت میں کسی پبلک بوتھ سے جہانگیر
کو فون کروں گا تاکہ اس سے پاکستان کے حالات کا پتا چل سکے۔ اس
بارے میں سوچتے ہوئے میں نے اخبار کے پچھلے حصے میں سینٹ
فرانسس جانے والی سڑک پر مرسیڈیز کی تباہی کی خبر دیکھی جس میں ایک
نامعلوم شخص ہلاک ہوگیا تھا۔ خبر تفصیلی تھی لیکن اس میں کہیں بھی بل سارا
ہاؤ ز میں ہونے والی خونریزی کا ذکر تھا، نہ جان لی بگ کی سُرخ ٹرائمف
اور اُس کی ڈِکی میں موجود تین لاشوں کا تذکرہ تھا، اسی طرح کھیتوں
میں ہونے والے تصادم اور بھاگ دوڑ کا بھی کوئی ذکر نہیں تھا۔ سب
سے زیادہ حیرت اس بات کی تھی کہ اس کاٹیج کے محافظ نے بھی کوئی
رپورٹ درج نہیں کرائی تھی جہاں ہم نے زبردستی قبضہ کرکے لباس
تبدیل کیے تھے۔

بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بل سارا ہاؤ ز کے مکینوں نے لاشوں
کو دبا کر متعلقہ فریقوں کو کسی نہ کسی طرح زبان بند رکھنے پر آمادہ کر
لیا تھا تاکہ وہ علاقہ پولیس کی توجّہ کا مرکز نہ بن سکے۔ ویرا کے کلثوم احمدی
کے رُوپ میں اغوا کی خبر عقبی صفحے پر موجود تھی اور ان دونوں سے
نمایاں انسپکٹر سائمن لوئیتھو کی لاش کا معمّا اُچھالا گیا تھا۔ لاش رات گئے
دیر سے ساحل سے برآمد ہوئی تھی، اس لیے بڑی سُرخی کے باوجود متن
میں کوئی خاص بات نمایاں نہیں تھی۔

تینوں واقعات پر اخبار نے اپنے انداز میں الگ الگ تبصرے
کیے تھے۔ انھیں ایک ہی کڑی میں پرونے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی
تھی اور نہ ہی بہ ظاہر ان تینوں وارداتوں میں کوئی تعلق نظر آتا تھا۔

"مارسیلز پر شاید بُرے دن آ گئے ہیں۔" اُن وارداتوں کے بارے
میں میری زبان سے خلاصہ سُن کر لوستاں نے کہا "یہاں مہینوں کوئی
حادثہ یا ایسا سنگین جُرم نہیں ہوتا تھا جس میں انسانی جانیں ضائع ہوتی
ہوں مگر فائر کیمپ کے بعد تو شہر کی بربادی شروع ہوگئی ہے، یہ انتہا
ہے کہ مجرموں نے انسپکٹر سائمن جیسے ایماندار افسر کو بھی ہلاک کر دیا۔"

"تم جانتے تھے اُسے؟" میں نے سوال کیا۔

"اسے مارسیلز کی ساری مقامی آبادی جانتی ہوگی، وہ برسہا برس
سے اسی شہر کی خدمت کر رہا تھا۔" وہ اداسی کے ساتھ بولا "مجھے تو ایسا
معلوم ہو رہا ہے جیسے باہر سے کچھ مجرم مارسیلز میں گھس آئے ہوں اور
بربادی پر تُل گئے ہوں۔"

"ایسے حالات میں تو اسلحہ ساتھ لیے بغیر گھر سے نکلنا خطرناک
ہو سکتا ہے۔ پتا نہیں کون، کہاں للکار بیٹھے۔" میں نے موقع پا کر کہا۔

"حالات اتنے نہیں بگڑے لیکن مزید بگڑ تے دیر نہیں لگتی۔ ہر گھر
میں تھوڑا بہت اسلحہ ضرور ہونا چاہیے۔" لوستاں نے کہا۔

”تمہارے پاس ہتھیار وغیرہ ہوتا ہے؟“ میں نے اُکسانے والے لہجے میں سوال کیا۔

وہ ہنس دیا۔ ”ٹنکی خالی ہونے والی ہے، اس میں پٹرول تم ہی کو ڈلوانا ہوگا، میری جیب خالی ہے۔“

”پہلے پٹرول بھروالو، پھر ہم تمہیں ایک پستول بھی دلوا دیں گے۔“ میں نے اُسے تسلی دی۔

”لائسنس کے بغیر دلوانا ہوگا۔“ اُس نے حریصانہ لہجے میں کہا۔ ”میرے پاس لائسنس نہیں ہے۔“

”یہ تو تم پر منحصر ہے کہ کسی ایسے ٹھکانے پر لے چلو جہاں قانون کو نظر انداز کر کے بھی کام بن جاتا ہو۔“ میں نے سادگی سے ذمے داری اُسی پر ڈال دی اور پتا چلا کہ وہ مارسیلز میں ایسے ایک نہیں، کئی ٹھکانوں سے اچھی طرح واقف تھا۔

گیسٹ ہاؤس سے ہم شہر گھومنے اور کچھ خریداری کا ارادہ ظاہر کر کے نکلے تھے لیکن اصل مقصد فلورا سے علیحدگی میں لوستاں کو شیشے میں اُتارنا تھا تاکہ وہ جمی لائیڈ کے خلاف مہم میں ہمارا ساتھ دے سکے۔ ہمارے پاس بیم گن کے علاوہ صرف انسپکٹر سائمن سے حاصل کیا ہوا اعشاریہ تین آٹھ کا پستول تھا جس کے میگزین میں صرف چھ گولیاں باقی رہ گئی تھیں۔ جمی لائیڈ کے خلاف صف آرا ہونے کے لیے ہمیں کم از کم ایک فاضل میگزین اور کچھ گولیوں کے علاوہ چند دستی بم بھی درکار تھے جو ہم لوستاں کے ساتھ دُکان سے متعارف ہونے کے بعد خود بھی خرید سکتے تھے۔

پٹرول کی ٹنکی بھروانے کے بعد میں نے سو سو ڈالر کے دو نوٹ لوستاں کو دے دیے۔ ”یہ اپنی ضروریات کے لیے رکھ لو۔“ میں نے اُسے متحیر پا کر نرمی سے کہا۔ ”راستے میں کہیں سے مقامی کرنسی میں بدلوا لینا۔“

”شکریہ، تم واقعی انسان نہیں فرشتہ ہو۔“ اس نے نوٹ لیتے ہوئے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔

عملاً لوستاں روزی کمانے کے لیے جو بھی گھٹیا طریقہ اختیار کرتا رہا ہو، اس سے قطع نظر پیشہ ورانہ طور پر وہ مارسیلز کا ایک تجربہ کار گائیڈ تھا، اس لیے شہر میں اس کی شناسائی کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ راستے میں اُس نے ایک بینک پر گاڑی روک کر جان پہچان کی بنیاد پر اپنے دو سو امریکی ڈالر فرانکوں میں بدلوائے تو میں نے بھی لگے ہاتھوں ایک ہزار ڈالر کا تبادلہ کرا لیا کیونکہ وہاں چھوٹی موٹی ضروریات کے لیے ڈالرز کا بے دریغ استعمال لوگوں کی توجہ ہماری طرف مبذول کرانے کا سبب بن سکتا تھا۔

اگلی منزل اسلحے کے ایک ڈیلر کا شوروم تھی۔ ہمیں گاہک سمجھ کر لوستاں کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا اور لوستاں نے نیچے لہجے میں اس شخص کو اپنے مقصد سے آگاہ کر دیا۔ ڈیلر نے مجھ سے مطلوبہ پستول کا کلیبر دریافت کیا اور میں نے بلاتوقف اعشاریہ تین آٹھ دُہرا دیا کیونکہ اسی طرح میں نئی گولیاں سائمن کے پستول میں استعمال کر سکتا تھا۔

اُس شخص کے اشارے پر دُکان کے ایک ملازم نے اس بور کے کم و بیش ایک درجن پستول اور ریوالور نکال کر کاؤنٹر پر میرے سامنے پھیلا دیے۔ ان میں سے ایک پستول منتخب کر کے میں نے دو فاضل میگزین اور گولیوں کے دو سربند ڈبے خریدے جس پر دُکاندار قدرے مضطرب نظر آیا۔ اُس نے لوستاں کو الگ لے جا کر کچھ بات کی اور لوستاں اُسے اطمینان دلاتا ہماری طرف لوٹ آیا۔

”تمہاری خریداری اس بے چارے کو خوفزدہ کر رہی ہے۔“ لوستاں نے کہا۔ ”کہ کہیں یہ اسلحہ قتل یا ڈکیتی کی کسی واردات میں استعمال نہ ہو۔“

”ہماری بات اور ہے لیکن غیر قانونی طور پر خریدا گیا اسلحہ بلا استثنیٰ ایسے ہی کاموں میں استعمال ہوتا ہے۔“ میں نے دُکاندار کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے، چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ اس نے اعتراف کیا۔ ”لیکن پیشہ ور مجرموں کو ہم براہِ راست مال نہیں دیتے، بیچ میں دلال ہوتا ہے، خریدنے اور بیچنے والے کو ایک دوسرے کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ تمھیں ہم نے لوستاں کی وجہ سے واپس نہیں کیا، ہماری دُکان سے براہِ راست اسلحہ خریدنے والا کوئی بھی ہو، اناڑی مجرم پکڑا جائے تو ذرا سے تشدد میں کھایا پیا تک اُگل دیتا ہے۔ ہم ایسے معاملے میں اپنی ساکھ کا خطرہ مول نہیں لیتے۔“

میں نے بات بڑھانا مناسب نہ سمجھی اور ہم ادائیگی کر کے وہاں سے نکل آئے۔ لوستاں خوش تھا اور اس کی خوشی کی وجہ شاید یہ تھی کہ ایک قیمتی ہتھیار اس کے قبضے میں آنے والا تھا جسے بہ وقتِ ضرورت وہ معقول داموں بیچ سکتا تھا۔

”فلورا کو نہ بتا دینا کہ پستول ہم نے دلوایا ہے۔“ سلطان شاہ نے کار میں سوار ہوتے ہوئے اس سے کہا۔

”میں اتنا احمق نہیں ہوں۔ ضرورت پیش نہ آئی تو اُسے پستول کی ہوا بھی نہ لگ سکے گی۔“ وہ بولا۔

”کہیں دُھوئیں کے دستی بم وغیرہ ملتے ہوں تو وہ بھی لے لو۔“ سلطان شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”اس وقت پٹیر واک فیاضی پر آمادہ ہے۔ میں ان بموں سے تمھیں کئی شعبدے سکھا دوں گا۔ لوگ حیران رہ جایا کریں گے۔“

”کیا واقعی ان مہلک بموں کا ایسا بے ضرر مصرف بھی ہوتا ہے؟“ لوستاں کے لہجے میں تجسس عود کر آیا۔

”بم لے لو تو خود دیکھ لینا۔“ سلطان شاہ بے پروایانہ لہجے میں بولا اور میں اُس کی بکواس پر دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ دھوئیں کے بم ویسے بھی بے ضرر ہوتے ہیں۔ پلاسٹک کے ٹکڑے کسی کو زخمی تک

نہیں کرتے۔ بس ایک محدود رقبے میں کچھ دیر کے لیے کثیف دُھواں بھر جاتا ہے۔" سلطان شاہ اُسے دُھوئیں کے بموں کا اصول سمجھا رہا تھا۔

"پھر لگے ہاتھوں ایک دو ایسے بم بھی لے لو۔ ان کا مظاہرہ کہیں باہر ہی کرنا پڑے گا۔ فلورا اپنے گیسٹ ہاؤس میں دھماکے سُننا پسند نہیں کرے گی۔ میں اس سستی اقامت گاہ سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔"

اُس کے ذہن سے ہر شبہ دُور رکھنے کے لیے میں سلطان شاہ پر برس پڑا۔ سلطان شاہ مدافعانہ انداز میں ہکلا تا رہ گیا۔ آخر لوستان کو ہی درمیان میں دخل انداز ہونا پڑا۔ "تم بے چارے راما نند پر بلاوجہ ناراض ہو رہے ہو۔ اس نے تو صرف ایک بات بتائی تھی۔ اب تم ناراض ہو رہے ہو تو اس قصّے کو یہیں ختم کرو۔ وہ ایک مقبول گائیڈ کے لیے نت نئے لطائف اور کچھ شعبدوں سے واقف ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ لمبی سیاحت پر اس کی خدمات حاصل کرنے والوں کو یکسانیت کا احساس نہ ہو۔ اسی خیال سے میں دُھوئیں کے بموں کا شعبدہ سیکھنا چاہتا تھا۔"

"خیر اس وقت تو تم جو چاہتے ہو وہ لے لو۔" میں نے بدستور غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں بھی دیکھوں گا کہ یہ تمہیں کون سے کرتب سکھاتا ہے مگر اصولی طور پر میں گھروں میں بموں وغیرہ کی موجودگی کے خلاف ہوں۔"

لوستان خوش ہو گیا۔ سلطان شاہ بہ ظاہر کچھ منمنا کر رہ گیا اور یوں ایک تنگ و تاریک علاقے کے ایک مکان سے ہم دُھوئیں کے چار بم خریدنے میں کامیاب ہو گئے جو شام کی مہم میں اہم کردار ادا کر سکتے تھے۔ اس خریداری کے بعد ہم نے لوستاں کی سفارش پر شہر کا ایک مشہور پارک اور عجائب گھر دیکھا۔ وہاں سے نکلے تو کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔

ایک اچھے ہوٹل میں کھانا کھا کر ہم تینوں پر ہی کسل مندی طاری ہونے لگی۔ لوستاں تو ویسے بھی دیر تک سونے کا عادی تھا۔ اُسے وہ دن اپنے لیے بہت لمبا محسوس ہونے لگا تھا۔ ہم تینوں واپس گیسٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئے۔

"تھیلے تم دونوں لے لینا۔" راستے میں لوستاں نے کہا۔ "میرے ہاتھ میں ہوئے اور فلورا سے سامنا ہو گیا تو وہ ضرور ان کی تلاشی لے گی۔ تم پر اس کی دھونس نہیں چل سکے گی۔ بعد میں یہ چیزیں مجھے دے دینا۔"

اس کی وہ تجویز نہایت معقول تھی۔ اگر وہ خود پیش کش نہ کرتا تو ہمیں کوئی ایسی تدبیر سوچنا پڑتی کہ کم از کم آنے والی رات تک وہ ہتھیار ہماری تحویل میں رہیں۔ رات خیریت سے گزر جاتی اور اگلی صبح تک ہم وہاں مقیم رہتے تو ساری چیزیں اس کے حوالے کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ ہم نے وہ سارے پاپڑ صرف جی لائیڈ سے مقابلے کے لیے ہی بیلے تھے۔

راستے میں ایک بڑے بس اسٹینڈ پر پبلک فون بوتھ دیکھ کر بے اختیار میرے دل میں پاکستان بات کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور میں نے کار رکوالی۔ ان دونوں کو کار میں چھوڑ کر میں نے ایک اسٹال سے نوٹ دے کر ریزگاری حاصل کی اور ایک خالی بوتھ میں داخل ہو گیا۔ پاکستان بات کرنے کے لیے وہ مناسب ترین وقت تھا کیونکہ پاکستان کا وقت فرانس سے چار گھنٹے آگے ہوتا ہے۔

پہلی گھنٹی بجتے ہی دوسری طرف سے ریسیور اُٹھا لیا گیا۔ میں نے کال سگنل سنتے ہی کئی سکے سلاٹ میں ڈال دیے۔ دوسری طرف سے براہِ راست جہانگیر کی مانوس آواز سنائی دی جسے سُنے مدّت گزر گئی تھی۔

"میں فرانس سے ڈینی بول رہا ہوں، کیا حال ہے تمہارا؟" میں نے اس کی آواز پہچان کر سوال کیا۔

"ڈینی!" اُس کی آواز حیرت اور خوشی سے مغلوب تھی۔ "اوہ، میرے خدا! تم ڈھیٹ آدمی ابھی تک زندہ ہو۔ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ تم کہیں مر کھپ گئے ہو گے۔ تم فرانس میں کب سے ہو اور کیا کر رہے ہو؟"

"یہ لمبی کہانیاں ہیں، زندگی رہی تو واپس لوٹ کر سناؤں گا۔ تم یہ بتاؤ کہ پاکستان میں سب خیریت ہے نا؟"

"خیریت ہی سمجھو، یہاں حالات بہت ابتر ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے خونریزیاں بھی کرائیں لیکن پنپ نہیں سکے۔ کافی عرصے سے کسی اُدھر والے نے مجھ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا ہے۔ اس دوران میں، میں دل کا مریض ہو چکا ہوں۔"

"شاید تمہاری بیوی حسبِ معمول میکے گئی ہوئی ہے جو کھل کر بات کر رہے ہو۔"

"ہاں۔" اُس کا لہجہ کھل اُٹھا۔ "حسبِ معمول نہیں، اس بار خلافِ معمول گئی ہے۔ پچھلے مہینے میں ایک بیٹے کا باپ بن گیا ہوں۔"

"مبارک ہو، آخر کار تم بھی زرخیز ہو ہی گئے، کون سی کھاد کھاتے رہے ہو؟" اس سے گفتگو کرتے ہوئے جہاں مجھے خوشی ہو رہی تھی، وہاں آوازِ دوست سُن کر دل گرفتہ بھی ہوتا جا رہا تھا۔ شاید آنسوؤں کا خوشی سے بھی اتنا ہی گہرا تعلق ہے جتنا غمی سے۔

"تمہارے لیے بھی دو خوشخبریاں ہیں۔" اُس نے میری بکواس کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تھا۔ "تمہاری فیکٹری میں آتش زنی کا انشورنس کلیم مل گیا ہے لیکن تمہارا سارا عملہ تمہاری طویل غیر حاضری سے سخت پریشان ہے۔ منیجر کئی بار میرے پاس آ چکا ہے۔"

"دوسری بات بتاؤ۔" میں نے اُس کا فقرہ کاٹ کر اضطراری لہجے میں کہا۔

"تمہاری گرل فرینڈ شاید لندن گئی تھی، وہاں سے وہ واپس پاکستان آ گئی ہے اور دو ہفتوں سے تمہاری تلاش میں دیوانی ہو

ی ہے، کئی بار مجھے بھی تنگ کر چکی ہے۔ اتنی تند خو ہو گئی ہے کہ
ن سے بات کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔“

وہ خبر سن کر خوشی سے میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ شاید میری چھٹی حس خوشخبری سُنوانے کے لیے مجھے پاکستان فون کرنے پر اُکسا رہی تھی۔ غزالہ جو انسانوں کے اتھاہ سمندر میں ایک بے ثبات بُلبلے کی طرح گم ہو چکی تھی، اچانک دریافت کر لی گئی تھی۔ میری عقل پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے تھے کہ اسے ہر طرف تلاش کر رہا تھا لیکن یہ خیال بھول کر بھی نہ آیا کہ اپنی ذات کو درپیش خطرات سے گھبرا کر غزالہ قانونی یا غیر قانونی کسی بھی طریقے سے پاکستان کی طرف لوٹنے کی کوشش کر سکتی تھی۔

ریسیور پر سگنل نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے سلاٹ میں مزید سکے ڈالے اور جہانگیر سے سوال کیا۔ ”اس کا کوئی پتا ٹھکانہ ہے تمہارے پاس؟“

”وہ کسی پر اعتبار نہیں کرتی، اُس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔“ جہانگیر کی آواز سے اس کی بے بسی عیاں تھی۔

”اسے میرا پیار کہہ دینا۔ میں فارغ ہوتے ہی کسی بھی لمحے پاکستان پہنچ سکتا ہوں۔“ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میرے زندہ ہونے کی خبر اپنی اور غزالہ کی ذات سے آگے نہ بڑھنے دینا، ورنہ خونی بھیڑیے جو میری بُو پر لگے ہوئے ہیں، وہاں بھی پہنچ جائیں گے۔“

”تم کچھ پریشان ہو، کیا کر رہے ہو وہاں؟“ جہانگیر کی آواز میں اس بار تشویش نمایاں تھی۔

”کچھ بھی نہیں، بس دُعا کرنا۔ آج کی رات میرے لیے بہت اہم ہے۔ ناکام ہو گیا تو شاید تم کبھی میری آواز نہیں سن سکو گے۔“ میں اجتناب کرنے کے باوجود اس لمحے یک بیک جذباتی ہو گیا۔

”شاید تم ابھی تک تن تنہا بے رحم چٹانوں سے سر ٹکرا رہے ہو۔“ اُس کے لہجے میں تشویش بڑھ گئی۔ ”میری بات مان لو۔ اس کوشش میں کسی کا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور تم خود کو فنا کر لو گے۔ اکیلا آدمی کبھی بھی سنگلاخ چٹانوں کے سامنے زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا اور پھر اس اندھادھند کوشش میں تم غزالہ کو بھی فراموش کر بیٹھے ہو جو صرف تمہاری یادوں کے سہارے زندہ ہے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر میں بھی ٹھیک کر رہا ہوں۔“ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”غزالہ کو میرا پیغام ضرور دے دینا۔ زندگی رہی تو جلد ہی پاکستان میں ملاقات ہوگی، اللہ حافظ۔“ بات پوری کر کے میں نے اس کا جواب سُنے بغیر ریسیور کریڈل سے لٹکا دیا۔

گیسٹ ہاؤس تک کا سفر خاموشی کے ساتھ جاری رہا۔ فون پر جہانگیر سے بات ہونے کے بعد میں نے اپنا موڈ بحال کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اُداسی گویا میری رگوں میں پیوست ہو کر رہ گئی تھی، وہ دونوں بھی میرے موڈ کی تبدیلی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے لیکن غنیمت یہ ہوا کہ انھوں نے کوئی سوال کرنے کے بجائے خاموشی سادھ لی تھی۔

گیسٹ ہاؤس کے پھاٹک کے سامنے میں نے سب سے پہلے اندر جھانکا تھا کہ کہیں سیاہ کار موجود نہ ہو لیکن پورچ خالی تھا۔ میں پھاٹک کھولنے کے لیے کار سے اُترا تو سلطان شاہ بھی دونوں تھیلے لیے نیچے آ گیا۔ لوتساں گاڑی مقفل کر رہا تھا۔ ہم دونوں اس سے پہلے گیٹ بند کر کے اندر داخل ہو گئے۔ نچلے ہال میں فلورا سے سامنا ہوا جو شاید گیٹ پر آہٹ سُن کر باہر نکلی تھی۔

”بڑی خریداری کر کے آئے ہو۔“ اس نے سلطان شاہ کے ہاتھ میں موجود تھیلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ہم دونوں رسمی انداز میں مسکراتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ فلورا نے بعد میں آنے والے لوتساں کو وہیں روک لیا تھا۔

”فلورا کو دیکھ کر اس کی کھوپڑی بے قابو ہو جاتی ہے۔ کہیں وہ سب کچھ نہ اُگل دے۔ تم کمرے میں چلو، میں ابھی آتا ہوں۔“ نصف سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد میں سلطان شاہ کو اُردو میں ہدایت دیتے ہوئے واپس پلٹ پڑا۔

فلورا نے مجھے سیڑھیاں اُترتے دیکھ لیا لیکن لوتساں کی پُشت میری جانب تھی، اس لیے وہ خوشامدانہ لہجے میں فرنچ میں بدستور گھگھیاتا رہا۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر اس کی پُشت پر ہاتھ رکھا تو وہ خوفزدہ انداز میں بُری طرح اُچھل پڑا اور فلورا کے لیے اپنی ہنسی روکنا دشوار ہو گیا۔

”کیا کہہ رہے ہو؟ انگریزی میں کہو تاکہ میں بھی لطف اندوز ہو سکوں۔“ میں نے ہنستی ہوئی فلورا کی طرف دیکھتے ہوئے لوتساں سے کہا۔

”کچھ نہیں۔“ وہ خفت آمیز لہجے میں بولا۔ ”مادام مجھے شرمندہ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتی۔ اس کا خیال ہے کہ میں دوستی کی آڑ میں تم دونوں سے خوب مال اینٹھ رہا ہوں۔ تم ہی بتاؤ کہ یہ الزام کہاں تک درست ہے؟“

”سچی بات تو یہ ہے کہ ابھی تک لوتساں سے اس کا معاوضہ بھی طے نہیں ہوا۔“ میں نے پھولوں کی طرح کھلی ہوئی فلورا سے کہا۔ ”اور تم دیکھ رہی ہو کہ آج لنچ میں ہم نے اسے بیئر تک نہیں پینے دی۔ جو تم کہو گی، وہ اسے دے دیں گے۔“

”میں مذاق کر رہی تھی۔“ وہ اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ ”یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوتساں میرا پچھلے ہفتے کا کرایہ ابھی تک نہیں دے سکا ہے۔ میں اسی کی یاد دہانی کرانا چاہ رہی تھی۔“

”ہم اُوپر اس کا حساب بے باق کر دیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ آج یا کل تمہارا حساب ادا کر دے۔“ میں نے لوتساں کی حمایت میں کہا۔ اسے

ویسے ہوئے دو سو ڈالر کا تذکرہ میں نے گول کر دیا تھا جس پر اس کی نگاہوں میں ممنونیت اُمڈ آئی تھی۔

لوستان کی جان چھوٹ گئی اور وہ فوراً سیڑھیوں کی طرف ہولیا۔ میں نے فلورا سے مخاطب ہو کر تصدیق طلب لہجے میں دریافت کیا۔

"تو پھر آج ملاقات کرا رہی ہو نا ڈان مریسالو سے؟"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ وہ شام یا رات کو آئے گا۔" وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی "آ گیا تو ضرور ملواؤں گی۔"

"تو کیا اس کا کوئی فون وغیرہ بھی نہیں آیا؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ نہ آیا تو مجھے بڑی مایوسی ہوگی۔"

"وہ عام طور پر کسی کو مایوس نہیں کرتا میرا خیال ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔" وہ عجیب سی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی "ویسے تمہارے چلے جانے کے بعد میں تمہاری باتوں پر غور کر رہی تھی تم سچ سچ بتاؤ کہ جو کچھ کہہ رہے تھے وہ تمہارے حقیقی خیالات تھے یا زبردستی ڈان مریسالو سے ذہنی ہم آہنگی جتانے کے لیے وہ سب کہہ گزرے تھے؟"

"اس کا صحیح فیصلہ تو تم خود ہی کر سکتی ہو۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "ڈان مریسالو کے بارے میں مجھے الہام نہیں ہو سکتا تھا میں نے پہلے تمہیں اپنے خیالات سے آگاہ کیا تھا تم نے اس کے بارے میں بعد میں بتایا تھا۔"

"بس یہی ایک نکتہ تمہارے حق میں جاتا ہے۔" اس نے اعتراف کیا "ورنہ ایسے انوکھے خیالات میں نے تم دونوں کے ہی سُنے ہیں جن کو آج کا کوئی مہذب معاشرہ قبول نہیں کر سکتا۔"

"یہی تو آج کے مہذب معاشروں کا کھوٹ ہے کہ غلاظت کو قبول کر لیتے ہیں، پروان چڑھاتے ہیں مگر اسے تسلیم نہیں کرتے۔ تم نے خود کہا تھا کہ ڈان مریسالو میلان اور روم میں اتنا مشہور ہے کہ صرف نام کے سہارے اسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔"

"خیر، تم دونوں کی ملاقات میرے لیے دلچسپ ہوگی۔" اس نے گفتگو کے اختتام کا اشارہ دیتے ہوئے کہا اور میں اسے الوداع کہہ کر زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

لوستان اپنے کمرے میں تھا اور سلطان شاہ ہماری مشترکہ خوابگاہ میں صاف ستھرے بستر پر کسی اداس فلسفی کی طرح منہ لٹکائے ہوئے بیٹھا تھا مجھے دیکھتے ہی وہ بول پڑا "ہم سب کچھ پھیلا ہوا چھوڑ کر کمرہ مقفل کر گئے تھے۔ بعد میں کسی نے کمرے کی صفائی کی ہے۔ شاید تلاشی لینے کی ناکام کوشش بھی کی گئی ہے۔"

"رقم محفوظ ہے؟" میں نے متجسسانہ لہجے میں سوال کیا۔

"بم گن اور پستول بھی اسی میں تھا۔ سب کچھ جوں کا توں موجود ہے کیونکہ بیگ مقفل تھا۔"

"پھر کسی نے تلاشی نہیں لی۔" میں نے اطمینان سے کہا "تلاشی لینی ہوتی تو بیگ کسی دُشواری کے بغیر کاٹا یا اُدھیڑا جا سکتا تھا۔ صفائی کرنے والے نے ہی سامان کو اِدھر اُدھر ہلایا ہوگا۔"

"تم پاکستان فون کرنے کے بعد یک بہ یک اداس کیوں ہو گئے تھے؟" وہ مسئلہ نمٹتے ہی سلطان شاہ نے سوال کر ڈالا۔

"اداس نہیں۔ بس عجیب سے احساسِ بے بسی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ دراصل غزالہ پاکستان پہنچ چکی ہے۔"

"شکر ہے!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا "مجھے سب سے بڑی فکر یہی تھی کہ بھابی بھیڑیوں کے جنگل میں کب تک لڑتی رہے گی۔ تمہیں مبارک ہو۔ اب تم کو پہلی فرصت میں پاکستان لوٹ جانا چاہیے۔"

"آج بھی میں فون نہ کرتا تو کچھ معلوم نہ ہوتا۔ ویرا سے لیک ڈسٹرکٹ کے علاقے میں کسی بلیک کوٹین کی خونریز سرگرمیوں کی کہانیاں سُن کر مجھے تو ڈر ہو چلا تھا کہ کہیں غزالہ بھی میرے راستے پر نہ چل پڑی ہو۔ لیکن سُنا ہے کہ اس میں بڑی تبدیلیاں آ گئی ہیں۔"

"حالات تو پہاڑوں تک کی ساخت بدل دیتے ہیں جبکہ بھابی ایک مجبور عورت تھی۔ اس سے مل کر ہی تمہیں اندازہ ہو سکے گا کہ وہ اس عرصے میں کن حالات سے دوچار رہی تھی اور وہ تو اب بھی تمہارے لیے تڑپ رہی ہوگی۔"

"فی الحال میں اسے ذہن سے جھٹک دینا چاہتا ہوں۔ اس کے بارے میں بعد میں بھی سوچا جا سکتا ہے لیکن جمی لائیڈ آ پہنچا تو ہم بُری طرح گھِر جائیں گے۔ پہلے اس معاملے سے نمٹنے کی تیاری کرو۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"میں تیار ہوں۔ تم بتاؤ کہ کیا کرنا چاہتے ہو۔ بم گن کے علاوہ ہمارے پاس فاضل میگزینوں سمیت اعشاریہ تین آٹھ کے دو پستول اور چار بم موجود ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اکٹھے رہنے کے بجائے بٹ کر کارروائی کرنی چاہیے۔ وہی کامیاب رہ سکے گی۔"

"پہلے میرا ارادہ تھا کہ تم گیسٹ ہاؤس میں رہو۔ میں باہر چھپ کر اس کی واپسی کا انتظار کروں" اس طرح اندر تمہارا اس سے سامنا ہوتا لیکن مجھے یاد آیا کہ ڈیلٹا کیمپ میں ہماری بے ہوشی کے دوران میں جمی لائیڈ بہ نفسِ نفیس وہاں آ کر ہم دونوں کو دیکھ گیا تھا۔ وہ ہم دونوں کو ہی پہچان لے گا اس لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اندر کون رہتا ہے اور باہر کون۔"

"بہت فرق پڑتا ہے۔" اس نے زور دے کر کہا۔ "اس کا اصل نشانہ میں نہیں، تم ہو۔ تمہیں وہ دیکھتے ہی گولی مار دے گا اور مجھے تمہارے بارے میں کھوج نکالنے کی کوشش کرے گا اس لیے میرا سامنے آنا سود مند رہے گا۔"

اس کی دلیل میں وزن تھا۔ میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔
"یہ سمجھ لو کہ اندر تم محصور ہو کر رہ جاؤ گے۔"
"کیا فرق پڑتا ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "موت تو ایک بار ہی آنی ہے، وہ کسی طرح بھی آ سکتی ہے۔ لیکن اس مہم میں تم لوستاں سے کیا کام لینا چاہتے تھے؟ وہ ہمارے ساتھ مل جاتے تو ہمارا پلہ بھاری ہو سکتا ہے۔"
"اس سے جو کام لینا تھا لے لیا۔ اس سے آگے وہ بزدل ثابت ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ فلورا کو ہمارے عزائم سے آگاہ کر دے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ جمی لائیڈ گیسٹ ہاؤس میں گھسنے کے بعد باہر اپنے کسی آدمی سے رابطہ قائم نہ کر سکے۔" میں نے کہا۔
"تم کہیں سے فون کے تار کاٹ سکتے ہو۔ یہاں شاید ایک ہی فون ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔
"یہ تو سامنے کی بات ہے لیکن مقابلہ جمی لائیڈ سے ہے۔ اگر اس کے پاس کوئی طاقتور جیبی ٹرانسمیٹر نہ ہوا تو اس کی کار میں ایسے مواصلاتی آلات ضرور موجود ہوں گے۔ میں پہلی فرصت میں اس کی کار تباہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ چاروں طرف سے اس کی راہیں مسدود کیے بغیر اسے زیر کرنا ناممکنات میں سے ہو گا۔ تمہیں خاص طور پر بہت ہوشیار رہنا ہو گا۔ یہ سمجھ لینا کہ وہ ہم سے زچ آیا ہوا ہے۔ ہمیں دیکھتے ہی اسے اپنے سارے زخم یاد آ جائیں گے۔ سب سے بڑی شکست اسے کل اٹھانی پڑی ہے، جب میرے دھوکے میں اس نے برونو کو ہلاک کیا تھا۔"
"تم میری فکر نہ کرو۔" وہ اطمینان سے بولا۔ میرے ہلانے جُلانے کے باوجود اس نے کسی قسم کے خوف کا اظہار نہیں کیا تھا۔ "مجھے تو ہر صورت میں اس کا سامنا کرنا ہے اس لیے میرے پاس صرف ایک بھرا ہوا پستول کافی ہو گا۔ موقع مل گیا تو اسی سے کام بن جائے گا۔"
"ضروری نہیں کہ تم نہتے رہ کر اس کا سامنا کرو۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "حملہ کرنے میں پہل کا موقع مل جائے تو بے دریغ اسے موت کے گھاٹ اتار دینا۔ وہ کسی قسم کے رحم یا ہمدردی کا مستحق نہیں ہے۔"
"میں جانتا ہوں۔" وہ سر ہلا کر بہت سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اس وقت اس کی آنکھیں آنے والے لمحات کے تصور میں بلور کی طرح چمک رہی تھیں۔ "موقع مل گیا تو اسے ایک سانس کی بھی مہلت نہیں مل سکے گی۔"
اندر کے حالات غیر یقینی اور خطرناک ہو سکتے تھے جن کی وجہ سے کمرے تک ہماری دوبارہ رسائی ناممکن ہو سکتی تھی جبکہ ہم نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ رقم کے بغیر ہمارے لیے اپنی آزادی کو برقرار رکھنا ناممکن تھا اس لیے ایک بھرا ہوا پستول فاضل میگزین اور گولیوں کے ایک پیکٹ سمیت سلطان شاہ کی تحویل میں چھوڑ کر رقم کا تھیلا اور باقی اسلحہ میں نے اپنے ساتھ لے لیا۔ سلطان شاہ کی مدد سے رقم کا تھیلا میں نے شانوں کے سہارے اپنی پشت پر کس لیا تاکہ وقتِ ضرورت میری نقل و حرکت میں کوئی رکاوٹ نہ پڑے۔
ہم نے یہ طے کر لیا تھا کہ جاتے ہوئے میرا کسی سے سامنا ہوا یا بعد میں میری غیر حاضری کے بارے میں سلطان شاہ سے کوئی سوال کیا گیا تو یہی جواب دیا جائے گا کہ میں کسی لڑکی سے ملنے کے لیے گیا ہوا تھا۔
آپس میں ساری جزئیات طے کرنے کے بعد میں نے سلطان شاہ کو گلے سے لگایا اور پھر دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل گیا۔
اوپری منزل پر میدان بالکل صاف تھا۔ میں نے زینوں کی ریلنگ پر سے نیچے جھانکا تو وہاں بھی کوئی نظر نہ آیا اور میں اعتماد کے ساتھ زینے طے کرتا ہوا نیچے پہنچ گیا۔ جہاں فلورا ایک گوشے میں صوفے پر دراز اخبار کا مطالعہ کر رہی تھی۔
میرے قدموں کی آہٹ سن کر اس نے چونک کر سر اٹھایا اور اس کی آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی۔ "بڑی تیاریوں کے ساتھ نکلے ہو، کہاں کا ارادہ ہے؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔
"مارسیلز میں بھی کوئی ڈان مرسیا نو محرموں کی حاجت روائی کرتا ہو گا، اسی کی تلاش میں جا رہا ہوں۔" میں نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ذومعنی لہجے میں کہا۔
"یہ کام تو تم لوستاں سے بھی لے سکتے تھے۔ پڑوسی ہونے کے علاوہ وہ تمہارا نمک خوار بھی ہے۔"
"اپنا شکار کھیلنا چاہتا ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "نیم مردہ شکار پر گولی چلا کر شان جتانا شرفا کا شیوہ ہے۔ لوستاں ان ہی کے کام آ سکتا ہے، میرے لیے بے مصرف اور ناکارہ ہے۔"
"لیکن تم تو اپنا سامان بھی لیے جا رہے ہو۔" وہ کچھ مشکوک نظر آنے لگی تھی۔ "واپسی کا ارادہ بھی ہے یا وہیں ڈیرہ ڈالو گے؟"
"تمہیں کرایہ پیشگی دیا ہوا ہے۔ میرا ساتھی ابھی کمرے میں موجود ہے اس لیے واپسی نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر تمہارے ڈان مرسیا نو سے بھی تو ملنا ہے۔ تمہارے مقررہ وقت سے پہلے لوٹ آؤں گا۔"
"کوئی مال ٹھکانے لگانے جا رہے ہو؟" اس نے میرے قریب آ کر تجسس آمیز، رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔
میں بے رحمانہ انداز میں ہنس پڑا۔ "عورتیں واقعی وہمی ہوتی ہیں، چاہو تو بیگ کھول کر دکھا دوں کہ تمہارے گیسٹ ہاؤس کی چیزیں نہیں لے جا رہا ہوں۔ اس میں سب کچھ میرا اپنا ہے۔" میرے اس زہریلے جواب نے اسے خاموش کر دیا لیکن لمحہ بھر بعد ہی وہ

پھر بول پڑی۔

"لوستاں کی کار لے جاؤ، سہولت رہے گی۔"

"میرے پاس ڈرائیونگ لائسنس نہیں ہے اور میں مارسیلز میں کسی قانون شکنی کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کی طرف ہاتھ لہرایا اور برآمدے کی طرف ہو لیا۔

میں پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ فلورا کے گیسٹ ہاؤس آنے والا راستہ صرف ایک ہی سمت میں ایک بڑی سڑک سے ملتا تھا۔ جدھر سے شہر سے آنے والا ٹریفک علاقے میں داخل ہوتا تھا۔ مخالف سمت میں راستہ مسدود تھا یا پھر چھوٹی رہائشی گلیوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا تھا اس لیے جمی لائیڈ کے ادھر سے نمودار ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔

میں سڑک کی سمت میں چل دیا۔ چند منٹ کی مسافت کے بعد داہنی طرف مکانوں کا سلسلہ موقوف ہو جاتا تھا جس سے ذرا آگے ایک وسیع پبلک پارک میری نظروں میں آ چکا تھا۔ وہاں پہنچ کر میں کسی لاابالی اور مفلوک الحال سیاح کے انداز میں پارک میں داخل ہو گیا۔ سرد موسم اور شام کے دھندلکے کے باعث پارک میں اکا دکا عمر رسیدہ لوگوں اور چند بچوں کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔ میں نے بہت آرام کے ساتھ ٹہلتے ہوئے اپنے لیے اس تاریک گوشے کا انتخاب کیا جو فلورا کے گھر جانے والی سڑک کے قریب تھا۔ وہاں بیٹھ کر میں گزرنے والی ہر کار پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔

منصوبہ تیار تھا، کمین گاہ بھی مل گئی تھی اور مجھے مناسب وقت کا انتظار تھا جو کسی بھی لمحے آ سکتا تھا۔

گہرا اندھیرا پھیلنے پر اس پارک میں دور دور ایستادہ کھمبوں پر نارنجی روشنیاں جل اٹھیں جو اندھیرے کی دبیز چادر کے سامنے شرمسار نظر آ رہی تھیں لیکن پارک میں ان کی بھی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس وقت تک پارک خالی ہو چکا تھا۔ گھروں سے بھاگ کر آنے والے تنہائی کے متلاشی نوخیز جوڑے میری طرح کہیں کسی گوشے میں چھپے بیٹھے ہوں تو اور بات تھی ورنہ فضا میں صرف جھینگروں کا تیز شور یا مینڈکوں کی باجماعت ٹرٹراہٹ باقی رہ گئی تھی۔ اس کے ساتھ سرد ہوا کی کاٹ بھی بڑھ گئی تھی۔

ہر چند کہ وہاں مجھ سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں تھا لیکن اپنے پاس اسلحے کی موجودگی کی وجہ سے میں خود کو کسی کی توجہ کا مرکز نہیں بنانا چاہتا تھا اس لیے اس سرد موسم کے احساس کو ٹالنے کے لیے سگریٹ نوشی کی شدید خواہش کو دباتا رہا۔ وقت رینگ رینگ کر گزر رہا تھا جب میری رسٹ واچ پر آٹھ بج گئے تو اچانک مجھے احساس ہوا کہ جمی لائیڈ آخری لمحات پر اپنا پروگرام بدل بھی سکتا تھا۔ وہ فون پر فلورا کو اپنے ارادے سے باخبر کر دیتا اور میں اس کے انتظار میں پارک کی سردی میں سکڑتا رہتا۔

گیسٹ ہاؤس سے روانہ ہوتے ہوئے میں نے آخری لمحات میں فون کو ناکارہ بنانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ میری اس حرکت سے فلورا چوکنی ہو سکتی تھی پھر وہ پاکستان نہیں تھا جہاں فون خراب ہونے پر ہفتوں کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ فلورا کی شکایت پر متعلقہ محکمے کا عملہ فوراً ہی اس کے گھر پہنچ کر ٹوٹے ہوئے تاروں کا سراغ لگا سکتا تھا۔

ساڑھے آٹھ بجے مجھے اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں جمی لائیڈ کی کار آتی نظر آئی اور میں ایک گہرا سانس لے کر کھڑا ہو گیا۔ کار کی رفتار سست تھی اور وہ گیسٹ ہاؤس کی طرف رواں تھی۔ کار کو اچھی طرح پہچان کر میں نے پارک چھوڑ دیا۔ باہر نکل کر سگریٹ سلگائی اور تیز مگر ہموار رفتار سے گیسٹ ہاؤس کی طرف واپس چل دیا جہاں ایک خونریز معرکے کے سارے کردار سمٹ رہے تھے۔

جمی لائیڈ کی کار کی عقبی روشنیاں میری نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھیں لیکن مجھے اس کی منزل کا علم تھا اس لیے میں بے پروائی سے آگے بڑھتا رہا۔ آخر کار میں نے گیسٹ ہاؤس کے سامنے سے گزرتے ہوئے آہنی پھاٹک کی جھری سے دیکھا کہ سیاہ کار اندر رینالٹ کے پیچھے موجود تھی۔ گیٹ لیمپس روشن ہونے کی وجہ سے پھاٹک یا اس کے آس پاس سے اندر گھسنے کی کوشش میں میرے دیکھ لیے جانے کا امکان تھا اس لیے میں مزید آگے بڑھ کر تیزی سے اس مقام پر احاطے کی دیوار کے قریب پہنچ گیا جہاں اندر اگے ہوئے ایک تناور درخت کی شاخیں باہر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک جھکی ہوئی شاخ کو تھام کر اس کی مضبوطی کا اندازہ لگایا پھر کسی بندر کی طرح شاخوں پر ہوتا ہوا پنجوں کے بل اندر تاریک احاطے میں کود گیا۔ چند سیکنڈ تک میں سانس روکے اندر احاطے کی دیوار سے لگا بیٹھا رہا اور جب کہیں سے کوئی ردعمل سامنے نہ آیا تو عمارت کے بغلی اور عقبی حصے سے چکر کاٹ کر پورچ میں پہنچنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

پورچ میں ایک طرف دیوار میں بجلی کا بورڈ موجود تھا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ مین سوئچ آف کر کے پورے گیسٹ ہاؤس میں اندھیرا کر دوں لیکن وہ صورت حال میرے لیے خطرناک ہو جاتی کیونکہ اندھیرے میں کوئی بھی کہیں سے میری گھات لگا سکتا تھا۔ میں نے بہت محتاط اور چوکنے انداز میں جائزہ لیا کہ برآمدے اور نچلے ہال کا پورچ سے نظر آنے والا حصہ ویران پڑا ہوا تھا۔ میں نے پورچ سے ذرا آگے لوستاں کے بکھرے ہوئے تیل آلودہ کاٹن ویسٹ اور چیتھڑوں کو جمی لائیڈ کی کار کے پہلو میں رکھ کر دیا سلائی دکھائی پھر ٹھوکر سے ان جلتے ہوئے ٹکڑوں کو پورچ کے فرش پر کار کے انجن

کے نیچے سرکا دیا۔

جدید ساخت کی تمام کاروں میں ایندھن میں کفایت اور قیمت میں رعایت کے بڑھتے ہوئے رجحان کی وجہ سے دن بہ دن آہنی آلات اور پرزوں کی جگہ حتی الامکان مختلف اقسام کے پلاسٹک کا استعمال فروغ پا رہا ہے۔ میری ساری امیدیں پلاسٹک کے ایسے ہی پرزوں سے وابستہ تھیں۔ اگر پٹرول کا پلاسٹک پائپ حرارت سے پگھل جاتا تو آگ آناً فاناً میں پٹرول کی ٹنکی سمیت پوری کار کو اپنی زد میں لے سکتی تھی۔

میں شدید اضطراب اور اعصابی تناؤ کے عالم میں اس آگ کی کامیابی کا منتظر تھا۔ لوڈ کیا ہوا پستول میرے داہنے ہاتھ میں دبا ہوا تھا کہ اچانک ہی گیسٹ ہاؤس سے ایک فائر کا دھماکہ سنائی دیا۔ ایک دم توڑتی ہوئی مردانہ چیخ ابھری پھر نسوانی ہذیانی چیخیں گونجنے لگیں۔ وہ آوازیں یقینی طور پر اوپری منزل سے آئی تھیں۔ شاید جمی لائیڈ نے فلورا کی کہانی سن کر سلطان شاہ کو نیچے بلانے کے بجائے خود ہی اوپر چھاپا مارا تھا اور وہاں موت کا بھیانک کھیل شروع ہو گیا تھا۔

ابتدائی مردانہ چیخ اس قدر ادھوری اور ہیبت ناک تھی کہ میں فیصلہ نہیں کر سکا کہ سلطان شاہ اور جمی لائیڈ میں سے کون وار میں پہل کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ میرے اعصاب چیخ رہے تھے اور میں انتظار کے علاوہ کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

لمحہ بھر بعد ہی اکلوتی نسوانی چیخوں میں اور بھی کئی ہذیانی، خوفزدہ آوازیں شامل ہو گئیں۔ ساتھ ہی جمی لائیڈ کی کار کے کسی حساس حصے نے تیزی سے آگ پکڑ لی۔ میں نے بائیں ہاتھ میں دھوئیں کا ایک بم نکال لیا تھا اور کسی بھی لمحے اپنے کھیل کا آغاز کرنے کے لیے تیار تھا۔ میں نے کسی چیتے کی سی عیاری کے ساتھ جلتی ہوئی کار سے دور سرک کر دیوار کے ساتھ ایسی پوزیشن لے لی کہ کھلے ہوئے دروازے میں سے ہال کا زیادہ سے زیادہ حصہ مجھے نظر آ رہا ہے۔ پھر جوں ہی میں نے زینوں سے ایک طویل قامت اور قوی الجثہ سفید فام کو بھاگ کر ہال میں داخل ہوتے دیکھا میں نے اندھا دھند اس پر دو فائر کر دیے۔ دھماکے ضرور ہوئے لیکن اس کا کچھ نہ بگڑا۔ اسے دیکھ کر بے اختیار میرا دل ڈوبنے لگا۔

میں نے دانتوں سے دھوئیں کے بم کی پن کھینچی اور پھر اسے کھلے ہوئے دروازے سے ہال میں پھینک دیا۔ ایک فلک شگاف دھماکے کے ساتھ میری آنکھیں جل اٹھیں اور پورا بدن فضا میں اڑنے والے ذرات کی زد میں آ گیا۔ آتشیں ذرات کی بوچھار کم ہوتے ہی میں نے آنکھیں کھولیں تو سامنے کثیف اور سیاہ دھوئیں کی چادر کے بجائے سرخ سرخ شعلے ہی شعلے پھیلے ہوئے تھے۔

بارود کی چور بازاری کرنے والے نے یقیناً ہمارے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ پوری قیمت لے کر دھوئیں کے بے ضرر بموں کی جگہ سستے آتش گیر بم دے دیے تھے، جس کے نتیجے میں گیسٹ ہاؤس آگ کے بھیانک شعلوں میں گھر چکا تھا۔

جمی لائیڈ کو زندہ و سلامت زینوں سے اترتے دیکھ کر مجھے سلطان شاہ کے بارے میں وحشت ہونے لگی۔ اگر جمی لائیڈ زندہ تھا تو وہ ادھوری چیخ صرف اور صرف سلطان شاہ کی ہو سکتی تھی۔

اچانک شعلوں کے عقب سے ایک فائر ہوا اور گولی میری کھوپڑی سے چند انچ کے فاصلے پر دیوار میں پیوست ہو چکی تھی۔ شاید جمی لائیڈ نے کسی طرح میری پوزیشن دیکھ لی تھی۔ میں بے اختیار زمین پر گرا اور گھسٹتا ہوا کالی کار سے دور ہٹنے لگا کیونکہ آگ نیچے ہی نیچے اس کی پٹرول کی ٹنکی تک پہنچ چکی تھی اور ٹنکی کسی بھی لمحے دھماکے سے پھٹ سکتی تھی۔

قرب و جوار کی آبادی میں ایک کہرام برپا ہو گیا تھا۔ خوفزدہ لوگ اپنے مکان چھوڑ کر غالباً سڑک پر نکل آئے تھے۔

اگر سلطان شاہ مر گیا تھا تو جمی لائیڈ کو بھی زندہ جل کر مرنا تھا۔ میری رگوں میں لہو کے ساتھ انتقام کی بھیانک چنگاریاں بھی گردش کرنے لگیں اور میں نے دوسرا بم برآمدے میں اچھال کر جمی لائیڈ کے فرار کی وہ راہ یکسر مسدود کر دی۔

پھاٹک کے قریب میں لڑکھڑاتے قدموں پر کھڑا ہوا۔ اچانک ایک بند کھڑکی کے شیشے کو توڑتا ہوا ایک فائر ہوا۔ اس بار بھی میں بال بال بچا۔ میں نے جنون اور غصے کے عالم میں یکے بعد دیگرے کئی گولیاں اس سمت کی کھڑکیوں میں اتار دیں۔ بھاگتے ہوئے میں نے ذرا آگے ایک اور بند کھڑکی پر دو فائر کرنے چاہے لیکن ایک فائر کے بعد پستول میں صرف گھوڑا چل کر رہ گیا۔

میگزین خالی ہو چکا تھا لیکن میرے پاس اسے لوڈ کرنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ میں نے خالی میگزین زمین پر پھینک کر بھرا ہوا میگزین لوڈ کیا اور بدستور دوڑتا رہا۔ میں جمی لائیڈ کو ہوش آنے سے پہلے عقبی راستے پر بھی شعلوں کی دیوار کھڑی کر کے اس ننگِ انسانیت کے فرار کی ہر راہ مسدود کر دینا چاہتا تھا۔

پچھلا دروازہ اس وقت تک بند تھا۔ آتش گیر بم کے پہلے دھماکے نے دروازے کے چیتھڑے اڑا دیے۔ چوتھا اور آخری بم میں نے شعلوں کے درمیان اس خلا سے اندر اچھال دیا اور وہاں بھی آگ ہی آگ پھیل گئی۔

اندر سے اِکا دُکا فائروں کی آواز آتی رہی۔ شاید جمی لائیڈ اندازوں کی بنا پر میری تلاش میں گولیاں برسا رہا تھا۔ میرے پستول کے میگزین میں پوری آٹھ گولیاں موجود تھیں۔ میں جمی لائیڈ کو دہشت زدہ کرنے کی نیت سے ایک سرے سے کھڑکیوں پر فائر کرتا چلا گیا۔

مجھے اندازہ تھا کہ اندر جمی لائیڈ کے علاوہ اور لوگ بھی آگ اور دھوئیں میں گھرے ہوئے تھے لیکن اس وقت دوسروں کی زندگیاں بچانے کے لیے میں جمی لائیڈ کو فرار کا موقع نہیں دے سکتا تھا۔

جونہی میں نے نئے میگزین سے آٹھویں گولی فائر کی اچانک ایک کھڑکی کا پٹ کھلا اور شعلوں کے لہو رنگ انعکاس میں جمی لائیڈ اس خلا سے نمودار ہوتا نظر آیا۔ اس کی پیشانی خون سے رنگین ہو رہی تھی۔ میں نے غیر ارادی طور پر پستول اس کی طرف اٹھا کر ٹریگر دبا دیا لیکن کھٹ کی آواز ہو کر رہ گئی۔ دوسرا میگزین بھی خالی ہو گیا تھا۔

میں نے پوری قوت سے خالی پستول کھڑکی سے کودتے ہوئے جمی لائیڈ پر دے مارا جو اس کے بائیں پہلو پر پڑا، وہ کسی بھیڑیے کی طرح اذیت سے کراہ کر رہ گیا۔ اس کے قدم زمین سے لگتے تو میں اس کے استقبال کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ اس نے پلٹ کر ایک بار قہر، نفرت، خوف اور دہشت سے پھٹی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ اس کا بگڑا ہوا چہرہ اور زخمی پیشانی دیکھ کر میرے اندر سویا ہوا درندہ بیدار ہو گیا لیکن جمی لائیڈ نے مجھ سے دست بدست مقابلہ کرنے کے بجائے اچانک احاطے کی عقبی دیوار کی طرف دوڑ لگا دی، شاید وہ بھی نہتا رہ گیا تھا۔

بس چند ثانیوں تک اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا کیونکہ عقبی دیوار میں نکاسی کا کوئی راستہ نہیں تھا لیکن اسے دیوار پر چڑھتے دیکھ کر مجھے ہوش آیا اور میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ شاید میں اس کی ٹانگ پکڑ کر اسے دیوار سے نیچے گھسیٹ لانے میں کامیاب ہو جاتا لیکن اسی لمحے ایک ہولناک دھماکے سے زمین لرز اٹھی اور میرا توازن خراب ہو گیا۔

شاید جمی لائیڈ کی جلتی ہوئی کار کی ٹنکی دھماکے سے پھٹ گئی تھی۔ فضا میں فائر انجنوں اور پولیس کاروں کے تیز سائرنوں کا شور سنائی دینے لگا تھا، اس لیے میں اس جلتے ہوئے جہنم میں زیادہ دیر تک موجود نہیں رہ سکتا تھا۔ سامنے والے راستے سے نکلنا خطرناک تھا، اس لیے میں نے بھی عقبی دیوار پھاندنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ راستہ استعمال کر کے میں بھاگتے ہوئے جمی لائیڈ کو زیر کرنے کی ایک آخری کوشش اور کر سکتا تھا۔

میں دوسری طرف کودا تو ادھر ویرانے میں دور دور تک جمی لائیڈ کا کہیں پتا نہیں تھا۔ لمحہ بھر کے لیے میں چکرا کر رہ گیا کہ اسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا تھا۔ اس کے غائب ہونے کی ایک ہی صورت ہو سکتی تھی کہ وہ گیسٹ ہاؤس سے باہر نکل کر برابر والے کسی مکان میں کود گیا ہو لیکن وہ نہتا اور زخمی تھا، اس لیے ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

پھر تاروں بھرے آسمان کی چھاؤں میں میری نگاہ اس پر پڑ ہی گئی۔ وہ مکانات کی دیواروں سے تیس چالیس گز دور ایک کچے برساتی نالے میں اتر گیا تھا اور پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔

اسے دیکھتے ہی میرے بدن میں توانائی کی نئی لہر عود کر آئی اور میں نے بھی اس کے تعاقب میں دوڑ لگا دی۔ اس وقت مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ میں نے خالی پستول جمی لائیڈ پر نہ کھینچ مارا ہوتا تو اس وقت اطمینان سے اسے دوبارہ لوڈ کر کے اس مفرور بھیڑیے کو بہ آسانی جہنم واصل کر سکتا تھا۔ میرے پاس اس وقت صرف بیم گن رہ گئی تھی جس کی رینج ناکافی تھی، اگر میں کسی طرح اس کے قریب پہنچ جاتا تو اسے بہ آسانی بیم گن کی مہلک شعاعوں کا نشانہ بنا سکتا تھا۔

نالے کی ریتیلی تہ میں دوڑنا میرے لیے دشوار ہو رہا تھا۔ جمی لائیڈ نے مجھے اپنے تعاقب میں آتے دیکھ لیا تھا، وہ زخمی تھا اور نفسیاتی طور پر اس وقت مغلوب بھی، اس لیے اس نے رک کر مجھ سے بھڑنے کا کوئی خطرہ مول نہیں لیا بلکہ سر دھڑ کی بازی لگا کر اس ویران نالے میں دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

میں بھی پوری قوت سے دوڑتا رہا تھا لیکن مسلسل بڑھتے ہوئے درمیانی فاصلے کی بنا پر میں نے اندازہ لگا لیا کہ میری جدوجہد بے سود تھی کیونکہ میں دوڑنے میں جمی لائیڈ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے بری طرح ہانپتے ہوئے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیے اور رفتار ختم ہوتے ہی تھکے ہوئے انداز میں نالے کی ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر بیٹھ گیا۔

پیچھے کافی فاصلے پر گیسٹ ہاؤس کی دو منزلہ عمارت سے اس وقت فلک بوس شعلے اور کثیف دھوئیں کے گھرے بادل امڈ رہے تھے۔

میرا سینہ کسی لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا، دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا، نگاہوں کے سامنے رنگ برنگے گنجان دائرے رقصاں تھے اور ذہن پر ایک لامتناہی سناٹا، ایک بیکراں سکوت طاری تھا جیسے سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت سلب ہو کر رہ گئی ہو۔ میں کافی دیر تک وہاں یوں ہی بیٹھا رہا، رفتہ رفتہ میرا ذہن صاف ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ وہ جنگ میں نے جوش اور جنون میں ہار دی تھی جب کہ جمی لائیڈ آخری لمحے تک اپنے ہوش و حواس برقرار رکھ کر وہ معرکہ جیت گیا تھا۔

آخری لمحات میں بھی وہ اندر آگ اور دھوئیں میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود میرے دوسرے راؤنڈ کے فائر گن رہا تھا اور ٹھیک آٹھواں فائر ہوتے ہی پھرتی کے ساتھ کھڑکی سے باہر نکلا تھا تاکہ مجھے نیا میگزین ڈالنے یا پرانا میگزین دوبارہ لوڈ کرنے کی مہلت دیے بغیر مجھ پر ٹوٹ پڑے اور میں نے اپنا خالی پستول اس پر پھینک کر اس کا کام آسان کر دیا۔

وہ کمپیوٹرز، ٹرانسسٹرز اور بے شمار دوسری جدید سائنسی ایجادات کے سہارے ہیروئن اور اسلحے کی تجارت اور جرائم کی دنیا کے ایک

بڑے حصے پر راج کر رہا تھا لیکن اس پر میرے ہاتھوں بُرا وقت آیا تو ان میں سے کوئی چیز اس کے کسی کام نہ آسکی۔ وہ زخمی حالت میں پیدل، ایک برساتی نالے کی راہ سے فرار ہونے پر مجبور ہو گیا۔

وہ میرا اصل نشانہ تھا لیکن جلتی ہوئی عمارت سے وہی نکل بھاگا تھا وہاں موجود کم از کم پانچ دوسرے انسانوں کے بارے میں کوئی قیاس نہیں کیا جاسکتا تھا کہ ان میں سے کون زندہ تھا؟ کسے گولیاں چاٹ گئی تھیں اور کسے شعلوں نے راکھ کر دیا تھا لیکن نہیں، ان میں سے کم از کم ایک کے بارے میں مجھے پورا یقین تھا کہ وہ زندہ نہیں بچا تھا۔

میرے لیے وہ عجیب دن تھا کہ ایک طرف پاکستان سے گمشدہ غزالہ کی واپسی کی خوشخبری ملی تھی تو دوسری طرف سلطان شاہ جیسے جاں نثار اور بے خوف ساتھی کی موت کا غم چھاتی پر سوار ہو گیا تھا۔

جمی لائیڈ کا زندہ بچ نکلنا اس بات کا ثبوت تھا کہ فائر کے بعد ابھرنے والی دردناک ادھوری چیخ سلطان شاہ کی تھی۔ اگر وہ اس ہلکے فائر سے صرف زخمی بھی ہوا تھا تو کوئی مدد پہنچنے سے پہلے یقیناً میری لگائی ہوئی آگ نے اسے اپنے نرغے میں لے لیا ہوگا کس قدر دردناک تھی اس کی موت کہ اس کی آخری رسوم بھی اس کے مذہب کے مطابق ادا نہیں کی جاسکتی تھیں۔

اگر اس کی لاش ناقابلِ شناخت ہوتی یا گیسٹ ہاؤس کے سارے مکین مر گئے ہوتے تو اس کی آخری رسوم رومن کیتھولک عقیدے کے مطابق ادا کی جاتیں اور فلورا یا لوستاں میں سے کوئی اس کی لاش پہچانتا تو اسے ہندی نژاد راما نند قرار دیتا اور لاش کی باقیات کو چتا میں ڈال کر آگ دکھا دی جاتی۔

اس مخلص اور مہربان دوست کی یاد میں میرا دل بھاری ہونے لگا اور پھر میری آنکھوں سے آنسوؤں کی موٹی موٹی لڑیاں بہہ نکلیں۔

خشک برساتی نالہ تاحدِ نظر ویران پڑا ہوا تھا رشی کا بے تاج بادشاہ اور جہاز رانی کی صنعت کا حکمران اپنے زخموں کو چاٹتا رات کے اندھیرے میں کہیں معدوم ہو چکا تھا اور میں نالے کی ٹھنڈی ریت پر بیٹھا سلطان شاہ مرحوم کی یاد میں سسکیوں سے رو رہا تھا۔

مرنے والے، بڑے بڑے نادر الوجود لوگ مر جاتے ہیں، زندہ رہ جانے والے ان کی یاد میں کچھ روز آنسو بہاتے ہیں پھر وقت ان کے دلوں کا زخم دھیمے دھیمے مندمل کر کے انھیں کسی اور راستے پر ڈال دیتا ہے ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے اور سلطان شاہ کے ساتھ بھی یہی ہونا تھا۔ بھلا مرنے والوں کو عمر بھر کون روتا ہے لیکن جب روتا ہے تو میری طرح روتا ہی چلا جاتا ہے۔

جمی لائیڈ کا دوڑتا ہوا ہیولا میری نگاہوں سے معدوم ہو چکا تھا۔ رات کی گھمبیر تاریکی اسے دیکھتے ہی دیکھتے اپنی آغوش میں نگل گئی تھی۔ اس وقت نالے میں دُور دُور تک کسی ذی رُوح کا سایہ تک نظر نہیں آرہا تھا۔ میری آنکھوں میں، سُلطان شاہ کی یاد میں نمی کی گہری دُھندلاہٹ کی چادر تن گئی تھی۔ میں نے پلٹ کر گیسٹ ہاؤس کی طرف دیکھا جو اس وقت دور ہی سے دیکھا اور پہچانا جاسکتا تھا کیونکہ کہر کے باوجود اس عمارت میں بھڑکتے ہوئے لہو رنگ شعلے اور کثیف دُھواں اُگلتی ہوئی پٹرول کی آگ واضح نظر آرہی تھی۔

سائرنوں کی کئی آوازیں غالباً جائے واردات پر دم توڑ چکی تھی لیکن ان کی کمک میں شہر کے دوسرے حصوں سے آنے والی گاڑیوں کے سائرنوں کا آسیبی شور اس وقت بھی فضا میں گھٹتا بڑھتا سنائی دے رہا تھا۔ میں اس وقت گیسٹ ہاؤس کے عقب میں اس خشک برساتی نالے میں تقریباً ایک فرلانگ دُور تھا۔ معاً مجھے احساس ہوا کہ میرے لیے وہ فاصلہ غیر محفوظ تھا۔ اس عمارت میں صرف آگ ہی نہیں لگی تھی جو قرب و جوار میں رہنے والے اسے اتفاقی حادثہ سمجھ لیتے، وہاں آتشگیر بارودی بموں کے ہولناک دھماکے ہوئے تھے، دونوں طرف سے بڑے بور کے پستولوں سے دل کھول کر فائرنگ کی گئی تھی۔ ان حالات کی بنا پر کوئی بھی ذی فہم شخص بآسانی یہ سمجھ سکتا تھا کہ وہ آتش زنی کسی خون ریز تصادم کے نتیجے میں رُونما ہوئی تھی۔ اس طرح مکانات کے عقب سے گزرنے والا وہ خشک برساتی نالہ کسی بھی لمحے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن سکتا تھا۔

گیسٹ ہاؤس کی جلتی ہوئی عمارت کے سامنے دہشت زدہ .... پڑوسیوں اور خوف زدہ تماشائیوں کا ہجوم جمع تھا، اس لیے محکمۂ پولیس کا ہر افسر سمجھ سکتا تھا کہ اس تصادم اور آتش زنی سے اگر کوئی محفوظ رہا تھا تو اس نے فرار کے لیے سامنے والے راستے کے بجائے عقبی ویرانے کا سہارا لیا ہوگا۔ ذہن میں وہ امکان واضح ہوتے ہی میں اضطراری طور پر ٹھنڈی ریت سے اٹھ گیا اور جیکٹ کی آستین سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اسی طرف چل پڑا جدھر جمی لائیڈ غائب ہوا تھا۔ اس بار میں نے نالے کی تہ میں چلتے ہوئے یہ احتیاط رکھی تھی کہ وسطی حصہ چھوڑ کر بائیں کنارے کے ساتھ چل رہا تھا تاکہ کہیں سے کوئی نمودار ہو تو پھرتی کے ساتھ نیچے بیٹھ کر خود کو نالے کی کچی، بغلی دیوار کی اوٹ میں چھپا سکوں

وہ میری زندگی کا عجیب ترین دن تھا جب میں
نے ایک بڑی خوشی خبری سننے کے ساتھ ساتھ اپنے دل
پر ایک گہرا گھاؤ بھی کھایا تھا۔ پاکستان میں کراچی میرا شہر
تھا۔ لاہور میں میرے گھر والوں نے مجھے ٹھکرا دیا تو کراچی
کی نرم اور شفیق آغوش نے بڑی محبت سے مجھے اپنا لیا تھا۔

یہ شہر ہی ایسا غریب پرور ہے کہ اپنے بیگانوں سب کو اپنی
وسعتوں میں کہیں نہ کہیں جذب کر لیتا ہے۔ وسیع و عریض
بنگلوں اور بلند و بالا عمارتوں سے لے کر فٹ پاتھوں اور
ندی نالوں کے کنارے تک ہر وقت نئے آنے والوں کا انتظار
کرتے رہتے ہیں۔ یہ آنے والے کی جیب اور ہمت پر منحصر
ہے کہ وہ شہر کے کس گوشے میں بستا ہے اور میرا یار جہانگیر
اسی شہر کی ایک آسودہ بستی میں رہ کر ہیروئن کا کاروبار چلا رہا
تھا۔ اس سے مجھے خبر ملی تھی کہ میری غزالہ سفید زندگی
کے غول کو سپا کرتی ہوئی، آخر کار بخیر و عافیت میرے شہر
کی فصیل میں پہنچ گئی تھی جہاں وہ ہر طرح سے محفوظ اور
مامون تھی لیکن اسی کے ساتھ میرا ازلی رقیب اور حریف،
جمی لائیڈ سلطان شاہ کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب
ہو گیا تھا۔ سلطان شاہ کی اندوہناک موت کے اندیشوں نے
غزالہ کی بازیابی کی خوشی کو نگل لیا تھا۔ اس وقت مجھے
احساس ہو رہا تھا کہ محبت انسان کو کسی سے بھی ہو سکتی
ہے۔ یہ پاکیزہ جذبہ جنس اور صورت کا ذرا بھی محتاج نہیں
ایسا نہ ہوتا تو ایک ہم نفس دوست اور ساتھی کا صدمہ غزالہ
کی بازیابی کی بے حساب خوشی پر کسی طرح غالب نہیں
آ سکتا تھا۔

فون پر جہانگیر سے گفتگو کے فوراً بعد میرے ذہن میں
اس امکان نے جنم لیا تھا کہ مارسیلز میں وہ میری آخری رات
تھی۔ فلورا کے گیسٹ ہاؤس میں جمی لائیڈ سے معرکے کے
بعد میں شی اور جمی لائیڈ کے حواریوں پر لعنت بھیج کر پاکستان
روانہ ہو جاتا جہاں وفا کی نادیدہ زنجیروں کی اسیر غزالہ میرے
انتظار میں بے تابی سے دن گزار رہی تھی لیکن جمی لائیڈ بہت
عیار اور مکار شخص تھا۔ اس نے نہایت آسانی کے
ساتھ میرے تمام اندازوں کو مات دے دی تھی اور کسی
چکنی مچھلی کی طرح زیر ہوتے ہوتے صاف نکل گیا تھا۔
اس کی خوبی یہ تھی کہ اس پر اچانک اور ناگہانی ایک افتاد
نازل ہوئی تھی مگر وہ اپنی حاضر دماغی کی بنا پر اس ہولناک
صورت حال سے بچ نکلا تھا جب کہ ہم پیشگی تیاریوں اور
منصوبہ بندی کے باوجود اسے ٹھکانے لگانے میں کامیاب نہیں
ہو سکے تھے۔ وہ زندہ تھا اور زخم کھائے ہوئے سانپ کی
طرح مجھ پر کسی بھی وقت مہلک وار کر سکتا تھا۔

ڈیرل کے ہمراہ جمی لائیڈ کی نیم بکتر بند مرسڈیز کار
میں سینٹ فرانسس کے علاقے سے فرار ہوتے ہوئے میں نے
بروونواشمٹ کی موجودگی سے انکار کر کے جمی لائیڈ کو یہ تاثر
دینا چاہا تھا کہ وہ مجھے اپنے جال میں پھانس کر مرسڈیز کے
ساتھ دھماکے میں اڑانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس تاثر
کے بعد وہ یقینی طور پر کم از کم اس وقت تک مجھے بھولا رہتا
جب تک کار کے ڈھانچے سے ملنے والے لوتھڑے برونوشمٹ
کی لاش کی صورت میں نہ پہچان لیے جاتے مگر فلورا کے گیسٹ
ہاؤس میں مجھے دیکھتے ہی اس کی غلط فہمی دور ہو گئی تھی اور
اب وہ کسی بھی لمحے، پوری قوت کے ساتھ کسی سمت سے
بے خبری میں مجھ پر وار کر سکتا تھا اس لیے مجھے بہت زیادہ
محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

گیسٹ ہاؤس میں ہونے والے بھیانک تصادم میں
میں نے بہت کچھ گنوایا تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ جمی لائیڈ
کی گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم کا بیشتر حصہ
میری پشت پر کسے ہوئے تھیلے میں موجود تھا، جس کے سہارے
میں بہت سی سہولتیں خرید سکتا تھا۔

چلتے چلتے معاً مجھے خیال آیا کہ جمی لائیڈ کی حالت
بہت ابتر تھی۔ مریا پیشانی کے کسی زخم سے بہنے والے خون نے
اس کا چہرہ رنگین کیا ہوا تھا۔ میرے خالی پستول کی آہنی ضرب
نے آخر میں اس کی پنڈلی بھی زخمی کر دی تھی۔ اس کا لباس آگ
دھوئیں اور خون کے دھبوں سے آلودہ تھا۔ اس حالت میں
وہ خشک نالے میں تو چھپ سکتا تھا لیکن کسی بھی آبادی کا رخ
کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا جہاں سے اس کے لیے
کوئی سواری پکڑ کر اپنے ٹھکانے پر پہنچنا ممکن ہوتا۔ وہ خیال
آتے ہی غیر ارادی طور پر میرے ہاتھ اپنے چہرے پر چلے گئے
لیکن وہاں کوئی غیر معمولی جغرافیائی تبدیلی رونما نہیں ہوئی
تھی۔ اس وقت مجھے اپنی حماقت پر غصہ آیا کہ میں نے تھکے ہوئے
انداز میں ٹھنڈی ریت پر بیٹھ کر کافی وقت ضائع کر دیا تھا۔

وہ خشک برساتی نالہ جمی لائیڈ کے لیے لاکھ محفوظ
سہی لیکن اسے کہیں نہ کہیں ختم ہونا تھا۔ جس کے بعد جمی لائیڈ کو
رک کر نئی راہ کے بارے میں سوچنا پڑتا۔ اگر میں رکے بغیر سست
رفتاری کے ساتھ بھی اپنی پیش قدمی جاری رکھتا تو کہیں نہ
کہیں اس کو دوبارہ گھیر سکتا تھا۔ جھلاہٹ میں میری رفتار تیز
ہو گئی۔ مجھے اس بات کا اطمینان تھا کہ اگر میں نہتا ہو چکا تھا

تو جمی لائیڈ بھی خالی ہاتھ تھا۔ اس سے دوبارہ سامنا ہوتا تو وہی حریف غالب آسکتا تھا جو زیادہ شہ زور ہوتا۔ جمی لائیڈ نے میرے مقابلے سے فرار ہو کر گویا بھی عملاً مجھے اپنی بالادستی کا احساس دلا دیا تھا اور پوری سچویشن کا صحیح اندازہ ہوتے ہی میں اس سے ایک بار پھر ٹکرا جانے کے لیے بے چین ہو گیا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے جمی لائیڈ کو ہمیشہ کے لیے سرنگوں کرنا رفتہ رفتہ میرے لیے اپنی انا کا مسئلہ بنتا جا رہا تھا جسے نظر انداز کرنا میرے بس سے باہر تھا۔

نالے کا رُخ رفتہ رفتہ آبادی سے دُور ہوتا جا رہا تھا۔ گیسٹ ہاؤس کی عقبی دیوار نالے سے چند گز دُور تھی۔ مگر اب دُھند میں مکانات اپنے فاصلے کی وجہ سے معدوم ہو کر رہ گئے تھے۔ بند کھڑکیوں کے شیشوں سے نظر آنے والی کمزور روشنیوں سے ہی یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ میرے بائیں طرف ابھی بھی گنجان آبادی کا سلسلہ موجود تھا۔

پھر یکایک میرے کانوں میں ایک مانوس سی آواز آئی، میرے بدن میں خوف کی سرد لہر سرایت کر گئی، قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے اور میں غیر ارادی طور پر نالے میں آگے کی طرف بڑھے ہوئے مٹی کے ایک ٹیلے کی اوٹ میں ہو گیا۔

اس امر میں کسی شبے کی گنجائش نہیں تھی کہ وہ کسی ہیلی کاپٹر کے انجن کا شور تھا جو تیزی سے قریب آتا جا رہا تھا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کہر آلود، تاریک آسمان میں ہر طرف دیکھا لیکن اس مشینی آسیب کی نشان دہی میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ شاید تمام روشنیاں بجھا کر ان اطراف میں پرواز کر رہا تھا پھر اس کی آواز پر کان جمانے سے اندازہ ہوا کہ ہیلی کاپٹر کا ہواباز کہر اور تاریکی سے جنم لینے والے خطرات کی پروا کیے بغیر خاصی نیچی پرواز کر رہا تھا۔

غالباً گیسٹ ہاؤس کی عمارت میں آتش زنی، بارودی دھماکوں اور فائرنگ کے بعد پولیس کے محکمے کے جو افسران جائے واردات پر پہنچے، وہ بہت زیادہ مستعد اور ذہین تھے۔ تماشائیوں اور پڑوسیوں نے گیسٹ ہاؤس سے کسی کو باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لہٰذا ان افسران نے عمارت کا سرسری جائزہ لیتے ہی نتیجہ اخذ کر لیا تھا کہ ملزم عقبی دیوار پھاند کر اس برساتی نالے کے ذریعے فرار ہوئے ہوں گے، اسی وجہ سے انھوں نے ذرا بھی مہلت دیے بغیر پورے محکمے کو چوکنا کر دیا تھا جس کے نتیجے میں محکمۂ پولیس کا ہیلی کاپٹر اس خشک برساتی نالے پر نیچی پرواز کر کے فرار ہونے والوں کو تلاش کر رہا تھا۔ اس ہیلی کاپٹر میں کسی روشنی کا نہ ہونا تعجب خیز ہی نہیں بلکہ ہوابازی کی مبادیات کے منافی تھا۔ کہر اور اندھیرے میں ہیلی کاپٹر کسی بدترین حادثے کا شکار ہو سکتا تھا لیکن میرے ذہن نے فوراً ہی اس سوال کا جواب بھی تلاش کر لیا۔ اس وقت میں پاکستان میں نہیں بلکہ فرانس میں تھا جہاں مجرموں کے ساتھ ساتھ پولیس کا محکمہ بھی جدید ترین ہتھیاروں اور سہولتوں سے لیس تھا عین ممکن تھا کہ ہیلی کاپٹر کے عملے کے پاس اندھیرے میں دُور تک دیکھنے والی خصوصی عسکری عینکیں موجود ہوں جن کی مدد سے وہ نالے کی پوری تہ کا مشاہدہ کر رہے ہوں۔

پلک جھپکتے میں وہ سارے خیالات میرے ذہن میں آ کر گزر گئے۔ اس دوران میں نادیدہ ہیلی کاپٹر کے انجن اور پنکھوں کا جھٹکے دار شور اور قریب آ گیا تھا پھر اچانک ہی فضا میں نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی ایک تیز سرچ لائٹ روشن ہوئی جس کا رُخ زمین کی طرف تھا اور وہ آہستہ آہستہ زاویہ بھی بدل رہی تھی۔

میرے لیے وہ صورت حال لرزہ خیز تھی۔ میں جہاں موجود تھا، وہ جگہ غیر محفوظ تھی۔ سرچ لائٹ کا رُخ بدلتے ہی ہیلی کاپٹر سے میرا دیکھ لیا جانا یقینی تھا لیکن میں وہاں سے بھاگ کر کہیں اور بھی نہیں جا سکتا تھا۔ میں روشنی کے اس متحرک مخرج پر نظریں جمائے اپنی جگہ چوکنا بیٹھا ہوا تھا۔ ہیلی کاپٹر والے اگر اس سرچ لائٹ کو قدرے بائیں طرف گھمانے کا ارادہ کر لیتے تو میں اُن کی نظروں میں آ سکتا تھا۔ اس وقت میری حالت کسی ایسے خوف زدہ چوپائے جیسی ہو رہی تھی جسے چاروں طرف سے خونخوار بھیڑیوں نے گھیر رکھا ہو۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میری لمحہ بھر کی غفلت اس وقت میرے لیے زندگی بھر کا ناقابل برداشت عذاب بن سکتی تھی۔

فضا میں کسی اِنسان کے چلانے کی آواز سُن کر میں چونکا، غیر ارادی طور پر میری نگاہیں سرچ لائٹ سے ہٹ کر انسانی آواز کے تعاقب میں لگ گئیں اور بے اختیار میرے منہ سے اطمینان کا ایک سانس آزاد ہو گیا۔ وہ اِنسانی ہیولا میری نگاہوں کے لیے اجنبی نہیں تھا۔

تاریکی سے جمی لائیڈ لنگڑاتا ہوا نمودار ہوا تھا اور فرنچ میں کچھ چلاتے ہوئے دوڑ کر سرچ لائٹ کی زمین پر پڑنے والی روشنی کی زد میں پہنچنا چاہ رہا تھا۔ میرے ذہن پر پڑے ہوئے پردے یک بیک سمٹ گئے۔

وہ پولیس ہیلی کاپٹر نہیں تھا۔ نہ اس کے عملے کے پاس اندھیرے میں دُور تک دیکھنے والی عسکری عینکیں موجود تھیں بلکہ وہ کشتی کی مقامی تنظیم کے آدمی تھے جو قانون کے محافظوں سے چوری چھپے اپنے زخمی باس کو اس خشک برساتی نالے

سے نکال لے جانے کے لیے آئے تھے، اسی لیے انھوں نے
ہیلی کاپٹر کی روشنیاں گُل کر رکھی تھیں اور وقفے وقفے سے
سرچ لائٹ سے تلاش اور اشاروں کا کام لے رہے تھے، جسے
پہچان کر زخمی جمی لائیڈ آخر کار اپنے بھٹ سے باہر نکل
پڑا تھا تاکہ ہیلی کاپٹر کی مدد سے کسی کی نظروں میں آئے بغیر
وہاں سے فرار ہو سکے۔

اس صورتِ حال کا اندازہ لگاتے ہی مجھے یقین ہو
گیا تھا کہ گیسٹ ہاؤس کے معرکے میں میری طرح، اضطراب اور
ہیجان کے باعث جمی لائیڈ نہتا ضرور ہو گیا تھا لیکن اس
کے قبضے میں کوئی طاقت ور جیبی ٹرانسمیٹر یقیناً رہ گیا تھا جس
کے ذریعے اس نے مارسیلز میں شی کے کسی ذمے دار سے
اپنے لیے ہیلی کاپٹر کی مدد طلب کی تھی لیکن وہ جس مجنونانہ
انداز میں چیختا اور ہاتھ لہراتا ہوا، خشک ریت پر متحرک روشنی
کی چادر کی طرف دوڑ رہا تھا اس سے پتا چل رہا تھا کہ جمی لائیڈ
کا ٹرانسمیٹر کے ذریعے ہیلی کاپٹر سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔

جُوں ہی وہ دوڑتا ہوا روشنی کی زد میں آیا، میں نے
دیکھا کہ اس نے اپنے چہرے پر سیاہ نقاب چڑھایا ہوا تھا
جس کا مطلب تھا کہ ہیلی کاپٹر والوں کے لیے جمی لائیڈ کے
چہرے میں وہ ایک اجنبی شخص ہوتا۔ سیاہ نقاب لگا کر سلور
آئی کے دو سکّوں کے ذریعے وہ اپنی شناخت سپر آئی مین کے
طور پر کرا سکتا تھا۔

جمی لائیڈ کے چہرے پر نقاب دریافت کرتے
ہی پوری صورتِ حال روزِ روشن کی طرح مجھ پر عیاں ہو گئی
تھی۔ نہ وہ ہیلی کاپٹر والوں کو جانتا تھا نہ وہ اسے، اس کی
اصلی صورت میں پہچانتے تھے۔ انھیں تو شاید خشک برساتی
نالے سے اپنے سپر آئی مین کو صحیح سلامت نکال لے جانا
تھا جس کی پہچان صرف اور صرف دو طلائی سکّوں پر مشتمل تھی
جن پر چاندی سے انسانی آنکھ ڈھلی ہوئی تھی۔

اس وقت میرے سامنے دو ہی راستے تھے۔ جمی لائیڈ
کو ہلاک کر کے اس کی نقاب اور سکّوں پر قبضہ کرتا اور اس
کا روپ دھار کر ہیلی کاپٹر والوں کی مدد سے وہاں سے فرار
ہو جاتا لیکن اسلحے کے بغیر وہ کام بہت کٹھن ثابت ہوتا۔ جمی لائیڈ
زخم خوردہ ضرور تھا لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ بے پناہ تجربے اور
قوت کا مالک تھا۔ اُسے زیر کرنے والے کو دانتوں پسینہ
آجانا لازمی تھا۔

دوبدو مقابلے کے طول کھینچنے کی صورت میں ہیلی کاپٹر
والے بھی نیچے دو افراد کو لڑتے دیکھ کر اندازہ لگا سکتے تھے کہ ان
میں سے ایک ان کا سپر آئی مین اور دوسرا اس کا حریف تھا، مقابلے
کی شدّت کو دیکھتے ہوئے وہ ہیلی کاپٹر لینڈ کرا سکتے تھے یا اُوپر
سے ایک دو آدمی سپر آئی مین کی مدد کے لیے نیچے کُود سکتے تھے۔
میرے لیے وہ دونوں ہی صورتیں مہلک ثابت ہو سکتی تھیں۔
سب سے بہتر راہ یہ ہو سکتی تھی کہ ہیلی کاپٹر والوں کو کچھ سمجھنے
کا موقع دیے بغیر جمی لائیڈ کو آناً فاناً میں اتنا بدحواس کیا جائے
کہ اس کی جگہ مجھے ہیلی کاپٹر پر سوار ہونے کا موقع مل جائے۔
اُسے ہلاک کرنے کی کوئی بھی کوشش کامیاب یا ناکام تو بعد
میں ہوتی، اس سے پہلے ہی میرے لیے بھیانک خطرات پیدا
ہو جاتے جن سے بچنا کسی بھی طرح ممکن نہ ہوتا، اس لیے وقتی
طور پر جمی لائیڈ کو بھول کر مجھے اپنی کھال بچانی تھی۔

ہیلی کاپٹر والوں نے سرچ لائٹ کی تیز روشنی کی زد میں
آئے ہوئے جمی لائیڈ کو دیکھ لیا تھا کیونکہ پرواز کرتے ہوئے،
جمی لائیڈ کو اندھیرے میں چھوڑ کر ہیلی کاپٹر تیزی کے ساتھ قلابے
اُوپر اٹھ کر ایک بڑے دائرے کی صورت میں بائیں طرف مڑا
تھا۔ شاید وہ لوگ چکر کاٹ کر ہیلی کاپٹر کو بہتر پوزیشن میں
جمی لائیڈ کے قریب لانا چاہ رہے تھے۔

جمی لائیڈ کا نقاب پوش انسانی ہیولا ایک بار پھر
گھپ اندھیرے میں معدوم ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ صورتِ حال
صرف چند لمحوں کے لیے برقرار رہنا تھی، اتنی دیر میں ہیلی کاپٹر
اپنا چکر پورا کر کے دوبارہ اس علاقے کو منور کر دیتا۔ مجھے جمی
لائیڈ کی پوزیشن کا اندازہ تھا لہٰذا میں نے پوری قوت کے
ساتھ اس کی طرف دوڑ لگا دی۔

ریت، جو جمی لائیڈ کے تعاقب کے وقت میری رفتار
پر بُری طرح اثر انداز ہوئی تھی، اس وقت میری مددگار بن گئی
تھی۔ ریت کے اس نرم قالین پر میرے قدموں کی آواز نہ ہونے
کے برابر تھی، پھر میں نے تاریکی میں جمی لائیڈ کی آواز سنی۔ وہ
تاریکی میں خود کو تنہا اور محفوظ سمجھتے ہوئے فرنچ زبان میں غالباً
ٹرانسمیٹر پر کسی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس
کی سرد اور جذبات سے عاری آواز میں اس وقت جھلاہٹ
کا عنصر بہت غیر فطری محسوس ہو رہا تھا۔

جب تاریکی میں اس کا ہیولا نظر آیا تو میرا دل خوشی
سے اچھل پڑا۔ اس وقت میرے ستارے واقعی یاوری کر رہے
تھے کیونکہ نقاب پوش جمی لائیڈ کی پشت میری جانب تھی
اور وہ داہنے ہاتھ میں تھاما ہوا ٹرانسمیٹر منہ کے قریب لا کر اس
میں مسلسل غرّائے جا رہا تھا جب کہ دوسری طرف سے ملنے سے
ریڈیائی شور کے علاوہ کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔

اس وقت پہلی بار میں نے اس کی زبان سے جیف کا نام
سنا یعنی وہ ٹرانسمیٹر پر مارسیلز میں شی کے آئی مین ۔۔۔۔

جیف ڈارلنگٹن سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ ڈان مرسیانو کے رُوپ میں جیف کا ایک بے تکلف دوست تھا لیکن جمی لائیڈ یا سُپر آئی مین کے نام سے اس کا سخت گیر سربراہ تھا جس سے جیف ہی کیا، شی کا ہر کارندہ لرزتا تھا۔

میں نے ایک غیر محسوس لمحے کے لیے رُک کر اگلے قدموں پر اپنے بدن کا توازن درست کیا اور پھر پوری قوت سے اس پر ٹوٹ پڑا۔ ہیلی کاپٹر کی دُور ہوتی ہوئی آواز مجھے رُخ بدل کر قریب آتی ہوئی محسوس ہوئی مگر انھوں نے سرچ لائٹ گُل کی ہوئی تھی۔ میرے پاس بالکل بھی وقت نہیں تھا۔ میں نے ایک واضح ارادے اور تیاری کے ساتھ حملہ کیا تھا جب کہ جمی لائیڈ بے خبر اور قدرے مطمئن تھا، اس لیے میرے دونوں ہی نشانے بار آور ثابت ہوئے۔ جسموں کے تصادم کے ساتھ ہی میں نے دائیں ہاتھ سے جھپٹا مار کر اس سے ٹرانسمیٹر چھین لیا اور بائیں ہاتھ سے اس کے چہرے سے سر تک منڈھا ہوا، نائیلون کا غلاف نما نقاب مُٹھی میں جکڑ لیا۔

جمی لائیڈ نے جھکائی دے کر نکل جانے کی کوشش کی۔ میں خود بھی اپنے مخصوص مقاصد کے تحت اس سے زیادہ مار دھاڑ میں اُلجھنا نہیں چاہتا تھا اس لیے ٹرانسمیٹر اور نقاب میرے قبضے میں آ گیا اور جمی لائیڈ دُور جا کھڑا ہوا۔

"میں تمھیں فنا کر دوں گا۔" وہ پلٹ کر بھاری اور بھرّائے لہجے میں بولا۔ "میرے منہ آنے والوں کو مرنے کے بعد زمین کی گود تک میسّر نہیں ہوتی۔ اس وقت تمھاری شامت ہی تمھیں اِدھر لائی ہے۔"

"ضرور لائی ہوگی۔" میں نے اپنے دل کی بے قابو دھڑکنوں کی پروا کیے بغیر بے خوفی کے ساتھ کہا۔ "مجھے ذرا احتیاط سے فنا کرنا کیونکہ اب میں جمی لائیڈ ہوں اور تم میرے جانی دشمن۔۔۔۔" اپنی بات مکمل کرنے سے پہلے ہی میں نے پھُرتی کے ساتھ وہ چست، مضبوط اور لچک دار نقاب اپنے سر سے گردن تک چڑھا لیا جو لمحہ بھر پہلے جمی لائیڈ کے چہرے پر تھا۔

وہ صورتِ حال کی نزاکت بھانپ گیا اور مجھ پر جھپٹ پڑا۔ اس کی زد سے بچتے بچتے بھی اس کا ایک گھونسا میرا بایاں بازو سہلا گیا۔

"گھٹیا مجرموں کی طرح مار دھاڑ کے بجائے میری بات شرفا کی طرح غور کرو۔" میں نے ایک بار اسی کی کہی ہوئی بات دہراتے ہوئے کہا۔ "ہیلی کاپٹر آنے والا ہے۔ میں آئی مین ہوں اور بہ آسانی سُپر آئی مین ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہوں کیونکہ تم ایک بے ایمان آئی مین ہو۔ تم نے دھوکے سے میری ایک سلور آئی چھین لی ہے۔ تمھارے آدمی نقاب سے مسحور ہوتے ہیں۔ میرے اشارے پر تمھارے ہاتھ پیر توڑ کر رکھ دیں گے اور تم انھیں اپنی حیثیت کا یقین نہ دلا سکو گے۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ جھلّائے ہوئے لہجے میں غرّایا۔ "میں سُپر آئی مین ہوں۔"

"زیادہ سے زیادہ تمھارے آدمی ہم دونوں کو ہیلی کاپٹر میں ڈال کر لے جائیں گے اور وہاں جیف ڈارلنگٹن گواہی دے گا کہ تم ڈان مرسیانو نامی ایک گھٹیا دلال ہو، جو دوستی کی آڑ میں اس کی اسٹینوگرافر فلورا شوپن کو لے اُڑے تھے۔ جب تک تم دوسروں کے ساتھ اپنے روایتی رُوپ میں سامنے نہ آؤ، تمھیں کوئی جمی لائیڈ تسلیم نہیں کرے گا۔ بے نشان ناموں کے جہاں بہت سے فائدے ہیں وہاں بعض نقصانات بھی ہیں۔ فی الحال یہ بازی تم ہار چکے ہو۔ افسوس بس اتنا ہے کہ میں غیر مسلح ہوں اور تمھیں جہنم واصل نہیں کر سکتا۔"

"تم ایک گھنٹے سے زیادہ یہ سوانگ نہ رچا سکو گے۔" وہ قدرے توقف کے بعد بولا۔ "میرے وسائل تمھارے تصوّر سے کہیں زیادہ اور لامحدود ہیں۔ ایک نقاب اور سلور آئی کے سہارے تم میری جگہ نہیں لے سکتے۔ اندرونی اور مقامی معاملات سے تمھاری بے خبری جیف سے زیادہ دیر تک پوشیدہ نہ رہ سکے گی اور میں وہیں تمھارے لیے چوہے دان تیار کرا دوں گا۔"

"مجھے تو بس منٹوں کی بالادستی درکار ہے۔" میں نے پُرسکون انداز میں اس کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا۔ "میرے اشارے پر ہیلی کاپٹر سے آنے والے نہیں تمھاری ہڈیاں پسلیاں برابر کر کے رکھ دیں گے اور میں اُن کے ساتھ کہیں بھی نکل جاؤں گا۔"

اس وقت بے یقینی کی کوکھ سے جنم لینے والے اندیشوں نے اندر سے مجھے دہلایا ہوا تھا۔ میرے پاس بس اسی وقت تک مہلت تھی جب تک ہیلی کاپٹر واپس نہ لوٹ آتا۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے لیکن آمنے سامنے ہونے کے باوجود اپنی اپنی کمزوریوں سے پوری طرح باخبر تھے۔ میں ویسے تو ہر لحاظ سے کمزور پوزیشن اور خطرے میں تھا لیکن جمی لائیڈ کے مخصوص نقاب پر قابض ہو کر میں نے اس کی بساط بھی اُلٹ دی تھی۔ شی کا سارا ڈسپلن اور نظام اس حقیقت کے گرد قائم تھا کہ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کا کوئی صورت آشنا نہیں تھا۔ وہ محض ایک نام اور آواز بن کر ہزاروں بھانت بھانت کے مجرموں پر حکومت کر رہا تھا۔ میں اسے جتانا چاہ رہا تھا کہ اس کے لیے دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ وہ طرمان کر ہیلی کاپٹر کے

نمودار ہونے سے پہلے خاموشی سے کسی طرف بھاگ نکلتا یا اپنی ردِذات کے سحر اور طلسم کا راز افشا ہونے کی پرواہ کیے بغیر میری بیخ کنی پر تل جاتا۔ یوں وہ معرکہ ایک بدترین اعصابی جنگ میں تبدیل ہو کر رہ گیا تھا۔ اشاروں ہی اشاروں میں ہزاروں انسانوں کی زندگی اور موت کا فیصلہ صادر کرنے والا جمی لائیڈ بھی کشمکش و پیچ میں پڑا ہوا تھا اور فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کے لیے اپنی سلامتی زیادہ اہم تھی یا میری موت؟

میری کوشش یہ تھی کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے کے بجائے مقابلے پر ڈٹا رہے میں جانتا تھا کہ وہ نقاب کے بغیر مر کر بھی جمی لائیڈ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا، اس طرح اس کی برسوں کی ساکھ پل بھر میں ختم ہو سکتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ وہ ایک سلور آئی دکھا کر آئی مین ہونے کا دعویٰ کر سکتا تھا، اس طرح عملاً وہ میرے برابر ہو جاتا کیونکہ ایک سلور آئی میرے پاس بھی تھی لیکن ایسی صورتِ حال رونما ہوتے ہی اپنے نقاب کی بنا پر میں سپر آئی مین ہونے کا دعویٰ کر بیٹھتا اور آنے والے ذرا سی محنت کے بعد جمی لائیڈ کی تحویل سے دوسری سلور آئی برآمد کر کے میرے دعوے پر یقین کر بیٹھتے جس کے بعد جمی لائیڈ کی گلو خلاصی مشکل ہو جاتی۔

گرد آلود اندھیرے میں جمی لائیڈ کی آنکھیں بلو کے ڈھیلوں کی طرح چمک رہی تھیں اور وہ خاموش تھا۔ چند ثانیوں کے بعد ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز ابھری "ٹھیک ہے، اس بار تم جیت گئے۔ میں جا رہا ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ اب اگلی ملاقات پر تم زندہ نہ رہ سکو گے۔ میں نے اب تمہارے بارے میں صحیح اندازہ لگایا ہے۔ تم میری توقع سے کہیں زیادہ عیار اور موقع پرست ہو۔ اب تمہاری رسی زیادہ دراز نہیں ہونے دی جائے گی۔ اس سے ....."

"تم کہیں نہیں جا سکو گے، مائی ڈیئر جمی!" میں نے سلطان شاہ کا تصور کرتے ہوئے تلخ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "میرے ایک ساتھی کو بے رحمی سے ہلاک کرنے کے بعد تم اتنے اطمینان سے واپس نہیں جا سکتے۔"

میرے لہجے سے اس نے میرے تیوروں کا اندازہ لگا لیا اور اچانک مخالف سمت میں دوڑ لگا دی۔ میں غیر ارادی طور پر اس کے تعاقب میں لپکا لیکن پھر رک گیا کیونکہ اس بھگوڑے کی رفتار کا مقابلہ کرنا میرے بس سے باہر تھا۔

ہیلی کاپٹر واپس لوٹ چکا تھا اور سرچ لائٹ سے نالے کی تہ کی پوری چوڑائی منور کرنے کے لیے اس بار قدرے بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔ میں سکون سے اپنی جگہ کھڑا، آگے بڑھتی ہوئی روشنی کی چادر کا انتظار کرتا رہا۔

بگڑتی ہوئی صورتِ حال اس حد تک میرے حق میں بدل گئی تھی۔ جمی لائیڈ کے بھاگ جانے کے بعد نقاب کے ساتھ میں وہاں تنہا کھڑا رہ گیا تھا۔ ہیلی کاپٹر والوں نے پہلی بار بھی جزئیات کا جائزہ لیے بغیر صرف اتنا دیکھا ہوگا کہ نالے کی ویران تہ میں ایک نقاب پوش ہاتھ میں ٹرانسمیٹر لیے انھیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لہٰذا واپسی پر جمی لائیڈ کے بجائے مجھے نقاب میں دیکھ کر انھیں صورتِ حال میں تبدیلی کا ذرا بھی احساس نہ ہوتا۔ وہ ہیلی کاپٹر وہیں معلق کر کے میرے لیے رسہ نیچے گرا دیتے یا ہیلی کاپٹر وہیں لینڈ کر لیتے۔ مجھے دیکھ لینے کے بعد ان کے آگے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا اس لیے جمی لائیڈ ان کی نظروں سے پوری طرح محفوظ رہتا۔

مگر اس سے آگے میرا کام بہت کٹھن تھا۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ ہیلی کاپٹر میں کتنے افراد تھے اور وہ کس حد تک میری حیثیت سے مطمئن ہوتے تھے۔ ان تمام نکات کا انحصار میری اداکاری کی کامیابی پر منحصر تھا، جس کے لیے میں اندر ہی اندر خود کو تیار کر رہا تھا۔

سرچ لائٹ کی تیز روشنی کے ساتھ ہی میں بُری طرح ریت کے طوفان کی زد میں آ گیا تھا جو ہیلی کاپٹر کی پنکھڑیوں سے ریت پر پڑنے والے دباؤ کی وجہ سے اُٹھ رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ ہیلی کاپٹر فضا میں روک لیا گیا اور اسی لمحے اس فضائی مشین کے پہلو سے ہوا میں بُری طرح لہراتا ہوا ایک موٹا رسہ نیچے پھسلنا شروع ہوا جو تیز ہوا میں بُری طرح لہرا رہا تھا۔

میں ٹرانسمیٹر جیب میں ڈال کر اپنی آنکھوں کو فضا میں اُڑتی ہوئی ریت کے ذرات سے بچاتا ہوا اس رسے کی طرف لپکا لہٰذا وہ تیزی کے ساتھ نیچے آ کر جوں ہی فضا میں لہراتا ہوا میری زد میں آیا، میں نے مضبوطی کے ساتھ اُسے تھام لیا۔ اوپر والے سرچ لائٹ کی روشنی میں شاید میری حرکات کا جائزہ لے رہے تھے کیونکہ اسی لمحے رسے کو ڈھیل دینی بند کر دی گئی۔ میں نے اپنے بدن کا بوجھ دونوں ہاتھوں پر منتقل کر کے اندازہ لگایا کہ اوپر والوں نے رسہ روک کر اس کا اوپری سرا کسی ہُک میں پھنسا دیا تھا۔

ہیلی کاپٹر کے انجن کے کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے شور اور ہوا کے تیز جھونکوں کے دباؤ میں میں نے کسی بندر کے سے انداز میں، چاروں ہاتھ پیروں سے اس رسے پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اس وقت میرے ذہن میں جمی لائیڈ کا خیال موجود تھا جو اسی تاریک نالے میں کہیں روپوش تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا کیونکہ وہ غیر مسلح تھا۔

اس لمحے پہلی بار میرے ذہن میں بھاگا ہوا اور میں دل ہی دل میں خود پر لعنت بھیجنے لگا۔ میں اپنا خالی پستول گیٹ ہاؤس

میں پھینک آیا تھا لیکن بالکل ہی نہتا نہیں تھا۔ لوستان کے ساتھ اسلحے کی خریداری کے بعد بیم گن رقم کے تھیلے میں رکھ دی گئی تھی اور وہ تھیلا میری پشت پر کسا ہوا تھا۔ وہ نکتہ مجھے پہلے سوجھ جاتا تو کسی بھی لمحے تھیلے میں سے بیم گن نکال کر جمی لائیڈ پر نہ صرف اپنی بالادستی قائم کر سکتا تھا بلکہ سامنا ہوتے ہی اسے کسی خارش زدہ کتے کی موت مار سکتا تھا۔

واقعات کی ناقابلِ تصور تیز رفتاری اور اعصاب شکن دباؤ نے اس مہم کی ابتدا سے ہی مجھے اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ میں جزئیات کے بارے میں اپنے ذہن سے پوری طرح کام لے سکتا ورنہ تھوڑی ہی دیر پہلے میری شاندار کامیابی کے ساتھ اس طویل اور روح فرسا مہم کا خاتمہ ہو گیا ہوتا جو میں نے ہیروئن کے سب سے بڑے عالمی مجرم کے خلاف شروع کی ہوئی تھی۔

مرے ہوئے سلطان شاہ کو زندہ کرنا میرے بس سے باہر تھا لیکن جمی لائیڈ کو ہلاک کر کے میں اس کے خونِ ناحق کا انتقام ضرور لے سکتا تھا۔ دوسری طرف سب سے بڑی خوشی کی بات یہ تھی کہ غزالہ کراچی میں موجود تھی۔ اگر میں جمی لائیڈ کو ہلاک کر کے منشیات فروشوں کی عالم گیر تنظیم بشی کا شیرازہ بکھیرنے میں کامیاب ہو جاتا تو یکسوئی کے ساتھ گھریلو زندگی گزارنے کے دل خوش کن منصوبوں کے ساتھ میں پاکستان واپسی کا پروگرام بنا سکتا تھا۔

لیکن مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔ انھیں نہ تدبیر بدل سکتی ہے نہ کوئی ترکیب ٹال سکتی ہے۔ فیصلہ کن لمحات گزر چکے تھے۔ جمی لائیڈ اپنی انا پر یکے بعد دیگرے کئی زخم کھا کر تاریک برساتی نالے کے کسی ویران گوشے میں دبکا ہوا تھا اور میں رسّے کے سہارے زمین اور آسمان کے درمیان معلق تھا۔ وہ بس ایک لمحے کی بات تھی کہ مجھے بیم گن یاد آ جاتی مگر نہ آئی۔ شاید ایسے ہی لمحات ہر ایک کی زندگی میں آتے ہیں جو حالات کا دھارا یکسر بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ جسے موقع مل جاتا ہے وہ کامران رہتا ہے اور جو ان لمحات کو گنوا دیں وہ ساری عمر اپنی حماقت کے بارے میں سوچ سوچ کر پچھتاووں کا شکار رہتے ہیں۔

ہیلی کاپٹر کے گرجتے، چنگھاڑتے ہوئے ڈھانچے سے میرا فاصلہ بتدریج کم ہوتا رہا اور میرا ذہن ان ہی گتھیوں میں الجھا رہا۔ پھر میں اس وقت چونکا جب میں نے اوپر اپنی کلائیوں پر کسی کی مضبوط گرفت محسوس کی۔ سر اٹھا کر دیکھا تو میں ہیلی کاپٹر کے کھلے ہوئے دروازے سے چند انچ دور رہ گیا تھا اور ایک توانا آدمی جھک کر مجھے سہارا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کی مدد سے میں چند ہی ثانیوں میں روشن کیبن میں پہنچ گیا جہاں پائلٹ سمیت کل تین نفوس موجود تھے۔ میری مدد کرنے والا شخص مجھ سے فارغ ہوتے ہی رسّہ مشینی چرخی پر لپیٹنے میں مصروف ہو گیا۔ اس کی کمر اور شانوں سے حفاظتی بیلٹ بندھی ہوئی تھی جو ایک چند فٹ لمبی رسّی اور مضبوط ہک کے ذریعے ایک طرف چپٹی ہوئی تھی تاکہ وہ حادثاتی طور پر کھلے ہوئے دروازے سے زمین پر نہ گر سکے۔

مجھے دیکھتے ہی پائلٹ ہیلی کاپٹر کو حرکت میں لا چکا تھا البتہ تیسرے آدمی نے چبھتی ہوئی متجسسانہ نظروں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے سرد لہجے میں مجھے خوش آمدید کہا تھا۔ اس کا رویہ محتاط بلکہ اشتباہ آمیز نظر آ رہا تھا، وہ غیر ارادی طور پر بار بار اپنے شانے سے لٹکی ہوئی ہلکی سی سب مشین گن کو چھو رہا تھا، جس سے خاصا بڑا میگزین منسلک تھا۔

اس کے قدرے جارحانہ رویے کو دیکھتے ہوئے میرے بدن میں خوف کی سرد سی لہر سرایت کر گئی مگر میں بظاہر اسے نظر انداز کرتے ہوئے ایک خالی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس ہیلی کاپٹر میں پائلٹ سیٹ سمیت کل چار نشستیں تھیں جن کے حساب سے میری شمولیت کے بعد نفری پوری ہو گئی تھی، اس طرح پائلٹ کو نکال کر میرے مقابل دو حریف تھے۔

سب مشین گن والا بدستور میرے سامنے کھڑا میری طرف دیکھتا رہا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مجھ سے کسی ردِعمل یا کارروائی کی توقع کر رہا ہو۔۔۔ یا پھر اسے معلوم ہو گیا ہو کہ انھوں نے غلط آدمی کو اٹھا لیا تھا۔

اس نے مجھ سے فرنچ میں کچھ کہا۔ لہجہ نرم لیکن نگاہیں سرد اور وجود میں اتر جانے والی تھیں۔ نقاب سے وہ بالکل مرعوب نہیں ہوا تھا۔

"بہتر ہو گا کہ تم مجھ سے انگریزی میں بات کرو۔ میں فرنچ نہیں جانتا۔" میں نے اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"شناخت ہو سیو!" میری مدد کرنے والا سامنے آ کر نرم لہجے میں انگریزی میں بولا۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر اس نے ہیلی کاپٹر کا دروازہ گرا کر اپنی حفاظتی بیلٹ اتار دی تھی اور اس کے بیلٹ ہولسٹر سے ایک وزنی پستول کا دستہ جھانک رہا تھا۔ "نالے میں صرف تم نظر آئے تھے اس لیے ہم نے تمھیں اٹھا لیا ہے مگر شناخت کے بغیر ہم تم پر اعتماد نہیں کر سکتے۔"

میں نے خاموشی کے ساتھ جیکٹ کی اندرونی جیب سے سلور آئی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

سلور آئی دیکھتے ہی ان دونوں کی کیفیت بدل گئی تھی، تیور یک بیک نرم اور خوشامدانہ ہو گئے۔ پھر وہی شخص مؤدبانہ لہجے میں بولا۔ "ہمارے لیے تم قابلِ احترام ہو۔ اس نقرئی آنکھ

آسمان کی مقدس رُوحوں کا سایہ ہے لیکن اس وقت ہمیں
تمہاری نہیں بلکہ سُپر آئی مین کی مدد کے لیے بھیجا گیا تھا جو ہم
میں صرف ایک ہے اور تم وہ نہیں ہو۔"
"کیا تمھیں یہ عجیب بات محسوس نہیں ہوئی کہ تمھیں
سپر آئی مین کی مدد کے لیے بھیجا گیا ہے؟" انھیں سلور آئی سے
طرف دیکھ کر میں نے تلخ اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔
"عجیب ترین۔" اس نے اقرار کیا۔ "یہ ہمارے لیے زندگی کی
سب سے بڑی سعادت تھی کہ ہمیں سُپر آئی مین کی ہم نشینی کا شرف
حاصل ہونے والا ہے اسی لیے ہم اس سنہرے موقع کو اپنی کسی
بے پروائی یا غلط فہمی کی بنا پر ضائع نہیں کرنا چاہتے۔"
"ایسے حالات روز روز پیش نہیں آتے۔" میں نے اپنے
چہرے پر منڈھے ہوئے نقاب کے عقب سے سرد لہجے میں کہا۔
"اپنے بدترین حریف سے لڑتے ہوئے مجھے مجبوراً اس ویران
نالے میں پسپائی کی راہ اختیار کرنی پڑی۔ وہ بھی باہر کا آدمی
نہیں بلکہ میرا ہی ایک باغی آئی مین ہے اور میری دوسری سلور
آئی اگر مقابلے میں ضائع نہیں ہوئی تو یقیناً اسی کی تحویل
میں ہے۔"
"اوہ! تو اس نالے میں تمہارے علاوہ کوئی اور بھی
موجود ہے؟" سب مشین گن والے کے منہ سے تحیّر آمیز آواز
برآمد ہوئی۔
"تم سُپر آئی مین کے سامنے گستاخی کے مرتکب ہو رہے
ہو روینو!" میری مدد کرنے والے نے تیز لہجے میں اسے تنبیہہ
کی اور پھر میرے سامنے بیک وقت دونوں جھکتے چلے گئے
"ہم معافی چاہتے ہیں... ہم دلوں کی گہرائیوں سے تمہارے
غلام ہیں۔ بس انسانی فطرت اور حیرت کی بنا پر زبان سے
لغزش سرزد ہو گئی۔ ورنہ بھی ہوں تو ایک سلور آئی ہی تمھیں
ہم سے بہت برتر ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔" روینو کی
آواز میں پہلی بار خوف سمٹ آیا۔ شاید اپنے ساتھی کے ٹوکنے
کے بعد اسے صُورتِ حال کا صحیح ادراک ہو سکا تھا۔
"واپسی سے پہلے ہمیں نالے میں اس کو تلاش کرنا ہے"
میں نے بزرگانہ شفقت کے ساتھ ان کے سروں پر باری باری
ہاتھ پھیرتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "اس بدبخت کو میں گلے
میں زنجیر ڈال کر مارسیلز کی سڑکوں پر گھوڑوں سے گھسٹواؤں گا۔"
روینو پھرتی سے سیدھا ہو کر پائلٹ کے برابر والی
نشست پر چلا گیا اور ہیڈ فون چڑھا کر پائلٹ کو میری نئی
ہدایت سے آگاہ کرنے لگا۔
"بیٹھ جاؤ۔" میں نے کھڑکی کے ساتھ والی نشست پر منتقل
ہوتے ہوئے دوسرے سے کہا اور وہ میرا شکریہ ادا کر کے سہمے
ہوئے انداز میں میری خالی کی ہوئی نشست پر بیٹھ گیا۔
ہیلی کاپٹر کی پرواز کا رُخ بدلا تھا اور میں نے اپنی سمت
کی کھڑکی سے دیکھا کہ نالے کی تہ روشن نظر آ رہی تھی۔ کہر کی وجہ
سے روشنی کا دائرہ کار محدود ہو کر رہ گیا تھا لیکن اس کی زد میں
آنے والی کسی بھی زندہ اور متحرک چیز کو بہ آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔
"وہ زیادہ دور نہیں جا سکا ہو گا۔ پائلٹ کو بتاؤ کہ میرے
سوار ہونے کے مقام سے ہزار آٹھ سو گز کے علاقے پر توجہ مرکوز
کرے۔" میں نے اپنے ساتھ والے سے کہا اور وہ اٹھ کر پائلٹ
کی طرف چلا گیا۔
واپس لوٹتے ہوئے اچانک وہ گرتے گرتے بچا کیونکہ ہیلی کاپٹر
کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ پھر روینو مڑ کر پُرجوش آواز میں چلایا۔
"وہ نظر آ گیا ہے سر! وہ کنارے کی دراڑوں میں گھسنے کی کوشش
کر رہا ہے۔"
اس خوش خبری پر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں نے
اپنی سمت کی کھڑکی سے دیکھا لیکن اس طرف نہ نالے کا کنارا تھا
نہ کوئی انسانی ہیولا، میں دوسری طرف پلٹا تھا کہ پستول والے
نے ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھول دیا۔
دروازہ کھلتے ہی مجھے جمی لائیڈ نظر آ گیا۔ وہ ریت میں
پوری قوت سے دراڑوں کی طرف دوڑ رہا تھا۔
"گن لاؤ۔" میں نے سرد اور اونچی آواز میں کہا۔ روینو جو
قریب ہی آ کھڑا ہوا تھا، اس نے اپنی بھری ہوئی سب مشین گن
میری طرف بڑھا دی۔ میں نے لاک کھول کر مشین گن سنبھالی اور
ہیلی کاپٹر کے فرش پر پیر پھیلا کر فائرنگ کے لیے پوزیشن
لے لی۔
میں نے ہلکے سے زاویے کے ساتھ ایک برسٹ مارا۔
کیبن کی محدود فضا سب مشین گن کی خون آشام گونج سے لرز
اٹھی لیکن جمی لائیڈ زد میں نہ آ سکا۔ وہ سب مشین گن کی رینج
میں ضرور تھا لیکن کھلے ہوئے دروازے سے ادھر کا زاویہ اختیار
کرنا مشکل تھا۔
"آگے بڑھ کر اس کے سر پر پہنچو!" میں نے جمی لائیڈ پر
سے نظریں ہٹائے بغیر سرد لہجے میں کہا اور ہیلی کاپٹر ایک ہچکولے
کے ساتھ حرکت میں آ گیا اسی کے ساتھ جمی لائیڈ میری نگاہوں
سے اوجھل ہو گیا۔
"یہ کیا کر رہا ہے؟" میں غصیلی آواز میں غرّایا۔ "اسے
نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دو۔"
"مجبوری ہے سر!" رینو معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔
"پائلٹ کی کوشش بھی یہی ہو گی، میں اسے پوری سچویشن سے
آگاہ کر چکا ہوں مگر ہیلی کاپٹر کا رُخ بدلنے کے لیے کم از کم قطر

کا دائرہ یا قوس بنانا ہی پڑتی ہے۔"

میں خاموشی اور بے چینی کے ساتھ باہر گھورتا رہا جہاں بے آب و گیاہ ریت سرچ لائٹ کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ رات شاید جمی لائیڈ کی زندگی کی آخری رات ثابت ہونے والی تھی۔ وہ فرار کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود اس وقت تک میری زد سے باہر نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سلطان شاہ کا لہو اپنے انتقام کے لیے جمی لائیڈ کے قدموں کی زنجیر بن گیا تھا اور اسے مسلسل مقتل کی طرف دھکیل رہا تھا۔

چند سیکنڈ اور پھر کئی منٹ گزر گئے لیکن نہ ہیلی کاپٹر فضا میں معلق ہوا، نہ جمی لائیڈ دوبارہ نظر آیا تو میرے اعصاب پر اضطراب طاری ہونے لگا۔ میں نے سارے خیالات کو اپنے ذہن سے جھٹک کر پوری توجہ ہیلی کاپٹر کی نقل و حرکت پر مرکوز کر دی اور چند ہی ثانیوں میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ جمی لائیڈ موت کو سر پر منڈلاتے دیکھ کر کسی چھلاوے کی طرح کہیں روپوش ہو چکا تھا اور بوکھلایا ہوا پائلٹ ہیلی کاپٹر کو چاروں طرف گھما پھرا کر کسی نہ کسی طرح اسے دوبارہ تلاش کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔

"شاید ہم اسے کھو چکے ہیں۔" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میرا بھی یہی اندازہ ہے۔" روینو مُردہ سی آواز میں بولا۔ ان دونوں پر مجرمانہ خفت طاری ہو چلی تھی۔

"پائلٹ سے تصدیق کرو کہ صحیح صورتِ حال کیا ہے؟" میں نے باہر کا جائزہ لیتے ہوئے ڈانٹ کر کہا۔ "فضا میں یوں بے مقصد چکر لگا کر وہ اسے اور دور نکل جانے کا موقع فراہم کر رہا ہے۔"

میری کامیاب اداکاری جاری تھی۔ جمی لائیڈ نچلی سطح کے کارندوں سے براہِ راست رابطہ قائم نہیں کرتا تھا، اِس لیے ان میں سے کوئی اپنے نادیدہ سربراہ کے لب و لہجے تک سے واقف نہیں تھا۔ ان کی وہی لاعلمی اس وقت میرے کام آ رہی تھی لیکن پھر بھی میں انھیں مرعوب کرنے کا کوئی موقع ضائع کرنے کے لیے تیار نہیں تھا اِس لیے دورانِ گفتگو سوچ سمجھ کر مگر بظاہر بے خیالی کی اداکاری کرتے ہوئے میں نے اپنی جیب سے ٹرانسمیٹر نکالا اور چند ثانیوں کے تذبذب کے بعد دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔ وہ یہی سمجھے ہوں گے کہ میں اپنے کسی اور ٹھکانے سے رابطہ قائم کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اس طرح میں نے انھیں اپنی تحویل میں ٹرانسمیٹر کی موجودگی کا یقین دلا دیا تھا جس کی وجہ سے میرے جمی لائیڈ ہونے کے بارے میں ان کے رہے سہے شبہات بھی زائل

ہو جانے چاہئیں تھے۔

"وہ خوف زدہ اور پریشان ہے سر!" چند ثانیوں بعد روینو نے اطلاع دی۔ "وہ قسمیں کھا رہا ہے کہ وہ اسی مقام پر منڈلا تا رہا ہے، بس ذرا سی دیر کے لیے وہ روشنی کی زد سے باہر ہوا تھا اور اب دور دور تک کسی ذی روح کا پتا نہیں ہے۔"

"پھر وہ احمقوں کی طرح گونگا کیوں بنا ہوا ہے؟" میں اپنے لہجے میں جھلاہٹ کے اظہار پر قابو نہ رکھ سکا۔ "وہ باغی بدترین مجرم ہے۔ ہیلی کاپٹر اتارو، ہم اسے چپے چپے پر تلاش کریں گے۔ تم جا کر پائلٹ کی مدد کرو۔"

روینو سر جھکا کر اگلے حصے میں چلا گیا۔ میں نے اس کی سب مشین گن، پستول والے کو تھمائی اور سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جمی لائیڈ کے ساتھ ہونے والی طویل آنکھ مچولی نے اس مرحلے پر یک بیک مجھے تھکا دیا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ہیلی کاپٹر اس خشک برساتی نالے میں لینڈ کر گیا۔ ریت کا طوفان چاروں طرف پھیل گیا پھر پائلٹ نے انجن بند کر دیا۔ میں چند ثانیوں تک غبار بیٹھنے کا منتظر رہا پھر کھلے ہوئے دروازے سے باہر ریت پر کود گیا۔ ان تینوں نے جانباز لڑاکوں کی طرح میری پیروی کی تھی۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ پائلٹ بھی غیر مسلح نہیں تھا۔

"دس منٹ!" میں نے انھیں مطلع کیا۔ "دس منٹ میں جتنا علاقہ چھان سکتے ہو، چھان ڈالو۔ اگر ہم صحیح جگہ آئے ہیں تو وہ کسی کونے کھانچے میں دبکا ہوا مل جائے گا۔ دس منٹ بعد ہمیں ہر قیمت پر پرواز کرنی ہے۔"

وہ تینوں بیک وقت تین مختلف سمتوں میں چل پڑے تھے اور میں وہاں تنہا کھڑا رہ گیا۔

گیسٹ ہاؤس میں جمی لائیڈ کی شناخت کے بعد سے جو کچھ ہوتا آ رہا تھا، وہ میرے لیے بڑی حد تک ناقابلِ یقین ثابت ہو رہا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جمی لائیڈ کے فرار ہونے کے بعد میں اتنی آسانی کے ساتھ شی کے ہیلی اور اس کے عملے پر قابض ہونے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اس سے آگے کیا ہونے والا تھا، اس کے بارے میں میں بے یقینی کا شکار تھا۔

جمی لائیڈ نے دورانِ گفتگو یہ تو ظاہر کر دیا تھا کہ اگر میں نے اس کی جگہ لینے کی کوشش کی تو میرا سامنا جیف ڈارلنگٹن سے ضرور ہو گا۔ اس بات کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ہیلی کو واپس کسی ایسے ٹھکانے پر جانا تھا جہاں جیف ڈارلنگٹن پہلے سے اپنے باس کے استقبال کا انتظار کر رہا ہوتا۔ میرے لیے اس نازک مرحلے سے نکلنا بھی بہت اہم تھا۔ ربیکا اور

گیری ہارٹ والے معاملے میں مجھے یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ جیف ایک عمر رسیدہ شخص تھا لہٰذا جسمانی طور پر میں اسے آسانی کے ساتھ زیر کر سکتا تھا لیکن شی کے ہر با اختیار رکن کی طرح جیف بھی اپنے اڈے پر معقول نفری اور طاقت کے استعمال پر قادر رہا ہوگا اس لیے اس کا سامنا کرتے ہوئے مجھے بہت محتاط رہنا تھا۔ جیف شی کا آئی مین تھا۔ اس منصب کی وجہ سے اس کا جمی لائیڈ سے بارہا سامنا ہوا ہوگا۔ وہ اس کے لب و لہجے کے ساتھ اس بات سے بھی واقف رہا ہوگا کہ جمی لائیڈ فرنچ زبان سے نابلد نہیں تھا، اس لیے جیف کے سامنے میرا یہ دعویٰ سرے سے چل ہی نہیں سکتا تھا کہ میں نقاب پوش جمی لائیڈ تھا جب کہ ہیلی کاپٹر کے عملے کو میں نے وہی کہانی سنا کر رام کیا تھا۔ اگر وقت حاصل کرنے کے لیے میں جیف کے لیے کوئی اور کہانی تراشتا تو ہیلی کاپٹر کا عملہ میرے جھوٹ کی پول کھول سکتا تھا۔ ان دشواریوں سے نمٹنے کا ایک آسان ترین راستہ یہ تھا کہ جمی لائیڈ میدان چھوڑ کر بھاگ چکا تھا، اس کی دانست میں میں اس کے لیے بھیجے ہوئے ہیلی کاپٹر پر قابض ہو چکا تھا، ہیلی کاپٹر کا عملہ میرے حکم پر جمی لائیڈ کی تلاش میں گیا ہوا تھا۔ اگر مجھے ہوا بازی کی ذرا بھی شُدبُد ہوتی تو میں نہایت آرام سے ہیلی کاپٹر اُڑا کر فرار ہو سکتا تھا۔ اس وقت دوسری صُورت یہ رہ گئی تھی کہ میں بھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جمی لائیڈ کی طرح بگٹٹ کسی طرف بھاگ کھڑا ہوتا۔ دس منٹ بعد ہیلی کاپٹر کا عملہ واپس لوٹتا تو مجھے غائب پا کر کچھ دیر انتظار کرتا پھر ہیلی کاپٹر سمیت اپنے ٹھکانے کی طرف روانہ ہو جاتا اور میں کسی دشواری سے دوچار ہونے سے بچا رہتا۔

لیکن مارسیلز میں شی کے ایک ٹھکانے تک رسائی کی کوشش میرے لیے ایک چیلنج تھی جسے ٹھکرانا میرے بس سے باہر تھا۔ یہ شروع سے میری فطرت رہی تھی کہ میں آنکھیں بند کر کے خطرات مول لیتا تھا اور دُشواریاں پیدا ہونے پر ہاتھوں ہاتھ ان کا توڑ سوچتا تھا۔ اپنے ماضی کے تجربات کی روشنی میں مجھے امید تھی کہ میں جیف ڈارلنگٹن والے معرکے میں بھی کوئی نہ کوئی راہ نکال لوں گا۔

اس وقت تنہائی میں موقع میسّر تھا اور میں غیر مسلح بھی تھا لہٰذا میں نے مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی پُشت پر موجود تھیلے میں سے ہیم گن نکال کر اپنی جیب میں رکھ لی جو کسی بھی مرحلے پر فیصلہ کُن کردار ادا کر سکتی تھی۔

سوچتے سوچتے اچانک میرے ذہن میں ایک ہولناک خیال نے سر اُبھارا۔ میں شی کے باہر کا آدمی تھا اور میں نے محض ایک سلور آئی دکھا کر ہیلی کاپٹر کے عملے کو اپنا مطیع بنا لیا تھا جب کہ جمی لائیڈ شی کا حقیقی سربراہ تھا اور اس کے پاس دو سلور آئیز موجود تھیں۔ اگر سٹرنو یا اس کا کوئی ساتھی جمی لائیڈ پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو ہی جاتا تو جمی لائیڈ ان سکّوں کے سہارے کوئی بھی خطرناک جوا کھیل سکتا تھا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ وہ دو کے بجائے ایک سلور آئی دکھا کر آئی مین ہونے کا دعویٰ کرتا اور میرے مقابلے میں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا معاملہ ان لوگوں کے بڑوں کے سامنے پیش کرنے کی پیشکش کرتا جسے مسترد کرنا ان کے بس سے باہر ہوتا اور وہ مجھے اور جمی لائیڈ کو برابر کی حیثیت سے اپنے اڈے پر لے جانے کا فیصلہ کر لیتے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوتا وہ محض قیاسات تھے لیکن ان میں میرے لیے بہتری یا تحفّظ کا دور دور تک کوئی شائبہ موجود نہ تھا۔

لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ میرے سارے اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے۔ ٹھیک دس منٹ پورے ہونے سے قبل ہی وہ تینوں یکے بعد دیگرے بے نیل و مرام واپس آ گئے۔ انھیں اس علاقے میں انسان تو در کنار، چوہے کا بچّہ بھی نظر نہیں آیا تھا۔

واپسی کے سفر میں رونیو پائلٹ کے برابر والی نشست پر تھا اور دوسرا، جس کا نام ریمی مارٹن تھا، میرے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بشرے پر مسلسل ندامت طاری تھی اور وہ منہ لٹکائے بیٹھا ہوا تھا۔

"باغی دوست، بد ترین دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد میں نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔ "اسے گھر کے بھید معلوم ہوتے ہیں اس لیے کچھ پتا نہیں ہوتا کہ بے خبری میں وہ کہاں وار کر گزرے گا۔"

"بس پائلٹ سے ذرا سی چُوک ہو گئی۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "وہ ذرا سا خطرہ مول لینے کی ہمّت کر لیتا تو اسے ہیلی کاپٹر کے نیچے ہی کُچل کر ہلاک کر سکتا تھا اور وہ بھی موقع ملتے ہی چھلاوے کی طرح غائب ہوا ہے۔"

"ہمارے سفر کا اِختتام کتنی دیر میں ہو گا؟" میں اچانک سوال کر بیٹھا

"زیادہ سے زیادہ ہم بیس منٹ میں منزل پر پہنچ جائیں گے۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔

"تینوں میں تم کچھ زیادہ فرض شناس نظر آتے ہو۔" میں نے اس کی انا کو ابھارتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "میں تمہاری فوری ترقی کے امکان پر غور کر رہا ہوں۔ تمہارا باس کون ہے؟"

"ویسے تو ہر گروپ کا لیڈر ہے لیکن ہم سب براہ راست موسیو جیف ڈارلنگٹن کو جواب دہ ہیں۔" اس کے لہجے میں بلا کی ممنونیت اُمڈ آئی تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اس کی ترقی کے لیے وہ معلومات حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔

"بیس منٹ بعد اس سے ملاقات ہوگی؟" میں نے مکاری کے ساتھ الفاظ کا انتخاب کیا تھا۔

"ہم اس کا ریڈیائی پیغام ملتے ہی روانہ ہو گئے تھے، ہو سکتا ہے کہ وہ بعد میں پہنچ گیا ہو۔" مجھ سے بات کرتے ہوئے اس کے لہجے میں واضح طور پر فخر کی علامات اُبھر آئی تھیں۔ وہ میری اس تمام ذومعنی گفتگو کو اپنی ترقی کے معاملے سے منسلک سمجھ رہا تھا۔ میرے ادب اور احترام کا یہ عالم تھا کہ اس نے ایک بار بھی براہ راست میری طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کی تھی۔

"بردنواشمٹ کا کچھ پتا ہے؟" میں نے اسے کریدنے کی نیت سے سوال کیا۔

"کچھ نہیں معلوم۔ وہ کل سے لاپتا ہے۔ جیف خود اس کی طرف سے فکر مند ہے۔ لڑکی کو ٹٹولنے کی مہم کی نگرانی بھی اسی کو کرنا پڑی تھی۔ کئی آدمی پورے شہر میں اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

لڑکی کا ذکر سن کر میں چونکا۔ غنیمت یہ تھا کہ میرے چہرے پر نقاب منڈھا ہوا تھا جس کی وجہ سے میرے تاثرات میری ذات تک ہی محدود رہے۔ مجھے یقین تھا کہ ریمی ڈیرا کا ذکر کر رہا تھا اور میری توقعات سے کہیں زیادہ باخبر تھا۔

"وہ بزدل تھا، کام کا دباؤ پڑتے ہی کہیں فرار ہو گیا لیکن وہ مجھ سے نہیں بچ سکے گا۔"

"فرار ہو کر اس نے خودکشی کی ہے۔" وہ تائیدی لہجے میں بولا۔ "دُنیا کا کون سا حصہ ایسا ہے جو تمہارے جاں نثاروں سے خالی ہے؟ وہ جہاں جائے گا دھر لیا جائے گا اور کتے کی سی موت اس کا مقدر بن جائے گی۔"

"لڑکی کا اب کیا حال ہے؟" میں نے بہت محتاط الفاظ میں سوال کیا۔ میرا اندازہ تھا کہ جمی لائیڈ فلور اسے رخصت ہو کر صبح سویرے اس سے ملنے گیا تھا۔ اگر وہ وہیں قید کی گئی تھی جہاں سے ہیلی کاپٹر نے پرواز کی تھی تو ریمی مارٹن کو بھی علم رہا ہوگا کہ صبح ان کا سپر آئی مین لڑکی سے ملنے آیا تھا اور میرا کوئی بھی غلط سوال اسے میری طرف سے شبہے میں ڈال سکتا تھا۔

"کسی کو کچھ علم نہیں، اس کے بارے میں سخت رازداری سے کام لیا جا رہا ہے۔"

اس سے آگے اس سے بات کرنا بے سود تھا، اس لیے میں نے خاموشی اختیار کر لی لیکن اس گفتگو کے نتیجے میں یہ امید نظر آنے لگی تھی کہ میری بھاگ دوڑ بالکل ہی رائگاں نہیں گئی تھی بلکہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے ویرا کی اس کال کوٹھری تک رسائی ہو سکتی تھی جہاں اس کے شفیق القلب باپ نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مقید کیا ہوا تھا۔

ہیلی کاپٹر ویرانے سے گزر کر چند منٹ کے لیے شہر کے روشن اور آباد حصے پر سے گزرا جسے عبور کرتے ہی ایک بار پھر نیچے گھپ اندھیرے کے سوا کچھ باقی نہیں رہ گیا جس کا مطلب تھا کہ ہماری منزل سینٹ فرانسس کے بل سارا ہاؤز کی طرح کسی مضافاتی علاقے میں واقع تھی۔ میں نے یہ بات ہمیشہ نوٹ کی تھی کہ شی کے اہم مراکز شہروں سے دور قائم تھے۔

شہر کے مقابلے میں مضافات میں سبزہ زیادہ ہونے کی وجہ سے کھلی فضا میں دُھند گہری تھی اس لیے بلندی کم ہونے کے باوجود مجھے کچھ اندازہ نہ ہو سکا کہ ہم کس قسم کے علاقے پر سے گزر رہے تھے اور آخر کار ہیلی کاپٹر ایک پختہ اور مختصر سے نجی ہیلی پیڈ پر اتر گیا جہاں چار نشستوں والا ایک اور ہیلی کاپٹر پہلے سے موجود تھا۔

ہیلی پیڈ کے قریب چند کمروں پر مشتمل ایک مختصر سی پختہ عمارت تھی جس کی کئی کھڑکیاں دور ہی سے روشن نظر آ رہی تھیں۔ ریمی مارٹن نے نیچے اترتے ہی دوسروں کا انتظار کیے بغیر میری رہنمائی کی ذمے داری سنبھال لی اور میں اس کے ساتھ ایک منزلہ پختہ عمارت کی طرف ہو لیا۔ ابھی ہم اس عمارت سے دور ہی تھے کہ کھڑکیں کھلتے ہوئے دروازے کے عقب میں پیدا ہونے والا روشن خلا نظر آیا اور پھر ایک بھاری بھرکم انسانی ہیولا ہماری طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔

میرے لیے وہ سب سے کٹھن اور دشوار مرحلہ تھا۔ آنے والا یقینی طور پر جیف ڈارلنگٹن تھا جو اپنی دانست میں اپنے باس کا استقبال کرنے آ رہا تھا جس کے لب و لہجے سے وہ خوب واقف تھا۔ میں تنہا ہوتا تو اسے کوئی دوسری کہانی سنا کر الجھانے کی کوشش کر سکتا تھا لیکن اس طرح ریمی مارٹن میری طرف سے بھڑک سکتا تھا۔

"تم جاؤ ریمی!" لمحہ بھر سوچنے کے بعد میں نے آہستگی سے کہا۔ "جیف سے میں تمہارے مستقبل کے بارے میں بات کر لوں گا۔"

"شکریہ سر!" وہ تعظیماً جھکا اور فوراً ہی راستہ کاٹ کر دوسری سمت میں ہو لیا جدھر کسی اور عمارت کی دُھندلائی ہوئی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ رومنو پائلٹ کے ہمراہ شاید براہ راست اسی طرف گیا تھا کیونکہ ان دونوں کا دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ اس وقت میدان میں

دونوں فریق رہ گئے تھے جو بتدریج ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

آنے والا دروازے کے روشن خلا کے سامنے سے ہٹتے ہی کہر میں غائب ہو گیا تھا لیکن چند ثانیوں بعد ہی ہم دونوں نے اونچے کھمبوں پر لگی ہوئی زرد روشنیوں کے انعکاس میں ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی دوسرے کی رفتار یکلخت تیز ہو گئی۔ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر وہ رک کر رکوع کے انداز میں جھکا تھا ساتھ ہی اس نے فرنچ میں کچھ خیرمقدمی کلمات بھی کہے تھے جو میرے پلے نہ پڑ سکے اور میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر بیم گن کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

وہ سیدھا ہوا تو میں تقریباً اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اس کے چاق و چوبند مگر جھریوں زدہ چہرے کو دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ وہی جیف ڈارلنگٹن ہو سکتا تھا۔

"میرا اندازہ غلط نہیں تو تم ہی جیف ڈارلنگٹن ہو۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں انگریزی میں کہا۔ "لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں اس لیے میں تمہاری نشانی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

میری آواز سنتے ہی وہ بھونچکا رہ گیا اور ہکلاتے ہوئے بولا۔

"تت... تم تو... سس... سپر آئی مین نہیں معلوم ہوتے۔"

"نشانی نہیں دکھاؤ گے تو ابھی ٹھنڈا کر دوں گا۔" میں غصیلی آواز میں غرایا۔ "اس وقت تنظیم اپنی تاریخ کے بدترین بحران سے دوچار ہے۔ تم اپنی شناخت کروا دو گے تو سب کچھ سمجھا دوں گا۔"

وہ ذہنی طور پر جمی لائیڈ کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو کر آیا تھا اس لیے اس کے اوسان پہلے ہی خطا تھے لہٰذا میری دھمکی سنتے ہی اس نے اضطراری طور پر اپنے گلے میں چین کی مدد سے پہنا ہوا وہ پُراسرار طلائی سکہ چین سمیت میری طرف بڑھا دیا جسے میں نے دیکھے بغیر بے پروائی کے ساتھ اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"یہ مجھے واپس دو۔" وہ بوکھلا کر بولا۔ "پتا نہیں تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے ہو؟"

"میں سپر آئی مین ہوں اور ہیلی کاپٹر سے یہاں آیا ہوں۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر سرد لہجے میں کہا۔ "آج سے پہلے میں سلور آئی مین تھا لیکن تھوڑی دیر پہلے ہم بدترین حالات میں پولیس کے گھیرے میں آ گئے۔ میں جمی لائیڈ کے ساتھ تھا۔ پولیس سے مقابلے میں وہ اتنی بری طرح زخمی ہوا کہ نہ میرے ساتھ فرار ہو سکتا تھا، نہ اپنی حفاظت کر سکتا تھا۔ خودکشی کرنے سے پہلے اس نے اپنی تمام نشانیاں مجھے سونپ کر سپر آئی مین مقرر کر دیا اور اب میں اس کے جانشین کی حیثیت سے تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ اس اڈے کو فوراً چھوڑ دو۔ مارسیلز کی پولیس فوجی دستوں کے ساتھ کسی بھی وقت یہاں دھاوا بول سکتی ہے۔"

"تم جھوٹے ہو۔" وہ حیرت اور بے یقینی کے ساتھ بولا۔ "سپر آئی مین کبھی نہیں مر سکتا... جب اس نے ہیلی کاپٹر کے ٹرانسمیٹر پر مجھ سے بات کی تو اس کی آواز پُرسکون تھی، اس میں خوف کا یا خطرے کا شائبہ تک نہیں تھا۔"

"وہ صرف اسی لیے سپر آئی مین تھا کہ اسے اپنے اعصاب پر قابو رکھنے میں ملکہ حاصل تھا۔ بدترین حالات میں بھی اس کے سکون میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ اس نے میرے سامنے تم سے بات کی تھی۔ اس وقت ہم صرف محاصرے میں تھے، پولیس نے فائر نہیں کھولا تھا۔ جمی لائیڈ کی خودکشی کے بعد ہی میں اس کی بتائی ہوئی سمت میں فرار ہوا تھا ورنہ آج شی کا شیرازہ بکھر جاتا۔"

"میں نہیں مان سکتا۔" وہ ضدی لہجے میں بولا۔ "تم کوئی فراڈ ہو۔ میں تمہیں اسی وقت قابلِ اعتبار سمجھوں گا جب تم مجھے چار سلور آئیز دکھاؤ گے۔ سچے ہو تو تمہیں میرے اطمینان کے لیے یہ ثبوت فراہم کرنا ہوگا ورنہ تم یہاں سے زندہ نہیں جا سکو گے۔"

"چار سلور آئیز؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔ "تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے؟ اور ہاں یہ بتا دوں کہ میرا یہاں رکنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ تم میں سے جو بھی یہاں ٹھہرا رہا وہ واقعی یہاں سے زندہ نہ لوٹ سکے گا۔"

"اگر تم سچے ہو تو اس وقت تمہارے پاس چار طلائی سکے ہونے چاہییں۔" وہ میرے نقاب پوش چہرے کو گھورتے ہوئے بولا۔ "ایک میرا، دو جمی لائیڈ سے ملے ہوئے اور چوتھا تمہارا اپنا، کیونکہ تم آئی مین ہونے کے دعوے دار ہو۔"

میرے لیے وہ سنہرا موقع تھا۔ اس کی سلور آئی پر قابض ہونے کے بعد میں اس عمارت میں کسی کو بھی دو طلائی سکے دکھا کر اپنے سپر آئی مین ہونے کا یقین دلا سکتا تھا۔ اس وقت قرب و جوار میں جیف کی مدد کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ دو بڑوں کی ملاقات کے موقع پر دوسروں نے نظروں سے اوجھل رہنا ہی بہتر سمجھا تھا۔ میں چاہتا تو بہت آسانی اور خاموشی کے ساتھ اسے بیم گن کا نشانہ بنا سکتا تھا لیکن اس طرح میری دیرا تک رسائی مشکل ہو جاتی۔ جیف ڈارلنگٹن کے رام ہو جانے کے بعد میرا کام سہل ہو سکتا تھا۔

سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ جمی لائیڈ میرے منصوبے کو سمجھ چکا تھا۔ ہیلی کاپٹر کی واپسی کے بعد اس نے یقیناً اپنے آدمیوں سے رابطہ قائم کرنے کی سرتوڑ کوششیں شروع کر رکھی ہوں گی اس لیے میرے پاس بہت قلیل وقت تھا۔ میرے فارغ ہونے سے پہلے اگر جمی لائیڈ کو اپنے وسائل مجتمع کر کے اس اڈے کا رخ کرنے کا موقع مل جاتا تو میری بازی الٹ سکتی تھی۔

"میں تمہیں سب کچھ دکھا دیتا جیف!" میں نے متاسفانہ لہجہ

اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم نے میرے ساتھ گستاخانہ رویہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ تمہارے لب و لہجے سے شخصیت پرستی کی بو آرہی ہے۔ تم شی یا سپر آئی مین کے بجائے جمی لائیڈ کی وفاداری کا دم بھر رہے ہو جو ہم جیسی عالمگیر تنظیم کے لیے بہت خطرناک ہے۔ تمہاری خدمات ناقابل فراموش رہی ہیں لیکن مجھے تمہارے خلاف فیصلہ صادر کرتے ہوئے دکھ ہو رہا ہے۔ تم مر گئے تو شی اپنے ایک بارسوخ عہدے دار کا خلا مدتوں تک پورا نہ کرسکے گی۔"

میری اس قلابازی نے رنگ دکھایا۔ جیف ڈارلنگٹن کے چہرے پر پہلی بار خوف کے سائے منڈلاتے ہوئے نظر آئے۔ اس کے بارے میں تعریفی الفاظ استعمال کرکے میں نے جو دھمکی دی تھی وہ اس پر اثر کرتی نظر آرہی تھی۔

"شی سے وفاداری میرے خون میں رچی ہوئی ہے۔" کوشش کے باوجود وہ اپنے لہجے میں مدافعانہ رنگ کے اظہار سے نہ بچ سکا تھا۔ "جمی لائیڈ سے میرا برسوں کا ساتھ ہے۔ تم نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا وہ میرے لیے ابھی تک ناقابل یقین اور صدمے کا باعث ہے۔ وہ سپر آئی مین ہے۔ چاہے تو اپنی نیابت میں کسی خارش زدہ کتے کو بھی ہم پر مامور کرسکتا ہے۔ تم تو پھر بہت زیرک انسان نظر آتے ہو۔ شاید تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ گندی ایشیائی نسل کا ایک باغی ایک سلور آئی چرانے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ یہ راز صرف آئی مین جانتے ہیں۔ دوسرے کارکنوں کی لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر وہ کئی باران کو اپنے احکام کی تعمیل پر مجبور کرچکا ہے۔ ایسے حالات میں ہمیں محتاط ہی رہنا ہوگا۔"

"یہ سب میں بھی جانتا ہوں۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "مجھ سے الجھ کر تم بھی اپنی نسل کی کسی گندگی کا اظہار کر رہے ہو۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارا فیصلہ کیا ہے؟ میرے پاس تمہیں قائل کرنے کے لیے زیادہ وقت نہیں ہے۔ پولیس کسی بھی وقت آسکتی ہے۔"

"مجھے نشانیاں دکھا دو تو تم مجھے کسی کتے کی طرح اپنا وفادار پاؤ گے۔" وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

"ہیلی کاپٹر میں موجود تمہارے عملے کو نشانیاں دکھا کر ہی میں یہاں تک آیا ہوں۔ اپنی دوبارہ شناخت کو میں توہین تصور کرتا ہوں جس کی سزا صرف اور صرف موت ہوسکتی ہے۔" میں نے اسے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"مم... مگر میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔" وہ ہچکچاتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بولا۔ میری زبان سے دوسری بار اپنی موت کا ذکر سن کر اس کا چہرہ پھر تاریک پڑ گیا تھا۔

"میرے اختیار کو تسلیم کیے بغیر یہ ناممکن ہے۔" میں نے سرد لہجے میں وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اچانک بیم گن نکال لی۔

وہ ہتھیار اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ میرے ہاتھ میں بیم گن دیکھتے ہی اس نے التجائیہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ آگے فضا میں پھیلا دیے۔ "ٹھہرو! میں تمہاری ہر ہدایت پر بے چون وچرا عمل کرنے کو تیار ہوں۔"

"پھر مجھے ویرا کے پاس لے چلو۔" میں نے بیم گن کی نال اس کے سینے پر لگاتے ہوئے کہا۔ "اس بدنصیب لڑکی کو اس کی ممی کی تعزیت کے ساتھ ہی مجھے متوفی کا ایک پیغام بھی اس تک پہنچانا ہے جو میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔"

وہ خوفزدہ انداز میں کئی قدم پیچھے سرک گیا۔ "مم... میں تمہیں سپر آئی مین تسلیم کر رہا ہوں، پھر یہ بیم گن کیوں دکھا رہے ہو؟ اسے احتیاط سے رکھ لو۔ اب اس اسٹیشن پر میں تمہاری حفاظت کا پورا پورا ذمہ لیتا ہوں۔"

"تم بہت چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہو بڈھے!" میں نے بیم گن جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "اپنی موت کے خوف سے تم نے سمجھوتا کیا ہے ورنہ تمہارے دل کی سیاہی میں شبہات گندے کیڑوں کی طرح رینگ رہے ہیں۔ میں نے بیم گن رکھ لی ہے لیکن میں تم پر اعتماد نہیں کرسکتا۔ میں جب تک یہاں رہوں گا تم میری نظروں کے سامنے رہو گے۔"

وہ منہ چلا کر رہ گیا جیسے حلق میں پھنسی ہوئی کوئی چیز معدے میں اتارنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ویرا کہاں ہے؟ مجھے ادھر لے کر چلو۔" میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے جھنجوڑ ڈالا۔

وہ ہیلی پیڈ کے قریب والی اسی عمارت کی طرف چل پڑا جہاں سے برآمد ہوا تھا۔

باہر کے سرد اور کہر آلود موسم کے برعکس عمارت اندر سے آرام دہ حد تک گرم تھی۔ در و دیوار اور آرائش سے سحر انگیز ذوق ٹپک رہا تھا۔ دھیمی دھیمی پوشیدہ روشنیوں کی وجہ سے ماحول میں پُراسراریت رچی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

پہلی راہ داری میں داہنی طرف شیشے کی شفاف دیوار تھی جس کے پیچھے ریڈیائی آلات کا ایک پیچیدہ جال نظر آرہا تھا۔ وہاں دو سفید فام لڑکیاں کانوں پر ہیڈ فون پہنے، سر جھکائے اپنے کام میں مصروف تھیں۔ ان کے ہلتے ہوئے ہونٹوں اور مصروف انگلیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گفتگو کے ساتھ ہی کاغذ پر نوٹ بھی لیتی جا رہی تھیں۔

تین راہ داریوں میں گھومنے کے بعد جیف ایک خالی چوبی ڈیسک کے قریب رک گیا۔

"کون ہے؟" اس کے رکتے ہی ڈیسک میں لگے ہوئے

خفیہ اسپیکر پر ایک نسوانی آواز اُبھری جسے سُن کر میرا دل یکبارگی تیزی سے دھڑک اُٹھا کیونکہ دوسری طرف سے بولنے والی سو فیصد ویرا تھی۔

"جیف ڈارلنگٹن ملادام!" اس نے کسی تمہید کو چھیڑے بغیر کہا۔ "میرے ساتھ ایک مہمان بھی ہے جو تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"مہمان کو لوٹا دو، میں اس وقت کسی سے نہیں مل سکتی۔ میں بستر میں جا چکی ہوں۔"

"مہمان دور سے آیا ہے مادام!" میں نے آہستہ سے اردو میں کہا۔ "اسے مایوس نہ کرو۔"

کوئی جواب نہیں آیا لیکن لمحہ بھر کے بعد اس راہ داری میں ایک دروازہ کھلا اور ویرا لائیڈ شب خوابی کے مہین لبادے میں ملبوس برہنہ پا دوڑتی ہوئی ہماری طرف آئی۔ فرطِ مسرت سے اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا اور وہ رُواں رُواں مسکرا رہا تھا۔ وہ جیف ڈارلنگٹن کی پروا کیے بغیر آتے ہی مجھ سے یوں لپٹ گئی جیسے مدتوں سے مجھ سے بچھڑی ہوئی ہو لیکن ان نازک لمحات میں بھی میں جیف ڈارلنگٹن کی طرف سے غافل نہیں ہوا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میری زبان سے نامانوس الفاظ اور ویرا کا ردِعمل دیکھتے ہی وہ میری اصلیت بھانپ گیا ہوگا۔

اور ہوا بھی یہی۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر بول ہی پڑا: "میرے شبہات بے بنیاد نہیں تھے۔ آخر کار تمہیں ایک بار پھر اپنا گھناؤنا کھیل دُہرانے کا موقع مل ہی گیا لیکن یہ آزادی زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکے گی۔"

"یہ درست کہہ رہا ہے ڈیئی!" ویرا الگ ہو کر عجلت آمیز لہجے میں بولی۔ "تم مجھے بہت عزیز ہو لیکن پاپا سے مل کر مجھے احساس ہوا ہے کہ باپ ہر کسی کو زندگی میں ایک بار ہی ملتا ہے۔ یہ رشتہ ایک بار بچھڑ جائے تو دوبارہ کسی قیمت پر نہیں ملتا۔ لڑکی جوان اور خوبصورت ہو تو اسے عاشق اور شوہر زندگی کے ہر موڑ پر بار بار ملتے رہتے ہیں۔ اچھا ہوا کہ تم یہاں تک آ گئے اور تم نے اپنے کانوں سے میری رائے سُن لی۔ مجھے امید ہے کہ اس الوداعی ملاقات کو تم آسانی سے فراموش نہ کر سکو گے۔" ویرا انگریزی میں بولی تھی۔

میں حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ باپ سے ملتے ہی اس کے خیالات ایک دم پلٹ گئے تھے۔ اس کے چہرے اور آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس پر نہ تشدد کیا گیا تھا، نہ وہ منشیات کے زیرِ اثر تھی بلکہ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، پوری طرح ہوش و حواس کی حالت میں کہہ رہی تھی۔ مجھے یک بہ یک اس سے کراہت محسوس ہونے لگی۔ آخر کار خون نے اپنا رنگ دکھا ہی دیا تھا۔

"اچھا ہوا کہ یہ خلش بھی دور ہو گئی۔" میں نے اپنے حلق میں تلخی گھلتی ہوئی محسوس کی۔ "جہاں کا خمیر تھا، وہیں پہنچ گئی ہو۔ اپنی آنکھوں سے تمہیں نہ دیکھ لیتا تو میں بلاوجہ تمہاری فکروں میں گرفتار رہتا۔ اب تم صحیح معنوں میں مس لائیڈ کہی جا سکتی ہو۔"

"یہ منطقی انجام تھا۔" ہماری گفتگو میں اب نہ کوئی رمز رہا تھا نہ کنایہ اس لیے ساری گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔ "ایک نہ ایک دن ایسا ہونا ہی تھا۔ خون کے رشتے آسانی سے کبھی نہیں ٹوٹتے۔ چاہو تو جانے سے پہلے میری خواب گاہ بھی دیکھتے جاؤ، یہ آسائشیں شاید شہزادیوں کو بھی میسر نہ ہوں جو پاپا نے میرے لیے ڈھیر کر دی ہیں۔" بات کرتے کرتے نہ جانے اس کی آنکھ پھڑکی تھی یا اس نے جیف کی نظر بچا کر مجھے کوئی اشارہ کیا تھا۔ بات پوری کرتے ہی وہ اپنی خواب گاہ کی طرف مُڑ گئی۔ انداز ایسا تھا جیسے مجھ سے بھی تقلید کی توقع رکھتی ہو۔

"چلو! کاٹھ کے اُلّو!" میں نے تلخ لہجے میں جیف کو پچکارا۔ "یہ خلوت تم بھی دیکھ لو۔"

"نہیں!" ویرا مُڑ کر سخت لہجے میں بولی۔ "یہ اندر نہیں آ سکے گا۔ صرف تم چلے آؤ۔"

"یہ میرا یرغمالی ہے۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "ذرا بھی نگاہ چُوکی تو نکل بھاگے گا اور پورے اسٹیشن میں میرے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دے گا۔ تم فکر نہ کرو، اندر جانے سے پہلے میں اس کی آنکھوں پر رومال باندھ دوں گا۔"

رومال نہیں مل سکا لیکن جیف کے گلے میں سلک کا اسکارف موجود تھا جو میں نے اس کی آنکھوں پر باندھ دیا اور اسے ویرا کی خوابگاہ کی طرف ہانکنے لگا۔ اس دوران میں ویرا کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ رقص کرتی رہی۔ اس نے کئی بار مجھے اشارے بھی کیے جن کا مفہوم میرے پلے نہ پڑ سکا اور اسی الجھن میں میں اس کی وسیع و عریض خواب گاہ میں پہنچ گیا جہاں تصور میں آنے والی ہر آسائش موجود تھی۔

"واقعی بہت حسین کمرا ہے۔" میں نے چند ثانیوں کے بعد تبصرہ کیا۔

"کمرا کہہ کر اس کی توہین نہ کرو، اسے خواب گاہ کہو۔" ویرا نے چڑچڑے لہجے میں یہ کہتے ہوئے مجھے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور میں بے یقینی کے عالم میں اس کی طرف بڑھ گیا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس پر میرا اعتماد ایک دم متزلزل ہو گیا تھا۔

"یہاں ہر آواز ریکارڈ ہوتی ہے۔" وہ میرے کان کے قریب منہ لا کر سرگوشیانہ لہجے میں اردو میں بولی۔ "میں باہر بھی نہیں نکل سکتی۔ ایک انسٹرومنٹ دے رہی ہوں۔ اسے ہر وقت آن رکھنا، موقع ملتے ہی میں خود تم سے رابطہ قائم کروں گی۔ یہ دو سو کلومیٹر کے دائرے میں کارآمد رہتا ہے بس اتنا دھیان رکھنا۔" اس کا وہ پیغام میرے لیے غیر متوقع اور سنسنی خیز تھا۔

اس نے مجھے سگریٹ کی ڈبیا کے برابر ایک انسٹرومنٹ دیا جو میں نے پھرتی سے جیب میں ڈال لیا پھر اس انداز میں بولا جیسے اتنی دیر تک خاموشی کے ساتھ اس کی خواب گاہ کے سحر میں ڈوبا رہا ہوں۔ "تم

ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اسے تو سپر خواب گاہ کہنا چاہیے کیونکہ یہاں سپر آئی مین کی بیٹی سوتی ہے اور شاید تنہا سوتی ہے۔ میری دعا ہے کہ تمہارا باپ کبھی اس بارے میں سوچ سکے۔"

"تم میرے باپ کی طرف سے رقابت کا شکار ہو رہے ہو۔" ویرا کی آواز میں ترشی پیدا ہو گئی۔ "کان کھول کر سن لو کہ میں اس بارے میں اب کوئی بے ہودہ بات سننا پسند نہیں کرتی، تم چاہو تو واپس جا سکتے ہو۔"

میں نے ایک جھٹکے سے جیف کا بازو تھاما اور ویرا کی خواب گاہ سے نکل کر پُرشور آواز سے دروازہ بند کر دیا۔

"اسکارف کھول لوں؟" چند قدم چلنے کے بعد جیف خوفزدہ آواز میں منمنایا اور میں نے بے رحمی کے ساتھ وہ اسکارف اس کی آنکھوں سے نیچے کھینچ کر اس کی گردن میں ہار کی طرح چھوڑ دیا۔ میری اصلیت کا اندازہ کر لینے کے بعد جیف بہت خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ شاید میری چیرہ دستیوں کی کہانیاں اس تک خاصے اضافوں کے ساتھ پہنچی تھیں۔

ویرا سے ملاقات کے بعد میرا وہاں رُکنا بے سود تھا بلکہ وہاں وقت ضائع کرنا میرے لیے مہلک ثابت ہو سکتا تھا اس لیے میں نے راستے میں ہی جیف کو ہدایت کی کہ وہ ریمی مارٹن کو چھوڑ کر پائلٹ اور اس کے معاون روینو کو بلا لے۔

جیف کسی سدھائے ہوئے کتے کی طرح بے چون و چرا شیشے کی دیوار والے کمرے میں داخل ہوا۔ قدموں کی چاپ سُن کر دونوں لڑکیاں چونکیں اور پھر سر جھکا کر اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔ جیف نے ایک سوئچ بورڈ کے سامنے رک کر ایک نمبر دبایا اور میری ہدایت کے مطابق انگریزی میں روینو کو ہدایت کی کہ وہ اپنے ہوا باز کے ساتھ فوراً ہیلی پیڈ پر آ جائے۔

جیف کو ساتھ لیے، میں ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچا تو پائلٹ روینو کے ہمراہ پختہ ہیلی پیڈ پر موجود تھا۔ دروازہ کھول کر وہ دونوں اوپر چلے گئے تو میں نے جیف کو سوار ہونے کی ہدایت کی جس پر وہ بُری طرح خوفزدہ ہو گیا۔

"مم... میں کیا کروں گا؟ مجھے تم کہاں لے جا رہے ہو؟" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مارسیلز کی روشنیاں دکھاؤں گا۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ پھر ڈپٹ کر بولا۔ "اوپر چلو ورنہ...!" مجھے اپنا جملہ مکمل کرنے کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ جیف ہڑبڑا کر اوپر جا چکا تھا۔

میرے اوپر پہنچتے ہی انجن بیدار ہوا اور چند منٹ بعد ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو چکا تھا۔ میں نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ جیف اس کے قریب والی نشست پر سکڑا سہما بیٹھا تھا۔

جمی لائیڈ کا نقاب بہت لچکدار اور آرام دہ تھا جس کی باریک بناوٹ میں ہوا کے گزر کا خیال بھی رکھا گیا تھا لیکن نقاب میں اتنا وقت گزارنے کے بعد مجھے اس میں بہت تپش محسوس ہو رہی تھی، اس کی وجہ سے مجھے سگریٹ پیے کافی دیر ہو چکی تھی لہٰذا میں نے آہستگی کے ساتھ وہ نقاب اپنے چہرے سے اتار دیا۔ جیف نے میری اس حرکت کو حیرت کے ساتھ دیکھا تھا۔

"تو تم ہی سارے فساد کی جڑ ہو۔" میرے خدوخال دیکھ کر وہ غائبانہ لہجے میں بولا۔ "لیکن نقاب کیوں اتار دی تم نے؟"

"تمہارے دل میں میری صورت دیکھنے کی حسرت نہ رہ جائے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

وہ خاموش رہا لیکن بار بار میری طرف ایسی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جیسے مجھے کوئی عجوبہ تصور کر رہا ہو۔

میں بظاہر اسے نظرانداز کیے کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر اسے غافل پا کر میں نے بہت احتیاط اور رازداری کے ساتھ اپنی جیب سے بیم گن نکالی اور جیف کو کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر اس کی نال اس کے سینے کے بائیں حصے پر دل کے مقام پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ نال کا دباؤ محسوس کرتے ہی وہ ذرا سا کسمسایا تھا پھر کوئی آواز نکالے بغیر اپنی نشست میں اسی طرح ساکت ہو گیا۔

ایک لاش کے ساتھ سفر کا احساس خوشگوار نہیں تھا لیکن میری نگاہوں میں شی کا ہر بڑا ایسی ہی بڑی سزا کا مستحق تھا کہ اپنے جذبات کی پروا کیے بغیر مجھے کشت و خون کے لیے تیار رہنا پڑتا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ جیف کی بوڑھی ہڈیوں میں زندگی کی حرارت بہت جلد معدوم ہو جائے گی اور موت کی بے مہر سردی اس کے جوڑوں کو پتھر کی طرح سخت اور بے لچک بنا کر رکھ دے گی لہٰذا میں نے آہستہ آہستہ اس کی وزنی لاش کو نشست سے پائیدان میں اتارا پھر دونوں پیروں سے زور لگا کر اسے آہستہ آہستہ کھلے ہوئے دروازے کے خلا کی طرف دھکیلنے لگا۔

مجھے اعتراف ہے کہ وہ ایک بے مقصد اور وحشیانہ کارروائی تھی لیکن ہیروئن فروشوں کے ساتھ تصادم میں اکثر میری وہی کیفیت ہو جایا کرتی تھی۔ آسمان سے شہر پر لاش ٹپکنے کی خبر کی سرخیاں میرے تصور میں مچل رہی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ جیف کا ولدوز انجام شی کے ان گنت لوگوں کو مجھ سے خوفزدہ کر دیتا۔ میں جیف کے سر، دھڑ اور چہرے کی پروا کیے بغیر جوتوں سے اسے دھکیلتا رہا پھر یک بہ یک ہیلی کاپٹر کا توازن قدرے خراب ہوا۔ شاید دو من کے قریب وزن ہلکا ہونے سے رفتار میں بھی قدرے اضافہ ہوا جس پر پائلٹ نے بلند آواز میں پیچھے کی خیریت دریافت کی۔ روینو بھی چونک کر پیچھے گھوما تھا۔

"خیریت نہیں ہے۔" میں نے گھبرائی ہوئی، سپاٹ آواز میں کہا۔ "جیف نیند کی جھونک میں کھلے ہوئے دروازے سے نیچے گر گیا ہے۔"

دونوں کی تحیر زدہ چیخیں کیبن میں ابھریں۔ روینو اپنی نشست چھوڑ کر تیر کی طرح پیچھے آیا اور دروازے سے باہر تاریک دھند میں دیکھ

جانکنے لگا جیسے جیف فضا میں ٹھہرا اسے الوداع کہنے کا انتظار کر رہا ہوگا۔

تاریک دُھند سے مایوس ہو کر رڈنیو میری طرف پلٹا تو مجھے بے نقاب دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ "ارے! تمھارا نقاب؟"

"وہ بھی گیا۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "اتار کر جیف کی جیب میں رکھوایا تھا۔۔۔ آؤ اب تم یہاں بیٹھ جاؤ۔ جیف کے انجام نے میرا دل خراب کر دیا ہے۔ وہ اتنی تیزی سے گیا کہ میں دیکھتے ہوئے بھی اس کی مدد نہ کر سکا۔"

"وہ تم سے بھاری تھا۔" رڈنیو جیف کی خالی نشست سنبھالتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "تمھارا توازن خراب ہوتا تو وہ تمھیں بھی اپنے ساتھ سیکڑوں فٹ نیچے لے جاتا۔ خدا کی پناہ!" وہ جھرجھری لے کر رہ گیا۔

"حیرت یہ ہے کہ اس کی آواز تک نہیں سنائی دی۔"

"بس ہلکی سی ایک چیخ سنائی دی تھی۔" میں نے سادگی سے کہا۔ "وہ بھی انجن کے شور میں دب گئی ہوگی۔"

"مجھے امید ہے کہ وہ اپنی کسی حماقت کی بنا پر سزایاب نہ ہوا ہوگا۔" رڈنیو میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے متجسسانہ لہجے میں بولا۔ "وہ بہت محتاط طبیعت کا مالک تھا اور ڈسپلن کی سختی سے پابندی کرتا تھا۔"

"ضرور کرتا ہوگا۔" میں نے کہا۔ "مجھ سے تو اس بے چارے کی یہ پہلی اور آخری ملاقات تھی۔"

"میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم نے نقاب کیوں ہٹا دی؟" اس نے بے خوفی سے ساتھ وہ چبھتا ہوا سوال کر ڈالا۔ "تمھاری تو روایت رہی ہے کہ تنظیم میں آج تک کسی نے تمھاری اصلی صورت نہیں دیکھی۔ تم ہمیشہ نقاب میں سامنے آتے ہو۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اس کی تائید کی۔ "یہ سمجھانے کے لیے تمھیں ایک چیز دکھانا ہوگی۔" بات کرتے ہوئے میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ رڈنیو پرتجسس انداز میں کسی نئے انکشاف کا منتظر تھا کہ اس کی توقعات کے برعکس میں نے پھرتی سے بیم گن نکالی اور اس کے بھڑکنے سے قبل ہی موت کی شعاعیں اس کے دل میں سوراخ کر گئیں اور اس کا میری طرف بڑھتا ہوا ہاتھ واپس اسی کی گود میں گر گیا۔ مجھ سے لمحے بھر کی بھی تاخیر ہو جاتی تو اس نے میرے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا ہوتا۔ وہ جیف سے زیادہ چالاک اور دلیر تھا۔

جیف کے مقابلے میں وہ دلیر مقتول تھوڑی سی عزت افزائی کا مستحق تھا اس لیے میں نے اسے ٹھوکروں کا نشانہ بنانے کے بجائے بغلوں میں ہاتھ دے کر سیٹ میں سے نکالا اور پھر آہستگی سے باہر سنسناتی ہوئی یخ بستہ ہواؤں کے سپرد کر دیا۔ ایک بار پھر ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ ہیلی کاپٹر کی رفتار میں معمولی سا اضافہ ہوا۔

"پیچھے کیا ہو رہا ہے؟" اس بار پائلٹ خوفزدہ آواز میں چیخا تھا جیسے اس نے بھی موت کی بُو سونگھ لی ہو۔

"اب ہیلی کاپٹر میں ہم دونوں رہ گئے ہیں۔" میں نے اس کے قریب جا کر برابر والی نشست سنبھالتے ہوئے کہا۔ "رڈنیو باہر کا جائزہ لیتے ہوئے پیر پھسل جانے کے باعث باہر گر گیا ہے۔"

"تم جھوٹے اور قاتل ہو۔" پائلٹ ہذیانی انداز میں چیخ پڑا۔ "تم نے ان دونوں کو باہر پھینکا ہے۔ کون ہو تم؟ سپر آئی مین کہاں گیا؟"

"سپر آئی مین تمھارے سامنے ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "لہجہ نیچا اور حواس درست رکھو ورنہ گردن توڑ کر تمھیں بھی نیچے پھینک دوں گا۔ ہیلی کاپٹر اڑانا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

اس کی آنکھوں میں دہشت سمٹ آئی اور چہرہ تاریک پڑ گیا۔

میں نے اپنی ہوا بازی کا فرضی شوشہ چھوڑ کر اسے یہ جتا دیا تھا کہ پرواز جاری رکھنے کے لیے مجھے اس کے نخرے اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اسے مار کر بھی میں اپنا سفر جاری رکھ سکتا تھا۔

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ وہ واقعی اتفاقاً باہر گرے ہیں؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے سہمے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"وہ میرے وفادار تھے۔ مجھے کیا ضرورت تھی انھیں مارنے کی۔" میں چڑچڑے لہجے میں بولا۔

"سپر آئی مین کبھی بے نقاب نہیں دیکھا گیا مگر تم نے نقاب اتار دیا ہے۔" وہ آہستہ آہستہ اپنی کھوپڑی پر قابو پاتا جا رہا تھا۔ "تم پر شبہ کرنے کے لیے یہی ایک بات کافی ہے۔ آخر تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"بطخ کے انڈوں سے ہاتھی پیدا کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے جھلا کر کہا۔ "تم اپنے کام سے کام رکھو۔" پھر چونک کر سوال کیا۔ "یہ تو بتاؤ کہ تم ہیلی کاپٹر کدھر لے جا رہے ہو؟ روانگی سے پہلے جیف نے تمھیں نئی منزل کے بارے میں کیا ہدایت دی تھی؟"

"مجھے بس وہاں سے پرواز کا حکم ملا تھا۔ اس وقت ہم جنوب

میں سمندر پہ پرواز کر رہے ہیں۔"
"اس کا مطلب ہے کہ وہ دونوں سیدھے سمندر میں گئے ہوں گے؟"
میں نے اپنے دل میں مایوسی کی لہر دوڑتی محسوس کی کیونکہ اس طرح شہر میں لاشوں کی برسات والی اخباری سرخیاں درہم برہم ہو کر رہ جاتی تھیں۔

"جیف تو یقیناً بازار میں گرا ہوگا۔ رونیو کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ ساحل پر گر کر مرا ہوگا یا پانی میں ڈوبا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ ان دونوں کے ساتھ جو بھی صورت حال پیش آئی ہو وہ زندہ نہیں بچے ہوں گے۔ اس وقت ہم سطح سمندر سے تین ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہے ہیں۔ اتنی بلندی سے گرنے والا کنکر بھی ٹنوں کی اسراعی قوت کے ساتھ زمین سے ٹکراتا ہے۔"

"ہیلی کاپٹر شہر کی طرف موڑلو۔" میں نے سمندر پر پرواز کی خبر سن کر اسے ہدایت کی۔" اور مارسیلز سے باہر باہر پرواز کرتے ہوئے سینٹ فرانسس کے علاقے کی طرف نکل چلو۔"

"پرمٹ کے بغیر نیچی پرواز کے لیے وہ علاقہ بہت خطرناک ہے۔" وہ ہیلی کاپٹر کا رخ موڑتے ہوئے بولا۔" بل سارا ہاؤز سے ملحقہ زمینوں پر کافی اندر ایک اسٹیشن ہے۔ وہاں کے محافظ اپنی فضائی حدود میں آنے والے پرندوں تک کو مار گراتے ہیں۔ ان کی طرف سے پرمٹ اور کلیئرنس ملے بغیر ادھر کا رخ کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"ہم بل سارا ہاؤز کے قریب اتر سکتے ہیں۔ تمھیں تو ذرا سی مسطح زمین ہی درکار ہوگی۔" میں نے کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔ بل سارا ہاؤز اور اس سے ملحقہ ساری اراضی جیف ڈارلنگٹن کی ملکیت ہے۔ اسٹیشن والوں کو بل سارا ہاؤز میں مداخلت کی اطلاع ملی تو وہ بھیڑیوں کی طرح ادھر لپک پڑیں گے۔ مجھے کھل کر بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہ رہے ہو۔ پوری صورتِ حال سے واقف ہو کر شاید میں تمھیں کوئی مناسب مشورہ دے سکوں۔" پائلٹ کے لہجے میں پہلی بار اعتماد پیدا ہوا تھا۔

سلطان شاہ مارا جا چکا تھا، غزالہ کراچی پہنچ چکی تھی، ویرا اپنے باپ سے ملنے کے بعد نہ جانے کن چکروں میں پڑی ہوئی تھی۔ جمی لائیڈ لاپتا تھا اس لیے فوری طور پر میرے پاس کوئی کام باقی نہیں رہا تھا اور اس لیے کار ہی میں اچانک ہی میرے ذہن میں بل سارا ہاؤز نے سر ابھارا تھا۔ وہ شی والوں کی ایک ایسی عمارت تھی جہاں قید ہونے کے باوجود میں اس عمارت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا تھا۔ میرے ہاتھوں وہاں شی کے کئی افراد ہلاک اور زخمی ہوئے تھے لیکن عمارت کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ شہر میرے لیے خطرناک ہو چکا تھا اس لیے کیوں نہ اس ویرانے میں شب گزاری کے ساتھ بل سارا ہاؤز کی بنیادیں ہلانے کی راہ نکالی جائے اور آخر کار مجھے ایک تجویز سوجھ ہی گئی جو ہر اعتبار سے قابلِ عمل تھی بشرطیکہ جمی لائیڈ بہ ذات خود ادھر آ کر میرا کھیل نہ بگاڑ دیتا۔

"تم ہیلی کاپٹر بل سارا ہاؤز کی سپاٹ چھت پر اتار لینا۔" میں نے اسے مشورہ دیا۔" اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"بلا اجازت لینڈنگ پر وہ مجھے ذبح کر ڈالیں گے۔" اس نے بے بسی کے ساتھ کہا۔

"جو کچھ ہونا ہے، میرے ساتھ بھی ہوگا۔ میں تمھیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ اور ہاں، یہ بتادوں کہ شیپر آئی مین میں ہی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنے چہرے پر ایک بار پھر نقاب چڑھا لیا۔

"ایک بار نقاب اتارنے کے بعد میرے لیے اس کی اہمیت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر بے خوفی کے ساتھ کہا۔" ویسے بھی ہر نقاب پوش شیپر آئی مین نہیں ہو سکتا۔ اس کے کچھ اور بھی لوازم ہیں۔"

"وہ بھی دیکھ لو۔" میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر دو سکے اس کی طرف بڑھا دیں۔

اس نے دونوں سکوں کا جائزہ لے کر تفہیمی انداز میں سر ہلایا اور بولا۔" اب بات سمجھ میں آ رہی ہے۔"

"جو کچھ سمجھے ہو وہ مجھے بھی سمجھا دو تو زیادہ بہتر ہوگا۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کم از کم یہ تو طے ہو گیا کہ تم ہم ہی میں سے ہو لیکن تمھارا آئی مین ہونا اب بھی مشکوک ہے۔"

"تم بہت ہٹ دھرم معلوم ہوتے ہو۔ نقاب کے ساتھ دو سکے بھی تمھارے اطمینان کے لیے ناکافی ہیں۔"

"بالکل۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔" اس لیے کہ ایک سلور آئی سادہ ہے اور دوسری چین سے منسلک ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں جیف ڈارلنگٹن کی ہلاکت کا سبب جان چکا ہوں۔ اسے تم نے دانستہ راستے سے ہٹایا ہے۔"

"مگر کس لیے؟" میں نے انجان بنتے ہوئے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔ وہ مردود بالکل صحیح راہ پر چل رہا تھا۔

"سب کو معلوم ہے کہ جیف ڈارلنگٹن سلور آئی سونے کی چین کے ساتھ اپنے گلے میں پہنے رہتا تھا۔ تم خشک برساتی نالے میں ہم سے ٹکرائے تو تم نے رونیو اور ریمی مارٹن کو ایک سکہ دکھا کر کسی باغی آئی مین کی فرضی کہانی سنائی جب کہ باغی آئی مین تم خود تھے اور شیپر آئی مین بننے کے لیے تمھیں دوسری سلور آئی کی ضرورت تھی۔ تم نے کسی ترکیب سے جیف کے گلے سے سلور آئی حاصل کی اور پھر خاموشی کے ساتھ اسے ٹھکانے لگا دیا تاکہ وہ تمھاری بدنیتی کا راز افشا نہ کر سکے۔"

"پھر اس آدمی کو کس خانے میں فٹ کرو گے جو ندی میں ایک بار نظر آنے کے بعد چھلاوے کی طرح غائب ہو گیا تھا؟"

ہوسکتا ہے کہ وہی اصلی سُپر آئی مین رہا ہو اور اس نے تم سے
وانے کے لیے ہماری مدد طلب کی ہو لیکن تم نے اسے بھاگنے
رکے ہیلی کاپٹر پر قبضہ کر لیا۔"
غنیمت ہے کہ تم مجھے سُپر آئی مین نہ سہی، آئی مین تو تسلیم کر رہے

یں اس کے باوجود میرے ساتھ تمہارے مخاصمانہ رویے میں کوئی
نہیں آیا ہے۔ میں اسی ایک نکتے پر تمہیں سزا دینے کا اختیار رکھتا ہوں۔"
سزا کیسی؟ تم چاہو تو مجھے بھی جیف ڈارلنگٹن کی طرح ہلاک کر سکتے

ونکہ اس وقت تمہیں مجھ پر بالادستی حاصل ہے۔" گفتگو آگے بڑھنے
ساتھ ساتھ اس کے لب و لہجے میں بے خوفی پیدا ہوتی جا رہی تھی
ی نظروں میں تم آئی مین ضرور ہو مگر تنظیم کے اصولوں سے بغاوت

پر اپنا بھرم کھو چکے ہو۔ اس رائے کے باوجود میں تمہارا حکم ماننے
مجبور ہوں۔"
" تمہارے مفروضوں سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ
نظریات کا اظہار کر کے تم نے میرے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا قوی امکان

ا کر لیا ہے۔ مجھے اس بارے میں سوچنا پڑے گا۔"
" اپنی زندگی کی طرف سے خطرہ میں نے اسی وقت محسوس کر لیا تھا
ب میں نے تمہیں بے نقاب دیکھا تھا۔ اس لمحے تک مجھے تمہاری

یت پر شبہ نہیں ہوا تھا لیکن میں نے سمجھ لیا تھا کہ تم نے نقاب پہنے
کی روایت میرے سامنے اس لیے توڑی تھی کہ تم مجھے بھی مارنے
فیصلہ کر چکے تھے۔ اگر کوئی قریب المرگ شخص تمہاری اصل صورت

دیکھ لے تو تم پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔"
" تم سب کچھ سمجھ گئے ہو تو چلو یوں ہی سہی لیکن تم میرے ساتھ
تعاون کرنے پر مجبور رہو!"

" قطعی نہیں!" اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ " مجھے جب مرنا ہی ہے
تو ار تمہیں بھی ساتھ لے کر مروں۔ میں ہیلی کاپٹر کو کہیں بھی کریش

کر سکتا ہوں، تم مجھے نہیں روک سکو گے۔"
" میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہوا بازی میں مجھے بھی دسترس
ہے....!" میرا فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ اس نے اچانک ہذیانی

انداز میں ہنسنا شروع کر دیا تھا اور میں حیرت سے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔
" میرا دعویٰ ہے کہ تم ہوا بازی کی ابجد بھی نہیں جانتے۔" ہنسی کا
دورہ ختم ہونے پر وہ زہریلے لہجے میں بولا۔ " تمہارے اس نشست
پر بیٹھنے کے بعد میں نے کئی بار ہیلی کاپٹر کو دانستہ غوطے دیے ہیں۔
اگر تم ماہر ہوتے تو فوراً ہی میری حرکت پکڑ لیتے لیکن ان شدید جھٹکوں

کو ہوا کے دباؤ میں کمی کا نتیجہ سمجھ کر تم ایک اناڑی کی طرح بالکل خاموش
رہے۔ میں غلط کہہ رہا ہوں تو آؤ! ابھی میری جگہ سنبھال کر دکھاؤ،
دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ابھی الگ ہو جائے گا۔"
" موت اتنی آسان نہیں ہوتی۔" میں نے اس کی بات ٹالتے

ہوئے اس کے ذہن پر چھایا ہوا خوف کم کرنے کے لیے کہا۔
" جیف ڈارلنگٹن کے مارے جانے کی ایک وجہ تھی۔ وہ سلور آئی سے
محروم ہو کر ہرگز خاموش نہ رہتا لیکن تم میری ہدایات پر عمل کر کے زندہ
رہ سکتے ہو۔ بلا سبب خونریزی سے میں عام طور پر پرہیز ہی کرتا ہوں۔"

" اور رونو کا کیا قصور تھا؟" اس نے لمحہ بھر کے لیے میری طرف
دیکھ کر سوال کیا۔
" وہ جیف کا کٹر حمایتی تھا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ جیف اتفاقاً
ہیلی کاپٹر سے نہیں گرا تھا۔"

" تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میری ہمدردیاں جیف کے ساتھ
نہیں ہوں گی۔ میں برسوں سے اس کی ماتحتی میں کام کرتا چلا آ رہا ہوں۔
وہ ہر معیار سے تم سے بہتر آئی مین تھا۔ اپنے آدمیوں کی ضروریات
کا خود خیال رکھتا تھا۔" وہ میری طرف سے غیر مطمئن تھا۔

" میں نے اپنی رائے اور فیصلے سے تمہیں آگاہ کر دیا۔ اب انتخاب
کرنا تمہارا کام ہے۔" میں نے اس کی بحث سے زچ ہو کر کہا۔
" سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم زمین پر کسی کھلے میدان میں
نہیں ہیں۔" وہ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بولا۔ " فضا میں پرواز کرتے

ہوئے میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایک بار تمہیں
آزمایا جائے۔ ہیلی کاپٹر کو کریش کرنے کے بجائے میں مردانہ وار
تم سے مقابلہ کر کے خود کو بچانے کی کوشش کر سکتا ہوں۔ تم مجھے اپنا آسان

شکار نہیں بنا سکو گے۔"

" یہ بہت اچھی بات ہے۔" میں نے اطمینان کے ساتھ کہا۔
" مرنے والوں کے ساتھ اپنا مستقبل وابستہ کر لینا کسی بھی لحاظ سے
عقل مندی نہیں ہے۔ تم کو میرے رویے سے مایوسی نہیں ہوگی۔"

" ہم بِل سارا ہاؤنز کی طرف جا رہے ہیں۔" چند ثانیوں کے بوجھل
سکوت کے بعد اس نے معالحانہ لہجے میں کہا۔

" گڈ! اور ہمیں اس عمارت کی چھت پر لینڈ کرنا ہے۔" میں نے
ستائشی لہجے میں اسے یاد دلایا۔
اس کے بعد خاموشی کے ساتھ ہمارا سفر جاری رہا۔ میں اپنے

خیالات میں کھویا سگریٹیں پھونکتا رہا اور وہ باہر کے خراب موسم کے پیشِ نظر اپنی تمام تر توجہ ہیلی کاپٹر کے آلات پر مرکوز کیے رہا۔

اپنے فوری نوعیت کے مسائل سے فارغ ہوتے ہی میرا ذہن ویرا کی ذات میں الجھ گیا۔ اس نے اپنے اضطراری ردِّ عمل سے یہ تو ظاہر کر دیا تھا کہ میرے لیے اس کے دل کے نہاں خانوں میں بہتیرے نرم گوشے موجود تھے اور غزالہ سے میری رفاقت سے اچھی طرح واقف ہونے کے باوجود بھی وہ مجھ سے دل برداشتہ نہیں ہوئی تھی۔ اپنی اس کیفیت کے اظہار کے لیے اس نے جیف کی موجودگی کی بھی پروا نہیں کی تھی لیکن جمی لائیڈ کے بارے میں اس کا رویّہ بے حد حیرت انگیز ثابت ہوا تھا۔

بظاہر ویرا وہاں قید نہیں تھی۔ اسے جمی لائیڈ کی بیٹی کی حیثیت سے ساری مراعات حاصل تھیں پھر یہ بات ناقابلِ فہم تھی کہ وہ میرے ساتھ اس عمارت سے باہر کیوں نہیں نکل سکتی تھی؟

اس کی گفتگو سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جمی لائیڈ نے اس کے ساتھ بہت زیادہ مہربانی اور شفقت کا سلوک کیا تھا جس کے نتیجے میں ویرا کے اندر سوئی ہوئی بیٹی جاگ اٹھی تھی۔ بچپن اور لڑکپن کے سارے مراحل بے لگام انداز میں طے کر لینے کے بعد اچانک ہی اسے اپنا کھویا ہوا باپ مل گیا تھا اور ویرا نے ذہنی طور پر خود کو اس کی تحویل میں دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

بات وہیں تک رہتی اور ویرا میرے کان میں سرگوشیاں کیے بغیر مجھے لوٹا دیتی تو مجھے کوئی خلش نہ ہوتی لیکن ایک طرف وہ رضاکارانہ طور پر جمی لائیڈ کا دم بھرتی نظر آئی تو دوسری طرف اس نے مجھے خفیہ ایلچی کی بھی یقین دہانی کرائی تھی۔

وہ خیال آتے ہی میں نے اپنی جیب سے ویرا کا دیا ہوا آپریٹس نکال کر اس کا سوئچ آن کیا اور اسے دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اس لیے کہ ویرا کسی وقت بھی مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر سکتی تھی۔ وہ آپریٹس جیب میں ڈال کر میں نے جمی لائیڈ سے چھینا ہوا ٹرانسمیٹر نکال کر آن کر لیا۔ اس آلے پر اس وقت سکوت طاری تھا۔

میں چند ثانیوں تک وہ ٹرانسمیٹر ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا پھر مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ جمی لائیڈ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے اس طرح یہ بھی معلوم ہو سکتا تھا کہ وہ واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچنے میں کامیاب ہو سکا تھا یا بدستور مارسیلز کے ویران گوشوں میں قانون کے محافظوں اور مجھ جیسے دشمن سے چھپتا پھر رہا تھا۔

میں نے ٹرانسمیٹر آن کر کے اس کا کال بٹن دبایا اور جمی لائیڈ کے لیے پیغام نشر کر دیا۔ اس پیغام میں میں نے اپنے لیے ایک خیر خواہ کا لقب استعمال کیا تھا۔ خلافِ توقع چند ثانیوں بعد ہی ٹرانسمیٹر پر کسی لڑکی کی دلکش آواز ابھری جو میری مزید شناخت مانگ رہی تھی۔

"خیر خواہوں کا کوئی نام نہیں ہوتا بے بی!" میں نے جواب میں کہا۔ "سپر آئی مین موجود ہے تو وہ مجھے اسی حوالے سے پہچان سکے گا۔ اوور!" میں نے بات کرتے ہوئے نوٹ کیا کہ پائلٹ ہمہ تن میری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کے ٹھیک ٹھیک اندازوں سے واقف ہونے کے بعد میں نے اس کے سامنے سپر آئی مین کا ڈھونگ رچائے رکھنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اس وقت مجھ سے خائف ہو کر میرے احکام پر آمادہ تھا اور اس کے تیوروں میں سرکشی برائے نام ہی باقی رہ گئی تھی۔

"ہولڈ آن۔" لڑکی نے کہا اور پھر ٹرانسمیٹر پر سکوت چھا گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ میری کال کا جواب اسی عمارت سے دیا گیا تھا جہاں ویرا قید تھی اور شیشے کی دیوار والے ایک کمرے میں مواصلاتی مرکز بنا ہوا تھا۔

"میں اپنے خیر خواہ سے مخاطب ہوں!" چند ثانیوں بعد جمی لائیڈ کی بھاری اور خواب ناک آواز ٹرانسمیٹر پر ابھری۔ اسے سن کر یہ اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ زندگی اور موت کی جانگسل جدّوجہد سے گزر رہا تھا۔ اس کی آواز میں ابدی سکون اور اطمینان پایا جاتا تھا جو ہمیشہ سے اس کی مشینی آواز کا خاصہ رہا تھا اور اس کی شناخت بن گیا تھا۔

"اور یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے کس سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہے۔ اوور!" جمی لائیڈ نے اپنا فقرہ انگریزی میں مکمل کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ آپریٹس پر میری موجودگی کا اندازہ لگا چکا تھا ورنہ اصولاً اسے فرنچ ہی بولنی چاہیے تھی۔

"صرف تمھاری خیریت درکار تھی۔" میں نے اشارہ ملنے پر کہا۔ "آج تمھارے ستارے یاور تھے کہ تم بچ گئے۔ اگلی ملاقات تمھارے حق میں مہلک ثابت ہو گی۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں جو بات سوچ لیتا ہوں وہ ہر حال میں کر گزرتا ہوں... اوور!"

"اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔ غالباً ایسی گفتگو کر کے تم اپنے ساتھ موجود جیف اور اس کے ساتھیوں کو مرعوب کرنا چاہ رہے ہو... اوور!"

"میرے ساتھ صرف تمھارا پائلٹ رہ گیا ہے۔ جیف اور روڈنی کی لاشیں تمھیں مارسیلز کی ساحلی آبادیوں سے اٹھوانا ہوں گی۔ ان کا وہی حشر ہوا ہو گا جو مرسڈیز میں تم نے میرے دھوکے میں بردوائش کا کیا تھا۔ اوور!"

"اوہ!" اس کی ہلکی سی اضطراری غراہٹ سنائی دی مگر اس کے بعد وہ دوبارہ پُرسکون ہو گیا۔ "تمھارے جرائم کی فہرست دن بہ دن طویل ہوتی جا رہی ہے مگر اب تمھارا خاتمہ قریب ہے۔ میرا اندازہ غلط نہیں تو اس وقت تم مارسیلز کے جنوب میں سمندر پر پرواز کر رہے

۔ اوور!"

جیف ... نو کے بارے میں میری دی ہوئی اطلاع سے
نے وہی نتیجہ اخذ کیا تھا جو میں چاہ رہا تھا مگر میں نے فوراً ہی
بے چینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا" میرے بارے میں اب تک تمہارے
بارے اندازے غلط ثابت ہوتے آئے ہیں۔ کوشش کر کے دیکھ
لو شاید سمندری فضا میں کہیں میرا آسیب تم کو مل ہی جائے۔ اچھا ہے
آج کی رات فیصلہ ہو جائے کہ ہم میں سے کون زندہ رہے گا۔ اوور!"
"میں بے مقصد گفتگو میں وقت ضائع نہیں کر سکتا۔" اس کی آواز
ابھری۔ "شاید تم یہ جاننا چاہ رہے تھے کہ میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ
گیا ہوں یا نہیں۔ اس لیے اب یہ سلسلہ منقطع ہو جانا چاہیے۔ اوور!"
"تم نے بڑی ... سے ویرا کی برین واشنگ کی ہے لیکن کان
کھول کر سن لو کہ میں ... وقت اسے تمہاری تحویل سے نکال لے
جاؤں گا۔ اوور۔" میں نے دانستہ اسے چھیڑتے بلکہ سلگانے کی نیت
سے کہا۔
"اس نے اپنی مرضی سے فیصلہ کیا ہے۔ میں خود کو اس پر مسلط
نہیں کروں گا۔ اوور!"
"تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ مجھے دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہے۔ اوور!"
"چاہا کرے۔ وہ کسی لنگڑے لولے محتاج کو بھی چاہ سکتی ہے۔
اس کی فطرت میں رحم کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ اسی سے
محبت کر سکتی ہے جس پر رحم کر سکے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری ظاہری شخصیت
میں بھی ویرا کی رحم دلی کو ابھارنے والی کوئی شرمناک کمزوری پوشیدہ ہو۔
ایسا ہوا تو میں اس کا راستہ نہیں روکوں گا۔ اور ہاں! شاید تم نے پائلٹ
کو بھی آخر کار مارنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ اوور!"
"تم اسے اکسانے کی کوشش نہ کرو۔ اس کی وفاداریاں اب
میرے ساتھ ہیں۔ اوور!" میں نے پائلٹ کے چہرے کے بدلتے
ہوئے رنگ کا جائزہ لیتے ہوئے ترش لہجے میں کہا۔
"میری اور تمہاری بات مختلف ہے لیکن پائلٹ ہماری گفتگو
سن کر زندہ رہے گا تو میں مزید بات نہیں کر سکتا۔ اوور!" اس
کی آواز میں ایک بیک اکتاہٹ اور بیزاری عود کر آئی جیسے وہ واقعی
پائلٹ کی موت کا خواہاں ہو۔
"تم نے گیسٹ ہاؤس میں میرے ساتھی کو مار دیا اس لیے
میں نے تمہارے پائلٹ کو اب اپنا دابنا بازو بنانے کا فیصلہ کر لیا
ہے۔ اوور!" میں نے پائلٹ کے دل میں پیدا ہونے والا خوف دور
کرنے کی نیت سے کہا۔
"کاش میں آسے مار سکا ہوتا!" جمی لائیڈ کے سنسنی خیز جواب
کے دوران خون اچانک تیز ہو گیا۔ وہ کسی وحشی سانڈ کی طرح
... مجھ پر فائر نہ جھونک مارتا تو میں اسے بڑی نرمی سے
اپنا مہمان بناتا۔ نشانہ خطا ہونے پر میں اس کی طرف لپکا تو اس نے
کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔ وہ میرے ہاتھوں سے ضرور
بچ گیا لیکن آگ کے شعلے ضرور اسے چاٹ گئے ہوں گے۔ اوور!"
میرے لیے وہ اس دن کی سب سے بڑی خبر تھی۔ جمی لائیڈ
کو اس بارے میں مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اس
لیے سلطان شاہ کے بارے میں اس کی دی ہوئی اطلاع مستند تھی۔
میں اپنے جس عزیز دوست کو مردہ سمجھ کر اس کا ماتم کر چکا تھا، وہ زندہ
تھا۔ مجھے یقین تھا کہ سلطان شاہ اتنا احمق نہیں رہا ہو گا کہ تیزی سے
پھیلتی ہوئی آگ کا خطرہ بھانپ لینے کے باوجود اسی کمرے میں
محبوس رہا ہو جہاں اس نے جمی لائیڈ سے بچنے کے لیے پناہ لی تھی۔
اس خبر پر میرے وجود میں ایک نیا جوش اور ولولہ انگڑائیاں
لینے لگا۔ اس وقت پورے مارسیلز میں جمی لائیڈ ہی سلطان شاہ
کے بارے میں سب سے زیادہ مستند خبر دے سکتا تھا۔ گو دہ سلطان شاہ
کے زندہ بچ رہنے کے بارے میں پر اُمید نہیں تھا لیکن میں جانتا تھا
کہ جمی لائیڈ کو ناکام بنانے کے بعد اس نے موت کو اپنے قریب
بھی نہ پھٹکنے دیا ہو گا۔
"میرے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ تم ناکام رہے۔
اصل بات یہ ہے کہ اسے کھو کر میں فی الحال اکیلا رہ گیا ہوں اور میں
نے تمہارے پائلٹ کو اپنا ساتھی بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے کیونکہ
یہ دلیر ہی نہیں ذہین بھی ہے۔ اوور!"
"نہیں۔ تم میرے بارے میں ایسا کوئی یک طرفہ فیصلہ نہیں
کر سکتے۔" ٹرانسمیٹر کے بٹن سے انگلی ہٹتے ہی پائلٹ الجھن آمیز لہجے
میں بول پڑا۔ "ساتھی زبردستی نہیں بنائے جاتے۔ میں شی کے فراہم
کیے ہوئے بھرپور تحفظ کے سائے میں زندگی گزارنے کا عادی
ہوں جب کہ تم مجھے کوئی تحفظ فراہم نہیں کر سکتے۔ تم تو خود اپنی جان
بچاتے پھر رہے ہو، مجھے شی کے چنگل سے کیسے بچا سکو گے؟"
ٹرانسمیٹر پر جمی لائیڈ کی تلخ اور استہزائیہ ہنسی ابھری۔ "پہلے اس
کی رائے معلوم کر لو۔ جو لوگ ایک بار شی سے وابستہ ہو جاتے ہیں،
ان پر باہر کی دنیا کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتے ہیں۔
پھر وہ عمر بھر شی میں رہتے ہیں یا کہیں بھی نہیں رہتے، جہنم میں پہنچا
دیے جاتے ہیں۔ گیلوانی ابھی جوان ہے، وہ اتنی جلدی دنیا سے کوچ
کرنے کی تیاری نہیں کر سکتا۔ وہ چاہے تو اس وقت بھی صرف ایک
بٹن دبا کر پیراشوٹ سمیت لمحہ بھر میں باہر کود سکتا ہے اور تم اکیلے
فضا میں پرواز کرتے رہ جاؤ گے۔ ایندھن ختم ہونے کے بعد تمہارا
جو انجام ہو گا اس کا سہرا گیلوانی کے سر ہی بندھے گا۔ ہو سکتا ہے کہ
وہ اس وقت بھی میری آواز سن رہا ہو... اوور!"
میں نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ خاموشی سے گیلوانی کو گھورتا

رہا جس کی پیشانی پر اعصابی تناؤ کے باعث پسینے کی بوندیں نمودار ہو چکی تھیں۔ اس نے مجھے اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھا تو اضطراری طور پر بول پڑا۔" وہ تم سے گفتگو نہیں تھی بلکہ میرے لیے حکم تھا لیکن میں نہ تمھاری پیشکش قبول کر سکتا ہوں' نہ اس ہدایت پر عمل کر سکتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مسلح ہو اور میرے حرکت کرتے ہی مجھے گولی مارنے سے بھی دریغ نہیں کرو گے۔ میں صبر اور قناعت کے ساتھ کسی بہتر موقع کا انتظار کر سکتا ہوں۔"

"کیا بات ہے؟ جواب نہیں دیا تم نے؟ اوور!" چند ثانیوں کے انتظار کے بعد دوبارہ جمی لائیڈ کی آواز سنائی دی۔

"میں پیچھے بیٹھ کر تم سے بات کر رہا تھا۔" میں نے کہا" تم نے ایک امکان کی نشان دہی کی تو اب اگلی نشست پر آ گیا ہوں۔ وہ سب میرے مسائل ہیں، تمھیں ان سے کوئی غرض نہ ہونی چاہیے اوور۔"

"اتفاقاً یہ ٹرانسمیٹر تمھارے قبضے میں آ گیا ہے تو جب چاہو مجھ سے بات کر سکتے ہو۔ شاید آنے والے چند گھنٹوں میں تم اپنی ہٹ دھرمی سے باز آنے کا فیصلہ کر لو۔ بصورتِ دیگر میں تمھارے خلاف بہت بڑا آپریشن شروع کرا دوں گا۔ اوور!"

"نہ میں تمھارا پابند ہوں نہ تم میرے ماتحت۔ وقت خود فیصلہ کر دے گا کہ جیت کس کی ہوتی ہے۔ اوور اینڈ آل۔" میں نے بات پوری کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں باتوں ہی باتوں میں جمی لائیڈ گیلوانی کو بھڑکانے میں کامیاب نہ ہو جائے۔

"اب بات واضح ہوتی جا رہی ہے۔" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد گیلوانی بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔" ہو سکتا ہے کہ کسی زمانے میں تم ہم میں سے رہے ہو لیکن اب باہر کے آدمی ہو۔ ایک سلور آئی تو تم نے جیف سے حاصل کر لی مگر دوسری سلور آئی تمھارے پاس کہاں سے آئی؟ یہ معمّا میری سمجھ سے باہر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم وہی ڈینی ہو جسے پچھلے دنوں ہمارے آدمی تلاش کرتے رہے ہیں۔"

"اب تم صحیح لائن پر آئے ہو۔" میں نے اس سے گھماؤ پھراؤ کو بے سود سمجھتے ہوئے کہا۔" میں ڈینی ہی ہوں۔ اتنا جانتے ہو تو تمھیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ رشی کے لیے میرا نام دن بہ دن ایک بڑے مسئلے کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن رشی سے بغاوت پھر بھی نہ کر سکوں گا۔ باس ٹھیک کہہ رہا تھا کہ میں ابھی زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

وہ اپنی جگہ اٹل تھا اور میں اس کے بارے میں اپنے ذہن میں ایک نقشہ جما چکا تھا اس لیے میں نے اس پر مزید توانائی ضائع کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اِدھر اُدھر کی گفتگو کرتے ہوئے ہمارا سفر جاری رہا۔

کچھ دیر بعد اس نے خوش خبری سنائی کہ سینٹ فرانسس کے علاقے میں دھند بہت ہلکی تھی جس کا مطلب تھا کہ ہم کوئی خطرہ مول لیے بغیر بل سارا ہاؤز کی چھت پر لینڈ کر سکتے تھے۔ دھند گہری ہوتی تو ہماری وہ کوشش کسی حادثے کا شکار بھی ہو سکتی تھی۔

فضا میں پرواز کرتے ہوئے جب ہیلی کاپٹر کی بلندی کم ہوئی تو تاریکی میں میں کچھ بھی نہ پہچان سکا لیکن چند ہی ثانیوں بعد ہم ایک تاریک عمارت کی چھت پر نیچا ہونا شروع ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ ہم منزلِ مقصود پر پہنچ چکے تھے۔

یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ جمی لائیڈ بل سارا ہاؤز میں نہیں تھا لیکن عمارت اور احاطے میں روشنیوں کے انعکاس سے پتا چل رہا تھا کہ وہ عمارت غیر آباد نہیں تھی۔ میرے پچھلے معرکے میں بل سارا ہاؤز کے کچھ مکین میرے ہاتھوں مارے گئے تھے جو زندہ بچے تھے ان کے بارے میں مجھے شبہ تھا کہ ہمارے فرار میں ان کو غفلت کا مرتکب ٹھہرا کر جمی لائیڈ نے ٹھکانے نہ لگا دیا ہو۔ اس جیسے منتقم اور سرد مزاج شخص سے کسی بھی وقت ایسے بھیانک اقدامات کی توقع کی جا سکتی تھی۔

گیلوانی کو خود اپنے لوگوں سے کسی بدترین اضطراری ردِعمل کا خدشہ تھا اس لیے وہ خود بہت محتاط تھا۔ اس نے ہیلی کاپٹر کے چھت سے لگتے ہی انجن بند کر دیا اور گڑگڑاتی چنگھاڑتی فضا میں یک لخت سناٹا چھا گیا جو غیر فطری محسوس ہو رہا تھا۔

گیلوانی اپنے ساتھیوں کی فکر میں پڑ کر مجھے بالکل بھولا ہوا تھا لیکن مجھے اس کے بارے میں اپنا منصوبہ اچھی طرح یاد تھا۔ بل سارا ہاؤز میں پیش آنے والی کسی بھی ہنگامی صورتِ حال کی وجہ سے میں اس سے نہتا ہونے کا مطالبہ نہیں کر سکتا تھا اور اس کے پاس اسلحے کی موجودگی کسی بھی لمحے میرے لیے موت کا پیغام بن سکتی تھی کیونکہ وہ واشگاف الفاظ میں رشی سے اپنی وفاداری کا اظہار کر چکا تھا۔ ان حالات میں میرے لیے بہت زیادہ راستے نہیں رہ گئے تھے۔ یا تو اپنی جان کا خطرہ مول لے کر اسے کسی مناسب وقت کے لیے زندہ رکھتا یا فوراً ہلاک کر دیتا۔

انجن بند کر کے وہ ہیلی کاپٹر سے اترنے کی تیاری کر رہا تھا کہ میں نے اس کو ہوشیار ہونے کا موقع دیے بغیر بیم گن کی مہلک نیلی شعاع اس کی کھوپڑی کے عقبی حصے میں گزار دی کیونکہ میری معلومات کے مطابق انسانی ذہن کے حساس ترین حصے اسی سمت میں پائے جا سکتے ہیں۔ لمحہ بھر کے لیے گیلوانی کا جوان جسم انتہائی پُرہیبت اور غیر انسانی انداز میں اکڑا۔ موت کے کرب میں ڈوبی ہوئی آنکھیں میری طرف اٹھیں اور پھر وہ ایک بھیانک آواز کے ساتھ منہ کے بل ہیلی کاپٹر کے انسٹرومنٹ پینل پر گر گیا۔

میں اس کا انجام دیکھنے کے لیے نہیں ٹھہرا۔ مجھے پورا یقین

تھا کہ ہیم گن اپنا کام دکھا چکی تھی۔ وہ مر چکا تھا یا مرنے ہی والا تھا
نصف گھنٹے کی قلیل سی مدت میں رونشی کا تیسرا موذی اہل کار تھا جو
میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوا تھا مگر جمی لائیڈ پھر بھی میری دسترس
سے باہر تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ میرے ہاتھوں اپنے
آدمیوں کے خون کی بھینٹ لے رہا تھا اور ان کی ایک مقررہ تعداد
پوری ہونے سے پہلے ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔

ہیلی کاپٹر سے پختہ چھت پر اترتے ہی سب سے پہلے میں
نے اوپر آنے والے زینے تلاش کیے جن کے اختتام پر اوپر کوئی
دروازہ وغیرہ نہیں لگایا گیا تھا۔ زینے بالکل تاریک اور سنسان پڑے
ہوئے تھے۔

زینوں پر نگاہ رکھتے ہوئے میں نے دیوار کے عقب میں جھانک
کر ایک ایسے مقام کا تعین کیا جہاں سے میں ضرورت پڑنے پر پختہ
چھجے پر کود کر زینوں کا رُخ کیے بغیر چھت سے فرار ہو سکتا تھا اور
پھر ہیم گن سنبھال کر اندھیرے میں وہیں دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا

وقت دھیمے دھیمے رینگتا رہا۔ چھت پر موجود ہیلی کاپٹر کا
وسیع و عریض ڈھانچا ماحول کو گمبھیر بنا رہا تھا لیکن میرے لیے سب سے
زیادہ تشویش کی بات یہ تھی کہ بل سارا ہاؤز پر ہیلی کاپٹر لینڈ کرنے
کے باوجود عمارت میں یا اس کے گرد و پیش میں نہ کوئی آہٹ پیدا
ہوئی تھی اور نہ ہی کسی اور ردِعمل کے کوئی آثار نظر آئے تھے۔ ایسا
معلوم ہو رہا تھا جیسے عمارت ویران پڑی ہو یا پھر اس کے سارے
مکین افیم کھا کر گہری نیند سو رہے ہوں۔ میرے لیے وہ دونوں ہی
امکانات ناقابلِ قبول تھے۔

جان لی بگ کے ہمراہ ادھر آکر میں نہ صرف وہاں زندگی کے
جملہ آثار دیکھ چکا تھا بلکہ وہاں مسلح محافظوں کا بندوبست بھی بھگت
چکا تھا اس وجہ سے وہ خاموشی مجھے بہت بھیانک محسوس ہو رہی
تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے اوپر اعصابی تناؤ طاری
ہوتا جا رہا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ گزر جانے کے بعد میں پوری احتیاط
کے ساتھ زینوں کی طرف بڑھا۔ ہر طرف انتہا سناٹے کی حکمرانی
تھی۔ چند ثانیوں تک اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے
کے بعد میں دھڑکتے دل کے ساتھ زینوں پر اترا اور پھونک پھونک
کر قدم رکھتے ہوئے آخر کار نیچے پہنچ ہی گیا جہاں عمارت میں پھیلی
ہوئی روشنی کے انعکاس نے نچلے زینوں کو بھی روشن کیا ہوا تھا۔

کسی ذی روح کا سامنا کیے بغیر نیچے پہنچ جانے کے بعد
مجھے یقین سا ہونے لگا کہ بعض نامعلوم وجوہ کی بنا پر عمارت خالی
کر دی گئی تھی۔ رفتہ رفتہ میں نے پوری عمارت کا جائزہ لے ڈالا لیکن
کہیں متنفس نہ مل سکا لیکن آخر میں کچن میں گھستے ہی مجھے ایک شدید
ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔ وہاں فرش پر چار لاشیں پڑی ہوئی
تھیں جن میں سے ہر ایک کی پیشانی کے وسط میں پستول کی گولی کا
سوراخ موجود تھا۔ لاشیں کافی پرانی تھیں کیونکہ زخموں سے چہرے
اور پھر فرش پر بہنے والا خون خشک ہو کر جم چکا تھا۔ جہاں خون
کی زیادہ مقدار جمع ہو گئی تھی وہاں لوتھڑے بن گئے تھے۔ مرنے
والوں کی کھلی ہوئی بے نور آنکھوں میں بے بسی کی ایسی کیفیت
جمی ہوئی تھی کہ میں پھریری لے کر رہ گیا۔

جمی لائیڈ نے بل سارا ہاؤز کے بارے میں بھی میرے اندازوں
کو غلط ثابت نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ چاروں کڑیل اور توانا جوان
تھے جنھیں کچن میں گھیر کر ایک ہی انداز میں گولی مارنا جمی لائیڈ کے علاوہ
کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ ہمارے فرار کے بعد وہ ان چاروں
کو مار کر اطمینان سے وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس بارے میں اس نے
کسی کو خبر دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی ورنہ لاشیں وہاں
سے ہٹائی جا چکی ہوتیں۔

یہ اتفاق تھا کہ جیف ڈارلنگٹن میرے ہاتھوں مارا گیا تھا
اور اپنی موت تک وہ یہی سمجھتا رہا ہوگا کہ بل سارا ہاؤز میں شی کے
چار آدمی عمارت کی دیکھ بھال کے لیے موجود ہیں جب کہ وہ عمارت
عملاً ویران اور لاوارث پڑی ہوئی تھی۔

بل سارا ہاؤز کے ایک کمرے میں میں جدید ترین ساخت کا
اتنا اسلحہ دیکھ چکا تھا کہ عمارت میں دو چار روز محصور رہ کر بھی خاصی
بڑی نفری کا مقابلہ کیا جا سکتا تھا اس لیے ہیم گن کو دوبارہ تھیلے میں
ڈال کر میں نے اسلحے خانے سے ٹامی گن میگزین سمیت حاصل کی
اور اپنی تسلی کے لیے دوبارہ عمارت کی تلاشی لے ڈالی۔ اس بار میں
نے اپنے آرام کے لیے ایک پُرتکلف خواب گاہ کا بھی انتخاب
کر لیا جہاں دو عدد ٹیلی فون موجود تھے۔ اس کے بعد باہر کا جائزہ
لینے کی بات رسمی سی رہ گئی تھی۔ باہر کوئی موجود ہوتا تو ہیلی کاپٹر کی
آواز سن کر کبھی کا اندر آ گیا ہوتا کیونکہ عمارت کے تمام ذیلی دروازوں
میں ایسے مخفی قفل تھے جو دروازہ بند ہونے پر مقفل ہو جاتے
تھے اور صرف اندر ہی سے کھولے جا سکتے تھے لیکن نکاسی کے
بڑے دروازے پر چابی والا قفل تھا جو کھلا ہوا تھا۔ شاید جمی لائیڈ
نے ادھر سے جاتے ہوئے پٹ ملا کر بند کرنا ہی کافی سمجھا تھا۔

بڑے دروازے کی چابی دستیاب نہیں تھی اس لیے میں نے
اسے اندر سے بولٹ کیا اور اطمینان سے اپنی منتخب کی ہوئی خواب گاہ
کی طرف چل دیا۔ بھاگ دوڑ اور جدوجہد کا خاتمہ ہوتے ہی مجھے
اچانک تھکان کا احساس ستانے لگا تھا اور دل میں بے اختیار نرم نرم
بستر کی حرارت آمیز آغوش کی خواہش جاگ اٹھی تھی۔

یہ بڑی عجیب بات تھی کہ محض ایک روز پہلے جو عمارت

شی کے خونخوار کارندوں کے تصرف میں تھی اور جہاں میں کئی گھنٹوں تک قیدی رہ چکا تھا، وہ آج بلاشرکت غیرے میرے تصرف میں تھی اور اس کے اصل قابضین کے بے گور و کفن، بے روح جسم کچن میں اپنے ہی خون میں نہائے ہوئے پڑے تھے۔ ان کے مالکوں کو بھی ان کی لاشوں کو ٹھکانے لگانے کی کوئی فکر نہیں تھی۔

اس خواب گاہ میں داخل ہو کر میں تکان اتارنے کے لیے وائن کیبنٹ سے بوتل اتار کر، اپنے لیے اسکاچ کا پیگ تیار کر رہا تھا کہ اچانک مجھے ایک کمرے کی کھڑکی کی وہ گرل یاد آئی جسے میں نے بیم گن سے کاٹ کر الگ کیا تھا اور پھر اسی راستے سے میں دیرا اور سلطان شاہ کے ہمراہ فرار ہوا تھا۔ میں نے زینوں کے اختتام پر لگا نچلا دروازہ بند کر کے مکان میں داخلے کی ہر راہ مسدود کر دی تھی لیکن جمی لائیڈ کا بھیجا ہوا کوئی بھی چالاک آدمی تمام دروازوں کو بند پا کر ذرا سی کوشش کے بعد اس مخدوش کھڑکی تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ جب ہمیں اس کمرے میں قید کیا گیا تھا تو اندر سے دروازہ کھولنا ممکن نہیں ہو سکا تھا۔ شاید اس دروازے میں خاص طور پر باہر کے رُخ پر بولٹ موجود تھے۔

اپنا گلاس تیار کر کے میں نے سکون سے اپنا حلق تر کیا، سگریٹ سلگا کر چند گہرے اور پُرسرور کش لیے اور پھر گلاس اٹھا کر اپنے سابقہ قید خانے کی طرف چل دیا۔ وہاں دروازے پر باہر کے رُخ پر نہ صرف کنڈی بلکہ نیچے اوپر چار لیے بولٹ بھی لگے ہوئے تھے جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کمرے کو عمارت میں خاص طور پر قید خانے میں تبدیل کیا گیا تھا۔ میں نے اندرونی راہداری میں کھلنے والے اس دروازے کے سارے بولٹ لگائے اور پھر پورے اطمینان سے خواب گاہ میں واپس پہنچ گیا۔

بے دھیانی میں بستر پر لیٹتے ہوئے اچانک مجھے احساس ہوا کہ میری پشت پر رقم کا تھیلا کسا ہوا تھا جسے اتارے بغیر بستر پر لیٹنا ناممکن تھا۔ میں نے تھیلا الگ کر کے اپنی جیبوں سے دونوں ٹرانسمیٹر نکالے اور آن کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیے۔ دیرا نے تو کہا ہی تھا کہ وہ موقع پاتے ہی مجھ سے بات کرے گی لیکن مجھے جمی لائیڈ کی طرف سے بھی رابطے کی اُمید تھی۔

بستر بہت نرم اور آرام دہ تھا۔ اُس کی آغوش میسر آتے ہی میرا ذہن گزرے ہوئے واقعات کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔ جمی لائیڈ کی زبانی سلطان شاہ کے زندہ بچنے کی جزوی خبر ملنے کے بعد میرا اندازہ تھا کہ اس بھاگ دوڑ میں میں نے کچھ کھوئے بغیر جمی لائیڈ اور شی کو ناقابل تلافی جانی اور مالی نقصان پہنچایا تھا جس کا آسانی سے ازالہ نہیں ہو سکتا تھا۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ شی کے ساتھ متواتر تصادم کے نتیجے میں جمی لائیڈ کو میرا سراغ مل چکا تھا اور اسی تسلسل میں وہ کسی بھی وقت مجھ کو بدترین زک پہنچا سکتا تھا اس لیے مناسب یہی تھا کہ میں سلطان شاہ کو تلاش کرتے ہی فوری طور پر کچھ عرصے کے لیے روپوشی اختیار کر لیتا تاکہ مجھے نئی مہم کے آغاز کے لیے محاذ کے انتخاب کا موقع مل جاتا ورنہ اس وقت تک میں بس جمی لائیڈ کے قدموں کے نشانات پر ہی چل رہا تھا اور وہ چالاکی کے ساتھ مجھے کہیں بھی اپنے جال میں پھانس سکتا تھا۔

ویسے شاید روپوشی میرے لیے دشوار نہ ہوتی لیکن کراچی میں جہانگیر سے فون پر بات کرنے کے بعد میرا وہ مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا۔ میں پیٹرواک کے اطالوی پاسپورٹ پر کچھ عرصے کے لیے پاکستان جا کر وہاں اپنے معاملات سلجھا سکتا تھا جن میں غزالہ سے ملاقات اور فیکٹری کے مالی مسائل سرفہرست تھے۔

میں ان ہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک جمی لائیڈ سے چھینے ہوئے ٹرانسمیٹر سے ایک نسوانی آواز ابھرنی شروع ہو گئی جو آواز کم ہونے کے سبب سے میرے لیے ناقابلِ فہم بھنبھناہٹ تک محدود تھی۔ میں نے تجسس کے عالم میں آواز بڑھائی تو الفاظ واضح ہو گئے۔ وہ اپنا کوئی نام یا کوڈ بتائے بغیر کسی خیرخواہ کو پکار رہی تھی۔ وہ ایک ہی فقرہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے دہراتی جا رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھ سے بات کرنا چاہ رہی تھی کیونکہ پچھلی بار میں نے اپنے لیے خیرخواہ کا لفظ ہی استعمال کیا تھا۔

اس وقت میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کال کا جواب دوں یا گول کر جاؤں۔ جواب دینے کا مطلب ہوتا کہ میں اس وقت ٹرانسمیٹر آن کیے جمی لائیڈ کی طرف سے کسی رابطے کی توقع کر رہا تھا جب کہ خاموش رہنے کی صورت میں مجھے یہ خلش ستاتی رہتی کہ نہ جانے جمی لائیڈ کیا بات کرنا چاہ رہا تھا۔

اسی سوچ بچار میں کئی منٹ گزر گئے لیکن دوسری طرف سے بولنے والی لڑکی نے ہمت نہ ہاری۔ وہ لگے بندھے وقفے سے، شیریں لہجے میں مسلسل وہی ایک پیغام نشر کیے جا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میں نے جواب نہ دیا تو وہ اگلے کئی دن تک رٹے ہوئے طوطے کی طرح وہی الفاظ دہراتی رہے گی کیونکہ اس کے لیے وہ جمی لائیڈ کا حکم تھا۔

آخر کار میں نے بات کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا اور انسٹرومنٹ کا کال بٹن دبا کر بھرائی ہوئی غنودہ آواز میں بولا۔ "بول رہا ہوں۔ تم کون ہو؟ اپنی شناخت دو۔ اوور!"

"میرا باس تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔ ہولڈ آن پلیز!" لڑکی کی عجلت آمیز آواز سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا کیونکہ کافی دیر کی کوشش

کے بعد آخر کار وہ رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔

"ہاں، خیر خواہ! کیا ہو رہا تھا؟ اوور!" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد جمی لائیڈ کی سرد اور سپاٹ آواز ابھری۔

"سو رہا تھا!" میں نے اسی غنودہ لہجے میں کہا۔"تم کیسے جاگ رہے ہو؟ اوور!"

"کہاں سوئے ہوئے تھے؟ اس وقت ہیلی کاپٹر کے انجن کا شور نہیں سنائی دے رہا۔ اوور!"

"ہیلی کاپٹر اب تک مسلسل پرواز کرتا رہتا تو ایندھن ختم ہونے پر ضرور سمندر میں گر گیا ہوتا۔ تمہارے گیلوانی نے مجھے ایک نیم آباد جزیرے میں پہنچا دیا ہے۔ اس کے ایندھن کا بندوبست ہو گا تو وہ واپس چلا جائے گا۔ اوور!"

"جزیرہ؟" جمی لائیڈ کی آواز میں میں نے پہلی بار حیرت محسوس کی۔"ان اطراف میں ایسا جزیرہ کہاں سے آ گیا؟"

"اس موضوع پر میں مزید بات نہیں کر سکتا۔" میں نے اسے گمراہ کرنے کی نیت سے کہا۔"اصولاً تو مجھے ذکر ہی نہیں کرنا چاہیے تھا کہ میں کہاں مقیم ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ہاتھ بہت دراز ہیں۔ کوئی دوسری بات کرو۔ اوور!"

"یہ درست ہے کہ مجھے تمہارا ٹھکانا معلوم ہو جائے تو میں تمھیں نہیں بخشوں گا لیکن جزیرے کے بارے میں میرا سوال اضطراری تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ میں مارسیلز کے نواح میں کسی نیم آباد جزیرے کے وجود سے لاعلم ہوں۔ اوور!"

"تمہارا لاعلم رہنا ہی فی الحال میرے حق میں بہتر ہے۔ کیا تم کو صرف یہی معلوم کرنا تھا؟ اوور!"

"میری اصل دشمنی تم سے ہے۔" اس کی آواز ابھری۔"میں تمہاری طرح شاخوں پر وار کر کے اپنی توانائی ضائع نہیں کرتا بلکہ جڑ پر وار کرنے کا عادی ہوں۔ تمہارا آدمی میری نظروں میں آ گیا ہے۔ چاہو تو اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ اوور!"

مجھے معلوم تھا کہ وہ اوّل درجے کا فریبی تھا لیکن اس کی زبان سے وہ الفاظ سُن کر مجھے خوشی ہوئی۔"فوری طور پر ناممکن ہے۔ جزیرے سے نکلے بغیر میں اس سے نہیں مل سکتا۔ اگر وہ واقعی زندہ ہے تو اپنا راستہ خود تلاش کرے گا۔ اسے میری مدد کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہو سکے تو اسے پاکستان واپس روانہ کرا دو۔ اوور!"

"یہ سب تمہارا کام ہے۔ میں نے تو تمھیں آگاہ کر دیا ہے۔ اوور!"

"میں اتنا احمق نہیں ہوں جتنا تم سمجھتے ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔"تم اسے چارا بنا کر مجھے پکڑنا چاہتے ہو تو یہ کبھی نہ ہو سکے گا۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں کہ تم محض میری ہمدردی میں میرے ساتھی پر نگاہ رکھو۔ اوور!"

"تم مجھے اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور کر رہے ہو۔ تمہارے ساتھی نے گیسٹ ہاؤس میں مجھ پر فائر کیا تھا۔ اس لیے اصولاً مجھے اس کا خاتمہ ہی کرا دینا چاہیے تھا لیکن میں بے مقصد خونریزی سے گریز کرتا ہوں۔ اس لیے امانند کے بارے میں تمھیں مطلع کر رہا تھا ورنہ وہ میری نگاہ میں ہے جب چاہوں اسے مروا سکتا ہوں۔ اوور!"

میرا دل چاہا کہ اس سے بل سارا ہاؤز کے کچن میں پڑی ہوئی چار لاشوں کی تخلیق کا مقصد دریافت کروں لیکن اس طرح میرا وہ چالاک دشمن فوراً سمجھ لیتا کہ میں نے جزیرے کی کہانی اسے بہکانے کے لیے بنائی تھی ورنہ حقیقت میں میں نے ویران بل سارا ہاؤز میں پناہ لی ہوئی تھی اس لیے اپنی خواہش کو دل میں دبا کر بولا۔"تمہاری بات درست ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے اس کا نام بھی دریافت کر لیا۔ تم مجھے بتا دو کہ وہ کہاں ہے۔ میں جزیرے سے واپسی کے بعد ہی اس سے مل سکوں گا۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ اس کے گرد و پیش میں تمہارے کسی آدمی کا سایہ بھی نظر آیا تو میں ادھر کا رُخ نہیں کروں گا۔ اوور!"

"تم اس سے ملو یا نہ ملو، یہ تمہارا ذاتی فعل ہے۔ میرا اسے استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ جواب میں تم بھی میرے آدمیوں کی خون ریزی سے باز آ جاؤ گے۔ تم اب تک بے مقصد بہت خون بہا چکے ہو۔ اوور!"

"مشکل یہ ہے کہ براہِ راست نہ تم مجھے ڈرانے میں کامیاب ہو سکے ہو، نہ میں تمھیں مرعوب کر سکا ہوں۔ اس لیے سارا نزلہ تمہارے آدمیوں پر گرتا ہے کیونکہ وہ آسانی سے میرے قابو میں آ جاتے ہیں اب میرا ایک اہم ساتھی تمہاری نگاہوں میں آ گیا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے اُس کا سر دھڑ سے علیحدہ کرنے کے بجائے مجھے اطلاع دی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم از کم مارسیلز میں اپنے ساتھیوں کے خون کی ارزانی سے بوکھلا گئے ہو اور مجھ سے سمجھوتا کرنا چاہتے ہو۔ آج کل آدمی تو بہت مل جاتے ہیں مگر تجربے کار آدمی کا بدل مشکل سے ملتا ہے۔ اوور۔"

"تم اس معاملے کو غلط زاویے سے دیکھ رہے ہو!" میرے تلخ تبصرہ پر بھی اس کے لب و لہجے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ شی ایک بہت مضبوط تنظیم ہے اور بڑی تنظیموں میں کسی فرد کے آنے یا چلے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے آدمیوں کے نقصان کے بارے میں تمہاری سوچ بالکل بے بنیاد ہے۔ تم سے جو جھڑپ چل رہی ہے، اس سے میں بھی لطف اندوز ہونے لگا ہوں۔ بڑے عرصے کے بعد کوئی ایسا حریف اُبھر کر سامنے آیا ہے جس کے سدِباب کے لیے مجھے ذاتی طور پر توجہ دینی پڑ رہی ہے۔ اس لیے میں تم کو تمہارے ہی انداز میں انجام کو پہنچاؤں گا۔ تم جو چاہو سمجھ لو لیکن میں تمہارے آدمی کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ شاید اُس کے کاغذات

تمہارے پاس ہیں اس لیے وہ کسی ہوٹل کے بجائے شہر میں کوئی خفیہ ٹھکانا تلاش کر رہا ہے اور فی الحال گمنام سپاہی کی یادگار والے پارک میں مالیوں کے سامان کی کوٹھری میں چھپا ہوا ہے۔ بھوک پیاس نے نہ ستایا تو وہ ہفتوں اُس گندے اسٹور میں چھپا رہ سکتا ہے۔ اوور۔"

"میں تمہارے اِن جذبات کی قدر کرتا ہوں۔" میں نے اُسے مزید اشتعال دلانے سے گریز کرتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں کہا۔ "جزیرے سے واپسی تک وہ وہیں رکا رہا تو میں ضرور اُس سے ملوں گا۔ اوور۔"

"لیکن یہ جزیرہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آرہا۔" میرے لب ولہجے کی تبدیلی محسوس کرتے ہوئے وہ پھر پرانے موضوع پر آگیا۔ "تم یقین کرو کہ میں وہاں تم کو گھیرنے کی کوشش نہیں کروں گا لیکن یہ ضرور جاننا چاہتا ہوں کہ مارسیلز کے نواح میں ایسا کون سا جزیرہ ہے جس کے وجود سے میں اور میرے آدمی آج تک لاعلم ہیں۔ اوور۔"

"تم نہیں لیکن تمہارے آدمی ضرور واقف ہیں۔ مجھے گیلوانی نے یہاں پہنچایا ہے۔ واپسی پر اس سے ساری تفصیل معلوم کر لینا۔ وہ ان علاقوں کے بارے میں شاید قابلِ رشک معلومات رکھتا ہے۔ اوور۔"

جواب میں اُس نے کچھ کہنا شروع کیا تھا کہ اچانک میری توجہ دوسرے ٹرانسمیٹر کی طرف مبذول ہوگئی جس پر ویرا کی آواز اُبھر رہی تھی۔ میں نے فوراً ہی اس انسٹرومنٹ کی آواز بالکل بند کر دی تاکہ جمی لائیڈ کی بات کا اختتامی جواب نشر کرتے ہوئے ویرا کی آواز دوسری طرف نہ سُنی جا سکے۔

"کیا گیلوانی تمہارے قریب موجود نہیں ہے؟ اوور۔" جمی لائیڈ دریافت کر رہا تھا۔

"میرے نزدیک وہ قابلِ اعتماد آدمی نہیں ہے۔ اس لیے میں نے ایک ہی چھت کے نیچے اُس کے ساتھ رات گزارنا پسند نہیں کیا۔ جزیرے پر لینڈ کرتے ہی میں اس سے الگ ہوگیا تھا اور اب مجھے نیند آرہی ہے۔ تم نے اس وقت مجھے سوتے سے جگایا ہے۔ سکون سے گیلوانی کا انتظار کرو اور پھر تمہارے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ اوور اینڈ آل۔"

میں نے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا اور جھپٹ کر ویرا کے دیے ہوئے انسٹرومنٹ کی آواز بڑھا دی۔ اس وقت بھی ویرا میرے لیے کال کر رہی تھی۔ اُس نے اپنا پیغام مکمل کرکے جوں ہی لائن مجھے اوور کی، میں فوراً ہی بٹن دبا کر بول پڑا۔

"ڈیئر ماسپیکنگ . . . تم نے تسلی کر لی ہے کہ اس وقت تمہاری آواز کوئی اور نہیں سن رہا ہوگا؟ اوور۔" میری آواز میں تجسس آمیز اشتیاق اُبھر آیا تھا کیونکہ اس وقت میں ویرا کے اصل خیالات سے آگاہی حاصل کر سکتا تھا۔

"جہاں تمھیں لایا گیا تھا وہ عمارت بلکہ وہ سارا اڈا اسپیس نائین کے نام سے پہچانا جاتا ہے اور یہاں عقل کو دنگ کر دینے والے آلات اور شعبدے یکجا ہیں۔ ان کو دیکھنے کے بعد مجھے مقدر پر یقین آگیا ہے۔ تمہارے نصیب میں آزادی نہ لکھی ہوتی تو تمہارے یہاں سے بچ نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چیف کو موقع مل جاتا تو تمھیں مفلوج کرکے کسی بھی کونے میں ڈال سکتا تھا۔ . . . میں یہاں کے ریڈیو سینٹر سے ایک ایسا آلہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی ہوں جو اپنے گردوپیش میں دس فٹ کے فاصلے میں پیدا ہونے والی ہر آواز اور صوتی ارتعاش کو مکمل طور پر جذب کر لیتا ہے۔ تمہاری آواز میں نے ہیڈ فون پر سنی ہے۔ میں تم سے بات کر رہی ہوں۔ ٹرانسمیٹر کے اندر ہونے والے برقی ارتعاش سے تم میری آواز سُن رہے ہوگے مگر اپنی آواز خود مجھے نہیں سُنائی دے رہی۔ یہ بہت حیرت ناک اور کمال کا آلہ ہے۔ اوور۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے لیکن یہ دھیان رکھنا کہ وہ آلہ خاص طور پر تمہاری آواز کہیں اور نہ پہنچا رہا ہو۔ ویسے بھی فکر کی کوئی بات نہیں، تمھیں اپنا باپ مل گیا ہے اور باپ کو بیٹی مل گئی ہے۔ اوور۔"

"بس آگئے اپنی اصلیت پر۔" اُس کی آواز قدرے چڑچڑی ہوگئی۔ "تم مشرقی مرد، عورت کو ہمیشہ اپنا مطیع اور دستِ نگر دیکھنا چاہتے ہو۔ اسے اپنے فیصلے کی آزادی دے ہی نہیں سکتے۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں، سوچ سمجھ کر کر رہی ہوں۔ پھر ذرا یہ تو بتاؤ کہ مجھ پر تمہارا کیا اختیار ہے؟ کس رشتے سے تم مجھے اپنی مرضی کا پابند بنانا چاہتے ہو؟ اوور۔"

"تم جذباتی ہو رہی ہو مائی ڈارلنگ بے بی!" میں نے اُس کی بات مکمل ہوتے ہی کہا۔ "پتا نہیں تم نے اس وقت مجھ سے کس ارادے سے رجوع کیا ہے۔ میں تمھیں صرف امکانات سے آگاہ کر رہا تھا۔ تمہارے فیصلوں پر اثر انداز ہونے کا نہ میرا کوئی ارادہ ہے نہ حق بنتا ہے۔ تم سے میرے قریبی دوستانہ مراسم ضرور رہے ہیں، لیکن روایتی مفہوم میں تم میری گرل فرینڈ بھی کہی نہیں جا سکتیں۔ اس لیے تمھیں جذبات کی رَو میں بہے بغیر اپنے دل کی بھڑاس نکال لینی چاہیے۔ اوور۔"

"اسے تم بھڑاس نہیں کہہ سکتے۔" اُس کے لہجے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم مجھے سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ میں تم سے تعاون کرنا چاہتی ہوں، تمہارا ہاتھ بٹانے کے لیے آمادہ ہوں لیکن کٹھ پتلی بننے کے لیے آمادہ نہیں ہوں۔ یہ شرائط تسلیم کر سکتے ہو تو میں آگے بات کروں گی ورنہ وقت ضائع

زنا ہے سود ہوگا۔ اوور۔"

"اگر تمہارے دل میں یک بیک اپنے باپ کی محبت جاگ اُٹھی ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم مجھ سے کس طرح تعاون کر سکو گی۔ تم ابھی تک عزالہ کا سراغ لگانے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکی ہو، جب کہ اس معاملے کی اخلاقی ذمے داری تم نے خود قبول کی تھی۔ اس لیے بہتر ہے ذرا کھل کر بات کرو، ورنہ یوں ہی الجھتی رہو گی۔ اوور۔"

"تو سنو کہ مجھے اسپیس نائین میں وی آئی پی قیدی بنا لیا گیا ہے۔ اس کی ایک عمارت کی حدود میں میں اپنی مرضی سے جہاں چاہوں جا سکتی ہوں اور جو چاہوں کر سکتی ہوں۔ اس سے آگے میری آزادی سلب کر لی گئی ہے۔ اگر میں جذباتی صدمہ اور اس کے بعد باپ سے اپنی محبت کا ڈھونگ نہ رچاتی تو میرے ساتھ بُرا سلوک کیا جا سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ برین واشنگ کی نوبت آجاتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ شی اور اس کے سربراہ کے لیے میرے خیالات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی ہے۔ شی کی مکمل تباہی کے لیے مجھے تمہاری مدد درکار ہے۔ اگر تم مجھ سے کنارہ کشی کرنا چاہ رہے ہو تو پھر عزالہ کے بارے میں بھی میری کوئی ذمے داری نہیں رہے گی۔ میرے اور تمہارے راستے الگ ہو جائیں گے۔ فیصلہ تم کو کرنا ہے کہ اب کیا چاہتے ہو۔ اوور۔"
اس کا لہجہ قدرے تیز اور تلخ ہو گیا تھا۔

"اب تم نے اپنی پوزیشن واضح کی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہمیں ہر قیمت پر ایک دوسرے سے تعاون کرنا ہوگا ورنہ الگ الگ رہ کر ہم شاید کچھ بھی نہیں کر سکیں گے اور ہاں عزالہ کے بارے میں اگر تم اپنے وعدوں سے پھرنا چاہتی ہو تو اس کے لیے کسی عذر کی ضرورت نہیں اُس کا سراغ میں خود نکال لوں گا۔ ہمارا اشتراک بس شی کے خلاف تک محدود رہے گا۔ اوور۔"

"بُرا مان گئے۔" اُس کی ہنسی کی آواز اُبھری۔ "خیر وہ بعد کی بات ہے۔ جب تک مجھے رہائی نہ ملے اس وقت تک میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اس وقت تم سے بات کرنے کا صرف اتنا مقصد تھا کہ میری طرف سے تمہارے ذہن میں جو شبہات پیدا ہو رہے ہیں، اُن کا ازالہ کر سکوں۔ ایک بار ہمارے درمیان اعتماد اور دوستی کی فضا بحال ہو جائے تو ایک دوسرے کے لیے سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اوور۔"

"خدا کے لیے میرے لیے اب کچھ نہ کرنا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "ایک بار تم نے کچھ کرنا چاہا تھا تو میں عزالہ سے محروم ہو گیا تھا۔ اب کوئی نیا صدمہ اٹھانے کے قابل نہیں رہا ہوں۔ مجھ پر اب رحم کرنا۔ اوور۔"

"کیسے تم ہو کہاں؟ اوور۔" اُس نے موضوع بدل کر اچانک ہی سوال کیا اور میں چونک پڑا۔

مجھ سے وہی سوال جمی لائیڈ پوچھتا رہا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے شبہ ہوا تھا کہ کہیں جمی لائیڈ ہی نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ویرا کو مجھ سے بات کرنے پر مجبور نہ کیا ہو لیکن اس حقیقت نے میرے اندیشے کی تردید کر دی کہ ویرا کی کال جمی لائیڈ سے میری گفتگو کے دوران ہی نشر ہوئی تھی اس لیے ان دونوں کو ایک دوسرے سے منسلک نہیں کیا جا سکتا تھا۔

پھر بھی میں نے احتیاط کا دامن نہ چھوڑا۔ "جیف ڈارلنگٹن کے ہوا باز نے مجھے مارسیلز سے کچھ دور ایک نیم آباد جزیرے پر اُتار دیا ہے اور خود واپسی کے لیے ایندھن کی تلاش میں نکل گیا ہے۔ یہاں سے نکلنے کے لیے مجھے اپنے طور پر ہی کچھ کرنا ہوگا۔ گیلوانی کے واپس پہنچتے ہی ہر ایک کو اس جزیرے پر میری موجودگی کی خبر مل جائے گی۔ اوور۔"

"اُس نے تمھیں بے وقوف بنایا ہے۔" ویرا اپنے باپ سے زیادہ چالاک ثابت ہوئی۔ "مارسیلز کے قرب و جوار میں ایسے کسی جزیرے کا وجود نہیں ہے۔ وہ تمھیں دھوکے میں رکھ کر کمک لینے گیا ہوگا۔ میری مانو تو فوراً ہی کسی طرف دوڑ لگا دو۔ سمندر کی مخالف سمت اختیار کی تو تھوڑی ہی دیر میں تم کسی شاہراہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ اوور۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں اس امکان سے غافل نہیں ہوں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تمہاری کیسرمین سے ملاقات بھی ہوئی یا بس اُس کی آواز پر ہی گزارا کر رہی ہو؟ اوور۔"

"ہوٹل سے میرے اٹھائے جانے کے بعد وہ صبح سویرے میرے پاس آیا تھا۔ تنہائی میں اس نے مجھے اپنے سینے سے بھی لگایا تھا لیکن اُس کا رویہ سرد اور رسمی سا تھا۔ اپنے قول و فعل سے وہ پکا مشینی روبوٹ معلوم ہوتا ہے تھوڑی دیر تک سپاٹ لہجے میں ناصحانہ تقریر کرنے کے بعد واپس چلا گیا۔ ۔ ۔ اوور۔"

"تقریر کا خلاصہ کیا تھا؟ اوور۔" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"سارا زور صرف ایک نکتے پر تھا میں نے اپنی ساری عمر گمراہی میں گزاری تھی اور اب مجھے من و عن اس کی ہدایات پر عمل کرنا چاہیے، ورنہ زندگی کے گزرے ہوئے دن کسی بھی قیمت پر واپس نہیں لوٹا کرتے۔ ۔ ۔ اوور۔"

"یہ تو کھلی دھمکی ہے۔" میں نے حیرت سے کہا۔ "اور تم نے اُس کا منہ نوچنے کے بجائے یہ تلقین سر جھکا کر سن لی؟ اوور۔"

"تم میرے حالات کو نظر انداز کر رہے ہو مائی ڈیئر ڈینی!" وہ شاید تڑپ کر بولی تھی۔ "میں تو اس سے یہ بھی پوچھنا چاہ رہی تھی کہ روم اور میلان میں وہ ڈان مرسیانو کے روپ میں نوجوان اور بے سہارا لڑکیوں میں کس مسلک کی تبلیغ کرتا ہے لیکن میں چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ پوچھ سکی۔ اس کی شخصیت میں عجیب سا سحر ہے۔ اس سے نظریں چار کر کے بات کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے جس سے کم از کم میں بالکل

ہی محروم ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تمھارا اس سے سامنا ہوا یا نہیں . . . مجھے کسی سے بھی تمھارے اسپیس نائیٹن پہنچنے کی تفصیلات معلوم نہیں ہوسکیں وہ ہیلی کاپٹر کہاں سے تمھارے قبضے میں آگیا تھا؟ اوور۔"

"چند گھنٹے قبل تمھارے باپ سے میرا خون ریز تصادم ہوا ہے جس میں وہ لنگڑا ہوکر اپنی محبوبہ کے مکان سے نکل کر فرار ہونے پر مجبور ہوگیا۔ اُس نے ایک خشک برساتی نالے میں پناہ لے کر اپنے لیے ہیلی کاپٹر منگوایا تھا لیکن مَیں نے پھر اُسے گھیر لیا۔ اپنی نقاب سے محروم ہونے کے بعد وہ میرے ساتھ سمجھوتا کرنے پر مجبور ہوگیا کیونکہ اپنی اصل صورت میں وہ جیف ڈارلنگٹن کے لیے ڈان مرسیانو نامی ایک گھٹیا دلال سے زیادہ حیثیت کا مالک نہیں تھا جو دوستی کی آڑ میں اُس کی اسٹینو کو لے اُڑا تھا۔ وہ اپنے زخم سہلاتا اندھیرے میں روپوش ہوگیا اور مَیں ہیلی کاپٹر کے ذریعے اسپیس نائیٹن پہنچ گیا۔ اس وقت تک میں مشکل میں تھا۔ کیونکہ میں سپر آئی مَین ہونے کا دعویدار تھا مگر میرے پاس صرف ایک سلور آئی تھی۔ پھر مَیں نے مکاری کے ساتھ جیف ڈارلنگٹن کی سلور آئی بھی حاصل کرلی . . . اوور۔"

"تم تو ناقابلِ یقین خبریں سنا رہے ہو۔ ان ناکامیوں نے تو اُسے باؤلا بنا دیا ہوگا . . . کیا اس دوران میں سلطان بھی مسلسل تمھارا دُم چھلا بنا رہا ہے؟ اوور!" اُس نے بے یقینی کے ساتھ پوچھا۔

"اتنی بے دردی سے اُس کا ذکر نہ کرو۔" مَیں نے سخت لہجے میں کہا۔ "پہلے معرکے میں جمی لائیڈ کو زخمی کردینے کے باوجود میں دل گرفتہ تھا کیونکہ میری دانست میں سلطان شاہ مرگیا تھا لیکن تھوڑی دیر پہلے جمی لائیڈ نے خود بتایا ہے کہ وہ زندہ ہے اور گمنام سپاہی کی یادگار والے پارک میں مالیوں کے سامان کی کوٹھڑی میں چھپا ہوا ہے . . . میرے خلاف یہ اُس کی چال بھی ہوسکتی ہے۔ مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ سلطان شاہ واقعی زندہ ہے یا اپنے مقصد کی خاطر اپنی جان کی قربانی دے چکا ہے . . . اوور۔"

"مجھے افسوس ہے۔" ویرا کا لہجہ پُرخلوص تھا۔ "مَیں تو خود کو ہی مظلوم سمجھ رہی تھی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم دونوں بھی اس قدر بھیانک حالات سے گزر چکے ہو۔ لیکن اتنا بتا دوں کہ سلطان شاہ کی محبت میں پارک کا رُخ کرنے کی حماقت نہ کرنا۔ تمھیں ختم کرنے کے لیے جمی لائیڈ میلوں وسیع اس علاقے کو جہنم بنا دے گا جہاں اُسے تمھاری موجودگی کا ذرا بھی شبہ ہوگا۔ میں اُس کی کینہ پرور طبیعت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ زندگی میں شاید پہلی بار اُس کے کسی دشمن نے اُس کے بدن سے لہو گرایا ہے۔ اب صحیح معنوں میں اس پر تمھیں ختم کرنے کا جنون سوار ہوگیا ہوگا۔ وہ مسلسل تمھاری گھات میں لگا رہے گا۔ اوور۔"

"یہ میرے حق میں اور بہتر ہوگا۔ اشتعال میں آدمی کی کھوپڑی کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ وہ غلطی کرے گا اور مَیں پھر اُسے لہولہان کردوں گا۔ مجھے موقع مل گیا تو اس کی دونوں ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔ اب شاید وہ وقت قریب ہی آگیا ہے۔ اس دوران میں تم اپنی پُرتعیش قید جھیلتی رہو . . . اوور!"

"ایرپیس آن رکھنا . . ." بولتے بولتے وہ خاموش ہوئی پھر چونک کر بولی۔ "یہ ایرپیس صرف دو سو کلومیٹر کے دائرے میں کام کرتا ہے۔ تمھاری صاف اور واضح آواز سے پتا چل رہا ہے کہ تم مجھ سے خاصے قریب ہو۔ اوور!"

"مجھے فاصلے کا کوئی اندازہ نہیں۔ بس یہ معلوم ہے کہ کسی جزیرے پر ہوں۔ اوور۔" مَیں نے بے بسی کے ساتھ کہا۔

اُسے میرے جواب پر شبہ نہیں ہوا۔ "میرا خیال ہے کہ تم مارسیلز کی ہی کسی کھاڑی میں ہو۔ میری بتائی ہوئی ترکیب پر عمل کروگے تو کسی سے لفٹ لے کر بہت جلدی شہر پہنچ جاؤ گے لیکن پارک کی طرف جانے کی حماقت نہ کرنا۔" وہ ناصحانہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "مجھے جب بھی موقع ملا، مَیں بات کرتی رہوں گی۔ کبھی اچانک سلسلہ منقطع ہو جائے تو پریشان نہ ہونا۔ یہاں کسی وقت بھی کوئی نمودار ہوا تو میں سلسلہ منقطع کرکے ایرپیس چھپاؤں گی۔ اوور!"

"اور اگر مَیں بات کرنا چاہوں؟ اوور!" مَیں نے سوال کیا۔

"صبر کرنا پڑے گا۔ تمھاری طرف سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش مجھے دشواری میں ڈال سکتی ہے اس لیے میں اپنا ایرپیس صرف ضرورت کے وقت ہی آن کروں گی۔ اوور!"

"وہ آئے تو اُس کی لنگڑاہٹ پر ضرور غور کرنا۔ ہمت ہو تو سوال بھی کرسکتی ہو۔ اوور!"

"اُس نے خود کو اپنے ماتحتوں کا آئیڈیل بنایا ہوا ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ پوری طرح صحت یاب ہونے سے پہلے وہ کسی کے سامنے نہیں آئے گا۔ یہ اُس کی ایک نفسیاتی کمزوری ہے۔ اوور!"

"اب مجھے نکاسی کی راہ تلاش کرنی ہے اس لیے اوور اینڈ آل۔"

"لیکن ایرپیس آن رکھنا۔ اوور اینڈ آل۔" اُس نے تاکید کی اور پھر کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

بہت سی مجبوریوں اور ناکامیوں کے باوجود میرا مقدر اس حد تک یاور تھا کہ مَیں زندہ اور آزاد تھا لیکن اس سے آگے حالات بالکل ہی بے لگام ہوتے جارہے تھے جس کی وجہ سے میرے لیے اپنا کوئی پروگرام بنانا ناممکن ہوکر رہ گیا تھا۔

گیسٹ ہاؤس والے معرکے میں سلطان شاہ کی موت کا بھیانک المیہ ایک ڈراؤنے خواب کی طرح قبول کرکے میں نے خود کو پاکستان واپسی کے لیے تیار کرنا شروع کردیا تھا۔ اوّل تو وہاں غزالہ موجود تھی۔ اس کے آشیاں کے سارے تنکے ایک ایک کرکے بکھر چکے تھے اور وہ خود اپنی بقا کی خونریز جنگ لڑتی ہوئی نجانے کیسے پاکستان پہنچی

میں کامیاب ہوئی تھی۔ اس لیے اُسے فوری طور پر ایک مضبوط سہارے کی ضرورت تھی، ورنہ وہ جذباتی لڑکی مایوسی کے عالم میں خود اپنی زندگی کا خاتمہ کر سکتی تھی۔

اُس نے میری ذات سے جو جذبات اور توقعات وابستہ کی ہوئی تھیں اُن کی بناء پر میں اُسے مضبوط سہارا دے کر زندگی کی تلخ حقیقتیں برداشت کرنے کے لیے آمادہ کر سکتا تھا۔ اس لیے سلطان شاہ کی ناگہانی موت کے بعد میں نے خودکشی کے مقابلے سے عارضی طور ہٹانے کا فیصلہ کر لیا تھا تاکہ پاکستان واپس جا کر غزالہ کی دلجوئی کر سکوں۔ اس دوران میری غیر حاضری کی بنا پر جمی لائیڈ اور اُس کے حواری میری طرف سے غافل ہو جاتے اور میں کچھ عرصے بعد یورپ واپس لوٹ کر اُن کی صفوں میں اچانک ابتری پیدا کر سکتا تھا۔ رہ جاتی ویرا، تو اُس کے بارے میں مجھے اُمید تھی کہ باہر سے کوئی حوصلہ افزائی نہ ہونے کے باعث آخر کار وہ عارضی طور پر اپنے باپ کی خواہشات کے سامنے سر جھکا دے گی اور اس کی پناہ میں پوری طرح محفوظ و مامون رہے گی لیکن یہ ذہنی خاکہ مکمل ہوتے ہی جمی لائیڈ نے سلطان شاہ کے زندہ ہونے کی نوید دے کر میرے دل و دماغ میں ہیجان برپا کر دیا۔

غزالہ میری محبوبہ تھی اور سلطان شاہ میرا جاں نثار دوست۔ دونوں کا مقام الگ اور منفرد تھا دونوں میرے دل میں بستے تھے اور میں اُن میں سے کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دے سکتا تھا۔

جہانگیر سے فون پر ہونے والی گفتگو کے بعد غزالہ کا پاکستان بلکہ کراچی میں ہونا مستند تھا جب کہ سلطان شاہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ اس کے بارے میں خبر جمی لائیڈ سے ملی تھی۔ وہ محض اُلجھانے اور پھانسنے کے لیے بھی ایک جھوٹی خبر تخلیق کر سکتا تھا۔ مگر میرے دل میں سلطان شاہ کا جو مقام تھا اُس کے پیشِ نظر میں اس اطلاع کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی تصدیق یا تردید کے بعد ہی میں اپنے اگلے اقدام کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کر سکتا تھا۔

میں اس دوراہے پر معلق ہو کر رہ گیا تھا میری پاکستان روانگی کے نتیجے میں سلطان شاہ کسی بھی قسم کے شناختی کاغذات کے بغیر دیارِ غیر میں بالکل بے یار و مددگار رہ جاتا۔ فرنچ زبان سے لاعلمی کسی بھی لمحے اسے قانون کے آہنی شکنجے میں پہنچا دیتی اور اگر میں اُس کا کھوج نکالنے کے لیے گمنام سپاہی کی یادگار والے پارک کا رُخ کرتا تو مجھے سو فیصد سے زیادہ یقین تھا کہ سلطان شاہ وہاں ملتا یا نہ ملتا، شی کے خون آشام درندے ہولناک بارودی ہتھیاروں سے آتش و آہن برساتے مجھ پر ٹوٹ پڑتے۔

رات دھیمے دھیمے سرکتی رہی۔ میری نیند اچاٹ ہو چکی تھی اس لیے میں پے در پے سگریٹیں سلگا کر اس گتھی کا کوئی حل تلاش کرنے کی ناکام کوششیں کرتا رہا۔

میں گیسٹ ہاؤس، خشک برساتی نالے اور پھر اسپین نائین سے فرار ہو کر بحفاظت بل سارا ہاؤز میں پناہ گزین ہو چکا تھا جو دو روز پہلے تک شی والوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا لیکن اس وقت اُس کے کچن میں جمی لائیڈ کے چار مقتول اپنے ہی خون میں غلطاں ابدی نیند سو رہے تھے اور پانچویں گیلوانی کی لاش تھی جو عمارت کی چھت پر کھلے آسمان کے نیچے ہیلی کاپٹر میں پڑی ہوئی تھی۔

میں ہوا بازی کی مبادیات تک سے ناواقف تھا اس لیے ہیلی کاپٹر سے فائدہ اُٹھانے کا خیال ہی بے سود تھا۔ پھر مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ پچھلے معرکے میں شی والوں کی قید سے فرار ہوتے ہوئے ہم نے بل سارا ہاؤز کے احاطے میں موجود موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں کے ٹائر ناکارہ کر دیے تھے اس لیے دن طلوع ہونے پر یا اس سے پہلے مجھے پیدل ہی وہاں سے روانہ ہونا تھا کیونکہ شی والے اپنے اس اہم مضافاتی ٹھکانے کو زیادہ عرصے تک نظرانداز نہیں کر سکتے تھے بل سارا ہاؤز اور اس سے ملحقہ جاگیر کے نام نہاد مالک جیف ڈارلنگٹن کی موت کا علم ہوتے ہی جمی لائیڈ یقینی طور پر کسی اور کو اس زرعی جاگیر کا نگراں مقرر کر دیتا جو حکم ملتے ہی ادھر آتا اور پھر عمارت کی چھت پر ہیلی کاپٹر دیکھ کر بھونچکا رہ جاتا۔

ہیلی کاپٹر کا سراغ ملتے ہی جمی لائیڈ سمجھ لیتا کہ وہ رات میں نے بل سارا ہاؤز میں گزاری تھی پھر وہ اس کے گرد و پیش میں وسیع علاقے کی ناکابندی کرا سکتا تھا میرے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ ایسی کوئی کارروائی ہونے سے قبل اس عمارت سے جتنی دور ممکن ہو سکے نکل جاؤں۔

رات کے تین بجے کا عمل تھا۔ ہر طرف سکوت اور گہرے سناٹے کا راج تھا جسے کبھی کبھار، باہر سے آنے والا جھینگروں کا شور مجروح کر جاتا تھا۔ اس ماحول میں میرے لیے بستر پر پڑے رہ کر صرف سوچتے رہنا دشوار ہو گیا تھا اور میں نے اسی وقت روانگی کے ارادے سے ہاتھ منہ دھو کر رقم سے بھرا ہوا تھیلا اپنی پشت پر کسنا شروع کر دیا۔

اس سناٹے کے تسلسل میں معاً ایک موہوم سی گونج سن کر میں چونک پڑا۔ میرے اعصاب میں تناؤ پیدا ہو گیا اور اعضا ساکت ہو گئے چند ثانیوں تک اپنی پوری توجہ اس طرف مرکوز رکھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ کسی اعلا ساخت کی طاقتور کار کے انجن کی آواز تھی جو ڈھلتی رات کے اُن لمحات میں کسی آسیبی گونج کی طرح قریب آتی جا رہی تھی۔

میں دن کی روشنی میں وہ علاقہ اچھی طرح دیکھ چکا تھا اور کسی حد تک ان زرعی وڈیروں کے رہن سہن کا اندازہ بھی لگا سکتا تھا۔ کسی کی موت یا بیماری جیسی ہنگامی صورتِ حال کے علاوہ ان میں سے کوئی بھی اتنی رات گئے، سردی میں باہر نکلنا پسند نہ کرتا۔ ڈھلتی رات کے عیش و نشاط میں ڈوبی رونقیں ان اطراف میں صرف ہفتہ اور اتوار کی درمیانی رات جنم لیتی تھیں۔ اس لیے میں کار کے انجن کی اس آواز کو

آسانی سے نظر انداز نہ کر سکا۔

وہ کہیں اور جا رہے تھے تو بات مختلف تھی لیکن وہ بل سارا ہاؤز آرہے تھے تو معاملہ بہت نازک تھا۔ اس عمارت میں اسلحہ وافر مقدار میں موجود تھا لیکن مجھے فیصلہ کرنا تھا کہ ان سے ابتدا سے ہی مزاحمت کی جائے یا ان پر بے خبری میں وار کیا جائے۔

مزاحمت کی ابتدا کرنے کے لیے تو اتنا ہی کافی تھا کہ عمارت میں داخلے کا راستہ اندر سے مقفل تھا۔ ان لوگوں کو یقینی طور پر بتا دیا گیا ہوگا کہ عمارت خالی ہے اور کھلی ہوئی تھی، اس لیے بند دروازے انھیں چونکانے کے لیے کافی ہوتے۔ ایسی صورت میں وہ دو راستے اختیار کر سکتے تھے۔ اوّل تو دروازے پیٹ کر یا گھنٹی بجا کر اندر سے ہونے والے ردِ عمل کا انتظار کرتے اور مکمل خاموشی کے نتیجے میں زور آزمائی کر کے دروازے اکھاڑنے پر آمادہ ہو جاتے۔ دوسرا امکان یہ تھا کہ دروازے بند پا کر وہ اپنی دانست میں اندر والے کو ہوشیار ہونے کا موقع دیے بغیر خاموشی کے ساتھ اندر گھسنے کی کوشش کرتے۔ ایسی صورت میں مکان کی چھت پر پہنچ کر اندر رسائی حاصل کرنا بظاہر سب سے آسان نظر آتا لیکن چھت پر ہیلی کاپٹر اور اس میں پڑی ہوئی گیلوانی کی لاش انھیں بہت کچھ سمجھا سکتی تھی۔ دونوں صورتوں میں وہ خود کو کسی بھی بدترین صورتِ حال کے مقابلے کے لیے تیار کر سکتے تھے اور میرے لیے دشواریاں کھڑی ہو سکتی تھیں، اس لیے بہتر یہی تھا کہ میں دروازہ کھول کر مکان میں کسی ایسی جگہ روپوش ہو جاتا جہاں سے بوقتِ ضرورت فرار ہونے میں آسانی رہتی۔

اس طرح آنے والے کسی بھی خطرے کا ادراک کیے بغیر بے خبری میں اندر گھس آتے جس کے بعد پہل کا انتخاب میرے پاس ہوتا۔ وہ میری زد میں آجاتے تو میں انھیں للکار کر اپنے نشانے پر لے سکتا تھا اور اگر کسی بھی اعتبار سے صورتِ حال مخدوش نظر آتی تو آنے والوں سے بچ کر خاموشی سے باہر فرار ہو سکتا تھا۔

رات کے سناٹے میں کار کے طاقتور انجن کی گونج بتدریج واضح ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے آناً فاناً میں صورتِ حال کا تجزیہ کر کے اپنا لائحہ عمل طے کیا اور ایک کمرے سے ہلکی سی مشین گن اور اس کے کئی بھرے ہوئے میگزین اپنی تحویل میں لے کر عمارت میں داخلے کا بڑا چوبی دروازہ اندر سے کھول دیا۔ اسی ہال میں ایک گوشے میں ہینگر دل پر کئی اوورکوٹ لٹکے ہوئے تھے۔ میں اسی اسٹینڈ کی آڑ میں آسانی سے چھپ گیا۔ وہاں سے میں آنے والوں کو دیکھ سکتا تھا لیکن لمبے لمبے درزنی اوورکوٹوں کے درمیان میرا دیکھا جانا آسان نہیں تھا۔ جمی لائیڈ سے چھینی ہوئی نقاب میں نے اپنے چہرے پر منڈھ لی تھی۔

رقم سے بھرا ہوا تھیلا میری پشت پر کسا ہوا تھا۔ بیم گن جیب میں موجود تھی اور میں بھری ہوئی سب مشین گن لیے اپنی اس کمین گاہ میں دبکا ہوا تھا۔ میرے کان باہر سے آنے والی گونج پر لگے ہوئے تھے۔ لمحہ بھر کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے آنے والی گاڑی کا رخ تبدیل ہوا ہو اور وہ بل سارا ہاؤز سے دور جا رہی ہو لیکن اگلے ہی لمحے میں وہ غلط فہمی دور ہو گئی۔

وہ یقیناً جمی لائیڈ کے آدمیوں کی گاڑی تھی اور جیف ڈارلنگٹن کی موت کے بعد بل سارا ہاؤز کے نئے نگہبانوں کو لے کر ادھر آ رہی تھی۔ میں ایک فیصلہ کر کے اپنی تمام تر قوت اور صلاحیتوں کے ساتھ اس پر عمل کرنے کے لیے تیار تھا مگر ذہن کے کسی گوشے میں آنے والوں کی نفری کے بارے میں ایک دھڑکا موجود تھا، اگر ان کی تعداد زیادہ ہوتی تو میرے لیے ان سے الجھنا اور بیک وقت ان سب کو زیر کرنے کی کوشش کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

مجھے بہرحال ایک بات کی خوشی تھی کہ بل سارا ہاؤز سے میری پیدل روانگی کا سدِّباب ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اگر مقدر ساتھ دیتا تو میں آنے والوں کی کار لے کر بہت تیزی کے ساتھ اس علاقے سے دور نکل سکتا تھا۔ اس طرح جمی لائیڈ کے وسائل کے حرکت میں آنے سے قبل میں مارسیلز کی وسیع و عریض آبادی میں کہیں بھی مدغم ہو سکتا تھا۔

ذہنی تناؤ اور اعصابی کشیدگی کے عالم میں وقت کی رفتار مجھے بہت سست محسوس ہو رہی تھی لیکن آخر کار قیامت کی وہ گھڑیاں گزر ہی گئیں۔ بل سارا ہاؤز کے احاطے میں کسی کار کے رکنے کی آواز آئی، انجن بند کر دیا گیا اور پھر کئی آدمیوں کے زور زور سے بولنے کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ وہ فرنچ بول رہے تھے، اس لیے ان کی گفتگو میرے پلے نہ پڑ سکی لیکن ان کے اونچے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بل سارا ہاؤز کے بارے میں ان کے ذہنوں میں کوئی شبہ نہیں تھا، ورنہ یوں غیر محتاط انداز میں گفتگو نہ کرتے۔

بجری پر بیک وقت کئی افراد کے چلنے کی آوازیں سنائی دیں پھر وہ آہٹیں چند سیڑھیاں طے کر کے برآمدے کے پختہ فرش پر منتقل ہو گئیں۔ بند دروازے پر باہر سے دباؤ ڈالا گیا اور دیو ہیکل چوبی پٹ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کی طرف کھل گیا۔

پھر جونہی ان میں سے پہلا دراز قامت شخص اندر داخل ہوا، بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس کے پیچھے مزید تین افراد تھے جو بادی النظر میں اس کے ماتحت معلوم ہو رہے تھے۔

ان میں سے دو کے جسموں پر اوورکوٹ موجود تھے لیکن غنیمت یہ ہوا کہ ان میں سے کسی نے بھی ہینگر اسٹینڈ کی طرف آنے کی زحمت نہیں کی بلکہ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی اپنے اوورکوٹ اتار کر بے پروائی سے اسٹینڈ کی طرف اچھال دیے۔

مجھے خوف ہُوا کہ کہیں اس جھٹکے سے کوئی ہینگر یا اوور کوٹ اسٹینڈ نیچے نہ گر جائے۔ ایسی صورت میں میری وہاں موجودگی، کا راز فاش ہو سکتا تھا لیکن دونوں اوور کوٹ بالکل ٹھیک نشانے پر آئے اور اسٹینڈ پر جھول گئے جس کے نتیجے میں وہ جھری معدوم ہو گئی جس کے ذریعے میں آنے والوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے

بہت احتیاط کے ساتھ سب مشین گن کی نال سے ملبوسات کو دھیمے دھیمے سرکا کر دوبارہ ایک جگہ پیدا کی مگر اس وقت تک وہ چاروں ہال میں آگے بڑھ چکے تھے۔

یہ بات یقینی تھی کہ انھیں بل سارا ہاؤز کے کچن میں چار لاشوں کی موجودگی کا علم تھا اور وہ اس عمارت میں اپنے قدم جمانے سے پہلے ان لاشوں کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کرتے جبکہ میری حکمتِ عملی میں انھیں ذرا بھی مہلت دینے کی گنجائش نہیں تھی۔ اس لیے میں نے وزنی اونی ملبوسات کی اوٹ میں تیزی سے پہلو بدلا اور اس بار وہ چاروں نظر آ گئے۔

وہ چاروں سگریٹیں سلگا کر ہال کے وسط میں سنجیدگی کے ساتھ کسی موضوع پر تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ مسلح تو شاید وہ چاروں ہی تھے لیکن دو کے شانوں سے بھرے ہوئے چرمی ہولسٹرز لٹکے

ہوئے نظر آ رہے تھے۔

میں سب مشین گن سیدھی کر کے ہینڈز اپ کا نعرہ لگاتا ہوا اضطراری طور پر اپنی کمین گاہ سے باہر نکل آیا۔ دراز قامت کا چہرہ میری طرف تھا، اس لیے سب سے پہلے اس کی تحیر آمیز نگاہیں میری طرف اٹھیں۔ بقیہ تینوں بھی بجلی کی سی سرعت سے میری طرف

گھومے تھے۔ وہ چاروں شی کے گرگے تھے، اس لیے شرفا کے برعکس آدابِ مجرمانہ سے خوب واقف تھے۔ مشین گن جیسے مہلک

ہتھیار کو اپنے مقابل دیکھ کر ان چاروں نے سمجھ لیا تھا کہ ان میں سے کسی نے بھی اپنے ہتھیار تک ہاتھ لے جانے کی کوشش کی تو وہ چاروں ہی چھلنی کیے جا سکتے تھے۔ حیرت اور بے یقینی کے عالم

میں انھوں نے نیم دلی کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھا لیے۔

دراز قامت نے اسی کے ساتھ بھاری آواز میں مجھ سے کچھ کہا جس کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہ پڑ سکا۔

"انگریزی میں بات کرو!" میں نے غرا کر درشت لہجے میں کہا۔ "اور اس سے پہلے تم چاروں شانے ملا کر قطار بنا لو تا کہ میں بیک وقت تم سب کو دیکھ سکوں۔ کوئی بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو سب کو بھون ڈالوں گا۔"

وہ سرعت کے ساتھ میری ہدایت کے مطابق صف آرا ہو گئے۔ اپنی حرکات و سکنات سے وہ چاروں ہی حیرت زدہ اور بڑی حد تک مرعوب نظر آ رہے تھے جس کی وجہ شاید میرے چہرے پر چڑھی ہوئی سپیر آئی مین کی مخصوص نقاب تھی۔

"تم کون ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟" دراز قامت نے انگریزی میں مجھ سے سوال کیا۔ خلافِ توقع اس کا لہجہ نرم، دھیما اور مؤدبانہ تھا۔ شاید اُسے میرے روپ میں اپنے سربراہِ اعلیٰ کی موجودگی کا قوی گمان ہو رہا تھا لیکن وہ اس بارے میں براہِ راست کوئی سوال کرنے کے بجائے میری زبان سے انکشاف سُننے کا خواہاں تھا۔

"سُپیر آئی مین!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "تم اس عمارت میں کس کی اجازت سے داخل ہوئے ہو؟"

میرے ابتدائی الفاظ پر ان چاروں نے رکوع کے انداز میں اپنے سر کو خم دیا تھا پھر دراز قامت ہی بھرائی ہوئی آواز میں بولا تھا۔ "میری عقل کچھ کام نہیں کر رہی کہ تھوڑی دیر پہلے تم اسپیس نائین کے کنٹرول روم میں موجود تھے میرا خیال تھا کہ ہم کو تمھاری ہی ہدایت پر یہاں بھیجا گیا ہے۔ ہم ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر پوری رفتار سے یہاں پہنچے ہیں لیکن تم ہم سے پہلے یہاں موجود ہو۔"

"میں نے بل سارا ہاؤز کے بارے میں کسی کو کوئی ہدایت نہیں دی تھی بلکہ ہیلی کاپٹر سے خود یہاں آیا تھا۔ شاید تم کو باہر سے اس عمارت کی چھت پر موجود ہیلی کاپٹر نظر نہیں آیا؟" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"واقعی ہیلی کاپٹر نظر نہیں آیا!" اس کا لہجہ یک بیک طنزیہ ہو گیا۔ "کہر کی وجہ سے فضا دُھندلائی ہوئی نہ ہوتی تو ہم یوں بے محابا مُنہ اُٹھائے اندر نہ گھس آتے بلکہ تمھیں گھیرنے کی کوشش کرتے۔"

"کیا بک رہے ہو، ہوش میں رہ کر بات کرو۔" میں نے سب مشین گن کی نال کو جنبش دے کر غصیلے لہجے میں کہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے بدلے ہوئے انداز نے مجھے بوکھلا دیا تھا۔ اس کے تینوں ساتھی بھی اس کے جواب کے ساتھ ہی بے خوف نظر آنے لگے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میری کس بات نے ان کا خوف اور احترام زائل کر دیا تھا۔

"شاید ہم تمھیں سُپیر آئی مین سمجھتے رہتے اور تم ہمیں اپنی مرضی کے مطابق ہانکنے میں کامیاب ہو جاتے لیکن تم نے ہیلی کاپٹر سے اپنی آمد کا ذکر کر کے خود اپنا بھانڈا پھوڑ دیا۔" وہ میری طرف گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں کہنے لگا۔ "جب ہم اسپیس نائین سے روانہ ہوئے تو ہیلی پیڈ پر کوئی ہیلی کاپٹر موجود نہ تھا۔ جیف ڈارلنگٹن کے جانے کے بعد چھ ہیلی کاپٹر مشن پر روانہ ہو گئے تھے جن کی واپسی کے وقت کا کوئی اندازہ نہیں تھا اور ساتواں ہیلی کاپٹر جیف کا دُشمن لے بھاگا تھا، اسی لیے ہمیں کار سے آنا پڑا۔ اگر تم واقعی ہیلی کاپٹر سے یہاں پہنچے ہو تو تم وہی دُشمن ہو اور تمھیں جیف، روزمیو اور گیلوانی کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی۔ سب کو علم ہے کہ چھ ہیلی کاپٹر موت کے سایوں کی طرح تمھارے تعاقب میں نکلے ہوئے ہیں۔ تمھارا مقدر یہ یاد رکھنا کہ اسپیس نائین کے ریڈیو روم میں سُپیر آئی مین کا پیغام تمھاری روانگی کے چند منٹ بعد موصول ہوا ورنہ تمھیں پرواز سے پہلے ہی وہاں جہنم واصل کر دیا جاتا۔ تمھارے فرار کی اطلاع ملتے ہی سُپیر آئی مین اسپیس نائین پہنچا تھا اور ساری مہم کی نگرانی وہ خود کر رہا ہے۔"

وہ معاملے کی تہ تک پہنچ چکا تھا، اس لیے اس بارے میں اُسے یقین دلانے کی کوششیں بے سود تھیں لیکن اسے چھیڑ کر مزید کچھ معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں، اس لیے میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "تمھاری معلومات ناقص اور نامکمل ہیں۔ جیف ڈارلنگٹن اور روزمیو کو ہلاک کر کے میں نے اُن کی لاشیں ہیلی کاپٹر سے مارسیلز کے ساحلی علاقے میں گرا دی تھیں۔ گیلوانی ابھی تک مجھے سُپیر آئی مین سمجھ رہا ہے اور یہیں ایک خواب گاہ میں آرام کر رہا ہے۔ وہی مجھے ہیلی کاپٹر سے واپس لے جائے گا۔"

"چھ ہیلی کاپٹر مستقل فضا میں منڈلا رہے ہیں اور ان کا آپس میں لاسلکی رابطہ ہے۔ فضا میں پہنچتے ہی تم کسی نہ کسی کی نظروں میں آ جاؤ گے اور تمھیں کسی ننھے سے پرندے کی طرح مار گرایا جائے گا۔" اس کا لہجہ تضحیک آمیز ہو گیا۔

اس کے لہجے پر میں اچانک مشتعل ہو گیا اور ان میں سے سرے والے شخص کو اچانک ہی سب مشین گن کے برسٹ سے چھلنی کر ڈالا۔ اس کے حلق سے ایک کریہہ چیخ نکلی۔ اس کے سر سے پیروں تک سارے بدن پر سوراخ ہو گئے تھے جن سے خون کی دھاریں ابل پڑی تھیں۔ وہ اُچھل کر فرش پر گرا اور آناً فاناً میں ٹھنڈا ہو گیا۔

دراز قامت نے اس واقعے پر اپنے دانت اتنی سختی سے بھینچے تھے کہ اس کے جبڑوں کی وریدیں تک جلد پر اُبھر آئی تھیں۔ بقیہ دونوں افراد کے چہروں پر خوف اور تشویش کے سائے منڈلانے لگے تھے۔

زندگی اور موت کے فلسفے پر گھنٹوں بحث یا تقریر کرنا بہت آسان ہوتا ہے لیکن اجل کی دیوی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رقص کناں دیکھ کر اعصاب پر قابو رکھنا اتنا سہل نہیں ہوتا۔ اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر ان تینوں کو اپنی زندگی کی بے ثباتی کا یقین آ گیا تھا جس کے نتیجے میں وہ پتھر کے مجسموں کی طرح اپنی جگہوں پر جم کر رہ گئے تھے۔

"میرے ساتھ جو کچھ ہوگا، وہ بعد میں ہوگا لیکن تم اپنے ہر سانس کے لیے اس وقت میرے محتاج ہو۔" میں نے غصے سے ہنکارتے ہوئے کہا۔ "میں یقیناً تمھارا نقاب پوش چوہا نہیں ہوں لیکن میرے قہر سے وہ بھی پناہ مانگتا ہے۔"

"ہمیں تم سے تصادم کی اُمید نہیں تھی لیکن پھر بھی ہم بندوبست سے آئے تھے۔" دراز قامت کے اعصاب اس وقت بھی دم خم سے عاری

ہیں ہوئے تھے۔ ڈسپر آئی مین کسی بھی لمحے ہماری مدد کو پہنچ سکتا ہے۔"
موت کی آغوش میں جھولتے ہوئے ایک حریف کی وہ ہرزہ سرائی
میرے ذہن میں ایک دھماکا کر گئی۔ اس کے لہجے میں اعتماد تھا جس کا
مطلب تھا کہ مجھ سے ایک بار پھر کوئی لغزش ہو رہی تھی جس کا فائدہ ان
تینوں کو پہنچ سکتا تھا۔

"کیا ہے تمہارے پاس؟" میں اپنی جگہ سے چند قدم آگے بڑھ کر
دھاڑا۔ "اسے کیا معلوم کہ تمہیں مدد کی ضرورت ہے؟ بتاؤ، ورنہ میں ابھی
تم تینوں کو جہنم واصل کر دوں گا۔"

دراز قامت کی آنکھوں میں تحقیر آمیز چمک نمودار ہوئی جس
سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ زبان نہیں کھولے گا لیکن اس کے ساتھی میری
جنونی کیفیت سے خوفزدہ ہو چکے تھے، اس لیے ان میں سے ایک
اچانک ہی بول پڑا۔

"اس کی جیب میں آٹو ٹرانسمیٹر ہے۔" وہ دراز قامت کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "اگر اس کا سوئچ آن ہے تو شروع
سے اب تک کی تمام گفتگو اسپیس نائن کے ریڈیو روم میں سنی جا
رہی ہو گی۔"

دراز قامت کو اپنا انجام نظر آ گیا۔ وہ اپنے ساتھی کا فقرہ پورا
ہونے سے پہلے ہی دیوانہ وار میری طرف لپکا مگر میں اس کی طرف سے
غافل نہیں تھا۔ میں نے پہلو بدل کر سب مشین گن کا رخ درست کیا اور
اور جب وہ مجھ پر جست لگا رہا تھا تو فضا ہی میں اس کے جسم سے خون
کی دھاریں سی نکلیں۔ بارود کی بو اور گن کے بے رحم نغمے کی گونج میں فضا
ہی میں دراز قامت کی رفتار کم ہوئی، اس کی آنکھوں کی پتلیاں دھندلائیں
اور وہ کسی بے جان وزنی بورے کی طرح وہیں زمین پر آ رہا۔

اس کے گر جانے کے بعد میری توجہ دوسری چیخوں کی طرف مبذول
ہوئی تو اس کے باقی ماندہ دونوں ساتھی بھی خون میں غلطاں بری طرح
تڑپتے ہوئے نظر آئے۔ شاید میرے مہلک برسٹ کی کچھ بھٹکی ہوئی گولیاں
ان دونوں کو بھی چاٹ گئی تھیں۔ مجھے اپنے اس غیر ارادی اقدام پر ذرا
ملال نہیں ہوا کیونکہ میرے لیے وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے
بٹے تھے۔ ان کا آخر کار وہی انجام ہونا تھا جو سوچا تھا۔ میرا ان پر
رحم کھانے یا انہیں معاف کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

میں نے بڑھ کر پھرتی کے ساتھ دراز قامت کی جیبوں کی تلاشی
لی تو ایک جیب میں ٹرانسمیٹر مل ہی گیا لیکن وہ فائرنگ کی زد میں آ کر
چکنا چور ہو چکا تھا۔ آٹو ٹرانسمیٹر کی تصدیق کے بعد میرے لیے ایک
ایک لمحہ قیمتی تھا۔ دراز قامت کے دونوں ساتھیوں کو تڑپتا چھوڑ کر
میں دوڑتا ہوا عمارت سے باہر نکلا اور یہ دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی کہ
باہر موجود مرسڈیز فورڈ مستانگ کار کی چابی اگنیشن میں موجود تھی۔ میں
نے بلا تامل ڈرائیونگ سیٹ میں چھلانگ لگا کر انجن اسٹارٹ کیا اور
تیز رفتاری کے ساتھ کار کو گھما کر بل سارا ہاؤز سے واپس روانہ ہو گیا
جہاں اب چار کے بجائے اکٹھی نو لاشیں موجود تھیں۔ پشت پر موجود
تھیلے کی وجہ سے میں نے پشت گاہ کو پیچھے گرا دیا تھا۔

سیدھے راستے پر آتے ہی میں نے اپنے چہرے سے نقاب اتار
کر جیب میں اڑس لیا۔ کار کا ہیٹر پہلے سے آن تھا، اس لیے سفر کرتے
ہوئے باہر کی سردی کا ذرا بھی احساس نہیں ہو رہا تھا البتہ راستے میں
جا بجا زمین پر اتری ہوئی دھند کے دھبوں کے باعث مجھے کار کی رفتار
کم کرنا پڑ رہی تھی، ورنہ وہ کار حقیقی معنوں میں بغیر پیروں والے زمینی
طیارے سے کم نہیں تھی۔

اس وقت حکمت عملی کا تقاضا یہ تھا کہ میں جمی لائیڈ کو جل دینے کے
لیے مارسیلز کے بجائے کسی اور شہر کی سمت نکل جاتا اور اس کار سے
چھٹکارا حاصل کر کے ٹرین یا کسی دوسرے ذریعے سے مارسیلز واپس
پہنچ سکتا تھا۔

اچانک مجھے اپنی جیب میں موجود ٹرانسمیٹر پر ویرا کی آواز
سنائی دی اور میں نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر ایئرپیس جیب
سے نکال لیا۔ اس وقت مجھے ڈرائیونگ میں خاصی دقت ہو رہی تھی
کیونکہ پشت پر کسے ہوئے رقم کے تھیلے کی وجہ سے میں نے سیٹ کی
پشت گاہ نیچے گرائی ہوئی تھی۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ کب اور
کہاں اچانک کار چھوڑنی پڑ جائے۔ ایسے کسی نازک موقعے پر میں رقم
کے تھیلے سے محروم ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کیونکہ غریب الوطنی
اور خون آشام معرکوں کے اس دور میں گن بوٹ کی فروخت سے حاصل
ہونے والی وہ رقم ہی مجھے تحفظ اور ٹھکانے فراہم کراتی رہی تھی۔
پشت گاہ نہ ہونے کی وجہ سے مجھے اپنا توازن کار کے حساس پاور
اسٹیئرنگ پر برقرار رکھنا پڑ رہا تھا اور اس معاملے میں ذرا سی غلطی مجھے
سڑک سے نیچے ناہموار کچی زمین اور کھیتوں میں پہنچا سکتی تھی۔

"ڈیمی کالنگ... اوور!" میں نے ایئرپیس پر ویرا کا پیغام
مکمل ہوتے ہی اپنا جواب نشر کیا۔

"تم اس وقت کہاں ہو اور کن حالات سے دوچار ہو؟ اوور؟"
ویرا کی آواز میں تشویش اور تجسس کا پرتو موجود تھا۔

"کہیں چین نہیں ہے۔ اس وقت بھی بھاگ رہا ہوں۔ رشی کے
چار آدمی بل سارا ہاؤز آ پہنچے تھے۔ انہیں ٹھکانے لگا کر ابھی روانہ
ہوا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کہاں جاؤں... اوور!" میں نے کہا۔

"اوہ! تو تم بل سارا ہاؤز میں تھے۔ مجھے تو تم نے کسی جزیرے
کی کہانی سنائی تھی؟ اوور!" اس کی حیرت آمیز مگر جھلائی ہوئی آواز
ابھری تھی۔

"محض احتیاطاً" میں نے نرمی سے کہا۔ "مجھے اندیشہ تھا کہ
کہیں ہماری گفتگو کوئی سن نہ رہا ہو۔ میں نے جمی لائیڈ کو کسی جزیرے

کا ہی چکر دیا ہوا تھا، ورنہ وہ آسانی سے مجھ تک پہنچ جاتا، اوور!"
"پھر اب کیوں بتا رہے ہو؟ اوور!" وہ چڑ کر غرائی تھی۔
"اس لیے کہ اب میں وہ ٹھکانا چھوڑ چکا ہوں کیونکہ ان چاروں میں سے ایک کے پاس آٹو ٹرانسمیٹر تھا جس کے ذریعے جمی لائیڈ کو میری کمین گاہ کا علم ہو گیا تھا، یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت کیوں رابطہ قائم کیا ہے؟ اوور!"
"چند منٹ پہلے مجھے بھی اسپیس مائین سے نکال کر شہر میں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میرے ساتھ کس قسم کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ مجھے بغیر کچھ بتائے ایک کار میں بٹھا کر بلائنڈ فولڈ کیا گیا اور پھر شہر میں ایک جگہ مجھے اتارنے کے بعد میرے کچھ کہنے یا سمجھنے سے پہلے کار تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھولی تو خود کو شہر کے ایک غیر معروف علاقے میں موجود پایا جو اس وقت عملاً بالکل ویران پڑا ہوا ہے۔ وہیں سے تم سے بات کر رہی ہوں، اوور!"
"بڑی سیدھی سی بات ہے کہ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کے لیے تمہیں چارا بنایا گیا ہے۔ ایک طرف سلطان شاہ کا قصہ چل رہا ہے۔ میں نے تم دونوں میں سے جس سے بھی ملنا چاہا گھیر لیا جاؤں گا۔ جمی لائیڈ میرے خلاف اپنے سارے کارڈز ایک وقت کھیلنے پر تل گیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ انہیں تمہارے پاس ٹرانسمیٹر کی موجودگی کا علم تو نہیں ہوا تھا، اوور!" میں نے ایک فوری خیال کے تحت آخری سوال کیا۔
"نہیں، وہ مجھے عزت اور احترام سے لائے تھے۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ہونے کی وجہ سے انہوں نے میری تلاشی بھی نہیں لی، ورنہ میں اس اکلوتے اپریٹس سے بھی محروم ہو جاتی جو اس وقت تم سے رابطے کا واحد ذریعہ ہے... اوور!"
"تم تیزی سے جگہیں بدل کر اندازہ لگانے کی کوشش کرو کہ تمہاری نگرانی تو نہیں کی جا رہی۔ اس کے بعد مجھ سے بات کرنا، اوور!" میں نے اپنے ذہن میں اگلی حکمت عملی کا ایک نیا خاکہ مرتب کرتے ہوئے اسے مشورہ دیا۔
"میں کوشش کرتی ہوں لیکن اتنا بتا دوں کہ میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ اس وقت بازار اور سڑکیں ویران ہیں۔ بھیڑ بھاڑ ہوتی تو کسی نہ کسی کو تو بنا کر ہزار پانچ سو فرانک اینٹھ سکتی تھی... اوور!"
"میرے ساتھ چلنا ہے تو یہ گھٹیا اور بازاری باتیں سوچنا چھوڑ دو۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم اس وقت گمنام سپاہی کی یادگار والے پارک سے کتنی دور موجود ہو؟ وہاں تک جا سکتی ہو یا اس میں بھی کوئی دشواری ہے؟ اوور!"
"دو ڈھائی میل دور ہو گا، مگر میں اتنی دور تو جا سکتی ہوں کیا تم مجھے سلطان شاہ کے پاس بھیجنا چاہ رہے ہو؟ اوور!" آخری لمحات میں اس کے لب و لہجے میں حیرت امڈ آئی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ وہ فوراً ہی میرا مقصد سمجھ گئی تھی۔
"جمی لائیڈ نے اپنی دانست میں میرے لیے دو طرفہ چارا لگایا ہے لیکن تم وہاں پہنچ جاؤ۔ اس طرح یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ سلطان شاہ کے بارے میں اس کی دی ہوئی اطلاع میں کہاں تک صداقت ہے۔ مالیوں کے سامان کی کوٹھڑی کا جائزہ لینے کے بعد مجھ سے بات کرنا پھر میں اگلے پروگرام کے بارے میں کچھ بتا سکوں گا۔ اوور!"
"سلطان شاہ کے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا گیا جب کہ اس کی نگرانی کی جا رہی ہو گی۔ میں وہاں پہنچوں گی تو شیکے کارندے اوپر والوں کو خبر دیں گے اور جمی لائیڈ سمجھ لے گا کہ میرا تم سے کوئی نہ کوئی رابطہ برقرار ہے، اوور!"
"سمجھنے دو!" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "اگر سلطان شاہ زندہ مل جائے تو اس کے ساتھ نگرانی کرنے والوں کو بھی ڈھیر کرنے کی کوشش کرنا۔ اس دوران میں، میں دوبارہ مل بیٹھنے کی کوئی تدبیر سوچتا ہوں، اوور...!"
"ٹھیک ہے، اوور اینڈ آل۔" خلاف توقع اس نے جلد ہی میری جان چھوڑ دی۔
اپریٹس جیب میں ڈال کر میں نے کار کی رفتار میں اضافہ کر دیا۔ میری کوشش تھی کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے، سینٹ فرانسس سے شہر جانے والی سڑک سے نکل جاؤں کیونکہ اس سڑک پر میں بہ آسانی گھیرا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ جمی لائیڈ کے آدمی اگر گاڑیوں میں ول سلا اُدز کی طرف دوڑ لگاتے تو اس سڑک پر اپنی مخالف سمت سے آنے والی کسی بھی کار کو تفصیلی دیکھ بھال کیے بغیر آگے نہ بڑھنے دیتے جب کہ شہر کے راستے میں ایسا کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا۔
میں سنسنی اور بے یقینی کے عالم میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے آخر کار اس شاہراہ پر نکل آیا جو شہر سے جا ملتی تھی۔ وہاں پہنچ کر اچانک مجھے خیال آیا کہ میں ایسی مضحکہ خیز پوزیشن میں ڈرائیونگ کر رہا تھا کہ کوئی بھی سپاہی بلا تامل مجھے روک سکتا تھا۔ پشت پر تھیلا لدا ہوا تھا، سیٹ کی پشت گاہ گری ہوئی تھی اور حفاظتی بیلٹ باندھنے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔
میں نے شاہراہ پر پہلا موقع ملتے ہی کار روک کر تیزی کے ساتھ تھیلا اتار کر پشت گاہ سیدھی کی اور حفاظتی بیلٹ باندھ کر مارسیلز کی طرف روانہ ہو گیا جہاں ویرا تذبذب اور بے یقینی کے عالم میں ایک اہم مورچے کی طرف بڑھ رہی تھی۔
میں نے اسٹریٹ لیمپس کے تیزی سے گزرتے ہوئے عکس

میں اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے اور فضا پر کہر کی چادر قدرے گہری ہو چلی تھی۔ میں دل ہی دل میں ویرا کی رفتار اور اس کی منزلِ مقصود کے فاصلے کا اندازہ لگاتا رہا۔ میرے حساب سے وہ پارک سے چند قدم دور ہی رہی ہوگی کہ اچانک ایپریٹس پر اس کی آواز ابھری۔ وہ میری توقع سے بڑھ کر پھرتیلی اور باحوصلہ ثابت ہو رہی تھی۔ میں نے پھرتی کے ساتھ ٹرانسمیٹر نکال لیا۔

"سلطان شاہ واقعی زندہ اور صحیح سلامت ہے۔" میرا جواب سُن کر ویرا نے پُرجوش مگر دھیمی آواز میں اطلاع دی اور میرے وجود میں سکون کی ایک ناقابلِ بیان لہر سی دوڑ گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے کوئی بچھڑی ہوئی عزیز ترین شے ملنے کی خبر سنائی گئی ہو۔

"اور اس وقت میرے ساتھ ہے۔" ویرا میرے جذباتی ہیجان سے بے خبر اپنی بات پوری کر رہی تھی۔ "دو آدمی میرا پیچھا کر رہے تھے اور چار افراد پارک کی نگرانی پر مامور تھے۔ اب ہم کسی طرح ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کریں گے، اوور!"

"سلطان شاہ سے بات کراؤ ویری، اوور!" میرا لہجہ یک بیک جذباتی ہو گیا۔

"گھاس کھا گئے ہو۔" اس کی غصیلی آواز ابھری۔ "میں اس وقت ایک ویران پبلک ٹوائلٹ سے بول رہی ہوں اور وہ باہر پہرا دے رہا ہے۔ کوئی بھی اِدھر آتا نظر آیا تو وہ سیٹی بجائے گا اور میں سلسلہ منقطع کر دوں گی۔ اس سے کیسے بات کرا سکتی ہوں تمھاری، اوور!"

"معاف کرنا، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اس وقت خلوت میں ہو۔ سلطان شاہ کے زندہ ہونے کی اطلاع ملتے ہی میری زندہ دلی لوٹ آئی تھی۔ وہ تو تنہائی میں ویسے بھی تم سے گھبراتا ہے، اوور!"

"بالکل جنگلی اور غیر مہذب ہے۔ عورتوں کی دلجوئی تو کسرِ شان سمجھتا ہے۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولی۔ "میں اُسے دیکھتے ہی اضطراری طور پر گلے لگا بیٹھی تھی تو وہ فوراً ہی مجھے جھٹک کر الگ ہو گیا۔ اسے دفع کرو، یہ بتاؤ کہ اب کیا پروگرام ہے؟ اوور!"

"تمھیں یقین ہے کہ ان کی تعداد چھ سے زیادہ نہیں ہے؟ اوور!"

"ان میں سے کسی نے خود کو چھپانے کی کوشش نہیں کی البتہ ہم سے دور دور رہے ہیں۔ ان کے تیوروں سے پتا چل رہا ہے کہ وہ پوری طرح مسلح اور پُراعتماد ہیں۔ وہ سب ایک دوسرے کے شناسا ہیں اور کئی بار پوزیشنیں بدل چکے ہیں، اوور!"

"میں اس وقت شاہراہ پر ہوں اور میرے پاس بھری ہوئی سب مشین گن بھی موجود ہے۔ یہ بتاؤ کہ میں تم تک کس راستے سے پہنچ سکتا ہوں۔ چوہے بلی کا یہ کھیل جلد ہی ختم ہونا چاہیے، اوور!"

"تم تو براہِ راست اُن سے ٹکرا جانا چاہتے ہو، اوور!" ویرا کی آواز تحیر آمیز تھی۔

"اس کے علاوہ کوئی متبادل راستہ سمجھ میں نہیں آتا۔" میں نے کہا۔ "انھیں زیادہ مہلت دی گئی تو نفری میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اب تم دونوں یکجا ہو چکے ہو اور جمی لائیبڈر یہ خبر ملتے ہی ہمارا کھیل سمجھ جائے گا، اوور؟"

ویرا نے تفصیل کے ساتھ مجھے پارک تک پہنچنے کا راستہ سمجھایا اور پھر رابطہ منقطع کر دیا۔

میں اس کی بتائی ہوئی نشانیوں کے سہارے کار ڈرائیو کرتا رہا۔ جب میرے اندازے کے مطابق چند منٹ کا فاصلہ باقی رہ گیا تو میں نے سب مشین گن کا میگزین چیک کر کے سیفٹی کیچ ہٹایا اور گن گود میں رکھ لی۔ ڈالروں سے بھرا ہوا تھیلا میرے برابر والی نشست پر موجود تھا پھر بھی میں نے احتیاطاً زپ کھول کر بڑے نوٹوں کی چند گڈیاں اپنی جیب میں ڈال لیں تاکہ کسی ہنگامی صورتِ حال میں ویرا کی طرح بالکل تہی دستی کے عالم میں نہ بھاگنا پڑے۔

جب مجھے فضا میں کہر میں لپٹا ہوا کنکریٹ کا ایک سربلند ستون نظر آیا تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میں نے کار کو پارک کے قریب موڑتے ہوئے طے شدہ اشارے کے مطابق دو مرتبہ ہارن بجایا اور رفتار تیز کر دی۔ چند سیکنڈ کی برق رفتار ڈرائیونگ کے بعد پارک کا دوسرا کونا نظر آیا تو میں نے بریک لگا دیے۔ دیوہیکل فورڈ مستانگ جھول گئی۔ اپنے مضبوط سسپنشن پر وہیں جھول کر رہ گئی۔ ساسی لمحے دھند میں دو انسانی ہیولے دوڑتے ہوئے نمودار ہوئے۔ میں نے پسنجر سیٹ کا وسیع و عریض دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں شاید دو دروازوں والی کار کے لیے تیار نہیں تھے، اس لیے اگلی نشست پر ہی ایک دوسرے پر آگرے پھر اس سے قبل کہ دروازہ بند کیا جاتا۔ فضا فائرنگ کے شور سے لرز اٹھی۔

گولیاں کئی سمتوں سے آئی تھیں۔ فائر کرنے والے بلا کے نشانہ باز تھے کیونکہ کار کی باڈی سے کئی گولیاں ٹکرائی تھیں۔ ویرا اچھل کر عقبی نشست پر چلی گئی اور سلطان شاہ نے میری گود میں سے مشین گن اٹھا لی۔ اسی اثنا میں میں نے کار کو نہایت تیزی سے دوڑا دیا۔ ٹائر سڑک پر ٹائر چیخ اٹھے۔ دروازہ پُرشور آواز کے ساتھ بند ہوا اور سلطان شاہ نے حیرت ناک سرعت کے ساتھ شیشہ گرا کر اندازے سے سب مشین گن کا فائر کھول دیا۔ اس کا اندازہ آتنا درست تھا کہ پہلے ہی برسٹ کے نتیجے میں فضا دو دلدوز انسانی چیخوں سے لرز اٹھی۔ ساسی کے ساتھ کار کا ایک پچھلا ٹائر کان پھاڑ دینے والے دھماکے سے پھٹ گیا۔

پچھلا ٹائر ناکارہ ہونے کی وجہ سے اسٹیئرنگ پر ایک جھٹکے کے علاوہ کوئی اثر نہیں پڑا البتہ باڈی کو جھٹکے لگنے شروع ہو

گئے لیکن اس وقت رُکنا یا رفتار کم کرنا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔ سلطان شاہ مختصر وقفوں سے سمت بدل بدل کر ہلکے برسٹ مار رہا تھا تاکہ میگزین بدلے بغیر ہم اس محاذ سے نکل جائیں۔

"رفتار بڑھاؤ۔" اچانک ویرا حلق کے بل ہذیانی انداز میں چیخی اور میں نے رفتار والا پیڈل پوری قوت کے ساتھ کار کے پائیدان میں گھسیڑ دیا۔ انجن غضبناک آواز میں غرّایا اور کار اُچھلنے کے ساتھ ہی رفتار یک بیک تیز ہو گئی۔ اسی وقت داہنی جانب سے کوئی شے اڑتی ہوئی ہمارے پیچھے سڑک پر گری اور ہولناک دھماکے سے پوری کار لرز کر رہ گئی۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے شدید زلزلہ آ گیا ہو۔ عقب نما آئینہ میں پیچھے کثیف دھواں اور شعلے نظر آ رہے تھے۔

آئینے میں وہ منظر دیکھ کر میں اپنی جگہ پر لرز کر رہ گیا، اگر ویرا نے بروقت وارننگ نہ دی ہوتی تو پل بھر کی تاخیر سے ہم تینوں کے چیتھڑے اُڑ گئے ہوتے کیونکہ پھٹنے والا آتش گیر بم بہت زیادہ طاقتور ثابت ہُوا تھا۔

پھر میرے کانوں میں سب مشین گن کے کھٹکے کی آہنی گونج آئی اور میں مضطرب ہو گیا کیونکہ گن کا میگزین خالی ہو چکا تھا۔ ویرا بھی اس صورتِ حال کو سمجھ گئی اور اُس نے عقبی پائیدان سے نیا بھرا ہوا میگزین اٹھا کر سلطان شاہ کی طرف بڑھا دیا۔

ہماری کار پر فائرنگ جاری تھی لیکن ہم ان کی زد سے تقریباً باہر آ چکے تھے۔ پیچھے پھر اسی شدّت کا ایک اور دھماکا ہُوا۔ ان دو لوں کی نگرانی کرنے والے مایوسی اور بے بسی کے عالم میں اپنا اسلحہ برباد کرنے پر تل گئے تھے تاکہ اپنے آقاؤں کو یقین دلا سکیں کہ اپنی پوری قوت صرف کر ڈالنے کے باوجود اپنے حریفوں کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

"تھیلے میں رقم ہے اسے اپنی کمر سے باندھ لو۔" فائرنگ کے شور سے دور نکل آنے کے بعد میں نے سلطان شاہ سے کہا۔

"اسے تو تم نے گیسٹ ہاؤس میں بُری طرح گھیر لیا تھا پھر وہ نکل جانے میں کیسے کامیاب ہو گیا؟" سلطان شاہ نے تھیلا سنبھالتے ہوئے حیرت آمیز لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"میری حماقت کہہ لو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "لمبی کہانی ہے، ذرا فرصت سے سناؤں گا۔"

"پیچھے ایک کار آ رہی ہے۔" ویرا کی آواز پر میں نے سر اٹھایا تو عقب نما آئینے میں دھندلائے ہوئے دو عدد ہیڈ لیمپس تیزی سے قریب آتے ہوئے نظر آئے۔

ہمارے لیے وہ نازک لمحات تھے۔ پھٹا ہُوا پچھلا ٹائر کار کی رفتار پر بُری طرح اثر انداز ہوا تھا۔ اس میں سفر جاری رکھ کر ہم کسی بھی لمحے بے موت مارے جا سکتے تھے۔ اس وقت پیچھے آنے والی کار خاصی دور تھی، میں نے سوچا کہ اپنی کار روک کر ہم نیچے چھلانگ لگا دیں کہ اسی وقت سلطان شاہ اپنی نشست کی پُشت گاہ نیچے گرا کر پیچھے پہنچ گیا۔

"رفتار کم کرو۔" سلطان شاہ کی آواز حلق سے غرّاہٹ کی طرح آزاد ہوئی تھی پھر اُس نے سب مشین گن کے آہنی دستے کی طاقت وَر ضرب سے مستانگ کی عقبی ونڈ شیلڈ چکنا چور کر دی۔ شیشہ ٹوٹتے ہی بھیگی ہوئی یخ بستہ ہوائیں میرے جسم کے کھُلے ہوئے حصّوں سے ٹکرائیں اور میں جھُرجھُری لے کر رہ گیا۔ اس وقت سلطان شاہ کا حوصلہ بہت بڑھا ہوا تھا اور وہ انہونی کر گزرنے پر تل گیا تھا۔ میرے نزدیک وہ مرحلہ کچھ کر لینے یا خاموشی سے مر جانے کی حد تک ٹل گیا تھا، اس لیے میں نے بے چون و چرا سلطان شاہ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کار کی رفتار کم کرنا شروع کر دی۔

"کیا دیوانگی ہے؛ وہ بم مار کر ہمیں فنا کر دیں گے۔" ویرا جھلا کر چیخی تھی۔

"چُپ چاپ تماشا دیکھتی جاؤ۔" سلطان شاہ کی آواز سخت، سرد اور تحکم آمیز تھی۔ "ہاتھ سے گولہ اتنی دور نہیں پھینکا جا سکتا جتنی دور اس مشین گن کا فائر کمال دکھاتا ہے۔ مجھے اس کی رینج کا اندازہ ہو چکا ہے، وہ ہمارے قریب بھی نہ پھٹک سکیں گے۔ آ گئے تو ان کے چیتھڑے اڑا ڈالوں گا۔"

وہ ٹوٹی ہوئی عقبی ونڈ شیلڈ کے سہارے نال ٹکا کر وہیں جم گیا، جب میں نے اپنے ساتھ ان کی رفتار بھی کم ہوتی ہوئی محسوس کی تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ شاید وہ براہِ راست مقابلے کے بجائے صرف ہمارے تعاقب پر اکتفا کرنا چاہ رہے تھے تاکہ جب تک ان کی مدد کے لیے اسپیس نائین یا کسی دوسرے اڈّے سے کمک نہ آئے وہ ہمیں اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیں لیکن میری تشویش زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ رفتار میں کمی شاید ان کے اضطراری ردِّ عمل کا نتیجہ تھی کیونکہ چند ثانیوں بعد ہی وہ ہیڈ لیمپس پھر قریب آنے لگے۔ اپنے بڑوں کی برہمی کے خوف اور گھبراہٹ نے شاید ان کی عقلیں بالکل ہی ماؤف کر دی تھیں کہ وہ مرنے کے لیے خود بڑھے چلے آ رہے تھے۔

وہ رات میری زندگی کی چند بھیانک ترین راتوں میں سے ایک تھی۔ جمی لائیسٹر اپنی خوش نصیبی کی بنا پر میرے ہاتھ سے بچ گیا تھا لیکن اندھیرا پھیلنے کے بعد رونیو، جیف ڈارلنگٹن اور گیلوانی سمیت میرے ہاتھوں سات افراد مارے جا چکے تھے۔ سلطان شاہ کی مشین گن سے ہلاک یا زخمی ہونے والے ان کے علاوہ تھے۔ تصادم جاری تھا اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ سلسلہ کہاں موقوف ہوتا۔

پھٹے ہوئے ٹائر کی وجہ سے کار کا پچھلا حصہ جھٹکے کھا رہا تھا جس کی وجہ سے سلطان شاہ کو سب مشین گن کی نال ایک جگہ جمائے رکھنے میں

دشواری ہو رہی تھی لیکن پھر بھی وہ اپنی جگہ ڈٹا ہوا تھا پھر جونہی پچھلی کار اس کے اندازے کے مطابق رینج میں آئی اس نے ان پر جہنم کا دہانہ کھول دیا۔ چیخوں کی تعداد چار سے کہیں زیادہ تھی۔ کربناک آوازوں سے اندازہ ہو گیا تھا کہ سب ہی بُری طرح زخمی ہوئے تھے۔ سہل موت ان میں سے کسی کا مقدر نہ بن سکی تھی۔

سلطان شاہ کسی وقفے کے بغیر تسلسل کے ساتھ میگزین خالی ہونے تک فائر کرتا رہا اور آخر کار پیچھے آنے والی کار کی روشنیاں ڈگمگا کر یکلخت ایک طرف گھوم گئیں۔ شاید ان میں سے کوئی بھی اسٹیئرنگ یا کار کو سنبھالنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

"کمال کر دیا۔" بارود کی بُو اور گمبھیر فضا میں ویرا کی تحسین آمیز آواز ابھری۔ "جی چاہتا ہے کہ تمہارے ہاتھ چوم لیے جائیں۔"

"میرے ہاتھوں پر رحم کرو۔" سلطان شاہ کی کھردری آواز سنائی دی۔ "تم نے ایک بار انہیں چوم لیا تو پھر زندگی بھر کسی دشمن پر نہ اٹھ سکیں گے۔ میں عورتوں کی انہی عادتوں سے گھبراتا ہوں۔"

"پتا نہیں اپنی ماں کو کیسے برداشت کرتے ہوئے تم؟" ویرا اپنی توہین پر بجا طور پر سلگ اٹھی۔

"عورت!" سلطان شاہ بھی بپھر گیا۔ "دوبارہ ایسے معاملات میں میری ماں کا نام لیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔"

"وہ تو اب بھی کوئی نہیں ہے۔" ویرا زہریلے لہجے میں بولی۔ "بالکل ہی نادر الوجود ہو۔"

"بس آپس میں نہ الجھو۔" مجبوراً مجھے دخل انداز ہونا پڑا۔ "دونوں مل سے ایک آگئے آپ د۔"

چند ثانیوں تک ان دونوں میں سے کسی نے پیش قدمی نہیں کی پھر سلطان شاہ کی نرم آواز ابھری۔ "جاؤ تم آگے چلی جاؤ، یہ فن ڈینی ہی کو آتا ہے کہ وہ محبت ایک سے کرتا ہے لیکن دل ہر ایک کا رکھنا جانتا ہے۔" وہ واضح طور پر ویرا سے مخاطب تھا۔

"نہیں جاتی، کیا میں تمہارے باپ کی نوکر ہوں؟" ویرا تنک کر بولی۔

میری توقع کے برعکس سلطان شاہ بے اختیار ہنس پڑا۔ "میرے باپ نے کیا بگاڑا ہے تمہارا جو اسے یاد کر رہی ہو۔ جاؤ آگے چلی جاؤ، یہاں منچلے غصے سے بل کھاتی رہو گی اور سیٹ پر پڑے ہوئے ونڈ شیلڈ کے ٹکڑے تمہیں زخمی کر دیں گے۔ اس وقت ہم تینوں کو ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ رہنے کی ضرورت ہے۔"

سلطان شاہ کی ہنسی کارگر ثابت ہوئی اور ویرا خاموشی کے ساتھ میرے برابر والی نشست پر آگئی۔

"ہمیں جلد از جلد اس کار سے نجات حاصل کرنا ہے۔ اس بارے میں تمہیں رہنمائی کرنا ہوگی۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے جمود توڑنے کی نیت سے ویرا کو مخاطب کیا۔ "پھٹے ہوئے ٹائر کے ساتھ ڈرائیونگ کرتے دیکھ کر کہیں بھی کوئی سپاہی روک سکتا ہے پھر شاید شی والے بھی اس مستانگ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں۔"

"اگلے چوراہے سے گاڑی داہنی طرف موڑ لینا۔ کار چھوڑ کر تھوڑی دور چلیں گے تو ٹیکسیاں نظر آسکتی ہیں۔" وہ بولی۔

"اتنی رات گئے مارسیلز جیسے شہر میں ٹیکسیاں؟" سلطان شاہ اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکا۔

"اسے بتاؤ کہ مارسیلز فرانس کی ایک مصروف بندرگاہ ہے اور یہاں ہر وقت ہزاروں غیر ملکی ملاح مختصر سی مدت کے لیے موجود رہتے ہیں۔" ویرا براہِ راست اسے جواب دینے کے بجائے مجھ سے بولی۔ "ان کی دل بستگی کے لیے یہیں کہیں ریڈ لائٹ ایریا ہے جہاں رات بھر چہل پہل رہتی ہے اور ٹیکسیاں بھی ملتی ہیں۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ ٹیکسی لے کر ہم جائیں گے کہاں؟" میں نے سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔ "اس شہر میں ہم شی والوں سے کہیں بھی نہیں بچ سکتے۔ آج جمی لائیڈ نے شاید اپنی زندگی کا بدترین دن گزارا ہے مچھلی اس کے ہاتھ آئے بغیر کانٹے سے چارا نکال لے گئی۔ وہ ہماری تلاش میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔"

"کیوں نہ ہم قانون کی پناہ لے لیں؟" سلطان شاہ نے رائے دی۔

"اوّل تو خود ہمارے ہاتھ صاف نہیں ہیں، شہر میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ ہم آرام سے کسی نہ کسی واردات میں ملوث کر دیے جائیں گے۔" میں نے کہا۔ "پھر تم انسپکٹر سائمن بولیتھو کو بھی بھول رہے ہو۔ نہ جانے شہر کے اور کتنے افسر شی کے تنخواہ دار ہوں گے۔ شی کے ایما پر وہ ہمیں قانون کی تحویل سے اٹھا کر جمی لائیڈ کے قدموں میں ڈال دیں گے۔"

"قانون کی ایسی بے بسی تو ہم نے اپنے ملک میں بھی نہیں دیکھی۔" وہ بڑبڑایا۔ "یہ تو پھر یورپ ہے۔"

"چھوٹے مجرموں کے لیے یہاں کا قانون اور اس کے نگہبان بہت سخت ہیں۔" ویرا نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "منظم جرائم کے لیے یہاں برسوں محنت اور منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ اس لیے سب دھرا رہ جاتا ہے۔ پتا نہیں سائمن جیسے نیک نام اور ہر دل عزیز پولیس افسر کو کن حالات میں اور کیسے خریدا گیا ہوگا۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اعلیٰ افسروں اور سرکاری اہلکاروں کو بلیک میل کرنے کے لیے شی میں ایک علیحدہ سیل قائم ہے جو ہر اہم افسر کی کمزوریوں کا تصویری اور دستاویزی ریکارڈ رکھتا ہے۔ ضرورت پیش آنے پر متعلقہ افسر کو اس مواد کے سہارے جھکنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔"

"ان باتوں کا تجزیہ بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔ فی الحال جو مسئلہ درپیش ہے اس کا کوئی حل سوچو۔" میں نے ویرا کا فقرہ مکمل ہوتے ہی اس کی

بات اچک لی، ورنہ وہ اس وقت تقریر کے موڈ میں آچکی تھی۔

"ہوٹل مخدوش ہیں، شہر میں کوئی شناسا نہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ کدھر جائیں۔" ویرا تشویش آمیز لہجے میں بولی۔ "بس ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ فائر کیمپ کے حادثے کے نتیجے میں جو متعدد عمارات تباہ ہوئی ہیں، ان میں سے کسی کے ویران کھنڈرات میں پناہ لی جاسکتی ہے لیکن وہاں ہمیں قرب و جوار میں رہنے والوں کی نظروں سے بچنے کے لیے بہت محتاط رہنا ہوگا۔"

"یونہی قید رہنا ہے تو اس سرد اور بے رحم موسم میں بے رودیلوا اور غیر محفوظ کھنڈرات سے کہیں بہتر جیف ڈارلنگٹن کا فلیٹ ہے گا وہاں زندگی کی ساری آسائشیں بھی موجود ہیں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"اور تمہارا خیال ہے کہ جیف ڈارلنگٹن ہمارے اس تصرف پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا؟" ویرا نے سوال کیا۔

"مرنے والے کسی پر اعتراض نہیں کیا کرتے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"کیا مطلب؟" ویرا بُری طرح چونکی۔ "تو کیا وہ بھی اب اس دُنیا میں نہیں ہے؟"

"اسپیس نائین سے میں اُسے یرغمال کے طور پر اپنے ساتھ ہیلی کاپٹر میں لے کر فرار ہوا تھا۔ پائلٹ کے علاوہ رونیو نامی ایک آدمی اور بھی تھا۔ میں نے راستے میں ہی ان دونوں کو مار کر ان کی لاشیں ہیلی کاپٹر سے نیچے گرا دی تھیں۔"

"اوہ! جب ہی تمہاری روانگی کے بعد وہ نظر نہیں آیا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اُسے لے گئے ہوگے۔"

"اس کی سلور آئی میرے پاس ہے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "دوستوں کی موجودگی میں، میں کہیں بھی سپر آئی مین بن سکتا ہوں۔ جمی لائیڈ کی نقاب بھی میری جیب میں موجود ہے۔"

"ریکا پہلے ہی مر چکی، اب جیف بھی اس دُنیا میں نہیں رہا۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔ "اگر ہم پڑوسیوں کی نظروں میں آئے بغیر چند روز کے لیے وہاں قابض ہوسکیں تو جمی لائیڈ کے فرشتے بھی وہاں کے بارے میں نہیں سوچ سکیں گے اور ہم ان کی ناک کے نیچے دندناتے رہیں گے۔ تمہاری تجویز واقعی بہت معقول ہے۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ تم نے خاموشی کے ساتھ جیف ڈارلنگٹن کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہوگا، وہ واقعی بہت خبیث آدمی تھا۔"

ٹیکسی اسٹینڈ نظر آنے تک ہم اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے پھر مستانگ کو سڑک کے کنارے روک کر نیچے آگئے۔ رقم ساتھ لے لی گئی تھی۔ راستے میں میرے مشورے پر چند گڈیاں ویرا

اور سلطان شاہ نے اپنی تحویل میں لے لی تھیں۔ مشین گن خالی اور بھرے ہوئے میگزین سمیت کار کے عقبی پائیدان میں چھوڑ دی گئی تھی۔

ویرا کا خیال تھا کہ اس علاقے میں مستانگ کی موجودگی کی بنا پر ٹیکسی ڈرائیوروں وغیرہ سے باز پرس کر کے ہمارا کھوج نکالنے کی کوشش کی جاسکتی تھی، اس لیے ہم نے وہاں سے براہِ راست جیف ڈارلنگٹن کے فلیٹ کا رُخ کرنے کے بجائے تین مقامات پر ٹیکسیاں بدلیں اور جب ہم ایئرپورٹ سے واپس آرہے تھے تو اچانک ہی سلطان شاہ کو ایک انوکھی تجویز سوجھ گئی۔

"میرے پیٹ میں شدید درد ہو رہا ہے میرا خیال ہے کہ اپنڈکس کی تکلیف شروع ہوگئی ہے۔" اس نے زبان کھولی تو میرے ساتھ ہی ویرا بھی بُری طرح چونک پڑی کیونکہ اس وقت یہ غیر معمولی بات ہمارے لیے دُشواری کا سبب بن سکتی تھی۔

"تکلیف ابھی شروع ہوئی ہے یا پہلے سے چل رہی ہے؟" ویرا نے تشویش آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ابھی ابھی دریافت ہوئی ہے۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "میرا خیال ہے کہ تم دونوں بھی کسی تکلیف میں مبتلا ہو۔ تم دونوں کے چہرے اُترے ہوئے اور زرد نظر آرہے ہیں۔"

"پھر تو شاید تمہیں یرقان بھی ہوگیا ہے۔ جب ہی ہر چیز زرد نظر آرہی ہے۔ کم از کم میں تو پوری طرح صحت مند اور چاق و چوبند ہوں۔ پچھلے دس برس سے کوئی بیماری مجھے چھو کر نہیں گزری۔" ویرا، سلطان شاہ کے بارے میں یک بیک بہت زیادہ پریشان نظر آنے لگی تھی کیونکہ اس مرحلے پر ہم تینوں میں سے کسی ایک کی مجبوری بقیہ دونوں کے لیے بھی مسئلہ بن سکتی تھی۔

"میں بھی بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔" میں نے کچھ سمجھے بغیر کہا۔ "تم کیا محسوس کر رہے ہو؟"

"کچھ بھی نہیں۔" وہ بولا۔ "کافی سوچنے کے بعد اپنڈکس دریافت کر سکا ہوں۔ تم دونوں بھی غور کر دو تو اپنے لیے۔ بیماریوں کا انتخاب کر سکتے ہو۔ اس طرح کہیں قید ہونے کے بجائے ہم آرام سے دو تین دن کسی اسپتال میں گزار سکیں گے۔"

اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہی ویرا خوشی سے اُچھل پڑی لیکن ٹیکسی ڈرائیوروں کی موجودگی کی وجہ سے اپنے لب و لہجے کو قابو میں رکھتے ہوئے بولی۔ "بہت آسان اور لاجواب تجویز ہے لیکن تمہیں اپنے لیے کسی اور بیماری کا انتخاب کرنا ہوگا۔ اپنڈکس کا نام لیا تو فوراً ہی تمہارا آپریشن کر دیا جائے گا۔ یورپ میں سرجری اس قدر رائج ہوگئی ہے کہ معالج اپنے مریض کو عام طور پر زیادہ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔ ہمیں ایسی بیماریوں کے بارے میں سوچنا

ے گا جن میں آپریشن کا دخل بھی نہ ہوا ور ہمارا جھوٹ بھی نہ
پا جاسکے۔"

"اس ترکیب میں کسی خطرے کا امکان تو نہیں ہے لیکن ہم
ں کا یکجا ہونا مناسب نہیں ہوگا۔ یادگاری پارک والے واقعے کے
جمی لائیڈ کے آدمی تین کی سرٹولی کو پرکھنے کی کوشش کریں گے۔"
نے سوچتے ہوئے کہا۔

"بیمار تم دونوں ہی بنو گے۔ ہمارے پاس رقم کی کوئی کمی نہیں
ے اس لیے تمہیں رئیس زادے ظاہر کر کے میں تمہاری خدمت گار
سکتی ہوں۔ مارسیلز میں ایسے کئی نجی اسپتال ہیں جہاں سوئٹ مل جاتے
ں..." ویرا کہنے لگی۔

"تم فائر کیمپ کا واقعہ بھول رہی ہو۔" میں نے اس کی بات
ٹ کر کہا۔ "اسپتالوں میں زخمیوں کے لیے جگہ باقی نہیں رہی تھی
انہیں دوسرے شہروں میں بھیجا گیا تھا۔ ہمیں آسانی سے جگہ نہیں
مل سکے گی۔"

"وہ ہنگامی اور وقتی صورت حال تھی۔" ویرا بولی۔ "بیشتر زخمیوں
کو اسی وقت یا دوسرے دن چھٹی دے دی گئی تھی۔ اسپتال میں جگہ
حاصل کرنا میرا کام ہے۔ تم ایک بار تجویز کے بارے میں اپنا فیصلہ
دو۔ باقی کام میں خود دیکھ لوں گی۔"

یوں ہم نے مارسیلز کے کسی اسپتال میں پناہ لینے کا فیصلہ کر
لیا اور اسی ٹیکسی میں جیف ڈارلنگٹن کے فلیٹ سے تھوڑے فاصلے
پر واقع ایک اسپتال میں پہنچ گئے۔ راستہ تبدیل نہ کرنے کی وجہ سے
ٹیکسی ڈرائیور کو ہم پر کوئی شبہ نہیں ہوا اور وہ ڈالروں کی صورت میں
کرایہ اور بخشش لے کر ممنونیت کا اظہار کرتا ہوا روانہ ہو گیا۔

اسپتال میں ویرا نے ترجمانی کے بہانے ساری ذمے داری اپنے
سر لی اور وہاں فی البدیہہ جو کچھ جھوٹ بولتی رہی اس کے متن سے
ترجمانی کے بہانے ہم دونوں کو آگاہ کرتی رہی۔ اسپتال میں اس نے
سلطان شاہ کو اس کے پاسپورٹ کے مطابق ہندی نژاد ظاہر کیا
بلکہ یہ اضافہ کر دیا کہ وہ ایک سرپھرا امیر تھا جو خاندانی دولت برباد
کرنے کے لیے یورپ کی خاک چھانتا پھر رہا تھا۔ میں یعنی پیٹر واک
اس کا مقامی معاون تھا اور ویرا کا کام سلطان شاہ کے مشاہدات کو
قلم بند کرنا تھا جنہیں وہ واپسی پر کتابی صورت میں شائع کرنا چاہتا تھا۔

اس نے مجھے اختلاج قلب کا مریض ظاہر کیا تھا جب کہ
سلطان شاہ کو موسم کی بنا پر اعصابی درد میں مبتلا بتایا۔ یہ دونوں تکالیف
ایسی تھیں جن کا یقینی طور پر سراغ لگانا مشکل تھا۔ بیشتر مریض کے بیان
پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے۔ اختلاجی کیفیت طاری ہو تو مشینوں کے
ذریعے بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا ہے لیکن اس سے قبل یا دورے کی
کیفیت گزر جانے کے بعد کوئی سراغ لگانا مشکل ہوتا ہے یہ خاص حال

اور شدید دوروں کی صورت میں ہوتا ہے کہ بعد میں بھی دل کی حرکات و
سکنات میں ماہر معالج موہوم یا واضح بے ترتیبی دریافت کر لیتے ہیں۔
اس لیے ہم دونوں ہی ویرا کے دیے ہوئے امراض کے بارے
میں مطمئن تھے۔

وہ کوئی مفت یا سرکاری اسپتال نہیں تھا بلکہ خدمت برائے
دولت کے اصول پر چلایا جانے والا نجی ادارہ تھا جہاں مرض کی نوعیت
کے بجائے سہولتوں کے حصول کا انحصار مریض کی جیب کے وزن پر
تھا۔ ابتدائی معائنے اور چند تجزیوں کے بعد ہمیں اسپتال میں دو ایسے
آراستہ کمرے مل گئے جو درمیانی دروازے کے ذریعے ایک دوسرے
سے منسلک تھے اور ہر کمرے میں نجی خدمت گار کے لیے علیحدہ بستر
موجود تھا جس پر ویرا آرام سے رہ سکتی تھی۔

سلطان شاہ نے تنہا رہنے کو ترجیح دی تھی، اس لیے ویرا میرے
کمرے میں آ گئی۔ چند منٹ بعد دو نرسیں اسپتال کا مخصوص سفید لباس
لے آئیں جسے پہن کر مجھے یک بیک آرام کی ضرورت کا احساس
ہونے لگا۔ ان کے جانے کے بعد ایک نرس دوائیں لے کر آئی
درجۂ حرارت اور خون کا دباؤ وغیرہ دیکھا اور چلی گئی۔ ویرا نے بتایا
کہ اس کی درخواست پر ہسٹری شیٹ بنانے کا کام صبح تک ملتوی
کر دیا گیا کیونکہ اس کے لیے مجھے کسی جونیئر ڈاکٹر کے بہت سے سوالوں
کے جواب دینے پڑتے اور رات یونہی کالی ہو جاتی۔

میں نے درمیانی دروازے سے سلطان شاہ کے کمرے میں
جا کر جائزہ لیا تو وہ بھی اسپتال کے لباس میں آ چکا تھا۔ مجھے دیکھ کر
وہ احمقانہ انداز میں مسکرایا اور بستر سے اتر کر صوفے پر دراز ہو گیا۔
"یہاں کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہمیں اپنا لباس چھوڑ کر اسی سفید کفن میں
بھاگنا پڑے گا اور ہم ہر طرف تماشا بن جائیں گے۔" وہ میرا جائزہ
لے کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"وہ بعد کی بات ہے، یہ تو بتاؤ کہ گیسٹ ہاؤس میں کیا ہوا
تھا؟ میں نے تو تمہاری فاتحہ پڑھ لی تھی۔" میں نے اس کے برابر میں
بیٹھتے ہوئے کہا اور اسی وقت ویرا بھی میرے تعاقب میں اسی کمرے
میں آ گئی۔

"گیسٹ ہاؤس میں سب کچھ توقع کے عین مطابق ہوا۔ جب
جمی لائیڈ اوپر آیا تو میں نے اسے دیکھتے ہی فائر کر دیا۔ میرا نشانہ خطا
ہونے پر وہ میری طرف لپکا لیکن میں نے دروازہ بند کر کے اندر سے
بولٹ کر لیا۔ وہ کچھ دیر تک دروازے پر زور آزمائی کرتا رہا۔ اسی
دوران میں عمارت میں آگ پھیلنے لگی اور وہ دروازے سے ہٹ گیا۔"

"پھر تم کہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوئے؟" میں نے سوال کیا۔
"دروازے سے نکلنے میں جمی لائیڈ سے دوبارہ ٹکراؤ کا خدشہ
تھا، اس لیے میں کھڑکی سے چھجے پر اترا اور پھر باہر پھیلی ہوئی بھیڑ

میں شامل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔" وہ بتانے لگا۔" مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ اس معرکے کا انجام دیکھنے کے لیے میں وہیں رکا رہا جب پولیس اور فائر بریگیڈ کے عملے نے راستہ بنانے کے لیے بھیڑ ہٹائی تو میں بھی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس وقت میرے ذہن میں کوئی ٹھکانا نہیں تھا نہ ہی پروگرام کے مطابق تم نظر آئے تھے، اس لیے میں بے مقصد چلتا رہا۔ اس دوران میں ایک جگہ میرا تعاقب شروع ہو گیا اور میں نے اپنی دانست میں جدوجہد کے بعد پیچھا کرنے والوں کو جل دے کر پارک کی کوٹھری میں پناہ لے لی۔ میں بہت دیر تک وہاں رہا میرا خیال تھا کہ میں نے اپنے دشمنوں کو دھوکا دے دیا تھا مگر پھر اچانک ویرا وہاں آ پہنچی۔"

"اور تم مجھے بھوت سمجھ کر بوکھلا گئے!" ویرا کو ایک بار پھر اپنی توہین یاد آ گئی۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔" سلطان شاہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔" ہمارے معاشرے میں غیر عورت کو شجرِ ممنوعہ سمجھا جاتا ہے۔ میری تربیت اسی ماحول میں ہوئی ہے، اس لیے تمھارے لمس سے وحشت زدہ ہو گیا تھا۔"

"شاید تم کسی اور معاشرے سے آئے ہو۔" ویرا نے دوبارہ طنزیہ لہجے کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"شہری اور دیہی علاقے کے علاوہ ہم دونوں کے علاقوں میں ایک ہزار میل سے زیادہ کا فرق ہے۔۔۔" سلطان شاہ نے وضاحت کرنا چاہی لیکن ویرا نے تیز لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے یہ سب نہ بتاؤ۔ میں نے خود پاکستان کا چپہ چپہ دیکھا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں رہی ہوں لیکن مجھے کہیں بھی تم جیسا کوئی عورت گریز شخص نہیں ملا۔ خوبصورت اور نامحرم عورتوں کو عام طور پر ایک خوشگوار حیرت کے ساتھ قبول کر لیا جاتا ہے۔ پختہ کردار کے لوگ بھی خوش دلی کے ساتھ یوں پیش آتے ہیں کہ توہین کے احساس کے بجائے اپنی پیش قدمی پر خود ندامت ہونے لگتی ہے۔"

"محض تمھاری دلجوئی کے لیے میں اپنی تربیت فراموش نہیں کر سکتا۔" سلطان شاہ نے چڑ کر کہا۔

"بہتر ہو گا کہ اب آرام کیا جائے۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا۔" ورنہ اس بحث میں رات بھی گزر سکتی ہے۔"

"درمیانی دروازہ اپنی طرف سے بولٹ کر لینا۔" ویرا نے میرے ساتھ چلتے ہوئے چڑانے والے لہجے میں اس سے کہا۔" ورنہ میرے خوف سے تمھیں رات بھر نیند نہیں آ سکے گی۔"

سلطان شاہ نے ویرا کے اس تضحیک آمیز تبصرے پر زیرِ لب کچھ کہا تھا جو میرے پلے نہ پڑ سکا۔

اسپتال میں ہم دونوں کی بے بنیاد بیماریوں کا علاج ہوتا رہا۔ گولیاں اور شربت نالی میں بہتے رہے۔ اگلا دن ویرا نے شہر میں مصروف رہ کر گزارا۔ سردی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اونچے کالر والے اونی کوٹ، ہیٹ اور لمبے چرمی جوتوں کی مدد سے نہ صرف اپنا حلیہ بلکہ چال تک اتنی تبدیل کر لی تھی کہ بادی النظر میں اسے پہچاننا مشکل ہو کر رہ گیا تھا لیکن مجھے اندیشہ تھا کہ جو لوگ اسے کلثوم احمدی کے روپ میں پہچان کر اغوا کر سکتے تھے، ان سے بچنا ویرا کے لیے آسان نہیں تھا۔

واپسی پر اس نے بتایا کہ کافی بھاگ دوڑ کے بعد وہ شہر کے پسماندہ علاقے میں کرائے پر ایک کمرا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی، جہاں کوئی آسائش تو میسر نہیں تھی لیکن بنیادی ضرورت کی تقریباً ہر شے موجود تھی۔ اس کمرے کا بندوبست کرنے کے بعد ویرا نے ہم دونوں کے لیے کچھ سامان خرید کر وہاں پہنچا دیا تھا تاکہ ہم اپنے حلیے تبدیل کر سکیں۔

باہمی مشورے کے بعد طے کیا گیا کہ ہمیں اسی شام اسپتال چھوڑ دینا چاہیے تاکہ شام کے اندھیرے میں ہماری منتقلی کا عمل بے خوف و خطر مکمل ہو سکے لیکن جب ویرا نے ہمارے ڈسچارج کے سلسلے میں کاؤنٹر سے رجوع کیا تو پتا چلا کہ حسابات کا شعبہ پانچ بجے بند ہو چکا تھا اس لیے اگلے دن تک انتظار کرنا ضروری تھا۔ اسپتال کا عملہ مناسب ڈپازٹ لے کر نئے مریضوں کو داخل کرنے کا مجاز ضرور تھا لیکن شعبۂ حسابات کی اجازت کے بغیر انھیں کسی مریض کو چھوڑنے کی اجازت نہیں تھی۔

اس بارے میں ویرا کافی دیر مصروف رہی آخر کار اسپتال کے منتظم سے اس کے گھر فون پر بات کرنے کے بعد یہ مشکل یہ طے پایا کہ مزید پانچ سو ڈالر جمع کرا کے ہم اسپتال چھوڑ سکتے تھے۔ حساب صاف کرنے کے لیے ویرا کو اگلی صبح نو بجے اسپتال آنا پڑتا۔ ایک رات کے لیے دو مریضوں پر سات سو ڈالر کا خرچ بہت زیادہ تھا لیکن ہمارے پاس رقم کی کوئی کمی نہیں تھی، اس لیے پانچ سو ڈالر دے کر ہم نے وہاں سے روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ اسپتال چھوڑنے کے لیے ویرا نے سلطان شاہ کے ایک اہم انٹرویو کا بہانہ تراشا تھا جو یورپ کے ایک گمنام مگر باحوصلہ کوہ پیما کے ساتھ اچانک ہی طے ہو گیا تھا۔

"جانے سے پہلے کیوں نہ ایک بار جمی کو چھیڑ لیا جائے۔۔۔؟" سلطان شاہ نے رائے ظاہر کی۔" ہو سکتا ہے کہ نئے ٹھکانے پر یہاں جیسی آزادی میسر نہ ہو کم از کم اندازہ تو ہو جائے گا کہ وہ کیا کرنا چاہ رہا ہے۔"

"یہ اس کے زخم کرید کر اسے اشتعال دلانے کے برابر ہو گا۔" ویرا بولی۔" بہتر یہی ہے کہ اسے نہ چھیڑا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ یہ نتیجہ

…رے کہ ہم اس سے خوفزدہ ہو کر مارسیلز سے بھاگ گئے ہیں۔"

وہ دونوں اس موضوع پر بات کرتے رہے اور میں اپنی غلطی …سوس کرتا رہا۔ میرے پاس جمی لائیڈ سے چھینا ہوا ٹرانسمیٹر موجود تھا۔ …اگر آن رکھا جاتا تو جمی لائیڈ کا کوئی پیغام وصول کرنے کے علاوہ …سے رابطہ بھی قائم کیا جا سکتا تھا۔ میں یہ تو دیکھ چکا تھا کہ اس ایریٹش …ستعمال کے نتیجے میں جمی لائیڈ کے لیے ہمارے ٹھکانے کا سراغ لگانا …نہیں تھا۔ میں نے اپنی حماقت سے جو وقت گزار دیا وہ بہت اہم …مجھے یقین تھا کہ اس دوران میں جمی لائیڈ نے مجھ سے بات کرنے …رنش ضرور کی ہوگی۔

"تم کیوں نہیں بولتے، کیا سوچ رہے ہو؟" ویرا کی بحث سے …آکر سلطان شاہ نے میرا سہارا لینے کی کوشش کی۔

"میں بات کروں گا۔" میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے …ہم پر غالب نہ آنے کے باوجود جمی لائیڈ اپنی حکمتِ عملی میں کامیاب …رہا ہے اور ہم اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ گئے ہیں۔"

"یہ کیسے کہہ سکتے ہو تم؟" ویرا نے حیرت سے سوال کیا۔ وہ مجھے …ا گھور رہی تھی جیسے میرا دماغ چل گیا ہو۔

"اس نے خود سامنے آکر ہمیں اپنے راستے سے ہٹا دیا ہے۔ ہماری …ل ہم ہیروئن کے خلاف تھی جو شی کا اصل کاروبار ہے۔ اسی میں اسلحے …ا سمگلنگ بھی آ جاتی ہے لیکن اس وقت ہم اپنے نشانوں کو بھول کر …پوری قوت سے جمی لائیڈ کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ شکست و خون میں …جاکر وہ کسی بھی وقت ہم پر ہاتھ ڈال دے گا کیونکہ ہم اسے انا کی جنگ …سمجھ کر لڑ رہے ہیں۔"

"تجربہ کار لوگ رفقا اور ساتھیوں کی ہلاکت سے بھی وہ دن بہ دن کمزور ہوتا …ہوا ہے۔ آدمی تو بہت مل جاتے ہیں لیکن ان کی وفاداری اور صلاحیت …آزمانے کے لیے ایک مدت درکار ہوتی ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ …اس طرح ہم اسے زیادہ نقصان پہنچا رہے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب …اس کے لیے کام کرنے والوں کے لیے تمہارا نام ہوا بن جائے گا اور وہ …اس سے کنارہ کشی ہونے لگیں گے۔ شی کی بیخ کنی کے لیے اس سے …زیادہ موثر طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے؟" ویرا کے ذہن میں میری متعلق …اس طرح بھی نہیں ہماری تھی جو تم نے جمی لائیڈ کو بھی عملاً بے دست و پا …کر دیا تھا۔ اگر اس کے ستارے اس کا ساتھ نہ دیتے تو اس کی موت …کے ساتھ ہی شی کا شیرازہ بکھر گیا ہوتا۔"

"وہ ایک اتفاق تھا کہ جمی لائیڈ نرغے میں آ گیا تھا۔" میں نے کہا۔ "ہمارا اصل نشانہ اٹلی میں ہے جہاں شی کی مرکزی قیادت جمی لائیڈ کی …کاروبار اور … غیر قانونی عالمی تجارت کو کنٹرول کرتی ہے لیکن …اس شہر نے پیش قدمی کر کے ہمیں یہاں مارسیلز میں بری طرح الجھا لیا …ہے اور وہ ہمیں ہمارا قصہ ختم کر دینے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"اگر تم گفتگو کرنا چاہ رہے ہو تو اتنی بحث کا کیا فائدہ، بات کر ڈالو۔ ہمیں یہاں سے نکلنا بھی ہے۔" سلطان شاہ نے ہم دونوں کی گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بے فائدہ بحث نہیں ہے۔" میں نے تھیلے میں سے جمی لائیڈ والا ٹرانسمیٹر نکال کر آن کرتے ہوئے کہا۔ "مقصد اور حکمتِ عملی طے کیے بغیر اگر ہم اپنی توانائیاں برباد کرتے رہے تو ہم بوڑھے ہو جائیں گے لیکن شی کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے۔"

ٹرانسمیٹر پر دوسری طرف سناٹا تھا۔ میں نے بٹن دبا کر دھیمی آواز میں خیر خواہ کے نام سے جمی لائیڈ کے لیے کال نشر کی۔ جواب میں دوسری طرف سے فوراً ہی ایک نسوانی آواز ابھری تھی جسے شاید خیر خواہ والے حوالے کے بارے میں بتا دیا گیا تھا۔

"سپر آئی مین موجود نہیں ہے، چاہو تو اس کے لیے پیغام چھوڑ سکتے ہو۔ اوور۔" کھنکتی ہوئی نسوانی آواز نے باوقار لہجے میں کہا۔

"میں خود اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ وہ کب تک مل سکے گا؟ اوور۔" میں نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" لڑکی کی آواز سپاٹ تھی۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی لوٹ آئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مہینوں ادھر کا رخ نہ کرے۔ پیغام ہو تو وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں اس تک پہنچایا جا سکتا ہے۔۔۔ اوور۔"

"تو کیا وہ فرانس سے باہر ہے؟ اوور۔" میں اسے اچھی طرح کریدنے پر تلا ہوا تھا۔

"وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں ہو سکتا ہے۔ ہمیں اس کے پروگراموں کا علم نہیں ہوتا لیکن یہ ضرور بتا سکتی ہوں کہ آج صبح اس نے تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی جو بے سود ثابت ہوئی۔ اس کے بعد وہ چلا گیا۔ اوور۔"

لڑکی کا جواب سنسنی خیز اور خیال انگیز تھا۔ ہر لاسلکی ریڈیائی آلے کی طرح جمی لائیڈ سے چھینا ہوا ٹرانسمیٹر بھی ایک مخصوص حد کے اندر موثر ہو سکتا تھا۔ اس کی ساخت اور سائز کی بنا پر میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ چند سو کلومیٹر سے زیادہ فاصلے پر کارآمد نہیں رہا ہوگا اور جمی لائیڈ نے مجھ سے رابطہ قائم کرنے میں ناکامی کا سامنا کرنے پر شاید یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہو کہ ہم تینوں فرانس کی حدود سے ہی فرار ہو گئے تھے اور ہماری امکانی منزل اطالوی سرزمین ہو سکتی تھی جہاں اس کا مرکز قائم تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ فوری طور پر اٹلی روانہ ہوا ہوگا جہاں اسے ہماری طرف سے کسی بڑی تخریبی کارروائی کا خدشہ رہا ہوگا۔

"وہ جہاں بھی ہو، اسے پیغام دے دینا کہ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اوور۔"

"تم بے فکر رہو، یہ پیغام پہلی فرصت میں پہنچا دیا جائے گا۔ اس دوران میں تم اپنا اپریٹس آن رکھنا تاکہ رابطہ قائم کرنے میں دشواری نہ ہو۔ آج صبح شاید تمہارا اپریٹس آف تھا، اوور!" لڑکی کی آواز ابھری۔ وہ خود گفتگو آگے بڑھا رہی تھی، اس لیے میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ "میرا اپریٹس آف نہیں تھا بلکہ میں اس کی رینج سے باہر تھا، کتنی رینج ہے اس کی؟ اوور!"

"دو سو کلومیٹر، تم کہاں گئے ہوئے تھے؟ اوور!" اس نے میرے سوال کا جواب دے کر کہا۔

"فرانس سے باہر تھا۔" میں نے یہ سوچ کر شوشا چھوڑا کہ وہ اپنی حاصل کی ہوئی تمام معلومات اپنے آقا تک ضرور پہنچائے گی۔ "ابھی ابھی مارسیلز واپس لوٹا ہوں، اوور!" گفتگو کے اختتام کا موقع میں اسے دینا چاہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، ضرورت پیش آئی تو میں خود تم سے رابطہ قائم کر لوں گی، میرا کوڈ ہنی بال ہوگا، اوور!"

"بڑا خوبصورت کوڈ ہے تمہارا۔" میں نے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے منہ میں مصری کی ڈلی گھل رہی ہو۔ ڈیوٹی کے بعد تم کہاں ہوتی ہو؟ میرا خیال ہے کہ تم میں اپنے کوڈ کی تاثیر ضرور ہوگی، اوور!"

"میں ہر وقت ڈیوٹی پر ہوتی ہوں۔ تم باہر کے آدمی نہ ہوتے تو میں تمہاری جسارت پر شٹ اپ ضرور کہتی۔ ہمارے کام میں خرافات کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، اس لیے اوور اینڈ آل۔" اس کی آواز سخت اور حوصلہ شکن تھی۔

"گالیاں کھا کر بے مزہ نہ ہوا۔" سلطان شاہ میری طرف دیکھ کر گنگنایا۔ "اچھی صورت یا آواز پر تو تم ریشہ خطمی ہو جاتے ہو۔ آخرکار اس نے گھما پھرا کر تمہیں شٹ اپ کہہ ہی دیا اور تم مسکرا رہے ہو۔"

"یہ بہت چالاک ہے۔" میرے بجائے ویرا میرا دفاع کرتے ہوئے بولی۔ "اس نے لڑکی سے کئی کام کی باتیں معلوم کی ہیں، اس لیے اسے مسکرانا ہی چاہیے۔ اس پر ڈورے ڈالنے میں کامیابی ہو جاتی تو آج میں ڈینی کی شاگردی اختیار کر لیتی۔"

"شاگردی کی کیا ضرورت ہے، تم تو خود اس کی استاد بنی ہوئی ہو۔" سلطان شاہ منہ کر بولا۔

اسی نوک جھونک میں تیاری مکمل کر کے ہم اس اسپتال سے نکل کھڑے ہوئے۔

ویرا سمجھ چکی تھی کہ جمی لائیڈ نے میری طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر فوراً ہی مارسیلز چھوڑ دیا تھا کیونکہ اسے اپنے گھر کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ ہنی بال نے بالواسطہ طور پر بتا دیا تھا کہ جمی لائیڈ دو سو کلومیٹر سے کہیں زیادہ فاصلے پر تھا، اس اعتبار سے حالات میرے قائم کیے ہوئے نظریات کی کھل کر تائید کر رہے تھے۔ جمی لائیڈ اس مقابلے میں اب واضح طور پر اپنی کمزوری کا اظہار کر رہا تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کے مہرے اس وقت تک ذہنی یا جسمانی سطح پر میرے معیار سے بہت کم تر ثابت ہوتے آئے تھے اور میں ان سے من مانا سلوک کرنے یا ان کی زبان سے ناگفتنی اگلوانے پر قادر رہا تھا جبکہ میرے خلاف جمی لائیڈ کو صرف اپنے وسائل پر انحصار کرنا پڑ رہا تھا۔

اسپتال سے روانہ ہونے کے بعد ہم ٹیکسی کے ذریعے [illegible] کے جس رہائشی علاقے میں پہنچے، وہ پاکستانی معیار سے ایک [illegible] علاقہ نظر آ رہا تھا لیکن شہر کے اپنے معیار کے مطابق وہ نسبتاً کم [illegible] والے افراد کا علاقہ معلوم ہو رہا تھا کیونکہ وہاں مکانات کا سائز [illegible] تھا اور باہر نظر آنے والے لوگوں کے لباس سے بھی تمول [illegible] نہیں ہو رہا تھا۔

ٹیکسی چھوڑنے کے بعد ویرا ہمارے ساتھ ایک پتلی سی [illegible] میں داخل ہوئی، جس کے ایک طرف مکانات کی قطار تھی اور [illegible] کے سامنے دوسری قطار کے مکانوں کے سامنے سر سبز [illegible] پھیلے ہوئے تھے۔ ایک مکان کے قریب رک کر ویرا نے جیب [illegible] چابی نکال کر تالا کھولا اور اگلے ہی لمحے ہم تینوں اس صاف ستھرے کمرے میں داخل ہو چکے تھے، جس پر دن میں ویرا خاصی محنت کر چکی تھی۔

اندر مناسب روشنی والے بلب کے ساتھ دو ٹیبل لیمپ [illegible] تھے۔ کمرے میں دو سنگل بیڈ لگے ہوئے تھے اور صوفہ کسی تیسرے فرد کے لیے کافی تھا۔ وسطی میز پر ویرا کے لائے ہوئے سامان کے تھیلے رکھے ہوئے تھے۔

"ادھر باتھ روم ہے۔" ویرا نے سلطان شاہ کو مخاطب کر کے ایک گوشے میں بند دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سلطان شاہ اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور کر رہ گیا اور ویرا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

میں نے ویرا کے جمع کیے ہوئے تھیلوں کا جائزہ لیا تو دل [illegible] دل میں اس کی عقل مندی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ موسم کی مناسبت سے وہ چرمی جیکٹوں کے ساتھ ایسی جینز لائی تھی جنہیں ہم [illegible] کے ساتھ مسلسل کئی دن تک استعمال کر سکتے تھے۔ شوٹنگ [illegible] ہیٹ اور بڑے فریم والے پولارائیڈ شیشوں والی عینکیں اس کے علاوہ تھیں۔ حقیقت یہ تھی کہ ہم تینوں کو شہر میں قدم رکھتے ہی آزادانہ نقل و حرکت کے لیے حلیے بدلنا ناگزیر ہو گیا تھا، ورنہ [illegible] ہم پر وار کر سکتے تھے۔

اس وقت میرے چہرے پر داڑھی موجود تھی جو خاصی [illegible] اور بڑی ہو چکی تھی۔ پہلے میں نے اسے کتر کر مختصر کرنا چاہا لیکن وہ کوئی آسان کام نہیں تھا، اس لیے ویرا کے مشورے پر میں نے اسے [illegible]

صاف کر دیا۔ منہ ہاتھ دھو کر میں نے ویرا کا لایا ہوا لباس زیب تن کر کے سر پر ہیٹ جمایا، سیاہ فریم والی عینک لگائی اور ڈریسنگ کارنر میں آئینے میں اپنا عکس دیکھا تو خود حیران رہ گیا۔ مجھ میں اتنی واضح تبدیلی آچکی تھی کہ خود اپنا عکس اجنبی نظر آرہا تھا۔ میں ان دونوں کے سامنے آیا تو ان کے چہرے مسرت سے کھل اٹھے۔

"اب تمھیں کوئی نہیں پہچان سکتا" ویرا نے اپنی محنت کو بار بار دیکھ کر پُرجوش لہجے میں کہا۔

"تم اپنا سر مونڈ کر بھی خود کو اتنا تبدیل نہیں کر سکتیں" سلطان شاہ کو تبصرہ کرنے کا سنہرا موقع ہاتھ آگیا۔

"یہ شوق تم ہی پورا کر لینا۔ مجھے مزید کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں" ویرا ترش لہجے میں بولی۔

"جنس بدلنے کے علاوہ اب رہ بھی کیا گیا ہے تمھارے لیے۔ اپنے ترکش کے سارے ہی تیر ایک ایک کر کے آزما چکی ہو۔" اس وقت میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ پاکستان سے باہر نکلنے کے بعد سلطان شاہ کی اردو قابلِ رشک حد تک بہتر ہو چکی تھی۔

"چلو! میں تمھارا ہی سر مونڈ دوں" ویرا نے جھلا کر اس کا کالر دبوچ لیا اور مجھے مجبوراً دخل انداز ہو کر سلطان شاہ کو تیاری کے لیے باتھ روم کی طرف دھکیلنا پڑ گیا، ورنہ ویرا اپنے ارادے میں سنجیدہ نظر آرہی تھی۔

جی لائیڈ کا ٹرانسمیٹر آن کیا ہوا میز پر رکھا ہوا تھا۔ میں صوفے پر دراز سگریٹ پی رہا تھا اور ویرا دیوار گیر سروس بورڈ پر برقی کیتلی میں چائے کے لیے پانی کھولا رہی تھی کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی اور ہم دونوں ہی چونک پڑے۔

یہ میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ اصل مکان سے ملحق اس کمرے کے دروازے پر ڈور بیل کا کوئی بٹن وغیرہ موجود نہیں تھا لیکن اس بات پر حیرت ضرور تھی کہ ہمارے وہاں پہنچتے ہی کون سا ملاقاتی نازل ہو گیا تھا۔

ویرا جھجکتے ہوئے دروازہ کھولنے کے لیے بڑھی تو میں نے ہیم گن جیب سے نکال کر اپنی گود میں چھپا لی تاکہ خطرے کی صورت میں بلا تاخیر جوابی کارروائی کر سکوں۔ عافیت اور بے فکری کا وہ ٹھکانا میسر آنے کے بعد میں فوری طور پر کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

دروازہ کھولنے سے پہلے ویرا نے دستک دینے والے سے کوئی سوال کیا اور اس کا جواب سن کر سر کی جنبش سے مجھے مطمئن رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ باہر ایک ادھیڑ عمر شخص موجود تھا جو ویرا کی دعوت کا رسمی انتظار کیے بغیر اندر گھس آیا۔ اس کی زرد اور بے رونق آنکھوں میں روح کو لرزا دینے والی بھیانک سی اُداسی موجود تھی، جیسے وہ زندہ انسان کے بجائے کسی مُردے کی کھلی ہوئی حسرت زدہ نگاہیں ہوں۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ شخص مدتوں سے کسی طاقت ور نشے کا عادی چلا آرہا تھا۔

اندر آکر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے ویرا سے فرنچ میں کچھ کہا جس پر ویرا انگریزی میں بولی۔ "موسیو کاویل! تم انگریزی جانتے ہو اس لیے میں اسی زبان میں بات کروں گی تاکہ میرا مہمان اجنبیت محسوس نہ کرے، تمھیں اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

اس شخص نے اپنا دوانہ ہاتھ فضا میں لہرایا اور انگریزی میں بولا۔ "زبان سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اعتراض تو مہمان کی موجودگی پر ہے، تم نے ابھی تک اس کا جواب نہیں دیا۔"

"میں مانتی ہوں کہ کمرا تم نے مجھے دیا تھا لیکن یہ مہمان مل گیا تو میں اسے کہاں لے جاتی؟"

"ایک اور بھی تو ہے۔" وہ کسی مُردار گدھ کی طرح کمرے میں چاروں طرف نگاہیں دوڑاتے ہوئے بولا۔ "مجھے اطلاع ملی تھی کہ اس کمرے میں تین افراد آئے ہیں، تیسرا کہاں غائب ہو گیا؟" اس کے

انداز سے میں نے سمجھ لیا کہ وہی مالک مکان تھا۔

"وہ باتھ روم میں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں رات کو میرے ساتھ یہیں قیام کریں۔"

"یہ ناممکن ہے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "تم فاضل کرایہ ادا کرکے صرف ایک کو اپنے ساتھ سلا سکتی ہو لیکن اس چھوٹے سے کمرے میں تین آدمی نہیں رہ سکتے۔ ہیلتھ انسپکٹر کو بھنک بھی مل گئی کہ میں نے یہاں تین کرائے دار ٹھہرائے ہیں تو مجھے چار گنا جرمانہ ادا کرنا پڑ جائے گا۔ میں یہ خطرہ کبھی مول نہیں لے سکتا۔" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے قانون سے زیادہ رقم اینٹھنے کی فکر تھی اور وہ گفتگو کے معاملے میں بدتمیزی کی حد تک بے پروا نظر آ رہا تھا جس کی وجہ سے اس کو برداشت کرنا خاصا صبر آزما کام تھا۔

"انسپکٹر رشوت لیتا ہے؟" میں نے دخل انداز ہوتے ہوئے ٹھ ملہ انداز میں براہِ راست سوال کر ڈالا۔

"لیتا بھی ہو تو اس کا منہ کون بھرے گا؟" وہ کام کی بات سن کر ہمہ تن میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"ظاہر ہے کہ یہ جرمانہ ہم ہی ادا کریں گے۔" میں نے اس کے حریصانہ رویے پر اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اور دو فاضل آدمیوں کا کرایہ بھی۔" اس کی آنکھوں میں دھندلی سی چمک پیدا ہو گئی۔

"اکٹھی رقم بتا دو تو بہتر ہو گا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"تیس فرانک فی آدمی فی رات سمجھ لو۔" اس نے اپنی دانست میں ایک بڑا مطالبہ پیش کر دیا۔

"رشوت سمیت؟" بڈھے کی اوقات سمجھ لینے کے بعد میں نے اسے دانستہ شہ دی۔

"لسنے ہی رشوت کے سمجھ لو۔" موقع ملتے ہی وہ پھیل گیا۔ "کل ساٹھ فرانک فی آدمی فی رات ہوئے۔"

"یہ تو کرائے سے زیادہ پورے مکان کی قسط معلوم ہو رہی ہے۔" میں نے اسے چھیڑا پھر ایک دم موضوع بدل دیا۔ "یہاں مال کون سا ملتا ہے؟"

"سب کچھ مل سکتا ہے لیکن پہلے رقم کی بات طے کر دو۔" وہ اپنے پسندیدہ موضوع سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"رقم مل جائے گی تم اس کی فکر نہ کرو۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور میز پر رکھا ہوا اپریٹس آف کر دیا۔

"تم بھی پورا ہفتہ یہاں رہو گے؟" اس نے میرے قریب آکر پر تجسس لہجے میں سوال کیا۔

"ضروری نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں کل ہی واپس چلے جائیں۔" مجھے معلوم تھا کہ ویرا ایک ہفتے کا پیشگی کرایہ ادا کر چکی تھی اور وہ اسی حوالے سے ہمارے قیام کی مدت جاننا چاہ رہا تھا۔

"جتنے دن چاہو رہو لیکن مجھے ہر دن کا معاوضہ پیشگی دینا ہو گا۔" وہ پھر مطلب کی بات پر آ گیا۔ "اس لیے آج کی رقم تو دے ہی دو۔"

اس مرحلے پر ویرا نے اپنے پاس سے مقامی کرنسی میں اسے مطلوبہ رقم ادا کر دی جو اس نے گنے بغیر جیب میں اڑس لی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اسے ہم لوگوں پر اعتماد تھا بلکہ وہ ویرا کو نوٹ گنتے ہوئے اتنے غور سے دیکھ رہا تھا کہ عملاً خود بھی اس گنتی میں شریک تھا۔

"اب بتاؤ کہ تم کو کیا مال چاہیے؟" کاویل نے نوٹ اپنی جیب میں اڑسنے کے بعد کہا۔

"یہاں شوگر مل جاتی ہے؟" میں نے قدرے رازدارانہ لہجے میں دریافت کیا۔

"براؤن شوگر بہت مہنگی ملتی ہے۔" اس نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر کہا۔ "لیکن میں تمہیں سستی دلوا سکتا ہوں۔"

اس کے جواب پر ویرا کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے تھے۔ شاید اسے امید نہیں تھی کہ کاویل اتنی آسانی کے ساتھ مجھ سے اس موضوع پر کھل کر گفتگو کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔

"کیا تم بھی شوگر استعمال کرتے ہو؟" میں نے اس کی بے رونق آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں۔" اس نے سختی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "میں مارفین کے انجکشن لیتا ہوں۔ میری بیٹی شوگر ٹریڈ میں ہے۔ اسی کے مال میں سے موقع پا کر میں تھوڑی تھوڑی مقدار نکالتا رہتا ہوں پھر اسے بیچ دیتا ہوں۔ میرے پاس اب بھی آٹھ دس گرام سے زیادہ مال ہو گا۔ چاہو تو صرف دس ہزار فرانک میں پوری تھیلی لے سکتے ہو۔ بہت منافع بخش سودا رہے گا۔"

بات واضح ہو چکی تھی۔ کاویل کی بیٹی ہیروئن فروش تھی لیکن شاید اپنے باپ کے اخراجات کے معاملے میں فراخ دل نہیں تھی، اس لیے وہ اپنی بیٹی کے پیکٹوں میں سے تھوڑی تھوڑی مقدار چرا کر بیچتا رہتا تھا تاکہ اپنے مارفین کے اخراجات پورے کر سکے۔ اسی تنگ دستی کی وجہ سے اس نے اپنا ایک کمرا کرائے پر چلایا ہوا تھا اور جب اسے ہم لوگوں سے کچھ اضافی آمدنی کی امید پیدا ہوئی تو وہ ہیلتھ انسپکٹر اور قوانین کا سہارا لے کر بے دھڑک ہمارے سروں پر آ موجود ہوا۔

"میں بعد میں بتاؤں گا۔" میں نے اسے ٹالتے ہوئے کہا کیونکہ اس کے بارے میں مجھے اپنے قائم کیے ہوئے نظریے کی تصدیق سے زیادہ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے بلا حیل و حجت اعتراف کر لیا تھا

وہ ہیروئین کا عادی تھا اور اس کی بیٹی ہیروئن بیچتی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہیں اس کی بیٹی نچلی سطح پر نشے کے لیے کام نہ کرتی ہو۔ اس لیے میں اس کا سامنا کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

”جب چاہو بتا دینا۔ پیسہ دیتے ہی مال مل جائے گا اور ہاں، اگر وہ بھی آجائے تو خود کو کرائے دار ہرگز ظاہر نہ کرنا۔ یہ بتانا کہ تم میرے مہمان ہو اور دو چار دن میں چلے جاؤ گے۔“ وہ عادی نشہ باز تھا لیکن ہر بات صاف صاف کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔

”فاضل رقم دے کر بھی ہمیں جھوٹ بولنا پڑے گا؟“ میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

”تمہارے ذرا سے بے ضرر جھوٹ سے مجھے کچھ رقم مل جائے تو تمہارا کیا حرج ہے۔ دراصل یہاں کے رہائشی قوانین بڑے عجیب ہیں۔ مالکان چھوٹے ڈربوں میں ایک دوسرے پر سوار رہیں، تو قانون کوئی تعرض نہیں کرتا لیکن مکان کرائے پر دینے کے لیے بہت سی ضروریات اور نفری کے مطابق کم از کم مقررہ رقبہ ہونا ضروری ہے۔ میں ان شرائط کو پورا کرتا پھروں تو کرائے کی مد میں ملنے والی رقم سے زیادہ اخراجات اٹھانے پڑیں گے۔ تم نے ہیلتھ انسپکٹر یا اس کے عملے سے سچ بولا تو نہ صرف مجھے جرمانہ ادا کرنا ہوگا بلکہ تم تینوں میں سے کم از کم ایک کو فوری طور پر یہ کمرا چھوڑ کر اپنا بندوبست کہیں اور کرنا ہوگا جو تمہارے لیے تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔“

”تم بے فکر ہو کر جاؤ۔ ہماری وجہ سے تمھیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔“ ویرا اس کی طول پکڑتی ہوئی مداخلت سے اکتائی ہوئی نظر آنے لگی تھی، اس لیے زبان پر قابو نہ رکھ سکی۔

”میری بیٹی آجائے تو اسے کرائے کے علاوہ کچھ نہ بتانا۔ یہ رقم میں اپنے ذاتی مصرف میں لاؤں گا۔“ وہ جاتے جاتے مڑ کر اپنی ہنسی چھپاتے ہوئے بولا۔ ”اسے بھنک مل گئی تو وہ میرے پاس ایک کوڑی بھی نہیں چھوڑے گی۔“

”بے فکر رہو۔“ ویرا اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کر آہستگی کے ساتھ اسے دروازے سے باہر نکالتے ہوئے بولی۔ ”تم چاہو تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ تم نے ترس کھا کر ہمیں اپنی چھت کے نیچے پناہ دی ہوئی ہے۔“

میں کاویل کا جواب نہ سن سکا اور ویرا دروازہ بند کر کے سر ہلاتی ہوئی واپس آگئی۔ پانی تیار تھا لیکن ویرا شاید بڈھے کی تواضع ہی کرنا چاہتی تھی، اس لیے اس کے جاتے ہی چائے تیار کر کے لے آئی اور مجھ سے بولی۔ ”تمھیں کاویل سے اتنی لمبی چوڑی گفتگو کی کیا ضرورت تھی؟“

”اسے چھیڑے بغیر کچھ معلوم کرنا ناممکن تھا۔ ہم یہاں ٹھہرے ہیں تو ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں کس قسم کے خطرات پیش آسکتے ہیں۔ ہمیں اس کی بیٹی کی طرف سے محتاط رہنا ہوگا۔ وہ ہمارے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔“

”ضروری نہیں کہ ہر چھوٹا موٹا ہیروئن فروش شی کے لیے کام کرتا ہو۔“ وہ گرم گرم چائے کا ایک لمبا گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔ ”کاویل جیسے ٹوٹے ہوئے لوگ فاضل آمدنی کے لیے اپنے طور پر ایسے دھندوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔“

”سلطان شاہ درست کہہ رہا تھا۔ سر مونڈ لو تو تم زیادہ گہرائی تک سوچ سکو گی۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ایک طرف اس کی بیٹی اتنی کنجوس ہے کہ باپ سے ہر رقم ہتھیانے کے چکر میں رہتی ہے یعنی اس کے مالی حالات اچھے نہیں ہیں۔ دوسری طرف وہ سونے سے زیادہ مہنگی ہیروئن کی ایسی مقداروں کا لین دین کرتی ہے کہ اس کے باپ کی چوری اس کے علم میں نہیں آتی، یہ مال لے کوئی مضبوط پارٹی ہی دے سکتی ہے جو اپنا مال یا رقم وصول کرنا اچھی طرح جانتی ہے۔ بڑے کام وہ عورت اپنے طور پر نہیں کر سکتی۔“

”وہ یہاں آہی گئی تو ہم کیا کر سکیں گے؟“ ویرا لاجواب ہو کر بولی۔

”ہمیں گفتگو میں احتیاط کرنا ہوگی، تم مل چکی ہو اُس سے؟“

”میری ملاقات کاویل سے ہی ہوئی تھی۔“ وہ بولی۔ ”اس وقت بھی اُس نے اپنی بیٹی کا ذکر کیا تھا۔“

”اب ہم اصل ناموں کے بجائے ایک دوسرے کو پاسپورٹ والے ناموں سے مخاطب کریں گے۔ تم نے کاویل سے اپنا تعارف کس نام سے کرایا تھا؟“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا۔

”مرینا... مس مرینا ہمفرے کے نام سے۔“ اس نے بتایا۔ ”میں پیرس سے آئی ہوئی ہوں۔“

”نام اچھے تلاش کرتی ہو۔“ اچانک سلطان شاہ تیار ہو کر باتھ روم سے بولتا ہوا باہر آگیا۔ ”کبھی مس کی جگہ مسز بھی بن جاؤ تو تمھارے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ بہتیری شادی شدہ عورتیں کنواریوں سے زیادہ دلکش ہوتی ہیں۔“

”تم بھی اب قابل شناخت نہیں رہے ہو۔“ میں نے اُس کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے تعریفی لہجے میں کہا۔ ”شاید ہماری گفتگو تم سنتے رہے ہو اس لیے تمھاری بریفنگ کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔“

”میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب ہم مارسیلز میں کیا کر رہے ہیں؟“ وہ میرے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

”کچھ بھی نہیں، بس یہ روانگی کی تیاریاں ہیں۔“ میں نے میز پر رکھا ہوا ایرئیل دوبارہ آن کرتے ہوئے کہا۔ ”کاویل کی آمد پر اسے اس لیے آف کر دیا تھا کہ کہیں ہنی بال اسی وقت لائن پر پیغام نہ دے بیٹھے۔ ایسی صورت میں کاویل ہماری طرف سے شبہے میں پڑ سکتا تھا۔

میں نے سلطان شاہ کو جو جواب دیا اس میں کوئی مبالغہ نہیں تھا۔ میں نمایاں ظاہری تبدیلیوں کے بعد اس طرح اٹلی کی طرف روانہ ہونا چاہتا تھا کہ جمی لائیڈ یا اس کے کسی آدمی کو ہمارے سائے کا بھی سُراغ نہ مل سکے۔ ان کی نظروں سے دور اور محفوظ رہ کر ہی ہم اپنے مشن میں کوئی بڑی کامیابی حاصل کر سکتے تھے، ورنہ ہر لمحے اپنے دفاع کی کوششوں میں کشت و خون میں اُلجھے رہتے اور شی کا کچھ بھی نہ بگڑتا۔ اس کے برعکس کسی وقت ہم ہی ناقابلِ تصور دشواریوں میں گھر سکتے تھے۔

"بھابی کی بھی کوئی خبر ملی یا نہیں؟" اچانک سلطان شاہ وہ نازک سوال کر بیٹھا جسے میں ٹالتا چلا آ رہا تھا۔

میرے ساتھ ویرا کے تعلق اور تعاون کی نوعیت بہت عجیب تھی۔ اسے معلوم تھا کہ میں دل کی گہرائیوں سے غزالہ کو چاہتا تھا پھر بھی وہ میری ذات میں بے پناہ دلچسپی رکھتی تھی۔ انگلینڈ میں غزالہ کے غائب ہونے کے بعد ویرا بہت تیزی کے ساتھ میرے قریب آئی تھی۔ شاید اس کے لاشعور میں یہ بات جم گئی ہو کہ میں غزالہ کا خلا اس کی ذات سے پورا کرنے کی عارضی کوششوں میں اسی کا اسیر ہو کر رہ جاؤں گا۔ غزالہ کے بارے میں وہ بارہا اپنی ذمے داری کو تسلیم کر چکی تھی اور اس نے غزالہ کی تلاش کے سلسلے میں بہتیرے وعدے بھی کیے تھے لیکن عملاً وہ اس بارے میں کچھ بھی نہیں کر سکی تھی کیونکہ شی کی جانب سے بار بار اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کی جاتی رہی تھیں۔

یہ بات نہ ویرا کے وہم و گمان میں تھی نہ میں سوچ سکتا تھا کہ غزالہ ہماری مدد کے بغیر آخر کار اپنی راہ خود تلاش کرے گی اور پاکستان پہنچ جائے گی لیکن جہانگیر سے فون پر مجھے معلوم ہوا کہ ایسا ہو چکا تھا۔۔۔ وہ پاکستان ہی میں تھی اور میری تلاش میں سرگرداں۔ وہ ساری تفصیل سلطان شاہ کو معلوم تھی لیکن ویرا کو میں نے اس حقیقت کی بھنک بھی نہیں ملنے دی تھی۔ اس کے برعکس، جب وہ اسپیس نائیٹن میں قید تھی تو میں نے اس پر دباؤ ڈالنے کی نیت سے غزالہ کے بارے میں اسے اس کے وعدے یاد دلائے تھے اور صحیح صورتِ حال سے لاعلمی کی بنا پر اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر میں جمی لائیڈ کے معاملے میں اس سے تعاون نہیں کروں گا تو وہ غزالہ کے بارے میں اپنی ذمے داریوں سے بری ہو جائے گی۔ اگر اسے علم ہو جاتا کہ غزالہ خیریت سے پاکستان واپس پہنچ چکی تھی تو میرے ساتھ اس کے تعاون میں نمایاں فرق پڑ سکتا تھا، جب کہ میری کوشش تھی کہ کسی بھی قیمت پر جلد از جلد اس قصے کو ختم کر کے پاکستان واپس پہنچوں جہاں غزالہ میری منتظر تھی۔

"اس بارے میں مرینا ہی کچھ کر سکے گی۔" میں نے بے جان لہجے میں کہا۔ میں سلطان شاہ کو کوئی اشارہ نہیں کر سکا کیونکہ ویرا غزالہ کے تذکرے پر میرے تاثرات کا اندازہ لگانے کے لیے میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"مگر تم نے تو۔۔۔" سلطان شاہ نے اضطراری طور پر تحیر آمیز لہجے میں حقیقت یاد دلانا چاہی لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ محض ایک اندازہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فرانس میں رہتے ہوئے ہم اپنے طور پر کبھی بھی غزالہ کا سراغ نہیں لگا سکتے۔ اس بارے میں ہمیں ویرا کے ذرائع اور وسائل پر انحصار کرنا ہی پڑے گا۔"

اس مرتبہ سلطان شاہ سنبھل گیا "اور ویرا بے چاری خود ہماری طرح مجبور ہو گئی ہے۔"

"یہ صورت زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہ سکے گی۔" ویرا نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "جلد ہی میں پوری آزادی کے ساتھ کام کر سکوں گی۔ اس وقت غزالہ کی بازیابی میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہو گی۔ اس کے بارے میں میرا ضمیر مجھے اکثر ملامت کرتا رہتا ہے۔"

"میرا خیال تھا کہ ضمیر سے تمہارے مراسم خراب ہیں۔ تم اسے اپنے پاس پھٹکنے ہی نہیں دیتیں۔" سلطان شاہ نے موضوع بدلنے کے لیے موقع پاتے ہی اس پر پھر ایک فقرہ جڑ دیا۔

"آج میں تمہیں ایک بات بتا دوں کہ بے ضمیر آدمی کبھی جرائم کی طرف مائل نہیں ہوتا۔" ویرا ایک دم بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئی۔ "اپنے ساتھ ہونے والی معاشی یا معاشرتی زیادتیوں کو خاموشی سے سہ لینے پر ضمیر انسان کو ملامت کرتا ہے۔ تیسرے درجے کی زندگی سے سمجھوتا کرنے پر اسے بزدل قرار دیتا ہے اور اندر کے ان کچوکوں سے پریشان ہو کر آخرکار انسان اپنی دانست میں اپنا حق چھیننے اور اپنی دلیری ثابت کرنے کے لیے جرائم کی طرف پہلا قدم بڑھاتا ہے جو کبھی واپس نہیں لوٹتا۔ یہ اور بات ہے کہ بیشتر مجرم بعد میں انتہا پسند ہو کر اپنے ضمیر کو بھی سلا دیتے ہیں لیکن ابتدائی اور بنیادی طور پر ہر مجرم باضمیر اور غیرت مند ہوتا ہے۔ بے ضمیر لوگ دوسروں کے ٹکڑوں پر پل کر بھکاریوں کی طرح اپنی پہاڑ جیسی زندگی گزار دیتے ہیں، جس میں عزتِ نفس کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔"

"یہ تمہاری اپنی رائے ہے جسے میں نہیں مان سکتا۔ تمہارا نظریہ درست ہوتا تو دنیا کا ہر محروم انسان جرائم کا ارتکاب کر رہا ہوتا اور غریب ملکوں میں تو قانون کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا کیونکہ وہاں اکثر لوگ محرومی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اس طرح تم قانون پرور مفلسوں کو بے ضمیر قرار دینے کی کوشش کر رہی ہو۔" سلطان شاہ نے اس کی گرفت کرتے ہوئے کہا۔

"محرومی غربت نہیں بلکہ ایک ایسا عذاب ہے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔" ویرا ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے بولی۔ "غریب کی جیب خالی ہوتی ہے لیکن بیوی بچوں میں آ کر وہ آسودگی محسوس کرتا ہے۔ گلاب کا پھول سونگھ کر آسودگی مل سکتی ہے۔ اسے تم محروم نہیں کہہ سکتے۔ محروم وہ ہوتا ہے جسے زندگی میں کہیں خوشی کا سراغ نہیں ملتا، جس کے لطیف جذبوں کو حالات فنا کر کے رکھ دیتے ہیں اور آخر کار وہ اپنی ہی نظروں۔۔۔

سکتا ہے۔ ایک کروڑپتی بھی محروم ہو سکتا ہے۔ اگر اس کے بچے
... ہوں، بیوی بے وفا نکل جائے، رشتہ دار اور دوست اسے بزدل
بےغیرت کہنے لگیں تو وہ بھی بڑھ کر اپنی بیوی کی گردن کاٹ سکتا ہے اور
جرم کی بنیاد ہوتی ہے۔ جب آدمی ایک بار جرم کر کے قانون کی گرفت سے
بچ رہتا ہے تو وہ دوسرا قدم اٹھاتا ہے اور یہ سلسلہ چل پڑتا ہے۔"

"یہ سلسلہ رکے تو ہمیں خوراک کے بارے میں بھی سوچنا ہوگا۔" میں
نے ویرا کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی سنجیدگی سے کہا۔ "ورنہ ہم ساری رات
... پر غراتے رہیں گے اور صبح تک پاگل ہو چکے ہوں گے۔"

ویرا محفوظ کی ہوئی غذا کے کچھ ڈبے لے آئی تھی لیکن طے یہی ہوا کر
نکل کر کھانا کھایا جائے۔ اس طرح ہم اپنی وضع قطع میں کی گئی نئی...
... سے بھی مانوس ہو سکتے تھے۔ ویرا پہلے ہی تیار تھی لیکن پھر اس
مزید چند چٹکلے آزمائے اور ہمارے ساتھ روانگی کے لیے تیار ہو گئی۔
... ڈالر ان میں رقم کی جتنی گڈیاں ہماری جیبوں میں سما سکیں وہ ہم نے
... لیں اور باقی پیکیٹ سلطان شاہ نے ایک بستر کے نیچے اس
... پھیلا دیے کہ بادی النظر میں ان کا سراغ لگانا ناممکن تھا۔ ہم نے
... اپنے پاسپورٹ بھی اپنی تحویل میں لے لیے تھے تاکہ کسی ہنگامی صورتحال
... ہمیں ایک دوسرے پر انحصار نہ کرنا پڑے۔ بیم گن میرے قبضے میں تھی۔

ہم روانہ ہونے ہی والے تھے کہ اچانک دروازہ پر تیز دستک
ہوئی۔ ہم تینوں سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔
... قدرے توقف کے بعد دروازے کی طرف بڑھی تھی کہ اچانک سے
... پر ہنی بال کی آواز ابھرنے لگی۔ وہ اپنی دلکش اور شیریں آواز میں میرے
... کال نشر کر رہی تھی۔

وہ آواز سن کر ویرا واپس گھومی، اسی لمحے دروازہ پر بے تابی کے
ساتھ دوسری بار دستک دی گئی۔ میں نے ہاتھ سے ویرا کو رکنے کا اشارہ
... پر بکس سنبھال کر آہستگی سے بولا۔ "میں خیر خواہ بول رہا ہوں۔ چند
... منٹ بعد دوبارہ بات کروں گا۔ اوور اینڈ آل۔" میں نے اس کا جواب
... ٹیلی پرنٹس آف کر دیا اور اسے جیب میں ڈال لیا۔

ویرا نے دروازہ کھولا تو باہر فربہ جسم والی ایک معنک خاتون
... موجود تھی جس کے خدوخال میں اس کے سوا کوئی قابلِ ذکر بات نہیں تھی
... ناک چھوٹی اور چمکدار آنکھیں ضرورت سے زیادہ متجسس نظر آ رہی تھیں۔
... اس کے محدب عدسے بھی اس کی آنکھوں کی جسامت میں کوئی قابلِ
... اضافہ نہیں کر سکے تھے۔

"میرا نام ... کاڈیل ہے۔" وہ نیم مردانہ آواز میں اپنا تعارف کراتے
... اندر آ گئی۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اس کا باپ بھی اس کے پیچھے
... رہا تھا۔ شاید اس نے بیٹی کو بتا دیا تھا کہ گفتگو انگریزی میں ہی کرنی
... ہوگی۔

"اخاہ! تو تم مسٹر کاڈیل کی بڑی بہن ہو۔" میں نے آگے بڑھ کر
گرمجوشی کے ساتھ کہا۔ "ہمیں تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔"

میرے خیر مقدمی کلمات پر اس کا برا سا منہ بن گیا اور وہ خشک
لہجے میں بولی۔ "میں نہ مسٹر کاڈیل سے بڑی ہوں، نہ ان کی بہن ہوں بلکہ
ان کی اکلوتی بیٹی سارا کاڈیل ہوں۔ تم لوگ شاید ہمارے سنے کرائے دار ہو۔"

"مسٹر کاڈیل خوش نصیب ہیں کہ انہیں تم جیسی بیٹی کی ولدیت کا
شرف حاصل ہے۔ کہو ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"

"کیا تم ہمارا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہے ہو؟" اس نے
مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا اور مجھے مان لینا پڑا کہ وہ اپنے باپ کی
طرح عقل سے بالکل ہی کوری نہیں تھی بلکہ ذہن سے کام لینے کی عادی
نظر آ رہی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ کسی وجہ سے تمہیں ایسا گمان ہوا۔ میں تو ایسی
بدتمیزی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"میں مداخلت کے لیے معذرت خواہ ہوں لیکن آپس کی بے اعتمادی
کی وجہ سے مجھے کرائے کی رقم کی تصدیق کے لیے یہاں آنا پڑا۔" وہ
شائستہ انداز میں بات مجھ سے کر رہی تھی لیکن اس کی تیز نگاہیں آہستہ آہستہ
ہم تینوں سمیت کمرے کی ہر شے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ "دراصل میرے
باپ کو چند بری عادات ہیں جن کی وجہ سے میں اس کے پاس فالتو پیسہ نہیں
چھوڑتی۔ تم نے اسے کتنی رقم دی ہے؟"

"پورے ہفتے کے آٹھ سو فرانک پیشگی دے دیے ہیں۔" ویرا
نے اپنی دی ہوئی رقم دہراتے ہوئے کہا۔ "یہ دونوں میرے مہمان ہیں۔
ملنے آئے ہیں اور ابھی تھوڑی دیر میں واپس چلے جائیں گے۔ یہ یہاں نہیں
رہیں گے۔"

"ہمیں اس سے غرض نہیں کہ یہاں کون کون رہتا ہے۔ یہ تمہاری
اپنی سہولت کی بات ہے۔" سارا کاڈیل نے کہا اور میں اس کے باپ
کی دیدہ دلیری پر ششدر رہ گیا۔ "ہمیں کرائے سے مطلب ہے اور ڈیڈی
نے آٹھ سو فرانک مجھے دے دیے ہیں...!"

"ہم نے سنا تھا کہ یہاں کرائے داری کے لیے کچھ مقامی قانونی
پابندیاں عائد ہیں۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے کہا اور سارا
کے پیچھے کھڑے ہوئے بڈھے کے چہرے پر زلزلے اور بیچارگی کے آثار
امڈ آئے۔ وہ بیٹی کی پشت پر دونوں ہاتھ جوڑے مجھے اشارے کر رہا
تھا کہ میں ویرا کو اس کی افترا پردازی کا پردہ چاک کرنے سے روک لوں۔

"نہیں۔" سارا نے پورے یقین سے کہا۔ "یہ سب بکواس ہے۔
تم چاہو تو اس کمرے میں چھ مہمان رکھ سکتی ہو۔ انتظامیہ تمہارے اس حق میں
کیسے مداخلت کر سکتی ہے۔ کرایہ ادا کرنے کے بعد مخصوص حدود میں تم اس
کمرے کی مالک ہو۔ غالباً کسی مکار اور لالچی مالک مکان نے تمہیں اجنبی سمجھ
کر یہ کہانی تراشی ہوگی اس طرح ہوٹلوں کے سپلیمنٹ کی..........
طرح وہ مہمانوں کا کرایہ اینٹھنے کی فکر میں ہوگا۔ یہاں تم پر ایسی کوئی ناروا

پابندی نہیں ہوگی۔ البتہ کمرے کی ہیٹنگ صبح سات بجے سے شام سات بجے تک بند رہے گی کیونکہ گیس بہت مہنگی ہوگئی ہے۔ دن میں ویسے بھی لوگ عموماً گھروں سے باہر ہی رہتے ہیں اس لیے بوائلر میں گیس بلا وجہ جلتی رہتی ہے۔"

سارا کے جواب پر ویرا کی نظریں فطری طور پر اس چھوٹے بڑھے کی طرف اُٹھی تھیں جو بیٹی کے پیچھے ہاتھ جوڑے کانپ رہا تھا۔ اس لیے اس نے موضوع بدل دیا۔ "ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ ہماری وجہ سے تمہیں کوئی زحمت نہیں ہوگی۔"

"ویسے تمہارے یہ دونوں مہمان کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"
سارا خطرناک حد تک ہم دونوں میں دلچسپی لے رہی تھی۔

"کسی ہوٹل میں رُکتے لیکن تمہاری وضاحت کے بعد شاید آج رات میں انھیں یہیں روک لوں۔ یہ آج دوپہر ہی باہر سے آئے ہیں۔" ویرا نے بات بناتے ہوئے کہا۔ وہ سارا کی طرف سے مطمئن نظر آرہی تھی۔

"انہیں ضرور روکو۔" سارا نے پہلی بار اپنے ناہموار دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے پُر اخلاق لہجے میں کہا۔ "صبح کے ناشتے پر تم تینوں میرے مہمان ہوگے۔ ڈیڈی کی بنائی ہوئی فرینچ فروٹ سلاد کھا کر تم انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ گے۔"

میں نے اس کی پیش کش کو خوبصورتی سے ٹالنا چاہا لیکن وہ ہم تینوں سے ناشتے کا وعدہ لینے پر اَڑ گئی۔ ہمارے رضامند ہونے کے بعد وہ واپس روانہ ہوئی تو ہمارے تعلقات بڑی حد تک خوشگوار اور دوستانہ ہوچکے تھے اور یہی بات میرے ذہن میں شبہات کو جنم دے رہی تھی۔ میرے تجربے کے مطابق سارا کاڈیل ان عورتوں میں سے نہیں تھی جو آسانی کے ساتھ دوسروں سے گھُل مل جاتی ہیں۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" سارا اور کاڈیل کے چلے جانے کے بعد میں نے ویرا سے سوال کیا۔

"چلو! کھانا کھانے چلتے ہیں۔ ان کا آپس کا معاملہ تھا' اچھا ہوا کہ خوش اسلوبی سے طے ہوگیا لیکن مجھے حیرت ہے کہ کاڈیل نے کس دیدہ دلیری کے ساتھ جھوٹ بولا تھا۔" ویرا نے تعجب کے ساتھ کہا۔ "دیکھنے میں مسکین نظر آتا ہے لیکن اس قدر مربوط انداز میں جھوٹ بولا تھا جیسے کرایہ داری کے سارے مقامی قوانین اسی کے مشورے سے بنائے گئے ہیں۔"

"اور صبح کی ناشتے کی دعوت کے بارے میں کیا رائے ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا تو اپنے لہجے کی چبھن پر پوری طرح قابو نہ پاسکا۔

"ظاہر ہے کہ سارا معقول عورت ہے۔ اس وقت کی زحمت کے ازالے کے لیے اس نے صبح ہماری دعوت رکھ دی ہے لیکن تمہارا لہجہ کیوں بدلا ہوا ہے؟" ویرا کے لیے میرے لہجے کی تبدیلی ناقابلِ فہم ثابت ہوئی تھی۔

"سارا ہمارے حق میں بہت خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "شاید اسے شی کے تین مطلوبہ دشمنوں کے بارے میں معلوم تھا۔ وہ بہت غور سے ہمارا جائزہ لے رہی تھی۔ اس نے تم سے اصرار بھی کیا ہے کہ ہمیں رات کو یہیں روکا جائے۔ رات کو ہمارے قیام کو یقینی بنانے کے لیے اس نے صبح کو ناشتے کا پروگرام رکھ لیا ہے۔"

"اوہ! شاید تم درست سمجھ رہے ہو۔" ویرا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "وہ جانے سے پہلے یہ یقین کرلینا چاہتی تھی کہ تم رات کو واپس جانے کے بجائے یہیں قیام کروگے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کو تین افراد کے قیام کی خبر دے کر رات میں کسی وقت اس کو بلانا ہوتا کہ ہمارے بارے میں یقین کرسکے کہ ہم تینوں شی کو مطلوب نہیں ہیں۔"

"ذرا دیر سے بات سمجھی ہو۔ مجھے یہاں خطرہ نظر آرہا ہے، اس لیے اس وقت باہر جانے کا پروگرام منسوخ کرکے ہمیں اس کے سدِباب کی کوئی قابلِ عمل راہ نکالنا ہوگی ورنہ رات میں ہم گھیرے جاسکتے ہیں۔"

"دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔" سلطان شاہ بولا۔ "یہ مکان چھوڑ کر بھاگو یا سارا کو موقع دیے بغیر اسی وقت گھیرنے کی کوشش کرو تاکہ وہ اپنے مطلوبہ آدمیوں سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔"

سلطان شاہ کی تجویز مناسب تھی۔ سارا جو کچھ رہی تھی، بظاہر اس کا صرف ایک ہی مقصد نظر آرہا تھا کہ اس طرح وہ اپنی مالی ضروریات پوری کرنا چاہتی تھی۔ اس سے آگے وہ کسی تشدّد آمیز جرم میں ملوث ہونے پر شاید ہی آمادہ ہوسکتی تھی۔ ہمارے بارے میں کسی کو مخبری کرتے ہوئے شاید اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوتا کہ خبر حاصل کرنے والے ہم تک صرف رسائی حاصل کرنے کے خواہاں نہیں تھے بلکہ ہمارے لہو کے پیاسے ہو رہے تھے۔

سارا کو رقم کا لالچ دے کر یا کسی اور طرح ہمارے خلاف مخبری کرنے سے روکنا ممکن نظر آرہا تھا کیونکہ وہ شی کے ان باقاعدہ ملازموں میں سے نہیں معلوم ہوتی تھی جو اپنی جان کی پروا کیے بغیر تنظیم کے مفادات کا عَلم بلند رکھتے تھے۔ وہ نچلی سطح کی آخری کڑی میں فری لانسر کے طور پر کام کرتی تھی اور اس دھندے میں اس کا مفاد شاید اپنے مقررہ کمیشن سے زیادہ کچھ نہیں تھا ورنہ کمرے کے کرائے وغیرہ جیسی معمولی باتوں پر اپنے باپ کے پیچھے نہ لگی رہتی۔

میں احتیاطاً ہیم گن ساتھ لے کر فوراً ہی اُٹھ گیا۔ سلطان شاہ کو وہیں کمرے میں چھوڑ کر میں نے ویرا کو ساتھ لے لیا تھا تاکہ کہیں کوئی پیچیدگی پیدا ہو تو وہ مقامی زبان سے واقفیت کی بنا پر اپنا مصالحانہ رول ادا کرسکے۔

"ہنی ہاں تمہاری منتظر ہو گی۔" چلتے چلتے سلطان شاہ نے یاد دلایا۔
"اس سے بعد میں بھی بات ہو سکتی ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "اس وقت سارا کا معاملہ اہم ہے۔ اگر وہ نکل گئی تو پھر ہم کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ یہاں سے سر پر پیر رکھ کر بھاگنا پڑ جائے گا۔"

"جاتے ہوئے اس کے فون کی لائن کاٹ دینا۔" سلطان شاہ نے مشورہ دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں جانے کے بجائے فون پر کسی کو اطلاع دینے کی کوشش کرے۔"

"اسے بکنے دو۔" ویرا میرا ہاتھ تھام کر مجھے دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے بولی۔ "یہ سمجھ رہا ہے کہ اس وقت تم پاکستان میں ہو۔ یہاں فون کے تاروں کا سارا سلسلہ زیرِ زمین ہے۔ تمہیں فون کے تار عمارت سے باہر کہیں نظر نہیں آئیں گے۔"

اپنے کمرے سے نکل کر ہم لان سے گزرتے ہوئے کاڈیل فیملی کے دروازے پر پہنچ گئے۔ ڈور بیل کے جواب میں بوڑھا کاڈیل کسی تھکے ہوئے گدھے کی طرح ہانپتا ہوا دروازے پر آیا تھا اور ہمیں اپنے مقابل دیکھ کر حیران رہ گیا۔

میں نے اسی کی طرح قدرے جارحانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے باہر رک کر اس کی دعوت کا انتظار کرنے کے بجائے اندر داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ ویرا نے میری تقلید کی تھی۔

"تم لوگ اس وقت کیسے آ گئے؟" کاڈیل نے ہمیں راستہ دیتے ہوئے تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"مس سارا کاڈیل سے ملنا ہے۔" میں نے اندر کی سن گن لینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ مکان میں پھیلے ہوئے سناٹے کے باعث میرا دورانِ خون یک بیک تیز ہو گیا تھا۔ مجھے خوف آ رہا تھا کہ کہیں سارا نکل ہی نہ گئی ہو۔

"تم اپنی دی ہوئی فاضل رقم تو لینے نہیں آئے؟" کاڈیل نے گھگھیا کر مجھ سے سوال کیا۔

"تم اوّل درجے کے چھوٹے آدمی ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے ترش لہجے میں کہا۔ "لیکن فی الحال ہم نے تمہاری مکاری کا معاملہ التوا میں رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس وقت تو یہ بتاؤ کہ سارا کہاں ہے؟"

گلو خلاصی کی نوید سن کر وہ میرا سخت تبصرہ نظر انداز کر گیا اور صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "تم بیٹھو، وہ ابھی آ جاتی ہے۔ ذرا نہانے میں مصروف ہے وہ اس وقت۔"

"فون کس طرف ہے تمہارا؟ مجھے ایک مقامی کال کرنا ہے۔" ویرا سرسری انداز میں اس سے پوچھ بیٹھی۔

"ہمارے یہاں فون نہیں ہے۔" وہ خوشامدانہ انداز میں بولا۔ "ضرورت ہو تو میں پڑوس سے فون کرا دیتا ہوں۔"

"نہیں، اتنا بھی ضروری نہیں ہے۔" ویرا یہ کہتے ہوئے میرے برابر والی نشست پر بیٹھ گئی۔

اس نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ اس بات کا سراغ لگا لیا تھا کہ سارا اگر غسل کر رہی تھی تو ہمارے بارے میں کوئی اطلاع باہر نہیں گئی تھی۔ گھر میں فون ہونے کی صورت میں سارا واپس لوٹتے ہی کسی کو بھی ہمارے بارے میں خبر دے سکتی تھی۔ اس وقت تک تیر کمان سے نہیں نکلا تھا۔ میں نے اطمینان کے ایک گہرے احساس کے ساتھ اپنے لیے سگریٹ سلگا لی۔

سارا کا غسل ہماری توقع سے کہیں زیادہ طویل ثابت ہوا۔ شاید وہ غسل سے فارغ ہو کر تیاری میں مصروف ہو گئی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ ہماری آوازوں کی بنا پر اس نے گھر میں ہماری موجودگی کا پتا چلا لیا ہوگا۔

کچھ دیر بعد وہ اندر سے برآمد ہوئی تو اس کی شخصیت خاصی نکھر آئی تھی۔ چہرے پر شگفتگی آ گئی تھی۔ سنورے ہوئے بالوں اور نئے لباس نے بھی اس کی شخصیت کو ابھارنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں تجسس اور دلچسپی کی ساری علامات موجود تھیں۔ غالباً وہ ہماری آمد کا مدعا سمجھ کر اندرونی ہیجان میں مبتلا ہو گئی تھی۔

"صبح کے ناشتے سے پہلے، ہم نے سوچا کہ تمہیں اپنے ساتھ رات کے کھانے پر مدعو کر لیں۔" رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے محتاط انداز میں اپنے مطلب کی طرف آتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ یہ بات ہمیں اس وقت نہ سوجھ سکی جب تم ہمارے کمرے میں آئی ہوئی تھیں لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ تم اس وقت باہر جانے کے لیے پوری طرح تیار ہو۔"

"لیکن مجھے کسی سے بہت ضروری ملاقات کے لیے جانا ہے۔" میری پیشکش پر وہ قدرے بے آرام ہو گئی تھی۔

"کاروباری ملاقات ہے؟" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"کاروباری ہی سمجھ لو۔ اس وقت میں تمہاری پیشکش قبول نہیں کر سکتی۔" وہ بولی اور کاڈیل کو اشارہ کیا جو فوراً ہی وہاں سے اندر چلا گیا۔

"کاروبار کا مطلب مالی مفاد ہوتا ہے۔ ہمیں اندازہ ہے کہ تمہارے حالات ایسے نہیں ہیں کہ تم کوئی قابلِ ذکر نقصان دانستہ برداشت کر سکو، مگر ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم کل کسی بھی وقت روانہ ہو سکتے ہیں اور آج کی رات تمہارے اعزاز میں ڈنر دینے کی سعادت حاصل کرنی چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم تمہارے اس نقصان کا ازالہ کر سکیں جو ملاقات پر نہ جانے سے ہو سکتا ہے۔"

"دوسرے معنوں میں تم اس وقت مجھے باہر جانے سے روکنا چاہ رہے ہو۔" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"تم بہت ذہین خاتون ہو۔ شاید میں تم پر اپنا مدعا واضح کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا ہوں۔ دراصل شہر میں کچھ لوگوں سے ہماری

پرانی دشمنی چل رہی ہے۔ انھیں ہمارا سراغ مل گیا تو آج کی رات اس علاقے کے باسیوں کے لیے ہنگامہ خیز بلکہ خونریز ثابت ہوسکتی ہے۔ ہم ایسی خطرناک صورتِ حال سے ہر حال میں گریز کرنا چاہتے ہیں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میرا اندازہ درست تھا۔ تم وہی تینوں ہو جن کی مارسیلز میں کچھ لوگوں کو شدت سے تلاش ہے اور جو تمہاری نشاندہی کرنے والے کو بھاری انعام دینے کے لیے تیار ہیں۔" اس کے لہجے میں فخر کا احساس نمایاں تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ تم درست کہہ رہی ہو۔ اس معاملے میں تم کن لوگوں کے لیے کام کر رہی ہو؟"

"اپنے دشمنوں کو مجھ سے زیادہ تم جانتے ہوگے۔ میں نے تو صرف ایک شخص کی زبانی یہ قصہ سنا تھا اور انعام کی امید میں اب اسی سے ملنے جارہی تھی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ہاتھ نکالا اور میں چونک پڑا کیونکہ اس میں پستول موجود تھا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ میرے بدلے ہوئے تاثرات دیکھ کر جلدی سے بولی۔ "اگر تم سیدھے چلتے رہے تو میرا تم سے اُلجھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہ پستول میں نے احتیاطاً نکالا ہے تاکہ تم اپنے راز کی حفاظت یا رقم بچانے کے لیے مجھ پر کوئی مہلک وار نہ کرسکو۔ اپنی زبان بند رکھنے کے لیے میں تم سے سودا کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"شاید تم اسی سے ملنے جارہی تھیں جو تمہیں ہیروئن سپلائی کرتا ہے؟" ویرا نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

وہ غصے میں دانت پیس کر رہ گئی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ڈیڈی سے تم بہت کچھ اگلوا چکے ہو۔" پھر پُرسکون ہوتے ہوئے بولی۔ "لیکن میں جو کچھ کرتی ہوں اس سے میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں ہے۔ وہ بہت بارسوخ اور مالدار آدمی ہے۔ مجھے ہیروئن کی فروخت پر معقول کمیشن دیتا ہے۔ اپنی کم تعلیم کی وجہ سے میں کسی اور ملازمت میں اتنی رقم نہیں کما سکتی کہ گھر کے اخراجات چلا سکوں۔"

"وہ یقیناً کسی بڑے گروہ سے منسلک ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے اس سے ہرگز کوئی غرض نہیں۔ میں تو صرف اسی کو جانتی ہوں۔ البتہ ایک بار افواہ ضرور سنی تھی کہ وہ شی نامی کسی بڑی تنظیم کے لیے کام کرتا ہے۔ بعد میں اس بارے میں کچھ سننے میں نہیں آیا۔" سکون سے بات کرتے کرتے اچانک اسے دھیان آگیا کہ اس وقت تک اس نے اپنے کام کی بات نہیں کی تھی۔ "یہ سب باتیں بعد میں بھی ہوسکتی ہیں۔ تم نے ابھی تک رقم کی بات نہیں کی۔ یہ یاد رکھنا کہ میں رات کے دو بجے بھی اس سے رابطہ قائم کرکے اسے مطلوبہ اطلاعات فراہم کرسکتی ہوں۔"

"اس نے تمہیں کتنے پیسوں کے بارے میں بتایا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے کہا تھا کہ اگر میں اسے دو مردوں اور ایک عورت کے بارے میں کوئی صحیح اطلاع دے سکوں تو میری تیس ہزار فرانک کی لاٹری نکل آئے گی۔ میرے استفسار پر اس نے کچھ تفصیل بتائی تھی جس پر تم تینوں بڑی حد تک پورے اُترتے ہو۔"

"یہ کب کا قصہ ہے؟" میں نے پہلو بدلتے ہوئے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"آج واپسی سے پہلے کی بات ہے اور اب تم جب تک سودا طے نہیں کرتے، میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔" میرے پے در پے سوالات پر چڑ کر اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تمہیں پانچ ہزار ڈالر دے دیے جائیں تو تم ہمیں بھول سکتی ہو؟" میں نے ٹٹولنے کی نیت سے سوال کیا۔

"رقم تو زیادہ بنتی ہے لیکن میں پانچ ہزار بھی قبول کرلوں گی۔" اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آئے تھے۔

"ہم تمہیں زبان بند رکھنے کی قیمت ادا کریں گے جب کہ ہمارے دشمنوں کو اطلاع دینے کے بعد تمہارے گھر پر جو کشت و خون ہوتا اس کے نتیجے میں تم پولیس کیس میں ملوث ہوجاتیں اور تمہاری ہیروئن فروشی کا راز بھی فاش ہوسکتا تھا۔ اپنا کوئی نقصان کیے بغیر ان تمام خطرات سے بچنے کے لیے تمہیں ہمارے کچھ اور سوالات کے جواب دینے ہوں گے۔"

"اس شخص کے بارے میں کچھ تمہیں بتاؤں گی جس کے لیے میں کام کرتی ہوں۔" وہ مکارانہ لہجے میں بولی۔ "اسے کوئی گزند پہنچا تو میری مستقل آمدنی میں خلل پڑ جائے گا۔ جب تم اسے اپنے خون کا پیاسا سمجھتے ہو تو تم بھی اسے زندہ نہیں چھوڑو گے۔ میں ایسے کسی معاملے میں فریق نہیں بن سکتی۔ تمہارے پانچ ہزار ڈالر کتنے دن میرا ساتھ دے سکیں گے؟"

اس بارے میں میں نے اسے مزید رقم کی پیشکش کی لیکن وہ اپنے مؤقف میں لچک پیدا کرنے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ اس دوران میں سارا کا باپ بھی طویل انتظار سے اُکتا کر واپس لوٹ آیا جسے سارا نے مطلب کی بات شروع کرنے سے قبل اشارہ کرکے مکان کے اندرونی حصے میں بھیج دیا تھا لیکن سارا نے دوبارہ سختی کے ساتھ اسے اندر واپس لوٹا دیا۔

ساری بات کھل جانے کے بعد ہمیں کسی آڑ موڑ کی ضرورت نہیں رہی تھی لیکن سارا کو سلطان شاہ کے بارے میں تجسس پیدا ہوگیا تھا۔ جو ہمارے ساتھ نہیں آیا تھا۔ میں نے اس کے پستول کے حوالے سے بتایا کہ جس طرح وہ ہماری طرف سے کسی امکانی کارروائی کے پیشِ نظر محتاط تھی اسی طرح ہم بھی پوری تیاری کے ساتھ اس کے پاس آئے تھے اور اگر وہ ہمارے ساتھ کوئی چالبازی کرنے کی کوشش کرتی تو سلطان شاہ شہر میں ہمارے ہمدردوں کو بتاکر اس کے مکان پر دھاوا بول دیتا۔

سارا کے مطالبے پر میں نے اسے وہیں پانچ ہزار ڈالر ادا کردیے جو اس نے بغیر گنے اپنی جیب میں اڑس لیے۔ وہ رقم اس کے لیے بڑی اور غیر متوقع تھی۔ اس لیے وہ اپنی کامیابی پر بہت زیادہ مسرور نظر آرہی تھی

ہم دونوں اس معاملے سے فارغ ہو کر واپس اپنے کمرے میں
یے تو سلطان شاہ بہت بے چینی کے ساتھ ہمارا منتظر تھا۔ اس نے
ے کمرے کو باقی مکان سے ملانے والی درمیانی بند دروازے سے
لگا کر دوسری طرف کی آوازیں بھی سننے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہا
نے بتایا کہ انتظار کے اضطراری لمحات میں اس نے جمی لائیڈ والا
ٹر چند منٹ کے لیے آن کر دیا تھا تو اس پر میرے لیے ہنی بال مسلسل
پ نشر کر رہی تھی۔

"میں ابھی اس سے بات کیے لیتا ہوں لیکن گفتگو کے دوران
دونوں کو بالکل خاموش رہنا ہوگا۔ اب میں جمی لائیڈ کو خود سے دُور ہی
چاہتا ہوں ورنہ وہ میرے لیے دوبارہ دشواریاں کھڑی کر دے گا۔"
نے کہا۔

"تم نے خود ہی اسے چھیڑا ہے ورنہ وہ تو غالباً فرانس سے ہی
چلا گیا تھا۔" ڈیرا بولی۔

"میں نے چھیڑا تھا تو اب میں ہی اسے غلط راستے پر ڈالوں گا۔
م خاموش رہنا۔" یہ کہہ کر میں نے ایر پیٹس آن کیا لیکن اپنا پیغام نشر کرنے
سے پہلے ہی مجھے ہنی بال کی آواز سنائی دی۔ ناکامی کے باوجود اس نے
آواز نشر کرنے کی کوششیں ترک نہیں کی تھیں۔

"خیر خواہ بول رہا ہوں، اوور!" میں نے ہنی بال کی طرف سے
ٹ منقطع ہوتے ہی سگنل دیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئے۔" ہنی بال کی تھکی ہوئی آواز میں میرا
جواب سنتے ہی تازگی آگئی۔ "میں بہت دیر سے کوشش کرتے کرتے
ب بالکل ہی مایوس ہو گئی تھی۔ تم نے تو چند منٹ بعد کال کرنے کا وعدہ
یا تھا مجھ سے۔ اوور۔"

"میری اپنی بھی کچھ مصروفیات ہیں سویٹ لیڈی!" میں نے خوش
ی کے ساتھ کہا۔ "اچانک ہی مجھے کہیں جانا پڑ گیا اور اب ہی دوسرے
شہر سے تم سے بات کر رہا ہوں۔ اوور۔"

"سپر آئی مین تک تمہارا پیغام پہنچا دیا گیا تھا۔ وہ اسی ایر پیٹس پر
تین بجے کے آس پاس تم سے بات کرے گا۔ اسے خود بھی تمہاری
ی تلاش ہے جتنا تم اسے ڈھونڈ رہے تھے۔ اوور۔"

"تین بجے!" میں نے ڈیرا کو آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے
اشارہ کہ پیچھے بیٹھ رہا دیا لیکن اس وقت تک تو میں ایر پیٹس کی رینج سے
ت دُور نکل چکا ہوں گا۔ اس وقت بھی میں مارسیلز سے ساٹھ ستر کلومیٹر
آچکا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ اب اس سے میری بات نہ ہو سکے گی۔
سے اس وقت ؟ اوور۔"

"اس کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ شاید تم کار سے
ہے ہو؟ اوور!" میری بات سے اس نے بالکل وہی نتیجہ اخذ
جو میں چاہ رہا تھا۔

"کار اور ہوائی جہاز کے چکر چھوڑو۔ میں کسی بھی طرح سفر کرنے کے
وسائل رکھتا ہوں۔" میں نے اس کے آخری سوال پر اسے اپنی بوکھلاہٹ
کا تاثر دیتے ہوئے کہا۔ "ٹرانسمیٹر کے علاوہ اس کا کوئی اور رابطہ ہو تو مجھے
بتا دو۔ موقع ملتے ہی میں اس سے بات کرنے کی کوشش کر لوں گا۔ تین بجے
والی بات بنتی ہوئی نظر نہیں آرہی۔ اوور!"

"مجھ سے اُڑنے کی کوشش نہ کرو مسٹر خیر خواہ۔" اس کی آواز اُبھری۔
"تم نادانستگی میں بتا گئے ہو کہ کار میں سفر کر رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ
سپر آئی مین صرف تم سے بات کرنے کے لیے کوئی طویل فاصلہ طے کرکے
مارسیلز آرہا ہے ورنہ وہ تین بجے کا وقت نہ دیتا۔ تم چلے گئے تو اسے
سخت مایوسی ہوگی۔ تم جانتے ہو کہ وہ جو بات سوچ لے اسے ہر قیمت
پر کر گزرتا ہے۔ وہ مارسیلز سے نکلنے والے تینوں راستوں پر اپنے
آدمی چھوڑ دیں گے اور پھر ان میں سے کوئی نہ کوئی تمہیں روک کر واپس
لوٹنے پر مجبور کر دے گا۔ کیا تم اس وقت تک اپنا سفر ملتوی نہیں
کر سکتے؟ اوور!"

"مجھ سے یہ سوال کرنے کے بجائے اپنے سپر آئی مین سے پوچھو
کہ وہ جلدی آسکتا ہے یا نہیں؟ ویسے یہ میرے لیے ایک نیا تجربہ ہوگا
کہ کوئی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میرا راستہ روکنے کی کوشش کرے۔ اوور۔"

"خیر خواہ ہو کر دشمنوں جیسی بات کر رہے ہو۔" پہلی مرتبہ میری
بے تکلفی کے نتیجے میں ہنی بال کا حوصلہ اس بار بڑھا ہوا تھا۔ عین ممکن تھا
کہ جمی لائیڈ کی طرف سے بے تکلفانہ انداز گفتگو اختیار کرنے کی ہدایت کی
گئی ہو۔ "اگر میرے فرائض میری راہ میں حائل نہ ہوتے تو مجھے خود بھی تم سے
ملنے اور تفصیلی تعارف حاصل کرنے کا بہت اشتیاق تھا۔ اوور!"

"تعارف کے لیے اتنا کافی ہے کہ میرا نام ڈینی ہے۔ اس حوالے
سے تمہارے بہتیرے ساتھی میرے بارے میں بہت کچھ بتا سکیں گے۔
اس بار میں شہد میں لپٹی ہوئی زہر کی کسی گولی کا شکار نہیں ہو سکتا۔ میری
روانگی اٹل ہے، کیونکہ میرے دو ساتھی فرانس سے باہر میری واپسی کے
منتظر ہیں۔ اس کا کوئی فون نمبر ہو تو دے دو۔ اس وقت میرے پاس
زیادہ وقت نہیں ہے۔ اوور!"

"اس کا کوئی نمبر میرے پاس نہیں ہے نہ اس کا ٹھکانا معلوم
ہے۔ ایسا کرو کہ تم ہی اپنا کوئی ٹھکانا بتا دو۔ وہ خود تم سے رابطہ قائم
کرلے گا۔ اوور۔" وہ مسلسل مکاری سے کام لینے پر تُلی ہوئی تھی۔

"کل دس بجے کے بعد پیرس کے ہالیڈے ان میں فون کر لینا
وہاں میرا نام راڈنی کالاہان ہوگا۔ اوور!" میں نے اس سے جان چھڑانے
کی نیت سے ذہن میں آنے والا پہلا انگریزی نام دُہراتے ہوئے کہا۔

"مجھے امید ہے کہ تم نے صحیح اطلاع دی ہوگی جو میں نے نوٹ
کر لی ہے۔ اوور۔"

"میں تمہاری دلکش آواز کا منتظر رہوں گا۔ اوور اینڈ آل۔" فقرہ

مکمل کر کے میں نے اپریٹس آف کر دیا۔

"یہ بہت اچھا کیا تم نے۔" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "وہ تینوں کے بجائے وہ صرف تمہاری تلاش میں بھٹکتے رہ جائیں گے۔ یہاں سے پیرس جانے والی سڑک پر اب ہر اُس کار کو روکا جائے گا، جس میں اکلوتے مسافر ہوں گے۔"

"ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں ڈرائیور کے ساتھ سفر کر رہا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کچھ بھی ہو، تم نے انھیں گمراہ کر دیا ہے۔ اب ہم مارسیلز سے سکون کے ساتھ روانہ ہو سکیں گے۔"

"بشرطیکہ ہماری آج کی رات خیریت سے گزر جائے۔" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا۔ "سارا اگر لالچی عورت ہے تو وہ اپنے دہرے فائدے کے بارے میں بھی سوچ سکتی ہے۔ تم نے اسے رقم دے کر غلطی کی۔ یہاں سے چلتے ہوئے رقم اس کے حوالے کرتے تو اس دوران میں وہ رقم کے لالچ میں اپنی زبان بند رکھتی۔ اس وقت وہ تمہاری طرف سے کوئی خطرہ مول لیے بغیر مخبری کر سکتی ہے۔ اسے وہاں سے بھی انعام کی رقم مل جائے گی۔" اس کا لہجہ تشویش آمیز تھا۔

"وہ رقم فوری طور پر وصول کرنے پر مصر تھی۔" ویرا نے میری صفائی پیش کی۔

"تم کھانے کے لیے کچھ تیار کر لو۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہم سارا کو ایک بار پھر چیک کر لیں گے۔ بدنیت ہوئی تو وہ سرے سے گھر پر موجود ہی نہیں ہو گی۔" میں نے ویرا سے کہا۔

اس وقت حالات اس قدر مخدوش اور پیچیدہ ہو چکے تھے کہ موہوم سے امکانات بھی ہمیں بھیانک خطرات کی صورت میں نظر آ رہے تھے۔ سارا سے ملاقات کے دوران میں نے پوری طرح اپنا اطمینان کر لیا تھا لیکن سلطان شاہ کے ایک تبصرے نے میرے اعتماد کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ اس وقت میں کوئی بھی امکان نظر انداز کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا خواہ ہمیں ساری رات جاگ کر گزارنی پڑتی لیکن ہم غافل نہیں رہ سکتے تھے۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ان دونوں کو وہیں چھوڑا اور خود سارا کی طرف چل دیا۔ گھنٹی بجانے پر دروازہ کھلا تو کاویل مجھے دیکھ کر کچھ پریشان ہو گیا۔ میں حسب معمول اس کی دعوت کا انتظار کیے بغیر اندر داخل ہوا اور مڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے گھورنے لگا۔

"سارا کہاں ہے؟" وہ دروازہ بند کر کے پلٹا تو میں نے اس پر سوال داغ دیا۔

"آ رہی ہوں۔" اندر سے سارا کی بھاری آواز گونجی۔ "دو منٹ انتظار کرو۔"

"کیا چکر چلایا ہوا ہے تم نے؟" کاویل نے میرے ساتھ بیٹھتے ہوئے سہمے ہوئے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔ "تمہیں شکایت ہو تو میں تم سے لی ہوئی فاضل رقم لوٹانے کے لیے تیار ہوں لیکن سارا سے میری شکایت نہ کرو۔"

اس بیچارے کی پوری کائنات اس ہی رقم پر خرچ ہو کر رہ گئی تھی جو اس نے ایک جھوٹی کہانی کے سہارے ہم سے وصول کی تھی اور اس وقت اچانک ہی مجھے اس کے خوف سے فائدہ اٹھانے کا خیال آ گیا تھا۔

"نہیں کروں گا، لیکن اس شرط پر کہ تم مجھے سارا کے باس کا نام بتاؤ جس سے وہ ہیروئن لاتی ہے۔" میں نے دھیمے مگر دھمکی آمیز لہجے میں اس کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"دریام... سب سے زیادہ سارا اسی سے ڈرتی ہے۔" اس نے اندر سے سارا کے قدموں کی آہٹ سن کر گھبرائی ہوئی آواز میں وہ نام اگل ہی دیا جو شاید مارسیلز میں کسی کے لیے خاصی اہمیت کا حامل تھا۔

ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ میں نے خود کو مصروف ظاہر کرنے کے لیے سگریٹ سلگانی شروع کر دی۔

"تم پھر آ گئے!" سارا نے چند ثانیوں کے بعد کمرے میں داخل ہوتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "شاید تمھیں بھروسا نہیں ہے کہ میں تم سے اپنے وعدے کی پاس داری کروں گی۔"

"کیا وعدہ کیا ہے تم نے ان لوگوں سے؟" کاویل نے جھجکتے ہوئے سارا سے سوال کیا۔

"اوہ! تم ابھی تک یہاں رُکے ہوئے ہو؟" سارا نے چونک کر اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "جا کر کچن کی خبر لو، کہیں روسٹ جل کر کوئلہ ہی نہ بن جائے۔ میں بات کر لوں گی۔" بیٹی کی ہدایت کے مطابق کاویل نے بے بسی کے عالم میں اپنی جگہ چھوڑ دی اور سر جھکا کر مکان کے اندرونی حصے کی طرف چل دیا جو زیادہ وسیع نہیں تھا۔

"ہماری جگہ تم ہوتیں تو تمہاری کیفیت زیادہ مختلف نہ ہوتی۔" میں نے خاصے توقف کے بعد اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "یہ رات ہمارے لیے زندگی اور موت کا معاملہ بن چکی ہے کیونکہ ہم خود کو تمہاری نگاہوں سے محفوظ رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور بدقسمتی سے تمہارا براہ راست ہمارے دشمنوں سے واسطہ ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم ساری رات ہمارے گھر کے چکر کاٹتے رہو گے۔ نہ خود سو گے نہ ہم کو سونے دو گے۔"

"تمہاری نیت میں فتور ہوتا تو تم اب تک جا چکی ہوتیں۔ اس بار میں واپس جا کر اطمینان سے سو سکوں گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے سو جانے کا انتظار کر رہی ہوں۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ ناکارہ اور نشے باز باپ اپنی اولاد سے کس قدر خوف زدہ رہتا ہے۔ میں رات کو جب چاہوں باہر جا سکتی ہوں۔"

"مگر مجھے امید ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گی۔ مجھ سے تمہارا ٹاپ مجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔"

"فی الحال تم ایک پیگ پیو" وہ اُٹھ کر ایک دیوار گیر طاق سے گھٹیا وہسکی کی ایک نیم خالی بوتل اور دو گلاس اٹھاتے ہوئے بولی۔ "اس سے بھڑکے ہوئے اعصاب کو خاصا سکون ملتا ہے۔ اس کے بعد میں آج رات کے لیے تمہارے کمرے کو اپنے مکان سے ملانے والا دروازہ کھول دوں گی۔ تاکہ تم جب چاہو باہر سردی میں نکلے بغیر یہ دیکھ سکو کہ میں گھر میں موجود ہوں یا تمہاری مخبری کرنے چلی گئی ہوں۔"

دروازے کے بارے میں اس کی تجویز بہت عمدہ تھی جو ہم میں سے کسی کے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔ اس لیے میں نے اخلاقاً بھی اس سے اختلاف کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، بلکہ بات کو دوسری ہی طرف گھما دیا۔ "یہ بہت اچھا رہے گا۔ اپنی بوتل کے بجائے میری طرف سے بلیک لیبل کی ایک بوتل منگوالو پھر ہم اکٹھے محفل جمائیں گے۔"

"نکالو بیس ڈالر" اس نے بے تکلفی سے کہا کیونکہ وہ پانچ ہزار ڈالر وصول کرتے ہوئے میرے پاس ڈالروں کی بقیہ گڈی دیکھ چکی تھی۔ "مگر صرف میں ہی تمہارا ساتھ دے سکوں گی۔ ڈیڈی مارفین کے علاوہ کوئی نشہ نہیں لیتے۔ گیارہ بجے اپنا ڈوز لے کر اس شخص کو صرف بستر کی سوجھتی ہے جہاں دلفریب خواب بڑھاپے کا سہارا بنتے ہیں۔"

"بڑی بے رحم ہو تم اپنے باپ کے حق میں۔" میں نے اسے بیس ڈالر دیتے ہوئے کہا۔

"وہ میرا باپ ضرور ہے، لیکن اس نے میری زندگی تباہ کر دی۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "جوانی سے مارفین کا عادی ہے۔ ہمارے گھر میں ہمیشہ تنگ دستی کا راج رہا۔ میں اس کی اکلوتی اولاد ہوں، لیکن وہ نہ مجھے تعلیم دلا سکا، نہ میری تربیت پہ وقت دے سکا۔ ماں کے مرنے کے بعد سے میں ہی اپنا اور اس کا خرچ چلا رہی ہوں۔ اسے زیادہ پیسے مل جائیں تو دن میں بھی نشے میں دھت ہو کر بستر میں پڑا رہتا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ اسے گھر سے نکال کر میں اس کے ساتھ بہت مہربانی کر رہی ہوں۔"

"تمہاری ماں کو اس میں کیا نظر آیا تھا جو اس سے شادی کر بیٹھی؟"

تلخیوں کے بعد دوستانہ رنگ دھار لینے والی اس ملاقات میں مجھے بھی اس کے گھریلو حالات کے بارے میں تجسس ہو گیا تھا جو غیر فطری نہیں تھا۔

"شادی؟" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں قہقہہ لگایا پھر بولی۔ "یہ واقعہ تو سرے سے ہوا ہی نہیں۔ وہ ساری عمر میرے باپ کی گرل فرینڈ بن کر رہتی رہی۔ جب میں آٹھ برس کی ہوئی تو اس نے گھریلو حالات سے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔"

مجھے یک بیک اس سے ہمدردی ہونے لگی۔ اس جیسے حالات سے گزرنے کے بعد کسی کا زمانہ شناس نہ ہونا محال تھا۔ وہ اپنی عمر سے زیادہ تجربہ کار اور خرانٹ نظر آتی تھی۔ جس میں اس کا قصور نہیں تھا۔

اسے دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ قدرت نے اسے بھی حسن اور نزاکت سے نوازا ہوتا تو وہ بھی اپنا گھر بسا لیتی، لیکن وہ ان مواقع سے محروم رہی تھی۔

"میری عمر صرف اٹھارہ سال ہے۔" اس نے اصرار کے ساتھ دو پیگ بناتے ہوئے وہ انکشاف کر کے مجھے حیران کر دیا۔ "لیکن میرے تھائی رائیڈ گلینڈز میں خرابی کی بنا پر میرا جسم بے طرح پھیل گیا اور میں اپنے باپ کی بھی ماں نظر آنے لگی ہوں۔ ورنہ میں بھی کسی لڑکے کو پھانس کر اپنا گھر آباد کر سکتی تھی۔ میں جانتی ہوں کہ نمود و نمائش کے اس دور میں ساری عمر مجھے اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا پڑے گا۔ میری طرف خود سے کوئی راغب نہیں ہوگا اور خود کو کھلونا بنانے سے مجھے نفرت ہے۔"

ہم نے گلاس فضا میں لہرا کر ایک دوسرے کا جام صحت تجویز کیا تو اس سے محسوس ہونے والی ابتدائی کراہت کی بنا پر میرا دل مجھے ملامت کر رہا تھا اور ہمدردی کے جذبات اس کے ہر فقرے کے ساتھ بڑھتے جا رہے تھے۔

میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا اور بارہا خوبصورت چہروں کے پیچھے چھپے ہوئے بھیانک روپ دیکھے تھے، لیکن وہ پہلا موقع تھا کہ میں نے ایک موٹی اور بھدی لڑکی میں ایک حسین اور قابلِ محبت شخصیت دریافت کی تھی۔ اگر کوئی سرپھرا اس لڑکی کو اپنا لیتا تو مجھے یقین تھا کہ وہ اپنی بے پناہ چاہت اور محبتوں سے اس کی زندگی کو قابلِ رشک بنا دیتی۔

دوسرا گھونٹ لے کر میں نے خاموشی کے ساتھ اپنی جیب سے ڈالروں کی ایک سر بمہر گڈی نکالی جو سو ڈالر والے نوٹوں پہ مشتمل تھی اور خاموشی کے ساتھ اس کی گود میں ڈال دی۔

"یہ کیا؟" اتنی بڑی رقم سامنے دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"رکھ لو۔ یہ تمہاری ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "ہو سکے تو اس سے اپنا آپریشن کرا لینا۔ تھائی رائیڈ گلینڈز کا علاج زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ میری کسی بات سے تمہاری دل آزاری ہوئی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں۔"

وہ اسی حالت میں منہ کھولے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ مجھے دیکھتی رہی۔ پھر موٹے موٹے عدسوں کے پیچھے اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں تیزی کے ساتھ نمی پھیلنے لگی۔ "تت... تم مجھے خیرات تو نہیں دے رہے؟" اس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا تو اس کے ہونٹوں کے گوشے ہولے ہولے کپکپا رہے تھے۔

"میں قسم کھا سکتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ یہ دوستی کا ایک حقیر سا نذرانہ ہے۔" میں نے اس کی انا کا خیال کرتے ہوئے پُرزور لہجے میں کہا اسے دیکھ کر اچانک میرا دل بھی بھاری ہونے لگا تھا۔

وہ ضبط نہ کر سکی اور اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان چھپا کر کسی ننھی سی بچی کی طرح بلک بلک کر رو پڑی۔ شاید اپنی زندگی کے بے رحم سفر میں اس کا کبھی سچی ہمدردی سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اس لیے میرا پُرخلوص رویہ وہ برداشت نہیں کر سکی تھی۔

میری کافی کوششوں کے بعد وہ اعتدال پر آئی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس خود غرض دنیا میں کوئی اس سے بے لوث انداز میں ہمدردی کر سکتا ہے۔ اس کے چہرے پر اعتماد کی ایک نئی چمک عود کر آئی تھی اور آنکھوں میں تابناک مستقبل کی ہلکی سی روشنی در آئی تھی جو کسی بھی انسان میں زندگی کی امنگوں کا پیمانہ کہی جا سکتی ہے۔

ہم نے اسی کی بوتل سے دوسرا پیگ بھی لیا۔ اس دوران میں کاویل نے اندر سے روسٹ تیار ہونے کی اطلاع دی اور سارا اسے انتظار کرنے کی ہدایت کر کے بوتل لینے بازار چلی گئی۔ تنہائی اور ہلکے سے سرور کے عالم میں مجھے خیال آیا کہ کاویل سے سوال کروں کہ اپنی بیٹی کی زندگی میں عذاب بننے کے بجائے تم مر کیوں نہیں جاتے تاکہ وہ ہر بوجھ سے ہلکی ہو کر پوری توجہ اپنی ذات اور اپنے مستقبل پر صرف کر سکے لیکن میں اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کی ہمت نہ کر سکا۔ سارا نہ جانے اپنے کس جذبے کی تسکین کے لیے بوڑھے باپ کو اولڈ ہاؤس یا محتاج گھر بھجوانے کے بجائے اس کی پرورش کر رہی تھی۔

سارا واپس آئی تو کھانے کا کچھ سامان بھی ساتھ لائی۔ اس نے گھر میں چکن روسٹ بنایا ہوا تھا۔ اس کی رائے تھی کہ درمیانی دروازہ کھولنے کے بعد پانچوں مل کر کھانا کھائیں تاکہ اس دوستی کا جشن منایا جا سکے۔ میں اس کی خواہش کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو گیا۔

وہ مجھے ساتھ لے کر فوراً ہی اندر گئی۔ دو کمروں کے بعد عقبی دالان یا اسٹور کے برابر میں وہ بند دروازہ تھا جو ہمارے کمرے میں کھلتا تھا۔ اس کے سامنے ایک سالخوردہ میز جمی ہوئی تھی جس پر پرانے اخبارات اور رسائل کا انبار جمع ہو رہا تھا۔ ہم دونوں نے پھرتی کے ساتھ اس میز کو وہاں سے ہٹانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مجھے اندازہ تھا کہ سارا کے ہمراہ مجھے اس دروازے سے برآمد ہوتے دیکھ کر میرے ساتھی ششدر رہ جائیں گے کیونکہ اس کے بارے میں کسی کی بھی رائے اچھی نہیں تھی۔

میز خالی کر کے وہاں سے ہٹوانے کے بعد سارا نے بولٹ گرانے اور ہینڈل پر زور ڈالا تو برسوں سے بند دروازہ ایک پُرشور آواز کے ساتھ ہماری طرف کھلتا چلا گیا۔ اس آواز پر میں نے ویرا اور سلطان شاہ کو جارحانہ انداز میں اچھل کر کھڑے ہوتے دیکھا تو کھلا کر سارا کو دھکیلتا ہوا ان کے سامنے پہنچ گیا۔ "آرام سے بیٹھو سب خیریت ہے۔" میں نے اردو میں اونچی آواز میں کہا تو ان کے چہروں پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کسی وقت درمیانی دروازہ بھی کھل سکتا تھا۔ میرے پیچھے سارا دوستانہ انداز میں مسکراتی ہوئی کمرے میں آئی تو ان کی حیرت دوچند ہو گئی۔

"یا خدا!" سلطان شاہ اردو میں بڑبڑایا۔ "تو کیا اب تم نے اس قتالۂ عالم سے عشق شروع کر دیا ہے؟"

"بکواس مت کرو۔" میں نے سرد لہجے میں اسے ڈانٹ دیا۔ "یہ بہت مظلوم اور نیک دل لڑکی ہے۔"

"لڑکی؟" حیرت سے سلطان شاہ کی آنکھیں اس کے ماتھے پر چڑھ گئیں۔ "اسے لڑکی کہہ رہے ہو تم...!"

"میں سمجھ رہی ہوں۔" سارا اردو نہ سمجھنے کے باوجود ہنستے ہوئے انگریزی میں بول پڑی۔ "شاید تمہارے ساتھیوں کو یقین نہیں آرہا کہ ہمارے تعلقات اتنے خوشگوار بھی ہو سکتے ہیں کہ درمیانی دروازہ کھول دیا جائے۔"

"تم ٹھیک سمجھ رہی ہو۔" میں نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ان دونوں کو..."

یہ فقرہ ادھورا رہ گیا اور سب کی نگاہیں بیک وقت اس بند دروازے کی طرف اٹھ گئیں جو باہر کھلتا تھا کیونکہ اس پر اچانک دستک کی آواز سنائی دی تھی۔ چاروں اپنی جگہ دم بخود رہ گئے تھے اور حیرت سے بار بار ایک دوسرے کو تک رہے تھے جیسے نظروں ہی نظروں میں اس دستک کا سبب جاننا چاہتے ہوں لیکن وہاں سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

"اس وقت کون آگیا؟" سارا سرگوشیانہ لہجے میں بڑبڑائی۔ اس معاملے میں وہ ہم سب سے زیادہ پریشان نظر آرہی تھی۔

آنے والا ضرورت سے زیادہ عجلت میں معلوم ہوتا تھا کیونکہ مختصر سے انتظار کے بعد دوبارہ زیادہ زور سے دستک دی گئی تھی۔ اس بار سارا دروازے کی طرف بڑھی تو میں اس کے پیچھے ہو لیا۔

"کون ہے؟" سارا نے دروازے کے قریب پہنچ کر محض ہم لوگوں کو باخبر رکھنے کے لیے انگریزی میں سوال کیا۔

"پولیس۔ دروازہ کھولو۔" باہر سے ایک کھردری اور تحکمانہ آواز ابھری جسے سنتے ہی میرا دوران خون اچانک تیز ہو گیا اور دل کنپٹیوں میں دھڑکنا شروع ہو گیا کیونکہ جو امکان ہم نے سرے سے سوچا ہی نہیں تھا وہ اچانک رونما ہو گیا تھا۔

لمحہ بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ پولیس کی آمد سارا کی ہیروئن فروشی کے بارے میں نہ ہو لیکن وہ خیال مجھے اپنے ذہن سے فوراً ہی جھٹک دینا پڑا۔ اس مکان کا اصل راستہ وہ تھا جو سارا کے گھر جاتا تھا اور وہیں ڈور بیل بھی موجود تھی اس لیے پولیس والوں کو اصولاً اسی دروازے پر گھنٹی بجانی چاہیے تھی لیکن وہ گھوم کر اس عقبی دروازے پر آئے تھے جو ہمارے کمرے میں کھلتا تھا۔ وہاں

گھنٹی نہ ہونے کے باوجود ان کی دستک سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انھیں وہاں کسی نہ کسی کی موجودگی کا پورا یقین تھا۔

وہ دونوں سارا کو کینہ توز نظروں سے گھور رہے تھے پھر ویرا نے پنجوں کے بل اپنی جگہ چھوڑی اور تقریباً دوڑتی ہوئی درمیانی دروازے سے گزر کر سارا کے مکان میں غائب ہوگئی۔

سارا شش و پنج میں تھی اس لیے میں نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا کیونکہ پولیس سے نہ مزاحمت کی جاسکتی تھی نہ تاخیر کر کے ان کی مخاصمت مول لینی مناسب تھی۔

دروازہ کھولتے ہی نبضوں کی رفتار یکلخت سست پڑگئی اور ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ باہر کی کہر آلود فضا میں میرے سامنے چار مسلح اور باوردی پولیس والے پوری طرح تیار کھڑے ہوئے تھے۔ ان سے ذرا دور ایک پولیس کار موجود تھی جس میں ڈرائیونگ سیٹ پر ان کے پانچویں ساتھی کا ہیولا نظر آ رہا تھا۔

”اگر ہم انگریزی میں بات کریں تو زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ میرے مہمان فرنچ نہیں جانتے۔“ ایک پولیس افسر کے ابتدائی کلمات کے جواب میں سارا نے کہا اور پھر میری طرف مخاطب ہوگئی ”یہ بتا رہے ہیں کہ مقامی پولیس اسٹیشن سے آئے ہیں اور ان کا نام ویلری چیس ہے۔“

میں نے خوش دلی کے ساتھ دانت نکالتے ہوئے ویلری سے ہاتھ ملایا اور پھر اخلاقاً اس کے ساتھیوں سے بھی وہ رسم پوری کرنا پڑی۔ ویلری نے گفتگو کی ابتدا کی تھی، اس لیے اس کے چہرے پر قدرے شائستگی ابھر آئی تھی لیکن بقیہ تینوں کے چہرے انتہائی سنگلاخ اور غیر دوستانہ نظر آ رہے تھے۔ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے ان تینوں نے ہی بلا استثنیٰ طاقت کا مظاہرہ ضروری سمجھا تھا۔

”باہر سردی ہے، اندر آ جائیں آپ لوگ۔“ سارا نے ان چاروں کو راستہ دیتے ہوئے کہا اور لمحہ بھر میں اس چھوٹے سے کمرے میں آزادانہ نقل و حرکت کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی۔ ویلری اور اس کے ساتھیوں نے اندر داخل ہوتے ہی تجسسانہ انداز میں ہر چیز کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا، جیسے انھیں وہاں کسی خاص، مشتبہ چیز کی تلاش ہو۔

”میں کیا خدمت کر سکتی ہوں؟“ سارا نے ان کو اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے سوال کیا۔ ”مجھے سارا کاویل کہتے ہیں اور میں یہاں اپنے باپ، مسٹر کاویل کے ساتھ رہتی ہوں۔“

”ہمیں بھی یہی بتایا گیا تھا۔“ ویلری نے جھینکتے ہوئے خفت آمیز لہجے میں کہا۔ ”دراصل میں اپنی ناوقت مداخلت پر شرمندہ ہوں لیکن ہمیں اطلاع ملی تھی کہ اس کمرے میں آج شام کچھ مشکوک لوگ قیام پذیر ہوئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اطلاع بے بنیاد رہی ہوگی لیکن شہر کے حالات کے پیشِ نظر ہمیں رسمی کارروائی کے لیے یہاں آنا پڑا۔ . .“

”میں احتجاج کرتی ہوں۔“ سارا، ویلری کے چہرے پر نظریں گاڑ کر بولی۔ ”اوّل تو یہ کوئی کمرا نہیں، بلکہ ایک مکمل رہائشی یونٹ ہے، البتّہ اس عقبی کمرے کو میں مہمانوں کے قیام کے لیے استعمال کرتی ہوں پھر یہ کہ میرے مہمانوں پر کسی کو شُبہ ظاہر کرنے کا حق کس نے دے دیا۔ تم لوگ بھی اس اطّلاع پر پوری نفری کے ساتھ یہاں آ گئے۔ اس وقت میرے دروازے پر باوردی پولیس اہلکاروں کی بھیڑ اور پولیس کار کی موجودگی میرے پڑوسیوں میں ہر قسم کی بدگمانیاں پیدا کر سکتی ہے۔ آنا ہی تھا تو اس عقبی دروازے پر دستک دینے کے بجائے تمھیں سامنے کے دروازے پر آ کر گھنٹی بجانا چاہیے تھی، یہ طریقہ تو بہت ناشائستہ ہے۔“

”حالانکہ میں نے شائستہ رہنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔“ ویلری نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ”ہم محض تمھارے پڑوسیوں کی توجّہ سے بچنے کے لیے اس عقبی دروازے پر آئے ہیں، ورنہ میرے ڈرائیور نے پہلے اگلے دروازے پر ہی کار روکنی چاہی تھی۔ ہمیں تم صرف اپنے مہمانوں کے شناختی کاغذات دکھا دو، ہم لمحہ بھر میں یہاں سے واپس لوٹ جائیں گے۔ عام حالات میں ہم گمنام فون کالز کو سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن آج کل ہمیں ایسی شکایات پر بھی دوڑ لگانا پڑتی ہے۔ ہم خود اس صورتِ حال سے نالاں ہیں لیکن مجبوری ہے۔“

”ہم دونوں مس سارا کاویل کے مہمان ہیں۔“ سارا کے بولنے سے پہلے ہی میں نے بولنا شروع کر دیا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ تین کا ذکر کر بیٹھی تو اس وقت ویرا کی شناخت مسئلہ بن جائے گی۔ غنیمت یہ تھا کہ ویرا موقع کی نزاکت بھانپ کر پہلے ہی مکان کے اندرونی حصّے میں غائب ہو چکی تھی۔ ”میرا نام پیٹر واک ہے اور میرا ساتھی رامانند ہے۔“

”شاید تم دونوں ہی غیر ملکی ہو؟“ ویلری نے تصدیق طلب لہجے میں براہِ راست مجھ سے کہا۔ ”اگر تم دونوں اپنے پاسپورٹ چیک کرا دو تو ہماری کارروائی مکمل ہو جائے گی۔“

”میں پاسپورٹ لینے کے لیے مڑا ہی تھا کہ سارا نے نہایت مکّاری کے ساتھ جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ”تم چاہو تو پورے گھر کی تلاشی بھی لے سکتے ہو. . . .“

ویلری نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”مس کاویل! بات نہ بڑھاؤ، ہمیں معلوم ہے کہ ہماری مداخلت تمھیں گراں گزری ہے لیکن ہم نے تمھیں زیادہ پریشان نہیں کیا ہے۔ پاسپورٹ دیکھ کر ہم چلے جائیں گے۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی تھی کہ ہم ایک قاصد بھیج کر تمھیں اپنے مہمانوں اور ان کے شناختی کاغذات سمیت

تھانے میں طلب کر لیتے لیکن ہم لوگوں کو بے جا طور پر پریشان
کرنے سے خود ہی گریز کرتے ہیں۔ تمھیں ہمارے فرائض اور مجبوریوں
کا بھی احساس ہونا چاہیے۔" اس کا لہجہ قدرے تلخ ہو گیا تھا۔

"نہیں مسٹر ویلری، کوئی بات نہیں۔" میں نے بحث کو ختم کرانے
کی نیت سے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "شاید مس سارا ہماری وجہ سے
شرمندگی محسوس کر رہی ہے لیکن ہم خود قانون کی مدد کرنا اپنا فرض
سمجھتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے سلطان شاہ سے دونوں پاسپورٹ
لے کر اس کی طرف بڑھا دیے جو اس نے بدمزگی کی وجہ سے سرسری
ورق گردانی کے بعد واپس لوٹا دیے۔

"ہماری طرف سے ایک ایک پیگ ہو جائے، آج سردی
کافی ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے ویلری کو پیش کش کی۔

"ڈیوٹی پر ہم نہیں پیتے... بہت بہت شکریہ۔" ویلری انکار
کرتے ہوئے واپسی کے لیے مڑ گیا۔

"جانے سے پہلے اتنا تو بتاتے جاؤ کہ تمھیں ہماری طرف سے کس
نے بدگمان کیا تھا؟" سارا نے دروازہ کھولتے ہوئے سوال کیا۔

"گمنام فون کال۔" وہ منہ بنا کر بولا۔ "تمھارا کوئی شناسا یا محلے دار ہی
ہو سکتا ہے جو سامنے آ کر تمھاری ناراضی مول لینا نہیں چاہتا، اسی کے
ساتھ قانون کی مدد بھی کرنا چاہتا ہے۔"

ان چاروں کو رخصت کر کے سارا نے دروازہ بولٹ کیا تو ویرا
درمیانی دروازے سے فوراً ہی اندر آ گئی۔ شاید وہ قریب ہی کسی اوٹ
میں چھپ کر شروع سے آخر تک تمام کارروائی سنتی رہی تھی اور میدان
صاف پاتے ہی واپس آ گئی تھی۔

"اچھا ہوا کہ یہ مرحلہ بھی گزر گیا۔" سارا سر جھٹکتے ہوئے بولی۔
"اب ہم کسی کی مداخلت کے بغیر اپنی محفل جما سکیں گے۔"

"کیسی محفل؟" ویرا نے حیرت سے براہِ راست سارا کادل سے
ہی سوال کیا۔

"آپس کی غلط فہمیاں دور ہونے کی خوشی میں ہم رات کا کھانا
اسی کمرے میں ایک ساتھ کھائیں گے۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے
کہا۔ "بلیک لیبل کی ایک بوتل کے علاوہ سارا کا بنایا ہوا چکن روسٹ
بھی دوسری طرف موجود ہے۔"

"یہاں جگہ تنگ ہے، ادھر ڈائننگ ٹیبل پر ہی آ جاؤ، وہاں
آرام سے بیٹھ سکیں گے۔" سارا نے درمیانی دروازے کی طرف بڑھتے
ہوئے کہا۔

"تم چلو، ہم ابھی آتے ہیں۔" ویرا نے نرم لہجے میں کہا۔

"میرے بارے میں اپنے دل صاف رکھنا۔" سارا جاتے جاتے
ہنستے ہوئے بولی۔ "پولیس والوں کی آمد سے میرا دور کا بھی کوئی تعلق
نہیں تھا، کہیں تم اسے میری کارگزاری نہ سمجھ بیٹھنا۔"

"یہ معصوم بن رہی ہے لیکن ساری شرارت اسی بدمعاش عورت
کی معلوم ہوتی ہے۔" سارا کے چلے جانے کے بعد ویرا نے ہیجان آمیز
سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "یہ ہر قیمت پر ہمیں پھنسوانے پر تلی ہوئی ہے۔
پتا نہیں اب کیا گل کھلائے گی؟"

"ضرورت سے زیادہ چالاک بلکہ مکار معلوم ہوتی ہے۔" سلطان شاہ
نے ٹکڑا لگایا۔

وقت کم تھا کیونکہ زیادہ تاخیر ہونے کی صورت میں سارا ہماری
طرف واپس بھی آ سکتی تھی، اس لیے میں زیادہ وضاحت تو نہ کر سکا لیکن
انھیں عارضی طور پر سارا کے بارے میں خاموش رہنے پر آمادہ
کر لیا۔

ہمارے کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا اور پُرشور آوازیں
پیدا کیے بغیر اسے اکھاڑنا یا توڑنا ممکن نہیں تھا۔ رقم کی گڈیاں ترتیب
اور قرینے سے بستر کے نیچے چھپی ہوئی تھیں، تینوں ٹرانسمیٹر بھی چھپا
دیے گئے تھے جن میں سے ایک جمی لائیڈ سے چھینا ہوا آپریٹس تھا۔
دوسرا ویرا نے باہمی رابطے کے لیے اسپیس نائین میں میرے حوالے
کیا تھا اور تیسرا وہ خود اپنے ساتھ لائی تھی۔ ان میں سے پہلا صرف
جمی لائیڈ سے رابطے کے کام آ سکتا تھا جبکہ باقی دونوں آپریٹس ایک
ہی فریکوئنسی پر کام کرتے تھے اور انھیں کسی بھی وقت باہمی رابطے
کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ میرے منع کرنے کے باوجود سلطان شاہ
بیم گن ساتھ لے جانے سے باز نہیں آیا تھا۔

خورونوش کے دوران میں ہلکی پھلکی گفتگو ہوتی رہی پھر ہم
اسکاچ کے گلاسوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں اٹھ آئے۔ بوڑھا
کاڈیل بیٹی کی ہدایت پر سونے کے لیے جا چکا تھا۔ سارا نے اسے
بلا کر سلطان شاہ کے لیے اسکواش کی بوتل منگوانے کی پیش کش کی
تھی جسے اس نے خود سختی سے مسترد کر دیا اور پانی پر ہی گزارا کر
رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمارے درمیان اب مکمل دوستی کی فضا بحال
ہو چکی ہے اس لیے ہمیں اپنے بارے میں ایک دوسرے کو پوری
طرح اعتماد میں لے لینا چاہیے۔" سارا نے دوسرے گلاس کے
اختتام پر کہا۔

"اچھا ہوا کہ یہ بات تم نے ہی چھیڑی ہے اب تمھیں بتا دینا
چاہیے کہ تم کس کے لیے کام کرتی ہو؟" میں نے اسے بات پوری
کرنے کا موقع دیے بغیر اس پر سوال داغ دیا۔

اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے ایک گہرا سانس
لیا، پھر دھیمے دھیمے لہجے میں بولی۔ "مارسیلز کا ایک بدنام لکھ پتی ہے۔
لیرلی ورہام کے نام سے ہر جرائم پیشہ شخص واقف ہے۔ منشیات کے
بڑے اڈے شہر میں اسی کی پشت پناہی کے بل پر چلتے ہیں۔"

"اور وہ شی کے لیے کام کرتا ہے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"ایک زمانے میں افواہ اُڑی تھی لیکن وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" سارلنے گلاس تیار کرتے ہوئے بولی۔

"قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب ہیروئن کی نکاسی کے لیے اسے شہر کے بڑے ٹھکانے دستیاب ہیں تو وہ تم جیسے لوگوں سے چھوٹی موٹی سپلائی کا کام کیوں لیتا ہے؟ جب کہ تم اس کے باقاعدہ گروہ میں بھی شامل نہیں ہو۔"

"اس نکتے پر میں نے آج تک غور نہیں کیا۔" اس نے ایمانداری کے ساتھ اعتراف کیا۔ "اس کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے کہ لیزلی درہام شی کا ایجنٹ ہے اور اسی کے مقاصد کے لیے پوری قوت سے میدان میں سرگرمِ عمل رہتا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" سلطان شاہ نے اپنے گلاس سے سادہ پانی کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔

"ایس۔ایچ۔ای یعنی شی دراصل سنڈیکیٹ فار ہیروئن ایڈکشن کا مخفف ہے۔" سارا اُسے سمجھانے لگی۔ "اس تنظیم کا بنیادی مقصد ہی عالمی پیمانے پر ہیروئن کے استعمال اور تجارت کا فروغ سمجھا جاتا ہے۔ یہ لوگ بڑے اڈّوں کے ساتھ ہی چھوٹے ٹھکانوں کو بھی نظرانداز نہیں کرتے۔ بہت سے کیمسٹ اور فاسٹ فوڈ سینٹرز نئے لوگوں کو ہیروئن کا عادی بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ آخر کار یہی سب گاہک مل کر کسی بھی شہر میں ہیروئن کی کھپت میں اضافہ کرتے ہیں۔ ایسے ہی بہت سے ٹھکانے میرے دائرۂ کار میں شامل ہیں۔"

"یعنی تم بالواسطہ طور پر شی کے لیے کام کرتی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت سے پہلے میں نے لیزلی درہام سے آگے کچھ سوچا ہی نہیں تھا لیکن اب کڑیاں ملتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں سے تمھاری دُشمنی کیسے ہو گئی؟"

بات واضح ہو رہی تھی۔ شی کا اپنا ایک مخصوص تنظیمی ڈھانچہ تھا جس میں سُپر آئی مین کے بعد چند مراکز کے لیے ایک آئی مین اعلیٰ اختیارات کے ساتھ مامور تھا پھر ہر مرکز کا ایک مقامی چیف ہوتا تھا جو اپنی حدود میں تنظیم کی تمام سرگرمیوں کا ذمّے دار اور اپنی کارکردگی کے لیے آئی مین کو جواب دہ ہوتا تھا۔ ناجائز اسلحے کا سارا کاروبار براہِ راست چیف کی نگرانی میں چلتا تھا جب کہ ہیروئن کی تقسیم اور ترسیل کے لیے مقامی ضروریات کے مطابق ایک ذیلی ڈھانچہ ہوتا تھا۔ لیزلی درہام شاید مارسیلز کے اسی ذیلی ڈھانچے کا سربراہ تھا اور برونو اشمٹ اور گیری ہارٹ کے احکام کے تحت کام کرتا تھا۔

پاکستان میں شی کی سرگرمیاں بہت پھیلی ہوئی تھیں لیکن تنظیمی معاملات کے لیے پورے ملک کو ایک ہی مرکز تصوّر کیا گیا تھا جس کا سربراہ نادیدہ لے ٹو ہوا کرتا تھا جو لاہور کے محفوظ ترین لائیڈز کاٹیج میں محصور رہ کر محض آواز کے سہارے اپنے کارندوں پر حکمرانی کرتا تھا۔ ان لوگوں سے باغی ہونے سے پہلے تک کراچی میں شی کی منشیات فروشی کا براہِ راست ذمّے دار میں ہوا کرتا تھا اور مجھے بھنک بھی نہیں مل سکی تھی کہ تنظیم اسلحے کی غیرقانونی تجارت میں بھی ملوّث تھی مگر پھر لائیڈز کاٹیج کے زیرِ زمین تہ خانوں میں رسائی کے بعد مجھ پر اچانک انکشاف ہوا کہ تنظیم ملک میں بڑے پیمانے پر ہلکے مگر مہلک ہتھیار اور ان کا گولا بارود اسمگل کر رہی تھی جو عالمی مفادات رکھنے والوں کے اشارے پر مقامی تخریب کاروں اور دہشت گردوں میں تقسیم کیا جاتا تھا اور عالمی مفادات کے لیے مقامی جوڑ توڑ، ریشہ دوانیوں اور سیاسی دباؤ کے کھیل میں تنظیم سیاسی دہشت گردی کی خفیہ مگر بھرپور سربراہی کرتی تھی۔ ان زیرِ زمین گوداموں میں مَیں نے بچشمِ خود بہت سی ایسی پیٹیاں دیکھیں جو مغربی بندرگاہوں سے افغان مزاحمتی تحریکوں کے لیے بھیجی گئی تھیں لیکن منظم رابطوں کے ذریعے سرحدوں کے پار منزلِ مقصود پر پہنچنے کے بجائے لائیڈز کاٹیج کے تہ خانوں میں چھپا دی گئیں اور وہ ساری کارروائی براہِ راست لے ٹو کے تابع تھی جو پاکستان میں تنظیم کا مقتدرِ اعلیٰ بنا ہوا تھا۔ اس کی نگرانی میں مخدوش سرحدوں کے دونوں طرف بااثر قبائلی باشندوں کو ان کی محرومیّت کا احساس دلا کر انھیں مالی اور غیرملکی فنّی امداد فراہم کی گئی تھی تاکہ پاکستان اور افغانستان کے ریاستی قانون سے ماورا ان دُشوار گزار پہاڑوں کی آغوش میں ہیروئن تیار کرنے کی جدید ترین لیبارٹریز قائم ہو سکیں۔ ان ہولناک کارخانوں کی پہلی کڑی مومن خان کی لیبارٹری تھی، جس میں ایک جرمن ماہر نے سن ۱۹۷۸ء میں پہلی بار افیون کی مقامی پیداوار سے ہیروئن کی پہلی کھیپ کشید کی تھی۔ اس پائلٹ پروجیکٹ کو بروئے کار لانے میں ویرانے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ جدید زرتی اور مواصلاتی رابطوں سے ناآشنا خیبر کے پہاڑوں میں مومن خان کی لیبارٹری کو ریموٹ کنٹرولڈ ویڈیو کیمروں اور اسکرین کا تحفظ حاصل تھا جن کی مدد سے ان اطراف میں بھٹکنے والے پرندوں اور چوپایوں تک پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی پھر مومن خان کی تیزی سے بڑھتی ہوئی خوشحالی نے دوسروں کو بھی اس راہ پر ڈال دیا۔ رہی سہی کسر سرحد کے پار لڑنے والے بے سروسامان گروپوں نے پوری کر دی، جنھیں ہتھیاروں اور گولا بارود کے لیے مالی وسائل کی سخت ضرورت تھی۔ ان کے لیے افیون سے اعلیٰ درجے کی ہیروئن بنا کر سرمایہ حاصل کرنے کا تصوّر سنسنی خیز تھا کیونکہ اس سرمائے سے وہ اپنی روزمرّہ جنگی ضروریات پوری

کر سکتے تھے، اس طرح شی نے ان پہاڑوں میں ہیروئن کی پیداوار کی ایک زرخیز منڈی تیار کر لی تھی جہاں سے حاصل کی ہوئی ہیروئن ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے امریکا اور یورپ کی منڈیوں میں منہ مانگے داموں فروخت کی جا رہی تھی۔ یہ ہولناک زہر منزل کے ساتھ ساتھ اپنی گزرگاہوں میں بھی تیزی سے سرایت کرتا رہا۔ خیبر سے کراچی تک، پاکستان کے ہر شہر میں ہیروئن پُراسرار اور حیرت ناک طریقے پر متعارف اور پھر مقبول ہوئی تھی۔

موت کے ان قابلِ نفرت سوداگروں کا اندازِ واردات بھی بہت منطقی اور دل میں اُتر جانے والا تھا جس کے نتیجے میں افیون کی کاشت کو ختم کرنے کی کوشش کبھی بھی پوری طرح بار آور نہیں ہو سکی تھی۔ انھوں نے طلب اور رسد کے معاشیاتی اصول کے تحت افیون کو زمین سے اُگنے والی دوسری بے ضرر فصلوں کے برابر لا کھڑا کیا تھا اور بہتیرے محبِ وطن اور دیندار لوگوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے تھے کہ اگر وہ اپنی زرخیز زمینوں پر کوئی ایسی فصل کاشت کرتے ہیں جس کا معاوضہ خطیر اور پیشگی مل سکتا ہے تو یہ ان کا معاشی حق ہے جس پر کوئی ڈاکا نہیں ڈال سکتا — برسوں پیشتر، جب ان علاقوں میں متبادل روزگار کی فراہمی کے لیے کارخانوں اور صنعتوں کے قیام کے لیے سڑکوں اور دوسرے مواصلاتی ذرائع کی تعمیر کا آغاز کیا گیا تو ان سادہ لوح لوگوں میں یہ افواہیں پھیلا کر مزاحمت کی دیوار کھڑی کر دی گئی کہ رسل و رسائل کے مضبوط ذرائع میسر آتے ہی پوری قوت کے ساتھ ان کی لہلہاتی فصلوں اور گُل رنگ آبادیوں کو تہس نہس کر کے انھیں معاشی طور پر تباہ کر دیا جائے گا اور افیون کے ذریعے علاقے میں آنے والی خوشحالی ایک خواب بن جائے گی۔ سرکاری سطح پر ایسے پروپیگنڈے کا مقابلہ ہمیشہ بُری طرح ناکام ہوا تھا کیونکہ ان علاقوں کے مخصوص ماحول اور وسائل کی وجہ سے سرکاری آواز ہر گھر تک پہنچانا ممکن نہیں تھا۔

پیشگی ادائیگیوں پر افیون کی لہلہاتی فصلیں کاشت ہو رہی تھیں، ان کا جوہر، ہیروئن کی صورت میں کشید ہو کر عالمی منڈیوں میں کالے دھن کو فروغ دے رہا تھا۔ خستہ حال اور بے سر و سامان مہاجرین کے جتھے اپنی زندگی کی ایک نئی ابتدا کی خاطر پہاڑوں سے چند کلو ہیروئن لا کر شہروں میں فروخت کر رہے تھے جو مشینی زندگی سے اکتائے ہوئے ذہنوں کے لیے خوابناک سرور کی ایک انوکھی جنت فراہم کر دیتی تھی جس میں زندگی کے زندہ مسائل کا دُور دُور تک کوئی گزر نہیں تھا۔ سارا کا ویل مارسیلز میں بالکل وہی کام سرانجام دے رہی تھی۔ نئے لوگوں کو ہیروئن کی طرف راغب کرنے میں اس کا کردار بہت اہم تھا۔

”دشمنی اُن سے نہیں، اُن کے کام سے ہے۔“ میں نے پُرخیال لہجے میں سارا کی بات کا جواب دیا۔ ”وہ ہر ایک کو ہیروئن کا غلام بنانے کی ایک ہولناک سازش کر رہے ہیں اور ہم انھیں ناکام کرنا چاہتے ہیں۔ بس اسی لیے وہ ہمارے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں اور ہر قیمت پر ہمیں موت کے گھاٹ اُتار دینا چاہتے ہیں۔“

اُس کی چھوٹی چھوٹی چمک دار آنکھوں میں بے اعتباری اُبھر آئی۔ ”بُرا نہ ماننا، میں تمھاری اس کہانی پر یقین نہیں کر سکتی، کم از کم مجھے تو اندر کی بات بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“

”یہ حقیقت ہے سارا ڈارلنگ!“ ویرا نے میری حمایت میں مداخلت کی۔

”اس دَور میں کون دوسروں کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈالتا ہے!“ اُس نے بدستور بے اعتباری سے کہا۔ ”میرا تو خیال ہے کہ تم لیزلی ورہام کی کسی مخالف پارٹی کے لیے کام کر رہے ہو اور تمھارے درمیان مفادات کی جنگ جاری ہے۔“

”ہم تمھیں اپنی بات ماننے پر مجبور نہیں کر سکتے لیکن ہم نے ہیروئن کی تباہ کاریاں اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔ نہ جانے کتنے ہی ہنستے کھیلتے گھرانے ان درندوں کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔“ میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”ہیروئن ہشت پا سے زیادہ خوفناک بلا ہے جو ایک بار اس کے چنگل میں آ جائے، زندگی بھر اس کے عذاب سے نہیں نکل سکتا۔ گھر بار، نفس، اَنا اور بیوی بچوں تک کو بھول کر اس کا غلام ہو جاتا ہے۔ تمھارا باپ تمھارے سامنے ہے، وہ مارفین لیتا ہے جو اتنی ہولناک نہیں لیکن پھر بھی وہ تمھارے گھر کی ایک زندہ مثال ہے۔“

سارا پھریری لے کر رہ گئی۔ ”میرے باپ کی بات نہ کرو، وہ تو ایک عذاب میں مبتلا ہے.....“

”اور شاید تم لاشعوری طور پر انتقاماً دوسروں کو ہیروئن کے عذاب میں مبتلا کر رہی ہو!“ میں نے اُس کی بات کاٹ کر پُرزور لہجے میں کہا۔ ”تمھارا گھر نہ بس سکا، اس لیے تم بسے بسائے گھر اُجاڑنے پر تُل گئی ہو۔“

”نہیں!“ اُس نے اپنی دونوں کنپٹیاں اپنی ہتھیلیوں سے دباتے ہوئے کہا۔ ”میں ہیروئن کے بارے میں اخبارات اور رسائل میں بہت کچھ پڑھتی رہی ہوں لیکن ایسا خوف میں نے کبھی محسوس نہیں کیا۔ تم نے تو مجھے دہلا دیا ہے۔“

”یہ حقیقت ہے سارا۔“ میں نے لوہا گرم دیکھ کر اصرار کیا۔ ”شاید تم سوچ رہی ہو کہ تم تنہا لیزلی ورہام سے الگ ہو کر کیا بگاڑ لو گی۔ وہ تم جیسی درجنوں لڑکیوں کو رکھ لے گا لیکن یہ سوچ غلط ہے۔ تبدیلی بھی بس ایک آدمی اور اس کی سوچ کا نام ہے اور اُس کی بانی بھی آج میرے ساتھ، تمھارے سامنے بیٹھی ہوئی ہے۔“

میرے اشارے پر اُس نے یوں آنکھیں پھاڑ کر ویرا کو دیکھا

جیسے اس کے سر پر یک بیک سینگ نکل آئے ہوں پھر سسراتی ہوئی آواز میں بولی "تت... تو... یہ مس سرینا ہمفرے نہیں ہے؟"

"نہیں" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم شی کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو۔"

"بہت کچھ نہیں، بس اتنا ہی جانتی ہوں جتنا زیرِ زمین دنیا سے وابستہ لوگوں کو عام طور پر معلوم ہے" میری بات کا جواب دیتے ہوئے وہ ویرا کو یوں گھورے جا رہی تھی جیسے وہ کسی دوسرے سیارے سے آئی ہوئی مخلوق رہی ہو "سب جانتے ہیں کہ شی کا سربراہ جمی لائیڈ ہے جسے آج تک کوئی نہیں دیکھ سکا حتیٰ کہ شی میں کام کرنے والی اس کی بیٹی نے بھی کبھی اپنے باپ کی صورت نہیں دیکھی، اگر میری یادداشت دھوکا نہیں دے رہی تو تمہاری ساتھی کا نام ویرا لائیڈ ہونا چاہیے۔"

"تمہاری یادداشت قابلِ رشک ہے" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "یہ ویرا لائیڈ ہی ہے اور اب شی سے باغی ہو کر ہمارے ساتھ اس کی بیخ کنی پر تل گئی ہے، اس لیے یہ بھی لیزلی درہام کی ہٹ لسٹ پر آ چکی ہے۔"

"شاید تم درست کہہ رہے ہو" وہ پُرخیال لہجے میں بولی "ہمیں زندہ رہنے کے لیے چند بنیادی آسائشوں کے ساتھ پیٹ بھرنے کے لیے خوراک، تن ڈھانکنے کے لیے معقول لباس اور سر چھپانے کے لیے ایک ٹھکانا ہی تو درکار ہوتا ہے پھر ہم اپنی خواہشات اور ہوس کا دامن کیوں اتنا وسیع کر لیتے ہیں کہ بُرے اور بھلے کی تمیز چھوڑ کر بس کمانے اور کمانے ہی کے چکر میں لگے رہتے ہیں؟"

"کمانے کی آرزو بُری نہیں لیکن یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس آمدنی کی کیا قیمت ادا کی جا رہی ہے" میں نے کہا "تم میں تعلیم کی کمی ہے لیکن تم چاہو تو تھوڑی سی کوشش سے کئی ڈھنگ کے کام تلاش کر سکتی ہو۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ یہ ذلیل کام چھوڑ دوں گی" وہ سر جھکا کر شرمسار لہجے میں بولی پھر اچانک ہی ویرا سے مخاطب ہو گئی "تم لوگ واقعی بہت نرم دل معلوم ہوتے ہو۔ شاید تمہیں علم نہ ہو لیکن پیٹر نے مجھے بیس ہزار ڈالر کی خطیر رقم صرف اس لیے دی ہے کہ میں اپنے مٹاپے کا علاج کر کے احساسِ کمتری سے عاری زندگی گزار سکوں۔ اتنے ہمدردانہ انداز میں تو شاید میرے باپ نے بھی کبھی میرے لیے نہ سوچا ہو گا۔ علاج کے بہانے میں لیزلی درہام سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنی موجودہ زندگی کو خیرباد کہہ دوں گی، اگر ہم اگلی بار کبھی مل سکے تو تم مجھے ایک شریف اور گھریلو لڑکی پاؤ گے۔"

وہ بول رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں جو اندر سے باہر تک سراپا شیطان بن جاتے ہیں اور اپنے مکروہ دھندوں کے من مانے جواز بھی پیدا کر لیتے ہیں ورنہ ہر بُرے آدمی کے اندر کم یا زیادہ گہرائی میں اس کی فطری شخصیت ضرور موجود ہوتی ہے جسے تھوڑی سی کوشش سے کرید لیا جائے تو اسے سیدھی راہ پر ڈالا جا سکتا ہے لیکن مغرب کے اس مادیت پرست معاشرے میں ہر شخص اپنی ہی دنیا میں گم تھا حتیٰ کہ باپ کو اولاد کی اور بیوی کو شوہر کی پروا نہیں رہ گئی تھی۔ ایک دوسرے پر اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے وہ سہل پسند لوگ بعض اوقات اذیت ناک سمجھوتوں کے تحت بھی زندگی گزارنا گوارا کر لیتے تھے۔

"واقعی ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا" سارا کی بات مکمل ہونے پر ویرا زمی سے کہہ رہی تھی "تم چاہو تو نئے سرے سے آغاز کے لیے کچھ رقم اور بھی لے سکتی ہو" سارا نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مزید رقم لینے سے انکار کر دیا۔

وہ محفل دیر تک جاری رہی۔ سارا اپنے کام، لیزلی درہام اور شی سے پوری طرح برگشتہ ہو چکی تھی۔ اس نے ہمیں پیش کش کی کہ اگر ہم اپنے دشمن لیزلی درہام کا خاتمہ کرنا چاہیں تو وہ پوری طرح ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار تھی۔ اس پر ویرا جوش میں آ گئی تھی لیکن میں مارسیلز میں مزید وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے وہ بات وہیں رہ گئی اور رات گئے ہم تینوں درمیانی راستے سے اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔ سارا نے ویرا کو اپنی خواب گاہ میں سلانے کی پیش کش کی تھی لیکن ویرا اس سے ہمدردی کے باوجود اس کے ساتھ شب بسری کے لیے آمادہ نہ ہو سکی۔

اس وقت میرا ارادہ تھا کہ اگلی صبح ہمیں مارسیلز بلکہ فرانس کی سرزمین کو خیرباد کہہ دینا چاہیے لیکن اس خیال کو عملی جامہ پہنانے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ ویرا کے پاس کوئی پاسپورٹ نہیں تھا، جس کی تیاری میں ایک دو دن صرف ہو سکتے تھے۔ دوسری طرف مارسیلز کی پولیس کی سارا کے مکان پر آمد کے باعث میرا اور سلطان شاہ کا پاسپورٹ والا نام ریکارڈ پر آ گیا تھا اور جمی لائیڈ اس بات سے واقف ہو چکا تھا کہ ہم دونوں ہی فرضی ناموں کے تحت اپنی شناخت کرا رہے تھے۔ گیسٹ ہاؤس والی مادام فلورا کے ذریعے ہمارے حلیے کوائف اس کے علم میں آ چکے تھے اور اگر بدقسمتی سے پولیس ریکارڈ اس کے علم میں آ جاتا تو پھر سارا کا مکان میدانِ کارزار میں تبدیل ہو سکتا تھا، اس وجہ سے میں وہاں رات گزارنے کے بعد بالکل بھی نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔

میری دوسری کوشش یہ تھی کہ ہم تینوں مارسیلز سے الگ الگ روانہ ہو کر اٹلی کے کسی مقام پر یکجا ہو جائیں تاکہ راستے میں تین کی نفری کے باعث ہمارا گروپ کسی کی نظروں میں نہ آ سکے۔

روم، اٹلی کے تقریباً وسط میں فرانس سے بہت فاصلے پر واقع تھا جب کہ فرانس کی سرحد سے قریب ترین بڑا اطالوی شہر

میلان تھا جو ہمارے لیے ایک بہتر ٹھکانا ثابت ہو سکتا تھا۔ ویرا کا خیال تھا کہ اگر وہ سلطان شاہ کے ساتھ ٹرین کے ذریعے میلان روانہ ہو تو سرحد عبور کرتے ہوئے کوئی نہ کوئی چکر چلا کر سرحدی حکام کو جُل دے سکتی تھی۔ ناکامی کی صورت میں سلطان شاہ میلان پہنچ کر میرا انتظار کر سکتا تھا اور میں اس سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں اپنا پروگرام طے کر سکتا تھا۔ مجھے یہ آزادی ہوتی کہ میں جس طرح چاہوں، میلان کا سفر اختیار کروں اور وہاں طے شدہ ہوٹل میں ان دونوں سے جا ملوں۔

ویرا، سلطان شاہ کے ہمراہ منہ اندھیرے روانہ ہو گئی۔ انھوں نے اپنی ضروریات کے لیے رقم ساتھ لے لی تھی۔ باقی رقم میری ہی تحویل میں تھی، اسی کے ساتھ ہیم گن بھی میں نے رکھ لی تھی۔ اعصاب پر خمار طاری ہونے کے باوجود میں اس رات ایک پل کے لیے بھی نہیں سو سکا تھا۔ ان دونوں کے چلے جانے کے بعد بھی اندھیرے میں بستر پر پڑا دیر تک سگریٹیں پھونکتا رہا پھر جب صبح کا اُجالا پھیلنے پر مکان کے اندرونی حصے سے آہٹیں سنائی دیں تو میں نے بھی بستر چھوڑ دیا۔

تیار ہونے کے بعد میں نے اپنے کمرے سے سارا کو آواز دی تو اُس نے مجھے اپنی طرف آنے کے لیے کہا لیکن پھر مجھے دیکھ کر چونک پڑی۔ ”وہ دونوں شاید دیر تک سونے کے عادی ہیں؟“ اس نے تجسس آمیز لہجے میں کہا۔

”بہت زیادہ سحر خیز ہیں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”وہ صبح سویرے ہی اپنے نئے سفر پر روانہ ہو گئے ہیں۔ میں اپنی کاہلی کی وجہ سے بستر پر پڑا رہ گیا، اب بعد میں اُن سے جا ملوں گا۔۔۔“

”انھیں مجھ سے مل کر جانا چاہیے تھا۔“ وہ میری بات کاٹ کر شکایتی لہجے میں بولی۔

”تمھاری طرف گہرا سکوت تھا اس لیے تمھاری نیند میں خلل ڈالنا مناسب نہیں سمجھا، ورنہ ویرا تو تمھیں الوداع کہنے کے لیے خاصی مضطرب تھی۔ اب تم جلدی سے گرما گرم کافی پلاؤ کیونکہ میں بہت دیر سے جاگ رہا ہوں۔“

”وہ لوگ کس طرف گئے ہیں؟“ اس نے برقی کیتلی کا سوئچ آن کرتے ہوئے سوال کیا۔

”پیرس۔“ میں نے اس خیال سے جھوٹ بولا کہ وہ ہمارے کسی حریف کے شکنجے میں پھنس جائے تو تشدد سے مجبور ہو کر ہماری نئی منزل کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی نہ کر بیٹھے۔ اسے متاثر کرنے کے لیے پچھلی رات میں نے ویرا کا اصل نام ضرور بتا دیا تھا لیکن اسی احتیاط کے پیشِ نظر اپنا یا سلطان شاہ کا اصل نام نہیں بتایا تھا۔ ”ان دونوں کا الگ جانا ضروری ہو گیا تھا تاکہ ہماری تعداد کی وجہ سے لیزلی درہام کے آدمی ہماری طرف متوجہ نہ ہو سکیں۔“

”چاہو تو میں پیرس تک تمھارا ساتھ دے سکتی ہوں۔“ اس نے نیک نیتی کے ساتھ کہا۔

”تمھارے معمولات میں رونما ہونے والی کوئی بھی تبدیلی تمھارے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتی ہے،“ اس لیے میں تمھیں اس وقت شہر چھوڑنے کا مشورہ نہیں دوں گا، ورنہ اس سے اچھی کیا بات ہو سکتی تھی کہ مجھے ہمسفر مل جاتا۔“ میں نے اسے خوبصورتی کے ساتھ ٹالتے ہوئے کہا۔ ”تمھاری طرف توجہ مبذول ہوتے ہی ہماری سلامتی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔“

”میرے لیے یہ تجربہ بہت عجیب اور سنسنی خیز ہے۔ اب تک میں ہیروئن کی سپلائی کا کام بے خوف و خطر کرتی رہی ہوں۔ کبھی بھی کسی غیر معمولی صورتِ حال سے دوچار نہیں ہونا پڑا لیکن تم سے ملاقات کے بعد اچانک ہی مجھے خود کو درپیش خطرات کا ادراک ہو چلا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اپنے تجربے کے باوجود میں ایسے پُرخطر کاموں کے لیے نہایت ناموزوں ہوں۔“

مجھے گرم گرم کافی کی ایک پیالی دے کر وہ ناشتے کی تیاری میں مصروف ہو گئی اور میں اپنے آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں غور کرنے لگا۔ ناشتے سے فارغ ہونے تک میں فضائی سفر کے ذریعے میلان پہنچنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ میں سارا کے گھر سے تنہا ہی روانہ ہونا چاہتا تھا لیکن وہ مجھے ایئرپورٹ تک پہنچانے پر بضد ہو گئی تو اس کے خلوص کو دیکھتے ہوئے مجھے ہتھیار ڈالنے پڑ گئے۔

وہ تیاری کے لیے غسل خانے میں گئی تو میں اپنا مختصر سا سامان سمیٹنے کے لیے اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس وقت تک سارا کا باپ بستر پر دراز گہری نیند کے مزے لے رہا تھا۔

اپنے نسبتاً ہلکے بیگ کے ساتھ میں وہاں سے روانہ ہوا تو گردوپیش کے بارے میں بہت محتاط تھا لیکن وہاں میدان صاف تھا۔ سارا نے بتایا کہ میرے لیے شہر سے ٹکٹ خریدنا ضروری نہیں تھا۔ مارسیلز ایئرپورٹ ہی پر کسی باضابطہ یا چارٹرڈ پرواز کا ٹکٹ بآسانی حاصل کیا جا سکتا تھا، اس لیے ہم ٹیکسی میں براہِ راست ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہو گئے۔

ایئرپورٹ پر ایئر فرانس کے سیلز کاؤنٹر پر معلوم ہوا کہ میلان کے لیناتے ایئرپورٹ کے لیے اگلی پرواز گیارہ بجے روانہ ہونے والی تھی لہٰذا میں نے فوراً ہی ٹکٹ خرید لیا اور سارا روایتی یورپی انداز میں

مجھے الوداع کہہ کر دل گرفتہ انداز میں واپس چلی گئی کیونکہ راستے میں، میں نے اُسے سمجھا دیا تھا کہ ایئرپورٹ کی حدود میں ہمیں زیادہ دیر تک یک جا نہیں رہنا ہوگا۔ میں نے شی والوں کو اپنی دانست میں یہ فریب دیا ہوا تھا کہ میں کار کے ذریعے پیرس کی طرف محوِ سفر تھا لیکن یہ خطرہ بدستور موجود تھا کہ ان کی طرف سے اس وقت تک ایئرپورٹ اور ریلوے اسٹیشن کی نگرانی نہیں ہٹائی جاتی، جب تک کہیں سے کامیابی کی خبر نہ ملتی۔

چیک اِن کاؤنٹر کی طرف بڑھتے ہوئے معاً مجھے بیم گن کا خیال آیا جو میں اپنے ساتھ طیارے پر نہیں لے جا سکتا تھا۔ الیکٹرانک آلات کی مدد سے جامہ تلاشی کے مرحلے سے بیم گن سمیت گزرنا ناممکن تھا جبکہ سلطان شاہ ریل کے ذریعے سفر کرتے ہوئے اُسے آرام سے ساتھ لے جا سکتا تھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ بیم گن کو کسی ڈسٹ بن میں پھینکنا پڑے گا لیکن اس خیال کو عملی جامہ پہنانے سے قبل ہی مجھے ایک دوسری راہ سوجھ گئی۔

میرے پاس رقم کے ہلکے پھلکے تھیلے کے علاوہ کوئی سامان نہیں تھا لیکن بیم گن نکال لے جانے کے لیے میں نے وہ ہتھیار اسی تھیلے میں ڈال کر تھیلا کاؤنٹر پر چیک اِن کرا دیا اور خود خالی ہاتھ امیگریشن اور سیکیورٹی والوں کی طرف بڑھ گیا۔

مختلف پروازوں کے مسافروں کے ساتھ اس قطار میں سرکتے ہوئے میں نے پہلی بار خاکستری بالوں والے اس وجیہہ شخص کو دیکھا جو بہت غور سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پاتے ہی وہ بے پروایانہ انداز میں سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔ وہ مسافروں کی قطار سے الگ وسیع ہال میں اس طرح کھڑا ہوا تھا جیسے کسی کا منتظر ہو لیکن میری دانست میں روانگی والے راستے پر کسی کی آمد کا انتظار کرنا احمقانہ فعل تھا، اس لیے میرے ذہن میں فوراً ہی اس کی طرف سے شبہے نے سر اُبھارا تھا۔

میرے ڈیپارچر لاؤنج میں جانے تک وہ وہیں کھڑا کن انکھیوں سے مسلسل میرا جائزہ لیتا رہا۔ اسے دریافت کر لینے کے بعد میں خود بھی اس کی طرف سے فکرمند ہوگیا تھا لیکن اس بات پر اطمینان تھا کہ وہ باہر رہ گیا تھا اور میں تھوڑی دیر میں ایئر فرانس کی پرواز سے اٹلی روانہ ہونے والا تھا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے میری طرف متوجہ تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ میں چوکنا ہونے کے باوجود بروقت اس کی موجودگی سے آگاہ نہیں ہو سکا تھا۔

● ڈیپارچر لاؤنج میں کئی پروازوں کے مسافروں کا ہجوم تھا، جو روانگی کے اعلانات کے ساتھ کئی بار کم ہوا لیکن رفتہ رفتہ نئے آنے والوں نے اس کمی کو پورا کر دیا۔ میں قبل از وقت وہاں پہنچ گیا تھا اس لیے ایک گوشے میں آرام کرسی پر نیم دراز وہ تماشا دیکھتا رہا۔ بیٹھنے کے لیے مجھے ایسی جگہ مل گئی تھی جہاں سے نئے آنے والوں پر بہ آسانی نگاہ رکھی جا سکتی تھی لیکن اس وقت نہ مجھے ایسی کسی نگرانی کی ضرورت تھی نہ میں آنے والوں کی طرف سے کسی تشویش کا شکار تھا۔

میری رسٹ واچ کے مطابق پرواز کی روانگی میں اس وقت بھی آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت باقی تھا، اس لیے میں وقت گزاری کے لیے بار کی طرف چل دیا۔ میں نے کاؤنٹر کے سامنے پڑے اُونچا اسٹول سنبھال کر اپنے لیے اسکاچ کا ایک منی ایچر بنوایا ہی تھا کہ یونیفارم نما لباس میں ملبوس ایک شوخ لڑکی، اٹھلاتی ہوئی میرے قریب آکھڑی ہوئی۔ وہ ڈیپارچر لاؤنج کے عملے سے ہی متعلق معلوم ہوتی تھی کیونکہ اس کے آتے ہی نوجوان بارٹینڈر نے داہنی آنکھ دبا کر جو کچھ کہا وہ میری سمجھ میں تو نہ آسکا لیکن اس کے لہجے اور انداز سے یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ اس لڑکی سے بہت زیادہ بے تکلف تھا۔

لڑکی مجھ سے بولتے بولتے رُکی، اس نے بارٹینڈر کو کوئی چُبھتا ہوا جواب دیا اور پھر مسکراتے ہوئے، خلیقانہ انداز میں مجھ سے کچھ بولی جو میری سمجھ سے بالکل باہر تھا۔

گرہ سے کچھ خرچ کیے بغیر اجنبی مردوں کے ساتھ کچھ وقت ہنس بول کر گزارنے کی شوقین خواتین کے بارے میں مجھے خاصا علم تھا، اس لیے میں نے اشارے سے اُسے مے نوشی میں شرکت کی دعوت دیتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ”میں صرف انگریزی سمجھ سکتا ہوں، تم چاہو تو تمہاری میزبانی کر کے مجھے خوشی محسوس ہوگی۔“

”میں دن میں اسکاچ نہیں پیتی۔“ اس نے شکستہ انگریزی میں کہا۔ ”تمہارے بارے میں ایک لڑکی سے میری شرط لگی ہوئی ہے میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ تم کہاں جا رہے ہو؟“

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس اجنبی دیس میں میری اتنی انفرادیت تھی کہ دو لڑکیاں میری منزل پر شرط لگائے بیٹھی تھیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”مجھ پر لگائی ہوئی شرط تمہیں جیتنی چاہیے۔ جو چاہو اسے جا کر بتا دو، میں پورے خلوص کے ساتھ تمہارے دعوے کی تائید کروں گا۔“

وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ ”بہت بہت شکریہ، تم واقعی دلچسپ آدمی ہو مگر میں شرط میں بے ایمانی نہیں کرتی۔“

اس کا لہجہ استفسار طلب تھا جیسے مجھ سے جلد از جلد جواب سننا چاہتی ہو مگر میں ان خوشگوار لمحات کو طول دینا چاہ رہا تھا، اس لیے جواب دیے بغیر گلاس... ہونٹوں سے لگا لیا مگر نگاہیں اسی کے چہرے پر مرکوز رہیں۔

”بتاؤ نا۔“ وہ نظریں تیکھی کر کے ٹھنکی۔ ”یہ بعد میں پیتے رہنا۔“

”میلان۔“ میں نے اس کی طرف جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

میرا جواب سنتے ہی وہ واپسی کے لیے پلٹی تھی لیکن میں نے پھرتی

سے اس کا بازو تھام لیا۔ "چند منٹ ٹھہرو، پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

"میں شرط جیت گئی ہوں، تم یہیں ٹھہرو، وہ خود میرے ساتھ تمہارے پاس آئے گی۔ وہ بذات لڑکی تصدیق کیے بغیر شرط کا ایک فرانک بھی مجھے نہیں دے گی۔" اس نے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

میں نے محسوس کیا کہ میری وہ حرکت ناشائستہ تھی، اس لیے میں نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔ بارٹینڈر نے بظاہر میری طرف متوجہ ہوئے بغیر بیئر کا ایک خالی مگ زور سے چوبی کاؤنٹر پر پٹخ کر جھلاہٹ کا اظہار کیا۔ اسی اثنا میں وہ ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی مجھ سے دور نکلتی چلی گئی۔ میں نے ایک لمبا گھونٹ لے کر اپنا گلاس خالی کر دیا۔

میں نے بارٹینڈر سے دوسرے منی ایچر کی فرمائش کی لیکن وہ میری سنی ان سنی کر کے شیشے کے ایک مگ کو کپڑے سے چمکاتا ہوا کاؤنٹر کے دور افتادہ سرے کی طرف چلا گیا۔ شاید اس طرح وہ لڑکی کے ساتھ میرے رویے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنا چاہ رہا تھا جس میں پوری طرح کامیاب رہا تھا۔

اس کا توہین آمیز رویہ محسوس کرتے ہی میری کھوپڑی پر جمی ہوئی برف پگھلی اور معاً مجھے سلطان شاہ کے الفاظ یاد آ گئے، وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ میں کسی دن کسی خوبرو عورت کے ہاتھوں ہی اپنے انجام کو پہنچوں گا۔ اسی لمحے میری طبیعت اچانک مضطرب ہو گئی اور میں اسٹول سے اتر کر فرش پر کھڑا ہو گیا اور اس لڑکی کی تلاش میں اس سمت کا جائزہ لینے لگا جدھر وہ گئی تھی لیکن اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔

لڑکی غائب ہو چکی تھی۔ اس کا چڑھایا ہوا خمار کافور ہو چکا تھا اور میری چھٹی حس کسی انجانے خطرے کا الارم دینے لگی تھی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس لڑکی نے سارا چکر صرف میری منزل کا پتا لگانے کے لیے چلایا تھا اور میں نے اسے صحیح جواب دے کر ایک سنگین غلطی کا ارتکاب کیا تھا جس کا ازالہ ناممکن تھا۔

تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ بورڈنگ پاس لینے کے بعد میں ڈیپارچر لاؤنج میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔ چاق و چوبند حفاظتی عملے کو جُل دے کر یا کسی اور طرح واپس جانا ناممکن تھا۔ اس ہال سے میرا بس ایک ہی راستہ تھا جو مارسیلز سے گیارہ بجے میلان کے لیے روانہ ہونے والے ایئر فرانس کے طیارے تک جاتا تھا۔ اس لیے آنے والے ناگہانی لمحات کا انتظار کرنے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

اس اثنا میں بارٹینڈر ایک اور گاہک کو سرو کرنے کے لیے میرے قریب آیا تو میں نے اس سے اپنی فرمائش دہرائی۔

بارٹینڈر نے چبھتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا پھر انگریزی میں سوال کیا۔ "تمہیں اپنی پرواز کا نمبر بھی یاد ہے؟" اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔ لڑکی سے میری گفتگو کے دوران میں وہ سمجھ چکا تھا کہ میں فرنچ سے نابلد تھا۔

"سب یاد ہے۔" میں نے دس فرانک اس کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا۔ "تم سے جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔"

میرے جارحانہ لہجے پر وہ سنبھل گیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں، مجھے تو تنخواہ کے علاوہ سیل پر کمیشن بھی ملتا ہے لیکن میں تمہارے ہی بھلے کے لیے پوچھ رہا تھا کہ کئی بار ایسا ہو چکا ہے کہ لوگ نشے میں وقت نہیں بیٹھے رہے اور پے در پے اعلانات کے بعد رن وے پر سامان کی شناخت کرانے کے بعد مسافروں اور سامان سمیت جہاز روانہ ہو سکا۔ آج کل بورڈنگ کارڈ والا ایک بھی مسافر کم ہو تو ڈر رہتا ہے کہ کہیں وہ اپنے سامان میں کوئی تباہ کن مواد کارگو ہولڈ میں بھجوا کر غائب نہ ہو گیا ہو۔" بات کرتے ہوئے اس نے اسکاچ کی ننھی سی بوتل گلاس میں انڈیل کر اس میں برف کے چند ڈلے ڈالے اور گلاس میرے سامنے رکھ دیا۔

میں گلاس لے کر اپنی کرسی کی طرف بڑھ گیا جہاں سے اندر آنے والوں پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی اور جو خوش قسمتی سے اس وقت تک خالی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس پر دراز ہو کر گلاس گود میں رکھا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر دھواں اگلتے ہوئے سر اٹھایا تو ہوشیار ہو گیا کیونکہ داخلے کے راستے سے خاکستری بالوں والا وہی وجیہہ شخص سیدھا میری طرف آ رہا تھا جو پارچہ لاؤنج سے باہر میری نگرانی کر رہا تھا۔ میں خود کو اس کے استقبال کے لیے تیار کر رہا تھا کہ اچانک اس نے رخ تبدیل کیا اور مجھے نظر انداز کرتا ہوا پھر دور ایک خالی کرسی پر جا بیٹھا۔

میں نے اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی جس کے مطابق پرواز کی روانگی میں صرف پندرہ منٹ رہ گئے تھے۔

لاؤنج میں اس لڑکی کا دور دور تک پتا نہیں تھا جو اپنی کسی سہیلی سے لگائی ہوئی شرط کے بہانے مجھ سے میری منزل کے بارے میں دریافت کر گئی تھی، اس کے بجائے خاکستری بالوں والا مشتبہ شخص اندر آ چکا تھا۔ کچھ دیر قبل میں نے اسے باہر دیکھا تو اس کے کسی انداز سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کسی سفر پر روانہ ہونے والا تھا لیکن پھر وہ یک بیک مسافروں کے لیے محفوظ اس حصے میں آ گیا جہاں مجاز عملے اور مصدقہ مسافروں کے علاوہ کسی کا بھی داخلہ عموماً ممنوع ہوتا ہے۔ دیکھنا یہ تھا کہ وہ مجھ سے پہلے یا بعد میں کسی پرواز سے روانہ ہونے کے ارادے سے وہاں آیا تھا یا میرے ساتھ ہی میلان جانے والا تھا۔

میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ خاکستری بالوں والے کا اس لڑکی سے ضرور کوئی تعلق تھا، وہ میرے دشمنوں کی جانب سے ایئرپورٹ

پر کسی مشتبہ شخص کی نگرانی پر مامور تھا اور میرے حلیے میں نمایاں تبدیلیوں کے باوجود میری طرف سے کھٹک گیا تھا۔ وہ شاید اپنے اوپر والوں سے میرے بارے میں رابطہ قائم نہیں کر سکا یا پھر اسے ان کی طرف سے کوئی واضح ہدایت نہیں مل سکی مگر وہ میرے بارے میں اپنے شبہے کی تصدیق کرنے پر تُلا ہوا تھا، اس لیے اس مقامی نے ایئرپورٹ کے عملے سے کسی لڑکی کو رشوت دے کر یا انعام کا لالچ دے کر میری طرف بھیجا اور اسی اثنا میں کسی طرح اپنا پاسپورٹ ایئرپورٹ پر منگوا لیا یا شاید پاسپورٹ اس کے پاس پہلے سے موجود تھا۔ جونہی اسے لڑکی کے ذریعے میری منزل کا پتا چلا، وہ پہلی پرواز سے میلان کا ٹکٹ اور پھر بورڈنگ پاس لے کر اندر آ گیا تاکہ میلان تک میرا تعاقب کر کے اپنے شبہات کی تصدیق کر سکے۔

پیجنگ سسٹم پر میلان کے لیے ایئر فرانس کی پرواز کا اعلان ہُوا تو میرا ذہن بہت زیادہ اُلجھا ہُوا تھا۔ خاکستری بالوں والے پر اس اعلان کا کوئی اثر نہیں ہُوا تھا، اس لیے مجھے اپنے شبہات غلط ہوتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ میلان جانے والوں میں ہلچل کے باوجود وہ اتنے سکون سے اپنی جگہ پر بیٹھا ہُوا تھا جیسے اس کی پرواز کی روانگی میں کافی دیر ہو۔

طیارے میں اپنی نشست سنبھالنے تک مجھے وہ شخص دوبارہ نظر نہیں آیا اور میں نے حفاظتی بیلٹ کا بکل لگاتے ہوئے اس کے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔

میری نشست طیارے کے عقبی حصّے میں تمباکو نوشی کی اجازت والے حصّے میں تھی لیکن پارکنگ ٹیکسی اور ٹیک آف کے دوران یہ اجازت موقوف رہتی ہے، اس لیے میں نے وقت گزاری کے لیے کھانے کی فولڈنگ ٹرے کے نیچے والی باسکٹ سے ایئر فرانس کا تازہ شمارہ نکال لیا۔

طیارہ تیزی سے بھرتا رہا لیکن پھر بھی آخری وقت پر کئی نشستیں خالی تھیں جن میں میرے برابر والی نشست بھی شامل تھی۔ آخر کار طیارے کی روانگی کا اعلان ہُوا۔ فرنچ اور انگریزی میں جہاز کی گزرگاہ اور میلان کے موسم کے بارے میں بتایا جانے لگا۔ اسی اثنا میں جہاز کے طاقتور انجن بیدار ہوئے اور پھر طیارہ رینگتا ہُوا، پارکنگ بے سے نکل کر رن وے کی طرف بڑھنے لگا۔

رن وے پر طیارے نے سمت درست کر کے پوری قوت سے دوڑنا شروع کیا اور پھر فضا میں اُٹھتا چلا گیا۔ چند ثانیوں بعد تمباکو نوشی کی ممانعت کے روشن حروف بُجھنے کے ساتھ ہی مائیکروفون پر ان حصّوں اور قطاروں کی یاددہانی کرائی گئی جہاں تمباکو نوشی کی اجازت نہیں تھی۔ میرے قرب و جوار میں بیک وقت کئی لائٹرول کے کھٹکے ہوئے اور نشستوں سے جا بجا سرمئی دھوئیں کے مرغولے اُٹھنے لگے۔

طیارہ فضا میں سیدھا ہونے کے بعد راہداریوں میں فضائی میزبان حرکت میں آ گئے پھر انہی کے درمیان سے مجھے خاکستری بالوں والا جہاز کے اگلے حصّے سے عقب میں آتا ہُوا نظر آیا۔ اس کی عقابی نظریں ہر قدم کے ساتھ مسافروں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس مرحلے پر میں نے خود ہی اس کی طرف پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اُس نے دور ہی سے مجھے دیکھ لیا، لمحہ بھر کے لیے ہماری نظریں چار ہوئیں اور اس کے سُرخ و سفید چہرے پر طمانیت کا ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ اگلے ہی ثانیے میں وہ ہر طرف سے بے پروا نظر آنے لگا لیکن جب وہ راہداری میں میرے قریب سے گزرا تو میں نے بے تکلفانہ انداز میں اسے ٹوک دیا۔ "ہیلو... سگریٹ پینا چاہو تو یہ سیٹ خالی ہے۔" میں نے اسے پیش کش کی۔

میرا رویّہ اُس کے لیے تعجب انگیز ثابت ہُوا اور وہ ٹھٹک کر بولا۔ "نہیں شکریہ! میں ٹوائلٹ میں جا رہا ہوں۔"

"زحمت نہ ہو تو واپسی پر میں تمہارے چند منٹ لوں گا۔" میں نے براہِ راست اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جارحانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اس بار اُس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ "غالباً ہم آپس میں متعارف نہیں ہیں۔" اُس نے تیز لہجے میں کہا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ وہ بہت صاف

سُتھری اور نکھری ہوئی انگریزی بول رہا تھا۔

"تم نے جس لڑکی کو بھیجا تھا' وہ مجھے تمہارے بارے میں بتا گئی تھی۔" میں نے اس کے اعتماد کو ملیامیٹ کرنے کی نیت سے جھوٹ بولا۔ "البتہ تمہیں میری منزل کے سوا کچھ معلوم نہ ہو سکا ہو گا۔ بیٹھو گے تو تفصیلی تعارف کرا دوں گا۔"

اُس نے اپنے سر کی جنبش سے میرے برابر میں بیٹھنے پر آمادگی ظاہر کی اور میں نے کھڑکی کے ساتھ والی نشست سنبھال کر اسے اپنے برابر میں جگہ دے دی یوں ہماری گفتگو میں دوسروں کو کوئی دلچسپی لینے کا موقع نہیں مل سکا۔

"پتا نہیں تم کس لڑکی کی بات کر رہے ہو شاید میرے ۔ ۔ ۔ میں تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ بہت چالاک عورت تھی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں انگریزی کا لفظ شی استعمال کیا جو اس کے لیے ذو معنی ثابت ہو سکتا تھا اور وہ واقعی چونک پڑا۔

"کھل کر بات کرو تم کس عورت کی بات کر رہے ہو؟" وہ سارا تکلف فراموش کر بیٹھا تھا۔

"شی کسی عورت اور سلطنت دونوں کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔ "ویسے تمہاری بھیجی ہوئی لڑکی بھی بہت شوخ اور کھلاگ تھی۔ مردوں کو اپنی اداؤں سے گھائل کرنا خوب جانتی تھی۔ اس نے آتے ہی مجھے بتا دیا تھا کہ ایک شخص نے معاوضہ دے کر اسے میرے پاس بھیجا ہے لیکن مجھے یہ اُمید نہیں تھی کہ مطلوبہ سوال کا جواب ملتے ہی تم بھی اسی جہاز کا ٹکٹ کٹوا لو گے۔"

اُس نے سمجھ لیا کہ مجھ سے جھوٹ بولنا آسان کام نہیں تھا' اس لیے ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "تو میرا شبہ درست ہی تھا۔ اچھا ہوا کہ تم نے لمبی آنکھ مچولی کھیلنے کے بجائے خود ہی پیش قدمی کا فیصلہ کر لیا۔"

"ذرا میں بھی تو سنوں کہ شبہ کیا تھا؟" میرا لہجہ نادانستہ طور پر تضحیک آمیز ہو گیا۔

"میلان ایئرپورٹ پر دیکھ لو گے۔ ریلنا تے تمہارے لیے چُوسے وان ثابت ہو گا۔" اُس نے دھمکی دی۔

"چشمے کے بغیر مجھے دھندلا نظر آتا ہے' زبانی بتا دو تو بہتر رہے گا۔" میں نے فوری طور پر ایک حکمتِ عملی سوچتے ہوئے کہا۔

"شی کے مُنہ آنے والوں کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جاتا ہے۔" اس نے جھنجھلا کر جواب دیا۔

"کس شی کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اُسے مزید سلگاتے ہوئے کہا۔

"وہی' جس کے بارے میں تم غلط فہمیوں کا شکار ہو۔ ۔ ۔ تم خود میرے منہ نہ لگتے تو شاید محفوظ رہتے۔ میں اپنے مشاہدے کے بارے میں پوری طرح پر یقین نہیں تھا لیکن تم نے خود سے اُلجھ کر میرے شبہات کی تصدیق کر دی ہے۔ تم یقیناً ان ہی تین میں سے ایک ہو جن کی تلاش کی مُہم ہر طرف پورے زور و شور سے جاری ہے۔"

"یہ نتیجہ کیسے اخذ کر لیا تم نے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"اوّل تو تم کسی بھی طرح فرنچ نظر نہیں آتے۔" اس نے قدرے توقف کے بعد کہنا شروع کیا۔ "پھر تمہارا سفری تھیلا اس قدر مختصر ہے کہ اس میں ایک گرم سوٹ سے زیادہ کپڑے نہیں سما سکتے۔ اتنے مختصر بیگ کے ساتھ بین الاقوامی چیک اِن کاؤنٹر پر جانے والا لامحالہ کسی بھی محتاط شخص کی نظروں میں آ سکتا ہے۔"

"بہتیرے کاروباری لوگ یورپ میں صبح شام صرف ایک بریف کیس کے ساتھ ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کرتے رہتے ہیں۔"

"ان کی وضع قطع کاروباری ہوتی ہے اور وہ روایتی لباس میں ہوتے ہیں۔ کاروبار کرنے والے جینز اور جیکٹ نہیں پہنتے۔ یہ لباس غیر ذمے داری اور لااُبالی پن کی علامت سمجھا جاتا ہے پھر کاروباری دستاویزات وغیرہ بے ہودہ سفری تھیلوں میں نہیں رکھی جاتیں۔ ان کے لیے بریف کیس ضرورت بھی ہوتا ہے اور فیشن بھی۔ تم نے بے پروا سیاحوں جیسا لباس تو پہن لیا لیکن ان جیسا سامان اپنی پشت پر نہ لاد سکے۔ اسی وجہ سے فوراً ہی نظروں میں آ گئے تھے۔" اُس نے داد طلب نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"شاید یہ اسباب بعد میں تمہاری نظروں میں آ گئے ہوں' میں ابتدائی سبب جاننا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں جو مجھ سے ایسے لہجے میں اپنی خواہشات کا اظہار کر رہے ہو۔" وہ برہم ہو کر بولا۔ "اصل بات یہ ہے کہ تم مجھے دھوکا نہیں دے سکے اور اب جلد ہی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ جاؤ گے۔"

"بکواس مت کرو۔" میں نے غرا کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں سب کی کھوپڑیوں پر کُھرپلٹی ہوئی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے کس کی اجازت سے اپنی جگہ چھوڑ کر میلان جانے کا فیصلہ کیا ہے؟"

لمحہ بھر کے لیے اُس کی آنکھوں میں تذبذب کے آثار نظر آئے میرے بدلے ہوئے لہجے پر وہ ٹپٹا کر رہ گیا تھا مگر فوراً ہی سنبھالا لے کر بولا۔ "یہ سب پوچھنے کا اختیار جن لوگوں کو ہے' وہ میرے فیصلے کی تائید کریں گے۔ تم کون ہوتے ہو جرح کرنے والے؟"

میں نے کچھ کہے بغیر جیب سے ایک سلور آئی نکال کر اس کے سامنے کر دی۔ "بیٹھے رہو' خود کو تماشا بنانے کی ضرورت نہیں۔" اسے

اپنی سیٹ میں بے آرام ہوتے دیکھ کر میں نے جلدی سے کہا: "میں چاہتا تو اطمینان سے اس لڑکی کو زیورچ، فرینکفرٹ یا لندن کا نام بتا سکتا تھا لیکن میری یہ خواہش تھی کہ تم میرے ساتھ سفر کرو۔ ایئرپورٹ پر تم کسی یتیم کی طرح یوں سب سے الگ تھلگ کھڑے تھے کہ تمہارے شکار نے ہرگز بھی تمہارے سامنے آنے کی غلطی نہیں کی ہوگی۔"

"میں شرمندہ ہوں سر!" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "دراصل میں اس موٹی لڑکی سے دھوکا کھا گیا جو فری لانسر کے طور پر لیزلی دہ ہام کے لیے کام کرتی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمہارے جیسے عظیم رتبے کا حامل شخص اس معمولی لڑکی کے ساتھ ایئرپورٹ پر آئے گا۔ مجھے وہ موٹی کبھی بھی قابلِ اعتماد نظر نہیں آسکی۔"

"تو یوں کہو کہ محض سارا کا ویل کی وجہ سے تم میری طرف متوجہ ہوئے تھے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اسے کیسے جانتے ہو تم؟"

"باقاعدہ تعارف نہیں ہے لیکن اسے کئی بار ورہام کے پاس دیکھا ہے، وہ شاید مجھے نہیں پہچانتی۔"

"تم نے ورہام سے میرے تعاقب کی اجازت لی تھی؟" میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"شہر میں کوئی ذمے دار آدمی نہیں ہے۔ رات گئے سب لوگ مختلف ٹکڑیوں کی صورت میں ہائی وے کی طرف نکل گئے تھے۔ سُنا ہے کہ مطلوبہ لوٹلی سڑک کے راستے پیرس کی طرف سفر کر رہی ہے۔ اُسے راستے میں گھیرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔"

"پھر تم ایئرپورٹ پر کیوں جھک مار رہے تھے؟" میں نے اس کے انکشاف پر دل ہی دل میں خوشی محسوس کرتے ہوئے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"مجھے کوئی نئی ہدایت نہیں دی گئی تھی...." وہ بے چارگی کے ساتھ بولا۔

اُسی وقت ناشتے کی ٹرالی وہاں تک آپہنچی اور خوش اخلاق ایئرہوسٹس نے ہم دونوں کے سامنے ناشتے کی ٹرے رکھ دی۔ وہ خاصی عجلت میں تھی کیونکہ مارسیلز سے میلان تک کی مسافت بہت کم تھی اور لینڈنگ کی تیاری شروع ہونے سے قبل ان لوگوں کو پلاسٹک کے خالی برتن بھی واپس سمیٹنے تھے۔

ہم دونوں خاموشی کے ساتھ ہلکے ناشتے سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ مجھے خوشی تھی کہ شی والوں کی بھرپور مخاصمانہ مہم کے باوجود اس وقت تک سلور آئی کا بھرم برقرار تھا اور اس پُراسرار سکے کے ذریعے وہ لوگ میرے ہاتھوں بار بار نقصان اُٹھانے کے باوجود نچلی سطح کے لوگوں کو یہ بتانے کی ہمت نہیں کر سکے تھے کہ چند سکے شی سے باہر دشمنوں کی تحویل میں چلے گئے ہیں۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" اس طویل ملاقات میں آخرکار مجھے اس نکتے کا خیال آگیا۔

"چارلس ڈولین۔" وہ مؤدبانہ لہجے میں بولا۔ "میں لیزلی دہ ہام کی سیلز فورس کو نادہندوں کے خلاف تحفظ فراہم کرتا ہوں۔ منڈی میں پچھلے سات ماہ سے مجھے کہیں بھی دخل انداز ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

"اس کا مطلب ہے کہ بازار پر تمہاری دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔" میں نے اُسے پھونک دیتے ہوئے کہا۔ "ان سات مہینوں سے پہلے مارسیلز میں کیا صورتِ حال رہی تھی؟"

"آئے دن تنازعے کھڑے ہوتے رہتے تھے۔ مجھے یہ شعبہ سنبھالے ہوئے نو ماہ ہوئے ہیں۔ میں نے آتے ہی چند بڑے بے ایمانوں پر بھرپور ہاتھ ڈالا تھا۔ ایک کا بازو توڑنا پڑا، دوسرے کو پانچ دن تک بھوکا پیاسا قید رکھ کر دن رات ٹھکائی کی گئی۔ اس کے بعد سے ہر طرف سکون ہی سکون ہے لیکن میں اس بیکاری سے اُکتا گیا ہوں۔"

"میلان میں میرے بارے میں تمہارا کیا پروگرام تھا؟" میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

اُس کے چہرے پر خفت کے آثار اُبھر آئے۔ "میں معافی چاہتا ہوں، مجھ سے اندازے کی بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔"

"جو ہونا تھا، وہ ہوگیا، اب میں تمہارے طریقۂ کار کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"روانگی سے پہلے میں نے پورتوگوریرو ٹیلی فون کر دیا تھا۔" اُس نے جھجکتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "میں وہاں کے چیف کارلوموریرو اور اس کے چھوٹے بھائی پالوموریرو کے علاوہ اٹلی میں کسی کو نہیں جانتا۔ وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک میری مدد کے لیے لینلتے ایئرپورٹ پر موجود ہوگا۔ وہ دونوں بھائی بہت چالاک اور بارسوخ ہیں۔ سُنا ہے کہ ان کی مافیا کے اعلیٰ حلقوں میں بھی گاڑھی چھنتی ہے۔"

"پورتوگوریرو میلان سے کتنی دُور ہے؟" میں نے دل ہی دل میں حساب لگاتے ہوئے سوال کیا۔

"میلان سے مشرق میں ایک ساحلی شہر ہے۔ فاسٹ ٹرین سے تین گھنٹے کی مسافت ہوگی۔" اُس نے کہا۔

"پھر وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے لینلتے کیسے آجائیں گے؟" میں نے ترش لہجے میں پوچھا۔

"ان کے پاس دو انجنوں والا ذاتی جہاز ہے۔ کارلو نے کہا تھا کہ وہ مجھے امیگریشن سے پہلے ملے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "تم میرے بارے میں کارلو کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔" میرے ذہن میں یہ خیال اُبھرا تھا کہ کہیں کارلو شی میں ایسے منصب پر فائز نہ ہو کہ اسے اعتماد میں لے کر سلور آئیز کی چوری کے بارے میں بتا دیا گیا ہو۔ ایسی صورت میں نہ صرف میرے جھوٹ کی پول کُھل جاتی بلکہ مجھے سنگین ترین صورتِ حال

بھی پیش آسکتی تھی جس کا توڑ آسان نہ ہوتا۔

"وہ بدتمیزی کر بیٹھے گا"۔ چارلس ڈولین بوکھلا کر بولا۔ "میرا ارادہ تھا کہ میں اس سے ملتے ہی اپنی غلط فہمی پر معذرت کر کے اسے رخصت کر دوں گا۔ ایک بار وہ درمیان میں پڑ گیا تو میرا دل رہ رہ سے ختم ہو کر رہ جائے گا۔"

"ہونے دو، وہ سب دیکھنا میرا کام ہے"۔ میں نے وہ موضوع وہیں ختم کر دیا۔

لینڈنگ تک چارلس ڈولین سعادت مندانہ انداز میں میرے پاس بیٹھا رہا تھا لیکن ہمارے درمیان اس موضوع پر کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہوئی۔ اس کی گفتگو سے میں یہ نتیجہ اخذ کر چکا تھا کہ اس نے کارلو موریرد کو میرے بارے میں وہی کچھ بتایا ہوگا جو ابتدا میں خود اُس نے محسوس کیا تھا، اس لیے مجھے کارلو سے کسی بہتر سلوک کی اُمید نہیں تھی۔

میلان، اٹلی کا صنعتی اور تجارتی مرکز ہے لیکن یورپ کے دوسرے بین الاقوامی ہوائی اڈے کے مقابلے میں ینالتے واضح طور پر اُن سے پیچھے نظر آتا ہے۔ طیارے سے اُتر کر مسافر بس کے ذریعے ٹرمینل کی عمارت میں داخل ہوئے اور ہال میں تھوڑی سی پیش قدمی کے بعد چھوٹے کیبنوں میں بیٹھے ہوئے امیگریشن افسران کے سامنے قطاریں مرتب ہو گئیں۔

میری ہدایت کے مطابق چارلس ڈولین مجھ سے آگے تھا تاکہ میں اُس پر نگاہ رکھ سکوں۔ قطار بنتے بنتے میں نے ایک امیگریشن بوتھ کے قریب کھڑے ہوئے ایک پستہ قامت اور قوی الجثہ شخص کو پُرتپاک انداز میں چارلس ڈولین کی طرف بڑھتے دیکھا۔ اس شخص کا چہرہ پُرانے زخموں اور ٹانکوں کے کئی لمبے لمبے نشانات کے باعث کافی خوفناک نظر آرہا تھا۔ اُس نے چارلس ڈولین سے گلے ملتے ہوئے بے تکلفانہ انداز میں قہقہہ لگایا تو اس کے انداز میں ورندگی کی ساری علامات واضح تھیں، جن کی بنا پر تعارف کے بغیر مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہی پورتوگو ریرو میں غنی کا چیف کارلو موریرد ہو سکتا تھا۔ سُرخ چیک کے کوٹ کے اندر اس کے بائیں پہلو سے پستول جھول رہا تھا جسے کارلو نے چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے وزنی چرمی ہولسٹر اور امیگریشن ایریا میں اس کو دندناتے ہوئے دیکھ کر اٹلی کے بارے میں سُنے ہوئے وہ پُرانے فقرے میرے ذہن میں تازہ ہو گئے جن میں اٹلی کو مافیا کی سرزمین کہا جاتا ہے۔

کارلو، چارلس ڈولین کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے قطار سے الگ ایسی جگہ لے گیا جہاں وہ دونوں سرگوشیوں میں بات کر سکتے تھے، پھر شاید چارلس ڈولین نے مُڑے بغیر اُسے میرے بارے میں کچھ بتایا اور کارلو کی بڑی بڑی، للکارتی ہوئی نگاہیں میری قطار کے چند مسافروں پر پھسلتی ہوئی میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

اُس کے لبوں میں جنبش ہوئی شاید اس نے چارلس ڈولین سے کچھ دریافت کیا تھا، پھر اس نے خوفناک انداز میں اپنے سر کو تفہیمی جُنبش دی اور چارلس کو وہیں چھوڑ کر اس امیگریشن افسر کی طرف بڑھ گیا جو میرے آگے والی قطار کو نمٹا رہا تھا۔ میں نے واضح طور پر دیکھا کہ اس امیگریشن افسر نے اپنا اندراجات اور مُہر لگانے کا کام روک کر پوری توجہ سے کارلو کی بات سُنی تھی پھر اُس نے کارلو کے ہاتھ میں موجود شاید چارلس کے پاسپورٹ کا جائزہ لیا اور وہ اُسے لوٹا دیا۔

کارلو نے ہاتھ کے اشارے سے چارلس ڈولین کو اپنی طرف بُلایا اور اُسے ساتھ لے کر رکاوٹ کے درمیان بنی ہوئی مختصر سی جگہ سے دوسری طرف نکل گیا۔ امیگریشن افسر کی اس جانبدارانہ کارروائی پر قطار میں کھڑے ہوئے کئی مسافروں کے چہروں پر ناپسندیدگی کی علامات اُبھریں۔ کئی افراد نے استہزائیہ نگاہوں کا تبادلہ کیا لیکن زبان سے کوئی کچھ نہ بول سکا۔ شاید اس لیے کہ اس وقت ہر ایک اٹلی کی سرزمین پر تھا۔ اطالوی نژاد مسافر ایسی باتوں کے عادی تھے اور غیر ملکی مقامی طور طریقوں پر اعتراض کا کوئی حق نہیں رکھتے تھے۔

کارلو موریرد کے لیے اس خصوصی رعایت کے علاوہ امیگریشن افسر اپنے کام میں بہت مستعد تھا۔ بلا کسی غیر ضروری استفسار کے قطار تیزی سے آگے سرکتی رہی اور جب میری باری آئی تو اُس نے پاسپورٹ کی ورق گردانی کرتے ہوئے گہری نظروں سے میری طرف دیکھا پھر پاسپورٹ بند کر کے نچلی دراز میں رکھتے ہوئے مجھ سے کچھ کہا جو میری سمجھ میں نہ آسکا۔

"ادھر انتظار کرو"۔ اُس نے مجھے اپنی جگہ دیکھ کر خشک لہجے میں انگریزی میں کہا اور میرا دل اُچھل کر حلق میں آگیا۔ مجھے ڈر ہوا تھا کہیں میرے پاسپورٹ کی جعل سازی اس نے نہ پکڑ لی ہو۔

"کیا بات ہے؟ مجھے کیوں روکا جا رہا ہے؟" میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے احتجاج کیا۔

"چند منٹ انتظار کر لو"۔ میرے بعد والے بوڑھے مسافر نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "قطار ختم ہونے کے بعد تمہاری باری آئے گی۔ تمہاری وجہ سے دوسروں کو زیادہ دیر تک نہیں روکا جا سکتا۔"

میں اس امتیازی سلوک کی بنا پر کسی مجرم کی طرح سارے مسافروں کی نظروں کا نشانہ بن گیا۔ مجھے یقین تھا کہ بعض لوگ میری کسی امکانی جعل سازی پر بھی تبادلۂ خیال کر رہے ہوں گے۔ میں نے اضطراری طور پر اپنے لیے سگریٹ سلگا لی تاکہ اس دوران میں خود کو مصروف رکھ سکوں۔ میرا خیال تھا کہ کارلو سے میرے مقابلے کا آغاز ایئرپورٹ کی سرکاری حدود سے باہر نکلنے پر ہوگا۔ شاید وہ مجھے زبردستی اُٹھا لے جانے کی کوشش کرتا لیکن وہاں صورتِ حال ہی مختلف تھی۔

اٹلی کی حدود میں داخلے کا باضابطہ اجازت نامہ ملنے سے پہلے ہی کارلو نے مجھ پر اپنا جال ڈال دیا تھا۔ امیگریشن افسر سے اس کی گفتگو سے صاف ظاہر تھا کہ مجھے کارلو کی سازباز کے نتیجے میں روکا گیا تھا۔

جو شخص جرائم کی دنیا سے وابستہ رہتے ہوئے اپنا ذاتی جہاز رکھ سکتا تھا اور سرکاری حلقوں میں اتنا مقبول تھا کہ بلا روک ٹوک ممنوعہ علاقوں میں آ کر افسران کو اپنی مرضی کی ہدایت دے سکتا تھا، اس سے میرا مقابلہ آسان نہیں تھا لیکن مجھے امید تھی کہ چارلس ڈوولین مجھے آئی مین سمجھ کر مجھ سے مرعوب ہو چکا تھا اور میں اس کی مدد سے اپنی گلو خلاصی کی کوئی نہ کوئی راہ نکال سکتا تھا۔

قطار آگے سرکتی رہی اور پھر آخری آدمی بھی فارغ ہو گیا۔ امیگریشن افسر اپنی مہریں وغیرہ سمیٹ کر میری طرف متوجہ ہوا اور میرا پاسپورٹ نکال کر طنزیہ لہجے میں بولا ”تم اطالوی ہو کر بھی اپنی مادری زبان سے ناواقف ہو، یہ بہت بری بات ہے۔“

”مجھے افسوس ہے لیکن میرا بیشتر وقت انگلینڈ میں گزرا ہے، ویسے مجھے روکا کیوں گیا ہے؟“ میں نے اس سے الجھنے کے بجائے نرم لہجے میں سوال کیا کیونکہ میرا پاسپورٹ جعلی تھا اور اگر وہ اس کی چھان بین پر تل جاتا تو میرا پکڑا جانا یقینی ہو جاتا۔

”تمہیں کسی شخصی ضمانت پر اٹلی میں داخلے کی اجازت دی جا سکتی ہے، اگر تم ایسی کوئی ضمانت فراہم نہ کر سکے تو تمہیں اگلی پرواز سے فرانس واپس بھیج دیا جائے گا۔“ اس نے کہا۔

”لیکن اس کا سبب کیا ہے؟“ میں نے اپنے سوال پر اصرار کرتے ہوئے کہا۔

”پہلے میں نے تمہیں اپنے اختیاراتِ خصوصی کی بنا پر روکا تھا لیکن اب اس کا جواز موجود ہے، تم اطالوی زبان سے ناواقف ہو، اس لیے مجھے تمہارے پاسپورٹ پر شبہ ہے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تم تحقیقات مکمل ہونے تک ہماری حراست میں رہو۔“

”میں اپنا ضامن کہاں سے پیدا کروں گا؟“ میں اس کی بدنیتی سے واقف ہونے کے بعد الجھن میں پڑ گیا۔

”ٹھہرو، میں ابھی دیکھے لیتا ہوں، اس وقت ایئرپورٹ پر ایک معزز شخص موجود ہے جو شاید تمہاری مدد کرنے پر آمادہ ہو جائے۔“ اس نے یہ کہتے ہوئے مڑ کر دوسری طرف بیگج ہال میں دیکھا اور کسی کو اشارہ کیا، جس کے نتیجے میں چند ثانیوں بعد وہی پستہ قامت اور قوی الجثہ شخص تنہا وہاں آ موجود ہوا جو چارلس ڈوولین کو اپنے ہمراہ نکال لے گیا تھا۔

”مسٹر کارلو موریرو! میری نظروں میں یہ مسافر مشتبہ ہے، تم اس کی ضمانت لے لو تو میں اسے ملک میں داخل ہونے کی اجازت دے سکتا ہوں۔“ امیگریشن افسر نے مجھے سنانے کے لیے اس سے کہا۔

”میں ایک اجنبی کی ضمانت کیسے لے سکتا ہوں؟“ کارلو نے بے پروائی سے شانے اچکا کر کہا پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا ”میں کسی بدمعاشی سے نہیں گھبراتا، اس لیے کچھ جانے بوجھے بغیر اس شرط پر تمہیں اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں کہ امیگریشن سے کلیئرنس ملنے تک تمہیں میرا مہمان رہنا ہوگا۔ پاسپورٹ واپس ملتے ہی تم آزاد ہو جاؤ گے۔“

”نہیں۔“ امیگریشن افسر نے جلدی سے اس کی تصحیح کی ”مسٹر پٹیر کا پاسپورٹ بھی تمہاری تحویل میں رہے گا، میں نمبر نوٹ کر کے ہر بات چیک کراؤں گا اور پھر فون پر تمہیں مطلع کر دوں گا، تم پٹیر کو بتا دینا۔“

صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ طاقت استعمال کرنے کے بجائے کارلو اپنے مراسم کے سہارے مجھے براہِ راست اپنا قیدی بنانا چاہ رہا تھا۔

میرے لیے کسی جرائم پیشہ شخص کے گہرے رسوخ کا وہ انوکھا تجربہ تھا، وہ افسر اپنے محکمے کو ملوث کیے بغیر ذاتی سطح پر کارلو کی فرمائش پوری کر رہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس افسر کو میرے پاسپورٹ پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا، اسی لیے اس نے کارلو کو فون پر مطلع کرنے کی بات کی تھی تاکہ میرا مستقبل پوری طرح کارلو کی مرضی پر منحصر ہو کر رہ جائے۔ جب تک وہ میرا پاسپورٹ واپس نہ کرتا، میرے لیے اسے چھوڑنا ناممکن ہوتا۔

”یہ تو بڑی اچھی تجویز ہے مسٹر کارلو۔“ میں نے احسان مندانہ لہجے میں کہا ”ضمانت کے ساتھ ہی مہمان داری میرا خاصا بوجھ کم کر دے گی، ورنہ مجھے ہوٹل میں جگہ لینا پڑتی۔ تم چاہو گے تو میں اس مدت کا معاوضہ ادا کر دوں گا۔“

امیگریشن افسر نے کارلو کو آنکھ ماری۔ اس کی وہ حرکت میری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی پھر اس نے میرا پاسپورٹ کارلو کو تھما دیا۔ یوں میں اس کے ساتھ بیگج ہال میں داخل ہو گیا، جہاں بہت سے مسافر کنویئر کے گرد سامان کے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے۔ کارلو راستے میں چارلس ڈوولین کو نظرانداز کرتے ہوئے مجھے ہال کے آخری گوشے میں لے گیا جہاں ریلنگ کے پیچھے سیکڑوں ٹرالیوں کی قطاریں موجود تھیں اور آگے ایک شخص اونچی سی ڈیسک کے پیچھے بیٹھا قطار میں پھنسی ہوئی ٹرالیاں نکال کر مسافروں کو دے رہا تھا۔

”ایک ہزار لیرا، ایک امریکی ڈالر یا آدھا برطانوی پاؤنڈ۔“ مجھے دیکھتے ہی ڈیسک والے نے مشینی انداز میں ٹرالی کے کرائے کا مطالبہ کر دیا تھا۔

”سامان کے لیے ٹرالی لے لو۔“ کارلو موریرو نے مجھے ہدایت کی۔

”مگر میرے پاس تو ایک بیگ کے علاوہ کوئی سامان نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔

"پھر یہاں تک کیوں دوڑے چلے آئے؟" اُس نے مجھے گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں تو بس تمہارے ساتھ چلا آیا۔ مجھے کیا معلوم کہ تم ٹرالی کے لیے اس طرف آئے ہو۔" میں نے اُس کے ہمراہ واپس لوٹتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بار لینیٹے آئے ہو؟" اُس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اطالوی ہو کر بھی یہاں بالکل اجنبی ہو۔"

میں نے اس کے تبصرے کا کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اس دوران میں چارلس ڈولین ہال سے نکل چکا تھا۔ کنویئر پر مسافروں کا سامان آنے لگا تھا۔ میرا بیگ پہلی کھیپ میں موجود تھا۔ میں اُسے اُٹھا کر پلٹا تو کارلو نے مجھے حرکت کا طعنہ دیا اور پھر مجھے اپنے ہمراہ لے کر باہر سڑک کی طرف نکل گیا، یہاں فٹ پاتھ کے کنارے اس کی چمکتی ہوئی سُرخ رنگ کی الفا رومیو کار موجود تھی۔

اس کار کی اگلی نشستوں پر ڈرائیور کے ساتھ چارلس ڈولین براجمان تھا۔ کارلو میرے ساتھ عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس بار میں نے چارلس کو دیکھتے ہی چونکنے کی اداکاری کی تھی۔ "اوہ! تم تو شاید ایئر فرانس کی پرواز پر میرے ہم سفر تھے؟"

"حافظہ اچھا ہے تمہارا۔" کارلو نے مضبوطی کے ساتھ میرا بازو تھام کر جھنجھوڑتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "چارلس کو صرف تمہاری وجہ سے مارسیلز سے یہاں تک دوڑ لگانا پڑی ہے اور اب تمہیں اپنا پورا شجرہ بتانا ہوگا۔" اس اثنا میں کار حرکت میں آ چکی تھی۔

"شاید مجھے اغوا کیا جا رہا ہے؟" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "سیدھی سی بات ہے کہ میرا نام پیٹر واک ہے اور میں مارسیلز سے یہاں آیا ہوں، اس کے علاوہ تم میرے بارے میں اور کیا جاننا چاہتے ہو؟"

"صرف اور صرف حقیقت۔" کارلو زہریلے لہجے میں بولا۔ "یہ یاد رکھنا کہ میرے سامنے مُردے بھی سچ بولنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"

"اگر سچ وہ ہے جو تم میری زبان سے سُننا چاہتے ہو تو مجھے بتا دو، میں وہی سب لفظ بہ لفظ دُہرا دوں گا۔"

"میلان میں مجھ پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔" کارلو نے پُرغرور لہجے میں کہا۔ "یہاں سے میں تمہیں پورتو گویرو لے جاؤں گا۔ راستے میں تمہارے سارے کپڑے اُتار کر آٹھ دس ہزار فٹ کی بلندی پر تمہیں رسی کے سہارے جہاز سے باہر ٹھنڈی اور تیز ہواؤں میں لٹکایا جائے گا تو تمہاری عقل خود بہ خود ٹھکانے پر آ جائے گی۔ ایسے کاموں کے لیے میں اپنے ہاتھ پیروں کو زیادہ زحمت نہیں دیتا۔"

اُس کی تجویز بہت خوفناک تھی۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ فوری طور پر اس کے عزائم کا سدِباب نہ کیا گیا تو وہ عین وقت پر شاید میری کوئی بھی بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا۔ اس لیے میں نے چارلس کو مخاطب کیا۔ "تم سُن رہے ہو کہ کارلو کیا کہہ رہا ہے؟"

"میں تم دونوں کی ساری گفتگو سُن رہا ہوں۔" وہ مُردے بغیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "جو کچھ ہو رہا ہے اس کی پوری ذمے داری تم پر ہے۔ میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ کارلو بہت سخت گیر اور بارسوخ آدمی ہے۔ دیکھ لو کہ تمہیں کتنی آسانی کے ساتھ امیگریشن کے مرحلے سے ہی اپنی تحویل میں نکال لے آیا۔ فرانس کے مقابلے میں اٹلی میں ہم زیادہ منظم اور طاقت ور ہیں۔"

"کیا مطلب؟" کارلو بُری طرح غرّایا تھا۔ "تم دونوں میں پہلے بھی بات ہو چکی ہے؟" اُس نے زور سے چارلس کی نشست کی پُشت گاہ پر ہاتھ مارا تھا جیسے اس انکشاف پر جھلا گیا ہو۔

"تم ٹھیک سمجھے ہو کارلو۔" میں نے نرم اور مصالحانہ لہجے میں کہا۔ "تنظیم کے دُشمن بُری طرح ہمارے اعصاب پر سوار ہو کر رہ گئے ہیں اور ہمارے آدمیوں کو اپنے عکس پر بھی دُشمنوں کا شُبہ ہونے لگا ہے۔"

"تو تم نے مجھے بلاوجہ ہی پورتو گویرو سے یہاں تک دوڑ لگوائی ہے؟" کارلو، چارلس پر برس پڑا۔

"یہ ساری تبدیلیاں دورانِ پرواز رونما ہوئی ہیں۔" چارلس مدافعانہ لہجے میں بولا۔ "میں نے پیٹر کو مشتبہ سمجھا تھا اور میرے مارسیلز سے روانہ ہونے تک صورتِ حال بالکل وہی تھی جو میں نے تمہیں فون پر بتائی تھی....."

"پھر پرواز کے دوران میں کیا کایا پلٹ ہوئی کہ اب میں خود کو پرلے درجے کا احمق محسوس کر رہا ہوں۔" کارلو دہاڑا۔

"میرا خیال ہے کہ تم خود ہی بتا دو۔" چارلس نے مُڑ کر مجھ سے التجا کرتے ہوئے کہا۔

"میں صرف اپنے آدمیوں کی مستعدی جانچنے کے مشن پر نکلا ہوں۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "ورنہ میری شناخت کچھ اور ہی ہے۔" بات مکمل کرتے ہوئے میں نے سلور آئی اُس کی طرف بڑھا دی۔

سلور آئی دیکھتے ہی اضطراب کی وجہ سے کارلو کا خوفناک چہرہ مسخ ہو گیا۔ "تت... تم نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے سینور!" وہ کمزور لہجے میں کراہا تھا۔ "مجھے تو اس ملعون نے فون کر کے لینیٹے ایئرپورٹ پر بلایا تھا۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ یہاں میری جڑیں کتنی گہری ہیں۔ کاش تم نے یہ مقدس سکہ پہلے ہی دکھا دیا ہوتا تو میں نے ہذیان نہ بکا ہوتا۔"

اُس نے بلاچون وچرا میری سلور آئی کی اہمیت تسلیم کر کے اپنے مرتبے کے بارے میں میرے سارے خدشات کی نفی کر دی تھی اور میں اپنے وجود میں اعتماد کی نئی لہر موجزن محسوس کر رہا تھا۔

"وہ ہذیان نہیں تھا۔ تمہاری گفتگو سُن کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔ میں اپنے سارے آدمیوں سے اسی مستعدی کی اُمید کرتا ہوں۔ چارلس اگر تم کو نہ بُلاتا تو شاید میں خود تم سے رجوع کرتا۔ تم سے ملاقات کے بعد

یں میلان والوں کو اپنی آمد سے آگاہ کیے بغیر، بالا ہی بالا ان کی کارگزاری کا جائزہ لے سکتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ مجھے اپنا کام کہاں سے شروع کرنا چاہیے؟"

میرے الفاظ پر کارلو کی نگاہوں میں حیرت اور بے یقینی اُمڈ آئی۔ اس نے اعتماد سے عاری کمزور لہجے میں سوال کیا۔ "تم مجھ پر طنز تو نہیں کر رہے؟ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ کوئی آئی مین اتنا مہربان بھی ہو سکتا ہے۔"

"تمہیں یقین کرنا چاہیے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "کوتاہیوں پر سزا کے ساتھ اچھی کارکردگی پر تعریف بھی ضروری ہو جاتی ہے، ورنہ نچلی سطح کے کارکنوں میں بہت جلد بددلی پھیلنے لگتی ہے۔ یہ اصول ہر اُس تنظیم، گروہ اور کارخانے پر لاگو ہوتا ہے جہاں دس بیس آدمی مل کر کام کرتے ہیں تو اس ادارے کی کارکردگی سامنے آتی ہے۔ میں طنز اور طعنوں کے بجائے براہِ راست سزا دینے پر یقین رکھتا ہوں۔"

اُس نے ادب اور احترام کے ساتھ میرا پاسپورٹ اپنی جیب سے نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

"امیگریشن افسر نے جو کوائف نوٹ کیے ہوں گے، ان کا کیا بنے گا؟" میں نے پاسپورٹ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ سب زبانی دھمکیاں تھیں۔" کارلو شرمسار لہجے میں بولا۔ "اگر اُس نے کچھ نوٹ بھی کیا ہو گا تو وہ پھاڑ دے گا۔ اس کا اصل مقصد میری ہدایت پر تمہاری راہ روکنا تھا۔ اگر تم مزاحمت یا اپنے قانونی حقوق کا سہارا لینے کی کوشش کرتے تو وہ یقیناً کوئی سرکاری ریکارڈ تیار کرتا لیکن توقع کے عین مطابق سارا معاملہ ذاتی سطح پر نمٹ گیا۔"

"میرے پاس وقت کم ہے۔ یہاں کے معاملات کی جانچ پڑتال کر کے مجھے آج رات یا زیادہ سے زیادہ کل صبح تک مارسیلز واپس جانا ہے۔" میں نے بزرگانہ لہجے میں کہا۔ "تم نے ابھی تک میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"ڈاکٹر گوسیپی بہت کینہ پرور شخص ہے۔" کارلو نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "اُسے پتا چل گیا کہ میں نے میلان کے معاملات پر رائے زنی کی ہے تو وہ مجھ سے بدلہ لینے پر تُل جائے گا۔ کسی نے اس کے کان بھر دیے ہیں کہ میں اس کی جگہ اپنے چھوٹے بھائی پالو کو میلان کا چیف بنوانا چاہتا ہوں حالانکہ وہ میرے ساتھ بہت خوش ہے۔ میں بھی کسی قیمت پر پالو کو کھونا نہیں چاہتا۔"

ڈاکٹر گوسیپی کا نام سن کر میں چونکا تھا کہ نہ جانے وہ کیا بلا ہو۔ میں آئی مین ہونے کا دعویٰ تو کر بیٹھا تھا لیکن اٹلی بلکہ میلان میں شی کی تنظیم سے سراسر بے خبر تھا۔ کارلو نے پھر خود ہی واضح کر دیا کہ ڈاکٹر گوسیپی میلان کا چیف تھا تو میں نے سوال کیا۔ "یہ ڈاکٹر کیوں کہلاتا ہے؟ میں اس سے کبھی نہیں ملا لیکن اس کے بارے میں مجھے متضاد خبریں ملتی رہی ہیں۔ اپنا کام بہرحال ٹھیک ہی چلا رہا ہے۔"

کارلو نے ڈاکٹر گوسیپی کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا پہلے ہی اظہار کر دیا تھا، اس لیے میرے تبصرے سے اُسے فطری طور پر شہ ملی اور میرے سوال پر وہ مزید کھل گیا۔ "اس نے معاشیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہوئی ہے۔ اپنے کیریئر کی ابتدا میں ہی وزارتِ خزانہ سے ایک غبن کے الزام میں برطرف کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے زیرِ زمین دُنیا کے لوگوں سے اس کے روابط بڑھتے چلے گئے۔ چالاک اور دلیر ضرور ہے لیکن اوّل درجے کا سازشی بھی ہے۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے بھی اس کی سازشوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔"

"شاید اُسے تھوڑے سے سبق کی ضرورت ہے۔ میں اُسے ضرور دیکھوں گا۔" میں نے کہا۔

"پچھلے دنوں اُس نے شہر کے وسط میں اپنا ایک نائٹ کلب کھولا ہے۔ عام طور پر وہ وہیں ہوتا ہے۔" کارلو نے مجھے آگاہ کیا۔

"یہاں کی کوئی خاص خبر ہے؟" میں نے بتدریج کارلو کو ذہنی طور پر پوری طرح رام کر لیا تھا، اس لیے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اس سے شی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات اُگلوانا چاہتا تھا۔

"اپنی طرف تو سکون ہے لیکن اپنے کچھ پُرانے دوستوں کی وجہ سے مافیا کے بڑوں میں میری تھوڑی سی راہ و رسم ہے۔ پچھلے دنوں ایک پارٹی میں ان لوگوں سے سُنا تھا کہ شی کے ایک پُرانے آدمی نے تنظیم سے بغاوت کر کے اس کی راہ میں جگہ جگہ روڑے اٹکانے شروع کر دیے ہیں۔ وہ شخص جہاں جاتا ہے" بہت چالاکی کے ساتھ شی کے مفادات کو نقصان پہنچا کر ایک ہیجان پھیلا دیتا ہے۔" وہ بتانے لگا۔ "اس شخص کی وجہ سے شی کی ساکھ پر بہت بُرا اثر پڑ رہا ہے اور مافیا والے اس صورتِ حال میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ چارلس ڈولین نے مجھے فون کیا تو میں یہی سمجھا تھا کہ شاید اس بار وہی نابکار باغی میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچنے والا ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس سے کبھی میرا سامنا ہو سکے۔"

"وہ واقعی ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "میرے سفر کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس کی بدمعاشیوں کے سدِباب کے لیے میں یہاں تنظیم کا جائزہ لے سکوں کیونکہ وہ کسی بھی وقت اٹلی کا رُخ کر سکتا ہے۔"

"اوہ!" کارلو کے ہونٹوں سے تحیر آمیز آواز نکلی۔ "شاید جب ہی ہمارے ہیڈ کوارٹرز روم سے وینس منتقل کر دیے گئے ہیں۔ مجھے پچھلے ہفتے بتایا گیا تھا کہ اب ہدایات رُوم کے بجائے وینس سے جاری کی جائیں گی۔ یوں تو گو یہ روم وینس سے بہت قریب ہے، اس کا مطلب ہے ہیڈ کوارٹرز کو اس باغی کی ریشہ دوانیوں سے بچانے کے لیے ہمیں بھی بہت چوکنا رہنا ہو گا۔ ابھی تک تو میں نے ہیڈ کوارٹرز کے

معاملے کو انتظامی تبدیلی تصور کرتے ہوئے اس پر زیادہ غور ہی نہیں کیا تھا۔"

میرے لیے وہ انکشاف سنسنی خیز تھا لیکن میں ان لوگوں پر اپنی خوشی کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت میرے لیے اہم ترین مسئلہ یہ بن گیا تھا کہ میں نے رازدارانہ طور پر اٹلی پہنچنے کی کوشش کی تھی لیکن بدقسمتی سے شی کے تین ارکین میری آمد کے راز سے واقف ہو گئے تھے۔ کارلو کے علاوہ چارلس اور الفاروميو کا ڈرائیور میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ میں آئی مین کی حیثیت سے ان تینوں کو زبان بندی کے بارے میں جو بھی ہدایت دیتا وہ وقتی طور پر ضرور مؤثر ثابت ہوتی لیکن آخر کار ان تینوں کے ذریعے ہی لائیڈ کو کسی نہ کسی طرح میری اٹلی آمد کا راز معلوم ہو جاتا جو میرے مفاد میں نہ ہوتا۔ وہ تینوں شی کے سرگرم کارندے تھے' اس لیے مجھے ایسی کوئی راہ نکالنی تھی کہ خود کسی دشواری سے دوچار ہوئے بغیر خاموشی سے ان کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔

میں نے محض اسی خیال کے تحت کارلو کو اپنی اگلی صبح واپسی کے بارے میں بتایا تھا تاکہ اس کا ذہن میرے بارے میں کوئی منفی بات نہ سوچ سکے دوسری طرف وقت کی کمی کا دباؤ ڈال کر میں شی کے بارے میں اس کی زبان کھلوا کر کئی ایسی باتیں معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا جو آسانی کے ساتھ میرے علم میں نہیں آ سکتی تھیں۔

کم از کم ویرا اور سلطان شاہ کی میلان آمد تک مجھے سخت رازداری سے کام لیتے ہوئے اپنی ساری آزادیاں برقرار رکھنا تھیں تاکہ میں ہوٹل ونینی میں ٹھہر کر ان دونوں کا انتظار کر سکوں۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے کار کی نشست پر پہلو بدلتے ہوئے کارلو سے سوال کیا۔

"میرا ارادہ میلان کے مضافات میں اس ہوائی اڈے پر جانے کا تھا جہاں میرا جہاز کھڑا ہوا ہے۔ میں خود بھی جہاز اڑا لیتا ہوں لیکن عام طور پر میرا یہی ڈرائیور ہوابازی بھی کر لیتا ہے لیکن اب ہمارے پروگرام کا انحصار تمہاری مرضی پر ہے۔ جہاں چاہو چلنے کا حکم دے سکتے ہو۔" کارلو نے عاجزانہ لہجے میں پیش کش کی۔

"میری تو ساری بھاگ دوڑ ہی بے سود ثابت ہوئی" چارلس ڈولین نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "اگر میری ضرورت نہ ہو تو میں اگلی کسی پرواز سے مارسیلز واپس چلا جاؤں۔ اگر وہ شخص ہوائی اڈے سے نکل گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔"

"تم میرے ساتھ رکو گے۔" میں نے چارلس کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "علیزلی کو میں مطلع کر دوں گا۔" پھر میں نے اپنے بیگ کو کھول کر اس میں بیم گن ٹٹولتے ہوئے کارلو سے کہا۔ "فی الحال ایئرپورٹ کی طرف سفر جاری رکھو۔ راستے میں پروگرام طے ہو جائے گا۔"

کارلو ڈرائیور سے مخاطب ہوا اور میں نے موقع پاتے ہی اس کی آنکھ بچا کر بیم گن بیگ سے نکال لی۔ اس وقت کار ویا سفورذ پر پولی کلینک کی وسیع و عریض عمارات کے سامنے سے گزر رہی تھی' جہاں خاصا ٹریفک تھا' اس لیے میں نے فوری طور پر کارلو پر وار کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا لیکن میں ان تینوں سے ان کی منزل سے پہلے چھٹکارا پانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

سفر جاری رہا میں خاموش تھا' اس لیے وہ تینوں بھی اتفاقاً خاموش بیٹھے ہوئے تھے پھر جونہی کار ایک ویران سڑک پر گھومی' میں نے پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے بیم گن نکال کر کارلو کی بائیں پسلیوں پر فائر کر دیا اس سے قبل کہ وہ کچھ سمجھتا' ٹرائیگر دبتے ہی مہلک نیلگوں شعاعیں اس کی پسلیوں کو چھیدتی ہوئی اس کے دل میں اتر گئیں اور وہ جس حالت میں تھا' اسی حالت میں سیٹ پر بیٹھا رہ گیا۔

"واپسی کے سفر میں ہماز تم اڑا دو گے۔" میں نے بیم گن جیکٹ کی جیب میں رکھتے ہوئے بظاہر کارلو کو مخاطب کیا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔ "جواب نہیں دیا تم نے؟"

اس کا بے جان بدن ایک طرف ڈھلک گیا۔ چارلس پھرتی سے پیچھے گھوما تھا۔ میں نے کارلو کے بدن کو سہارا دینے کے بجائے اس کے کوٹ کا سوراخ والا حصہ چھپاتے ہوئے کہا۔ "اوہ! یہ تو شاید بے ہوش ہو گیا۔"

ڈرائیور نے ایک دم بریک لگانے کی کوشش کی تھی مگر میں نے جلدی سے کہا۔ "یہاں سے نکلو اور کار کسی ویرانے میں روکو' کارلو کو شاید ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ اسے بیٹھے بیٹھے سکتہ ہو گیا ہے کسی قسم کے دورے تو نہیں پڑتے اسے؟"

"پتا نہیں۔" ڈرائیور کی آواز ابھری۔ "پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ ہم برسوں سے ایک ساتھ ہی سفر کرتے آئے ہیں۔"

"ابھی ہم پولی کلینک کے سامنے سے گزرے تھے۔" چارلس نے پریشانی کے عالم میں کہا۔ "گاڑی واپس گھما لیں تو بہتر ہو گا۔ کوئی دورہ ہوا تو کارلو کو فوراً ابتدائی طبی امداد مل سکے گی۔ ایسا نہ ہو کہ تاخیر اس کے حق میں مہلک ثابت ہو۔ ویسے گاڑی میں عجیب سی چراند پھیلی ہوئی ہے جیسے کپڑا یا چمڑا جل رہا ہو۔" اس نے کئی گہرے گہرے سانس لے کر کہا تھا۔

"ہاں' جلنے کی بو تو مجھے بھی آ رہی ہے۔" ڈرائیور نے فوراً اس کی تائید کی تھی۔

"قیاس آرائیاں بعد میں کرنا۔" میں نے غراتے ہوئے انہیں حکم دیا۔ "پہلے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں' اس پر عمل کرو۔ یہ مرگی کا کوئی دورہ معلوم ہوتا ہے۔ چند منٹ میں اس کی حالت معمول پر آ جائے گی۔"

میرا بدلا ہوا لہجہ سنتے ہی ڈرائیور نے رفتار اچانک تیز کر دی چارلس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے گہرے ہو گئے "مرگی کے دورے کی ابتدا تشنج سے ہوتی ہے، یہ تو اچانک ہی بے سُدھ ہو گیا ہے....."

"غیر ضروری طور پر اپنی حکمت جھاڑنے کی کوشش نہ کرو" میں نے عصابی ہیجان کے عالم میں چارلس کی بات کاٹ کر اسے ڈانٹا "مجھے توجہ کے ساتھ اس کی نبض تلاش کرنے دو۔" بات پوری کرتے ہوئے میں نے کارلو کی بائیں کلائی میں نبض تلاش کرنے کی کوشش شروع کر دی جب کہ وہ سلسلہ قفسِ عنصری سے کب کا منقطع ہو چکا تھا۔

ڈرائیور نے کار تیزی سے ایک پتلے سے داہنے راستے پر ڈال دی تھی اور چند ہی ثانیوں میں ناہموار راستے پر ہچکولے کھاتی ہوئی اونچے نیچے بے برگ و بار درختوں کے درمیان سے گزر کر ایک ویران سے میدان میں داخل ہو گئی۔

"گاڑی آخری سرے کی طرف بڑھا لے جاؤ" میں نے داخلے کے سمت میں موجود عمارات کی وجہ سے ڈرائیور کو ہدایت کی اور پھر معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے چارلس کو کارلو کی نبض دیکھنے کا اشارہ کیا۔

چارلس نے اگلی دونوں نشستوں کے درمیان سے آگے جھک کر کارلو کی خاموش نبض کو ٹٹولنے کی ناکام کوشش کی پھر بے ساختہ بولا "ارے! یہ تو بیٹھے بیٹھے ہی مر گیا۔"

"گاڑی روک دو۔" میں نے بھاری لہجے میں ڈرائیور کو حکم دیا پھر ہم دونوں ہی تقریباً بیک وقت کار سے نیچے اترے تھے۔ میں ڈرائیونگ سیٹ کے پیچھے تھا، اس لیے ڈرائیور کے پیچھے اترا تھا۔ بے خبری میں وہ بھی بیم گن کے مہلک وار سے نہ بچ سکا۔ نیلگوں شعاعیں فضا میں تیرتی ہوئی اس کی پشت میں سے گزرتی ہوئی براہِ راست اس کے دل میں پیوست ہوئی تھیں کیونکہ اس کے منہ سے ایک ہلکی سی دردناک کراہ نکلی تھی اور پھر وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

"بیم گن!" چارلس کے حلق سے پھنسی پھنسی اور ڈری ڈری سی آواز بلند ہوئی تھی، اس نے نہ صرف میرے ہاتھ میں بیم گن دیکھ لی تھی بلکہ شاید ڈرائیور کو اس کے نوزل سے نکلنے والی شعاعوں کا شکار ہوتے دیکھا تھا، اس لیے اس نے اضطراری آواز نکالتے ہی غیر متوقع پھرتی کے ساتھ میدان میں اس طرف دوڑ لگا دی جدھر سے کار اس مقام تک پہنچی تھی۔

ڈرائیور کی موت کا منظر دیکھتے ہی شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں کارلو کو دیدہ و دانستہ آبادی سے دور ویرانے میں لایا تھا تاکہ اطمینان سے ان دونوں کا تیا پانچا کر سکوں۔ اس کی عافیت اسی میں تھی کہ وہ اپنی ساری جسمانی توانائیاں صرف کر کے مجھ سے دور اور آبادی کے نزدیک پہنچ جائے تاکہ اس کی چیخ و پکار کے نتیجے میں قرب و جوار کے لوگوں کی مداخلت میرے عزائم کی راہ میں حائل نہ ہو سکے۔

اس کی کامیابی میرے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتی تھی، وہ زندہ بچ نکلتا تو نہ صرف شی والوں کو میری وہاں موجودگی کی خبر مل جاتی بلکہ میرے ہاتھوں کارلو اور اس کے ڈرائیور کی ہلاکت کی اطلاع ان کو میرے خلاف اپنے سارے وسائل کے استعمال پر مجبور کر دیتی جس کے نتیجے میں میرا، ویرا اور سلطان شاہ سے مل بیٹھنا ممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتا۔

"ٹھہرو چارلس!" میں نے اس کے تعاقب میں دوڑتے ہوئے آواز لگائی "یہ دونوں دشمن کے آلۂ کار تھے، تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے، تمہیں مجھ سے خوف زدہ ہونے یا بھاگنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"ہم سب دھوکا کھا گئے، تم یقیناً وہی بدنام خونی ہو، جس کی ہمیں تلاش تھی۔" فضا میں اس کی خوف اور دہشت سے بگڑی ہوئی آواز ابھری "مجھ پر تمہارا سایہ بھی پڑ گیا تو میں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ تم اب مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔"

وہ اپنی جان بچانے کے لیے دوڑ رہا تھا، اس لیے اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ میرے ساتھ براہِ راست جہاز سے اترنے کے بعد آیا تھا اور اس کے ساتھ کوئی سامان نہیں آیا تھا، اس لیے یہ بات یقینی تھی کہ وہ تنہا تھا۔ اس وقت رک کر میرا مقابلہ کرنے کا تصور بھی اس کے لیے ناقابلِ قبول تھا، میں بھی کہر آلود سرد موسم میں اپنے دہانے سے بھاپ کے بادل اڑاتا اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

"میں تمہاری گردن توڑ دوں گا، تم بہت بزدل اور کم ظرف ثابت ہوئے ہو" میں نے اس کے اوسان خطا کرنے کے لیے غرّا کر کہا "بس چند سیکنڈ میں پیچھے سے تم پر آ پڑوں گا اور پھر تمہیں روئے زمین پر کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔"

میرا وہ حربہ کارگر رہا۔ چارلس نے بھاگتے بھاگتے خوف زدہ ہو کر پیچھے میری پوزیشن دیکھنے کی کوشش کی، وہ اس کی زندگی کی شاید آخری لغزش تھی کیونکہ گردن پیچھے گھماتے ہی اسے زور دار ٹھوکر لگی اور وہ اپنے ہی زور میں لڑکھڑا کر کچی زمین پر منہ کے بل دور تک گھسٹتا چلا گیا۔ اس کی کراہوں اور اضطراری آوازوں میں ایسی وحشت اتر آئی تھی جیسے گرتے ہی اسے اپنی موت سامنے نظر آ گئی ہو۔

اس نے گرتی ہوئی تلوار کی زد میں آئے ہوئے کسی شکار کی طرح گھٹنوں اور ہتھیلیوں پر خود کو سنبھالا اور پھر اٹھ کر بھاگ نکلا۔ اس

وقت میں اُس سے بس دو تین ہی قدم دور رہ گیا تھا۔ میں نے ہیم گن اُس کے بدن کی طرف سیدھی کر کے دوڑتے دوڑتے ٹرائیگر دبا دیا۔ اُس کی داہنی ران پر شعاع پڑی اور اُس نے تڑپ کر راہ بدل لی۔ اُس کی گھُٹی گھُٹی چیخ بہت دردناک تھی۔ مرنے سے پہلے وہ اپنی موت کے تصور سے بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا تھا مگر زخمی ہونے کے باوجود اُس کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

زندگی اور موت کی وہ بھیانک دوڑ جاری تھی۔ میرے اعصاب پر تکان طاری ہونے لگی تھی اور میں اُسے جلد از جلد گرا لینا چاہتا تھا۔ میں نے اُس پر دوبارہ ہیم گن سے فائر کیا۔ ہاتھ کو دائیں سے بائیں حرکت دیتے ہوئے اُس کی ایک اور پھر دوسری پنڈلی ان ہولناک شعاعوں کی زد میں آ گئی اور وہ دوڑتے دوڑتے اچانک گر پڑا جیسے اس کے دونوں پیر کاٹ دیے گئے ہوں اور شاید ہُوا بھی یہی تھا کہ ہیم سے جل جانے والی پنڈلیوں کی کمزور ہڈیاں چارلس کے دوڑتے ہوئے توانا جسم کا بوجھ پڑتے ہی ٹوٹ گئی تھیں اور وہ زمین پر گر کر ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگا تھا۔

میں نے ایک فاتح حریف کی طرح اس کی بھیک مانگتی ہوئی آنکھوں میں دیکھا اور پھر اس کا سینہ ہیم گن سے چھلنی کر دیا۔

چارلس کے دم توڑتے ہی فضا پر ہولناک سکوت طاری ہو گیا۔ میں نے چند ثانیوں کے لیے وہیں رُک کر گرد و پیش کا جائزہ لیا لیکن کہیں سے مداخلت کے کوئی آثار نہ دیکھ کر میں نے چارلس ڈولین کی لاش کو اپنے کندھے پر لادا اور واپس الفارومیو کی طرف ہو لیا۔

پوری کوشش اور منصوبہ بندی کے باوجود میرا وہ دن خون خرابے کے بغیر نہیں گزر سکا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں میرے ہاتھ یکے بعد دیگرے تین قابلِ نفرت افراد کے لہو سے رنگین ہو چکے تھے لیکن ان کا صرف مرجانا میرے لیے کافی نہیں تھا۔ ان کی لاشیں دریافت ہوتے ہی جمی لائیڈ اور اس کے حواری یہ سمجھ لیتے کہ ان کے خون کا پیاسا ان کے سر حدوں پر دستک دے رہا تھا، اس لیے اس واردات کو الجھانا ضروری ہو گیا تھا۔

کارلو موریرو کی لاش کار کی عقبی نشست پر ڈھلکی ہوئی تھی۔ میں نے چارلس ڈولین کے بے جان مگر نرم بدن کو پسنجر سیٹ پر ڈالا اور ڈرائیور کی لاش کار کے اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے ٹھونس دی۔

اس کارروائی سے نمٹ کر میں نے عقبی نشست سے اپنا رقم کا تھیلا نکالتے ہوئے کارلو کی لاش سے چرمی ہولسٹر اور فاضل گولیوں سمیت اس کا پستول نکال لیا۔ اس کے بعد میں نے ذرا سی کوشش کے بعد پیٹرول کی ٹنکی کی صفائی کے لیے دیا ہوا ڈرین پلگ کھول دیا، جو اتفاقاً ہی مجھے نظر آ گیا، ورنہ میری معلومات کے مطابق عام طور پر پیٹرول کی ٹنکیوں میں حفاظتی نقطۂ نظر سے ایسی کوئی چوڑی دار فٹنگ نہیں دی جاتی۔

ڈرین کھلتے ہی سوراخ سے پیٹرول کی دھار زمین پر بہ نکل[illegible]
نے ایک وہیل کیپ نکال کر اس میں پیٹرول بھر بھر کر تینوں لاشوں[illegible]
انڈیلنا شروع کر دیا۔ جب وہ تینوں اچھی طرح پیٹرول میں تر ہو گئے[illegible]
نے آبادی کی مخالف سمت میں اس بیش قیمت نئی کار سے دُور ہٹ[illegible]
ایک دیا سلائی جلا کر اُدھر اچھال دی۔ فاصلہ زیادہ تھا اس[illegible]
دیا سلائی درمیان ہی میں گر کر بجھ گئی۔ قریب سے آگ دکھانے میں[illegible]
اندیشہ تھا کہ کہیں شعلوں کی لپک مجھے بھی لپیٹ میں نہ لے لے[illegible]
لیے میں نے دوبارہ قریب جا کر کار میں سے صفائی والا ڈسٹر نکالا[illegible]
اُسے پیٹرول میں تر کر کے نچوڑتے ہوئے، گرہیں لگا کر اسے ایک[illegible]
گولے میں تبدیل کیا پھر ہاتھ خشک ہو جانے پر اس گولے کو آگ لگ[illegible]
ایک جھٹکے سے کار کی طرف پھینک دیا۔ بھق کی تیز آواز کے ساتھ[illegible]
دُھوئیں کی چادر میں سُرخ شعلے لپکے اور ان تینوں کی وہ قیمتی چھتا[illegible]
جلنا شروع ہو گئی۔

کار کے آگ پکڑنے کے بعد میں ایک لمحے کے لیے بھی وہا[illegible]
نہیں رُکا۔ میرا رُخ ویرانے کی طرف تھا اور میرا خیال تھا کہ صورتِ حال[illegible]
میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما ہونے سے قبل میں اپنا راستہ تلاش کرنے میں[illegible]
کامیابی حاصل کر لوں گا۔

میں تقریباً نصف گھنٹے تک محض اندازے کی بنا پر اس ویرانے[illegible]
میں بھٹکتا رہا۔ اس دوران میں وہ علاقہ فائر انجنوں یا پولیس کی گاڑیوں[illegible]
کے کسی بھی سائرن کے شور سے محفوظ رہا تھا، جس کے دو ہی مطلب[illegible]
ہو سکتے تھے کہ اوّل تو کسی نے اس آگ پر توجہ نہیں دی تھی یا پھر[illegible]
اطالوی پولیس اپنے کام میں ضرورت سے زیادہ مستعدی دکھانے کی[illegible]
قائل نہیں تھی۔

نصف گھنٹے بعد رونق کے آثار نظر آتے ہی میں نے کارلو کی[illegible]
لاش سے حاصل کیا ہوا پستول، ہیم گن سمیت رقم کے تھیلے میں رکھ لیا[illegible]
اور جب میں قریبی بازار میں داخل ہوا تو مجھے پورا یقین تھا کہ میں عام[illegible]
لوگوں سے کسی طرح مختلف نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرے پاس ڈالروں کی[illegible]
صورت میں خطیر رقم موجود تھی لیکن خود کو میلان کے ماحول سے ہم آہنگ[illegible]
رکھنے کے لیے مقامی کرنسی بہت ضروری تھی۔ اس وقت میرے ستارے[illegible]
مہربان تھے کہ چند منٹ کی مسافت کے بعد ہی مجھے ایک بینک نظر[illegible]
آ گیا۔

بیرونی چوبی دروازے سے گزرنے کے بعد میں نے خود کو[illegible]
شیشے کے ایک بند کیبن میں پایا۔ شیشوں کے پار بینک میں لین دین[illegible]
جاری تھا اور اس کیبن میں بیرونی دروازے کے مقابل شیشے کا ہی[illegible]
ایک بند دروازہ تھا جو میرے دبانے اور کھینچنے پر بھی نہ کھلا تو[illegible]
میری نگاہ چوکھٹ میں لگے ہوئے بٹن پر پڑی۔ میں نے بٹن دبایا[illegible]
تو بینک کے کسی حصّے میں بزر کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ میری کال[illegible]

کے جواب میں کسی نادیدہ سیکیورٹی افسر نے کوئی اور بٹن دبایا ہوگا، جس کے جواب میں دروازے میں کھٹکا ہوا اور میرے ہاتھ کے ذرا سے دباؤ سے دروازہ باہر کی طرف کھل گیا۔ میں نے بینک میں داخل ہوتے ہوئے غور کیا تو اندازہ ہوا کہ اس کیبن کے تمام شیشے بلٹ پروف تھے تاکہ کوئی چور ڈاکو وہاں سے بینک کے عملے یا گاہکوں کو نہ دھمکا سکے۔ اسی کے ساتھ اندر والے پوری طرح تخریب کار پر گہری نظر رکھ سکیں۔

اٹلی میں بینکوں میں ڈاکے زیادہ پڑتے تھے یا پھر منفی امکانات کا انتہائی سدِباب کرنا اس قوم کا مزاج بنا ہوا تھا، میں یہ فیصلہ نہ کر سکا کیونکہ مجھے زرِمبادلہ کا کاؤنٹر فوراً ہی نظر آ گیا۔ میں نے سو سو ڈالر کے پانچ نوٹ لڑکی کو تھمائے تو اس نے غور سے میری طرف دیکھا پھر کچھ بعد دیگرے تمام نوٹ چیکنگ مشین میں ڈالے جو شاید فوراً ہی اصلی اور جعلی کرنسی کا سراغ لگا لیتی تھی۔ اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے ایک فارم پر چند اندراجات کیے۔ فارم پر دستخط کرتے ہوئے پہلی بار مجھے اطالوی کرنسی کی بے توقیری کا اندازہ ہوا کیونکہ اس فارم پر پانچ سو ڈالر کے بدلے چھ لاکھ لیرا سے زائد رقم درج کی گئی تھی۔

مجھے یاد آیا کہ ایئرپورٹ پر ٹرالی والا بھی کرائے کی مد میں ایک ڈالر یا ایک ہزار لیرا طلب کر رہا تھا لیکن اس وقت مجھے شرح تبادلہ کا ذرا بھی دھیان نہیں آیا تھا۔

ایک لاکھ، پچاس ہزار، دس ہزار، پانچ ہزار اور ایک ہزار لیرا کے نوٹوں کے بعد جب اس لڑکی نے ریزگاری میرے حوالے کی تو میں چونک پڑا کیونکہ اس میں پانچ سو لیرا کا ایک سکہ بہت خیال انگیز تھا۔ اس گول سکے کا وسطی حصہ تانبے کا ڈھلا ہوا تھا جس کے گرد بقیہ ڈھلائی نکل سے مشابہ کسی دھات سے کی گئی تھی۔ دو دھاتوں پر مشتمل وہ سکہ مجھے شی کی سلور آئی کا مرکزی خیال نظر آ رہا تھا کیونکہ اس میں بھی دو متضاد رنگوں والی قیمتی دھاتیں استعمال کی گئی تھیں۔

میں بینک سے نکلا تو مقامی کرنسی میں لکھ پتی ہو چکا تھا۔ شہر میں پہلے ہی تیار تھا، اس لیے میں نے بس، ٹرام یا میٹرو پر انحصار کرنے کے بجائے ایک ٹیکسی روکی۔ ڈرائیور نے میری طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرا کر میری زبان سے ہوٹل وینینی کا نام سنتے ہی میٹر گرا دیا۔ میرے سوار ہونے پر ٹیکسی روانہ ہو گئی۔ میں غور سے شہر کے باسیوں اور بازاروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ جدید عمارات کے دوش بہ دوش میلان میں جا بجا رومن طرزِ تعمیر کے پرانے شاہکار بکھرے ہوئے تھے، جن میں نقش اور کٹاؤ دار پتھر سے بنی ہوئی پرشکوہ عمارات قابلِ دید تھیں۔ جب ٹیکسی کوائن اسٹور کی ایک بڑی عمارت کے سامنے سے دوبارہ گزری تو میرا چونکنا لازمی تھا۔

"تم سیدھے راستے کے بجائے مجھے کہاں چکر دے رہے ہو؟"

میں نے ڈرائیور سے قدرے ترش لہجے میں سوال کیا۔ اس نے اطالوی میں کچھ جواب دیا جو میرے پلے نہ پڑ سکا لیکن اس کے بعد ڈرائیور نے مجھے مزید چکر دینے کا ارادہ ترک کر دیا اور تھوڑی ہی دیر میں ویا وینینی نامی سڑک پر ٹیکسی ہوٹل وینینی کے سامنے رک گئی۔

میٹر میں بارہ ہزار لیرا بنے تھے۔ میں نے ڈرائیور کو پندرہ ہزار دیے اور اس نے مجھے ایک ہزار لیرا تھما دیے۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے میٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا "دو ہزار اور نکالو"

"دو ہزار!" اس نے انگلی سے اپنا سینہ ٹھونکتے ہوئے آگاہ کیا "ٹو ڈے فیسٹیول" اس نے دو ہزار لیرا ہتھیانے کے جواز میں بتایا کہ اس دن کوئی تہوار تھا، اس لیے اس نے خود ہی اپنے انعام کا فیصلہ کر لیا تھا۔

غیر مذہب اور غیر قوم کے کسی فرد کو کسی تہوار پر بخشش دینے کا تصور خاصا فرحت انگیز تھا، اس لیے میں فیاضانہ انداز میں سر ہلاتا ہوا ٹیکسی سے اترا اور سرد ہواؤں سے بچنے کے لیے جلدی سے ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ راہداری میں قدم رکھتے ہی فضا میں فرحت انگیز حرارت کا احساس ہوا۔ راہداری کا اختتام مختصر سے کاؤنٹر پر ہوا، جہاں عینک لگائے ایک دبلا پتلا نوجوان موجود تھا۔ بائیں طرف ہوٹل کی مختصر سی نشست گاہ تھی جہاں ایک اونچی تپائی پر رکھا ہوا رنگین ٹیلی وژن چل رہا تھا۔ ایک گوشے میں مختصر سا چوبی بار کاؤنٹر تھا، جس کے عقب میں بھانت بھانت کی شراب کی بوتلیں سجی ہوئی تھیں۔

اس نوجوان نے مجھے دیکھتے ہی آگے جھک کر اطالوی میں کوئی فصیح و بلیغ بات کی جو ایک سے زیادہ فقروں پر مشتمل تھی۔

"انگلش؟" میں نے مختصر ترین فقرے میں اس سے سوال کیا۔

اس کی آنکھوں میں غم ناک اداسی پھیل گئی۔ اپنے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے اس نے پھر چند ناقابلِ فہم فقرے ادا کیے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ لکھی ہوئی اطالوی میرے لیے پھر بھی قابلِ فہم تھی کیونکہ بہتیرے الفاظ کا تلفظ مختلف ہونے کے باوجود مخرج سمجھ میں آ جاتا تھا جیسے انگریزی کے اسٹیشن کے مقابلے میں اطالوی لفظ استازیون تھا لیکن بولی جانے والی زبان خاصی ناقابلِ رسائی ہو جاتی تھی۔

میں نے اپنا پاسپورٹ نکال کر اس کے سامنے رکھا اور اس نے اپنی پشت پر دیوار سے لٹکا ہوا ٹیرف کارڈ نکال کر میرے سامنے ڈال دیا۔ وہ کسی محکمے سے منظور شدہ ہوٹل کا نرخنامہ تھا، جس میں سنگل روم کا کرایہ اٹھاون ہزار لیرا تھا۔ ہمراہی کے لیے مزید بائیس ہزار تاوان ادا کرنا پڑتا۔ اس وقت مجھے صرف اپنے لیے کمرا درکار تھا، اس لیے میں نے اٹھاون ہزار پر انگلی رکھ دی۔

"سی،سی!" نوجوان نے اپنے سر کو تفہیمی جُنبش دی اور کی بورڈ سے ایک چابی نکال کر میرے آگے ڈال دی۔ اسی کے ساتھ اُس نے مجھ پر یا میری غریب الوطنی پر ترس کھا کر ہوٹل کا چھپا ہوا کارڈ بھی مجھے دے دیا جس پر فون نمبر وغیرہ کے علاوہ پُشت پر ہوٹل کے محلِ وقوع کا خاصا تفصیلی نقشہ بنا ہوا تھا۔ اس کے اندراجات کے مطابق ہوٹل چار نمبر ٹرام کی گزرگاہ پر واقع تھا اور چند منٹ کی مسافت پر زیرِ زمین چلنے والی میٹرو نامی ٹرین نمبر ایک کا پاسیتور نامی اسٹیشن واقع تھا۔

کاؤنٹر کے عقب میں تنگ سی جگہ میں اوپر جانے کے لیے لفٹ موجود تھی۔ کمرا نمبر دو سو تئیس کے لیے دوسری منزل پر پہنچ کر مجھے اندازہ ہُوا کہ وہ کوئی باقاعدہ ہوٹل نہیں تھا بلکہ ایک نجی رہائشی عمارت کو معمولی ردّ و بدل کے بعد ہوٹل کا نام دے دیا گیا تھا۔ میرا کمرا خاصا وسیع تھا اس میں تین سنگل بیڈ، ڈریسنگ ٹیبل اور ایک الماری کے علاوہ ملحقہ باتھ روم بھی تھا۔ ہیٹر آن ہونے کی وجہ سے کمرے کا درجۂ حرارت خوشگوار تھا لیکن آرائشی اشیاء کی غیر موجودگی کی وجہ سے ماحول اُداس اُداس لگ رہا تھا۔

کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے مجھے اچانک خیال آیا کہ میں اپنا پاسپورٹ کاؤنٹر پر ہی چھوڑ آیا تھا۔ میں نے فون اُٹھا کر نیچے کا نمبر ملایا۔ نوجوان سے کئی منٹ تک میری بات ہوتی رہی لیکن ہم دونوں میں سے کوئی کسی کو کچھ نہ سمجھا سکا۔ آخر میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال کر خود ہی نیچے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں کمرا مقفل کر کے نیچے پہنچا تو نوجوان اپنی مدد کے لیے ایک باریش شخص کو طلب کر چکا تھا جس نے انگریزی میں میرا استقبال کیا اور بتایا کہ میرا پاسپورٹ رجسٹر میں اندراج کے لیے روکا گیا تھا، اگر میں چند منٹ کے لیے بیٹھ کر چائے کی ایک پیالی پیتا تو اتنی دیر میں وہ میرا پاسپورٹ لوٹا سکتا تھا۔ اس نے خوبصورتی کے ساتھ مجھے پیشگی ڈپازٹ کے بارے میں یاد دلایا تو میں نے فوراً دو لاکھ لیرا اس کے حوالے کر دیے۔

اس اثنا میں عینک والا نوجوان بار کاؤنٹر کے پیچھے میرے لیے چائے تیار کرنے میں مصروف ہو چکا تھا۔ ادائیگی کے بعد ٹیلی وژن کی طرف پلٹتے ہوئے اچانک مجھے ٹیکسی ڈرائیور کی جبری ٹِپ یاد آ گئی اور میں نے داڑھی والے سے سوال کر ڈالا "آج یہاں کون سا تہوار ہے؟"

"کوئی بھی نہیں" اُس نے حیرت سے کہا "یہ خیال کیسے آ گیا آپ کو؟"

"ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا تھا" میں نے مُسکراتے ہوئے اُسے آگاہ کیا اور اس پر خفت طاری ہو گئی۔

"یہاں کے ٹیکسی ڈرائیور سیاحوں کو لُوٹنے کی ہر کوشش کرتے ہیں۔ ٹیکسیوں والے پھر بھی ذرا شریف ہوتے ہیں" اُس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "ویسے چاہو تو یہ کتاب لے لو۔ اس میں ٹرام اور میٹرو کے دس ٹکٹ ہیں۔ چھ ہزار لیرا میں تم کئی دن تک پورا میلان گھوم سکتے ہو۔"

میں نے وہ کتاب اس کے ہاتھ سے لے لی۔ ہر ٹکٹ پر بڑے ہندسوں میں پچھتر چھپا ہوا تھا۔ مجھے گمان ہوا کہیں وہ بھی مجھے نہ لُوٹ رہا ہو، اس لیے اس سے نرمی سے سوال کیا "یہ ہندسہ کیسا چھپا ہوا ہے؟"

وہ ہنسا "یہ بڑی عجیب بات ہے۔ ہر ٹکٹ چھ سو لیرا کا ہے لیکن اس پر مالیت درج نہیں ہوتی، یہ بسوں اور ٹراموں پر فروخت نہیں ہوتے بلکہ ہاکروں وغیرہ سے ملتے ہیں۔ ٹرام یا بس میں سوار ہوتے ہی ٹکٹ پر وقت پنچ کرنا ہوتا ہے، یہ ٹکٹ اس وقت سے پچھتر منٹ تک سفر کے لیے کارآمد رہتے ہیں۔ ٹکٹوں پر یہی مُدت چھپی ہوئی ہے، یہ ٹکٹ میٹرو پر صرف ایک سفر کے لیے کارآمد ہوتا ہے۔ کام والے دنوں میں میٹرو اسٹیشنوں پر ٹکٹ فروخت ہوتے ہیں۔ چھٹیوں میں کاؤنٹر بند ہوتے ہیں البتہ مشین میں رقم ڈال کر ٹکٹ حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ پبلک ٹرانسپورٹ کے اسی پیچیدہ نظام کی وجہ سے سیاح ٹیکسیوں میں سفر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ڈرائیور مختلف حیلے بہانوں سے کرائے سے زائد رقم اینٹھنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، اسی لیے ہم اپنے گاہکوں کی سہولت کے لیے یہ ٹکٹ رکھتے ہیں۔ تم چاہو تو کتاب کے بجائے ایک یا دو ٹکٹ بھی خرید سکتے ہو۔"

میرے لیے اس کی وہ تقریر بہت معلومات افزا تھی۔ میلان میں چند روز گزارنے کے لیے پبلک ٹرانسپورٹ کے بارے میں وہ نکات بہت اہم تھے، ورنہ بغیر ٹکٹ سفر کرنے کے جُرم میں کہیں بھی دُشواریوں کا سامنا ہو سکتا تھا۔

میں مختصر سی نشست گاہ میں بیٹھا تو عینک والے نے چائے کی پیالی میرے سامنے رکھ دی۔ بار کاؤنٹر سے چائے کی سروس عجیب سی بات تھی لیکن میرے لیے اس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس وقت ٹیلی وژن پر کاروں کی ریس کا ایک مقابلہ دکھایا جا رہا تھا جس میں دوڑنے والی کاروں سے زیادہ وہ لڑکیاں کیمرے کا نشانہ بنی ہوئی تھیں جو نہانے کے لباس یا اس سے بھی آدھے لباس میں اپنے اپنے پسندیدہ ڈرائیور کی حوصلہ افزائی کے لیے ریسنگ ٹریک کے کنارے کھڑی جوش و خروش سے چلّا رہی تھیں۔ میرے لیے اس موسم میں وہ تماشا دلچسپ تھا اس لیے میں ٹیلی وژن دیکھنے میں منہمک ہو گیا۔ داڑھی والا بھی اندراجات مکمل کر کے میرے پاسپورٹ سمیت میری میز پر آ بیٹھا۔ وہ ریس اس کے لیے یقیناً نئی چیز نہیں تھی لیکن وہ بھی اتنی توجہ سے وہ نظر فریب پروگرام دیکھ رہا تھا جیسے میرے ساتھ ٹورنگا بونگا سے پہلی بار میلان پہنچا ہو۔

چار بجے کھڑکی سے باہر فضا میں تیزی سے اندھیرا پھیلنے لگا،
میں نے سرہانے موجود بیڈ سوئچ سے کام لینے کی زحمت نہیں
وقت میرا ذہن بُری طرح ویرا اور سلطان شاہ میں اُلجھا ہُوا
میرے اندازے کے مطابق انھیں اس وقت تک میلان پہنچ
جانا چاہیے تھا۔ اس بارے میں، میں مختلف امکانات پر طبع آزمائی کر
رہا تھا کہ دروازے پر کھٹ پٹ کی کچھ آوازیں آئیں۔ میں نے اپنی
توجہ ان آوازوں پر مرکوز کر دی اور جلد ہی اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ
کوئی شخص میری کمرے میں روشنی نہ دیکھ کر دروازے کا قفل کھولنے
کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اندازہ لگاتے ہی یک بیک میرا دورانِ
خون تیز ہو گیا۔ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ میرے ذہن میں پہلا
خیال یہ آیا تھا کہ اپنے واحد تھیلے سمیت خاموشی سے باتھ روم میں چھپ
جاؤں اور وہیں سے جائزہ لوں کہ نامعلوم شخص میرے دروازے پر
کیا طبع آزمائی کر رہا تھا لیکن اس وقت کی اعصابی کیفیت میں
انتظار کا تناؤ برداشت کرنا میرے بس سے باہر تھا، اس لیے میں
اپنا ابھرا ہوا پستول لے کر ننگے پاؤں بستر سے اُترا اور کوئی آہٹ
کیے بغیر اچانک اپنے کمرے کا دروازہ پوری طرح کھول دیا۔
اگلے ہی لمحے مخمل کے سیاہ گاؤن میں ملبوس ایک جواں سال لڑکی
میرے پستول کی زد میں تھی۔

جب میں نے دروازہ کھولا تو وہ قفل پر جھکی ہوئی تھی۔ اس کے
ہاتھ میں صرف ایک چابی تھی۔ کھلے ہوئے دروازے میں میری جینز
اور بنیان دیکھ کر اُس نے نظریں اٹھائیں پھر اس کی بڑی بڑی سیاہ
آنکھوں میں خوف اُبھر آیا۔

اس نے سہمی ہوئی، تحیر زدہ آواز میں کہا اور میں نے اپنے
پستول کی نال کو جنبش دیتے ہوئے سرد لہجے میں کہا، "شرافت سے
اندر آ جاؤ اور میرے ساتھ تمھاری کوئی چال یا اداکاری کامیاب نہیں
ہو سکے گی۔"

"مگر... تم یہاں میرے کمرے میں کیا کر رہے ہو؟" اس
نے حیرت آمیز اور خوفزدہ لہجے میں انگریزی میں سوال کیا۔ "میں
نہیں جانتی، تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"خوب!" میں نے زہریلے لہجے میں کہا، "چوری کے بعد اب
سینہ زوری کا بھی ارادہ ہے؟"

اس نے اپنا سر جھٹک کر اوپر میرے دروازے کی چوکھٹ
پر نظر ڈالی اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولی، "معاف کرنا نشے کی وجہ
سے مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں سمجھی تھی کہ یہ تیسرا فلور ہے۔ میں تمھاری
طرح کمرہ نمبر تین سو بارہ میں ٹھہری ہوئی ہوں، یہ تو دو سو بارہ ہے۔
میرا تمھاری خلوت میں بے جا مداخلت کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

"اندر آ جاؤ۔" میں نے سخت لہجے میں اپنی بات دُہرائی، "تمھارا
بیان درست ثابت ہوا تو ہوٹل والوں کی تصدیق کے بعد تمھاری
خلاصی ہو جائے گی ورنہ میں پولیس کو طلب کر لوں گا۔"

"تم میری چابی دیکھ سکتے ہو۔" اُس نے اندر داخل ہوتے ہوئے
چابی سے منسلک لمبی سی پلاسٹک تھیٹ میری طرف بڑھائی جس
پر اس کے بیان کے مطابق اس کے کمرے کا نمبر نظر آ رہا تھا۔
میں دروازہ بند کر کے اُس کی طرف ... وہ خوفزدہ ہو کر
اُلٹے قدموں پیچھے سرکنے لگی۔ "وہیں ٹھہرو، ورنہ میں ابھی شور مچا کر
لوگوں کو جمع کر لوں گی۔ تمھارے تیور خطرناک نظر آ رہے ہیں۔"

"تمھاری جامہ تلاشی لینے کے بعد ہی میں مطمئن ہو سکوں گا۔"
میں نے کہا۔ "تم شور مچاؤ گی تو میرے کمرے میں اپنی موجودگی کا کوئی
جواز پیش نہیں کر سکو گی، تمھیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے، تم تلاشی لے سکتے ہو۔ اس مردود زونی موریزیو
نے مجھے تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔" وہ روہانسے لہجے میں بولی۔
وہ دلکش اور خوش اندام تھی۔ ایک چور کی طرح رنگے ہاتھوں
پکڑی گئی تھی، اس لیے میں نے خاصی بے رحمی کے ساتھ اس کی جامہ
تلاشی لی، وہ خاموشی کے ساتھ میرا رویہ سہتی رہی اور جب میں نے
تلاشی ختم ہونے کے بعد اسے بیٹھنے کی ہدایت کی، وہ غصیلے لہجے میں
پھٹ پڑی۔ "نوچ کھسوٹ کے بعد اب کیا چاہتے ہو مجھ سے؟ اتنی
ذرا سی غلطی پر تم تل کر تو نہیں کھا سکتے مجھے۔"

میں بے اختیار زور سے ہنس پڑا۔ "تم خاصی خوبصورت ہو اور
واقعی تل کر کھائے جانے کے لائق ہو۔ اب میں تمھاری تواضع کروں گا،
یہ بتاؤ کہ کیا کھانا پسند کرو گی؟"

"تم جیسے وحشی آدمی کے ساتھ میں زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکتی، یہ
بتاؤ کہ اب کیا چاہتے ہو مجھ سے؟"

"دوستی!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرم لہجے
میں کہا۔ "مجھے بتاؤ کہ زونی کون ہے جس نے تمھیں تباہ کیا ہوا ہے۔"

"تاکہ میری مجبوری سے واقف ہو کر تم مجھ پر پوری طرح حاوی
ہو جاؤ؟" وہ خاصی دلیر معلوم ہونے لگی تھی۔

"میں ایک شریف آدمی ہوں اور میلان میں تنہا ہوں۔" میں
نے اپنے پیکٹ سے اُسے سگریٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا
ہے کہ تمھارے کسی کام آ سکوں۔ تمھاری دوستی میں اپنا وقت شاید
بہتر طور پر گزار سکوں۔"

اُس نے تنک کر میرے پیکٹ سے ایک سگریٹ کھینچ لی اور
میں اس کی سگریٹ جلاتے ہوئے اُس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"زونی میرا بوائے فرینڈ ہے اور اس وقت بھی اوپر کمرے میں
پڑا بستر توڑ رہا ہوگا۔" وہ ایک گہرا سا کش لے کر ناک سے دھواں اُگلتے
ہوئے بولی۔ "وہ مجھے سبز باغ دکھا کر نیپلز سے یہاں لایا تھا۔ ہمارا میلان

سے عالمی سیاحت پر مشرق کی طرف روانہ ہونے کا پروگرام تھا لیکن یہاں آکر اچانک پتا چلا کہ زوتی کی جیبیں خالی تھیں۔ سیاحت کے لیے پہلے ہمیں پیسہ جمع کرنا تھا۔"

"اور شاید یہ کام تم کو کرنا پڑ رہا ہے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"مجھے کوئی بھی مضبوط سہارا مل گیا تو میں زوتی کو لات مار دوں گی۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "اس کا پروگرام تھا کہ سیاحت کے دوران وہ پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر واقع کسی اڈے سے دو چار کلو ہیروئن لے کر واپس آئے گا جسے بیچ کر ہم بقیہ زندگی عیش و عشرت کے ساتھ گزار سکیں گے لیکن یہ سب خواب و خیال کی کہانیاں ہیں۔ فی الحال تو ہم نیپلز بھی واپس نہیں جا سکتے۔"

"تمہاری انگریزی قابلِ رشک ہے۔ میلان میں ابھی تک اچھی انگریزی بولنے والا کوئی اطالوی نہیں ملا تھا۔"

"میں اینگلو اٹالین ہوں۔ میرے باپ نے ایک انگریز لڑکی سے شادی کی تھی، وہ مجھے بہت کچھ بنانا چاہتا تھا لیکن میں نے زوتی کے چکر میں پڑ کر خود کو تباہ کر لیا۔ وہ دیکھنے میں بہت وجیہہ اور شاندار ہے لیکن مردانہ غیرت سے بالکل عاری ہے۔"

"ایسی خستہ حالی میں تم دونوں کو اس ہوٹل میں ٹھہرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میلان میں اس سے سستے ٹھکانے بھی مل سکتے تھے۔"

"زوتی کہتا ہے کہ گھٹیا ہوٹلوں میں ٹھہرنے والوں کے ملاقاتی ان سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتے۔ چور اور لفنگے بھی اگر فائیو اسٹار ہوٹلوں میں مقیم ہوں تو معزز اور باوقار سمجھے جاتے ہیں۔"

"رقم کمانے کی اس نے کوئی ترکیب تو بتائی ہو گی تم کو؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ کوششوں میں لگا ہوا ہے کہ مجھے کسی بڑے مقابلۂ حسن میں اسپانسر کر سکے۔ اسے اُمید ہے کہ میں کوئی نہ کوئی بڑا انعام جیتنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ کوئی اسپانسر نہ مل سکا تو پھر وہ میرے ساتھ ویڈیو کے لیے کوئی تیسرے درجے کی فلم بنوائے گا۔ اٹلی میں ایسی فلموں میں کام کرنے کا کافی معاوضہ ملتا ہے اور پروڈیوسر بھی آسانی سے مل جاتے ہیں۔"

"اگر ساری کوششیں وہی کر رہا ہے تو تم اس وقت کہاں سے آ رہی ہو؟"

"دن میں میں آوارہ گردی کرتی ہوں۔ شام کو زوتی اپنی مہم پر نکلتا ہے۔ آج ایک فوٹو گرافر سے ملنے گئی تھی۔ اس نے اپنے اسٹوڈیو میں سارا دن مختلف زاویوں سے میری ٹرانسپیرنسیز بنائی ہیں۔ ان میں سے دو چار بھی کسی بڑے رسالے میں شائع ہو گئیں تو مجھے خود بخود آفرز ملنا شروع ہو جائیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ میں سیاحت کا ارادہ ترک کر کے یہیں ماڈلنگ کا پیشہ اختیار کر لوں۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور ناقدانہ جائزے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ کھرے کھرے خدوخال اور دلکش رنگ و روپ کے ساتھ وہ واقعی عام لڑکیوں سے ممتاز نظر آتی تھی کیونکہ اسے ایک بار دیکھنے کے بعد دوبارہ دیکھنے کی خواہش ضرور دل میں سر اُبھارتی تھی اور یہی اس کی دلکشی کا راز تھا۔

"اس فوٹو گرافر نے تو تمہیں تھکا دیا ہو گا۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "ورنہ میں یہ شام تمہارے ساتھ گزارنے کی فرمائش ضرور کرتا۔"

"چھ بجے زوتی بی ایم ڈبلیو کار کے مقامی ڈیلر سے ملنے جا رہا ہے۔ اس کے بعد میں فارغ ہوں۔" ابتدائی بدمزگی کے بعد وہ بھی مجھ سے مانوس ہونے لگی تھی اور وہ میرے لیے ایک خوشگوار تجربہ تھا۔ "باہر چلیں گے؟" میں نے کہا۔ "تم یہیں آ جانا، میں انتظار کروں گا۔"

"چاہو تو ابھی اوپر چلو، زوتی کو تم سے مل کر خوشی ہو گی۔" اس نے کہا۔ میرے لیے وہ پیشکش خاصی دلچسپ تھی۔ زوتی سے تعارف ہو جانے کے بعد میں جب چاہتا اوپر جا کر اس لڑکی سے مل سکتا تھا۔

"تم نے اپنا نام نہیں بتایا اب تک۔" میں نے اس کے ساتھ زینے طے کرتے ہوئے سوال کیا۔

"نادیہ... پورا نام نادیہ بنگالا ہے اور تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے مترنم ہنسی کے ساتھ کہا۔

"بڑا لذیذ نام ہے تمہارا۔ مجھے پیٹروِاک کہا جاتا ہے۔ تم صرف پیٹر کہہ سکتی ہو۔"

"یہ نام کب سے لذیذ ہونے لگے؟" وہ رفتہ رفتہ میرے ساتھ بے تکلف ہوتی جا رہی تھی۔

"تمہارے نام کا دوسرا حصہ سُنتے ہی بنگالی رس گُلے یاد آ گئے جو بہت لذیذ ہوتے ہیں سو ویسے بھی میرے لیے تمہاری جامہ تلاشی کا مرحلہ بہت کٹھن اور صبر آزما تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھے خاصے معقول آدمی ہو لیکن اس وقت بالکل وحشی نظر آ رہے تھے۔"

"ورق گردانی کر رہا تھا، سلیقے کا اظہار اُسی وقت ہوتا ہے جب مطالعہ کیا جائے۔"

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات چھٹے حصے میں ملاحظہ فرمائیں

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

6

چھٹا حصہ

اقلیم علیم

سوداگر

ایک نوجوان کی خود نوشت جوانیوں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ ان نوجوانوں کی داستانِ عبرت جن کی پرورش ناز و نعم کے مال سے ہوئی تھی۔ ان زر پرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کن چمک نے بینائی سے محروم کر دیا تھا۔ مورت کے ہاتھوں ان سوداگروں کا ماجرا جو بک گئے اور بیچ ہی گئے

سپنس کا ایک تحیری سلسلہ مدہوشوں کی کہانی ہوشمندوں کی عبرت کے لیے

"پھر بھی تم غنیمت ہو۔ اطالوی مرد تو ہر خوبرو عورت پر پہلی ہی نظر میں مر مٹنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ہر نئی لڑکی سے ملتے ہی پچھلی عورت کو یکسر بھول جاتے ہیں۔"

نادیہ نے تیسری منزل کے کمرا نمبر ۱۲ پر دستک دے کر جواب کا انتظار کیے بغیر اپنی کنجی سے دروازہ کھول دیا۔ میں باہر ٹھٹکا تھا لیکن اُس نے مجھے اپنے پیچھے ہی اندر بلا لیا۔

وہ کمرا میرے کمرے سے مشابہ تھا لیکن اس وقت خالی اور بکھرا ہوا تھا۔ باتھ روم کے بند دروازے کے پیچھے شاور سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ شاید زوتی باہر جانے سے پہلے غسل کرنے میں مصروف تھا۔

نادیہ نے کمبل اور کپڑے سمیٹ کر میرے لیے ایک کرسی خالی کی۔ میں نے اس کا اوور کوٹ اُتروانے میں اُس کی مدد کی پھر وہ نچے اُتار رہی تھی کہ زوتی بدن پر تولیا لپیٹے باتھ روم سے برآمد ہوا اور میں اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

وہ اساطیری دیوتاؤں کی طرح مردانہ حسن اور وجاہت کا شاہکار تھا۔ سیاہ گھونگریالے بالوں کے نیچے روشن اور چمکدار آنکھیں زندگی سے بھرپور تھیں۔ چوڑے شانوں، کشادہ سینے اور مضبوط بازوؤں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسرت کا عادی تھا۔ اس کا قد کسی بھی طرح سوا چھ فٹ سے کم نہیں تھا اور اگر نادیہ نے اس کے چکر میں اپنی زندگی برباد کر لی تھی تو وہ کچھ ایسی قصوروار بھی نہیں تھی۔ زوتی آزاد خیال عورتوں کے لیے ہر زاویے سے سحر انگیز شخصیت کا مالک تھا لیکن مجھے حیرت تھی کہ اس قدر شاندار مرد ہوتے ہوئے بھی وہ اپنی کامیابیوں کے لیے نادیہ بنگالا کو سیڑھی بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یہ پیٹر ہے زوتی، میرا نیا دوست!" نادیہ نے انگریزی میں میرا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "نچلی منزل پر ٹھہرا ہوا ہے۔ میں نشے کی جھونک میں آج اسی کے کمرے میں چلی گئی تھی، یوں ہم دوست بن گئے۔"

زوتی نے ملائم آواز میں رسمی فقرے ادا کرتے ہوئے مجھ سے گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ ملایا پھر بولا "تم نادیہ کے حسن سے تو ضرور مرعوب ہوئے ہو گے، یہ بہت غیر معمولی لڑکی ہے۔"

"یقیناً!" میں نے پُرزور لہجے میں اس کی تائید کرتے ہوئے دانستہ ایک بے لگام فقرہ کہا۔ "میں نے اسے دیکھا اور اس کے ساتھ لگا ہوا تمہارے کمرے تک چلا آیا۔ کسی لڑکی کا اس سے زیادہ غیر معمولی پن اور کیا ہو گا؟"

خلافِ توقع زوتی کی پیشانی پر بل تک نہ آیا بلکہ وہ فخریہ انداز میں زور زور سے ہنسنے لگا اور اسی لمحے مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس کے شیر جیسے پنجر میں واقعی گیدڑ کی رُوح پناہ گزیں تھی۔

"تم پھر موڈ سے ملنے جا رہے ہو، میرا موڈ ہوا تو میں پیٹر کے

ساتھ باہر جاؤں گی۔" نادیہ نے کہا اور وہ والہانہ انداز میں مسکرا دیا۔

"ضرور جاؤ لیکن اپنا دھیان رکھنا۔ کدھر جانے کا ارادہ ہے؟" آخری سوال اس نے مجھ سے کیا تھا۔

"کوئی خاص پروگرام نہیں ہے۔ موقع ملا تو ڈوم کے علاقے میں کسی کلب میں جا بیٹھیں گے۔" میں نے ڈاکٹر گوسیپی کے نائٹ کلب کا تصور کرتے ہوئے اپنے جواب سے نائٹ کا لفظ حذف کرتے ہوئے کہا۔

"اس طرف گیمبلرز نامی نائٹ کلب بہت بہتر اور مہنگا ہے۔" زوتی نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "پیشگی بکنگ کے بغیر عام طور پر وہاں کے ٹکٹ نہیں ملتے۔ وہاں جانا چاہو تو میرے ایک دوست سے مل لینا، وہ وہاں چیف بار ٹینڈر ہے۔ کوئی نہ کوئی صورت نکال ہی لے گا۔"

زوتی یا تو بہت سادہ لوح تھا یا پھر بلا کا خود غرض اور مکار کہ مجھے اپنی گرل فرینڈ کو شہر کے ایک مہنگے نائٹ کلب میں لے جانے کا مشورہ دے رہا تھا۔ شاید اس طرح وہ میری مالی حیثیت کا تعین کرنا چاہ رہا تھا۔

"تم لڈوگ ہان کی بات تو نہیں کر رہے جو کچھ دن ہمارا مہمان رہا تھا؟" نادیہ نے زوتی سے سوال کیا۔

"ہاں وہی۔ یہ اچھی بات ہے کہ تم اسے بھولی نہیں ہو۔"

میں چند منٹ بعد وہاں سے رخصت ہوا تو میرے ذہن میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ اس جوڑے کا باہمی رویہ ڈینیل کے سر معیار سے مجھے عجیب اور سنسنی خیز محسوس ہو رہا تھا۔ باہمی رواداری کی اور بات تھی، وہاں تو زوتی خود نادیہ کو دلدل کی طرف دھکیلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ پھر معاً مجھے ویرا یاد آ گئی جو روم میں ایک طویل مدت ڈان مرسیانو کی سرپرستی میں گزار چکی تھی۔ ویرا کے نزدیک وہ صرف ایک مہربان دلال تھا جب کہ ڈان مرسیانو اچھی طرح جانتا تھا کہ ویرا اس کی اکلوتی بیٹی تھی مگر پھر بھی ڈان مرسیانو یا جمی لائیڈ ویرا کے چہرے پر دن رات گناہوں کی سیاہی ملتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسا ہولناک نفسیاتی مرض تھا جو زوتی اور جمی لائیڈ جیسے شاندار مردوں کو اپنی محبوب ہستیوں کے ہتک آمیز استحصال پر مجبور کر رہا تھا۔

پھر وہیں سے میری ذہنی رو ڈاکٹر گوسیپی کی طرف بھٹک گئی جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود میلان میں شی کا چیف تھا۔ کارلو نے میرے ہاتھوں مرنے سے پہلے بتایا تھا کہ ڈوم کے علاقے میں ڈاکٹر گوسیپی نے ایک نائٹ کلب کھولا ہوا تھا۔ میرے دل میں خواہش ابھری کہ کاش زوتی کا بتایا ہوا گیمبلرز نائٹ کلب اسی کی ملکیت ہو تاکہ میں نادیہ اور لڈوگ ہان کے مراسم سے فائدہ اٹھا کر شی کے مقامی رازوں تک رسائی حاصل کر سکوں تاکہ جمی لائیڈ کا سر کچلنے کا کام آسان ہو سکے۔

اپنے کمرے میں آ کر بھی میں دیر تک اسی بارے میں سوچتا رہا۔ میں جمی لائیڈ کو اس کے سارے وسائل سمیت چکمہ دے کر مارسیلز سے نکل آنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن ویرا اور سلطان شاہ کے نہ پہنچنے کی وجہ سے میری طبیعت بہت پریشان تھی۔ اگر وہ راستے میں شی والوں کے ہاتھ لگ جاتے تو میلان میں میرے ہاتھوں کارلو وغیرہ کے قتل کی خبر پھیلتے ہی ان کے لیے ناقابلِ تصور مشکلات کا آغاز ہو سکتا تھا۔ میں نے ان تینوں کی لاشوں کو کار سمیت نذرِ آتش کر کے بہت سی نشانیاں مٹا دینے کی کوشش کی تھی جن میں چارلس ٹرولین کی شناخت بھی شامل تھی لیکن ان ڈھانچوں کی باقیات کو اگر میز پر لے جانا ممکن رہ جاتا تو پوسٹ مارٹم کے ذریعے یہ راز فاش ہونے کا اندیشہ تھا کہ ان کی موت آگ سے نہیں بلکہ دلوں کو چھید دینے والی کسی ایسی آتشیں چیز سے واقع ہوئی تھی جس میں گولی وغیرہ کی قسم کی کوئی چیز استعمال نہیں کی گئی تھی اور یہ اشارہ شی کے ذمے داروں کو فوراً بیم گن کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیتا جو تنظیم سے باہر صرف میرے قبضے میں موجود تھی اور یوں میلان میں میری موجودگی کا راز کھل سکتا تھا۔

میں ان ہی خیالات میں الجھا ہوا تھا کہ اچانک دروازے پر دستک کی آواز سن کر چونک پڑا۔ اٹھ کر دروازہ کھولا تو نادیہ پوری تیاریوں کے ساتھ شعلۂ جوالہ بنی ہوئی میرے سامنے موجود تھی۔

"ارے تم ابھی تک اسی حلیے میں ہو۔ کیا باہر چلنے کا ارادہ نہیں ہے؟" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"مجھے کیا تیار ہونا ہے؟ بس اسی طرح ساتھ چلوں گا۔" میں نے جوتے پہنتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے گیمبلرز میں داخلے کے لیے لباس کی پابندی ہو۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"پھر بازار سے کوئی ریڈی میڈ سوٹ خرید لوں گا۔ اس وقت تو ایسے ہی چلوں گا۔" میں نے اس کی نگاہ بچا کر بیم گن جیب میں ڈال لی۔

ہم دونوں لفٹ سے نیچے پہنچے تو نشست گاہ میں کئی افراد موجود تھے۔ "خبریں سنو گے؟" نادیہ نے سوال کیا۔

"بیکار ہی ہو گا۔ زبان نہ آتی ہو تو آدمی بالکل ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "تم سن کر دہرا سکو تو رکنے کے لیے تیار ہوں۔" آخری فقرہ میں نے اس امید پر کہا کہ شاید ٹی۔وی پر الفارد میو کی تباہی کے بارے میں کچھ بتایا جائے۔

پھر ہم بھی خبریں سننے والوں کی بھیڑ میں شامل ہو گئے۔ اس وقت بار پر رونق آئی تھی۔ پیمانے گردش کر رہے تھے۔ میں نے بھی بڑھ کر دو پیگ لیے اور نادیہ کے پاس آ کھڑا ہوا۔ گلاس سے اپنے لب تر کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ وہاں موجود بیشتر

اطالوی مرد نادیہ کی ذات میں دلچسپی لے رہے تھے۔ شرفا دزدیدہ
نظروں پر اکتفا کر رہے تھے جبکہ دو تین ڈھیٹ قسم کے نوجوان
اسے مسلسل گھورے جا رہے تھے اور نادیہ ان سب کو نظر انداز
کر کے ٹی وی پر خبریں دیکھ رہی تھی۔

چند منٹ بعد اناؤنسر کی آواز کے ساتھ ٹیلی وژن پر ایک
میدان میں شعلوں میں گھری ہوئی کار دکھائی دی تو وہاں موجود
لوگوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ میں نے تیزی سے دھڑکتے
ہوئے دل کے ساتھ دیکھا کہ جب کیمرے نے اس حادثے کو
اپنی گرفت میں لیا تو خوفناک شعلے بڑی حد تک ماند پڑ چکے
تھے اور شاندار الفا رومیو کی باڈی کا بیشتر حصہ آگ سے پگھل کر
نیست و نابود ہو چکا تھا۔ مجھے امید تھی کہ ایسی ہولناک آگ
میں ان تینوں کے جسموں کی بس راکھ ہی بچ سکی ہوگی۔

اسکرین پر آگ بجھانے والی دو گاڑیاں اور ایک پولیس
کار بھی نظر آئی پھر دوسری خبریں شروع ہو گئیں۔ جب تک
خبریں جاری رہیں، اس مختصر سے لاؤنج میں مکمل خاموشی طاری
رہی پھر خبریں ختم ہوتے ہی تقریباً سب نے ایک ساتھ بولنا
شروع کر دیا اور نادیہ میرا ہاتھ تھام کر وہاں سے باہر نکل آئی۔

ہوٹل سے باہر نکلتے ہی بھیگی ہوئی سرد ہواؤں نے ہمارا
استقبال کیا تھا۔

"کیا خبریں تھیں؟" میں نے نادیہ کو اس کا وعدہ یاد دلاتے
ہوئے کہا۔

"امریکی صدر نے لیبیا کے کرنل قذافی کو ایک بار پھر عالمی
دہشت گرد قرار دیا ہے۔ شمالی سمندر میں مزید تیل کے ذخائر
دستیاب ہوئے ہیں لبنان میں خانہ جنگی جاری ہے لیکن آج شہر
میں ایک روح فرسا حادثہ رونما ہوا ہے۔" وہ بولی۔

"وہی جس میں کار جلتی ہوئی دکھائی گئی تھی؟"

"ہاں! وہ کار سڑک کے بجائے کھیل کے ایک میدان
میں تھی جو سردی کی وجہ سے بالکل ویران پڑا ہوا تھا۔ آگ اتنی
شدید تھی کہ باڈی اور انجن کے بیشتر حصے پگھل گئے۔ اس میں
سے کوئلہ بنے ہوئے تین انسانی ڈھانچے بھی ملے ہیں۔ ایسا
معلوم ہوتا ہے جیسے انہیں خاص طور پر جلایا گیا ہے۔ کار کی آگ
سے جلتے تو ان کے جسم کے کچھ حصے ضرور باقی بچ جاتے۔"

"پھر تو ان بے چاروں کی شناخت بھی نہ ہو سکی ہوگی؟"
میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

نادیہ نے اپنے سر کو مایوسی کے ساتھ نفی میں جنبش دی۔
"البتہ تفتیشی ماہرین کو ملبے میں سے کچھ نقصان زدہ فرانسیسی
سکے ملے ہیں جن کی بنا پر سوچا جا رہا ہے کہ اگلی نشست پر ڈرائیور
کے برابر میں بیٹھا ہوا شخص فرانس سے آیا تھا۔ کار کی رجسٹریشن
نمبر کی پلیٹیں تک آگ میں پگھل گئی ہیں اس لیے اب انجن
اور چیسز کے نمبروں کے ذریعے کار کے مالک کا سراغ لگانے
کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ پتا نہیں وہ حادثہ تھا یا کسی شقی القلب
درندے نے ان تینوں کو اپنا نشانہ بنایا ہے؟"

"کوئی پرانی دشمنی رہی ہوگی۔" میں نے تبصرہ کیا۔ "یہ بھی ہو
سکتا ہے کہ مرنے والے خود بھی شریف آدمی نہ ہوں۔ مجرمانہ
رقابتوں میں ہی ایسے مجرمانہ شاہکار سامنے آتے ہیں۔"

ہم ٹیکسی کے ذریعے چند منٹ میں روشنیوں سے جگمگاتی
ہوئی اس عمارت کے سامنے پہنچ گئے جس پر بڑے بڑے روشن
حروف میں گیمبلرز کا نام چمک رہا تھا۔ اندر ٹکٹ گھر کھلا ہوا تھا۔
اتنی آسانی کے ساتھ ٹکٹ مل جانے پر مجھے مایوسی ہوئی کیونکہ
لڈوگ سے تعارف حاصل کرنے کا وہ موقع ضائع ہو گیا تھا۔

دس ہزار لیرا فی کس ٹکٹ لے کر ہم اندر داخل ہوئے تو
الف لیلوی ماحول نے فوراً ہی ہمیں مسحور کر لیا۔ وسیع و عریض
ہال میں دبیز سرخ قالین پر بیش قیمت چوبی فرنیچر لگا ہوا تھا۔
ہال میں جا بجا دھیمی روشنیوں والے بلور کے فانوس جھلملا رہے تھے۔
بیشتر میزیں بھری ہوئی تھیں اور ان پر شیشے کی چمنی والے
شمع دانوں میں موم بتیاں جل رہی تھیں۔ فضا میں الکحل اور تمباکو
کی خوشگوار بو رچی ہوئی تھی۔ اسٹیج پر پردہ گرا ہوا تھا مگر پوشیدہ
اسپیکروں سے ابھرنے والی ہیجان انگیز موسیقی میں کئی عورتیں
واکانی لباس اور رنگین دھجیوں میں ملبوس میزوں کے درمیان، ہال
میں ناچتی پھر رہی تھیں۔

ہمارے اندر داخل ہوتے ہی ایک اسٹیورڈ نے ہمارے
ٹکٹ دیکھے اور پھر احترام کے ساتھ میز کی طرف ہماری رہنمائی
کرنے لگا۔ نادیہ نے راستے ہی میں اس سے لڈوگ کے بارے
میں کچھ بات کی اور جب وہ ہمیں میز کے گرد بٹھا کر چلا گیا تو نادیہ
نے بتایا کہ لڈوگ ڈیوٹی پر موجود تھا۔ اسٹیورڈ نے اسے میز پر
بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔

مین اسٹیج شو کا وقت ساڑھے نو بجے تھا اس لیے اس
وقت ہال میں کھانے پینے کا دور چل رہا تھا۔ بیرا مینو لایا تو اس کے
پہلے صفحے پر نگاہ ڈالتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ گیمبلرز کی مہنگائی
کے بارے میں زوتی کا تبصرہ غیر ضروری نہیں تھا۔ ڈی لکس اسکاچ
کا ایک سنگل پیگ ساڑھے چار ہزار لیرا کا تھا اور وائن کی سب
سے سستی بوتل بیس ہزار لیرا کی تھی۔ کھانے کی کوئی ڈش تیس
ہزار لیرا سے کم نہیں تھی۔ "یہ تو بہت مہنگا کلب ہے۔" مینو پر نگاہ
ڈال کر نادیہ پریشان ہو گئی۔

"فکر نہ کرو۔ لیرا کم پڑ گئے تو ڈالروں میں ادائیگی ہو جائے گی۔ تم جو چاہو وہ منگوا سکتی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے تسلی دی۔ "تم جیسی نازنین کے ساتھ یہ شام ہر داموں سستی ہے۔"

نادیہ ویٹر کو آرڈر نوٹ کرانے لگی اسی اثنا میں ایک سُبک اندام رقاصہ میزوں کے درمیان ناچتی ہوئی میرے قریب آ کر تھم گئی اور اس وقت تک وہیں ٹھہری۔ ناچ ناچ کر چھیڑ چھاڑ کرتی رہی جب تک میں نے ایک نوٹ اسے نہ تھما دیا۔

"کس قدر کاروباری ماحول ہے یہاں کا۔ مجھے تو ابھی سے وحشت ہو رہی ہے۔" نادیہ منمنائی۔

"کھلا کاروبار ہے۔ یہاں لوگ تماشا دیکھنے آتے ہیں اور وہی دکھایا جاتا ہے۔ اسے تم قصاب کی دکان بھی سمجھ سکتی ہو جہاں رانیں کانٹے میں لٹکانے کے بجائے فلور پر نچائی جاتی ہیں۔ دیکھو، پسند کرو اور پھر خرید لو۔"

"مجھے تو یہ سب کراہت آمیز لگتا ہے۔ پتا نہیں کس ذوق کے لوگ اس ماحول سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔"

"دیکھ لو، ہال تقریباً بھرا ہوا ہے۔ مس اٹلی بننے کے لیے تمھیں ایسے ہی مرحلوں سے گزرنا پڑے گا۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ وہاں تماشائیوں کے علاوہ ججوں پر مشتمل ایک جیوری بھی ہوگی۔"

"زوتی کہتا ہے کہ وہ سب صرف ایک بار ہوگا۔ میں جیت گئی تو ہزار پردوں میں بھی مس اٹلی ہی کہلاؤں گی۔ یہاں تو ہر روز کٹھ پتلیوں کا یہی کھیل ہوتا ہوگا۔"

ہماری گفتگو وہیں منقطع ہو گئی کیونکہ اسی وقت سامنے سے آتا ہوا بڑی بڑی مونچھوں والا ایک دراز قامت شخص ہمارے قریب آ کر رک گیا تھا۔ میرے بعد اس کی نظر جب نادیہ پر پڑیں تو وہ اسے پہچان کر بہت تپاک سے ملا تھا۔ نادیہ نے اس سے میرا تعارف کرایا اور پھر لڈوگ ہماری میز کے گرد ہی بیٹھ گیا۔

ان دونوں میں بڑے جوشیلے انداز میں رسمی گفتگو کی ابتدا ہوئی۔ لڈوگ نے زوتی کے بارے میں بہت سے سوالات کیے اور جب وہ باہمی دلچسپی کے سارے موضوعات ختم کر لینے کے بعد میری طرف متوجہ ہوا تو میں نے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق کلب کی تعریف کر دی جس پر اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

"یہ نیا کلب ہے۔" وہ مجھے بتانے لگا۔ "اس کی بہت احتیاط سے پیشہ ورانہ انداز میں منصوبہ بندی کی گئی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کلب میں کامیاب ترین شو ہونے کے باوجود کبھی کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔"

"مالکان سے سارے شہر کے بدمعاش ڈرتے ہوں گے۔" میں نے رائے ظاہر کی۔

"ڈاکٹر گوسیبی بہت پڑھا لکھا مگر سخت گیر آدمی ہے۔ جو سوچ لیتا ہے اسے ہر قیمت پہ کر گزرتا ہے۔" اس کے منہ سے وہ نام سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ "دراصل اس ہوٹل کے داخلے کے راستے پر خفیہ ویڈیو کیمرے لگے ہوئے ہیں جن کی مدد سے ہر شو میں آنے والوں کی فلم بنتی رہتی ہے اور پولیس کے محکمے کا ایک ریٹائرڈ افسر مانیٹرنگ روم میں اسکرین پر براہِ راست آنے والوں کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ اگر کوئی ناپسندیدہ شخص اندر آ جائے تو کلب کے محافظ خاموشی کے ساتھ اسے اٹھا کر ہال سے باہر فٹ پاتھ پر پھینک دیتے ہیں۔ اسی لیے میلان کے شرفا کی بڑی تعداد ہمارے مستقل سرپرستوں میں شامل ہوتی جا رہی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہماری بھی فلم بنی ہوگی؟" میرے بجائے وہ اہم سوال نادیہ نے کر ڈالا۔

"بالکل بنی ہوگی۔" اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "آج ڈاکٹر گوسیبی اپنے ایک مہمان کے ساتھ بذاتِ خود مانیٹرنگ روم میں موجود ہے ورنہ میں وہاں فاضل اسکرین پر تمھیں تمھاری فلم دکھا سکتا تھا۔ تم آج بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔ تمھاری تصویریں بہت عمدہ آئی ہوں گی جنھیں ڈاکٹر بھی دیکھتا رہ گیا ہوگا۔"

وہ اطلاع میرے لیے چونکا دینے والی تھی اس لیے میں نے سرسری لہجے میں دریافت کیا۔ "کیا آج کوئی خاص بات ہے جو تمھارا ڈاکٹر بذاتِ خود مانیٹرنگ روم میں موجود ہے؟"

"میرے لیے تو سب سے خاص بات یہی ہے کہ آج ..... نادیہ بنگالا میرے کلب میں آئی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "دوسری کوئی بات میرے علم میں نہیں۔ ویسے ضرور کوئی خاص بات ہی ہوگی ورنہ ڈاکٹر ان معاملات میں دخل نہیں دیتا۔"

"ڈاکٹر ہو کر نائٹ کلب چلا رہا ہے۔ اسے تو کوئی اسپتال کھولنا چاہیے تھا۔" نادیہ نے منہ بنا کر کہا۔

"وہ پی ایچ ڈی ہے۔ معاشیات میں ڈگری لی ہے اس نے۔" لڈوگ اس کی قابلیت سے مرعوب نظر آ رہا تھا۔

میرا دل چاہا کہ اس سے ڈاکٹر گوسیبی کے اس مہمان کے بارے میں تفصیلات دریافت کروں جو اس کے ہمراہ مانیٹرنگ روم میں موجود تھا لیکن ایسے مخصوص سوالات پر لڈوگ میری طرف سے بھڑک سکتا تھا اس لیے میں نے اس بارے میں اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ درحقیقت یہ تھی کہ اس وقت میں جلد از جلد اس نائٹ کلب سے نکل بھاگنے کی فکر میں پڑ گیا تھا۔ ویڈیو کیمروں کی موجودگی کے انکشاف نے مجھے ذہنی طور پر پریشان کر

دیا تھا۔ پھر رہی سہی کسر اس خبر نے پوری کر دی تھی کہ گوسیپی اپنے کسی مہمان کے ساتھ خلافِ معمول خود مانیٹرنگ روم میں موجود تھا۔

آدمی کا ذہن کسی ایک راہ پر لگ جائے تو بہتیرے واقعات کی کڑیاں خود بخود ملتی چلی جاتی ہیں۔ اس وقت بھی میرے ساتھ یہی کچھ ہو رہا تھا۔ لڈوگ، نادیہ کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا اور میرے ذہن میں تیزی کے ساتھ واقعات کی ایک فلم بنتی جا رہی تھی۔

کار کے ساتھ تینوں لاشیں جل کر راکھ ہو گئی تھیں جس کی وجہ سے پولیس کو اس واقعے کی تہ تک پہنچنے میں بہت سی دشواریاں پیش آ سکتی تھیں لیکن جمی لائیڈ بے پناہ وسائل کے ذریعے تیزی سے نتائج اخذ کرنے کا اہل تھا۔

کارلو موریرو بنیادی طور پر میلان کا باشندہ نہیں تھا بلکہ مارسیلز سے چارلس ڈولین کا پیغام ملنے پر پورتو گوریرو سے اپنے ذاتی ہوائی جہاز پر پائلٹ کے ساتھ میلان آیا تھا۔ اُس کا بھائی پالو موریرو اس کا دستِ راست تھا اس لیے ان تفصیلات سے اس کا باخبر ہونا ضروری تھا۔ کارلو اور اس کے پائلٹ کا اپنے جہاز پر واپس نہ پہنچنا، پھر ایک ویران میدان میں جلی ہوئی الفا رومیو میں تین لاشوں کا پایا جانا جمی لائیڈ کو کڑیاں ملانے میں مدد دے سکتا تھا۔

اُسے ایک فون کال کے نتیجے میں لیزلی درہام سے یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ چارلس ڈولین کی ڈیوٹی مارسیلز ائیرپورٹ پر تھی اس لیے وہ سمجھ لیتا کہ چارلس نے مارسیلز سے کسی مشتبہ آدمی کا تعاقب شروع کیا تھا جو میلان تک جاری رہا تھا۔ وہاں اس نے اپنی مدد کے لیے پورتو گوریرو سے کارلو کو طلب کر لیا تھا لیکن پھر جلی ہوئی کار میں تین لاشیں تو دستیاب ہو گئیں لیکن مشتبہ آدمی کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔

اس سے لازمی طور پر ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ میلان میں مشتبہ آدمی کے حامی بھی موجود تھے جن کی مدد سے اس نے اپنے تینوں دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پوسٹ مارٹم ہوتا یا نہ ہوتا۔ جمی لائیڈ پوری صورتِ حال سمجھ سکتا تھا۔ پھر اس مشتبہ آدمی کے خانے میں صرف میرا ہی نام فٹ ہوتا تھا۔

جمی لائیڈ کو ایک بار یہ علم ہو جاتا کہ میں میلان میں موجود تھا تو وہ بہت کچھ اندازے لگا سکتا تھا۔ میلان میں سنی کے مفادات کو نشانہ بنانا میری فہرست کی پہلی ترجیح ہوتی جب کہ ڈاکٹر گوسیپی میلان میں سنی کا چیف تھا اس لیے پہلی فرصت میں میرا اُدھر کا رُخ کرنا ضروری تھا اس وجہ سے عین ممکن تھا کہ جمی لائیڈ اپنے کسی بہروپ میں خود ڈاکٹر گوسیپی سے جا ملا ہو اور پھر میرے استقبال کے لیے اس کے ہمراہ مانیٹرنگ روم میں اسکرین کے سامنے جم گیا ہو۔ مجھ سے نجات حاصل کرنا اس کے لیے دن بدن ایک ڈراؤنا خواب بنتا جا رہا تھا جس کو پورا کرنے کے لیے وہ مسلسل دو چار دن بھی مانیٹرنگ روم میں گزار سکتا تھا۔ لیکن یہ اُس کی خوش نصیبی تھی کہ نادیہ کی دوستی اور اُس کے بوائے فرینڈ زوتی کی سفارش پر میں پہلی ہی شام گیمبلرز میں آ پہنچا تھا جہاں دشمن میری گھات لگائے بیٹھا تھا۔

"آج واقعی کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔" لڈوگ کی تشویش آمیز آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ بڑے غور سے ہال کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کیوں؟ خیریت تو ہے؟" نادیہ اس کے لہجے پر پریشان ہو گئی۔ "کوئی خطرہ ہو تو ہم آرڈر کینسل کر کے ابھی واپس چلے جاتے ہیں۔"

"تمھیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اُس نے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "معلوم ہوتا ہے آج پھر کوئی خطرناک شخص ہال میں گھس آیا ہے۔ نیلے سوٹ اور سرخ ٹائیوں والے ہوٹل کے محافظ ہیں جنھیں ... طرف ایسے ہی مواقع پر ہال میں بھیجا جاتا ہے۔"

اگر ... ان کے لباس کی نشان دہی نہ کرتا تو میرے فرشتے بھی ... تینوں پر شبہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اپنے ہاتھوں میں شراب ... پیالے لیے ایک دوسرے سے الگ تھلگ میزوں کے درمیان ... سے گزرتے ہوئے ہماری طرف بڑھ رہے تھے۔

"... اسی طرف آ رہے ہیں۔" نادیہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ "مجھے ... اختلاج سو رہا ہے۔ میں اب زیادہ دیر تک یہاں نہیں بیٹھ سکتی۔"

"تمھا... آس پاس ہی کوئی شیطان ہوگا جو دو چار گلاس لے کر آپے سے با... ہونا شروع ہو جائے گا اور یہ بڑے اطمینان سے اُسے باہر نکال د... گے۔ تم کیوں اپنی تفریح برباد کر رہی ہو۔" لڈوگ نے کرسی چھوڑتے ہوئے کہا کیونکہ ہمارے لیے کھانے کی ٹرالی آ گئی تھی۔

"نادیہ تمھاری باتوں سے ڈر گئی ہے۔" میں نے اٹھتے ہوئے لڈوگ سے کہا۔ "میں آرڈر کا پورا بل ادا کیے دیتا ہوں تم ذرا نادیہ کو سہارا دے کر میرے ساتھ باہر پہنچا دو۔ موقع ملا تو دو چار روز میں دوبارہ زوتی کے ساتھ آئیں گے۔"

وہ تینوں اس اثنا میں ایسی جگہوں پر جم گئے تھے کہ ان کے قریب سے گزرے بغیر میں نہ نکاسی کے راستے کی طرف جا سکتا تھا نہ ہنگامی دروازے کا رُخ کر سکتا تھا اور نہ ہی ٹوائلٹ جا سکتا تھا۔ چوتھی سمت میں پردے کے پیچھے چھپا ہوا اسٹیج تھا جدھر بھاگنا اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے کے مترادف ہوتا۔ اس لیے اس وقت مجھے لڈوگ کے مراسم کی آڑ لے کر فرار

کی راہ اختیار کرنے میں ہی عافیت نظر آ رہی تھی ورنہ وہ نائٹ کلب میرے لیے موت کا پھندا ثابت ہو سکتا تھا۔

"عجیب بزدل آدمی ہو۔" منہ پھٹ لڈوگ میری فرمائش پر چڑ کر بولا "یہاں کوئی چاند ماری یا دھینگا مشتی نہیں ہوتی۔ سارے معاملات بہت مہذب انداز میں نمٹائے جاتے ہیں۔ نادیہ کو حوصلہ دینے کے بجائے تم تو خود بھاگنے پر آمادہ نظر آ رہے ہو۔"

"غلطی تمہاری ہے۔" میں تے تلخ لہجے میں کہا۔ "تمہیں یہ ساری باتیں ہمیں سنانے کی کیا ضرورت تھی؟ دوسروں کی طرح بے خبری میں بیٹھے مزے سے کھانے اور پروگرام سے لطف اندوز ہوتے رہتے۔ سارا موڈ غارت کر دیا تم نے۔"

"یہ بہت بدتمیز آدمی ہے۔" وہ نادیہ کی طرف جھک کر دھیمے لہجے میں غرایا۔ "آئندہ اسے گیمبلرز میں ساتھ نہ لانا ورنہ میں خود اسے کسی گٹر میں ڈلوا دوں گا۔"

لڈوگ سے بات کھل گئی تھی۔ مجھے نظر آ رہا تھا کہ میں اس بند ہال میں بری طرح گھیر لیا گیا تھا اور کوئی بڑا ہنگامہ کھڑا کیے بغیر میرا وہاں سے نکلنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور بائیں ہاتھ سے لڈوگ کے منہ پر بھرپور تھپڑ رسید کرتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ جیکٹ کی جیب میں ڈالا۔ جوں ہی وہ مشتعل ہو کر میرے اوپر جھپٹا، میں نے اپنے جسم کو اس کے بدن سے ملاتے ہوئے اپنی جیب ہی میں بیم گن کا ٹریگر دبا دیا۔ لڈوگ ایک کریہہ چیخ مار کر اچھلا اور میزوں کے درمیان قالین پر گر کر تڑپنے لگا۔

تھپڑ کی پرشور آواز اور پھر لڈوگ کی چیخ گونجتے ہی ہال میں افراتفری مچ گئی۔ لوگ میز اور کرسیاں الٹتے ہوئے دیوانہ وار چیخوں کے ساتھ نکاسی کے دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔ ہوٹل کے تینوں محافظوں نے بیک وقت اپنی جگہ چھوڑ کر میری طرف بڑھنا چاہا تھا لیکن میزوں سے اٹھ کر بھاگنے والے خوف زدہ گاہکوں کی یلغار میں بری طرح الجھ کر رہ گئے۔

"بھاگو۔" میں نے نادیہ کو جھنجوڑا اور وہ بھی ہذیانی آوازیں نکالتی ہوئی بھاگنے والوں کی بھیڑ میں شامل ہو گئی۔

مجھے اندازہ تھا کہ محافظ راستہ بناتے ہوئے فطری طور پر سب سے پہلے میری طرف آئیں گے۔ میرے پاس بمشکل چند سیکنڈ کی مہلت تھی۔ میں بھاگنے والوں کے قدموں میں تڑپتے ہوئے لڈوگ پر یوں جھکا جیسے اسے سہارا دینا چاہتا ہوں پھر نہایت سرعت کے ساتھ کسی چوپائے کی طرح چلتا ہوا میزوں اور کرسیوں کے درمیان گھس گیا

اس وقت وہاں ایسی افراتفری اور نفسانفسی کا عالم طاری تھا کہ سب لوگ بلا سوچے سمجھے ایک دوسرے کی تقلید کر رہے تھے۔ مجھے ہاتھ پیروں پر دوڑتے دیکھ کر میرے آس پاس کھڑے معقول مردوں اور عورتوں نے بھی بالکل وہی پوزیشن اختیار کر لی۔ اسی لمحے ایک شاندار واقعہ ہوا۔ ہال میں موجود مسلح محافظوں میں سے کسی نے جھلا کر ایک ہوائی فائر جھونک مارا اور افراتفری میں مزید اضافہ ہو گیا۔

ہال میں بھانت بھانت کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ مائیکرو فون پر گاہکوں سے کئی زبانوں میں پرسکون رہنے کی اپیلیں کی جا رہی تھیں۔ وہاں کوئی اس بکواس پر کان دھرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

قالین پر بکھری ہوئی کراکری اور بوتلوں کے درمیان اچانک مجھے ایک اوورکوٹ پڑا ہوا نظر آ گیا تھا اور میں پھرتی کے ساتھ اسے پہنتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ میری تقلید کرنے والے اندھے چوپایوں کی طرح مضحکہ خیز حالت میں میزوں اور کرسیوں کے درمیان بھٹکتے پھر رہے تھے۔ ایک فائر کی آواز نے ان سب سے سیدھا کھڑا ہونے کا حوصلہ بالکل ہی نچوڑ لیا تھا۔

میں اپنی میز اور زخمی لڈوگ سے تو دور نکل آیا تھا لیکن میری بھی سمت غلط تھی۔ اٹھتے ہی میں نے پوری قوت سے دوڑ لگائی اور پھر اکھڑے ہوئے دروازوں سے باہر نکلتا چلا گیا۔

جاتے جاتے میں نے بس اتنا دیکھا کہ گیمبلرز کا خوب صورت اور آراستہ ہال بری طرح تباہ ہو چکا تھا۔ کئی جگہ گری ہوئی موم بتیوں سے آگ لگ گئی تھی۔ تنگ دروازے سے بیک وقت گزرنے کی کوششوں میں نیم مدہوش گاہکوں کی یلغار نے نفیس چوبی دروازے اکھاڑ پھینکے تھے۔ یوں طرب و نشاط کا وہ خوب صورت مرکز آناً فاناً میدان جنگ کا سماں پیش کرنے لگا تھا۔

اوورکوٹ پہن لینے کے بعد دور سے میرا پہچان لیا جانا ناممکن ہو گیا تھا لیکن میرے لیے وہاں رکنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ دوسری طرف مجھے نادیہ کی ہمدردی کا بھی یقین نہیں تھا اس لیے میں اس سے پہلے ہوٹل وینی پہنچ کر اپنی رقم پر دوبارہ قابض ہونا چاہتا تھا۔ اس وقت سلطان شاہ اور ویرا کے انتظار سے بڑھ کر میری سلامتی کا معاملہ اہم ہو گیا تھا۔

گیمبلرز سے بھاگنے والوں میں سے جس کو جو سواری سامنے نظر آئی وہ اسی میں بھاگ نکلا تھا اس لیے مجھے دور دور تک کوئی ٹیکسی نظر نہ آئی۔ میں اندازے سے ایک طرف دوڑ پڑا۔ شاید میں اپنی جھونک میں اسے نظر انداز ہی کر دیتا لیکن اس کے رونے کی آواز میں شناسائی کی جھلک محسوس کر کے میں رک گیا۔

وہ نادیہ ہی تھی اور روتی ہوئی اسی سمت میں چلی جا رہی تھی جدھر میرا رُخ تھا۔

"ارے! تم رو رہی ہو؟" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"چلے جاؤ!" وہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولی "تم بالکل وحشی اور درندے ہو۔ تمھیں لڈوگ پر ہاتھ اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ پتا نہیں اس ہنگامے میں کتنے لوگ زخمی ہوئے ہوں گے..."

"یہ سب تمھاری وجہ سے ہوا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "تم خوفزدہ ہو گئی تھیں اور وہ تمھارا مضحکہ اڑا رہا تھا۔ مجھے اسی بات پر طیش آ گیا۔ لوگ تو خود ہی بھڑک کر بھاگ نکلے تھے ورنہ ذرا سی دیر میں بات ختم ہو جاتی۔"

"میں اتنی خوفزدہ تو نہیں ہوئی تھی کہ رسّیاں تڑا کر وہاں سے بھاگ نکلتی۔" وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے رُندھی ہوئی آواز میں بولی "تم تو بس اُٹھنے کے لیے کسی بہانے کی تلاش میں تھے جو میں نے تمھیں فراہم کر دیا۔"

"یہ تمھاری زیادتی ہے۔" میں نے احتجاج کیا "میں نے جو کچھ کیا تمھاری ہمدردی میں کیا تھا۔ اب تم بالکل بری الذمہ ہونا چاہتی ہو تو اور بات ہے لیکن مجھے تم سے ایسی سرد مہری کی توقع نہیں تھی۔"

"پھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے تند لہجے میں سوال کیا۔ "تم جانتے ہو کہ یہ پولیس کیس بنے گا اور تمھارے ساتھ مجھے بھی گواہوں کے کٹہرے میں بلایا جائے گا۔ اس اسکینڈل کی وجہ سے میرا مستقبل بھی برباد ہو سکتا ہے۔"

"وہ تو تم افغانستان سے، بیرونِ لا کر بھی بنا سکتی ہو۔" میں نے تلخی سے کہا "اب شاید تم ہوٹل جا کر سب کو اس واقعے سے آگاہ کر دو گی تاکہ میرے لیے سر اُٹھا کر چلنا دشوار ہو جائے۔"

"یہ تو ہونا ہی ہے۔ میں خاموش رہ کر تمھارا جرم اپنے سر نہیں لے سکتی۔ صبح کے سارے اخبارات یہ کہانی چھاپیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ لڈوگ یا گیمبلرز کی ویڈیو فلم سے میری اور تمھاری تصاویر نکال کر اخبارات کو جاری کر دیے جائیں۔ میں کہاں جاؤں گی؟"

میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ہوٹل پہنچ کر میرے لیے مشکلات کھڑی کرنے کا مصمم ارادہ کر چکی تھی۔ اس وقت وہاں افراتفری کا راج تھا اور کسی کو کسی پر توجہ دینے کی فرصت نہیں تھی اس لیے میں نے چلتے چلتے بادلِ ناخواستہ اسے ایک دیوار کے ساتھ دھکیل کر اس کے دہانے پر ہاتھ رکھا اور دوسری ہتھیلی سے اس کی کنپٹی پر ہلکی سی ضرب لگا دی۔ ایک جھٹکا لے کر وہ میری بانہوں میں جھول گئی۔ اگر کسی نے ہم دونوں کو دیکھا بھی ہو تو متوالے سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہو گا۔

بے ہوش نادیہ کو فٹ پاتھ پر دیوار کے سہارے لٹاتے ہوئے مجھے اپنی اس حرکت پر دلی افسوس ہوا لیکن اس احمق لڑکی نے میرے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہیں چھوڑا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر کسی راہگیر نے اس پر ترس کھا کر پولیس یا کسی اسپتال کو مطلع نہ کیا تو وہ کم از کم دو گھنٹے تک ہوش میں نہیں آ سکے گی۔ اس دوران میں میں نہایت اطمینان کے ساتھ ہوٹل ڈینی میں اپنا حساب بے باق کر کے کسی اور ٹھکانے کی تلاش میں روانہ ہو سکتا تھا۔

کافی دور چلنے کے بعد میں بالآخر ٹیکسی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہوٹل کی طرف واپس جاتے ہوئے مجھے رہ رہ کر نادیہ کے بارے میں قلق ہو رہا تھا کہ اسے اتنی سردی میں مجھے فٹ پاتھ پر بے ہوش چھوڑنا پڑا تھا۔ حسینۂ اٹلی کے منصب کا خواب دیکھنے والی نرم و نازک دوشیزہ کے لیے ٹھنڈی اور سنگلاخ فٹ پاتھ سے زیادہ سزا کا تصور بھی محال تھا جو اس نے اپنی ضد اور حماقت کی وجہ سے خود اپنے اوپر مسلط کی تھی جب کہ میری نگاہ میں تو ہوٹل ڈینی کے بستر بھی اس لڑکی کے شایانِ شان نہیں تھے۔

میں ہوٹل پہنچا تو کاؤنٹر پر موجود داڑھی والے شخص نے چابی دیتے ہوئے مجھے کسی مہمان کی آمد سے آگاہ کیا۔ میں تیزی سے لاؤنج کی طرف مڑا تو سلطان شاہ میری موجودگی سے بے خبر ٹیلی وژن دیکھنے میں منہمک تھا۔

"میرا کہاں ہے برخوردار؟" میں نے اس کے قریب پہنچ کر اُردو میں سوال کیا تو وہ اپنی جگہ سے اُچھل پڑا۔

"وہ سرحد پار نہیں کر سکی۔" اس نے اُٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "شاید تمھیں مجھ سے زیادہ اس کا انتظار تھا۔"

"بکواس مت کرو ورنہ تمھاری بھی کنپٹی چٹخا کر ابھی کسی فٹ پاتھ پر ڈال دوں گا۔" میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی ہے کہ دیرا کے بغیر تم اتنی آسانی کے ساتھ براہِ راست اس ہوٹل تک آ گئے۔"

"فٹ پاتھ والی بات سمجھ میں نہیں آئی۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔

"میرے پاس وقت نہیں ہے کیونکہ یہاں قدم رکھتے ہی کھیل شروع ہو چکا ہے۔ اس وقت یہاں سے بھاگنے کی فکر کرنی ہے ورنہ رات کسی حوالات میں ہی بسر ہوگی۔" میں نے اسے صورتِ حال کی سنگینی کا احساس دلانا چاہا۔

"لیکن دیرا تو موقع پاتے ہی یہیں پہنچے گی۔" اُس نے کہا۔

"مجبوری ہے۔ اس کے انتظار میں میں اپنی آزادی کو داؤ پر لگانے کی حماقت نہیں کر سکتا۔"

"پھر کہاں جائیں گے ہم؟"

"تھوڑی دیر صبر کرو پھر سب کچھ بتا دوں گا۔" اس سے بات کر کے میں داڑھی والے سے مخاطب ہو گیا۔ میری زبان سے حساب بنانے کا ذکر سن کر وہ چونکا تھا۔

"لیکن تم تو دو چار روز ٹھہرنے والے تھے، یا یہ رات بھی نہیں گزار رہے؟"

"میرا ساتھی ایک ایسی ہی خبر لایا ہے کہ مجھے فوراً واپس جانا پڑ رہا ہے۔ چند روز میں واپس لوٹوں گا تو تمھارے ہی ہوٹل میں قیام کروں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے اطمینان دلایا اور وہ رسید بنانے میں مصروف ہو گیا۔

"سرحد پر اطالوی بڑی سخت چیکنگ کرتے ہیں۔" لفٹ میں اوپر جاتے ہوئے اس نے بتایا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ دیرا ایک آدھ روز میں ہی کوئی نہ کوئی راستہ نکال لے گی۔ وہ واقعی بہت چالاک عورت ہے۔"

"خوشی کی بات ہے کہ تم اس کی تعریف کر رہے ہو کہو تو تمھارے رشتے کی بات ڈال دوں اس سے۔" میں نے دوسری منزل پر لفٹ سے اترتے ہوئے ہنس کر کہا اور وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

میرا کمرا دیکھ کر سلطان شاہ حیران رہ گیا۔ وہ سمجھا کہ میں نے دانستہ تین بستروں والا کمرا ایک کرایا تھا تاکہ تینوں ایک ساتھ رہ سکیں۔ میری وضاحت پر وہ اطالوی کھوپڑیوں کے حق میں دعائے خیر کر کے رہ گیا۔

سلطان شاہ منہ ہاتھ دھو کر فارغ ہوا تو میں اپنا مختصر سا بیگ لے کر کمرے سے واپس ہو لیا۔

"مقدر میں کہیں بھی چین نہیں ہے۔ سوچا تھا کہ چند روز میلان میں آرام کریں گے تو تم پہلے ہی بھاگنے پر تلے بیٹھے ہو۔" وہ بڑبڑایا۔

"آج ستارے ہی یاور تھے کہ زندہ لوٹ آیا ورنہ بے خبری میں ہی دھر لیا جاتا۔ صبح کے اخبارات اس واقعے کے بارے میں عجیب عجیب کہانیاں چھاپیں گے اور اس آزادی کا سبب ایک ایسی حسین لڑکی بنی ہے جو مس اٹلی کے مقابلے میں حصہ لینے کی امیدوار ہے۔"

"لڑکی تمھیں یہاں بھی مل گئی؟" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اپنے اپنے مقدر کی بات ہے۔ میرے پہنچنے سے پہلے اسی ہوٹل میں میرا انتظار کر رہی تھی اور تمھیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میں نہایت بے رحمی کے ساتھ اسے ایک ٹھنڈی فٹ پاتھ پر سلا کر آیا ہوں۔"

"کنپٹی چٹخا کر؟" اس نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"درست سمجھے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "شی کے اڈے پر اگر اس لڑکی کی واقفیت نہ ہوتی تو اس وقت میرے بجائے شی کے ہرکارے ہی اس ہوٹل میں تمھارا استقبال کرتے۔"

"پھر تو یہاں سے جلدی نکلو۔ معلوم ہوتا ہے کہ شی دانے بھی سایہ بن کر تمھارا پیچھا کر رہے ہیں۔"

نیچے آ کر میں نے داڑھی والے سے رسید کے ساتھ اپنی پیشگی جمع کرائی ہوئی رقم کا بقایا وصول کیا۔ عینک والے کو ٹپ دی اور ان دونوں کا شکریہ ادا کر کے واپسی کے لیے مڑا تو زوتی دروازہ کھول کر ہوٹل میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا لیکن پھر بھی دروازہ پکڑے کھڑا رہا۔ پھر اس کے بعد دیگرے چار خوش حال اور بے فکرے افراد اندر داخل ہوئے اور زوتی نے دروازہ چھوڑ دیا۔

اس کے ساتھ آنے والوں کی چال ڈھال اور اطوار سے واضح طور پر امیرانہ بے نیازی ٹپک رہی تھی۔ وہ بے پروایانہ انداز میں ہم دونوں کے قریب سے گزر گئے لیکن زوتی میرے سامنے جم کر کھڑا ہو گیا۔

اس کے سانسوں سے الکحل کی بو آ رہی تھی۔ آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اپنے فیاض ملاقاتیوں کے ساتھ وہ اپنی اوقات سے زیادہ پی کر آیا تھا اور میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ بڑے غلط وقت پر آیا تھا۔ اگر اسے چند منٹ کی تاخیر ہو جاتی تو میں کسی بھی ناخوشگوار بازپرس سے دو چار ہوئے بغیر ہوٹل وینی سے رخصت ہو سکتا تھا۔

چند ثانیے اعصاب شکن خاموشی طاری رہی پھر وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا۔

"نادیہ کہاں ہے؟" زوتی نے سرد اور انتہائی غیر دوستانہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

نادیہ بنگالا

کے بارے میں زوقی کا وہ سوال میرے لیے غیر متوقع اور پریشان کن تھا۔ اگر میں جھوٹ بول دیتا کہ وہ اوپر اپنے کمرے میں موجود ہے تو زوقی چند ثانیوں میں میرا جھوٹ پکڑ سکتا تھا۔ وہ کاؤنٹر سے انٹرکام پر اپنے کمرے کا نمبر ملاتا اور وہاں سے کوئی جواب نہ ملنے پر با آسانی میرا جھوٹ پکڑ لیتا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا بہانہ اسے مطمئن نہیں کر سکتا تھا۔ وہ نشے کی حالت میں ضرور تھا لیکن اس کے تیوروں اور لکنت سے عاری لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے اپنے ذہن پر پوری طرح قابو حاصل تھا اور اسے فریب دینا آسان کام نہیں تھا۔

"وہ وہیں رُک گئی ہے۔" میں نے سوچ بچار میں زیادہ وقت ضائع کیے بغیر پُرسکون لہجے میں کہا۔ "شو ختم ہونے کے بعد تمہارا دوست لڈوگ ہان مجھے بھی روکنا چاہ رہا تھا لیکن میرا یہ مہمان آنے والا تھا اس لیے میں اس کی دعوت قبول نہیں کر سکا لیکن اس نے نادیہ کو روک لیا۔ وہ بعد میں آجائے گی۔"

"شاید تم ہوٹل چھوڑ کر جا رہے ہو۔" اس نے مجھے اور سلطان شاہ کو باری باری گھورتے ہوئے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر نادیہ رات بھر واپس نہ آئی تو میں اسے کہاں تلاش کروں گا؟"

"رات بھر نہ آئی تو صبح ضرور آجائے گی۔" میں نے بے خوفی کے ساتھ کہا۔ "وہ لڈوگ ہان سے خاصی متاثر نظر آ رہی تھی۔ کوئی گڑبڑ ہو تو تم لڈوگ کو فون کر کے نادیہ کی واپسی کا مطالبہ کر سکتے ہو۔"

اسی لمحے زوقی کے ہمراہ ہوٹل میں داخل ہونے والے چار اوباش افراد میں سے ایک نے اونچی آواز میں اطالوی میں اسے مخاطب کیا۔ زوقی نے پلٹ کر اطالوی میں اسے کچھ بتایا اور وہ چاروں ہی بیک وقت کچھ تحقیر آمیز آوازیں نکالتے ہوئے کاؤنٹر سے واپس ہماری طرف آئے تھے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ زوقی پر ان چاروں کو بالادستی حاصل تھی اور وہ ان سے پوری طرح مرعوب نظر آ رہا تھا۔

پھر ان چاروں میں سے ایک نے سلطان شاہ کے سامنے رُک کر کچھ دریافت کیا۔ اس شخص کی انگلی میں ہیرے کی بیش قیمت انگوٹھی کے علاوہ کلائی پر طلائی گھڑی بھی نظر آ رہی تھی۔ اس کے انداز گفتگو سے نخوت ٹپک رہی تھی لیکن تمام تر آسودہ حالی اور خود پسندی کے باوجود وہ غنڈہ گردی یا مار دھاڑ کا عادی نظر نہیں آ رہا تھا۔

"یہ صرف انگریزی سمجھتے ہیں۔" زوقی نے بڑھ کر خوشامدانہ لہجے میں اس سے انگریزی میں ہی کہا۔ "یہ نادیہ کے ساتھ گیا تھا۔ دوسرے کو میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔"

"نادیہ کہاں ہے؟" زوقی سے اشارہ پاتے ہی وہ شخص انگریزی میں مجھ سے مخاطب ہو گیا۔

"زوقی کے ایک پرانے دوست کے پاس ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "چاہو تو یہی بات کسی دیوار پر لکھ دوں تاکہ مجھے بار بار یہی الفاظ نہ دہرانے پڑیں۔"

"کس دوست کے پاس ہے وہ؟" اس نے زوقی سے سوال کیا۔ اس وقت اُس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہو گئی تھی جو شاید اس کے دل میں انگڑائیاں لیتی ہوئی حیوانی خواہشات کی عکاسی کر رہی تھی۔

"اس کا ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا۔" زوقی نے اسے یقین دلاتے ہوئے بے بسی کے ساتھ کہا۔ "اسے معلوم تھا کہ آج شام میں مقابلۂ حسن کے سلسلے میں تم لوگوں سے ملنے والا ہوں۔ وہ کہیں نہیں رُک سکتی۔۔۔ اتنا تو وہ بھی سمجھتی ہے کہ مقابلۂ حسن میں حصہ لینے اور پھر جیتنے کے لیے کیسے کیسے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔"

"وہ جاتی ہے تو اس وقت اسے یہاں ہونا چاہیے تھا۔" اس شخص نے زوقی کی کمزوری بھانپ کر بے پروائی کے ساتھ سخت لہجے میں کہا۔ "ہم اس کے انتظار میں اپنی رات کالی نہیں کر سکتے۔"

"یہ تم لوگوں کے آپس کے معاملات ہیں۔ ہمارا اس سے کیا واسطہ؟" میں نے یہ کہتے ہوئے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھنا چاہا لیکن زوقی نے ہماری راہ روک لی۔

"جب تک میں فون پر لڈوگ ہان سے بات نہ کر لوں تمہیں یہیں رُکنا ہو گا۔" اس نے تیز لہجے میں کہا۔ "اگر اس نے اپنے پاس نادیہ کی موجودگی کی تصدیق کر دی تو تمہیں جانے کی اجازت مل جائے گی۔"

"ورنہ تم ہمیں سولی پر لٹکا دو گے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "نادیہ کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے یہ اس کا اور تمہارا ذاتی معاملہ ہے شاید وہ تم سے زیادہ خوش بھی نہیں ہے۔ پھر ہمیں اس چکر میں کیوں گھسیٹ رہے ہو؟"

"میں گھسیٹ رہا ہوں!" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔ "وہ تمہارے ساتھ گئی تھی اور اسے تمہارے ساتھ ہی واپس آنا تھا۔ اب وہ نہیں آئی ہے تو اس کی پوری ذمے داری تم پر آتی ہے۔"

اسی وقت ہوٹل کے کاؤنٹر سے ایک باریش شخص نکل کر وہاں آ پہنچا۔ لہجوں کی بنا پر غالباً اس نے کسی تنازعے کا اندازہ لگا لیا تھا اس لیے آتے ہی قدرے بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تم لوگوں کو اس تنگ راہداری میں آنے جانے والوں کی وجہ سے پریشانی ہو سکتی ہے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم اپنے کمرے یا ہوٹل کی لابی میں بیٹھ کر اپنے معاملات طے کر لو۔" اس نے خوبصورتی کے ساتھ ہمیں راہداری خالی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

زوقی نے ہمیں نظر انداز کر کے استفسار طلب نگاہوں سے اپنے مہمانوں کی طرف دیکھا اور ہیرے کی انگوٹھی والا فوراً ہی بول پڑا۔ "چلو! اوپر کمرے میں چلتے ہیں۔ اگر لڑکی کی جلد واپسی کی امید نہ ہو تو ہمیں اسی وقت چلے جانا چاہیے۔ ہمارا وقت بہت قیمتی ہے۔ بعد میں تم نادیہ کو کسی وقت میرے پاس لا سکتے ہو۔"

وہ زوقی کا کمزور پہلو تھا کیونکہ اس شخص کے منہ سے واپسی کا ذکر سنتے ہی اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ شاید وہ بڑی محنت کے ساتھ ان چاروں کو پھانس کر ہوٹل ذینی تک لایا تھا تاکہ انھیں نادیہ بنگالا کے حسن سے مسحور کر کے ان کے گرد اپنی گرفت مضبوط کر سکے لیکن نادیہ کے موجود نہ ہونے کے باعث وہ ہاتھ آئی ہوئی چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلتے ہوئے نظر آ رہے تھے اور زوقی اپنی محنت کو اتنی آسانی کے ساتھ رائیگاں جاتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"اوپر چلو!" اس نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ "چند منٹ میں سارا معاملہ صاف ہو جائے گا۔ یہ دونوں بھی ہمارے ساتھ اوپر ہی چلیں گے تاکہ وہاں ہم اطمینان سے بات کر سکیں۔"

"میرے مہمان کو اس معاملے سے الگ رکھو۔ یہ نیچے ہی میرا انتظار کرے گا۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"تم نیچے ہی میرا انتظار کرو، میں ان سے پیچھا چھڑا کر واپس آتا ہوں۔" زوقی کی خاموشی کو اس کی رضامندی تصور کرتے ہوئے میں نے اردو میں سلطان شاہ سے کہا۔ "یہ معاملہ گلے پڑتا ہوا نظر آ رہا ہے۔"

سلطان شاہ لابی کے راستے پر ہو لیا اور میں ان پانچوں کے ساتھ لفٹ کی طرف ہو لیا۔ مختصر سی لفٹ میں ہم سب ایک ساتھ سوار ہوئے تو فوراً ہی پینل پر اوور لوڈ کی سرخ روشنی جل اٹھی۔ وہ صورت حال پیچیدہ تھی۔ زوقی کو کمرے کا دروازہ کھولنے کے لیے مہمانوں کی پہلی کھیپ کے ساتھ اوپر جانا ضروری تھا اس لیے وہ تذبذب میں تھا لیکن ان چاروں میں سے ایک نے زوقی کے ساتھ چند فقروں کے تبادلے کے بعد اس کی مشکل آسان کر دی اور زوقی مجھے ساتھ لے کر لفٹ سے باہر نکل گیا۔

"میں تمھیں تمھارے مہمانوں کے سامنے شرمندہ نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔" لفٹ کا دروازہ بند ہوتے ہی میں نے اس سنہری موقعے سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے زوقی سے بے تکلفانہ لہجے میں کہا۔ "نادیہ کو گیمبلرز میں ایک اونچا شکار نظر آ گیا تھا۔ وہ پورا پروگرام دیکھے بغیر مجھے اکیلا چھوڑ کر اس کے ساتھ چلی گئی۔۔۔ لڈوگ بے چارہ اس کے بارے میں تمھیں کچھ بھی نہیں بتا سکے گا۔"

"اوہ! یہ بہت برا ہوا۔" وہ اضطراری لہجے میں بولا۔ "آج نادیہ کو کہیں نہیں جانا چاہیے تھا۔ یہ میلان کے وہ بارسوخ امراء ہیں جو کسی لڑکی پر مہربان ہو جائیں تو راتوں رات اسے شہرت کے آسمان پر پہنچا سکتے ہیں۔ میں بڑی مشکل سے انھیں گھیر گھار کر یہاں تک لایا تھا اور یہ نادیہ کے ساتھ کچھ وقت گزار کر اس کے بارے میں اپنی رائے قائم کرنے والے تھے۔"

"لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے؟" میں نے سادگی کے ساتھ کہا۔ "تم تو مجھ سے لڑنے پر ہی تل گئے تھے۔ اب کہو تو یہی بات ان کے سامنے بھی دہرا دوں۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ لوگ میری سنائی ہوئی کہانی پسند نہیں کریں گے۔"

وہ چاہتا تو مجھ سے سوال کر سکتا تھا کہ ابتداً میں اس نے خلوت میں مجھ سے بات کی تھی اس وقت میں نے اسے حقیقت سے آگاہ کیوں نہیں کیا؟ اس کے مہمان تو بعد میں ہماری گفتگو میں دخل انداز ہوئے تھے لیکن زوقی اس وقت نشے کی حالت میں تھا۔ اس کا ذہن بیدار ضرور تھا لیکن زنگ آلود ہو چکا تھا اور پھر اس پر اس وقت ایک ہی فکر سوار تھی کہ وہ جن سونے کی چڑیوں کو پھانس کر لایا تھا وہ کسی بھی لمحے پھر سے اڑ سکتی تھیں۔

"ہرگز نہیں۔ اچھا کیا کہ تم نے اصل بات نہیں بتائی، لیکن اب کیا ہو گا؟"

"یہ خریدار ہیں نادیہ کے؟" میں نے دھیمے اور ہمدردانہ لہجے میں سوال کیا۔

"احمق ہو تم!" وہ بگڑ کر بولا۔ "یہ فیشن کی دنیا کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ تین برس سے صرف وہی لڑکی مس اٹلی منتخب ہوتی ہے جسے یہ چاروں کسی نہ کسی طرح آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔ ان میں سے ایک بی۔ ایم۔ ڈبلیو کار کا مقامی ایجنٹ ہے۔ اس بار تو وہ خود ایک لڑکی کو اس مقابلے کے لیے اسپانسر کرنے والا ہے۔ میری کوشش ہے کہ وہ کسی طرح نادیہ کو اپنے ادارے کی نمائندگی کے لیے منتخب کرے تو ہمارے وارے کے نیارے ہو سکتے ہیں۔" اسی وقت لفٹ مہمانوں کو چھوڑ کر نیچے لوٹ آئی۔

"پھر اب میں اوپر جا کر کیا کہوں؟ تم نے تو انھیں میری طرف سے بدظن کر ہی دیا ہے۔"

"بھاگ جاؤ!" وہ اعتماد سے عاری لہجے میں بولا۔ "تم اوپر جا کر میرا معاملہ بگاڑ دو گے۔ اب اپنا کھیل مجھے خود ہی سنبھالنا ہو گا۔ نادیہ کو بھی غائب ہونے کے لیے آج کی رات ہی ملی تھی۔"

اپنی بات پوری کرتے ہوئے وہ لفٹ میں داخل ہو گیا اور میں پھرتی سے لابی کی طرف ہو لیا۔ سلطان شاہ وہاں ٹیلی وژن دیکھنے کے بجائے اسی طرف متوجہ تھا جدھر سے میں واپس لوٹا تھا۔ میرا اشارہ پاتے ہی اس نے خوشگوار حیرت کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ

وی اور ہم دونوں تیزی کے ساتھ ہوٹل وینس سے باہر نکل گئے۔

رات گہرا آلود اور یخ بستہ تھی۔ اندر کے گرم ماحول سے باہر نکلتے ہی خنک ہوائیں بہت ناگوار محسوس ہوئی تھیں۔ ہم نے اپنی جیکٹوں کے کالر کھڑے کیے اور پھر تیزی کے ساتھ میٹرو اسٹیشن جانے والے راستے پر ہو لیے کیونکہ رات کافی گزر چکی تھی اور سڑک میں پیوست آہنی پٹڑیوں پر کسی ٹرام کے نمودار ہونے کی کوئی امید نہیں رہ گئی تھی۔

"بڑی جلدی لوٹ آئے!" سلطان شاہ نے سردی سے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"اوپر جانے کی نوبت ہی نہیں آئی، اس نے نیچے سے ہی مجھے بھگا دیا۔"

"کیا وہ لڑکی اسی کی بیوی ہے؟" سلطان شاہ نے احمقانہ لہجے میں سوال کیا۔

"مس کنواری لڑکی کو کہتے ہیں۔" میں نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "وہ مس اٹلی بننے کے خواب دیکھ رہی ہے اس لیے مقابلہ منعقد ہونے تک اس کی شادی کا کوئی امکان نہیں۔ زوتی اس کا بوائے فرینڈ ہے۔ بہت ہی گھناؤنے کردار کا مالک ہے۔ اس سے ملنے کے بعد اطالوی مردوں کے بارے میں میری رائے بدل گئی ہے۔ ان میں مردانگی نام کو بھی نہیں پائی جاتی۔"

وہ ہنسا۔ "اپنے معیار سے دیکھو گے تو پورے مغرب میں ایک بھی مرد نہیں مل سکے گا۔ معزز ترین لوگ بھی اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو دوسروں کی آغوش میں دے کر خود نت نئی عورتوں کے ساتھ ناچنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔"

"ناچنے کی بات نظر انداز کی جا سکتی ہے کیونکہ اسے انھوں نے اپنی معاشرتی مجبوری بنا لیا ہے۔ ایسے تبادلوں کی کوکھ سے اکثر بے مثال دوستیاں اور ناقابل تصور کاروباری فائدے بھی جنم لیتے ہیں لیکن زوتی اپنی مردانہ وجاہت کے باوجود نادیہ کے حق میں کھلا کھلا بردہ فروش بنا ہوا ہے۔ اسے ان چاروں سے یہ امید ہے کہ وہ اس کی گرل فرینڈ کو ایک بار اچھی طرح دیکھ لیں تو اسے مس اٹلی کے مقابلے میں نامزد کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔"

"لعنت ہے اس چھ فٹے حسین نوجوان پر۔" سلطان شاہ نے حقارت سے کہا۔ "اور وہ لڑکی بھی خوشی کے ساتھ اس کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہے؟"

اسٹیشن ذرا دور تھا اس لیے میں نے اختصار کے ساتھ اس انوکھے جوڑے کی کہانی چھیڑ دی۔ سلطان شاہ کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہ دونوں نیپلز سے پاکستان جانے کا قصد کر کے نکلے تھے تاکہ خیبر کے سرحدی علاقوں سے سستے داموں کچھ ہیروئن خرید کر واپس یورپ آ سکیں اور ہیروئن کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم کے سہارے اپنی زندگی عیش سے گزار سکیں۔

"ہیروئن کے لیے پاکستان اتنا بدنام ہو گیا ہے کہ اب عام لوگ بھی اسے ایک آسان مرکز سمجھنے لگے ہیں؟" اس نے حیرت کے ساتھ مجھ سے سوال کیا تھا۔

"پاکستان ہی نہیں بلکہ افغانستان بھی!" میں نے اس کی تصحیح کی۔ "روسیوں کے خلاف مزاحمت کرنے والوں نے اپنی مالی ضروریات سے مجبور ہو کر سرحد کے دونوں طرف دل کھول کر پوست کی کاشت کی ہے اور ہیروئن کے کارخانے لگائے ہیں۔ ان کی آڑ میں پیشہ ور منشیات فروشوں نے بھی ہاتھ رنگے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ افغانستان میں جنگ جاری ہے۔ راستے مخدوش اور زندگی بہت کٹھن ہو گئی ہے جبکہ پاکستان میں امن ہے اس لیے مہم جو لوگ زیادہ تر پاکستان کا ہی رُخ کرتے ہیں۔ سیاحت کے بہانے مطلوبہ اڈوں تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور مال لے آتے ہیں۔"

"اس کی ایک وجہ یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ منشیات فروشوں کے خلاف ہمارے قوانین بہت نرم ہیں اور جو تھوڑی بہت سزائیں مقرر ہیں وہ بھی اس لیے غیر مؤثر ہو کر رہ گئی ہیں کہ معاشرے میں رشوت کو بے پناہ فروغ ملا ہے۔ لے دے کر بڑے سے بڑا جُرم بھی آسانی کے ساتھ چھپایا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ منشیات فروشوں کے خلاف سخت قانون کیوں نہیں بنایا جاتا؟ یہ لوگ باہر سے زیادہ ہمارے ملک میں زہر پھیلا رہے ہیں۔ باہر کے ملکوں میں بیشتر لوگ منشیات کے عادی ہیں۔ وہ الکحل اور شراب چھوڑ کر ہیروئن کے تیز نشے کی طرف راغب ہوتے ہیں جبکہ ہمارے ملک میں نئے لوگوں کو اس کا عادی بنایا جا رہا ہے، مزدور اور طالب علم تباہ ہو رہے ہیں۔"

"سخت قانون بنانا اب اتنا آسان نہیں رہا مائی ڈارلنگ۔" میں نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "تم بہت دیر میں میرے ساتھ ملے ہو ورنہ تمھیں بھی معلوم ہوتا کہ بہتیرے معتبر اور بارسوخ لوگ بھی پیسے کی کشش میں ہیروئن کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ اوّل تو وہ پوری قوت کے ساتھ ایسے قوانین کی مخالفت کریں گے اور اگر قانون بن بھی گیا تو صرف رشوت کا بھاؤ چڑھے گا اور رشوت خور اہل کار ایسے ہر قانون کو بُری طرح ناکام بنا دیں گے۔"

"تمھارے لب و لہجے سے مایوسی کی بُو آ رہی ہے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ ہم اس عفریت سے کبھی بھی نجات حاصل نہ کر سکیں گے اور یہ ہولناک بلا دھیمے دھیمے ہماری نئی نسل کو اپنے شکنجے میں لیتی چلی جائے گی۔"

"مایوسی نہیں یہ حقائق ہیں۔ تلخ اور بدترین حقائق۔ آج تم میرے ساتھ ہیروئن کے خلاف جہاد کر رہے ہو لیکن سچ سچ بتاؤ کہ تم اپنا گھر بار چھوڑ کر سیکڑوں میل دور عقرب خان اور مقرب خان کے پاس کیا اس لیے نہیں آئے تھے کہ ان سے راتوں رات امیر بننے کا نسخہ معلوم کر کے خود بھی دولت مند بن سکو؟ وہ تو انھوں نے ہی تمھیں اپنے دھندوں کی ہوا نہیں لگنے دی اور تم اپنی گزر اوقات کے لیے عیسیٰ خان کے پاس نوکری کرنے پر مجبور ہو گئے!"

"ورنہ آج میں بھی خاصا مشہور منشیات فروش ہوتا۔" اس نے اپنی دانست میں میری بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ کہ اب اس وبا سے نجات کی بھی کوئی صورت نظر آتی ہے یا نہیں؟"

"بظاہر یہ قانون شکنی کا معاملہ نظر آتا ہے لیکن اب بات اس سطح سے بہت آگے نکل چکی ہے۔" میں نے قدرے توقف کے دوران میں سگریٹ سلگانے کے بعد کہا۔ "جن لوگوں کو اس دھندے کی چاٹ لگ گئی ہے وہ آسانی کے ساتھ اس سے دست بردار نہیں ہوں گے۔ پاکستان کی حکومت اپنے سارے وسائل استعمال کر کے سرکاری کاروبار چلانے کے لیے بجٹ کے نام پر پورے سال میں جتنی رقم فراہم کرتی ہے اس سے کہیں زیادہ رقم چند گنے چنے اور بارسوخ منشیات فروش ہیروئن کے کالے دھندے سے کماتے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اپنی آمدنی پر وہ حکومت کو کوئی محصول یا ٹیکس نہیں دیتے۔ اس طرح ملک میں دو متوازی معیشتیں چل رہی ہیں۔ ان کالے دھن والوں کو جب بھی اپنا مستقبل خطرے میں نظر آیا، وہ مزاحمت کے لیے اپنی تجوریوں کے دہانے کھول دیں گے۔ تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ جب ان کی آمدنی اتنی بے تول ہے تو ان کے اثاثے کس قدر بیش قیمت ہوں گے۔۔۔!"

"لیکن تجوریاں کھول کر وہ کیا کریں گے؟ وہ دس بیس افسروں کو تو رشوت سے خرید سکتے ہیں لیکن دس کروڑ عوام اور پوری انتظامیہ کو تو نہیں خرید سکتے۔ انھیں ہر حال میں ہتھیار ڈالنے پڑیں گے۔"

"عوامی قوت کو پارہ پارہ کرنے کے دوسرے طریقے ہوتے ہیں۔ تم دیکھ ہی چکے ہو کہ شتی ہیروئن کے بعد اسلحے کی غیر قانونی تجارت میں دلچسپی لیتی ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں بلکہ ایک گھناؤنی سازش ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں کچھ حساس سیاسی مسائل اور قوتیں ہوتی ہیں۔ کہیں ان کا زور کم اور کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ اگر حکومت منشیات فروشی کے خلاف سخت قانون بناتے اور پھر اس کے نفاذ پر تل جاتے تو حساس مسائل کو چھیڑ دیا جائے گا۔ زیر زمین قوتوں کو اسلحہ اور سرمایہ فراہم کر کے میدان میں لایا جائے گا۔ جب لوگ ذات پات اور علاقوں کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار اٹھالیں تو بڑی بڑی مستحکم حکومتیں لرزہ براندام ہو جاتی ہیں اور نظم و نسق کے گمبھیر مسائل میں الجھ کر منشیات فروشی کو بھول جاتی ہیں۔ لوگ منشیات اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کو قومی ترجیحات کی فہرست میں شامل کرنا کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ وہ اس سے مقامی سطح کی معاشرتی لعنت کے طور پر نمٹتے ہیں لیکن دنیا کے بہت سے ملکوں میں کالے دھن کی یہ سیاست زور پکڑ رہی ہے۔ ایک نہ ایک دن لوگوں کو یہ احساس کرنا پڑے گا کہ بڑے بڑے قومی سانحوں کی پشت پر صرف اور صرف ڈرگ مافیا کے مفادات کارفرما تھے۔ جنوبی امریکا کے کئی ملکوں میں ایسے مفادات کے نتیجے میں حکومتیں عتاب میں آچکی ہیں۔ کالے دھن کی معیشت کے بادشاہ خود کسی ملک پر حکمرانی نہیں کرتے لیکن بادشاہ گر ضرور بن بیٹھے ہیں۔ کرسیِ اقتدار پر بس وہی لوگ ٹک سکتے ہیں جو انھیں پسند ہوں۔ غنیمت یہ ہے کہ پاکستان میں ایسے لوگوں کو ابھی ایسی لامحدود طاقت نہیں مل سکی ہے لیکن ان سے غفلت برتی گئی تو وہاں بھی یہ سروں پر ناچنے لگیں گے۔"

"تم مبالغے سے کام لے رہے ہو۔" وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "جس بات کو ثابت کرنے پر تل جاؤ، اس کے حق میں سارا زورِ بیان صرف کر دیتے ہو۔ کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ پاکستان میں آئے دن ہونے والے لسانی اور علاقائی فسادات ڈرگ مافیا کرا رہی ہے جب کہ سرکاری اہل کاروں کی بڑی تعداد ناقص قوانین کی وجہ سے یا رشوت کے باعث ان کی سرگرمیوں سے چشم پوشی کر رہی ہے اور وہ کسی بڑی رکاوٹ کے بغیر اپنا کام کر رہے ہیں؟"

"بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے لیکن حقیقت شاید اتنی سادہ نہیں ہے۔ سیاسی بلیک میلنگ میں پہل کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ فیصلہ سامنے آجائے تو اسے واپس نہیں لیا جا سکتا اس لیے فیصلوں کو رد کرنے کی خاطر طاقت اور دہشت گردی کے بدترین مظاہرے کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی اسباب ہو سکتے ہیں لیکن یہ سمجھ لو کہ گوریلا چھاپوں کی طرز پر ہونے والی مسلح کارروائیاں مضبوط پشت پناہی اور منصوبہ بندی کے بغیر نہیں کی جا سکتیں۔ وہ زیادہ تر مسلک اور علاقے کا لحاظ کیے بغیر بربریت کا ننگا ناچ ناچتے ہیں۔ پھر ہر مرنے والے کے ہم زبان اور ہم خیال ان کا مشن خود سنبھال لیتے ہیں۔ نادانستگی میں ہونے والا یہ فطری

ردِ عمل ان بھیڑیوں کا بہترین ہتھیار ہے اس وجہ سے لوگوں کی نگاہیں ان تک نہیں پہنچ پاتیں۔"

"یہ سب چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ اس کہانی کا کہیں اختتام بھی ہوگا یا یہ یوں ہی چلتی رہے گی؟"

"قیادت۔ صرف بے لوث قیادت ہی عبرتناک قوانین بنا کر اس فتنے کا سدِ باب کرسکتی ہے۔ سچ پوچھو تو ہمارے معاشرے میں ابھی تک منشیات فروشی سے حقیقی نفرت پیدا نہیں کی جاسکی ہے۔ دس بیس روپے کی پڑیا بیچنے والوں سے بہتیرے لوگ عداوت رکھتے ہیں اور جو دن رات دولت میں کھیلتے ہیں انھوں نے اپنی سخاوت اور دریا دلی سے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کی ہوئی ہیں۔ ہر شیطان اپنے علاقے کا سلطانہ ڈاکو بنا ہوا ہے جو امیروں کو لوٹ کر غریبوں کی حاجت روائی کرتا ہے اور کوئی اس کی مخبری نہیں کرتا، نہ اسے اپنے گھر سے نکالتا ہے۔ جب تک یہ رجحان ختم کر کے لوگوں کو ان بھیڑیوں کا اصل روپ نہیں دکھایا جائے گا، ان کی بیخ کنی نہیں کی جاسکے گی۔ انھیں ہنگامی بنیادوں پر پورے وسائل اور قوت کے ساتھ کچلنا پڑے گا۔"

آخر کار پاسٹیور میٹرو اسٹیشن آگیا اور ہم دونوں سردی سے بچنے کے لیے تیزی کے ساتھ زیرِ زمین جانے والے زینوں میں گھس گئے۔

لندن کے برعکس میلان میں زیرِ زمین ریلوے کا نظام بہت سہل تھا کیونکہ وہاں صرف دو ہی روٹ تھے جو چند گنے چنے اسٹیشنوں پر ایک دوسرے کو کراس کرتے تھے ورنہ ہر اسٹیشن سے صرف ایک ہی ٹرین ملتی تھی۔ سفر کی سمت کے لحاظ سے مسافر دو میں سے اپنی ضرورت کے پلیٹ فارم کا انتخاب کرسکتا تھا۔

اندر بنے ہوئے کشادہ برقی زینوں سے پہلے داخلے کے راستے پر خود کار رکاوٹیں تھیں اور وہیں ایک شخص کیبن میں ٹیلی وژن کی روشن اسکرین پر مسافروں کا جائزہ لینے پر مامور تھا۔ اس وقت رات ڈھل رہی تھی اور موسم خراب تھا اس لیے اسٹیشن پر سناٹا تھا۔ ہم دونوں ٹکٹ مشین سے گزر کر اندر پلیٹ فارم پر پہنچے تو کہیں اکا دکا جوڑے راز و نیاز میں مصروف تھے۔

چند منٹ بعد ہی ہلکی سی گونج کے ساتھ ایم ون روٹ کی روشن اور کشادہ میٹرو آئی جس کی پیشانی پر اس کے آخری اسٹیشن کا نام مولینوڈورینوج تھا۔ بیشتر ڈبے خالی پڑے ہوئے تھے۔ دروازے کھلے تو ہم قریبی ڈبے میں سوار ہوگئے۔ چند سیکنڈ کے توقف کے بعد میٹرو سبک رفتاری کے ساتھ سفر پر روانہ ہوگئی۔

کھڑکی سے اوپر بنے ہوئے نقشے سے پتا چلا کہ پورے شہر میں ایم ون اور ایم ٹو کی میٹرو ایک دوسرے کو صرف دو مقامات پر قطع کرتی تھیں جن سے ایک پاسٹیور سے اگلا اسٹیشن لورتیو تھا اور دوسرا کاڈورنا تھا۔ ان دونوں کے درمیان سین بابیلا نامی اسٹیشن تھا جہاں سے ۷۳ نمبر کی بس کے ذریعے لیناتے ایئرپورٹ پہنچا جاسکتا تھا مگر میں نے اس وقت سین بابیلا سے اگلے اسٹیشن پرڈوم کے علاقے میں اترنے کا فیصلہ کیا جہاں وقت گزاری کے ساتھ ہی ہم دور سے گیمبلرز نائٹ کلب کا جائزہ بھی لے سکتے تھے۔

رات کافی ڈھل چکی تھی اس لیے ڈوم کے علاقے میں چاروں طرف بنی ہوئی پُرشکوہ گیلریاں، وسطی میدان اور اندرونی بند راہداریاں جو دن کے اوقات میں اور خصوصاً ہفتے اور اتوار کو پُرہجوم رہتی تھیں، سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ روشن اشتہارات کے سائے میں بس چند ہوٹل اور طعام خانے کھلے ہوئے نظر آرہے تھے۔

ہم دونوں بند دکانوں کی روشن کھڑکیوں کی سیر کرتے ہوئے اونچی چھت والے عالیشان آرکیڈ میں بڑھ رہے تھے کہ آخری سرے پر ایک وسیع گنبد سے ذرا پہلے ایک اسنیک بار نظر آیا جہاں کا ماحول لندن کے ڈمپی اور کان ٹکی اسنیک بار جیسا تھا۔ اندر صاف ستھرے لڑکے لڑکیاں غالباً بار بند کرنے کی ابتدائی تیاریوں میں مصروف تھے۔

"عجیب نام ہے۔" سلطان شاہ نے بار میں آنے والی اشتہا انگیز خوشبوؤں میں گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔ "برگی پڑھتے ہی ذہن میں مرگی کا تصور اُبھرتا ہے۔ پتا نہیں یہاں کے کھانے کیسے ہوں؟"

"برگی اٹلی کی کوئی مشہور فاسٹ فوڈ چین معلوم ہوتی ہے۔" میں نے رائے ظاہر کی۔ "اندر کے تیکھے اور بانکے انداز سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کھانا بھی لذیذ ہوگا۔ میں نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا ہے اب بھوک چمک اُٹھی ہے۔"

"تم نے یہاں کھانے کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو اب برگی میں مرغی کی مشابہت محسوس ہونے لگی ہے۔ لیکن وہ بھی جھٹکے والی ہی ہوگی۔" اس نے سوکھا سا منہ بنا کر کہا اور میں بے اختیار ہنس پڑا۔

"اللہ معاف کرنے والا ہے۔ یورپ میں حلال اور حرام سے بچنا ہی کافی ہوتا ہے۔ ویسے بیشتر فاسٹ فوڈ چین یہودیوں کی ملکیت ہیں۔ وہ عام طور پر ذبح کیا ہوا گوشت استعمال کرتے ہیں۔"

"حلال اور حرام!" اس نے مجھے گھورتے ہوئے دہرایا۔ "کمال ہے کہ شراب پینے کے باوجود تم ایسی باتیں کر لیتے ہو۔"

بے اختیار مجھے مارسیلز کا وہ گائیڈ، لوستان یاد آگیا جس نے رواداری میں یورپ آنے والے مسلمانوں کی خور ونوش کی احتیاطی عادات اور عیاشیوں پر بھرپور اور معنی خیز تبصرہ کیا تھا۔ مادام فلورا کے حسنِ فسوں خیز سے مسحور اس گائیڈ کو یہ معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ ہم دونوں مسلمان تھے ورنہ وہ خنزیر اور نامحرم عورت کی حُرمت پر اپنی بلیغ تقریر کو خود ہی سنسر کر دیتا۔ وہ گائیڈ تھا اور اپنی پیشہ ورانہ ضروریات کے تحت دُنیا کے ہر بڑے مذہب کے بارے میں موٹی موٹی باتیں جانتا تھا اور یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ بیشتر مسلمان خنزیر کو مطلق حرام اور پلید تصوّر کرتے ہیں لیکن شراب کو شیرِ مادر سمجھ کر پیتے ہیں اور ہر نامحرم عورت پر نگاہ بلکہ ڈورے ڈالنا اپنا فرضِ منصبی تصوّر کرتے ہیں اس کے بے باکانہ تبصرے پر میں بھی بغلیں جھانک کر رہ گیا تھا اور مداخلت میں ایک لفظ بھی نہ بول سکا تھا۔

برگی کے عملے کی وردیوں سے لے کر فرنیچر اور در و دیوار تک میں صرف دو ہی رنگ نمایاں تھے۔ زرد اور سفید۔ ان رنگوں کے درمیان دلکشی پیدا کرنے کے لیے جا بجا قدِ آدم آئینے آویزاں کیے گئے تھے۔ ان سے ہٹ کر اس صاف ستھرے اسنیک بار میں خاصی اشتہا انگیز رنگینی پائی جاتی تھی۔ کیونکہ اندر کا تقریباً سارا ہی عملہ گلابی ہونٹوں، سیاہ آنکھوں اور دہکتے رخساروں والی نوجوان لڑکیوں پر مشتمل تھا۔ باہر سے جو لڑکے نظر آرہے تھے، اندر پہنچنے کے بعد ان کی جنس بھی بدلی ہوئی نظر آرہی تھی۔

شیشے کے دروازے سے اندر داخل ہوکر ہم دونوں سروس کاؤنٹر کے عقب میں دیوار پر آویزاں فہرست اور نرخنامے کا جائزہ لینے کے لیے ٹھٹکے تھے کہ فوراً ہی دو سمتوں سے دو نوخیز لڑکیاں مسکراہٹیں نچھاور کرتی ہماری طرف لپکیں۔ ان کا کہا ہوا سمجھ میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن ان کے انداز اور تیوروں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ بیبیاں ہماری مدد پر کمر بستہ تھیں۔ میں نے سر ہلا کر گراتسی، کہا اور ہاتھ سے دیوار پر آویزاں نرخنامے کی طرف اشارہ کیا۔ اس یک لفظی اطالوی شکریے کا اثر خوشگوار رہا۔ گلابی لبوں پر مسکراہٹ قدرے شوخ اور گہری ہوگئی۔ ایک نے پسپائی اختیار کرلی مگر دوسری نے لب کشائی کرکے ہمیں حیران کردیا۔

”یہ فہرست بھی اطالوی ہے، چاہو تو کھانے کے انتخاب میں میں تمہاری مدد کرسکتی ہوں۔“ اس نے انگریزی میں کہا۔

”بالکل بالکل۔“ مجھ سے پہلے سلطان شاہ نے وہ پیشکش قبول کرلی اور پھر براہِ راست لڑکی سے ایک ایسا بونگا سوال کر ڈالا کہ میں بھونچکا رہ گیا۔ ”یہ ہوٹل یہودی کی ملکیت ہے یا کسی اور کی؟“ اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا تھا۔

یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ لڑکی کی بُرا مانے بغیر بدستور مسکرائے جارہی تھی۔ ”یہ تو پتا نہیں۔“ اس نے بے پروائی سے کہا۔ ”لیکن وہ جس شرح سے اپنے ملازمین کو معاوضے دیتا ہے اس سے تو یہودی نہیں لگتا۔“ اس کے تبصرے سے ظاہر ہوگیا تھا کہ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہودیوں کے خلاف موہوم سی مخاصمت بسی ہوئی تھی لیکن میں نے اس متنازعہ موضوع کو وہیں ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

”جہاں سیلف سروس کا رواج ہو وہاں تنخواہ اچھی ہی دینی پڑتی ہے، ورنہ دوسرے ہوٹلوں میں تو سروس اسٹاف کو اچھی خاصی ٹپ بھی مل جاتی ہوگی۔ چاہو تو اس وقت تمہاری میزبانی کرکے مجھے خوشی ہوگی۔“

سلطان ہولے سے کھنکھارا اور میں اسے گھور کر رہ گیا۔

”ڈیوٹی کے اوقات میں ہمیں کسی گاہک کی دعوت قبول کرنے کی اجازت نہیں ہے۔“ وہ خوش دلی کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ ”میں تمہارے ساتھ میز پر بیٹھ بھی نہیں سکتی۔ ویسے اس وقت سناٹا ہے۔ تم یہیں کھانا کھاؤ گے تو میں قریب رہ کر باتیں کرتی رہوں گی۔ اطالوی بولتے بولتے میری زبان اینٹھ کر رہ گئی ہے۔ دن میں کوئی ہم زبان تلاش کرنے کا ہوش نہیں رہتا اور رات گئے زیادہ تر مقامی جوڑے ہی اپنے خوابوں کی دُنیا سے چونک کر خور ونوش کے لیے ادھر کا رُخ کرتے ہیں۔ تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟“

اس کا وہ سوال اتنا بے ساختہ تھا کہ بمشکل پاکستان کا نام زبان پر آنے سے روک سکا۔ ”میں برٹش ہوں اور یہ انڈین۔“

”اوہ! پھر تو تم میرے ہی ہم وطن ہو۔“ اس کے بُشرے پر مسرّت کی علامات قدرے گہری ہوگئیں۔ مذاکرات میں خاصا وقت گزر گیا تھا اس لیے لڑکی کے مشورے سے میں نے چند اشیاء کا انتخاب کیا اور کاؤنٹر پر ایک کیش رجسٹر کی طرف بڑھ گیا۔

”پٹاٹینی بھی لے لینا۔“ پیچھے سے سلطان شاہ نے ہانک لگائی۔

”یہ کیا بلا ہے؟“ میں نے پلٹ کر تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

”آلو کے چپس بتا رہی ہے۔ کچھ اور نکلا تو چھوڑ دیں گے۔“ اس نے اطمینان سے کہا۔

تلی ہوئی گرم گرم مرغی اور مچھلی بے حد لذیذ ثابت ہوئیں۔ میرا ارادہ اس کے ساتھ بیئر لینے کا تھا لیکن پتا چلا کہ برگی میں الکحل کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا اس لیے چائے پر قناعت کرنی پڑی۔

میں کھانے کی ٹرے لے کر پلٹا تو سلطان شاہ صحرا کے کسی اکلوتے شجرِ بے ثمر کی طرح ہال کے وسط میں اداس کھڑا ہوا تھا۔ "وہ کہاں گئی؟" میں نے ایک میز کی طرف بڑھتے ہوئے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"میں نے نہیں بھگایا۔ ایکسیکوزمی کہہ کر اچانک ہی کاؤنٹر کے پیچھے چل دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے میرے حصے کی ساری کشش بھی تم ہی کو بخش دی ہے۔ ایک سے فارغ نہیں ہوتے کہ دوسری مل جاتی ہے۔ ایسا کوئی شوق نہ ہونے کے باوجود مجھے کبھی کبھی تم پر رشک آنے لگتا ہے۔ آخر تم خواتین کو اتنی آسانی کے ساتھ اپنی طرف مائل کیسے کر لیتے ہو؟"

"بس حیوانی جبلت کہہ لو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں تو شاید ویرا کی بددعا لگی ہوئی ہے۔ تم نے اس کی بہت دل آزاری کی ہے۔"

"عورت، عورت ہی اچھی لگتی ہے۔" وہ تنک کر بولا۔ "ویرا جس سے بھی شادی کرے گی اسے بیوی بنا کر خود شوہر کے اختیارات سنبھال لے گی۔ ہر بات میں پہل کرنے پر تلی رہتی ہے۔ ڈان مرسیا لو نے اس کے دیدوں کا پانی ہی مار دیا ہے۔"

ہم کھانے میں مصروف تھے کہ وہ مسکراتی ہوئی واپس آ گئی۔ "اپنی مینیجر سے اجازت لینے گئی تھی۔ ڈیوٹی کے دوران میں ہمیں خاص طور پر کسی گاہک سے زیادہ دیر تک بات چیت کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔"

"بڑے سخت اصول ہیں اس ادارے کے؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "خاصا نیک نام بھی ہوگا؟"

"کسی حد تک ٹھیک ہی ہیں، ورنہ پیشہ ور لڑکیاں تو ایسے بھیڑ بھاڑ والے مقامات پر گھسنے کی فکر میں رہتی ہیں۔ نوکری کے ساتھ ساتھ انھیں ایک مستقل ٹھکانا بھی مل جاتا ہے لیکن اس طرح ماحول گندہ ہو جاتا ہے۔ یہاں زیادہ تر طالبات فارغ اوقات میں نوکری کرتی ہیں اس طرح وہ اپنے اسکول اور کالج کے اخراجات بآسانی پوری کر لیتی ہیں۔"

"اور تم؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ادھورا لیکن بھرپور سوال کیا۔

"میں یہاں کمپیوٹر سائنس میں ڈاکٹریٹ کر رہی ہوں، شام کو یہاں کام کرتی ہوں۔"

"ڈاکٹریٹ کر رہی ہو لیکن تمہیں میزیں اور ڈسٹ بن صاف کرنے میں عار محسوس نہیں ہوتا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں؟ اس میں کیا خرابی ہے؟" اس نے الٹا مجھ ہی سے سوال کر ڈالا۔ "کسی پر بوجھ بننے سے کچھ کرنا ہی بہتر ہے۔ اگر ہم ان کاموں میں عار محسوس کریں گے تو کیا باہر کے لوگ بلائے جائیں گے؟ کام تو صرف کام ہی ہوتا ہے۔ صبح یہاں ایک لڑکی فرش کی صفائی پر مامور ہے جبکہ وہ میڈیکل کالج کی طالبہ ہے۔ کبھی کبھی اس کے ہم جماعت بھی یہاں آتے ہیں لیکن نہ وہ ان سے شرماتی ہے نہ ہی اس کے ساتھی ان پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ یہ باتیں ہماری پرانی نسل کے ساتھ ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ پیشہ کوئی برا نہیں ہوتا۔ جب تک پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگ ہر کام میں نہیں گھسیں گے، پیشوں کا صدیوں سے کھویا ہوا احترام بحال نہیں ہو سکے گا۔"

برگر میں چند نوجوان لڑکے لڑکیوں کی ایک ٹولی ہنستی اور قہقہے لگاتی ہوئی داخل ہوئی اور وہ ہمیں چھوڑ کر ان کی طرف چلی گئی۔

"تم نے سنا کہ وہ کیا کہہ رہی تھی؟" سلطان شاہ نے مچھلی کا ایک پارچہ توڑتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"محنت کی عظمت اب عالمگیر ہوتی جا رہی ہے۔" میں نے پُرتخیل لہجے میں کہا۔ "پہلے یہ کمیونزم اور سوشلزم کا نعرہ کہلاتا تھا لیکن غور کرو تو اس پر حقیقی معنوں میں مغربی معاشرے میں عمل ہو رہا ہے جہاں اپنا بوجھ ہر ایک اٹھاتا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا اور گندے سے گندہ کام کرتا ہے اور شام کو نفیس کپڑے پہن کر کسی احساسِ کمتری کے بغیر اعلیٰ ہوٹلوں اور تھیٹروں میں دوسروں کی طرح زندگی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔"

"اور کبھی تم نے پاکستان کے شہری معاشروں پر غور کیا؟" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ "کراچی، لاہور، ملتان، حیدرآباد اور پشاور کے رہنے والوں کے بارے میں سوچو گے تو تمہیں شرم آئے گی۔ کراچی ان میں سب سے بڑا ہے اس لیے وہاں پیشہ ورانہ رجحانات کی بڑی بھرپور تصویر نظر آتی ہے اور یہی صورتِ حال ہر بڑے شہر میں کم و بیش اسی طرح نظر آئے گی۔"

"پاکستان کی بات مختلف ہے۔ وہاں روزگار کے مواقع محدود ہیں....." میں نے کہنا چاہا۔

"یہی غلط ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ "شہروں میں تمہیں پیشہ ورانہ تقسیم نظر آئے گی۔ بعض پیشوں کو معزز سمجھ لیا گیا ہے۔ اور شہر میں رہنے والا ہر پڑھا لکھا، نیم خواندہ شخص ان ہی کے پیچھے دوڑتا نظر آتا ہے۔ ملازمت اور تجارت کے سوا کہیں کسی کو دلچسپی نظر نہیں آتی۔ محنت اور مشقت کے کاموں سے لے کر چھوٹے موٹے ہنر، حتیٰ کہ ڈرائیونگ تک کو عار سمجھا جاتا ہے۔ ایک طرف بے روزگاری ہوتی ہے اور دوسری طرف بہت سے چھوٹے یا شہری زبان حقیر پیشوں میں افرادی قوت کا خلا پایا ہے جسے لازمی طور پر دیہی اور

اندرونی علاقوں سے نقل مکانی کرنے والے پورا کرتے ہیں۔ یہ کام شاید وہ بھی نہ کریں لیکن وہ دیہاتوں اور چھوٹی بستیوں سے بڑے شہروں میں آتے ہیں تو شہروں اور شہریوں سے بری طرح مرعوب ہوتے ہیں۔ یہ سمجھ کر ہجرت کرتے ہیں کہ روزگار کے میدان میں وہ شہریوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے وہ آتے ہی ان شعبوں کا رخ کرتے ہیں جہاں شہریوں کے لیے کوئی کشش نہیں ہوتی۔ اپنی محنت اور جذبے سے یہ لوگ کامیاب ہو جاتے ہیں اور یوں ہر شہر میں پیشہ ورانہ بنیاد پر تقسیم کا ایک ان کہا عمل جاری ہے جو آگے چل کر خطرناک رخ بھی اختیار کر سکتا ہے اور یہاں کے بارے میں تم نے سن ہی لیا کہ ڈاکٹریٹ کرنے والی میزیں صاف کرتی ہے، دوسروں کا جھوٹا اُٹھاتی ہے۔"

"یہ احساس اور جذبہ لوگوں پر اوپر سے مسلط نہیں کیا جاتا۔ یہ شعور خود بخود پیدا ہوتا ہے اور میرا خیال کہ آہستہ آہستہ لوگوں میں یہ تصور ابھر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ چند برسوں میں پیشوں کے حوالے سے تحقیر کرنے کا رجحان ختم ہو جائے۔"

"یہی نہیں، اس وقت تو مجھے تازہ گل کا قصہ بھی یاد آ رہا ہے۔ اس کا لڑکا بہت پڑھاکو تھا۔ اپنے شوق کی بنا پر وہ ایک وظیفہ لے کر ولایت آنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ شاید وظیفے کی رقم کم ہو گی تو اخراجات پورے کرنے کے لیے اس نے کوئی پارٹ ٹائم ملازمت کر لی ہو گی۔ پھر زمیندار کا لڑکا سیر و تفریح کے لیے ولایت آیا۔ یہاں وہ تازہ گل کے لڑکے سے بھی ملا۔ جانتے ہو کہ گاؤں پہنچ کر اس نے کیا کیا...؟" لمحہ بھر کے توقف کے بعد وہ خود ہی بولنے لگا "اس نے پورے گاؤں کو بتایا کہ تازہ گل کا لڑکا ولایت میں گاؤں کی عزت کو بٹہ لگا رہا ہے۔ ایک ہوٹل میں جھوٹے برتن دھوتا ہے تب دو وقت کی حلال حرام روٹی کھاتا ہے۔ پورے گاؤں نے تازہ گل پر ایسی لعنت ملامت کی کہ اُس کا وہاں رہنا دشوار ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اپنے بیٹے کو کسی قیمت پر واپس نہ بلا سکے گا اس لیے اس نے خاموشی کے ساتھ گاؤں ہی چھوڑ دیا۔ مجھے بتاؤ کہ ایسے لوگ کب اور کیسے سدھر سکیں گے؟"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں میرے بچے!" میں نے کاغذی گلاس سے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا "پاکستان پہنچیں گے تو وہاں کے معاشرے کی اصلاح پر بھی غور کر لیں گے۔ یہ نہ بھولو کہ اس وقت ہم میلان میں ہیں اور یہاں کے حالات ہمارے حق میں ذرا بھی سازگار نہیں ہیں۔ ہم تازہ گل کے بارے میں سوچتے رہے تو شی کا کوئی بھی آدمی ہماری کھوپڑی پر تازہ گل کھلا دے گا۔"

سلطان شاہ ہنس دیا "برگی کے کھلے کھلے ماحول نے بہکا دیا۔ لیکن تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تمہارا اگلا پروگرام کیا ہے۔ نادیہ کو نقصان پہنچانے کے بعد زدی کے چنگل سے تو نکل آئے۔ اب کدھر جاؤ گے؟"

"بات بہت زیادہ کھل گئی ہے۔" میں نے کھانے سے فارغ ہو کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "صبح کے اخبارات خبروں سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ اس بار ہم میلان میں رُکے رہے تو بُری طرح مارے جائیں گے۔"

"پھر کہاں جاؤ گے؟" اس نے سوال کیا "میلان کے بعد تو وینس ہی رہ جاتا ہے جہاں شی کا مرکز قائم کیا گیا ہے۔"

"دراصل مقابلوں اور جوابی مقابلوں کا ایسا تسلسل چل پڑا ہے کہ ہم ایک دن کے لیے بھی خود کو پوری طرح شی والوں کے مشاہدے سے محفوظ نہیں رکھ سکے ہیں۔ ہمیں کچھ عرصے کے لیے مکمل خاموشی اختیار کرنی ہو گی۔"

"یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر کسی ہوٹل کے کمرے میں محصور ہونے سے تو بہتر ہے کہ پاکستان کا ایک چکر لگا لیا جائے۔ اس طرح تمھیں بھابی سے ملنے کا موقع بھی مل جائے گا۔ دو تین ہفتوں کے بعد ہم دوبارہ ادھر آ سکتے ہیں۔"

سلطان شاہ کا وہ مشورہ بہت صائب تھا۔ ہوٹل وینی سے نکلتے ہوئے میں نے سوچا تھا کہ کچھ دن کے لیے روم چلا جاؤں۔ وہاں میں تفریح کے دوران جمی لائیڈ یا ڈان مریانو کے بارے میں اہم معلومات بھی حاصل کر سکتا تھا لیکن اس کے مقابلے میں پاکستان جانا ہر اعتبار سے بہتر ہوتا۔ اگر گیمبلرز کے بارے میں ملنے والی معلومات درست تھیں تو ڈاکٹر گوسیپی لڈوگ ہان سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں ڈیڈ ٹیپ سے میری تصاویر حاصل کر سکتا تھا۔ پھر اس کے آدمی نادیہ بنگالا کے سہارے ہوٹل وینی پہنچ جاتے جہاں سے اُنھیں میرے فرضی نام کے ساتھ ہی پاسپورٹ کے سارے اہم کوائف مل جاتے اور جمی لائیڈ اپنے رسوخ کو بروئے کار لاتے ہوئے اُن دستاویزات کے سہارے میرا اٹلی میں آزاد رہنا یا وہاں سے باہر نکلنا ناممکن بنا دیتا۔ اس لیے بہتر یہی تھا کہ جمی لائیڈ کے پورے وسائل حرکت میں آنے سے قبل ہی ہم اٹلی کو خیر باد کہہ کر کسی اور سمت میں نکل جاتے۔

میری دانست میں ہمارے لیے وہی واحد راستہ رہ گیا تھا لیکن اس پر عمل کرنے کے لیے کچھ اور بھی لوازم درکار تھے جو برگی سے نکل کر ہی پورے کیے جا سکتے تھے۔ میں نے ٹشو پیپر سے ہاتھ مُنہ صاف کر کے ہال کا جائزہ لیا لیکن انگریزی داں لڑکی کا کہیں پتا نہیں تھا لیکن جب ہم میز چھوڑ کر باہر جانے لگے تو وہ اچانک کہیں سے نمودار ہو گئی۔

"جا رہے ہو؟" اس نے آتے ہی دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

"جانا ہی تھا!" میں نے اداس لہجے میں کہا "یہ گھر تو نہیں ہے کہ

جب تک اور جیسے جی چاہے بیٹھے رہو۔"

"میلان میں رہو تو پھر آنا۔ میں چھ بجے شام سے رات دو بجے تک یہاں ہوتی ہوں۔"

"نام نہیں بتایا تم نے اپنا۔ مجھے پیٹر اور اسے راما کہتے ہیں۔" میں نے اپنا تعارف کرایا۔

"میرا نام کیتھرین ہے۔ تم کیتھی بھی کہہ سکتے ہو۔ میں لڑکیوں کے ہوسٹل میں رہتی ہوں جہاں رات آٹھ بجے کے بعد کسی مرد ملاقاتی کو اندر جانے یا رہنے کی اجازت نہیں ہے ورنہ چھٹی ہونے پر تمھیں اپنے ساتھ لے جاتی۔ مجھے تمھاری ذات میں بڑی اپنائیت سی محسوس ہو رہی ہے۔ تم دوبارہ نہ آئے تو مجھے دکھ ہوگا۔"

وہ احمق لڑکی بلاوجہ جذباتی ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس لیے ہم دونوں نے باری باری اس سے ہاتھ ملائے اور برگی سے باہر آ گئے۔

"یہ بھی تم پر مرمٹی تھی۔" چند قدم دور نکل آنے کے بعد سلطان شاہ نے قہقہہ لگایا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ راجا اِندر سے تمھاری کوئی نہ کوئی رشتے داری ضرور رہی ہوگی۔ میں بھی تمھارے ساتھ ہوتا ہوں۔ ایسا بدشکل بھی نہیں ہوں پھر بھی ساری مہربانیاں تم پر نچھاور کی جاتی ہیں، یہ راز کیا ہے آخر؟ سالا کا دل کا بدلا ہوا رویہ دیکھ کر تو میری عقل دنگ رہ گئی تھی۔"

"مجھ میں اور تم میں بس اتنا فرق ہے کہ تم ہر ایک کی میٹھی باتوں میں آ جاتے ہو۔ کیتھی مجھے ذرا بھی مرعوب نہیں کر سکی۔ میں انگریزی ضرور بولتا ہوں لیکن میرا لب و لہجہ انگریزوں سے بالکل ہی مختلف ہے۔ اس بارے میں اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا اس لیے میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ وہ ہمیں اُلو بنا رہی تھی۔"

"تم نے اسے کون سی ٹپ دے دی جو وہ تمھیں اُلو بنا رہی تھی۔" سلطان شاہ نے چیخ کر کہا۔

"اہم بات یہ ہے کہ گیمبلرز اسی علاقے کے قرب و جوار میں واقع ہے اور کیتھی نے ہم دونوں میں صرف اس وجہ سے دلچسپی لی کہ ہم غیر ملکی نظر آ رہے تھے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ کسی کے انفارمر کے طور پر بھی کام کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر گوسیپی کی ابتدائی ہدایات مشتبہ غیر ملکیوں کو چیک کرنے تک محدود ہوں۔ لڈوگ نے اسے یہ تو بتا ہی دیا ہوگا کہ نادیہ کے ساتھ آنے والا غیر ملکی نظر آ رہا تھا۔"

"ضروری نہیں کہ ڈاکٹر گوسیپی کے مخبروں کا جال اتنا وسیع ہو اور کیتھی اسی کے لیے کام کرتی ہو۔"

"دنیا کے ہر قابلِ ذکر اڈے کے گرد مخبروں کا جال پھیلا ہوا ہوتا ہے جو حالات پر ہر لمحے کڑی نظر رکھتے ہیں۔ پھر کیتھی ڈوم کے ایک ایسے اسنیک بار میں کام کرتی ہے جہاں ہر نئے گاہکوں کا ہجوم رہتا ہے۔ اس بھیڑ بھاڑ میں وہ بہت آسانی سے اپنا کام کر سکتی ہے۔ اس پر شبہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا رویہ برگی کے دوسرے ملازمین سے مختلف تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں نے اس کے پاس سے غائب ہو کر اپنے نامعلوم آقا کو ہمارے بارے میں اطلاع دے دی ہو۔"

"قیاس آرائی تو کچھ بھی کی جا سکتی ہے لیکن اس کی تصدیق یا تردید کیسے ہو سکے گی؟"

"تھوڑی دیر یہیں ڈوم کی گیلریوں میں گھومتے رہو، کہیں بھی کوئی آ ٹکرائے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "اس دوران میں بھی اپنا تھوڑا سا کام کر لوں گا۔"

اس نے مجھ سے کام کی نوعیت پوچھنے کی کوشش نہیں کی اور میں کسی پبلک فون بوتھ کی تلاش میں نظریں دوڑاتا رہا۔ میری جیب میں گیمبلرز کے دو ٹکٹ موجود تھے جن سے مجھے ڈاکٹر گوسیپی کا نمبر مل سکتا تھا۔ فون بوتھ تک پہنچ کر میں نے گیمبلرز کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا جب میں نے انگریزی میں ڈاکٹر گوسیپی سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو میرا نام دریافت کر کے ہولڈ آن کرایا گیا۔ میں نے دانستہ اپنا غلط نام بتایا تھا۔

"میں وہی بول رہا ہوں جس کی تمھیں تلاش ہے ڈاکٹر!" فون پر اس کا نام سن کر میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "تم نے دیکھ لیا کہ میں تمھاری ناک کے نیچے من مانی کارروائی کر کے صاف نکل گیا اور تم اپنے وڈیو مانیٹرنگ یونٹ پر مجھے پہچان لینے کے باوجود کچھ بھی نہ کر سکے۔"

"تم آج میلان سے زندہ نہ نکل سکو گے۔ صبح کا اجالا نمودار ہونے سے پہلے تم میری قدموں میں پڑے سسک رہے ہوگے۔" دوسری طرف سے ڈاکٹر گوسیپی کی آواز غصے کی شدت سے بگڑ کر رہ گئی تھی۔

"تمھاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ اس وقت بھی میں میلان سے باہر ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ شہر میں تمھارے کتے ہر طرف مجھے تلاش کریں گے۔ اس لیے مجھے دھمکانے کے بجائے اپنے آقا کو بتا دو کہ صبح میں وینس پہنچوں گا۔ اس کے لیے اگلے دو چار دن فیصلہ کن ثابت ہونے والے ہیں۔ تم لوگوں کا وقت اب پورا ہو چکا ہے۔ روم سے بھاگ کر بھی تمھیں پناہ نہ مل سکے گی۔"

"وینس کا رُخ کرنے سے پہلے تمھاری گردن توڑ دی جائے گی۔" غراتی ہوئی آواز ابھری۔

"بری بات ڈاکٹر!" میں نے سلطان شاہ کو آنکھ مارتے ہوئے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "مانا کہ تم غبن کے الزام میں نکالے گئے تھے لیکن پھر بھی ایک ذمے دار سابق سرکاری ملازم ہو۔ تمھیں قانون اپنے ہاتھ میں لے کر خونریزی کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ احتیاطاً میں اس وقت کی ساری گفتگو ریکارڈ کر رہا ہوں۔ اگر مجھے کچھ ہوا تو میرا ایک مقامی دوست اس گفتگو کا ٹیپ پولیس کے اعلیٰ افسران کو پہنچا دے گا۔ اس لیے میری حفاظت کی قانونی اور اخلاقی ذمے داری بھی اب تم پر آ گئی ہے.....!"

وہ بہت ہی تیز طرار آدمی معلوم ہوتا۔ میری بات پوری ہونے سے قبل ہی اس نے جھلا کر گندی گندی گالیاں بکنی شروع کر دیں اور میں نے فوراً ہی سلسلہ منقطع کر دیا کیونکہ میں اپنا مقصد حاصل کر چکا تھا۔

"تم نے اسے بلاوجہ ہی چھیڑا ہے۔" بوتھ سے باہر نکلتے ہوئے سلطان شاہ نے کہا۔

"اس طرح میں انھیں الجھانا چاہتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ میں کامیاب رہا ہوں۔ اب وہ اپنی ساری نفری وینس جانے والے مسافروں کی نگرانی پر لگا دیں گے۔ میں نے اسے یہ تاثر دیا ہے کہ میرا فی الحال میلان چھوڑ کر بھاگنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے جب کہ درحقیقت ہم صبح کی کسی بھی پرواز سے اٹلی چھوڑ دیں گے۔ مجھے پاکستان واپسی کے بارے میں تمہارا مشورہ پسند آیا ہے۔"

"اس کا کیا ردِعمل تھا؟" سلطان شاہ نے دھیمی آواز میں سوال کیا۔

"غصے میں پاگل ہو رہا ہے۔ صبح تک پکڑوانے کی دھمکی دے رہا تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے بتایا اور اسی لمحے میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے کیونکہ ہم سے چند قدم دور ایک ویران اور نیم تاریک بغلی راہداری سے اچانک ہی دو مضبوط مسلح آدمی نکل کر ہماری راہ میں حائل ہو گئے تھے ان کی گنوں کے دہانے ہماری طرف اٹھے ہوئے تھے اور دور دور تک کوئی مداخلت کرنے والا موجود نہیں تھا۔

"ہینڈز اَپ!" ان میں سے ایک نے پھنکارتی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں کہا۔ "تمھیں بے چون و چرا ہمارے ساتھ چلنا ہے۔ ذرا بھی مزاحمت کی تو بے دریغ گولی مار دیں گے۔"

"تمھیں یہ جسارت مہنگی پڑے گی۔" میں نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے سرد اور پُرسکون لہجے میں کہا۔ "ڈاکٹر گوسیپی اپنے مفادات کے ساتھ اپنے آدمیوں کی حفاظت بھی کرنی جانتا ہے۔ اس نے ہمیں شاید تم دونوں ہی کی تلاش میں ادھر بھیجا تھا۔"

لمحے بھر کے لیے حیرت سے ان کے چہرے بگڑ گئے۔ اپنی کہانی میری زبان سے سن کر ان کا اعتماد پل بھر میں متزلزل ہو گیا تھا۔ میں نے قدرے توقف کے بعد اپنا وار جاری رکھا۔ "اس وقت ہم دونوں یہاں تنہا نہیں ہیں۔ ڈاکٹر کے اٹھارہ بیس آدمی ان گیلریوں میں تم دونوں کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ وہ تمھیں باہر نکلنے سے پہلے ہی مار لیں گے۔"

"ہمیں یہ سب نہیں بتایا گیا۔" ان میں سے بھاری جسم والا تشویش زدہ لہجے میں بولا۔ "صرف ہم ہی کو دو مشتبہ غیر ملکیوں کو پکڑنے کے لیے بھیجا گیا تھا اور تم دونوں اس تعریف پر پورے اترتے ہو۔"

"میلان آنے والا ہر غیر ملکی ڈوم کی سیر کو آتا ہے۔ ان دونوں کے بارے میں تم نے برگی والی انفارمر سے ملاقات کی تھی؟"

"اس نے تم دونوں کے علاوہ تمھارے تھیلے کے بارے میں بھی بتایا تھا جو تمھارے ساتھی کے پاس موجود ہے۔"

میں خوش دلی کے ساتھ ہنس دیا۔ "اس نے ہمیں بھی یہی بتایا تھا۔ ہم نے تھیلے کی بنیاد پر ان دونوں کو پکڑ لیا تھا۔ وہ اب بھی میٹرو اسٹیشن کے دروازے پر تعمیراتی ملبے کی اوٹ میں بے ہوش پڑے ہوں گے۔ یہ تھیلا ڈالروں سے بھرا ہوا تھا اس لیے ہم اٹھا لائے۔ لو تم بھی دیکھ لو کہ اس میں کتنا بڑا خزانہ پوشیدہ ہے۔"

میں نے ان کی اضطراری کیفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان شاہ سے بیگ لے کر کھول دیا اور اوپر ہی سے ڈالروں کی ایک گڈی نکال کر بھاری جسم والے کی طرف اچھال دی۔ گڈی لپکتے ہوئے اس نے گن غیر ارادی طور پر ہولسٹر میں اڑس لی۔ دوسرے کا ہاتھ بھی نیچے جھک گیا تھا۔ میں نے دوسری گڈی اس کی طرف پھینک دی۔

وہ ایک ڈالر میں بارہ سو لیرا والا ملک تھا اس لیے اتنی بڑی رقم کا تصور کر کے وہ حیرت زدہ رہ گئے اور مسحور انداز میں میری طرف بڑھنے لگے اس دوران میں میں بیگ ہی میں ٹٹول کر ہیم گن اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔

"اس میں تو میرے اندازے سے زیادہ مال بھرا ہوا ہے۔" میں نے بیگ میں سے ہاتھ باہر نکالے بغیر مسرت آمیز لہجے میں کہا اور بھاری جسم والا اضطراری طور پر بڑھ کر بیگ پر جھکا تھا۔ نوٹوں کی گڈیوں کے ساتھ بیگ میں ہیم گن کی نال دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں لیکن اسے اپنی مرضی سے وہاں سے ہٹنا نصیب نہ ہو سکا۔

بیم گن چلی اور اس کی نیلگوں شعاعیں بھاری جسم والے کے چہرے اور گردن سے گزرتی ہوئی دل میں پیوست ہوگئیں۔ وہ ایک خوفزدہ چیخ کے ساتھ پھڑکا اور پھر بے جان ہوکر پختہ فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کا انجام دیکھ کر دوسرے نے اپنی گن کو سیدھا کرنا چاہا لیکن سلطان شاہ جونک کی طرح اس کے بدن سے لپٹ گیا۔

ان دونوں میں ابتدا ہی سے بھیانک زور آزمائی شروع ہوئی تھی جب کہ میں مختصر ترین عرصے میں وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا اس لیے بھاری جسم والے کے گرتے ہی میں بھی سلطان شاہ کی مدد کے لیے پہنچ گیا۔ ہم دونوں کے مقابلے میں وہ واضح طور پر کمزور تھا اس لیے میں نے فوراً ہی اس سے پستول چھین لیا پھر سلطان شاہ نے اس کا گریبان تھام کر اس کے چہرے پر پوری قوت سے ٹکر رسید کی اور وہ اپنی تمام شہ زوری کے باوجود لڑکھڑا گیا۔ میں نے اس کی پنڈلیوں میں ٹانگ اڑائی اور وہ پشت کے بل اپنے مردہ ساتھی پر جا گرا۔

رات ڈھل جانے کے باعث اس وقت بند گیلریوں میں سناٹا ضرور تھا لیکن کسی بھی لمحے کہیں سے کوئی نمودار ہوسکتا تھا اس لیے میں وہ مقابلہ جلد از جلد ختم کرنے کے لیے مضطرب تھا۔ میں بیم گن سنبھالتا ہوا گرے ہوئے شکار کی طرف لپکا ہی تھا کہ سلطان شاہ نے اس کے سینے پر سوار ہوکر اس کا نرخرا دبوچ لیا۔

جسمانی طور پر سلطان شاہ اسے پوری طرح زیر کرنے کا اہل تھا لیکن میں نے اسے موقع دیے بغیر اس کے شکار کی پسلیوں سے نال لگا کر بیم گن چلا دی اور وہ چند ہی ثانیوں میں ساکت ہوگیا۔

ان دنوں شاید ڈوم کے علاقے میں مرمت اور تعمیرات کا کام وسیع پیمانے پر ہو رہا تھا اس لیے جا بجا تعمیراتی سامان کے ڈھیر اور فولادی پائپوں کے اونچے ڈھانچے ایستادہ تھے۔ میدان صاف پا کر ہم نے پھرتی کے ساتھ انھیں پختہ فرش پر گھسیٹ کر اوپر تلے ایک عارضی چوبی کیبن کے پہلو میں ڈالا اور پھر انھیں ایک میلے پلاسٹک میں اس طرح لپیٹ دیا کہ بادی النظر میں وہ بھی میلے کا ایک حصہ نظر آنے لگے۔ اس کے بعد ہمارا وہاں رکنا حماقت ہوتا۔ ان دونوں کے بھرے ہوئے پستول اور نوٹوں کی گڈیاں سمیٹ کر ہم تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوگئے۔ مجھے ہر لمحے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں کوئی ہماری راہ نہ روک لے۔

کئی سنسان راہداریوں میں گھومنے کے بعد ایک موڑ پر ہمیں اچانک ہی اطالوی پولیس کے دو سپاہی نظر آئے جو اپنے نیلے ہیٹ اور لمبے کوٹوں میں ملبوس پہلو بہ پہلو مشینی انداز میں پیش قدمی کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنی رفتار کم و بیش کیے بغیر گہری نظروں سے ہمارا جائزہ لیا اور کوئی تعرض کیے بغیر آگے بڑھ گئے۔

"تمہارے اندازے واقعی سو فیصد درست ہوتے ہیں۔" اوسان بحال ہو جانے کے بعد سلطان شاہ نے تعریفی لہجے میں کہا: "برگی والی لڑکی نے واقعی مخبری کی تھی۔ کیوں نہ لگے ہاتھوں اسے بھی دیکھ لیا جائے!"

"ہوسکتا ہے کہ اب وہ اسنیک بار بند ہوگیا ہو۔ یہ امکان بھی ہے کہ دور سے لڑکی کی حفاظتی نگرانی کی جا رہی ہو۔ اگر ہم اس پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو بھی گئے تو عورت ذات پر ہم میں سے کسی کا ہاتھ نہ اٹھ سکے گا اس لیے اب اسے بھول جانے کی کوشش کرو۔ اس سے ملے تو وہ اپنے باس کو تازہ ترین اطلاع ضرور فراہم کرے گی۔"

"پتا نہیں نادیہ کا کیا ہوا ہوگا؟ اس پر تو تم نے ہاتھ چھوڑ دیا تھا؟" وہ بولا۔

"ہوش میں آکر وہ ہوٹل پہنچ جائے گی۔ اسے بھی میں نے مارا نہیں تھا لیکن اس کے عزائم سے آگاہ ہونے کے بعد سناٹے بلکہ افراتفری سے فائدہ اٹھا کر زور سے اس کی کنپٹیاں دبائی تھیں جس کے نتیجے میں وہ بے ہوش ہوگئی۔"

"الو کی پٹھی کس قدر سادہ لوح اور معصوم بنی ہوئی تھی" سلطان شاہ نے غصیلے لہجے میں کیتھی کی شان میں مدح سرائی کی۔ "اس ماحول میں آدمی بھلا کس پر اعتبار کرسکتا ہے۔ برگی کی انتظامیہ بھی اس بات سے لاعلم ہوگی کہ ان کے عملے میں مجرموں کی ایک مخبر پرورش پا رہی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ چھوٹے پیمانے پر ڈرگ ٹریفکنگ میں بھی ملوث ہو!"

"اس کے بارے میں سوچ کر اپنا ذہن نہ تھکاؤ" میں نے اس کی پشت سہلاتے ہوئے کہا۔ "ہمیں یہ سوچنا ہے کہ باقی ماندہ رات ہم محفوظ رہ کر کس طرح گزار سکیں گے؟ شہر کے سارے تفریحی اڈے بھی دو بجے بند ہوجاتے ہیں۔"

"ہوٹل کا رخ کرنا خطرناک ہوسکتا ہے پھر یہاں اپنی طرز کے بازارِ حسن بھی نہیں ہیں جہاں دولت کے سہارے صرف گانے سن کر بھی پوری رات گزاری جاسکتی ہے۔ جہاں جائیں گے سیدھی سیدھی مول تول کی بات ہوگی اور باہر سڑکوں پر سخت سردی پڑ رہی ہے۔ یہ بند راہداریاں تو پھر بھی خاصی محفوظ اور گرم ہیں۔" وہ بڑبڑا رہا تھا۔

اسی وقت ڈوم کے زیرِ زمین میٹرو اسٹیشن میں داخلے کا راستہ سامنے آگیا اور میں غیر ارادی طور پر سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ پلیٹ فارم کی طرف جانے والے راستوں سے پہلے بند دوکانوں سے ذرا آگے ٹوائلٹ کی علامات نظر آئیں تو اس کے استعمال کی شدید ضرورت کا احساس ہوا کیونکہ مثانہ چائے کے بڑے گلاس سے خاصا زیر بار ہوچکا تھا۔

میں ٹوائلٹ روم میں داخل ہوا تو اندر دروازے کے ساتھ ہی ایک نوجوان عورت میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ میری آہٹ سن کر اس نے اپنی سرخ سرخ آنکھیں کھولیں اور میں نگاہیں چار ہوتے ہی سر کی خفیف سی جنبش کے ساتھ ہوتے ہوئے مسکرا دیا۔ اپنی دانست میں اسے کوئی بے گھر پناہ گزین سمجھتے ہوئے میں اندر صاف ستھرے

پیشاب خانے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس کی تیز آواز نے میرے قدم روک لیے۔ زبان سمجھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن اس کے ہاتھ کا اشارہ قابلِ فہم تھا۔ سلطان شاہ میز کے پاس کھڑا ہوا تھا اور وہ مجھے واپس بلا رہی تھی۔

واپس لوٹتے ہوئے مجھے خیال ہوا کہ شاید وہ کوئی چندہ طلب کرے گی لیکن قریب پہنچنے پر اس نے سفید گتے پر مارکر سے لکھی ہوئی ایک تحریر میرے سامنے ڈال دی۔ اس پر پیشاب خانہ استعمال کرنے کی فیس چار سو لیرا درج تھی۔

"ایک پیشاب کے سات روپے تو خاصے مہنگے ہیں۔" سلطان شاہ حساب لگا کر پُرتشویش لہجے میں بولا۔

"لیرے تو دیتے ہی پڑیں گے ورنہ یہ عورت کیا سوچے گی کہ پیشاب کرنے کے پیسے دیے بغیر ہم آوارہ گردی کرنے نکل پڑے۔" میں نے اس عورت کے پیچھے نصب ایک بورڈ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ اس بورڈ پر ایمرجنسی بٹن اور سرخ بتی کے ساتھ ہی سائرن بھی نصب تھا۔ یعنی وہ مفت میں پیشاب کرنے کی عیاشی پر آمادہ کسی بھی شخص کے خلاف فی الفور مدد طلب کر سکتی تھی۔

عورت کے صبر کا پیمانہ تیزی سے لبریز ہوتا جا رہا تھا۔ تحریر کا اثر نہ ہوتے دیکھ کر اس نے ہاتھ بھی پھیلا دیا اور میں نے مجبوراً ایک ہزار لیرا کا نوٹ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ "کیپ دی چینج!"

دو سو لیرا کی ٹپ دے کر ہم دونوں ایک ساتھ سفید دمکتے ہوئے ٹائلوں والے پیشاب خانے میں داخل ہوئے جہاں کی فضا جراثیم کش دواؤں کی ناگوار مہک کے بجائے پھولوں کی سی مہک میں رچی ہوئی تھی۔

"یہ تو واقعی بہت مہنگا اور بدتمیز ملک ہے۔" واپسی پر سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "آخر یہاں عورت بٹھانے کی کیا تک ہے جب کہ زنانہ بیت الخلا دوسری طرف بنا ہوا ہے۔"

"پہلا فائدہ تو یہی ہے کہ مرد ہوتا تو تم لڑنے پر آمادہ ہو جاتے لیکن اسے فیس کے ساتھ ٹپ بھی دُم دبا کر دے آئے۔ پھر ایک عورت کے سامنے سے محض چار سو لیرا کے لیے واپس لوٹنے میں مردانہ سبکی محسوس ہوتی ہو گی۔ اندر آنے والا کوئی بھی شخص پیسے دیے بغیر واپس نہ جاتا ہو گا۔ شاید تمھیں علم نہیں کہ یہاں ایئرپورٹ پر ٹرالی لینے کے لیے بھی ایک ہزار لیرا دینے پڑتے ہیں۔"

"ایسا تو پاکستان جیسے پسماندہ ملک میں بھی نہیں ہوتا۔" وہ بدستور غصے میں تھا۔

"وہ اسی لیے پسماندہ ہے۔ اگر سات کے بجائے فی کس صرف پانچ روپے بھی فیس مقرر کر دی جائے تو ان لوگوں کو ہزاروں روپے ماہانہ کی آمدنی ہو سکتی ہے جن کی دیواروں کی بنیادیں چوری چھپے اور زبردستی کمزور کی جاتی ہیں۔" میں نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔ "آمدنی کے مواقع کو اخلاق کے نام پر ضائع کرنا سراسر احمقانہ فعل ہے۔"

"یہاں رک کیوں گئے؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"اسے دوبارہ ایک ہزار لیرا دوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"لعنت ہے تم پر!" وہ سر جھٹک کر زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

"بار مان گئے۔" میں نے لپک کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "یہ عورت کا چکر نہیں بلکہ ہماری مجبوری ہے۔ رات کو میٹرو بند رہتی ہے۔ یہاں آرام دہ حرارت میں ہم باہر کی کھلی ہواؤں سے محفوظ رہ سکیں گے۔ اندر کسی کونے کھانچے میں رات گزار کر صبح ایک ہزار لیرا خرچ کر کے تازہ دم ہوں گے اور ایئرپورٹ روانہ ہو جائیں گے۔ اس طرف ہمارے کسی دشمن کا خیال بھی نہ بھٹک سکے گا۔"

"اور ہمیں کوئی باہر نہیں نکالے گا؟" اس نے میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔ "یہ نہ بھولو کہ ہم قریب ہی دو لاشیں چھپا کر آئے ہیں۔ ان کا انکشاف ہوتے ہی پورے علاقے میں ہلچل مچ جائے گی۔"

"صبح مزدوروں کے آنے سے پہلے ڈاکٹر گوسیپی کے آدمی بھی ان کا سراغ نہیں لگا سکیں گے اور ہم اس سے پہلے یہاں سے روانہ ہو چکے ہوں گے۔ یہ بھول جاؤ کہ تھوڑی دیر پہلے ہم نے کسی کا خون کیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمھارا خون واقعی بہت ٹھنڈا ہے۔" وہ تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "کم از کم میں تو کئی دن تک ان دونوں کو نہ بھول سکوں گا جو تمھارے بیم گن کا نشانہ بنے ہیں۔ بعض اوقات ہم ایسی خونریزی پر بھی مجبور ہو جاتے ہیں جس سے ذرا سی کوشش سے بچا جا سکتا ہے۔"

"سسلی میں ان کا ماتم کرنے والے کافی لوگ ہیں۔ تم اپنی ننھی سی جان ہلکان نہ کرو۔ آؤ! کوئی ٹھکانا بنائیں۔ اب کمر سیدھی کرنے کا موڈ ہو رہا ہے۔" میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے ایک طرف لے جاتے ہوئے کہا اور وہ بے بسی کے ساتھ ہنس کر رہ گیا۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد ہمیں اس تہ خانے میں اپنی پسند کا ایک نیم روشن گوشہ مل گیا۔ پھر جب ہم نالی دار گتے کے خالی ڈبے تلاش کر کے ٹھنڈی اور سخت کنکریٹ پر اپنا بستر تیار کرنے میں مصروف تھے تو پختہ فرش پر اونچی ایڑیوں کے سینڈل کی کھٹ کھٹ کے ساتھ دو عورتوں کے بولنے کی قریب آتی ہوئی اور پھر زینوں پر معدوم ہوتی ہوئی آوازیں سنائی دیں تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ ٹوائلٹس میں ڈیوٹی دینے والی خواتین واپس جا چکی تھیں اور اس زیرِ زمین اسٹیشن میں ہم دونوں کے سوا کوئی باقی نہیں رہا تھا۔

چند منٹ بعد سیڑھیوں پر وزنی جوتوں کی مشینی دھمک سنائی دی تو میں نے سگریٹ فوراً بجھا دی ہم دونوں اور زیادہ تاریکی میں سرک کر بالکل دیوار سے جا لگے کیونکہ پولیس والوں کی پیش قدمی کا وہ انداز ہمارے لیے نامانوس نہیں رہا تھا۔

زینوں سے نیچے وہ آہٹیں فرش پر گونجتی رہیں۔ دونوں پولیس والے اپنے معمول کے اتنے عادی تھے کہ انھوں نے آپس میں کوئی بات تک کرنے کی زحمت نہیں کی اور پھر وہ دونوں واپس باہر چلے گئے۔ اوپر سے آہنی دروازہ بند کیے جانے کی پرشور آوازیں سنائی دیں اور شاید آخری رسمی جائزے کے بعد اسٹیشن کا وہ دروازہ مقفل کر دیا گیا۔

"اب تم اسے اپنا گھر ہی سمجھو۔ اگلی صبح تالے کھلنے تک کوئی تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ مجھے شاید نیند نہ آئے لیکن تم بے فکری کے ساتھ گہری نیند سو سکتے ہو۔ ضرورت ہوئی تو اٹھا لوں گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہاں سے نکاسی کے اور بھی راستے ہوں پھر ریلوے لائنوں والی سمت سے بھی کوئی اندر آ سکتا ہے اس لیے ہمیں باری باری جاگنا ہو گا۔ کچھ پتا نہیں کہ کب کوئی آوارہ گرد یا مخبر ادھر آ نکلے۔"

"دروازے تو سب ہی مقفل کر دیے گئے۔ رہا ٹریک کا معاملہ تو ایسے خراب اور کہر آلود موسم میں کوئی ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ خاردار تاروں کی باڑھ کے اندر واقع ان لائنوں میں طاقتور برقی رو موجود رہتی ہے جس سے ٹرینیں چلتی ہیں اس لیے ہر سمجھدار آدمی ان سے دور رہتا ہے۔ تم بے فکر ہو کر سو جاؤ میں جاگ رہا ہوں غنودگی کا حملہ ہوا تو تمھیں جگا لوں گا۔"

سلطان شاہ آرام سے گتوں کے بستر پر دراز ہو گیا اور میں اپنے ذہن میں مستقبل کے نقشے جمانے لگا۔

مجھے پوری امید تھی کہ میرے فون نے ڈاکٹر گوسیپی کو بوکھلا کر رکھ دیا ہو گا۔ ان کے ہیڈ کوارٹرز کی روم سے وینس منتقلی رازداری کے ساتھ عمل میں آئی تھی لیکن مجھے خوش قسمتی سے کارلو موریرو کی زبانی اس کا علم ہو گیا تھا۔ ان حالات میں ڈاکٹر گوسیپی وینس کے بارے میں میری دھمکی کو کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے بیشتر وسائل وینس کے راستوں پر ہماری تلاش کی نذر ہو جاتے دوسری طرف ان دو افراد کی گمشدگی اسے پریشان کر دیتی جنھیں اس نے برگی والی کیتھی کی مخبری کے بعد ہماری تلاش میں ڈوم کی عمارات میں روانہ کیا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک ڈیڑھ گھنٹے تک سکون کے ساتھ ان کی واپسی کا انتظار کر سکتا تھا۔ اس کے بعد اس پر بے چینی سوار ہو جاتی۔ وہ ان کی تلاش میں دوسرے آدمی روانہ کر سکتا تھا لیکن مجھے پوری امید تھی کہ ان میں سے کوئی بھی پلاسٹک کے نیچے چھپی ہوئی لاشوں کا سراغ نہیں لگا سکتا تھا۔ شی کے خونخوار کارکنوں کو اس غیر یقینی صورت حال میں چھوڑ کر ہم دونوں منہ اندھیرے ڈوم کے اسٹیشن سے لینا تے ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہو سکتے تھے۔

اس پورے معاملے میں مجھے فکر صرف اخباری تشہیر کی تھی۔ صبح آنے والے اخبارات میں ایک طرف کارلو موریرو، چارلس ڈولین اور ان کے ڈرائیور کے جل مرنے کی روح فرسا خبر ہوتی اور دوسری طرف گیمبلرز میں ہنگامہ آرائی کے ساتھ ہی نادیہ بنگالا کے ساتھ میری بدسلوکی کا قصہ بھی چھپنے کا امکان تھا۔ اگر شہر میں شی والے پوری طرح فعال ہو جاتے تو گیمبلرز میں بننے والی وڈیو فلم سے میری تصویریں نکال کر ان واقعات کے حوالے سے اخبارات کو جاری کر سکتے تھے جس کے نتیجے میں ہمارے لیے آزادانہ نقل و حرکت کے امکانات ختم ہو سکتے تھے بلکہ ڈاکٹر گوسیپی کے قول کے مطابق ہمارا اٹلی سے نکلنا ناممکن ہو سکتا تھا۔

پاکستان میں رہتے ہوئے تنظیم کی جڑیں کاٹنے کا عمل میرے لیے زیادہ دشوار نہیں تھا۔ میں خود تنظیم کے لیے کام کرتا رہا تھا اس لیے اس کے طریقہ کار سے اچھی طرح واقف تھا اور میرا اندازہ تھا کہ میں تھوڑے ہی عرصے میں ان ہیروئن فروشوں کی زندگی عذاب بنا کر ان کا مذموم کاروبار ختم کرا دوں گا لیکن پھر ویرا درمیان میں آ گئی اور اس نے مجھے بھگانے کے لیے غزالہ کو اغوا کرا لیا۔ بات اگر وہیں تک رہتی تو ویرا سے سمجھوتے کے بعد غزالہ گھر واپس لوٹ سکتی تھی لیکن ویرا نے ظلم یہ کیا کہ غزالہ کو راتوں رات انگلینڈ روانہ کر دیا۔ غزالہ کوئی ڈرپوک اور بے ضمیر لڑکی ہوتی تو وہاں سمجھوتوں کے تحت پر آسائش زندگی گزار سکتی تھی لیکن وہ ویرا کے ہمدردوں کے گھناؤنے عزائم سے واقف ہوتے ہی خونریز مقابلے کے بعد لاپتا ہو گئی اور مجھے اس کی تلاش میں سفر کرنا پڑ گیا۔

پاکستان میں رہتے ہوئے میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکا تھا کہ شی عالمگیر پیمانے پر جرائم کی سرپرستی کر رہی ہو گی لیکن انگلینڈ پہنچ کر جب غزالہ کی تلاش کی مہم میں شی والوں سے میرا تصادم شروع ہوا تو پیچ در پیچ راز کھلنے شروع ہو گئے۔ یوں کسی ارادے اور واضح پروگرام کے بغیر شی کے عالمی مفادات میری زد میں آ گئے۔

شاید دنیا کا کوئی بھی قابل ذکر خطہ ان کی ناپاک شورشوں سے محفوظ نہیں تھا۔ جمی لائیڈ کے کارندے اس کے ذہن میں جنم لینے والے ہر شیطانی تصور کو عملی روپ دینے کی قوت رکھتے تھے اور اسے ختم کیے بغیر شی کے خاتمے کا تصور احمقانہ خام خیالی سے زیادہ نہیں تھا مگر وہ ایک صبر آزما کام تھا جس کے لیے وقت اور سرمائے کی ضرورت تھی۔ سرمائے کی کمی ہم نے شی والوں کی گن بوٹ کے سودے سے پوری کر لی تھی لیکن غزالہ کے پاکستان لوٹ جانے کے بعد میرے پاس وقت نہیں رہا تھا۔

غزالہ اپنی قابل رشک جدوجہد کے بعد پاکستان لوٹ جانے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ وہ اپنے وطن میں ہوتے ہوئے بھی بالکل بے یار و مددگار اور اکیلی تھی۔

کوکین کے شوق نے آہستہ آہستہ اس کی ماں کو قبر میں اتار دیا تھا۔
اس کا اکلوتا بھائی اپنی ماں کے نشے کی بھاری مقدار استعمال کرنے کے نتیجے میں دماغی خلل کا شکار ہو کر ایک اسپتال میں زیرِ علاج تھا اس کے باپ نے اپنی بیوی کی موت پر دل برداشتہ ہو کر خودکشی کر لی تھی اور پورے شہر میں کوئی ایسا نہیں رہا تھا جسے وہ اپنا سمجھ سکتی۔

مجھ سے اس کی گہری دوستی تھی ہم نے ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کے وعدے کیے تھے اس لیے پُرہول تنہائی اور اکیلے پن کے اس دور میں غزالہ کا مجھے تلاش کرنا فطری امر تھا۔ اسے میرے روابط کا زیادہ علم نہیں تھا۔ لے دے کر وہ بس جہانگیر سے ہی واقف تھی اور پاکستان پہنچنے کے بعد میرے بارے میں غزالہ نے اسی سے رجوع کیا تھا مگر وہ بے چارہ خود میرے بارے میں لاعلم تھا۔ میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ ان حالات میں غزالہ کو کیسی کربناک مایوسی کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ جب بھری دنیا میں انسان کو دور دور تک کوئی ایسا نظر نہ آئے جسے محبت سے اپنا کہا جا سکے تو پھر زندگی ایک بوجھ معلوم ہونے لگتی ہے جسے اٹھانا عام حوصلے والوں کے بس میں نہیں رہتا۔

"شاید ایسے ہی لوگ خودکشی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔" میں نے سوچا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں خود اپنے ہاتھوں سے نہ جانے کتنے ہی انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا لیکن اپنی ایک محبوب ہستی کی خودکشی کا تصور ہی میرے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ غزالہ کے بارے میں وہ خیال اس لیے زیادہ تکلیف دہ تھا کہ اس کا باپ خودکشی کر چکا تھا اور اس گھرانے نے شکست و ریخت کے جو مرحلے دیکھے تھے ان کے بعد غزالہ کے ذہن میں مایوسی کا جنم لینا بعید از قیاس نہیں تھا۔

زیرِ زمین اسٹیشن کے سنسان ماحول اور رات کے سناٹے میں وہ سب سوچتے ہوئے میرے وجود پر اضطراب طاری ہونے لگا یہ غنیمت تھا کہ حالات نے پلٹا کھایا تھا اور میں پاکستان واپسی کا ارادہ کر چکا تھا جہاں میری غزالہ اپنی پُرفسوں آنکھوں میں سہانے مستقبل کے سپنے سجائے میری منتظر تھی اور اس سفر کی راہ میں صرف وہی ایک رات حائل تھی جو سسک سسک کر دھیمے دھیمے گزر رہی تھی۔ اس وقت میرے ذہن سے شی اور اس کی مکروہ مصروفیات محو ہو گئی تھیں اور دل و دماغ پر بس غزالہ کا پیکر سر در سراپا اپنی تمام تر محبت اور لطافت کے ساتھ چھاتا چلا جا رہا تھا۔

میں رات بھر دیوار سے ٹیک لگائے سگریٹیں پھونکتا رہا۔ پاکستان واپسی کے فیصلے اور آنے والے خوشگوار دنوں کے تصور نے خیالات کے طلسم میں کچھ عجیب سی رنگ بھر دیے تھے اور مجھے وہ دن یاد آ رہے تھے جب غزالہ ایک سنگِ میل بن کر نہایت غیر محسوس طریقے پر میری زندگی میں داخل ہوئی تھی۔

وہ اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ اپنے کالج کے سالنامے کے لیے اشتہار لینے میرے دفتر میں آئی تھی۔ اس کی موہنی صورت اور دلکش اندازِ گفتگو نے اسی وقت میرا دل موہ لیا تھا پھر جب اس نے میری شرکت کے اصرار کے ساتھ کالج کے سالانہ فنکشن کا دعوت نامہ دیا تو میں انکار نہ کر سکا اور وہیں میں نے پہلی بار اس آواز کو دیکھا جو برسوں سے مجھ پر حکمرانی کر رہی تھی۔ میں مدت سے چرس اور پھر ہیروئن فروخت کرنے کے دھندے سے منسلک تھا ہم جس کے لیے کام کرتے تھے وہ ہم سے اور ہماری بہتیری کمزوریوں سے اچھی طرح واقف تھا لیکن ہم نے اس کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اپنی سرد اور سپاٹ آواز میں فون یا ٹرانسمیٹر پر ہمیں حکم دیتا تھا اور ہم پالتو کتوں کی طرح اس کے حکم کی تعمیل کے لیے مجبور ہوتے تھے۔ غزالہ کے کالج میں لاؤڈ اسپیکر پر میری وہی شناسا سا آواز گونج رہی تھی، وہ تقریب کا مہمانِ خصوصی تھا اور منشیات کی لعنت کے خلاف ایک بھرپور اور جامع تقریر کر رہا تھا۔ تنظیم کی دوعملی اور نفرت انگیز سرگرمیوں کے خلاف وہی تقریب میری جدوجہد کا نقطۂ آغاز بن گئی۔ غزالہ میرے قریب آتی چلی گئی اور میں دن بدن تنظیم سے دور ہوتا چلا گیا۔

ابتدا میں غزالہ کو میری خفیہ سرگرمیوں کا ذرا بھی علم نہیں تھا لیکن اس کا منشیات کا ڈسا ہوا گھرانا میرے سامنے تھا۔ پھر جب ہمارے مراسم بڑھتے ہی چلے گئے تو ایک دن غزالہ پھٹ پڑی۔ اس نے اپنے گھرانے کے کئی سربستہ رازوں سے پردہ ہٹاتے ہوئے رو رو کر کہا کہ اتنے گندے پس منظر کے ساتھ وہ خود کو میرے قابل نہیں سمجھتی تھی اس کے اعتراف نے میرے دل میں اس کی عظمت کو چار چاند لگا دیے اور میں نے بھی کھلے دل کے ساتھ اسے وہ سب بتا ڈالا جو میں برسوں سے کرتا آ رہا تھا اور یوں ہم نے ایک دوسرے کو اس کی ساری کمزوریوں کے ساتھ قبول کرتے ہوئے یہ عہد بھی کیا تھا کہ ہم تنظیم کی اینٹ سے اینٹ بجانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔

سلطان شاہ تھکا ہوا تھا اس لیے تھوڑی دیر میں گہری نیند سو گیا مگر میرے ذہن میں پرانی یادوں کا فیتہ چلتا رہا حتیٰ کہ اوپر آمد و رفت کی اکا دکا آوازیں سنائی دینے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد پُرشور آواز کے ساتھ آہنی دروازہ کھولا گیا اور میٹرو کے عملے کے کئی افراد اونچی اور پُرجوش آوازوں میں باتیں کرتے ہوئے نیچے اتر آئے۔ میں نے آہستگی کے ساتھ سلطان شاہ کا بازو ہلایا اور اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

"آمد و رفت شروع ہو گئی ہے اب ہمیں چوکنا رہنا چاہیے۔ گتے وغیرہ سیٹ کر کے ڈسٹ بن میں ڈال دو تاکہ ہماری یہاں شب بسری کا کوئی ثبوت باقی نہ رہے۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں ہدایت کی اور وہ فوراً ہی گتوں کے بستر سے اٹھ گیا۔

اندر کمرے وغیرہ کھلنے کی آوازیں آتی رہیں پھر پورا اسٹیشن صفائی کی برقی مشینوں کے شور سے گونجنے لگا۔ وقفے وقفے سے عملے کے مزید ارکان آتے رہے اور پھر معمول کی روشنیوں کے ساتھ ہی مسافروں کی رہنمائی کرنے والی برقی علامات بھی جل اٹھیں۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کا جائزہ لیا اور پھر چہل قدمی کے انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔

ہم کسی کی خصوصی توجہ کا مرکز بنے بغیر اسٹیشن سے باہر نکل آئے جہاں سیڑھیوں سے چند قدم کے فاصلے پر ایک ہاکر اپنا اسٹال درست کر رہا تھا۔ مجھے وہاں کوئی انگریزی اخبار نظر نہیں آیا اس لیے میں نے سب سے اونچی گڈی سے ایک اطالوی اخبار اٹھا لیا۔ گڈی کی اونچائی سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ میلان کا کوئی مقبول روزنامہ تھا۔

"یہ اطالین زبان میں ہے۔ کس سے پڑھواؤ گے؟" اسٹال سے ہٹنے کے بعد سلطان شاہ نے تمسخرانہ لہجے میں سوال کیا۔

"اپنی چونچ بند رکھو۔" میں نے اسے گھورا۔ "تصویروں کی کوئی زبان نہیں ہوتی، وہ میں بھی دیکھ سکتا ہوں۔"

میں نے وہیں ایک اسٹریٹ لیمپ کے نیچے کھڑے ہو کر اس نصف کلو وزنی اخبار کی ورق گردانی کر ڈالی اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ پورے اخبار میں کہیں بھی میری کوئی تصویر نہیں تھی۔ البتہ پہلے صفحے پر جلی ہوئی بی ایم ڈبلیو کی تصویر کے ساتھ دو خبروں میں کچھ ایسے مانوس الفاظ موجود تھے جن سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ خبریں گیمبلرز کے ہنگامے اور جلنے والی کار کے بارے میں تھیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ اس علاقے میں تیزی کے ساتھ چہل پہل میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ہم دونوں دوبارہ اسٹیشن میں داخل ہوئے۔ مطلوبہ سمت سے آنے والی ٹرین میں دس منٹ باقی تھے۔ ہم نے ٹکٹ لیے اور پلیٹ فارم پر پہنچ گئے۔ اس وقت تک صفائی کا کام تیزی سے ختم ہو رہا تھا اور پلیٹ فارم پر چند مسافر بھی نظر آ رہے تھے۔

"تم نے باتھ روم والی کو دوبارہ ہزار لیرے نہیں دیے؟" سلطان شاہ کا موڈ اس وقت خاصا خوشگوار تھا۔

"ضرورت محسوس ہو رہی ہو تو تم دے آؤ۔ اس وقت وہ بھی تمہاری طرح تر و تازہ ہو گی۔"

"اس وقت تو کوئی اور ہی ڈیوٹی پر ہو گی۔ وہ آدھی رات کے بعد گئی ہے۔ اس وقت بستر میں آرام کر رہی ہو گی اور تم اس کے فراق میں ساری رات ویران پلیٹ فارم پر جاگتے رہے۔ بہرحال اس طرح تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا کہ میری نیند پوری کرا دی۔"

"میری رات بڑی بے چینی میں گزری ہے۔ میں واقعی غزالا کے ساتھ بڑی بے وفائیوں کا ارتکاب کرتا رہا ہوں اور وہ بے چاری میری یاد کو سینے سے لگائے اپنی وفا کی آنچ میں دھیرے دھیرے سلگ رہی ہے۔"

"غنیمت یہ ہے کہ ابھی تمہارے ذہن میں اپنی غلطیوں کا احساس زندہ ہے۔ افسوس وہاں ہوتا ہے جہاں آدمی اپنی غلطیوں کا الٹا سیدھا جواز بھی پیش کرنے لگتا ہے۔" وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

میٹرو آئی تو اس میں خاصے مسافر سوار تھے۔ ہم اندر دروازے کے قریب ہی کھڑے ہو گئے کیونکہ ہمیں اگلے اسٹیشن پر اترنا تھا۔ ٹرین نے پوری طرح رفتار بھی نہیں پکڑی تھی کہ اگلا اسٹیشن آ گیا اور ہم اتر گئے۔ ڈوم سے وہ فاصلہ اتنا مختصر تھا کہ ہم پیدل بھی بآسانی طے کر سکتے تھے لیکن میں اس وقت خود کو حتی الامکان چھپائے رکھنا چاہتا تھا۔ غیر ضروری طور پر سامنے آنے میں خطرہ تھا کہ کہیں شی کے کسی گرگے نے دیکھ لیا تو پھر ایک نیا محاذ کھل سکتا تھا جبکہ میں جلد از جلد اٹلی سے باہر نکل جانا چاہتا تھا۔

سان بابیلا کے اسٹیشن کے قریب ہی بس اسٹاپ موجود تھا جہاں لینالتے ایئرپورٹ جانے والی ۷۳ نمبر بس تیار کھڑی تھی۔ میرے پاس ہوٹل ڈومینی سے خریدے ہوئے ٹکٹ موجود تھے اس لیے ہم نے بس میں سوار ہو کر مشین پر ٹائم پنچ کیا اور نشستیں سنبھال لیں۔

لینالتے ایئرپورٹ تک کا سفر کسی قابل ذکر واقعے کے بغیر طے ہو گیا۔ اس دوران میں، میں احتیاطاً اپنی پیشانی اگلی نشست کی پشت گاہ سے ٹیک کر اپنا چہرہ بازوؤں میں چھپائے رہا۔ میرے لاشعور میں یہ خوف جاگزیں تھا کہ میں نے میلان کا ایک بڑا اخبار تو دیکھ لیا تھا لیکن یہ امکان باقی تھا کہ ڈاکٹر گیسپی نے میری تصویر کسی اور اخبار میں نہ چھپوا دی ہو اس لیے جس حد تک ممکن تھا خود کو چھپائے رکھنے میں ہی میری عافیت کا راز پوشیدہ تھا۔

ایئرپورٹ کے بین الاقوامی لاؤنج میں بہت سی ایئرلائنز کے سیلز کاؤنٹرز موجود تھے جن میں سے بیشتر بند پڑے ہوئے تھے البتہ ایئر فرانس اور الاطالیہ کے کاؤنٹرز آباد تھے۔ اس وقت میری رسٹ واچ چھ بجا رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ آٹھ بجے تک دوسری ایئرلائنز کا عملہ اپنی جگہوں پر آ جائے گا اس دوران میں ہم وہیں کے ریسٹوران میں ناشتے سے فارغ ہو سکتے تھے۔

ریسٹوران اس وقت تقریباً خالی پڑا ہوا تھا۔ ہم نے ایک

دور افتادہ گوشے میں میز سنبھال لی۔ ہم گفتگو کرتے ہوئے ناشتے
میں مصروف تھے کہ ایک دراز قامت سفید فام ہماری میز کی
طرف آتا ہوا نظر آیا۔ وہ پورا ہال چھوڑ کر ادھر آرہا تھا اس لیے
میرا چونکنا فطری امر تھا لیکن وہ خلافِ توقع ہم دونوں پر کوئی
توجہ دیے بغیر ہمارے قریب ہی ایک دوسری میز کے گرد بیٹھ گیا۔
"تم اسے دیکھ کر کیوں چونکے تھے؟" سلطان شاہ نے
سوال کیا۔
"قدرتی بات تھی۔ وہ پورا خالی ہال چھوڑ کر ادھر آرہا
تھا۔ اگر اسے تخلیے کی تلاش تھی تو اسے دوسرے کسی گوشے
کی طرف جانا چاہیے تھا جہاں کوئی گاہک موجود نہیں ہے۔
اس وقت وہ میری پشت پر اور تمہارے سامنے ہے اس لیے
تم ہی کو اس پر نگاہ رکھنی ہوگی۔ یہ مجھے کچھ مشکوک نظر آرہا ہے۔"
میں نے دھیمی آواز میں کہا۔
"تمہارا اندازہ ٹھیک ہے۔ وہ کن انکھیوں سے بار بار ہمارا
جائزہ لے رہا ہے۔" سلطان شاہ کے ان الفاظ نے میرے
وجود میں سنسنی کی لہر دوڑا دی۔ اگر وہ شی کا ہی آدمی تھا تو
ہمارے لیے کسی بڑی مصیبت کا آغاز ہونے والا تھا۔
پھر ہم ناشتے سے فارغ ہو کر ہم چائے کی دوسری پیالی
پی رہے تھے کہ سلطان شاہ نے اضطراری طور پر اپنی کرسی میں
اس طرح پہلو بدلا کہ میں گردن گھمانے پر مجبور ہو گیا۔
نووارد سفید فام اپنی کرسی چھوڑ رہا تھا اور بغور ہماری
طرف دیکھ کر ڈھٹائی کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا
تھا جیسے وہ اپنی مسکراہٹ کے ذریعے کسی پرانی شناسائی کا
اظہار کرنا چاہ رہا ہو۔ میرے لیے وہ صورتِ حال بڑی صبر آزما
تھی کیونکہ اس ریستوران میں نووارد پر ہاتھ ڈال کر خود بچ نکلنا
آسان نہیں تھا جبکہ وہ ہماری میز کی طرف آنے پر تلا ہوا نظر آ
رہا تھا۔
میرے اعصاب تن گئے اور ذہن فوری طور پر مدافعانہ
حکمتِ عملی کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔
وہ اپنی کرسی چھوڑ کر آہستہ آہستہ با وقار انداز میں چلتا ہوا
ہماری طرف آیا تھا۔ اس کے قریب پہنچنے سے پہلے میں جارحانہ
تیوروں کے ساتھ کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔
"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" قریب آکر اس نے بدستور
مسکراتے ہوئے اطالوی لہجے مگر انگریزی زبان میں سوال کیا۔
"ہال میں بہتیری میزیں خالی ہیں۔" میں نے ترش لہجے
میں جواب دیا۔ "ہم کچھ نجی اور ضروری گفتگو کر رہے ہیں۔"
"میرا شی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تمہارے لیے
ایک دوستانہ پیغام لایا ہوں۔" اس نے میری طرف جھک
کر رازدارانہ لہجے میں کہا۔
اس کے الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا ہمارے
مسائل سے بہت زیادہ باخبر معلوم ہو رہا تھا ورنہ اس قدر بے باکی
اور اعتماد کے ساتھ شی کا حوالہ نہ دیتا لیکن یہ بات ناقابلِ فہم
تھی کہ میلان جیسے اجنبی شہر میں ہمارا وہ اجنبی ہمدرد کہاں سے
پیدا ہو گیا تھا جو ہماری نظروں میں آئے بغیر ہماری نگرانی کر رہا تھا۔
"بیٹھ جاؤ!" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا اور اپنی کرسی
میں گر گیا۔
"شکریہ!" اس نے کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔ "میرا نام فرانکو
لومبارڈی ہے۔ تم شاید پیٹر واک ہو اور یہ تمہارا ساتھی رلماند
ہے۔" اس نے ایک ہی سانس میں ہمیں اپنی معلومات سے
مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "آج کل تم دونوں
کے یہی قانونی نام ہیں کیونکہ تمہاری سفری دستاویزات پر یہ نام
درج ہیں لیکن میری معلومات کے مطابق تم ڈینی کے نام سے
پہچانے جاتے رہے ہو۔"
"تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔" میں نے اعتراف
کیا۔ "لیکن تمہارا اپنا تعارف بہت ناکافی ہے۔ گفتگو آگے بڑھانے
سے پہلے میں تمہارے بارے میں کچھ اور بھی جاننا چاہوں گا کہ
تمہارا تعلق کس حریف سے ہے اور ہمارے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہو؟"
اس نے ایک گہرا سانس لے کر اپنے سر کو تفہیمی انداز میں
جنبش دی پھر ٹھیرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "پہلے تو میں تمہاری یہ غلط فہمی
دور کر دوں کہ میں تمہارا پیچھا نہیں کر رہا بلکہ تمہاری حفاظت کر رہا ہوں۔
کل جب سے تم ہوٹل وینی پہنچے تھے اس وقت سے میں ہر لمحے سائے
کی طرح تمہارے قریب رہا ہوں۔ پچھلی رات جب تم گیمبلرز نائٹ
کلب میں ایک کٹھن صورتِ حال سے دوچار ہو گئے تھے تو میں نے ہی
وہاں ہوائی فائر کر کے افراتفری پھیلائی تھی تاکہ تمہیں باہر نکل جانے
کا موقع مل سکے۔ اس کے بعد جب تم کسی چوپائے کی طرح الٹی ہوئی
میزوں کے درمیان بھٹک رہے تھے تو میں نے نائٹ کلب کے دو
محافظوں کو ایسے مواقع پر بے ہوش کیا تھا جب وہ تمہیں دھوکا دے
کر خطرناک حد تک تمہارے قریب پہنچ چکے تھے۔ پھر پچھلی رات
ڈوم میں جب دو مسلح افراد نے تمہیں للکارا تو میں تمہاری مدد کے
لیے پوری طرح تیار تھا۔ اگر تم کسی وجہ سے ان پر قابو پانے میں
ناکام رہتے تو میں فوراً ہی حرکت میں آجاتا۔ رات تم نے ڈوم کے
زیرِ زمین میٹرو اسٹیشن میں گزاری اور میں باہر کسی امکانی خطرے
کے خلاف نگرانی کرتا رہا اور اب تمہارے ساتھ ہی ایئرپورٹ
پہنچا ہوں۔"

"تم نے یہ سب بتا کر مجھے حیران کر دیا ہے لیکن تمھاری یہ مہربانیاں بلا سبب تو ہرگز نہ رہی ہوں گی! آخر میری ذات میں تمھیں اتنی شدید دلچسپی کیوں پیدا ہو گئی ہے؟"

"جب سے تم نے کھلے سمندر میں شی والوں کی گن بوٹ فروخت کی ہے اسی وقت سے تم ہماری نظروں میں آ گئے تھے۔ ہمارے چند سرکردہ لوگ تمھاری دلیری، کارکردگی اور سخت جانی سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔ اس کے بعد سے تم پر قریب سے نظر رکھی جا رہی ہے۔ تمھاری پل پل کی خبریں ہمیں ملتی رہی ہیں۔ پاکستان سے بھی تمھارے بارے میں کافی معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اب تم ہمیں اپنے دشمنوں میں شمار نہیں کرو گے۔"

"لیکن میرے ہوٹل وینس پہنچنے کے بارے میں تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" میرے لیے اپنی حیرت پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا۔

"یہ ذرا پیچیدہ کہانی ہے۔" وہ بولا۔ "وینس میلان میں ہمارا ایک مضبوط ٹھکانا ہے۔ تم اس ہوٹل کے نوجوان مالک سے ضرور ملے ہو گے جو ہاریش ہے۔ اس سے جمی لائیڈ کی بیٹی کے پرانے مراسم ہیں وہ جب بھی میلان آتی ہے وہیں ٹھہرتی ہے۔ ہمیں اندازہ تھا تم جلد یا بدیر میلان کا رخ ضرور کرو گے کیونکہ وہی مارسیلز سے قریب ہے اس لیے ہم ہوشیار تھے۔ تمھارے وہاں پہنچتے ہی ہمیں خبر مل گئی تھی۔ ہمیں معلوم تھا کہ شی والے تمھارے لہو کے پیاسے ہو رہے ہیں اس لیے فوری طور پر تمھاری حفاظت شروع کرا دی گئی۔"

"بات پھر وہیں آ جاتی ہے کہ ان مہربانیوں کا اصل مقصد کیا ہے؟"

"ہمارے بڑے چاہتے ہیں کہ تم ہمارے لیے کام کرو۔ شی اب سنڈیکیٹ کے بجائے جمی لائیڈ کی ذاتی جاگیر بن کر رہ گئی ہے جس میں صرف خوشامدی ٹولے کو آگے بڑھنے کے مواقع ملتے ہیں۔"

"کھل کر بات کرو کہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟" میں نے ٹھنڈی چائے کا کپ خالی کرتے ہوئے کہا۔

"وہی جو تم اب تک کرتے آئے ہو۔" اس نے کہا۔

"میں تو شی کی بیخ کنی کر رہا ہوں۔ ظاہر ہے تمھارے بڑے اپنی بربادی تو نہ چاہتے ہوں گے؟"

وہ پہلی بار ہولے سے مسکرایا۔ "میں بغاوت سے پہلے کی بات کر رہا تھا۔ ہم اپنا کام بڑھانا چاہ رہے ہیں۔"

"ہیروئن؟" میں نے رازدارانہ لہجے میں سوال کیا اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تم چاہو تو دنیا کے کسی بھی خطے میں فروخت کے انتظامات سنبھال سکتے ہو۔ پاکستان لوٹنے کی خواہش ہو تو وہاں کی سرحدی فیکٹریوں سے پیشگی ادائیگیوں کی بنیاد پر پوری پیداوار اور فصلوں کا سودا کر سکتے ہو۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تمھارا گروپ کس
پہچانا جاتا ہے؟"

"چھوٹے موٹے گروپ شی کے سائے سے بھی نکل
مجھے امید ہے کہ تم پیشہ ورانہ اخلاقیات کا پاس کرتے ہو
بات اپنی ذات تک محدود رکھو گے کہ تمھارے لیے یہ پیشکش
مافیا کی طرف سے لایا ہوں۔ ہمارے علاوہ کسی میں یہ مجال
طاقت نہیں کہ شی کے کسی دشمن کو مؤثر تحفظ کے ساتھ پناہ د

"اگر میں یہ پیشکش قبول نہ کر سکوں؟" میں نے قدرے
کے بعد کہا۔

"تمھیں اس کا اختیار ہے۔" اس نے پرسکون لہجے میں

"لیکن میں اتنا ضرور بتانا چاہوں گا کہ اب مافیا کا سہارا لی
تم خود کو زیادہ دنوں تک شی والوں کے عتاب سے محفوظ ر
سکو گے۔ اپنے جانی اور مالی نقصان کے باوجود انھوں ن
چاروں طرف سے تم پر ایسا دباؤ ڈالا ہوا ہے کہ تم میلان میں
چوبیس گھنٹے گزارنے سے پہلے ہی ایئر پورٹ پر واپس آ گئے

وہ حقائق بھی تھے اور ایک طرح سے انکار کی صو
میں برے انجام کی دھمکی بھی۔ اس کے ذو معنی بیان کو ہر طر
کے معنی پہنائے جا سکتے تھے۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ یہ
فوری انکار کی صورت میں مافیا والے میرے بارے میں اپنی
معلومات شی تک پہنچا دیتے۔ میرے لیے مافیا کی وہ پیشک
کسی اعزاز سے زیادہ ایک کڑا امتحان بھی ثابت ہو سکتی تھ

"تمھارا اندازہ درست ہے۔" میں نے کچھ دیر کے سکوت
کے بعد کہا۔ "میلان میں آتے ہی مجھے بدترین اعصابی دباؤ
سامنا کرنا پڑا ہے اور اب میں سنجیدگی سے پاکستان واپس
کر کچھ عرصے کے لیے مکمل آرام کرنا چاہ رہا ہوں۔ فوری طو
تمھاری پیشکش کا جواب دینا میرے لیے ناممکن ہے۔ مجھ
سوچنے کے لیے مہلت درکار ہو گی۔"

"تمھارا یہ جواب میرے لیے غیر متوقع نہیں ہے۔" وہ د
بار مسکرایا۔ "تم جتنا وقت چاہو لے سکتے ہو لیکن یہ یاد رکھنا
اب شی میں تمھاری واپسی کا ہر راستہ بند ہو چکا ہے۔ اس باہم
گفتگو کے بعد اگر تم نے شی سے مصالحت کی کوئی کوشش
تو فوری طور پر ہماری ہٹ لسٹ میں سرفہرست آ جاؤ گے۔ تمھ
لیے دو ہی راستے رہ گئے ہیں کہ ہمارے لیے کام کرو یا بڑی آ
کا تصور کیے بغیر زندگی بھر شی کے عتاب سے اپنا دفاع کرتے

"میں جانتا ہوں۔" اس بار میں نے اس کی آنکھوں میں
آنکھیں ڈال کر اعتماد سے کہا۔ "موت کے جبڑوں میں ہا
ڈال کر زندگی کی نوید لانے والوں کو مارنا آسان نہیں ہو

تم مطمئن رہو کہ شی کی طرف میری واپسی ناممکن ہے۔"

"میرے بڑے تمہارا احترام کرتے ہیں اس لیے میں کچھ اور تو نہیں کہہ سکتا لیکن یہ بتا دوں کہ جمی لائیڈ نے تمہاری موت کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ شی کے وسیع حلقوں میں یہ بات پھیل گئی ہے کہ ایک ایشیائی باغی نے جمی لائیڈ کی زندگی کو عذاب بنا دیا ہے۔ اس لیے وہ تمہیں دوسروں کے لیے عبرتناک انجام کا ایک شاہکار بنا دینا چاہتا ہے۔ اس نے پیشہ ور خونی درندوں کو تمہارے پیچھے لگایا ہوا ہے۔ رات کو ڈوم کے علاقے میں تم نے جو آدمی مارے وہ ڈاکٹر گوسیپی کے بھیجے ہوئے تھے۔ اگر ان کی جگہ جمی لائیڈ کے خاص آدمی ہوتے تو ان سے نمٹنے میں تمہیں دانتوں پسینہ آ سکتا تھا۔ تم سے ذرا بھی غفلت ہوئی تو بڑے خسارے میں رہو گے۔"

"مشوروں کا شکریہ۔" میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے مجھے پیشہ ورانہ اخلاقیات کا حوالہ دیا ہے تو اسی حوالے سے میں بھی یاد دلا دوں کہ میری نئی منزل کی خبر باہر نہ نکلنی چاہیے۔ میں بھی جمی لائیڈ پر اپنی بالادستی کا ہوّا قائم رکھنا چاہتا ہوں۔"

"بے فکر رہو۔" اس نے گرم جوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "لیکن ایک بات تو بتاؤ کہ ویرا تمہیں میلان بھیج کر خود کہاں رہ گئی ہے؟" مائیکل وینی بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا ہے۔"

"وہ کسی بھی وقت پہنچ سکتی ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "شاید اسے مائیکل کی وفاداری کا علم نہیں ہے۔"

"کیسے ہو سکتا ہے!" وہ بولا۔ "وہ بے چارہ تو خاندانی جائیداد کو ہوٹل میں تبدیل کر کے اپنے اخراجات پورے کر رہا ہے۔ ان دونوں کے مراسم کو ہم لوگ شی پر اپنی فتح اور بڑائی کی علامت تصور کرتے ہیں۔"

"یہ تمہاری اپنی سوچ ہے ورنہ ویرا تو خود مردوں کو کھلونا سمجھنے کی عادی ہے۔ تم خود بتا رہے ہو کہ مائیکل اس کے انتظار میں دن کاٹ رہا ہے جبکہ وہ کسی ضرورت کے بغیر مائیکل کا تصور بھی نہ کرتی ہو گی۔"

"اوہ! شاید تم برا مان گئے۔ اچھا ہو تو مائیکل کی معرفت تمہارا کوئی بھی پیغام ویرا تک پہنچایا جا سکتا ہے۔"

"نہیں! اس کی کوئی ضرورت نہیں، البتہ اپنے رابطے کا ذریعہ ضرور بتا دو۔"

"میں تو ایک ادنیٰ سا پیغام رساں ہوں۔ آج یہاں ہوں، کل نہ جانے کہاں چلا جاؤں۔ ذرا سی مہلت دو تو میں تمہیں کوئی نہ کوئی کانٹیکٹ دے سکتا ہوں جس پر تم بروقت ضرورت رابطہ قائم کر سکو گے۔"

"کسی کو فون کرو گے؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں، اچھا ہو تو تمہارے ٹکٹ بھی بنوا دوں۔ تمہارا غیر ضروری طور پر ایئرپورٹ پر گھومنا مناسب نہیں ہو گا۔"

اس کی تجویز مناسب تھی لیکن وہ ہماری پہلی ملاقات تھی اس لیے میں اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ ہمارے پاسپورٹ لے کر غائب ہو جاتا تو ہمارے لیے ایک بہت بڑا مسئلہ کھڑا ہو سکتا تھا اس لیے میں نے اس کی پیشکش قبول کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں! رامانند کو ساتھ لے جاؤ۔ میری کوشش یہ ہو گی کہ اٹلی یا فرانس کی ائیرلائن پر سفر کرنا پڑے۔"

"واقعی بہت محتاط ہو تم۔" وہ تعریفی لہجے میں بولا۔ "بڑی دور کی بات سوچی ہے۔ ان دونوں ایئرلائنز پر کوئی تمہیں پہچان بھی سکتا ہے۔ میں دیکھوں گا کہ آج کون کون سی ائیرلائنز یہاں سے مشرق کی طرف جاتی ہیں۔"

میں وہیں بیٹھا رہا۔ بڑے ڈالروں کی ایک گڈی سلطان شاہ کی جیب میں موجود تھی اس لیے وہ پاسپورٹ لے کر فرانکو لومبارڈی کے ساتھ ریستوران سے باہر چلا گیا۔

میرے لیے وہ صورتِ حال بہت عجیب اور ناقابلِ یقین تھی۔ میں فرانکو کے ساتھ واجبی انداز میں گفتگو کرتا رہا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس کے ہر انکشاف کے ساتھ مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ اس نے میری مصروفیات کی جو روداد سنائی اس کی وجہ سے اس کی باتوں پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں تھی۔ میں شروع سے آخر تک بے حد محتاط رہا تھا خاص طور پر تعاقب یا اپنے قرب وجوار میں کسی مشتبہ آدمی کی موجودگی پر میں نے مسلسل نگاہ رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن فرانکو کا سراغ لگانے میں بری طرح ناکام رہا تھا جو بڑی مہارت کے ساتھ سائے کی طرح میرے پیچھے لگا رہا تھا۔

یہ حقیقت تھی کہ گیمبلرز کے ہال میں اگر ہوائی فائر نہ کیا گیا ہوتا تو بڑے پیمانے پر شروع ہونے والی ہڑبونگ کے بغیر میرا وہاں سے بچ نکلنا ناممکن ہو کر رہ جاتا۔ میں نے سوچا تھا کہ شاید کلب کے کسی مسلح محافظ نے بوکھلاہٹ میں وہ احمقانہ حرکت کر کے میرا کام آسان کیا تھا جبکہ وہ ترکیب فرانکو کی تھی۔ افراتفری پیدا کرنے کے بعد وہ خود وہاں سے نکلنے میں کامیاب رہا تھا۔

ان سب ضمنی باتوں سے اہم نکتہ یہ تھا کہ میں نے پاکستان میں اپنے نجی معاملات کی بنا پر شی سے بغاوت

کا علم بلند کیا تھا مگر پھر رفتہ رفتہ میرا نام مافیا جیسی رسوائے زمانہ تنظیم کے ذمے داروں کی نگاہوں میں آگیا۔ حقیقت یہ تھی کرشی کا نام پاکستان میں، مَیں نے کبھی سُنا بھی نہیں تھا۔ وہاں سے باہر نکلنے کے بعد پہلی بار مجھے پتا چلا کہ میں جس تنظیم کے لیے کام کرتا رہا تھا وہ شی کے نام سے پہچانی جاتی تھی جبکہ مافیا برسہا برس سے دُنیا میں اخلاقی اور سیاسی جرائم کی سب سے بڑی پُشت پناہ سمجھی جاتی تھی۔ ایک ایسی بدنام اور سفاک تحریک کی طرف سے میری تعریف و توصیف اس مرحلے پر مجھے اپنے لیے ایک گالی محسوس ہو رہی تھی ـــ میں جرائم ترک کرکے صاف ستھری گھریلو زندگی کے خواب دیکھ رہا تھا لیکن مافیا والے مجھے بتا رہے تھے کہ مجھ میں ایک شہرۂ آفاق مجرم بننے کی زبردست صلاحیت موجود تھی۔

ان دونوں کی واپسی اس وقت ہوئی جب میں انتظار سے اکتا کر فرانکو کے خلاف سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا۔

"معاملہ گڑبڑ ہوگیا۔" فرانکو نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "پہلی بات تو یہ کہ یہاں سے براہ راست پاکستان کے لیے کوئی پرواز نہیں ہے۔ وہ روٹ روم سے مل سکتا ہے۔ روم تک تمھیں الاطالیہ سے ہی سفر کرنا ہوگا۔"

"مجبوری ہے تو یہی سہی۔ وہاں سے کون سی ایئر لائن ملی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"لفت ہنسا۔" اس نے جواب دیا۔ "تمھارا معاملہ تو صاف ہے۔ برٹش نیشنل ہونے کی بنا پر تمھیں کراچی ایئرپورٹ پر پندرہ دن کا ویزا مل جائے گا۔ لیکن بھارتی شہریوں کو پیشگی ویزا لینا پڑتا ہے۔ شاید راما نند کو پاکستان میں داخلے کی اجازت نہ مل سکے۔"

"ٹکٹ کا کیا ہوا؟" میں نے بے تابی کے ساتھ پوچھا۔

"ٹکٹ تو بن گئے۔ ایئرلائن والے ویزا نہیں دیکھتے لیکن یہ نکتہ اسی نے بتایا تھا اس لیے راما نند کا بمبئی تک کا ٹکٹ بنوا لیا ہے۔ اگر اسے ویزا نہ مل سکا تو یہ دو دن بعد اسی ٹکٹ پر بمبئی جا سکتا ہے۔ اسے وہاں سے ویزا حاصل کرکے پاکستان آنا ہوگا۔ لفت ہنسا کی یہ پرواز کراچی اور بمبئی سے ہوتی ہوئی مشرق بعید تک جاتی ہے۔"

"اچھا ہوا کہ یہ مسئلہ بھی یہیں سامنے آگیا۔ میں نے تو اس بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ پاکستان اور بھارت کے مراسم واقعی ایسے نہیں ہیں کہ شہریوں کو سفر میں سہولتیں حاصل ہوں۔"

"میرا پاکستان میں داخلہ مشکل ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ تم بھی میرے ساتھ سیدھے بمبئی چلو؟ وہاں سے ہم ایک ساتھ پاکستان واپس آسکتے ہیں۔" سلطان شاہ نے رائے ظاہر کی۔

"یہ بہت آسان ہوگا۔ بھارت کامن ویلتھ کا رکن ہے، پیٹرواک اپنے برٹش پاسپورٹ کی وجہ سے بلا روک ٹوک بھارت میں داخل ہو سکتا ہے۔" فرانکو نے اس کی تائید کرتے ہوئے ...

"اب جو ہوگیا ہے وہی بہتر ہے۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "پاکستان میں جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔ ضرورت محسوس ہوئی تو میں وہاں سے نیا ٹکٹ بھی خرید سکتا ہوں۔"

"روم کے لیے تمھاری پرواز نو بجے روانہ ہوگی۔ اس وقت تک میں تمھارے آس پاس ہی موجود رہوں گا۔" فرانکو نے مجھے آگاہ کیا۔ "ویسے میں نے پاکستان میں رابطے کے بارے میں بھی معلوم کر لیا ہے۔ طریقہ ذرا طویل ہے لیکن ہر اعتبار سے محفوظ ہے۔ تمھیں کراچی سے شائع ہونے والے کسی قومی اخبار میں گمبی گمبی کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کرانا ہوگا۔ مضمون جو بھی ہو مگر عنوان یہی ہونا چاہیے۔ اشتہار میں تم اپنا جو بھی نمبر دو گے اس پر مافیا کے کراچی بیورو کا سربراہ خود فون کرے گا وہ کاسٹ کے نام سے اپنا تعارف کرائے گا۔ تمھارا کوڈ شوٹر ہوگا۔ شناخت کے بعد تم اس سے کھل کر بات کر سکو گے۔ ضرورت ہوئی تو اس کے ذریعے تمھیں اٹلی سے بھی ہدایات موصول ہو سکیں گی۔"

"رابطے کا کوئی آسان ذریعہ نہیں ہے وہاں؟" میں نے سوال کیا۔

"مجبوری ہے۔ فی الحال مجھے یہی بتایا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے رابطے کے بعد کراچی والا خود ہی کوئی مستقل طریقہ بتا دے۔"

وہ اپنا کام پورا کر چکا تھا اس لیے ہم دونوں سے تپاک انداز میں ہاتھ ملا کر رخصت ہونا چاہا مگر مجھے نادیہ کا خیال آ گیا۔ مائیکل ڈینی مافیا کا رکن تھا اس لیے فرانکو کو اس کے ذریعے نادیہ کے بارے میں معلوم ہو سکتا تھا مگر میرے پاس اس لڑکی کا حشر معلوم کرنے کا کوئی بھی ذریعہ نہیں تھا۔ اس نے بتا دیا۔ "میں تمھاری ڈیوٹی پر تھا اس لیے تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔ رات فون پر صرف اتنا پتا چلا تھا کہ پرو موٹرز اس کا انتظار کرکے واپس چلے گئے۔ رات گئے وہ واپس آئی تو اپنے بوائے فرینڈ سے اس کی خاصی مار دھاڑ ہوئی اور وہ ہوٹل چھوڑ کر چلی گئی۔"

"زوتی وہیں ٹھہرا ہوا ہے؟"

"ہاں! وہ کہاں جائے گا۔ پیسے ختم ہونے تک نادیہ سے صلح نہ ہوئی تو ضرور نیپلز واپس لوٹ جائے گا۔"

"ہو سکے تو کسی سے زوتی کی ٹھکانے کرا دو۔" میں نے ا

سے التجا کی۔ "وہ بہت ہی کمینہ اور خود غرض شخص ہے۔"
فرانکو ہنس پڑا۔ "شہر میں کس کس کو پٹواؤ گے؟ آج کل کے زیادہ تر نوجوان اسی کی طرح کاہل اور عیش پرست ہو گئے ہیں۔ ایسے مقامی معاملات کے بارے میں اپنے ذہن پر زور نہ ڈالو۔ چند دن میں وہ دونوں پھر ایک ہو جائیں گے۔"

اس کے جاتے جاتے میں نے اس کے ٹھکانے کے بارے میں دریافت کیا اور وہ کاغذ کے ایک رقعے پر اپنا فون نمبر لکھ کر میرے حوالے کرتا ہوا عجلت میں روانہ ہو گیا۔ اس کے رویے میں یک بیک اس طرح تبدیلی رونما ہوئی تھی جیسے اسے کوئی غیر معمولی چیز یا چہرہ نظر آ گیا ہو۔ میں نے متجسس نظروں سے ریستوران کے ہال اور داخلی راستے کا جائزہ لے ڈالا لیکن وہاں کوئی غیر متوقع تبدیلی نظر نہیں آئی اور میں سر جھٹک کر سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اگر مجھے اکیلے بمبئی جانا پڑا تو بڑی مشکل کھڑی ہو جائے گی۔" سلطان شاہ تشویش آمیز لہجے میں بولا۔

"مجبوری ہے۔ یہ تو ہم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ان پاسپورٹوں پر واپسی کی صورت میں ایسی کوئی دشواری پیش آ سکے گی —— بہرحال اس کا بھی کوئی توڑ سوچنا ہی ہو گا۔"

"یہاں گھپلا چل گیا۔ ہندوستان میں تو میں فوراً دھر لیا جاؤں گا۔ پاسپورٹ پر رامانند کا پتا اور جائے پیدائش مدراس کی ہے جبکہ میں کسی بھی طرح مدراسی نظر نہیں آ سکتا۔ مجھ پر فوراً ہی غیر ملکی جاسوس ہونے کا الزام عائد کر دیا جائے گا۔ وقتی طور پر گلو خلاصی ہو گئی تو پھر کہیں نہ کہیں دھر لیا جاؤں گا۔ نہ شہروں کا علم ہو گا نہ راستوں کا۔ پھر سنا ہے کہ پاکستان کے لیے ویزا بھی صرف دہلی سے جاری ہوتا ہے۔"

میں اس کی بے بسی پر بے اختیار ہنس پڑا۔ "اپنا خون خشک نہ کرو، پاکستان اپنا ہی ملک ہے۔ کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔ جیب میں رقم موجود ہو تو وہاں بڑے سے بڑا کام آرام سے ہو جاتا ہے۔"

"روانہ ہونے سے پہلے یہ بھی سوچ لینا کہ ہماری جیبوں میں دو بھرے ہوئے پستول اور ایک بم گن کے علاوہ تین لاسلکی اپریٹس بھی موجود ہیں۔ لاکھوں ڈالر کی خطیر رقم اس کے علاوہ ہے۔"

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم یہ ساری چیزیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ پستول وغیرہ جیب میں نہیں ہونے چاہئیں۔ روم میں سوٹ کیس لے کر رقم سمیت ساری اشیا اسی میں ڈال دیں گے۔"

"اپریٹس تو پھینک ہی دو۔" اس نے اصرار کیا۔ "اب وہ ہمارے کس کام آئیں گے؟"

"چلو! پھینک دینا۔" میں نے ہتھیار ڈال دیے۔ "ویسے بات کو مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ اگر میٹرو اسٹیشن پر میں جمی لائیڈ والا اپریٹس آن کر لیتا تو شاید دوسری طرف کا کوئی پیغام سننے میں کامیابی ہو جاتی۔ ہو سکتا ہے کہ جمی لائیڈ دنیا کے ہر شہر میں ذاتی رابطے کے لیے اسی مخصوص فریکوئنسی کو استعمال کرتا ہو۔"

"وہ وقت گزر گیا۔ اب میں بیگ لے کر ریستوران کے باتھ روم میں جا رہا ہوں۔ تینوں اپریٹس وہیں ڈسٹ بن میں یا پانی کی ٹنکی میں ڈال دوں گا۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اور جیب والا پستول تھیلے میں ڈال دینا۔" میں نے اسے یاد دلایا اور وہ تھیلا اٹھا کر باتھ روم کی طرف چل دیا۔

میلان سے روم تک کا سفر ہر اعتبار سے پرسکون اور آرام دہ رہا۔ طیارے سے اتر کر ہم بس کے ذریعے ٹرمینل کی عمارت میں آئے اور جہاز سے سامان اتارے جانے کے بعد اپنا بیگ لے کر بین الاقوامی پروازوں والے حصے کی طرف چل دیے۔

راستے میں ایک دکان سے میں نے ایسا مختصر سا چرمی سوٹ کیس خرید لیا جس میں رقم والا بیگ جوں کا توں سما گیا پھر اس بیگ کو چھپانے اور سہارا دینے کے لیے ہم نے کچھ ملبوسات بھی خریدے اور ایک گوشے میں بیٹھ کر سارا سامان مضبوط سوٹ کیس میں مقفل کر دیا۔

لفتھنسا کی پرواز فرینکفرٹ سے آنے والی تھی جو پینتالیس منٹ تک روم کے ہوائی اڈے پر ٹھہرنے کے بعد براہ راست کراچی کے لیے روانہ ہو جاتی۔ ہم نے ایئرلائن کے کاؤنٹر پر چیک ان کرتے ہوئے سوٹ کیس سلطان شاہ کے ٹکٹ پر عملے کے حوالے کر دیا اور پھر بورڈنگ کارڈ لے کر امیگریشن وغیرہ کے مراحل کی تیاری کرنے لگے۔

ہمارے پاس وقت کافی تھا اس لیے تھوڑی دیر تک ہم اپنے گرد و پیش میں مسافروں کی بھاگ دوڑ اور بھانت بھانت کے مسائل سے لطف اندوز ہوتے رہے پھر الیکٹرانک اسکیننگ کے مراحل سے گزر کر بین الاقوامی پروازوں کے مسافروں والی انتظار گاہ میں پہنچ گئے، جہاں مسافروں کی خاصی تعداد موجود تھی۔

روم میں ہمارا وہ قیام صرف ایئرپورٹ کی حدود تک محدود رہا تھا لیکن میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ روم اٹلی کا دارالخلافہ ہونے کے باوجود صنعتی اور تجارتی مرکز میلان سے بہت مختلف تھا۔ یکساں زبان ہونے کے باوجود دونوں شہروں کے لب و

لہجے میں تو فرق تھا ہی لیکن باشندوں کے خدوخال میں بھی نمایاں فرق تھا۔ میلان والوں میں یورپ کا رنگ واضح طور پر جھلکتا تھا جبکہ رومنوں کے خدوخال میں مشرقیت کی جھلک ملتی تھی۔ غور کیا جاتا تو اٹلی کے ان دونوں حصوں میں اور بھی بہت سے تضادات دریافت کیے جا سکتے تھے لیکن میں نہ محقق تھا اور نہ اٹلی کے حصے بخرے کرنے پر مامور کیا گیا تھا' اس لیے ان سب باتوں کو بھول کر بار کی طرف بڑھ گیا۔ گیمبلرز سے فرار کی راہ اختیار کرنے کے بعد سے میں نے کسی مشروب کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا اس لیے اٹلی سے نکاسی کی امید ہوتے ہی اس بارے میں میری اشتہا یک بیک بیدار ہو گئی تھی۔

بس کے ذریعے لغت ہنسا کے طیارے میں منتقل تک میں وہیں بار کاؤنٹر پر ڈٹا رہا۔ اس دوران میں عمدہ اسکاچ کے چار ڈبل پیگ میرے معدے میں منتقل ہوئے اور سلطان شاہ مجھے باز رکھنے کی ناکام کوششوں کے دوران بھلا کے چائے کی دو پیالیاں پی گیا۔ میں جہاز پر سوار ہوا تو میرے ذہن پر خاصا سرور سوار ہو چکا تھا۔

جہاز کی کافی نشستیں خالی تھیں اس لیے ہم دونوں کے حصے میں اگلی پچھلی قطار کی تین تین نشستیں آئی تھیں، مگر فوری طور پر سلطان شاہ میرے برابر ہی میں بیٹھ گیا۔ پچھلی تین نشستوں پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے اس نے اپنی بریف کیس وہاں ڈال دی تھی تاکہ بستر جمانے کا کوئی شوقین وہاں قابض نہ ہو سکے۔

"تم نے بہت زیادہ پی لی ہے۔ اب ذرا اپنی کھوپڑی پر قابو ہی رکھنا" سلطان شاہ نے بوتلے لگانے کے بعد ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"کھانے پینے پر نہ ٹوکا کرو۔" [illegible] نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو جہاز میں بھی دور چلے گا۔"

میری آواز شاید قدرے [illegible] تھی [illegible] وسطی قطار میں بیٹھے ہوئے [illegible] ہوئے [illegible] بنا کے ہوئے چونک کر میری طرف دیکھا [illegible] رنگت [illegible] سے وہ پاکستانی یا بھارتی مسلمان [illegible] علاوہ بھی کافی ایشیائی [illegible] بیٹھے ہوئے [illegible] ہے [illegible] جو [illegible] روم سے سوار [illegible] والوں میں صرف ہم دونوں ہی [illegible] رنگت دار نسل کے مسافر تھے۔ ورنہ بقیہ سب لوگ سفید فام تھے۔

"میں تمھیں جہاز میں ہرگز پینے نہ دوں گا" سلطان شاہ غصیلے لہجے میں بولا۔

"تم پیچھے اپنی سیٹ پر کیوں نہیں چلے جاتے۔ میں ذرا آرام سے ہاتھ پیر پھیلا کر بیٹھنا چاہتا ہوں۔"

"تم جتنا چاہو پھیل لو، ایک بار کراچی پہنچ گئے تو بھابی تمھیں

نکیل لگا دے گی۔ پردیس میں ساتھ رہ کر میں نے تمھاری کئی بری عادتیں نوٹ کر لی ہیں۔ گن گن کر سب بتا ڈالوں گا۔"

"مجھے زیادہ تاؤ نہ دلاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تمھیں کراچی میں گھسنے کی اجازت ہی نہ ملے اور تم ممبئی سے غزالہ کو فریاد بھرے خط لکھتے رہو۔ میں رات بھر کا جاگا ہوا ہوں۔ ذرا سی اور پیوں گا تو کراچی پہنچنے سے پہلے چند گھنٹوں کی نیند اور لے لوں گا۔ [illegible] ہم رات گئے ہی پہنچیں گے۔ ہوٹل وغیرہ کے بندوبست۔ [illegible] کالی ہو جائے گی۔"

"اب تم نے ہوش کی بات کی ہے تو رعایت مل جائے گی لیکن مافیا والا چکر ابھی تک میرے ذہن پر سوار ہے۔ میں تم سے اس بارے میں کچھ دیر بات کرنی چاہ رہا تھا۔"

"صبح تک جاگ رہا ہوں۔ زبان چلتی رہے گی، جو پوچھنا ہے وہ پوچھ لو۔" میں نے خشخشی داڑھی والے کو گھورتے ہوئے نیچی آواز میں کہا اور وہ مجھے اپنی طرف نگران پا کر بوکھلائے ہوئے انداز میں طیارے کی چھت کا جائزہ لینے لگا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ اب بھی ان کا کوئی آدمی ہمارے [illegible] موجود ہو!" اس نے رازدارانہ لہجے میں سوال کیا۔

"روم سے پرواز کے بعد طیارہ کراچی میں ہی اترے گا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ہم راستے میں کہیں غائب نہیں ہو سکتے۔ اس لیے نگرانی کا خوف بے سود ہے۔ البتہ کراچی میں ہماری نگرانی کا بندوبست کر لیا جائے گا۔"

"مجھے ڈر ہے کہ ہم آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکنے والے ہیں۔"

"شاید ایسا نہ ہو۔ اس کا سارا انحصار ہماری خواہش پر ہوگا۔ اگر ہم کھجور میں نہ اٹکنا چاہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اس امر پر مجبور نہیں کر سکے گی۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

اسی وقت طیارے میں روانگی کا اعلان ہوا اور [illegible] کے لیے پیدا ہونے والی ہلکی سی ہلچل کے بعد طیارے [illegible] سکوت چھا گیا۔

طیارے کی تیز اڑان کا عمل ختم ہونے پر تمباکو نوشی کی ممانعت کی روشن ہدایات معدوم ہوئیں تو میں نے سگریٹ سلگا لی اور سلطان شاہ اٹھ کر پیچھے نشست پر چلا گیا۔ [illegible] درمیانی نشستوں کے [illegible] ہتھے اوپر کیے اور آرام سے پھیل [illegible] بیٹھ گیا تاکہ پلیٹ [illegible] رکھنے کی ہدایت ختم ہونے پر تین [illegible] نشستوں والے [illegible] ہو سکوں۔

[illegible] کا جاگا ہوا تھا اس لیے جب لیٹ [illegible] ہوتے [illegible] ہوئے خمار کے باعث فوراً [illegible] کی طاری ہو گئی۔ میں نہ جانے کتنی دیر سوتا رہا۔ [illegible] ہوش

کی نرم اور دلکش آواز نے مجھے بیدار کر دیا۔ میرے اٹھتے ہی اس نے میز کھول کر کھانے کی ٹرے رکھ دی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ بورڈنگ کارڈ لیتے ہوئے مسلم فوڈ کا مطالبہ کر کے میں نے غلطی کی تھی۔ میرے استفسار پر ایئر ہوسٹس نے میرے اندیشے کی تائید کر دی کہ کھانے میں لحم خنزیر موجود تھا۔ اتفاق ہی تھا کہ اس وقت ٹرالی میں مچھلی اور سبزیوں پر مشتمل کھانا بھی موجود تھا۔ جو میری فرمائش پر پچھلی ٹرے سے بدل دیا گیا۔ سلطان شاہ کو بھی مچھلی والی ٹرے دی گئی لیکن خشخشی داڑھی والا جو میرے پینے پلانے کے ذکر پر ناک بھوں چڑھا رہا تھا" وہ بڑی رغبت کے ساتھ مجرب گوشت کے سرخ پارچوں پر نمک اور کالی مرچیں چھڑک رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے دکھ ہوا۔ اور دل میں بڑی شدت کے ساتھ یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش! وہ مسلمان نہ ہو۔ لیکن میں پورے سفر کے دوران اس سے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ میرے سوال کے جواب میں اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کر لیتا تو میرا وہ پندار ٹوٹ جاتا جو مارسلیز کے گائیڈ، لوستاں نے میرے دل میں پیدا کر دیا تھا۔

سفر طویل لیکن خاصا خوشگوار تھا۔ جوں جوں منزل قریب آتی جا رہی تھی میرے دل میں غزالہ کے بارے میں دلفریب تصورات ترتیب پاتے جا رہے تھے۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کو دیکھے مدت گزر چکی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ پیشگی اطلاع کے بغیر وہ مجھے اچانک اپنے سامنے پا کر حیرت اور خوشی سے دیوانی ہو جائے گی۔

مجھے اس کے گھر کا علم ہوتا تو میں ایئرپورٹ سے سیدھا اسی کے گھر پہنچتا، لیکن مشکل یہ تھی کہ جہانگیر بھی فون پر گفتگو کے دوران اس کا پتا نہیں بتا سکا تھا۔ جب کہ میرا گھر شی کے مقامی بڑوں کی ہدایت پر نذرِ آتش کر دیا گیا تھا فیکٹری میں بھی ۔۔۔ آگ لگا دی گئی تھی۔ دوستوں میں لے دے کر بس جہانگیر ہی بچا تھا جس کے گھر میں پوری بے تکلفی کے ساتھ قیام کر سکتا تھا لیکن اول تو سلطان شاہ کے ساتھ وہاں جانا مناسب نہیں تھا پھر اس کی بیوی سلمٰی کے تیوروں سے میں ہمیشہ ہی خوفزدہ رہتا تھا۔ وہ میرے ایک عزیز دوست کی بیوی تھی اور مجھ سے ہمیشہ خصوصی اپنائیت کے ساتھ ملتی تھی جو جہانگیر کی موجودگی میں احترام آمیز ہوتی تھی، لیکن اس کی عدم موجودگی میں بے تکلفی میں بدل جاتی تھی۔ اس بارے میں میں ہمیشہ محتاط رہتا تھا کیونکہ کسی عورت کی وجہ سے اپنے اس اکلوتے دوست سے محروم ہونا مجھے کسی قیمت پر بھی گوارا نہیں تھا۔

میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر میں ایئرپورٹ سے سلطان شاہ کو شہر میں نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا تو شہر کے کسی اچھے ہوٹل میں قیام کر دوں گا اور سلطان شاہ کو وہاں چھوڑ کر جہانگیر کے ساتھ غزالہ کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔

جہاز مشرق کی طرف محوِ پرواز تھا اس لیے وقت بہت تیزی کے ساتھ گزر رہا تھا۔ میلان کے مقابلے میں کراچی کا وقت چار گھنٹے آگے رہتا ہے۔ اس لیے دورانِ پرواز کھانوں کا درمیانی وقفہ کم کر کے جہاز کا عملہ وقت کے اس فرق کو پورا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوپہر کا کھانا میلان کے وقت کے مطابق ایک بجے دیا گیا تھا جب کہ چھ بجے رات کا کھانا شروع ہو گیا۔ جب خالی برتن سمیٹنے میں عجلت کا مظاہرہ کیا جانے لگا تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ جہاز پاکستان کی فضائی حدود میں داخل ہونے والا ہے۔

آخر کار لینڈنگ کی تیاریاں ہونے لگیں اور بے اختیار میرا دل بھاری ہونے لگا۔ ایک طویل مدت تک غریب الوطن رہنے کے بعد میں ایک بار پھر وطن کی سرزمین پر اترنے والا تھا۔ وطن میں رہتے ہوئے مجھے کبھی اپنی مٹی کی اہمیت کا احساس نہیں ہوا تھا، بلکہ میں منشیات فروشی کے مذموم کاروبار کے ذریعے اپنے وطن کی رگوں میں ہلاکت کا زہر پھیلاتا رہا تھا۔ اس دن مجھے احساس ہوا کہ پوری دنیا میں بس وہی سرزمین تھی جو مہربان آغوشِ مادر کی طرح ہر وقت اور ہر حالت میں مجھے پناہ دے سکتی تھی اور اسی سے میری شناخت تھی ورنہ ہر جگہ میں اجنبی اور بے وطن تھا۔

لینڈنگ کے بعد طیارہ رکنے سے پہلے ہی کراچی میں اترنے والے بیشتر مسافروں نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں اور اپنا دستی سامان سمیٹنے لگے لیکن ہم دونوں سکون سے بیٹھے کھڑکیوں سے باہر کراچی ایئرپورٹ کی روشنیوں کا نظارہ کرتے رہے۔

"تم یک بیک کچھ سنجیدہ ہو گئے ہو؟" سلطان شاہ نے مجھے ٹوکا۔

"بعض چیزوں کو کھو کر ان کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے لیکن مجھے یہاں اترنے کے بعد اپنے وطن کی عظمت کا احساس ہوا ہے۔ یہی نداسی روشنیاں، خوابیدہ شہر اور دھیمی دھیمی زندگی تو ہماری شناخت ہے۔"

"جو لوگ ایک دوسرے کے گلے کاٹتے ہیں، اگر انھیں بھی حوالات اور جیلوں میں قید کرنے کے بجائے کچھ عرصے کے لیے جلاوطن کر دیا جائے تو شاید ان کے دلوں میں بھی اپنی مٹی اور اپنے رشتوں کی محبت بیدار ہو سکتی ہے۔"

"تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ سنتے ہیں، پہلے عادی مجرموں کو کالے پانی کی سزا دی جاتی تھی۔ وہ بھی جلاوطنی کی ہی ایک شکل تھی شاید انگریزوں نے مجرموں کی اصلاح کے لیے وہ سزا رائج کی تھی۔"

”انگریز نہیں، اپنے ہی حکمرانوں نے مجرموں کا مزاج سمجھ کر کالے پانی بنائے تھے۔ غیر آباد اور دور افتادہ جزیروں میں زندگی ہر نعمت سے محروم، بیڑیوں میں قید رہ کر ہی آزادی اور اس کی صحیح نعمتوں کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے ...!“

ہماری حب الوطنی کی وہ لہر وہیں دم توڑ گئی، کیونکہ جہاز کے دروازے کھول دیے گئے تھے۔ اور شاید سیڑھیاں لگائی جا رہی تھیں۔ پھر نشستوں کے درمیان مسافروں کی قطار دھیمے دھیمے آگے سرکنے لگی۔ خشخشی داڑھی والا نہایت سکون سے اپنی نشست پر براجمان تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اوّل تو وہ حرام خور مسلمان نہیں تھا اور اگر مسلمان بھی تھا تو کم از کم پاکستانی نہیں تھا۔

ٹرمینل کی عمارت کے آگے میں دانستہ تاخیر سے بس سے اُترا تھا اور ہم دونوں نے اتنی سست روی اختیار کی تھی کہ امیگریشن والی قطار میں ہم خود بخود آخری سرے پر رہ گئے تھے۔

امیگریشن کارڈ جہاز پر بھروا لیے گئے تھے اس وقت میرا دل بے اختیار زور زور سے دھڑک رہا تھا کیونکہ سلطان شاہ کے لیے پورے سفر میں وہی مرحلہ سب سے اہم تھا۔ میرے پاسپورٹ پر بلا باز پرس ویزا لگا کر افسر نے سر اٹھایا تو میرے ساتھ وہاں صرف سلطان شاہ باقی رہ گیا تھا۔

”نہیں جناب!“ اس نے سلطان شاہ کا پاسپورٹ ہاتھ میں لیتے ہی حقارت سے اس کے آگے پھینک دیا۔ ”بھارتی شہریوں کو اپنے ملک سے پیشگی ویزا لینا ہوتا ہے۔ انھیں ایئرپورٹ پر ویزا نہیں دیا جاتا۔“

”مگر یہ اٹلی سے آرہا ہے۔“ میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ ”اس کی بیوی یہاں اپنے میکے میں قریب المرگ ہے۔ اسے صرف چند گھنٹوں کا ویزا دے دیں تاکہ یہ مرنے سے پہلے اس کی شکل دیکھ سکے۔ یہ آپ کی ہر فیس ادا کرنے کو تیار ہے بیچارہ۔“ میں نے اپنی گفتگو میں 'ہر فیس' کے الفاظ پر خاصا زور دیا تھا جو رائگاں نہیں گیا۔

”ویزا تو کسی صورت میں نہیں مل سکتا۔“ اس نے پاسپورٹ اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرتے ہوئے اتنی دھیمی آواز میں کہا کہ کچھ دور کھڑا ہوا سنتری بھی نہ سن سکے ”ایسی ہی مجبوری ہے تو اپنے رسک پر بغیر ویزا کے جا سکتے ہو۔“

”میں اس پر بھی تیار ہوں جناب!“ سلطان شاہ نے گڑگڑا کر کہا۔

”کتنے ڈالر ہیں تمہارے پاس؟“ اس نے مزید دھیمی آواز میں سوال کیا۔ ”تین سو ڈالر پاسپورٹ میں رکھ کر لاؤ۔“ اس نے اسی لہجے میں کہا پھر اونچی آواز میں بولا ”لو۔ ادھر کونے میں جا کر یہ فارم دوبارہ بھر کر لاؤ۔ یہ جو انٹری سمجھ میں نہ آئے خالی چھوڑ دینا۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے ایک سادہ امیگریشن کارڈ اسے تھما دیا۔

سلطان شاہ کا بھارتی پاسپورٹ دور ہی سے پہچانا جا سکتا تھا۔

اس لیے میں نے وہ جلدی سے اپنی جیب میں ڈال لیا اور جیب
چار سو ڈالر نکال کر اپنے برطانوی پاسپورٹ کے اندر رکھ دیے۔
مزید چند منٹ اس طرح ضائع کیے جیسے واقعی عقل پر زور د
امیگریشن فارم بھر رہے ہوں پھر ہم ایک ساتھ کاؤنٹر پر لوٹ آئے

پاسپورٹ سے وہ ڈالر کب اور کیسے اس کی دراز میں منتق
یہ ہم دونوں کوشش کے باوجود نہ دیکھ سکے۔ اس نے دائیں بائیں د
کر آہنی مہر پر شور آواز کے ساتھ اپنے سامنے پڑے ہوئے فالتو کا
پر ثبت کی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں پسندیدگی کا اظہار کرتے ہو
پاسپورٹ مجھے لوٹا دیا۔

”یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔ میرا خوف سے خون خشک ہوا جا رہا تھا
وہاں سے آگے نکل جانے کے بعد سلطان شاہ نے دھیمی، تحیر آمیز آ
میں کہا۔ ”اس طرح تو کوئی بھی رشوت دے کر ملک میں گھس سکتا ہ

”مجرموں کے معاملے میں بس مقدر اور ان لوگوں کا تجربہ ہی اُن
رہنمائی کرتا ہے ورنہ اس جیسے بہتیرے اہل کار تو بس گاہک کا انتظار ک
رہتے ہیں۔ ڈاکو، تخریب کار اور دہشت گرد اسی طرح ملک میں آ
جاتے ہیں۔ تم نے یہ نہیں دیکھا کہ اس نے خود کو کتنی صفائی سے بچا لیا
ویزا لگا دیتا تو تمہارے ساتھ وہ بھی اندر ہو سکتا تھا۔ اس وقت تم پکڑ
جاؤ تو وہ صاف کہہ دے گا کہ تم اس کی نظر بچا کر امیگریشن ایریا سے نکلے ہ
کیونکہ تمہارے پاسپورٹ پر داخلے کا کوئی اندراج نہیں ہے۔“

”کمال ہے۔“ سلطان شاہ سر جھٹک کر بڑبڑایا۔ ”مہر کیسی مہارت س
ساتھ بجائی تھی اس نے! میں سمجھا کہ وہ میرا ویزا بھی تمہارے ہی پاسپ
پر لگانے والا تھا۔“

”لعنت بھیجو! ایسے لوگ نہ ہوتے تو اس وقت سپاہی تمھیں
زبردستی جہاز پر چڑھا رہے ہوتے یا تمھیں ٹرانزٹ لاؤنج میں اگلی پرو
کی دستیابی تک قید کر دیا جاتا۔ اب ہوٹل پہنچ کر اپنے پاسپورٹ کو آگ
لگا دینا۔ بھول جاؤ کہ کبھی تم رامانند بھی بنے تھے۔“

اپنے اہل کاروں کی کارکردگی کے بارے میں، میں نہ صرف بہ
کچھ سنتا رہا تھا بلکہ شی کے لیے کام کرتے ہوئے میں نے ایسے فرض
شناسوں کی کارکردگی بہت قریب سے دیکھی تھی لیکن امیگریشن ک
بارے میں وہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ اس مرحلے سے گزرتے ہی میری سمجھ
میں آگیا کہ ہزاروں کی تعداد میں بنگلہ دیشی، سیلونی اور دوسری قوموں ک
مرد اور عورتیں پاکستان میں کیسے رہ رہی تھیں۔ ان کے چند حا
چیخ چیخ کر اعلان کرتے تھے کہ وہ غیر ملکی ہیں لیکن ان کے شناختی کار
انھیں پیدائشی پاکستانی ثابت کرتے تھے۔ بھوک اور بے روزگاری
ستائے ہوئے وہ لوگ کراچی میں کم تر تنخواہوں پر بیش تر کام کر رہے ت
اور پاکستانیوں کے لیے ملازمتوں کا کال پڑا ہوا تھا۔

امیگریشن کے اس خوشگوار تجربے سے مجھے خاصی ڈھارس

اور میں نے سوٹ کیس نکالنے کے لیے بھی اسی فارمولے پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ بیگیج ہال میں کوئی قلی موجود نہ تھا۔ اُجلی اُجلی وردیوں میں ملبوس افسران فرصت کے ان اوقات میں عقابی نظروں سے مسافروں کی کیفیات کا بغور جائزہ لے رہے تھے کیونکہ ان میں سے بیشتر کا تجربہ ہی ان کا کل اثاثہ تھا جس کی مدد سے وہ اپنے اثاثوں میں اضافہ کرتے تھے۔ ان کے حضور گرفت کی عموماً دو ہی صورتیں ہوتی تھیں کہ مول تول ناکام ہو جائے یا کوئی بدخواہ کسی حریف کی مخبری کر دے جب کہ ہم لاکھوں ڈالر اور دو عدد پستول نکال لے جانے کے لیے نہ صرف ہر مول تول کے لیے تیار تھے بلکہ اپنے بدخواہوں کو بھی ویلنس کی راہ پر لگا آئے تھے۔

ربر کے بھاری کنویئر کے حرکت میں آتے ہی سارے افسران ٹہلتے ہوئے اپنے اپنے مورچوں کی طرف چلے گئے۔ میں نے دیکھا کہ چوبی بینچ نما میز پر وہ ایک دوسرے سے خاصی دور کھڑے ہوئے تھے۔ بظاہر اس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ ہر افسر اپنے سامنے موجود مسافر کے سامان کو اطمینان سے بینچ پر پھیلا کر اس کی جانچ پڑتال کر سکے۔ لیکن میرا امیگریشن کا تجربہ تازہ تھا اس لیے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے انھوں نے اپنے اور مسافروں کے درمیان ہونے والے راز و نیاز کو ایک دوسرے کی سماعت سے محفوظ رکھنے کے لیے رضاکارانہ طور پر وہ فاصلہ مقرر کیا ہو۔ مجھے یقین تھا کہ وہ سب ایسے نہیں تھے۔ لیکن یہ بھی یقین تھا کہ ان میں ایسے بالکل نہیں تھے۔

اس پرواز سے کراچی پہنچنے والوں میں سفید فاموں کی اکثریت تھی۔ مقامی چہرے دس پندرہ ہی تھے۔ سامان آتا گیا اور لوگ باری باری کسٹم کے مرحلے سے گزرتے رہے۔ کافی غور کے بعد بھی مجھے لین دین کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو یہ سمجھا کہ یورپ سے آنے والوں اور خصوصاً سفید فاموں کے ساتھ خصوصی برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اصل چھان بین ان کی ہوتی ہوگی جو دوبئی، مسقط اور خلیج کے دوسرے ملکوں سے لدے پھندے چھٹیوں پر گھر آتے ہیں۔ ان کے پاس باہر سے کمائی ہوئی رقم بھی ہوتی ہے اور وہ جلد سے جلد ماں باپ اور بیوی بچوں میں پہنچنے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں۔ اس لیے ہر رکاوٹ کو پیسے کی کلید سے دور کر کے نکل بھاگنے پر تلے ہوئے ہوتے ہیں۔

اپنے سوٹ کیس کے انتظار میں، میں نے وقت ضائع کرنے کے بجائے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ مجھے کس افسر سے رجوع کرنے سے افاقہ ہو سکے گا۔ میرا سوٹ کیس نمودار ہوا تو میں اسے ٹرالی پر لاد کر اسی افسر کی طرف بڑھا۔ میرے آگے ایک سفید فام جوڑا تھا۔ جب میں نے اس افسر کو ان دونوں کے سامان کی تفصیلی تلاشی لیتے دیکھا تو میرا دل بیٹھنے لگا۔ میں نے سوچا اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف چلا جاؤں لیکن اس وقت ایسی کوئی حرکت مجھے مشکوک بنا سکتی تھی اس لیے میں دل پر صبر کی سل رکھے وہیں کھڑا رہا۔

ان دونوں کو فارغ کر کے وہ افسر میرے بجائے سلطان شاہ سے مخاطب ہوا تھا۔ ”آپ کا سامان کہاں ہے؟“

”وہ ہم دونوں ساتھ ہیں!“ میں نے جلدی سے کہا۔

”اور صرف یہ چھوٹا سا سوٹ کیس ہے؟“ اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ”کیا کیا مال ہے اس میں؟“

”ذاتی کپڑے اور بوتلیں...“ میں نے فی البدیہہ کہنا چاہا لیکن اس نے فوراً میری بات کاٹ دی۔

”ہوں... آہستہ بولو بھائی! ہمارے ڈی سی بھی یہیں گھوم رہے ہیں انھوں نے سن لیا تو حدود کا کیس بنا دیں گے۔ جلدی سے باہر نکل جاؤ، اپنے ہی قبیلے کے آدمی ہو۔“ اس نے ہنستے ہوئے سوٹ کیس پر چاک سے ایک مہمل سا نشان بنا دیا۔

خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا جی چاہا کہ اچھل کر اس شریف افسر کے گلے میں بانہیں ڈال کر اس کا منہ چوم لوں لیکن ڈی سی کا خوف خوشی کے ان جذبات پر غالب آ گیا اور میں اس کا شکریہ ادا کر کے ٹرالی سمیت آگے بڑھ گیا۔

پاکستان پہنچتے ہی ساری مشکلات یوں حیرت ناک طور پر آسان ہو گئی تھیں کہ اس وقت مجھے اپنے مقدر پر رشک آنے لگا تھا۔ قدرت مجھ پر پوری طرح مہربان تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس کا شکر کیسے ادا کروں۔

ہال کے دروازے سے باہر نکلتے ہی بہت سے لوگوں نے ہماری طرف یوں ہاتھ ہلائے جیسے کافی دیر سے ہمارے ہی منتظر ہوں۔ وہ سب چہرے میرے لیے اجنبی تھے میں نے سلطان شاہ کی طرف دیکھا لیکن اس کا چہرہ بھی سپاٹ تھا۔ پھر جوں ہی ہم نے ریلنگ سے باہر نکلے، تو آٹھ افراد پر مشتمل ایک چھوٹا سا گروہ ہم پر جھپٹ پڑا۔ ایک نے براہ راست سوٹ کیس ٹرالی پر سے اُٹھا کر آگے بڑھنا چاہا لیکن سلطان شاہ نے بائیں ہاتھ سے اس کا کالر گھسیٹ کر اس سے سوٹ کیس چھین لیا۔ اس اثنا میں یہ واضح ہو چکا تھا کہ وہ سب ٹیکسی ڈرائیور یا ان کے دلال تھے۔ وسیع برآمدے سے نیچے فٹ پاتھ پر ٹریفک پولیس کے دو سپاہی ہماری طرف پشت کیے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

سلطان شاہ کے حلق سے اس کی مادری زبان میں کچھ غراہٹیں بھی بلند ہوئی تھیں۔ اسے طویل عرصے کے بعد ایک غلط موقع پر اس زبان سے مدد لینے کا موقع ملا تھا لیکن اس کے نتیجے میں ہمارے گرد سے بھیڑ چھٹ گئی۔ دروازے سے نکلتے ہوئے میں کئی ہوٹلوں کے کتبے دیکھ چکا تھا جن کی گاڑیاں مسافروں کو ایئر پورٹ سے

ہوٹل تک لے جانے کے لیے موجود تھیں۔ اپنے فیصلے کے مطابق میں نے کانٹی نینٹل کے ڈرائیور سے رجوع کیا اور اس کے ساتھ آئے ہوئے باوردی پورٹر نے ہمارا سوٹ کیس ٹرالی پر رکھے ہوئے دوسرے سامان کے ساتھ لاد کر ہمیں ایک طرف انتظار کرنے کا مشورہ دیا جہاں پہلے سے چار سفید فام عورتیں تین مردوں کے ساتھ موجود تھیں۔

جب اندر سے آخری مسافر بھی نکل آیا تو ہمارا کارواں پارکنگ لاٹ کی طرف ہولیا۔ سامان کی دو وزنی ٹرالیوں کے علاوہ مسافروں کی تعداد بارہ ہو چکی تھی۔ ڈرائیور اور پورٹر اس کے علاوہ تھے۔

ہوٹل پہنچ کر میں نے اپنا کمرا بک کراتے ہوئے وہی کوائف درج کیے جو میرے جعلی پاسپورٹ پر موجود تھے۔ شہر کا اندازہ لگائے بغیر میں کھل کر سامنے نہیں آنا چاہتا تھا۔ سلطان شاہ نے اپنا اصل نام اور پتا درج کرایا، بکنگ کلرک نے اس سے پاسپورٹ طلب کیا تو میں نے یہ کہہ کر اسے ٹال دیا کہ وہ گاؤں سے میرا استقبال کرنے کراچی آیا ہوا تھا۔

ہم پانچویں منزل پر اپنے کمروں میں پہنچے تو رات کے ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔ سلطان شاہ چند ثانیوں بعد ہی اپنا کمرا مقفل کر کے میرے کمرے میں آ گیا۔ ”بلاوجہ دو کمرے بک کرا لیے ان کشادہ کمروں میں ہم بہ آسانی ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔ یہاں کم از کم ایک دوسرے سے بات تو کر سکیں گے۔ اکیلے میں نیند بھی نہیں آئے گی۔“

”جہانگیر جلدی سو جانے کا عادی ہے، سوچ رہا ہوں کہ اسے فون کروں یا نہ کروں؟“ میں نے جیکٹ اتار کر آرام دہ بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ ”کراچی پہنچنے کے بعد اب میرا دل غزالہ کے لیے مضطرب ہو رہا ہے۔“

”غزالہ کا پتا تو وہ تمھیں فون پر بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ اسے تلاش ہی کرنا پڑے گا۔ میری رائے میں اس وقت آرام کر کے صبح اس سے رجوع کرنا مناسب رہے گا۔ فون بھی ہوٹل کے بجائے باہر سے کرنا تاکہ آزادی کے ساتھ گفتگو کر سکو۔“

”یہاں سے بھی آزادی سے بات کی جا سکتی ہے، بہرحال صبح کا انتظار کرنا ہی پڑے گا۔“

”ایک بار تم نے بتایا تھا کہ غزالہ کا بھائی دماغی امراض کے ایک اسپتال میں زیرِ علاج ہے۔ ہو سکتا ہے کہ غزالہ اس سے ملنے اسپتال جاتی رہی ہو اور اس نے بھائی کے وارث کے طور پر اپنا نام پتا بھی لکھوایا ہو۔ وہاں سے اس کے بارے میں صحیح اطلاع مل سکے گی۔“

”بہت پرانی بات ہو گئی۔ انھوں نے اب تک اسے کہاں رکھا ہو گا۔ وہ بہت مہنگا نجی اسپتال ہے اور غزالہ تو ابھی تھوڑے ہی عرصے پہلے واپس آئی ہے۔ شاید وہ خود بھی اپنے بھائی سے نہ مل سکی ہو لیکن میں وہاں بھی معلوم کروں گا۔ غزالہ کا تو ہر قیمت پر سراغ لگانا ہو گا۔“

”مقدر جس طرح اب تک تمھارا ساتھ دیتا آیا ہے، مجھے امید ہے کہ تم جلد ہی بھابی کا سراغ لگا لو گے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ پاکستان میں میری کون سی بیوی اپنے میکے میں قریب المرگ ہے؟“

”وقت پر جو سوجھ گیا وہی کہہ ڈالا۔ یہ نہ بھولو کہ تمھارا پاسپورٹ بھارتی تھا اس لیے پاکستان کی سرزمین سے سسرال کے علاوہ تمھارا کوئی اور قریبی رشتہ ایجاد نہیں کیا جا سکتا تھا۔“

پاسپورٹ کا ذکر آتے ہی اس نے وہ دستاویز میری جیکٹ کی جیب سے نکال لی اور ماچس لے کر باتھ روم میں جا گھسا پاسپورٹ کی راکھ بہا کر وہ واپس آیا تو ہمارے درمیان پھر باتیں چھڑ گئیں۔ امیگریشن کاؤنٹر پر تو بہرحال رشوت دینی پڑی تھی لیکن کسٹم کا مرحلہ اس کے لیے ناقابلِ یقین ثابت ہوا تھا جب میں نے اسے بتایا کہ اس نرم خو افسر کو میں نے پہلے ہی تاڑ لیا تھا اور دو بوتلوں کے بعد اسے تھوڑی سی رقم کے بارے میں بھی بتانے والا تھا جس کا موقع ہی نہیں دیا گیا تو وہ میرے مشاہدے کی تعریف کرنے لگا۔

”تم جس کے بارے میں جو کہہ دیتے ہو وہ اٹل ہو جاتا ہے۔“

”بارہا میں نے منہ کی بھی کھائی ہے۔ سارا کاویل پر مجھے شبہ تھا لیکن وہ بہت سیدھی اور سچی لڑکی ثابت ہوئی...!“

”سچی ضرور ثابت ہوئی لیکن تم سے سمجھوتا ہونے تک اس کے عزائم وہی تھے جو ہم سوچ رہے تھے۔ پھر کیتھی کا معاملہ لے لو۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کسی کی مخبر ہو گی لیکن تمھیں نہ جانے کیسے چھوٹی چھوٹی باتوں سے سنگین خطرات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ تمھاری یہ صلاحیت واقعی خداداد ہے۔ ورنہ اب تک نہ جانے کتنی بار مارے گئے ہوتے۔“

”کیتھی کے بارے میں تو مَیں واقعی بہت معمولی سی بات پر بھڑکا تھا کہ اس نے انگریز ہوتے ہوئے بھی میرے لب و لہجے پر کوئی اعتراض نہیں کیا جب کہ میں نے اس کے سامنے برطانوی قومیت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ مجھے چوکنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ انگریز اپنی زبان اور روایات کے بارے میں متعصب ہونے کی حد تک قدامت پرست ہوتے ہیں۔“

”تمھاری جگہ میں ہوتا تو یہی سوچتا کہ کیتھی نے مجھے برطانیہ میں آباد تارکِ وطن سمجھ کر معاف کر دیا ہو گا۔ وہاں بہتیرے ایسے لوگ آباد ہیں جو اردو یا پنجابی لب و لہجے میں انگریزی بولتے ہیں۔“

”میں نے اپنا نام عبداللہ یا جانکی داس نہیں بلکہ پیٹر بتایا

تھا۔ اتنے واضح اشاروں کے باوجود اگر اسے نظر انداز کر دیا جاتا تو یہ ہماری زبردست کوتاہی ہوتی۔"

"چلو وہ تو سب ہو گیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب تم گمبی گمبی سے کیسے نمٹتے ہو؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "فرانکو نے ٹکٹ بنوانے سے پہلے کسی سے کافی دیر تک فون پر بات کی تھی۔ میرا تو خیال ہے کہ ایک آدھ روز میں اشتہار دے ہی ڈالو تاکہ یہ الجھن بھی دور ہو جائے۔"

"ابھی میں نے فرانکو سے سوچنے کے لیے وقت لیا ہوا ہے۔ اشتہار دینے کے بعد وہ میرا جواب چاہیں گے۔ اس بارے میں ہمیں بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا ورنہ شی اور مافیا کے درمیان پس کر رہ جائیں گے۔"

"سوچنا سمجھنا تمھارا کام ہے۔ مجھے تو جو بتا دو گے وہ کرتا رہوں گا۔" اس نے یہ کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے کی روشنیاں گل کر دیں اور بستر پر دراز ہو گیا۔

کمرے میں اندھیرا ہو جانے کے باوجود کچھ دیر تک ہم دونوں باتیں کرتے رہے پھر پہلے سلطان شاہ پر نیند کا غلبہ ہوا اس کے بعد نہ جانے کس وقت میری بھی آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح آنکھ کھلی تو دن چڑھ چکا تھا میری رسٹ واچ دس بجا رہی تھی مگر سلطان شاہ گہری نیند سو رہا تھا۔

میں نے جلدی سے منہ ہاتھ دھویا اور پھر فون پر جہانگیر کے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ دیر ہو جانے کے باعث کہیں وہ گھر سے کسی کام پر نہ نکل گیا ہو۔

سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے جہانگیر کی بیوی نے ریسیور اٹھایا تھا اور فوراً ہی میری آواز پہچان گئی۔ "بہت دنوں بعد خیال آیا ہے ہمارا۔ کہاں سیر تفریح کرتے پھر رہے ہو اتنے دن سے؟" وہ سمجھی تھی کہ میں نے باہر سے پاکستان فون کیا تھا۔

"خیال تو لگا ہی رہتا ہے تم لوگوں کا۔ پچھلے دنوں بھی مارسیلز سے جہانگیر کو فون کیا تھا۔"

"واپس کب تک آنے کا ارادہ ہے؟" اس نے چہک کر سوال کیا تھا۔

"میں کل رات واپس آچکا ہوں اور کراچی کے ایک ہوٹل میں مقیم ہوں۔"

"اوہ واقعی!" اس کی آواز میں تحیر آمیز بے یقینی تھی۔ "تو ہوٹل میں کیا کر رہے ہو؟ ادھر ہی چلے آؤ نا!"

"آؤں گا۔ جہانگیر کہاں ہے؟" میں نے نرمی سے سوال کیا۔

"وہ کل فیصل آباد گئے ہیں۔ کپڑا خرید کر دو چار دن میں واپس آئیں گے لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ تمھارا اپنا گھر ہے۔ بے تکلفی کے ساتھ یہاں آکر رہ سکتے ہو۔ مجھے بھی تنہائی سے نجات مل جائے گی۔" وہ ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔

"کپڑے کی کیا ضرورت پیش آگئی اسے؟"

"شاید تمھیں نہیں معلوم کہ انھوں نے ایک گارمنٹ فیکٹری خرید لی ہے۔ اسی کے چکر میں فیصل آباد جاتے رہتے ہیں۔"

"کیا فیکٹری فیصل آباد ہی میں خریدی ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا کیوں کہ جہانگیر اپنی بیوی سے ڈرنے کے باوجود حیلے بہانوں سے رسی تڑا کر بھاگنے کی فکر میں لگا رہتا تھا۔

"ارے نہیں بھئی۔ فیکٹری تو کورنگی میں ہے۔" اس کی ادائیں دکھانے کی عادت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ "فیصل آباد سے کپڑا آتا ہے۔ کافی بڑے پیمانے پر کام چل پڑا ہے ان کا۔ یہیں آجاؤ تو تفصیلی سے باتیں ہوں گی۔ کہیں سے ان کا فون آگیا تو تم سے بات کر کے حیران رہ جائیں گے۔ تمھیں ہر وقت بہت مس کرتے ہیں۔ اکثر کہتے ہیں کہ مردود نجانے کہاں جا مرا ہے۔" ہمیشہ کی طرح وہ میرے ساتھ بے تکلفی برتنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کر رہی تھی اور اسی وجہ سے میں اس سے دور بھاگتا تھا۔

"میں آج ہی کسی وقت چکر لگاؤں گا...!"

"چکر وکر نہیں بس تم ہوٹل کو خیرباد کہہ کر یہیں آجاؤ۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "میں تمھارے لیے کمرا صاف کرا رہی ہوں۔"

"فی الحال میں منتقل نہیں ہو سکتا سلمیٰ! میرے ساتھ ایک دوست بھی ٹھہرا ہوا ہے۔ اس سے فارغ ہو کر تمھارے ہی پاس ٹھہروں گا۔ شہر میں تمھارے سوا اب رہ ہی کون گیا ہے؟"

"تم بہانے بازی کر رہے ہو۔ پتا نہیں مجھ سے دور کیوں بھاگتے ہو؟" اس کی آواز چڑچڑی ہو گئی۔

"چاہو تو ہوٹل آکر خود دیکھ سکتی ہو کہ میں تنہا نہیں ہوں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"میں سب سمجھتی ہوں۔ تمھارے ساتھ وہی غزالہ ہوگی۔ مجھ سے کیوں دوست کا بہانا کر رہے ہو؟" وہ بلاوجہ مجھ سے الجھنا چاہ رہی

تھی اور خوشی کی بات یہ تھی کہ اس نے خود ہی غزالہ کا ذکر نکال لیا تھا۔
"غزالہ سے میں ملنا چاہتا ہوں' تمہیں ہمارے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ وہ کہاں مل سکے گی؟"
"مجھے کیا پتا۔ تمہارا پچھلا فون آنے سے پہلے وہ آخری بار ہمارے گھر آئی تھی اور بہت بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ تمہارے بارے میں پوچھ گچھ کر کے چلی گئی تھی۔ جہانگیر نے اس کا پتا معلوم کیا تھا لیکن اس نے بتانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔"
"یہ اندازہ بھی نہیں ہو سکا کہ وہ کراچی میں ہے یا کسی اور شہر میں رہ رہی ہے؟" میں نے اضطراری طور پر پوچھا۔
"شاید مجھے کچھ معلوم ہے مگر یہ میرا وہم بھی ہو سکتا ہے۔ تم گھر آؤ گے تو جب ہی اس بارے میں بات ہو سکے گی۔ جہانگیر اپنے پیچھے تمہارے آنے کا ذرا بھی برا نہیں مانیں گے۔ تم تھوڑی دیر کے لیے تو وقت نکال ہی سکتے ہو۔"
"کوئی اشارہ کنایہ تو دو کہ تمہیں کیا معلوم ہے؟" میں نے زچ ہو کر کہا۔
"بس آجاؤ۔" اس کی طوطے کی طرح ایک ہی رٹ تھی۔
"اچھا! میں تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہوں۔" میں نے ہتھیار ڈال دیے۔
میں سلمیٰ کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ بڑے گھرانے کی لڑکی تھی۔ جن دنوں جہانگیر نے اس سے شادی کی وہ سر تا پا تنظیم کی سرگرمیوں میں غرق تھا کیونکہ میں نے خود کو پیچھے ہٹا کر عملاً اسے کراچی کے معاملات کا نگراں مقرر کیا ہوا تھا مگر جہانگیر اس بات سے لاعلم تھا کہ درحقیقت وہ مجھ ہی کو جواب دہ تھا۔ ان دنوں اس کی وقت بے وقت کی پراسرار مصروفیات نے سلمیٰ کو شروع ہی سے الجھا دیا۔ جہانگیر اسے اپنی اصل سرگرمیوں کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا تھا اس لیے بے سر و پا بہلانے بناتا تھا یوں ان دونوں میں ابتدا ہی سے اعتماد کی وہ بنیاد استوار نہ ہو سکی جو کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ سلمیٰ کو ہمیشہ یہ گمان رہا کہ جہانگیر اسے دانستہ نظر انداز کرتا ہے' اس وجہ سے اس نے میری ذات میں دلچسپی لینی شروع کر دی لیکن میں نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ان معاملات کو کبھی ایک حد سے متجاوز نہیں ہونے دیا تھا۔ سلمیٰ کی اس ذہنی کیفیت کے پیشِ نظر یہ امکان تھا کہ اس نے صرف مجھے بلانے کی خاطر 'کچھ معلوم ہونے' کا شوشہ چھوڑا ہو لیکن غزالہ کی ذات میرے لیے اس قدر اہم تھی کہ اس کا سراغ حاصل کرنے کے سلسلے میں کسی موہوم ترین امکان کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے میں نے فوراً ہی سلطان شاہ کو جگا دیا۔
کمرے میں ایک ساتھ ناشتا کرتے ہوئے میں نے اسے صرف اتنا بتایا کہ میں غزالہ کے سلسلے میں کسی سے ملنے جا رہا تھا اس لیے اسے کمرے میں ہی رہ کر میری واپسی کا انتظار کرنا تھا کیونکہ ... نہ کمرے میں چھوڑنے کا خطرہ مول لیا جا سکتا تھا نہ اسے ساتھ جایا جا سکتا تھا اور نہ ہی ہوٹل کی انتظامیہ کے حوالے کیا جا سکتا ... نے اسے یہ اطمینان دلایا تھا کہ واپسی میں تاخیر کی صورت میں فون پر اپنے پروگرام سے آگاہ کر دیتا۔
میں ویسے تو سلمیٰ سے ملنے جا رہا تھا لیکن مجھے پتا نہ ... کہ اس کے انکشاف کی روشنی میں میرے ساتھ کیا صورت حال ... تھی۔ اس لیے میں نے سوٹ کیس میں سے ایک بھرا ہوا پستول ... لے لیا تھا۔
ٹیکسی کے ذریعے میں جہانگیر کے گھر پہنچا تو دربان نے ... کے انجن کی آواز سنتے ہی پھاٹک کھول دیا مگر میں نے کرایہ ... کر کے ٹیکسی کو باہر سے رخصت کر دیا۔ اندر برآمدے میں سلمیٰ ... میک اپ کے ساتھ میری منتظر تھی۔ اس نے حیرت آمیز گرم ... کے ساتھ میرا استقبال کیا تھا پھر جب میں اس کے ساتھ ڈرائنگ ... میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میز پر ... نوشی کے لوازمات پہلے سے تیار تھے۔
"یہ شوق کب سے لگا لیا تم نے؟" میں نے حیرت سے ... سوال کیا۔
"میرا نہیں، یہ تمہارا شوق ہے۔" وہ میری آنکھوں ... ہوئے بولی۔ "جہانگیر کی غیر موجودگی میں میں تمہاری میزبانی میں کوئی کمی نہیں کرنا چاہتی۔ جہانگیر نے کئی بار کوشش کی کہ میں ... ساتھ دے سکوں لیکن اس کا تلخ ذائقہ زبان پر آتے ہی ... ہو جاتی ہے۔ پتا نہیں تم لوگ یہ کڑوا زہر کیسے پیتے ہو؟"
"بس پی ہی لیتے ہیں!" میں نے زیر دست مسکراتے ... کہا۔ اس وقت میرے دل و دماغ کی عجیب کیفیت تھی ... رہا تھا کہ سلمیٰ میرے پوچھنے سے پہلے خود ہی وہ سب ... جائے جو اسے غزالہ کے بارے میں معلوم تھا۔
"تو پھر بناؤ نا!" اس نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "ساقی ... میرے بس کی بات نہیں ہے۔"
"اس کا وقت سورج ڈھلنے کے بعد شروع ہوتا ہے ... تم نے اہتمام کر لیا ہے تو پھر یوں ہی سہی!" میں نے اپنے ... ایک مختصر سا پیمانہ بناتے ہوئے کہا۔ اس میں شراب کم ... پانی زیادہ تھا۔
"سورج کا کیا ہے، ابھی پردے پھیلا دوں تو غروب ہو جائے گا۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ "باہر سے تم خاصے ... گھبرائے ہوئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دل کھول کر تفریح کی ہے تم نے"
"کاش ایسا ہوتا!" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "وہاں ...

غزالہ کو تلاش کرتا رہا یہاں بھی اُسی کی تلاش ہے۔ تم کیا بتانا چاہ رہی تھیں اُس کے بارے میں؟"

"مجھے معلوم ہے کہ تم اُسے ٹوٹ کر چاہتے ہو۔" اُس نے کہنا شروع کیا اور میں نے اضطراری طور پر پورا گلاس معدے میں اُنڈیل لیا۔

"شاید اسی وجہ سے مجھے اس سے کچھ حسد بھی ہو گیا ہے۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ کہہ رہی تھی "لیکن پھر بھی میں نے جو کچھ دیکھا مجھے یقین ہے کہ میرا وہم نہیں بلکہ حقیقت تھی۔"

"کیا دیکھا تھا تم نے؟" میں نے خالی گلاس پر اپنی گرفت سخت ہوتی ہوئی محسوس کی۔

"میرا خیال ہے کہ تم سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہو۔"

"کھل کر کہو، کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی اور پیٹ میں گرہیں سی پڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی ڈینی!" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی "میرا خیال ہے کہ تم غزالہ کا خیال ترک کر دو۔"

"کیوں؟" میں اپنی غضب ناک غراہٹ پر قابو نہ رکھ سکا "یہ خیال کیوں آیا تمہارے دماغ میں؟"

"کچھ دن پہلے میں نے اُسے صدر میں ایک خوب صورت نوجوان کے ساتھ دیکھا ہے۔" وہ قدرے سہمے ہوئے انداز میں بولی۔

"بس سلمیٰ! اب کچھ اور نہ کہنا!" میں نے غصے کے عالم میں گلاس قالین پر دے مارا اور اس کی کرچیاں بکھر گئیں۔ میرے خون نے اچانک ہی آنکھوں اور کنپٹیوں پر یلغار کر دی تھی اور بدن غصے سے کانپنے لگا تھا۔ سلمیٰ عورت اور جہانگیر کی بیوی نہ ہوتی تو شاید میں نے اُس کی زبان جڑ سے اکھاڑ پھینکی ہوتی مگر وہ عورت تھی اور میرے عزیز ترین دوست کی بیوی بھی۔

"وہ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے۔" میری بدلتی ہوئی کیفیت سے خوفزدہ ہو جانے کے باوجود وہ چُپ نہ رہ سکی "بھائی بہن کبھی ایسے انداز میں بازار میں نہیں گھوما کرتے۔"

اُس نے میرا ذہن پڑھ لیا تھا اور وہی ابہام دور کر دیا تھا جس کی میں پناہ لینی چاہ رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی وحشی سانڈ نے پوری قوت سے میرے سینے پر ٹکر رسید کر دی ہو اور میں لڑکھڑا کر وہیں صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

جو کام بڑے بڑے شہ زور اور سورما نہیں کر سکے تھے وہ ایک مختصر سی خبر نے کر دکھایا تھا۔

سلمیٰ کو اپنے الفاظ کے اتنے شدید ردِعمل کی توقع نہیں تھی میرے صوفے پر گرتے ہی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنی جگہ چھوڑ کر مجھ پر جھک گئی۔

"کیا ہوا؟ کیا محسوس کر رہے ہو؟ ڈاکٹر کو بلاؤں؟" اس نے اضطراری طور پر میرے بائیں پہلو پر ہاتھ رکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں محسوس کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے اور پھر شرمسار لہجے میں بولی "مجھے معاف کر دینا ڈینی! اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ میرے انکشاف کا تم پر اتنا شدید ردِعمل ہوگا تو میں ہرگز زبان نہ کھولتی۔ جلد یا بدیر تم کو خود ہی حقیقت کا علم ہو جاتا میں نے اپنے غلط انداز سے تم کو گہرا ذہنی صدمہ پہنچایا ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔" میں نے ترش لہجے میں کہنا چاہا اور اپنے لہجے میں نقاہت محسوس کی۔ "بعض اوقات انسان جو کچھ دیکھتا ہے وہ حقیقت سے بہت زیادہ مختلف ہوتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ غزالہ کے بارے میں تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ تم نے اس کے بارے میں غیر ذمے داری سے اپنی رائے کا اظہار کر کے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے۔"

"میں شرمندہ ہوں ڈینی! مجھے معاف کر دو۔" اس نے میری پیشانی سہلاتے ہوئے کہا۔ اس کی ہتھیلی کا لمس مجھے آگ کی طرح تپتا ہوا محسوس ہوا جیسے اس کے وجود میں یک بیک حرارت سما گئی ہو۔

"تمہاری پیشانی برف کی طرح سرد ہو رہی ہے۔" اس نے تشویش زدہ لہجے میں مجھے میری حالت سے آگاہ کیا "مجھے ڈاکٹر کو بلا ہی لینا چاہیے شاید تم پر دل کا ہلکا سا دورہ پڑا ہے۔"

لمحہ بھر کے لیے میں نے غور کیا۔ نہ میرے دل میں درد تھا نہ سینہ دکھ رہا تھا بس شاید یک بیک دورانِ خون ناقابلِ برداشت حد تک تیز ہو گیا تھا اس لیے میں نے تھکی ہوئی آواز میں اسے روک لیا "کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں یہ عارضی کیفیت ہے تھوڑی دیر میں خود بخود نارمل ہو جائے گی۔ تم آرام سے بیٹھو اور مجھے ایک گلاس ٹھنڈا پانی دے دو۔"

اس نے والہانہ انہماک کے ساتھ فوراً ہی مجھے ٹھنڈا پانی دیا اور جب میں نے گلاس خالی کر کے اسے لوٹا دیا تو وہ اسے میز پر رکھ کر میرے قریب ہی سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

"میں نے غزالہ کو اس شخص کے ساتھ دیکھ کر جو کچھ اندازہ لگایا تھا وہی تمہارے سامنے دُہرا دیا۔ اس میں میری کسی بدنیتی کا دخل نہیں تھا۔ میں خود بھی ایک عورت ہوں اور اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ محرموں اور نامحرموں کے لیے اظہارِ پسندیدگی میں کیا فرق ہوتا ہے۔

پہلی نظر میں مجھے بھی شبہ ہوا تھا کہ کہیں وہ شخص اس کا پاگل خانے والا بھائی نہ ہو لیکن گہرا جائزہ لینے پر مجھے اپنا شبہ غلط ماننا پڑا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ غزالہ کا کوئی رشتے دار رہا ہو۔ اس لڑکی کو تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ میرے دل میں اس کی طرف سے جلن موجود تھی اس لیے شاید میں نے بالکل ہی غلط سمت میں سوچا ہو۔ بھائی اور محبوب کے درمیان اور بھی بہتیرے رشتے ہوسکتے ہیں۔ اب تم اس بات کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔“ اسے سوچنے کا موقع مل گیا تھا اس لیے اس نے میری دلجوئی کے لیے ایک خوبصورت راہ تلاش کرلی تھی لیکن اس کے کمزور لہجے سے میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ اس وقت زبان سے جو کچھ کہہ رہی تھی، دل سے اس پر ذرا بھی یقین نہیں رکھتی تھی۔

اپنی اس لمحاتی کیفیت سے میں نے تھوڑا سا سنبھالا لے لیا تھا لیکن میرے دل و دماغ میں بدستور ایک ہلچل سی برپا تھی۔ میں غزالہ کو دل و جان سے چاہتا تھا۔ ہم نے پاکیزہ تنہائیوں میں زندگی بھر ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کے بہتیرے عہد و پیمان کیے تھے۔ میں اسے اور اس کی فطرت کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کے مزاج میں بے وفائی نام کو بھی نہ پائی جاتی تھی۔ وہ اِس دَور کی ان لڑکیوں سے بالکل مختلف تھی جو بہتر انداز میں اپنا وقت گزارنے کے لیے کسی بھی مرد سے دوستی کرلیتی ہیں اور جب انتخاب کے لیے اس سے بہتر کوئی موقع سامنے آجائے تو اپنے پچھلے وعدوں کو یکسر بُھلا کر طوطا چشمی کے ساتھ نئی راہ پر چل پڑتی ہیں لیکن اسی کے ساتھ میں سلمیٰ کی باتوں کو بالکل ہی نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے میرے اور غزالہ کے تعلق کو جانتے بوجھتے ہوئے زبان کھولی تھی۔ شاید اس نے اپنی رائے کے اظہار میں مبالغے سے کام لیا ہو لیکن اس کی باتوں کو سرے سے نظرانداز کرنا مجھے دشوار نظر آرہا تھا۔ میرے لیے وہ صورتِ حال ایک پیچیدہ پہیلی سے کسی طرح کم نہیں تھی اور اس پہیلی کا حل صرف غزالہ کے پاس تھا جس کا میرے پاس کوئی سراغ باقی نہیں تھا۔ اسے تلاش کیے بغیر مجھے نہ سلمیٰ کے الزام کی صداقت کا اندازہ ہوسکتا تھا اور نہ ہی میرے دل کو صبر و قرار آسکتا تھا۔ میرے دل میں غزالہ سے ملنے کی طلب شاید کبھی اتنی شدید نہیں رہی تھی جتنی اس وقت تھی۔

سلمیٰ مُصر تھی کہ میں اپنی حالت نارمل ہونے تک اس کی خواب گاہ میں آرام کروں لیکن میں اسے ٹالتا رہا۔ وہ بلاشبہ میرے عزیز ترین دوست جہانگیر کی بیوی تھی لیکن اس کے بارے میں میری رائے کچھ اچھی نہیں تھی۔ میرے حق میں وہ اس وقت ایک عیار شکاری کا رول ادا کر رہی تھی اور نفسیاتی محرومی اور مایوسی کے لمحات میں میرا ہانکا کر کے مجھے اس طرف لے جانا چاہتی تھی جہاں مجھے مغلوب کرنے کے لیے اسے زیادہ آزادی اور وسائل میسر تھے۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی ہمدردی اور دردمندی نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ وہ بھی ایک عورت ہی تھی۔ جب وہ کسی کی بیوی ہوتے ہوئے ایک دوسرے شخص کی ذات میں اتنی دلچسپی لے سکتی تھی تو کسی قانونی اور مذہبی بندھن سے آزاد ایک عورت کو کون سی قوت محض وعدوں کا پابند رکھ سکتی تھی؟ میرے لیے وہ تصور ہی سوہانِ روح تھا۔ میں نے اپنی دلی کیفیت سلمیٰ سے پوشیدہ رکھنے کے لیے آنکھیں موند لیں۔

”تم نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ تم سوچ سوچ کر اپنی حالت اور خراب کرلوگے۔“ خاصے توقف کے بعد اس نے مجھے ٹوکا۔

”میں تمھیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ پاگل خانے میں زیرِ علاج ایک بھائی کے علاوہ پوری دنیا میں اس کا کوئی رشتے دار نہیں تھا۔ اس کی ماں کا انتقال ہوگیا تھا اور باپ نے اس سانحے پر دل برداشتہ ہوکر خودکشی کرلی تھی۔“ میں نے آنکھیں کھول کر کہا پھر پُرامید لہجے میں سوال کیا۔ ”کیا یہ ممکن نہیں کہ تم سے غزالہ کو پہچاننے میں غلطی ہوئی ہو؟ تم نے صدر میں کسی اور لڑکی کو دیکھا ہو؟“

”وہ چند روز پیشتر تمھارے بارے میں دریافت کرنے ہمارے گھر نہ آئی ہوتی تو میں واقعی اسے نہیں پہچان سکتی تھی لیکن وہ کافی دیر یہاں موجود رہی تھی۔ میں نے اچھی طرح اسے دیکھا تھا۔ اب اس کی لمبی لمبی ریشمی زلفیں باقی نہیں رہی ہیں۔ اس نے انگریزی وضع کے بال ترشوائے ہوئے ہیں۔ وزن بھی تھوڑا سا بڑھ گیا ہے۔ سفید رنگت پر سُرخی یوں چھائی ہوئی تھی کہ اس پر کوئی سفید فام ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اتنے قریبی اور گہرے مشاہدے کے بعد میں دھوکا کھا سکتی تھی؟“

اگر اسے دھوکا نہیں ہوا تھا تو میں فریب خوردہ تھا۔ سلمیٰ نے غزالہ کے سراپا میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا ذکر چھیڑ کر گویا میرے دکھتے ہوئے زخم پر نمک پاشی کی تھی۔ غزالہ کے بارے میں میری آتشِ شوق کچھ اور بھڑک اٹھی۔ اس آگ میں اب صرف چاہت اور محبت ہی نہیں رہی تھی بلکہ حسد، غصے اور رقابت کی سوزش بھی شامل ہوگئی تھی۔

وہ سلمیٰ کا گھر تھا اور میں وہاں مہمان تھا لیکن اس نے ازخود مجھے اتنی ڈھیل دی ہوئی تھی کہ میں اس سے کچھ بھی کہہ سکتا تھا اسی لیے میں ...... نے اپنے لیے ایک نیا گلاس بناتے ہوئے آہستگی کے ساتھ کہا۔ ”ہوسکے تو کچھ دیر کے لیے مجھے تنہا چھوڑ دو۔“

اس کی آنکھوں میں غصہ جھلک آیا اور وہ تنک کر کھڑی ہوگئی۔

”مجھے معلوم ہے کہ میرے وجود سے زیادہ تمھیں غزالہ کی یادیں عزیز ہیں۔ نہ جانے یہ مردوں کی کیا فطرت ہے کہ یہ الہڑ کے پیچھے بھاگتے ہیں جو ان

بھاگ گئی ہیں۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں' ضرورت محسوس کرو تو ادھر ہی چلے آنا، شرم محسوس کرو تو آواز دے لینا۔"

اپنی بات پوری کر کے میرا جواب سنے بغیر وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ وقتی طور پر وہ مجھ سے ناراض ہو گئی تھی لیکن مجھے اندازہ تھا کہ اس کا غصہ زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔

میں بیٹھا آہستہ آہستہ اپنے معدے میں آتشیں سیال انڈیلتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے وجود پر طاری ہونے والی دردناک اضطرابی لہر بھی اعتدال میں تحلیل ہوتی چلی گئی جس کے نتیجے میں میری سوچ کا رُخ قدرے تبدیل ہو گیا مگر اس کے باوجود میں آرام کی شدید ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ غزالہ کی تلاش میں اگر میں فوری طور پر بھاگ دوڑ کا آغاز کرتا تو اس کے نتیجے میں بالکل ہی بستر سے لگ سکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ سلطان شاہ کو فون کر کے وہیں بلاؤں لیکن وہ ہوٹل کے کمرے میں رقم سے بھرے ہوئے بیگ کی حفاظت پر مامور تھا۔

غیر قانونی طور پر حاصل کی ہوئی وہ رقم ہمارے لیے بہت اہم تھی لیکن اسے ساتھ لیے پھرنے میں کوئی بھی ناگوار صورت حال پیش آسکتی تھی۔ مجھے اس بارے میں جہانگیر پر مکمل اعتماد تھا لیکن اس کے نہ ہونے کی صورت میں سلمٰی پر بھی بھروسا کر سکتا تھا۔

میں نے صوفے سے اُٹھتے ہوئے کافی نقاہت محسوس کی۔ آنکھوں کے سامنے پل بھر کے لیے تاریک دائرے ناچ کر رہ گئے لیکن پھر بھی میں نے سنبھل کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سلمٰی کو وہاں بلانے کے بجائے اس کے کمرے میں جا کر میں آسانی کے ساتھ اسے منا سکتا تھا۔

جہانگیر کا گھر شروع سے بہت خوبصورت آراستہ اور وسیع تھا لیکن میرے لیے اس مکان کا کوئی گوشہ اجنبی نہیں تھا اس لیے میں کسی دقت کے بغیر سلمٰی کی خواب گاہ کے بند دروازے پر پہنچ گیا۔

میری ہلکی سی دستک پر اندر سے سلمٰی نے بلند آواز میں 'کون ہے؟' کہا تھا پھر میرا نام سن کر بولی تھی۔" دروازہ بولٹ نہیں ہے، اندر چلے آؤ۔" میں نے بند دروازے پر دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ہلکا سا دباؤ ڈالا اور پھر اس آراستہ خواب گاہ میں داخل ہو گیا جہاں معطر اور مسحور کن فضا میں سلمٰی وسیع و عریض آبنوسی بستر پر تنہا لیٹی ہوئی تھی۔

خواب گاہ میں کھڑکیوں پر دبیز پردے کھنچے ہوئے تھے۔ دھیمی روشنی والے ایک بلب نے کمرے میں بس اتنی روشنی کی ہوئی تھی کہ اندھیرے میں ٹھوکریں کھائے بغیر ایک دوسرے کو شناخت کیا جا سکتا تھا۔ اس سحر انگیز ماحول میں ایک کیبنٹ پر رکھی ہوئی سلمٰی اور جہانگیر کی شادی کی ایک بڑی تصویر پر نگاہ ڈالتے ہوئے میں بستر سے دو فٹ دیوار کے ساتھ پڑے ہوئے آرام دہ دیوان پر بیٹھ گیا۔ آبنوسی مسہری کے سرہانے پوری دیوار پر چھت تک بیش قیمت آئینے آویزاں تھے جن میں ہم دونوں کے عکس ہر زاویے سے مجسم ہو رہے تھے۔

"مجھے افسوس ہے سلمٰی کہ میری باتوں کا تم برا مان گئیں۔" میں نے بات چھیڑتے ہوئے کہا۔

"میرے برا ماننے کا افسوس ہے' اپنی غلطی اب بھی نہیں مانو گے؟" وہ لیٹے لیٹے میری طرف پہلو بدل کر بولی۔

"غلطی تمہاری ہے۔ تم کو غزالہ کے ساتھ اپنا موازنہ نہیں کرنا چاہیے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اسے درمیان میں لائے بغیر ہم دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔"

"غنیمت ہے کہ تم نے مجھے دوست تو سمجھا! یہ بتاؤ کہ تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟" وہ اچانک ہی تر و تازہ انداز میں بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"طبیعت ٹھیک ہے لیکن نقاہت محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے ایمانداری کے ساتھ کہا۔ "شاید ایک دو روز تک مجھے بستر پر ہی دراز رہنا پڑے۔" اصل مدعا کی طرف آتے ہوئے اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ میں کوئی بے سروسامان خانہ بدوش نہیں تھا بلکہ اسی شہر میں میری فیکٹری کے ساتھ میرا مکان بھی تھا۔ آخری ایام میں شہر کے سرکردہ مقامی لوگوں نے تنظیم کے خلاف میرے عزائم سے واقف ہونے کے بعد نہ صرف مجھے ہر طرف سے گھیرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں بلکہ میرے ان اثاثوں کو بھی آگ لگا دی تھی۔ میں نے دانشمندی یہ کی تھی کہ فیکٹری اور اسٹاک کے ساتھ ہی گھر کا بھی بیمہ کرایا ہوا تھا لیکن ان دنوں حالات اس قدر مخدوش ہو چکے تھے کہ اپنی جان کے خوف کے باعث میں اپنے دعوے کے لیے سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکا اور سارے معاملات میں اپنے ایک قابلِ اعتماد ملازم کو مختار نامہ دے کر خود بدستور روپوش رہا اور اسی دوران میں مجھے ملک سے باہر جانا پڑ گیا۔

پاکستان چھوڑنے کے بعد واقعات اتنی تیزی کے ساتھ میرے گرد اپنا جال بُنتے چلے گئے کہ میں اپنے خوشگوار ماضی کو یکسر فراموش کر بیٹھا۔ نہ پاکستان سے میرا کوئی رابطہ رہا' نہ کسی اور ذریعے سے مجھے کوئی خبر ملی۔ شب و روز کے ہولناک معرکوں میں میں نے پوری طرح کسی خانہ بدوش مہم جو کا روپ دھار لیا اور ان واقعات میں اس بری طرح ملوث ہوا کہ مجھے یہ تک یاد نہ رہا کہ پاکستان میں میرے بھی کچھ اثاثے تھے جن کے سہارے میں دوبارہ باعزت زندگی کی ابتدا کر سکتا تھا۔

"میری فیکٹری وغیرہ کے بارے میں کچھ معلوم ہے تمہیں؟" میں

نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد اسی سے سوال کیا۔

"تم نے اپنی طویل غیر حاضری سے بہت بڑے بڑے نقصانات اُٹھائے ہیں۔" وہ ہمدردانہ لہجے میں بولی۔ "ان دنوں جہانگیر کو کوئی ایسی بڑی مجبوری در پیش تھی کہ تم سے ہمدردی اور دوستی کے باوجود وہ یہاں تمہارے مفادات کی دیکھ بھال نہ کر سکا۔ تمہارے لیے اب پاکستان میں شاید ایک تنکا بھی ایسا نہ رہا ہو جس پر تم اپنی ملکیت کا دعویٰ کر سکو۔"

"کیا کہہ رہی ہو تم!" میں نے بے یقینی کے ساتھ سوال کیا۔ "میری فیکٹری، میرا مکان، ان سب کا کیا ہوا؟ میں ان کا بلاشرکتِ غیرے مالک تھا۔ بینکوں میں میرا کافی سرمایہ جمع تھا۔"

"تفصیل تمہیں جہانگیر ہی بتا سکیں گے۔ انھوں نے مجھے بس اتنا بتایا تھا کہ تم دیدہ و دانستہ کچھ ایسے لوگوں کی خون آشام دشمنی مول لے بیٹھے تھے جن کے ہاتھ بہت لمبے تھے اور وہ اپنی مرضی کا ہر کام کر گزرنے کے وسائل رکھتے تھے۔ تمہارے ملک سے چلے جانے کے بعد انھوں نے سراغ لگا لیا کہ تم اپنے سارے مالی مفادات اپنے کسی ملازم کو سونپ گئے ہو۔ انھوں نے اسے اغوا کرایا، لالچ دیے، تشدد بھی کیا اور آخر کار کچھ ہی دنوں میں تمہارے اٹارنی نے مکان کے ساتھ فیکٹری بھی فروخت کر دی، بینکوں سے ساری رقمیں نکلوائیں اور پھر وہ لاپتا ہو گیا۔ اس کے بارے میں تمہارے دوسرے ملازمین کا خیال تھا کہ اس کی نیت میں فتور آ گیا اور وہ رقم بٹور کر اپنی بیوی اور اکلوتے بچے سمیت ملک سے بھاگ گیا تاکہ تم واپس لوٹ کر اس سے اپنے اثاثوں کا مطالبہ نہ کر سکو مگر جہانگیر کو پورا یقین ہے کہ تمہارے دشمنوں نے پہلے اسے سنہرا باغ دکھا کر اس کے ہاتھوں تمہیں دیوالیہ کرایا پھر کسی خفیہ سازش کے ذریعے اس سے سب کچھ چھین کر اسے، بیوی اور بچے سمیت سفاکی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تاکہ وہ راز ہمیشہ کے لیے یوں ہی دفن ہو جائے۔"

شی کے ہرکاروں کی وہ کہانی میرے لیے ناقابلِ یقین تھی۔ میں حیرت سے منہ کھولے سلمٰی کی کہانی سنتا رہا۔ ان لوگوں نے مجھے ہر طرف سے بے دست و پا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ جن دنوں میں نے تنظیم سے بغاوت کی، جہانگیر در پردہ میرا ساتھ دینے کے باوجود بہ ظاہر شی کا وفادار تھا اس لیے میری مالی تباہی کے بارے میں اس کی رائے بے بنیاد نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ پورا قصہ یقیناً اسی طرح پیش آیا ہو گا جس طرح جہانگیر نے سلمٰی کو بتایا تھا۔ میری اس لڑائی میں میرا بدنصیب منیجر اپنے مختصر سے گھرانے سمیت قربانی کا بکرا بن گیا تھا۔ اپنے لاکھوں کے نقصان سے زیادہ مجھے اس بے چارے کے دردناک انجام پر صدمہ ہوا تھا۔

"یہ بہت برا ہوا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ لوگ انتقام کی آگ میں اس حد تک اندھے ہو جائیں گے۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "اصل بات جہانگیر سے ہی معلوم ہو سکے گی۔"

"واقعی بہت برا ہوا۔ اب تمھیں زندہ رہنے کے لیے ازسرِنو جدوجہد کرنی پڑے گی۔"

"زندہ رہا تو جدوجہد بھی کر لوں گا۔ مجھے اپنے مالی نقصانات کا اتنا غم نہیں جتنا دکھ ان تینوں کی موت کا ہے۔ مجھے اس پر اندھا اعتماد تھا۔ مجھے یقین ہے کہ لاکھوں تو کیا کروڑوں پر بھی اس کی نیت متزلزل نہیں ہو سکتی تھی۔"

"آخر وہ کون لوگ ہیں جن سے تمھاری دشمنی چل رہی ہے؟" اس کا لہجہ متجسس ہو گیا۔

"کاروباری حریف ہیں۔" میں نے اسے ٹالنا چاہا۔

"کاروبار میں ایسی خونریز دشمنیاں تو میں نے کبھی نہیں سنیں۔ میرا بھی پورا میکا کاروبار کرتا ہے۔ شاید تم مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔ سیدھے سادے کاموں میں دشمنی اس حد تک نہیں بڑھتی۔"

"مقابلہ کم ظرفوں سے ہو تو اس سے بھی بُرے واقعات پیش آ جاتے ہیں..."

"میں ننھی سی نادان بچی نہیں ہوں۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ "نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ مگر میں بھی عقل رکھتی ہوں۔ تمھاری اور جہانگیر کی گہری دوستی ہے اس لیے تم دونوں کے مسائل میں بھی خاصی مشابہت ملتی ہے۔ اب تو خدا کا شکر ہے کہ جہانگیر گارمنٹ فیکٹری خریدنے کے بعد کافی عرصے سے معمول کی زندگی گزار رہے ہیں، ورنہ تمھارے جانے تک ان کی ساری سرگرمیاں مشکوک اور پُراسرار تھیں۔ وہ فون پر چوروں کی طرح سرگوشیوں میں کسی سے مختصر باتیں کرتے تھے۔ کال آ جاتی تو آدھی رات کو بستر چھوڑ کر کہیں چل دیتے۔ بہانہ وہ بھی کاروبار کا کرتے تھے۔ دنیا میں ایسا کون سا کاروبار ہے جو رات رات بھر چلتا رہتا ہے؟ پھر آخر میں تو وہ اپنے سائے سے بھی خوفزدہ رہنے لگے تھے۔ کبھی بلٹ پروف کار خریدی جا رہی ہے، کبھی گھر میں دن رات خونخوار کتے کھلے رکھے جاتے تھے اور کبھی گھر کی چار دیواری کو قلعے کی فصیل بنا کر نشانہ بازوں کو دن رات چوکیداری پر مامور کیا جاتا تھا۔ اگر یہ سب کاروبار ہی کے سلسلے میں تھا تو مجھے کہنا پڑے گا کہ تم دونوں مل کر کوئی ناجائز اور غیر قانونی کاروبار کر رہے تھے۔"

اس کی چمکتی ہوئی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کے استدلال کا وزن گھٹانے کے لیے میں ہنس پڑا۔ "تم تو واقعی بہت سمجھدار ہو گئی ہو۔ اب آنکھیں موند کر کوئی منتر پڑھو اور یہ بھی بتا دو کہ ہم کون سا کاروبار کر رہے تھے؟"

"ایک کیا، پچاس دھندے ہو سکتے ہیں۔" وہ طنزیہ لہجے میں

بولی" اسلحے سے لے کر چرس، شراب اور ہیروئن تک سارے ہی کالے دھندے ہیں۔ پتا نہیں تم دونوں کیا کرتے تھے؟ ایسے غیر قانونی کاموں کو کاروبار کہنا بھی میں شریف کاروباری برادری کی ہتک سمجھتی ہوں۔ یہ تو سراسر چوری اور ڈکیتی کے برابر بلکہ اس سے بھی بُرے کام ہیں۔"

شاید اس کی رائے اپنی جگہ درست رہی ہو مگر وہ ایک خانہ دار عورت تھی اور اپنے خاندانی پس منظر کی وجہ سے اپنے بزرگوں کے آبائی پیشے کا دفاع کر رہی تھی۔ میرا دل چاہا کہ اسے ان 'شریف کاروباری' لوگوں کے بارے میں بتاؤں جو شرافت کا لبادہ اوڑھ کر قانون کی آبرو اچھالتے ہیں، محاصل چوری کرتے ہیں، اسمگلنگ کی سرپرستی کرتے ہیں، ملاوٹ اور جعل سازی کو فروغ دیتے ہیں لیکن میں خاموش ہی رہا۔ اوّل تو میرا دامن خود داغ دار تھا دوم یہ کہ کاروباری برادری میں سب ہی لوگ ایسے نہیں تھے۔ ان کی برادری کے نیک ناموں کے طفیل بدناموں کے گناہ بھی معاف کیے جا سکتے تھے۔

"دراصل تم ساری دنیا کو اپنے میکے کی ترازو میں تولنے کی عادی ہوگئی ہو جب کہ سسرال کا پیمانہ الگ ہوتا ہے۔ ہم دونوں سسرالی قسم کے کاروبار کرتے رہے ہیں جو تمھاری سمجھ میں نہیں آسکیں گے۔" میں نے اس سنگین موضوع کو مذاق میں ٹالتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو حیرت ہے کہ پاکستان آکر اپنے گھر بار اور فیکٹری کی خبر لینے کے بجائے تم اتنے اطمینان سے ہوٹل میں گوشہ نشین ہوگئے۔ اس وقت بھی یہ ذکر سرسری طور پر نکل آیا ورنہ تمھاری نظروں میں ان چیزوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ تمھاری جگہ کوئی اور ہوتا تو محبوبہ کی بے وفائی کی خبر شاید برداشت کر جاتا لیکن اتنے بڑے مالی دھچکے پر اسے ضرور دل کا دورہ پڑ جاتا۔"

وہ حد سے بڑھ رہی تھی۔ میرے لیے اسے لگام دینا ضروری ہوگیا تھا اور پھر ان نازک لمحات میں مجھے ایک نادر راہ سوجھ ہی گئی۔ "دورہ اُسے پڑے جس کا نقصان ہوا ہو۔ میرا کیا بگڑا ہے؟" میں نے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"تمھیں دل کا دورہ تو نہیں پڑا لیکن اب اس صدمے سے تمھارا دماغ ضرور چل گیا ہے۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ "تن کے کپڑوں اور تھوڑی بہت رقم کے علاوہ تمھارے پاس اب رہ کیا گیا ہے جس پر اتنا خوش ہو رہے ہو؟"

"میں تم سے مذاق کر رہا تھا۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "جہانگیر بے چارہ محض اس وجہ سے میرے نقصانات کی فکر میں دبلا ہوتا رہا کہ میرا اس سے رابطہ قائم نہیں ہوسکا ورنہ یہاں جو کچھ ہوتا رہا اس میں سو فیصد میری ہدایات کا دخل تھا۔ اگر میں یہاں سے بروقت اپنے اثاثے نہ سمیٹتا تو میرے دشمن واقعی سب کچھ مٹی میں ملا دیتے۔"

"پھر تمھارا منیجر کہاں ہے؟ اس کی بیوی اپنے بچے سمیت کہاں گئی؟ تمھاری رقم کہاں ہے؟" اس نے بے یقینی کے ساتھ یکے بعد دیگرے کئی سوال کر ڈالے۔ میری نئی قلابازی اس کے لیے ناقابلِ فہم ثابت ہوئی تھی۔

"منیجر اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ فرانس میں عیش کر رہا ہے۔" میں نے دکھی دل کے ساتھ خوشگوار لہجے میں وہ سفید جھوٹ بولا۔ "اور رقم میرے پاس ڈالروں کی صورت میں موجود ہے۔"

اس کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں۔ "میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا... اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمھارے منیجر نے پوری رقم ایمانداری کے ساتھ تمھیں باہر پہنچا دی اور تم اسے کندھے پر لادے نگر نگر گھومتے رہے؟"

"کندھے پر لادے پھرنے والے مفروضے کے علاوہ باقی بات درست ہے۔ وہ رقم پاکستان سے غیر قانونی طور پر باہر گئی تھی۔ وہاں بہتیرے بینک ایسے ہیں، جو صرف رقم دیکھتے ہیں۔ اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں دریافت کرتے۔ میں نے رقم ایسے ہی ایک بینک میں جمع کرا دی۔ میرا ارادہ تھا کہ اپنے دشمنوں کی دسترس سے دور رہ کر بقیہ زندگی باہر ہی گزاروں گا لیکن جہانگیر سے غزالہ کے بارے میں اطلاع ملنے کے بعد میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اپنا وطن اپنا ہی ہوتا ہے۔ یہاں کی تنگی ترشی میں بھی باہر کی عیاشیوں سے زیادہ مزہ ہے۔ اس لیے میں آتے ہوئے اپنا تمام سرمایہ ڈالروں کی شکل میں واپس لے آیا ہوں۔"

"اب وہ رقم کہاں ہے؟" اس کے لہجے میں بے یقینی بہ دستور برقرار تھی۔

"ہوٹل کے کمرے میں۔" میں نے ڈرامے کی تکمیل پر دل ہی دل میں اطمینان کا گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "وہ رقم میں غیر قانونی طور پر ملک میں لایا ہوں اس لیے اسے براہِ راست کسی بینک میں نہیں ڈال سکتا۔ جہانگیر آئے گا تو اس کے مشورے سے کوئی راہ نکالوں گا۔ اس وقت یہ رقم تم امانت کے طور پر اپنے پاس رکھ لو۔"

"تم مذاق تو نہیں کر رہے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"تم رضامندی ظاہر کرو تو میں ابھی ہوٹل فون کر کے رقم کا تھیلا یہیں منگوائے لیتا ہوں؟"

"مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ تھیلا اسی طرح تجوری میں ڈال دوں گی۔"

ایک صورت یہ بھی ہوسکتی تھی کہ میں سلمیٰ کے ساتھ ہوٹل جاکر اسی کی کار میں گن بوٹ کی فروخت سے حاصل کی ہوئی رقم لے آتا جس کی حفاظت میرے لیے ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی لیکن فون کر کے سلطان شاہ کو بلا لینا زیادہ مناسب تھا۔

سلمیٰ کی زبانی اپنے اثاثوں کی تباہی کی داستان سننے کے بعد میرے لیے اس رقم کی اہمیت یک بیک بڑھ گئی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس رقم کے بارے میں ایک من گھڑت کہانی سنا کر میں نے اسے مطمئن کر دیا تھا ورنہ وہ اس بارے میں مجھ پر اس قدر سوالات کی بوچھاڑ کرتی کہ میں اپنا سر پیٹتا ہوا اس کے گھر سے چلا جاتا۔

میں نے سلمیٰ کی خواب گاہ سے ہی ہوٹل فون کر کے سلطان شاہ کو تھیلے سمیت جہانگیر کے گھر پہنچنے کی ہدایت کی تو وہ کچھ حیران سا ہو گیا۔

”کیا اسے ٹھکانے لگانے کا کوئی بندوبست ہو گیا ہے؟“ اس نے پوچھا تھا۔

”ہاں، یہ تھیلا ہماری آزادی کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ تم فوراً چلے آؤ!“ میں نے اسے تاکید کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا اور سلمیٰ کی طرف مڑ کر بولا۔ ”آؤ! ڈرائنگ روم میں چلیں۔ اس کا وہیں انتظار کرنا مناسب رہے گا... پورے گھر میں ابھی تک مجھے کوئی دوسرا متنفس نظر نہیں آیا۔ کیا کوئی ملازم نہیں ہے یہاں؟“

”پورے چھ ملازموں کی فوج پل رہی ہے یہاں۔“ وہ میرا ہاتھ تھام کر بستر سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ”مگر وہ سب پیچھے رہتے ہیں۔ ایک ملازمہ صبح اندر آتی ہے اور پورے گھر کی صفائی کر کے میرے بیدار ہونے سے پہلے باہر چلی جاتی ہے۔ دوسری رات کو دن بھر کے گندے برتن دھونے آتی ہے۔ ان کے علاوہ دو چوکیدار، ایک مالی اور ایک ڈرائیور بھی یہیں رہتا ہے مگر انھیں گھر میں بلاتے ہوئے مجھے الجھن ہوتی ہے۔ ویسے بھی اکیلی رہتے رہتے میں بیزار ہونے لگی ہوں۔ خود کو مصروف رکھنے اور وقت گزارنے کے لیے کھانے پکانے کے سارے کام خود کرتی ہوں... اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ تم بھی ہوٹل سے یہیں آ جاؤ۔ دونوں کا ہی وقت اچھا گزرے گا... میرے پکائے ہوئے کھانے اور چپاتیاں جہانگیر کو بہت مرغوب ہیں۔“ اس کا لہجہ چڑانے والا تھا جیسے جہانگیر کی پسندیدگی کا اظہار کر کے مجھے اپنا فیصلہ بدلنے پر اکسا رہی ہو۔

”چند روز بعد شاید ایسا ممکن ہو سکے... سلطان شاہ کے ساتھ مشکل ہے۔“

”تم بلاوجہ اسے دوست دوست کہے جا رہے ہو جب مجھے یاد پڑتا ہے کہ سلطان شاہ تو شاید ملازم تھا تمھارا؟“

”بعض ملازم اس قدر وفادار اور جاں نثار ہوتے ہیں کہ دوستوں سے بھی زیادہ عزیز ہو جاتے ہیں۔ اس کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کہہ دینا وہ برا مان جائے گا...!“

”چاہو تو اسے پیچھے رکھ سکتے ہو۔“ وہ میری بات سنی ان سنی کر کے بولی۔ ”میں اس کے لیے کوئی سرونٹ کوارٹر خالی کرا دوں گی۔“

”میں ہمیشہ اسے اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔“ میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ ”اس کے ساتھ مجھے بھی سرونٹ کوارٹر میں رہنا ہوگا۔“

وہ موضوع وہیں ختم ہو گیا کیونکہ ہم آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہو چکے تھے جہاں صفائی کرنے والی ملازمہ شاید سلمیٰ کی ہدایت پر قالین پر سے گلاس کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے سمیٹ رہی تھی۔

ملازمہ خوش شکل اور باسلیقہ تھی۔ سلمیٰ کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں سے سراسیمگی جھانکنے لگی اور برش قالین پر مشینی انداز میں تیز تیز چلنے لگا۔ شاید سلمیٰ اپنے ملازمین کے ساتھ کوئی نرمی برتنے کی عادی نہیں تھی لیکن غنیمت یہ ہوا کہ اس نے ملازمہ کو کوئی بار گھورنے کے باوجود میرے سامنے کچھ نہیں کہا اور چند منٹ بعد ہی وہاں پھر تخلیہ ہو گیا۔

سلمیٰ نے انٹرکام پر چوکیدار کو سلطان شاہ کے بارے میں ہدایت دے دی تھی اس لیے ہم دونوں آرام سے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ اپنے دشمنوں کے خطرے کی وجہ سے ان دنوں میں اطالوی نژاد بیٹیرو اک بنا ہوا تھا اور شہر کے حالات کا جائزہ لیے بغیر اپنی اصل شناخت ظاہر نہیں کرنی چاہتا تھا۔ اس لیے وہ مجھے کسی تیسرے کے سامنے میرے اصل نام سے نہ پکارے۔ میں نے اسے تاکید کی تھی کہ جہانگیر کو بھی اس احتیاط سے آگاہ کر دے تاکہ اس کی لاعلمی میرے لیے کوئی خطرہ پیدا نہ کر سکے۔

سلطان شاہ کے آنے کی اطلاع ملنے پر سلمیٰ اندر چلی گئی اور سلطان شاہ بیگ شانے سے لٹکائے ہوئے، چوکیدار کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔

”یہ تمھیں کیا ہوا؟ صبح تو بالکل تروتازہ تھے۔ اس وقت چہرہ زرد پڑا ہوا ہے اور آنکھوں سے نقاہت جھانک رہی ہے۔“ اس نے رقم کا تھیلا میرے قدموں میں ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

”طبیعت بگڑ گئی تھی۔ اب ٹھیک ہوں۔“ میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ ”ذرا گن لو کہ تھیلے میں اب کتنی رقم باقی رہ گئی ہے؟“

اس نے گڈیاں گننی شروع کر دیں۔ ان ہی میں پستول بھی موجود تھا جو میں نے اٹھا کر سلطان شاہ کی جیب میں ڈال دیا۔ اپنی ضروریات کے لیے دو ہزار ڈالر نکال کر میں نے گنی ہوئی رقم دوبارہ تھیلے میں ڈالی اور زپ بند کر دی۔

سلمیٰ کے مزاج کے پیش نظر میں نے اسے سلطان شاہ کے سامنے آنے سے منع کیا تھا لیکن جب میں بیگ اندر لے جانے کے لیے اٹھنے لگا تو وہ ٹرے میں اسکواش کا ایک گلاس لیے واپس آئی اور میں دانت پیستے ہوئے دوبارہ اپنی نشست میں دھنس گیا۔

سلطان شاہ نے اٹھ کر ادب اور احترام کے ساتھ سلمیٰ کے ہاتھ سے اسکواش کا گلاس لیتے ہوئے اسے سلام کیا اور وہ کوئی

جواب دیے بغیر صوفے پر آبیٹھی۔ "تو تم ہو سلطان شاہ!" چند ثانیوں تک اس کا جائزہ لینے کے بعد سلمٰی بولی۔ "ڈیڈی تمھیں اپنی ذات سے زیادہ عزیز رکھتا ہے ورنہ اس شخص کو کسی کی بھی پروا نہیں ہوتی۔"

سلطان شاہ خاصا ذہین نوجوان تھا۔ فوراً ہی بات کی تہ میں چھپے ہوئے طنز کو سمجھ گیا۔ اس کا چہرہ اور کان کی لویں سرخ ہو گئیں۔ پھر وہ دھیمی آواز میں بولا۔ "انھیں کسی کی پروا کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے جی؟ ان کی ذات میں تو اتنی کشش ہے کہ بہتیرے لوگ ہر وقت پروانوں کی طرح ان کے گرد منڈلاتے رہتے ہیں۔"

اس نے سلمٰی کو اسی کے انداز میں جواب دیا تھا۔ بہ ظاہر میری تعریف کی گئی تھی لیکن ان فقروں میں سلمٰی کے لیے طنز بھی پنہاں تھا جسے وہ بھی نظرانداز نہ کر سکی اور اس کے زبان کھولنے سے پہلے ہی مجھے گفتگو میں دخل اندازی کرنی پڑ گئی۔

"آپس کی شاعری میں مجھے نہ رگیدو۔" میں نے ہنستے ہوئے ان دونوں سے کہا۔ "اس بار کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ تم دونوں کا باقاعدہ تعارف ہو گیا۔ یہ بیت بازی بعد میں ہوتی رہے گی۔ اس وقت ہمیں چلنا چاہیے۔"

میں نے تھیلا سلمٰی کے حوالے کیا تو اس کو تالے کی فکر ہوئی پھر اس نے رقم کے بارے میں استفسار کیا مگر میں نے بے پروائی کے ساتھ اسے بیگ تجوری میں ڈالنے کا مشورہ دیا اور وہ متردد انداز میں اندر چلی گئی۔

وہ دوبارہ واپس آئی تو میں روانگی کی نیت سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اتنی ہی جلدی ہے تو سلطان کو ڈرائیور کے ساتھ جانے دو، تمھیں میں خود چھوڑ آؤں گی۔" سلمٰی نے سلطان شاہ کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا لیکن میں نے شکریے کے ساتھ اسے ٹال دیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ اس کی وہ پیشکش صرف سلطان شاہ کو جلانے کے لیے تھی ورنہ یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ ہم دونوں کو ڈرائیور کے ساتھ واپس جانا تھا۔

سلمٰی برآمدے تک ہمارے ساتھ آئی پھر ہم اسے الوداع کہہ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

❀❀

سلطان شاہ راستے بھر سلمٰی کے ڈرائیور کی موجودگی کی وجہ سے خاموش رہا لیکن وہ جن نظروں سے بار بار میرا جائزہ لے رہا تھا اُن سے پتا چل رہا تھا کہ وہ میری کسی تاویل سے مطمئن نہیں ہوا تھا اس لیے میں ذہنی طور پر خود کو اس کی باز پُرس کے لیے تیار کرنے لگا جس کا آغاز کمرے میں داخل ہوتے ہی ہو سکتا تھا۔

"تمھاری چال تک بگڑی ہوئی ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ تمھیں کچھ نہیں ہوا!" اُس نے پورٹیکو سے لفٹ والی راہداری کی طرف جاتے ہوئے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ایسی کیا طبیعت بگڑ گئی تھی کہ ابھی تک اس کے اثرات سے نہیں سنبھل سکے ہو؟"

"کچھ نہیں، تمھیں وہم ہو رہا ہے۔ ایک نیٹ پیگ جلدی جلدی معدے میں اُتار لیا تھا جس کے نتیجے میں سارا کھایا پیا باہر آ گیا تھا۔ تھوڑی دیر میں طبیعت پوری طرح سنبھال ہو جائے گی۔"

"میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ سچے ہو تو میرے ساتھ سوئمنگ پول کے گرد دوڑ لگا کر ایک پورا چکّر لگا کر دکھاؤ۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ تم اس وقت چند قدم بھی نہ دوڑ سکو گے اور تیورا کر گر جاؤ گے۔"

"چلو تم ہی سچے ہو۔ پہلے کمرے میں پہنچو پھر باتیں ہوتی رہیں گی۔"

کمرے میں پہنچنے کے بعد مجھے شدید تکان کا احساس ہونے لگا اور میں بستر پر بے سُدھ ہو کر گر گیا۔ چند قدموں پر مشتمل وہ فاصلہ میرے لیے ناقابلِ برداشت ثابت ہوا تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں ہلکی ہو چکی تھیں اور پیشانی پر پسینے کی سرد بوندوں کے اُبھرنے کا احساس ہو رہا تھا۔ اس وقت مجھے وہم ہوا کہ شاید سلمٰی کا اندازہ درست ہی تھا۔ غزالہ کے بارے میں اُس کی ہرزہ سرائی سُن کر مجھ پر شاید ہلکا سا دل کا دورہ پڑا تھا جس کے بعد مجھے کم از کم چار چھ گھنٹوں تک چلنے پھرنے سے گریز کر کے بستر پر آرام کرنا چاہیے تھا۔

سلطان شاہ اپنی جرح بھول کر میری تیمارداری میں مصروف ہو گیا۔ اُس نے بھی ڈاکٹر کو طلب کرنے کی اجازت چاہی مگر میں نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے منع کر دیا اور پھر میرا ذہن تیزی کے ساتھ گرد آلود دھندلکے میں ڈوبتا چلا گیا۔

کافی دیر بعد مجھے دوبارہ ہوش آیا تو سلطان شاہ کے ساتھ ہی ایک جواں سال ڈاکٹر بھی موجود تھا۔ میرے ہوش میں آنے کے بعد وہ مزید چند منٹ وہاں رکا، مجھ سے باتیں کیں پھر واپس چلا گیا۔ دورانِ گفتگو پتا چلا کہ اُسے سلطان شاہ نے روم سروس کی معرفت طلب کیا تھا۔ اُس نے مجھے دو انجکشن لگائے تھے اور چند دوائیں تجویز کر کے چلا گیا تھا۔ سلطان شاہ اس سے مشورہ کر کے مجھے امراضِ قلب کے قومی ادارے میں لے جانا چاہتا تھا لیکن ڈاکٹر نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

میں ہوش میں ضرور آ گیا تھا لیکن میرا ذہن بوجھل ہو رہا تھا۔ اس لیے میں شام تک یوں ہی بستر پر پڑا رہا۔ اس دوران میں سلطان شاہ نے مجھے سگریٹ کو ہاتھ تک نہ لگانے دیا کیونکہ ڈاکٹر نے اس کے لیے منع کیا تھا۔

مجھے اپنے اوپر جھلاہٹ ہو رہی تھی کہ محض سلمٰی کے الفاظ

پر میری حالت کیوں بگڑ کر رہ گئی تھی۔ اس کے پیدا کیے ہوئے وہم سے نجات حاصل کرنے کے لیے میں جلد از جلد غزالہ کو تلاش کر کے اُس تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ حقیقت کا علم ہو سکے لیکن ڈاکٹر نے دو تین دن تک آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا اور میں خود بھی محسوس کر رہا تھا کہ فوری طور پر بھاگ دوڑ کی کوشش کی تو شہر کی کسی بھری پڑی سڑک پر لوگوں کے لیے تماشا بن سکتا تھا۔ دوسری طرف سلطان شاہ کو پوری طرح اعتماد میں لینے میں میری انا بُری طرح حائل تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اپنی زبان سے غزالہ کے بارے میں سلمٰی کے کہے ہوئے الفاظ کسی اور کے سامنے دہراؤں۔

جب شام ڈھلنے لگی اور کھڑکیوں سے باہر اندھیرا پھیلنے لگا تو میں نے سلطان کو پوری بات بتائے بغیر اس سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس وقت مجھے خود پر حیرت ہوئی کہ اتنی آسان سی بات اس سے پہلے میرے ذہن میں کیوں نہیں آسکی تھی۔

"تم نے میری باز پرس کے بارے میں اپنی باز پرس کا سلسلہ کیوں ترک کر دیا؟" میں نے سوچ سمجھ کر اس سے گفتگو کا آغاز کیا۔

"اگر تم کوئی بات چھپانا ہی چاہتے ہو تو بلاوجہ کریدنے سے کیا فائدہ!" وہ پھیکی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"اب میں تو بستر پر دراز ہو گیا ہوں، تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔"

"مجھے معلوم ہے، تم کل صبح سے غزالہ بھابی کی تلاش کی مہم کا آغاز کردوں گا۔"

اس کی بات سُن کر میں چونک پڑا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں کیا چاہتا ہوں؟"

"بڑی آسان سی بات ہے۔ تم فون پر سلمٰی سے بات کرنے کے بعد اسی لیے اُس کے گھر گئے تھے کہ بھابی کے بارے میں وہ اہم معلومات حاصل کر سکو جو وہ تمہیں فون پر نہیں بتا رہی تھی اور وہیں تمہاری طبیعت کسی وجہ سے بگڑ گئی۔ پاکستان آنے کے بعد تم ہر قیمت پر جلد از جلد غزالہ بھابی سے ملنا چاہتے ہو جس کا کہیں سے کوئی سُراغ نہیں مل رہا۔ اب کسی نہ کسی کو تو اس کا کھوج لگانا ہی ہوگا ورنہ تم یونہی ذہنی اذیت سے دوچار رہو گے۔"

"کیسی ذہنی اذیت؟" اُس نے دوبارہ مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

"اس کا سیاسی جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ جب دو چاہنے والے ایک دوسرے سے دور ہوں تو لازماً دونوں ہی ذہنی اذیت سے دوچار رہتے ہیں۔ مگر میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ بے ہوش ہونے کے بعد تم کئی بار بڑبڑائے تھے۔ پہلی مرتبہ تو میں کچھ نہ سمجھ سکا مگر غور کرنے پر بعد میں تمہارے الفاظ سمجھ میں آ گئے۔ تم یوں تکرار کر رہے تھے کہ 'غزالہ میری محبت سے کبھی بے وفائی نہیں کر سکتی۔ سلمٰی جھوٹی ہے۔' اب تم خود ہی بتاؤ کہ اس کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے؟ میرے پاس سلمٰی کا فون نمبر نہیں تھا ورنہ میں اُس سے ضرور معلوم کرتا کہ اس نے غزالہ بھابی کی کون سی بے وفائی کی کہانی تم کو سُنا کر یوں مفلوج کیا ہے۔"

"اچھا ہوا کہ تمہیں خود ہی معلوم ہو گیا۔" میں نے سادہ لہجے میں کہا۔ "مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں ایسی منحوس بات اپنی زبان سے دہراتا۔ حقیقت جان لینے کے بعد تم یقیناً اس کی تلاش میں کوئی کسر نہیں چھوڑ دو گے۔"

وہ غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن زبان نہیں کھول پا رہا تھا۔

"کہو، کہو! تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟ تم ہی سے تو کھل کر دکھ درد کی بات کی جا سکتی ہے۔"

"آج تمہیں دیکھ کر مجھے عورت کی صحیح قوت کا اندازہ ہوا ہے۔" وہ سر جھٹک کر صدمے کے ساتھ بولا۔ "تم نے نہ کچھ دیکھا ہے نہ بھابی سے ملے ہو۔ لیکن اس کے بارے میں چند الفاظ نے تم جیسے ذہین اور شہ زور آدمی کو بستر پر لٹا دیا۔ اگر کسی کی کوئی محبوب ہستی واقعی بے وفائی کر بیٹھے تو کیا ہو۔ ہر کوئی تو تمہاری طرح مضبوط اور سخت جان نہیں ہوتا۔"

"یہ بڑے نازک معاملات ہوتے ہیں مائی ڈیئر۔" میں نے نقاہت آلود مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ہیرا دنیا کی سخت سے سخت چیز کو کاٹ دیتا ہے مگر پھول کی پتی سے اس کا جگر کٹ سکتا ہے۔۔۔"

"ایسے بہتیرے شعر فرنٹیئر سے آنے والے ٹرکوں کے پیچھے لکھے ہوتے ہیں مگر میں نے کبھی انھیں اہمیت نہیں دی تھی۔" وہ سادگی اور سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "لیکن تمہیں دیکھ کر اندازہ ہو رہا ہے کہ شاعری خلا سے نہیں نازل ہوتی، اسی دنیا کے لوگوں اور مسائل کے بارے میں ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہزاروں لاکھوں لوگ ایسے مسائل سے دوچار ہوئے بغیر ہی زندگی گزار لیتے ہوں۔ شاید میرا شمار بھی ان ہی میں ہوتا ہے۔ اس لیے میں شاعری کو ذہنی عیاشی یا فضول کی شکل یا دل بہلانے کا ذریعہ سمجھتا ہوں اور بس۔"

وہ بہت زیادہ تعلیم یافتہ نہیں تھا لیکن ذہین اور تجربے کار ضرور تھا۔ اُس نے بڑے پتے کی بات کہی تھی کہ ہزاروں لاکھوں انسان اس دور میں دردِ دل سے آشنا ہوئے بغیر اپنی طبعی عمر پوری کر لیتے ہیں۔ وہ عورت کے حوالے سے بات کر رہا تھا لیکن میرا

خیال تھا کہ دردِ دل کے لیے عورت کا موجود ہونا ناگزیر نہیں ہوتا۔ محبت تو کسی سے بھی ہو جاتی ہے یا کی جا سکتی ہے لیکن اس مشینی دور میں یہ دردِ دل عنقا ہی ہوتا جا رہا تھا۔

اس رات کا کھانا بھی ہم نے کمرے میں ہی کھایا پھر میں نے ڈاکٹر کی دی ہوئی گولیاں کھائیں جن میں شاید کوئی خواب آور دوا بھی تھی جس کے زیرِ اثر میں جلد ہی گہری نیند سو گیا۔

صبح ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر سلطان شاہ نے سب سے پہلے اپنے کمرے کی بکنگ کینسل کرائی جسے وہ سرے سے استعمال ہی نہیں کر رہا تھا اور بلاوجہ کرائے کی رقم چڑھ رہی تھی۔ اس فضول خرچی کا ذکر آنے پر میں نے اسے بتایا کہ کراچی میں بس وہی رقم ہماری کل کائنات تھی جو ہم نے گن بوٹ فروخت کر کے حاصل کی تھی ورنہ شی والوں نے شہر میں میرے سارے اثاثے خورد برد کرا کے مجھے قلاش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس معاملے کی تفصیل میری طرح اس کے لیے بھی حیرت ناک ثابت ہوئی تھی۔ میرے منیجر کے بارے میں اس کی رائے بھی وہی تھی جو میری تھی کیونکہ ہم دونوں نے ہی شی کو اور اس کے سفاکانہ طریقِ کار کو قریب سے دیکھا تھا۔ وہ لوگ جب کسی جرم کے ارتکاب کا فیصلہ کر لیتے تھے تو اس کے پیچھے ہر قیمت پر ہر شہادت بھی تلف کرنے کی منصوبہ بندی کر لیتے تھے خواہ اس کی زد میں مرد آتے ہوں یا عورتیں یا شیر خوار ــــ اور میرے منیجر کے معاملے میں تو مرد، عورت اور شیر خوار تینوں شامل تھے اور ان بدنصیبوں کو اس طرح موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا کہ ان کے باقیات کے بارے میں کسی کو کوئی اطلاع نہیں مل سکی تھی۔ حد تو یہ تھی کہ منیجر کے ماتحت خود اسی کو غاصب اور خائن تصور کر رہے تھے۔

پھر میں نے اسے گن بوٹ والی رقم کے بارے میں وہ کہانی سنائی جو میں سلمیٰ کو سنا کر امانت داری پر آمادہ کر چکا تھا اور وہ میرے بروقت فیصلے کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکا۔ پاکستان میں اپنی مالی بربادی کی داستان سن کر میں نے جس مہارت سے اپنے پاس موجود گن بوٹ والی رقم کو اپنے گم گشتہ مفادات سے منسلک کیا تھا وہ ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔ اس سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا تھا کہ میں سلمیٰ کے بہت سے نامعقول اور ناگفتنی سوالات کا شکار ہونے سے بال بال بچ گیا تھا۔

اس تمام بریفنگ کے بعد سلطان شاہ میرے اصرار پر غزالہ کی تلاش کی مہم پر روانہ ہو گیا جو انسانوں کے اس سمندر میں جوئے شیر لانے کے مترادف تھی لیکن میں نے اسے یہ بتا دیا تھا کہ غزالہ کا کوئی بنیادی سراغ شاید اس اسپتال سے مل سکے جہاں اس کا اکلوتا بھائی کامران زیرِ علاج تھا۔ وہاں سے ناکامی کی صورت میں اسے شہر میں گلی گلی گھوم کر ہی غزالہ کا سراغ لگانا پڑتا جو آسان کام ہرگز نہ ہوتا۔

سلطان شاہ کے چلے جانے کے بعد میں انٹرکام کے رحم و کرم پر رہ گیا تھا۔ ڈاکٹر کی ہدایت اپنی جگہ پر تھی لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ بستر چھوڑ کر کہیں باہر جانے کا ارادہ کر سکوں۔ اس لیے میں نے جب پہلی بار روم سروس کے ویٹر کو طلب کیا تو چائے کی ٹرے لانے کے عوض اسے پورے ایک ڈالر کی ٹپ دی تاکہ وہ خصوصی طور پر میری کال پر توجہ دے سکے۔

اپنی ڈیوٹی ختم کرنے تک وہ مجھ سے پانچ ڈالر کما چکا تھا جس کے نتیجے میں اس نے چھٹی کرنے سے قبل اپنی جگہ آنے والے دوسرے ویٹر کو کمرے میں لا کر مجھ سے متعارف کرایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں اخلاق کے بعد یا شاید اخلاق سے بھی زیادہ مؤثر بازر رقم کی ہوتی ہے۔ پیسہ خرچ کر کے دنیا کے ہر گوشے میں ہر آسائش خریدی جا سکتی ہے، بجز خالص محبت کے کیونکہ خالص محبت کا تعلق شفاف جذبوں سے ہوتا ہے جو پیسے کے بل پر خریدی جائے وہ کاروباری محبت ہوتی ہے جو سیج کے پھول مرجھاتے ہی ایک نئے سودے کی متقاضی ہوتی ہے۔

سلطان شاہ نو بجے کے قریب کسی تھکے ہارے کولہو کے بیل کی طرح واپس آیا تو اس کے چہرے پر اداسی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

غزالہ کا بھائی کامران پوری طرح صحت یاب ہو کر کئی ہفتے قبل اسپتال سے رخصت ہو چکا تھا۔ میرے چلے جانے کے بعد اس کے علاج کے اخراجات کسی گمنام محسن نے ادا کیے تھے اس لیے اسپتال والے کچھ نہ بتا سکے کہ کامران رخصت ہو کر کہاں گیا ہوگا کیونکہ اس کے ملاقاتیوں کی فہرست میں بھی کوئی نام نہیں تھا جو اس بارے میں مددگار ثابت ہوتا۔

وہاں سے ناکام ہونے کے بعد سلطان شاہ نے اس مکان کا رخ کیا جہاں کرنل زوار زیدی نے اپنے مختصر سے کنبے کے ساتھ اپنے آخری ایام بسر کیے تھے لیکن وہ کرائے کا مکان تھا اس لیے وہاں سے کوئی کارآمد بات معلوم نہ ہو سکی۔ غزالہ کے گھر میں خاصا مال و اسباب بھرا ہوا تھا۔ اس میں نقدی اور زیور بھی ضرور رہا ہوگا لیکن مالک مکان کو شکایت تھی کہ مرنے والے جوڑے کی تجہیز و تکفین کے اخراجات بھی اسے پیشگی جمع کیے ہوئے اس کرائے میں سے ادا کرنے پڑے جو سالانہ معاہدے کی بقیہ مدت میں خود بخود اس کا حق بن جاتا۔ اموات مشتبہ تھیں اس لیے پولیس نے گھر کے سارے مال و اسباب کو لاوارث

قرار دیتے ہوئے اپنی تحویل میں لیتے ہوئے مکان کو سیل کر دیا تھا جو رشوت کی ادائیگی اور سفارشوں کے نتیجے میں دو ماہ بعد ٹوٹ سکی تھی۔

مالک مکان نے دو ٹوک انداز میں سلطان شاہ سے کہا تھا کہ مشتبہ انداز میں مرنے والے لوگوں کو کم از کم یہ احتیاط ضرور کرنی چاہیے کہ مرتے وقت وہ کرائے کے مکان کے بجائے کسی ذاتی جاگیر یا سرکاری سڑک پہ ہوں تاکہ اُن کی مشتبہ موت کی صورت میں غیر متعلقہ فریقوں کو ذہنی کوفت، وقت کے ضیاع اور مالی نقصان سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ اپنے دلائل سے وہ استاد بھی معلوم ہوتا تھا کہ سلطان شاہ اپنی شدید خواہش کے باوجود اُسے یہ نہ بتا سکا کہ مرنے والوں کو نہ اپنی موت کے وقت کا پیشگی علم ہوتا ہے نہ طریقے کا ــــ زوار زیدی نے اگر خودکشی کی تھی تو وہ اس کی بیوی کی موت کا ایک جذباتی اور اضطراری ردِعمل تھا جس میں اُس کی کسی منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں تھا۔

سلطان شاہ کی پہلے دن کی وہ رپورٹ بہت حوصلہ شکن تھی۔ ہم دونوں ہی اس بارے میں مایوسانہ انداز میں تبادلۂ خیال کرتے ہوئے کھانا کھا رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی اور آپریٹر کی آواز کے بعد ہی جہانگیر کی پُرجوش آواز سنائی دی۔

”ہیلو پیٹر! تم زندہ تو ہونا؟“ اُس نے خوش دلی کے ساتھ پوچھا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سلمیٰ نے میرے نام کے بارے میں اُسے ایک اہم احتیاط سے پوری طرح آگاہ کر دیا تھا۔

”زندہ ہوں مگر تمھاری بیوی نے مجھے مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ۔ ۔“ میں نے کہنا چاہا لیکن اُس نے تیز لہجے میں فوراً ہی میری بات کاٹ دی۔

”وہ سب مجھے معلوم ہے۔ سلمیٰ بتا چکی ہے کہ اس کا انکشاف سنتے ہی تم مجنوں کی طرح ہائے لیلیٰ کہہ کر فرش پر ڈھیر ہو گئے تھے۔ لیکن گھر ہوتے ہوئے تم ہوٹل میں کیوں جھک مار رہے ہو؟“

”میں اکیلا نہیں ہوں، میرا ایک دوست بھی میرے ساتھ ہے۔“ میں نے وضاحت کی۔

”بکومت!“ اُس کی پُرجوش غرّاہٹ سنائی دی۔ ”سلمیٰ مجھے بتا چکی ہے کہ وہ تمھارا نوکر ہے۔ عزرا کے بعد اگر اس سے دل لگا بیٹھے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں، اُسے بھی اپنی خواب گاہ میں رکھ لینا۔ تم تیار رہو، بس میں فوراً گھر سے نکل رہا ہوں۔“ اپنی بات پوری کر کے اُس نے یکلخت فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

”سوٹ کیس پیک کرو، جہانگیر ہمیں لینے کے لیے آرہا ہے۔“ میں نے ریسیور رکھ کر شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

”مجھے یہیں رہنے دو تو بہتر ہوگا۔ میرے بارے میں اُس کی بیوی کے تیور اچھے نہیں تھے۔ پتا نہیں کیوں ہر خوش شکل اور جوان عورت تم سے ملتے ہی میری طرف سے حسد کا شکار ہو جاتی ہے۔“

”تمھیں سلمیٰ کو برداشت کرنا ہوگا۔“ میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ”میں اکیلا وہاں منتقل ہوا تو میری بیماری کے بہانے وہ مجھ پر حاوی ہوتی چلی جائے گی۔ جہانگیر تو شاید دن بھر اپنی فیکٹری کے چکر میں لگا رہتا ہوگا۔“

ہمارا نہ کوئی سامان تھا نہ اثاثہ۔ اٹلی سے ایک عدد سوٹ کیس بھی صرف اس لیے خرید لیا تھا کہ اس میں رقم والا بیگ مقفل کیا جا سکے اس لیے سلطان شاہ نے چند ہی منٹ میں روانگی کی تیاری مکمل کر لی۔ ”میں تیار ہوں۔“ اُس نے اعلان کیا۔

”پورٹر کو بُلا لو۔ کمرے کے بجائے نیچے ہی اُس کا انتظار کر لیں گے۔ اس دوران میں ہوٹل کا حساب بھی بے باک ہو جائے گا۔“

”پورٹر کی کیا ضرورت ہے، لفٹ تک تو میں خود یہ سوٹ کیس اُٹھا لوں گا۔ اس میں رکھا ہی کیا ہے؟“ اُس نے اکلوتا سوٹ کیس اٹھایا اور میں نے بستر چھوڑ دیا۔

ہوٹل کے کاؤنٹر پر ایک اور مسافر کے ساتھ اپنا حساب بے باق کرتے ہوئے مجھے دکھ ہوا کہ میں کیوں نہ ایسی کسی کمپنی کے حوالے سے ہوٹل میں ٹھہرا جس کے سال میں چار چھ مہمان آتے ہوں۔ اپنا سب کچھ سٹی کے ہاتھوں گنوا دینے کے بعد میرا وہ خیال بالکل فطری تھا کیونکہ ہم سے آگے والے مہمان کو محض اسی بنا پر کرائے میں ایک خطیر رعایت دی جا رہی تھی۔

حساب کتاب سے فارغ ہو کر ہم دونوں لابی میں صوفوں پر آبیٹھے اور سلطان شاہ نے خالص انتظار کی کوفت میں کمی کی نیت سے قریبی بار سے چائے منگوالی تاکہ ہم جہانگیر کی آمد تک خود کو مصروف رکھ سکیں۔

جس وقت ویٹر چائے کی ٹرے ہمارے سامنے میز پر رکھ رہا تھا، میں اچانک مضطرب ہو گیا کیوں کہ ہوٹل کے عقب میں پیٹرول پمپ کی سمت سے آنے والی راہداری میں عزرا نظر آگئی تھی جو نہایت متانت اور وقار کے ساتھ نظریں جھکائے سیدھی بڑھی جا رہی تھی۔ اُس کا ایک ایک نقش میرا شناسا تھا لیکن سلمیٰ کے بیان کے عین مطابق اُس کے بال ترشے ہوئے تھے۔ ہلکے پھلکے سراپا پر موہوم سی فربہی آگئی تھی اور رنگ و روپ میں سُرخی ہر رنگ پر حاوی تھی۔ قمیض شلوار اور دوپٹے میں ملبوس وہ کوئی سفید فام خاتون نظر آرہی تھی جس نے محض شوق کی بنا پر مقامی لباس زیب تن کر لیا ہو۔

سلطان شاہ سارا دن برباد کر کے جس کا سراغ نہیں لگا سکا تھا وہ اچانک ہی خود بخود میرے سامنے آگئی تھی۔ میں نے

اضطراری طور پر اپنی نشست چھوڑ دی لیکن شاید سلطان شاہ
بھی اُسے دیکھ اور پہچان چکا تھا اسی لیے اُس نے مضبوطی سے
میرا بازو تھام لیا۔ "سکون سے اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ میں نے بھی اُسے
دیکھ لیا ہے۔ اس کے پیچھے جا کر تم مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہیں
کر سکو گے۔"

"کیوں حاصل نہ ہوگا؟" میں نے اُسے گھورتے ہوئے
ترش لہجے میں سوال کیا۔

"میں اس کا سراغ لگا چکا تھا۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں
بولا۔ "مجھے اگر معلوم ہوتا کہ وہ یوں اچانک تمہارے سامنے آجائے
گی تو تمہارے سامنے ہرگز جھوٹ نہ بولتا۔ سلمیٰ کے اندیشے درست
تھے۔ اب وہ مسز دلدار کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔"

"تم بکواس کر رہے ہو۔" میں اضطراری طور پر غرّا کر بولا
اور پھر اُس کا ہاتھ جھٹک کر غزالہ کے پیچھے ہو لیا جو اس وقت
تک میرے سامنے سے گزر کر استقبالیہ کاؤنٹر تک پہنچ چکی تھی۔

وہ کاؤنٹر سے آگے نکل کر داہنی طرف ہوٹل ڈیمی ٹاسی کی
طرف مڑی تو میں چند قدم کے محفوظ فاصلے سے اُس کے
تعاقب میں تھا۔

میرے لیے وہ لمحات بہت سنسنی خیز اور صبر آزما تھے۔
میری متاعِ حیات میرے وجود سے بے خبر مجھ سے چند قدم آگے
چلی جارہی تھی مگر سلمیٰ اور سلطان شاہ نے اُسے میرے لیے
شجرِ ممنوعہ بنا دیا تھا۔ وہ میری تھی مگر میں اپنائیت کے ساتھ
اُس کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے ڈر رہا تھا کہ کہیں کسی گوشے
سے اُس کا اصل دعویدار میرے مقابل نہ آجائے۔

وہ چائے خانے سے گزر کر اندر ریستوران میں ایک
ایسی میز کی طرف بڑھ گئی جہاں ایک زرد رو جوڑے نے اپنی
کرسیوں سے کھڑے ہو کر اُس کا استقبال کیا۔ اس کی نشست دیکھ
لینے کے بعد میں وہیں سے اُلٹے پاؤں مڑا تو مجھے اپنے سے
چند قدم پیچھے سلطان شاہ نظر آیا۔ میری قہر بار نگاہوں کا سامنا
کرتے ہی وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بول پڑا۔ "میں احتیاطاً
تمہارے پیچھے آیا تھا کہ کہیں راستے میں تمہاری طبیعت پھر نہ
بگڑ جائے۔ میں تمہارا تعاقب نہیں کر رہا تھا۔"

"تم دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے۔" میں اُس کے قریب
پہنچ کر اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا۔ "تم جھوٹے ہو۔ واپس آنے کے
بعد کس قدر معصومیت سے اپنی ناکامی کی داستان سُنا رہے تھے
اور اُسے دیکھتے ہی تمہاری زبان چل پڑی۔"

"اس میں میری کسی بدنیتی کا دخل نہیں تھا۔" اُس نے
سر جھکا کر میرے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پُرتاسف لہجے میں کہا۔
"مجھے معلوم تھا کہ میری دریافت کی ہوئی باتیں سن کر تمہیں شدید ذہنی
صدمہ پہنچے گا اس لیے میں نے تمہاری طبیعت سنبھلنے تک اپنی
زبان بند رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ کامران کے اسپتال سے مجھے اُس
کا پتا تو نہیں مل سکا تھا لیکن ایک فون نمبر مل گیا تھا۔ میں نے وہ
نمبر ملایا تو دوسری طرف سے غزالہ نے ہی ریسیور اٹھایا تھا۔ اس
کے بعد میرا کام آسان ہو گیا اور میں نے سب کچھ معلوم کر لیا۔"

غزالہ پرائی ہو چکی تھی اس لیے سلطان شاہ نے اس وقت
پہلی بار اُس کے لیے بھابی کا خطاب استعمال نہیں کیا تھا میرے
لیے وہ تصور ہی درد انگیز تھا۔ اس خیال سے میرا دل بیٹھا جا
رہا تھا اور سلطان شاہ پر جھنجلاہٹ بڑھتی جارہی تھی۔

نہ جانے دلدار کون تھا جس سے غزالہ نے اپنی شادی رچائی
تھی! وہ کن حالات میں اس فیصلے پر مجبور ہوئی تھی؟ یہ سب ایسے
سوالات تھے جن کے جواب غزالہ ہی دے سکتی تھی اور اس کے
ردِعمل سے قطع نظر میرا اس سے ملنا ضروری ہو چکا تھا لیکن اُس
وقت وہ ہوٹل میں اپنے دو غیر ملکی مہمانوں سے ملنے کے لیے آئی
ہوئی تھی۔ اس لیے یوں سرِ راہ اس سے ٹکرانا مناسب نہیں تھا لیکن
میں پہلی فرصت میں جلد از جلد اس سے ملاقات کا مصمم ارادہ کر چکا
تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت غزالہ مجھے تنہا ہی نظر آئی تھی۔ اگر
اس کا شوہر بھی ساتھ ہوتا تو میں رقابت سے مغلوب ہو کر نتائج
کی پروا کیے بغیر اس سے بھڑ سکتا تھا۔ پھر وہیں سے میرا ذہن دوسری
راہ پر بھٹک گیا۔

غزالہ کی شادی زیادہ پرانی بات نہیں تھی لیکن وہ جاپانی نژاد
جوڑے سے ہوٹل میں ملاقات کرنے کے لیے اکیلی ہی آئی تھی۔
اگر وہ کوئی نجی ملاقات تھی تو وہ اس جوڑے کو اپنے گھر لے
جا سکتی تھی اور اگر کاروباری معاملہ تھا تو دلدار کا ساتھ
آنا لازمی تھا۔ میرے لیے اس ملاقات میں کوئی ایسی بات ضرور تھی
جو اچانک ہی ذہن میں چبھنے لگی تھی۔

ہم دونوں لابی میں واپس آئے تو سلطان شاہ پھر بولنے لگا۔
"غزالہ ڈیفنس میں ایک بڑے اور خوب صورت مکان میں رہ رہی
ہے اس کا بھائی کامران بھی اسی کے ساتھ رہتا ہے۔"

"دلدار کرتا کیا ہے؟" میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"دوائیں بنانے کے ایک کارخانے کا مالک ہے۔ رہن سہن
سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اپنے کاروبار سے بہت معقول
آمدنی ہوتی ہے۔ اسے میں نے دور ہی سے دیکھا تھا۔"

اُسی وقت جہانگیر داخلی دروازے سے ہوٹل کی لابی میں
داخل ہوا اور مجھے دیکھتے ہی تیر کی طرح میری طرف آیا۔ میں صوفے
سے اٹھا تو اس نے والہانہ گرم جوشی کے ساتھ مجھے اپنے
گلے لگا لیا۔

لابی میں اور لوگ بھی موجود تھے اس لیے وہاں زیادہ بات کرنے کا موقع نہیں تھا لہٰذا ہم تینوں فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔ گاڑی جہانگیر خود چلا رہا تھا۔۔۔۔۔ میں نے اُس کے برابر والی نشست سنبھال لی۔ سلطان شاہ عقبی سیٹ پر بیٹھ گیا اور گاڑی ہوٹل سے روانہ ہو گئی۔

"مدتوں کے بعد تم سے ملاقات ہوئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ بات کہاں سے شروع کی جائے۔" اس نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے خوشی سے مغلوب لہجے میں کہا۔ "تمہارے چلے جانے کے بعد میں تو کسی سے دل کی بات کرنے کو بھی ترس گیا تھا۔"

"سلطان شاہ کے سامنے تم ہر موضوع پر کھل کر بات کر سکتے ہو۔ شی سے عزالہ تک، ہر معاملے میں یہ میرا رازدار رہا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ اس طرح میں نے سلطان شاہ کی موجودگی کے بارے میں اس کی جھجک بھی دور کرنے کی کوشش کی تھی۔

"شی! یہ کیا بلا ہے؟" اُس کے لہجے سے حیرت جھانک رہی تھی۔

"اوہ! میں بھول گیا تھا کہ اب میں پاکستان میں واپس آچکا ہوں۔ ہم جس تنظیم کے لیے یہاں کام کرتے تھے وہ یورپ اور باقی دنیا میں شی کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ یہاں رہتے ہوئے تو میں ان لوگوں کی قوت اور اختیارات کا صحیح تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

"مجھے حیرت ہے کہ ان کے ساتھ کھل کر محاذ آرائی کرنے کے باوجود تم زندہ سلامت لوٹ آئے ہو۔ یہی نہیں بلکہ سلمٰی کی زبانی مجھے یہ سن کر بھی خوشی ہوئی کہ فیکٹری اور مکان کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم بھی تم نے ہوشیاری سے باہر منگوا لی تھی۔" جہانگیر حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

"وہ رقم تو بالکل ڈوب ہی گئی۔ مجھے کچھ پتا نہیں کہ منیجر پر کیا گزری اور رقم کہاں گئی۔ وہ کہانی میں نے سلمٰی کو اس لیے سنائی تھی کہ وہ میرے پاس موجود رقم کے بارے میں شبہے کا شکار نہ ہو جائے۔ ویسے اب وہ بھی کچھ سمجھنے لگی ہے۔" اتنا کہہ کر میں نے اختصار کے ساتھ اسے گن بوٹ کی فروخت کا واقعہ سنا ڈالا جو وہ حیرت سے منہ کھولے سنتا رہا۔

"پھر تو یہ سودا برا نہیں رہا۔" پوری کہانی سن کر وہ بولا۔

"ادھر وہ تمہارے اثاثے لوٹنے کی تیاری کر رہے تھے اور اُدھر تم گن بوٹ کا سودا کر رہے تھے۔ اس معاملے میں بس تمہارا منیجر اپنے بیوی بچوں سمیت بُری طرح روندا گیا۔ ویسے تمہارے جانے کے چند ہی ہفتوں بعد یہاں سناٹا ہو گیا تھا۔ کم از کم پاکستان میں تنظیم کے پاؤں اتنی بُری طرح اُکھڑے ہیں کہ اب اس کا شاید وجود ہی ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ مدتوں سے مجھے بھی کوئی ہدایت نہیں ملی۔ دوسرے لوگ بھی رفتہ رفتہ نئے دھندوں میں لگ گئے ہیں۔ اس طرف سے سکون ہونے کے بعد ہی میں نے کورنگی میں ایک گارمنٹ فیکٹری کا سودا کیا تھا جو خاصا منافع دے رہی ہے۔ چاہو گے تو اسی کاروبار میں تمھیں بھی شریک کر لوں گا۔"

"تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ یہاں تنظیم بالکل مٹ چکی ہے تو پھر وہ کون لوگ تھے جنھوں نے میرے منیجر پر ہاتھ ڈالا تھا؟"

"وہ سب ابتدائی دنوں میں ہو گیا تھا۔ مجھے خبریں ملتی رہی تھیں کہ کچھ جانے پہچانے لوگ تمہارے منیجر کے پیچھے لگ گئے تھے لیکن انھیں میرے ذریعے احکام نہیں ملتے تھے۔ میں نے اُڑتی اُڑتی سی خبر سنی تھی کہ ڈی ڈی نامی کوئی شخص خاص طور پر تمھاری بیخ کنی پر مامور کیا گیا تھا۔ سارا چکر اُسی کا چلایا ہوا تھا۔ پھر سرحدی علاقوں سے آنے والوں سے بھی ڈی ڈی کا نام سنا جو اُن تمام ٹھکانوں سے ہیروئن خرید رہا تھا جہاں تنظیم کے روابط تھے۔ بعد میں میں نے ایسی خبروں میں دلچسپی لینا چھوڑ دی اور زیر زمین دنیا کے رابطوں سے بھی کنارہ کش ہوتا چلا گیا۔"

"پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ پاکستان میں تنظیم ختم ہو چکی ہے؟"

"میری مراد یہ تھی کہ نچلی سطح کا سارا کاروبار ترک کر دیا گیا ہے۔ وہ دھندا چھوٹے موٹے مقامی بدمعاشوں نے سنبھال لیا ہے اور تنظیم کی دلچسپی صرف ہیروئن کی برآمد تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ ہو سکتا ہے ڈی ڈی دو چار افراد کے ساتھ مل کر خاموشی کے ساتھ یہ لائن چلا رہا ہو۔ حد تو یہ ہے کہ تباہی کے بعد ایک ایک کر کے سارے ٹھکانے بھی بیچ دیے گئے تھے۔"

"یہ ڈی ڈی کیا بلا ہے؟" میں نے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔

"اُس سے میرا کبھی واسطہ نہیں پڑا۔ بس پرانے لوگوں کی زبان سے اُس کا ذکر ہی سنتا رہتا تھا۔ اس کا بھی یہی طریق کار ہے کہ خود کسی کے سامنے نہیں آیا اور نہ اُس نے تنخواہ دار رکھے ہوئے ہیں۔ معاوضہ ادا کر کے کسی سے بھی کوئی کام لے لیتا ہے۔ تمہارے منیجر کے لیے اُس نے تنظیم کے چار پرانے آدمیوں کو بیس بیس ہزار روپے دے کر صرف اتنا کام سونپا تھا کہ مسلسل دو ہفتوں تک ہر دوسرے تیسرے دن اُسے اٹھا کر بری طرح اُس کی ٹھکائی کریں اور اُسے ختم کیے بغیر زخمی حالت میں شہر میں کہیں بھی ڈال دیں۔ اس عجیب کام پر وہ چاروں چکرا کر رہ گئے۔ انھوں نے

اس معاملے میں اپنے باس سے مشورہ کیا اور یوں درجہ بدرجہ بات میرے علم میں آگئی لیکن میں ان میں سے کسی کو نہ روک سکا کیونکہ ڈی ڈی کام ہو جانے پر معاوضے کے وعدے کے ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دے ڈالتا ہے کہ اُس کے احکام سے روگردانی کرنے والوں کے سنگین جرائم کے سارے ثبوت پولیس کو فراہم کر دیے جائیں گے۔ یہ سب مہینوں پرانی باتیں ہیں، آج کل پتا نہیں شہر میں کیا ہو رہا ہے۔"

"اور عزالہ کے بارے میں کیا معلوم ہے تمھیں؟" میں نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔

"جو کچھ سلمیٰ تمھیں بتا چکی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم۔ باہر سے تمھارا فون آنے سے پہلے وہ ایک دن بڑے خراب تیوروں کے ساتھ اچانک ہی میرے پاس آ پہنچی تھی۔ اُس وقت اُسے بڑی شدت سے تمھاری تلاش تھی، اس کے کئی دن بعد سلمیٰ نے اُسے صدر میں کسی کے ساتھ دیکھا تھا۔ اب یہ معلوم نہیں کہ وہ تم سے بے وفائی کرکے اُس سے پینگیں بڑھا رہی ہے یا اس سے شادی کر چکی ہے؟"

"شادی کا خیال کیسے آگیا تم کو؟" میں نے چونک کر دریافت کیا۔ "یہ شبہ تو سلمیٰ نے بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔"

"اِس سے قطع نظر کہ تم سے اُس کے کیسے مراسم تھے، میرا خیال ہے کہ وہ صاف ستھرے خیالات کی مالک تھی۔ شاید اُس نے بھاگ دوڑ اور بے یقینی سے اُکتا کر اپنا گھر بسانے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ یہ صرف میری رائے ہے۔ میں اس کا دفاع نہیں کر رہا۔ ویسے بھی انسان کو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ذرا دیر نہیں لگتی۔"

میں خاموش ہی رہا۔ جہانگیر نے اندازہ کر لیا کہ اُس نے عزالہ کے بارے میں تبصرہ کرنے میں بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا اس لیے چند ثانیوں کے بعد اُس نے خود ہی خوش دلی سے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ اتنے عرصے تک کہاں کہاں عیش کرتے رہے؟"

"یہاں رہتے ہوئے مغرب کی زندگی بہت پُرکشش نظر آتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہاں دن رات عیش و عشرت کی محفلیں گرم ہوتی ہوں گی۔ آدمی ہفتے عشرے کی سیاحت کے لیے جائے تو واقعی یہ تمام رنگینیاں دعوت دیتی نظر آتی ہیں لیکن قیام کی مدت طویل ہو جائے تو ان آزادیوں کی ساری کشش ماند پڑ جاتی ہے اور کسی نہ کسی مرحلے پر انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا ہمیں حیوانوں کی طرح بے لگام زندگی گزارنے کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے۔۔۔؟"

"خوب!" اُس نے میری بات کاٹ کر قہقہہ لگایا۔ "یہاں رند بنے ہوئے تھے۔ مے خانے میں غسل کی آزادی ملی تو پارسائی کی لہر نے مغلوب کر لیا۔۔ شاید یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ صرف پابندیوں کو پامال کرکے ہی لطف اندوز ہوتا ہے!"

"میں واقعی اُکتا گیا تھا۔ دل یہی چاہتا تھا کہ رسیاں تڑا کر کسی طرح پاکستان واپس بھاگ نکلوں لیکن واقعات کا تسلسل یکے بعد دیگرے میرے قدموں کی زنجیر بنتا رہا ورنہ میں بہت پہلے واپس آگیا ہوتا۔"

"اور یہ پیٹر واک کیوں بنے ہوئے ہو؟" اُس نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"جس نام کی سفری دستاویزات مل گئیں، وہی بننا پڑ گیا۔ سلطان شاہ بھی پاکستان میں داخل ہونے تک را مانند بنا ہوا تھا۔ دراصل مجھے یہاں کے حالات کا کچھ اندازہ نہیں تھا، اس لیے میں نے اپنا نیا نام برقرار رکھا۔ اب تم نے ڈی ڈی کا قصہ سنایا ہے تو مجھے اس کو بھی دیکھنا ہوگا۔ شی والوں نے یورپ میں میرے ہاتھوں اتنے نقصانات اٹھائے ہیں کہ وہ کسی قیمت پر بھی مجھے معاف نہیں کر سکتے۔ وہ مجھے اب بھی اٹلی میں تلاش کر رہے ہوں گے۔ انھیں بھنک بھی مل گئی تو وہ یہاں دھاوا بول دیں گے۔" میں نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ڈی ڈی کی بات پرانی ہو گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اب وہ سرگرم نہ رہا ہو مگر احتیاط مناسب ہے تم نے اتنے مصائب جھیلے ہیں تو اب بے پروائی سے کام نہیں لینا چاہیے۔" جہانگیر محتاط انداز میں بولا۔

"ڈی ڈی کسی کے نام کا مخفف بھی تو ہو سکتا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے اُسے قیاس آرائی کا موقع فراہم کیا۔

"بالکل ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اے ٹو، ڈی ڈن اور ڈی ٹو کی طرح یہ بھی محض ایک کوڈ ہو۔"

"دلدار کے بارے میں کیا خیال ہے تمھارا؟ ڈی ڈی اس کا مخفف بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"ویسے تو یہ ایک ہی لفظ ہے لیکن الگ الگ کر لو تو ڈی ڈی سے دل دار بھی بن سکتا ہے۔ کیا اس نام کا کوئی آدمی تمھاری نگاہ میں آگیا ہے جو ان خطوط پر سوچ رہے ہو؟"

"ابھی تو کوئی بھی نگاہ میں نہیں ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ایک دو روز میں کوئی صورت واضح ہو سکے۔"

باتوں ہی باتوں میں جہانگیر کا گھر آگیا۔ گاڑی اندر داخل ہوئی تو سلمیٰ انجن کا شور سن کر برآمدے میں آگئی۔ اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔ "میرے کہنے سے

نہیں رُک سکے تھے لیکن اب آنا ہی پڑ گیا۔" اُس نے میرے اُترتے ہی تبصرہ کیا۔ سلطان شاہ کار سے اُتر کر سر جھکائے ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔

"تم وہاں کیوں رُک گئے؟ تم بھی اندر آؤ نا!" جہانگیر نے اُسے الگ تھلگ دیکھ کر کہا اور پھر ہم چاروں ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔

"فی الحال مَیں بھی سفر سے تازہ تازہ لوٹا ہوں، تمھاری طبیعت بھی ناساز ہے اس لیے آج رات آرام ہی کیا جائے تو مناسب ہوگا۔ کل کسی وقت بیٹھک جمائیں گے۔" ڈرائنگ روم میں چند منٹ بیٹھنے کے بعد جہانگیر نے میرے دل کی بات کہہ دی اور دونوں میاں بیوی ہمیں خوابگاہ کی طرف لے گئے۔ ہمارا ہلکا پھلکا سوٹ کیس دربان اندر لے آیا تھا۔

میدان صاف ہو گیا۔ مَیں یوں تو سلطان شاہ سے بھی بے تکلف تھا اور جہانگیر سے بھی لیکن ان دونوں کے بارے میں کچھ ایسے حجاب بھی تھے جو ایک دوسرے کے سامنے ختم نہیں کیے جا سکتے تھے۔ جہانگیر میرا گہرا جگری دوست تھا لیکن دوستی کے ناتے سے اُس کے سامنے اپنی مردانگی کا بھرم قائم رکھنا بھی لازمی تھا۔ اس لیے غزالہ کے بارے میں بہتیری باتیں ایسی تھیں جو مَیں سلطان شاہ سے تو کر سکتا تھا لیکن جہانگیر کے سامنے انھیں زبان پر لانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"تم خبر تو لے آئے ہو، لیکن یہ اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ مجھ سے مُنہ پھیر کر کسی اور سے شادی پر کیوں مائل ہوئی؟" تخلیہ ہو جانے پر مَیں نے رازدارانہ لہجے میں سلطان شاہ سے سوال کیا۔

"اصل جواب تو وہ خود ہی دے سکے گی مگر قیاس یہ کہتا ہے کہ اس نے جو کچھ کیا، انتہائی مجبوری کے عالم میں کیا ہوگا۔ وہ لاکھ دلیر اور باحوصلہ سہی، لیکن کہیں نہ کہیں تو اس کی ہمت جواب دے ہی گئی ہوگی۔"

"اور دلدار والے نظریے کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟" مَیں نے دریافت کیا۔

"حقیقت تو یہ ہے کہ جو کچھ تم نے کہا، وہی مَیں بھی سوچ رہا تھا۔ دلدار کو تمھاری بیخ کنی پر مامور کیا گیا تھا اور وہ ہر طرف سے تمھیں گھیر کر زک پہنچانا چاہتا تھا۔ اس نے ڈی ڈی کے روپ میں تمھاری فیکٹری اور مکان کا تیا پانچا کیا پھر جوں ہی اسے تمھاری محبوبہ، غزالہ کی آمد کی اطلاع ملی، اس نے ایسے بھیانک اور روح فرسا حالات پیدا کیے ہوں گے کہ غزالہ کو اس کی ذات میں پناہ لینے میں عافیت نظر آئی ہوگی۔ وہ تمھیں ہر اعتبار سے تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے اور ابھی تک اپنے مشن میں کامیاب جا رہا ہے۔"

"پھر اس کا توڑ کیا ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟" مَیں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔ اس وقت میں خود کو حالات کے مقابلے میں کسی ننھے سے بچے کی طرح بے بس اور لاچار محسوس کر رہا تھا۔ کُھل کر سامنے آ سکتا تھا اور نہ ہی چُھپا رہ سکتا تھا۔ سامنے آتا تو ڈی ڈی اپنی پوری قوت کے ساتھ مجھے کچل ڈالنے پر تُل جاتا اور چھپا رہتا تو غزالہ کو کبھی بھی حقائق کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔

"تمھیں سب سے پہلے فون پر غزالہ سے بات کرنا چاہیے۔ اور اگر وہ آمادہ ہو تو اس سے تنہائی میں ملنا چاہیے۔ تاکہ تمھیں اندر کے معاملات کا علم ہو سکے۔ اس کے بعد ہی تم کوئی حکمتِ عملی مرتب کرنے کے قابل ہو سکو گے۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ دلدار اور ڈی ڈی کے بارے میں میرا سوچا ہوا مفروضہ سراسر بے بنیاد ہو۔۔۔!"

"بات خود بخود صاف ہو جائے گی۔" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ "غزالہ سے تمھاری گفتگو بہت ضروری ہو گئی ہے۔ خوابگاہ میں فون موجود ہے۔ میرے پاس نمبر بھی ہے۔ چاہو تو ابھی بات کر سکتے ہو۔"

"اس وقت؟" مَیں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "رات کے بارہ بج رہے ہیں۔ دلدار گھر پر موجود ہوا تو میری کال سے شبہے میں پڑ جائے گا۔ اس وقت فون کرنا مناسب نہیں ہے۔"

"میرے خیال میں یہی وقت سب سے زیادہ مناسب ہے۔" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔ "دلدار موجود ہو تو کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دینا۔ غزالہ ریسیور اٹھائے تو گفتگو کر لینا۔ پہلا امتحان تو یہی ہے کہ دلدار شریف آدمی ہے تو اسے اس وقت اپنے گھر پر اپنی نئی نویلی بیوی کے پاس موجود ہونا چاہیے۔ بصورتِ دیگر غزالہ اس وقت گھر پر اکیلی ہوگی۔"

میری قوتِ فیصلہ کمزور ہو گئی تھی لیکن مَیں نے سوچے سمجھے بغیر سلطان شاہ کا مشورہ قبول نہیں کیا۔ ہر پہلو سے غور کرنے کے بعد جب مَیں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ فون کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے تو مَیں نے سلطان شاہ سے دلدار اور غزالہ کے مکان کا فون نمبر لے کر رابطہ قائم کرنے کی کوششوں کا آغاز کر دیا۔

وہ یورپ کا کوئی شہر نہیں، بلکہ کراچی تھا۔ اس لیے مَیں پے درپے کئی کوششوں کے لیے تیار تھا۔ لیکن مجھے اس وقت تحیرآمیز خوشی کا سامنا کرنا پڑا جب پہلی ہی کوشش میں دوسرے سرے سے گھنٹی کی آواز سنائی دینے لگی۔

ایک طویل وقفے کے بعد غزالہ سے براہِ راست رابطے کی

وہ میری پہلی کوشش تھی۔ اس لیے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ ٹیلی فون کے بزر کی آواز اس وقت میرے لیے ایک سنسنی خیز پہیلی بن کر رہ گئی تھی۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ آخر کار دوسری طرف سے دلدار بولتا ہے یا غزالہ ریسیور اٹھاتی ہے لیکن میں انتظار کرتا رہا اور پھر دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا۔

سکوت کے چند ثانیے میرے لیے اضطراب انگیز ثابت ہوئے۔ ریسیور اٹھانے والے نے فوری طور پر بولنے کے بجائے میری طرف سے آغازِ کلام کا انتظار کیا لیکن میں سانس روکے، ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا۔ اور پھر میرے کانوں میں ایک شناسا نسوانی آواز ترنم کا رس گھول گئی۔ غزالہ نے فون پر صرف ہیلو کہا تھا اور وہی ایک لفظ میرے لیے بہت کافی ثابت ہوا تھا کیونکہ میں اس کے جواب میں فون بند کرنے کے بجائے سلسلۂ کلام جاری رکھ سکتا تھا۔

"دلدار صاحب موجود ہیں؟" میں نے حتی الامکان اپنی آواز کو نارمل رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"باہر گئے ہوئے ہیں۔ آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟" اس کے لہجے میں تذبذب تھا جیسے وہ ذہن پر زور دے کر میری آواز پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ جب میں اس کی آواز پہچان سکتا تھا تو میری آواز اس کے لیے اجنبی نہیں ہو سکتی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ مجھے معلوم تھا کہ دوسری طرف وہی موجود تھی جب کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ کال میری رہی ہو گی۔

"ڈینی!" میں نے سرد، سپاٹ اور دھیمی آواز میں کہا۔

"ڈینی!" اس کے وجود کی گہرائیوں سے اٹھنے والی کربناک چیخ ریسیور میں گونجی۔ میرا نام سنتے ہی وہ اضطراری طور پر تڑپ اٹھی تھی۔ اس کا وہ پہلا ردِعمل میری سلگتی ہوئی رگوں میں ٹھنڈک اور حلاوت بن کر اتر گیا۔ وہ جہاں بھی اور جس حال میں تھی اس کے دل کی بے اختیار گہرائیوں میں بہر حال میرا نام باقی تھا جسے دلدار کی دلداری بھی کھرچ کر نہ پھینک سکی تھی۔

غزالہ کی اس اضطراری چیخ کے بعد گویا چند لمحوں کے لیے کائنات اپنی جگہ تھم گئی۔ لائن پر مرگ آسا سکوت چھا گیا پھر وہ بولی تو اس کی آواز سرد اور جذبات سے عاری تھی جیسے ان چند ثانیوں میں اس کی ذات اور احساسات بالکل ہی بدل کر رہ گئے ہوں۔ "تم کہاں سے بول رہے ہو؟ میرا پتا تمھیں کس نے دیا؟"

"میں اسی شہر میں موجود ہوں۔ طلب صادق ہو تو کسی کا بھی کھوج لگانا دشوار نہیں رہتا۔ یہ بتاؤ کہ تم کیسی اور کس طرح زندگی گزار رہی ہو؟" میرے دل میں جذبات کا ایک طوفان امڈا چلا آرہا تھا لیکن میں نے اپنے لب و لہجے سے اس کا مطلق اظہار نہیں ہونے دیا۔ اگر وہ بے وفا نکل گئی تھی تو مجھے بھی بے مہری دکھانے کا پورا حق حاصل تھا۔ اس دن اس نے زندگی میں پہلی بار آپ کے بجائے مجھے تم کے صیغے سے مخاطب کیا تھا جیسے وہ یک بیک میری برابری کی سطح پر آ گئی ہو۔

"تم نے میرے گھر فون کیا ہے۔ اس لیے تم بے خبر نہ ہو گے کہ اب میں کسی کی آبرو بن گئی ہوں۔ میرے شوہر گھر پر موجود نہیں ہیں اس لیے تم سے اتنی بات بھی کر رہی ہوں اور التجا کرتی ہوں کہ اب مجھ سے رابطہ قائم نہ کرنا۔ شادی کے بعد میری راہ تم سے الگ ہو گئی ہے۔ میں نہیں چاہوں گی کہ تمھاری وجہ سے میری پُرسکون گھریلو زندگی میں کوئی تلاطم پیدا ہو۔"

اس کا جواب سن کر میرا دل کٹ کر رہ گیا۔ اس کا لہجہ شکستہ اور آواز لرزاں تھی جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے دل میں وہ سب نہیں تھا جو وہ زبان سے کہہ رہی تھی، لیکن یہ ایک اٹل حقیقت تھی کہ اس کی شادی کے بعد ہمارے راستے جدا ہو گئے تھے جن کے دوبارہ ملنے کا بظاہر کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔

"چاہت پا لینے کا ہی دوسرا نام نہیں ہوتا غزالہ!" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "ہر شخص کو اپنے مستقبل کے فیصلوں کی پوری آزادی ہوتی ہے۔ میں خود بھی نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمھاری زندگی میں کوئی بدمزگی پیدا ہو مگر میں ایک بار تم سے روبرو ملاقات ضرور کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ تم سے ان سوالوں کے جواب دریافت کر سکوں جنھوں نے میرا سکھ چین برباد کر کے رکھ دیا ہے۔"

"لیکن میں تم سے نہیں مل سکتی۔" اس کی آواز میں کرب سمٹ آیا۔ "ماضی میں ہماری دوستی ضرور رہی ہے، لیکن اب تمھیں مجھ سے کوئی سوال کرنے کا کوئی حق نہیں رہا ہے۔ میں کسی اور کی ہو چکی ہوں تمھیں یہ حقیقت تسلیم کر لینا چاہیے، تمھارے لیے اب میں غزالہ نہیں رہی ہوں۔ میرا نام مسز دلدار ہے جو تمھیں بھی قبول کر لینا چاہیے۔"

"ایک بار تو تمھیں ملنا ہی پڑے گا مسز دلدار۔" میں نے اپنے لہجے کو سپاٹ رکھنا چاہا لیکن آواز میں خود بخود تلخی سی در آئی۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم اب بھی گھر سے باہر لوگوں سے تنہا ملتی ہو۔ کچھ دیر پہلے ہی تم کانٹی نینٹل میں ایک جاپانی جوڑے کے ساتھ تھیں اس لیے مجھ سے کوئی حیلہ بہانہ نہیں چل سکے گا۔ برسوں کے عہد و پیمان ..... اور گہرے مراسم پل بھر میں نہیں بھلائے جا سکتے۔ یہ یقین رکھو کہ میری ذات سے تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جسے چاہا جاتا ہے اسے ہر حال میں عزیز رکھنا پڑتا ہے۔"

"تم ضد کر رہے ہو۔ اپنے حالات کو میں تم سے بہتر جانتی ہوں۔

مجھے اس ملاقات پر مجبور نہ کرو۔"

"کیا تم دلدار سے خوفزدہ ہو؟" میں نے پہلا براہِ راست سوال کیا۔

"ہرگز نہیں، تمھیں ایسی غیر ذمے دارانہ بات زبان سے نہیں نکالنا چاہیے۔ اچھا ایسا کرو کہ تم میرے گھر آجاؤ۔ آج دلدار شہر سے باہر ہیں۔ اگر تم جذباتی نہ ہونے کا وعدہ کرو تو میں تمھیں کچھ وقت دے سکتی ہوں۔"

"جذبات لاابالی نوجوانوں کا کھلونا ہوتے ہیں۔ تم جانتی ہو کہ میں بہت ٹھنڈے مزاج کا آدمی ہوں۔ اور پھر اب جذبات کی رو میں کس کے لیے بہوں گا؟ جب تم ہی بدل گئی ہو تو میرے لیے سب کچھ بدل گیا ہے لیکن میں تمھارے گھر نہیں آسکوں گا۔ میں تم کو اپنے ٹھکانے پر بلانا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ جو بھی جگہ تجویز کرو۔ میں وہاں پہنچنے کے لیے تیار ہوں۔"

"میں ہر وقت نادیدہ محافظوں کے حصار میں رہتی ہوں۔ مجھے خود علم نہیں ہوتا کہ ان کی تعداد کتنی ہوتی ہے اور وہ مجھے کہاں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ گھر سے باہر وہ لوگ مجھے تم سے ملتے ہوئے دیکھیں۔ میں ان سے واقف نہیں ہوں اس لیے نہ انھیں روک سکتی ہوں، نہ انھیں جل دے سکتی ہوں۔"

"اوہ! تو اپنی نئی نئی ازدواجی زندگی قید میں بسر کر رہی ہو؟" میرا لہجہ خود بخود استہزائیہ ہو گیا۔

"قید نہیں حفاظت کہو۔" اس نے میری تصحیح کی۔ "پاکستان آکر بھی میں نے برا وقت دیکھا ہے۔ اسی کے سدِباب کے لیے انھوں نے محافظ رکھے ہوئے ہیں تاکہ میں بے خوف و خطر نقل و حرکت کر سکوں۔"

"یہ سب الفاظ کا ہیر پھیر ہے۔ ورنہ بات ایک ہی ہے مجھے تو شبہ ہے کہ کہیں تمھارا فون بھی ٹیپ نہ کیا جاتا ہو تاکہ تمھارے دلدار صاحب گھر پر نہ رہتے ہوئے بھی تمھاری ایک ایک لمحے کی مصروفیات سے باخبر رہ سکیں۔ کیا انھیں علم ہے کہ جو شادی تم نے ان کے ساتھ کی ہے اس کا وعدہ کسی اور سے کیا ہوا تھا؟"

"خدا کے لیے ڈینی، یوں طنز کے تیر نہ چلاؤ۔" اس کی آواز روہانسی ہو گئی۔ "تمھیں معلوم ہے کہ میں پہلے ہی بہت دکھی ہوں۔ اگر تمھیں سارے حالات کا علم ہوتا تو تمھیں ماننا پڑتا کہ میرے پاس اس فیصلے کے علاوہ کوئی راستہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔"

"وہی تو جاننے کے لیے تمھیں ملاقات کی زحمت دے رہا ہوں۔ کاونٹری سے بدتر حالات تو یقیناً کہیں بھی نہ رہے ہوں گے۔"

"اچھا تو میں دس منٹ میں ہالیڈے اِن پہنچ رہی ہوں۔ اسی کے ریستوران میں ملاقات ہو گی۔" اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"لیکن یہ یاد رکھنا کہ میرے اردگرد میرے کچھ نگران بھی ہوں گے جو مجھے کسی طرح جواب دہ نہیں ہیں۔"

"تم نے میری بات مان لی ہے۔ میں تمھاری شرائط کا احترام کروں گا۔" میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

ریسیور رکھتے ہی انٹرکام کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف جہانگیر لائن پر تھا۔

"فون پر کس سے اتنی لمبی بات ہو رہی تھی؟" اس کی چہکتی ہوئی آواز ابھری۔

"غزالہ سے بات کر رہا تھا۔" جواب دیتے ہوئے شکست کے احساس نے میرے حلق میں تلخی سی گھولنے لگی۔ "اچھا ہوا کہ تم نے بات کر لی۔ مجھے تمھاری گاڑی درکار ہو گی۔ دس منٹ میں ہالیڈے اِن پہنچنا ہے۔"

"میں ابھی ڈرائیور سے کہے دیتا ہوں۔ چاہو تو میں لیے چلتا ہوں۔" اس نے پیشکش کی۔

"میں اس سے تنہائی میں دوٹوک باتیں کرنا چاہتا ہوں سلطان بھی یہیں رکے گا۔"

"جاؤ، میں تمھاری گمشدہ محبت کی بازیابی کے لیے دعا گو رہوں گا۔" وہ پورے پس منظر سے بے خبر تھا اس لیے اس خواہش کا اظہار کر رہا تھا۔ اسے صرف اتنا ہی معلوم تھا جتنا سلمیٰ نے مجھے بتایا تھا۔ اگر سلطان شاہ کی دریافت کی ہوئی باتیں اس کے علم میں بھی آجاتیں تو اسے اندازہ ہو جاتا کہ نکاح پنسل کی لکھی ہوئی تحریر نہیں ہوتی جسے آسانی کے ساتھ مٹایا جا سکے۔

میں بستر سے اٹھا تو سلطان شاہ ہمدردانہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میری یک طرفہ گفتگو سن کر وہ بہت کچھ سمجھ چکا تھا اور اس وقت زبان کھولنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا لیکن جب میں نے جوتے موزے پہننے کے بعد ایک پستول میں بھرا ہوا میگزین لوڈ کیا تو وہ ضبط نہ کر سکا اور اپنی جگہ چھوڑ کر میرے مقابل آ گیا۔ "یہ کہاں لے جا رہے ہو؟" اس نے پستول پر ہاتھ ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"فکر نہ کرو، یہ غزالہ کے لیے نہیں ہے۔" میں نے پستول اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "لیکن اس کا ساتھ لے جانا ضروری ہے۔ غزالہ کے شوہر نے اس کی نگرانی کے لیے کچھ لوگ رکھے ہوئے ہیں ان کی طرف سے کوئی مداخلت ہوئی تو شاید اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ میرا تصادم میں پہل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"یہ تو خطرناک صورتِ حال ہے۔ میرا بھی ساتھ چلنا ضروری نظر آ رہا ہے۔" اس نے پستول چھوڑ دیا۔ "تم اندر جا کر غزالہ کے ساتھ

گفتگو میں منہمک ہو جاؤ گے۔ تمہارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو گا اور وہ لوگ خاموشی سے تمہارے گرد گھیرا ڈال لیں گے۔ ان کے عزائم خطرناک ہوئے تو کہیں سے بھی چلائی جانے والی ایک نادیدہ گولی تمہارا کام کر جائے گی اور تمہیں اپنے پاس موجود پستول کو چھیڑنے تک کی مہلت نہیں مل سکے گی۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا تاکہ باہر رہ کر تمہارے گرد و پیش پر نظر رکھ سکوں۔"

اس کی دلیل وزنی اور معقول تھی۔ "پھر جہانگیر کو بھی ساتھ لینا پڑے گا ورنہ وہ بُرا مان جائے گا۔ اس نے خود ساتھ چلنے کی پیشکش کی تھی۔ وہ بھی تمہارے ساتھ باہر رکا رہے گا۔"

میری رضامندی پاتے ہی سلطان شاہ فوراً میرے ساتھ ہو لیا۔ ہم راستے میں ہی تھے کہ جہانگیر بھی مل گیا۔ "ڈرائیور نے گاڑی نکال لی ہے۔ ذرا جلدی واپس لوٹنے کی کوشش کرنا۔ ذہن تمہاری طرف لگا رہے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم بھی ساتھ چلو، ڈرائیور کو چھوڑ دیتے ہیں۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

اس کی آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی۔ "خیریت تو ہے؟ ابھی منع کر دیا تھا، اب ساتھ لے جا رہے ہو۔ کیا کوئی لمبا چکر ہے؟"

"آجاؤ، راستے میں بتاؤں گا۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور وہ سر جھٹک کر اندر چلا گیا۔ ہم پھر دونوں ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔

"جہانگیر کو دلدار سے غزالہ کی شادی کے واقعے کی ہوا بھی نہیں لگنا چاہیے۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں سلطان شاہ کو ہدایت کی۔ "میں اسے صرف اتنا بتاؤں گا کہ اس کے کسی ہمدرد نے اس کی حفاظت پر آدمی مامور کیے ہوئے ہیں جن کی طرف سے کسی کارروائی کا خطرہ پیش آسکتا ہے۔ اس لیے میں تم دونوں کو ساتھ لیے جا رہا ہوں۔"

اسی اثنا میں جہانگیر کے ساتھ سلمیٰ بھی آگئی اور مجھے دیکھ کر دور ہی سے بولی۔ "کمال ہے کہ تم نے اتنی جلدی غزالہ کا سراغ لگا لیا اور ہمیں اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ کہاں ہے وہ اور کس حال میں ہے؟"

"ملاقات ہو گی تو تفصیل کا علم ہو گا۔" میں نے براہِ راست اس کی طرف دیکھے بغیر سرسری لہجے میں کہا۔ "وہ کسی کے ساتھ رہ رہی ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ ان دونوں میں تعلقات کی نوعیت کیا ہے۔" جہانگیر سے غزالہ کی شادی چھپانے کا واحد مقصد یہ تھا کہ اس اعتراف کے بعد میں سلمیٰ کی نظروں میں شرمسار نہیں ہونا چاہتا تھا۔

"دیکھا، میں غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ اسے بولنے کا موقع بہر حال مل گیا تھا۔ جا ہی رہے ہو تو میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔ تمہارے مقابلے میں میں اسے اچھی طرح کرید سکوں گی کیونکہ میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں۔"

"معاملات کچھ الجھے ہوئے ہیں۔ تمہارا ساتھ جانا مناسب نہیں۔" میرے جواب دینے سے قبل جہانگیر نے اسے نرمی سے منع کر دیا۔ "بات صاف ہو جائے تو جب چاہو اس سے مل لینا۔ اس وقت ڈیئی کو اس سے اکیلے ہی ملنے دو۔"

"اکیلے!" اس نے استہزائیہ لہجے میں دہرایا۔ "پھر تم دونوں کہاں جا رہے ہو؟" اس نے میری اور سلطان شاہ کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے بابا، ہم باہر ہی رُکے رہیں گے۔" جہانگیر بے بسی کے ساتھ بولا۔ "میں ڈرائیونگ کروں گا۔ سلطان مدد کے لیے ساتھ رہے گا۔ ڈیئی کی طبیعت اس قابل نہیں ہے لیکن یہ اسی وقت غزالہ سے ملنے پر مصر ہے۔"

وہ خاموش ہو گئی لیکن اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جہانگیر کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئی ہے۔

"سلمیٰ کو تو میں نے چپ کرا دیا تھا لیکن میں خود ابھی تک الجھن میں ہوں۔ جلدی سے بتا ڈالو کہ معاملہ کیا ہے؟" جہانگیر نے کار گیٹ سے نکالتے ہی الجھن آمیز لہجے میں سوال کر ڈالا۔

"وہ کسی کے ساتھ رہ رہی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان دونوں کے مراسم کی کیا نوعیت ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اسے بلیک میل نہ کیا جا رہا ہو۔ ایسا ہوا تو غزالہ کی نگرانی بھی کی جا رہی ہو گی۔ تم دونوں کو باہر رُک کر مشتبہ افراد پر نگاہ رکھنا ہو گی کیونکہ غزالہ اپنے ساتھی کے علم میں لائے بغیر مجھ سے ملنے آرہی ہے۔"

"سمجھا!" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ "تم مجھ سے زیادہ سمجھدار ہو، لیکن پھر بھی اتنا بتا دوں کہ اس سے ملتے ہوئے اپنے دل و دماغ پر قابو رکھنا۔ رقابت کی آگ بھڑک اٹھے تو مضبوط سے مضبوط آدمی کی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں۔"

"اسی لیے میں نہتا جا رہا ہوں۔" میں نے اپنا لوڈ کیا ہوا پستول جیب سے نکال کر اس کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "تم بھی شدید ضرورت کے بغیر اسے استعمال نہ کرنا۔ حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہی ہم کسی صحیح فیصلے پر پہنچ سکیں گے۔"

ہالیڈے ان تک ہمارا سفر مشوروں اور قیاس آرائیوں کے درمیان طے ہوا۔ پھر میرے مشورے پر جہانگیر نے کار اندر لے جائے بغیر مجھے سروس لین میں اتار دیا اور کار آگے بڑھا لے گیا تاکہ لمبا چکر کاٹ کر کار اندر کسی مناسب جگہ پارک کر سکے۔

میں خوب صورت برآمدے سے گزر کر اندر داخل ہوا تو براہِ راست میری نظریں غزالہ پر پڑیں جو مجھ سے پہلے ہی وہاں پہنچ چکی تھی۔ وہ داخلی دروازے کی طرف نگراں تھی اس لیے اس نے بھی

فوراً ہی مجھے دیکھ لیا۔ اضطراری طور پر اس نے کرسی پر پہلو بدلا تھا لیکن پھر میری پیشوائی کے لیے اُٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے بارے میں وہ کوئی اٹل فیصلہ نہیں کر سکی تھی۔ پرانے تعلق کے حوالے سے اس کے وجود میں ایک شدید کشمکش جاری تھی جس پر غالب آنا اس کے لیے دشوار نظر آ رہا۔

ترشے ہوئے خوب صورت بالوں اور ترو تازہ چہرے کے ساتھ وہ آسمان سے اتری ہوئی کوئی حسین حور نظر آ رہی تھی۔ اس کے بدن پر گلابی سلک کا وہی نرم اور لچکیلا سوٹ موجود تھا جس میں ملبوس وہ تھوڑی دیر قبل نظر آئی تھی۔

"وعدے کی پاسداری کا شکریہ مسٹر دلدار!" قریب پہنچ کر میں نے اس کے مقابل کرسی سنبھالتے ہوئے آہستگی کے ساتھ کہا۔ اسے اپنے روبرو پا کر میرے دل و دماغ میں محبت، اپنائیت، نفرت اور خلش کی ایک ہولناک آگ بھڑک اٹھی تھی جس کی ہلکی سی کسک میرے لہجے میں بھی جھلک آئی تھی۔ اس نے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اٹھا کر میری طرف دیکھا جن میں میرے لیے ہمدردانہ جذبات نمایاں تھے۔ لمحہ بھر کے لیے ہماری نگاہیں چار ہوئیں پھر اس نے میری شکایتی نظروں کی تاب نہ لا کر پلکیں جھپکاتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"تم نے بلایا تھا، میں آ گئی ہوں لیکن ہمارا زیادہ دیر تک یوں مل بیٹھنا مناسب نہ ہو گا۔"

"مل بیٹھنے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی ہے تم نے۔ لیکن میں تمہارے اس فیصلے کا سبب ضرور جاننا چاہتا ہوں۔"

"سبب بتانے کی ضرورت تو نہیں ہونی چاہیے۔" وہ مجھ سے نظریں چُرا کر میرے لیے چائے بناتے ہوئے بولی۔ "جب تم نے میرا سراغ لگا لیا ہے تو تمھیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہو گا کہ ممی اور ڈیڈی اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔"

"تمھاری تلاش میں نکلنے سے پہلے میں وہ سب دیکھ چکا تھا۔ وہ واقعہ جس طرح ہوا اس پر آج بھی میرا دل اداس ہے لیکن کسی کے بھی ماں باپ ساری عمر ساتھ نہیں دیتے۔ ان کے نہ ہونے کا تمہارے فیصلوں پر کیا اثر پڑ سکتا تھا؟"

"شاید تمھیں سمجھانا دشوار ہو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ اس نے چائے کی پیالی اٹھا کر مجھے دی۔ اس سے چائے لیتے ہوئے ہماری انگلیاں ایک دوسرے سے مس ہوئیں، میرے پورے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ غزالہ کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا اور اس نے ہڑبڑا کر اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ اگر میں پیالی نہ تھام چکا ہوتا تو اس کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی، گرنے والی چائے ہمارے کپڑے خراب کر دیتی۔

وہ بہت خطرناک کھیل تھا۔ غزالہ پرائی ہو چکی تھی، میں اپنی محرومی پر سنگ رہا تھا۔ آگ اور تیل کی اس یکجائی میں ایسے شعلے بھی بھڑک سکتے تھے جو ہم دونوں کو خاکستر کر دیتے۔ وہ اس صورت حال کو خوب سمجھ رہی تھی اسی لیے کسی بھڑکے ہوئے غزال کی طرح ہر لمحے چوکنا اور ہوشیار نظر آ رہی تھی۔ اس کا لمس تو آتش انگیز تھا ہی لیکن وہ زبان یا نگاہوں سے بھی کسی حوصلہ افزائی پر آمادہ نہیں تھی۔ ہاتھ پیچھے کھینچتے ہی وہ یک بیک اپنی کرسی میں یوں سمٹ گئی جیسے مجھ سے خوف زدہ ہو گئی ہو لیکن میں جانتا تھا کہ وہ میرا خوف نہیں تھا۔ میرا خیال اس کے دل میں زندہ تھا اور وہ اپنے من کے اس چور سے ڈر رہی تھی جو موقع پا کر اسے کسی لغزش پر اکسا سکتا تھا۔

"انگلینڈ میں اپنی عزت اور زندگی کے تحفظ کے لیے میں نے خون کا سمندر عبور کیا ہے۔" چند ثانیوں کی خاموشی اور چند گہرے گہرے سانسوں کے بعد وہ بولی۔ "میں ہر طرف بکھرے ہوئے زہریلے کانٹوں سے اپنا دامن بچائے رکھنے کی کوشش میں نجانے کتنی بار خود بھی لہولہان ہوئی۔ ہر موڑ پر مجھے تمہارا انتظار رہا، میں کسی مضبوط سہارے کے لیے ترستی رہی لیکن تم شاید مجھ سے بہت دور کہیں اپنی انا کی کوئی خوف ناک جنگ لڑ رہے تھے۔ تمہاری یاد کو اپنے سینے سے لگائے میں نے اپنی ناقابلِ تصور جدوجہد جاری رکھی اور کچھ عرصے پہلے انگلینڈ میں اپنے خون کے پیاسوں کو چکما دے کر پاکستان آنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہاں گھر گئی تو وہ برباد ہو چکا تھا۔ مجھے یہ تک نہ معلوم ہو سکا کہ میرے ماں باپ کی قبریں شہر کے کس کونے میں ہیں، نہ تمہارا کوئی پتا تھا۔ میں دو دن تک میوہ شاہ قبرستان میں بھوکی پیاسی ان بے نام قبروں سے لپٹ لپٹ کر روتی رہی جن پر کوئی کتبہ نہیں تھا۔ زمین میرے ماں باپ کو نگل چکی تھی اور میں انسانوں کے اس جنگل میں بالکل ...... بے یار و مددگار رہ گئی تھی۔" اس مقام پر اس کی آواز بھرانے لگی اور گزرے ہوئے دنوں کی یاد میں اس کی آنکھوں کے گوشے نمناک ہو گئے۔ اس نے خاموش ہو کر اپنے بیگ میں سے رومال نکالا اور میں نے اضطراب کے عالم میں اپنے لیے سگریٹ سلگا لی۔

اس کی کہانی واقعی دردناک تھی۔ وہ محض اپنے عزم اور حوصلے کی وجہ سے زندہ تھی ورنہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو ان بدترین حالات سے دہشت زدہ ہو کر کبھی کی خودکشی کر چکی ہوتی۔ اس کی گفتگو میں محو ہو کر میں لمحاتی طور پر یہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ وہ کسی اور کی ہو چکی تھی۔ اس وقت وہ مجھے اپنی وہی معصوم سی غزالہ نظر آ رہی تھی جس کے ساتھ میں نے بارہا اپنا چھوٹا سا گھر بسانے کے ارمان انگیز منصوبے بنائے تھے۔ وہ میری چاہت،

محبت اور رفاقت ہی نہیں تھی بلکہ میری غم گسار اور راز داں بھی
تھی۔ اس کے مشوروں نے بار ہا خطرناک مواقع پر میری رہنمائی
کی تھی۔ پاکستان میں شی کی بنیادوں کو ہلانے میں اس نے میرے
ساتھ شانہ بشانہ کام کیا تھا اور ہمیشہ احسان مندی کے جذبے
کے ساتھ میرے ہی گن گاتی رہتی تھی۔

"پورے شہر میں صرف ایک ہستی رہ گئی تھی جسے میں اپنا
سمجھ سکتی تھی لیکن اس کے بارے میں مَیں زیادہ پُریقین نہیں تھی
کیوں کہ تمہارے لاپتا ہو جانے کے بعد کامران کے علاج کے خطیر
اخراجات ادا کرنے والا کوئی باقی نہیں رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں
اسپتال والوں نے اسے لاوارث قرار دے کر باہر نہ نکال دیا
ہو اور وہ شہر میں بچوں سے پتھر اور گالیاں نہ کھاتا پھر رہا ہو۔" خود
پر قابو پالینے کے بعد اس نے خود بخود بولنا شروع کر دیا۔ یوں معلوم
ہو رہا تھا جیسے وہ پوری کہانی اپنے سینے میں دفن کیے بیٹھی رہی
ہو اور مجھے سب کچھ سنا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہ رہی ہو۔

"لیکن امید اور سہارے کی بس وہ ایک کرن رہ گئی تھی۔
جب تک عورت کے سر پر کسی مرد کا سایہ نہ ہو، وہ ہمارے
بدنصیب معاشرے میں عزت کی زندگی نہیں گزار سکتی۔ میرے
ذہن میں اس وقت بھولے سے بھی شادی کا کوئی خیال نہیں
آیا۔ بس ایک ہی دھن سوار ہو گئی کہ کامران کو تلاش کروں۔
وہ پاگل تھا لیکن اسی کے ساتھ میرا بھائی اور ایک مرد تھا۔ مَیں
اسپتال پہنچی تو مجھ پہ شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔
کامران اسپتال میں زیرِ علاج تھا۔ وہ پہلے سے بہت بہتر تھا لیکن
مجھے نہ پہچان سکا۔ شہر کا کوئی گمنام مخیر شخص سامنے آئے بغیر اسپتال
کو علاج کے اخراجات ادا کر رہا تھا۔ ڈاکٹروں کی رائے میں کامران
کا علاج مکمل ہو چکا تھا اور ضرورت اس بات کی تھی کہ اسے
معاشرے میں واپس لوٹ کر روزمرہ کے معمولات میں بھرپور
شرکت کا موقع دیا جائے اسی طرح اس کی ماضی کی گمشدہ یادیں
واپس لوٹ سکتی تھیں۔ ان دنوں وہ ماضی سے کٹا ہوا ایک
صحت مند انسان تھا۔ اس نے خوش دلی سے میرے دعوے کو
تسلیم کر لیا لیکن اس فطری محبت کا اظہار نہ کر سکا جو کھوئے ہوئے
بھائی بہن کے درمیان پہلی ملاقات پر دیکھنے میں آتی ہے۔ چند
روز میں کسی ٹھکانے کا بندوبست کر کے اسے اسپتال سے چھٹی
دلانے کا ارادہ کر کے میں اپنے خیالوں میں گم اسپتال سے نکل کر
ایک ٹیکسی میں سوار ہوئی تو مجھ پر ایک قیامت گزر گئی۔ میں سیٹ
پر بیٹھتے ہی بیٹھے بے ہوش ہو گئی اور جب آنکھ کھلی تو ایک
تہ خانے میں تین بدمعاشوں کے رحم و کرم پر تھی۔ ان کے مکروہ
عزائم ان کی بگڑی ہوئی صورتوں اور شیطانی آنکھوں سے بالکل
واضح تھے۔ انھوں نے باتوں ہی باتوں میں موت کا خوف دلا کر
مجھے شیشے میں اتارنا چاہا اور مجھے آخری سانس تک مزاحمت پر
آمادہ دیکھ کر ان درندوں نے مجھ پر یلغار کر دی۔ وہ میری زندگی
کے بدترین اور ڈراؤنے لمحات تھے۔ جس ذلت سے میں ساری
زندگی بچتی چلی آئی تھی اس روز وہ میری پیشانی کی سیاہی بنتی
ہوئی نظر آ رہی تھی کہ اچانک میری چیخوں میں کسی کی مردانہ للکار
سنائی دی۔ باہر کی فضا میں چند گولیاں چلنے کی آواز آئی اور وہ
تینوں بری طرح خوف زدہ ہو گئے۔ وہ ہاتھ آیا ہوا شکار چھوڑنے
پر آمادہ نہیں تھے لیکن کوئی نامعلوم شخص موت بن کر ان کی
طرف بڑھ رہا تھا۔ انھوں نے چیخیں روکنے کے لیے میرا منہ بند
کرنا چاہا لیکن میں نے دانتوں اور ناخنوں سے انھیں نوچ کر
رکھ دیا۔ مدد کی امید پیدا ہوتے ہی میرے بدن میں لڑ مرنے کی
ایک نئی قوت بیدار ہو گئی تھی۔" جھیل جیسی گہری آنکھیں خلا میں
کسی نقطے پر مرکوز کیے وہ اس انہماک سے اپنی کہانی سنا رہی
تھی جیسے گزرے ہوئے واقعات اس کے سامنے فلم کی طرح
گزر رہے ہوں اور مَیں مبہوت بیٹھا وہ داستان سن رہا تھا جو
شاید میرے حالات سے بھی زیادہ دردناک تھی۔

"آخر کار وہ تینوں مجھے چھوڑ کر فرار ہونے لگے۔ میں بھی ان
کے پیچھے تہ خانے سے نکلی تو خود کو ایک ویران عمارت کے
کھلے ہوئے اور اجاڑ احاطے میں پایا۔ وہ تینوں خودرو جھاڑیوں
اور درختوں کی آڑ لے کر کسی طرف بھاگ نکلے اور میں نے اس
ویرانے میں ایک سیاہ کار کے باہر ایک شخص کو ریوالور بدست
دیکھا تو بے اختیار اسی کی طرف دوڑ پڑی۔ مجھے مکمل تباہی سے
بچانے والے اس شخص کا نام دلدار تھا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ
ویران عمارت ایک سرکاری زرعی ادارے کی تھی جس سے کسی زمانے
میں وہاں تجرباتی فارم قائم کیا تھا۔ ادارہ ٹوٹنے کے بعد مدت
سے وہ عمارت ویران پڑی ہوئی تھی جسے کبھی کبھار جرائم پیشہ
افراد اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہتے تھے۔
دلدار اسی علاقے میں زرعی جاگیر کے مالک تھے اور شہر واپس
جاتے ہوئے میری چیخیں سن کر وہاں رک گئے تھے۔"

دلدار کا ذکر آتے ہی غزالہ کی کہانی میں میرا انہماک یکلخت
ختم ہو گیا اور اپنائیت کا احساس بھی محرومی کی کسک میں بدل گیا پھر
جب اس نے تجرباتی فارم اور زرعی جاگیر کا ذکر کیا تو میرے ذہن
میں تنظیم کے مقامی سربراہ راجا سکندر علی کا خیال آ گیا جو غزالہ کے
کالج میں انسدادِ منشیات کے ایک مذاکرے میں مہمانِ خصوصی بنا
تھا۔ وہیں اس کی تقریر سن کر میں نے اسے پہچانا تھا کیونکہ وہ آواز
برسوں سے میرے اعصاب پر حکمرانی کر رہی تھی پھر مجھے علم ہوا کہ

ملیر کے مضافاتی علاقے میں راجا سکندر علی کے باغات "راجا فروٹ فارمز" کے نام موسوم تھے اور وہ عیاشیوں کے لیے اکثر اسی طرف کارخ کرتا تھا۔ وہ معلومات حاصل ہونے کے بعد میں نے سکندر کو اسی فارم کے کاٹیج میں موت کے گھاٹ اتارا تھا اور غزالہ کو بعد میں شبہ ہو گیا تھا کہ وہ واردات میرے ہی ہاتھوں سرانجام پائی تھی۔

"یہ واقعہ ملیر کے زرعی علاقے میں تو پیش نہیں آیا تھا؟" اپنے شبے کے پیشِ نظر میں نے سوال کیا۔

"تمھیں کیسے معلوم؟" میرے سوال پر وہ حیران رہ گئی۔

"ادھر دلدار کے فروٹ فارمز تو نہیں ہیں؟" میں نے اس کے اثباتی سوال کو نظر انداز کر دیا۔

"فروٹ فارم ہی ہیں۔" وہ بدستور حیران تھی لیکن پھر فوراً ہی وہ بات کی تہ تک پہنچ گئی۔ "شاید تم ماضی کی کچھ کڑیاں اس واقعے سے ملانے کی کوشش کر رہے ہو۔ راجا فروٹ فارمز میں کالج کے مہمانِ خصوصی راجا سکندر علی کے قتل کا قصہ مجھے بھی یاد ہے۔ لیکن دلدار کے والدین نے چالیس سال پہلے وہ باغات قائم کیے تھے۔ جو اسی زمانے سے ان کی ملکیت چلے آرہے ہیں۔۔۔"

"ظاہر ہے کہ یہ بات تمھیں دلدار نے ہی بتائی ہوگی۔" مجھے غزالہ کی سادہ لوحی پر غصہ آنے لگا تھا۔

"کسی نے بھی بتائی ہو، تمھیں تلخ ہونے کی ضرورت نہیں۔" غزالہ کا لہجہ قدرے بدل گیا۔ "یہ میرے اور ان کے معاملات ہیں۔ جن میں تمھیں دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں، بلاوجہ انھیں میری نظروں سے گرانے کی کوشش نہ کرو۔ میں جانتی ہوں کہ تم زندگی بھر ان کے لیے پسندیدگی کے جذبات نہیں رکھ سکتے لیکن میں اپنے شوہر کو تم سے زیادہ جانتی ہوں۔"

غزالہ دلدار کے بنائے ہوئے مکڑی جیسے جال میں جکڑی ہوئی تھی اور خود ہی اس سحر سے نکلنے پر آمادہ نہیں تھی۔ اس لیے میں کسی بھی طرح اسے یقین نہیں دلا سکتا تھا کہ کامران کو صرف چارا بنانے کے لیے اسپتال میں زیرِ علاج رکھا گیا تھا تاکہ ہم دونوں میں سے جو بھی واپس لوٹ کر اس سے ملنے کی کوشش کرے اس پر ہاتھ ڈال دیا جائے۔ یہ غزالہ کی بدقسمتی تھی کہ وہ مجھ سے پہلے پاکستان لوٹی اور دلدار کے آدمیوں نے اسے اٹھوا لیا۔ شاید ان لوگوں کے عزائم خطرناک ہی تھے لیکن غزالہ کو دیکھنے کے بعد دلدار کا ارادہ بدل گیا۔ وہ واقعی اس سے دل ہار بیٹھا۔ اس نے مجھے مستقل سوہانِ روح میں مبتلا کرنے کے لیے غزالہ کو اپنے فریب میں پھانسنے کا ارادہ کر لیا اور ملیر کے مضافاتی علاقے میں ایک ڈرامائی صورت پیدا کرکے محسن کے روپ میں غزالہ کے سامنے آگیا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا ہوگا وہ واضح تھا لیکن صحیح نتائج اخذ کرنے کے لیے غزالہ کی پوری کہانی سننا ضروری تھی۔ ویسے بھی دلدار کے خلاف کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں تھی۔ اس لیے وقتی طور پر میں نے اس سے الجھنے کا ارادہ ترک کر دیا تاکہ وہ اپنی بات پوری کر سکے۔ دلدار کے خلاف پھر بطور ثبوت مواد مہیا ہو جانے کے بعد میں غزالہ کو کسی بھی طرح قائل کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔

"مجھے تلخ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں نے معتدل لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "البتہ ان تلخ حقائق کو تسلیم کرنے میں مجھے دقت ضرور لگے گا۔ شاید دلدار کے اسی احسان کے نتیجے میں تم نے کوئی جذباتی فیصلہ کیا ہوگا؟"

"وہ کوئی جذباتی فیصلہ نہیں تھا۔" وہ نظریں اٹھا کر بولی۔ "اس پُر ہول ویرانے میں میرے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا لیکن دلدار بہت عظیم آدمی ہیں۔ میرے تار تار لباس کو دیکھ کر انھوں نے مجھے اپنی کار کی عقبی نشست پر بٹھایا اور اپنے گھر لے آئے۔ وسیع و عریض مکان میں وہ تنہا رہتے تھے۔ میرے لیے انھوں نے ایک ملازمہ سے کپڑے منگوائے۔ اس وقت میں ذہنی طور پر تھک چکی تھی، میرے اعصاب جواب دے چکے تھے۔ تمھارا نام میرے لیے ایک سراب بن کر رہ گیا تھا۔ نہا دھو کر میں نے تنظیم یا کسی گروہ بندی کا ذکر کیے بغیر انھیں اپنی کہانی سنائی جس میں تمھارا بھی ذکر تھا۔ ان کے ہمدردانہ رویّے کو دیکھتے ہوئے میں نے ان سے کہا کہ میں جس سے شادی کے خواب دیکھ رہی تھی وہ کمانے کی دھن میں پردیس جا کر لاپتا ہو گیا ہے اور میں بالکل بے یار و مددگار رہ گئی ہوں۔ اس لیے سہارے کے لیے جلد از جلد کسی ڈھنگ کے آدمی کے ساتھ اپنا گھر بسانا چاہتی ہوں۔ یہ ان کی نہیں بلکہ میری خواہش تھی۔ میں ان کی عظمت کو سلام کرتی ہوں کہ انھوں نے میرے ماضی کو کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ جو کچھ میں نے بتایا اس پر آنکھیں بند کرکے یقین کر لیا۔ ایک گم شدہ محبوب کے وجود کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کر لیا۔ اور خود میرے ساتھ شادی کی پیشکش کر بیٹھے۔ میرے لیے ان کی پیشکش ناقابلِ یقین تھی۔ ساری دنیا کی ٹھوکریں کھانے کے بعد میں اس عزت افزائی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ میں ان کے سینے سے لگ کر بلک کر رو پڑی۔۔۔ پھر بھی میرے ذہن میں تمھارا خیال باقی تھا۔ اگلے روز میں جہانگیر کے پاس گئی، لیکن وہ تمھارے بارے میں ایک لفظ بھی نہ بتا سکا۔ تم خود سوچو کہ اس کے بعد میرے لیے کیا باقی رہ گیا تھا۔ اسی شام ہم دونوں نے سادگی اور خاموشی کے ساتھ شادی کر لی لیکن میں ان غنڈوں کی طرف سے خوفزدہ تھی جن کے

کو دلدار نے ناکام بنایا تھا۔ وہ مجھ پر دوبارہ ہاتھ ڈالنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ ان کے خوف سے میں دن میں بھی گھر سے اکیلی نہیں نکلتی تھی۔ میرے خوف کو بھانپتے ہوئے دلدار نے کچھ لوگوں کو ملازم رکھ لیا جو دن رات میری حفاظت پر مامور رہتے ہیں۔ ان جیسا سمجھ دار، بردبار اور عظیم آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ وہ اس قدر مہربان ہیں کہ انھوں نے چند ہی دنوں میں میرے دل سے تمھیں کھونے کا احساس مٹا دیا ہے۔"

"اس لیے اب میں تمھاری زندگی کا ایک بھولا بسرا خواب بن کر رہ گیا ہوں۔"

"ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ضرور ہو گئے ہیں لیکن تم میری بات کا غلط مفہوم اخذ نہ تو مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ زندگی میں تم نے بھی مجھے بہت بڑا سہارا دیا تھا۔ ہم نے کافی اچھا وقت ایک ساتھ گزارا ہے لیکن تقدیر کا فیصلہ ہمارے خلاف تھا۔ بدلے ہوئے حالات میں جو کچھ ہوا ہے اس پر مجھے کوئی ملال نہیں ہے اور نہ میں واپس مڑ کر دیکھنا چاہتی ہوں۔ اگر تم میرے مخلص اور ہمدرد دوست ہو تو تمھیں بھی میری کامیاب زندگی کے لیے دعا کرنا چاہیے۔ مجھ میں اب دکھ اٹھانے کا ذرا بھی حوصلہ نہیں رہا۔ لیبر والے ڈراؤنے واقعے کے بعد میں اندر سے بُری طرح ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی ہوں۔ دلدار میرا ہاتھ نہ تھام لیتے تو میں خودکشی ہی کر لیتی۔"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ تم اپنا تعلق ختم کر کے مجھے ازسرِنو مخلصانہ دوستی کی پیشکش کر رہی ہو؟"

"اب میں اکیلی نہیں رہی ہوں۔ میرے فیصلے دلدار کی پسند اور ناپسند کے تابع ہوتے ہیں۔ میں انھیں بلاکم و کاست سب کچھ بتا دوں گی۔ اگر انھوں نے قبول کیا تو ہم دونوں کے دوستوں میں شامل ہو سکو گے۔ مجھ پر اب تمھارا کوئی قانونی، مذہبی یا اخلاقی حق باقی نہیں رہا ہے جب کہ دلدار میری زندگی کے مالک ہیں۔ جب تمھاری انا تمھیں ان کا مقام تسلیم کرنے سے روک رہی ہے تو ہو سکتا ہے وہ بھی اب میرے نزدیک تمھارا وجود برداشت نہ کر سکیں۔ ان سے اجازت لیے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"شادی سے پہلے تم نے دلدار کو میرے بارے میں کیا بتایا تھا؟" میرے حلق میں تلخی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"جوانی کی ایک خیال انگیز بھول، خوابوں کا ایک روایتی شہزادہ۔" وہ معموم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "اس کے علاوہ میں اور کیا بتا سکتی تھی۔"

"میرا نام تو بتایا ہوگا تم نے۔" میں اس بارے میں ہر تفصیل جاننے کے لیے مضطرب تھا۔

"نہ میں نے بتایا، نہ انھوں نے جاننے کی ضرورت سمجھی۔ ان کے لیے صرف اتنا جان لینا ہی کافی تھا کہ اس تجربے کی بھٹی سے گزرنے کے باوجود میرا دامن داغ دار نہیں ہوا تھا۔ وہ کردار کی پارسائی کی بڑی قدر کرتے ہیں۔"

"پھر مجھے دلدار کے لیے انجان ہی رہنے دو۔ اس سے میرا کوئی ذکر نہ کرنا۔"

"لیکن یہ یاد رکھنا کہ پھر ہم ایک دوسرے سے کبھی نہیں مل سکیں گے۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "ایک طویل لاتعلقی کے بعد آج ہم پہلی اور آخری بار مل رہے ہیں۔ میں صرف اس لیے آگئی کہ تمھیں بہت کچھ بتانا اور سمجھانا تھا تاکہ لاعلمی یا غلط فہمی میں تم کوئی غلط قدم نہ اٹھا لو۔ اس کے بعد کبھی تم نے ملنا چاہا تو میں تمھیں وقت نہ دے سکوں گی۔ ہمارے راستے بالکل جدا ہو گئے ہیں لیکن تمھیں مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ دلدار کو نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔"

"میں خود بھی تمھیں بھول جانے کی کوشش کروں گا۔ ہم ملتے رہے تو چاہت کی چتا دھیمے دھیمے سلگتی رہے گی۔ اس میں کبھی چنگاریاں بھی بھڑک سکتی ہیں۔ ایک دوسرے سے دور رہ کر ہی شاید ہم دونوں ہی سکون سے رہ سکیں گے۔ میں اگر دوبارہ تم سے ملا تو یقین رکھو کہ میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

"شکریہ ڈیئر۔" وہ دل گرفتہ آواز میں بولی۔ "مجھے تم سے یہی امید تھی، تم بھی شریف اور عظیم انسان ہو۔"

چند ثانیوں کے لیے فضا پر بوجھل سکوت طاری ہو گیا۔ غزالہ کے سینے کے زیر و بم سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی۔ رونا چاہتی تھی لیکن نہیں رو سکتی تھی کیونکہ دلدار کے درمیان میں آتے ہی میں اپنے سے یکایک غیر ہو گیا تھا اور غیروں سے ہر غیرت مند انسان اپنے اندر کے دُکھ چھپایا ہی کرتا ہے۔ میں نے ٹھنڈی چائے کی پیالی ایک ہی سانس میں اپنے معدے میں انڈیل لی۔

"کامران کیسا ہے؟" ذاتی گفتگو اختتام کو پہنچ چکی تھی۔ نہ اُس نے اُٹھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا نہ میں ان لمحوں سے خود دستبردار ہونے پر آمادہ تھا۔ اس لیے میں نے موضوع بدلنے کے لیے وہ سوال کر ڈالا۔ ویسے بھی کامران کی اہمیت اپنی جگہ مسلم تھی کیونکہ میرے نظریے کے مطابق دلدار نے غزالہ کو اپنے ہشت پا چنگل میں بے بس کرنے کے لیے کامران ہی کو چارا بنایا تھا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ ہمارے ساتھ ہی رہ رہا ہے لیکن ماضی کے بارے میں اُسے کچھ یاد نہیں۔ ساری یادیں اور واقعات لاشعور کے کسی بند خانے میں دفن ہو کر رہ گئے ہیں۔"

وہ بھاری لہجے میں بولی: "دلدار نے اُسے حقیقی بھائی جیسا پیار دیا ہوا ہے۔"

"خوش نصیب ہے وہ ۔۔۔ کاش میرے لیے بھی ماضی کو بھلانا اس قدر آسان ہو سکے!

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا"

"ڈینی! زخموں کو نہ کریدو۔" وہ تڑپ کر بولی: "تم تو پھر بھی اپنی مرضی کے مالک ہو۔ میں نے تو اپنا سب کچھ کسی اور کو سونپ کر اُسے اپنا مجازی خدا بنا لیا ہے۔ وہ ماضی صرف تمھارا ہی نہیں میرا بھی تھا۔ اس کے بہتیرے لمحے ایسے بھی گزرے ہیں جو دل و دماغ پر نقش ہو کر رہ گئے ہیں۔ میں انھیں کبھی نہیں کھرچ سکوں گی۔ جب میں عورت ہو کر ان یادوں سمیت زندہ رہ سکتی ہوں تو تم کیوں نہیں رہ سکتے؟"

"مجھ میں اور تم میں فرق ہے مسز دلدار!" میرے تخاطب پر اس کی آنکھوں میں کرب کے سائے لہرا گئے لیکن وہ منہ سے کچھ نہ بولی: "تم نے اپنے راستے کا انتخاب خود کیا ہے جب کہ میں اپنا فیصلہ خود نہیں کر سکتا۔ مجھے بھٹکانے کا فیصلہ بھی تمھارا ہی ہے۔"

"میں چلوں گی ڈینی۔" وہ پرس سے پچاس روپے کا نوٹ نکال کر ٹرے میں ڈالتی ہوئی یکلخت اُٹھ گئی۔ اُس کی آواز فرطِ جذبات سے رندھ گئی تھی: "یہاں رُکی رہی تو تم میرا دل چھلنی کر دو گے حالانکہ تم میری مجبوری اچھی طرح سمجھ رہے ہو۔ دلدار ایک مکمل شوہر ہیں۔ انھوں نے مجھے ذرا بھی شکایت کا موقع نہیں دیا جو کوئی اور خیال دل میں بیدار ہوتا . . . ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔"

وہ جانے کے لیے مڑی لیکن میں نے اُسے روک لیا۔

"بس ایک سوال کا جواب اور دیتی جاؤ غزالہ!" میں نے غیر ارادی یا شاید والہانہ طور پر غزالہ کہہ کر پکارا تھا۔ وہ رُک کر میری طرف گھومی تو اُس کی دھندلائی ہوئی آنکھوں میں خوشی کی چمک تھی اور فرطِ جذبات سے یاقوتی لبوں کے گوشے ہولے ہولے کپکپا رہے تھے۔

"کیا محبت ایک بار جنم لینے کے بعد مر بھی جایا کرتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"محبت!" وہ آہستگی سے بولی۔ اُس کی آواز میں حسرت اُمڈ آئی تھی: "یہ وہ چراغ ہوتا ہے ڈینی، جو ایک بار جل اُٹھے تو پھر اَمر ہو جاتا ہے۔ محبت تو زندگی بھر کا روگ ہوتی ہے جو قبر کے کیڑے بھی نہیں مٹا سکتے۔"

اُس کی آواز اُس کے سینے میں گھٹ گئی، آنکھو
دو شفاف موتی چمکنے لگے اور وہ مزید کچھ کہے بغیر تیز تیز
سے چلتی ہوئی نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گئی۔

میں خالی الذہنی کے عالم میں تنہا وہاں کھڑا رہ گیا۔ جاتے جاتے وہ بہت عجیب اور پُرخیال بات کہہ گئی تھی۔ یادیں تلاش کرنے میں پوری زندگی بھی ایک لذت کے ساتھ گزاری جا سکتی تھی۔

محبت اگر امر ہوتی ہے تو جس طرح میں اُسے بھو
پر قادر نہیں تھا، وہ بھی عمر بھر مجھے بھلا نہیں سکتی تھی!

چند ثانیوں کے بعد میں بھی شکستہ قدموں سے غزالہ کے نقوشِ پا پر چل پڑا۔ میرے برآمدے سے اُترتے ہی کہ
سے سلطان شاہ نمودار ہوا اور میرے ساتھ چلتے ہو
سرگوشیانہ لہجے میں بولا: "بڑی طویل ملاقات رہی تمھار

"طویل لیکن بے ثمر!" میں نے مایوسانہ لہجے میں
"دلدار نے اُس کی نفسیاتی کمزوریوں سے بھرپور فائدہ اٹھا
اُس پر اپنی عظمت اور شرافت کا ایسا جادو چلایا ہے کہ وہ
کے خلاف ایک لفظ بھی سننے پر آمادہ نہیں۔"

"لیکن تم نے تو اُسے دلدار کے کرتوت بتا
ہوں گے؟"

"اوّل تو ابھی تک سارے قیاسات ہی قیاسات ہیں
میرے پاس اپنے کسی دعوے کا ثبوت نہیں۔ پھر اگر میں اُسے
اپنی بات سننے پر مجبور کرتا تو نہ وہ اپنی پوری کہانی سناتی اور
یہ ملاقات اتنی دیر جاری رہتی۔ وہ اُسی وقت مجھے چھوڑ کر واپس
چلی جاتی۔"

"پھر اب جہانگیر کو کیا بتاؤ گے؟" اُس نے سوال کیا۔
"دیکھتے جاؤ، جیسی صورتِ حال ہو گی اسی کے حساب
بات کرنی پڑے گی۔"

جہانگیر گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا میرا انتظار کر
رہا تھا۔ "اسکوٹر پر سوار دو افراد اس کی نگرانی کر رہے تھے۔" گاڑی
کے حرکت میں آتے ہی جہانگیر نے مجھے مطلع کیا۔ "وہ دونوں
اُس کی مرسڈیز کے پیچھے روانہ ہوئے ہیں۔ انھوں نے ہیلمٹ
چڑھائے ہوئے تھے لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے اُن میں
ایک کو پہچان لیا ہے۔"

وہ اطلاع میرے لیے سنسنی خیز تھی۔ "کون تھا وہ؟"
"لسبیلہ کے علاقے کا ایک مشہور بدمعاش تھا۔ امیر دا
کے نام سے مشہور ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ تمھارے منیجر کے
اغوا اور پھر مرمت پر مامور کیے گئے چار افراد میں سے ایک

وہ بھی تھا۔ مجھے تو یہ غزالہ والا معاملہ بھی کچھ سنگین ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔"

"معاملہ سنگین ہو چکا ہے مائی ڈیئر!" میں نے ایک فوری فیصلے کے تحت کہا۔ "غزالہ کو بدترین ڈرامائی حالات سے دوچار کر کے شادی پر مجبور کیا جا چکا ہے۔ اُسے اس چال بازی کا ذرا بھی احساس نہیں ہوا ہے۔ اس طرح وہ میری رسائی سے نکل چکی ہے۔"

"کون ہے وہ کمینہ شخص، جو ایسے اوچھے وار پر اُتر آیا ہے؟" جہانگیر غصے سے بھڑک اُٹھا۔

"دلدار!" میں نے اختصار سے کہا اور اُس کے منہ سے تحیر آمیز سیٹی کی آواز نکل گئی۔

"جب ہی تم دلدار اور ڈی ڈی میں مشابہت پر غور کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ تم بالکل صحیح خطوط پر سوچ رہے تھے۔ وہ لوگ تمھیں ہر طرف سے بے بس اور مجبور کر کے سامنے لانا چاہتے ہیں۔ گھر بکوا دیا، کاروبار برباد کر دیا اور اب ایک منظم سازش کے تحت تمھاری محبت پر ڈاکا ڈالا گیا ہے۔ جب ہی امیر دادا اس معاملے میں ملوث ہے۔ وہ شاید درمیانی عرصے میں مستقل طور پر ڈی ڈی کے لیے کام کرتا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے پرانے ساتھی بھی اس کے ساتھ ہی ہوں۔"

"کیوں نہ ڈی ڈی کو ہلاک کر دیا جائے؟" سلطان شاہ نے سفاکانہ لہجے میں تجویز پیش کی۔

"نہیں!" میں نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دے کر کہا۔ "غزالہ اُسے معصوم اور بے گناہ سمجھتی ہے۔ اُس نے مجھ سے وعدہ لیا ہے کہ میں دلدار کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اُسے کوئی اتفاقی حادثہ بھی پیش آ گیا تو غزالہ اسے میری ہی کسی تخریب کاری سے منسوب کرے گی۔ دوم یہ کہ دلدار اگر شی کا ہی آدمی ہے تو اس پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں ہو گا۔"

"تم ابھی تک اس کی اصلیت کی طرف سے شبہات میں مبتلا ہو؟" جہانگیر نے حیرت سے کہا۔ "امیر دادا کے سامنے آنے سے تو یہ بات اب بالکل ہی واضح ہو گئی ہے کہ وہ کون ہے اور اس کے کیا عزائم ہیں۔"

"شبہ نہیں ہے، سلطان شاہ کو خطرات کا احساس دلانا چاہ رہا تھا۔ یہ سمجھ رہا ہے کہ بھرا ہوا پستول لے جا کر، جب چاہے گا، اطمینان سے اسے گولی مار کر بحفاظت واپس لوٹ آئے گا۔"

"پھر تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"اس پر غور کرنا پڑے گا اور کچھ ہو یا نہ ہو ہمیں دلدار کے گھناؤنے کردار کو غزالہ کے سامنے ضرور بے نقاب کرنا ہو گا تاکہ وہ میرے خلاف ہونے والی سازش میں اپنے کردار پہ شرمندہ ہو سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس نے میرے دل پر بہت گہرا گھاؤ لگایا ہے جو اس کی نظروں میں دلدار کو ذلیل و خوار کر کے کسی حد تک مندمل ہو سکے گا۔"

"شی تو آکاس بیل کی طرح ہماری زندگیوں میں پیوست ہو کر رہ گئی ہے۔" جہانگیر نے کہا۔ "اگر تنظیم یہاں اتنی فعال ہے تو کسی بھی وقت میری خدمات دوبارہ طلب کی جا سکتی ہیں۔"

"یہ فکر کرو کہ آتے ہوئے تم نے مجھے پارکنگ ایریا سے باہر اُتارا تھا اور ہماری واپسی غزالہ کے بعد ہو رہی ہے ورنہ تمھاری کار کا نمبر ڈی ڈی تک پہنچایا جا سکتا تھا کہ غزالہ سے ملنے والا اس نمبر کی گاڑی میں دیکھا گیا تھا۔" میں نے کہا۔

"وہ چاہتا تو نمبروں کی مدد سے بآسانی تم پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔"

"لیکن وہ خطرہ تو اب بھی باقی ہے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔ "امیر دادا ڈی ڈی کو غزالہ کی کسی اجنبی سے ملاقات کی اطلاع دے گا اور وہ اُسے تمھارے بارے میں سب کچھ بتا دے گی۔"

"غزالہ کو میں نے منع کر دیا ہے کہ وہ میرے بارے میں دلدار کو کچھ نہ بتائے۔"

"جب امیر دادا اطلاع دے گا تو غزالہ اس ملاقات سے انکار نہیں کر سکے گی۔"

"وہ میرا کچھ بھی نام بتا سکتی ہے۔ امیر دادا کو میرے نام کا علم تو نہیں ہو سکتا۔"

"بات نہیں بنے گی ڈپٹی صاحب!" جہانگیر نے کہا۔ "سلطان شاہ صحیح کہہ رہا ہے۔ اتنی عقل تو دلدار کو بھی ہو گی کہ وہ غزالہ کے اس اہم ملاقاتی کے بارے میں اندازہ لگا سکے جس سے ملنے کے لیے وہ گھر سے رات کو تنہا نکل سکتی ہے۔"

"وہ اُس کا اندازہ ہو گا۔ ہمارے پاس توڑ یہی ہے کہ اُسے میری ہوا بھی نہ لگ سکے۔ شی والے ابھی تک میری تلاش میں میلان یا وینس میں ہی سرگرداں ہوں گے۔ انھیں خبر ملی کہ دلدار نے کراچی میں میرا سراغ لگا لیا ہے تو وہ دیکھتے ہی دیکھتے جمی لائیڈ کا منظورِ نظر بن جائے گا۔ وہ لوگ ہر اُس شخص کو تہس نہس کر ڈالیں گے جس کا مجھ سے ذرا بھی تعلق ہو گا۔"

"یار مجھے تو نہ ڈراؤ۔ غزالہ ویسے ہی میرے گھر آ چکی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں پہلے ہی ڈی ڈی کی نگاہوں میں آ چکا ہوں!" جہانگیر نے ہنستے ہوئے خطرے کا اظہار کیا۔ "اور اب تم میرے پاس رہ رہے ہو۔"

"اس کا امکان نظر نہیں آتا کیونکہ غزالہ کی نگرانی شادی

کے کئی دن بعد شروع کرائی گئی تھی ویسے مجھے جلد از جلد تمہارے
گھر کو خیر باد کہنا ہی پڑے گا۔ وہاں میرا گزارا مشکل ہوجائے گا۔"
"بس! بُرا مان گئے۔" اُس نے میرے شانے پر ہاتھ مارا۔
"ارے یار! میں تو مذاق کر رہا تھا۔"
"مگر میں سنجیدہ ہوں۔ ماضی کی طرح ہماری نقل و حرکت
میں سرگرمی آجائے گی، اسلحہ بھی جمع کرنا پڑے گا۔ یہ باتیں
زیادہ دن تک سلمیٰ سے پوشیدہ نہیں رکھی جاسکیں گی۔ وہ ویسے
ہی کہہ چکی ہے کہ میرے چلے جانے کے بعد سے تمہاری مصروفیات
معمول پر آگئی تھیں۔ میں اُسے کسی طرح مطمئن نہیں کرسکوں گا۔"
"وہ بیوی میری ہے اور اُس سے ڈرتے تم ہو۔" اُس
نے قہقہہ لگایا۔ شاید وہ دانستہ میرا ذہن غزالہ کی طرف سے
ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ "مجھے دیکھو! میں کتنی دلیری کے
ساتھ اس کے ساتھ گزارا کر رہا ہوں۔"
"اچھا ہوا کہ تم نے خود ہی یہ ذکر نکال لیا۔ سلمیٰ کو معلوم ہے کہ ہم
غزالہ سے ملنے کے لیے نکلے تھے۔ اب واپسی پر اسے کیا بتانا
ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے غزالہ پر ہنسنے کا موقع ملے۔"
"ارے! اب وہ پرائی ہوگئی ہے۔ تم کیوں اس پر دانت لگائے
بیٹھے ہو؟ سلمیٰ ہنستی ہے تو ہنسا کرے۔ اس میں تم کو کیا ضرورت ہے
پریشان ہونے کی؟ وہ تو ویسے بھی غزالہ کو پسند نہیں کرتی تھی۔"
"بات غزالہ کی نہیں میری اپنی ہے۔ میں کل تک اس کا دم
بھرتا تھا۔ آج سلمیٰ کو علم ہوگا کہ اس نے مجھے چھوڑ کر کسی اور کا گھر آباد
کرلیا ہے تو وہ مجھ پر بھی ہنسے گی اور یہ سبکی شاید مجھ سے برداشت نہیں
ہوسکے گی۔"
"چلو اسے کچھ بھی نہیں بتائیں گے۔" جہانگیر نے فراخ دلی کے
ساتھ کہا۔ "میں اسے منع کردوں گا کہ وہ غزالہ کے بارے میں تم سے
کوئی بات نہ کرے۔ ویسے تم چاہو تو میرے ایک فلیٹ کی چابیاں
بھی لے سکتے ہو۔ سلمیٰ اس ٹھکانے سے واقف نہیں ہے۔ وہاں
تم بے فکری اور آرام کے ساتھ رہ سکو گے۔"
"یہ تجویز بہت مناسب ہے۔" میں فوراً ہی بول پڑا۔ "اس
پر تو کل صبح ہی عمل کرلینا چاہیے۔ فلیٹ کس علاقے میں واقع ہے تمہارا؟"
"بہادر آباد کا صاف ستھرا علاقہ ہے۔ شاید شرف آباد کہلاتا
ہے۔ میں کبھی کبھی وہاں جاتا رہتا ہوں۔ روزمرہ ضروریات کا سارا
ساز و سامان وہاں موجود ہے۔ فون بھی لگا ہوا ہے۔"
میری اور جہانگیر کی دوستی رسمی باتوں کی پابند نہیں تھی۔ وہ
بڑے خلوص کے ساتھ کم از کم چند روز کے لیے مجھے اپنا مہمان رکھنا
چاہ رہا تھا لیکن میں سلمیٰ کے تیوروں سے اچھی طرح واقف تھا۔
جہانگیر اسے منع کردیتا پھر بھی وہ تنہائی میں موقع پاکر میرے سر پر
سوار ہوجاتی اور غزالہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ کرید لینے میں کامیاب
ہوجاتی۔ اس کے علاوہ سلطان شاہ کا معاملہ بھی پہلے ہی جہانگیر
کے علم میں لاچکا تھا اس لیے میرے اصرار پر وہ اگلے روز میری
منتقلی پر آمادہ ہوگیا۔
میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اُتر گیا۔ غزالہ کی
شادی کی تصدیق ہوجانے کے بعد مجھے اپنے اوپر اعتماد نہیں
رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ اس عالم میں سلمیٰ کی شوخیوں سے مضطرب
ہوکر میں کہیں بہک گیا تو ہمیشہ کے لیے جہانگیر جیسے جگری دوست
سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں گے اور میں مراسم کے باب میں ان
دنوں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ غزالہ کو کھوتے
ہی میرے دل میں رشتوں کی قدر و قیمت کا احساس یکبیک
بڑھ گیا تھا۔

❀❀

فلیٹ بہت کشادہ اور آرام دہ تھا۔ اس بلڈنگ کے
...... گراؤنڈ فلور پر دکانیں، بالائی منزل پر کار پارکنگ اور
اوپر رہائشی فلیٹ تھے جن میں ہم دوسری منزل پر تھے۔ پارکنگ
فلور سے وہ فاصلہ بس چند سیڑھیوں کا تھا۔ جہانگیر نے گارمنٹ
فیکٹری جانے سے پہلے خود ہی ہمیں وہاں چھوڑا تھا۔
میرے لیے پچھلا دن خاصا بھاری گزرا تھا۔ طبیعت خراب
ہونے کے باوجود مجھے بھاگ دوڑ کرنی پڑ گئی تھی لیکن غزالہ کا
معاملہ صاف ہونے کے بعد میری طبیعت پر یاس انگیز سکون
طاری ہوگیا تھا۔ میرے برعکس سلطان شاہ مشتعل تھا اور بہت
کچھ کر گزرنا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اسے سنبھالا ہوا تھا۔ مجھے
کم از کم ایک دو روز مکمل آرام کی ضرورت تھی، ورنہ میں خود محسوس
کر رہا تھا کہ کہیں میری علالت مجھے لمبی مدت کے لیے ہی نہ
لے بیٹھے اور وہ سلطان شاہ کو لگام دیے رکھنے کا ایک
معقول جواز تھا۔
"اگر تم کچھ بھی نہیں کرنا چاہتے تو پھر دو ہفتوں کے
لیے مجھے چھٹی دے دو۔" میری طرف سے صبر کی مسلسل تلقین
سے عاجز آکر سلطان شاہ نے کہا۔ "مجھے بہت دن ہوگئے
ہیں، اس دوران میں گاؤں ہو آؤں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اکیلے
رہ کر تم زیادہ بہتر اور مثبت انداز میں سوچ کر کچھ فیصلہ کرلو۔"
"ابھی تو پہلا دن بھی نہیں گزرا ہے اور تم بھڑک رہے
ہو۔ کم از کم مجھے کل تو آرام کرنے دو اس کے بعد کوئی فیصلہ کر
لیں گے ویسے میں نے تمہارے لیے ایک اہم کام سوچا
ہوا ہے۔"
"تمہیں دیکھ دیکھ کر میں دل ہی دل میں کڑھ رہا ہوں میاں

جس قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں وہاں اوّل تو عشق و محبت شجرِ ممنوعہ سمجھے جاتے ہیں۔ کوئی کسی عورت کو نظر بھر کر دیکھ لے تو آناً فاناً میں پہاڑی وادیاں انسانی لہو میں ڈوب جاتی ہیں اور اگر کسی کی عورت بے وفائی کر جائے تو پھر اسے کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑا جاتا۔ یہی تو مرد کی عزّت اور غیرت ہوتی ہے۔ اس پر آنچ آجائے تو پھر مرنے مارنے کے بغیر زندگی بے کیف ہو جاتی ہے۔ پتا نہیں تم نے غزالہ کا روگ کیوں پال لیا ہے؟ اس نے تمھیں چھوڑ دیا ہے، تم اس کے سینے میں چھ گولیاں اتار دیتے، پھر دیکھتے کہ تمھاری خودی کتنی بلند ہو جاتی ہے۔ یوں بستر سے نہ لگے رہتے۔“ اس نے میرے نجی مسئلے پر پہلی بار کھل کر اپنے قبائلی انداز میں رائے ظاہر کی۔ ”لیکن نہ خود کچھ کرنے پر آمادہ ہو نہ مجھے کرنے دیتے ہو۔“

”غزالہ نہ میری ماں تھی، نہ بہن، نہ بیٹی۔ حد تو یہ ہے کہ وہ میری بیوی تک نہیں بنی تھی۔“ اسے سمجھانے کے لیے مجھے مجبوراً اسی کا لب و لہجہ اختیار کرنا پڑا۔ ”تم جن خونریزیوں کی بات کر رہے ہو وہ ان ہی چار رشتوں کی خاطر ہوتی ہیں اور شہروں میں بھی ہوتی رہتی ہیں لیکن غزالہ پر میرا کیا زور تھا۔ عشق و محبت تو ویسے بھی ہمارے پورے معاشرے میں شجرِ ممنوعہ ہیں۔ تمھارے فلسفے پر جاؤں تو مجھے خود کو محبت کا مجرم قرار دینا پڑے گا۔ اس لیے ایسے فیصلے بہت دشوار ہوتے ہیں۔ انسانی خون بہا کر پچھتانے سے بہتر ہے کہ اپنے اس اقدام پر پہلے اچھی طرح غور کر لیا جائے۔ ایسی عداوتوں سے نسل در نسل نجانے کتنے لوگ موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔ صلح اسی وقت ہوتی ہے جب ایک حریف اپنی غلطی یا کمزوری مان کر ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو عزّت اور غیرت کا مسئلہ بنانے سے بات نہیں بنتی۔ غزالہ اب مجھ سے زیادہ دلدار کی غیرت کا معاملہ ہے۔ میں بغیر سوچے سمجھے اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔“

”پھر مجھے کام بتاؤ!“ وہ زچ آکر مطالبہ کر بیٹھا۔

”دلدار کوئی معزز آدمی نہیں ہے۔ ہمیں جو کچھ معلوم ہوا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شی کی بیرونی منڈیوں کے لیے یہاں سے ہیروئن باہر اسمگل کر رہا ہے۔ تم یہ بھی خبر لائے تھے کہ وہ دوائیں بنانے والے ایک کارخانے کا مالک ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بدمعاش اس کارخانے کی آڑ میں بھی کوئی مذموم دھندا کر رہا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم کسی بھی طرح اس کے کارخانے میں ملازمت حاصل کر و تاکہ ہمیں اندر کی خبریں مل سکیں۔ اس کے کچھوں سے واقف ہو کر ہی ہم اسے بے نقاب کر سکیں گے۔ جب تک اس کا کارخانے داری کا بھرم برقرار رہے گا وہ معزز بنا رہے گا اور اسے مجرم ثابت کرنے کی کوششیں رائیگاں جائیں گی۔“

”یہ تو واقعی قرینے کا کام نکالا ہے تم نے۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ”لیکن وہ چھان بین کیے بغیر کسی کو ملازم نہیں رکھتا ہوگا۔ ایسے لوگ آنکھیں بند کر کے کسی پر اعتماد نہیں کرتے۔“

”میں نہیں چاہتا کہ چھان بین کے نتیجے میں تمھارا مجھ سے کوئی تعلق ثابت ہو۔ اس کے لیے تمھیں کہیں اور ٹھکانا تلاش کرنا پڑے گا۔“

”یہی سب سے آسان صورت ہے۔ میں آج ہی پرانی بستی میں منتقل ہو جاتا ہوں جہاں سے تم نے مجھے نکالا تھا۔ وہاں سب میرے جاننے والے ہیں اور کھل کر میرے حق میں ہر وہ گواہی دیں گے جو میں چاہوں گا۔“

”خیال اچھا ہے لیکن اتنی عجلت مناسب نہیں۔ کم از کم کل تک تمھیں میرے ساتھ ہی رہنا ہوگا اس کے بعد تم باہر اپنا بندوبست کر لینا۔ اس دوران میں میں بھی باہر نکلنے کے قابل ہو جاؤں گا۔“

”میرا تو خیال ہے کہ تم اپنے کام کی ابتدا امیر داد سے کرو۔ اگر وہ ہاتھ آجائے تو اس سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ اس کے کسی آدمی پر براہِ راست ہاتھ ڈالے بغیر ہم کچھوے کی رفتار سے آگے بڑھتے رہیں گے۔“

حقیقت یہ تھی کہ میں خود بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہا تھا کیونکہ ڈی ڈی کے آدمیوں میں اس وقت صرف امیر داد ہی ہمارے سامنے تھا۔ لیکن دقّت یہ تھی کہ وہ ہالیڈے اِن میں مجھے غزالہ کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔ ایک بار ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ علیحدہ فلیٹ اور فون مل چکا تھا، لہٰذا اخبار میں گمبی گمبی والا اشتہار دے کر مافیا کا سہارا لیا جائے۔ ان سے تعاون کی راہ نکل آنے کے بعد میں ان کے مفادات کے تحفظ کے نام پر ان کے وسائل ڈی ڈی کے خلاف حرکت میں لا سکتا تھا لیکن قباحت یہ تھی کہ پھر مجھے زندگی بھر کے لیے مافیا کی غلامی قبول کرنی پڑ جاتی جو مجھے کسی بھی قیمت پر قبول نہیں تھی۔

دوپہر کے قریب جہانگیر فیکٹری کے اہم کاموں سے فارغ ہو کر وہیں فلیٹ پر چلا آیا تو مجھے بہت خوشی ہوئی۔ سلطان شاہ شاید موقع کی تلاش میں تھا۔ جوں ہی اسے یہ اندازہ ہوا کہ جہانگیر طویل بیٹھک کے ارادے سے آیا تھا اس نے فوراً ہی مجھ سے باہر جانے کی اجازت طلب کر لی۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ فلیٹ میں آکر وہ زیادہ خوش نہیں تھا۔

”چلے جاؤ لیکن یہ خیال رکھنا کہ مجھے چھ بجے واپس لوٹنا ہے۔“ میرے بجائے جہانگیر نے اسے اجازت دے دی اور وہ خوشی کے ساتھ شکریہ ادا کرتے ہوئے فوراً ہی فلیٹ سے چلا گیا۔

"سلمٰی کو بڑی شدت سے تمہاری تلاش ہے۔" جہانگیر نے بریف کیس کھول کر بلیک لیبل کی سربمہر بوتل نکالتے ہوئے ہنس کر کہا۔ "رات کو میں نے اسے منع کر دیا تھا کہ تمہارا موڈ خراب ہے اس لیے غزالہ کے بارے میں تم سے کوئی بات نہ کرے کیونکہ تم نے مجھے بھی اپنی ملاقات کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا پھر صبح تم نے ناشتے کی میز پر اچانک ہی اپنی منتقلی کا اعلان کر کے اس بے چاری کے سارے تجسس کا ستیاناس مار دیا۔ وہ دو مرتبہ فیکٹری فون کر چکی تھی کہ میں نے تم کو کہاں چھوڑا تھا۔"

"تم نے یہاں کا نمبر تو نہیں دیا اسے؟" میں نے بوکھلا کر سوال کیا۔

"ابھی تو اتنا ہی کہا ہے کہ تم ایک اسٹیٹ بروکر کے پاس اترے تھے لیکن اسے نمبر دیے بغیر میری گلو خلاصی نہیں ہوگی۔ اس کی تسلی کے لیے کوئی بھی من گھڑت کہانی بنا لینا۔"

غزالہ سے جب تک میری ملاقات نہیں ہوئی تھی میں نے اس یادگار دن کے بارے میں بہت کچھ سوچا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ابتدا گلے شکووں سے ہوگی۔ پھر اس کے والدین کے مرگِ ناگہانی کا المناک موضوع آئے گا۔ وہ اپنی بپتا سنائے گی' میں اسے قائل کرنے کے لیے اپنے مصائب کا ذکر کروں گا لیکن اس ملاقات میں کچھ بھی نہ ہوا۔ اس نے مجھ سے یوں تیور بدلے تھے کہ ہم دونوں کے درمیان ایک خلیج سی حائل ہو گئی تھی جس نے زبانوں پر بھی گویا مہر لگا دی تھی۔ اس نے اپنی مہینوں کی کہانی چند فقروں میں سمو دی اور میں تو اسے اپنے بارے میں کچھ بھی نہ بتا سکا۔ نہ ہی اس نے میرے گزرے ہوئے دنوں کے بارے میں کچھ جاننے کی خواہش کا اظہار کیا۔ شاید مجھے اپنے روبرو زندہ سلامت دیکھ کر اس نے یہ فرض کر لیا تھا کہ سب خیریت ہی رہی ہوگی۔

میں نے سوچ لیا کہ جو کچھ میں نے سوچا تھا اور جو سرے سے نہیں ہو سکا تھا اسے ایک کہانی بنا کر سلمٰی کو سنا دوں گا۔ نہ وہ غزالہ کو پسند کرتی تھی نہ غزالہ اسے پسند کرتی تھی اس لیے میں سلمٰی سے جو کچھ بھی کہہ دیتا اس کی کہیں سے تردید ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اس طرح سلمٰی کی نظروں میں میرا بھرم بھی قائم رہتا اور جہانگیر کی گلو خلاصی بھی ہو جاتی۔

"چلو یہ جھوٹ بھی بول لوں گا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "یہ بتاؤ کہ کیسی گزر رہی ہے؟"

"اب اچھی گزرنے لگی ہے۔" وہ دو گلاس بناتے ہوئے ہنس کر بولا۔ "بیوی کے لیے شوہر کے معمولات غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ تنظیم کے دنوں میں جب وقت بے وقت کام سے جانا پڑتا تھا تو وہ بھڑکتی تھی۔ اب اپنے مقررہ اوقات میں عیاشی کے لیے غائب ہوتا ہوں تو وہ سمجھتی ہے کہ میں دن بھر گدھے کی طرح کام میں جتا رہتا ہوں۔"

"اس موضوع پر اب میں خود کو نااہل تصور کرنے لگا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اہلیت بڑھانے کے لیے چاہو تو ایک سیکریٹری دلوا دوں۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "سیلون سے نوجوان اور تعلیم یافتہ لڑکیوں کی ایک کھیپ آئی ہوئی ہے اور سب ہی ملازمت کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔"

فضا میں ہولے سے گلاس ٹکراتے ہوئے اس نے میرا جامِ صحت تجویز کیا۔ ہم نے لب تر کیے' میں نے معدہ سیراب کیا اور بولا۔ "ہر چیز سے دل اچاٹ ہو رہا ہے جب تک دلدار سے بدلہ نہ لے لوں چین نہیں آئے گا۔"

"یار ایسی باتیں نہ کرو۔" وہ اپنائیت کے ساتھ بولا۔ "تمہاری اداسی میرے دل پر بھی اثر انداز ہونے لگے گی۔ ویسے میں بھی ایک آدھ دن میں تمہارے لیے کچھ کروں گا۔ پرانے لوگوں کو ڈھونڈنے کا کام تو میں نے آج سے ہی شروع کر دیا ہے۔ بھروسے اور ہمت والا آدمی مل گیا تو امیر داد اکو اس کے گھر سے اٹھوا ہی لوں گا۔"

"ہم دونوں بھی یہی سوچ رہے تھے لیکن اس کا اغوا ہے مروانے سے زیادہ مشکل ثابت ہوگا۔ اسے یہاں تو لایا نہیں جا سکتا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اسے رکھا کہاں جائے گا؟ تشدد کے بغیر شاید وہ زبان نہیں کھولے گا۔"

"یہ میرا کام ہے۔ فیکٹری میں شام کا چوکیدار میرا اپنا آدمی ہے۔ دھندے کے زمانے میں دو خون کر چکا ہے لیکن ریکارڈ بالکل صاف ہے۔ جو کچھ کرنا ہو' شام سات بجے سے صبح سات بجے کے درمیان کرنا۔ کسی کے فرشتوں کو بھی ہوا نہ لگ سکے گی۔ ویسے تم اس چکر میں نہ پڑو' یہ کام میں بہتر طریقے سے سر انجام دے سکتا ہوں۔"

"شاید میں تمھیں یہ بتانا بھول گیا کہ دلدار نے بظاہر ایک دوا ساز کارخانہ قائم کیا ہوا ہے!"

"اوہ! یہ میں پہلی بار سن رہا ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ آڑ کے لیے کوئی کاروبار سامنے نہ ہو تو کھل کر عیش و عشرت کی زندگی گزارنی خطرناک ثابت ہوتی ہے۔"

"مجھے تو شبہ ہے کہ وہ وہاں بھی کوئی کھیلا کر رہا ہوگا ورنہ اس کا کام اتنی خاموشی سے نہ چل رہا ہوتا۔ مجھے حیرت ہے کہ تنظیم یہاں تھی کی کسی سرگرمی کا علم ہی نہیں تھا۔"

"ایسا کوئی کھیلا معلوم ہو جائے تو فیکٹری پر چھاپا ڈلوا کر اسے فوری طور پر اسی بہانے سے اندر کرایا جا سکتا ہے۔ فیکٹری میں نے ایک بڑے پولیس افسر سے خریدی ہے جو اس نے اپنے بھتیجے کے نام سے قائم کی ہوئی تھی اس سودے کی وجہ سے ہم دونوں کے درمیان گہری دوستی استوار ہو گئی ہے۔ میں چاہوں تو وہ حیلے بہانوں سے دلدار کو ہراساں بھی کر سکتا ہے لیکن ایسے اوچھے ہتھ

سے وہ چوکنا ہو جائے گا اور ہم اس پر کبھی ہاتھ نہ ڈال سکیں گے۔"

"اس سے پہلے کہ ہم موڈ میں آئیں اپنی فیکٹری کا پتا اور چوکیدار کو زیر کرنے کا طلسم سمجھا دو، نہ جانے کس وقت ادھر کا رُخ کرنے کی ضرورت پیش آجائے آج کل تو ستارے بھی یاد نہیں رہے ہیں۔"

اس نے بریف کیس سے اپنا بزنس کارڈ نکال کر اس کی پشت پر اردو میں ریشم خان کا نام لکھ کر نیچے اپنے دستخط ثبت کیے اور وہ کارڈ میری طرف بڑھا دیا۔"پتا بہت آسان ہے — چوکیدار کو صرف کارڈ دے دو گے تو مزید کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ رات کو فیکٹری میں وہ بالکل تنہا ہوتا ہے۔"

"تمہارے کام کرنے کے پرانے انداز اب بھی نہیں بدلے" میں نے کارڈ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔"تم تو کپڑوں کی آڑ میں کوئی چکر نہیں چلا رہے ہو؟"

"اس قدر کمایا اور اڑایا ہے کہ اب دل میں کوئی حسرت باقی نہیں رہی۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔"اب تو کروڑوں کا فائدہ سامنے ہو تو پھر بھی کالے دھندوں کو لات مار دوں گا مجھے اسی کاروبار میں بہت کچھ مل رہا ہے۔ ایمانداری سے کام چل رہا ہو تو بے ایمانی کرنے والے پر ہر طرف سے لعنت برستی ہے۔"

وہ میرا دوست اور مونس و غم خوار تھا اس لیے میں نے اس کی بات پر تنقید کیے بغیر اس کی نیک نفسی کو سراہا لیکن میں دل میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ہم نے اپنی عملی زندگی میں ایمان کو کتنی سستی جنس بنا لیا تھا کہ جہاں دل چاہا، ایمانداری اور بے ایمانی کی ایک لکیر کھینچ دی جبکہ چوری اور بے ایمانی سے رکھی ہوئی بنیادوں سے کبھی ایمان کی رمق بھی نہیں مل سکتی۔ اس نے میرے ساتھ ہی چرس فروشی کے ابتدائی دور میں تنظیم میں شرکت کی تھی پھر ہیروئن کا دور آیا تو چرس کی جگہ اسے شہر میں متعارف کرانے میں میرے ساتھ جہانگیر کی بھی سرتوڑ کوششیں شامل تھیں اس لیے اس کی آمدنی یا بچت کسی بھی طرح ایمانداری کے زمرے میں نہیں آتی تھی لیکن وہ کسی اور کے نہیں بلکہ میرے ہی سامنے ڈنکے کی چوٹ پر خود کو اللہ کی لعنت سے بری قرار دیے جانے والوں میں شمار کر رہا تھا اور یہی حال کم و بیش ہمارے معاشرے میں ہر فرد کا تھا کہ وہ اپنے مفادات کے لیے اخلاق اور مذہب کے ہر ضابطے کو اپنی ضرورت کے مطابق توڑ مروڑ لیتا تھا اور اسے ٹوکنے والا کوئی نہ ہوتا تھا۔

ہم دونوں تبادلۂ خیال کرتے ہوئے اپنے شغل میں مصروف رہے۔ اس دوران میں جہانگیر نے میرے مستقبل کا ذکر بھی چھیڑا جس میں کاروبار اور مستقل آمدنی کے مسائل شامل تھے۔ اس نے مجھے پیشکش کی تھی کہ مجھے اپنے کاروبار میں شریک کرے گا لیکن میں دوستی اور کاروبار کی یکجائی کا قائل نہیں تھا اس لیے اس وقت بھی میں نے اسے صاف بتا دیا کہ فوری طور پر میرا کوئی کام کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ اپنی لائی ہوئی رقم کسی بھی بینک میں جمع کرا کے میں اتنا سود حاصل کر سکتا تھا کہ اپنے سارے اخراجات پورے کر کے بھی کافی رقم پس انداز کر سکتا تھا۔

پھر ہماری گفتگو کا رخ باہر کی دُنیا میں شی کی تنظیم کی طرف ہو گیا اور میں اسے اپنے ساتھ پیش آنے والے ان پیچیدہ واقعات سے آگاہ کرنے لگا جو خود میرے لیے ناقابل فراموش ثابت ہوئے تھے اسے ابتدا سے ہی زیادہ اُبھرنے کا موقع نہیں ملا تھا اس لیے وہ ساری تفصیلات اس کے لیے ناقابل یقین حد تک سنسنی خیز ثابت ہوئیں۔ اس کی معلومات میں اضافے کی خاطر میں نے پاکستان میں شی کے خفیہ عزائم کا بھی ہلکا سا ذکر کیا جس میں لائیڈز کالج کے زبردست اسلحے خانے کی تباہی کا واقعہ بھی شامل تھا تو وہ حیرت سے اُچھل پڑا کیونکہ لاہور کا وہ ہولناک حادثہ اس کی یادداشت میں تازہ تھا جس کے بارے میں چند روز تک اخبارات میں بہت سا سنسنی خیز مواد چھپتا رہا پھر کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ تحقیقات کا کیا انجام ہوا تھا۔ خود میرا اندازہ تھا کہ لائیڈز کالج کی تباہی شی کے لیے بدترین دھچکا ثابت ہوئی تھی جس کے اثرات سے وہ سنبھل ہی نہ سکی تھی کیونکہ لاہور کا لائیڈز کالج شی کے حقیقی سربراہ جمی لائیڈ کی ملکیت تھا۔ اس عمارت کو عملی طور پر ایک اہم اور ناقابلِ رسائی مقام کا درجہ دے دیا گیا تھا جہاں کے انتظامات میں مقامی انتظامیہ کا کوئی عمل دخل نہیں تھا اور وہ لوگ اس احاطے کے اندر ہر اس لفظ کو قانون بنا دیتے تھے جو اوپر والوں کی طرف سے آتا تھا۔

لیکن اس عمارت کے زیرِ زمین اسلحہ خانوں کی ہولناک تباہی کے بعد اس امر سے انکار کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہ گئی تھی کہ ملک میں غیر قانونی طور پر درآمد کیا جانے والا اسلحہ مذموم مقاصد کے لیے اس ذخیرہ گاہ میں چُھپایا گیا تھا۔ ملبے سے ہر قسم کے ٹھوس شواہد دریافت کیے گئے تھے جن کے ذریعے بآسانی ان ذرائع کا سراغ لگایا جا سکتا تھا جو ملک میں اسلحے کی ترسیل اور ذخیرہ اندوزی کے ذمے دار تھے۔

شاید یہی سبب تھا کہ اس کے بعد پاکستان میں

شی کی نفری میں قابلِ ذکر کمی کر کے اس کی سرگرمیاں صرف
ہیروئن کی برآمد تک محدود کر دی گئی تھیں تا کہ ان کی
آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ موقوف نہ ہونے پائے۔

"لیکن یہاں رہتے ہوئے تو تم نے مجھے ہوا بھی نہ
لگنے دی کہ شی کی مخالفت میں تم اس حد تک آگے جا چکے
تھے۔" اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"تم تنظیم سے خوفزدہ تھے اس لیے میں تم سے دور
ہی رہتا تھا۔ شاید تمہارے لیے یہ انکشاف بھی حیرت ناک
ہو کہ جمی لائیڈ کی اکلوتی بیٹی اپنے باپ سے باغی ہو کر میرے
ساتھ مل گئی تھی اور وہ اب بھی باغی ہی ہے۔"

"ویرا لائیڈ!" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "تم تیز
پی رہے ہو اس لیے آج عالمِ بالا کی خبریں لا رہے ہو۔ ایسا
لگتا ہے جیسے جمی لائیڈ نے بذاتِ خود تمہیں اپنے بیوی بچوں
سے متعارف کرایا ہو۔"

اور یوں مجھے ویرا کی کہانی دہرانی پڑی جسے سلطان
شاہ فرانس اور اٹلی کی سرحد پر چھوڑ آیا تھا۔

ہماری محفل چل ہی رہی تھی کہ پانچ بجے ڈور بیل بجی۔
جہانگیر نے اٹھ کر احتیاط سے دروازہ کھولا تو باہر سلطان شاہ
موجود تھا۔

"میں کچھ کام کر کے آیا ہوں۔" اس نے اندر آ کر سنجیدگی
کے ساتھ انکشاف کیا۔ "شاید امیر دادا کو اسی وقت اٹھوا
لیا جاتا لیکن سب سے بڑا مسئلہ یہ پیدا ہو گا کہ اسے کہاں
رکھا جائے گا؟"

"جہانگیر کی فیکٹری سے بہتر جگہ پورے شہر میں نہیں مل
سکے گی۔" میں نے کہا۔

"بس تو پھر میں ابھی واپس جاتا ہوں، فیکٹری کا پتا
مجھے سمجھا دو۔"

"یہ کام تم تنہا کرو گے؟" جہانگیر نے بے اعتباری کے
ساتھ سوال کیا۔ "یا ہمیں بھی ساتھ چلنا ہو گا؟"

"زیادہ بھیڑ بھاڑ سے کام خراب ہو جائے گا۔ ہمارا اسے
دھوکے سے اٹھوانے کا پروگرام ہے لیکن شرط یہی ہے کہ
اغوا کے بعد وہ شہر میں زندہ نظر نہیں آنا چاہیے ورنہ میرے
مراسم پر خراب اثر پڑے گا۔" سلطان شاہ بولا۔

"تمہارے اس سے کہاں کے مراسم نکل آئے؟" میں
نے تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میرا ایک گہرا دوست ہے جس کے امیر دادا سے بھی
مراسم ہیں۔ میں اسی سے ملنے گیا تھا۔ میں نے اسے راضی
کر لیا ہے کہ وہ تفریح کے بہانے امیر دادا کو گھر سے
گا پھر ہم دونوں ٹیکسی میں کلوروفارم سنگھا کر اسے بے ہو
دیں گے مگر امیر دادا بہت خطرناک آدمی ہے۔ اس
کارروائی کے بعد اگر اسے زندہ چھوڑا گیا تو وہ میرے دو
کو پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالے گا۔ اس کی شرط یہ ہے
کہ کام ہو جانے کے بعد امیر دادا کو زندہ نہیں رہنا چاہیے
"اور اس کام کا معاوضہ کیا دینا ہو گا؟" میں نے سوا
"کچھ بھی نہیں!" سلطان شاہ نے وہ انکشاف کر
ہم دونوں کو حیران کر دیا۔

"دراصل میرے دوست کا علاقہ بھی وہی ہے" سل
شاہ نے وضاحت کی۔ "امیر دادا کی موجودگی میں اس کی دا
نہیں گلتی۔ اس کا پتا صاف ہو جائے گا تو میرے دوست
اس علاقے میں بالادستی حاصل ہو جائے گی۔ بس یوں سمجھ
لو کہ ان کی آپس کی مخاصمت سے ہمیں فائدہ ہو رہا ہے
ویسے میں اسے کچھ رقم دوں گا تو وہ انکار بھی نہیں کرے گا
"جب ان میں دشمنی ہے تو امیر دادا جیسا چالاک آ
اس کی چال میں کیسے آ جائے گا؟"

"بظاہر میرا دوست امیر دادا کا مطیع ہے۔ وہ شاید
اپنے ہاتھ سے مارنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا اسی لیے ا
کو ہمارے حوالے کر رہا ہے۔ دیکھا جائے تو یہ دوطرفہ معاہدہ
"ٹھیک ہے۔" جہانگیر نے کہا۔ "میں پتا سمجھائے دیتا
ہوں لیکن یہ خیال رکھنا کہ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ پروگرام ایسا ہو
چاہیے کہ تم اندھیرا پھیلنے کے بعد فیکٹری پہنچو۔ میں خود وہاں
تمہارا انتظار کروں گا۔"

"ساڑھے سات اور آٹھ بجے کے درمیان شکار وہاں
موجود ہو گا۔" سلطان شاہ نے اعتماد سے کہا اور جہانگیر
فیکٹری کا محلِ وقوع سمجھانے لگا۔

سلطان شاہ تھوڑی دیر وہاں ٹھہر کر واپس چلا گیا کیونکہ
اسے موقع کے لیے کچھ تیاریاں بھی کرنی تھیں۔

"یہ شخص کچھ شیخی خورا اور غبی نظر آتا ہے۔" سلطان شاہ
چلے جانے کے بعد جہانگیر نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہو
کہا۔ "امیر ایک جہاندیدہ اور مکار غنڈا ہے۔ مجھے یقین نہیں
یہ لڑکا اسے اُلّو بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔"

"یہ تمہیں وقت آنے پر پتا چلے گا۔" میں نے مسکراتے ہو
کہا۔ سلطان شاہ کی لائی ہوئی امید افزا خبر نے میرا دل خوش کر
دیا تھا اور مجھے ولدار کا انجام قریب نظر آنے لگا تھا۔

"پتا نہیں، واپسی میں کتنی دیر ہو جائے اس لیے میں
گھر کا چکر لگا لیتا ہوں۔ بلکہ تم بھی یہاں پڑے پڑے کیا کر

میرے ساتھ ہی چلو۔ گھر سے ہم سیدھے فیکٹری کی طرف نکل جائیں گے۔"
اس وقت میرا سلمیٰ کا سامنا کرنے کا موڈ نہیں تھا لیکن جہانگیر کے اصرار کے سامنے مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے اور پھر میں اس کے ہمراہ اس کے گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔
دورانِ سفر میرا ذہن برق رفتاری کے ساتھ امیر دادا سے کی جانے والی بازپرس کا خاکہ تیار کرنے میں مصروف تھا۔

سلمیٰ مجھے دیکھتے ہی بھڑک اٹھی، اپنے غصے کا اظہار کرتے ہوئے اس نے جہانگیر کی موجودگی کی بھی پروا نہیں کی اور تیوریاں چڑھا کر مجھ پر برس پڑی۔
"رات کو ڈیڑھ من کا منہ سجا کر واپس آئے اور صبح ناشتے کے بعد اچانک واپس چل دیے تمھیں یہ توفیق بھی نہیں ہوئی کہ کم از کم فون پر ہی مجھے یہ بتا دیتے کہ اب کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟"
جہانگیر کے لیے سلمیٰ کا وہ طرزِ تخاطب حیران کن ثابت ہوا وہ خجالت آمیز انداز میں یوں میری طرف دیکھ رہا تھا جیسے میرے برا مان جانے سے خائف ہو۔ اس بے چارے کو کیا پتا کہ اس کی غیر حاضری میں سلمیٰ مجھ پر اس سے بھی زیادہ حق جتانے کی کوشش کرتی تھی اور اسی وجہ سے میں بوکھلا کر جہانگیر کے گھر سے فلیٹ کی طرف بھاگا تھا۔
جہانگیر کی توقع کے خلاف میں نے برا مانے بغیر مسکرا کر سلمیٰ سے کہا۔ "یہ فہرست مختصر سی ہے۔ تمھاری اطلاع کے لیے اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ اگر تمھیں نہیں تو میں نے جہانگیر کو فون کر کے فیکٹری میں بتا دیا تھا کہ میں کہاں ٹھہرا ہوں۔ یہ اس کا قصور ہے کہ اس نے یہ اطلاع تم تک نہیں پہنچائی۔ اس شہر میں تم لوگوں کے علاوہ میرا اور کون رہ گیا ہے جس پر میں ناز کر سکتا ہوں۔"
"ناز کر سکتا ہوں۔" وہ غصے سے بڑبڑائی۔ "جب تمھاری چہیتی بہن اپنا دشمن سمجھتی ہے تو تم کب اپنا دوست سمجھتے ہو گے؟ یہ دوستی ہی کے طریقے ہیں کہ اس سے مل ملا کر ایک لفظ بھی بتائے بغیر منہ چھپا کر بھاگ گئے۔"
"غصہ تھوک دو ڈارلنگ!" جہانگیر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "مکان کا بندوبست ہوتے ہی ڈینی نے مجھے فون کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت ہم دونوں ساتھ نظر آ رہے ہیں۔ اب اس سے جو چاہو پوچھ سکتی ہو۔"
"تم ٹھیک سمجھی ہو۔" میں نے سلمیٰ سے کہا۔ "میں منہ چھپا کر ہی بھاگا تھا۔ اس وقت غصے اور مایوسی کے عالم میں میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اپنی زبان سے کسی کو کیا بتا سکوں گا۔"
"تم لوگ اپنا جھگڑا نمٹاؤ، میں لباس بدل کر آتا ہوں۔" جہانگیر ہم دونوں کو وہاں چھوڑ کر اندر چلا گیا۔
"میں سب سمجھتی ہوں، تم مجھ سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہو۔" تخلیہ ہوتے ہی وہ دھیمے لیکن تلخ لہجے میں بولی۔ "اگر یہیں رکے رہتے تو میں تمھیں اُبال کر تو نہ کھا جاتی۔ میرے سامنے تم اتنے پارسا بنتے ہو۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں تمھارے گنوں سے بے خبر ہوں۔"
"میں نے کبھی پارسائی کا دعویٰ نہیں کیا سلمیٰ! اور شاید غزالہ نے مجھے اسی کی سزا دی ہے۔ سارا قصہ یہ ہے کہ جہانگیر اندھی کھوپڑی کا مالک ہے۔ ہماری نیک نیتی کے باوجود اگر اسے ہمارے میل جول پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا تو وہ بلا سوچے سمجھے ہم دونوں کو گولی مار دے گا، چاہے بعد میں دس دن تک ہماری لاشوں سے لپٹ کر روتا رہے۔ میں بس اسی بری گھڑی سے بھاگتا ہوں، ورنہ تم جیسی خوب صورت اور ذہین عورت کے ساتھ رہ کر تو ذہن سے زنگ صاف ہونے لگتا ہے۔"
حسب توقع وہ وار کارگر رہا اور اس کے تیور نرم پڑ گئے۔ "تم اول درجے کے جھوٹے اور مکار ہو۔ تمھاری سچی باتوں پر بھی مشکل ہی سے اعتبار آتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ میں اس پرکٹی غزالہ سے کم تر تو نہیں ہوں؟"
"ہرگز نہیں۔" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور وہ بے اختیار مسکرا دی اور میں ایک بار پھر اس آفاقی حقیقت کا قائل ہو گیا کہ دنیا کی حسین ترین عورت کے سامنے بھی اس کے حسن اور ذہانت کی فراخ دلی سے تعریف کی جائے تو وہ لمحہ بھر میں احمق اور بے وقوف بن کر رہ جاتی ہے۔ اسے رام کر لینے کی خوشی میں میں نے فوراً ہی سگریٹ سلگا لی۔
"تمھارے سانسوں سے اسکاچ کی بو آ رہی ہے۔" وہ شوخ لہجے میں بولی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ اسی کے زیرِ اثر اس وقت سچی سچی باتیں کر رہے ہو۔ یہ بتاؤ کہ تم دونوں اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟"
"جہانگیر میرے فلیٹ پر پہنچا تھا، وہاں سے سیدھے ادھر آئے ہیں۔" میں نے کہا۔
"اور تمھارا ہم زاد کہاں رہ گیا؟" اس نے سلطان شاہ کے بارے میں سوال کیا۔
"ہم دونوں نے الگ الگ رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" میں نے وہ بات کہی جو سلمیٰ کو خوش کر سکتی تھی۔ "ایک ساتھ رہ کر وہ بہت تیزی کے ساتھ مجھ پر حاوی ہوتا جا رہا تھا۔ میرے بہتیرے معاملات ایسے ہیں جن میں میں کسی کی دخل اندازی برداشت نہیں کر سکتا لیکن وہ ہر بات میں غیر ضروری طور پر ٹانگ اڑانے کا عادی ہوتا جا رہا تھا۔"

"خدا کا شکر ہے کہ یہ بات تمہاری سمجھ میں آگئی۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "نوکر کتنا ہی عقل مند اور وفادار کیوں نہ ہو، اسے اس کے ٹھکانے پر ہی رکھنا چاہیے۔ زیادہ منہ لگانے سے نوکر سر پر سوار ہونے لگتے ہیں۔" لمحہ بھر کے لیے وہ خاموش ہوئی پھر سوال کر بیٹھی۔ "وہ منہ چھپا کے بھاگنے والی کیا بات بنا رہے تھے تم؟"

"کل رات میرا موڈ بہت خراب تھا۔ عزالہ سے ملنے کے بعد خود کو بری طرح شکست خوردہ سمجھ رہا تھا اس لیے میں نے جہانگیر سے بھی کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ اپنے حالات سے بہت پریشان تھی۔ جب کہیں سے میرا سراغ ملنے کی امید باقی نہ رہی تو مجبور ہو کر اس نے ایک شریف آدمی سے شادی کر لی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش ہیں۔ عزالہ نے مجھے آئندہ ملنے سے بھی منع کر دیا ہے۔"

"اور وہ وعدے، وہ پیمنے کیا ہوئے جو تم دونوں نے ایک ساتھ کیے اور دیکھے تھے؟ اس کی آنکھوں میں تو ذرا بھی لحاظ معلوم نہیں ہوتا۔ اگر اس نے کسی مجبوری کے تحت شادی کر ہی لی تھی تو اپنی برسوں پرانی محبت کو تو فراموش نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ چاہتی تو تمہارا دل رکھ سکتی تھی۔ شوہر کے علم میں لائے بغیر تم سے ملتے رہنے کے ہزار طریقے پیدا ہو سکتے تھے۔"

میں خاموش ہی رہا کیونکہ سلمٰی اور عزالہ میں بنیادی فرق صرف یہی تھا۔ سلمٰی ساری دنیا کو خوش رکھنے کی قائل تھی اور عزالہ کسی ایک کی ہو کر صرف اسی کو خوش رکھنے والی لڑکی تھی خواہ اس مقصد کی خاطر اسے پوری دنیا سے مخاصمت ہی کیوں نہ مول لینی پڑتی۔

"وہ بہت گھٹیا اور احسان فراموش لڑکی ہے۔" مجھے خاموش پا کر سلمٰی کو مزید ہرزہ سرائی کہنے کا موقع مل گیا تھا۔ "میں نے تو جب پہلی بار اسے دیکھا تھا، اسی وقت سے اس کی صورت سے نفرت ہو گئی تھی۔ اب بال کٹوا کر تو وہ بالکل ہی بازاری عورت معلوم ہونے لگی ہے۔ اس دن جہانگیر کو یوں گھور کر دیکھ رہی تھی جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جائے گی۔"

وہ شاید کچھ اور بھی کہتی لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ جیسی بھی ہے، اپنے لیے ہے تم اس کی برائیاں گنوا کر خود کو کیوں گناہ گار کر رہی ہو۔ تمہارے کڑھنے سے وہ اپنی اصلاح تو نہیں کرے گی!"

"اب وہ ادھر آئی تو دھکے دے کر نکلوا دوں گی۔" اس نے دانت پیس کر کہا۔ "بڑی ہرجائی عورت ہے۔ تم نے اس کی خاطر نہ جانے کیسی کیسی لڑکیوں کے دل توڑے کہ اس کا دل میلا نہ ہو اور وہ نیا یار ملتے ہی تمہیں بھلا بیٹھی ہے۔"

اس کے الفاظ زہر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اسے مزید ڈھیل دی گئی تو وہ تھوڑی ہی دیر میں مجھے اپنی یا عزالہ کی طرف سے اتنا مشتعل کر دے گی کہ سارا موڈ غارت ہو کر رہ جائے گا۔

"تم کھانے اچھے بناتی ہو۔ اس وقت کیا تیار ہے؟" میں نے اچانک ہی موضوع بدل دیا۔

"بھوک لگ رہی ہو تو دس منٹ میں کھانا تیار کر دوں گی۔ ڈیپ فریزر میں ہر وقت بہت کچھ تیار رہتا ہے۔"

"معدے میں اتری ہوئی شراب کچھ مانگ رہی ہے۔" میں نے کہا اور وہ 'ابھی آئی' کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ وہ خود بھی ایک شرابی کی بیوی تھی اس لیے آداب مے نوشی اور اس کے بعد کے لوازمات سے پوری طرح واقف تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس طرح عزالہ کو گالیاں دینے کا سلسلہ ترک کر کے وہ وہاں سے چلی گئی تھی اور میرا بھی صرف اتنا ہی مقصد تھا ورنہ مجھے کسی چیز کی ذرا بھی خواہش نہیں تھی۔

وہ خلافِ توقع بہت جلد واپس آگئی۔ چھوٹی ٹرے میں وہ چند گرم گرم شامی کباب، پنیر کے ٹکڑے اور سنترے کے پارچے لے کر آئی تھی۔ اس کی مستعدی کو سراہتے ہوئے میں نے ایک کباب کچھ پنیر کے ساتھ لے لیا اسی وقت جہانگیر لباس تبدیل کر کے ٹائی کی گرہ درست کرتے ہوئے وہاں آپہنچا۔

"ویری گڈ۔" وہ دور ہی سے مسرت آمیز آواز میں چیخا۔ "تم لوگ تو لڑنے کے بجائے کھانے میں مصروف ہو۔ یہ مصالحت کی بہت اچھی علامت ہے۔ اس خوشی میں مجھے بھی تمہارا ساتھ دینا پڑے گا۔" اس نے براہ راست پلیٹ سے چٹکی میں پورا کباب اٹھا لیا۔

"لیکن یہ تیاری کدھر کی ہے؟" سلمٰی نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ڈینی کے واپس لوٹتے ہی اب تمہارے معمولات پھر بگڑنے لگیں گے۔ تم دونوں یہاں گھر میں کیوں نہیں بیٹھتے ہو؟"

"بتاؤ! اب تم ہی بتاؤ۔" جہانگیر نے مجھ پر آنکھیں نکالیں۔ "میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ ہوٹل کے بجائے شیرا کو میرے گھر یا فلیٹ پر بلا لو لیکن تمہیں ہر بات میں اپنی من مانی کرنے کی عادت ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ سلمٰی آج رات میرا گھر سے باہر جانا پسند نہیں کرے گی۔"

"شیرا بہت بد نظر آدمی ہے۔ سلمٰی کی وجہ سے میں نے اسے یہاں نہیں بلایا۔ میرے فلیٹ پر کھانے پکانے کا بندوبست ہونا مشکل تھا کیوں کہ میں بیمار ہوں اور سلطان

جاچکا ہے اس لیے ہوٹل کی تجویز رکھی تھی۔ سلمیٰ ناراض ہوتی ہے تو تم رک جاؤ، میں شیرا سے کوئی بہانہ کر لوں گا۔ تم سے وہ پھر کبھی مل لے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "میں بلاوجہ اپنا نام بدنام نہیں کرانا چاہتا۔"

اس نے بے خبری میں مجھے اس تنازعے میں پھنسایا تھا لیکن میرے جواب سے وہ خوش ہو گیا۔ سلمیٰ کی نظر میں بچا کر اس نے اپنی داہنی آنکھ دبا کر پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

"تم دونوں مل جاؤ تو سفید جھوٹ کو بھی سچ ثابت کر سکتے ہو۔" سلمیٰ جہانگیر سے ہی مخاطب تھی۔ "پروگرام پہلے سے طے کر لیا ہے تو چلے جاؤ لیکن یہ خیال رکھنا کہ اپنے قدموں پر چل کر اپنے ہی گھر واپس آؤ۔ بارہ بجے کے بعد میں دروازے اندر سے بولٹ کر لوں گی جو صبح سے پہلے کسی قیمت نہیں کھلیں گے۔"

جہانگیر کھسیائے ہوئے انداز میں مسکرا کے رہ گیا۔

ہم دونوں ٹشو پیپرز سے تیزی سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے تیزی کے ساتھ باہر نکلتے چلے گئے۔

"یار! تمہاری بیوی تو تم پر بری طرح حاوی ہو گئی ہے۔" گھر سے نکلنے کے بعد میں نے حیرت سے کہا۔ "میرے جانے سے پہلے تو یہ ایسی نہیں تھی۔ اب تو تم بھی اس سے ڈرنے لگے ہو۔"

"کبھی دن بڑے ہوتے ہیں، کبھی راتیں۔" وہ بے پروائی سے بولا۔ "تمہارے سامنے اتنا بول رہی تھی۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو دم بھی نہ مار سکتی تھی۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ جب میں بدمعاشی کرتا تھا تو وہ مجھ سے ڈرتی رہتی تھی۔ جب سے شریفانہ کاروبار شروع ہوا ہے کبھی کبھی وہ داداگیری پر اتر آتی ہے لیکن گھر میں یہ سب چلتا ہی رہتا ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ دوسروں کے دانت توڑنے والا بیوی کی دھونس سے ڈرتا ہے۔ یہ رشتہ بھی کس قدر عجیب ہوتا ہے۔ عورت یا لڑکی جب تک دوست رہے کچھ اور ہوتی ہے بیوی بن کر تو ہر عورت بدل جاتی ہے اور سلمیٰ تو جب چاہتی ہے مجھے بھی بری طرح رگڑ دیتی ہے حالانکہ میں ہمیشہ اس کا لحاظ کرتا ہوں۔"

"اس کی باتوں کا برا نہ مانا کرو۔" وہ احمق میری بات کی گہرائی میں جانے کے بجائے میرا بازو سہلاتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ "وہ دل کی بری نہیں ہے تمہیں میرے چھوٹے بھائی کی طرح سمجھتی ہے کبھی کوئی الٹی بات کہہ بھی جائے تو ہنس کر ٹال دیا کرو۔ دراصل وہ بھرے گھر کی بیٹی ہے اور یہاں آ کر میرے ساتھ بالکل تنہا رہ گئی ہے۔ ملازموں میں گھلنے ملنے میں ہتک سمجھتی ہے۔ تم نظر آ جاتے ہو تو اسے بھی دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جاتا ہے۔ غزالہ کے بارے میں کیا پوچھ رہی تھی تم سے؟"

میں نے اس موضوع پر ہونے والی گفتگو اس کے سامنے دہرا دی۔

"ویسے تمہارا کام خاصا مشکل ہو گیا ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس نے کہا۔ "دلدار کو راہ سے ہٹانے کے ساتھ ہی تمہیں غزالہ کو بھی یہ دکھانا ہے کہ اس نے عجلت میں ایک مکار اور سازشی شخص کو اپنا شریکِ حیات بنا لیا ہے۔"

"کام بہت آسان ہے۔ ایک بار سرا مل جائے تو پھر میں تم کو تماشا دکھاؤں گا۔ شہر کے کسی پل سے لٹکی ہوئی امیر زادا کی حسرت زدہ کھوپڑی دلدار کے اوسان خطا کر دے گی۔ یہ اچھا ہوا کہ تم نے اس موذی کو پہچان لیا جو میرے مینیجر اور اس کی فیملی کے قتل میں شریک تھا۔ اب میں نہایت سکون سے اسے ذبح کر دوں گا۔"

"تم نے جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا کا ذکر کیا تھا، آج کل وہ کہاں ہے؟" جہانگیر نے چونک کر سوال کیا۔

"فرانس تک ہمارے ساتھ تھی لیکن کسی وجہ سے اٹلی میں داخل نہیں ہو سکی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اب تک میلان پہنچ گئی ہو۔ وہ اس وقت کیوں یاد آ گئی تم کو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تم نے غزالہ کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے کبھی کبھی محبت میں انسان ناکام بھی ہو جاتا ہے۔ اس کے بجائے تم ویرا پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ وہ بھی کافی خوب صورت اور نوجوان ہو گی!"

"ایسی خوب صورت کہ جو دیکھے دیکھتا ہی رہ جائے۔ وہ تو دل سے چاہتی ہے کہ میں غزالہ کو چھوڑ کر اسے اپنا لوں لیکن میں نے ہمیشہ ہی اس سے انکار کیا ہے۔ دراصل وہ بہت آزاد خیال لڑکی ہے عزت اور عصمت کے تصور سے بالکل بے بہرہ ہے۔ لوگوں کو دوست بناتی ہے ان سے ملتی رہتی ہے اور جب دل بھر جاتا ہے تو اکتا کر انہیں یکلخت بھول جاتی ہے۔ اس سے دوستی تو رکھی جا سکتی ہے لیکن اسے بیوی کے روپ میں تسلیم کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ جہاں تک غزالہ کا معاملہ ہے، وہ بات ہی کچھ اور ہے۔ اگر وہ اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ کرتی تو میں ٹھنڈے دل سے اسے تسلیم کر لیتا لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اسے ایک منظم سازش کے تحت بدترین صورت حال میں پھنسایا گیا اور پھر ایک فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا گیا جب کہ وہ اب بھی پوری نیک نیتی سے یہی سمجھ رہی ہے کہ اس نے آزادانہ طور پر وہ فیصلہ کیا تھا۔ ایک بار وہ

اپنے فیصلے کی حقیقت جان لے، پھر میں آزاد ہو جاؤں گا۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ وہ مکمل تباہی کے راستے پر چل پڑی ہے۔ اسے بچانا میں اپنا فرض سمجھ رہا ہوں۔ ہوش میں آ کر بھی وہ دلدار سے اپنا رشتہ قائم رکھنا چاہے تو مجھے کوئی دکھ نہیں ہو گا۔ اسے بھی معلوم ہو گا کہ وہ ایک چور، اسمگلر، سازشی اور قاتل کی بیوی ہے۔"

"اسے معلوم ہے کہ تم غزالہ کو چاہتے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"بہت اچھی طرح" میں نے الفاظ پر زور دے کر کہا۔۔۔ "بلکہ دوستی ہونے سے پہلے مجھے زیر کرنے کے لیے شی کی طرف سے اسی نے غزالہ کو اغوا کرا کے انگلینڈ بھیجا تھا۔ اگر دلدار نے وہ حرکت نہ کی ہوتی تو شاید اس کے والدین کی موت کے بعد ہم یکجا ہو گئے ہوتے۔"

"اور اس کی دھونس سہ رہے ہوتے۔" اس نے ٹکڑا لگایا۔ "جیسے سلمیٰ موقع پاتے ہی مجھے آنکھیں دکھاتی رہتی ہے۔"

"لیکن وہ تمھیں برداشت کر رہی ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "کوئی بھی نئی دلہن یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کے پہلو میں لیٹا ہوا شوہر ایک کال سنتے ہی سر کے بل کسی نامعلوم منزل کی طرف دوڑا چلا جائے اور صبح سویرے واپس لوٹے تو اس قدر تھکا ہارا ہو کہ بستر پر گرتے ہی بیوی کی طرف کروٹ لے کر سو جائے۔"

"یہ تمھیں یقیناً سلمیٰ نے بتایا ہو گا۔" وہ اشتباہ آمیز لہجے میں بولا۔

"نہیں بابا" میں بری طرح بوکھلا گیا۔ "وہ اپنی خواب گاہ کے موضوع پر مجھ سے کوئی بات نہیں کرتی۔ یہ تو میرا قیاس ہے۔"

"تم کنوارے ہو لیکن ایک شادی شدہ جوڑے کے بارے میں تمھارا یہ قیاس سو فیصد درست ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔ "سلمیٰ میری ہر بے اعتدالی برداشت کر لیتی تھی لیکن ایسے معاملات میں کئی کئی دن تک مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھی۔"

"قیاس آرائیوں کی بنا پر مجھ میں ایک کامیاب شوہر بننے کے جراثیم موجود ہیں۔" میں نے قہقہہ لگایا۔

ہنستے بولتے ہم سوا سات بجے فیکٹری پہنچ گئے۔ نیشنل ریفائنری کے نواح میں جہانگیر کی گارمنٹ فیکٹری پانچ ایکڑ پر محیط ایک وسیع پلاٹ کے ابتدائی گوشے میں قائم تھی۔ چار دیواری میں آہنی گیٹ پر جے ایس گارمنٹ کا بہت خوب صورت بورڈ لگا ہوا تھا۔ ہارن پہچان کر گیٹ کھولنے والا چھ فٹ سے بھی نکلتے ہوئے قد کا ایک مضبوط پٹھان تھا جس کے کندھے سے لٹکی ہوئی رائفل ایک کھلونا معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے [illegible] فاضل کارتوسوں کی بیلٹ بھی کسی زیور کی طرح سجائی ہوئی [illegible]

"یہی ریشم خان ہے۔" جہانگیر نے میری طرف جھک [illegible] سرگوشی کی جو ان حالات میں قطعی غیر ضروری تھی لیکن [illegible] بات پہ حیرت ضرور ہوئی کہ اس شخص کا نام اس کے سراپا [illegible] جسامت، طاقت اور شاید مزاج سے بالکل متضاد تھا۔ [illegible] نظر دیکھنے کے بعد ہیبت خان ہی مناسب نام نظر آتا تھا [illegible] بد قسمتی سے وہ ریشم خان تھا۔

جیسے ہی کار کھلے ہوئے پھاٹک میں سے اندر داخل [illegible] ریشم خان نے کسی مفتوح فوجی کی طرح ہاتھ پیشانی تک لے جا [illegible] کیا اور احاطے کی دیوار پر مناسب فاصلوں سے روشن ٹیوب لائٹوں کی روشنی میں مجھے یہ دیکھ کر کوفت ہوئی کہ [illegible] پلاٹ پر پھاٹک کے قریب دس، پندرہ ہزار مربع فٹ پر [illegible] آر سی سی کا ایک ہال بنا ہوا تھا۔ اسی سے ملحق نیچی چھت والی کی عمارت تھی اور باقی پلاٹ یوں ہی ویران پڑا ہوا تھا۔

"بس اسی ہال پر گزارہ کر رہے ہو؟ زمین تو بہت بڑی لے [illegible] نے کار سے اترتے ہوئے کہہ ہی ڈالا۔

"فی الحال یہی کافی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "کام کے اعتبار سے یہ ہال بھی بہت بڑا ہے۔ زمین تو میں [illegible] انوسٹمنٹ کے ارادے سے لے لی تھی۔ [illegible] سلسلے [illegible] میں یہاں ایک آدھ ڈیویلنگ اور ایسنگ یونٹ بھی لگاؤں [illegible] کام میں بالادستی قائم رکھنے کے لیے چھ آٹھ [illegible] پرنٹنگ [illegible] تو ہر حال میں لگانا ہی ہے تاکہ میری فرم اپنے منفرد [illegible] ایکسپورٹ کر سکے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ کپڑے کے تو بیوپاری ہی نہیں ملتے [illegible] ڈیزائن خریدتے ہیں۔"

وہ دفتر کی عمارت میں داخل ہوتے ہی حیرت سے [illegible] پڑا۔ "تمھارے قیاسات اتنے درست ہیں کہ تمھیں تو [illegible] میں مقدر آزمانا چاہیے۔ یہ حقیقت ہے کہ گاہک کپڑا بعد [illegible] دیکھتے ہیں، نرم گرم بھی قبول کر لیتے ہیں لیکن ڈیزائن اچھا [illegible] کا چاہتے ہیں۔ باہر پرنٹنگ کرانے میں ہر وقت یہ دھڑکا [illegible] ہے کہ پارٹی زیادہ معاوضے کے لالچ میں وہی ڈیزائن کسی [illegible] کو نہ چھاپ دے۔"

دفتر کی عمارت میں ذرا بھی شان و شوکت نہیں تھی۔ [illegible] ہال میں نیم چوبی پارٹیشن بنا کر ان پر شفاف شیشے لگا دیے تھے تاکہ کہیں سے بھی بیک وقت سارے عملے کی مصروفیات کا جائزہ لیا جا سکے۔ جہانگیر کا دفتر مضبوط دیواروں کے [illegible]

میں تھا۔ دروازے سے داخل ہوتے ہی اس کے سیکرٹری
کا کمرا تھا جس سے گزر کر جہانگیر کے دفتر میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔
اس کے دفتر کے ایک گوشے میں کوئی سیٹلائٹ اسٹیشن نظر آرہا
تھا۔ جہانگیر نے بتایا کہ اس طرف اس کی اسٹینو بیٹھتی ہے۔ کرسی کے
گرد نیم دائرے کی صورت میں بنی ہوئی میز پر الیکٹرانک ٹائپ
رائٹر، ٹیلکس مشین، فیکس مشین، فوٹو کاپی مشین سمیت کئی رنگ
برنگے فون بھی موجود تھے۔

"تم نے تو بڑے بکھیڑے پھیلائے ہوئے ہیں۔" میں
نے اس کی اسٹینو کے مقامِ خاص کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "وڈیو
فون ابھی عام نہیں ہوا، اس لیے یہاں نظر نہیں آرہا۔ کیا کپڑا بیچنے
کے لیے واقعی ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے؟"

"یہ جدید کاروبار کے لیے ناگزیر ہیں۔ متوقع گاہک خوبصورت
اسٹیشنری اور ان لوازمات سے مرعوب ہونے کے بعد نمونے
دیکھتے ہیں۔ سلے سلائے کپڑے تو ہری بازار میں بھی بکتے ہیں
لیکن وہ بیچارے پورے سال میں اتنا نہیں کماتے ہوں گے جو
میں ایک دن یا محض ایک سودے میں غیر ملکی گاہکوں سے کما لیتا
ہوں۔ وہ ہمیں تیسری دنیا کا ایک مفلوک الحال بھکاری سمجھ کر
یہاں آتے ہیں اور اُلو کے پٹھے بن کر چلے جاتے ہیں۔ میری
اسٹینو اتنی چالاک ہو گئی ہے کہ جب دفتر میں میری کوئی میٹنگ
ہو رہی ہو تو ساری مشینیں بیک وقت مصروف ہو جاتی ہیں۔
وہ اتنی ذہین ہو گئی ہے کہ ہماری گفتگو سن کر بعض ایسے فرضی
پیغامات بنا لاتی ہے جن کے سہارے میں اپنے حریف کو چاروں
شانے چت کر دیتا ہوں۔ آج کاروبار ایک مکمل فن بن گیا ہے۔
اس میں کپڑا یا پرنٹ نہیں بیچا جا سکتا۔"

"سمجھ رہا ہوں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "تمہارے
کاروبار کا زیادہ زور اسٹینو پر معلوم ہوتا ہے۔ وہ کون ہے؟
مرد یا عورت؟"

"ایک لڑکی ہے۔" وہ بے پروائی ظاہر کرتے ہوئے بولا۔
"مردوں کو کسی جگہ اپنی اہمیت کا ذرا بھی احساس ہو جائے تو
وقت ناوقت بانگ دینے لگتے ہیں، لڑکیاں پھر بھی کچھ دن
چل جاتی ہیں۔"

"وہ کب سے چل رہی ہے؟" میں نے اس کی میز کے
مقابل نشست سنبھالتے ہوئے سوال کیا۔

"کئی مہینوں سے!" اس نے بے ساختہ جواب دیا۔ "...
سیلونیز ہے۔ شناختی کارڈ بنوا لیا ہے مگر پھر بھی خوف زدہ رہتی
ہے۔ وہ بیچاری تو ماما یا آیا کے کام تک کے لیے آمادہ تھی۔
میرے پاس بہت خوش ہے۔"

"اور شاید تم بھی اس سے بہت خوش ہو؟" میں نے
سوال کیا۔

"ظاہر ہے۔ جب تک توجہ سے کام کرتی رہے گی،
میں بھی اس کا خیال رکھوں گا۔"

"وہ تمہارے ساتھ فیصل آباد تو نہیں گئی تھی؟" میں اچانک
سوال کر بیٹھا۔

اس کی تیوریاں چڑھ گئیں اور وہ غصیلے لہجے میں بولا۔ "یہ
کمینگی کی انتہا ہے کہ تم میرے ساتھ رہ کر میری ہی ٹوہ میں لگے
ہوئے ہو۔ ہاں، وہ میرے ساتھ گئی تھی۔ اسٹینو ہمیشہ اپنے باس
کے ساتھ رہتے ہیں۔ وہ چلی گئی تو کون سی قیامت آ گئی؟"

"تم بلاوجہ بھڑک رہے ہو۔" میں نے اسے پچکارتے ہوئے
کہا۔ "مجھے خوشی تو یہ ہے کہ تم سلمٰی سے بُری طرح خوف زدہ نہیں ہو۔
موقع نکال کر اپنا دل بہلانے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتے ہو۔"

"کاروبار، کاروبار ہوتا ہے۔" وہ میرے اوپر آنکھیں نکال
کر غرّایا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ میں اپنی اسٹینو کے ساتھ عیاشی
کرتا ہوں؟"

"لو! یہ دیکھ لو۔" میں نے اس کی اسٹینو کی میز سے
رائٹنگ پیڈ کا سب سے اوپر والا صفحہ اس کے سامنے رکھ
دیا جو تحریروں سے کالا ہو رہا تھا اور جا بجا فیصل آباد کے شب و روز
کے بارے میں حقیقی لیکن مہذبانہ شاعری کی گئی تھی۔

"یہ سب بکواس ہے!" ایک صفحے کے جرم میں جہانگیر نے
پورا پیڈ پھاڑتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ "یہ لڑکی ملازمت کے
قابل نہیں ہے۔ اپنے خوابوں کو لکھنے کے مرض میں مبتلا معلوم
ہوتی ہے۔ یہ تو مجھے پورے دفتر میں بدنام کر دے گی۔"

"تو کیا اب نیک نام ہو؟" میں نے آہستگی سے کہا۔

"تم نے میرا موڈ غارت کر دیا ہے۔" وہ چڑچڑے لہجے
میں بولا۔ "جانے سے پہلے سلمٰی کو فکر تھی کہ میں اکیلا فیصل آباد جا رہا
تھا یا کسی اور کو بھی ساتھ لے جا رہا تھا۔ اسے جھوٹ سچ بول کر
مطمئن کیا تو اب تم تھانے دار بن گئے ہو۔ تمہیں ضرورت
کیا تھی پیڈ دیکھنے کی؟"

میں اس کے احمقانہ سوال پر ہنس کر رہ گیا۔ "میں تو اس
کی میز اور اس پر سجی ہوئی جدید مواصلاتی مشینوں کو دیکھنے کے
لیے ادھر گیا تھا، وہاں یہ پیڈ سامنے ہی پڑا ہوا تھا۔ میں نہ دیکھتا
تو صبح دفتر کی صفائی کرنے والا مزے لے کر ان فقروں سے
اَن گنت کہانیاں بنانے بیٹھ جاتا۔ تم کسی بھی بات کے اچھے پہلو
پر غور نہیں کرتے۔ بس جذباتی ہو جاتے ہو۔"

"اس دفتر کی دو چابیاں ہیں۔ ایک میرے پاس اور

دوسری جولیا کے پاس ہوتی ہے۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کی موجودگی کے بغیر یہ کمرا مقفل ہی رہتا ہے۔ صبح کمرے کی صفائی بھی وہ اپنی نگرانی میں کراتی ہے۔"

"یہ اچھی بات ہے کہ تم معاملے کے ہر پہلو پر نظر رکھتے ہو۔" میں نے شوخ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن بہت شکی مزاج ہو گئے ہو میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ تمہاری بیوی کو تمہارے فیصل آباد کے دورے پر کسی قسم کا کوئی شبہ تھا۔ میں نے پیڈ کا صفحہ دیکھ کر اپنے طور پر مذاق کیا اور تم نے اس کی کڑیاں گھریلو مسائل سے ملا لیں۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" وہ گرمجوشی کے ساتھ میرا ہاتھ دباتے ہوئے قدرے شرمندگی کے ساتھ بولا۔ "لیکن سلمیٰ بہت تیز ہے۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ سیکرٹری کے بارے میں اسی نے تمہارے کان بھرے ہیں۔ مجھے کیا معلوم کہ وہ اُلّو کی چرخی یہاں رف پیڈ پر اپنی ڈائری لکھ کر یوں ہی چھوڑ گئی ہو گی۔ تم دیکھنا کہ صبح میں اس کی کیسی خبر لیتا ہوں۔ ابھی تک دفتر میں کسی کو بھنک بھی نہیں ملی ہے کہ دفتری معاملات کے علاوہ بھی جولیا سے میرے کچھ مراسم ہیں مگر تم ابھی میرے ساتھ آئے اور چند ہی منٹ میں سارا معاملہ تمہارے سامنے آ گیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میں اتفاقاً پیڈ نہ دیکھ لیتا تو تم میرے سامنے پارسا ہی بنے رہتے۔" میں نے آنکھیں نکالیں۔

"بالکل۔" اس نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ کہا۔ "پچھلے دنوں میں نے اخبار میں ایک خیال انگیز مضمون پڑھا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو انسان کی فطرت کا اچھی طرح علم ہے اس لیے احکام میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ گناہ کو حق سمجھ کر کیا جائے تو کفر کا ارتکاب ہو جاتا ہے لیکن گناہ کو گناہ سمجھ کر کیا جائے تو بندہ کفر سے بچا رہتا ہے پھر اپنے گناہوں کا فخریہ ڈھنڈورا پیٹنے کی بھی ممانعت ہے کیونکہ اس طرح دوسروں کے دل میں گناہ کی رغبت پیدا ہوتی ہے اس لیے میں اپنی برائیوں کو اپنے دل اور اپنی ذات تک ہی محدود رکھتا ہوں۔ فرصت کے اوقات میں میں نے بہت غور کیا ہے کہ میرے مذہب میں فرد سے زیادہ معاشرے کی اصلاح پر زور دیا گیا ہے۔ جو لوگ بدی اور گناہ کی تبلیغ کرتے ہیں ان کی معافی بہت مشکل نظر آتی ہے کیونکہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی خراب کرتے ہیں لیکن ڈر ڈر کر کسی گناہ کی لذت سے استفادہ کرنے والے..."

"بس بس، زبان بند رکھو۔" میں نے ترش لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "اپنی بدمعاشیوں کے جواز کے لیے بے سروپا باتیں نہ بناؤ۔ عذرِ گناہ گناہ سے بھی کہیں زیادہ ... تم جیسے پرانے پاپی کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں ... تمہارے دل میں مذہب کا صحیح تصور بیدار ہو گیا ... تم جولیا اور اس کی سہیلیوں کو بھول کر ایک نیک نفس ... بن جاؤ گے۔"

"میں تم سے بحث نہیں کرتا لیکن یہ بات سوچتا ... ہوں کہ جس طرح ہم پیدا ہونے سے پہلے کچھ نہ کچھ ... مرنے کے بعد بھی کچھ نہ کچھ ضرور ہوں گے۔ اس ہونے میں ... ہو گا، اس کا تعلق ہمارے موجودہ کردار اور افعال سے ضرور ..."

"مجھے حیرت ہے کہ تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔ چرس ... ہیروئن بیچنے والے کی زبان سے ایسی باتیں عجیب لگتی ہیں۔"

"اس بات کے تو تم بھی گواہ ہو کہ چرس ہم نے خوشی ... نہیں بیچی تھی۔ روٹیوں کے لالے پڑ گئے تو مجبوراً اس جال ... گلے لگانا پڑ گیا۔ رہی ہیروئن کی تو وہ اپنی مرضی سے نہیں ... اور دباؤ کے تحت بیچنی شروع کی تھی۔"

وہ ہماری زندگی کا بدترین باب تھا جسے بھلا دینا ... حق میں بہتر تھا لیکن حقائق کو بھلانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ جس ... کا جہانگیر ذکر کر رہا تھا اس دور میں ہم چرس نہ بیچ کر اور بھی ... کچھ کر سکتے تھے لیکن ہمارا ماضی داغ دار تھا، ہمارا رجحان جر... کی طرف تھا اس لیے ہم شی کے اس بھیانک جنگل میں ... گئے جو برسوں سے ہماری جانوں کا آزار بنا ہوا تھا۔ جہانگ... از خود ان جرائم کے ارتکاب سے بچ گیا تھا کیونکہ پاک... میں پے در پے شکستوں کے بعد شی والوں نے اپنی سرگر... محدود کر لی تھیں اور درمیانی سطح کے لوگوں سے یکلخت ... ختم کر لیا گیا تھا لیکن میں اپنی پوری کوشش کے باوجو... جنگل سے آزاد ہونے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ وہ لو... موت کے سائے کی طرح میرے تعاقب میں لگے ہوئے ... اوّل تو میں خود ان کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکنے کے درپے تھ... اگر کہیں میں ان سے بچنا چاہتا تھا تو وہ پل بھر کے لیے بھی ... اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دے رہے تھے۔ یہ ... موقع تھا کہ وہ اٹلی کے شہر میلان اور وینس کے درمیان دل... مجھے تلاش کر رہے تھے اور میں انھیں جُل دے کر پاکستان ... میں کامیاب ہو گیا تھا مگر شی والے میرے پاکستان پہنچنے ... پہلے مجھ پر اپنا کاری وار کر چکے تھے گھر بار اور کاروبار تباہ کرا... کے بعد ان کے ایک اہم آدمی نے اپنا بھیڑیے کا اصلی رو... معصوم سی بھیڑ کی کھال میں چھپا کر میری غزالہ کو رام کر لیا تھ... یوں ڈی ڈی اس کا شوہر بن بیٹھا تھا۔ ان لوگوں نے مجھ...

طرح سے کھوکھلا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ دوسری خرابی یہ ہوئی تھی کہ شی کے مقابلے میں اپنی پے درپے کامیابیوں کی وجہ سے میں ان کی سب سے بڑی حریف تنظیم، مافیا کے ذمے داروں کی نگاہوں میں آگیا تھا۔ میلان میں شی والوں کو میری موجودگی کا علم تو ہوگیا تھا لیکن وہ میری نقل و حرکت کی بھنک بھی نہ پا سکے تھے جب کہ مافیا والوں نے میری نظروں سے اوجھل رہ کر سر لمحے میرے ایک ایک قدم کی نگرانی کی تھی۔

جرم و گناہ اور قتل و غارت کی وہ راہیں میرے لیے روز بروز دلدلی صورت اختیار کرتی جارہی تھیں۔ میں اس دلدل سے نکلنے کے لیے جتنے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اسی قدر اس کے اندر دھنستا جارہا تھا اور انجام کا کچھ علم نہیں تھا۔

"یہ مایوسی کی لہر کا نتیجہ ہے جو تم اس طرح منفی انداز میں سوچ رہے ہو۔" جہانگیر میری کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا۔ "حقیقت یہ ہے کہ اپنی بدمعاشیوں کی وجہ سے تم دُنیا کے چھٹے ہوئے مجرموں کی ضرورت بن گئے ہو۔ تمھیں تو اب روایتی گاڈ فادر کا روپ دھار لینا چاہیے۔ تمھارے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ دن رات کے لیے دو چار قاتلوں کو ملازم رکھ لو اور خود ایک بڑی سی حویلی میں نوکروں کے لشکر کے ساتھ باغ بانی کر کے دل بہلاتے رہو۔ جو بھی مشتبہ شخص تمھاری طرف آنے کی کوشش کرے اسے وہ قاتل بے خوف و خطر ہو کر ٹھکانے لگا دیں۔ ایسے دس پانچ واقعات ہوگئے تو لوگ تمھارے بارے میں سوچتے ہوئے لرزنے لگیں گے۔"

بے ساختہ میری زبان سے روایتی الفاظ میں ایک غیر روایتی گالی آزاد ہوگئی۔ "کھلے بندوں ایسا حصار بنا کر بیٹھنا چاہا تو سب ہی میرے خون کے پیاسے ہوجائیں گے۔ ابھی تک کم از کم مافیا والے تو میرے ہمدرد ہی ہیں۔ میں نے سب سے آنکھیں بدل لیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ میں ان سب کو زک پہنچانے کے لیے اپنا کام پھیلا رہا ہوں۔ جس دن زندگی سے مرنے کی حد تک اُکتا گیا تو بلا سوچے سمجھے تمھارے مشورے پر عمل کروں گا۔ تمھارا پیٹ بھرا ہوا ہے، گھر میں بیوی بل رہی ہے، دفتر میں اسٹینو سے خرمستیاں ہو رہی ہیں۔ تمھیں تو ہری ہری ہی سوجھے گی۔۔۔"

"پھر اسٹینو کا نام لیا۔" وہ میرا فقرہ پورا ہونے سے پہلے ہی بدک گیا۔

"ابھی کہاں نام لیا؟ موقع محل سے نام لوں گا تاکہ تمھیں کھایا پیا یاد آجائے۔ یہ۔۔۔"

میری بات ادھوری رہ گئی اور ہم دونوں ہی چونک گئے انداز میں اپنی کرسیاں چھوڑ کر کھڑے ہوگئے۔

دفتر بلکہ پوری بلڈنگ ہی میں سناٹا ہونے کے باعث اس بلاک کی راہداری میں ابھرنے والی قدموں کی چاپ واضح طور پر گونج رہی تھی۔ آنے والے تعداد میں کسی طرح دو سے کم نہیں تھے۔

بے اختیار میری نگاہیں اپنی رسٹ واچ پر گئیں جو ساڑھے آٹھ بجا رہی تھی جب کہ سلطان شاہ نے آٹھ بجے تک پہنچنے کا وعدہ کیا تھا مگر ہم اپنی باتوں میں ایسے محو ہوئے کہ وقت کا دھیان ہی نہیں رہا۔

آنے والے دو تھے لیکن مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ سلطان شاہ کی مکاری کے باوجود امیر دادا اپنے قدموں پر چل کر اپنے مقتل تک آپہنچے گا اس لیے تجسس کے تحت میں غیر ارادی طور پر دفتر سے باہر نکل گیا۔ جہانگیر کو بھی مجبوراً میرا ساتھ دینا پڑا اور آنے والوں پر نگاہ پڑتے ہی اس کا پستول واپس جیب میں چلا گیا کیونکہ سامنے سے سلطان شاہ مُنہ لٹکائے چوکیدار کے ساتھ چلا آرہا تھا۔

جہانگیر نے اپنے چوکیدار کو ہاتھ کے اشارے سے دور سے ہی واپس کر دیا اور غصیلی نظروں سے سلطان شاہ کو گھورنے لگا۔

"امیر دادا کہاں ہے؟" سلطان شاہ کے قریب آنے پر جہانگیر نے راہداری میں ہی کھڑے کھڑے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"بہت بڑی گڑبڑ ہوگئی، وہ مارا گیا، میرا خیال ہے کہ اب تک اس علاقے میں کرفیو لگ چکا ہوگا۔" وہ پست لہجے میں بولا۔

"اسے دم لینے دو، دفتر میں چلو۔" میں نے جہانگیر کا شانہ دباتے ہوئے اسے ٹوکا۔ سلطان شاہ کے ساتھ اس کا لہجہ توہین آمیز ہوگیا تھا جسے صرف ذاتی ملازمین ہی ڈھٹائی کے ساتھ برداشت کر سکتے تھے۔

سلطان شاہ کا چہرہ اُترا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں سے ندامت کا اظہار ہو رہا تھا۔ "آج میرا دل رو رہا ہے۔ ہماری وجہ سے اس علاقے میں بہت بڑے پیمانے پر پٹھان مہاجر فساد کرا دیا گیا ہے۔ امیر دادا کے حامیوں نے افواہ پھیلا دی ہے کہ مہاجروں نے ایک شریف پٹھان کو گھر سے باہر گھسیٹ کر گولی مار دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں زبردست فساد برپا ہوگیا۔ گولیوں پتھروں اور فسادیوں سے بچنے کے لیے ہمیں ندی میں پناہ لینی پڑی ورنہ آج ہمارا بھی کام ہوگیا ہوتا۔ میرے دوست کے حامی بھی اسلحہ لے کر نکل آئے ہیں۔ اپنے اور پرائے کی تمیز کیے بغیر دونوں طرف سے اندھادھند پتھراؤ اور فائرنگ کی جارہی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم لوگ دیکھ لیے گئے تھے؟" میں نے ہونٹ بھینچ کر سوال کیا۔

"یہ سب امیر دادا کے چمچوں کی قیاس آرائی اور شرارت

ہے۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولا۔"میں قسم نہیں کھاتا لیکن اس وقت کلام پاک کی قسم کھا رہا ہوں کہ ہمیں کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ امیر داد ہمیں راستے میں ہی مل گیا تھا۔ قدرت شاہ نے ٹیکسی روک کر امیر داد کو ایک زوردار مجرا دیکھنے کی دعوت دی اور وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گیا۔ پائپ فیکٹری کے ویران گیٹ کے سامنے میں نے رومال تر کرنے کے لیے جیسے ہی کلوروفام کی شیشی کھولی، امیر داد نے چشم زدن میں اس کی بو سے خطرہ بھانپ لیا وہ شاید مسلح نہیں تھا اس لیے اس نے چلتی ٹیکسی کا دروازہ کھول کر باہر کودنا چاہا اور میں نے اس کی کھوپڑی میں گولی اُتار دی۔ میرا خیال ہے کہ وہ سڑک پر گرتے ہی مر گیا ہوگا۔"

"پھر بلوا کیسے ہوگیا؟" میں نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ سوال کیا۔ سلطان شاہ کی قسم نے مجھے متاثر کیا تھا۔

"ادھر قرب وجوار میں کافی بڑی کچی آبادی ہے۔ وہ سارا علاقہ امیر داد کا ہی تھا۔ اس کی چیخ اور فائر کا دھماکا سنتے ہی چاروں طرف سے لوگ اُبل پڑے۔ ہم بھی ٹیکسی سینما کے قریب روک کر بھیڑ مل گئے تاکہ امیر داد کا انجام دیکھ سکیں لیکن ہم جائے واردات پر پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ امیر داد کے چمچوں نے افواہ پھیلا دی۔ لوگ یک بیک اتنے مشتعل ہوگئے کہ ہمیں بچنا مشکل ہوگیا۔ ان حرام زادوں نے آپس کے جھگڑے کو ایک بلوے میں بدل دیا حالانکہ نہ امیر داد شریف آدمی تھا اور نہ قدرت شاہ پارسا ہے۔ ان دونوں میں مدت سے سرد جنگ چل رہی تھی۔ جاننے والے جانتے تھے کہ جس دن بھی ان میں سے کسی ایک کو موقع مل گیا، وہ خاموشی سے اپنے حریف کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ عام بلوائیوں کو تو شاید ابھی تک مرنے والے کا نام کا بھی پتا نہیں چل سکا ہوگا۔"

"اور پولیس کہاں سو رہی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ بھی آ گئی ہوگی لیکن وہ جسے روکیں گے وہی ان کو مخالف پارٹی کا ساتھی سمجھ کر مزاحمت کریں گے۔ قدرت شاہ بہت تند خو اور منتقم مزاج آدمی ہے۔ چرس، افیم اور ہیروئن سے لے کر خون خرابے تک سے نہیں ڈرتا۔ میرے سمجھانے کے باوجود نہیں رُکا۔ وہ بس امیر داد سے ڈرتا تھا جو میرے ہاتھوں مارا گیا۔ اب وہ اس کے حامیوں کے ٹھکانے پر حملہ کرنے کے ارادے سے گیا ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وہ پوری قوت سے اپنے ان مخالفوں کو کچل دینا چاہتا ہے تاکہ علاقے میں دھاک بیٹھ جائے۔"

"پولیس نے لوگوں کو نہیں بتایا کہ مقتول کوئی شریف شہری نہیں تھا بلکہ چھٹا ہوا بدمعاش تھا؟"

"وہ کیسے بتا سکتے ہیں؟" سلطان شاہ نے میری ناسمجھی پر بے چارگی سے کہا۔" تم کچھ دن ضرور باہر رہے ہو لیکن یہاں کا ماحول اچھی طرح جانتے ہو۔ امیر داد کا تھانے میں سرے کوئی ریکارڈ ہی نہیں ہوگا پھر کون اسے بدمعاش قرار دے سکتا ہے۔

"اور بلوائیوں کو یہ بتانے والا بھی کوئی نہیں ہے کہ مرنے اور مارنے والے، دونوں ایک ہی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ اس واقعے دور دور تک نسلی منافرت کا عنصر کہیں بھی نہیں پایا جاتا۔" جہانگیر نے اضطراری لہجے میں کہا۔

"فساد شروع کرانا بہت آسان ہوتا ہے۔ ایک چھوٹا سا بچہ بھی کسی افواہ کا سہارا لے کر ہنگامے شروع کرا سکتا ہے۔ ایک بار توڑ پھوڑ، پتھراؤ اور خون ریز فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو جائے تو اُسے روکنا آسان نہیں ہوتا۔ بڑے بڑوں کو دانتوں پسینے آجاتے ہیں۔ ایک بار سینہ گزٹ چل پڑے تو لوگ افواہوں کے علاوہ کسی خبر پر یقین نہیں کرتے۔ خون ریزی اپنے زور پر چلتی رہتی ہے اور یہ سلسلہ بس اسی وقت رُکتا ہے جب خون کی ہولی کھیلنے والے تھک جاتے ہیں یا اپنے شغل سے اُکتا جاتے ہیں۔۔۔"

"یہ بات نہیں مانی جا سکتی۔" جہانگیر نے سخت لہجے میں اس کے تجربے کو مسترد کر دیا۔" کرفیو اور اسی نوعیت کی دوسری انتظامی سختیوں کے بڑے مثبت اثرات ہوتے ہیں۔ تم لوگ تو ابھی باہر سے لوٹے ہو لیکن کراچی میں یہ نسلی فسادات کی لہر کافی دنوں سے چل رہی ہے۔ وجہ نسلی ہو یا علاقائی اور لسانی، ہر بار انتظامی سختیاں ہی کارگر ثابت ہوئی ہیں۔"

سلطان شاہ کے لبوں پر مغموم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"انتظامی سختیوں سے فسادیوں میں اُکتاہٹ پیدا کی جاتی ہے۔ اُن کا جلاؤ گھیراؤ اور خون ریزی کا موڈ ہوتا ہے لیکن کرفیو وغیرہ کی وجہ سے وہ اپنے گھروں میں بند رہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور چند روز کی بے کاری اُن کے دلوں میں اُکتاہٹ پیدا کر دیتی۔ اس طرح ہنگامے دم توڑ دیتے ہیں۔ شکاری گھات میں لگے رہیں لیکن شکار اپنی پناہ گاہ سے کئی کئی دنوں تک باہر نہ نکلے تو بڑے سے بڑا متحمل مزاج شکاری بھی اپنی رائفل سمیٹ کر گھر واپس چل دیتا ہے۔ تدبیر کوئی بھی ہو، مقصد یہی ہوتا ہے جو میں بتا چکا ہوں مجھے زندگی بھر اس بات کا دکھ رہے گا کہ ایک شرمناک فساد کے آغاز میں میرا بھی کردار پیدا کر لیا گیا۔ پتا نہیں کیا تباہی ہوئی ہوگی، کتنے لوگ مرے ہوں گے، زخمی ہونے والوں کی تعداد تو یقیناً بہت زیادہ ہوگی۔"

"یہ ساری ریسرچ بعد میں ہوتی رہے گی۔ فی الحال جو مسئلہ سامنے ہے اس کو کون سلجھائے گا؟" جہانگیر نے سلطان شاہ کے جوابی تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔" امیر داد کا

پتا صاف ہوگیا۔ میری نگاہوں میں وہی ایک جانا پہچانا آدمی تھا جو ڈی ڈی اور اُس کے عزائم پر روشنی ڈال سکتا تھا۔ اب ہم پھر اندھیرے میں ہیں۔"

"شاید اتنے اندھیرے میں بھی نہیں ہیں۔" سلطان شاہ نے خلا میں کسی نامعلوم نقطے پر نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "غزالہ کی نگرانی کرنے والوں کو میں نے بھی دیکھا تھا۔ انھوں نے ایک لمحے کے لیے بھی ہیلمٹ نہیں اتارے تھے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ دوسرا آدمی سامنے آئے تو میں آسانی کے ساتھ اسے پہچان لوں گا۔ مجھے ان میں سے کسی کا نام نہیں معلوم تھا لیکن امیر دادا کو دیکھتے ہی میں نے پہچان لیا تھا کہ وہ ان دونوں میں سے ایک تھا۔"

"امیر دادا کی موت نے اُسے چوکنا کر دیا ہوگا۔ ویسے بھی اتنے بڑے شہر میں کسی کو نام پتے کے بغیر ڈھونڈ نکالنا آسان کام نہیں ہوتا۔ وہ خود سے تو تمھارے سامنے آنے سے رہا۔" جہانگیر نے کہا۔

"مجھے بھی معلوم ہے۔" سلطان شاہ کا لہجہ قدرے تلخ ہوگیا۔ "ریگستان میں مچھلیاں پکڑنے کی کوشش کا انجام میں بھی سمجھتا ہوں۔ اس وقت ہمارے لیے وقت ہی سب سے زیادہ اہم ہے۔ غزالہ کی ڈینی سے ملاقات کے بعد امیر دادا کی موت سے ڈی ڈی چوکنا ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس ملاقات کے بارے میں غزالہ سے بھی باز پرس کرے۔ اس کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا ورنہ ہمارے لیے کام کرنا دشوار ہو جائے گا۔"

ان دونوں کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ابتدا ہی سے وہ ایک دوسرے کے لیے مفاہمانہ خیالات پیدا نہیں کر سکے تھے۔ سلمٰی کی طرح جہانگیر کو بھی یہ بات پسند نہیں تھی کہ میں نے ایک ملازم کو عملاً برابری کا درجہ دیا ہوا تھا۔ اس لیے ارادی یا غیر ارادی طور پر وہ سلطان شاہ کی ہر بات پر تنقید کرنا اپنا حق سمجھ رہا تھا جس کے ردِعمل میں سلطان شاہ کا تلخ ہو جانا فطری امر تھا جبکہ میں ان دونوں کے درمیان کسی تصادم کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ کراچی میں دوبارہ پاؤں جمانے کے لیے مجھے سلطان شاہ کی بے خوف حمایت کے ساتھ ہی جہانگیر کے وسائل کی بھی ضرورت تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ میں نے پہلے ہی یہ طے کر لیا تھا کہ سلطان شاہ جہانگیر کے فلیٹ میں میرے ساتھ رہنے کے بجائے اُسی پرانی آبادی میں منتقل ہو جائے گا جہاں وہ مجھ سے ملاقات سے پہلے رہا کرتا تھا۔ اِس بندوبست کی ضرورت اس لیے پیش آئی تھی کہ سلطان شاہ کو ہر قسم کے شک وشبے سے بالاتر رہتے ہوئے دلاور کی دواساز کمپنی میں ملازمت حاصل کرنی تھی تاکہ وہ وہاں ہونے والی کسی گڑبڑ کے بارے میں ٹھوس شہادتیں جمع کر سکے۔

"تمھارا ارادہ کیا ہے؟" میں نے سلطان کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے سوال کیا۔ "امیر دادا کی موت کے بعد اگر اُس کا ساتھی ہمارے ہاتھ آجائے تو ہم ایک بڑی جدوجہد سے بچ سکتے ہیں۔"

"خدا کرے کہ اس علاقے میں حالات اس حد تک خراب نہ ہوں کہ واقعی کرفیو لگ جائے۔ اگر وہ علاقہ کھلا رہا تو میرا ارادہ امیر دادا کے جنازے میں شرکت کرنے کا ہے۔ اس کے تقریباً سارے ہی ساتھی اس جلوس میں ضرور موجود ہوں گے۔"

"وہاں تم پر کوئی شبہ تو نہیں کیا جائے گا؟" میں نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"ایسے مواقع پر کوئی کسی پر دھیان نہیں دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں میرے دس پانچ شناسا بھی نکل آئیں کیونکہ ہماری تحصیلیں الگ ہونے کے باوجود ضلع ایک ہی ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ میری کوشش بارآور ثابت ہوگی۔"

"پھر تم ضرور کوشش کرو۔" میں نے جہانگیر کو دخل انداز ہونے کا موقع دیے بغیر کہا۔ "بہتر ہوگا کہ تم جلد از جلد اپنے پرانے علاقے میں ٹھکانا حاصل کر لو تاکہ ایک دو روز میں دواساز فیکٹری میں بھی طبع آزمائی کر سکو۔"

"وہاں ٹھکانا حاصل کرنا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے جب چاہوں، کسی کے بھی ساتھ رہ سکتا ہوں۔"

وہ معاملہ جہانگیر کے لیے نیا تھا اس لیے اس کے استفسار پر مجھے وضاحت کرنی پڑ گئی۔

مزید چند منٹ کی گفت گو کے بعد پہلے سلطان شاہ وہاں سے روانہ ہوا پھر ہم دونوں بھی نکل کھڑے ہوئے۔

اس وقت میں مکمل طور پر ایک شکست خوردہ انسان تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ پاکستان میں اور پاکستان سے باہر میں نے شی کے مفادات پر کاری وار کیے تھے اور جمی لائیڈ کو ناقابلِ تصور نقصانات پہنچائے تھے لیکن اس کے باوجود شی کا وجود بھی برقرار تھا اور اُن کے آپریشنز بھی جاری تھے وہ افیم سے ہیروئن کا زہر کشید کر کے دنیا بھر کی منڈیوں میں موت کی سوداگری کر رہے تھے۔ اور اندھی آمدنی سے اسلحے کی غیر قانونی تجارت کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے کام کر رہے تھے جن کے ذریعے وہ جب چاہتے چھوٹے موٹے ملکوں میں انتشار اور افراتفری پیدا کر کے ایسی محبِ وطن قوتوں کو کچل سکتے تھے جو اُن کی راہ

میں مزاحمت پیدا کرنے کی کوشش کرتیں۔ لیکن اپنی ان کامیابیوں کے لیے جو میرے لیے بہت بڑی تھیں مگر شی کے لیے شاید اتنی اہم نہ رہی ہوں، میں نے ذاتی سطح پر بہت بڑی قیمت ادا کی تھی گھر بار اور کاروبار کے ساتھ ہی میں نے عزالہ سے بھی ہاتھ دھو لیے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے نہ مکان جانے کا اتنا قلق تھا نہ کاروبار بک جانے کا جتنا عزالہ کی بے وفائی کا تھا۔

زندگی کے بدترین لمحات میں بھی میں کبھی نہیں سوچ سکا تھا کہ ایک دن عزالہ یوں اچانک میرے لیے اجنبی ہو جائے گی کہ میرے لیے اُس کو چھونا بھی ایک گناہ بن جائے گا۔ مگر عملاً ایسا ہو چکا تھا۔ میرے لیے اب وہ عزالہ سے مسز دلدار بن چکی تھی۔ اُس نے اپنی جان اور آبرو کے دشمنوں سے ایک طویل جنگ لڑنے کے بعد جن دل گداز حالات میں وہ فیصلہ کیا تھا ان کی روشنی میں عزالہ پر بے وفائی کا سنگ دلانہ الزام عائد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اُس سے گفتگو کرتے ہوئے مجھے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنی ہمت اور بے مثال جرأت کے باوجود اندر سے ایک خالص مشرقی لڑکی تھی۔ بظاہر اپنی مرضی سے ایک شخص کو اپنی زندگی میں قبول کر چکی تھی اس لیے اپنے ماضی کے حوالے سے ایسے ہر رشتے کو بھول جانا چاہتی تھی جو اُس کی ازدواجی زندگی سے متصادم ہوتا۔ اس کے دل کی گہرائیوں میں میرا نام زندہ تھا جس کی پرچھائیاں اس کی نمناک آنکھوں میں دیکھی اور دل گرفتہ آواز میں محسوس کی جا سکتی تھیں لیکن ایک مشرقی لڑکی ہونے کی وجہ سے وہ کھل کر اپنے اندرونی کرب کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ پھر بھی مجھے اُس سے کیے ہوئے وعدے کا پاس کرنا تھا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ دلدار اوّل درجے کا بدمعاش اور مکار تھا لیکن میرے پاس اُس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا جس کی بنیاد پر میں عزالہ کو یقین دلا سکتا کہ وہ نا سمجھی میں بہت بُری طرح دلدار کی ایک گھناؤنی سازش کا شکار ہوئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ جس دن بھی میں دلدار کے مکروہ چہرے سے معصومیت اور شرافت کی نقاب نوچنے میں کامیاب ہو گیا، عزالہ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔

فوری طور پر دلدار کے خلاف چند محاذ کھولے جا سکتے تھے۔ امیر داد کے اغوا میں ناکامی اور اس کے اتفاقی قتل کے بعد اُس کے دوسرے ساتھی پر ہاتھ ڈالا جا سکتا تھا۔ وہ ذمے داری سلطان شاہ نے اپنے سر لے لی تھی۔ دوسرا نکتہ دلدار کی دوا ساز فیکٹری سے متعلق تھا۔ میں خود ادھر نہیں جا سکتا تھا اس لیے وہاں گھسنے کا کام بھی سلطان شاہ کے ذمے پڑ گیا تھا۔ اس طرح میرے سامنے بس ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ میں ملیر کے مضافاتی علاقے میں راجا فروٹ فارمز کا جائزہ لوں۔ مجھے یقین تھا کہ دلدار نے ان ہی اطراف میں عزالہ کے ساتھ اپنا مکروہ اور بڑا ڈراؤنا ڈراما رچا کر اُسے مغلوب کیا تھا گو اُس نے عزالہ کو یہی بتایا تھا کہ وہ باغات چالیس برس پہلے اس کے بزرگوں نے قائم کیے تھے لیکن میرا اندازہ تھا کہ وہ باغات شی کی ملکیت تھے اور عملاً اس شخص کے تصرف میں رہتے تھے جو کراچی میں شی کا سربراہ ہوا کرتا تھا۔ اگر میرے اس اندازے کی تصدیق ہو جاتی تو میں راجا فروٹ فارمز میں دلدار کے خلاف کوئی جال پھیلا سکتا تھا۔

لیکن میرے پاس کوئی سواری نہیں تھی جس کی مدد سے میں شہر میں آزادانہ نقل و حرکت کر سکتا۔ مشتبہ مقامات تک چوری چھپے رسائی کے لیے کرائے کی سواریوں پر انحصار خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیے جب جہانگیر نے میری مسلسل خاموشی پر مجھے ٹوکا تو میں نے بے ساختہ اپنا وہی مسئلہ اُس کے سامنے رکھ دیا۔

"چاہو تو ابھی میرے ساتھ چلو۔" اُس نے فراخ دلی کے ساتھ پیش کش کی۔ "اس کار کے علاوہ بھی گھر پر دو گاڑیاں موجود رہتی ہیں۔ کرولا اور شیراڈ میں سے جو چاہو، ساتھ لے جانا۔"

اس کی تجویز معقول تھی۔ عزالہ کے بارے میں سلمیٰ سے تنہائی میں میری بات ہو چکی تھی۔ اس لیے اس کی طرف سے کسی جواب طلبی کا خطرہ نہیں تھا۔ اُس وقت پہلی بار میں ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ کسی خوش شکل اور باذوق خاتون کے ساتھ باتوں میں کچھ وقت گزارا جائے اور سلمیٰ ضرورت کے تحت اس معیار پر پوری اترتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

"چلو ادھر ہی چلتے ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "سلمیٰ نے روانگی کے وقت ہمیں دو دھمکیاں دی تھیں اور ہم نے دونوں ہی کا پاس رکھا ہے۔ اپنے قدموں پر چلنے کے قابل ہیں اور بارہ بجے سے پہلے واپس لوٹ رہے ہیں۔"

"عجیب عورت ہے۔" جہانگیر کار فیکٹری کے گیٹ سے باہر نکالتے ہوئے سر جھٹک کر بولا۔ "سارا قصور میرا اپنا ہے۔ اپنی پیشانی سے ماضی کے جرائم کے داغ دھونے کے لیے ایک معزز خاندان کا داماد کہلانے کا شوق نہ ہوتا تو ہرگز یہ شادی نہ کرتا اور وہ لوگ بھی شاید سلمیٰ سے جان چھڑانے کے لیے ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ میرا گھر، شان و شوکت اور پیسے کی فراوانی دیکھ کر ایسے ریجھے کہ میرے بارے میں ذرا بھی دیکھ بھال کی ضرورت نہیں سمجھی اور جھٹ پٹ میری شادی ہو گئی۔"

"یہ بڑی بدقسمتی ہے۔" میں نے کہا پھر اُسے اپنی طرف
گھورتے ہوئے دیکھ کر جلدی سے تصحیح کی۔ "میں تمہاری نہیں اُن
لوگوں کی بات کر رہا تھا جو پیسے کو ہر دُکھ کا علاج سمجھتے ہیں۔ پیسے سے
دنیا کی ہر خوشی نہیں خریدی جا سکتی، بلکہ میرا تو تجربہ ہے کہ ظاہری
ملنے جلنے اور سکھ کے پیچھے جتنے عجیب اور ناقابلِ فہم دکھ پیسے والوں
میں پائے جاتے ہیں اُن کا عشرِ عشیر بھی مفلسوں کے جھونپڑوں
میں نہیں ملتا۔"

وہ تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "تم درست کہہ رہے ہو۔ اس بات
کو ہم لوگوں سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے۔ جیب تراشی اور چھوٹی
موٹی چوریوں کے بعد راتیں فٹ پاتھ پر گزارنے کے بعد ہی آج
ہم اس منزل پر پہنچے ہیں۔ مفلس کو تو ان عیاشیوں کی ہوا بھی نہیں
لگتی جو ہمارے لیے ضرورت کا درجہ رکھتی ہیں وہ روٹی یا بھوک
کے سوا تیسری چیز سے واقف نہیں ہوتا۔ ہمارے لیے بھوک اجنبی
بن جاتی ہیں لیکن روٹی کے بہانے ہزاروں انتخاب سامنے ہوتے
ہیں۔ پسند، لذت اور ذائقے کے ساتھ کبھی کیلوریز کا چکر ہوتا ہے
کبھی ناشتے کا، کبھی ڈائٹنگ ہوتی ہے کبھی وزن بڑھانا پڑتا ہے۔
ایک روٹی سے ہزاروں مسئلے وابستہ ہو جاتے ہیں۔"

"اب وہ دور نہیں رہا بیٹے!" میں نے اُسے پچکار کر کہا۔
"فلم اور ٹیلی وژن نے ہر شخص کی معلومات میں تکلیف دہ اضافہ
کر دیا ہے۔ جوتوں سے محروم دیہاتی بھی جانتے ہیں کہ جہاز کے سفر
میں کیا آرام ملتا ہے! عدنان خشوگی کی خواب گاہ میں کیسے کیسے لوازمات
موجود ہیں! اسی وجہ سے آج کل احساسِ محرومی بڑھ گیا ہے اجتماعی
رویہ تلخ تر ہوتا جا رہا ہے۔ جسے کریدو گے اُسے ہی اپنے ماحول
اور معاشرے کا باغی پاؤ گے۔ لیکن پھر بھی اونچے طبقے کے
مقابلے میں درمیانی اور نچلے طبقے میں کسی حد تک ذہنی آسودگی
پائی جاتی ہے۔"

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ہوس کیوں بڑھتی جا رہی ہے
ہر ایک دو نہیں تو چار روٹیاں کھا لیتا ہو گا، پہننے کو صاف
کپڑے اور سونے کے لیے آرام دہ بستر میسر ہو تو لالچ کیوں
پیدا ہوتی ہے، دنیا سے تو ہر ایک کو خالی ہاتھ ہی جانا ہوتا ہے۔"

"شاباش!" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "ہیروئن بیچ بیچ
کر اپنی تجوریاں مُنہ تک بھر چکے ہو۔ اپنے تو سوچو ہے پورے
کر کے اب تلقین شاہ بن رہے ہو۔ پہلے کبھی یہ خیال نہیں
آیا تم کو؟"

وہ ڈھٹائی کے ساتھ ہنس پڑا۔ "یار سچی بات یہ ہے کہ
پہلے بھی کبھی کبھی یہ خیال آتا تھا لیکن بہت کمزور ہوا کرتا تھا۔
میں اکثر سوچتا تھا کہ جن لوگوں کے پاس ضرورت سے زیادہ
مال و دولت ہے وہ اُسے دوسروں کو کیوں نہیں دے دیتے؟
لیکن اب اپنا مال کسی کو دینے کا خیال ہی تکلیف دہ ہوتا ہے
البتہ مزاج میں قناعت ضرور آ گئی ہے کہ اللہ نے جو کچھ دیا ہے
وہ بہت کافی ہے۔ اسے سلیقے سے استعمال کرتے رہے تو
زندگی سکھ سے گزر جائے گی۔"

"اللہ نے تمہیں کچھ نہیں دیا، جہانگیر۔" اُس کی ریاکاری پر
مجھے یک بیک غصہ آ گیا۔ "یہ سب تم نے انسانوں سے چھینا
ہے۔ ان میں موت کا زہر پھیلا کر آسودگی کے تناور درخت اُگائے
ہیں جو بالکل بے ثمر ہیں۔ . . !"

"بس! اولاد کا طعنہ نہ دو۔" وہ میری بات کاٹ کر غرایا حالانکہ
میرے وہم و خیال میں بھی اس کی محرومی کا وہ نکتہ نہیں آیا تھا لیکن
ثمر کا خود ساختہ مفہوم اخذ کر کے وہ ایک دم ہی بپھر گیا۔ "اپنے
ذاتی معاملات میں میں کسی کو اس حد تک دخیل ہونے کی اجازت
نہیں دے سکتا۔ . ."

"تم خواہ مخواہ بدک رہے ہو، میرا یہ مقصد نہیں تھا میرے
کون سے دس بچے ہیں جو میں تمہیں طعنہ دوں گا بلکہ میری تو محبوبہ
بھی مجھے چھوڑ کر کسی اور کا ہاتھ تھام چکی ہے۔ میں کیسے اتنی گھٹیا
بات سوچ سکتا ہوں۔" میں نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے
لیے فی الفور ایک جاندار موازنہ پیش کیا اور وہ بس مجھے گھور کر رہ
گیا، بات کو طول نہ دے سکا۔

اس کے بعد جہانگیر کے گھر تک کا سفر گہری خاموشی میں
طے ہوا تھا۔

سلمیٰ نے اپنے تحیر آمیز استقبال سے ہمارے درمیان
قائم جمود کو ختم کیا تھا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں واقعی اپنے
مشاغل سے تائب ہو گئے ہو۔" وہ آہنی گیٹ کھلنے کی آواز سن
کر حسبِ معمول برآمدے میں آ گئی تھی۔ "آج صحیح معنوں میں
ہماری بیٹھک جم سکے گی۔" اُس نے وہ فقرے مشترکہ طور پر ہم
دونوں کے لیے کہے تھے لیکن ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس کا اصل
مخاطب میں ہی تھا ورنہ جہانگیر کے ساتھ تو وہ ہر روز ہی ہوا
کرتی تھی۔ جہانگیر نے اُس پر اپنے حق کے اظہار کے لیے
کار سے اُترتے ہی اس کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر اُسے خود
سے قریب کر لیا اور سلمیٰ کا چہرہ اندرونی خوشی سے تمتما اُٹھا۔

"میں تھکا ہوا ہوں ڈارلنگ! اور ڈینی کار لے کر واپس
جائے گا اس لیے آج ہم سیدھے خواب گاہ میں جائیں گے۔ اب
تو بیٹھکیں روز ہی ہوا کریں گی اور تم جلد ہی ان سے اُکتا
جاؤ گی۔"

"میری خاطر، تھوڑی دیر تو بیٹھو نا!" وہ ٹھنک کر جہانگیر

سے بولی "تم دونوں نے کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا۔ کم از کم ٹیبل پر ہی تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ۔ مجھے خوشی ہے کہ تم حسبِ وعدہ جلدی واپس لوٹ آئے۔"

"کھانا کھاؤ گے؟" جہانگیر نے مجھ سے سوال کیا۔ اُس کے لہجے میں سرد مہری پائی جاتی تھی۔

"قطعی بھوک نہیں ہے۔" میں نے سفید جھوٹ بولا۔ "گھر لانے کے بجائے اگر تم مجھے راستے میں ہی ڈراپ کر دیتے تو بہتر ہوتا۔ گاڑی تو کل دن میں بھی لی جا سکتی تھی۔ میں بھی سونا چاہتا ہوں۔"

اچانک سلمیٰ جہانگیر کی گرفت سے نکل کر ہمارے سامنے آ کھڑی ہوئی اور آنکھیں نکال کر بولی "اے! کیا بات ہے؟ تم دونوں کے ہی مُنہ سوجے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ کیا باہر سے لڑ کر آ رہے ہو؟"

"ہر وقت مذاق اچھا نہیں ہوتا، سلمیٰ!" جہانگیر زچ ہو جانے والے انداز میں بولا۔ "مجھے بھوک نہیں ہے، نیند آ رہی ہے، میں اندر جا رہا ہوں۔ تمہارا دل چاہے تو تھوڑی دیر ڈینی کے ساتھ بیٹھ لو۔"

وہ مجھ سے نظریں چرا رہا تھا اور اُس کی آواز بھی قدرے بھرائی ہوئی تھی۔ معاملے کی نزاکت بھانپ کر میں نے اُس کی نگاہ بچاتے ہوئے سلمیٰ کو اشارہ کیا اور اُس نے کسی بھی حماقت کا مظاہرہ کیے بغیر محبت کے ساتھ جہانگیر کا ہاتھ تھام لیا۔ "جب تک ہم تینوں ساتھ نہ ہوں، باتوں میں مزہ نہیں آئے گا۔ چلو پھر کبھی محفل جمائیں گے۔"

ڈرائنگ روم میں کی بورڈ سے دو چابیاں اُتار کر جہانگیر نے میری طرف بڑھا دیں۔ "کون سی گاڑی لے جا رہے ہو؟"

"شکریہ جہانگیر!" میں نے اپنی جگہ سے ملے بغیر سرد لہجے میں کہا۔ "میں نے اپنا پروگرام بدل دیا ہے، کل میں آرام کروں گا۔ میں خود بھی بہت زیادہ تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ تم آرام کرو، میں ٹیکسی سے واپس چلا جاؤں گا۔"

وہ مجھے گھورنے لگا۔ اُس کی نگاہوں میں غصّے اور بے بسی کے ملے جلے آثار نظر آ رہے تھے۔ اور چابیوں والا ہاتھ بدستور میری طرف بڑھا ہوا تھا۔ میں بھی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ اگر وہ خود ہی بات بڑھانے پر تُلا ہوا تھا تو وہ میرے لیے ناگزیر نہیں تھا۔ اُس کے بغیر بھی میں اپنے مسائل کے حل کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال سکتا تھا۔

اس وقت سلمیٰ کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ ہمارے مابین صورتِ حال سنگین ہو چکی تھی اور اُس کے چہرے پر یک بیک ہوائیاں سے اُڑنے لگیں۔ اُس کے دل میں میری طرف سے چور تھا۔ اس پر اغلب یہی تھا کہ اس تنازعے کا سبب وہ اپنی ذات سے منسوب کر رہی ہو لیکن اس وقت میرے پاس اُس کی غلط فہمی دور کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔

"چلو!" اچانک جہانگیر نے میری طرف پلٹ کر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "پھر میں تمھیں چھوڑ آتا ہوں۔"

"نہیں — میں اس شہر کے راستوں سے اچھی طرح واقف ہوں، خود چلا جاؤں گا — تم آرام کرو۔" میں نے سرد اور فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ میں نے اُسی لمحے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اسی وقت جہانگیر کے فلیٹ کو خیرباد کہہ کر کسی ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں گا۔ اگر وہ بد دماغ تھا تو میں اس سے بھی بڑا بد دماغ تھا۔

"چلو... میرے ساتھ چلو!" وہ ہذیانی انداز میں چلّایا اور میری طرف جھپٹا اور دونوں ہاتھوں سے میرا گریبان تھام کر مجھے باہر برآمدے کی طرف گھسیٹنے لگا۔

میرے گریبان پر اُس کی گرفت مضبوط تھی لیکن میں نے اُس کے ہاتھوں کو ایک جھٹکا دیا تو میرا گریبان پھٹ کر اُس کی بند مٹھیوں میں جھولتا رہ گیا اور وہ خود لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے چلا گیا۔

"اب قریب آئے تو میں تمھارے جبڑے توڑ دوں گا۔" میں نے اُسے گھورتے ہوئے خونخوار لہجے میں کہا۔ "بہت کم ظرف ہو تم۔ میں تمھیں ایسا کینہ پرور نہیں سمجھتا تھا۔"

"کیا ہو گیا ہے تم دونوں کو؟" سلمیٰ روہانسی آواز میں چلّاتی ہوئی ہم دونوں کے درمیان میں آ گئی۔ "تھوڑی دیر پہلے یہاں سے اچھے خاصے گئے تھے اور اب ایک دوسرے کے لیے وحشی بنے جا رہے ہو۔"

ان ڈرامائی لمحات میں ہم تینوں کی آوازیں غیر ارادی طور پر کافی اونچی ہو گئی تھیں لیکن ملازمین میں سے کسی کو جرأت نہیں ہو سکی تھی کہ وہ اپنے مالکان کے نجی معاملات میں دخل اندازی کی کوشش کرتا۔ جہانگیر مشتعل تھا اور میرا دورانِ خون بھی کنپٹیوں میں حرارت پیدا کر رہا تھا اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا اگر جہانگیر نے ذرا بھی تیزی دکھانے کی کوشش کی تو اُسے اچھی طرح سبق دیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ اس وقت ہم دونوں ہی اپنی ظاہری حیثیت اور خول کو بھلا کر تیسرے درجے کے غنڈے بن کر رہ گئے تھے جو ذرا ذرا سی بات پر آپس میں دست و گریباں ہو جاتے ہیں اور پھر نظریۂ ضرورت کے تحت بعد میں باہم شیر و شکر نظر آنے لگتے ہیں لیکن سلمیٰ ہمارے ماضی اور شرمناک پس منظر

سے واقف نہیں تھی اس لیے ہمارے تیوروں نے اُسے بُری طرح خوف زدہ کر دیا تھا۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ جہانگیر کو اس کی دست درازی پر ملامت کرے یا مجھے میری سخت کلامی پر برا بھلا کہے۔

"تم ہٹو ___ بیچ سے ہٹ جاؤ"، جہانگیر نے غصّے سے ہانپتے ہوئے سلمیٰ کو بے دردی سے ایک طرف دھکیل دیا۔ "یہ اگر میرے جبڑے توڑنا چاہتا ہے تو اسے میری چھت کے نیچے یہ شوق بھی پورا کرنے دو، معلوم ہوتا ہے کہ غزالہ کی حرکت نے اُس کا دماغ ہی اُلٹ دیا ہے۔۔۔!"

اُس کے لہجے اور الفاظ سے مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ رلانے کے لیے قطعی آمادہ نہیں تھا۔ شاید اُس نے غصّے اور جنون کے عالم میں میرے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا تھا لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ میری کس بات پر اتنا جذباتی ہوا جا رہا تھا۔ اولاد نہ ہونے کے معاملے میں میں نے اپنی دانست میں وضاحت کر کے قصہ ختم کر دیا تھا۔

"تم اسے اندر لے جاؤ ورنہ میں واقعی اس کے دو چار دانت گرا دوں گا"، میں نے جہانگیر کو گھورتے ہوئے سلمیٰ سے کہا۔ "اس سے پوچھو کہ میں نے اس کی شان میں کون سی ایسی گستاخی کی ہے جو اس نے اپنے گھر میں میرا گریبان تار تار کر ڈالا؟"

"بکواس مت کرو۔ گریبان تم نے خود پھاڑا ہے"، غصّے میں غراتے غراتے اچانک اس کی آواز رندھ گئی اور وہ سر جھکا کر بہت تیزی کے ساتھ اندر جانے والی راہداری میں گھستا چلا گیا۔

"تم نے یقیناً ان کی دل آزاری کی ہے"، سلمیٰ میرے چہرے پر نظریں جما کر بولی۔ "وہ بلاوجہ اتنے مشتعل نہیں ہو سکتے۔"

"وہ اُلّو کا پٹھا بالکل پاگل ہے"، میں نے اپنی جھونک میں کہا۔ "میں کسی اور موضوع پر بول رہا تھا اور وہ یہ سمجھ بیٹھا کہ میں اولاد نہ ہونے پر اُسے طعنہ دے رہا ہوں۔ میں نے اُس کی وہ غلط فہمی بھی دور کر دی مگر وہ ابھی تک مائدے کے آٹے کی طرح اینٹھا ہوا ہے۔"

"اوہ!" سلمیٰ کے منہ سے بے اختیار ایک گہری سانس آزاد ہو گئی۔ "یہ اُن کی ذات کا دکھتا ہوا پہلو ہے۔ اب میں سمجھی کہ وہ کیوں اس قدر پراگندہ ہو رہے تھے۔ تمھیں اُن کے ساتھ رعایت سے کام لینا چاہیے تھا۔ بلاوجہ ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا بیٹھے۔ تم تھوڑی دیر یہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھو، میں اُنھیں سمجھا کر واپس لاتی ہوں۔"

"اس وقت نہ روکو، پھر کبھی دیکھا جائے گا، میرے منہ سے غصّے میں پھر کوئی بات نکل جائے گی۔"

"تمھیں میری جان کی قسم!" سلمیٰ نے میری طرف جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا پھر عام لہجے میں بولی۔ "میری واپسی تک تم یہیں رکو گے۔ ان پھٹے ہوئے چیتھڑوں میں تم ویسے بھی باہر نہیں جا سکتے۔ واپسی پر میں تمھارے لیے جہانگیر کی ایک قمیص بھی لیتی آؤں گی۔ ابھی تازہ تازہ بات ہے، فوراً ختم ہو جائے گی۔ وقت گزر گیا تو پھر تم دونوں کے دل ایک دوسرے کی طرف سے صاف نہیں ہو سکیں گے۔ غضب خدا کا! کیسے دشمنوں کی طرح تم ایک دوسرے سے اُلجھے تھے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم دونوں کبھی اس طرح ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو سکتے ہو۔"

جہانگیر کے آخری لمحات کے رویّے نے میرے دل میں اُس کے لیے ذرا سا نرم گوشہ پیدا کر دیا تھا لیکن پھر بھی اس کی طرف سے میرا دل کھٹا ہو رہا تھا۔ میں فی الفور واپس چلا جانا چاہتا تھا لیکن سلمیٰ مجھ سے وہاں رُکے رہنے کا وعدہ لیے بغیر ٹلنے پر آمادہ نہیں ہوئی اور میں نے اُس کے جانے کے بعد کیبنٹ سے اپنے لیے نیٹ اسکاچ کا گلاس لبریز کر کے سگریٹ سلگا لی۔ اپنے جلتے ہوئے ذہن کو تھوڑا سا سکون پہنچانے کے لیے اس وقت یہی تدبیر کچھ کارآمد ثابت ہو سکتی تھی۔

اس تلخ اور آتشیں سیال کے چند گھونٹ معدے میں اُترنے کے بعد میرے اعصاب قدرے سکون آور ہوئے تو مجھے احساس ہوا کہ اس وقت زیادتی جہانگیر کی نہیں تھی۔ غلط فہمی کی بنا پر وہ یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ میں نے دانستہ اس کی محرومی کا ذکر چھیڑا تھا۔ میری وضاحت نے شاید اُسے مطمئن کر دیا تھا لیکن وہ اپنی ذہنی حالت کو فوری طور پر اعتدال پر نہ لا سکا۔ اُس کے اُکھڑے اُکھڑے رویّے کی بنا پر جب میں نے اُس کی کار لے جانے سے انکار کیا تو وہ زبردستی مجھے اپنے ساتھ لے جانے پر تل گیا اور وہیں میرے جارحانہ تیوروں نے تصادم کا ماحول پیدا کر دیا۔ آخر میں اس کی آواز گلوگیر اور انداز مظلومانہ ہو گیا تھا۔ وہ مجھ سے اپنے رویّے کی معافی مانگے بغیر شاید یہ توقع کر رہا تھا کہ میں اُسے رعایت دوں گا۔ جہاں قریبی اور جذباتی تعلق ہو وہاں ایک دوسرے سے ایسی توقعات کچھ بے جا بھی نہیں ہوتیں۔ دلوں میں ایک دوسرے کے لیے لامحدود گنجائش ہونے کے باوجود لوگ انا کی خاطر ایک دوسرے کے مقابل اُتر جاتے ہیں۔ ایسی ضد کا انجام عموماً افسوس ناک ہوتا ہے۔ اس وقت بھی وہی ہوا تھا۔ آدھا گلاس خالی ہونے تک میری روایتی فراخ دلی اور دوست نوازی پوری قوت سے بیدار ہو چکی تھی اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ

اگر جہانگیر، سلمیٰ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں نہ آیا تو میں خود ہی اُس کی خواب گاہ میں جا کر اُسے اپنے گلے سے لگا لوں گا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے بیک وقت کئی محاورے یاد آگئے۔ 'تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے' وہ اینٹھا ہوا تھا تو میں بھی مرنے مارنے پر تُل گیا تھا اور جب مجھ پر مصالحت کی رُو طاری ہوئی تو دل کو دل سے راہ ملی۔ دوسری طرف جہانگیر بھی غالباً اپنے احمقانہ طرزِ عمل پر پشیمان ہو رہا تھا وہ کچھ دیر بعد سلمیٰ کے ساتھ واپس آیا تو اُس کے چہرے سے زلزلے کے آثار ہویدا تھے۔ یُوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دیو ہیکل اور توانا شخص اپنی خواب گاہ کی تنہائی میں کسی بچے کی طرح روتا رہا ہو۔

سلمیٰ شاید ہمارے درمیان اپنے مصالحانہ کردار کی ادائیگی کے لیے خاصی تیاری کر کے آئی تھی لیکن اُسے زبان ہلانے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ ہم دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں اور شاید نظروں ہی نظروں میں ہمیں ایک دوسرے کے دل کا حال معلوم ہو گیا۔ جہانگیر میری طرف لپکا اور میں نے بڑھ کر اُسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

میں کئی منٹ تک جہانگیر کو اپنے بازوؤں میں بھینچے کھڑا رہا۔ اُس کا پورا وجود آندھی کی زد میں آئے ہوئے کسی تناور درخت کی طرح ہولے ہولے لرزتا رہا اور جب وہ مجھ سے الگ ہوا تو اس کی نم آلود نگاہیں نیچے جُھکی ہوئی تھیں۔

"دوسری قمیص دو تاکہ میں واپس جا سکوں۔" چند ثانیوں بعد میں نے جہانگیر سے کہا۔

"سلمیٰ قمیص لا دے گی مگر اب تم یہیں رہو گے۔ صبح واپس چلے جانا۔" جہانگیر یہ کہتے ہوئے واپس مڑ گیا۔ "میں منہ ہاتھ دھو کر، کپڑے بدل کر واپس آتا ہوں۔" وہ چلا گیا اور سلمیٰ وہیں ٹھہری رہی۔

"آج تم سے واقعی حماقت سرزد ہوئی ہے۔" تخلیہ ہوتے ہی وہ ملامت آمیز لہجے میں بولی۔ "طبی معائنے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جہانگیر کبھی بھی باپ نہیں بن سکیں گے۔ اس انکشاف پر وہ بلک بلک کر روئے تھے۔ انھوں نے مجھے کھلی چھوٹ دینے کی بھی پیش کش کی تھی مگر میں نے اس بات کو مقدر سمجھ کر قبول کر لیا ہے۔ وہ اکثر کڑھتے رہتے ہیں کہ اللہ نے نہ جانے کن گناہوں کی پاداش میں اس محرومی کو اُن کی پیشانی کا داغ بنا دیا ہے۔ پتا نہیں تم نے کیا کہہ دیا تھا کہ بس وہ اندر سے ہل کر رہ گئے۔"

سلمیٰ کی وضاحت نے میری بہت بڑی اُلجھن دُور کر دی۔ نادانستگی میں میں وہی بات کہہ گیا تھا جو جہانگیر کے ذہن میں چبھتی رہتی تھی اس لیے وہ میری نگاہوں میں قابلِ معافی تھا لیکن اسی کے ساتھ میری نگاہوں میں سلمیٰ کی وقعت بھی بڑھ گئی تھی کہ اس نے اپنے شوہر کی ایک محرومی کو مقدر سمجھ کر قبول کر لیا تھا اور ماں بننے کی اس شہ زور خواہش کا گلا گھونٹ دیا تھا جو کسی بھی شادی شدہ عورت کی زندگی کا سب سے بڑا ارمان ہوتا ہے جہاں تک میری ذات میں اُس کی دلچسپی کا تعلق تھا تو وہ شاید اُس کے مزاج کا ایک حصہ تھا۔ وہ اُس وقت بھی مجھ پر مہربان ہونے کی کوشش کیا کرتی تھی جب شاید خود جہانگیر کو اپنے لاولد رہنے کا علم نہیں تھا۔ اس کے مرض کی نوعیت بہت عجیب اور نازک تھی کہ وہ ایک مکمل شوہر ہوتے ہوئے بھی صاحبِ اولاد نہیں ہو سکتا تھا۔

مجھے بے اختیار غزالہ کی بدنصیب ماں، شمع یاد آگئی جو خود کوکین کی عادی تھی اور اُس کا اکلوتا بیٹا، کامران نامی بھی اس زہر کی بڑی مقدار کھا کر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا۔ شاید جہانگیر کو ایسی ہی کسی دُکھیاری ماں کی بددُعا لگی تھی جس کا اکلوتا لختِ جگر ہمارے متعارف کرائی ہوئی ہیروئن کی بھینٹ چڑھ گیا تھا۔

وہ خیال آتے ہی میں لرز گیا۔ اس گناہ کے ارتکاب میں جہانگیر تنہا نہیں تھا۔ تنظیم کے ایک فتنے دار شخص کی حیثیت سے میں پس پردہ رہ کر اُسے انوکھی ہدایات جاری کرتا تھا جن پر عمل کر کے کراچی کے گلی کوچوں میں ایک منظم سازش کے تحت چرس کے عادی لوگوں کو ہیروئن کے نئے نشے کا عادی بنایا گیا تھا۔ ایک بار ہوش آجانے کے بعد میرے لیے وہ خیال ہی روح فرسا تھا کہ کراچی کی حد تک میرا نام ہیروئن کے بانیوں میں شمار کیا جا سکتا تھا۔

وہ کس قدر بھیانک دن تھے جب کراچی کے چور بازاروں اور منشیات فروشوں کو اچانک چرس کی سپلائی روک دی گئی۔ صرف یہی نہیں بلکہ بازار میں موجود سارا مال سمیٹ لیا گیا اور جب چرس کے عادی اپنے مقررہ اڈوں کے چکر لگاتے لگاتے مایوس ہونے لگے تو ان ہی اڈوں سے انھیں تجربے کے لیے ہیروئن کی مفت پڑیاں تقسیم کی گئیں اور چند روز کی محنت کے بعد اچانک ہی پورے شہر میں اس ہولناک سفوف کی حیرت ناک مانگ پیدا ہو گئی کیونکہ معاشرے کے محروم اور ناآسودہ لوگوں کو سدا سے تیز تر نشے کی لاشعوری تلاش رہتی ہے تاکہ دن بھر زندگی کے سنگین حقائق سے مقابلے میں اپنی اَنا اور اپنی معصوم آرزوؤں کو لہولہان کرنے کے بعد وہ چند کش یا چند گھونٹ لے کر کچھ دیر کے لیے اپنے خوابوں کی جنت کھڑی کر سکیں جہاں سب کچھ اُن کی مرضی اور اشاروں کے مطابق ہوتا ہو، اُن پر کوئی قدغن نہ ہو، کوئی اُن کی خواہشوں کے برعکس اُن کے گلوں میں غلامی کے طوق نہ ڈالتا ہو۔ اپنی بدنصیبی کے اتھاہ اندھیروں میں اپنی پُرنور بشارتوں کی دمک تلاش کرنے کے لیے معاشرے کے وہ مفرور اور

باغی لوگ چرس چھوڑ کر والہانہ عقیدت کے ساتھ ہیروئن کی طرف راغب ہوئے تھے اور یوں سرد اور بھیانک موت کا وہ سمندر خود بخود اپنی جگہ پیدا کرتے لگا۔ پانی کو نشیب تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی، اسی طرح ہیروئن بھی خود بخود ہر اُس گلی، محلّے، نکڑ اور اڈے پر پہنچنے لگی جہاں اس کی ضرورت تھی۔

نشہ طاقت کا ہو یا شراب کا — چرس کا ہو یا ہیروئن کا — کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ نیکی اور بدی کے ہر امتیاز کو مٹا کر انسان کو انسان نہیں بلکہ آدمی کو نفس کا غلام بنا دیتا ہے لیکن پھر بھی اگر موازنہ کیا جائے تو شراب، چرس یا بھنگ انسان کو اپنا غلام نہیں بناتی۔ یہ امکان ہر وقت باقی رہتا ہے کہ آدمی اپنی دیگر ضروریات پوری کرنے کے بعد اس شوق میں پیسہ برباد کرے گا لیکن ہیروئن ایک لرزہ خیز نشہ تھا جس کی ابتدا شوق یا فیشن کے طور پر کی جاسکتی تھی لیکن ایک بار اس کے اثرات خون اور اعصاب میں سرایت کر جائیں تو یہ نشہ اس طرح رگوں میں پیوست ہو جاتا ہے کہ مقررہ وقت پر مطلوبہ مقدار نہ ملے تو آدمی ہولناک اعصابی اور دماغی اختلال، اضطراب اور اذیت سے دوچار ہو جاتا ہے وہ چاہے بھی تو اسے ترک نہیں کر سکتا۔ بھوکا رہ سکتا، بستر کے بجائے کوڑے کے ڈھیر پر چادر اوڑھ کر بیٹھ سکتا ہے، چوری یا قتل بھی کر سکتا ہے لیکن ہیروئن نہیں چھوڑ سکتا اور اس ہیروئن کے فروغ میں ہمارا کردار کلیدی نوعیت کا تھا۔

میرے لیے صرف یہی ایک احساس سکون کا باعث تھا کہ نشے والوں نے مجھے اپنا آلۂ کار بنا کر میرے ہاتھوں پاکستان میں جتنے مالی مفادات حاصل کیے تھے اُن سے کئی گنا زیادہ نقصانات میں اُن کو پاکستان اور یورپ میں پہنچا چکا تھا۔ پاکستان میں وقت کا پہیہ اُلٹا چلانا میرے بس سے باہر تھا۔ بفرضِ محال میں نشے کو نیست و نابود کرنے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو بھی ہیروئن کی وہ طلب برقرار رہتی جو پاکستان میں پیدا ہو چکی تھی۔ مقامی ضروریات کے لیے یہ براؤن شوگر باہر سے درآمد نہیں کی جاتی تھی بلکہ ہماری اپنی سرحدوں میں دشوار گزار پہاڑی وادیوں میں افیم کی فصلیں لہلہاتی تھیں اور ان سے ہیروئن کشید کرنے کے کارخانے ناقابلِ شکست سرحدی پٹی میں بکھرے ہوئے تھے۔ ان تجربہ گاہوں اور کارخانوں کی حفاظت پر سفاک، پیشہ ور محافظ دن رات مامور رہتے تھے۔ جہاں لوگوں کو رہنے کے لیے پختہ مکان اور استعمال کے لیے بجلی جیسی بنیادی سہولتیں میسر نہیں تھیں وہاں جنریٹر ان کارخانوں کو دن رات بجلی فراہم کرتے تھے۔ بعض کارخانوں کے گرد ریڈار سے منسلک حساس مانیٹرنگ آلات نصب تھے جو قرب و جوار میں اجنبی پرندوں تک پر نگاہ رکھتے تھے۔ ایسے ناقابلِ شکست حصار میں کشید ہونے والی ہیروئن ہر حال میں بکتی رہتی۔ نشی نہ ہوتی تو دولت کے رسیا، بہتیرے مقامی بھیڑیے اس کمی کو پورا کر دیتے کیونکہ ہیروئن میں دوہری کشش تھی۔ مقامی منڈی کے سہارے روابط قائم کیے جاسکتے تھے، پھر موقع میسر آتے ہی اس کی چھوٹی چھوٹی کھیپیں دساور اسمگل کی جاسکتی تھیں۔ اس وقت دنیا میں ہیروئن وہ واحد جنس تھی جس کے سَودوں پر سوگنا سے زیادہ منافع حاصل کیا جاسکتا تھا۔ لاکھ کے کروڑ بنانا بس ایک ذرا سے رسک پر منحصر تھا۔ منزل پر مامور افسر سے ذرا سی چوک ہوتے ہی سوگنا منافع شیرِ مادر کی طرح حاصل کیا جاسکتا تھا۔ اس طرح سونے سے زیادہ مہنگی یہ جنس جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ ہی مہم جو کاروباری طبقوں میں بھی مقبولیت حاصل کرتی جارہی تھی جو ہیروئن کی اسمگلنگ سے سرمایہ حاصل کر کے راتوں رات ایسے بڑے کاروبار جما سکتے تھے جن کا پوری زندگی تصور بھی محال تھا۔ خاندانی دھندوں میں دیوالیا ہونے والے بھی تھوڑی سی ہمت کر کے اور کچھ خطرہ مول لے کر اپنے باپ دادا کی ڈوبتی ہوئی ساکھ بچا سکتے تھے۔ ان سب طبقوں میں آپس میں کوئی مطابقت نہیں تھی لیکن پڑیاں بیچنے والے خوردہ فروشوں سے واحد کھیپ لے جانے والے سیٹھ اور ساہوکاروں تک، سب کی کوششیں ہیروئن کو شب و روز فروغ دے رہی تھیں اور گہرائی میں سوچنے پر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آنے والے چند برسوں میں مشرق سے مغرب تک ہر طرف ہیروئن چھا جائے گی اور براؤن شوگر کی اس چمکتی ہوئی دھند میں پوری انسانیت سسکاریاں لیتی اور لڑکھڑاتی ہوئی اخلاقی تباہی کی اس بھیانک وادی میں گم ہو جائے گی جہاں سے تاریخ دانوں کو بھی کسی کی کوئی خبر نہیں ملتی۔

مشرق میں تضاد تھا۔ ترکی سے جاپان تک ہر ملک اور شہر کے رواج مختلف تھے لیکن پھر بھی یہ کہا جاسکتا تھا کہ تھوڑی بہت مادّی ترقی کے باوجود مشرق میں کسی نہ کسی حد تک اخلاقی اور روحانی اقدار زندہ تھیں جن کے سہارے اس عفریت کا بڑی حد تک مقابلہ کیا جارہا تھا لیکن مغربی معاشرے مادّی ترقی کی اس معراج کو چھو رہے تھے جہاں روح، اخلاق اور مذہب کو مُردہ تہذیبی ورثہ قرار دے کر موٹی موٹی علمی کتابوں میں دفن کر دیا گیا تھا، نہ رشتوں کی عزت باقی رہی تھی نہ دانش کا احترام۔ کامیابی، ترقی اور خوشی کے ہر پیمانے کو سکوں کی جھنکار میں بدل دیا گیا تھا۔ مال و دولت کی اس روح فرسا دوڑ میں احساسات کچلے جارہے تھے کیونکہ وہ انسان کے خمیر کا ایک حصہ ہیں۔ انھوں نے ہر معیار کو سکوں میں ڈھال لیا تھا لیکن انسان کا خمیر نہیں بدل سکے

تھے۔ پھر انسانوں نے انبوہ در انبوہ اسی مادی خول کو اپنے اوپر
مسلط کر لیا تھا جس کی وجہ سے ذات اور روح کے زخموں میں
اضافہ ہو رہا تھا جس کے درماں کے لیے ہر شام پب، ریستوران
اور شراب خانے سجائے جاتے تھے جہاں پیسے کے زور سے
نشہ خرید کر انسان اپنے دکھوں کو اس میں گھول کر پی جاتا تھا۔ مسائل
جتنے بڑھتے جا رہے تھے اسی قدر تیز نشوں کی منڈی زرخیز ہو رہی
تھی جن میں ہیروئن سرِفہرست تھی۔ گھر بار، کار، کاروبار، گرل فرینڈ
اور اس کے دوسرے بولتے فرنیچر کی طرح مغرب میں بے شمار لوگوں
نے ہیروئن کو بھی اپنے روزمرہ کے لوازمات میں شامل کر لیا تھا۔ وہ اس
کی ہلاکت سے خوفزدہ نہیں تھے۔ ان کی منطق تھی کہ کھائے بغیر موت
آ سکتی ہے تو ہیروئن کے بغیر بھی آیا کرے۔ نہ خوراک کے روزمرہ
معمولات کو ایڈکشن کے خوف سے ترک کیا جا سکتا ہے نہ ہیروئن کو۔
اسی لیے مغرب کے فرزانے ہیروئن سے خوف زدہ تھے۔
اُن کے شہروں میں ترقی کا سفر اتنا تیز تھا کہ انفرادی مسئلوں پر سوچنے
کی کسی کو مہلت نہیں تھی۔ نظامِ شمسی کے تسخیر کے پروگرام چل
رہے تھے، خلاء میں سواریاں تیر رہی تھیں، ایسے میں ہر ایک دل
کے آبگینوں کا کہاں تک خیال رکھا جا سکتا تھا۔ آبگینے ٹوٹتے تھے،
اور خاموشی سے ہیروئن کی بایک اور بڑیا کھل جاتی تھی۔ رواداری
اور انفرادی آزادی کے نام پر وہاں بھیانک ناسور پروان چڑھ
رہے تھے۔ بالغ بیٹیاں رات رات بھر بوائے فرینڈ کے ساتھ
ڈسکو ناچ گھروں میں ناچتی تھیں، بیویاں دوسرے مردوں سے
بغل گیر ہوتی تھیں تو اُن کے مرد انتقاماً دوسری عورتوں پر زور آزمائی
کرنے لگتے تھے۔ یکمز دریاں رسوم بن گئی تھیں، قانون اُن کا پشت
پناہ تھا۔ رشتوں کے حوالے سے ایک دوسرے سے باز پرس کا
واجبی سا حق باقی رہ گیا تھا جس کا جواز ہو تو جواب مل سکتا تھا، ورنہ
سوری کا ایک ننھا سا لفظ جرم و گناہ، حق تلفی، بے وفائی اور
بے مہری کی لاتعداد لہو رنگ کہانیوں کو چپکے سے نگل جاتا تھا۔ ان
سب کو بدلنا ان فرزانوں کے بس سے باہر تھا مگر وہ یہ بھی جانتے
تھے کہ انھوں نے اپنا بہت کچھ کھو کر، انا کے سمجھوتوں کی بنیاد پر
جو معاشرے کاشت کیے ہیں ان میں فرد کی محرومیوں کا سلسلہ
روز بروز دراز ہوتا چلا جائے گا اور اسی کے ساتھ ذہن کو معطل
اور اعصاب کو ماؤف کر دینے والے زہریلے نشوں کی طلب بھی
بڑھتی چلی جائے گی اس لیے انھوں نے طلب ختم کرنے کے
بجائے رسد تباہ کرنے پر اپنی ساری توجہ مرکوز کی ہوئی تھی۔ امریکا سے
یورپ تک، ہر ملک انسدادِ منشیات کے نام پر لاطینی امریکا
اور مشرقی ملکوں کو فراخ دلی سے امداد دے رہا تھا کہ وہ اپنی
زمینوں پر افیم کا ایک پودا بھی نہ پنپنے دیں، افیم کے کاشت کار
مزاحم ہوں تو طاقت کے زور پر اُن کی زمینوں کو بانجھ کر دیا جائے
تاکہ اُن کے محروم اور ناآسودہ لوگوں تک ہیروئن کی ایک چٹکی بھی نہ
پہنچ سکے۔
ہر جنس کی تجارت میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ معاشیات کا طلب اور
رسد کا اصول پوری قوت سے کارفرما تھا۔ اس کی آڑ میں مہاشوں نے
ہتھیاروں سے دانۂ گندم تک کی کوٹا بندی کی ہوئی تھی لیکن ہیروئن
کے معاملے میں وہی ماہرین اُلٹی گنگا بہا رہے تھے۔ طلب ختم
کرنے کے بجائے اس کی رسد تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ یہ
بھول گئے تھے کہ اس طرح وہ ہیروئن کبھی ختم نہ کر سکیں گے۔ ہاں اس کے
بھاؤ ضرور اوپر لے جائیں گے۔ شاید اسی وجہ سے روز بروز اور
سال بہ سال ہیروئن میں عالمی دلچسپی بڑھتی ہی جا رہی تھی اور اسمگلنگ
فروغ پا رہی تھی۔
میں نے آخری گھونٹ لیا اور میرے ہاتھ میں شفاف گلاس
چمکتا رہ گیا۔ کندن کا سا جھلملاتا ہوا انعکاس میرے حلق سے معدے
تک آگ کی ایک لکیر پیدا کرتا ہوا اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔
اس وقت میرے دل میں ایک بڑا چھپوا اور شرمناک
سا خیال پیدا ہوا۔ مجھے شی اور اس کی عالمی سرگرمیوں سے کوئی دشمنی
نہیں تھی۔ اگر جمی لائیٹ مجھے یقین دلا دیتا کہ وہ ایک گرام ہیروئن
بھی پاکستان میں بیچے بغیر سرحدی کارخانوں کی ساری پیداوار مغربی
منڈیوں میں لے جائے گا تو شاید میں بھی اُس کا دعاگو بن جاتا۔ مشرق
اور مغرب اس کرّے کے دو مختلف حصّے تھے جن کی نہ اقدار مشترک
تھیں نہ مفادات۔ اس لیے میری ساری ہمدردیاں میرے اپنے
مشرق، اپنے پاکستان تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں بلکہ نشے کی جھونک
میں میں نے اس وقت یہاں تک سوچا کہ اگر دو کوڑی کی افیم سے
کروڑوں کی مالیت رکھنے والی ہیروئن کشید کر کے سرکاری سطح پر
مغربی ممالک کو برآمد کی جائے یا بالواسطہ طریقوں سے شی اور
مافیا سے سودے کیے جائیں تو اس طرح حاصل ہونے والے خطیر
زرِ مبادلہ سے ملک کی قسمت ہی بدلی جا سکتی تھی۔ اگر دو چار سال
گندم، چاول، کپاس اور گنے کو بھول کر ہر زرخیز زمین کے سینے میں
افیم بو دی جائے تو دیکھتے ہی دیکھتے ہم اپنے بھاری قرضے ادا
کر کے دوسروں کو قرضے دینے کی پوزیشن میں آ سکتے تھے۔
لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ مغربی اجارہ داروں نے ہیروئن اور
افیم کو عالمی سطح کا جرم قرار دیا ہوا تھا۔ ملٹی نیشنل دوا ساز اداروں
میں مسکن ادویہ کے نام پر ایل ایس ڈی اور اس جیسے لاتعداد دوسرے
سینتھیٹک نشے سرکاری سرپرستی میں باقاعدہ لائسنسوں پر تیار
ہو رہے تھے، ہر سال ٹنوں کی مقدار میں بھاری داموں پر برآمد
ہو رہے تھے اور طبی استعمال کے علاوہ نشے بازوں میں ان کی مقبولیت

کوئی چھپا ہوا راز نہیں تھی لیکن ان پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس کے برعکس اکادکا نئے کارخانوں کو اجازت نامے ملتے رہتے تھے مگر مشرق کی زرخیز زمین سے قدرتی طور پر پھوٹنے والے افیم کے پودے سے مغرب خوف زدہ تھا اور انھوں نے عملاً نہ سہی کم از کم قانونی طور پر پوری دنیا میں پوست یا افیم کو شجرِ ممنوعہ بنا ڈالا تھا۔

اس وقت میرے دماغ کی پرواز بہت بلند تھی۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے عالمی سیاست اور معاشی اجارہ داری کا نیا نوآبادیاتی تصور اس دور میں صرف افیم اور ہیروئن تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ مغرب والے ہماری ضرورت کی چیزیں ہمیں مہنگے داموں فراہم کرتے ہیں اور ہمیں سستی زرعی پیداوار میں مصروف رکھ کر اس بیش قیمت فصل سے محروم رکھنا چاہتے ہیں جس کی قیمت وہ اپنا سب کچھ بیچ کر بھی ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے ہمارے معصوم سیاستدانوں کے ذریعے ٹیکزیشن کے ایسے بے لچک قوانین بنوائے کہ ہیروئن سے حاصل ہونے کا لا دھن کسی بھی طرح ہماری معیشت میں شامل ہو کر اپنا بھرپور ترقیاتی کردار ادا نہ کر سکے۔ جب تک اس خطیر سرمائے کو تجوریوں، ذاتی تعیشات اور غیر پیداواری مدوں تک روکا گیا اس وقت تک دوسروں میں اس طرف سرمایہ کاری کا رجحان بھی رکا رہے گا اور مغرب کو اس کے طے کردہ مفادات حاصل رہیں گے۔ اس معاملے میں میرے ذہن میں ایک اہم نکتہ یہ بھی پیدا ہوا کہ جب شی والوں کو ہیروئن ملک سے باہر لے جانے میں ناقابلِ تصور منافع حاصل ہوتا تھا تو وہ اس کی کچھ مقدار انتہائی حقیر داموں پر مقامی منڈی میں کیوں پھینکتے تھے؟ اسی مقدار کو باہر لے جا کر وہ زیادہ منافع حاصل کر سکتے تھے۔ چند ثانیوں کے پُرسرور سناٹے کے بعد میرے ذہن نے اس سوال کا جواب بھی تلاش کر لیا۔ جس طرح حکومتوں میں شامل بہت سے مخلص لوگ نادانستگی میں بڑی طاقتوں کے آلۂ کار بنا لیے جاتے ہیں، ایسا ہی شاید شی کے ساتھ بھی ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ پاکستان میں بیچی جانے والی ہیروئن پر شی کو کسی عالمی طاقت سے زرِ تلافی ادا کیا جاتا رہا ہو۔ ان کے لیے مقامی آبادی میں ہیروئن پھیلانا اس لیے ضروری تھا تاکہ پاکستان کے لوگ اپنی آنکھوں سے اپنی گلیوں اور گھروں میں ہیروئن کی تباہ کاری دیکھ سکیں اور ان کے دلوں میں افیم سے اس حد تک اجتماعی نفرت پیدا کر دی جائے کہ وہ کسی بھی قیمت پر افیم کی کاشت کے حق میں چلائی جانے والی کسی مہم کی حمایت نہ کریں، بلکہ ایسی مہم چلانے والوں کے اپنے ہاتھوں سے چیتھڑے اُڑا دیں۔

میں چند ایکڑ پر اپنے افیم کے کھیت قائم کر کے مغرب کی عالمی غنڈہ گردی اور بالادستی کے خلاف احتجاج کرنے کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ جہانگیر کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے سر اٹھایا تو وہ سلمیٰ کے ساتھ ہولے ہولے، دائیں بائیں جھولتا ہوا میری طرف آ رہا تھا۔ وہ رقص کا اتنا شوقین نہیں تھا۔ اس لیے میں نے آنکھیں پھاڑ کر اُن دونوں کو دیکھا اور جب اُن کے چہرے دھندلاتے ہوئے محسوس ہوئے تو میں نے سمجھ لیا کہ نیٹ وسکی کا پورا گلاس اپنا کام دکھانے لگا تھا۔ میں نے بے اختیار اپنی آنکھیں موند لیں۔

صبح میں دیر سے اٹھا تو سر خاصا بھاری ہو رہا تھا۔ ہولے ہولے کھوپڑی سہلاتے ہوئے اس کا سبب بھی سمجھ میں آ گیا۔ کثرتِ مے نوشی کے بعد ہونے والی اس گرانی کو انگریزی میں ہینگ اوور کہا جاتا ہے لیکن اُردو میں اس کے لیے کوئی ایسا جامع لفظ موجود نہیں ہے۔ شاید اُردو والے ظرف سے زیادہ پیتے ہی نہیں تھے یا پھر ان کے ظرف بلند تھے کہ بوتلیں لنڈھا کر بھی ہینگ اوور کا شکار نہیں ہوتے تھے۔

میں اس وقت خواب گاہ میں صاف ستھرے بستر پر موجود تھا۔ میں نے سگریٹ سلگا کر ذہن پر خاصا زور دیا لیکن افیم کے ذاتی کھیتوں سے آگے کچھ یاد نہ آ سکا۔ مجھے دل ہی دل ندامت ہونے لگی کہ جہانگیر سے جھڑپ کے بعد مجھے اتنی زیادہ نہیں چڑھانی چاہیے تھی۔ اس حالت میں اگر مجھ سے کوئی ناشائستہ حرکت سرزد ہو گئی ہوتی تو شاید اس وقت بستر کے بجائے پھاٹک کے باہر فٹ پاتھ پر پڑا ہوا ہوتا۔

میں نے غسل خانے میں جانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر جہانگیر اندر آ گیا۔ اُس کے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ رقصاں تھی اور چہرے پر پچھلی رات کی تلخی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ تیار ہوتے تو ساتھ ہی نکل جاتے لیکن تمہارے اوپر نیستی سوار ہو رہی ہے۔ جب آرام سے دل بھر جائے تو سلمیٰ سے گاڑی کی چابی لے لینا۔ میں شام کو فیکٹری سے واپسی پر تمہیں فون کر لوں گا۔" اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ذرا بیٹھ جاؤ۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "یہ سب تو ہوتا رہے گا مگر مجھے یہ بتاؤ کہ رات کو میں ڈرائنگ روم سے یہاں کیسے پہنچ گیا؟"

"کیسے پہنچتے؟" اُس نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔ "تم تھوڑے سے ڈرنک ضرور نظر آ رہے تھے لیکن گفتگو ختم ہونے کے بعد میرے ساتھ اپنے قدموں پر چل کر یہاں آئے تھے کیا واقعی

تمھیں کچھ یاد نہیں رہا؟"

میں نے انکار میں سر ہلا دیا۔"رات کو تمھاری احمقانہ حرکتوں کو بھلانے کے لیے مجھے نیٹ اسکاچ کا پورا گلاس معدے میں انڈیلنا پڑ گیا تھا۔ یہ شاید پہلا موقع ہے کہ میرا حافظہ میرا ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ گفتگو کیا ہوئی تھی ہمارے درمیان؟"

"اوہ! تو تم واقعی آف تھے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "لیکن ساری بحث میں کہیں بھی اندازہ نہیں ہو سکا کہ تم اتنی پیے ہوئے تھے۔ پاکستان میں افیم کی کاشت کے حق میں تمھارے سارے دلائل مربوط اور مضبوط تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ تم جس رائے پر اڑ جاؤ اس کے حق میں کہیں نہ کہیں سے ناقابلِ تردید دلائل جمع کر ہی لیتے ہو۔ یہ بتاؤ کہ اب ٹھیک ہو یا اب بھی کچھ گڑبڑ ہے؟"

"غنیمت ہے کہ میں بالکل ہی آف نہیں ہوا تھا۔" میں نے اطمینان محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "میں ڈر رہا تھا کہ کہیں اس حالت میں کوئی بد اخلاقی نہ کر بیٹھا ہوں۔ تمھارے غصے سے اب ڈر لگنے لگا ہے۔"

"سچ پوچھو تو میں تمھاری خوش اخلاقی سے پریشان ہو گیا تھا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "سلمٰی سے سلیپنگ سوٹ اور نئی قمیص لینے کے بعد تم اچانک ہی اس پر مہربان ہو گئے تھے اور اس کی تعریفیں شروع کر دی تھیں۔ تمھارے خیالات سن کر وہ بہت خوش ہوئی تھی لیکن میں نے بلیک لیبل کی خالی بوتل دیکھتے ہی اُسے واپس خواب گاہ میں بھیج دیا۔ مجھے ڈر تھا کہیں تم خوشی کے عالم میں اس کے ساتھ ناچنا نہ شروع کر دو۔ کمال کی بات یہ ہے کہ اس کے جاتے ہی تم نارمل نظر آنے لگے تھے اور بعد میں میرے ساتھ بھی برف ڈال کر ایک ڈبل پیگ لیا تھا۔ ایک بجے کے بعد ہم وہاں سے اٹھے تھے۔ اپنے کمرے میں بھی میں دیر تک تمھارے نظریات پر غور کرتا رہا تھا۔"

"بس میں یہی جاننا چاہ رہا تھا۔ اب تم چاہو تو فیکٹری جا سکتے ہو۔ میں بھی ایک گھنٹے میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ اس بارے میں اب شام کو ہی گفتگو ہو گی۔" میں نے بستر سے اتر کر اپنے بدن پر موجود دھاری دار سلیپنگ سوٹ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا اور وہ فوراً ہی میرے کمرے سے چلا گیا۔ اس سے بات ہونے کے بعد میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔

میں تیار ہو کر کچن میں پہنچا تو سلمٰی وہاں ناشتے کی مختصر سی میز کے گرد بیٹھی ایک باتصویر رسالے کی ورق گردانی میں محو تھی۔ خوش دلی سے میرا استقبال کرتے ہوئے اس نے فوراً ہی ناشتے کی تیاری شروع کر دی۔

"رات کو تم بہت ترنگ میں تھے۔" اس نے شوخ لہجے میں کہا۔ "میرے ساتھ تمھاری عقیدت دیکھ کر جہانگیر بوکھلا گئے تھے۔ ان کی ہدایت پر مجھے مجبوراً کمرے میں جانا پڑ گیا۔ سچ بتاؤ تم مجھے بے وقوف تو نہیں بنا رہے تھے؟"

"اس کی گنجائش ہی نہیں تھی، دراصل یاری دوستی کے بارے میں میں بہت پُرخلوص اور سادہ دل واقع ہوا ہوں۔ ہمارے جھگڑے میں تم نے جو رول ادا کیا، اُس نے میرے دل پر گہرا اثر کیا تھا۔ تم اپنی ذہانت سے کام نہ لیتیں تو ہم میں سے کوئی بھی دوسرے پر ہاتھ اٹھا سکتا تھا۔ ایسا ہو جاتا تو شاید زندگی بھر کے لیے ہماری دوستی ختم ہو جاتی۔"

"جہانگیر کو ذرا دیر سے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اصل کل رات مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ تم دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کیسی محبت موجود ہے۔ میرے چھیڑنے پر جہانگیر کمرے میں بلک کر رو پڑے تھے اسی وجہ سے ہمیں واپسی میں دیر ہو گئی تھی۔"

جہانگیر کے کہنے پر وہ پچھلی رات ڈرائنگ روم سے خوابگاہ میں واپس ضرور چلی گئی تھی لیکن بہر حال وہ ایک عورت ہی تھی۔ پچھلی رات کے رویّے نے اس کے دل میں ایسی گدگدی پیدا کی کہ وہ بے حیاری نشے کی جھونک میں کہے ہوئے الفاظ کی بنا پر دیر تک بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔ جب جہانگیر خواب گاہ میں واپس لوٹا تو سلمٰی کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی اس لیے جہانگیر کو افیم کے بارے میں میرے "جدید نظریات" پر اس سے بات کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ میں نے ذہن پر گہری دھند چھا جانے سے پہلے جو کچھ سوچا تھا، اس پر غالباً بہت مدلل انداز میں جہانگیر سے گفتگو کی تھی کیوں کہ سلمٰی کو میرے فرمودات کی صحت پر ذرا بھی شبہ نہیں ہوا تھا بلکہ وہ تصدیق طلب لہجے میں یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ کیا واقعی اس علاقے میں طاقت اور سیاست کے سارے کھیل افیم سے وابستہ ہو کر رہ گئے تھے؟

اگر جہانگیر اور اس کے بعد سلمٰی اس موضوع پر مجھ سے بات نہ کرتی تو شاید میں ان تمام باتوں کو اپنے بہکے ہوئے ذہن کی تخلیق سمجھ کر بھول گیا ہوتا لیکن ان کے حوصلہ افزا ردِ عمل نے مجھے ناشتے کے دوران میں اس بارے میں دوبارہ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

شی اگر پاکستان میں ہیروئن کو فروغ دے کر مقامی آبادی میں کسی بڑی طاقت کی شہ پر نفرت کی فضا پیدا کر رہی تھی تو یہ بات ناقابلِ فہم تھی کہ وہ قبائلی اور سرحدی علاقوں سے بڑے پیمانے پر ہیروئن خرید کر باہر بھی اسمگل کر رہے تھے۔ ملینے اس عمل سے شی والے ہیروئن تیار کرنے والوں اور افیم کاشت

کرنے والوں کی براہ راست حوصلہ افزائی کر رہے تھے بلکہ میری معلومات کے مطابق ویرالائیڈ کی کوششوں سے جرمن کیمسٹ ڈاکٹر بی۔ جے۔ ڈالٹن نے براہ راست اپنی نگرانی میں پہاڑوں میں مومن خان کی پہلی لیبارٹری میں بہترین قسم کی ہیروئن تیار کرنے کا آغاز کیا تھا۔

وہ ایک ایسا پیچیدہ سوال تھا جس کا جواب شاید جمی لائیڈ کے سوا کسی کے پاس نہیں تھا۔ صرف اسی جواب کی روشنی میں شی کے صحیح کردار کے بارے میں کوئی یقینی رائے قائم کی جاسکتی تھی۔

جرائم کی عالمی برادری میں شی کا نام جس قدر ہولناک اور لرزہ خیز تھا اس کے مقابلے میں اس کی عام لوگوں میں ذرا بھی شہرت نہیں تھی۔ وہ جہاں بھی سرگرم تھے، اپنی منڈی پر پوری طرح قابض تھے۔ حد تو یہ تھی کہ شہرۂ آفاق مافیا والے بھی ان کے سائے سے بچنے کی کوشش کرتے تھے مگر شی غیر معروف تھی اور مافیا کا نام دنیا کے پسماندہ ملکوں میں بھی اچھی طرح جانا جاتا تھا۔

مثلاً مجھے لینا تے ایئرپورٹ پر ملنے والا شخص فرانکو لومبارڈی یاد آیا جو ہماری نگاہوں سے اوجھل رہ کر غالباً پوری رات میلان میں ہماری نگرانی کرتا رہا تھا۔ وہ یقیناً ایک قابل اعتماد لیکن نچلے درجے کا آدمی تھا۔ اس نے خود کو مافیا کے ایک رکن کی حیثیت سے متعارف کرا کے بہت سی ایسی باتیں بتا کر مجھے حیران کر دیا تھا جن سے میرے اور سلطان شاہ کے علاوہ کسی تیسرے شخص کو واقف نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اُس نے اپنے بڑوں کی طرف سے مجھے مافیا کے لیے دلکش شرائط پر کام کرنے کی پیش کش کی تھی۔ میری طرف سے مہلت طلب کیے جانے پر اُس نے گمبھی گمبھی والے اشتہار کے ذریعے پاکستان میں مافیا کے مقامی سربراہ سے رابطہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی تھی جسے میں نے نظر انداز کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر نئے حالات میں مافیا والوں سے میرا رابطہ اس اعتبار سے سود مند ہو سکتا تھا کہ ان کے ذریعے مجھے ان کی سب سے بڑی حریف تنظیم 'شی' کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔

سلمیٰ کا رویہ میرے ساتھ بہت والہانہ اور محبت آمیز تھا لیکن اس دن مجھے قدرت کے اس نظام کا اندازہ ہوا کہ خواب و خمار کے لیے راہوارِ مشرق کا اندھیروں میں ڈوب جانا بہت ضروری ہوتا ہے ورنہ دن کے اُجالے میں رومان پسند طبیعتوں پر اتنی جولانی نہیں آتی کہ من و تو کے فرق کو فراموش کر کے دھول دھپّا یا پیش قدمی کر سکیں۔

تھوڑی دیر بعد میں جہانگیر کی سیاہ شیراڈ لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

سلطان شاہ سے پچھلی رات یہ طے ہو گیا تھا کہ وہ امیر دادا کے جنازے میں شریک ہو کر اس کے ساتھی کو پہچاننے کی کوشش کرتا۔ اس کے بعد اُسے بنارس کالونی کی اُسی پرانی آبادی میں لوٹ جانا تھا جہاں وہ مجھ سے ملاقات سے پہلے تک رہا کرتا تھا۔ پھر اُسے دلدار کے دواساز کارخانے میں ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کرنی تھی۔

وہ سب طے تھا لیکن پھر بھی میں نے شرف آباد میں جہانگیر کے فلیٹ کا چکر لگانا ضروری سمجھا۔ حالات میں کسی غیر متوقع تبدیلی کی بنا پر سلطان شاہ کسی وجہ سے وہاں واپس بھی پہنچ سکتا تھا کیوں کہ فلیٹ کی ایک فاضل چابی اس کے پاس بھی موجود تھی۔ میں کار پارک کر کے اوپر پہنچا تو کی ہول میں چابی لگاتے ہی دروازہ خود بخود کھل گیا۔ میں تو کھلا کر مدافعانہ انداز میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور اسی لمحے کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ سے سلطان شاہ کا گمبھیر چہرہ سامنے آگیا۔

"تو میرا اندازہ درست ہی نکلا۔" میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے خفت آمیز لہجے میں کہا اور فلیٹ میں داخل ہو گیا۔

خلاف معمول اس وقت سلطان شاہ کا موڈ شگفتہ نہیں تھا۔ شاید پچھلی شام امیر دادا کے علاقے میں برپا ہونے والے فساد کے اثرات اس کے ذہن سے زائل نہیں ہو سکے تھے۔

"تمہارے اندازے ہمیشہ درست ثابت ہوتے ہیں مگر میں ہمیشہ مار کھا جاتا ہوں۔ اخبار تو دیکھ ہی لیا ہو گا تم نے؟" اس نے میرے ساتھ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔

"اخبار دیکھنے کی مہلت ہی نہیں ملی تم خلاصہ سنا دو۔" میں نے صوفے پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"اس علاقے میں ایک گھنٹے تک گھمسان کا رن پڑا۔" اُس کی آواز پر تاسف کے سائے گہرے ہو گئے۔ "قدرت شاہ کے مسلح آدمیوں نے تاک تاک کر نشانے لگائے۔ امیر دادا کے تین قریبی ساتھی مارے گئے۔ بارہ بے گناہ زخمی ہو کر اسپتالوں میں پہنچ گئے۔ کرفیو کی نوبت تو نہیں آئی لیکن مسلح پولیس کی بھاری نفری کی کارروائی کے بعد ہی محاذ آرائی ختم ہو سکی۔"

"یہ نئی بات نہیں ہے۔ بدمعاشوں کے تصادم میں اکثر راہ گیر مارے جاتے ہیں۔ غنیمت ہے کہ مرنے والے ایک فریق سے تعلق رکھتے تھے، بے گناہ شہری نہیں تھے۔ یہ بتاؤ کہ امیر دادا کی تدفین کا کیا رہا؟" میں نے دانستہ موضوع

تبدیل کیا کیوں کہ اس سالے پر زیادہ دیر تک گفتگو کرنے کے نتیجے میں سلطان شاہ زیادہ جذباتی ہو سکتا تھا۔

"اس کے حامیوں نے پولیس کو لاش کے قریب تک نہیں پھٹکنے دیا۔ وہ لوگ ضابطے کی کارروائی پوری کرنے کے لیے پوسٹ مارٹم کرانا چاہتے تھے لیکن امیر دادا کے آدمی لاش کی بے حرمتی تصور کرتے ہیں۔ حالات پر قابو رکھنے کے لیے پولیس والوں کو رات گئے اپنے مطالبے سے دست بردار ہونا پڑا اور فجر کے بعد لاش دفن کر دی گئی۔"

وہ چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوا تو اس کا انداز خیال انگیز تھا۔ میں اسے چھیڑے بغیر اس کے دوبارہ بولنے کا منتظر رہا۔ "میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ امیر دادا کا ساتھی اس کے جنازے کے جلوس میں شریک تھا لیکن حیرت ناک بات یہ ہے کہ وہ ایک سرکاری محکمے میں ملازم ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ دوہری زندگی کیسے گزار رہا ہے۔" آخر کار اس کے تردد کی وجہ بھی سامنے آگئی۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تمھیں دھوکا ہوا ہو؟" میں نے رائے زنی کی۔

اس کے ہونٹوں پر مغموم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے۔ میں اسے ہزاروں کی بھیڑ میں بھی پہچان سکتا ہوں۔ اس بارے میں مجھے پورا یقین ہے کہ میں نے دھوکا نہیں کھایا۔ وہ دوسرے غنڈوں بدمعاشوں سے بالکل الگ تھلگ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ براہِ راست امیر دادا کا معاون نہیں تھا بلکہ ڈی ڈی کے ذریعے وہ دونوں اکٹھے ہوئے ہوں گے۔ اب یہ محض اتفاق ہے کہ وہ پائپ فیکٹری سے ذرا دور پٹیل پاڑے میں کرائے کے مکان میں رہتا ہے۔"

"تمھیں یہ ساری معلومات بہت جلد حاصل ہو گئیں!" میں نے حیرت سے کہا۔

"میں نے کہا تھا ناکہ میت میں مجھے دو چار شناسا ضرور مل جائیں گے۔ دراصل روزی کمانے کے لیے یہاں پردیس میں آکر کنبے، برادری اور قبیلے کے رشتے خود بخود مضبوط ہو جاتے ہیں۔ جس جس کو خبر ملی، وہ برادری اور تحصیل کا خیال کیے بغیر میت میں آگیا۔ وہاں میرے بھی چار چھ دوست مل گئے۔ ان ہی میں سے ایک کے ذریعے بخت آور کے بارے میں معلومات مل گئیں۔ راز کی بات یہ ہے کہ بخت آور علاقہ غیر میں ایک آدمی کا قتل کر کے کراچی بھاگ آیا تھا اور اس نے یہیں شادی کر لی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اسے اسی سلسلے میں بلیک میل کر کے ڈی ڈی نے اپنے لیے کام کرنے پر مجبور کیا ہو۔"

"شی والے غیر اہم کاموں کے لیے کسی کو بلیک میل نہیں کرتے۔ وہ پیسہ پھینک کر کام لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بخت آور کسی وجہ سے ڈی ڈی کی نظروں میں آگیا ہو۔ اب اس کے بارے میں کیا ارادہ ہے تمھارا؟"

"وہ بنیادی طور پر دوسری لائن کا آدمی ہے اس لیے پہلے اس کے معمولات کا جائزہ لینا ہوگا۔ یہ کام شاید مجھے خود ہی کرنا ہوگا کیوں کہ امیر دادا کو راستے سے ہٹانے کے بعد اب قدرت شاہ اس علاقے کا کنٹرول حاصل کرنے کے لیے جوڑ توڑ میں مصروف ہو گیا ہے۔ اس پر انحصار کیا تو یہ کام کافی طول پکڑ جائے گا..."

"اگر تم بخت آور کے پیچھے لگے رہے تو دلدار کے دواساز کارخانے والا معاملہ رکا رہے گا۔"

"جیسا تم کہو۔" وہ مضطربانہ انداز میں پہلو بدل کر بولا۔ "اسی مشورے کے لیے تو میں تدفین سے فارغ ہو کر ادھر آیا تھا۔"

"بخت آور کا پتا ٹھکانا مجھے بتا دو، اسے میں دیکھ لوں گا۔ تم اپنی پوری توجہ ملازمت حاصل کرنے پر مرکوز کر دو۔"

"پولیس کے آنے سے اس علاقے میں سکون تو ہو گیا ہے لیکن کشیدگی برقرار ہے۔ ذرا دیکھ بھال کر اس علاقے میں جانا۔ پتا نہیں اس شہر کے بسنے والوں کو کیا ہو گیا ہے کہ آدمی، آدمی کو کھانے پر تل گیا ہے۔" اپنے ہمدردانہ مشوروں کے ساتھ اس نے مجھے بخت آور کا سستا ہوا پتا سمجھا دیا جو شاید زیادہ دشوار نہیں تھا۔

میں نے اسی وقت گمبی گمبی کے نام سے بچوں کے لیے ربڑ کے کھلونوں کا ایک اشتہار بنا کر دیا جس میں ضرورت مندوں کو اسی فلیٹ کے فون نمبروں پر صبح نو بجے تا پانچ بجے شام رجوع کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

"اشتہار تو تم دے رہے ہو لیکن تم نے اپنے اس اقدام کے نتائج پر غور کر لیا ہے؟" اس نے اشتہار پڑھتے ہوئے سوال کیا۔

"جب ہم شی سے ٹکرا کر زندہ رہ سکتے ہیں تو مافیا والے ہمارے لیے اتنے خطرناک ثابت نہیں ہوں گے۔ تم دیکھتے جاؤ کہ اب کیا ہوتا ہے۔ میں انھیں شی کے خلاف استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

سلطان شا[illegible] پہنچنے سے پہلے ہی نہا دھو کر تازہ دم ہو چکا تھا[illegible] کچھ دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کرنے [illegible] ہم دونوں وہاں سے ایک ساتھ ہی روانہ

ہو گئے۔ "تم شاید رات جہانگیر کے ساتھ ہی رہے تھے؟" راستے میں اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں! مجبوراً رکنا پڑ گیا اور اب تمہیں ڈراپ کرنے کے بعد میرا ارادہ راجا فروٹ فارمز کا چکر لگانے کا ہے۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ ملیر کے مضافات میں دلدار نے اپنے جن آبائی باغات کا غزالہ سے ذکر کیا ہے وہ تنظیم کی ملکیت ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ دلدار نے اب راجا فروٹ فارمز کا نام بھی بدل دیا ہو۔"

"لیکن اس طرح تو تمہارا دلدار سے براہِ راست تصادم بھی ہو سکتا ہے جب کہ غزالہ سے کیے ہوئے وعدے کی بنا پر فی الحال تم اس سے ٹکرانا نہیں چاہتے۔" اس نے رائے ظاہر کی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجبوری کی اور بات ہے ورنہ میں اس سے دور ہی رہنا چاہتا ہوں لیکن اسی کے ساتھ دلدار کی شخصیت کا گھناؤنا روپ غزالہ کے سامنے بے نقاب کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ راجا سکندر علی ان فارمز کو اپنی عیاشیوں کے مرکز کے طور پر استعمال کرتا رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ دلدار نے بھی وہاں اپنا اڈا جمایا ہوا ہو۔"

"چاہو تو میں بھی تمہارے ساتھ چل سکتا ہوں۔" اس نے پیشکش کی۔ "آج کا دن تو گزر ہی گیا ہے۔ میں شام کو اپنے کام کی ابتدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یہ درمیانی وقت تمہارے ساتھ گزار لیا جائے تو کیا برا ہے؟"

میں نے چند ثانیوں تک اس کی تجویز پر غور کیا اور اس کی افادیت کا قائل ہو گیا۔ اگر میرا دلدار سے بھڑ جانے کا ارادہ ہوتا تو بات مختلف ہوتی لیکن وہاں دیکھ بھال کے لیے ایک کے بجائے دو افراد کا ساتھ ہونا ہر لحاظ سے مناسب تھا۔

میں نے راستے میں شیراڈ کی ٹنکی میں پیٹرول بھروایا اور پھر ہم چندریگر روڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں نے وہاں اخبار کے دفتر کے نیچے گاڑی روک کر سلطان شاہ کو اشتہار بک کرانے کے لیے اوپر بھیجا تو اس وقت یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ کچھ عرصے بعد اس سے اگلی گلی میں واقع سسپنس کے دفاتر سے مجھے اپنی کہانی کی اشاعت کے لیے رجوع کرنا ہوگا۔

سلطان شاہ زائد معاوضے پر اگلے روز کی اشاعت کے آخری صفحے پر اشتہار چھپوانے کا بندوبست کر کے آیا تو ہم وہاں سے واپس ملیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہمارا تصادم کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن احتیاطاً بھرے ہوئے پستول ہم دونوں کے پاس موجود تھے اور کسی آڑے وقت کے لیے میرے پاس سٹین گن بھی تیار تھی۔

شاہراہِ فیصل پر آبادیوں اور ائیرپورٹ سے گزر کر ہم نے ملیر کا پل عبور کیا پھر میں نے کار بائیں جانب والے اس راستے پر ڈال دی جو راجا فروٹ فارمز کی طرف جاتا تھا۔

شہر کے برعکس اس علاقے کی فضا صاف ستھری اور پُرسکون تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد لہلہاتے ہوئے سرسبز باغات کے درمیان اس روایتی سناٹے کا آغاز ہو گیا جو زرعی زمینوں پر عام طور پر مشاہدے میں آتا ہے۔

کچھ دیر بعد میں نے کار اس کچے راستے پر ڈال دی جو راجا فروٹ فارمز کے گیٹ پر ختم ہوتا تھا۔ ڈرائیونگ کرتے ہوئے میں راستوں کے بارے میں سلطان شاہ کو بتاتا بھی جا رہا تھا تاکہ ضرورت کے وقت اسے براہِ راست اس ٹھکانے پر پہنچنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ اس نے اضطراری طور پر مجھے اس کچے راستے پر سفر سے روکنا چاہا لیکن میں ان باغات کی ساخت سے بخوبی واقف تھا۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ پھاٹک پر دلدار بذاتِ خود موجود ہوتا۔ اس کی کاٹیج میں موجودگی کے بارے میں چوکیدار سے معلومات حاصل کرنے کے بعد ہم باآسانی اپنے اگلے اقدام کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکتے تھے۔

وہ بورڈ میں نے دور ہی سے پہچان لیا جس پر اب راجا فروٹ فارمز کے بجائے شاہ باغ لکھا ہوا تھا۔ وہ سب کچھ حتیٰ کہ بورڈ تک میرا جانا پہچانا تھا۔ بس اس پر صرف نام بدل دیا گیا تھا اس لیے مجھے پورا یقین تھا کہ دلدار نے اسی کے بارے میں اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا تھا۔ اگر اس کا پرانا نام بدستور برقرار رہتا تو اس بارے میں شبہ کیا جا سکتا تھا۔

کچے راستے پر اڑتے ہوئے غبار اور شیراڈ کے انجن کی ہلکی سی گونج سن کر باغ کے پھاٹک پر ایک شخص مستعد نظر آنے لگا تھا۔ میں نے شیراڈ روک کر ریورس گیئر میں ذرا سی دور چلائی اس طرح ہم کار سمیت دھول کے بادل میں چھپ کر رہ گئے۔

"جلدی سے اتر جاؤ اور یہیں چھپ کر میرے اشارے کا انتظار کرنا ورنہ واپسی میں ساتھ لے لوں گا۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا اور وہ غبار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شاہ باغ کے چوکیدار کی نظروں سے بچ کر کار سے اتر گیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی میں نے کار آگے بڑھا دی۔

مجھے امید تھی کہ کار الٹی چلائے جانے پر شاہ باغ کے چوکیدار کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہوا ہو گا کیوں کہ ان کچے اور ناہموار راستوں پر جا بجا گڑھے اور پتھر موجود تھے جن سے بچنے کے لیے ایک نیا آدمی ہر سمت میں کار چلانے پر مجبور ہو سکتا تھا لیکن اس تدبیر سے سلطان شاہ کو غائب ہونے کا سنہرا موقع مل گیا تھا۔

میں نے شیرا اڈ بند پھاٹک کے مقابل روک دی۔ چوکیدار دلیرانہ انداز میں باہر آچکا تھا۔ اس کے کندھے سے قیمتی رائفل جھول رہی تھی۔

"کس سے ملنا ہے صاب؟" اس نے میرے قریب آکر مشینی انداز میں سوال کیا تھا۔

"عبدالمنان صاحب دہلوی کا باغ یہی ہے؟" میں نے معصومانہ سادگی کے ساتھ سوال کیا۔

"نہیں صاب!" اس نے پُر وثوق لہجے میں میرا سوال مسترد کر دیا۔ "یہ تو دلدار آغا صاب کا باغ ہے۔ پتا نہیں کہ وہ دہلوی ہے یا نہیں مگر ہم کسی عبدالمنان کو نہیں جانتا۔" اس کے جواب میں طنز کا دور تک شائبہ بھی نہیں تھا۔

"بڑی مشکل ہے۔" میں نے ذہنی الجھن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں کل ہی لاہور سے یہاں آیا ہوں۔ وہاں ایک دوست نے بتایا تھا کہ ملیر کے علاقے میں عبدالمنان صاحب اپنا باغ بیچ رہے ہیں مگر میں باغ کا نام بھول گیا۔ ایسا تو نہیں کہ دلدار آغا نے عبدالمنان ہی سے یہ باغ خریدا ہو؟"

"پتا نہیں صاب!" اس نے ایمانداری کے ساتھ اپنی لاعلمی کا اعتراف کر لیا۔ "میں چھ مہینے سے یہاں نوکری کر رہا ہوں۔ سنا ہے پہلے اس کا نام راجا فروٹ فارم تھا۔ اب پتا نہیں کہ یہ کس نے کس سے خریدا ہے۔ ہم تو بس اسی مالک کا نوکری کرتا ہے جو ہمیں تنخواہ دیتا ہے۔ ویسے ہمارا صاب یہ باغ بیچنے والا نہیں معلوم ہوتا۔"

"تم یہ بات اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟" میں دروازہ کھول کر کار سے نیچے اتر آیا۔ شاید وہ بھی اس ویرانے میں ڈیوٹی دیتے دیتے اکتا گیا تھا۔ اس لیے بات آگے بڑھانے میں مجھ سے زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ کر رہا تھا اور میرے لیے دلدار کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کا سنہرا موقع فراہم کر رہا تھا جسے میں پوری طرح استعمال کرنا چاہتا تھا۔

"یہاں سیکڑوں ایکڑ زمین پر گنتی کے لوگ رہتے ہیں جو موقع نکال کر ایک دوسرے سے ملتے رہتے ہیں، اس لیے ہم کو بھی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ ہمارا صاب تو خود ادھر اور زمین خریدنے کے چکر میں ہے۔ وہ اپنا باغ کیوں بیچے گا؟ اور پھر ادھر تو کوئی اور بھی اپنی زمین بیچنے کے لیے تیار نہیں کیوں کہ یہاں زمین میں تھوڑی سی گہرائی پر میٹھا پانی نکل آتا ہے جس کی وجہ سے یہ زمینیں سونا بن گئی ہیں۔"

"اس وقت شاید تم ہی یہاں سب سے زیادہ ذمے دار آدمی ہو؟" میں نے اسے ہوا دینے کی کوشش کی۔

میرا وار کارگر رہا اور اس کی باچھیں پھیل گئیں۔ "ویسے تو صاب زمین اور فصل کی حفاظت کی ساری ذمے داری ہمارے سر ہے۔ ہم دن رات چوبیس گھنٹے ڈیوٹی کرتا ہے۔ یہ سمجھو کہ آدمی یا پلید جانور تو دور کی بات ہے ہم کتے کو بھی اندر نہیں آنے دیتا۔ ویسے اوپر کے کاموں کے لیے صاب کا منشی ادھر رہتا ہے۔ ہم اپنا ڈیوٹی کرتا ہے وہ اپنا کام کرتا ہے۔"

وہ کنجشک فرومایہ کا شاہین سے موازنہ کر رہا تھا۔ پھر اس سے یہ سوال بھی کیا جا سکتا تھا کہ چوبیس گھنٹے چوکیداری کرنے اور مہینوں سے مسلسل بیدار رہنے کے باوجود اس کا دماغ خراب کیوں نہیں ہوا تھا مگر مصلحت کا تقاضا تھا کہ اس کی یاوہ گوئی کو فراموش کر کے اس کی خودی کو اتنی بلندی پر پہنچا دیا جائے کہ وہ کوشش کے باوجود اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکے۔

"تمھارا صاحب شاید ادھر نہیں آتا جو کسے تمھاری بھاری ذمے داری کا علم ہو سکے؟"

"بس کیا بولے صاب! سب سیٹھ لوگ ایک جیسا ہوتا ہے۔ صاب مستی کے لیے شہر سے ہر دوسرے تیسرے ہفتے ادھر آتا ہے۔ منشی چھوکری لوگ لاتا ہے اس لیے منشی ہے۔ ہم غیرت والا آدمی ہے اس لیے آنکھ بند کر کے ادھر بیٹھا رہتا ہے۔"

میں نے غیرت کے اس شاہکار کو غور سے دیکھا پھر خواہ مخواہ جمائی لیتے ہوئے بولا۔ "یار میرا تو دن ہی خراب ہو گیا یہ بتاؤ کہ ملیر کے کنویں کا ٹھنڈا پانی بھی پلا سکو گے یا کہ نہیں؟"

"وہ منشی کا بچہ چغل خور ہے۔" چوکیدار کو جوش آگیا۔ "تم ہمارا مہمان ہے۔ ہم تم کو اندر لے جا کر تمھارا خاطر کرتا لیکن وہ سیٹھ سے شکایت کر دے گا۔ آغا صاحب کا حکم ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو باغ میں نہ گھسنے دیا جائے، تم ادھر ٹھہرو، ہم تمھارے لیے ٹھنڈا پانی لے کر آتا ہے۔"

"منشی تو پھر بھی پوچھے گا کہ تمھارے پاس گاڑی میں کون آیا تھا؟"

"ہم بول دے گا کہ ہمارا بھائی تھا۔" اُس نے میرا دل
وش کر دیا۔" ہمارا گاؤں کا بہت آدمی دوبئی مسقط سے پیسہ کما
کر لایا ہے اور کراچی میں پرائیویٹ ٹیکسی چلا رہا ہے۔"
"ٹھیک ہے تم پانی لاؤ۔ تمہارے پیچھے منشی ادھر
گیا تو میں بھی اس کو یہی بتاؤں گا تاکہ تمہاری بات جھوٹی نہ ہو۔"
ں کا احسان مند ہونے کے بجائے میں نے اس پر احسان جتایا
وردہ سرہلاتا ہوا اندر چلا گیا۔
"میری تو ضرورت نہیں ہے؟" میدان صاف ہوتے ہی
ائیں طرف کی گنجان اور خود رو جھاڑیوں میں سے سلطان شاہ کی
بھی آواز اُبھری جو اتنی بلند ضرور تھی کہ میرے کانوں تک
پہنچ گئی۔
"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" میں غصیلے لہجے میں غرّایا۔ "جہاں
آ رہا تھا، وہیں چھپ کر میرا انتظار کرو، میں پانی پی کر واپس
آتا ہوں۔"
"میں جا رہا ہوں۔" جھاڑیوں میں سے آواز اُبھری۔ "لیکن
نظر یہ آ رہا ہے کہ تمہاری پیاس بجھانے کے چکر میں وہ بے چارہ
پنی نوکری سے جاتا رہے گا۔ میں ساری باتیں سُن چکا ہوں۔"
میں اس مردود کو دل ہی دل میں بُرا بھلا کہہ کر رہ گیا۔ وہ
ہر جگہ خطرے کے وقت میرے قریب رہنے کے چکر میں لگا
رہتا تھا۔ بعض اوقات تو یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ بزرگانہ انداز
میں میری سرپرستی کی فکر میں لگا ہوا ہے لیکن مجھے اس کے خلوص
اور نیت کا اندازہ تھا اس لیے میں ہمیشہ ہی اس کی بچکانہ حرکتوں
کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔
ہم دونوں نے ایک ساتھ بے شمار خطرات کا سامنا کیا
تھا اور ہر جگہ قسمت نے ہمارا ساتھ دیا تھا لیکن کم از کم دو مواقع
ایسے ضرور آئے تھے جب میں پوری طرح آزاد اور خطرے
سے محفوظ تھا جب کہ سلطان شاہ تقریباً موت کے چنگل میں جا
چکا تھا۔ ایک بار اُسے شی کی گن بوٹ پر زندہ منجمد کرنے کی
کوشش کی گئی تھی جس سے وہ صرف اس بنا پر بچ سکا کہ میں
نے اچانک ہی آئی مین کا سوانگ رچا کر گن بوٹ کا کنٹرول
حاصل کر لیا تھا اور دوسری بار تو مارسیلز میں مادام فلورا کے گیسٹ
ہاؤس میں جمی لائیڈ سے براہِ راست ٹکراؤ کے نتیجے میں میں نے
سلطان شاہ کی فاتحہ ہی پڑھ لی تھی لیکن جمی لائیڈ نے اس کی
نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر ہوتے کے باوجود اُسے
چارا بنانے کے لیے زندہ رکھا اور سلطان شاہ موت کے مُنہ
میں جاتے جاتے بال بال بچ گیا۔
چند منٹ کے اس خالی وقت میں میں ماضی کے اِن واقعات
پر غور کرتا رہا۔ میرے خیالات کا سلسلہ اسی وقت موقوف
ہوا جب چوکیدار میرے لیے ایک جگ میں ٹھنڈا پانی اور اسٹیل
کا گلاس لے آیا۔
"تم ٹھیک کہتا تھا۔" اُس نے گلاس پانی سے لبریز
کر کے میرے حوالے کرتے ہوئے جلے بھنے لہجے میں کہا۔ "منشی
نے دُور سے تمہاری گاڑی دیکھ لی ہے۔ اُس نے مجھ سے سوال کیا
اور میں نے وُہی کہہ دیا جو تم کو بتا کر گیا تھا۔"
"تم بہت سعادت مند بچے ہو۔" میں نے دل میں سوچا
اور ٹھنڈے پانی کا ایک گھونٹ لے کر بلند آواز میں کہا۔ "مزہ
آ گیا، یہاں کا پانی واقعی بہت اچھا ہے۔ . . . تم یہ بتاؤ کہ آغا
صاحب اب کب اِدھر آئے گا؟ میں اس سے مل کر منشی کا دماغ
درست کراؤں گا۔"
"بے کار ہے ــــ منشی لوگ کام کی نہیں، دلّالی کی
تنخواہ لیتے ہیں۔ پھر ویسے بھی موت کی طرح سیٹھ لوگ کے
مزاج کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ دل چاہے تو کل ہی آ جائے، دل چاہے
تو ہفتوں نہیں آئے گا۔ تم ہمارے چکر میں مت پڑو۔ کام جیسا بھی
ہوتا ہے، ہو ہی جاتا ہے لیکن سیٹھ ہم کو تنخواہ اچھی دیتا ہے جو اس
کام میں کہیں اور نہیں مل سکتی۔"
اس سے جو کچھ معلوم ہو گیا تھا، وہ اُس کی حیثیت کے
پیشِ نظر توقع سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ ساتھ ہی اس کے طرزِ گفتگو
سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ وہ دلدار کے رازدارانہ کاموں سے لاعلم
تھا۔ ایسے معاملات میں شاید پہلی کڑی منشی کی ذات تھی جس سے
اُلجھنے کا مقصد دلدار کو خطرے سے ہوشیار کرنے کے علاوہ اور
کچھ نہ ہوتا۔ لہٰذا میں نے چوکیدار کا شکریہ ادا کر کے اس طویل
ملاقات کو ختم کیا اور فوری طور پر وہاں سے واپس روانہ ہو گیا۔
واپسی میں گاڑی کے پیچھے گرد و غبار کے بادل اُمڈ رہے تھے
اس لیے مجھے کسی ہیر پھیر کی ضرورت نہیں پڑی اور میں راستے
سے سلطان شاہ کو ساتھ لیتا ہوا شہر کی طرف ہو لیا۔
راستے میں اس گفتگو پر سلطان شاہ سے تبادلۂ خیال ہوا۔
نتائج بالکل سامنے تھے کہ دلدار نے اپنی جو بھی حیثیت بنائی
یا ظاہر کی ہوئی تھی وہ اس کی اپنی نہیں تھی بلکہ اس کی ساری بنیاد
وہ اختیارات تھے جو شی کا مقامی سربراہ ہونے کی وجہ سے اُسے
حاصل تھے۔ راجا فروٹ فارمز کو شاہ ہانغ کا نام دے کر بھی وہ
خاندانی جاگیرداروں کی صف میں شامل نہیں ہو سکا تھا۔
میری دانست میں وہ دلدار کے خلاف پہلا ٹھوس
ثبوت تھا۔ اس نے غزالہ کو بتایا تھا کہ ملیر کے باغات اس کے
بزرگوں نے چالیس برس پہلے قائم کیے تھے جب کہ اس کا وہ

دعویٰ کسی بھی وقت جھوٹا ثابت کیا جا سکتا تھا مگر غزالہ کو دلدار
کے مکروہ کردار سے باخبر بلکہ ہوشیار کرنے کے لیے وہ واحد
ثبوت زیادہ وزنی نہیں تھا۔

واپسی پر سلطان شاہ نے جھنسیر بالٹ کے مقام پر میرا
ساتھ چھوڑ دیا کیونکہ اپنے کام کے آغاز کے لیے وہ اپنے قابلِ اعتماد
دوستوں اور ہمدردوں سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا جو ضرورت
کے وقت اسے نہ صرف افرادی قوت بلکہ ہر قسم کا آتشیں اسلحہ بھی
فراہم کر سکتے تھے جس کے بغیر ڈاٹی ڈی کے خلاف کسی معرکے
میں سرخرو ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ ان لوگوں سے ملاقات
کے بعد وہ بنارس کالونی والے ٹھکانے پر اپنی رہائش کا بندوبست
کر کے دلدار کی دوا ساز فیکٹری میں ملازمت حاصل کرنے
کی کوشش شروع کر دیتا جب کہ مجھے اس شام بخت آور کے
بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد اگلے دن فلیٹ پر
رہ کر گمبی گمبی والے اشتہار کے جواب میں آنے والی فون کال کا
انتظار کرنا تھا جو یقینی طور پر اس معاملے میں ایک نیا موڑ پیدا
کر سکتی تھی۔

بخت آور محکمۂ اوزان میں انسپکٹر تھا اور اپنے اختیارات
کے ذریعے ہر ماہ خاصی معقول بالائی آمدنی پیدا کر لیتا تھا۔ اپنی
ملازمت کے اعتبار سے اس کا معیارِ زندگی اتنا بلند تھا کہ محلے
میں وہ شریف کہلانے کے باوجود راشی بھی کہا جاتا تھا لیکن
اپنی پوری تحقیقات میں مجھے کوئی ایسی بات معلوم نہیں ہو سکی
جو شی یا ڈی ڈی سے اس کے تعلق پر روشنی ڈال سکتی۔ افسرانہ
اختیارات اور فیلڈ ورک کی وجہ سے اس کے معمولات میں
بہت بے ترتیبی پائی جاتی تھی جس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا تھا
کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ وقت گزارنا پسند کرتا ہو۔

اس کے بارے میں وہ تمام باتیں معلوم کرنے میں اندھیرا
پھیل گیا تھا اس لیے اس بارے میں مزید پیش رفت نہ ہو سکی
اور میں نے فوری طور پر ہر مسئلے کو بھول کر گمبی گمبی والے فون کے
بارے میں ذہنی تیاریاں شروع کر دیں۔

اگلے دن کے اخبار میں میرا دیا ہوا اشتہار آخری صفحے
پر نمایاں طور پر شائع ہوا تھا۔ میں نے کئی بار اس کا متن غور
سے پڑھا لیکن اس میں کہیں کوئی مشتبہ نکتہ نوٹ نہ کر سکا۔ صبح
اس کے بارے میں دو فون کالز ایسے افراد کی تھیں جو واقعی بچوں کے
کھلونوں کی تھوک خریداری میں دلچسپی رکھتے تھے لیکن جب میں
نے ان سے نقد سودوں کا ذکر چھیڑا تو گمبی گمبی کھلونوں میں ان کی
دلچسپی یک لخت ختم ہو گئی۔ کمیشن اور دام مول سے زیادہ انھیں
دو سے تین ماہ تک کے ادھار میں دلچسپی تھی تاکہ وہ ا
میں اپنا سرمایہ پھنسائے بغیر کما کر ادھار کی رقم دیتے رہیں اور
یوں ہر وقت ان کے پاس کم از کم ایک کھیپ کا پیسہ پھنسا رہے
لیکن تیسری کال وہی تھی جس کا مجھے بے چینی سے
ساتھ انتظار تھا۔

میرے ریسیور اٹھاتے ہی اس نے کسی تمہید کے بغیر
اپنا کوڈ دہرایا تھا۔ آواز بھاری اور تحکم آمیز تھی جس سے بولنے
والے کی سخت گیر طبیعت کی غمازی ہوتی تھی۔ جواب میں میں
نے سرد لہجے میں اپنا کوڈ اسے سنا دیا۔

"کیا فیصلہ ہے تمھارا؟" کوڈ کا تبادلہ مکمل ہوتے ہی اس
نے براہِ راست سوال کر ڈالا۔

"صرف پیغام ملنے پر تو کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ میلان
والے سے میری ملاقات تفصیلی نہیں تھی۔۔۔"

"میلان اور لندن کی گفتگو مجھ سے مت کرو۔" کٹکھنے
کتے کی سی غراہٹ سنائی دی۔ "مختصر اور سیدھی بات کرو کہ
کیا چاہتے ہو؟"

"رابطے کا ذریعہ اور ملاقات کی صورت جاننا چاہتا ہوں"
میں نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

اور پھر اس سے اس بارے میں گفتگو چل پڑی جو بہت
سنسنی خیز اور ایک اعتبار سے فیصلہ کن تھی۔

"رابطہ ہو چکا ہے، ملاقات فی الحال ناممکن ہے۔" اس کا لہجہ
اس بار سپاٹ تھا۔ "جب تک تمھارے فیصلے کا علم نہ ہو جائے
یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ طریقۂ کار کیا ہوگا۔"

"شاید تمھیں علم ہو کہ مجھے کسی معمولی کام کی آفر نہیں ملی تھی"
میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ایک سینئر پوزیشن کے
لیے مذاکرات کرتے ہوئے بہت سی رعایتوں کو مدِ نظر رکھنا پڑتا
ہے کیونکہ اسی سے مستقبل کے بارے میں کوئی اندازہ ہو
سکتا ہے۔"

"پوزیشن سینئر ضرور ہے لیکن تم میری جگہ نہیں آ رہے ہو
جو اس طرح مشورے دے رہے ہو۔ میں اپنا کام اچھی طرح
جانتا ہوں۔ میری ساری عمر بھانت بھانت کے لوگوں سے
کام لیتے ہوئے گزری ہے۔"

"یعنی مجھے براہِ راست تمھاری ماتحتی میں کام کرنا ہوگا؟"
میں نے سوال کیا۔

"اتنی جلدی نتائج اخذ مت کرو۔" دوسری طرف سے
کہا گیا۔ "ضروری نہیں کہ تم براہِ راست مجھ کو جواب دہ ہو۔ تمھاری
صلاحیتوں کو دیکھ کر میں اپنی صوابدید کے مطابق کوئی فیصلہ کر دوں

گا۔ بہت سے لوگ لیڈر کے طور پر بڑی طرح ناکام ہوتے ہیں لیکن کسی کی ماتحتی میں رہ کر بہترین کارگزاری کا مظاہرہ کرتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ تمھیں کسی اور کے سپرد کرنا پڑ جائے۔"

"پھر شاید میرے بارے میں تمھاری معلومات ناقص اور نامکمل ہیں۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم سے زیادہ تو فرانکو لومبارڈی باخبر تھا اور جانتا تھا کہ کس شخص سے کس طرح بات کرنی چاہیے۔ میرا اندازہ ہے کہ تم سے نہ میرا براہِ راست رابطہ کامیاب رہے گا اور نہ میں بالواسطہ طور پر تمھارے ساتھ کام کرسکوں گا۔ یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔"

پہلی بار اُس نے میرا سخت لہجہ اور تیکھے الفاظ نظر انداز کیے کیونکہ جواب میں اُس کا لہجہ پُرسکون رہا تھا۔ "تمھیں شاید ضرورت سے زیادہ توقعات پیدا ہوگئی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں فرانکو کا قصور رہا ہو لیکن یہ سب بعد کی باتیں ہیں سب سے پہلے تمھارا عندیہ معلوم ہونا چاہیے۔ اگر تم اصولی طور پر رضامند ہو تو معاملات آگے بڑھ سکتے ہیں ورنہ یہ باب یہیں ختم ہو جائے گا۔"

"اصولی رضامندی نہ ہوتی تو گمبی گمبی والے اشتہار کی نوبت ہی نہ آتی۔ یہ سیدھی سی بات تمھیں بھی سمجھ لینی چاہیے تھی۔" میں نے اُس سے ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر مسادیانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے بلاوجہ اپنا وقت اور پیسہ برباد کرنے کا شوق نہیں ہے۔"

وہ ان لوگوں میں سے معلوم ہوتا تھا جو پہلی ہی ملاقات یا گفتگو میں اپنے مخاطب کو جارحانہ طرزِ گفتگو سے زیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اس کی مدافعانہ قوت کا اندازہ لگا کر اُسے تھوڑی بہت ڈھیل دینے پر آمادہ ہوتے ہیں ورنہ ہمیشہ دوسروں کے سر پر سوار رہنا پسند کرتے ہیں۔

"شی میں تم غالباً کسی بہت اعلیٰ سطح پر کام نہیں کر رہے تھے؟" اُس کی چبھتی ہوئی لیکن قدرے نرم آواز اُبھری۔ "مقامی سطح پر ضرور تم کچھ لوگوں سے کام لینے پر مامور تھے لیکن اب، تمھاری توقعات بہت بڑھی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔"

"تمھارے لب و لہجے سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم بھی کوئی بین الاقوامی شخصیت نہیں ہو۔" میں نے بھی...... نرم لہجے میں اُسے رگیدنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اگر بتایا نہ گیا ہوتا تو شاید اس خطّے میں تمھارے وجود کا بھی پتا نہ چلتا۔ شی سکا اور تمھارا موازنہ ہاتھی اور چیونٹی کی مثال سے کیا جاسکتا ہے لیکن تم نے مطمئن نہ ہونے کی وجہ سے ہاتھی سے ٹکراؤ مول لیا ہے۔ تم اگر ایک عدد بین الاقوامی پاسپورٹ بنوا کر لندن، پیرس، مارسیلز اور میلان کا چکر لگا آؤ تو ہمارے مذاکرات سود مند ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"کیا بک رہے ہو؟" اس بار وہ بُری طرح بھڑک اُٹھا۔ پاسپورٹ بنوانے کا مشورہ دے کر میں نے اسے کنویں کا مینڈک قرار دینا چاہا تھا اور وہ میرا مقصد سمجھ گیا تھا اس لیے غصیلے لہجے میں بولا۔ "میں نے بھی دنیا دیکھی ہوئی ہے! ایک بار نہیں، دس بار دنیا گھوم چکا ہوں۔ جب سے تم نے پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھا ہے، میرے آدمی ہر لمحے سائے کی طرح تمھارے پیچھے لگے رہے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ دلدار آغا کی بیوی کسی زمانے میں تمھاری محبوبہ رہ چکی ہے اور وہ کل رات تم سے ملنے ہالی ڈے اِن میں آئی تھی۔ اس لیے باخبری اور بے خبری کی باتیں نہ کرو۔ تمھیں مسکا کر میں جو کچھ جاننا چاہتا تھا، وہ میں نے معلوم کر لیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب مجھ سے کب اور کہاں ملنا چاہتے ہو؟ میں اس پر غور کر کے تمھیں دوبارہ رِنگ کروں گا۔"

آخر میں اس کا لہجہ حیرت ناک حد تک نرم اور دوستانہ ہوگیا۔ جس کا سبب اس نے خود ہی بتا دیا تھا کہ وہ مجھے بھڑکا کر میرے مزاج کے بارے میں کچھ اندازے قائم کرنا چاہتا تھا۔ جس میں وہ کامیاب رہا تھا۔ میں دل ہی دل میں اس مردود کے طریقۂ کار کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا پھر دلدار، غزالہ اور ہالی ڈے اِن کے بارے میں اس کے انکشافات بھی حیران کُن تھے جب اُس نے وہ کلیدی نکتے بتا دیے تھے تو اس اَمر میں شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ میری باقاعدہ نگرانی کی گئی تھی جو اس وقت فلیٹ میں محبوس ہونے کے باوجود بھی شاید جاری تھی مگر میں اس سے یکسر لاعلم تھا۔

"فرض کرو کہ اب میں تمھارے ساتھ کام نہ کرنا چاہوں تو کیا ہوگا؟" چند ثانیوں کے تفکر آمیز سکوت کے بعد میں نے اچانک قلابازی کھانے کا فیصلہ کر لیا پہلے وہ ایک کھلونے کی طرح ٹٹول رہا تھا تو اب میں اس کا ذہن پڑھنا چاہ رہا تھا۔

"ہونا کیا ہے، ہم تمھیں بھول جائیں گے اور تم بے یار و مددگار رہ جاؤ گے۔ ہمارا کام پہلے بھی چل رہا تھا، اب بھی اسی طرح چلتا رہے گا۔ ہمیں ایک دلیر اور بے خوف آدمی کی تلاش ہے لیکن سرکشی نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ تمھاری طبیعت میں سرکشی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ایسا آدمی ڈسپلن کی کم ہی پروا کرتا ہے۔"

"اس رائے کے باوجود تم مجھ سے ملاقات پر آمادہ ہو؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"یہ عارضی رابطہ ہے، ہو سکتا ہے کہ دوبدو ملاقات میں تم اس تاثر کو زائل کرنے میں کامیاب ہو سکو۔ تم میں جو بھی خرابیاں ہوں لیکن مجھے ایک بات پسند آئی ہے کہ تم تیزی سے کام کرنے کے عادی ہو۔ ۔ ۔ شاید آج تم شاہ باغ میں بھی گئے تھے؟"

اس کے انکشاف نے میرے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑا دی۔ اس وقت مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ وہ کوئی عام سا، تند خو اور بد مزاج بدمعاش نہیں تھا بلکہ بہت گھاگ آدمی تھا جو دوسروں کے مزاج اور تحمل سے کھیلنا اچھی طرح جانتا تھا۔ شاہ باغ کی طرف جاتے ہوئے یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ مافیا والے میرا تعاقب کر رہے ہوں گے لیکن میں سٹی کی طرف سے پوری طرح ہوشیار تھا۔ میں نے سارے راستے کسی مشتبہ کار یا موٹر سائیکل پر نگاہ رکھنے کی کوشش کی تھی جو میرا تعاقب کر رہی ہو لیکن ناکام رہا تھا۔ پھر شہر سے باغات کی طرف لمبے لمبے ویران راستوں پر مڑنے کے بعد تو امکان ہی نہیں رہا تھا کہ کوئی میری کار کے عقب نما شیشے میں نظر آئے بغیر تعاقب جاری رکھ سکتا لیکن اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرا تعاقب کیا گیا تھا۔

"تو تم مسلسل میری نگرانی کرا رہے ہو؟" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"تمہیں ایک ذمے دار شخص کے طور پر اپنی صفوں میں قبول کرنے سے پہلے یہ سب بہت ضروری ہے۔ آدمی چھوٹی موٹی سرکاری نوکری کرے تو بھی اس کی پولیس انکوائری ہوتی ہے ہمیں نسبتاً زیادہ احتیاط کرنی پڑتی ہے۔"

"شاید شاہ باغ کا چوکیدار تمہارا آدمی ہے؟" بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا۔

اس کی ہنسی پرغرور تھی۔ "تمہارا باقاعدہ تعاقب کیا گیا تھا اور پل پل کی خبر رکھی گئی تھی، کہو تو تمہارا روٹ بھی دہرا دوں؟"

"تم مجھے مرعوب کرنا چاہ رہے ہو۔ میرے پیچھے کوئی نہیں تھا۔" میں نے بے یقینی سے کہا۔

"تمہارے پیچھے ہی تھا لیکن سڑک پر نہیں، تمہاری کالی شیراڈ کی مختصر سی ڈگی میں تھا۔ ایسے کاموں کے لیے وہ کار بہت تکلیف دہ اور خطرناک ہے، میرے آدمی کی کمر دہری ہو گئی لیکن غنیمت ہے کہ وہ تمہاری نظروں سے بچا رہا۔ پکڑا جاتا تو گمبی گمبی کے علاوہ تمہیں ایک لفظ بھی نہ بتاتا خواہ تم اسے ذبح ہی کر ڈالتے۔"

میں نے محسوس کیا کہ اس سے گفتگو خاصی طویل ہو چکی تھی۔ شاید وہ وقفے وقفے سے حیران کن انکشافات کر کے ملاقات سے پہلے ہی مجھے ذہنی طور پر خائف کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے وہ سلسلہ ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"آج شام چار بجے میرے فلیٹ میں ملاقات کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"چار بجے اجالا ہوتا ہے۔ ایسے کاموں کے لیے رات کا اندھیرا مناسب رہتا ہے۔ آٹھ بجے کا وقت رکھ لو۔" اس کی آواز دھیمی اور لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

"میں انتظار کروں گا۔" میں نے بلا توقف رضا مندی کا اظہار کر دیا۔ "لیکن تم میرے لیے اجنبی ہو، کیسے پہچان سکوں گا؟"

"آدمی وہی ہیں، شناخت بھی وہی رہے گی۔ ہوں اور تم شوٹر رہو گے۔"

اس کے بعد سلسلہ منقطع ہو گیا اور میں نے تھکن کے احساس کے ساتھ ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

مافیا کے کراچی بیورو کے چیف کی اس فون کال نے میرے اعصاب پر خاصا بوجھ ڈال دیا تھا۔ میلان میں لومبارڈی سے ملاقات کے بعد میں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ کا قصہ میلان میں ہی رہ گیا تھا اور پاکستان میں مافیا والوں سے رابطہ قائم کرنا یا نہ کرنا میرے اپنے اختیار میں تھا۔ اس فون کال نے میری وہ غلط فہمی دور کر دی تھی۔

میلان میں شروع ہونے والی میری نگرانی جاری رہی تھی یا نہیں اس بارے میں میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا لیکن یہ بات یقینی تھی کہ مافیا والوں کے عالمی مواصلاتی رابطے قابل رشک حد تک مستعد تھے۔ فرانکو لومبارڈی سے ملاقات کے بعد پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی میری نقل و حرکت پر نگاہ رکھی گئی تھی۔ اس امر کا قوی امکان نظر آنے لگا تھا کہ اگر ایک مدت تک میری طرف سے کسی قومی اخبار میں گمبی گمبی کا اشتہار شائع نہ کرایا جاتا تو شاید وہ لوگ خود ہی مجھ سے رجوع کر بیٹھتے۔

ایک طرف ہالی ڈے ان میں میری اور غزالہ کی ملاقات کی وجہ سے دلدار کو شہر میں میری موجودگی کا پتا چل گیا کیوں کہ غزالہ اس کی لاعلمی میں مجھ سے ملنے آئی تھی مگر دلدار کے دو آدمی اس کی نگرانی کر رہے تھے جن میں سے ایک اتفاقی طور پر سلطان شاہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اگر وہ واقعی شی کا آدمی تھا، جس کا مجھے یقین قوی تھا۔۔۔

کے زبان بند رکھنے کے باوجود وہ اپنے آدمیوں سے ملی ہوئی رپورٹ کی بنا پر بآسانی اندازہ لگا سکتا تھا کہ غزالہ کس سے ملنے گئی ہوگی۔ اس واقعے کے اگلے ہی دن امیر داد کے قتل کی واردات سے میرے بارے میں ڈی ڈی یا دلدار کے شبہات کو تقویت مل سکتی تھی۔ دوسری طرف مافیا والے سائے کی طرح میرے پیچھے لگے ہوئے تھے اور گھر سے باہر میری پل پل کی نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر تھے۔ زیرزمین دنیا میں رائج اخلاقیات کی رُو سے یہ امکان تو نہیں تھا کہ مافیا سے میرے تعاون سے انکار کی صورت میں وہ لوگ میرے بارے میں ساری معلومات کسی طرح دلدار کو پہنچادیں اور شی اپنی پوری قوت کے ساتھ ایک بار پھر میرے خلاف سرگرم عمل ہو جائے لیکن گریز کی صورت میں دوسرے بہت سے ناگزیر خطرات پوشیدہ تھے جن سے محفوظ رہنے کی واحد صورت یہی تھی کہ میں مافیا والوں سے دوستی کر کے ان کے لیے کام شروع کر دوں۔

کامٹ کے کوڈ سے پہچانے جانے والے نے یہ انکشاف کر کے مجھے ششدر کر دیا تھا کہ اس کا آدمی میرے سر پر پیاز کتر کر چلا گیا تھا اور میرے فرشتوں کو بھی اس کی موجودگی کی ہوا نہ لگ سکی۔ وہ شخص یقینی طور پر میرے فلیٹ پر پہنچتے ہی موقع پا کر کار میں چھپا ہوگا۔ اگر میں سلطان شاہ کے ساتھ اتفاقاً شاہ باغ جانے کا پروگرام نہ بنالیتا تو وہ شاید سارا دن ہی کار کی مختصر سی ڈکی میں بھوکا پیاسا سڑتا رہتا۔ میں یہ سوچنے لگا کہ دوران سفر سلطان شاہ سے میری کیا گفتگو ہوئی تھی کیوں کہ وہ تمام باتیں یقینی طور پر مافیا کے آدمی نے سن لی تھیں اور مجھے آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرتے ہوئے اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا تھا۔

بہت غور و فکر کے بعد مجھے صرف ایک ہی ایسی بات یاد آسکی جو مافیا والوں کے کسی کام آسکتی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ سلطان شاہ نے سفر کے دوران میں ایک بار مجھے یاد دلایا تھا کہ غزالہ سے کیے ہوئے وعدے کی بنا پر میں دلدار سے کسی تصادم میں ملوث نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن وہ کوئی ایسی خطرناک بات نہیں تھی جس کی بنا پر مافیا والے مجھے کوئی نقصان پہنچا سکتے۔

میں ان ہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ دوسری گھنٹی بجنے پر میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے سلمٰی کی شوخ آواز سن کر میرے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

"تم کہاں غائب ہو؟ کل صبح سے گئے ہو تو پلٹ کر ادھر کی خبر بھی نہیں لی!"

"بس فلیٹ پر آرام کر رہا ہوں۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "تم اخبارات میں پڑھ رہی ہو گی کہ شہر میں ایک بار پھر مار دھاڑ اور ہنگاموں کا سلسلہ چل پڑا ہے اس لیے گھر میں محدود رہنے میں ہی عافیت ہے۔ مجھے اس خیال ہی سے نفرت ہے کہ میں راستہ چلتے ہوئے اچانک کسی ایسی گولی کا نشانہ بن جاؤں جو خاص طور پر میرے لیے نہ چلائی گئی ہو۔"

"اوہ خدا!" ریسیور پر اس کی تحیّر آمیز آواز سنائی دی۔ "تم نے خوب یاد دلایا۔ میں تو وہ واقعہ بھول ہی گئی تھی۔ تم اسی قتل کا ذکر کر رہے ہو نا جس کے مقتول کے بارے میں تنازعہ کھڑا ہو گیا ہے؟ علاقے کے لوگ کہتے ہیں کہ مرنے والا اچھا خاصا غنڈا تھا اور پولیس مصر ہے کہ وہ ایک شریف شہری تھا کیوں کہ تھانے میں اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک سمجھی ہو۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "لیکن تمھارے لیے اس واقعے میں اچانک اتنی دلچسپی کیوں پیدا ہو گئی؟"

"سچ سچ بتانا کہ اسے تم نے تو نہیں مارا تھا؟" اس کی سرگوشیانہ آواز میں خوف و ہراس سمٹ آیا۔

"پاگل ہو گئی ہو۔ میں کیوں کسی کو مارنے لگا؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا لیکن اس کے بے ساختہ سوال پر میری ریڑھ کی ہڈی میں کروڑوں چیونٹیاں سی سرسرانے لگی تھیں۔ "یہ بیہودہ خیال کیسے آیا تمھارے ذہن میں؟"

"ابھی تمھاری بی جمالو کا فون آیا تھا۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ اس کے شوہر نے اسے بتایا ہے کہ کل کسی نے اس کی حفاظت کرنے والے شخص کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ انتقامی کارروائی تمھاری رہی ہوگی۔ اس نے رو رو کر التجا کی ہے کہ تمھیں روکا جائے۔ اگر تم غزالہ کو خوش اور آباد دیکھنا چاہتے ہو تو اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ ورنہ وہ اپنے شوہر کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی اور خودکشی کر لے گی۔ کمال کی بات یہ ہے کہ اس آدمی نے بی جمالو سے تمھارے ساتھ ہونے والی ملاقات کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا۔"

"یہ بکواس ہے۔ میں کیوں کسی کے خون سے ہاتھ رنگنے لگا... !" میں نے کہنا چاہا لیکن سلمٰی نے میری بات کاٹ دی۔

"اس وقت مجھے خیال نہیں آیا تھا لیکن اب تمہارے کہنے سے یاد آیا کہ تمہاری اور غزالہ کی ملاقات کے بعد سے اب تک شہر میں صرف ایک ہی قتل کی خبر چھپی ہے جس کے بعد اس علاقے میں فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اگر غزالہ کا پیچھا کرنے والا کوئی اور تھا تو اس کے قتل کی خبر کہاں سنسر ہو گئی؟ اخبار والے تو کھود کھود کر دنیا جہان کی خبریں نکال لیتے ہیں!"

"یہ وہم اپنے ذہن سے نکال دو، ورنہ تم میرے ساتھ جہانگیر کے لیے بھی دشواریاں کھڑی کر دو گی۔" میں نے سخت تادیبی لہجے میں کہا۔ "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے شوہر نے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے وہ شوشا چھوڑا ہو۔ مجھ سے ملاقات کا ذکر کیے بغیر محافظ کے قتل کی خبر سنا کر وہ بالواسطہ طور پر غزالہ کو دھمکا رہا ہو گا کہ وہ اس کے علم میں لائے بغیر کوئی قدم اٹھانے سے باز رہے ورنہ اس کو سخت سزا سے دوچار ہونا پڑے گا اور پھر اخبار میں چھپنے والی خبر کا غزالہ کے معاملے سے کیا تعلق؟ اس کے بارے میں تو صاف طور پر لکھا گیا ہے کہ وہ دو لسانی گروہوں کا باہمی تصادم تھا جس کی ابتدا ایک بدنصیب کے خون سے ہوئی۔"

"چلو! جو تم کہتے ہو، مانے لیتی ہوں۔ اب ادھر کب آ رہے ہو؟"

"غزالہ نے تم کو فون کیوں کیا تھا؟" میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے دوستوں میں وہ صرف جہانگیر سے واقف ہے، مجھ سے وہ تمہارا پتا معلوم کر رہی تھی۔ جب میں مسلسل لاعلمی کے اظہار پر اڑی رہی تو مجبوراً اس نے وہ پیغام دیا جو میں تمھیں سنا چکی ہوں۔ ویسے تمہاری بی جمالو بڑی چالاک اور مکار ہے، فون پر رونے اور گڑگڑانے کی ایسی اداکاری کر رہی تھی کہ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اسے مظلوم سمجھ کر موم ہو جاتا۔"

"اس نے فون اپنے گھر سے ہی کیا تھا؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت سوال کیا۔ جب ڈی ڈی سے حفاظت کے بہانے گھر سے باہر اس کی نگرانی کرا سکتا تھا تو اس سے بعید نہیں تھا کہ وہ غزالہ کی فون کالز بھی سننے کی کوشش کرتا۔

"پتا نہیں، جب وہ تمھیں چھوڑ کر دوسرے کی گود میں جا بیٹھی ہے تو تمھیں اس کی اتنی فکر کیوں ہے؟" اس نے چڑچڑے سے لہجے میں کہا۔ "تم کو تو اب اس کے نام پر جوتی الٹی کر دینی چاہیے۔ پتا نہیں تم کس امید پر ابھی تک اُس کے نام کی مالا جپ رہے ہو؟"

"امید کچھ نہیں ہے سلمٰی! بس گزرے ہوئے دنوں کے تعلق کا پاس ہے۔" میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "میں کبھی پارسا نہیں رہا۔ میں نے ایک دور ایسا بھی گزارا ہے جب خوبرو لڑکیوں سے بس لمحوں کی شناسائی ہوا کرتی تھی۔ رات کو سب کچھ قرار دیتا تھا، صبح ہوتے ہی اسے بھول جایا کرتا تھا لیکن محبت میں نے پہلی بار صرف غزالہ سے کی تھی۔ اس کی بے وفائی کو میں رفتہ رفتہ ہی قبول کر سکوں گا۔"

"چلو حساب برابر ہوا۔ پہلے تم لڑکیوں سے آنکھیں بدل لیتے تھے، اب ایک لڑکی نے تم سے آنکھیں بدل لی ہیں۔" بات کرتے کرتے ہی ایک دم وہ چونک پڑی۔ "ہاں! تم نے تو مجھے بتایا تھا کہ غزالہ نے نامساعد حالات سے گھبرا کر ایک شریف آدمی سے شادی کر لی ہے۔ پھر اب وہ شریف آدمی اسے سخت سزا کی دھمکی کیوں دے رہا ہے؟ اسے خوف زدہ کیوں کرنا چاہتا ہے؟"

"جہانگیر کو تم شریف سمجھتی ہو یا بدمعاش؟" میں نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔ مجھے اس پر غصہ آ رہا تھا کہ میں اس موضوع کو ختم کرنا چاہ رہا تھا اور وہ بات آگے بڑھائے جا رہی تھی۔

"سچ پوچھو تو شریف بدمعاش!" اس کے بے ساختہ جواب نے مجھے بھونچکا کر دیا۔ "لیکن یہ ان کو نہ بتا دینا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مجھے ان کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے مگر میں پہلے بھی تمھیں بتا چکی ہوں کہ گارمنٹ فیکٹری خریدنے سے پہلے وہ جو کچھ کرتے رہے اس کے بارے میں مجھے کبھی بھی پوری طرح مطمئن نہیں کر سکے تھے۔ زیادہ سوال جواب کرتی تو غصے میں آپے سے باہر ہونے لگتے تھے، اس لیے میرا خیال ہے کہ پہلے وہ پکے بدمعاش تھے، لیکن اب شریف ہو گئے ہیں، البتہ تم پر مجھے اب بھی شبہ ہے۔"

"مجھے گولی مارو اور صرف جہانگیر کی بات کرو۔" میں غصے سے بولا۔

"ہائے! ایسا نہ کہو پیٹر!" غنیمت تھا کہ اس نے جذباتی ہونے کے باوجود میرا اصل نام نہیں لیا تھا۔ "میں گولی تو درکنار، تمھیں گلاب کے پھول بھی نہیں مار سکتی، یہ توقع تو تمھیں اپنی بی جمالو سے کرنی چاہیے۔ وہ گولی تو کیا، گولا بھی مار سکتی ہے۔"

"اب اگر تم نے غزالہ کا ذکر نکالا تو میں فون بند کر دوں گا۔" میں نے غرا کر کہا۔

"اچھا! اس منحوس پر مٹی ڈالو! اب بتاؤ کہ تم کیا کہہ رہے تھے"

لمحے بھر کے لیے میں چکرا کر رہ گیا۔ یاد ہی نہ آسکا کہ اس سے کیا بات ہو رہی تھی۔

"شاید میرے سوال کا جواب سوچ رہے ہو؟" لائن پر سکوت پاکر وہ بولی "ہو سکتا ہے کہ بی جمالو کی حرکتوں کی وجہ سے اس کا شریف شوہر بھی اب کھلی کھلی بدمعاشیوں پر اتر آیا ہو؟"

مجھے یاد آگیا کہ میں کیا کہنا چاہ رہا تھا "اگر آج تم جہانگیر سے چھپ کر کسی غیر مرد سے ملنے لگو تو لازمی بات ہے کہ وہ اپنی ساری شرافت بھول کر مرنے مارنے پر تل جائے گا۔ یہی کچھ غزالہ کے شوہر کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے مجھ سے کیا کہا اور کس طرح میری حوصلہ شکنی کی، یہ ایک دیگر بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے اعتماد کو فریب دے کر مجھ سے ملی تھی۔ اس لیے اگر وہ شریف آدمی اب اسے ڈرا دھمکا کر راہِ راست پر لانا چاہ رہا ہے تو اسے ایسی ہر کارروائی کا پورا اخلاقی حق حاصل ہے۔"

"تمہیں اسی لیے تو کبھی کبھی لوٹ کر جانے کو دل چاہتا ہے کہ جب جو کہہ دیتے ہو اس کے حق میں زبردستی ہزار تاویلیں گھڑ لیتے ہو۔" اس کی آواز میں والہانہ پن عود کر آیا "لعنت بھیجو اس بی جمالو اور اس کے شوہر پر۔ یہ بتاؤ کہ گھر کب آؤ گے؟"

اس وقت میرے ذہن پر غصے کے ساتھ ہی جھلاہٹ بھی سوار تھی لیکن سلمیٰ کے سوال نے میرے دماغ میں ناامیدی کی ایک آگ سی بھڑکا دی اور ذہن میں بے اختیار ایک شعر کی گونج ابھر آئی۔

ع شام ہونے کو ہے، کدھر جائیں
اپنا گھر ہو تو اپنے گھر جائیں

"گھر ہو گا تو ضرور گھر جاؤں گا۔" میں نے اداس لہجے میں کہا "ابھی تو نہ در ہے نہ گھر۔ شام ہو گی تو شاید جہانگیر یہاں آئے گا، میں غم غلط کروں گا، وہ موڈ بنائے گا، وہ گھر چلا جائے گا اور میں گھر کی جستجو میں رہ جاؤں گا۔ تم ایک گھر دار عورت ہو سلمیٰ! میرا نہیں، جہانگیر کا انتظار کیا کرو۔ مانا کہ وہ باپ نہیں بن سکتا مگر وہ ایک مکمل شوہر ہے اور قدرت کے دیے ہوئے اس آزار پر اندر سے دکھی بھی ہے۔ اسے خوش رکھ کر تم ایسی عظیم عبادت کرو گی جس کا صلہ ربِ ذوالجلال ہی دے سکے گا۔"

"مجھے وعظ کی ضرورت نہیں۔" وہ ایک دم بپھر گئی۔ "میں اپنا اچھا برا خوب سمجھتی ہوں۔ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اب میرے گھر ہرگز نہ آنا ورنہ اپنے ناخنوں سے تمہارا منہ نوچ لوں گی، جسے وہ چڑیل کبھی نہ پہچان سکے گی۔"

"تم اپنی مرضی اور اپنے گھر کی مالک ہو۔ اچھا ہوا کہ تم نے مجھے پیشگی وارننگ دے دی ورنہ تم بتائے بغیر بھی اچانک میرا منہ نوچ سکتی تھیں۔ اس وارننگ کے لیے میں تمہارا شکر گزار رہوں گا۔"

"تم مجھ سے نہیں، میرے شوہر سے بھی نہیں ملو گے۔" غصے کی زیادتی کے باعث اس کی آواز کانپنے لگی۔

"نہیں ملوں گا۔" میں نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا "لیکن وہ ملنے آیا تو اس سے انکار بھی نہیں کر سکوں گا۔"

"میں تمہیں دیکھ لوں گی۔" سلمیٰ اس وقت غصے میں شاید آپے سے باہر ہی ہو گئی تھی۔ "اور اب میں دیکھوں گی کہ جہانگیر کیسے تم سے ملنے آتے ہیں۔ اگر تم تنہا رہنا چاہتے ہو تو اب تمہیں تنہا ہی رہنا ہو گا۔"

"اجازت ہو تو اب فون بند کر دوں۔" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد بھی لائن کو فعال پا کر کہا۔

"تم کیا بند کرو گے! میں خود ہی بند کر رہی ہوں۔" غصے سے ہانپتی ہوئی آواز سنائی دی اور اچانک لائن بے جان ہو گئی۔ ریسیور کریڈل پر ڈالتے ہوئے غیر ارادی طور پر میرے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

کھیل آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ دلدار ایک چھٹا ہوا بدمعاش، شی کا ہرکارہ اور ڈی ڈی تھا لیکن غزالہ کے سامنے وہ معصوم اور مسکین بنا ہوا تھا تاکہ اسے جل دے کر اپنا اخلاقی قیدی بنا سکے۔ غزالہ نے باہر سے مسلط کی ہوئی لاعلاج مجبوریوں سے مجبور ہو کر دلدار کو اپنا مجازی خدا بنا لیا تھا لیکن اس کے دل کے نہاں خانوں میں میرا نام بھی زندہ تھا۔ اپنی دانست میں وہ دلدار سے چھپ کر مجھ سے ملی لیکن دلدار کو دھوکا نہ دے سکی۔ دلدار کو غزالہ کی نظروں میں اپنی معصومیت عزیز تھی، اس لیے اس نے غزالہ کی خفیہ ملاقات کا ذکر کیے بغیر اسے اس کے محافظ یا نگران کی ہلاکت کی اطلاع دی تاکہ اسے اس کھیل کی سنگینی سے آگاہ کر سکے۔
دوسری طرف سلمیٰ تھی جو اپنے دل کی گہرائیوں میں غزالہ کے لہو کی پیاسی تھی لیکن مجھے پسند کرتی تھی جب کہ وہ غزالہ کے لیے میری پسند سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ جہانگیر کی بیوی تھی اور اسے چھوڑے بغیر اپنی پسند پر تصرف حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن مجھے جہانگیر کی دوستی زیادہ عزیز تھی۔ سلمیٰ کے مطالبات کے سلسلے میں میں ایک حد سے آگے جانے پر تیار نہیں تھا اور سلمیٰ مجھے ایک کھلونا بنا لینا چاہتی تھی۔ ان تضادات سے کہانی کے اندر ایک اور کہانی پروان چڑھ رہی تھی جو وقتی طور پر مجھے شی اور مافیا جیسے بھاری بھرکم ناموں پر بھی حاوی ہوتی نظر آرہی تھی۔
پھر وہی ہوا جس کی مجھے امید تھی۔ پہلی گھنٹی پر میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف جہانگیر تھا۔
"یار تم نے سلمیٰ کو ناراض کیوں کر دیا؟" اس کی آواز پر بوکھلاہٹ طاری تھی۔ "وہ تمہاری طرف سے ایک دم ہی متنفر ہو گئی ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ اس نے کوئی سبب بھی تو بتایا ہوگا۔" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔ مجھے علم ہی نہیں تھا کہ سلمیٰ نے کس بہانے کی آڑ لے کر جہانگیر سے شکایت کی ہوگی۔ اس بات کا تو دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا کہ اس نے جہانگیر کو حقیقت سے آگاہ کیا ہو کہ وہ مجھے پسند کرتی تھی اور میں اس سے مسلسل گریز کر رہا تھا۔

"غزالہ کے معاملے میں اب تم کو جذباتی نہیں ہونا چاہیے۔" جہانگیر نے شکایتی لہجے میں وہی بات کہی جس کی میں توقع کر رہا تھا۔ "اس نے تم کو دغا دے دی۔ اب وہ پرائی ہوگئی ہے۔ نہ تم سے ملنا چاہتی ہے، نہ اپنے شوہر کے خلاف کچھ سننے پر آمادہ ہے پھر تم کیوں سلمیٰ پر چراغ پا ہوتے ہو۔ اگر وہ اس کو برا بھلا کہتی ہے تو کہنے دو۔ تم ایک خود غرض اور ہرجائی عورت کے لیے اپنے جگری دوست کی بیوی کو کیوں ناراض کرتے ہو۔ تم نے اسے ضد دلا دی اور اب وہ مجھے قسمیں دے رہی تھی کہ میں تم سے نہ ملوں۔"

"اپنا گھر آباد رکھو جہانگیر!" میں نے بے کیف لہجے میں کہا۔ "بیوی قسمت سے صرف ایک بار ملتی ہے، دوست تو ہر روز ملتے اور بچھڑتے رہتے ہیں۔ تم وہی کرو جو سلمیٰ کہہ رہی ہے۔ میں اپنا کوئی اور بندوبست کیے لیتا ہوں۔"

"اوہ! تو تم بھی بھرے ہوئے بیٹھے ہو۔" وہ سنبھل کر بولا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ غزالہ کے معاملے میں تم دونوں میں خاصی تلخ کلامی ہوئی ہے۔ یہ بات فون پر حل نہیں ہوگی۔ میں ابھی فلیٹ پر آرہا ہوں۔" میری کسی متوقع مزاحمت کے پیش نظر اس نے میرا جواب سُنے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنا دفتر چھوڑ چھاڑ کر فلیٹ پر آ پہنچا۔ سلمیٰ کا مجھ سے بھڑکنے کا سبب بہت زیادہ ذاتی تھا لیکن اس نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اپنے شوہر کو ایک بالکل ہی مختلف کہانی سنائی تھی جس کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔ جہانگیر اپنی دانست میں مجھے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ مجھے اس وقت بھی سلمیٰ سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ اس لیے میں بحث برائے بحث کے طور پر اسے جواب دیتا رہا۔ آخر کار جب اس نے اپنی دانست میں محسوس کیا کہ وہ مجھے اپنا ہم نوا بنانے میں کامیاب ہو چکا ہے تو اس نے وہیں سے گھر فون کر ڈالا۔

فون پر اس کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ سلمیٰ اپنی توہین کے احساس سے بری طرح بھڑکی ہوئی تھی لیکن کافی دیر تک دلائل اور خوشامد کا سہارا لے کر آخر کار وہ اسے بھی ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے سلمیٰ پر ظاہر کیا کہ وہ فیکٹری سے اٹھ کر میری طرف آئے گا اور وہاں سے مجھے اپنے ساتھ لے کر گھر پہنچے گا تا کہ سلمیٰ سے میری صلح کرا سکے۔

میں دل ہی دل میں اس بات پر ندامت محسوس کر رہا تھا کہ میرے بارے میں وہ دونوں میاں بیوی اپنے اپنے انداز میں ضرورت سے زیادہ جذباتی ہوئے جا رہے تھے۔ چند روز کے قلیل عرصے میں پہلے جہانگیر سے تصادم ہوا اور نوبت تلخی تک پہنچ گئی اور اب سلمیٰ ناراض تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ دونوں ایک ہی وقت میں ناراض نہیں ہوئے تھے ورنہ صلح کی کوئی صورت باقی نہ رہ جاتی۔

جہانگیر کے لیے کم از کم اتنا وقت گزارنا ضروری تھا کہ وہ سلمیٰ کو باور کرا سکے کہ اس نے اسے فیکٹری سے ہی فون کیا تھا اور اس کی اجازت حاصل ہونے کے بعد میرے پاس آیا تھا۔ اس لیے اس نے بوتل کھول لی جو وہ ہر وقت اپنے بریف کیس میں ساتھ لیے پھرتا تھا تا کہ امتناع کے اس دور میں حسبِ ضرورت جب اور جہاں چاہے، محفل نائو نوش سجا سکے۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ اس دوران میں جہانگیر نے بھی وہی بات چھیڑ دی جو میرے دل میں کسک پیدا کر رہی تھی۔ وہ شرمسار تھا کہ پہلے وہ مجھ سے اُلجھا اور اب اُس کی بیوی مجھ سے لڑ پڑی تھی۔

اس وقت تک میں نے جہانگیر کو مافیا سے اپنے رابطے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا اور نہ ہی میں اُسے اس بکھیڑے میں اُلجھانا چاہتا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کی نظر میرے دیے ہوئے اشتہار پر بھی نہیں پڑی تھی ورنہ اس میں دیا ہوا فون نمبر پڑھ کر وہ ضرور چونکتا اور شاید دفتر ہی سے فون کر کے حقیقت کریدنے کی کوشش کرتا۔ تناؤ دور کرنے کے لیے میں نے اضطراری طور پر وڈیو پر ایک فلم لگا دی۔

لیکن اس وقت وہ آ ہی گیا تھا تو میں سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ اسے بھی اعتماد میں لے لیا جائے تا کہ آنے والے دنوں سے مذاکرات کے وقت مجھے اس کی مدد حاصل رہ سکے لیکن میرے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہی شام چھ بجے فون کا بزر چیخ اٹھا۔

"کامٹ!" ریسیور اٹھاتے ہی دوسری طرف سے شناسا آواز میں کہا گیا۔

"شوٹر ۔۔۔ کیا بات ہے؟ اس وقت فون کرنے کی ضرورت پیش آگئی؟" میں نے حیرت سے دریافت کیا۔ جہانگیر میری طرف دھیان دیے بغیر پنیر کے پارچے سے انصاف کرتے ہوئے وڈیو پر فلم دیکھنے میں منہمک تھا۔

"تمہارے پاس پچھلے سوا دو گھنٹے سے ایک ملاقاتی

یا ہوا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ مقررہ وقت سے پہلے ہی
واپس چلا جائے گا کیونکہ ہماری ملاقات کے وقت اس کی موجودگی
غیر ضروری بلکہ ناپسندیدہ ہوگی۔"

وہ لوگ واقعی بہت گھاگ اور منظم تھے۔ اس کا مطلب
تھا کہ اس وقت بھی فلیٹ کی نگرانی ہو رہی تھی۔ وہ لوگ میرے معاملے
میں کوئی بھی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ غنیمت یہی
تھا کہ اس وقت تک میں نے جہانگیر سے مانیا والے معاملے کا
کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا ورنہ اس کے تجسس کو ہوا دے کر اسے
وہاں سے ٹالنا مشکل ہو جاتا۔

"یہ طے نہیں ہوا تھا۔" میں نے کن انکھیوں سے جہانگیر کی
طرف دیکھتے ہوئے دبے لہجے میں احتجاج کیا۔ "گھر آئے ہوئے
مہمان کو نکالنا میرے لیے بہت دشوار ہوگا۔ میری گزارش ہے
کہ کسی سمجھوتے سے پہلے خود کو میرے اوپر مسلط کرنے کی
کوشش نہ کرو۔"

"سمجھوتے سے پہلے یہ احتیاط ضروری ہے۔" اس نے
اصرار کیا۔ "معاہدہ ہو جانے کے بعد تو تم کو خود بخود اپنی ذمے داریوں
کا علم ہو جائے گا۔ فی الحال جو کچھ کہا جا رہا ہے اس پر عمل کرو۔
ملاقات ہونے پر اس احتیاط کی افادیت تمہاری سمجھ میں
آجائے گی۔"

"یہ سراسر زیادتی۔۔۔" میں نے احتجاج جاری رکھنا چاہا لیکن
اس نے میری بات کاٹ دی۔

"کوئی زیادتی نہیں ہے۔ اگر تم نے خود اسے بلایا ہے اور
ملاقات کے بارے میں اسے آگاہ کر چکے ہو تو اور بات ہے
ورنہ تم اسے آسانی کے ساتھ واپس کر سکتے ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ
وہ تمہارا پرانا اور بے تکلف دوست جہانگیر ہے۔ ہم لوگ کسی
جواز اور ضرورت کے بغیر انہونے مطالبے نہیں کرتے۔ اچھی طرح
جانتے ہیں کہ کب کیا کہنا اور کرنا چاہیے۔ اگر سات بجے تک جہانگیر
تمہارے فلیٹ سے واپس نہ گیا تو سمجھ لینا کہ مجوزہ ملاقات منسوخ
ہو جائے گی۔"

"پھر اگلا پروگرام کس طرح طے ہوگا؟" میں نے سپاٹ لہجے میں
سوال کیا۔

"وہ سات بجے تک نہیں گیا تو اگلا کوئی پروگرام نہیں ہوگا۔
تم نے میرے الفاظ پر غور نہیں کیا۔ میں نے ملاقات کے لیے
ملتوی نہیں، منسوخ کا لفظ استعمال کیا ہے۔" چبھتے ہوئے لہجے میں
جواب دیا گیا۔

"میں کوشش کرتا ہوں۔" میں نے دل شکستہ لہجے میں کہا
اور دوسری طرف سے کلک کی آواز سن کر ریسیور کریڈل پر
ڈال دیا۔

"تم نے فلم کا ایک زبردست حصہ مس کر دیا۔" جہانگیر متاسفانہ
لہجے میں بولا۔ "کہو تو ری وائنڈ کر کے دوبارہ چلا دوں؟"

"یقیناً کوئی کلب ڈانس رہا ہوگا۔ مجھے ان ہندوستانی فلموں
سے خدا واسطے کا بیر ہے۔ کہانی خواہ کیسی ہی سنجیدہ اور کچھ بھی ہو،
ہر فلم میں دو چار نیم برہنہ ناچ ضرور شامل کیے جاتے ہیں تاکہ فلم
باکس آفس پر ہٹ ہو سکے۔ ان چیزوں کا ایسا ہی شوق ہو تو آدمی
مہینے، پندرہ دن میں ولایت کا چکر کیوں نہ لگائے جہاں تصویروں
کے بجائے یہ سب اسٹیج پر تازہ اور زندہ دکھایا جاتا ہے۔"

"گڈ! تو اب مولوی بھی ہو گئے ہو؟" وہ بغور میری طرف
دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں بولا۔ پھر اس نے ویڈیو اور ٹیلیویژن
آف کر دیا۔ "تو پھر چلو۔ اب وقت ہو گیا ہے۔ سلمیٰ کو سمجھانے میں
بھی کچھ وقت لگے گا۔"

"یہ پروگرام کل پر ملتوی کر دو تو کیسا رہے گا؟" میں نے بیچارگی
کے احساس کے ساتھ سوال کیا۔

"میں سلمیٰ سے کہہ چکا ہوں کہ تمہیں ساتھ لیتا ہوا گھر آؤں گا۔"

"لیکن میرے پاس کچھ لوگ آرہے ہیں۔ ان سے اسلحے کی
کچھ بات کرنی ہے۔"

"تم نے پہلے تو کچھ نہیں بتایا تھا۔" وہ اشتباہ آمیز لہجے
میں بولا۔

"دن اور وقت طے نہیں ہوا تھا۔ ابھی اسی شخص کا فون
آیا تھا۔" میں نے کہا۔

"تو پھر ان سے مل کر ہی چلیں گے۔" اس نے صوفے پر پھیل
کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بلاوجہ تمہیں دیر ہوگی اور سلمیٰ کا پارا چڑھ جائے گا۔" میں
نے جلدی سے کہا۔ "پتا نہیں ان سے مذاکرات کتنی دیر تک جاری
رہیں۔ اب تو میرے پاس بھی گاڑی ہے۔ جلدی فارغ ہو گیا تو
تمہیں فون کر کے خود ہی پہنچ جاؤں گا۔"

اتفاق سے بات بن گئی تھی۔ تھوڑی سی بحث کے بعد
جہانگیر مجھ سے متفق ہو گیا اور روانگی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔
میں اسے رخصت کرنے کے لیے میزنائین فلور تک آیا
تھا جہاں اس نے اپنی گاڑی پارک کی ہوئی تھی۔ اس کے چلے
جانے کے بعد میں نے اچھی طرح شیراڈ کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر
خوشی ہوئی کہ اس وقت تک اس کی ڈگی بالکل خالی پڑی ہوئی تھی۔ میں
اوپر پہنچا تو ایک بار پھر فون کی گھنٹی پوری قوت کے ساتھ چیخ
رہی تھی۔

میں تیزی سے تالا کھول کر اندر داخل ہوا تو گھنٹی خاموش

ہو چکی تھی لیکن چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ دوبارہ بول پڑی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے سلطان شاہ بول رہا تھا۔

پتا چلا کہ وہ تیسری کوشش تھی۔ اس کے پاس بھی ایک کام کی خبر موجود تھی۔ اس نے لدار کی دوا ساز فیکٹری کا سراغ لگایا تھا جو کورنگی کے انڈسٹریل ایریا میں جاز فار ماسیوٹیکل انڈسٹری کے نام سے چل رہی تھی۔ اتفاقاً وہاں لیبر کی کچھ اسامیاں بھی خالی تھیں اور سلطان شاہ خود کو جاہلِ مطلق ظاہر کرتے ہوئے وہاں انٹرویو بھی دے آیا تھا جس کا نتیجہ معلوم کرنے کے لیے اسے اگلی صبح فیکٹری منیجر سے ملاقات کرنی تھی۔

اس سے گفتگو سے فارغ ہوا تو میں نے منہ ہاتھ دھو کر اپنی شکم پُری کی پھر وقت گزاری کے لیے ٹی وی دیکھنے میں مصروف ہو گیا جیسے جیسے مافیا والوں سے ملاقات کا وقت قریب آتا جا رہا تھا میرے اعصاب پر تناؤ بڑھتا جا رہا تھا سچی بات یہ تھی کہ ان کے طریقِ کار نے مجھے پوری طرح مرعوب کر دیا تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے ڈور بیل بجی تو میں اضطراری طور پر دروازے تک پہنچ گیا۔

"کون ہے؟" میں نے دروازہ کھولنے کے بجائے قدرے دھیمی آواز میں سوال کیا تھا۔

"کامٹ!" دوسری طرف سے جانی پہچانی آواز میں مختصر ترین جواب دیا گیا اور میں نے دروازہ کھول دیا۔

یہ دیکھ کر مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا کہ آنے والے تعداد میں دو تھے اور دونوں ہی کے چہروں پر سیاہ نقابیں منڈھی ہوئی تھیں۔ انھیں اس بات کا کوئی خوف نہیں تھا کہ زینوں پر آنے جانے والا کوئی شخص انھیں دیکھ کر کیا سوچے گا۔

وہ دونوں دراز قامت میری دعوت کا انتظار کیے بغیر دروازہ کھلتے ہی فلیٹ میں گھس آئے۔ میں دروازہ بند کر کے ان کے پیچھے پلٹا تو وہ سکون سے صوفوں پر دراز ہو چکے تھے۔

"ہم انگریزی میں گفتگو کریں تو تمھیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟" نسبتاً بھاری جسم والے نے مجھ سے انگریزی میں سوال کیا اور میں نے اس کی آواز پہچان لی کیونکہ اُسی نے مجھ سے فون پر بات کی تھی۔

"تم جس زبان میں چاہو بات کر سکتے ہو بشرطیکہ وہ زبان میرے لیے قابلِ فہم ہو۔" میں نے باری باری ان دونوں نقاب پوشوں کا جائزہ لیتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ "لیکن بہتر یہ ہو گا کہ پہلے ہمارا تعارف ہو جائے۔ مجھے ڈینی کہتے ہیں۔"

"میں کامٹ اور یہ ڈان تھری ہے۔" اسی شخص نے کہا۔ نہ انھوں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھانے میں نے ان کے رویے کے پیشِ نظر ایسی کسی پیش قدمی کی ضرورت محسوس کی۔

"یہ دونوں اگر واقعی نام ہیں تو بڑے عجیب اور... ہیں۔" میں نے خشک لہجے میں تبصرہ کیا۔

"یہ نام نہیں شناخت کی علامتیں ہیں مسٹر ڈینی!" بھاری بدن والے نے اطالوی لہجے اور انگریزی زبان میں جواب دیا اور میں چونک پڑا کیونکہ وہ آواز سماعت کو کچھ شناسا سی محسوس ہوئی تھی۔

"اگر ناموں سے ہی تعارف کرانا مقصود ہوتا تو ہم چہروں پر نقاب لگا کر یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "تم اس دنیا میں نئے نہیں ہو اس لیے مجبوریوں اور ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔ میں یہ بتاتا چلوں کہ میں تم سے ملاقات کے لیے خصوصی اختیار کے ساتھ اپنے ہیڈ کوارٹرز سے آیا ہوں اس لیے بہتر ہو گا کہ فروعات میں الجھنے کے بجائے براہِ راست کام کی گفتگو شروع کر دیں۔ اس علاقے میں مافیا کے مفادات کی دیکھ بھال اور اس کے آپریشنز کی نگرانی براہِ راست میرے ذمے ہے۔ کام میں مسٹر کامٹ مقامی طور پر میرے دستِ راست ہیں۔ یہ کراچی بیورو کے چیف ہونے کے ساتھ ساتھ پورے پاکستان کے معاملات بھی دیکھتے ہیں اور اگر ہمارے درمیان کوئی قابلِ عمل صورت طے پا گئی تو فی الحال تمھارا براہِ راست رابطہ مسٹر کامٹ کے ساتھ ہی رہے گا جو بہت ماہر اور تجربے کار آدمی ہیں۔"

"مسٹر کامٹ!" میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "ہر شخص اور گروہ کی اپنی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مسٹر کامٹ کہنے کے بعد بے اختیار کسی کو مسٹر چوہا اور مس چھپکلی کہنے کو بھی دل چاہتا ہے۔"

کامٹ نے غصے اور بے چینی کے ساتھ اپنی نشست پر پہلو بدلا لیکن اس سے پہلے ہی ڈان تھری بول پڑا۔ "یہ اچھی ابتدا نہیں ہے ڈینی! ہم یہاں ایک دوسرے کا مضحکہ اڑانے کے لیے نہیں بلکہ کچھ اہم امور طے کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے ڈان کہ میں اپنے بے ساختہ ردِ عمل پر قابو نہیں پا سکا! میری طبیعت ناقابلِ فہم سمجھوتوں کی عادی نہیں ہے اور شاید اسی وجہ سے میں آج تک کے مخالفین کی صفوں میں شمار کیا جاتا ہوں!"

"ہم اس علاقے میں اپنی سرگرمیاں بڑھانا چاہتے ہیں۔" ...

کے لیے ہمیں فعال اور متحرک قیادت کی ضرورت ہے۔ اس خلا کو پورا کرنے کے لیے ہماری نگاہیں تمھاری طرف اٹھی ہیں کیونکہ تم شی کے لیے یہاں قابلِ ذکر خدمات انجام دیتے رہے ہو۔"

"شی سے میرے تصادم کے بعد یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ اب میں مافیا کے لیے کام کرنے پر آمادہ ہو جاؤں گا؟" میں نے بے خوفی کے ساتھ براہِ راست ڈان تھری سے سوال کیا۔

"تم جس پیشے میں رہ چکے ہو اس میں گھسنا آسان ہوتا ہے لیکن اس کو ترک کرنے کا مطلب صرف اور صرف خودکشی ہوتا ہے۔ موت کسی بھی لمحے کہیں سے نازل ہو سکتی ہے۔ شی سے تمھارے اختلافات ان حدود تک پہنچ چکے ہیں کہ اب ان میں تمھاری واپسی ناممکن ہے اس لیے تم کو زندہ رہنے کے لیے ایک سہارے کی ضرورت ہے جو مافیا تم کو فراہم کر سکتی ہے۔"

"لیکن شی کو چھوڑ کر مافیا میں جانے کا جواز کیا ہوگا؟" میں نے چُبھتا ہوا سوال کیا۔

"اوّل زندہ رہنے کی خواہش، طبعی عمر گزار لینے کی آرزو اور دوم سازشیوں کو چھوڑ کر صاف ستھرے پیشہ ور لوگوں سے لین دین جن کی اپنی تاریخ ہے جو کسی فرد کے نہیں بلکہ ایک مشن کے ملازم ہوتے ہیں۔"

"میں سمجھ نہیں سکا، دوسری بات واضح نہیں ہے۔" میں نے اُلجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"بہت واضح ہے۔" ڈان تھری نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "مافیا کی سالہا سال پرانی ایک تاریخ ہے۔ زیرِ زمین دُنیا میں یہ ایک طاقتور تحریک بن چکی ہے جس پر افراد کے زندہ رہنے یا مرنے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ گاڈ فادر ہمارا طاقتور روایتی سربراہ ہوتا ہے جو مافیا کے مشن کو اپنی پوری قوت اور صلاحیتوں کے ساتھ زندہ رکھتا ہے لیکن شی مفاد پرستوں کی ایک مضبوط ٹولی ہے جو کسی مشن اور نظریے کے بغیر دونوں ہاتھوں سے دولت بٹور رہی ہے۔ انھوں نے جرائم کی دنیا میں مختصر ترین عرصے میں مضبوطی سے اپنے قدم جمائے ہیں اور ان کی سرگرمیوں سے سب سے زیادہ نقصان مافیا کو پہنچا ہے لیکن اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ شی کا اپنا کوئی فلسفہ نہیں ہے۔ یہ تنظیم سو فی صد سی آئی اے کے سرمائے کے بل پر چل رہی ہے۔ اس کے سربراہ کو براہِ راست وہائٹ ہاؤس تک رسائی حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی مفادات کا ٹکراؤ ہوتا ہے شی ہم پر غالب آجاتی ہے۔

"یہ تو ناقابلِ یقین ہے۔" میں نے دل کی گہرائیوں سے کہا۔ "کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ سی آئی اے شی کے ذریعے دنیا میں ہیروئن کے فروغ کے لیے دن رات کوششیں کر رہی ہے؟"

"فروغ نہیں، انسداد کہو ڈیئر!" ڈان تھری تلخ لہجے میں بولا۔ "پہلے ہم بھی انھیں اپنا حریف تصور کرتے تھے لیکن جمی لائیڈ سی آئی اے کا لاڈلا ہے۔ امریکا ہیروئن کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ شی والے دُنیا بھر کے مراکز سے اعلا درجے کی ہیروئن خرید کر سی آئی اے کے مقررہ مراکز کو بھیج دیتے ہیں جہاں اس کی بڑی مقداریں تلف کر دی جاتی ہیں اور تھوڑی بہت مقدار بھاری ملاوٹ کے بعد بازار میں بھیج دی جاتی ہے۔ ہم لوگ مدتوں حیران رہے کہ منڈی میں طلب اور بھاؤ مسلسل کیوں بڑھ رہا ہے؟ شی والوں کا مال کہاں جاتا ہے؟ لیکن ہمیں کچھ علم نہ ہو سکا۔ ہم نے شی کے مقابلے میں اپنی سرگرمیاں محدود کر لیں کیونکہ بھاؤ بڑھنے کی وجہ سے ہمیں کم مقداروں پر پہلے سے زیادہ منافع مل رہا تھا لیکن اب شی کو مدافعت کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ ہم نے ہیروئن پیدا کرنے والے ممالک میں اپنی سرگرمیوں کا دائرہ بڑھانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"میں یہ بات نہیں مان سکتا اگر شی انسدادِ منشیات کے مشن میں سی آئی اے کی اعانت کر رہی ہے تو پھر جمی لائیڈ کی بیٹی، ویرا کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ ہمارے سرحدی علاقوں میں جرمن کیمسٹ کی سربراہی میں ہیروئن سازی کے پہلے کارخانے کا آغاز کراتی؟"

"وہ سب پروپیگنڈا ہے۔" ڈان تھری تلخ لہجے میں بولا۔ "اس سے ہم بھی مدتوں گمراہ رہے ہیں۔ اس علاقے کے لیے ہیروئن نئی چیز نہیں تھی۔ افیم پیدا کرنے والے قبائل پہلے بھی ہیروئن بناتے تھے جو خاموشی سے باہر چلی جاتی تھی۔ ویرا نے مومن خان اور ڈاکٹر ڈالٹن کے ذریعے اس دُشوار گزار علاقے میں رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی جہاں دشوار ترین پہاڑی راستوں کی وجہ سے جدید ترین طیارے بھی بمباری نہیں کر سکتے۔ اس نے اس بہانے سے علاقے میں اپنے قدم جمائے، قبائلی سرداروں اور ملوک سے ذاتی حسن اور اداؤں کی وجہ سے مراسم قائم کیے اور پھر اپنی تفصیلی سروے رپورٹ سی آئی اے کو ارسال کر دی کچھ پتا نہیں کہ وہ لوگ اس علاقے میں کیا کرنے والے ہیں۔ وہ ان سنگلاخ پہاڑوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ انھوں نے حال ہی میں ایک ایسا مواصلاتی سیارہ خلا میں بھیجا ہے جو خیبر کے پہاڑوں پر ٹھہرا ہوا ہے اور دن رات وہاں کی تصویریں لیتا رہتا ہے۔ اس اسکینڈل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دن تمھارے شمالی پہاڑوں پر آسمانوں سے آگ برسے گی اور ہیروئن بنانے والے کارخانوں کے ساتھ افیم کی فصلوں اور اس کے کاشتکاروں کو بھی جلا کر راکھ کر دے گی۔ چند روز ان کا ماتم ہوگا اور پھر تمھاری آنے والی نسلیں بھی ہیروئن یا افیم کے نام سے کانپا کریں گی... یہ ایک بہت بڑی سازش اور ناقابلِ یقین اسکینڈل

ہے مگر حقیقت ... !"

وہ یکلخت خاموش ہوگیا کیونکہ اچانک ہی ڈوربیل چیخ اٹھی تھی۔ کامٹ نے وحشیانہ انداز میں اُچھل کر اپنی نشست چھوڑ دی اور ہولسٹر سے پستول نکال کر میرے سینے پر تان لیا جب کہ خود مجھے علم نہیں تھا کہ آنے والا کون تھا اور اس وقت میرے پاس کیوں آیا تھا۔ ڈان تھری نے بھی بیٹھے ہی بیٹھے پستول نکال لیا تھا۔

گھنٹی قدرے توقف کے بعد دوبارہ بجی لیکن میں اپنی جگہ جم کر رہ گیا تھا کیونکہ میرے حرکت کرتے ہی بیک وقت دو پستولوں کے دہانے میرے سینے پر جہنم کی آگ برسانے کے لیے تیار تھے۔

"کون آیا ہے؟" اطالوی نژاد نے سرسراتی ہوئی دھیمی مگر سرد آواز میں سوال کیا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے بے خوفی کے ساتھ دھیمی آواز میں کہا۔ "آنے والا میرے لیے بھی اتنا ہی غیر متوقع ہے جتنا تمھارے لیے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمھاری طرف سے مامور کیے گئے نگرانوں میں سے ہی کوئی ہو۔"

"تم باتھ روم میں جاؤ، ہم اسے دیکھ لیں گے۔" غیر ملکی نے اپنی نشست چھوڑ دی۔ اُس کا لہجہ سرد اور بے رحمانہ تھا جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ضرورت پیش آنے پر وہ خونریزی سے بھی ہاتھ نہیں روکے گا۔

ان دو مسلح حریفوں کے مقابلے میں اس وقت میں بالکل بے بس تھا اس لیے لمحہ بھر کے توقف کے بعد ہی ڈرائنگ روم سے ملحقہ غسل خانے میں گھس گیا اور دروازہ اندر سے بولٹ کر کے دوسری طرف مُڑ گیا۔

اس وقت میری سعادت مندی میں ان کی عددی برتری یا اسلحے کی موجودگی کا زیادہ اثر نہیں تھا بلکہ مجھے یہ یاد آگیا تھا کہ ڈرائنگ روم سے ملحقہ باتھ روم کے دو دروازے تھے جن میں سے ایک ڈرائنگ روم میں کھلتا تھا اور دوسرا ایک خواب گاہ سے ملحق تھا۔ اس طرح فلیٹ کی محدود جگہ میں مکینوں کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولت فراہم کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

لیکن اس وقت میرے پاس فلیٹ کی تعمیراتی خوبیوں پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا اس لیے میں باتھ روم کا دوسرا بے آواز دروازہ کھول کر تاریک خواب گاہ میں داخل ہوگیا اور میں نے بند دروازے کے کی ہول میں آنکھ لگا دی۔

وہ دونوں کی ہول سے خاصی دور تھے اور فلیٹ میں داخلے کا دروازہ ان سے بھی دُور تھا اس لیے ذرا سی کوشش سے اندر کا کم و بیش تمام منظر میرے سامنے واضح ہوگیا۔

اپنی دانست میں وہ دونوں مجھے باتھ روم میں قید کر کے پوری طرح مطمئن ہو چکے تھے اس لیے انھوں نے اپنے چہرے پر منڈھی ہوئی جھلی جیسی سیاہ نقابیں اتار لی تھیں۔ [illegible] کا چہرہ میرے لیے اجنبی تھا لیکن دراز قامت اطالوی کو میں نے [illegible] ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔ اسے میں میلان کے ہوٹل وینی میں بہت قریب سے دیکھ چکا تھا کیونکہ وہ زوتی کے پاس آنے والے ان اوباش رئیس زادوں کی بھیڑ میں شامل تھا جو زوتی کی محبوبہ کے ایک شب کے مشاہدے، تجزیے اور تجربے کے بعد اسے بی ایم ڈبلیو کی طرف سے اسپانسر کیے جانے والے مقابلے میں مس اٹلی کے لیے نامزد کرنا چاہتے تھے۔ ان لوگوں کا سامنا کرنے کا وہ تجربہ میرے لیے بہت سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کیونکہ نادیا بنگالا اپنے محبوب، زوتی کی اجازت سے اس شام میرے ساتھ تفریح کے لیے باہر گئی تھی لیکن گیمبلرز نائٹ کلب میں ہونے والی ہڑبونگ کے نتیجے میں میری طرف سے شبہات کا شکار ہوگئی اور مجھے مجبوراً اس حسین و نازک دوشیزہ کو اپنے ہاتھوں سے بے ہوش کر کے ڈوم کے علاقے کی ایک سنگلاخ فٹ پاتھ پر چھوڑنا پڑ گیا تھا۔ زوتی کے لیے وہ مقابلہ حسن کامیابی کا ایک سہانا سپنا بنا ہوا تھا اس لیے نادیا کو میرے ساتھ نہ پاکر وہ بُری طرح بھڑکا تھا مگر میں کسی نہ کسی طرح اسے جُل دے کر سلطان شاہ سمیت ہوٹل وینی سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔

میں نے اسے چہرے سے پہچان ضرور لیا تھا اور پھر اس کی آواز میں شناسائی کی جھلک کا سبب بھی واضح ہوگیا تھا لیکن بدنصیبی یہ تھی کہ میں اس کے نام سے واقف نہیں تھا۔

جرائم کی دنیا میں اندر کے کھیل کس قدر ناقابلِ یقین اور لرزہ خیز تھے، اس کا اندازہ مجھے ملک سے باہر نکل کر ہی ہو سکا تھا۔ شی مافیا کی سب سے بڑی اور مضبوط حریف تھی لیکن مافیا والوں نے میلان میں ہوٹل وینی کو اس قدر کامیابی کے ساتھ اپنا خفیہ اڈا بنایا ہوا تھا کہ متوسط درجے کے اس ہوٹل پر کوئی شک تک نہیں کر سکتا تھا بلکہ شی کے سربراہ، جمی لائیڈ کی بیٹی، ڈیرا لائیڈ میلان آکر اسی ہوٹل میں قیام کرتی تھی۔ وہ ایک اوباش فطرت اور فراخ دل لڑکی تھی جو چند لمحوں کی آسودگی سمیٹنے کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتی تھی کیونکہ اس کے باپ نے ڈان مریانو کے روپ میں اس کی تربیت کر کے اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے عزت اور عزتِ نفس کا موہوم سا احساس تک کھرچ کر مٹا دیا تھا اس لیے ہوٹل وینی میں اپنے قیام کے دوران نہ صرف وہ قیام و طعام کے جملہ اخراجات ادا کرتی تھی بلکہ ہوٹل وینی کا ظاہری مالک اس کی خلوتوں میں بھی شریک ہوتا تھا۔ مافیا والے ڈیرا کی ایسی ہر تسخیر کو شی کی شکست سمجھ کر اپنے دلوں کو خوش کرتے رہتے تھے لیکن یہ بات

صرف میں ہی جانتا تھا کہ ویرا کے نزدیک نام بے حقیقت تھے،
وہ تو صرف جسموں اور اداؤں کو پسند کرتی تھی اور جب آگے بڑھتی
تھی تو پیچھے والے جم عفیر کو یکسر بھلا چکی ہوتی تھی کیونکہ ڈان مریانو نے
اس کی تربیت ہی کچھ ایسے کی تھی.
یہ سارے خیالات میرے ذہن میں لمحوں میں گھوم گئے
پھر میں نے ان دونوں کو پستول جیبوں میں رکھتے دیکھا۔ مقامی کا خالی
ہاتھ جیب سے باہر آگیا لیکن ترش رو اطالوی کا ہاتھ جیب میں ہی
پستول کے ٹرائیگر پر موجود رہا تاکہ بوقت ضرورت وہ جیب کے اندر سے ہی
اپنے کسی ممکنہ دشمن پر گولی چلا سکے۔ لمحے بھر کے لیے ان دونوں کی
نظریں چار ہوئیں اور پھر مقامی شخص دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
اس نے چوبی پٹ میں نصب ٹیلی اسکوپک لینس سے آنکھ
لگا کر باہر کا جائزہ لیا اور پھر اچانک ہی ہینڈل گھما کر دروازہ کھول
دیا پھر اس نے غراتے ہوئے آنے والے کو گریبان سے پکڑ کر
اندر کھینچ لیا۔
"ذرا بھی آواز نکالی تو بھیجا اڑا دوں گا۔" مقامی چیف اسے
اندر گھسیٹتے ہوئے غرایا تھا پھر اس نے پھرتی سے دروازہ
بند کر دیا۔
اس کے چنگل میں پھنسا ہوا دس بارہ سال کا وہ کمزور سا
بچہ خوف سے بری طرح لرزنے لگا تھا۔ اس کے حلیے سے
ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ نیچے فاسٹ فوڈ کی کسی دکان پر ملازم رہا ہوگا
یا پھر وہیں مانگ تانگ کر اپنا گزارا کرتا ہوگا۔
"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" مقامی نے اس کے گریبان
کو ایک شدید جھٹکا دے کر سوال کیا۔
"یہ... یہ فلیٹ نمبر سات ہی ہے نا؟" لڑکے نے خوفزدہ
لہجے میں ہکلاتے ہوئے بمشکل سوال کیا۔
"نمبر سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تم یہاں کیوں آئے ہو؟" مقامی
نے غصے کے عالم میں اسے گریبان کے سہارے تقریباً فرش
سے اٹھا ہی لیا اور دوران خون تیز ہونے کی وجہ سے لڑکے کا
چہرہ سرخ ہونے لگا۔
دوبارہ قدم زمین سے لگتے ہی وہ سسک کر رو پڑا۔ "م...
میں شاید غلط فلیٹ میں آگیا ہوں"۔ وہ ہچکیوں اور سسکیوں کے
درمیان بولا۔ "میں نیچے لوگوں کی گاڑیاں صاف کر کے دن بھر
میں دس پندرہ روپے کماتا ہوں۔ ابھی ایک آدمی نے مجھے پچاس
روپے دے کر اوپر بھیجا تھا کہ سات نمبر میں رہنے والے کو نیچے
بلا لاؤں۔ میں بالکل بے قصور ہوں، چاہو تو میرے ساتھ چل کر نیچے معلوم
کر لو۔ پیسے دے کر مجھے بھیجنے والا اب بھی اپنی سفید گاڑی میں
میری واپسی کا انتظار کر رہا ہوگا۔"
میرے لیے وہ صورت حال بہت دلچسپ اور سنسنی خیز
ہوگئی تھی۔ کیونکہ میرے فلیٹ کا نمبر سات نہیں آٹھ تھا جب کہ
مافیا والوں کو سرے سے نمبر کا علم نہیں تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ باہر
دروازوں پر نمایاں نمبر موجود نہ ہونے کی وجہ سے وہ بدنصیب
لڑکا پڑوس کے بجائے غلطی سے میرے فلیٹ کی ڈور بیل بجا
بیٹھا تھا اور اِن درندوں کے ہاتھ لگ گیا تھا جو اپنی لاعلمی کی
بنا پر صحیح صورت حال کا ادراک کرنے سے قاصر تھے اور لامحالہ
یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ لڑکا مجھے بلانے آیا تھا۔
"گاڑی میں وہ اکیلا ہے یا کوئی اور بھی ہے؟" مقامی نے دانت
پیستے ہوئے کہا۔
"اکیلا ہے اور شاید نشے میں ہے کیونکہ اس کے سانسوں
سے شراب کی بو آرہی ہے ورنہ وہ اتنی بے فکری سے ذرا سے
کام کے پچاس روپے نہ دیتا۔" لڑکے نے سہمی سہمی آواز میں
جواب دیا۔
"کار کا نمبر اور رنگ کیا ہے؟" مقامی نے اسے گھورتے
ہوئے پھاڑ کھانے والے لہجے میں سوال کیا۔
"نمبر تو نہیں معلوم۔ سفید رنگ کی کرولا ہے۔ سامنے ہی
کھڑی ہوئی ہے۔"
مقامی نے پوری قوت سے اسے اپنے سفید فام ساتھی کی طرف
دھکیل دیا اور اسے انگریزی میں اختصار کے ساتھ صورت حال
سے آگاہ کرتے ہوئے بولا۔ "تم اسے روکو میں نیچے جا کر دیکھتا ہوں
کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔"
وہ بڑی عجلت میں دروازہ کھول کر باہر نکلا مگر فوراً ہی
اندر آگیا جیسے کچھ یاد آگیا ہو پھر خفت آمیز لہجے میں اطالوی سے بولا۔
"مگر یہ تو آٹھ نمبر فلیٹ ہے، شاید لڑکا دھوکے سے اِدھر
آگیا ہے۔"
"بات بڑھ ہی گئی ہے تو اب تمہیں نیچے جا کر دیکھنا ہوگا،
ورنہ تھوڑی دیر میں محلے والے ہمارا محاصرہ کرلیں گے۔ یہ بات
تمہاری کند کھوپڑی میں پہلے کیوں نہیں آئی!"
سفید فام کے لہجے کی تلخی نے مقامی کو لوکھلا دیا۔ "بس
غلطی ہوگئی ڈان۔ میں ابھی دیکھتا ہوں۔"
میرے لیے وہ تماشا دلچسپ تھا۔ پڑوس میں سات
نمبر والی سے صرف دو بار میرا سامنا ہوا تھا۔ بہت خوب صورت،
نازک اندام اور تیکھے خدوخال والی دوشیزہ تھی لیکن دونوں بار
وہ اکیلی ہی نظر آئی تھی۔ سات نمبر میں کسی مرد کی موجودگی کی کوئی
شہادت دونوں مواقع پر سامنے نہیں آسکی تھی۔ لڑکے کی زبان
سے کرولا والے کی حالت اور اس کے مطالبے کی تفصیل سن کر
میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ کہیں میرے پڑوس میں
رہنے والی عورت کوئی مہنگی کال گرل نہ ہو جو پولیس کے ہتھے

اور سختیوں سے بچنے کے لیے شرفا کے اس علاقے میں پناہ گزین ہوگئی ہو۔ میرا قیاس کہہ رہا تھا کہ سفید کرولا والا اس کا کوئی دلیر خریدار تھا جس نے بکی ہوئی چال کے مظاہرے کو چھپانے کے لیے لڑکے کو ٹپ دے کر اوپر بھیجا تھا لیکن بدقسمتی سے اس کا نشانہ خطا ہوگیا۔

چند منٹ بعد وہ مقامی غصے میں سر جھٹکتا ہوا واپس آیا اور دروازہ بند کرتے ہی سہمے ہوئے لڑکے پر بُری طرح برس پڑا۔

"میں تم جیسے چور اچکوں کو خوب جانتا ہوں۔ نیچے کوئی بھی نہیں تھا۔ میں چاہوں تو اسی وقت تمھیں پولیس کے حوالے کرسکتا ہوں۔"

پولیس کا نام آتے ہی لڑکے کے اوسان خطا ہوگئے اور وہ گھگھیا کر رونے لگا۔ اس نے جیب سے پچاس روپے کا نوٹ نکال کر مقامی کی طرف بڑھادیا۔ "تم یہ نوٹ دیکھ سکتے ہو، میں تو ایک دن میں اتنی رقم کمانے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔ یہ اسی حرامی شرابی نے دیا تھا۔ تم مجھے معاف کردو، میرے باپ کی توبہ جو اب اس بلڈنگ میں دوبارہ قدم رکھوں۔"

"میں تجھے چھوڑ دوں تاکہ تو نیچے جاکر مجھے بدنام کردے۔" مقامی آگے بڑھ کر اس کا کان کھینچتے ہوئے غرّایا۔

"نہیں۔ خدا کی قسم! میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔" وہ کرلایا۔

"دفع ہوجا یہاں سے!" مقامی نے حقارت سے دھکا دیا اور وہ پچاس روپے کا نوٹ اپنی مٹھی میں دبائے اتنی تیزی کے ساتھ فلیٹ سے بھاگا جیسے ملک الموت اس کے تعاقب میں ہو۔

میدان صاف ہوتے ہی مقامی کے چہرے پر خوشامدانہ مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ اطالوی کی مستفسرانہ نگاہوں کے جواب میں خود بخود بولنے لگا۔ "لڑکا سچ بول رہا تھا۔ برابر والے فلیٹ میں سیما نام کی ایک ایئر ہوسٹس رہتی ہے جو اپنے شوہر کی طویل غیر حاضری میں پروفیشنل بن جاتی ہے۔ کرولا والا اسی کے لیے آیا تھا شاید وہ بھی اس کی منتظر ہوگی لیکن میں اس شرابی پر برس پڑا۔ میں نے بتایا کہ سیما اب میری بیوی بن چکی ہے اور جس نے اس پر بری نگاہ ڈالی، اس کی آنتیں گرا دوں گا... وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی کار اسٹارٹ کرکے فرار ہوگیا۔ خواہ مخواہ کی بدمزگی ہوگئی درمیان میں۔ اب اسے بھی باہر بلالوں؟" لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے باتھ روم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا جو میرے ہی بارے میں تھا۔

"پہلے ماسک لگالو۔" اطالوی نے خشک لہجے میں کہا اور میں بے آواز قدموں سے لپک کر تاریک خواب گاہ سے روشن باتھ روم میں آگیا۔ خواب گاہ کی سمت والا دروازہ بند کرتے ہی میں نے خواہ مخواہ فلش چلا دیا۔

چند ثانیوں کے بعد باتھ روم کے دروازے پر دستک ہوئی۔ "اب تم باہر آسکتے ہو۔"

"تھوڑی دیر انتظار کرو۔ تم نے میرے معدے کا ستیاناس کردیا ہے۔ غصے کی حالت میں میرا معدہ بُری طرح اَپ سیٹ ہوجاتا ہے۔ میں فارغ ہوکر آتا ہوں۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا جس پر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں دیا اور میں تھوڑے سے توقف کے بعد دروازہ کھول کر باتھ روم سے باہر آگیا۔

باہر یوں معلوم ہورہا تھا جیسے میری غیر حاضری میں کچھ بھی نہ ہوا ہو۔ ان دونوں کے چہروں پر سیاہ نقابیں چکی تھیں، دونوں اپنے ہاتھوں کی نمائش کررہے تھے۔ افسرانہ ٹھاٹ سے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اور مقامی اپنے ہاتھ میں پستول لیے ہوئے باتھ روم کے دروازے کے قریب کھڑا ہوا تھا۔

"کیا ہوا؟ کون آیا تھا؟" میں نے باہر آتے ہی سادگی سے سوال کیا۔ اس بار میں نے ان کے پستولوں اور ان کی پرزور تاثر کو یکسر نظر انداز کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"اس قدر انجان نہ بنو۔" مقامی نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "آنے والے سے اردو میں ہی گفتگو ہوئی تھی جو تم نے بھی سنی ہوگی۔"

"جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔ اگر وہ تمہارا کوئی آدمی ہوتا تو اس وقت صورتِ حال خاصی ناخوشگوار ہوجاتی۔" اطالوی نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے وہ موضوع ختم کردیا۔

"تم لوگ جس انداز میں میری نگرانی کراتے رہے ہو، اس کے بعد تو میرے کسی آدمی کے آنے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم نے تو میرے ملاقاتی دوست تک کو اس فلیٹ سے نکلوادیا تھا۔" میں نے کہا۔

"اعتماد رفتہ رفتہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک بار ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی سمجھوتا ہوجائے تو تم ہمارے ساتھ کام کرکے خوشی محسوس کروگے۔ ہم دشمنوں کو معاف نہیں کرتے، دوستوں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔" اطالوی کا لہجہ تھا۔ مقامی خاموش تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ میرے ساتھ ہونے والے مذاکرات میں اپنے کردار سے دست بردار ہوگیا ہو۔

"تم نے میری کھوپڑی اُلٹ کر رکھ دی ہے۔" اس بار میں نے ایمانداری کے ساتھ کہا۔ "شی سے میری وفاداری اور بھروسے کی کلید یہی تھی کہ میں شی کو منشیات بلکہ ہیروئن اور اسلحے کی

اسمگلنگ میں ملوث سمجھتا رہا لیکن اب تم بتا رہے ہو کہ شی امریکا کی
سینٹرل انٹیلی جنس ایجنسی کی ایک طاقت ور اور بڑی حد تک خودمختار
شاخ ہے جس کے سربراہ کو براہِ راست صدرِ امریکا تک رسائی حاصل
ہے۔ میں نہیں مان سکتا کہ شی ہیروئن کے فروغ کے بجائے انسداد کے
لیے کام کر رہی ہے۔"
"تم غلط کہہ رہے ہو۔" اس نے سپاٹ لہجے میں مجھے ٹوکا۔
"میں نے یہ نہیں کہا کہ شی صرف انسدادِ منشیات کے لیے کام کر رہی
ہے۔ یہ اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے۔ وہ پاکستان میں ہیروئن کو فروغ
دے رہی ہے تاکہ اس کے عبرتناک اور روح فرسا اثرات اپنی
دہلیزوں، گھروں اور گلیوں میں دیکھ کر یہاں کی رائے عامہ افیون،
اس کی کاشت اور تجارت کرنے والوں کے خلاف بھیانک
حد تک مشتعل ہو جائے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ملک امریکا
میں ہیروئن کی رسد کو روکنے کی سرتوڑ کوشش کر رہی ہے۔ اس
طرح ایک طرف فروغ کا مشن جاری ہے تو دوسری طرف انسداد
کی مہم پورے زور و شور سے چل رہی ہے۔"
"اور تم ہیروئن کے صرف فروغ کے دعوے دار ہو؟" میں نے
الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔
"نہیں!" اطالوی نے اپنے سر کو سختی سے نفی میں جنبش دی۔
"ہم صرف تاجر ہیں جہاں ہیروئن کی کھپت ہے، اسے وہاں پہنچاتا
چاہتے ہیں خریداروں کو ان کی مرضی کا مال دیتے ہیں اور اپنی مرضی
کے دام لیتے ہیں۔ ہمارا یہ کاروبار پیشہ ورانہ بنیادوں اور اصولوں پر
چل رہا ہے۔ یہ جمی لائیڈ جیسے کسی ایک فرد کی اجارہ داری نہیں
ہے بلکہ اس سنڈیکیٹ کے ہر رکن کو اس کی محنت کا پورا صلہ ملتا ہے۔"
"شی والے دوغلے ہیں۔۔" میں نے کہنا چاہا لیکن اُس نے
میری بات کاٹ دی۔
"سب کچھ کہو لیکن انھیں دوغلا نہ کہو۔" وہ بولا۔ "شی میں ہر
قومیت کے لوگ ملازم ہیں لیکن اصل میں وہ ایک امریکی تنظیم ہے
جو اپنے ملک کے مفادات کے لیے کام کر رہی ہے اگر جمی لائیڈ
آنے والے برسوں میں اپنے مشن میں کامیاب رہا تو ہو سکتا
ہے کہ امریکی تاریخ میں اس کا مقام ابراہام لنکن سے بھی اونچا
چلا جائے۔۔ یہ بالکل جنگ کی سی صورتِ حال ہے۔ شی والے
امریکیوں کے ہیرو ہیں اور اس قوم کے غدار جسے شی کی کوششوں
سے کسی بھی قسم کا نقصان پہنچ رہا ہے۔ ان کا اپنا ایک ٹارگٹ
ہے جسے وہ ہر قیمت پر حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف
ہیں۔ انھیں دوغلا نہیں کہا جا سکتا۔ مصلحتوں کی خاطر اس سے بھی
زیادہ گندے کھیل کھیلنے پڑ جاتے ہیں۔"
"مجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" میں نے حیرت
سے کہا۔ "چند ثانیوں قبل شی میں کیڑے نکال رہے تھے اور اب اس
کی حمایت میں الفاظ کے دریا بہانے پر تُلے ہوئے ہو۔"
"دُشمن پر غالب آنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس کی
خامیوں کے ساتھ ساتھ اس کی خوبیوں پر بھی نگاہ رکھی جائے۔
میں تمھیں صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ شی والے کٹر اور محبِ وطن
امریکی ہیں جو ہر قیمت پر اپنے مفادات کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں۔ اس
مقصد کے حصول کے لیے ان کے نزدیک سب کچھ جائز ہے لیکن
خرابی یہ ہے کہ اپنی سرگرمیوں سے انھوں نے مافیا جیسی پیشہ ور
اور روایتی تنظیم کی جڑوں پر کاری ضرب لگائی ہے اس لیے ہم
ان سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔"
"جمی لائیڈ کو ٹھکانے لگا دو، آج ہی شی کا شیرازہ بکھر جائے گا۔"
وہ شاید زیرِ نقاب تلخ انداز میں ہنسا تھا۔ "ہمیں شی کے
طریقِ کار پر عمل کرنے کا مشورہ نہ دو۔ یہ ان کا وتیرہ ہے کہ جو ان کی
راہ میں رکاوٹ بنتا ہے اسے جہنم واصل کرا دیتے ہیں لیکن ہم بے مقصد
خوں ریزی سے گریز کرتے ہیں۔ اگر خون گرائے بغیر مقصد حاصل ہونے
کی امید ہو تو ہم صبر آزما انتظار بھی کر لیتے ہیں۔ ہم ان کو اپنے طریقوں
سے برباد کریں گے۔ پھر تم یہ بھی بھول رہے ہو کہ شاید تم
خود تو جمی لائیڈ کی اصلیت سے واقف ہو، اس کی لاش دیکھ کر اس
کی موت کا یقین کر سکتے ہو لیکن شی والوں کے لیے وہ محض ایک
نام اور ایک آواز ہے۔ وہ مارا بھی گیا تو سی آئی اے اپنے کسی اور
ہرکارے کو اس کی جگہ مامور کر دے گی۔ شی میں کسی کے فرشتوں کو بھی
معلوم نہ ہو سکے گا کہ ان کا سربراہ مارا گیا۔ نیا آدمی جمی لائیڈ کے ہی نام
سے پورا دھندا چلاتا رہے گا۔ اسے اس کے لوگوں کے سامنے
بے نقاب کیے بغیر ہلاک کرنا بالکل بے سود ہوگا۔"
"لیکن مجھے تمھارا ساتھ دینے کی کیا ضرورت پیش آ سکتی ہے؟"
میں نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔
"سب سے پہلے تمھاری اپنی بقا کا مسئلہ ہے۔ میں بتا چکا
ہوں کہ کالے دھندوں میں اپنی مرضی سے شریک اور شامل ہونا
آسان ہوتا ہے لیکن کنارہ کشی آسان نہیں ہوتی۔ تم اکیلے ہو اور شی
ایک وسیع تنظیم ہے۔ وہ جلد یا بدیر تمھیں ڈھونڈ کر موت کے گھاٹ
اتار دیں گے اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ اب تم ہمارے آدمی ہو
گئے ہو تو وہ دیدہ و دانستہ مافیا سے براہِ راست ٹکرانے کی
حماقت نہیں کریں گے۔ پھر میں نے محسوس کیا ہے کہ تمھیں شی
کے عالمی پروگرام سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ تم صرف اتنا چاہتے
ہو کہ تمھارے ملک میں ہیروئن کی تجارت روک دی جائے۔ شی
امریکی زرِ تلافی کے سہارے چلنے والا بلکہ پلنے والا ادارہ ہے اس
لیے وہ تو چاہیں گے کہ پاکستان اور افغانستان کی دشوار گزار سرحدی
پٹی میں پیدا ہونے والی ساری ہیروئن کی کھپت یہیں پیدا ہو جائے
تاکہ اس زہر سے ان ملکوں کے لوگ اور ان کا معاشرہ محفوظ ہو جائے

مگر ہم پیشہ ور کاروباری لوگ ہیں ہم ہر جنس کو بہتر سے بہتر منڈی میں اچھے داموں پہ بیچنا چاہتے ہیں اس لیے ہماری پوری کوشش ہوگی کہ پاکستان کی منڈی میں ایک گرام ہیروئن بھی ضائع نہ ہو کیوں کہ یہاں کے لوگ مفلس ہیں۔ ان میں ہیروئن کوڑیوں کے مول بیچنی پڑتی ہے یہی مقداریں امریکا یورپ اور برطانیہ میں بیچی جائیں تو کاروبار کا صحیح لطف آتا ہے۔ ہمارے ہاتھ مضبوط کرکے ایک طرح سے تم اپنے ملک کی خدمت بھی کر سکو گے ہو سکتا ہے کہ قحط کی وجہ سے ہیروئن کے عادی دو چار سو یا ہزار آدمی سسک سسک کر مر جائیں لیکن آنے والے چند سالوں میں یہاں کے لوگ ہیروئن کا نام تک بھول سکتے ہیں۔"

اس کی ہر بات میں وزن تھا۔ شی کے کردار اور طریق کار کے بارے میں اس نے جو منظر کھینچا تھا اس کے لیے مضبوط دلائل بھی دیے تھے۔ اس جدید دور میں جب مواصلاتی ترقیوں نے پیچیدہ رازوں کو بھی کھلی کتاب بنا کر رکھ دیا تھا، یہ سمجھنا ناقابل فہم تھا کہ جمی لائیڈ ایک طرف بحری مواصلات کی دنیا کا بے تاج بادشاہ ہوتے ہوئے مغربی معاشرے میں ایک معزز مقام کا حامل تھا تو دوسری طرف شی جیسی خونریز تنظیم کی سربراہی بھی کر رہا تھا اور کسی کو گمان بھی نہیں تھا کہ وہ ایک ہی شخصیت کے دو بھروپ تھے۔ اپنے اس بھروپ کو برقرار رکھنے کے لیے اسے یقیناً سی آئی اے اور دوسرے متعلقہ اداروں کا بھرپور تعاون حاصل تھا تاکہ وہ ہیروئن کے دشوار گزار پیداواری ٹھکانوں سے بھاری مقداریں براؤن شوگر خرید کر زیادہ سے زیادہ مقدار میں مقامی شہروں اور دیہاتوں میں پھیلاتا رہے، باقی مقدار کا بیشتر حصہ براہ راست یا کسی نگراں ادارے کے ذریعے ضائع کر دے اور تھوڑی بہت مقداریں بھاری ملاوٹ کر کے اسے امریکا کی زیر زمین دنیا میں پہنچاتا رہے تاکہ وہاں اچانک قحط پڑنے کی وجہ سے نشے بازوں کو کسی بڑی تبدیلی کا ادراک نہ ہو سکے اس دوران نہ صرف اس کے گماشتے بلکہ خود اس کی بیٹی ویرا لائیڈ بھی سر بہ فلک پہاڑوں کے درمیان واقع ہیروئن کشید کرنے والے کارخانوں کے بارے میں ٹھوس اور چشم دید معلومات حاصل کرتی رہی۔ اطالوی نژاد ڈان بھری یہ بھی بتا چکا تھا کہ امریکی معاشرے کے لیے ہیروئن ایک ایسا چیلنج بن چکی ہے کہ اس کے انسداد کے لیے سی آئی اے جیسی رسوائے زمانہ ایجنسی کے علاوہ پینٹاگون اور ناسا کی خدمات بھی حاصل کر لی گئی تھیں جنھوں نے زمین کے گرد مدار پر جاسوسی کے بھرپور آلات سے لیس ایک ایسا مواصلاتی سیارہ بھیجا ہوا تھا جو زمین کے ساتھ اپنے مدار پہ ایک ایسی رفتار سے گھوم رہا تھا کہ علاقہ خیبر کے پہاڑوں پر ٹھہرا ہوا تھا۔

امن کے نام پر دنیا میں مہلک ترین ہتھیاروں کی ایجاد اور ترقی کا کاروبار شرمناک ڈھٹائی کے ساتھ عروج پر تھا روز بہ روز نت نئی روح فرسا ایجادات کی خبریں چلی آ رہی تھیں وسائل کو ذرا بھی نقصان پہنچائے بغیر سیکڑوں مربع میل کے علاقے میں زندگی کو اچانک موت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دینے والے بم بنا لیے گئے تھے تاکہ فاتح قوم اپنے مفتوحین کی لاشیں بلڈوزروں سے سمندر یا اجتماعی قبروں میں دھکیل کر ان کے سجے سجائے گھروں، شہروں، بازاروں اور تفریح گاہوں کو استعمال کر سکیں۔ چلتے ہوئے ٹیلی وژن پر اپنی فتح کے ترانے سن سکیں گرم چولہوں پر اپنی پسند کے کھانے پکا سکیں۔

ان میں بہتیرے ہتھیار ایسے تھے جن کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا تھا کہ وہ خلا سے زمینی نشانوں کو تہس نہس کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے عملی مظاہرے نہیں کیے گئے تھے لیکن دنیا کو ہر لمحے سہمائے رکھنے والے سورماؤں نے تفریحی ذرائع اور فلموں کا سہارا لے کر پورے کرۂ ارض پر لوگوں کو ان امکانات کی ایک جھلک دکھانے کے سامان پیدا کر لیے تھے جو ان سے کھلی کھلی سرکشی کا لازمی نتیجہ ثابت ہو سکتے تھے اور پھر ان تمام ہتھیاروں سے بڑھ کر لیزر شعاعوں پر مسلسل تحقیق ہو رہی تھی۔ زندگی کو نیست و نابود کرنے کے ہر شیطانی منصوبے پر انعام یافتہ خطاب یافتہ مگر اخلاق باختہ محقق شب و روز اپنی شیطانی کھوپڑیوں کا زہریلا عرق ٹپکا رہے تھے۔

مجھے معلوم تھا کہ کچھ عرصے قبل امریکی حکومت نے انسداد منشیات کے ایک ہمہ گیر پروگرام کے تحت صوابی کی زرخیز تحصیل سمیت پورے سرحدی علاقے کے لیے خطیر مالی امداد دی تھی۔ افیم کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو آگ لگا دی گئی، جہاں آگ نہ لگائی جا سکی وہاں ہیلی کاپٹروں سے فصلوں کو برباد کرنے والی دوائیں چھڑکی گئیں۔ اس نقصان کے ازالے کے لیے ملنے والی امداد جب درجہ بدرجہ سکڑتی ہوئی متاثرین کے ہاتھوں میں پہنچی تو اونٹ کی جگہ زیرہ دیکھ کر وہ مشتعل ہو گئے انھیں احساس ہوا کہ انھیں فریب دے کر ان کے اثاثے برباد کر دیے گئے ہیں لہٰذا وہ بھی ان سرکشوں کے ہم نوا بن گئے جنھوں نے نہ کسی کو اپنی زمین پر قدم رکھنے دیا تھا نہ اپنی فضاؤں میں اڑنے کی اجازت دی تھی اس طرح رضاکارانہ تعاون سے افیم کی بیخ کنی کا وہ منصوبہ رحم مادر میں ہی موت سے ہمکنار ہو گیا تھا۔

لیکن وہ ایک عارضی ناکامی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وسیع اور زرخیز علاقے نظروں میں آ چکے تھے ان کے بارے میں معلومات اکٹھی کی جا رہی تھیں۔ وقتی طور پر شی ہیروئن کی اسمگلنگ کو بہتر حکمت عملی سے کنٹرول کر رہی تھی لیکن وہ سب سدا یوں ہی نہیں چل سکتا تھا۔ خلا میں اڑنے والے سیارے اور پہاڑوں

ہیں فیاضی سے اپنے حسن کی خیرات بانٹتی پھرنے والی دریا سے ملی ہوئی معلومات کو یکجا کر کے جلد یا بدیر اس ہولناک منصوبے پر کام شروع کیا جانے والا تھا جس کی نشاندہی ڈان تھری کر چکا تھا۔

افیم کے کھیتوں اور بیجوں کو برباد کر دیا جاتا، اس فصل کے منڈی کاشتکاروں کو تہس نہس کر دیا جاتا۔ زمینیں بنجر ہو جاتیں اور یوں ہزاروں میل دور اور سات سمندر پار سفاکانہ کارروائی کر کے امریکی معاشرے کو ہیروئن کے عفریت سے بچا لیا جاتا۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے امریکی اس خطۂ زمین کی مراعات یافتہ قوم ہو جس کے مفادات کی بنیادوں کو اپنے لہو سے سینچنا ہر قوم کی پیدائشی ذمے داری ہو۔ اس ذمے داری سے انحراف کرنے والوں کو امریکی حکمراں اپنے خفیہ اداروں کے سہارے جابجا عبرت ناک نمونے بنا چکے تھے اور نہ جانے اس وقت بھی دُنیا میں کہاں کہاں ان کے پروردہ، لہو کے پیاسے اپنے شکار کی گھات لگائے بیٹھے تھے۔

شمالی پہاڑوں پر خلا میں میلوں اوپر ٹھہرے ہوئے مواصلاتی سیارے کی بات بھی دل کو لگتی تھی کیونکہ افیم کے انسداد سے وابستہ مفادات سے قطعِ نظر امریکا ان دنوں افغانستان کی سرزمین پر روس کے خلاف بالواسطہ ایک بڑی جنگ لڑ رہا تھا۔ اس کے حمایت یافتہ گوریلا لڑاکوں کی سپلائی لائن کا انحصار ہمارے ان ہی شمالی پہاڑوں پر گزرنے والے راستوں اور دَرّوں پر تھا۔ اس طرف ہونے والی ذرا سی بھی گڑبڑ جنگ کا پانسا پلٹ سکتی تھی۔ اس لیے وہاں کی پل پل کی خبر رکھنے کے لیے بھی خلا سے نگہبانی ناگزیر ہو گئی تھی۔

شاید شی عالمی سیاست اور امریکی مفادات سے تھرتھری ہوئی ایک متعفن تنظیم تھی جو ہر قیمت پر اپنے مفادات حاصل کرنے پر تُلی ہوئی تھی۔ وہ کہیں بھی، اپنے کسی بھی حریف کا گلا کاٹنے کے لیے تیار رہتے تھے بعض جگہ ان کے وسائل مقامی حکومتوں سے بھی برتر تھے۔ میں خود دیکھ چکا تھا کہ وہ ایم ٹی تھری ہنڈرڈ جیسا طاقت ور ٹرانسیمٹر پاکستان میں طویل رابطوں کے لیے استعمال کرتے تھے جب کہ مجھے پورا یقین تھا کہ ایسے طاقت ور لاسلکی آلات پاکستان کے شہری ادارے تو کجا، شاید دفاعی اداروں کے پاس بھی نہیں تھے۔

ان کرائے کے قاتلوں کے مقابلے میں مافیا واقعی ایک مہذب تنظیم نظر آتی تھی جو اپنی قوت کے لیے کہیں کہیں مقامی سیاست میں ضرور ملوث ہو سکتی تھی لیکن بنیادی طور پر سیاست زدہ نہیں تھی۔ انھیں دنیا کے کسی نشے سے نفرت نہیں تھی۔ اگر دوا ساز کارخانوں میں بننے والی منشیات اور شراب کی پیداوار جاری تھی تو ان کے خیال میں ہیروئن کی کشید پر بھی کوئی قدغن نہیں ہونی چاہیے تھی ان کا مفاد اس میں تھا کہ پاکستان، افغانستان، برما اور بھارت جیسے غریب ملک افیم سے سستے داموں ہیروئن کشید کرتے رہیں جسے مافیا والے آسودہ حال مغربی اور امریکی منڈیوں میں اپنے مُنہ مانگے داموں پر فروخت کر سکیں۔ ڈان تھری نے بتا دیا تھا کہ مافیا بے مقصد خونریزی پر یقین نہیں رکھتی تھی کیونکہ وہ زیرِ زمین دُنیا میں ہمیشہ اپنی برتری قائم رکھنے کے خواہاں تھے، یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ آج جس سے تصادم ہو جائے، کل کسی مصلحت یا ضرورت کے تحت اسے دوست بھی بنانا پڑ جاتا ہے۔ مافیا کے ماضی کی ایک تاریخ تھی جس کے سہارے وہ اپنے مفہوم میں ایک تابناک مستقبل کے حصول کے لیے جدوجہد کر رہے تھے اس کے برعکس شی کے مفاد قلیل المیعاد تھے۔ ڈان تھری کے بیان کے مطابق ان کا مشن بہت زیادہ محدود تھا۔ جس دن پاکستان کی جغرافیائی حدود میں افیم کا ہر پودا تباہ کر دیا جاتا اور زرخیز زمین کا ہر انچ بانجھ کر دیا جاتا اس دن شی کا مقصد پورا ہو جاتا اور شاید وہ تنظیم توڑ دی جاتی یا شاید سی آئی اے کی کسی شاخ میں مدغم کر دی جاتی تاکہ ان لوگوں کے ہنر، تجربے اور پیشہ ورانہ مہارت سے دوسرے شعبوں میں فائدہ اُٹھایا جاتا۔

میں بہت تیزی کے ساتھ سوچ رہا تھا۔ قلم بند کرتے ہوئے شاید یہ تقریر بہت زیادہ طویل ہو گئی ہو لیکن اُس وقت یہ سب کچھ میرے طلسمِ خیال میں لمحوں میں آیا اور گزر گیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" ڈان تھری نے مجھے خاموش پا کر ٹوکا۔ "تم شی میں لوٹنا چاہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ اب تم شی کے کارکن رہ سکتے ہو یا ہمارے۔ اس کے درمیان کی ہر صورت تمھاری زندگی کو جہنم بنا دے گی۔ ہم اپنے حریفوں کو ان کی اتجاؤں کے باوجود نہیں مارتے۔ انھیں زندہ رکھ کر اس طرح سسکاتے رہتے ہیں کہ وہ زندگی سے نفرت اور موت سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ میں تمھیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ہم بے مقصد خونریزی پر یقین نہیں رکھتے۔ جسے مارتے ہیں بہت سوچ سمجھ کر اور کسی ناگزیر ضرورت کے تحت مارتے ہیں۔ ہمارا شیوہ شی والوں جیسا نہیں ہے جو بس اپنے ہر حریف کو موت کی نیند سلانے پر تُلے رہتے ہیں۔"

"تمھارے دلائل مضبوط اور ارادے مستحکم ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مجھے تمھارا ہم نوا بننا پڑے گا۔ مجھے یہ سوچ کر ہی دلی صدمہ ہو رہا ہے کہ ایک طویل مدت تک شی کے لیے کام کرنے کے باوجود میں ان کے حقیقی عزائم کو نہیں سمجھ سکا...!"

"جہاں تنظیم کے بجائے وَن مین شو ہو، وہاں یہی ہوتا ہے پالیسی کے بجائے مقتدرِ اعلیٰ کے دماغ میں ابھرنے والا ہر خیال آرڈر آف دی ڈے بن جاتا ہے لیکن مافیا ایک روایتی تنظیم ہے جس کے اپنے اسرار و رموز ہیں لیکن اس کے باوجود ساری دنیا جانتی ہے کہ مافیا جرائم اور منشیات کے فروغ سے اپنے کارکنوں

کو بیش بہا روزی فراہم کرتی ہے۔ جو لوگ مافیا کے لیے کام کر کے شاہوں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں، انھیں آج فارغ کر دیا جائے تو وہ اپنے لیے دو وقت کی روٹی بھی مشکل سے کما سکیں گے۔"

"اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ تم اپنے کارکنوں کو برباد کر رہے ہو یعنی چھوڑ کر تو وہ زندہ بھی نہ رہ سکیں گے۔۔۔"

اس نے بڑی متانت سے میری بات کاٹ دی "کسی بھی مزدور، ملازم یا ماتحت سے کام لینے کے دو ہی طریقے ہیں اچھی کارکردگی پر جزا اور خراب کارکردگی پر سزا۔ ہم نے اس سے ہٹ کر ایک نیا اصول وضع کیا ہے جو شاید تھوڑے ہی عرصے بعد نصابی کتابوں میں شامل کر لیا جائے گا۔ ہماری صفوں میں نااہل آدمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں، جو اہل ہوتے ہیں، انھیں ہم ان کی اہلیت اور صلاحیت سے بڑھ کر معاوضے اور مراعات دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا فطری جال ہے جس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ ہمارے کارکن ساری عمر ہمارے لیے کام کرتے رہتے ہیں۔ انھیں بھول کر بھی کہیں اور جانے کا خیال نہیں آتا۔ میرا خیال ہے، ہم سے سمجھوتا کر کے تم خسارے میں نہیں رہو گے۔"

"اصولی طور پر میں تم سے متفق ہوں لیکن پھر بھی مجھے فیصلہ کرنے کے لیے کچھ مہلت درکار ہے۔ میں کافی عرصے سے اپنے طور پر من مانی کارروائیاں کرتا رہا ہوں۔ مجھے سوچنا پڑے گا کہ تمھارے ڈسپلن کو میں کس حد تک قبول کر سکوں گا۔ صرف میری وجہ سے تم اپنے ضابطے نہیں بدل سکتے اور نہ ان کی خلاف ورزی برداشت کرنا چاہو گے۔"

"یہ بنیادی بات ہے۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "مافیا ڈسپلن کا دوسرا نام ہے اگر مجھے حکم دے دیا جائے تو میں ہر روز بڑی خوشی سے کسی خارش زدہ کتے کو بھی گڈ مارننگ کہنا شروع کر دوں گا۔ یہ نکتہ ذہن میں رکھنا کہ اگر تم ہم میں شامل ہوئے تو تمھیں کامٹ کی بالادستی کو تسلیم کرنا ہوگا اور یہی تمھارا پہلا باس ہوگا۔"

"یہ میں سمجھ چکا ہوں۔" میں نے نرم لہجے میں کہتے ہوئے اچانک ہی موضوع بدل دیا "کراچی میں آج کل شی کا سربراہ کون ہے؟"

اطالوی نژاد نے اپنا نقاب سے ڈھکا ہوا چہرہ مقامی کی طرف گھمایا جیسے میرے سوال کا جواب اس سے سننا چاہ رہا ہو۔ اس کا عندیہ سمجھتے ہی کامٹ کی زبان چل پڑی "کراچی میں شی کا کام بہت محدود ہو گیا ہے۔ اندازہ ہے کہ دلدار آغا ہی ان معاملات کی دیکھ بھال کر رہا ہے جہاں نفری کم ہو وہاں اندر کی باتیں معلوم کرنا ذرا دشوار ہی ثابت ہوتا ہے۔"

"لیکن دلدار آغا تو شہر کا ایک معزز آدمی ہے۔ میں نے پہلے کبھی جرائم کے سلسلے میں اس کا نام نہیں سنا تھا۔ ایک نئے آدمی کو براہ راست اتنی بڑی ذمے داری تو نہیں سونپی جا سکتی!" میں نے بظاہر حیرت سے کہا

"اپنی معلومات پر اتنا ناز کرنا اچھا نہیں۔" مقامی کا لہجہ قدرے طنزیہ ہو گیا۔ "تم میرے بارے میں بھی یہ کہہ سکتے ہو کہ تم نے کبھی میری آواز نہیں سنی پھر چہرہ دیکھ کر یہ بھی کہو گے کہ میں اپنی لائن میں اہم ہونے کے باوجود اپنے کراچی بیورو کا چیف کیسے ہو گیا۔ تم کافی عرصہ باہر رہے ہو اس دوران میں یہاں بہت تیزی کے ساتھ تبدیلیاں آئی ہیں پھر ویسے بھی تمھارا واسطہ ایک مخصوص لائن کے لوگوں سے تھا۔ پوری زیرِ زمین دنیا سے تم کبھی واقف نہیں رہے ہو گے۔"

"شاید تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ دلدار آغا پرانا پاپی ہے۔" میں نے مضحکہ خیز لہجے میں ترکی بہ ترکی سوال کیا۔

"تم ایک دوسرے کے ساتھ تلخ ہونے کی کوشش مت کرو۔" ڈان تھری نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ وہ گفتگو خاصی توجہ سے سن رہا تھا۔

"دلدار آغا ایک ائیر لائن میں اسٹیورڈ تھا۔" کامٹ نے فوراً ہی سنبھالا لے لیا۔ "اپنی نوکری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے ہیر پھیر کے کام شروع کیے جس کے نتیجے میں اس کے پاس اچانک ہی بے تحاشا پیسہ آ گیا اور اس نے دوائیں بنانے کی ایک فیکٹری کھول لی۔ وہ کبھی کھل کر میدان میں نہیں آیا تھا لیکن شاید نادانستگی میں وہ شی والوں سے جا ٹکرایا اور ان ہی کی مدد سے اس نے اپنی خطیر دولت حاصل کی تھی اس لیے جب یہاں شی کے پیر اکھڑنے لگے تو انھوں نے اپنا کام سمیٹ کر دلدار آغا کو اس کا نگراں مقرر کر دیا۔ وہ اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ان کے لیے کام کرنے پر مجبور ہے اور شی کے معاملات میں کبھی کبھار اسی کا نام سننے میں آتا رہا ہے مگر اس نے اپنی فیکٹری بند نہیں کی ہے۔"

"اور شی میں ہی ڈی ڈی بھی کوئی نام ہے۔" میں نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"یہ نام بھی سنا ہوا ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد بوجھل آواز میں بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ دلدار کا باس ہو۔"

یہی ایک نکتہ ایسا تھا جس پر اس کی رائے معلوم کرنے کے لیے میں نے اس سے شی کے بارے میں گفتگو شروع کی تھی۔ انھیں شی سے دلدار آغا کی وابستگی کا علم ضرور تھا لیکن وہ تنظیمی ڈھانچے میں اس کی اہمیت سے بے خبر تھے۔ پھر میں نے کامٹ سے وہ اگلا سوال بھی دریافت کر لیا جو میری رائے میں اہم تھا۔ "دلدار آغا اپنی دوا ساز فیکٹری کی آڑ میں تو ہیروئن کا کوئی چکر نہیں چلا رہا؟"

"اس کا کھوج لگانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ وہ فیکٹری اس نے معاشرے میں اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے قائم کی تھی اس لیے یہ امکان نظر نہیں آتا کہ اس نے فیکٹری کو بھی کسی کالے دھندے میں ملوث کیا ہوگا۔ اس پر کبھی برا وقت آیا تو وہ فیکٹری والے کاروبار کے سہارے خود کو بچانے کی کوشش کر سکے گا مگر

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تمھاری سابقہ محبوبہ یک بیک اس کی بیوی کیسے بن بیٹھی؟"

دلدار آغا کے بارے میں اس کی معلومات ادھوری تھیں۔ اسی طرح عزالہ کے بارے میں بھی اسے مکمل معلومات حاصل نہیں تھیں۔ اس لیے میں نے اپنے طور پر اس میں کوئی اضافہ نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"آدمی نجانے کس کس سے ملتا ہے۔ زندگی کے طویل سفر میں بہتیرے حسین چہرے آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کون کہاں آشیانہ بناتا ہے، یہ کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔ عزالہ کے علاوہ بھی اس شہر میں کئی لڑکیاں ہیں جن سے میری گہری شناسائی رہی تھی اور آج وہ اپنے گھر بسائے بیٹھی ہیں۔ اس معاملے میں میں پیچھے پلٹ کر دیکھنے کا عادی نہیں ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے سرسری لہجے میں کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ڈان تھری سنجیدہ لہجے میں بولا۔ شاید اس معاملے میں وہ بھی کوئی چوٹ کھا چکا تھا۔ "وقت بہت ظالم ہوتا ہے جو گزر جاتا ہے اور پھر لوٹ کر نہیں آتا۔ آج کی خوشیاں اور رنگینیاں کل صرف ایک سہانا خواب بن کر رہ جاتی ہیں۔ اپنا وہی ہوتا ہے جسے پوری طرح اپنا لیا جائے۔ ماضی کے بارے میں زیادہ سوچ کر پچھتاووں کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔"

میں نے اس کی رائے پر کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور تائیدی انداز میں سر ہلا کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔ اس بار ان دونوں نے مجھے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالنے سے نہیں روکا تھا۔ دورانِ گفتگو ڈان تھری نے اپنا پستول واپس جیب میں ڈال لیا تھا جب کہ کامٹ کے پستول کی نال فرش کی طرف جھکی ہوئی تھی۔

"پھر تمھارا کیا فیصلہ ہے؟" آخر کار کامٹ نے ہی کمرے میں چھایا ہوا سکوت توڑا۔

"اصولی طور پر میں تم سے متفق ہوں لیکن ہماری اگلی ملاقات ناگزیر ہے۔ میں عجلت میں کوئی فیصلہ کرکے اس سے پھرنا نہیں چاہتا۔ مجھے ہر پہلو پر غور کرنے کے لیے کچھ وقت درکار ہے۔" میں نے پھر اپنی بات دہرائی۔

"میرے پاس بہت کم وقت ہے۔" ڈان تھری نے کہا... "تمھارا معاملہ میں یورپ واپس جانے سے پہلے اپنی موجودگی میں طے کرنا چاہتا ہوں۔ تم کب تک کا وقت لینا چاہتے ہو؟"

سلطان شاہ جاز فارماسیوٹیکل کی راہ پر لگا ہوا تھا... مجھے سکندر بخت کی فکر تھی اور پھر میں جہانگیر سے بھی کچھ مشورے لینا چاہتا تھا جس کے لیے مجھے کم از کم اگلا دن درکار تھا۔ اس لیے میں نے اسے تیسرے روز شام کا وقت بتا دیا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ بولا۔ "پرسوں رات آٹھ بجے کامٹ تم سے فون پر رابطہ قائم کرے گا۔"

"یہ نقابیں اور اشاراتی نام کب تک ہمارے درمیان حائل رہیں گے؟" میں نے بے بسی سے سوال کیا۔

ڈان پہلی بار مختصر سی ہنسی ہنسا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی بھوکا بھیڑیا اپنے شکار کو اپنے سامنے دیکھ کر خوشی سے غرایا ہو۔ "یہ پردے فیصلہ ہونے تک قائم رہیں گے لیکن مجھ سے تمھارا جتنا تعارف ہوچکا ہے اس سے زیادہ نہیں ہوسکے گا۔ شاید کچھ عرصے بعد تم مجھ سے دوبدو ملاقات کرسکو مگر فی الحال یہ ضروری ہے۔"

"جہاں مجبوری ہے.... وہاں میں اصرار نہیں کرسکتا۔ ویسے یورپ سے تمھاری مراد شاید سسلی سے تھی؟"

"روایتی طور پر اٹلی کو مافیا کا پیدائشی وطن اور سسلی کو مافیا کا شہر کہا جاتا ہے۔ روایتی طور پر آج بھی سسلی ہی ہمارا ہیڈ کوارٹر ہے لیکن عملاً ہم دنیا کے ہر اہم مرکز میں مقامی سطح پر اہم فیصلے کرنے کے قابل ہیں۔" اس نے اپنی منزل کی نشاندہی کیے بغیر بہت خوب صورتی کے ساتھ میرا سوال ٹال دیا۔

"لیکن شی والوں نے حال ہی میں اپنا ہیڈ کوارٹر روم سے وینس منتقل کرلیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مافیا کی طرح شی کی پیدائش بھی اٹلی میں ہی ہوئی ہے۔" میں نے شوشا چھوڑا۔

"یہ نئی خبر ہے۔" ڈان تھری کے لہجے میں اشتیاق ابھر آیا۔ "ویسے تو جمی لائیڈ کے تمام دفاتر بدستور روم میں کام کر رہے ہیں۔"

"شی کا ہیڈ کوارٹر وہاں ہوتا ہے جہاں جمی لائیڈ موجود ہوتا ہے اور آج کل وہ وینس میں ہے جہاں شاید سمندری نہروں اور راستوں کی وجہ سے وہ خود کو زیادہ محفوظ تصور کر رہا ہو گا۔ میلان میں اگر میں کھل کر سامنے نہ آیا ہوتا تو شاید پاکستان واپس لوٹنے کے بجائے وینس ہی کا رخ کرتا۔ ویسے بھی مجھے سمندر میں آباد وہ شہر دیکھنے کی آرزو ہے۔"

"تم جانتے ہو کہ چھوٹے موٹے لوگوں کے مقابلے میں منظم طور پر کام کرنے والے بلاوجہ کسی سے نہیں الجھتے۔ ہم بھی شی سے ٹکرانا نہیں چاہتے۔ اس طرح ہم غیر ضروری طور پر اپنے چند مضبوط حریف پیدا کرلیں گے لیکن ان کے ساتھ تمھارا تجربہ ہمارے لیے کارآمد ثابت ہوگا۔ ہم اپنی حکمتِ عملی سے ہیروئن کی مارکیٹ میں انھیں بالکل مفلوج کردینا چاہتے ہیں۔" اس نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔ میری زبان سے شی کا ذکر سنتے ہی وہ رک کر مجھ سے زیادہ سے زیادہ معلومات اگلوانے کے چکر میں پڑ گیا تھا۔

"مگر یہ سب اسی وقت ہوگا جب ہم میں معاہدہ ہوجائے۔" میں نے مسکراتے ہوئے خندہ پیشانی سے کہا اور وہ میرا مقصد سمجھ کر فوراً اٹھ گیا اور اس نے پہلی بار میری طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا جسے اپنے ہاتھ میں لیتے ہی میں چونک پڑا کیونکہ وہ اس کی شخصیت اور پہناوے کے برعکس بہت نرم تھا جیسے اس

میں مدّی ہی نہ ہو۔ میرے لیے وہ ہاتھ عجیب ہی نہیں تھا بلکہ اس کا لمس بھی طبیعت میں ناقابلِ بیان غیر فطری احساس پیدا کرنے کا سبب بن گیا تھا لیکن اس بارے میں میں اخلاقاً اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا اور اس نے گرمجوشی سے ہاتھ ملانے کے بعد اپنا ہاتھ نیچے گرا لیا۔

میں فلیٹ کا دروازہ کھول کر ان دونوں کو رخصت کرنا چاہ رہا تھا لیکن ڈان تھری نے مجھے وہیں رکے رہنے کے لیے کہا۔ بند دروازے کے سامنے وہ دونوں چند ثانیوں کے لیے رکے، ان کی پشت میری جانب تھی وہاں انھوں نے چٹکیوں سے اپنے سیاہ نقاب اُتار کر اپنی جیبوں میں اُڑسے اور پھر مڑ کر میری طرف دیکھے بغیر دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔ اپنی دانست میں انھوں نے اپنے چہرے مجھ سے پوشیدہ رکھنے کی کامیاب کوشش کی تھی مگر وہ باتھ روم کے دُہرے دروازے کے راز سے بے خبر تھے جس کے طفیل میں تاریک خواب گاہ میں داخل ہو کر انھیں فلیٹ پر آنے والے لڑکے کے سامنے بے نقاب دیکھ چکا تھا۔

ان دونوں سے میری ملاقات خاصی تسلی بخش رہی تھی۔ میرے بارے میں ان کی معلومات قابلِ رشک اور طریقِ کار بالکل بے داغ تھا جس سے مرعوب نہ ہونا ناممکن تھا لیکن دوسری طرف شی کے بارے میں ان کی معلومات میں دُہرا پیمانہ نظر آیا تھا۔ ایک طرف وہ عالمی پیمانے پر شی کی جڑوں میں اُترے ہوئے تھے، اس کے مقاصد کے بارے میں دلائل کے ساتھ اپنے نظریات بھی رکھتے تھے لیکن کراچی میں شی کی تنظیم کے بارے میں کامٹ کی معلومات سطحی نوعیت کی تھیں۔ دلدار آغا کی ذات سے آگے وہ بالکل بے خبر تھا۔ اگران کے آدمی نے شیراڈ کی ڈکی میں چھپ کر میرے ساتھ شاہ باغ تک سفر نہ کیا ہوتا تو شاید کامٹ کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو پاتا کہ ملیر کے مضافات میں واقع شاہ باغ دلدار کی ملکیت تھا۔ تیسری اہم بات یہ تھی کہ غزالہ سے میری گہری جذباتی وابستگی سے وہ یکسر لاعلم تھا اور یہ تینوں باتیں میرے حق میں جاتی تھیں اگر میں مافیا والوں سے اشتراکِ عمل کا فیصلہ کر لیتا تو بھی اپنے طور پر اپنے رقیب، دلدار آغا کے خلاف اپنا کام جاری رکھ سکتا تھا۔

جسمانی طور پر ان سے ملنے میں مجھے کسی زحمت سے دوچار نہیں ہونا پڑا تھا لیکن وہ مافیا جیسی عالمگیر تنظیم کے نمائندے تھے اس لیے ان مذاکرات نے مجھے ذہنی طور پر تھکا دیا تھا۔ ان سے گفتگو کرتے ہوئے مجھے ہر لمحے محتاط اور چوکنا رہنا پڑا تھا۔ اس لیے میں کچھ آرام کی ضرورت محسوس کر رہا تھا جس کے لیے بستر سے زیادہ کسی مونس و غم خوار کی رفاقت کی ضرورت تھی۔

غزالہ حالات کے تیز رفتار دھارے میں پھنس کر ایک ایسا فیصلہ کر چکی تھی جس پر شاید وہ اپنے دل میں خود بھی درد کی لہر اٹھتی ہوئی محسوس کر رہی تھی لیکن ایک باوفا مشرقی لڑکی کی طرح اپنے جیون ساتھی کے دل میں کسی شبہے کو جگہ دیے بغیر ساتھ نبھانے کا عزم کیے ہوئے تھی اور اس کا راستہ مجھ سے بالکل ہی جدا ہو گیا تھا۔ ہم متوازی راستوں کے مسافر ہو گئے تھے جو ساتھ ساتھ تو چل سکتے ہیں لیکن قیامت تک بھی ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے۔ جہانگیر کی بیوی سلمیٰ بھی اپنے خطرناک عزائم کے باوجود ایک اچھی دوست تھی لیکن بدقسمتی سے اس روز وہ مجھ سے ناراض تھی اور باقاعدہ صلح ہوئے بغیر اس سے مل بیٹھنا میرے لیے دشوار تھا۔ کراچی جیسے بھرے پُرے شہر میں اس وقت وہی دو عورتیں ایسی تھیں جن کے بارے میں میں دوستانہ انداز میں کچھ سوچ سکتا تھا ورنہ سب اجنبی تھیں جن میں سے کچھ کے ساتھ لمحوں کی سوداگری تو کی جا سکتی تھی لیکن ان سے کسی ذہنی سکون کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔

ان کے بعد سلطان شاہ تھا جو اگلی صبح دلدار کی دواساز فیکٹری میں ملازمت حاصل کرنے کے سلسلے میں اس کے فیکٹری مینیجر سے ملنے والا تھا۔ وہ اپنی ذات کو ہر قسم کے شبہات سے بالا رکھنے کے لیے بنارس چوک کے قریب کچے مکانات اور جھونپڑیوں پر مشتمل ایسی آبادی میں منتقل ہو گیا تھا جہاں رابطے کے لیے فون وغیرہ کی کوئی سہولت موجود نہیں تھی اس لیے لے دے کر بس جہانگیر ہی رہ گیا تھا جسے میں اس وقت کھٹکا سکتا تھا۔

❑

ڈوربیل کے جواب میں دروازہ کھولے جانے پر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میری کھوپڑی پر ڈنڈا رسید کر دیا ہو۔ اُملا تو وہ واقعی بہت حسین تھی پھر اس نے مزید نکھار کے لیے جو ہلکا پھلکا میک اَپ کیا ہوا تھا اس نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے۔ غالباً اس کی وہ ساری تیاری اس مدہوش احمق کے لیے تھی جس نے خود اوپر سات نمبر فلیٹ پر آنے کے بجائے ایک آوارہ گرد لڑکے کو ٹپ دے کر اوپر بھیج دیا تھا۔

یہ اس کے مقدر کی خرابی تھی کہ وہ لڑکا سات نمبر کے بجائے میرے فلیٹ کی گھنٹی بجا بیٹھا اور کامٹ کے ہتھے چڑھ گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے بے نیل و مرام واپس بھاگنا پڑا اور میری پڑوسن اپنی تمام تیاریوں سمیت اس کے انتظار میں اپنے گھر میں بیٹھی رہ گئی۔

میں نے جہانگیر کو فون کیا تو میں بالکل خالی الذہن تھا اور وقت گزاری کے لیے اسے فلیٹ پر بُلانا چاہ رہا تھا لیکن جب اس سے باتیں شروع ہوئیں تو میرے ذہن نے کام کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت اچانک مجھے پڑوسن یاد آئی اور میں نے جہانگیر سے اس کا تذکرہ کیا تو وہ حیرت سے اچھل پڑا۔ اسے پوری بلڈنگ میں ایسی

کسی خاتون کی رہائش کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ پہلے وہ مجھے اپنے گھر بلانا چاہ رہا تھا تاکہ سلمیٰ سے میری صلح کرا سکے لیکن سیما کے بارے میں میرا انکشاف سنتے ہی وہ بہ ذاتِ خود وہاں آ پہنچا۔

وہ اس بات پر حیران تھا کہ میں نے اتنی قلیل مدت میں سیما کے بارے میں معلومات کیسے حاصل کر لیں۔ میں نے کامٹ اور ڈان تھری کا ذکر حذف کرتے ہوئے اسے بتایا کہ ایک آوارہ گرد لڑکا سیما کو بلانے غلطی سے میرے فلیٹ پر آ گیا تھا۔ میں اسے اس کی غلطی کا احساس دلائے بغیر نیچے پہنچا تو ایک کارنشین سے سیما کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں اور میں نے خود کو سیما کا شوہر ظاہر کر کے کارنشین کو فرار کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

جہانگیر کے اصرار پر مجھے سیما کے دروازے پر جانا پڑا۔ میں پہلے بھی دو بار سرسری نظروں سے اپنی اس پڑوسن کو دیکھ چکا تھا لیکن اس وقت وہ سرتا پا دو آتشہ بنی ہوئی تھی۔ شاید اس نے میرے چہرے سے فوراً ہی میرے دلی تاثرات بھانپ لیے تھے کیونکہ اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ ایک دلکش مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"فرمایئے!" اس کی کھنکتی ہوئی آواز مجھے فوراً ہی عالمِ خیال سے عالمِ وجود میں کھینچ لائی۔ "آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

"آپ کا پڑوسی ہوں۔" میں نے اپنے فلیٹ کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اور آپ ہی سے ملنے آیا ہوں۔ اگر مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی تو شاید آپ ہی مس سیما ہیں؟"

اس کے چہرے پر قدرے حیرت ابھر آئی۔ "میں مس نہیں بلکہ مسز ہوں لیکن میرا نام آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ہم دروازے پر کھڑے رہنے کے بجائے کہیں بیٹھ کر گفتگو کریں، میری خواہش ہے کہ اس وقت میں آپ کی میزبانی کا شرف حاصل کروں۔"

"اوہ! اندر آ جایئے۔" وہ خجالت آمیز انداز میں میرے لیے راستہ چھوڑتے ہوئے بولی۔ "میں اتنی بد اخلاق نہیں ہوں لیکن آپ نے مجھے اتنا حیران کر دیا کہ میرا ذہن ہی ماؤف ہو کر رہ گیا۔"

"آپ میرے فلیٹ میں چلیں۔" میں نے اصرار کیا۔ "پہلی دعوت میں نے دی ہے۔ بعد میں آپ سے ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔"

چند ثانیوں کے تردّد کے بعد اس نے میری پیشکش قبول کر لی۔

میری دستک کے جواب میں جہانگیر نے دروازہ کھولا اور وہ اندر داخل ہوئی تو لمحہ بھر کے لیے جھجکی تھی مگر پھر اندر بڑھ گئی۔ جہانگیر نے ابتدا ہی سے تکلف کی فضا ختم کرنے کی نیت سے میری غیر موجودگی میں اسکاچ کے دو گلاس بنا لیے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ سیما فضا میں اسکاچ کی بو اور گلاسوں میں طلائی سیال دیکھ کر جھجکی ضرور تھی مگر بھڑکی نہیں تھی۔

"آپ کیا پینا پسند کریں گی؟ ہارڈ یا سوفٹ؟" رسمی تعارف کے بعد میں نے اس سے سوال کیا۔

"آپ لوگ تو خاصے خوش ذوق معلوم ہوتے ہیں لیکن میں گھر پر ڈرنک نہیں کرتی۔ ویسے بھی اس وقت میں کسی ملاقاتی کا انتظار کر رہی تھی۔" اس کا جواب حسبِ توقع حوصلہ افزا تھا۔

"اول تو آپ اپنے گھر پر نہیں بلکہ میرے گھر پر ہیں۔ دوسری بات یہ کہ آپ کا ملاقاتی آپ کے بجائے میرے گھر آ کر واپس جا چکا ہے اور شاید اب وہ بدتمیز آدمی واپس نہ آئے۔" میں نے اس کے لیے تیسرا گلاس بناتے ہوئے کہا۔

"وہ آپ کے فلیٹ پر آ گیا تھا؟" سیما کی آواز سے حیرت کے ساتھ ہی ہلکا سا خوف بھی جھلک رہا تھا۔

"وہ بری طرح نشے میں تھا۔ اس کے لیے اپنے قدموں پر کھڑا رہنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ وہ غلط فلیٹ پر آیا تھا اس لیے میں نے اس پر جرح کی تو اس نے اشتعال کے عالم میں آپ کے بارے میں گستاخی شروع کر دی اور میں نے اس کی رہنمائی کا ارادہ ترک کر کے اسے واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ آپ کا نام اسی نے بتایا تھا۔ شاید آپ کسی ایئرلائن میں ملازمت بھی کرتی ہیں؟" میں نے برف ڈال کر گلاس اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

اس کے شہابی چہرے پر یک بیک اضمحلال طاری ہو گیا۔ میں نے مختصر لیکن منتخب الفاظ استعمال کیے تھے تاکہ وہ اپنے بارے میں میری معلومات کی نوعیت سے واقف ہو سکے۔ میں اس کوشش میں کامیاب رہا تھا لیکن اپنا بھرم کھل جانے کے احساس نے اسے اداس کر دیا تھا۔

"چیئرز!" جہانگیر نے اپنا گلاس اٹھا کر سیما کی طرف لہرایا۔ فضا میں تینوں گلاس ٹکرائے، سب نے اپنے لب تر کیے اور گلاس واپس میز پر رکھ دیے۔ وہ اس وقفے کا بہترین استعمال ثابت ہوا تھا۔

"میں خلیج کے علاقے کی ایک ایئرلائن میں ملازمت کرتی تھی۔ پچھلے چند ہفتوں سے گھر پر ہی رہتی ہوں۔" سیما نے آہستگی سے کہا۔ "مجھے شرمندگی ہے کہ میرے ملاقاتی کی وجہ سے آپ لوگوں کو کوفت ہوئی...!"

"ارے نہیں!" جہانگیر نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اس کی بات کاٹ دی۔ "ہم تو اس بے چارے کے ممنون ہیں کہ اسی کی وجہ سے آپ سے تعارف حاصل کرنے کا موقع مل گیا ورنہ کراچی میں تو لوگ برسوں ایک دوسرے کے پڑوسی رہ کر بھی اجنبی رہتے ہیں۔ ویسے آپ کے شوہر کی کیا مصروفیت ہوا کرتی ہے؟"

جہانگیر کے آخری احمقانہ سوال پر میرا خون کھول اٹھا۔ ہم وہاں دل بہلانے اور کچھ ہلکی پھلکی باتیں کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے اور وہ سیما کو اس کے شوہر کا وجود یاد دلا رہا تھا جسے شاید وہ خود بھی بھلائے رکھنا چاہتی تھی۔

"وہ بھی ایک ایئرلائن میں اسٹیورڈ ہیں۔" سیما نے اپنے گلاس

سے دوسرا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "دورانِ ملازمت ہی ہماری دوستی ہوئی تھی اب ہماری کمپنیاں مختلف ہوگئی تھیں اس لیے ہماری ملاقات کم ہی ہوتی تھی...."

"لیکن تم نے ملازمت کیوں چھوڑ دی؟" میں نے بے تکلفانہ طرزِ تخاطب اختیار کرتے ہوئے سوال کر ڈالا۔ "اس پیشے میں گلیمر بھی ہے اور دنیا گھومنے کی کشش بھی، نئے رجحانات رکھنے والی لڑکیاں تو شادی سے پہلے چند برس اس پیشے میں گزارنے کے خواب دیکھا کرتی ہیں۔ معاوضے کے ساتھ سیاحت سے بڑی عیاشی اور کیا ہوسکتی ہے؟"

"گلیمر ہر ایک کے لیے نہیں ہوتا۔" وہ بولی۔ "اس میں شبہ نہیں کہ دورانِ پرواز مشہور اور ممتاز لوگوں سے دوستی کرنے کا موقع ملتا ہے، نت نئے مقامات کی سیر ہوتی رہتی ہے لیکن ان چیزوں کا خمار ہمارے ذہنوں میں افسانوی فضا تیار کر دیتا ہے، ہمارا معیار بڑھ جاتا ہے، پسند اور ناپسند کے معاملے میں حساس ہو جاتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ہمیں مسافروں کو کھانا کھلا کر ان کے جھوٹے برتن سمیٹنے ہوتے ہیں۔ ہمارا بنیادی کام کسی مسکین گھریلو خادمہ سے مختلف نہیں ہوتا بس ہمارا واسطہ کچھ منتخب لوگوں سے پڑتا ہے جو مہنگا فضائی سفر کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ اب تو بعض روٹس پر ہمیں گٹھڑی اٹھائے ہوئے ان تہبند پوش جاہلوں کی بھی ناز برداری کرنی پڑتی ہے جو ملازمت کے سلسلے میں مفت کا ٹکٹ لے کر جہازوں پر چڑھ آتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے گھاٹ پر کپڑے دھونے والے کو حقیر سمجھ کر دھوبی کہا جاتا ہے لیکن بڑی لانڈری لگانے والوں کو معزز صنعت کار سمجھا جاتا ہے حالانکہ کام دونوں ایک ہی کرتے ہیں بلکہ دھوبی کے کام میں محنت اور خدمت کا زیادہ گہرا جذبہ شامل ہوتا ہے۔"

اس کی سوچ خاصی تلخ اور کاٹ دار تھی۔ اس نے نیم خواندہ اور ناخواندہ فضائی مسافروں کے بارے میں اپنے تاثرات چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی مگر پھر بھی بات واضح نہیں ہوسکی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی۔

"عملاً ہم زمین کی مخلوق ہوتے ہیں مگر ہمارے ذہن فضاؤں میں پرواز کرتے ہیں۔" میرے استفسار پر اس نے تیسرا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "ہم ان دولت مند شہزادوں کے خواب دیکھتے رہتے ہیں جو ہمیں حسن کی ملکہ سمجھ کر ہمیں ساتھ لے جائیں اور پھر زندگی بھر ہماری پوجا کرتے رہیں۔ شاید سب کی سوچ ایسی نہ ہوتی ہو مگر میرے خواب یہی تھے۔ جب کوئی شہزادہ نہیں آیا تو میں نے ایک اسٹیورڈ سے شادی کر لی پھر ہم نے پیسہ کمانے کی تدبیریں سوچنی شروع کر دیں۔ وہیں سے ہم غلط راستوں پر پڑ گئے۔"

"مجبوری میں بہت کچھ ہو جاتا ہے۔" جہانگیر نے ان الفاظ کو سیما کا اعتراف سمجھتے ہوئے بزرجمہر کے سے انداز میں اپنی کھوپڑی ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ کوئی مجبوری نہ ہونے کے باوجود بار بار[...]"

"تم غلط سمجھ رہے ہو!" وہ بھی جہانگیر کی بات کاٹ کر بے تکلفی پر اتر آئی۔ "میرا اپنا ایک فلسفہ ہے۔ دل چاہنے پر کسی بھی خواہش کے تحت کچھ کر لیا جائے تو میں اسے غلط نہیں سمجھتی جیسے میں اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں اپنے تجسس اور دلچسپی کی وجہ سے یہاں تمہاری [...] بن گئی ہوں۔ غلط راستہ وہ ہوتا ہے جو انسان کو اپنی مرضی کے خلاف اختیار کرنا پڑ جائے۔ ہم دولت حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن میں یہ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس مقصد کے لیے میرا شوہر مجرموں کا آلۂ کار بن جائے گا.... اب تم لوگوں سے میں کیا چھپاؤں؟ میرا شوہر ہیروئن کی کھیپ لے جاتے ہوئے ایمسٹرڈم کے اسکی پول ایئرپورٹ پر پکڑا گیا۔ وہ ہالینڈ کی جیل میں ہے۔ شاید اسی کے جرم کی سزا میں میری ایئرلائن نے اپنی نیک نامی کو کسی بڑے اسکینڈل سے بچانے کے لیے مجھے کوئی وجہ بتائے بغیر اچانک میری ملازمت سے فارغ کر دیا۔" اس نے پھر گلاس منہ سے لگا لیا۔

ہیروئن کا ذکر آتے ہی جہانگیر نے معنی خیز انداز میں میری طرف دیکھا اور میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ سیما کی پرواز واقعی اونچی تھی۔ ہم نے بھی شرمندگی کے ساتھ تیزی سے اپنے گلاس خالی کر دیے تاکہ اس کی بلند پروازِ مہ پارہ کا ساتھ دے سکیں۔ میں نے دوسرا پیمانہ تیار کرتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں سوال کیا۔ "وہ اپنے طور پر ہیروئن لے گیا تھا یا کسی کا کیریئر تھا؟"

"یہی تو دکھ ہے مجھے۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں خمار کے ہلکے ہلکے سرخ ڈورے تیرنے لگے تھے۔ "وہ اپنے طور پر لے گیا ہوتا تو پہلی ہی کھیپ میں اتنا مالا مال ہوگیا ہوتا کہ اسے دوسرے پھیرے کا خیال بھی نہ آتا۔ وہ معاوضے پر کسی کے لیے کام کر رہا تھا۔ مجھے اس کا سراغ مل جائے تو میں اپنے ناخنوں سے اس کا چہرہ اس طرح مسخ کر دوں گی کہ وہ زندگی بھر ہر ایک سے اپنا منہ چھپاتا پھرے گا۔"

"کاش ہم تمہاری کچھ مدد کر سکتے!" جہانگیر مسلسل اسی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ "اس کا کچھ اتا پتا تو ہوگا؟"

"کوئی منحوس ڈی ڈی ہے۔" اس کے الفاظ کسی بم کی طرح میری سماعت پر گرے تھے۔ "میرے میاں نے نہ کبھی اس کی صورت دیکھی نہ ٹھکانا معلوم ہے۔ کبھی وہ فون کرتا تھا اور کبھی ٹائپ کیے ہوئے پیغام پُراسرار طریقے پر ندیم تک پہنچتے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ ہیروئن کے پیکٹ بھی تینوں بار کسی ڈسٹ بن یا راستے سے اٹھائے گئے تھے۔ ندیم کو پیغام ملتا تھا کہ فلاں وقت پر فلاں مقام سے مال کیسے اٹھا لیا جائے جس کی شناخت اسے بتا دی جاتی تھی۔" ندیم ایئرلائن میں اسٹیورڈ تھا اور دلدار آغا کا بھی سابق پیشہ وہی تھا۔

"اور معاوضہ کیسے ادا کیا جاتا ہے؟" میں نے پُرتجسس انداز میں

سوال کیا۔

"رقم پیشگی پیکٹ کے ساتھ چپکے ہوئے لفافے میں ہوتی ہے۔ ایک پیکٹ کے پچیس ہزار ملتے ہیں۔ تیسری کھیپ پکڑی گئی مگر ندیم اس کے پچیس ہزار پہلے ہی مجھے دے گیا تھا۔"

"جب تمہیں پہلے سے علم تھا تو تم نے اُسے روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" میں نے پوچھا۔

"پہلی کھیپ وہ مجھے بتائے بغیر لے گیا تھا۔ اس وقت میں ڈیوٹی پر امریکا میں تھی۔ دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔ تیسری مرتبہ اتفاق سے ہم دونوں کراچی میں موجود تھے۔ اس نے پچھلے پچاس ہزار دکھا کر پوری کہانی سنائی تو میں نے اسے گرفتاری اور بدنامی کا خوف دلایا۔ وہ تائب ہونے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس نے ڈی ڈی سے تیسری بار انکار کیا تو اس نے دھمکی دی کہ اگر ندیم انکار پر اڑا رہا تو اس کی پچھلی دو کوششوں کے بارے میں ساری تفصیلات ثبوت کے ساتھ سرکاری حکام اور ایئر لائن کو پہنچا دی جائیں گی۔"

"اور اسی بار وہ پکڑا گیا۔" جہانگیر نے تبصرہ کیا۔ "بیوی کی رضا شامل حال نہ ہو تو اکثر و بیشتر کوئی بدنصیبی ناگہانی طور پر راستہ گھیر لیتی ہے اور آدمی بھونچکا رہ جاتا ہے۔"

"ڈی ڈی یقیناً کوئی بارسوخ آدمی ہے۔" وہ اپنا دوسرا گلاس انگلیوں میں گھماتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "ندیم نے مجھے بتایا کہ پہلی بار اس کی ڈیوٹی مشرقِ بعید کے روٹ پر تھی اور ڈی ڈی نے ہیروئن کا پیکٹ فرینکفرٹ کے لیے دیا تھا۔ ندیم نے اپنی مجبوری بتائی تو ڈی ڈی نے کہا تھا کہ وہ سب ٹھیک کر لے گا اور یہی ہوا کہ آخری لمحات پر ندیم کو فرینکفرٹ اور لندن والی پرواز کے لیے طلب کر لیا گیا۔"

ایک دَور تھا جب میں بھی شی کے لیے ذمے دارانہ حیثیت میں کام کیا کرتا تھا۔ اس وقت بھی، ہیروئن کی بیرونِ ملک اسمگلنگ کے لیے پیشہ ور کیریئرز کے بجائے سادہ لوح طالب علموں اور خاص طور پر نوجوان لڑکیوں کو مفت سیاحت کا لالچ دے کر ایسے تحائف باہر کسی شخص کو پہنچانے پر آمادہ کیا جاتا تھا جن میں پہلے سے خفیہ طور پر ہیروئن چھپا دی جاتی تھی۔ سادہ لوح اور بے خبر نئے چہروں کے ذریعے ہیروئن باہر اسمگل کرنے کی ان کوششوں میں کامیابی کا اوسط پچانوے فیصد کے آس پاس رہتا تھا۔ جو چار چھ فیصد بیرونِ ملک کسٹم حکام کی گرفت میں آتے تھے ان پر بھی شبہ ہونے کی ابتدائی وجوہ میں ہیروئن کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا بلکہ بعد کی تفصیلی جانچ پڑتال میں ہیروئن برآمد کر لی جاتی تھی۔ وہ طریقِ کار اس قدر کارآمد تھا کہ ڈی ڈی اب بھی غیر معروف لوگوں کو اس کام کے لیے استعمال کر رہا تھا۔

"جو لوگ غلط کاموں سے کماتے ہیں ان کے پاس اثر و رسوخ اور وسائل کو خریدنے کے لیے سرمائے کی فراوانی ہوتی ہے۔ اس سرمایہ کاری سے ان کے اثاثوں کو فروغ ملتا ہے۔ ندیم کی فرینکفرٹ میں گرفتاری کے بعد ڈی ڈی نے تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوئی کوشش تو نہیں کی؟" میں نے سوال کیا۔

"بالکل نہیں۔ میں تو انتظار میں ہوں کہ رابطہ قائم ہو تو اسے اپنے جال میں پھانس کر سامنے آنے پر مجبور کر دوں اور اسے بتاؤں کہ کوئی عورت جب بدلا لینے پر تُل جاتی ہے تو کس قدر خطرناک ہو جاتی ہے۔"

"تم ویسے بھی کم خطرناک نہیں ہو۔" جہانگیر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مَر مٹنے والے لہجے میں کہا۔ "وہ جو آیا تھا، فلیٹ نمبر بھولا ہوا تھا مگر تم اس کے ہوش و حواس پر چھائی ہوئی تھیں۔"

"ایسے کم مردوں سے مجھے چڑ ہے جو کسی خوبصورت اور اکیلی عورت سے ملاقات کرنے سے پہلے پیٹ بھر کر شراب پینی ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ تم نے توڑ پھوڑ کے بغیر اسے جانے دیا۔ اگر تمہاری جگہ کوئی عیال دار شخص ہوتا تو اس کے ہاتھ پیر ہی توڑ دیتا۔ ویسے کیا تم دونوں ہی یہاں رہتے ہو؟"

"میں آتا جاتا رہتا ہوں۔ یہاں رہائش پیٹر واک کی ہے۔" جہانگیر نے کہا۔

"اور تمہاری بیوی؟" سیما میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سراپا سوال بن گئی۔

"بیوی ہوتی تو تم کو یہاں مدعو کرنے کی جرأت بھی نہ کرتا۔" میں نے اسے سگریٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔

"مجھ میں کوئی چھوٹی برائی نہیں ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے ایک انگریزی محاورہ دہرا کر انکار کر دیا۔

"لیکن لوگوں سے دوستی کا گہرا شوق رکھتی ہو؟" میرا لہجہ تائید طلب تھا۔

"ہر ایک سے نہیں۔ تم میرے پڑوسی ہو، شکل و صورت سے معقول لگتے ہو۔ جب چاہو میرے گھر آ سکتے ہو۔"

"تمہارے کسی مدہوش مہمان کی موجودگی میں گھنٹی بجا بیٹھا تو الجھن کھڑی ہو جائے گی۔"

وہ یک بیک بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئی اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ہلکا سا نشہ ہو چلا تھا۔ "مجھے اچھی طرح اندازہ ہے کہ میرے پاس آنے والے نے تم سے کیسی گھٹیا بکواس کی ہو گی۔ اصل بات صرف اتنی ہے کہ میں اپنی پسند کے لوگوں سے دوستی کرنے کی شوقین ہوں۔ اپنے گھر کسی کو نہیں بلاتی، دوستوں کے ساتھ شہر کے مہنگے ہوٹلوں اور تفریح گاہوں میں گھومنا اور کھانا پینا میری ہابی ہے۔ خود افورڈ نہیں کر سکتی اس لیے بل دوستوں سے ادا کراتی ہوں۔ ان سے تحفے تحائف بھی خوشی سے قبول کرتی ہوں۔ میرے بہت سے کولیگ میرے سوشل ہونے سے جلتے ہیں اور مجھے پیٹھ پیچھے ایک مہنگی کال گرل قرار دیتے ہیں لیکن میں ایسے الزامات کی ذرا بھی پروا نہیں کرتی۔ انھیں جوتی کی نوک پر رکھتی ہوں۔"

"حالانکہ تم کال گرل نہیں ہو مگر وہ خبیث یہی کہہ رہا تھا۔" جہانگیر نے اسے اکسانے اور اس سے بے تکلف ہونے کے لیے سفید جھوٹ بولا۔ وہ سیما پر بری طرح لٹو ہوا جا رہا تھا۔

سیما زیر لب بڑبڑائی۔ شاید اس نے اپنے ملاقاتی کو کوئی گندی گالی دی تھی پھر ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر بولی۔ "وہ کئی دن سے میرے ساتھ وقت گزار رہا ہے۔ میں مانتی ہوں کہ وہ خاصی رقم خرچ کر چکا ہے۔ آج بھی فلم میں لے جانے کے لیے آیا تھا لیکن دانت نکال نکال کر بہکی ہوئی باتیں کرنے کے سوا مجھے چھو بھی نہیں سکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی ناکامیوں پر جھلا کر بکواس پر اتر آیا ہو۔ تم بار بار اس کا حوالہ نہ دو۔ مجھے خواہ مخواہ کوفت ہو رہی ہے۔"

"فلم میں چلنا چاہو تو میں اسی وقت حاضر ہوں۔" جہانگیر نے جھک کر نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

وہ شوخ انداز میں ہنس پڑی۔ "چلو! اس پیشکش کے بہانے تم نے مجھے چھو تو لیا۔" جہانگیر کو اس سے اتنی صاف گوئی کی توقع نہیں تھی اس لیے اس نے بھڑک کر یوں اپنا ہاتھ واپس کھینچا جیسے اسے اچانک کرنٹ لگ گیا ہو۔ وہ اس کے رد عمل سے محفوظ ہوتے ہوئے بولی۔ "آج کل تو بکے ہوئے مرد کو بھی دُرّے مارے جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں باہر جا کر میں خود کو تماشا نہیں بنانا چاہتی۔ ہم پھر کسی وقت چلیں گے۔ پیٹر واک بھی ہمارے ساتھ ہوگا۔"

جہانگیر کینہ توز نظروں سے مجھے گھور کر رہ گیا پھر زبردستی ہنستے ہوئے اس سے بولا۔ "کہیں تم نے زیادہ تو نہیں پی۔ باہر کی ہوا لگے گی تو تھوڑی ہی دیر میں نشہ اتر جائے گا۔"

"میں پینے کی عادی نہیں ہوں۔ ہماری ایئر لائن پی آئی اے کی طرح خشک نہیں ہے۔ طویل پروازوں پر مسافروں کی ساقی گری کرتے ہوئے میں بھی لوگوں کی نگاہ بچا کر ایک آدھ منی ایچر لے لیتی ہوں اور وہی کافی ہوتا ہے۔ ہوا کھانے سے میرا نشہ کچھ اور تیز ہو جائے گا۔ اب میں مزید نہیں لوں گی میرے لیے یہ دوسرا گلاس بھی زیادہ ہو جائے گا۔"

"اپنے ساتھ زبردستی نہ کرو۔" جہانگیر تہہ دل سے اس کی خدمت کرنے پر تلا ہوا تھا۔ "یہ بچا ہوا گلاس مجھے دے دو۔" میں خاموشی سے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے دلچسپی سے وہ تماشا دیکھ رہا تھا۔

"میں نہ اپنا جھوٹا کسی کو دیتی ہوں نہ کسی کا جھوٹا کھاتی پیتی ہوں۔ تم اپنے لیے بوتل سے اور انڈیل لینا۔"

جہانگیر مجھ سے نظریں چرا کر کھسیائے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔ وہ طرار عورت کسی طرح اس کے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔

وہ کرسی پر بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ آگے پیچھے جھول رہی تھی لیکن پورے حوصلے کے ساتھ چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے کر اپنا دوسرا گلاس خالی کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں دو ہی باتیں سوچی جا سکتی تھیں۔ اوّل تو یہ کہ وہ بہت بے خوف تھی یا پھر ہر قسم کی صورتِ حال کو سر جھکا کر تسلیم کر لینے پر آمادہ تھی جب ہی اتنی بے فکری کے ساتھ دو اجنبیوں کے ہمراہ بیٹھی ہوئی مے نوشی کر رہی تھی۔ وہ تین نشستوں والے صوفے پر اکیلی براجمان تھی۔ میں نے ایک دفعہ گہری نظروں سے جہانگیر کی طرف دیکھا اور پھر بے تکلفی کے ساتھ سیما کے برابر میں جا کر بیٹھ گیا۔ جہانگیر بے بس قیدی کی طرح اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

"تفریح اور تحفے تحائف کے چکر میں ہر ایک کے ساتھ نہ گھوما پھرا کرو کسی دن ٹھوکر کھا جاؤ گی۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"میں دیکھ بھال کر دوستوں کا انتخاب کرتی ہوں۔" وہ اکھڑی اکھڑی نشیلی آواز میں بولی۔ "ہارون بھی شریف نظر آ رہا تھا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ اندر سے وہ اس قدر کمینہ اور خود غرض ہوگا۔"

"یہ ہارون کون ہے؟" میں سمجھ گیا تھا لیکن اسے اکسانے میں لطف آ رہا تھا۔

اس نے گردن گھما کر مخمور نظروں سے میری طرف دیکھا پھر اپنا بایاں ہاتھ میرے داہنے ہاتھ پر رکھ دیا جسے میں نے فوراً اپنی گرفت میں لے لیا اور وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "وہی جو میرے دھوکے میں تمہارے پاس آ گیا تھا۔ کسی فارماسیوٹیکل فیکٹری میں منیجر کے عہدے پر فائز ہے اور اعلا تعلیم یافتہ ہے۔"

میں چونک پڑا۔ سیما کا شوہر ڈی ڈی کی سازش کا شکار ہو کر ہالینڈ میں قید ہو گیا تھا اور غالباً ندیم کی گرفتاری کے بعد سے خود اس پر ایک دوا ساز فیکٹری کا منیجر ڈورے ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا جب کہ دلدار آغا خود بھی ایسی ہی ایک فیکٹری کا مالک تھا۔

"اس کی فیکٹری کا نام بتا سکو تو شاید میں اسے کچھ سبق دلوا سکوں۔" میں نے اپنا ہاتھ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ وہ ہولے ہولے میری ہتھیلی اور انگلیوں سے کھیل رہی تھی۔ میں اسے اپنی کسی غیر معمولی دلچسپی کا احساس دلائے بغیر اب اس سے کام کی مزید چند باتیں اگلوانا چاہ رہا تھا جن کی مدد سے دلدار آغا اور اس کی سرگرمیوں پر مزید کچھ روشنی پڑ سکتی تھی۔

"شاید جاز فارماسیوٹیکل ہے۔ وہ ڈیفنس میں رہتا ہے اور فیکٹری کورنگی میں ہے۔"

میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ یہ بات یقینی نظر آنے لگی تھی کہ ہارون، ندیم کے پکڑے جانے کے بعد اپنے آقا کے اشارے پر کسی خاص مقصد سے سیما کے پیچھے لگا تھا لیکن اس کی آزاد روی کی وجہ سے خود بھی بہک گیا اس نے غالباً کام کے ساتھ ساتھ تفریح کے ارادے سے اس شام شراب پی تھی لیکن بدقسمتی سے اسے بھاگنا پڑ گیا۔

کامٹ نے نیچے جا کر اسے بتایا تھا کہ اس نے سیما سے شادی کر لی تھی اور ہارون اس کے بیان پر یقین کر کے فرار ہو گیا جبکہ میں نے اس بارے میں سیما کو کچھ اور ہی بتایا تھا۔ جب ہارون واپس لوٹ کر ڈی ڈی کو سیما کی دوسری شادی کی خبر سناتا تو صورتِ حال کافی دلچسپ

اور خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ یہ کس قدر عجیب اتفاق تھا کہ میں نے پورے شہر میں اپنے شناساؤں سے روپوش رہنے کے لیے جہانگیر کے فلیٹ کا انتخاب کیا تھا اور وہاں عین میرے پڑوس میں ایک ایسی خوبصورت عورت مقیم تھی جس کی ذات میں شی کا مقامی سربراہ بھرپور دلچسپی لے رہا تھا۔

"ہارون اتنا بودا اور کم ہمت آدمی ہے کہ میں بھی اسے تھپڑ لگا سکتی ہوں۔" وہ پُرسرور لہجے میں آہستگی سے بولی۔ "وہ میرے ہاتھوں سے پٹنا بھی اپنی خوش نصیبی سمجھے گا۔"

"تمہارے ہاتھ بھی اس قدر نرم و نازک ہیں کہ اسے پھول ہی کرلگیں گے۔" میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم اس سے نہیں الجھو گی۔ اس کے معاملے میں تمہیں میرے مشورے پر عمل کرنا ہو گا۔"

"تم اتنے اچھے ہو کہ اب تو ہر معاملے میں تمہارے مشورے پر عمل کرنے کو دل چاہتا ہے۔" وہ آنکھیں موند کر آہستہ سے بولی۔

جہانگیر وہ سب دیکھ کر سلگ رہا تھا۔ سیما کے آخری فقرے پر بھڑک کر کھڑا ہو گیا۔ "میں تمہارے ذاتی معاملات میں دخیل ہو رہا ہوں، میرا خیال ہے کہ اب مجھے چلنا چاہیے۔" اس نے اونچی آواز میں کہا تھا۔

سیما نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور مسکراتے ہوئے لکنت آمیز آواز میں بولی۔ "تم بھی بیٹھو۔ یہ بہت اچھا آدمی ہے۔ ایسے لوگوں کی صحبت میں دل کو بہت سکون ملتا ہے۔" میں نے جہانگیر کو آنکھ ماری۔

"اس کی صحبت تم ہی کو مبارک ہو۔" وہ جل کر بولا اور ایک جھٹکے سے دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ "میرا خیال ہے کہ اب تم کو نیند آرہی ہے۔ تم سو ہی جاؤ تو بہتر ہو گا۔"

میرا ارادہ خورد و نوش کے بندوبست کا تھا لیکن گھر میں کچھ موجود نہیں تھا۔ اس وقت جہانگیر سے کہتا تو وہ کسی قیمت پر وہاں سے ٹلنے پر تیار نہ ہوتا اور اگر اسے سیما کے ساتھ تنہا چھوڑ کر خود خریداری کے لیے باہر جاتا تو وہ سیما کے ساتھ دست درازی کی کوشش کر سکتا تھا۔ اس معاملے میں میں اس کی رگ رگ سے واقف تھا اس لیے خاموش ہی رہا۔

"واقعی مجھے نیند آرہی ہے۔" سیما اس کی تجویز پر کہہ رہی تھی۔ اس نے میرے ہاتھ پر سے ہاتھ ہٹا کر ہلکی سی انگڑائی لی اور جہانگیر نے فوراً اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"آؤ! میں سہارا دے کر تمہیں تمہارے فلیٹ میں پہنچا دوں۔" اس نے سیما کے سامنے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"تم چاہو تو میرے کمرے میں سو سکتی ہو۔" میں نے صورتِ حال کی نزاکت بھانپتے ہوئے کمزور لہجے میں تجویز پیش کی۔

"نہیں! میں اپنے فلیٹ میں ہی جاؤں گی۔" وہ جہانگیر کے بڑھے ہوئے ہاتھ کا سہارا لے کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس مردود نے پھرتی سے دوسرے ہاتھ سے بھی اسے تھام لیا۔

"تم بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔" جہانگیر نے مجھے چڑانے والے انداز میں کہا اور لڑکھڑاتی ہوئی سیما کو اپنے سہارے لے کر فلیٹ سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ دونوں چلے گئے اور میں اپنا سر تھام کر رہ گیا۔ چند منٹ تک میں اپنی جگہ بیٹھا جہانگیر کی واپسی کا انتظار کرتا لیکن جب وقت بڑھتا ہی چلا گیا تو مجھے تشویش لاحق ہونے لگی کیونکہ سیما نے ابتدا سے ہی اس کے لیے کسی واضح پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تھا جب کہ جہانگیر اسے دیکھ کر ہی دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ مجھے ڈر یہ تھا کہ جہانگیر کی کسی بدتمیزی پر سیما برہم ہو گئی تو وہ مدہوشی کے عالم میں ادھم مچا کر پوری بلڈنگ کو جمع کر سکتی تھی جب کہ میں خود کو کسی بھی قیمت پر تماشا بنانا نہیں چاہتا تھا۔

میں نے آدھے گھنٹے تک اس کی واپسی کا انتظار کیا پھر فلیٹ مقفل کر کے سیاہ شیراڈ میں آوارہ گردی کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

میں کافی دیر تک شہر کی سڑکوں پر پٹرول پھونکنے اور بوٹنگ بین کے علاقے میں ایک مشہور فاسٹ فوڈ اسٹور سے شکم پُری کرنے کے بعد بارہ بجے کے لگ بھگ فلیٹ پر واپس پہنچا تو جہانگیر کی کار پارکنگ میں موجود تھی لیکن خود اس کا کہیں پتا نہیں تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ سیما سے دوستی گانٹھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

فلیٹ میں میرے لیے کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ اگلے دن کی ضروریات کے لیے لایا ہوا سامان کچن اور ریفریجریٹر میں محفوظ کرنے کے بعد میں نے بھی خواب گاہ کی راہ لی اور دھیمی روشنی کا بلب جلا کر بستر پر دراز ہو گیا۔

میرے ذہن میں گزرے ہوئے واقعات گھومتے رہے۔ جہانگیر پر ابتدائی صبر آزما لمحات میں مجھے غصہ آیا تھا لیکن کافی وقت گزر جانے کے بعد مجھے اس طرف سے بھی بے فکری ہو گئی تھی اس لیے تھوڑی دیر میں میری آنکھ لگ گئی۔

میں نہ جانے کتنی دیر سویا ہوں گا کہ اچانک ذہن میں تیز گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ کئی سیکنڈ تک میں آنکھیں کھولے نیم تاریک کمرے میں بستر پر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ میرے دل کی دھڑکنیں ایک دم تیز ہو گئی تھیں اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے دور کہیں سے فائر انجن اپنی تیز روایتی گھنٹیاں بجاتے چلے آرہے ہوں پھر یکایک ہی مجھے احساس ہوا کہ میرے فون کی گھنٹی مسلسل چیخ رہی تھی اور نہ جانے کب سے چیخے جا رہی تھی۔ شاید اسی کا شور میری نیند میں خلل ڈالنے کا سبب ثابت ہوا تھا۔ صورتِ حال کا ادراک ہوتے ہی میں نے بستر سے چھلانگ لگا دی اور خواب گاہ میں رکھے ہوئے انسٹرومنٹ کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ کسی نے تو ریسیور اُٹھایا۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ غلطی سے کسی قبرستان کا نمبر ملا بیٹھی ہوں۔" ریسیور اٹھاتے ہی سلمٰی کی بھنائی ہوئی آواز سن کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔

"اس وقت رات کے پونے تین بج رہے ہیں سلمٰی!" میں نے سنبھالا لے کر وال کلاک پر نگاہ ڈالتے ہوئے نیند سے بوجھل آواز میں کہا۔ "میں گہری نیند سویا ہوا تھا۔ کہو! کیا بات ہے؟" میں نے خود کو حتی الامکان پُرسکون رکھنے کی کوشش کی تھی مگر میں اس کے متوقع سوال سے خوفزدہ تھا۔

"فون اسی لیے کیا ہے کہ پونے تین بج رہے ہیں اور وہ ابھی تک لاپتا ہیں۔ کہاں ہیں وہ؟" وہ آواز سے غصّے میں بپھری ہوئی معلوم ہو رہی تھی اور شاید وہ اپنے اشتعال میں حق بجانب بھی تھی۔ سیما کے چکّر میں پڑ کر جہانگیر اپنے گھر اور گھر والی کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔ نہ ہی مجھے سلمٰی کا خیال آیا تھا کیونکہ میری اس سے لڑائی ہو چکی تھی اور میرا خیال تھا کہ میرے معافی مانگے بغیر وہ مجھ سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرے گی لیکن جہانگیر کے غائب ہونے کی وجہ سے اُس کی ناراضی کا خول خود ہی ٹوٹ کر رہ گیا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم میں تو سویا ہوا تھا۔" میں نے معصومانہ لہجے میں کہا۔ "وہ کب سے گھر سے نکلا ہوا ہے؟"

"جھوٹ مت بولو!" ریسیور میں اس کی زنانہ غراہٹ ابھری۔ "ساڑھے آٹھ بجے کے قریب تمھارا فون ریسیو کرنے کے بعد ہی وہ مجھے کچھ بتائے بغیر عجلت میں روانہ ہوئے تھے۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تم دونوں نے کوئی پروگرام طے کیا ہے کیونکہ وہ عجلت کے باوجود اپنے بریف کیس میں وسکی کی نئی بوتل ڈالنا نہیں بھولے تھے۔"

"تم یقین کرو سلمٰی کہ ہمارا کوئی پروگرام نہیں تھا۔" میں ماؤتھ پیس میں کراہا۔ "میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں کہ وہ کہاں گیا ہو گا۔ اس نے تو تمھارے ساتھ مجھے بھی تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔"

"مجھ سے زیادہ اُڑنے کی کوشش نہ کرو۔" میرا عذر سن کر وہ بپھر گئی۔ "میں تم دونوں کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ مجھے تمھارے فلیٹ کا اندازہ ہے۔ میں ابھی وہاں پہنچتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ تم کیسے جھوٹ بولتے ہو۔"

وہ دھمکی سن کر میری روح فنا ہو گئی۔ میری نیند تو اس کی آواز سنتے ہی کافور ہو گئی تھی۔ میں نے بوکھلا کر کہا۔ "اتنی رات گئے ایسی حماقت نہ کرنا۔ راستے میں پولیس والے تنگ کریں گے اور جہانگیر بھی واپس آ کر ناراض ہو گا۔ رات گئے کسی تنہا عورت کا ویران سڑکوں پر ڈرائیو کرنا ہر ایک کو شبے میں ڈال سکتا ہے۔ تم وہیں ٹھہرو میں تمھاری طرف آتا ہوں۔"

"فوراً آؤ!" اس کا پارہ بدستور چڑھا ہوا تھا۔ وہ اپنی رائے پر اتنی مضبوطی کے ساتھ اڑی ہوئی تھی کہ اسے جہانگیر کے واپس نہ لوٹنے پر تشویش کے بجائے غصّہ تھا۔ "تم تین بجے تک نہیں پہنچے تو میں ڈرائیور کے ساتھ نکل پڑوں گی۔"

"گیارہ منٹ بہت کم ہیں سلمٰی۔" میں کراہا۔ "سوا تین بجے تک انتظار کر لو۔ میں نکلنے سے پہلے اس کے بارے میں دو چار فون بھی کرنا چاہتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بے چارہ کہیں کسی مشکل میں گھر گیا ہو۔"

"ٹھیک ہے میں سوا تین تک انتظار کروں گی۔" قدرے توقف کے بعد اس کی آواز ابھری۔ اس بار میں اپنی صداکاری سے اس کا اعتماد متزلزل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ریسیور رکھ کر میں شدید غصّے کے عالم میں اپنی خواب گاہ سے نکلا۔ میں نے جہانگیر کا بریف کیس باتھ روم میں ڈالا۔ اسکاچ کی بوتل باقی ماندہ شراب سمیت صوفے کے نیچے لڑھکائی اور شب خوابی کے لباس میں ہی اپنے فلیٹ سے نکل پڑا۔

وہ مردود عشق کے نشے میں دھت، سیما کے فلیٹ میں پڑا شاید کسی سانڈ کی طرح سو رہا تھا اور اس کی تنک مزاج بیوی نے میری نیند حرام کر دی تھی۔ اس وقت میرا جی چاہ رہا تھا کہ جہانگیر سامنے ہو تو اس کا گریبان پکڑ کر اس کے دو چار تھپڑ لگاؤں تاکہ اس کا سارا نشہ ہرن ہو جائے۔

میں طیش کے عالم میں سیما کے فلیٹ کے قریب پہنچا ہی تھا کہ گھنٹی کے بٹن کی طرف بڑھتا ہوا میرا ہاتھ خود بخود رک گیا کیونکہ دروازے کا ہینڈل گھومتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ شاید جہانگیر کو ہوش آ چکا تھا اور وہ کسی بھی لمحے دروازہ کھول کر باہر آنے والا تھا۔ میں نے گھنٹی بجانے کے بجائے اس کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

پٹ سرکتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ میں لپک کر چوکھٹ کے قریب ہو گیا پھر دروازہ کھلتے ہی مجھے اندھیرے میں جو انسانی ہیولا نظر آیا، میں نے پوری تو نہیں البتہ خاصی طاقت سے اس کے جبڑے پر مُکا رسید کر دیا۔ میری دانست میں اتنی سزا جہانگیر کے لیے ناگزیر ہو گئی تھی۔

وہ مُکا کھا کر دبی دبی غراہٹ کے ساتھ پیچھے الٹ گیا پھر فوراً ہی اندر سے ایسی آوازیں آئیں جیسے کم از کم دو طاقتور گونگے اندھیرے میں ایک دوسرے سے لپٹ پڑے ہوں۔

ان دُہری غراہٹوں نے چند ساعتوں کے لیے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا پھر میں نتائج کی پروا کیے بغیر اندر گھس پڑا۔ اپنے عقب میں دروازہ بند کر کے میں نے فوراً ہی ٹٹول کر روشنی کر دی تاکہ صورتِ حال کا صحیح مشاہدہ کر سکوں اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جہانگیر قالین پر ایک صحت مند شخص سے بری طرح لپٹا ہوا تھا۔ اس شخص کی گردن میں رومال پڑا ہوا تھا جسے جہانگیر پوری قوت سے پیچھے کھینچ کر اپنے حریف کا گلا گھونٹنے پر تلا ہوا تھا۔ اس کی دونوں پنڈلیاں قینچی کی صورت میں اپنے حریف کے پیٹ پر جکڑی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کی دسترس سے

ذرا دور قالین پر ایک پستول پڑا ہوا تھا جس کی نال پر سائلنسر چڑھا ہوا تھا لیکن سیما کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ ان دونوں میں سے کون میرے کئے کی زد میں آیا تھا۔

"کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو؟ اس کا پستول دیکھو!" جہانگیر نے ہانپتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا اور میں حرکت میں آ گیا۔

مجھے دیکھ کر جہانگیر کے حریف کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ میرے ہاتھ میں پستول آنے کے بعد رہی سہی کسر پوری ہو گئی اور وہ دونوں سیدھے کھڑے ہو گئے۔ اس وقت مجھے نووارد کی بائیں آنکھ کے نیچے نیل بھی نظر آ گیا جو شاید میرے گھونسے سے وجود میں آیا تھا۔ اس کے گلے میں پڑا ہوا بڑا سا رومال تکون کی صورت میں مڑا ہوا تھا اور پچھلے سروں پر مضبوط گرہ لگی ہوئی ہونے کی وجہ سے وہ رومال اس کے گلے میں پھندے کی طرح جھول رہا تھا۔

"یہ کون ہے اور کہاں سے آیا؟" میں نے نووارد کو گھورتے ہوئے جہانگیر سے سوال کیا۔

"یہ شاید کسی جعلی چابی سے دروازہ کھول کر اندر گھسا تھا اور بے آواز قدموں سے چلتا ہوا خواب گاہ میں داخل ہوا تھا۔ اس نے اپنی ناک پر رومال کی نقاب باندھی ہوئی تھی۔ اسی وقت چھٹی حس کے تحت میری آنکھ کھلی تھی لیکن جب میں نے نائٹ لیمپ کی روشنی میں اس کے ہاتھ میں سائلنسر چڑھے ہوئے پستول کی جھلک دیکھی تو سوتا ہوا بن گیا۔ یہ کچھ دیر تک ہمارا جائزہ لینے کے بعد خواب گاہ سے نکلا تو میں نے بھی بستر چھوڑ دیا۔ اس سے پہلے کہ میں عقب سے اس پر حملہ آور ہوتا یہ خود ہی دروازہ کھولتے ہی پیچھے اچھل کر میری آغوش میں آ گرا۔ تم نے اس وقت زبردست کام دکھایا ہے ورنہ اس پر قابو پانا دشوار ہو جاتا۔" اس نے ایک ہی سانس میں پوری کتھا سنا ڈالی۔ نووارد ڈھٹائی کے ساتھ خاموش کھڑا رہا۔

"اب تم ہی بھگتو گے اس مردود سے!" میں نے سلمیٰ کا خیال آتے ہی دانت پیس کر کہا۔ "یہاں اگر ایسے مرے ہو کہ پلٹ کر خبر تک نہ لی۔ سلمیٰ آگ بگولا ہو رہی ہے اگر میں سوا تین بجے تک تمہارے گھر نہ پہنچا تو وہ ڈرائیور سمیت سیدھی یہیں آ کر تمہاری خبر لے گی۔ فون پر بڑی مشکل سے اسے سوا تین بجے تک نکلنے سے روکا ہے۔"

"ارے باپ رے!" سلمیٰ کا نام سنتے ہی وہ بوکھلا گیا۔ "شکار کو تم سنبھالو میں گھر جا رہا ہوں۔ وہ آ گئی تو چیخ چیخ کر پورے شہر کی نیند خراب کر دے گی۔ میں نے تو آتے ہوئے اسے کچھ بھی نہیں بتایا تھا پھر اسے کیسے پتا چلا کہ میں یہاں موجود ہوں؟"

"بیویوں میں ایک چھٹی حس بھی ہوتی ہے۔ وہ جانتی ہیں کہ ان کے جانور کہاں کہاں منہ مارتے پھرتے ہیں۔" میں نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔ "میں نے بھی تمہاری آمد سے انکار کیا ہے۔ تم فوراً واپس گئے تو وہ پوری بات سمجھ جائے گی۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری دوسری چہیتی کہاں ہے؟ ابھی تو وہ بھی تمہارے سر پر جوتے لگائے گی۔"

"وہ اپنے بستر پر بے خبر سو رہی ہے۔" اس خطرناک سچویشن میں بھی وہ اپنی خفیف سی آسودہ مسکراہٹ کو مجھ سے پوشیدہ نہ رکھ سکا۔

"ایسی بات ہے تو تم چلے جاؤ میں اسے یہیں دیکھ لوں گا۔"

"وہ سوئی ہوئی ہے تو اسے بے خبر ہی رہنے دو۔ اسے اپنے فلیٹ میں لے چلتے ہیں۔"

"تم میری مرضی کے خلاف مجھے کہیں نہیں لے جا سکتے۔" نووارد نے بھرائی ہوئی آواز میں پہلی بار زبان کھولی۔ "میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔ تم خود مجھ سے الجھے ہو اور اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہو گا۔"

اسی لمحے میرا اشارہ پا کر جہانگیر نے اس کی داہنی کنپٹی پر عقب سے کراٹے کا ایک بھرپور ہاتھ رسید کیا اور وہ حلق کے بل خرخراتا ہوا وہیں قالین پر ڈھیر ہو گیا۔

وقت بہت تیزی کے ساتھ گزر رہا تھا ہم دونوں فوراً ہی اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر کسی کی مداخلت کے بغیر اسے سیما کے فلیٹ سے اپنے فلیٹ میں لے آئے۔ وہاں سے مزاحمت کے آثار ختم کر دیے گئے تھے تاکہ سیما بیدار ہونے کے بعد یہ سمجھے کہ جہانگیر رات کو کسی وقت بیدار ہو کر خاموشی سے وہاں سے چلا گیا تھا۔

"کیا واقعی سلمیٰ سے تمہاری بات ہوئی ہے؟" جہانگیر نے تشویش آمیز لہجے میں سوال کیا۔ "یا اسے الجھانے کے لیے کہانی بنا رہے تھے؟ سلمیٰ تو تمہاری صورت ہی سے بیزار ہوئی جا رہی تھی۔"

"وہ فون کر کے مجھے تاؤ نہ دلاتی تو اس وقت یہ تمہیں سیما کے چوکھٹ پر گولی مار کر اطمینان سے نکل گیا ہوتا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں پہنچا تو وہ دروازہ کھول رہا تھا۔ تم اس پر حملہ بھی کرتے تو اسے ساتھ لے کر باہر آ گرتے یا شاید سیڑھیوں سے ہی نیچے لڑھک جاتے۔ اب اس کے ہاتھ پیر مضبوطی سے باندھ کر منہ میں کپڑا ٹھونس دو اور دوسری خواب گاہ میں لے جاؤ۔ میں واپسی پر اس کے بارے میں سوچوں گا کہ کیا کرنا چاہیے؟"

"میرا بریف کیس کہاں ہے؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"باتھ روم میں پھینک دیا ہے۔ اپنی کار کی چابی دو تاکہ اسے بھی کسی تاریک گلی میں پہنچا دوں۔ سلمیٰ ادھر آ گئی تو گاڑی دیکھ کر ایک قیامت کھڑی کر دے گی۔"

اس نے بے چون و چرا چابی میرے حوالے کر دی۔ میں نے بے آواز پستول اس کے حوالے کیا اور لباس تبدیل کر کے فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ جہانگیر کی گاڑی ایک گلی میں پارک کرنے کے بعد واپس آ کر شیراڈ کا انجن اسٹارٹ کیا تو تین بج کر دو منٹ ہو چکے تھے۔ مجھے امید تھی کہ ویران سڑکوں پر تیز رفتاری کے ساتھ کار ڈرائیو کرتے ہوئے میں مقررہ وقت سے پہلے سلمیٰ کے گھر پہنچ جاؤں گا اور کسی نہ

کسی طرح اسے سمجھا بجھا کر وہاں سے واپس نکل بھاگنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

راستے میں میرا ذہن شی، مافیا اور پاکستان کے اپنے مفادات میں اُلجھ گیا۔

میں ایک مدت سے منشیات کی دنیا سے وابستہ چلا آرہا تھا اور یہ حقیقت ہر وقت میرے ذہن میں کچوکے لگاتی رہتی تھی کہ پاکستان اور خاص طور پر کراچی میں ہیروئن کو متعارف کرانے والوں میں مَیں پیش پیش تھا اور پچھلی بار جہانگیر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر نشے کی جھونک میں مَیں نے جو کچھ سوچا تھا اس کی روشنی میں پاکستان جیسے غریب ملک میں سستے داموں ہیروئن پھیلانا ایک ناقابلِ معافی جرم تھا جس پر مجھے شی والوں نے مجبور کیا تھا۔ میں نے جو کچھ سوچا تھا، اس کی تصدیق مافیا والوں نے کر دی تھی بلکہ مجھے اپنے ان سوالات کے جواب بھی مل گئے تھے جو میرے ذہن میں اُلجھ رہے تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر ڈان تھری نے پاکستان اور خاص طور پر اس کے شمال مشرقی سرحدی پہاڑوں کے بارے میں شی کے عزائم کی جو بھیانک تصویر کھینچی تھی، اس نے میرے وجود کو اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ افیم کی پوری تاریخ میں چین وہ واحد ملک تھا جس نے اس فصل کی پیداوار کو رضاکارانہ طور پر ختم کیا تھا کیونکہ اس دَور میں نہ برق رفتار مواصلاتی رابطے میسر تھے نہ برآمدی تجارت اور اسمگلنگ کو رواج حاصل ہوا تھا اور یہ سب اس دَور کی باتیں تھیں جب افیم سے ہیروئن کشید نہیں کی گئی تھی۔ چین میں افیم کا استعمال ایک وبا کی صورت اختیار کر گیا تھا اور ان کا معاشرہ مجموعی طور پر سست روی اور بیزاری کا شکار ہو چلا تھا لہٰذا چینیوں نے از خود اس کے انسداد کی مہم چلائی اور اپنی سرزمین کو اس فصل سے پاک کر لیا لیکن ہیروئن کی دریافت کے بعد جنوبی ایشیا کے ممالک، ترکی، ایران، افغانستان، پاکستان، بھارت، نیپال اور دوسری ہمالیاتی ریاستوں سے لے کر مشرقِ بعید تک جہاں بھی افیم کی کاشت کے خلاف مہم چلائی گئی، اس کی ابتدا مغرب اور بالخصوص امریکا نے کی تھی۔ ان کی اعانت اور سرمائے سے بعض ملکوں میں افیم کی مکمل بیخ کنی کر دی گئی تھی۔ پاکستان کی حساس دفاعی اور جغرافیائی حیثیت کی وجہ سے یہاں افیم کے سدِباب کی جبری کوششیں جو تجرباتی طور پر کی گئیں، کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکی تھیں اس لیے اس خطے کے لیے سرکاری سطح پر کی جانے والی دوسری کوششوں کے ساتھ ساتھ شی کے ذریعے ایک طویل المیعاد منصوبہ بھی شروع کیا گیا تھا جس کے ذریعے پاکستان کے گلی کوچوں میں ہیروئن کا زہر پھیلا کر رائے عامہ کو افیم کے خلاف ہموار کیا گیا تھا تاکہ پاکستانی باشندوں کو بھی افیم کے انسداد کے لیے کی جانے والی مغربی کوششوں سے ہمدردی پیدا ہو جائے۔ دوسری طرف دیگر مسکن ادویہ کے برعکس ہیروئن کو بہت چالاکی کے ساتھ مضرِ صحت قرار دیتے ہوئے برٹش فارماکوپیا اور دیگر عالمی فہرستوں سے خارج کر کے اس کی تیاری، تجارت اور استعمال کو بین الاقوامی جرم قرار دے دیا گیا۔ یہ پورا کھیل مشرق کے سارے ملکوں کے لیے تیار کیا گیا تھا جن کی زمینیں اور آب و ہوا اس فصل کے لیے سازگار تھی لیکن قرعہ سے اس پوری مہم کا بدترین نشانہ پاکستان بنا ہوا تھا۔ دوسری طرف مافیا کے مفادات اس خطے میں سیاسی نہیں بلکہ صرف معاشی تھے۔ وہ اس علاقے میں کشید ہونے والی اوّل درجے کی ساری ہیروئن پر بلا شرکتِ غیرے اپنا تصرّف چاہتے تھے اور اس کا ایک گرام بھی پاکستان میں ضائع کیے بغیر ہر کھیپ کو مغرب کی مہنگی منڈیوں میں مُنہ مانگے داموں پر فروخت کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔

کامٹ اور ڈان تھری سے ملاقات کے بعد میں مافیا میں شرکت کے لیے تیار ہو چکا تھا لیکن بیما کے فلیٹ میں کسی چور کی طرح داخل ہونے والے نے میرے ذہن میں ہلچل مچا دی تھی۔ مجھے معلوم تھا بلکہ کامٹ نے خود بتایا تھا کہ ان کے آدمی ہر لمحے میری نگرانی کر رہے تھے اس لیے مجھے شبہ تھا کہ نووارد اُن ہی کا آدمی تھا لیکن فلیٹ میں کامیابی سے داخل ہونے کے بعد خاموشی سے واپس لوٹ جانا میرے لیے ناقابلِ فہم تھا۔ اس راز پر سے وہ شخص خود ہی پردہ ہٹا سکتا تھا۔

معاً میری ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ پکڑا جانے والا جو بھی رہا ہو، اس کے ساتھی بھی ہو سکتے تھے۔ پھر کامٹ کے ایک آدمی نے شیراڈ کی ڈکی میں چھپ کر شاہ باغ تک میرے ساتھ سفر کیا تھا۔ اس کے بعد دن میں کار سے سفر کرتے ہوئے ہر بار میں نے ڈکی کا جائزہ ضرور لیا تھا لیکن اس وقت سلمٰی کا خوف سر پر سوار ہونے کی وجہ سے میں ڈکی کا جائزہ لینا بھول گیا تھا۔ مجھے اچانک ہی خیال آیا تھا کہ اس وقت بھی میرے عقب میں کوئی موجود ہو سکتا ہے۔

میں نے کار سڑک کے کنارے روک کر انجن بند کیا اور چابی جیب میں ڈالتا ہوا تیزی سے کار کے عقب میں پہنچا تو یہ دیکھ کر لرز اٹھا کہ عقبی نشست اور باڈی کے درمیانی حصے میں ایک شخص دُبکا ہوا تھا۔ شیشے کی شفاف عقبی شیلڈ کے پیچھے اس کی نگاہیں کسی عقاب کے دیدوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ فاصلے پر لگے ہوئے اسٹریٹ لیمپس کی ناکافی روشنی میں کوئی جنبش کیے بغیر وہ شخص مجھے گھورتا رہا۔ اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں جیسے انھیں سکتہ ہو گیا ہو۔

مجھے نہ اس کے ہاتھ نظر آ رہے تھے نہ اندر تاریکی کی وجہ سے میں اس کا تفصیلی جائزہ لے سکتا تھا۔ اس کے قریب جانے میں یہ خوف بھی تھا کہ کہیں وہ مجھ پر فائر نہ کر دے لیکن فوراً ہی مجھے خیال آیا کہ اس وقت تک مافیا والے میرے دشمن نہیں بلکہ نگہبان بنے ہوئے تھے اور میرے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنا اپنا حق سمجھ رہے تھے۔

میں نے اس سے اُلجھنے کا ارادہ ترک کر دیا البتہ میں اسے

دو چار تھپیڑے مار کر اس ویران سڑک پر اپنی کار سے ضرور اتار سکتا تھا اور کامٹ یا ڈان تھری کے لیے میری اس کارروائی پر کسی اعتراض کی گنجائش نہ ہوتی۔

میں نے ہاتھ ہلا کر اسے باہر نکلنے کا اشارہ کیا لیکن وہ اسی حالت میں دبکا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس وقت بھی خود کو میری نگاہوں سے محفوظ سمجھ رہا ہو۔ میں نے خوف اور جھلاہٹ کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ڈکی کا ڈھکن کھول دیا۔ اس بار بھی اس نے کوئی جنبش نہ کی تو میں قریب پہنچ گیا اور پھر میرے بدن میں خوف کی پھریریاں دوڑ گئیں۔ وہ یقیناً کوئی زندہ انسان نہیں تھا بلکہ سکڑی ہوئی سرد لاش تھی جس کی کھلی ہوئی آنکھوں میں ابھی زندگی کی چمک برقرار تھی۔

اس لاش کے ساتھ میں زیادہ دیر تک اس ویران سڑک پر نہیں رک سکتا تھا۔ اگر پولیس والوں کی کوئی گشتی کار اس طرف آنکلتی تو میرے لیے جان چھڑانی مشکل ہو جاتی۔

اس کی موت کا یقین ہوتے ہی مجھے اس کی کھلی ہوئی چمکدار آنکھیں دہشت ناک نظر آنے لگیں اور میں نے بے اختیار اس کے پپوٹے بند کرنے کے لیے اپنا ہاتھ ڈکی میں ڈال دیا۔

اس کے چہرے کا لمس محسوس کرتے ہی میری کھوپڑی جھنجھنا اٹھی اور میں نے اس کے سخت گھونگھریالے بال مٹھی میں جکڑ کر اسے سڑک سے دور کچے میدان میں اچھال دیا کیونکہ وہ پلاسٹک اور ربر سے بنا ہوا ایک ہلکا پھلکا آدم قدم مجسمہ تھا جو روشنی میں دور سے بھی بہ آسانی پہچانا جا سکتا تھا۔

مقررہ وقت میں صرف چار منٹ رہ گئے تھے جھلاہٹ اور خفت کے باعث میں نے رفتار کچھ زیادہ ہی بڑھا دی لیکن میرا ذہن اس پہیلی میں الجھا ہوا تھا۔ وہ کس کی طرف سے کار میں رکھا گیا تھا اور اس کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟ بادی النظر میں تو کسی نے مجھ کو یہ جتانے کی کوشش کی تھی کہ جس طرح وہ پتلا میری کار میں رکھا گیا ہے۔ اسی طرح کوئی مہلک مادہ بھی پہنچایا جا سکتا تھا جو آنِ واحد میں مجھے زندگی اور اس کے بکھیڑوں سے بہت دور پہنچا سکتا تھا۔

اس واقعے سے میرا ذہن اس قدر پراگندہ تھا کہ مجھے راستے کا بھی احساس نہیں ہوا اور میں اسی برق رفتاری کے ساتھ جہانگیر کے مکان کے سامنے سے گزر گیا۔ مکان پہچان کر میں نے بتدریج بریک لگائے اور یوٹرن لے کر واپس گیٹ پر پہنچ گیا۔ وہاں شاید چوکیدار کو سلمیٰ پہلے ہی ہدایت دے چکی تھی۔ اس لیے میرے ہارن بجانے سے پہلے ہی پھاٹک پر روشنیاں دیکھ کر گیٹ کھول دیا گیا۔

اندر برآمدے میں سلمیٰ بے چینی کے ساتھ میری منتظر تھی اس سے ذرا دور ایک گھریلو محافظ اپنی رائفل لیے کسی روبوٹ کی طرح مستعد کھڑا ہوا تھا۔ میرے کار سے اترتے ہی سلمیٰ تیر کی طرح میری طرف دوڑ پڑی۔

"کیا ہوا؟ جہانگیر کہاں ہیں؟" اس نے تیز سرگوشیانہ آواز میں سوال کیا۔ اس کی آواز میں اس وقت بھی غصہ جھلک رہا تھا لیکن اس پر تشویش غالب تھی۔

"میں نے کئی آدمیوں کو دوڑایا ہوا ہے تھوڑی دیر بعد ان کی طرف سے اطلاعات مل سکیں گی لیکن تمہاری دھمکی کی وجہ سے مجھے مجبوراً ہر کام چھوڑ کر یہاں آنا پڑا ہے۔ اپنے فلیٹ پر رہ کر میں زیادہ مؤثر انداز میں جہانگیر کو تلاش کر سکتا تھا۔"

"بہت عرصے سے ان کے معمولات نارمل ہو گئے تھے اب وہ اچانک ہی غائب ہو گئے ہیں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ تمہارے ساتھ بیٹھے ہوں گے۔ اب بتاؤ کہ میں کیا کروں اور کہاں جاؤں؟" وہ میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

"وہ ننھا سا بچہ نہیں ہے واپس آ جائے گا۔ تمہیں ذرا صبر سے کام لینا چاہیے ہو سکتا ہے وہ زیادہ شراب پی کر کہیں اونگھ رہا ہو۔ نشے کی حالت میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے پکڑے جانے سے بہتر ہے کہ آدمی نشہ اترنے کا انتظار کر لے۔" میں نے اس کے تیور دیکھ کر جہانگیر کے لیے راہ ہموار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہوا ہو... مگر وہ گھر سے باہر کیوں پیتے ہیں جب کہ گھر میں ان پر پابندی نہیں لگاتی؟"

"یہ ان ہی سے پوچھ لینا" میں نے نرمی سے کہا "اس وقت مجھے واپس جانے دو۔"

"مجھے وحشت ہو رہی ہے، میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ نوکروں سے تو میں دل کی بات بھی نہیں کر سکتی۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو۔ جہانگیر شکی مزاج کا آدمی ہے۔ وہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ تم اس کی آوارہ گردی کا بدلہ لینے میرے ساتھ گئی ہو۔ اب تو رات گزر رہی ہے تھوڑی دیر میں اجالا نمودار ہو جائے گا ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے ہی وہ گھر واپس آ جائے۔ تمہیں یہیں رک کر اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ اگر دوسری بار میری اس سے جھڑپ ہو گئی تو ہم زندگی بھر کے لیے ایک دوسرے سے چھوٹ جائیں گے۔ اس بار تم بھی ہماری صلح نہیں کرا سکو گی۔"

وہ میرے ساتھ چلنے پر مصر تھی۔ میں بمشکل تمام اسے اپنی بات سمجھانے میں کامیاب ہو سکا اور آخر کار اس نے میرے اس وعدے پر مجھے واپس جانے کی اجازت دے دی کہ میں اپنے فون پر موجود رہوں گا تاکہ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے مجھ سے تازہ ترین معلومات حاصل کر سکے۔ میرے نزدیک وہ کوئی شرط ہی نہیں تھی کیونکہ مجھے فوری طور پر فلیٹ میں موجود قیدی سے بازپرس کرنی تھی اس لیے میں سلمیٰ کو مزید نکتہ آفرینی کا موقع دیے بغیر فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا۔

واپسی کے سفر میں مجھے بار بار پلاسٹک کے اس آدم قد گڈے کا خیال آتا رہا جس نے مجھے بہت زیادہ خوفزدہ کر دیا تھا۔ میں نے پچھلے برسوں میں اپنے ہاتھوں سے بھیانک ترین انسانی لاشیں تخلیق کی تھیں اور کبھی بھی مجھ پر خوف طاری ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی لیکن اس گڈے نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیے تھے۔ اس سے تو میری جان چھوٹ گئی تھی لیکن آثار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اُجالا پھیلنے سے پہلے مجھے واقعی ایک لاش کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست کرنا ہو گا۔

میرا وہ خیال بے سبب نہیں تھا۔ شاہ باغ کے سفر میں میرے تعاقب کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کامٹ نے بتایا تھا کہ اگر میں اس کے آدمی کو پکڑ بھی لیتا تو وہ میرے ہاتھوں ذبح ہو جانے کے باوجود گمپی گمپی کے علاوہ ایک لفظ بھی مُنہ سے نہ نکالتا جبکہ سیما کے فلیٹ میں پکڑے جانے والے نے وہ مخصوص الفاظ ادا نہیں کیے تھے جو مافیا سے اس کا تعلق ظاہر کر سکتے تھے۔ ایسی صورت میں وہ شی کا ہی کوئی ایجنٹ ہو سکتا تھا جس کا زندہ رہنا میرے حق میں زہر ثابت ہو سکتا تھا۔

واپسی پر بلڈنگ کا چوکیدار جاگتا ہوا ملا۔ میری کار پہچان کر اس نے رکاوٹ دور کی اور میں اپنی کار ریمپ پر چڑھا کر براہِ راست میزنائین فلور پر لیتا چلا گیا جہاں کسی کی مداخلت کا نسبتاً کم امکان تھا۔

اس فلور پر کار گھماتے ہی مجھے کاروں کے درمیان ایک ہیولا نظر آیا جو پھرتی سے دوسری گاڑیوں کے درمیان دُبک گیا۔ وہ اگر مجھ سے چھپنا ہی چاہتا تھا تو ریمپ کے ابتدائی سِرے سے اوپر آنے والی ہیڈلیمپس کی تیز روشنی دیکھ کر یا رات کے سناٹے میں کار کے انجن کی گونج سُن کر میرے اوپر پہنچنے سے پہلے ہی بہ آسانی چھپ سکتا تھا لیکن آخری لمحات پر اس کی حرکت کی بنا پر مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ مجھے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہ رہا تھا۔

نامعلوم ہیولے کی اس حرکت کا ایک ہی مقصد ہو سکتا تھا کہ اوپر کوئی گڑبڑ ہو چکی تھی اور وہ مجھے فوری طور پر فلیٹ پر جانے سے روکنے کے لیے اپنے ساتھ آنکھ مچولی میں الجھانا چاہ رہا تھا۔

میں اسے نظر انداز کر کے تیزی کے ساتھ اپنے فلیٹ کی طرف جانے والے زینوں پر ہو لیا۔ زینوں پر میرے قدموں کی آہٹ پیدا ہوتے ہی اوپری زینوں پر ہلکی سی دھمک سُنائی دی تھی جیسے کوئی پنجوں کے بل تیزی سے اوپر فرار ہوا ہو۔ میں نے فلیٹ پر پہنچ کر ڈوربیل بجائی اور جہانگیر نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔

فلیٹ میں صورتِ حال بالکل پُرسکون تھی۔ جہانگیر قیدی کو بے بس کر کے اندر پہنچا چکا تھا۔ اس نے بتایا کہ میری غیر حاضری میں فلیٹ میں کسی نے بھی مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں چکرا کر رہ گیا کیونکہ اس طرح باہر ہونے والی مشتبہ نقل و حرکت بے معنی ہو کر رہ جاتی تھی۔ شاید وہ مافیا والے ہی تھے جو براہِ راست سامنا کیے بغیر دور دور رہ کر میرے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوششیں کر رہے تھے اور یقیناً ان کی تعداد ایک سے زیادہ تھی۔

قیدی ہوش میں آ چکا تھا۔ اس کے حلق تک کپڑا ٹھونس کر جہانگیر نے اس کے مُنہ میں لگام کی طرح ایک پرانی ٹائی کس دی تھی جس کی وجہ سے اس کا چہرہ مسخ ہو کر رہ گیا تھا اور اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر اُبلی پڑ رہی تھیں۔

"اس کا مُنہ کھولا گیا تو یہ فوراً ہی شور مچانا شروع کر دے گا۔" میں نے اس کی پسلیوں میں اپنی ٹھوکر سے ہلکی سی ضرب لگاتے ہوئے کہا اور قیدی بہت تیزی کے ساتھ اپنے سر کو نفی میں جنبش دینے لگا۔

"آواز نکالے تو ذبح کر دینا، میں نے کچن سے چھری نکال لی ہے۔" جہانگیر نے تپائی سے لمبی سی چھری اُٹھا کر اس کی دھار پر اُنگلی پھیرتے ہوئے کہا۔ "خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ ہم پہلی منزل پر ہیں۔ نیچے والی دُکانیں اور دفاتر سب بند پڑے ہوتے ہیں۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلے گا کہ یہاں کیا ہوا ہے۔"

ہماری گفتگو سے قیدی واضح طور پر خوفزدہ ہو گیا تھا۔ دوسری طرف جہانگیر سلمٰی کے بارے میں میری کہانی سُننے کے لیے مرا جا رہا تھا اس لیے میں اسے ساتھ لے کر دروازے پر آ کھڑا ہوا اور دھیمی آواز میں اسے اپنی رپورٹ سُنانے لگا۔ قیدی یہ سمجھ رہا ہو گا کہ ہم اس کی تقدیر کے بارے میں مشورے کر رہے تھے۔

"یہ تم نے بہت اچھا کیا کہ شراب والی بات اس کے کان میں ڈال دی۔" میرے خاموش ہونے پر وہ سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "واپسی پر میں اسے یہی بتاؤں گا کہ زیادہ پی لینے کی وجہ سے ایک دوست کے پاس رُک گیا تھا۔ ایسی شاندار ترکیب تو بھول کر بھی میرے ذہن میں نہیں آ سکتی تھی۔"

"لعنت ہو تم پر۔ عیاشیاں تم کرو اور بہانے میں تلاش کرتا پھروں۔"

اس کی تسلی ہو گئی تھی اس لیے ہم دونوں پھر قیدی کے پاس آ گئے۔۔۔ اس کی رحم طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ شاید زیادہ مضبوط اعصاب کا مالک نہیں تھا کیونکہ تشدد کے تصور سے ہی خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔

وہ بولنے سے معذور تھا اس لیے میں اس سے جو کچھ پوچھتا رہا وہ سر ہلا کر میری فرماں برداری کا اقرار کرتا رہا اور آخر کار میرے ایما پر جہانگیر نے ٹائی کی گرہ کھول کر اس کے منہ سے کپڑا نکالنا شروع کر دیا۔

منہ صاف ہوتے ہی اس نے چند گہرے گہرے سانس لیے پھر ہکلاتے ہوئے بدقت تمام پانی طلب کیا جو جہانگیر نے گلاس سے اس کے خشک حلق میں انڈیل دیا۔

"تت ... تم لوگوں نے مجھے بلا وجہ پکڑ لیا ہے، میرا تم کو نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" پانی پی کر اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "تم نے دیکھ ہی لیا تھا کہ میں کوئی بھی کارروائی کیے بغیر واپس جا رہا تھا۔"

"اور بے آواز پستول کس مقصد کے لیے تھاما ہوا تھا تم نے؟"

"محض احتیاطاً۔" وہ بولا۔ "اگر سات نمبر میں اتفاقاً کسی کی آنکھ کھل جاتی تو میں اسے خوفزدہ کر کے بحفاظت نکل جانے کی نیت سے پستول ساتھ لایا تھا۔ خون کا ایک قطرہ بھی بہانے کا ارادہ نہیں تھا میرا۔"

"پھر آئے کیوں تھے وہاں؟" میں نے درشت لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے صرف یہ دیکھنا تھا کہ وہاں کوئی عورت اکیلی رہتی ہے یا اس کے ساتھ کوئی مرد بھی مقیم ہے۔ اس کے علاوہ میرا نہ کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ تھا نہ چوری کا۔"

"یہ بات تو تم باہر پوچھ گچھ کر کے بھی معلوم کر سکتے تھے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مجھے خواب گاہ میں داخل ہو کر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا حکم ملا تھا۔"

"حکم دینے والا کون تھا؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر سوال کیا۔

اس نے میرے سوال کا جواب دینے سے بہت گریز کیا لیکن میرے بگڑتے ہوئے تیوروں نے اسے زبان کھولنے پر مجبور کر دیا۔ "میں اس سے واقف نہیں ہوں۔ وہ کبھی کبھی فون پر مجھ سے کام لیتا رہتا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ تم بھی تو کسی طرح اس تک اپنی رپورٹ پہنچاتے ہو گے؟"

"وہ خود فون کر کے رپورٹ لیتا ہے۔ آج بھی صبح دس بجے وہ مجھے فون کرے گا۔ یہ کام مجھے صرف اس لیے سونپا گیا تھا کہ میں ہر قسم کے تالے کھولنے میں ماہر ہوں۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ عورت کو یہ علم ہو سکے کہ کسی نے فلیٹ میں داخل ہو کر اس کا جائزہ لیا ہے۔ مجھے تالا کھول کر اندر جانا تھا اور کسی بھی چیز کو چھیڑے بغیر واپس لوٹ جانا تھا۔"

"اور اگر فلیٹ میں کوئی بھی نہ ہوتا تو تم کیا کرتے؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے بتا دیا گیا تھا کہ عورت رات کو دیر سے گھر لوٹنے کی عادی ہے، اسی لیے میں دو بجے کے بعد آیا تھا۔ کوئی نہ ملتا تو اگلی رات کو پھر کوشش کرتا۔ اس کے دیے ہوئے کام کو ادھورا چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"فون پر اس کی کوئی شناخت تو ہو گی؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

میرے اس سوال پر وہ خوفزدہ ہو کر خوشامدوں پر اتر آیا لیکن چند دھمکیوں کے بعد ہی اس نے اگل دیا کہ خود کو.... ڈی ڈی کہا کرتا ہے۔ اس انکشاف کے بعد سب کچھ واضح ہو گیا۔

دلدار آغا نے اپنے ہم پیشہ، ندیم کو ہیروئن کی اسمگلنگ کے لیے اپنا آلۂ کار بنایا ہوا تھا جب وہ فرینکفرٹ میں گرفتار ہو گیا تو دلدار نے کسی خاص مقصد کے تحت اپنے فیکٹری مینجر، ہارون کو ندیم کی بیوی، سیما کے پیچھے لگا دیا۔ ان لوگوں کے لیے سیما اتنی اہم تھی کہ جب کامٹ نے پیچھے جا کر نشے میں دھت، ہارون کو لتاڑا اور اسے یہ بتایا کہ وہ سیما کا شوہر تھا تو ہارون نے فرار ہونے کے بعد پہلی فرصت میں دلدار آغا کو سیما کی دوسری شادی سے آگاہ کر دیا۔ دلدار بہت گھاگ آدمی تھا اس لیے ہارون سے ملنے والی خبر اس کے دل کو نہ لگ سکی اور اس نے فوراً ہی اپنے ایک آدمی کو تحقیقات پر مامور کر دیا جو چند ہی گھنٹوں کے اندر سیما کے فلیٹ میں پہنچ گیا۔ اگر وہ اپنا جائزہ لے کر خیریت کے ساتھ نکل جانے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو سیما کے ساتھ جہانگیر کو محوِ خواب دیکھ کر دلدار کو وہی کچھ بتاتا جو ہارون نے بتایا تھا لیکن وہ اپنی بدنصیبی کے باعث ہمارے ہاتھ لگ گیا۔

بظاہر وہ ایک درمیانی آدمی تھا اور اسے چھوڑا بھی جا سکتا تھا لیکن اندیشہ اس بات کا تھا کہ وہ ڈی ڈی سے مرعوب ہو کر اسے نہ صرف جہانگیر کی سیما کے فلیٹ میں موجودگی کے بارے میں بتاتا بلکہ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہمارے بارے میں بھی سب کچھ اگل دیتا۔ ایسی صورت میں دلدار کا فوری طور پر میری طرف متوجہ ہونا ناگزیر ہو جاتا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم لوگوں کے بارے میں ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکالوں گا۔" شاید وہ میرا ذہن پڑھ کر ہی گڑگڑایا تھا۔ "میں اس کا ملازم نہیں ہوں، اس نے اس کام کے لیے مجھے پانچ ہزار روپے دیے ہیں۔ میں نے فلیٹ میں جو کچھ دیکھا تھا، اسے وہی بتا دوں گا، میری وجہ

سے تم پر کوئی آنچ آئے تو تم ہر وقت مجھ پر ہاتھ ڈال سکتے ہو۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ڈی ڈی نے تمہیں کیسے خطرناک چکر میں ڈال دیا ہے۔" جہانگیر چھری لہراتے ہوئے سفاکانہ لہجے میں بولا۔ "یہ روایت چلی آرہی ہے کہ نہ وہ ہمارے کسی آدمی کو زندہ چھوڑتا ہے، نہ ہم اپنے ہاتھ لگنے والے اس کے کسی آدمی کو زندہ واپس لوٹنے دیتے ہیں۔ تم بیچ کے آدمی ہو لیکن تمہارے ستارے گردش میں آگئے ہیں۔"

اس کا چہرہ خوف سے تاریک پڑ گیا اور وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ "میں خدا اور رسول کی قسمیں کھاتا ہوں کہ تمہارے بارے میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔ میں ایسے دھندوں سے ہی دور بھاگتا ہوں۔ چھوٹی موٹی نقب زنی سے ہی میرا گزارا ہوتا رہتا ہے۔ اگر ڈی ڈی میری پچھلی وارداتوں کا حوالہ دے کر مجھے دھونس نہ دیتا تو میں کبھی اس کے لیے کام کرنے پر آمادہ نہ ہوتا۔ وہ سؤر کا بچہ پکا بلیک میلر ہے۔ مجھے اس کے مفاد سے زیادہ اپنی زندگی عزیز ہے۔"

"وہ تمہارا معاوضہ کس طرح ادا کرتا ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"تم یقین نہیں کرو گے لیکن ہر بار کام شروع کرنے سے پہلے کسی نہ کسی طرح رقم مجھے مل جاتی ہے۔ آج بھی ایک بار والے نے میرا بائی کے کوٹھے پر رقم کا لفافہ پہنچایا تھا۔"

"یہ شوق بھی رکھتے ہو تم؟" میں نے پوچھا۔

"میں میرا بائی کے کوٹھے پر ہی رہتا ہوں۔" وہ کسی شرمندگی کے بغیر بولا۔ "اس کی ایک لڑکی سے میرا چکر چلا ہوا ہے۔"

"اور ڈی ڈی وہیں تم کو فون کرتا ہے؟"

"ہاں... میرے فون وہیں آتے ہیں۔ تم چاہو تو ابھی تصدیق کر سکتے ہو۔ نیپئر روڈ پر تو اس وقت بھی مجرے چل رہے ہوں گے۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا نام اور میرا بائی کا فون نمبر بھی دہرا دیا جو جہانگیر نے فوراً نوٹ کر لیا۔

"آج کے بعد اگر تم ادھر نظر آئے تو زندہ واپس نہ جا سکو گے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "آج بھی ہم بہت بڑا خطرہ مول لے کر تمہیں زندہ واپس لوٹنے دیں گے۔"

"تم ہمیشہ مجھے اپنا غلام پاؤ گے۔" میری یقین دہانی سنتے ہی فرطِ جذبات سے اس کی آواز بھرا گئی۔ "اس خبیث بلیک میلر نے مجبور کیا تو شاید مجھے دوبارہ ادھر آنا پڑے لیکن میں آیا تو سیدھا تمہارے پاس آکر پوری کہانی بتاؤں گا پھر تم جو حکم دو گے اسی کے مطابق عمل کروں گا۔ اس کی کسی ہدایت پر میں نے عمل کرنے سے انکار کیا تو اسے مجھ پر شبہ ہو جائے گا۔"

اس کی بات معقول تھی اس لیے میں نے جہانگیر کو اشارہ کیا اور اس نے چھری سے قیدی کی بندشیں کاٹنی شروع کر دیں۔

اس شخص سے کئی کارآمد باتیں معلوم ہوئی تھیں اور تو دلدار کی دوا ساز فیکٹری کے بارے میں میرا شبہ یقین میں بدل گیا تھا کہ وہاں کوئی گھپلا ہو رہا تھا جس کا ثبوت یہ تھا کہ فیکٹری منیجر بھی دلدار کی سازشوں میں شریک تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ پیسہ پھینک کر کام لینے کے پرانے اصول کے بجائے دلدار لوگوں کو بلیک میل کر کے بھی شی کے لیے کام کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ شاید بخت آور کو بھی اس کے کیے ہوئے قتل کے سہارے شی کے جال میں باندھا گیا تھا۔ اس شخص کے زندہ واپس لوٹنے سے سب سے بڑا فائدہ یہ نظر آرہا تھا کہ سیما کے بارے میں دلدار کا تجسس ختم ہو جاتا اور وہ ہارون کی سنائی ہوئی کہانی پر یقین کر لیتا۔ بصورتِ دیگر وہ زیادہ ہوشیاری اور تیاری کے ساتھ سیما کی طرف متوجہ ہو سکتا تھا۔

قیدی بندشوں سے آزاد ہوتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "میں اپنی نئی زندگی کے لیے دل کی گہرائیوں سے تمہارا شکر گزار ہوں۔ اب اگر مجھے اجازت ہو تو میں چلا جاؤں؟"

"ضرور چلے جاؤ لیکن یہ یاد رکھنا کہ وعدہ خلافی کی صورت میں موت تمہیں کہیں بھی آ دبوچے گی۔" میں نے کہا۔

"میرا پستول؟" اس نے قدرے ہچکچاہٹ کے بعد سوال کیا۔

"وہ نہیں ملے گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ہتھیار پاس ہو تو استعمال ہو ہی جاتا ہے۔ اگر تمہاری سرگرمیاں واقعی چوری اور نقب زنی تک محدود ہیں تو میرا مشورہ ہے کہ کوئی آتشیں ہتھیار ساتھ نہ رکھا کرو ورنہ کسی دن سوچے سمجھے بغیر اچانک قاتل بن جاؤ گے اور پھر کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔"

وہ سر جھکا کر نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا اور جہانگیر بھی اپنے گھر واپسی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

ایک مرتبہ پھر گھنٹی کی آواز میری نیند میں خلل انداز ہوئی اور مجھے بستر چھوڑنا پڑ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس رات سونا میرے مقدر میں ہی نہ ہو۔ اس بار فون کی گھنٹی خاموش تھی البتہ ڈور بیل بجائی گئی تھی۔

میں نے دروازہ کھولا تو سیما میک اپ سے عاری، دلکش چہرے سمیت میرے سامنے موجود تھی۔ اس کے ہونٹوں پر خفت آمیز مسکراہٹ تھی اور وہ مجھ سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔ میں نے اس کے لیے راستہ چھوڑ کر اندر آنے کی دعوت دی جو اس نے بلا پس و پیش قبول کر لی اور مجھ سے پہلے ہی ڈرائنگ روم میں پہنچ کر بے تکلفی کے ساتھ ایک صوفے پر براجمان ہو گئی۔

"تم ابھی تک سو ہی رہے تھے؟" میرے پہنچنے پر اس
نے حیرت آمیز آواز میں کہا۔
"رات کو سونا نصیب نہ ہو تو دن چڑھے تک بستر چھوڑنے
کو دل نہیں چاہتا، یہ بتاؤ کہ جہانگیر کو کہاں چھوڑ آئیں؟"
اس نے حیرت سے نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا پھر
جھینپ کر سر جھکا لیا۔ "مجھے کیا پتا؟ میری آنکھ کھلی تو وہاں
کوئی نہیں تھا۔"
"نشہ اترتے ہی سیدھا گھر چلا گیا ہوگا اور میں رات گئے تک
اس کے انتظار میں جاگتا رہا۔ تھوڑی دیر پہلے آنکھ لگی تھی تو
اب تم نے اٹھا دیا۔ یہ بتاؤ کہ صبح ہی صبح تم نے مجھے کیسے یاد
کر لیا؟"
"مرچیں کیوں چبا رہے ہو؟" اس بار وہ براہ راست میری
آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "رات کو میں نشے میں تھی اور
کچھ ہوش نہیں تھا کہ کیا کہہ اور کیا کر رہی ہوں۔ اس وقت صبح
کے دس بجے ہیں۔ جا کر منہ ہاتھ دھو لو۔ کچن میں کچھ موجود ہے
تو میں یہیں ناشتا بنا دوں گی ورنہ میرے فلیٹ میں چلو۔ وہاں
سب تیار ہے۔" اس کے لہجے میں عجیب سی اپنائیت تھی۔
انداز ایسا تھا جیسے یہ جتانا چاہ رہی ہو کہ تم کیوں دل چھوٹا کرتے
ہو، میں تمہیں تو نشہ کیے بغیر بھی پسند کرتی ہوں۔

شب خوابی کے لباس میں، میں خود بھی بے آرامی محسوس
کر رہا تھا اس لیے اسے کچن کی راہ دکھا کر خود باتھ روم کی طرف
ہو لیا تاکہ ناشتا کر کے خود بھی اپنے دن کا آغاز کر سکوں۔
میں شاور سے کافی دیر تک اپنے بدن پر نیم گرم اور ٹھنڈے
پانی کی تیز دھاریں بہاتا رہا پھر تر و تازہ ہو کر کچن میں پہنچا تو ناشتا
تیار تھا اور فضا میں تازہ چائے کی بو رچی ہوئی تھی۔ سیما اپنے
پیشے کے اعتبار سے ایئر ہوسٹس تھی اور مدارات کے رموز سے
اچھی طرح واقف تھی۔ میری فرمائش پر وہ بھی ایک بڑے
مگ میں چائے لے کر کچن ٹیبل پر میرے مقابل آ بیٹھی۔
"مجھے ہارون کا احسان مند ہونا چاہیے کہ اس کے طفیل
میں نے ایک با اخلاق پڑوسن دریافت کر لی، چائے تم اچھی بناتی
ہو، کھانے کے معاملے میں کیا حال ہے؟" میں نے سکوت
توڑنے کے لیے بات چھیڑ دی۔
"کھانے بھی بنا ہی لیتی ہوں، دوپہر کو کوئی کام نہ ہو تو لنچ
یہیں ہی گھر کر لینا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"دوپہر کو وقت نکالنا مشکل ہے۔" میں نے چائے کا
گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "پھر کسی وقت پروگرام بنا لیں گے۔
اس وقت تو یہ بتاؤ کہ ہارون سے تمہاری دوستی کب سے
ہوئی ہے؟"

"پچھلے ہفتے کی بات ہے۔" اس نے حیرت سے میری
طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس وقت تمہیں وہ کیسے یاد آ گیا؟"
"یعنی یہ تمہارے شوہر کی گرفتاری کے بعد کا ہی واقعہ
ہے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔
"ظاہر ہے۔" اس نے کہا۔ "لیکن اس طرح تم کیا ثابت
کرنا چاہ رہے ہو؟"
"کچھ بھی نہیں، فی الحال تو کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش
کر رہا ہوں۔ ہارون تم سے بلا وجہ ہی نہیں ملا تھا۔ اس دوستی
کے پردے میں کوئی بہت اہم مقصد پوشیدہ تھا۔"
"وہ کیا تھا؟" وہ یک بیک ہی تشویش میں مبتلا ہو گئی۔
"یہی معلوم ہو جائے تو سارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔" یہ کہتے
ہوئے میں نے اس کا فطری تجسس ابھارنے کی نیت سے کہا۔
"ہو سکتا ہے کہ اس طرح ہم ڈی ڈی کی پراسرار شخصیت کو
بے نقاب کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔"
"میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس معاملے میں میں تمہاری
کیا مدد کر سکوں گی۔" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولی۔ "ندیم کی
گرفتاری کی خبر سن کر میں نے اس کی مدد کے لیے جرمنی جانے
کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اگلے ہی دن اس کی ایئر لائن کے ذریعے
ٹیلکس پر پیغام ملا کہ اس نے جرمن حکام کے سامنے اعترافِ
جرم کر لیا ہے۔ میں نے ایک مقامی وکیل سے مشورہ کیا تو اس
نے بتایا کہ ندیم کے اعتراف نے معاملہ نمٹا دیا تھا۔ اسے کسی
عدالت میں پیش کر کے فردِ جرم عائد کی جاتی اور پھر سزا سنا دی
جاتی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ مزاحمت کرنے والوں کے مقابلے
میں اقبالی مجرموں کو یورپ میں نسبتاً ہلکی سزائیں دی جاتی
ہیں۔ اب سوچتی ہوں کہ اس کی سزایابی کے بعد اس سے جیل
ہی میں ملنے جاؤں گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ندیم کی گرفتاری کے
بعد ان لوگوں نے بھی اس کی کوئی مدد نہیں کی جنہیں وہ
ہیروئن پہنچانے والا تھا۔"
"ہو سکتا ہے کہ ندیم نے اقبالِ جرم کے ساتھ ہی ان
کی نشاندہی بھی کر دی ہو۔ اب تم ذہن پر زور دے کر بتاؤ
کہ ندیم کی ہیروئن کی اسمگلنگ کے بارے میں تم کیا کچھ جانتی ہو؟"
"میں جو کچھ پہلے بتا چکی ہوں، اس سے زیادہ کچھ نہیں
جانتی، میں پہلے ہی تم کو بتا چکی ہوں کہ اپنی ڈیوٹیز کی وجہ
سے ہماری بہت کم ملاقات ہوتی تھی۔ وہ مجھ سے مشورہ کیے
بغیر اس غلیظ کام میں ملوث ہوا تھا۔ میرے سمجھانے پر اس
نے دامن بچانا چاہا تو پچھلے جرم کے تحت گرفتاری کا خوف
دلا کر اسے مجبور کر دیا گیا۔"
"کوئی چیز، کوئی دستاویز جو اس نے تمہارے پاس

رکھوائی ہو؟"

اس نے مایوسانہ انداز میں اپنے سر کو نفی میں جنبش دی جس پر میں نے اصرار کیا۔ "ضروری نہیں کہ تم میری بات کا اسی وقت جواب دو، ذہن پر زور دیتی رہو۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت کچھ یاد آ جائے۔"

"لیکن یہ رات ہی رات میں تمہیں ہارون پر شبہ کیوں ہونے لگا؟"

"رات نہیں، یہ اس سے پہلے کی بات ہے۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تمہیں یاد ہو گا کہ فارماسیوٹیکل فیکٹری کا ذکر آنے پر میں نے تم سے کئی سوال کیے تھے۔ جاز فارماسیوٹیکل کے مینیجر کے بارے میں میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔"

"فیکٹری میں کوئی گڑبڑ کی جا رہی ہے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"فیکٹری کے بارے میں مجھے معلوم نہیں لیکن وہاں کا مینیجر مشتبہ آدمی ہے۔ اس سے ندیم کے بارے میں کوئی گفتگو ہوئی تھی تمہاری؟"

"شاید ایک بار اسی نے ذکر نکالا تھا اور میں نے بات ٹال دی تھی۔"

"وہ دوبارہ تمہارا سامنا کرنے کی جرأت نہیں کرے گا لیکن اگر فون کر بیٹھے اور اس موضوع کو نکال بیٹھے تو اسے بتا دینا کہ پہلے شوہر کی فرینکفرٹ میں گرفتاری کے بعد تم نے خاموشی سے دوسری شادی کر لی ہے۔"

"نہیں!" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ تھام لیا۔ "اتنا سنگین جھوٹ میں نہیں بول سکوں گی۔"

"یہ جھوٹ میں ہارون سے بول چکا ہوں، تمہیں صرف اسے نبھانا ہو گا۔ جب وہ تمہارے بارے میں ہرزہ سرائی کر رہا تھا تو میں نے یہی جھوٹا انکشاف کر کے اس کی کھوپڑی بھک سے اڑا دی تھی کہ میں تمہارا دوسرا شوہر ہوں۔ مجھے بعد میں پیش آنے والے واقعات کا ذرا بھی اندازہ ہوتا تو وہی دعویٰ میں جہانگیر کی زبانی کراتا تاکہ۔۔۔۔"

"اب اگر تم نے اس واقعے کا دوبارہ ذکر کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا!" وہ میری بات کاٹ کر ترش روئی سے بولی۔ غصے سے اس کا چہرہ گلنار ہو گیا تھا جس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ جیسی بھی تھی، اس میں کم از کم شرم و حیا بالکل ہی ختم نہیں ہوئی تھی۔ دراصل وہ آزاد خیال عورتوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتی تھی جو اپنے لباس، چال ڈھال اور ناز و انداز سے دور ہی دور سے مردوں کی آتش شوق بھڑکا کر اپنی تفریحات کے لیے ان کی جیبیں خالی کرا کے خوشی محسوس کرتی ہیں لیکن عملی طور پر مہم جو نہیں ہوتیں۔ ہاں اگر اس مشغلے میں کہیں حالات کے جال میں ... کر وہ اپنے غرور سے محروم ہو جائیں تو اپنی انا کی خاطر ... کسی واقعے کا ڈھنڈورا پیٹنے کے بجائے اسے ہمیشہ کے لیے اپنے دل کے نہاں خانوں میں دفن کر لیتی ہیں۔

اس کے بعد وہ اپنا مگ خالی کرنے تک رہ رہ کر مجھے غصیلی نگاہوں سے گھورتی رہی جن میں شکوہ بھی تھا، شاید شکایت بھی لیکن غزال سے دل ہارنے کے بعد میں ... نظروں سے گھائل ہونا ہی بھول گیا تھا۔

اس وقت اس کی آمد کا مدعا صرف اتنا تھا کہ وہ ... کے بارے میں معلوم کرنا چاہتی تھی لیکن مجھے اس سے گفتگو کرنے کا بہانہ مل گیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ کوئی ایسی بات اس کے علم میں تھی جسے وہ اہمیت نہیں دے رہی ... لیکن ڈی ڈی کے لیے وہ بہت اہم تھی جب ہی ہارون کے بھاگنے کے بعد میرا بائی کے ہونے والے داماد، چھٹی کو ... کے فلیٹ کے جائزے کے لیے بھیجا گیا تھا۔

وہ چلی گئی تو میں فون کے پاس آ بیٹھا۔ کافی دن چڑھ چکا تھا اور میرا خیال تھا کہ جہانگیر سلمیٰ سے مصالحت کے بعد اپنی گارمنٹ فیکٹری پہنچ چکا ہو گا اسی لیے میں نے وہیں کا نمبر گھما ڈالا۔ کال جہانگیر کی سیکریٹری نے ریسیو کی جسے میں نے دیکھا نہیں تھا لیکن اپنے مشاہدے کی بنا پر جہانگیر پر اس کی مضبوط گرفت کا اندازہ لگا لیا تھا۔

اس نے بڑی جھجکتی ہوئی اور حوصلہ افزا آواز میں ہیلو کہا تھا۔ میں نے پیٹر کے نام سے اپنا تعارف کرا کے بے تکلفانہ انداز میں اس کی مزاج پرسی کی اور پھر جہانگیر سے لائن ملانے کے لیے کہا۔

وہ اسی وقت دفتر پہنچا تھا اور اپنی کامیابی پر بہت مگن تھا کیونکہ رند خرابات ہو کر بھی وہ جنت سے نوازا گیا تھا۔ سیما کے ساتھ وقت گزارنے کے بعد اس نے سلمیٰ کو بھی کامیابی کے ساتھ شیشے میں اتار لیا تھا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ سلمیٰ تو خیر ایک عام عورت تھی۔ لیکن بیوی کتنی بھی دبنگ اور خونخوار ہو، اپنے ترکش کے سارے تیر آزمانے کے بعد آخر کار شوہر کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

جب اس کی کتھا ختم ہو گئی تو میں نے براہ راست ... کا نام لیے بغیر شی سے زیادہ بہتر اور منظم گروپ میں شرکت کا ذکر چھیڑا جس پر وہ ایک دم بھڑک گیا۔ برسوں کی غلامی کے بعد شی کے چنگل سے خود بخود نجات مل جانے پر وہ بہت مطمئن تھا۔ اس نے جو اثاثے بنا لیے تھے ان کے سہارے وہ سلمیٰ کے ساتھ اپنی لاولد زندگی اپنی پسند کے مطابق گزار...

لیا تھا اس لیے وہ دوبارہ کسی ایسے کھیل میں اپنی گردن نہیں پھنسانا چاہتا تھا جس سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہو جاتا۔ اس نے مجھے بھی یہی مشورہ دیا کہ میں شی، دلدار آغا اور غزالہ کو یکسر فراموش کر کے آزاد زندگی کی ابتدا کردوں کیونکہ میرے یہ کاروبار کی کمی تھی اور نہ حسین عورتوں کی۔

لیکن وہ احمق درد نا آشنا تھا۔ شاید جانتا ہی نہیں تھا دل کی چوٹ کیسی اور کتنی گہری ہوتی ہے۔ میں نے اس کا مشورہ سن تو لیا لیکن اسے قبول کرنا میرے امکان سے باہر تھا۔ اسے میری سرگرمیوں کے بارے میں جتنا کچھ معلوم تھا، وہی اس کی دلی ہمدردیاں میرے ساتھ برقرار رکھنے کے لیے کافی تھا اس لیے میں نے مافیا کا نام لیے بغیر وہ موضوع وہیں ختم کر دیا۔

"اور شام کا کیا پروگرام ہے تمہارا؟" اس نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"کوئی کام نہ بھی نکلا تو شہر کی سڑکیں ناپتا پھروں گا۔ اس شہر کو مدت کے بعد دیکھا ہے۔ گلیوں میں چل کر اور سڑکوں پر ڈرائیونگ کر کے اپنائیت اور اپنے وطن کا عجیب سا سحر انگیز احساس ہوتا ہے۔"

"تمہارے دماغ میں خشکی ہو گئی ہے۔" اس کی چڑچڑی آواز اُبھری تھی۔ "محبوبہ دغا دے گئی ہے تو اب سڑکوں، پتھروں اور پیڑ پودوں کو چومتے چاٹتے پھروگے۔ عقل کے ناخن لو اور میری مانو تو چھ بجے فلیٹ پر ہی رہنا، سیما بہت زندہ دل عورت ہے۔ اس کے ساتھ دو چار دن وقت گزارو گے تو زندگی میں نئے رنگ نظر آنے لگیں گے۔"

میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ سیما پچھلی رات کے واقعے پر سخت شرمندہ تھی اور جہانگیر اسی رو میں اگر اس کے ساتھ دوبارہ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا تو وہ اسے تھپڑ بھی رسید کر سکتی تھی۔ تھپڑ کھا کر میرے بتائے بغیر اسے زندگی کے سارے رنگ خود بخود ہی نظر آ سکتے تھے۔

"آجانا! میں انتظار کروں گا۔ لیکن اب میں سلمیٰ سے کوئی جھوٹ نہیں بول سکوں گا۔"

اس نے میری سمجھداری پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

ریسیور کریڈل پر رکھ کر میں نے سگریٹ ہی سلگائی تھی کہ فون بول پڑا۔ ریسیور اٹھاتے ہی میں نے کامٹ کی آواز پہچان کر شوٹر کہا اور پھر پوچھا "یہ پروگرام کے بغیر نا وقت کیسے فون کر لیا؟" حقیقت یہ تھی کہ اس کی آواز سن کر مجھے خوشی ہوئی تھی کیونکہ میری کئی اُلجھنوں کا جواب صرف وہی دے سکتا تھا۔

"تمہاری خیریت دریافت کرنی تھی۔ سنا ہے پچھلی رات تم نے خاصی بھاگ دوڑ میں گزاری ہے اور پڑوسن والی سیما سے بھی تمہارے مراسم آناً فاناً.... بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں؟"

"میری کار میں پلاسٹک کا گڈا کس نے پہنچایا تھا؟" میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"وہ میری طرف سے خیر سگالی کا پیغام تھا۔ تمھیں شیرالڈ کی ڈولی کے بارے میں بتا دیا گیا تھا پھر بھی تم گڈے کو اپنے ساتھ بہت دور لے گئے۔ وہ اس بات کا اظہار تھا کہ میرے آدمی تمہارے قریب موجود تھے۔" ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔

"اور بلڈنگ میں بھی تمہارے ہی آدمی ساری رات آنکھ مچولی کھیلتے رہے؟"

"ظاہر ہے کہ وہ اوپر تمہارے دروازے تک نہ جاتے تو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ اندر کیا ہو رہا تھا۔ ویسے سیما سے ہوشیار ہی رہنا کل جب ہم تم سے ملنے آئے تھے تو تمہاری بلڈنگ عملاً ہمارے آدمیوں کے محاصرے میں تھی۔ سیما کے ملاقاتی کو بھگانے کے بعد میں نے اپنا ایک آدمی اس کے پیچھے روانہ کر دیا تھا جو خبر لایا ہے کہ وہ شخص دلدار کے دواساز کارخانے کا مینجر تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ سیما سے بھی کچھ کام لے رہے ہوں۔"

"انھوں نے سیما کے شوہر پر ہاتھ ڈالا ہوا تھا۔" میں نے اس کی معلومات کی تصحیح کرنے کی نیت سے کہا۔ "وہ تیسرے پھیرے میں باہر پکڑا گیا اور اب ہارون اس پر ڈورے ڈال رہا ہے۔ مجھے بھی کوئی چکر معلوم ہوتا ہے اور میں نے سیما کو ہوشیار کر دیا ہے۔"

"رات گئے ایک اور بھی آدمی تمہارے فلیٹ سے نکلتا ہوا دیکھا گیا تھا؟"

"وہ سیما کے فلیٹ میں صرف یہ دیکھنے آیا تھا کہ وہ اکیلی رہتی ہے یا اس نے واقعی دوسری شادی کر لی ہے لیکن وہ میرے ہاتھ لگ گیا۔ اسے ڈی ڈی نے بھیجا تھا۔ میں نے اپنی تسلی کے بعد ہی اسے آزاد کیا تھا۔"

"اوہ! یہ تو کوئی لمبا کھیل معلوم ہوتا ہے۔" اس کی تحیر زدہ آواز اُبھری۔ "ڈی ڈی اگر تمہاری پڑوسن میں دلچسپی لے رہا ہے تو تم کو بھی ہوشیار رہنا ہوگا۔ شاید تم نے اندازہ لگا لیا ہو کہ رات میرے تین چار آدمی تمہارے فلیٹ کے آس پاس موجود تھے۔ وہاں ڈیوٹی دینے والے نے غیر معمولی نقل و حرکت دیکھتے ہی کمک طلب کر لی تھی اور وہ سب اچھی طرح مسلح تھے۔ کوئی بُرا وقت آیا تو تم خود کو تنہا نہیں پاؤ گے۔ فی الحال ہم یک طرفہ طور پر تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔"

”یہ میرے ساتھ زیادتی ہے۔ تمہارے سب آدمی مجھے پہچانتے ہیں لیکن میں ان کی تعداد تک سے بے خبر رہتا ہوں۔ اس بے خبری اور اضطرار میں ان میں سے ایک آدھ میرا نشانہ بھی بن سکتا ہے۔“

وہ پھر ہنس پڑا۔ ”تم فکر نہ کرو، تم سامنا ہوتے ہی آسانی سے انھیں پہچان لو گے۔ تمہارے سامنے وہ گمبی گمبی کے علاوہ ایک لفظ بھی نہیں بولیں گے اور وہی ان کی شناخت ہو گی۔“

”اگر ان میں سے کسی کو دل یا دماغ پر گولی کھانے سے پہلے گمبی گمبی کہنے کا موقع نہ مل سکا تو تم کو مجھ سے شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ تم جانتے ہو کہ افراتفری میں اپنے اور پرائے کی تمیز مشکل ہو جاتی ہے۔“

”تم فکر نہ کرو، ایسا نہیں ہو گا۔ میرے دو بہترین اور گھاگ آدمی دن رات تمہاری نگرانی کر رہے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک بقیہ لوگوں کو کمانڈ کرتا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ جب تک ڈی ڈی کا کھیل واضح نہ ہو تم اپنے فلیٹ میں ہی محدود ہو جاؤ اور سیما کو بھی باہر نکلنے سے روک دو۔ ہو سکے تو اس عورت سے کھوج نکالنے کی کوشش کرو کہ ڈی ڈی اس میں کیوں دلچسپی لے رہا ہے۔ شاید آج کل پاکستان میں وہی شی کا نمبر وَن ہے۔“

”پھر دلدار کیا کر رہا ہے؟“ میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے دانستہ وہ ٹیڑھا سوال کیا۔

”ڈی ڈی نے اسے بھی کام سے لگایا ہوا ہے، اس کا منیجر اپنی مرضی سے تو شہر میں نہیں دوڑتا پھر رہا ہو گا۔“ وہ اس وقت تک ڈی ڈی کو دلدار سے الگ، کوئی اعلیٰ شخصیت سمجھنے پر تلا ہوا تھا۔

اس کے استفسار پر میں نے مختصر الفاظ میں اسے ندیم کی کہانی سے آگاہ کر دیا کیوں کہ اس کا سارے حالات سے واقف رہنا ضروری ہو گیا تھا۔ میں شی کے اندر کا آدمی رہ چکا تھا اور وہ باہر کا آدمی تھا اس لیے اس کی کافی معلومات ناقص تھیں جن میں میں دانستہ اضافہ نہیں کر رہا تھا لیکن وہ شہر میں متحرک اور فعال تھا جب کہ میں سنجیدگی کے ساتھ خود کو فلیٹ میں محصور کرنے کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا اس لیے اس کی باخبری میرے لیے ضروری ہو گئی تھی۔

”کم از کم ایمرجنسی میں رابطے کے لیے تو کوئی نمبر دے دو۔“ ساری بات ہو جانے کے بعد میں نے اصرار کیا۔

”یہ غیر اصولی بات ہے۔ کل رات کی فیصلہ کن ملاقات کے بعد ہی سب کچھ ممکن ہو سکے گا۔ ویسے تم مطمئن رہو، ہم تمہاری ہر ایمرجنسی سے باخبر رہیں گے۔“ وہ میری [illegible] اپنا اصول توڑنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

”ڈان کو میرا سلام کہہ دینا۔“ میں نے اسے الوداع [illegible] دیا اور اس نے فون بند کر دیا۔

ریسیور رکھتے ہی میرے ذہن پر سناٹا [illegible] میرے ہر سوال کا جواب مل چکا تھا۔ شی سے مخاصمت اپنی جگہ پر تھی لیکن میری نظر دلدار پر تھی جو غزالہ کو ہتھیا [illegible] رقیبانہ جذبات کو بھڑکا چکا تھا۔ اس کے بارے میں [illegible] حاصل کرنے کے لیے اب مجھے امیر دادا یا بخت آور [illegible] نہیں رہی تھی۔ اس کے سیاہ کرتوت اپنی تمام کڑیوں [illegible] ساتھ سامنے آ چکے تھے۔ میری دانست میں ڈی ڈی بھی [illegible] تھا جب کہ کاسٹ دونوں کو الگ شخصیت تصور کر [illegible] لیکن اس سے میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا [illegible] میرے سامنے تھا اور مجھے بڑھ کر اس پر اپنا وار [illegible] ادھر میں اکیلا تھا اور اُدھر شاید سیما بھی فلیٹ [illegible] ہی تھی، خوش شکل اور خوش مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ خوش اخلاق بھی تھی۔ اس کے ساتھ وقت گزارتے ہوئے بوریت کا کوئی احساس ہونے کا امکان نہیں تھا پھر [illegible] یہ بھی سمجھانا تھا کہ چند روز تک وہ بھی فلیٹ ہی میں [illegible] رہے کیوں کہ غیر ضروری طور پر باہر نکلنے میں اسے خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔

میں اس کے فلیٹ تک جانے یا اسے فون کر کے بلانے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ گھنٹی بجی اور میرے دروازہ کھولتے ہی سیما اندر گھس آئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور سانس چڑھا ہوا تھا، میں نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا۔

”کیا بات ہے؟ اس قدر پریشان کیوں ہو؟“ میں نے بوکھلائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

”تت... تم بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے، مجھے بتا [illegible] گیا کہ ان لوگوں کو میرے پاس کس چیز کی تلاش ہے.... یہ دیکھو، وہ اس کے لیے مرے جا رہے ہیں۔“ آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے اس نے اپنی داہنی مٹھی میرے سامنے کھول دی اور میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے شوہر کی پروانا [illegible] رہی ہو گی۔

اس کی ہتھیلی پر وہ پُراسرار طلائی سکہ چمک رہا تھا جس پر چاندی سے ایک ابھری ہوئی اور نیم وا انسانی آنکھ اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ میری طرف نگراں تھی۔ اس

سلور آئی کو دیکھ کر شی کے بڑے بڑوں کے سر اطاعت کے
اظہار میں جھک جاتے تھے۔ اگر وہ ندیم کے قبضے میں تھی
تو وہ یقیناً شی میں آئی مین کے اہم منصب پر فائز تھا۔
میں نے اضطراری طور پر سلور آئی سیما کی ہتھیلی سے
اٹھالی اور تیز سرگوشیانہ آواز میں بولا۔ "یہ تمھیں کہاں سے
ملی تم کو کیسے پتا چلا کہ ان لوگوں کو اس کی تلاش ہے؟"
"مجھے کچھ پتا نہیں تھا۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔ میرے
فوراً ردعمل نے اسے مزید پریشان کر دیا تھا۔ "تمھارے
کہنے کے باوجود مجھے کچھ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ انھیں میرے
پاس کس چیز کی تلاش ہو گی لیکن ابھی ابھی میرے پاس
ڈی ڈی کا فون آیا تھا۔ بہت سرد اور خوف ناک لہجہ تھا اس
کا۔" ڈی ڈی کی آواز کا تصور کرتے ہی اسے جھرجھری آگئی۔
"مجھے اس پر بہت غصہ تھا لیکن اس کی آواز سن کر میں
ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ اس نے مجھے بتایا کہ ندیم اپنی
حماقت کی وجہ سے فرینکفرٹ میں پکڑا گیا کیوں کہ وہ ایک
ایسی نشانی ساتھ لے جانا بھول گیا تھا جو کسٹم آفیسر کے لیے
اس کی شناخت کا درجہ رکھتی تھی۔ ان کے خریدے ہوئے
افسر نے ندیم کو پہچان لیا لیکن نشانی نہ ہونے کی وجہ سے اس
کا ماتھا ٹھنک گیا اور اس نے ندیم کا سامان کھلوا کر اسے
گرفتار کر لیا۔ شاید ڈی ڈی کے آدمیوں نے جیل میں ندیم سے
ملاقات کی تھی کیوں کہ ڈی ڈی نے مجھ سے کہا کہ میں ندیم
کی اس یونیفارم کی تلاشی لوں جو وہ میلی ہونے کی وجہ سے
گھر چھوڑ گیا تھا۔ اس یونیفارم کی جیبوں میں مجھے ایک سکہ
تلاش کرنا تھا جو سونے کا تھا اور اس پر چاندی سے ایک
خوب صورت آنکھ ڈھلی ہوئی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ سکہ مل
جاتا تو ندیم کی عدالت سے بھی گلو خلاصی ہو سکتی تھی۔ اسے
لائن ہولڈ کرا کے میں نے میلی یونیفارم کی جیبوں کی تلاشی لی تو
اس میں ریزگاری کے ساتھ یہ منحوس سکہ بھی مل گیا اور میں
دہشت زدہ ہو گئی۔ وہ خطرناک لوگ تھے اور تمھاری ہدایت
مجھے یاد تھی اس لیے میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے ڈی ڈی
سے کہہ دیا کہ یونیفارم کی جیبیں خالی ہیں۔ اس پر وہ برہم ہو گیا۔
اس کا خیال تھا کہ میں نے پہلے ہی جیبیں خالی کر دی تھیں اور
سونے کے لالچ میں اس سے جھوٹ بول رہی تھی۔ میں لرز کر
رہ گئی مگر اپنے بیان پر اڑی رہی۔ اس نے مجھے اس حد تک
خوف زدہ کیا کہ آنکھ والا سکہ اس کے مالکوں کو واپس نہ ملا تو
وہ ندیم کو جان سے مار دیں گے کیوں کہ ہر کھیپ کے ساتھ
کسٹم والوں کے لیے اسے وہ سکہ دیا جاتا تھا جو کسٹم کی کلیرنس
کے بعد وہی شخص لے لیتا تھا جو مال وصول کرتا تھا۔"

"تم نے بہت اچھا کیا۔" اس کے خاموش ہونے
پر میں نے اپنے قبضے میں آئی ہوئی چوتھی سلور آئی کا جائزہ
لیتے ہوئے کہا۔ "ندیم کو اب دنیا کی کوئی طاقت بری نہیں کرا
سکتی، وہ لوگ ہر قیمت پر یہ سکہ واپس حاصل کرنا چاہتے ہیں۔
یہ مجھے آج ہی پتا چلا کہ اس سکے کو مال لے جانے والے کی
شناخت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔"
"پوری بات نہیں سنی تم نے ابھی۔" وہ مجھے جھنجوڑتے
ہوئے روہانسی آواز میں بولی۔ "اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ
میں اس کی اگلی ہدایت تک اپنے فلیٹ سے باہر نہ نکلوں،
ایسا کیا تو اس کے آدمی مجھے اٹھا لے جائیں گے یا گولی مار
دیں گے۔ مجھے بتاؤ کہ اب میں کیا کروں اور کہاں جاؤں؟
تمھارے مشورے نے تو مجھے مروا ہی دیا ہے۔"
"اپنے فلیٹ سے ضرورت کی چیزیں لے کر یہاں
آجاؤ۔ وہ یہی سمجھتے رہیں گے کہ تم اپنے فلیٹ میں محصور
ہو گئی ہو۔" میں نے اپنی تشویش چھپا کر اسے دلاسا دیتے
ہوئے کہا۔
"وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے رہیں گے۔ اس
نے کہا ہے کہ میں گھر میں ہی رہوں، کسی بھی وقت اس کے
دو آدمی میرے فلیٹ پر آئیں گے اور خود اپنی مطلوبہ چیز تلاش
کر کے لے جائیں گے۔"
"اس کا مقصد ہوا کہ اسے اس سکے کی تمھارے فلیٹ
میں موجودگی کا پورا یقین ہے۔ وہ تمھیں یہ موقع نہیں دینا چاہتا
کہ تم اسے نکال کر باہر کہیں محفوظ کر دو۔ اس کے لیے اگر انھیں
دس انسانوں کا بھی خون بہانا پڑا تو وہ گریز نہیں کریں گے۔ یہ
سکہ پاکستان میں غالباً حال ہی میں متعارف کرایا گیا ہے۔"
"مجھے خوف زدہ نہ کرو، میرا پہلے ہی دم نکلا جا رہا ہے۔"
وہ مضبوطی سے میرا بازو تھام کر کراہی۔ "میری سمجھ میں نہیں
آتا کہ میں کہاں جاؤں۔ اب تو مجھے تم سے بھی خوف آنے
لگا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی ان ہی میں سے ہو ورنہ تمھیں
ان کے بارے میں اتنی معلومات کہاں سے حاصل ہوتیں۔ سچ
بتاؤ کہ تم تو مجھے دغا نہیں دو گے؟"
"پاگل ہو رہی ہو۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "وقت آنے پر
تمھیں پتا چل جائے گا کہ میں ان میں سے ہوں یا ان کے لہو کا
پیاسا۔ تمھارا مقدر اچھا ہے کہ مجھ سے ٹکرا گئی ہو ورنہ وہ
سکہ واپس لینے کے بعد تمھیں ہرگز زندہ نہیں چھوڑتے۔
یہ سکہ ان کا بہت بڑا راز ہے جسے وہ ہر قیمت پر راز رکھے
ہوئے ہیں۔ جو اجنبی اسے دیکھ لے یا اس کے وجود سے
واقف ہو جائے، وہ سائے کی طرح اس کا پیچھا کرتے ہیں

اور موقع پاتے ہی موت کے گھاٹ اُتار دیتے ہیں۔"
"مَیں اب فلیٹ میں قدم نہیں رکھوں گی۔ اس کے در و دیوار پر مجھے ابھی سے موت کے سائے ناچتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔" دہشت سے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

"وقت برباد نہ کرو اور میرے ساتھ چل کر وہاں سے اپنی ضرورت کی اشیا نکال لاؤ۔" مَیں نے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "جو کچھ ہو رہا ہے بہتر ہی ہو رہا ہے۔ وہ تمھیں تنہا سمجھ رہے ہیں اور میرے وجود سے بے خبر ہیں۔ ان کے آدمیوں کو آنے دو، تم دیکھنا کہ ان میں سے کوئی زندہ واپس نہ جاسکے گا۔"

وہ ایک جھرجھری لے کر مجھ سے دور ہٹ گئی اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی: "اب تم بھی اپنی کینچلی بدل رہے ہو۔ تمھارے لب و لہجے سے خون کی بو آرہی ہے، میں یہ سب برداشت نہیں کرسکتی۔ وہ سکّہ مجھے لوٹا دو، میں انھیں دے دوں گی اور ان کے قدموں میں گر کر اپنی زندگی کی بھیک مانگ لوں گی۔ انسانوں کو درندوں کی طرح ایک دوسرے کا خون بہاتے دیکھ کر میرا دماغ پھٹ جائے گا، میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"میں اتنا بُرا آدمی نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔" میں نے سلور آئی اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "میں آرام سے اپنے بستر پر پڑا چین کی بنسی بجاتا رہوں گا۔ تم یہ سکّہ انھیں لوٹا کر ان کا جذبۂ ترحم بھی آزما لینا۔ سیروشی نہ جانے کن کن لوگوں کو نگل گئی ہے۔ تم بھی اس کا ایندھن بن جاؤ گی لیکن تمھارا جنازہ دیکھ کر مجھے دُکھ ہوگا کہ ایک انسانی زندگی جو میں بچا سکتا تھا، اپنی پُرخلوص کوششوں کے باوجود نہ بچا سکا۔"

"مجھے بچانے کے لیے تم ان کے دو آدمیوں کا خون بہانے پر تُل گئے ہو۔"

"مجبوری ہے۔" میں نے شانے اُچکا کر کہا۔ "وہ بُرے لوگ ہیں، انھیں نہ مارا گیا تو وہ تم کو مار دیں گے۔ دو میں سے ایک فریق کا ختم ہونا ضروری ہے۔ یہ نہ بھولو کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔"

"تمھیں محبت تو نہیں ہوئی ہے مجھ سے، انھیں مار کر تم فنا نہیں کرسکو گے، ان کے ساتھی زندہ رہیں گے، ڈی ڈی زندہ رہے گا۔ تم مجھے کب تک اپنے فلیٹ میں چھپائے رکھو گے؟ میں جب بھی منظرِ عام پر آؤں گی، وہ مجھے مار دیں گے اور اس وقت وہ مجھے ہرگز معاف نہیں کریں گے . . ."

"تم کو صورتِ حال کی سنگینی کا صحیح اندازہ نہیں ہو رہا ہے۔ بدقسمتی اور اپنے شوہر کی نادانی کے سبب تم موت کے سوداگروں کے چنگل میں پھنس گئی ہو۔ وہ دن رات دُنیا بھر میں زندہ لاشیں تخلیق کر رہے ہیں، اپنے سانسوں میں زندگی نگلتے ہیں اور موت اگلتے رہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اب بھی نیچے تمھاری گھات لگائے بیٹھے ہوں۔ تم پر صرف آج کا دن بھاری ہے، آج ان سے بچ جاؤ تو خاموشی سے یہ ملک چھوڑ کر کہیں بھی جاسکتی ہو۔ یہ تجربہ تمھارے لیے نیا نہیں ہوگا۔ تم ایئر ہوسٹس ہو اور روز منزلیں اور پڑاؤ بدلنے کی عادی ہو۔ تمھاری سفری دستاویزات بھی مکمل ہوں گی۔ تمھیں بس آج کا دن گزارنا ہے پھر کچھ بھی کرسکتی ہو۔"

"اس کے لیے خونریزی تو ضروری نہیں۔" وہ چند ثانیوں تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف دیکھنے کے بعد ہراساں لہجے میں بولی: "میں تمھارے فلیٹ میں آجاتی ہوں۔ وہ آئیں گے اور کوئی جواب نہ پاکر تالا توڑ کر اندر گھس جائیں گے۔ تمھیں ان کو للکارنے کی ضرورت ہی نہیں۔ تلاشی سے مایوس ہو کر وہ خود واپس لوٹ جائیں گے۔ خون بھی نہیں بہے گا اور میں بھی بچ جاؤں گی۔"

میں نے بظاہر لاجواب ہو کر سر جھکا لیا۔ اسے چند منٹ کی بحث میں شی کا سرد اور خونیں مزاج سمجھانا میرے بس سے باہر تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہاں ڈی ڈی کے صرف دو آدمی نہ ہوں گے بلکہ ایک دو نیچے بھی مامور رہتے تاکہ سیما اوپر والوں کو چکمہ دے کر نہ بھاگ سکے۔ اوپر والے تلاشی سے مایوس ہو کر لوٹتے تو انھیں پورا یقین ہوتا کہ سیما سلور آئی سمیت اسی بلڈنگ کے کسی فلیٹ میں روپوش ہے اور وہ وہیں ڈیرے ڈال دیتے۔ ڈی ڈی مشتعل ہو کر سلور آئی حاصل کرنے کے لیے چند گھنٹوں میں ہی پوری قوت کے ساتھ اس بلڈنگ کے آٹھوں فلیٹوں پر دھاوا بول سکتا تھا۔ اس طرح نہ صرف سیما ماری جاتی بلکہ مجھے بھی کھل کر ان کے سامنے آنا پڑ جاتا جو میرے اپنے مفاد میں نہیں تھا۔

مجھے شدت سے احساس ہونے لگا کہ کاش کامٹ کا فون ذرا تاخیر سے آیا ہوتا تاکہ میں اسے نئے خطرات سے آگاہ کرسکتا۔ نہ میرے پاس اس کا کوئی پتا ٹھکانا تھا اور نہ ہی اتنی جلدی دوبارہ اس کا فون آنے کی امید تھی۔

معاً مجھے خیال آیا کہ دو سلور آئیٹمز میری تحویل میں موجود تھیں جن کے سہارے میں کسی بھی موقع پر خود کو سپر آئی مین ظاہر کرسکتا تھا۔ میرے جانے تک پاکستان میں شی کے کارندوں کو سلور آئی کی ہوا بھی نہیں لگی تھی لیکن اس کے رائج ہونے کے بعد میری دونوں سلور آئیٹمز بہت کارآمد ثابت ہوسکتی تھیں۔ تیسری سلور آئی میں نے ویرا کو دے دی

چوتھی سلور آئی میرے لیے بے معرف تھی۔
تھی اس لیے وہ میرے فلیٹ میں پناہ گزیں ہونے سے پہلے وہ سکہ ندیم کے یونیفارم کے بجائے کسی اور لباس کی جیب میں چھوڑ گئی تھی۔ سکہ مل جانے پر ڈی ڈی کے ہرکارے یہی سمجھتے کہ سیما خوفزدہ ہوکر بلڈنگ میں کہیں چھپ گئی تھی اور سکے کے وجود سے بے خبر تھی۔ ایسی صورت میں وہ سیما کو بھول کر واپس بھی جا سکتے تھے یا زیادہ سے زیادہ نیچے رہ کر اس کے نمودار ہونے کا انتظار کرتے اور اس سے کڑی بازپرس کے بعد اسے سکے سے لاعلم سمجھ کر زندہ چھوڑ دیتے۔ تیسرا امکان ڈی ڈی کے مزاج سے اُبھرتا تھا کہ رازداری کے معاملات میں وہ کوئی خطرہ مول نہیں لیتے تھے، صرف شبے کی بنیاد پر کسی کو بھی گولی مار سکتے تھے۔

میں نے جتنا غور کیا اسی نتیجے پر پہنچا کر سلور آئی کی واپسی فوری تشدد کے کسی بڑے خطرے کو ٹال سکتی تھی۔ وقت مل جاتا تو میری نگرانی پر مامور مافیا والے بھی ڈی ڈی کے لوگوں کی خبر لے سکتے تھے یا پھر میں کامٹ سے رابطہ قائم ہونے پر اسے اس طرف متوجہ کر سکتا تھا۔

سلور آئی کی واپسی کا میرا فیصلہ سیما کو بہت پسند آیا کیونکہ اس میں تشدد کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے اسے یہی بتایا کہ آنے والے یونیفارم کے بجائے کسی دوسرے لباس سے سلور آئی برآمد ہوتے ہی اسے سکے کے وجود سے بے خبر سمجھ کر آرام سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ کر میٹھی نیند سو جائیں گے۔

اس وقت میں سیما کے ساتھ پہلی بار اس کے فلیٹ میں گیا اور اندر کی آرائش و زیبائش دیکھ کر وجودِ زن سے کائنات میں پیدا ہونے والے رنگوں کا قائل ہو گیا۔ پچھلی رات میں جہانگیر کی تلاش میں اس کے دروازے پر آیا تو ابتلا ہی اندھیرے میں مار دھاڑ سے ہوئی تھی جو داخلی دروازے سے منسلک راہداری تک محدود رہی تھی اور روشنی ہونے کے بعد میں شکار کو ساتھ لے کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ اندر کا جائزہ لینے کی نوبت ہی نہیں آسکی تھی۔

سیما نے مردانہ وارڈروب میں ہینگر پر لٹکے ہوئے ایک بلیزر کی جیب میں سلور آئی کے ساتھ ہی مزید کچھ سکے ڈال دیے تاکہ ان کی کھنک آنے والوں کی توجہ مبذول کرا سکے۔ اس بلیزر کی دوسری جیبوں میں بھی اس نے ندیم کی کچھ ذاتی اشیا ڈال دیں۔ پھر بہت عجلت میں اپنے کپڑوں کے ساتھ دیگر ضروری اشیا بے دردی کے ساتھ ایک چادر میں لپیٹیں اور میرے ساتھ بحفاظت میرے فلیٹ میں واپس آگئی۔

یہ دلچسپ بات تھی کہ میں سیما کو اپنے فلیٹ میں رہنے کا جو مشورہ دینے والا تھا، اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی اور وہ خود بخود میری مہمان ہو گئی تھی۔

ذہنی دباؤ کم ہوتے ہی وہ کچن کی طرف متوجہ ہو گئی۔ میں نے صبح اس کے ساتھ لنچ کی پیشکش کو ٹال دیا تھا لیکن اب لنچ تو کیا ڈنر بھی اسی کے ساتھ ہوتا نظر آرہا تھا۔ میں نے فرصت پاکر فون سنبھال لیا تاکہ جہانگیر کو بدلے ہوئے حالات سے آگاہ کر کے شام کو فلیٹ پر آنے سے منع کر سکوں لیکن وہ اس قدر حریص اور بدنیت شخص تھا کہ سیما کے میرے فلیٹ میں پناہ گزین ہونے کی خبر سُنتے ہی اپنے سارے کام چھوڑ چھاڑ کر اسی وقت وہاں آنے پر تل گیا۔

میں نے اسے لاکھ سمجھانا چاہا کہ اس کے وہاں آنے میں کیا خطرات مضمر تھے لیکن اس نے ایک نہ مانی۔ وہ خبیث یہی سمجھ رہا تھا کہ میں اسے سیما سے دور رکھنے کے لیے چال چل رہا تھا جسے بُری طرح ناکام بنانا اس کا حق اور فرض تھا۔

داخلی دروازے کے کی ہول پر ٹیپ چپکا دیا گیا تاکہ کوئی اس میں جھانک کر اندر کا جائزہ نہ لے سکے۔ پھر لنچ سے پہلے ہی جہانگیر خورد و نوش کے سامان سے لدا پھندا وہاں آ پہنچا جیسے پکنک منانے آیا ہو۔

مجھ سے وہ ہلے گلے والے تیوروں کے ساتھ فاتحانہ انداز میں ملا تھا لیکن سیما کا اداس چہرہ اور خوفزدہ لہجہ پہلی بار یہ احساس دلانے میں کامیاب ہوا کہ وہاں واقعی خاصی گڑبڑ ہونے کے امکانات موجود تھے جبکہ سیما کو حقیقی خطرات کا اندازہ ہی نہیں تھا۔ وہ سلور آئی کی واپسی کو اس کہانی کا آخری باب تصور کر رہی تھی اور اس کے خوف و ہراس کا سبب صرف اتنا تھا کہ اسے معلوم تھا کہ کچھ اجنبی اس کے فلیٹ میں گھس کر ہر چیز کو تہس نہس کرنے والے تھے لیکن وہ بے بس تھی۔ نہ صرف یہ کہ انھیں روک نہیں سکتی تھی بلکہ ان کی سہولت کے لیے خود بھی گھر خالی چھوڑ کر میرے فلیٹ میں آبیٹھی تھی۔

"اب بھی وقت ہے، تم واپس چلے جاؤ، پھنس گئے تو پھر دُشواریاں کھڑی ہو جائیں گی۔" میں نے اسے سلمٰی کا غصّہ یاد دلانے کی نیت سے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ہوا کریں۔ میری طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ دوست کو مشکل میں گھرا ہوا چھوڑ کر اپنے گھر چلا جاؤں۔" وہ ڈھٹائی سے سیما کی طرف دیکھتے ہوئے مجھ سے بولا۔

'میری طرف سے جہنم میں جاؤ۔' میں نے دل ہی دل میں کہا اور بلند آواز میں بولا۔ "رک رہے ہو تو یہ یاد رکھنا کہ بوتل سورج غروب ہونے سے پہلے نہیں کھلے گی اور میں تمھیں زیادہ نہیں پینے دوں گا۔"

"رات کی بچی ہوئی بوتل موجود ہے یا اسے بھی چوس گئے تھے؟"
اس نے ہنستے ہوئے پوچھا اور میں نے غصے میں باہر والے صوفے کے نیچے سے وہ بوتل نکال کر اسے تھما دی جو چوتھائی سے بھی کم باقی رہ گئی تھی۔

جہانگیر نے ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کی کافی کوشش کی لیکن آخر کار اسے بھی سنجیدہ ہونا ہی پڑا۔

میں نے اندر سے ڈور بیل کا سوئچ آف کر دیا اور ان دونوں کو نیچی آواز میں گفتگو کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے یہ بھی سمجھا دیا کہ ہم میں سے کسی کو دروازے پر ہونے والی دستک کا جواب نہیں دینا تھا۔

کھانا نسبتاً خاموشی کے ساتھ کھایا گیا۔ بعد میں میں نے سیما کو علیحدہ خواب گاہ میں آرام کرنے کی پیشکش کی لیکن اس نے بتایا کہ اسے کچن کی تنہائی سے بھی ہول آ رہا تھا اس لیے وہ ہمارے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔

وہ مجلسی عورت تھی۔ پینے پلانے کے علاوہ تاش کے ہر کھیل سے بھی واقف تھی اس لیے ہم خواب گاہ میں ہی کٹ تھروٹ کھیلنے بیٹھ گئے جو برج کی ہی سہ فریقی شکل ہوتی ہے۔ چوتھا ڈمی ہوتا ہے جو بڈر کا پارٹنر بن جاتا ہے۔

شام ڈھلی اور باہر کی فضا میں دھندلکا تیرنے لگا تو روشنیاں جلا دی گئیں اور جہانگیر کھلی ہوئی بوتل اٹھا لایا۔ میں اسے گھور کر رہ گیا۔ زبان سے کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ سورج ڈوبنے کی شرط خود میں نے ہی عائد کی تھی۔ سیما کے اعصاب شاید اس وقت تک ڈھیلے ہوئے تھے جنھیں اعتدال پر لانے کے لیے وہ الکحل کے سہارے کی ضرورت محسوس کر رہی تھی اس لیے اس نے بھی انکار نہیں کیا البتہ اس نے اسکاچ اور برف میں ٹھنڈا پانی ڈال کر اپنا گلاس لبریز کر لیا تھا تاکہ دیر تک ہمارا ساتھ دیتی رہے۔

کھیل، مے نوشی اور باتوں کے درمیانی وقفوں میں جہانگیر نے سیما کی آنکھ بچا کر کئی بار مجھے وہاں سے ٹلنے کا اشارہ کیا تاکہ اسے تنہائی میں سیما سے کچھ بات کرنے کا موقع مل سکے مگر میں نے ہر بار اپنی توجہ یوں دوسری طرف مبذول کر لی جیسے اس کا اشارہ دیکھا ہی نہ ہو۔

آٹھ بجے کے قریب فضا میں پے در پے کئی ایسے ہولناک دھماکے ہوئے کہ ہم تینوں ہی اپنی جگہ سے اچھل پڑے۔ فضا میں تیز روشنی کے کوندے لپکے تھے جیسے کہیں آسمانی بجلی گری ہو پھر فوراً ہی خواب گاہ کی کھڑکی سے وہ منظر بھی نظر آ گیا۔

روشنیاں دھیمی اور تیز ہو کر یکلخت بجھ گئی تھیں اور سامنے والی گلی میں دو کھمبوں پر لگا ہوا بجلی کا ٹرانسفارمر دھماکوں کی زد میں آیا ہوا تھا۔ تانبے کے موٹے موٹے تار تڑ تڑ کی آوازوں کے ساتھ رہ رہ کر جل رہے تھے۔ ان کے پگھلے ہوئے ٹکڑے ... کے شراروں کی طرح ماند ہوتے ہوئے نیچے گر رہے تھے ... بہ مشکل چند ثانیوں تک جاری رہا پھر شاید پیچھے سے بجلی سپلائی کسی خود کار بریکر کے ذریعے منقطع ہو گئی لیکن ... شعلوں کی زد میں آ چکا تھا۔ اس میں سے کثیف دھوئیں کے ... گہرے سرخ شعلوں کے بادل امڈتے چلے آ رہے تھے۔

پورا علاقہ گھور اندھیرے میں ڈوب گیا تھا۔ ٹرانسفارمر کے شعلوں کی سرخی دور تک پھیل رہی تھی ... اسٹرک پر ... والی گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس کا انعکاس فضا میں نظر آ رہا ...

"شاید شارٹ سرکٹ ہوا ہے۔" جہانگیر نے تشویش ... لہجے میں تبصرہ کیا تھا۔

"یہ بھی آج ہی ہونا تھا۔ مجھے وحشت ہو رہی ہے۔" سیما میرے قریب ہو کر خوفزدہ آواز میں بولی۔

ہم تینوں کھڑکی کے قریب ہو کر باہر کا جائزہ لینے ... اندھیرے میں ہر طرف سے تماشائیوں کی ٹولیاں نکل آئی تھیں اور دور ہی سے اس آگ کا نظارہ کر رہی تھیں۔ بجلی کے جان لیوا جھٹکوں کے خوف سے کسی نے آگ کے قریب جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ فضا میں فائر انجن کے سائرن کی گونج سنائی دینے لگی جو تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی ... کسی عقل مند نے بروقت انھیں فون پر اطلاع دے دی تھی۔

فائر انجن کے پہنچنے سے پہلے ہی ٹرانسفارمر کے ... پیمانہ لبریز ہو گیا۔ بھڑکتی ہوئی آگ کی تپش سے بند ... تیل میں پیدا ہونے والے گیسوں کے دباؤ نے کام دکھایا ... ٹرانسفارمر ایک خوفناک دھماکے سے پھٹ گیا جس ... پورے علاقے کو لرزا کر رکھ دیا۔ کھمبوں پر ٹرانسفارمر کی ... باقیات جلتے رہے۔ دھماکے سے اڑنے والے حصوں ... قرب و جوار میں آگ پکڑ لی تھی۔ اسی وقت فائر انجنوں ... ہجوم میں راستہ بنانے کے لیے سائرن تیز کر دیے۔ فائر ... تیزی کے ساتھ چرخیوں سے پائپ کھول رہے تھے ... پوزیشن لے چکے تو سائرن بند ہو گئے، پمپ چل پڑے ... پانی یا کیمیکل کی کئی دھاریں مختلف سمتوں میں آگ ... لگیں۔ فائر انجنوں کے آ جانے کے بعد تماشائیوں کا ازدحام ... بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ خطرہ کم ہو جانے کے بعد ہر شخص ... سے پہلے جائے وقوع کا معائنہ کر کے اپنی رائے قائم کرنے کی ... فکر میں لگا ہوا تھا۔ کسی کو یہ احساس نہیں تھا کہ اس کی ... ذمے داری سے فائر مینوں کو اپنے کام میں کتنی دشواری ... آ رہی تھی۔

وہ ٹرانسفارمر خاصا بڑا تھا اور اس کے تاروں کا ...

ٹ ہوجانا ناممکنات میں سے تھا۔ شعلے، شرارے اور
دھماکے یہ بتا رہے تھے کہ وہاں تخریب کاری ہوئی تھی۔ کسی
بھی دھات کے نرم اور لچکدار تاروں کے ملبے لچھے ٹرانسفارمر
بالائی پر اچھالے بغیر ایسی خوفناک آتشزدگی ہونی محال تھی۔
پھر اچانک ہی دوسری عقبی سمت سے ایک فائر کی
گونج ابھری اور فضا ایک دلدوز انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔
ہر طرف سے لوگ وہیں سمٹ آئے تھے، فائر اور چیخ سنتے
ہی وہاں بھگدڑ مچ گئی۔ اس قدر شور بلند ہوا کہ کان پڑی آواز
نہیں سنائی دے رہی تھی۔ پھر شاید کسی کلاشنکوف سے
برسٹ مارا گیا، کئی ادھوری چیخیں ابھریں۔ تماشائیوں
کی بھیڑ آناً فاناً میں غائب ہوگئی تھی۔ سڑک پر سناٹا ہوگیا
تھا۔ فائرمین بھی تذبذب کے عالم میں تھے۔ پانی کے پائپ
تھامے اسی طرف دیکھ رہے تھے جدھر موت برس رہی تھی۔
کلاشنکوف چلنے کے بعد تو جیسے وہاں میدانِ جنگ بن
گیا۔ بیک وقت بہت سے ہتھیار چلنے لگے اور فضا تیزی
کے ساتھ بارود کی بو سے بھرتی چلی گئی۔

فائرمینوں نے تیزی سے پائپ سمیٹے اور دونوں انجن
سائرن بجائے بغیر تیزی کے ساتھ آگے گلی میں گھستے چلے گئے۔

آخرکار اس خوفناک تصادم کا آغاز ہو ہی گیا تھا جسے
ٹالنے کے لیے میں نے سلور آئی ندیم کے بلیزر میں ڈلوا دی تھی۔
جہانگیر اور سیما پریشان اور خوفزدہ تھے مگر میں جانتا تھا کہ وہ اس
شہر میں شی اور مافیا کا پہلا تصادم تھا جس کی داغ بیل شاید
سیمانے ہی ڈالی تھی۔ لڑنے والے اب سڑک کے رُخ پر بھی
آگئے تھے کیونکہ فضا میں گولیاں تیرتی نظر آنے لگی تھیں۔ میں
ان دونوں کو لے کر تیزی کے ساتھ کھڑکی سے ہٹ گیا۔
سیمانے دہشت زدہ ہوکر بہ آوازِ بلند رونا شروع کردیا تھا۔

آناً فاناً میں ہی اس پورے علاقے میں ایک خوفناک
صورتِ حال پیدا ہوچکی تھی۔ منظم تخریب
کاری کے ذریعے ایک وسیع علاقے کو بجلی فراہم کرنے والے
پول ماؤنٹیڈ ٹرانسفارمر کو آگ لگا کر تباہ کردیا گیا تھا جس کے نتیجے
میں ہر طرف گھور اندھیرا پھیل گیا تھا۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ
قرب و جوار میں رہنے والوں کو وہ پوری رات بجلی کے بغیر ہی
ایک عذاب میں گزارنی تھی کیونکہ نیا ٹرانسفارمر لگائے یا
لائنوں میں بڑی ردوبدل کیے بغیر اس علاقے میں ایک قمقمہ بھی
روشن کرنا ممکن نہیں تھا اور یہ شہر کی روشنیوں کے نگہداروں کے
لیے کوئی آسان کام نہیں تھا۔ سامان کی فراہمی اور اوور ٹائم
کی یقین دہانیوں کے بعد اگلی دوپہر سے پہلے اس منصوبے
کی کارروائی کے آغاز کا امکان نظر نہیں آتا تھا۔

اور شاید تخریب کار بھی یہی چاہتے تھے۔ اندھیرے میں
آگ کے بھیانک شعلے بھڑکا کر ایک طرف انھوں نے پوری
آبادی کی توجہ جائے حادثہ کی طرف مبذول کرادی تھی اور
دوسری طرف اندھیرے کی چادر پھیلا کر ہر ایک کے لیے
دوست اور دشمن کی تمیز مٹادی تھی۔ اس افراتفری اور داروگیر
کا فائدہ اٹھا کر وہ اپنی من مانی کرنا چاہ رہے تھے لیکن فضا میں
مختلف سمتوں سے جگنوؤں کی طرح اڑنے والی گولیاں یہ ظاہر
کررہی تھیں کہ تخریب کار تباہی اور تاریکی سے فائدہ اٹھانے
میں بُری طرح ناکام رہے تھے۔ اس سارے تماشے نے ان
لوگوں کے انہماک اور فرض شناسی میں ذرا بھی خلل نہیں ڈالا
تھا جو ان کا راستہ روکنے کے لیے اپنی کمین گاہوں میں دبکے
ہوئے تھے اور شاید بدترین صورتِ حال سے دوچار ہونے
کے لیے بھی تیار تھے۔

ٹرانسفارمر تباہ کرنے والے یقیناً شی کے ہرکارے تھے
جن کے اعصاب پر سلور آئی بُری طرح مسلط ہوکر رہ گئی تھی۔
اندھیرا پھیلا کر انھوں نے افراتفری میں میری بلڈنگ پر دھاوا
بولنے کا منصوبہ بنایا تھا تاکہ ایک ہی ہلے میں میرے پڑوس
میں واقع سیما کے فلیٹ میں گھس کر وہاں سلور آئی تلاش کر
سکیں۔ عام حالات میں کسی قسم کی مزاحمت سے دوچار ہوئے
بغیر وہ مرحلہ سر کرنا ممکن نہیں تھا۔ پھر اندھیرے میں کوئی بھی انھیں
نہیں پہچان سکتا تھا اس لیے سلور آئی کے حصول کے لیے وہ
سارا بکھیڑا پھیلایا گیا تھا۔

لیکن مافیا والے بھی جی دار ثابت ہوئے تھے۔ کامٹ کے
جو آدمی میری حفاظت پر مامور تھے، انھوں نے دھماکے ہونے
اور اندھیرا پھیلنے کے باوجود اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ بلکہ فضا
میں سازش کی بو محسوس کرکے وہ شاید کچھ زیادہ ہی مستعد ہو
گئے تھے اور جب شی کے آدمی اپنی دانست میں فضا کو
سازگار سمجھ کر میری بلڈنگ میں گھسنے کے لیے لپکے ہوں گے
تو مافیا والوں نے اندھیرے میں ان پر موت کی برسات کردی
ہوگی۔

ابتدائی کربناک چیخوں کی بنا پر یہ اندازہ لگانا دشوار
نہیں تھا کہ پہلے ہلے میں مافیا والوں نے ان کے ایک دو
آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ باہر سے ہونے والے
اس شدید حملے کے باوجود اگر شی والے عمارت میں گھسنے کی
حماقت کرتے تو وہ عمارت ان کے لیے چوہے دان ثابت
ہوتی اور ان میں سے کوئی بھی زندہ باہر نہ نکل پاتا۔

عمارت کے زینوں پر بھگدڑ اور دھما چوکڑی کے آثار
نہ ہونے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ابتدائی نقصانات اٹھاتے

ہی ٹی والے سنبھل گئے تھے اور انھوں نے بھی باہر پوزیشنیں سنبھال کر اپنے حریفوں کا مقابلہ شروع کر دیا تھا۔

عقبی حصے سے شروع ہونے والی فائرنگ سامنے والی سڑک تک پہنچنے سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ دونوں حریف بھاری نفری ساتھ لائے تھے اور بہت بڑے کشت و خون کے بغیر ان میں سے کسی ایک کا دوسرے پر غالب آنا ممکن نہیں تھا۔

میں ان خطرناک حالات میں اندھا دھند کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ایسی حماقت کی صورت میں عین ممکن تھا کہ میں بے خبری میں اپنے دشمنوں کے بجائے، ہمدردوں ہی کی کسی گولی کا نشانہ بن جاتا۔ اس لیے کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اس اچانک تصادم کا تجزیہ کرنا ضروری تھا، لیکن سیما کے رونے کے ڈوبتے اور ابھرتے ہوئے سُر اس وقت میرے ذہن پر جھلاہٹ طاری کر رہے تھے۔

"خاموش ہو جاؤ، یہ لوگ تمھیں تل کر نہیں کھا جائیں گے۔" میں نے غرّا کر دھیمی آواز میں اسے ڈانٹا۔

"نرمی سے بات کرو پیٹر!" آگ اور بارود کی اس برسات میں بھی جہانگیر کے دماغ میں عشق کا کیڑا کلبلا رہا تھا۔ "وہ بے چاری فائرنگ اور اندھیرے سے پہلے ہی ڈری ہوئی ہے، تم بھی اسے دھمکاؤ گے تو آدھی جان رہ جائے گی۔"

"آدھی جان کے بچے! اس پوری جان کو گود میں لے کر چپ کراؤ۔" میں نے اندھیرے میں دانت پیستے ہوئے کہا۔ "یہ آتش بازی نہیں چل رہی، کچھ لوگ افراتفری پھیلا کر سیما کے فلیٹ سے سلور آئی نکال لے جانا چاہتے ہیں۔ اس وقت ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو بے موت مارے جائیں گے۔"

"یہ... یہ سلور آئی کا چکر ہے!" جہانگیر میرا انکشاف سُن کر بوکھلا گیا۔ سیما کی رونے کی آواز بھی یکلخت تھم گئی تھی جیسے اس کا دوران خون ہی تھم گیا ہو۔

"ہم نے تو خود کھلا میدان چھوڑ کر انھیں سلور آئی نکال لے جانے کا موقع دیا ہے۔ پھر ان کی راہ روکنے والے کہاں سے پیدا ہو گئے؟" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"وہ مجرم ہیں۔ شہر میں ان کے بہتیرے دشمن ہو سکتے ہیں مگر اس وقت وہ یہی سمجھیں گے کہ سیما نے فون پر ڈی ڈی کی دھمکی ملنے کے بعد اپنے حامیوں کو یہاں جمع کر لیا ہے۔ اس کی پوزیشن مخدوش ہو گئی ہے...."

"میں اسی خون خرابے سے ڈر رہی تھی۔" میری بات کاٹتے ہوئے سیما کی روہانسی آواز ابھری۔ "مگر یہ ہو کر ہی رہا۔ میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔ اب کیا ہوگا....؟"

"سنو۔" میں نے اس کے دونوں بازو مضبوطی سے تھام کر غصے سے اس کے پورے وجود کو جھنجوڑ ڈالا۔ "تھوڑی ضبط سے کام لے کر مجھے کچھ سوچنے کا موقع دو، ورنہ تو ہم کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ ابھی تک سب کچھ عمارت باہر ہی ہو رہا ہے۔ ہمیں کچھ علم نہیں کہ کس کا پلہ بھاری ڈی ڈی کے آدمیوں کا داؤ چل گیا تو وہ بلڈنگ میں گھس مچادیں گے۔ تمھارے فلیٹ کے ساتھ دوسرے گھر کی بربریت کا نشانہ بن جائیں گے۔"

"تت... تم سوچو.... میں بالکل چپ رہوں گی۔" گھٹی گھٹی ہچکیوں کے درمیان بولی۔ اور پھر اس کی آواز معدوم ہو گئی۔ اسی اثنا میں جہانگیر دونوں بھرے ہوئے نکال لایا۔

باہر فائرنگ میں تواتر کے ساتھ شدت بھی پیدا ہو تھی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی میدان چھوڑ آمادہ نہیں تھا اور دونوں فریق اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے جم کر ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے تھے۔ فائرنگ کی ہوتے ہی پے در پے کئی دردناک انسانی چیخیں فضا ابھری تھیں جو بے خبری میں کیے جانے والے ناگہانی کا نتیجہ معلوم ہوتی تھیں لیکن سنبھالا لینے کے بعد دونوں مکاری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ کلاشنکوف اور پستولوں کی چلنے والی دھواں دھار فائرنگ کے نتیجے میں فضا ہوئے بارود کی بو سے بوجھل ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن فائرنگ ایک دوسرے کو اپنی قوت سے مرعوب کر کے لیے کی جا رہی تھی کیونکہ انسانی چیخیں ان بارود کی خال خال ہی سنائی دے رہی تھیں۔

ٹرانسفارمر میں لگنے والی آگ اس قدر شدید تھی کہ کے شعلے یقیناً میلوں دور تک دیکھے گئے ہوں گے۔ پھر کے دھماکے کے ساتھ پھٹنے پر پورا علاقہ بری طرح لرز اٹھا پورے علاقے میں قیامتِ صغریٰ کا سماں پیدا ہو گیا تھا انجن اپنی کارروائی بڑی حد تک نمٹانے کے بعد فائرنگ خوف سے فرار ہو چکے تھے۔ لیکن مجھے حیرت تھی کہ پولیس کا دور دور تک پتا نہیں تھا اور وہ علاقہ اپنے مکینوں شی اور مافیا کے بے رحم درندوں کے رحم و کرم پر رہ گیا تھا۔

یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے پولیس والے آگ، دھما اور فائرنگ سے واقف ہونے کے باوجود انجان بن گئے کہ کہیں اندھیرے میں وہ خود ہی لڑنے والوں کی بھٹکی ہوئی گولیوں کا نشانہ نہ بن جائیں۔ ٹرانسفارمر جل جانے کے بعد علاقے میں اس وقت تک دوبارہ روشنی بحال نہیں ہو تھی جب تک ٹرانسفارمر نہ بدل دیا جاتا۔ جب پولیس

ے گریز کر رہی تھی تو بجلی والے گولیوں کے سامنے
نے کا تصور تک نہیں کر سکتے تھے۔ اس طرح
ں لا ادھر آنے
معرکہ آرائی صبح کا اجالا پھیلنے تک جاری رہ سکتی تھی۔ کیونکہ
نکل آنے کے بعد چھپ کر گولیاں برسانا اتنا آسان نہ
ان۔ مقابلے میں اختصار کی امید بس اسی ایک حقیقت
ہ جاتا۔ سے وابستہ تھی کہ دونوں طرف سے دل کھول کر اسلحہ
استعمال کیا جا رہا تھا، اس فراخ دلی کے نتیجے میں دونوں میں
سے کسی بھی فریق کا میگزین جلد ہی ختم ہو سکتا تھا۔ اجالا پھیلنے
سے پہلے تصادم ختم ہونے کی بس وہی ایک امید باقی رہ
گئی تھی۔

پھر اچانک ہی سڑک کے وسط سے کسی نے ہماری
عمارت پر کلاشنکوف کا برسٹ مارا اور ہم تینوں ہی غیرارادی
طور پر بالکونی کے فرش پر گر گئے۔ سیما بری طرح خوفزدہ تھی۔
.... جہانگیر کے سر پر اس کی دلجوئی کا بھوت سوار تھا۔ اس
لیے مجھ ہی کو اس بارے میں اپنے ذہن پر زور دینا پڑا۔ میں
نے یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ فائرنگ اندھا دھند نہیں کی
جا رہی تھی۔ بلکہ حملہ آور نے میرے پڑوس میں واقع سیما کے
فلیٹ کی کھڑکیوں، دروازوں اور دیواروں کو اپنا نشانہ بنایا
ہوا تھا۔ اس کی کلاشنکوف کی بیرل سے نکلنے والی چمک کے
انعکاس میں میں نے دیکھا کہ وہ دو مسلح آدمی تھے جو پیشہ ور
گوریلوں کی طرح سڑک کے وسط میں آسیبی سایوں کی طرح
جمے ہوئے کھڑے تھے۔ وہ یقینی طور پر شی کے ہی آدمی تھے
کیونکہ انھوں نے سیما کے فلیٹ کو ٹارگٹ بنایا ہوا تھا جہاں
ان کی ایک مقدس سلور آئی پھنسی ہوئی تھی۔

ان میں سے ایک وقفے وقفے سے سیما کے فلیٹ پر
نشانے بازی کی مشق کر کے اپنی دانست میں وہاں رہنے
والی کو اپنی قوت سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا
اور دوسرا چوکنے انداز میں چاروں طرف نگرانی کر رہا تھا۔
اسے جدھر بھی ذرا سا شبہ ہوتا، اپنی کلاشنکوف سے ایک
ہلکا سا برسٹ چلا دیتا تھا۔

ہم سڑک سے تقریباً ڈیڑھ منزل کی بلندی پر گہری
تاریکی میں تھے۔ دشمن کے کم از کم دو آدمی واضح طور پر ہماری
نگاہوں میں آچکے تھے اور خوش نصیبی سے وہ ہمارے نشانوں
کی زد میں بھی تھے۔

"اٹھو!" میں نے جہانگیر کا کالر پکڑ کر اسے گھسیٹا۔ سیما
شاید دہشت سے بے ہوش ہو چکی تھی اور جہانگیر کو کھلاہٹ
میں اس کے دل سے اپنا دل نہ ملا کر غالباً تنفس بحال
کرنے والی تدبیر آزمانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اس کی جھلائی ہوئی غراہٹ بھی
دھیمی ہی تھی۔ اپنی خدمتِ خلق میں میری مداخلت اسے
ضرورت سے زیادہ ہی ناگوار محسوس ہوئی تھی۔

"یہ پکڑو!" میں نے بھرا ہوا پستول اس کے ہاتھ میں
تھماتے ہوئے غرا کر کہا۔ "وہ نیچے سڑک پر ہمارے دو دشمن
کھڑے ناچ رہے ہیں۔ میں ایک دو تین کہوں گا۔ تین کہتے
ہی ہمیں ان دونوں کو ایک ساتھ گولی مارنی ہے۔ ان میں سے
ایک بھی زندہ بچ گیا تو ہماری یہاں موجودگی کا راز فاش ہو جائے
گا۔ بچنے والا اپنے ساتھیوں کو ہماری طرف بھی متوجہ کر دے گا۔"

"پھر ایسا خطرہ کیوں مول لے رہے ہو؟" وہ پستول لیتے
ہوئے نیم دلی کے ساتھ بولا۔ "خاموشی کے ساتھ یہاں دبک
کر تماشا دیکھتے رہو۔ وہ دیواروں اور دروازوں پر گولیاں
برباد کر کے خود ہی واپس چلے جائیں گے۔"

"تم احمق ہو!" میں نے جھلا کر کہا۔ "یہ نہ بھولو کہ وہ ہمارے
دشمنوں کے آدمی ہیں اور ان کا مقابلہ کرنے والے ہمارے
نادیدہ دوست یا ہمدرد ہیں۔ اپنے ہمدردوں کا ساتھ نہ
دے کر ہم خود اپنی قبر تیار کر لیں گے۔ جو کہہ رہا ہوں پوری
توجہ اور دھیان سے اس پر عمل کرنا، ذرا بھی چوکے تو وہ
چھلاووں کی طرح غائب ہو جائیں گے۔"

"چلو! پھر شروع کر دو گنتی۔" اس نے ایک گہرا سانس
لے کر کہا۔

میرے پستول کی نال پر سائیلنسر چڑھا ہوا تھا جب کہ
جہانگیر کے پستول پر وہ آلہ موجود نہیں تھا۔ ہم دونوں نے
اپنے ہاتھ سیدھے کیے۔ میں نے گنتی شروع کی اور تین کا لفظ
ادا ہوتے ہی ایک دھماکے کے ساتھ دو گولیاں سڑک کے
وسط میں موجود احمقوں کے جسموں میں پیوست ہو گئیں۔

ان میں سے ایک کی چیخ بہت طویل اور اندوہناک
تھی جس میں موت کی دہشت رچی ہوئی تھی۔ گولی کھا کر وہ
چیختا ہوا وہیں ڈھیر ہو گیا تھا لیکن دوسرا صرف زخمی ہوا
تھا کیونکہ میں نے اس کو چیخ مار کر ایک طرف بھاگتے ہوئے
دیکھا تھا۔ تاریکی میں اس کا ہیولا بری طرح لنگڑا رہا تھا۔ شاید
اس کی ٹانگ زخمی ہوئی تھی۔

وہ دونوں اپنی دانست میں بہت محفوظ تھے اس
لیے ہماری فائرنگ نے ان کے اوسان خطا کر دیے۔ شدید
زخمی ہونے والا تو شاید سڑک پر سسک سسک کر دم توڑ رہا
تھا لیکن زخمی ہونے والا ابھی جوابی فائر کرنا بھول کر اپنی جان
بچانے کے لیے بھاگا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ دوڑ کر میری
زد سے باہر نکل جاتا، میں نے پے در پے تین بے آواز فائر
کیے اور آخرکار وہ بھی ڈھیر ہو گیا۔ اس کی ایک ہی دلدوز

یہ چیخ ابھری تھی پھر وہ خاموش ہو گیا۔ شاید کوئی گولی پشت سے اس کے دل میں اتر گئی تھی۔

اِدھر میدان صاف ہو گیا تھا لیکن دوسری سمتوں میں ابھی تصادم جاری تھا۔ جہانگیر کو میرے اور مافیا کے معاہدے کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا لیکن میں دل ہی دل میں مافیا والوں کی تنظیم اور پیش بینی کی داد دے رہا تھا۔ کامٹ نے فون پر پُراعتماد لہجے میں مجھے یقین دلایا تھا کہ اگر مجھ پر وقت آیا تو میں تنہا نہ ہوتا اور وقت نے کامٹ کے الفاظ کی صداقت ثابت کر دی تھی۔ میری ان سے افہام و تفہیم ضرور ہو گئی تھی لیکن میں باقاعدہ ان کی صفوں میں شامل نہیں ہوا تھا۔ اس کے باوجود وہ یکطرفہ طور پہ مجھے تحفظ فراہم کر رہے تھے جو بہت بڑی بات تھی۔

اس عمارت پر شی والوں کا دھاوا براہِ راست میرے لیے نہیں تھا بلکہ وہ سیما کی تحویل سے وہ سلور آئی نکال لے جانا چاہتے تھے جو اس کے شوہر ندیم کو ہیروئن کی کھیپ فرینکفرٹ پہنچانے کے لیے شناخت کے طور پر دی گئی تھی۔ سلور آئی کا راز بعد میں میرے علم میں آیا تھا لیکن اس سے پیشتر میں کامٹ کو بتا چکا تھا کہ ڈی ڈی براہِ راست میری پڑوسن میں دلچسپی لے رہا تھا۔ میں نے اسے ندیم کی سرگرمیوں اور گرفتاری کے بارے میں بھی آگاہ کر دیا تھا۔ اس لیے کامٹ کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ شی والے اگر وہاں اسلحہ بند ہو کر آئے تھے تو ان کا نشانہ میں نہیں بلکہ سیما تھی مگر مافیا کراچی میں شی کا راستہ کاٹنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس لیے شی والوں کو اس بلڈنگ میں گھسنے سے روک دیا گیا تھا۔

شی کے دو آدمیوں کو خاموشی سے مار گرانے کے بعد میں خود کو بہت آسودہ محسوس کر رہا تھا۔ اس طرح میں اس مقابلے میں محض خاموش تماشائی نہیں رہا تھا۔ بدلتی ہوئی سمتوں سے تیز فائرنگ کا تبادلہ زور و شور سے جاری تھا۔ سیما بالکونی میں بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ ہم دونوں اسے سہارا دے کر اندر لے آئے اور پھر جہانگیر نے کھڑکیوں پر پردے کھینچ کر ایک بیٹری لیمپ روشن کر دیا تھا۔

گھور تاریکی میں وہ روشنی بہت غنیمت تھی۔ سیما کی حالت کا جائزہ لینے کے لیے وہ روشنی بہت ضروری تھی۔ وہ عورت اپنے کردار کے اعتبار سے جیسی بھی رہی ہو لیکن اندر سے ایک ڈرپوک عورت ہی تھی۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد پڑا ہوا تھا اور سینہ کسی لوہار کی دھونکنی کی طرح تیزی سے پھول پچک رہا تھا۔

"اسے مصنوعی تنفس کی نہیں، آرام کی ضرورت ہے۔"

میں نے جہانگیر کو انہماک سے سیما کا جائزہ لیتے ہوئے دیکھ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔ "عورتوں کے بارے میں تم شاید فرسٹ ایڈ کے اسی ایک اصول سے واقف ہو؟"

اس نے قہر بار نظروں سے مجھے گھورا۔ لبوں میں تھرتھراہٹ جنبش بھی ہوئی لیکن وہ کچھ بول نہ سکا۔

اچانک فضا ایک ہولناک دھماکے سے لرز اٹھی۔ یہ دھماکا اتنا شدید تھا کہ سیما بھی صوفے پر اچھل کر رہ گئی اور جہانگیر کی آنکھوں میں تشویش کے سائے گہرے ہو گئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ مقابلے کو فیصلہ کن بنانے کے لیے کسی نے دستی بموں کا استعمال شروع کر دیا ہے۔" وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ "پتا نہیں پولیس کہاں رہ گئی ہے!"

"میدان خالی ہونے کا انتظار کر رہی ہو گی۔ اس قدر خونیں مقابلے میں کون اپنی جان داؤ پر لگائے گا۔"

"میں پولیس کی بات کر رہا ہوں جسے تنخواہ ہی امن و امان قائم رکھنے کے لیے دی جاتی ہے۔" میرے مضحکانہ لہجے پر وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔ "اگر وہ اس وقت سو رہے ہیں تو پھر کب کام آئیں گے؟"

"ٹھنڈے دل سے سوچو، پولیس والے فولادی روبوٹ یا سپر مین نہیں ہوتے، ہمارے تمہارے جیسے آدمی ہوتے ہیں۔ انھیں بھی جان پیاری ہوتی ہے۔ کلاشنکوف اور دستی بموں کے سامنے وہ بے چارے اپنی بندوقوں سے کسی کا کیا بگاڑ سکیں گے...؟"

"مجھ سے بلاوجہ نہ الجھو۔" وہ مجھے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے بولا۔ "بندوقوں کا زمانہ بدل گیا۔ اب پولیس والوں کو بھی خودکار اسلحہ، تیز رفتار گاڑیاں اور مواصلاتی سہولیات ملی ہوئی ہیں۔ تم دیکھ لینا کہ آج رات یہاں کم از کم دس پندرہ آدمی مارے جائیں گے اور کوئی ان کا پرسان حال نہ ہو گا۔"

"آخر پولیس والے اپنی جان کا خطرہ کیوں مول لیں۔ زخمی ہونے پر دو سو روپے اور مرنے پر پانچ ہزار روپے کا نقد انعام اور تعریفی سند ان کے یا ان کے پسماندگان کے کس کام آسکے گی۔ اس سے کئی گنا رقم تو ہر سپاہی ان لوگوں سے وصول کر سکتا ہے جو اس تصادم کے خاتمے پر شبہے کی بنیاد پر حراست میں لیے جائیں گے۔ ہر زیرِ حراست قیدی اپنی ساری بے گناہی کے باوجود بڑی خوشی سے اتنی رقم ادا کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔"

"تم ہی جیسے لوگوں نے اس ملک کا بیڑا غرق کیا ہوا ہے۔" وہ جھلّا کر بولا۔ "ہر چیز کو پیسے کے ترازو میں تولتے ہو۔ انسانی خون کا احترام، فرائضِ منصبی کا احساس، ملک اور معاشرے سے محبت اور ضمیر کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہی ہے۔"

"یہ سب پرانے زمانے کی باتیں ہیں مائی ڈیئر!" میں
نے اسے مزید چڑاتے ہوئے کہا۔ "یہ بہشتی زیور اور توبۃ النصوح
جیسی کتابوں میں ہی باقی رہ گئی ہوں گی۔ اب تو ہر طرف پیسہ
بنا اور بولتا ہے۔ تمھیں بھی یہ سب آج یاد آ رہا ہے۔ بارہ سال
پہلے تم کیا تھے اور تمھاری سوچ کیا تھی؟"
"کیا تمھیں یقین ہے کہ پولیس نہیں آئے گی؟" اس
نے نفرت آمیز ہنسی کے ساتھ اپنی ذات کو موضوع کی زد
سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
"آئے گی، لیکن یہ دھواں دھار برسات ختم ہونے کے
بعد" میں نے زور دے کر کہا۔ "ابھی واردات جاری ہے۔
مکمل ہو جائے گی تو قانون کا آہنی ہاتھ حرکت میں آ جائے گا۔"
میں مزید کچھ کہنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن میری بات ادھوری
رہ گئی کیونکہ اچانک ہی فون کی گھنٹی چیخ پڑی تھی۔ باہر ہونے
والی زبردست فائرنگ اور دھماکوں کے درمیان فون کی گھنٹی
کی آواز مجھے بڑی عجیب سی محسوس ہوئی تھی اور میں نے لپک
کر انسٹرومنٹ کا ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے فوراً ہی
کامٹ کہا گیا تھا۔
جواب میں میں نے شور کہتے ہوئے محسوس کیا کہ کامٹ
کی آواز سرد اور خاصی سنجیدہ تھی۔ "تم کہاں ہو؟ آج تو باہر ہر طرف
آگ اور بارود کا راج ہے۔ شاید فون پر بھی تم دھماکوں کی آوازیں
سن رہے ہو گے۔"
"تصادم ہماری توقع سے کہیں زیادہ شدید ہوا ہے۔ تمھیں
اس عورت سے کیا معلوم ہوا؟"
"عورت کے پاس سلور آئی موجود ہے۔ یہ معلوم ہوتے
ہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ لوگ اس کے فلیٹ پر پوری
قوت کے ساتھ دھاوا بولیں گے، لیکن میرے پاس تمھیں مطلع
کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔"
"یہ سلور آئی کیا بلا ہے؟" اس معاملے میں وہ بالکل کورا
معلوم ہو رہا تھا۔
"سونے پر چاندی سے ڈھلی ہوئی ایک خواب ناک
انسانی آنکھ جسے یورپ میں شی کے بڑے اپنے منصب کی
شناخت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔۔۔!"
"لیکن تم نے تو بتایا تھا کہ سیما کا شوہر شی والوں کا ایک
معمولی کیریئر تھا جو تیسری کوشش کرتے ہوئے یورپ میں
پکڑا گیا؟" اس نے میری بات کاٹ کر تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔
"تم نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔"
پھر میں نے مختصر ترین الفاظ میں اسے سیما کی تحویل میں
پہنچنے والی سلور آئی کی کہانی سنا دی۔ اپنے پاس پہلے سے موجود
سکوں کا ذکر کیے بغیر میں نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ سلور آئی کی
اہمیت کے پیش نظر سیما کی گلوخلاصی کے لیے میں نے وہ سکہ
اس کے فلیٹ ہی میں چھوڑ کر اسے اپنے پاس بلا لیا تھا۔
"یہ تم نے بہت برا کیا" میری بات مکمل ہونے پر وہ
متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "ڈان کے لیے سلور آئی دلچسپ ثابت
ہو سکتی تھی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم اب فلیٹ میں جا کر وہ سکہ
نکال لاؤ؟"
"فی الحال ناممکن ہے۔ سیما دہشت سے بے ہوش ہو گئی ہے
مجھے علم نہیں کہ اس نے سلور آئی کہاں رکھی ہے۔ اندھیرے میں
میرے لیے اسے تلاش کرنا دشوار ہو گا" میں نے صفائی
سے جھوٹ بولا۔ حالانکہ سیما مجھے بتا چکی تھی کہ اس نے سلور
آئی دوسرے سکوں اور ندیم کے ذاتی استعمال کے کچھ کاغذات
کے ساتھ اس کے ایک بلیزر کی جیب میں ڈال دی تھی
لیکن مجھے اندازہ تھا کہ سلور آئی بازیاب نہ ہونے کی صورت
میں شی والے قبر تک بھی سیما کا پیچھا نہ چھوڑتے اور ہر اس
ٹھکانے کو تہ و بالا کر دیتے جہاں اس کی یا سلور آئی کی موجودگی
کا ذرا بھی شبہ ہوتا۔
"وہ کب تک ہوش میں آ جائے گی؟" کامٹ نے
اضطراری لہجے میں سوال کیا۔
"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہماری کوششیں جاری ہیں۔ وہ بری
طرح دہشت زدہ ہو گئی تھی۔"
"تمھارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟" اس نے چونک کر
سوال کیا۔
مجھے اپنی بے احتیاطی پر افسوس ہوا کیونکہ میں روانی میں
ہماری کوششیں کہہ بیٹھا تھا۔ اس لیے انکار کی گنجائش باقی
نہیں رہی تھی۔ "میرا ایک دوست ہے لیکن ان معاملات
سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس وقت بھی وہ دوسرے کمرے میں
سیما کو ہوش میں لانے کی کوششیں کر رہا ہے۔"
"پھر تو وہ جہانگیر ہو گا" اس کی پُراعتماد آواز ابھری۔ میرے
بارے میں وہ مردود بہت زیادہ باخبر تھا۔ "کل رات بھی جب
پلاسٹک کا گڈا تمھاری کار میں رکھا گیا تو شاید تم اسی کے گھر گئے تھے۔"
"میں انکار نہیں کروں گا لیکن احتجاج ضرور کروں گا کہ
تم باقاعدہ میری نگرانی کرا رہے ہو۔"
"نگرانی نہیں، حفاظت کہو۔" وہ آہستگی سے بولا تھا۔
"محافظوں کو اپنے ہتھیار سنبھال کر ہر وقت تمھارے قریب
رہنا ہوتا ہے ورنہ تمھارے خون کے پیاسے تمھیں کہیں بھی
گھیر سکتے ہیں۔"
"انھوں نے تو اس وقت بھی گھیرا ڈالا ہوا ہے۔ یہ اور

بات ہے کہ وہ اپنے حصار میں میری موجودگی سے بے خبر ہیں جب کہ میں ان کے دو آدمیوں کو موت کی نیند سلا چکا ہوں۔"

"تمھارے پاس کچھ اسلحہ موجود ہے؟" تحیر آمیز اور تائید طلب لہجے میں سوال کیا گیا۔

"کم از کم اپنا دفاع کر سکتا ہوں۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

"بس مجھے یہی فکر تھی اور اس وقت فون کرنے کی وجہ بھی یہی تھی۔ ان لوگوں نے سارا دباؤ بلڈنگ کے داخلی راستے پر ڈالا ہوا ہے۔ میرے آدمیوں کا میگزین تیزی سے ختم ہو رہا ہے مگر وہ مزاحمت کر رہے ہیں۔ میں نے میگزین روانہ کر دیا ہے لیکن انھیں کمک ملنے میں ذرا بھی تاخیر ہوئی تو کشتی والوں کو تمھاری بلڈنگ میں گھسنے کا موقع مل جائے گا۔ اس کا امکان بہت کم ہے لیکن پھر بھی تمھیں متوقع خطرے سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔" وہ جلدی جلدی بولتا چلا گیا۔

"اور اتنی اہم بات بتانے میں تم نے اتنی دیر لگا دی؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"دوسری باتیں بھی اسی قدر اہم تھیں۔ تمھیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ وقتی طور پر وہ دباؤ ڈال کر اندر گھسنے میں کامیاب ہو بھی گئے تو زندہ واپس نہ لوٹ سکیں گے۔ اس بار میں نے میگزین کے ساتھ آتش گیر اور دھوئیں کے دستی بم بھی بھیجے ہیں۔ میرے آدمی ان کے چھکے چھڑا دیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی زندگی کے لیے لڑنے کا عادی ہوں۔ تمھارے آدمی کامیاب نہ بھی ہوئے تو میں اپنا دفاع کر لوں گا۔ ویسے ہمدردی اور اطلاع دینے کا شکریہ۔"

دوسری طرف سے کوئی جواب دیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

اس فون کال پر جہانگیر تجسس کا شکار ہو گیا اور میں نے اسے اصل معاملے سے آگاہ کیے بغیر صرف اتنا بتایا کہ میں نے اپنی معاونت کے لیے کرائے کے کچھ محافظوں کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ ان ہی کے نگران نے فون کر کے میری خیریت دریافت کی تھی کیونکہ وہ نیچے ہونے والی بے لگام فائرنگ سے میرے بارے میں تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"لیکن اس کا سیما اور سلور آئی سے کیا تعلق پیدا ہو گیا؟" جہانگیر نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"محافظوں کو جب تک متوقع خطرات کے پورے پس منظر سے واقفیت نہ ہو، وہ اپنا کام پوری تن دہی سے سرانجام نہیں دے سکتے۔ میری بات سن کر ابھی اس نے بتایا ہے کہ

لڑنے والوں میں سے ایک حریف کا پلہ بھاری پڑ

اس دوران میں میرے کان فائرنگ کی آواز

رہے ہے اور میں نے محسوس کیا کہ کسی ایک جانب سے شد و مد کے ساتھ گولیاں چلائی جا رہی تھیں لیکن جوابی کا تسلسل ٹوٹ چکا تھا۔ وہ لوگ اپنے حریفوں کو اپنی کا احساس دلانے کے لیے وقفے وقفے سے فائرنگ کر رہے تھے۔

"یہ تو سیدھی سی بات ہے کہ کشتی والے سیما کے میں گھس کر سلور آئی حاصل کرنے پر تلے ہوئے ہیں بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ ان کا راستہ روکنے والے کون" جہانگیر بولا۔

"یہ واقعی سوچنے والی بات ہے۔" میں نے سنجیدگی کہا۔ "دیکھا جائے تو وہ لوگ ہمارے ہمدرد بھی ہو سکتے ہیں لیکن ان مسائل پر بعد میں غور کیا جا سکتا ہے۔ فی الحال خطرہ سر پر منڈلاتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ اگر کشتی والے اس عمارت میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تو وہ جھلاہٹ کسی فلیٹ کو نہیں بخشیں گے۔"

"پھر کیا کیا جائے؟ اس وقت تو سیما بھی بے ہوش اور سب سے بڑا خطرہ تو اسی کو لاحق ہے۔"

"اس وقت فلیٹ سے باہر قدم نکالنا موت کے میں جانے کے برابر ہو گا۔ میری رائے ہے کہ ہم تینوں کو مسہری کے نیچے چھپ جانا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اندھیرے میں اس طرف توجہ نہ دیں۔"

"لیکن سیما کا کیا ہو گا؟" اس کے دل و دماغ پر وہی سوا

"اسے بھی اٹھا کر مسہری کے نیچے لے جائیں گے میں آ گئی تو اسے خاموش رکھنا تمھاری ذمے داری ہو گی۔ تم ویسے بھی مصنوعی تنفس کے ماہر اعظم ہو۔" میں نے اس بریف کیس بند کر کے صوفے کے نیچے ڈالتے ہوئے کہا۔

وہ مجھے گھور کر رہ گیا۔ پھر ہم دونوں نے بے ہوش کو خواب گاہ میں لے جا کر مسہری کے نیچے دھکیلا۔ پستولوں کے علاوہ سٹین گن بھی ساتھ لی اور بیٹری لیمپ گل کر کے خود بھی میں مسہری کے نیچے رینگ گئے۔ اس آخری اقدام میں جہانگیر نے عجلت سے کام لیا تھا تاکہ اسے سیما کے قریب رہنے مل سکے۔ لیکن میں سب کچھ سمجھنے کے باوجود دانستہ خاموش

"یہ تمھارے کرائے کے محافظ کہاں سے پیدا ہو گئے" مسہری کے نیچے گرد آلود قالین پر گھٹن میں کچھ دیر خاموش بعد جہانگیر کی زبان میں خارش شروع ہو گئی۔

"اس شہر میں پیسہ خرچ کر کے کرائے کے قاتل تک

...صل کیے جا سکتے ہیں، پھر محافظوں کا حصول تو بہت آسان ...ہیں تمھیں بتا چکا ہوں کہ وہ لوگ اس مقابلے میں شریک ...یں ہیں بلکہ خاموش تماشائی ہیں۔"
"یہ وہی تو نہیں جو اسلحے کی بات کرنے کے لیے کل ...ت تمھارے پاس آنے والا تھا؟" اس نے از خود ہی ایک ...ولی ہوئی بات مجھے یاد دلا دی۔ مجھے یاد آ گیا کہ پچھلی رات ...انگیر کی موجودگی میں کامسٹ کا فون آیا تھا۔ اس وقت ...انگیر فلم دیکھنے میں محو تھا اور کامسٹ مجھ سے ملنے کے لیے ...نے والا تھا۔ اس لیے میں نے جہانگیر کو یہ بہانہ کر کے ٹال ...والا تھا کہ مجھ سے اسلحے کے سودے کے لیے کوئی ملاقاتی ...لیٹ پر آنے والا تھا اس لیے اس کی موجودگی مناسب ...نہیں تھی۔

"اوہ، تو میں تمھیں پہلے ہی بتا چکا تھا؟" میں نے انجانے ...ن کی اداکاری کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔ "وہی ہے۔ ...جس سے معاملہ طے ہونا ہو بس اسی سے ملتا ہے، دوسروں ...سے غیر ضروری طور پر ملنا پسند نہیں کرتا۔ اسلحے کی سوداگری ...کے ساتھ اجرت پر بہتیرے کام کرتا ہے۔ فی الحال میں نے ...اپنی حفاظت پر لگا لیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعد میں دلدار کو ...ٹھکانے لگانے کا سودا بھی اسی سے کر لوں۔"
"کام کا آدمی مل گیا ہے تو اس سے بہتر کوئی صورت ...نہیں ہو سکتی۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "ٹھیکیداری اس دور ...میں زندگی کو بہت آسان بنا دیتی ہے۔ تمھیں معلوم ہوتا ہے ...کہ ایک مقررہ رقم خرچ کر کے کیا نتائج حاصل کر سکو گے۔ آج ...کل تو ہر سمجھدار صنعتکار بھی اس راستے پر چل پڑا ہے۔ ورکر رکھو ...تو ان کے ہزار نخرے ہوتے ہیں۔ بیسیوں سرکاری محکموں کو ...رشوت دینا پڑتی ہے۔ پھر کبھی اولڈ ایج کا چکر نکل آتا ہے ...کبھی سوشل سیکیورٹی دینا پڑتی ہے۔ یونین بن جائے تو کھایا ...پیا لک یاد آ جاتا ہے۔ ہر شخص حرام خوری پر تل جاتا ہے اور ...کام کیے بغیر تنخواہ لینے کی فکر میں رہتا ہے۔ میں فیکٹری میں ...ٹھیکے پر کام کراتا ہوں۔ یہ لوگ اتنے ہی معاوضے پر ڈیڑھ گنا ...زیادہ کام کر کے دیتے ہیں۔ جب چاہتا ہوں فیکٹری چلاتا ہوں، کام ...نہ ہو تو کاریگروں کو ہفتوں کے لیے گھر بٹھا دیتا ہوں جس ...کے لیے مجھے ایک پیسہ نہیں دینا پڑتا۔ میری مانو تو کراچی میں ...تم عیش کرو اور پیشہ ور قاتلوں کو اور مجرموں کو کام کے ٹھیکے ...دیتے رہو۔ چاہو تو اسی طرح غزالہ کو بھی اٹھوا سکتے ہو۔"
"تمھارا دماغ چل گیا ہے جہانگیر!" میں نے غصیلے لہجے ...میں کہا۔ "غزالہ تمھاری فیکٹری کے کسی پرزے کا نام نہیں ہے ...جسے میں ٹھیکے پر چوری یا اغوا کرا لوں۔ میں نے زبردستی اس

پر قابض ہونا چاہا تو وہ نفرت اور حقارت سے میرے منہ پر تھوک دے گی۔ اپنی ٹھیکے داری اور منافع خوری اپنی فیکٹری تک محدود رکھو۔ اسے میری ذات تک وسعت دینے کی کوشش نہ کرو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کون سا کام کب اور کیسے کیا جا سکتا ہے۔"
وہ خاموش ہو گیا اور اسی کے ساتھ میں نے محسوس کیا کہ فضا پر بوجھل سا سکوت طاری ہو چلا تھا۔ فائرنگ کی گھن گرج دم توڑ چکی تھی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے اس طرح اکا دکا فائر ہو رہے تھے جیسے اپنے مورچوں میں قریب المرگ پڑے ہوئے سپاہی کسی امدادی پارٹی کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لیے تھکے تھکے انداز میں بے مقصد فائر کر رہے ہوں۔ میرے لیے وہ تبدیلی بہت خوف آور تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ مافیا والوں کو کمک ملنے سے پہلے ان کا میگزین ختم ہو گیا تھا اور شی والے کسی بھی لمحے دندناتے ہوئے بلڈنگ میں داخل ہو سکتے تھے۔
وہ لمحہ میری توقع سے کہیں زیادہ تیزی سے آ گیا۔
بلڈنگ کے زینوں میں پے در پے کئی فائروں کی گونج ابھری جس سے فلیٹ کے در و دیوار تک جھنجھنا اٹھے۔ ایک دہشت زدہ مردانی چیخ سنائی دی۔ شاید کسی کونے کھانچے میں دبکے ہوئے چوکیدار کو گھسیٹ کر زخمی یا بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ اور پھر زینے متعدد وزنی جوتوں کی وحشیانہ دھمک سے لرزنے لگے۔
"وہ آ گئے!" جہانگیر کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔ "خطرہ دیکھتے ہی میں بے دریغ گولی چلا دوں گا۔"
"میری مرضی کے بغیر دم بھی نہ ہلانا۔" میں نے سرد اور سخت لہجے میں کہا۔ "میں تم سے آگے ہوں۔ خطرہ ہوا تو پہلے مجھے نظر آئے گا۔ اس وقت کی ذرا سی لغزش ہمیں موت کے جہنم میں دھکیل دے گی۔ اور..."
میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ آنے والے آخرکار میرے فلیٹ پر بھی آ پہنچے تھے۔ انھوں نے ڈور بیل کے لیے بجلی کی سپلائی پہلے ہی منقطع کر دی تھی۔ لہٰذا دھمکی آمیز غراہٹوں کے ساتھ وحشیانہ انداز میں دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔
"وہ اندر آنا چاہ رہے ہیں۔" جہانگیر خوف زدہ آواز میں منمنایا۔ "مسہری کے نیچے تو ہم کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔"
"سانس روکے یونہی پڑے رہو۔" میں نے اسے ڈانٹ دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس صورتِ حال سے میں خود بھی نروس ہو گیا تھا۔ مجھے شی والوں کا اندازہ ضرور تھا لیکن یہ امید نہیں تھی کہ وہ اتنی آسانی کے ساتھ میرے دروازے پر بھی آ

پہنچیں گے۔ باہر راہداری میں عجیب ملا جلا شور گونج رہا تھا۔ میرے فلیٹ کے ساتھ ہی سیما کا دروازہ بھی پیٹا جا رہا تھا۔ پھر شاید کسی نے قفل پر فائر کیا۔ ایک زوردار دھما کا گونجا جیسے کئی آدمیوں نے اپنے شانے ملا کر دروازے پر ضرب لگائی ہو۔ اسی کے ساتھ تیز چرچراہٹ کے ساتھ وزنی چوبی پٹ اندر گرنے کا دھماکا سنائی دیا جو یقیناً میرے فلیٹ کا نہیں تھا۔ غالباً وہ لوگ سیما کے فلیٹ کا دروازہ توڑ کر اندر گھسنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

وقت کو پر لگ گئے تھے اس تمام کارروائی میں یقیناً چند منٹ صرف ہوئے ہوں گے لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سب پلک جھپکتے میں ہو گیا ہو۔ اوپری منزلوں سے بھی چیخ و پکار اور دھما چوکڑی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید ان لوگوں نے ایک ہی وقت میں اس بلڈنگ کے آٹھوں فلیٹوں میں گھسنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

چند لمحے بھی نہ گزرے ہوں گے کہ ہمارے دروازے کے قفل پر بے خوفی سے فائر کیا گیا اور اندر جلتے ہوئے بارود کی بو پھیل گئی اور پھر دروازہ اکھڑ کر پُرشور آوازوں کے ساتھ اندر آ گرا۔

میرا حیوانی احساس پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ آنے والوں کے قدموں کی ہلکی سی دھمک سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ تعداد میں دو تھے۔ اندر گھس کر وہ براہِ راست اسی خواب گاہ میں آئے تھے جہاں ہم چھپے ہوئے تھے۔

"یہ فلیٹ تو خالی محسوس ہوتا ہے" ایک کھردری اور متوحش آواز سنائی دی۔ لمحہ بھر کے لیے میرے دل میں لالچ آیا کہ برابر کی ٹکر تھی، وہ دو تھے اور ہم بھی دو ہی تھے ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی جا سکتی تھی لیکن میں نے فوراً ہی اپنا وہ خیال ترک کر دیا۔ فلیٹ میں وہ دو ہی تھے لیکن عمارت ان کے حامیوں سے بھری ہوئی تھی۔ تصادم کا ذرا بھی اشارہ ملتے ہی وہ سب اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے آ سکتے تھے۔

ان کے پاس ٹارچیں موجود تھیں جن کی روشن لکیریں کمروں میں بکھراتی پھر رہی تھیں۔

"الماریاں توڑ دو اور سوٹ کیسوں کے ڈھکنے اکھاڑ دو" دوسری آواز نسبتاً پُرسکون تھی، "اور جو قیمتی چیز نظر آئے وہ ایک کپڑے میں باندھ لو۔ گرین سگنل کسی بھی وقت مل سکتا ہے تم یہ کمرا سنبھالو، میں دوسرے کمرے دیکھتا ہوں۔"

اس خواب گاہ میں فوراً ہی بے رحمانہ توڑ پھوڑ کا آغاز ہو گیا۔ اس وقت پوری بلڈنگ میں عورتوں، بچّوں اور مردوں کی آہ و بکا سے ایسا گمبھیر سماں بندھ گیا تھا جیسے تاریکی کا فائدہ اٹھا کر بھوکے درندوں کا کوئی غول اس بلڈنگ میں گھس آیا ہو۔ اس خواب گاہ کے ساتھ ہی دوسرے کمروں سے بھی توڑ پھوڑ کی آوازیں آ رہی تھیں جن کا بظاہر کوئی مقصد نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے پوری امید تھی کہ وہ لوگ جتنی آسانی سے عمارت میں داخل ہوئے تھے، اتنی آسانی کے ساتھ واپس نہیں لوٹ سکیں گے کیونکہ اس وقت تک مافیا والوں کو گڑبڑ اور گولہ بارود کی کمک مل چکی ہوگی اور وہ بھرے ہوئے ہتھیاروں کے ساتھ شی والوں کے استقبال کے لیے تیار ہوں گے۔

پھر اچانک اسی منزل پر کہیں سے سب مشین گن کا ہلکا سا برسٹ مارا گیا جس کا شور سنتے ہی ہماری خواب گاہ میں موجود شخص دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

شاید اس پوری مہم کی سربراہی وہ ٹیم کر رہی تھی جس نے سیما کے فلیٹ پر حملہ کیا تھا۔ ان لوگوں نے سلور آئی ہاتھ آتے ہی سب مشین گن کا برسٹ مار کر اپنے تمام ساتھیوں کو کام مکمل ہونے کا سگنل دیا اور دوسرے فلیٹوں میں موجود لٹیرے مالِ غنیمت سمیت فوراً ہی فرار ہو گئے۔

ہماری خواب گاہ میں آنے والوں کی گفتگو سے ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ فلیٹ میں توڑ پھوڑ کر کے کچھ قیمتی چیزیں نکال لے جانا چاہتے تھے تاکہ اس پوری واردات میں سیما کے فلیٹ کو کوئی خصوصی اہمیت حاصل نہ ہو سکے۔ سلور آئی کی تلاش کے دوران وہ ایسے حالات پیدا کر دینے کے خواہاں نظر آتے تھے جن کی بنا پر پولیس اور دوسرے تفتیشی ادارے اسے اجتماعی ڈکیتی کی ایک منظم اور بڑی واردات تصور کر کے بھول بھلیوں میں الجھ جائیں۔

وہ سب دندناتے ہوئے زینوں سے تقریباً ایک ساتھ ہی اترے تھے، میں مسہری کے نیچے دبکا مافیا کے جیالوں کی ہولناک چاند ماری کا منتظر تھا لیکن اس بار ایک گولی بھی نہ چلی۔ فضا میں ماتم اور نوحوں کی وہ کرب آلود آوازیں گونج رہی تھیں جو لٹنے والوں کے دلوں کو چیر کر بلند ہو رہی تھیں۔

"ابھی ٹھہر جاؤ، ہو سکتا ہے کہ آس پاس کوئی موجود ہو" جہانگیر نے مجھے مسہری کے نیچے سے سرکتے ہوئے دیکھ کر میرا بازو تھام کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"دِلّی لُٹ گئی جہانگیر صاحب! اب میدان صاف ہے" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ اور دل میں سوچا کہ کامٹی کی ساری کمک اور شیخی دھری کی دھری رہ گئی۔ وہ اپنے گھٹنے

ٹیک کر بھی شی والوں کو ان کے عزائم سے باز نہ رکھ سکا۔ دونوں طرف سے ہونے والے جانی نقصان کے موازنے سے ہی اس معرکے میں فتح اور شکست کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جا سکتی تھی۔

ہم دونوں نے باہر نکل کر فلیٹ کا جائزہ لیا تو جہانگیر سر پکڑ کر رہ گیا۔ پورے فلیٹ کی حالت چند منٹ میں تباہ کر دی گئی تھی جیسے وہاں بند دروازوں کے درمیان دیر تک کئی مست سانڈ لڑتے رہے ہوں۔ الماریوں کے پٹ کھلے ہوئے تھے یا قبضوں سے اکھاڑ دیے گئے تھے، سارا سامان قالین، صوفوں اور بستروں پر یوں بکھرا ہوا تھا جیسے عجلت میں تلاشی لی گئی ہے لیکن ڈرائنگ روم میں صوفے کے نیچے رکھا ہوا جہانگیر کا بریف کیس جوں کا توں موجود تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ آنے والوں نے تلاشی کے معاملے میں سنجیدگی یا محنت سے کام نہیں لیا تھا۔ بلکہ ساری توجہ تلاشی کا سماں پیدا کرنے میں مرکوز کر دی تھی جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہے تھے۔

"یہ تو ڈکیتی معلوم ہوتی ہے حرامزادوں نے ہر چیز کو تہس نہس کر دیا ہے۔" جہانگیر غصے اور بے بسی کے عالم میں بولا۔

میں نے اس کی تصحیح کی ضرورت نہیں سمجھی۔ "آؤ ذرا سامنے والا فلیٹ بھی دیکھیں۔"

"پہلے اسے مسہری کے نیچے سے تو نکال لو، وہ ابھی تک وہاں بے ہوش پڑی ہوئی ہے۔" وہ چونک کر بولا۔

"فی الحال وہ وہیں محفوظ ہے۔ جب تک ہم اکھڑے ہوئے قبضوں پر جھولتے ہوئے دروازے کو بند کرنے کا بندوبست نہ کر لیں، اس نامحرم عورت کا پردے سے نکلنا خطرناک ہوگا۔"

"تم مذاق کر رہے ہو؟" وہ وحشت زدہ آواز میں بولا۔ "ایسی اعصاب شکن گھڑیاں گزار کر بھی تم میں مذاق کرنے کی ہمت باقی ہے؟ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنے سنگدل ہو گئے ہو۔"

"یہ لو۔" میں نے بیٹری لیمپ روشن کر کے اسے تھما دیا۔ "میں یہیں رک کر دروازہ کھڑا کرنے کی کوشش کرتا ہوں، تم ذرا اوپر کی منزلوں کا جائزہ لے آؤ۔ ان لوگوں کے تجربات کی روشنی میں ہمیں پولیس کے آنے سے پہلے اپنی کوئی کہانی تیار کرنی ہے تاکہ ہمارا بیان دوسروں سے مختلف نہ ہو۔"

وہ مجھے گھورتا ہوا خاموشی کے ساتھ چلا گیا اور میں اندھیرے میں تنہا رہ گیا۔ جہانگیر کے سامنے میں نے خود کو بے خوف ظاہر کرنے کی کامیاب کوشش کی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ گزرے ہوئے خون آشام لمحات نے میرے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس پہلے ہی ٹکراؤ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ میں شی کے مقابلے میں ایک بھسڈی گھوڑے پر داؤ لگانے جا رہا تھا جو کسی بھی اہم مرحلے پر مجھے ٹریک پر گرا کر خود اپنے سُموں سے روند سکتا تھا۔

میں نے جہانگیر کے بریف کیس سے اسکاچ کی بوتل نکالی اور ڈھکن کھول کر بوتل سے ہی دو لمبے لمبے گھونٹ معدے میں اتار لیے۔ دہانے سے معدے تک آگ کی سی ایک لکیر اتر گئی لیکن میری کھوپڑی کچھ چمک اٹھی۔

اس فلیٹ کا دروازہ بالکل ہی نہیں اکھڑا تھا۔ بلکہ آخری قبضے کے سہارے چوکھٹ سے جھول رہا تھا۔ اسے چوکھٹ میں کھڑا کرتے ہوئے میری ذہنی رَو ایک مرتبہ پھر کامٹ کی طرف بہک گئی جس نے بڑے وثوق کے ساتھ اپنے میگزین اور دستی گولہ بارود بھیجنے کا وعدہ کیا تھا اور اسے پورا کرنے میں بُری طرح ناکام رہا تھا۔ اگر خطرہ بھانپ کر میں نے مسہری کے نیچے پناہ لینے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو ہمارا انجام کچھ زیادہ قابلِ رشک نہ ہوتا۔

میرے نقطۂ نظر سے وہ تصادم بالکل بے سود رہا تھا۔ ہاتھی کو گرانے کی کوششوں میں چیونٹی بدحال ہو گئی تھی اور ہاتھی مستانہ وار اپنی راہ پر چلتا رہا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ اس ٹکراؤ میں دونوں طرف کے آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے تھے جو لامحالہ پولیس کے ہاتھ لگتے اور یوں شہر میں دو حریف گروہوں کی موجودگی کا راز زیرِ زمین دنیا سے نکل کر قانون کے محافظوں کی کتابوں میں درج ہو جاتا جو نہ شی کے لیے سودمند ہوتا اور نہ مافیا کے لیے۔

کامٹ نے مافیا کی جانب سے اس رات جس ناقص کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا اس کی بنا پر میں یہ سوچنے میں حق بجانب تھا کہ اس تصادم کے بعد شاید مافیا کا ایک گروہ کے طور پر وجود ہی باقی نہ رہے۔

دروازہ چوکھٹ میں پھنس گیا۔ تالا فائر کر کے تباہ کر دیا گیا تھا اس لیے میں نے اوپر کا بولٹ لگا کر دروازہ اسی جگہ اٹکا دیا۔ اور فرش پر بکھرے ہوئے وہ پیچ اکھٹے کرنے لگا جو اوپر کے اکھڑے ہوئے قبضوں سے نکلے تھے۔ اندھیرے میں ٹٹولنے کا کام خاصا مشکل تھا اس لیے میں نے دیا سلائی روشن کر لی۔

اسی وقت دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ جہانگیر اوپر کی تین منزلوں کے چھ فلیٹوں کا جائزہ لے کر اتنی جلدی کیسے واپس آ گیا مگر میں نے دروازہ کھولا تو راہداری کے گھور اندھیرے میں بیٹری لیمپ کے

بغیر ایک تاریک انسانی ہیولے کو اپنے مقابل دیکھ کر چونک پڑا تھا۔

میرے اعصاب تن گئے تھے اور میں اچھل کر نو وارد کا گلا دبوچنے کے لیے تیار ہو گیا تھا کہ وہ میرے تیور بھانپ کر ایک دم بول پڑا۔ "مجھ پر حملہ نہ کرنا' میں سلطان شاہ ہوں۔"

میرے پھیپھڑوں سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا اور میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اندر گھسیٹ لیا۔ اس کوشش میں اکھڑا ہوا پٹ میری گرفت سے آزاد ہو کر پرشور آواز کے ساتھ دوبارہ گر گیا۔

"یہ... یہ سب کیا ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟" سلطان شاہ دبی دبی تشویش زدہ آواز میں بولا۔ "میں پچھلے آدھے گھنٹے سے اس علاقے میں پھنسا ہوا تمہارے پاس آنے کا منتظر تھا لیکن اس بلڈنگ کے گرد تو باقاعدہ محاذ کھلے ہوئے تھے اور مورچا بند فائرنگ ہو رہی تھی۔"

"لمبی کہانی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم اس وقت کیسے آئے؟" میں نے اندھیرے میں اندازے کی بنا پر ڈرائنگ روم کی طرف اس کی رہنمائی کرتے ہوئے سوال کیا۔

"میں تم سے ملنے اور یہ بتانے کے لیے آیا تھا کہ آج سے میں نے جاذ فارماسوٹیکل میں ڈیوٹی دینا شروع کر دی ہے لیکن تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ یہاں تو ہر طرف تباہی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔"

میں نے اختصار کے ساتھ اسے سارے واقعات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "جہانگیر اوپر والے فلیٹوں کا جائزہ لے کر واپس آنے والا ہے۔ اس کے سامنے بھول کر بھی مافیا کا نام نہ لینا۔ اسے بس اتنا ہی معلوم ہے کہ سیما کی تحویل سے سلور آئی نکال لے جانے کے چکر میں شی والوں کا کسی نامعلوم فریق سے تصادم ہو گیا ہے۔"

"اور وہ سیما کہاں ہے؟ اسے تو شاید وہ اٹھا لے گئے ہوں گے؟" اس نے سوال کیا۔

"وہ اپنا فلیٹ خالی چھوڑ کر میرے پاس آ گئی تھی اور اب خوابگاہ میں مسہری کے نیچے بے ہوش پڑی ہوئی ہے۔ وہ سامنے رہتی تو یقیناً مار دی جاتی۔ تمھیں معلوم ہے کہ سلور آئی کے معاملے میں وہ لوگ کتنے حساس ہیں۔"

پھر جہانگیر بھی واپس لوٹ آیا۔ سلطان شاہ کو میرے پاس دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ لیکن یہ اطمینان بھی ہوا کہ ہماری نفری میں ایک کا اضافہ ہو چکا تھا۔

اس نے بتایا کہ آنے والوں کے چہروں پر نقاب چڑھے ہوئے تھے اور انھوں نے اوپر کے فلیٹوں میں اسلحے کے زور پر خاصی لوٹ مار کی تھی۔ عجلت کی وجہ سے انھوں نے مکینوں کے ساتھ تشدد بھی کیا تھا۔ نقدی، زیورات اور دوسری قیمتی اشیا جو ہاتھ لگیں، اٹھا لے گئے تھے۔ لوگوں میں عام تاثر یہی تھا کہ کچھ ڈاکوؤں نے بجلی اڑا کر اس بلڈنگ کو لوٹنے کی کوشش کی تھی۔ فائرنگ کی وجہ سے باہر کے لوگوں میں اتنی دہشت پھیلی ہوئی تھی کہ میدان صاف ہونے کے باوجود کسی نے اس بلڈنگ میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اوپر والے بعض مکینوں نے پولیس کو ڈکیتی کی اس واردات سے مطلع کر دیا تھا لیکن پوری یقین دہانیوں کے باوجود اس وقت تک پولیس علاقے میں نہیں پہنچی تھی۔

"پولیس لازماً ہم سے بھی بیان لے گی۔" جہانگیر نے کہا۔ "ہماری کہانی کیا ہونی چاہیے؟"

"ہمیں کچھ پتا نہیں، ہم تو سلطان شاہ کے ساتھ ابھی ابھی فیکٹری سے واپس لوٹے تو باہر فائرنگ ہو رہی تھی۔ فائرنگ ختم ہونے پر ہم اوپر آئے تو دروازہ ٹوٹا ہوا تھا اور اندر سارا سامان بکھرا ہوا ملا۔ رقم انعامی بانڈز اور کئی قیمتی اشیا غائب ہیں۔"

"اور سیما کا کیا ہوگا؟" جہانگیر اسے ایک لمحے کے لیے بھی بھولنے کو تیار نہیں تھا۔

"اسے پولیس والوں کے سامنے لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی وہ ہوش میں آ بھی گئی تو خوفزدہ ہوگی۔ کل کسی وقت وہ پولیس سے رابطہ قائم کر کے بتا دے گی کہ اس نے رات اپنی کسی سہیلی کے ساتھ گزاری تھی۔ صبح واپس لوٹی تو گھر کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ سلور آئی، شی یا ڈی ڈی کی فون کال کا ذکر درمیان میں لانا خطرناک ہو سکتا ہے۔"

ان تمام جزئیات پر باہمی تبادلہ خیال کے بعد جہانگیر سیما کو مسہری کے نیچے سے نکال کر ہوش میں لانے کے لیے چلا گیا اور میں بیٹری لیمپ کی روشنی میں سلطان شاہ کے ساتھ دروازہ مرمت کرنے میں مصروف ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد فضا میں پولیس کاروں کے سائرنوں کی پرشور آواز سنائی دی۔ نیچے موجود بے چین اور خوفزدہ تماشائیوں نے غالباً پولیس کے خلاف نعرے بازی شروع کر دی تھی۔ کیونکہ ہر طرف سے غل غپاڑا سنائی دے رہا تھا۔ سائرنوں کا شور یکلخت موقوف ہو گیا۔ میں نے بالکونی میں جا کر جائزہ لیا تو نیچے بے چینی کے آثار نظر آئے۔ اندھیرے میں لوگ جگہ جگہ ٹولیاں بنائے کھڑے تھے۔ کچھ دور تین پولیس گاڑیاں ایک بڑے ہجوم کے نرغے میں گھری ہوئی تھیں۔ شاید لوگ پولیس کی آمد میں تاخیر پر احتجاج کر رہے تھے اور غنیمت یہ تھا کہ پولیس

والوں نے صورتِ حال کی نزاکت کو بھانپ کر کسی تادیبی کارروائی کے بجائے صبر و تحمل کا رویہ اپنایا ہوا تھا۔ ورنہ صورتحال افسوس ناک رُخ بھی اختیار کر سکتی تھی۔

اندھیرے کی وجہ سے انھوں نے اپنی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس روشن ہی رکھے تھے۔ میں نے اضطراری طور پر اس سمت نگاہ ڈالی جہاں دو کلاشنکوف بردار میرے ہاتھوں ڈھیر ہوئے تھے۔ لیکن وہاں اس وقت کچھ بھی نہیں تھا۔ مرنے والوں کی لاشیں ان کے ساتھی اٹھا لے گئے تھے یا وہ صرف زخمی ہوئے تھے اور کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھیوں سے جا ملنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

اپنا جائزہ مکمل کر کے میں واپس آیا تو جہانگیر اپنی تدبیروں سے سیما کو ہوش میں لا چکا تھا۔ اور وہ بیٹری لیمپ کی ناکافی روشنی میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے خلا میں گھورے جا رہی تھی۔

"اپنے اوسان بحال کرو۔" جہانگیر اس کے رخساروں پہ ہلکے ہلکے تھپڑ لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا "کچھ بھی نہیں ہوا۔ انھیں سلور آئی لے جانی تھی اور وہ لے گئے۔ اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"ہزار، پندرہ سو کے سکّے کے لیے اس قدر خونریزی اور بربریت!" وہ پھریری لے کر کھوئی کھوئی آواز میں بولی۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ پتا نہیں ان کی اندھا دھند فائرنگ سے کتنے بے گناہ ہلاک اور زخمی ہوئے ہوں گے۔ اور جو بے چارے لُوٹے گئے وہ تو کسی گنتی میں ہی نہیں ہیں۔"

پھر ہم تینوں ہی سیما کی دلجوئی میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد بند دروازے پر دستک ہوئی اور اس بار دروازے پر ایک انسپکٹر کی معیت میں دو اے ایس آئی اور چند سپاہی نظر آئے۔

اگر ڈکیتی کی وہ واردات کسی ایک ہی فلیٹ میں ہوئی ہوتی تو پولیس والے وہیں ڈیرے ڈال دیتے، لیکن انھیں اطلاع مل چکی تھی کہ اس بلڈنگ کے سارے ہی فلیٹ ڈکیتی کا نشانہ بنے تھے۔ اس لیے انھوں نے اندر آ کر کمروں کا سرسری جائزہ لیا پھر جہانگیر کو کچھ دیر بعد نیچے پہنچنے کی ہدایت کر کے باہر نکل گئے۔ سیما باتھ روم میں چھپ گئی تھی۔

"اس فلیٹ میں بھی ابتری ہے مگر اندر کوئی نہیں ہے۔" سیما کے فلیٹ کی طرف سے اندھیرے میں کسی پولیس والے کی آواز ابھری۔

انسپکٹر جاتے جاتے ہماری طرف گھوم گیا۔ "آپ کے پڑوس میں کون رہتا ہے؟"

"مسٹر اور مسز ندیم۔" جہانگیر نے بلاتوقف جواب دیا۔

"ہمارے ان سے زیادہ مراسم نہیں ہیں۔ سنا ہے دونوں میاں بیوی ہوائی کمپنیوں میں ملازمت کرتے ہیں۔"

"تو ان کا فلیٹ ٹوٹے ہوئے دروازے کے ساتھ یونہی لاوارث پڑا رہے گا۔"

"کوئی قانونی دشواری نہ ہو تو ہم دیکھ بھال کر لیں گے۔ بلکہ دروازہ لگا کر اسے بند ہی کر دیں گے۔ پڑوس میں ایک دوسرے کا اتنا خیال تو رکھنا ہی پڑتا ہے۔" جہانگیر سراپا اخلاق بن گیا تھا۔

"آپ لوگ دھیان رکھیں، ویسے ہم کسی بڑھئی کا بھی بندوبست کرتے ہیں۔" انسپکٹر وہ ہدایت جاری کرتے ہوئے اوپر جانے والے زینوں کی طرف بڑھ گیا جہاں پولیس کی آمد کی خبر پا کر کئی غم زدہ متاثرین جمع ہو گئے تھے۔

ہم دونوں اندھیرے میں ہی سیما کے فلیٹ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر کی کوششوں کے بعد پٹ کو چوکھٹ میں پھنسا کر کھڑا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

"سلمیٰ کو فون کر لو، ورنہ وہ آج پھر چراغ پا ہو جائے گی۔" فلیٹ کی طرف لوٹتے ہوئے میں نے جہانگیر کو مشورہ دیا جو اس نے فوراً ہی قبول کر لیا۔ ورنہ وہ اس وقت تک سلمیٰ اور اس کے غصے کو یکسر بھولا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں سیما کو سلطان شاہ کے ساتھ فلیٹ میں چھوڑ کر نیچے پہنچے تو وہاں خاصی چہل پہل تھی ایک خالی پلاٹ پر پولیس والوں کے لیے آس پاس کی دکانوں سے کئی کرسیاں ڈال دی گئی تھیں۔ چند پیٹرومکس لیمپ بھی کہیں سے مہیا کر لیے گئے تھے۔ تین گاڑیوں میں پولیس کی بھاری نفری کیل کانٹے سے لیس ہو کر وہاں پہنچی تھی۔ ان میں سے ایک پارٹی ہماری عمارت میں تفتیش کر رہی تھی اور اس وقت تک واپس نہیں لوٹی تھی۔ دوسری ٹولیاں علاقے میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں اور چلی ہوئی گولیوں کے خول، خالی میگزین اور دوسرے شواہد جمع کر رہی تھیں۔

فضا میں اس وقت بھی بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی جس سے نتھنوں میں جلن ہو رہی تھی۔ روشنی میں زمین پر کئی جگہ خون کے بڑے بڑے دھبے بھی نظر آئے۔ لیکن وہاں موجود تماشائیوں کے ہجوم میں ہونے والے تبصروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سنگدلانہ خونریزی کے باوجود اس علاقے میں نہ کوئی لاش پڑی ہوئی ملی تھی اور نہ ہی کوئی اجنبی زخمی حالت میں ملا تھا البتہ اس علاقے کے رہنے والے تین افراد جو فائرنگ کی زد میں آ کر زخمی ہو گئے تھے، انھیں علاقے کے رحم دل لوگوں نے فوراً ہی قریبی اسپتالوں میں پہنچا دیا تھا۔

اگلی صبح کے اخبارات کچھ اور ہی کہانی سنا رہے تھے۔ جہاں واردات ہوئی، وہ شہر کا کوئی مرکزی علاقہ نہیں تھا جہاں سے اخباری نمائندے چشم دید کوائف جمع کرتے۔ اس لیے بنیادی طور پر انھیں وہی کچھ شائع کرنا پڑا جو انھیں فراہم کیا گیا تھا۔ انھوں نے بعد میں موقع پر موجود لوگوں سے بھی انٹرویو لیے، لیکن کوئی بھی اس بات پر روشنی نہ ڈال سکا کہ اگر ایک طرف ڈکیتی کی نیت سے آنے والے ڈاکوؤں کا مسلح گروہ تھا تو دوسری طرف ان کی مسلح مزاحمت کرنے والے کون تھے اور پھر مقابلے میں مرنے یا زخمی ہونے والے کہاں گئے تھے؟

اس خلا کو پولیس نے نہایت آسانی کے ساتھ پُر کر دیا تھا اور خبر وہی بنی تھی جو شی والے بنانا چاہتے تھے۔ یعنی اس علاقے میں ڈاکوؤں کا ایک منظم جتھا وسیع پیمانے پر لوٹ مار کرنے کی نیت سے داخل ہوا کے ای ایس سی کے ذرائع نے تصدیق کی تھی کہ علاقے میں ان کے ٹرانسفارمر کو تخریب کاری کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ خبر کے مطابق ڈاکوؤں نے جُوں ہی ٹرانسفارمر تباہ کر کے تاریکی پھیلائی، قانون نافذ کرنے والے ادارے حرکت میں آ گئے۔ اور ایک طویل مقابلے کے بعد ڈاکو اپنے جدید ترین اسلحے کے بل بوتے پر صرف ایک عمارت میں گھسنے میں کامیاب ہو سکے۔ قیاس ظاہر کیا گیا تھا کہ قانون ڈاکوؤں کی راہ میں حائل نہ ہوتا تو اس رات علاقے کے ہر آسودہ مکین کو اس کی زندگی بھر کی جمع پونجی سے محروم کرنے کی سازش تیار کر لی گئی تھی۔

رسمی بیانات وغیرہ کے بعد اُس رات دو بجے ہماری گلو خلاصی ہو سکی تھی۔ سلطان شاہ میرے پاس رکنا چاہ رہا تھا، لیکن اس کی نئی ملازمت کی وجہ سے مَیں نے اسے جہانگیر کے ساتھ ہی واپس روانہ کر دیا تھا۔ اس لیے خبروں پر تبادلۂ خیال کے لیے میرے ساتھ صرف سیمارہ گئی تھی جو خود بھی بہت سی باتوں سے بے خبر تھی۔

"میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ معاملہ اس قدر خطرناک اور خونریز ثابت ہو گا۔ جگہ جگہ پائے جانے والے خون کے دھبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ رات کافی آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے ہوں گے۔"

"جرائم پیشہ لوگ آپس کے جھگڑوں سے پولیس کو دور ہی رکھتے ہیں۔ اسی لیے نہ اپنی لاشیں چھوڑ کر بھاگتے ہیں، نہ زخمیوں کو پڑا رہنے دیتے ہیں۔"

"ایک سلور آئی کے لیے کیا کچھ ہو گیا۔ سلور آئی کے ساتھ ہی وہ ندیم کا بلیزر بھی لے گئے۔ لیکن پولیس کا تو کل رات دور دور تک پتا نہیں تھا، یہ آج پولیس مقابلے کی خبر کیسے بن گئی؟"

"ظاہر ہے کہ دونوں میں سے کوئی فریق بھی اس دعوے کی تردید نہیں کرے گا اس لیے سہرا پولیس کے سر رہے گا۔"

"یہ تو اخباری باتیں ہیں لیکن پولیس مجرموں کو تلاش تو ضرور کرے گی؟" اس نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"ڈاکوؤں کو تلاش کرنے کی کوشش تو کرنا ہی ہو گی، جو ان کا اخبار میں بھی ذکر ہے۔" مَیں نے اخبار کی ورق گردانی کرتے ہوئے سرسری لہجے میں جواب دیا۔ اور اسی لمحے میری نگاہیں ایک خبر کی سُرخی میں اُلجھ کر رہ گئیں۔

وہ خبر آخری صفحے پر شائع ہوئی تھی جس کے مطابق پچھلی رات کورنگی روڈ پر منظور کالونی کے سامنے ایک تیز رفتار جیپ اگلا پہیہ پھٹنے کی وجہ سے بے قابو ہو کر اُلٹ گئی اور پھر خوفناک دھماکوں کے ساتھ اس میں آگ لگ گئی۔ عینی شاہدین کے مطابق زخمی ڈرائیور موقع سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ ابتدائی جائزے سے اندازہ لگایا گیا تھا کہ جیپ میں غیر قانونی اسلحے کی کئی پیٹیاں ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کی جا رہی تھیں کہ حادثہ رونما ہو گیا۔ پولیس کے ماہرین کا خیال تھا کہ آتش زدگی اور دھماکوں کا سبب وہ دستی بم، بھرے ہوئے میگزین اور کارآمد گولیاں تھیں جو حادثے کے وقت جیپ میں موجود تھیں۔ اس سلسلے میں پولیس جیپ کے نمبروں سے مجرموں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

میرے لیے وہ خبر اہم تھی کیونکہ پچھلی رات فون پر میری کامٹ سے بات ہو چکی تھی۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ وہ جیپ مافیا والوں کی تھی جو اسلحہ لے کر شرفا آ رہی تھی کہ بدقسمتی سے حادثے کا شکار ہو گئی اور ریوں شی والوں کو ہماری بلڈنگ میں من مانی کر کے صحیح سلامت واپس لوٹنے کا موقع مل گیا۔ اور مافیا کے جیالے اپنے خالی ہتھیاروں کے ساتھ بے بسی سے اپنے دشمنوں کی واپسی کا تماشا دیکھتے رہ گئے۔

اس خبر کا سیما سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لیے مَیں نے اُس سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ یہ غنیمت تھا کہ پچھلی رات پولیس والوں نے کہیں سے ایک بڑھئی کا بندوبست کر دیا تھا کیونکہ حملہ آوروں نے ہر اس فلیٹ کے دروازے کو شدید نقصان پہنچایا تھا جہاں دروازہ کھولنے میں تاخیر کی گئی تھی۔ اس بڑھئی نے مناسب معاوضہ لے کر نہ صرف دروازے ٹھیک کر دیے تھے بلکہ تباہ شدہ مضبوط قفل کی جگہ عارضی طور پر کنڈیاں لگا کر دروازے کو اندر اور باہر سے مقفل کرنے کا بندوبست بھی کر دیا تھا۔ اس طرح سیما کا فلیٹ مقفل ہونے کے بعد ہمیں اس طرف سے اطمینان ہو گیا تھا۔

نیچے پولیس کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ کے ای ایس سی

کے عملے نے بھی پچھلی رات کی بڑی واردات سے متاثر ہوکر بنگامی پیمانے پر تباہ شدہ ٹرانسفارمر کی تبدیلی کا کام شروع کر دیا تھا۔ کرین کے ذریعے اوپر سے جلا ہوا ملبہ ہٹایا جا رہا تھا اور ٹرک پر نیا ٹرانسفارمر آ گیا تھا۔ دن کے اجالے میں بجلی کی کمی زیادہ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

ہم دونوں گھر میں بکھرا ہوا سامان الماریوں وغیرہ میں رکھ کر فارغ ہوئے تو بارہ بجے کے قریب دروازے پر دستک ہوئی۔ سیما نے فوراً ہی لپک کر باتھ روم میں چھپنا چاہا لیکن میں نے اسے روک لیا۔

میرے استفسار پر باہر سے پولیس کی آواز آئی تو میں نے دروازہ کھول دیا۔

"ہم ایک بار پھر فلیٹ کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے کہا اور میں نے اسے اس کے دونوں سپاہیوں سمیت اندر بلا لیا۔ سپاہیوں کے تیوروں سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بھی لمحے کہیں ہاتھ مار کر مجرموں کو دبوچ لیں گے۔

"رات اس فلیٹ میں تین آدمی تھے۔" سب انسپکٹر نے اپنی فائل میں موجود کاغذات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"جہانگیر فیکٹری چلا گیا۔ میں اس کا ملازم ہوں۔" میں نے اس کے مزید کچھ بولنے سے پہلے ہی رات کو دیے گئے بیان کے مطابق کہنا شروع کر دیا۔ "تیسرا مہمان تھا جو رات کو ہی واپس چلا گیا۔ یہ سیما بی بی ہماری پڑوسن ہیں۔ ابھی ابھی واپس آئی ہیں اور اکیلے پن سے ڈر کر یہاں آ گئی ہیں۔"

"تم نے سارا سامان سمیٹ لیا ہے۔" میری زبان سے ملازمت کا اقرار سن کر سب انسپکٹر کا لہجہ تحکمانہ ہو گیا۔ "گھر میں سے ایسی کوئی چیز تو نہیں ملی جو ڈاکو بھول سے یہاں چھوڑ یا گرا گئے ہوں۔"

"نہیں!" میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بلکہ میرا تو خیال ہے کہ رات کو لکھوائی گئی نقدی، بانڈز، دستی گھڑی اور ڈیک کے علاوہ بھی کئی اور چیزیں غائب ہیں۔۔۔"

"جتنا پوچھا جا رہا ہے اس سے زیادہ نہ بولو جوان!" ایک سپاہی نے مجھے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

سب انسپکٹر مجھے نظر انداز کر کے سیما کی طرف بڑھ گیا۔ "آپ رات کہاں تھیں؟" اس سے سوال کرتے ہوئے اس کی نظریں فائل کے اوراق کے بجائے سامنے موجود دلکش چہرے پر مرکوز تھیں۔

"ایک سہیلی کے گھر پر تھی۔" سیما نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہوا۔ وہاں آپ کا وقت گپ شپ میں اچھا گزرا ہوگا۔ یہاں تو ہر طرف گولیاں چل رہی تھیں۔" وہ گفتگو کو ذاتی رنگ دے کر بے تکلف ہونا چاہ رہا تھا۔ سیما جواب میں کچھ نہ بولی تو اس نے دوبارہ خود ہی بات چھیڑی۔ "آپ کے فلیٹ سے کیا کیا غائب ہوا ہے؟"

سلمیٰ نے وہی فہرست دہرا دی جو سونے سے قبل اسے رٹائی گئی تھی اور بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی چوری ہوا ہو، لیکن مجھے چوری کی کوئی فکر نہیں۔ میں تو اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ جب وہ بےرحم ڈاکو میرے فلیٹ میں داخل ہوئے تو میں گھر پر نہیں تھی۔"

"جی ہاں!" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ "آپ گھر پر ہوتیں تو نہ جانے کیا کچھ ہو جاتا۔ اکیلی عورت کے حق میں چور ڈاکو بہت خوفناک ثابت ہوتے ہیں لیکن ایسی غلطیوں کی وجہ سے پکڑے بھی جاتے ہیں۔" سیما سے بات کرتے کرتے اچانک وہ تیوریوں پر بل ڈال کر میری طرف پلٹا اور غراتے ہوئے بولا۔ "قریب کھڑا دیدے کیا پھاڑ رہا ہے۔۔۔ چل جلدی سے ہم لوگوں کے لیے فرسٹ کلاس چائے بنا کر لا۔"

"میں بنا کر لاتی ہوں۔" سیما کو اپنی جان بچانے کا موقع مل گیا۔

سب انسپکٹر ارے ارے کرتا رہ گیا، مگر سیما کچن کی طرف چل دی اور انسپکٹر کھا جانے والی نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔ میں مسمسی آواز میں بولا۔ "میں خانساماں نہیں ہوں جی! ہمارے گھر کھانے پینے کا سارا سامان ہوٹل سے تیار آتا ہے۔ سیما بی بی جانتی ہیں کہ میں چائے تک بنانا نہیں جانتا۔"

سب انسپکٹر کا بس نہیں چل رہا تھا، ورنہ وہ ضرور میرے منہ پر تھپڑ رسید کر دیتا۔ وہ چائے کے بہانے مجھے ٹال کر سیما کے ساتھ خلوت میں کچھ بے تکلفانہ گفتگو کرنی چاہ رہا تھا جس کا موقع چھن گیا تھا لہٰذا وہ غصے میں فائل اٹھا کر سیدھا کچن کے دروازے پر پہنچ گیا اور خوشامدانہ لہجے میں سیما سے بولا۔ "آپ ناحق زحمت نہ کریں، وہ تو میں نے نوکر سے یوں ہی کہہ دیا تھا۔ اس وقت میں ڈیوٹی پر ہوں اور کئی فلیٹوں کا معائنہ بھی کرنا ہے۔ چائے پھر کبھی پی لوں گا۔"

"جیسی آپ کی مرضی، میں سرکاری کام میں رکاوٹ نہیں ڈالنا چاہتی، ورنہ ابھی بیس منٹ میں چائے تیار ہو جاتی۔" سیما نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ لائن ملی ہوئی تھی لیکن دوسری طرف سناٹا تھا۔

"ہیلو! کون صاحب ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"کامٹ!" دوسری طرف سے میری آواز پہچان کر کہا گیا۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ پولیس کا عملہ واپس جاتے جاتے رک گیا تھا اور سب انسپکٹر میری طرف متوجہ تھا۔

"انسپکٹر صاحب آئے ہوئے ہیں جی! حکم دیں تو بابا دوالہ"

میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"گڈ! میں تھوڑی دیر بعد دوبارہ رِنگ کروں گا۔" کامٹ کی آواز ابھری اور لائن کلک کی آواز کے ساتھ بے جان ہوگئی۔

سب انسپکٹر اپنا ترقی زدہ عہدہ سن کر تیزی سے میری طرف لپکا تھا۔ وہ سمجھا ہوگا کہ اس کی کال تھی جب کہ میں کامٹ کو مخدوش صورتِ حال سے آگاہ کرنا چاہ رہا تھا۔ انسپکٹر نے تیزی کے ساتھ میرے ہاتھ سے ریسیور لے لیا اور اسے کان سے چپکا کر ہیلو ہیلو کرنے لگا۔ اس کی آواز بتدریج بلند اور سخت ہوتی جارہی تھی۔ آخر کار اس نے جھنجھلا کر ریسیور میرے ہاتھ میں دے دیا۔

"یہ تو ڈیڈ پڑا ہے۔" وہ مجھ پر آنکھیں نکال کر غرایا۔

"پتا نہیں جی! کوئی معلوم کر رہا تھا کہ تھانیدار صاحب پہنچے یا نہیں۔" میں نے مسکین لہجے میں کہا پھر کریڈل دبا کر ریسیور کان سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "لائن کٹ گئی ہے، ٹون آرہی ہے۔"

"اوئے تو وہ تھا کون؟ تیرا ماما؟" وہ ہاتھ فضا میں اٹھا کر غرایا اور میں ریسیور کریڈل پر ڈال کر پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا۔

"میرا نہیں جی، وہ آپ کا پوچھ رہا تھا، پتا نہیں فون کیوں بند کردیا۔"

"ڈی آئی جی صاحب بھی آج جائے واردات کے معائنے کے لیے آنے والے تھے۔" دوسرے سپاہی نے فرشتۂ رحمت کا رول ادا کرتے ہوئے زبان کھولی۔ "ہوسکتا ہے کہ صاحب کے نکلنے سے پہلے ان کے پی اے نے فون کیا ہو۔"

بات اس کی کھوپڑی میں سما گئی کیونکہ معاملہ ماتحت کا نہیں افسرِ بالا کا تھا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "دوبارہ فون آئے تو بتا دینا کہ میں نو بجے سے ادھر ہی ہوں۔"

میں نے سعادت مندانہ انداز میں اثبات میں سر ہلایا اور وہ تیزی کے ساتھ باہر نکلتا چلا گیا۔

"یہ بھی تم پر عاشق ہونے کے چکر میں تھا۔" میں نے دروازہ بند کرکے ہنستے ہوئے سیما سے کہا۔ "اور مجھے کباب میں ہڈی سمجھ رہا تھا۔ میں ٹل جاتا تو وہ تمھیں دشواری میں ڈال دیتا۔"

"اس معاملے میں دُنیا کے سارے ہی مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔" وہ ڈرائنگ روم کی طرف واپس لوٹتے ہوئے بولی۔ "کچھ ذرا چالاکی اور تحمل سے کام لیتے ہیں ورنہ زیادہ تر جلد باز ہوتے ہیں۔ عورت اور تخلیہ میسر آتے ہی اظہارِ عشق کرنا اپنا پیدائشی حق سمجھ لیتے ہیں۔ ویسے وہ فون کال کس کی تھی؟"

"رانگ نمبر تھا میری آواز سنتے ہی فون بند کردیا گیا تھا۔" میں نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"پھر تم انسپکٹر کا ذکر کہاں سے لے بیٹھے تھے؟"

"تفریحاً۔" میں نے کہا۔ "اس نے ملازم سمجھ کر میری جو تحقیر کی تھی اس کا بدلا لینا چاہ رہا تھا۔"

اس وقت مجھے سیما کی موجودگی کھل رہی تھی کیونکہ اس کے سامنے میں کامٹ سے کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے اسے اس کے فلیٹ میں واپس جانے کا مشورہ دیا لیکن وہ اس تصور سے ہی خوفزدہ تھی۔ میں بمشکل اسے سمجھا سکا کہ عمارت میں اور اس کے آس پاس پولیس موجود ہے اس لیے وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف اپنا فلیٹ سمیٹ سکتی تھی بلکہ فلیٹ سے لے جائی جانے والی اشیا کا صحیح اندازہ بھی لگا سکتی تھی۔

میں اسے اپنے ساتھ لے کر اس کے فلیٹ میں گیا اور چند منٹ بعد اسے وہاں چھوڑ کر اس وعدے کے ساتھ واپس آگیا کہ اس کے فلیٹ پہ کوئی بھی دستک ہوئی تو باہر سے میں اس کا خیال رکھوں گا۔

اسے چھوڑ کر آنے کے بعد مجھے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اور کامٹ کی فون کال دوبارہ آگئی۔

"فتح مبارک ہو۔" کوڈ ورڈز کے تبادلے کے بعد میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "رات کو شاید ان میں سے ایک بھی زندہ سلامت واپس نہیں جاسکا ہوگا۔"

"چبا چبا کر باتیں نہ کرو۔ اخبار تم نے بھی دیکھ لیا ہوگا۔" دوسری طرف سے سرد لہجے میں کہا گیا۔

"تم بھول رہے ہو کہ میں اس فلیٹ میں محصور ہوں۔ باہر نکلے بغیر اخبار کہاں سے لاتا۔ کیا اس میں کوئی راز کی بات شائع ہوئی ہے؟" میں نے اس سے دانستہ جھوٹ بولا۔ اس کی کہانی میں اسی کی زبان سے سننا چاہ رہا تھا۔

"کل رات ان کا مقدر ساتھ دے رہا تھا کہ کمک لانے والی جیپ راستے میں ہی الٹ گئی ورنہ صورتِ حال کچھ اور ہی ہوتی۔"

"مقدر اور ستاروں کے سامنے ہر شخص بے بس ہے۔ اب تو ان کے حق میں صرف بددعا ہی کی جاسکتی ہے۔ ویسے کیا تم نے اپنے آدمیوں کے لیے صرف ایک جیپ ہی بھیجی تھی؟"

"توپ نہیں، انھیں صرف گولیاں اور نیا میگزین درکار تھا۔ وہ جیپ حادثے کا شکار نہ ہوتی تو وہ لوگ ساری رات بھی وہاں ہولڈ اپ کرائے رکھ سکتے تھے۔ یہ بتاؤ کہ تمھارے پاس پولیس کیوں آئی تھی؟"

"اس واقعے کو ڈکیتی کا روپ دیا گیا تھا اس لیے پولیس تمام لٹنے والوں سے بار بار رجوع کر رہی ہے۔ اسی سلسلے میں وہ میرے پاس بھی آئے تھے کیونکہ ہمارے فلیٹ کا دروازہ توڑ کر اندر ابتری پھیلائی گئی تھی۔"

"اس وقت تم کہاں تھے؟" اس نے تشویش آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"دروازے پر ضربوں کا آغاز ہوتے ہی باتھ روم چلے گئے تھے کیونکہ اس وقت مقابلہ مہنگا پڑ سکتا تھا۔ غنیمت ہوا کہ ان میں سے کسی کو باتھ روم کی حاجت محسوس ہوئی نہ ادھر کا خیال آیا۔ اور وہ اپنی من مانی کارروائی کر کے ٹھنڈے ٹھنڈے واپس لوٹ گئے۔"

"اور سیما کا کیا رہا؟" اس قصے کی تمام جزئیات اس کے ذہن میں محفوظ تھیں۔

"سیما حسب پروگرام میرے ساتھ تھی۔ اس کا فلیٹ مقفل تھا انھیں اصل کارروائی وہیں کرنا تھی اس لیے وہ دروازہ اکھاڑ کر اندر گھسے اور سلور آئی نکال لے گئے۔ سیما ہوش میں آ گئی ہوتی تو شاید میں تمھاری فرمائش کے مطابق وہ سکہ اس کے فلیٹ سے نکال لے آتا، لیکن اس کا موقع نہیں ملا۔"

"تو کیا تم اسے بے ہوشی کی حالت میں ہی باتھ روم میں لے گئے تھے؟" جھنجھلاتا ہوا سوال پوچھا گیا۔

"غیر ضروری جرح مت کرو۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "اسے ایک مسہری کے نیچے ڈال دیا گیا تھا۔ تمھارے آدمیوں کی پچھلی رات کی کارکردگی اور تمھارے رویے کے پیش نظر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ تم سے تعاون کر کے مجھے کیا حاصل ہو سکے گا۔ تم کسی بھی طرح مجھے متاثر کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہو۔"

"الٹنے والی جیپ کو تم بھی نہیں روک سکتے تھے۔" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "اتفاقات کو کسی کی کارکردگی کا معیار نہیں بنایا جا سکتا۔"

"لیکن باہمی اعتماد کے لیے کسی اتفاق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کا تعلق نیت اور دل سے ہوتا ہے۔"

چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھا گیا پھر اس کی سپاٹ آواز ابھری۔ "آج کی ملاقات کا کیا پروگرام رہے گا؟"

"پروگرام تو تم ہی طے کرتے ہو۔ مجھے حکم کی تعمیل کرنا ہوتی ہے۔ جو بتا دو گے اسی کے مطابق عمل کروں گا۔"

"آج کے لیے تمھارا فلیٹ نامناسب رہے گا۔" اس کی آواز ابھری۔

"پھر کسی ہوٹل میں مل لو۔" میں نے دانستہ وہ تجویز پیش کی۔

"دوسرا آدمی پبلک مقامات پر ملنا جلنا پسند نہیں کرتا۔" اس نے میری تجویز رد کر دی۔

"اوہ! میں بھول گیا تھا۔" میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ تو پردہ نشین ہو۔ ہوٹل یا کسی اور پبلک مقام پر کیسے مل سکتے ہو؟"

"ٹھیک ہے میں کوئی نہ کوئی بندوبست کر ہی لوں گا۔ تم رات کو ٹھیک آٹھ بجے اپنے زینوں کے سامنے سرخ رنگ کی ایک کار دیکھو گے۔ اس کا ڈرائیور تمھیں پہچانتا ہے۔ تمھیں دیکھ کر وہ گمبی گمبی کہے گا۔ تم بے فکری کے ساتھ اس کار میں سوار ہو جانا۔ ڈرائیور خود ہی تمھیں ملاقات کی جگہ پر پہنچا دے گا۔"

"اور میری واپسی کا کیا ہو گا؟" میں نے سوال کیا۔

"تم فکر نہ کرو۔ تمھیں واپس بھجوانے کی ذمے داری میری ہو گی۔"

"ذرا سرخ کار کے چاروں ٹائر اچھی طرح چیک کرا لینا۔ ایسا نہ ہو کہ آج کوئی دوسرا اتفاق رونما ہو جائے۔"

"تم غیر ضروری طور پر زیادہ بولتے ہو۔ وقت کا خیال رکھنا۔ گاڑی ٹھیک آٹھ بجے پہنچے گی۔"

اس نے میری رسٹ واچ سے اپنی گھڑی کا وقت ملانے کے بعد سلسلہ منقطع کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ میں نے پچھلی رات کے حوالے سے پھر بات چھیڑ دی۔ "مقابلے میں تمھارے آدمیوں کو بھی خاصا نقصان پہنچا ہو گا۔"

"گولیاں چلتی ہیں تو دونوں فریقوں کو ہی نقصان پہنچتا ہے، لیکن میں تمھیں بتا دوں کہ رات کو مخالفوں کے دانت کھٹے کر دیے گئے تھے۔ ہمارے دو کے مقابلے میں ان کے کم از کم سات آدمی مارے گئے۔ تمھارے دوست کا اس کے علاوہ تھے۔ ان کی نفری بہت زیادہ تھی، ابتدائی حملوں میں وہ تیتروں کی طرح مارے گئے تھے۔"

"اور بھاگنے سے پہلے اپنی لاشیں بھی اٹھا لے گئے؟" میں نے تصدیق طلب لہجے میں کہا۔

"یہی سب سے مشکل اور اہم کام ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ رات والے حملے کی رہنمائی ڈی ڈی بذات خود کر رہا تھا اور اس کی ٹانگ میں بھی خاصا گہرا زخم آیا ہوا ہے کیونکہ وہ لنگڑاتا ہوا دیکھا گیا تھا۔"

"اللہ کرے کہ تمھارا خیال محض خوش فہمی نہ ہو۔ اس کی پنڈلی کا زخم نو لاشوں سے بھاری رہا ہو گا۔"

"وہ لوگ پوری منصوبہ بندی کے ساتھ آئے تھے۔ ان کے سارے آدمی نقابیں لگائے ہوئے تھے لیکن ایک شخص سیاہ پجیرو کے قریب کھڑا ہو کر نہ صرف ہدایات جاری کر رہا تھا بلکہ پجیرو سے فاضل اسلحہ ہر اس پوائنٹ پر بھجوا رہا تھا جہاں اس کے آدمیوں کی فائرنگ کا زور ٹوٹ رہا تھا۔ ہمارے ایک آدمی نے اسے نشانے پر لے لیا تھا۔ اگر وہ پنڈلی پر پہلی گولی کھاتے ہی زمین پر گر نہ جاتا تو اس کا بدن چھلنی کر دیا جاتا۔"

"غنیمت ہے کہ تمھارے پاس کوئی اچھی خبر بھی ہے لیکن

سوچنے والی بات یہ ہے کہ وہ آدمی اسی قدر اہم نظر آرہا
تھا تو اس پر صرف ایک گولی چلائی گئی! اس پر تو سب
مشین گن یا کلاشنکوف کا پورا میگزین خالی کیا جانا چاہیے تھا
تاکہ اسے دوسرا سانس ملنے کی مہلت بھی نہ ملتی۔"

"ملو گے تو بہت سی باتیں سمجھ میں آجائیں گی۔ فی الحال
اتنا ہی کافی ہے کہ تم نے کسی بات کو خوش خبری بھی تسلیم کر
لیا ہے۔ بس آٹھ بجے کا وقت نہ بھولنا۔"

اس کے بعد لائن بے جان ہوگئی اور میں نے کسل مندانہ
انداز میں اپنے لیے سگریٹ سلگالی۔

مجھے کامٹ پر بہت غصہ تھا لیکن اس نے آخر میں
ڈی ڈی کے زخمی ہونے کے بارے میں جو خبر دی تھی، اس
نے میرا دل خوش کر دیا تھا۔ اور میں فوری طور پر اس کی تصدیق
کرنا چاہ رہا تھا۔ آخر کار مجھے ایک راستہ سوجھ ہی گیا۔ میں نے
ٹیلی فون ڈائریکٹری سے دلدار کی فیکٹری کا نمبر تلاش کیا اور
اس پر رابطہ قائم کر لیا۔

لائن ملنے پر میں نے پروقار لب و لہجے میں دلدار کے
بارے میں دریافت کیا تو بتایا گیا کہ وہ فیکٹری سے باہر کسی
میٹنگ میں مصروف تھا اور صبح سے دفتر نہیں آیا تھا۔
آپریٹر یا پی اے کے استفسار پر میں نے ایک فرضی نام بتا کر سلسلہ
منقطع کر دیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ دلدار کی میٹنگ میں مصروفیت
محض ایک بہانہ تھی، ورنہ درحقیقت وہ گھر پر یا کسی اسپتال
میں آرام کر رہا تھا۔

میرے دل میں آئی کہ اس کے گھر پر فون کیا جائے لیکن
میں نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ فون پر غزالہ کی آواز سن کر میری
طبیعت مضطرب ہو سکتی تھی اور میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا
چاہتا تھا جس کی وجہ سے غزالہ کے لیے کوئی دشواری کھڑی
ہو جاتی۔ وہ جب مجھ سے ملی تھی تو اس نے مجھ کو خود سے
دور رہنے کا مشورہ دیا تھا تاکہ میری وجہ سے اس کی خوشگوار
زندگی میں کوئی دشواریاں پیدا نہ ہوں، کیونکہ وہ دلدار کو ایک
شریف النفس اور نیک آدمی سمجھ رہی تھی جس نے برے
وقت میں اسے سہارا دے کر ایک نئی اور آبرومند زندگی گزارنے
کا حوصلہ دیا تھا۔

دلدار کے بارے میں میں بہت کچھ جان چکا تھا۔ وہ
بذاتِ خود شی کا مقامی سربراہ تھا اور ڈی ڈی کے نام سے
پس پردہ رہ کر لوگوں سے کام لیتا تھا۔ ملیر کے مضافات میں
واقع شاہ باغ کو وہ اپنا قدیم خاندانی باغ قرار دیتا تھا لیکن میں خود
دیکھ آیا تھا کہ اس باغ کا صرف نام بدلا گیا تھا ورنہ وہ قیمتی
باغ راجا فروٹ فارمز کے نام سے کئی برس پہلے شی کے مقامی
سربراہ راجا سکندر علی کے تصرف میں تھا اور میں نے اسی باغ
میں راجا سکندر کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

دلدار آغا کے ڈی ڈی ہونے کا تازہ ترین ثبوت یہ تھا
کہ سیما سے سلو آئی وی واپس حاصل کرنے کے لیے پہلے دلدار نے
دوا ساز فیکٹری کے مینیجر، ہارون نے سیما پر ڈورے ڈالنے کی
کوشش کی۔ اس کی ناکامی کے فوراً بعد ہی ڈی ڈی نے براہِ راست
خود فون پر سیما کو دھمکیاں دیں اور آخر کار پچھلی رات کا خون آشام
ڈراما رونما ہوا جس کے نتیجے میں، کامٹ کے بیان کے مطابق
گیارہ آدمی مر گئے تھے اور زخمی ہونے والوں کا کوئی شمار نہیں
نہیں تھا۔ حد یہ تھی کہ زخمی ہونے والوں میں دلدار آغا بذاتِ
خود بھی شامل تھا۔ وہ فیکٹری سے غائب تھا۔ شاید اس
نے اپنی پنڈلی یا ران کے زخم کے بارے میں غزالہ کو کوئی
جھوٹی کہانی بھی سنا دی ہو۔ میرے پاس اپنی ان تمام معلومات
کے باوجود غزالہ کو دلدار آغا کی اصلیت کا یقین دلانے کے
لیے کچھ نہیں تھا۔ اگر وہ واقعی زخمی ہو گیا تھا تو اسے جھوٹا
ثابت کرنے کی ایک ہی صورت ہو سکتی تھی کہ کسی ماہر
ڈاکٹر سے اس کے زخم کا معائنہ کرا کے وہ مستند رپورٹ
غزالہ کے سامنے رکھ دی جاتی۔

لیکن دلدار آغا بہت چالاک اور مکار تھا۔ اپنی دہری
شخصیت کا راز برقرار رکھنے کے لیے وہ فیکٹری تو کیا، چند
روز کے لیے کاروباری مصروفیات کا عذر کر کے گھر سے
بھی غائب ہو سکتا تھا اور جب اس کا زخم مندمل ہو جاتا
تو وہ کسی خوف اور خطرے کے بغیر واپس لوٹ سکتا تھا۔

میں اپنے ان ہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ سیما اپنے
فلیٹ سے فارغ ہو کر واپس آ گئی۔ میں اپنی محرومیوں کی
آگ میں جل رہا تھا اور وہ اپنی بدنصیبی پر آزردہ خاطر تھی۔ فرق
صرف اتنا تھا کہ اس کی زندگی میرے سامنے کھلی ہوئی
کتاب کی طرح تھی جب کہ وہ میرے بارے میں کچھ نہیں
جانتی تھی۔ اس وقت وہ اپنے فلیٹ سے نہا دھو کر لباس
تبدیل کر کے آئی تھی۔ اس کے بدن سے بھینی بھینی خوشبو کا
ایک سیلاب امڈ رہا تھا۔ میں نے گہری نظروں سے اس کی
طرف دیکھا تو وہ بے چین ہو گئی۔

"بولو! تم کچھ بولتے کیوں نہیں ہو؟" وہ میرے قریب آ کر تڑپ
کر بولی۔ "میں تمھاری زبان سے کچھ سننا چاہتی ہوں لیکن تم
کسی گونگے کی طرح مجھے نظر بھر کر دیکھتے ہو اور سر جھکا لیتے ہو۔
آخر تم ایسا کیوں کرتے ہو؟"

"اپنے آپ سے ڈرتا ہوں..." میں نے کہنا چاہا لیکن
اس نے میری بات کاٹ دی۔

"پارسائی انسان کے خمیر میں ہوتی ہے۔ جو لوگ اسے
اوپر سے مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ زندگی

کانٹوں کی سیج پر گزارتے ہیں۔ تمھیں کیا خوف ہے؟ کس سے ڈرتے ہو؟"

"رہنے دو سیما! مجھے زیادہ نہ کریدو۔ میرے اندر بھی ایک حیوان اور ایک درندہ چھپا ہوا ہے جو کسی کی آبرو کو خاطر میں لاتا ہے نہ کسی کی زندگی کی پروا کرتا ہے۔ اسے میں نے بڑی مشکل سے تھپک تھپک کر سلایا ہے۔ تم کوئی بڑا سمجھوتا کیے بغیر، ہنستی کھیلتی زندگی گزارنے کی شوقین ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ میری ذات سے تمھیں کوئی نقصان پہنچے۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو پیٹر۔" اس کی آواز ایک دم نرم اور دھیمی ہوگئی۔ "میں پہلی بار تمھاری دعوت پر اس فلیٹ میں آئی تھی۔ میں نے جہانگیر کو کبھی دیکھا بھی نہیں تھا۔ تم نے مجھ سے دوستی کی، میرا موڈ بنایا اور پھر مجھے جہانگیر کے حوالے کر دیا۔ شاید تمھیں میری اور اس کی دوستی ناگوار گزری ہو لیکن میں سچ کہہ رہی ہوں کہ نشے میں مجھے کچھ ہوش نہیں رہتا تھا۔ جہانگیر کو دیکھ کر میری طبیعت تو ویسے ہی مکدر ہو جاتی ہے۔ تمھاری آواز کی نرماہٹ اور مردانہ بالادستی کی میں دل سے قدر کرتی ہوں...."

وہ مجھے جو کچھ سمجھانا چاہ رہی تھی وہ میں سمجھتے ہوئے بھی نہ سمجھنے پر تلا ہوا تھا۔ میں اس کی انا کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ جہانگیر کو اپنا مہمان بنانے کے بعد وہ میرے لیے ایک عورت نہیں بلکہ صرف ایک دلچسپ ہم نشیں بن کر رہ گئی تھی جس کے ساتھ بیٹھ کر گھنٹوں تک دنیا بھر کے موضوعات پر گفتگو کی جا سکتی تھی اور اس وقت بھی میں نے اس سے اس کے پسندیدہ موضوع پر کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ اس عمارت میں کرائے دار نہیں بلکہ فلیٹ کی مالکہ تھی۔ اس کا شوہر پردیس میں قید میں تھا جب کہ میرے لیے اس وقت فلیٹ سے بہتر کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ فلیٹ پر اپنے طویل قیام کے دوران میں اس خوش شکل، خوش مزاج، فراخ دل اور تنہا خاتون سے میرا روز کا ساتھ رہنا تھا۔ پھر سلو آئی کے معاملے میں ہمارے درمیان باہمی اعتماد کی فضا پیدا ہوگئی تھی جس کے نتیجے میں اس نے پولیس والوں کے سامنے اس منحوس سکے کا نام تک نہیں لیا تھا۔ اس لیے اپنے تمام تر ذہنی تحفظات کے باوجود میں سیما کو ناراض کرنے کا کوئی غیر دانشمندانہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

میرے لب ولہجے کی تبدیلی کو اس نے فتح مندانہ مسکراہٹ کے ساتھ قبول کیا اور پھر ازلی رشتوں کے حوالے سے اس گفتگو کا آغاز ہوگیا جو اس وقت تک ہمارے درمیان شجرِ ممنوعہ بنی ہوئی تھی۔

☼

دن میں دو بار جہانگیر سے فون پر بات ہوئی۔ اس نے پچھلی رات سلمیٰ کو بتا دیا تھا کہ میرا فلیٹ بھی اجتماعی ڈکیتی کی واردات کا نشانہ بنا تھا اور سلمیٰ مجھ سے ہمدردی کے اظہار کے لیے شام کو فلیٹ پر آنے کے لیے تلی بیٹھی تھی جب کہ مجھے آٹھ بجے اپنے خفیہ مشن پر روانہ ہونا تھا اور میں جہانگیر کو بھی منع کرنا چاہ رہا تھا کہ وہ اس روز فلیٹ کا رُخ نہ کرے۔

جہانگیر نے اس معاملے میں کوئی ذمے داری قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا کہ سلمیٰ اس بہانے سے فلیٹ کا جائزہ لینا چاہتی تھی تاکہ یہ اندازہ لگا سکے کہ ہم وہاں کیا رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ اسے خوف تھا کہ کہیں اس کا سامنا سیما سے ہوگیا اور وہ اس کی کہانی سے واقف ہوگئی تو جہانگیر کے فلیٹ پر آنے پر پابندی ہی عائد نہ کر دے اور مجھے خطرہ تھا کہ اس نے میرا گھر دیکھ لیا تو جہانگیر کی غیر حاضری میں جب بھی دل گھبرائے گا، گاڑی اٹھا کر مجھے بور کرنے کے لیے میرے سر پر مسلط ہو جایا کرے گی۔

جہانگیر سے پہلی بار بات کرنے کے بعد میں نے سلمیٰ کو فون کیا۔ اس نے چھوٹتے ہی ڈکیتی پر اظہارِ ہمدردی شروع کر دیا۔ جب اس کی ہیجان آمیز بازپرس کا سلسلہ ختم ہوا تو میں نے انجان بن کر جہانگیر کے بارے میں دریافت کیا اور اسے بتایا کہ میں کہیں باہر سے فون کر رہا تھا لیکن جہانگیر کی فیکٹری کا نمبر نہیں لگ رہا تھا۔ کراچی جیسے شہر میں جہاں ٹیلی فون کا نظام انتہائی ناقص اور ناقابلِ اعتماد تھا، میرا وہ عذر ہر شک و شبہے سے بالاتر تھا۔

"کوئی پیغام ہو تو مجھے بتا دو، میں انھیں فون کر دوں گی۔" اس نے میرے جال میں آتے ہوئے پُرخلوص لہجے میں پیشکش کی تھی۔

"آج شام وہ میرے پاس آنے والا تھا۔ اسے یہ بتانا تھا کہ میں رات گئے گھر واپس پہنچوں گا اس لیے آج کا پروگرام منسوخ کر دے۔ کل صبح میں اس سے فون پر بات کرلوں گا۔"

"اوہ!" ریسیور پر سلمیٰ کی مایوسانہ آواز سنائی دی۔ "آج شام کو تو میں بھی ان کے ساتھ آنے والی تھی۔ کم از کم یہ تو دیکھوں کہ تم کہاں اور کس ٹھاٹ سے رہ رہے ہو۔"

"مجھے افسوس ہے سلمیٰ! لیکن میری غیر حاضری ناگزیر ہے۔ تم ضد کرو تو تمھاری خاطر ہر نقصان برداشت کرتے ہوئے فلیٹ پر تمھارا انتظار کرلوں گا۔" میں نے مکّارانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں! آج تم اپنا کام کرلو۔ میں جہانگیر کو بتا دوں گی۔ پھر کسی دن پروگرام رکھ لیں گے۔" اس کا جواب میری توقع کے عین مطابق تھا۔ مزید چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں

نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

سیما کی دلجوئی میں شام ہوگئی تھی۔ سلمیٰ سے باتوں میں اندھیرا ہوگیا۔ اس وقت تک نئے ٹرانسفارمر کی تنصیب کے بعد بجلی کی سپلائی بحال ہو چکی تھی۔ میں نے روشنی کر کے جہانگیر کو فون کیا اور پھر کامٹ سے ملاقات کی تیاری میں مصروف ہوگیا جو میرے مستقبل کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی۔

ٹھیک آٹھ بجے میں فلیٹ سے باہر آگیا۔ مجھے امید تھی کہ رشی والوں کے مقابلے میں پچھلی رات کی ہزیمت کے بعد بھی مافیا والوں نے میری حفاظت یا نگرانی کا سلسلہ ترک نہیں کیا ہوگا اور اگر ان کا ایک آدمی سرخ کار میں میرا منتظر ہوگا تو دو چار آس پاس بھی کھڑے ہوں گے تاکہ کسی ناگہانی خطرے کی صورت میں مدافعانہ کارروائی کر سکیں۔

میں آخری زینے اتر رہا تھا تو سامنے، سڑک کے پار کھڑی ہوئی سرخ کار نظر آگئی جس کا باوردی شوفر ڈرائیونگ سیٹ کی سمت پر مستعدی سے باہر کھڑا ہوا تھا۔ اس کے بارے میں کامٹ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ مجھ کو اچھی طرح پہچانتا تھا کیونکہ مجھے عمارت سے باہر نکلتے دیکھ کر وہ پھرتی سے گھوم کر سڑک کے رُخ والے عقبی دروازے پر آ کھڑا ہوا تھا اور میرے قریب پہنچنے پر اس نے احترام سے کار کا دروازہ کھول دیا تھا۔

میں کار میں سوار ہونے سے قبل ایک لمحے کے لیے جھجکا اور اس نے فوراً ہی سرگوشیانہ لہجے میں گنی گنی کہہ کر میرے رہے سہے شبہات بھی زائل کر دیے اور میں نئے ماڈل کی اس آرام دہ کار میں سوار ہوگیا۔ ڈرائیور نے آہستگی سے دروازہ بند کیا اور کار کے پیچھے سے گھوم کر اپنی نشست پر جا بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ کرتے ہی اس نے ایئر کنڈیشنر بھی چلا دیا اور پھر کار حرکت میں آگئی۔

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بہت خوشگوار تھے لیکن جیل روڈ کا کراسنگ آنے سے ذرا پہلے میری ناک میں اور پھر حلق میں ہلکی سی تلخی کا احساس ہوا اور میں بس اتنا سوچ سکا کہ مجھ سے اگلی نشست کی پشت گاہ میں چھپے ہوئے کسی خفیہ نوزل سے کسی گیس کی پتلی سی دھار تیز دباؤ کے ساتھ خارج ہو کر میرے منہ پر پڑ رہی تھی جتنی دیر میں میں صورتِ حال کو سمجھتا وہ گیس اپنا کام دکھا چکی تھی۔ میرے ہاتھ پیر شل ہو کر رہ گئے تھے اور زبان سے ڈرائیور کو مخاطب کرنا بھی ممکن نہیں رہا تھا مگر میں نے سامنے سے آنے والی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کے انعکاس میں ونڈ شیلڈ پر لگے ہوئے عقب نما آئینے میں اتنا ضرور دیکھا کہ ڈرائیور اس آئینے میں بغور میرا جائزہ لے رہا تھا۔ شاید اسی نے کسی میکانزم کو حرکت دے کر میرے چہرے پر اس موذی گیس کے محدود اخراج کا بندوبست کیا تھا۔ گیس کا اخراج ختم گیا اور میں نے ڈوبتے دل میں دھندلاتے ہوئے حواس کے ساتھ دیکھا کہ ڈرائیور نے کیبن میں پھیل جانے والی گیس کے مضر اثرات سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے خودکار بٹن سے تمام کھڑکیوں کے شیشے اتار دیے تھے۔

مجھے کچھ علم نہیں کہ وہ سفر کتنا طویل تھا اور میں نے بے ہوشی کی حالت میں کتنا عرصہ گزارا لیکن جب رفتہ رفتہ ہوش آیا تو میرا سر بھاری ہو رہا تھا اور میں ایک بستر پر دراز تھا۔ وہ کمرا خاصا روشن اور وسیع تھا جہاں میرے بستر کے گرد چار قدآور اور جسیم افراد کھڑے ہوئے دلچسپی کے ساتھ میرا جائزہ لے رہے تھے۔

میں نے پہلی چیز یہ محسوس کی کہ وہ چاروں چہرے میرے لیے اجنبی تھے جن پر میرے لیے کسی قسم کے احترام کے بجائے تمسخر اور استہزا کی علامات نمایاں تھیں جس کا مطلب تھا کہ میں دوستوں کے بجائے دشمنوں میں گھر گیا تھا۔

اس مخاصمانہ ماحول کا اندازہ ہوتے ہی میرے اعصاب نے غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ کیا۔ چند ہی سیکنڈ بعد میں نے محسوس کیا کہ میں بستر چھوڑ سکتا ہوں لیکن میں مصلحتاً اسی طرح پڑا رہا۔ بستر پر رہ کر میں زیادہ سکون اور آسانی کے ساتھ نئی صورتِ حال کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

"تم کون ہو اور میں کہاں ہوں؟" میں نے اپنی آواز میں نقاہت سموتے ہوئے ان میں سے کسی خاص فرد سے مخاطب ہوئے بغیر سوال کیا۔

"ہم، ہم ہیں اور تم یہاں ہو۔" ان میں سے ایک خبیث صورت نے فرش پر پیر مار کر استہزائیہ لہجے میں کہا اور بھونڈے انداز میں زور سے ہنس پڑا۔ بقیہ تینوں نے بھی گلے پھاڑ کر اس کا ساتھ دیا تھا۔

ان کے تیوروں سے محاذ آرائی کی خواہش کا اظہار ہو رہا تھا اور پہلے سوال کے بعد ہی مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ ان سے کسی بھی سوال کے سیدھے جواب کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس ماحول نے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ میں کامٹ کی ہدایت کے مطابق ڈرائیور کی شناخت کے بعد سرخ کار میں سوار ہوا تھا اور اسی میں بے ہوش کیا گیا تھا۔ بے ہوشی کا ایک جواز یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ مجھے راستے سے بے خبر رکھنا چاہتے تھے لیکن وہ چاروں بدتمیز دیوزاد کامٹ سے ملاقات کے خانے میں کہیں فٹ ہوتے نظر نہیں آ رہے تھے۔ یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ میں ان سے الجھتا یا نہ الجھتا، وہ مجھ سے زور آزمائی پر تلے ہوئے تھے۔

فلیٹ سے چلتے ہوئے میں نے بم گن دانستہ ساتھ نہیں لی تھی کیونکہ اس نادر ہتھیار کو میں کسی آڑے وقت کے لیے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ البتہ سائیلنسر لگے ہوئے پستول کو میں نے میگزین لوڈ کر کے...... ساتھ لے لیا تھا۔ میں نے ہاتھ ہلائے بغیر پہلو بدل کر اندازہ لگایا کہ پستول میرے جیب میں موجود تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ جن لوگوں نے چالاکی کے ساتھ مجھے راستے میں ہی بے ہوش کر دیا تھا وہ جامہ تلاشی کو کیسے فراموش کر گئے لیکن اس وقت ان باتوں پر غور کرنے کی مہلت نہیں تھی۔

میرا ذہن تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ وہ چار مسٹنڈے تو میرے سر پر مسلط تھے۔ پتا نہیں اس عمارت کے اندرونی حصوں میں ان کے مزید کتنے ساتھی موجود تھے۔ یہ بات بھی قابلِ غور تھی کہ ان چاروں میں سے کسی کے پاس کوئی ہتھیار نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر انھوں نے میرے سوال پر جس طرح گلے پھاڑ کر بے فکری سے قہقہے لگائے تھے اس کی بنا پر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ عمارت بہت وسیع تھی جہاں باہر سے کچھ سنا جانا ممکن نہیں تھا یا پھر وہ کسی ویرانے میں واقع تھی۔

"اب اٹھنا بھی ہے یا مسہری توڑتے رہو گے!" خبیث صورت یہ کہتے ہوئے جھکا اور میرے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی اس نے پانی سے بھری ہوئی بالٹی میرے اوپر الٹ دی جو پہلے سے وہاں موجود تھی۔

مجھے پانی میں شرابور کر کے وہ چاروں دیوانہ وار قہقہے لگانے لگے اور میری رگوں میں شرارے کوندنے لگے۔ ان کی حد سے بڑھتی ہوئی جسارت اور اپنی توہین میرے لیے ناقابلِ برداشت ہو گئی تھی۔

میں نے بستر پر پڑے پڑے کروٹ بدل کر اچانک ہی ان پر جست لگائی اور ان میں سے تین کو ساتھ لیتا ہوا نیچے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ انھیں مجھ سے اتنے تیز ردِعمل کی توقع نہیں تھی اس لیے میں نے ایک کے پیٹ کے نچلے حصے میں داہنے گھٹنے سے ضربیں لگاتے ہوئے دوسرے کے چہرے پر پے در پے اتنی شدید ٹکریں رسید کیں کہ دونوں کی چیخیں نکل گئیں۔ تیسرا میرے نیچے سے پھسل کر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے تڑپتے ہوئے پہلے شکار کی ٹانگوں کے درمیان اپنا داہنا گھٹنا بلند کر کے پوری بے رحمی کے ساتھ آخری ضرب لگائی اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

زخمی ہونے والے دونوں حریف بُری طرح چیخ رہے تھے۔ ایک کا چہرہ لہولہان ہو چکا تھا اور دوسرا اپنے گھٹنے سینے سے جوڑے درد کی شدت سے پھرکی کی طرح فرش پر ناچ رہا تھا۔ بقیہ دونوں خونخوار تیوروں کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہونے کے لیے پر تول رہے تھے۔ میرے لیے وہ مہلت غنیمت تھی۔ میں نے تیزی کے ساتھ پستول نکالا۔ مجھے فوراً ہی اس کے وزن میں کمی کا احساس ہوا مگر پھر بھی میں نے ایک کے سینے کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔

کھٹکے کی ہلکی سی آواز ہوئی لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ انھوں نے میری بے ہوشی کے دوران میگزین خالی کر دیا تھا۔

"ہم نہتے ہیں۔ تمھاری بھی گولیاں نکال دی گئی ہیں۔ برابر کا مقابلہ ہے۔ ابھی دیکھو کس طرح تمھاری ہڈیوں کا سُرما بنتا ہے۔" میرے مقابل صف آرا، خبیث صورت حریف دانت پیستے ہوئے بولا۔

اس کی ہرزہ سرائی اپنی جگہ تھی لیکن میں نے ان دونوں کی آنکھوں میں خوف کے ہلکے سے لہریے ناچتے دیکھ لیے تھے اس لیے انھیں پہل کا موقع دیے بغیر اپنی نفسیاتی برتری سے فائدہ اٹھانے کا بہترین موقع تھا۔

میں نے خبیث شکل والے پر ہی جست لگائی۔ وہ مجھے دبوچنے کے لیے تیار تھا لیکن میں نے اس کے قریب فضا میں ہی قلابازی کھا کر اس کے چہرے پر لاتیں رسید کیں اور وہ ڈکراتا ہوا کافی دور جا گرا۔ اس سے پہلے کہ میں اپنا توازن درست کرتا، چوتھے نے کسی جونک کی طرح پیچھے سے میری کمر پکڑ لی اور اس پر دباؤ ڈالنے لگا۔

وہ مجھے گھیر کر مارنا چاہ رہے تھے جب کہ میں اپنی زندگی بچانے کے لیے لڑ رہا تھا اس لیے دونوں فریقوں کے جذبوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ دوسری طرف یہ غنیمت تھا کہ میرے پہلے وحشیانہ وار کا شکار ہونے والے دونوں حریف فرش پر ہی پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کا جسم بے حس و حرکت ہو چکا تھا اور دوسرا اپنا خون میں لتھڑا ہوا چہرہ تھامے ہوئے کراہ رہا تھا۔

میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اپنی پوزیشن کا اندازہ لگایا پھر قدرے آگے جھک کر اپنی گردن کو پوری قوت سے پیچھے کی طرف جھٹکا۔ میری کھوپڑی کا عقبی حصہ کسی گرز کی طرح پیچھے والے کی ناک سے ٹکرایا اور وہ بھی بلبلاتا ہوا پیچھے اُلٹ گیا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ پلٹ کر اس کی پسلیوں میں ٹھوکر لگائی۔ اسی اثنا میں خبیث صورت غراتا ہوا مجھ سے لپٹ گیا۔

وہ تعداد میں چار ضرور رہے تھے، لیکن غنیمت یہ تھا کہ میرا ایک وقت میں ایک ہی سے مقابلہ ہو رہا تھا۔ اگر میں ان میں سے کسی ایک کو خاک چاٹنے پر مجبور کر دیتا تو میرا کام بہت سہل ہو سکتا تھا۔

...... ناک پر ٹھوکر کھانے والے کو فرش سے اٹھنے کی تیاری کرتے

دیکھ کر میں نے اپنے بدن سے لپٹے ہوئے حریف کو اتنے شدید جھٹکے دیے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھے ہوئے فرش سے اٹھنے والے پر جا گرے۔ اور اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان آزاد ہو گیا۔ میرے حریف کی کوشش تھی کہ کسی طرح مجھے نیچے گرا کر میرے سینے پر چڑھ بیٹھے تاکہ اسے مکے مار کر میرا چہرہ بگاڑنے کا موقع مل جائے۔ اور میں سب سے زیادہ اپنا چہرہ ہی چھپا رہا تھا۔

اچانک زخمی ناک والے نے میری گردن پکڑ لی اور اس پر اپنے بازوؤں کا دباؤ بڑھاتے ہوئے میرا سر فرش سے ٹکرانے کی کوشش کرنے لگا جس میں میری مزاحمت کی وجہ سے اسے پوری طرح کامیابی نہیں ہوئی۔ ادھر میرے دونوں ہاتھ خبیث صورت کی گرفت میں پھنسے ہوئے تھے جس کی وجہ سے میں بڑی مشکل صورت حال سے دوچار ہو گیا تھا۔

لیکن وہ مشکل زیادہ دیر برقرار نہیں رہی۔ میری گردن پھنسی رہی، لیکن بدن کے باقی حصے آزاد ہو گئے۔ آزادی کا وہ جزوی احساس بمشکل چند لمحوں کے لیے قائم رہا پھر میرے پیٹ اور پسلیوں میں بائیں طرف سے طاقتور مکوں کی یلغار شروع ہو گئی جس نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا۔ زخمی ناک والے نے مجھے پکڑا ہوا تھا۔ اور اس کا دوسرا ساتھی اپنی شدید ضربات سے مجھے بے حال کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ اس وقت میرے ہاتھ آزاد تھے اس لیے میں نے ہڑبڑا کر زخمی ناک والے کے بال دونوں ہاتھوں سے نوچ لیے۔ اس ناگہانی افتاد نے اسے پریشان کر دیا اور میں اپنی گردن آزاد کرانے میں کامیاب ہو گیا۔

گردن آزاد ہوتے ہی میرے جسم کا توازن میرے قبضے میں آ گیا تھا۔ میں نے زخمی ناک والے پر سے ہٹے بغیر پوری قوت سے لات گھمائی۔ جو نشانے پر لگی اور خبیث صورت کے قدم اکھڑنے لگے، لیکن اسی اثنا میں زخمی ناک والے کو ایک بار پھر میرے بدن کے گرد اپنی گرفت مضبوط کرنے کا موقع مل گیا۔ اس بار وہ جونک کی طرح ہاتھوں اور پیروں سے ایک ساتھ کام لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ختم کرو یہ سرکس!" اچانک اس کمرے میں کامٹ کی درشت آواز گونجی۔ میں بری چونکا تھا۔ زخمی ناک والے نے مجھے چھوڑ دیا۔ خبیث صورت جہاں تھا، وہیں جم کر رہ گیا تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو کمرے میں نہ کامٹ موجود تھا نہ ہی کوئی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کی آواز چھت کے قریب ایک دیوار میں بنی ہوئی تاریک کھڑکی سے آ رہی تھی جو اسی کمرے کے ایک حصے پر نیچی چھت پر بنی ہوئی دو چھتی میں واقع تھی شاید وہ ابتدا سے ہی اس کمین گاہ میں چھپ کر ایک اور چار کے تناسب سے ہونے والی وہ بھیانک مار دھاڑ دیکھ رہا تھا

جس کے نتائج نے اس کی آواز میں تلخی اور درشتگی پیدا کر دی تھی۔ "ایک آدمی کو زیر نہیں کر سکے مفت کی روٹیاں توڑ کر تم سب حرام خور ہو گئے ہو۔" وہ اپنے آدمیوں پر برس رہا تھا۔

"چیف! اس نے دھوکے سے ہمارے دو ساتھیوں کو ناکارہ نہ کر دیا ہوتا تو اب تک ہم اس کی چٹنی بنا چکے ہوتے" خبیث صورت والے نے بھرائی ہوئی آواز میں اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"بے غیرتی کی باتیں مت کرو سینڈو!" کامٹ کی آواز قہر بار ہو گئی تھی۔ "اس اکہرے بدن کے آدمی کے لیے تمہیں چار آدمی درکار تھے؟ اس کے لیے تو صرف تم ہی کو کافی ہونا چاہیے تھا۔ جاؤ! اور غیرت مند ہو تو کہیں ڈوب مرو۔ آج تم نے مجھے بری طرح نیچا دکھایا ہے۔ ان دونوں بزدلوں کو بھی اٹھا کر اپنے ساتھ لے جاؤ جو جان بچانے کے لیے بے ہوشی کی اداکاری کر رہے ہیں۔"

"چیف! ہمیں صرف پانچ منٹ اور دے دو۔" سینڈو کینہ توز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے گڑگڑایا۔ "اس کے ہاتھ پیر نہ توڑ دوں تو میرے منہ پر تھوک دینا..... صرف پانچ منٹ مانگ رہا ہوں تم سے۔"

"بکواس مت کر اور جو کہہ چکا ہوں اس پر عمل کر!" کامٹ کی غراہٹ گونجی۔ "ایسا نہ ہو کہ ان پانچ منٹ میں تو بھی اپنے خون میں لتھڑا ہوا فرش چاٹتا نظر آئے۔ یہ فری کشتی نہیں تھی۔ تم چاروں کو ہر بات کی کھلی آزادی دی گئی تھی۔"

سینڈو شاید کامٹ کا منہ چڑھا تھا جو اس سے پانچ منٹ کی مہلت بھی مانگ بیٹھا، ورنہ کامٹ کی برہمی پر دوسرے کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ اس کی خون آلود ناک پر ورم آنے کی وجہ سے اس کا چہرہ بالکل ہی مسخ ہو کر رہ گیا تھا۔

کامٹ کی بات پوری ہوتے ہی وہ دونوں فرش پر بے حس و حرکت پڑے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف بڑھے اور میں نے اپنی گیلی آستین سے چہرہ صاف کرتے ہوئے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال لیا۔ غنیمت یہ تھا کہ مجھ پر الٹی جانے والی پانی کی بالٹی سے سگریٹ اور ماچس میں صرف نمی آئی تھی، وہ دونوں چیزیں ناکارہ نہیں ہوئی تھیں۔

"یہ تو شاید مر ہی گیا ہے چیف!" چند سیکنڈ بعد سینڈو کی تشویش آمیز آواز ابھری۔ وہ میرے گھٹنوں کی زد میں آنے والے کے ساکت بدن کے پاس اکڑوں بیٹھا ہوا اس کی نبضیں ٹٹول رہا تھا۔

"مر گیا ہے تو انہیں لے جا کر دفن کر دو۔" کامٹ کی جھلائی ہوئی آواز میں غیر انسانی سرد مہری عود کر آئی تھی "اس کی موت کے ذمے دار صرف اور صرف تم ہو۔ اگر تم چاروں اپنی طاقت کے نشے میں چور نہ ہوتے تو تمہاری یہ درگت نہ بنتی۔"

وہ دونوں ان دونوں کو اپنے کندھوں پر لاد کر تیزی سے اس کمرے سے نکلتے چلے گئے۔ وہ جس دروازے سے گئے وہ مقفل نہیں تھا اس لیے میں بھی سگریٹ کا دھواں اڑاتا بے پروایانہ انداز میں اسی طرف ہو لیا۔

"تم ٹھہرو!" فضا میں کامٹ کی تحکمانہ آواز گونجی۔ "تمہیں جانے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔"

"یہ حیوانی مقابلہ جیتنے کے بعد بھی مجھے کسی اجازت کی ضرورت ہے؟" میں نے اپنی پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے دو چھتی کی تاریک کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے مضحکانہ لہجے میں سوال کیا۔

تاریک کھڑکی میں ایک شعلہ لپکا اور کھٹاک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ایک گولی فضا میں تیرتی ہوئی میرے قدموں سے چند انچ آگے تختہ فرش میں پیوست ہو گئی اور میں اپنی جگہ رک گیا۔ بڑے بور کا بے آواز پستول میرے حق میں ان چاروں سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لیکن میں نے کامٹ پر اپنی بے خوفی ظاہر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا "ڈرتے ہو تو اسلحہ لے کر ہی سامنے آجاؤ... میں یہاں تم سے ملنے کے لیے آیا تھا ایسی تذلیل تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی...!"

میں یکلخت خاموش ہو گیا۔ مجھے یاد آ گیا تھا کہ اس ملاقات میں ڈان تھری کی شرکت بھی طے تھی۔ اگر وہ آس پاس موجود تھا تو ہماری اردو میں ہونے والی گفتگو سے نابلد رہا ہوگا اس لیے میں نے فوراً انگریزی بولنی شروع کر دی "مجھے نہیں معلوم تھا کہ دوستوں اور مہمانوں کے ساتھ ایسا گھٹیا سلوک کرتے ہو۔ میں ایک لمحے کے لیے بھی تم سے اشتراک کے بارے میں نہیں سوچ سکتا، سامنے آکر دو دو ہاتھ کرو کیوں کہ میں فوراً واپس جانا چاہتا ہوں۔"

"براوو مائی ڈیئر ڈینی!" فضا میں ڈان تھری کی آواز گونجی "ان چاروں کے مقابلے میں تم نے بہت بے جگری دکھائی ہے۔ یہ کامٹ کی نہیں بلکہ میری تجویز تھی۔ میں کچھ لوگوں کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ تم ناگہانی اور بدترین حالات میں بھی بہترین قوت فیصلہ اور کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ کامٹ کا ایک باصلاحیت آدمی میرے اس تجربے کی بھینٹ چڑھ گیا اور باقی تین بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے لیکن مذاکرات سے پہلے یہ مظاہرہ ناگزیر تھا۔"

"بڑا شاندار تجربہ تھا تمہارا!" میں نے تلخ لہجے میں کہا "اگر وہ چاروں واقعی میرے ہاتھ پیر توڑ ڈالتے تو شاید کامٹ میرا دم نکلنے کا انتظار کیے بغیر مجھے زندہ دفن کرنے کی ہدایات جاری کر دیتا۔"

"کامٹ کے بارے میں ایسی باتیں نہ سوچو" ڈان کا لہجہ بدستور نرم رہا "ہم دونوں دوربینوں سے بغور تمہاری ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہے تھے تمہیں خطرہ درپیش ہوتا تو مقابلہ اسی لمحے روک دیا جاتا۔"

"مجھے مجبوراً تمہاری بات پر یقین کرنا پڑے گا" میں نے بے پروائی سے کہا "لیکن پہلے نقابوں میں سامنا ہو گیا تھا، آج ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف آوازوں پر ہی گزارہ کرنا پڑے گا۔ تم دونوں سامنے کیوں نہیں آتے؟"

"تم وہیں ٹھہرو، ہم نیچے آتے ہیں" تاریک کھڑکی سے آواز آئی۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس تاریک کھڑکی کا جائزہ لینا چاہا مگر وہاں بے داغ اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہ آیا لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس تاریکی کی اوٹ میں چھپا ہوا کوئی تیسرا آدمی اس وقت بھی میری نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے بڑھ کر فرش پر سے اپنا بے آواز پستول اٹھا لیا اور اس کے میگزین کا جائزہ لینے لگا جو خالی کیا جا چکا تھا۔ میں نے پستول کی نال اس تاریک کھڑکی کی طرف بلند کی ہی تھی کہ ادھر سے ایک سفاکانہ آواز ابھری۔

"پستول پھینک دو ورنہ بدن چھلنی کر دیا جائے گا!" اردو میں کہا گیا تھا۔

میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے پستول والا ہاتھ گرا لیا۔ "شاید تمہیں ابھی بلایا گیا ہے ورنہ تمہیں بھی معلوم ہوتا کہ میرے پستول کا میگزین خالی ہے میں نے تو تمہارا سراغ لگانے کے لیے نال بلند کی تھی۔ اندھیرے میں چمگادڑوں کا سراغ لگانا عموماً آسان نہیں ہوتا اس کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر آزمانی پڑتی ہے۔"

شاید اسے کچھ مخصوص ہدایات کے تحت اس تاریک مچان پر مامور کیا گیا تھا کیوں کہ اس نے میرے اشتعال انگیز تبصرے کا کوئی جواب نہیں دیا اور اسی اثنا میں ایک دیوار کے پیچھے سے ایک نقاب پوش سامنے آگیا جو میرے اندازے کے مطابق کامٹ کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔

"میرے پیچھے چلے آؤ!" کامٹ نے دیوار کی اوٹ سے نکل کر مجھ سے کہا اور دوبارہ اسی طرف غائب ہوگیا جہاں سے نمودار ہوا تھا۔ میں دیوار کے ساتھ گھوما تو اسے ایک طویل اور روشن راہداری میں بڑھتے ہوئے دیکھا جو اس کمرے کا حصہ نہیں تھی۔ میں تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کے ساتھ ہولیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ داہنی طرف مڑ گیا۔ وہاں نیچے اور اوپر جانے والے زینے نظر آرہے تھے۔ مجھے علم نہیں تھا کہ اس وقت ہم کون سی منزل پر تھے۔ کامٹ نیچے جانے والے زینے اترنے لگا تو میں بھی اس کے پیچھے تھا۔ زینے ختم ہونے پر سماں بالکل ہی بدلا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہم جدید سہولتوں سے آراستہ کسی پرتعیش دفتر میں پہنچ گئے ہوں لیکن مجھے شیشے کی اور چوبی دیواروں سے تقسیم کیے ہوئے وسیع ہال کا پوری طرح جائزہ لینے کا موقع نہیں مل سکا کیوں کہ کامٹ نے اچانک میرے لیے ایک دروازہ کھول دیا تھا۔

میرے اندر داخل ہوتے ہی کامٹ نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا، وہ خود باہر رہ گیا تھا۔

کمرے کا فرنیچر اور آرائش کا انداز کسی بڑے کاروباری ادارے کے سربراہ کے دفتر جیسا تھا فرش پر دبیز قالین موجود تھا۔ دیواروں کے ساتھ بڑے بڑے منقش صوفے اور ان ہی سے ملتی ہوئی آرام دہ کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ کمرے کی فضا میں ائیرکنڈیشنر کی فرحت بخش خنکی رچی ہوئی تھی لیکن اس دفتر میں روشنی کا بندوبست بہت پراسرار تھا۔

فالس سیلنگ میں نصب تمام روشنیاں ایسے زاویے سے لگائی گئی تھیں کہ ملاقاتیوں کی نشست والا حصہ پوری طرح منور تھا۔ بڑی میز کے آگے رکھی ہوئی کرسیاں بھی روشنی میں تھیں لیکن وسیع و عریض آبنوسی میز کا عقبی حصہ، پیچھے رکھی ہوئی کرسی سمیت تاریکی میں تھا۔ روشنی اور اندھیرے کا وہ امتزاج اتنی مہارت کے ساتھ پیدا کیا گیا تھا کہ روشنی میں موجود کسی شخص کے لیے انعکاس کے باعث اپنے میزبان یا اس کی عقبی دیوار کا جائزہ لینا بھی ممکن نہیں تھا۔

"سیدھے چلے آؤ! میں تمہارا منتظر ہوں۔" میرے ٹھٹکتے ہی میز کے عقب سے ڈان کی پرجوش آواز آئی۔ "آج تم نے اپنی پھرتی اور جنگجویانہ مہارت سے میرا دل خوش کر دیا۔ میں نے بڑی مدت کے بعد ایسا یادگار مقابلہ دیکھا ہے۔"

"حالاں کہ اس مقابلے میں اس کے علاوہ کوئی بات نہیں تھی کہ ایک آدمی بہت بے بسی کے عالم میں دردناک موت کا شکار ہو گیا۔" میں نے آبنوسی میز کے سامنے پڑی ہوئی ایک کرسی سنبھالتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا "شاید تمھیں لوگوں کی اذیت سے تڑپ کر مرتے ہوئے دیکھ کر کسی قسم کی تسکین حاصل ہوتی ہے۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔" میز کے پیچھے، اندھیرے میں سے آواز ابھری۔ "میں کامٹ کو تمہاری صلاحیتوں کے بارے میں قائل کرنا چاہ رہا تھا جب کہ وہ متذبذب تھا۔ اسی وجہ سے ملاقات سے پہلے اچانک تم کو ایک مشکل امتحان میں ڈالنا پڑ گیا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم مقابلے میں سرخرو رہے۔ تمھیں جس ذہنی کوفت اور جسمانی تکلیف سے دوچار ہونا پڑا، اس کے لیے میں ذاتی طور پر معذرت خواہ ہوں کیوں کہ کامٹ کے چار بہترین آدمیوں کے ساتھ تمہارے دست بہ دست مقابلے کی تجویز میری ہی تھی۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ میں اس وقت مافیا کے کسی ذمے دار شخص کے روبرو بیٹھا ہوا ہوں۔" مقابلے کی تلخی کے بعد ڈان کے رویے نے مجھے خوشگوار حیرت سے دوچار کر دیا تھا۔

"تمھیں شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے بارے میں ہر طرف گمراہ کن اور خوف ناک افواہیں پھیلائی جاتی ہیں، لیکن دراصل ہم ایسے نہیں ہیں۔ ہم کاروباری لوگ ہیں جو ہر طرح اور ہر قیمت پر ان لوگوں میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کر لیتے ہیں جو سیاست اور حکومت میں اہم ترین فیصلے کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ ان کی مدد سے ہمیں قابل رشک کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں اور ان ہی کامیابیوں سے ہمارے حریف حسد کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اپنے طریقۂ کار کی بنا پر ہم ہر وقت باعزت مفاہمت اور تصفیے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اس میں نہ عار محسوس کرتے ہیں، نہ سبکی۔ تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی اور میں نے معذرت کر لی۔ اس سے میرے مقام پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

میں اس سے مافیا کی ساخت، اس کے کردار اور اثرات پر مذاکرات کرنے نہیں آیا تھا اس لیے میں نے اس کے دعووں پر کوئی اعتراض کیے بغیر سوال کیا۔ "اگر تم کو مجھ پر اعتماد تھا تو کیا وہ کافی نہیں تھا؟ تم کامٹ سے بلند منصب پر نظر آتے ہو، تمہارے لیے اس کی تشفی اس قدر اہم اور ضروری کیسے ہو گئی؟"

"مفاہمت، باعزت مفاہمت!" اس کی آواز نرم ہو گئی تھی۔ "میں اس سے اوپر ضرور ہوں لیکن میرا اسٹیشن میلان ہے جبکہ سسلی سے خصوصی اختیارات کے ساتھ

پاکستان بھیجا گیا ہے۔ میں اپنا کوئی آمرانہ فیصلہ مسلط کرکے
چلا جاؤں تو اس کے اثرات کامرٹ کو بھگتنے پڑیں گے۔ اس
لیے اس کا اعتماد اور اطمینان میرے لیے بہت اہم ہے۔"
"پھر اس وقت اسے باہر کیوں رکھا گیا ہے؟" میں
نے سوال کیا۔ "تمہارا یہ اقدام باہمی اعتماد کے اصول کے سراسر
منافی ہے۔"
"جو باتیں میں اب کر رہا ہوں، اس کے سامنے
نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی انا کے خیال سے اسے باہر روکا
ہے ورنہ معاملے کی بات اسی کی موجودگی میں طے ہوگی۔"
"اور تم میرے سامنے نہیں آؤ گے؟" میں نے
پوچھا۔ "اس کا انحصار ہمارے سمجھوتے پر ہے۔ میں تو
دراصل درمیان کا آدمی ہوں، تمہارا اصل تعارف کامرٹ
سے ہوگا۔"
"تم سامنے نہ آؤ، لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے
تمہیں پہچان لیا ہے۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔
مینز کے عقب سے فوراً کوئی جواب نہیں آیا۔ چند
ثانیوں کے سکوت کے بعد ڈان کی آواز ابھری تھی۔ "یہ
ناممکن ہے۔"
"مجھے یقین ہے کہ زدتی کے ہمراہ ہوٹل وینی آنے
والوں میں تم بھی شامل تھے۔ تم لوگ میلان کے ایک مقابلۂ
حسن میں زدتی کی گرل فرینڈ نادیہ بنگالا کو پروموٹ کرنے
میں دلچسپی لے رہے تھے۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس نے اعتراف کیا۔
"لیکن اس حد تک پہچان لینا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔
اٹلی میں میں دس بار بھی تمہارے قریب سے گزر جاؤں تو تم
مجھے شناخت نہیں کر سکو گے۔"
"شاید تمہارا خیال درست ہو۔ اب اگر کام کی باتیں
طے کر لی جائیں تو میں ممنون ہوں گا۔"
اس نے انٹرکام پر فوراً ہی کسی کو ہدایت کی اور
چند ثانیوں بعد کامرٹ اپنے چہرے پر سیاہ نقاب چڑھائے
اس کمرے میں آموجود ہوا۔ اس نے کچھ کہے بغیر میرے
برابر والی کرسی سنبھال لی تھی۔
ان دنوں پاکستان میں مافیا کا آپریشن کراچی تک
محدود تھا اس لیے کامرٹ نہ صرف کراچی بلکہ پاکستان بیورو
کا چیف بھی کہا جا سکتا تھا۔ ان کی مالی سرگرمیوں کا دائرہ
محدود تھا اور تنظیم تجرباتی مراحل سے گزر رہی تھی۔ اس لیے
کامرٹ کے علاقے کو مافیا کے بھرپور یونٹ کا درجہ مل نہیں
سکا تھا لیکن ان لوگوں کو اطالوی مافیا کی رہنمائی ضرور حاصل
تھی اور وہ آہستہ آہستہ تعمیرات، صنعتوں اور دوسرے
کاروبار میں دخیل ہوتے جا رہے تھے۔ کامرٹ نے اس
تعارف کے بعد مجھے اپنے نائب کی حیثیت سے کام
کرنے کی پیش کش کی تو میرے پاس اسے قبول کرنے کے
علاوہ کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہ گیا تھا۔ میں جانتا تھا
کہ میرے انکار کی صورت میں نرم خو ڈان کے تیور ہی بدل
جاتے اور وہ شاید مجھے اپنے ہاتھوں سے شوٹ
کر دیتا۔
"اصولی طور پر میں تیار ہوں لیکن ہمارے درمیان
مفاہمت کے لیے ایک دوسرے کا تفصیلی تعارف
ضروری ہے۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔
"یہ بات قابل قبول ہے۔" کامرٹ کے کچھ بولنے
سے پہلے ڈان نے تسلیم کیا۔ "اپنے چہرے سے نقاب
ہٹا دو۔"
کامرٹ نے قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ اپنے
چہرے سے سیاہ نقاب اتار دی اور میں اس کے پسینوں
میں نہائے ہوئے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی بھونچکا
رہ گیا کیوں کہ وہ چہرہ میرے لیے ناآشنا نہیں تھا۔
سیٹھ حبیب جیوانی کا پاکستان کے ایک مشہور
کاروباری خانوادے سے تعلق تھا۔ صنعت کاری اور
تعمیرات اس خاندان کے دو مرغوب شعبے تھے لیکن کچھ
عرصے پہلے دنیا بھر کے اخبارات میں سیٹھ حبیب کی
تصاویر کے ساتھ یہ جلی خبریں شائع ہوئی تھیں کہ پاکستان
کا ممتاز صنعت کار مغربی جرمنی میں ہیروئن اسمگل کرتے
ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد تھا کہ جرمنی
کی عدالت میں مقدمے کی سماعت کے بعد سیٹھ حبیب
کو پندرہ سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی تھی جس میں کمی
یا معافی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ بعض اخبارات نے تو یہاں
تک تبصرے کیے تھے کہ معاشرے میں باعزت مقام
رکھنے کے باوجود سیٹھ حبیب نے جس گھناؤنے جرم کا
ارتکاب کیا تھا اس کے پیش نظر اسے سزائے موت
بھی دی جاتی تو کم ہوتی لیکن اس کی خوش قسمتی تھی کہ جرمنی
کے قانونِ تعزیرات میں ایسی کسی سزا کا وجود نہیں تھا۔
معاشرے کی اصلاح کے بجائے فرد کی اصلاح اور تربیت
کے حامیوں نے قانون کی کتابوں سے سزائے موت کو یکسر
خارج کرا دیا تھا۔
مغربی جرمنی میں سزا یاب حبیب کو سامنے دیکھ کر میں
حیران ہوا جا رہا تھا آخر کار وہ اپنے چہرے سے پسینہ صاف

کرنے کے بعد خود ہی بولا تھا۔" معلوم ہوتا ہے کہ تم نے مجھے پہچان لیا ہے؟"

"تمھیں کون نہیں پہچانے گا؟ جیل سے کب رہا ہوئے ہو؟"

"رہا کیسے ہوتا؟ ابھی تو اپنی سزا کا ایک سال بھی پورا نہیں کیا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا اور میں الجھ کر رہ گیا۔

"مغربی جرمنی کی جیل میں ایک ایسا شخص پہنچا دیا گیا ہے جو تقریباً حبیب کا ہم شکل ہے اور اسے نکال لیا گیا ہے۔" ڈان نے میری حیرت بھانپ کر وضاحت کرتے ہوئے کہا۔" اسی لیے حبیب کو نقاب استعمال کرنی پڑتی ہے یہ اجتماعات سے گریز کرتا ہے اور ہر اس مقام سے دور بھاگتا ہے جہاں اس کے پہچان لیے جانے کا اندیشہ ہو۔"

"یہ تو ظلم ہے کہ تم نے اپنی جگہ ایک بے گناہ انسان کو قیدی بنا دیا۔"

"ظلم نہیں، میرا ڈپلیکیٹ اسے میرا احسان سمجھتا ہے۔ وہ ایک تعلیم یافتہ مگر بے روزگار نوجوان تھا جس نے اپنے بہن بھائیوں اور بیمار ماں کے لیے خود کو رہن رکھا ہے۔ آزاد رہ کر وہ ان کو ایک وقت کی روٹی بھی فراہم نہیں کر سکتا تھا۔ اپنی شادی کا تصور اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔ اس کے گھر والوں کو بتایا گیا ہے کہ وہ ولایت میں نوکری کر رہا ہے۔ ان لوگوں کو ہر ماہ ایک ہزار ڈالر کا ڈرافٹ اس کے نام سے بھجوا دیا جاتا ہے۔ آج اس کا پورا گھرانا خوشحال ہے جب وہ میری قید بھگت کر واپس آئے گا تو ایک نئی زندگی کی خوشیاں اس کی منتظر ہوں گی۔ وہ میرے آدمیوں سے نہ ٹکرایا ہوتا تو شاید اب تک مایوس ہو کر خودکشی کر چکا ہوتا۔"

"جرمنی جیسے ملک میں حکام اتنے بڑے فراڈ سے بے خبر ہیں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"آزاد اور جمہوری ملکوں میں پیسے میں بڑی قوت ہوتی ہے۔" ڈان کے فسطائی خیالات نے مجھے چونکا دیا۔" ایک جیل سے دوسری جیل میں تبادلے کے دوران میں ہم نے اپنا کام کر لیا۔ ہمیں صرف اس ماہر کو خریدنا پڑا جو مرکزی ریکارڈ آفس میں کمپیوٹر پر قیدیوں کے فنگر پرنٹس پر رپورٹیں مرتب کرتا رہتا ہے، باقی سب تعلقات کے کرشمے تھے۔"

بات بڑی حد تک واضح ہو گئی تھی۔ سیٹھ حبیب ایک طاقتور اور بارسوخ آدمی تھا۔ اسے سزا سنائے قید ملتے ہی جیل میں اس سے مافیا والوں نے روابط قائم کیے ہوں گے اور انھوں نے اس شرط پر اسے جیل سے رہائی دلانے کی پیش کش کی ہوگی کہ پاکستان واپس لوٹ کر وہ مافیا کے مفادات کے لیے کام کرے گا۔ اس اعتبار سے پاکستان میں مافیا کی عمر زیادہ نہیں تھی اور اسی وجہ سے اہل کار یہاں کے معاملات کی بھرپور سرپرستی اور دیکھ بھال کر رہے تھے تاکہ اس نوخیز پودے کو جلد از جلد ایک ایسے تناور درخت میں تبدیل کر دیں جس کی جڑیں معاشرے کے مضبوط اور مقتدر طبقوں تک پھیلی ہوئی ہوں۔

بادی النظر میں شی اور مافیا میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا۔ دونوں میں شورہ پشت عناصر کی بھرمار تھی جو ذرا سی بات پر خونریزی کے لیے تیار رہتے تھے، دونوں کے روابط جرائم پیشہ عناصر سے تھے اور دونوں ہی پاکستان میں سرحد پار سے آنے اور تیار ہونے والی ہیروئن میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔

دونوں میں کوئی فرق تھا تو صرف وہی تھا جو ڈان نے مجھے بتایا تھا اور جس کا میں خاصی حد تک خود چشم دید گواہ تھا کہ شی والوں نے ہیروئن باہر اسمگل کرنے کے ساتھ ہی اسے پاکستان کی بستیوں اور شہروں میں متعارف کرایا تھا تاکہ ڈان کے بقول ہیروئن کے عادی افراد کی حالت زار کے ذریعے پاکستان میں افیم کی کاشت اور لین دین کے خلاف رائے عامہ کو حرکت میں لایا جا سکے اسی کے ساتھ وہ پاکستان میں ہیروئن کی تجارت کے ہر منبع پر قابض ہونے کے لیے کوشاں تھے تاکہ مقامی منڈی سے جو فاضل مقدار بچے اسے ملک سے باہر لے جا کر سی آئی اے کے پروردہ اہل کاروں کی نگرانی میں تلف کیا جا سکے۔ اپنے طریقۂ کار کا بھرم برقرار رکھنے کے لیے وہ تھوڑی بہت ہیروئن بھاری ملاوٹ کے ساتھ غیر ملکی منڈیوں میں بھی پھیلاتے رہتے تھے۔ انھیں صرف اس وقت کا انتظار تھا جب پاکستان میں افیم اور ہیروئن سے نفرت اس انتہا کو پہنچا دی جائے جہاں اس کاروبار میں ملوث لوگوں کے خلاف انتہائی اور تشدد آمیز کارروائیوں پر بھی ان کی ہمدردی میں کوئی ردِعمل نہ ہو۔

جب کہ مافیا ایک خالص تجارتی تنظیم تھی انھیں پاکستان کی کمزور معاشی منڈی سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ یہاں سے خالص ترین ہیروئن سستے داموں سمیٹ کر بین الاقوامی منڈیوں میں ایک کے سو بنا سکیں۔ ان کی سچائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ ان کا مقامی سربراہ ایک ایسا مقامی تھا جو ہزاروں کے کروڑوں بنانے کے چکر میں مغربی جرمنی کی کسی عدالت سے پندرہ سال سزا کی سند حاصل کر چکا تھا۔

"مافیا میں نقابوں اور مصنوعی چہروں کا کوئی رواج نہیں ہے،" ڈان مجھے بتا رہا تھا۔ "ان کتابی تدبیروں کے بجائے ہمارا ہر آدمی کھل کر کام کرتا ہے اور اپنی طاقت اور صلاحیت کی بنا پر اپنا وجود منواتا ہے۔ جبیب کی مجبوری ہے کہ اسے پہچان لیا گیا تو اسے گرفتار کر کے مجرموں کے تبادلے کے بین الاقوامی معاہدے کے تحت جرمنی بھجوا دیا جائے گا اور ہمارا کھیل تباہ ہو جائے گا اس لیے جبیب نقاب میں رہ کر فرضی نام استعمال کرتا ہے لیکن تمھیں یہ فائدہ ہے کہ تم کھل کر سامنے آسکو گے اور اپنی کارکردگی سے اپنا مقام منوا سکو گے۔"

"کام کرنے کے بنیادی اصول کیا ہوں گے؟" میں نے براہ راست اسی سے سوال کیا۔

"کبھی بھی، کسی بھی حالت میں اور کسی بھی قیمت پر تم کہیں کے قانون سے تعاون نہیں کرو گے۔ آپس کے اختلافات ہوں یا حریفوں سے معرکہ آرائی، تم کبھی بھی کسی جرم یا اس کا ارتکاب کرنے والوں کی قانون کے محافظوں کو نشان دہی نہیں کرو گے۔ خواہ تمھیں اور مافیا کو اس کی کتنی ہی بڑی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے اور اگر کبھی قانون کی گرفت میں آگئے تو اپنی آخری سانس تک سختی کے ساتھ اور مکمل زبان بندی رکھو گے۔ تمھاری زبان سے مر کر بھی کوئی ایسا لفظ نہیں نکلنا چاہیے جس سے مافیا یا وسیع تر مفہوم میں جرائم پیشہ برادری کے کسی بھی رکن کو ذرا بھی نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ یہی ہمارے کام کرنے کے اصول ہیں اور یہی مافیا کا حلف وفاداری ہے جسے توڑنے کی سزا صرف اور صرف موت ہوتی ہے۔ ان اصولوں سے انحراف کرنے والے کو روئے زمین پر کہیں امان نہیں ملتی۔ غداروں کو اپنی اولین فرصت میں دوسروں کے لیے عبرت کا شاہکار بنانا ہماری کاروباری ترجیحات میں ہمیشہ سرفہرست چلا آیا ہے۔ اب تم ہمارے ساتھی بن چکے ہو اس لیے جبیب اسی وقت تم سے تمھارے مذہب اور عقیدے کے مطابق، تمھاری مذہبی کتاب پر وفاداری کا حلف لے گا۔"

اس کی گفتگو سن کر میرے بدن کے تمام مساموں کے دہانے کھلتے چلے گئے اور گیلی قمیص کے نیچے پشت پر پسینے کی لکیریں باریک باریک سانپوں کی طرح رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ میں شی کے ساتھ اور اس کے خلاف ان گنت جرائم کا ارتکاب کرتا چلا آیا تھا لیکن میں نے کبھی اس زاویے سے نہیں سوچا تھا۔ ڈان نے جو کچھ کہا اس کا ایک ایک لفظ قانون کی حکمرانی کے خلاف شیطانی منشور معلوم ہو رہا تھا۔ ان لوگوں سے معاملات طے کرتے ہوئے مجھے اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا کہ ان مذموم سرگرمیوں میں کہیں حلف جیسی کڑی پابندی کا بھی دخل ہو سکتا تھا۔

"تم نے جو کچھ کہا اس سے تو کاروبار کا کوئی تعلق نہیں نکلتا۔ سارا زور قانون سے بغاوت پر ہے۔" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد جھجکتے ہوئے کہا کیوں کہ اس وقت میں ڈان تھری کا ماتحت ہوں۔

"کون سا قانون؟" اس کے لہجے میں تیزی آگئی۔ "جو آتش جہنم سے مجبور ہو کر چوری کرنے والے کو جیل میں سڑا دیتا ہے لیکن کھاتوں میں ہیر پھیر کر کے لاکھوں بلکہ کروڑوں کے سرکاری اور قومی محصولات غبن کرنے والوں کو معزز شہری قرار دے کر ان سے مذاکرات اور سمجھوتے کرتا ہے! تم کس قانون کی بات کر رہے ہو؟ جس قانون کی گہرائی میں جاؤ گے وہ مجبوروں اور محکوموں کو آسودہ اور مقتدر لوگوں کی پناہ گاہوں سے دور رکھتا ہوا نظر آئے گا۔ مافیا نے معاشرے کے ایسے ہی پسے ہوئے طبقوں میں اور ان کی حمایت سے جنم لیا تھا۔ پھر ان لوگوں نے اپنے وقت کے قانون سے ٹکرا کر آہستہ آہستہ طاقت پکڑی اور آج نپولین کا پرآشوب دور گزرنے کے سیکڑوں برس بعد بھی مافیا زندہ ہے۔ سسلی کی سرزمین کا چپہ چپہ تمھیں مافیا کی خدمت اور قربانیوں کی لازوال کہانیاں سنائے گا۔ آج طبقۂ امرا کے لوگ ہوٹلوں، جوئے خانوں، تفریح گاہوں اور نجی قحبہ گھروں کے مالک ہیں۔ دنیا کی ممتاز سیاسی سماجی اور مذہبی شخصیتوں کے گھوڑے عالمی ریسوں میں دوڑتے ہیں۔ ان میں بے ایمانیاں کی جاتی ہیں لیکن جب ہم لوگ ایسے کاموں میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو انھیں کاروبار کے بجائے منظم جرائم کے اڈے تصور کیا جانے لگتا ہے۔ قانون سایہ بن کر ہمارا تعاقب کرتا ہے۔ وہ ہمیں تہس نہس کر دینا چاہتے ہیں اور ہم قانون کی ہر دستاویز کے چیتھڑے اڑانے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ جنگ آج نہیں، بہت پرانی ہے۔ تم مافیا کا مزاج نہیں بدل سکتے۔"

ایک ہلکی سی چٹ کی آواز کے ساتھ آبنوسی میز کے اوپر چھت میں نصب تیز روشنی جل اٹھی اور میری نظریں اونچی پشت گاہ والی، گھومنے والی کرسی میں دھنسے ہوئے اس سفید فام پر مرکوز ہو گئیں جس کے چہرے کے نقوش میرے لیے کچھ کچھ جانے پہچانے تھے۔ ڈان نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا تھا۔ اس کی چمک دار آنکھوں

میں کسی سانپ کی آنکھوں جیسی مقناطیسی کشش تھی جو شکار کو مسحور کر دیتی ہے اور سانپ دھیمے دھیمے سرک کر اس کا شکار کر لیتا ہے۔ مجھے اعتراف کر لینا چاہیے کہ اس کی شخصیت بہت بھرپور اور بارعب تھی۔ اس کے چہرے کی تیکھی ساخت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ دیتا تھا اسے کر گزرنے کی طاقت اور اہلیت بھی رکھتا تھا۔

"میں تمہارا ممنون ہوں ڈان! کہ تم نے مجھے اپنی رونمائی کے قابل سمجھا۔" میں نے اس سے مرعوب ہو کر غیر ارادی طور پر کرسی سے قدرے اُٹھتے ہوئے سر کو خم دے کر کہا۔ "تمہاری گفتگو اثر انگیز اور پُر مغز ہے۔ قانون تو ہر ایک سے انصاف کا داعی ہوتا ہے۔ معاشرے کے مراعات یافتہ طبقوں کا تحفظ کرنے والی دستاویز کو کون قانون کہہ سکتا ہے؟"

"زمانہ بدل گیا ہے اب مافیا صرف کھیتوں، کھلیانوں جاگیرداروں اور مزارعوں پر حکومت نہیں کرتی۔ ہم وسائل کے مالک ہیں۔ قانون جن کا پشت پناہ ہے ان سے ہماری آویزش چلتی ہے اور ہم اچھے اور بُرے، جائز اور ناجائز، تمام ذرائع استعمال کر کے انھیں زک پہنچاتے ہیں۔ ہمارے اپنے مفادات اور ترجیحات ہیں جنھیں ہر قیمت پر حاصل کیا جاتا ہے لیکن اس صدی کے وسط میں ہیروئن نے کاروبار کے تصور میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔" وہ نپے تلے لہجے میں بول رہا تھا۔ "کاروبار ہیروئن کا ہو یا ہیروئن کا "کاروبار" ہی کہلاتا ہے۔ آج ہیروئن اس مقام پر ہے کہ تجارت میں دنیا کی کوئی جنس اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس پر بے اندازہ منافع ہے۔ یہ سرمایہ پیدا کرتی ہے اور سرمایہ ہی آج کی دنیا میں ہر طاقت کا منبع ہے۔ تم خوش نصیب ہو کہ ایک ایسی پیداواری منڈی میں بیٹھے ہوئے ہو جو دنیا کی بہترین ہیروئن کی تیاری میں خود کفیل ہے۔ تمہاری زرخیز پہاڑی ڈھلانوں پر ہیروئن کے خام مال کی کاشت سے لے کر سرحدی پٹی میں ہیروئن کشید کرنے والے کارخانوں تک ہر سہولت موجود ہے۔ اس کی خالص مقدار پر جو بھاری منافع ہوتا ہے وہ اپنی جگہ پر ہے لیکن اس میں بھاری مقدار میں بے ضرر کیمیکلز ملا دیے جائیں تو نفع سیکڑوں گنا بڑھ جاتا ہے۔ تمھیں اپنی ساری توجہ اسی پر مرکوز کرنی ہے۔"

"یہ میرا پہلا کام ہوگا مگر اس کے لیے مجھے رُشی کے رابطوں کا توڑ کرنا ہوگا۔ وہ ایک عرصۂ دراز سے اس علاقے میں کام کر رہے ہیں اور شاید ابتدا میں ان ہی سے ہماری محاذ آرائی ہوگی۔"

"تمھیں اپنے فیصلے کرنے میں حبیب کا تعاون [illegible] رہے گا۔ یہ بھی رُشی کو اپنے لیے سب سے بڑی رکاوٹ تصور کرتا ہے لیکن میں اتنا ضرور بتاؤں کہ ہیروئن کی بڑی کھیپ باہر نہیں بھیجی جائے گی۔" ڈان نے [illegible] "ہیروئن کی تھوڑی تھوڑی مقدار نئے چہروں کے ذریعے [illegible] سے باہر بھیجنی ہوگی۔ وہ لوگ منزل پر مال طے شدہ [illegible] کے حوالے کریں گے جو اسے ہمارے تھوک فروشوں تک پہنچانے کے ذمے دار ہوں گے۔ اس کے آگے فروخت اور تقسیم کے لیے ایک مربوط نظام پہلے سے موجود ہے۔" اس نے اشارے سے میز کے اوپر چھت میں جلتی ہوئی روشنی گل کر دی اور یک بیک اندھیرے میں معدوم ہو گیا۔

"میں ان ہدایات کے لیے تمہارا مشکور ہوں ڈان!" [illegible] کے سامنے پھیلا ہوا اندھیرا دور ہونے پر میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔ "جو کچھ میری بساط میں ہے وہ میں کر گزروں گا۔"

"کس سے بات کر رہے ہو؟" میرے برابر سے حبیب نے حیرت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تم سے نہیں، میں ڈان سے مخاطب تھا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"ڈان جا چکا ہے۔ اب ہمیں آپس میں کچھ باتیں طے کر لینی چاہئیں!" اس نے مجھے مطلع کیا۔

"وہ کہاں چلا گیا؟ ابھی تو یہیں تھا۔" میں نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ کہا کیوں کہ روشنی میں سے گزرے بغیر نکاسی کے راستے تک پہنچنا ناممکن تھا اور جب ڈان نے میز کے اوپر روشنی کی تھی تو میں نے دیکھ لیا تھا اس کے پیچھے والی سپاٹ دیوار میں نکاسی کا کوئی راستہ موجود نہیں تھا۔

"یقین نہیں آتا تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو!" اس نے میز کے گرد گھوم کر دوبارہ وہی روشنی جلا دی جو ڈان نے آخر میں گل کر دی تھی اور میں یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ میز کے پیچھے خالی کرسی پڑی رہ گئی تھی، ڈان لاپتا تھا۔

حبیب نے اس کی چھوڑی ہوئی کرسی سنبھال لی۔ اس پوزیشن میں وہ خاصا باوقار نظر آرہا تھا۔ معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا کہ اس کا مجرموں کی کسی تنظیم سے کسی قسم کا رابطہ ہوگا۔

"مغربی جرمنی کی جیل سے میرے فرار کا راز ابھی تک فاش نہیں ہوا ہے!" مجھے حیران دیکھ کر سیٹھ حبیب

نے لگا۔ "لیکن میں جانتا ہوں کہ میں ایک مفرور مجرم
ں اس لیے میں نے اپنے دفتر سے نکاسی کے لیے
ول سے خفیہ راستے رکھے ہوئے ہیں جن کی مدد سے
ت کی نظروں میں آئے بغیر آناً فاناً میں یہاں سے نکل
تا ہوں۔ ڈان کو میں نے اپنے بعض انتظامات سے
آگاہ کر دیا تھا۔ وہ آمد و رفت کے لیے ایسا ہی ایک
ستہ استعمال کرتا ہے۔"

"ایسی آزادی کس کام کی کہ اپنے ملک میں بھی
م چوروں کی طرح رہنے پر مجبور رہو!"

"اس آزادی کی قدر تم نہیں جان سکتے۔" وہ ایک
ڈا سانس لے کر بولا۔ "میں جیل کے بجائے آرام سے
پنے گھر میں سوتا ہوں۔ میری بیوی اور سینڈو کے بعد
پاکستان میں تم تیسرے شخص ہو جسے میں نے اپنے راز
میں شریک کیا ہے ورنہ میرے والدین اور پورے
خاندان والے یہی سمجھتے ہیں کہ میں قید بھگت رہا ہوں۔"

"تمہارا پورا خاندان آسودہ اور خوش حال ہے۔ کیا
تمہارے فرار کے بعد ان میں سے کسی نے جرمنی جا کر
جیل میں تم سے ملاقات کرنے کی کوشش نہیں کی؟"

"کئی بار کوششیں کی گئیں لیکن میں نے یعنی میری
جگہ قید بھگتنے والے نے جیل کے حکام سے کہہ دیا ہے
کہ وہ اپنے جرم پر اس قدر شرمسار ہے کہ سزا پوری
ہونے تک اپنے خاندان کے کسی فرد کا سامنا نہیں کرنا
چاہتا۔" وہ ایک مغموم مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میرے
رشتے دار اس کے لیے تحفے وغیرہ چھوڑ کر مایوس اور
بے نیل و مرام واپس لوٹ آتے ہیں۔ اپنی خفیہ آزادی کو
برقرار رکھنے کے لیے مجھے بڑی جدوجہد کرنی پڑی ہے۔"

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، گرفتاری کے وقت تم
ایک معصوم بچے کے باپ بھی تھے۔"

"لالچ، ہوس اور چڑھتے ہوئے خون کی لغزش نے مجھے
بالکل برباد کر دیا ہے۔" اپنے دکھوں پر بات کرنے کے لیے
شاید اسے پہلا آدمی میسر آیا تھا اس لیے وہ کھل کر بات
کر رہا تھا۔ "میری بیوی نے مجھے ساتھ رکھنے کے لیے ساس
سسر سے زبردستی لڑائی مول لی ہوئی ہے اور ایک الگ
تنگ فلیٹ میں رہتی ہے تاکہ کسی کو میرے وجود کی ہوا
بھی نہ لگ سکے۔ میری خاطر وہ ہر الزام اور طعنہ ہنس کر سہہ رہی
ہے۔ اپنے تین سالہ بچے کو اس نے ہمارے خاندانی المیے کے
اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک بورڈنگ ہاؤس
میں ڈالا ہوا ہے۔ میں اسے دور سے دیکھ آتا ہوں لیکن
اس سے مل نہیں سکتا کیونکہ وہ بچہ ہے باپ سے ملاقات
کی خبر آناً فاناً میں ہر طرف پھیلا دے گا۔ وہ اپنی ماں سے
سوال کرتا ہے کہ بورڈنگ ہاؤس میں رہنے والے بچوں کے
ماں باپ ان سے ہفتے پندرہ دن میں ملنے آتے ہیں لیکن
اس کا باپ نہیں آتا۔ وہ کہاں رہتا ہے؟ اور اس سے ملنے
کے لیے کیوں نہیں آتا؟ وہ اسے بہلا بہلا کر تھک گئی ہے۔
مجھے پورے پندرہ سال اسی عذاب میں گزارنے ہیں۔ اس
دوران میں میرا بیٹا ہوش سنبھال لے گا اور پھر اسے خود بخود
سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

میرے دل میں اس کے لیے ہمدردی کے جذبات
پیدا ہونے لگے۔ وہ اپنوں میں رہ کر بھی اجنبی بنے رہنے پر
مجبور تھا۔ کسی سے دل کی بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ ماں باپ
تک سے ملنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں ان کا اطمینان اس کے
محنت سے بنائے ہوئے منصوبے کا راز نہ فاش کر دے۔ میرا
خیال تھا کہ وہ اپنی آزادی پر ضرور خوش تھا لیکن مافیا کو اس
کی قیمت ادا کرنے پر خوش نہیں تھا۔ مافیا کے لیے کام کرنا اس
کی مجبوری بن گئی تھی لیکن اس وقت میں حبیب سے اس
نازک موضوع پر کوئی سوال کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا

"سینڈو تمہارے اس راز میں کیسے شریک ہو گیا؟" میں
نے آہستگی سے سوال کیا۔

"میری تباہی کا ذمے دار وہی ہے۔ میں نے ایک زیر تعمیر
ہوٹل کا سودا کر لیا تھا۔ سینڈو وہیں سوئچ روم کا فورمین تھا۔
نہ جانے اس میں کیا خاص بات تھی کہ وہ میرے منہ چڑھے
ملازمین میں شامل ہو گیا۔ ہوٹل کی تکمیل کے لیے میں نے بینک
میں قرضے کے لیے درخواست دی۔ وہ کروڑوں کا پروجیکٹ
تھا، مذاکرات طول پکڑتے گئے لیکن قرضہ ملنے کی کوئی امید
نظر نہیں آئی۔ دوسری طرف مجھ پر خاندان کے بڑوں کا دباؤ
بڑھنے لگا۔ ہر ایک کا خیال تھا کہ میں نے غلط سودے میں ہاتھ
ڈال کر اپنی ساری عمر کی جمع پونجی داؤ پر لگا دی تھی۔ ان تنقیدوں
سے دل برداشتہ ہو کر میں نے وہ ادھورا پروجیکٹ اسی حالت
میں کسی اور کو بیچنے کی ٹھان لی لیکن کافی کوششوں کے بعد
اس کا کوئی خریدار پیدا نہ ہو سکا۔ وہ ہوٹل میرے لیے ایک
آزار بنتا جا رہا تھا۔ پھر ان ہی دنوں سینڈو نے میری پریشانی بھانپ
کر مجھے ہیروئن اسمگل کرنے کی راہ سجھائی۔ اس کا خیال تھا کہ
پاکستان سے باہر حاصل ہونے والے خطیر زر مبادلہ کی رقم میں
بیرون ملک پاکستانیوں کے فرضی نام سے ملک میں واپس لا کر
بڑی آسانی کے ساتھ کسی قرض کے بغیر اپنا ہوٹل مکمل کر سکتا
تھا۔ ہوٹل میرے لیے انا کا مسئلہ بنتا جا رہا تھا۔ میں نے کچھ
لوگوں سے زر مبادلہ کی ملک میں آمد کے بارے میں مشورے
کیے اور مجھے حکومت کی این آر آئی اسکیم کا علم ہوا جس میں سے

میں سینڈو کے دلکش مشورے کے جال میں پھنستا چلا گیا۔ دس کلو ہیروئن اسی نے مجھے مہیا کی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس مقدار کو اسمگل کر کے میں دس کروڑ روپے کا خطیر زرمبادلہ ملک میں لا سکتا تھا۔ ہوٹل مکمل کر کے بھی میرے پاس بہت کچھ بچ رہتا۔ میرا سامان پاکستان سے جہاز پر چیک ان ہوا تو میں نے سمجھا کہ آدھا مرحلہ طے ہو گیا لیکن فرینکفرٹ ایئرپورٹ پر اس وقت میرے سارے خواب بکھر گئے جب انسداد منشیات کے جرمن ماہرین نے تربیت یافتہ کتوں کی نشاندہی پر میرے سامان کی تفصیلی جانچ پڑتال کا فیصلہ کر لیا اور یوں میں پل بھر میں ایک معزز شہری سے بین الاقوامی اسمگلروں کی صف میں جا کھڑا ہوا۔"

"لیکن وہ موذی ابھی تک تمہاری آستین میں پل رہا ہے جو ایک بار تمہیں ڈس چکا ہے تمہیں تو واپس آتے ہی پہلی فرصت میں اسے شوٹ کر دینا چاہیے تھا۔"

"گرفتاری کے وقت میرا فیصلہ یہی تھا لیکن بعد میں وہ میری مجبوری بن گیا۔" حبیب اتنا کہہ کر خاموش ہوا اور میں اسے ٹوکے بغیر اس کے دوبارہ بولنے کا منتظر رہا۔

"سزا یابی کے بعد جیل میں مافیا والوں نے مجھ سے رابطہ قائم کیا تو یہ شرط رکھی کہ رہائی پا کر میں پاکستان میں ان کے لیے ہیروئن پر کام کروں۔" چند ثانیوں کے سکوت میں وہ اپنے خیالات کو مربوط کرنے کے بعد بولا۔ "میرے سامنے کوئی انتخاب نہیں تھا۔ میں جیل سے رہائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر جب پورا منصوبہ سامنے آیا تو میرے سامنے صرف سینڈو کا نام تھا جس پر میں بھروسا کر سکتا تھا۔ مافیا والے اسے اپنے خرچ پر مجھ سے ملوانے کے لیے جرمنی لائے۔ سینڈو میرے انجام پر بہت شرمندہ تھا۔ میں نے وہیں اس سے رازداری کا وعدہ لے کر اسے اپنا ہم شکل تلاش کرنے کا کام سونپا۔ میں نے اسے مافیا والوں کی اصلیت سے آگاہ کیے بغیر ان کا تعارف اپنے مقامی دوستوں کی حیثیت سے کرایا تھا۔ میں قید میں تھا اور سینڈو آزاد۔ وہ چاہتا تو واپس جا کر مجھے اور مجھ سے کیے ہوئے وعدے کو فراموش کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے چند ہفتوں میں ہی میرا ایک مناسب ترین ہم شکل ڈھونڈ لیا جو ضرورت مند بھی تھا۔ اس طرح میری رہائی میں سینڈو کا بہت بڑا دخل تھا۔ پاکستان واپس آنے کے بعد مجھے مافیا کے لیے کام کرنا تھا جس کے لیے میں ڈان بھری سے حلف لے کر آیا تھا لیکن مجھے نہ ہیروئن کے بارے میں معلومات تھیں اور نہ زیرزمین دنیا سے کوئی واقفیت تھی۔" اس لیے ایک بار پھر میری نگاہ انتخاب سینڈو پر پڑی۔ اس بار بھی اس نے مجھے مایوس نہیں کیا اور یوں وہ آج تک میرے ساتھ رہا ہے۔ وہ ایک ایسے وفادار کتے کی طرح ہے جو خوشی میں اتفاقاً اپنے مالک کو دانت مار دے تو اور بات ورنہ اس کی حفاظت کے لیے لڑتے ہوئے بھی اڑا لے تو شکایت نہیں کرتا۔ میرا راز اس نے اپنے سینے میں دفن کیا ہوا ہے اور دوسروں کے سامنے اس نے ذرا بھی اظہار نہیں ہونے دیتا کہ وہ مجھ سے کتنا قریب ہے۔"

"بڑی عجیب اور ناقابل یقین کہانی ہے تمہاری..." ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "کس خاندان کے چشم و چراغ ہو اور کیسی گندی دلدل میں آگرے ہو..."

"بس!" اس نے فضا میں ہاتھ بلند کر کے میری بات کاٹ دی۔ "ڈان کے کہنے پر تمہارے سامنے اپنی نقاب اتارنے کی وجہ سے میں نے تم سے اتنی باتیں کر لی ہیں۔ ویسے بھی اب تم میرے دست راست بن گئے ہو۔ لیکن تم کو مجھ سے ہمدردی کا اظہار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں بہت خوش ہوں اور اب میں نے اپنے حالات سے سمجھوتا کر لیا ہے۔"

وہ مجھ سے اپنا فاصلہ قائم رکھنے کے لیے صریحاً جھوٹ بول رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اندر ہی اندر کرب اور گھٹن میں مبتلا تھا لیکن وہ میری اس سے پہلی تفصیلی ملاقات تھی جس میں میرے لیے حد سے تجاوز کرنا مناسب نہیں تھا۔ ویسے بھی وہ اچانک میرا باس بنا دیا گیا تھا لہٰذا میں صرف "سوری" کہہ کر خاموش ہو گیا۔

سیٹھ حبیب ہیروئن کی تباہ کاریوں کی ایک اور مثال تھا۔ اس کا ایک رخ وہ تھا جو کراہتے، سسکتے، بلکتے اور ہانپتے ہوئے ہزاروں نشے باز پاکستان کے ہر شہر اور گلی کوچے میں پیش کر رہے تھے اور دوسرا رخ سیٹھ حبیب پیش کر رہا تھا۔ جو مال دار اور عیال دار ہونے کے باوجود مختصر ترین مدت میں کروڑوں کمانے کی ہوس میں مبتلا ہو کر عزت اور آبرو سے محروم ایک ایسا پنچھی بن چکا تھا جو نہ قفس کا قیدی تھا اور نہ اسے اپنی پرواز کی آزادی حاصل تھی۔ اس نے عارضی طور پر اپنا وقت گزارنے کا بندوبست کر لیا تھا۔ بیوی کی ہمدردیاں جیت کر اس کی رفاقت حاصل کی ہوئی تھی کیونکہ اس بیچاری کے سامنے کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ اس نے اپنے تین سالہ بچے کو اپنی سیاہ بختی سے بے خبر رکھنے کے لیے ہاسٹل میں ڈال دیا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سیٹھ صاحب کی پیشانی کا داغ خود بخود اس بچے کے علم میں آنے والا تھا۔ جب اسے یہ معلوم ہوتا کہ اپنے باپ کے لالچ کی وجہ سے وہ ایک معزز اور آسودہ گھرانے کا نور نظر نہیں بلکہ ہیروئن کے ایک اسمگلر کا بیٹا بن چکا تھا تو کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کا ناپختہ کار ذہن کن ہولناک راہوں کا انتخاب کرتا۔

"جس سُرخ کار میں تمھیں یہاں لایا گیا ہے، وہ اب تمھارے تصرف میں رہے گی۔" سیٹھ حبیب کی آواز نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔ "ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ تمھیں شراب نوشی کے علاوہ کوئی اور بڑا شوق نہیں ہے۔ اس لیے تمھاری کارکردگی سامنے آنے تک تمھارا کوئی باقاعدہ مشاہرہ مقرر نہیں کیا جا رہا۔ تم اپنی جائز ضروریات کے لیے جو کچھ چاہو لے سکتے ہو۔ تم نے مجھ سے تفصیلی تعارف حاصل کر لیا ہے، میرے نام سے بھی واقف ہو گئے ہو، لیکن یہ نام اب اس وقت تک کے لیے تمھارے دل و دماغ میں دفن ہو جائے گا جب تک جرمنی میں میری سزا کی مدت پوری نہیں ہو جاتی یا میرے شکل کو نیک چال چلن کی وجہ سے قبل از وقت جیل سے رہائی نہیں مل جاتی۔ تم بھول کر بھی کہیں اور کبھی میرا نام نہیں لوگے۔ میرے آدمی مجھے چیف کے نام سے پکارتے اور پہچانتے ہیں۔ یہی لقب تم بھی میرے لیے استعمال کرو گے۔ آج سے ہماری تنظیم میں تم میرے دست راست ہو گے۔ تمھارے بعد سینڈو کا درجہ ہو گا۔ اس نے ایک غلط مشورہ دے کر میری زندگی ضرور تباہ کر ڈالی لیکن بعد میں اس نے میرے لیے جو کچھ کیا، اسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ اس کو ڈیل کرتے ہوئے یہ حقیقت تمھیں ہر وقت ذہن نشین رکھنا ہو گی۔"

"اس وقت تمھارے پاس کل کتنی نفری ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"سینڈو سمیت کل پندرہ آدمی تھے۔ دو کل رات تمھارے فلیٹ کے باہر لڑتے ہوئے مارے گئے، ایک آج تمھاری مہم جوئی کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اس کے بعد کل بارہ آدمی بچے ہیں۔ جن میں سے چار زخمی ہو کر زیر علاج ہیں۔"

"وہ میری مہم جوئی نہیں تھی۔ تمھارے اور ڈان کے بنائے ہوئے منصوبے نے مجھے اس مقابلے میں حصہ لینے پر مجبور کیا۔ یہ تمھاری بدقسمتی تھی کہ تمھارا ہی ایک آدمی اس کا ایندھن بن گیا۔"

"اب وہ صرف میرا نہیں، تمھارا بھی آدمی تھا۔" اس نے ناصحانہ لہجے میں میری تصحیح کی۔ "میں ابھی اپنے آٹھوں آدمیوں کو بلاتا ہوں تاکہ تمھارا ان سے بھی تفصیلی تعارف ہو جائے۔ دو چار روز میں سارا کام تم ہی کو سنبھالنا ہے۔ میں پس پردہ رہ کر صرف تم سے رابطہ رکھوں گا۔ روپوشی اور نقاب کے استعمال کی وجہ سے میں آزادانہ نقل و حرکت میں شدید دشواری محسوس کرتا ہوں۔"

"تم بے فکر رہو۔ جیسا چاہو گے، وہی ہو گا لیکن فی الحال تعارف کا معاملہ ملتوی کر دو۔ مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت درکار ہے، اس کے بعد ہی میں اپنا طریقۂ کار طے کر سکوں گا۔ البتہ اس وقت میں سینڈو سے ضرور ملنا چاہوں گا کیونکہ وہ تمھارا خاص آدمی ہے۔ مقابلے کے دوران ہمارے درمیان خاصی تلخی پیدا ہو گئی تھی، اس کا بھی دور کیا جانا ضروری ہے۔"

"تم فکر نہ کرو، اس کے دل میں تمھاری طرف سے کوئی کدورت باقی نہیں رہے گی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے انٹرکام اُٹھا لیا اور دھیمی آواز میں کسی کو کچھ ہدایات دینے کے بعد ریسیور رکھ دیا۔

"یہ دفتر کہاں واقع ہے؟" میں نے اپنے لیے نئی سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ شہر کی ایک مشہور تجارتی عمارت کا تہ خانہ ہے۔ گراؤنڈ فلور کا کچھ حصہ اور پورا تہ خانہ میرے تصرف میں ہے۔ اسے ایک برآمدی کمپنی کے دفتر کی حیثیت دی گئی ہے۔ دفتری اوقات میں یہاں باقاعدہ عملہ موجود ہوتا ہے۔ مجھے آنا ہوتا ہے تو میں صدر دروازے کے بجائے ٹیلی فون کیبل کی زیر زمین سُرنگ استعمال کرتا ہوں جہاں سے ایک راستہ براہ راست اس کمرے میں نکالا گیا ہے۔ تم جب چاہو گے یہاں آسکو گے، دفتر کی ایک چابی تمھارے پاس رہے گی۔"

میرے ذہن میں کئی سوال اُبھرے تھے۔ دفتر سے مُراد وہ کمرا تھا یا گراؤنڈ فلور کا وہ حصہ جسے ایک برآمدی کمپنی کے دفتر کا روپ دیا گیا تھا، وہ لوگ ایک مصروف کاروباری علاقے میں بیٹھے ہوئے تھے اس لیے برآمدی کمپنی کا بھرم برقرار رکھنے کے لیے کچھ کاروبار بھی ضروری تھا، پھر سب سے اہم بات یہ تھی کہ دفتری عملہ الگ سے ملازم رکھا گیا تھا یا مافیا کے ان ہی آدمیوں میں سے کچھ لوگ دن میں دفتری ذمے داریاں انجام دیتے تھے اور ان سب کی رہائش کا بندوبست کہاں تھا؟ لیکن دروازے کی طرف سے ایک بیپ سگنل کی گونج سنتے ہی سیٹھ حبیب ادھر متوجہ ہو گیا اور میں کوئی سوال نہ کر سکا۔

"اس دروازے پر دُہرا الیکٹرانک لاک لگا ہوا ہے۔ ڈان کی موجودگی میں یہ آف تھا لیکن میں ہر وقت محتاط رہتا ہوں۔ یہ سگنل فوٹو سیل کے ذریعے موصول ہوا ہے۔" مجھ سے یہ کہتے ہوئے وہ میز پر رکھے ہوئے ایک ڈیک انسٹرومنٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "کون ہے؟" اس نے بھاری اور تحکم آمیز آواز میں سوال کیا تھا۔

"سینڈو!" دوسری طرف سے احترام کے ساتھ مختصر جواب دیا گیا اور حبیب نے انسٹرومنٹ پر "تم اِن" کہہ کر اسی انسٹرومنٹ پر یکے بعد دیگرے دو بٹن دبائے اور دروازہ کھول کر سینڈو اندر آ گیا۔ دروازہ خودکار نظام کے تحت بند ہو گیا۔

سینڈو کسی گینڈے کی طرح سر جھکا کر اپنی ٹھوڑی سینے سے لگائے ہوئے آگے بڑھا تھا۔ میں پلٹ کر دلچسپی کے ساتھ

اس کا مشاہدہ کر رہا تھا پھر اس نے جوں ہی سر اٹھایا، مجھے دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں پھر چند ثانیوں میں ہی ان پھیلی ہوئی آنکھوں میں میرے لیے نفرت اور حقارت اُبھرنے لگی۔

"ہوش میں آؤ سینڈو!" حبیب صورت حال کی نزاکت بھانپ کر غرایا "تم کسی سڑک پر نہیں، میرے دفتر میں ہو!"

سینڈو نے اپنے مالک کی آواز سنتے ہی سر جھٹک کر ایک جھرجھری لی جیسے اس آواز نے اسے نیند سے جگا دیا ہو۔ "سوری چیف! میں گستاخی کی معذرت چاہتا ہوں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا پھر حبیب پر نظر پڑتے ہی اس کا منہ پھاڑ کی طرح کھل گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کا چیف ایک ایسے اجنبی کے سامنے نقاب ہٹا کر خود کو ظاہر کر دے گا جسے کچھ دیر قبل چیف خود اپنے چار آدمیوں سے پٹوانے پر تلا ہوا تھا۔

سینڈو آگے آ کر حبیب کی ہدایت پر کرسی پر بیٹھ گیا لیکن وہ دفتر میں نظر آنے والی صورت حال کی طرف سے بے چین تھا۔

"وہ حقیقی مقابلہ نہیں بلکہ اس نئے دوست کا امتحان تھا،" حبیب نے بلا تمہید بات شروع کر دی۔ "تم چاروں کو اسلحہ اسی لیے نہیں دیا گیا تھا کہ مجھے جسمانی طاقت اور صلاحیت کا موازنہ مقصود تھا اور تم نے دیکھ لیا کہ اس نے تم چاروں پر اپنی برتری ثابت کر دی۔" اس نے ایک لمحے کے لیے رک کر سینڈو کو کوئی تبصرہ کرنے کا موقع دیا لیکن اسے یکبارگی چپ لگ گئی تھی۔ حبیب نے پھر اپنی بات شروع کر دی۔

"میری دشواریاں تمہارے سامنے ہیں۔ ان کے توڑ کے لیے ہم نے ڈینی کو اپنی ٹیم میں شامل کیا ہے۔ اب تمہارا زیادہ تر اسی کے ساتھ رابطہ رہے گا۔ ڈینی براہ راست مجھے جواب دہ ہوگا۔"

میری توقع کے خلاف سینڈو نے کرسی سے اٹھ کر میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میرا خیال تھا کہ وہ ہاتھ ملاتے ہوئے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس نے بہت شرافت اور نرمی سے ہاتھ ملایا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تمہیں مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے پورا تعاون ملے گا چیف!" اس نے حبیب سے کہا تھا۔

حبیب کی بریفنگ کے بعد میں نے سینڈو کو بتایا کہ اس وقت تک میں نے صرف اسی سے تعارف حاصل کیا تھا۔ اس کے دوسرے ساتھیوں سے ایک آدھ روز کے بعد ملاقات ہونی تھی اس لیے اسے میرے بارے میں کسی سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ سینڈو شہ زور اور غصیلا ضرور تھا لیکن کینہ پرور نہیں تھا۔ اس کے ابتدائی ردعمل اور حبیب کی وضاحت کے بعد اس نے مجھے ایک بار بھی یہ احساس نہ ہونے دیا کہ تھوڑی دیر قبل اس کے ساتھ میرا ایک خونی مقابلہ ہو چکا تھا۔ اس مقابلے میں اس کا ایک ساتھی مارا گیا تھا اور دوسرا بھی بری طرح زخمی ہوا تھا۔

سینڈو چلا گیا تو میں نے بھی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر اٹھنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن حبیب نے مجھے ٹوک دیا۔

"سب کچھ تو ہوتا رہے گا۔ ابھی تک تم نے حلف وفاداری نہیں لیا ہے۔ اس کے بغیر آج کی ملاقات نامکمل رہے گی۔"

میں سمجھ رہا تھا کہ باتوں میں وہ اس ناپسندیدہ موضوع کو بھول گیا تھا لیکن وہ اپنے کام کو خوب سمجھتا تھا اسی لیے اس کے ساتھ اپنے وعدوں کو نباہ رہا تھا۔

"حلف غیر ضروری ہے، ہم کسی نیک کام کا سمجھوتا نہیں کر رہے ہیں جو حلف لینا پڑے۔ تم میرے ریکارڈ سے واقف ہو، میں ہمیشہ ہی جرائم کی دنیا سے وابستہ رہا ہوں اور ویسے بھی میں مذہب سے بہت دور ہوں جو کچھ پڑھا اور سنا ہے اس پر کبھی عمل کرنے کی نوبت ہی نہیں آسکی اس لیے میں حلف نہیں لے سکتا...."

"یہ ناممکن ہے ڈینی!" وہ مجھے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں بولا "میری چھت کے نیچے تم مافیا کے ضابطوں کو مسترد نہیں کر سکتے۔ ڈان نے جو کہہ دیا ہے وہ تمہیں ہر حال میں کرنا پڑے گا ورنہ تم خود نتائج کا اندازہ لگا سکتے ہو۔"

طویل دوستانہ گفتگو کے بعد اس معاملے پر حبیب کے لہجے میں اجنبیت پیدا ہو گئی تھی جو میرے لیے تشویشناک تھی لیکن یہ میرا اٹل فیصلہ تھا کہ جب میں نے اپنے مذہب کو کسی اچھے کام کے لیے استعمال نہیں کیا تھا تو مافیا کے ساتھ کھلی کھلی قانون شکنی کے شیطانی معاہدے میں بھی کسی قیمت پر اسے درمیان میں نہیں لانا تھا۔

حبیب میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر میرا ذہن پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اور میں تیزی کے ساتھ اس صورت حال کا ادراک کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو میرے دو ٹوک انکار کی صورت میں اس تہ خانے میں رونما ہو سکتی تھی۔

ایک بات تو سامنے تھی کہ میں اکیلا تھا اور حبیب کے ایک اشارے پر اس کے کم از کم آٹھ صحت مند اور مسلح افراد کسی بھی لمحے مجھے اپنے نرغے میں لے سکتے تھے۔

میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا لیکن اس پیچیدہ صورت حال سے نکلنے کی کوئی صورت ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ میرا انکار قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا اور میں حلف نہ اٹھانے کا فیصلہ

بیٹھے حبیب کی سرد اور کسی بھی قسم کے ہمدردانہ جذبات
ماری نگاہیں چند ثانیوں تک میرے چہرے پر جمی رہیں۔
پلکیں جھپکائے بغیر میرے اندر کا حال پڑھنے کی
کر رہا تھا پھر شاید وہ کسی نتیجے پر پہنچ گیا کیونکہ اس نے
انداز میں اپنے چہرے پر وہی سیاہ نقاب منڈھ لیا
نے ڈان تھری کے اشارے پر اتارا تھا۔
اس کا وہ اقدام میرے نزدیک طبلِ جنگ پر چوٹ پڑنے
مترادف تھا۔ نقاب اوڑھ کر اس نے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ
اس موڑ پر میری اور اس کی ذات سے آگے بھی بڑھ
تھے وہ میرے کس بل نکلوانے کے لیے اپنے ان آدمیوں
طلب کر سکتا تھا جو ہمیشہ سے اسے نقاب میں
تھے اور صرف اس کی آواز کی اطاعت کر کے اپنی
بہار وزی کماتے تھے لیکن میں اس وقت کسی نئے تصادم
بچنا چاہتا تھا۔

"کیا کچھ عجلت میں ہو؟" میں نے فضا پر چھائے ہوئے
کو توڑنے کے لیے سرسری لہجے میں سوال کیا۔ حقیقت
میں اسے باتوں میں اُلجھا کر صرف اتنا وقت حاصل کرنا
تھا کہ میرا ذہن کسی حتمی نتیجے پر پہنچ سکے جس کی روشنی میں
تصادم کا بھیانک خطرہ ٹل جانے کا امکان پیدا ہو جاتا۔

"عجلت کیسی؟" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "آج تو تم سے دوستی
ہے جب تک اس کے سارے ضابطے پورے نہ
ہم دونوں میں سے کوئی بھی واپس نہیں جا سکے گا۔ تم
میں ہمارے بارے میں بہت کچھ جان گئے ہو۔
ہو گئے تو ہمارے ہو کر رہو گے ورنہ...!" اس نے
اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"نہیں رہو گے!" میں نے اس کی بات مسکراتے ہوئے
پوری کر دی۔ "یہ تو تم مجھے کھلی کھلی دھمکی دے رہے ہو؟ عجلت میں
مجھ سے تفصیلی تعارف بھی ہو چکا ہے اس کے باوجود
اپنے چہرے پر نقاب منڈھ لیا ہے۔ آخر بات کیا
تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟ اس وقت میں تمہارا نائب
اس لیے ایک خاص حد تک تمہارا احترام کروں گا۔
آگے میں صرف اپنی زندگی کے لیے لڑنا جانتا ہوں
ان گنت حریفوں کو میں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر
چکا ہوں۔" آخری فقرے ادا کرتے ہوئے میں نے
توقف کر کے دانستہ اپنا لہجہ کرخت کر لیا۔ "دوستوں
دشمنوں کے ساتھ میرا رویہ مختلف ہوتا ہے۔"

"تمھیں اب ہر قیمت پر مافیا کا حلفِ وفاداری اُٹھانا
اس کا لہجہ بھی فیصلہ کن تھا۔ "تم اپنے انکار پر اَڑے
دوستی کی ابتدا ہی خون آشام دشمنی سے ہو گی۔ تیرے

آدمی میرے ایک اشارے پر تمھیں دوبارہ گھیر لیں گے۔"

"ڈان ہوتا تو شاید تمہارا لہجہ اتنا غیر محتاط نہ ہوتا۔" میں نے درشت لہجے میں کہا۔

"ڈان ہوتا تو میرے بولنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ وہ جا چکا ہے اور میں تمھیں نتائج سے آگاہ کر کے تمھیں اپنا فیصلہ بدلنے کی مہلت دے رہا ہوں۔ وہ ہوتا تو حلف برداری سے تمہارا انکار سنتے ہی تمہاری پیشانی کے وسط میں پگھلا ہوا سیسہ اتار دیتا۔ صدیوں سے یہ روایتی حلف مافیا کی پُرشکوہ تنظیم کا بنیادی پتھر چلا آ رہا ہے، اس سے انحراف کرنے والا کبھی مافیا کا وفادار نہیں ہو سکتا۔"

"میں نے حلف کو غیر ضروری قرار دیا ہے اس سے انحراف تو نہیں کیا۔" میں نے پینترا بدلتے ہوئے کہا۔ "اتنی سی بات پر میرے ساتھ اتنی تلخ کلامی تمھیں زیب نہیں دیتی، تم تو تصادم پر تلے ہوئے نظر آ رہے ہو۔"

میری اس قلابازی نے اسے چکرا کر رکھ دیا اور وہ فوری طور پر میری بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ چند ثانیوں کے توقف میں سنبھالا لینے کے بعد وہ بولا تھا۔ "تم حلف اٹھانے کے لیے آمادہ ہو؟"

"تمہاری بنیاد کے پہلے پتھر کو کون ہلا سکتا ہے؟ تم بتا ہی چکے ہو کہ حلف نہ اٹھایا تو تمہاری صفوں میں شامل نہیں ہو سکوں گا اور تمہارے ساتھ شامل ہوئے بغیر اب میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ ایسی صورت میں میرے انکار کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی، میں تو تمہاری شرط پوری کرنے کی کوئی قابلِ عمل راہ سوچ رہا تھا۔"

"قابلِ عمل راہ صرف ایک ہی ہے کہ حلف اُٹھا لو...!"

"تم مسلمان ہو اور حلف اُٹھا کر ہی مافیا کے رکن بنے ہو اس لیے میں سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ میں بھی تمہارے ہی مذہب کے تحت حلف لے لوں۔ تم لوگوں کے یہاں شاید جھوٹے سچے حلف چلتے ہی رہتے ہیں۔" میں نے اسے چکر دینے کے لیے مکارانہ لہجے میں کہا۔ اس وقت میرے ذہن میں گلوخلاصی کی یہی ایک راہ آ سکی تھی۔

"تت... تو تم مسلمان نہیں ہو؟" اس کی آواز تحیر آمیز ہو گئی تھی۔

"شاید تم میرا نام بھول گئے ہو!" میں نے براہِ راست انکار یا اقرار کیے بغیر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اس وقت تم پیٹرواک بنے ہوئے ہو لیکن اس سے پہلے تم ڈینی کے نام سے پہچانے جاتے تھے، اصل نام کیا ہے تمہارا؟" اس نے حیرت سے سوال کیا تھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ اس کی بے خبری سے فائدہ اُٹھا کر میں اپنے لیے درمیانی راہ نکال سکتا تھا۔

"اپنا اصل نام تو میں خود بھول چکا ہوں۔" میں نے تیکھے
لہجے میں کہا۔" اس سے پیشتر کہ تم میرے بارے میں مزید منفی
باتیں سوچو میرے لیے اسلامی طریقے سے حلف لینے کا بندوبست کرو۔"

"یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔" اس نے اپنے نقاب پوش چہرے
کو دائیں بائیں حرکت دیتے ہوئے کہا۔ "تم کرسچین ہو تو تمہیں عیسائی
طریقے سے ہی حلف اٹھانا ہوگا۔ تم اسلام کو درمیان میں نہیں
لا سکتے۔"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "آ گئے اسی بات پر۔ تمہارا
مذہب ہے اس لیے تم اس کے ٹھیکیدار ہو۔ تمہارے جو مزاج
میں آئے وہ سلوک کر سکتے ہو۔ جھوٹی قسمیں اور مجرمانہ حلف دے
سکتے ہو لیکن دوسرے کو اس پر ذرا بھی تصرف کی اجازت
نہیں دو گے۔ یہی بات میں بھی کہہ رہا تھا کہ میں لاکھ برا، بدکار
اور مجرم سہی لیکن میرا ضمیر مجھے یہ اجازت نہیں دیتا کہ جب
میں عمر بھر اپنے مذہب اور اس کے احکام سے غافل رہا تو
اب ایک خونریز اور مجرمانہ معاہدے کے لیے اسے درمیان
میں لاؤں۔ تم نے جو بدسلوکی اپنے مذہب سے کی اب وہی
مجھ سے میرے مذہب کے خلاف کرانا چاہتے ہو۔ یہ ناگزیر
بدسلوکی اب مجھے کرنی ہی ہوگی۔"

میں اس کے ذہن کو سمجھ رہا تھا اس لیے میرا وار بھرپور
اور کارگر رہا۔ اپنی زبان سے کچھ کہے بغیر میں اسے یہ باور کرانے
میں کامیاب ہو گیا کہ مجھ سے انجیل پر حلف لیا جانا ضروری تھا۔
اس طرح میں نے اپنے آبائی مذہب اور اپنی کتاب مقدس کو
مافیا والوں کی دست برد سے بچانے کی راہ نکال لی تھی۔

زندگی کے اس موڑ پر مجھے یہ شرم ناک اعتراف کرنے
میں کوئی عار نہیں کہ میں نے اپنی پوری مجرمانہ زندگی میں کبھی مذہب
اور اس کی اخلاق پرور تعلیمات پر توجہ نہیں دی اور اسی عدم
توجہی کی وجہ سے جرائم اور گناہوں کی اس بھیانک دلدل میں
پھنستا چلا گیا جہاں مجھے اپنے بارے میں بھی فیصلے کرنے کا اختیار
نہیں رہا تھا۔ میرا مذہب، دین اور دھرم بس ان باتوں تک
محدود ہو کر رہ گیا تھا جو میں نے بچپن میں اپنے والدین کے
سایۂ عاطفت میں پڑھ لی تھیں اور وہ ذہن میں پیوست
ہو کر رہ گئی تھیں انہی میں سے ایک بات وہ بھی تھی جو
مولوی عبدالمجید نے بچپن میں زور دے کر مجھے سمجھائی تھی کہ مسلمان
اللہ کی نازل کی ہوئی چاروں کتابوں اور سارے نبیوں اور پیغمبروں
پر ایمان رکھتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتایا تھا کہ یہ اسلام کا معجزہ
تھا کہ اللہ کی آخری کتاب حافظوں کی بدولت صدیوں سے
جوں کی توں چلی آ رہی تھی جس میں نہ تحریف کی گئی تھی اور نہ
کوئی یہ جسارت کر سکتا تھا۔ جب کہ دوسری تینوں کتابوں میں
بار بار پادریوں، پروہتوں، کاہنوں اور ربیوں نے اپنے مفاد
اور مذہبی اقتدار کی خاطر ایسی ایسی ترمیمات کی تھیں کہ ان آسمانی
صحیفوں کی اصلیت ہی بدل کر رہ گئی تھی۔

بچپن میں ذہن میں پڑی ہوئی اس بات کی وجہ سے
مجھے یقین تھا کہ سیٹھ حبیب مجھ سے مافیا کی وفاداری کا حلف
لینے کے لیے جو انجیل مقدس منگوائے گا وہ انجیل ہرگز نہ
ہوگی، الفاظ، سطروں، صفحات، متن اور مفہوم میں من مانی تبدیلیوں
کے بعد وہ انجیل کے سوا کچھ بھی کہی جا سکتی تھی اس لیے اس
پر لیا ہوا حلف، حلف ہرگز نہ ہوتا۔ اسے میں جب چاہتا توڑ
سکتا تھا۔ مافیا میں شامل ہو کر بھی آزاد رہنے کے لیے یہ واحد
صورت تھی جو مولوی عبدالمجید کے بھولے بھٹکے حوالے سے
میرے ذہن میں نمودار ہوئی تھی اور یہ میری خوش نصیبی تھی
کہ سیٹھ حبیب مجھ سے انجیل پر حلف لینے پر تل گیا تھا۔

سیٹھ حبیب نے ایک مرتبہ پھر اپنے چہرے سے
نقاب اتار دی اور چند گہرے سانس لینے کے بعد اس نے
اپنی میز کی ایک نچلی دراز سے بائیبل نکال کر میز پر میرے
سامنے رکھ دی۔ بائیبل کے ابتدائی صفحات کے درمیان
رکھا ہوا کاغذ نکال کر اس نے اپنے سامنے میز پر رکھ لیا تھا

"اب تم اپنا داہنا ہاتھ بائیبل پر رکھ کر میرے ساتھ
لفظ بہ لفظ وہی کچھ دہراؤ گے جو میں کہتا جاؤں گا۔" اس نے
اپنے سامنے رکھے ہوئے کاغذ پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے کہا

میں نے جواب میں کچھ کہے بغیر بائیبل کی جلد پر ہاتھ
رکھ دیا اور سیٹھ حبیب نے رک رک کر مجھے اس کے ادا کیے
ہوئے الفاظ دہرانے کا موقع دیتے ہوئے کاغذ سے حلف
کے الفاظ پڑھنا شروع کر دیے جو تثلیث کے عقیدے اور
بائیبل کے حوالے سے ہوتے ہوئے مافیا کے مفادات پر
مرکوز ہو گئے۔ اس حلف نامے کا ایک ایک لفظ اپنی جگہ
اٹل اور ذو معنی تھا۔ برسہا برس پہلے جس کسی نے اس عہد نامے
کا مسودہ لکھا تھا، بہت سوچ سمجھ کر اس انداز میں لکھا تھا کہ
جرم کے خلاف قول، فعل اور عمل کی ہر وہ آزادی سلب کر لی
گئی تھی جس کے ذریعے جرم کی خفیف سی بھی نشان دہی ہوتی ہو
جرم کا ارتکاب کرنے والے کو قانون کے محافظوں یا معاشرے
کے امن پرور طبقوں سے کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال پیدا
ہو۔ رازداری اور قانون سے عدم تعاون پر اتنا زور دیا گیا
کہ اپنی برادری یا مافیا برادرہڈ سے باہر بیوی، بچوں، والدین، دوست
یا محبوبہ تک سے اپنی سرگرمیاں پوشیدہ رکھنے کا عہد لیا گیا
تھا۔ اپنی طویل زندگی میں میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بیسویں صدی
کے اس روشن خیال اور ترقی یافتہ معاشرے میں نامعلوم مجرموں

کوئی بین الاقوامی تنظیم ایسے قدامت پرستانہ حلف کے ذریعے اپنے کارکنوں کو رازداری کا پابند بناتی ہوگی جس کا ایک ایک لفظ جرم اور گناہ کے شیطانی جذبات سے مغلوب تھا۔ انفرادی جرم کی بات اور تھی۔ اس کا ارتکاب وقتی اشتعال یا کسی مجبوری کے تحت بھی ہو سکتا تھا۔ انفرادی مجرموں میں ایسی مثالیں ایسی ملتی تھیں کہ کسی بڑی واردات میں غیر متوقع طور پر کثیر دولت ہاتھ آنے کے بعد مجرم نے اپنے ماضی کو بھلا دیا ہو اور ڈکیتی میں ہاتھ لگنے والے سرمائے کے سہارے از سرِ نو ایک نیک نام زندگی کا آغاز کیا ہو لیکن مافیا نے اپنے جرائم کا تانا بانا اس طرح بنا ہوا تھا کہ اس کی صفوں میں شامل ہونے کے بعد ماضی یا جرم و گناہ سے تائب ہونے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی تھی۔ جرائم کی منصوبہ بندی سرپرستی اور ارتکاب کو ایک فن کا درجہ دے دیا گیا تھا جس پر نہ منصب اثر انداز ہو سکتا تھا نہ مالی حیثیت۔ مافیا کا گروہ بند بن جانے کے بعد تائب ہونے کا امکان ہی باقی نہیں رہتا تھا۔ آدمی جرم کرتے ہوئے اپنی طبعی موت کی آغوش میں جا پہنچتا اور اگر کسی مرحلے پر اپنا دامن آلودگی سے بچانا چاہتا تو خود اس کے ساتھی اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔

حلف کی تکمیل تک کئی ایسے مقامات آئے جہاں میرے بدن میں خوف سے پھریریاں سی دوڑ گئیں لیکن مجھے اطمینان تھا کہ میں اس کا پابند نہیں تھا کیونکہ میں نہ عیسائی تھا، نہ تحریف شدہ بائبل میرے نزدیک قابلِ اعتبار تھی۔

حلف مکمل ہوتے ہی سیٹھ حبیب نے کرسی چھوڑ دی اور باہر آ کر گرم جوشی سے میرے ساتھ بغل گیر ہو گیا۔ ”اب تم ہمارے دوست اور راز دار ہو۔ ہمارے مفادات اور دشمن آج کے بعد بلکہ اسی لمحے سے مشترک ہوں گے۔“

”یہ راز میرے لیے آج تک ناقابلِ فہم تھا کہ مافیا اتنی مدت سے کیوں زندہ ہے؟ ارب پتی اور اونچے عہدوں پر فائز لوگ اس کے لیے کیوں کام کرتے رہتے ہیں؟ لیکن آج میری نگاہوں پر سے پردے ہٹ گئے۔ بہت جلد وہ دن ضرور آئے گا جب عملاً دنیا میں ہر طرف مافیا کا راج ہوگا۔ ایسے سخت جانوں کے سامنے تو حکومتیں بھی نہ ٹھہر سکیں گی۔“ میں نے اس سے الگ ہوتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

”برازیل، چلی اور جنوبی امریکا کی بہتیری ریاستوں میں زمامِ اقتدار ہمارے ہاتھوں میں ہے۔“ اس نے اپنی کرسی پر واپس جاتے ہوئے فخر آمیز لہجے میں کہا۔ ”جرنیل اور صفِ اول کے کئی لیڈر ہمارے ہمدرد ہیں۔ شاید تمھیں یہ سن کر حیرت ہو کہ ہماری جڑیں صرف ان ملکوں میں گہری نہیں ہیں جہاں آمر حکمرانی کر رہے ہیں، کئی جمہوری ممالک بھی ہماری محفوظ ترین پناہ گاہیں ہیں۔

وہاں اسمبلیاں موجود ہیں لیکن وہ لوگ وہی قانون منظور کرتے ہیں جسے مافیا کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔“

”تم ایک ناقابلِ یقین بات کہہ رہے ہو۔“ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ”آمریت میں بہت آسانی ہوتی ہے کہ فردِ واحد یا دو تین افراد سے سودا کر لیا جائے لیکن پوری اسمبلیاں کس طرح مجرموں پر مشتمل ہو سکتی ہیں؟“

میرے سوال پر وہ عارفانہ انداز میں ہنسا۔ ”رفتہ رفتہ یہ سب باتیں تمھاری سمجھ میں آ جائیں گی۔“

”پھر بھی مجھے کچھ تو بتاؤ۔“ میں نے اصرار کیا۔ ”مجرموں کے انتخاب جیتنے کے بارے میں آج تک کچھ نہیں سنا گیا۔“

”ہم لوگ تو انتخاب جیت ہی نہیں سکتے۔“ اس نے اعتراف کیا۔ ”لیکن جو لوگ اپنی مالی مجبوریوں کے باوجود الیکشن جیتنے کے لیے بے چین ہوتے ہیں، ہم معاوضہ لے کر کھلے دل سے ان کی مدد کرتے ہیں اور بے دریغ پیسہ لٹا کر ان کے خوابوں کو دلکش حقیقت کا روپ دے دیتے ہیں پھر ہماری دلچسپی کے موضوعات پر زبانیں ان کی چلتی ہیں الفاظ ہمارے ہوتے ہیں، منصوبے وہ بناتے ہیں مفادات ہمارے پروان چڑھتے ہیں۔ بڑی محنت اور ریاضت کے بعد ہم نے چند ایوانوں میں اپنے ہمدردوں کی اکثریت پیدا کی ہے۔ ایسے لوگوں پر ہمیں اخبارات، ٹیلی وژن، جرائد و رسائل اور نجی محفلوں کے ذریعے مستقل سرمایہ کاری کرنی پڑتی ہے تاکہ لوگوں کی نظروں میں ان کے امیج کو بہتر سے بہتر بنایا جا سکے اور اگلے الیکشن میں بھی ان کی کامیابی یقینی ہو۔ ان بے چاروں کو علم بھی نہیں ہوتا لیکن ہم اپنے بنائے ہوئے شیشے کے ان نازک پتلوں کی دن رات حفاظت کرتے ہیں۔ ان کے مخالفین پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ ان میں سے جو سرکش اور زبان دراز نظر آئے اسے ہر قیمت پر سیاسی پیش منظر سے ہٹا دیتے ہیں خواہ اس کے لیے کوئی مالی یا اخلاقی اسکینڈل بنانا پڑے یا حادثے یا ذاتی دشمنی یا قاتلانہ حملے کے ذریعے اسے ہمیشہ کی نیند سلانا پڑے ہم اپنا مقصد حاصل کر کے رہتے ہیں۔“

”تم اتنے اعتماد سے یہ سب باتیں بتا رہے ہو جیسے ان فیصلوں میں تمھیں بھی شریک کیا جاتا رہا ہو۔“ میں نے قدرے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ سوال کیا۔

”میری جیل سے آزادی اس بات کا ثبوت ہے کہ مافیا بہت بارسوخ اور طاقتور ہے۔“ اس نے کہا۔ ”ان لوگوں کو کیا ضرورت ہے کہ مجھے جھوٹی کہانیاں سنائیں؟ میں نے جو کچھ سنا اس پر یقین کر لیا اور تمھیں شاید یہ معلوم کر کے اور زیادہ حیرت ہوگی کہ مافیا کسی ایک تنظیم کا نام نہیں ہے جس میں فردِ واحد کا حکم چلتا ہو۔“

"تو کیا یہ جمہوری قاتلوں کا ٹولا ہے جہاں کثرتِ رائے سے فیصلے کیے جاتے ہیں؟" میرے ذہن میں سوال ابھرا جو میں دریافت نہیں کر سکا کیونکہ بہ ظاہر میں خود انہی میں سے ہو چکا تھا اس لیے پوچھا "تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

"مافیا کا وطن سسلی ہے۔ ذرا سا اور بڑھ جاؤ تو یہ اٹلی میں کام کرتی ہے۔ اٹلی سے باہر جو لوگ مافیا کے وسائل سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں انھوں نے مدر مافیا سے باقاعدہ الحاق کیا ہوا ہے۔ مدر مافیا کے آپریشن دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں جنھیں اٹلی سے کنٹرول کیا جاتا ہے لیکن جن ملکوں میں الحاقی تنظیمیں موجود ہیں وہاں کے معاملات مقامی قیادت کی صوابدید پر چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ ہر چھوٹی یا مقامی مافیا کم و بیش ایک خاندانی تنظیم ہوتی ہے جس میں باپ کی موت پر بیٹا ڈان یا سربراہ بنتا ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ خاندان سے باہر کا کوئی فرد مافیائی سربراہی سنبھالے۔ مافیا کے حلف کی پاسداری کرتے ہوئے بہت سے ڈان آپس میں بھی برسرِ پیکار رہتے ہیں لیکن ان تنازعات میں قانون یا پولیس کو کبھی ملوث نہیں کیا جاتا۔ ان جھگڑوں میں شدت آ جائے تو فیصلہ اٹلی یا سسلی میں موجود سپر ڈان ہی کراتا ہے۔ اس کا فیصلہ آخری اور حتمی ہوتا ہے جس کی پابندی ہر فریق کے لیے لازمی ہوتی ہے۔ سپر ڈان کی اس روایتی بالادستی کے علاوہ ہر خاندان یا مافیا کا ہر یونٹ اپنے معاملات میں خود مختار ہوتا ہے جس کے لیے مقامی ڈان کو جواب دہ نہیں ہوتا۔"

"لیکن تمھارے لیے میلان سے ڈان تھری کو خصوصی اختیارات کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔" میں نے کہا۔

"تم بھول رہے ہو کہ پاکستان میں ہم ابھی تنظیمی مراحل سے گزر رہے ہیں۔ مدر مافیا والوں نے مجھے فرینکفرٹ کی جیل سے رہا کرا کے یہاں مامور کیا ہے۔ ابھی میں ڈان نہیں بنا ہوں بلکہ مقامی یونٹ کا چیف ہوں۔ میرا اپنے خاندان والوں اور اپنے وسائل سے رابطہ ٹوٹا ہوا ہے۔ میرے تمام ذاتی اور تنظیمی اخراجات اٹلی سے آ رہے ہیں۔ جس دن بھی ہم اپنے مالی اور انتظامی معاملات میں خود کفیل ہو گئے مجھے ڈان کا درجہ مل جائے گا جس کے بعد میں روایتی طور پر صرف سپر ڈان کو جواب دہ رہ جاؤں گا۔ ڈان تھری میرے ساتھ برابری کی بنیاد پر گفتگو کرنے پر مجبور ہوگا۔"

"حلف میں یہ ذکر بہت نمایاں ہے کہ باہمی مناقشات میں نہ قانون کا سہارا لیا جائے گا نہ اس بنا پر کسی بھی مجرم کو بلیک میل کیا جائے گا خواہ مافیا کو اس کی کتنی ہی بڑی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے لیکن تمھیں بلیک میل کر کے مافیا کے لیے کام کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ یہ امتیاز کیوں برتا گیا؟"

"حلف لینے کے باوجود تمھارے ذہن سے شکوک و شبہات کی دھند صاف نہیں ہو سکی ہے۔" اس نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ "میں تمھارے کسی سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں لیکن صرف تمھاری تسلی کے لیے بتا رہا ہوں کہ مجھے ذرا بھی بلیک میل نہیں کیا گیا۔ یہ ایک سیدھا سادا معاملہ تھا۔ میں فرینکفرٹ میں سزایاب ہو چکا تھا۔ وہاں جیل میں مافیا والوں نے رہائی کے عوض مجھے اپنے لیے کام کرنے کی پیشکش کی۔ میں انکار کر دیتا تو وہ مجھے بھول جاتے اور میں برسوں سال تک قید با مشقت جھیلتا رہتا۔ اپنی آزادی کی خاطر میں نے وہ پیشکش قبول کر لی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کسی بھی وقت میری نیت میں کوئی کھوٹ پیدا ہوا تو پولیس کو میری طرف متوجہ نہیں کیا جائے گا بلکہ کوئی نادیدہ سایہ اچانک میری زندگی کا چراغ گل کر دے گا۔ قانون کا خوف میرا اپنا ہے کیونکہ یہاں کی پولیس کو اگر میرے فرار کی بھنک بھی مل گئی تو وہ سارے وسائل یکجا کر کے مجھے فرینکفرٹ جیل کے جہنم میں دوبارہ جھونک دے گی جہاں قانون کے محافظ تو درکنار، عام قیدی بھی ہیروئن کے اسمگلروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔"

"میرے ذہن کی دھند رفتہ رفتہ ہی صاف ہوگی۔ میں مشین نہیں ہوں کہ ایک بٹن دباتے ہی ذہن کی سلیٹ ایک دم سادہ ہو جائے۔ شبہات کو اپنے ذہن میں پروان چڑھانے کے بجائے میں انھیں ہاتھوں ہاتھ صاف کر لینا بہتر سمجھتا ہوں۔"

"اب ہمارا رابطہ فون پر ہوا کرے گا۔" اس نے قدرے توقف کے بعد ایک کمرشل وزیٹنگ کارڈ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس کارڈ پر ٹریڈ لائن نامی فرم کے نام اور پتے کے ساتھ دو فون نمبر بھی موجود تھے۔ "یہ دونوں نمبر میرے ہیں۔ میں نہ رہوں تو سینڈو ضرور موجود رہتا ہے۔ تم بے خوف و خطر اسے ہر پیغام دے سکتے ہو لیکن یہ یاد رکھنا کہ میرے لیے صرف چیف کا لقب استعمال کرنا ہوگا۔ سیٹھ حبیب جیوانی تمھارے لیے ایک اجنبی نام بن جائے گا۔"

"اسی طرح فی الحال میں بھی صرف شنوٹر کہلانا پسند کروں گا۔ ڈیبی کے نام سے شی والے چوکنے ہو جائیں گے۔ میں ان پر بے خبری میں اپنا بھرپور وار کرنا چاہتا ہوں..."

"تم جیسا چاہو کر سکتے ہو لیکن میں تمھیں اتنا ضرور بتا دوں کہ دنیا میں کہیں بھی شی والوں نے مافیا کے کسی رکن سے براہِ راست الجھنے کی کوشش نہیں کی ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ "ہمارے ساتھ آ جانے کے بعد وہ تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔ ہمارا تم سے رجوع کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمھیں تحفظ فراہم کر سکیں۔"

"تحفظ کی بات رہنے دو۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ شی کے ...

بلاواسطہ ٹکرا کر بھی میں ابھی تک زندہ ہوں۔ دوسری بات یہ کہ میں کوئی غیر جانبدار شخص نہیں تھا جسے تم نے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ پہلے میں شی کے لیے سرگرمی سے کام کرتا رہا پھر اس کی قیادت سے باغی ہو گیا۔ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کے لیے ان کے پاس عذر ہے کہ تم نے ان کے باغی کو پناہ دی ہے۔ اس بہانے سے وہ میرے خلاف کوئی بھی کارروائی کر گزریں گے اور پھر سسلی والوں کو قائل کر دیں گے کہ اقدام درست تھا۔"

"یہ اس دفتر کی چابی ہے۔" اس نے شی کے موضوع پر بات بڑھائے بغیر ایک چابی میرے حوالے کر دی۔ "اس چابی کے ذریعے دن یا رات میں کسی بھی وقت تم اس دفتر میں داخل ہو سکتے ہو۔ میرے اس کمرے کے علاوہ ہر حصہ تمہارے تصرف میں ہو گا۔"

"تمہارے آدمیوں کے لیے میری شناخت کیا ہو گی؟" میں نے سوال کیا۔

"چابی کو غور سے دیکھو۔ یہ بہت اہم ہے اور یہی تمہاری شناخت بھی۔ چابی کے سوراخ کے گرد ایک ڈیزائن کی صورت میں پانچ دائرے بنے ہوئے ہیں جن میں مافیا کے پانچوں انگریزی حروف الٹی ترتیب میں نقش ہیں۔"

"یہ تو کسی کلب کی کلید معلوم ہوتی ہے۔" میں نے غور سے چابی کا جائزہ لیتے ہوئے تبصرہ کیا۔

وہ ہولے سے ہنس پڑا۔ "ہمارے کلب بھی ہیں۔ یہاں کراچی میں اپنے قدم جمانے کے لیے اس وقت بھی ہم نے ایک کلب کھولا ہوا ہے جہاں شہر کے بارسوخ افسران بڑے شوق سے آتے ہیں۔ اکثر افسران اپنی بیگمات کے بجائے اپنی جاننے والیوں کو ساتھ لاتے ہیں اور اب یہ سب ہماری مٹھی میں ہیں کیونکہ بند کمروں میں ہونے والی تمام سرگرمیوں کی وڈیو فلمیں بنتی ہیں۔ ان لوگوں سے جب بھی ہمیں کوئی کام لینا ہو گا یہ وڈیو فلمیں اہم رول ادا کریں گی۔"

"اور اس اڈے پر علاقے کی انتظامیہ کو کوئی اعتراض نہیں ہے؟"

"خفیہ ٹھکانوں کے بارے میں بے چاری انتظامیہ کیا کر سکتی ہے جب کہ انتظامیہ کے اہم کل پرزے خود وہاں موجود ہوتے ہیں۔ پھر شہر کے اس خوش پوش علاقے میں کسی کو اپنے پڑوس تک سے غرض نہیں ہوتی۔ بڑے بڑے احاطوں کے وسط میں بنا ہوا ہر مکان رازوں کا ایک جزیرہ ہے۔ اندر رات بھر شراب پی کر اودھم بھی مچایا جائے تو پڑوسیوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی پھر وہاں باقاعدہ آنے والی کئی گاڑیوں پر سرکاری نمبر پلیٹیں ہوتی ہیں۔ لوگ سرکاری معاملات میں مداخلت کے الزام سے ویسے ہی گھبراتے ہیں۔"

"چلو کسی مناسب موقع پر تمہارے کلب کی سیر بھی کر لی جائے گی۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "تم نے یہ نہیں بتایا کہ میرے لیے تمہارے آدمیوں کی کیا پہچان ہو گی؟ وہ گمبی گمبی والا احمقانہ قصہ اب ختم ہونا چاہیے۔"

"اسے تو ختم ہی سمجھو۔" اس نے میز کی دراز سے سو سو کے نوٹوں کی ایک سربند گڈی نکال کر میرے آگے ڈالتے ہوئے کہا۔ "اب تمہاری مرضی یا خواہش کے بغیر کوئی تمہاری نگرانی نہیں کرے گا۔ سب آدمیوں سے ابھی سینڈو تمہارا تعارف کرا دے گا۔ ان کے پاس کوئی شناختی نشان نہیں ہوتا۔ انھیں کسی بھی خاص مہم کے لیے ایک پاس ورڈ دیا جاتا ہے۔ اسی سے ان کی شناخت ہوتی ہے۔ یہ چابی میرے اور تمہارے علاوہ صرف سینڈو کے پاس ہے۔ اس کے ذریعے تم دنیا میں کہیں بھی مافیا والوں میں تعارف حاصل کر سکتے ہو۔ عرف عام میں ہم اسے کامیابی کی کلید کہتے ہیں۔"

میں نے نوٹوں کی گڈی بے پروائی سے اپنی جیب میں ڈال لی اور بولا۔ "کم از کم ایک آدمی ہر وقت میرے ساتھ رہنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ چند روز بعد میں اس کی ضرورت محسوس نہ کروں۔"

"اب سب تمہارے سامنے ہوں گے۔ جسے چاہو اپنی حفاظت پر مامور کر سکتے ہو۔"

"یہاں تک رسائی کے خفیہ راستے نہیں دکھاؤ گے؟" میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ میرا نجی راز ہے۔ اس میں میں تمہیں شریک نہیں کر سکتا۔" ڈان کو میں نے صرف احتراماً ان راستوں سے آگاہ کیا تھا بلکہ میں اسے یہ اطمینان دلانا چاہتا تھا کہ میں نے حفاظت کا پورا بندوبست کیا ہوا ہے۔

اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ معاملات طے ہو جانے کے بعد وہ زیادہ دیر تک وہاں بیٹھنے پر آمادہ نہیں تھا اس لیے میں نے خود ہی روانگی کا عندیہ ظاہر کیا اور اس نے ڈسک انسٹرومنٹ استعمال کر کے فوراً ہی سینڈو کو اندر طلب کر لیا جو شاید اپنے مالک کے حکم کے انتظار میں باہر دروازے سے لگا کھڑا تھا۔

"اب تم سب پیٹر واک کی کمان میں رہو گے۔" ڈان نے سینڈو کو ہدایات دینی شروع کر دیں۔ "تم بھول جاؤ کہ اس کا اصل نام ڈینی ہے۔ اب اس کا اصل نام پیٹر واک ہو گا لیکن صرف تمہارے لیے۔ آدمیوں میں یہ شوٹر کے نام سے پہچانا جایا کرتا ہے۔ اب اسے لے جاؤ اور ادب و احترام کے ساتھ اپنے آدمیوں سے ملوا دو۔ اس کی طرف سے کسی کے دل میں بغض یا کینہ باقی رہا تو میں اسے دیکھ لوں گا۔"

"تم بے فکر رہو چیف۔" وہ سر جھکا کر بولا۔ "میرے ہوتے

ہوئے کوئی دم بھی نہیں مار سکے گا۔ شابو کی میت تیار ہے، اگر شوٹر اس کی تدفین میں شرکت کرے تو دوسروں کے ذہنوں پر اچھا اثر پڑے گا۔"

"وہ اپنے فیصلے خود کرے گا۔" سیٹھ حبیب نے درشت لہجے میں اس کا مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ "وہ تم سے بہت سینئر اور تجربے کار آدمی ہے جو مناسب سمجھے گا، کرے گا۔"

"آؤ شوٹر!" اسینڈو نے مردہ سی آواز میں کہا اور سر جھکا کر نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے عجلت میں سیٹھ حبیب سے ہاتھ ملایا اور اس کے پیچھے ہو لیا۔ میری دانست میں وہ لڑنے بھڑنے والا ایک وفادار ماتحت ضرور تھا لیکن اس کی ذات میں قائدانہ صلاحیت کا فقدان تھا ورنہ اس کے ہوتے ہوئے سیٹھ حبیب کو مافیا کے قدم جمانے کے لیے مجھ سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

"شابو کی تدفین کہاں ہو گی؟" میں نے اس کے ہمراہ اوپری منزل کی طرف جاتے ہوئے سوال کیا۔

"میوہ شاہ لے جائیں گے جہاں گھپلے کے کام تھوڑے سے پیسے خرچ کر کے آسانی سے ہو جاتے ہیں۔" اس نے بتایا "ویسے بھی یہ باقاعدہ جنازہ نہیں ہو گا کفن پہنا کر اسے ایک بند پک اپ کے عقبی حصے میں ڈال کر لے جائیں گے۔"

"میت کو غسل دینا آتا ہے تم میں سے کسی کو؟" میں نے پوچھا۔ اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ "بس اچھی طرح صابن لگا کر نہلا دیا ہے مردے کو۔ غسل دینے کے لیے کسی کو بلاتے تو بات پھیل سکتی تھی، پولیس کیس بھی بن سکتا تھا۔ ایسے کاموں میں خرابی یہی ہوتی ہے کہ انجام بہت برا ہوتا ہے۔ شابو کو تو پھر بھی قبر مل جائے گی۔ شرف آباد کے مقابلے میں ہمارے جو آدمی مارے گئے تھے ان کی لاشیں تو ہم نے بھاری پتھروں سے باندھ کر نیٹی جیٹی کے پل سے گہرے پانی میں گرا دی تھیں۔ مچھلیاں آناً فاناً میں ان کے جسموں کا ایک ایک ریشہ نوچ کر کھا گئی ہوں گی اور اب وہاں ہڈیوں کے ناقابل شناخت ڈھانچے باقی رہ گئے ہوں گے۔"

میں پھریری لے کر رہ گیا۔ دوسروں کے بڑے مفادات اور اپنی روزی کی خاطر جو لوگ ساری عمر گناہوں اور جرائم کی فصلوں کو سینچتے رہتے تھے، مرتے ہی کس قدر بے لبس اور غیر اہم ہو جاتے تھے کہ انہیں رسمی طور پر بھی اپنے مذہبی عقائد کا سایہ تک میسر نہیں آتا تھا۔ ناپاکی کی حالت میں بے گور و کفن مرتے تھے اور اسی حالت میں اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں سمندر برد کر دیے جاتے تھے یا رشوت سے خریدے ہوئے کسی بے نام گڑھے میں دبا دیے جاتے تھے۔

اوپری منزل کا خاصا رقبہ ان لوگوں کے تصرّف میں تھا۔ جس ہال میں میرا اسینڈو اور اس کے ساتھیوں سے دست بہ دست مقابلہ ہوا تھا، لڑتے ہوئے اس ہال کی جزئیات پر میں ذرا بھی توجہ نہیں دے سکا تھا لیکن شاید پہیوں پر حرکت کرنے والے چوبی پارٹیشن ہٹا کر اسے ہال کی شکل دی گئی تھی۔ اب وہ پارٹیشن اپنی جگہوں پر واپس لائے جا چکے تھے جس کے نتیجے میں وہاں متعدد چھوٹے کیبن وجود میں آ گئے تھے۔ دور افتادہ سرے پر دیوار کی پوری چوڑائی میں چھت کی بلندی تک لا کر زینے بنے ہوئے تھے غالباً وہی ہال ان لوگوں کی رہائش کے لیے استعمال ہوتا تھا کیونکہ کئی کیبنوں سے لوگوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان کی اونچی آوازوں اور جارحانہ لہجوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان میں سے کسی کو اس بات کی زیادہ پروا نہیں تھی کہ تھوڑی دیر پہلے ان کا ایک ساتھی مارا گیا تھا جس کی صابن سے غسل دی ہوئی لاش اب روانگی کے لیے تیار تھی۔

"ہم سب ان کمروں میں رہتے ہیں۔" سینڈو مجھے یہ بتاتے ہوئے ایک کیبن میں داخل ہو گیا۔ "ہر شخص کو علیحدہ کمرا ملا ہوا ہے کچھ دن بعد ہی سب کو یہاں سے شہر کے مختلف علاقوں میں منتقل کر دیا جائے گا۔"

اس کیبن میں داخل ہوتے ہی میں اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گیا کیونکہ سامنے فولڈنگ مسہری پر سفید لٹھے کا ایک پھولا ہوا تھیلا پڑا ہوا تھا جس کے دونوں سرے لٹھے ہی کی دھجیوں سے باندھ دیے گئے تھے۔

"تم نے یہ تھیلا سی کر شابو کی لاش اس میں ڈالی ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"ہمارے کئی ساتھیوں کا خیال تھا کہ کفن سیا نہیں جاتا لیکن وہ بھی کفن پہنانے کی صحیح ترکیب نہ بتا سکے ہر بار اٹھاتے ہوئے شابو کی لاش کفن میں سے باہر لڑھک آتی تھی اس لیے مجبوراً میں نے تھیلا سلوا دیا تاکہ کسی نازک موقع پر لاش اچانک سامنے نہ آ سکے ایک بار اسے قبر میں ڈال کر مٹی دے دی تو پھر کوئی خطرہ باقی نہیں رہے گا۔"

میں خاموش کھڑا دل ہی دل میں شابو کی مغفرت کی دعائیں پڑھتا رہا۔ اس دوران میں پتلی چوبی دیواروں کے درمیان بنی ہوئی راہداری سے آہٹیں سنائی دیتی رہیں پھر کوئی کیبن میں آ گیا۔ میں تیزی سے پلٹا اور میری نگاہیں نووارد کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ وہ ان چاروں میں شامل تھا جو اسی ہال میں مجھے گھیر کر بے لبس کرنے پر مامور کیے گئے تھے۔

مجھے پہچان کر اس کے چہرے پر بھی تلخی ابھر آئی تھی لیکن سینڈو نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے ہم دونوں میں سے کسی کے بولنے سے پہلے ہی بات سنبھال لی۔ "یہ میرا ساتھی

گل ہے۔ اپنے بازوؤں کی قوت سے تین بار بپھرے سانڈوں کے سینگ جڑ سے اکھاڑ چکا ہے۔ اس کی فائٹنگ پر لاکھوں روپے کی شرطیں لگا کرتی تھیں اور گل! یہ ہمارے نئے سربراہ مسٹر شوٹر ہیں جن کی بے پناہ پھرتی کا مظاہرہ تھوڑی دیر پہلے ہم خود دیکھ چکے اب ہم براہِ راست ان ہی کی کمان میں کام کریں گے۔ چیف کو جواب دہ ہوں گے۔"

سینڈو کی بات کے درمیان ہی عجائب گل کے تیور نرم تھے اس لیے میں نے درمیان میں ہی اس سے ہاتھ ملایا عجائب گل نے احترام آمیز نرمی کے ساتھ میرا بڑھا ہوا قبول کر لیا۔ "مجھے افسوس ہے عجائب گل!" میں نے اس ہاتھ ملاتے ہوئے نرمی سے کہا۔ "کہ ہمارا ابتدائی تعارف انداز میں ہوا مگر وہ چیف کا فیصلہ تھا جس سے کوئی نہیں کر سکتا تھا جو تمہارا پرانا ساتھی رہا ہوگا اور اب ہوتا تو میرا بھی ساتھی ہوتا۔ مجھے دکھ ہے کہ وہ میرے ہاتھوں مارا گیا۔ میں مجبور تھا۔ اگر میں وحشیانہ اور جنونی انداز نہ لڑتا تو تم چاروں میری تکا بوٹی کر ڈالتے۔"

"شوٹر خان! تم نر آدمی ہے۔" عجائب گل نے شاید عادت میرے لقب کے ساتھ خان کا لفظ جڑ دیا۔ ہم کو بھی معاف کر دو۔ ہم نے تم پر ہاتھ اٹھایا اور بدتمیزی کی قسم پروردگار کا۔ ہم کو نہیں معلوم تھا کہ تم کون ہے۔ سینڈو بابا نے بولا کہ تمہیں مارنا ہے اور ہم مقابلے پر آ گیا۔"

"اب سب کچھ بھول جاؤ یہ یاد رکھنا کہ شوٹر سے وفاداری اب سب کچھ ہے۔" سینڈو نے دخل اندازی کرتے ہوئے ہم دفتر میں جا رہے ہیں۔ سب آدمیوں کو وہیں لے آؤ، صاحب اپنے آدمیوں سے ملنا چاہتا ہے۔"

عجائب گل الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔ ہم دونوں بھی سے نکل آئے۔ میں نے سینڈو کو بتا دیا تھا کہ روانگی سے پہلے میرے لیے بھیگا اور مسلا ہوا لباس تبدیل کرنا ضروری تھا

سرخ کار دیکھ کر میز نائن فلور کے ریمپ کی نگرانی پر بیٹھے ہوئے چوکیدار نے رکاوٹ نہیں ہٹائی تو مجھے اس پر غصہ ہو نورا ہی کافور ہو گیا۔ میز نائین فلور عام پارکنگ کی جگہ تھی سرخ کار چوکیدار کے لیے اجنبی تھی اور جب تک ہیڈ لیمپس گل کر کے کیبن لائٹ آن نہ کرتا وہ مجھے نہیں پہچان سکتا تھا۔

چوکیدار مجھے کچھ بتانے یا مجھ سے کچھ دریافت کرنے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ کر میری طرف آ رہا تھا کہ میں نے اس سہولت کے لیے کیبن لائٹ آن کر دی اور اسی لمحے اچانک میری نگاہ داہنی طرف سڑک کے کنارے پارک کی ہوئی جہانگیر کی کار پر پڑی تو میرے فرشتے کوچ کر گئے کیونکہ اس شام سلمٰی میرے فلیٹ پر دھاوا بولنے کا تہیہ کیے بیٹھی تھی۔ میں نے اس سے فون پر بات کر کے اپنی دانست میں اسے کامیابی کے ساتھ ٹال دیا تھا۔ دوسری طرف میں جہانگیر کو بھی ادھر آنے سے منع کر چکا تھا۔ ان احتیاطی اقدامات کے باوجود جہانگیر کی گاڑی کی وہاں موجودگی تشویش ناک تھی۔

اسی اثنا میں چوکیدار نے میری نئی کار کے ہیڈ لیمپس کی زد سے باہر آتے ہی کیبن میں پھیلی ہوئی روشنی میں مجھے پہچان لیا تھا اور راستے سے ہی واپس لوٹ کر ریمپ کے داخلے پر سے رکاوٹ ہٹا دی تھی۔ میں کار کو آہستگی کے ساتھ میز نائین فلور پر لیتا چلا گیا جہاں جہانگیر سے مستعار لی ہوئی کالی شیراڈ پہلے سے موجود تھی۔

اس وقت میرے ذہن میں ایک کشمکش برپا ہو چکی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں جہانگیر کے ساتھ سلمٰی کا سامنا کرنے کا ارادہ کر کے اپنے فلیٹ میں جاؤں یا نیچے اتر کر خاموشی سے کہیں غائب ہو جاؤں۔

کار سے اتر کر دروازہ لاک کرتے ہوئے مجھے یکا یک اپنی خوش اخلاق پڑوسن سیما کا خیال آیا۔ اس فلور پر صرف ہم دونوں رہتے تھے۔ اپنی تنہائی کی وجہ سے وہ میری فکر میں لگی رہتی تھی کیونکہ اس طرح اس کی تنہائی دور ہو جاتی تھی۔ ڈی ڈی کی براہِ راست فون کال اور پھر عمارت میں ہونے والی لوٹ مار سے وہ اس قدر خوفزدہ تھی کہ عمارت سے باہر نکلنے کی ہمت ہی نہیں کر سکتی تھی اس لیے مجھے اس سے اپنے فلیٹ کے بارے میں کچھ خبریں مل سکتی تھیں۔

میں نے میز نائین فلور سے چند زینے طے کیے اور اس کے فلیٹ کی ڈور بیل بجا دی۔ مجھے اس کی ذہنی کیفیت کا بخوبی اندازہ تھا اس لیے کئی سیکنڈ گزر جانے کے باوجود میں خاموشی سے انتظار کرتا رہا۔ آخر کار اس نے بند دروازے کے عقب سے سہمی ہوئی آواز میں استفسار کیا اور میری آواز سنتے ہی دروازہ کھول دیا۔ میرے اور اس کے مراسم میں اتنی بے تکلفی پیدا ہو چکی تھی کہ میں نے اس کی دعوت کا انتظار کیے بغیر اندر داخل ہو کر دروازے کا دہرا لاک لگا دیا۔

"تم اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟" سیما نے غور سے میرا جائزہ لیتے ہوئے تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"اپنے ان ہمدردوں سے مل کر آ رہا ہوں جنھوں نے کل رات اپنی جان پر کھیل کر ہمارے دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیے تھے۔" میں نے اندر صوفے پر دراز ہو کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ سیما کے گلابی ہونٹ فرطِ حیرت سے دائرے کی صورت

میں ٹیم وا ہو گئے۔" تو وہ تمہارے دوستوں کی لڑائی تھی جس نے
ہر طرف آگ اور خون پھیلا دیا؟"
میں فوراً ہی سنبھل گیا" میری کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے
تم نے خود دیکھ لیا کہ سارا چکر سلور آئی کے حصول کے لیے چلایا گیا
تھا۔ اب انہی میں سے ایک فریق میری ہمدردی کا دعویٰ
کر بیٹھے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟"
"مجھے تو تم بھی اتنے سیدھے نظر نہیں آتے جتنا بننے کی کوشش
کرتے ہو!" وہ نظریں تیکھی کر کے اٹھلاتے ہوئے بولی۔۔۔
"سلور آئی تو اپنی جگہ ہے مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ میری چھٹی حس
کہتی ہے کہ کل رات یہاں جو آتش زنی ہوئی اور اندھیرے میں
خون خرابے کے بعد لوٹ مار ہوئی اس میں تمہارا بھی کوئی نہ
کوئی اہم کردار تھا۔"
"میں صرف اور صرف پیٹر واک ہوں!" میں نے سنجیدگی
کے ساتھ کہا" تنہائی میں جب خوف اور خیالات کی یلغار
ہونے لگتی ہے تو چھٹی کیا کبھی کبھار ساتویں حس بھی ہذیان بکنے
لگتی ہے اس لیے ان خرافات کو بھول کر مجھے یہ بتاؤ کہ میرے
فلیٹ میں اس وقت کیا صورتِ حال درپیش ہے؟ تم نے
ادھر ضرور نگاہ رکھی ہوگی۔"
"ساڑھے آٹھ بجے سے جہانگیر وہاں آیا ہوا ہے!" اس
نے انکشاف کیا۔
"میں نیچے اس کی گاڑی دیکھتا ہوا آیا ہوں؟ وہ تمہاری طرف
بھی آیا تھا؟"
"نہیں!" وہ اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے بولی" اس کی بیوی
اس کے ساتھ ہے۔ یہ سن کر مجھے شدید غصہ آیا تھا کہ وہ شادی
شدہ ہونے کے باوجود اس قدر بے راہ روی کا شکار ہے۔"
"زیادہ غصہ کرنے سے سر کے بال جھڑنے لگتے ہیں۔ یہ
بتاؤ کہ تمہیں اس کی بیوی کی آمد کا علم کیسے ہوا؟" سلمیٰ کی موجودگی
کی تصدیق ہوتے ہی مجھے اپنے پیٹ میں گرہیں سی پڑتی ہوئی
محسوس ہونے لگی تھیں۔
"پہلی فرصت ملتے ہی جہانگیر نے مجھے فون کیا تھا۔
تمہاری کار سیز نائین فلور پر موجود تھی اس لیے اس کا خیال تھا
کہ تم میرے ساتھ موجود تھے۔ میں بمشکل اسے اپنی سچائی کا
یقین دلا سکی پھر اس نے مجھے بتایا کہ اس کے ساتھ اس کی بیوی
بھی آئی ہوئی ہے اس لیے میں تمہارے فلیٹ کا رخ نہ کروں۔
اس کا تو ضمیر مجرم ہے لیکن میرے لیے اس کی ہدایت توہین آمیز
تھی۔ اب تو میں کبھی اس کے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہیں کروں گی۔"
"کہیں اور تھوک لینا۔ یہ بعض اوقات ناگزیر ہو جاتا
ہے۔" میں نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا" تم جہانگیر کی بیوی
سے واقف نہیں ہو۔ اس سے میری بھی روح فنا ہوتی ہے وہ
جب چاہے جہانگیر سے میری من گھڑت شکایت کر کے
دوستانہ تعلقات ہمیشہ کے لیے ختم کرا سکتی ہے۔۔۔"
"تم اس سے اتنا کیوں ڈرتے ہو؟ کیا تمہارے اور
جہانگیر کو تم پر اعتماد نہیں ہے؟" وہ تنک کر بولی۔
"عورت کے معاملے میں مرد اندھا بہرا بن جاتا ہے
اسے معلوم ہے کہ میں اس کی عدم موجودگی میں بھی
جاتا رہتا ہوں اور کبھی کبھار دھمکی بھی دے دیتا ہوں
میں آنسو لا کر جہانگیر سے صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے
اس کے ساتھ دست درازی کرنے کی کوشش کی تھی تو وہ
بے اس الزام کی تصدیق کیے بغیر میرا دشمن ہو جائے گا
کو اپنا غلام بنائے رکھنے میں عجیب لذت محسوس کرتی
اس معاملے میں بڑی فراست سے کام لیتی ہے۔ اب یہاں
دونوں سے ملنے جا رہا ہوں میرے حق میں خیر کی دعا کرنا
اس کے فلیٹ سے نکل کر میں اس وقت تک
راہداری میں کھڑا رہا جب تک سمانہ نے اپنے فلیٹ کا دروازہ
مقفل نہ کر لیا پھر دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنی چابی
فلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔
"آؤ... آؤ!" اندر قدم رکھتے ہی سلمیٰ کی چہکتی ہوئی آواز
نے میرا خیر مقدم کیا تھا" اپنی دانست میں تو تم نے ہم
جان چھڑالی تھی؟"
"اوہ! تم لوگ یہاں کب اور کیسے پہنچے؟" میں نے
حیرت کی اداکاری کرتے ہوئے کہا" میں نے تو تمہیں بتایا
تھا کہ آج شام میں گھر پر نہیں رہوں گا۔"
"تمہارا خیال تھا کہ میں تمہارے بہانوں پر یقین کر
گی!" وہ مجھے گھورتے ہوئے تیز لہجے میں بولی" لیکن میں نے
تمہارا جھوٹ پکڑنے کا ایکا ارادہ کر لیا تھا۔ آخر تم ہم لوگوں
سے دور کیوں بھاگنے لگے ہو؟"
"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے سلمیٰ!" میں نے ڈرائنگ
میں داخل ہوتے ہوئے مفاہمانہ لہجے میں کہا" میں کئی بار
چکا ہوں کہ کراچی میں تم دونوں کے علاوہ میرا کون سا
اور غم گسار باقی نہ رہ گیا ہے جو میں تم سے دور بھاگتا پھروں
یہ میری بدقسمتی ہے کہ تم نے میرے بارے میں ایک
فرض کر لی ہے اور ہر وقت اس کی تصدیق کی کوشش میں
رہتی ہو۔ شاید اس بارے میں تم کو جہانگیر بھی میری مجبوری
کا احساس دلانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔"
"مجھے بیچ میں نہ گھسیٹو!" جہانگیر نے دونوں ہاتھ
میں بلند کر کے کہا" مجھے سلمیٰ نے تمہارا پیغام دیا تھا
ہی یہاں آنے کی ضد بھی کی تھی۔ میرے پاس تمہارے
کی چابی موجود تھی اس لیے ہم اندر بیٹھے تمہاری واپسی کا انتظار

کرتے رہے۔ سلمیٰ سے اپنا جھگڑا تم خود نمٹاؤ۔ میں اس معاملے میں قطعی غیر جانبدار رہوں۔"
جہانگیر کے اس احمقانہ رویئے پر میرا خون کھول کر رہ گیا۔ اس کی ساری مردانگی کے باوجود وہ پکا زن مرید ثابت ہو رہا تھا۔ شاید اس وجہ کا تعلق اولاد کے نہ ہونے سے رہا ہو۔ میں لاکھ اس کا قریبی دوست اور ساتھی سہی لیکن اس کی بیوی کے لیے ایک غیر مرد تھا مگر جہانگیر اسے یوں میرے سر ڈال رہا تھا جیسے سلمیٰ سے اس کے مقابلے میں میرا زیادہ گہرا تعلق ہو اور سلمیٰ تو ہمیشہ سے ہی میرے سر پر سوار ہونے کی کوشش کرتی چلی آئی تھی۔ جہانگیر کے تبصرے سے وہ شیر ہو گئی۔
"مجھے اپنی مجبوریوں کا چکر نہ دو اور سچ سچ بتا دو کہ اس وقت کہاں مزے اڑا رہے تھے۔ مجھے پتا ہے کہ تم کہیں نہیں گئے ہو گے، اسی بلڈنگ کے کسی فلیٹ میں ڈیرا جما رکھا ہو گا۔"
لمحے بھر کے لیے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں وہ سیما کے وجود سے باخبر نہ ہو گئی ہو۔ اسی لیے میری نگاہیں جہانگیر کی طرف اٹھیں اور اس نے بے بسی کے ساتھ آنکھ سے اشارہ کیا کہ اس نے اس بارے میں سلمیٰ کو کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ گھر کے اس بھیدی کی طرف سے یقین دہانی مل جانے کے بعد میرے لہجے میں اعتماد بحال ہو گیا۔
"اول تو میں باہر گیا ہوا تھا اور اگر اسی بلڈنگ کے کسی فلیٹ میں بھی تھا تو تمھیں ایسے نازک موضوع کو نہیں چھیڑنا چاہیے۔ پھر بھی میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تمھارے شبہے کی بنیاد کیا ہے؟"
وہ ایک لحظے کے لیے چڑھتے ہوئے سانسوں کے ساتھ مجھے گھورتی رہی پھر بولی۔ "تمھاری کار میزنائین فلور پر موجود تھی پھر تم باہر کیسے چلے گئے؟" اس کے فاتحانہ لہجے میں پُراعتماد چیلنج پوشیدہ تھا۔
میں بے اختیار ہنس پڑا اور اپنا سر جھٹکتے ہوئے بولا۔ "جاؤ ٹھنڈے پانی میں لیمن اسکواش بنا کر ایک گلاس خود پیو اور ہم دونوں کو بھی پلاؤ پھر میں تمھارا یہ وہم بھی دور کر دوں گا۔ میرے پاس ایک اور گاڑی آ گئی ہے۔"
"گاڑی کہاں سے خرید لی تم نے؟ تمھاری ساری رقم تو میرے پاس رکھی ہوئی ہے۔ تمھارے پاس جیب خرچ کے لیے واجبی سی رقم رہ گئی تھی۔ اس سے تو گاڑی نہیں خریدی جا سکتی تھی۔"
"ضروری نہیں کہ گاڑی خریدی ہی جائے۔ آج کل تو نئے ماڈل کی گاڑیاں چرانا بھی فیشن بن گیا ہے۔ تمھاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے چوری نہیں کی بلکہ نوکری کر لی ہے۔ گاڑی کمپنی کی طرف سے ملی ہے۔"
"کیا واقعی؟" جہانگیر تحیر آمیز لہجے میں بول پڑا۔ "کہاں نوکری کر لی تم نے؟"
"یہ ایک اور عجوبہ ہے ہمارے لیے۔" سلمیٰ ملامت آمیز لہجے میں بولی۔ "تمھارے پاس اپنی فیکٹری اور اثاثوں کی فروخت سے حاصل ہونے والی خطیر رقم زرِ مبادلہ کی صورت میں موجود ہے۔ تم خود اپنا کوئی کاروبار شروع کر سکتے تھے یا جہانگیر کے ساتھ ہی فیکٹری میں شراکت کر سکتے تھے۔ دوسروں کی غلامی کرنے کی کیا ضرورت تھی تمھیں؟"
اس کی زبان بند کرانے کے لیے ضروری ہو گیا کہ میں گفتگو کو کوئی سنجیدہ موڑ دوں جس کا موقع سلمیٰ نے خود ہی فراہم کر دیا تھا۔ "غزالہ کو کھو دینے کے بعد زندگی بے کیف ہو گئی ہے۔" میں نے اپنا لہجہ بوجھل ہوتا محسوس کیا۔ "مجھے پہلی بار احساس ہوا ہے کہ دوسروں پر صرف حکمرانی کرنا ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔ کبھی کبھار خود کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھی زندگی کا لطف آتا ہے بالکل اسی طرح جیسے شراب تلخ ضرور ہوتی ہے لیکن اس کا نشہ پُرسرور ہوتا ہے۔ اپنے باس کے دیئے ہوئے کاموں کو خوش اسلوبی سے مکمل کر کے شاید میں اپنی وہ خود اعتمادی دوبارہ حاصل کر لوں جو غزالہ کی ذات سے محروم ہو کر میں نے گنوا دی ہے۔"
"غزالہ!" سلمیٰ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "کاش! تم اسے اپنے ذہن کی سطح سے کھرچ سکو۔ مگر وہ بھی اتنی معصوم نہیں ہے جتنی بنتی ہے۔ جاتے جاتے بھی تمھارے دل میں امید کی ایک موہوم سی کرن پیدا کر گئی۔ اگر وہ تمھارے ساتھ مخلص اور اپنی نئی زندگی سے خوش ہوتی تو یہ ہرگز نہ کہتی کہ محبت وہ روگ ہے جو ایک بار کسی کو لگ جائے تو پھر قبر کے کیڑے بھی اس روگ کو نہیں مٹا سکتے...!"
"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے اداس لہجے میں کہا۔ "ہم صدیوں پرانی ایک مثلث کے دو کونے ہیں جن کے درمیان تیسرا کونا دلدار آغا کی ذات ہے۔ غزالہ نے اس سے شادی کر لی ہے لیکن میری محبت کی چنگاریاں آج بھی اس کے دل میں کہیں نہ کہیں سلگ رہی ہیں۔ وہ نہ مکار ہے اور نہ دغاباز۔ جو حقیقت تھی وہ اس نے مجھے بتا دی۔ اب یہ میرے اپنے دل کی بات ہے کہ اسے بھلا دوں یا یہ دستور پوجتا رہوں لیکن میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں کہ میں بے بس ہو کر رہ گیا ہوں جس قدر اسے بھلانے کی کوشش کرتا ہوں اسی قدر شدت سے اس کی یادیں سراپا مجسم ہو کر میرا پیچھا کرتی ہیں۔ میں جب کسی عورت سے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہوں اس کا معصوم سوالی چہرہ اچانک سامنے آ جاتا ہے۔"
میرے آخری فقرے کسی حد تک سچے تھے۔ پوری

طرح نہیں۔ ان کے سہارے میں نے جہانگیر کی موجودگی میں سلمیٰ کو یہ سمجھانا چاہا تھا کہ وہ میری آرزو اپنے دل سے نکال دے کیونکہ میرے دل کی گہرائیوں میں غزالہ کا نام بسا ہوا تھا۔

"ویسے یار مجھے حیرت ہے!" جہانگیر نے گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔ "اس قدر جہاں دیدہ اور روشن خیال ہوتے ہوئے بھی تم اسی ایک نام کی مالا جپ رہے ہو جو تمہارے دل کے لیے ایک ناسور بن گیا ہے۔ زندگی کا ہر وہ لمحہ جو گزر گیا دوبارہ نہیں آئے گا اور زندگی کے کسی موڑ پر جب اچانک تمہیں نقصان کا احساس ہو گا تو اپنے ماضی پر نظر ڈال کر تم افسوس کرتے رہ جاؤ گے کہ تمہارا جو دور رفاقت اور محبت کو پروان چڑھانے والا تھا وہ تم نے ایک سائے کا تعاقب کرتے ہوئے گزار دیا اور سایہ بھی وہ جو تمہارا اپنا نہیں کسی اور کا ہے"

اس لمحے اچانک فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ سلمیٰ نے فوراً ریسیور اٹھا لیا کیونکہ وہ فون کے قریب ہی موجود تھی پھر میں نے اس کی پیشانی پر بل نمودار ہوتے دیکھے اسی کے ساتھ وہ معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس صورت حال پر جہانگیر کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

"ہولڈ کرو!" سلمیٰ نے چند ثانیوں تک دوسری طرف کی بات سننے کے بعد سخت لہجے میں کہا اور ریسیور رکھتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہو کر بولی۔ "دیکھو تمہارا منظور نظر معلوم ہوتا ہے۔"

فون پر میں اس کی آواز سن کر حیران رہ گیا۔ اگر اس نے خود سلمیٰ کو اپنا نام نہیں بتایا تھا تو سلمیٰ کے قیاس کی داد دینی پڑتی تھی کیونکہ وہ سلطان شاہ ہی تھا۔

"شاید جہانگیر کی بیوی تم سے ملنے آئی ہوئی ہے؟" میری آواز پہچان کر اس نے کہا تھا۔

"ہاں! تم سناؤ کیا حال ہے؟ اس وقت کیسے فون کیا ہے؟ گیارہ بج رہے ہیں۔"

"اسی وقت فون کرنے کی فرصت ملی ہے، میرے پاس تمہارے لیے کچھ گرما گرم خبریں ہیں۔ میں تمہارے پاس آنا چاہ رہا تھا لیکن مشکل یہ ہے کہ اس وقت میرا پیچھا کیا جا رہا ہے اور تمہارے پاس ایک مہمان آئی ہوئی ہے۔" اس کی آواز دھیمی تھی، پس منظر سے ابھرنے والی ملی جلی آوازوں سے پتا چل رہا تھا کہ وہ کسی پبلک کال آفس سے فون کر رہا تھا۔

"تمہیں کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟" میرے لیے یہ انکشاف حیرت انگیز ثابت ہوا تھا۔

"فی الحال تو خطرہ نظر نہیں آ رہا۔ بس وہ میرا پیچھا کر رہا ہے۔ میں دو بار اسے جل دینے کی ناکام کوشش کر چکا ہوں لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔ وہ بہت چالاک معلوم ہوتا ہے۔"

"تم جہاں ہو وہاں کا پتا سمجھا کر وہیں ٹھہرو، میں آ کر پہنچتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" اس نے دھیمے مگر سخت لہجے میں کہا۔ "میرا اندازہ ہے کہ وہ مجھے گھر پہنچا کر لوٹ جائے گا۔ اس سے الجھنے کی صورت میں وہ لوگ ہوشیار ہو جائیں گے۔ ویسے ابھی تک اسے اندازہ نہیں ہو سکا ہے کہ میں اپنے تعاقب سے باخبر ہو چکا ہوں۔ موقع ملا تو رات گئے تمہارے پاس آؤں گا۔ سلمیٰ رات کو تو تمہارے فلیٹ پر نہیں ٹھہرے گی؟"

"نہیں!" میں نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میری یک طرفہ گفتگو سن کر وہ دونوں ہی تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جہانگیر کو تو پھر بھی میری مصروفیات کا اندازہ تھا لیکن سلمیٰ کو اپنے شبہات حقیقی روپ میں نظر آنے لگے تھے۔ اس لیے وہ زیادہ حیران و پریشان نظر آ رہی تھی۔

"تم جس وقت چاہو آ سکتے ہو۔ تم نے مجھے فکر مند کر دیا ہے۔" میں نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ویسے وہ گرما گرم خبریں کیا ہیں؟ ابھی سے مجھے کچھ اندازہ ہو جائے۔"

"فون پر نہیں بتا سکتا، ملوں گا تو بات ہو گی۔" اس کی دھیمی آواز ابھری۔ "میں پبلک کال آفس سے بول رہا ہوں۔ یہاں کچھ اور لوگ بھی میرے بعد اپنی باری کے منتظر ہیں۔ تفصیلی گفتگو نہیں ہو سکتی۔"

"میرا مشورہ ہے کہ رات کو گھر سے نہ نکلنا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں گھر پہنچانے کے بعد بھی نگرانی کا سلسلہ برقرار رہے۔ ایسا ہوا تو تم دشواریوں میں پڑ جاؤ گے۔"

جواب میں اس کی ہلکی سی تلخ ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "تمہیں معلوم ہے کہ آج کل شہر کے حالات کس قدر مخدوش ہیں۔ ایم... کے قتل پر جو فساد ہوا تھا وہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ ساری رات تو کیا وہ چند گھنٹوں کے لیے بھی میرے گھر کے قرب و جوار میں ٹھہرنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔"

"پتا نہیں تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"سیدھی سی بات ہے۔ شہر میں آج کل زبان کی بنیاد پر لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ اس سے میرا کام آسان ہو جائے گا۔ میں پٹھان ہوں اور چھوٹے چھوٹے مکانوں والی پٹھان آبادی میں رہتا ہوں جہاں جگہ کی تنگی اور گرمی کی وجہ سے زیادہ تر مرد گھروں سے باہر کھلے آسمان کے نیچے سوتے ہیں۔ میرا پیچھا کرنے والا جو کوئی بھی ہو سو...

پٹھان ہرگز نہیں لگتا۔ وہ میرے گھر کے آس پاس منڈلاتا رہا تو علاقے کے لوگ اسے مشتبہ سمجھ کر پکڑ لیں گے اور پھر اس کے ہاتھ پیر توڑ کر اسے ندی میں پھینک دیں گے۔ میری طرح یہ بات وہ بھی جانتا ہوگا اس لیے تم فکر نہ کرو، میں رات گئے گھر سے نکلوں گا تو میدان بالکل صاف ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہارا انتظار کروں گا۔" میں نے اس کے ماہرانہ دلائل کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ میں ریسیور رکھ کر پلٹا تو سلمیٰ نے مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ میرے یک طرفہ مکالمات سن کر وہ بے انتہا تجسس میں مبتلا ہوگئی تھی اور ایک ہی سانس میں اپنے ہر سوال کا جواب چاہتی تھی۔

اس کو سلطان شاہ کی مصروفیات کی طرف سے مطمئن کرنے کے لیے مجھے بہت زیادہ جھوٹ نہیں بولنے پڑے کیونکہ اس مدافعانہ بحث میں جہانگیر نے کھل کر میرا ساتھ دیا تھا اور میں سلمیٰ کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگیا تھا کہ سلطان شاہ بدقسمتی سے اپنے ان دشمنوں کی نگاہ میں آگیا تھا جن سے بچنے کے لیے وہ میرے ساتھ ملک سے باہر فرار ہوا تھا۔

"تم اپنے لیے چائے بنالو! اتنی دیر میں ہم دونوں ذرا ہونٹ تر کر لیں گے۔ ابھی گھر بھی واپس جانا ہے۔" جہانگیر نے کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتوں کے بعد سلمیٰ سے کہا۔ میں اس کی بے چینی کو خوب محسوس کر رہا تھا۔ سلمیٰ کی موجودگی میں وہ مجھ سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا اس لیے بہانے سے کچھ دیر کے لیے اسے ٹالنا چاہ رہا تھا۔

"میں نے تمہیں روکا تو نہیں ہے۔" سلمیٰ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تم اپنا شغل شروع کر دو، میرا جب موڈ ہوگا تو اپنے لیے چائے یا کافی بنالوں گی۔"

"ذرا کچن سے دو گلاس دھو کر لے آؤ، فریزر میں سے آئس ٹرے بھی لیتی آنا۔" جہانگیر نے خوشامدانہ لہجے میں کہا اور سلمیٰ اٹھلاتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔ جہانگیر اسے دیکھ کر کسی احمق کی طرح منہ چلانے لگا۔ وہ بہت چالاک اور عقل مند تھا لیکن بیوی کے معاملے میں اس کی عقل ایسی چوپٹ ہوکر رہ گئی تھی کہ وہ اس کی چالیں نہیں سمجھ پاتا تھا۔ سلمیٰ بہ ظاہر اسے ناز دکھا رہی تھی لیکن دراصل وہ مجھے گھائل کرنے کے چکر میں تھی۔ اس کے شوخ تیوروں میں اس وقت ایسی جارحیت اتر آئی تھی کہ میں اس سے نظریں ملاتے ہوئے بھی گھبرا رہا تھا۔ جہانگیر اپنی بیوی کے معاملے میں بدھو ہو سکتا تھا لیکن میں برکا نکا ہوں کی ذرا سی ملامت پر بھی کسی جنگلی گھوڑے کی طرح بھڑک سکتا تھا۔

"یہاں کو میں نے فون پر ادھر آنے سے روک دیا تھا،"

سلمیٰ کے جاتے ہی جہانگیر نے پرشوق، سرگوشیانہ لہجے میں کہا اسی کے ساتھ اس نے اپنے پہلو میں رکھے ہوئے پولی تھین کے بیگ میں سے بوتل نکال لی۔ "میں تمہارے لیے کالے کتے کی میگنم سائز لایا ہوں۔ سلمیٰ آنے کی ضد نہ کرتی تو اس وقت محفل میں مزہ آجاتا۔"

"یہاں تم سے ناراض ہے۔" میں نے شوشہ چھوڑا۔ "اسے توقع نہیں تھی کہ تم نے ایک عدد بیوی بھی پال رکھی ہوگی۔"

"تمہیں کیا پتا؟" اس نے بے اعتباری سے کہا پھر فوری خیال کے تحت وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "وہ خود کون سی غیر شادی شدہ ہے۔ میاں کو جیل بھجوا کر خود عیش کر رہی ہے۔"

"مجھے سب معلوم ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر معنی خیز لہجے میں کہا۔ "میں نے پیچھے تمہاری کار دیکھ لی تھی۔ اس لیے پہلے یہاں کے فلیٹ پر ہی گیا تھا۔ اسے تمہاری بیوی سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔"

"مجھے مروا نہ دینا۔" وہ بوکھلا کر بولا۔ "ان دونوں کی ملاقات میں میری زندگی برباد ہو جائے گی۔"

"کالے کتے کے دو گلاس ساٹھ برس کی بوڑھی ہڈیوں میں بھی کرنٹ دوڑانے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ تم تو پھر بھی جوان ہو۔ تھوڑی سی پی لو گے تو خود ہی سلمیٰ کو اٹھا کر اس سے ملانے لے جاؤ گے۔"

اس نے جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن فوراً ہی خاموش ہوگیا کیونکہ باورچی خانے سے گلاسوں کی کھنک ختم ہو چکی تھی اور سلمیٰ کے قدموں کی ہلکی سی دھمک سنائی دے رہی تھی۔

"شروع کرنے سے پہلے اتنا ضرور بتادوں کہ صرف ہونٹ تر کرنا، حلق تک نہ پی لینا۔" سلمیٰ نے دھلے ہوئے شفاف گلاس اور آئس ٹرے ہمارے سامنے تپائی پر رکھتے ہوئے کسی سے مخاطب ہوئے بغیر کہا۔ "رات گئے پولیس والے ہر گاڑی کو روک کر اچھی طرح دیکھ بھال کرتے ہیں۔"

سلمیٰ ایک عادی شرابی کی بیوی تھی اور مے نوشوں کی میزبانی کے آداب سے بخوبی واقف تھی اس لیے اس نے ہم دونوں کے لیے برابر کی مقدار گلاسوں میں انڈیلی، بوتل بند کی، آتشیں سیال میں برف کے ڈلے ڈالے اور مسکراتی ہوئی دوبارہ کچن کی طرف واپس چلی گئی۔

"دوسری گاڑی کہاں سے مل گئی تم کو؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد جہانگیر نے سوال کیا۔

"میں نے واقعی نوکری کر لی ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اپنی طبیعت کی بڑھتی ہوئی سرکشی کی وجہ سے میرے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ تھوڑے عرصے کے لیے خود کو کسی کی تحویل میں دے دوں۔"

"وہ کوئی اچھے لوگ تو ہرگز نہ ہوں گے؟" اس کا لہجہ خاصا پُریقین تھا۔

"یہ تو نوکری کرنے کے بعد ہی معلوم ہوگا۔ ویسے اس فرم کا برآمدی کاروبار ہے!" میں نے کہا۔

"برآمدی کاروبار؟" اس نے حیرت سے دُہرایا۔ "شہر میں ایسی کون سی فرم ہے جس کے دفاتر میں رات کے گیارہ بجے تک نئے ملازمین کی تقرری کے احکام جاری کیے جاتے ہیں؟"

"تم اپنے دور سے بیس برس پیچھے رہ رہے ہو۔ آج کل کاروبار کا تصور دفاتر اور دوکانوں تک محدود نہیں رہا ہے۔ اہم اور بڑے معاملات دفاتر سے باہر پارٹیوں، دعوتوں اور سیر و تفریح کے دوران طے کیے جاتے ہیں۔ دفتر تو بس ڈاک، ٹیلیکس، فیکس اور خوبصورت سیکریٹری کو سجانے کے کام آتے ہیں۔"

"آہستہ بولو۔" وہ میرا ہاتھ دبا کر مضطربانہ لہجے میں بولا۔ "گلاس مُنہ سے لگاتے ہی تم نے بہکنا شروع کر دیا۔۔!"

"چلو پھر کوئی اور بات کرتے ہیں۔" میں نے اس کی بات اُڑا کر وہ موضوع ہی تبدیل کر دیا۔

اسی اثنا میں سلمٰی اپنی چائے کی پیالی لے کر دوبارہ کمرے میں آگئی اور ہماری گفتگو سمٹ کر باہمی دلچسپی کے ان چند موضوعات تک محدود ہوگئی جو میرے لیے قطعی بے ضرر تھے اور میں ان پر لیے تکان گھنٹوں تقریر کر سکتا تھا۔ وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ بہ ظاہر میں ان دونوں کی مہمان داری میں مصروف تھا لیکن میرا ذہن سلطان شاہ کی ذات میں اُلجھا ہوا تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ جانز فارماسیوٹیکل والوں نے اسے ملازمت دینے سے پہلے اس کے بارے میں خاصی چھان بین کرائی تھی۔ اس لیے میری دانست میں اس کی مسلسل نگرانی کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی تھی لیکن سلطان شاہ نے جوں ہی کچھ گرماگرم خبریں حاصل کیں اس کا تعاقب شروع ہوگیا جس کے انجام کے بارے میں میرے ذہن میں بہت سے خدشات موجود تھے کیونکہ سلطان شاہ کا پالا شنی کے نئے مقامی سربراہ ڈی ڈی سے پڑا تھا جو اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے ہر رکاوٹ کو تہس نہس کر دینے کی قوت اور صلاحیت رکھتا تھا۔

یہ بہت عجیب و غریب اتفاق تھا کہ ہم دونوں کم و بیش ایک ہی وقت میں دو مخالف دھڑوں میں شامل ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ سلطان شاہ نے دلدار آغا کی دوا ساز فیکٹری میں ملازمت حاصل کرلی تھی اور میرا مافیا کے سیٹھ حبیب سے معاہدہ ہوگیا تھا جس کے بعد ہمارے لیے بہت سی راہیں کھل سکتی تھیں۔

سلمٰی کے اصرار پر رات کے سوا بارہ بجے جہانگیر روانگی پر آمادہ ہوا۔ وہ اکیلا آیا ہوتا تو میں اسے فلیٹ کے دروازے سے رخصت کر دیتا لیکن پچھلی غلط فہمیوں اور تلخیوں کے علاوہ سلمٰی پہلی بار میرے گھر آئی تھی اس لیے اخلاقاً مجھے ان دونوں کو الوداع کہنے کے لیے نیچے جانا پڑا۔ راستے میں میں نے میزنائین فلور پر انھیں اپنی نئی سُرخ کار بھی دکھائی جو ہر اعتبار سے شاندار نظر آرہی تھی اور وہ دونوں اسی پر تبصرے کرتے ہوئے رخصت ہوگئے۔

میں دوبارہ فلیٹ میں واپس آیا تو فون کا بزر بول اُٹھا۔ میں نے قدرے جھلاہٹ کے ساتھ ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے سیما کی سہمی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟" میں نے حیرت اور قدرے غصّے کے ساتھ کہا۔ "اس وقت رات کے سوا بارہ بج رہے ہیں۔"

"خوف سے میری جان نکلی جا رہی ہے۔ راہداری میں قدموں کی آہٹوں اور تمھارے فلیٹ کے دروازے کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ تمھارے مہمان جا چکے ہیں اس لیے ڈرتے ڈرتے تمھیں فون کیا ہے۔ اگر تم اکیلے رہ گئے ہو تو پلیز! میرے دروازے پر آکر مجھے ساتھ لے جاؤ!"

اس کی فرمائش پر میری کھوپڑی چٹخ گئی۔ سلمٰی ٹلی تھی تو اب وہ میرے سر پر سوار ہونے کی کوشش کر رہی تھی اور نخرا بھی یہ کہ میں اسے اس کے دروازے سے لے کر آؤں۔ پتا نہیں عورتیں کس بنا پر مجھے اس قدر سعادت مند سمجھ لیتی تھیں جیسے میرے والدین نے مجھے انھی کی اطاعت کے لیے پیدا کیا ہو۔

"سوری سیما!" میں نے اپنے لہجے کی تلخی کو دباتے ہوئے بیزاری سے کہا۔ "میرے مہمان ضرور جا چکے ہیں لیکن میں تھکا ہوا ہوں اور اب گدھے گھوڑے بیچ کر سونا چاہتا ہوں۔ تم بھی سو جاؤ۔ صبح ملاقات ہوگی۔"

"پلیز پیٹر!" اس کی آواز میں التجا ہی التجا تھی۔ "صبح تک تو میں آہٹوں اور سرسراہٹوں سے دہشت زدہ ہو کر مر جاؤں گی۔ تم یقین کرو کہ پچھلے آدھے گھنٹے سے میرا دم نکلا جا رہا ہے۔ اپنے سائے سے بھی خوف آرہا ہے۔ مسٹر جہانگیر کا معاملہ نہ ہوتا تو میں پہلے ہی تم کو فون کر چکی ہوتی۔"

اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا اور میں نے نرم لہجے میں سوال کیا۔ "کیا بات ہے؟ تم کس بات سے اس قدر دہشت زدہ ہوگئی ہو؟ تھوڑی دیر پہلے تو میں نے تمھیں ہشاش بشاش چھوڑا تھا۔ اتنی سی دیر میں تمھیں کیا ہوگیا؟"

"تمھارے چلے جانے کے چند منٹ بعد ڈی ڈی کا فون آیا تھا۔ اس کی موت سے زیادہ سرد آواز سُن کر میں ابھی تک بری طرح کانپ رہی ہوں۔۔۔ اس نے کہا تھا کہ وہ ہر قیمت

پر مجھے مار ڈالے گا۔"

"تم دروازہ کھولو، میں آ رہا ہوں۔" ڈی ڈی کا نام سنتے ہی مجھے معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہو گیا اور میں ریسیور پھینک کر دروازے کی طرف لپکا۔

باہر راہداری میں نکل کر میں نے چند ثانیوں تک سیما کے دروازے پر ٹھہر کر دروازہ کھلنے کا انتظار کیا لیکن جب ادھر مکمل سکوت طاری رہا تو میں نے دروازے پر آہستگی سے کئی بار دستک دی پھر تیز دستکیں بھی دیں لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں آیا ادھر مسلسل گہرا سناٹا طاری تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے سیما پر دہشت سے سکتہ طاری ہو گیا ہو اور وہ اپنی جگہ سے ہلنے جلنے یا بولنے سے عارضی طور پر معذور ہو کر رہ گئی ہو۔

وہاں کئی منٹ گزارنے کے بعد میں بے دم سا اپنے فلیٹ پر واپس آ گیا۔ اگر بند فلیٹ میں سیما کی حالت خراب ہو گئی تھی تو یہ معاملہ سنگین تھا کیونکہ دروازہ توڑے بغیر اسے کسی قسم کی مدد نہیں پہنچائی جا سکتی تھی جبکہ پچھلی رات کے واقعے سے بلڈنگ کے مکین بے حد خوفزدہ تھے اور دروازہ ٹوٹنے کی کوئی بھی کوشش وہاں بڑے پیمانے پر ہنگامے کے آغاز کا سبب بن سکتی تھی۔

میں اسی سوچ میں ڈوبا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو میرے فون کا ریسیور میز سے نیچے لٹک رہا تھا جسے میں ڈی ڈی کا نام آنے پر عجلت میں پھینک کر چلا گیا تھا۔

میں نے ریسیور کریڈل پر رکھنے سے پہلے عادتاً کان سے لگایا تو لائن پر گہرے سکوت میں دوسری طرف سے کسی کے گہرے گہرے سانس لینے کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے اضطراری طور پر کریڈل دبا کر انگلی ہٹائی لیکن ریسیور پر لائن ٹون کے بجائے وہی سانسوں کی آواز آتی رہی جس کا مطلب تھا کہ سیما کے فلیٹ سے میری لائن مسلسل ملی ہوئی تھی۔ شاید ریسیور واپس رکھنے یا لائن منقطع کرنے سے پیشتر ہی اس کی حالت اتنی غیر ہو گئی تھی کہ سلسلہ جوں کا توں ملا ہوا تھا۔

"ہیلو ہیلو!" میں نے کئی بار کریڈل کو کھٹکھٹا کر ماؤتھ پیس میں اضطراری طور پر پکارا۔

"گڈ!" اچانک میرے کانوں میں ایک چبھتی ہوئی سرد آواز گونجی۔ "اب تم اپنے چوہے دان سے باہر آنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ ہمیں تمہاری ہی تلاش تھی۔ جلد ہی تم کو بھی سیما کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔"

"تت... تم کون ہو؟" وہ غیر متوقع آواز سن کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔

"اسے فون صرف خوفزدہ کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔" دوسری طرف سے وہی آواز ابھرنے لگی۔ "مقصد یہ تھا کہ وہ خود کو خطرے میں محسوس کر کے اپنے اس آشنا سے رابطہ قائم کرے جس کی شہ پر وہ اچھل رہی تھی۔ موت کی دھمکی ملنے کے بعد وہ گھر سے قدم باہر نکالنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔ اتنی رات گئے اس کے پاس فون کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ میں اس کی گھات میں تھا۔ سب کچھ ہمارے منصوبے کے مطابق ہوا۔ جب اس نے خود کو ملنے والی دھمکی کے بارے میں فون پر بتایا تو بے آواز پستول کی گولی نے اس کی پیشانی میں سوراخ کر دیا۔ وہ مر چکی ہے اس کا فون تم سے ملا ہوا ہے۔ ہماری اطلاع پر پولیس اس کے فلیٹ میں گھسے گی تو اسے ایکسچینج سے معلوم ہو جائے گا کہ سیما کا فون کس نمبر سے ملا ہوا تھا۔ تم جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو، پولیس تمہیں کھوج نکالے گی اور پھر ہم تم تک پہنچ جائیں گے اور تم جہنم میں سیما سے جا ملو گے۔ اس کا فلیٹ مقفل ہے تم دروازہ توڑے بغیر اندر نہیں گھس سکتے۔"

"تم نے اسے مار دیا!" میرے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔ "اب تم میرے ہاتھوں سے نہیں بچ سکو گے۔"

دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ شاید اس نے اپنی بات پوری کر کے ریسیور کہیں ڈال دیا تھا اور لائن پر موت کا گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ میں نے اضطراری طور پر کریڈل دبا کر چھوڑا لیکن میرے انسٹرومنٹ پر ڈائل ٹون نہیں آئی وہ کال سیما کی تھی جب تک اس طرف سے سلسلہ منقطع نہ کیا جاتا میرا فون اسی طرح انگیج رہتا۔

سیما جو چند ثانیے قبل مجھ سے فون پر بات کر رہی تھی، اس کے ناگہانی قتل کی خبر نے میرے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میرے اور اس کے فلیٹ کے درمیان صرف ایک پتلی سی دیوار حائل تھی لیکن میں اس کا بے تکلف پڑوسی ہونے کے باوجود اسے بچانے کے لیے کچھ نہیں کر سکا تھا۔

میرا ذہن اس صورت حال سے ماؤف ہونے کے بجائے بہت تیزی کے ساتھ کام کرنے لگا تھا کیونکہ سیما کی موت کے ساتھ ہی میں بھی ایک بھیانک خطرے سے دوچار ہو گیا تھا۔

قاتل یقیناً شقی کا کوئی سنگدل سرکارہ تھا جو اپنے شکار کو ذہنی کرب اور اذیت سے دوچار کر کے کسی قسم کی تسکین حاصل کرتا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ مجھے ہرگز ہوشیار نہ کرتا اور میں بے خبری میں پولیس کا شکار ہو جاتا۔ پولیس میرا سراغ لگا کر بے بس کر دیتی اور وہی قاتل مجھے بھی ٹھکانے لگا دیتا۔

وہ ساری نحوست اسی سلور آئی کی تھی جو سیما کا شوہر اپنے ساتھ لے جانے کے بجائے غلطی سے اپنے میلے کپڑوں میں چھوڑ گیا تھا۔ وہ منحوس سکہ کئی انسانوں کی بھینٹ لے چکا تھا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ سلسلہ کہاں رکنے والا تھا۔

مرنے سے پہلے سیما اپنے فلیٹ میں اکیلی تھی۔ وہ بہت ڈرپوک عورت تھی۔ اس سے یہ امید نہیں کی جا سکتی تھی کہ میرے چلے آنے کے بعد اس نے کسی وجہ سے اپنے فلیٹ کا دروازہ کھولا ہو اور پھر اسے صحیح طریقے سے بند کرنا بھول گئی ہو جس کی وجہ سے قاتل کو خاموشی سے اندر داخل ہونے کا موقع مل گیا ہو۔

نکاسی کے دروازے کے علاوہ ایک طرف میرا فلیٹ تھا۔ دوسری طرف بھی سپاٹ دیوار تھی اس لیے دے کر سیما کے فلیٹ میں داخل ہونے کا ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا۔ مین روڈ کی طرف بنی ہوئی بالکونی زمین سے بہ مشکل ڈیڑھ منزل کی بلندی پر تھی اور کوئی بھی پھرتیلا آدمی رات کے اندھیرے میں کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر پائپ یا رسی کے سہارے بہ آسانی بالکونی تک پہنچ سکتا تھا۔ وہاں سے کھڑکی کے ذریعے فلیٹ میں داخل ہونا زیادہ دشوار نہیں تھا۔

وہ فون پر مجھ سے بات کر چکا تھا اور اسے میری تلاش بھی تھی لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ میں سیما کے پڑوس میں اس سے صرف ایک دیوار کے فاصلے پر موجود ہوں وہ مجھے یقینی طور پر وہی شخص سمجھ رہا تھا جسے ڈی ڈی کے بھیجے ہوئے آدمی نے سیما کے بستر پر اس کے ساتھ محوِ خواب دیکھا تھا حالانکہ وہ میں نہیں بلکہ جہانگیر تھا۔

میرا ذہن طوفانی رفتار سے کام کر رہا تھا۔ نامعلوم قاتل اگر بالکونی کے راستے سے سیما کے فلیٹ میں داخل ہوا تھا تو وہ قتل کی واردات کے ارتکاب کے بعد دروازے کی راہ سے واپسی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ واپسی کے لیے اسے لازمی طور پر وہی راہ اختیار کرنی چاہیے تھی جس سے وہ وہاں پہنچا تھا۔

خیالات کی یلغار بڑی بھرپور تھی لیکن مجھے وہ جائزہ مکمل کرنے میں چند سکنڈ سے زیادہ وقت نہیں لگا اور پھر میں نے دوڑ کر وارڈروب میں کپڑوں کی تہہ کے نیچے سے بھرا ہوا بے آواز پستول نکالا جس میں سے صرف ایک گولی استعمال کی گئی تھی اور پھر بالکونی میں رینگ گیا۔ میری توقع کے عین مطابق سیما کی بالکونی تاریک پڑی ہوئی تھی۔

میں نے دور سے آنے والے روشنی کے انعکاس میں دیکھا کہ وہاں گہرا سناٹا بھی تھا جیسے وہاں سے کسی ذی روح کا گزر تک نہ ہوا ہو۔ بالکونی سے دیوار پر پھسلتی ہوئی میری نظریں جب نیچے گئیں تو بے اختیار میرا پستول والا ہاتھ اسی سمت میں اٹھ گیا۔ نامعلوم قاتل کا منصوبہ پہلے سے طے شدہ تھا جب کہ مجھے ہاتھوں ہاتھ اپنا طریق کار طے کرنا پڑا تھا۔ اس طرح اسے مجھ پر چند لمحوں کی جو سبقت حاصل ہو گئی تھی بس نے اس کا پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا اور فلیٹ سے نیچے پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ پچھلی رات کے خونیں سانحے کی وجہ سے علاقے میں ویرانی کا راج تھا اس لیے وہاں کوئی اس کی راہ روکنے والا نہیں تھا۔ وہ اپنی سہولت کے مطابق ایک فیلڈ کر کے تیزی سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

وہ مضبوط جسم والا ایک دراز قامت شخص تھا اس کی پشت میری طرف ہونے کی وجہ سے اس کے خدوخال دیکھنے ناممکن تھے لیکن پھر بھی میں نے یہ نوٹ کر لیا تھا کہ اس کے گھونگریالے بال پشت پر شانوں تک بڑھے ہوئے تھے وہ جائے واردات سے بخیر و خوبی نکل بھاگنے پر کامیاب ہو گیا تھا لیکن اس وقت میرے پستول کی زد میں تھا۔ میرا ایک ہی بے خطا فائر اسے خاک و خون کا غسل دلانے کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔

لیکن یہ امکان بھی تھا کہ اس کے مقدر کی یاوری سے میرا نشانہ خطا ہو جاتا یا کوئی راہگیر میرے فلیٹ کی بالکونی سے فائر کا شعلہ دیکھ کر مرنے والے کی دردناک چیخ سن لیتا تو میرے لیے بچاؤ کی راہیں مسدود ہو جاتیں اس لیے میں نے فوری فیصلے کے تحت فرار ہوتے ہوئے قاتل پر گولی چلانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اس کا دور ہوتا ہوا ہیولا کچھ دور جا کر ایک موڑ پر اچانک میری نظروں سے معدوم ہو گیا۔

میرے پاس وقت بہت کم تھا اور کام خاصا دشوار۔ اگر سیما کے فون کا ریسیور فوری طور پر کریڈل پر نہ رکھا جاتا یا ادھر سے لائن نہ کاٹی جاتی تو میرے لیے بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔

سیما کے فلیٹ کا تالا توڑ کر اندر گھسنے کا خیال احمقانہ تھا مگر مفرور قاتل نے مجھے ایک اور راہ سجھا دی تھی میرے اور سیما کے فلیٹ کی بالکونی کے درمیان تقریباً چھ فٹ کا فاصلہ تھا۔ اگر زمین سے پندرہ اٹھارہ فٹ کی بلندی اور بالکونی کی دیوار حائل نہ ہوتی تو میں وہ فاصلہ ایک ہی زقند میں طے کر سکتا تھا لیکن اس وقت چھلانگ لگانے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔ میں نے اندر واپس لوٹ کر بے تابانہ انداز میں ایسی کسی چیز کی تلاش شروع کر دی جو اس فاصلے کے لیے مختصر سے پل کا کام دے سکے لیکن فلیٹ کی گنجائش کے اعتبار سے وہاں ہر چیز مختصر اور سمٹی ہوئی تھی۔

وقت دھیمے دھیمے گزر رہا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ وہ بازی میرے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی ساتھ ہی مجھ پر اعصابی دباؤ بھی بڑھتا جا رہا تھا۔

معاً مجھے اس ڈبل بیڈ کا خیال آیا جو میری خواب گاہ میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے چھ فٹ چوڑی اس مسہری کا گدا الٹا تو یہ دیکھ

میرا دل خوش ہوگیا کہ گدے کے نیچے پوری چوڑائی والے تختوں کے تین فریم موجود تھے۔ میں نے گدا نیچے پھینک کر ایک فریم نکال لیا جس میں تقریباً چھ فٹ لمبی لکڑی کا ایک فریم نکال لیا جس میں تقریباً چھ فٹ لمبائی کی کئی مضبوط چوبی پٹیاں آڑے تختوں کے ذریعے ایک دوسری سے جڑی ہوئی تھیں۔

میں نے بالکونی میں اس فریم کو توازن برقرار رکھتے ہوئے سیما کی بالکونی کی طرف کھسکایا اور چند ہی ثانیوں میں وہ چوبی فریم ایک پل کی طرح دونوں طرف بالکونی کی نیچی دیواروں پر ٹک گیا۔

میں نے چند ثانیوں تک نیم تاریکی میں قرب و جوار کا جائزہ لیا پھر انتہائی تیزی کے ساتھ اس چوبی فریم پر چڑھ کر آناً فاناً میں سیما کی بالکونی میں اتر گیا۔

بالکونی میں کھلنے والا دروازہ بہ ظاہر بند تھا لیکن ذرا سا دباؤ ڈالتے ہی اندر کی طرف کھل گیا اور فوراً ہی اس کا سبب بھی واضح ہوگیا کیونکہ دروازے سے ملحق کھڑکی کا شیشہ ایسی جگہ سے کٹا ہوا نظر آرہا تھا جہاں سے ہاتھ اندر ڈال کر مقفل دروازہ کھولنے والے لیور کو گھمایا جاسکتا تھا۔

میں نے تیزی سے اندر داخل ہوکر دروازہ بند کردیا لیکن اسے مقفل کرنے والے لیور کو چھیڑے بغیر آگے بڑھ گیا۔ مختصر سی لابی سے گزر کر میں سیما کی خواب گاہ میں داخل ہوا تو لمحے بھر کے لیے میرے قدم چوکھٹ پر ہی گڑ کر رہ گئے۔

سیما کے بدن پر وہی لباس موجود تھا جو میں نے آخری بار دیکھا تھا وہ مسہری پر پہلو کے بل بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ اس کی دہشت زدہ اور پتھرائی ہوئی بے نور آنکھیں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں اور دروازے ہی کی طرف نگراں تھیں۔ اس کی پیشانی پر بھوؤں کے وسط میں گولی کا سوراخ نظر آرہا تھا جس پر سیاہی مائل سرخ خون جما ہوا تھا۔ بستر کی گلابی چادر بے داغ تھی۔ قاتل کا نشانہ بے خطا اور قابلِ رشک تھا۔ آثار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ پیشانی سے گزر کر دماغ میں پیوست ہونے والی گولی اس قدر کاری ثابت ہوئی تھی کہ مسلح قاتل کو سامنے دیکھ کر پیدا ہونے والی دہشت مرنے والی کی نگاہوں میں منجمد ہوکر رہ گئی تھی۔ موت کی اذیت ان تاثرات کو مسخ نہیں کرسکی تھی اور نہ ہی گولی کے زخم سے چند بوندوں سے زیادہ خون خارج ہوا تھا۔

فون سیما کی لاش کے قریب بستر پر رکھا ہوا تھا۔ اس کا ہاتھ پیس کریڈل سے نیچے سیما کے پیٹ کی طرف مڑے ہوئے گھٹنوں کے قریب پڑا ہوا تھا۔

سیما کا وہ انجام میرے لیے دردناک ثابت ہوا۔ اس کی بے وقت موت کے لیے کسی حد تک میں خود کو بھی قصوروار گردان رہا تھا کیونکہ موت سے ذرا پہلے اس نے مجھ سے مدد طلب کی تھی۔ وہ شی کی بھیانک تنظیم سے باہر کی ایک عورت تھی جس نے سلور آئی دیکھ لی تھی جس لمحے اس نے مجھے اپنے گھر میں سلور آئی کی موجودگی سے آگاہ کیا تھا میں نے اسی وقت اندازہ لگا لیا تھا کہ شی والے نہ صرف ہر قیمت پر اس سے سلور آئی نکال لے جاتے بلکہ اس کی زندگی کے درپے بھی ہوسکتے تھے اور آخر کار اس کے ساتھ وہی سلوک ہوا تھا۔

میں نے ایک ٹیبل میٹ کی مدد سے ریسیور بستر سے اٹھا کر انسٹرومنٹ کے کریڈل پر رکھ دیا۔ اس وقت میں وہاں اپنے فنگر پرنٹ چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ پھر میں سیما کی سرد ہوتی ہوئی لاش کو چھیڑے بغیر واپس ہولیا میں نے ارادہ کیا تھا کہ بدن سرد ہونے سے پہلے اس خوبصورت چہرے کی پھٹی ہوئی ڈراؤنی آنکھوں کے پپوٹے اپنی ہتھیلیوں سے گرادوں لیکن اس طرح فطری صورت حال میں ایک بنیادی تبدیلی رونما ہوسکتی تھی۔ ویسے بھی مرنے والی مرگئی تھی اور اس احساس سے یکسر بے نیاز ہوچکی تھی کہ اس کے بعد دیکھنے والے اس کی صورت اور آنکھوں پر کیا تبصرے کرتے۔

واپسی کے لیے بھی میں نے بالکونی میں بنایا ہوا اپنا چوبی پل استعمال کیا اور اپنے فلیٹ کی حدود میں داخل ہوکر جب میں نے اس چوبی فریم کو واپس ہٹانا چاہا تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس وزنی ڈھانچے کو دو دیواروں کی درمیانی خلا میں سرکانا اتنا آسان نہیں تھا۔ اندازے اور توازن کی ذرا سی غلطی سے وہ فریم ہاتھ سے چھوٹ کر پُرشور دھماکے کے ساتھ نیچے زمین پر پہنچ سکتا تھا۔ اسے لگاتے ہوئے جوش اور ہیجان میں میں نے ان جزئیات پر سرے سے غور ہی نہیں کیا تھا لیکن کام پورا ہو جانے کے بعد اس مرحلے کی اہمیت واضح ہو رہی تھی۔

آخر کار میں نے وہ چوبی فریم واپس اپنے ڈبل بیڈ پر پہنچا کر اس پر فوم کا میٹریس اور گدا ڈال کر چادر برابر کردی اور تھکے ہوئے انداز میں اپنے لیے اسکاچ کا ایک گلاس تیار کرنے لگا۔

ٹیلی فون کے آسیبی خطرے نے میرے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا تھا لیکن اس کے باوجود میں سیما کے قاتل کی اس نفسیاتی گرہ کا شکر گزار تھا جس سے مجبور ہوکر اس نے فون پر مجھے اپنے پورے منصوبے سے آگاہ کرکے اس کا بروقت تدارک کرنے کا موقع فراہم کردیا تھا۔

اس وقت رات کا ڈیڑھ بج چکا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ کسی بھی لمحے پولیس والوں کی نفری سیما کے فلیٹ پر پہنچ سکتی ہے اور سیما کا واحد پڑوسی ہونے کے باعث تفتیش میں ابتدائی طور پر میرا ملوث کیا جانا یقینی تھا اس لیے میں نے عجلت میں اپنا گلاس خالی کیا اور چند الائچیاں منہ میں ڈال کر بستر پر دراز ہوگیا۔

ایک مصیبت سر پر سوار ہو کر ٹل گئی تھی لیکن میری تشویش کا سلسلہ برقرار تھا۔ میرا ذہن سلطان شاہ کے معاملے میں الجھ گیا تھا۔ اگر وہ اپنا تعاقب کرنے والے سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور ہر طرح خیریت سے تھا تو وہ کسی بھی لمحے میرے پاس پہنچنے والا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ اگر اسے آنا ہی تھا تو پولیس کی آمد سے پہلے آ جانا چاہیے تھا ورنہ اتنی رات گئے عمارت میں محض دوستانہ ملاقات کے لیے داخلے کی بنا پر پولیس والے اسے مشتبہ قرار دے کر اپنی تحویل میں لے سکتے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت کا دھارا ایک بیک میرے خلاف چل پڑا ہو۔ ایک الجھن دور نہیں ہونے پاتی تھی کہ اس سے پہلے دوسرا مسئلہ تیار ہوتا تھا۔

گھڑی کی سوئیاں اپنی رفتار سے رکتی رہیں، سوا دو بج گئے لیکن عمارت کے زینوں پر بدستور سناٹا راج کرتا رہا۔ نہ سلطان شاہ آیا اور نہ پولیس کی جمعیت وہاں پہنچی۔ مجھے یقین تھا کہ [illegible] وقت کی بہت اہمیت تھی جس سے [illegible] واقف تھا۔ اس نے سیما کے فلیٹ سے بحفاظت نکل جانے کے بعد پولیس کو قتل کی اطلاع دینے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی ہوگی۔ بس یہی سوچا جا سکتا تھا کہ پولیس والوں نے ایک گمنام اطلاع کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی یا پھر وہ لوگ ضابطے کی کارروائیاں پوری کرنے کے بعد ہی تفتیش پر نکلنے کے عادی تھے۔ ایک موہوم سا امکان یہ بھی تھا کہ رات گزر جانے کے باعث تھانے میں متعلقہ عملہ موجود نہ رہا ہو۔ سننے میں آیا تھا کہ ان دنوں بیشتر اہل کار دس بارہ بجے کے بعد روزنامچوں میں علاقہ گشت کا اندراج کر کے گھروں میں آرام کرنے چلے جاتے تھے اور صبح سویرے تک تھانے کے معاملات ایک آدھ کانسٹیبل یا اسی عہدے کے چند سنتریوں کی صوابدید پر رہ جاتے تھے۔ اگر کوئی بہت ہی سنگین صورت حال درپیش ہوتی تو وہ تھانے میں سوئے ہوئے محرر کو جگا دیتے تھے جو یہ فیصلہ کرنے کا مجاز ہوتا ہے کہ سپاہی بھیج کر یا فون کر کے افسرانِ بالا کی نیند میں خلل ڈالے یا امنِ عامہ کے مفاد میں انھیں صبح تک نہ چھیڑے۔

میرے کان کسی ہلکی سی آہٹ کے بھی منتظر تھے۔ آخر خدا خدا کر کے ڈھائی بجے سیڑھیوں پر کسی کے قدموں کی موہوم سی دھمک سنائی دی اور پھر میری ڈوربیل ایک ہلکی سی آواز پیدا کر کے خاموش ہو گئی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے آنے والے نے بٹن کو بس چھو کر فوراً ہی اپنی انگلی ہٹا لی ہو۔

میں نے فوراً دروازے پر پہنچ کر استفسار کیا اور سلطان شاہ کی آواز سن کر دروازہ کھول دیا۔

"تمہارے انتظار میں میری نیند ہی اڑ کر رہ گئی تھی۔" میں نے اسے اندر بلاتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"آج شہر میں قتل، ڈکیتی یا دہشت گردی کی کوئی بڑی واردات ہو گئی ہے؟" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "چپے چپے پر پولیس کی گاڑیاں موجود ہیں۔ راستے میں چار جگہ میری ٹیکسی روک کر تلاشی لی گئی ہے اس لیے یہاں پہنچنے میں دیر ہو گئی ورنہ میں پہلے آ گیا ہوتا۔"

"قتل کی ایک واردات میرے برابر والے فلیٹ میں ہو گئی ہے۔ کسی والوں نے تھوڑی دیر پہلے سیما کو ہلاک کر دیا ہے۔ یہاں بھی پولیس آنے والی ہو گی۔" میں نے اسے مطلع کیا۔

میری بات سن کر وہ چونک پڑا۔ میں نے اسے اختصار کے ساتھ پورے واقعے سے آگاہ کیا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "ایسا تو نہیں کہ خود ڈی ڈی ہی اسے ہلاک کرنے آیا ہو؟"

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔" میں نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "وہ کٹھ پتلیوں کی ڈور ہلانے کا عادی ہے۔ اسے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں چاہتا تو اسے ہلاک یا کم از کم زخمی ضرور کر سکتا تھا لیکن پھر میرا اپنا بچاؤ بہت مشکل ہو جاتا۔ خیر یہ تو ہو گیا۔ تم بتاؤ کہ کون سی گرماگرم خبریں لائے ہو؟"

"سب سے پہلی خبر یہ ہے کہ آج میں دلدار آغا کو دور سے دیکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ فیکٹری میں اسے منیجر اور پی اے کے علاوہ شاید ہی کسی نے قریب سے دیکھا ہو۔ اس کی چال میں خاصی لنگڑاہٹ موجود تھی۔"

وہ واقعی ایک اچھی خبر تھی۔ دلدار کی لنگڑاہٹ کا ذکر سنتے ہی مجھے بے اختیار سیٹھ حبیب کی وہ قیاس آرائی یاد آ گئی جس کے مطابق ڈی ڈی شریف آباد کے معرکے میں بذات خود ایک سیاہ بھیرو سے اسلحے کی تقسیم کی نگرانی کرتے ہوئے پنڈلی پر گولی کھا کر زخمی ہو کر گر گیا تھا۔ سلطان شاہ کی لائی ہوئی خبر سیٹھ حبیب کے اندازے کی تائید کر رہی تھی۔ میرے پاس دلدار آغا کی مجرمانہ سرگرمیوں کے اٹل شواہد موجود تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ میں غزالہ کو اپنی کسی بھی بات کا یقین نہیں دلا سکتا تھا۔ وہ اسی بہانے کو سچ سمجھتی جو دلدار آغا نے اس سے تراشا تھا۔

"کس عمر کا آدمی ہے وہ؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔ اس کا ذکر آتے ہی میرے سینے میں دھواں سا بھرنے لگا تھا کیونکہ دلدار نے غزالہ پر ڈورے ڈال کر پوری طرح تصرف حاصل کر لیا تھا۔ اس طرح وہ میرا رقیب روسیاہ بن گیا تھا جسے اس کے سنگین جرائم کی پاداش میں موت کے گھاٹ اتارے بغیر میرے دل کو سکون نہیں مل سکتا تھا۔

"دور سے جوان نظر آتا ہے۔ مضبوط جسم اور اچھے قد کا مالک ہے۔" وہ مجھے بتانے لگا۔ "دراصل فیکٹری میں کام کرنے

کے قواعد بہت سخت ہیں۔ فیکٹری منیجر، اس کے پی اے اور تین
مسلح محافظوں کے علاوہ وہاں کل نو کارکن مستقل بنیادوں پر
ملازم ہیں اس لیے یونین وغیرہ بھی نہیں ہے۔ کوئی بھی شخص
صبح نو بجے سے شام کے پانچ بجے کے درمیان اپنے کام کرنے
کے علاقے سے باہر دیکھ لیا جائے تو اسے اسی وقت ملازمت
سے فارغ کر دیا جاتا ہے جب کہ دلدار آغا دس بجے کے بعد
آتا ہے اور عموماً چار بجے سے پہلے واپس چلا جاتا ہے۔"

"پھر تم نے اُسے کیسے دیکھ لیا؟" میں نے سوال کیا۔
دلدار آغا کی تنظیمی صلاحیتوں کی تعریف مجھے پسند نہیں آئی تھی۔

"فیکٹری کے ہال سے دفاتر والا بلاک خاصی دور واقع
ہے جو کھڑکیوں سے نظر آتا ہے۔ اسے دور سے ہر ایک نے
ہی دیکھا ہوا ہے لیکن کوئی نقاب وغیرہ استعمال نہ کرنے کے
باوجود کوئی اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔"

"تو کیا وہ معائنے وغیرہ کے لیے فیکٹری میں نہیں آتا؟" میں
نے حیرت سے سوال کیا۔

"پتا نہیں۔ ابھی تو میرا دوسرا ہی دن تھا لیکن اس کے نام
سے ملازمین کی روح فنا ہوتی ہے۔ اس سے دو بدو واسطہ نہ
پڑنے کے باوجود لوگ اس سے دہشت زدہ رہتے ہیں کیونکہ
وہ تنخواہیں تو اچھی دیتا ہے لیکن کام اور ڈسپلن کے معاملے میں
بہت سخت بلکہ سفاک ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ ایک دن اس
نے فیکٹری سے ذرا دور گاڑی روک کر ایک ایسے آوارہ کتے
کو غصے میں شوٹ کر دیا تھا جس نے اس کی گاڑی پر بھونکنا
شروع کر دیا تھا۔"

"میں نے تمھیں اس کی خوبیاں دریافت کرنے کے لیے
وہاں نہیں بھیجا تھا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں تو تمھارے سوالات کے جواب دے رہا تھا،
مجھ پر غصہ کیوں ہو رہے ہو؟"

اس کی حیرانی پر میں خفت آمیز انداز میں اپنے لیے
سگریٹ سلگانے لگا۔ میرے دل میں دلدار آغا کے بارے
میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی خواہش موجود تھی مگر میں شاید
اس کی تعریف کے بجائے اس کی برائیاں سننے کی لاشعوری
توقع کر رہا تھا جو اس وقت سامنے نہیں آئی تھیں۔ سلطان شاہ
میری توقعات اور دلی جذبات سے بے خبر مسلسل اس کی شان
میں قصیدے الاپے جا رہا تھا جو میرا خون سلگا رہے تھے۔

"تمھیں یہ دیکھنا تھا کہ دوا ساز فیکٹری کی آڑ میں وہاں
کیا گھپلے ہو رہے ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ابھی تک کوئی گھپلا سامنے نہیں آیا۔ وہاں چند گنی چُنی
معمولی دوائیں تیار کی جاتی ہیں۔ فیکٹری منیجر باقاعدہ سند یافتہ
آدمی ہے لیکن شاید فیکٹری سے باہر بھی وہ بہت سے معاملات
میں دلدار کا شریک ہے۔ ان کے بنائے ہوئے مردانہ ہارمون
کے کیپسول یورپ میں بہت مقبول ہیں۔ وہ مقامی مارکیٹ
میں نہیں دیے جاتے بلکہ آرڈر پر بنا کر برآمد کیے جاتے ہیں۔
میرا خیال ہے کہ فیکٹری کو ایمانداری سے چلایا جا رہا ہے گھپلے
باہر ہوتے ہیں۔"

"کیپسول!" میں نے آنکھیں سکیڑ کر پُرخیال انداز میں دُہرایا۔
"وہ مقامی مارکیٹ میں کیوں نہیں دیے جاتے؟"

"دلدار آغا سے ملاقات ہوگی تو پوچھ لوں گا۔" وہ جل کر
بولا۔ "تم تو مجھ پر ہی جرح کر رہے ہو۔"

"جرح نہیں، میں تمھیں سوچنے کی دعوت دے رہا ہوں۔"
میں نے نرمی سے کہا۔ "جو لوگ اس کے شی کے ساتھ روابط
سے بے خبر ہیں وہ اسے ایماندار سمجھ سکتے ہیں لیکن تم اس
کے پس منظر کے ساتھ کیپسولز کے معاملے پر غور کرو گے تو
تمھیں اندازہ ہو گا کہ گڑبڑ اسی مقام پر ہو سکتی ہے۔"

میری بات سن کر وہ فوری طور پر کچھ نہ بولا۔ اس کی
آنکھیں خیال انگیز انداز میں پھیلتی جا رہی تھیں پھر وہ ایک دم
ہی پُرجوش لہجے میں بولا تھا۔ "شاید تم صحیح کہہ رہے ہو۔ اب
مجھے پوری بات تم کو بتانی پڑے گی تاکہ تمھاری کھوپڑی کیپسولز
کی تیاری میں ہونے والی کسی گڑبڑ کو پکڑ سکے۔"

اس کے بعد ہمارے درمیان اس موضوع پر طویل
گفتگو ہوئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ جاز فارماسیوٹیکل ایک چھوٹی
لیکن جدید طرز کی فیکٹری تھی جہاں ہالینڈ کی ایک دوا ساز فرم
کے لائسنس کے تحت چار ادویات تیار کر کے مقامی مارکیٹ
میں فروخت کی جاتی تھیں البتہ ہارمونز کے کیپسول جو صرف
آرڈر کے تحت ہارمونیم کے نام سے برآمد کے لیے بنائے جاتے
تھے ان کی تیاری کا طریقہ بظاہر بہت زیادہ احتیاط طلب نظر
آتا تھا۔

عملے کے تمام افراد کو یہ بتایا گیا تھا کہ ہارمونیم کیپسولز میں
بھری جانے والی دوا انسانی [illegible] کے لیے نظام ہضم کے ذریعے
اگر اکسیر تھی تو جلد کے لیے بہت خطرناک اثرات رکھتی تھی۔ وہ
دوا اگر ایک بار جلد سے مس ہو جاتی تو اس مقام کی جلد گلنے کے
ساتھ ہی زخم تیزی کے ساتھ بڑھ سکتا تھا۔ گلتی ہوئی انسانی
جلد میں پیدا ہونے والے نادیدہ جراثیم اس قدر متعدی ہو سکتے
تھے کہ دوسروں سے جسمانی اتصال کے بغیر ہوا میں اڑ کر دوسرے
صحت مند افراد کی جلد کو گلانا شروع کر سکتے تھے خوف ناک
خواص رکھنے والے ان کیپسولز کی تیاری کے لیے فیکٹری کے
ایک علیحدہ حصے میں ہوا بند مشین نصب تھی جہاں جانے سے
ہر کارکن خوف کھاتا تھا کہ کہیں وہ متعدی جلدی بیماری کا شکار

نہ ہو جائے۔

وہ مشین ہمیشہ فیکٹری کے دو مخصوص ملازمین چلاتے تھے اور مشین والے کمرے میں جانے سے پہلے سر سے پیر تک وہ لباس پہنتے تھے جو گہرے پانیوں میں غوطہ خوری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ احتیاط کی انتہا یہ تھی کہ وہ اس کمرے کی فضا میں سانس بھی نہیں لیتے تھے بلکہ نظامِ تنفس کے لیے انھیں پشت پر لدے ہوئے سلنڈروں سے خالص آکسیجن ملتی تھی۔ وہ مشین خالی کیپسولز میں خطرناک دوا بھر کر خود کار طریقے سے پیک کرتی تھی۔ کیپسولز میں بھری جانے والی دوا یا اس کے اجزا کسی نامعلوم مقام سے درآمد کیے جاتے تھے اور انھیں مشین میں چارج کرنے کے لیے اتنی احتیاط برتی جاتی تھی کہ فیکٹری منیجر اپنے ماتحت عملے میں سے کسی کی زندگی داؤ پر لگانے کے بجائے بذاتِ خود ڈائیونگ کا سیٹوم پہن کر اپنے ہاتھوں سے وہ کام سرانجام دیتا تھا اور یوں تیار مشین فیکٹری کے دو مخصوص کارکنوں کے حوالے کر دی جاتی تھی۔

اس مشین اور اس میں استعمال ہونے والی خطرناک دوا کے بارے میں سپروائزر نے پہلے ہی دن سلطان شاہ کو بتا دیا تھا کہ وہ اس گندی جلدی بیماری کا شکار ہونے سے بچا رہے۔ رہی سہی باتیں اسے دوسرے ورکرز سے معلوم ہوئی تھیں جن میں یہ نکتہ بھی تھا کہ کمپنی بھاری منافع کی وجہ سے ہارمونیم کیپسول بنانے اور برآمد کرنے پر مجبور تھی اور اسی کی وجہ سے اپنے ملازمین کو معقول تنخواہیں دے رہی تھی، ورنہ دوسرے آئٹم مقامی بازار میں سخت مقابلہ بازی کی وجہ سے زیادہ منفعت بخش نہیں رہے تھے۔ شاید دلدار آغا نے وہ بات اپنے مفاد میں خود ہی کسی طرح ورکرز میں پھیلائی تھی۔

ان لوگوں میں اپنے فیکٹری منیجر کے لیے بھی احترام کے جذبات پائے جاتے تھے جو محض اپنے ماتحتوں کی سلامتی کی فکر میں مشین چارج کرنے کا ادنیٰ سا کام اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتا تھا جو اس کے منصب کے کسی طرح شایانِ شان نہیں تھا۔ ویسے بھی ہارمونیم پیک کرنے والی وہ مشین کئی کئی دن کے ناغے کے بعد حسبِ ضرورت چلائی جاتی تھی۔ اس کی خوبی یہ تھی کہ دورانِ کار جمع ہونے والے ناکارہ کیپسول اور دوسرا مشینی کچرا پیکنگ مکمل ہونے پر خود کار نظام کے تحت مشین کی برقی بھٹی میں جل کر راکھ ہو جاتا تھا۔ اس طرح کسی بھی شخص کے خطرناک دوا سے متاثر ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں چھوڑا گیا تھا۔

"یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے کہ ہارمونیم میں بھرے جانے والے سفوف کا راز برقرار رکھنے کے لیے کارخانے کے ملازمین میں اس کے بارے میں دہشت پھیلائی گئی ہے۔ متعدی جلدی بیماری کے خوف سے ہر ایک اس سفوف سے دور بھاگتا ہے۔" میں نے پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد کہا۔ "فیکٹری میں مجھے گمان تک نہیں گزرا تھا۔ اس ماحول پر جو کچھ بتایا گیا تھا وہ درست محسوس ہو رہا تھا۔ شاید اس میں موجود پرانے ملازمین کے تاثرات نے اہم رول ادا کیا تھا لیکن اب تم سے مل کر مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ سب ڈھکوسلا ہے۔ پورے ڈرامے کا اہم ترین عنصر یہ ہے کہ فیکٹری منیجر کے علاوہ دو ملازمین پورے ڈائیونگ کا سیٹوم کے ساتھ اس مشین کو چلاتے ہیں۔ کون سوچ سکتا ہے کہ وہ ڈراما ہو گا؟"

جاز فارماسیوٹیکل سے دلدار آغا کی وابستگی اس بات کی شاہد تھی کہ ہارمونیم کیپسول ہیروئن کے لیے استعمال کیے جاتے تھے اور اس سفوف کی حقیقت سے فیکٹری کے عملے کو بے خبر رکھنے کے لیے جلدی امراض کے ہولناک جراثیم کی کہانی پھیلائی گئی تاکہ تجسس سے مجبور ہو کر کوئی کارکن مشین سے خالص ہیروئن یا اس سے بھرا ہوا کیپسول چرانے کی کوشش نہ کرے۔ اس طرح میرا وہ شبہ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا تھا کہ دواساز کارخانے کی آڑ میں ڈی ڈی یا دلدار آغا ہیروئن کی اسمگلنگ کا کاروبار کر رہا تھا۔

"لیکن مافیا والوں کا کہنا ہے کہ شی ہیروئن کے انسداد کے لیے کام کر رہی ہے پھر ہارمونیم کی برآمد تو بے معنی ثابت ہو جاتی ہے۔ شی کی ساری توجہ تو اس بات پر مرکوز ہونا چاہیے کہ ہیروئن کی لعنت رفتہ رفتہ پاکستان کے ان جاگیرداروں اور بارسوخ گھرانوں تک میں پہنچا دیں جو اقتدار کے مالک ہیں۔ جب اس طبقے کے نوجوان لڑکے لڑکیاں ہیروئن کے نشے میں دھت ہونے لگیں گے تو ملک کا قانون اور انتظامیہ پوری قوت کے ساتھ افیم کی کاشت اور ہیروئن کی کشید کے خلاف میدانِ جنگ میں کود پڑے گی۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"مجھے نہیں معلوم کہ مافیا والوں سے تمہارے مذاکرات کہاں تک پہنچے ہیں اور ان کے نظریات کیا ہیں لیکن تمہاری یہ بات سو فیصد درست ہے کہ ہارمونیم خالص ہیروئن کے کیپسول ہوتے ہیں جنھیں دوا کی آڑ میں بہت کامیابی کے ساتھ ملک کے قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک کر برآمد کیا جا رہا ہے۔"

"مذاکرات آج ختم ہو گئے اور اب میں مافیا کا باقاعدہ حلف یافتہ رکن ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے اُسے آگاہ کیا اور پھر اسے اس تمام پیش رفت سے آگاہ کر دیا جس سے وہ بے خبر تھا۔

"معاملات بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔" میری پوری کہانی سن کر وہ تشویش آمیز لہجے میں بولا۔ "تم نے بتایا تھا کہ شی والوں نے جس دور میں کراچی میں چرس کی سپلائی روک کر ایک منظم منصوبے کے تحت عادی نشے بازوں میں مفت اور سستے داموں ہیروئن متعارف کرائی اس زمانے میں تم شی کے بہت سرگرم رکن تھے۔ تم خود غور کرو کہ شی والے اگر ہیروئن کی اسمگلنگ سے

ی فلمیں تھے توانھیں مقامی منڈی میں قدم رکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ وہ پسِ پشت رہ کر سکون سے کروڑوں کا منافع حاصل کرتے رہتے اور پاکستان میں نہ ہیروئن اتنے بڑے پیمانے پر متعارف ہوئی ہوتی اور نہ اس کے خلاف رائے عامہ کے اہم حلقوں میں غلغلہ پیدا ہوتا۔ اس طرح تو انھوں نے اپنے پیروں پر خود کلہاڑی ماری ہے۔"

"ایک یہی مضبوط ترین دلیل مافیا والوں کے حق میں جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دو لاکھ کی جو ہیروئن پاکستان کی منڈی میں تین چار لاکھ کی بکتی ہے غیر ملکی منڈیوں میں اس کے دو ڈھائی کروڑ بنتے ہیں اس لیے دشوار گزار پہاڑی علاقوں سے اعلیٰ درجے کی ہیروئن خرید کر اسے مقامی طور پر کھپانا سراسر بدنیتی پر مبنی ہے۔"

"اگر شی، ہیروئن کے خلاف امریکی مفادات کی جنگ لڑ رہی ہے تو پھر سب کچھ ممکن ہے۔ امریکیوں کے خفیہ ادارے دنیا بھر میں بدترین شہرت رکھتے ہیں۔ سی آئی اے بڑے اور وسیع تر عالمی مفادات کے لیے بارہا اپنے ہی لوگوں کو بکرا بنا چکی ہے اس لیے یہ بات ممکن نظر آتی ہے کہ شی ہیروئن کے ذریعے پاکستان کی نئی نسل کو تباہ کرنے کے منصوبے پر عمل کر رہی ہے تاکہ امریکی نئی نسل کو تباہی سے بچایا جا سکے۔ تمھیں معلوم ہے کہ امریکا کھلے بندوں اور خفیہ طریقوں سے ہیروئن کے خلاف بے دریغ ڈالر لٹاتا رہتا ہے۔ اگر چند برسوں میں شی کے ذریعے چند کروڑ ڈالر کی سرمایہ کاری کر کے پاکستان کی سرزمین سے افیم کو نیست و نابود کیا جا سکے تو ان کے لیے یہ سودا مہنگا نہیں رہے گا لیکن پھر تمھارا سوال آڑے آجاتا ہے کہ شی کا مقامی سربراہ، جاز فارماسیوٹیکل کی آڑ میں ہیروئن کیوں برآمد کر رہا ہے؟"

"بات سے بات نکلتی ہے تو پھر بہت سی کڑیاں خود بخود ملنے لگتی ہیں۔" میں نے کہا "جس طرح دلدار آغا نے فیکٹری کے ملازمین کو ہیروئن کی اسمگلنگ کے لیے اپنا آلۂ کار بنا رکھا ہے وہ بے چارے سمجھتے ہیں کہ مردانہ ہارمون کے قوت بخش کیپسول بنا رہے ہیں لیکن درحقیقت ہر کیپسول زہر کی ایک پُڑیا کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح، میرا خیال ہے کہ جمی لائیڈ نے شی میں اوپر سے نیچے تک ہر ایک کو احمق بنایا ہوا ہے۔ پاکستان اور نئے گولڈن کریسنٹ کے ملکوں سے باہر جانے والی ہیروئن کی بیشتر مقدار وہ تلف کرا دیتا ہے اور کچھ مقدار میں لیکٹوز کی بھاری ملاوٹ کر کے مغربی منڈیوں میں پھیلا دیتا ہے اس کی حکمتِ عملی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ ملاوٹ شدہ ہیروئن نسبتاً کم داموں پر مہیا کرتا ہو۔ اس طرح وہ خالص ہیروئن کی منڈی کو رفتہ رفتہ محدود کرتا جا رہا ہے۔ دوسری طرف باہر موصول ہونے والی ہیروئن کی مقدار سے اسے یہ اندازہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ پاکستان میں اس کے آدمی کتنے فعال ہیں۔۔۔"

"وہ ہیروئن پاکستان میں بھی تباہ کی جا سکتی ہے۔" سلطان شاہ میری بات کاٹ کر بولا "بے شمار خطرات مول لے کر بھاری سرمایہ خرچ کرنے کے بعد اسے یورپ یا امریکا میں تباہ کرنا ناقابلِ فہم ہے۔"

"تم بات پر غور نہیں کر رہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اول تو تم خود کہہ چکے ہو کہ ان کے پاس وسائل اور سرمائے کی کوئی کمی نہیں ہے۔ وہ اپنے ملک کو ہیروئن کی تباہ کن یلغار سے بچانے کے لیے تجوریوں کے مُنہ کھول سکتے ہیں۔ دوم یہ کہ یہاں سے ہیروئن باہر اسمگل کرنے والے اور اسے وصول کرنے والے دونوں شی کے گرگے ہوتے ہیں انھیں کسی کو کچھ لینا دینا نہیں پڑتا اس لیے معمولی سے کرائے یا کیریئر کے سفری اخراجات کے علاوہ انھیں یورپ یا امریکا میں بھی ہیروئن انھی داموں پڑتی ہے جن داموں پر وہ خیبر کے اطراف سے خریدی جاتی ہے۔ اگر جمی لائیڈ کو امریکی حکومت کی سرپرستی حاصل ہے تو اس کے پاس ہر فصل اور اس سے کشید ہونے والی ہیروئن کی صحیح مقدار کا تخمینہ ہوتا ہو گا۔ ان کا ملک سراغ رسانی اور مواصلات کے جدید ترین خلائی نظام سے کام لیتا ہے۔ انھیں یہ بات معلوم ہوتی رہتی ہے کہ ان کے آدمیوں نے کل پیداوار کے کتنے فیصد پر کنٹرول حاصل کیا ہے اس کی روشنی میں وہ اپنی حکمتِ عملی میں تبدیلیاں کرتے رہتے ہوں گے پھر جمی لائیڈ بھی کسی نہ کسی کو جواب دہ ہو گا خواہ وہ امریکا کا صدر ہی ہو۔ جمی لائیڈ اس خطے میں اپنی کارگزاریوں کی کاغذی رپورٹ کے بجائے اس اعلیٰ اتھارٹی کو ہیروئن کے وہ انبار دکھا سکتا ہے جو یہاں سے باہر اسمگل کیے گئے ہوں۔ اسی کے ساتھ ان کو اسمگلنگ کے ذریعے پاکستان کے انسدادی اقدامات میں ان دراڑوں کا علم ہوتا رہتا ہے جن سے اسمگلنگ کارساز ہوتی ہے۔ افیم اگانے والے سے لے کر ائیرپورٹ پر مراعات کے عوض بھاری رشوت وصول کرنے والے تک سلسلے کا ہر فرد ان کی نگاہ میں رہتا ہے۔ تمھیں شاید علم نہ ہو کہ پاکستان کو امریکا ہیروئن کے انسداد کے لیے ہر سال بھاری امداد دیتا ہے۔ وہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ اس امداد کو کس حد تک صحیح مدوں میں استعمال کیا جا رہا ہے اس طرح شی کے ذریعے سرکاری سطح پر ہونے والے مذاکرات میں بھی بہت مدد ملتی ہو گی۔"

"اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ دلدار آغا بھی بھاڑے کا ٹٹو ہے جسے خود اپنے کالے کرتوتوں کے اثرات کا علم نہیں۔ تم نے واقعی میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ تمھاری ہر بات میں وزن ہے اور اس سے مافیا اور شی کے مفادات کے ٹکراؤ کی بات بھی واضح ہو جاتی ہے لیکن اتنے بڑے کھیل میں ہم دو آدمی کیا

کردار ادا کر سکیں گے؟"

"بس دیکھتے جاؤ۔" میں نے کہا "ایک صف میں تم گھس گئے ہو دوسری طرف مجھے کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔ یہ جوڑ توڑ ضرور کوئی نہ کوئی رنگ دکھائے گا۔ ان باتوں پر ذرا گہرائی میں جا کر غور کرو تو خوف سے رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہیں۔ ایک طرف ملک میں ہیروئن کا کالا دھن روز بہ روز پھیل رہا ہے۔ یہ جو سرمایہ دار اقتدار اور انتخاب کی جنگ میں اسی فریق کا ساتھ دیں گے جو انہیں ان کے مفادات کے تحفظ کا یقین دلا سکے اور ان کی مدد کے بغیر کامیابی ناممکن ہے کیونکہ خطیر سرمائے کے بغیر آج بھی یہاں کسی کامیابی کا تصور محال ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ اقتدار کی باگ ڈور محبِ وطن لوگوں کے ہاتھ سے نکل کر اس طبقے کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی جس کی نکیل شی یا مافیا کے ہاتھ میں ہوگی۔ لاطینی امریکا کے کئی ملک اس وقت اس سیاسی عذاب سے گزر رہے ہیں۔ سکہ بند مجرم اپنی قوموں کی تقدیر کے مالک بن چکے ہیں اور بڑی خونریزیوں کے بغیر وہاں صورت حال میں کسی تبدیلی کے آثار نظر نہیں آتے۔ اس پورے المناک کھیل میں شی جیسی تنظیموں کو یہ بالادستی حاصل ہوتی ہے کہ ان کے پاس معاشرے کے بے ضمیر اور رشوت خور لوگوں کے پورے کوائف موجود ہوتے ہیں جس کے ذریعے ان تخریبی قوتوں کو ایک اشارے پر متحد و منظم دیوار کی طرح حرکت میں لایا جا سکتا ہے جو احکام کی تعمیل سے گریز کرے اس کا سیاہ نامۂ اعمال منظرِ عام پر لے آیا جاتا ہے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ اس قدر گندہ اور گھناؤنا چکر ہوگا۔" وہ اپنے دونوں کان پکڑتے ہوئے بولا "میں اپنے گاؤں سے کراچی آیا تو میرے ذہن میں صرف اتنی بات تھی کہ ہیروئن کے ذریعے کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کی جا سکتی ہے لیکن یہ تو پوری قوم کا سودا کرنے کا راستہ ہے۔ یہ خون جس کے منہ کو لگ جائے وہ کب چاہے گا کہ نیک اور دیانت دار لوگ اقتدار کی امانت سنبھال سکیں۔"

"عام طور پر لوگ اپنی ذات سے آگے کچھ نہیں سوچتے اور یہی خود غرضی ایک دن سب کو تباہی کے اندھے غار میں دھکیل دیتی ہے۔ ہیروئن اور کلاشنکوف ایسے ہولناک عناصر ہیں کہ یہ پورے معاشرے کو تہ و بالا کر سکتے ہیں اور ان دونوں کو افغانستان کے حالات سے شہ ملی ہے۔ گوریلا جنگ لڑنے والوں نے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہر طرح سے ان دونوں کی سرپرستی کی ہے لیکن ان کے لائے ہوئے اس ورثے کی قیمت ہمیں آنے والے برسوں میں ادا کرنی ہوگی۔ لڑنے والوں سے روسیوں کی کھلی دشمنی تھی لیکن ہیروئن اور کلاشنکوف کے فروغ میں روسیوں نے بھی دل کھول کر ان کی اعانت کی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ پہاڑوں اور دروں میں کشید ہونے والی ہیروئن کی بڑی مقدار آخر کار امریکا کی منڈی میں ہی بکے گی اور کلاشنکوف ہمارے گلے کا ہار بن جائے گی۔ دیکھا جائے تو روسیوں نے ہمیں کلاشنکوف کا تحفہ بھجوایا ہے اور امریکا نے ہیروئن ہمارے گلی کوچوں تک پہنچا دی ہے۔"

"وہ جنگ کچھ دن اور چلتی رہی تو کلاشنکوف واقعی تول کر لوہے کے بھاؤ ملنے لگے گی۔" اس نے پھریری لے کر کہا "لیکن یہ تو بتاؤ کہ جمی لائیڈ کی وھائٹ ہاؤس تک رسائی کی بات تم سے کس نے کہی تھی؟"

"یہ مافیا والوں کا انکشاف تھا۔ میرا خیال ہے کہ انہیں اس معاملے میں مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔" میں نے کہا "شی جس طرح آپریٹ کر رہی ہے اس سے بھی اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ اسے کہیں نہ کہیں سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔ ان کے سیٹ اپ میں پاکستان کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ تم صرف اس بات سے لگا سکتے ہو کہ لاہور میں لائیڈز کاٹیج نامی قلعہ نما عمارت میں شی کا مقامی ہیڈ کوارٹر قائم تھا جہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ تنظیم کے اثاثوں میں وہ واحد عمارت تھی جو جمی لائیڈ کے خاندانی نام سے موسوم تھی۔ اس وقت میری تم سے ملاقات ہو چکی تھی اور میں تنظیم سے باغی ہو چکا تھا۔ میں نے وہیں ایک تہ خانے کے مقفل کمرے میں جمی لائیڈ کی ایک رنگین قدِ آدم تصویر دیکھی تھی جسے ویرا نے پہچانا تھا۔ اس وقت وہ اس کے لیے ڈان مرسیانو تھا۔ ہم دونوں نے اس عمارت کو وہاں موجود زیرِ زمین بارودی ذخائر کی مدد سے تباہ کیا تھا۔ اس کے بعد ہی مجھے کھل کر سامنے آنا پڑا۔ اس وقت تک شاید مجھے شی کے نام کا علم بھی نہیں تھا ہم اسے بس تنظیم کے نام سے جانتے تھے۔"

"نہ جانے تم کس بل بوتے پر اتنے پر اُمید نظر آتے ہو۔ مجھے تو اب اپنی کامیابی کا ذرا بھی امکان نظر نہیں آتا۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔ "تم مافیا کا سہارا لے کر شی کو تباہ کرنے کا خواب دیکھ رہے ہو لیکن یہ بھول رہے ہو کہ ایک بڑی طاقت اپنے پورے اختیار اور وسائل کے ساتھ اس کی پشت پناہ ہے۔"

"تم احمق ہو گئے ہو۔ مافیا مدت سے چلی آ رہی ہے۔ شی بھی نہ جانے کب تک چلتی رہے۔ میری دلچسپی صرف اتنی سی ہے کہ ہیروئن کی تجارت میں پاکستان کی سرزمین کو جس بے رحمی سے اکھاڑا بنا لیا گیا ہے اسے ختم کیا جائے۔ اس سے آگے کچھ سوچنا کسی دیوانے کا خواب تو ہو سکتا ہے، میرا نہیں۔"

"یہ نہ بھولو کہ اٹلی میں تم ہاتھ دھو کر جمی لائیڈ کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ اگر میلان میں حالات اچانک ہی ہمارے خلاف رخ اختیار نہ کر لیتے تو تم اس کے پیچھے وینس جانے کا

وہ کر چکے تھے۔" اس نے یاد دلایا۔
"اس وقت کی بات اور تھی۔ نہ مافیا والوں سے میری ملاقات ہوئی تھی اور نہ مجھے شی کی صحیح طاقت کا اندازہ ہوا تھا۔ وہ تو پاکستان آکر ہی میری آنکھیں کھلی ہیں اور پوری بات سمجھ میں آرہی ہے ورنہ لائیڈز کا تیج کے وجود سے تو میں پہلے ہی سے واقف تھا۔"
"جمی لائیڈ ایک فرد ہے اور شی ایک تنظیم۔" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر کسی طرح جان ہتھیلی پر رکھ کر جمی لائیڈ کو ہلاک کر دیا جائے تو شی اپنی موت آپ مر جائے گی۔"
"پہلے میرا بھی یہی خیال تھا جو اب غلط ہوتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ اگر شی اس کی ذاتی تنظیم ہوتی اور وہ ایک فری لانس مجرم ہوتا تو اس کی موت سے شی کا شیرازہ بکھر جاتا۔ اب اگر وہ واقعی امریکی حکومت کی سرپرستی میں کام کر رہا ہے تو شی ایک ادارے کی حیثیت رکھتی ہے۔ جمی لائیڈ کے مرتے ہی اس کے نام سے کسی اور کو شی کا نیا سربراہ مقرر کر دیا جائے گا۔ جمی لائیڈ کو کسی نے نہیں دیکھا اس لیے کوئی بھی چالاک آدمی مناسب بریفنگ کے بعد اس کی جگہ سنبھال سکتا ہے۔ دیکھا جائے تو اب ہمیں پوری حکمت عملی پر نظرثانی کرنا پڑے گی۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہمیں واقعی اب بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "اب صبح کے چار بج رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ چائے کی ایک پیالی پی کر اب مجھے چلنا چاہیے۔ صبح میں اپنے گھر ہی سے فیکٹری جانا چاہتا ہوں تاکہ کوئی دشواری کھڑی نہ ہو۔"
"اوہ! باتوں میں تمہارے تعاقب کا معاملہ تو رہ ہی گیا۔ وہ کون تھا اور اس سے تم نے کس طرح پیچھا چھڑایا؟" میں نے اس کی روانگی کا ذکر آنے پر چونک کر سوال کیا۔
"وہ کوئی نیا چہرہ تھا۔ اس نے آج فیکٹری سے نکلتے ہی میرا پیچھا شروع کر دیا تھا اور مجھے گھر پہنچا کر خاموشی سے واپس لوٹ گیا۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ آج کل کے حالات کے پیش نظر وہ مشتبہ انداز میں میرے علاقے میں ٹھہرنا ہرگز پسند نہیں کرے گا۔"

وہ اپنے لیے چائے بنانے کے لیے کچن کی طرف بڑھ گیا اور میرا ذہن ایک بار پھر سیما کی لاش کی طرف بھٹک گیا۔ مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اس کے قاتل نے مجھے فون نمبروں کے ذریعے بے نقاب کرانے کے لیے پولیس کو پہلی فرصت میں سیما کے قتل سے آگاہ کر دیا ہوگا۔ اس کے باوجود گھنٹے گزر گئے تھے لیکن پولیس کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ اگر قتل کی اطلاع پر سست روی کا یہ عالم تھا تو دوسرے جرائم تو پولیس والوں کی کسی گنتی میں ہی نہیں آسکتے تھے جن کی ان دنوں شہر میں بہتات تھی۔
"جاز فارماسیوٹیکل میں کچھ وقت گزارنے کے بعد تم کس نتیجے پر پہنچے ہو؟" میں نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنے کی نیت سے کچن میں جا کر اس سے سوال کیا۔ ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہائش اختیار کرنے کی وجہ سے ہمارے درمیان تبادلہ خیال کے مواقع بہت کم رہ گئے تھے۔ بدقسمتی سے سلطان شاہ سے فون پر رابطے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں تھا اس لیے میں اس بے وقت ملاقات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہ رہا تھا۔
"سچ پوچھو تو میں نے وہاں رہ کر بھاڑ ہی جھونکا ہے۔" وہ خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "مجھے اصل معلومات تو یہاں آکر تم سے حاصل ہوئی ہیں۔ حیرت ہے کہ تم نے دیکھے بغیر کیپسولوں میں گڑبڑ کا اندازہ لگا لیا اور میں فیکٹری میں کام کرتے ہوئے بھی اس کا کوئی سراغ حاصل نہیں کر سکا۔"
"میں فیکٹری میں ہوتا تو شاید میرا اندازہ بھی تم سے مختلف نہ ہوتا۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "وہاں تم ان لوگوں کے ساتھ جذباتی طور پر ملوث تھے جو اس آسیبی مشین کو چلتے ہوئے دیکھتے رہے ہیں اس لیے حقیقت کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے جب کہ میں نے جذبات سے عاری لفظوں کے سہارے رائے قائم کی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ہر صورت حال کے نتائج اور انجام کے بارے میں باہر رہنے والے صحیح اندازہ لگا لیتے ہیں۔"
"پھر اب کیا مشورہ ہے تمہارا؟" اس نے سارا بوجھ مجھ پر ہی ڈال دیا۔
"تم نے اب تک ہر چیز کو طائرانہ نظر سے دیکھا ہے اس لیے میرے دل میں یہ خواہش ابھری ہے کہ تم اپنی فیکٹری سے کسی طرح ہارمونیم کا ایک بھرا ہوا کیپسول چرا لاؤ۔ ہم پی سی ایس آئی آر کی تجربہ گاہ میں اس کا تجزیہ کرائیں گے پھر رپورٹ کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل طے کریں گے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم جاز فارماسیوٹیکل پر اچانک دھاوا بول کر اسے تہس نہس کر دیں۔ تیسری راہ میرے مقصد سے ہم آہنگ ہے۔ ہم انسداد منشیات کے اعلیٰ اہلکاروں سے مل کر فیکٹری پر ایک ایسے وقت پر چھاپا ڈلوا سکتے ہیں جب وہاں ساری ڈرامائی تیاریوں کے ساتھ اس آسیبی مشین پر ہیروئن کے کیپسول بھرے اور پیک کیے جا رہے ہوں۔ میرے لیے غزالہ کو دلدار آغا کی سیاہ کاریوں سے آگاہ کرنے کا یہ سنہرا موقع ہو سکتا ہے۔ ایک بار وہ خود اپنی زبان سے دلدار آغا سے اپنی نفرت کا اظہار کر دے تو پھر اسے دلدار کے چنگل سے

نکال کر پناہ فراہم کرنا میرا کام ہوگا۔ میں اس بارے میں صرف مشورے دے سکتا ہوں۔ تم اندر کے آدمی ہو آخری فیصلہ تم ہی کو کرنا ہوگا کہ ہمیں ان تینوں میں سے کون سی راہ اختیار کرنا چاہیے۔ میں خلوصِ دل سے اس پر عمل کروں گا۔"

"تمھارا تجزیہ سو فیصد درست ہے۔" وہ اپنی بنائی ہوئی گرم گرم چائے کا ایک گھونٹ پیتے ہوئے بولا۔ "میں نے آج تک ایسے کسی ہارمون کے بارے میں نہیں سنا جو جلد کے لیے مہلک ہو لیکن جسم کے لیے سراپا طاقت بن جاتا ہو۔ ان لوگوں کے ساحرانہ طلسم میں گھر کر میں گمراہ ہوگیا تھا لیکن اب ہارمونیم کیپسول کے کسی تجزیے کے بغیر پورا یقین ہوگیا ہے کہ وہ ہیروئن کے کیپسول ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ عزالہ کو دلدار آغا کے گھناؤنے چہرے سے روشناس کرانے کے لیے تمھیں انسدادِ منشیات کے مقامی حکام سے رجوع کرنا چاہیے۔ جاز فارماسوٹیکل میں ایک بار رنگے ہاتھوں ہیروئن اور اس کے بھرے ہوئے کیپسول پکڑ لیے گئے تو دلدار آغا جیسے طبقۂ اشراف کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ تم چاہو تو اس معاملے میں مافیا والوں سے بھی کام لے سکتے ہو۔"

"مافیا شی کی طرح نہیں ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "وہ پیشہ ور مجرموں کی تنظیم ہے جو بڑی سختی سے خود ساختہ اخلاقیات کا پاس کرتی ہے۔ گو میں نے عیسائی عقیدے کے تحت جھوٹا حلف اٹھایا ہے لیکن اس میں ایک اہم ترین شق یہ ہے کہ اپنے ہم پیشہ لوگوں کے خلاف کسی بھی حالت میں اور کبھی بھی قانون یا اس کے محافظوں سے مدد نہیں لی جائے گی، خواہ شی کو اس احتراز کی کتنی ہی بھاری قیمت کیوں نہ ادا کرنا پڑے۔"

"یعنی وہ تمھیں حکام سے رجوع کرنے کی اجازت نہیں دیں گے؟" اس نے سوال کیا۔

"اجازت طلب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب ہوگا کہ میں نے مافیا کے لیے اٹھائے ہوئے اپنے حلف سے بغاوت کی ہے۔ یہ کام تو مجھے نہایت رازدارانہ طور پر، انفرادی سطح پر کرنا ہوگا تاکہ مافیا والوں کو کانوں کان بھی میرے عزائم کی بھنک نہ مل سکے ورنہ سیٹھ حبیب مجھ سے بھڑک جائے گا۔"

"اپنا طریقۂ کار تم خود بہتر طور پر طے کر سکتے ہو۔ میرا اندازہ ہے کہ ایف ون پرسوں چلائی جائے گی یعنی پرسوں فیکٹری میں اور مشین کے باؤل میں ہیروئن کی بھاری مقدار موجود ہونا چاہیے۔"

"یہ ایف ون کیا بلا ہے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ایف ون فلنگ مشین نمبر ایک کا مخفف ہے۔ وہ مشین فیکٹری کی دوسری مشینوں کے بعد آئی ہے لیکن اسے ایف ون کا نام دیا گیا ہے۔" اس نے بتایا۔

"میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا لیکن کامیابی کا سارا دار و مدار متعلقہ افسر کی مرضی پر منحصر ہوگا۔ فی الحال تو مجھے پولیس کی فکر ہے۔ نہ جانے سیما کی لاش کب تک اس کے فلیٹ میں پڑی سڑتی رہے گی۔ یہ بوجھ ذہن سے اترے تو میں آگے کچھ سوچنے کے قابل ہو سکوں گا۔"

"تھوڑی دیر میں صبح کا اجالا نمودار ہونے والا ہے۔ پولیس افسران اپنے گھروں پر رات گزارنے کے بعد ڈیوٹی پر واپس آئیں گے تو یہاں رونق شروع ہو جائے گی۔ تم نے اعصاب شکن انتظار میں اتنا وقت گزار لیا ہے تو تھوڑا سا انتظار اور کر لو۔ مجھے امید ہے کہ اس معاملے میں وہ تمھارے لیے مشکلات پیدا نہیں کر سکیں گے۔" وہ کچن میں کھڑے کھڑے اپنی چائے کی پیالی خالی کرتے ہوئے بولا۔

ساڑھے چار بجے سلطان شاہ مجھ سے رخصت ہوگیا۔ چلتے چلتے میں نے اسے تاکید کر دی تھی کہ موقع ملنے پر وہ مجھ سے کم از کم فون پر رابطہ برقرار رکھے تاکہ میں اسے اپنے اگلے پروگرام سے باخبر رکھ سکوں۔ میں نے یہ تو طے کر ہی لیا تھا کہ دلدار آغا کی فیکٹری کے لیے مجھے صوبائی محکمۂ ایکسائز کے کسی بڑے افسر سے مل کر وہاں چھاپا ڈلوانے کی پوری کوشش کرنا تھی۔

سلطان شاہ کے چلے جانے پر ایک مرتبہ پھر مجھے تنہائی اور پُرہول خیالات نے آ گھیرا اور جوں جوں وقت گزرتا چلا گیا، چھوٹے چھوٹے امکانات نے پُرہول خطرات کا روپ اختیار کرنا شروع کر دیا جن کا تدارک اس سے بھی زیادہ مشکل نظر آ رہا تھا۔

میں نے شبِ خوابی کا لباس تبدیل کیا اور بستر پر دراز ہونے سے پہلے ایک مرتبہ خود مقامی پولیس تھانے سے رجوع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ٹیلی فون ڈائریکٹری سے تھانے کا نمبر تلاش کر کے ڈائل کیا تو دوسری طرف دیر تک گھنٹی بجتی رہی لیکن کسی نے ریسیور اٹھانے کی زحمت نہیں کی جس پر میں نے تنگ آ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ دوبارہ نمبر ملایا تو دوسری طرف سے پہلی ہی گھنٹی کے بعد ریسیور پر ایک اکتائی ہوئی خوابناک ہیلو سنائی دی جس کا مطلب تھا کہ وہ جو کوئی بھی تھا، اس وقت صبحِ صادق کی گہری نیند سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ پچھلی بار بجنے والی طویل گھنٹیوں نے اسے نیند سے بیدار کر دیا تھا لیکن اس نے فون نہیں اٹھایا۔ شاید اسے خوف رہا ہو گا کہ کہیں وہ کال کسی افسرِ بالا کی نہ ہو جو تاخیر سے کال اٹینڈ کیے جانے پر برہم ہو سکتا تھا لیکن لائن کاٹ کر جب میں نے دوبارہ نمبر ملایا تو اس نے پہلی ہی

گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا۔

"کون بول رہا ہے؟" میں نے بھاری اور بارعب لہجے میں سوال کیا۔

"ہیڈ محرر۔ محمد علی!" وہ نیند کی جھونک میں مشینی انداز میں کہہ گیا لیکن فوراً ہی اس کی افسرانہ رگ پھڑک اٹھی "تم کون بول رہے ہو؟"

"میں ایک واردات کی اطلاع دینا چاہ رہا تھا۔ کافی دیر سے فون کر رہا ہوں لیکن تھانے میں کوئی ریسیور اٹھانے والا بھی نہیں ہے۔" میں نے قدرے بدمزگی کے ساتھ ماؤتھ پیس میں کہا۔

"نمبر غلط ملا ہوگا۔" درشت لہجے میں جواب دیا گیا "یہاں تو مجھے ساری رات فون کے سرہانے بیٹھے گزر گئی۔ ایک دفعہ بھی گھنٹی نہیں سنائی دی۔ واردات کی خبر سے پہلے اپنا نام پتا لکھواؤ۔"

"میں تھانہ انچارج سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے تحمل کے ساتھ کہا۔

"وہ گشت پر گئے ہوئے ہیں۔ جو کچھ بتانا ہے، مجھے بتادو، انھیں خبر مل جائے گی۔" میری ایک عام شہری کی حیثیت کا اندازہ کرلینے کے بعد اس کا لہجہ بتدریج بگڑتا ہی جارہا تھا۔

"تمھارے علاوہ تھانے میں کوئی اور موجود نہیں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"تمھیں اپنی چھوکری کا رشتہ کرنا ہے یا رپورٹ لکھوانا ہے؟" وہ کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا تھا "جو بتانا ہے مجھے بتاؤ یا فون بند کردو۔ میں تمھارے باپ کا نوکر نہیں ہوں جو اتنے سویرے سویرے تمھاری فالتو جرح کا جواب دیتا رہوں۔ رات کو ہمارا سارا عملہ گشت پر نہ نکلے تو چور ڈاکو تمھاری ایسی کی تیسی کرکے رکھ دیں گے۔"

وہ واضح طور پر نیند سے اٹھائے جانے پر جھلایا ہوا تھا اور شاید تھانے میں اکیلا ہی پھنسا ہوا تھا اس لیے میں نے اس سے الجھنے کے بجائے براہِ راست کام کی بات کرنے کا فیصلہ کرلیا "... علاقے کے ایک فلیٹ میں کئی گھنٹے سے ایک عورت کی لاش تمھارے افسروں کی منتظر ہے...!"

"لاش پڑی ہے تو صبح تک گل نہیں جائے گی۔" وہ میری بات کاٹ کر بھڑکے ہوئے انداز میں بولا "معلوم ہوتا ہے کہ تم خود ہی اس واردات میں ملوث ہو۔ تم اس سے پہلے بھی کسی اور سے گمنام فون کراچکے ہو۔ نام پتا بولو اپنا!" اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اگر میں اسے اپنا نام پتا بتادیتا تو وہ ہماری نیند خراب کرنے کے الزام میں اسی وقت مجھے پکڑوا کر حوالات میں بند کردیتا اور شاید مجھے ایسا رگڑا لگواتا کہ میں آئندہ کبھی کسی تھانے سے رجوع کرنے کی ہمت نہ کرتا۔

"نام پتا بتا کر میں تمھارے چکروں میں پھنسنا نہیں چاہتا۔ میں نے تمھیں خبر دے دی ہے اب اس پر اپنے تھانے دار سے کارروائی کرانا تمھارا کام ہے۔ تمھیں پہلی خبر لیے ہوئے تقریباً چار گھنٹے گزر چکے ہیں لیکن تم کسی مست سانڈ کی طرح تھانے میں پڑے سو رہے ہو۔ اب تک تو تم لوگوں کو قاتل کی راہ پر ہونا چاہیے تھا۔"

اس نے بھنا کر فون پر ایک موٹی سی گالی دی تھی پھر بولا "گمنام خبروں پر ہم پاگلوں کی طرح دوڑ لگاتے رہیں تو بس ہم نے چلا لیا اس شہر کا کام... مجھے سبق نہ پڑھاؤ اور فون بند کردو۔ ہم تمھارا نام پتا جانے بغیر اس خبر پر کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ تمھارے باپ کے نوکر نہیں ہیں ہم۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ مجھے تمھارے ایس پی یا ڈی آئی جی کو نیند سے اٹھانا پڑے گا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جیسے جی چاہے اٹھالو۔" غراہٹ سنائی دی "انھیں زیادہ تنخواہ ملتی ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ دوڑتے چلے آئیں۔ یہاں سے کوئی نہیں آئے گا...!"

اس کے خراب رویے کے پیشِ نظر میں نے نرمی سے اسے سمجھانا چاہا لیکن وہ کسی فرعون کی طرح اینٹھ کر اپنے افسرانِ بالا تک کے بارے میں بدکلامی پر اتر آیا۔ اس نے مجھ سے یہ تک پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ واردات کہاں ہوئی تھی اور غصے میں اپنی طرف سے ریسیور رکھ دیا۔

لائن بدستور ملی ہوئی تھی لیکن میں اپنی مزید کوئی بات اس بددماغ محرر تک نہیں پہنچا سکتا تھا اس لیے میں نے بھی ایک گہرا سانس لے کر فون بند کردیا۔

سخت کوفت کے عالم میں، میں روشنیاں گل کرکے بستر پر دراز ہوا تو مجھے یہ امید تھی کہ اصل قاتل نے ضرور اس محرر کو جائے واردات سے آگاہ کردیا ہوگا۔ اس نے اپنی دانست میں میری کسی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی لیکن یہ غنیمت تھا کہ اس قتل کے بارے میں اسے پہلی فون کال یاد تھی اور اگر اس کے دل میں کوئی نیکی آجاتی تو وہ قاتل کی فراہم کی ہوئی معلومات کے سہارے اپنے افسران کی رہنمائی کرسکتا تھا۔

میں قاتل کے عزائم سے آگاہ ہونے کے بعد سیا کے فلیٹ میں گھس کر فون کا سلسلہ منقطع کرنے کے لیے یوں بے چین ہوگیا تھا جیسے پولیس فوراً ہی وہاں دھاوا بولنے والی ہو لیکن وہاں کسی کے ٹس سے مس ہونے کے بھی آثار نہیں تھے۔ عوام کے ٹیکسوں پر پلنے والے امن وامان

کے ذمے دار ایک محکمے میں ایسی کالی بھیڑوں کی موجودگی شرمناک تھی۔ یہ محرّر جیسے غیر ذمے دار اور نا اہل لوگ ہی تھے جن کی وجہ سے شہر میں ہر طرف قاتل ڈاکو اور دہشت گرد آزادانہ دندناتے پھر رہے تھے۔ جس کا جہاں جی چاہتا بے خوفی کے ساتھ واردات کر گزرتا تھا اور اسے کوئی روکنے یا پکڑنے والا نہیں تھا۔ شاید اسی وجہ سے ماحول شی اور مافیا جیسی خون آشام تنظیموں کے لیے سازگار ہوتا جا رہا تھا۔

میری وہ پوری رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ گئی تھی لیکن پھر بھی نیند کا کوسوں دور تک پتا نہیں تھا۔ میں بستر پر پڑا اپنے قانون کے محافظوں کی حالت زار پر کڑھ رہا تھا کہ اچانک عمارت کے سنگلاخ زینے کئی وزنی جوتوں کی دھمک سے گونجنے لگے۔ آنے والے آپس میں اونچی آوازوں میں باتیں بھی کر رہے تھے۔

بے اختیار میری نگاہ اپنی رسٹ واچ کے چمکتے ہوئے ڈائل پر چلی گئی جہاں سوئیاں صبح کے ساڑھے پانچ بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔ رات کے گہرے سناٹے میں باہر سے آنے والی آوازیں میرے فلیٹ سے باہر راہداری میں مرکوز ہو گئی تھیں اور ساتھ ہی سیما کے فلیٹ کی گھنٹی بجنے کی آواز بھی سنائی دینے لگی تھی۔

چند منٹ بعد ہی میرے فلیٹ کی ڈور بیل بھی چیخ اٹھی اور میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ بستر چھوڑ دیا۔

میں نے دروازہ کھولا تو باہر تین باوردی پولیس والے موجود تھے جن میں سے ایک اپنے عہدے کے اعتبار سے سب انسپکٹر نظر آ رہا تھا بقیہ دو سپاہی تھے۔ ان کے پیچھے خوفزدہ چوکیدار کھڑا ہوا تھا۔

"اس گھر میں کون رہتا ہے؟" سب انسپکٹر نے کسی تمہید یا تعارف کے بغیر اپنی چھڑی سے سیما کے فلیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"کوئی خاتون رہتی ہیں۔" میں نے حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے محتاط لہجے میں کہا۔ "کیا آج پھر یہاں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے؟"

"تمہاری آنکھوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم دیر سے جاگ رہے ہو یا پھر پوری رات ہی نہیں سوئے ہو۔" سب انسپکٹر گہری نظروں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے اس عورت کے فلیٹ سے کوئی غیر معمولی آواز تو نہیں سنی تھی؟"

"نہیں!" میں نے اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "میں یہاں اکیلا رہتا ہوں اس لیے اس خاتون سے میرا تعارف نہیں ہے لیکن بات کیا ہے؟ کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔"

"ہم ایک اطلاع پر یہاں آئے ہیں لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔ کیا یہ خاتون راتوں کو گھر سے باہر رہنے کی بھی عادی ہے؟" وہ گھما پھرا کر میرے بارے میں کوئی ابتدائی رائے قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں نے عرض کیا نا کہ میرا اس سے تعارف نہیں ہے۔ مجھے اس کی عادتوں کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بارے میں آپ کا اندازہ درست ہو۔"

اس دوران میں ایک سپاہی نے سیما کی ڈور بیل بجانے کے ساتھ ہی بے تابانہ انداز میں دروازے پر دستک بھی دینا شروع کر دی تھی لیکن اندر وہی لامتناہی سکوت چھایا ہوا تھا۔

"وہ عورت فلیٹ میں اکیلی رہتی ہے؟" سب انسپکٹر نے مجھ سے اگلا سوال کیا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ویسے میں نے اس فلیٹ سے صرف اسے ہی آتے جاتے دیکھا ہے۔"

"اکیلی عورت ہے صاحب! ہو سکتا ہے کہ نیند کی گولیاں کھا کر سوتی ہو۔" ایک کانسٹیبل نے خوشامدانہ انداز میں سب انسپکٹر کو اپنی رائے پیش کی۔

"ہوں!" انسپکٹر نے چھڑی کا سرا اپنی پیشانی پر رگڑتے ہوئے پُرخیال انداز میں ہنکارا بھرا اور پھر سہمے ہوئے چوکیدار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تمہارے پاس اس فلیٹ کی دوسری چابی تو ضرور رہتی ہو گی۔"

"نہیں سرکار!" وہ رو دینے والے انداز میں بولا۔ "چابیاں صرف مالکوں کے پاس ہوتی ہیں۔"

"یہ عورت شروع سے اکیلی ہی رہتی ہے؟" سب انسپکٹر پوری طرح چوکیدار کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"سیما بی بی اور اس کے میاں دونوں ہوائی جہازوں کی کمپنیوں میں نوکری کرتے ہیں۔ وہ بہت کم ایک ساتھ رہتے ہیں۔ ایک آتا ہے تو دوسرا باہر ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تو کئی دنوں تک دونوں ہی میاں بیوی غائب رہتے ہیں۔ پچھلے کئی ہفتوں سے سیما بی بی یہاں اکیلی رہ رہی ہیں۔"

"اس سے یہاں مرد بھی ملنے آتے ہوں گے؟" سب انسپکٹر نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"مالکوں سے تو کوئی بھی ملنے آ سکتا ہے۔" وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ پھر شاید پولیس افسر کی تند نگاہوں کا سامنا کرتے ہی اس کی زبان کی لکنت دور ہو گئی۔ "کئی مرد بھی آتے ہیں۔"

"کوئی جواب نہیں ملتا سر!" ڈور بیل بجانے والے کانسٹیبل نے اعلان کیا۔ "اجازت ہو تو دروازہ توڑ دیں۔"

"یہاں ہر منزل پر صرف دو فلیٹ ہیں؟" سب انسپکٹر نے چوکیدار سے پہلا احمقانہ سوال کیا۔

"جی سرکار!" وہ سعادت مندانہ انداز میں بولا۔ "چار منزلہ

پر کل آٹھ فلیٹ ہیں۔ یہ شہر کا سب سے پُرسکون اور صاف ستھرا علاقہ تھا۔ پتا نہیں اسے کس کی نظر لگ گئی۔ خون خرابے اور ڈکیتی کے بعد آج نہ جانے کیا ہوا ہے جو اتنی صبح آپ لوگوں کو یہاں آنا پڑا ہے!"

"اوپر والی منزل سے دونوں فلیٹوں کے مالکوں کو یہاں بلا لاؤ۔" سب انسپکٹر نے چوکیدار کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنے ایک ماتحت کو تحکمانہ لہجے میں ہدایت کی اور وہ تیزی کے ساتھ اوپر جانے والے زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔

"اس فلیٹ کے بارے میں ہمیں ایک خبر ملی ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد سب انسپکٹر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہنا شروع کیا۔ "اس خبر کی تصدیق یا تردید کے لیے ہمارا فلیٹ میں داخل ہونا ضروری ہے۔ اندر سے جواب نہیں مل رہا اس لیے اب شاید ہمیں زبردستی اندر گھسنا پڑے گا۔ تم اس کے پڑوسی ہو، دو گواہ اوپر سے آجائیں گے۔ تم تینوں کی موجودگی میں ہم اندر جائیں گے۔ اگر کچھ نہ ملا تو دروازہ مرمت کرا دیں گے۔"

"تو کیا دروازہ توڑنا ہوگا؟" میں نے سادگی سے سوال کیا۔

"اس کے علاوہ کوئی اور صورت ہو تو وہ تم بتا دو۔" سب انسپکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میرا مطلب تھا کہ دروازہ توڑنے میں دھماکے ہوں گے۔ اگر بلڈنگ کے سارے مکینوں کو آگاہ کر دیا جائے تو مناسب ہوگا۔ ابھی لوٹ مار اور خونریزی کا قصہ تازہ ہے۔ سوتے ہوئے لوگ دھماکوں سے خوفزدہ ہو جائیں گے۔" میں نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھ لیں گے۔" وہ بے پروائی سے بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ تالا ہی کھل جائے، دروازہ نہ توڑنا پڑے۔"

"چاہیں تو میرا فلیٹ حاضر ہے۔ یہاں کب تک کھڑے رہیں گے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پیشکش کی۔ خود کو کسی قسم کے شبہے سے محفوظ رکھنے کے لیے اسے اندر بلانا ناگزیر ہو گیا تھا ورنہ وہ سوچ سکتا تھا کہ میں اپنے گھر کو اس کی نگاہوں سے بچائے رکھنا چاہ رہا تھا۔

اس نے فوراً ہی میری پیشکش قبول کر لی۔ چوکیدار کو وہیں چھوڑ کر وہ کانسٹیبل کے ساتھ اندر آ گیا۔

تھوڑی دیر میں اوپر والے بھی وہاں آ گئے۔ نیند سے بیدار کیے جانے کی ساری علامات ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہی تھیں لیکن پولیس والوں کو ایک مرتبہ پھر عمارت میں موجود پا کر ان کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔

سب انسپکٹر کا رویہ میرے ساتھ خشک اور سرد مہر رہا تھا لیکن اوپر سے آنے والوں سے اس نے ہاتھ ملانے کے بعد انھیں اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ پھر دونوں سپاہیوں کو نیچے آواز میں کچھ ہدایات دے کر باہر بھیج دیا۔

بہ مشکل ڈیڑھ دو منٹ بعد ایک کانسٹیبل نے سیما کے فلیٹ کا تالا کھل جانے کی اطلاع دے کر مجھے ششدر کر دیا۔ پولیس کے محکمے میں نقب زنی میں مہارت حاصل کرنا شاید ان کی پیشہ ورانہ تربیت کا حصہ تھا تاکہ وہ کہیں بھی اپنے فن کو استعمال کر کے اپنی راہ میں حائل دشواریوں کو دور کر سکیں۔

انسپکٹر کی سربراہی میں وہ مختصر اور عجیب سا جلوس میرے فلیٹ سے برآمد ہوا۔ اوپر والے دونوں افراد بھی میری طرح شبِ خوابی کے لباس میں تھے اور ان سب لوگوں میں شاید صرف مجھ ہی کو صورتِ حال کی سنگینی کا ادراک تھا ورنہ سب انسپکٹر کا رویہ اس وقت بہت رسمی نظر آ رہا تھا جیسے اسے اطلاع غلط ثابت ہونے کا پورا یقین ہو۔

وہ دونوں کانسٹیبل ڈسپلن کے خاصے پابند معلوم ہوتے تھے کیونکہ انھوں نے اپنی کاوشوں سے سیما کے فلیٹ کا قفل ضرور کھول لیا تھا لیکن اپنے افسر کی اجازت کے بغیر دروازہ نہیں کھولا تھا۔

انسپکٹر کے لیے دروازہ کھولا گیا۔ اندر پورے فلیٹ کی روشنیاں اسی طرح آن تھیں جس طرح میں نے چھوڑی تھیں۔ مختصر سی لابی سے انسپکٹر پہلے اس تاریک کمرے کی طرف گیا جس کا ایک دروازہ بالکونی میں کھلتا تھا۔ شاید اس کی جبلت نے اسے روشن کمروں کو چھوڑ کر تاریک کمرے کا رُخ کرنے پر اکسایا تھا۔ اس نے اس کمرے میں روشنی کی اور پھر اس کی نگاہیں پورے کمرے کا جائزہ لیتی ہوئی کھڑکی کے کٹے ہوئے شیشے پر مرکوز ہو گئیں۔

"سر لاش!" اچانک فلیٹ کی محدود فضا میں ایک کانسٹیبل کی سرسراتی ہوئی ہیجان آمیز آواز گونجی اور انسپکٹر پھرتی کے ساتھ پلٹ کر واپس دوڑ پڑا جیسے اس نے موقع پر پہنچنے میں ذرا بھی تاخیر کی تو لاش وہاں سے فرار ہو جائے گی۔

سیما کی لاش کی پتھرائی ہوئی بڑی بڑی آنکھوں نے اسے بہت بھیانک بنا دیا تھا۔ لاش پر نگاہ پڑتے ہی چوکیدار کے حلق سے ایک خوفزدہ چیخ برآمد ہوئی اور وہ تیورا کر وہیں قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ اوپر سے آنے والوں کی حالت بھی ابتر ہو گئی تھی۔ ان کے چہروں پر دہشت سے ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

میرے لیے وہاں کوئی بھی چیز نئی نہیں تھی لیکن میرا دوسروں سے مختلف رویہ اس مرحلے پر میرے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتا تھا اس لیے میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر جہاں تھا وہیں بیٹھتا چلا گیا۔

"او خدا! یہ کیا ہو رہا ہے؟" میں کپکپاتی ہوئی آواز میں کراہا تھا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ بربادی اور موت نے اس بلڈنگ کے

مکینوں کو تاک لیا ہے، یہ بے چاری کیسے مر گئی؟"

"شاید ہارٹ اٹیک ہوا ہو گا بے چاری کو۔" اوپر سے آنے والا ایک شخص بڑبڑایا۔ "جس حالت میں تھی، اسی حالت میں پڑی رہ گئی۔ موت بھی کیسی ظالم شے ہے۔ ایک پل کا بھی بھروسا نہیں ہوتا۔۔"

"ہارٹ اٹیک نہیں، یہ قتل ہے۔" سب انسپکٹر اس کی طرف مڑ کر ڈرامائی لہجے میں بولا۔ "اس کی پیشانی کو غور سے دیکھو۔ وہ گولی کا سوراخ ہے جس پر خون جم کر سیاہ ہو گیا ہے۔"

"ہائے۔" کہہ کر وہ شخص بھی اچانک قالین پر لمبا ہو گیا۔

"اس کمرے سے سب کو باہر نکالو۔" سب انسپکٹر نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ "کوئی شخص کسی چیز کو نہ چھیڑے۔ برابر والے کمرے کی کھڑکی کا شیشہ کٹا ہوا ہے۔ سارا ساز و سامان بہ ظاہر جوں کا توں نظر آ رہا ہے۔ یہ واردات بہت سنگین اور پیچیدہ معلوم ہوتی ہے۔" پھر اس نے مضبوطی سے میرے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور میری روح فنا ہو گئی۔

"میں اس فون کو ہاتھ نہیں لگانا چاہتا۔" انسپکٹر کہہ رہا تھا۔ "فون جس طرح لاش کے قریب بستر پر رکھا ہوا ہے اس سے اس کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ میں تمھارے فلیٹ سے تھانے فون کرنا چاہتا ہوں۔"

اس کا مدعا سن کر میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر نقاہت زدہ انداز میں اپنے گھٹنوں کو تھام کر آہستہ آہستہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

میں سب انسپکٹر کے ساتھ مقتولہ کی خواب گاہ سے باہر نکلا تو دونوں کانسٹیبل بے ہوش افراد کو بغلوں میں ہاتھ دے کر باہر گھسیٹ رہے تھے۔ اوپر والا واحد پڑوسی جو ہوش میں تھا، دور کھڑا خوف اور سکتے کے عالم میں مسلسل سیما کو گھورے جا رہا تھا اور سیما کی لاش! اللہ کی پناہ۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بستر پر موت کی آغوش میں لیٹی دروازے سے آنے جانے والوں کو حیرت اور دہشت سے گھور رہی ہو۔ کئی گھنٹے گزر جانے کی وجہ سے اس کے چہرے سے زندگی کی ہر رونق معدوم ہو چکی تھی، دمکتے ہوئے گلابی رخساروں پر موت کی زردی نے ڈیرے ڈال دیے تھے اور پتھرائی ہوئی آنکھوں میں سے زندگی کی آخری رمق تک مفقود ہو چکی تھی۔

سب انسپکٹر نے میرے فلیٹ پر آ کر عجلت میں اپنا مطلوبہ نمبر ملایا تھا اور پھر مؤدب لب و لہجے میں کسی کو اپنی اس وقت تک کی کارگزاری کی اطلاع دیتے ہوئے محکمانی کارروائی کے لیے متعلقہ عملے کو بھیجنے کے لیے کہا تھا۔ اسی وقت مجھے پتا چلا کہ اس کا نام محمود تھا اور وہ اپنے انچارج سے بات کر رہا تھا۔

"مشکوک آدمی سر!" سب انسپکٹر محمود نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے ماؤتھ پیس میں وہ الفاظ ادا کیے تو خوف سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ "ابھی تو کوئی نہیں ملا۔ میں نے دروازہ کھولنے سے پہلے اس کے پڑوسی اور اوپر والے دو فلیٹوں کے مکینوں کو بلا لیا تھا۔ لاش دریافت ہونے کے بعد اب ذرا مقتولہ کے پڑوسی پر محنت کرنے کا ارادہ ہے۔"

وہ سنگین گفتگو میرے بارے میں تھی جسے میں نظر انداز نہ کر سکا۔ اس کے بعد بھی محمود فون پر اپنے افسر سے بات کرتا رہا جس کا ایک لفظ بھی میرے ذہن میں نہیں سما سکا۔ میرے دل و دماغ میں بس ایک بات سما گئی تھی کہ سیما کی لاش دریافت کر لینے کے بعد محمود مجھ پر کچھ "محنت" کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور میں پولیس والوں کی اس خفیہ لغت سے اتنا نا آشنا نہیں تھا کہ اپنے اوپر محنت کا ذکر سن کر میرے بدن پر پسینے کی دھاریاں نہ بہہ نکلتیں۔

گفتگو ختم کرنے کے بعد محمود نے دوستانہ لیکن نہایت جارحانہ انداز میں میرے شانے پر ہاتھ مارا تھا۔ "تم یہیں بیٹھو میں ہدایات دے کر واپس آتا ہوں۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔"

میرے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ فلیٹ سے نکلتا چلا گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے اٹھا تھا۔ میرے اندازے کے عین مطابق اس نے باہر نکل کر میرے فلیٹ کا دروازہ بند نہیں کیا تھا جسے میں نے آہستگی سے بند کر دیا اور لپک کر فون کے پاس آ گیا۔

مجھ پر محنت شروع کی جانے والی تھی جسے سہہ لینا میری اپنی قوت برداشت پر منحصر تھا لیکن اسے ٹالنا میرے بس سے باہر تھا۔ پولیس والوں کے مقابلے میں اس وقت میں ایک کمزور ترین حریف تھا جس کی کوئی بھی رگ دبائی جا سکتی تھی۔

میں نے اپنے اصل نام اور عرفیت کا استعمال ترک کیا ہوا تھا۔ بلڈنگ میں اجتماعی ڈکیتی کی نام نہاد واردات کے بعد میں نے پولیس کے ریکارڈ میں اپنا نام پیٹر واک ہی لکھوایا تھا جس کی سند کے لیے اٹالین پاسپورٹ میری تحویل میں تھا جسے میں نے یورپ میں کامیابی کے ساتھ استعمال کیا تھا۔ یورپ کی پولیس اور وہاں کے اہل کار اپنے سائنسی طور طریقوں کی بنا پر ہم سے بہت آگے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ تفتیش کے دیسی طریقوں میں ہماری پولیس کا مدِ مقابل دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ میں پیٹر واک ہونے کے ثبوت میں اپنا پاسپورٹ پیش کر سکتا تھا لیکن اسے پھاڑ کر تلف کر دیا جاتا تو میں اپنی داد رسی کے لیے اطالوی قونصل سے بھی رجوع نہیں کر سکتا تھا۔ سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ میں اٹالین بن جانے کے باوجود اطالوی زبان سے ناواقف تھا اور مقامیوں کے لب و لہجے میں اردو بولتا تھا۔ اس بنا پر کوئی بھی دیسی حاکم بہ آسانی مجھ پر ہاتھ ڈال سکتا تھا

پاکستانی شہری چکر چلا کر غیر ملکی حکام کو فریب دے سکتے تھے لیکن ملکی اہل کاروں کو اس فریب میں مبتلا کرنا دشوار تھا کیونکہ یہاں ایک حمام میں سب ہی ننگے تھے اور ایک دوسرے کے طریقۂ واردات سے بھرپور واقفیت رکھتے تھے۔

نام اور شہریت کے بعد سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ میرے اور مقتولہ کے فلیٹ کے درمیان صرف ایک دیوار کا فاصلہ تھا اور اس کے قتل کے بارے میں اگر کوئی کچھ جان سکتا تھا تو وہ میں ہی ہو سکتا تھا۔ تیسری خرابی یہ تھی کہ اس وقت بھی میرے فلیٹ میں سائلنسر لگے ہوئے پستول سے بم گن تک کئی غیر قانونی مہلک ہتھیار موجود تھے اور اگر کسی بنا پر سب انسپکٹر محمود میرے فلیٹ کی تلاشی لینے پر تل جاتا تو میرے لیے اپنی گردن بچانا محال ہو جاتا۔

محمود مجھ پر محنت کرنا چاہ رہا تھا۔ اب مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ روایتی محنت کی بات کر رہا تھا یا پولیس والوں کی اصطلاحی محنت کا آغاز کرنا چاہ رہا تھا۔ اس وجہ سے میرے لیے بچاؤ کی پیشگی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہو گئی تھیں۔

ان دنوں پورے شہر میں میرے صرف دو ہمدرد رہ گئے تھے۔ ایک جہانگیر تھا جو بدمعاشیوں، غنڈہ گردیوں اور منشیات فروشی کے ذریعے بھاری سرمایہ کما کر ان دنوں شریف بن چکا تھا اور اپنی اس نام نہاد شرافت کی وجہ سے وہ کھل کر میری مدد نہیں کر سکتا تھا اور دوسرا مافیا کا بیورو چیف سیٹھ حبیب تھا جو پچھلی رات ہی حلف برداری کے بعد میرا باس بنا تھا۔ وہ شتی والوں کے ساتھ میرے تصادم سے بھی واقف تھا اس لیے اس سے خاصی مدد کی امید کی جا سکتی تھی۔

کچھ پتا نہیں تھا کہ محمود کب لوٹ آتا اس لیے میں نے آناً فاناً میں یہ سب سوچ کر ٹریڈ لائن کا نمبر ملایا اور دوسری گھنٹی بجتے ہی میرے کانوں میں سینڈو کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز آگئی۔

"میں شوٹر بول رہا ہوں سینڈو! چیف سے کہنا کہ میری خبر رکھے شاید پولیس کو میرے پیچھے لگا دیا گیا ہے۔" میں نے کسی تمہید کے بغیر براہِ راست کہا۔

"پولیس!" سینڈو کی تحیر آمیز گھٹی گھٹی آواز سنائی دی اور اسی وقت کسی نے وحشیانہ انداز میں میرا دروازہ دھڑ دھڑا کر رکھ دیا۔ اس وقت وہ جسارت صرف سب انسپکٹر محمود ہی کر سکتا تھا اس لیے میں نے مزید کچھ کہے بغیر فون بند کیا اور دوڑ کر دروازہ کھول دیا۔

باہر محمود کھڑا مجھے قہر بار نظروں سے گھور رہا تھا۔ "جب میں نے دروازہ کھلا چھوڑا تھا تو اسے بند کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ہوا سے بند ہو گیا ہو گا۔ میں نے بند نہیں کیا تھا۔" اپنی پشت پر محسوس ہونے والے ہوا کے ایک جھونکے سے مجھے جواب سوجھ گیا اور اسی وقت ایک سپاہی محمود کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

"شاید تم پیٹر واک کہلاتے ہو اور تمہارے پاس اٹالین پاسپورٹ ہے؟" محمود نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"تمہاری اطلاع درست ہے۔" میں نے تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے ابھی ابھی تھانے سے یہی بتایا گیا ہے۔ میں تمہاری سفری اور شناختی دستاویزات دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے میرے ساتھ ہیر پھیر کی کوئی کوشش کی تو میں ذرا بھی رعایت نہیں کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بیلٹ ہولسٹر سے اپنا سروس آٹومیٹک نکال لیا اور مجھے پیچھے دھکیلتے ہوئے اپنے سپاہی کے ساتھ اندر آ گیا۔

اس کے پستول کی نال میری طرف اٹھی ہوئی تھی۔

مجھے ان لوگوں کی طرف سے خطرہ ضرور محسوس ہو رہا تھا لیکن میں اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ سیما کے قتل کی تفتیش کے لیے آنے والے میرے ساتھ اتنی جلدی جارحانہ رویّہ اختیار کر لیں گے۔ سب انسپکٹر محمود نے جس طرح میرے اوپر پستول تانا تھا، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے اچانک ہی میرے بارے میں کوئی ایسا خیال آ گیا تھا جو میرے حق میں کسی بھی طرح سودمند ثابت نہیں ہو سکتا تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ اس آویزش کے شروع ہونے سے پہلے ہی مجھے اتنی مہلت مل گئی تھی کہ میں نے اپنے فلیٹ سے مافیا والے سینڈو کو فون کر کے اپنے خدشات سے آگاہ کر دیا تھا

اس کے بدلے ہوئے تیوروں پر مجھے بجا طور پر حیرت ہوئی تھی لیکن اس کا سبب صرف اتنا تھا کہ اسے جو کچھ چند گھنٹوں بعد کرنا چاہیے تھا وہ فوری طور پر اس پر کاربند ہو گیا تھا۔ میرے دل کا چور اپنی جگہ موجود تھا۔ میں جانتا تھا کہ اپنی شناخت کے بارے میں اس کے شبہات کو دور کرنا میرے لیے زیادہ سہل نہیں تھا۔ اس لیے میں نے اپنی اندرونی کیفیت کو پوشیدہ رکھتے ہوئے اس کے انداز پر اپنی حیرت کا اظہار برقرار رکھا اور اس کے پستول کی نال کو گھورتے ہوئے کسی سحرزدہ معمول کی طرح الٹے قدموں چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔

محمود نے جارحانہ انداز میں میرے سامنے نشست سنبھال کر پستول ہولسٹر میں واپس اڑسنے کے بجائے اپنی گود میں رکھ لیا اس کے ساتھ آنے والا سپاہی ڈرائنگ روم کے دروازے پر رک گیا۔

"میں سمجھ نہیں سکا کہ تمہیں میرے اوپر اسلحہ نکالنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" میں نے اس کے پستول کے بارے میں پہلی بار معصومانہ انداز میں اپنی زبان کھولی۔ "تم جو کچھ چاہتے ہو وہ میں تمہارے سامنے رکھ دوں گا۔ پاکستان میں کسی کا اطالوی نژاد ہونا ایسا سنگین جرم تو نہیں کہ اس سے اسلحے کے بل پر بات کی جائے؟"

"مجھے قانون پڑھانے کی کوشش مت کرو۔" وہ تلخ لہجے میں غرایا۔ "جو کہا جا رہا ہے وہ کرو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"یہ سلوک تم مقامیوں کے ساتھ کر سکتے ہو۔ میرے بارے میں تمھیں اطالوی کاؤنسلیٹ کو جواب دہ ہونا پڑے گا۔" میں نے متاسفانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور اگر تم نے قانون کا ذکر چھیڑ ہی دیا ہے تو پھر مجھ پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے تمھیں میرے ملک کے سفارتی حکام کو اس کے جواز کے بارے میں مطمئن کرنا ہوگا۔"

جواب میں انسپکٹر محمود کے منہ سے بے ساختہ ایک غلیظ گالی آزاد ہوگئی۔ "اگر اب مجھ سے کوئی بدتمیزی کی تو ٹھوکریں مار مار کر تمھارا چہرہ بگاڑ دوں گا۔ اپنے ہوش میں رہو! اس وقت تم اٹلی میں نہیں بلکہ پاکستان میں ہو۔ میں چاہوں تو ذرا سی دیر میں تمھیں اس فلیٹ سے ہمیشہ کے لیے اس طرح غائب کر دوں گا کہ پھر انٹرپول والے بھی تمھاری ہڈیوں کا سراغ نہیں لگا سکیں گے۔"

"تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو۔" میں نے بات الجھانے کی نیت سے احتجاج کیا۔ "پاکستان میں ہونے کا یہ مقصد نہیں کہ مجھے کسی بھی قانون کا کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے اور میں تمھارے رحم و کرم پر رہ گیا ہوں۔"

غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ اپنی مٹھیاں بھینچ کر چند ثانیوں تک مجھے گھورتا رہا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ اسی وقت مجھے کچا چبا جاتا۔ میں تحیر آمیز انداز میں براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ دراصل اس وقت میں فوری طور پر اسے غصہ دلا کر اس کا ذہن ماؤف کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا تاکہ وہ اپنی ساری توجہ مجھ سے ذاتی انتقام لینے پر مرکوز کر کے خانہ تلاشی جیسے اہم کام کو بھول جائے کیونکہ فلیٹ میں اس وقت بھی ایسا اسلحہ موجود تھا جس کے بارے میں میں کوئی بھی معقول اور قابل قبول وضاحت پیش نہیں کر سکتا تھا۔ اگر سب انسپکٹر میرے فلیٹ سے وہ غیر قانونی اسلحہ برآمد کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو میرا معاملہ بری طرح الجھ سکتا تھا اور گلو خلاصی دشوار ہو جاتی۔

دوسری طرف میرے مقدر نے اس حد تک میرا ساتھ دیا تھا کہ پولیس کا سامنا کرنے کے بعد بھی میرا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا اور میں نے انسپکٹر کے عزائم کا اندازہ لگا کر مختصر سی مہلت کا فائدہ اٹھا لیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میرا پیغام وصول کرتے ہی سینڈرو نے اپنے کام کا آغاز کر دیا ہوگا۔ مافیا والے تو وہ لوگ تھے جو اپنے حریف مجرموں کو بھی پولیس کی گرفت سے بچانے کے مشن پر عمل پیرا رہتے تھے جب کہ میں تو ان کا قریبی حلیف بن چکا تھا۔

"میں نے کہا ہے کہ اپنے شناختی اور سفری کاغذات دکھاؤ!" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر دانت پیستے ہوئے بولا۔ اس وقت اگر میں اس سے محفوظ فاصلے پر اور غیر ملکی ہونے کا دعوے دار نہ ہوتا تو اس نے یقیناً اپنے دعوے کے مطابق مجھے اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا ہوتا اس لیے میں نے اس کا فقرہ پورا ہونے سے پہلے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

میرے ڈرائنگ روم سے باہر نکلنے پر اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا البتہ سپاہی خاموشی سے میرے ساتھ ہو لیا۔ میں نے اپنی خواب گاہ میں ایک دراز سے سفری کاغذات کا لفافہ نکال لیا جو حسن اتفاق سے میں نے بیم گن اور پستول وغیرہ کے ساتھ ہی رکھا ہوا تھا۔ سپاہی نے وہ لفافہ دیں میرے ہاتھ سے لے لیا۔

"تم نے صاحب کو ناراض کر دیا ہے۔" وہ دھیمی مگر رازدارانہ آواز میں بولا۔ "ولایت کا قانون ادھر نہیں چلتا۔ یہاں وہی بات ٹھیک مانی جاتی ہے جو افسر کہتا ہے اور پولیس افسر تو قانون کا بادشاہ ہوتا ہے۔ جسے چاہے سزا دے، جسے چاہے بری کرا دے۔ صاحب کا موڈ ٹھیک نہ ہوا تو وہ تمھیں اندر کرا دے گا۔"

"میں تمھارے صاحب کو ناراض کرنا نہیں چاہ رہا تھا وہ خود ہی بھڑک گئے۔ موقع مل گیا تو میں اب بھی معافی مانگنے سے نہیں جھجکوں گا۔" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں کہا۔

"تم سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو۔" وہ ہولے سے میرے شانے پر تھپکی دے کر بزرگانہ انداز میں بولا۔ "عقل مند آدمی وہی ہوتا ہے جو اپنی غلطی فوراً مان لے۔ دیکھو! میں بھی تمھاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔" پھر اس نے رک کر اچانک رازدارانہ لہجے میں سوال کیا۔ "تمھارے پاس پینے پلانے کے لیے بھی کچھ ہے؟ تمھارے صاحب وسکی کا شوقین ہے!"

"شاید تم اسی وقت مجھے حوالات میں دیکھنا چاہتے ہو۔" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "اس نے میرے پاس بوتل دیکھ لی تو حدود کا مقدمہ بنا دے گا۔ یہاں آنے سے پہلے لوگوں نے مجھے ڈرا دیا تھا کہ پاکستان میں شراب رکھنے، بیچنے، خریدنے یا پینے پر کوڑے مارے جاتے ہیں۔ کمال کی بات ہے کہ وہ پولیس افسر ہو کر پیتا ہے۔"

سپاہی ذو معنی انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "کاغذ پر بنا ہوا قانون کسی کا کچھ نہیں بگاڑتا۔ آج تک کسی کو شراب پینے پر سزا نہیں ہوئی۔ اسی علاقے میں ہزاروں لوگ شرابی ہوں گے۔ بات بس اتنی سی ہے کہ سرکار کے پاس ہماری تنخواہیں بڑھانے کے لیے مال نہیں تھا تو شاید انھوں نے ہمیں اس قانون کا تحفہ دے دیا۔ اس کی وجہ سے ہماری اوپر کی آمدنی بڑھ گئی ہے اور تم تو شاید مسلمان ہی نہیں ہو۔ تم پر حدود کا کیس بن ہی نہیں سکتا۔ ساتھ بیٹھ کر پینے پلانے سے ذرا تعلقات اچھے ہو جاتے ہیں۔ صاحب خوش ہو جائے گا اور تمھاری جان بچ جائے گی۔"

ڈرائنگ روم میں سپاہی مجھ سے ایک قدم آگے نکل گیا اور کاغذات کا لفافہ اپنے افسر کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "یہ ملزم کے کاغذات ہیں سر! واردات میں اس کا ہاتھ ہو یا نہ ہو

زی شریف معلوم ہوتا ہے۔ آپ اس کی خطا در گزر کریں تو
معافی مانگنی چاہتا ہے۔ آپ کے اختیارات سے واقف ہوتے
کے دماغ سے اٹلی کا بخار اتر گیا ہے۔ میں نے اسے سمجھا دیا
کہ زیادہ اکڑ فوں کی تو اس کے فلیٹ سے اسی وقت ساٹھ گرام
دنی برآمد کر کے حوالات میں ڈال دیا جائے گا اور پھر اس کی ضمانت
نہیں ہو سکے گی۔"
"اللہ داد!" انسپکٹر کی آواز میں نشتر کی سی چبھن پیدا ہو گئی تھی۔
"معلوم ہوتا ہے کہ ملزم نے تجھے اندر لے جا کر تیری مٹھی گرم کر دی ہے
جو اس کی سفارش کر رہا ہے۔"
"نہیں صاحب!" سپاہی اللہ داد اپنے دونوں کان پکڑ کر خوشامدانہ
میں گھگھیایا۔ "افسرانِ بالا کی مرضی اور اجازت کے بغیر میں ایسے
لین دین کو حرام سمجھتا ہوں۔ آپ بھی یہ بات اچھی طرح جانتے
ہیں یہ شریف آدمی ہے۔ مجھے تو ویسے ہی اس پر ترس آ گیا تھا۔"
روانی میں یا اپنی کم فہمی کی بنا پر حلال و حرام کے بارے میں ایک
کی بات کہہ گیا تھا جس پر اس کے افسر کی پیشانی پر کوئی بل نہیں
تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ اپنے ماتحت کے بیان کیے ہوئے
فلسفے سے پوری طرح متفق تھا۔ اللہ داد کی بات پوری ہوتے ہی
خود کی استفسار طلب نگاہیں میری طرف اٹھیں تو میں فوراً بول پڑا۔
"میں نے اس بے چارے کو کچھ نہیں دیا۔" میں نے مصلحت کی
بنا پر خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "میرا تم سے الجھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔
اصل یہاں کا طریقۂ کار میرے لیے نیا ہے جس کی وجہ سے میں
ستاخی کر بیٹھا۔ اٹلی میں بھی کم جرائم نہیں ہوتے لیکن وہاں پولیس
وارنٹ کے بغیر کسی شہری کے مکان میں داخل ہونے کا حق نہیں
رکھتی۔ اسی طرح کسی بھی تفتیش میں شامل کیے جانے والے مشتبہ
شخص یا ممکنہ گواہوں کو یہ قانونی حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے وکیل
سے مشورہ کیے بغیر پولیس کے کسی بھی سوال کا جواب دینے یا نہ دینے
کا فیصلہ کر سکیں۔"
"تو آ گئی تمہاری کھوپڑی اپنے ٹھکانے پر!" وہ استہزائیہ
لہجے میں بولا۔ "قانون کچھ نہیں ہوتا۔ موٹی موٹی کتابوں میں لکھا ہوا قانون
بے جان، بے بس اور اندھا ہوتا ہے۔ ہم جیسے افسر اسے زندگی دیتے
ہیں اور ہم سے ٹکرانے والا پاتال میں بھی سکھ سے نہیں رہ سکتا۔ اس
بنگلے میں کیا ہو رہا ہے؟ کسی کو نہیں معلوم۔ تھوڑی دیر میں
تمہارے پڑوس میں ایک جوان اور خوبصورت عورت کی لاش کی
موجودگی کی خبر جنگل کی آگ کی طرح دور دور تک پھیل جائے گی۔
وہ اکیلی رہتی تھی اور تم بھی اکیلے ہو۔ اگر میں ابھی تمہیں پکڑ کر لے
جاؤں تو ہمارے کچھ کہے بغیر بیچ کی باتیں اخبار والے اور لوگ خود
بنا کر لیں گے اور عدالت میری کہی ہوئی ہر بات پر غور کرنے پر
مجبور ہو گی۔" بتدریج اس کا لہجہ تکبر آمیز ہو گیا تھا۔
"میں اپنے رویے پر ایک بار پھر کھلے دل سے معافی چاہتا
ہوں۔" میں سراپا انکسار بننے پر مجبور ہو گیا تھا۔
"بیٹھ جاؤ!" اس نے پہلو بدلتے ہوئے اللہ داد کا دیا ہوا
لفافہ کھول کر دیکھے بغیر تپائی پر ڈال دیا۔
اپنی جگہ سنبھالتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ اس دوران میں
اللہ داد موقع پا کر وہاں سے کھسک چکا تھا۔ شاید اس نے اپنے افسر
کو تخلیے میں معاملات طے کرنے کی آزادی فراہم کی تھی۔
"لاش دیکھنے کے بعد سے میرا حلق خشک ہو رہا ہے اجازت
ہو تو ہونٹ تر کر لوں؟" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔
"پانی پیو گے؟" اس نے ترچھی نظروں سے مجھے گھورتے
ہوئے سوال کیا۔
"ویسے الکحل بھی پڑی ہو گی۔" میں نے اثبات میں سر ہلاتے
ہوئے کہا۔ "ڈیلکس اسکاچ ہے۔"
"لعنت ہے!" وہ بڑبڑایا۔ "میری تو ساری صبح غارت ہو گئی۔
تھوڑی دیر میں کوئی نہ کوئی بڑا افسر بھی جائے واردات کا معائنہ
کرنے آ جائے گا۔ میرے لیے جلدی سے ایک ڈبل گلاس بنا لاؤ۔
برف کے بجائے تھوڑا سا ٹھنڈا پانی ڈال دینا۔"
میرے لیے وہ جمود ٹوٹنے کا پہلا اشارہ تھا۔ اس لیے میں
سعادت مندی کے ساتھ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر چل دیا۔
ہم دونوں برابری کے ماحول میں نہیں تھے۔ قانون کی پرورش
اور پرداخت کے بھرپور احساس نے اس کے حواس کو پہلے ہی سے
مخمور کیا ہوا تھا اس لیے اس وقت ٹوسٹ تجویز کرنے کا کوئی موقع
نہیں تھا اس نے میرے ہاتھ سے گلاس لیتے ہی چھلکتے ہوئے
کندن کا ایک بڑا سا گھونٹ منہ بناتے ہوئے اپنے معدے میں
اتار لیا۔
میرا گلاس ہلکا تھا میں نے بھی اس کی تقلید کی اور اس کے
مقابل اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔ میں نے خاص طور پر نوٹ کیا تھا کہ
اللہ داد کا دیا ہوا لفافہ جوں کا توں تپائی پر پڑا ہوا تھا۔ اس سب انسپکٹر
نے میری غیر حاضری میں بھی میری فراہم کی ہوئی دستاویزات کا جائزہ
لینے کی زحمت نہیں کی تھی۔
"تم اٹلی سے یہاں کیوں آئے ہو؟" اس نے میرے بڑھائے
ہوئے پیکٹ سے ایک سگریٹ کھینچ کر سوال کیا۔
"سیاحت کے لیے!" میں نے اس کے ہونٹوں میں دبی ہوئی
سگریٹ کو لائٹر سے شعلہ دکھاتے ہوئے اختصار کے ساتھ جواب
دیا۔ "چند دن بعد لوٹ جاؤں گا۔"
"سیاحت کے لیے یہاں کیا رکھا ہے؟ دیکھنے والی اصل
جگہیں تو افغان سرحد پر اور پہاڑی وادیوں میں ہیں۔ باہر سے
آنے والے عام طور پر سیدھے اسی طرف جاتے ہیں۔"
"سرحد پار سے داغے جانے والے میزائل آج کل کثرت
سے تمہاری سرحدی آبادیوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ اس لیے اس

طرف جانے کا ارادہ نہیں ہے۔ شاید بعد میں کبھی اُدھر کی سیر کا موقع بھی مل جائے۔"

"تم نے کہا تھا کہ تم اٹالین ہو؟" اس نے دوسرا نسبتاً چھوٹا گھونٹ لے کر سوال کیا۔

"میری شناختی اور سفری دستاویزات اس لفافے میں موجود ہیں، تم خود دیکھ سکتے ہو۔"

"پیسہ جیب میں ہو تو ہر قسم کی دستاویزات کھڑے کھڑے مل جاتی ہیں۔" اس ظالم نے بے پروایانہ لہجے میں وہی بات کہہ ڈالی جو میرے دل میں کھٹک رہی تھی۔ "مجھ سے سیدھی سیدھی بات کرو۔ اٹلی کا کوئی باشندہ ساری عمر سر کے بل کھڑا ہو کر کوشش کرے تب بھی تمہاری جیسی صاف اور رواں اردو نہیں بول سکتا۔" اس نے تیسرا گھونٹ لیا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "یہاں سے بہت سے اشتہاری مجرم دے دلا کر باہر فرار ہو جاتے ہیں اور وہاں سیاسی پناہ لے کر دس بارہ سال بعد نئے نام اور نئی قومیت کے ساتھ یہاں واپس آجاتے ہیں۔ مجھے تو تمہارے نام کی اصلیت پر بھی شبہ ہے۔ یہ بتاؤ کہ یہاں سے کب اور کس جرم میں ملوث ہونے کے بعد فرار ہوئے تھے؟"

اس کی گفتگو کا ایک ایک لفظ بالکل واضح تھا۔ دونوں کا خمیر ایک ہی مٹی سے اٹھا تھا اس لیے دونوں ایک دوسرے کو خوب سمجھ رہے تھے۔ میں نے اپنی شناخت بدلنے کے سارے جتن تو کر لیے تھے لیکن زبان اور لب و لہجے کے معاملے میں خطرناک چوک کر بیٹھا تھا اور محمود نے اسی ذرا سی بات کو پکڑ کر میرے لیے جال کا پہلا پھندا تیار کر لیا تھا۔

"میں تمہاری بات نہیں سمجھ سکا۔" میں نے حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ "اردو اتنی مشکل زبان نہیں ہے کہ کوئی غیر ملکی اسے اہلِ زبان کی طرح نہ بول سکے۔ میرے بزرگ اسی علاقے سے ہجرت کر کے پہلی جنگِ عظیم کے بعد یورپ گئے تھے اور پھر وہیں کے ہو رہے، مگر میرے دل میں ماضی کے کٹے ہوئے رشتوں کا احساس باقی تھا اس لیے میں نے لندن میں اردو کی تعلیم حاصل کی اور اب موقع ملتے ہی یہاں آگیا لیکن یہاں سب کچھ اجنبی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ تم بھی مجھ پر شبہ کر رہے ہو۔ تم مفرور مجرموں کا دس بیس سال کا ریکارڈ دیکھ سکتے ہو۔ اس میں کہیں بھی میرے نام کا شائبہ تک مل جائے تو بلا تردد تم اپنے ہاتھوں سے مجھے گولی مار دینا۔ آخر مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں اس بیچاری کو ہلاک کرتا۔"

"تم دو مختلف باتوں کو ملا رہے ہو۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مکارانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے اندازہ ہے کہ اپنی پڑوسن کے قتل میں تمہارا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ رات کو نامعلوم قاتل نے دو بار تھانے کے محرر کو فون پر اس قتل کی اطلاع دی تھی۔ کوئی

بھی قاتل اس قدر احمق یا سادہ لوح نہیں ہو سکتا کہ پولیس کو واردات پر آنے کی دعوت دے کر خود گرفتاری کے انتظار میں وہیں بیٹھا رہے۔ یہ کام باہر کے کسی آدمی کا ہے۔ وہ بھی زیادہ دیر تک ہماری نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گا۔ ہم بہت جلد اس کا سراغ لگا لیں گے۔"

"پھر تم مجھ پر کس بات کا شبہ کر رہے ہو؟" میں نے ... سے سوال کیا۔

اس نے ایک لمبا گھونٹ لے کر اپنا گلاس خالی کر دیا اور زہریلی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اگر تم نے اردو بہت شوق سے سیکھی ہے تو تم نے وہ محاورہ بھی پڑھا ہوگا کہ موسیٰ پہاڑ پر آگ لینے گئے تھے لیکن پیغمبری لے کر واپس لوٹے تھے۔ مجھے اپنے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا نظر آ رہا ہے۔"

"میری نظر سے ایسا کوئی محاورہ نہیں گزرا۔ کھل کر بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اس کے انکشاف پر میرے اعصاب تک چٹخنا شروع ہو گئے تھے۔

"میں اس وقت یہاں ایک قتل کی خبر کی تصدیق کے لیے آیا ہوں لیکن میرا اندازہ ہے کہ میں نے تمہاری صورت میں ایک نیا اور زیادہ اہم کیس دریافت کر لیا ہے۔ تم یقیناً وہ نہیں ہو جو خود کو ظاہر کر رہے ہو۔ تم لاکھ چھپاؤ لیکن میں اگلے ایک دو روز میں اپنی تحقیقات کے نتائج سے تم کو حیران کر دوں گا۔"

"اور ان دو روز تک میرا کیا ہوگا؟" میں نے اپنے وجود کی گہرائیوں میں اٹھنے والی خوف کی لہروں پر قابو پاتے ہوئے تشویش آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تم غیر ملکی ہو۔" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے طنزیہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ "میں نے تمہارے ساتھ شراب پی لی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرے سپاہی نے تمہاری سفارش کی ہے۔ اس لیے میں فی الحال تمہیں پوچھ گچھ کے لیے اپنے ساتھ تھانے نہیں لے جاؤں گا اور اپنے طور پر تمہارے بارے میں تفتیش کروں گا۔ اس دوران میں تم میری اجازت کے بغیر یہ فلیٹ نہیں چھوڑو گے اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو سادہ لباس میں تمہاری نگرانی پر مامور میرے آدمی کسی بھی ایسے الزام میں تمہیں فوراً گرفتار کر لیں گے کہ تمہاری ضمانت بھی نہیں ہو سکے گی۔" اس نے اپنا پستول ہولسٹر میں ڈال لیا۔

"یہ زیادتی ہے۔" میں نے جھرجھری لے کر کہا پھر فوراً ہی سنبھالا لے کر بولا۔ "لیکن میں اس رعایت کا شکر گزار ہوں کہ تم مجھے شبہے میں فوراً گرفتار نہیں کر رہے ہو۔ یہ بھی تمہارا احسان ہے کہ تم نے اپنے شبہے کی نوعیت ظاہر کر کے میرے لیے یہ تسلی دی ہے کہ میں کم از کم قتل جیسے سنگین اور بھیانک جرم میں ملوث نہیں سمجھا جا رہا ہوں۔"

"نہیں، میں نے یہ تسلی نہیں کرائی۔۔۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اللہ داد اچانک اندر آ گیا تھا۔

"کیا بات ہے؟" محمود مجھے نظر انداز کر کے فوراً اپنے سپاہی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تھانے سے انچارج صاحب کا ڈرائیور آیا ہے۔" سپاہی نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اسے روکو، میں آتا ہوں۔" وہ سپاہی کو ہدایت دیتے ہوئے، تپائی پر سے میری سفری دستاویزات کا لفافہ لے کر کھڑا ہو گیا۔ سپاہی اس سے ہدایت ملتے ہی واپس لوٹ گیا۔

"تم کیا کہہ رہے تھے؟" اسے روانگی پر آمادہ پا کر میں نے انتظاری لہجے میں اسے اس کی ادھوری بات یاد دلاتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"میں کہہ رہا تھا کہ یہ تو ائیر ہوسٹس کے قتل کا معاملہ ہے، بظاہر تم اس سے الگ نظر آتے ہو لیکن ہو سکتا ہے کہ میں اپنی محنت کے نتیجے میں یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاؤں کہ آج سے کچھ عرصے پہلے پاکستان سے فرار ہونے تک تم قتل اور ڈکیتی وغیرہ کی متعدد وارداتوں کا ارتکاب کر چکے تھے۔"

وہ بہت تیز و طرار آدمی تھا اور اپنے کارڈ قرینے سے کھیلنے کا عادی نظر آتا تھا۔ وہ لمحہ بہ لمحہ اپنی بدلتی ہوئی گفتگو سے مجھے دہلائے دے رہا تھا اور یہ ظاہر ہونے لگا تھا کہ مجھے متوقع خطرات کا احساس دلا کر وہ میری زبان سے کوئی پیش کش سننے کا منتظر تھا جب کہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اس سے مصالحت کا عندیہ ظاہر کر کے میں اس کے ظاہر کیے ہوئے شبہات پر پوری طرح مہر تصدیق ثبت کر دیتا جس کے بعد کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا منہ کھولتا اور کس انداز میں مجھ سے بھرپور سودے بازی کرنے کی کوشش کرتا۔

"تمہاری باتیں کسی بھی شریف آدمی کا خون خشک کر دینے کے لیے کافی ہیں۔" میں نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"ابھی یہ صرف باتیں ہیں۔ ان امکانات پر میں نے تھوڑا سا کام بھی کر لیا تو یہ سب الزامات بلکہ جرائم بن جائیں گے۔" اس نے سگریٹ کا ٹوٹا ایش ٹرے میں رگڑتے ہوئے کہا۔

"تم چاہو تو میں اپنا پروگرام مختصر کر کے کل ہی پاکستان چھوڑ سکتا ہوں۔ میں یہاں کسی بڑی الجھن میں نہیں پڑنا چاہتا۔ کوئی بھی اسکینڈل مجھے برباد کر دے گا۔"

"فی الحال تو تم روانگی کا ارادہ ملتوی ہی رکھو کیونکہ تمہاری سفری دستاویزات میں غیر سرکاری طور پر اپنی تحویل میں لے رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ اگلے چوبیس گھنٹوں تک میں ائیر ہوسٹس کے قتل کی کارروائیوں میں مصروف رہوں، اس لیے اس مدت کو سوچنے سمجھنے کے لیے استعمال کر سکتے ہو۔ اس دوران میں تمہاری طرف سے کوئی پیغام نہ ملا تو میں اپنا کام شروع کر دوں گا اور پھر وہی ہو گا جو میں چاہوں گا۔" اس کی گفتگو واضح طور پر دھمکی آمیز تھی لیکن بات وہی تھی کہ وہ کوئی مطالبہ پیش کرنے کے بجائے پیش کش سننے کا منتظر تھا۔

"میں کچھ نہیں سوچ سکوں گا۔ تم خود کھل کر بات کیوں نہیں کرتے؟"

"تم ننھے سے بچے نہیں ہو۔ میں اس سے زیادہ کھل کر کیا بات کروں گا؟ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ ایس ایچ او کا ڈرائیور میرے لیے کوئی اہم پیغام لایا ہو گا۔"

"ذرا ایک منٹ ٹھہرو۔" میں نے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔ "دو دن تک یہ معاملہ صرف تمہاری ذات تک محدود رہے گا نا؟" میں نے رازدارانہ لہجے میں سوال کیا۔

"صرف چوبیس گھنٹے تک!" اس کے ہونٹوں پر سفاکانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "کل صبح جب میں کام شروع کروں گا تو مجھے اپنے محکمے سے مدد لینا پڑے گی اور یہ معاملہ میری ذات تک محدود نہیں رہے گا۔"

"اس وقت کی کارروائی میں تو میرا نام نہیں آئے گا؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"وہ تو ضروری ہے۔ تمہاری موجودگی میں ہم نے دروازہ کھولا ہے اور تم اس کے واحد پڑوسی ہو۔"

"اوپر سے دو افراد آئے تھے، چوکیدار بھی تھا۔" میں نے ایک موہوم سی امید پر لجلجا کر کہا۔ "میری درخواست ہے کہ مجھے اس قتل کے معاملے سے باہر ہی رکھو۔ اگلے چوبیس گھنٹے گزرنے سے قبل کوئی نہ کوئی ایسی راہ نکل آئے گی کہ ہمارے درمیان سمجھوتا ہو جائے گا۔"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرا دیا۔ "چلو یہ بھی ہو جائے گا لیکن یہ یاد رکھنا کہ اب تم مجھ سے اجازت لینے تک اپنے اسی فلیٹ میں محصور رہو گے۔"

"تم بے فکر رہو، تم سے رابطہ کیسے ہو گا؟" میں نے اپنے وجود میں اطمینان کی لہر محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"پولیس اسٹیشن فون کر لینا۔ میں موجود نہ ہوا تو تمہارا پیغام ملنے پر خود آ جاؤں گا۔" میری ہی طرح وہ بھی خود کو فتح مند سمجھ کر مطمئن نظر آنے لگا تھا۔

"میرا نام ڈکیتی کی واردات کے گواہوں کے ساتھ تمہارے ریکارڈ پر آ چکا ہے اس لیے میں اپنا نام ڈیسمنڈ بتاؤں گا۔" اس کی نیت ظاہر ہو جانے کے بعد میں آہستہ آہستہ اس سے برابری کی سطح کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ سر ہلاتا ہوا تیزی کے ساتھ میرے فلیٹ سے نکلتا چلا گیا اور میں دروازہ بند کر کے بے جان انداز میں ایک کرسی پر گر

گیا۔ اس صورتِ حال نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

وہ نہ مجھے پہچان سکا تھا اور نہ ہی اس نے میرے ساتھ کوئی بدسلوکی کی تھی لیکن اس نے اپنے تجربے کی بنیاد پر اپنے جن خیالات کا اظہار کیا تھا، وہ میرے حق میں مہلک ثابت ہو سکتے تھے۔ میرے پاس رقم کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن وقتی طور پر محمود کی زبان بند رکھنے کے لیے اگر میں اس وقت اس سے کوئی سودا کرنے کی کوشش کرتا تو اسے اپنے الزامات کی صداقت کا پورا یقین ہو جاتا اور وہ بعد میں بھی مجھ سے من مانے طور پر بڑی رقموں کا مطالبہ کر سکتا تھا۔ اس کی طرف سے مستقل بلیک میلنگ سے بچنے کی ایک ہی صورت نظر آتی تھی کہ فوری طور پر کوئی سودے بازی ہو جانے کے بعد میں دوبارہ ملک ہی چھوڑ دیتا لیکن وہ میرے مسئلے کا کوئی پائیدار حل نہیں تھا کیونکہ اس وقت میرا محاذ کراچی تک محدود ہو چکا تھا اور میں وہیں رہتے ہوئے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کر سکتا تھا۔

اس نے مجھے کسی فیصلے پر پہنچنے کے لیے بہت کم وقت دیا تھا اور مجھے اپنے فلیٹ میں محصور کر دیا تھا اس لیے میں اپنی نجات کے لیے عملاً کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ شی والوں سے میری دشمنی ہوئی تھی۔ جہانگیر عزت دار بن جانے کے باعث پولیس کے مقابلے میں کوئی قابلِ ذکر پیش رفت نہیں کر سکتا تھا اس لیے میری امید صرف سیٹھ حبیب جیوانی سے وابستہ رہ گئی تھی۔ وہ میرا نیا چیف تھا اور اپنے رسوخ سے کوئی نئی راہ نکال سکتا تھا۔

اضطراری طور پر میں ایک بار پھر فلیٹ سے نکل آیا تاکہ پڑوس میں ہونے والی پولیس کارروائی کا مشاہدہ کر سکوں۔ ویسے بھی سیما کے قتل کے بعد میرا اپنے فلیٹ میں بند ہو کر بیٹھ جانا مجھے دوسروں کی نظروں میں مشکوک بنا سکتا تھا۔

اس وقت تک وہاں پولیس کا مزید عملہ نہیں پہنچا تھا۔ محمود نے میرے فلیٹ سے نکل کر سیما کے ہی فلیٹ میں اپنا دفتر قائم کر لیا تھا اور سپاہی اللہ داد کے ہمراہ اندر چوکیدار کا بیان قلم بند کر رہا تھا۔ اوپر سے بلائے جانے والے دونوں گواہ تشویش اور بدحواسی کے عالم میں اپنی باری کے منتظر تھے۔ دوسرے سپاہی نے فلیٹ سے نکاسی کے کھلے ہوئے دروازے پر چوکیداری کی ذمے داری سنبھال لی تھی۔

مجھے دیکھتے ہی اوپر والوں نے صورتِ حال کے بارے میں اپنے تبصرے شروع کر دیے اور میری پوزیشن کے بارے میں جاننا چاہا۔ میں نے انھیں بتایا کہ میرا بیان لیا جا چکا ہے۔ وہ دونوں اپنے خوف و ہراس کے باعث میری ذات کا سہارا لینا چاہ رہے تھے لیکن میں نے وہاں اپنی موجودگی غیر ضروری سمجھتے ہوئے اپنی جان چھڑا لی۔

اپنے فلیٹ کا دروازہ بند کر کے میں نے کچن سے کئی خالی شاپنگ بیگ جمع کیے اور پھر وارڈروب میں مختلف جگہوں سے بیم گن، پستول، فاضل میگزین اور سائلنسر نکال کر پلاسٹک کی ان تھیلیوں میں اس طرح لپیٹے کہ پانی ان پر اثر انداز نہ ہو سکے اور وہ تھیلے ایک باتھ روم میں فلشنگ ٹینک کا ڈھکن اٹھا کر اس میں ڈال دیے۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ ہتھیار وہاں بھی محفوظ نہیں تھے اور اگر سب انسپکٹر یا اس کا کوئی افسر میرے فلیٹ کی تلاشی لینے کا فیصلہ کر ہی لیتا تو وہ ٹنکی بھی ان لوگوں کی نظروں سے محفوظ نہیں رہتی۔ میری یہ حرکت اسی طرح اضطراری تھی کہ جس طرح ریت کا طوفان آنے پر شتر مرغ اپنا سر ریت میں دفن کر کے خود کو محفوظ تصور کر لیتا ہے۔

ساڑھے سات بجے میں نے بہت سوچ سمجھ کر جہانگیر کو فون کیا۔ وہ سحر خیزی کا عادی تھا لیکن پچھلی رات وہ دونوں میاں بیوی جتنی دیر سے واپس گئے تھے اس کی وجہ سے مجھے امید نہیں تھی کہ وہ جاگ گیا ہو گا مگر میری کال اسی نے پہلی گھنٹی پر ریسیو کی اور اتنے سویرے میری آواز سن کر حیران رہ گیا۔

"دفتر جاتے ہوئے تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس ہوتے جانا۔" مزاج پرسی کے بعد میں نے کہا۔

"خیریت تو ہے؟ آواز سے تم کچھ پریشان معلوم ہو رہے ہو!" اس نے سوال کیا۔

"خیریت نہیں ہے، آؤ گے تو بتاؤں گا۔ پچھلی رات تمھارے چلے جانے کے بعد کسی نے سیما کو اس کے فلیٹ میں قتل کر دیا۔ اس وقت وہاں پولیس آئی ہوئی ہے۔"

وہ خبر جہانگیر کے لیے دھماکا خیز ثابت ہوئی تھی۔ اس نے فوراً ہی گھر سے نکلنے کا وعدہ کر کے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں نے کریڈل دبا کر ٹریڈ لائن کا نمبر ملایا تو اُدھر سے ذرا تاخیر سے ریسیور اٹھایا گیا۔

"میں نے اسی وقت چیف کو تمھارا پیغام پہنچا دیا تھا۔" اس طرف سے سینڈرو نے میری آواز پہچان کر کہا۔ "اس معاملے کو وہ خود دیکھ رہا ہے۔ تم چاہو تو اس نمبر پر اس سے بات کر سکتے ہو۔" بات ختم کر کے اس نے ایک فون نمبر بتایا جو میں نے فون کے پاس پڑے ہوئے پیڈ پر نوٹ لیا۔

پچھلی رات میں نے اپنی حفاظت کے لیے مافیا کے کسی آدمی کو اپنے ساتھ لانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا لیکن اس وقت صورتِ حال بدلی ہوئی تھی اس لیے میں نے سینڈرو سے کہا۔

"عجائب گل کو ادھر بھیج دو۔ اسے میرا فون نمبر دے دینا تاکہ وہ باہر کا جائزہ لے کر ہر ایک گھنٹے بعد مجھے فون پر رپورٹ دیتا رہے۔ میں آج فلیٹ تک ہی محدود رہوں گا۔ وہ مجھے اپنی رپورٹ دیتے ہوئے چنگیز خان کا نام استعمال کرے گا۔"

"کمال ہے!" اس کی تعجب انگیز آواز ابھری۔ "چیف کے ساتھ

ہاری نگاہ انتخاب بھی اسی پر پڑی ہے۔ چیف کی ہدایت پر میں جائزہ لینے کے لیے پہلے ہی تمہاری طرف روانہ کر چکا ہوں ہی اس سے کوئی رابطہ ہوگا، میں تمہاری بقیہ ہدایات بھی اس پہنچا دوں گا۔ تم بے فکر رہو۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ فلیٹ میں محصور ہو جانے کے بعد بیرونی دنیا میں اپنے دوستوں اور ہمدردوں سے میرے رابطے کی یہی ایک صورت باقی رہ گئی تھی۔ اس بارے میں بھی مجھے خوف تھا کہ کہیں محمود میرے فون پر آبزرویشن لگوا کر ساری کالز ٹیپ کرنا شروع نہ کر دے لیکن پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ محکمہ پولیس کا اتنا بڑا افسر نہیں تھا کہ محض فون کر کے میرے نمبر پر آبزرویشن لگوا دیتا۔ ایسی کسی کارروائی کے لیے اسے افسرانِ بالا کو اعتماد میں لینا ہوتا، تب ہی دفتری کارروائی کے ذریعے وہ بندوبست ہو سکتا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس نے اگلے چوبیس گھنٹوں تک میرا معاملہ اپنی ذات تک محدود رکھنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ اس لیے وہ مدت میں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتا تھا۔

ڈی ڈی یا دلدار آغا نے سیما کو قتل کرتے ہوئے، اس کے اٹھائے ہوئے فون کا ریسیور کریڈل پر نہ رکھ کر مجھے اس معاملے میں ملوث کرنے کا پورا اہتمام کیا تھا مگر میں اس کے احمقانہ رویے کی بنا پر کامیابی کے ساتھ اس صورتِ حال کا ازالہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسے میری حقیقت کا ذرا بھی علم نہیں تھا۔ اس کی ساری کارروائی کی بنیاد اس ایک نکتے پر مرکوز تھی کہ سیما رات گئے، اپنے قتل کے وقت فون پر جس کسی سے بات کر رہی تھی، وہی اس کا ایسا ہمدرد ہو سکتا تھا جس کے ایما پر سیما سلور آئی کی واپسی میں ٹال مٹول سے کام لے سکتی تھی۔

اس کا وار ناکام ہو گیا تھا جس کے بارے میں اسے اپنے وسائل سے جلد ہی اطلاع مل سکتی تھی۔ مگر میں اس سے پہلے دلدار آغا کو ذنزرہ کر سکتا تھا۔

خود کو پولیس کی زد سے بچاتے ہوئے، مافیا والوں کو چکمہ دے کر ان کی مقامی قیادت کو زک پہنچانا اس وقت میرا بنیادی مقصد تھا اس لیے میں نے اپنی ڈائری میں سے غزالہ کا نمبر تلاش کیا اور پھر اس پر رابطہ قائم کر لیا۔

دوسری گھنٹی پر اس طرف سے غزالہ کی دھیمی اور مسحور کن آواز سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کی آواز میں نے ایک مدت کے بعد سنی تھی۔ ایک زمانہ تھا کہ غزالہ کے وجود کا بال بال میرا تھا۔ اس کی دلکش اور گنگناتی ہوئی آواز ہر لمحے میرے کانوں میں رس گھولتی رہتی تھی لیکن پھر میری بدنصیبی نے دلدار آغا بن کر میری محبت پر بھرپور وار کیا اور غزالہ نہایت چالاکی کے ساتھ بچھائے ہوئے جال میں پھنس کر، شدید جذباتی بحران کے عالم میں اس کو اپنا مجازی خدا بنانے کا فیصلہ کر بیٹھی۔

پچھلی ملاقات میں اس کے کہے ہوئے الفاظ میرے دل و دماغ پر نقش تھے۔ اس نے ایک حیادار مشرقی لڑکی کی طرح ہمیشہ کے لیے اپنے شوہر کا وفادار رہنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا مگر اسی کے ساتھ اس نے اپنی پہلی محبت کے بارے میں دل گرفتہ لہجے میں اقرار کیا تھا کہ محبت وہ روگ ہوتا ہے جو ایک بار لگ جائے تو پھر قبر کے کیڑے بھی اسے نہیں مٹا سکتے۔ وہ پرائی ہو چکی تھی لیکن اس کے دل کے خاکستر میں کہیں کہیں میری محبت کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں جنھیں شعلے کا روپ دھارنے سے روکنے کے لیے اس نے مجھ سے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کبھی نہ ملنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"تم کون بول رہی ہو؟" اس سے گفتگو کو طول دینے کی بے ساختہ اور شدید خواہش سے مجبور ہو کر میں نے بدلی ہوئی بھاری آواز میں اس سے سوال کیا تھا۔

"آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟ کس سے بات کرنا چاہتے ہیں؟" میرے بے تکلفانہ بلکہ غیر شائستہ طرزِ تخاطب کے باوجود اس نے ٹھہری ہوئی پُرسکون آواز میں شائستگی سے سوال کیا۔

"میں ڈی ڈی سے بات کرنا چاہتا ہوں!" میں نے درشت لہجے میں کہا۔

"شاید غلط نمبر مل گیا ہے۔ یہاں کوئی ڈی ڈی نہیں رہتا۔" غزالہ کی آواز بدستور نرم تھی۔

"نمبر ٹھیک ہے!" میں نے جارحانہ لہجے میں غراتے ہوئے اصرار کیا۔ "پتا نہیں تم کون بدنصیب ہو جو اس کی اصلیت جانے بغیر اس کی چھت کے نیچے رہ رہی ہو؟ ڈی ڈی نہیں تو تم دلدار آغا کو ضرور جانتی ہوگی۔ مجھے اسی سے بات کرنا ہے۔"

"دلدار آغا یہیں رہتے ہیں اور میں ان کی بیوی بول رہی ہوں... آپ کون ہیں؟ آپ کا لب و لہجہ ان کے شناساؤں اور خیرخواہوں جیسا نہیں ہے۔" اس بار غزالہ کا لہجہ قدرے ناخوشگوار ہو گیا تھا۔

"خیرخواہی یکطرفہ نہیں ہوا کرتی۔ شام کے یا کل کے اخبارات میں پڑھ لینا کہ اس نے کیسی بے دردی سے میری محبوبہ کو ہلاک کیا ہے اور اب جلد ہی تم بھی بیوہ ہونے والی ہو...!" میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔ میں چند ثانیوں تک ریسیور کان سے لگائے دوبارہ رابطہ بحال ہونے کا منتظر رہا لیکن کوئی لائن پر نہیں آیا۔

مجھے خوشی تھی کہ اس وقت میں نے دلدار آغا کے کرتوتوں کے بارے میں، خود سامنے آئے بغیر غزالہ کو اشارہ دے دیا تھا۔ اس کی زبان سے اپنے لیے ڈی ڈی کے الفاظ سن کر دلدار آغا کے اوسان خطا ہو سکتے تھے۔ اسے غزالہ کی نگرانی کرنے والے اپنے آدمیوں کے ذریعے یہ تو پتا چل چکا تھا کہ غزالہ اس کی لاعلمی میں شہر کے ایک بڑے ہوٹل میں کسی سے ملی تھی لیکن جب تک وہ اس موضوع پر غزالہ سے ذو بدو بات نہ کرتا اور وہ میرے نام کا انکشاف نہ

کرتی، دلدار کو اس کھیل میں میری موجودگی کا شبہ تک نہیں ہوسکتا تھا۔ ایئر ہوسٹس سیما کے حوالے سے وہ یہی سوچتا رہ جاتا کہ سیما کے کسی ایسے عاشق نے اسے فون کیا تھا جو شہر کی زیرِ زمین دنیا سے رابطہ رکھتا تھا۔

سلسلہ منقطع کر کے میں نے دوبارہ وہی نمبر ملایا۔ اس بار بھی شاید غزالہ نے ہی فون اٹھایا تھا لیکن وہ کچھ بولی نہیں تھی۔ شاید اسے شبہ ہو گیا تھا کہ دوبارہ بھی اس کے لیے وہی کال تھی۔

"فون بند نہ کرنا۔ یہ معاملہ سنگین ہو چکا ہے۔" میں نے بدلی ہوئی بھاری آواز میں کہا۔ "اگر تم ڈی ڈی کے کرتوتوں سے بے خبر ہو تو میری اسی سے بات کرا دو، یہ بہت ضروری ہے۔"

"وہ نہا رہے ہیں، تم تھوڑی دیر بعد فون کرنا۔" غزالہ کا لہجہ سرد ہو گیا۔

"اسے غسل کی ضرورت پیش نہ آنے دو، ورنہ اس کی پنڈلی کا گولی کا زخم بگڑ جائے گا۔۔۔"

"وہ گولی کا زخم ہے؟" میری بات کاٹتی ہوئی، غزالہ کی تحیر آمیز آواز ابھری تھی۔ اس انکشاف نے اسے میرا ابتدائی تبصرہ نظر انداز کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"وہ مجھ پر گولیاں برسائے گا تو میں اس پر پھول تو نہیں برسا سکتا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "شاید تمہارا ہی نصیب تھا کہ وہ پنڈلی پر پہلی گولی کھا کر گر گیا، چند سیکنڈ اپنے قدموں پر کھڑا رہتا تو چھلنی ہو جاتا۔"

"مجھے کچھ نہیں معلوم کہ تم کون ہو اور کیا کہہ رہے ہو؟" اس کی آواز یک بیک کمزور اور نقاہت آلود ہو گئی جیسے اسے دلدار آغا کے بارے میں میرے انکشافات سے صدمہ پہنچا ہو۔ "تم کو انھی سے بات کرنا ہو گی۔۔۔ لو وہ آ گئے۔"

چند ثانیوں بعد میرے کانوں میں دلدار آغا کی غراتی ہوئی مرد آواز گونجی۔ شاید غزالہ نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر چند ہی الفاظ میں اسے کال کی نوعیت سے آگاہ کر دیا تھا۔

"لنگڑے گھوڑے، میں نے تمہارا سراغ لگا لیا ہے۔ سیما کو قتل کر کے تم نے اپنی شامت کو للکارا ہے۔ میں تمہارے لیے ایک بے نام سایہ ہوں، لیکن تم میری نگاہوں میں آ گئے ہو۔ میں کسی بھی وقت اور کہیں بھی اچانک تم کو ذبح کر کے سیما کے خون کا انتقام لے لوں گا۔" میں نے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

"پتا نہیں تم کون ہو اور کیا بک رہے ہو؟ میں کسی سیما کو نہیں جانتا۔" وہ غرایا لیکن اس کی آواز سے خوف اور کھوکھلا پن جھلک رہا تھا۔

"ڈی ڈی! معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری اماں تمہارے سر پر کھڑی ہوئی ہے اس لیے اسے سنانے کے لیے یہ ہذیان بک رہے ہو، ورنہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کون ہو سکتا ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں۔ ابھی میں نے تم کو لنگڑا گھوڑا کہا تھا، تم جانتے ہو کہ ریس میں لنگڑے گھوڑے نہیں دوڑائے جاتے۔ ان کی پیشانی میں پگھلا ہوا سیسہ اتار کر انھیں موت کی پُرسکون آغوش میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ میری یہ کال اس بات کا ثبوت ہے کہ میں نے تمہارا سراغ لگا لیا ہے جب کہ میرا سراغ لگانے کے لیے تم نے مقتولہ سیما کے فون کے ذریعے جو جال پھیلایا تھا اسے میں نے ناکام بنا دیا ہے۔ تم دلدار آغا سے صرف ڈی ڈی بنے ہو لیکن میں تمہیں ڈی ڈی ٹی بنا کر کسی نالی میں بہا دوں گا جہاں تمہارا سراغ بھی نہیں ملے گا۔"

"میرے بارے میں تم کسی بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہو۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں تاکہ ان غلط فہمیوں کو دور کر سکوں۔ تم اپنی سہولت کے مطابق وقت اور مقام کا تعین کر لو۔" اس کے لہجے میں اعتماد کا فقدان تھا۔ وہ کھل کر مجھ سے بات کرنا چاہ رہا تھا لیکن اپنے قریب غزالہ کی موجودگی کی وجہ سے بے بس تھا۔

"میں احمق نہیں ہوں ڈی ڈی!" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "یہ میرا پہلا اور آخری فون یا رابطہ ہے۔ میں تم جیسے سفاک آدمی کو موت کی دہشت میں مبتلا کر کے تمہاری نیندیں اڑا دینا چاہتا تھا، یہ کام میں نے کر لیا۔ اب جب بھی تم سے میری ملاقات ہو گی وہ تمہاری زندگی کے آخری لمحات ہوں گے۔۔۔"

"ٹھہرو، فون بند نہ کرنا۔" وہ میری بات کاٹ کر بے تابانہ لہجے میں بولا۔ "میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ تصادم سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ تم دس بار بھی کوشش کرو گے تو میرے قریب نہ پھٹک سکو گے۔ میں محتاط طبیعت اور بے پناہ وسائل کا مالک ہوں۔ لاکھوں کماتا ہوں تو تم جیسے کسی جنونی سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے اس سے کہیں زیادہ خرچ کر سکتا ہوں۔" اس کی آواز میں تندی پیدا ہو گئی تھی جو فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ "تمہارا خیال ہے کہ میں نے تمہاری محبوبہ کو قتل کیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون تھی اور کیسی تھی لیکن اس کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ تم شہر کی جس لڑکی کی طرف اشارہ کر دو، میں اسے چند ہی روز میں تمہاری بے دام لونڈی بنا سکتا ہوں، مجھ سے ٹکرا کر تم خسارے میں رہو گے۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم بردہ فروش بھی ہو۔" میں نے چبھتے ہوئے تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔ "لڑکیاں خریدنے کے لیے مجھے تم جیسے گھٹیا بدمعاش کی مدد لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بکنے والیوں کو میں کسی بھی دلال کے ذریعے خرید سکتا ہوں لیکن ایسے کھلونوں سے محبت نہیں کی جا سکتی۔ یہ پاکیزہ جذبہ تو شاید کبھی تمہیں چھو کر بھی نہ گزرا ہو۔ تم سمجھ ہی نہیں سکتے کہ محبت کیا ہوتی ہے اور کیسے ہوتی ہے، سیما کو مار کر تم نے ناقابلِ معافی جرم کیا ہے۔ تم میری محبت کے قاتل ہو، تم سے میرا کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکتا۔"

میں اس سے براہِ راست جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ میرے دلی جذبات تھے۔ میں نے آڑ سیما کے نام کی لی تھی تاکہ اپنی ذات کو اس کے سامنے بے نقاب نہ ہونے دوں، لیکن یہ حقیقت تھی کہ دلدار آغا غاصب تھا۔ اس نے غزالہ پر دھوکے سے شب خون مار کر میری

...جھ سے چھین لی تھی۔ اس جرم کا داغ دلدار کا لہو ہی دھو سکتا
...گفتگو کے دوران غصّے اور جوش کے عالم میں مجھے خیال آیا کہ
...شی اور دوا ساز کارخانے میں گھپلوں کا بھی حوالہ دوں لیکن
...سے ...طرح میں کھل کر اس کے سامنے آجاتا اور وہ تاثر جو میں سیما کے
...کے حوالے سے ابھار رہا تھا تباہ ہو جاتا۔
مجھے بعد میں خیال آیا کہ مجھے اس کو ڈی ڈی کے لقب سے
...نہیں پکارنا چاہیے تھا لیکن وہ کوئی فاش غلطی نہیں تھی۔ میں
...اس لقب کا انکشاف غزالہ پر کیا تھا تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ
...کا دلدار نام بدل کر بھی شہر میں گھپلے کرتا پھر رہا تھا اور وہ خود
...کی پارسائی کی پجارن بنی ہوئی تھی۔ اسی تسلسل میں مجھے دلدار آغا
...بھی اسی لقب سے پکارنا پڑا تاکہ اس کو احساس ہو سکے کہ میرے
...لیے غزالہ بھی اس راز سے واقف ہو چکی تھی۔
"تم بہت گھٹیا اور ذلیل انسان معلوم ہوتے ہو۔" جواب میں
...کی بھنائی ہوئی آواز ریسیور پر ابھری تھی۔ "تم اپنی ایسی کی تیسی میں
...میرا جو کچھ بگاڑ سکتے ہو، وہ بگاڑنے کی کوشش کر کے دیکھ لو،
...ورنہ تم اسی شہر کے کسی گندے نالے میں اپنا منہ پیٹتے نظر آؤ گے۔"
...میرے مسلسل جارحانہ رویّے کی وجہ سے وہ میری طرف سے بالکل ہی
...مایوس ہو گیا تھا۔ اس لیے آخر میں تلخ کلامی پر اتر آیا۔
میں نے اس سے مزید کچھ کہے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

جہانگیر بہت زیادہ بولائے ہوئے انداز میں میرے پاس پہنچا
تھا۔ سیما کے قتل کی خبر اس کے لیے ناقابلِ یقین ثابت ہوئی تھی۔ جب
...میں نے اس کے استفسار پر سیما کے قتل کی کہانی اختصار کے ساتھ دہرائی
...تو اسے اپنی بیوی سلمیٰ پر شدت سے غصّہ آگیا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر
...پچھلی رات سلمیٰ اس کے ساتھ میرے فلیٹ پر آنے کی ضد نہ کرتی تو
...شاید وہ موقع پا کر اکیلا ہی ادھر آنکلتا اور پھر سیما اپنے فلیٹ میں تنہا
...موجود رہنے کے بجائے میرے فلیٹ میں شمعِ محفل بنی ہوئی ہوتی
...اور یوں وہ تنہائی میں سفاک قاتل کے وار کا نشانہ بننے سے بچ جاتی۔
لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ سیما کی موت اسی طرح اٹل تھی جس
...طرح میری یا جہانگیر کی زندگی کسی کی اگر مگر اس حقیقت کو سرِ مو بھی
...تبدیل نہیں کر سکتی تھی۔
میں نے باتھ روم کی ٹنکی سے ہتھیاروں کی تھیلیاں نکال کر
...تولیے سے خشک کرنے کے بعد جہانگیر کے حوالے کیں تو واضح طور
...پر اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ "تت... تمھارا مطلب ہے کہ میں یہ
...سب اپنے ساتھ لے جاؤں۔ تمھارے پڑوس میں اور بلڈنگ کے
...باہر پولیس موجود ہے اور میں یہ ہتھیار نکال لے جاؤں۔"
"ہاں، میرا یہی مطلب ہے۔" میں نے آنکھیں نکال کر غراتے
...ہوئے کہا تھا۔ "میں مرنے والی کا پڑوسی ہوں، میں باہر نکلا تو میری
...تلاشی لی جائے گی۔ تم اجنبی ملاقاتی ہو۔ میں نے تم کو اسی لیے یہاں
بلایا تھا۔" میں نے اسے اپنے بارے میں سب انسپکٹر محمود کے
خدشات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی ورنہ وہ کسی اڑیل ٹٹو کی طرح مجھ
سے کسی بھی قسم کے تعاون سے انکار کر دیتا۔
"عجیب زبردستی ہے۔" وہ ان تھیلیوں کو اپنے بریف کیس میں
جماتے ہوئے بے بسی سے بڑبڑایا تھا۔ "اگر میں دھر لیا گیا تو تم میری
ضمانت بھی نہیں کرا سکو گے۔ تمھارے لیے میں کم از کم اتنا تو کر ہی
لوں گا۔"
"تم اپنی صورت پر اسی طرح مسکینی اور پھٹکار طاری کر کے باہر نکلے
تو وہ تمھیں ضرور پکڑ لیں گے۔" غصّے سے میرا پارا چڑھ گیا تھا۔ "تم سمجھ
نہیں رہے ہو کہ میں سیما کا واحد پڑوسی تھا۔ اگر شبے کی بنیاد پر کسی پولیس
افسر نے میرے فلیٹ کی تلاشی لینے کا فیصلہ کر لیا تو یہ ہتھیار مجھے پھانسی
کے تختے پر پہنچا دیں گے۔"
"بحث اور بکواس میں تم سے جیتنا ناممکن ہے۔" آخرکار اسے
ہتھیار ڈالنے پڑ گئے تھے۔ "جہاں قدم لے جاتے ہو کوئی نہ کوئی بڑا
ہنگامہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ پہلے سلور آئی کے لیے یہاں زبردست خونریزی
ہوئی، پھر سیما مار ڈالی گئی اب دیکھو میرا کیا انجام ہوتا ہے۔ ہر روز
کوئی نہ کوئی مصیبت کھڑی رہتی ہے۔"
میں نے خاموشی میں ہی عافیت سمجھی تھی اس طرح وہ محض
چند منٹ بعد ہی سارے ہتھیار اپنے بریف کیس میں بند کر کے
وہاں سے واپس چلا گیا تھا۔
اسے روانہ کر کے دروازہ بند کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ
سیما کے فلیٹ میں پولیس والوں کی بھیڑ میں اضافہ ہو چکا تھا اور
قتل کی واردات کو کئی گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی فوری طور پر
لاش اٹھوائے جانے کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ میں دروازہ
بند کر کے پلٹا تو فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔
میرا خیال فوری طور پر مافیا چیف، سیٹھ حبیب جیوانی کی
طرف گیا تھا لیکن ریسیور اٹھانے پر وہ عجائب خان کا فون ثابت ہوا۔
اس سے پتا چلا کہ باہر کے حالات معمول پر تھے۔ اس وقت تک
پولیس پارٹی سیما کے فلیٹ میں موجود تھی اس لیے باہر نگرانی کی ضرورت
محسوس نہیں کی گئی تھی۔
اس سے فارغ ہوتے ہی میں نے مافیا چیف کا نمبر ڈائل کیا
جو مجھے سینڈو سے ملا تھا۔
میں نے سینڈو کو صرف اتنا بتایا تھا کہ پولیس کو میرے پیچھے
لگا دیا گیا تھا لیکن سیٹھ حبیب کو اس معاملے میں کافی کچھ معلوم ہو چکا
تھا۔ غالباً سینڈو نے عجائب خاں سے ملنے والی تمام خبریں فوری طور
پر اس تک پہنچا دی تھیں۔
"مجھے پتا چل گیا ہے کہ سیما ہلاک کر دی گئی ہے، اور پولیس وہاں
پہنچ چکی ہے۔ کیا اس بارے میں وہ تم پر کسی قسم کا شبہ کر رہے ہیں؟"
اس نے رسمی الفاظ کے تبادلے کے بعد براہِ راست سوال کیا۔

"مجھے بھی یہی اندیشہ تھا جو بعد میں غلط ثابت ہوا۔ ایک پولیس افسر کو میرے اطالوی نژاد یا پیٹر واک ہونے پر شبہ ہے۔ اور وہ اس معاملے کو کیش کرنے کے چکر میں نظر آرہا ہے۔۔۔"

"نام کیا ہے اس افسر کا؟ سیما کا معاملہ تو محمود نامی سب انسپکٹر کے حوالے کیا گیا ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کر سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"وہی تو ساری مصیبت کی جڑ بنا ہوا ہے۔" میں نے اُسے آگاہ کیا۔

ریسیور پر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز سنائی دی پھر وہ بولا۔ "تم یقیناً کسی غلط فہمی کا شکار ہوئے ہو۔ تمھارا پیغام اور پھر عجائب خان کی ابتدائی اطلاعات ملتے ہی میں نے کچھ لوگوں سے رابطہ قائم کیا تھا۔ ان سے پتا چلا کہ محمود راشی نہیں ہے اور کسی کی سفارش قبول نہیں کرتا۔ اس کی بنائی ہوئی رپورٹوں پر پراسیکیوشن برانچ والے بڑی باریکی سے کیس تیار کرتے ہیں ورنہ محمود عدالت میں ان کی خامیوں کی نشاندہی کر بیٹھتا ہے۔"

"لیکن وہ مجھ سے سودا کرنا چاہ رہا ہے۔" میں نے اضطراری طور پہ رازدارانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "اس نے مجھے سوچنے کے لیے آج رات تک کی مہلت دی ہے ورنہ کل صبح سے وہ میرے خلاف اپنا کام شروع کر دے گا۔"

"میرے لیے یہ بات ناقابلِ یقین ہے۔ مجھے ملنے والی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔" اس کے لہجے میں حیرت اور بے یقینی ابھر آئی تھی۔ وہ کیا مانگ رہا ہے تم سے؟"

"کسی لمبے چکر میں ہے۔ خود منہ نہیں کھولا، میری زبان سے پیشکش سننا چاہتا ہے شاید لاکھوں کی آس میں ہو۔"

"پھر میری بات لکھ لو کہ وہ تمھیں گھیر رہا ہے۔ تمھاری بولی سے وہ اندازہ لگائے گا کہ تم کتنے پانی میں ہو۔ وہ روایتی پولیس والا نہیں ہے بلکہ اپنے طریقے سے کام کرتا ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ میں اسے نہیں پہچان سکا۔" میں نے بے یقینی کے ساتھ کہا۔

"میں تمھیں پوری بات بتاتا ہوں۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "وہ ابنِ صفی کے جاسوسی ناولوں سے بہت زیادہ متاثر ہے اور عملی طور پہ خود کو ابنِ صفی کا افسانوی کردار انسپکٹر احمد کمال فریدی ثابت کرنا چاہتا ہے۔ وہ اکثر ضابطوں کی پروا کیے بغیر اپنی مرضی سے اکیلا کام کرتا ہے اور کامیاب رہتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ اطلاعات مجھے اسی کے محکمے کے ایک بہت سینئر افسر نے دی ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ اس سرپھرے انسپکٹر کے بارے میں وہ کچھ بھی نہ کر سکے گا بدقسمتی سے تم ایک غلط آدمی سے ٹکرا گئے ہو۔ اسے رشوت کی پیشکش ہرگز نہ کرنا۔"

"پھر میں کیا کروں؟ میں تو تم پر انحصار کیے بیٹھا تھا۔" میں اس کی باتوں سے پریشان ہو گیا۔

"کچھ عرصے کے لیے روپوش ہو جاؤ۔" اس نے سپاٹ لہجے میں مشورہ دیا۔

"وہ میرے اس دوست کو تنگ کرے گا جس کے فلیٹ میں میرا قیام ہے۔"

"پھر کچھ دنوں کے لیے ملک سے باہر چلے جاؤ۔ تمھارا دوست کہہ سکتا ہے کہ تمھیں ایمرجنسی میں ملک چھوڑنا پڑا۔ امیگریشن کا ریکارڈ تمھاری روانگی کی تصدیق کرے گا تو اس کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا۔"

"یہ بھی ناممکن ہے۔ اس نے میری تمام سفری دستاویزات اپنی تحویل میں لے لی ہیں، وہ انھیں آگ لگا دے تو میں اپنے بارے میں کچھ بھی ثابت نہیں کر سکوں گا۔"

"اوہ خدا!" سیٹھ حبیب کی تھکی ہوئی آواز سنائی دی۔ "اس نے تمھیں بُری طرح گھیر لیا ہے۔۔۔ مجھے تھوڑا سا وقت دو، میں اس بارے میں سوچنا چاہتا ہوں پھر خود ہی فون کروں گا۔"

میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ میرے لیے وہ گفتگو اعصاب شکن ثابت ہوئی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کے فرسودہ نظام میں نچلی سطح پہ کوئی ایسا مقام بھی ہوگا جہاں مافیا جیسے بارسوخ گروہ بھی خود کو بے بس محسوس کرتے ہوں گے۔

میں دُنیا میں نہ جانے کہاں کہاں اور کس کس کی آنکھوں میں دُھول جھونکتا چلا آیا تھا لیکن پاکستان میں ایک فرض شناس پولیس افسر نے محض میری زبان اور لب و لہجے کی بنا پہ مجھے بھیانک چنگل میں پھانس لیا تھا جس سے نکاسی کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی حالانکہ اس سے پہلے کشت و خون اور نام نہاد اجتماعی ڈکیتی کے بعد بھی میرا کئی پولیس افسران سے سامنا ہوا تھا۔ میری قومیت لکھی گئی تھی، میرا پاسپورٹ دیکھا گیا تھا لیکن وہ ہولناک نکتہ کسی کو نہیں سوجھا تھا جو محمود نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا تھا۔

اچانک دروازے پر ہونے والی دستک نے مجھے چونکا دیا۔ ڈور بیل کا سوئچ نمایاں جگہ پہ ہوتے ہوئے وہ دستک بہت غیر معمولی تھی جب کہ پولیس کی خاصی نفری غالباً اس وقت تک میرے پڑوس میں موجود تھی۔ میرے اس تردد میں چند ثانیے ہی گزرے تھے کہ دوبارہ پھر دستک ہوئی۔ دونوں بار دستک دھیمی تھی اور اس میں جارحانہ رنگ نمایاں نہیں تھا۔ میں نے لپک کر دروازے پر پہنچتے ہوئے سوال کیا۔ "کون ہے؟"

"محمود! جلدی دروازہ کھولو!" باہر سے دھیمے لہجے میں کہا گیا۔

اس دن ساری ہی باتیں عجیب اور غیر متوقع ہو رہی تھیں۔ اس خودسر سب انسپکٹر کا یوں رازدارانہ انداز میں میرے دروازے پر دستک دینا خالی از علت نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے خوف اور

تشویش کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ دروازہ کھول دیا اور وہاں پیدا ہوتے ہی محمود میری پیشوائی کا انتظار کیے بغیر اندر آ گیا۔

"چولیں ہل گئیں!" وہ خود ہی دروازہ بند کرتے ہوئے بڑبڑایا۔ "سکاچ ہے تو ایک گلاس اور پلاؤ" بڑی مشکل سے نکل کر آیا "ہوں... شاید بلیک ڈاگ ہے تمھارے پاس؟"

میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے وہیں مختصر سی لابی میں نشست سنبھال لی۔ میں دو گلاس تیار کر کے باہر لایا تو اس نے اٹھ کر میرے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔

"چیئرز!" اس نے میری طرف فضا میں گلاس لہرا کر لبوں سے لگا لیا۔

"میرے بارے میں کس نتیجے پر پہنچے ہو؟" میں نے ایک گھونٹ لینے کے بعد سنجیدگی سے سوال کیا۔

"ابھی تو سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ یہ بڑا الجھا ہوا قتل کا کیس ہے اور میں اپنے کام پر پوری طرح توجہ دینے کا عادی ہوں۔ یہ دباؤ ختم ہو تو کچھ غور کروں گا۔" اس وقت اس کا لہجہ سرسری بلکہ خاصی حد تک دوستانہ تھا۔ "ویسے بھی میں نے تمھیں کل صبح تک کی مہلت دی ہوئی ہے۔ اپنے بارے میں تم کو خود ہی غور کرنا ہوگا۔"

"تم کتنی رقم چاہتے ہو؟" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ اس وقت اس کی وردی اور شخصیت کا خوف یکلخت میرے دل سے کافور ہو گیا تھا۔

وہ اچانک ہی ہولے سے ہنس پڑا، پھر عارفانہ انداز میں بولا۔ "اس دنیا میں ہر شخص بکاؤ مال کی طرح ہے۔ کچھ بہت سستے بک جاتے ہیں اور راشی اور بے ایمان مشہور ہو جاتے ہیں اور جن کے دام کوئی ادا نہ کر سکے، وہ ایماندار کہلانے لگتے ہیں۔ کسی کو خریدنا تمھاری اپنی بساط پر منحصر ہے۔ بولی لگا کر دیکھو، شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔" اس کے الفاظ پہلودار اور مبہم تھے۔ وہ ابتدا ہی سے مجھے مسلسل اکسا رہا تھا لیکن اس نے خود ایک بار بھی براہِ راست رشوت کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ مجھے سیٹھ حبیب کی فراہم کی ہوئی معلومات میں وزن محسوس ہونے لگا تھا۔

"میں تو ایک پیسہ بھی نہیں دینا چاہتا لیکن میرے بارے میں تمھارا رویہ وحشت ناک ہے، کچھ بھی نہ ہو سکا تو تم اپنی تسلی ہونے تک مجھے یہاں رکا رہنے پر مجبور کر دو گے جبکہ میں آزاد پنچھی کی طرح رہنا چاہتا ہوں۔ تم اس وقت تازہ دم ہونے کے لیے دوستانہ انداز میں میرے پاس شراب پینے آئے ہو تو تمھاری ضرورت کے بارے میں سوال کر لیا ہے۔"

"اچھا کیا!" اس نے کہا۔ "میں کرائے کے مکان میں رہتا ہوں، ذاتی اسکوٹر پر ڈیوٹی انجام دیتا ہوں اور اس پر خوش رہتا ہوں۔ چاہوں تو ہر روز ہزاروں کما سکتا ہوں، لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے تم پر شبہ ہے جو درست ثابت ہوا تو تم سلاخوں کے پیچھے نظر آؤ گے۔ بے گناہ ہوئے تو معذرت کے ساتھ تیسرے دن تمھارے کاغذات تمھیں لوٹا دوں گا۔ آج کا دن تمھارا ہے۔ مجھے صرف دو دن چاہئیں۔ تم سچے ہوئے تو یہیں ڈٹے رہو گے اور جھوٹے ہوئے تو مہلت ملتے ہی بھاگ جاؤ گے لیکن تمھاری دُم ہر وقت میرے ہاتھ میں رہے گی۔ صرف پینے کی خواہش اور تمھاری دوستی کے طعنے نے مجھے لب کشائی پر مجبور کیا ہے، ورنہ میں بلی اور چوہے کا کھیل کھیل کر تمھارے اعصاب بکھیر دینا چاہتا تھا۔ اب یہ سیدھا سادہ [illegible] اقبال کر [illegible] سزا ہلکی ملے گی، میں نے تمھیں جھوٹا ثابت کیا تو لمبی قید [illegible] ہوگی۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ یوں میری آنکھوں میں دیکھتا [illegible] جیسے مجھ سے جواب کی توقع کر رہا ہو۔

ایک لمحے کے لیے میرے دل میں خیال آیا [illegible] کے سوداگروں کے خلاف اپنے جہاد کی تفصیلات بتا کر اس کی [illegible] جیتنے کی کوشش کروں اور اسے بتا دوں کہ میں کون ہوں [illegible] نے اپنے اس خیال کو فوراً مسترد کر دیا۔ چیف [illegible] چکا تھا اور [illegible] نے خود اعتراف کیا تھا کہ وہ ایماندار تھا اور اس دور میں ایماندار آدمی سے زیادہ خطرناک کوئی نہیں ہوتا۔

"تین دن میں ہنس کھیل کر گزار لوں گا۔ پچھلے [illegible] بات اور ہے اس جنم میں تم میرے بارے میں کوئی نئی بات معلوم نہیں کر سکو گے۔ اپنی مرضی سے اتنی عمر گزاری ہے تو تین دن تمھارے نام بھی سہی!" میں نے اعتماد سے کہا۔

"تم فکر نہ کرو، اگر حوالات یا جیل چلے گئے تو میں تمھاری اس میزبانی کا حساب بے باق کر دوں گا۔" اس نے جلدی جلدی اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے کہا۔ "جس برانڈ کی اور جتنی چاہو گے تمھیں باقاعدگی سے ملا کرے گی۔"

"اپنی تنخواہ کے سہارے اتنی فیاضانہ میزبانی کر لو گے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"یہ بوجھ میری جیب پر نہیں آئے گا۔ جس کسی کو تمھاری خدمت پر مامور کر دوں گا، وہی بوتلوں کا بھی بندوبست کرے گا۔ چھوٹے موٹے مجرموں کو میں نظر انداز کرتا رہتا ہوں جس کے صلے میں وہ نہ صرف میرے انعام بنے رہتے ہیں بلکہ میرے بے دام غلام کی طرح اشارے کے منتظر رہتے ہیں۔ البتہ ہیروئن بیچنے والوں کا میں ازلی دشمن ہوں۔ اس میں چھوٹے بڑے کا امتیاز نہیں کرتا، جو مل جائے [illegible] سے جوتے لگوا کر اندر کر دیتا ہوں۔"

گلاس خالی کر کے اس نے بے تکلفانہ انداز میں فریج میں سے ٹھنڈے پانی کی ایک بوتل نکالی اور اسی سے منہ لگا کر چند بڑے گھونٹ لے کر بوتل واپس رکھ دی۔

"اور کچھ نہ ملے تو سادہ [illegible] چند گھونٹ بُو دبا دیتے ہیں۔"

یہ کہتا ہوا وہ تیزی کے ساتھ میرے فلیٹ سے نکلتا چلا گیا اور میں دل ہی دل میں سپاہی اللہ داد کا شکریہ ادا کرنے لگا جس نے مجھے اپنے افسر کی ایک کمزوری سے آگاہ کر کے اتنا موقع فراہم کر دیا تھا کہ میں اپنے دشمن سے بے تکلف ہو کر اس کے دل کی بات اگلوانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ورنہ اس کی ابتدائی گفتگو کی روشنی میں سیٹھ حبیب کی طرف سے محمود کی پارسائی کا دعویٰ مجھے بے بنیاد معلوم ہو رہا تھا۔

میری ایک الجھن دور ہو گئی تھی۔ رشوت دے کر اس سب انسپکٹر کو تفتیش سے باز رکھنا ممکن نہیں تھا لیکن اسی کے ساتھ دوسری شدید پریشانی ذہن پر مسلط ہو گئی تھی۔ محمود خود بتا گیا تھا کہ وہ چھوٹے مجرموں کو ڈھیل دے کر بڑی مچھلیوں کا شکار کھیلنے کا عادی تھا۔ اگر وہ مجھے محض شبے میں حراست میں لے کر شہر کے دس بیس جرائم پیشہ افراد کی مدد لینے کا فیصلہ کر لیتا تو ان میں سے کوئی نہ کوئی بہ آسانی مجھے شناخت کر سکتا تھا کیونکہ شی میں اپنی شمولیت کے ابتدائی دور میں اس قماش کے لوگوں سے میرے قریبی رابطے رہے تھے اور یہ بات تو سینہ بہ سینہ شاید ہر ایک کے علم میں تھی کہ جن دنوں ہر طرف چرس کا طوطی بول رہا تھا، ان دنوں میں نے اپنے رفقائے کار کی مدد سے شہر کے چور بازاروں سے چرس سمیٹ کر کامیابی کے ساتھ ہیروئن کو پہلی بار تجارتی پیمانے پر متعارف کرایا تھا ورنہ اس سے پیشتر شہر میں ایک آدھ ہیروئنچی کے وجود کی قسم تو نہیں کھائی جا سکتی تھی البتہ یہ حقیقت ناقابل تردید تھی کہ عام نشے باز اور ان کے سپلائر ہیروئن کے وجود تک سے بے خبر تھے۔

تھوڑی دیر بعد چیف کا فون آیا۔ اس دوران میں سب انسپکٹر محمود کے بارے میں اس کی معلومات میں کچھ اضافہ ہو چکا تھا لیکن محمود سے میری براہِ راست گفتگو کے بعد میرے لیے ان میں سے کوئی بات نئی نہیں تھی۔ اہم بات یہ تھی کہ چیف نے میرے بارے میں شہر میں موجود ڈان تھری سے بھی مشورہ کیا تھا اور میرے معاملے کے حل کی کوئی راہ نکال لی تھی۔

"میرے لیے یہی کافی ہے کہ میری گلو خلاصی ہو جائے گی۔" میں نے کہا۔ "میں نے تمھاری فراہم کی ہوئی معلومات کی تصدیق کر لی ہے۔ وہ واقعی بہت خود سر اور د[illegible]ت پسند افسر ہے۔"

"فلیٹ میں بیٹھے بیٹھے تم نے کہاں سے یہ تصدیق کر لی؟" اس نے سوال کیا۔

"وہ خود ہی آ گیا تھا۔ اس نے مجھ سے تین دن کا وعدہ کیا ہے اس دوران وہ مجھے بند کر دے گا یا ہمیشہ کے لیے میرا دوست ہو جائے گا۔ رشوت لینے سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"تین دن بہت دور ہیں، آج رات ہی تمھارے کاغذات حاصل کر لیے جائیں گے۔" اس کی سرد اور سپاٹ آواز سنائی دی۔ "تم اسے بالکل بھول جاؤ۔ یہ معاملہ میں خود دیکھوں گا۔ عجائب خان کو فی الحال میں واپس بلا رہا ہوں۔ اپنے منصوبے میں مجھے اس کی ضرورت پیش آئے گی تم چاہو تو اس کی جگہ کوئی دوسرا آدمی مامور کیا جا سکتا ہے۔"

"مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔ میں نے باہر کی خیر خبر رکھنے کے لیے اسے بلایا تھا۔ اب یہ ذمے داری تم نے لے لی ہے تو بلاوجہ ایک آدمی لگائے رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

اس گفتگو نے میرے ذہن سے بڑا بوجھ ہٹا دیا۔ نہ میں نے اس کے منصوبے کی تفصیلات پوچھ کر خود کو اس گورکھ دھندے میں الجھانے کی کوشش کی اور نہ ہی اس نے اس بارے میں مجھے بتانے کی ضرورت محسوس کی۔ البتہ اس تلخ اور اعصاب شکن تجربے کی روشنی میں میں اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ جب تک مجھے چیرواک بنا رہنا ہے مجھے اپنا تلفظ اور لہجہ بگاڑنا ہو گا یا پھر کوئی نیا مقامی نام اختیار کر کے اپنے لیے نئے شناختی کاغذات کا بندوبست کرنا ہو گا ورنہ وہی صورت حال ایک بار پھر پیش آ سکتی تھی۔

دوپہر تک میں اپنے فلیٹ میں ہی رہا۔ اس دوران میں پولیس والوں نے ایک بار بھی مجھے طلب نہیں کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ سب انسپکٹر محمود نے اپنے وعدے کے مطابق مجھے سیما کے قتل کے معاملے سے بالکل الگ رکھا تھا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ سیما کے فلیٹ کی بالکونی میں کھلنے والی ایک کھڑکی کے کٹے ہوئے شیشے کو دیکھ لینے کے باوجود کسی متجسس پولیس افسر کو محض سات آٹھ فٹ کے فاصلے پر موجود میرے فلیٹ کی بالکونی کا جائزہ لینے کا خیال نہیں آیا تھا جہاں سے سیما کی بالکونی تک رسائی بہت زیادہ دشوار نہیں تھی۔

محمود نے مجھے فرار کی کسی کوشش کے بارے میں متنبہ کیا تھا۔ یہ دھمکی بھی دی تھی اگر میں فلیٹ سے باہر نکلتا تو میری نگرانی پر مامور اس کے سادہ پوش آدمی کوئی نہ کوئی سنگین الزام عائد کر کے مجھے گرفتار کر لیتے پھر بھی میں نے اپنے فلیٹ سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

میزانائن فلور پر میری دو گاڑیاں موجود تھیں لیکن میں نے پیدل ہی باہر نکلنے کا ارادہ کیا اور سیڑھیاں طے کر کے نیچے آ گیا۔ اپنی بلڈنگ سے نکل کر میں چند ثانیے تک ٹھہرا رہا، جیب سے پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگاتے ہوئے میں نے قرب و جوار کا جائزہ لے ڈالا لیکن وہاں کسی ایسے فرد کو تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا جس پر پولیس کا سادہ پوش افسر یا سپاہی ہونے کا گمان کیا جا سکتا۔

اس دوران میں سیما کی لاش لے جائی جا چکی تھی۔ اپنے فلیٹ سے نکلتے ہی میں نے اس کے دروازے پر سیل دیکھ لی تھی۔ پولیس والوں کی نفری غائب ہونے کی وجہ سے اس وقت میرا فلور تو کیا پوری بلڈنگ پر موت کا مہیب سناٹا چھایا ہوا محسوس ہو رہا تھا جب نیچے بھی میدان صاف نظر آیا تو میں سوچ میں پڑ گیا کیونکہ میری محدود معلومات کے مطابق پولیس والے قتل جیسی کسی بھی سنگین واردات کے بعد اگر قانونی ضروریات کے پیش نظر جائے واردات کو سیل کرتے

ان کی نگرانی کے لیے اپنا کوئی آدمی بھی مامور کرتے ہیں تاکہ مجرم موقع پاکر جائے واردات سے شہادتیں تلف یا مسخ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں، مگر سیما کے فلیٹ کو صرف سیل کرنے پر اکتفا کیا گیا تھا۔

اپنے گرد و پیش سے چوکنا رہتے ہوئے چہل قدمی کے انداز میں مین روڈ کی طرف بڑھا تو سامنے سے اپنی عمارت کا چوکیدار نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں کاغذ میں لپٹی ہوئی تندوری روٹیاں تھیں۔ وہی چند روٹیاں اس دنیا میں ہونے والی تمام بری بھلی باتوں کا محور تھیں جن کے حصول کے لیے کبھی انسان، انسان کی گردن کاٹنے لگتا تھا اور کہیں گلے کاٹ رہا تھا۔ ان سب کارروائیوں کے نتیجے میں تجوریوں کا پیٹ بڑھتا اور بھرتا ہی چلا جاتا تھا لیکن اپنے آدمیوں کے ساتھ ہر قسم کی زیادتیاں کرنے والے کے مقدر میں بھی چند روٹیاں آتی تھیں جو اس وقت چوکیدار کے ہاتھ میں تھیں۔

چوکیدار نے مجھے پہچان کر اپنا ہاتھ پیشانی تک لے جا کر میرے لیے احترام کا اظہار کیا تو میں اس کے پاس رک گیا۔

"پولیس والے لاش کب لے گئے؟" میں نے نرمی کے ساتھ سوال کیا۔

"دس پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔" وہ ایک المناک آواز نکالنے کے بعد بولا۔ "ہم دونوں کو سیل کا خیال رکھنے کے لیے کہہ گئے ہیں۔ ہم کو اپنا سنتری بھیجیں گے۔"

ہم دونوں سے غالباً اس کی مراد دن اور رات والے چوکیداروں سے تھی۔

"لیکن اس وقت تو نہ زینوں پر کوئی تھا نہ ریمپ پر۔ تم کو تو ہوشیار رہنا چاہیے تھا۔"

"ظالموں کو جسے مارنا تھا، اسے مار گئے۔ اب یہاں کوئی کیا لینے آئے گا۔ پولیس والوں نے مجھے ہلکان کر کے رکھ دیا۔ میں بارہ بجے کھانا کھاتا ہوں، ان کے چکروں میں ڈیڑھ بج گیا۔ ان کے جانے کے بعد فرصت ملی تو ذرا دو منٹ کے لیے روٹی لینے چلا گیا تھا۔ اب وہیں گیٹ پر بیٹھا رہوں گا۔" اس نے گہرا سانس لے کر کہا۔

میں نے چند تشفی آمیز فقروں کے ساتھ ہی پانچ روپے کا ایک نوٹ اس کے حوالے کیا اور وہ مجھے دعائیں دیتا ہوا اپنے راستے پر بڑھ گیا۔ مجھے اس سے اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ اس لیے میں چوراہے کی طرف چل دیا۔ جہاں ہر وقت کوئی نہ کوئی رکشا یا ٹیکسی ضرور رہتی تھی۔

چوراہے پر پہنچ کر میں ایک ٹیکسی کی طرف مڑا ہی تھا کہ اچانک پیچھے سے کسی نے سختی کے ساتھ میرے شانے کو اپنی گرفت میں لے کر مجھے رکنے پر مجبور کر دیا۔ اس ناگہانی افتاد پر میں بھڑک کر تیزی سے پیچھے پلٹا تو قمیص شلوار میں ملبوس ایک صحت مند اور دراز قد آدمی کو اپنے سامنے موجود پایا جس کے پتلے پتلے ہونٹوں اور چہرے کی ساخت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دوسروں کو اذیت میں مبتلا دیکھ کر سکون حاصل کرتا ہوگا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اس نے کرخت لہجے میں سوال کیا تو مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ محمود کا ہی کوئی آدمی تھا اور چھپ کر میری نگرانی کر رہا تھا۔ مجھے ٹیکسی کے ذریعے کہیں روانگی پر آمادہ پاکر ہی وہ اچانک سامنے آنے پر مجبور ہوا تھا ورنہ غالباً مجھ سے دور رہ کر ہی فلیٹ میں میری واپسی تک نگرانی کرتا رہتا۔

میرا دل چاہا کہ اس سے الجھ پڑوں لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ چیف اسی رات تک میری گلوخلاصی کا بندوبست کر چکا تھا اس لیے بات بڑھانے میں سراسر میرا نقصان تھا۔ میں نے اس سے تعاون کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ "کھانا کھانے جا رہا ہوں تم چاہو تو تمھیں بھی ساتھ لیے چلتا ہوں۔"

"ادھر سے دال روٹی لو اور اپنے کابک میں دفع ہو جاؤ۔" وہ مزدوروں کے لیے بنے ہوئے ایک جھونپڑی نما ہوٹل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غرایا۔ "ورنہ ابھی اٹھا لے جاؤں گا۔" اس کی آواز میں تحقیر اور تحکم کے علاوہ کسی تیسرے جذبے کی ذرا بھی رمق موجود نہیں تھی۔

اس کے چیلنج کرتے ہوئے لہجے پر مجھے طرارہ آگیا شاید وہ میرے مصالحانہ رویے کو میری بزدلی پر محمول کر رہا تھا لیکن پھر بھی میں نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "اگر تم میرا ساتھ دو تو میں اس ہوٹل کی کرکری دال اور بے مزہ سالن بھی کھانے کے لیے تیار ہوں، ورنہ مجھے طارق روڈ تک جانے دو۔"

اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور پوری قوت سے اپنا داہنا ہاتھ گھما دیا۔ میرے بائیں رخسار پر پڑنے والے اس کے ناگہانی تھپیڑنے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلا دیا۔ اور جتنی دیر میں میں سنبھالا لیتا، وہ سختی سے میرا گریبان اپنی مٹھی میں تھام چکا تھا۔ ہم دونوں میں جھگڑے کا منظر دیکھتے ہی چوراہے پر موجود کئی افراد بیچ بچاؤ کی نیت سے ہماری طرف لپکے۔ وہ گریبان تھام کر مجھے گندی گندی گالیوں سے نواز رہا تھا اور میں تذبذب میں مبتلا تھا کہ اس کی بدتمیزی کا اسی کے انداز میں جواب دوں یا اس توہین کو برداشت کر جاؤں۔

اسی اثنا میں بیچ بچاؤ کے لیے آنے والوں میں سے ایک نے ہم دونوں کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی تو میرے حریف نے بائیں ہاتھ کے جھٹکے سے اسے نہایت اطمینان سے دور اچھال دیا اور غراتا ہوا بولا۔ "خبردار! جو کوئی ہمارے درمیان آیا۔ یہ پولیس مقابلہ ہے۔"

اس کے وہ الفاظ سنتے ہی آنے والے تیزی کے ساتھ وہاں سے غائب ہوگئے۔ پچھلے چند ایام سے اس علاقے میں پیش آنے والے واقعات نے لوگوں کو اس قدر خوفزدہ کیا ہوا تھا کہ کوئی بھی پولیس والوں کی گواہی، شہادت کے چکر میں پڑ کر مسائل کا شکار ہونے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ دور اچھالا جانے والا بھی اپنا توازن سنبھالتے ہی وہاں سے

سرپٹ بھاگ کر ایک گلی میں غائب ہو گیا تھا۔

"گریبان چھوڑو! میں واپس جا رہا ہوں۔" صورتِ حال کو اپنے خلاف جاتا دیکھ کر میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم نے بلاوجہ مجھ پہ ہاتھ اٹھایا ہے، میرا تم سے اُلجھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

اس نے مجھے پیچھے کی طرف جھٹکا دیتے ہوئے میرا گریبان چھوڑ دیا۔ اسی لمحے قریب سے ایک فائر کی پُرشور آواز گونجی۔ میرے ساتھ ہی وہ بھی چونک پڑا۔ پھر اس نے اپنے نیفے میں اُڑسا ہوا پستول نکال کر اس طرف دوڑ لگا دی جدھر سے فائر کی آواز سنائی دی تھی۔

پتا نہیں کہ وہاں کیا ہو رہا تھا یا کیا ہونے والا تھا۔ ہر طرف سناٹا ہو گیا تھا اور میں ایک عدد زناٹے دار تھپڑ کھانے کے بعد وہاں اکیلا کھڑا رہ گیا تھا۔ اس لیے مزید کسی آفت سے محفوظ رہنے کے لیے میں نے بھی تیز قدموں سے اپنے فلیٹ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ فائر کی آواز سے علاقے میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ رہائشی علاقے میں سڑک ویران ہو گئی تھی کہیں اِکا دُکا افراد زینوں کی آڑ میں کھڑے ہوئے باہر کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہے تھے۔

کھلی ہوا میں گھومنے کا سودا سر سے اترنے کے بعد میں فلیٹ میں آتے ہی غسل خانے میں گھس گیا۔ مجھے اپنی توہین پہ رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔ وہ سادہ پوش لاکھ تندرست اور توانا سہی، میں چاہتا تو چند ہی سیکنڈ میں مکّوں اور تھپڑوں سے اس کا چہرہ اتنا بگاڑ سکتا تھا کہ وہ خود بھی آئینہ دیکھ کر لرز اُٹھتا مگر محمود میرے عزائم کے لیے ایک مضبوط زنجیر بن گیا تھا۔ میں ذرا بھی جارحانہ انداز اختیار کرتا تو محمود فوری طور پہ میری نیت پہ شبہ کرتے ہوئے مجھے بند کرا دیتا۔

دن کا اُجالا شام کے دُھندلکے میں معدوم ہوا پھر دن بھر کا تھکا ہارا راہوار مشرق خلا کی بیکراں وسعتوں میں کہیں معدوم ہو گیا۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد بھی میں کافی دیر تک یوں ہی بستر پہ بے حس و حرکت پڑا رہا لیکن جب اندھیرے کی وجہ سے ذہن پہ پریشان کن خیالات کی یلغار بھیانک روپ اختیار کرنے لگی تو میں نے اُٹھ کر فلیٹ کی تمام ضروری روشنیاں جلا دیں۔ میرے پاس سگریٹ ختم ہو چکے تھے، دوبارہ باہر جانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا اس لیے چابی جیب میں ڈال کر زینوں سے نیچے پہنچا تو کندھے پر رائفل لٹکائے ایک باوردی سپاہی چوکیدار کے پاس کھڑا ہوا تھا۔

میں نے چوکیدار کو پچاس روپے کا نوٹ دے کر سگریٹ لانے کے لیے کہا تو سپاہی بول پڑا۔ "اسی نوٹ میں سے میرے لیے بھی کچھ مال پانی لیتے آنا۔"

چوکیدار نے بےبسی کے ساتھ میری طرف دیکھا اور میں نے اثبات میں سر ہلا کر اس کی مشکل آسان کر دی۔

"دوپہر کو قرب و جوار میں کہیں گولی چلی تھی، اس کے بارے میں کچھ پتا چلا؟" چوکیدار کے چلے جانے کے بعد میں نے دوستانہ لہجے میں کانسٹیبل سے سوال کیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے پہ نحوست منڈلا رہی ہے۔" وہ بیزاری کے عالم میں بولا تھا۔ "میں شام کو ڈیوٹی پہ آیا ہوں، تھانے میں گولی چلنے کی خبر ملی تھی لیکن کوئی پکڑا نہیں گیا۔ معلوم ہوتا ہے کسی نوجوان چھوکرے نے شرارت میں لوگوں کو ڈرانے کے لیے وہ حرکت کی ہو گی۔ اب کسی نے ایسی شرارت کی تو نہیں بچ سکے گا۔"

"پہلے بچ گیا تو اب کیوں نہیں بچ سکے گا؟" میں نے سادگی سے سوال کیا۔

"وقت وقت کی بات ہوتی ہے، اب انچارج صاحب نے یہاں سادہ لباس والے کئی آدمیوں کی ڈیوٹی لگا دی ہے جس نے بھی حرامی پن کیا، رنگے ہاتھوں پکڑا جائے گا...." قدرے توقف کے بعد اس نے اچانک ہی ایک غیر متعلقہ سوال کیا تھا۔ "تم اس بلڈنگ کی کون سی منزل پہ رہتے ہو؟"

"پہلی منزل پہ، مرنے والی کے پڑوس میں۔" میں نے اس کے مقصد کا اندازہ لگانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" اس کی آنکھوں میں دلچسپی کے آثار عود کر آئے۔ "بال بچوں کو تکلیف نہ ہو تو رات کو بستر دے دینا، باہر کے دروازے کے سامنے سو جاؤں گا۔ ڈیوٹی بھی ہوتی رہے گی، ذرا سا آرام بھی مل جائے گا۔"

"تمہارے سوتے ہوئے اگر کوئی مجرم آ گیا تو ڈیوٹی کہاں سے پوری ہو گی؟" چوکیدار کے واپسی کے انتظار میں وقت گزارنے کی نیت سے میں نے اسے چھیڑا۔

"واردا تیئے آدمی سے نہیں سرکاری وردی سے ڈرتے ہیں۔ میں جاگتا رہوں یا سو جاؤں، میری وردی تو اپنا کام دکھاتی ہی رہے گی نا!" وہ دانت نکال کر بولا جیسے اس نے کوئی بڑا نکتہ بیان کیا ہو۔

"اور رائفل کہاں لے جاؤ گے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ تم رکھ لینا، صبح واپس لے لوں گا۔" اس نے معصومانہ سادگی سے کہا پھر اپنائیت بھرے لہجے میں بولا۔ "ہم سے بیس بیس گھنٹے ڈیوٹی لی جاتی ہے۔ نو سو بیس روپے تنخواہ ملتی ہے، نہ بونس نہ اوور ٹائم ہمیں، حال بچوں کا پیٹ بھرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر ہم لوگ ڈیوٹی پہ نہ سوئیں تو گھر جا کر لڑنا جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں میری بارہ گھنٹے کی ڈیوٹی ہے۔ صبح سات بجے دوسرے سپاہی کے آنے سے پہلے ساری ذمے داری میری ہے، پھر تھانے میں کارگزاری کو کر دس بجے سے پہلے جان نہیں چھوٹے گی۔"

تنخواہ اور ڈیوٹی کے حوالے سے وہ جو کچھ کہہ رہا تھا درست تھا لیکن ذمے داری کے معاملے میں میں اس کی شیخی کو پی گیا۔ "بستر مل جائے گا، تھوڑی دیر کے لیے اندر بھی بیٹھ سکتے ہو، میں اکیلا رہتا ہوں۔" میری پیشکش سن کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ غالباً محمود نے اسے میرے بارے میں اپنے شبہے سے آگاہ نہیں کیا تھا، ورنہ وہ ڈیوٹی پر آتے ہی میری کسی خواب گاہ پہ قابض ہونے کے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دیتا۔

چوکیدار سے سگریٹ لے کر میں اوپر چلا گیا۔ اس دوران میں ایک بار میری نگاہ اس سادہ پوش پر بھی پڑی جس نے دوپہر میں مجھے تھپڑ سے نواز تھا۔ وہ چیلنج کرنے والے انداز میں ایک کیبن کی اوٹ میں لڑاکا مرغ کی طرح سینہ پھلائے کھڑا ہوا تھا۔ اپنی کھوپڑی ٹھنڈی رکھنے کے لیے میں نے دوبارہ اُدھر دیکھا ہی نہیں تھا۔ مجھے رہ رہ کر جہانگیر پر غصہ آ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میں اپنے فلیٹ میں محصور کر دیا گیا تھا۔ اس دوران میں کوئی ناگہانی شکل پیدا ہو سکتی تھی یا مجھے کسی چیز کی ضرورت پیش آ سکتی تھی لیکن میری ... سے اسلحہ لے جانے کے بعد اس نے نہ مجھے فون کیا تھا اور نہ ہی فیکٹری سے واپسی پر چکّر مارنے کی زحمت کی تھی۔

ساڑھے نو بجے سیما کے فلیٹ کی حفاظت پر مامور باوردی سپاہی مجھے اپنی میزبانی کا شرف بخشنے کے لیے آ پہنچا۔ "دس گیارہ بجے میرا سونے کا وقت ہو جاتا ہے اس لیے سوچا کہ سونے سے پہلے تم سے ہی تھوڑی سی گپ شپ کر لی جائے۔ باہر تو ایسا سناٹا ہو گیا ہے جیسے موت اب بھی بے پاؤں وہاں منڈلا رہی ہو۔ پڑھے لکھے لوگ بڑے بزدل ہوتے ہیں ایک مرتا ہے تو سیکڑوں ڈر کر گھروں میں بند ہو جاتے ہیں۔ جاہلوں کا علاقہ ہوتا تو یہاں رات بھر میلہ لگا رہتا۔ اور کچھ نہیں تو لوگوں کو وہ گھر ہی دیکھنے کا شوق ہوتا ہے جہاں واردات ہوئی ہو۔"

وہ ڈرائنگ روم میں جوتوں سمیت قالین پر آیا پھر اپنی رائفل احتیاط سے دیوار کے ساتھ کھڑی کر کے جوتوں کے بند کھولنے لگا تو میں نے اسے ٹوکا کہ وہ جوتے نہ اتارے وہ قالین جوتوں سے روندے جانے کے لیے ہی بچھایا گیا تھا۔ اس پر وہ ہنس کر بولا تھا۔ "مجھے معلوم ہے جی! کوارٹر میں ضرور رہتا ہوں لیکن بڑی بڑی کوٹھیوں اور بنگلوں میں اپنے افسروں کے ساتھ تفتیش کے لیے جاتا رہتا ہوں، مجھے بھی تو ذرا اپنے پیروں کو آرام دینا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے جوتے اتارے۔ پیر باہر آتے ہی نہ جانے کب سے جوتوں میں اڑے ہوئے میلے موزوں میں سے بدبو کا ایک تیز بھبکا پیدا ہوا اور وہ موزے جوتوں میں ڈال کر، ایک آرام دہ صوفے پر اس شان سے بیٹھ گیا کہ اس کے دونوں پیر بھی اوپر ہی تھے۔

"سنتری جی! تمھارے جوتوں میں سے بڑی بدبو آ رہی ہے۔" کمرے میں مسلسل پھیلتی ہوئی بدبو سے مجبور ہو کر میں اسے جتلائے بغیر نہ رہ سکا۔ میرے لیے وہ بو ناقابلِ برداشت ہو رہی تھی۔

"وہ تو آتی ہی رہتی ہے۔" وہ بے پروائی سے بولا۔ "کچے چمڑے کے جوتے بدبو نہیں تو پسینے میں بھیگ کر خوشبو دیں گے؟ یہ تو ہمارا ہی دل گردہ ہے کہ انھیں وردی کے ساتھ ہر وقت پہنے رہتے ہیں۔"

جس وقت زینوں سے نیچے میں نے اسے فلیٹ میں آنے کی دعوت دی تھی تو میرا خیال تھا کہ اس سے سب انسپکٹر محمود کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں گا لیکن بدبو سے اتنی طبیعت مکدر ہوئی کہ کئی منٹ تک میں اس سے کوئی بات ہی نہ کر سکا۔ بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ میں نے اسے اس کی غلطی کا احساس دلانے کے لیے جو کچھ کہا، اسے وہ اپنی ہمدردی میں کیا جانے والا تبصرہ سمجھ کر گول کر چکا تھا۔ اس کے بعد ایک ہی راستہ باقی رہ گیا تھا کہ میں خود اس کے جوتے اٹھا کر باہر رکھ دیتا اور وہ عمل میرے بس سے باہر تھا۔

"آؤ، باہر لابی میں بیٹھیں گے۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بسم اللہ۔" وہ اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے پورے خلوص کے ساتھ اپنے جوتوں کی طرف بڑھا تھا۔

"نہیں نہیں۔" میں نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔ "رائفل اور جوتے یہیں رہنے دو، دونوں کو تھوڑی سی تازہ ہوا مل جائے گی۔"

"جیسے تمھاری خوشی!" اس بار اس نے میری رضا کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور میرے ہمراہ لابی میں آ بیٹھا۔ وہاں آنے کے بعد فلیٹ کی پوری مکانیت اس کے سامنے آ گئی تھی اس لیے کچھ دیر تک چاروں طرف کا جائزہ لینے کے بعد اس نے رائے دی کہ وہ فلیٹ ایک آدمی کی ضروریات سے بہت زیادہ تھا۔ اس بار میں نے اس کا تبصرہ سُنا اَن سُنا کر دیا اور اس کے پیشہ ورانہ معاملات کی بات چھیڑ دی۔

اس سے گفتگو کے دوران مجھے احساس ہوا کہ ملازمت نئی ہو تو ہر شخص پُرجوش اور خوش نظر آتا ہے لیکن جیسے جیسے نوکری پرانی ہوتی جائے، ساری خوشی ماند پڑ جاتی ہے حتیٰ کہ ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جب اپنے ادارے کی مسرت بخش باتوں میں بھی انسان کیڑے نکالنے لگتا ہے۔ وہ خاصا سینئر سپاہی تھا اور اوپر سے نیچے تک کسی ایک بھی افسر یا ساتھی سے خوش نہیں تھا۔

باتوں باتوں میں جب محمود کا ذکر آیا تھا تو اس نے بُرا سا مُنہ بنایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دوسرے افسران چھوٹے بڑے، ہر کیس میں سودے بازیوں کی وجہ سے بدنام ہو گئے تھے جب کہ محمود بہت چالاک تھا۔ چھوٹے موٹے مقدمات میں سختی کے ساتھ قانون کے مطابق کام کرتا لیکن بڑے معاملات میں رازداری کے ساتھ سودے کرتا تھا۔ اپنی ایمانداری کا ڈھکوسلا برقرار رکھنے کے لیے کرائے کے مکان اور ذاتی اسکوٹر کا ڈراما رچایا ہوا تھا۔ ورنہ حقیقت یہ تھی کہ وہ جب چاہتا نئے ماڈل کی قیمتی کار اور کوئی بھی شاندار مکان خرید سکتا تھا۔

تھوڑی سی محنت کے بعد محمود سے اس کی پرخاش کا سبب بھی سامنے آ گیا۔ محمود جب سے اس تھانے میں آیا تھا اس کے ساتھ اللہ داد مستقل طور پر لگا ہوا تھا جس کا انتخاب محمود نے خود کیا تھا۔ وہ سب کے سامنے برملا کہتا تھا کہ اللہ داد اپنے تمام ساتھیوں سے زیادہ ذہین اور فرض شناس تھا یا بالواسطہ طور پر اس نے اپنے تھانے کے تمام سپاہیوں کو غبی اور نکما قرار دے دیا

تھا جس کی وجہ سے کوئی اسے پسند نہیں کرتا تھا۔

اس کا کہنا تھا کہ محمود لین دین کے سارے معاملے اللہ داد کے ذریعے طے کرتا تھا تاکہ کوئی گڑبڑ ہو جائے تو سارا الزام اسی کے سر دھرا جاسکے اور اس کا دامن صاف رہے جب کہ اللہ داد اس طرح خود کو بہت اہم سمجھتے ہوئے خوش رہتا تھا۔ اسی لیے ان دونوں میں نبھ رہی تھی۔

صاف ظاہر تھا کہ اس کی وہ تمام ہرزہ سرائی اللہ داد سے پیشہ ورانہ رقابت پر مبنی تھی، ورنہ اپنے دل میں وہ بھی جانتا تھا کہ محمود بے باک اور ایماندار افسر تھا۔

وہ اپنی رات میرے ہی فلیٹ میں گزارنے کے موڈ میں نظر آرہا تھا لیکن میرے لیے یہ بات ناقابلِ قبول تھی، اسے اپنے سر پر مسلط کر کے میں اپنی اس واحد آزادی سے بھی محروم ہو جاتا جو فون کی صورت میں مجھے میسّر تھی۔ خدا خدا کر کے میں ساڑھے دس بجے بستر دے کر اسے باہر نکالنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے اپنی بھری ہوئی رائفل اور کارتوسوں کی پیٹی میرے ہی پاس چھوڑ دی تھی۔ اس وقت وہ دونوں چیزیں میرے لیے نعمتِ بے بہا سے کم نہیں تھیں کیونکہ اپنا تمام غیر قانونی اسلحہ جہانگیر کے حوالے کر دینے کے بعد میں بالکل نہتا رہ گیا تھا۔ کسی بُرے وقت میں وہ سرکاری اسلحہ میرے کام آسکتا تھا۔

اس سے فرصت پاتے ہی میں نے کچن اور فریج میں موجود اشیا کی مدد سے اپنی آتشِ شکم سرد کی اور اسکاچ کا ایک چھوٹا سا گلاس لے کر بستر پر دراز ہو گیا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی، ذہن محمود، سیٹھ حبیب اور اپنے کاغذات میں اُلجھا ہوا تھا۔ وقت تیزی کے ساتھ گزرتا جا رہا تھا اور مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ چیف اگر اس رات محمود کی تحویل سے میرے کاغذات خوش اسلوبی کے ساتھ نکال لینے میں کامیاب نہ ہوا تو اگلی صبح میری زندگی کے بدترین دور کا آغاز ثابت ہوگی۔

صبح کے تین بجے تک میں فون کی گھنٹی یا کسی کے قدموں کی چاپ کے انتظار میں بستر پر بے چینی کے ساتھ پہلو بدلتا رہا لیکن اس رات ہر طرف ایک مرگ آسا سکوت چھایا ہوا تھا۔ صبح پے در پے ہر ایک کے فون چلے آرہے تھے لیکن جب مجھے کسی اچھی خبر کا انتظار تھا تو سب کہیں جا سوئے تھے۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر مجھے سب انسپکٹر محمود کے ہاتھوں ہی کیفرِ کردار کو پہنچنا تھا تو میرے لیے اپنی زندگی کا سب سے بڑا حساب بے باق کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ وہ رات اسی طرح مہیب خاموشی میں گزر جاتی تو اگلی صبح میں نتائج کی پروا کیے بغیر دلدار آغا کو اس کے گھر کی دہلیز پر جہنم واصل ضرور کر دیتا کیونکہ میری زندگی میں اصل زہر اسی ملعون نے گھولا تھا۔ میری ذاتی پرخاش کے علاوہ وہ شی کا مقامی سربراہ اور موت کا ایک بڑا سوداگر بھی تھا جسے سسکتی ہوئی، کربناک موت سے آشنا کرنا میرے بس سے باہر تھا کیونکہ میں اسے ایک پنجرے میں پال کر ہیروئن کا عادی نہیں بنا سکتا تھا لیکن میں اپنے آہنی ہاتھوں کے ایک ہی وار سے اس کی گردن توڑ دینے کی طاقت ضرور رکھتا تھا۔

نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔ اگلی صبح رات کی ڈیوٹی ختم کرنے والے سپاہی کی بجائی ہوئی گھنٹیوں سے ہڑبڑا کر بیدار ہوا تو سر بوجھل تھا، دماغ ماؤف اور اعصاب شکستہ، کیونکہ وہ رات کسی اچھی خبر کے بغیر گزر گئی تھی اور میری حالت کسی ایسے قیدی کی سی ہو گئی تھی جسے موت کی سزا سُنا دی گئی ہو لیکن اسے یہ نہ بتایا گیا ہو کہ اسے کتنے گھنٹوں، دنوں یا سالوں کے بعد سولی چڑھایا جانے والا تھا۔

سپاہی میرا دیا ہوا بستر اپنی بغل میں دبائے، خوابیدہ آنکھوں کے ساتھ دروازے پر میرا منتظر تھا تاکہ بستر لوٹا کر اپنی رائفل کندھے سے لٹکائے اور تھانے لوٹ جائے کیونکہ اس کی جگہ لینے والا دوسرا سپاہی آچکا تھا۔ اپنے ساتھی کے خوشگوار تجربے کی روشنی میں وہ بھی میرا تعاون حاصل کرنے کی امید میں اس کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

ان دونوں سے قدرے جھلائے ہوئے انداز میں فارغ ہونے کے بعد میں نے طویل غسل کیا اور اپنے لیے چائے کی پیالی تیار کر کے فون کے قریب جا بیٹھا۔ میرے ذہن پر سنسناہٹ طاری تھی جو کسی بڑے واقعے کے رونما ہونے سے پہلے بعض حساس لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔

میں نے کئی بار اپنے رات کے فیصلے پر غور کیا لیکن ذہن نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ ایک خیال یہ بھی آیا کہ سیٹھ حبیب کو فون کر کے اس سے دریافت کروں کہ اس کے لمبے چوڑے دعوے کیا ہوئے؟ رات کسی سود و زیاں کے بغیر گزر گئی تھی، اسی کے ساتھ بات بھی گزر گئی تھی اور محمود کو اپنی کارروائی کی آزادی مل چکی تھی۔

آخر کار میں نے مغلوب ہو کر دلدار آغا کے گھر کا نمبر ملا ہی لیا۔ چار مسلسل گھنٹیوں کے بعد جب ریسیور پر غزالہ کی جانی پہچانی میلو کی آواز سنائی دی تو میرے دل پر غمناک سی خوشی طاری ہو گئی۔ غم اس بات کا تھا کہ وہ میری نہیں پرائی ہو چکی تھی، میری دسترس سے باہر تھی اور خوشی اس بات کی کہ میرے کانوں نے ایک بار پھر اس کی آواز سُن لی تھی۔

"تم کیسی ہو خاتون؟ تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے اسی بدلی ہوئی بھاری آواز میں سوال کیا جس میں پچھلی صبح اس سے بات کی تھی۔

"تت... تم نے پھر فون کیا؟" وہ فوراً ہی میری آواز پہچان گئی تھی اور اس کے لہجے میں خوف سمٹ آیا تھا۔ "آخر تم کون ہو اور کیوں ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے پڑ گئے ہو؟"

"تمہارے ڈی ڈی ٹی یا دلدار آغا کا ڈسا ہوا ایک شکار ہوں" میں نے بوجھل لہجے میں کہا۔ "تم نے اخباروں میں بیما کے قتل کی خبر

پڑھ ہی لی ہوگی، وہ میری محبوبہ تھی اور اسے ڈی ڈی ٹی نے مارا ہے۔" میری آواز میں غیر ارادی طور پر کرب پیدا ہوگیا۔" میں نے سوچا کہ وہ قاتل ہے، میں اسے مار ڈالوں گا لیکن اب تمھارا خیال آتا ہے، اسے مارا تو یہ سزا تم کو ملے گی۔ وہ زندگی کے سارے جھمیلوں سے آزاد ہو جائے گا۔ سزا تمھیں نہیں، اسے ملنی چاہیے۔ وہ کسی آرزو کی حسرت میں سسکتا اور تڑپتا رہے لیکن زندہ رہے۔ یہی اس کی سزا ہو سکتی ہے جو میں اسے دینا چاہتا ہوں۔"

"میں نے سب کچھ پڑھ لیا ہے تمھاری پچھلی کال نے انھیں خوفزدہ کر دیا ہے۔ انھوں نے رات گھر سے باہر گزاری ہے اور ابھی تک واپس نہیں لوٹے تمھیں ان پر رحم نہیں آتا تو کم از کم مجھ پر اور میری گھریلو زندگی پر ہی رحم کرو۔"

"تم سے رشتہ کیا ہے میرا؟" میں نے تڑپ کر بے ساختہ کہا۔ "تمھیں ایک اجنبی سے رحم کی بھیک مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی!"

"سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟" گہرے گہرے سانسوں کے درمیان اس کی اضطراری آواز ابھری۔ "تم میرے اس سوال کا جواب نہیں دوگے تو میں قسم کھاتی ہوں کہ فون بند کر دوں گی۔"

میں چند ثانیے تک خاموش رہا۔ ریسیور پر اس کے چڑھتے ہوئے سانسوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ دلدار گھر پر نہیں تھا اور وہ کسی وجہ سے شدید ہیجان میں مبتلا ہو چکی تھی۔

"میں عاشق ہوں... ایک ناکام اور نامراد عاشق!" میں نے توقف کے بعد اسی بدلی ہوئی آواز میں کہا۔ "میری محبوبہ کو تمھارے دلدار نے مجھ سے چھین لیا..."

"یہ تم کس کی بات کر رہے ہو؟" میرے ذومعنی فقروں نے اسے تڑپا کر رکھ دیا۔ اس نے میری بات کاٹ کر تیز اور متجسس لہجے میں وہ اہم سوال کیا تھا۔

"اپنی محبوبہ کی۔" غزالہ کے وجود میں کسک پیدا کر کے میرے دل کو خاصا سکون ملا تھا اس لیے میرا لہجہ بھی پُرسکون ہو گیا تھا۔ "کیا میں نے تم کو بتایا نہیں کہ تمھارے ڈی ڈی ٹی نے میری سیما کو مار دیا؟ میں نے تمھیں اتنا کچھ بتا دیا، اب کچھ تم بھی اپنے بارے میں بتاؤ تاکہ میں تم سے گفتگو کو آگے بڑھا سکوں۔"

"تم جھوٹے ہو!" اس کے بے ساختہ الزام پر میں بھونچکا رہ گیا۔ "میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہو!"

"ایک اجنبی سے اس طرح بات کرتے ہوئے تمھیں شرم آنی چاہیے!" میں نے نشتر زنی کی۔ اس وقت اسے تڑپانے میں مجھے لطف آ رہا تھا کیونکہ مجھ سے بے وفائی نہ کر کے بھی وہ میری وفادار نہ رہ سکی تھی۔ "میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم دلدار کی بیوی ہو اور یہ بھی تم نے کل خود ہی بتایا تھا۔ اس سے آگے بھی کچھ بتاؤ، تمھارا نام کیا ہے؟ عمر کتنی ہے؟ صورت کیسی ہے؟ ڈی ڈی ٹی تم کو کتنا چاہتا ہے؟ یہ سب بتاؤ گی تب ہی میں فیصلہ کر سکوں گا کہ دلدار کو زندہ رہنا چاہیے یا اس کا مر جانا ہی بہتر ہوگا؟ اس سے کس کس کو فیض پہنچ سکے گا؟"

"تم پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو؟ کھل کر بات کیوں نہیں کرتے؟" اس کی آواز بھرا گئی۔

"میری ہر بات آئینے کی طرح صاف ہے اگر تم عمر رسیدہ اور بدصورت عورت ہو یا دلدار تم سے محبت نہیں کرتا تو میں اسے مار دوں گا۔ اگر تم دلکش اور جوان ہو، دلدار تمھیں دیوانہ وار چاہتا ہے تو میں اسے زندہ رکھوں گا اور تمھیں اغوا کر لوں گا۔ اس نے میری محبت کا خون کیا، میں اس کی محبت چرا لوں گا۔ اس نے میری خوشیاں چھینیں، میں اس کو ایک چلتا پھرتا مزار بنا کے رکھ دوں گا۔ شرط یہی ہے کہ تم اپنے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ تاکہ اجنبیت دور ہو۔ اب دلدار کی زندگی کا انحصار تم پر ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو تم کہو گی، اس پر یقین کر لوں گا اور اسی کی بنا پر اپنا فیصلہ کروں گا۔ تمھاری کہی ہوئی کسی بات کی تصدیق کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

"تم بہت چالاک اور مکار ہو۔" اس کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تمھاری بتائی ہوئی کوئی بھی صورت مجھے قبول نہیں۔ نہ میں جھوٹ بول کر انھیں مروانے کا تصور کر سکتی ہوں، نہ سچ بول کر انھیں زندہ دیکھ سکوں گی..."

"تم سچ بول کر تو دیکھو، وہ زندہ رہے گا۔" اس کی الجھی الجھی لیکن بامقصد بات سن کر خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، اس نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ، لفاظی کیے بغیر اپنے بارے میں حقیقت کا اظہار کیا تھا۔

"ایسی زندگی کا کیا فائدہ کہ میں انھیں دیکھنے کو ترستی رہوں؟ میں تمھاری قید کو قبول کر لوں تو ایسی زندگی کو وہ خود ٹھکرا دیں گے، سینے پر زخم لے کر کون زیادہ دن زندہ رہا ہے؟"

"میں زندہ ہوں۔" میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔ "اپنے دشمن کو اچھی طرح پہچان لینے کے باوجود میں نے ابھی تک اس پر وار نہیں کیا ہے۔ محبت کبھی کبھی قربانی بھی طلب کر لیتی ہے۔ اپنی آزادی کی قربانی دے کر تم دلدار کی زندگی خرید سکتی ہو، یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔ اپنے لیے اور اپنی خوشیوں کے لیے ہر ایک جی لیتا ہے لیکن کسی اور کی زندگی کے لیے پابندیوں کے ساتھ، سمجھوتوں کے تحت زندگی گزارنا بہت بڑی بات ہے جو شاید تمھارے بس سے باہر ہے۔ تم اپنے سوا کچھ سوچ ہی نہیں سکتیں، بس زندہ رہنا چاہتی ہو۔ خواہ بیوی بن کر رہو یا بیوہ ہو کر!"

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟ خدا کے لیے مجھے بتا دو کہ تم کون ہو؟" اس کی تھکی ہوئی اور دل گرفتہ آواز ابھری۔

"تم بار بار ایک ہی طرح کے سوال دہرا رہی ہو۔ سیدھی سی بات ہے کہ میں ڈی ڈی ٹی سے انتقام لینا چاہ رہا ہوں۔"

"تمھارا یہی انتقام بہت بڑا ہے کہ تم نے انھیں خوفزدہ کر دیا

ہے اور میرے دل میں وسوسے پیدا کر دیے ہیں۔ اگر تم ہمیں بھول بھی جاؤ تو شاید برسوں تک ہمارا کھویا ہوا سکون واپس نہ لوٹ سکے۔"

"وہ مجرم ہے' اس کا ضمیر مجرم ہے' اسی لیے وہ گھر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ تمھارے درمیان پیدا ہو جانے والی خلیج کی بنا پر مجھے شبہ ہے کہ اس نے اپنا اصل روپ چھپا کر تمھیں بھی دھوکے سے اپنایا ہے ورنہ ایک اجنبی کی بکواس سے دو چاہنے والوں کے درمیان کبھی کوئی خلیج پیدا نہیں ہوتی وہ ایک دوسرے کو سہارا دینے کے لیے اور قریب آجاتے ہیں۔"

"میرے مالک!" فون پر غزالہ کی دردناک کراہ اُبھری۔ "میں کہاں جاؤں؟" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئی تھی۔ "تمھارے یہ رمز اور کنائے مجھے اندر سے لہولہان کیے دے رہے ہیں۔ تم کوئی گھر کے بھیدی معلوم ہوتے ہو۔"

"یہ رمز اور کنائے نہیں' سامنے کی باتیں ہیں۔" میں نے مختصر سی بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ کبھی تم نے بھی کسی کو اندر سے زخمی کیا ہو اور یہ اسی جرم کا شاخسانہ ہو . . ."

"میں شرمندہ ہوں . . . میں شرمندہ ہوں ڈیفی!" وہ اچانک بلک کر رو پڑی۔ اس کا دلدوز گریہ سُن کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ "تم مجھ سے کیوں کھیل رہے ہو؟ کیوں سسکا رہے ہو؟ کہہ دو کہ تم کسی سیما کے عاشق نہیں ہو' تم ڈیفی ہو!" وہ ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان کہتی رہی اور میں اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر پتھر کی کسی چٹان کی طرح ساکت اور بے حس و حرکت کھڑا رہا۔

"بولو! تم بولتے کیوں نہیں؟" روتے روتے وہ اچانک بے بسی کے ساتھ بولی۔

"کیا بولوں؟" میں نے اپنی اصلی آواز اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میرے ڈیفی ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا مسز دلدار! دونوں نام ایک دوسرے کے لیے اجنبی اور راستے جدا ہیں۔ یہ نہ سوچنا کہ میں تمھارا پیچھا کر رہا ہوں۔ دلدار آغا ایک بھیڑیا ہے' میں اس کے پیچھے لگا ہوا ہوں' وہ ڈشی کا مقامی سربراہ ہے۔ میں چاہتا تو نہ جانے کتنی مرتبہ اسے ہلاک کر چکا ہوتا لیکن ہر بار تمھاری التجا آڑے آگئی۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اسے اسی وقت کیفرِ کردار کو پہنچاؤں گا جب وہ تمھارے سامنے پوری طرح بے نقاب ہو جائے گا۔ اس کی زندگی تمھاری خوشنودی سے وابستہ ہو کر رہ گئی ہے۔ مجھے تمھارے الفاظ کا پاس اس لیے ہے کہ کبھی ہم دونوں بھی ایک دوسرے کے شناسا تھے۔ مجھے وہ دن اور لمحے یاد ہیں جب کہ تم انھیں یکسر فراموش کر چکی ہو' اس لیے مجھے ڈیفی نہ کہو' بے نام ہی رہنے دو!"

"وہی لمحے تو میری بھی زندگی ہیں ڈیفی! ان یادوں کا تصور کرتے ہی دل میں ایسی ہُوک سی اٹھتی ہے جیسے میرا آشیانہ بکھر گیا ہو' میں اپنے ماحول سے گھبرا کر جدھر بھی سر اٹھاتی ہوں تو مجھے دور دور تک کوئی غم گسار یا ہم نوا نظر نہیں آتا۔ آسمان کی بیکراں وسعتوں میں غول سے بچھڑے ہوئے اُس پنچھی کی طرح اکیلی اور ہراساں رہ گئی ہوں جس کے پروں میں آسمان کی بلندی تک پرواز کی طاقت ہو نہ نہ زمین پر گرنے کا حوصلہ۔ تم نے مجھ پر احسان کیا جو دوبارہ قبول کر لیا۔ آج تمھارے تیور ہی کچھ اور تھے۔ مجھے تم پر کئی بار شبہ ہوا' میں نے اپنے اندر کی آواز پر تمھیں ڈیفی کہا اور دیکھ لو کہ تم ڈیفی ہی ہو! میری چاہت' محبت اور جذبوں کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت چاہتے ہو؟"

"ایسے افسانوی کلمات منہ سے نہ نکالو . . ." میں نے اسے ٹوکنا چاہا لیکن اس نے میری بات اُڑا دی۔

"یہ سچ ہے ڈیفی! تم میرا سینہ چیر کر دیکھ سکتے ہو!" اس کی آواز میں بلا کا درد پنہاں تھا۔

"تم میری دسترس سے باہر ہو غزالہ! تم کسی اور کی ہو چکی ہو۔" ریسیور پر اس کی ہلکی سی غم زدہ ہنسی کی آواز ابھری۔ "تم جانتے ہو کہ میں کس طرح حالات کا شکار ہوئی لیکن شادی ہی تو محبت کی معراج نہیں ہوتی۔ شادی کے لمحوں میں موت کسی کو آلے تو کیا محبت مر جاتی ہے؟ یہ تو اور امر ہو جایا کرتی ہے۔ چاہنے والے تو زندگی بھر ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ تم مجھے دلدار کا طعنہ نہ دو۔ وہ غلطی مجھ سے ہوئی تھی اور ہو گئی لیکن تم تو مجھے اکیلا نہ چھوڑو۔"

اس کی زبان سے پہلی بار غلطی کا اعتراف سُن کر میرے سینے میں جلتی ہوئی آگ پر ٹھنڈک کے کچھ چھینٹے پڑے۔ "مگر میں کسی کا کھلونا تو نہیں بن سکتا غزالہ!" میں نے آہستہ سے کہا۔ "میرا اور تمھارا اب کوئی بھی تو رشتہ نہیں۔ ہم آسمانی روحیں نہیں ہیں جو رشتوں کے بغیر محبت کو پروان چڑھاتی ہیں۔ تمھارا شوہر تمھارے قریب میرا سایہ تک برداشت نہیں کر سکے گا نہ میں خندہ پیشانی کے ساتھ اس سے مل سکوں گا۔"

"وہ پہلے کی باتیں تھیں جب تم اجنبی دشمن بن کر بول رہے تھے۔" اس کی ہچکیاں بتدریج بند ہو چکی تھیں اور آواز بھی رفتہ رفتہ اعتدال پر آتی جا رہی تھی۔ "شادی کے بعد میں نے خود کو بہت بدلا ہے اور ان گنت سمجھوتے کیے ہیں لیکن میں اپنی جبلت کو نہیں بدل سکی جس میں تجسس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ میں نے دلدار کی کچھ مشتبہ حرکتیں دیکھی ہیں۔ اس کے مکان کے گرد ہر وقت ان گنت مسلح افراد بکھرے رہتے ہیں جو گھر کے قریب کسی کار کا ٹائر پھٹنے پر بھی یوں نمودار ہوتے ہیں جیسے زمین سے اُبل پڑے ہوں۔ اس کے پاس نامعلوم لوگوں کے فون آتے ہیں جن سے وہ بدلی ہوئی آواز میں ناقابلِ فہم کوڈ ورڈز میں باتیں کرتا ہے۔ جس رات وہ پنڈلی پر زخم کھا کر آیا' میں نے اس کی سیاہ پجیرو کی باڈی میں گولیوں کے کئی سوراخ دیکھے مگر وہ کہتا رہا کہ اس کی پنڈلی میں ایک سریا گھسا ہے۔ گولی کے زخم کے بارے میں تمھارا انکشاف میرے دل نے فوراً قبول کر لیا تھا پھر کل تم سے بات ہونے کے بعد وہ کافی دیر تک کئی لوگوں سے

بات کرتا رہا اور غیر حاضری کی مدت کے بارے میں مجھے کچھ بتائے بغیر گھر سے چلا گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے بازار جانا چاہا تو ڈرائیوروں نے بتایا کہ گھر میں موجود تینوں گاڑیاں خراب کھڑی ہیں۔ ٹیکسی سے جانے کا ارادہ کیا تو چوکیدار نے منع کر دیا کہ شہر کے حالات خراب ہیں، صاحب نے ٹیکسی میں سفر سے منع کیا ہے۔ پتا نہیں فون کا سلسلہ کیسے بحال رہ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ جاتے جاتے مجھے اس گھر میں قید کر گیا ہے۔"

"پھر یقین رکھو کہ ہماری ساری گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہوگی۔ وہ آکر ٹیپ سُنے گا اور پھر تم پر تشدد کا آغاز ہو جائے گا۔" میں نے اس کے لیے اپنے دل میں رحم کے جذبات اُبھرتے ہوئے محسوس کیے۔

"تشدد سے میں نہیں ڈرتی لیکن اس کا کوئی امکان نہیں۔ انگلینڈ میں اپنی رُوپوشی کے دوران میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں ضرورت کے وقت میں انسٹرومنٹ سے ریکارڈنگ والے تار ہی نکال دیتی ہوں۔"

"تو کیا تم نے پہلے سے تار نکالے ہوئے تھے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تمھارا پہلا سوال سنتے ہی آواز پہچان کر تار نکال دیے تھے۔" اس نے بتایا۔ "وہ ریکارڈ پر ایک فقرہ سُن کر مجھ سے پوچھے گا تو کہہ دوں گی کہ میں نے بے ہُودہ کال سمجھ کر فون بند کر دیا تھا۔"

"تم اپنے شوہر کے لیے جمع غائب کے بجائے واحد غائب کا صیغہ استعمال کر رہی ہو اور اس کے بہت سے عیب بھی گنوا چکی ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ اب تمھیں اپنی غلطی کا پورا پورا احساس ہو گیا ہے اور شاید تم اس کی تلافی بھی کرنا چاہتی ہو؟" میں نے جذبات سے عاری لہجے میں پوچھا۔

"یہ اسی وقت ممکن ہے جب تم مجھے اپنے لیے گالی تصور نہ کرو۔"

"گالی تو تم میرے لیے آج بلکہ اس لمحے تک بنی ہوئی تھیں مگر اب گلال بن جاؤ گی۔"

"اچھی طرح سوچ لو ڈینی!" اس کی آواز گھمبیر ہو گئی۔ "ایسا نہ ہو کہ بعد میں کسی وجہ سے تمھیں اپنے اس جذباتی فیصلے پہ پچھتانا پڑے۔ میں تمھیں بہت قریب سے دیکھ چکی ہوں۔ کسی بھی وقت تم نے مجھ سے ذرا بھی نظریں بدلیں تو میں برداشت نہیں کر سکوں گی، زہر کھا کر جان دے دوں گی۔"

"تم مطمئن رہو غزالہ! میں بھول جاؤں گا کہ تم سے کبھی کوئی بھول بھی ہوئی تھی۔" میں نے آنکھیں موند کر جذباتی لہجے میں کہا۔ "صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے لیکن یہ بعد کی باتیں ہیں۔ تم صرف دو دن اور گزار لو، ڈی ڈی کو اپنے اوپر شبہ کرنے کا موقع نہ دو، نہ میرا نام زبان پہ لانا۔ میں ایک بکھیڑے میں اُلجھا ہوا ہوں۔ اس سے خیریت سے نمٹ گیا تو پھر سکون سے آئندہ کے لیے کچھ طے کریں گے۔"

"کیسا بکھیڑا؟" میرے سرسری انکشاف پہ وہ پریشان ہو گئی۔ وہی ایک ایسی ذات رہ گئی تھی جو میری کسی بھی پریشانی پہ پریشان ہو سکتی تھی ورنہ دوسرے سارے ہمدرد اپنے مزاجوں کے قیدی تھے۔

"ابھی مجھ کو خود صحیح اندازہ نہیں۔" میں نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔ "صورتِ حال کچھ واضح ہو گی تو کچھ بتا سکوں گا۔"

"سیما والا چکر تو نہیں ہے؟" اس کا تجسس بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

"ارے نہیں!" میں ہنس پڑا۔ "میرے بکھیڑے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"لیکن تم تو اس کی عاشقی کے دعوے دار بن کر سامنے آئے تھے؟" وہ خود ہی سیما کی طرف بہک گئی۔

"سیما کو میں نے تمھارے لیے ایک استعارہ سمجھ لیا تھا ورنہ بات صرف اتنی تھی کہ سیما میری پڑوسن تھی۔ ڈی ڈی اسے قتل کر کے فرار ہوا تو میں نے اسے بھاگتے ہوئے دیکھ کر پہچان لیا تھا اس لیے سیما کا عاشق بن کر اس کے سر پہ سوار ہو گیا تھا ورنہ اس بیچاری سے تو میری واجبی سی واقفیت تھی۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ویسے اتنا ضرور بتا دوں کہ تمھارے حوالے سے میں اکثر بے چاریوں کا ذکر سنتی رہی ہوں، یہ بھی تو اُنھی میں سے نہیں تھی!" دل کا غبار نکل جانے کے بعد پہلی بار اس کی آواز میں شوخی کی جھلک آئی تھی۔

"اس کے بارے میں تمھارا لنگڑا گھوڑا زیادہ صحیح معلومات فراہم کر سکے گا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ابھی تمھیں وعدہ کیے چند منٹ بھی نہیں ہوئے ہیں لیکن پھر تم اس کا طعنہ دے بیٹھے!" اس کا لہجہ یک بیک شکایتی اور پژمردہ ہو گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ مجھ سے واقعی غلطی سرزد ہوئی تھی۔

"یہ طعنہ نہیں، مذاق کی بات تھی۔ فی الحال تو وہ تمھارا ابھی ہے اور لنگڑا ابھی میں نے بس گھوڑے کا اضافہ کیا تھا۔ وہ سیما کے بارے میں زیادہ جانتا تھا۔ وہ شادی شدہ عورت تھی۔"

"وہ جو کچھ بھی ہو، کم از کم اب میرا نہیں ہے۔" اس کی مضبوط آواز اُبھری۔ "اس کے ساتھ سمجھوتے کا کچھ عرصہ ذرا چالاکی سے گزارنا ہوگا۔ وہ اب مجھے چھُو بھی نہ سکے گا۔"

"مدت کے بعد یہ مبارک لمحے محسوس ہوئے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ ہم یونہی باتیں کرتے رہیں لیکن فون بہت دیر سے انگیج ہے۔ میرے پاس ایک اہم کال آنے والی ہے۔"

"دیکھو ڈینی! مجھے ہمیشہ اسی طرح چاہتے رہنا۔" اس کی فرطِ جذبات سے رُندھی ہوئی آواز سُنائی دی۔ "میرے لیے تمھاری چاہت میں ذرہ برابر بھی کمی آئی تو میں بے موت مر جاؤں گی۔"

"وقت آیا تو تم دیکھ لو گی کہ ہم نے اکٹھے جو خواب دیکھے تھے

وہ کھوکھلی بنیادوں پر نہیں تھے۔ میں نے تمھیں کھو کر دوبارہ پایا ہے
اس کے بعد میں تمھیں ہرگز بے موت نہ مرنے دوں گا۔۔۔"

"بس بس! زیادہ نہ بولو۔" وہ سامنے ہوتی تو یقیناً میرے ہونٹوں پر اپنا نرم و گداز ہاتھ رکھ دیتی۔ دل کی بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو دل ہی میں رہیں تو بہتر ہوتی ہیں۔ ان کا زبان پر آنا بعض اوقات کاتبِ تقدیر کو پسند نہیں آتا۔ مجھے تم پر اور تمھاری چاہت پر پورا بھروسا ہے۔ بس اپنا دھیان رکھو۔ ہم بہتیرے مشکل دن گزار چکے ہیں۔"

چند اور فقروں کا تبادلہ ہوا۔ وہ پتھروں کی ایک بے جان حویلی میں اپنے احساسات کی قیدی تھی اس لیے باتوں کو غیر ارادی طور پر طول دیے جا رہی تھی مگر میں نے نرمی سے سلسلہ منقطع کر دیا۔

وہ وقت پر لگا کر اُڑا تھا۔ میری چائے کی پیالی رکھے رکھے ٹھنڈی یخ ہو چکی تھی۔ ایش ٹرے میں رکھی ہوئی سگریٹ قالین پر گر کر اسے داغدار کرنے کے بعد فلٹر آنے پر خود بخود بجھ گئی تھی اور مجھے محویت میں ان دونوں میں سے کسی چیز کا ہوش نہیں رہا تھا۔ بے اختیار میرے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

غزالہ سے دل نشین گفتگو کا وہ خمار چند ثانیوں سے زیادہ برقرار نہیں رہ سکا۔ جلد ہی مجھے یاد آ گیا کہ سب انسپکٹر محمود سے مجھے ملنے والی مہلت ختم ہو چکی تھی۔ چیف مجھے کوئی اچھی خبر دینے میں ناکام رہا تھا اور حالات کسی بھی وقت میرے خلاف کروٹ لے سکتے تھے۔

میں نئی سگریٹ سلگا کر بے خیالی میں ٹہلتا ہوا بالکونی میں چلا گیا۔ وہاں ربربینڈ میں لپٹا ہوا تازہ اخبار کا بنڈل پڑا ہوا تھا لیکن اس وقت مجھے خبروں سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ایک دو روز میں میں خود ہی شہر والوں کے لیے ایک چنگھاڑتی ہوئی خبر بننے والا تھا۔

میں کچھ دیر بالکونی کی تازہ ہوا میں کھڑا نیچے سڑک پر آنے جانے والوں کا جائزہ لیتا رہا۔ اس وقت میں بالکل دو متضاد کیفیات سے دوچار تھا۔ غزالہ کے والہانہ جذبات اور الفاظ یاد آتے تو دورانِ خون کنپٹیوں پر زور مارنے لگتا اور جب محمود کے عزائم کی طرف دھیان جاتا تو دل دھواں دھواں ہو جاتا۔

واپس لوٹتے ہوئے میں نے اخبار اٹھا لیا۔ ربربینڈ کو اتار کر اخبار کو اسی طرح میز پر ڈالا اور اپنے لیے چائے کی دوسری پیالی بنانے کے لیے کچن میں چلا گیا۔

کھولتی ہوئی چائے کی پیالی لے کر میں کچن سے نکلا تو پنکھے کی تیز ہوا سے کھل جانے والے اخبار کے پھڑپھڑاتے ہوئے پہلے صفحے پر شہ سرخی کے برابر میں ایک خبر کے گرد ماتمی سیاہ حاشیہ دیکھ کر چونک پڑا! پیالی تپائی پر رکھ کر میں نے بے تابی سے اخبار اٹھایا تو خبر پر نگاہ پڑتے ہی میرا سر چکرا گیا اور میں نے بے اختیار سختی کے ساتھ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ خبر میرے لیے ناقابلِ تصور اور ہولناک تھی۔

جواں سال پولیس سب انسپکٹر محمود کو کراچی کی ایک شاہراہ پر کسی نامعلوم تیز رفتار ٹرک نے روند کر ہلاک کر دیا تھا۔

محمود میرے لیے ایک بڑا خطرہ تھا۔ اُس نے میری شناخت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور دو دن میں حقیقت کا سراغ لگا لینے کا دعویٰ کیا تھا لیکن اس کی ہلاکت کی خبر میرے لیے روح فرسا ثابت ہوئی تھی۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ وہ ایک ایماندار اور خود سر افسر تھا جس کا رام کیا جانا ممکن نہیں تھا جب کہ مافیا والے مجھے اپنے ساتھ شامل کر لینے کے بعد مجھے ہر خطرے سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ اُن کا چیف پریشان تھا اور اُس نے شہر میں موجود ڈان نظری کو بھی اپنی پریشانی میں شریک کر لیا تھا اس لیے سب سے پہلے مجھے مافیا پر ہی محمود کا قاتل ہونے کا شبہ ہوا تھا۔

صدمے کے ابتدائی جھٹکے سے سنبھلتے ہی میں نے جلدی جلدی پوری خبر پڑھ ڈالی۔ سب انسپکٹر کو اپنے کسی اہم مقدمے کے سلسلے میں کلفٹن کے علاقے سے اہم مواد ملنے کی اطلاع ملی تھی جس پر وہ اپنی اسکوٹر پر سوار ہو کر رات گئے کلفٹن جا رہا تھا کہ گزری روڈ کو کلفٹن روڈ سے ملانے والی سن سیٹ بلے وارڈ پر ایک تیز رفتار ٹرک نے اسکوٹر کو ٹکر مار کر ایک دھماکے سے سوار اور سواری دونوں کے ٹکڑے اڑا دیے۔ رات گئے سڑک ویران پڑی ہوئی تھی اور علاقے کے مکین مکانوں میں آرام کر رہے تھے۔ باہر موجود بعض چوکیدار بس اتنا دیکھ سکے کہ وہ ریتی بجری کا کوئی خالی ٹرک تھا جو ٹکر مارنے کے بعد تیز رفتاری کے ساتھ فرار ہو گیا۔

نامہ نگار نے اسے اتفاقی حادثہ قرار دیا تھا ساتھ ہی یہ امکان بھی ظاہر کیا تھا کہ شاید پولیس افسر اپنی اسکوٹر کی بتیاں جلانا بھول گیا ہو اس لیے ٹرک ڈرائیور انتہائی قریب پہنچنے سے پہلے اُسے نہ دیکھ سکا ہو اور تصادم کے بعد خوفزدہ ہو کر رکے بغیر فرار ہو گیا ہو۔

سیاہ حاشیے میں دو تصاویر بھی تھیں۔ محمود کی لاش ٹرک کے پہیوں میں آنے کے بعد بُری طرح مسخ ہو گئی تھی۔ اسکوٹر کاٹھ کباڑ کے ڈھیر کی صورت میں سڑک پر دور دور تک بکھر گئی تھی۔

میرے ذہن نے جلد ہی میرے ابتدائی قیاس کی نفی کر دی۔ مافیا والے کتنے ہی بڑے مجرم سہی، لیکن انسان تھے۔ ان سے ایسی شقی القلبی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ کسی کو اس کی ایمانداری کی ایسی بھیانک سزا دیں گے۔ پھر اگر وہ اُنھی کی کارروائی ہوتی تو اخبارات بازار میں آنے سے پہلے ہی رات میں اُن کی طرف سے مجھے خبر مل جانی چاہیے تھی۔ محمود کو قتل کر کے

...ے کاغذات اُسی کی تحویل میں چھوڑ دیے گئے تھے تو
...نے کی تفتیش کرنے والے افسران کا میری طرف متوجہ ہونا
...درتی امر تھا اور اگر کاغذات نکال لیے گئے تھے تو وہ اس
...ت تک میری تحویل میں ہونا چاہیے تھے۔

اگر وہ واقعی اتفاقی حادثہ تھا تو یقین کرنا پڑتا تھا کہ مقدر
...ے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ شاید قدرت کو مجھ سے کوئی بڑا
...م لینا تھا کہ محمود کو اجل کے فرشتے نے اپنی آغوش میں لے
...ر مجھے اس خطرے سے محفوظ کر دیا تھا جو ایک تلوار کی
...ورت میں میرے سر پر لٹک رہا تھا۔

دس بجے چیف کا فون آیا اور اُس نے فوری طور پر مجھے
...تر پہنچنے کی ہدایت کی تو میرا ماتھا ٹھنکا۔

"اخبار میں...!" میں نے اس سے حادثے کے
...رے میں بات کرنا چاہی تو اُس نے سخت لہجے میں فوراً ہی
...ری بات کاٹ دی۔

"ہاں! میں نے بھی اخبار پڑھ لیا ہے، جو کہا جا رہا ہے
...ہ کرو!" بات ختم کرتے ہی فون بند کر دیا گیا۔

مجھے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بہت
...رے بعد کسی نے مجھ سے ایسے خراب لہجے میں بات کرنے
...ی جسارت کی تھی اور مجبوری یہ تھی کہ میں اس کے حکم کو بجا لانے
...ر مجبور تھا۔

سب انسپکٹر محمود مر گیا تھا یا راستے سے ہٹا دیا گیا تھا
لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ اس نے حادثے سے پہلے میری
...گرانی ختم کرا دی ہو۔ سیٹھ حبیب نے مجھے اتنا موقع ہی نہیں
دیا تھا کہ میں فون پر اس سے اس بارے میں کچھ دریافت
کرتا۔ میں نے سوچ لیا کہ اگر کوئی تعاقب کرتا ہے تو کرتا رہے
...ب مجھے اس بارے میں بریف نہیں کیا گیا تھا تو ٹریڈ لائن
...ے دفتر کو غیر متعلقہ لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رکھنا میری
...ے داری نہیں تھی۔ چیف مجھے اپنا ماتحت سمجھ کر حکم دے
...ا تھا تو میرا کام اسی قدر رہ جاتا تھا کہ اس کے حکم کی تعمیل
...ول خواہ اس میں فائدہ ہوتا یا نقصان!

میرے ذہن پر سیٹھ حبیب کی ہدایت کا اتنا اثر نہیں تھا
...تنا محمود کے حادثے کے بارے میں حقائق جاننے کی خواہش
...ر حاوی تھا اس لیے چائے کی پیالی ختم کر کے میں جلدی جلدی
...یار ہوا اور پھر میزنائین فلور سے مافیا والوں کی سُرخ کار میں
...ی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

ریمپ سے آہستہ آہستہ گاڑی باہر نکلتے ہوئے میں
...ے گرد و جوار میں نظریں دوڑا کر یہ حیرت ناک اندازہ لگا
...ا تھا کہ وہاں میری نگرانی کرنے والا کوئی شخص موجود نہیں تھا۔
...ے نکل کر گاڑی مین روڈ پر گھماتے ہوئے میں یہ سوچ
کر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کہ اس بار واقعی پیشہ ور لوگوں سے
پالا پڑا تھا جو جرائم کی منصوبہ سازی کے لیے استعمال میں آنے
والے اڈّوں کو باقاعدہ دفاتر کے طور پر کامیابی سے چلا رہے تھے۔

راستے میں میری نظریں غیرارادی طور پر بار بار عقب نما
آئینے کی طرف اٹھتی رہیں لیکن پیچھے میدان صاف تھا۔ جیل
کے چوراہے سے داؤد انجینئرنگ کالج تک پوری طرح اطمینان
کر لینے کے بعد میں نے رفتار تیز کر دی اور مزارِ قائد کے
گرد گھوم کر پرانی نمائش سے ہجوم ایم لے جناح روڈ
پر آ گیا۔

کراچی پاکستان کا اقتصادی دل ہے جہاں سندھی، پنجابی،
پختون، بلوچ اور مہاجر سب کا خطیر سرمایہ لگا ہوا ہے۔ شہر
اور اس کے مضافات میں دھواں اُگلتی چمنیوں کے سائے میں
روزگار کی لاکھوں اسامیاں موجود ہیں جن سے فیضیاب ہونے
کے لیے دُور دراز کے شہروں اور دیہاتوں تک سے لوگ
یہاں آتے ہیں۔ کچھ اپنی قابلِ رشک محنت سے شہر کے
ظاہری حسن میں اضافہ کرتے ہیں۔ کچھ کا تجربہ اس شہر کے اثاثوں
میں شمار ہوتا ہے اور بہتیرے یہاں سے بہت کچھ سیکھ کر
دساور یا اپنے شہر واپس چلے جاتے ہیں۔ محبتوں کا یہ شہر سدا
سے امن کا گہوارہ تھا لیکن اس کی بڑھتی ہوئی خوش حالی کچھ
حاسدوں کو پسند نہ آئی۔ شہر میں تنگ شاہراہوں پر روز بہ روز
بڑھتا ہوا گاڑیوں کا ہجوم ایسے لوگوں کی آنکھیں پھاڑے دے
رہا تھا۔ جن سڑکوں سے گاڑی دندناتی ہوئی چند منٹ میں
پار نکل جاتی تھی، اب وہاں ٹریفک کے بے ترتیب ازدحام
میں گھنٹے بھی گزر جاتے ہیں۔ میری گاڑی بھی پلازا سینما سے
آگے سِسک سِسک کر رینگ رہی تھی اور ذہن میں
وہ صورتِ حال گھوم رہی تھی جو سلطان شاہ کے ہاتھوں
امیر دادا کے قتل کے بعد شہر میں رونما ہوئی تھی۔ حاسدوں
نے اس شہر میں بھائی کو بھائی سے لڑوا دیا تھا۔ جیسے یہ سلجھے
ہوئے لوگوں کا شہر نہیں بلکہ جنگلی قبیلوں کا جنگل ہو۔ پھر افواہیں
اُڑیں کہ اس شہر میں ہیروئن کا پیسہ برس رہا ہے۔ گاڑیاں،
دکانیں، مکان سب ہیروئن کی پڑیوں سے اپنی نمو حاصل کر
رہے ہیں۔ ملک بھر کے ڈاکو ان خزانوں کی تلاش میں اپنا اسلحہ
سونت کر اس شہر پر پل پڑے۔ جو مارے یا پکڑے گئے
اُن کو ان کے لوگ بھول گئے، جو جیبیں بھر کر کامیاب و
کامران لوٹے اُن کو مثال بنا کر زندگی میں شارٹ کٹ استعمال
کرنے کے عادی، طالع آزماؤں کے غول کے غول پیدا ہو گئے۔
پڑھے لکھے بے روزگار طبقے کے بعض شہدوں کو بھی یہ مشغلہ
نادر روزگار نظر آیا اور شہر میں مجرم اور عام شہری کا امتیاز فنا
ہو کر رہ گیا۔ جسے پکڑا جاتا ہے وہ معزز اور امن پسند نکلتا ہے

جسے چھوڑ دیا جاتا ہے وہ گناہوں کی پوٹ ہوتا ہے جبکہ میں خود اس بات کا گواہ ہوں کہ جب میں اس شہر میں منشیات کی تقسیم اور افزائش میں مصروف تھا تو کالے دھندوں میں ملوث ہر بڑے آدمی کا یہ عزم ہوتا تھا کہ جو شریف شہری اس کے راستے میں مزاحم ہونے کی کوشش کرے گا اُسے دوسروں کے لیے عبرت بنا دیا جائے گا۔ ابتدا میں بھتّوں کے سہارے اس بحران کی پرورش کی گئی پھر تیغ کر دیے گئے پھر رفتہ رفتہ یہ لوگ اتنے طاقتور ہو گئے کہ قانون ان کے رحم و کرم پر نظر آنے لگا۔ مافیا کا شی، دلدار آغا، سیٹھ حبیب اور ڈان تھری سب اسی ماحول کی پیداوار تھے ورنہ ڈان تھری کی مجال نہیں تھی کہ اٹلی سے ہزاروں میل کا سفر طے کر کے جرائم کی آبیاری کے لیے کراچی قیام کرتا۔

مجرموں کا نہ کوئی وطن ہوتا ہے نہ دھرم۔ ان منشیات فروشوں میں ہر علاقے اور صوبے کے لوگ تھے۔ ہر زبان بولنے والا ان میں ملتا تھا حتی کہ بنگالی، سیلونی، تنزانی تک مقامی منڈی میں ہیروئن فروشی میں ملوّث تھے۔ ان کے سرغنہ جب جس قسم کا فساد کرانا چاہتے، اسی قسم کے مہروں کی ڈوریاں ہلاتے اور شہر بھر میں فلاں فلاں گروہوں میں خونریز تصادم کی خبریں آناً فاناً پھیل جاتیں۔ کئی بار ایسا ہوا کہ شہر میں امن و امان کے مسائل پیدا کر کے قانون کے سارے محافظوں کو اس طرف الجھا دیا گیا اور پیچھے ہول سناٹے میں ٹنوں ہیروئن شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچا دی گئی۔

شہر میں گاڑیوں کے ٹریفک کی اجتماعی رفتار روز بروز سست ہوتی جا رہی تھی اور ڈرگ ٹریفک روز بروز ترقی پزیر تھا۔ میری جیپ رینگتا ہوا آخر کار اپنی مطلوبہ عمارت کے سامنے پہنچ گیا جہاں گراؤنڈ فلور کے ایک دروازے پر ٹریڈ لائن کا ڈسپلے بورڈ نمایاں نظر آ رہا تھا۔

اس علاقے میں پارکنگ کا مسئلہ بہت سنگین تھا۔ دیر سے آنے والے دکاندار ہاتھ گاڑیوں اور ٹھیلے والے مزدوروں کو اس بات کا پابند کر دیتے ہیں کہ ان کے آنے تک اُن کی دکان یا دفتر کے سامنے پارکنگ کی جگہ روک کر رکھی جائے۔ یہ احتیاط نہ کی جائے تو ہر روز چوری ہونے والی گاڑیوں میں خوفناک اضافہ ہو سکتا ہے لیکن یہ میری خوش قسمتی تھی کہ عجائب خان ٹریڈ لائن کے دروازے میں کھڑا ہوا تھا۔ اُس نے مافیا کی گاڑی پہچانی پھر مجھے دیکھ کر پرجوش انداز میں ہاتھ ہلانے لگا کہ میں گاڑی اسی طرف لے جاؤں۔ میں نے گاڑی موڑی تو دفتر کے سامنے رسا باندھ کر پارکنگ کے لیے جگہ روکی گئی تھی جہاں میرے بعد بھی مزید دو کاریں پارک کی جا سکتی تھیں۔

میرے اترنے تک عجائب خان وہیں آ گیا۔ اس سے پرتپاک انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے اچانک ہی مجھے خیال آیا۔ "میرا تم سے تعارف عجائب گل کے نام سے ہوا تھا لیکن یہ لوگ تم کو عجائب خان کہتے ہیں، تمہارا اصل نام کیا ہے؟"

"عجائب گل خان!" اُس نے مسرت سے بتایا۔ "تم امر کو بی بولے ام سنے گا اور کراچی میں تو بلبل جیسا لوگ بی شیر خان اور اسد اللہ بنا پڑتا ہے۔" اس وقت وہ خاصے خوشگوار موڈ میں تھا۔ اس وقت میں دفتر کی نیت سے آیا تھا اس لیے ڈسپلن کے خیال سے عجائب گل خان سے اپنی گفتگو اسی پہلے سوال پر موقوف کر دی۔

اُس نے میرے لیے دروازہ کھولا۔ میرے اندر داخل ہوتے ہی رہنمائی کے لیے لپک کر آگے آ گیا۔ استقبالیہ کاؤنٹر پر کھلتے ہوئے رنگ والی ایک دھان پان سی خوش شکل لڑکی بیٹھی بال پین سے کھیل رہی تھی۔ اس کے سامنے ایک ڈیسک ٹاپ کمپیوٹر اور دوسری طرف الیکٹرانک فون ایکس چینج رکھا ہوا تھا۔ مجموعی طور پر استقبالیہ پوری طرح ایک کامیاب کاروباری ادارے کا تاثر دے رہا تھا جو میرے خیال میں مافیا کے سخت کاروباری اصولوں کا نتیجہ تھا۔

"میم صاب! یہ اپنا شوٹر خان صاب ہے" عجائب گل نے کاؤنٹر پر جھک کر رازدارانہ لہجے میں لڑکی سے کہا۔ اس کے چہرے پر اچانک سراسیمگی کے آثار پھیل گئے اور وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ بال پین اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔

"گڈ مارننگ سر!" اس نے مجھ سے نظریں چار کیے بغیر احترام کے ساتھ کہا۔ "یور آئیڈینٹیٹی پلیز!"

مجھے اس کی وہ ادا پسند آئی کہ نام سن کر سارا ادب و احترام ظاہر کرنے کے باوجود اس نے مجھ سے میری شناخت طلب کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔

میں نے جیب سے مافیا کی چابی نکال کر اس کی طرف بڑھائی جو اُس نے ہاتھ میں لیے بغیر میرا شکریہ ادا کیا کیونکہ دائروں میں بنے ہوئے مافیا کے پانچ حروف اس کو نظر آ گئے تھے۔

اس نے ٹیلی فون کے سوئچ بورڈ سے ریسیور اٹھا کر ایک کی دبائی اور دھیمی آواز میں بولی۔ "باس، آ گئے ہیں سر!" دوسری طرف کی ہدایت سن کر اُس نے خاموشی سے ریسیور رکھ دیا اور عجائب گل سے مخاطب ہو گئی۔ "سر کو چیف کے دفتر میں لے جاؤ۔"

اس بار تہ خانے میں اُترنے کے لیے جو راستہ اختیار کیا گیا وہ استقبالیہ کاؤنٹر کے ایک پارٹیشن کے پیچھے واقع تھا۔ چند سیڑھیاں اُتر کر ہم تہ خانے میں پہنچ گئے۔ وہاں سے میں نے عجائب گل کو رخصت کر دیا کیونکہ میں خود چیف کے دفتر میں پہنچ سکتا تھا۔ سیٹھ حبیب کے دفتر کے دروازے پر پہنچ کر میں نے

جوں ہی ہینڈل پر ہاتھ رکھا، مجھے اندازہ ہوگیا کہ دروازہ مقفل ہے۔ اسی کے ساتھ چوڑی چوبی چوکھٹ میں نصب انٹرکام کے کسی خفیہ اسپیکر پر حبیب کی تحکم آمیز آواز اُبھری۔ ”کون ہے؟“
”شوٹر!“ میں نے انٹرکام سسٹم کی کارکردگی آزمانے کے لیے اپنی پوزیشن میں ذرا بھی تبدیلی لائے بغیر آہستہ سے کہا۔
”کم اِن!“ حبیب کی آواز سنائی دی۔ میرا ہاتھ بدستور دروازے کے ہینڈل پر تھا اس بار وہ بڑی آسانی کے ساتھ گھوم گیا اور میں دروازہ کھول کر اس پُراسرار کمرے میں داخل ہوگیا جہاں میں نے پہلی بار حلف اٹھایا تھا۔
سیٹھ حبیب میز کے سامنے، ملاقاتیوں والی سمت میں میری طرف پشت کیے بیٹھا تھا۔ میرے آگے بڑھتے ہی میز کے عقب میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں سے ڈان تھری کی سرد اور رسمی آواز اُبھری۔ ”خوش آمدید شوٹر! بیٹھ جاؤ۔“
میں حبیب کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بے تکلفانہ لہجے میں بولا۔ ”کیا بات ہے چیف؟ تم میرے آنے سے خوش نظر نہیں آتے حالانکہ میں تمہارے ہی حکم پر یہاں آیا ہوں۔“
”ضروری نہیں کہ یہاں موجود ہر شخص تمہیں خوش آمدید کہے۔“ حبیب کی بجائے اندھیرے میں سے ڈان تھری نے میری بات کا جواب دیا۔ ”ہر اجلاس میں چیئرپرسن میزبان ہوتا ہے، سب کی طرف سے اس کے خیر مقدمی کلمات کافی ہوتے ہیں۔“ اُس کا لہجہ خشک اور بڑی حد تک تحکم آمیز تھا۔ جب تک میں نے مافیا سے وفاداری کا حلف نہیں اٹھایا تھا، وہ دونوں میرے ساتھ برابری سے پیش آرہے تھے لیکن اُن کی بالادستی تسلیم کرتے ہی اُن کے طور طریقوں میں نمایاں تبدیلی آگئی تھی۔ شاید وہ ہر طرح سے مجھے اپنی حیثیت کا احساس دلا کر میری انا کو ختم کرنے کی سوچی سمجھی کوشش کر رہے تھے۔
”آہستہ آہستہ میں ان طریقوں کا عادی ہو جاؤں گا۔“ میں نے بھی فوراً ہی سرد مہری اختیار کر لی۔
”گڈ!“ ڈان تھری کی آواز مشینی تھی۔ ”پہلی خوش خبری یہ ہے کہ اب تم ایک آزاد پرندے ہو۔ تمہارے کاغذات میرے منصوبے کے مطابق میری تحویل میں آگئے ہیں۔“ اُس نے تاریکی میں سے میرے کاغذات کا لفافہ اسی حالت میں میری طرف بڑھا دیا جس حالت میں وہ سب انسپکٹر محمود کو دیا گیا تھا اور میں سناٹے میں آگیا۔
”یہ... یہ... تو کیا محمود کو دانستہ مارا گیا ہے؟“ میرے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔
”ہاں، پورا آپریشن میری نگرانی میں ہوا۔“ ڈان تھری کی آواز جذبات سے یکسر عاری تھی۔ ”ہم بلا سبب خونریزی سے گریز کرتے ہیں۔ اس کے سلسلے میں ہمارے پاس کوئی اور انتخاب نہیں تھا۔ تمہاری نگرانی ختم کرائی گئی۔ پھر اُسے فون پر سیما کے قتل کے سلسلے میں دیر سے ایک کلیو کی اطلاع دی گئی اور جب وہ میرے منصوبے کے مطابق مقررہ وقت پر مقررہ مقام سے گزرا تو اُسے مہلک حادثہ پیش آگیا۔ ٹرک نے اُسے سائیڈ سے پچھلے پہیوں کی زد میں لیا تھا تاکہ اس کی باڈی داغ دار نہ ہو ورنہ وہ پکڑا جا سکتا تھا۔ باقی کام مجھے خود کرنا پڑا۔ تمہارا لفافہ اس کی اسکوٹر کی ڈکی میں مل گیا۔ وہ لے کر میں اس کی موت پر افسوس ظاہر کرتا ہوا لوٹ آیا۔ چیف کو میں نے تھوڑی دیر پہلے تفصیلات سے آگاہ کیا ہے۔ اسی لیے رات بھر اس بارے میں تمہیں کوئی بھی اطلاع نہیں مل سکی۔ یہ ایک بڑی اور ضروری کامیابی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس قیمت پر اپنی گلو خلاصی سے تمہیں خوشی نہیں ہوئی ہے۔ یہ بہت بُری بات ہے۔ تم جیسے سینئر گینگسٹر کو کسی کی موت پر اتنا جذباتی ہونا زیب نہیں دیتا۔ یاد رکھو کہ تم اپنے دشمن کو روندنے میں پہل نہیں کرو گے تو وہ تمہیں کچل ڈالے گا۔ کامیابی اس دنیا میں صرف اسی کے قدم چومتی ہے جو پوری طاقت سے پہل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھے تم کو یہ بنیادی سبق سکھانا پڑ رہا ہے۔“
”میں سب کچھ جانتا ہوں۔“ میں نے سپاٹ اور دھیمی آواز میں کہا۔ حقیقت یہ تھی کہ ڈان تھری کی زبان سے محمود کے قتل کی سازش کا انکشاف سُن کر مجھے دلی صدمہ ہوا تھا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی یقین ہوگیا تھا کہ عجائب گل اگر خود قاتل نہیں تھا تو اس سازش میں ضرور ملوث تھا، کیوں کہ حبیب نے اسے خاص طور پر میرے فلیٹ کی ڈیوٹی سے واپس بلایا تھا۔ شاید ڈان تھری نے اپنے شیطانی منصوبے کے لیے کوئی بے خوف آدمی طلب کیا ہوگا اور حبیب نے مقصد سے واقفیت حاصل کیے بغیر عجائب گل کو واپس بلا کر ڈان تھری کے حوالے کر دیا جس نے واردات میں بھرپور طریقے سے اپنا کردار ادا کیا اور اپنے پیچھے کار میں موجود ڈان تھری کے لیے میدان ہموار کر کے رات کے اندھیرے میں فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔
”لیکن کبھی کبھار دوستوں کے مرنے پر خوشی اور دشمن کی موت پر دکھ ہوتا ہے۔“ میں نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”محمود ایسا ہی دشمن تھا، میں اس سے مل چکا تھا۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ وہ مر گیا۔ میرے اظہارِ افسوس سے اسے دوسری زندگی نہیں مل سکتی، اس لیے میں نے اس کی موت پر اپنے جذبات دبانے یا چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔“
”شاید تم اس کی ایمان داری سے متاثر ہو گئے ہو۔“ ڈان تھری کے لہجے میں طنز کی ہلکی سی چبھن تھی۔
”وہ چیف کی اطلاعات تھیں۔ میں اسے اوّل درجے

کامکار اور راشی سمجھ رہا تھا جو مجھے دھونس دے کر کوئی بڑی رقم ہتھیلنے کے چکر میں تھا۔" میں نے بے خوفی کے ساتھ اسی سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میں ڈینی کی تائید کرتا ہوں ڈان!" حبیب نے پہلی بار زبان کھولی۔ "دشمن کے بارے میں اس کی ابتدائی رائے بہت خراب تھی اور یہ اس کی طرف سے بہت پریشان تھا۔" بات کرتے ہوئے حبیب نے ڈان تھری کا خیال رکھتے ہوئے آہستہ سے میرا پیر دبایا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس موضوع پر مجھے ڈان تھری سے مزید نہیں الجھنا چاہیے تھا۔

"چاہو تو اس کے لیے دس پانچ منٹ کی خاموشی اختیار کی جا سکتی ہے۔" ڈان نے چبھتے ہوئے لہجے میں تلخی سے کہا۔ میں نے سمجھ لیا کہ اس کا مخاطب میں ہی تھا۔

"مجھے افسوس ہے ڈان! آئندہ محتاط رہوں گا۔" میں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ اس خبطی سے مجھے خوف آنے لگا تھا۔

"گڈ!" پھر وہی شیشی آواز سنائی دی۔ "اور اب دوسری بات! اسپ انسپکٹر نے تمہیں بتا دیا تھا کہ تم نے باہر نکلنے کی کوئی بھی کوشش کی تو اس کے آدمی تمہیں گرفتار کر لیں گے۔ اس کے باوجود تم نے باہر نکلنے کا خطرہ مول لیا۔ اگر وہاں موجود ہمارا آدمی ہوائی فائر کر کے علاقے میں خوف و ہراس نہ پھیلاتا تو تم اسی وقت گرفتار کر لیے گئے ہوتے۔"

"میں مانتا ہوں کہ وہ میری غلطی تھی لیکن فائر ہونے سے پہلے ہی اس نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔ فائر ہونے کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ مزید تلخ کلامی کیے بغیر وہ فائر کرنے والے کی تلاش میں دوڑ پڑا۔"

"لیکن، اگر اور مگر!" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "مجھ سے بات کرتے ہوئے ان تین بے ہودہ الفاظ سے گریز کیا کرو۔ تم نے غلطی مان لی، بات ختم ہو گئی۔ میرے ملک مافیا کے بارے میں یہ مثال یاد رکھنا کہ میں نے کسی کی جان لے کر اور اپنی جان پر کھیل کر تمہیں ایک خطرے سے بچا لیا ہے لیکن دیکھو یہ لیکن کس قدر منحوس اور بے ہودہ لفظ ہے... لیکن ضرورت پیش آئی تو میں خود، جذبات سے عاری رہتے ہوئے بے ملال تمہاری پیشانی میں پگھلا ہوا سیسہ اتار دوں گا اور بھول جاؤں گا کہ میری کبھی تم سے کوئی ملاقات بھی ہوئی تھی۔"

"تم عظیم اور تجربے کار ہو ڈان!" میں چند ہی منٹ میں خود کو اس کے سامنے طفلِ مکتب محسوس کرنے لگا تھا۔ "میں تمہارا پاسنگ بھی نہیں ہو سکتا تمہارے ساتھ رہ کر ہی کچھ سیکھ سکوں گا۔"

"میرے ساتھ نہیں۔" اس نے پھر مجھے ٹوک دیا۔ "چیف کے ساتھ! میں اٹلی چلا جاؤں گا۔ اور ہاں یہ بھی یاد رکھنا کہ ہم تجربے کار اور پیدائشی مجرموں کی سرپرستی کرتے ہیں۔ اناڑیوں کو جرائم سکھانے کا سنگین خطرہ مول نہیں لیتے۔ وہ ڈوبتے ہیں تو اپنے ساتھ کھلاڑیوں اور استادوں کو بھی لے ڈوبتے ہیں۔"

اس بار میں خاموش ہی رہا۔ حلف برداری کے تنازعے میں سیٹھ حبیب مجھے بتا چکا تھا کہ مافیا کی مبادیات کے بارے میں ڈان تھری بہت سخت اور سفاک تھا۔ اپنی رائے قائم کر لینے کے بعد مخاطب کو صفائی کا کوئی موقع دیے بغیر اس کی بے خبری میں اچانک ہی اپنا وار کر گزرتا تھا۔ اس لیے میں ڈر رہا تھا کہ کہیں میری کسی بات سے میز کے پار، اندھیرے میں بیٹھا ہوا وہ سنکی آسیب بھڑک ہی نہ جائے۔ اس سے گلوخلاصی کے بعد چیف کو سنبھالنا مجھے بہت آسان نظر آنے لگا تھا۔

"تیسری بات!" چند ثانیوں کے گمبھیر سکوت کے بعد وہ پھر بولا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کہ اس نے نجانے کون سی نئی بات پکڑ لی ہو۔ "تمہیں پاکستان آئے ہوئے ایک معقول مدت گزر چکی ہے۔ تم اطالوی نژاد ہو۔ پندرہ دن سے زیادہ قیام کی صورت میں تمہیں محکمۂ پولیس میں اپنی آمد کا اندراج کرانا ضروری ہے۔ یہ کام تم آج ہی کر لوگے۔" پاکستان کے قواعد و ضوابط کے بارے میں اس کی معلومات قابلِ رشک تھیں۔ میں نے سر جھکا کر اس کی ہدایت تسلیم کر لی۔

اپنے مخاطب کو ذہنی طور پر مرعوب اور مفلوج کر کے اس کے اعصاب پر سوار ہو جانے کے فن میں ڈان تھری کو یدِطولیٰ حاصل تھا۔ اس سے میری پہلی ملاقات اس حد تک دوستانہ رہی تھی کہ میں نے اسے بے نقاب ہو کر روشنی میں آنے پر آمادہ کر لیا تھا لیکن اس بار وہ ابتدا ہی سے بری طرح مجھ پر حاوی ہوتا چلا گیا تھا۔

"میں کل صبح سویرے اٹلی لوٹ جاؤں گا۔ میرا مشورہ ہے کہ تم کچھ دن اپنا وقت پابندی کے ساتھ اس دفتر میں گزارو تاکہ تم اپنے آدمیوں کو اور آدمی تمہارے مزاج کو سمجھ سکیں۔" اس ہدایت کو اس نے کوئی نمبر نہیں دیا تھا۔

"میں خود بھی چاہ رہا تھا لیکن پولیس والا معاملہ درمیان میں آ گیا۔۔۔!"

"تم نے پھر لیکن کا لفظ استعمال کیا۔" اس نے میری بات کاٹ کر ناگواری سے کہا۔ "اس لفظ سے مجھے چڑ ہے اگر تم کو خود پر اعتماد ہے تو صرف اپنی بات کہو اس کی دل

"اور وضاحتیں پیش نہ کرو، لوگ خود مان لیں گے۔"

میں نے سختی سے اپنے ہونٹ بند کر لیے۔ اس کے سامنے زیادہ بولنا شامت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ ویسے بھی وہ حاکم تھا اور میں محکوم لیکن اس سے قطع نظر خود اعتمادی کے ساتھ گفتگو کے بارے میں اس کا نظریہ بالکل درست تھا۔ سیٹھ حبیب اس کی عادات سے بخوبی واقف معلوم ہوتا تھا کیونکہ وہ میری مدد کے لیے صرف ایک بار بولا تھا ورنہ مسلسل خاموشی اختیار کیے ہوئے تھا جیسے اُسے زبردستی پکڑ کر کرسی سے باندھ دیا گیا ہو۔

"اور اب آخری بات کی طرف آجاؤ جو ان سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔" اُس نے اپنے مخصوص اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "شی سے پاکستان میں ہمارے کسی سمجھوتے کے کیا امکانات ہیں؟"

"ناممکن!" میں نے کم گوئی کا مثالی مظاہرہ کرتے ہوئے صرف ایک لفظ میں جواب دیا۔

"کیوں؟" اُس نے ترکی بہ ترکی مجھ سے بھی مختصر لفظ استعمال کر ڈالا۔

"اس لیے کہ ہمارے اور اُن کے مفادات متصادم ہیں۔ وہ ہیروئن کی صنعت کو تباہ کر دینا چاہتے ہیں اور ہم دن رات اس کے فروغ کے لیے کوششیں کر رہے ہیں۔" میں نے پوری احتیاط کے ساتھ جواب دیا۔

"گڈ!" تعریف و تحسین کے کسی بھی جذبے سے عاری مشینی بانگ سنائی دی۔ "تم بات سمجھتے ہو، بس تھوڑی سی تربیت کی کمی ہے جو چیف کے ساتھ رہ کر پوری کر لو گے۔ تمھیں اتنا بتاتا چلوں کہ دنیا کے بہتیرے ملکوں میں شی والے ہمارے ساتھ ساتھ کام کر رہے ہیں۔ انھیں سرکاری سرپرستی حاصل رہتی ہے لیکن پھر بھی ہمارا کہیں باہمی تصادم نہیں ہوا تھا۔ جہاں ہم حاوی ہوتے ہیں وہ پسپائی اختیار کر لیتے ہیں۔ جب ہم اُن کا پلہ بھاری دیکھتے ہیں تو راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ تمھارے معاملے میں پہلی بار اُن سے ہمارا خوں ریز تصادم ہوا ہے اس کی وجہ صرف غلط فہمی تھی۔ وہ ایئر ہوسٹس کے فلیٹ میں گھس کر سلور آئی نکال لے جانا چاہتے تھے۔ ہم تمھاری حفاظت کر رہے تھے۔ انھوں نے دھاوا بولا تو ہمارے آدمی بھی ٹوٹ پڑے۔ حالانکہ شی والے ابھی تک شہر میں تمھارے وجود سے بے خبر ہیں البتہ اُن کے سربراہ کو معلوم ہو گیا ہے کہ اُن کا راستہ روکنے والے ہمارے آدمی تھے۔ اسی لیے ڈی ڈی نے ہمیں صلح کا پیغام بھیجا ہے۔ تم چیف کے مشورے سے کوئی راہ نکال لینا۔ یہاں شی سے لڑے بغیر ہمارا جمنا مشکل ہے لیکن ابھی ہماری ابتدا ہے۔ کھل کر نہ لڑا جائے تو بہتر ہو گا۔

"تو کیا ڈی ڈی سے ہمارا کوئی رابطہ ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" اس بار سیٹھ حبیب بولا تھا۔ "ڈھکے چھپے لفظوں میں انھوں نے آج کے تمام اخبارات تک اشتہار دیے ہیں۔ پیغام کا جواب بھی اسی طرح ہی دیا جائے گا۔"

"ہو سکا تو میں براہِ راست ڈی ڈی پہ ہی ہاتھ ڈالنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے ڈان ستھری کی طرف مخاطب ہو کر سعادت مندانہ لہجے میں کہا اور حبیب نے خشک لہجے میں مجھے اردو میں ٹوک دیا۔

"وہ جا چکا، اب مجھ سے بات کرو۔ ڈی ڈی پہ ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ وہ مجھ سے بھی بڑا پردہ نشین ہے۔" اس کے انکشاف سے مجھے سخت مایوسی ہوئی کہ ڈان ستھری بات کرتے کرتے اچانک اُٹھ کر چل دیا تھا اور میرے فرشتوں کو بھی ہوا نہیں لگ سکی تھی جب کہ میں حبیب کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ "وہ کب اٹھ کر چلا گیا؟" میں نے ڈی ڈی کے بارے میں حبیب کا تبصرہ نظر انداز کرتے ہوئے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"تم نے رابطے کے بارے میں پوچھا تو وہ اپنی بات ختم کر کے جا چکا تھا اسی لیے مجھے تمھارے سوال کا جواب دینا پڑا۔" اُس نے کہا۔

"مجھے پتا نہیں چلا تو تمھیں کیسے اندازہ ہو گیا؟" اس بارے میں میری حیرت دُور نہ ہو سکی۔ پچھلی بار بھی یہی ہوا تھا کہ وہ اچانک چلا گیا تھا اور میں اس سے بولتا رہا تھا۔ حبیب کو روشنی کر کے مجھے یقین دلانا پڑا تھا کہ ڈان ستھری واقعی جا چکا تھا۔

"میں اس کمرے کا عادی ہوں اس لیے خفیف سی تبدیلی بھی بھانپ لیتا ہوں۔ تم نئے ہو اور راستوں سے لاعلم ہو اس لیے صحیح سمت میں نظریں جمائے رکھنے میں کامیاب نہیں ہو پاتے۔ اچھا ہی ہوا کہ وہ چلا گیا ورنہ آج تم نے اُسے اشتعال دلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ دشمن کی تعریف کو وہ احساسِ کمتری قرار دیتا ہے۔"

"یہ ماننا پڑے گا کہ وہ عظیم ہونے کے ساتھ ساتھ عجیب و غریب بھی ہے۔ دوسروں سے متاثر ہونا نہیں جانتا۔ ہر ایک پر خود کو مسلط کرنے کا عادی معلوم ہوتا ہے۔" میں نے میز پر سے اپنی دستاویزات کا لفافہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ڈی ڈی کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟" اُس نے مجھے ٹالی ہوئی بات یاد دلا دی۔

"پابندی ختم ہو گئی ہے اب میں جلد ہی اُس تک پہنچ

جاؤں گا۔ اُسے اُکھاڑ دیا تو شاید شی یہاں دوبارہ نہ پنپ سکے۔

"انھیں جو کام کرنا تھا، وہ کر گزرے ہیں۔ امیر اور غریب، جاہل اور تعلیم یافتہ، چھوٹی اور بڑی، شہری اور دیہی تمام بستیوں میں ہیروئن کا زہر پہنچا چکے ہیں جو ایڈکٹ ہو چکے ہیں وہ ان کے کام کو خود بخود آگے بڑھائیں گے اور دوسروں کو بھی پھانسیں گے۔ رہا کارخانوں سے ہیروئن خریدنے کا معاملہ، تو وہ قبائلی دلالوں کے ذریعے بھی چل سکتا ہے اسی وجہ سے پہلے کے مقابلے میں انھوں نے خود کو کافی سمیٹ لیا ہے۔"

"چند روز میں یہ ساری باتیں سامنے آجائیں گی۔ اس وقت میں ذرا جلدی جانا چاہوں گا۔" میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا اور اُس نے اگلے روز سے دفتر میں میری آمد کے انتظامات سے آگاہ کرتے ہوئے میری گلو خلاصی کر دی۔

دفتر سے نکلنے تک میرا چار افراد سے سامنا ہوا اور وہ سب ہی تعظیماً میرے سامنے جھکتے چلے گئے۔ غالباً پورے دفتر کو خبر مل چکی تھی کہ میں چیف سے ملنے آیا ہوا تھا۔ اوپر والے میرے اوپر مسلط تھے اور نیچے والے رضاکارانہ طور پر میری بالادستی قبول کرنے پر آمادہ تھے اس لیے میں نے اس ملاقات کے دوران اپنے دل میں پیدا ہونے والی تلخیوں کو بھلا دیا لیکن محمود کے سنگدلانہ قتل کا واقعہ بُری طرح میرے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔ میری نظروں میں محمود کا وہ افسر بھی اس سازش میں پوری طرح شریک تھا جس نے حبیب کو محمود کی ایمانداری اور سخت گیری سے آگاہ کر کے بالکل ہی مایوس کر دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر اس معاملے میں ڈان کو ملوث نہ کیا جاتا تو حبیب مر کر بھی اس قدر سفاکانہ فیصلہ نہیں کر سکتا تھا لیکن شاید محمود کی قضا آ گئی تھی کہ ڈان جیسا سنگدل اور نامہربان آدمی تفتیش کے خطرے سے میری گلو خلاصی کے سلسلے میں یکایک اس قدر مہربان ہو گیا کہ کسی کو اعتماد میں لیے بغیر براہ راست اپنی نگرانی میں اس خونیں ڈرامے کو تکمیل تک پہنچا گیا۔

وہ میری زندگی میں آنے والے اُن گنے چُنے لوگوں میں سے تھا جن کی انتہا درجے کی ذاتی خوبیوں یا خامیوں کی وجہ سے میں انھیں کبھی نہ بھلا سکوں گا۔

محض اسی وجہ سے اس کی تیسری ہدایت میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ اُس نے تو دنوں کی تعداد اور ضابطے کا حوالہ تک دے دیا تھا لیکن میں پولیس رجسٹریشن کے طریقہ کار سے پوری طرح باخبر نہیں تھا۔ اتنا ضرور سنا تھا کہ انسداد جرائم اور حفظ ماتقدم کے طور پر رجسٹریشن کرانے والے ہر غیر ملکی کے نشانات انگشت جملہ کوائف کے ساتھ پولیس ریکارڈ میں محفوظ کر لیے جاتے تھے جو کسی بھی وقت میرے حق میں مہلک ثابت ہو سکتے تھے۔

میرے کاغذات کی بازیابی میں ڈان تھری کی غیر معمولی ذاتی دلچسپی پھر فوری طور پر رجسٹریشن کی ہدایت کے پس پشت میری بھلائی کا کوئی جذبہ ہرگز کارفرما نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ڈان تھری فطرت، پیشے اور اپنے اٹھائے ہوئے حلف کے اعتبار سے اول درجے کا موذی تھا جس سے فلاح کی اُمید، شیر سے بکری کی نگہداشت کی توقع کے برابر تھی۔

واپسی کا سفر طے کرتے ہوئے میں مسلسل اسی ایک نکتے پر غور کرتا رہا۔ اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ ڈان تھری نے مجھے وہ مشورہ پھانسنے کے لیے دیا تھا۔ اُس نے مجھے مافیا میں شریک ضرور کر لیا تھا لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ میں شی سے بغاوت کر کے بھی ایک طویل عرصے تک کامیابی سے اپنا دفاع کر کے انھیں زک پہنچاتا رہا تھا ایسے کسی بُرے وقت کے لیے اس کے پاس زبانی حد تک میرے جرائم کی لمبی چوڑی فہرست موجود تھی لیکن میرے خلاف کوئی ٹھوس قانونی ثبوت نہیں تھا۔ اطالوی پاسپورٹ اور دوسری دستاویزات اگر میں تلف کر دیتا تو یہ ثابت کرنا ناممکن تھا کہ میں نے کبھی پیٹرواک کا فرضی نام اختیار کر کے کوئی سفر کیا ہو گا۔ میری اس جعلسازی کو ریکارڈ پر لانے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ محکمۂ پولیس میں میری آمد کا باضابطہ اندراج کرا دیا جائے۔ پھر وہاں سارے کوائف، پاسپورٹ کے مطابق پیٹرواک کے ہوتے لیکن فنگر پرنٹس میرے لیے جاتے اس طرح وقت ضرورت پولیس ریکارڈ سے مجھے متعدد جرائم میں ملوث کیا جا سکتا تھا۔

میں نے ڈان تھری کی اس خود غرضانہ خواہش کو مسترد کرنے کا فیصلہ کر کے گاڑی کا رُخ اپنے فلیٹ کی طرف موڑ لیا۔

مجھے غزالہ کی کھلی کھلی باتوں سے جس قدر خوشی حاصل ہوئی تھی وہ محمود کے سفاکانہ قتل کے انکشاف سے بڑی حد تک ماند پڑ گئی تھی لیکن پھر بھی میرا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔

تالا کھول کر میں اندر داخل ہوا تو قالین پر پڑا ہوا ایک رقعہ دیکھ کر چونک پڑا۔ میں نے دروازہ بند کر کے وہ رقعہ کھولا تو اس پر عجلت میں بس ایک ہی سطر لکھی گئی تھی۔

'تم آتے ہی مجھے فون کرو۔ سلمیٰ'۔ سلمیٰ سے میری کبھی کوئی خط و کتابت نہیں رہی تھی اس لیے میں اس کے طرز تحریر سے واقف نہیں تھا۔ لیکن وہ فقرہ وہی لکھ سکتی تھی۔ شاید اس کے دماغ کا کیڑا پھر کلبلانے لگا تھا جب ہی وہ اکیلی فلیٹ تک دوڑی چلی آئی۔ میں نے دل ہی دل

ہیں خدا کا شکر ادا کیا کہ میں فلیٹ پر موجود نہیں تھا ورنہ جہانگیر کو صورت دکھانا مشکل ہو جاتا۔ سلمٰی کچھ اسی قماش کی خود سر اور خود پسند عورت تھی کہ میں نہ اس کی دوستی سے خوش تھا نہ برہمی سے۔

میں نے رقعہ پھاڑ کر بے پروائی سے ڈسٹ بن میں ڈال دیا اور لباس تبدیل کرنے میں مصروف ہو گیا۔ دن میں سیما کے فلیٹ پر ڈیوٹی دینے والا سپاہی مجھے نیچے نظر آیا تھا۔ اگر وہ فلور پر ہوتا تو اس سے یہ پتا چل سکتا تھا کہ سلمٰی میرے فلیٹ پر کس وقت آئی تھی اس سے مجھے اس کی آمد کی نوعیت سمجھنے میں مدد مل سکتی تھی۔

پوری طرح تیاری کے بعد میں سگریٹ سلگا کر فون کے پاس بیٹھ گیا۔

جب سلمٰی نے خلافِ معمول پہلی گھنٹی ختم ہونے سے پہلے ہی ریسیور اٹھا لیا تو میں چونک پڑا۔ یقیناً کوئی غیر معمولی بات تھی جو وہ فون سے لگی بیٹھی تھی ورنہ انتظار کے بغیر ادھر سے جواب مشکل سے ہی ملتا تھا۔

”خیریت ہے؟ تم فلیٹ پر کیسے آئی تھیں؟“ اس کی آواز سنتے ہی میں نے براہِ راست سوال کیا۔

”جہانگیر کہاں ہیں؟“ اس کی آواز رندھی ہوئی تھی جیسے وہ روتے ہی والی ہو۔

”مجھے نہیں معلوم۔ وہ کل صبح آیا تھا اس کے بعد نہ فون کیا نہ خود آیا۔“ میں نے کہا لیکن وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی پھوٹ کر رو پڑی اور میرا دل دہل گیا۔

وہ ریسیور لیے بری طرح بین کر کے روئے جا رہی تھی۔ میں بڑی دیر کی خوشامد اور کوششوں کے بعد یہ اگلوانے میں کامیاب ہوا کہ جہانگیر کو گھر سے گئے ہوئے تقریباً تیس گھنٹے ہو چکے تھے اور اس کا شہر میں کہیں پتا نہیں تھا۔

پچھلی صبح گھر سے نکلنے کے بعد وہ فیکٹری پہنچا، چار بجے شام وہاں سے واپسی کے لیے نکلا اس کے بعد سے اس کا کوئی سراغ نہیں تھا۔ سلمٰی کو معلوم تھا کہ وہ واپسی پر اکثر میرے پاس آ جاتا تھا اس لیے بے فکر رہی۔ زیادہ دیر ہو جانے پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لیے مجھے بھی فون نہیں کیا اور خواب آور گولیاں کھا کر گہری نیند سو گئی۔

صبح ساڑھے دس بجے آنکھ کھلی اور ملازمین سے پتا چلا کہ وہ رات بھر گھر نہیں آیا تو اس نے پہلے مجھے فون کیا میں گھر سے نکل چکا تھا اس لیے گھنٹیاں بجتی رہیں مگر کوئی جواب نہ ملا۔ فیکٹری فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ پچھلی شام ساڑھے چار بجے چلا گیا تھا۔ وہ سمجھی کہ شاید میرا فون خراب ہے سیما کے چکر میں جہانگیر پہلے بھی ایک رات غائب رہ چکا تھا اس لیے وہ ڈرائیور کے ساتھ میرے فلیٹ پر پہنچی جو مقفل تھا۔ اس وقت تک اس کے ذہن میں کوئی وہم نہیں تھا بلکہ جہانگیر کے ساتھ مجھ پر بھی غصہ تھا وہ سمجھ رہی تھی کہ ہم دونوں کسی بڑی تفریح میں الجھ گئے تھے۔ اس لیے وہ رقعہ ڈال کر چلی گئی۔

گھر پہنچ کر اس نے بے تحاشا کئی جگہ فون کیے لیکن ہر جگہ سے ایک جواب کہ جہانگیر وہاں نہیں پہنچا تھا خوف اور گھبراہٹ میں وہ اسپتالوں اور پولیس اسٹیشنوں سے بھی رابطہ قائم کر چکی تھی لیکن جہانگیر کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔

وہ بری خبر سن کر بے اختیار میرا دل بھاری ہونے لگا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

سلمٰی جتنی معلومات حاصل کر چکی تھی اس کے بعد ایک امید افزا توقع باقی رہ جاتی تھی کہ اسے اغوا کر لیا گیا ہو کیونکہ اس سے اگلا امکان میرے تصور اور برداشت سے باہر تھا۔

”تم گھر پر ٹھہرو۔ میں آ رہا ہوں۔“ میں نے فون بند کیا اور فوراً ہی لباس بدلنے میں مصروف ہو گیا۔

اس سنگین خبر نے میرے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

میں پوری طرح مافیا کا رکن بن چکا تھا اور اپنے اوپر والوں سے ہونے والے تفصیلی مذاکرات میں یہ طے کر چکا تھا کہ شہر میں شی والوں سے ہمارا کوئی سمجھوتا ہونے کا قطعاً امکان نہیں ہے کیوں کہ شی اور مافیا کے مفادات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس لیے میں نے مافیا سے اپنی وابستگی کا ہر فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اپنے فلیٹ سے سلمٰی کی طرف روانہ ہونے کے لیے میں نے شیراڈ کے بجائے سیٹھ حبیب کی دی ہوئی سرخ کار ہی نکالی تھی تاکہ مافیا کے کسی رکن سے سامنا ہونے کی صورت میں مجھے کچھ بتائے بغیر بہ آسانی پہچانا جا سکے۔

جہانگیر کی طویل گمشدگی کے بارے میں سلمٰی کے انکشاف نے میرے ذہن میں ہولناک خیالات کا ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ دن میں بھی کئی بار مجھے جہانگیر کا خیال آیا تھا کہ وہ پچھلی صبح میری تحویل سے ہتھیار لے جانے کے بعد نہ خود ہی پلٹا تھا نہ اس نے مجھے فون کیا تھا۔ اس کی چوبیس گھنٹوں سے زیادہ طویل غیر حاضری کو میں اس کی بزدلی اور کم ہمتی کا نتیجہ سمجھ رہا تھا۔ میرے ذہن میں یہ خیال جڑ پکڑنے لگا تھا کہ وہ پولیس کا سامنا کرنے سے خائف تھا اور اسی وجہ سے دور ہو گیا تھا۔ مجھے بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ خود کسی ناگہانی مصیبت سے دوچار ہو گیا ہو گا۔

جہانگیر کے گھر میں ویسے بھی خاموشی ہی کا راج رہا کرتا تھا لیکن اس دن اس خاموشی میں بھی ہراس اور سراسیمگی کا عنصر

نمایاں تھا۔ میں نے گیٹ پر ہی چوکیدار سے جہانگیر کی واپسی کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کسی سن رسیدہ بکرے کی طرح معموم انداز میں اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

میں کار کا انجن بند کر کے نیچے اترا تو خلافِ توقع سلمیٰ کہیں سے نمودار نہیں ہوئی۔ میں برآمدے کی سیڑھیاں طے کر کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو میرے قدم دروازے ہی میں گڑ کر رہ گئے کیوں کہ سامنے ہی ایک نادرِ روزگار نسوانی چہرہ نظر آیا جو میرے لیے یکسر اجنبی تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں بھی میرے لیے شناسائی کی کوئی رمق نہیں تھی۔

وہ تین نشستوں والے ایک صوفے کے سامنے قالین پر بیٹھی ہوئی تھی اور شاید صوفے پر سلمیٰ شدتِ غم سے نڈھال ہو کر لیٹی ہوئی تھی۔ سلمیٰ کو صوفے کی اونچی پشت گاہ نے میری نظروں سے اوجھل کر دیا تھا لیکن اجنبی خاتون حیرت کے ساتھ مجھے اور میں اسے دیکھ رہا تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ عورت بے حد خوب صورت تھی لیکن اس نے اپنے نرم و نازک چہرے پر بھاری میک اپ تھوپ کر اپنے چہرے کی قدرتی کشش کو غارت کر دیا تھا۔ لیکن مجھے اس کا زیادہ تفصیلی جائزہ لینے کی مہلت نہیں مل سکی۔ اس کی نظروں کی سمت کا اندازہ لگا کر سلمیٰ اچانک ہی صوفے سے اٹھی اور مجھے دیکھتے ہی اونچے سروں میں روتی ہوئی میری طرف دوڑ پڑی۔ اس کی متورم آنکھوں اور سوگوار چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرے پہنچنے سے پہلے بھی دیر تک روتی رہی تھی۔

قریب آ کر وہ بے اختیار میرے سینے سے لپٹ گئی اور بلک بلک کر رونے لگی۔ اس نے اپنے دونوں بازو مضبوطی کے ساتھ میرے بدن کے گرد کس لیے تھے۔ سلمیٰ میرے عزیز ترین دوست کی بیوی سہی، لیکن اس سے میرے مراسم کی نوعیت ہمیشہ بہت نازک رہی تھی۔ اس نے ہمیشہ مجھے اپنی اداؤں کا قیدی بنانا چاہا لیکن میں اس سے دور بھاگتا رہا مگر اس وقت جہانگیر کی گم شدگی کے اضطراری ردِعمل نے شاید اس کے لاشعور میں دبی کسی خواہش کو عملی صورت اختیار کرنے کا موقع فراہم کر دیا تھا اور میں بری طرح بدحواس ہو کر رہ گیا تھا۔

نہ وہ موم کی مورت تھی اور نہ میں پتھر کا کوئی بے جان پتلا۔ اس کے بھرپور وجود کی یلغار ہوتے ہی جہانگیر کی فکر ذہن سے ایک دم پھسل گئی اور دورانِ خون یک بیک اس طرح تیز ہو گیا جیسے میرے بدن کی دیگچی تلے سلمیٰ نے کوئی الاؤ بھڑکا دیا ہو۔ میں نے تلملا کر اس کی گرفت سے نکلنا چاہا لیکن وہ جونک کی طرح میرے بدن سے لپٹی، میرے سینے سے اپنا چہرہ رگڑ رگڑ کر روتی رہی۔ وہ اس موقع اور دستور سے لاشعوری طور پر فائدہ اٹھا رہی تھی۔ چند ہی ثانیوں میں میں نے اندازہ لگا لیا کہ زور آزمائی کر کے اس کی گرفت سے نکلنا آسان نہیں تھا، لہٰذا میں نے بوکھلا کر احمقانہ انداز میں اسے پچکارنا شروع کر دیا۔

"صبر کرو سلمیٰ ڈارلنگ!" دوسری خاتون بھی قریب آ کر اسے دلاسا دینے لگی۔ "جانے والے کے لیے آنسو بہانے سے تمہاری لائف کا کیا بنے گا؟ تم ابھی ینگ ہو۔ صبر سے کام لو۔ پھر ابھی تو کچھ پتا بھی نہیں چلا کہ وہ بے چارا زندہ ہے یا مر گیا۔ ہمت سے کام لو، ہو سکتا ہے کہ جلد ہی کوئی اچھی خبر آ جائے۔"

وہ پلکیں جھپکا جھپکا کر اور سر ہلا ہلا کر دانشورانہ انداز میں بول رہی تھی۔ میرا اور اس کا درمیانی فاصلہ بمشکل ڈیڑھ دو فٹ رہ گیا تھا اور اس کے بدن سے اٹھنے والی سینٹ کی تیز مہکار براہِ راست میرے نتھنوں پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی گھنی اور لمبی لمبی پلکوں پر غیر ضروری طور پر اتنا گہرا مسکارا لگایا ہوا تھا کہ اس کا ذوق حاصل کرنے والا اپنی رُوسیاہی کی بدولت فوراً ہی پہچان لیا جاتا۔ سلمیٰ خوش مزاج اور فراخ دل ضرور تھی لیکن اس قدر فیشن زدہ نہیں تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ سکا کہ وہ اجنبی خاتون اس وقت وہاں کیوں اور کیسے موجود تھی؟ اس سے پہلے میں نے کبھی اسے سلمیٰ کے گھر میں نہیں دیکھا تھا لیکن اس کی بے تکلفی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مدت سے سلمیٰ کو جانتی تھی۔

اس خاتون کے بے تکے اور نحوست آمیز فقروں پر مجھے غصہ آ گیا۔ "سلمیٰ کو پرسہ نہیں، دلاسا دینے کی ضرورت ہے۔ جہانگیر جلد ہی گھر لوٹ آئے گا۔ تم ایسے بدشگونی کے کلمات منہ سے کیوں نکال رہی ہو؟"

اس نے یوں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر میری طرف دیکھا جیسے اس لمحے تک میری وہاں موجودگی سے یکسر لاعلم رہی ہو، پھر طنزیہ لہجے میں بولی۔ "ہر شخص کو بہترین حالات کی توقع رکھنے کے ساتھ ہی بدترین صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔" انگریزی محاورہ ولایتی لہجے میں دہرا کر وہ پھر اردو پر آ گئی۔ "میں تو اسے یہی سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ لوگ مرنے والوں پر اتنا نہیں روتے جتنا یہ اپنے گم شدہ شوہر پر رو رہی ہے۔"

"ہو سکے تو کچھ دیر خاموش رہو۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔" میں نے بھنا کر تیز لہجے میں کہا اور وہ بے پروائی سے یوں شانے اچکا کر مڑ گئی جیسے مجھے بھاڑ میں جانے کا مشورہ دے رہی ہو۔

میری تھوڑی سی ہمدردانہ چابک دستی نے سلمیٰ کے لاشعور میں دبے ہوئے خیالات کو ذہن کی سطح پر کھینچ لیا۔

جوں ہی اسے احساس ہوا کہ وہ اپنی ایک سہیلی کے سامنے اپنے شوہر کے ایک دوست کے سینے سے لگ کر رو رہی ہے، وہ جھجک کر مجھ سے الگ ہوگئی اور مجھ سے نظریں چار کیے بغیر رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "ان کا پتا لگاؤ، انھیں کہیں سے بھی پیدا کرو، پتا نہیں وہ کہاں رہ گئے؟ مجھے فون کیے بغیر وہ کہیں نہیں رکنے والے تھے۔"

"صبر سے کام لو سلمیٰ!" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "وہ گھر آجائیں گے۔ خدانخواستہ، کوئی حادثہ پیش آیا ہوتا تو اب تک پولیس یا کسی اسپتال سے کوئی خبر مل گئی ہوتی..."

"اب تم کیوں بدشگونی کر رہے ہو؟" اجنبی خاتون میری بات کاٹ کر چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میں نے خدانخواستہ بھی کہا تھا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے ترش لہجے میں کہا۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ بے پروائی سے بولی۔ "تم مسلم ہو، تم نے اپنے مذہب کے لحاظ سے کہا۔ میں کرسچین ہوں، میں نے اپنی فنگرز کراس کرلی تھیں۔ بات ایک ہی ہے۔"

"اس معزز خاتون کی تعریف کیا ہے؟" میں نے زچ ہوکر سلمیٰ سے سوال کیا جو میرے اور اجنبی خاتون کے درمیان پیدا ہوجانے والی تلخی سے بے خبر معلوم ہو رہی تھی۔ اپنے رونے دھونے میں اس نے شاید ہم دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو پر کان دھرنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔

"یہ مسز ڈی سوزا ہیں۔ اسی علاقے میں رہتی ہیں۔" سلمیٰ نے سوگوار لہجے میں ہمارا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "اور یہ ڈاڈ... پیٹر واک ہیں، میرے شوہر کے پرانے اور بہت ہی گہرے دوست۔"

میرا اصل نام لیتے لیتے وہ اچانک سنبھل گئی تھی اور اسے یاد آگیا تھا کہ ان دنوں میں اپنے اصل نام سے پکارا جانا بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ مجھ سے مل کر دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد وہ قدرے پرسکون ہوگئی تھی یا شاید رو رو کر اتنی نڈھال ہو چکی تھی کہ اس میں مزید رونے پیٹنے کی ہمت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

وہ مجھ سے بہت زیادہ بے تکلف اور بے حجاب تھی لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ شدت الم میں اضطراری طور پر مجھ سے گلے لگنے کے بعد جوں ہی اسے اپنی حرکت کا اندازہ ہوا تھا وہ پشیمان نظر آنے لگی تھی۔ اس واقعے کے بعد اس نے ایک مرتبہ بھی مجھ سے نظریں چار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ اپنی تمام تر آزاد خیالی اور فراخ دلی کے باوجود اندر سے ایک مشرقی عورت تھی جو روایتی طور پر اپنی شرم کے حصار کی قیدی ہوتی ہے۔ جس کسی کو چاہتی ہے، اسے اپنے من مندر کی غیر مرئی دیواروں میں اندر ہی اندر پوجتی رہتی ہے۔ محبوب سے سامنا ہوتا ہے تو کبھی پیش قدمی نہیں کرتی بلکہ اپنے نازو انداز اور عشوہ و ادا کے تیروں سے اسے ایسا گھائل کرتی ہے کہ وہ خود ہی اپنی خودداری کو خیرباد کہہ کر اس کے قدموں میں ڈھیر ہوجاتا ہے لیکن میرے معاملے میں سلمیٰ غیر ارادی طور پر ایک جذباتی غلطی کر بیٹھی تھی۔ مسز ڈی سوزا سے میرا تعارف کراتے ہوئے یہ احساس حیا کی سرخی بن کر اس کے پژمردہ چہرے پر بھی جھلک آیا تھا کہ جذبات کی رو میں بہہ کر وہ چند لمحوں پہلے مجھ سے اپنا ہلکا سا جسمانی تعارف بھی کرا بیٹھی تھی جس سے میں اس وقت تک سراسر ناآشنا تھا۔

"اوہ!" مسز ڈی سوزا میرے تعارف پر قدرے استہزائیہ لہجے میں بولی تھی۔ "مسٹر پیٹر واک بھی میری ہی طرح غیر مسلم معلوم ہوتے ہیں، پھر انھیں خدانخواستہ کی کیا سوجھی تھی؟"

"تم اینگلو پاکستانی معلوم ہوتی ہو!" میں نے طنزیہ لہجے میں براہ راست اسی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "پتا نہیں تمھارا پہلا نام کیا ہے؟ لیکن تمھیں اتنا ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ مذہب انسان کی آفاقی شناخت ہوتا ہے جب کہ نام اس علاقے اور معاشرے کی عکاسی کرتا ہے جہاں کوئی شخص پیدا ہوتا ہے۔ میں غیر ملکی ضرور ہوں لیکن اسی کے ساتھ مسلمان بھی ہوں۔ محض نام کی وجہ سے تم کو کسی کی مسلمانی پر تبصرہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔"

وہ کرسچین تھی لیکن پاکستانی تھی اور اردو پر خاصا عبور رکھتی تھی۔ میرے خاموش ہوتے ہی اس کا رنگا ہوا چہرہ مزید سرخ ہوگیا اور وہ تنک کر غصیلے لہجے میں بولی۔ "تم بہت منہ زور اور گستاخ معلوم ہوتے ہو۔ تمھیں عورتوں سے بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے۔ تم مجھ سے اس چھت کے نیچے نہ ملے ہوتے تو میں بتاتی کہ...!"

"پلیز ریٹا!" سلمیٰ نے ہاتھ فضا میں بلند کر کے کمزور لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "میں جہانگیر کے لیے پریشان ہوں اور تم دونوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ ہمیں سر جوڑ کر جہانگیر کے بارے میں کچھ سوچنا چاہیے۔"

"سر جوڑنے سے ریٹا کے بال خراب ہوجائیں گے۔"

میں نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو دباتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن ہمیں غور ضرور کرنا چاہیے۔ تم ذرا جلدی سے کل صبح سے اب تک کے واقعات دہراتی چلی جاؤ تاکہ میں اس مسئلے پر اپنی کوئی رائے قائم کرنے میں کامیاب ہوسکوں۔"

ریٹا مجھے غصیلی نظروں سے گھور کر رہ گئی لیکن منہ سے کچھ نہ بولی۔

سلمیٰ نے تھکے ہوئے لہجے میں پچھلی صبح جہانگیر کے دفتر روانہ ہونے سے اپنی کہانی شروع کر دی۔

ساری تفصیلات وہی تھیں جو وہ مجھے فون پر بتا چکی تھی ۔ اس میں صرف اتنا اضافہ ہوا کہ میرے فلیٹ سے واپس لوٹ کر جب اسے فون پر جہانگیر کے ہر قریبی واقف کار سے ایک ہی جواب ملا تو وہ خوف زدہ ہو گئی۔ اس علاقے میں ریٹا سے اس کی گہری دوستی تھی جس کا شوہر شہر کا ایک کامیاب وکیل تھا۔ سلمیٰ نے اسے فون کیا تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ کسی لنچ پارٹی میں جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ سلمیٰ کا سنگین معاملہ سامنے آتے ہی وہ اپنے شوہر سے معذرت کر کے سلمیٰ کے گھر آ گئی۔ اس وضاحت سے میرے ذہن سے وہ الجھن دور ہو گئی جو ریٹا کے گاڑھے میک اپ کی وجہ سے بار بار میرے ذہن میں ڈنک مار رہی تھی۔

کراچی ایک مخصوص مزاج کا شہر ہے جہاں ہر قسم کی سماجی تقریبات دن ڈھلے ہی شروع ہوتی ہیں اس لیے دن دہاڑے کسی خوبرو خاتون کو سولہ سنگھار سے لیس دیکھ کر چونکنا قدرتی امر تھا۔ بازاروں میں خریداری اور بچوں کو اسکول سے لانے لے جانے کے لیے ہلکا پھلکا میک اپ ہی چلتا تھا۔ جس کے ہونے یا نہ ہونے کا پتا بھی نہیں چلتا تھا لیکن ریٹا پوری طرح تیار ہو کر اپنے شوہر کے ساتھ لنچ پارٹی میں جانے والی تھی اس کا مطلب تھا کہ وکیل صاحب کسی تگڑے موکل کو پھانسنے کی فکر میں تھے یا بیوی کو ساتھ لے جا کر کسی افسر کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے تھے اور ہر دو صورتوں میں ریٹا کا رول اہم تھا مگر اس نے سلمیٰ کی دوستی کی خاطر اپنے شوہر کی کاروباری مصلحت کو قربان کر دیا تھا۔ اس ایک نکتے نے میرے دل میں ریٹا کے لیے عزت اور احترام کے جذبات پیدا کر دیے۔

”سب سے پہلے میں ماحول کی تلخی کو ختم کرنے کے لیے ریٹا سے اپنی گفتگو پر معذرت خواہ ہوں۔“ سلمیٰ کے خاموش ہو جانے پر میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ میرے الفاظ پر ریٹا کی نظروں میں مسرت آمیز چمک کوند گئی۔

”نیور مائنڈ پیٹر!“ وہ دوستانہ لہجے میں بولی تھی۔ ”یو آر گریٹ...!“

”میں احتیاطاً سول، جناح اور عباسی اسپتال سے ایک بار پھر معلوم کر لیتا ہوں۔ اس کے بعد ہمیں جہانگیر کی گم شدگی کی رپورٹ درج کرانی ہو گی۔“ میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

”تینوں اسپتال کے علاوہ بھی میں ہر جگہ فون کر چکی ہوں۔ ان کا کہیں سراغ نہیں ملا، تم چاہو تو تم بھی کوشش کر کے دیکھ لو، اس معاملے میں پولیس کیا مدد کر سکے گی؟“ سلمیٰ نے سوال کیا۔

”پیٹر ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ ریٹا ناصحانہ انداز میں بولی۔ ”آج کل شہر میں کوئی گینگ کام کر رہا ہے۔ وہ مال دار لوگوں کو اٹھا کر ان کے رشتے داروں سے تاوان طلب کرتے ہیں۔“

”انھیں اغوا کیا گیا ہے تو میں ہرگز پولیس سے کوئی مدد نہیں لوں گی۔“ یہ امکان سامنے آتے ہی سلمیٰ گھبرا کر بول پڑی۔ ”تاوان وصول کرنے والے مغوی کے لواحقین کو ہمیشہ پولیس سے دور رہنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ اپنے سرتاج کی زندگی بچانے کے لیے میں اپنا پورا بینک بیلنس دے سکتی ہوں، ضرورت پڑی تو سارے زیور بھی بیچ دوں گی لیکن انھیں کوئی گزند نہیں پہنچنے دوں گی۔“ فرطِ جذبات سے ایک بار پھر اس کی آواز رندھنے لگی۔

”پھر ہمیں انتظار کرنا ہو گا۔“ میں نے کہا۔ ”اغوا کرنے والوں کو تم سے جلد ہی رابطہ قائم کرنا چاہیے۔“

”وہ کل شام کو چار اور ساڑھے چار کے درمیان دفتر سے نکلا تھا۔ تھوڑی دیر میں اسے غائب ہوئے چوبیس گھنٹے پورے ہو جائیں گے لیکن ابھی تک شہر میں اس کی کار کا بھی پتا نہیں چلا۔“ ریٹا بولی۔

”کیسے پتا چلے گا؟“ میں نے اسی سے سوال کر ڈالا۔ ”نہ ہم نے پولیس میں رپورٹ کرائی ہے، نہ پورا شہر چھانا ہے۔ سچ پوچھو تو سلمیٰ کو چند گھنٹے پہلے ہی اس کا خیال آیا ہے اور ابھی ہم گھر میں بیٹھے سوچ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی کار کسی فٹ پاتھ کے کنارے کھڑی ہو۔ جب تک اسے وہاں کھڑے دو تین دن نہ گزر جائیں، کسی کو کار کے لاوارث ہونے کا شبہ نہیں ہو گا۔ رہائشی علاقے میں لاوارث گاڑی جلد نوٹ کی جا سکتی ہے۔ انھوں نے تجارتی علاقے کا انتخاب کیا ہو تو یہ مدت زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ ایک امکان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے گاڑی سمیت اغوا کیا گیا ہو۔ جب تک ان لوگوں کی طرف سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا جاتا ہم اسی طرح اندھیرے میں رہیں گے۔“

”تمھاری باتیں معقول ہیں۔“ ریٹا پوری سرگرمی کے ساتھ گفتگو میں حصہ لے رہی تھی۔ ”کیوں نہ ہم اپنے طور پر شہر میں جہانگیر کی گاڑی کی تلاش شروع کر دیں۔ اس طرح حادثے کا امکان تو خارج ہو ہی جائے گا۔“

”میری دانست میں وہ اب بھی خارج از امکان ہے۔ حادثہ ہوا ہوتا تو اب تک خبر مل جاتی۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کے بجائے گاڑی کی تلاش کا آئیڈیا بہرحال مناسب ہے۔“ میں نے کہا۔

”میں ڈرائیور کے ساتھ نکل جاتی ہوں، تم دونوں الگ الگ نکل جاؤ، میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ سورج غروب ہونے سے پہلے ہم کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔“ سلمیٰ اضطراری

لہجے میں بولی۔

"لیکن میں جہانگیر کی گاڑی نہیں پہچانتی!" ریٹا نے معذوری ظاہر کی۔

"لیکن وقت تو دے سکتی ہو نا؟" میں نے اس سے سوال کیا اور پھر اس کا اثباتی جواب سن کر بولا۔ "سلمٰی اس وقت اکیلی نہیں رہ سکتی۔ اسے سہارے کی ضرورت ہے۔ تم اس کے ساتھ یہیں ٹھہرو، میں تلاش میں نکلتا ہوں۔ سلمٰی کی کار ڈرائیور لے جائے گا۔ دو آدمی اس مہم کے لیے کافی ہوں گے۔"

"گیراج میں دوسری کار بھی موجود ہے، میں ریٹا کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" سلمٰی نے کہا۔

"کار کی پروا نہیں ہے۔ میری گاڑی گھر پر کھڑی ہوگی، وہ لے لوں گی۔" ریٹا نے پیش کش کی۔

"تمھیں گھر پر رکنا ہے۔" میں نے سلمٰی سے کہا۔ وہ اپنے ابتدائی ردِ عمل کی ندامت پر غالب آچکی تھی اور میری طرف دیکھ کر بات کر رہی تھی۔ میری ہدایت سنتے ہی اس نے احتجاج کرنا چاہا لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کر دیا۔ "ہم تینوں میں سے کسی ایک کا گھر پر موجود رہنا ضروری ہے تاکہ اغوا کرنے والے خود فون کریں یا جہانگیر سے فون کرائیں تو اس کال کو پورے ہوش اور ذمے داری سے اٹینڈ کیا جاسکے۔ یہ کام تمھارے ملازمین پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔"

"ہاں ڈارلنگ!" ریٹا نے میری تائید کرتے ہوئے کہا۔ "پیٹر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ فون جہانگیر کا ہوا تو تم ہی صحیح طریقے پر اس کی بات سمجھ سکو گی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اشارے کنائے میں کچھ بتانا چاہے۔ کوئی اور ہوا تو میں بات کرلوں گی، ورنہ یہاں بیٹھی تمھارا دل بہلاتی رہوں گی۔ ہمیں اس کے مشورے پر عمل کرنا چاہیے۔"

وہ دونوں آپس میں باتوں میں مصروف ہوگئیں اور میں سگریٹ سلگا کر اپنے لائحۂ عمل کے بارے میں غور کرنے لگا۔ اس وقت مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ کراچی کس بری طرح پھیلا ہوا شہر تھا۔ ایک کونے پر سینڈز پٹ کی ساحلی تفریح گاہ تھی تو دوسرا کونا نئی کراچی کی دور افتادہ بستی کے سرے پر تھا۔ اس کے متوازی قصبہ کالونی سے آگے پہاڑوں کی اوٹ میں منگھو پیر کا علاقہ تھا۔ کیماڑی، کورنگی کریک، کورنگی، ملیر، لانڈھی، گلشنِ حدید ایک طرف تھے تو گلشن اقبال سے یونیورسٹی اور پھر ملیر چھاؤنی تک پھیلی ہوئی گنجان آبادیاں دوسری طرف تھیں۔

"پیٹر کے لیے کیبنٹ سے اسکاچ کا ایک گلاس بنا دو ریٹا! اپنے لیے بھی وہیں سے کچھ لے لینا۔" سلمٰی کی کمزور سی آواز میں کہے گئے ان الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔

"نہیں ریٹا! تم زحمت نہیں کرو، اس وقت میں کچھ نہیں لوں گا۔" میں نے کہا۔

"تکلف نہ کرو۔" سلمٰی میری طرف دیکھ کر بولی۔ "مجھے معلوم ہے کہ پی کر تمھارا دماغ زیادہ تیزی سے کام کرنے لگتا ہے۔"

"تم پیو یا نہ لو، میں تو بربن کا ایک پیگ ضرور لوں گی۔" ریٹا اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے بولی۔ "بے چاری سلمٰی کی پرابلم نے میرا بھی دماغ ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

"تم ساتھ دو گی تو پھر میرے لیے بھی اسکاچ لیتی آنا۔" میں نے کہا اور ریٹا اٹھلاتی ہوئی اندر چلی گئی۔

قبر کا حال مردہ ہی جانتا ہے۔ یہ مثال میں بارہا سن چکا تھا اور اس وقت وہی مثال سلمٰی پر صادق آرہی تھی۔ وہ جہانگیر کی گم شدگی پر اپنے وجود کے اندر ہی اندر پگھلی جارہی تھی۔ موہوم اندیشے، اندھیری رات کے آسیبی سایوں کی طرح اس کے دل و دماغ پر منڈلا رہے تھے، اس کے لیے زندگی سرد، سپاٹ اور بے کیف ہوچکی تھی لیکن میں جہانگیر کا جگری دوست ہوتے ہوئے بھی اس وقت ریٹا کی اٹھلاتی ہوئی چال سے لطف اندوز ہونے کے قابل تھا۔ سلمٰی کا صدمہ مجھ پر اثر انداز ضرور ہوا تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ میری ساری جمالیاتی حس بے جان ہوکر رہ جاتی اور وہی ہم دونوں کے درمیان کا فرق تھا۔ وہ پوری حد تک اس سانحے میں جذباتی طور پر ملوث تھی جب کہ اس کے مقابلے میں میری حیثیت ایک ہمدرد تماشائی کی سی تھی۔ مجھے سلمٰی سے ہمدردی تھی، جہانگیر کی فکر بھی تھی لیکن اسی کے ساتھ ریٹا کی مستانی چال کو نظر انداز کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ وہ کیفیت میں ارادی طور پر اختیار کرنے سے قاصر تھا جو کرب بن کر سلمٰی کے وجود میں سما گئی تھی۔

ریٹا سلور ٹرے میں دو پیگ لے کر آئی تو اس کے لبوں پر موہوم سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔ شاید میری تلخ کلامی کو لحاظ کی لگام دے کر وہ من ہی من میں خوش تھی۔

"جہانگیر کی خیریت اور بازیابی کے نام۔" ریٹا نے بربن کا پیمانہ اٹھا کر کہا اور میں نے اپنا گلاس اٹھا کر ایک ہی سانس میں آدھا کر دیا۔ مجھ پر یکایک ہی ملامت کا احساس طاری ہونے لگا تھا۔

"ارے! یہ کیا کر رہے ہو تم؟" ریٹا اپنے لب تر کر کے حیرت سے بولی۔

"میں وقت ضائع کیے بغیر اپنی مہم پر روانہ ہوجانا چاہتا ہوں۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور دوسرے گھونٹ میں گلاس خالی کر کے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "مجھے افسوس ہے ریٹا! کہ میں تمھارا ساتھ نہیں دے

سکا۔ مجھے اُمید ہے کہ تم میری اس بدتمیزی کو معاف کر دو گی۔"
"نیور مائنڈ!" اس نے ہاتھ فضا میں لہرا کر اپنے مخصوص بے پروایانہ انداز میں کہا اور میں سر جھکا کر ڈرائنگ روم سے باہر نکلتا چلا گیا۔ حلق سے تیزی کے ساتھ معدے میں اُترنے والی تلخی کے باعث مجھے اپنی آنکھوں میں نمناک سی سوزش محسوس ہونے لگی تھی۔

باہر سلمیٰ کے گھریلو ملازمین برآمدے سے ذرا دور ٹولی بنائے نیچی آواز لیکن پُرجوش انداز میں شاید جہانگیر کی اچانک گمشدگی پر قیاس آرائیوں میں مصروف تھے میری جھلک دیکھتے ہی وہ تیزی کے ساتھ تتر بتر ہوئے تھے لیکن میں نے ڈرائیور کو آواز دے کر اپنی طرف بُلا لیا۔

وہ اپنے مالک کی گمشدگی پر خاصا اُداس نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اسے ڈیفنس کی تمام قابلِ ذکر گلیوں' شہر کے مرکزی کاروباری ٹھکانوں طارق روڈ اور بہادر آباد میں جہانگیر کی کار کی تلاش کی ہدایت کر کے اپنی سُرخ کار کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

اس وقت میں خود کو بالکل تنہا محسوس کر رہا تھا۔ جہانگیر لاپتا تھا اور سلطان شاہ جاز فارماسیوٹیکل میں بہروپ رچائے اپنی نوکری بھگتا رہا تھا جہاں دواسازی کی آڑ میں ہیروئن کے کیپسول بھرے جاتے تھے۔

اس وقت شام کے چار بجے تھے اس لیے سڑکوں پر بھیڑ بھاڑ نہیں تھی۔ پُرسکون انداز میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے اچانک ہی میرے ذہن میں ایک نئے شبہے نے سر اُبھارا۔

پچھلی صبح میں نے دلدار آغا کو فون کر کے اسے لنگڑے گھوڑے کے خطاب سے نوازا تھا اور ساتھ ہی اُس کے ہاتھوں مرنے والی سیما کا عاشق بن کر اس کے بدترین انجام کے بارے میں دھمکیاں دی تھیں جس کے بعد وہ اپنے گھر سے غائب ہو گیا تھا اور اسی شام سے جہانگیر بھی غائب تھا۔

یہ ایک بہت قوی امکان تھا۔ اپنے اردگرد موت کے بھیانک سائے منڈلاتے ہوئے دیکھ کر دلدار آغا یا ڈی ڈی اپنے بچاؤ کے لیے موہوم ترین امکانات پر بھی کام شروع کر سکتا تھا۔ ان ہی میں یہ امکان بھی اس کے ذہن میں اُبھر سکتا تھا کہ کہیں شی کا باغی، ڈینی خفیہ طور پر شہر میں واپس نہ آ گیا ہو۔

اس کے دو آدمیوں نے شہر کے ایک بڑے ہوٹل میں غزالہ کو مجھ سے ملتے ہوئے دیکھا تھا لیکن خوش قسمتی سے وہ دونوں ہی مجھے نہیں پہچانتے تھے۔ ان میں سے بھی سرکاری دفتر میں کام کرنے والا صرف ایک شخص باقی رہ گیا تھا جب کہ امیر داد سلطان شاہ کے ہاتھوں جہنم کا ایندھن بن چکا تھا۔ دوسری طرف ڈی ڈی نے اُس پُراسرار ملاقات کے بارے میں غزالہ سے سرے سے کوئی بات نہیں کی تھی اس لیے اس ذریعے سے اُسے میرے بارے میں کوئی سُراغ نہیں مل سکتا تھا۔

وہ کراچی بلکہ پاکستان میں شی کی سکڑی ہوئی، نئی تنظیم کا سربراہ تھا اور اُسے وراثت میں ملنے والے مواد سے یہ معلوم ہونے کا سو فیصد امکان تھا کہ بہت سے دوسرے سابق کارندوں کے ساتھ جہانگیر بھی ایک زمانے میں سرگرمی سے شی کے لیے کام کرتا رہا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی لازمی طور پر ریکارڈ پر ہوتی کہ میری اور جہانگیر کی اٹوٹ دوستی تھی اس لیے وہ جہانگیر پر ہاتھ ڈال کر تشدد کے ذریعے اس سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کر سکتا تھا کہ ان دنوں میں کہاں تھا اور میری کیا مصروفیات تھیں۔

میں نے اس نظریے پر جتنا غور کیا وہ اسی قدر مضبوط ہوتا چلا گیا اور مجھے شدت سے سلطان شاہ کی ضرورت محسوس ہونے لگی کیوں کہ میں اپنے تمام ہتھیار جہانگیر کو سونپ چکا تھا اور اس ہنگامی صورتِ حال میں سلطان شاہ ہی کہیں سے ہر قسم کا اسلحہ فراہم کر سکتا تھا۔

میں نے گاڑی کا رُخ کورنگی انڈسٹریل ایریا کی طرف جانے والے راستوں پر موڑ دیا۔ میرا خیال تھا کہ ڈی ڈی کے دواساز کارخانے سے قریب ترین بس اسٹاپ پر پانچ بجے کے قریب سلطان شاہ آسانی کے ساتھ مجھے مل سکتا تھا۔ اسے ساتھ لے کر میں فوری طور پر اپنی مہم کا آغاز کر سکتا تھا۔

میں جہانگیر کے ساتھ نیشنل ریفائنری کے نواح میں واقع اس کی گارمنٹ فیکٹری کی تو سیر کر چکا تھا لیکن دلدار آغا کے دواساز کارخانے کے لیے مجھے سلطان شاہ کے سمجھائے ہوئے راستے پر انحصار کرنا پڑا اور جب جاز فارماسیوٹیکل کا بورڈ نظر آیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ دونوں کارخانوں کے درمیان بمشکل دو ڈھائی میل کا فاصلہ تھا۔ اس فاصلے کے ایک سرے پر میرا جگری دوست تھا اور دوسرے سرے پر بدترین دشمن۔

اس وقت پونے پانچ بجے تھے اس لیے میں تیز رفتاری کے ساتھ ایس جے گارمنٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ پانچ ایکڑ کے وسیع رقبے میں ایک سرے پر بنی ہوئی عمارت کے قریب میں نے احاطے کے پھاٹک پر ہارن بجایا تو فوراً ہی ذیلی کھڑکی سے دراز قامت چوکیدار، ریشم خان نمودار ہوا جس کے شانے پر جدید رائفل کے ساتھ ہی کارتوسوں کی بیلٹ بھی جھول رہی تھی۔

میرا خیال تھا کہ مجھے اپنا تعارف کرانا ہو گا لیکن ریشم خان اُن پیدائشی چوکیداروں میں سے تھا جو کسی چہرے کو ایک بار دیکھ لیں تو زندگی بھر اُسے نہیں بھولتے۔ اس نے میری جھلک

بجتے ہی مجھے فوجی انداز میں سلام کیا تھا اور پھاٹک کھولنے کے لیے پھرتی سے ذیلی کھڑکی کی طرف واپس مڑا تھا کہ میں نے اسے بلالیا۔

"صاحب آیا یا نہیں آیا؟" اس کے قریب آنے پر میں نے سوال کیا۔

"نہیں آیا صاب!" وہ مغموم انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "پتا نہیں وہ کدھر چلا گیا؟"

"کل شام وہ فیکٹری سے اکیلا گیا تھا؟" میں نے رازدارانہ لہجے میں سوال کیا۔ اس وقت اچانک ہی مجھے جہانگیر کی سیلونی اسٹینو جولیا، یاد آگئی جسے ساتھ لے کر وہ کپڑا خریدنے کے بہانے کئی دن فیصل آباد میں گزار کر آیا تھا، مجھے پہلی بار شبہ ہوا تھا کہ کہیں جہانگیر اسی کے ساتھ کسی ہوٹل کے کمرے میں محصور نہ ہو گیا ہو۔

"صاب، جولیا بی بی کو ساتھ لے جاتا ہے۔" اس کا جواب سن کر میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہو گئی تھیں لیکن اس کے اگلے فقروں سے سارا جوش صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا "کل جولیا بی بی چھٹی پر تھا۔ آج وہ دفتر آیا ہے، وہ بھی صاب کے لیے پریشان ہے۔ ٹھیکے والا کاریگر لوگ بھی آج مشینوں پر نہیں گیا، سب لوگ صاب بہت محبت کرتا ہے۔"

"صاحب جلدی واپس آجائے گا۔" میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔ اس کے سعادت مندانہ رویے سے مجھے گمان ہوا تھا کہ میں اس سے رائفل لے کر فوری طور پر خود کو مسلح کر سکتا تھا۔ فیکٹریوں کی دربانی وغیرہ کے لیے رائفل ویسے بھی صرف نمائشی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کا رواج پڑ گیا تھا ورنہ اس کی حقیقی ضرورت برسوں میں شاید ہی کبھی پیش آئی ہو۔

"تمہارے صاحب کی تلاش میں کسی سے جھگڑا بھی ہو سکتا ہے اور میں غیر مسلح ہوں۔" چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد میں نے رشیم خان سے کہا "تم اپنی رائفل اور کارتوسوں کی پیٹی مجھے دے دو تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔"

میری بات سنتے ہی رشیم خان کا چہرہ اُتر گیا جیسے میں نے اسے کوئی کڑی سزا سنا دی ہو۔ وہ مجروح لہجے میں بولا تھا "ہم جانتی ہے کہ تم صاب کا بہت پرانا گہرا دوست ہے۔ حکم کرو تو ہم اپنا جان تمہارے پیروں میں قربان کر دے گی لیکن رائفل....! یہ ہمارا زیور ہے، یہ کسی کو نہیں دے سکتی، اسے صاب واپس لے گا یا مرنے کے بعد یہ ہم سے جدا ہو گا۔"

ہتھیار کے بارے میں اس کا نظریہ بہت مضبوط اور غیر متزلزل تھا۔ اس کے انکار سے مجھے ذہنی جھٹکا تو لگا لیکن اس بات کی خوشی بھی ہوئی کہ بے اعتباری اور بدکرداری کے اس دور میں کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے تھے جو اپنی صدیوں پرانی روایات پر سچے دل سے عمل پیرا تھے اور اس کے اظہار میں کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے۔

"ٹھیک ہے، رشیم خان! تم ڈیوٹی دو، میں جا رہا ہوں۔" میں نے گاڑی ریورس گیئر میں ڈالتے ہوئے کہا۔ اس نے مجھے کسی قسم کی تواضع کے لیے روکنا چاہا لیکن میں وقت ضائع کیے بغیر وہاں سے جاز فارماسیوٹیکل کی طرف روانہ ہو گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اگر میں فیکٹری سے چھٹی کے وقت سلطان شاہ کو پکڑنے میں ناکام رہا تو پھر رات گئے تک اسے کہیں بھی تلاش نہیں کر سکوں گا۔ وہ روشنیوں کے اس گہنائے ہوئے شہر میں، ہر قسم کی فکر سے آزاد، ایک لاابالی نوجوان تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ چھٹی ہونے کے بعد وہ سیدھا اپنے گھر ہی جاتا۔ وہ راستے میں کہیں بھی رک سکتا تھا۔

جاز فارماسیوٹیکل فیکٹری ایک اندرونی گلی میں دو دوسرے کارخانوں کے درمیان واقع تھی اور وہاں سے نکلنے والے مزدوروں کے لیے کئی راستے موجود تھے مگر بس اسٹاپ کی طرف آنے والا ایک ہی راستہ تھا۔ میں اسی کے اختتام پر مین روڈ کے کنارے اس طرح رک گیا کہ فیکٹری سے آنے والا کوئی بھی شخص میری نظروں میں آئے بغیر کسی بس یا ویگن میں سوار نہیں ہو سکتا تھا۔ وقت گزاری کے لیے میں نے سگریٹ سلگالی تھی اور گاڑی کا انجن بند کر دیا تھا۔

پانچ بجتے ہی قرب و جوار کی کئی فیکٹریوں سے چھٹی کا گھنٹا بجائے جانے کی آواز ابھری۔ ایک دو بڑے کارخانوں میں سائرن بجائے گئے اور چند ہی ثانیوں بعد گلیوں سے مزدوروں اور دفاتر میں کام کرنے والوں کی بھیڑ برآمد ہونے لگی۔ ویران راستوں پر کاروں، اسکوٹروں اور پیدل چلنے والوں کا ہجوم دیکھتے ہی دیکھتے چھا گیا تھا۔ ایسے میں ہر فرد پر نگاہ رکھنا میرے اندازے سے کہیں زیادہ دشوار ثابت ہو رہا تھا۔

پھر کسی فیکٹری میں کام کرنے والی لڑکیوں سے بھری ہوئی بس نمودار ہوئی اور مرد کارکنوں کے درمیان سے کسی طوفانِ بدتمیزی کے بغیر نکلتی چلی گئی تو اس ڈسپلن پر مجھے خاصی حیرت ہوئی۔ ہمارے مخصوص معاشرے میں نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کو دیکھ کر غیر تعلیم یافتہ بلکہ اب تو تعلیم یافتہ لوگوں میں بھی ہیجان اور شر پسندی کے رجحانات کا پیدا ہونا روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔ بھیڑ بھاڑ میں خواتین سے دست درازی کے واقعات آئے دن سننے میں آتے ہیں۔ اگر لوگ بہت زیادہ تہذیب کا مظاہرہ کریں تو پھر بھی سیٹیاں اور آوازے ضرور سنائی دیتے ہیں لیکن صنعتی علاقے کے ان کارکنوں میں مجھے ایسا کوئی

مظاہرہ نظر نہیں آیا شاید اس کا سبب وہ طبقاتی ہمدردی تھی جو ہر مزدور کے دل میں اپنے ساتھیوں کے لیے پائی جاتی ہے۔ آگ لوہے زہریلے کیمیاوی مادوں اور دوسرے بہتیرے مضرِ صحت صنعتی خام مال سے لڑ کر، ایڑی سے چوٹی تک پسینہ بہا کر روزی کمانے والے مردوں کو اندازہ تھا کہ ان کے ساتھ جو لڑکیاں یا عورتیں کارخانوں میں کام کرتی ہیں وہ کسی ناگزیر مجبوری کے تحت اپنے گھروں سے نکلتی ہیں۔ کسی کے سر پر بیوہ ماں اور چھوٹے بہن بھائیوں کا بوجھ ہوتا ہے تو کوئی اپنے بیمار شوہر اور ننھے بچوں کی پرورش کے لیے ان کارخانوں کا ایندھن بننے کا فیصلہ کرتی ہے۔ ان میں سے کوئی عورت یا لڑکی سیما، ویرا یا میرا بائی نہیں ہوتی جو دل بہلانے اور اپنے مراسم بڑھانے کے لیے ان مردوں کی بھیڑ میں گھرے رہنا پسند کرتی ہو۔ ان نام نہاد جاہلوں کو احترامِ باہمی کے اسی جذبے نے فرزانہ بنا دیا تھا اور وہ جنس کے کسی اشتعال آمیز امتیاز کے بغیر صرف صنعتی مزدور بن کر رہ گئے تھے۔ اپنی روزی روزانہ کمانے والوں میں نہ کوئی مرد تھا، نہ عورت، نہ سندھی تھا، نہ مہاجر، نہ پٹھان تھا نہ بلوچ۔ وہ ایک اکائی کی طرح اپنے خون پسینے سے اس شہر اور ملک کو زندہ رکھنے کے لیے اس کی معاشی رگوں کے لیے ہر لمحے تازہ لہو فراہم کر رہے تھے جس کے بغیر نہ کوئی ملک قائم رہ سکتا ہے اور نہ حکومت پنپ سکتی ہے۔

شاید میرے خیالات کی رَو اور دُور نکل جاتی لیکن اسی لمحے مجھے سلطان شاہ نظر آ گیا۔ وہ چھٹی ہونے کی خوشی سے سرشار، کم سِن کاریگروں کی ایک ٹولی کے پیچھے سر جھکائے چلا آ رہا تھا۔

اُسے کار میں بیٹھے رہ کر براہِ راست اپنی طرف بلانا اس کے لیے خطرناک ہو سکتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ اس کے آگے یا پیچھے آنے والا اُسی فیکٹری کا کوئی ساتھی اسے میری کار کی طرف آتا ہوا دیکھ لیتا اور اگلی صبح وہ خبر جاز فارماسیوٹیکل میں بھی گردش کرنے لگتی اس لیے میں نے جلدی سے کار سے اُتر کر دروازہ لاک کیا اور چند ثانیوں تک وہیں رُک کر یہ یقین کر لینے کے بعد کہ کوئی میری طرف متوجہ نہیں تھا، میں سرسری انداز میں اپنا راستہ بناتا ہوا سلطان شاہ کی طرف بڑھ گیا۔

وہ سر جھکائے نہ جانے کس دُھن میں چلا آ رہا تھا کہ میری زبان سے اپنا نام سُن کر بری طرح چونک پڑا۔

"تم یہاں!" مجھے دیکھتے ہی حیرت سے اس کا مُنہ کھل گیا۔ "خیریت تو ہے نا؟"

"چلتے رہو!" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اضطراری لہجے میں کہا۔ "وہ سامنے میری سُرخ کار کھڑی ہوئی ہے۔ تم بس اسٹاپ پر رُکنے کے بجائے پیدل آگے بڑھتے جاؤ، میں وہیں سے تم کو اُٹھا لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔ میری اچانک آمد نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

میں مزید چند قدم اس کے ساتھ چلنے کے بعد دانستہ اس سے پیچھے رہ گیا اور پھر کچھ فاصلے سے کترا کر غیر محسوس انداز میں اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس دوران میں کسی نے بھی خاص طور پر ہمیں نوٹ نہیں کیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں کچھ آگے سے سلطان شاہ کو اپنی کار میں لے چکا تھا۔

"تم نے یہاں آ کر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ آخر ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟" اس نے کار کے دوبارہ حرکت میں آتے ہی ایک گہرا سانس لے کر مجھ سے پوچھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تھا۔

"کل شام فیکٹری سے روانہ ہونے کے بعد سے جہانگیر لاپتا ہے۔" میں نے اس کو آگاہ کیا۔ "وہ نہ میرے پاس آیا اور نہ ہی اب تک اپنے گھر پہنچا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اسے کہاں تلاش کیا جائے۔ مجھے تو رہ رہ کر ڈی ڈی پر شبہ ہو رہا ہے۔"

میری رائے سُن کر وہ چونکا تھا۔ "ڈی ڈی پر کیوں شبہ ہوا تم کو؟" اس نے پوچھا۔

میں نے مختصر الفاظ میں اسے اپنے شبہے کی وجوہ سے آگاہ کر دیا جو وزن رکھتی تھیں۔

"تمہارے وجود میں شاید کسی قیافہ شناس کی روح حلول کر گئی ہے۔ جہانگیر کے غائب ہونے کی خبر سنتے ہی میرا خیال بھی ڈی ڈی کی طرف گیا تھا۔ کل صبح کی تمھاری کال نے غالباً اسے خوف زدہ کر دیا ہے۔ وہ نہ کل فیکٹری آیا تھا نہ آج نظر آیا۔ ہو سکتا ہے کہ گھبراہٹ میں اسی نے جہانگیر کو اٹھوا لیا ہو۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ جہانگیر کے ساتھ وہ بھی لاپتا ہو گیا ہے۔" میں نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"وہ کہاں لاپتا ہو گا؟ گھر پر عیش کر رہا ہو گا۔ چاہو تو وہیں دھاوا بول دیں۔"

"یہ کام میں اکیلا بھی کر سکتا تھا۔ اس کے لیے تمھاری ضرورت نہیں تھی۔" میں نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "وہ گھر سے بھی غائب ہے۔ میری غزالہ سے بات ہو چکی ہے۔ اب اسے بھی دلدار آغا کی بدمعاشیوں پر یقین آ گیا ہے اور وہ دلدار کے مقابلے میں پوری طرح میرا ساتھ دینے کے لیے تیار ہے۔ ہمیں ڈی ڈی کو کہیں اور ہی تلاش کرنا ہو گا۔"

"اس سلسلے میں شاہ باغ ہی سے کوششوں کی ابتدا کرنی چاہیے۔ وہ جگہ کسی بھی قیدی کو بدترین تشدد کا نشانہ

نے کے لیے مثالی حیثیت رکھتی ہے۔" سلطان شاہ نے
ظاہر کی۔
"مجھے شبہ تھا کہ کہیں جہانگیر کو جاز فارماسیوٹیکل میں
باقاعدہ نہ کیا گیا ہو لیکن تم بتا رہے ہو کہ ڈی ڈی بھی وہاں سے
غائب ہے تو ہمیں شاہ باغ کا ہی رُخ کرنا ہوگا لیکن اس
سے پہلے اسلحے کا بندوبست کرنا ہوگا۔"
"شہر میں داخل ہونے کے بجائے ڈیفنس سے گاڑی
ہائی لینڈ کی طرف نکال لینا۔ میرا اندازہ ہے کہ وہاں ہمارا
کام بن جائے گا۔ ہمیں پوری تیاری کے ساتھ شاہ باغ پر
حملہ کرنا ہوگا۔ ڈی ڈی کے ارد گرد ہر وقت مسلح محافظوں کی
خاصی تعداد منڈلاتی رہتی ہے۔ وہ شاہ باغ میں موجود ہوا تو
وہاں سخت مقابلہ ہونے کی توقع ہے۔"
"یہ سلسلہ تو اب چل ہی نکلا ہے، تم یہ بتاؤ کہ ہارمونیم
کیپسولز کا کیا رہا؟"
"اوہ!" اس نے فوراً ہی جیب میں ہاتھ ڈال کر گتے کا ایک
بہت نفیس اور چھوٹا سا ڈبا نکالا اور میری گود میں ڈال دیا۔
"یہ پانچ کیپسولز کی پیکنگ ہے۔ اس ڈبے میں المونیم کی ڈھکن دار
نلی میں پانچوں کیپسولز موجود ہیں۔ یہ سب سے چھوٹی ایکسپورٹ
پیکنگ ہے جو آج ہی مشین پر چلائی گئی ہے۔"
"حیرت ہے کہ تم اتنی آسانی سے یہ ڈبا چرا لانے میں
کامیاب ہو گئے!"
"اسے بس اتفاق ہی کہہ لو۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔
"میں نے فیکٹری ٹوائلٹ میں ہی ایک کیپسول کھول کر دیکھا
تھا اور اس میں بھرے ہوئے بھورے رنگ کے سفوف کی
ذرا سی چٹکی زبان پر لگائی تھی کہ پوری زبان گھنٹوں کے لیے
سُن ہو کر رہ گئی۔ یہ ہیروئن کی بہت تیز اور اعلیٰ قسم معلوم
ہوتی ہے۔"
"اہم ترین بات یہی ہے کہ پاکستان سے خالص ترین ہیروئن
اسمگل کی جاتی ہے۔ اسے باہر کی منڈیوں میں دس سے بیس
گنا تک ملا کر بیچنے کے لیے اس میں ملاوٹ کی جاتی ہے۔
اسی وجہ سے اس میں بے اندازہ منافع ہوتا ہے۔ یہ تمھاری
بہت بڑی کامیابی ہے۔ جہانگیر کے معاملے سے نمٹتے ہی
اب میں اس فیکٹری کو برباد کراؤں گا۔"
"تم نے بالکل درست کہا تھا کہ ان کیپسولوں میں
بھرے جانے والے سفوف کے بارے میں بھیانک ترین
افسانوی قصے تراشے گئے ہیں تاکہ وہ لوگ کارکنوں سے
اپنے مذموم کاروبار کو پوشیدہ رکھ سکیں۔ میں نے ڈرتے
ڈرتے کیپسول کھولا تھا لیکن میں نے سفوف چکھ بھی لیا
اور میری جلد پر کوئی برا اثر نہیں پڑا۔ فیکٹری میں چھٹی ہونے کے
بعد منیجر کیپسولوں کے سارے پیکیٹ کار میں اپنے ساتھ
لے گیا ہوگا۔ جس دن الف وَن پر کام ہوتا ہے بس اُسی
دن فیکٹری پر ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے، ورنہ اس سے پہلے یا
بعد میں وہاں کوئی بھی سراغ باقی نہیں رہتا۔ میرا خیال ہے
کہ اب وہی فیکٹری پاکستان میں شی کے کاروبار کا اہم ترین
ذریعہ ہے ورنہ انھوں نے اپنی سرگرمیوں کو بڑی حد تک
سمیٹ لیا ہے۔"
"اہم ترین نہیں بلکہ واحد ذریعہ کہو۔" میں نے چمکتی ہوئی
سڑک پر رواں دواں ٹریفک کے سیلاب پر سے اپنی توجہ ہٹائے
بغیر کہا۔ "ڈان تھری سے ملنے والی اطلاعات کی روشنی میں شی
کی ساری دلچسپی پاکستان کے شہروں اور قصبوں میں ہیروئن کو
پھیلانے پر مرکوز تھی۔ وہ لوگ یہ مقصد حاصل کر چکے ہیں۔ انھوں
نے یہاں ہیروئن بیچنے اور استعمال کرنے والوں کی اتنی بڑی
کھیپ تیار کر دی ہے کہ اب وہی لوگ نادانستہ طور پر شی
کے مقاصد کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ ہارمونیم کیپسولز کی آڑ میں
جو تھوڑی بہت مقدار باہر بھیجی جا رہی ہے، اس سے ایک
طرف وہ پاکستانی کسٹم کی خامیوں پر نگاہ رکھے رہتے ہیں، دوسری
طرف یہ ہیروئن معمولی ملاوٹ کے بعد امریکی مارکیٹ میں
پھیلائی جاتی ہوگی تاکہ ان کے نوجوانوں پر اس کے کم سے کم
مضر اثرات ہوں۔"
"لیکن اب بھی ہر دس پندرہ دن میں عالمی ذرائع سے
ہیروئن کی اسمگلنگ کی کوئی نہ کوئی بڑی خبر اُچھالی جاتی ہے
جس میں پاکستانیوں کا ذکر سرِفہرست ہوتا ہے۔" اس نے کہا۔
"شی والوں نے پاکستانی معاشرے کو تباہ کرنے کے
لیے مقامی منڈی میں موت کے جن سوداگروں کی پشت پناہی
کی ہے ان کے مُنہ کو خون لگ چکا ہے۔ وہ ملک میں تو کالا
دھن کما ہی رہے ہیں لیکن بھاری نفع کے لالچ میں اسمگلنگ
میں بھی مقدر آزمائی کرتے رہتے ہیں۔ انھی میں سے کچھ پکڑے
بھی جاتے ہیں۔ کیا تم کبھی تصور بھی کر سکتے تھے کہ سیٹھ حبیب
جیوانی جیسا عالی نسب اور ذی حیثیت شخص بھی اپنی مالی
دشواریوں پر قابو پانے کے لیے ہیروئن کی اسمگلنگ میں ملوث
ہو سکتا ہے؟ اب دیکھ لو کہ اپنے اس ناکام جرم کے نتیجے میں وہ
یہاں مافیا کا روحِ رواں بن چکا ہے۔"
سلطان شاہ کو اس کی ذہنی ورزش کے لیے خاصا مواد
مل چکا تھا اس لیے وہ خاموش ہو گیا اور میں نے سفر کی طوالت
سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے اُن واقعات سے آگاہ کرنا
شروع کر دیا جو اس کے علم میں نہیں تھے۔ محمود کے سفاکانہ
قتل کا واقعہ سن کر وہ بھونچکا رہ گیا تھا۔ کسی بھی باضمیر شخص

کے لیے یہ تصوّر ہی دل خراش تھا کہ کسی محنتی اور ایمان دار افسر کو اس کی فرض شناسی کے جرم میں اتنی عیاری سے موت کے گھاٹ اتارا جائے کہ قتل کی سوچی سمجھی واردات اتفاقی حادثہ قرار دے کر فراموش کر دی جائے لیکن ڈرگ مافیا کے ڈان تھری نے میرے سامنے خود اس شرمناک کارنامے کا اعتراف کیا تھا۔ وہ باہر سے آیا ہوا ایک غیر ملکی مجرم تھا جسے کسی بھی مقامی سے ہمدردی نہیں ہو سکتی تھی لیکن افسوس کی بات یہ تھی کہ مقامیوں نے خوشی کے ساتھ اس کے دست و بازو بن کر، اس شیطانی سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا تھا۔ سسلی اور امریکا میں بیٹھے ہوئے لوگ ان حریص کٹھ پتلیوں کی ڈوریاں ہلاتے تھے اور پاکستان کی دھرتی کا کوئی گوشہ اپنے کسی ہونہار لعل کے لہو سے رنگین ہو جاتا تھا یا کسی سازش کے تحت دوست اور پڑوسی وحشی درندوں کی طرح ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن کر نسلی، لسانی اور علاقائی فسادات میں مبتلا ہو جاتے تھے، لوگوں کو ایک دوسرے کے دکھ درد سے بیگانہ بنا کر معاشرے کو اتنی چھوٹی اکائیوں میں بانٹ دینے کا عمل تیزی کے ساتھ جاری تھا کہ لوگوں کی کوئی اجتماعی قوت یا آواز باقی نہ رہ سکے کیوں کہ ایسی بے رحمانہ تقسیم کے بعد ہی معاشرے میں جرائم کی فصل کو بھرپور آبیاری مل سکتی تھی مجھے کولمبیا برازیل اور ارجنٹائن کی مثالیں یاد آئیں اور میں اندر سے لرز کر رہ گیا۔

کولمبیا میں حکومت موجود تھی لیکن ملک پر عملاً ڈرگ مافیا اور دہشت گردوں کا راج تھا جو خچروں اور لاریوں کے ذریعے ہیروئن اور کوکین کی بھاری مقدار کو امریکا کے پراگندہ معاشرے میں اسمگل کر کے کروڑوں ڈالر کما رہے تھے، مافیا کا سرغنہ جہاں نظر آ جاتا، لوگوں کے ہجوم اس کے لیے نعرہ ہائے تحسین بلند کرنے لگتے۔ قانون کے محافظوں کی مجال نہیں تھی کہ اس پر ہاتھ ڈالتے۔ وجہ یہ تھی کہ اس کی تنظیم کے کارندے ملک کے چپے چپے میں مفلوک الحال اور پس ماندہ لوگوں کی دل کھول کر مالی امداد کر رہے تھے لوگوں کے دل جیت کر اس نے حکومت کو مفلوج کر دیا تھا اور عملاً اپنے ملک کا حکمراں بن بیٹھا تھا۔ امریکی سی آئی اے اور ایف بی آئی کے بہترین دماغ اسے ہلاک کرنے کی کوششوں میں ناکام ہو چکے تھے، اس کے ملک میں رائے عامہ اس لیے اس کے ساتھ تھی کہ گھنے جنگلات کے درمیان، دشوار گزار علاقوں میں کاشت ہونے والے خام مال سے تیار ہونے والی ساری منشیات باہر اسمگل کی جا رہی تھیں۔ لوگ سمجھتے تھے کہ ان کے خالی خزانے اور دیوالیہ معیشت کو اگر قانونی تجارت سے سہارا نہیں مل رہا تو ان کا ہیرو، منشیات کی اسمگلنگ سے ملک کے لیے خطیر زرِمبادلہ

کما رہا تھا۔ اپنے ملک میں بسنے والوں کو اس نے ان [illegible] نشوں کا عادی بنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کولمبیا کی حکو[mat] مافیا کی سرکوبی کے لیے سخت دباؤ تھا لیکن حکومت رائے [عامہ] کے سامنے بے بس تھی، ہر شہری مافیا والوں کا مخبر تھا۔ [illegible] روک لیے گئے تھے، استعمال شدہ قرضوں کی واپسی کی [illegible] شرائط پر عمل کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ کوشش یہ تھی کہ اقتصا[دی] ناکا بندی کے ذریعے اس سرزمین کو منشیات کے لیے [illegible] کر دیا جائے لیکن کامیابی کا دور دور تک امکان نظر [نہیں] آ رہا تھا۔

لیکن پاکستان کے حالات مختلف تھے۔ انسدا[د] [illegible] تدابیر کے ساتھ ہی دشمنوں نے ملک میں بھی ہیروئن کو [illegible] قریے پھیلا دیا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے شی نے لو[گوں] [illegible] پاکستانی معاشرے کو اس اونچی چوٹی پر لے جا کر مافیا کے رحم [و کرم] پر چھوڑ دیا ہو جہاں سے نشیب میں جانے والا ہر راس[تہ] تباہی، بربادی اور اجتماعی خودکشی کا راستہ تھا۔ ڈرگ ماف[یا] [illegible] کوئی بھی مؤثر کوشش پورے معاشرے کو اس چوٹی سے [illegible] ہولناک بربادی کی کھائیوں میں لڑھکا سکتی تھی لیکن پور[ے] ملک میں کسی کو آنے والی اس بھیانک تباہی کا احساس نہیں [تھا]۔

جو ہیروئن کے عادی بن چکے تھے وہ شب و روز اس کے نشے میں ڈوب کر دنیا و مافیہا سے بے خبر تھے اور جو [illegible] ہوئے تھے وہ اسی بات پر اپنے رب کے شکر گزار تھے کہ اس نے انھیں اور ان کے بچوں کو ایک موذی لعنت سے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ تباہی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کا کسی کو ہوش نہیں تھا۔ لوگ روز بہ روز مختلف بنیادوں پر گروہوں اور ٹولیوں میں تقسیم ہوتے جا رہے تھے کاروبار اور لین دین تک پر زبان اور علاقوں کا تعصب غالب آنے لگا تھا اور ان دراڑوں میں افیم کی کوکھ سے جنم لینے والی ہیروئن کسی مہیب خودرو بیل کی طرح تیزی سے پروان چڑھ رہی تھی۔

میں دو بار وہاں جا چکا تھا۔ وہ تیسرا موقع تھا جو خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا۔

پہلی بار وہ باغ راجا فروٹ فارمز کے نام سے موسوم تھا اور اس زمانے کے لیے ٹو، راجا سکندر کی عیاشیوں کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ دوسری بار میں دلدار آغا کے تجسس میں وہاں پہنچا تو اس کا نام شاہ باغ رکھا جا چکا تھا۔ شاید وہ بھی شی کی کوئی مقامی روایت تھی کہ ہر نیا آنے والا اس زرعی جاگیر کا نام بھی بدل ڈالتا تھا۔

دلدار آغا نے سلمیٰ کو اپنی شرافت اور نجابت کے

بل میں الجھاتے ہوئے اس سے جھوٹ بولا تھا کہ شاہ باغ ن کی پرانی خاندانی جاگیر تھی اور وہیں سے مجھے اس پرشی کا ہمراہ ڈی ڈی ہونے کا شبہ ہوا تھا۔

وہ وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا ایک گھنا باغ تھا جہاں رات کے اندھیرے میں پوری فوج کی فوج چھپ سکتی تھی۔ عام حالات میں شاید اپنی کار باغ کے دروازے پر ہی لے جاکر روکتا لیکن ڈی ڈی کی وہاں موجودگی کی صورت میں بھاری حفاظتی انتظامات کے خطرے کے پیش نظر میں نے کار دور ہی جھاڑیوں کی اوٹ میں روک کر لاک کر دی تھی اور ہم دونوں سڑک چھوڑ کر رات کے اندھیرے میں پیدل ہی شاہ باغ کی طرف چل پڑے تھے۔

کار کو چھوڑتے ہوئے میں نے یہ احتیاط مدِنظر رکھی تھی کہ شاہ باغ آنے یا وہاں سے روانہ ہونے والی کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میری کار پر نہ پڑ سکے۔ میری جیب میں اعشاریہ تین آٹھ کے بھرے ہوئے پستول کے علاوہ اس کے چند فاضل میگزین موجود تھے جب کہ سلطان شاہ کی پشت پر لٹکے ہوئے کینوس بیگ میں کئی اقسام کا اسلحہ موجود تھا جس کے سہارے ہم وہاں خاصی تباہی پھیلا سکتے تھے۔

سلطان شاہ کے پاس موجود تھیلے میں اسلحے کے علاوہ ہنگامی ضرورت کی دوسری اشیا بھی رکھ لی گئی تھیں تاکہ اس ویرانے میں ہمیں کسی بڑی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ شہر سے شاہ باغ کے لیے روانہ ہونے سے پہلے میں نے جہانگیر کے گھر فون کیا تو ریٹا سے میری بات ہوئی تھی۔ اس سے پتا چل گیا تھا کہ سلمٰی کا ڈرائیور سارے شہر کی خاک چھاننے کے بعد ناکام و نامراد واپس لوٹ آیا تھا۔ جہانگیر کے سلسلے میں کوئی فون بھی نہیں آیا تھا۔ اس صورت حال کی وجہ سے سلمٰی پر رہ رہ کر غشی کے دورے پڑ رہے تھے اور ریٹا مسلسل اس کے پاس موجود تھی۔ اس نے میری کارکردگی کے بارے میں جاننا چاہا تھا لیکن میں نے خوب صورتی کے ساتھ اس کے سوال کو ٹال دیا تھا کیوں کہ اس مرحلے پر میں خود اندھیرے میں تھا۔

ہم دونوں اندھیرے میں جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے شاہ باغ کے پھاٹک کی طرف بڑھتے رہے۔ مسلسل اندھیرے میں رہنے کی وجہ سے ہم دونوں کی بصارت خاصی دُور تک کام کر رہی تھی اور مجھے یقین تھا کہ ہمیں تھیلے میں موجود عام یا پنسل ٹارچ سے کام لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

آخر کار ہمیں کچھ فاصلے سے لوگوں کے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ تعداد میں کئی معلوم ہوتے تھے اور میرے اندازے کے مطابق شاہ باغ کے پھاٹک پر موجود تھے۔ ہم دونوں مزید محتاط ہو گئے لیکن ہماری پیش قدمی جاری رہی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ادھر آکر بالکل درست فیصلہ کیا ہے۔" سلطان شاہ نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "اس روز گیٹ پر چوکیدار اکیلا تھا، آج کئی آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"چونچ بند رکھو۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اندھیرا پھیل جانے کی وجہ سے اندر کام کرنے والے مالی وغیرہ بھی گیٹ پر آ گئے ہوں۔ ادھر کا جائزہ لے کر ہمیں داہنی طرف سے بڑھنا ہوگا تاکہ کہیں سے باڑ عبور کر کے اندر کاٹیج کے نزدیک پہنچ سکیں۔ جب تک میں پہل نہ کروں، تم گولی نہیں چلاؤ گے۔"

رفتہ رفتہ صورت حال زیادہ واضح ہوتی چلی گئی۔ اس وقت شاہ باغ کے اندر جنریٹر چل رہا تھا جس کے انجن کا دھیما دھیما شور ایک تسلسل کے ساتھ فضا میں گونج رہا تھا۔ کاٹیج کی روشن کھڑکیوں کا کچھ حصّہ بھی نظر آنے لگا تھا جس کا مطلب تھا کہ اندر چہل پہل ہو رہی ہے۔ اگر اس رات کاٹیج آباد تھا تو اندر مسلح افراد کی تعداد بھی قابل ذکر ہو سکتی تھی۔

میں نے خود جھاڑیوں کی اوٹ میں رہتے ہوئے زمین سے ایک پتھر بائیں طرف، دُور اچھال دیا۔ چند ثانیوں بعد وہ پتھر گھنے درختوں کے پتوں سے الجھتا ہوا پُرشور آواز کے ساتھ گرا تو فضا درختوں پر بسیرا کرنے والے پرندوں کے خوف زدہ شور سے گونج اٹھی تاہم اس کے ساتھ گیٹ کی سمت سے آنے والی آوازیں یکلخت معدوم ہو گئیں۔ ہم دونوں وہیں جھاڑیوں میں دُبکے مزید کسی ردِعمل کا انتظار کرتے رہے لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ چوکیداروں میں سے کسی نے بھی خلاف توقع کسی کو نہیں للکارا تھا بلکہ مکارانہ خاموشی اختیار کر کے شاید مختلف سمتوں میں پھیل گئے تھے۔

پتھر سے مضطرب ہونے والے پرندے بتدریج اپنے آشیانوں میں دُبکنے لگے کیوں کہ ان کا شور جلد ہی دم توڑ گیا اور اس بے کراں سناٹے میں جھینگروں یا اکادُکا مینڈکوں کی آوازیں باقی رہ گئیں۔ ہم دونوں کئی منٹ تک دم سادھے اسی مقام پر جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھے رہے لیکن انجن کے ہلکے مشینی شور میں جھینگروں کے شور یا مینڈکوں کی ٹراہٹ کے علاوہ کوئی نئی آواز نہیں سنائی دی۔ میں نے اس بے مقصد نشست کو ترک کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ کچھ فاصلے سے ایک طاقت ور اور مانوس کھٹکا سنائی دیا اور زمین سے چند فٹ کی بلندی پر ایک شعلہ شاہ باغ کی باڑ کی طرف سے نمودار ہو کر دُور تک تیرتا چلا گیا۔ شاید اندر سے کسی محافظ نے شبہے کی بنیاد پر بے آواز رائفل سے فائر کیا تھا۔

صورتِ حال یک بیک سنگین ہوگئی تھی۔ بے آواز رائفل اور چیتے کی طرح چالاک محافظوں کی موجودگی کسی بھی لمحے ہمارے حق میں مہلک ثابت ہوسکتی تھی۔ میں اٹھتے اٹھتے پھر وہیں بیٹھا رہ گیا۔

ہمیں اسی پوزیشن میں تقریباً پانچ منٹ گزر گئے جو اس وقت صدیوں پر محیط معلوم ہورہے تھے۔ گشت پر نکلے ہوئے باغ کے محافظوں کے قدموں کی آواز تک دوبارہ نہیں سنائی دی تھی اس لیے میں نے سلطان شاہ کا ہاتھ دبا کر اسے تقلید کا اشارہ کیا اور کسی چوپائے کی طرح ہتھیلیوں اور گھٹنوں کے بل داہنی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ مجھے ڈر تھا کہ قدموں پر کھڑا ہونے کی صورت میں کہیں ہمارا ہیولا نہ دیکھ لیا جائے۔

غنیمت یہ تھا کہ وہ باغات کے زرعی علاقے کی نرم اور بھربھری زمین تھی ورنہ چوپایوں کی طرح چلنے کی اس کوشش میں ہم بری طرح لہولہان ہوجاتے۔ شاہ باغ کے احاطے کی باڑھ سے مناسب فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے، جب ہم اس کے داہنے پہلو پر واقع، خودرو پودوں اور جھاڑیوں سے گھرے ہوئے میدان میں کافی دور نکل آئے تو ہم ایک آدم قد جھاڑی کی اوٹ میں اپنے قدموں پر کھڑے ہوگئے۔ میرا اندازہ تھا کہ اس وقت ہم کاٹیج کی پشت کی بالکل سیدھ میں موجود تھے لیکن گھنے درختوں کی وجہ سے کاٹیج کے روشن حصے ہماری نگاہوں سے اوجھل تھے۔

اپنے چہروں پر نقابیں چڑھا کر ہم نے بھرے ہوئے پستول ہاتھوں میں سنبھالے اور زمین پر گرے ہوئے خشک پتوں سے بچ کر، پنجوں کے بل چلتے ہوئے شاہ باغ کی باڑھ کی طرف بڑھنے لگے۔

اس طرف کوئی محافظ نہیں تھا۔ ہم کسی مزاحمت کے بغیر باڑھ میں جگہ پیدا کرکے اندر داخل ہوگئے۔ چند ثانیوں بعد کاٹیج کی ایک روشن کھڑکی نظر آئی تو ہم اپنی سمت درست کرکے اسی طرف ہولیے۔ شاید کاٹیج کے تمام کمرے زیرِ استعمال نہیں تھے اور یہ ایک اچھی بات تھی۔

آخر کار روشن کھڑکی سے آنے والے انعکاس میں ہمیں وہ محافظ نظر آہی گیا جو کاٹیج سے خاصے فاصلے پر اس سمت کی نگرانی پر مامور تھا۔ وہ ہماری طرف پشت کیے پیال نما ایک اونچے ڈھیر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پوزیشن سے معلوم ہورہا تھا کہ اس طرف وہ اکیلا ہی تھا۔ ان لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ کوئی گھنی بنلی باڑھ کو عبور کرکے کاٹیج تک پہنچنے کی کوشش کرسکتا ہے اسی لیے اس طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہوگی۔

سلطان شاہ کو وہیں چھوڑ کر میں ایک مرتبہ پھر چوپائے کے انداز میں چلتا ہوا محافظ کی طرف بڑھ گیا۔ میں مویشیوں کو چارے کے لیے کٹی ہوئی لمبی لمبی گھاس کے اس ڈھیر پر پہنچا تو میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ اس وقت انداز کی ذراسی غلطی یا کوئی اور لغزش میرے اوپر جہنم کے ان گنت دہانے کھول سکتی تھی۔

اس مقام پر محافظ سے باز پرس خطرناک ہوسکتی تھی۔ اسے ہلاک کرنا سب سے آسان کام تھا لیکن میں اسے زندہ پکڑ کر اس سے اندر کے حالات کے بارے میں باز پرس کرنا چاہ رہا تھا اس لیے میں نے اسے ہوشیار ہونے کا موقع دیے بغیر پشت سے اس کی داہنی کنپٹی پر اپنے پستول کے آہنی دستے سے ضرب لگائی اور وہ ہلکی سی آواز نکال کر وہیں میرے بازوؤں میں ڈھیر ہوگیا کیوں کہ ضرب لگاتے ہی میں نے اپنا بایاں ہاتھ مضبوطی سے اس کے دہانے پر جما دیا تھا۔ اس کے آگے ہی کلاشنکوف رائفل رکھی ہوئی تھی جس میں لمبا میگزین چڑھا ہوا تھا۔ میں نے کلاشنکوف اپنے شانے سے لٹکائی اور بے ہوش قیدی کو کندھے پر لاد کر تیزی سے نیچے اتر کر واپس چل دیا۔ وہ متوسط قد اور جسامت کا مالک تھا اس لیے مجھے اس کو لاد کر چلنے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئی۔ راستے میں سلطان شاہ میرے ساتھ ہولیا اور ہم قیدی سمیت ایک مرتبہ پھر باڑھ سے باہر نکل آئے۔ اس سے پوچھ گچھ کے لیے اندر رکے رہنا ہمارے لیے خطرناک ہوسکتا تھا۔

اس کے منہ میں اسی کی قمیص کے ٹکڑے پھاڑ کر ٹھونسنے کے بعد اسے ہوش میں لانے کی کوششیں جلد ہی بار آور ثابت ہوئیں اور میں نے اپنا رول ادا کرنا شروع کر دیا۔ ابتدا میں اس نے سخت جانی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن چند شدید ضربات کے بعد اس نے سرہلاتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے۔ اسے امید دلائی گئی تھی کہ اس کے ہمارے سوالات کے درست جواب دیے تو وہ زندہ رہ سکے گا ورنہ اس کا بھیجا نکال دیا جائے گا۔

ہم دونوں ہی اس کی طرف سے پوری طرح ہوشیار تھے لیکن منہ سے کپڑا نکالے جانے کے بعد بھی اس نے کوئی شرارت کرنے کی کوشش نہیں کی البتہ وہ اپنے آقاؤں سے بری طرح خوف زدہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے کیے ہوئے انکشافات کے ذریعے اگر اس کے آقاؤں کو کوئی نقصان پہنچا تو وہ بعد میں اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے لیکن میں نے اسے دلاسا دیا کہ ہمارے کافی آدمی باغ کے گرد موجود تھے اور اگر ایک بار ٹکراؤ شروع ہوجاتا تو کسی کو پتا ہی نہیں چل سکتا تھا کہ حملہ ہونے سے پہلے اسے بے بس کرکے اغوا

یا گیا تھا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ اس کا مفاد اسی میں
ہے کہ وہ ہمارے ساتھ تعاون کرے تاکہ اس کے غائب
ہونے کا راز فاش ہونے سے پہلے حملے کا آغاز ہو جائے
بصورت دیگر اس کے سر پر موت کے خطرے کی
تلوار ہر لمحے لٹکتی رہتی۔
یہ منطق اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے مشینی
انداز میں ہمارے سوالات کے جواب دینے شروع کر دیے۔
وہ ایک پیشہ ور مجرم تھا۔ اس کا ڈی ڈی پارٹی سے
تعلق نہیں تھا بلکہ وہ جانثار ماسیوٹیکل کے منیجر ہارون
کے لیے ماہانہ معاوضے پر کام کرتا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ
سات آدمیوں کے ہمراہ پچھلی شام سے شاہ باغ کی
حفاظت کی ڈیوٹی انجام دے رہا تھا۔ وہاں کے دو چوکیدار
اور تین مالی اس کے علاوہ تھے۔ وہ اپنے آدمیوں کے ہمراہ
شاہ باغ پہنچا تو وہاں ایک سیاہ پجیرو پہلے سے موجود تھی جو
اس وقت بھی وہیں کھڑی ہوئی تھی۔ رات کو ہارون بھی کاٹیج
میں پہنچا تھا۔ وہ یہ نہیں بتا سکا کہ اس کے ساتھ کوئی قیدی
بھی تھا یا وہ تنہا آیا تھا کیوں کہ ان لوگوں کو کاٹیج سے دور رہ
کر حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔
اس کے بیان سے یہ تو ثابت ہو رہا تھا کہ دلدار آغا
اپنے نمک خوار ہارون سمیت کاٹیج میں موجود تھا لیکن جہانگیر
کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی پتا چل
گیا تھا کہ قیدی کے علاوہ اس وقت شاہ باغ کے احاطے
میں کم از کم نو مسلح آدمی اور تین مالی موجود تھے مسلح آدمیوں اور
چوکیداروں کے بارے میں یہ ہماری خوش نصیبی تھی کہ ان کو شاہ
باغ کے پھاٹک کے قریب ہی داخلی راستے کی نگرانی پر مامور کیا
گیا تھا اور عقبی حصے میں صرف قیدی کے تعین کو کافی سمجھا
گیا تھا۔
قیدی کے انجام سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن میں
بلاوجہ اپنے ہاتھ اس کے خون سے نہیں رنگنا چاہتا تھا اس
لیے ہم نے اس کے احتجاج کے باوجود دوبارہ اسے دبوچ کر
اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا اور ہاتھ پیر مضبوطی سے باندھ کر
اسے وہیں ڈال دیا۔ اس کی کلاشنکوف بدستور میری تحویل
میں تھی۔
اس سے نمٹ کر ہم دوبارہ باڑھ عبور کر کے اندر داخل
ہو گئے۔ وہ ہمارے اقدام کے اہم ترین حصے کا نقطہ آغاز تھا
اور ہماری کوئی بھی غلطی مکمل تباہی پر منتج ہو سکتی تھی۔ میں نے
سلطان شاہ کے تھیلے میں سے کچھ ضروری اشیا اپنی جیبوں
میں منتقل کیں اور کلاشنکوف اس کے حوالے کر کے اسے
لائن کٹر ڈھیر پر چھوڑ دیا۔

اس طرف نسبتاً سناٹا تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ نو مسلح
خونی ہمارے قرب و جوار میں منڈلا رہے ہیں۔ ان کی ڈیوٹی
سامنے والے حصے میں تھی لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنے
اکیلے ساتھی سے گپ شپ اڑانے یا اس سے خیریت
معلوم کرنے کے لیے اُدھر آ سکتا تھا اس لیے میں احتیاط اور
تیزی کے ساتھ کاٹیج کی طرف بڑھ گیا۔
ایک تاریک کھڑکی کے نیچے، دیوار سے چپک کر میں
چند ثانیوں تک اندر کی سُن گُن لیتا رہا اور پوری طرح اطمینان
کرنے کے بعد کھڑکی پر دباؤ ڈالا تو وہ اندر سے بند تھی۔
میں نے جیب میں سے شیشہ کاٹنے کا اوزار نکال کر اندھیرے
میں شیشے کا ایک کونا کاٹ کر خفیف سی آواز کے ساتھ الگ
کر دیا اور اگلے چند ثانیوں میں وہاں سے اندر ہاتھ ڈال کر میں
کھڑکی کا بولٹ نکال چکا تھا جو میرے اندازے کے مطابق
اسی طرف موجود تھا۔ کھڑکی پر دباؤ ڈالتے ہوئے مجھے اندازہ ہو
چکا تھا کہ پٹ صرف نیچے سے ہی بولٹ کیے گئے تھے کھڑکی
کھول کر میں فوراً ہی کاٹیج کے اندھیرے کمرے میں کود گیا اور
پٹ دوبارہ بند کر دیا تاکہ باہر گشت کرنے والے کسی شخص کو
صورتِ حال میں تبدیلی کا کوئی اندازہ نہ ہو سکے۔
اچانک اندر سے کسی کے ہذیانی انداز میں ہنسنے کی
آواز ابھری اور میں غیر ارادی طور پر اپنی جگہ پر سمٹ کر رہ گیا۔
اس کمرے سے نکل کر میں ایک تاریک راہداری میں
پہنچا اور ایک موڑ گھومتے ہی مجھے روشنی نظر آنے لگی۔ میں
روشنی کے انعکاس سے بچتا ہوا دیوار سے چپک کر پنجوں
کے بل آگے بڑھنے لگا۔
"یہ شاید پھر بے ہوش ہو گیا سر!" کمرے میں سے ایک
نامانوس مردانہ آواز سنائی دی۔ "اسے کچھ معلوم ہوتا تو اتنے
تشدد کے بعد یہ اب تک سب کچھ اگل چکا ہوتا۔"
"اسے اُلٹا لٹکا کر اس کی کھوپڑی کے نیچے ہیٹر آن
کر دو۔" دوسری سرد اور تحکمانہ آواز ابھری جسے سن کر میرے
بدن میں چیونٹیاں رینگنے لگیں کیوں کہ ڈی ڈی کی وہ آواز
میں کئی بار فون پر سن چکا تھا۔ "لیکن یہ خیال رہے کہ ہمیں
اس کو زندہ رکھنا ہے یہ ڈینی کے لیے چارہ ثابت
ہو گا۔ وہ جب بھی یہاں آیا، اس سے ضرور ملنے کی کوشش
کرے گا۔"
وہ گفتگو یقیناً جہانگیر کے بارے میں تھی اور ڈی ڈی
کا مخاطب ہارون ہی ہو سکتا تھا۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا
کہ جہانگیر نے تشدد کا نشانہ بننے کے باوجود میرے بارے میں
سختی سے اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی اور محض اسی وجہ سے
ڈی ڈی اسے زندہ رکھنے پر مجبور ہو رہا تھا ورنہ وہ مطلوبہ

معلومات حاصل کرتے ہی بے رحمی کے ساتھ اسے ٹھکانے لگا سکتا تھا۔

اس راہداری میں مزید آگے بڑھنا خطرناک ہوسکتا تھا اس لیے میں وہیں سے الٹے قدموں واپس ہولیا تھوڑی سی کوشش کے بعد میں کچن کے ذریعے ایک ایسی پوزیشن پر پہنچنے میں کامیاب ہوگیا جہاں میں اندھیرے میں محفوظ رہتے ہوئے ایک بند کھڑکی کے ذریعے کمرے کا منظر دیکھ سکتا تھا۔

فرشی قالین سے آراستہ اس کمرے میں ایک چالیس بیالیس سالہ تنومند شخص چھت سے لٹکتے ہوئے بند پنکھے میں رسّی کا پھندا ڈال کر اس کی مضبوطی آزما رہا تھا اور قالین پر جہانگیر بُری حالت میں بے سُدھ پڑا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ اوپری بدن پر نہ قمیص تھی اور نہ بنیان۔ ننگے بدن پر ٹھوکروں اور دوسری ضربات سے پڑے ہوئے نیل اور سوکھے زخم نظر آرہے تھے، اس کا چہرہ بھی سُوجا ہوا تھا۔ اس نے یقیناً مضبوط قوّت ارادی سے کام لے کر وہ تشدّد برداشت کیا ہوگا ورنہ اس حد تک بے دست و پا ہونے کے بعد بڑے بڑے دلیروں کا پتا پانی ہوسکتا تھا۔

ڈی ڈی اس کمرے میں کسی ایسی جگہ موجود تھا جہاں وہ میری نظروں سے اوجھل تھا۔ اس کی موجودگی میں کسی تیسرے آدمی کو اندر نہیں بلایا گیا تھا اس لیے یہ قیاس کرنا دشوار نہیں تھا کہ رسّی کا پھندا تیار کرنے والا ہارون تھا۔

اس وقت میرا ذہن بڑی تیزی سے کام کررہا تھا کیونکہ وہ میری مہم کا ایک نازک موڑ تھا۔ ایک طرف میرا بدترین دشمن، غاصب اور رقیبِ رُوسیاہ دیوار کی دوسری جانب میری دسترس میں تھا۔ دوسری طرف جہانگیر کی زندگی کا بھی کا سوال تھا۔ اگر اس وقت کوئی مداخلت نہ ہوتی تو ڈی ڈی اسے خود ہی زندہ چھوڑ دیتا جب کہ میری کسی کارروائی کے نتیجے میں، زخمی اور بے ہوش پڑا ہوا جہانگیر کسی بھی ناگہانی خطرے سے اپنا بچاؤ کرنے کے قابل نہیں تھا۔ وہ بڑی آسانی کے ساتھ کسی بھی بھٹکی ہوئی گولی کا نشانہ بن سکتا تھا۔ میں یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

قابلِ غور نکتہ یہ بھی تھا کہ اس وقت سلطان شاہ باہر اور میں کاٹیج کے اندر تھا۔ اگر کوئی معرکہ آرائی شروع ہو ہی جاتی تو ہم دونوں کا یکجا ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ میں کسی نہ کسی طرح نکل بھی جاتا تو سلطان شاہ اس تاریک ویرانے میں اپنے خون کے پیاسوں میں گھر کر رہ جاتا۔

ہارون نے پھندے کی مضبوطی کا اندازہ لگا کر رسّی کا ایک سرا جہانگیر کے ٹخنوں پر پہلے سے بندھی ہوئی رسّی میں گرہ دے کر باندھا اور پھر ایک جھٹکے سے رسّی کا دوسرا سرا کھینچتا چلا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جہانگیر پنکھے کی موٹر کے سہارے الٹا لٹکا دیا گیا۔ اس نئی اذیت نے اس کے شکستہ اعصاب کو اس بُری طرح متاثر کیا کہ اس نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ مُنہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا ہونے کی وجہ سے اس کی کراہیں مضحکہ خیز آوازوں میں بدل کر رہ گئی تھیں۔

"اس کے مُنہ سے کپڑا نکال دو۔ اگر یہ چیخنے کی کوشش کرے تو ٹھوکروں سے اس کی کھوپڑی چُورا کر دینا۔" ڈی ڈی کی سرد آواز سُنائی دی۔

ہارون نے بڑھ کر بے دردی سے جہانگیر کے دہانے میں ٹھنسا ہوا کپڑا کھینچ لیا۔

"میں بتا چکا ہوں کہ مجھے کچھ نہیں معلوم!" قدرے توقف کے بعد جہانگیر کی درد و اذیت میں ڈوبی ہوئی آواز اُبھری۔ "آخری بار ڈینی نے مجھے یورپ کے کسی شہر سے فون کیا تھا۔ اب وہ پتا نہیں کہاں ہوگا۔۔۔"

"یہ بکواس میں رات سے سُن رہا ہوں۔" ڈی ڈی کی غراہٹ گونجی۔ "کوئی نئی بات بتاؤ ورنہ ہم بوٹی بوٹی کر کے تمہارے جسم کے ٹکڑے اڑا دیں گے اور یہی کمرا تمہارا مدفن بن جائے گا۔"

"پھر تم جو کچھ میری زبان سے سُننا چاہتے ہو، وہ بتادو، میں وہی دُہرا دوں گا۔" جہانگیر کی بے بسی دیکھ کر میرے وجود میں اچانک ہی قہر و انتقام کے ہولناک شرارے کوندنے لگے تھے۔

"اس کے سر کے نیچے ہیٹر روشن کر دو۔ کھوپڑی پر جمی ہوئی برف پگھلے گی تو شاید اس کا حافظہ بھی کام کرنے لگے۔" ڈی ڈی کی زہر میں ڈوبی ہوئی آواز اُبھری اور ہارون سامنے والے دروازے سے گزر کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ کاٹیج کی تعمیر پرانے انداز سے کی گئی تھی اس لیے کمرے الگ الگ ہونے کے بجائے دروازوں اور کھڑکیوں کے ذریعے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔

تخلیہ ہوتے ہی ڈی ڈی ایک گوشے سے جہانگیر کی طرف بڑھتے ہوئے میری نظروں میں آیا تو میرا ہاتھ بے اختیار جیب میں پڑے ہوئے پستول کے دستے پر پہنچ گیا۔ وہ دراز قامت اور صحت مند شخص تھا۔ اس کے بدن پر نفیس قسم کا سرمئی قمیص شلوار سوٹ نظر آرہا تھا لیکن چہرے پر سیاہ نقاب اس طرح چڑھا ہوا تھا کہ گردن بھی اسی میں چھپ کر رہ گئی تھی۔ اس کے پورے بدن میں صرف ہاتھ کھلے ہوئے نظر آرہے تھے جن کی رنگت خاصی سفید تھی

ں بات یہ تھی کہ اس وقت بھی اس کی چال میں ہلکی سی
لڑاہٹ باقی تھی، شاید پنڈلی کے زخم کی ٹیسیں اسے
ں پر پورا وزن ڈالنے سے روک رہی تھیں۔
"تم کل سے یہاں ہو۔" ڈی ڈی قریب پہنچ کر جہانگیر
ے کہہ رہا تھا۔ "تم نے دیکھ لیا کہ میرے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔
ں جب چاہوں، تمھیں شہر کے کسی بھی علاقے سے ننھے
ے چوزے کی طرح پلک جھپکتے اٹھوا سکتا ہوں۔ مجھے شبہ
ہے کہ ڈینی کراچی آ چکا ہے۔ میں آج تمھیں اس شرط پر رہا
رہا ہوں کہ ڈینی تم سے رابطہ قائم کرے تو تم فوراً مجھے
طلاع دو گے ورنہ تمھیں شہر کے کسی بھی گوشے میں ذبح کر
یا جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابھی تک تم سے نہیں
لا ہے۔"
"میں تمھیں مطلع کر دوں گا۔" جہانگیر کا درد میں ڈوبا ہوا
کسارانہ لہجہ بالکل فطری تھا۔ "لیکن پہلے مجھے اس الٹی سولی
ے اتار دو اور یہ بتاؤ کہ میں تم سے کہاں اور کیسے رابطہ قائم کر
سکوں گا؟"
"رابطہ میں خود قائم کروں گا۔" ڈی ڈی کا لہجہ سرد اور سپاٹ
تھا۔ "یہاں جو کچھ ہوا یا تم نے دیکھا، اسے تم بھول جاؤ گے،
تمھاری وجہ سے میرے کسی آدمی پر آنچ بھی آئی تو تم بچ نہیں
سکو گے۔"
اسی وقت ہارون بغلی کمرے سے الیکٹرک ہیٹر لیے
اندر آ گیا لیکن ڈی ڈی نے اسے روک دیا۔ "اسے پنکھے سے
اتار دو، میں نے اپنا فیصلہ بدل دیا ہے۔ اسے بے ہوش کر
کے اس کی گاڑی میں ڈالو اور شہر میں کہیں بھی چھوڑ دو۔ ایسا
نہ ہو کہ زیادہ تاخیر ہونے کی صورت میں اس کے لواحقین
پولیس سے رجوع کر بیٹھیں اور اسے بہانہ مل جائے۔"
ہارون نے نہایت سعادت مندانہ انداز میں جہانگیر
کو نیچے اتار کر اس کی بندشیں کھولنی شروع کر دیں۔ ڈی ڈی
واپس لوٹ کر دوبارہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ شاید
وہ اس کمرے کے کسی اور دروازے سے نکل ہی گیا تھا
کیوں کہ ہارون کے رویے میں اچانک تبدیلی آ گئی تھی۔
بندشیں کھل جانے کے بعد جہانگیر اپنی ابتر حالت کی وجہ
سے فوراً اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہو سکا تو ہارون نے اس
کا گریبان تھام کر اسے زبردستی کھڑا کر دیا۔
"میرا خیال ہے کہ تم نے باس کی ہدایت سُن لی ہو گی۔"
وہ غیر ضروری طور پر دانت پیستے ہوئے بولا تھا۔ "تم نے
مجھے اچھی طرح دیکھ لیا ہے لیکن کہیں سامنا ہو جائے تو مجھ سے
الجھنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں باس کی طرح رحم دل نہیں ہوں،
اپنے شکار کو کوئی بھی موقع دیے بغیر میٹھی نیند سلا دیتا ہوں۔"

"تم بے فکر رہو۔" جہانگیر گہرے گہرے سانس لیتا
ہوا بولا۔ "میری ساری زندگی کے لیے یہی ایک ڈراؤنا تجربہ
کافی ہے، تم جو چاہو گے، وہی ہو گا۔ تم کہیں ٹکرا گئے تو اجنبی
بن کر نکل جاؤں گا۔ اب میری روانگی کا بندوبست کرو۔"
وہ جہانگیر کو لے کر اسی سمت میں غائب ہو گیا جدھر
ڈی ڈی گیا تھا۔
جہانگیر کا مسئلہ خیر و خوبی کے ساتھ نمٹتا ہوا نظر آ رہا تھا اس
وقت میری دخل اندازی بنا بنایا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔ یہ بات
طے تھی کہ ڈی ڈی صرف جہانگیر کی وجہ سے شاہ باغ میں مقیم
نہیں تھا بلکہ میری دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر وہاں روپوش ہوا
تھا اور جہانگیر کے ساتھ اس کے چلے جانے کا بظاہر کوئی امکان
نہیں تھا۔
میں کاٹیج میں داخلے کی راہ تیار کر چکا تھا اس لیے وہاں
سے فوری طور پر واپس روانہ ہو گیا۔ باہر کے حالات جوں کے
توں تھے۔ اس وقت تک مسلح محافظ کی گمشدگی کا علم نہیں ہوا
تھا مگر سلطان شاہ گھاس کے ڈھیر کے قریب بے چینی سے
میرا انتظار کر رہا تھا۔
"جلدی چلے آؤ۔ اب ہم اندر ہی ٹھہر کر مناسب وقت
کا انتظار کریں گے۔" میں نے اسے جہانگیر کی رہائی سے مختصراً
آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارے دونوں شکار یہیں موجود ہیں۔"
"ہارون بھی آیا ہوا ہے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔
"دن میں تو وہ فیکٹری میں تھا۔"
"شاید ڈی ڈی یہاں آرام کر رہا ہے۔ جہانگیر پر تشدد
کا سلسلہ ہارون کے آنے پر ہی دوبارہ شروع ہوا ہو گا۔ کل
رات سے مسلسل مار پڑ رہی ہوتی تو اب تک وہ بولنے کے قابل
بھی نہ رہا ہوتا۔"
ہم دونوں فوراً ہی روانہ ہو گئے۔ کھڑکی، جسے میں بند
کر آیا تھا، میرے ذرا سے اشارے پر دوبارہ اندر کی طرف
کھل گئی اور ہم دونوں اپنے اسلحے کے وزنی تھیلے سمیت
شاہ باغ کے اس کاٹیج میں داخل ہو گئے۔
کھڑکی بند کر کے ہم دونوں اُس کمرے سے نکاسی کے
دروازے کے قریب دیوار سے چپک کر اندھیرے میں بیٹھ
گئے۔ اس وقت اندر نقل و حرکت جاری تھی اور ہماری کسی
سے مڈبھیڑ ہونے کا قوی امکان پایا جاتا تھا اس لیے سرے
پر واقع وہ تاریک کمرا ہمارے لیے بہترین پناہ گاہ تھا۔ رات
ڈھل جانے پر جب کاٹیج کے مکین غافل ہو جاتے تو ہم اپنی
کمین گاہ سے نکل کر انھیں بے خبری کے عالم میں اپنا نشانہ بنا
سکتے تھے۔
جن دنوں میں تنظیم کے لیے کام کر رہا تھا اُن دنوں سے

پاکستان میں شی کے کارندے باہمی رابطے کے لیے جدید ترین مواصلاتی ذرائع استعمال کرتے تھے جن میں کم رینج والے ٹرانسمیٹرز سے لے کر ایم ٹی۔ تھری ہنڈرڈ جیسے بیش قیمت ایریئس شامل تھے جن کی حفاظت کے لیے بھی الیکٹرونکس پر مشتمل... ناقابلِ شکست انتظام کیا جاتا تھا لیکن اس قلیل سی مدت میں یا تو شی بہت سمٹ کر رہ گئی تھی یا پھر پاکستان کی حد تک ان سہولتوں کو واپس لے لیا گیا تھا کیوں کہ ہمارے ہاتھ لگنے والے مسلح محافظ کے پاس سے کوئی ٹرانسمیٹر برآمد نہیں ہوا تھا پھر اُس کاٹیج میں بھی بیرونی مداخلت کے خلاف الارم وغیرہ موجود نہیں تھا حالانکہ شی کا سربراہ اپنی شہری قیام گاہ کو خیرباد کہہ کر اس مضافاتی کاٹیج میں مقیم تھا۔

شاید پاکستان سے باہر بیٹھے ہوئے شی کے بڑے دماغوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ پاکستان میں کشید کی جانے والی ہیروئن کی مقامی مارکیٹ میں کھپت کے سلسلے میں شی کو جو کردار ادا کرنا تھا، وہ پورا ہو چکا تھا۔ دوسری طرف پاکستان میں انھوں نے میرے ہاتھوں لائیڈز کاٹیج، اس کے زیرِ زمین اسلحہ خانے، ایم ٹی تھری ہنڈرڈ اور دوسری قیمتی تنصیبات کی تباہی کی صورت میں اتنے بھاری نقصانات اُٹھائے تھے کہ بددل ہو کر پاکستان میں وسیع سرمایہ کاری کی پالیسی ترک کر دی گئی تھی اور سارا کام صرف روایتی ذرائع کے سہارے چلایا جا رہا تھا۔

اچانک فضا میں کسی کار کے انجن میں سیلف لگنے کی آواز اُبھری پھر میرے حساس کانوں نے جہانگیر کی مرسڈیز کے انجن کی آواز پہچان لی۔ شاید اسے بے ہوش کر کے کسی کے ساتھ شاہ باغ سے روانہ کیا جا رہا تھا۔ یہ علامت ہمارے لیے حوصلہ افزا تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد دوسری طرف صرف دشمن کا وجود باقی رہ جاتا جس پر ہم اپنی مرضی اور پسند کے مطابق کوئی بھی مہلک وار کر سکتے تھے۔

کاٹیج اندر سے خاصا وسیع تھا اور اس کے بیشتر کمروں میں فرشی قالین پڑے ہوئے تھے اس لیے اندر سے کوئی آہٹ نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں نے سرگوشیانہ لہجے میں سلطان شاہ کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کی اور خود اندر کی طرف بڑھا لیکن ہڑبڑا کر فوراً ہی اپنی جگہ پر لوٹ آیا کیوں کہ باہر کہیں قریب ہی سے رائفل کے فائر کا پُرہول دھماکا سنائی دیا تھا۔ اس ایک فائر کے بعد کافی دیر تک باہر سے کوئی اور آواز نہیں سنائی دی تو ہم دونوں نے چند قدم کے فاصلے سے آگے پیچھے پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ راستہ میرا دیکھا ہوا تھا اس لیے میں آگے تھا۔

تاریک کچن سے گزرتے ہوئے اچانک میرے پیچھے ایک چھناکا ہوا اور میں لرز کر رہ گیا۔ اندھیرے میں سلطان شاہ نے غلطی سے کوئی برتن گرا دیا تھا جو پُرشور آواز سے ٹوٹا تھا۔

"کون ہے...؟" کاٹیج کے کسی دور افتادہ حصے سے ہارون کی بلند اضطرار آمیز آواز اُبھری پھر فرش پر کسی کے دوڑنے کی بے آواز دھمک محسوس ہوئی۔ میں تیزی کے ساتھ پلٹا لیکن سلطان شاہ میرے اس ردِعمل کے لیے تیار نہیں تھا اس لیے ہم دونوں بوکھلاہٹ میں ایک دوسرے سے اُلجھ گئے۔

وہ لمحہ بھر کی تاخیر تھی لیکن اسی اثنا میں چٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ کہیں قریب ہی روشنی ہوئی جس کی ایک کشادہ لکیر کچن میں بھی پڑ رہی تھی۔ ہمارے پلٹنے سے پیشتر ہی آنے والا راہداری میں آ گیا۔ اس وقت ذرا سی تاخیر بھی مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ میں نے پلٹ کر راہداری کی طرف اندھا دھند ایک فائر جھونک مارا۔

ایک دبی دبی غضب ناک غراہٹ کے ساتھ اُدھر سے بھی فائر ہوا اور پھر اچانک ہی پورا شاہ باغ ہولناک فائرنگ کے شور سے لرز اُٹھا۔ اعصاب زدہ مسلح محافظوں نے کاٹیج کے اندر فائرنگ کی آواز سنتے ہی شاید اپنا اسلحہ برباد کرنا شروع کر دیا تھا۔

میں جھپٹ کر راہداری میں قدرے آگے بڑھا اور مجھے ہارون کی صرف ایک جھلک نظر آئی۔ اس نے بھی اگلے دروازے کے قریب سے مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ یوں سامنا ہونے کے لیے تیار نہیں تھا جب کہ میں تیار تھا اس لیے مجھے پہلے فائر کرنے کا موقع مل گیا۔ گولی اس کے شانے پر لگی اور وہ کراہتا ہوا پیچھے اُلٹ گیا۔

اُسے گرتے دیکھ کر میں نے دوڑ لگائی لیکن اسی لمحے ہر طرف گھور اندھیرا چھا گیا۔ جنریٹر کا شور یکلخت ہی موقوف ہوا تھا۔ شاید ڈی ڈی نے خطرہ بھانپ کر جنریٹر ہی بند کر دیا تھا۔

باہر مسلسل گولیاں چل رہی تھیں، ساتھ ہی وہ لوگ ایک دوسرے کو اونچی آوازوں میں ہدایات بھی دے رہے تھے لیکن کسی نے کاٹیج کے قریب آنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ انھیں باہر رہ کر نگرانی کا حکم ملا ہوا تھا۔ شاید اندر شروع ہونے والی فائرنگ نے ان کے ذہنوں کو ماؤف کر کے رکھ دیا تھا۔

گھور اندھیرے میں میں دروازے سے گزرنے کے بجائے اپنے پورے زور میں دیوار سے ٹکرا گیا۔ لیکن میرے پیچھے آنے والا سلطان شاہ دروازے سے صاف گزرتا ہوا زخمی ہارون پر جا پڑا کیوں کہ فوراً ہی اندر سے دھینگا مشتی کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

دیوار سے میرے بائیں شانے پر خاصی شدید ضرب
آئی تھی لیکن مجھے سلطان شاہ کے تھیلے کی فکر تھی جس میں
دستی بموں سمیت خاصا آتش گیر مادہ موجود تھا اگر ہارون سے
لڑتے ہوئے ان میں سے کسی ایک کی بھی فیوز پن نکل جاتی
تو سلطان شاہ کے ساتھ ہارون کے بھی چیتھڑے اُڑ جاتے۔
"ہینڈز اپ!" میرے حرکت کرتے ہی مخالف سمت
سے ڈی ڈی کی سرد، تحکمانہ آواز گونجی تھی۔ شاید وہ بیڈ روم
بند کرکے سیدھا اُدھر ہی دوڑا چلا آیا تھا۔
وہ کاٹیج کا اندرونی حصہ تھا اس لیے گھور اندھیرے
میں ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔ میں نے ڈی ڈی
کی آواز سے اس کی پوزیشن کا اندازہ لگا کر فائر کر دیا۔
"بھاگو باس! یہ سب پچھلی کھڑکی سے اندر آئے ہیں"
ہارون کی ہانپتی ہوئی آواز اُبھری۔ اس نے ہم دونوں کو تو
یقیناً دیکھ لیا تھا لیکن اندھیرے میں زخمی ہونے اور پٹنے
کے باعث وہ بوکھلا کر ہماری نفری کے بارے میں غلط
اندازہ لگا بیٹھا تھا جس کی وجہ سے ڈی ڈی کے بھی پیر
اکھڑ گئے۔
اس کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سُن کر میں نے
چھت کی طرف ایک فائر کیا پھر اسے مزید خوف زدہ کرنے
کے لیے اونچی آواز میں ہانک لگائی "چاروں طرف پھیل جاؤ،
کوئی بچ کر نکلنے نہ پائے۔" وہ فرضی ہدایت دیتے ہوئے
میں نے ڈی ڈی کے پیچھے دوڑ لگائی۔
دوسرے دروازے سے نکلتے ہی میں نے اندھا دھند
آگے دو فائر کیے تھے جو خطا ہو گئے پھر پیچھے کمرے میں
ایک دھماکا ہوا اس بارودی دھماکے میں ہارون کی ادھوری
دلدوز چیخ بھی شامل تھی۔ سلطان شاہ نے اس پر زیادہ
وقت اور قوت ضائع کرنے کے بجائے اس کا کام ہی تمام
کر دیا تھا۔
ان مخدوش حالات میں یہی حکمتِ عملی بہترین تھی کہ
ہمیں کاٹیج کے اندر اپنی کارروائی مکمل کرکے اتنی سرعت
کے ساتھ وہاں سے نکلنا تھا کہ باہر والوں کو صورتِ حال
کو سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ اس کے علاوہ دوسری اہم
بات یہ تھی کہ ہم دونوں کو اکٹھا رہنا تھا تاکہ وہاں سے
ایک ساتھ فرار ہو سکیں۔
ہم دونوں ڈی ڈی کے تعاقب میں ایک کمرے میں
گھسنے ہی والے تھے کہ ہم پر پے در پے تین فائر ہوئے۔ ڈی ڈی
نے بھاگتے ہوئے مڑ کر گولیاں چلائی تھیں اس لیے تینوں گولیاں
ضائع ہو گئیں مگر اس کے نتیجے میں ہمیں رُک جانا پڑا۔ وہ اگر
اچانک ہی کہیں جم کر مورچا سنبھال لیتا اور اندھا دھند
گولیاں برسانے لگتا تو ہمارا ڈھیر ہو جانا یقینی تھا لیکن ہارون
مرنے سے پہلے ہماری نفری کی طرف سے اسے خوف زدہ
کر چکا تھا اس لیے وہ رُکے بغیر آگے نکلتا ہی چلا گیا۔
تھوڑے سے تردّد کے بعد ہم نے دوبارہ پیش قدمی
کا آغاز کیا تو ڈی ڈی کا کہیں پتا نہیں تھا۔ وہ کسی چھلاوے
کی طرح، تاریکی میں کہیں غائب ہو چکا تھا۔ اسی سمت میں
چلتے ہوئے ہم باہر نکلے تو کاٹیج کے باہر کھڑی ہوئی پجیرو
کا انجن اسٹارٹ ہوا اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ دھول
اڑاتی، پھاٹک کی طرف بڑھتی چلی گئی۔
ڈی ڈی ہمارے ہاتھ آتے آتے کسی چکنی مچھلی کی طرح
پھسل کر نکل گیا تھا اور میری، دل کی حسرت دل ہی میں رہ
گئی تھی۔ میں نے پجیرو پر فائر کرنے کے لیے اضطراری
طور پر پستول والا ہاتھ اوپر اٹھایا تھا لیکن فوراً ہی ارادہ
ترک کر دیا۔ باہر آکر پجیرو پر فائر کرکے ہم محافظوں پر یہ ظاہر
کر دیتے کہ ہم ان کے آقاؤں کے جانی دشمن تھے اور وہ مسلح
درندے ہمیں گولیوں کی باڑھ پر رکھ لیتے جب کہ اس
گاڑی پر گولیاں نہ چلانے کی صورت میں ہم محافظوں کو
جُل دینے کی کوشش کر سکتے تھے کیوں کہ ہمارے چہرے
نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔
"ہینڈز اپ!" اچانک تاریکی میں تناور درختوں
کی اوٹ میں چھپے ہوئے کسی مسلح محافظ کی اعصاب زدہ
للکار فضا میں گونجی اور میں جہاں تھا، وہیں سینے کے بل
زمین پر گر گیا۔ سلطان شاہ نے میری تقلید کی تھی۔ مجھے ڈر
تھا کہ کہیں للکارنے والا اضطراری طور پر گولی نہ چلا بیٹھے۔
میرا یہ خدشہ درست ثابت ہوا، نیچے گرتے ہی فضا
گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے لرز اُٹھی لیکن غنیمت یہ تھا کہ
وہ سب ہوائی فائر تھے۔ گولیاں روشن جگنوؤں کی طرح فضا
میں اوپر تیر کر معدوم ہو رہی تھیں۔
"اُلّو کے پٹھو! اپنے لوگوں پر اسلحہ برباد کرنے کے بجائے
باہر آکر دشمن کو گھیرو۔" فائرنگ میں وقفہ آتے ہی میں نے
زمین سے اٹھے بغیر غصیلی آواز میں کہا۔ "تم یہاں ہوا سے لڑ
رہے ہو اور دشمن کاٹیج میں گھس چکا ہے۔" میرا لہجہ بلند اور
تحکم آمیز تھا۔ اس ماحول میں اُن پیشہ ور لٹھاکوں کے لیے
سوچنے سمجھنے کا زیادہ موقع نہیں تھا اس لیے وہی ہوا جو
میں سوچ رہا تھا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد ہی قریبی
درختوں کی اوٹ سے تین انسانی ہیولے نکل کر تیر کی طرح
کاٹیج کی طرف آئے تھے اور دیواروں سے چپک کر داخلی
دروازے کی طرف بڑھنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔
گھور اندھیرے نے اس وقت اپنے اور پرائے کی تمیز مٹادی

تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس وقت تک کچھ محافظ عقبی کھڑکیوں یا کسی اور راستے سے اندر گھس چکے ہوں گے۔ دروازے سے یلغار کرنے والے اندر ان کی موجودگی بھانپتے ہی اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ دشمن کے آدمی تھے۔ یوں وہ آپس میں ہی لڑ مرتے۔

لیکن ان کی وہ غلط فہمی غیر معینہ مدت کے لیے قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ اپنی حماقت کا احساس ہوتے ہی وہ مل کر صورت حال کا جائزہ لیتے اور پھر اُن لوگوں کی بڑے پیمانے پر تلاش شروع ہو جاتی جنھوں نے ہارون کو ٹھکانے لگا کر انھیں آپس میں لڑوا دیا تھا اس لیے ہمیں وہ مختصر سی مہلت ختم ہونے سے پہلے ہی شاہ باغ کی حدود سے اتنی دُور نکل جانا تھا کہ وہ خونخوار درندے ہماری دُھول بھی نہ پا سکیں۔

اس پہلو پر میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اندر جو کچھ ہوا، وہ اچانک ہی ہوا تھا۔ سلطان شاہ کے برتنوں سے ٹکرانے پر ہارون جائزہ لینے کے لیے آیا تھا اور جب وہ ہمارے ہتھے چڑھ گیا تو ڈی ڈی اندھیرا کر کے اضطراری طور پر ہمارے سروں پر آ پہنچا۔ اُس وقت اُسے گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اندر صورتِ حال اتنی بگڑ جائے گی کہ اسے سر پر پیر رکھ کر یوں شاہ باغ سے فرار ہونا پڑے گا۔

اس کے باوجود جب مَیں اس کے تعاقب میں لپکا تو وہ براہِ راست اپنی پجیرو میں سوار ہوا اور انجن اسٹارٹ کر کے اسے لے بھاگا جس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا تھا کہ پجیرو کی چابی اگنیشن میں موجود تھی۔ ویسے بھی شاہ باغ... ڈی ڈی کا ایسا مستحکم قلعہ تھا جہاں وہ غیر متوقع طور پر کسی کی دخل اندازی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس امکان کی روشنی میں اُس وقت کاٹیج کے سامنے موجود دو گاڑیاں میرے دل میں اُمید کی کرن پیدا کر رہی تھیں۔

اُن میں سے ایک ہُڈ والی نیلی پک اَپ تھی جس کا انجن غالباً ڈیزل سے چلتا تھا۔ اُس وقت فرار کے لیے ڈیزل انجن والی گاڑی اپنے کمزور پک اَپ کی وجہ سے ہمارے لیے مناسب نہیں تھی لیکن وہی ہم سے قریب تر تھی۔ مَیں نے محافظوں کو پوری طرح کاٹیج کی طرف متوجہ پا کر زمین چھوڑ دی اور اندھیرے میں پک اَپ کی طرف رینگ گیا پھر مَیں نے اس کے اسٹیئرنگ کے نیچے ٹٹول کر اگنیشن سے چابی نکال لی۔ اُس اقدام کا مطلب صرف اسی قدر تھا کہ ڈی ڈی کے آدمی اس ڈیزل پک اَپ میں فوری طور پر ہمارے تعاقب میں روانہ نہ ہو سکیں۔

مَیں پک اَپ سے ہٹ کر زرد ٹویوٹا کی طرف بڑھا تو وہاں سلطان شاہ پہلے ہی اسٹیئرنگ کے پیچھے براجمان ہو چکا تھا۔ مَیں گھوم کر پھرتی سے اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

ہمارے لیے مزید وہاں رُکنا بالکل بے سود تھا۔ ہماری جنگ شی اور اس کے سربراہ ڈی ڈی کے خلاف تھی۔ ڈی ڈی خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس کا دستِ راست، ہارون سلطان شاہ کے ہاتھوں جہنم واصل ہو چکا تھا اس لیے شاہ باغ میں افراتفری ختم ہونے سے پہلے ہی ہمارا وہاں سے نکل بھاگنا ناگزیر ہو گیا تھا جس کے لیے حالات بھی پوری طرح سازگار تھے۔

سلطان شاہ کا کینوس کا تھیلا اگلی دونوں نشستوں کے درمیان رکھا ہوا تھا۔ مَیں نے اندر بیٹھتے ہی تھیلے میں سے دو دستی بم نکال لیے تھے۔ سلطان شاہ نے جوں ہی سیلف لگایا مَیں نے ایک دستی بم کی پن دانتوں سے کھینچ کر وہ بم پوری قوت سے، کار کی کھلی ہوئی کھڑکی میں سے کاٹیج کی طرف پھینک دیا۔ بم گرتے ہی ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ وہاں شعلے بھڑک اُٹھے۔ ان شعلوں کی روشنی میں مَیں نے بم کی زد میں آئے ہوئے کم از کم دو محافظوں کو بےبساط تنکوں کی طرح فضا میں اُچھل کر دُور گرتے ہوئے دیکھا۔ یہ ایک خوشگوار اتفاق تھا کہ اندھیرے میں میرے ہاتھ آنے والا یہ بم آتش گیر ثابت ہوا تھا اور وہاں اسی کی ضرورت تھی۔

دھماکے کے ساتھ ہی کار تیزی کے ساتھ حرکت میں آ چکی تھی۔ مَیں نے پھرتی کے ساتھ دوسرا بم بھی استعمال کر ڈالا جس کے دھماکے سے خود میرے اعصاب تک جھنجھنا اُٹھے۔

سلطان شاہ نے بوکھلاہٹ میں یادانستہ کار کے ہیڈلیمپس روشن نہیں کیے تھے لیکن کاٹیج میں بھڑک اُٹھنے والی آگ نے رات کے گھور اندھیرے کو خون آشام سُرخی کا غسل دے ڈالا تھا۔ کار کی رفتار بڑھتی جا رہی تھی کہ اچانک سامنے سے ایک نہتا شخص دوڑتا ہوا کار کے آگے آ گیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال آیا تھا کہ کہیں وہ شاہ باغ کا کوئی مظلوم مالی نہ ہو۔ سلطان شاہ نے میرے کچھ کہے بغیر اسٹیئرنگ کاٹ کر اسے بچانا چاہا لیکن دو رویہ تناور درختوں کے درمیان کچا راستہ زیادہ وسیع نہیں تھا۔ سامنے سے آنے والا دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے کار کا راستہ روکنے کی کوشش میں رُخ بدلتی ہوئی کار کے سامنے ہی رہا۔ پھر اسٹیئرنگ سمیت پوری کار کو ایک شدید جھٹکا لگا اور فضا اس غیر مسلح شخص کی لرزہ خیز چیخ سے لرز اُٹھی۔ آہنی بمپر کی ہولناک ٹکر نے آنے والے کو تیزی سے پیچھے اچھال دیا تھا۔ زمین پر گر کر وہ کسی زندہ لوتھڑے کی طرح کلبلایا تھا لیکن چند گز کا وہ فاصلہ کار نے پلک جھپکتے میں طے کر لیا۔

وہ کوئی ٹرک ہوتا تو اسے روندتا ہوا گزر جاتا لیکن وہ نیچی باڈی اور نسبتاً چھوٹے ٹائروں والی ٹویوٹا کار تھی۔ اس لیے وہ بدنصیب اس کے بمپر اور بائیں پہیے میں اس بُری طرح پھنسا کہ اسٹیئرنگ اسی طرف گھومتا چلا گیا۔ اگر سلطان شاہ

ہی بریک نہ لگاتا تو وہ کار بائیں طرف کے درختوں
میں کر تباہ ہو سکتی تھی۔ پھر بھی کار رُکتے رُکتے اسے
پر راستے کے بائیں سرے تک لے گئی۔
ٹکر لگنے اور پھر کار کے نیچے آنے پر اس کی پے درپے
دردناک چیخیں سُنائی دی تھیں لیکن کار کے رُکنے تک
کی ہر آواز یکسر موقوف ہو چکی تھی۔
وہ ایک جاں گسل معرکہ تھا۔ اندھیرے میں نہ جانے
کہاں کہاں سفاک نشانچی موجود تھے اس لیے اس وقت
اس کر حادثے کا شکار ہونے والے کا جائزہ لینے کا کوئی
نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے اس رکاوٹ سے گلوخلاصی
کرنے کے لیے کار کو تیزی سے ریورس کیا اور اسٹیئرنگ
کی جگہ بنا کر پھر بریک لگا دیے۔ لمحہ بھر بعد کار فراٹے
ہوئی شاہ باغ کے احاطے میں لگے ہوئے اس چوبی پھاٹک
زرتی چلی گئی جو چند ثانیوں قبل پجیرو کو گزارنے کے لیے
کیا گیا تھا۔
"ہیڈ لیمپس روشن کرو، ورنہ گاڑی جھاڑیوں میں گھسیٹر
کے پاک کا تیج میں لگی ہوئی آگ سے لمحہ بہ لمحہ دُور ہوتے ہوئے
ہونے اندھیرا محسوس کرتے ہوئے بوکھلا کر کہا اور سلطان شاہ
نے فوراً ہی ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔
خودرو پودوں، جھاڑیوں اور درختوں کے درمیان، بل
کھاتے ہوئے کچے راستے پر ہمارا سفر زیادہ دیر تک جاری
نہ رہ سکا کیوں کہ ایک موڑ عبور کرتے ہی ٹویوٹا کے
ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ڈی ڈی کی پجیرو کچے راستے کے ایک
تنگ مقام پر ترچھی کھڑی ہوئی نظر آئی تھی جس نے کچا راستہ مسدود کر دیا تھا اور اس کے دائیں بائیں اس قدر گھنی اور اونچی
جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں کہ راستہ کاٹ کر آگے نکلنا محال
قرار پاتا تھا۔
ڈی ڈی شاہ باغ میں خطرہ سر پر منڈلاتا ہوا دیکھ کر
فرارانہ انداز میں وہاں سے بھاگ نکلا تھا لیکن اس کے
ذہن پر وہ تجسس بُری طرح سوار تھا کہ اس کے خون کے
پیاسے کون تھے؟ شاید اسی سوال کا جواب پانے کے لیے
اس نے شاہ باغ سے کچھ دُور نکل کر کچا راستہ بند کر دیا تھا
اور خود غالباً خودرو جنگل میں کہیں چھپ گیا تھا تاکہ موقع
ملتے ہی ہمیں ہلاک یا زخمی کر کے اپنا قیدی بنا سکے اور
ہماری اصلیت کا سراغ حاصل کر سکے۔
یہ صورتِ حال خاصی نازک تھی۔ ڈی ڈی تاریک
جنگل کے کسی نامعلوم کنج میں ہماری نظروں سے پوشیدہ تھا
جب کہ ہماری نقل و حرکت اس کی نگاہ میں تھی۔ پستول میرے
ہاتھ میں تیار تھا۔ میں نے راستے میں ہی اس میں نیا، بھرا ہوا
میگزین چڑھا لیا تھا۔ اُس صورتِ حال کے پیشِ نظر تھیلے میں
سے دو دستی بم بھی نکال لیے۔
سلطان شاہ نے راستے پر رکاوٹ دیکھ کر جوں ہی اپنی
کار کی رفتار کم کر کے بریک لگائے، اچانک وہ ویرانہ
فائرنگ کے شور سے لرز اُٹھا، مَیں فوراً پائیدان پر جھک
گیا اور سلطان شاہ نے اپنا بدن سمیٹ کر، چہرہ اسٹیئرنگ
وہیل میں چھپا لیا۔ گولیاں اتنے تواتر کے ساتھ کار کی باڈی
کے مختلف آہنی حصّوں میں پیوست ہو رہی تھیں جیسے آسمان
سے وزنی اولے برس رہے ہوں۔ اس دوران میں یہ اندازہ ہو
گیا تھا کہ ڈی ڈی ہماری کار پر داہنی سمت سے فائر کر
رہا تھا۔
کار رُکتے ہی میں نے بائیں سمت کا اپنا دروازہ کھولا
اور نیچے زمین پر لُڑھک گیا۔ "تم بھی اسی دروازے سے نکل
آؤ۔" مَیں نے اسلحے کا تھیلا سنبھالتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے
میں سلطان شاہ سے کہا۔
اُس نے بھی میری تقلید کی۔ ڈی ڈی کی فائرنگ نے
ٹویوٹا کے دونوں ہیڈ لیمپس ناکارہ کر دیے تھے اس لیے وہاں
ایک بار پھر اندھیرا اچھل گیا تھا لیکن اس کے باوجود ڈی ڈی
کی چلائی ہوئی گولیاں ہمارے قرب و جوار میں برس رہی تھیں۔
اسے ہم پر یہ فوقیت حاصل تھی کہ اندھیرا ہونے سے پہلے وہ
ہماری پوزیشن دیکھ چکا تھا۔
اس وقت ہم گولیوں کی اندھا دُھند برسات کی وجہ
کار کے پیچھے سے نکل کر نہ اپنی پوزیشن بدلنے کا خطرہ مول لے
سکتے تھے نہ ڈی ڈی کی پوزیشن کا جائزہ لے سکتے تھے۔ کھڑکیوں
تک سر اُبھارنے میں بھی خطرہ موجود تھا کیوں کہ ڈی ڈی اندھیرے
میں بھی بہترین نشانہ بازی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کی چلائی
ہوئی بیشتر گولیاں کار کی باڈی میں پیوست ہو رہی تھیں، یا
کھڑکیوں سے آر پار گزر رہی تھیں۔
مَیں کوئی اور راہ نہ پا کر سینے کے بل کار سے نیچے رینگ
گیا۔ وہاں سے میری بصارت کا دائرہ تکلیف دہ حد تک محدود
ہو کر رہ گیا تھا مگر پھر بھی میں تھوڑی سی جدّوجہد کے بعد گولیوں
کی پشت سے نمودار ہونے والے بارودی شراروں کے اخراج
سے یہ اندازہ لگانے میں کامیاب ہو گیا کہ ڈی ڈی کچے
راستے سے داہنی طرف، ہم سے تقریباً ڈیڑھ، دو سو فٹ
دُور چھپا ہوا تھا۔ یہ اندازہ لگاتے ہی میں واپس اپنی جگہ
پر لوٹ آیا۔
اس وقت تک ہماری طرف سے ایک بھی جوابی فائر
نہیں کیا گیا تھا اور سلطان شاہ جال میں پھنسے ہوئے کسی درندے
کی طرح بپھرا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ڈی ڈی
کی فائرنگ کا جواب کیسے دیا جائے۔
"دماغ ٹھنڈا رکھو۔" مَیں نے ایک آتش گیر دستی بم کو

انگلیوں سے ٹٹولتے ہوئے کہا۔ "یہ مقابلہ طول پکڑ گیا تو شاہ باغ میں بچ جانے والے محافظ بھی اس چاند ماری میں شریک ہو جائیں گے۔ آگے راستہ مسدود ہے اس لیے یہاں سے ہمیں پیدل ہی آگے بڑھنا ہوگا تاکہ اپنی کار تک پہنچ سکیں۔"

"جب تک اس حرام زادے کی فائرنگ میں وقفہ نہیں آتا، ہم یہاں سے ہل بھی نہیں سکتے۔" وہ اس صورتِ حال سے بُری طرح جھلایا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں نے اُس کی پوزیشن دیکھ لی ہے۔ میں اُدھر بم پھینکنے جا رہا ہوں۔" میں نے کہا اور پھر اس ہینڈ گرینیڈ کی پن نکال کر اپنا جسم کار کے آہنی ڈھانچے کی اوٹ میں رکھتے ہوئے بازو کی پوری قوت سے وہ بم ڈی ڈی کی طرف اچھال دیا۔

سو سُنار کی ایک لوہار کی والی ضرب المثل اس موقع پہ صادق آئی تھی۔ چند ثانیوں بعد بم کا دھماکا ہوتے ہی ڈی ڈی کی فائرنگ یکلخت معدوم ہو گئی تھی لیکن افسوس کی بات یہ تھی کہ اس بارودی دھماکے میں کوئی انسانی چیخ شامل نہیں ہو سکی تھی جس کا مطلب تھا کہ ہمارا اصل شکار دھماکے کی زد میں آنے سے بچ گیا تھا۔

"ایک دو بم اور اسی طرف پھینک دو۔" میں نے کار کی اوٹ سے نکل کر جلتی ہوئی خشک جھاڑیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا۔

ہم نے تھیلا اُٹھا کر بائیں سمت سے اپنی پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے ڈی ڈی کی کمین گاہ کی طرف مزید تین دستی بم پھینکے لیکن دھماکوں کے باوجود اس کی کوئی چیخ نہیں سنائی دی۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ دھماکوں نے اس کے قدم اکھاڑ دیے تھے اور ایک بار سمت کا تعین کھو دینے کے بعد وہ جلتی ہوئی خشک جھاڑیوں کی روشنی سے مدد لینے کے بعد ہی کوئی نیا اندازہ قائم کر سکتا تھا اس دوران میں ہم اس کی دسترس سے دُور نکل سکتے تھے۔

کچے راستے سے بائیں جانب پودوں اور جھاڑیوں کے درمیان اپنا راستہ بناتے ہوئے ہم جیسے ہی گھیرے سے آگے نکل گئے تو پیچھے سے دوبارہ فائرنگ کی آوازیں آنے لگیں اس بار ان آوازوں کا رُخ تیزی سے بدل رہا تھا۔ شاید ڈی ڈی کو اپنی حکمتِ عملی کی ناکامی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ اندھا دُھند چاروں طرف گولیاں برسا رہا تھا۔

خاصا طویل چکر کاٹنے کے بعد ہم دوبارہ کچے راستے پہ آ گئے۔ ورنہ اندھیرے میں موجود جابجا رکاوٹوں کی وجہ سے راستہ بھٹک کر دُور نکل جانے کا خطرہ موجود تھا۔ اُس وقت بھی فضا میں اکا دُکا فائروں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

"ہم نے اسے مار لینے کا سنہری موقع گنوا دیا۔" خطرہ ٹل جانے پر سلطان شاہ نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "اس کا مقدر ساتھ دے رہا تھا جو وہ بچ گیا ورنہ آج اس کے مارے جانے میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی۔ پھر بھی یہ خوشی کی بات ہے کہ وہ نہیں تو اس کا اہم ساتھی ہی مارا گیا۔" میں نے اپنی خلش کا اظہار کیے بغیر تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "اب دیکھنا ہوگا کہ جبار فاروقی میں ہارون کی جگہ کس کا تقرر کیا جاتا ہے۔"

"سارا کھیل میری وجہ سے بگڑا ہے۔" سلطان شاہ کی آواز میں جھلاہٹ کے ساتھ ہی ندامت بھی نمایاں تھی۔ "نہ باورچی خانے میں میری بے احتیاطی کی وجہ سے شور پیدا ہوا ہوتا اور نہ بازی یوں بے لگام ہو کر ہمارے ہاتھوں سے نکلتی۔ ہم اپنی سہولت کے مطابق وار کر کے بڑی آسانی سے دونوں کو بے بس کر سکتے تھے۔"

"خود کو ملامت نہ کرو!" میں نے کہا۔ "یہ واقعہ اس طرح پیش آنا تھا اور آ کر رہا۔ تم سے غلطی نہ ہوئی ہوتی تو کسی اور سے کوئی گڑبڑ ہو جاتی۔ اسے آج رات ہر حالت میں زندہ رہنا تھا۔"

وہ مجھ سے کچھ نہ بولا لیکن اس کی غیر واضح بڑبڑاہٹیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور ہم دونوں ایک دوسرے سے مزید کوئی بات کیے بغیر جھاڑیوں میں چھپی ہوئی سُرخ کار تک پہنچ گئے۔

کار روانہ ہوتے ہی سلطان شاہ نے جہانگیر کا ذکر چھیڑ دیا۔ اُس کے بارے میں اُسے میری زبانی تشنہ معلومات حاصل ہوئی تھیں اور اس وقت تک ہمیں اس موضوع پر تبادلہ خیال کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ ڈی ڈی نے جہانگیر کو پکڑوا دیا تھا تو پھر اتنی آسانی کے ساتھ خود بخود رہا کیوں کر دیا؟" اس نے اُلجھن آمیز لہجے میں سوال کیا تھا۔

"وہ میری گمنام فون کالز سے خوف زدہ ہو گیا ہے۔" میں نے کہا۔ "اور کسی طرح اُسے شبہ ہو گیا ہے کہ میں پاکستان واپس آ چکا ہوں۔ اسی شبہے کے تحت اُس نے جہانگیر کو اغوا کرا لیا۔ اس کا خیال تھا کہ تشدد کے ذریعے وہ جہانگیر کو زبان کھولنے پر مجبور کر دے گا لیکن جہانگیر نے کمال کی قوتِ برداشت کا مظاہرہ کیا اور ڈی ڈی کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ اُسے میرے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے۔ ڈی ڈی نے اس اُمید پر اُسے رہا کیا ہے کہ جب تم کبھی واپس آ کر اس سے رجوع کیا تو وہ اپنی چمڑی محفوظ رکھنے کے لیے فوراً ڈی ڈی کو خبر دے دے گا۔"

"پھر تو تمہیں جہانگیر سے دُور ہی رہنا ہوگا ورنہ تمہاری وجہ

بے چارہ بھی مارا جائے گا۔"
"میں احتیاط کروں گا مگر اس کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے
یے توجہ ہٹائے بغیر بے پروائی سے کہا۔ ڈی ڈی کے ذہن میں
شبہ پیدا ہوا تھا جو دُور ہو گیا۔ اس وقت کے ٹکراؤ نے اُسے
ر زندہ کر دیا ہوگا۔ اب تو وہ ہر قیمت پر اس شخص کا سراغ
کوشش کرے گا جو ہاتھ دھو کر اُس کے پیچھے پڑ گیا ہے
ذرا یہ تو دیکھو کہ تھیلے میں اب کیا باقی رہ گیا ہے۔ ایک آدھ
کی گنجائش ہے یا واپس ہی لوٹنا پڑے گا۔"
میں نے قدرے توقف کے بعد آخری سوال ایک فوری خیال
ت کیا تھا جس پر سلطان شاہ چونک پڑا "کیا دوبارہ شاہ
طرف لوٹنے کا ارادہ ہے؟"
"میں خودکشی کا قائل نہیں ہوں۔" میں نے ہلکی سی ہنسی کے
کہا۔ "بس ڈی ڈی کو گھیرنے کی ایک کوشش اور کرنا چاہتا
وہ بچ بھی گیا تو عمر بھر آج کی رات کو نہ بھلا سکے گا۔"
"تھیلے میں چاقو اور ٹارچوں کے علاوہ گولیوں کے پیکٹ
اضافی میگزین رہ گئے ہیں۔ دستی بم صرف تین باقی ہیں' ان سے
چل جائے گا۔"
"بہت کافی ہیں۔ شاہ باغ لاکھ دیہی اور مضافاتی علاقہ
لیکن وہاں ہونے والی بے تحاشا فائرنگ اور بموں کے دھماکوں
وازیں دُور دُور تک سنی گئی ہوں گی اور آس پاس کا کوئی بھی
ن دار پولیس کو خبر کر دے گا۔ یہ بات ڈی ڈی بھی جانتا ہے'
رات بھر وہیں رکنے کی حماقت نہیں کرے گا۔ اس کی واپسی
ہی ایک راستہ ہے۔ ہم کہیں بھی رُک کر اس کی واپسی کا انتظار
ر لیں گے..."
"اس کے پاس طاقت ور انجن والی جدید ترین جیپ ہے۔"
سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "ایک بار وہ ہمارا راستہ
کاٹ چکا ہے اس لیے ہماری طرف سے ایسے کسی خطرے سے
غافل نہیں ہوگا۔ اُس کی پجیرو جیپ جھاڑیوں اور ٹیلوں کو روند
کر اپنے لیے دس نئے راستے پیدا کر سکتی ہے۔"
"ہم دو بجے تک انتظار کریں گے۔" میں نے اُس کی دلیل
معقولیت کو تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ "اس وقت تک وہ نہ آیا تو
ہم روانہ ہو جائیں گے۔"
اس پروگرام پر متفق ہونے کے بعد میں اسی راستے پر ڈرائیو
کرتا ہوا کار کو نیشنل ہائی وے تک لے گیا پھر یو ٹرن لے کر
تقریباً ایک فرلانگ اندر واپس آئے اور کار کو کچے راستے سے
اُتار کر اونچی جھاڑیوں کے پیچھے پارک کر دیا۔ وہاں کار آنے والوں
نگاہوں سے محفوظ تھی۔ اسے لاک کر کے ہم نے اپنے ہتھیار
سنبھالے اور راستے کے دونوں طرف اپنی کمین گاہوں میں چھپ
کچے راستے کی چوڑائی اتنی کم تھی کہ ہم اپنی جگہوں پر چھپے رہ کر
عام لب و لہجے میں اپنی بات ایک دوسرے تک پہنچا سکتے تھے۔

"وہ اِدھر سے آیا بھی تو اکیلا نہیں ہوگا۔" چند ثانیوں بعد
دوسری جانب سے سلطان شاہ کی آواز سنائی دی۔ "اس بار وہ اپنے
سارے زندہ، مُردہ اور زخمی ساتھیوں کو لے کر آئے گا تاکہ پولیس
کو شاہ باغ سے کسی قسم کی شہادت نہ مل سکے۔"
"معلوم ہوتا ہے کہ اندھیرے میں تمھاری کھوپڑی میں کچھ جگنو
چمکنے لگے ہیں۔" میں نے کہا۔ "کاٹیج میں لگنے والی آگ کی وجہ سے
وہاں سے ہر سراغ مٹانا ناممکن ہے۔ جو مر گئے ہیں، انھیں آتش زدہ
ملبے میں جھونک دیا جائے گا تاکہ شاہ باغ کے پُرامن مکینوں پر نامعلوم
لوگوں کے وحشیانہ حملے کا تاثر دیا جا سکے۔ شہر کے مقابلے میں اس کے
لیے لاشوں کو وہیں ٹھکانے لگانا آسان ثابت ہوگا۔"
"پھر بھی وہ زندہ اور زخمی آدمیوں کو ضرور ساتھ لائے گا
کیونکہ وہاں اُن کی ڈیزل پک اپ بھی موجود ہے۔" وہ آسانی کے
ساتھ خاموش ہو جانے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔
"دو گاڑیاں ہوئیں تو ہم انھیں گزر جانے دیں گے۔ یہاں
لمبا معرکہ چھڑ گیا تو نیشنل ہائی وے پر گشت کرنے والی کوئی بھی پولیس
پارٹی آناً فاناً میں یہاں پہنچ جائے گی۔" میں نے آہستگی سے کہا۔
"اور اب تم بھی خاموش رہو ضروری نہیں کہ ان اطراف میں ہمارے
علاوہ کوئی اور موجود نہ ہو۔"
"میں لیٹ رہا ہوں۔ گاڑیوں کی آواز سنو تو ذرا مجھے ہوشیار
کر دینا۔" وہاں کی کھلی اور تازہ ہوا اس پر اثر انداز ہونے لگی تھی اور
وہ وقت گزاری کے لیے میرے ساتھ شوخیاں کرنے پر تلا ہوا نظر
آ رہا تھا لہٰذا میں اس کے منہ لگنے کے بجائے چپ سادھ کر بیٹھا
رہا اور وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔
ہم نیشنل ہائی وے سے بہت زیادہ دُور نہیں تھے۔ اس
لیے وہاں سے گزرنے والے ٹرکوں، ٹریلروں اور بسوں کا شور
بھی ایک مخصوص دھیمے آہنگ میں بار بار ابھرتا اور ڈوبتا ہوا سنائی
دے رہا تھا۔ میں ان آوازوں کے ساتھ ساتھ اپنے اگلے لائحہ عمل
پر بھی غور کر رہا تھا کہ سلطان شاہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔
"ہوشیار! کوئی گاڑی آ رہی ہے۔" اُس نے ہانک
لگائی تھی۔
میں نے اضطراری طور پر پہلو بدل کر کان لگائے لیکن کوئی
آواز نہ سن سکا البتہ چند ثانیوں بعد ڈیزل انجن کے ہلکے شور کے
ساتھ ہی درختوں سے اوپر، ناہموار زمین پر ہچکولے کھاتی ہوئی
کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی بھی نظر آ گئی۔ یہ اتفاق تھا کہ
شاہ باغ میں پجیرو اور پک اپ، دونوں ہی ڈیزل والی گاڑیاں
تھیں اور محض ان کی آواز سن کر یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ
کون سی گاڑی تھی۔
لیکن یہ غیر یقینی صورت حال جلد ہی واضح ہو گئی۔ ہم سے
خاصے فاصلے پر آگے پیچھے کم از کم دو گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس چمکتے
اور معدوم ہوتے نظر آئے تھے۔

"دو گاڑیاں ہیں، جلدی سے اِدھر واپس آجاؤ۔" میں نے فوری طور پر سلطان شاہ سے کہا۔ "ہمیں ان سے اُلجھے بغیر اُن کا پیچھا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

سلطان شاہ فوراً ہی اپنے اسلحے سمیت دوڑتا ہوا میری طرف آ گیا۔ ہم دونوں اپنی کار کی طرف ہو لیے اور آرام سے اس کی اگلی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ اس بار بھی اپنی سُرخ بی ایم ڈبلیو کی ڈرائیونگ سیٹ میں نے ہی سنبھالی تھی اس طرح میں بار بار سلطان شاہ کو ہدایات دینے کے بجائے ہر لمحے اپنی مرضی کے مطابق سچویشن کو کنٹرول کر سکتا تھا جس میں پجیرو سے ہمارے فاصلے کا تعین اہم ترین تھا۔

ہمارے دیکھتے دیکھتے پہلے نیلے رنگ کی پک اپ کچے راستے پر دھول اُڑاتی ہوئی ہمارے سامنے سے گزری۔ بادی النظر میں... وہ ہُڈ کی ساخت کی وجہ سے پولیس پک اپ معلوم ہو رہی تھی۔ پجیرو اس سے بمشکل چند فٹ پیچھے لگی ہوئی تھی۔ پجیرو کے تاریک شیشوں کی وجہ سے یہ نظر نہ آ سکا کہ اس میں کتنے افراد موجود تھے لیکن میرے لیے اتنا ہی یقین کافی تھا کہ اس جیپ میں ہمارا شکار ڈی ڈی موجود تھا۔

ان گاڑیوں کے نکل جانے کے بعد میں نے چند ثانیوں تک انتظار کیا۔ پھر بی ایم ڈبلیو کا انجن اسٹارٹ کر کے اسے بھی کچے راستے پر نکال لیا۔ نیشنل ہائی وے سے اتصال کے مقام تک میں نے پارکنگ لائٹس کی روشنی میں احتیاط سے گاڑی ڈرائیو کی پھر شہر کی طرف سڑک پر رُخ موڑتے ہی ہیڈ لیمپس آن کر دیے۔ اپنے نقاب ہم پہلے ہی اتار چکے تھے۔

اس وقت سڑک پر اندرونِ ملک سے کراچی آنے والے ٹرکوں وغیرہ کی خاصی تعداد سڑک پر موجود تھی۔ اس کے علاوہ مخالف سمت سے آنے والی گاڑیوں کی تیز روشنیاں بھی چکا چوند پیدا کر رہی تھیں۔ اس لیے سڑک پر آتے ہی اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ دونوں گاڑیاں کتنی دور نکل چکی ہیں لیکن رفتار بڑھانے اور چند ٹرکوں کو اوورٹیک کرنے کے بعد ہی مجھے سیاہ پجیرو نظر آ گئی جو گھاس سے لدے ہوئے ایک ٹرک کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔

شاہ باغ سے نیشنل ہائی وے تک ویرانے میں ڈی ڈی کو بہت سے خطرات لاحق ہو سکتے تھے جن سے ذاتی بچاؤ کے لیے اس نے پک اپ میں سوار اپنے مسلح محافظوں کو قربانی کا بکرا بنا کر آگے روانہ کیا تھا لیکن قومی شاہراہ پر آنے کے باوجود پجیرو کا پک اپ سے پیچھے رہنا پروٹوکول محسوس ہو رہا تھا لیکن جلد ہی اس کا ایک سبب بھی سامنے آ گیا۔

پجیرو سے اگلے ٹرک پر اس کی چوڑائی سے دوگنا چوڑائی تک گھاس لدی ہوئی تھی۔ وہ ٹرک ہموار رفتار سے سڑک کے کنارے چل رہا تھا لیکن اس کی باڈی سے داہنی طرف باہر نکلی ہوئی گھاس نے راستہ اس طرح مسدود کیا ہوا تھا کہ مخالف سمت سے آنے والی گاڑیوں کو بھی اس سے خاص طور پر ... نکلنا پڑ رہا تھا۔

اس ٹرک پر حد سے زیادہ باہر نکلا ہوا گھاس کا بوجھ ... کے وقت ایک سنگین خطرہ تھا۔ اس اضافی چوڑائی سے واقف ... کے لیے نہ کوئی روشنی لگانے کی زحمت کی گئی تھی اور نہ ہی ریفلیکٹر ... استعمال کیے گئے تھے۔ کسی بھی سمت سے آنے والی کسی تیز ... گاڑی کو اس ٹرک کی وجہ سے کوئی سنگین حادثہ پیش آ سکتا تھا۔ و... ٹرک نہ جانے کہاں سے چلا آ رہا تھا لیکن شاہراہ پر گشت کر... والی کسی پولیس پارٹی نے ٹریفک کے ضابطوں کی اتنی سنگین ... خلاف ورزی پر اسے نہیں روکا تھا۔ شاید ٹرک ڈرائیور نے ... اپنے سفر کا آغاز ہی کسی اہم اہل کار کی مٹھی گرم کر کے کیا تھا ... وہ اتنے اعتماد بلکہ دیدہ دلیری کے ساتھ نیشنل ہائی وے پر قانون ... ضابطوں کا مذاق اڑانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

اس دوران میں میں اگلی گاڑیوں کو اوورٹیک کر کے ... کے بالکل .... پیچھے پہنچ گیا تھا لیکن اس چوڑی چکل ... شاہانہ گاڑی کے شیشوں کی ساخت ایسی بے عیب تھی کہ ... والی گاڑیوں کی روشنیوں اور اپنے تجسس کے باوجود میں اس ... اندر کا جائزہ لینے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

پجیرو نے کئی بار گھاس سے لدے ہوئے ٹرک سے آ... نکلنے کی کوشش کی، لیکن ہر بار مخالف سمت سے آتے ہوئے ... تیز رفتار ٹرک کے ڈپر نے یا تیز ہارن نے اسے اپنی جگہ لوٹ آ... پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد پجیرو قناعت پسندانہ انداز میں ... ہوئی باڈی والے اس ٹرک کے پیچھے لگ گئی جیسے اس کا انجن ... گھاس سونگھ کر کام کر رہا ہو۔

میں نے موقع پا کر اپنی کار کو ایک بار قدرے داہنی جا... نکال کر آگے کا جائزہ لیا تو پجیرو کے ساتھ آنے والی نیلی پک ا... کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

ہم دونوں شاہ باغ سے زرد ٹویوٹا میں فرار ہوئے تھ... جو راستے میں ہی چھوڑ دی گئی تھی اور سرخ کار محفوظ فاصلے پر ... جھاڑیوں میں پوشیدہ تھی اس لیے اس امر کا کوئی امکان نہیں تھا ... کہ ڈی ڈی اس کار کی وجہ سے ہمیں پہچان لیتا۔ میں یوں ہی اس ... کے پیچھے رہ کر اس کا تعاقب کرنا چاہ رہا تھا لیکن سائیڈ نکال ... کر آگے کا جائزہ لینے کی کوشش نے میرا کام بگاڑ دیا۔ پجیرو ... والا سمجھا کہ میں اسے چھوڑ کر گھاس والے ٹرک کو اوورٹیک کرنے کا فیصلہ کر رہا ہوں اس لیے اس نے پجیرو کو بائیں طرف دباتے ہوئے داہنی سمت کا انڈیکیٹر آن کر دیا۔

شاہراہوں پر چلنے والے ٹریفک کی زبان میں اس اشارے کا مطلب اوورٹیکنگ کی اجازت دینا تھا۔ پجیرو والا اس علامتی زبان میں مجھے اپنے سے آگے نکلنے کا راستہ دے رہا تھا۔ اگر میں وہ دعوت قبول کر لیتا تو پجیرو راستے میں کہیں

بھی مڑ کر میری نظروں سے اوجھل ہو سکتی تھی، یوں تعاقب کا مقصد
سرے سے ختم ہو جاتا اور اگر میں وہ دعوت مسترد کر دیتا تو
ڈی ڈی میری طرف سے شبے میں مبتلا ہو جاتا۔ میرے لیے یہ
دونوں ہی صورتیں ناخوشگوار تھیں۔

"آگے نکلو ورنہ وہ مشتبہ ہو جائے گا۔" سلطان شاہ نے
مجھے ٹھوکا دیا۔ اور میں نے فوراً ہی رفتار قدرے تیز کر دی۔
لمحہ بھر کے لیے دونوں گاڑیاں پہلو بہ پہلو دوڑتی رہیں پھر پجیرو
کی رفتار سست ہو گئی۔ میں ٹرک کے پیچھے آ گیا اور پجیرو میرے
عقب میں دوڑنے لگی۔

"سیٹ میں دھنسے رہو اور پیچھے مڑنے کی حماقت نہ کرنا۔" میں
نے عقب نما آئینے میں پجیرو کے ہیڈ لیمپس کی چمک محسوس کر کے
اضطراری لہجے میں کہا۔ "وہ اپنے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں پوری طرح
ہمارا جائزہ لے رہا ہو گا۔" میرا وہ شبہ اپنی جگہ درست تھا، کیونکہ
پجیرو کی باڈی اونچی ہونے کی وجہ سے اس کی ڈرائیونگ سیٹ بھی
اتنی بلند تھی کہ اس میں اگلی نشستوں پر موجود کوئی بھی شخص اگلی
عام گاڑیوں کے اندر تک کے مناظر صاف دیکھ سکتا تھا۔

میرے ذہن پر پجیرو کا اس قدر دباؤ بڑھا کہ دو مسلسل ناکام
کوششوں کے بعد میں نے تیسری بار سامنے سے آتے ہوئے
تیز رفتار ٹریلر کے روح فرسا ہارن کی پروا کیے بغیر کار کی رفتار
بڑھا دی اور گھاس سے لدے ہوئے ٹرک کو اوور ٹیک
کرتا چلا گیا۔ میرا وہ فعل اس قدر اضطراری اور خوفناک تھا کہ
سلطان شاہ اپنی نشست پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

بی ایم ڈبلیو کا چھ سلنڈروں والا انجن اس قدر طاقتور تھا
کہ پلک جھپکتے میں ہم ٹرک سے آگے نکل کر اپنی لائن میں آ گئے۔
اس عمل میں پل بھر کی بھی تاخیر ہوئی ہوتی تو ہماری گاڑی این ایل
سی ٹریلر اور گھاس والے ٹرک کے درمیان بری طرح پس کر رہ
جاتی اور ہماری ہڈیوں تک کا سراغ ملنا محال ہو جاتا۔

"میں نے تو کلمہ پڑھ لیا تھا۔" سلطان شاہ ایک گہرا سانس
لے کر بولا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم ڈرائیونگ میں اس
قدر غیر ذمے داری کا مظاہرہ کرنے کے اہل بھی ہو۔"

"مجھے معلوم تھا کہ میں کون سی گاڑی چلا رہا ہوں۔" میں نے
کھوکھلی ہنسی کے ساتھ جھوٹ بولا۔ "کوئی اور گاڑی ہوتی تو میں ہرگز
یہ خطرہ مول نہ لیتا۔" گزرے ہوئے لمحات کا تصور کر کے میرے وجود
میں سنسنی دوڑ گئی اور اسی ایک لمحے میں مجھے صحیح طور پر اندازہ ہوا کہ
سیکڑوں انسانی جانوں کی بھینٹ لینے والے ہولناک حادثے
کیوں اور کیسے رونما ہوتے ہیں۔ اسٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے شخص
کے اندازے کی ذرا سی غلطی، معمولی سی گھبراہٹ، یا ہلکا سا اشتعال
اَن گنت ہنستے کھیلتے انسانوں کی زندگی کے چراغ گُل کرنے کا
سبب بن جاتا ہے ورنہ کوئی دیدہ و دانستہ موت کے منہ میں چھلانگ
لگانے کا شوقین نہیں ہوتا۔

"تم صرف ڈی ڈی کی نگاہوں سے بچنا چاہ رہے تھے۔"
وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ "تم نے بڑا غلط کام کیا ہے۔ ٹریفک کے
حادثے کی موت مجھے بڑی حسرت ناک لگتی ہے۔ تصادم کا دھماکا
ہوتے ہی ہمارے جسموں کے پرخچے اڑ جاتے اور ایک جان ہزار
ٹکڑوں میں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہو جاتی۔ ایسی بھیانک موت
ڈی ڈی چاہے تو بھی ہمیں نہیں دے سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم اسی بہانے اس سے الجھ سکتے ہیں۔"
میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

میرے اس خیال پر وہ چونکا تو مجھے وضاحت کرنی پڑ گئی
جسے سن کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ "اور تمہارا
خیال ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ اپنے اوپر لگائے جانے والے
اس الزام کو قبول کر لے گا؟"

"نہ کرے۔ یہ تو اسے روکنے کا بہانہ ہو گا۔" میں نے بے پروائی
سے کہا۔ "ایک بار وہ سامنے آ گیا تو پھر اصل مذاکرات کی ابتدا ہو گی۔"

"کوشش کر کے دیکھ لو لیکن یہ خیال رکھنا کہ اس نے اترتے
ہی وار کرنے میں پہل کر دی تو کیا ہو گا۔" سلطان شاہ نے میری
بے پروائی سے چڑ کر خشک لہجے میں کہا۔ "جس طرح تم اس کے
خون کے پیاسے ہو رہے ہو۔ اسی طرح وہ بھی تم پر ہاتھ ڈالنے
کے چکر میں ہو گا۔ مجھ کو تم جو ہدایت دے دو گے، اس پر
لفظ بہ لفظ عمل کروں گا۔"

میرے منصوبے پر عمل درآمد کی راہ میں گھاس سے لدا
ہوا ٹرک رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ پجیرو والا اس سے آگے نکلنے
پر آمادہ نہیں تھا۔ حالانکہ چند منٹ کے تسلسل کے بعد کراچی سے
باہر جانے والے ٹریفک کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ اس لیے میں نے
سڑک کے بائیں طرف ریتیلا حصہ ختم ہوتے ہی کار سڑک سے
نیچے اتار کر گھاس والے ٹرک کو آگے نکلنے کا اشارہ دے دیا۔

ٹرک کے ساتھ ہی پجیرو نے بھی ہماری گاڑی کو اوور ٹیک
کیا۔ مگر میں آناً فاناً میں داہنی سمت سے پجیرو کے برابر میں پہنچ
گیا اور سائیڈ دباتے ہوئے اسے سڑک سے نیچے اترنے پر مجبور
کر دیا۔ دو تین گاڑیاں ہارن بجاتی ہوئی ہمارے برابر میں سے
گزریں۔ ایک ٹرک کے کلینر نے کھڑکی سے سر نکال کر کوئی آوازہ
بھی کسا لیکن اس وقت میری پوری توجہ عقب نما آئینوں پر مرکوز
تھی۔ تاکہ ڈی ڈی کو فاصلہ بڑھ جانے کی وجہ سے پجیرو دوبارہ
سڑک پر چڑھا کر آگے نکال لے جانے کا موقع نہ مل سکے۔ تصادم
کے خوف سے ایک دم پورے بریک لگانا میں نے مناسب نہیں
سمجھا تھا البتہ جب دونوں گاڑیوں کی رفتار کافی سست ہو گئی تو میں
نے اپنی کار روک دی۔

سلطان شاہ فوراً ہی نیچے اتر کر پیچھے کی طرف رینگ گیا
میں جیب میں پستول لیے نیچے اترا تو پجیرو والا بھی باہر آ چکا
تھا۔ وہ تنومند جسم اور خطرناک چہرے کا مالک تھا۔ سب سے بڑی

بات یہ تھی کہ اس کا رنگ گندمی تھا جب کہ میرے مشاہدے
کے مطابق ڈی ڈی کا رنگ سرخ و سفید ہونا چاہیے تھا۔
"کیا بات ہے؟" وہ میری طرف بڑھتے ہوئے سرد لہجے
میں غرّایا تو کھلے ہوئے دہانے میں چمکتی ہوئی سفید دانتوں کی
قطاروں سے درندگی جھلک رہی تھی۔"میرا راستہ کیوں روکا ہے؟"
"اوورٹیک کرنے کا غلط اشارہ دے کر مروانے کی پوری
کوشش کی اور اب مجھی سے سوال کر رہا ہے؟" میں نے گہری
نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ اپنے
حلیے سے وہ کوئی پیشہ ور بدمعاش یا لڑاکا نظر آرہا تھا جو کسی طرح
بھی اس پجیرو کا مالک نہیں ہوسکتا تھا۔ بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ
اس وقت تک میرے پاس ڈی ڈی کی شناخت کے لیے سیاہ
پجیرو اور گوری رنگت کے علاوہ کوئی نشانی نہیں تھی۔ کالی پجیرو موجود
تھی لیکن گوری چمڑی غائب تھی۔

وہ طاقت ور نظر آرہا تھا لیکن اس میں عقل کی واضح طور
پر قلت تھی کیونکہ اس نے گفتگو کے ذریعے اصل صورت حال کو سمجھنے
کی کوئی کوشش کرنے کے بجائے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں اسے جھکائی
دے کر دوسری طرف نکل گیا۔ اسی وقت پجیرو کے ہیڈ لیمپس
گل کر دیے گئے۔ اپنے عقب میں ڈی ڈی کے نکل آنے کا
خدشہ محسوس کرتے ہی میں بجلی کی سی سرعت سے پلٹا اور پارکنگ
لائٹس کی روشنی میں سلطان شاہ کا چہرہ دیکھ کر میرے تنے ہوئے
اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

"پجیرو میں اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور یہ وہ نہیں
ہے۔" سلطان شاہ نے مبہم الفاظ میں مجھے رپورٹ دی۔

مجھے پیچھے پلٹتے دیکھ کر اس ترش رو بدمعاش نے میری
بے خبری میں مجھ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن سلطان شاہ کو
دیکھ کر درمیان ہی میں رُک گیا۔ میں دوبارہ اس کی طرف پلٹا
تو میرے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔

"پجیرو والا کہاں گیا؟" میں نے سرد اور سخت لہجے میں
اس سے سوال کیا۔

"تت... تمہارے سامنے ہے۔" ابتدائی ہکلاہٹ کے
بعد اس نے اسٹارٹ لے لیا۔"آخر تم کون ہو؟ اور مجھ سے
کیا چاہتے ہو؟"

اسی وقت پیچھے سے ایک ٹرک آیا اور تیز ہارن بجاتا
ہوا ہمارے قریب سے گزر گیا۔ ان دنوں دھندلکے کے بعد شاہراہوں
پر بڑے ڈاکوں کا رواج پڑ چکا تھا۔ اس لیے ان غیر محفوظ راستوں
پر سفر کرنے والے دوسروں کے پھٹے میں اپنی ٹانگ اڑانے
سے گریز کرنے لگے تھے ورنہ اس وقت ہمارے لیے دشواریاں
کھڑی ہوسکتی تھیں۔

"وقت برباد نہ کرو۔ اسے گاڑی میں ڈالو اور آگے چل دو
پوچھ گچھ راستے میں بھی ہوتی رہے گی۔" سلطان شاہ نے میرے
شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے اضطراری لہجے میں کہا اور اسی لمحے
اس کی بے چینی کا سبب بھی میری سمجھ میں آگیا کیونکہ سامنے
سے کئی ٹرکوں کی ایک قطار تیزی سے ہماری طرف بڑھتی
چلی آرہی تھی۔

وہ ہماری کسی ہدایت کی رضاکارانہ تعمیل پر آمادہ نہیں
تھا۔ جب کہ ہم اس شاہراہ پر زیادہ دیر تک رکے رہنے کا
خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اس لیے سلطان شاہ نے پھرتی
سے اس کی جیبوں کی تلاشی لے کر ایک خود کار پستول برآمد کیا
اور اس کی گردن پر پے در پے کئی زوردار ہاتھ رسید کر کے
اسے بی ایم ڈبلیو کی عقبی نشست میں ٹھونس دیا۔ وہ خود بھی
اسی کے برابر میں بیٹھنے جارہا تھا۔ مگر میں نے اسے روک دیا۔
سامنے سے آنے والا ٹرکوں کا قافلہ قریب پہنچنے سے پہلے
میں نئے قیدی کے ساتھ اپنی نشست سنبھال چکا تھا اور سلطان شاہ
نے کار آگے بڑھا دی تھی۔ سیاہ پجیرو وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

"تم لوگ ایک بہت بڑا جرم کر رہے ہو۔ کسی شریف
شہری کو بھری پُری شاہراہ سے اسلحے کے زور پر اغوا کر کے
لے جانا سنگین جرم ہے جس کی ضمانت بھی مشکل سے ہوتی ہے۔"
گاڑی حرکت میں آتے ہی قیدی کی زبان بھی چل پڑی تھی۔

"کیسا عجیب لطیفہ ہے کہ جو بھی قانون شکن پکڑا جاتا ہے،
چھوٹتے ہی قانون کی دُہائی دیتا ہے جیسے قانون نہ ہوا اُمراؤ
جان کا عشوہ وغمزہ ہوگیا جو پیسہ دے وہی حاصل کرلے۔" میں
نے تلخ لہجے میں کہا اور اپنے پستول کی نوک اس کی پسلیوں
میں اُڑا دی تاکہ اس کے ذہن سے چال بازی کا خیال سرے
نکال سکوں۔

"تو کیا تمہارا تعلق پولیس سے ہے؟" اس نے نسبتاً پُرسکون
لہجے میں سوال کیا۔ جیسے پولیس کے ہاتھوں میں خود کو ہر سزا سے
محفوظ و مامون تصور کرتا ہو۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے؟ ہم کوئی ٹُٹ پونجیے ہیں؟" میں
نے اس کے اطمینان کا سبب دریافت کرنے کے لیے کہہ ڈالا۔

"پھر تم سمجھ لو کہ تمہاری ساری محنت رائگاں جائے گی تم نے
ایک غلط آدمی پر ہاتھ ڈالا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگلے چوبیس گھنٹوں
میں تمہاری معطلی کے پروانے جاری ہوجائیں۔ خیریت چاہتے ہو تو
گاڑی واپس گھما کر مجھے پجیرو کے پاس اتار دو، میں بھول جاؤں گا
کہ میرے ساتھ یہ واقعہ پیش بھی آیا تھا۔" اس کے لہجے میں
احساس برتری امڈ آیا تھا۔

"تھوڑی دیر پہلے شرافت کے دعوے دار بن رہے
تھے۔ اب غلط آدمی ثابت ہو رہے ہو۔ تم کھل کر کیوں نہیں
بتاتے کہ کون ہو؟"

"ماجے کا نام سنا ہوگا تم نے، میں اسی کا آدمی ہوں۔"
وہ اپنے آدمیوں کے قریب پولیس والوں کا سایہ تک برداشت

نہیں کرتا۔ جس افسر کو کوئی کام ہو، وہ براہِ راست ماجے سے
بات کرتا ہے۔"

ماجے کا نام سنتے ہی مجھے یاد آگیا کہ ہیروئن کی مقامی
تجارت میں معراج دین ایک تیزی سے اُبھرتا ہوا نام تھا۔ جو
عرفِ عام میں ماجا کہلاتا تھا۔ شاید پاکستان سے میری غیر حاضری
کے دوران اس نے اتنی طاقت پکڑ لی تھی کہ اس کے آدمی سرِعام
اس کی برتری کے گُن گانے لگے تھے۔

"سایہ کیا، اب تو اسے سالم افسر برداشت کرنے ہوں گے۔
آج رات تمہارے ساتھ اسے بھی نہ رگڑا تو سمجھو کہ ہم نے کچھ
بھی نہیں کیا۔ وہ بھی رسیّوں سے باندھ کر تمہارے سامنے لایا
جائے گا۔"

میرے پُراعتماد لہجے نے چند ثانیوں کے لیے اسے
فکرمند کر دیا۔ اس کے لیے شاید یہ پہلا موقع تھا کہ کسی پولیس
افسر نے اس کے اَن داتا کا نام سن کر اسے کوئی رعایت دینے
سے یکسر انکار کر دیا تھا۔ وہ بولا تو پہلے کے مقابلے میں اس کا لہجہ
کمزور پڑ چکا تھا۔ "تم مجھے میرا جرم بتاؤ، آخر مجھے کیوں پکڑا
گیا ہے؟"

"ویسے تو تمہارا یہی ایک جرم کافی ہے کہ تم نے سیاہ
پجیرو میں سوار ہو کر ایک ایسے مجرم کو فرار ہونے کا موقع
فراہم کیا جس کے ہاتھ متعدد انسانوں کے خون سے آلودہ
ہیں اور دوسرا جرم یہ کہ تم نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اپنے
جسموں پر ہتھیار سجا کر شاہ باغ میں کچھ لوگوں کے خون کی ہولی
کھیلنے کی پوری تیاریاں کی ہوئی تھیں لیکن تمہاری سازش ناکام
ہوگئی۔ اب تم نے زبان نہیں کھولی تو ہم یہیں کہیں تمہیں ذبح
کر کے راستے میں پھینک دیں گے۔"

"تم پولیس والے معلوم نہیں ہوتے۔" میرے بدلے ہوئے
لہجے اور نئے انکشافات سے وہ خوف زدہ ہو گیا۔

میں نے اس کے پہلو سے پستول ہٹائے بغیر بائیں ہاتھ
سے اس کے چہرے پر بھرپور تھپڑ رسید کیا۔ "ہمارا شجرہ دریافت
کرنے کے بجائے اپنی کہانی شروع کرو۔ ورنہ ہم تم پر زیادہ
وقت برباد نہیں کریں گے۔"

اس نے مزاحمت کی خاصی کوشش کی لیکن میں نے چلتی
ہوئی کار میں ہی اس کی خاصی درگت بنا ڈالی۔ پسلیوں میں اَڑی
ہوئی پستول کی آہنی نال کی وجہ سے وہ میرے ہاتھوں پٹنے
پر مجبور تھا۔ اس لیے آخر کار اسے زبان کھولنی ہی پڑ گئی۔

وہ ہیروئن کی دنیا کے چھٹے ہوئے بدمعاش معراج دین
کا منظورِ نظر تھا اور پچھلے روز اسی کی ہدایت پر اپنے ساتھ سات
مسلح آدمی لے کر شاہ باغ پہنچا تھا جہاں اس کی ملاقات ہارون
سے ہوئی تھی۔ ہارون پہلے بھی معراج دین کے اڈے پر اس
سے مل چکا تھا۔ ہارون نے بتایا کہ وہ خود اور اس کا باس
چند روز کے لیے شاہ باغ میں مقیم تھا۔ اس دوران میں انہیں
نامعلوم دشمنوں کی طرف سے حملے کا خطرہ تھا جس کے سدِباب
کے لیے ان لوگوں کو شاہ باغ بلایا گیا تھا۔

آدمیوں کو کام بانٹنے جانے کے بعد ہارون اسے ساتھ
لے کر شہر گیا تھا۔ اس نے دور ہی سے اسے ایس جے گارمنٹ
فیکٹری دکھائی اور یہ ہدایت دے کر لوٹ آیا کہ وہاں سے
مرسڈیز میں نکلنے والے فیکٹری کے مالک کو اغوا کر کے شاہ باغ
پہنچانا تھا۔ شہزادہ نامی اس شخص نے کلوروفارم کی مدد سے
جہانگیر کو آسانی کے ساتھ بے بس کر کے اس کی گاڑی سمیت
اغوا کیا اور اسے شاہ باغ میں ہارون کے حوالے کر دیا۔ اس
کے بعد کی کہانی وہی تھی جو ہم نے خود تشکیل دی تھی۔ جہانگیر
پر تشدد یا کسی اور کام کے لیے شہزادے یا اس کے کسی ساتھی
کو کاٹیج میں نہیں بلایا گیا تھا البتہ پہلے سے وہاں موجود پجیرو کی
بنا پر ان لوگوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ شاہ باغ میں ہارون
کے علاوہ بھی کچھ لوگ موجود تھے جہانگیر کی واپسی کاٹیج کے ایک
باقاعدہ ملازم کے ساتھ ہوئی تھی۔

کاٹیج میں آگ لگنے کی وجہ سے شہزادے کے دو آدمی شعلوں
میں گھِر کر جل گئے تھے، ایک ہڑبونگ میں زخمی ہو کر چل بسا
اور ایک لاپتا تھا۔ اس لیے بعد میں جب سیاہ نقاب پہنے ہوئے
ایک شخص پجیرو میں واپس آیا تو شہزادے کے ساتھ کل تین
آدمی رہ گئے تھے۔ ہارون کا کہیں پتا نہیں تھا۔ کاٹیج میں آگ
اتنی پھیل چکی تھی کہ اندر کا جائزہ لینے کا تصور ہی خارج ازامکان
تھا۔ اس لیے نقاب پوش نے خود پک اپ سنبھال لی۔ تینوں
آدمیوں کو باقی ماندہ اسلحے سمیت وہ پک اپ کے عقبی حصے میں
نکال لے گیا تھا۔ اپنی پجیرو شہزادے کے حوالے کر کے اسے ہدایت
کی تھی کہ وہ پجیرو چابی سمیت شہر میں کہیں بھی چھوڑ کر خاموشی سے
اپنے اڈے کی طرف نکل جائے۔ اسے قطعی علم نہیں تھا کہ نقاب
پوش شاہ باغ سے فرار ہو کر شہر میں کہاں گیا ہو گا۔

میرے لیے یہ ایک گہری چوٹ تھی۔ ہم دونوں کے
مقابلے میں ڈی ڈی اکیلا رہ گیا تھا اور ہماری بھرپور بالادستی نے
اسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا لیکن آخری لمحات تک اس کا ذہن پوری
طرح کام کر رہا تھا۔ آخری لمحات میں شاہ باغ سے فرار ہوتے
ہوئے اس نے ہماری کسی آخری کوشش کے امکان کو نظرانداز
نہیں کیا تھا جب کہ میرے ذہن میں یہ خیال نیشنل ہائی وے
کے قریب پہنچ جانے کے بعد پیدا ہوا تھا۔

میرے لیے یہ حقیقت سوہانِ روح تھی کہ ڈی ڈی
ہماری نظروں کے سامنے پک اپ ڈرائیو کرتا ہوا اطمینان سے
فرار ہو چکا تھا اور ہم اس کی پجیرو میں موجود ڈمی کے پیچھے
اپنا وقت برباد کرتے رہ گئے تھے۔

پھر بھی بھاگتے بھوت کی لنگوٹی کے مصداق شہزادے کا

ہمارے ہاتھ لگتا سود مند رہا تھا۔ وہ بھی نکل گیا ہوتا تو ہم اندھیرے میں قیاس آرائیاں کرتے رہ جاتے۔ اس کی زبان سے کم از کم اتنا ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ ان دنوں ڈی ڈی شہر میں ہیروئن کی تقسیم کے لیے کس شخص سے کام لے رہا تھا۔ ہیروئن کے دھندے میں آسانی سے لاکھوں کمانے والا ماجا اپنے آٹھ آدمی اسی شخص کی تحویل میں دے سکتا تھا جس سے اسے اپنے کاروبار میں کوئی بڑا سہارا مل رہا ہو۔

شہزادہ اپنی کہانی سنانے کے بعد ہمارے لیے بوجھ بن گیا تھا۔ اس نے نہ صرف ہمیں اچھی طرح پہچان لیا تھا بلکہ وہ میری کار اور اس کے نمبروں سے بھی آگاہ ہو چکا تھا۔ اس لیے اُسے زندہ چھوڑنا اپنے لیے ایک عذاب پیدا کرنے کے مترادف ہوتا۔ اس کا بہترین علاج یہی تھا کہ طاقت کے گھمنڈ میں مبتلا اس خونی بدمعاش کو گولی مار کر کسی ویرانے میں پھینک دیا جاتا۔

گاڑی ڈرگ روڈ ریلوے اسٹیشن کے قریب سے داہنی طرف گھومی تو شہزادے نے بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدلا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"بکواس مت کرو۔" میں نے اس کے منہ پر پھر ایک ہاتھ جڑ دیا۔ "آگے کہیں اتار دیں گے لیکن یہ یاد رکھنا کہ ہمارے بارے میں اپنے کسی ماجے یا کاکے کو کچھ بتایا تو تمھیں ذبح کر کے لاش کسی گٹر میں ڈال دیں گے۔"

"میں کوشش کروں گا۔" وہ گلا صاف کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بمشکل بولا۔ "لیکن ماجا یہ ضرور جاننا چاہے گا کہ میں بچے کو شہر میں لانے کے بجائے نیشنل ہائی وے پر کیوں چھوڑ آیا؟"

"اسے مطمئن کرنا تمھارا کام ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا اور پھر سلطان شاہ سے مخاطب ہو گیا۔ "فوجی افسروں کے بنگلے ختم ہونے کے بعد کار بائیں طرف میدان میں اتار لینا۔ اسے وہیں چھوڑ دیں گے۔"

"میدان میں نہیں، مجھے یہیں سڑک کے کنارے اتار دو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ میری وجہ سے تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔" شہزادے کی آواز میں خوف کی کپکپی پیدا ہو گئی تھی۔ شاید اس کی چھٹی حس نے آخر کار نوشتۂ دیوار پڑھ ہی لیا تھا۔

میں نے کوئی جواب دیے بغیر پستول اس کی پسلیوں سے ہٹایا، اندھیرے میں اپنی گرفت دستے سے اس کی سرد آہنی نال پر منتقل کی اور اس سے قبل کہ شہزادہ کچھ سمجھ پاتا، میں نے پستول کا دستہ پوری قوت سے اس کی کنپٹی پر رسید کر دیا شاید اس نے چیخنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے حلق سے ایک بے معنی سی ہچکی برآمد ہو کر رہ گئی اور وہ ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ کر نشست کی پشت گاہ پر ڈھیر ہو گیا۔ سلطان شاہ نے بنگلے ختم ہونے پر کار میدان میں موڑ لی تھی۔

فلیٹ میں پہنچتے ہی سلطان شاہ غسل خانے میں گھس گیا اور میں بے سُدھ ہو کر بستر پر گر گیا۔

شہزادے کو آنجہانی بنا کر اسٹیڈیم روڈ سے واپس لوٹتے ہوئے جب ڈالمیا سیمنٹ فیکٹری سے ذرا آگے ایک موبائل پولیس وین نے ہمیں روکا تو ان کی اس شاندار کارکردگی پر میرے دل کی گہرائیوں سے ان کے لیے دعائے خیر آزاد ہو گئی۔ جب تک ہماری کار میں ایک واجب القتل قیدی موجود تھا تو سرے سے پولیس سے سامنا ہی نہیں ہوا تھا لیکن وہ ثبوت ضائع ہوتے ہی ہمیں رکنے کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ شہزادے کو ٹھکانے لگانے کے بعد ہم نے سارا اسلحہ کار کے کیبن سے ڈکی میں منتقل کر دیا تھا۔ اس لیے ہم سے اندر روشنی کرنے کے لیے کہا گیا تو بلا حیل و حجت اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ کار بیش قیمت تھی اور میری تیاری اس سے میل کھاتی تھی۔ سلطان شاہ فیکٹری والے لباس میں تھا اور ڈرائیونگ سیٹ کے لیے موزوں نظر آ رہا تھا اس لیے سرسری جائزے کے بعد مزید تلاشی یا کاغذات کی دیکھ بھال کی ضرورت محسوس کیے بغیر ہمیں روانگی کی اجازت مل گئی تھی۔

میرا اندازہ تھا کہ اس وقت تک شہر کی پولیس نے کہیں پارک کی ہوئی جہانگیر کی مرسڈیز کا سراغ لگا کر اسے اُلجھا لیا ہو گا یا وہ خود ہوش میں آ کر اپنے گھر پہنچ چکا ہو گا۔ اس رات کے لیے وہی کافی تھا کہ میں بروقت جہانگیر کی مدد کے لیے پہنچ گیا تھا اور اگر ڈی ڈی از خود اس کی رہائی کا فیصلہ نہ کرتا تو میں یقیناً اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کے قابل تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ میرے نقطۂ نگاہ سے بہت اہم تھا لیکن اسے محض ضمنی کامیابی قرار دیا جا سکتا تھا۔

میں نے اٹھ کر جہانگیر کے گھر کا نمبر ملایا تو مسلسل دو گھنٹیاں بجنے پر میرا ماتھا ٹھنکا۔ جہانگیر گھر پہنچا ہوتا یا نہ پہنچا ہوتا، کسی نہ کسی کو فون کا فوری جواب دینا چاہیے تھا۔ تیسری گھنٹی پر ریسیور اٹھایا گیا تو دوسری طرف سے ایک غنودہ مردانہ آواز سنائی دی تھی۔

"یہ جہانگیر صاحب کے گھر کا نمبر ہے؟" میں نے تجسس اور بے چینی کے عالم میں سوال کیا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ شاید کسی فنی خرابی کی وجہ سے غلط نمبر ملایا تھا۔

"جی صاب! کون صاب بول رہے ہیں؟ اس وقت گھر پر کوئی نہیں ہے۔" دوسری طرف سے بے ربط سے جملے کہے گئے تھے۔

"میں تمھارے صاحب کا دوست پیٹر بول رہا ہوں۔ صاحب کا کچھ پتا چلا یا نہیں؟ سلمیٰ بی بی کہاں ہیں؟"

"میں فضلو مالی بول رہا ہوں صاب۔" ضعیف مردانہ آواز سے نیند کا خمار فوراً ہی کافور ہو گیا۔ "صاب کا کچھ پتا نہیں، سلمیٰ بی بی، ریٹا بی بی اور ڈرائیور کے ساتھ تھوڑی دیر پہلے فیکٹری گئی ہیں۔"

"فیکٹری؟" میں حیرت سے بولا۔ "وہ اس وقت وہاں کیوں گئی ہے؟"

"پتا نہیں صاب، میں تو ملازم آدمی ہوں..." وہ میرے لہجے پر ایک دم سہم گیا تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس بارے میں کوئی کام کی بات نہیں بتا سکے گا۔ اس لیے میں نے اس کی پوری بات سنے بغیر ہی کریڈل دبا کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اتنی رات گئے سلمیٰ کی فیکٹری روانگی کی خبر سنتے ہی میرے ذہن میں ہولناک اندیشوں نے سر ابھارا تھا۔ ہم نے واپسی پر راستے میں اور شہزادے کے ساتھ کافی وقت برباد کیا تھا جب کہ ڈی ڈی تیز رفتاری سے براہ راست شہر پہنچا تھا۔ اس لیے اس کے پاس کوئی نیا کھیل شروع کرنے کے لیے کافی وقت تھا۔ میں نے پوری کوشش کی تھی کہ شاہ باغ میں پیش آنے والے واقعات کو جہانگیر کے اغوا کی واردات سے الگ رکھوں لیکن ڈی ڈی جیسے عیار آدمی کے لیے کڑیاں ملا لینا ناممکن نہیں تھا۔ سلمیٰ کو کسی مضبوط بہانے کے ذریعے گھر سے باہر نکال کر اغوا کیا جانا ناممکنات میں سے نہیں تھا لیکن اس نظریے پر وقت برباد کرنے سے پہلے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ جہانگیر کی فیکٹری فون کر کے اصل صورت حال دریافت کی جائے۔

ایس جے گارمنٹ کا نمبر ملاتے ہی پہلی گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا اور میں نے ریٹا کی آواز پہچان لی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم وہاں موجود ہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "میں پیٹر واک بول رہا ہوں۔ تم دونوں وہاں کیا کر رہی ہو۔ سلمیٰ کا کیا حال ہے؟"

"جہانگیر بہت زخمی ہے۔ کسی نے فون پر فیکٹری کے چوکیدار کو بتایا تھا کہ اس کے صاحب کی گاڑی قریب ہی موجود ہے۔ چوکیدار نے اسے مذاق سمجھا پھر وہ باہر گیا تو اسے برابر والی فیکٹری کے ساتھ مرسڈیز نظر آ گئی۔ جہانگیر پچھلی سیٹ پر بے ہوش پڑا تھا۔ رستم خان اکیلا گاڑی کو دھکیل کر فیکٹری میں لایا پھر اس نے ہمیں فون کر دیا۔" ریٹا ایک ہی سانس میں بتاتی چلی گئی۔ "ابھی جہانگیر ہوش میں ہے۔ میں نے ان کے فیملی ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے، وہ آتا ہی ہو گا۔"

"گڈ! ذرا سلمیٰ سے میری بات کرا دو۔" میں نے اپنے اندر زبردست اطمینان کی لہر محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "میں تم لوگوں کی طرف سے بہت زیادہ فکر مند ہو گیا تھا۔"

"ہولڈ کرو، میں اسے بلاتی ہوں۔" ریٹا کی آواز سنائی دی پھر سکوت چھا گیا۔

چند ثانیوں بعد ہی لائن پر سلمیٰ کی رندھی ہوئی غصیلی آواز ابھری "تم بہت سنگ دل اور مطلبی آدمی ہو۔ جہانگیر زخموں سے چور تھا اور تم پتا نہیں کہاں اپنا منہ چھپائے پھر رہے ہو..." شدت جذبات سے اسے اپنے اوپر قابو نہیں رہا تھا۔

"میں اسی کی تلاش میں تھا سلمیٰ!" میں نے اس کی بات کاٹ کر تحمل سے کہا۔ "میں نے خود اسے اپنی آنکھوں سے ان لوگوں کے چنگل سے رہائی پاتے دیکھا تھا..."

"وہ خود تم سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔" سلمیٰ کی آواز میں صدمے اور خوشی کا ملا جلا تاثر پیدا ہو گیا۔ "میں فون ان کے پاس لے جا رہی ہوں۔ کاش تم دیکھتے کہ اس وقت ان کی کیا حالت ہے!"

"اس کی باتوں پر نہ جانا۔" قدرے توقف کے بعد ریسیور پر جہانگیر کی کرب میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔ "میں ٹھیک ہوں، دو تین روز کی مرہم پٹی سے اور ٹھیک ہو جاؤں گا لیکن تم پر برا وقت آنے والا ہے..."

"تم زیادہ نہ بولو، کمزوری بڑھ جائے گی۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں خود ابھی اس کاٹیج سے آ رہا ہوں، جہاں تم قید تھے۔ میں نے وہاں بہت کچھ سنا اور دیکھا ہے۔ میں تمھاری ہمت اور حوصلے کی داد نہیں دے سکتا۔ تم نے اپنی زبان بند رکھ کر مجھ پر زندگی کا سب سے بڑا احسان کیا ہے جس کا میں مر کر بھی بدلہ نہیں چکا سکتا۔"

"تم وہاں موجود تھے؟" اس کی تحیر آمیز سرگوشیانہ آواز ابھری۔

"وہ از خود تمھیں رہا کرنے کا فیصلہ نہ کرتا تو میں حرکت میں آ جاتا۔ تمھارے چلے آنے کے بعد اب وہاں تباہی کا راج ہے، کئی آدمی مرے ہیں۔ وہ قسمت کا دھنی تھا کہ میری آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گیا۔ ورنہ آج میں نے اسے بھی دھر لیا ہوتا۔"

"وہ کون سی جگہ تھی؟" اس کی آواز پر شدید نقاہت طاری تھی۔ مگر اس کے ذہن میں تجسس پھر بھی زندہ تھا۔

"شاہ باغ جو ہمارے زمانے میں راجا فروٹ فارمز ہوا کرتا تھا۔ تم بولنے کے بجائے اب میری بات سنتے رہو۔ میں سیما کا عاشق بن کر اس کے پیچھے لگ گیا ہوں اور وہ مجھ سے خوف زدہ ہے۔ اسے مجھ پر ڈبل ہونے کا شبہ تھا۔ اسی لیے تمھارے اغوا کی نوبت آئی۔ اب ہم ایک دوسرے سے دور رہیں گے، میں فون پر تم سے رابطہ قائم کر لیا کروں گا۔ میری طرف سے سلمیٰ کو سمجھا دینا۔ وہ جذبات کی رو میں آ کر بہت جلد بدظن ہو جاتی ہے۔ ڈی ڈی کو تمھارے ساتھ تشدد کی بھاری جانی اور مالی قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ چند روز میں وہ غزالہ کی رفاقت سے بھی ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائے۔"

"تمھارے پاس بڑی خبریں ہیں لیکن میری حالت غیر ہو رہی ہے۔" اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ "فون کرتے رہنا، میں سلمیٰ کو سمجھا دوں گا۔"

"اپنا خیال رکھنا جہانگیر! مجھے افسوس ہے کہ میں اسی شہر میں ہوتے ہوئے بھی تم سے دور رہنے پر مجبور ہوں۔" میں نے دکھی

لہجے میں کہا لیکن اس اثنا میں وہ ریسیور سلمیٰ کو دے چکا تھا۔

"کاش! میں کسی دن تم دونوں کی مجبوریاں سمجھ سکوں۔" سلمیٰ نے میرے خاموش ہونے پر ایک گہرا سانس لے کر کہا تھا۔ "پتا نہیں تم دونوں شہر میں کیا کرتے پھر رہے ہو۔ کاروبار میں تو ایسی خونریز دشمنیاں کبھی میرے دیکھنے اور سننے میں نہیں آئیں..."

"کاروباری رقابتیں اس سے زیادہ بھیانک ہوتی ہیں سلمیٰ! اس بارے میں سوچ کر اپنے ذہن کو زیادہ نہ تھکاؤ اور پوری یکسوئی سے جہانگیر کی دیکھ بھال کرو۔ اسے تمھاری توجہ کی ضرورت ہے۔"

مزید چند فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں نے اسے یہ سمجھا دیا تھا کہ جہانگیر کی ذہنی حالت اس وقت اعتدال پر نہیں تھی۔ اس لیے سلمیٰ کو اس امر کی پوری احتیاط کرنی تھی کہ گھر سے باہر کے کسی فرد کو اس واقعے کی بھنک نہ مل سکے۔ فیکٹری کے عملے میں وہ صرف ریشم خان پر اعتماد کر سکتی تھی جو اپنی گردن کٹوا کر بھی اپنے مالک کا حقِ نمک ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال کر سر اٹھایا تو سلطان شاہ بدن پر بڑا تولیا لپیٹے میرے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ چھوٹے تولیے سے سر اور بدن خشک کرتے ہوئے وہ معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"جہانگیر اپنی فیکٹری میں پہنچ گیا ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "اس کی بیوی بھی وہیں پہنچی ہوئی ہے۔"

"جلد یا بدیر اسے تو پہنچنا ہی تھا۔" وہ پُرسکون لہجے میں بولا۔ "ڈی ڈی شکست کا داغ سینے پر لے کر واپس لوٹا ہے۔ تمھیں اپنے گھر کی بھی خبر لینی چاہیے۔"

میں الجھی الجھی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کا آخری فقرہ میرے پلے نہیں پڑا تھا۔

"دلدار آغا کے گھر فون کرو۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ "اس کی چھت کے نیچے بھی کوئی تمھاری توجہ اور ہمدردی کا مستحق ہے۔"

مجھے اس کی بات میں کوئی وزن محسوس نہیں ہوا۔ اوّل تو مجھے یقین نہیں تھا کہ ڈی ڈی شاہ باغ میں منہ کی کھانے کے بعد اپنے گھر کا رخ کرنے کی جرأت کر سکے گا اور اگر وہ ادھر چلا ہی جاتا تو مجھے غزالہ پر پورا اعتماد تھا کہ بدلے ہوئے حالات میں وہ صورتِ حال کو سنبھال کر کسی بھی خطرے سے اپنا بچاؤ کر سکتی تھی لیکن پھر بھی میں نے ریسیور اٹھا کر دلدار آغا کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔

دوسری طرف سے فوراً ہی اس خونخوار بھیڑیے کی مانوس آواز سن کر میں چونک پڑا تھا۔ اس رات وہ بار بار میرے اندازوں کو مات دینے پر تُلا ہوا نظر آرہا تھا۔

"لنگڑے گھوڑے! تم نے دیکھ لیا کہ میرے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔" میں نے آواز بدل کر سیما کے مفرور عاشق کا طنزیہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "شاہ باغ سے تم نکل بھاگے لیکن بہت جلد میرا ہاتھ تمھارے نرخرے پر ہوگا۔"

"تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔" اس کے سرد اور سپاٹ لہجے پر ہذیانی انداز غالب آگیا۔ "شاہ باغ میں جو کچھ ہوا ہے اس کا انجام میں کل دکھاؤں گا۔ اس خونریزی کے بدلے میں پورے شہر کو خون میں نہلا دوں گا تم تماشا دیکھو گے اور کچھ نہ کر پاؤ گے..."

اس کی دھمکی نے مجھے اندر سے دہلا دیا لیکن میں نے بظاہر بے پروائی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "شہر سے مجھے کیا لینا! میں قاضی شہر تو نہیں ہوں۔ اب یہی دیکھ لو کہ میرے سامنے بے بس ہو کر تم نے پورے شہر سے انتقام لینے کی بکواس شروع کر دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ناکامی کے صدمے اور جان کے خوف نے تمھارا دماغ اُلٹ کر رکھ دیا ہے..."

ریسیور پر اس کا زہر میں ڈوبا ہوا ایک ہلکا سا قہقہہ ابھرا۔ "دماغ میرا نہیں تمھارا الٹ جائے گا۔ شہر کے ساتھ ساتھ تمھیں بھی معاف نہیں کروں گا۔ تمھاری دکھتی ہوئی رگ میرے قبضے میں ہے۔ کان کھول کر سن لو کہ میں نے تمھیں آج اچھی طرح پہچان لیا ہے۔"

اپنا فقرہ مکمل کرتے ہی اس نے شاید ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ میں کئی بار ہیلو ہیلو کرتا رہا لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر مایوس ہو کر میں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

اس کے آخری دو فقروں نے میرا دورانِ خون تیز کر دیا تھا اور ذہن پر اتھاہ سناٹا طاری ہوتا چلا گیا تھا۔ میں نے اس کے دونوں فقروں پر غور کرنا چاہا لیکن ذہن نے میرا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

میں ڈینی تھا اور میری محبت، غزالہ ڈی ڈی کے قبضے میں تھی۔ یہ ایک حقیقت تھی اور ڈی ڈی شاید یہی بات مجھے جتانا چاہ رہا تھا۔ اس کے علاوہ اُن الفاظ کا کوئی مفہوم میرے ذہن میں نہیں آرہا تھا۔

ہم دونوں بہت تیزی کے ساتھ دوبارہ روانگی کے لیے تیار ہوئے تھے کیوں کہ دلدار آغا کے الفاظ سے بس یہی ایک مفہوم سمجھ میں آتا تھا کہ اُس نے مجھے ڈینی کی حیثیت سے پہچان لیا تھا اور میرے ہاتھوں اپنی مسلسل شکست کا بدلہ وہ غزالہ سے لینے پر تُل گیا تھا جسے اس نے اپنی شرافت کا فریب دے کر اپنی بیوی بنا لیا تھا۔ دوسری طرف میری غزالہ سے مفاہمت ہو چکی تھی۔ اس لیے دلدار آغا کی کسی بھی

زیادتی کی صورت میں وہ پوری قوت مزاحمت کرتی۔ دلدار آغا مجرمانہ مزاج رکھنے والے لوگوں کے ایک ایسے سفاک گروہ کا سرغنہ تھا جو اپنے ہتھیاروں کے بے محابا استعمال سے انسانی لہو کی ہولی کھیلنے کے کسی بھی موقع پر ذرا بھی تردد سے کام نہیں لیتا تھا۔ ان کے مقابلے میں غزالہ تنہا تھی، اس لیے اس کی ذات کو کسی بھی لمحے ناقابلِ تصور خطرات پیش آسکتے تھے۔ اس کی مدد کے لیے مجھے ہر قیمت پر اس کے پاس پہنچنا تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ دلدار آغا کو مغالطہ ہوا ہو۔ اس نے نعیں ڈیتی کے بجائے کسی اور حیثیت سے پہچانا ہو؟" راستے میں سلطان شاہ نے پُرخیال لہجے میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"ہوسکتا ہے۔" میں نے بحث میں پڑنے کے بجائے مختصر کہا۔ "لیکن اب میں غزالہ کے بارے میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"آج کے واقعے نے اس کا دماغ الٹ دیا ہے۔" سلطان شاہ مجھے باتوں میں الجھائے رکھنے پر آمادہ نظر آرہا تھا۔ "پتا نہیں، وہ پورے شہر سے کس طرح انتقام لینا چاہ رہا ہے؟"

"تخریبی ذہن رکھنے والے، اس جیسے سنگدل آدمی کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔ شہر کو پانی فراہم کرنے والے کسی بھی ذخیرۂ آب میں آسانی سے زہر ملایا جاسکتا ہے۔ ان کھلے ہوئے تالابوں پر عام حالات میں کڑی نگرانی نہیں رکھی جاتی۔" میں نے کہا۔ "اس کے چند آدمی نقابیں لگا کر شہر کے حساس علاقوں سے گولیاں برساتے ہوئے گزر سکتے ہیں، یا پھر شہر کے کسی حصے میں کسی مخصوص علاقے میں چند بے گناہ لوگوں کی لاشیں ڈال کر فسادات کی آگ بھڑکائی جاسکتی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایک قدم پورے شہر کی پُرسکون فضا میں تشدد، خوف و ہراس، تشویش اور افراتفری پھیلانے کے لیے کافی ہوگا۔"

"ہمیں اب فوری طور پر ڈی ڈی کے فتنے کا سدِباب کرنا ہوگا۔" سلطان شاہ فکرمند نظر آنے لگا۔ "تمھیں شاید صحیح اندازہ نہیں لیکن میں شہر کے ایک حساس علاقے میں رہتا ہوں اور ڈی ڈی کی فیکٹری میں بھی میرے ساتھ مختلف زبانیں بولنے والے لوگ کام کرتے ہیں۔ ان کے دلوں کی گہرائیوں میں ہر وقت روزگار اور زندگی کا خوف لہریں لیتا رہتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی خوش یا مطمئن نہیں ہے۔ ہر شخص دوسرے کے خوف میں مبتلا ہے۔ شہر میں واقعات اور افواہوں کا ایک ایسا منظم سلسلہ چل پڑا ہے کہ برسوں سے بستیوں میں رہنے اور بسنے والے ایک دوسرے کی طرف سے

بداعتمادی کا شکار ہوگئے ہیں۔ ہر محلے میں آنے والے اجنبی... ملاقاتیوں پر گہری نظر رکھی جاتی ہے۔ یہ حالات خود بخود پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان کوششی اور مافیا نے اپنے خاص عزائم اور مفادات کے تحفظ کے لیے پروان چڑھایا ہے...."

"تم تو اس طرح بات کر رہے ہو جیسے ڈی ڈی میری مٹھی میں بند ہو اور میں جب چاہوں اس کی گردن توڑ سکتا ہوں۔" میں نے مغموم لہجے میں کہا۔ "میرا بس چلے تو میں اسے ایک لمحے کے لیے بھی زندہ نہ رہنے دوں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں کسی کی بھی زندگی یا موت پر کوئی اختیار نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کی اجل آ ہی جاتی ہے تو ہم کٹھ پتلیوں کی طرح بڑھ کر کامیابی کے ساتھ اپنا وار کر گزرتے ہیں اور پھر اس قتل کو اپنا کارنامہ سمجھ لیتے ہیں...."

"اوہو!" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی تحیر آمیز لہجے میں بول پڑا۔ "اس وقت تو تم کسی مولوی کی طرح بات کر رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بھی اپنے نو سو چوہے پورے کر لیے ہیں۔"

"زندگی کی رنگینیوں میں دن رات غرق رہ کر زندگی گزار دو تو ایسی باتیں بھولے سے بھی یاد نہیں آتیں لیکن اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات پر ہی غور کرلیا جائے تو اندازہ ہونے لگتا ہے کہ ہماری لگام کسی اور کے ہاتھ میں ہے۔ عقل اور حساب کی رو سے اب تک دلدار آغا کو مر جانا چاہیے تھا لیکن وہ زندہ ہے اور ہارون مارا گیا۔ مجھے جہانگیر کی ہلاکت کا ڈر تھا لیکن ڈی ڈی نے اسے میرے لیے چارا سمجھ کر زندہ چھوڑ دیا۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ جس طرح دو اور دو ہمیشہ چار ہوتے ہیں اسی طرح دوسرے واقعات کے بارے میں ہمارے حساب اور اندازے کیوں درست ثابت نہیں ہوتے؟"

"میں تمھاری بات کو چیلنج نہیں کر رہا تھا۔" میرے موڈ کا اندازہ ہوتے ہی وہ مدافعانہ لہجے میں بولا۔ "ایسی باتیں اونچے لوگ کرتے ہیں۔ جو اپنے نفس کے غلام نہیں ہوتے لیکن تم کو میں نے کبھی اپنے نفس کا مقابلہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جو دل چاہتا ہے، کر گزرتے ہو اس لیے تمھاری زبان سے یہ باتیں عجیب لگ رہی تھیں۔"

"اسی لیے کہا گیا ہے کہ یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے، بلکہ یہ غور کرو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اُسے لاجواب کر دیا اور وہ منہ بنا کر کھڑکی سے باہر اندھیرے میں کچھ تلاش کرنے لگا۔

ڈیفنس کے پُرسکون علاقے میں دلدار آغا کا مکان میرا دیکھا بھالا تھا۔ شہر کے خوشحال اور امن پرور باسیوں

کے لیے وہ بستی بڑے ارمانوں اور دعووں کے ساتھ بسائی گئی تھی تا کہ لوگ اپنی چار دیواریوں میں کسی کی مداخلت کے خوف یا خطرے کے بغیر اپنے شب و روز سکھ چین سے گزار سکیں۔ اپنے خول میں مست رہنے کی یہ ریت اس علاقے میں بڑی تیزی کے ساتھ مستحکم ہوتی چلی گئی اور پھر اس کی کوکھ سے اس بیگانگی نے جنم لیا جو جرائم کی پشت پناہ بن جاتی ہے۔ اس علاقے میں رہنے والوں کی بھاری اکثریت شہر کے شرفا اور معززین کی تھی جنھیں اس بات سے کوئی واسطہ نہیں تھا کہ ان کی دیوار کے پیچھے کون رہتا تھا اور کیا کرتا تھا۔ سب اپنے کام سے کام رکھنے والے لوگ تھے جو لوگ سحر خیز تھے اور آلودگی سے پاک صبح کی کھلی فضا میں چہل قدمی کے عادی تھے۔ وہ چند روز کی آشنائی کے بعد ایک دوسرے کو چھڑی کے اشارے سے سلام کر لیتے تھے یا رک کر چند بول بول لیتے تھے۔ اس سے آگے اس بستی میں محلے داری کی روایتی رسوم کبھی نہیں پنپ سکی تھیں جس سے فائدہ اُٹھا کر شہر کے بہت سے جرائم پیشہ مرد اور عورتوں نے پہلے کرائے کے مکانات میں ڈیرے جمائے پھر اُن میں سے بہتوں نے بھتوں کے بغیر سرمایہ جمع کر کے کچھ مکانات بھی خرید لیے تھے۔ کالے من کے یہ لوگ اپنے اُجلے تنوں کے سہارے شہر کے معززین اور شرفا کے درمیان روپوش تھے جہاں قانون کی اندھی آنکھیں بھی شکار کو لینے آہنی جنگل میں جکڑنے سے پہلے چُندھیا چُندھیا کر کئی بار اس کا جائزہ لینے پر مجبور ہو جاتی تھیں۔ لیاقت آباد، محمود آباد، گلبہار، منظور کالونی، اورنگی اور بنارس کے علاقوں سے تو گھر میں سوتے ہوئے کسی بھی شخص کو کسی فردِ جرم کے بغیر محض شاملِ تفتیش کرنے کے لیے اُٹھا کر دو چار روز کے لیے بے فکری سے حوالات میں بند کیا جا سکتا تھا لیکن اہلِ ثروت، معززین اور شرفا پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں تھا۔ وہ تقریباً سب ہی ٹیکس گزار شہری تھے جن کی دی ہوئی خطیر رقومات سے خزانے کا کاروبار چلتا تھا اس لیے قانون اُن کا پشت پناہ تھا۔ کچھ تو ایسے بارسوخ بھی رہے ہوں گے جن سے قانون پناہ مانگتا ہوگا۔ ان ہی مراعات کی وجہ سے دلدار آغا جیسے مکار اور موذی شخص نے اس بستی میں پناہ لی ہوئی تھی۔ جاز فارما سیوٹیکل کا مالک ہونے کی وجہ سے کوئی اس پر شک بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے دوسرے روپ میں وہ موت کے سوداگروں کی سرپرستی کر رہا تھا۔

یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ وہ خود کو قانون کے محافظوں کی نگاہوں سے اوجھل رکھنے میں تو کامیاب ہو گیا تھا لیکن میری نظروں سے نہ بچ سکا تھا۔ اس کے گھر کی طرف جانے والی خوابیدہ سڑکوں پر کار ڈرائیو کرتے ہوئے جب مجھے دُور سے گولیاں چلنے کی چند آوازیں آئیں تو میں چونک پڑا اور میں نے مضطرب ہو کر کار کی رفتار میں اضافہ کر دیا۔

شہر کے حالات روز بہ روز خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے تھے۔ امن و امان کی قابلِ رشک صورتحال شرمناک رُخ اختیار کرتی جا رہی تھی، دن دہاڑے ڈاکے پڑ رہے تھے، بھرے پرے علاقوں میں قتل ہوتے تھے اور قاتل دندناتے ہوئے فرار ہو جاتے تھے۔ مصروف شاہراہوں پر چلتی گاڑیاں روک کر سرمایہ دار اغوا کیے جا رہے تھے لیکن میری معلومات کے مطابق ڈیفنس کا علاقہ ان جرائم کی زد میں آنے سے بڑی حد تک محفوظ تھا کیوں کہ ہر بند آہنی پھاٹک کے پیچھے اگر خونخوار کتے موجود نہیں ہوتے تھے تو بھی ایک دو اسلحہ بردار نجی محافظ، چوکیدار یا دربان دشمن کی گھات لگائے ہر وقت تیار بیٹھے رہتے تھے۔ اس لیے فائرنگ کی ان آوازوں کی اہمیت میری نگاہ میں غیر معمولی ہو گئی تھی۔

اس وقت میں دلدار آغا کے مکان سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ کار کی رفتار بڑھانے کے ساتھ ہی فائرنگ کا شور واضح ہونے لگا۔ ان آوازوں میں خاصا تسلسل پایا جاتا تھا جیسے دو فریق باقاعدہ جم کر ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے ہوں۔ اس مقابلے میں پستول بھی چلائے جا رہے تھے اور ہیبت ناک خودکار رائفلیں بھی اپنی مرگ آسا آواز میں نغمے الاپ رہی تھیں۔

آخر کار وہی نکلا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ دلدار آغا کے مکان کے قرب و جوار میں گولیاں چل رہی تھیں۔ مجھے اندازہ ہوا کہ اکا دکا آوازیں اس کے مکان سے بھی آ رہی تھیں۔ فائرنگ میں اتنی شدت تھی کہ اس قلیل سی مدت میں فضا میں خاصی دُور تک بارود کی بُو پھیل گئی تھی اور کئی مکانوں میں رکھوالی کے کتے پوری قوت سے بھونک رہے تھے۔

گولیاں کئی اطراف سے آ رہی تھیں اور اس وقت دلدار آغا کی گلی میں گھسنا بھٹکی ہوئی گولیوں کو رضاکارانہ نشانہ فراہم کرنے کے مترادف ہوتا اس لیے میں نے گاڑی محفوظ فاصلے پر ہی روک لی۔

کمال کی بات یہ تھی کہ میں پچھلے ڈیڑھ دو منٹ سے فائرنگ کی آوازیں سنتا ہوا دُور سے وہاں پہنچا تھا اور اس آباد علاقے کے مکانات کی روشنیوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی مکان اپنے مکینوں سے خالی نہیں تھا پھر بھی سارے پھاٹک بند پڑے تھے یا پہلی گولی چلتے ہی بند کر لیے گئے

تھے، سڑکیں ویران پڑی ہوئی تھیں اور کسی نے بھی صورت حال دریافت کرنے یا کسی انجان مظلوم کو مقتول بننے سے بچانے کے لیے باہر آنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ میرے لیے وہ ویرانی حوصلہ افزا تھی۔ میں کسی بازپرس سے دوچار ہوئے بغیر اس معرکے میں اپنا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کر سکتا تھا۔

"یہ تو پہلے ہی سے کام چل پڑا ہے۔ ہم سے پہلے کون اِدھر آگیا؟" سلطان شاہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"فائرنگ اندھادھند ہو رہی ہے۔" میں نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے خودکلامی کے سے انداز میں کہا۔ "جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، پہلے پستول چلائے گئے تھے، بعد میں خودکار رائفلیں بھی گرجنے لگیں۔۔۔"

"لیکن یہ ہو کیا رہا ہے؟ گولیوں کی اس برسات میں تو ہم کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔"

میرے ذہن میں اس صورت حال کا ایک خاکہ بن رہا تھا۔ غزالہ دلدار آغا سے باغی ہو چکی تھی اور اس نے دلدار کے گھر واپس لوٹنے سے پہلے اپنے دفاع کے لیے گھر واپس لوٹنے سے پہلے اپنے دفاع کے لیے گھر میں سے ہی کوئی پستول حاصل کر لیا تھا کیوں کہ ملازمین نے گھما پھرا کر اسے احساس دلایا تھا کہ دلدار آغا کی اجازت کے بغیر وہ گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکتی تھی۔ دوسری طرف دلدار شکست کے زخم چاٹتا ہوا اپنے گھر لوٹا تھا۔ غزالہ اس کی بیوی تھی لیکن اس نے شاید اپنی جھلاہٹ کے زیر اثر اس کے ساتھ مالِ غنیمت میں ہاتھ آئی ہوئی لونڈی کا سا سلوک کرنا چاہا اور غزالہ بھڑک گئی۔ میری دانست میں پستول کی پہلی گولی اسی نے چلائی تھی۔ اس نے فائر کرتے ہوئے دلدار آغا کے مکان سے فرار ہونا چاہا ہوگا لیکن مکان کی حفاظت پر مامور غنڈوں نے اپنے آقا کے مکان میں نامعلوم دشمنوں کے حملے کا خطرہ محسوس کر کے آناً فاناً میں اس علاقے کو میدانِ کارزار میں تبدیل کر دیا۔ دلدار آغا کے مکان کو آنے والے راستوں پر متعین اس کے مسلح آدمی اصل صورت حال کا تصور ہی نہیں کر سکے تھے اور بوکھلاہٹ میں اندھادھند اپنا اسلحہ ضائع کیے جا رہے تھے۔

اپنے اس مفروضے کی بنیاد پر میں نے اپنی نگاہیں جائے واردات کی سمت میں مرکوز کر دیں۔ میری دانست میں اس صورت حال کا زیادہ دیر جاری رہنا غزالہ کے حق میں مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔ اندر وہ اکیلی، دلدار آغا اور اس کے ملازمین میں گھری ہوئی تھی اور باہر ہر طرف فولادی نالوں سے موت کے گیت اُبل رہے تھے۔ ذرا سی توجہ کے بعد میں نے فائرنگ کی ہلکی سی چمک کی بنا پر اس ٹولی کی کمین گاہ کا تعین کر لیا جو ہم سے قریب ترین تھی۔ وہ لوگ آگے فائر کر رہے تھے اور ہم تقریباً ان کی پشت پر تھے۔

"لائٹر!" میں نے سلطان شاہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"وہ نہ اندر ٹھہر سکتی ہے، نہ باہر نکل سکتی ہے۔ ہمیں اس صورت حال کا کچھ نہ کچھ سدباب کرنا ہی ہوگا۔"

سلطان شاہ میرے ساتھ رہ کر میرا اتنا مزاج آشنا ہو گیا تھا کہ اس نے زبان سے ایک لفظ بھی نکالے بغیر میرا مطلب سمجھ لیا اور ایک دستی بم میرے بڑھے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"ٹھہرو!" مجھے کار کا دروازہ کھولتے دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا۔ "تم کہاں جا رہے ہو؟"

"وہ ٹولی یہاں سے زیادہ دور ہے، میں آگے بڑھ کر ان پر وار کروں گا۔ تم بےفکر رہو، میں چند منٹ میں واپس لوٹ آؤں گا۔ میرے پاس بھرا ہوا پستول بھی موجود ہے۔"

بائیں ہاتھ میں دستی بم اور دائیں ہاتھ میں بھرا ہوا پستول لے کر میں قریبی مکانات کے احاطے کی دیواروں کے سائے میں تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ وہ لوگ دو گاڑیوں کے عقب میں سے فائرنگ کر رہے تھے۔ میں بے خوفی کے ساتھ پیش قدمی کرتا رہا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ میرا پھینکا ہوا دستی بم ان کو اپنی زد میں لے لے گا تو میں نے پستول جیب میں ڈال کر بم اپنے داہنے ہاتھ میں منتقل کیا اور دانتوں سے اس کی فیوز پن نکال کر ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر وہ دستی بم پوری طاقت سے ان لوگوں کی طرف اچھال دیا۔

بم گرتے ہی پورا علاقہ ہولناک دھماکے سے لرز اٹھا۔ دھوئیں اور شعلوں کے بادل میں متعدد کربناک انسانی چیخیں ابھریں اور چند ثانیوں کے لیے ہر طرف سے فائرنگ کا شور تھم گیا لیکن میں بم مارنے کے بعد اپنی جگہ نہیں رکا بلکہ واپس اپنی کار کی طرف دوڑ پڑا۔

"کار کنارے پر کر کے لاک کر دو۔" میں نے سلطان شاہ کو ہدایت کی۔ "اور تھیلا لے کر باہر آ جاؤ۔ اس طرف سے ہم کو پیش قدمی کا موقع مل جائے گا۔"

اس نے پھرتی کے ساتھ میری ہدایت پر عمل کیا۔ اس وقت تک باہر سے کی جانے والی فائرنگ تھمی ہوئی تھی۔ البتہ اندر سے پستول کے اکا دکا فائروں کی آواز بدستور سنائی دے رہی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ میرے پھینکے ہوئے بم کے نتیجے میں وہاں کھڑی ہوئی دونوں میں سے کسی کار کی پٹرول کی ٹنکی نے آگ نہیں پکڑی تھی ورنہ نہ صرف قرب و جوار

میں آگ پھیل جاتی بلکہ اس کی روشنی میں ہمارے لیے بھی پیش قدمی کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

کاروں کے تباہ شدہ ڈھانچے کے درمیان سناٹا پھیل چکا تھا۔ اگر ان غنڈوں میں سے کوئی زندہ بچ بھی گیا تھا تو وہ غالباً وہاں سے نکل کر اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرف بھاگ گیا تھا۔ ہم نے دلدار آغا کے مکان کا جائزہ لینے کے لیے ان ہی ڈھانچوں کے درمیان اپنا پہلا مورچہ قائم کر لیا۔

وہاں سے دلدار آغا کے مکان کا بند آہنی پھاٹک نظر آ رہا تھا۔ پھاٹک پر اندھیرا تھا۔ باہر کے راستوں پر مامور اس کے آدمی بم کے دھماکے سے خائف ہو کر اپنی چوکڑی بھول چکے تھے اور دوبارہ فائرنگ کا آغاز نہیں ہوا تھا۔

"ہیلو ہیلو! ایگل کالنگ پیٹرول فور! " اچانک قریب ہی سے ہلکی سی ریڈیائی آواز سنائی دی اور میں چونک پڑا۔ اس ملبے میں تین مسخ شدہ لاشیں ہم دیکھ چکے تھے لیکن ان کا تفصیلی جائزہ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی لیکن وہ ریڈیائی آواز مجھے اُن کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کافی تھی۔

وقفے وقفے سے وہ آواز لاشوں کے قریب پڑے ہوئے ایک مختصر سے لاسلکی ٹرانسمیٹر سے اُبھر رہی تھی جو دھماکے سے تباہ ہونے سے بچ گیا تھا۔

تیسری بار اس کا نشری پیغام مکمل ہوتے ہی میں نے ٹرانسمیٹر کا بٹن دبایا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا "میری مدد کرو... میں بُری طرح زخمی ہوں اور اپنے قدموں پر بھی نہیں چل سکتا۔ میرے چاروں طرف سناٹا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ باقی تمام لوگ اپنی زندگیوں سے محروم ہو چکے ہیں... اوور! "

میری پھنسی پھنسی، کراہتی ہوئی آواز نے دوسری طرف والے کو الجھن میں ڈال دیا۔ "تم کون ہو؟ اپنی شناخت دلوکیشن بتاؤ، تو ہم ایک پارٹی تمہاری طرف بھیجتے ہیں... اوور! "

"لعنت ہے ایسی غلامانہ زندگی پر۔" میں اٹک اٹک کر بے زاری کے عالم میں بولا۔ "مجھے کچھ نہیں پتا کہ میں کہاں ہوں، دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی ہیں، میں مر رہا ہوں۔ اور تم میری شناخت پوچھ رہے ہو... اوور! "

"تم ہمیں دھوکا نہیں دے سکتے! " دوسری طرف سے اس بار پُراعتماد، تلخ لہجے میں کہا گیا تھا۔ "دھماکے میں تین آدمی مرے ہیں اور زخمی ہونے والے دونوں ہمارے پاس آ چکے ہیں۔ تم کون ہو اور تمہاری ٹانگیں کس نے توڑی ہیں...؟ اوور! "

"ایگل ہو کر چوہے جیسی باتیں کر رہے ہو! " میں نے صداکاری ترک کر دی لیکن آواز وہی بنا لی جو ڈی ڈی سے بات کرتے ہوئے سیما کے عاشق کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ اس بار میں نے پہلی دفعہ شی کے ہرکاروں کو ڈاکی ٹاکی استعمال کرتے ہوئے دیکھا تھا اور میرا اندازہ تھا کہ ڈی ڈی بذاتِ خود بھی ایسے ہی ایریئٹس پر اپنے آدمیوں کے علاوہ میری آواز بھی سُن رہا تھا۔ اس کے شناخت کے دعوے کے باوجود میں اسے اپنی طرف سے مغالطے میں رکھنا چاہ رہا تھا۔

"پیٹرول فور کا مطلب ہے کہ اس علاقے میں تمہاری کم از کم چار پارٹیاں موجود ہیں جن میں سے تین محفوظ ہیں جنھیں ہم کو تباہ کرنا ہوگا۔ مجھے حیرت ہے کہ ایک لنگڑے گھوڑے کو بچانے کے لیے اتنی انسانی زندگیاں داؤ پر لگا دی گئی ہیں لیکن تم یقین رکھو کہ وہ پھر بھی نہ بچ سکے گا... اوور! "

"کیا بک رہے ہو؟ کس لنگڑے گھوڑے کی بات کر رہے ہو تم؟... اوور! " دوسری طرف سے غراہٹ ابھری تھی۔

"تمہارا ڈی ڈی ٹی اپنے بے تکلف دوستوں میں لنگڑے گھوڑے کے نام سے پکارا جانا پسند کرتا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ اس گفتگو سے میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ اگر دلدار آغا اپنے ایریئٹس پر وہ گفتگو سُن رہا ہو تو مشتعل ہو کر خود ہی لائن پر آ جائے تاکہ میں اس سے کچھ اگلوا سکوں۔

"وہ اپنی پیدائش کے وقت دائی کے ہاتھوں سے پھسل کر فرش پر گر گیا تھا۔ اسی وقت سے اُس کی ایک ٹانگ میں نقص پیدا ہو گیا تھا۔" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے باس کو اپنے اس نقص پر فخر ہے۔ ٹانگ کی خرابی کے باوجود وہ بھاگنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ تم لوگ ایک ایک کر کے مار دیے جاؤ گے اور آخر میں وہ اپنے اصطبل سے نکل کر سرپٹ کسی بھی طرف بھاگ لے گا... اوور! "

"آج تمہاری شامت تمھیں ادھر لے آئی ہے۔ تم ان گلیوں سے زندہ واپس نہیں جا سکو گے... اوور! " دانت پیس کر غصیلے لہجے میں کہا گیا تھا۔

"ڈی ڈی کالنگ فار ایگل! " آخر کار میری توہین آمیز گفتگو نے دلدار آغا کو لائن پر آنے پر مجبور کر دیا۔ "اس مردود کو گھیر لو، یہ زندہ نہ نکلنے پائے۔ بم اسی نے پھینکا ہوگا۔ یہ بہت چالاک اور مکار ہے۔ تم لوگوں کی بے مقصد، وحشیانہ فائرنگ نے اسے فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کیا ہے۔ تم لوگ کس پر گولیاں چلا رہے تھے؟ اوور! " آخری فقرے پر اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے آدمیوں سے اس رات پہلی بار بات کر رہا تھا۔

"اندر سے فائر کی آواز پر پیٹرول ٹو والوں نے فائر کیا اور غلط فہمی میں سب ہی حرکت میں آ گئے۔" میں سمجھ رہا تھا

مکان پر حملہ ہو گیا ہے لیکن ہم مارنے والی پارٹی اس وقت
بالکل خاموشی سے صورتِ حال کا جائزہ لے رہی تھی ہم ان
لوگوں کو بچ کر نہیں نکلنے دیں گے۔ یہ لوگ اس وقت مرنے
والوں کے آس پاس ہی موجود ہیں، میرے آدمی اُدھر بڑھ
رہے ہیں۔۔۔ اوور!"

میں نے سلطان شاہ کا ہاتھ تھاما اور تیزی کے ساتھ
تباہ شدہ کاروں کے ڈھانچوں کے درمیان سے نکل کر اپنی
کار کی طرف دوڑ لگا دی۔ میرا ایئر پیٹس آن تھا اور اس پر
ڈی ڈی ایگل پر برس رہا تھا "اب تمہیں وہاں چڑیا کا بچہ
بھی نہیں ملے گا۔ اپنی حکمتِ عملی مجھے بتانے کی کیا ضرورت
تھی؟ تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت ہمارا ایک ایئر پیٹس دشمن
کے ہاتھ لگ چکا ہے اور وہ ہماری ہر بات سن رہا ہے۔ تم
اسی طرح پے در پے حماقتیں کرتے رہے تو وہ آج رات ایک
ایک کر کے تم سب کو ذبح کر دے گا۔ اپنے ہوش و حواس
درست رکھو اور اس کے ساتھ مکان کی چار دیواری پر بھی نگاہ
رکھو۔ ایک قیدی لڑکی عمارت سے نکل کر باغ میں کہیں چھپ
گئی ہے۔ وہ کسی بھی لمحے دیوار پھاند کر فرار ہونے کی کوشش
کر سکتی ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

اس نے ایگل کو اس کی بے احتیاطی پر بھڑکا رہا تھا لیکن
خود بھی محتاط نہیں رہ سکا۔ خود سامنے آئے بغیر اپنے مسلح درندوں
کو کام سے لگائے رکھنے کے لیے اسے زبان کھولنے پر مجبور
ہونا پڑا تھا۔ اس کی زبان سے یہ بات سن کر مجھے خوشی ہوئی تھی
کہ غزالہ اس کی مکروہ حرکتوں سے واقف ہونے کے بعد بھی
ہوتے ہوئے بھی اس کے قابو میں نہیں آئی تھی اور اسے چکمہ دے
کر اس کی چھت کے سائے سے نکل کر کھلے آسمان تلے آ گئی تھی۔

غزالہ کے ساتھ مقابلے کی وجہ سے ہی دلدار آغا ٹرانسمٹر
پر بر وقت اپنے آدمیوں کو فائرنگ روک دینے کا حکم نہیں
دے سکا تھا لیکن جب غزالہ کے باغ میں روپوش ہو جانے
کے بعد اسے مہلت ملی تو میرا پھینکا ہوا بم اس کے کئی آدمیوں
کی زندگی کو بے رحمی سے چاٹ چکا تھا۔

واپس دوڑتے ہوئے میری ہدایت پر سلطان شاہ نے
رُک کر، اُن لوگوں میں دہشت پھیلانے کے لیے ایک اور
بم پوری قوت سے فضا میں اچھال دیا۔ اس کا لرزہ خیز دھماکا
تباہ شدہ کاروں سے کافی آگے، دلدار آغا کے مکان کے پھاٹک
کے قریب ہوا تھا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ اس اندھا دھند
وار نے بھی دشمن کے کم از کم دو آدمیوں کو اپنی زد میں لے لیا تھا
ان دونوں کی بے ساختہ جاندار چیخوں سے یہ اندازہ لگانا مشکل
نہیں تھا کہ وہ صرف زخمی ہوئے تھے۔

اپنی کار اسٹارٹ کر کے اس کی روشنیاں جلائے بغیر
ہم ایک لمبا چکر کاٹ کر دلدار آغا کی رہائش گاہ کے عقب
میں پہنچ گئے۔ مجھے یقین تھا کہ اگلے حصے میں بموں کے دھماکوں
کے بعد ان لوگوں نے اپنی ساری توجہ اسی سمت میں ہم کو
تلاش کرنے پر مرکوز کر دی ہوگی اس لیے ہم ان کی غفلت
کا فائدہ اُٹھا کر کسی دوسرے رُخ سے ان پر اچانک حملہ کر
کے ان کے اوسان خطا کر سکتے تھے۔

ابتدا میں میرے ذہن میں یہ منصوبہ موجود تھا کہ ایک
آدھ آتش گیر بم دلدار آغا کے مکان پر بھی پھینکا جائے تاکہ
وہ عدم تحفظ کے خوف سے باہر نکل آئے لیکن اس کے اپنے
وسیع و عریض مکان کے احاطے یا باغ میں غزالہ کی روپوشی کی
خبر ملتے ہی میں نے اپنا منصوبہ ترک کر دیا تھا کیوں کہ اس
طرح ہمارے ہاتھوں غزالہ کو بھی نقصان پہنچنے کا امکان تھا۔

اس وقت ہمارا مقابلہ بھاری نفری سے تھا جب
کہ ہم صرف دو افراد تھے اس لیے ہم بھاری بارودی اسلحہ
استعمال کر کے ان میں دہشت پھیلائے بغیر کوئی کامیابی حاصل
نہیں کر سکتے تھے۔ میں ہلکی سی فائرنگ کر کے دلدار آغا کے
آدمیوں کی جوابی فائرنگ سے ان کی پوزیشن کا اندازہ لگا کر
کوئی قدم اُٹھانا چاہتا تھا لیکن اسی وقت فضا میں کسی پولیس
کار کے سائرن کی موہوم سی آواز گونجی جو تیزی کے ساتھ واضح
ہوتی چلی گئی۔

یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ دلدار آغا نے پولیس کو اُدھر متوجہ
کیا ہوگا۔ پولیس یقیناً علاقے کے کسی مکین کی شکایت پر ادھر ہی
آ رہی تھی اور اس کی آمد کی شان یہ تھی کہ میلوں دور سے سائرن
آن کر دیا گیا تھا تاکہ فساد پھیلانے والے اپنے اسلحے سمیت
جائے واردات سے دفع ہو جائیں اور پولیس والے جان کے
کسی خوف کے بغیر اپنی کارروائی کر سکیں۔

میں نے ایک بم پن نکال کر دلدار آغا کے احاطے کی دیوار
کی جڑ میں اچھال دیا۔ بالکل آخری لمحات پر میں نے اس دھماکے
سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا تھا۔ دھماکے سے احاطے کی دیوار
گرا کر غزالہ کے نکل بھاگنے کے لیے ایک کھلا راستہ بنایا جا
سکتا تھا۔

دھماکے کی روشنی میں میں نے دیوار کے پرخچے
اُڑتے دیکھے اور پھر اپنی کار میں سوار ہو گیا۔

"ڈی ڈی کالنگ الوری باڈی!" اچانک ٹرانسمٹر پر
مانوس آواز اُبھری "سب لوگ جلد از جلد اس علاقے
سے نکل جائیں، میں خود سارے معاملات سنبھال لوں گا۔ پولیس
آ رہی ہے، کوئی زندہ یا مردہ شخص ان کے ہاتھ نہیں لگنا
چاہیے۔۔۔ اوور اینڈ آل!" اس کی آواز دھیمی لیکن لہجہ۔۔۔
غضب آلود تھا۔

"لڑکی کہاں ہے ڈارلنگ ڈی ڈی ٹی؟" میں نے اپنے ایرمیٹس کا بٹن دبا کر مضحکانہ لہجے میں سوال کیا "تم کچھ بوکھلائے ہوئے معلوم ہو رہے ہو... اوور!"

"وہ مجھ سے بچ کر نہیں نکل سکے گی۔" اس کی تہہ میں ڈوبی ہوئی آواز اُبھری "آج اس نے مجھ پر ہتھیار اُٹھا کر خود کو دردناک موت کا سزاوار بنالیا ہے۔ میں اسے پاتال سے بھی کھود نکالوں گا۔"

اس نے باقاعدہ لائن اوور نہیں کی لیکن سکوت سے میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ اپنی بات پوری کر چکا تھا۔

"کھدائی احتیاط سے کرنا! کوئی سخت چٹان آگئی تو کدال اُچٹ کر خود تمہارا سر پھاڑ دے گی۔ اوور!" میں نے اس کا مضحکہ اُڑانے والے لہجے میں کہا لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ شاید اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بھنا کر اپنا ایرمیٹس آف کر دیا تھا تاکہ میں اسے مزید مشتعل نہ کر سکوں۔

اس کی آخری گفتگو سے یہ مسرت انگیز اشارہ مل چکا تھا کہ اُس وقت تک غزالہ دوبارہ اس کے ہاتھ نہیں آئی تھی۔ اس لحاظ سے ہماری وہ بھاگ دوڑ بالکل ہی رائگاں نہیں گئی تھی۔ دلدار آغا کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ میں ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گیا ہوں۔ اسی کے ساتھ اس کا ایک ایرمیٹس میری تحویل میں آ گیا تھا۔

جلتے ہوئے بارود کی بُو سے رچے ہوئے ماحول میں غضب ناک کتوں کو غراتا ہوا چھوڑ کر تھوڑی ہی دیر میں ہم اس علاقے سے محفوظ فاصلے پر نکل آئے۔ پولیس کار کا سائرن ہمارے قریب سے گزر کر پیچھے رہ گیا تھا۔ راستے میں ان سے ہمارا سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

واپسی پر میں نے دلدار آغا کے اہم آدمی معراج دین کے اڈے پر دھاوا بولنے کا ارادہ کیا تھا لیکن سلطان شاہ نے مجھے روک دیا۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد اُس وقت میں اس قدر اعصاب زدہ ہو کر رہ گیا تھا کہ خود کو نیند کی حالت میں وہ سارے کام کرتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

میں نے دوسری بار کار اپنی عمارت کے پارکنگ فلور پر چڑھائی تو چوکیدار نے قدرے حیرت سے میری طرف دیکھا تھا۔ اپنی پیشہ ورانہ ذمے داریوں کی بنا پر اس کے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ اس رات ہماری مصروفیات کی نوعیت بہت زیادہ غیر معمولی تھی۔

میں لباس تبدیل کر کے سونے کے لیے بستر پر دراز ہوا تو میرے ذہن میں غیر ارادی طور پر کئی نام در آئے۔ پہلا نام شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا لائیڈ کا تھا جو تفریح کے معاملے میں بے اعتدالی کی عادی تھی اور اپنے کردار کے اس پہلو پر کبھی بھی شرمندگی کا اظہار نہ کرنے کے باوجود میری ذات سے بے پناہ محبت کی دعوے دار تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ اس نے کئی نازک مواقع پر اپنے باپ کے مقابلے میں کھل کر میرا ساتھ دیا تھا اور جمی لائیڈ کی معتوب بن گئی تھی۔ پروگرام کے مطابق اسے میلان میں مجھ سے ملنا تھا لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے وہ نہ آسکی اور میں سلطان شاہ کے ساتھ پاکستان پہنچ گیا۔ دوسرا نام میری مقتول پڑوسن سیما کا تھا۔ وہ بھی آزاد رَوی کی قائل تھی۔ اُس کا شوہر وطن سے ہزاروں میل دور فرینک فرٹ کی کسی جیل میں ہیروئن اسمگل کرنے کے جرم میں قید تھا اور وہ ہجر کے کرب ناک لمحات اجنبی مردوں کی رفاقت میں گزار رہی تھی۔ اس کا بھی جھکاؤ میری جانب تھا لیکن نشے کی جھونک میں وہ میرے بجائے جہانگیر کی گود میں پکے ہوئے پھل کی طرح آگری تھی۔ اُس کی زندگی نے اُس کے ساتھ وفا نہیں کی ورنہ وہ رشتوں کے کسی بھی تکلف میں پڑے بغیر اپنے دوستوں کی دلجوئی کرنے کی عادی معلوم ہوتی تھی۔ وہ

مری تو سلمیٰ کے گھر ریٹا سے ملاقات ہوئی جو اپنی قسم کی ایک انوکھی ہی مخلوق تھی۔ سرخی، غازے اور میک اپ کے دوسرے لوازمات کے سہارے اپنے حسن کو دو آتشہ بنانے والی وہ خاتون ایک معزز وکیل کی بیوی تھی۔ اس سے میری تفصیلی ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ لیکن اُس کے بارے میں میرا اندازہ تھا کہ وہ بھی زیادہ اخلاقی قیود کی عادی نہیں تھی لیکن میں ان ناموں کو عارضی دوستی سے زیادہ کوئی وقعت دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میرا فلسفہ یہ تھا کہ ایک عورت ایک وقت میں صرف ایک ہی مرد کو خوش رکھ سکتی تھی خواہ وہ اُس کا شوہر ہو یا محبوب۔ شمع محفل بن کر آسودگی کی خیرات بانٹنے والیوں سے آخر کار آزار ہی ملا کرتے ہیں جن کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔

ان ہی خیالوں میں میری آنکھ لگ گئی۔ اگلی صبح بیدار ہوا تو کچن سے آنے والی کھٹ پٹ کی آوازوں نے مجھے چونکا دیا۔ میں حیرت اور تجسس کے عالم میں بستر سے کود کر... باورچی خانے کے دروازے پر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سلطان شاہ پوری طرح تیار ہو کر اپنے لیے ناشتا بنا رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ مسکرانے لگا۔ "نوکری کا معاملہ ہے، اس لیے وقت پر بیدار ہو کر جانا پڑتا ہے۔ دلدار آغا وقت کی پابندی کے معاملے میں فیکٹری کے عملے کے ساتھ بہت سخت ہے۔ صرف پانچ منٹ کی تاخیر سے آنے والوں کو بھی ڈیوٹی پر نہیں لیا جاتا اور ایک ماہ میں تین غیر حاضریوں پر برطرفی کا پروانہ تھما دیا جاتا ہے۔"

"ملازمت سے برطرفی کے لیے تو کچھ مقررہ ضابطے اور قانون ہیں، کیا وہ ان کی پابندی نہیں کرتا؟"

"وہ لے دے کر کام چلاتا ہوگا، ویسے بھی ورکرز ان کی اتنی دہشت ہے کہ جانے والے بھی انتظامیہ کے فیصلوں کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت نہیں کر پاتے۔ تم لعنت بھیجو ان باتوں پر۔ میرے پاس تمہارے لیے ایک خوش خبری موجود ہے۔" وہ خاموش ہو کر معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"بولو، بولو! کیا بات ہے؟" اتنی دیر میں میرا خمار بالکل کافور ہو چکا تھا۔

"رات کو ہاتھ لگنے والا اپریٹس بہت کارآمد ہے۔ اس کی رینج دس میل یا سولہ کلومیٹر کے دائرے میں ہے۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے اس پر ڈی ڈی اور اینگل کی گفتگو سنی ہے اور خوش خبری کی بات یہ ہے کہ بھابی کامیابی کے ساتھ دلدار آغا کے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ پولیس والوں کے ہاتھ لگی اور نہ اینگل کے فرشتوں کو علم ہو سکا کہ وہ کب اور کہاں سے نکل گئی!"

یہ مستند خبر بہت حوصلہ افزا تھی۔ پوری رات گزار لینے کے بعد ڈی ڈی نے شاید یہ سوچ کر اپریٹس پر اینگل سے بات کرنے کا فیصلہ کیا ہوگا کہ ہم دونوں سو چکے ہوں گے اس لیے اس کی گفتگو سن لیے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

"تم نے درمیان میں مداخلت تو نہیں کی تھی؟" میں نے اسے گھورا۔

وہ ہولے سے ہنس پڑا۔ "اب میں اتنا بے وقوف بھی نہیں ہوں، میں نے اُٹھتے ہی اپریٹس آن کر دیا تھا۔ منہ دھوتے ہوئے اس پر آوازیں سنائی دیں اور میں باہر نکل آیا۔"

"مجھے یہی فکر تھی کہ وہ دلدار آغا کے مکان سے نکل کر پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جائے لیکن وہ اکیلی رہ کر میری توقع سے زیادہ دلیر اور بے خوف ہو گئی ہے۔" میں نے اطمینان کی سانس لے کر کہا۔

"کراچی اس کے لیے اجنبی شہر نہیں ہے، اب وہ کسی نہ کسی طرح ہم سے آملے گی۔" وہ بہت زیادہ پُرامید تھا۔

لیکن میرے لیے اس معاملے کا ایک نازک پہلو بدستور برقرار تھا۔ غزالہ کو اپنے اکلوتے بھائی کامران سے بہت زیادہ پیار تھا جس نے برسوں دیوانگی کی زندگی بسر کرنے کے بعد کچھ ہی عرصے پہلے ہوش سنبھالا تھا اور بدقسمتی یہ تھی کہ کامران بھی غزالہ کے ساتھ دلدار آغا کے مکان میں رہ رہا تھا۔ غزالہ دلیری سے کام لے کر اس مہیب ترین قید خانے سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ کامران وہیں پھنسا رہ گیا ہوگا۔ اسے دلدار آغا یرغمال بنا کر غزالہ کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر سکتا تھا۔

"میرے لیے بھی ناشتا تیار کرنو!" سلطان شاہ کو ہدایت دے کر میں غسل خانے میں جا گھسا۔ میں جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو کر لباس تبدیل کیے بغیر کچن ٹیبل پر اس کے ساتھ ناشتے میں شریک ہو گیا۔

میری نگاہ میں یہ صورتِ حال بہت زیادہ عجیب و غریب اور غیر حقیقی محسوس ہو رہی تھی۔ میں اخبارات میں آئے دن خبریں پڑھتا تھا تو یقین نہیں آتا تھا کہ اپنے محبوب کی خاطر کوئی مشرقی عورت اپنے مجازی خدا کی دشمن بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن غزالہ کا معاملہ سامنے آنے کے بعد مجھے یہ ماننا پڑا تھا کہ حالات کے تحت ایسے ایسے محیّر العقول واقعات رُونما ہو سکتے ہیں جن پر کسی اجنبی کا یقین کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

سلطان شاہ ناشتا کر کے جاز فارماسیوٹیکل کے لیے روانہ ہو گیا اور میں دفتر روانگی کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ فلیٹ سے روانہ ہو کر میں نے بہادر آباد کے چوراہے پر کار روک کر ایک بک اسٹال سے اخبارات خریدے اور اُن کے پہلے اور آخری صفحات کا سرسری جائزہ لے ڈالا۔ مجھے معلوم تھا کہ صبح کے اخبارات کے وہ اہم ترین صفحات ہی رات گئے سب سے آخر میں چھاپے جاتے تھے۔ اس لیے شہر میں تاخیر سے ہونے والے واقعات کے بارے میں کوئی نامکمل یا سرسری خبر ان ہی صفحات پر مل سکتی تھی۔

اُردو کے صفِ اوّل کے کثیر الاشاعت روزنامے کے پہلے صفحے پر سب سے نیچے ایک چھوٹی سی جگہ میں ڈیفنس کے رہائشی علاقے میں شدید فائرنگ کی ادھوری خبر موجود تھی جس سے میرا مطلب حل نہیں ہوتا تھا۔

اس اخباری جائزے کے بعد میں دفتر کے لیے روانہ ہو گیا۔ مافیا کے مقامی بیورو میں میرے پہلے باقاعدہ دن کا آغاز ہونے والا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے اختیارات کا جائزہ لینے کے لیے، ٹریڈ لائن کے دفتر پہنچتے ہی کسی کو دلدار آغا کے مکان پر پیش آنے والے واقعات کی تفتیش پر مامور کر سکتا تھا۔

میں شہر کے مصروف علاقوں میں ٹریفک کا ہجوم بڑھنے سے ذرا پہلے ہی ٹریڈ لائن کے دفتر پہنچ گیا۔ اس وقت میری رسٹ واچ میں نو بجنے میں دس منٹ باقی

تھے لیکن عجائب گل خان کسی فرض شناس ملازم کی طرح پوری محنت سے چوبی دروازے کو زرد فلالین کے کپڑے سے رگڑ رگڑ کر چمکا رہا تھا۔

خوش قسمتی سے اس سے کوئی مدد لیے بغیر ہی مجھے گاڑی پارک کرنے کی جگہ مل گئی۔ میں دروازہ لاک کر کے دفتر کے دروازے پر پہنچا تو عجائب گل میرے قدموں کی آہٹ سنتے ہی پدک کر پلٹا اور مجھے دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اپنی فطری حیرت کے باوجود وہ اٹین شن ہو کر مجھے سلام کرنا نہیں بھولا تھا۔

اس وقت میں اس کا اعلیٰ افسر تھا اس لیے میں نے کسی نرماہٹ کا مظاہرہ کیے بغیر سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ ”کیا بات ہے عجائب خان؟ مجھے دیکھ کر تم کچھ بوکھلا سے گئے ہو۔“

”ابھی دفتر میں کوئی نہیں آیا صاب۔“ وہ میرے لیے احترام کے ساتھ دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔ ”آپ بہت سویرے ادھر آ گیا۔ دفتر میں تو سب لوگ دس بجے آتا ہے۔“

اس نے میرے ساتھ اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

اچانک مجھے سب انسپکٹر محمود کی دردناک موت یاد آ گئی۔ اسے ایک سازش کے ذریعے اس کی ایمانداری کی سزا اس طرح دی گئی تھی کہ اس کا بہیمانہ قتل ایک حادثہ قرار دے دیا گیا تھا۔ اس سازش کا سربراہ ڈان نقری تھا اور اسی نے محمود کے قتل کے بعد جائے حادثہ سے میرے کاغذات کا لفافہ اٹھایا تھا لیکن اس ٹرک ڈرائیور کا نام صیغۂ راز میں تھا جس نے بڑی بے رحمی کے ساتھ محمود کو اس کے اسکوٹر سمیت اپنے ٹرک کے ٹائروں تلے رَوند ڈالا تھا۔

”تم بہت محنتی آدمی ہو عجائب گل۔“ میں نے تخلیہ پا کر اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کر دیں اور اس نے بوکھلا کر سر جھکا لیا۔ اس کے چہرے پر میرے لیے احترام موجود تھا۔

”تم ڈرائیونگ بھی کر لیتے ہو۔ میں تمھارے کام سے بہت خوش ہوں۔“ میں نے اپنی بات معنی خیز لہجے میں مکمل کی۔

”جو حکم ملے، اس کو پورا کرنا ہماری زندگی ہے صاب!“ اندرونی مسرت سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”تمھیں معلوم ہے کہ اب سب لوگ صرف مجھ کو جواب دہ ہیں؟“

”مالوم ہے صاب!“ وہ اپنا دایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر بولا۔ ”اب سینڈ صاب بھی تمھارا ماتیت ہے۔“ اس کے بگڑے ہوئے تلفظ سے ماتحت کا لفظ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا۔

”ڈان تمھاری تعریف کر رہا تھا۔“ میں نے قدرے دھیمے لہجے میں کہا۔ ”جانتے ہو، کیوں؟“

اس نے چونک کر خوف زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا، پھر سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اس نے ہم کو زبان بند رکھنے کا حکم دیا تھا صاب! پولیس افسر کا قتل بہت بڑا جرم ہوتا ہے۔ ہم نے کسی سے ایک لفظ نہیں بولا۔ کام کرنے کے بعد ٹرک مودود خان کے اڈے پر چھوڑا اور واپس آ گیا لیکن اس نے خود تم کو بتا دیا؟“

”مجھ میں اور دوسروں میں فرق ہے عجائب خان!“ میں نے اسے گھورتے ہوئے سفاکانہ ہنسی کے ساتھ کہا۔ ”اس نے تو یہ بھی کہا تھا کہ انگریزی نہ جاننے کے باوجود تم نے اس کی ہر بات سمجھ لی۔“

”وہ نقاب میں تھا صاب!“ عجائب خان جھرجھری لے کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ ”مگر ہم کو معلوم تھا کہ وہ گورا ہے۔ اس نے سارا بات اشاروں سے سمجھایا اور ہم سمجھ گیا کہ ہم کو کیا کرنا ہے۔ قسم پروردگار کا مالک حکم دے تو ہم ایک کیا پچاس آدمی کو بھی کچل کر مار سکتا ہے۔ ہم نمک حرام نہیں ہے۔“

”اسی لیے میں بھی تم سے کچھ ضروری کام لینا چاہتا ہوں۔“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا اور وہ... ہمہ تن گوش ہو گیا۔ ”تم ماچے کو جانتے ہو؟“ میں نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔

”جانتا ہے صاب! وہ دوسرا پالٹی کا آدمی ہے، کھڈے کا سارا ہیروئن وہ سپلائی کرتا ہے۔“ عجائب خان نے نہایت سعادت مندی سے سر جھکا کر اقرار کیا۔

”میں چاہتا ہوں کہ دو چار روز کے لیے اسے اتنا معذور کر دیا جائے کہ وہ اپنا کوئی کام خود نہ کر سکے۔“ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

”حکم دو تو ہم اس کی زندگی کا چراغ ہی گل کر دیں۔“ اس نے مخلصانہ لہجے میں پیش کش کی۔ ”بلکہ کسی شکار کو زخمی کرنے سے اسے مارنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔“

”یہ مشکل کام ہے اسی لیے تم سے بات کر رہا ہوں۔“ میں نے اپنے الفاظ پر زور دے کر کہا۔ ”آسان کام تو کوئی دوسرا بھی خوشی سے کر گزرے گا۔“

”جو حکم مالک کا۔“ اس نے سنگین لہجے میں وہ فقرہ ادا کرتے ہوئے اپنا سر خم کر دیا۔

"میری گاڑی لے جاؤ۔" میں نے چابی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ دھیان رکھنا کہ نہ گاڑی دیکھی جائے اور نہ تم پہچانے جاؤ! اسلحہ ہے تمہارے پاس؟"

"ہم بھوکا رہ سکتا ہے صاب۔ ہتھیار نہیں چھوڑ سکتا۔" اس نے چابی لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن ادھر کون چوکیداری کرے گا؟"

"تم جاؤ! میں یہاں موجود ہوں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا اور وہ تیزی کے ساتھ دفتر سے نکل گیا۔

میں وہیں چھوٹے سے استقبالیہ کاؤنٹر کے قریب جا کھڑا ہوا۔

الیکٹرانک فون ایکسچینج آف تھا۔ میں نے لائن آن کرکے جہانگیر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے سلمیٰ نے فوراً ہی ریسیور اٹھا لیا۔ اس کی سہمی ہوئی آواز سن کر میں چونک پڑا۔

"میں پیٹر بول رہا ہوں سلمیٰ! جہانگیر کا کیا حال ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ بہتر ہیں، لیکن میں بہت پریشان ہوں۔" وہ... روہانسی آواز میں بولی تھی۔ "تم تھوڑی دیر کے لیے آ سکتے ہو؟"

"میں مجبور نہ ہوتا تو فون کرنے کے بجائے خود جہانگیر کی عیادت کے لیے آتا۔ تم جہانگیر سے میری اس بات کی تصدیق کر سکتی ہو۔ بات کیا ہے؟ تم واقعی خوف زدہ معلوم ہو رہی ہو؟"

"ریٹا دو بجے میرے پاس سے اپنے گھر گئی ہے۔ اس کے بعد سے بار بار کسی نامعلوم شخص کا فون آ رہا ہے۔ وہ ہر بار جہانگیر کو پوچھتا ہے۔ وہ خواب آور دوا کے زیر اثر سو رہے ہیں اس لیے میں ان کی بات نہیں کرا سکتی۔ یہ معلوم ہونے کے بعد وہ کمینہ شخص ننگی ننگی گالیوں کے ساتھ خوف ناک دھمکیاں دے کر فون بند کر دیتا ہے۔ دو بار اس نے یہ بھی کہا کہ جہانگیر نے اگر اس کی ہدایات سے ذرا بھی انحراف کیا تو اس بار وہ ان کی کھال جسم سے الگ کرا دے گا۔ مجھے تو وہ کوئی جنونی معلوم ہوتا ہے جو ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے پڑ گیا ہے۔"

میرے لیے یہ خبر روح فرسا تھی۔ غزالہ سے محروم ہو جانے کے بعد میرا نام اس کے دل کی پھانس بن گیا تھا اور وہ شاید ایک بار پھر جہانگیر پر قابو پا کر اس کی زبان کھلوانے کی کوشش کرنا چاہتا تھا۔ بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ جہانگیر اس درندے کے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد بستر سے لگ گیا تھا۔ اسے اپنے گھریلو ملازمین کے سوا کسی قسم کا کوئی تحفظ حاصل نہیں تھا۔ نہ ہی میں اس کی کوئی مدد کر سکتا تھا۔ نانے سے

کر بس ایک ہی بات اس کے حق میں جاتی تھی کہ اس کی نئی افتاد سے باخبر ہونے سے قبل ہی میں عجائب گل خان کو معراج دین عرف ماجا کی طرف بھیج چکا تھا۔ مجھے علم تھا کہ دلدار آغا معاشرے کے ایک معزز فرد کے بہروپ میں رہ رہا تھا اور اپنی تمام مجرمانہ کارروائیاں ماجے کے آدمیوں کے ذریعے کراتا تھا۔ ماجے کی معذوری اسے بالکل بے دست و پا کر سکتی تھی۔ اس طرح وہ جہانگیر کے خلاف فوری طور پر کوئی زیادہ بڑی کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔ جہانگیر کے مسئلے کا علم ہونے سے قبل ماجے کو معذور کرانے سے میرا مدعا بھی یہی تھا کہ دلدار آغا بالکل بے دست و پا ہو کر بے بسی سے جھلاتا رہ جائے۔ معراج دین مار دیا جاتا تو دلدار آغا فوری طور پر زیر زمین دنیا کے کسی دوسرے فرد سے معاہدہ کر سکتا تھا لیکن اس کی زندگی میں دلدار آغا کے لیے اس کی دوبارہ صحت یابی کا انتظار کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ کار نہیں رہتا۔

حالات اور واقعات سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ دلدار آغا کو کراچی میں میری موجودگی کا یقین نہیں تھا لیکن وہ میری طرف سے شبہات کا شکار ہو چکا تھا۔ دوسری طرف غزالہ کے رویّے میں آنے والی باغیانہ تبدیلی نے بھی اس کے شبہات کو ہوا دی ہو گی۔ اسی وجہ سے وہ دوبارہ جہانگیر کو فون کر رہا تھا۔

شہر میں میری موجودگی کے صرف تین گواہ دلدار آغا کی دسترس میں تھے جن میں سے امیر داد اسلطان شاہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ غزالہ دلدار آغا کے منہ پر تھوک کر اس کے گھر سے نکل گئی تھی۔ اس طرح صرف تیسرا آدمی باقی رہ جاتا تھا جو میری نگاہوں میں تھا۔ وہ بٹیل پاڑے کی گنجان آبادی میں رہنے والا محکمہ اوزان کا انسپکٹر بخت آور تھا جو غزالہ سے میری پہلی ملاقات کے موقع پر ہوٹل میں امیر داد کے ساتھ ہماری نگرانی کر رہا تھا۔

اپنی سرکاری ملازمت کی بنا پر وہ پیشہ ور مجرم نہیں تھا۔ اس لیے یہ امکان بہت کم تھا کہ وہ مجھے دیکھ کر ڈینی کی حیثیت سے پہچان لیتا البتہ میری تصاویر دکھا کر اس سے شناخت کرائی جا سکتی تھی۔ اس بنا پر نہ میں فوری طور پر اس کے خلاف کوئی سنگ دلانہ فیصلہ کر سکتا تھا اور نہ اسے یکسر فراموش کر سکتا تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ طے ہو جاتا تھا کہ پچھلی رات شاہ باغ سے واپسی کے بعد دلدار آغا نے فون پر میری شناخت کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اس کا تعلق میرے ڈینی ہونے یا نہ ہونے سے نہیں تھا بلکہ وہ کسی اور حوالے سے بات کر رہا تھا جو میرے لیے ناقابل فہم تھا۔

اس وقت میرے کھیل کا زیادہ دارومدار اچانک عجائب گل کی کامیابی پر رہ گیا تھا۔ اس کا مشن کامیاب ہو جاتا

تو نہ صرف دلدار آغا تنہا رہ جاتا بلکہ مجھے بھی ہاتھ پیر پھیلانے کا موقع مل جاتا۔

شاہ باغ میں ہونے والی خون ریزی اور دلدار آغا کے مکان کے باہر بھاری جانی اتلاف کے بعد ملیشے کے آدمی اپنے باس کی براہِ راست مداخلت کے بغیر بھاری معاوضے پر بھی ڈی ڈی کے لیے کام کرنے پر آمادہ نہ ہوتے کیوں کہ وہ لوگ عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے ہی ساری بدمعاشیاں کرتے تھے۔ اگر ان کی زندگی ہی چھین لی جاتی تو بھاری معاوضے ان کے لیے مٹی کے ڈھیر کی طرح بے مصرف ہو جاتے۔

"وہ جو کوئی بھی ہے، میری نگاہ میں ہے۔" میں نے سلمیٰ کو دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "وہ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچ رہا ہے۔ اس کی دھمکیوں میں کوئی وزن ہوتا تو وہ فون کرنے کے بجائے تمہارے گھر پہنچ گیا ہوتا۔ میرے کچھ آدمی اس کی راہ پر لگے ہوئے ہیں، تمہارا رُخ کرنے سے پہلے ہی وہ موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔"

"میرے خدا!" وہ فون پر یکلخت رو پڑی۔ "تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ تم بھی اسی کی طرح سفاکی سے قتل اور غارت گری کی باتیں کر رہے ہو۔ اگر وہ جنونی ہے تو پھر تم بھی پاگل ہو گئے ہو... مجھے کچھ تو بتاؤ کہ وہ کون ہے اور اس سے تمہاری کیسی دشمنی چل رہی ہے؟"

مجھے احساس ہوا کہ جوش اور غصے میں مجھے واقعی اپنی زبان پر اختیار نہیں رہا تھا۔ مجھے سلمیٰ سے اُس وقت قتل اور انتقام کی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ ڈی ڈی کی فون کالز سے پہلے ہی دہشت زدہ تھی، میری باتوں نے اُسے اور خوف زدہ کر دیا تھا۔ سیدھی سی بات تھی کہ میں جس کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا، جواب میں وہ مجھ پر یا جہانگیر پر پھولوں کی برسات نہیں کر سکتا تھا۔

"یہ اُونچے درجے کی کاروباری رقابت ہے سلمیٰ!" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "اجارہ داری برقرار رکھنے کے لیے وہ ہم کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہ رہا ہے..."

"تم جھوٹے اور مکار ہو۔" وہ میری بات کاٹ کر رُندھی ہوئی غصیلی آواز میں چیخ پڑی۔ "اس شہر میں ہزاروں لوگوں نے گارمنٹس کے چھوٹے بڑے کارخانے لگائے ہوئے ہیں لیکن کوئی بھیڑیوں کی طرح دوسروں کو چیر پھاڑ کر نہیں پھینک رہا۔ تم مجھے سچ سچ بتاؤ کہ گارمنٹس کی آڑ میں جہانگیر کیا دھندا کر رہا ہے؟"

"تم مصر ہو تو میں بتا دوں گا لیکن تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ تم جہانگیر کو اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتاؤ گی۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر اپنے ذہن میں کہانی مرتب کرتے ہوئے کہا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ اپنی زبان بند رکھوں گی۔" ریسیور پر اس کی اضطراری آواز اُبھری۔ "لیکن میں اس کی شرعی اور قانونی بیوی ہوں۔ مجھے اس کی مصروفیات اور کاروبار کے بارے میں ہر بات جاننے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔"

"میں تمہارے اس حق سے انکار نہیں کرتا لیکن تم اپنے اس حق کے بارے میں ایک غلط آدمی کو مجبور کر رہی ہو۔ بہرحال میں تمہیں تمہارے وعدے پر بتا رہا ہوں کہ یہ کاروباری رقابت ہی کا ایک معاملہ ہے۔ گارمنٹس کا ایک بڑا ایکسپورٹر پاکستان سے اپنے مال کے ساتھ بلکہ اس کی آڑ میں ہیروئن کی بھاری مقدار امریکا اسمگل کرتا رہتا تھا۔ حال ہی میں کسٹم والوں نے چھاپا مار کر اس کا مال جہاز پر لادے جانے سے قبل رنگے ہاتھوں ہیروئن کی کھیپ برآمد کر لی۔ اسے کسی وجہ سے شبہ ہو گیا ہے کہ اس کا مال جہانگیر نے پکڑوایا ہے اس لیے وہ جہانگیر کے پیچھے پڑ گیا ہے اور اب ہر طرح سے اسے برباد کرنا چاہتا ہے لیکن میں بھی اس کے پیچھے لگ گیا ہوں، اگر ثبوت کے ساتھ اسے قانون کی مضبوط گرفت میں نہ لا سکا تو پھر اسی کی طرح مجرمانہ ہتھکنڈوں سے اُسے زیر کر دوں گا۔"

"ہیروئن برآمد ہونے سے بڑا اور کون سا ثبوت قانون کو درکار ہو سکتا ہے؟" اس کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔

"اس نے سارا الزام اپنے منیجر کے سر ڈال دیا ہے کہ وہی اس کی بے خبری میں یہ مذموم کارروائی کر رہا تھا لیکن میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ سارے کرتوت اُسی کے ہیں۔"

"جب تک تم کو کامیابی حاصل نہیں ہوتی، ہم دونوں کی جان سُولی پر ٹکی رہے گی۔ وہ کسی وقت بھی اشتعال کے عالم میں ہم پر وار کر سکتا ہے۔" اس کی آواز ایک بار پھر رُندھنے لگی۔

"تم بھول رہی ہو کہ وہ آزاد نہیں ہے، میرے آدمی اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، میں فوری طور پر تمہارے گھر کی نگرانی کا بندوبست بھی کرتا ہوں...!"

"تمہارے آدمی کہاں سے آ گئے؟ مجھے جھوٹے بہلاوے نہ دو!" اس نے میری بات کاٹ دی۔

"کراچی میں پیسے کے بل پر سب کچھ ہو جاتا ہے میری باتوں پر بھروسا نہیں کرو گی تو دہشت سے ہلکان ہو جاؤ گی۔ یہ کیوں بھول رہی ہو کہ جہانگیر میرا عزیز ترین دوست ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟" اس کی وہی ایک رٹ تھی خوف نے اس سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لی تھی۔

"اپنے ملازمین کو ہدایت کر دو کہ کسی بھی آنے والے

بے داخلی پھاٹک ہرگز نہ کھولیں، اجنبیوں کو باہر ہی سے
یں اور جاننے والوں کو ذیلی دروازے سے اندر بلائیں
کے ساتھ گھر میں موجود اسلحہ اپنے قابلِ اعتماد ملازمین میں
یم کر دو تاکہ کوئی بُرا وقت آ ہی جائے تو وہ بے دست و پا
نہ رہ جائیں اور مؤثر طریقے پر تمہارے گھر کا اور تمہارا
ع کر سکیں۔"

"وہ جہانگیر کا دشمن ہو گیا ہے۔ تمہارا اس کے کاروبار
کوئی واسطہ نہیں۔ پھر تمہیں کون سی چیز یہاں آنے سے
ہی ہے؟" اس نے اچانک ہی مجھ سے وہ ٹیڑھا
ل کر ڈالا۔

"تمہیں سمجھانا بہت مشکل ہے سلمیٰ!" میں بے بسی
سے بولا۔ "اس مردود کو شبہ ہے کہ میں کاروبار میں جہانگیر کا
یک ہوں۔ اُس نے تشدد کر کے جہانگیر کو صرف اسی لیے
ڑا ہے کہ میں اس کی مزاج پرسی کے لیے اس کے پاس
ں تو وہ ہم دونوں کو ایک ساتھ پکڑ سکے۔ اسے میری تلاش
ہے۔ میں تمہارے پاس آ گیا تو وہ اپنی ساری طاقت
طرف مرکوز کر دے گا۔ باہر رہ کر میں تمہاری زیادہ مدد کر
تا ہوں۔"

"جیسا تم کہہ رہے ہو، میں ویسا ہی کروں گی۔" اُس
کی آواز سنائی دی۔ "لیکن خدا کے لیے مجھے فون کرتے
رہنا۔ مجھے ابھی سے ہول آنے لگے ہیں۔"

"تم فکر نہ کرو، میں رابطہ رکھوں گا۔" میں نے رابطہ
منقطع کر دیا۔ اپنی بنائی ہوئی فرضی کہانی کے ذریعے میں اُسے
قائل کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ میری کسی بھی قسم کی...
نافرمانی کر کے وہ خسارے میں رہتی۔

صورتِ حال پیچیدہ ہوتی جا رہی تھی۔ دلدار آغا زخمی بھیڑیے
کی طرح پلٹ پلٹ کر وار کر رہا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کس
وقت جہانگیر کے خلاف کوئی انتہائی کارروائی کرنے کا فیصلہ کر لیتا۔
نازک موڑ پر زخمی جہانگیر اور ہراساں سلمیٰ کو ناتجربے کار گھریلو ملازم
کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر وہیں ایک طرف بیٹھ گیا۔ جہانگیر کی مدد
کے لیے مجھے مافیا کے اراکین سے مدد لینا ناگزیر نظر آ رہا تھا۔ اس
بنا پر مافیا اور شی کی چپقلش سے فائدہ اُٹھا کر میں مافیا کی بھرپور
طاقت دلدار آغا کے خلاف استعمال کر سکتا تھا۔

میں ابھی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اندر سے اچانک سینڈو
نمودار ہوا۔ وہ سر جھکائے اپنی دُھن میں مست چلا آ رہا تھا۔
نظر پڑتے ہی میں اپنی غائب دماغی پر بھنّا کر رہ گیا۔ مجھے
اچھی طرح معلوم تھا کہ سینڈو مافیا کے دوسرے کئی اہم کارندوں کے
ساتھ اسی دفتر کے اندرونی حصّے میں قیام پذیر تھا پھر بھی میں سے

عجائب گل کی جگہ اس کے کسی آدمی کو طلب کرنے کے بجائے خود ہی
چوکیداری کے لیے بیٹھ گیا تھا۔

سینڈو کی نگاہ اچانک ہی مجھ پر پڑی اور وہ مجھے بے تکلفی
کے ساتھ وہاں براجمان پا کر بھونچکا رہ گیا۔

"باس! تم کب آئے یہاں؟" اس کے ہونٹوں سے تحیّر زدہ
آواز نکلی۔

"کام اور موت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا سینڈو!" میں نے سرد
لہجے میں کہا۔

"تم اکیلے ہی یہاں بیٹھے ہو؟ عجائب گل کہاں مر گیا؟" اس نے
الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"مرا نہیں، وہ کسی کو مارنے کے لیے گیا ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے
لہجے میں کہا۔ "اسے میں نے کام سے بھیجا ہے۔"

"اوہ! پھر تو تم کافی دیر سے آئے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ میں
اندر ہی تھا۔ عجائب گل سے مجھے بلوا لیا ہوتا۔ میں بستر پر پڑا گانے
سُن رہا تھا۔" وہ خواہ مخواہ شرمندہ ہوتے جا رہا تھا۔

"پہلے ہی دن میں نے تم میں سے کسی کو بستر سے اُٹھا کر بلوانا
مناسب نہیں سمجھا۔ میرے کام کے لیے عجائب گل ہی کافی تھا۔ اس
لیے میں نے اسے بھیج دیا۔ اب تم اس کی جگہ اپنا کوئی آدمی کھڑا کر دو،
وہ تھوڑی دیر میں واپس لوٹ آئے گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں اسے
آگاہ کیا اور وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کے چہرے سے تجسّس جھلک رہا
تھا جیسے وہ میری زبان سے عجائب گل کی مہم کی تفصیلات بھی سُننا
چاہتا ہو لیکن وہ مجھ سے کوئی سوال کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔

"اسی کے ساتھ تم کو مزید دو کام کرانے ہیں۔" قدرے توقف
کے بعد میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ڈیفنس سوسائٹی
میں دلدار آغا نامی ایک شخص رہتا ہے۔ کل رات اس کے مکان پر
کچھ لوگوں نے دھاوا بولا تھا۔ خاصا خوف ناک تصادم ہوا تھا جس میں
دلدار آغا کے حامیوں کا جانی نقصان بھی ہوا تھا۔ تمہیں اس واقعے
کی مکمل تفصیل حاصل کرنی ہے۔ ساتھ ہی یہ سراغ بھی لگانا ہے کہ پولیس
کو اس واقعے کے بارے میں کیا بتایا گیا ہے۔ یہ کام جلد از جلد مکمل
ہونا ہے۔ دوسرا کام خاصی ہوشیاری کا ہے۔ جہانگیر نامی ایک شخص کو
کچھ لوگوں کی طرف سے جان کا خطرہ ہے۔ وہ کسی بھی وقت اسے ہلاک
یا اغوا کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں جب کہ ہمارے لیے اس کا زندہ رہنا
بہت ضروری ہے۔ اپنے کم از کم دو مسلّح آدمی فوراً اس کی حفاظت پر
مامور کر دو۔ اگلی ہدایات ملنے تک اس کی چوبیس گھنٹے حفاظت کی
جانی بہت ضروری ہے۔ دن اور رات کے لیے آدمیوں میں ردّ و بدل
تم اپنی صوابدید کے مطابق کر سکتے ہو۔"

وہ پوری توجہ سے میری ہدایات سُنتا رہا۔ مجھے دلدار آغا کا رہائشی
پتا یاد تھا جو میں نے دہرا دیا لیکن جہانگیر کے مکان کے نمبروں کا علم نہ
ہونے کی وجہ سے تفصیل سے اس کا محلِ وقوع بتانا پڑ گیا۔

اسی اثنا میں کاؤنٹر پر کام کرنے والی ٹیلی فون آپریٹر آگئی اور میں سینڈو کے ہمراہ نچلی منزل پر واقع اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔ مجھے صرف اتنا معلوم تھا کہ میرا دفتر تہ خانے میں سیٹھ حبیب کے دفتر کے آس پاس ہی واقع تھا لیکن اس دفتر میں داخل ہونے کا وہ میرا پہلا موقع تھا۔

وہ دفتر میرے ذہن میں موجود خاکے کے مطابق آراستہ اور پُرشکوہ تھا۔ بڑے کمرے میں دبیز قالین پر ایک وسیع و عریض میز کے عقب میں گھومنے والی منقش اور آرام دہ کرسی پڑی ہوئی تھی میز کے آگے اسی ساخت کی مگر چار پیروں والی چھ کرسیاں موجود تھیں۔ کمرے میں روشنی ناکافی تھی۔ دو طرف دیواروں کے ساتھ پُرتکلف صوفے وغیرہ اس انداز میں رکھے گئے تھے کہ میز پر ہونے والے مذاکرات میں دخل انداز ہوئے بغیر کم از کم دو پارٹیاں بیک وقت الگ الگ انتظار کر سکتی تھیں۔ اپنی کرسی پر پہنچ کر میں نے میز کا جائزہ لیا تو وہاں ایک سادے پیڈ کے علاوہ کسی کاغذ یا فائل کا کوئی وجود نہیں تھا لیکن میز پر ایک جدید دفتر کے تمام لوازم آراستہ تھے۔ انٹرکام، ڈکٹافون، فیکس مشین، ورڈ پراسسر کے علاوہ کئی چیزیں ایسی تھیں جو میرے لیے اجنبی تھیں۔

اس بارے میں سینڈو سے کچھ پوچھنا نامناسب تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ مافیا کے حوالے سے ذہن میں جس قسم کے پُراسرار دفتر کا ذہن میں تصور پیدا ہو سکتا تھا وہ کمرا اس سے بھی دو ہاتھ آگے تھا۔

”تم جا سکتے ہو سینڈو!“ میں نے اپنی نشست سنبھالتے ہوئے کہا۔ ”مجھے اپنی ہدایات پر عمل درآمد کی رپورٹ اگلے دو گھنٹے میں مل جانی چاہیے۔“

اس نے احترام سے سر جھکایا اور دفتر سے نکل گیا۔

ریوالونگ چیئر پر بیٹھ کر میرے ذہن میں از خود کچھ رعونت سی ابھرنے لگی۔ اس وقت میں جرائم کی دنیا کا ایک مقتدر شخص بن چکا تھا۔ مافیا کا فلمی تصور ایک حقیقت کا روپ دھار کر میرے سامنے موجود تھا اور میں سیٹھ حبیب جیوانی کے علاوہ مافیا کے ہر رکن اور وفادار کا حاکمِ اعلیٰ بن چکا تھا۔ مافیا میں شرکت اور شی سے بغاوت کرنے سے پہلے میں شی میں کراچی یونٹ کا سربراہ تھا لیکن میری سربراہی صرف انتظامی امور اور ہدایات جاری کرنے تک محدود تھی۔ اس منصب کے ساتھ کوئی پُرشکوہ دفتر یا ٹریڈلائن جیسی کاروباری اٹھیسر نہیں تھی جہاں میں ایک کاروباری ادارے کے سربراہ کا دفتر سنبھال کر ڈنکے کی چوٹ پر اپنے آدمیوں کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتا۔

میری میز پر صرف اتنی روشنی تھی کہ نگاہوں پر زور نہیں پڑ رہا تھا ورنہ لکھنے پڑھنے کے لیے وہ روشنی ناکافی تھی۔ میں دیکھ چکا تھا کہ حبیب کے دفتر میں میز کے نیچے ہی روشنیوں کے سوئچ موجود تھے جن کی مدد سے حسبِ مرضی دفتر میں روشنی گھٹائی اور بڑھائی جا سکتی تھی۔ اس لیے میں نے اپنی میز کے نیچے ٹٹول کر وہ حصہ دریافت کی[ا] جسے اس کمرے کا پاور کنٹرول یونٹ قرار دیا جا سکتا تھا۔

اس مقام پر روشنیوں کے چھ سوئچ موجود تھے جن کے ذری[عے] کمرے کے مخصوص حصوں کو منور کیا جا سکتا تھا۔ اسی مقام سے [ڈ]... اور فیکس مشین کے تار بھی نکل رہے تھے اور وہیں پر دوسرے بر[قی] آلات کو توانائی فراہم کرنے والے ساکٹ اور سوئچ لگے ہوئے تھے۔ میز پر روشنی میں اضافہ کرنے کے بعد میری نظر لینے تدبیر... میں پڑے ہوئے ایک آلے پر پڑی اس کا اوپری حصہ میرے ... چھوتے ہی دب گیا اور ہاتھ ہٹاتے ہی اسپرنگ کے زیرِ اثر دوبارہ اپنی جگہ پر آگیا۔ چند مرتبہ کی کوشش کے بعد میں یہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ سوئچ میز پر رکھے ہوئے حساس ڈکٹافون سے منسلک تھا جسے دبا کر دورانِ گفتگو کسی بھی لمحے آن کیا جا سکتا تھا۔ اس طرح مخاطب کی لاعلمی میں اس سے کی جانے والی ساری گفتگو یا اس کے ضروری حصے صفائی سے ریکارڈ کیے جا سکتے تھے۔

میں اپنی میز اور اس کے لوازمات کے معائنے میں مصروف تھا کہ فون کی گھنٹی نے چونکا دیا۔

ریسیور اُٹھایا تو دوسری جانب سیٹھ حبیب موجود تھا۔ ”دفتر میں پہلا دن مبارک ہو۔“ میری ہیلو کے جواب میں اس کی آواز ابھری۔ ”مصروفیت نہ ہو تو میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ شاید خاص انٹرکام تھا۔

”میں تمھارے پاس آجاتا ہوں تم کہاں سے بول رہے ہو؟“ میں نے کہا۔

”اپنے دفتر میں ہوں۔ یہ سرخ انٹرکام صرف میرے اور تمھارے دفتر کے درمیان رابطے کے لیے ہے۔ ایک طرف سے ریسیور اُٹھاتے ہی دوسری طرف بزر بول اُٹھتا ہے۔“ اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ”تمھیں میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں میں خود تمھارے پاس آرہا ہوں۔“

سیٹھ حبیب کا وہ شائستہ انداز مجھے بہت پسند آیا۔ وہ میرا سربراہ تھا اور چاہتا تو بغیر اطلاع دیے میرے دفتر میں آسکتا تھا یا مجھے اپنے پاس طلب کر سکتا تھا لیکن اس نے اطلاع دے کر مجھ سے میرے ہی دفتر میں ملنے کا فیصلہ کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ اپنے ساتھ کام کرنے والوں کی عزتِ نفس کا خیال رکھنے کا عادی تھا اور یہ ایک بہت اچھی بات تھی جو جرائم پیشہ گروہوں میں عام طور پر مفقود ہوتی ہے۔

وہ میرے دفتر میں آیا تو میں نے میز کے پیچھے سے نکل کر تپاک سے اس کا استقبال کیا تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ اس کے جوابی رویے میں گرم جوشی نہیں تھی۔

”سنا ہے کہ آج تم بہت سویرے دفتر آگئے تھے؟“ اس نے میرے مقابل بیٹھتے ہوئے سرسری لہجے میں کہا۔

میرا خیال تھا کہ دفتر نو بجے شروع ہوتا ہوگا لیکن تم کب پہنچے؟"
"ابھی ابھی آیا ہوں اور پتا چلا ہے کہ تم نے کئی آدمیوں کو کام
...ادیا ہے۔ خیریت تو ہے؟ تم نے آتے ہی کس مشن پر کام شروع
...؟" اس کا لہجہ تجسس آمیز تھا۔
"...شی کے خلاف محاذ کل رات سے کھل گیا ہے۔ اسی بارے میں
...ارروائیاں کی ہیں۔" اس کا استفسار طلب اندازِ گفتگو مجھے پسند
...آیا تھا۔
"ابھی تم نئے ہو۔ ابتدا میں بڑے کام مشورے سے کیے جائیں
...اسب ہوگا۔" اس کا لہجہ نہ ناصحانہ تھا اور نہ تحکمانہ بلکہ دونوں
...ین بین تھا۔
"میں تمہارے ساتھ ضرور نیا ہوں لیکن یہ کام میرے لیے
...نہیں ہیں۔ جہاں ضرورت محسوس کروں گا تم سے ضرور مشورہ لے
...وں گا لیکن آج اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔"
اس کی پیشانی پر ہلکی سی شکنیں نمودار ہوگئیں۔ "تمہیں معلوم
...ہے کہ میں اپنی مجبوری کی وجہ سے کسی کے سامنے نہیں آسکتا۔ میں خفیہ
...ستے سے دفتر آیا تھا۔ ابھی تک عملے کا کوئی آدمی نہیں آیا اس لیے
...ل کر تمہارے کمرے میں آگیا۔ اب یہاں سے میری واپسی خفیہ
...استے سے ہی ہوگی۔" میں چونک کر غیر ارادی طور پر اپنے عقب میں
...وجود سپاٹ دیوار کی طرف متوجہ ہوا تھا لیکن اس نے فوراً ہی
...ے ٹوک دیا۔ "یہ راستہ بھی اتنی آسانی سے نظر میں نہیں آئے گا۔
...یہاں اس کا میکنیزم تمہیں سمجھا دوں گا لیکن اس وقت یہ سب بتانے
...کا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں اتنا بڑا خطرہ مول لے کر یہاں آیا تو
...س کا کوئی اہم سبب بھی تھا۔ آج مال کی ایک کھیپ آرہی ہے
...ال کی وصولیابی کے لیے استعمال کی جانے والی نشانی میری میز کی
...دراز میں تھی۔ میں نے دفتر آکر سینڈو کے بارے میں معلوم کیا تو پتا
...چلا کہ اسے تم نے کہیں بھیجا ہوا ہے۔"
"یہ اطلاع تمہیں کس سے ملی؟" میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔
"ٹیلی فون آپریٹر نے بتایا تھا۔ تمہاری آمد کے بارے میں
...بھی اسی نے بتایا تھا۔"
"تمہیں آپریٹر کے بجائے براہِ راست مجھ سے بات کرنی
...چاہیے تھی۔ اب سینڈو اور اس کے آدمی میرے چارج میں ہیں، ان کے
...بارے میں فیصلے کرنے کا اختیار بھی مجھی کو ہے۔"
میری وہ کھری بات اسے بری لگ گئی۔ "لیکن تم بہرحال مجھ کو
...جواب دہ ہو....."
"اس سے مجھے انکار نہیں۔" میں نے اس کی بات درمیان ہی
...سے اچک کر پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "میں تمہاری بالادستی کا پورا پورا
...احترام کرتا ہوں لیکن اب اپنے آدمیوں کے بارے میں تمہیں مجھ
...سے رجوع کرنا چاہیے۔ تم سینڈو کو براہِ راست ہدایات دیتے رہے
...تو وہ مجھے خاطر میں نہیں لائے گا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ تمہارے تقرر کے بعد مجھے گھر بیٹھ جانا
چاہیے؟" اس نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔
"بدقسمتی سے میرا جواب اثبات میں ہے۔" میں نے محتاط لہجے
میں کہا۔ "تم نے اپنی کچھ مجبوریوں کی وجہ سے ہی مجھے اپنی صفوں میں
شامل کیا ہے اس لیے تمہیں مجھ پر اعتماد اور انحصار کرنا چاہیے۔"
"یہ ناممکن ہے۔" وہ ترش لہجے میں بولا۔ "سینڈو سے براہِ راست
بات کرنے کے حق میں دست بردار نہیں ہوسکتا۔ یہ نہ بھولو کہ تم
کسی سرکاری ادارے کے ملازم نہیں ہو۔ یہاں کے ضابطے میری
مرضی کے مطابق بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں۔ حد ہے کہ آج تمہاری
آمد کا پہلا دن ہے اور مجھے جس آدمی کی ضرورت ہے وہ غائب ہے۔"
"میں پورے احترام کے ساتھ کہوں گا کہ پھر تم سے انتخاب کی
غلطی ہوئی ہے۔ میں پورے اختیار کے ساتھ کام کروں گا یا اپنا راستہ
بدل لوں گا۔ توپ کے سائے میں تلوار نپ سکتی ہے لیکن ایک میان
میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ آپس کی بے اعتمادی اور پس پردہ
کارروائیاں سرکاری اداروں میں رواج پاتی ہیں۔ ہم جیسے لوگوں
کو کسی ڈسپلن کا پابند ہو کر ایک دوسرے پر بھروسا کرنا ہوتا ہے۔
اگر سینڈو اسی حد تک تمہاری عادت بن گیا ہے تو تم اسے اپنا نائب
مقرر کر لو۔ میں خوشی کے ساتھ اسی سے اپنی ہدایات لیا کروں گا۔
کٹھ پتلی بننا میرے بس کا کام نہیں ہے۔ تمہیں تو گھر سے فون کر کے
مجھے کام بتانا چاہیے تھا۔ یہ میری صوابدید پر ہوتا کہ میں کسے اس کام پر
مقرر کرتا ہوں۔"
"آج تک مال کی وصولی اور تقسیم کا کام وہی کرتا رہا ہے....."
"اس لیے کہ میری شمولیت تک وہ تمہارا نمبر دو تھا، اب یہ
ذمے داری تم نے مجھے سونپ دی ہے۔ میں نے بھی سینڈو کو کسی
ذاتی کام سے نہیں بھیجا، وہ ہمارے مشترکہ مفاد کی مہم پر گیا ہے۔"
"کہاں گیا ہے وہ؟" سیٹھ حبیب میرے اندازِ گفتگو سے ناخوش تھا۔
جواب میں میں نے اسے نہ صرف سینڈو بلکہ عجائب گل خان والے
معاملے سے بھی آگاہ کر دیا اور میری بات آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ
اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی جسے میں نے نظر
انداز کر دیا۔
"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ دلدار آغا ڈی ٹی ڈی نہیں ہے۔ ڈی ٹی ڈی
مجھ سے بڑا پردہ نشین ہے۔ تم ایک غلط آدمی پر اپنا وقت برباد کر
رہے ہو البتہ معراج دین ڈی ٹی ڈی کا آدمی ہوسکتا ہے اور یہ جہانگیر
تو تمہارا وہی دوست ہے جس کے فلیٹ میں تم رہ رہے ہو۔ اس
کا ہم سے یا ہمارے کام سے کیا تعلق ہے؟"
"میں چیلنج نہیں کرتا لیکن تم دیکھ لو گے کہ میری رائے وزن رکھتی
ہے۔ شی کی پشت پر اس وقت دلدار آغا کا دماغ ہی کام کر رہا ہے۔
کل رات اس سے دو بار میرا تصادم ہوا ہے۔ جہانگیر کی حفاظت
کا انتظام میں نے صرف اس لیے نہیں کیا کہ وہ میرا دوست ہے

بلکہ ڈی ڈی اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ فترف آباد والے واقعے کے زخموں کو وہ نہیں بھول سکا ہے۔ جہانگیر کے ذریعے وہ اس شخص تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے جو اسے زک پر زک دے رہا ہے۔"

"سمجھوتے آسان ہوتے ہیں، انھیں ختم کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بحث میں پڑنے کے بجائے میں اس معاملے کو تمھارے لیے ٹیسٹ کیس مقرر کیے دیتا ہوں۔ اب اس کے نتائج پر ہی ہمارے آئندہ تعلقات کا انحصار ہوگا۔ اس کے نتائج برآمد ہونے تک میں تمھارے معاملات میں دخل نہیں دوں گا لیکن تمھیں وقت مقرر کرنا ہوگا کہ تم کب تک اپنی کوششوں کے نتائج حاصل کرنے کی اُمید کر رہے ہو؟"

"زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "حالانکہ تمھارے وسائل میسر آجانے کے بعد مجھے اُمید ہے کہ اب دلدار آغا زیادہ دیر آزاد نہیں رہ سکے گا۔ ویسے اُس کی صلح کی پیش کش کا کیا ہوا؟"

"ارادہ تھا کہ مروجہ طریقے کے مطابق اشتہاری پیغام اخبار میں چھپوا دیتا لیکن کھلے انکار سے بہتر ہے کہ اس کے پیغام کو سرے سے نظرانداز کر دیا جائے۔" اُس نے کہا۔

"یہی بہتر ہے، مجھے اُمید ہے کہ میری گفتگو کا تم نے بُرا نہیں مانا ہوگا۔ اگر اپنے آدمیوں کو ہم دونوں بیک وقت ہدایات دیتے رہے تو کسی مرحلے پر ہمارے درمیان شدید غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ تمھیں جو کام لینا ہے، مجھے بتاؤ، میں ہر قیمت پر تمھارا کام سرانجام دوں گا۔ اگر سینڈو جلد واپس آگیا تو مال کی وصولیابی کے لیے میں اسی کو بھیج دوں گا ورنہ خود جاؤں گا۔ میرے کسی فیصلے سے تمھیں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"آج رات اولڈ کلفٹن پر ٹھیک آٹھ بجے ایک کار والے سے رابطہ کرنا ہوگا۔ یہ کاغذ اُسے دو گے تو مال وہ تمھارے حوالے کر دے گا۔" اُس نے جیب سے تہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے کاغذ کھول کر دیکھا تو اس پر بال پین سے اردو اور انگریزی میں چند مہمل اور بے ربط فقرے لکھے ہوئے تھے۔ وہ کاغذ پورا نہیں تھا بلکہ کسی بڑے کاغذ سے پھاڑا گیا تھا۔ رازدارانہ لین دین کے لیے شناخت کا یہ ذریعہ بہت قدیم اور معتبر تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس نامکمل تحریر سے پھاڑا ہوا دوسرا ٹکڑا کار والے کی تحویل میں ہوگا۔ وہ دونوں ٹکڑوں کو ملا کر آنے والے کی اصلیت سے واقف ہو سکتا تھا۔ یہ طریقہ اس قدر محفوظ تھا کہ ایک کاغذ کے پھاڑے ہوئے دو ٹکڑوں سے کسی بھی تیسرے کاغذ کو پھاڑ لیا کاٹ کر ملانا ممکن نہیں تھا۔ مزید احتیاط کے طور پر کاغذ کو سادہ رکھنے کے بجائے اس پر بے ربط تحریر لکھ دی گئی تھی جس کا تسلسل جوڑ ملنے کے بعد دوسری شہادت کا درجہ رکھتا تھا۔

"کار کی شناخت کیسے ہوگی؟" میں نے وہ کاغذ تہ کر کے [illegible]ت اپنی جیب میں رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اس کے پیچھے جیک لگا کر داہنا پہیہ نکال لیا گیا ہوگا، [illegible] کے ساتھ اُٹھے ہوئے بونٹ پر کوئی شخص ریڈی ایٹر میں پانی [illegible] دیکھ رہا ہوگا۔ اسی سے ملنا ہوگا۔"

میں اس طریقہ کار پر دل ہی دل میں مسکرایا۔ اولڈ کلفٹن [illegible] پر اتفاقاً پنکچر ہو جانے والی کسی کار سے فرق رکھنے کے لیے بونٹ اٹھا کر ریڈی ایٹر والا کام شامل کیا گیا تھا کیونکہ کسی بھی پنکچر ہونے والی کار کا بونٹ نہیں بلکہ ڈکی کھولی جاتی ہے تاکہ جیک پانا اور فاضل ٹائر وغیرہ نکالا جا سکے۔

"مال کہاں پہنچانا ہے؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"سینڈو جانتا ہے۔ اگر تم کو خود جانا پڑے تو پیکٹ میں اپنے دفتر میں لے آنا۔ جب سینڈو سے رابطہ ہو تو پیکٹ اُس کے حوالے کر دینا۔ وہ اُسے ٹھکانے لگانے کا بندوبست کرے گا۔"

"تم واقعی اس پیکٹ کی آخری منزل سے لاعلم ہو یا مجھے نہیں بتانا چاہتے؟" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "اصولاً یہ بات غلط ہے لیکن مجھے خود علم نہیں۔ تم میری مجبوری سے واقف ہو چکے ہو۔ میں جب بھی کہیں دیکھا یا پہچانا گیا، وہی میری آزادی کا آخری لمحہ ہوگا۔ جرمنی کی جیل میں میرے ہم شکل کی زندگی عذاب بنا دی جائے گی اور مجھے انٹرپول کے ذریعے جرمن پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اسی وجہ سے میں آزادنہ نقل و حرکت سے گریز کرتا ہوں۔ مال کی تقسیم سینڈو کے ذمے ہے۔ مال دے کر رقم بھی وہی وصول کرتا ہے۔ مجھے اُس پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔"

"یہ اچھی بات ہے کہ تمھیں خود اس طریقہ کار کی خامی کا احساس ہے۔ اب میں خوب صورتی کے ساتھ اس معاملے کو بھی سنبھال لوں گا . . . یہ بتاؤ کہ تمھارے کی کلب کی رکنیت حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟" میں نے اسے ندامت سے بچانے کے لیے خود ہی اچانک موضوع تبدیل کر دیا۔

اس وقت تک میرے اور اُس کے درمیان ایسی ذہنی ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکی تھی جس کے تحت اس کے ساتھ کھلے دل سے ہر موضوع پر بات کی جا سکے۔ اس لیے ذہن میں فوری طور پر کی کلب کا نام ہی آسکا تھا جو نہ صرف ایک دلچسپ موضوع تھا بلکہ اس کے بارے میں میرے دل میں تجسس بھی موجود تھا۔

"رکنیت کے طریقے تو اب تم ہی وضع کرو گے!" پہلی بار اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "میں آج

وہاں نہیں گیا۔ وہاں کا عملہ ابھی تک سینڈو کو جواب دہ تھا،
تم اُن کے نگران ہو گے۔ وہ بڑی دلچسپ جگہ ہے، چاہو تو آج
ہم دیکھ بھال کے بہانے وہاں خوش گوار وقت گزار سکتے ہو۔"
"بنیادی طور پر وہاں کیا ہوتا ہے؟" میں نے اپنی معلومات
میں اضافے کے لیے سوال کیا۔
"دراصل یہ جال اہم سرکاری عہدے داروں کے لیے بچھایا
گیا ہے۔ بہت سے افسر بظاہر بہت سخت اور باکردار بنے
پھرتے ہیں اور اونچی اونچی باتیں کرتے ہیں لیکن اندر سے حریص،
بیہودے اور کھوکھلے ہوتے ہیں۔ انھیں گھیر کر وہاں لایا جاتا ہے۔
وہاں مخلوط دوستیاں ہوتی ہیں، شراب فراہم کی جاتی ہے۔ جوا ہوتا ہے
اس اڈّے پر ہم خاصی بھاری رقم خرچ کر رہے ہیں۔ ہماری پسند
کا ہر جواری وہاں جیتتا ہی رہتا ہے۔ جن سے گلو خلاصی حاصل کرنی
ہو انھیں لمبی ہار کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہاں ہم کام کے افسروں کا
تفصیلی ریکارڈ تیار کرتے ہیں اور پھر اُن سے کام لیتے ہیں۔ کوئی ہم
سے اُڑنے کی کوشش کرے تو پھر اُس کے کرتوتوں کا ریکارڈ اُسے
ہماری ڈگڈگی پر ناچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔"
"وقت ملتے ہی میں اُدھر ضرور جاؤں گا۔ ایسے کسی حمام میں وقت
گزارنے کا مجھے ابھی تک موقع نہیں ملا جہاں سب ایک جیسے ہوں۔
میرا خیال ہے کہ تمھاری مجبوری کی بنا پر سینڈو اس شہر پر راج
کر رہا ہے۔"
"لیکن یہ یاد رکھنا کہ وہ ہمیشہ میرے اعتماد پر پورا اُترا ہے۔"
اُس نے مجھے یاد دہانی کرائی۔ "یہ احساس ہر وقت اس کے ذہن پر
چوکے لگاتا رہتا ہے کہ اسی کے مشورے کی بنا پر میری زندگی برباد
ہوئی ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں ایک سازش کے تحت
جیل سے فرار ہو گیا۔ جس دن بھی میرے ہم شکل کو قید سے رہائی ملی
اور میں نے عملی زندگی میں قدم رکھنے کا فیصلہ کیا تو مجھے معاشرے میں
ایک سزا یافتہ قیدی کے طور پر پہچانا جائے گا۔"
"تم بے فکر رہو" میں نے اسے یقین دلایا۔ "اس کے خلاف
میرے دل میں کوئی عناد نہیں ہے۔ اُسے میرے رویے سے ذرا
بھی تکلیف نہیں ہوگی۔ جس کی تم عزت کرتے ہو وہ میرے لیے بھی
محترم ہی رہے گا۔"
"اب عملہ آنے لگا ہو گا۔ میں زیادہ دیر یہاں نہیں رُک
سکتا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا پھر گھوم کر میز کے عقب میں میری کرسی
کے قریب آ گیا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔
"اوہ خدایا!" اچانک ہی اس کے منہ سے ایک تحیر آمیز آواز
اُبھری اور اُس نے جھپٹ کر میز کے نیچے لگا ہوا ایک سُرخ سوئچ
آن کر دیا۔ "تم نے یہ پرائیویسی لائٹ آن نہیں کی تھی۔ کسی وقت
بھی کوئی شخص دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر آ سکتا
تھا۔ غنیمت ہے کہ کسی کو اندر آنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی ورنہ
آج میرا کام خراب ہو جاتا۔"
"سوری چیف!" میں نے پُرخلوص انداز میں معذرت طلب
کی۔ "مجھے اس کے بارے میں علم نہیں تھا اگر کوئی اور بات ایسی ہو
تو مجھے اس سے بھی آگاہ کر دو۔"
"اس پرائیویسی سوئچ سے تمھارے دفتر کا دروازہ برقی لاک
سے مقفل ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی باہر ایک سُرخ لیمپ روشن ہو جاتا
ہے۔ جب تک سُرخ بتی روشن رہے گی، تمھارے دفتر میں کوئی
مداخلت نہیں کرے گا۔ اس سوئچ سے ایک لائن ٹیلی فون آپریٹر
تک بھی جاتی ہے۔ اس کے پاس جب تک سُرخ روشنی برقرار رہے
گی، وہ باہر سے آنے والی کوئی کال بھی تم کو منتقل نہیں کرے گی
بلکہ پیغامات نوٹ کرتی رہے گی۔"
"یہ تو شاید اس میز کا سب سے اہم سوئچ تھا جسے میں نظرانداز
کر رہا تھا۔"
"میرا خیال تھا کہ تم نے یہ سوئچ آن کر لیا ہو گا۔ اسی لیے اپنا
دفتر چھوڑنے سے پہلے میں نے انٹرکام پر تم سے بات کی تھی تاکہ
تم سوئچ آن کر دو۔ اس کے بعد دوسرا اہم سوئچ اس پائے کی اوٹ میں
ہے۔" اُس نے میز کے داہنے پائے کے پیچھے ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔
"میں نے اسے دبا دیا ہے۔ اب تم پلٹ کر پیچھے دیکھو۔"
میں بڑی سُرعت سے پیچھے گھوما تھا اور یہ دیکھ کر بھونچکا رہ
گیا کہ دیوار کا تقریباً چار فٹ اونچا اور دو فٹ چوڑا حصّہ اپنی جگہ سے
غائب ہو چکا تھا۔ آواز پیدا کیے بغیر دیوار کا وہ حصّہ اپنی جگہ سے
یوں غائب ہوا تھا جیسے کبھی وہاں موجود ہی نہ رہا ہو۔ میں اس کا
جائزہ لینے کے لیے اس تاریک خلا کی طرف بڑھا تو دیوار کا فرش
میں دھنسا ہوا وہی حصّہ تیزی کے ساتھ اوپر اٹھ کر اپنی جگہ پر آ گیا
اور خلا معدوم ہو گئی۔
میں اس بار میز کی طرف پلٹا تو سیٹھ حبیب فاتحانہ انداز میں
مُسکرا رہا تھا۔ "دوسری بار یہ بٹن دبانے سے دیوار اپنی جگہ پر آ
جاتی ہے۔ اسی قسم کا ایک اور بٹن دیوار کے پار خلا میں بائیں
ہاتھ پر موجود ہے۔ اس راستے سے گزرنے کے بعد وہی بٹن دبا
دیا جائے تو دیوار اپنی اصل جگہ پر آ جاتی ہے لیکن اس سرنگ
سے دفتر میں داخل ہونے کے لیے دیوار اس وقت تک اپنی جگہ
سے نہیں کھسکتی جب تک اس سوئچ میں مخصوص چابی لگا کر بٹن نہ
دبایا جائے۔ یہ احتیاط اس لیے رکھی گئی ہے کہ محکمہ ٹیلی فون کا ادھر
آ نکلنے والا کوئی کارکن اتفاقیہ خفیہ راستہ دریافت نہ کر سکے۔"
"اور وہ چابی کہاں ہے؟" میں نے دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔
"تمھاری شناختی چابی ہی اس سوئچ میں لگے گی لیکن یہ بتادوں
کہ تمھاری چابی میرے دفتر والے راستے کے سوئچ پر کام نہیں کرے
گی۔" اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔
"حد ہو گئی ہے۔ مجھے کیا ضرورت ہے تمھارے دفتر میں

جانے کی؟" میں نے بُرا سا منہ بنا کے کہا۔ اس کی فراخدلانہ ہنسی نے میرے سر سے بڑا بوجھ ہٹا دیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ملاقات کی ابتدا میں ہونے والی تلخ گفتگو کو اپنے ذہن سے جھٹک چکا تھا۔

"ضرورت تو نہیں ہے لیکن تجسس بُری چیز ہے!" اس نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "باہر سے کوئی بھی اس راستے کے سوئچ میں چابی لگائے گا تو دفتر میں تمھاری میز پر رکھا ہوا یہ الارم لیمپ جل اُٹھے گا۔ جب تک دفتر میں موجود یا باہر سے آنے والا اسے آف نہ کرے لیمپ جلتا رہے گا۔"

اُس نے میز پر رکھے ہوئے آرائشی لیمپ کو ٹیسٹ سوئچ سے روشن کیا تو پورا کمرا تیز روشنی سے بھر گیا۔ وہ روشنی اس قدر تیز تھی کہ اُسے نظر انداز کرنا ناممکن تھا۔ سیٹھ حبیب نے ٹیسٹ سوئچ سے انگلی ہٹائی تو لیمپ آف ہو گیا۔ پھر اُس نے مجھے اس خوب صورت لیمپ کے پیندے میں لگا ہوا وہ بٹن دکھایا جو لیمپ کے خودکار طریقے سے روشن ہونے کی صورت میں اُسے بُجھانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔

"یہ سب اس قدر پُرکشش ہے کہ اسی وقت یہ راستہ استعمال کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔ ڈان بھری تمھارے دفتر سے اسی راہ سے نکلا تھا؟"

"ظاہر ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔"

"اور یہ کہاں نکلتا ہے؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"یہ سفر کرنے والے کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ ان زیرِ زمین سرنگوں میں تم میلوں دور نکل سکتے ہو۔ بعض مین ہول تو سڑکوں کے وسط میں کھلتے ہیں البتہ چند محفوظ مقامات پر کھلتے ہیں۔"

"میں بھی انھی کے بارے میں دریافت کر رہا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ کسی ہنگامی ضرورت کے وقت کسی غلط مقام پر مین ہول سے برآمد ہوتا ہوا پکڑا جاؤں۔" میں نے اپنا اندیشہ اس پر ظاہر کر دیا۔

"خلا سے باہر نکلتے ہی داہنی طرف مڑ کر کیبل ٹرینچ میں داخل ہو گے تو پانچواں مین ہول ایک متعفن کوڑا گھر کے عقب میں کھلتا ہے۔ وہاں کسی بھی وقت کوئی نہیں ہوتا۔ کوڑا گھر کے پیچھے سے تمھیں نمودار ہوتا دیکھ کر لوگ یہی سمجھیں گے کہ تم پیشاب کر کے اُدھر سے نکل رہے ہو لیکن کبھی بھی ضرورت پیش آ جائے تو استعمال کے بعد مین ہول کو احتیاط سے بند کرنا نہ بھولنا ورنہ وہ راستہ ہمیشہ کے لیے مسدود ہو کر رہ جائے گا۔"

"ابھی تم دفتر میں رکو گے یا واپس جاؤ گے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں نے اپنا کام پورا کر لیا۔ اب تم جانو اور تمھارا کام جانے۔ لیکن اتنا بتا دوں کہ شی کے معاملے میں محتاط رہ کر پیش قدمی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھانے کے بعد سنبھلنے کی مہلت بھی نہ ملے۔"

"تم بے فکر رہو، میں شی اور اس کے رکھوالوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"راستہ کھولو!" اُس نے خوش دلی کے ساتھ مجھے ہدایت کی اور میں نے میز کے داہنے پائے کے پیچھے ٹٹول کر سوئچ دبا دیا۔ دیوار میں دوبارہ خلا نمودار ہو گیا اور سیٹھ حبیب پُراعتماد انداز میں چلتا ہوا اس تاریک سُرنگ میں داخل ہو گیا جو اُس نے کیبل ٹرینچ کو ملانے کے لیے غالباً خود تعمیر کرائی تھی۔ باہر نکل کر شاید اس نے بیرونی بٹن استعمال کیا تھا کیونکہ دیوار فوراً ہی اپنی جگہ پر واپس آ گئی تھی۔

میں تھکے ہوئے انداز میں اپنی کرسی پر گر گیا۔ سیٹھ حبیب کے ساتھ اس غیر متوقع ملاقات نے ذہنی طور پر مجھے تھکا دیا تھا۔ اس سے میرا نیا نیا واسطہ پڑا تھا اور اس سے بات کرتے ہوئے مجھے ہر لمحہ اپنے جواب اور لب و لہجے کے معاملے میں محتاط رہنا پڑا تھا کہ اُسے میرے اوپر حاوی ہونے کا کوئی آسان موقع نہ مل سکے اور میرا خیال تھا کہ میں اپنی اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہا تھا۔

سگریٹ سُلگا کر میں نے ٹیلی فون آپریٹر سے لائن مانگی تو اُس نے لائن مجھے ٹرانسفر کرنے سے قبل نہایت ادب سے آگاہ کیا کہ میری میز پر موجود دو فون بورڈ سے ہو کر آتے تھے اور تیسرا نمبر ڈائریکٹ تھا۔ میں نے آپریٹر کو لائن دینے سے روک دیا اور تیسری کوشش میں ڈائریکٹ فون تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

سلمیٰ سے بات کیے ہوئے مجھے خاصی دیر گزر گئی تھی۔ میں دوبارہ اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اپنی محتاط طبیعت کی بنا پر میں نے وہ نمبر آپریٹر سے ملوانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

مسلسل کئی گھنٹیاں بجنے کے بعد میرے کانوں میں سلمیٰ کی سہمی ہوئی آواز گونجی تھی۔

"کیا بات ہے؟ اس وقت تم بہت زیادہ خوف زدہ معلوم ہو رہی ہو؟" میں نے اس کی تنہائی اور مجبوری کا تصور کرتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں دریافت کیا۔

"ہم اس وقت موت کے سائے میں سانس لے رہے ہیں۔" اس کی آواز مرتعش اور بہت دھیمی تھی۔ "میرا دل کہہ رہا ہے کہ آج کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ باہر کے حالات سخت مخدوش ہو چکے ہیں۔"

"کچھ تو بتاؤ کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟" اس کے لہجے نے مجھے پریشان کر دیا۔

"تمھاری ہدایت پر میں نے گھر میں موجود سارا اسلحہ ملازمین میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک چوکیدار جو سابق فوجی ہے، اسے رائفل اور فالتو کارتوسوں کی پیٹی دے کر چھت پر بھیج دیا ہے۔ وہاں

ے وہ چھپ کر دُور تک کا جائزہ لے سکتا ہے۔ اس نے مجھے
بتایا ہے کہ ہمارے مکان کے گرد کچھ دیر سے دو مشتبہ آدمی چکر
لگا رہے ہیں۔ انھوں نے ابھی تک پھاٹک پر تو طبع آزمائی نہیں
کی لیکن وہ مسلسل اس کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ پہلے وہ
اکٹھے تھے لیکن بعد میں ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ چوکیدار
کا خیال ہے کہ وہ اندر گھسنے کے لیے موقع کی تلاش میں ہیں۔
چوکیدار نے یہ بات دوسرے ملازموں کو بھی بتادی ہے اور وہ
سب بُری طرح سہمے ہوئے ہیں، چوکیدار بھی ہیجان میں مبتلا
ہوگیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ زیادہ دیر تک اعصابی دباؤ برداشت
نہ کرسکے گا۔ اگر اس نے ضرورت پیش آئے بغیر چھت پر سے
گولی چلا کر ان میں سے کسی کو ہلاک یا زخمی کردیا تو کیا ہوگا؟ جہانگیر
کو اس حالت میں چھوڑ کر میں کہیں جا بھی نہیں سکتی۔“

”جہانگیر کیا کر رہا ہے؟“ میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔
دو مشتبہ افراد کی وہاں موجودگی کی خبر نے مجھے بھی بوکھلا کر رکھ دیا تھا
کیوں کہ مجھے دلدار آغا سے اتنی جلدی کسی شدید ردِعمل کی توقع
نہیں تھی۔

”وہ مسکّن دواؤں کے زیرِ اثر ابھی تک بے ہوش ہیں۔
وہ ہوش میں آ بھی گئے تو موجودہ حالت میں ذہنی طور پر پریشان
ہونے کے علاوہ کچھ بھی نہ کرسکیں گے۔“

”تم جہانگیر کو لے کر کسی اچھے پرائیویٹ اسپتال میں منتقل
ہوجاؤ اور ملازمین کو چھٹی دے کر گھر مقفّل کردو۔“ میں نے چند
ثانیوں تک سوچنے کے بعد اسے مشورہ دیا۔

”گھر میں کم از کم میں اپنی مرضی یا تمھارے مشوروں سے
اُلٹے سیدھے حفاظتی انتظامات تو کرا رہی ہوں، اسپتال میں تو ہم
دونوں بالکل ہی بے دست و پا ہو کر رہ جائیں گے۔ ملاقات کے وقفے
میں کوئی بھی اجنبی بلا روک ٹوک اندر آ کر ہمیں ہلاک کرسکتا ہے۔
اسپتال سے تو گھر ہی بہتر اور محفوظ ہے۔ تم نے کہا تھا کہ تمھارے
آدمی بھی ہمارے گھر کی حفاظت کے لیے آنے والے ہیں وہ
کہاں مر گئے؟ وہ آجاتے تو کم از کم باہر سے بھی کچھ مدد ملنے کی
امید ہوجاتی۔“

”میں بندوبست کرچکا ہوں لیکن ابھی تک مجھے تصدیق
موصول نہیں ہوئی ہے۔“ میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ ”ہوسکتا
ہے کہ تمھارے چوکیدار نے جن دو آدمیوں کو دیکھا ہو وہ میرے
ہی آدمی ہوں۔“

”اور جو لوگ اسلحہ تان کر ہمارے سینوں پر چڑھ آئیں گے
ہوسکتا ہے کہ وہ بھی تمھارے ہی آدمی ہوں۔“ وہ جلے کٹے روہانسے
لہجے میں بولی۔ ”آخر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ کیا ہمارے
مرنے کا انتظار کر رہے ہو؟“ اس کی آواز میں موت کی دہشت
اور بے رونقی رچی ہوئی تھی۔ اس کی کیفیت کا تصور تک محال تھا۔
اس لیے اس کا طنز بھی خاموشی سے برداشت کرگیا۔ اس کی جگہ
کوئی مضبوط اعصاب کا مرد بھی ہوتا تو بول گیا ہوتا۔

”میں چند منٹ بعد دوبارہ فون کرتا ہوں“ سلسلہ موقوف
کرتے کرتے مجھے اچانک دھیان آگیا۔ ”اس دوران میں اس پاگل
کی تو کوئی کال نہیں آئی تھی؟“ میں نے سوال کیا۔

”نہیں... لیکن میں اس کی طرف سے خوف زدہ ہوں۔
ابھی بھی میں نے ڈرتے ڈرتے ریسیور اٹھایا تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہ
دوسری طرف سے کہیں وہی موذی نہ ہو۔“

”ٹھیک ہے! تم حوصلہ رکھو! میں ابھی اپنے آدمیوں سے
بات کر کے تم کو دوبارہ فون کرتا ہوں۔“ اپنی بات مکمل کر کے میں
نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

میں نے اپنی طرف سے سینڈو کو دو گھنٹے کی مہلت دی تھی۔
مگر یہ تاکید بھی کردی تھی کہ مجھے جلد از جلد اس کی رپورٹ درکار ہے
مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ نہ اس کا پتا تھا اور نہ ہی عجائب گل خان
واپس آیا تھا۔ سینڈو کو دیا ہوا وقت پورا ہونے میں کچھ دیر باقی تھی
لیکن سلمٰی سے گفتگو کے بعد میرے لیے ایک ایک لمحہ گزارنا دوبھر
ہو رہا تھا اس لیے میں نے فون پر آپریٹر سے رابطہ قائم کر کے سینڈو
کے بارے میں دریافت کیا۔

”وہ تو کافی دیر سے آئے ہوئے ہیں سر!“ آپریٹر کی آواز
سنائی دی۔

”پھر وہ کہاں مرا ہوا ہے؟ میں اس کا انتظار کر رہا ہوں۔“
میں ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔

”وہ خود کلیئرنس کے منتظر ہیں سر!“ آپریٹر کی گھگیائی ہوئی
شکستہ آواز ابھری۔ ”آپ کے دفتر کی پرائیویسی لائٹ کافی دیر سے
روشن ہے۔“ میں نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

سیٹھ حبیب کا آن کیا ہوا پرائیویسی سوئچ میں آف کرنا قطعی
بھول گیا تھا۔ میں نے ہاتھ مار کر اسے جیسے ہی آف کیا، دروازے پر
ہلکی سی دستک ہوئی اور سینڈو اندر گھس آیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا
جیسے وہ دروازے سے لگا سُرخ روشنی معدوم ہونے کا انتظار
کرتا رہا ہو۔

”میں دس منٹ سے باہر کھڑا ہوا تھا باس!“ وہ میری قہر بار
نظروں کا سامنا کرتے ہی منمناتی ہوئی آواز میں بولا۔

”کام کی بات کرو سینڈو! وقت برباد نہ کرو۔“ میں نے
اپنے احمقانہ اشتعال کو دباتے ہوئے کہا۔ غلطی خود میری تھی
اور میں بلاوجہ دوسروں کو پھاڑ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ یہ میری کرسی
کا دبدبہ تھا کہ آپریٹر میری دہاڑ سن کر بوکھلا گئی تھی ورنہ وہ نہایت
اطمینان سے مجھے اپنا دماغ درست رکھنے کا مشورہ دے سکتی تھی۔

”شہر کے حالات ایک دم بہت خراب ہوگئے ہیں باس!“
وہ پُرسکون لہجے میں بولا۔ ”ہر طرف لسانی فسادات کی جیسے آگ

بھڑک اُٹھی ہے کئی علاقوں میں زبردست خون ریزی ہوئی ہے لوٹ مار کا سلسلہ بھی چل نکلا ہے۔ پورے شہر میں خبر پھیلی ہوئی ہے کہ مقامیوں کے ایک گروہ نے ... کے مضافات میں ایک پنجابی آبادگار کے فارم پر حملہ کر کے فارم اور کاٹیج کو آگ لگا دی اور جو بھی ہاتھ آیا اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس خبر کے نتیجے میں شہر میں ہر طرف فسادات پھوٹ پڑے ہیں۔ ان گنت لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں...''

وہ بولتا رہا لیکن وہ خبر سُن کر میرا دماغ سُن ہو کر رہ گیا۔ دلدار آغا کے شیطانی دماغ نے پورے شہر سے اپنی شکست کا بھیانک انتقام لے لیا تھا۔ اس نے درست ہی کہا تھا کہ وہ پورے شہر کو خون میں نہلا دے گا۔ ہم بے بسی سے تماشا دیکھیں گے لیکن اس کی مکروہ سازش کو ناکام بنانے کے لیے کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔

''اس خبر کا تمھارے کام سے کیا تعلق ہے؟'' میں نے اس کی لرزہ خیز کہانی کو کاٹ کر سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ میرے وجود میں شکست کی تلخی گھلی جا رہی تھی اور دل بوجھل ہو گیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ جھوٹی خبر پھیلا کر دلدار آغا نے شہر کا امن و سکون غارت کیا تھا لیکن اسے مایوسی اور درندگی کی اس انتہا پر پہنچانے میں میرا ہی ہاتھ تھا۔

''اخبارات کے ضمیمے آنے والے ہیں۔ مضافات میں تباہ کیا جانے والا شاہ باغ دلدار آغا کی ہی ملکیت تھا۔'' اس کی زبان سے یہ حقیقت سُن کر مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ اس نے قلیل ترین مدت میں بڑی محنت سے حقائق کا سراغ لگایا تھا۔ ورنہ شہر کے فساد زدہ ماحول میں افواہوں کا سینہ چیر کر حقیقت دریافت کرنا آسان کام نہیں تھا۔

''دلدار آغا کہاں ہے؟'' میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔ اس کی کارکردگی کی بنا پر میرے دل میں اس کے لیے یک لخت عزت و احترام کے جذبات اُمڈ آئے تھے۔

''اس کا کہیں پتا نہیں ہے۔'' وہ کرسی سنبھال کر میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا۔ ''پچھلی رات اس کے مکان پر بھی زبردست حملہ ہوا تھا۔ کافی دیر تک دونوں طرف سے جم کر فائرنگ ہوتی رہی۔ دلدار آغا کے بیان کے مطابق حملہ آوروں نے دستی بم بھی استعمال کیے تھے جن سے اس کے احاطے کی دیوار کا ایک حصہ منہدم ہو گیا تھا لیکن پولیس کے پہنچنے سے پہلے حملہ آور فرار ہو چکے تھے۔ سڑکوں پر کئی جگہ خون کے دھبے موجود تھے لیکن پولیس کو نہ کوئی لاش مل سکی اور نہ ہی کوئی زخمی گرفتار ہوا۔ دلدار آغا نے اپنے بیان میں پولیس کو بتایا کہ نامعلوم حملہ آور اس کی جواں سال بیوی کو اٹھا لے گئے۔ نہ اس نے کسی پر شبہے کا اظہار کیا اور نہ ہی شاہ باغ کی تباہی کے بارے میں کچھ بتایا۔ اس کا گھر لُٹے ہوئے محاذِ جنگ کا سماں پیش کر رہا ہے۔ گھر پر صرف ملازمین ہیں ان کے بیان کے مطابق وہ سویرے ہی اپنی سیاہ پجیرو میں اسلحے کا بھاری ذخیرہ [illegible] کر کسی نامعلوم سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔ کورنگی میں اس کی دوا ساز فیکٹری پر بھی چھاپا مارا گیا لیکن وہ سرے سے وہاں پہنچا ہی نہیں تھا۔ پورے شہر میں انتظامیہ وسیع پیمانے پر اس کی تلاش میں سرگرداں ہے تاکہ فسادات پر قابو پانے کے لیے ریڈیو اور ٹیلی وژن پر افواہ کے خلاف اس کا انٹرویو پیش کیا جا سکے لیکن وہ لاپتا ہے۔''

وہ بڑی بھیانک خبریں لے کر آیا تھا جنھوں نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ امیر داد کی ہلاکت پر ہونے والے لسانی فسادات کے بعد یہ دوسرا موقع تھا کہ دلدار آغا نے اپنے انتقام کی آگ کو سرد کرنے کے لیے شہر کی ہنستی کھیلتی بستیوں کو نفرت اور عداوت کی ہولناک آگ میں جھونک دیا تھا۔ وطن، مذہب اور رشتوں کو فراموش کر کے پورا شہر آگ و خون کی تعصب آمیز ہولی کھیلنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

موت کے اس سوداگر نے شہر میں موت بیچتے بیچتے [illegible] مضافات میں موت کی مفت اور فراخ دلانہ تقسیم کا پورا پورا بندوبست کر لیا تھا جسے روکنا ہر ایک کے بس سے باہر تھا۔ میں جب دفتر آیا تو بظاہر راستے پُرسکون تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ افواہ منظم پیمانے پر اس قدر تیزی سے پھیلائی گئی تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے پورا شہر ہی فسادات کی آگ میں جلنے لگا تھا۔

''تم نے اس پر ہاتھ ڈالنے میں ذرا سی تاخیر کر دی۔'' وہ توقف کے بعد مناسفانہ لہجے میں بولا۔ ''رات کو اس کے مکان پر حملے میں تمھارے ساتھ کتنے آدمی تھے؟'' وہ سوال اس نے بڑے اعتماد سے کیا تھا۔

''صرف ایک!'' میں نے آہستگی سے کہا ''یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ جوتے کھا کر ایسی گھٹیا حرکت پر اُتر آئے گا۔ اب اس کتے کو ہر قیمت پر پکڑنا ہے۔''

''رات ہی تم نے مجھے اور میرے آدمیوں کو بلا لیا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی لیکن وہی بات ہے کہ پہلے سے تمھیں کیا اندازہ ہو سکتا تھا؟ باہر نکل کر جب شاہ باغ کے حوالے سے دلدار آغا کا نام سامنے آیا تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ کھیل تم نے شروع کیا ہے اسی لیے صبح سویرے دفتر آ کر تم نے ہمیں کام سے لگا دیا۔'' اس نے ایک گہرا سانس لیا پھر بولا۔ ''میں نے اپنے آدمی شہر میں پھیلا دیے ہیں۔ پولیس والوں نے بھی اس کے وارنٹ جاری کرا دیے ہیں۔ اس کا رات والے بیان میں شاہ باغ کی تباہی کا ذکر نہ کرنا اور صبح پجیرو میں اسلحہ لے کر روانہ ہونا اس کے خلاف جا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پولیس والوں سے بچ جائے لیکن میرے آدمی شکاری کتوں کی طرح اس کی بو سونگھتے ہوئے اس تک پہنچ جائیں گے۔''

''اور جہانگیر کے مکان کا کیا ہوا؟'' اس کے آدمیوں کا ذکر

...ہی مجھے خوف زدہ سلمٰی یاد آگئی۔

"میں نے سب سے پہلے دو آدمی اُدھر بھیجے تھے پھر ...لا تھا۔ وہ اپنی ڈیوٹی دے رہے ہوں گے۔" اس نے اطمینان ...ہا۔ "اس وقت شاہد اور میر دی ڈیوٹی ہے۔ رات میں کسی اور ...دوبست کرلوں گا.... ویسے عجائب گل خان کو تم نے ...بھیجا تھا؟ وہ ابھی تک واپس نہیں لوٹا ہے۔" آخری سوال ...ے لہجے میں تشویش کے سائے لرز رہے تھے جیسے اسے ...ب گل خان کی سلامتی کی طرف سے اندیشہ لاحق ہو گیا ہو۔

اس وقت ہمارے درمیان گفتگو کا موضوع ایسا تھا ...میں ہم دونوں ذ...باتی طور پر بُری طرح ملوّث تھے۔ اس ...غیر ارادی طور پر وہ مجھ سے بے تکلف ہو رہا تھا اور میں نے ...اس کی قابلِ ...شک ...ردگی کی بنا پر اسے ٹوکنا مناسب نہ ...ھا۔ اس سے مراسم استوار ...رنے کا یہ ایک سنہرا موقع تھا جس ...ے میں فائدہ اُٹھانا ...یا ...تا تھا۔

"اسے بھی دلدار آغا کے سلسلے میں کسی اور سمت میں بھیجا ہے۔ اس کا کام زیادہ مشکل نہیں ہے وہ کسی بھی وقت ...میاب ہو کر واپس آسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"دلدار آغا کون ہے اور یہ اچانک تمہاری نظروں میں ...یسے آگیا؟"

وہ سیٹھ حبیب کا دستِ راست رہ چکا تھا اس لیے مجھے یقین تھا کہ وہ شی کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتا ہو گا۔ ...لیے میں نے اسی سے سوال کیا۔ "تم شی یا ڈی ڈی کے بارے ...کیا جانتے ہو؟"

"اس سے تو ہماری ساری کاروباری رقابت ہے مگر شی ...کاروبار پھیلا ہوا ہے۔ ہر طرف اس کا نام سُننے میں آتا ہے۔ ...آج تک کوئی ایسا آدمی نہیں مل سکا جو اس کی اصلیت ...ننے کا دعوے دار ہو۔"

"دلدار آغا ہی ڈی ڈی کا اصل روپ ہے۔" میرا انکشاف ...کر وہ اپنی کرسی سے یوں اُچھلا جیسے اسے یکایک کسی بچھو نے ...نک مار دیا ہو۔

"یقین نہیں آتا۔" وہ بے اعتباری سے بڑبڑایا۔ "جسے ...آج تک سایہ سمجھ رہے تھے اس کی شہ رگ تمہارے ہاتھ میں ...ہو۔ دلی بھی اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے شہر میں ...سا برپا کر دیا ہے۔"

"آج اس شہر میں شی کے دفن ہونے کا دن ہو گا۔" میں ...ے ...لہجے میں کہا۔ "میں اسے زیر کرنا اچھی طرح جانتا ہوں۔ ...اس کی موت میرے ہی ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ وہ اس نوشتۂ دیوار ...کی قیمت پر نہ ٹال سکے گا۔"

"عجائب گل کے بارے میں ابھی تک تفصیل نہیں بتائی تم نے؟" قدرے توقف کے بعد اس نے مجھے ٹوکا۔

میں نے خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر ڈائریکٹ فون کا ریسیور اُٹھا کر جہانگیر کے گھر کا نمبر ملانے لگا۔ مجھے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ شکست کے صدمے سے دلدار آغا کا دماغ اُلٹ گیا ہے۔ یہ بات اس کے لاشعور میں جم گئی تھی کہ اس کی تباہی میں جہانگیر کا بھی کوئی اہم کردار تھا اسی لیے وہ کئی بار فون کر کے سلمٰی کو گالیاں دے چکا تھا اور اسے دھمکیاں بھی دی تھیں۔ وہ خونی دیوانہ کسی بھی لمحے اپنے بھاری اسلحے کے ساتھ جہانگیر کے گھر کا رخ کر سکتا تھا۔

سلمٰی نے ریسیور اٹھایا تو خوف سے اس کی آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔

"حوصلہ رکھو سلمٰی! باہر موجود دونوں آدمی تمہارے ہمدرد ہیں..." میں نے اسے دلاسا دینا چاہا لیکن اس نے تڑپ کر میری بات فوراً ہی کاٹ دی۔

"خدا کے لیے فوراً یہاں پہنچو! اب مجھے کسی کی ہمدردی کی نہیں، مدد کی ضرورت ہے۔ ہمارے گھر پر موت نے دھاوا بول دیا ہے۔ اور کچھ نہیں کر سکتے تو تماشا دیکھنے کے لیے ہی آجاؤ۔" وہ بری طرح بلک رہی تھی۔

"کھل کر بات کرو، کیا ہوا ہے...؟"

"ایک پجیرو دو مرتبہ کسی گن سے مسلسل گولیاں برساتی ہوئی ہمارے گھر کے سامنے سے گزر چکی ہے۔ باہر والے دونوں آدمیوں کی بھاری فائرنگ نے ہی اسے فرار پر مجبور کیا ہے.... دیکھو سنو، وہ شاید پھر آرہے ہیں..." ریسیور پر فائرنگ کی گھن گرج نمایاں تھی۔ وہ یقیناً آٹومیٹک رائفل یا سب مشین گن کا فائر تھا۔

"چوکیدار کی رائفل کالی پجیرو والوں کا بال بھی بیکا نہیں کر سکی ہے۔" وہ گولیوں کے شور میں سسک سسک کر بتا رہی تھی۔ "وہ جتنی دیر میں کارتوس لوڈ کرتا ہے، وہ سیکڑوں گولیاں برساتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ باہر والے نہ ہوتے تو شاید پجیرو دیوار یا پھاٹک گرا کر اب تک اندر آچکی ہوتی۔"

ریسیور پر فائرنگ کا شور جس طرح شروع ہوا تھا اسی طرح اچانک موقوف ہو گیا۔ شاید سینڈو کے آدمیوں نے تیسری بار بھی دلدار آغا کو جہانگیر کے مکان میں گھسنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

"تم ہمت سے کام لو سلمٰی! میں فوراً آرہا ہوں۔" میں نے ریسیور کریڈل پر پھینکا اور کرسی چھوڑ دی۔

سینڈو بھی ہڑبڑا کر کرسی سے اُٹھا اور اس کی کرسی پیچھے اُلٹ گئی۔

"اسلحے کے ساتھ ساری نفری گاڑیوں میں نکالو، دلدار آغا کی کالی پجیرو دیکھ لی گئی ہے۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

"یہ کس سے بات کر رہے تھے تم؟" میرے تیور دیکھ کر سینڈو کا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔

"جاؤ!" میں آنکھیں نکال کر پوری قوت سے دہاڑا اور وہ کسی خارش زدہ کتے کی طرح دم دبا کر کمرے سے بھاگ گیا۔ میں اضطراب کے عالم میں بند کمرے میں ٹہلنے لگا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ میں اسی لمحے پر لگا کر اس ملعون کے مدِمقابل پہنچ جاتا جس کی زندگی سے بھیڑیے بھی شرمانے لگے تھے۔

پھر اچانک ہی مجھے دلدار آغا کے ایک آدمی کی لاش سے حاصل کیے ہوئے ٹرانسمٹر کا خیال آیا اور میں نے اسے اپنی جیب سے نکال کر آن کر دیا۔

دلدار آغا اس وقت اپنے خوف ناک مشن پر نکلا ہوا تھا۔ اسے شہر میں اپنے خونی درندوں سے ہر لمحہ رابطہ رکھنے کی ضرورت تھی اس لیے مجھے توقع تھی کہ میں اپریٹس پر اس کی آواز سن سکوں گا۔

"ڈی ڈی کالنگ فار الوری باڈی!" چند ثانیوں کے بعد ٹرانسمٹر کے ریڈیائی شور میں وہ بھرائی ہوئی خوابناک آواز سن کر میرا دورانِ خون یک لخت تیز ہو گیا۔ "ہر وہ شخص جو میری آواز سن رہا ہے، یہ سمجھ لے کہ یہ ڈی ڈی کا پیغام ہے۔ آج جس نے ذرا بھی سستی دکھائی اس کی کھال کھنچوا دی جائے گی۔ اپنی ٹولیوں کے ساتھ چہروں پر نقاب لگا کر گاڑیوں میں نکلو اور جو سامنے آئے اسے خاک و خون میں نہلا دو! آج شہر میں اتنی لاشیں گراؤ کہ انھیں اٹھاتے اٹھاتے عبدالستار ایدھی کی جان آدھی رہ جائے۔ یہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ ہمارا ایک اپریٹس کسی غیر آدمی کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ میں موبائیل ہوں، ہر شخص مجھے اسی اپریٹس پر رپورٹ دیتا رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اپریٹس حاصل کرنے والا بھی فساد کی زد میں آ کر مر چکا ہو۔ اس سے خوف زدہ ہونے کی اب کوئی ضرورت نہیں رہی۔۔۔ اوور!"

وقفے وقفے سے مختلف افراد ڈی ڈی کو پیغام کی وصولی کی اطلاع دینے لگے۔ ان کی کل تعداد سات تھی جس کا مطلب تھا کہ فسادات کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے مزید سات ٹولیاں نقاب پوش قاتلوں کے روپ میں میدان میں اترنے والی ہیں۔ میرا دل چاہا کہ اسی وقت ٹرانسمٹر پر ڈی ڈی کو للکاروں لیکن میں نے فوراً ہی اپنے جوش اور غصے پر قابو پا لیا۔ وہ مجھے بھول جانا چاہ رہا تھا اس لیے اپنی آواز سنا کر اسے چوکنا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میرے خاموش رہنے کی صورت میں وہ اپنے آدمیوں سے رابطے کے لیے اس ٹرانسمٹر کا استعمال جاری رکھتا تو کم از کم مجھے ہر لمحے اس کے عزائم کا علم ہو سکتا اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ جوشِ

انتقام سے مغلوب ہو کر اپنے نئے مسکن کی نشان دہی کر

"تین گاڑیوں میں تیرہ آدمی تیار ہیں۔" پشت سے

دینے والی سینڈو کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ میری لاعلمی میں نہ جانے کب دستک دے کر میرے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں میرے ہاتھ میں دبے ہوئے اپریٹس پر مرکوز تھیں لیکن وہ اس بارے میں مجھ سے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

"تم میری گاڑی میں میرے ساتھ آؤ گے، باقی گاڑیاں ہمیں فالو کریں گی۔" میں نے دفتر سے نکلتے ہوئے اسے آگاہ کیا۔ "مجھے ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ سات گاڑیوں میں نقاب پوش اور مسلح لوگ شہر میں اندھا دھند فائرنگ کرنے کے مشن پر نکلے ہیں۔ راستے میں ایسی جو بھی گاڑی نظر آئے اسے چھلنی کر دیا جائے۔"

"تم اپنی گاڑی میں چلو! میں آدمیوں کو ہدایات دے کر آتا ہوں۔" وہ دوڑتا ہوا مجھ سے آگے نکل گیا۔

زینے عبور کرتے ہوئے میں تازہ صورتِ حال کے بارے میں بہت زیادہ فکرمند تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاد اور پھر اپنے مکان پر ہونے والے تصادم کے بعد وہ تنہا رہ گیا تھا۔ اپنے لیے افرادی قوت وہ معراج دین عرف ماجا کے ذریعے حاصل کرتا تھا جس کو ناکارہ کرنے کے لیے عجائب گل خان کو روانہ کر دیا گیا تھا پھر اس کی ایک آواز پر لبیک کہنے والے سات افراد کہاں سے آ پڑے تھے۔

دفتر میں سناٹا ہو گیا تھا۔ ٹیلی فون آپریٹر کے علاوہ مجھے کہیں کوئی متنفس نظر نہیں آیا۔ شاید سینڈو نے اس مہم کے لیے سارے ہی آدمی سمیٹ لیے تھے۔

میں دفتر سے باہر آیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ شہر کے اس مصروف ترین کاروباری علاقے میں سناٹا پڑا ہوا تھا۔ اِکا دُکا دو کانیں کھلی ہوئی تھیں ورنہ پورا بازار بند تھا۔ جہاں تِل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی تھی وہاں صرف چند کاریں نظر آ رہی تھیں۔ باقی جگہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ فٹ پاتھ پر کہیں جگہ سہمے ہوئے لوگوں کی ٹولیاں کھڑی ہوئی تبادلۂ خیال کر رہی تھیں اور مسجد کے میناروں کے عقب میں کہیں قریب ہی آتش زنی کا کثیف دھواں سیاہ ناگنوں کی طرح لہراتا ہوا آسمان کی جانب اٹھ رہا تھا۔ فضا خاموش اور بوجھل تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں بھی کسی لمحے کوئی طوفان پھٹ پڑنے والا تھا جس کی نہ شدت کا پتا تھا اور نہ سمت کا۔

میرے انجن اسٹارٹ کرنے تک سینڈو بھی دوڑتا ہوا آ گیا۔ میں نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا کہ اس کے ہاتھ

میں لٹکے ہوئے تھیلے میں کلاشنکوف اور میگزین موجود
تھا۔ حیرت کی بات تھی کہ مافیا والے شہر کے وسط میں یوں
دیدہ دلیری کے ساتھ اسلحے کا ذخیرہ رکھتے تھے۔

"عجائب گل ابھی تک نہیں لوٹا۔" کار کے حرکت
میں آتے ہی سینڈو ایک بار پھر مضطربانہ لہجے میں بول
پڑا۔ "ایسے موقع پر وہ بہت کارآمد ثابت ہوتا ہے۔"

میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا پھر آہستہ سے
سے کہا۔ "وہ معراج دین کی تلاش میں گیا ہے۔۔۔"

میری زبان سے معراج دین کا نام سنتے ہی سینڈو
کا چہرہ اتر گیا۔ "پھر وہ کبھی واپس نہیں لوٹ سکے گا۔" وہ
کمزور لہجے میں آہستہ سے بولا۔ "میری چھٹی حس کہہ رہی تھی
کہ وہ کسی مصیبت سے دوچار ہو گیا ہے۔"

"کیوں؟ کیا معراج دین اسی قدر خطرناک آدمی ہے؟
دلدار آغا سے بھی زیادہ؟"

"دراصل ڈی ڈی کو وہی چلا رہا تھا ورنہ ہم اب تک
شی کو کھا گئے ہوتے۔ اس کے پاس بہت زیادہ آدمی ہیں
جو شہر میں شی کا مال کھپاتے ہیں۔ کچھ عرصے سے معراج دین
شہر کا ہوّا بنا ہوا ہے۔ وہ جہاں جاتا ہے وہاں ڈوری لگ
جاتی ہے۔ عجائب گل اس کے مخبروں سے نہیں بچ سکا
ہوگا۔"

"یہ ڈوری کیا ہوتی ہے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے
میں سوال کیا۔

"حصار سمجھ لو۔" وہ بولا۔ "وہ جہاں بھی موجود ہوتا
ہے اس مقام پر آنے والے ہر راستے پر کم از کم ایک میل
تک مخبروں کا جال پھیلا رہتا ہے اور جونہی کوئی مشتبہ آدمی
ان کی حدود میں داخل ہوتا ہے اس کا تعاقب شروع کر کے
فوراً ہی خبر ماجے کو پہنچا دی جاتی ہے۔ عجائب گل خان خود
ان مخبروں کی نگاہ میں آگیا ہوگا۔ وہ مسلح ہوگا اور پھر اس
علاقے میں اپنی موجودگی کا کوئی معقول بہانہ بھی نہیں پیش
کر سکا ہوگا اس لیے ماجے نے فوراً ہی اسے مروا دیا ہوگا۔
اپنے بارے میں وہ ذرا بھی خطرہ مول نہیں لیتا۔ اسی لیے شہر
کے بدمعاشوں پر اس کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ بے چارہ
عجائب گل خان بڑی بے بسی کی موت مارا گیا ہوگا۔" وہ اپنے
ساتھی کارکن کے لیے افسردہ تھا۔

لیکن میری نگاہ میں اس واقعے کو صرف اور صرف
مکافاتِ عمل قرار دیا جا سکتا تھا۔ عجائب گل خان نے ڈان
تھری کے ایما پر سب انسپکٹر محمود جیسے ایماندار افسر کو ٹرک
کے پہیوں کے نیچے روند کر ہلاک کیا تھا اور قدرت نے
میرے ذریعے اس کا ہانکا کر کے اسے معراج دین کے
بھیانک جنگل میں پہنچا دیا تھا۔ حساب برابر ہونے میں
زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

میرے خیال میں عجائب گل کے انجام کے بارے میں
سینڈو کا اندازہ درست تھا۔ معراج دین کا بال بھی بیکا نہیں
ہوا تھا اور وہ کسی اچھے وقت کی امید میں پوری طرح دلدار آغا
کا ساتھ دے رہا تھا۔ اسی لیے میری توقع کے برعکس، دلدار آغا
کی ایک کال پر فوراً ہی سات لبیک کہنے والوں نے اپنی
خدمات پیش کر دی تھیں، وہ سب چڑی کے غلام تھے
جنھیں دلدار آغا اپنے مذموم مقاصد کے لیے بڑی بے رحمی
سے استعمال کر رہا تھا۔

ایم اے جناح روڈ سنسان پڑی ہوئی تھی جس سڑک
کو دن بھر عبور کرنا دشوار ہوتا تھا اس پر نیو کلاتھ مارکیٹ
کے سامنے خالی چوبی پیٹیوں سے وکٹ بنا کر کچھ بچے کرکٹ
کھیل رہے تھے۔ گلیوں میں ہجوم لگے تھے۔ میں نے وہیں
سے کار چند ریگر روڈ کی طرف گھمالی۔ چاروں گاڑیوں کا
قافلہ سبک رفتاری سے بڑھتا رہا۔ بلند و بالا عمارتوں سے
آگے آنے پر بائیں طرف کی عمارات کے عقب میں جابجا
دھوئیں کے بادل نظر آئے۔ کہیں ٹائر جلائے جا رہے تھے
اور کہیں مال و املاک۔ انسان کی کھوپڑیوں میں شیطان حلول
کر گیا تھا اور کچھ پتا نہیں تھا کہ ہم شہر کا جائزہ لینے کے
لیے آبادیوں میں سے گزرتے تو ہمارا کیا حشر کیا جاتا اس
لیے ہم سیدھے چل کر صدر سے ہوتے ہوئے دوبارہ جناح
روڈ کی طرف ہو لیے۔

دلدار آغا والا اپریٹس آن کیا ہوا ڈیش بورڈ پر رکھا ہوا
تھا۔ عجائب گل خان کے عبرت ناک انجام پر کچھ دیر کے
اندوہناک خاموشی کے بعد سینڈو کو اس آلے کا خیال
آگیا۔

"یہ شاید شی والوں کا ہے۔ تمھیں کہاں سے مل گیا؟"
اس نے افسردہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

"کل رات کی لڑائی میں ہاتھ آیا تھا۔ شاید تم نے سُن ہی
لیا تھا کہ ڈی ڈی نے اپنے آدمیوں کو کیا حکم دیا ہے؟"

"ہاں! یہ اس شہر کی بڑی بدنصیبی ہے کہ اس کی لگامیں
جو چاہتا ہے تھام لیتا ہے۔ اب کسی کو چلتے تیر پر بیٹھ کر
بھی بتایا جائے کہ ساری سازش ایک آدمی کی ہے تو کوئی یقین
نہیں کرے گا۔"

"اب یہ دیکھنا ہے۔۔۔" مجھے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑنا
پڑا کیوں کہ ٹرانسمیٹر پر پیغام آ رہا تھا۔

"ڈی ڈی کے لیے طافو بول رہا ہوں۔ ہم لوگ
طارق روڈ پر فائرنگ کرتے ہوئے نکلے ہیں۔ جلتی ہوئی

گاڑی سے اندھا دھند فائرنگ میں گولیاں بہت ضائع ہو رہی ہیں، اب شہیدِ ملت روڈ سے جمشید روڈ نکلنے کا ارادہ ہے۔ اس کے بعد شاید ہمارا میگزین ختم ہو جائے گا... اوور!"

"جمشید روڈ کو چھوڑ دو اور تین ہٹی اور لسبیلہ کے درمیانی علاقے میں اپنے آخری میگزین کی آخری گولی چلا کر لوٹ جاؤ۔ ایرپٹیس آن رکھنا، ضرورت ہوئی تو نئی ہدایات دوں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

"انسانی جانوں سے زیادہ انھیں گولیاں ضائع ہونے کی فکر ہے۔" سینڈو بڑبڑایا۔

"اتنے پارسا ہم بھی نہیں ہیں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "دونوں میں تھوڑا سا ہی فرق ہے۔"

"ہم اس پر ہتھیار اٹھاتے ہیں جو ہمارے لیے خطرہ ہوتا ہے، جنگ میں سب کچھ جائز ہو جاتا ہے لیکن یہ تو بلا امتیاز شہر میں قتل اور دہشت گردی کرتے پھر رہے ہیں نہتے لوگوں کو گولیوں سے بھوننا تو کھلی نامردی ہے۔"

"کاش یہ ہماری موجودگی میں جہانگیر کے مکان کا رخ کرے تو پھر تم دیکھو گے کہ دلدار آغا کے حشر سے موت بھی پناہ مانگے گی۔" یک بیک میرا خون کھول اٹھا۔

اس لمحے مجھے کافی دیر بعد غزالہ کا خیال آیا تھا ورنہ سلمیٰ اور جہانگیر کی سلامتی کی فکر میں پڑ کر میں اسے بھول ہی گیا تھا۔

وہ میری خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر در بدر ہو چکی تھی، کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں اور کس حال میں تھی، شہر میں ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی، انسان درندے بنتے جا رہے تھے، ان حالات میں غزالہ کو بے پناہ دشواریاں پیش آسکتی تھیں لیکن غنیمت یہ تھا کہ کراچی اس کے لیے اجنبی شہر نہیں تھا۔ اگر اسے موقع ملتا تو وہ جہانگیر کے گھر بھی پہنچ سکتی تھی۔ اس اعتبار سے اس وقت میرے لیے جہانگیر کا گھر بربادیوں کے سمندر میں امن کے جزیرے کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

شورش اور ہنگاموں سے بچتے بچاتے آخر کار ہم جہانگیر کے مکان پر پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ میں نے اپنی گاڑی پھاٹک پر روک دی اور ہارن بجایا تو سینڈو کے بھیجے ہوئے دونوں آدمی اپنے آدمیوں اور گاڑیوں کو پہچان کر اپنی کمین گاہوں سے نکل کر سامنے آ گئے۔ انھوں نے مجھے بہت ادب سے سلام کیا تھا جیسے وہ مجھے پہچان گئے ہوں لیکن میرے لیے ان کے چہرے قطعی اجنبی اور نئے تھے۔

"کیا صورتِ حال ہے؟" میں نے جذبات سے عاری لہجے میں سوال کیا۔

"ایک کالی جیپ دو تین بار مکان میں گھسنے کی کوشش کر چکی ہے وہ لوگ خود کار رائفل چلاتے ہوئے آئے تھے ہر بار انھیں بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا۔ گاڑی کی باڈی ہمار... گولیوں سے چھلنی ہو چکی ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا...

"آخری بار وہ کتنی دیر پہلے آئے تھے؟" میں نے پوچھا...

"بیس پچیس منٹ ہو گئے۔ شاید اب وہ واپس جا چکے ہیں، انھوں نے تینوں حملے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کیے تھے، میں نے اپنی گاڑی میں علاقے کا ایک راؤنڈ بھی لگا لیا ہے لیکن میدان صاف ہے۔"

"اس خیال میں نہ رہنا۔ وہ پھر واپس پلٹ سکتے ہیں۔ چوکنے ر... اور ضرورت ہو تو پچھلی کسی گاڑی سے گولیاں لے لو۔ شام تک تمھی... یہیں رہنا ہے۔"

وہ دونوں سر جھکا کر واپس چلے گئے۔

سلمیٰ کے چوکیدار نے تیسرے ہارن کے بعد ڈرتے ڈرتے اندر ہی سے چلا کر سوال کیا تھا میرے لیے وہ ایک نازک مرحلہ تھا... ڈیفنی کہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، بیٹر واک کے نام سے صرف سینڈو واقف تھا جب کہ مافیا کے دوسرے کارندوں کے لیے میں صرف شوٹر تھا۔ اس لیے کئی مکالمات کے تبادلے کے بعد ہی دروازہ کھلنے کی نوبت آسکی۔ چوکیدار کے ہاتھ میں بھری ہوئی رائفل تیار تھی اور اس کے پیچھے سلمیٰ پستول لیے کھڑی تھی۔ خوف سے اس کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا، آنکھیں ویران تھیں اور پورا بدن بید مجنوں کی طرح کانپ رہا تھا۔

"یہ... یہ کون لوگ ہیں؟" اس نے پستول کی نال سے دوسری گاڑیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پھنسی پھنسی اور خوفزدہ آواز میں سوال کیا۔

"پھاٹک کھلواؤ، یہ سب تمھارے محافظ ہیں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا اور ڈرائیونگ سیٹ سے نیچے اتر گیا۔

"خود کو تماشا نہ بناؤ، اب اندر جا کر آرام کرو۔ میں انھیں کام سمجھا کر اندر آتا ہوں۔" میں نے سلمیٰ کے ہاتھ سے پستول لیتے ہوئے نرمی سے کہا اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی برآمدے کی طرف چل دی۔ اس ایک ہی جھٹکے میں وہ برسوں کی بیمار اور عمر رسیدہ نظر آنے لگی تھی۔ دہشت نے آواز کی شوخی اور چہرے کی رونق تک نچوڑ لی تھی۔

شہر میں رونما ہونے والے واقعات کے پیش نظر گاڑیوں یا مسلح افراد کو باہر چھوڑنا مناسب نہیں تھا اس لیے میں نے گاڑیاں اس ترتیب سے اندر پورچ میں پارک کرائیں کہ ضرورت پیش آنے پر کسی کو چھیڑے بغیر اپنی کار باہر لے جا سکوں۔ پہلے سے موجود دو افراد کو بھی اندر بلا کر میں نے پھاٹک بند کرا دیا اور سینڈو کو مختصر سی ہدایات دے کر ایرپٹیس سمیت اندر چلا گیا۔ سینڈو کسی اطاعت شعار نائب کی طرح اپنے آدمیوں کو پھیلانے

مصروف ہو گیا تھا۔

میرا خیال تھا کہ مجھے جہانگیر کو پکارتے ہوئے اس کی خواب گاہ تک جانا ہو گا تاکہ سلمٰی میری آمد سے آگاہ ہو سکے لیکن وہ میرے انتظار میں ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر بیٹھی ہانپ رہی تھی۔

"آج میں نے موت کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا ہے کہ موت کا خوف کیا ہوتا ہے۔" اس نے میرے بیٹھ جانے کے بعد گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔ "تمہارے دونوں آدمی نہ ہوئے ہوتے تو ان بجیرو والوں نے ہمارا قیمہ بنا ڈالا تھا۔ اُف خدایا! کیسا بھیانک تجربہ تھا۔"

"جو کچھ ہوا۔ اسے بھول جاؤ۔" میں نے اپنے بجھے بجھے دل کے ساتھ زبردستی کرتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "اب یہاں ہر وقت پیشہ ور مسلح محافظ موجود رہیں گے۔ تم نہا دھو کر آرام کرو، ورنہ ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کرتی رہو گی۔"

"یہ اتنے سارے آدمی تم کہاں سے لے آئے؟ سب ہی جنگلی اور خونخوار نظر آ رہے ہیں۔" میرے کہنے پر اس نے فوراً ہی اپنے رویے میں مثبت تبدیلی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ خوف اور دہشت نے اسے اس وقت موم کی ناک بنا کر رکھ دیا تھا جسے ذرا سے اشارے سے کسی بھی طرف موڑا جا سکتا تھا۔

"یہی لوگ کالی بجیرو والوں کو روک سکتے ہیں۔ اب ذرا میں ایک نظر جہانگیر کو بھی دیکھ لوں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی بھی لمحے مجھے یہاں سے اچانک روانہ ہونا پڑ جائے۔" میں نے جگہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

"تو تم پھر چلے جاؤ گے؟" اس کی آواز میں ایک مرتبہ پھر مایوسی اُمڈ آئی۔

"یہ اسلحہ بردار لوگ ساری عمر یہیں نہیں بیٹھے رہیں گے۔ مجھے بجیرو والے پر ہاتھ ڈالنا ہے تاکہ ہمیشہ کے لیے اس خطرے کا سدِباب ہو جائے۔" میں دانستہ اسے شہر کے حالات سے آگاہ کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

وہ میرے ہاتھ کا سہارا لے کر اٹھی تھی پھر ہم آہستہ آہستہ اس کی خواب گاہ میں پہنچے تو جہانگیر قابلِ رحم حالت میں بستر پر بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ اس کے ورم آلود چہرے پر ڈریسنگ کے نیچے سے جا بجا نیل جھانک رہے تھے۔ سر پر بھی پٹی بندھی ہوئی تھی اور مجھے یقین تھا کہ لباس کے نیچے بھی اس کا جسم زخموں سے ڈھکا ہوا تھا۔

"دیکھو کیا حالت ہوئی ہے ان کی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں تو اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ یہ زندہ سلامت گھر لوٹ آئے ورنہ انھوں نے تو مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

اسی لمحے ٹرانسمیٹر پر پھر کوئی پیغام آنے لگا اور میں نے تیزی کے ساتھ خواب گاہ سے باہر نکل کر اپریٹس کا والیوم بڑھا دیا۔ اور اُس سے ابھرنے والی آواز واضح ہو گئی۔ ایگل ڈی ڈی سے رابطہ قائم کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کی آواز میں پہلے بھی سن چکا تھا۔ اسی لیے مجھے اندازہ ہوا کہ اس وقت اس کی آواز مضمحل سی تھی۔

"لالو کھیت میں فائرنگ کرتے ہوئے ہم ایک ہجوم کے شدید پتھراؤ کی زد میں آ گئے۔" ڈی ڈی کی آواز سنتے ہی ایگل نے اپنی کہانی شروع کر دی۔ "گاڑی کے شیشے چکنا چور ہو گئے۔ ایک شیشہ میری پیشانی میں پیوست ہوا ہے، کئی پتھر بھی لگے ہیں۔ میرا ساتھی مجھ سے زیادہ زخمی ہے۔ زبردست فائرنگ کرنے کے باوجود ہم بہت مشکل سے نکلنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اب ہم چوراہے سے مڑ کر غریب آباد کے راستے گلشن اقبال پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ وہاں سے واپسی ہو جائے گی کیونکہ ہم دونوں کے زخموں سے تیزی سے خون بہہ رہا ہے۔ ہم سے کوئی بھی زیادہ دیر تک ڈرائیونگ کرنے کے قابل نہیں ہے اور تیز فائرنگ کی وجہ سے سارے میگزین بھی خالی ہو گئے ہیں۔۔۔۔ اوور!"

"واپس چلے جاؤ۔" ڈی ڈی کی آواز میں جھلاہٹ تھی۔ "اب نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ ہتھیار چلانے والے پتھروں سے زخمی ہو رہے ہیں۔ گھر جاؤ اور آرام کرو، اپنے کام میں خود دیکھ لوں گا۔۔۔ اوور!"

"وہاں گلیوں میں بڑے بڑے ہجوم ہیں۔ پتھروں کی پوری پوری چادریں ہوا میں تیر رہی تھیں۔ ان سے بچنا کسی کے بس میں نہیں ہے پھر لوگ مرنے اور زخمی ہونے کے باوجود منتشر نہیں ہوئے۔ میرا مشورہ ہے کہ کسی پارٹی کو ادھر نہ بھیجا جائے ان تخریب کاروں نے ہماری کوئی گاڑی پکڑ لی تو دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔۔۔ اوور!"

"اپنا مشورہ اپنے پاس رکھو۔۔۔ اوور اینڈ آل۔۔۔"

اپریٹس پر خاموشی طاری ہو گئی۔

سلمٰی میرے قریب کھڑی حیرت سے وہ گفتگو سن رہی تھی۔ خاموشی ہوتے ہی اس نے مجھ سے سوالات شروع کر دیے اور میں بہ مشکل اسے مطمئن کر کے اندر واپس جانے پر آمادہ کر سکا۔ "تم بیڈ روم میں جاؤ۔ میں ایک دو آدمیوں کو مشورے کے لیے ڈرائنگ روم میں بلانا چاہتا ہوں۔"

وہ چلی گئی تو میں نے لان سے سینڈ کو ڈرائنگ روم

میں بلا لیا۔

"اس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے اس علاقے سے نکل گیا۔ اب مشکل ہے کہ دوبارہ ادھر کا رخ کرے کالی بجیرو کی تو پولیس کو بھی تلاش ہے۔"
اس نے آتے ہی کہا۔

"ہماری کامیابی کا انحصار صرف اس پر ہے۔" میں نے صوفے پر دراز ہو کر ٹرانسمٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں کچھ علم نہیں کہ وہ اس وقت شہر کے کس حصے میں ہے۔ جب تک اس کا سراغ نہ ملے، بلا وجہ سڑکوں پر مارے مارے پھرنا بے سود ہے۔ فی الحال ہم پوری نفری کے ساتھ یہیں رکیں گے۔"

تقریباً نصف گھنٹے بعد اپریٹس پر ڈی ڈی کی آواز ابھری تھی۔ وہ ایگل کو کال کر رہا تھا۔ اس کی کئی بار کی کوششوں کے بعد بھی دوسری طرف سے جواب نہیں ملا تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ ایگل کو کاری زخم آئے تھے جن کے باعث وہ بیہوش ہو چکا تھا یا کسی اسپتال میں تھا اسی وجہ سے اس کا اپریٹس آف تھا۔

ڈی ڈی نے ایگل سے رابطہ قائم ہونے میں ناکامی پر کسی ابرار کو طلب کیا جس نے فوراً ہی جواب دیا۔

"ایگل بکواس کر رہا تھا۔" ڈی ڈی کہنے لگا۔ "میں اس وقت تین ہٹی کا پل عبور کر کے لالو کھیت سے گزر رہا ہوں۔ ویران سڑک پر ٹائر جل رہے ہیں کچھ گاڑیوں کے ڈھانچے بھی سلگ رہے ہیں۔ سڑک پر کافی پتھر پڑے ہوئے ہیں لیکن میں حفاظت سے گزر رہا ہوں۔ یہ ڈاک خانے کا چوراہا آ گیا۔ یہاں ایک طرف ہجوم ہے، دوسری طرف پولیس، کچھ نعرے بازی کے ساتھ پتھراؤ بھی ہو رہا ہے مگر میرا بال بیکا بھی نہیں ہوا۔ مارکیٹ، نیرنگ اور اب میں اگلے چوراہے سے ایگل ہی کا راستہ لوں گا یہاں لوگ بہت ہیں۔"

اس مرحلے پر اپریٹس پر ڈی ڈی کی ایک بے ساختہ چیخ سنائی دی اور اس کی آواز معدوم ہو گئی۔ شاید کسی پتھر نے اس کے گھمنڈ کے ساتھ ہی اس کی کھوپڑی بھی توڑ دی تھی اور ٹرانسمٹر اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اسی لیے بٹن پر سے دباؤ ختم ہوتے ہی وہ اپنا سفر نامہ دوسروں کو سنانے کے قابل نہیں رہا تھا۔

ابرار نے بار بار بے تابانہ انداز میں اپنے ڈی ڈی کے لیے پیغام نشر کیے لیکن دوسری طرف سناٹا چھایا رہا۔

ڈی ڈی اگر صرف زخمی ہوا تھا اور وہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو گیا تھا تو اس کی طرف سے اتنی طویل خاموشی بے معنی تھی۔ اسے کم از کم ابرار کو خاموش رہنے کا حکم ہی

دے دینا چاہیے تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ٹر
ڈی ڈی کے ہاتھ سے نکل کر باہر جا گرا تھا یا پھ
اس قابل نہیں رہا تھا کہ اپریٹس استعمال کر سکے
اس صورت حال کا تصور کر کے ہی میرے
رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

رازداری کے خبط میں مبتلا ڈی ڈی ہمیشہ سے دو
لیے ایک سایہ بنا ہوا تھا اور صرف اپنی آواز سے پہچانا جا
اس لیے یہ بات یقینی تھی کہ اس نے بجیرو میں اپنے سا
کو نہیں لیا تھا تا کہ اس کی اصلیت بے نقاب نہ ہو سکے
نے اپنے گھر سے بجیرو میں جو اسلحہ لادا تھا اس کا بیشتر
معراج دین عرف ملجے کے آدمیوں میں تقسیم کر دیا گیا
دلدار آغا نے اپنی ضرورت کے لیے اس کی کچھ مقدار بچ
بھی ضرور رکھی ہو گی۔ اس اسلحے کے ساتھ پہلے اس نے
کے گھر پر یلغار کرنا چاہی اور تین ناکامیوں کے بعد دوسر
کر لی۔ اپنی پے در پے ناکامیوں کی بنا پر وہ انا پرست
قدر حساس ہو گیا تھا کہ اس کے لیے چھوٹی چھوٹی باتوں کا
کرنا بھی ناممکن ہو گیا تھا اس لیے جب ایگل نے اسے
میں اپنی بے بسی کی کہانی سنائی تو دلدار آغا کی شامت نے
گھیر لیا اور وہ اس علاقے سے گزرنے کو اپنی انا کا مسئلہ
اس نے خود کو ایگل سے برتر ظاہر کرنے کے لیے
میں داخل ہونے سے قبل اسی سے رابطہ قائم کرنا چاہا لیکن
کے بعد ابرار کو اپنے سفر کی تفصیل سنانے لگا۔ درحقیقت ا
وہ اپنے لیے کام کرنے والے، ملجے کے سب آدمیو
چاہ رہا تھا کہ جس علاقے کو ایگل نے خطرناک قرار دیا، ا
نزدیک وہ غیر اہم تھا۔

لیکن نیرنگ اور دس نمبر کے درمیان وہ کسی پتھر
نشانہ بن گیا۔ وہ اکیلا تھا اس لیے شاید بجیرو کو نہ سنبھال
گاڑی کسی چیز سے ٹکرا کر رک یا الٹ گئی، پھر شاید ہجوم
بجیرو میں اسلحہ نظر آیا، کچھ لوگ اسلحہ لے بھاگے، کسی نے
اٹھایا اور بقیہ لوگ اس اسلحہ بردار زخمی پر ٹوٹ پڑے جو
آبادی کے درمیان سے وہ سب لیے جا رہا تھا۔ موت
سوداگر کو وہ لوگ معاف نہیں کر سکتے تھے۔

"بجیرو سے یہ بولنے والا سیاہ آلہ جس نے بھی اٹھایا
میری آواز ضرور سن رہا ہو گا۔" میں نے بٹن دبا کر پہلی بار بولنا
کر دیا۔ "میں بھی بجیرو والے کا حشر جاننا چاہتا ہوں۔ اس
میری التجا ہے کہ صرف تھوڑی دیر کے لیے جالی کے اوپ
سرخ بٹن دبا دے تا کہ میں بھی ساری آوازیں سن سکوں۔"
میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اپریٹس پر غضب
ہجوم کی آوازوں کے درمیان لرزہ خیز انسانی چیخیں سنائی د

کچھ لوگ شاید مفت میں ہاتھ لگنے والے اسلحے سے ہوائی فائرنگ کر رہے تھے مگر دلدار آغا کی روح کی گہرائیوں سے ابھرنے والی چیخیں ان سب آوازوں پر بھاری تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پتھروں اور لاتوں سے اس کی ایک ایک ہڈی کو توڑا جا رہا ہو، اس کے بدن سے ایک ایک ریشہ الگ کیا جا رہا ہو۔ ایریٹس کے قریب موجود کچھ لوگ آوازے کس رہے تھے جو میرے علاوہ شاید جے کے آدمی بھی سُن رہے تھے۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے وجود پر سکون کی ایک چادر پھیلتی جا رہی ہو۔ مجھے دُکھ تھا کہ میں اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکا تھا، اس سے اپنے بدلے نہیں چکا سکا تھا لیکن موت کا وہ سوداگر جس طرح اپنی ہی بھڑکائی ہوئی آگ کا ایندھن بنا تھا وہ عبرت ناک تھا۔ ایسی سزا تو شاید میں اسے مرکر بھی نہ دے سکتا جس کا انتخاب اس نے خود کیا تھا۔

میرے لیے دلدار آغا عرف ڈی ڈی کا وہ روح فرسا انجام بہت اچانک اور غیر متوقع تھا لیکن اپنے سیاہ اعمال کی بدولت وہ ایسی ہی لرزہ خیز موت کا مستحق تھا بلکہ موت سے کہیں زیادہ وہ تو ایسی عبرت ناک زندگی کا حقدار تھا کہ اس کا سارا جسم چور چور کرکے اسے شہر کے کسی بڑے چوراہے پر بٹھایا جاتا اور اس وقت مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ لالوکھیت کے مشتعل لوگ اسے لاتوں اور تھپڑوں سے ہلاک ہی کرنے پر تلے ہوئے تھے یا وہ بے غیرت شخص سارے جوڑ کھلنے کے بعد بھی کسی بہانے زندہ رہ جاتا۔

پھر اچانک ٹرانسمٹر خاموش ہوگیا۔

ایریٹس کے خاموش ہوتے ہی جہانگیر کے ڈرائنگ رُوم میں بھی موت کا بوجھل سکوت پھیل گیا۔ میرے ساتھ سینڈو بھی بالکل خاموش تھا۔ ہم دونوں میں سے کسی کو بھی دلدار آغا یا ڈی ڈی کی موت کا ذرا بھی غم نہیں تھا لیکن کم از کم میرے ذہن میں یہ خیال ضرور سر اُبھار رہا تھا کہ انسان اس دنیا میں ہی جیتے جی کیسے کیسے اور کس طرح مکافاتِ عمل سے دوچار ہوتا ہے۔

دلدار آغا نے کراچی جیسے ہنستے کھیلتے شہر کو محض اپنے انتقامی جذبے کی تسکین کے لیے جس طرح افواہیں پھیلا کر اور اپنے نقاب پوش غنڈوں سے نہتے شہریوں پر گولیوں کی برسات کرواکے شہر میں ہولناک نسلی فساد کی آگ بھڑکائی تھی اس نے میرے ساتھ ہی شہر کی انتظامیہ کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ شہر والوں کی خوش نصیبی تھی کہ ذمے دار اہل کاروں نے جلد ہی دلدار آغا کی تضاد بیانی کو سمجھ لیا تھا اور مشتعل مزاج، بے لگام فسادیوں کے ٹولوں کی اندھادھند سرگرمیوں کو روکنے کے لیے پورے شہر میں دلدار آغا کی تلاش کی مہم کا آغاز کر دیا تھا لیکن وہ خونی بھیڑیا ان کی گرفت میں نہ آسکا کیونکہ قدرت اسے خود بخود اس کے ایسے انجام کی طرف دھکیل رہی تھی جو اس کے لہو رنگ اور داغ داغ ماضی سے پوری طرح میل کھاتا تھا۔

اسے پے در پے شکست کے کئی زخم لگے تھے جس کے سبب وہ نا پرست درندہ مشتعل ہوکر صحیح فیصلے کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوگیا۔ اپنے آدمیوں سے لیاقت آباد یا لالوکھیت میں عوام کے اشتعال اور حوصلے کے بارے میں تشویش ناک خبریں سننے کے بعد محتاط ہونے کے بجائے اس نے اپنے آدمیوں کی فراہم کی ہوئی اطلاعات کو ان کی بزدلی اور کم ہمتی سے منسوب کیا اور انھیں جھوٹا ثابت کرنے کے لیے خود لیاقت آباد کی مرکزی شاہراہ سے گزرنے کا احمقانہ فیصلہ کر بیٹھا۔ اجنبیوں اور دہشت گردوں کے ہاتھوں اپنے جگر گوشوں، عزیزوں اور پیاروں کو ان کے خون میں غلطاں دیکھتے ہی اس علاقے کے لوگ اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر مشتعل ہوکر سڑکوں پر نکل آنے کی پرانی تاریخ رکھتے ہیں۔ ایسے ماحول میں دہشت گردوں اور سازشیوں کے لیے وہ علاقہ زخمی شیر کی کچھار بن جاتا ہے جہاں کبھی کبھی ہمدرد اور ہم نوا بھی قہر و غضب کا نشانہ بن جاتے ہیں۔

پھر دلدار آغا تو مسلمہ دہشت گرد اور تخریب کار تھا۔ فسادزدہ علاقے میں بدقسمتی یا اپنے مقدر کا نشانہ بننے کے وقت اس کے قبضے میں ایک لاسلکی ایریٹس موجود تھا، کالی پجیرو میں اسلحہ اور فاضل راؤنڈز کی بھاری مقدار موجود تھی اس لیے وہاں اس کے بدن کے ٹکڑے اُڑا دیے جانے کا قوی امکان تھا جس کی توثیق ٹرانسمٹر پر سنائی دی جانے والی آخری آوازوں سے بخوبی ہوجاتی تھی۔

دلدار آغا اپنے مقدر کی لڑائی ہار گیا تھا مگر جیت پھر بھی شی کی رہی تھی۔ دلدار آغا کی موت کے حوالے سے اخبارات اور تفتیشی اداروں کی ساری توجہ اسی ایک امر پر مرکوز رہتی کہ متوفی کی گاڑی میں غیر قانونی اسلحے کی بھاری مقدار تھی کسی کو بھول کر بھی یہ دھیان نہ آتا کہ مرنے والا پاکستان میں ہیروئن کو فروغ دینے والا کسی ایسی ناپاک تنظیم کا سربراہ بھی ہو سکتا تھا جسے ایک بڑی عالمی طاقت کی مکمل سرپرستی اور بھرپور مالی اعانت حاصل تھی۔ اگر وہ مشتعل لوگوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے کے بجائے کسی طرح سے میرے آہنی پنجے میں آجاتا تو میں ٹھوس شواہد کے ساتھ اس کے تمام تہ در تہ چہرے بے نقاب کرکے اسے اس طرح قانون کے حوالے کرتا کہ اسے ہیروئن کے بارے میں اپنے گھناؤنے کردار کا خود ہی اعتراف کرنا پڑتا۔ اسے تو شاید قید یا زیادہ سے زیادہ انسانی جانوں کے اتلاف کے جرم میں پھانسی کی آسان سزا نصیب ہوجاتی لیکن اس کے ذریعے پاکستان میں شی ضرور بے نقاب ہوجاتی۔

اس نے اپنے لیے لرزہ خیز موت کا انتخاب کرکے مجھ سے وہ موقع چھین لیا تھا لیکن پھر بھی میرے سامنے ایک راہ باقی تھی۔ وہ شی کی سربراہی ڈی ڈی کے نام سے کرتا تھا لیکن سوسائٹی میں دلدار آغا کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ اسی حیثیت میں وہ جاز فارما سیوٹیکل

کا مالک بھی تھا۔ اس کی اور اس سے قبل اس کے مینیجر ہارون کی موت کے بعد یہ قیاس کرنا دشوار نہ تھا کہ اس فیکٹری کے ذریعے ہارمونیم نامی کیپسولز میں ہیروئن بھر کر مقوی دوا کی آڑ میں اس کی باہر اسمگلنگ کا کاروبار جاری رہتا یا ٹھپ ہو جاتا۔ بہرحال اسی ایک لائن پر محنت کر کے میں کچھ نتائج حاصل کرنے کی امید کر سکتا تھا۔ اچھی بات یہ تھی کہ سلطان شاہ پہلے ہی سے فیکٹری کے ملازمین میں شامل ہو چکا تھا۔

مگر وہ بعد کی بات تھی فوری طور پر فکر کی بات یہ تھی کہ غزالہ جو دلدار آغا کی منکوحہ بیوی تھی، اپنے شوہر کی مجرمانہ سرگرمیوں کی بنا پر اس کے گھر سے فرار ہو گئی تھی۔ وہ کہاں گئی تھی؟ یہ کسی کو علم نہیں تھا لیکن دلدار نے بھاری اسلحے کے ساتھ فرار ہونے سے قبل پولیس میں رپورٹ درج کرادی تھی کہ نامعلوم حملہ آوروں نے ہتھیاروں اور دستی بموں سے حملہ کر کے اس کی نوجوان بیوی غزالہ کو اغوا کر لیا تھا۔

اگر اس کے گھر پر حملہ کرنے والا میں خود نہ ہوتا تو شاید رپورٹ میں درج کرائے جانے والے آخری سنگین الزام سے گمراہ ہو جاتا۔ اس واردات میں سلطان شاہ کم و بیش میرے ساتھ ہی سا تھ رہا تھا اور ہم دونوں نے ڈی ڈی کے ایک آدمی سے چھینے ہوئے ٹرانسمٹر پر غزالہ کے بارے میں ان لوگوں کی تمام گفتگو سنی تھی اس لیے میں غزالہ کی طرف سے فکرمند تھا۔ وہ آزاد ضرور ہو گئی تھی لیکن محفوظ نہیں تھی۔

دلدار کے گھریلو ملازمین اسے اچھی طرح پہچانتے تھے۔ دلدار کے بہت سے ملاقاتی بھی اس سے واقف رہے ہوں گے۔ ان میں سے کوئی بھی اسے دیکھ کر ایک نظر میں پہچان سکتا تھا۔ دوسری طرف دلدار کی موت کے بعد پولیس کے لیے یک بیک غزالہ کی ذات اہمیت اختیار کر جاتی اور وہ اپنے پورے وسائل اس جانب مرکوز کر دیتی۔

ہم دونوں خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور میرا دماغ انھی خیالات میں الجھا ہوا تھا کہ اچانک مجھے خیال آیا کہ میں نے تو اپنی گاڑی کی چابی عجائب گل خان کو دے دی تھی اور سینڈ و کے بیان کے مطابق وہ معراج دین کے ٹھکانے پر جا کر غالباً کام بھی آ گیا تھا پھر جب سلمٰی سے آخری بار فون پر بات کرنے کے بعد میں بے دھیانی میں باہر نکلا تو میری گاڑی وہاں کیسے موجود تھی؟

"عجائب گل چلا گیا تھا تو میری گاڑی کیوں موجود تھی؟ اس کی چابی بھی اگنیشن میں موجود تھی۔" میں نے اپنے ذہن پر زیادہ زور دینے کے بجائے سینڈو سے یہ سوال دریافت کر ڈالا۔

"شاید اسے تمہاری گاڑی پہچان لیے جانے کا ڈر ہو گا۔" اس نے مسمسی آواز میں کہا اور مجھے یاد آ گیا کہ میں نے جاتے جاتے اسے خود ہی تاکید کی تھی کہ نہ وہ خود پہچانا جائے اور نہ میری گاڑی کسی کی نظروں میں آئے۔

"اس نے تمہارے خوف سے زبان نہیں کھولی ہ[illegible]
لیکن باہر نکل کر اس نے تمہاری چابی تمہاری گاڑی میں چھ[illegible]
دی اور نیچے گیراج سے جعلی نمبر پلیٹ والی ایک جیپ نکا[illegible]
لے گیا۔ گھپلے کے کاموں میں ہم اکثر وہی جیپ استعمال کر[illegible]
تھے۔ اگر عجائب گل پکڑا گیا ہو گا تو سمجھو کہ جیپ بھی گئی۔" اس[illegible]
اپنی بات مکمل کی۔

"جیپ کے بارے میں تم نے مجھے نہیں بتایا۔" میں[illegible]
اس پر آنکھیں نکال کر کہا۔

"جس وقت میں آدمیوں کو اکٹھا کر رہا تھا اسی وقت[illegible]
جیپ غائب ہونے کا علم ہوا تھا۔ اس وقت تم غصے سے آگ[illegible]
بگولا ہو رہے تھے اور اپنے احکام کی تعمیل سے پہلے کسی کی[illegible]
بات سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس لیے میں نے ا[illegible]
زبان بند رکھنے میں ہی عافیت سمجھی۔ اس وقت کیسے خیال آ[illegible]
اس کا؟" میرے موڈ میں نرمی محسوس کرتے ہی اس نے ایک سو[illegible]
داغ دیا۔

وہ ایک بے ضرر سی بات تھی جس کا جواب دینے میں کو[illegible]
مضائقہ نہیں تھا لیکن سینڈو بہت خرانٹ آدمی تھا۔ وہ ابت[illegible]
ہی سے میری کمزوریوں کا اندازہ لگا کر فاصلہ ختم کرنا چاہ رہا تھ[illegible]
اس لیے میں نے سختی سے اسے جھڑک دیا۔ "جتنا پوچھا جا[illegible]
اتنا ہی جواب دیا کرو، میں اپنے ماتحتوں سے سوال سننے [illegible]
عادی نہیں ہوں۔"

"میں خود بھی فالتو بات نہیں کرتا۔ دفتر میں تم نے خود[illegible]
میرے بعض سوالات کے جواب دیے تھے اس لیے اس با[illegible]
پھر زبان کھولنے کی ہمت کر بیٹھا۔" اس نے معذرت خواہا[illegible]
لہجے میں کہا۔

"یہ بتاؤ مجھے کہ عجائب گل کے بارے میں مصدقہ خبر کب[illegible]
تک مل سکے گی؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے تفکر آمی[illegible]
لہجے میں سوال کیا۔

"فی الحال ساری نفری یہاں ہمارے ساتھ موجود ہے[illegible]
فرصت ملتے ہی عجائب گل کے بارے میں کھوج لگاؤں گا لیکن[illegible]
مجھے اس کے زندہ بچنے کی ذرا بھی امید نہیں ہے۔ وہ فرماں بردا[illegible]
ہونے کے ساتھ ساتھ بہادر بھی تھا لیکن اس میں مکاری یا[illegible]
چال بازی نام کو بھی نہیں تھی۔ وہ اپنے طور پر پلان نہیں بنا سکتا[illegible]
ہاں، اسے جتنا سمجھا دیا جائے اس کام پر لفظ بہ لفظ اسی قدر عمل
کر گزرتا ہے۔"

"دلدار آغا کی وجہ سے ہم سب یہاں آنے پر مجبور ہوئے
تھے۔ اب اس کا خاتمہ ہو چکا ہے تو یہاں بھیڑ کی ضرورت نہیں
رہی۔ تم اپنے آدمیوں کو واپس بھیج دو۔ انھی میں سے کسی کو[illegible]

عجائب گل کی خبرگیری پر مامور کر دو۔"

"میرے لیے کیا حکم ہے؟" اس نے نشست چھوڑتے ہوئے سر جھکا کر سوال کیا۔

"تم میرے پاس ٹھہرو گے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "ابھی مجھے چند اور معاملات بھی نمٹانے ہیں۔ جس آدمی کو عجائب گل کی خبرگیری پر مامور کرو اسے یہاں کا نمبر دے دینا تاکہ مجھے فوراً خبر مل سکے۔"

میں نے ایک سادہ کاغذ پر جہانگیر کا نمبر لکھ کر اسے تھمایا اور وہ باہر اپنے آدمیوں کی طرف چل دیا۔

وہ جوں ہی باہر نکلا سلمیٰ فوراً اندرونی دروازے سے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔ یوں معلوم ہوا جیسے وہ دروازے سے لگی ساری گفتگو سنتی رہی ہو اور دوبارہ اندر لوٹنے کے لیے سینڈو کی روانگی کی منتظر رہی ہو۔

"تم جہانگیر کے پاس نہیں گئیں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"انہیں دیکھ کر واپس لوٹ آئی تھی۔ وہ بے خبر سو رہے ہیں۔" وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے ہراساں لہجے میں بولی۔ "جیسے جیسے تمہیں قریب سے دیکھنے کا موقع مل رہا ہے تمہاری ذات سے مجھے دہشت آنے لگی ہے۔ میں تو اس موذی کے خوف سے سہمی جا رہی تھی لیکن تم تو اس سے بھی چار ہاتھ آگے نظر آتے ہو۔ وہ گمنام تھا مگر تم میرے سامنے ہو۔"

وہ اس وقت تک واقعی اپنے بکھرے ہوئے اعصاب پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ تھوڑی دیر قبل پیش آنے والے روح فرسا واقعات اور دردناک موت کے تصور نے اس کی ذات کو اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے وہ سنجیدہ گفتگو کرنے کے موڈ میں نظر آ رہی تھی لیکن میں نے ہلکے سے مصنوعی قہقہے کے ساتھ موضوع کو مذاق میں ٹالتے ہوئے کہا۔ "غنیمت ہوا کہ یہ سارا خونی کھیل جلد ہی نمٹ گیا ورنہ تم اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگتیں۔"

"میں تو شاید کئی دن تک نارمل نہ ہو سکوں۔" وہ کوئی گزری ہوئی بات یاد کر کے بے ساختہ جھرجھری لیتے ہوئے بولی۔ "جب کالی بھیڑ گولیاں برسا رہی تھی تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ لوگ سامنے آنے والی ہر رکاوٹ کو روندتے ہوئے پھاٹک یا دیوار گرا کر اندر گھس آئیں گے..."

"لیکن تم نے دیکھ لیا کہ میرے آدمی تمہارے لیے ڈھال بنے ہوئے تھے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر اسے یاد دلایا۔ "تم کو یقین ہی نہیں تھا کہ باہر بھی کوئی تمہاری حفاظت کر رہا ہے۔"

"یقین آ ہی نہیں سکتا تھا۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔ "اب بھی وہ سب ایک خواب کی طرح معلوم ہو رہا ہے۔

تم طویل جلاوطنی کے بعد حال ہی میں باہر سے واپس آئے ہو۔ تمہارے شب و روز بڑی حد تک میرے سامنے ہیں۔ مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ تمہارے ایک اشارے پر اتنے سارے مسلح اور خوفناک آدمی جمع ہو سکتے ہیں۔ میں نے بیڈ روم کی کھڑکی سے دیکھا ہے کہ ہمارا پورا لان بھرا ہوا ہے اور وہ سب ہی اپنی صورتوں سے سفاک قاتل اور درندے معلوم ہو رہے ہیں۔ پھر یہ ٹرانسمٹر؟ یہ کہاں سے مل گیا تم کو؟"

"اس کا مطلب ہے کہ تم باقاعدہ میری جاسوسی کرتی رہی ہو... خیر وہ سب اب روانہ ہو جائیں گے۔ اب یہاں ان کی ضرورت نہیں رہی ہے۔"

"وہ رہیں یا چلے جائیں، میرا سوال اپنی جگہ رہے گا کہ وہ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور تمہارے اس قدر اطاعت گزار کیوں ہیں کہ ضرورت پڑتے ہی اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر اپنے گھروں سے نکل آئے ہیں؟"

"کراچی میں جیب میں مال ہو تو ہر کام بہت آسانی سے ہو جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی میرا مخلص جاں نثار نہیں ہے۔ میں نہیں بتا چکا ہوں کہ یہ سب کرائے کے بدمعاش ہیں۔ معاوضہ لے کر پوری تن دہی سے اپنا کام سرانجام دیتے ہیں۔ غنیمت ہے کہ ضرورت پیش نہیں آئی ورنہ تم دیکھ لیتیں کہ جہانگیر کے خون کے پیاسوں کو تمہاری چار دیواری سے دور رکھنے کے لیے ضرورت پیش آ جاتی تو ان میں سے دو چار کے ڈھیر ہو جانے کے بعد بھی مزاحمت میں کمی نہ آتی۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "اس پورے شہر میں ایک جہانگیر ہی تو میرا جگری دوست رہ گیا ہے۔ اس کی ضرورت کے وقت بھی میں بے دریغ پیسہ نہ بہاتا تو میرا ضمیر مجھے عمر بھر اس بخیلی پر معاف نہ کرتا۔"

"پیسہ خرچ کیا تم نے؟" اس نے ایک بار پھر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ "تمہارے سارے ڈالر تو میرے پاس ہیں پھر یہ رقم کہاں سے آئی تمہارے پاس؟"

میں پھر ہنس پڑا۔ "بچوں جیسے سوال نہ کرو سلمیٰ! میں نے تمہارے سامنے اپنی جیبیں نہیں جھاڑی تھیں۔ بیشتر رقم تمہاری تحویل میں ضرور دے دی تھی لیکن میں بالکل تہی دست نہیں تھا۔ دو چار لاکھ اب بھی پھینک سکتا ہوں۔"

"اتنی بات بڑھ جانے کے بعد بھی تم مُصر ہو کہ یہ جہانگیر کی کوئی کاروباری رقابت تھی؟"

"گندی کاروباری رقابت۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ حریف بدقسمتی سے ہیروئن کا اسمگلر تھا۔ اسے شبہ تھا کہ اس کا مال جہانگیر نے پکڑوایا ہے۔ آڑ کاروباری رقابت کی لی گئی تھی لیکن سچ پوچھو تو یہ جہانگیر جیسے امن پسند شہری کے خلاف ایک گروہ بند مجرم کی کارروائی تھی جو خوش قسمتی سے ناکام

بنا دی گئی۔"

"جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے ڈینی!" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "تم بھول رہے ہو کہ میں تمھارے پاس موجود ٹرانسمٹر پر ڈی ڈی سے ایگل نامی کسی کارندے کی گفتگو سن چکی ہوں اور ڈی ڈی کوئی نیا نام نہیں ہے۔ ایک بار تم خود کہہ چکے ہو کہ عزالہ کو دلدار آغا نامی ایک بدمعاش نے اپنے شریفانہ بہروپ کا اسیر بنا لیا ہے جب کہ درحقیقت وہ ڈی ڈی کے نام سے شہر میں ہونے والے بے شمار جرائم کی سرپرستی کرتا ہے۔"

میں نے تھکے ہوئے انداز میں سر جھکا لیا۔ "اتنا کچھ سمجھ گئی ہو تو مجھے کیوں پریشان کر رہی ہو؟" میری آواز کمزور اور لہجہ ندامت آمیز ہو گیا تھا۔ اس نے اچانک ہی میری دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ "میں روپوشی کی زندگی گزار رہا ہوں اسی لیے وہ مجھ پر ہاتھ نہ ڈال سکا لیکن اُسے کسی طرح میری اور جہانگیر کی گہری دوستی کا علم ہو گیا اور اس نے جہانگیر پر ہاتھ ڈال دیا تاکہ مجھے سامنے آنے پر مجبور کر سکے لیکن کل کے اخبارات سے تمھیں اندازہ ہو جائے گا کہ میں نے کس طرح جہانگیر کو اس کے چنگل سے بچایا ہے لیکن پھر بھی مجھے قلق ہے کہ جہانگیر کو محض مجھ سے دوستی رکھنے کی وجہ سے تشدد سہنا پڑا..."

"میری باتوں کا غلط مفہوم اخذ نہ کرو۔" وہ میری بات کاٹ کر جلدی سے بولی۔ "جو کچھ ہوا، وہ تمھارے بس سے باہر تھا۔ تم نے دوستی کا پورا حق ادا کیا ہے لیکن مجھے شکوہ اس بات کا ہے کہ تم اب بھی مجھ سے حقیقت چُھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں اتنی بے وقوف تو نہیں ہوں۔"

"یہ میری نہیں، جہانگیر کے دماغ کی اپج تھی۔ میں اصل بات بتا کر اسے تمھاری نظروں میں جھوٹا کیسے بنا سکتا تھا؟"

"لیکن اب کیا ہوا؟ ٹرانسمٹر پر آنے والی کال نے سارا بھانڈا پھوڑ دیا۔"

"وہ میرے بس سے باہر تھا۔ تم نے یاد دلایا تو میں نے بلاوجہ بحث جاری نہیں رکھی، ہتھیار ڈال دیے لیکن یہ نہ سمجھنا کہ باہر موجود نفری کو میں نے عزالہ کے لیے جمع کیا تھا، یہ سب صرف اور صرف تمھیں اور تمھارے گھر کو بچانے کے لیے یہاں لائے گئے تھے اور اب واپس لوٹ جائیں گے۔"

"یہ میں نے کب کہا؟" اس نے تیز لہجے میں چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا پھر فوراً ہی نرم پڑتے ہوئے بولی۔ "میں نے ڈرائنگ روم سے باہر چُھپ کر ڈی ڈی کی اچانک چیخ کے علاوہ وہ کربناک آوازیں بھی سنی تھیں جو آخر میں تمھاری فرمائش پر کسی بلوائی نے جالی کے اوپر لگا ہوا سرخ بٹن دبا کر سنوائی تھیں۔ ڈی ڈی تو جہنم واصل ہو گیا مگر اب عزالہ کہاں ہے؟"

"وہ اس کے اصل روپ سے واقف ہونے کے بعد اسے چھوڑنے کا فیصلہ کر چکی تھی لیکن ڈی ڈی نے اسے اپنے گھر میں قید کر لیا۔ کل رات میں ادھر گیا تو اندر گولیاں چل رہی تھیں اور باہر ہر طرف ڈی ڈی کے مسلح آدمی پھیلے ہوئے تھے جن پر میں نے دھاوا بول دیا۔ اس ہڑبونگ میں عزالہ کو وہاں سے فرار کا موقع مل گیا اور اب وہ لاپتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس اور دلدار آغا کے حمایتیوں سے بچتی بچاتی جلد ہی آملے۔"

"تم کرائے کے ان بدمعاشوں کو اس کی تلاش اور حفاظت پر کیوں نہیں لگاتے؟" عزالہ کا ذکر آتے ہی اس کا فطری اور نسوانی تجسّس بیدار ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی اس کے لہجے میں عزالہ کے لیے تحقیر کا ہلکا سا رنگ بھی جھلک آیا تھا کیونکہ وہ خود میری ذات میں دلچسپی رکھتی تھی اور ہمیشہ سے اس معاملے میں عزالہ کو اپنا رقیب تصور کرتی تھی۔

"میں اس پر ان پیشہ ور خونیوں کا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گا۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"اپنے دل کو خوش رکھنے کے لیے جو چاہو، وہ کہتے رہو لیکن تمھاری عزالہ کو اب دوسرے ہی مزے پڑ گئے ہیں۔ وہ ایسے ہی خونیوں، بدمعاشوں اور لڑاکا لوگوں میں خوش رہنے لگی ہے۔ مارزن کی بیٹی پہلے انگلینڈ میں روپوش ہو کر مار دھاڑ کرتی رہی، یہاں آئی تو ڈی ڈی سے بیاہ رچا لیا۔ اب غائب ہوئی ہے تو دیکھو کہ کس کے ساتھ سامنے آتی ہے؟"

میں خون کا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ وہ کلمات مسز جہانگیر کے علاوہ کسی اور عورت نے ادا کیے ہوتے تو میں نے انگلیاں ڈال کر اس کا دہانہ کانوں تک چیر کر رکھ دیا ہوتا لیکن وہ میرے عزیز ترین دوست کی بیوی تھی، میں اس کا ممنون احسان تھا، میری وجہ سے اس کا شوہر موت کے مُنہ سے بال بال بچ کر زخموں سے نڈھال پڑا ہوا تھا، اس لیے میں نے جواب میں ایک لفظ بھی نہ کہا، بس ہاتھ میں موجود سگریٹ کے بھرے ہوئے پیکٹ کو غیر ارادی طور پر مٹھی میں جکڑ کر پیس ڈالا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟ کیا ہوا تمھیں؟" سلمٰی کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اخلاقاً مسکرا دیا۔ میری اس مسکراہٹ میں یقیناً کوئی خوفناک انداز پنہاں تھا کیوں وہ یکلخت اٹھی اور تیزی کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکلتی چلی گئی۔

میں نے مسلا ہوا پیکٹ بڑے ایش ٹرے میں ڈال دیا۔ میرے ذہن میں اچانک ہی اداسی چھانے لگی تھی۔

جس سے انسان اپنا دل لگا بیٹھے، اس کی ذات کس قدر اہمیت اختیار کر جاتی ہے کہ اس کے خلاف کہا جانے والا ہر لفظ تیر بن کر انسان کے دل میں ترازو ہو جاتا ہے۔ نہ جانے سلمٰی کو عزالہ سے

ایسی کیا پرخاش تھی کہ وہ میرے سامنے عزالہ کی توہین اور تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھی۔

میری نظروں میں عزالہ پھولوں سے زیادہ نازک، پریوں سے زیادہ حسین اور فرشتوں سے زیادہ پارسا اور دلربا تھی جس کی صرف یادوں کے سہارے ہی ایک طویل عمر گزاری جاسکتی تھی۔

وہ جب تک میری محبت کا دم بھرتی رہی اس نے نگاہ بھر کر کسی دوسرے مرد کی طرف نہیں دیکھا اور جب تنہائیوں کے پرآشوب دور سے گھبرا کر اپنی آبرو کے تحفظ کے لیے اس نے روپ بدلے ہوئے ڈی ڈی کو اپنا شریک سفر بنانے کا فیصلہ کیا تو مجھے اپنے سائے سے بھی دور رہنے کی ہدایت کر دی کیونکہ بنیادی طور پر وہ ایک مشرقی عورت تھی جو ایک وقت میں صرف ایک ہی کی ہو کر رہتی ہے۔ دوسرے کو اپنے وجود کے لیے ایک گالی سمجھتی ہے پھر وقت نے اس کی نگاہوں سے سراب کے پردے سرکا دیے۔ اس نے دلدار آغا کا اصل روپ پہچان لیا تو اسے ٹھکرا کر دوبارہ میری طرف آنے کا فیصلہ کرلیا۔

اس مرحلے پر نہ دلدار آغا کے رکھوالے اس کی راہ روک سکے نہ بارودی اسلحہ اسے اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور کرسکا۔ اسے تو شاید یہ بھی یقین نہیں تھا کہ اگر وہ اپنی کشتیاں جلا دے گی تو میں اسے قبول کرلوں گا لیکن پھر بھی اس نے دلدار آغا کو ٹھکرا کر رات کی سیاہی میں کھلے آسمان کی بیکراں تاریکی میں پناہ لینے کا فیصلہ کرلیا۔

مگر سلمٰی ان سب باتوں، خوبیوں اور اچھائیوں کو نظرانداز کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ عزالہ کے کردار اور گفتار پر اس نے ہر وہ تہمت رکھ دی تھی جو اس کی مکروہ کھوپڑی میں جنم لے سکی تھی اور یہ میری بدنصیبی یا شاید عزالہ کی تقدیر تھی کہ میں سلمٰی کی لگائی ہوئی ان تہمتوں کو نظرانداز کرنے پر مجبور تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ایک بار عزالہ کو میرے پاس پناہ لینے اور اپنی محبتوں کے چراغ روشن کرنے کا موقع مل گیا تو سلمٰی خود کھسیائی ہوئی بلی کی طرح اپنے سکڑتے ہوئے سائے میں پناہ لینے پر مجبور ہوجائے گی مگر اس کے لیے مجھے انتظار کرنا تھا۔ ایسا انتظار جس کی طوالت کا خود مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا مگر میرا وجدان کہتا تھا کہ عزالہ کسی بھی لمحے مجھ سے مل سکتی تھی۔

میں اپنے انھی خیالات کے گرداب میں پھنسا ہوا تھا کہ سینڈو اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس لوٹ آیا۔ اس نے سب لوگوں کو دفتر واپس روانہ کردیا تھا اور انھی میں سے ایک شخص کو جلد از جلد عجائب گل خان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی ہدایات دے کر اسے معراج دین عرف ماجا کے اڈے کی طرف روانہ کردیا تھا۔ اسے جہانگیر کے گھر کا فون نمبر دے دیا گیا تھا تاکہ وہ اپنی حاصل کی ہوئی معلومات براہ راست مجھے پہنچا سکے۔

"اب تم کیا کرو گے؟" اس کی کہانی سننے کے بعد میں نے خالی الذہنی کے عالم میں اس سے سوال کیا۔

"جو حکم ملے گا، وہی کروں گا، چاہو تو واپس لوٹ سکتا ہوں۔" اس نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

میں نے فوراً ہی سنبھالا لے لیا اور مجھے یاد آیا کہ اس سے فوری طور پر مجھے دو کام لینے تھے۔

سیٹھ حبیب جیوانی سے ٹریڈ لائن کے دفتر میں میری جو تلخ کلامی ہوئی اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ میں دلدار آغا کی اصل شخصیت سے واقف ہو کر اس کی راہ پر لگا ہوا تھا جبکہ سیٹھ حبیب کی نظروں میں شی کا سربراہ، ڈی ڈی، دلدار آغا سے الگ کوئی اور پُراسرار شخص تھا جس کے بارے میں پورے شہر میں کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔ حبیب جیوانی کو اپنے اس نظریے پر اتنا پختہ یقین تھا کہ اس نے دلدار آغا کے معاملے کو میرے لیے ٹیسٹ کیس قرار دے کر مجھے اپنی بات ثابت کرنے کے لیے ایک ہفتے کی مہلت دی تھی اور اسی کے نتائج پر ہمارے آئندہ تعلقات کی نوعیت منحصر تھی۔ اس معاملے میں مجھے سُرخروئی حاصل ہوئی تھی۔ میں نے چوبیس گھنٹے سے بھی کم مدت گزرنے سے پہلے دلدار آغا کے بارے میں اپنے دعوے کو سچ ثابت کردکھایا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ سیٹھ حبیب کو کھسیائے ہوئے انداز میں میری برتری کو تسلیم ہی کرنا پڑتا مگر اسی کے ساتھ ساتھ میں نے تنظیم میں اپنی حیثیت منوانے کے لیے سینڈو کے کردار کو مسترد کرتے ہوئے اس رات اولڈ کلفٹن پر ہیروئن کی کھیپ کی وصولی اور تقسیم کا کام اپنے سر لے لیا تھا جو اس سے قبل بلاشرکت غیرے سینڈو کے ذمے تھا۔ اس کام میں وہ جو کچھ حبیب جیوانی کو بتا دیتا وہی حرفِ آخر ہوا کرتا تھا جب کہ میرا نظریہ یہ تھا کہ میری ماتحتی میں کام کرنے والا ہر شخص میرے احکام کا تابع تھا۔ حرفِ آخر صادر کرنے کا اختیار صرف اور صرف مجھ کو حاصل تھا جب کہ دوسروں کا کام، میری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو حقیقت کا روپ دینا تھا۔

کلفٹن کے علاقے سے مال وصول کرنا بظاہر کوئی دشوار کام نہیں تھا۔ کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر سے پھاڑا ہوا ایک حصہ میرے پاس تھا جس کا دوسرا حصہ فریق ثانی کی تحویل میں تھا۔ دونوں ٹکڑوں کے ملنے کے بعد ہی میری شناخت کا مرحلہ پورا ہوسکتا ہے۔ متعلقہ آدمی سے رجوع کے لیے مجھے رات کے آٹھ بجے اولڈ کلفٹن پہنچ کر ایسی اچھوتی گاڑی دیکھنی تھی جس کے عقب میں جیک لگا کر ایک پہیہ نکال دیا گیا ہو اور اسی کے ساتھ کار والا ٹائر تبدیل کرنے کے بجائے کار کا بانٹ اُٹھا کر ریڈی ایٹر میں پانی چیک کر رہا ہو۔ پھٹے ہوئے کاغذ سے شناخت ہو جانے کے بعد پارٹی سے مال وصول کرنا مشکل نہیں تھا۔ اصل مسئلہ حاصل ہونے والی ہیروئن کو ٹھکانے لگانے کا تھا۔ اس سے قبل وہ شعبہ آزادانہ طور پر سینڈو کے ذمے رہا تھا

لیکن میں نے خودسری میں اسے اپنے سر لے لیا تھا مگر مجھے بخوبی
اندازہ تھا کہ سینڈو سے مشورہ کیے بغیر میں اس کام کو سرانجام نہیں
دے سکوں گا۔

مجھے سینڈو کے پیشہ ورانہ مشورے کی ضرورت تھی مگر میں
اس سے سرسری طور پر بات کر کے سب کچھ اگلوانا چاہتا تھا اس
لیے میں نے براہِ راست سوال کرنے کے بجائے کی کلب کا ذکر
چھیڑ دیا۔

میری زبان سے کی کلب کا نام سن کر اس کی سنجیدگی میں سرمو
بھی فرق نہیں آیا اور وہ بولا۔ "ڈیفنس کے علاقے میں رہنے والے
معززین اور شرفا کو شکایت ہے کہ ایک منظم منصوبے کے تحت
ان کے علاقے کو ہر موقع پر بدنام کیا جاتا ہے لیکن یہ بدقسمتی کی
بات ہے کہ اس علاقے میں وسیع و عریض پلاٹوں کی کثرت اور اپنی
دنیا میں آپ مگن رہنے والے طرزِ زندگی نے اس علاقے کو ہم لوگوں
کے لیے محفوظ بنا دیا ہے۔ اوسطاً ہزار، پانچ سو شرفا کے درمیان
اگر کوئی ایک آدھ قحبہ خانہ یا جوا گھر چل رہا ہو تو کسی کو کانوں کان
بھی پتا نہیں چلتا۔ اس علاقے کی زرخیزی کا اصل سبب یہ ہے کہ
مکین اپنی چار دیواری میں مست رہتے ہیں، کسی کو اس بات سے
کوئی غرض نہیں ہوتی کہ اس کے پڑوس میں کون رہتا ہے اور کیا
کرتا ہے؟ پڑوسیوں کے بارے میں ساری معلومات کا انحصار گھریلو
ملازمین اور ڈرائیوروں پر ہوتا ہے جو فرصت کے اوقات میں
ایک دوسرے سے مل بیٹھنے کے مواقع نکال لیتے ہیں۔ ان
سے حاصل ہونے والی بیشتر اہم معلومات کو ان کے مالکان محروم
ذہنوں کی تخلیق کی ہوئی فرضی کہانیاں سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں
اسی لیے زیرِ زمین دنیا کا ہر آسودہ حال شخص ادھر گھسنے کی فکر میں
لگا رہتا ہے۔ یہ ساری باتیں میں نے اس لیے کہیں کہ ہمارا کی کلب
بھی ساحلِ سمندر کے قریب کلفٹن اور ڈیفنس فیز فائیو کے سنگم
پر واقع ہے۔ بڑی دلچسپ جگہ ہے، ابھی تک میں وہاں کے
معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا اب جیسا تم چاہو گے، وہی ہوگا۔"

"پچھلی رات سے میں تھکا دینے والی بھاگ دوڑ میں مصروف
رہا ہوں، میرا خیال ہے کہ آج کی شام وہیں گزاری جائے تو کچھ دھول
جھڑ جائے گی۔ پروگرام کب شروع ہوتا ہے وہاں؟"

اس کے جواب سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ میرا وہ سوال بہت
ناموزوں تھا لیکن سینڈو نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ کیے بغیر کہا۔ "وہ
کوئی روایتی کلب نہیں ہے جہاں ڈسکو، نیلے یا کوئی اسٹرپ ٹیز
ہوتا ہو۔ وہ ایک فیملی کلب ہے جہاں ممبران کے علاوہ کسی اور
کا داخلہ ناممکن ہے۔ وہاں لکھ پتی تاجروں سے اعلیٰ سرکاری حکام
تک بہت سے لوگ آتے ہیں اور آپس میں بے تکلف گھرانے
کے افراد کی طرح خوشگوار وقت گزار کر واپس لوٹ جاتے ہیں۔ ان
لوگوں کے بہت سے مشاغل ہوتے ہیں۔ کچھ شراب کے رسیا ہیں،
بعض پرانی عورتوں سے دوستی بڑھا کر خوشی محسوس کرتے ہیں، اکثر
جوا کھیلتے ہیں۔ وہاں کسی پر بھی کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔"

اس نے جو کچھ کہا، اس میں میرے لیے کوئی نئی بات نہیں
تھی۔ حبیب جیوانی سے گفتگو کے بعد میں اپنے ذہن میں کی کلب
کی ایک تصویر بنا چکا تھا جس میں تین رنگ بہت نمایاں تھے۔
عورت، شراب اور قماربازی۔ لیکن سینڈو کو بتدریج اپنی راہ پر
لانے کے لیے وہ ساری پیش بندی لازمی تھی۔

"مال بھی وہیں سے تقسیم کرتے ہو؟" میں نے براہِ راست
اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا اور وہ بے چینی کے
ساتھ صوفے پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

"مال کا کی کلب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" اس نے تذبذب
لہجے میں جواب دیا۔ "باہر سے آنے والا مال میں خود وصول کرتا ہوں
اور اسے تقسیم کرنے کے لیے میرے اپنے ذرائع ہیں۔ نقد رقم لے
کر پارٹیوں کو مال دیتا ہوں۔"

"مال کی طلب اور فراہمی کا کوئی شیڈول بھی ہوتا ہوگا؟"
میں نے سوال کیا۔

"میں سمجھا نہیں!" اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔
"شیڈول سے کیا مراد ہے تمہاری؟"

"فرض کرو کہ آج مال آجاتا ہے تو تم اسے کسی منڈی میں
نیلام تو نہیں کرو گے۔ پہلی کھیپ تمہیں کسی کو دینی ہوگی۔ اس
سے اگلی کوئی اور لے گا۔ میں اس کی تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔"

"شہر میں پانچ آدمی مجھ سے مال لیتے ہیں . . ." اس نے
قدرے توقف کے بعد کہنا شروع کیا لیکن میں نے سرد لہجے میں
اس کی بات کاٹ دی۔

"زبانی نہیں، یہ معلومات مجھے تحریری طور پر درکار ہیں۔ ان
میں ہر پارٹی کا نرخ بھی ہونا چاہیے۔"

میرے ان الفاظ پر سینڈو کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ اس کا وہ
اضطراری ردِعمل دیکھ کر میرے لیے اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ
اس کے بارے میں میرے شبہات درست تھے۔ سیٹھ حبیب جیوانی
کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر وہ یقینی طور پر لین دین میں ہیر پھیر کرتا
تھا جسے چھپائے رکھنا اسے محال نظر آرہا تھا۔

"نرخ تو سب کا ایک ہی ہے مگر مجھے دلالی بھی دینی پڑتی
ہے . . ." وہ کمزور سے لہجے میں بولا۔

"جب تم مال براہِ راست دیتے ہو تو دلالی کس بات کی؟" میں
نے ترش لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "تم پرانے آدمی ہو، میں
تمہاری عزت کرتا ہوں لیکن اسی وقت تک جب تک تم میرے
ساتھ سیدھے سیدھے چلتے رہو۔ مجھے کوئی چکر دینے کی کوشش
کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ کھل کر بات کرو اور سچ بولتے چلے جاؤ۔"

"جن لوگوں نے ان پارٹیوں کو مجھ سے متعارف کرایا تھا، ان

"یہ میرا قول ہے کہ ہر گرام پر انہیں کمیشن دوں گا۔" اس نے مجھ سے نظریں چراتے ہوئے کہا لیکن میں اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ اس کی کھلی بکواس تھی۔

"دیکھو سینڈو! تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو!" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "میں اپنے قریب چھوٹے آدمی کا سایہ تک برداشت نہیں کر سکتا، گردن توڑ کر اس کی لاش کسی گٹر میں ڈال دیتا ہوں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ میرے آنے سے پہلے کیا ہوتا رہا۔ وہ تمہارے اور چیف کے معاملات تھے جس پر میں کوئی گرفت نہیں کروں گا لیکن مجھے اب صرف سچ درکار ہے اس پر کسی سمجھوتے کی گنجائش نہیں ہے۔"

وہ اچانک ہی میرے قدموں میں گر پڑا اور گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ "مجھے معاف کر دو، پہلے میں دو فیصد رقم اپنے پاس رکھ لیتا تھا لیکن اب ایسا نہیں ہوگا، بلکہ میں تمہیں ہر بات سچ سچ بتا دوں گا۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے ماضی میں ہونے والی بے اعتدالیوں سے کوئی سروکار نہیں۔ تمہیں میرے سامنے کسی اعتراف کی ضرورت نہیں، بس اٹھو اور سچ بولتے چلے جاؤ۔" اپنے قدموں میں پڑے ہوئے کسی انسان کو ٹھوکروں سے پرے دھکیلنا احترام آدمیت کے منافی تھا لیکن شی اور مافیا والوں میں سے کوئی بھی اپنی آدمیت کا مرتبہ برقرار نہیں رکھ سکا تھا۔ وہ سب ہی انتہائی پست اور کمینے لگ تھے جو اپنے مفادات کے لیے دوسروں کی ہر چیز سے کھیلنا اپنا حق سمجھتے تھے اس لیے میں نے ہاتھ لگائے بغیر سینڈو کو پیروں سے ہی ہٹایا اور وہ مجرمانہ انداز میں سکڑا اور سہما ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور مشینی انداز میں اس کی زبان چل پڑی۔

وہ صرف پانچ نام اور تین دام تھے جنہیں زبانی یاد رکھنا مشکل نہیں تھا اس لیے میں نے سینڈو کو قلم اور کاغذ فراہم کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ انہیں باری باری مال دیا جاتا تھا، ادائیگی نقد ہوتی تھی اس لیے لین دین میں کوئی دقت پیدا ہونے کا امکان نہیں تھا۔

میں نے مافیا پر اپنی گرفت مضبوط کرنے اور چیف پر سینڈو کا سحر ختم کرنے کے ارادے سے اس رات آٹھ بجے اولڈ کلفٹن کے علاقے سے خود ہی مال وصول کر کے آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا تھا۔ دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ میں لین دین میں سینڈو کے ہیر پھیر کا سراغ لگانا چاہتا تھا جس کا اس نے خود ہی اعتراف کر لیا تھا اس لیے مناسب یہی تھا کہ میں اسے اپنے ساتھ لے کر مال کی وصولی اور تقسیم کا کام مکمل کرتا۔

پھر کی کلب بھی اولڈ کلفٹن سے زیادہ دور نہیں تھا اس لیے ہم نہایت آسانی کے ساتھ اپنا وقت کی کلب میں گزار کر وہاں کے حالات کا مشاہدہ کر سکتے تھے اور بوقت ضرورت چند منٹ میں اولڈ کلفٹن پہنچ سکتے تھے۔

اسے ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر میں اندر گیا تو جہانگیر کی خواب گاہ کا دروازہ بند تھا لیکن مقفل نہیں تھا۔ میں نے بند دروازے پر ہولے سے دستک دی۔ جب چند ثانیوں تک اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ مجھے جہانگیر کی حالت کی بنا پر پورا یقین تھا کہ میں اس کی خلوت میں کسی نازیبا مداخلت کا مرتکب نہیں ہو رہا تھا۔

اندر پہنچ کر کوئی جواب نہ ملنے کا سبب بھی سامنے آ گیا۔ جہانگیر مسہری پر ایک ہلکا کمبل اوڑھے ہوئے گہری نیند سو رہا تھا اور اس کے قریب ایک ادھیڑ عمر ملازمہ بیٹھی ہوئی تھی۔

کمرے میں سلمٰی کا کہیں پتا نہیں تھا لیکن ادھیڑ عمر ملازمہ نے مجھے دیکھتے ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"مالکن کہاں ہے تمہاری؟" میں نے جہانگیر کی مسہری کے قریب جاتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"نہا رہی ہیں!" اس نے ملحقہ غسل خانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے صاحب کی دیکھ بھال کے لیے یہاں بٹھا کر تھوڑی دیر پہلے اندر گئی ہیں۔ بس اب باہر نکلتی ہی ہوں گی۔"

میں اسے نظر انداز کر کے زخموں سے چور، جہانگیر کی طرف بڑھ گیا جو آنکھیں بند کیے دنیا ومافیہا سے بے خبر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اس کی نبض کی رفتار قدرے ہلکی تھی لیکن مجموعی طور پر تشویش کی کوئی بات نہیں تھی۔ اس کے بہت سے زخموں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں لیکن غنیمت یہ تھا کہ پلاسٹر کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس کی ہڈیوں کو اس تنازعے میں کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا اور وہ جلد ہی آزادانہ نقل و حرکت کے قابل ہو سکتا تھا۔

"مجھے اجازت ہو تو میں جاؤں؟" ادھیڑ عمر ملازمہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"ہاں جاؤ!" میں نے روا روی میں کہہ دیا لیکن پھر فوراً ہی اسے روک لیا کیونکہ سلمٰی غسل خانے میں تھی۔ وہاں سے برآمد ہو کر اگر وہ صرف مجھے موجود پاتی تو کچھ دیر پہلے پیدا ہو جانے والی تلخی کو دھونے کے لیے وہ میرے ساتھ قدرے جارحانہ رویہ اختیار کر سکتی تھی جبکہ ملازمہ کی موجودگی میں اسے محتاط رہنا پڑتا۔

میں وہیں جہانگیر کے سرہانے بیٹھ کر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ ملازمہ قدرے دور، دیوار کے ساتھ قالین پر جا بیٹھی تھی۔ چند ثانیوں بعد جہانگیر کی ہلکی سی آواز سن کر مجھے قدرے حیرت ہوئی پھر اس نے اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔

ابتدا میں اس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا تو اس کی نظریں سپاٹ تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی بینائی زائل ہو چکی ہو۔ وہ خیال آتے ہی میں نے تڑپ کر اپنی پوزیشن تبدیل کی

اور اسی کے ساتھ جہانگیر کے لبوں پر بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم ابھی تک زندہ ہو۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ "شاید وہ لوگ ابھی تک تمہارا سراغ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔"

"کن لوگوں کی بات کر رہے ہو؟" میں نے محبت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"سلمیٰ کہاں ہے؟" اس نے سر گھمانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے نقاہت آلود سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"نہار ہی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"ڈی ڈی تمہارے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔" وہ رک رک کر بولا۔ "کسی طرح اسے شبہ ہوگیا ہے کہ تم کراچی واپس لوٹ آئے ہو اور اس کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہو۔۔۔"

"اس کے بارے میں تم اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ اب ماضی کا قصہ بن چکا ہے۔ اس وقت وہ اپنی پیاس جہنم کے کسی آتشی کنویں سے بجھا رہا ہوگا۔"

"اوہ! تو کیا وہ مر گیا؟" اس نے آنکھیں موندتے ہوئے تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ہم دونوں میں سے کسی ایک کو جلد از جلد مرنا تھا۔ یہ حالات کا منطقی مطالبہ تھا اور اس بار میں جیت گیا۔ اب تم اس کے بارے میں نہ سوچو۔ صحت یاب ہو جاؤ گے تو باتیں ہوتی رہیں گی۔" اس سے بات کرتے ہوئے میرے ذہن کی تہ میں اچانک ہی ایک خیال نے ڈنک مارا اور میری زبان دوبارہ چل پڑی۔ "سلمیٰ نے پچھلے بارہ چودہ گھنٹے بڑے عذاب کے عالم میں گزارے ہیں۔ وہ لوگ کئی بار تمہارے گھر پر دھاوا بولنے کی کوشش کر چکے ہیں۔ ڈی ڈی کی موت کی خبر سن کر سلمیٰ نے اطمینان کا سانس لیا ہے اور اب نہانے دھونے گئی ہے تاکہ اپنے اوسان درست کر سکے۔ وہ تمہیں آہستہ آہستہ بہت کچھ بتائے گی۔ ہم لوگوں نے بڑے بھیانک حالات میں وقت گزارا ہے۔"

"تازہ دم ہو کر وہ میری زیادہ دیکھ بھال کر سکے گی۔" وہ نقاہت آمیز انداز میں مسکرایا۔ "اب ڈی ڈی کا قصہ ختم ہوگیا تو تم فلیٹ میں کیا کر رہے ہو؟ تم بھی یہیں آجاؤ!"

"آجاؤں گا۔" میں نے مفاہمانہ لہجے میں کہا۔ "ذرا سلطان شاہ کا مسئلہ حل کر لوں۔"

"وہ کوئی مسئلہ نہیں ہے، اسے فلیٹ میں چھوڑ دو اور تم یہاں آجاؤ۔"

"میں آجاؤں گا۔ اس معاملے میں تم اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ دو۔ آنکھیں بند کرو اور آرام کرتے رہو۔ دوبارہ صحت مند ہونے کے بعد تمہیں میرے ساتھ کافی محنت کرنی ہوگی۔"

وہ اتنی سی دیر میں ہی تھک گیا تھا اس لیے میری ہدایت پر اس نے اپنی آنکھیں موند لیں اور میں ملازمہ کو اشارہ کرتا ہوا آہستگی کے ساتھ جہانگیر کی خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔

ڈرائنگ روم میں سینڈو اسی جگہ بیٹھا ہوا تھا جہاں میں اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ اس وقت دن کے دو بجنے والے تھے اور میری دانست میں وہ وقت کلب جانے کے لیے خاصا مناسب تھا ورنہ شام میں وہاں شروع ہونے والی سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں کی وجہ سے وہاں کوئی بھی اہل کار اپنے کام کو متاثر کیے بغیر مجھے وقت نہیں دے سکتا تھا۔

برآمدے سے پھاٹک تک جہانگیر کے ملازمین میرے احترام میں یوں صف آرا تھے جیسے جنگ جیت کر لوٹنے والے کسی جرنیل کو اعزازی سلام پیش کرنا چاہ رہے ہوں۔ اس گھر میں میری آمد و رفت ایک طویل عرصے سے تھی لیکن ان لوگوں نے مجھے بھاری اسلحہ برداروں کی بھیڑ کے ساتھ پہلی بار دیکھا تھا اس لیے وہ مجھے نہیں بلکہ اس طاقت کو سلام کر رہے تھے جس کا میں بھرپور مظاہرہ کر چکا تھا۔

اشاروں سے ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے میں یہ سوچنے پر مجبور تھا کہ اس دور میں بھی بھینس اسی کی تھی جو لاٹھی پر قابض تھا۔ طاقت اور اختیار کے بغیر کسی کی کوئی وقعت نہیں تھی۔

❋

وہ دو ہزار گز یا شاید اس سے زیادہ رقبے پر بنا ہوا ایک خوبصورت مکان تھا جو پتھریلی فصیل پر جھاگ اڑاتے ہوئے بحیرۂ عرب سے قریب تر اور آباد مکانوں سے قدرے فاصلے پر واقع تھا۔ ڈیفنس سوسائٹی کے اس بلاک میں ترقیاتی کام شاید پورے نہیں ہو پائے تھے اس لیے کافی پلاٹ غیر آباد پڑے ہوئے تھے۔ بعض بنے بنائے مکانات بھی کافی مدت سے اپنے مکینوں کے منتظر نظر آرہے تھے اس لیے کلب جیسی کسی موشل تفریح گاہ کے قیام کے لیے وہ علاقہ ہر اعتبار سے موزوں تھا لیکن کسی مشہور کلب کے حوالے سے جیسی پرشکوہ عمارت کا تصور ذہن میں سر ابھارتا تھا، اس کا عشر عشیر بھی وہاں نہیں پایا جاتا تھا۔

"قانونی اور غیر قانونی اڈوں میں یہی ایک فرق ہوتا ہے۔" سینڈو نے اس دو منزلہ عمارت کے برآمدے کی طرف میری رہنمائی کرتے ہوئے کہا۔ دربان نے اس کی صورت دیکھتے ہی مشینی انداز میں پھاٹک کھول دیا تھا۔

"لیکن اندر جا کر تم محسوس کرو گے کہ حدود آرڈی نینس کے دائرے میں یہ مکان محبت، آزادی اور عیش و عشرت کا ایک ایسا خواب ناک جزیرہ ہے جہاں آنے والے، بس یہیں کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔"

"سارے معاملات کی ذمّے داری تو تم پر ہی ہے لیکن اس کلب کو چلانے کی ذمّے داری کس پر ہے؟" میں نے برآمدے کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"مس پارسن اس کلب کی منیجر ہے۔ وہ ہماری ملازمت میں آنے سے قبل بنکاک کے فائیو اسٹار ہوٹلوں میں اپنے گاہک پھانسا کرتی تھی۔ بہت منجھی ہوئی اور تجربے کار لڑکی ہے لیکن صورت سے اس قدر معصوم لگتی ہے کہ دیکھنے والے کا دل اچانک اس کے ہاتھوں میں آجاتا ہے۔ کاؤنٹر کے قریب وہ خود موجود رہتی ہے۔" وہ مجھے بتانے لگا۔ "اس عمارت کے احاطے میں کسی اجنبی کا داخل ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ اس وقت تمہیں اندر صرف اس لیے رسائی حاصل ہو گئی کہ میں تمہارے ساتھ تھا ورنہ اس کلب کے ارکان کو بھی مہمان ساتھ لانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"اس کے علاوہ کلب میں کتنے باقاعدہ ملازمین ہیں؟" میں اپنی تحویل میں آنے والی نئی سلطنت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔

"چوکیدار کے روپ میں یہاں ایک ریٹائرڈ چھاپا مار گوریلا مانو ہے اور وہ کلب کا واحد مرد ملازم ہے۔ اس کے علاوہ مس پارسن کے نیچے کچن اور روم سروس میں چھ لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ ان سب کا تعلق مشرق بعید کے ملکوں سے ہے لیکن ان کے انتخاب میں یہ احتیاط رکھی گئی ہے کہ سب ہی بے انتہا حسین ہیں اور ان میں سے پانچ کا تعلق دوغلی نسل سے ہے جس کی وجہ سے ان کا کھٹرا ناک نقشہ ہے جو ہماری طرف کے لوگوں کو بڑی شدت سے اپنی طرف راغب کرتا ہے۔ بعض اہم ترین ممبروں کی دلجوئی کے لیے ہم ان سے بھی کام لیتے ہیں۔"

اسی اثنا میں ہم اندر داخل ہو گئے جہاں پورے فرش پر بیش قیمت سادہ قالین بچھا ہوا تھا۔ وہ کلب میں کام کرنے کا وقت نہیں تھا لیکن شاہ بلوط کی خوبصورت لکڑی سے بنے ہوئے استقبالیہ کیبن میں کاؤنٹر کے پیچھے ایک بے حد حسین اور نوخیز غیر ملکی رجسٹروں کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی اس نے عجلت میں رجسٹر بند کیے اور تقریباً اضطراری طور پر سینڈو کے استقبال کے لیے کاؤنٹر سے باہر نکل آئی۔

سینڈو سے گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے اس نوخیز لڑکی کی نگاہیں استفسار طلب انداز میں میرے چہرے پر مرکوز تھیں اس لیے سینڈو نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "یہ ہمارے نئے باس مسٹر شوٹر ہیں اور مسز! یہ مس پارسن اینڈی زولا ہیں جو فی الحال اس کلب کے انتظام کی ذمّے دار ہیں۔"

"تم واقعی خوبصورت لڑکی ہو۔" میں نے مس پارسن کا بڑھا ہوا نرم و نازک ہاتھ اپنے پنجے میں لیتے ہوئے سرسری لیکن تحکمانہ لہجے میں کہا تاکہ اسے عملاً اپنی برتری کا احساس دلا سکوں۔

وہ اپنے شعبے میں خصوصی مہارت رکھتی تھی اس لیے میرے منصب سے آگاہ ہوتے ہی اس نے مجھ پر ڈورے ڈالنے کی پیشہ ورانہ کوششوں کا آغاز کرتے ہوئے میرے ہاتھ میں اپنی انگلیوں کو معنی خیز انداز میں اس طرح جنبش دی کہ اس کے گداز نسوانی لمس کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں تھا لیکن میں نے سرد مہری سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور مس پارسن کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ میرے رویّے سے شاید اس کے نسوانی پندار کو ٹھیس پہنچی تھی۔

"ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔" میں نے مس پارسن سے کہا۔ "میں حسن پرست بھی ہوں اور عیش طلب بھی۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی تم کو کڑے ذاتی امتحان سے دوچار ہونا پڑے لیکن فی الحال میں مشن پر آیا ہوں اور سب سے پہلے کلب کے ارکان کی فہرست دیکھنا چاہتا ہوں، رجسٹر لے کر دفتر میں آجاؤ!"

"دفتر ادھر ہے سر!" سینڈو نے ایک بار پھر رہنمائی کا فرض سنبھال لیا۔ وہ بہت گھاگ آدمی تھا۔ مس پارسن کے ساتھ میرا رویّہ دیکھ کر اس نے اچھی طرح اپنے رول کا اندازہ کر لیا تھا اور اسی کو نباہ رہا تھا۔

دفتر مختصر لیکن تاثر انگیز تھا۔ میں نے میز کے پیچھے پڑی ہوئی گھومنے والی کرسی سنبھال لی۔

"یہاں کسی کی رہائش تو نہیں ہے؟" میں نے سینڈو سے سوال کیا۔

"اوپر کی منزل پر چھوٹے چھوٹے متعدد رہائشی کمرے ہیں۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "ان کے بغیر تو کلب کا تصوّر ہی نہیں بن سکتا۔ ویسے یہ کمرے کسی کو مستقل رہائش کے لیے نہیں دیے جاتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ رات بسر کرنے والے جوڑے اگلا دن تھکان اتارنے کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔"

"اسٹاف کہاں رہتا ہے؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"مین بلڈنگ میں تہ خانے میں گیمز ہوتے ہیں۔ یہ فلور عام تفریحات اور ملاقاتوں وغیرہ کے لیے مخصوص ہے۔ اوپری منزل پر ممبران کے لیے پرائیویٹ ریٹائرنگ روم ہیں۔ اسٹاف کے لیے مین بلڈنگ سے الگ، عقب میں بلاک بنا ہوا ہے۔ عملے کے لوگ وہیں رہتے ہیں تاکہ کلب کا ماحول برقرار رکھا جا سکے۔"

اسی اثنا میں پارسن ایک مختصر سا رجسٹر لیے دفتر میں آگئی۔ وہ میرے ساتھ سینڈو کے احترام آمیز رویّے کی وجہ سے مرعوب تو ہو گئی تھی لیکن اس کے پتلے پتلے خوبصورت ہونٹوں پر سجی ہوئی دلنواز مسکراہٹ میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"یہ ہمارے ممبر لوگ کا رجسٹر ہے۔" وہ میرے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔ وہ غیر ملکی تھی لیکن اپنے لب و لہجے سے قطع نظر

بہت عمدہ اُردو بول رہی تھی۔ "آج کل ٹوٹل نفٹی نائین ہے۔ تھرٹی میل ممبرز اور ٹوینٹی نائین فیمیل ممبرز ہیں۔ انڈکس کے حساب سے اس رجسٹر میں ہر ممبر کا ہسٹری موجود ہے۔

"تمہاری عمر کتنی ہے پارسن؟" میں نے رجسٹر جوں کا توں اپنے سامنے رکھتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"جو چاہے سمجھ لو!" وہ اسی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "میں خود کو بڑی محنت سے مین ٹین کرتی ہوں اور خود کو مہمانوں کے ڈسپوزل پر چھوڑ دیتی ہوں۔ کوئی مجھے بیس برس کی دوشیزہ سمجھتا ہے اور کوئی چالیس سال کی پختہ کار عورت۔ میرے لیے اہم بات یہ ہے کہ میں نے اپنے پروفیشن میں آج تک کسی کو مایوس نہیں کیا۔" اس نے لحظہ بھر کے لیے خاموش ہو کر سینڈ دکی طرف دیکھا پھر ہولے سے بولی۔ "میں اپنی ریاضت اور محنت کو چند الفاظ میں برباد نہیں کرسکتی۔ میں نے اپنا نیا اسائنمنٹ لیتے ہوئے بھی اپنی عمر نہیں بتائی تھی۔ یہ میرا پروفیشنل سیکرٹ ہے جو میرے ساتھ قبر میں جائے گا۔"

"اور فی الحال تمہارا قبر میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے؟" میں نے کہا۔

"اوہ نو!" وہ فضا میں ہاتھ لہرا کر اضطراری لہجے میں بولی۔ "جس دن نوجوانوں نے مجھے اپنا ہم عمر سمجھنا چھوڑ دیا اس دن کو میں اپنے زوال کی ابتدا سمجھوں گی اور تم کو معلوم ہو گا عمر ڈھلنے کے لیے بھی ایک مدّت درکار ہوتی ہے۔"

"پارسن صحیح معنوں میں پروفیشنل لڑکی ہے۔" سینڈ دنے دخل انداز ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ ہالی ووڈ کے نامور پلاسٹک سرجن میکس ہورنشو کی مستقل گاہک ہے اور اب تک شاید سات آٹھ مرتبہ اپنی پلاسٹک سرجری کرا چکی ہے تاکہ دفتر سے گھر تک، کہیں بھی اس کی عمر کا راز نہ فاش ہو سکے۔ اس کے ہونٹوں پر تم جو مسکراہٹ دیکھ رہے ہو، وہ بھی پلاسٹک سرجری کا کمال ہے۔ اس کے چہرے کی جلد کو اتنی مہارت سے کھینچا گیا ہے کہ یہ ہر وقت مسکراتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ روتے ہوئے بھی یہ مسکراہٹ پارسن کے ہونٹوں پر جمی رہتی ہے۔"

"لیکن تمہاری یہ سرجیکل مسکراہٹ بڑی فطری معلوم ہوتی ہے۔ لوگوں کو اس کا راز اسی وقت معلوم ہو گا جب مرنے کے بعد تمہاری لاش بھی اسی طرح مسکراتی رہے گی۔"

وہ ایک جھرجھری لے کر رہ گئی۔ میرے الفاظ پر اس کی آنکھوں میں خوف سمٹ آیا تھا لیکن ہونٹوں پر دلنواز مسکراہٹ بدستور جمی ہوئی تھی جس سے پیچھا چھڑانا اس کے بس سے باہر تھا۔

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو یا کوئی اطلاع دے رہے ہو؟" اس نے بدیہی طور پر اپنے غصّے پر غالب آتے ہوئے سپاٹ لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"یہ یاد رکھنا کہ میں اپنے کسی بھی ماتحت، خاص طور سے عورتوں کو دھمکیاں نہیں دیتا۔ دھمکیاں کمزور لوگ دیتے ہیں۔ میں نے جو کچھ کہا وہ تمہاری تعریف اور تمہارے دعوے کی تائید میں کہا ہے۔ اس مسکراہٹ کا راز واقعی تمہارے مرنے سے پہلے کبھی فاش نہیں ہوسکے گا کیونکہ تم نے اپنے مزاج کو سرجیکل مسکراہٹ سے ہم آہنگ کیا ہوا ہے۔"

اسے جواب دیتے ہوئے میں نے انڈکس رجسٹر کے ابتدائی صفحات کھولے تو فہرست میں حروف تہجی کے اعتبار سے موجود نام پڑھتے ہوئے میری کھوپڑی میں روشنی کے گولے پھٹنے لگے۔ اس فہرست میں مقامی انتظامیہ کے کلیدی عہدیداروں کے نام موجود تھے جن میں بیوروکریسی کے انتظامی شعبے کے علاوہ چند بڑے پولیس افسران کے نام بھی موجود تھے۔ میں نے انڈکس کے مطابق ایک ایس ایس پی کے نام کا صفحہ پلٹا تو اس پر مندرج تفصیلات میرے ہوش اُڑا دینے کے لیے کافی تھیں۔

نام کے نیچے جو کچھ لکھا ہوا تھا وہ اس طرح میرے ذہن پر نقش ہوا کہ آج بھی یاد ہے۔ ان تفصیلات کے مطابق وہ افسر متوسط زرعی گھرانے سے پولیس سروس میں آیا تھا۔ بیوی کے علاوہ اس کے چار بچے تھے جن میں سے دو بیرون ملک زیرتعلیم تھے اور دو مقامی اسکولوں میں پڑھ رہے تھے۔ اس کی پوری تنخواہ ان چاروں بچوں کے مجموعی تعلیمی اخراجات سے بھی کم تھی۔ اس کے باوجود شہر میں چار مکانات اس کی ملکیت تھے جن میں سے ایک بیوی کے نام پر، دوسرا سالی کے نام پر، تیسرا بھائی کے نام پر اور چوتھا بہنوئی کے نام پر تھا۔ وہ خود کرائے کے سرکاری مکان میں رہتا تھا۔ بینک آف سوئٹزرلینڈ میں اس کا ایک لاکھ ڈالر سے زیادہ زرمبادلہ کا اکاؤنٹ تھا۔ بظاہر وہ تندخو اور خشک مزاج بنا رہتا تھا لیکن خوبرو عورتیں اس کی کمزوری بن جاتی تھیں۔ شہر کے ایک مشہور صنعت کار کی بیوی سے اس کے خفیہ مراسم تھے اور وہ کلب کی پارسن کا دیوانہ تھا۔ ہفتے میں کم از کم ایک بار کلب ضرور آتا تھا۔ جُوا کھیلنے کا شوق نہیں تھا لیکن شراب شیرِ مادر کی طرح پیتا تھا اور مافیا کا پوری طرح سے وفادار تھا۔ اسے کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا جاتا تھا لیکن وہ اپنی نجی زندگی کے رازوں کی قیمت چکانے کے لیے مافیا کو اندر کی خبریں پہنچایا کرتا تھا۔ رابطے کا کام مس پارسن کرتی تھی جو اسے ابتدا سے ہی اپنی خلوت میں مدعو کرنے کے وعدوں پر ٹال رہی تھی البتّہ اس افسر کو صنعت کار کی بیوی کے ساتھ کئی بار کلب میں، ضابطوں سے انحراف کرتے ہوئے، قیام کی سہولت دی گئی تھی اور ان دونوں کی لاعلمی میں خفیہ کیمروں سے اُن کی فلم تیار کرلی گئی تھی جس کے سہارے اس کروڑپتی خاتون سے تین بار بھاری رقوم وصول کی جاچکی تھیں۔

وہ تفصیل پڑھ کر مجھے کراہت سی آنے لگی۔ ہیروئن کی غیر قانونی تجارت اور قانون شکن افسران کو اپنے قابو میں لانے کی حد تک تو جرائم قابلِ قبول تھے کیونکہ ان میں کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی طرح مردانگی کا اظہار ملتا تھا لیکن کسی بے راہ رو عورت کو اس کے کردار کی خامیوں کی بنا پر بلیک میل کر کے رقم وصول کرنا میری نظروں میں ایک کریہہ فعل تھا اور یہ میری بدقسمتی تھی کہ میں ایسے بلیک میلروں کا سربراہ بن بیٹھا تھا۔

وہ صفحہ ختم کر کے میں نے پھر فہرست کا جائزہ لینا شروع کر دیا اور اس بار مسز ریٹا ڈی سوزا کا نام پڑھ کر میری آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں کیونکہ ریٹا سلمیٰ کی اس فیشن زدہ سہیلی کا نام بھی تھا جس نے جہانگیر کی گمشدگی کے بعد اسے ساتھ فراہم کیا تھا اور اس کے شوہر کا نام ڈی سوزا تھا جو شہر کا ایک کامیاب وکیل تھا۔ میرے دل میں شدت سے یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش نام کی یہ مماثلت اتفاقی ہو اور کلب کی ممبر کوئی اور ریٹا ہو جسے میں نہ جانتا ہوں لیکن جب میں نے اس کا ورق پلٹا تو میری خواہش مٹی میں مل گئی۔

وہ شہر کے کامیاب ترین وکلاء میں شامل ڈی سوزا کی بیوی ہی تھی۔ شادی سے قبل اس کے ہاتھ اپنے ایک نامولود بچے کے خون سے آلودہ تھے اسی وجہ سے اسے کلب کا رکن بنالیا گیا تھا۔ ان دونوں کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے وہ شہر میں بھرپور سوشل زندگی گزار رہے تھے جس کی وجہ سے شہر کے امراء اور دوسرے حلقوں میں ان کی خاصی رسائی تھی۔ ریٹا کے ذریعے مافیا کو بہت سی اہم اطلاعات ملتی رہتی تھیں لیکن میرے لیے پوری رپورٹ میں صرف وہ نکتہ اہم تھا کہ ریٹا کی محکمۂ ایکسائز کے ایک اعلیٰ افسر سے قابلِ رشک دوستی تھی جو کلب میں ہی استوار ہوئی تھی۔

اس رجسٹر میں موجود کوائف میری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی تھے۔ ابتدا میں پیدا ہونے والا میرا اندرونی ردِعمل بھی ختم ہو چکا تھا کیونکہ مافیا والے صرف ہیروئن کی سوداگری نہیں کرتے تھے بلکہ وہ آفاقی سطح پر جرائم کی آبیاری کا مشن چلا رہے تھے۔ ان کے نزدیک جیب تراشی سے لے کر بلیک میلنگ اور قتل تک، سارے جرائم کا ارتکاب جائز تھا۔ اپنے اور اپنے بڑوں کے لیے سرمایہ فراہم کرنے کے لیے نچلی سطح کے لوگوں کو ہر قسم کی آزادی حاصل تھی جس پر قدغن لگانے والوں کو وہ لوگ بے رحمی سے اپنے راستے سے ہٹا دیتے تھے، ان کو خرید لیتے تھے یا پھر ان کی کمزوریوں کے سہارے انھیں اپنے قدموں میں جھکا لیتے تھے۔

ڈان بھری اور سیٹھ حبیب جیوانی سے اشتراکِ عمل کا معاہدہ کرتے ہوئے میرے ذہن پر صرف اور صرف شی کی مخاصمت سوار تھی۔ میں مافیا کا سہارا لے کر موت کے ان سوداگروں کی بیخ کنی کرنا چاہتا تھا جو پاکستان سے ہیروئن کی نام نہاد اسمگلنگ کا سہارا لیتے ہوئے پاکستان کے گلی کوچوں میں اس سفید موت کو متعارف کرا رہے تھے اور ساتھ ہی ملک میں غیر قانونی اسلحہ درآمد کر کے جنگِ افغانستان کی لوٹ مار کے حوالے سے وہ اسلحہ نہایت سستے داموں ملک و قوم کے دشمنوں میں پھیلا رہے تھے۔ پورے ملک میں لوگ ہیروئن اور کلاشنکوف کلچر کی بڑھتی ہوئی یلغار سے خوفزدہ تھے۔ مذاکرے اور سیمینار ہو رہے تھے۔ ہر طرف اس لعنت کے خلاف نفرت اور دہشت پائی جاتی تھی لیکن کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ اس سازش کے پس پشت کون لوگ کام کر رہے تھے۔ میں ان کو بے نقاب کر کے قانون اور پورے معاشرے کو اس کے دشمنوں سے آگاہ کرنا چاہتا تھا لیکن میری کوششیں ہر بار ناکامی سے دوچار ہوئی تھیں۔ قتل و غارت، آتش زنی، تباہی اور بربادی کے متعدد واقعات میں، میں کہیں بھی شی کا نام اخبارات کی شہ سرخیوں میں لانے میں ناکام رہا تھا۔ اس ناکامی کے لیے میں نے مافیا والوں سے اپنے مراسم استوار کیے تو میرے ذہن پر صرف ہیروئن سوار تھی لیکن شی کے مقامی سربراہ، دلدار آغا کے جہنم واصل ہوتے ہی مجھے احساس ہونے لگا تھا کہ شی کی دشمنی میں، میں مافیا کی اندھی دلدل میں جا گرا تھا جہاں ہر طرف جرائم کا گھورا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ان لوگوں کو پاکستان میں ہیروئن اور اسلحے کے فروغ سے بے شک ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی، نہ وہ مغرب کے انتشار زدہ معاشرے کو ہیروئن کے نشے میں پناہ لینے سے روکنے کے لیے پاکستان کی سرزمین پر ہیروئن کی مقامی منڈی پیدا کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے لیکن ان کا مشن ہر جگہ اور ہر قیمت پر جرائم کا فروغ تھا جس میں ہیروئن کی اسمگلنگ سے قتل و غارت گری تک سارے ہی مشاغل شامل تھے۔

"اس وقت کلب میں کوئی مہمان موجود ہے؟" میں نے اپنے سلگتے ہوئے ذہن کو کسی اور راہ پر لگانے کی نیت سے پارسن سے یہ بے ضرر سا سوال کیا۔

"صرف ایک لیڈی اوپر کے کمرے میں ہے۔ شاید اندھیرا پھیلنے سے پہلے چلی جائے گی۔"

"کب آئی تھی وہ؟" میں نے اپنا دھیان بانٹنے کے لیے یوں ہی روا روی میں سوال کیا۔

"صبح اس کا فرینڈ آیا تھا۔ اس نے لیڈی کو فون کر کے بلایا تھا۔ دو تین گھنٹے بعد فرینڈ چلا گیا۔ لیڈی رہ گئی ہے۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی چلی جائے گی۔ بس ذرا موڈی عورت ہے وہ!"

"تو کیا وہ اور اس کا فرینڈ، دونوں کلب کے ممبر ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"او یس! اس کے بغیر وہ دونوں یہاں کیسے یکجا ہو سکتے تھے۔ یہ مس پارسن کا پرائیویٹ کلب ہے، کسی طوائف کا کوٹھا نہیں جہاں پیسہ دینے والا ہر شخص جا سکتا ہے۔ یہ کلب تو ممبروں کی باہمی تفریح اور بہبود کے لیے خالص غیر تجارتی بنیادوں پر

چلایا جا رہا ہے۔ سینڈو ہر مہینے بجٹ میں مجھے لاکھوں روپے کی سب سیڈی دیتا ہے۔"

"کون ہے وہ؟" میں نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔ پارسن کی باتوں نے اس لیڈی کے بارے میں جاننے پر مجبور کر دیا تھا۔

"مسز ریٹا ڈی سوزا!" پارسن کے یہ الفاظ کسی بم کی طرح میرے اعصاب پر گرے اور میں اس انکشاف پر بھونچکا رہ گیا۔ پچھلی رات دو بجے تک سلمٰی کی دیکھ بھال کرنے والی ریٹا صبح ہوتے ہی اپنے کسی آشنا کی کال پر وہاں آ پہنچی تھی۔ میں اندازہ نہیں لگا سکا کہ پارسن کے اس انکشاف پر مجھے حیرت ہوئی تھی یا صدمہ۔

"وہ سینٹرل ایکسائز کے ایک ڈپٹی کلکٹر سے ہک اَپ ہے۔ صبح اسی نے ریٹا کو بلایا تھا۔" پارسن کہہ رہی تھی۔ "وہ بڑی گریٹ لیڈی ہے۔ دردمند دل کی مالک ہے اور بہت زیادہ سوشل رہتی ہے۔" پارسن میرے ردِعمل سے بے خبر بولے جا رہی تھی۔ "یہاں آنے والے بیشتر ممبر اس پر نگاہ رکھتے ہیں لیکن وہ ہر ایک کے ساتھ سوبر رہتی ہے اس لیے کسی کی پیش قدمی کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ چاہو تو میں اسے نیچے بلائے لیتی ہوں۔"

"میں اس سے اسی کے کمرے میں ملنا چاہوں گا، مجھے اس کے کمرے کا نمبر بتا دو۔"

"سیڑھیاں چڑھ کر داہنے ہاتھ پر دوسرا دروازہ اسی کی خواب گاہ کا ہے۔ لیکن میں اسے انٹرکام پر بتا دوں، ایسا نہ ہو کہ وہ بے خبری میں تم سے کوئی بدتمیزی کر بیٹھے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں دردمند خواتین کے ہاتھوں کوئی بھی دکھ جھیل کر دکھی نہیں ہوتا۔ میں اسے سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔" میں نے کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں اسے پہلے سے جانتا ہوں۔"

"وِش یو گڈ لک سر!" اس نے اپنی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور میں دفتر سے نکل گیا۔

استقبالیہ کاؤنٹر والے ہال میں، میں زینے دیکھ چکا تھا۔ اوپر اور نیچے جانے والے دونوں راستے وہیں واقع تھے۔ اس لیے میں کسی کی مدد یا رہنمائی کے بغیر سرخ قالین سے آراستہ زینے عبور کر کے اوپری منزل پر پہنچ گیا۔ پہلی منزل سے مزید زینے اوپر جا رہے تھے لیکن میں باہر سے دیکھ چکا تھا کہ وہ ایک منزلہ عمارت تھی جہاں پہلی منزل سے اوپر کھلی چھت کے علاوہ کچھ اور ملنے کا امکان نہیں تھا۔

زینوں کے اختتام پر خوب صورت تنگ راہداری تھی۔ وہاں بھی دبیز قالین پڑا ہوا تھا۔ راہداری میں قریب قریب نظر آنے والے دروازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس منزل پر پورے رقبے کو نہایت کفایت سے استعمال کرتے ہوئے چھوٹے چھوٹے کمرے بنائے گئے تھے تاکہ ان کی مطلوبہ تعداد پوری ہو سکے۔

داہنے ہاتھ کے دوسرے کمرے پر چوبی دروازے پر لگی ہوئی سلائیڈ پلیٹ ایسی پوزیشن میں تھی کہ سرخ زمین پر سفید انگریزی حروف میں لکھا ہوا لفظ "آکو پائیڈ" نمایاں تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ کمرا کسی کے زیرِ استعمال ہے جب کہ قرب و جوار کے دوسرے دروازوں پر سبز گراؤنڈ پر ویکینٹ یعنی خالی کے مترادف انگریزی حروف چمک رہے تھے۔

میں اس آراستہ راہداری میں دوسرے دروازے کے سامنے رکا ہی تھا کہ کسی قریبی سروس کیبن سے سرخ منی اسکرٹ اور باریک سیاہ بلاؤز میں ملبوس ایک سفید فام لڑکی تیر کی طرح میرے پاس آ پہنچی۔

"یس سر! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟" اس نے آتے ہی ادب و احترام سے انگریزی میں سوال کیا تھا۔ لڑکی وہ بھی دلکش اور خوبرو تھی۔

"تم خدمت ضرور کر سکتی ہو لیکن اس وقت نہیں۔" میں نے اس کے سراپا کا بغور جائزہ لیتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "میں اس کمرے میں ٹھہری ہوئی خاتون سے ملنے آیا ہوں۔"

"مناسب ہوگا کہ تم نیچے ریسپشن میں انتظار کرو، میں خاتون کو تمہارا پیغام دے دیتی ہوں۔ وہ چاہے گی تو تم سے نیچے آ کر مل لے گی۔" اس نے قدرے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"نیچے نہیں، میں اس سے اسی کے کمرے میں ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا کیونکہ اس دوران میں وہ لڑکی آہستہ آہستہ میرے اور دروازے کے درمیان حائل ہو چکی تھی اور اگر میں اس کے مشورے کو نظرانداز کر کے براہِ راست دروازے پر دستک دینے کی کوشش کرتا تو وہ پُرتشدد مزاحمت بھی کر سکتی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ یہ یہاں کے ضابطوں کے خلاف ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "خاتون کی واضح ہدایت کے بغیر کسی کو اس کے تخلیے میں مداخلت کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ میں تمہارا ممبر شپ کارڈ دیکھ سکتی ہوں؟"

"تم اس فلور کو سَرو کرتی ہو۔ نیچے والے وہاں بیٹھے جھک نہیں مار رہے ہیں۔ میں ان کے ضابطے پورے کر کے اوپر آیا ہوں۔ اس لیے تم کو میرا راستہ روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔۔۔"

"یہ ہمارا نارمل بزنس ٹائم نہیں ہے۔" وہ بے خوفی کے ساتھ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ نیچے کوئی بھی موجود نہ رہا ہو اور تم آنکھ بچا کر اوپر آ گئے ہو۔ اس کلب کی رکنیت کا یہ بنیادی ضابطہ ہے کہ ممبر شپ کارڈ جب بھی اور جہاں بھی طلب کیا جائے گا، دکھانا ہوگا۔"

"درمیان سے ہٹ جاؤ ورنہ مجھے دوسرا طریقہ استعمال کرنا پڑے گا۔" میں نے اُسے گھورتے ہوئے کھردرے لہجے میں کہا۔ اس وقت میں اس لڑکی کو آزمانے میں دلچسپی محسوس کررہا تھا۔ وہ خوبرو اور نازک اندام لڑکی میری توقع سے کہیں زیادہ طرار اور پھرتیلی ثابت ہوئی۔ وہیں کھڑے کھڑے وہ بجلی کی سی سرعت سے تڑپی تھی۔ اگر مجھ سے لمحہ بھر کی بھی غفلت ہوئی ہوتی تو اس کے جوتوں کی ایڑیوں نے میرا چہرہ اُدھیڑ کر رکھ دیا ہوتا۔ میں نے پیچھے سرک کر خود کو اس کے وار سے بچاتے ہوئے ہاتھ بڑھایا اور خوش قسمتی سے اس کی چمکدار داہنی پنڈلی میری مضبوط گرفت میں آگئی۔ اس ناگہانی افتاد کی وجہ سے اس کا توازن بگڑ گیا گرتے گرتے اس نے دم توڑتے ہوئے کسی وحشی سانڈ کی طرح ایک زبردست جھرجھری لی تھی لیکن اس کے لیے میری گرفت سے بچ نکلنا آسان نہیں تھا۔ وہ ہتھیلیوں کے بل قالین پر ٹک گئی۔ اس کی داہنی پنڈلی میری بے رحمانہ گرفت میں تھی اور بائیں ٹانگ فضا میں گردش کرتی ہوئی، میرے چہرے کو نشانہ بنانے کی فکر میں تھی۔ اس جدوجہد میں وہ ستر پوشی کی تہمت سے بھی آزاد ہوچکی تھی لیکن اسے اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔

میرے لیے حیرت کی بات یہ تھی کہ بات بڑھ جانے کے باوجود اس کے منہ سے ذرا بھی آواز نہیں نکلی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ اُس وقت بھی کسی بیرونی مدد کے بغیر میرے اوپر اپنی بالادستی قائم کرنے کے بارے میں پُرامید تھی۔

میں نے اس کی داہنی ٹانگ کو ایک شدید جھٹکا دے کر اُسے اپنے سے دُور اُچھال دیا۔ وہ قالین پر گرتے ہی کسی ربر کی گڑیا کی طرح اپنے قدموں پر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے لحظہ بھر میں اپنے اُلٹے ہوئے منی اسکرٹ کو سیدھا کیا اور جارحانہ نظروں سے مجھے گھورنے لگی۔

جُوں ہی میں نے دروازے پر دستک دی، وہ اچانک فضا میں اُڑتی ہوئی دوبارہ میری طرف آئی تھی۔ میں اسے دیکھ نہیں سکا تھا لیکن اپنی چھٹی حس کی کسی تنبیہ کی بنا پر فوراً ہی بیٹھ گیا اور اس مارشل فائٹر کی دونوں لاتیں پوری قوت کے ساتھ بند دروازے پر پڑیں۔

دروازے کے عقب سے ایک تیز نسوانی چیخ بلند ہوئی اور پٹ اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔ لڑاکا لڑکی بند دروازے پر لاتیں رسید کرنے کے بعد ایک خوشگوار بوجھ کی طرح میرے اوپر آگری اور میں نے اُسے مزید کسی کارروائی سے باز رکھنے کے لیے پوری قوت سے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔

اُسی لمحے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے کے عقب سے ریٹا کا غصے سے دہکتا ہوا چہرہ نمودار ہوا اور مجھ پر پوری صورت حال یک بیک واضح ہوگئی۔

شاید ریٹا دروازے پر میری دستک سن کر دروازہ کھول ہی رہی تھی کہ چوبی پٹ پر لڑاکا لڑکی کی بھرپور لاتیں پڑیں اور دروازہ پوری قوت کے ساتھ اندر کو کھلتا چلا گیا۔ اس ناگہانی اتفاق سے یقیناً ریٹا کھلتے ہوئے دروازے کی زد میں آکر مضروب ہوئی تھی اور اس نے سنبھالا لیتے ہی باہر نکل کر اس طوفانِ بدتمیزی کا جائزہ لینا چاہا تو اُس کی نگاہ مجھ پر پڑی، میرے بازوؤں میں لڑاکا لڑکی دبی ہوئی تھی۔ وہ اس قدر بدمعاش تھی کہ مجھے ریٹا کے کمرے سے دُور رکھنے کے لیے اس نے میری گرفت میں آتے ہی اپنا بدن سپردگی کے انداز میں ڈھیلا چھوڑ دیا تھا تاکہ میں اس کے بدن کے حرارت آگیں نشیب و فراز میں اُلجھ کر ریٹا کے کمرے کو بھول جاؤں۔

"یہ کیا بدمعاشی اور غنڈا گردی ہو رہی ہے یہاں؟" ریٹا باہر آتے ہی غضبناک لہجے میں چلائی تھی۔ "یوں ہی کتوں اور بلیوں کی طرح مُنہ کالا کرنا ہے تو لان بڑے بہتیرے کنج بکھرے ہوئے ہیں۔ میں ابھی پارسن کو بلاتی ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں والے اب شرفا کی میزبانی سے عاجز آگئے ہیں۔ . . ."

وہ غصے میں نہ جانے اور کیا بکتی رہتی مگر میں نے اسے لب کشائی کی مزید مہلت دیے بغیر اپنی آغوش میں موجود مٹھاس کی گٹھری کو قالین پر پھینک دیا اور اچھل کر ریٹا کے مقابل کھڑا ہوگیا۔

میرے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی ریٹا کا رنگ فق ہوگیا۔ وہ مجھے یوں دیکھ رہی تھی جیسے میں زندہ انسان کے بجائے کوئی آسیب رہا ہوں۔ "تت . . . تت . . . تم . . . یہاں . . . کک . . . کیا کررہے ہو؟" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں ہکلاتے ہوئے مجھ سے بمشکل سوال کرسکی تھی۔

"تمھاری تلاش میں آیا تھا۔" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "لیکن یہ لڑاکا لڑکی ظالم سماج بن کر میری راہ میں حائل ہوگئی۔ اگر مسٹر ڈی سوزا کو اعتراض نہ ہو تو میں اندر آجاؤں؟"

"ڈی سوزا یہاں نہیں ہے، میں اکیلی ہوں۔" وہ میرے لیے راستہ چھوڑتے ہوئے بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی مجھے دیکھ لینے کے بعد اس کی سراسیمگی قابلِ دید تھی۔

"اکیلی؟" میں نے مصنوعی حیرت سے دہرایا۔ "صبح تو تم اکیلی نہیں تھیں — پھر وہ کون تھا؟"

"تم جاؤ!" ریٹا منی اسکرٹ والی فلور میڈ کی طرف مُڑ کر تیز لہجے میں بولی۔ "یہ میرے مہمان ہیں۔"

اس نے سر کو قدرے خم دیا اور اُسی طرف غائب ہوگئی جدھر سے آئی تھی۔ میں یہ اندازہ قائم کرچکا تھا کہ اس کلب کے ملازمین جنس کے کسی امتیاز کے بغیر انتہائی غیر جذباتی انداز میں اپنے مقاصد کے حصول میں کوشاں رہتے تھے۔ یہ فریق ثانی کا اپنا ذہنی

فتور تھا کہ وہ ان خوبرو اور نازک بدن لڑکیوں کے جال میں آ جاتا تھا۔

میں ریٹا کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہوا تو اس مختصر سی خواب گاہ کی نفاست اور آرائش دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ مکلّف خوابگاہ بمشکل دس بارہ فٹ طویل اور اتنی ہی عریض رہی ہوگی۔ اسپرنگوں پر ٹھہرے ہوئے لچکدار گدّے والے ڈبل بیڈ، دو کرسیوں اور دیوارگیر ڈریسنگ ٹیبل کے درمیان چلنے پھرنے کے لیے بہت کم دبیز قالین باقی رہ گیا تھا۔ ایک گوشے میں وال بریکٹ کے ساتھ چھت سے قدرے قریب رنگین ٹیلی وژن لٹک رہا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے ایک گوشے پر مختصر سادی سی پی رکھا ہوا تھا۔ اس کے اوپر چوبی ریک میں کتابوں کی طرح متعدد وڈیو کیسٹ سجے ہوئے تھے۔ کمرا مختصر ضرور تھا لیکن اندر موجود ذیلی دروازے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہاں ملحقہ باتھ روم کی سہولت موجود تھی۔

لیکن ان تمام جزئیات سے زیادہ دلچسپ وہ خاتون تھی، جو ان سب پر قابض و متصرف تھی۔ اس کے بکھرے ہوئے بالوں اور چہرے کے اُڑے ہوئے رنگ سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ کم از کم اُس دن کے لیے اس پیکر کا جوہر کشید کیا جا چکا تھا۔ اس کے بدن پر شب خوابی کا باریک اور ریشمیں لبادہ موجود تھا۔ اس چلمن سے یہ اندازہ لگانا زیادہ دشوار نہیں تھا کہ فی الحقیقت ریٹا اس سے کہیں زیادہ خوش بدن تھی جتنا وہ خود کو بناوٹ کے ذریعے ظاہر کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔

"تم یہاں کیسے آئے ہو؟" خواب گاہ کا دروازہ بند کر کے ریٹا نے اضطراری طور پر ایک لمبی سی غیر ملکی سگریٹ سلگاتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"تم یہاں کیسے موجود ہو؟" میں نے براہِ راست اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"شاید تم چوری چھپے یہاں گھُسے ہو اسی لیے تو چاہو تم کو رد کنے کی کوشش کر رہی تھی؟" اس نے مجھ سے نظریں چرائے بغیر کہا۔ "یہ ایک پرائیویٹ کلب ہے اور میں آرام کرنے کے لیے یہاں آئی ہوں۔ لیکن تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمھیں اس کلب کا پتا کیسے چلا؟"

"تمھاری بُو سونگھتا ہوا یہاں پہنچ گیا۔" میں نے پُرمزاح لہجے میں کہا۔ "مجھے علم ہے کہ اس شہر میں جسموں اور ذہنوں کی آسودگی کے لیے بہتیرے اہم لوگ اسی کلب کا رخ اختیار کرتے ہیں۔"

"چبا چبا کر باتیں نہ کرو۔" وہ تنک کر بولی۔ "تم سے میری شناسائی بہت مختصر ہے اور اس وقت میں محض سلمٰی کے خیال سے تم سے بات کر رہی ہوں ورنہ میرے ایک اشارے پر اس کلب کی انتظامیہ تمھیں یہاں سے نکال باہر کرے گی۔ تم میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟"

"مجھے معلوم ہے کہ تم دوسروں کی طرف گُل اور ثمر کی برسات کر رہی ہو اس لیے سوچا کہ سلمٰی کی نظر بچا کر تم سے اپنا حصہ بھی وصول کر لوں۔ ویسے دن دہاڑے اس نائٹی میں تم خاصی دلکش نظر آ رہی ہو۔" میں نے بلاکسی سبب کے اسے اشتعال دلانے کی نیّت سے کہا۔

"تم بہت گھٹیا آدمی ہو۔" وہ انٹرکام کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔ "مجھے تمھارا بندوبست کرنا ہی ہوگا۔"

"عجب دَور آگیا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اب مہمان اپنے میزبانوں کو دھمکیاں دینے لگے ہیں۔"

اس کا انٹرکام کی طرف بڑھا ہوا ہاتھ رُک گیا اور اس کے بشرے پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے۔ "میزبان؟ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟ مقصد کیا ہے تمھارا؟"

"سیدھی سی بات ہے مادام ریٹا! تم جب بھی یہاں آئی ہو، میری مہمان رہی ہو۔ یہ کلب میری ملکیت ہے اور تم میری چھت کے نیچے مجھے ہی دھمکیاں دے رہی ہو۔ یہ بڑی بُری بات ہے۔"

"لیکن میں نے تو آج سے پہلے کبھی تمھیں یہاں نہیں دیکھا" اُسے میری بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

"ضرورت پیش نہیں آئی تھی لیکن اب تمھارے تعاون کی ضرورت پیش آگئی ہے۔"

"تم یہاں سے نکل جاؤ! تم نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔" وہ ترش لہجے میں بولی۔ "تم اس کلب کے مالک ہوتے تو شوجہان یوں لاتوں اور مکّوں سے تمھاری تواضع نہ کر رہی ہوتی۔"

"ہاتھ کیا، میں تمھیں کچھ بھی نہیں لگاؤں گا لیکن تم نے مجھے ابھی تک بیٹھنے کی پیش کش نہیں کی، زیادہ دیر تک کھڑا رہنے کی وجہ سے میں تمھاری شان میں کوئی نازیبا گستاخی بھی کر سکتا ہوں۔"

"بیٹھ جاؤ اور جلدی بکو کہ کیا چاہتے ہو؟" وہ غرّاتے ہوئے بولی۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"گھر جانا ہے یا اسرار رضوی دوبارہ آنے والا ہے؟" میں نے چُبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا اور ریٹا نے جھلا کر شیشے کی ایش ٹرے میرے اوپر کھینچ ماری۔ اگر میں پہلے سے ہوشیار نہ ہوتا تو وزنی ایش ٹرے نے مجھے خاصا زخمی کر دیا ہوتا۔ میں نے ایش ٹرے اپنے ہاتھوں میں لپکی اور سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "میں نے یہ سوال تمھیں چڑانے کے لیے نہیں کیا بلکہ میں تمھاری معرفت اسرار رضوی سے ملنا چاہتا ہوں، اس سے مجھے ایک ضروری کام ہے۔"

پہلی بار وہ نظریں جھکانے پر مجبور ہو گئی اور دھیمے لہجے میں بولی "مجھے کچھ نہیں معلوم کہ تم کیا بک رہے ہو۔ اب میں تم سے اسی وقت مزید گفتگو کر سکوں گی جب تم میرے اطمینان کے مطابق اس عمارت میں اپنی حیثیت کا تعین کرا سکو گے ورنہ ابھی تک تو تم محض ایک اُچکے معلوم ہو رہے ہو۔"

"تمہارے اس حریری لبادے میں ایسے ایسے لعل اور گوہر چمک رہے ہیں کہ میں کوئی اُچکا ہوتا تو اب تک ان پر ہاتھ صاف کر کے واپس بھاگ گیا ہوتا۔" میں نے اس کے سراپا پر ناقدانہ نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔ "میری شناخت ہی چاہتی ہو تو نیچے سے انٹرکام پر پارسن کو بلا لو۔"

"شوچان تمہیں کیوں نہیں جانتی؟" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"وہ نچلے درجے کی ملازمہ ہے۔ میرا تعلق صرف پارسن سے بنتا ہے۔ تمہارا معاملہ درپیش نہ ہوتا تو آج بھی شوچان سے یوں دُو بدو مقابلہ نہ ہوتا۔ وہ احمق لڑکی مجھ سے ناواقف ہے اور میں نے تمہیں ملاقات کے لیے نیچے بلانا مناسب نہیں سمجھا، اس لیے خود اوپر آ گیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب تم شوچان کو نوکری سے نکال دو گے؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ مجھے نہیں جانتی اس لیے مقابلے پر اُتر آئی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے اس کی کارکردگی پر خوشی ہے کہ وہ ہر وقت ڈیوٹی پر مستعد اور چوکنی رہتی ہے۔"

"خود کو متعارف کرائے بغیر اپنی ملازماؤں سے یوں زور آزمائی کرتے پھرنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ ایسی حرکتیں تو ذہنی مریض کرتے ہیں جنھیں وسائل میسر ہونے کے باوجود احساس کمتری ستاتا رہتا ہے۔"

"جو چاہو، سمجھ لو! لیکن پارسن کو بلاؤ تاکہ بات آگے بڑھ سکے۔" میں نے سر جھٹک کر کہا۔

"اگر واقعی تم ذہنی مریض ہو تو شاید تمہیں عورتوں کے سامنے اپنی مظلومیت اور بے چارگی کے اظہار میں لطف آتا ہو گا۔ چلو میرے پیر کا انگوٹھا چوسنا شروع کر دو۔" اُس نے سلیپر سے داہنا پیر نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ اُس کا انداز اس قدر تحکمانہ تھا کہ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو بے چون و چرا اُس کے حکم کی تعمیل شروع کر دیتا۔

"پارسن کو بلاؤ لیکن پھر تمہیں میرے انگوٹھے نہیں شاید تلوے چاٹنا پڑیں گے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میں پارسن کو بلاتی ہوں۔" اُس نے ریسیور کا انٹرکام اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمہیں وعدہ کرنا ہو گا کہ سلمٰی کو ان تمام واقعات کی بھنک بھی نہیں ملے گی۔ یہاں طے ہونے والے سارے معاملات ہمیشہ میرے اور تمہارے درمیان محدود رہیں گے، کسی تیسرے فریق کو ان سمجھوتوں کا علم نہیں ہو سکے گا۔"

"تم یہاں کھلے بندوں عیش و عشرت کے لیے آتی ہو، پھر تمہیں اس قدر رازداری کی کیا ضرورت ہے؟ ہو سکتا ہے کہ ڈی سوزا کے لیے بھی تمہاری یہ سرگرمیاں راز نہ ہوں۔"

"ڈی سوزا کرسچین ضرور ہے مگر کٹر مشرقی مرد ہے۔" وہ بلا توقف بول پڑی۔ "وہ مجھ پر بھروسا کرتا ہے جس دن بھی اُسے علم ہو گیا کہ میں اُس سے بے وفائی کر رہی ہوں تو وہ پہلی فرصت میں مجھے گولی مار کر خودکشی کر لے گا۔"

"وہ اس قدر حساس مرد ہے تو تمہاری اس بے راہ روی کا کیا جواز ہے؟"

"اولاد!" اُس نے بے ساختہ جواب دیا۔ "ڈی سوزا سے نہ سہی، کسی اور سے اگر ایک دو بچے ہو جائیں تو میرا شوہر اپنی ساری زندگی اُن کی پرورش میں گزار دے گا۔ اُسے علم نہیں مگر میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ وہ مر کر بھی کسی کی ولدیت کا دعوے دار نہیں بن سکے گا۔ اس کی انا اور اپنے مادرانہ جذبات کی تسکین کے لیے میں یہاں اسرار رضوی سے ملنے کا اہتمام کرتی ہوں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ وہ بھی لاولد ہے۔ اس کی بیوی پچھلے پندرہ برس سے اپنے وجود میں کسی نئے وجود کی کلبلاہٹ کی منتظر ہے مگر وہاں گہرا سکوت طاری ہے۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں اس کا مقصد عیاشی نہیں بلکہ کسی مقصد کا حصول ہے۔ اب اگر محاذ پر ہر طرف سناٹا طاری ہو تو تم جیسے نرم دل اور مہربان لوگ کیسے ان بدمعاشیوں کا تدارک کر سکتے ہیں؟"

"یہ تمہارے ذاتی معاملات ہیں مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔" میں نے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے صرف اسرار رضوی سے ملنا ہے اور اسی وجہ سے میں تم تک پہنچا ہوں۔"

"میرا ذہن اس بات کو قبول نہیں کرتا کہ یہ کلب تمہاری ہی ملکیت ہے لیکن پھر یہ بھی سوچنا پڑتا ہے کہ کل رات تمہارے دوست جہانگیر کا کیا حشر ہوا تھا۔ شریفانہ کاموں میں تو ایسی خونریزیاں کہیں دیکھنے میں نہیں آتیں۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور اس کلب سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُس کے چہرے پر غصے کے بجائے فکرمندی کے آثار پیدا ہوتے جا رہے تھے۔

میں نے اُس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اُس کے ہاتھ سے انٹرکام کا ریسیور لے کر محض اندازے کی بنا پر ایک نمبر دبا دیا۔ دوسری طرف سے میری توقع کے عین مطابق پارسن

کی رسیلی آواز سنائی دی تھی۔

"ذرا تم اوپر آجاؤ تاکہ ریٹا کو میری شناخت میں آسانی ہو سکے۔" میں نے اپنی بات مکمل کر کے اُس کا جواب سُنے بغیر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"پارسن کی گواہی کے بغیر بھی مجھے تمہارے بیان پر یقین ہے لیکن یہ کس قدر عجیب اتفاق ہے کہ کل ہماری ملاقات کہیں اور کسی دوسرے ماحول میں ہوئی تھی۔ لیکن آج ہم ایک دوسرے کے سامنے بے نقاب ہیں۔"

"مجھے اپنے بے نقاب ہونے پر کوئی ملال نہیں لیکن تمہارے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اسرار کے ساتھ تمہارے مراسم میں خاصی گہرائی معلوم ہوتی ہے ورنہ اُس کی ایک کال پر یوں دن دہاڑے یہاں دوڑی نہ آتیں۔ اسی لیے مجھے اُمید ہے کہ وہ بھی تمہارے پیغام پر فوراً یہاں آجائے گا۔"

اسی وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی، ریٹا نے اپنے شانوں پر شال ڈالتے ہوئے کم اِن کہا اور اگلے ہی لمحے پارسن اپنی سدا بہار مسکراہٹ کے ساتھ اس کمرے میں آگئی۔

"یہ ہمارے باس اور اس کلب کے چیف ایگزیکٹو ہیں۔"

پارسن نے چند پیشہ ورانہ رسمی فقروں کے بعد ریٹا سے کہا "تمہارے بارے میں میں جو کچھ جانتی ہوں، باس اُس سے کہیں زیادہ جانتے ہیں اس لیے تم کو ان کے ساتھ بے تکلفی کے ساتھ بات کرنے میں عذر نہیں ہونا چاہیے۔ انھیں کوئی شکایت ہوئی تو تم دشواریوں سے دوچار ہو سکتی ہو۔"

"میں جانتی ہوں۔" ریٹا نے تلخ لہجے میں کہا۔ "جس روز مجھ سے میری ماضی کی ایک لغزش کے حوالے سے رابطہ قائم کیا گیا تھا میں نے اُسی دن سمجھ لیا تھا کہ اب مجھے ساری عمر تم لوگوں کے اشاروں پر ناچنا ہوگا۔ بدقسمتی یہ ہے کہ میرا شوہر ایک حساس آدمی ہے اور سچ کا زہر کبھی برداشت نہیں کر سکے گا۔ اس لیے تم مطمئن رہو تمہارے باس کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ تم بے فکری سے واپس جا سکتی ہو۔"

پارسن نے میری طرف دیکھا میں نے اپنے سر کی ہلکی سی جنبش سے اُسے جانے کی اجازت دے دی اور وہ بلا توقف اس کمرے سے باہر نکل گئی۔

"بار بار اسرار کا حوالہ دینے کے بجائے کھل کر بتاؤ کہ کیا چاہتے ہو؟" ریٹا نے اپنے شانوں پر سے چادر اُتار کر پھینکتے ہوئے کھردرے لہجے میں کہا۔ "میں عورت ہوں اور جانتی ہوں کہ مجھ سے تمہارا ایک ہی مطالبہ ہو سکتا ہے۔ ۔ ۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ عورتوں کی رفاقت کے معاملے میں میں انتخاب کا قائل ہوں۔ میں تمہارے ذریعے اسرار سے ملنا چاہتا ہوں تاکہ اپنے دوست جہانگیر کے دشمنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچا سکوں۔ تم جانتی ہو کہ اس کلب کے حوالے سے میں اسرار سے براہِ راست بھی بات کر سکتا ہوں مگر میں کلب کو درمیان میں لائے بغیر ذاتی سطح پر یہ کام کرنا چاہتا ہوں۔ اتفاق سے تم یہاں مل ہی گئی ہو تو تم سے کام لینا پڑ رہا ہے ورنہ کوئی اور راہ نکالتا۔"

میرے الفاظ پر اس کا چہرہ بجھ گیا۔ شاید اُسے یہ جان کر دُکھ ہوا تھا کہ میں اس کے نیم پوشیدہ سراپا کے خوفناک سحر سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔ وہ بولی تو اس کی آواز بھی قدرے بوجھل تھی۔ "تم اس کلب کے سربراہ ہو اس لیے یہاں کے ضابطوں سے مجھ سے زیادہ واقف ہو گے۔ کیا میں اُمید رکھوں کہ تم سلمٰی کو میری ان مصروفیات سے آگاہ نہیں کرو گے۔"

"میں اسے کمینگی کہوں گا۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا "وہاں تم صرف سلمٰی کی سہیلی تھیں، یہاں ہم دونوں کے درمیان ایک کاروباری رابطہ ہے۔ کسی ایک رشتے کو دوسرے پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیے۔"

پہلی بار ریٹا کی نگاہوں میں میرے لیے ممنونیت کے جذبات اُمڈ آئے اور اس نے انٹرکام کے برابر میں رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

اسرار سے جس لب و لہجے میں ریٹا کی گفتگو ہوئی، اس سے میرے پیٹ میں گرہیں سی پڑنے لگیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک عورت کسی کی بیوی ہوتے ہوئے ایک اجنبی مرد سے اتنی محبت اور اپنائیت سے بات کر سکتی تھی۔ میں سگریٹ کے گہرے گہرے کش لیتے ہوئے چھت کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن میرے کان ریٹا کے مکالموں پر مرکوز تھے۔ وہ رسیلے لب و لہجے میں ناز و انداز کے ساتھ اپنے مخاطب سے بات کر رہی تھی اور شاید فریقِ ثانی بھی اس کے ایک ایک لفظ پر فدا ہوا جا رہا تھا کیونکہ ریٹا اس کی ذمّے داری نہ ہوتے ہوئے بھی اس کی تھی۔

"دفتر کے کاموں پر لعنت بھیجو!" ریٹا دلربایانہ انداز میں اس سے کہہ رہی تھی۔ "ابھی آجاؤ، میں تمھیں اپنے ایک جاننے والے سے ملوانا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد عیش کریں گے۔"

"ایسی باتیں نہ کرو اسرار۔" قدرے توقف کے بعد ریٹا کا دوسرا مکالمہ سُنائی دیا۔ "تم دوست ہو اور وہ میرا جاننے والا ہے۔ میں ہر ایک کے ساتھ وہ تعلق نہیں رکھ سکتی جو تمہارے ساتھ ہے۔ تم جانتے ہو کہ ڈی سوزا میری آزادیوں کے معاملے میں کس قدر متعصب اور تنگ نظر واقع ہوا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ابھی میں کلب میں ہی ستا رہی تھی۔ گھر کا ایک چکر مار کر کسی بہانے سے نو بجے لوٹ آؤں گی۔ تم نیچے ہی میرا انتظار کرنا لیکن یہ خیال رہے کہ رات مجھے اپنے شوہر کے ساتھ ہی گزارنا ہوگی۔"

نو بجے کا وقت میرے لیے مناسب تھا اس لیے میں نے

مداخلت کی ضرورت محسوس نہیں کی اور ریٹا نے مرد وزن کی روایتی محبوبانہ گفتگو کے ساتھ وقت مقرر کر کے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"تھینک یو مائی ڈارلنگ!" میں نے فوراً اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"ٹھیک نو بجے میں نیچے تمہارے دوست کا انتظار کروں گا۔ اس سے میرا تعارف کراتے ہوئے یہ یاد رکھنا کہ میرا اس کلب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"جیسا چاہو گے، وہی ہو گا لیکن یہ یاد رکھنا کہ وہ خود بھی کلب کا ممبر ہے اور یہاں کے بیشتر ضابطوں سے واقف ہے۔"

"وہ سب میں سنبھال لوں گا۔" میں اس سے رخصت ہو کر نیچے آگیا۔

دفتر میں سینڈو، پارسن کے ساتھ میرا منتظر تھا۔ اس وقت تک علاقے میں یہ خبر پھیل چکی تھی کہ ان کا نیا باس معائنے کے لیے آیا ہوا ہے اس لیے کئی لڑکیاں دفتر کے آس پاس منڈلا رہی تھیں تاکہ باقاعدہ تعارف ہونے سے قبل میری ایک جھلک دیکھ سکیں۔

"شوچان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔" میرے بیٹھتے ہی مس پارسن نے کہا۔ "وہ حساس لڑکی ہے اور جب سے اسے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ بے خبری میں اپنے نئے باس سے اُلجھ بیٹھی تھی، وہ گھٹنوں میں منہ دیے مسلسل روئے جا رہی ہے۔"

"اس سے کہو کہ وہ اس واقعے کو بھول جائے! اس معاملے میں غلطی تم سے ہوئی ہے۔ تمہیں مجھ کو بتانا چاہیے تھا کہ اوپر ایسی صورت حال بھی پیش آسکتی ہے۔ وہ غیر متوقع طور پر میرے سامنے آئی تھی۔ میں نے محض اس لیے اس کی غلط فہمی دور نہیں کی کہ اس کی کارکردگی دیکھ سکوں۔ وہ واقعی بہت دلیر اور حوصلہ مند لڑکی ہے۔ اسے مارشل آرٹ میں کافی مہارت حاصل ہے۔"

"مجھ سمیت سب لڑکیاں مارشل آرٹ کے کسی نہ کسی شعبے میں مہارت رکھتی ہیں تاکہ ضرورت پیش آنے پر کسی اسلحے کے بغیر اپنا دفاع کر سکیں۔ ہمارا کام ایسا ہے کہ بد دماغ اور نشے میں دھت مردوں سے ہر وقت واسطہ پڑتا رہتا ہے جو کسی معقول جواز کے بغیر اچانک تشدد اور ایذا رسانی پر اُتر آتے ہیں۔ ایسی حرکتوں کی ابتدا عموماً اس وقت ہوتی ہے جب لباس اور اس میں پوشیدہ ہر دفاعی ہتھیار ہماری دسترس سے باہر ہو چکا ہوتا ہے۔"

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو اولڈ کلفٹن والے معاملے میں خاصا وقت باقی تھا اس لیے میں نے پارسن سے کہا۔ "میں وقتاً فوقتاً یہاں آتا رہوں گا لیکن اس وقت پورے کلب کا غیر رسمی جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ اس دوران میں اگر شوچان سے ملاقات ہو گئی تو اس کی بھی دلجوئی کر لوں گا۔"

"وہ کچن میں بیٹھی رو رہی ہے۔" پارسن نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "وہ سمجھ رہی ہے کہ اسے اپنی گستاخی کے جرم میں اب ایک عمدہ ملازمت کو خیرباد کہنا پڑے گا۔ اگر تم ذاتی طور پر اسے دلاسا دے سکو تو اس کا کھویا ہوا اعتماد اور حوصلہ بحال ہو سکے گا۔ وہ میرے عملے کی بڑی مستعد اور فرض شناس لڑکی ہے۔"

میں نے جواب میں کوئی تبصرہ نہیں کیا اور سینڈو کے ہمراہ پارسن کے پیچھے ہو لیا۔

آٹھ بجنے میں سات منٹ باقی تھے کہ میں سینڈو کے ہمراہ اولڈ کلفٹن پہنچ گیا۔ وہاں کاروں کی خاصی بڑی تعداد موجود تھی۔ لوگ گھاس کے قطعات اور پتھریلی بینچوں پر خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ میں نے اپنی کار سے اتر کر قرب و جوار میں نظریں دوڑائیں لیکن کسی ایسی کار کی نشان دہی میں کامیاب نہیں ہو سکا جو مجھے بتائی ہوئی تعریف پر پوری اُترتی۔

پارکنگ لاٹ میں دور دور تک گاڑیاں موجود تھیں۔

وہ پُرفضا علاقہ مردوں، عورتوں اور بچوں سے بھرا ہوا تھا اور اس بھیڑ میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ شہر میں آئے دن ہونے والی بدامنی نے شام کی رونقوں کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا لیکن وہاں اس وقت زندگی کی جولانیاں اپنے عروج پر تھیں۔ آگ، خون اور بارود کی بُو سے رچے ہوئے شہر میں ایک طویل مدت کے بعد میں نے بے فکروں کا اتنا بڑا اجتماع دیکھا تھا لیکن دل میں یہ خوف بھی تھا کہ شہر والوں کی خوشیوں کا یہ ننھا سا جزیرہ بھی موت کے سوداگروں کی نگاہوں سے نہیں بچ سکا تھا۔

یہ درست ہے کہ وہاں نہ کوئی خونریزی ہوئی تھی، نہ کسی کے عمر بھر کے اثاثوں کو آگ لگائی گئی تھی مگر یہ حقیقت تھی کہ مافیا کے چیف سیٹھ حبیب جیوانی نے ہیروئن کی وصولیابی کے لیے اسی ٹھکانے کا انتخاب کیا تھا اور اگر وہ علاقہ ایسے مجرموں کی سرگرمیوں کی آماجگاہ بن رہا تھا تو کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کب وہاں گولیاں چلنے لگتیں اور ذہن کو تازگی بخشنے والی آوازوں سے مالا مال فضا میں بارودی زہر سرایت کر جاتا۔

ہم دونوں کسی تجسس کا مظاہرہ کیے بغیر وہیں کاروں کے قریب ٹہلتے رہے پھر اچانک سینڈو نے سرگوشیانہ لہجے میں مجھے ایک کار کی طرف متوجہ کیا جو ایک مکان کے احاطے کی دیوار کے ساتھ پارک کی ہوئی تھی۔ نئے ماڈل کی اس نیلی ہنڈا سوک کے پچھلے حصے میں جیک لگایا جا رہا تھا۔

میری رسٹ واچ میں آٹھ بجنے میں دو منٹ باقی رہ گئے تھے۔ میں رخ بدل کر لان سے نیچے اترا اور لاتعلقانہ انداز میں اسی کار کی طرف ہو لیا۔ سیاہ رنگت اور تنومند جسم والا میری توقع سے کہیں زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے ڈھیل الگ کیا

اور پھر میری توقع کے عین مطابق آٹھ بجنے سے نصف منٹ قبل کار کا بونٹ اٹھا دیا۔

مطلوبہ شخص سامنے آچکا تھا اس لیے تردد کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں تیزی سے اس کے قریب پہنچا تو وہ ریڈی ایٹر کا ڈھکن ہٹا کر اس میں پانی کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

"فاضل ٹائر ڈھونڈ رہے ہو؟" میں نے قریب پہنچ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔ میرا لمس محسوس کرتے ہی وہ چھڑک کر پلٹا تھا۔

نگاہیں چار ہوتے ہی اس کی آنکھوں میں میرے لیے شناسائی کی جھلک پیدا ہوئی تھی پھر وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"ارے ڈیٹی دادا! تم یہاں؟" اس نے بھرپور اعتماد کے ساتھ میرا نام لیا تھا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ "میں نے تو کافی دن پہلے سنا تھا کہ تم کسی مقابلے میں کام آ گئے تھے۔"

لمحے بھر کے لیے میں چکرا کر رہ گیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ جس اعتماد کے ساتھ اس نے مجھے شناخت کیا تھا، اسی اعتماد کے ساتھ میں اس کے قیاس کی تردید کر دوں۔

وہ یقیناً زیر زمین دنیا کا کوئی پرانا پاپی تھا جو کبھی مجھ سے مل چکا تھا۔ میں تو اسے یکسر فراموش کر چکا تھا لیکن میرا نام اس کے حافظے میں محفوظ تھا۔

وہ جو کوئی بھی تھا کم از کم دلدار آغا کے ساتھیوں یا ہمدردوں میں سے نہیں تھا ورنہ بصورت دیگر اس کے مافیا والوں سے کاروباری مراسم نہ ہوتے اس لیے میں نے اس سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"زندہ ہوں اور تمہارے سامنے ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں شرمندہ ہوں کہ تمہیں اب بھی نہیں پہچان سکا۔ تمہیں اپنا تعارف کرانا ہوگا۔"

"میرا خیال تھا کہ تم نے پہچان کر ہی مجھے چھیڑا ہے۔" مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے مضطربانہ انداز میں میرے عقب میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "تعارف میں ذرا وقت لگے گا اور اس وقت میں مصروف ہوں پھر کسی وقت ملاقات ہوگی تو باتیں کریں گے یہاں میں کسی کا انتظار کر رہا ہوں۔"

اس پر اپنے آٹھ بجے والے ملاقاتی کی فکر سوار ہو رہی تھی اس لیے وہ جلد از جلد مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہ رہا تھا... شاید اسے یہ خیال بھی رہا ہو کہ کہیں میری وجہ سے اس کا ملاقاتی اس سے ملنے کا ارادہ ہی ترک نہ کر دے۔

"کس کا انتظار کر رہے ہو؟" میں نے اس کی الجھن سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سوال کیا۔

اس نے مجھے ملامت آمیز نظروں سے گھورا۔ "دوسروں کے معاملات میں اتنی دخل اندازی اچھی نہیں ہوتی۔ تمہیں اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔"

اس کے تیوروں میں جارحانہ رنگ جھلکنے لگا تھا اس لیے میں نے جیب سے نکال کر وہ پھٹا ہوا رقعہ اس کی طرف بڑھا دیا جسے دوسرے ٹکڑے سے ملا کر میری شناخت ہونی تھی۔

میرے ہاتھ سے کاغذ لیتے ہی اس کے ہونٹوں سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔ "تو یہ بات ہے۔ میں تو تمہیں بن بلایا مہمان سمجھ کر زبردستی رخصت کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

بات کرتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے اسی کاغذ سے پھاڑا ہوا دوسرا حصہ نکالا اور دونوں ٹکڑوں کو ایک دوسرے سے ملانے کے بعد موڑ کر جیب میں رکھ لیا۔

"اگلی بار کا ٹوکن یہ ہوگا۔" اس نے دوسری جیب سے دو روپے کا ایک نوٹ نکال کر بے پروائی سے پھاڑا اور اس کا ایک حصہ مجھے تھما دیا۔

"کہاں ملنا ہوگا؟" میں نے نوٹ کا پھٹا ہوا حصہ احتیاط سے جیب میں رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ تمہارے اوپر والے کو بتایا جائے گا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "تم آج پہلی بار آئے ہو۔ سینڈو پورے پروٹوکول سے واقف تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس کی چھٹی کر دی گئی ہے۔"

اپنی بات پوری کرتے ہوئے اس نے اپنی کار کی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا اور مضبوطی سے پیک کیا ہوا ایک چوکور پیکٹ میری طرف بڑھا دیا۔

"ہینڈز اپ!" اسی لمحے آس پاس کی کئی گاڑیوں کی اوٹ سے متعدد تحکمانہ آوازیں سنائی دیں اور وہ پیکٹ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر پختہ سڑک پر گر گیا۔

میں جب ادھر آیا تو اس شخص کی نیلی سوک کے آس پاس کوئی بھی موجود نہیں تھا پھر پتا نہیں وہ چاروں مسلح آدمی کہاں سے نکل پڑے تھے۔

میرے ساتھی نے نو واردوں کے حکم کی فوری تعمیل کی تھی۔ میں نے اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھاتے ہوئے، گردن گھما کر قرب وجوار کا جائزہ لیا تو صورت حال سمجھ میں آ گئی۔ شاید وہ چاروں گاڑیوں میں چھپ کر موقع کا انتظار کر رہے تھے اور لین دین مکمل ہوتے ہی دروازے کھول کر باہر آ گئے تھے۔

ان چاروں کے ہاتھوں میں پستول دبے ہوئے تھے ان کے چہروں کی ساخت اور نرمی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پیشہ ور لٹیرے نہیں تھے لیکن ان کے سادہ لباس میرے ذہن میں الجھن پیدا کر رہے تھے۔

وہ جگہ ہنگاموں سے قدرے دور ایک ایسے گوشے

تھی کہ جب تک ریوالور نہ دیکھ لیے جاتے یا کوئی فائر ہوتا کوئی بھی اس طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا غنیمت یہ تھا کہ سینڈو میرے ساتھ آیا تھا اور میرے کام کی نوعیت سے پوری طرح واقف تھا اس لیے وہ مجھے بچانے کے لیے کوئی موثر کارروائی کر سکتا تھا۔

"خبردار! جو کوئی بھی شرارت کرنے کی کوشش کی۔" ان میں سے ایک نے بارعب لہجے میں کہا۔ "اس وقت تم دونوں سینٹرل ایکسائز والوں کی حراست میں ہو۔۔۔ باری! اسٹک پر پڑا ہوا پیکٹ احتیاط سے اٹھا لو اس پر ان دونوں کے فنگر پرنٹس موجود ہوں گے۔ وہ ضائع نہیں ہونے چاہئیں۔"

"صوبائی آبکاری والوں کا کام مرکز والوں نے کب سے سنبھال لیا؟" میں نے ان پر اپنے اعتماد کا اظہار کرنے کی نیت سے خوش دلی سے کہا۔ "یہ بتا دوں کہ اس پیکٹ یا کالیے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تو اس بے چارے کو ٹائر بدلنے میں مدد دینے کے لیے ادھر آیا تھا کہ تم لوگوں نے دھاوا بول دیا۔"

"یہاں چہکنے کی ضرورت نہیں۔" افسر نما شخص نے تیز لہجے میں کہا۔ "ہمیں معلوم تھا کہ آج گڑبڑ کے بعد شہر میں امن و امان کی صورتِ حال خراب ہے تو تم لوگ بھرپور فائدہ اٹھاؤ گے۔ یہ کالیا پچھلے دس دن سے ہماری نظروں میں ہے اور آج یہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے۔ ہم اس سے کھایا پیا تک اگلوا لیں گے۔"

"ضرور اگلوا لینا۔ مگر اس کالیے کے ساتھ مجھے کس جرم کی سزا دے رہے ہو؟" میں نے احتجاج کیا۔

"بکواس مت کرو!" اس بار افسر کے بجائے اس کا ایک ماتحت غرّایا تھا۔ "تمہاری پوری گفتگو سنی گئی ہے۔ اس نے اگلی مرتبہ کے لیے ٹوکن پھاڑ کر تمہیں دیا ہے، صرف وہی تم کو سزا دلوانے کے لیے کافی ہے۔"

"اس گاڑی کو یوں ہی جیک پر لاک کر دو۔" افسرِ اعلیٰ نے اپنے ماتحتوں کو ہدایت دی۔ "باری یہاں رکے گا۔ ہم دفتر سے کوئی بندوبست کر کے گاڑی وہیں منگوا لیں گے۔"

"مگر میں تو بے قصور ہوں۔" میں نے ان لوگوں کے غیر جارحانہ رویے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے احتجاج کیا کیونکہ میں دیکھ چکا تھا کہ سینڈو نے دور ہی سے گڑبڑ کا اندازہ لگا لیا تھا اور اپنے ساتھ کچھ اور تماشائیوں کو شامل کر کے ایک گروہ کی صورت میں ہماری طرف آ رہا تھا۔

ہنڈا سوک کا بونٹ بند کر دیا گیا۔ پنکچر شدہ ٹائر، وھیل پانا اور لیور راڈ ڈکی میں ڈال دی گئی اور دروازے مقفل کر کے افسرِ اعلیٰ نے کار کی چابی اپنی تحویل میں لے لی۔ اسی اثنا سینڈو اپنے ہمراہ چند متجسس تماشائیوں کو لے کر ہمارے قریب آ گیا۔

"یہ کارروائی قانون کے نام پر ہو رہی ہے۔" انھیں دیکھتے ہی افسر نے تحکمانہ آواز میں کہا۔ "یہ دونوں موت کے سوداگر ہیں اور اس وقت ہماری تحویل میں ہیں جس کسی نے مداخلت کی کوشش کی اسے بھی کارِ سرکار میں رکاوٹ ڈالنے اور قانون سے تعاون نہ کرنے کے الزام میں حراست میں لے لیا جائے گا۔ اس لیے جو جہاں ہے وہیں رکا رہے۔ پیش قدمی کو سنگین جرم تصور کرتے ہوئے سخت کارروائی کی جائے گی۔"

سرکار اور قانون کا تذکرہ بڑھتے ہوئے تماشائیوں کے قدموں میں زنجیر بن گیا۔ ان میں سینڈو سب سے آگے تھا۔ وہ بہت مضطرب اور متجسس نظر آ رہا تھا۔

"پتا نہیں کہ یہ کون لوگ ہیں جو ہمیں اغوا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔" میں نے سینڈو کو آگاہ کرنے کی نیت سے رکے ہوئے مجمع سے فریادی انداز میں خطاب کرتے ہوئے کہا۔ "ان کا دعویٰ ہے کہ یہ سینٹرل ایکسائز والے ہیں لیکن ان کے پاس نہ وردی ہے، نہ شناختی کاغذات۔ ہتھیار تو چور ڈاکو بھی لیے پھرتے ہیں۔"

"بکواس بند کرو ورنہ مار مار کر سوّر بنا دیں گے۔" ان میں سے ایک غرّایا اور پھر ہمیں قریب ہی کھڑی ہوئی کھلی ہوئی گاڑیوں کی طرف دھکیلا جانے لگا۔

میرے لیے وہ میری زندگی کا تلخ ترین تجربہ تھا کیونکہ پولیس یا کسی اور سرکاری محکمے سے میرا کم ہی واسطہ پڑا تھا لیکن مافیا میں شرکت کے بعد پر پرزے نکالنے کے چکر میں، میں گردش میں آ گیا تھا۔ اگر میں نے حبیب جیوانی سے بلا وجہ بحث نہ کی ہوتی تو اس وقت میرے بجائے سینڈو اس مرحلے سے گزر رہا ہوتا اور میں کہیں اور چین سے بیٹھا ہوتا۔

ان کی دونوں گاڑیوں پر سرکاری نمبر پلیٹیں تھیں جس کا مطلب تھا کہ وہ جھوٹے نہیں تھے۔ ہم دو تھے اور گاڑی کی نگرانی پر چھوڑے جانے والے آدمی کے بعد ان کی نفری کل تین رہ گئی تھی اس لیے بیک وقت دونوں گاڑیوں کا استعمال ممکن نہیں تھا۔ انھوں نے اپنی بھی ایک گاڑی مقفل کر کے وہیں چھوڑ دی۔ دوسری میں ہم پانچوں اس طرح سوار ہوئے کہ ان لوگوں کو دھوکا دے کر کوئی مدافعانہ کارروائی کرنے کا امکان باقی نہیں رہا تھا۔

رہی سہی کسر آہنی ہتھکڑیوں نے پوری کر دی جو اگنیشن آن کرنے سے قبل ہمارے ہاتھوں میں پہنا دی گئی تھیں۔

"تم لوگ میرے ساتھ ظلم کر رہے ہو۔" گاڑی کے حرکت میں آتے ہی میں نے احتجاج کیا۔ "مجھے تو اس کالیے کا نام بھی معلوم نہیں ہے جس کے ساتھ تم مجھے لیے جا رہے ہو۔"

"لیکن اسے تمہارا نام معلوم ہے۔" کار ڈرائیو کرنے والا غرّایا۔

"اب خاموش رہو ورنہ کھوپڑی توڑ دی جائے گی۔"

"یہ کچا آدمی ہے سرجی!" کالیے نے پہلی مرتبہ بھرائی ہوئی آواز میں زبان کھولی "تم مجھ سے معاملے کی بات کرو۔ اپنے قول سے پھر جاؤں تو میری زبان کٹوا کر کسی نالے میں پھکوا دینا... ٹکا ٹکا ہو جائے تو میرے ساتھ تمہارا بھی کچھ فائدہ ہو جائے گا ورنہ تم جانتے ہو کہ تم لوگوں نے پورا زور بھی لگا لیا تو دو چار برس سے زیادہ کی جیل نہیں ہو سکے گی۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے مال خانے سے یہ پیکٹ عدالت میں پیش کیا جائے تو اس سے گلوکوز برآمد ہو۔ یہ جن لوگوں کا مال ہے" ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہ اپنے آدمیوں کو کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑتے۔"

مجھے حیرت تھی کہ اسے درمیان میں کسی نے نہیں ٹوکا تھا بلکہ وہ تینوں بظاہر غور سے اس کی بات سن رہے تھے۔

"سزا کی تم فکر نہ کرو" کار ڈرائیو کرنے والا بولا "سزا بڑھانے کی ترکیبیں ہمیں معلوم ہیں۔ ہیروئن رکھنے پر دو سال کی سزا ہوگی تو سرکاری ملازم کی وردی پھاڑنے اور سرکاری اسلحہ چھیننے کے جرم میں سات برس کی قید ہوگی۔ ہم لوگ بھی پرانے پاپیوں کے سامنے کچی گولیاں نہیں کھیلتے۔"

"خدا کی پناہ!" کالیا کراہا "تم لوگوں نے تو وردیاں ہی نہیں پہنی ہوئی ہیں تو پھر کوئی کیا پھاڑے گا اور نہ ہی ہم دونوں میں سے کسی نے تمہارے اسلحے کو ہاتھ لگایا ہے..."

"یہ سب تمہیں عدالت میں ثابت کرنا ہوگا۔ ہم چاروں کے علاوہ کچھ چشم دید گواہ بھی ہوں گے جو حلفیہ تمہارے حرامی پن کی گواہی دیں گے۔ قانون کی کمی ہم اپنے جوڑ توڑ سے پوری کر لیتے ہیں۔"

"سزا اتنے دردسر سے تم کو کیا حاصل ہوگا۔ سرکاری نوکری میں تو گھر کا خرچ بھی مشکل سے چلتا ہے۔ سودا کرلو تو پورے دو لاکھ مل سکتے ہیں۔ فی کس پچاس ہزار خاصی بڑی رقم ہوتی ہے۔"

"اور اس پیکٹ میں مال کتنی مالیت کا ہے" ہمیں چبھتی ہوئی آواز میں سوال کیا گیا۔

"پتا نہیں" وہ بولا "لیکن ایسے کیسوں میں مال تو چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ اسے بیچ کر تمہیں جو کچھ ملے گا وہ دو لاکھ کے علاوہ ہوگا۔ یہ سودا کر کے تم گھاٹے میں نہیں رہو گے۔ مجھے سزا دلوا بھی دی تو محکمہ تمہیں کیا دے گا؟ ترقی باری آنے پر دی جاتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی سرٹیفکیٹ دے دیا جائے گا۔ ایسے کاغذ کے چیتھڑے نہ تمہارا پیٹ بھر سکتے ہیں اور نہ میرے کاروبار کو نیست و نابود کر سکتے ہیں۔ کیا پتا کہ میرے جیل سے رہا ہونے سے پہلے ہی میرے بے رحم مالکان تم میں سے کسی سے اپنے نقصان کا بدلہ لے ڈالیں۔ وہ بڑے سفاک اور بے رحم لوگ ہیں۔ دشمن کو زندہ چھوڑنا ہی نہیں جانتے۔ میں تو کرائے کا آدمی ہوں، جیل چلا گیا تو وہ میری جگہ کسی اور آدمی سے کام لینا شروع کر دیں گے۔"

"ہمیں تمہارے مالکان ہی کی تلاش ہے۔" تلخ لہجے میں جواب دیا گیا "تم جیسے کرائے کے ٹٹو تو آئے دن پکڑے جاتے ہیں۔ جب تم اپنی بولی دو لاکھ لگا سکتے ہو تو تمہارے مالکان تو کروڑوں کی اسامی ہوں گے۔"

کالیا اس کا مقصد فوراً بھانپ گیا اور شاطرانہ لہجے میں بولا "اسامی وہ ہوتی ہے جو سامنے ہو۔ ان سے جب ان کے آدمی ہی واقف نہیں ہوتے تو تم کیسے ان کا سراغ لگا سکتے ہو؟"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم مفت میں ہاتھ ملتے رہ جاؤ" ... انھیں ترغیب دلانے کی نیت سے کہا "تم نے سمجھوتا نہ کیا تو لوگ تمہارے کسی افسر کو خرید لیں گے اور تم اس کالیے کو رہا کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ تمہارے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔ جو لوگ بڑے دھندے کرتے ہیں ان کے ہاتھ بھی لمبے ہوتے ہیں۔"

"کم از کم تم تو مجھے کالیا نہ کہو۔" وہ مجھ سے شکایتی لہجے میں بولا "میرا نام سرج ہے۔"

اس کی زبان سے اس کا نام سنتے ہی میرا ذہن روشن ہو گیا۔ اور مجھے یاد آ گیا کہ وہ کون تھا۔ وہ حکیم زادہ خان کا بہت پرانا نمک خوار تھا اور ابتدا ہی سے اس کا مال تقسیم کرتا تھا۔ حکیم زادہ سرحدی علاقے میں واقع ہیروئن کشید کرنے کے دو کارخانوں کا مالک تھا اور اپنے علاقے کو اس لعنت کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے معاملے میں اس قدر کٹر تھا کہ اس نے اپنے گاؤں کے ایک غریب چرواہے کو ہیروئن کے چند کش لینے کے جرم کی پاداش میں تھپڑوں سے اس بری طرح زخمی کیا تھا کہ وہ پشاور کے ایک اسپتال میں مہینوں صاحب فراش رہا تھا۔

حکیم زادہ اپنے اصولوں کی سختی سے پابندی کرتا تھا اور اپنے آدمیوں کو برے وقت میں کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا تھا جس کے صلے میں پکڑے جانے والے افراد بدترین تشدد سہہ کر بھی اس کا نام زبان پر نہیں لاتے تھے۔ اگر جیب جیوانی اسی سے دھندا کر رہا تھا تو اس غیر تعلیم یافتہ قبائلی سے اسے نقصان پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

"افسر اس وقت کام خراب کر سکتا ہے جب واردات کا ڈاکومینٹیشن نہ ہوا ہو اور معاملات زبانی کلامی چل رہے ہوں۔ ایک بار تفصیلات سرکاری کاغذات پر آ جائیں تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ میں دیکھوں گا کہ تم دونوں کو میرے چنگل سے کون مائی کا لال چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔"

اس کے طرز گفتگو نے میرے دل میں خوف پیدا کر دیا۔ مگر میں جانتا تھا کہ کام کرنے والے اپنے لیے ہر جگہ کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیتے ہیں جس کا توڑ نیچے والوں کے پاس نہیں ہوتا۔

منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔
ان مایوس کن حالات میں مجھے صرف اس بات کی خوشی
تھی کہ میں تنہا اولڈ کلفٹن پہنچ کر اس جال میں نہیں پھنسا تھا بلکہ
سراج نے پوری صورتِ حال کو بچشمِ خود دیکھا تھا اور وہ واپس
جا کر اپنے طور پر یا حبیب جیوانی کے ذریعے میری گلوخلاصی کی
کوششوں کا آغاز کر دیتا۔
شہر میں صبح پھوٹ پڑنے والے خونریز ہنگاموں کی
دہشت ہر طرف لہرا رہی تھی۔ سڑکیں ویران پڑی ہوئی تھیں۔
کلفٹن پہنچنے والے نہ جانے شہر کے کن علاقوں کے باسی
تھے۔ ان کے دلوں پر شہر کی پامالی اور ویرانی ذرا بھی اثرانداز
نہیں ہوئی تھی اور وہ اپنی تفریحات میں پوری طرح مگن تھے۔
ڈیفنس، کالا پل اور طارق روڈ کے علاقے سے گزرتی
ہوئی وہ کار سوسائٹی کے علاقے میں ایک بڑے بنگلے میں واقع
ایکسائز والوں کے دفتر کے احاطے میں داخل ہوئی۔ وہاں...
کمروں کی روشنیاں جل رہی تھیں۔ دفتر بظاہر ویران نظر آ رہا
تھا۔ باہر ایک چبوترے پر دو باوردی سپاہی شاید ہمیں لانے
والی ٹیم کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔
اپنے افسروں کا ہاتھ بٹانے کے لیے دونوں باوردی
سپاہی اپنے ڈنڈوں سمیت جارحانہ تیوروں کے ساتھ کار
کی طرف لپکے تھے۔ میں موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے خاموشی
کے ساتھ نیچے اتر گیا۔ سراج کی شامت ہی آئی ہوئی تھی کہ
اس نے پیچھے سے اپنا کالر کھینچے جانے پر غرا کر احتجاج
کیا اور طویل انتظار سے اکتائے ہوئے ایک سپاہی نے
کھلے ہوئے دروازے میں سے اپنا دھڑ اندر ڈال کر اس کی
کھوپڑی پر ڈنڈا رسید کر دیا۔
اس چپقلش کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب سراج کو کھینچ کھانچ
کر کار سے باہر نکالا گیا تو اس کے سر کے عقبی حصے سے
خون بہہ رہا تھا اور قمیص کئی جگہ سے تار تار ہو چکی تھی۔
کار ڈرائیو کرنے والے نے، جو ان میں سب سے سینئر افسر
معلوم ہو رہا تھا، اونچی آواز میں ہم دونوں کو حوالات میں بند
کرنے کا حکم دیا اور ہمیں چار افراد کی نگرانی میں اندر لے جایا
جانے لگا۔ ہماری ہتھکڑیوں کی زنجیریں ہمارے ساتھ آنے
والے ایک شخص نے تھامی ہوئی تھیں۔
ایکسائز والوں کی حوالات پولیس اسٹیشن کے لاک اپ
سے بدرجہا بہتر اور صاف ستھری تھی البتہ وہاں گرد و غبار کی کثرت
سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کافی مدت کے بعد اسے آباد کیا گیا
تھا اور شاید اس کا کم استعمال ہی اس کی مجموعی بہتر حالت
کا سبب تھا۔ چھت میں لگے ہوئے بلب کی ناکافی روشنی
میں ہمیں اندر دھکیل کر آہنی دروازہ مقفل کر دیا گیا۔

ہتھکڑیوں کی زنجیروں کے سرے آپس میں اس طرح
جوڑ دیے گئے تھے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بندھ
کر رہ گئے۔
"سالے نے بڑے زور سے ڈنڈا مارا تھا۔" سراج
بائیں ہاتھ سے اپنی کھوپڑی کے عقبی حصے کو ٹٹولتا ہوا بڑبڑایا۔
"ہاتھ آ جاتا تو نتیجے کی پروا کیے بغیر اس کی گردن رگڑ کر رکھ دیتا۔"
"ایسے موقع پر چپ سادھے لینے میں ہی عافیت رہتی
ہے۔" میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "نچلے درجے کے لوگ
افسروں کے سامنے اپنی بہادری جتانے کے لیے ایسی ہی اوچھی
حرکتوں پر اتر آتے ہیں۔"
"میرا خیال ہے کہ سر تو زخمی ہوا ہے لیکن ہمارے ستارے
یاوری کرنے والے ہیں۔" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے
ہوئے رازدارانہ لہجے میں سرگوشی کی۔
"تم ڈنڈا کھا کر پُرامید نظر آ رہے ہو مگر میں پٹے بغیر بھی
مایوسی کا شکار ہوں۔ یہ لوگ لین دین کے عادی ہوتے تو تمھاری
پیش کش پر ضرور غور کرتے۔" میں نے فرش پر پڑے ہوئے کمبل
کا سرا اٹھاتے ہوئے کہا۔
"قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ انھوں نے ہمارے کاغذات
بنانے کے بجائے ہمیں براہِ راست حوالات میں ڈال دیا ہے۔"
"اس میں کون سی اچھی بات ہے؟" میں نے حیرت
سے پوچھا۔
"انھوں نے ہماری پیش کش تو سن لی لیکن انھیں آپس
میں مشورہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اب وہ کچھ طے کرنے کے
بعد ہی ہماری طرف آئیں گے۔ میں اپنی آفر دے چکا ہوں۔
اب اگر اس میں کچھ اضافہ کرنا پڑا تو اس کا بوجھ تم کو اٹھانا ہو
گا کیوں کہ اب ہم ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں۔"
ہم دونوں کافی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔
پولیس کے مقابلے میں ایکسائز والوں کا رویہ بہت نرم تھا
کہ انھوں نے ہماری جامہ تلاشی لے کر ہمیں اپنے اثاثوں
سے محروم نہیں کیا تھا جن میں میری سگریٹ کا ذخیرہ بھی شامل
تھا۔ سراج تمباکو نوشی کا عادی نہیں تھا لیکن اس کے پاس
اپنے پانوں کی پڑیا موجود تھی۔
تقریباً آدھے گھنٹے بعد بڑا افسر اپنے ایک ماتحت
کے ساتھ حوالات کی طرف آیا تو مجھے توقع تھی کہ وہ ہمیں
باہر نکال کر اپنے کمرۂ مدارات میں لے جا کر بازپرس کا سلسلہ
شروع کرے گا لیکن وہ دروازہ کھولے بغیر باہر ہی کھڑا ہو کر
ہمیں گھورنے لگا۔ ہم دونوں فدویانہ انداز میں آہنی جالیوں
کے قریب پہنچ گئے۔

"تم کس کے آدمی ہو؟" اس نے باری باری ہم دونوں کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"ویسے تو دس نام بتا سکتے ہیں لیکن اصل آدمی سے ہم خود لاعلم ہیں۔" سراج نے جمع متکلم کا صیغہ استعمال کر کے مجھے بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لیا مگر میں دانستہ خاموش ہی رہا۔

"پھر تمھیں چھڑانے کون آئے گا؟" اس افسر کا لہجہ غیرارادی طور پر قدرے نرم اور دھیما ہو گیا تھا۔ مجھے سراج کا اندازہ درست ہوتا ہوا نظر آنے لگا۔

"کوئی بھی آسکتا ہے، کوئی کام کی بات تو سامنے آئے؟" سراج نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"میرے علاوہ بھی اوپر نیچے والے ہیں۔ یہ چھاپا مخبری پر مارا گیا تھا اس لیے مخبر کی زبان بند رکھنے کے لیے اسے بھی ایک معقول رقم دینی پڑے گی۔ یہ حساب دس سے کم میں نہیں بنے گا۔"

"باپ رے!" سراج کراہا۔ "ہم اتنے اہم آدمی نہیں ہیں کہ ہمارے لیے...."

"اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ اپنی خاموشی توڑ دو۔" وہ سراج کی بات کاٹ کر بولا۔ "اپنے بڑوں کے نام بتا دو۔ ان سے معاملہ بن گیا تو تمھیں بھی شریک کر لیں گے اور مقدمہ چلنے کی نوبت آئی تو تمھیں وعدہ معاف گواہ بنا کر صاف بچا لیں گے۔ تم دونوں ہر طرح فائدے میں رہو گے۔"

"جو بات میں خود نہیں جانتا، وہ تم کو کیسے بتا سکتا ہوں۔" سراج نے اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تم مال سے جوں کا توں واپس لوٹانے کا وعدہ کرو تو رقم میں تھوڑا بہت نہیں بلکہ دوگنا اضافہ ہو سکتا ہے۔"

"مال کو تو بھول جاؤ، آدھا ہمارا ہو گیا۔ آدھا روزنامچے میں درج ہو کر سرکاری مال خانے میں جائے گا۔" اس نے مکارانہ لہجے میں کہا۔

"روزنامچے میں مال کی برآمدگی دکھاؤ گے تو ہمارا کیا بنے گا؟" سراج نے بوکھلا کر سوال کیا۔

"اب آخری بات سُن لو۔" وہ نیچی آواز میں بولا۔ "چار لاکھ سے کم میں سودا نہیں بنے گا۔ رقم بھی آج رات ہی ملنی چاہیے۔ روزنامچہ بنانا ہمارا کام ہے۔ ہم لکھ دیں گے کہ مجرم سرکاری گاڑی سے خوف زدہ ہو کر مال چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ تم پر سانچ بھی نہیں آئے گی۔"

سراج نے استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھا اور کوئی جواب نہ پا کر اس سے بولا۔ "مجھے فون کرنا پڑے گا۔ بات دو لاکھ کی بھی ہوتی تو مجھے رقم باہر سے منگوانی

"تم دفتر سے فون کر لو، تمھارا ساتھی یہیں بند رہے گا"

افسر نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"منظور ہے۔ کام تو ویسے بھی مجھی کو کرنا پڑے گا" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "لیکن میں تخلیے میں فون کروں گا۔ میرے آس پاس کوئی موجود نہیں ہوگا۔ نہ ہی دوسری کسی پر میری بات سنی جائے گی۔" افسر کی کمزوری سامنے آنے کے بعد سراج کا لہجہ پُراعتماد ہو گیا تھا اور وہ اپنی شرائط بھی پیش کرنے کی پوزیشن میں آگیا تھا۔ رقم کا ذکر زبان پر آتے ہی ساہوکار، چور اور چور، ساہوکار بن گیا تھا اور وہی ایک نکتہ ایسا تھا جس کے سہارے ڈرگ مافیا جنوبی افریقہ سے مشرق بعید تک، ہر جگہ اپنی جنگ جیتتی چلی آرہی تھی۔ اس کی پیش قدمی کی رفتار اس قدر بھیانک تھی کہ اگلی صدی سے پہلے مہذب دنیا میں ہر طرف اس کی حکمرانی یا پھر حکمرانوں کے ذریعے بالادستی کے امکانات روشن نظر آرہے تھے۔

"میں یہاں سے لے جا کر تمھیں اپنے دفتر میں بند کر دوں گا۔ ہم لوگ اسٹینو کے کمرے میں تمھارے فارغ ہونے کا انتظار کریں گے، ہم میں سے کوئی تمھاری گفتگو نہیں سنے گا۔" اندھے اور بہرے قانون نے اس افسر کے ذریعے ایک گھناؤنے مجرم کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور سراج میرا بازو پکڑ کر مجھے حوالات میں جالیوں سے دُور لے گیا۔

"ابھی بھی سوچ لو، دو لاکھ کا اپنا حصہ دینے کے لیے تیار ہو تو میں یہ قصہ ابھی ختم کرتا ہوں۔ بعد میں کوئی گڑبڑ ہو جائے تو شکوہ نہ کرنا کہ سراج دغا دے گیا۔ مجھے معلوم ہے کہ میرے والے میری خاطر دو لاکھ سے زیادہ ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دیں گے۔ مقدمہ بنا تو اس سے بہت کم رقم خرچ کر کے وہ مجھے بری کرالیں گے۔"

"انھیں اتنی اچھی طرح جانتے ہو تو یہ فون وغیرہ کا چکر چلانے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے ترش لہجے میں کہا۔ "اصولی طور پر تاوان دینا تمھاری ذمے داری ہے کیونکہ ان خبیثوں کو تم ہی اپنے پیچھے لگا کر لائے تھے۔"

"میرا کام ختم ہو چکا تھا۔" وہ اپنی جیب تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ "کاغذ کے دونوں ٹکڑے میرے پاس ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ میں اپنی ڈیل پوری کر کے ہلکا ہو چکا تھا۔ رنگے ہاتھوں گرفتاری تمھاری ہوئی ہے اس لیے لین دین کا سارا بوجھ تم کو اُٹھانا چاہیے۔"

اس کی مکاری پر میرا خون کھول اُٹھا۔ حالات میں ذرا سی تبدیلی آتے ہی اس نے گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیا تھا۔ میرے لیے دو لاکھ روپے کی حیثیت استنجا کرنے والے ڈھیلے

سے زیادہ نہیں تھی لیکن اس کے رویے کو دیکھتے ہوئے
میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس مد میں ایک روپے کی بھی قبضہ داری
قبول نہیں کروں گا۔ میرا اپنا کھونٹا بہت مضبوط تھا۔ میرا خیال
تھا کہ جلد یا بدیر مجھے اس قید سے نجات مل ہی جانی تھی۔

"تم اب توتے کی طرح آنکھیں بدل رہے ہو۔ یہ لوگ
میرے نہیں، تمہارے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ ڈیلیوری مکمل نہیں
ہو سکی تھی اس لیے میرا کاغذ مجھے لوٹا دو ورنہ یہ یاد رکھنا کہ اس
کا ایک پیسہ بھی نہیں مل سکے گا۔"

ہم دونوں نیچی آوازوں میں اپنی بحث میں الجھے ہوئے
تھے اور بے ضمیر افسر اپنے ماتحت کے ہمراہ اردلی کی طرح
ہمارے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ سراج اپنی جگہ اڑا
ہوا تھا اور میں بھی اپنے مؤقف پر ڈٹ گیا تھا۔ مجھے ڈر
ہوا کہ ہماری بحث تکرار میں نہ بدل جائے اور اونچی آوازیں
باہر کھڑی ہوئی مسکینوں کی جوڑی کو ہماری طرف متوجہ کرنے
کا سبب نہ بن جائیں۔ سراج سے وہ معاملہ اس کی واپسی
پر بھی طے کیا جا سکتا تھا۔

"اسے لے جاؤ!" میں نے اونچی آواز میں باہر والوں
سے کہا اور ماتحت تالا کھول کر حوالات کے اندر آ گیا۔ اس
نے ہماری ہتھکڑیوں کی زنجیروں کے سرے الگ کرنے کا ارادہ
ہی کیا تھا کہ سراج نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ "زنجیر نہیں،
میری ہتھکڑی کھولو، میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔"

ماتحت نے بے بسی سے اپنے افسر کی طرف دیکھا
اور اس نے سر ہلا کر سراج کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔ کلائی آہنی
زیور سے آزاد ہوتے ہی سراج حوالات سے باہر نکل گیا اور
میں دو ہتھکڑیوں کے ساتھ حوالات میں تنہا رہ گیا۔ ماتحت
حوالات میں تالا لگا کر اپنے افسر اور سراج کے پیچھے چل دیا۔
میں نے کمبل پر دراز ہو کر وقت گزاری کے لیے
نئی سگریٹ سلگا لی۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ میرے اپنے انتظامات
کے مطابق اس محکمے کے ایک اعلیٰ افسر کو نو بجے ریٹا سے
ملاقات کے لیے پی کلب آنا تھا۔ اس افسر سے مل کر میں
دلدار آغا کی جانے فارماسیوٹیکل کے معاملے پر بات کرنا چاہتا
تھا تاکہ زندگی میں نہ سہی تو دلدار آغا کے مرنے کے بعد ہی
لوگوں کو علم ہو سکے کہ وہ دواسازی کی آڑ میں کس قدر گھناؤنا
دھندا کر رہا تھا۔ فیکٹری کے اہم اور خفیہ حصوں تک رسائی کے
لیے وہاں کسی با اختیار سرکاری ادارے کی دخل اندازی ناگزیر
نظر آتی تھی لیکن گرفتاری کی ناگہانی افتاد کی وجہ سے میرا وہ مقصد
عارضی طور پر پس پشت چلا گیا تھا اور میری دلچسپی اتنی رہ
گئی تھی کہ اسرار پی کلب آئے اور سینڈوا سے مشکل سے
آگاہ کر دے تاکہ میری گلو خلاصی کی کوئی راہ نکل سکے۔

سراج کو گئے ہوئے جب تقریباً بیس منٹ ہو گئے
تو میری طبیعت پر اضطراب طاری ہونے لگا۔ ایک فون کر کے
جواب حاصل کرنے میں اتنی دیر لگنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔
پھر عمارت کے دور افتادہ حصے سے بھاگ دوڑ کی
آوازیں آنی شروع ہوئیں تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ شاید
مطالبے سے انکار پر سراج کے ساتھ تشدد کا آغاز ہو
گیا تھا۔

اسی دوران میں احاطے میں کسی کار کا انجن بیدار ہوا
اور وہ آواز تیزی کے ساتھ دور ہوتی چلی گئی جیسے کوئی عجلت
میں وہاں سے روانہ ہوا ہو۔ میں اپنی جگہ چھوڑ کر بے اختیار
حوالات کی جالیوں کے قریب چلا گیا۔ سراج جو کچھ بھی تھا، اس
وقت میری ہی برادری کا ایک فرد تھا اور اگر وہ کسی مشکل سے
دوچار ہو گیا تھا تو یہ بات یقینی تھی کہ تھوڑی دیر میں میری بھی
باری آنے والی تھی جس سے مفر کی کوئی صورت باقی نہیں رہ
گئی تھی۔

دلدار آغا کے ڈی ڈی ہونے کے بارے میں میں نے
سیٹھ حبیب جیوانی کو چیلنج کر کے بہت قلیل مدت میں
سرخروئی حاصل کر لی تھی لیکن سینڈوا کے بارے میں میری ضد
مجھے اپنے گلے پڑتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

پھر باہر دوڑتے ہوئے قدموں کی تیز آواز کے ساتھ
ایک ڈنڈا بردار، باوردی سپاہی راہداری میں نمودار ہوا اور
میری جھلک دیکھتے ہی الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔ فضا
میں کسی انجن کی تیز غراہٹ قریب آتی ہوئی سنائی دی اور
احاطے میں آ کر دم توڑ گئی۔ چند ثانیوں بعد کسی کار کا دروازہ
پُرشور آواز سے بند ہوا اور عمارت کے اندرونی حصے سے
ایک بار پھر ہلچل کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو انتہائی
غیر منظم بلکہ عاجلانہ محسوس ہو رہی تھیں۔

بے یقینی اور بے فکری کی وہ کیفیت زیادہ دیر قائم
نہیں رہ سکی کیوں کہ مجھے گرفتار کرنے والا افسر اپنے دو سادہ
پوش ماتحتوں اور دونوں باوردی سپاہیوں کے ساتھ حوالات
کی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ ان سب کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ میں
نے ہتھکڑی سے منسلک دہری زنجیر اپنی کلائی کے گرد لپیٹ
کر اس طرح پکڑ لی کہ ضرورت پیش آنے پر کھلی ہوئی دوسری
ہتھکڑی سے انھیں خود سے دور رکھنے میں کامیاب ہو سکوں۔

"پکڑ لو اس... کو۔" افسر نے قریب آ کر ایک غلیظ گالی
دیتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اور اس کی ہڈیاں توڑ دو۔
جب تک یہ زبان نہ کھولے، اسے بُری طرح مارتے رہو۔ مر
گیا تو اسے کہیں بھی پھینک دیں گے۔ اس کا نام بھی فسادات

کا نشانہ بننے والوں کی فہرست میں شامل ہو جائے گا۔"
"خبردار! میرے قریب نہ آنا۔" میں نے سنگین خطرہ بھانپ کر دروازے سے دور ہٹتے ہوئے کہا۔ "میں اسی ہتھکڑی سے تم سب کے سر کھول دوں گا خواہ بعد میں مجھے سُولی چڑھنا پڑے۔"
میری اس دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ حوالات کا دروازہ کھول لینے کے باوجود ان میں سے کسی نے اندر آنے کی جرأت نہیں کی لیکن اپنے آدمیوں کی کم ہمتی دیکھ کر افسر کا پارہ چڑھ گیا اور اس نے غصّے سے اپنا پستول نکال لیا۔
"اندر گھُس جاؤ! اور مارو اِسے!" وہ غرّایا۔ "اگر کسی کو ہتھکڑی سے ضرب آئی تو میں فائر کر کے اس کی پنڈلی کی ہڈی توڑ دوں گا۔"
اس کی وہ ہدایت سنتے ہی چاروں افراد وحشیوں کی طرح اندر گھُسے تھے اور جونکوں کی طرح میرے بدن سے لپٹ گئے۔ مجھے اپنا ہاتھ تک ہلانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ بلکہ زنجیر ہاتھ سے چھُوٹ جانے کی وجہ سے میرا ہتھکڑی والا ہاتھ بالکل ناکارہ ہو کر رہ گیا تھا اور مجھے صرف ایک ہاتھ سے اپنا دفاع کرنا پڑ رہا تھا۔
ان چاروں میں ایک سپاہی میرے حق میں جلّاد بنا ہوا تھا۔ وہ مکّوں اور لاتوں کے درمیان اچھل اچھل کر میرے بازوؤں، شانوں اور کھوپڑی پر ڈنڈے سے وار کر رہا تھا۔ آخر کار ایک بار اُس کا ڈنڈا میری گرفت میں آ ہی گیا اور میں نے مشینی انداز میں تیزی کے ساتھ اُن چاروں کی کھوپڑیاں بجانی شروع کر دیں۔ اُن میں سے دو چیخیں مارتے ہوئے مجھ سے دور بھاگ گئے۔ تیسرے نے ہتھکڑی کی زنجیر پکڑ کر پوری قوت سے جھٹکا دے کر مجھے نیچے گرا دیا۔ سنبھلنے کی ناکام کوشش میں میرے ہاتھ آیا ہوا واحد ہتھیار بھی میری گرفت سے نکل گیا اور وہ چاروں ایک بار پھر مجھ پر ٹوٹ پڑے۔
اکیلے آدمی پر چار سورماؤں کی یلغار کو سہنا آسان کام نہیں تھا۔ پے درپے مکّوں اور چہرے پر پڑنے والی دوسری ضربات نے آناً فاناً میں مجھے اپنے دفاع پر مجبور کر دیا۔ میں نے گھٹنے سمیٹ کر پوری قوت سے اپنے سینے سے لگا لیے اور چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ جنونی تھکے بغیر مجھ پر طاقت آزمائی کا سلسلہ ترک نہیں کریں گے۔
"یہ کیا تماشا ہو رہا ہے؟" ان چاروں کے پھُولے ہوئے سانسوں کے درمیان اچانک ایک نئی، درشت اور تحکمانہ آواز گونجی۔ اس آواز میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ میری مشکل آسان ہو گئی اور وہ چاروں مجھے چھوڑ کر تیزی سے الگ ہو گئے۔
"سر! یہ بدمعاش ہیروئن کے اسمگلروں کے گروہ کا کارندہ ہے۔ ہم نے ایک مخبر کی اطلاع پر اسے ہیروئن کے ایک وزنی پیکٹ کے ساتھ اولڈ کلفٹن سے رنگے ہاتھوں گرفتار کیا ہے۔"
افسر کی بوکھلائی ہوئی آواز سُنائی دی۔
"میں نے پوچھا تھا کہ حوالات میں کیا ہو رہا ہے؟" نئی آواز میں بلا کی کاٹ پیدا ہو گئی۔ "ملزم کے ساتھ کون سے ضابطے کے تحت کشتی لڑی جا رہی ہے؟"
میں نے اپنی انگلیوں کے درمیان خفیف سی جھریاں پیدا کر کے نئی صورتِ حال کا جائزہ لیا تو وہ خاصی دلچسپ نظر آئی۔ مجھے مارنے والے مجرموں کی طرح سہمے ہوئے حوالات میں ایک طرف کھڑے ہوئے تھے اور باہر اُن کے افسر کے پاس سیاہ سوٹ اور بے داغ سفید قمیص میں ملبوس ایک نیا شخص کھڑا ہوا تھا۔ جس کی کنپٹیوں کے سفید بالوں نے سنہری فریم کے ہلکے عدسوں والی عینک سے مل کر اس کی وجاہت میں چار چاند لگا دیے تھے۔
"اس کا ایک ساتھی بھی تھا سر!" افسر کے ماضی کے صیغے نے مجھے چونکا دیا۔ وہ ہکلاتے ہوئے انداز میں بتا رہا تھا۔ "اسے میں بیان کے لیے اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔ اسے وہاں بند کر کے میں انسپکٹر مہدی سے مشورہ کرنے کے لیے چند منٹ کے لیے باہر آیا تو وہ اتنی سی دیر میں میز پر کرسیاں رکھ کر روشندان کے ذریعے فرار ہو گیا۔ سب طرف دیکھ بھال کر لینے کے باوجود اس کا کہیں سراغ نہیں مل سکا۔ اِس سے اُسی کے بارے میں پوچھ گچھ ہو رہی تھی۔"
اس انکشاف پر میری کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔ سراج بہت چالاک اور مکار نکلا تھا کہ تخلیے میں فون کرنے کی مہلت طلب کر کے ان لالچی افسروں کی تحویل سے فرار ہو گیا تھا جبھی وہ لوگ اپنے لاکھوں کے نقصان پر بھنّا کر میرے اوپر ٹوٹ پڑے تھے۔ اُن کے نزدیک تو ہاتھ آئی ہوئی سونے کی چڑیا اُڑ گئی تھی جس کا کسی نہ کسی سے انتقام لینا ضروری تھا اور اس وقت میں ہی اُن کا بے بس و لاچار قیدی تھا اس لیے سارا نزلہ مجھ پر گرا تھا۔
آنے والا اُن لوگوں کا ہم نوا نہیں تھا۔ مجھے موہوم سی اُمید تھی کہ کہیں وہی ریٹا کا فرستادہ ڈپٹی کلکٹر نہ ہو اسی لیے میں نے کسمساتے اور کراہتے ہوئے فرش چھوڑ دیا تاکہ اپنی گلوخلاصی کے امکانات پیدا کر سکوں۔
"ہیروئن، دونوں میں سے کس کے قبضے سے برآمد ہوئی تھی؟" عینک والے نووارد نے بغور میرا جائزہ لیتے ہوئے باہر کھڑے ہوئے افسر سے سوال کیا۔
"میں بالکل بے قصور ہوں جناب!" اُس افسر سے پہلے ہی میں رو دینے والے انداز میں بول پڑا۔ "یہ سارا چکّر ان لوگوں اور دوسرے آدمی کا تھا۔ یہ لوگ اسے بتا رہے تھے کہ یہ پندرہ

ے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اس کی گاڑی کا ٹائر پنکچر
تھا۔ میں اس کی مدد کے لیے گیا تھا کہ ان سب نے اچانک
ڈال کر ہم دونوں کو پکڑ لیا۔ وہ ان کی ملی بھگت سے بھاگ
اور اب یہ سارا الزام میرے اوپر ڈال دیں گے۔"

"یہ جھوٹا ہے سر!" افسر نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے
"ہم مفرور کے پیچھے ضرور لگے ہوئے تھے لیکن یہ اُس سے
وصول کرنے آیا تھا۔ جب ہم نے چھاپا مارا تو ہیروئن کا
ٹ اسی کے ہاتھوں میں تھا۔"

"تم میرے ساتھ آؤ۔" عینک والے نے مجھے گھورتے
ہوئے کہا۔ ایک سپاہی نے جیب سے چابی نکال کر میری
ں سے ہتھکڑی کھول دی جو میرے لیے نیک شگون تھا۔

"اصغر تم بھی آؤ!" عینک والے نے باہر کھڑے ہوئے
ر سے کہا اور ایک طرف چل دیا۔

اس سفر کا اختتام ایک وسیع اور آراستہ کمرے پر ہوا جس
کے دروازے پر زور آزمائی کے آثار موجود تھے اور اندر کی عقبی
دیوار میں، چھت کے قریب بنے ہوئے روشن دان کے نیچے
میز پر ایک کرسی اور اس پر اسٹول رکھا ہوا تھا جس کی مدد سے
سراج وہاں سے فرار ہوا تھا۔ وہ کمرا یقینی طور پر اصغر ہی کا
دفتر تھا۔

"اب تم سچی بات بتاؤ۔" عینک والے نے معنی خیز انداز
میں دفتر کا جائزہ لینے کے بعد میز کے پیچھے پڑی ہوئی کرسی سنبھالتے
ہوئے اصغر سے کہا۔ "اصل بات یہ ہے کہ یہ شخص میرا انفارمر ہے
اس لیے خود بھی گھپلے کے کاموں میں ملوّث ہوتا رہتا ہے ہوسکتا
ہے کہ جو کچھ تم نے دیکھا تھا، وہ درست ہو مگر میں جانتا ہوں
کہ اس شخص میں جرم کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ یہ اتنا ہی دلیر ہوتا
تو میرا انفارمر ہونے کے بجائے کوئی بڑا مجرم ہوتا۔"

"صاحب! تمھاری عمر دراز ہو، بچے جئیں، کیسی لاکھ روپے
کی بات کی ہے تم نے۔" میں نے تیسرے درجے کے بے ضمیر
خوشامدیوں کی طرح دانت نکال کر کہا۔

وہ جو کوئی بھی تھا، بہت ذہین اور عالی دماغ شخص تھا۔ اس
نے میری گردن بچانے کے لیے اس قدر فطری اور بے ساختہ
بہانہ تراشا تھا کہ اصغر چکرا کر رہ گیا تھا اور اس کے چہرے پر
ہوائیاں اُڑنے لگی تھیں۔

"یہ آپ کا انفارمر ہی ہے تو مجھے چند سیکنڈ کے لیے اس
سے علیحدگی میں بات کرنے کا موقع دیجیے پھر میں سب کچھ من وعن
بتا دوں گا۔" اصغر نے گھگھیاتے ہوئے التجا کی۔

"ایسی کس رازداری کی ضرورت پڑ گئی؟ میرے سامنے
بات کرو۔" عینک والے نے خشک لہجے میں کہا۔ وہ مرتبے میں

اصغر سے بہت بالا نظر آ رہا تھا۔ "یہ بات ذہن میں رکھنا کہ میں
تمھیں ضابطے کی کسی کارروائی سے نہیں روک رہا ہوں۔ تم چاہو
تو روزنامچے میں ذکر کر سکتے ہو کہ تم نے اپنے چھاپے میں میرے
انفارمر کو بھی رنگے ہاتھوں گرفتار کیا تھا اور بعد میں میری ذاتی مداخلت
پر اُسے رہا کر دیا۔"

"نہیں سر!" اصغر اس طنز پر بلبلا کر بولا۔ "میں اتنا نمک حرام
نہیں ہوں، آپ میرے محسن ہیں۔ آج آپ ہی کی وجہ سے اس کرسی
پر نظر آ رہا ہوں ورنہ کب کا معطل کر دیا گیا ہوتا . . . در . . .
دراصل مجھے آپ کے انفارمر سے ایک بہت ہی خاص ذاتی بات
کرنی ہے، میں اسی کمرے کے ایک گوشے میں اس سے بات
کر لوں گا۔"

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، جلدی بات کرو۔"
عینک والا ناگواری کے ساتھ بولا۔

اصغر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے اسی کمرے کے ایک
گوشے میں لے گیا اور گھبرائی ہوئی خوشامدانہ آواز میں بولا۔ "مجھے
معاف کر دو، میرے باپ! چاہو تو بعد میں آکر اپنی مرمّت کے
جواب میں میرے سر پر جوتے مار لینا مگر صاحب کو یہ نہ بتانا کہ میں
سراج سے سودے بازی کر رہا تھا یا اُسے فون کرانے کے لیے
حوالات سے نکال کر اپنے دفتر میں لایا تھا۔"

وہ بڑی مضحکہ خیز صورت حال تھی۔ جو شخص فرعون بنا ہوا
کچھ دیر قبل میری ٹھکائی کرا رہا تھا، وہ اس وقت میرے سامنے
کسی مجبور اور معذور آدمی کی طرح گڑگڑا رہا تھا۔

"ایک شرط ہے۔" میں نے اسی کی طرح رازدارانہ لہجے میں
کہا۔ "اپنے بیان میں تصحیح کر لینا، پیکٹ میرے ہاتھوں میں نہیں

تھا بلکہ تم نے سراج کی کار سے برآمد کیا تھا۔"

"منظور"، وہ ممنونیت سے لبریز سرگوشیانہ لہجے میں بولا اور ہم دونوں میز کی طرف آ گئے۔

"میں سچ سننے کا منتظر ہوں اصغر!" عینک والے نے سختی سے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ آپ کا انفارمر اصل مجرم کے پاس مدد کرنے کے لیے ہی آیا ہو۔ ہم نے کہانی میں زور پیدا کرنے کے لیے اسے ملوث کر لیا تھا حالانکہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ ہیروئن کا پیکٹ اصل مجرم کی کار کی ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے سے برآمد کیا گیا تھا۔"

"شکر ہے خدایا! سچ آخر کار سر چڑھ کر بولتا ہے۔" میں نے دونوں ہاتھ پھیلا کر عابدانہ انداز میں اپنی نگاہیں چھت کی طرف اُٹھا دیں۔" اپنی پیشانی پر ذلت کا یہ داغ لے کر میں تو جیتے جی مر جاتا۔ . . ."

"خاموش رہو۔" عینک والے نے مجھے پھٹکار دیا۔ پھر وہ اصغر سے مخاطب ہوا۔" مجرم شاید اسی کمرے سے فرار ہوا ہے۔ یہاں مجھے کسی قسم کی تفتیش کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے ہیں۔"

"یس سر۔ مجھ سے چوک ہو گئی سر! . . ." وہ گڑگڑایا، مگر عینک والے نے بے رحمی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"چوک نہیں، بھاری لغزش کہو۔" وہ جھٹکے سے کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔" یہ نہ بھولو کہ میں برسوں پہلے ان راستوں سے گزر چکا ہوں جن پر تم اب بھٹک رہے ہو۔ یہ خیال رکھنا کہ مجھے مجرم کے فرار کے حالات و واقعات کی ذاتی طور پر تفتیش کی ضرورت پیش نہ آئے۔ ورنہ تمہارے عملے کو رُوسیاہی کے سوا کچھ نہ مل سکے گا۔"

وہ اصغر کے لیے کھلی ہوئی دھمکی تھی۔ عینک والے خرانٹ افسر نے موقع کا جائزہ لیتے ہی سراج کے فرار کے بارے میں اپنی ایک رائے قائم کر لی تھی جو میری دانست میں حقیقت سے بہت قریب تھی اور سچی بات تو یہ ہے کہ ایماندار اور تجربہ کار افسروں کو حقیقت کی تہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی، یہ اور بات ہے کہ بعض مجبوریاں انھیں حقائق سے چشم پوشی پر مجبور کر دیتی ہیں۔

عینک والا مجھے ساتھ لے کر دفتر سے نکلا تو اصغر بھی دست بستہ اس کے پیچھے نکلا تھا لیکن اُس نے اصغر کو وہیں روک کر اپنے عملے کی خبر لینے کی ہدایت جاری کر ڈالی۔

سیڑھیوں سے اُترنے کے بعد دیکھا کہ عینک والے کی کار احاطے کے ایک تاریک حصے میں کھڑی ہوئی تھی۔ اُس نے اشارے سے مجھے اگلی نشست پر بیٹھنے کی ہدایت کی۔ دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے مجھے موہوم سا شبہ ہوا کہ کار کی عقبی نشست پر دراز قامت، برقع پوش خاتون بیٹھی ہوئی تھی جو اندھیرے کا ہی ایک جزو بنی ہوئی تھی۔

اس وقت عینک والا میرا محسن تھا اس لیے میں نے مڑ کر پیچھے دیکھا اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی سوال کرنا مناسب سمجھا۔

"یہ تو رہا ہو گیا۔ اب کدھر چلا جائے۔" دفتر سے دُور شہید ملت روڈ کی کشادہ شاہراہ پر نکل آنے کے بعد عینک والے نے سوال کیا۔

"چوکنڈی کے قبرستان کی طرف چلو۔" عقبی نشست سے اُبھرنے والی بھرائی ہوئی مردانہ آواز سن کر میری رگوں میں لہو جم گیا، رونگٹے کھڑے ہو گئے اور بدن کے سارے مساموں سے یک بیک پسینے کی دھاریں بہہ نکلیں کیونکہ درد و اذیت کی شدت کے باوجود وہ آواز میں لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔" یہ وہی ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔" بولنے والے نے دوسرے فقرے میں اپنی بات مکمل کی۔

دلدار آغا مرا نہیں تھا بلکہ زندہ تھا اور اپنی کسی ناقابل یقین حکمت عملی کے ذریعے اس وقت مجھے اپنا قیدی بنا لینے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

میری آنکھوں کے سامنے تاریکی کے گنجان دائرے رقص کرنے لگے، صورت حال کے اس ناقابل یقین موڑ پر مجھے اپنا ذہن ماؤف ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اپنے جس ازلی حریف اور دشمن کو میں اپنی دانست میں مردہ تصور کر رہا تھا وہ میرے محسن کے روپ میں سامنے آ کر ایک بار پھر مجھے زیر کر چکا تھا اور اس بار اس سے گلو خلاصی محال نظر آ رہی تھی۔

ڈی ڈی صبح سے کہاں روپوش تھا؟ اُسے کیسے علم ہوا کہ میں ایکسائز والوں کی حوالات میں قید تھا؟ وہ عینک والا افسر کون تھا؟ جسے میں سینڈو کا بھیجا ہوا اپنا ہمدرد تصور کر رہا تھا، لیکن وہ ڈی ڈی کا غلام ثابت ہو رہا تھا؟ یہ سب سوالات ایسے تھے جن کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا اور جو شخص عقل کو ماؤف کر دینے والے ان سوالوں کے جوابات دے سکتا تھا وہ برقع اوڑھے، پچھلی سیٹ پر میری گھات لگائے بیٹھا تھا۔

آنے والے لمحات میرے لیے یقیناً بھیانک اور روح فرسا ثابت ہونے والے تھے۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات ساتویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو کہ جولائی 2002ء کو شائع ہو گا۔

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

7

تواں حصہ

ایک نوجوان کی خود نوشت جو اپنوں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ اُن نوجوانوں کی داستان عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ زر پرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کن چمک نے بینائی سے محروم کر دیا تھا۔

اقلیم علیم

کار کا سفر تیزی کے ساتھ جاری تھا اور وہ شہید ملت روڈ عبور کر کے شاہراہِ فیصل پر آ گئی تھی۔ ڈی ڈی کی آواز سننے کے بعد سے میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ لیاقت آباد میں ہجوم کے ہاتھوں بری طرح پٹنے اور زخمی ہونے کے محض چند گھنٹوں بعد اسے ایکسائز افسر کی کار میں یوں محوِ سفر دیکھ کر میں دل ہی دل میں یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ ڈی ڈی شیطانی قوتِ ارادی کا مالک تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو مشتعل ہجوم میں پس کر ختم ہو گیا ہوتا لیکن اس سے زیادہ عجیب، اس کا وہ ہمدرد تھا جو بظاہر میرا ہم نوا بن کر ایکسائز آفس میں آیا تھا۔

وہ دونوں سوچ سمجھ کر ایک مشن پر آئے تھے اس لیے ان کا ہر اعتبار سے مسلح ہونا یقینی تھا جب کہ میں بدقسمتی سے بالکل نہتا تھا۔ ان حالات میں مجھے کوئی معجزہ ہی ان دونوں کے تشدد سے محفوظ رکھ سکتا تھا کیونکہ جس قدر میں ڈی ڈی کے لہو کا پیاسا تھا، اس سے کہیں زیادہ وہ میری جان کا دشمن تھا۔

معاً میرے ذہن میں آیا کہ وہ لوگ مجھے چوکنڈی کے ویرانے میں لے جا رہے ہیں۔ اصولاً ڈی ڈی کو پہلا موقع ملتے ہی مجھے موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیے تھا لیکن اس نے مجھے زندہ رکھا ہوا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ مجھے ہلاک کرنے سے پہلے میری زبان سے ایسی کوئی بات اگلوانا چاہتا تھا جو اس کے لیے بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔

”میں ابھی تک کچھ نہیں سمجھ سکا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور تم کون ہو؟“ طویل توقف کے بعد آخرکار میں نے کار ڈرائیو کرنے والے کو مخاطب کر ہی لیا۔ وہ ڈی ڈی کا دوست تھا اس لیے میرا دوست ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے اس کے ساتھ ادب یا احترام سے پیش آنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

”میرے بارے میں تمہارا اندازہ کیا ہے؟“ عینک والے نے زہریلی ہنسی کے ساتھ سوال کیا۔

”میں تمہیں اسرار رضوی سمجھ رہا تھا۔“ میں نے اس اعتراف میں کوئی برائی نہیں سمجھی۔

”بہتر ہو گا کہ یہی سمجھتے رہو۔“ وہ کاٹ دار لہجے میں بولا۔ ”کیونکہ میں اسرار ہی ہوں۔“

”لیکن تمہیں تو رٹیا یا سینڈو نے میری مدد کے لیے بھیجا ہو گا؟“ اس کے جواب سے میری حیرت بڑھ گئی تھی۔

”وہ دونوں تم کو سینٹرل ایکسائز اینڈ لینڈ کسٹمز کی حراست سے آزاد کرانا چاہتے تھے اور تم نے دیکھا کہ میں کتنی آسانی کے ساتھ تمہیں وہاں سے نکال لایا۔“

"لیکن اب کہاں جا رہے ہو اور یہ ڈی ڈی تمہاری کار میں کہاں سے آ گیا؟"

"دلدار میرا جگری دوست اور شیر کا بچہ ہے۔ یہ آج ایک مشتعل ہجوم میں گھر گیا تھا۔ اس کی ایک کلائی، بازو اور پنڈلی کی ہڈیاں ٹوٹ چکی ہیں، بدن بھی جگہ جگہ سے لہولہان ہے لیکن اتنی ابتر حالت ہونے کے باوجود یہ عظیم انسان محض اپنی قوتِ ارادی کے سہارے چل کر لیاقت آباد سے باتھ آئی لینڈ میں میرے گھر پہنچا تھا اور ڈریسنگ کے بعد وہیں آرام کر رہا تھا۔ ابھی تمہارا نام سُنا تو اس نے پھر بستر چھوڑ دیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس بار تم نے اپنی موت کو خود ہی للکارا ہے۔ آخر تم ریٹا کے ذریعے مجھ سے ملنے پر کیوں مُصر تھے؟ شاید تمہیں اندازہ نہ ہو کہ اس طرح تم نے اپنے تابوت میں پہلی کیل خود ٹھونکی تھی اور آخری کیل دلدار آغا لگائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ کپ کلب کی رکنیت اور ریٹا کی دوستی کے ساتھ ہی تمہاری دلدار آغا سے بھی دوستی ہے؟"

"صرف دوستی نہیں احمق آدمی! جاز فارماسیوٹیکل میں ہم دونوں پارٹنرز ہیں۔ اس سے حاصل ہونے والے خطیر منافع میں، میں برابر کا حصے دار ہوں۔ جس طرح جہانگیر تمہارا دوست ہے اسی طرح میں دلدار آغا کا دوست ہوں۔ ہم دونوں کا اسکول اور کالج کے زمانے سے پرانا ساتھ ہے اور ہم دونوں ہی اپنے اپنے شعبوں میں کامیاب رہے ہیں۔ میں شہر میں کپ کلب کے بارے میں اڑتی اڑتی خبریں سُن رہا تھا پھر جب دلدار کو معلوم ہوا کہ وہ مافیا والوں کا اڈا ہے تو میں نے کسی نہ کسی طرح وہاں رسائی حاصل کر لی۔ پچھلی رات تم نے دلدار کے گھر میں تباہی پھیلائی تو یہ جنون کے عالم میں بپھرے ہوئے شیر کی طرح میرے ہی پاس آیا تھا۔ اسے شبہ تھا کہ ڈینی شہر میں آ گیا ہے۔ غصّے سے اس کا ذہنی توازن بگڑا ہوا تھا اور یہ پورے شہر کو آگ اور خون میں نہلانے پر تُلا ہوا تھا۔ یہ میرے روکنے کے باوجود نہیں رُکا اور میں اپنے دل سے بوجھ اُتارنے کے لیے صبح ہی دفتر کے بجائے کپ کلب چلا گیا اور ریٹا کو وہاں بُلا لیا۔ وہ بہت دلکش عورت ہے۔ شاید میں شام تک اسی کے ساتھ رہتا مگر دوپہر کو شہر میں ہونے والے فسادات کی خبر ملی پھر میری بیوی کا فون آیا کہ دلدار زخموں سے چُور حالت میں میرے گھر پہنچا ہے۔ میں کسی کو کچھ بھی بتائے بغیر اسی وقت گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔ جہانگیر پر تشدد کے بارے میں دلدار مجھے بتا چکا تھا پھر آج صبح کی ملاقات میں ریٹا نے اپنی پڑوسن سلمیٰ کے شوہر جہانگیر پر تشدد اور اپنی رات خراب ہونے کی کہانی سُنائی تو مجھے دُنیا کے مختصر ہونے کا پورا یقین آ گیا۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ ریٹا، ڈینی کے دوست جہانگیر کی بیوی کی سہیلی ہے پھر جب اس نے رات کو دوبارہ مجھے کسی سے ملنے کے لیے بلوایا تو میرا ماتھا ٹھنکا

میں مقررہ وقت پر وہاں پہنچا تو اس نے مجھے بتایا کہ وہ جہانگیر کے ایک عزیز دوست کو مجھ سے ملوانا چاہتی تھی جو تھوڑی دیر قبل اولڈ کلفٹن کے علاقے میں سینٹرل ایکسائز والوں کے ہاتھوں پکڑا گیا ہے۔ تمہارے گرد حالات کا مضبوط جال بن رہا تھا۔ ریٹا نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں ہر قیمت پر تمہیں اپنے محکمے کی قید سے نجات دلاؤں۔ میں نے دلدار کو اپنے شبہات سے آگاہ کیا تو وہ اپنی ابتر حالت کے باوجود میرے ساتھ آنے پر اَڑ گیا اور میں کلب سے واپسی پر اسے ساتھ لیتا ہوا اپنے دفتر پہنچ گیا۔ اب تم کسی بھی طرح ڈینی ہونے سے انکار نہیں کر سکتے لیکن تمہارا اور دلدار کا حساب کتاب شروع ہونے سے پہلے میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ ریٹا کی معرفت تم مجھ سے کیوں ملنا چاہ رہے تھے؟"

"شامت اور حماقت کہہ لو۔" میں نے اپنی پے در پے غلطیوں پر ندامت محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے کیا پتا تھا کہ تم خود جاز فارماسیوٹیکل کے برابر کے حصے دار ہو۔ تم ریٹا کے اعتماد کے ایک اہم سرکاری افسر تھے اس لیے تمہارے ذریعے جاز فارماسیوٹیکل پر ریڈ کرانے کا ارادہ تھا تاکہ ہارمونیم کیپسولز میں ہیروئن کی اسمگلنگ کا راز فاش کیا جا سکے لیکن وہ میری خام خیالی تھی۔"

"یہ پاکستان ہے مسٹر ڈینی!" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "میں عمر بھر کی نوکری کے بعد ریٹائر ہوں گا تو مجھے اتنے پیسے بھی نہیں ملیں گے کہ پرچون کی بڑی دوکان کھول کر اپنے گھر کا خرچ چلا سکوں اس لیے ہر ایک آگے کی فکر رکھتا ہے۔ یہاں پھیلے کے کسی بھی کام میں رخنہ اندازی سے پہلے تمہیں دس بار سوچنا ہوگا۔ کم و بیش ہر غلط کام کے تحفظ کے لیے اس صنعت یا تجارت سے ایسے بااختیار لوگوں کے باقاعدہ مفادات وابستہ کر دیے جاتے ہیں کہ ان کے خلاف کوئی مہم کامیاب نہیں ہو سکتی۔"

"یہ اپنے دور کا بہت موذی شخص ہے۔" پچھلی سیٹ سے ڈی ڈی کی بھرائی ہوئی اور درد آلود آواز اُبھری۔ "اس نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔ اس سے زیادہ کھل کر گفتگو نہ کرو ورنہ یہ تمہاری گفت گو سے اپنے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال لے گا۔ آج یہ بڑی مدت کے بعد مگر بہت آسانی سے میرے ہاتھ آیا ہے۔"

"مجھے تمہاری سخت جانی پر حیرت ہے دلدار آغا!" میں لے پیچھے گھوم کر کہا لیکن وہ سخت لہجے میں غرّانے لگا۔

"سیدھے بیٹھو۔ میں غیر مسلح نہیں ہوں اگر کوئی بھی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو گاڑی خراب ہونے کی پروا کیے بغیر تم پر فائر کر دوں گا۔"

"گولی ہی مارنی ہوتی تو مجھے لاد کر جوکنڈی کے کھنڈرات میں لے جانے کے بجائے تم نے اسرار رضوی کے ذریعے مجھے ایکسائز والوں

کی حوالات میں ہی مروا دیا ہوتا۔" میں نے بے خوفی کے ساتھ کہا۔ سیدھا ہونے سے پہلے، روشنیوں کے انعکاس میں میں یہ دیکھ چکا تھا کہ وہ پچھلی نشست پر واقعی سیاہ برقع اوڑھے اور نقاب گرائے بیٹھا ہوا تھا۔

"تم مجھے زخمی ضرور کر سکتے ہو لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ اپنا مقصد حاصل کیے بغیر تم مجھے ہلاک نہیں کرو گے۔" میں نے سیدھا ہوتے ہوئے اپنی بات مکمل کی تھی۔

"تم میرے لیے چوہے سے زیادہ بے وقعت اور چیونٹی سے زیادہ حقیر ہو، میں جب چاہوں، تمہیں اپنی ایڑیوں میں مسل سکتا ہوں۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔

"ریٹا سے تمہارے کیسے مراسم ہیں؟ وہ تمہیں کلب میں کس طرح بُلا سکتی تھی؟ وہ تو مافیا والوں کا اڈا ہے، وہاں صرف ممبروں کو ہی داخلے کی اجازت ملتی ہے۔" قدرے توقف کے بعد اسرار نے سوال کیا۔

ریٹا کو میں نے خود ہی ہدایت کی تھی کہ وہ اسرار سے یہ ذکر نہ کرے کہ میرا کبھی کلب سے بھی کوئی تعلق ہے اس لیے وہ بڑی چالاکی سے وہ اہم سوال دریافت کرنا چاہ رہا تھا جس کے جواب پر اس کے آئندہ رویے کا انحصار ہو سکتا تھا۔ وہ دونوں اندازہ لگانا چاہ رہے تھے کہ اس وقت شہر میں میرا کوئی حمایتی تو نہیں ہے۔

"مافیا والوں کے کلب میں سٹی کے ایک نمک خوار کا کیا کام تھا؟" میں نے الٹا اسی سے سوال کر ڈالا۔ "یا تم بیک وقت سٹی اور مافیا والوں کو ڈبل کراس کر رہے ہو۔"

"اہم اور با اختیار افسروں کی خوشنودی کی ہر ایک کو ضرورت ہوتی ہے۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا تکبر پیدا ہو گیا تھا۔ "انہوں نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ وہ کلب مافیا والوں کی ملکیت ہے۔ یہ راز میں نے اپنے ذریعے سے دریافت کیا ہے، اسی طرح میرا سٹی سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ صرف ولدار سے دوستی ہے اور میں اسی ناتے سے کلب کی خبریں اسے پہنچاتا رہتا ہوں۔ جاز فارماسیوٹیکل سے آگے میرا کہیں کوئی مفاد نہیں ہے۔"

"سٹی کا اصل مفاد وہی ہے۔ وہیں سے ہارمونیم کیپسولز کی آڑ میں مردانہ ہارمونز کی دوا کے بجائے ہیروئن باہر کے ملکوں کو اسمگل کی جاتی ہے۔" میں نے کہا۔

"سٹی کا صرف اتنا تعلق ہے کہ وہ میری فیکٹری کو بہترین قسم کی ہیروئن قیمت لے کر فراہم کرتی ہے اس سے آگے سارا بزنس ہماری اپنی صوابدید کے مطابق چلتا ہے۔ . . ."

میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "تم ایک مصروف افسر ہو، تمہیں افسر سے وقت ملتا ہے تو ریٹا کی زلفوں کا سایہ تمہیں کلب لے جاتا ہے۔ فیکٹری کے سیاہ سفید کا مالک دلدار آغا ہے۔ تم کیا جانو کہ یہ باہر کی کھلی منڈی سے صحیح دام لینے کے بجائے اپنے غیر ملکی آقاؤں کو رعایتی نرخ پر ہیروئن سپلائی کرتا ہو۔"

"بند کرو یہ بکواس۔" پیچھے سے دلدار آغا غرایا۔ "تم اپنی کمینہ پروری سے باز نہ آئے تو میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔"

"ٹھہرو دلدار!" اسرار رضوی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں بچہ نہیں ہوں جو اس کی باتوں سے بہک جاؤں گا۔ سننے تو دو کہ یہ کہتا کیا ہے۔" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری کوئی بات اس کے دل کو لگ گئی تھی۔

"غیر ملکیوں کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے تم؟" مجھے خاموش پا کر اسرار نے ٹوکا۔

"جاز فارماسیوٹیکل ہو یا سٹی کے معاملات۔" میں نے کہنا شروع کیا۔ "پاکستان میں دلدار آغا خود مختار ہے لیکن اپنی کارکردگی کے لیے یہ اپنے گاڈ فادر کو جواب دہ ہے اور وہی اس کی خود مختاری کی حدود کا تعین کرتا ہے۔ وہ ایک عالمی ریکٹ ہے جس میں دلدار آغا کی حیثیت شاید ملکے میں ایک قطرے سے زیادہ نہ ہو. . ."

"یہ ملعون جھوٹا ہے اسرار!" ڈی ڈی کی آواز سن کر مجھے اندازہ ہوا کہ میں نے اس کی دُکھتی ہوئی رگ پر صحیح ہاتھ ڈالا تھا۔ "میں جو کچھ کرتا ہوں، اپنی مرضی سے کرتا ہوں اور اس کے لیے کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔ یہ ہم دونوں کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔"

"مجھے تم دونوں کے باہمی معاملات کا علم نہیں اس لیے میں تمہارے تعلقات خراب کرنے کی کوئی سازش تیار نہیں کر سکتا میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس کی تصدیق ویرا لائیڈ سے کی جا سکتی ہے۔" میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

"وہ آگئی یہاں؟" ڈی ڈی نے بے ساختہ سوال کیا۔

"جب تم خود مختار ہو تو وہ کون ہے تمہاری؟" میں نے پیچھے مڑے بغیر کہا۔ "میں یہ بتا دوں کہ اب سٹی تمہارے ساتھ ہے تو مافیا میری پشت پناہ ہے۔ تم لوگ مجھے اٹھا لے آئے ہو لیکن مافیا والے اسرار کی زندگی عذاب بنا دیں گے۔ وہ اپنے دشمنوں کو قبر سے نکال کر بھی سزا دینے کے عادی ہیں۔"

"تم! نمک حرام!" ڈی ڈی غرایا اور حلق پر زور دینے سے اس پر کھانسی کا شدید دورہ پڑ گیا۔

"اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ پیروں اور چھلنی پھیپھڑوں کے ساتھ تم زیادہ دن تک مافیا کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔" میں نے موقع پاتے ہی دل سلگانے والا ٹکڑا لگا دیا کیونکہ میں ان دونوں کے درمیان کسی نہ کسی قسم کی بداعتمادی کی بو محسوس کر چکا تھا جو میرے لیے سودمند ثابت ہو سکتی تھی۔

"تم نے صرف شی سے غداری ہی نہیں کی ہے بلکہ تم ہمارے
دشمنوں سے جا ملے ہو۔" کھانسی کا دورہ ختم ہونے پر ڈی ڈی نے
اپنا ادھورا فقرہ پورا کیا۔ ویرا کا موضوع شاید اس نے دانستہ بدل
دیا تھا۔

"اس لیے کہ تم میرے لہو کے پیاسے ہو اور تمہارے دشمن
میرے محافظ بنے ہوئے ہیں۔ تم نے مجھے ذرا بھی نقصان پہنچایا
تو کان کھول کر سن لو کہ اگلی صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے
تمہارے بدن کی رہی سہی ہڈیاں بھی چورا کر دی جائیں گی اور تم زمین
پر رینگنے کے قابل بھی نہیں رہو گے۔"

"غزالہ کہاں ہے؟" آخر اس نے سرد لہجے میں سوال کیا۔
اسرار خاموش ہو چکا تھا۔

میں بہت دیر سے اس سوال کی توقع کر رہا تھا اس لیے
میرے پاس جواب تیار تھا۔ "وہ جہاں بھی ہے، تمہاری دسترس
سے دور اور بہت محفوظ ہے۔ اس نے خود کو بیوہ سمجھ کر عدت بھی
گزارنی شروع کر دی ہے۔ اگر تم زندہ رہ گئے تو وہ تم پر تنسیخِ نکاح
کا دعویٰ دائر کر دے گی۔ اب تم اسے بھول جاؤ۔"

"میں تمہیں جہنم واصل کر دوں گا۔" وہ بھیانک لہجے میں غرایا۔
"وہ میری ملکیت ہے۔"

"ساری خرابی یہی ہے کہ وہ کسی کی ملکیت نہیں بلکہ بیوی بن
کر رہنا چاہتی تھی اور تم نے اُسے اپنی جاگیر سمجھ لیا تھا۔" اسی لمحے مجھے
ایک اور زہریلا وار سوجھ گیا اور میں نے پینترا بدلتے ہوئے تلخ لہجے
میں کہا۔ "تم نے غزالہ کو بتایا تھا کہ تم اپنے کسی دوست کی بیوی پر محنت
کر رہے ہو جو بے چاری پندرہ برس سے اولاد کی آرزو میں تڑپ
رہی ہے۔ وہ کبھی نہ کبھی تمہارے بچے کی ماں بن ہی جائے گی۔ غزالہ
کے فراق میں تمہاری راتیں تنہا تو نہیں گزریں گی۔ اس بے اولاد
کو تم نے اچھی طرح اپنے چنگل میں جکڑا ہوا ہے۔"

شاہراہِ فیصل پر کار کی رفتار یک بیک بہت تیز ہو گئی مگر
اسرار نے زبان نہیں کھولی۔ اس کے بارے میں ریٹا نے جو کچھ بتایا
تھا، میں نے وہی سب غزالہ کے حوالے سے دُہرا کر ان دونوں کے
درمیان بدگمانیوں کا سب سے عمدہ بیج بو دیا تھا کیونکہ اسرار واقعی
پندرہ برس سے لاولد تھا۔

"ڈیبی! زبان کو لگام دو ابھی!" اس کی آواز قہر و غضب سے
سے کانپ رہی تھی۔ "میں نے کبھی غزالہ سے یہ سب نہیں کہا تھا۔
یہ سب تمہارا اپنا حرامی پن ہے..."

"اگر یہ جھوٹ ہے تو تم اس پر چراغ پا کیوں ہو رہے ہو؟"
میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "مجھے کیا معلوم کہ تم کس سے
ملتے ہو؟ کون بال بچے دار ہے اور کون بے چارہ پندرہ برس سے
اولاد کی نعمت سے محروم ہے۔ میں نے تو جو سُنا تھا وہ بتا دیا تم
کہتے ہو تو یہ جھوٹ ہی ہوگا۔ میری خطا معاف کرو اور اس موضوع
کو یہیں ختم کر دو۔"

سڑک کے روشن اور تاریک حصّوں کی گھٹتی بڑھتی روشنی
میں میں دُزدیدہ نظروں سے اسرار کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔
اس نے اپنے جبڑے اتنی طاقت سے بھینچے ہوئے تھے کہ جلد
پر وریدیں ابھر آئی تھیں، نگاہیں سڑک پر مرکوز تھیں۔ ہاتھ بہت سختی
سے اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے اور کان یقیناً ہماری گفتگو پر تھے۔

"میں پھر پوچھتا ہوں کہ غزالہ کہاں ہے؟" قدرے سکوت
کے بعد ڈی ڈی نے پھر سوال کیا۔ "تم نے اس کا پتا نہیں بتایا
تو جوکنڈی کے آسیبی ویرانے میں تمہارے بدن سے ایک ایک
ریشہ الگ کر دیا جائے گا۔ اس خیال میں نہ رہنا کہ اپنی جسمانی حالت
کی وجہ سے میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔ اسرار تمہارے ہاتھ پیر توڑ کر
رکھ دے گا۔"

"نہیں دلدار!" اسرار کی سرد، سخت اور جذبات سے
عاری آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "میرا خیال ہے کہ اس مہم پر میرے
ساتھ آ کر تم نے سنگین غلطی کی ہے۔ میں تمہارا ساتھ نہیں دُوں
گا اس سے اپنا معاملہ تمہیں خود ہی طے کرنا ہوگا۔ جوکنڈی میں میں
تمہیں صرف آدھا گھنٹا دے سکوں گا اس کے بعد مجھے واپس
لوٹنا ہوگا۔"

"تم اس کی باتوں میں آ گئے۔" دلدار آغا کی بوکھلائی ہوئی خوشامدانہ
آواز اس وقت میں نے پہلی بار سُنی تھی۔ "میں خدا پاک کی قسم کھاتا ہوں
کہ میں نے غزالہ سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ یہ حرام کا نطفہ جھوٹ بول
رہا ہے اور ہم دونوں کو ایک دوسرے سے لڑوانا چاہتا ہے۔ اس
نے تمہارے بارے میں کہیں سے معلومات حاصل کر لی ہوں گی۔"

"میں دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں دلدار۔" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔
"اسے میرے اور تمہارے مراسم کا شبہ بھی ہوتا تو یہ مجھ سے ملنے کی
خواہش کا اظہار نہیں کرتا۔ پھر یہ مجھ سے ملنے سے پہلے پکڑا گیا جب
میں اسے ایکسائز والوں سے چھڑانے پہنچا تو یہ مجھے ریٹا کا بھیجا ہوا
اپنا ہمدرد سمجھ رہا تھا۔ اسے تو کسی تحقیق یا سازش کا موقع ہی نہیں
ملا۔ اسے تو شاید یہ بھی پتا نہیں ہوگا کہ تم کس کی کوکھ پر طبع آزمائی
کر رہے ہو۔" اس کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔ "یہ میری بدنصیبی ہے کہ تم زخمی
اور معذور ہو اس لیے میں تمہیں لیے پھرنے پر مجبور ہوں ورنہ میں تمہیں
کار سے دھکیل کر واپس گھر لوٹتا اور اس کوکھ کو خنجر سے سوراخ کر کے
خالی کر دیتا جہاں باپ پالنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔"

دلدار آغا اپنے مہلک زخموں کی وجہ سے مجبور تھا ورنہ اس وقت
یقیناً مجھ پر ٹوٹ پڑا ہوتا۔ اس پر ایک بار پھر جنون کی کیفیت طاری

ہونے لگی تھی اور وہ مجھے بے تحاشا غلیظ گالیاں دیے جا رہا تھا۔
"اوہ! کیا وہ قصہ تمہاری ہی بیوی کا ہے؟" میں نے سہمے ہوئے انداز میں اسرار سے سوال کیا۔
"ہاں!" وہ اسٹیئرنگ پر گھونسا مار کر پوری قوت سے چیخ پڑا۔ میں اس کی کیفیت کو خوب سمجھ رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر ٹوٹ رہا تھا اور اس کے وجود میں قہر و غضب کا جوالا مکھی انگڑائیاں لے رہا تھا۔ روئے زمین پر عورت کی خاطر جتنے خون ہو چکے تھے اتنے کسی اور واحد سبب سے نہیں ہوئے تھے اور پھر اسرار رضوی ایک مشرقی مرد تھا۔ اس معاملے میں مشرقی مرد تو آناً فاناً میں آدم خور درندے بن جاتے ہیں۔ اسرار کو بس ایک اور ہلکی سی چوٹ کی ضرورت تھی پھر وہ میرے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جاتا اور اسی لیے میں نے اسے مخاطب بھی کیا تھا۔
"میں اپنی آستین میں سانپ پال رہا تھا۔ دوست سمجھ کر اسے اپنی موجودگی اور غیر موجودگی میں ہر وقت گھر آنے کی کھلی اجازت دی ہوئی تھی مگر اس نے اسی ہانڈی میں سوراخ کیا، جس میں کھا رہا تھا۔ میری بیوی کسی زر خرید کنیز کی طرح ہر وقت اس کے آگے پیچھے رہتی ہے۔ آج میری سمجھ میں آیا کہ وہ دوستانہ خلوص نہیں تھا بلکہ یہ دونوں میری آنکھوں کے سامنے ایک گھناؤنا کھیل کھیل رہے تھے۔ 'میری بیوی بانجھ ہے' وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ اس نے اپنی محفوظ عیاشی کے لیے اسے اولاد کا سبز باغ دکھایا ہوگا اور وہ عقل کی اندھی اس کے چکر میں آ گئی۔ اب میں ان دونوں سے اپنے اعتماد کے خون کا حساب لوں گا۔ انھوں نے میرا اعتبار لوٹ لیا۔ مجھے میری نظروں میں رسوا کر دیا۔ میں سب کو فنا کر دوں گا۔"
اس نے میرے مشورے سے پہلے ہی سختی سے بریک لگا کر کار سڑک کے کنارے روک لی، اس پر غصے کی زیادتی سے تشنج کی ایسی شدید کیفیت طاری ہو گئی تھی کہ اس کے لیے تیز رفتار گاڑی پر قابو پائے رکھنا دشوار ہو گیا تھا۔
"مجھے معاف کر دو!" میں نے اسرار سے مخاطب ہو کر سہمی ہوئی دھیمی آواز میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میرے سچ سے تمہاری دل آزاری ہوئی، مجھے شبہ بھی ہو جاتا کہ وہ کہانی تمہاری ذات سے متعلق ہے تو میں ہرگز اپنی زبان نہ کھولتا۔۔۔"
"بس بس!" اسرار کی بھرائی ہوئی غصیلی آواز ابھری۔ "تم بھی زیادہ بکواس نہ کرو، ورنہ دلدار سے پہلے تمہارا ہی قصہ پاک کر دوں گا کیونکہ اب تم میری بے آبروئی کے ایک گواہ بن چکے ہو۔"
"میرے بارے میں اس طرح بات نہ کرو۔" عقبی نشست سے دلدار آغا کی کرب میں ڈوبی ہوئی خوشامدانہ آواز ابھری۔ "میں حلف اٹھانے کے لیے تیار ہوں کہ یہ مردود جھوٹا ہے، یہ بہت چالاک اور مکار شخص ہے۔ اس نے ریٹا سے یا کسی اور ذریعے سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں اور اب انھی معلومات کے سہارے ہمارے درمیان نفاق پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ خدا کے لیے، جذباتی نہ ہو۔ اس کا کھیل سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ یہ اپنے دور کا سب سے بڑا مکار شخص ہے۔۔۔"
"مجھے بہلانے کی کوشش نہ کرو دلدار!" اسرار نے تلخ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "اسے ریٹا سے معلومات حاصل ہوئی ہوتیں تو یہ اس کے ذریعے مجھ سے ملنے کی کوشش ہرگز نہ کرتا، پھر ریٹا میرے بارے میں کیا جانتی ہے؟ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ یہ مجھے اپنا ہمدرد سمجھ کر حوالات سے بے چون و چرا میرے ساتھ آ گیا۔ اسے میری اور تمہاری دوستی کی بھنک بھی مل گئی ہوتی تو یہ میرے سائے سے بھی دور رہنے کی کوشش کرتا۔ جھوٹ بول کر مجھے مشتعل نہ کرو اور اپنے جرم کا اقرار کر لو۔ شاید اسی طرح میرا بڑھتا ہوا غصہ کم ہو جائے۔"
گاڑی دوبارہ حرکت میں آ گئی۔
"تمہیں پورا یقین ہے کہ ڈینی جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ سچ ہے؟" چند ثانیوں کے بعد دلدار آغا نے زخم خوردہ لہجے میں آہستگی سے سوال کیا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔
دلدار آغا کا وہ لہجہ مجھے بہت عجیب اور خوفناک محسوس ہوا تھا۔ وہ ایک پیشہ ور مجرم اور قاتل تھا۔ اس کے لیے اپنا تحفظ ہر بات پر مقدم تھا۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ دنیا کے ہر رشتے کو ٹھکرا سکتا تھا۔ اس وقت میں بالکل غیر مسلح تھا۔ اسرار کے بارے میں کچھ کہنا مشکل تھا۔ یہ امکان تھا کہ شاید اس کے کوٹ کے نیچے بغلی ہولسٹر میں سروس پستول موجود رہا ہو لیکن وہ فوری طور پر اپنے اس ہتھیار سے کام لینے پر قادر نہیں تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی کے ساتھ اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے اور کسی ہنگامی صورت حال کے لیے عملاً وہ بھی غیر مسلح ہی سمجھا جا سکتا تھا جب کہ دلدار آغا ہم دونوں کے عقب میں، اندھیرے میں بھرا ہوا کوئی ہتھیار لیے بیٹھا تھا۔ اس کے الفاظ میں مجھے خون کی بو رچی ہوئی محسوس ہوئی تھی جیسے وہ آخری بار اپنے بارے میں اسرار رضوی کی رائے جاننا چاہتا ہو۔ اسرار رضوی کی زبان سے مخالفانہ الفاظ سنتے ہی دلدار آغا اپنے دفاع کے لیے کوئی بھی بھیانک کارروائی کر سکتا تھا۔ وہ اس وقت ایک ایسا زخمی درندہ بنا ہوا تھا جو اپنی راہ میں آنے والے ہر ذی روح کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتا۔
مگر اسرار بھی چالاک شخص تھا، غصے کی شدت میں اور جذبات کی روانی میں بہہ کر وہ دلدار آغا کے خلاف بہت کچھ کہہ

گیا تھا مگر دلدار آغا کے آخری سوال کے بدلے ہوئے لہجے نے اسے بھی حرکت کر دیا اور وہ لمحہ بھر کے توقف کے بعد سنبھال لے کر بولا تھا۔ "دل کہتا ہے کہ ڈیبی جھوٹ نہیں بول رہا لیکن اس کی باتوں کی صداقت آنے والے وقت سے ہی ثابت ہو سکے گی۔ اس وقت تو میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔"

" ایسے جھوٹے الزامات دل و دماغ میں انتقام کی آگ بھڑکا دیتے ہیں۔" دلدار آغا اپنے دوست کے الفاظ سے فریب کھا گیا۔ "وقت گزرنے کے ساتھ تمہیں میری بے گناہی کا یقین آ جائے گا لیکن اس وقت ہم ڈیبی کو معاف نہیں کریں گے کیونکہ یہ ہم دونوں کا مشترکہ دشمن ہے اور غزالہ بھی اسی کی قید میں ہے۔"

" غزالہ بھی اسی کی قید میں ہے!" اسرار نے پُرخیال لہجے میں دُہرایا، پھر کار میں سکوت چھا گیا۔

آخرکار رفتار کم کرتے ہوئے، اسرار نے بائیں طرف ایک ویرانے میں کار موڑی تو ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تاحدِ نگاہ ریت، ناہموار ٹیلے اور جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ چند ثانیوں تک کار کی تیز روشنیاں اس سنگلاخ زمین پر ناگنوں کی طرح لہراتی رہیں پھر وہ راستہ نظر آ ہی گیا جو گاڑیوں کی آمد و رفت کی وجہ سے زمین کے سینے پر بن گیا تھا۔ اس راستے پر کچھ دُور بڑھنے کے بعد اسرار نے کیبن لائٹ آن کر دی۔ شاید وہ عقب نما آئینے میں دلدار آغا کا جائزہ لینا چاہ رہا تھا۔ میں بھی آہستگی سے مڑا اور دلدار آغا کی خون آلود اور سُوجی ہوئی آنکھوں کو دیکھتے ہی لرز کر رہ گیا۔ سیاہ برقع اس وقت بھی اس کے سر پر بندھا ہوا تھا لیکن اس نے نقاب اُلٹ دی تھی۔ اس کا چہرہ زخموں سے مسخ ہو رہا تھا۔ کئی جگہ جما ہوا سیاہی مائل خون تک صاف نہیں کیا گیا تھا۔ بظاہر یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے دلدار آغا نے اپنے زخموں کی صفائی اور ڈریسنگ کے بجائے ان پر ٹنکچر وغیرہ لگا کر کھلا چھوڑ دینا ہی بہتر سمجھا تھا تاکہ زخم قدرتی طور پر تیزی کے ساتھ بھر سکیں۔

پیشانی سے گردن تک، اس کے بدن کا کھلا ہوا ہر رُواں اس کے خون میں لتھڑا ہوا تھا جس سے پتا چل رہا تھا کہ وہ لیاقت آباد کے مشتعل باشندوں کے ہاتھوں بُری طرح لہولہان ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں موت کا سرد اور بے رحمانہ تاثر چھا ہوا تھا۔ میں یہ سوچ کر جھرجھری لے کر رہ گیا کہ وہ سخت جان درندہ اپنی ایک پنڈلی کی ہڈی ٹوٹنے کے باوجود لیاقت آباد سے فرار ہو کر باتھ آئی لینڈ میں اسرار کے مکان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اس کا چلنا یا دوڑنا میرے لیے ناقابلِ فہم تھا۔ پھر ایک بار سواری مل جانے کے بعد اس کی منزل آسان ہو گئی ہو گی کیونکہ فساد زدہ شہر میں، خون میں نہایا ہوا کوئی بھی زخمی بہ آسانی ٹیکسی ڈرائیور یا کسی اور کی ہمدردیاں حاصل کر سکتا تھا لیکن ایک پنڈلی کی ٹوٹی ہوئی ہڈی کے سہارے مشتعل ہجوم سے نکل کر محفوظ علاقے تک کسی سواری تک پہنچنا دلدار آغا ہی کے بس کی بات تھی ورنہ کسی عام آدمی سے ایسی دحشیانہ ہمت کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

میں نے ایک بار عقب سے اس کی بس ایک جھلک دیکھی تھی اور اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ گورے رنگ کا آدمی تھا لیکن اس وقت تو وہ نیلا اُودا ہو رہا تھا۔ ورم کی وجہ سے خدوخال تک بدل کر بھیانک ہو گئے تھے اسی طرح وہ اس وقت بھی بے نقاب ہونے کے باوجود اپنی اصل شکل و صورت مجھ سے چھپائے رکھنے میں کامیاب رہا تھا۔

اس کے سُوجے ہوئے ہونٹوں نے قدرے پھیل کر بھیانک تر صورت اختیار کی تو میں نے اندازہ لگایا کہ اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی پھر اس کے دہانے سے بھرائی ہوئی سرد آواز برآمد ہوئی "تم نے بہت دن گزار لیے آج تمہاری زندگی کی آخری رات ہے۔ مجھے اپنی زندگی کی ایک بہت بڑی پریشانی سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔"

اس کا بایاں ہاتھ پلاسٹر میں چھپا ہوا تھا اور داہنے ہاتھ میں پستول موجود تھا جسے وہ کسی بھی لمحے استعمال کرنے کے لیے تیار تھا۔

اسرار نے قدیم قبرستان کے کھنڈرات سے ذرا دور گاڑی روک دی اور فوراً ہی انجن بند کر کے نیچے اُتر گیا۔ "اب تم دونوں بھی نیچے آ جاؤ۔" باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں اس کی تحکمانہ آواز گونجی تھی۔

" اسے اُتار کر میری طرف لے آؤ! میرا اپنے قدموں پر کھڑا ہونا اب ناممکن ہے۔" دلدار آغا بولا۔

" لاؤ! تو پھر پستول مجھے دے دو۔" اسرار کا مطالبہ سُن کر میرا دل یکبارگی تیزی سے دھڑک اٹھا۔ اس کی آواز میں عجیب سا ٹھہراؤ اور تجسس تھا۔ "اندھیرے میں موقع پا کر یہ کسی طرف بھاگ نکلا تو اسے تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔" اس نے اپنی بات پوری کرتے ہوئے کہا تھا۔

میں نے نیچے اُترتے ہوئے، اندر کی روشنی میں دیکھا کہ دلدار آغا متردد تھا لیکن اسرار نے ہاتھ بڑھا کر اس سے پستول لے لیا اور اسی کے ساتھ ہی فضا میں دلدار آغا کی ایک کربناک چیخ گونج اٹھی کیونکہ اسرار نے ایک ہاتھ سے پستول اپنے قبضے میں لیتے ہی دوسرے ہاتھ سے دلدار آغا کے نچلے برقع کا گریبان پکڑ کر اسے باہر گھسیٹ لیا تھا۔

بالکل وہی ہوا تھا جس کا مجھے پہلے سے اندازہ تھا۔ اسرار نے اپنے جس غصّے کو مصلحت کی آڑ میں چھپایا ہوا تھا، اس وقت وہ

بھڑک اٹھا تھا۔ اس نئی صورتِ حال میں میرے سامنے دو راستے تھے۔ ان کی باہمی آویزش سے فائدہ اٹھا کر تاریکی میں تیزی سے کسی طرف بھاگ نکلتا یا پھر اس معرکے میں کسی بہتر فریق کا ہمنوا بن کر اسے انجام تک پہنچاتا اور خود کو آنے والے حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا۔

میرے لیے اس وقت اسرار کا ساتھ دینا ہر لحاظ سے مناسب تھا۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ دلدار آغا کی کراہوں کے درمیان میں اسرار کی تیز آواز گونجی۔ "خبردار جو تم نے بھاگنے کی کوشش کی۔ اب ادھر آؤ اور دلدار کو سنبھالو! میں ہیڈ لیمپس کی روشنی میں یہ دلچسپ مقابلہ دیکھوں گا۔۔۔"

"نن۔۔۔ نہیں! تم یہ نہیں کر سکتے!" دلدار آغا کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری۔ "میں تمہارا دوست ہوں۔ تم اس حالت میں مجھے میرے جانی دشمن کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔"

"کوئی بات انہونی نہیں ہوتی۔" اسرار کی آواز زہریلی ہو گئی۔ "جو کچھ تم نے کیا وہ میرے وہم و گمان میں نہیں تھا اس لیے میں بھی وہ کر رہا ہوں جس کا تمہیں سان و گمان نہیں تھا۔"

"میں نے کچھ نہیں کیا۔۔۔ میں قرآن اور رسول کی قسمیں کھاتا ہوں کہ ڈینی جھوٹا ہے۔۔۔ یہ۔۔۔" اس کا ادھورا فقرہ ایک لرزہ خیز چیخ میں ڈھل گیا۔ شاید اسرار نے اسے ٹھوکر رسید کر دی تھی۔

"ناپاک زبانوں پر یہ مقدس نام اچھے نہیں لگتے۔" اس کی بے رحمانہ آواز سنائی دی تھی۔ "ڈینی کی کہانی کے علاوہ بھی تم نے ایک سنگین جرم کیا ہے۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ میں ایک اعلیٰ سرکاری افسر ہوں اور عزت کے ساتھ اس نوکری سے ریٹائر ہونا چاہتا ہوں اس لیے غیر ملکیوں کے تابع کسی فرد یا گروہ سے سمجھوتا نہیں کر سکتا۔ بین الاقوامی مجرم ضرورت پڑنے پر بے رحمی سے اپنے در پردہ حمایتیوں کی گردنیں کٹوا دیتے ہیں۔ تم نے اقرار کیا تھا کہ تم آزاد اور خود مختار ہو لیکن ویرالائبیڈ کے نام سے تمہاری روح فنا ہو گئی۔ تمہارا مرتبہ اونچا سہی لیکن آخر کار تم ایک غیر ملکی ریکٹ کے آلۂ کار نکلے ہو، تم نے میری نوکری اور ساکھ سے کھیلنے کی کوشش کی تھی۔ میری نگاہ میں تمہارا یہ جرم ناقابلِ معافی ہے۔ تم دونوں نہتے ہو اس لیے یہ مقابلہ دلچسپ رہے گا۔ میں جانتا ہوں کہ ہار تمہاری ہی ہو گی۔ تم نے میرے اعتماد کو مجروح کیا اور میں نے تمہارے اعتماد کو دھوکا دے کر تمہیں ڈینی کے حوالے کر دیا ہے۔ اس سے پلٹتے ہوئے یہ خیال ہر لمحے تمہارے دل پر آرے چلاتا رہے گا کہ تمہاری بیوی ڈینی کی قید میں ہے۔ یہ تمہیں جہنم واصل کر کے سیدھا اسی کی طرف جائے گا اور شاید یہی احساس میرا اور تمہارا حساب برابر کر سکے گا۔"

اس وقت تک میں خاک پر پڑے ہوئے دلدار آغا کے قریب پہنچ گیا تھا اس لیے اسرار جلدی سے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ انجن اسٹارٹ کر کے اس نے کار تیزی سے ایسی پوزیشن میں گھمائی کہ ہم دونوں اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں آ گئے۔

اسرار کے جھٹکے سے دلدار آغا کے نچلے برقعے کے بٹن ٹوٹ گئے تھے۔ اس کی بائیں پنڈلی پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا اور پاجامے کا وہ پائنچا اوپر تک اُدھڑا ہوا تھا۔ وہ اپنے قدموں پر چلنے کے قابل نہیں تھا اس لیے ہیڈ لیمپس کی روشن لکیریں ہمارے لیے ایرینا بن گئی تھیں۔

"کتے! میں نے بُرا کیا جو تیری کھوپڑی میں گولی اُتارنے کا ارادہ ترک کر دیا۔" دلدار آغا کار کی طرف سر گھما کر نفرت آمیز لہجے میں بولا۔ "کاش میں نے آخری بار تیری رائے پوچھے بغیر اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنا دیا ہوتا۔ میں تیری طرف سے دھوکا کھا گیا۔ جو کام میرا دشمن عمر بھر نہ کر سکا وہ تو نے دوست بن کر پل بھر میں کر دکھایا۔۔۔"

میں نے بڑھ کر اس کے زخمی چہرے پر ایک ہلکی سی ٹھوکر رسید کی تو وہ غصیلے انداز میں کسی بھیڑیے کی طرح غرایا۔ اس کی آواز میں اس بار درد یا اذیت کا کوئی احساس نہیں تھا۔ اس کے چہرے کے کسی پرانے زخم سے ٹھوکر پڑنے کے باعث خون بہہ نکلا۔ اس نے جھرجھری لے کر میری طرف دیکھا تو اس کے ڈراؤنے چہرے پر نیلے حلقوں میں سے آنکھیں باہر کو اُبلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ اس وقت تکلیف سے زیادہ غصے میں تھا۔

پھر اچانک ہی اس نے زمین پر سے داہنے ہاتھ میں مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور میرے چہرے پر پھینک ماری۔ چہرے پر کنکروں کی ضرب زیادہ شدید نہیں تھی لیکن آنکھوں میں پڑنے والی ریت کے باریک ذرات نے مجھے تلملا کر رکھ دیا اور میں بے اختیار اپنی دونوں آنکھیں بند کر لینے پر مجبور ہو گیا۔

میں دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ رگڑ کر صاف کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک میری داہنی پنڈلی پر ایک مضبوط ہاتھ جم گیا اور میرے کچھ سمجھنے سے قبل ہی میرے قدم اکھڑ گئے۔ میں پشت کے بل زمین پر گرا تھا مگر پنڈلی بدستور اسی گرفت میں تھی۔ میں نے بمشکل تمام صرف اتنا دیکھا کہ وہ حرکت دلدار آغا کی تھی۔ میری آنکھوں میں مٹی ڈال کر وہ زمین پر گھسٹتا ہوا میرے قریب آ گیا تھا اور اس وقت کسی آدم خور زمینی بلا کی طرح میرے قریب موجود تھا۔

میں نے بایاں پیر استعمال کر کے اپنی داہنی پنڈلی اس کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کی لیکن اسی دوران اس نے اپنے تیز اور نکیلے دانت میری داہنی پنڈلی کے نرم گوشت میں اُتار دیے۔

وہ موت کے سائے میں اپنی آخری سانسوں کے لیے لڑ رہا تھا اس لیے بہت خونخوار ہو چکا تھا۔ میں نے بائیں پیر کی پوری قوت

سے اس کی کھوپڑی پر ضرب لگائی اور یوں میری پنڈلی ایک بڑے
زخم سے بال بال بچ گئی۔ ضرب کے جھٹکے سے سنبھلتے ہی اس نے
بڑی پھرتی کے ساتھ میری ٹانگیں پکڑنے کی دوبارہ کوشش کی تھی لیکن
میں زمین پر لڑھک کر خود کو اس کی پکڑ سے بچانے میں کامیاب ہو گیا۔
وہ اس قدر چور چور تھا کہ میں اسے لقمہ تر سمجھتے ہوئے محض
تھپڑوں اور ٹھوکروں کے سہارے جہنم رسید کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا
لیکن میں بھول گیا تھا کہ وہ مضبوط قوتِ ارادی کا مالک تھا اور زندگی
کی امید میں کسی بھی لمحے کچھ بھی کر گزر سکتا تھا۔

میں جتنی دیر میں سنبھل کر زمین سے اٹھا، وہ معذور ہونے کے
باوجود تیزی سے زمین پر گھسٹتا ہوا میرے قریب آ پہنچا۔ اس کا
ایک ہاتھ بھی ناکارہ تھا اس لیے اس کی پوری کوشش تھی کہ وہ
کسی طرح اپنے داہنے ہاتھ کی مدد سے میری دونوں ٹانگیں جکڑ کر
مجھے نیچے گرا دے تاکہ ہم دونوں کے درمیان کم از کم پوزیشن کا فرق
معدوم ہو جائے اور وہ اپنے وحشیانہ حملوں سے مجھے زخمی کر سکے۔
مجموعی طور پر اسے مجھ پر کوئی بالادستی حاصل نہیں تھی لیکن یہ
خطرہ ضرور تھا کہ اس کا کوئی بھی وار اچانک مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔
اس نے جس طرح میری آنکھوں میں مٹی جھونکی تھی، اسی طرح وہ
کوئی دوسری غیر متوقع حرکت کر کے صرف چند لمحوں کے لیے مجھ پر
برتری حاصل کر کے مجھے کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا تھا اس
لیے میں نے اس کے زخموں سے چور چور اور زمین پر گھسٹتے ہوئے مکروہ
وجود پر ذرا بھی رحم کھائے بغیر اسے اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ مجھے اس
امر کی کوئی پروا نہیں رہ گئی تھی کہ میری ٹھوکریں اس کے بدن کو اُدھیڑ
رہی تھیں یا اس کے چہرے کے پرانے زخموں پر چرکے لگا رہی تھیں۔
میرے اس جارحانہ حملے نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا۔

وہ کئی بار پیچھے الٹ کر سنبھلا تھا۔ اسی دوران میں میرے
ایک جوتے کا فیتہ کھل گیا اور جب وہ میرے جوتوں میں الجھ کر رکاوٹ
پیدا کرنے لگا تو میں فیتہ باندھنے کے لیے کئی قدم پیچھے ہٹ آیا۔
زمین پر جھک کر فیتہ کسنے کے بعد جب میں سیدھا ہوا تو بھونچکا
کر دینے والا ایک منظر میرا منتظر تھا۔ دلدار آغا اپنی ساری قوت اور
حوصلہ مجتمع کر کے ناقابلِ یقین طور پر اپنے قدموں پر سیدھا کھڑا ہو
چکا تھا۔ موت کی دہشت نے پنڈلی کی ٹوٹی ہوئی ہڈی کے درد کا
احساس اس کے ذہن سے محو کر دیا تھا۔

اُدھڑے ہوئے پائنچے میں سے بائیں پنڈلی پر، گھٹنے سے
اوپر تک چڑھا ہوا سخت پلاسٹر اس کے چہرے سے بہنے والے
خون سے داغ دار ہو چکا تھا۔ اپنے بھیانک اور زخمی چہرے کی
وجہ سے اُس وقت وہ کوئی مہیب اور غیر انسانی آسیب نظر آ رہا
تھا۔ لیکن اس کی کانپتی ہوئی پنڈلیوں پر نگاہ ڈالتے ہی مجھے اندازہ
ہو گیا تھا کہ وہ اپنی حیوانی قوتِ ارادی کے سہارے شکستہ ٹانگ
پر کھڑا تو ہو گیا تھا لیکن اس کے لیے ضرورت کے مطابق پھرتی سے
اپنا رخ بدلنا ناممکن نظر آ رہا تھا۔

"تم لیاقت آباد میں مر جاتے تو مجھے زندگی بھر قلق رہتا کہ میں
اپنے ایک بدترین دشمن کو اپنے ہاتھوں سے کیفرِ کردار تک نہ
پہنچا سکا۔" میں نے اپنے ذہن میں اگلی حکمتِ عملی مرتب کرتے
ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔ "تمہارا صحیح انجام وہی ہو گا جو اب
میرے ہاتھوں اپنی مراد کو پہنچے گا۔"

"تم نے مکاری سے اسرار کو مجھ سے بدظن کیا ہے۔" اس کے
ہونٹوں سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔ اس کے کٹے پھٹے اور ورم آلود
چہرے پر سارے خدوخال مسخ ہو کر رہ گئے تھے۔ اس کا چہرہ
میری طرف تھا لیکن جابجا پھٹی ہوئی پیشانی سے بہنے والی خون
کی لکیروں میں یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ کس طرف دیکھ رہا تھا۔

"دشمن کے وار سے بچنا ہمیشہ بہت آسان ہوتا ہے۔" وہ
اسی انداز میں کہہ رہا تھا۔ "لیکن دوستوں کے بغلی وار سے آج تک
کوئی خود کو نہیں بچا سکا۔ یہ تمہاری جیت نہیں بلکہ ایک دوست
کے ہاتھوں میری زندگی کی بدترین اور شاید آخری شکست ہے
مگر میں ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔"

"اس وقت تو تم ہتھیار اٹھا کر بھی انجام کو نہیں ٹال سکو گے۔"
میں نے سپاٹ لہجے میں کہا پھر یکلخت اپنی جگہ چھوڑ دی اور ایک
چکر کاٹ کر بجلی کی سی سرعت سے دلدار آغا کے عقب میں
پہنچ گیا۔

وہ میرا ارادہ بھانپ گیا تھا۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں اس
نے گھومنے کی کوشش کی لیکن اس کی ٹانگوں نے ساتھ دینے سے
انکار کر دیا۔ میں نے اس کے عقب میں محفوظ فاصلے پر رہتے ہوئے
دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر، جاپانی پہلوان انوکی کے انداز میں دایاں
پیر پوری طرح پھیلا کر، پلاسٹر سے اوپر اس کی ران پر پوری قوت
سے لات رسید کی اور وہ غراتا ہوا، کسی شہتیر کی طرح زمین پر آ رہا۔
اس بار میں نے اسے ذرا بھی مہلت نہیں دی اور بڑھ کر اس
کے سینے پر سوار ہو گیا۔ وہ نوشتۂ دیوار پڑھ چکا تھا۔ اجل اس کے سامنے
تھی اور اس کا حال ابتر تھا لیکن پھر بھی وہ مدافعت پر تلا ہوا تھا۔ اس
نے مجھ سے نہ رحم کی التجا کی نہ ہی اپنی مزاحمت میں کمی آنے دی۔ وہ
قاتل، سازشی، اسمگلر اور موت کا سوداگر تھا لیکن مقابلہ کرتے ہوئے
مرنے کے دلیرانہ فن سے خوب واقف تھا۔ موت کی دہشت نے
اس کے اعصاب کو ناکارہ کرنے کے بجائے اس کے جوش کو مہمیز
کیا ہوا تھا اور وہ زخمی سانڈ کی طرح مسلسل لڑنے پر تلا ہوا تھا۔
لیکن یہ کشمکش زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکی۔ دو تین گھونسوں

اور ایک بھرپور ٹکر نے اس کے اوسان خطا کر دیے اور میں نے اپنے دونوں ہاتھ مضبوطی سے اس کے حلق پر جما دیے۔

لمحہ بھر کے لیے میری انگلیاں بے جان رہیں۔ شاید میں لاشعوری طور پر اس سفاک درندے کی زبان سے رحم کی کوئی التجا سننا چاہ رہا تھا لیکن وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آخری سانس تک لڑنے پر تلا ہوا تھا۔ میری نرمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے مجھے اپنے [illegible] سے اچھال پھینکنا چاہا اور میں نے چونک کر پوری قوت [illegible] کا نرخرا دبانا شروع کر دیا۔ وہ اتنی دیر سے مقابلہ کر رہا تھا کہ سانس کی آمد و رفت میں رکاوٹ پیدا ہوتے ہی اس کا جسمانی نظام متاثر ہونا شروع ہو گیا۔ ایک آدھ بار جسم اکڑانے کی کوششوں کے بعد اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑنے لگے اور پھر اس نے ایک آخری جھرجھری لے کر میرے نیچے دم توڑ دیا۔

چوکنڈی کے اس ویرانے میں آخر کار دلدار آغا مارا ہی گیا۔۔۔

اس کے سینے پر سے اترنے سے پہلے میں نے اس کی نبض ٹٹولی۔ دل کی دھڑکنیں سننے کی کوشش کی لیکن وہاں محاذ پر ہر طرف سناٹا ہی سناٹا تھا۔ مدتوں سے لوگوں کے لیے ہوا بنا ہوا وہ شخص ننگی زمین پر پڑا رہ گیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اسرار اس کی لاش وہیں چھوڑ جائے گا۔ اس کے بعد کچھ پتا نہیں تھا کہ لاش دریافت ہونے تک بھوکے گیدڑ اور کتے اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے۔

دوسرے انسانوں کے لیے زندگی بھر بھیڑیا بنا رہنے والا شخص اپنی موت کے بعد اب مردار خور بھیڑیوں کے ہی رحم و کرم پر رہ گیا تھا اور شاید اسی کا نام مکافات عمل ہے۔

"اسے مار کر تم نے میرا دل ٹھنڈا کر دیا ہے۔" ہیڈ لیمپس کے عقب میں تاریک کار میں سے اسرار کی پُرسکون آواز ابھری۔ "لیکن اب مجھے سوچنا ہوگا کہ تمہارا کیا کیا جائے؟"

میں چونک پڑا۔ "جب تک تم دلدار آغا کے دوست اور ہمدرد تھے تو مجھ سے دشمنی کا جواز بھی تھا ورنہ ہمارے درمیان براہِ راست کوئی مخاصمت موجود نہیں ہے۔"

"مخاصمت کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ میں ایک ذمے دار افسر ہوتے ہوئے بھی قتل کی اس واردات میں تمہارا شریک رہا ہوں۔ تم میری بیوی کے ساتھ دلدار کے مراسم سے بھی واقف ہو۔ اپنی ان معلومات کو کیش کرانے کے لیے تم کسی بھی وقت مجھ کو بلیک میل کرنا شروع کر سکتے ہو۔۔۔ ٹھہرو! ابھی وہیں رکے رہو۔ میری اجازت کے بغیر کار کی طرف پیش قدمی کی تو میں بے دریغ تمہیں گولی مار دوں گا۔"

میرے اٹھتے ہوئے قدم، وہیں زمین پر گڑ کر رہ گئے۔ اس وقت تک میں اسرار رضوی کے لیے ریٹا کا صرف ایک دوست تھا۔ وہ مافیا میں میری نئی پوزیشن سے لاعلم تھا۔ اس کے محتاط رویے کو دیکھتے ہوئے میرے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ اس کی معلومات میں اضافہ کر کے اسے معقولیت کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کروں۔

"دلدار آغا تمہاری حمایت کھو دینے کے بعد اس وقت لاوارث ہو کر رہ گیا تھا اس لیے ہم نے آسانی سے اسے مار لیا۔ شہر میں اب کوئی اس کے قصاص کا دعوے دار نہیں ہوگا۔ لیکن میرا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ ریٹا کو ہلاک کرنا کبھی بھی آسان کام نہیں [illegible] ہے۔ میری پشت پر بہتیرے طاقتور لوگ ہیں جو میری موت کے بعد میرے قاتل کو ہر قیمت پر ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"فضول دعوے کرنے کے بجائے مجھے سمجھانے کی کوشش کرو کہ تمہارا معاملہ دلدار آغا سے کیوں مختلف ہے؟" اس نے قطع کلامی کرتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "آخر وہ کون سی وجوہ ہیں جو مجھے اپنے خلاف ایک طاقتور گواہ کو زندہ رکھنے پر مجبور کر سکتی ہیں؟"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ اب میں مافیا چیف کا نائب اور کی کلب کا سربراہ ہوں۔۔۔"

"یہ نہ بھولو کہ میں ایک باوسائل محکمے کا سربراہ ہوں۔" اس نے تلخ لہجے میں میری بات کاٹ دی۔ "تم مافیا چیف ہونے کا دعویٰ کرتے تو شاید میں شش و پنج میں پڑ جاتا کیونکہ میں اس کی شخصیت سے لاعلم ہوں مگر یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ مافیا چیف کی کلب سمیت اپنے سارے معاملات اپنے ماتحت سینڈو کے ذریعے چلاتا ہے۔ کی کلب میں کئی بار اس سے مل چکا ہوں۔"

"وہ پرانی بات ہو گئی۔ اب اس سے ملو تو دریافت کر لینا اگر ایسا نہ ہوتا تو ریٹا ہرگز تمہیں میری مدد کرنے پر مجبور نہ کرتی۔ تم دونوں کی کلب کے ممبر نہ ہو اور ممبران خود کو غیر متعلقہ معاملات میں ملوث نہیں کرتے۔"

"فرض کرو کہ تم جھوٹ نہیں بول رہے تب بھی چوکنڈی کے اس ویرانے میں دلدار آغا کے ساتھ تمہاری لاش دریافت ہونے کے بعد مجھ پر کون شبہ کر سکے گا؟"

"مجھے تم جیسے ذہین افسر سے ایسے عامیانہ سوال کی توقع نہیں تھی۔" میں نے قدرے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے محکمے کے لوگوں نے سینڈو کے سامنے مجھے اور سراج کو گرفتار کیا تھا۔ سراج اصغر کو چکمہ دے کر حوالات سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اب اگر میں لاپتا ہو جاتا ہوں یا میری لاش برآمد ہوتی ہے تو میرے ہمدرد بلا تکلف اصغر پر ہاتھ ڈال دیں

گے اور ذرا سے تشدد کے بعد اس سے اُگلوا لیں گے کہ مجھے تم حوالات سے نکال کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ وہ دُہرا نا بے سود ہے۔ تم جانتے ہو کہ مافیا والوں کا کام کرنے کا انداز بہت مختلف اور انتہا پسندانہ ہے۔۔۔"

"ٹھیک ہے، کار میں آ جاؤ۔" میری بات فوراً ہی اس کی سمجھ میں آ گئی۔

"لیکن یہ بتا دوں کہ تمہیں میرے ساتھ مخلص رہنا ہوگا۔" میرے سوار ہونے کے بعد اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"تمہاری بیوی کے مراسم اور دلدار آغا کے قتل کے بارے میں میری زبان ہمیشہ بند رہے گی۔"

"احتیاطاً یہ بتا دوں کہ دلدار آغا کی گردن سے تمہارے فنگر پرنٹس اُٹھا لیے جائیں گے اور ان کے سہارے پولیس اس وقت تک قاتل کی تلاش میں سرگرداں رہے گی جب تک تم اس کے ہاتھ نہیں لگ جاتے۔ تمہاری خاموشی کے جواب میں میں یہ راز اپنے سینے میں دفن رکھوں گا۔۔۔ اور ہاں! اب دلدار آغا کا قصہ تمام ہو ہی گیا تو کم از کم مجھے اتنا تو بتا دو کہ میری بیوی اور دلدار کے بارے میں تم نے جو کچھ کہا، وہ کس حد تک سچ تھا۔ میرا دل نہیں مانتا کہ میری بیوی اتنی بے وفا بھی ہو سکتی ہے۔"

"میں تم سے ابھی ابھی وعدہ کر چکا ہوں کہ اس موضوع پر ہمیشہ اپنی زبان بند رکھوں گا اس لیے تم بھی اس تکلیف دہ ذکر کو بھول جاؤ۔ دلدار کو اپنے کرتوتوں کی سزا مل گئی، تمہیں اس پر مطمئن ہو جانا چاہیے۔" میں نے ناصحانہ انداز میں گہری سانس کے ساتھ بات گول کرنی چاہی۔

اس نے گلوو کمپارٹمنٹ کھول کر اس میں سے بلیک لیبل کی چپٹی نصف بوتل نکال کر میری گود میں ڈال دی۔ "ذرا ڈھکن کھول دو، اس وقت سہارے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔" بوتل سربند تھی۔

میں نے ڈھکن کھول کر بوتل اسے تھما دی۔ اس نے قومی شاہراہ کی طرف کار ڈرائیو کرتے ہوئے قدرے وقفے سے دو لمبے گھونٹ اپنے معدے میں اتارے اور بوتل میری طرف بڑھا دی۔

"اسے بند کر کے وہیں رکھ دو۔"

"یہ بد اخلاقی ہے۔" میں نے احتجاج کیا۔ "ہونٹ تر کرنے کا حق تو مجھے بھی ملنا چاہیے۔"

"ہونٹ تر کر لو! بوتل نہ نچوڑ لینا۔" اس نے سرسری لہجے میں کہا۔

"میرے اطمینان کے لیے دلدار آغا کا مر جانا کافی نہیں ہے۔"

نیشنل ہائی وے پر آنے کے بعد وہ آہستگی سے بولا۔ شاید اس دوران میں اسکاچ اپنا رنگ جمانا شروع کر چکی تھی۔ "تم معاملے پر غور کرو گے تو اس نتیجے پر پہنچو گے کہ میرا پورے پس منظر سے آگاہ ہونا بہت ضروری ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تمہاری بات میری سمجھ سے باہر ہے۔" میں نے سرد مہری سے کہا۔

"عورت بے وفائی پر تل جائے تو اسے کھلونا سمجھنے والے کھلونے ہر قدم پر مل جاتے ہیں۔ پھر وہ بانجھ ہے۔ اس کے ذہن میں جرم یا گناہ کا تصور بہت دھندلا ہوگا۔ میں کسی بھی طرح اسے یہ بات نہیں جتا سکتا کہ دلدار آغا اپنی شرمناک چیرہ دستیوں کے جرم میں میرے ایما پر موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔ وہ مر گیا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ایک کھلونا ٹوٹ جائے تو کھلاڑی دوسرا کھلونا تلاش کر لیتا ہے۔ مجھے ابھی پوری عمر گزارنی ہے۔ میں کس کس کو مرواتا رہوں گا؟ ایسی بے اعتمادی آخر کار مجھ کو ہی ذہنی مریض بنا کر رکھ دے گی۔ اسی لیے میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ زخم یہیں مندمل ہو جائے گا یا اس کے ناسور بننے کا خطرہ بھی موجود ہے؟ اب تم میرے حریف نہیں بلکہ حلیف بن چکے ہو اور کچھ کلب کے ذریعے ہماری دوستی مزید مستحکم ہو سکتی ہے۔"

"بُرا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے سگریٹ سُلگاتے ہوئے معذرت خواہانہ لہجے میں سوال کیا۔

"پوچھ لو! اب ان رسمی باتوں میں کیا رہ گیا ہے۔" اس نے کہا۔

"تمہاری بیوی بانجھ ہے مگر ریٹا کو اولاد کی آرزو ہے۔ تم اس کے بارے میں۔۔۔"

"خاموش رہو!" وہ میری بات کاٹ کر ایک دم کٹکھنے کُتے کی طرح غرّانے لگا۔ "میری نرمی سے فائدہ اُٹھا کر اپنی حد سے تجاوز کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ اسے بیچ میں لانے کی ضرورت نہیں۔"

"بیوی سے زیادہ ذاتی معاملہ اور کوئی نہیں ہوتا۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "میرے لیے یہ بات حیرت ناک ہے کہ تم ریٹا کو اپنی بیوی سے زیادہ ذاتی سمجھتے ہو جبکہ ڈی سوزا اسے پوجنے کی حد تک چاہتا ہے۔"

"ان دونوں میں کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔" وہ بدستور اسی بدمزگی کے ساتھ بولا۔ "ایک گناہ کے تصور کے بغیر اپنے شوہر کی خوشی کے لیے غلط راستے پر چل پڑی ہے مگر دوسری صرف اور صرف گناہ پر مائل ہے۔ تم دونوں باتوں کو اُلجھا کر بات پھیلانے کی ناکام کوشش کر رہے ہو!"

وہ خود غرضی کی انتہا تھی اور ہر سیاہ کار مرد عموماً اسی مرض میں مبتلا پایا جاتا ہے۔ اسرار کی بیوی کے بارے میں، مَیں نے جو کچھ کہا وہ میرے ذہن کی پیداوار تھا۔ میں نہ اس عورت سے واقف تھا اور نہ اس کی اچھائیوں اور برائیوں کے بارے میں کچھ جانتا تھا۔ اگر اسرار اور دلدار آغا نے مجھے اپنے بے رحمانہ چنگل میں بے بس نہ کر لیا ہوتا تو شاید میں بھول کر بھی ایسی گھٹیا الزام تراشی کا سہارا نہیں لے سکتا تھا لیکن ان سفاک درندوں سے اپنی جان بچانے کے لیے مجھے ان دونوں میں ایک دوسرے کے خلاف مخاصمانہ جذبات اُبھارنے کے لیے دلدار آغا پر وہ گھناؤنا الزام عائد کرنا پڑ گیا جس کی کوئی اصلیت نہیں تھی۔

بفرضِ محال اگر میرا الزام درست بھی ہوتا تو دلدار آغا کو جس طرح ملزم قرار دے کر اسرار نے اسے سزائے موت کا مستحق ٹھہرایا تھا' اسی طرح وہ بھی ریٹا کے ساتھ مراسم رکھنے کے جرم میں ویسی ہی سزا کا مستحق تھا۔ اگر اس کی بیوی اس سے بے وفائی کر رہی تھی تو وہ خود بھی اس سے وفادار نہیں تھا۔ دونوں برابر کے مجرم تھے لیکن عیاش اسرار خود کو خدمتِ خلق پر مامور ایک مہربان شخص ثابت کرتے ہوئے اپنی بیوی کے حق میں جلاد بننے پر تلا ہوا تھا۔

میں نے اس کی بیوی پر مجبوراً تہمت لگا کر جس حد تک پاپ کما لیا تھا، اُس سے آگے اُس کے خلاف کسی سازش میں فریق بننے کے لیے تیار نہیں تھا اس لیے میں نے آہستگی سے کہا۔ "اونچی پرواز کی کوشش کرنے والوں میں ایسا گند عام طور پر نظر آتا ہے۔ نچلی سطح کے لوگ جب راتوں رات آسودگی کے خواب دیکھنے لگتے ہیں تو رشتوں اور جذبوں کا ہر احترام گہری نیند سو جاتا ہے۔ تم ڈی سوزا کو اس کی محبت پدری آزمانے کا موقع دے کر شاید نیکی ہی کر رہے ہو لیکن میں تمھاری بیوی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے جو کچھ سُنا تھا، وہ تمھیں بتا دیا۔ اس سے آگے مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ شراب پی کر اس کے بارے میں کوئی مستقل بُری رائے قائم کرنے کے بجائے، اس کے قریب رہ کر اسے پرکھنے کی کوشش کرو ورنہ کوئی ایسا فیصلہ کر بیٹھو گے جس پر زندگی بھر پچھتاتے رہو گے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ میری بیوی سے تمھارے بھی کچھ دوستانہ مراسم ہیں؟" اس کی آواز میں طنز کا زہر بھرا ہوا تھا۔

"اب اس معاملے میں، مَیں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گا۔" میں اپنی برہمی پر قابو نہیں رکھ سکا۔

"تم کہاں رہتے ہو؟" کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد آخر کار اسرار نے ہی سکوت توڑا تھا۔

"تم مجھے کلب میں اتار دینا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "وہاں سے اپنا بندوبست کر لوں گا۔"

"میرا کام آسان ہو گیا۔" وہ بوجھل انداز میں ہنس پڑا۔ نیٹ وِسکی کے دو پیگ حلق سے اتارنے کے بعد اس پر اس کا اثر دکھائی دے رہا تھا۔ "وہاں ریٹا میری منتظر ہوگی۔ مگر وہاں کے لیے تمھارا حلیہ بہت خراب ہے۔"

"تم پارسن کو پیغام دے دینا۔ وہ مجھے کار کے اندر ہی کوئی ایسا اوور کوٹ وغیرہ بھجوا دے گی کہ میں خود کو چھپا کر کسی رہائشی کمرے میں پہنچ جاؤں گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"شی کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" نشہ ہو جانے کے بعد وہ بولتے رہنا چاہ رہا تھا۔

"خوفناک بین الاقوامی ریکٹ ہے جس کا سربراہ اٹلی میں رہتا ہے۔"

"اور وہ ویرا لائیڈ کون ہے جس کا نام سن کر دلدار آغا بوکھلا گیا تھا؟"

"شی کے سربراہ، جمی لائیڈ کی بیٹی ہے اور کسی بھی وقت پاکستان پہنچنے والی ہے۔"

"پھر میری فیکٹری کا کیا ہوگا۔ قانونی طور پر تو اس میں میرا کچھ بھی نہیں ہے اور نہ ہی میں وہاں جاتا رہتا تھا۔ سب کچھ دلدار آغا کے نام پر اسی کی تحویل میں تھا۔"

"وہاں سے جو کچھ نکال سکتے ہو، نکال لو۔ اس کے بعد تو ہر چیز سرکاری تحویل میں چلی جائے گی۔ جو کچھ سرکار سے بچے گا اس پر دلدار آغا کا کوئی جانشین قابض ہو جائے گا۔"

"اس کا جانشین؟" اسرار نے حیرت اور بے یقینی سے دہرایا۔

"دلدار آغا جیسے لوگوں کی موت سے ریکٹ ختم نہیں ہوتے۔ جلد یا بدیر اس کی جگہ کسی اور کو نامزد کر دیا جائے گا اور وہ شی کے سارے مفادات کی دیکھ بھال کرے گا۔"

وہ راستے بھر مسلسل بولتا رہا۔ مجھے اس کی کیفیت کا اندازہ تھا اس لیے خاموشی اختیار کر کے اسے مشتعل کرنے کے بجائے میں بھی اس کا ساتھ دیتا رہا۔

رات ڈھل رہی تھی لیکن اتنا بھی وقت نہیں گزرا تھا کہ شہر کی سڑکوں پر ویرانی راج کرنے لگتی مگر وہ شہر کی تاریخ کا ایک سیاہ دن تھا۔ دلدار آغا نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے منظم پیمانے پر شہر میں دہشت گردی کرا کے افواہوں کے زور پر لسانی فسادات کی بھیانک آگ بھڑکا دی تھی۔ شارع فیصل کے اطراف میں واقع آبادیوں سے اس وقت بھی کثیف دھوئیں کے بادل امڈ رہے تھے، کہیں کہیں آگ بھی بھڑک رہی تھی۔ خوبصورت اور کشادہ شاہراہ ویران پڑی ہوئی تھی۔ بس اکا دکا گاڑیاں نظر آجاتی تھیں یا پھر پولیس اور نیم فوجی دستوں کی ہلکی اور بھاری گاڑیاں سڑک پر نقل و حرکت میں مصروف تھیں۔ راستے میں ہمیں ایمبولنس

گاڑیاں بھی آندھی اور طوفان کی رفتار سے رُواں دُواں نظر آئیں۔ ان کے سائرن خاموش تھے مگر گردش کرتی ہوئی تیز روشنیاں ماحول کو پُرہول بنا رہی تھیں۔ سائرن شاید اس لیے بند رکھے گئے تھے کہ ان کی گزرگاہوں پر آباد لوگوں کو شہر میں ہونے والی ہولناک خونریزی کا صحیح اندازہ نہ ہو سکے مگر وہ جانتا تھا کہ وہ احمقانہ انتظامی تدابیر تھیں۔ شہر کے رہنے والے آئے دن کے ہنگاموں کی بھٹی میں تپ کر اتنے تجربے کار ہو گئے تھے کہ انتظامیہ کی پُراسرار خاموشی اور رازداری کے باوجود سینہ گزٹ کے ذریعے پھیلنے والی خبروں سے ٹھیک ٹھاک صورت حال سمجھ لیتے تھے۔

اسرار کچھ دیر پہلے تک دلدار آغا کا دوست اور اس کا پُشت پناہ تھا لیکن اس وقت شہر کی تاراجی اور ویرانی پر بہت زیادہ افسردہ نظر آرہا تھا۔ نشے کی جھونک میں اس کی افسردگی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ شاہ فیصل کالونی کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے مجھ سے بلیک لیبل کی بوتل مانگی مگر میں نے نرمی سے اسے ٹال دیا۔ اگر میں خود اس کی گاڑی میں موجود نہ ہوتا تو مجھے پرواہ بھی نہ ہوتی کہ وہ نشے میں دُھت ہو کر اپنی کار اگلے پُل کی ریلنگ سے نیچے گرا تا یا سڑک سے لیول کراسنگ عبور کرنے والے دیوہیکل فولادی انجن کے نیچے گھسیٹر دیتا۔

"تم میری شادی میں آؤ گے نا؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد وہ اپنی زبان کی خارش سے مجبور ہو کر ترنگ میں بولا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میری بے خبری میں میری کھوپڑی پر لٹھ دے مارا ہو۔ اس کی زبان سے اس وقت ایک بالکل ہی نئی اور بظاہر انہونی بات نمودار ہوئی تھی۔

"تو کیا تم ابھی تک کنوارے ہو؟" میں نے اندھیرے میں اُسے گھورتے ہوئے تیزی سے پوچھا۔

"چار... چار کر سکتا ہوں۔" اس کی آواز سے غرور جھلک رہا تھا۔ "وہ مسلمان ہونے میں کسمسا رہی ہے۔ جس دن بھی لائن پر آگئی، نکاح کر لوں گا۔ اس کے لیے گلشن میں نیا اور سجا سجایا فلیٹ بھی لے چکا ہوں۔"

"کس کی بات کر رہے ہو؟" میں نے نرم لہجے میں سوال کیا۔

"شاید تمھیں چڑھ گئی ہے۔" وہ اُلٹا مجھ پر اپنے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ "ابھی ابھی بتایا تھا اور پھر پوچھ رہے ہو کہ وہ کون ہے؟"

"معاف کر دو! مجھے جلدی نشہ ہو جاتا ہے۔" میں نے خوشامدانہ لہجہ اختیار کر لیا۔

"اولاد کی خواہش نے ہم دونوں کو ایک ہی راستے پر ڈال دیا ہے۔" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس تذکرے پر وہ اپنے دل ہی دل میں لطف اندوز ہو رہا تھا۔ "ریٹا میری خاطر ڈی سوزا کو چھوڑنے پر آمادہ ہے۔ وہ بہت اچھی اور خوبصورت عورت ہے۔ میں بھی اسے چاہنے لگا ہوں مگر مشکل یہ ہے کہ ایک غیر مسلم عورت سے شادی پر دل مائل نہیں ہوتا۔ جس دن وہ مسلمان ہو گئی میں اسے گلشن میں بسا لوں گا۔"

"اور آج کل تمھارے جو مراسم چل رہے ہیں اس میں ریٹا کا مذہب آڑے نہیں آتا؟"

"ارے، دوستی کا کیا ہے؟ وہ تو کسی سے بھی کی جا سکتی ہے۔ اس نے مذہب نہ بدلا تو مجھے ڈر ہے کہ شادی کے بعد وہ میرے بچوں کو اپنے اثر سے عیسائی بنا لے گی۔" فقرہ مکمل کر کے اس نے ایک ہچکی لی اور میں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر اسے گھورتا رہ گیا۔

وہ نشے میں مست ہو کر ایک شادی شدہ، پرائی عورت کو ورغلانے کے لیے بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ اپنے مذہب کا نام استعمال کر رہا تھا۔ مذہب کا اس قدر استحصال، اس لمحے سے پہلے کبھی میرے مشاہدے میں نہیں آیا تھا۔

"تم نے کبھی یہ غور کیا کہ تمھاری اور ریٹا کی اس دوستی میں مسٹر ڈی سوزا کی کتنی حق تلفی ہو رہی ہے؟" میں نے قدرے توقف کے بعد اسرار سے سوال کیا۔

"حق تلفی!" وہ تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "کون کس کی حق تلفی کر رہا ہے، یہ حساب لگانا بہت مشکل ہے۔ ایک عورت شادی اس لیے نہیں کرتی کہ وہ تنہا ہوتی ہے اور اسے اپنی خلوت میں ایک ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ اس کے پس پشت عورت کی وہ جبلی خواہش کارفرما ہوتی ہے کہ اسے ماں بنایا اور سمجھا جائے۔" نشے کی جھونک میں وہ پُرزور انداز میں دلائل دینے پر تُل گیا تھا۔ "اسے تم یوں سمجھو کہ کسی مکان کی دو منزلوں کو ملانے کے لیے زینہ بنایا جاتا ہے، دوسری منزل بنی ہوئی ہو تو زینے کی بھرپور افادیت ہوتی ہے اور اگر زینے کے اختتام پر کھلی چھت اور نیلے آسمان کا سایہ ہو تو زینے کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہوتا ہے۔ اکیلی عورت اور ماں۔ یہ ایک عورت کی ذات کی دو منزلیں ہیں جن کے درمیان شوہر کی ذات کا زینہ ہونا ضروری ہے لیکن اس زینے کو طے کر کے اگر ممتا کی پیاس نہ بُجھائی جا سکے اور اس پر وہی کھلے آسمان کا سایہ ہو جو شادی سے پہلے بھی تھا تو اس زینے کی کوئی افادیت باقی نہیں رہتی۔ ویمک یا زنگ اس زینے کو چاٹ جاتا ہے۔ ریٹا تو ایک عظیم عورت ہے جو ڈی سوزا کو اتنے عرصے سے برداشت کرتی چلی آرہی ہے۔"

"تمھاری چھت پر بھی کھلے آسمان کا سایہ ہے!" میں نے

معنی خیز لہجے میں اسے یاد دلایا۔ "ایسی صورت میں تمہاری کیا افادیت رہ جاتی ہے؟"

"بنیادیں کمزور ہوں تو زینے سے اوپر کھلا آسمان ہی جھلملاتا رہتا ہے۔ اوپر کوئی اور سایہ فراہم نہیں کیا جاسکتا۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ میری بیوی بانجھ ہے لیکن ریٹا۔۔"

"بار بار موازنہ نہ کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مرد کی ذات بہت خود غرض ہوتی ہے۔ مرد جب بھی کچھ کرنا چاہتا ہے تو اس کے ہزار حیلے اور بہانے تراش لیتا ہے۔ تم اس سے مستثنیٰ نہیں ہو۔"

"تم جو چاہو سوچتے رہو اور اپنی ایسی کی تیسی میں جاؤ۔" وہ جھلا گیا۔ "تم کون سے میرے باپ ہو کہ میں اپنے فیصلے کے کسی جواز کے بارے میں تمہیں مطمئن کرتا پھروں؟"

"بالکل بالکل۔" میں نے سر ہلا کر اقرار کیا۔ "تم اپنی مرضی کے مالک ہو، جو چاہو، کرتے پھرو۔ لیکن پھر بھی میں ایک بات ضرور جاننا چاہوں گا۔"

"بکو!" وہ غرایا۔ "پتا نہیں، تمہیں دوسروں کے ذاتی معاملات میں دخل دینے کا کیا مرض ہے؟"

"دراصل دلدار آغا کی موت کے بعد میرے اور تمہارے درمیان خود بخود ایک تعلق قائم ہوگیا ہے جو مجھے بار بار بولنے پر اکسا رہا ہے ورنہ میں جانتا ہوں کہ تم ایک بڑے سرکاری افسر ہو اور میرے اور تمہارے درمیان ایسا کوئی جواز نہیں ہے جو ہمیں ایک دوسرے سے دوستانہ مراسم رکھنے پر مجبور کرسکے۔"

"پھر بکواس شروع کردی تم نے!" وہ غرایا۔ "جو پوچھنا چاہتے ہو، وہ پوچھو اور پھر خاموش ہوکر مجھے سوچنے دو، میرے سامنے بھی اپنے کچھ مسائل ہیں۔"

"تم اپنی بیوی کو چھوڑ کر ریٹا سے شادی کرنا چاہتے ہو یا۔۔۔؟"

"میں تو دونوں کو رکھوں گا۔ اگر اس نے کسی اور کو تاڑ رکھا ہے تو دوسری بات ہے۔۔۔ آخر تم اس بارے میں اتنے فکر مند کیوں ہو؟ وہ تمہاری بہن تو نہیں ہے؟"

"دلدار آغا کے بارے میں میں نے تمہیں آگاہ کیا تھا اس لیے اخلاقی طور پر میں خود کو اس معاملے میں ملوث محسوس کررہا ہوں۔ کسی کا گھر آباد کرنا بہت مشکل کام ہے لیکن ذرا سی لگائی بجھائی سے کسی کا بھی ہنستا بستا گھر آسانی کے ساتھ اجاڑا جاسکتا ہے۔"

"تمہیں اپنے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے بولا۔ "میرے لیے تم اتنے اہم نہیں ہو کہ میری ازدواجی زندگی کے بارے میں کسی فیصلے پر اثر انداز ہوسکو۔ تم نے دلدار آغا کو بے نقاب نہ کیا ہوتا، تب بھی میں ریٹا سے شادی پر تلا ہوا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب پہلے کے مقابلے میں، اس بارے میں میرے ذہن پر زیادہ دباؤ نہیں رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ تمہارے سوال کا معقول جواب ہے اور اب تم کلب پہنچنے تک خاموش رہ کر مجھے سوچنے کا موقع دوگے۔"

اور میں واقعی خاموش ہوگیا۔

اس کی وضاحتوں نے میرے ذہن پر سے ایک بڑا بوجھ ہٹا دیا تھا ورنہ میرے لیے وہ خیال سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ میں نے محض اپنی جان بچانے کے لیے ایک جوڑے کے درمیان بے بنیاد کدورتوں کا ایک ایسا بیج بو دیا تھا جس کے نتیجے میں کوئی بھی بدترین ازدواجی المیہ جنم لے سکتا تھا۔

میں اپنی نشست پر چپ چاپ بیٹھا رہا اور اسرار رضوی سڑک پر نظریں جمائے، پُرخیال انداز میں کار ڈرائیو کرتا رہا۔ اس پر اسکاچ کا سرور مسلط ہوچکا تھا لیکن اس کے باوجود اس کے چہرے اور پیشانی کی شکنوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ آنے والے لمحات کے بارے میں خاصا فکرمند تھا۔

❋

"پھر تو قصہ ہی ختم ہوگیا۔" میری کہانی سن کر سینڈو نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"یہ تمہارا خیال ہوسکتا ہے، میرے لیے تو کہانی اب شروع ہوئی ہے۔" میں نے اپنی قمیص کے بٹن لگاتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔ "دلدار آغا کے مارے جانے کے بعد کوئی اور اس کی جگہ لے لے گا۔ اس طرح یہ قصہ کبھی بھی ختم نہیں ہوسکتا۔ اسے ختم کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ان کی جڑ پر کاری ضرب لگائی جائے۔"

"تو کیا یہاں ٹی ڈی پر بھی کوئی اور مامور تھا؟" شی کے بارے میں سینڈو کی معلومات محدود اور بہت زیادہ ناکافی معلوم ہوتی تھیں۔

"پاکستان میں ٹی ڈی، شی کے سیاہ و سفید کا مالک تھا لیکن وہ اپنی سرگرمیوں کے لیے کسی کو جواب دہ تھا جو آج بھی اٹلی یا یورپ کے کسی اور ملک میں دندنا رہا ہوگا۔ دلدار آغا کی موت کی خبر ملتے ہی وہ اس کی جگہ کسی اور کو مقرر کردے گا اور وہ نئے دم خم کے ساتھ ہمارے مقابل آجائے گا۔"

"پھر بھی، یہ بات کم اہم نہیں ہے کہ اسرار رضوی نے تمہارے ہاتھوں دلدار آغا کو ہلاک کرادیا۔ اس طرح کم از کم اسرار توشی کے حامیوں کی فہرست سے باہر ہوگیا ہے۔"

"لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ شی کا وفادار ہوتے ہوئے بھی کلب کا ممبر تھا اور تم اسے مافیا کے ہمدردوں میں شمار کرتے تھے۔" میں نے ترش لہجے میں کہا۔

"غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اب اس کے مستقبل کا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم چاہو تو آج رات وہ ریٹا کے کمرے سے زندہ

نہیں لوٹ سکے گا۔" سینڈرو نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

" لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ہم اتنے غافل کیوں ہیں؟" میں نے سخت لہجے میں سوال کیا۔" دشمن کا ایک آدمی ہمیں ڈبل کراس کر رہا تھا اور ہم اس کے وجود اور سرگرمیوں سے بے خبر تھے۔"

" یہ میرا قصور ہے۔" سینڈرو نے گہری سنجیدگی کے ساتھ اعتراف کیا۔" تم چاہو تو مجھے اس جرم کی سزا میں مافیا سے نکال سکتے ہو یا میری موت کا پروانہ جاری کر سکتے ہو۔ ہر دو صورتوں میں تم مجھے پوری طرح سعادت مند پاؤ گے۔"

میں منہ بنا کر رہ گیا۔ بظاہر وہ اپنی سعادت مندی کا اظہار کر رہا تھا لیکن درحقیقت وہ ایک طرح کا چیلنج تھا اور وہ مجھے جتانا چاہ رہا تھا کہ اسے سزا دے کر یا ہلاک کر کے میں اپنا روزمرہ کا کام نہیں چلا سکوں گا۔" تم جانتے ہو کہ مجھے اپنا کام چلانے کے لیے تمہاری ضرورت ہے اس لیے تمہاری یہ پیشکش ڈھٹائی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ یہاں تمہارے علاوہ بھی کوئی اور ارکان کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کا ذمے دار ہوگا۔"

" کلب میں موجود عملے کی ذمے داری صرف اتنی ہے کہ یہاں آنے والے لوگوں کو ہر طرح سے خوش رکھیں اور ہدایات کے مطابق ان کی اخلاقی کمزوریوں کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ تیار کر کے میرے حوالے کرتے رہیں۔ ممبروں کے بارے میں سفارشات وغیرہ میں خود جاری کرتا ہوں جن کا انحصار میری اپنی اور میرے ماتحتوں کی فراہم کی ہوئی اطلاعات پر ہوتا ہے۔ اس بارے میں کسی اور کو ذمے دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔"

اس وقت ہم دونوں پارسن کے آراستہ رہائشی کمرے میں موجود تھے۔ اسرار رضوی نے مجھے کار میں چھوڑ کر اندر پارسن کو پیغام پہنچا دیا تھا اور فوراً ہی سینڈرو میرے لیے اوور کوٹ اور ایک چادر لے آیا تھا۔ چادر میں خود کو چھپا کر میں اطمینان سے پارسن کے کمرے میں پہنچا تھا جہاں سینڈرو نے مجھے لباس بھی فراہم کر دیا تھا کیونکہ چوکنڈی کے علاقے میں دلدار آغا سے آخری معرکہ سر کرتے ہوئے میرے لباس کی حالت خراب ہو گئی تھی۔

میرے ساتھ جو واقعات رونما ہوئے تھے ان پر میری طرح سینڈرو بھی مطمئن تھا۔ اسے کبھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اسرار کاشی سے بھی کوئی تعلق رہا ہوگا اور یہی ایک نکتہ ایسا تھا جس کے سہارے میں اسے دبا سکتا تھا۔ دوسری طرف سینڈرو کو اس امر پر خاصی حیرت بھی تھی کہ میں نے بدترین صورت حال سے دوچار ہونے کے باوجود ان دونوں کے درمیان نفاق کا ایسا بیج بو دیا تھا کہ اسرار اپنے جگری دوست کا جانی دشمن ہو گیا تھا۔

" چیف دو بار فون کر چکا ہے۔" خاصی طویل ندامت آمیز خاموشی کے بعد سینڈرو نے آہستگی سے کہا۔" وہ تم سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔"

" تم نے تو اسے بریف کر ہی دیا ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

" بدقسمتی سے دونوں بار میری اس سے بات نہیں ہو سکی کیونکہ اس نے میرے بارے میں دریافت ہی نہیں کیا تھا۔ اس نے پارسن سے صرف تمہارے بارے میں معلوم کیا تھا۔" اس نے کہا۔

" تمہارے پاس اس کا نمبر ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

" نہیں!" میں نے اندازہ لگایا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ "ضرورت کے وقت وہ خود ہی مجھ سے رابطہ قائم کرتا ہے اور آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ضرورت پڑنے پر یا ہمارے آڑے وقت پر اس نے رابطہ قائم نہ کیا ہو۔ اسے کہیں نہ کہیں سے خبریں مل ہی جاتی ہیں..."

" تمہیں ملنے میں کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔" آج پورے شہر کی زندگی درہم برہم ہے۔ ہر طرف قتل و غارت گری کا راج ہے، افواہوں کا کاروبار زوروں پر ہے۔ اس نے ان ہی چیزوں سے کوئی اندازہ لگا لیا ہوگا۔ صبح میں اسے بتا چکا تھا کہ میں ڈی ڈی کی راہ پر لگا ہوا ہوں۔ اس وقت اس نے میرا مذاق اڑایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں ڈی ڈی کے دھوکے میں کسی غیر متعلقہ آدمی پر اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں۔"

" سچ پوچھو تو خود مجھے بھی خدشہ تھا کہ تم غلط سمت میں وقت ضائع کر رہے ہو۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔" لیکن تم نے تو حیرت انگیز تیزی کے ساتھ پوری بساط ہی لپیٹ دی۔ آج صبح جب تم مجھے ہدایات دے رہے تھے تو مجھے شبہ تھا کہ اپنی برتری ثابت کرنے کے چکر میں تم غلطی کا ارتکاب کر رہے ہو۔"

" اب تم جاؤ، تھوڑی دیر میں میں اندر آؤں گا۔ اسرار میرے بارے میں تم سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس پر اپنی رائے کا اظہار نہ کر بیٹھنا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے اس حد تک مرعوب ہو جائے کہ میرے ایک اشارے پر ہر وہ بات اگلتا چلا جائے جو میں جاننا چاہتا ہوں۔"

" تم فکر نہ کرو، اسے میں سنبھال لوں گا۔" وہ وہاں سے اٹھتے ہوئے بولا۔

اس کے چلے جانے کے بعد میں نے وہیں سے جہانگیر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے فوراً ہی سلمیٰ نے ریسیور اٹھایا تھا۔ اس کی آواز دھیمی اور پرسکون تھی۔

" جہانگیر کا کیا حال ہے؟" میں نے سوال کیا۔

" بہتر ہیں اور اب ہوش میں آچکے ہیں۔" میری آواز پہچاننے

ہی اس کے لہجے میں بشاشت کی لہر دوڑ گئی۔" تم اس وقت کہاں سے بول رہے ہو؟"

" میں کام میں مصروف ہوں' میرے لیے کوئی فون تو نہیں آیا تھا؟"

" تھوڑی دیر پہلے سلطان شاہ کا فون آیا تھا۔ وہ تمہاری طرف سے فکر مند تھا۔"

" اب کہاں ہے وہ؟" میں نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

"جب اس نے فون کیا تو وہ تمہارے شرف آباد والے فلیٹ کے قریب تمہاری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اب وہ واپس اپنے گھر چلا گیا ہوگا۔ صبح فلیٹ پر تم سے ملنے آئے گا۔" اس نے بتایا۔

"اب تم کب تک مصروف رہو گے؟ جہانگیر بھی تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

" اس سے کہو کہ آرام سے سو جائے' میں واپس اپنے فلیٹ پر جاؤں گا۔ اس سے کل دن میں کسی وقت ملاقات ہوگی۔ اس ہنگامے کے بعد مجھے اور بھی کئی معاملات نمٹانے ہیں۔ غزالہ رابطہ قائم کرے تو اسے فوراً اپنے پاس بُلا لینا کیونکہ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے اس کے پاس صرف تمہارا ہی پتا اور فون نمبر ہے۔ وہ کہیں اور بھٹکتی رہی تو نئی دشواریوں سے دوچار ہو سکتی ہے۔"

" وہ اس شخص کی قید سے نکل چکی ہے تو اب کہاں غائب ہے؟

اسے تو پہلی فرصت میں تم سے رجوع کرنا چاہیے تھا۔" سلمٰی کو غزالہ کے بارے میں اپنی پرخاش کے اظہار کا موقع مل گیا۔

" آجائے گی۔" میں نے قدرے جھلاہٹ کے ساتھ کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اسے ابھی تک دلدار آغا کی موت کا علم نہ ہوا ہو اور شاید تمہیں بھی معلوم نہ ہو کہ دلدار آغا لیاقت آباد والے حادثے میں مارا نہیں تھا۔"

" تمہارا تو خیال تھا کہ بلوائیوں نے اس کی تکا بوٹی کر ڈالی ہوگی۔"

" خیال ضرور تھا لیکن وہ غلط ثابت ہوا۔ آج اس نے تھوڑی دیر قبل مجھے اپنا قیدی بنا لیا تھا۔ میرے ستارے اچھے تھے کہ میں بچ نکلنے اور اسے ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا ورنہ وہ مجھے پیس ڈالنے پر تلا ہوا تھا۔"

سلمٰی کے لیے یہ اطلاع حیران کن ثابت ہوئی تھی۔ اس پر کچھ دیر تک تبادلۂ خیال کرنے کے بعد میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا اور آئینے میں دیکھ کر ٹائی کی گرہ درست کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے اس لیے کلب کے احاطے میں چند گاڑیاں رہ گئی تھیں۔ میں اندر داخل ہوا تو اتفاق سے سب سے پہلے شوچان ہی سے سامنا ہوا۔ نگاہیں چار ہوتے ہی اس کے چہرے پر ندامت کے آثار پھیل گئے اور وہ احترام آمیز انداز میں میرے سامنے جھکتی چلی گئی۔

" اپنا کام کرو۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ "سنیڈو کدھر ہے؟"

" وہ اوپر گیا ہے۔" شوچان آہستگی سے بولی "مس پارسن نیچے ہے۔ اس وقت اس فلور پر میرے اور آپریٹر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

" مہمان کہاں ہیں؟"

" مس ریٹا اور مسٹر دلدار اوپر ہیں' تہ خانے میں دو جوڑے کارڈز کھیل رہے ہیں' ان کے علاوہ باقی لوگ جا چکے ہیں۔ آج ویسے بھی ورکنگ ڈے تھا اس لیے حاضری بہت کم تھی۔"

میدان خالی ہو چکا تھا لیکن پھر بھی اس وقت فضا میں اسکاچ اور تمباکو کے دھوئیں کی بو رچی ہوئی تھی۔ میں نے کہیں اور جانے کا ارادہ ملتوی کر کے وہیں ایک صوفہ سنبھال لیا۔

" مجھے افسوس ہے باس!" میرے بیٹھ جانے کے بعد شوچان نے نظریں جھکا کر مجرمانہ احساس کے ساتھ دھیمے لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں پہچان نہیں سکی تھی۔"

اپنے نیم برہنہ اور شوخ لباس کے باوجود وہ اس وقت بہت معصوم نظر آ رہی تھی۔ "تمہیں متاسف ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں نے اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "تعارف سے پہلے ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تم اپنے فرائض پوری توجہ اور ایمانداری سے سرانجام دیتی ہو۔ یہاں آنے والے مہمان کلب کے عملے سے اسی معیار کی فرض شناسی کی توقع رکھتے ہیں۔"

" میں تہ دل سے تمہاری ممنون ہوں۔ ایسے فراخ دل مالک خوش نصیبوں کو ہی ملتے ہیں۔ تم کچھ پینا پسند کرو گے؟"

" فی الحال ایک پیالی گرم گرم کافی لے آؤ۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

شوچان کے جاتے ہی مس پارسن ٹھمکتی ہوئی وہاں آ پہنچی۔ اس کے ہونٹوں پر اس کی وہی مخصوص سرجیکل مسکراہٹ سجی ہوئی تھی جو پہلی نظر میں مجھے بہت دلکش محسوس ہوئی تھی لیکن اس کی اصلیت معلوم ہونے کے بعد مجھے پارسن پر ترس آنے لگا تھا۔ وہ اس کی بے بسی اور پیشہ ورانہ مجبوری کی انتہا تھی کہ اس نے اپنے قدرتی خدوخال میں تبدیلی کرا کے اپنے لبوں پر مسکراہٹ کا بہروپ سجایا ہوا تھا۔

" سوری باس!" اس نے آتے ہی خوش دلی کے ساتھ کہا تھا۔ "میں نے سنا ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد تم ناخوشگوار صورتحال سے دوچار ہو گئے تھے۔"

"کیا تمہیں پورے واقعات کا علم ہے؟" میں نے ٹٹولنے والے

انداز میں سوال کیا۔ حقیقت یہ تھی کہ مس پارسن کا اظہارِ افسوس مجھے
ناگوار گزرا تھا اور میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ سینڈو نے اس واقعے کی
کتنی تشہیر کی تھی۔

"نہیں!" اس نے بلا تامل جواب دیا۔ "اسرار نے جب بتایا کہ
تم اس کی گاڑی میں کسی اوور کوٹ وغیرہ سے منتظر ہو تو میں نے
بھانپ لیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔"

"تمہیں سینڈو نے کچھ نہیں بتایا؟" میں نے اسے کریدنے
کی نیت سے پوچھا۔

"وہ پورا بلڈاگ ہے۔" پارسن ہلکی سی جھرجھری لے کر بولی۔ "کسی
کو کچھ نہیں بتاتا اور اگر سوال کیا جائے تو غرانے لگتا ہے۔ مجھے خوشی
ہے کہ اب ہمارا براہِ راست واسطہ تم سے رہے گا۔"

"ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "ہو سکتا
ہے کہ کلب کی براہِ راست دیکھ بھال اسی کے ذمے رہے اس لیے
تمہیں محتاط زبان استعمال کرنی چاہیے۔ سینڈو بہرحال تم سب سے
سینئر ہے۔"

"ہم سب اس کا پورا پورا احترام کرتے ہیں۔" وہ جلدی سے
بولی۔ "بلڈاگ کا خطاب میرا خود ساختہ نہیں ہے بلکہ جب وہ تھوڑی سی
پی لیتا ہے تو فخریہ خود کو بلڈاگ کہنے لگتا ہے۔"

"وہ یہاں تم لوگوں کے ساتھ شراب بھی پیتا ہے؟" میں نے
ترش لہجے میں سوال کیا۔

"ہمارے ساتھ نہیں لیکن یہاں پی لیتا ہے۔ اس سے
براہِ راست صرف میرا تعلق رہتا ہے۔ وہ دوسری لڑکیوں کو منہ
نہیں لگاتا بلکہ ان کی تحقیر کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا۔"

اسی لمحے شوچیان ایک چھوٹی سی نقرئی ٹرے میں بھاپ
اڑاتے ہوئے پانی کے ساتھ کافی کے لوازمات لے آئی۔

مس پارسن میرے لیے کافی بنا رہی تھی کہ زینوں کی طرف
سے ملی جلی مردانہ اور زنانہ آوازیں سنائی دیں پھر ایک سُریلا قہقہہ
فضا میں گونجا اور چند ثانیوں بعد دو جوڑے راہداری میں نظر آنے
لگے۔ دونوں مرد وجیہہ اور دراز قامت تھے۔ ان کے کرخت نقوش
سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اگر وہ اعلیٰ سرکاری عہدے دار نہیں تھے
تب بھی زندگی کے کسی کامیاب ترین شعبے میں سیاہ و سفید کے
مالک تھے۔

دونوں عورتیں اپنی وضع قطع سے مغربی طرزِ زندگی کی دلدادہ
نظر آ رہی تھیں۔ وہ اونچی آوازوں میں گفتگو کرتے ہوئے جس طرح ہنس
رہی تھیں اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کی کھوپڑیوں پر الکحل کا خمار
سوار تھا۔

مس پارسن کافی کی پیالی میرے سامنے رکھ کر معذرت کرتی
ہوئی اٹھی اور کمرے خانے سے برآمد ہونے والے جوڑوں کی طرف بڑھ
گئی۔ اس نے شاید رسمی انداز میں ان چاروں کو الوداع کہا تھا پھر
دروازے سے نکلنے سے پہلے ان میں سے سفید تر بالوں والے ایک
شخص نے اچانک مس پارسن کو اپنے واہنے ہاتھ میں سمیٹ لیا۔
دونوں عورتیں وہ منظر دیکھ کر زور زور سے ہنسنے لگیں پھر وہ چاروں
پارسن کو وہیں چھوڑ کر باہر نکل گئے۔

مس پارسن غیر ارادی طور پر اپنے بال درست کرتے ہوئے ہماری
طرف واپس آئی تھی۔ مسکراہٹ تو خیر اس بے چاری کی مجبوری تھی لیکن
اپنی توہین پر اس کی تیوریوں پر ذرا بھی بل نہیں آیا تھا۔ یوں معلوم
ہو رہا تھا جیسے جانے والی عورتوں کی طرف سے کی جانے والی تذلیل
کو وہ اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کا جزو سمجھ کر نظر انداز کرتی رہی ہو۔

"یہ دونوں بیویاں تھیں یا داشتائیں؟" وہ برداشت کر گئی تھی
لیکن میں اس کی توہین کو آسانی سے سہہ نہ سکا اس لیے اس سے
وہ تلخ سوال دریافت ہی کر لیا۔

"ایک بیوی تھی، دوسری کو جو دل چاہے سمجھ لو۔" وہ مسکراتے
ہوئے خوش خلقی کے ساتھ بولی۔ "سفید بالوں والا شہر کا ایک ایسا
افسر تھا جس کا نزلہ اور زکام بھی شہر کے امن و امان پر اثر انداز ہوتا
ہے۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہی یہاں آتا ہے لیکن اس کا ساتھی
ایک صنعت کار تھا جو اپنی پہلی اور اصلی بیوی کو اپنی کوٹھی کے
دریچوں میں قید رکھتا ہے لیکن دوسری نام نہاد بیوی کو تحفے کے
طور پر سرکاری اہل کاروں کی نذر کرتا رہتا ہے اور اس کے بل بوتے
پر ناقابلِ تصور فائدے حاصل کر لیتا ہے۔" اس نے کہا۔

"اور شاید اسی افسر نے جاتے جاتے تمہیں اپنے بازو میں
سمیٹنے کی کوشش کی تھی؟" میں نے پارسن سے وہ سوال کرتے ہوئے
اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" وہ بے پروائی سے بولی۔ "میرا
کیا گھس جاتا ہے۔ وہ خوش ہو کر چلا گیا اور اب اگلی بار نئی ممی کو لے
کر یہاں آئے گا۔ معاف کرنا، تم میرے باس ضرور ہو لیکن ہائی
فلائی سوسائٹی کے رواج سے بالکل بے خبر معلوم ہوتے ہو۔ یہ ایک
بہت کشش انگیز اور طاقت ور گرداب ہے۔ باہر کھڑے ہو کر
دیکھو گے تو تمہیں اندر ہزار عیب نظر آئیں گے لیکن ایک بار تم اس
دوڑ میں شامل ہو گئے تو پھر اس گرداب سے باہر تمہیں زندگی بے
رنگ اور بے کیف نظر آئے گی۔"

"ہائی فلائی سوسائٹی!" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ "جسے
زندہ رکھنے اور پروان چڑھانے کے لیے پارسن اور شوچیان جیسی
لڑکیوں کے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"اس سوسائٹی میں تمہارا مقام اور کردار کیا ہے؟" میں نے

اس سے سوال کیا۔

"اس بھیڑ میں ہر شخص راتوں رات مادی ترقی کی معراج پا لینے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ جو کامیاب ہو جاتے ہیں، وہ معززین کہلاتے ہیں اور جو ٹھوکریں کھانے لگیں، وہ میری طرح سمجھوتوں پر اتر آتے ہیں لیکن دونوں صورتوں میں وہ اسی گرداب میں پھنسے رہتے ہیں۔ اس ماحول میں زندگی اتنی رنگین اور سہل ہے کہ ایک بار اس کا مزہ لگ جائے تو پھر کوئی اپنی خوشی سے نہیں چھوڑتا۔ طاقتور، مال دار، بااختیار اور فیاض لوگوں کی صحبت میں زندگی کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ ہر خواہش اتنی آسانی سے پوری ہو جاتی ہے کہ اپنے اوپر کبھی کبھی رشک آنے لگتا ہے۔ میری عمر اتنی زیادہ نہیں ہے لیکن میں بڑے اعتماد سے دعویٰ کر سکتی ہوں کہ میرے دل میں کوئی حسرت باقی نہیں رہی ہے۔ میں نے یہ راستہ منتخب نہیں کیا ہوتا تو بنکاک اور سنگاپور کے نائٹ کلبوں کے ایجنٹ دو وقت کی روٹی اور سر چھپانے کے ٹھکانے کے عوض، برسوں پہلے میرے وجود کو ایک بے رونق اور کھوکھلے ڈھانچے میں بدل چکے ہوتے۔"

"اجازت ہو تو دروازے، کھڑکیاں اور فالتو روشنیاں بند کرا دی جائیں؟" اسی وقت ایک نئی لڑکی نے ہماری گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے بہت ادب کے ساتھ پارسن سے سوال کیا۔

"ہاں۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہم تھوڑی دیر یہاں بیٹھیں گے۔ شاید تمہارا باس سے تعارف نہیں ہوا۔" اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی وہ لڑکی احتراماً تقریباً رکوع کی حد تک جھک گئی۔

"اور یہ شی کاوا ہے.. مس شی کاوا۔" پارسن نے تعارف مکمل کراتے ہوئے کہا۔

"یہ جتانا بے سود ہے، میں جانتا ہوں کہ یہاں کام کرنے والیاں مس ہی ہوں گی۔ ایسے آزاد پیشوں میں شوہروں والیاں چل ہی نہیں سکتیں۔" شی کاوا کے چلے جانے کے بعد میں نے ہنس کر کہا۔ میں دانستہ مس پارسن کے ساتھ اپنے مراسم کو دوستانہ راہ پر ڈال رہا تھا کیونکہ میری دانست میں وہ آگے چل کر کارآمد ثابت ہو سکتی تھی۔

اسی لمحے ٹیلی فون پر آپریٹر کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "باس! تمہاری کال ہے۔ دوسری طرف سے چیف بول رہا ہے۔"

"ادھر ملا دو!" میں نے مس پارسن کی ڈیسک کی طرف لپکتے ہوئے کہا۔ "اور تم دونوں چھٹی کرو، مجھے جس کی ضرورت ہوگی، اسے بلا لوں گا۔"

میں نے ریسیور اٹھایا تو وہ دونوں تیز قدموں سے واپس جا رہی تھیں۔ مس شی کاوا گراؤنڈ فلور کے ایک دور افتادہ حصے میں کھڑکیوں کے پردے برابر کر کے فاضل روشنیاں بجھانے میں مصروف تھی۔

"ہیلو! شوٹر اسپیکنگ۔" میں نے ریسیور سنبھال کر دھیمی آواز میں کہا۔

"تم نے کمال کر دکھایا ہے شوٹر!" دوسری طرف سے سیٹھ حبیب جیوانی کی پرجوش آواز سنائی دی۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارے اندازوں کی تردید کرتے ہوئے اپنی لاعلمی ظاہر کرنے میں عجلت سے کام لیا تھا۔۔۔"

"کوئی بات نہیں، ایسا ہو جاتا ہے۔ تم نے مجھے ایک ہفتے کا وقت دیا تھا لیکن میں نے دن گزرنے سے پہلے اپنا کام پورا کر لیا اور اس پورے کھیل میں ہم نے شاید صرف عجائب گل خان کو کھویا ہے۔ لیکن میں ماجے کو معاف نہیں کروں گا۔ اسے میرے آدمی پر ہاتھ ڈالنے کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔"

"گڈ!" اس کی تحسین آمیز آواز ابھری تھی۔ "سینڈو میں اس حوصلے کی کمی ہے۔ تمہاری جگہ وہ ہوتا تو عجائب گل کی موت کو خاموشی سے برداشت کر گیا ہوتا۔"

"چور اچکوں پر اپنی طاقت اور اختیار کا مظاہرہ کیے بغیر نہ ہم اپنی ساکھ بنا سکتے ہیں اور نہ چھوٹے مجرموں پر اپنی دھاک بٹھا سکتے ہیں۔" میں نے زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ کہا کیونکہ حبیب جیوانی نے اپنی ہرزہ سرائی کے معاملے کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے گفتگو کا رخ سینڈو کی طرف موڑ دیا تھا تاکہ مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے وہ خود کو مزید خفت اور ندامت سے محفوظ رکھ سکے۔

"تم نے آتے ہی اپنے وجود کو منوا لیا ہے۔" اس کا لہجہ بدستور ستائشی تھا۔ "تمہارا مضبوط سہارا پا کر مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اب میں جلد ہی اس علاقے میں خود مختار ڈان کا منصب حاصل کر لوں گا اور پھر مجھے باہر سے کسی کی خوشنودی یا مدد کی ضرورت نہیں رہ جائے گی۔"

"یہ تمہارا اور اٹلی والوں کا معاملہ ہے کہ وہ پوری صورتِ حال کو کس زاویے سے دیکھتے ہیں۔ مجھے تم ہر جگہ اور ہر وقت بیدار اور مستعد پاؤ گے۔ تم سے دوستی کی ہے تو اب آخر تک اس کو نبھاؤں گا۔"

"سینڈو سے پتا چلا تھا کہ تمہاری مسلسل مار سے ڈی ڈی کا دماغ الٹ گیا تھا اور آخر کار وہ لیاقت آباد میں ایک مشتعل ہجوم کے نرغے میں پھنس کر مارا گیا۔ فسادات کی جو آگ اس نے اپنی سازش سے بھڑکائی تھی، وہ خود اسی کے شعلوں میں جل کر راکھ ہو گیا۔" اس کی آواز ابھری۔

"محسوس یہی ہوا تھا لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہوا تھا۔ اسے اتنی بری طرح زدوکوب کیا گیا تھا کہ اس کے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے تھے لیکن وہ سخت جان زندہ پھر بھی وہاں سے فرار ہو کر ... نینڈ

میں اپنے ایک دوست کے گھر میں پناہ لینے میں کامیاب ہو گیا۔ شاید تمھیں یہ جان کر حیرت ہو کہ دلدار آغا نے اپنے دوست کی مدد سے تھوڑی دیر قبل مجھے اپنا قیدی بنا لیا تھا۔ میں بڑی مکاری اور چال بازی سے خود کو بچا کر اسے ہلاک کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی موت میرے ہاتھوں لکھ دی گئی تھی اس لیے وہ گھوم پھر کر ایک مرتبہ پھر میرے سامنے آ گیا تھا۔"

"تمھیں اس نے قید کیا تھا؟" حبیب جیوانی کی تحیر زدہ آواز ابھری۔ "لیکن سینڈو نے تو بتایا تھا کہ تمھیں سینٹرل ایکسائز والوں نے کلفٹن سے گرفتار کیا تھا۔ میں نے اسے ہدایت دی تھی کہ ریٹا پر دباؤ ڈال کر اسرار رضوی کو ہر قیمت پر تمھاری مدد کے لیے مجبور کیا جائے۔ اس کی کوششوں کا نتیجہ جاننے کے سلسلے میں یہ میری تیسری فون کال ہے۔ مجھے تمھاری رہائی کی سب سے زیادہ فکر تھی لیکن ابھی فون پر تمھاری آواز سن کر میں جوش اور خوشی کے عالم میں سب کچھ بھلا بیٹھا۔ تو کیا اسرار نے تمھارے لیے کچھ نہیں کیا؟"

"بس یہ سمجھ لو کہ میں اسرار کے تیار کیے ہوئے تابوت میں سے اچھل کر بھاگا ہوں۔" میں اپنے لہجے میں پیدا ہونے والی تلخی پر قابو نہ پا سکا۔ "ہم اسرار رضوی کو ریٹا کا عاشق زار اور اپنا وفادار سمجھ رہے تھے جب کہ وہ ڈی ڈی کا واحد قریبی دوست اور کاروباری شریک ہے۔ زخمی ہونے کے بعد دلدار آغا فرار ہو کر ہاتھ آئی لینڈ میں اسی کے گھر پہنچا تھا اور پھر ریٹا کی نشان دہی پر ان دونوں نے مجھے سینٹرل ایکسائز کی حوالات سے نکال کر اپنا قیدی بنا لیا تھا۔ آج مجھ سے ذرا بھی چوک ہوئی ہوتی تو اس وقت فون پر تم سے باتیں کرنے کے بجائے چوکنڈی کے ویرانے میں بے گور و کفن پڑا ہوا ہوتا اور کتے، بھیڑیے میری لاش کو چاٹ رہے ہوتے۔"

اس کے متجسسانہ استفسار پر مجھے اس کو اپنی گرفتاری سے گلوخلاصی تک کے واقعات پوری تفصیل سے بتانے پڑ گئے۔

"اس کا مطلب ہوا کہ اسرار نے ہمارے ساتھ دغا کی ہے؟" پوری تفصیل سن کر وہ برہمی کے عالم میں بولا۔

"دغا تو اس وقت ہوئی ہوتی جب اسے میرے اور مافیا کے تعلق کے بارے میں معلوم ہوتا۔ وہ تو مجھے کوئی ریٹا کا ذاتی معاملہ سمجھ رہا تھا۔ اس لیے اسے کوئی دوش نہیں دیا جا سکتا۔ ساری غلطی ہماری اپنی ہے کہ ہمیں اسرار کے دلدار آغا کے ساتھ مراسم کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ غافل مسافروں کی طرح ہم جد و جہد کیے بغیر ایک لگے بندھے راستے پر چل رہے تھے جو ہمیں اچانک ہی تحت الثریٰ میں بھی پہنچا سکتا تھا۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ اس معاملے میں سارا قصور سینڈو کا تھا؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"سینڈو کو قربانی کا بکرا نہیں بنایا جا سکتا۔" میں نے بے خوفی کے ساتھ کہا۔ "اسے قصوروار ٹھہراؤ گے تو تم بھی اپنی ذمے داری سے نہیں بچ سکو گے کیونکہ اپنے ماتحتوں کی کارگزاری کی آخری ذمے داری تمھی پر آتی ہے۔"

"اور وہ سؤر کا بچہ، اسرار، اس وقت بھی کلب میں ریٹا کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا ہے۔" میری منطق سن کر ایک دم ہی اس کا پارا چڑھ گیا۔

"وہ چوکنڈی سے میرے ساتھ براہِ راست کلب میں ضرور آیا ہے لیکن اس وقت اس کے اعصاب کسی عیاشی کے قابل نہ ہوں گے کیونکہ چوکنڈی کے ویرانے میں اس نے اپنی ہدایات کے سہارے مجھ سے اپنے عزیز ترین دوست کی لاش تخلیق کرائی ہے اور پھر وہ اوپر ریٹا کے ساتھ تنہا نہیں ہے۔ اس کی کھوپڑی میں میری اہمیت بٹھانے کے لیے سینڈو بھی اس کے سر پر مسلط ہے۔"

"کیوں نہ اس کا بھی پتا صاف کرا دیا جائے؟" سیٹھ حبیب نے سوال کیا۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے بارے میں بہت سنجیدہ ہے۔

"یہ تو سب سے آسان کام ہے۔" میں نے بلا توقف جواب دیا۔ "لیکن یہ سوچ لو کہ اس کے رتبے کے کسی اور اہم سرکاری افسر کو رام کرنے کے لیے ہمیں کتنی ریاضت کرنی پڑے گی؟ ایسے جاہ طلب خود پرست اور عیش کوش افسران ہم جیسی کسی بھی تنظیم کے لیے قیمتی اثاثہ ثابت ہوتے ہیں۔ میری رائے میں اسرار کو ختم کرنے کے بجائے اسے پالنا ہی بہتر رہے گا۔ آج وہ ڈپٹی ہے، کل کلکٹر ہو جائے گا۔ دلدار آغا کا قیدی بننا اور پھر بچ نکلنا تو بعد کی باتیں تھیں لیکن اصل کردار اسرار کا ہی تھا۔ اگر وہ مجھے حوالات سے غیر رسمی آزادی نہ دلاتا تو اگلا سورج طلوع ہونے تک میرے خلاف مضبوط استغاثہ تیار ہو سکتا تھا جس کا توڑ کرنا ہم میں سے کسی کے بھی بس میں نہیں ہوتا۔"

"تم فوری فائدوں کے بجائے مستقبل پر نگاہ رکھتے ہو اور یہی بات مجھے پسند ہے۔" قدرے توقف کے بعد سیٹھ حبیب جیوانی کی مصالحانہ آواز سنائی دی۔ "اپنے ان مشوروں کی روشنی میں اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ میرا خیال ہے کہ میں تمھاری رائے اور مشوروں کو نظرانداز کر کے زیادہ عرصے تک گاڑی نہیں چلا سکتا۔"

"میرے لیے اہمیت اس بات کی ہے کہ تم باہر سے آنے والے بدمعاش گوروں کے احکام کی تعمیل کرنے کے بجائے بذاتِ خود ڈان بن جاؤ۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "اس لیے اسرار رضوی کی حالیہ حرکت کو قطعی نظرانداز کر دو۔ ڈی ڈی جہنم واصل ہو چکا ہے۔ اسرار کو صحیح صورتِ حال کا ادراک ہو گیا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے

کہ اس کی کِی کلب کی بے اعتدالیاں کبھی بھی منظرِ عام پر آکر اس کا مستقبل تباہ کر سکتی ہیں۔ اس لیے آنے والے دنوں میں وہ ہمارے لیے اثاثہ ثابت ہوگا۔۔"

"چلو، میں نے یہ بات مان لی، وہ زندہ رہے گا۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "اسرار کو میں تمہارے ڈسپوزل پر چھوڑتا ہوں، جب تک چاہو، اس خبیث کو زندہ رکھو اور جب چاہو، میری کسی اجازت کے بغیر اسے عدم آباد کو روانہ کر دو۔ یہ بات ہر وقت ذہن میں رکھنا کہ میں فرد سے زیادہ اہمیت اپنی تنظیم کو دیتا ہوں۔"

"میں تمہاری رائے کو مسترد نہیں کرتا لیکن میرے لیے یہ کوئی کلیہ نہیں ہے۔ کبھی کبھار افراد تنظیم سے زیادہ اہم ہو جاتے ہیں، جیسے اسرار رضوی اپنے حرامی پن کے باوجود میری نظروں میں اہمیت رکھتا ہے۔ تنظیم یعنی مافیا کے فوری مفادات کا تقاضا ہے کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے لیکن میں اس کی زندگی میں اپنے بہتر مستقبل کی نمو دیکھ رہا ہوں اس لیے میں نے تم سے اسے زندہ رکھنے کی سفارش کی ہے۔"

"رکھو! اسے زندہ رکھو!" وہ اضطراری لہجے میں بولا۔ "تم نے چوبیس گھنٹوں سے بھی کم مدت میں اپنی جو بھیانک اور خوف آور کارکردگی دکھائی ہے اس کے بعد تمہارے کسی بھی فیصلے پر کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن ساٹھ لاکھ کا ایک معاملہ ہر صورت میں متنازعہ ہے۔"

"وہ کیا ہے؟" میں نے تیز اور تُرش لہجے میں سوال کیا۔

"سراج اولڈ کلفٹن پر تمہارے ساتھ ہی پکڑا گیا تھا؟" اس کی پُرسکون آواز اُبھری۔

"سیٹھ نے تمہیں بتایا ہوگا۔ اسی کے ساتھ لین دین میں سینٹرل ایکسائز والوں نے چھاپا مار کر ہمیں رنگے ہاتھوں گرفتار کیا تھا۔ وہ لوگ کافی عرصے سے سراج کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔"

"اس چھاپے میں نشانہ کون تھا؟" اس نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"بظاہر سراج ہی ان کی نظروں میں تھا۔" میں نے کہا۔

"لیکن سراج نے حوالات سے فرار ہونے کے بعد ساری ذمے داری تم پر ڈال دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ چھاپا پڑنے کے وقت لین دین مکمل ہو چکا تھا۔ ہیروئن تمہاری تحویل میں تھی اور شناختی کاغذ کے دونوں ٹکڑے اس کے قبضے میں آچکے تھے۔"

"وہ درست کہہ رہا ہے۔ حوالات میں بھی میری اس سے بحث ہوئی تھی۔ دھونس اور دھاندلی کی بات دیگر ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ بدقسمتی سے ڈیل پوری ہوتے ہی چھاپا پڑ گیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ادائیگی ہمارے ذمے پڑے گی۔" اس کی آواز تشویش آمیز ہو گئی۔ "مال کے بارے میں اسرار کا کیا رویہ ہے؟ اس سے بات تو ہوئی ہوگی تمہاری؟"

"اس نے مجھے اپنا مخبر قرار دے کر رہائی دلائی ہے، اپنے ماتحت عملے کے ساتھ اس کا رویہ بہت سخت اور دو ٹوک تھا۔ ان لوگوں نے مال ریکارڈ پر چڑھا کر مجرموں کو مفرور دکھایا ہوگا۔ پیکٹ بازیاب ہونے کی اب کوئی امید نہیں رہی ہے، وہ سرکاری مال قرار دیا جا چکا ہوگا۔"

"تم سینڈو سے مشورہ کر کے اسرار پر دباؤ ڈالو۔" وہ بولا۔ "وہ اپنے اختیارات سے کام لے کر مال خانے سے وہ پیکٹ تبدیل کرا سکتا ہے۔ اس کام میں لاکھ دو لاکھ خرچ بھی ہو جائیں تو پروا نہیں ہونی چاہیے۔ حکیم زادہ خان اس معاملے میں ہم سے ایک پیسے کی بھی رعایت نہیں کرے گا۔"

"میں بات کیے لیتا ہوں لیکن اطلاعاً یہ بتا دوں کہ سینڈو کے بھی ہاتھ صاف نہیں ہیں۔ وہ مال بیچ کر اپنا دو فیصد کمیشن رکھتا۔۔"

"میں نہیں مان سکتا۔" اس نے میری بات کاٹ کر بے یقینی سے کہا۔

"تمہارے نہ ماننے سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ اس نے خود مجھ سے اپنی ہیرا پھیری کا اعتراف کیا ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "اس طرح وہ تمہاری مجبوری کی قیمت وصول کرتا رہا ہے۔"

"وہ اس قدر ناقابلِ اعتماد ہے تو اسے گولی مار دی جانی چاہیے۔" سینڈو کے بارے میں اس انکشاف نے سیٹھ حبیب کو شدید صدمہ پہنچایا تھا۔

"میں نے تمہیں صرف اطلاعاً آگاہ کیا ہے۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "تم سینڈو پر یہ ظاہر نہ ہونے دینا کہ تم اس کے ہیر پھیر سے واقف ہو چکے ہو۔ تمہارے خوف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں خود ہی اس کے دماغ کے کیڑے جھاڑ دوں گا۔ اسرار رضوی کے معاملے میں بھی اس سے مجرمانہ غفلت سرزد ہوئی ہے کہ وہ کشی کے ساتھ اس کی ہمدردی سے بالکل بے خبر تھا۔ ایسی بڑی بڑی باتوں کو نظر انداز کر کے ہم اپنی بنیادیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ دشمن کے آدمیوں کا ہمارے درمیان آگھسنا کسی بھی وقت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"ہم جو کچھ بھی ہیں، اب تمہارے سامنے ہیں اور تم خود بھی ہم میں سے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنا چارج سنبھالتے ہی ہر طرف دیکھ بھال شروع کر دی ہے اور اپنی گرفت مضبوط کر رہے ہو۔ اب مجھے ان تمام خامیوں کی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔ بہتر تنظیم اور کارکردگی کے لیے تم اپنی صوابدید کے مطابق فیصلے کر سکتے ہو۔ ویسے سینڈو اس وقت اوپر سے آسکے تو میں اس سے کچھ بات

کرنا چاہتا ہوں۔"

"اسے بالکل نہ چھیڑنا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "اس پر اپنی ذات کا بھرم قائم رہنے دو۔ ایک بار یہ بھرم ٹوٹ گیا تو وہ میرے بھی قابو سے باہر ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں نے اپنے معاملات اب تمھیں سونپ دیے ہیں۔ جو چاہو کرتے رہو لیکن مجھے آگاہ کرتے رہنا۔ صبح میں دفتر میں تم سے بات کروں گا۔" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"شہر میں پولیس اور نیم فوجی دستوں کا بھاری گشت جاری ہے۔ آثار و قرائن سے ظاہر ہو رہا ہے شہر کے حساس اور فساد زدہ علاقوں میں کرفیو کا نفاذ ہو چکا ہو گا اس لیے صبح میرا دفتر جانا یقینی نہیں ہے۔ اگر مجھ سے رابطہ قائم نہ ہو سکے تو اس کا برا نہ منانا۔ مجبوری یہ ہے کہ میرے پاس تم سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"

ریسیور پر اس کے ایک گہری سانس کی آواز آئی پھر وہ بوجھل لہجے میں بولا۔ "تمھیں معلوم ہے کہ آزاد اور خود مختار ہوتے ہوئے بھی میں اپنے حالات کا قیدی ہوں۔ جب تک میرا ہم شکل غیر ملکی جیل میں سزا کاٹ رہا ہے، میں یہاں منظرِ عام پر نہیں آ سکتا۔ اپنی پوری شناخت کے ساتھ میری زندگی بس اپنی بیوی تک محدود ہو کر رہ گئی ہے اور وہ بے چاری محض میری وجہ سے میرے والدین کے طعنے سہہ کر الگ گھر میں رہ رہی ہے تاکہ ہم دونوں اکٹھے رہ سکیں لیکن میرے گھر والے اسے آزاد خیال اور رنگین مزاج سمجھنے لگے ہیں۔ میرا اکلوتا بیٹا مجھ سے دور ہاسٹل میں رہ کر تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اپنی بیوی اور بچے کے مستقبل کو کسی بدشگونی سے بچائے رکھنے کے لیے میں نے یہاں خود کو چھپایا ہوا ہے اور اسی لیے میں نے اپنا فون نمبر کسی کو نہ دینے کا اصول بنایا ہوا ہے...!"

"میں تمھیں مجبور نہیں کر رہا بلکہ تمھیں اپنی مجبوری بتا رہا تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں کہا۔ "اپنی مجبوریوں کو تم بہتر سمجھتے ہو۔"

"تم نے میری پوری بات نہیں سنی۔" اس کی آواز ابھری۔ "دوسروں کی بات اور ہے لیکن تم ان سب سے مختلف ثابت ہو رہے ہو۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس بارے میں تم پر اعتماد کر لیا جائے لیکن میں توقع رکھوں گا کہ تم فون نمبر کے ذریعے میرے گھر تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"مجھے تمھارے گھر سے کیا غرض ہو سکتی ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "پھر بھی تم مجھے نمبر نہ دو تو بہتر ہے۔ بلاوجہ میری ایک اور ذمے داری بڑھ جائے گی۔ جب سینڈو تمھارے گھر کا نمبر جانے بغیر کام چلا رہا ہے تو مجھے کیا دشواری پیش آ سکتی ہے۔ ایسا ہی ضروری سمجھتے ہو تو کوئی ٹرانسمیٹر کیوں نہیں خرید لیتے؟"

"تمھاری تجویز معقول ہے مگر پھر بھی تم نمبر لکھ ہی لو۔" میرے کافی انکار کے باوجود اس نے مجھے اپنے گھر کا نمبر لکھوا ہی دیا۔ "میں نہ ملوں تو میری بیوی گھر پر ہوتی ہے۔ اسے میری رہائی کے پس منظر اور میری موجودہ سرگرمیوں کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ تم اس کے پاس پیغام چھوڑ سکتے ہو۔"

وہ ہیروئن کے دھندے سے کروڑوں کما چکا تھا لیکن اس بیش قیمت پیکیٹ کے ہاتھ سے نکل جانے پر بہت متفکر تھا جو سینٹرل ایکسائز والوں کی تحویل میں تھا۔ اسی کے ساتھ وہ سٹی کے کارکنوں کی طرف سے بھی فکر مند تھا۔ شہر میں انتظامیہ پوری مستعدی کے ساتھ دلدار آغا کو تلاش کر رہی تھی لیکن وہ لاپتا تھا۔ جب تک اس کی موت کی خبر کی تشہیر نہ ہوتی، اس کے حواریوں کے حوصلے پست نہیں کیے جا سکتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ ڈی ڈی کی موت کی خبر پھیلانے کے بعد معراج دین عرف ماجے کے ساتھ ہم اپنے روابط استوار کر سکتے ہیں۔

میں نے اسے ان تمام باتوں کی طرف سے بے فکر ہو جانے کا مشورہ دیا تب کہیں اس نے فون کا سلسلہ منقطع کیا اور میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال کر ٹیلی فون ڈائریکٹری سنبھال لی۔

پہلے میرا ارادہ پولیس کے محکمے سے رجوع کرنے کا تھا اور میں نے ڈائریکٹری میں سے چند اعلیٰ افسران کے نمبر بھی نکال لیے تھے مگر ایک نئے خیال کے تحت میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور شہر کے سب سے بڑے روزنامے کے دفتر کا نمبر ملا لیا۔

اخبار کے آپریٹر سے پتا چلا کہ وہاں کرائم ایڈیٹر نام کی کوئی اسامی نہیں تھی البتہ جرائم کی خبروں کے شعبے میں چیف کرائم رپورٹر ضرور تھا۔

ابتدا میں چیف کرائم رپورٹر کا رویہ سرد مہرانہ تھا۔ غالباً اسے اکثر فون پر بے سروپا اطلاعات ملتی رہتی تھیں اس لیے وہ میری فون کال کو بھی کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھا لیکن جب میں نے شاہ باغ کی تباہی اور دلدار آغا کی روپوشی کا ذکر چھیڑا تو وہ میری باتوں میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ دلدار آغا ایک شریف اور معزز شہری ہے جو اپنے خلاف بدمعاشوں کی ریشہ دوانیوں پر خوف زدہ ہو کر روپوش ہو گیا ہے۔ پولیس والے بلاوجہ اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔" اس نے میرے سوال پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔ "مگر تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"دلدار آغا شریف آدمی نہیں بلکہ جرائم پیشہ شخص تھا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "وہ ڈی ڈی کے نام سے شہر میں جرائم پیشہ لوگوں کے ایک مضبوط گروہ کی سرپرستی کرتے ہوئے شہر میں منظم

پیمانے پر ہیروئن فروخت کراتا تھا۔ اسی کے ساتھ اپنی فیکٹری سے ہارمونیم کیپسولز کے نام سے مردانہ ہارمونز کی آڑ میں ہیروئن سے بھرے ہوئے کیپسولز باہر اسمگل بھی کرتا تھا۔ اس کے فرنٹ فارم پریا گھر پر جو کچھ ہوا، اس کی بنیاد پیشہ ورانہ رقابت تھی۔ اس نے جھلا کر اس بارے میں فرقہ وارانہ افواہیں پھیلا کر شہر میں فساد کرایا ہے۔ نامعلوم گاڑیوں سے بے گناہ اور نہتے راہگیروں پر گولیاں برسانے والے بھی اسی کے کارندے تھے۔ میں تمھیں شہر میں ہونے والے جرائم کی تاریخ کی سب سے بڑی خبر دے رہا ہوں اور اس خبر کا کلائمکس یہ ہے کہ دلدار آغا اپنی ساری بدمعاشیوں کے باوجود اپنے دشمنوں کے ہاتھوں جہنم واصل ہو چکا ہے۔ اس کی بے گور و کفن لاش چوکنڈی کے قبرستان کے قریب ویرانے میں پڑی ہوئی ہے۔ تم اپنے فوٹوگرافر کے ساتھ وہاں چلے جاؤ تو صبح کے شمارے میں ایک دھماکا خیز خبر اپنے قارئین کے لیے پیش کر سکو گے۔“

میں اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوا تو دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں سنائی دیا۔ میں نے دو تین مرتبہ ہیلو ہیلو کہا لیکن دوسری طرف بدستور سناٹا چھایا رہا اور میں نے بوکھلا کر فوراً ہی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس رپورٹر نے میری فون کال کو کسی ڈکٹا فون سے منسلک کر دیا تھا تاکہ میرا پیغام، میری اپنی آواز میں کیسٹ پر ریکارڈ ہو جائے اور وہ خود کسی دوسرے فون پر ایکسچینج سے میرا نمبر ٹریس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے میری زبان سے دلدار آغا کا نام سنتے ہی فرض کر لیا تھا کہ میں اسے اپنے فون نمبر یا کسی اور شناخت سے آگاہ نہیں کروں گا۔

تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا اور اسے واپس لوٹانا میرے بس سے باہر تھا مگر پھر بھی میرا دل کہہ رہا تھا کہ میں نے جلد ہی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا جس کی وجہ سے میرا فون نمبر ٹریس نہ ہو سکا ہو گا۔

اس رپورٹر نے میری کال کو ریکارڈنگ مشین سے منسلک کرنے کے بجائے مجھے باتوں میں الجھا کر اپنے کسی ساتھی کو کال ٹریس کرنے پر مامور کر دیا ہوتا تو ڈی ڈی کے تنازع میں اس عمارت کا حوالہ بھی آنے کا امکان پیدا ہو سکتا تھا جو بظاہر اس وقت ختم ہو گیا تھا۔

میں نے فون سے فارغ ہو کر گرد و پیش کا جائزہ لیا تو سینڈو زینوں والے حصے کے قریب کھڑا پارسن سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ آپس میں باتیں ضرور کر رہے تھے لیکن ان کی توجہ مجھ پر ہی مرکوز تھی اس لیے میرا اشارہ پاتے ہی وہ دونوں میری طرف آ گئے۔

”دیر بہت ہو گئی ہے، اب واپس چلنا چاہیے۔“ میں نے سینڈو سے کہا۔

”چاہو تو یہاں بھی رک سکتے ہو۔ اوپر سب کمرے خالی ہیں۔ شہر کے حالات خراب ہیں، صبح سویرے ناشتا کر کے چلے جانا۔“ پارسن نے خالص گھریلو عورت کی طرح پیشکش کی۔

لیکن میں وہاں نہیں رک سکتا تھا اس لیے سینڈو کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔ اس نے اسرار رضوی سے اپنی ملاقات کے بارے میں زبان کھولنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے اسے خاموش کر دیا۔

وہ کلفٹن سے میری گاڑی واپس لے آیا تھا۔ میں نے اسی کو ڈرائیو کرنے کی ہدایت کی اور خود پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ مستعد چوکیدار نے دروازہ کھولا اور پارسن اس وقت تک وہیں باہر کھڑی ہاتھ ہلاتی رہی جب تک ہماری گاڑی رینگتی ہوئی پھاٹک سے باہر نہ نکل گئی۔

”پارسن ہم میں سے ہی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ہماری ہر گفتگو میں شریک ہو۔“ باہر نکل آنے کے بعد میں نے کہا۔ ”اب بتاؤ کہ اسرار رضوی سے تمھاری کیا گفتگو رہی؟“

”تمھاری طرف سے وہ بہت زیادہ سہم گیا ہے۔ تمھارے سرسری اندازِ گفتگو سے وہ پہلے ہی پریشان تھا کہ رہا تھا کہ تمھاری گفتگو سے تمھارے آئندہ عزائم کے بارے میں کچھ بھی پتا نہیں چل پاتا۔ اس کا کہنا ہے کہ ایسے لوگ کسی بھی لمحے کوئی بڑا اور

غیر متوقع قدم اٹھا بیٹھتے ہیں۔ ریٹا کو اپنی فکر پڑی ہوئی ہے کہ کہیں تمھاری وجہ سے سلمیٰ کے سامنے اس کی پارسائی کا بھرم نہ کھل جائے۔"

"یہ بیکار باتیں ہیں۔ یہ بتاؤ کہ مال کے بارے میں اس کا کیا ارادہ ہے؟"

"مجھے اس پیکٹ کی مالیت کا اندازہ تھا اس لیے میں نے اسے خریدا تھا۔ وہ پیکٹ سرکاری تحویل میں لے لیا گیا ہے۔ اس نے یہ اندازہ بھی لگا لیا ہے کہ سراج اس کے ماتحتوں کی غفلت کی وجہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا ہے۔ وہ شاید اس سے کوئی سودے بازی کرنا چاہ رہے تھے۔ اگر تم اس سے بات کرو تو وہ اپنے ماتحتوں کو دبا کر مال خانے سے وہ پیکٹ بدلوا سکتا ہے۔"

"پیکٹ کو ضابطے کے تحت جمع کیا گیا ہے تو اس پر گواہوں کے دستخط بھی لیے گئے ہوں گے۔"

"گواہ کون سے باہر کے لوگ ہوں گے۔ عملے کے آدمی دوسرے کسی پیکٹ پر دستخط کر دیں گے لیکن وہ تمھارے ہی قابو میں آسکے گا۔ آج مجھ سے بدک رہا تھا۔"

اس وقت شہر کی سڑکوں پر ہُو کا عالم طاری تھا اس لیے ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے جلد ہی ٹریڈ لائن کے دفتر کے سامنے پہنچ گئے۔ سینڈو کو اس تاریک اور ویران عمارت کے قریب اُتار کر میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور شرف آباد میں اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

تنہائی اور اپنے گوشۂ عافیت کا خیال میسر آتے ہی دن بھر کی بھاگ دوڑ کی تکان اس وقت ایک دم ہی رنگ دکھانے لگی تھی اور مجھے فلیٹ پہنچ کر لباس بدلنا اور جوتے اتارنا تک محال نظر آرہا تھا۔

❁

بھیانک چیخ سُن کر میری نیند اُچٹ گئی اور میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو گئیں۔ اس وقت فلیٹ میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور باہر بھی روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آرہی تھی جس کا مطلب تھا رات اس وقت تک پوری طرح نہیں بیتی تھی۔

ڈور بیل دوبارہ بجی تو میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑ دیا شاید پہلی بار بھی گھنٹی ہی بجی تھی جسے میرا افسادزدہ اور خوابیدہ ذہن بھیانک چیخ سمجھا تھا۔

"کون ہے؟" سائیڈ لیمپ روشن کر کے میں نے پستول تلاش کرتے ہوئے سوال کیا۔

"سلطان شاہ!" باہر سے دھیمی آواز سنائی دی۔

اس وقت وال کلاک صبح کے چار بجا رہا تھا۔ میری آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی۔ سلطان شاہ کی آواز سُن کر ذہن بھی جھنجھنا اٹھا کہ اسے اتنی صبح بستر چھوڑ کر میرے پاس آنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟

سلطان شاہ اندر آیا تو اس کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے تیر رہے تھے۔

"تمھیں معلوم ہے کہ اس وقت کیا بجا ہے؟" میں نے دروازہ بند کرتے ہوئے تلخ لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"سب معلوم ہے لیکن اب صبح بات ہوگی۔ پارک میں کھلے آسمان تلے پتھریلی بنچ پر لیٹے لیٹے میرا بدن بری طرح اکڑ گیا ہے۔ ذرا سی اور قوت برداشت ہوتی تو تمھاری میٹھی نیند خراب نہ کرتا۔" وہ دوسری خواب گاہ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "رات کو یہاں سے واپسی کے لیے کوئی سواری نہیں ملی تھی اس لیے پارک میں جا کر لیٹ گیا تھا۔"

اس کی بپتا سُنتے ہی مجھے احساس ہوا کہ میں نادانستگی میں اس کے ساتھ زیادتی کر بیٹھا تھا۔ کِلب سے واپس لوٹتے ہوئے میں خود دیکھ چکا تھا کہ شہر کی سڑکیں ویران پڑی ہوئی تھیں اور پبلک ٹرانسپورٹ کا تو سرے سے وجود ہی نہیں رہا تھا کیونکہ آئے دن شہر میں ہونے والے ہنگاموں کی وجہ سے مغلوب الغضب شہریوں کا یہ مزاج بن گیا تھا کہ ہنگامے کا آغاز ہوتے ہی دوسری املاک سے پہلے بسوں، رکشوں اور ٹیکسیوں کو اپنے غصّے اور اشتعال کا نشانہ بنا کر نذرِ آتش کرنا شروع کر دیتے تھے اس لیے شہر کے کسی بھی حصّے میں گڑبڑ کا آغاز ہوتے ہی شہر کی سڑکوں سے ٹرانسپورٹ فوراً غائب ہو جاتی تھی۔ ہزار دو ہزار کی آمدنی کے لالچ میں کوئی بھی ٹرانسپورٹر لاکھوں کے نقصان کا خطرہ مول نہیں لیتا تھا۔

سلطان شاہ نے واقعی کافی دیر تک میرا انتظار کیا تھا کیونکہ اس کے بارے میں بہت دیر قبل مجھے سلمیٰ سے اطلاع مل گئی تھی لیکن سواری میسر نہ ہونے کی وجہ سے وہ بے چارہ اپنے گھر واپس نہیں لوٹ سکا تھا۔ تیز اور خنک ہواؤں والے اس ناخوشگوار موسم میں قناعت کے ساتھ کسی پتھریلی بنچ پر دراز ہو کر اختر شماری کرنا واقعی آسان کام نہیں تھا اس بنا پر سلطان شاہ ملامت کے بجائے میری ہمدردی کا مستحق تھا۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم سردی میں سزا بھگت کر آرہے ہو۔" میں نے نرم بلکہ خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "میں خود بھی بُری طرح تھک ہار کر سویا تھا لیکن تمھاری آپ بیتی سن کر میں اپنی کیفیت بھول گیا ہوں۔ تم چاہو تو میں ذرا سی دیر میں گرم گرم کافی یا چائے تیار کر سکتا ہوں۔"

"تم بھی سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو!" وہ جُوتے اتارے

بغیر اسی حالت میں بستر پر دراز ہو گیا۔" اب ناشتے پر ہی ملاقات ہوگی۔ سرد ہواؤں کی وجہ سے میری کھوپڑی سُن ہو کر رہ گئی ہے۔"

اس نے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر سر سے پیر تک لحاف تان لیا اور میں اُسے جوتوں سمیت آرام دہ بستر پر دراز چھوڑ کر واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔

میں روشنی گل کر کے بستر پر لیٹا تو میری نیند بھاگ چکی تھی۔ میں نے آنکھیں مُوند کر دوبارہ سونے کی بہتیری کوشش کی لیکن نیند کا کوسوں دور پتا نہیں تھا۔ ذہن پر اندھیرے میں منتشر سے خیالات کی یلغار ہو رہی تھی۔ آخر کار میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگالی۔

اس وقت میرے ذہن پر سب سے بڑا بوجھ غزالہ کی طرف سے تھا جو گزرتے وقت کے ساتھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ پچھلی رات دلدار آغا کے محافظوں کو جُل دے کر اس کے مکان سے فرار ہوئی تھی۔ اس طرح اسے آزادی حاصل کیے چوبیس گھنٹوں سے زیادہ وقت گزر چکا تھا لیکن اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ وہ میرے اور جہانگیر کے قریبی مراسم سے پوری طرح آگاہ تھی۔ اسے جہانگیر کے گھر کے ساتھ اس کا فون نمبر بھی معلوم تھا۔ میری دانست میں اسے پہلی فرصت میں وہاں رجوع کرنا چاہیے تھا۔ اس کی مسلسل روپوشی کا ایک ہی مطلب ہو سکتا تھا کہ وہ دلدار آغا کی قید سے فرار ہو کر کسی اور دشواری سے دوچار ہو گئی تھی جس کی بنا پر اسے اپنے ہمدردوں سے رابطہ قائم کرنے کی مہلت نہیں مل سکی تھی۔

مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ غزالہ کو کس قسم کی مشکل پیش آئی ہوگی۔ اس لیے اس وسیع و عریض شہر میں محض قیاسات کے سہارے [اُ]س کا کھوج لگانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔ اس کی تلاش میں [و]قت ضائع کرنے کے بجائے بہتر یہ تھا کہ اس کی سلامتی کی امید [ک]ے ساتھ خود اس کی طرف سے رابطے کا انتظار کیا جائے۔ اس مرتبہ [یہ] بات یقینی تھی کہ وہ پاکستان بلکہ کراچی میں ہی موجود تھی اور جلد یا [بد]یر اپنی دشواریوں پر قابو پا کر سامنے آ سکتی تھی۔

دوسری طرف میں نے دلدار آغا کے فتنے کا سر کچل دیا تھا۔ مجھے [ام]ید تھی کہ مقامی اخبار کے چیف کرائم رپورٹر کو دی جانے والی [ٹ]پ کے نتیجے میں دلدار آغا کے قتل پر جو کرائم فیچر شائع ہوگا اس [ک]ے نتیجے میں دلدار آغا کے حامیوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ [می]رے اپنے قیاس کے مطابق ایک اچھی بات یہ تھی کہ دلدار آغا [ن]ے اپنے بعض مفادات کی وجہ سے کراچی بلکہ پاکستان میں سُشی کی [خطر]ناک روایتی تنظیم اور سفاک مجرموں کے تنخواہ دار ٹولے کو تہس [نہ]س کر کے سارا کام کرائے کے مجرموں پر چھوڑا ہوا تھا جو اس کی [شک]ست کے بعد اس کے مشن یا کام کو سنبھالنے اور آگے بڑھانے میں

ذرا بھی دلچسپی نہیں لے سکتے تھے۔ انھی وجوہ کی بنا پر دلدار آغا کے کسی جانشین کے فوری تقرر کا کوئی امکان نہیں تھا جب تک اس کی ہلاکت کی خبر جمی لائیڈیا کے علاقے کے کسی اور آئی مین تک نہ پہنچتی، سُشی کے دوبارہ فعال ہونے کی کوئی صورت موجود نہیں تھی۔

مگر میں دلدار آغا کے لیے کام کرنے والے ٹھیکیدار معراج دین کو ضرور سبق دینے کی خواہش رکھتا تھا کیونکہ وہ تیسرے درجے کے ایک مجرم کی حیثیت سے اُبھرنے کے بعد شہر میں ایک بڑی زیرِ زمین طاقت کا روپ اختیار کرتا جا رہا تھا۔

معراج دین کی کمر توڑنے کے لیے میرے ذہن میں ایک سرسری سا خاکہ موجود تھا۔ میں اپنی مجبوریوں کی وجہ سے مافیا میں شریک ضرور ہو چکا تھا لیکن میرے دل میں ان لوگوں کے لیے بھی ہمدردی کا کوئی گوشہ موجود نہیں تھا۔ یہ درست تھا کہ وہ پاکستان میں ہیروئن کے استعمال کی حوصلہ افزائی نہیں کر رہے تھے لیکن منشیات کی قابلِ ذکر عالمی منڈیوں میں اپنے مفادات برقرار رکھنے کے لیے پاکستان کی سرزمین پر کم لاگت سے بہترین قسم کی ہیروئن کی تیاری کے ذرائع پر پوری طرح قابض ہونے کے لیے کوشاں تھے۔ پاکستان کے سرحدی اور آزاد قبائلی علاقوں سے مافیا کے گہرے روابط کی ایک مثال اسی شام میرے سامنے آ چکی تھی جب حکیم زادہ خان کا ایک ہرکارہ، سراج ہیروئن کی کھیپ میرے حوالے کرتا ہوا پکڑا گیا تھا مگر یہ ثابت ہو چکا تھا کہ مافیا کے پورے آپریشن میں کراچی ان کا کلیدی اڈا تھا اور وہ یہیں بیٹھ کر خرید و فروخت کے ساتھ اپنے مفادات کی نگرانی کر رہے تھے۔

میں سیٹھ حبیب جیوانی کو آسانی کے ساتھ شہر میں اس کی بالادستی کے قیام کا فریب دے کر مافیا کی مؤثر افرادی قوت کو معراج دین کے مضبوط گروہ کے خلاف صف آرا کرا سکتا تھا۔ اس مقابلے میں اول تو معراج دین کے فنا ہو جانے کے قوی امکانات نظر آ رہے تھے اور اگر کسی وجہ سے اس کی مکمل بیخ کنی نہ بھی ہو پاتی تو اس بڑے معرکے میں معراج دین کے ساتھ مافیا کی قوت کو بھی شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اس طرح مجرموں کے دو بڑے دھڑوں کو آپس میں لڑوا کر میں کراچی شہر اور اس کے شہریوں کی کچھ نہ کچھ خدمت ضرور کر سکتا تھا۔ اس لڑائی کے دور رس اثرات مافیا کو خاصے عرصے کے لیے مفلوج کر کے رکھ دیتے۔ اس کی موت کا انحصار میری اس مکاری پر ہوتا کہ میں حبیب جیوانی کو خود پر کسی شبہے کا موقع دیے بغیر اس کے آدمیوں کو فریقِ ثانی کے ہاتھوں کس قدر نقصان پہنچوا سکتا تھا۔ بظاہر مخلصانہ لیکن تباہ کن حکمتِ عملی مافیا تو کیا، بڑے سے بڑے جری لشکر کو بھی نیست و نابود کر سکتی تھی۔

میں نہ جانے کتنی دیر تک بستر پر پڑا ان ہی خیالات میں کھویا

رہا پھر اچانک ہی اندر سے آنے والی کھٹ پٹ کی آوازوں نے مجھے چونکا دیا۔

میں نے اپنی خوابگاہ میں روشنی کیے بغیر بلی کی طرح خاموشی سے بستر چھوڑ دیا اور تکیے کے نیچے سے پستول سنبھال کر دبے پاؤں باہر آیا تو یہ دیکھ کر منہ سے بے اختیار ایک گہری سانس آزاد ہوگئی کہ سلطان شاہ کچن میں بلب جلائے بغیر گیس برنر کی روشنی میں چولہے پر کچھ تیار کرنے میں مصروف تھا۔

"تمھیں تو نیند آرہی تھی، اب یہاں کیا ہو رہا ہے؟" میری سپاٹ آواز نے اسے چونکا دیا۔

"اوہ! تو تم بھی جاگ رہے ہو۔" وہ بلب روشن کرتا ہوا شکست خوردہ لہجے میں بولا تھا۔ "تمھارے کمرے میں اندھیرا دیکھ کر میں سمجھا تھا کہ تم سو چکے ہو۔ چاہو تو تمھارے لیے بھی ایک کپ چائے بنا دوں مجھے کوشش کے باوجود اب نیند نہیں آرہی۔"

"جب تک میرے سامنے سب کچھ اُگل کر اپنی کھوپڑی ہلکی نہیں کرو گے، سو نہیں سکو گے۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"بستر کی حرارت اور نرمی سے کچھ سکون ملا ہے اور نیند اُڑ گئی ہے ورنہ جیب میں باہر سے آیا تھا تو کھوپڑی جمی ہوئی تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں دس منٹ تک بھی بیدار نہ رہ سکوں گا۔" وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "تم بھی تو گہری نیند سے اُٹھا لیے جانے پر جھلائے ہوئے تھے، تمھیں نیند کیوں نہیں آرہی؟"

"بلاوجہ بحث نہ کرو اور چائے کی دو پیالیاں بنا کر باہر لے آؤ۔" اسے تفصیلی صورتِ حال کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا لیکن شہر میں رونما ہونے والے فساد کے بارے میں وہ اس حد تک باخبر تھا کہ شاہ باغ کی تباہی کے بارے میں بے سروپا افواہیں پھیلنے کے بعد شہر میں فسادات پھوٹ پڑے تھے۔

"وہ سب دلدار آغا کی سازش تھی۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "افواہیں اسی نے پھیلائی تھیں۔ پھر وہ خود ایک جگہ ہجوم میں پھنس کر بُری طرح پٹا تھا۔ اس کی ہڈیاں تک توڑ دی گئیں مگر وہ وہاں سے زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔"

چائے پیتے ہوئے اس نے تجسس آمیز لہجے میں پے در پے سوالات کی بھرمار کر دی۔ میں اسے جوں جوں اپنے اقدامات کی تفصیل بتاتا رہا اس کی حیرت میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور جب اسے چونگڑی کے قبرستان کے قریب دلدار آغا کے قتل کے بارے میں پتا چلا تو وہ خوشی سے تقریباً اُچھل پڑا۔

"یہ تو تم نے بہت بڑی خبر سُنائی ہے۔" وہ بے ساختہ بولا تھا۔ "جی چاہتا ہے کہ تمھارا منہ چوم لوں۔"

"بے ہودگی کی ضرورت نہیں۔" میں نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ فیکٹری کے مزدوروں کے ساتھ چند روز کام کر کے تم اتنے بدذوق ہوگئے ہو۔"

"مزدوروں کے بارے میں اتنے بے رحمانہ انداز میں تبصرہ نہ کرو۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ قدرے دردمندانہ لہجے میں بولا۔ "پہلے میں عقرب خان اور مقرب خان کے ساتھ ٹرکوں کے گیراج میں کام کرتا رہا پھر وہیں سے تمھارے ساتھ آملا لیکن اس فیکٹری میں مجھے پہلی بار صنعتی مزدوروں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں بعض بدتمیز، سرکش اور کام چور بھی ہوتے ہیں لیکن ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ جب تک مزدور کو یہ یقین ہو کہ اس کی حق تلفی نہیں کی جارہی اور اسے پوری مزدوری ادا کی جارہی ہے، وہ کولھو کے بیل کی طرح آنکھیں بند کر کے اپنے کام میں جتا رہتا ہے۔ یہ مخلوق بہت معصوم اور سادہ لوح ہوتی ہے، اپنے خون پسینے سے پیداوار کو پروان چڑھاتی ہے لیکن ان میں بھیڑ چال ہوتی ہے۔ کوئی بھی ان کا ہمدرد بن کر انھیں بھکا دے کہ مالکان انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے کھاتوں کا ہیر پھیر کرتے ہیں جس سے ان کا بونس مارا جارہا ہے یا کوئی اور دوسری مالی حق تلفی کی جارہی ہے تو یہ مشتعل ہو جاتے ہیں اور اس وقت ان کا رویہ باغیانہ ہو جاتا ہے۔"

"اچھی تقریر کر رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ جاز فارماسیوٹیکل میں یونین بنوا کر مزدور لیڈر بن گئے ہو۔" میں نے چائے کی پیالی خالی کرنے کے بعد چُبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

وہ تلخ انداز میں ہنس دیا۔ "جاز فارماسیوٹیکل میں دلدار آغا مزدوروں کے لیے آسیب بنا ہوا تھا۔ یونین سازی تو دُور کی بات ہے، مزدور کسی ضرورت کے بغیر آپس میں فالتو باتیں بھی نہیں کرتے کہ کہیں اندر ان کے مالک کو بھنک نہ مل جائے۔ میں تمھیں بتا ہی چکا ہوں کہ وہاں فلنگ مشین پر ہارمونیم کیپسولز میں ہیروئن بھرنے کے لیے کیسا زبردست ڈھکوسلا بنایا گیا تھا اور سارے مزدوروں نے اس فریب کو پیداواری ضرورت سمجھ کر بے چون وچرا تسلیم کر لیا تھا۔"

"ایسی مکاریاں زیادہ دن نہیں چلتیں۔ دلدار آغا کے راہ سے ہٹتے ہی اس کی تمام بدمعاشیاں بے نقاب ہو جائیں گی لیکن بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ دواسازی کے بہانے ہیروئن فروشی کے اس گھناؤنے کاروبار کو ایک اہم اور بڑے کسٹم افسر کی سرپرستی حاصل تھی جو عملاً فیکٹری میں حصے دار ہے۔"

"لیکن فیکٹری میں دلدار آغا کی حیثیت غیر متنازعہ تھی۔ وہ بلاشرکتِ غیرے فیکٹری کے سیاہ سفید کا مالک تھا یا پھر اس نے

اپنے مینیجر کو کچھ اختیارات دیے ہوئے تھے۔ آج کا دن فیکٹری پر بہت بھاری گزرا ہے۔ پولیس کی بھاری نفری نے علاقہ مجسٹریٹ کے ساتھ دلدار آغا کی تلاش میں تین بار فیکٹری پر دھاوا بولا تھا۔ لیکن آج سارا دن اس کا پتا نہیں چلا۔ تیسری بار پولیس والے سپروائزر چوکیدار اور مزدوروں کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ انھیں دلدار آغا کی بہت شدت سے تلاش تھی۔"

"مقامی انتظامیہ فسادات پر قابو پانے کے لیے ریڈیو اور ٹیلی وژن پر اس کا براہِ راست انٹرویو پیش کرنا چاہ رہی تھی تاکہ شہریوں کو بتا سکے کہ افواہیں جھوٹی تھیں۔"

"بہرحال فیکٹری نچلے عملے نے بند کرائی تھی۔ سینئر چوکیدار کی گرفتاری کے بعد وہاں صرف دو چوکیدار رہ گئے ہیں۔ قبل از وقت چھٹی ہونے تک مزدوروں میں خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا کہ نجانے پولیس والے کب کس کو اٹھا کر لے جائیں۔ مجھے کہانی کے دوسرے رخ کا علم نہیں تھا اس لیے میں یہ خبریں تم تک پہنچانے کے لیے مضطرب تھا اور تمھارے طویل انتظار کے باعث واپسی میں دیر ہو جانے کی وجہ سے پارک میں بسیرا کرنا پڑ گیا۔" اپنی بات کرتے کرتے اس نے چونک کر ایک دم موضوع بدل دیا۔ "یہ سب تو سُنا رہے ہو لیکن تم نے یہ بات ابھی تک نہیں بتائی کہ غزالہ بھابی اس مردود جنسی کے چنگل سے نجات پانے کے بعد اب کہاں ہے؟"

"اس کا ابھی تک کچھ پتا نہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ بھی شہر کے مخدوش حالات اور سواریاں میسر نہ ہونے کی وجہ سے تمھاری طرح شہر کے کسی پارک میں آرام کر رہی ہو۔" میں نے اداس لہجے میں کہا۔

"یہ خبر تشویش ناک ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ "غزالہ بھابی تو شہر میں فسادات شروع ہونے سے بہت پہلے، پچھلی رات کو ہی وہاں سے نکل گئی تھی۔ لوٹ مار اور دہشت گردی تو صبح شروع ہوئی ہے جب میں ڈیوٹی کے لیے فیکٹری روانہ ہوا تو حالات معمول پر تھے اور ٹریفک بھی پوری طرح چل رہا تھا۔"

"اب اس تذکرے سے دل دکھنے لگا ہے۔ ہمیں جو کچھ کرنا تھا، وہ کر گزرے۔ اگر وہ اب بھی واپس نہیں آتی تو میں اسے اپنے مقدر کی خرابی ہی سمجھوں گا۔ اسے چھوڑ کر اب کوئی اور بات کرو۔"

"اب بات کرنے کے لیے اور رہ ہی کیا گیا ہے؟ دلدار آغا کے مرنے کے بعد سٹی کا تو شیرازہ ہی بکھر جائے گا۔ غزالہ بھابی تم کو مل جائے تو سمجھو کہ قصہ ہی ختم ہو گیا۔ ہم دونوں بھی اطمینان سے کوئی ایمان داری کا دھندا شروع کر دیں گے۔ گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم نئی زندگی کی ابتدا کرنے میں ہماری بہت مدد کرے گی۔"

مجھے اندازہ ہوتا کہ بازی اتنی جلدی پلٹ جائے گی تو مافیا والوں سے جوڑ توڑ نہ کرتا۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "ان سے تعلقات قائم کرنے کے بعد جان چھڑانا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ ویسے تم غور کرو تو مافیا والوں کی مدد سے ہی ہم دلدار آغا کو ختم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں ورنہ اس نے تو اسی فلیٹ کو ہمارا مدفن بنانے کی کوشش کی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت تک دلدار آغا کو میرے بارے میں بھنک نہیں ملی تھی ورنہ وہ اپنی پوری توجہ اسی طرف مرکوز کر دیتا۔"

"مافیا کے بارے میں واقعی کچھ کرنا ہوگا۔" وہ پُرتشویش لہجے میں بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ سٹی کے مقابلے میں مافیا سے جان چھڑانا تمھارے لیے مشکل نہیں ہوگا۔"

"تم یہ دعویٰ کس بنیاد پر کر رہے ہو؟" میں نے دلچسپی سے سوال کیا۔

"یہاں مافیا کی بنیاد بہت کمزور ہے۔ سیٹھ حبیب جیوانی پر مافیا کے وجود کا سارا دارومدار ہے اور وہ ایک سزا یافتہ مفرور مجرم ہے جو اپنے ہم شکل کو جیل میں سڑا کر عیش کر رہا ہے۔ اس کے بارے میں تم مخبری کر کے مافیا سے بھی جان چھڑا سکتے ہو، یہاں کی پولیس جرمنی سے بھاگے ہوئے مجرم پر ہاتھ ڈالنے میں پوری سرگرمی دکھائے گی کیونکہ حبیب جیوانی کو پکڑنے والے پولیس افسران کو عالمی سطح پر شہرت ملے گی۔"

"میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ ہمارے یہاں خرابیاں بہت گہری جڑ پکڑ چکی ہیں۔ سینٹرل ایکسائز کے محکمے کا ایک اعلیٰ افسر دلدار آغا کا پارٹنر تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ جن پولیس والوں سے میں رابطہ قائم کروں، وہ سب ایمان دار ہوں۔ ان میں سے کوئی بھی پولیس والا لمبی رقم کے چکر میں حبیب جیوانی سے سودے بازی کر سکتا ہے۔ ایسا ہوا تو میرے لیے ناقابلِ تصور دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ پھر دوسری طرف سٹی دلدار آغا سے شروع ہو کر اسی کی ذات پر ختم نہیں ہو جاتی۔ انھوں نے یہاں اپنی سرگرمیاں محدود ضرور کر دی تھیں لیکن ہمارا تجربہ بتاتا ہے کہ دلدار آغا پر پاکستان میں پاکستان کے قرب و جوار میں کوئی نہ کوئی آئی مین ضرور مامور ہوگا۔ دلدار کی موت کے بعد سٹی کی تنظیم نو کے لیے وہ آگے آ سکتا ہے۔ پھر میری تو جی لائیڈ سے بھی ذاتی پرخاش چل رہی ہے وہ میرے ہاتھوں بری طرح زک اٹھا چکا ہے۔ اسے شبہ بھی ہو گیا کہ میں یورپ کو خیرباد کہہ کر واپس پاکستان آ چکا ہوں تو وہ میرے تعاقب میں یہاں تک دوڑا چلا آئے گا۔ اس لیے میں عجلت میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ چکی کے دو پاٹوں کے درمیان سر دینے سے بہتر ہوگا کہ کچھ عرصے تک خاموشی کے ساتھ اپنی موجودہ کامیابیوں کے اثرات کا جائزہ لیا جائے۔ اس کے بعد

حالات اجازت دیں تو مافیا والوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کی جاسکتی ہے۔"

"اس وقت تک تم سیٹھ جیوانی کے دستِ راست کے طور پر کام کرتے رہو گے؟"

"اس کے علاوہ چارۂ کار ہی کیا ہے؟" میں نے اُلٹا اسی سے سوال کر ڈالا اور اسے لاجواب پاکر قدرے توقف کے بعد کہا۔ "درمیانی مدت کے لیے میں نے سوچ لیا ہے کہ مافیا میں رہ کر اسے کمزور کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ انھیں شہر کے ایک دو مضبوط گروہوں سے تصادم میں الجھا دیا تو ان کی کارکردگی بری طرح متاثر ہوگی۔ خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ دلدار آغا کی سرکوبی کے بعد حبیب جیوانی کو مجھ پر اندھا اعتماد ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے اس کے سب سے پرانے آدمی کی دو فیصد کی چوری بھی پکڑلی ہے۔ اس طرح مافیا پر میری گرفت مضبوط ہوگئی ہے۔"

"جب تک تمھاری موجودہ کامیابیوں کے نتائج سامنے آئیں گے، میرا خیال ہے کہ تم مافیا میں سیٹھ جیوانی کا تختہ الٹ کر ڈان بن چکے ہوگے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

ہم دونوں کے سامنے فوری طور پر کوئی ٹارگٹ نہیں رہا تھا۔ لے دے کر ایک غزالہ کی روپوشی کا معاملہ تھا لیکن اس بارے میں ہم انتظار کے علاوہ کچھ بھی نہیں کرسکتے تھے اس لیے وقت گزاری کی خاطر تین بجے تک گزرے ہوئے حالات اور واقعات پر تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ اس دوران میں، میں نے اسے ان تمام جزئیات سے بھی آگاہ کردیا جن سے وہ بے خبر تھا۔ اس کے لیے شہر میں رِک کلب جیسے گندے ناسور کے وجود کی اطلاع حیرت انگیز ثابت ہوئی تھی۔ اس نے میرے ساتھ باہر کے کئی ممالک کی سیاحت کرلی تھی لیکن وہ زندگی کے اس گندے بہروپ سے ناآشنا، ایک راست باز قبائلی نوجوان تھا جسے بہت زیادہ تجربہ نہیں تھا کلب کے وجود سے زیادہ حیرانی اسے ان معزز، بااختیار اور متمول لوگوں پر تھی جو بڑی خوشی کے ساتھ اس کلب میں جاکر اپنے چہروں پر فخر کے ساتھ گناہوں کی سیاہی سجاتے اور پھر اپنے مراسم پر اتراتے تھے۔ پھر میں نے اسے سلمیٰ کی سہیلی ریٹا کی کہانی سنائی جو اپنے شوہر کے ساتھ ایک عدد محبوب کی پرورش بھی کررہی تھی۔ سلمیٰ کے گھر میں وہ ایک ایثار پیشہ اور مخلص گھریلو عورت کے روپ میں نظر آئی تھی لیکن رِک کلب میں وہ اپنے محبوب پر اپنی آبرو نثار کرنے کے شوق میں مبتلا نظر آتی تھی۔ اس پر مسلسل حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے لیکن میں نے جب حکیم زادہ خان کے کارندے، سراج کے ساتھ اپنی گرفتاری اور پھر سرکاری تحویل سے سراج کے مکارانہ فرار کا قصہ ذرا تفصیل سے سنایا تو میرے اوپر دوبارہ تکان طاری ہونے لگی اور میں وہاں سے اُٹھ گیا۔

میں دن کے آغاز سے رات گئے تک ایک لمحے کے لیے بھی تنہا نہیں رہا تھا، لوگوں کی بھیڑ بھاڑ میں گھرا رہا تھا لیکن اس کے باوجود میرے ذہن پر ایک بے نام سا بوجھ سوار تھا مگر سلطان شاہ سے تھوڑی دیر کی بات چیت کے بعد میرا ذہن ہلکا ہوگیا تھا یوں معلوم ہورہا تھا جیسے اس نے میرے ذہن کے دُکھتے ہوئے پھوڑوں کو اپنی بے لاگ اور پرخلوص باتوں سے نشتر لگا دیا تھا۔

بستر پر دراز ہونے کے چند منٹ بعد ہی مجھے نیند نے آلیا۔

اگلی صبح کے اخبار کا پہلا صفحہ شہر میں ہونے والی خونریزی کی اندوہناک خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ انتظامیہ نے چار اموات اور بیس زخمیوں کی خبر جاری کی تھی لیکن مصدقہ غیر سرکاری ذرائع کے حوالے سے ناموں اور علاقوں کی تفصیل کے ساتھ اخبار میں سولہ اموات اور سو سے زائد افراد کے زخمی ہونے کی خبر موجود تھی۔ نجی اور سرکاری املاک کی تباہی کی خبریں اس پر مستزاد تھیں۔ شہر کے متعدد وسیع اور گنجان آباد علاقوں میں غیر معینہ مدت کے لیے کرفیو نافذ کردیا گیا تھا اور انتظامیہ کی مدد کے لیے فوج طلب کرلی گئی تھی۔

وہ ایک قیامتِ صغریٰ تھی جو اس شہر کے باسیوں پر بیت گئی تھی۔ صرف ایک مجرم نے اپنی انا کی شکست کا انتقام لینے کے لیے لاکھوں کی آبادی والے بھرے پُرے، اور سمجھداروں کے شہر کو ہولناک نسلی فساد کی آگ میں جھونک کر لہولہان کردیا تھا۔

ایک گوشے میں نمایاں طور پر چوکنڈی کے تاریخی قبرستان کے قریب سے جاز فارماسیوٹیکل کے مالک دلدار آغا کی لاش برآمد ہونے کی مختصر سی خبر شائع ہوئی تھی۔ میں نے اس اخبار کے چیف کرائم رپورٹر کو فون پر جو کچھ بتایا تھا اس کا کہیں ذکر تو کیا، حوالہ تک موجود نہ تھا۔

میں اپنی بھرپور بلکہ سرتوڑ کوشش کے باوجود ایک بار پھر شتی کے سربراہ کی ذات کے پوشیدہ گوشوں کو اخباری سرخیوں بلکہ متن تک میں لانے میں بری طرح ناکام ہوچکا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کون سے نادیدہ افراد تھے جو زندگی کے ہر شعبے پر پوری طرح قابض اور متصرف تھے اور دانستہ یا نادانستہ طور پر اُس قدم پرشی کے لرزہ خیز جرائم کی پردہ پوشی پر تلے رہتے تھے۔

اخبار میں کہیں اس حقیقت کا ذکر نہیں تھا کہ وہ المناک سانحہ دلدار آغا کی سازش کی بنا پر رونما ہوا تھا۔ اس شہر کے خبریں لکھنے والے، بے چارے اتنے بے خبر یا بے بس تھے کہ سامنے کی باتوں کو بھی ضبطِ تحریر میں لانے کی جرأت نہیں کرسکے تھے۔ ہاں بین السطور میں کہیں کہیں خفیہ ہاتھ اور وطن دشمن عناصر کا مبہم حوالہ دے دیا گیا تھا جسے ضرورت کے مطابق کسی بھی طرف منسوب کیا جاسکتا تھا۔

شہر بلکہ ملک میں سٹی کا سب سے بڑا آدمی میرے ہاتھوں
مارا جا چکا تھا لیکن اس کی بے جان لاش مجھ سے زیادہ قوی ثابت
ہوئی تھی۔ سٹی کی حمایت کرنے والے آہنی ہاتھوں نے دلدار آغا
کی لاش سے وابستہ رازوں کو شاید اسی کے ساتھ قبر میں دفن
کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میرے ذہن میں خود بخود مافیا کے ڈان تھری کی وہ گفتگو
رینگ آئی جو اس نے سٹی کی طاقت اور وجود کے بارے میں کی تھی۔
اس نے دعویٰ کیا تھا کہ سٹی امریکن سی آئی اے کی تخلیق کی ہوئی
ایک سفاک اور بھیانک تنظیم تھی جو اس مشن پر مامور کی گئی تھی
کہ دنیا کے ہر خطے میں ہیروئن کو اسی سرزمین پر کھپانے کا مؤثر
جال پھیلایا جائے جہاں وہ پیدا ہوتی اور کشید کی جاتی ہے تاکہ
اس کی تباہ کاریوں سے امریکی معاشرے کے مایوس و مضطرب اور
بے راہ رو نوجوانوں کو محفوظ رکھا جا سکے۔

ڈان تھری کے دعوے کے مطابق سٹی کے عالمی نیٹ ورک
کے مالک اور مختار، جمی لائیڈ کو براہِ راست وھائٹ ہاؤس میں
رسائی حاصل تھی۔ اگر اس کا دعویٰ درست تھا تو پھر یہ بات ناقابلِ
فہم نہیں رہتی تھی کہ لوگ سٹی اور اس کے رازوں پر قلم اٹھاتے
ہوئے کیوں ڈرتے اور ہچکچاتے تھے۔ جو بزدل تھے وہ اپنی جانوں
کے خوف سے چشم دید قصوں کو بھول جاتے تھے اور جو ذرا دلیر واقع ہوئے
تھے، انھیں شاید ان کے ضمیر کو کوئی ٹھیس پہنچائے بغیر ان کے منہ مانگے
داموں پر خرید لیا جاتا تھا۔ ادیبوں اور دانشوروں کو ہر سمت سے
یہ احساس دلا کر ان کی زبان بندی کرا دی گئی تھی کہ وہ آفاقی عظمتوں
اور سچائیوں کے امین تھے۔ ان کا مقدس مشن بہت اونچا تھا۔ افیم
اور ہیروئن جیسے گھٹیا، وقتی اور علاقائی معاملات پر ان کی لب کشائی
سے ادب، حکمت و دانش اور سب سے بڑھ کر، تاریخ میں ان کا
مقام گر سکتا تھا اس لیے سٹی کے خلاف ہر محاذ پر بھیانک سکوت
طاری تھا۔ خلاؤں کی بیکراں وسعتوں میں تیرتے ہوئے سیارے دن
رات نگاہ رکھتے تھے کہ کن پہاڑوں، گھاٹیوں، دروں اور جنگلوں
میں افیم کاشت کر کے ہیروئن کی فصل بٹوری جا رہی ہے اور ان
معلومات کی روشنی میں سٹی ایک ہزار پا بلا کی طرح خاموشی سے اس
زمین کی جڑوں میں اتر جاتی تھی تاکہ ہیروئن کی برآمدی سپلائی لائن
کاٹ کر اسے اسی دھرتی کے سپوتوں کی رگوں میں اتار دیا جائے جس
سے افیم کی کونپل پھوٹتی ہے۔ عوامی اور سرکاری سطح پر جاری رہنے
والی سدا بہار خیراتی، امدادی اور انسدادی مہم کے دوش بدوش سٹی کی
وہ سازش کامیابی کے ساتھ جاری تھی۔

دلدار آغا کے بارے میں اس اخبار کے چیف کرائم رپورٹر کی
پُراسرار خاموشی نے مجھے اداس کر دیا۔ اس روز سلطان شاہ نے چھٹی
کی تھی بلکہ اس کا بعد میں بھی فیکٹری جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ
وہاں اس کا کام ختم ہو چکا تھا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں غصے کا اظہار
کر کے میرا ساتھ دے رہا تھا۔ اس کی رائے تھی کہ اس کرائم رپورٹر کو
گریبان سے پکڑ کر اس اہم اطلاع کی پردہ پوشی کا سبب دریافت کیا
جائے لیکن میں جانتا تھا کہ اس طرح ہم اپنے دشمنوں کے سامنے
پوری طرح بے نقاب ہو جاتے اور آزادیٔ صحافت پر ہاتھ ڈالنے
کے جرم میں ہم پر ہر طرف سے ملامتوں کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی۔ کرائم
رپورٹر کسی بڑے سرکاری افسر کی طرح یہ عذر کر کے بچ سکتا تھا کہ
وہ ہر گمنام فون کال کو اپنے اخبار میں جگہ دینا شروع کر دے تو اس
کا اخبار ردی کا حقیر چیتھڑا بن کر رہ جائے گا۔

بارہ بجے فون کی گھنٹی نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔ سلطان شاہ
نے کسل مندانہ انداز میں ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف کی بات سننے
کے بعد ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے بولا۔ "سلمیٰ تم سے بات کرنا
چاہتی ہے۔"

"تمھاری چہیتی آگئی؟" میری آواز سنتے ہی سلمیٰ نے چبھتے ہوئے لہجے
میں کہا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ آخر کار وہ خبر آ ہی گئی تھی جس
کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔

"وہ شیراٹن کے کمرا نمبر تین سو دو میں ٹھہری ہوئی ہے۔ اس
نے پیغام چھوڑا ہے کہ تم جہاں بھی ہو، فوراً اس سے رابطہ قائم کرو۔
وہ خاصی برہم معلوم ہو رہی تھی۔" سلمیٰ نے اپنی بات مکمل کی۔

اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے مجھے کشمکش و
پنج میں ڈال دیا اور میں نے اپنے تجسس کو دباتے ہوئے پُرسکون
لہجے میں سوال کیا۔ "کون ہے وہ؟ کس کی بات کر رہی ہو تم؟"

"وہی چٹی چمڑی والی جو پچھلی بار تمھاری غزالہ کو اٹھا لے گئی تھی۔" یہ
اس کی جلی کٹی آواز سنائی دی۔

میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ "تم ویرا کی بات تو نہیں
کر رہی ہو؟"

"چٹی چمڑی والی اس کے علاوہ اور کون ہو سکتی ہے؟" سلمیٰ
اس کی طرف سے خاصی مشتعل تھی۔ "اب غزالہ تم سے ملنے والی ہے تو
یہ پھر آ موجود ہوئی ہے۔ میں تمھیں بتا رہی ہوں کہ تم نے احتیاط سے
کام نہ لیا تو ویرا پھر کوئی گل کھلائے گی۔ یہ اچھی عورت نہیں ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ وہ اچانک یہاں کیسے پہنچ گئی۔ اس
سے بات کر کے ہی مجھے اس کے عزائم کا اندازہ ہو سکے گا۔" میں
نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"ابھی بات کر لو، میں نے اس کا فون بند ہوتے ہی تمھیں
اطلاع دی ہے... میں نے اسے تمھارا نمبر نہیں دیا۔"

"جہانگیر کا کیا حال ہے؟" میں نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"آج بہت بہتر ہیں۔ بستر سے اُتر کر ٹہلتے بھی ہیں اور بول بھی رہے ہیں، ہو سکے تو تھوڑی دیر کے لیے آجانا' ان کا دل بہل جائے گا۔ مجھ سے شراب کی بہت ضد کر رہے ہیں لیکن میں نے ایک قطرہ بھی نہیں لینے دیا...."

"میں ویرا سے بات کر کے نکلتا ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا اور فون بند کر دیا۔

"یہ ویرا کا ذکر کہاں سے آگیا؟" میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ نے سوال کر ڈالا۔

"میں خود پریشان ہوں کہ وہ اس وقت کہاں سے ٹپک پڑی۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "وہ یہاں ایک ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے۔ اس نے میرے لیے جہانگیر کے گھر فون کیا تھا۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ تمھیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمھاری جگری سہیلی تمھاری بو سونگھتی ہوئی یہاں تک پہنچ گئی۔ فرانس اور اٹلی کی سرحد پر مجھ سے بچھڑنے کے بعد آج اس کی خبر ملی ہے۔ چاہو تو اسے ہوٹل کے بجائے یہیں بلا لو، گزارہ ہو جائے گا۔"

"میں خطرے کی بُو سونگھ رہا ہوں. . ." میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہنا شروع کیا لیکن اس نے جاندار قہقہہ مار کر میری بات درمیان ہی سے اڑا دی۔

"کیسی عجیب بات ہے کہ وہ بے چاری تمھاری بُو سونگھ رہی ہے اور تم خطرے کی بُو سونگھ رہے ہو۔ خطرہ تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب ویرا کی موجودگی میں سلمیٰ بھابی آجائے۔"

"تم احمق ہو۔" میں نے جھلا کر غصیلے لہجے میں کہا۔ "دلدار کی موت کے فوراً بعد اس کا یہاں پہنچنا معنی خیز ہے۔ میں اس پر آنکھیں بند کر کے اب بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔"

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ وہ دلدار کی موت کے بعد یہاں پہنچی ہے؟ یہ بات بھی تو ممکن ہے کہ وہ کئی دن سے شہر میں مقیم ہو مگر اسے جہانگیر کے گھر فون کرنے کا خیال اب آیا ہو۔ دوسری طرف دلدار کو تم نے رات کو مارا تھا، اس کی لاش دو تین بجے سے پہلے کیا ملی ہوگی۔ یہ ناممکن سی بات ہے کہ اتنے کم وقت میں ویرا کو دلدار کے قتل کی خبر بھی مل گئی، اسے بروقت پرواز بھی مل گئی اور وہ اتنی کم مدت میں یورپ سے سیدھی یہاں پہنچ گئی۔ تم بلا وجہ اس کے بارے میں پریشان ہو رہے ہو۔"

اس کے دلائل خاصے وزنی تھے جن کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا لیکن اس کے باوجود میری چھٹی حس مجھے کسی بدترین خطرے کے امکانات سے آگاہ کر رہی تھی۔

دلائل سے سلطان کے قیاس کی تردید کرنا ممکن نہیں تھا۔ اپنے خدشات کی تصدیق یا تردید کرنے کی ایک ہی صورت تھی کہ میں ویرا سے فون پر بات کر کے اس کے عزائم کا اندازہ لگاتا۔ اس لیے میں نے فوراً ہی ہوٹل کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔

چند ثانیوں کے بعد ہی ویرا لائن پر آگئی۔ "تم کیسے ہو اور کہاں ہو؟" اس کا لہجہ گرم جوشی سے عاری اور بڑی حد تک سپاٹ تھا۔ "میں تم سے فوراً ملنا چاہتی ہوں۔"

"ضرور ملاقات ہوگی لیکن تم کراچی کب آئی ہو؟" میں نے بھی سرد مہری سے سوال کیا۔

"تھوڑی دیر پہلے ہوٹل پہنچی ہوں۔ آتے ہی تمھیں فون کیا تھا۔" اس کی آواز سنائی دی۔

"یہ اتفاق ہے کہ میں نے جہانگیر کی خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کیا تو تمھارا پیغام مل گیا ورنہ ان لوگوں کو میرا پتا ٹھکانا معلوم نہیں ہے۔" میں نے حفظِ ماتقدم کے طور پر کہا۔

"چلو! یہی کافی ہے کہ تمھیں بروقت میرا پیغام مل گیا۔ کب آرہے ہو؟"

"تم تو اس طرح پوچھ رہی ہو جیسے صرف مجھ سے ملنے کے لیے یہاں آئی ہو!"

"یہ حقیقت ہے۔" اس کی آواز گمبھیر ہو گئی۔ "میں صرف تم سے ملنے اور کچھ اہم معاملات طے کرنے کے لیے آئی ہوں، یہ میرے علاوہ تمھارے لیے بھی بہت اہم اور ضروری ہیں۔"

"کیسے معاملات؟ کھل کر بات کرو!" اس کے الفاظ پر میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"شاید تمھیں علم نہ ہو کہ میں سلطان شاہ کے ساتھ فرانس اور اٹلی کی سرحد عبور کرتے ہوئے کہاں غائب ہو گئی تھی۔ وہاں مجھے جی لائیڈ کے ایک آدمی نے مجھے اس کا ذاتی پیغام دیا تھا۔ اس سے ملنے پیرس چلی گئی تھی۔ اس نے مجھ سے ماضی کی تمام زیادتیوں کی معافی مانگ کر آخر کار مجھے اپنی حقیقی بیٹی تسلیم کر لیا ہے اور میری اس سے صلح ہو گئی ہے. . . ."

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم آئی مین بلکہ آئی وومن کی حیثیت سے یہاں آئی ہو؟" وہ سوال کرتے ہوئے میرے پورے وجود میں سنسنی کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔

"تم ٹھیک سمجھے۔" اس نے میرے اندازے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اٹلی میں کل رات نو بجے پاکستان کے لیے روانہ ہونے کا ہنگامی حکم ملا تھا۔ فوری طور پر کوئی باقاعدہ پرواز دستیاب نہیں تھی اس لیے میں مختصر ترین وقت میں طیارہ چارٹر کر کے یہاں پہنچی ہوں۔ تم جس راستے پر چل رہے ہو، وہ سیدھا تباہی کی طرف جاتا ہے۔ میں تمھاری بہتری کے لیے کچھ قابلِ عمل تجاویز لے

آئی ہوں۔"

"میں سمجھ نہیں سکا کہ تم کس راستے کا حوالہ دے رہی ہو۔"

ویرا کی گفتگو خلافِ توقع نہایت تیزی کے ساتھ ہر لمحے ایک نیا موڑ لے رہی تھی۔ اس نے اٹلی کے وقت کے مطابق نو بجے شب روانگی کا حکم ملنے کا ذکر کیا تھا جس کا مطلب پاکستان میں رات کا ایک بجے کا وقت تھا جب مجھے دلدار آغا کو قتل کیے بمشکل ایک ڈیڑھ گھنٹا گزرا تھا اور اس کی لاش چوکنڈی کے ویرانے میں گمنامی کے عالم میں پڑی ہوئی تھی۔ وقت کا وہ اتفاق بہت حیرتناک اور ناقابلِ یقین تھا مگر اسی کے ساتھ اس اتفاق سے یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا کی چارٹرڈ جہاز سے آمد دلدار آغا کے قتل کے سلسلے میں نہیں تھی بلکہ شاید اسے اُس واردات میں میرے کردار کا علم ہی نہیں تھا۔

"انجان بننے کی کوشش نہ کرو ٹونی!" اس کی سرد اور تحکمانہ آواز گونجی۔ "یہ شہر میرے لیے اجنبی نہیں ہے اپنے ذہن پر زور دو کہ کل رات تم کہاں تھے اور کیا کر رہے تھے؟"

اس کا لہجہ سخت اور پُراعتماد تھا۔ حیرت اور بےیقینی سے میرا دورانِ خون تیز ہو گیا مگر میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے بےپروائی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں تو اپنے گھر پر پڑا بےخبر سو رہا تھا۔ تمہاری معلومات مجھ سے زیادہ ہیں تو تم خود ہی کچھ بتا دو۔"

"دلدار آغا احمق نہیں تھا جو تمہیں چوکنڈی لے گیا تھا۔" ویرا کے وہ الفاظ کسی بم کی طرح میرے اعصاب پر گرے۔ "وہاں پچیس مربع میل کا علاقہ ہر لمحے ہمارے سیٹلائٹ کے ذریعے مانیٹر کیا جاتا ہے اسی رقبے میں شاہ باغ بھی واقع ہے جہاں ہماری اہم تنصیبات تھیں اور جنھیں تم نے تباہ کر دیا۔ شی کے بڑے اپنی آنکھوں سے تمہارا انجام دیکھنا چاہتے تھے اسی لیے انھوں نے دلدار کو حکم دیا تھا کہ تمہیں زندہ یا مردہ، ہر حالت میں چوکنڈی لے جایا جائے۔ دلدار کو اس علاقے میں سیٹلائٹ مانیٹرنگ کا علم نہیں تھا مگر اس نے حکم کی تعمیل کی اور اس ویرانے میں کھیلے جانے والے خونی ڈرامے کو اٹلی میں جمی لائیڈ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میرے پاس تمہاری واضح تصاویر موجود ہیں جنھیں تم جھٹلا نہیں سکتے۔ تمہارے ہاتھوں دلدار کے قتل کے بعد ہی مجھے یہاں آنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

میرے ہاتھ ریسیور پر منجمد ہو کر رہ گئے۔ ویرا ناقابلِ یقین اور تصوراتی باتیں کر رہی تھی۔ میں جانتا تھا کہ دنیا بہت ترقی کر چکی تھی لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھ جیسے فردِ واحد کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے کسی مواصلاتی سیارے سے کام لیا جا سکتا ہے لیکن ویرا جس وضاحت سے پچھلی رات کے واقعات دہرا رہی تھی اس کی روشنی میں اس کے بیان پر شبہ کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں تھی۔

"ایک مخصوص بلندی پر وہ مواصلاتی سیٹلائٹ چوکنڈی پر ہی ٹھہرا ہوا ہے۔ اس مدار پر سیٹلائٹ کی رفتار زمین کی محوری رفتار کے برابر ہوتی ہے۔ تم اس کی شہادت کو نہیں جھٹلا سکتے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "کل رات تک تم نے جو چاہا، وہ کر لیا لیکن شی میں اب طاقت کا توازن بتدریج میرے ہاتھ میں آتا چلا جائے گا۔ میں ان حرکتوں کو نظرانداز نہیں کر سکتی۔ تمہیں مجھ سے مفاہمت کرنی ہوگی ورنہ میں تمہارا جینا حرام کر دوں گی۔"

"اچھا ہوا کہ میرے آنے سے پہلے تم نے اپنے عزائم ظاہر کر دیے۔ اب میں غور کر کے فیصلہ کروں گا۔ بےخبری میں تو شاید میں تمہارے کمرے سے زندہ ہی نہ لوٹ پاتا۔"

"تم میرے مزاج سے واقف ہو، ہمارے قریبی مراسم بھی رہے ہیں، میں تمہیں دھوکے سے یا بےخبری میں نہیں بلکہ للکار کر ماروں گی۔ ابھی تم آئے تو میرے مہمان بن کر آؤ گے، میں تمہاری بحفاظت واپسی کی ضمانت دیتی ہوں۔"

"نہیں ویرا! مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔" میں نے اٹل لہجے میں کہا۔

"ضرور سوچو! مگر سوچتے ہوئے دلدار آغا کے اس غدار دوست کا انجام ضرور سامنے رکھنا جس نے چوکنڈی میں دلدار کا کوئی ساتھ نہیں دیا۔ اب سے تھوڑی دیر پہلے، دفتر سے نکلتے ہوئے اس کے جسم میں سب مشین گن کا پورا میگزین خالی کیا جا چکا ہے۔" لائن بےجان ہو گئی۔

اسرار رضوی کا وہ عبرتناک انجام سن کر میرا وجود سُن ہو کر رہ گیا تھا۔

شی کے بارے میں میرے تمام بدترین اندیشے درست ثابت ہوئے تھے لیکن یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ پاکستان کے معاملات کو سنبھالنے کا کام ویرا کو سونپا جائے گا وہ بہت خطرناک اور جارحانہ تیوروں کے ساتھ آئی تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میرے ساتھ طویل شب و روز گزار کر وہ بڑی حد تک میرے مزاج اور طریقِ کار سے واقف ہو چکی تھی اس لیے مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا۔

نئے کھیل میں میری واحد کمزوری یہ تھی کہ غزالہ بظاہر ہر قید و بند سے آزاد مگر لاپتا تھی۔ اگر ویرا کو وہ نکتہ معلوم ہو جاتا تو وہ مجھ پر دباؤ ڈالنے کے لیے ایک بار پھر غزالہ کی طرف متوجہ ہو سکتی تھی۔

"خدا خیر کرے!" سلطان شاہ میری طرف دیکھتے ہوئے قدرے اونچی آواز میں بڑبڑایا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ٹیڑھی گفتگو ہوئی ہے۔ جب ہی تمہارا چہرہ اُتر گیا ہے۔"

"تمہارے دلائل غلط ثابت ہوئے ہیں۔" میں نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خیال انگیز لہجے میں کہا۔ "وہ دلدار آغا کی موت کی خبر ملنے کے بعد ہی یہاں آئی ہے۔ اسے اس واقعے کی پوری تفصیل معلوم ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس نے آتے ہی دلدار آغا سے غداری کرنے کے جرم میں اس کے دوست اسرار رضوی کو دفتر سے نکلتے ہوئے گولیوں سے چھلنی کروا دیا ہے۔ وہ تمہارے اندازوں سے کہیں زیادہ باخبر ہے۔"

سلطان شاہ کا مُنہ حیرت سے کُھل گیا۔ "تو کیا وہ پہلے سے یہاں موجود تھی؟" اس نے احمقانہ سوال کیا۔

"میں بتا رہا ہوں کہ وہ دلدار آغا کی موت کی خبر ملنے کے بعد یہاں آئی ہے لو تم اپنی پینک میں ہو۔ اسے اٹلی میں اس واقعے کی اطلاع ملی اور وہ ایک جہاز چارٹر کر کے سیدھی یہاں پہنچ گئی۔"

میں خود ویرا کے کیے ہوئے انکشافات سُن کر ششدر رہ گیا تھا اس لیے مجھے اس بات پر کوئی حیرت نہیں ہوئی کہ سلطان شاہ کے لیے میری یہ بات بھی قابلِ فہم ثابت نہیں ہوئی تھی۔

میں نے سگریٹ سُلگا کر آہستہ آہستہ اسے ان تمام رموز سے آگاہ کرنا شروع کر دیا جو ویرا کی زبانی میرے علم میں آئے تھے۔ وہ پتھر کے کسی بت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا میری کہانی سُنتا رہا۔

"میرے لیے یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ چوکنڈی کے علاقے پر خلا میں کوئی مواصلاتی سیارہ ٹھہرا ہوا ہے۔" میری بات مکمل ہو جانے پر اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "فلموں اور کہانیوں کی حد تک تو یہ سب سوچا اور سمجھا جا سکتا ہے لیکن یہ مان لینا ممکن نہیں کہ ویرا جو کچھ کہہ رہی ہے، وہ سو فی صد سچ پر مبنی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اتفاقاً یہاں آنے پر اسے کسی ذریعے سے دلدار آغا کی موت کی خبر ملی ہو اور اس نے تمہیں مرعوب کرنے کے لیے مواصلاتی سیارے اور چوکنڈی کے مخصوص علاقے کی کہانی گھڑ لی۔"

"میں تمہیں مجبور نہیں کرتا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی۔ تم کو اندازہ نہیں ہے کہ ہیروئن اور کوکین وغیرہ کے دھندے میں کس قدر زبردست سرمایہ لگا ہوا ہے۔ صرف کولمبیا میں اس ٹریڈ کا انتظامی بجٹ حکومت سے دس گنا زیادہ ہوتا ہے۔ وہ جسے چاہتے ہیں خرید لیتے ہیں۔ پناما میں حکومت انھی کی ہے۔ یہ ممالک دُنیا کی سب سے بڑی طاقت سے بہت قریب واقع ہیں۔ لیکن امریکا کی انتظامیہ بھی اپنے خفیہ محکموں کے ذریعے ان کو نہیں کچل سکی۔ وہ دور لد گیا جب حکومتیں اپنے وسائل سے کام لے کر بھرپور عالمی پبلسٹی کے بعد خلائی سیارے روانہ کرتی تھیں۔ خلائی مواصلات اب عام تجارتی شعبہ ہے۔ تمہاری جیب میں دم ہو اور زمین پر ایک ریسیونگ اسٹیشن بنا لو تو تم بھی اپنا ایک مواصلاتی سیارہ خلا میں بھجوا سکتے ہو۔ تم یہ بھول رہے ہو کہ ویرا اسرار رضوی کو غداری کے جرم میں موت کی سزا دے چکی ہے۔ چوکنڈی کے ویرانے میں اسرار رضوی کے کردار کا میرے علاوہ کوئی گواہ نہیں تھا۔ دلدار آغا عالمِ بالا سے ویرا کو کوئی خبر نہیں دے سکتا لیکن میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ وہ علاقہ واقعی مانیٹر کیا جاتا ہے اور جمی لائیڈ نے پچھلی رات کا خونی ڈراما اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا اور اسی کے بعد ویرا کو یہاں بھیجا گیا ہوگا۔"

"یہ بہت بُرا ہوا کہ ویرا اور جمی لائیڈ میں مصالحت ہوگئی۔" وہ متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "جب تک وہ دونوں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے تھے، ہمارا کام اتنا مشکل نہیں تھا۔۔۔"

"ان میں ایک نہ ایک دن سمجھوتا ہونا ہی تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "خون کے رشتے ہمیشہ کے لیے نہیں بُھلائے جا سکتے۔ جمی لائیڈ کی عمر روز بہ روز ڈھل رہی ہے۔ شی کے معاملات کو چلانے کے لیے اسے اپنی بیٹی سے زیادہ کسی اور سے مدد نہیں مل سکتی کیوں کہ اس نے ویرا کی تربیت ہی اپنی ضروریات کے مطابق کی ہے۔ وہ عورت ہے مگر بہتیرے مردوں سے کہیں زیادہ حوصلہ مند، لڑاکا اور مکار ہے۔ جمی لائیڈ کی ذات کا سہارا مل جانے کے بعد تو وہ اور زیادہ خطرناک ہو جائے گی۔۔۔"

"وہ تو اپنے باپ کی جان کی دشمن ہو رہی تھی۔ اپنے باپ کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نفرت کے ہولناک الاؤ بھڑک اُٹھتے تھے۔ پھر اب یکایک ان دونوں میں دوستی کیسے ہوگئی؟"

"رشتوں کا معاملہ بہت عجیب ہوتا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "نفرت بھی محبت کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ کسی اجنبی سے تم کو نہ محبت ہوتی ہے اور نہ نفرت لیکن جسے تم چاہتے ہو، اگر وہ تم کو نظرانداز کرنا شروع کر دے یا تمہیں اور تمہارے جذبوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے تو وہیں سے نفرت کی پہلی چنگاری بھڑکتی ہے۔ ویرا بے سہارا تھی۔ اس کی ماں نے مرن کھاٹ پر اسے بتایا تھا کہ اس کا غیر قانونی باپ جمی لائیڈ تھا۔ اس لیے تنہا رہ جانے کے بعد ویرا نے اپنے باپ کی ذات میں پناہ لینی چاہی لیکن جمی لائیڈ نے اپنی جوانی کی اُس جوان لغزش کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ دیکھا جائے تو یہ ویرا کی شکست تھی۔ وہیں سے وہ اپنے باپ کی دشمن ہو گئی لیکن ان دونوں کی ساری لڑائی کا محور آپس کا رشتہ تھا۔ جب تک جمی لائیڈ ویرا کو اپنی بیٹی ماننے سے انکار کرتا رہا، وہ اس کے خون کی پیاسی بنی رہی۔ لیکن جس لمحے جمی لائیڈ نے اسے اپنے سینے سے لگا کر اپنی زیادتیوں کی معافی مانگتے ہوئے اسے بیٹی کہا ہوگا، اسی لمحے ویرا کی کایا

پلٹ ہوگئی ہوگی میرا اندازہ ہے کہ اب وہ اپنے باپ کے خلاف ایک لفظ بھی سُننا گوارا نہیں کرے گی۔"

"اور شاید اسی لیے اسے کراچی بھیجا گیا ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "وہ جمی لائیڈ کی سب سے زیادہ وفادار ہونے کے ساتھ ساتھ تم سے بہت اچھی طرح واقف ہے۔ وہ اس گہری آشنائی کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمہارے خلاف بڑی کامیابیاں بھی حاصل کر سکتی ہے۔"

"ان لوگوں کا منصوبہ یہی نظر آتا ہے لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ویرا کو میرے خلاف جو فائدہ حاصل ہے، وہی مجھے بھی اس کے خلاف حاصل ہے۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ تنہائی میں تم اسے اتنی باریکی سے دیکھا کرتے تھے۔ جب تم اس کی رگیں دیکھتے تھے تو کہیں کہیں رُواں بھی نظر آتا ہوگا؟"

"وہ فوری طور پر مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔" میں نے اس کی بات سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے کہا۔

"ذرا ہوشیار رہ کر ملنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس پہلی ملاقات کو ہی آخری بنانے پر تُل جائے۔ اپنے باپ کی مزید خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وہ اپنے کسی حربے سے تمہیں حیران بھی کر سکتی ہے۔"

ویرا لائیڈ کی طرف سے سلطان شاہ کے خدشات بے بنیاد نہیں تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ دلدار آغا شی کی تنظیم کو ختم کر کے معراج دین عرف ماجے جیسے کرائے کے لوگوں کے سہارے شی کی سرگرمیاں محدود پیمانے پر جاری رکھے ہوئے تھا۔ اس کی موت کے بعد یہ رابطہ ٹوٹ گیا تھا اور ویرا کو کراچی میں فوری طور پر کہیں سے کوئی مدد ملنے کے آثار نہیں تھے۔ یہ اور بات تھی کہ وہ اپنے پرانے مراسم کو بروئے کار لا کر چند روز میں اپنے گرد کچھ لوگ جمع کر لیتی۔ میرا اندازہ تھا کہ اسے مستقل طور پر پاکستان میں نہیں بھیجا گیا تھا۔ اپنے باپ سے صُلح ہو جانے کے بعد ویرا بھی فطری طور پر جمی لائیڈ کے قریب رہ کر اس کا ہاتھ بٹانے کی خواہش مند ہوتی۔ اسی وجہ سے مجھے یقین ہو چلا تھا کہ ویرا کو مجھ سے مفاہمت کرنے یا میرے خطرے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا محدود مشن سونپ کر کراچی بھیجا گیا تھا اور وہ اس کام کو جلد از جلد ختم کر کے واپس لوٹ جانا چاہتی تھی تاکہ جمی لائیڈ کے سامنے سُرخرو ہو سکے۔

"جمی لائیڈ کو اپنی سرگرمیوں کے لیے ویرا کی مدد کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟" سلطان شاہ کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔ "اس کے پاس نہ تو سرمائے کی کمی ہے اور نہ وسائل کی۔"

"کارآمد لوگوں کی ہر جگہ اور ہر کسی کو ضرورت ہوتی ہے۔" میں نے کہا۔ "پھر ویرا تو اس کی بیٹی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب اسے اپنا جانشین بنانے کے بارے میں سوچ رہا ہو۔"

"جانشین؟" سلطان شاہ نے حیرت سے دُہرایا۔ "مجرموں کے موروثی گروہوں میں تو جانشینی وغیرہ جیسے تصورات چلتے ہیں لیکن شی کی تو ساخت ہی مختلف ہے۔ مافیا کے ڈان بھتری نے تمہیں جو کچھ بتایا تھا، اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جمی لائیڈ دراصل امریکا کے ایک انتہائی خفیہ اور مذموم ادارے کا باقاعدہ سربراہ ہے اور اپنی کارکردگی کے بارے میں شاید براہ راست امریکا کے صدر کو جواب دہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ معاملہ موروثی گروہ بندی کے بجائے محکمہ جاتی ہو جاتا ہے۔ جمی لائیڈ اپنی بیٹی کو اپنا جانشین کیسے مقرر کر سکتا ہے؟ وہ نہ رہا تو امریکی صدر اس کے خالی کیے ہوئے عہدے پر اپنی پسند کے کسی نئے آدمی کو مامور کر دے گا اور پھر امریکا میں تو انتخابات کے ذریعے صدر کی تبدیلی کے ساتھ ہی ہزاروں اہم انتظامی عہدوں میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔ جانے والے کے رفقا اور حلیف خود بخود اپنے عہدوں سے مستعفی ہو جاتے ہیں اور نیا سربراہ اپنی پسند کے لوگوں کو خالی عہدوں پر مقرر کرتا ہے تاکہ اپنی قومی پالیسیوں کو اپنی مرضی کے لوگوں کے ذریعے اپنی پسند کے مطابق چلا سکے۔ ایسے نظام میں ویرا لائیڈ کے لیے شی کی سربراہی کے امکانات کہاں باقی رہ جاتے ہیں۔"

"وہ ڈان بھتری کی سُنائی ہوئی کہانی تھی جس کی ابھی تک نہ تصدیق ہو سکی ہے اور نہ تردید۔ اگر تمہارے نظریے کو درست مان لیا جائے تب بھی جمی لائیڈ کے بعد باہر کے کسی نئے فرد کے بجائے شی میں سے ہی کسی ایسے فرد کے تقرر کا امکان رہتا ہے جو اپنی کارکردگی میں سب سے بہتر اور برتر ہو۔" میں نے کہا۔

"جہنم میں جائے۔" وہ اُکتائے ہوئے انداز میں بولا۔ "وہ شی کے معاملات ہیں، شی والے جانیں۔ ہمارے لیے تو وقت کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ آج تمہاری داشتہ تمہاری سب سے بڑی حریف بن کر تمہارے سامنے آگئی ہے۔"

اس وقت حالات اور واقعات کی وجہ سے میرے ذہن پر سخت دباؤ تھا اس لیے میں نے باہر لنچ کا پروگرام بنا لیا اور ہم دونوں لباس تبدیل کرکے فلیٹ سے باہر نکل گئے۔

سیٹھ حبیب جیوانی سے ملی ہوئی سرخ کار میں شرف آباد سے روانہ ہو کر ہم بہادر آباد کے چوراہے پر پہنچے تو وہاں بازار بند تھا اور جا بجا لوگوں کی ٹولیاں جمع تھیں ایک ٹرک میں پولیس کی بھاری جمعیت مسلح اور تیار تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے شہر پہ خدانخواستہ دشمن نے یلغار کر دی ہو۔ وہاں نہ دُھواں تھا، نہ خون مگر پھر بھی فضا پر موت کا پُر ہول آسیبی سکوت چھایا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی بھی لمحے وہاں آگ، خون اور بارود کا

بھیانک کھیل شروع ہونے والا تھا۔

یہی حال طارق روڈ اور سندھی مسلم سوسائٹی کا بھی تھا حالانکہ پچھلے دن بھڑک اُٹھنے والے فسادات میں وہ علاقے محفوظ رہے تھے۔ دلدار آغا نے اپنی انا کی شکست کا انتقام لینے کے لیے شہر میں منظم سازش کے ذریعے لسانی نفرت کی ایسی آگ بھڑکائی تھی کہ اس کے ردِ عمل میں شہر میں کہیں بھی کوئی خونریز تصادم ہو سکتا تھا۔ اس کے سدِباب کے لیے جا بجا پولیس کی بھاری نفری مامور تھی اور خال خال فوجی گاڑیاں بھی گشت کر رہی تھیں۔

یہ کراچی کی بدنصیبی تھی کہ اس شہر میں امن و امان کے شہری محافظوں کی کوئی ساکھ کبھی بن ہی نہیں سکی تھی۔ سیاسی طالع آزماؤں نے بے ضمیر انتظامی افسروں کے ذریعے پولیس کو ہمیشہ اپنے مفاد کا پاسبان بنائے رکھنے پر زور دیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ پولیس ایک جمعیت کے طور پر عوام سے دور اور حاکموں سے قریب ہوتی چلی گئی۔ حاکموں کی قربت سے چھوٹے افسروں اور نچلے درجے کے عملے میں رعونت کا اُبھر آنا غیر فطری نہیں تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قانون کی مدد چاہنے والے قانون کی مار کا نشانہ بننے لگے اور اسی کے ساتھ مالی دباؤ، ترغیب، تحریص اور سب سے بڑھ کر ہوسِ زر نے پولیس کے محکمے کی ایک نمایاں تعداد کو رشوت ستانی کی راہ پر ڈال دیا۔ اوپر سے کسی بازپرس کا کبھی خوف نہیں رہا، عوام کو مفتوح غلام تصور کیا جانے لگا لہٰذا عوام بھی انھیں تحقیر و تضحیک کا نشانہ بنانے سے کبھی نہ چوکے۔ نوجوان نسل تو سرے سے ان 'ٹلوں' کو خاطر میں لانے پر ہی آمادہ نہیں تھی اس وجہ سے ہر بڑے ہنگامے کے موقع پر امن و امان کے قیام کے لیے فوج کا سہارا لینا ناگزیر ہو جاتا تھا۔ بسا اوقات یوں بھی ہوا کہ جہاں فوج کا سایہ میسر نہیں تھا وہاں پولیس بھی متحارب گروہوں کے ساتھ ایک فریق بن گئی یا بنالی گئی۔ البتہ فوج کی رسمی مداخلت سے پولیس بھی مشتعل لوگوں کے انتقام سے بچ جاتی تھی۔

طارق روڈ کے گلی کوچوں کے ہوٹل اور فاسٹ فوڈ شاپس بھی بند پڑی ہوئی تھیں اس لیے لنچ کی تلاش میں سندھی مسلم سوسائٹی سے نکل کر ہم شاہراہِ فیصل پر آ گئے۔

فلیٹ سے نکلتے ہوئے میرا ارادہ کسی چھوٹے اور غیر معروف ہوٹل میں کھانا کھانے کا تھا لیکن مجبوراً ہمیں تاج محل میں جانا پڑا۔ ہم نے نیم آباد ہال کا ایک دور افتادہ گوشہ منتخب کیا تھا جہاں ہم آنے جانے والوں کی نگاہوں سے محفوظ تھے۔

"اس وقت ہمیں شہر میں کسی سے جان کا خطرہ نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے آرام دہ کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمھارے ایمان کی دشمن یہاں آ پہنچی ہے۔"

وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ میں نے اس باریکی پر غور نہیں کیا تھا کہ دلدار آغا کی موت کے بعد پہلی بار ہم کراچی میں آزادانہ طور پر گھوم پھر سکتے تھے۔

اس روز میں دفتر نہیں گیا تھا اور نہ ہی مجھے وہاں کے معاملات سے کوئی دلچسپی تھی پھر بھی سیٹھ جیوانی نے ڈان بھتری کی سفارش پر اپنی ضروریات کے تحت مجھے اس دفتر کا سربراہ بنایا ہوا تھا۔ میں گھر سے باہر آ چکا تھا، مجھے یہ بھی اندازہ تھا کہ کھانا میز پر آنے میں کچھ وقت ضرور لگے گا اس لیے ویٹر کو آرڈر دے کر میں پبلک فون کی طرف چل پڑا۔

ٹریڈ لائن کی ٹیلی فون آپریٹر نے فوراً ہی میری آواز پہچان لی اور میری زبان سے سینڈو کا نام سنتے ہی لائن اس کو منتقل کر دی۔ وہ فوراً ہی لائن پر آ گیا تھا۔

"شہر کا کیا حال ہے سینڈو؟" میں نے رسمی لہجے میں سوال کیا۔

"حال بُرا ہے باس!" اس کی آواز تشویش آمیز تھی۔ "ملیر، ڈرگ کالونی، لیاری، لیاقت آباد اور گلبہار کے بعض علاقوں میں کرفیو کے باوجود مار اماری ہو رہی ہے۔ تشدد کی یہ لہر رفتہ رفتہ ہی ختم ہو گی۔ ڈی ڈی نے جتنی تیزی سے یہ آگ بھڑکائی تھی، وہ زندہ ہوتا تو اپنی کوشش کے باوجود اتنی جلدی اسے ختم نہ کر پاتا۔۔۔"

"تم کیا کر رہے ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔ کوئی کام ہو تو بتاؤ۔ سارے آدمی بھی کل کی بھاگ دوڑ کے بعد آج خالی بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"فی الحال آرام کرو، میں بھی تھک گیا ہوں، دفتر آنے کے بعد ہی کام شروع ہو سکے گا۔"

"تھوڑی دیر پہلے ایک خبر ملی تھی۔" اس کی تردد آمیز آواز سنائی دی۔ "ابھی تک اس کی تصدیق یا تردید نہیں کرا سکا ہوں۔ سنا ہے کہ اصغر نے پوری شدّ و مد کے ساتھ تمھاری تلاش شروع کرا دی ہے۔"

"اصغر کون؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا۔ فوری طور پر مجھے اس نام کے حوالے سے کچھ بھی یاد نہ آ سکا تھا۔

"ایکسائز کے محکمے کا وہی افسر جس نے اولڈ کلفٹن پر تمھیں سراج سے مال وصول کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔" اس نے پوری وضاحت کے ساتھ کہا۔ "یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ اب اسے کیا ہو گیا ہے۔"

"یہ خبر تمھیں کب اور کیسے ملی؟" میں نے تھکے ہوئے انداز میں ایک گہرا سانس لے کر پوچھا۔

"پندرہ بیس منٹ پہلے پارسن نے فون کیا تھا۔ اصغر تمھاری تلاش میں اسی کے پاس پہنچا تھا لیکن پارسن وہاں موجود نہیں تھی۔

اس نے ایک لڑکی سے تمہارا اصل نام لیا تھا۔ وہ لڑکی ڈینی سے واقف ہی نہیں تھی۔ اصغر دوبارہ آنے کا پیغام چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ پارسن سے تمہارے ہی بارے میں کچھ پوچھ گچھ کرنے کے ارادے سے آیا تھا۔"

"وہ کس وقت آیا تھا؟" میں اس تشویشناک خبر پر پریشان ہو گیا تھا۔ اگر اصغر دوبارہ میری فائل کھول دیتا تو میرے راستے میں بہتیری دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ میری تحویل سے برآمد کیا جانے والا پیکٹ اس وقت اس کی تحویل میں تھا جس کی بنیاد پر میرے لیے قانون سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں نکل سکتا تھا۔

"وہ ساڑھے بارہ بجے کے قریب کلب پہنچا تھا۔" سینڈرو کی آواز ابھری۔ "اس وقت پارسن کچن کے لیے شام کی خریداری کرنے گئی ہوئی تھی۔"

"اور اسرار رضوی ریٹا کے ساتھ کس وقت کلب سے گیا تھا؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"پارسن سے فون پر اس کا سرسری ذکر آیا تھا۔ وہ دونوں ہی منہ اندھیرے کلب سے نکل گئے تھے۔ کیا اس بارے میں تمہارے ذہن میں کوئی نظریہ ترتیب پا رہا ہے؟"

"اصغر پر گہری نظر رکھو۔ وہ حرامزادہ میرے لیے دشواریاں کھڑی کر دے گا۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔ "شاید تمہیں علم نہیں کہ بارہ بجے سے پہلے اسرار رضوی کو اس کے دفتر سے نکلتے ہوئے گولیوں سے چھلنی کیا جا چکا ہے۔"

"اوہ! یہ تو مجھے پتا ہی نہیں چل سکا۔۔۔" اس کی تحیّر آمیز آواز ابھری۔ "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اسرار نے تمہیں اصغر کی قید سے رہائی دلائی تھی۔ اس کی موت واقع ہوتے ہی اصغر دوبارہ تمہارے پیچھے لگ گیا۔"

"ہاں! وہ اس موقع کو کھونا نہیں چاہتا۔ وہ سراج سے لمبی سودے بازی کر رہا تھا لیکن سراج فون پر اپنے بڑوں سے مشورہ کرنے کے بہانے اصغر کے دفتر کے روشن دان سے فرار ہو گیا۔ مجھے اسرار رضوی اپنا مخبر بنا کر نکال لایا اور اصغر خالی ہاتھ ملتا رہ گیا۔ مجھے یقین ہے کہ اسے میرے ہی ساتھ سراج کی بھی تلاش ہو گی۔۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میری تلاش میں وہ مردود سیدھا کلب کیسے پہنچ گیا؟"

"وہ میری غلطی تھی۔" سینڈرو کی پژمردہ آواز سنائی دی۔ "اولڈ کلفٹن سے تمہاری گرفتاری کے بعد تمہاری گاڑی کی نگرانی پر ایک سپاہی مامور تھا۔ جب تمہاری رہائی کے بعد قصہ ختم ہوا تو میں تمہاری گاڑی کلب لے آیا۔ سپاہی واپس شہر جانا چاہتا تھا۔ میں اسے بھی ساتھ لے آیا اور کلب سے ایک ڈرائیور کے ساتھ اسے شہر بھجوا دیا۔ اسی سپاہی نے اصغر کو کلب سے تمہارے تعلق کے بارے میں بتا دیا ہو گا لیکن ان لوگوں کو کلب کی اصلیت معلوم نہیں ہو سکی ہو گی۔ لوگ عام طور پر اسے ایک مہنگا اور نخریلا ریستوران ہی سمجھتے ہیں۔"

"سمجھا کریں لیکن میرا ایک ٹھکانا اس کی نظروں میں آ گیا۔" میں نے غراتے ہوئے کہا۔ "اس نے ذرا بھی محنت کی تو سیدھا تمہارے دفتر پہنچ سکتا ہے۔ آخر تمہاری عقل کہاں سو جاتی ہے؟"

"معافی چاہتا ہوں باس! پچھلی رات کو یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اسرار مار دیا جائے گا اور تفتیشی افسر دوبارہ تمہارے پیچھے لگ جائے گا۔ کیا اسرار کو اصغر ہی نے مارا ہے؟"

"فضول قیاس آرائیاں نہ کرو اور اصغر پر نظر رکھو۔" میں نے تلخ لہجے میں اسے ڈانٹتے ہوئے ریسیور ہک پر لٹکا دیا۔

میں واپس لوٹا تو کھانا میز پر سرو ہو چکا تھا اور سلطان شاہ میرا انتظار کر رہا تھا۔ شاید وہ مجھ پر کوئی پھبتی کسنے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا لیکن میرے تیور دیکھ کر اس نے بھانپ لیا کہ مطلع صاف نہیں ہے اس لیے خاموشی کے ساتھ اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

میں بھی خاموشی کے ساتھ کھانے میں مصروف ہو گیا۔۔ اس وقت میرے ذہن پر گزرے ہوئے واقعات کی ریل چل رہی تھی اور میں ان نکات پر غور کر رہا تھا جو اصغر کو میرے خلاف ذرا بھی سہارا دے سکتے تھے۔ اس بارے میں سب سے پہلا نمبر مافیا والوں کی اس سرخ کار کا تھا جو اس وقت بھی میرے زیر استعمال تھی۔ اصغر ایکسائز کے محکمے کا افسر تھا۔ ایسے لوگ بہتیری باتیں آنکھوں ہی آنکھوں میں نوٹ کر لیتے ہیں۔ اوّل تو میری اس کار کا ماڈل ہی منفرد نوعیت کا تھا پھر اس کا رنگ سرخ تھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ اصغر یا کار کی نگرانی کرنے والے سپاہی نے اس کا نمبر نوٹ کیا یا یاد کر لیا ہو اس لیے میں نے اسی وقت سے اس کار کا استعمال ترک کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ تاج محل ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں اس کار کی طرف جانا بھی میرے لیے خطرناک ہو سکتا تھا البتّہ میری ہدایت پر سینڈرو کا کوئی آدمی وہاں سے کار لے جا سکتا تھا۔

"کھانا کم کھا رہے ہو اور سوچ زیادہ رہے ہو۔ خیریت تو ہے نا؟"

"آخر تم سے صبر نہیں ہو سکا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "دراصل ہمارے ستارے ہی کچھ ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ خیریت

زیادہ دیر تک نہیں چل سکتی اور یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ ہر خطرے کی اطلاع ہمیں بروقت مل ہی جاتی ہے۔ ابھی میں صرف رسمی دعا سلام کی نیت سے گیا تھا لیکن فون پر سینڈو نے بتایا کہ ہیروئن والے معاملے میں تفتیشی افسر نے ایک بار پھر میری تلاش شروع کر دی ہے۔ میں شی اور مافیا والوں سے تو قیامت تک لڑ سکتا ہوں لیکن قانون کے ساتھ مقابلہ کرنے کا تصور میرے لیے پریشان کن ہوتا ہے...“

”حالانکہ شی سے لڑ کر بھی تم قانون ہی سے لڑتے ہو۔“ اس نے میری بات کاٹ کر ٹکڑا لگایا۔ ”تم کو یہ اختیار کس نے دیا ہے کہ اپنے شہر کے مجرموں کو قانون کے حوالے کرنے کے بجائے موت کے گھاٹ اتارتے پھرو؟“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ قانون سے زیادہ شاید ضمیر کا معاملہ ہے۔ مجرموں کو مارتے ہوئے میرے دل میں کسی قسم کا احساسِ جرم نہیں ہوتا لیکن جب قانون براہِ راست تم پر کوئی فردِ جرم عائد کردے تو معاملہ مختلف ہو جاتا ہے۔“

”آخر اس افسر کو یکایک ہی تمھاری کون سی ضرورت پیش آگئی؟“

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ ”میں نے تمھیں بتایا تھا کہ میری وجہ سے اس کے دانتوں میں پھنسی ہوئی روغنی بوٹی پھسل کر نکل گئی تھی۔ اسرار رضوی مجھے چھڑانے والا میرا واحد سفارشی تھا اس کے قتل ہوتے ہی تفتیشی افسر اپنی محرومی کا حساب بے باق کرنے کے ارادے سے نکل کھڑا ہوا ہوگا۔ اب پہلی احتیاط یہ ہوگی کہ ہم سرخ کار یہیں چھوڑ کر ٹیکسی سے گھر واپس جائیں گے۔ باقی باتیں بعد میں سوچی جائیں گی۔“

”ارادہ نیک ہے مگر مجھے شبہ ہے کہ کوئی ٹیکسی مل سکے گی۔ یہاں آتے ہوئے مجھے راستے میں ٹیکسی رکشا تو درکنار کوئی لولی لنگڑی بس بھی نظر نہیں آئی تھی۔“ وہ کن انکھیوں سے گردو پیش کا جائزہ لیتا ہوا بولا۔

”فکر نہ کرو، ہم گھر سے دور نہیں ہیں۔ پیدل چلنے سے ہاضمہ بھی بہتر ہوگا۔“ میں نے بے پروائی سے کہا۔

”اس قدر لذیذ اور مرغن کھانا کھانے کے بعد تو فوراً بستر درکار ہوتا ہے۔ یہ پیدل چلنا میرے لیے سوہانِ روح بن جائے گا۔“ اس نے ایک گہرا سانس لے کر درد آمیز لہجے میں کہا اور میں زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا۔

کھانے اور چائے سے فارغ ہونے کے بعد بھی ہم کافی دیر تک کسل مندانہ انداز میں وہیں بیٹھے رہے۔ شکم پُری کے بعد ہوٹل سے شرف آباد تک پیدل مارچ اس وقت واقعی عذاب محسوس ہو رہا تھا پھر اچانک ہی مجھے اپنی کُند ذہنی پر غصہ آگیا اور میں بل کی رقم ٹپ سمیت ٹرے میں ڈال کر وہاں سے اُٹھ گیا۔

اس شہر میں میرے لیے مافیا والوں کی دی ہوئی سرخ کار ہی نہیں رہ گئی تھی۔ مناسب انتظار کے ٹیکسی نہ ملتی تو وہیں سے فون کر کے میں جہانگیر کے گھر سے یا ٹریڈ لائن کے دفتر سے کوئی گاڑی منگوا سکتا تھا۔ مزید جھنجلاہٹ اور کوفت اس وقت ہوئی جب لابی میں نکلتے ہی رینٹ اے کار کی تختی نظر آئی۔ شہر کے ہر اچھے ہوٹل میں کرائے پر بغیر میٹر والی پرائیویٹ گاڑیاں حاصل کرنے کی سہولت موجود تھی جس سے ہر وقت استفادہ کیا جا سکتا تھا۔ چند ثانیوں بعد ہی ہم ڈرائیور کے ساتھ اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ یہ درست ہے کہ جب ذہن پر کوئی مسئلہ بوجھ بن کر سوار ہو جائے تو عقل ماؤف ہو کر رہ جاتی ہے اور سامنے کی باتیں بھی نہیں سوجھ پاتیں۔ اس وقت سلطان شاہ کی منفی تمہید نے میری بھی کھوپڑی ماؤف کر ڈالی تھی۔

فلیٹ پر ہمیں کوئی خاص کام نہیں تھا۔ جہانگیر کی حالت خراب تھی اسی کے ساتھ سلمیٰ بھی شدید ترین ذہنی دباؤ سے گزر چکی تھی اور میں ان دونوں کو مجبوری کے تحت ذرا بھی وقت نہیں دے سکا تھا اس لیے میرا خیال تھا کہ وہ شام یا رات جہانگیر کے گھر گزار کر میں اپنی پچھلی کوتاہی کا ازالہ کر سکتا ہوں۔ سلطان شاہ نے میرے ارادے سے واقف ہوتے ہی مجھے ویرا کا خطرہ یاد دلا دیا کیونکہ ویرا نے میری تلاش میں براہِ راست سلمیٰ ہی کو فون کیا تھا اور ذرا سی دیر میں اسی پیغام کے حوالے سے میں نے ویرا کی فون کال لوٹائی تھی ویرا کو شبہ ہو سکتا تھا کہ میں جہانگیر کے پاس مقیم نہ ہوں۔ وہ اپنے شبہے کی تصدیق کے لیے ادھر کا رخ بھی کر سکتی تھی مگر وہ خطرہ اس قدر موہوم تھا کہ میں اسے مول لینے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

ویرا کے خطرے کے برعکس مجھے غزالہ کی طرف سے امید تھی کہ وہ مہلت اور موقع میسر آتے ہی یقیناً جہانگیر کے گھر کا رخ کرتی یا وہاں فون کرتی کیونکہ اسے میری شرف آباد والی رہائش کا قطعی علم نہیں تھا۔ اپنی دانست میں وہ دلدار آغا اور اس کے مسلح بھیڑیوں کو زک دے کر فرار ہوئی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ اس نے اخبارات میں شائع ہونے والی دلدار آغا کے قتل کی خبر ضرور پڑھ لی ہوگی۔ وہ جہاں بھی روپوش تھی، دلدار آغا کے جہنم واصل ہونے کے بعد اسے وہاں سے نکل آنا چاہیے تھا کیونکہ مجھ سے ملنے میں اخلاق، قانون یا مذہب کی کوئی بندش باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ڈی ڈی کے بہروپ کا اسیر ہونے

کے بعد مقدر نے اسے ایک بار پھر آزاد پنچھی بنا دیا تھا اور
وہ اپنی مرضی کی شاخ پر اپنا نیا آشیانہ بنا سکتی تھی جہاں اسے
کوئی ستا نہیں سکتا تھا۔

"یار! ابھی تک اپنی غزالہ بھابی کا کوئی پتا نہیں چل رہا۔"
شیراڈ کے انجن کے دھیمے شور میں سلطان شاہ اچانک بول پڑا۔
وہ ظالم شاید میرے ذہن کو پڑھنے میں ماہر ہو گیا تھا اور اکثر
اچانک وہی موضوع نکال لیتا تھا جو میرے ذہن پر پوری
طرح مسلط ہوتا تھا۔

"اس کی طرف سے میں بھی فکرمند ہوں۔" میں نے ہولے سے
کہا۔ "اب تک اس کے بارے میں کوئی نہ کوئی خبر ملنی چاہیے
تھی بلکہ وہ میرے اور جہانگیر کے گھرے مراسم سے اچھی طرح
واقف ہے، اس کا گھر بھی جانتی ہے۔ اسے پہلی فرصت میں وہاں
پہنچ جانا چاہیے تھا۔ ویرا کے آجانے کے بعد اس کا ہم سے بچھڑے
رہنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔"

"میں ایک بات سوچ رہا ہوں مگر زبان کھولتے ہوئے
ڈرتا ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"بولو! میرے ساتھ ایسا تکلف نہ کیا کرو، میں جانتا ہوں کہ
تم میرے سب سے بڑے خیر خواہ ہو۔"

"بڑے تو خیر تم ہی ہو، میں صرف خیر خواہ ہوں۔ بھابی زبردست
مقابلے، آپا دھاپی اور فائرنگ کے بعد وہاں سے بھاگنے میں
کامیاب ہوئی تھی، کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ زخمی ہو گئی ہو اور اب شہر
کے کسی اسپتال میں زیرِ علاج ہو۔ ایسی مجبوری کی حالت میں وہ
کہاں آ جا سکتی ہے؟"

سلطان شاہ کے ظاہر کیے ہوئے امکان نے مجھے تڑپا
کر رکھ دیا۔ "تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔ ہمیں ہاتھ پر ہاتھ
رکھ کر بیٹھنے کے بجائے اسے شہر کے اسپتالوں میں تلاش کرنا چاہیے
تھا لیکن کیا وہ اتنی زخمی ہو گئی ہے کہ اسپتال کے عملے کے کسی رکن
کے ذریعے جہانگیر کے گھر فون پر پیغام بھی نہیں دے سکتی؟"

"سب کچھ ممکن ہے۔ اسے اپنی جان کا خوف تھا لہٰذا وہ
سب کچھ بھولی رہی۔ خطرے سے دور نکل آنے کا احساس ہوتے
ہی زخموں کی اذیت نے سر ابھارا ہو گا۔ تم نے ڈی ڈی کو ہی دیکھ
لیا وہ کتنی بری حالت میں لیاقت آباد سے فرار ہو کر یا تھا آئی لینڈ
پہنچا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اسپتال میں داخل ہونے کے بعد بھابی
کو ہوش ہی نہ آیا ہو۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی کے مریضوں کو ڈاکٹر عام طور
پر خواب آور دوائیں دے دیتے ہیں۔"

"تمہاری رائے وزن رکھتی ہے۔" میں نے تعریفی لہجے میں
کہا۔ "شہر کے اسپتالوں میں فساد کی وجہ سے ویسے بھی ہنگامی حالات
ہوں گے۔ ہم جہانگیر کے گھر سے فون پر تلاش کی مہم شروع
کریں گے۔"

"چاہو تو میں گاڑی لے کر نکل جاؤں..." اس نے پیشکش
کرنا چاہی لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"بلاوجہ مارے مارے پھرو گے۔ شہر کے حالات مخدوش
ہیں کہیں پھنس گئے تو اپنا بچاؤ کرنے کا موقع بھی نہ مل سکے گا
فون پر کوئی خبر ملی تو دونوں ساتھ چلیں گے۔"

"بچاؤ کے لیے میں نے چلتے ہوئے بیم گن جیب میں
ڈال لی تھی۔ اسے بھی آزمائے ہوئے کافی دن ہو گئے ہیں۔"

"بیم گن!" میں چونک پڑا۔ "یہ ہتھیار ہمارے بہت کام آیا
ہے۔ اس بے چارے کو تو میں بالکل ہی بھول گیا تھا۔ پتا نہیں
کہ اب اس میں کتنا چارج باقی رہ گیا ہے؟"

"جب اس کے نوزل سے مہلک شعاع خارج نہیں ہو گی
اس وقت بھی اسے وزنی آہنی ڈنڈے کے طور پر استعمال کیا جا سکے
گا۔" وہ لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا پھر بولا۔ "بھابی کی طرف سے
میرے ذہن پر ایک اور بھی فکر سوار ہے جس کا براہ راست آ
کی سلامتی سے گہرا تعلق ہے۔"

میں خاموش ہی رہا۔ سلطان شاہ کی سوچ بہت معص
اور غزالہ کے لیے برادرانہ تھی جس سے میں اچھی طرح واقف ت
لیکن اس وقت نہ جانے کیوں مجھے یہ بات پسند نہیں آئی کہ
غزالہ کے بارے میں مجھ سے زیادہ فکرمندی کا اظہار کرتا
شاید وہ میری خود غرضی کی انتہا تھی کہ میں دوسروں کے جذبات
کی پروا کیے بغیر غزالہ کے بارے میں فکرمند یا پریشان ہونا صرف
اپنا ہی حق سمجھ رہا تھا۔

"ویرا لائیڈا گر ڈی ڈی ہی کے سلسلے میں آئی ہے تو اسے
بھی علم رہا ہو گا کہ دلدار آغا نے کسی نہ کسی طرح بھابی سے شاد
کر لی تھی۔" میری خاموشی کو نیم رضامندی تصور کرتے ہوئے اس
بات جاری رکھی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے بے خبر
میں میرے سر پر لٹھ رسید کر دیا ہو۔ صورت حال کا یہ پہلو می
نظروں سے بالکل اوجھل تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ ویرا، غزالہ کے
میں بالکل بے خبر ہو گی، حالانکہ وہ بالکل سامنے کی بات تھی
ڈی ڈی کم از کم مقامی سطح پر ان کا صفِ اول کا کارندہ تھا اور
کے معاملے میں اپنی کامرانی کی خبر اس نے جان بوجھ کر اپنے
تک پہنچائی ہو گی۔

دلدار آغا میرے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا، ایسی صورت
ویرا یقیناً اس کی بیوہ تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش
جب دلدار آغا کے ویران مکان میں اس کے ملازمین غزا

سرکشی اور پھر بارود کی چھاؤں میں گھر سے فرار کی کہانی سناتے تو ویرا میری طرف سے مزید اکھڑ جاتی۔

"عزالہ جہاں بھی ہے میری دانست میں خیریت سے ہے۔" میں نے اپنے وجود میں امڈنے والے جوالا مکھی پر قابو پاتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "ویرا کو اپنے طور پر جو کچھ بھی معلوم ہو، میں اسے اصلیت کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گا۔ اسے یہی بتاؤں گا کہ اب عزالہ میری پناہ میں آچکی ہے۔"

"اس کی ساری توجہ اپنی طرف مرکوز رکھ کر ہی تم عزالہ بھابی کی مدد کر سکتے ہو۔ اس بے چاری کے معاملے میں ہم شروع ہی سے بے بسی کا شکار چلے آرہے ہیں۔"

میں زہریلے انداز میں ہنس پڑا۔ "ہماری فلموں کی کہانی اسی طرح تین تین گھنٹوں تک چلائی جاتی ہے۔ جہاں ہیرو اور ہیروئن کی ملاقات کی سچویشن قریب آنے لگتی ہے تماشائی کرسیاں چھوڑ کر نکاسی کے راستے کی طرف بڑھنے لگتے ہیں دیکھو کہ ہماری کہانی اب کب تک چلنی ہے؟"

"کہانی کی اور بات ہے، یہاں تو ہم ٹھوس حقیقیوں سے لڑ رہے ہیں...."

"یہ بھی کہانی ہی ہے جس میں کاتبِ تقدیر نے جو کچھ لکھ دیا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ ہماری کوششیں اس قصے کو مختصر ہرگز نہیں کر سکتیں۔ ہم دونوں کشت و خون کرتے ہوئے دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک دندناتے پھرتے رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم بے بس کٹھ پتلیاں ہیں۔ ہماری ڈور ہلا کر ہمیں جس راستے پر ہانک دیا جاتا ہے اسی راستے پر چل پڑتے ہیں کبھی عزالہ مل جاتی ہے، کبھی جھلک دکھا کر روپوش ہو جاتی ہے۔ کبھی صرف آواز سنا کر دل میں آگ بھڑکاتی ہے، بے وفائی کرتی ہے اور پھر معصوم اور مظلوم بن جاتی ہے۔ عورت واقعی ایک پہیلی ہوتی ہے میرے دوست! ایک چہرے کے پیچھے ہزار چہرے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ان کے پرت اُتارتے اُتارتے آدمی کی زندگی بیت جاتی ہے اور حقیقت وہ ہوتی ہے جو اسے عالمِ سکرات میں اپنی عورت کے چہرے پر نظر آتی ہے۔ اس سے پہلے صرف سراب ہوتا ہے جو عمر بھر انسان کو دوڑاتا اور تھکاتا رہتا ہے۔"

"اس وقت تم مایوسی کا شکار ہو رہے ہو اس لیے کسی اور موضوع پر بات کرو۔" سلطان شاہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔"

"بحث کرو گے تو میں تمھیں ناک سے زمین پر لکیریں نکالنے پر مجبور کر دوں گا۔" میں نے جارحانہ لہجے میں کہا۔ اس وقت خواہ مخواہ میرا دل اس سے لڑنے کو چاہ رہا تھا۔

اس نے ملامت آمیز نظروں سے مجھے گھورا تھا لیکن جونہی میں نے اپنی توجہ ویران سڑک سے ہٹا کر اس کی طرف مرکوز کی اس نے بوکھلا کر اپنا سر جھکا لیا۔

پُرامن بقائے باہمی کا پہلا اور بنیادی اصول یہی تھا کہ ایک فریق آگ بگولا ہونے کی جارحانہ تیاریاں کرنے لگے تو دوسرا فریق پانی بن کر مدافعانہ راہ اختیار کر لے۔

⁂

جہانگیر کے بدن اور چہرے پر سے تشدد کے نشانات مندمل نہیں ہوئے تھے لیکن وہ نقل و حرکت کرنے کے قابل ہو چکا تھا اور ہمارے ساتھ گرمجوشی سے پیش آرہا تھا۔ اس نے خواب گاہ سے ڈرائنگ روم میں آکر ہمارا استقبال کیا تھا اور سلطان شاہ کے ساتھ بھی اسی تپاک کا مظاہرہ کیا تھا جس سے میرے ساتھ پیش آیا تھا لیکن سلمٰی حسبِ معمول سلطان شاہ کی موجودگی سے خوش نہیں تھی۔

"خدا کا شکر ہے کہ ویرا کا پیغام ملنے کے بعد تمھیں ہمارا گھر یاد آہی گیا۔" سلمٰی نے رسمی گفتگو کا خاتمہ ہوتے ہی مجھ سے مخاطب ہو کر طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

"اس وقت بدمزگی پھیلانے والی باتیں نہ کرو۔" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے قدرے تیز لہجے میں کہا تھا۔ "کل رات ہم نے یہیں تمھارے ساتھ گزاری تھی... حالات کی پیدا کی ہوئی مجبوریوں کی بات دیگر ہے ورنہ یہ گھر ہر وقت مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز رہا ہے۔"

"تم مجبوراً ضرور آئے تھے مگر اپنی مرضی سے اور ملاقات کے لیے تو اب آئے ہو۔"

"ختم کرو اس بحث کو اور بوتل نکالو۔" جہانگیر نے ہاتھ اٹھا کر وہ موضوع وہیں ختم کر دیا۔

"بوتل؟" سلمٰی نے آنکھیں نکالیں۔ "تم نے خود سنا ہے کہ ڈاکٹر نے تمھیں الکحل کے معاملے میں احتیاط سے کام لینے کا مشورہ دیا تھا۔"

"پہلی بات تو یہ کہ اس نے منع ہی نہیں کیا تھا، احتیاط کے لیے کہا تھا۔ دوسری بات یہ کہ وہ اس کا مشورہ تھا، حکم نہیں تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے اس سے وہ سب زبردستی کہلوایا ہوگا۔ وہ تو خود مجھے مسکن ادویہ دے رہا ہے، نشہ آور دوائیں لے کر ہی سونا ہے تو میں اپنے یار کے ساتھ اپنی پسند کا نشہ کیوں نہ کروں؟"

"مجھے تمھاری بوتلوں کی بدبو سے وحشت ہونے لگتی ہے،

تھوڑی دیر میں یہاں شراب اور سگریٹوں کے دھوئیں کی تیز بو بھرنے لگے گی تو میرا یہاں بیٹھنا دوبھر ہو جائے گا۔"

"میز سجا کر تم احتیاطاً اسی وقت بیڈ روم میں چلی جاؤ..."

جہانگیر نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ "آج کافی دنوں کے بعد محفل جمانے کا موقع ملا ہے تو میں اسے ضائع نہیں کروں گا۔ تم دیکھنا کہ صبح تک میری حالت میں نمایاں تبدیلی آچکی ہوگی۔ یہ شوق میری کمزوری کا علاج بھی ثابت ہوگا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ تم یہاں گلچھرے اڑاتے رہو اور میں اپنا منہ لپیٹ کر خواب گاہ میں اکیلی پڑی سڑتی رہوں؟" وہ منہ بنا کر تنک کر تیز لہجے میں بولی۔ سلطان شاہ ہم تینوں کی گفتگو سے لاتعلق، سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا جیسے اس کمرے میں بولی جانے والی زبان اس کے لیے سرے سے ناقابلِ فہم رہی ہو۔

"اگر خواب گاہ میں جانے سے پہلے تم ریٹا کو فون کر کے بلا دو تو لطف آجائے گا۔" میں نے سلمیٰ کو چڑانے کے لیے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"تو اس سے تمہاری بھی دوستی ہوگئی ہے؟" جہانگیر میری زبان سے ریٹا کا نام سن کر خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ "وہ واقعی بہت خوش مزاج اور مجلسی عورت ہے۔ اسے بلوا لو تو تاش کی بیٹھک جم جائے گی۔ عورتوں اور مردوں کی ٹیم کے درمیان سلطان شاہ کو ریفری بنالیں گے۔"

"تمہارے اغوا کے بعد اس نے سلمیٰ کو بہت سہارا دیا تھا۔ اسی دوران میں اس سے یہاں ملاقات ہوئی تھی۔ گھر بار اور بچوں کو چھوڑ کر یہیں بیٹھی رہی تھی..." میں نے دانستہ ریٹا کا ذکر درمیان میں لا کر بچوں کا ذکر چھیڑا تھا۔

"بچے کہاں ہیں یار اس کے؟" جہانگیر نے ہانک لگائی تھی۔

"وہ بھی ہم جیسی ہے۔ اسی لیے ہر وقت لیے دیے رہتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تین چار مہینے بعد ہم اس جیسے نہیں رہیں گے۔"

"اخبار میں اشتہار چھپوا دو!" سلمیٰ اپنی جگہ چھوڑتی ہوئی چل کر بولی۔ "ڈینی کے سامنے تو تمہاری زبان قینچی کی طرح چل پڑتی ہے اور کھایا پیا تک اگلنے پر تیار ہو جاتے ہو۔"

میں نے زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے جہانگیر کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور سلمیٰ دیوار گیر کیبنٹ سے اسکاچ کی بوتل، خالی گلاس اور آئس پاٹ ٹرالی میں پٹخنے لگی۔

علیحدگی میں اس عورت سے مجھے خوف آتا تھا اور میں حتیٰ الامکان اس کی زد سے دور رہنے کی کوشش کرتا تھا لیکن جہانگیر کے ساتھ مل کر اسے جلانے میں مجھے خاصا لطف آتا تھا۔

"دو چار نام تم بھی سوچو۔" جہانگیر اپنی ورم آلود داہنی آ دباتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "امید تو یہی ہے کہ بیٹا ہوگا مگر احتیاطاً دو چار اچھے زنانے نام بھی بتا دینا۔ میرے مقابلے میں تمہاری خاصی اچھی ہے۔"

"تم باز نہ آئے تو میں واقعی اپنے کمرے میں چلی جاؤں گی۔" سلمیٰ تنک کر روہانسے لہجے میں بولی۔

"وعدہ کرو کہ ریٹا کو بھی بلاؤ گی تو ہم موضوع تبدیل کیے ہیں۔" میں نے پیشکش کی۔

"وہ تو نہیں آسکتی۔" سلمیٰ مجھے گھورتی ہوئی دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ "آج اس کے کسی قریبی جاننے والے کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔ دونوں میاں بیوی اس کی تدفین میں گئے ہوتے ہیں۔"

میرے وجود میں پھریری کی لہر دوڑ گئی۔ صاف ظاہر تھا کہ سلمیٰ نام جانے بغیر اسرار رضوی کے قتل کا حوالہ دے رہی تھی اور حیرت ناک بات یہ تھی کہ ریٹا کا شوہر بھی اپنی بیوی کے آشنا کے وجود سے اس حد تک باخبر تھا کہ شاید اپنی بیوی کے ا پر اس کی تدفین میں شرکت کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔

جہانگیر اندر کے ان رموز سے ناآشنا تھا اسی لیے تحیر آ سنجیدگی کے ساتھ اس سانحے کے بارے میں سلمیٰ سے باز پر کرنے لگا لیکن وہ خود بھی اس واقعے کے بارے میں ابتدائی خ سے زیادہ کچھ نہیں جانتی تھی۔

"یہ تو شاید لسی پیتا ہوگا؟" سلمیٰ نے ٹرالی قریب لاتے سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تضحیک آمیز میں کہا۔

"جو تم پیو گی، وہی یہ بھی پی لے گا!" جہانگیر نے گھورتے ہوئے کہا۔

"جب تک تم وہسکی پیتے رہو گے، میں تمہیں دیکھ کر اپنے خون کے گھونٹ پیتی رہوں گی!" اس کا لہجہ بدستور رہا۔ "یہ بے چارہ اس معاملے میں میرا ساتھ نہیں دے سکے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ مجھے اندر آنے کے بجائے باہر چاہیے تھا۔" سلطان شاہ نے ایک جھٹکے سے اپنی جگہ ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "غلطی میری ہے کہ ایک کے بعد میں دوسری بار پھر دھوکا کھا جاتا ہوں!"

"ٹھہرو!" جہانگیر نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم کہیں نہ جاؤ گے۔ اگر ڈینی تمہاری عزت کرتا ہے تو میرے گھر میں بھ عزت ملے گی۔ میری بیوی کبھی کبھی میری ضد میں مہمانوں

جذبات کو بھی ٹھیس پہنچانا ٹھیک ہے۔ سلمیٰ! تم جاؤ اور سلطان شاہ کے لیے کافی بنا کر لاؤ۔"

ہنسی مذاق میں اچانک ہی فضا مکدر اور بوجھل ہوگئی تھی۔ سلطان شاہ نیم دلی کے ساتھ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور سلمیٰ ٹرالی ہمارے سامنے چھوڑ کر خاموشی سے باہر چلی گئی۔

"میری وجہ سے اپنے گھر کا ماحول خراب نہ کرو۔" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد سلطان شاہ جہانگیر سے مخاطب ہوا تھا۔ "میں ملازم ہوں اور ملازم ہی رہنا چاہتا ہوں لیکن ڈینی کو دوسروں کے جذبات کا پاس نہیں رہتا۔ ہر جگہ اپنی بالادستی ثابت کرنے کے چکر میں مجھے داؤ پر لگا دیتا ہے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں سلطان شاہ!" جہانگیر نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو گے۔ آج تمہاری موجودگی میں میں نے سلمیٰ کو جو سبق دیا ہے، وہ اس کے لیے کافی ہونا چاہیے۔"

"اس واقعے پر میرا دل بوجھل ہے۔" سلطان شاہ کے چہرے سے اندر کا کرب ظاہر ہو رہا تھا۔ "میری دلجوئی کے بعد اب تمہیں اپنی بیوی کی اشک شوئی بھی کرنی پڑے گی۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ از خود اندر نہیں آئے گی۔"

"وہ میرا کام ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔۔" جہانگیر اٹھتے ہوئے بولا۔ "تم دونوں یہیں بیٹھ کر انتظار کرو، میں ابھی واپس آتا ہوں۔" اس نے کھڑے کھڑے دو گلاس تیار کیے اور پھر اپنے لب تر کر کے مسکراتا ہوا اسی طرف چل دیا جدھر سلمیٰ گئی تھی۔

میں نے اپنا گلاس اٹھا لیا اور سلطان شاہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "سلمیٰ دل کی بُری نہیں ہے۔ اس کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے اُڑا دیا کرو۔"

"تم یہ مشورہ دینے کا حق رکھتے ہو لیکن اس چھت کے نیچے مجھے آج دوسری بار بے عزتی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مجھے تم اپنے ساتھ یہاں لانے سے گریز کیا کرو۔ میں نے اسی خدشے کی وجہ سے راستے میں کہا تھا کہ میں تمہیں اتار کر گاڑی میں غزالہ بھابی کی تلاش میں نکل جاؤں گا۔ یہاں مجھے اپنے اوپر بہت جبر کرنا پڑتا ہے۔"

ان دونوں کو اندر گئے ہوئے خاصی دیر ہونے لگی تھی اور میں جہانگیر کو پکارنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ وہ دونوں ہاتھوں میں کافی کی ٹرے اٹھائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ اس کا خالی گلاس بھی ٹرے میں ٹی کوزی سے ڈھکے ہوئے کافی پاٹ کے برابر میں موجود تھا۔

ہم اس کے مہمان ضرور تھے لیکن وہ زخمی بھی تھا اس لیے سلطان شاہ نے لپک کر اخلاقاً اس کے ہاتھوں سے ٹرے لے لی اور واپس ڈرائنگ روم کے وسط میں آگیا۔

"تمہیں اتنی دیر ہوگئی تھی کہ مجھے تشویش ہونے لگی تھی کہ کہیں اندر گھس آنے والے کسی حریف نے تم دونوں کو باندھ کر نہ ڈال دیا ہو۔" میں نے متسخرانہ لہجے میں کہا۔

"اب ایسا نہیں ہو سکتا۔" جہانگیر نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "میں نے فیکٹری سے بھی کچھ اسٹاف یہاں بلوا لیا ہے۔ پھاٹک پر دو مسلح چوکیداروں سے تو تمہارا سامنا ہوا ہی ہوگا۔ ان کے علاوہ بھی چار مسلح آدمی لان میں اور چھت پر چھپ کر گھر کی حفاظت کر رہے ہیں۔ جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ اب تو چڑیا کا بچہ بھی میری اجازت کے بغیر اس احاطے میں نہیں پھٹک سکتا۔ دراصل سلطان شاہ کا اندازہ درست تھا۔ سلمیٰ میری پھٹکار پر دل گرفتہ ہو کر بیڈروم میں پڑی رو رہی تھی۔ کافی اسی نے بنائی ہے لیکن وہ خود کو سنبھال کر چند منٹ بعد یہاں آئے گی۔ اس کا غصہ عام طور پر زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہتا۔"

اسی لمحے ڈرائنگ روم سے باہر برآمدے کی پختہ سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ سنائی دی اور ہم تینوں اپنی گفتگو ختم کر کے اسی طرف متوجہ ہوگئے۔ جہانگیر چند ثانیے پیشتر اپنے حفاظتی انتظامات پر فخر کا اظہار کر رہا تھا لیکن اس آہٹ نے اسے بھی قدرے پریشان کر دیا تھا۔

آنے والا جہانگیر کا ایک دربان ثابت ہوا۔ اس کے شانے سے رائفل اور کارتوس کی بیلٹ لٹک رہی تھی اور ہاتھ میں ایک پیکٹ دبا ہوا تھا۔

وہ اندر آنے سے قبل اپنے جوتے اتارنے کے لیے چوکھٹ سے باہر رکا تو جہانگیر اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا اور اس سے سوال کر بیٹھا۔ "کیا بات ہے گل بدن خان؟ کیا خبر لائے ہو؟"

"باہر گاڑی میں مہمان لوگ آیا تھا۔ ڈینی صاحب کا واسطے یہ پیکٹ دے کر گیا ہے۔" اس نے پیش قدمی کرتے ہوئے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا پیکٹ میری طرف بڑھایا۔

وہ صورتِ حال اس قدر تجسس انگیز تھی کہ میں نے بے اختیار اپنی جگہ چھوڑ کر مضبوط، مردانہ بدن والے گل بدن خان کے ہاتھ سے وہ پیکٹ لے لیا۔

پیکٹ کے مختصر سے سائز کے مقابلے میں اس کا وزن محسوس کرتے ہی مجھے خوف سے جھرجھری آگئی اور بے اختیار دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ بگٹٹ باہر دوڑ لگا کر وہ پیکٹ کہیں دور پھینک دوں کیوں کہ مجھے سب سے پہلا خیال ٹائم

بم کا آیا تھا جو کسی بھی لمحے پھٹ سکتا تھا۔

"کون لوگ تھے اور تم نے انھیں روکا کیوں نہیں؟" جہانگیر نے سوال کیا۔

"آم روکا مگر وہ لوگ جلدی میں تھا، بولا بعد میں آئے گا۔" گل بدن خان نے جواب دیا۔

پیچھے جہانگیر کے مکان کی دیواریں تھیں۔ آگے میرے اور نکاسی کے دروازے کے درمیان قالین سے چھ فٹ کی بلندی پر گل بدن خان کا حوصلہ مند چہرہ موجود تھا۔ اس کی چمکتی ہوئی سیاہ آنکھیں موٹے خاکی کاغذ کے اس پیکیٹ پر مرکوز تھیں جو وہ خود لایا تھا اور شاید خود بھی جاننا چاہ رہا تھا کہ اس میں سے کیا شاہکار برآمد ہونے والا تھا۔ میرے لیے اسے دھکیل کر دیوانہ وار باہر نکل بھاگنا عزتِ نفس کے منافی تھا اور دل میں یہ خوف تھا کہ کاغذ اتارتے ہوئے اس بم کے کسی نازک حصے پر غلط ہاتھ پڑ گیا تو فی الفور عزت اور نفس دونوں کے چیتھڑے اُڑ جائیں گے۔ بہرحال گل بدن کے حوصلے سے حوصلہ پاکر میں نے اس کاغذ پر بڑی احتیاط کے ساتھ سرجری کا عمل شروع کر دیا! اس دوران میں میں نے یہ نوٹ کر لیا تھا کہ اس پیکیٹ میں سے ٹک ٹک کی کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی لیکن اس کے ساتھ میں یہ بھی جانتا تھا کہ الیکٹرانکس اور سالڈ اسٹیٹ سرکٹس کی دریافت کے بعد کسی بم کے فعال ہونے کے لیے روایتی گھڑی کی ٹک ٹک ضروری نہیں ہے۔

سیاہ پلاسٹک کے بکس کی پہلی جھلک روح فرسا تھی۔ بدن کے بہت سے مساموں میں پسینے کی نمی محسوس ہونے لگی تھی۔ میں نے دوسروں سے زیادہ اپنے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک دم ہی سارا کاغذ پھاڑ ڈالا اور اسی لمحے مجھ پر منکشف ہوا کہ وہ بم نہیں کوئی ٹرانسمٹر تھا جو آن تھا مگر پاور کی لائٹ آن ہونے کے باوجود اس کے ریسیور پر کوئی ریڈیائی شور یا دوسری آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

میں نے اپنے پھیپھڑوں میں دیر سے رکی ہوئی ہوا کو ایک گہرے سانس کے ذریعے خارج کرتے ہوئے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گل بدن خان کو گھورا۔ "اب کیوں کھڑے ہو؟ اپنی ڈیوٹی کے لیے گیٹ پر جاؤ۔"

وہ اپنا کچھ حوصلہ مجھے عطا کر چکا تھا۔ اس کے پاس جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ میری نگاہوں کا سامنا کرنے کے لیے ناکافی تھا۔ اس لیے اس نے فوراً ہی واپسی کی راہ اختیار کر لی۔ جہانگیر کے ساتھ ہی سلطان شاہ بھی تجسس کے عالم میں میرے قریب آچکا تھا۔ میں نے اشارے سے ان دونوں کو خاموش کر دیا تھا اور آلٹ پلٹ کر اس آلے کا جائزہ لے رہا تھا کہ اچانک ہی اس کے ٹرانسمٹنگ بٹن پر لگا ہوا ٹیپ نظر آگیا۔ ایسے کسی بھی لاسلکی آلے پر وہ مخصوص بٹن دبائے بغیر اپنی آواز نشر کرنا ممکن نہیں تھا لیکن تحفہ دینے والوں نے اس بٹن پر ٹیپ لگا کر ہماری گفتگو سننے کا پورا بندوبست کر دیا تھا۔ میں نے فوراً ہی ٹیپ اکھاڑ دیا اور بٹن سطح سے اوپر اُبھر آیا اس کے ساتھ آلے کے اسپیکر پر ریڈیائی لہروں کا دھیما مگر بے ہنگم ارتعاش گونجنے لگا۔

"ہیلو! ویرا کالنگ!" لمحہ بھر بعد ہی اسپیکر پر جانی پہچانی آواز سنائی دی تھی۔ "تم بہت چالاک ہو ڈیئر کہ تم نے مجھے زیادہ دیر تک اپنی گفتگو سننے کا موقع نہیں دیا لیکن تمھیں بھی میری تیزی اور مہارت کی داد دینی ہوگی۔ میں آخر کار تم تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔۔۔ اوور!"

"میں نے تم سے بھاگنے کی کوشش نہیں کی اس لیے مجھ تک رسائی پر تمھاری داد طلبی خود ستائی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔" میں نے نشری بٹن دباتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "پتا نہیں مجھے یہ اپریشن بھجوا کر تم نے مجھے کیا جتانے کی کوشش کی ہے؟ اوور۔"

"تم نے کہا تھا کہ تم جہانگیر کے ساتھ نہیں رہتے مگر مجھے یقین تھا کہ تم اس سے ملنے ضرور آؤ گے اور دیکھ لو کہ میرا بھیجا ہوا تحفہ عین اس وقت پہنچا جب تم وہاں موجود تھے۔ اوور!"

"بولتی رہو! میں پوری توجہ سے تمھاری بات سن رہا ہوں اوور۔"

"ٹرانسمٹر بھیج کر تمھیں یہ یاد دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ڈیڈی کا فرسودہ دور ختم ہونے کے بعد شی پھر نئے وسائل سے بھرپور کام لینے کی پالیسی پر گامزن ہو چکی ہے اس تحفے کے ذریعے ہم بروقت ایک دوسرے سے براہِ راست رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ اوور۔"

"لیکن مجھے ایسی کوئی مجبوری لاحق نہیں ہے کہ تم سے رابطہ قائم کیے بغیر اپنا وقت نہ گزار سکوں۔ اوور۔" میں نے اپنی جگہ بیٹھ کر جہانگیر کو دوسرا گلاس بنانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اسے تم میری طرف سے خیر سگالی کا اظہار بھی سمجھ سکتے ہو۔ میں چاہتی تو اس ٹرانسمٹر کے بجائے کوئی ٹائم بم یا ریموٹ کنٹرولڈ بم بھیج سکتی تھی جو تمھیں ہلاک یا بُری طرح زخمی کر سکتا تھا۔ اوور!" اس کی آواز میں طنز کی چبھن پیدا ہو گئی۔

"اگلی مرتبہ یہ ارمان بھی پورا کر لینا۔ اس طرح تم مجھے دھونس میں نہیں لے سکتیں۔" میں نے بھی وہی لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "موت آ ہی گئی تو بیٹھے بیٹھے بھی آسکتی ہے۔ اوور!"

"ضد سے کام نہ لو میں ایک بار پھر بتا رہی ہوں کہ اس بار میں تمھارے لیے قابلِ عمل تجاویز لے کر آئی ہوں میرے ساتھ سمجھوتا کر کے تم فائدے میں رہو گے۔ اوور!"

”تمہاری بات الگ ہے تمہیں اپنے باپ کا تازہ تازہ تعارف حاصل ہوا ہے اس لیے ہر معاملے میں پُرجوش ہو۔ مجھے اپنی پیدائش سے پہلے اپنی ولدیت کا علم تھا اس لیے میں سوچ سمجھ کر فیصلے کرنے کا عادی ہوں۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں تمہاری تجویز پر غور کروں گا اور اس کے بعد تم سے ملنے یا نہ ملنے کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکوں گا۔ مجھ پر دباؤ ڈال کر تم مجھے اپنی بات ماننے پر مجبور نہیں کر سکتیں... اوور۔“

”شاید اب تک تم نے تصدیق کرالی ہو کہ دلدار آغا سے غداری کرنے کے جرم میں اسرار رضوی کو کیا سزا دی گئی ہے۔ اس واقعے سے تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ میں اپنے معاملات کے بارے میں بہت زیادہ سنجیدہ ہوں اور اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ اوور۔“

”اسرار رضوی دلدار آغا سے زیادہ پوری قوم کا غدار تھا۔ وہ ایک ذمے دار افسر ہوتے ہوئے ہیروئن کی گھناؤنی تجارت میں ملوث تھا۔ اسے تم نہ مارتیں تو کسی روز مجھے خود ہی اس کا کام تمام کرنا پڑتا۔ آدمی جو کچھ بوتا ہے اسے وہی کاٹنا پڑتا ہے۔ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس پر مجھے شرمندگی ہو اس لیے میں نے اگر تم سے کبھی سمجھوتے کا ارادہ کیا تو وہ میرا آزادانہ فیصلہ ہوگا... یہ دھیان رکھنا کہ میں نے تم سے سمجھوتے کی بات کی ہے شی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوگا۔ اوور۔“

”اب مجھ میں اور شی میں کوئی فرق نہیں رہا۔ دونوں ایک ہی ہیں۔ اوور۔“

”وہ تمہارا معاملہ ہے۔“ میں نے بے پروائی سے کہا۔ ”میرے لیے تم جمی لائیڈ کی بیٹی ضرور ہو لیکن صرف ویرا لائیڈ ہو۔ میرے لیے شی خواب و خیال ہو چکی ہے۔ اوور۔“

”میرا اپریٹس ہر وقت آن رہتا ہے۔ تم جب چاہو مجھ سے رجوع کر سکتے ہو۔ اوور۔“

”میں جانتا ہوں۔“ میں نے دوسرے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لے کر کہا۔ ”جمی لائیڈ نے ڈان سرسیانو کے روپ میں تمہیں یہی سکھایا تھا کہ تمہارا عورت ہونا تمہاری کمزوری نہیں، بلکہ سب سے بڑا ہتھیار ہے جس کی مدد سے تم بدترین لمحات میں بھی اپنے دشمن کو زیر کر سکتی ہو۔ عورت اور خوب صورت عورت اگر ہر وقت آن رہتی ہو تو بڑے بڑوں کو پل بھر میں آف کر دیتی ہے۔ اوور۔“

”تم یہ ساری بکواس دوسروں کے سامنے کر رہے ہو؟ اوور۔“ اس کی غراتی ہوئی غصیلی آواز ریسیور پر ابھری تھی۔

”تم عملاً سب کچھ کر گزرتی ہو، مجھ پر زبانی پابندیاں کیوں لگا رہی ہو؟ اوور۔“

”کاش تم نے اپنی زبان سے صحیح کام لینا سیکھا ہوتا۔“ اس کی آواز میں حسرت تھی۔ پھر لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ ”تم نے ڈی ڈی کو تو مار لیا لیکن تم نے بھی تمہاری دُم پر پاؤں رکھ دیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ تم رقابت کی بنا پر اس کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے؟ اوور۔“

”کس رقابت کی بات کر رہی ہو؟ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ برطانیہ، فرانس اور اٹلی میں جہاں دلدار کا وجود بھی نہیں تھا وہاں بھی میں شی کے اہم آدمیوں کے خون کا پیاسا تھا... اوور۔“

”مانتی ہوں لیکن دلدار کا معاملہ ہی مختلف تھا۔ اس نے غزالہ کو تم سے چھین کر اپنی بیوی بنا لیا تھا۔ اس کارنامے پر جمی لائیڈ اسے جلد ہی آئی مین کے مرتبے پر فائز کرنے والا تھا۔ اس کی زندگی نے وفا کی ہوتی تو وہ ایشیا میں شی کا پہلا آئی مین ہوتا۔ اوور۔“

”لیکن تم نے دیکھ لیا کہ آئی مین بننے سے پہلے ہی اس کی آنکھیں بند کر دی گئیں۔ اوور۔“

”اب غزالہ کہاں ہے؟ اوور۔“ آخر کار اس نے متجسس لہجے میں وہ اہم ترین سوال کر ہی ڈالا۔

”اگر وہ مجھ سے چھین لی گئی تھی تو اس کا پتا تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔ اوور۔“ میں نے مکاری سے کام لیتے ہوئے اس کا سوال اسی کو لوٹا دیا۔

”دلدار نے اپنے ساتھ بڑا ظلم کیا۔ اسلحہ لے کر گھر سے روانہ ہوتے ہوئے اس نے ایک چوکیدار کے علاوہ اپنے سارے ملازموں کو چھٹی دے دی تھی۔ چوکیدار کو پولیس لے گئی، دوسرے ملازمین لاپتا ہیں اور اجڑے ہوئے گھر پر پولیس کا پہرا ہے۔ میرا خیال ہے کہ غزالہ بھی اسی ہڑبونگ میں کہیں نکل گئی ہوگی۔ اوور۔“

میں نے بٹن دبا کر ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا۔ ”وہ کہیں نہیں نکلی۔ دراصل اسی نے دلدار آغا کا دماغ الٹا تھا۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ وہ جسے معصوم سمجھ کر اپنا مجازی خدا بنا بیٹھی ہے، وہ ایک سفاک درندہ ہے۔ اس لیے اس نے دلدار آغا سے بغاوت کر دی تھی اور اب وہ میرے پاس ہے۔ اوور۔“

”واقعی؟“ ویرا کی آواز میں بے یقینی امڈ آئی تھی۔ ”اور تم نے دلدار کی آغوش سے نکلی ہوئی عورت کو اپنی محبت کے طور پر قبول کر لیا؟ تمہارے آئیڈیل تو بہت اونچے تھے؟ اوور۔“

”مجبوریاں بہت کچھ نظر انداز کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔“ میں نے پُرسکون لہجے میں کہا مگر یہ جھوٹ بولتے ہوئے میں اندر سے خود کو کھوکھلا محسوس کر رہا تھا۔ ”بہرحال اب غزالہ میری نجی زندگی کا ایک حصہ ہے، میں اسے تمہارے ساتھ بحث کا موضوع نہیں بنانا چاہتا۔ اوور۔“

”بنانا بھی نہیں چاہیے۔“ اس کی استہزائیہ آواز ابھری۔ ”کیوں کہ اب تم دونوں ایک جیسے ہو چکے ہو۔ وہ دلدار کی دلداری کرتی رہی اور

تم کسی اور کے نہیں تو میرے متوالے ضرور رہ چکے ہو۔ باسی رشتوں کے بارے میں آدمی عام طور پر دوسروں سے کھل کر بات کرنا پسند نہیں کرتا اور۔"

"کم از کم تم سے نہیں۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "تمہارے وجود کے ہر حصے پر ان گنت اجنبیوں کے داغ لگے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک میرا نام بھی شامل ہو گیا تو کیا فرق پڑتا ہے؟ یہ بتاؤ کہ غزالہ کے بارے میں تمہارے دل میں اس قدر حسد کیوں پایا جاتا ہے؟ اور۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت بھی تمہارے پہلو سے لگی بیٹھی ہے۔ ذرا اس سے بات تو کراؤ میری! اور ہاں!" اس نے میری بات کا جواب دیے بغیر کہا۔

"وہ عورتوں سے بات کرتی ہے۔ مردوں کی شکاریوں سے نہیں۔ ویسے تمہیں جو کہنا ہے کہہ ڈالو۔ اس نے ضرورت سمجھی تو جواب دے دے گی ورنہ پھر میری ہی آواز پر گزارہ کر لینا۔ اور۔"

جواب میں اس نے میرے اور اپنے مراسم کے حوالے سے جن غلیظ الفاظ میں اپنی بات شروع کی، اس پر میں نے بوکھلا کر اپریٹس آف کر دیا کیوں کہ سامنے سے سلمیٰ ڈرائنگ روم میں آ رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دینا سلطان شاہ!" اس نے آتے ہی دھیمی آواز میں کہا۔ "آیندہ تم میرے رویے میں نمایاں تبدیلی پاؤ گے۔ آج سے میرے لیے تم بھی جہانگیر کے دوست کی طرح ہو۔"

"میں اس عزت افزائی پر تمہارا شکر گزار ہوں۔" سلطان شاہ نے نظریں اٹھائے بغیر کہا۔ "میرا دل صاف ہے۔ اب تک جو کچھ ہوتا رہا اس کے لیے تم سے زیادہ ڈیڈی ذمے دار ہے۔"

سلمیٰ کو اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں ڈرائنگ روم میں کیا ڈرامائی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں لیکن پھر میرے ہاتھوں میں موجود ٹرانسمٹر پر نگاہ پڑتے ہی وہ چونک پڑی۔

جن دنوں میں سی دن ہوا کرتا تھا، جہانگیر اسی قسم کا اپریٹس لیے، سلمیٰ کی آنکھ بچا کر مجھے اپنے گھر کے کونوں کھدروں سے اپنی کارگزاری کی رپورٹ دیا کرتا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ میں ہی سی دن کے طور پر اس کا سربراہ تھا اس لیے اس نے کئی بار مجھ سے سی دن کی شکایت کی تھی کہ وہ اسے عموماً خوابگاہ میں کال سگنل دیا کرتا تھا اور جب جہانگیر بوکھلا کر رابطہ قائم کرنے کے لیے بستر سے نکل کر باتھ روم یا کسی اور گوشۂ عافیت کی طرف بھاگتا تو اس کی نئی نویلی بیوی اس کی طرف سے شبہات کا شکار ہو جاتی تھی۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر وہ تجسس کا شکار ہوئی اور پھر اس نے جہانگیر کا ٹرانسمٹر بھی دیکھ لیا تھا اس لیے وہ آلہ اس کے لیے نیا نہیں تھا۔

ٹرانسمٹر کے حوالے سے ویرا کا ذکر سنتے ہی خوف سے سلمیٰ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ "اس کا مطلب ہوا کہ اب پھر یہاں کچھ ہونے والا ہے۔ اب مجھ میں ایسے بھیانک حالات کا سامنا کرنے کی سکت نہیں رہی۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔" جہانگیر نے مضبوط لہجے میں اسے دلاسا دیا۔ "ویرا ایک اکیلی عورت ہے۔ اس کی ڈیڈی سے نوک جھونک چلتی رہتی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔"

"مجھے پٹی مت پڑھاؤ۔" وہ متوحش لہجے میں بولی۔ "مجھے معلوم ہے کہ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ پہلے غزالہ کو اسی نے اغوا کرایا تھا جس کی سزا وہ بے چاری آج تک بھگت رہی ہے۔"

ویرا سے گفتگو ہونے کے بعد میرا ارادہ تھا کہ میں سلطان شاہ کے ساتھ اسی وقت وہاں سے روانہ ہو جاتا تاکہ ویرا کو مجھ پر نگاہ رکھنے کا موقع نہ مل پاتا لیکن سلمیٰ کے ردِعمل نے مجھے اپنا ارادہ ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا۔ اگر میں وہاں سے روانگی کا نام بھی لیتا تو وہ بے اختیار یہی سوچتی کہ میں مسلسل ان دونوں میاں بیوی کے لیے مشکلات پیدا کر کے ان کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ رہا تھا۔

پہلے میری وجہ سے جہانگیر کو اغوا کر کے بدترین جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ وہ واپس آیا تو میری ہی تلاش میں بار بار سلمیٰ کو ہراساں کرنے کے بعد اس کے مکان پر منظم حملہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اگر سلمیٰ نے بروقت مجھ سے مدد طلب نہ کی ہوتی تو دلدار آغا نے بڑی بے رحمی کے ساتھ ان کے گھر کو ان سمیت روند کر کھنڈر کر ڈالا ہوتا۔ اور اب ویرا آ گئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ ایک تنہا عورت نہیں تھی بلکہ قوت اور وسائل پر اختیار رکھتی تھی۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ میں جہانگیر کے گھر پر موجود تھا اور اس سے مصالحت کرنے سے گریز کر رہا تھا اس لیے مجھے گھیرنے کے لیے وہ کسی بھی لمحے اس گھر پر دھاوا بول سکتی تھی۔

اگر میرے اور سلطان شاہ کے روانہ ہو جانے کے بعد وہاں ایسی کوئی صورتِ حال رونما ہو جاتی تو سلمیٰ میرے سائے سے بھی بھڑکنے لگتی اور آیندہ کے لیے مجھ پر اس گھر کے دروازے بند ہو جاتے۔

وہاں موجود رہ کر میں کم از کم اتنا ضرور کر سکتا تھا کہ اس رات ان پر کوئی ناگہانی افتاد نازل ہوتی تو ان کے شانہ بہ شانہ حالات کا مقابلہ کر کے کسی حد تک سرخروئی حاصل کر سکتا تھا۔

جہانگیر نے سلمیٰ کے دل سے خوف دور کرنے کی پوری کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا لیکن سلمیٰ ویرا کی اصلیت سے کافی حد تک واقف تھی اور اپنے پے در پے تجربات

کی بنا پر اس کو یقین ہو چکا تھا کہ دیرا دلدار آغا کے گروہ سے الگ نہیں تھی اور اگر وہ ہمارے خلاف اپنی من مانی پر اُتر آتی تو اس گھر پر بدترین تباہی نازل کر سکتی تھی جس سے مقدر سے ہی بچا جا سکتا تھا۔

"میں تو کہتی ہوں ہمیں کچھ دن کے لیے یہ گھر بلکہ شہر بھی چھوڑ دینا چاہیے۔" وہ خوفزدہ لہجے میں جہانگیر سے کہہ رہی تھی۔ "تم اس حال کو تو پہنچ گئے ہو۔ اب کچھ اور ہوا تو میں مر جاؤں گی۔ میں کہتی ہوں کچھ دن کے لیے لاہور میں میرے میکے ہی چلو۔ جب یہ مار دھاڑ ختم ہو جائے گی تو ہم واپس آ جائیں گے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں تقدیر پر بھروسا نہیں ہے۔" جہانگیر نے زچ ہو کر روایتی منطق کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ "مقدر میں سکھ ہے تو کوئی ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا اور اگر بُرا وقت آ ہی گیا تو لاہور کیا ولایت جانے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کار اُلٹ سکتی ہے، جہاز گر کر تباہ ہو سکتا ہے۔ قضا اسی طرح نادیدہ ہاتھوں سے اپنے شکار کو ہانک کر اس مقتل میں لے جاتی ہے جس کا نام کاتبِ تقدیر نے پہلے سے لکھ دیا ہوتا ہے مگر کوئی نہیں جانتا کہ موت کب، کہاں اور کیسے واقع ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ دیرا ہی ہمیں یہاں سے ہانکنے کا بہانہ بن جائے۔"

"اور پھر یہاں تم اکیلی نہیں ہو۔" میں نے جہانگیر کے دلائل کا اثر ہوتے دیکھ کر اپنا وار کیا۔ "ہمارے بیوی بچے نہیں ہیں جو ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ ہم دونوں یہیں رک جاتے ہیں، اسلحہ مل جائے تو چھت پر سے صرف ہم دو آدمی ایک پوری بٹالین کا صفایا کر سکتے ہیں۔"

"اسلحہ گھر میں بھی موجود تھا اور کچھ میں نے باہر سے منگوا لیا ہے لیکن مجھے پوری امید ہے کہ اس کے استعمال کی نوبت نہیں آئے گی۔" جہانگیر نے کہا۔

"پھر بھی احتیاط اچھی چیز ہے۔" سلطان شاہ نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "اسلحہ نکلوا لو۔ ضرورت پیش آ گئی تو ایسا نہ ہو ہم اسلحہ تلاش کرتے ہی رہ جائیں۔"

"فکر نہ کرو۔" جہانگیر مسکراتے ہوئے بولا۔ وہ حقیقی خطرے کا احساس نہیں کر پایا تھا۔ "گھر کے احاطے میں اس وقت دو مسلح پیشہ ور چوکیداروں کے علاوہ مزید چار نشانچی بھی موجود ہیں۔ ان کی موجودگی میں کوئی آسانی کے ساتھ گھر میں داخل نہیں ہو سکے گا۔"

"تم اندر چلی جاؤ۔ ذرا میں جہانگیر کے بلائے ہوئے سورماؤں سے ملاقات کر لوں۔" میں نے ماحول کے بوجھل پن کو ختم کرتے کے لیے مسکراتے ہوئے سلمٰی سے کہا۔

اس وقت سلمٰی نے خلافِ توقع فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "اندر مجھے تنہائی میں خوف آئے گا۔ تم لوگ بھی اب شراب نوشی بند کر دو اور اندر آ جاؤ۔ ڈرائنگ روم کے مقابلے میں اندرونی کمرے زیادہ محفوظ رہیں گے۔"

"شراب پی کر آدمی زیادہ دلیر ہو جاتا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ ہم ابھی اندر آ جاتے ہیں۔" جہانگیر نے کسی جہاں دیدہ دلیر مرد کی طرح اپنی بیوی کا ایک مطالبہ مسترد کرتے ہوئے دوسری فرمائش تسلیم کر لی۔

جہانگیر نے صوفے کے ساتھ ڈوری سے لٹکا ہوا پش بٹن دبایا اور چند ثانیے بعد ایک مرتبہ پھر گل بدن خان کا سنگین وجود ہمارے سامنے تھا۔

"اپنے سارے آدمیوں کو بلاؤ۔" جہانگیر کی اس ہدایت پر وہ فوراً ہی چلا گیا۔ چند منٹ بعد اس کی سربراہی میں چھ مسلح افراد کی جمعیت ڈرائنگ روم میں آ موجود ہوئی۔ بیشتر کے جسموں پر پھولی ہوئی چرمی جیکٹیں چڑھی ہوئی تھیں جو اس سرد موسم میں کھلے آسمان تلے رات گزارنے کے لیے ضروری تھیں۔

ان میں سے تین رائفلوں سے مسلح تھے۔ دو کے شانوں پر آہنی دستوں والی ننھی منی کلاشنکوفیں جھول رہی تھیں اور ایک کے پاس سب مشین گن تھی۔

"آج رات سب کو چوکنا رہنا ہے۔" میں نے کسی اوٹ میں سلمٰی کی موجودگی کے خیال سے دھیمی آواز میں کہا۔ "ہم لوگ بھی اسلحے سے لیس ہو کر اندر جاگتے رہیں گے۔ آج ڈاکوؤں کی طرف سے بڑے حملے کا خطرہ ہے۔ بڑا پھاٹک اندر سے اجازت لیے بغیر ہرگز نہ کھولنا اور نہ کسی اجنبی سے گیٹ پر کوئی چیز وصول کرنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح دھوکے سے دشمن بے ہوشی کی گیس خارج کرنے والا بم بھی اندر پہنچا سکتا ہے۔ جس کے پھٹتے ہی ہم سب اپنی اپنی جگہوں پر سوتے رہ جائیں گے۔"

میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی گل بدن خان کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ سیدھا اور سچا آدمی نظر آتا تھا۔ اس کے چہرے پر پائی جانے والی صورتِ حال سے دو ہی نتائج اخذ کیے جا سکتے تھے۔ اوّل تو یہ کہ اس کے معدے میں اچانک کوئی شدید نقص رونما ہو گیا تھا، دوم امکان یہ تھا کہ وہ کسی بات کے بارے میں تذبذب کا شکار تھا کہ ہمیں اس سے آگاہ کرے یا نہ کرے۔

"کیا بات ہے گل بدن خان؟ تم بولتے کیوں نہیں ہو؟" میں نے اسے ٹوکا۔

"وئی! صاب پرا مارا ماں قربان! وہ میمان اِدر کیا لایا تھا؟"

اس نے سہمے ہوئے اور مدافعانہ لہجے میں سوال کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ معدے کے بجائے اس کے دماغ میں کوئی کھچڑی پک رہی تھی۔

"وہ ریڈیو لایا تھا لیکن اس کی جگہ بم بھی ہو سکتا تھا۔" میں نے کہا۔ "لیکن تم اس قدر پریشان کیوں ہو گئے تھے؟ کیا کوئی بات ہمیں بتانا بھول گئے تھے؟"

"ایک بات رہ گیا تھا۔" وہ سر جھکا کر ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "ابی بتاتا ہے کہ میمان ہم کو حلوہ دے کر گیا تھا۔ حرام ہے جو ام نے کھایا ہو۔"

میں نے معنی خیز نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور گل بدن سے کہا۔ "جا کر حلوہ یہاں لے آؤ ذرا دیکھیں کہ اس میں کیا ہے؟"

گل بدن خان مستعدی کے ساتھ باہر چلا گیا اس کے بقیہ پانچوں ساتھی وہیں موجود رہے۔

"یہ حلوے کی خبر تشویشناک ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ویرا آج رات کچھ کر گزرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔" میں نے انگریزی میں جہانگیر سے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ حلوہ زہریلا ہوگا؟" اس نے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے مگر زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ اس میں بے ہوشی کی کوئی تیز دوا ملی ہوئی ہو۔ رات کو یہ لوگ کسی وقت حلوہ کھاتے اور پھر اپنی جگہوں پر سوتے رہ جاتے۔" میں نے مسلح محافظوں کو اس تبادلہ خیال سے بے خبر رکھنے کی نیت سے انگریزی میں گفتگو جاری رکھی۔ "سامنے کی بات ہے کہ ویرا کے کسی آدمی کو تمہارے چوکیداروں کو حلوہ کھلانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟"

اسی اثنا میں گل بدن خان مٹھائی کا ایک بند ڈبا لے آیا۔ "خدائی خوار ام کو بولا تھا کہ وہ صاب کا دوست ہے اس کے لیے تحفہ اور امارے لیے حلوہ لایا ہے تھوڑی دیر بعد دوبارہ آئے گا۔"

میں نے ڈبا کھولا تو اس میں عمدہ قسم کا گاجر کا حلوہ موجود تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس کی اشتہا انگیز خوشبو کے باوجود ان لوگوں نے اس پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔

میں اس حلوے کو کسی انسان پر آزمانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ذہن میں ایک بار شبہ پیدا ہو جانے کے بعد احتیاط لازمی تھی۔ گو میں جانتا تھا کہ ویرا اپنی پیشہ ورانہ سفاکی کے باوجود اتنی سنگدل نہیں تھی کہ کسی معقول سبب اور ضرورت کے بغیر چند انسانوں کو موت کی نیند سلانے کا بے رحمانہ فیصلہ کر لیتی مگر وہ جمی لائیبل کے سحر کا تازہ شکار ہوئی تھی اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس وقت جوش انتقام میں اندھی ہو کر وہ کس حد تک جانے کا فیصلہ کر سکتی تھی۔

میرے ایما پر گھر میں کسی پالتو جانور کی تلاش شروع ہوئی اور آخر کار کچن کے عقب میں رکھے ہوئے ڈسٹ بن پر طبع آزمائی کرنے والی ایک شامت زدہ آوارہ بلی ہاتھ آ ہی گئی۔

اپنے گرد اتنی بھیڑ دیکھ کر ابتدا میں بلی بُری طرح بھڑکی تھی اور کسی طرح حلوے پر منہ مارنے پر آمادہ نہ ہو سکی مگر پھر گل بدن خان کے مخصوص جارحانہ رویے نے اسے رام کر ہی لیا۔

بلی نے بڑی رغبت کے ساتھ منہ بھر کر حلوہ کھایا تھا مگر وہ بے چاری بمشکل ایک ڈیڑھ منٹ تک ہی اپنی مرغوب غذا سے لطف اندوز ہو سکی۔ حلوے نے معدے میں اترتے ہی اتنی تیزی کے ساتھ کام دکھایا کہ وہ حلق سے چند مظلوم آوازیں نکالتی ہوئی وہیں قالین پر گر کر ساکت ہو گئی۔

گل بدن خان سمیت اس کے پانچوں ساتھیوں کی آنکھیں حیرت سے ان کی پیشانیوں پر جا چڑھیں۔ "اوہ خو! یہ تو مر گیا۔"

گل بدن کے حلق سے کپکپاتی ہوئی آواز برآمد ہوئی اور وہ سیدھا میرے قدموں میں آ گرا۔

"اسے کیا ہوا؟" سلطان تیزی سے اس کی طرف لپکا مگر اس کی آواز سن کر رک گیا۔

"صاب! تم نے ام لوگ کو مرنے سے بچا لیا ورنہ ام پاگل کا بچہ، حلوہ کھا کر بلی بن جاتا۔ ابی ام باہر کا کوئی چیز نہیں کھائے گا۔" وہ میرے پیر پکڑ کر گڑگڑا رہا تھا۔

"اٹھو اور اسے باہر لے جاؤ۔" میں نے اپنے پیر پیچھے ہٹاتے ہوئے بلی کے پھولتے پچکتے ہوئے پیٹ کا جائزہ لے کر کہا۔ "یہ مری نہیں ہے صرف بے ہوش ہوئی ہے مٹھائی لانے والا تم لوگوں کو بے ہوش کرنے کا بندوبست کر کے گیا ہے اب رات بھر آنکھیں کھلی رکھنا۔ وہ لوگ میدان صاف پا کر کسی بھی وقت گھر میں گھسنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ وہ ایک بار اندر آ گئے تو ہر طرف تباہی پھیلا دیں گے۔"

وہ سب شرمندہ اور خاموش تھے۔ گل بدن خان بے ہوش بلی کو اٹھا کر کسی چور کی طرح خاموشی سے باہر نکل گیا۔ بقیہ پانچوں بھی اس کے پیچھے چلے گئے۔

"اس کا مطلب ہوا کہ سیلی کا خوف اپنی جگہ بجا تھا۔" میدان صاف ہوتے ہی جہانگیر اضطراری لہجے میں بولا۔ "آخر ویرا آج رات کیا کر گزرنا چاہتی ہے؟"

"یہ تو وہی جانتی ہے بس برا ہوا کہ اسے پتا چل گیا کہ میں یہاں موجود ہوں۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ اس وقت میں دل ہی دل میں خود کو ان کا مجرم سمجھ رہا تھا۔

"تم بھیس بدل کر یا کسی اور طرح خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤ۔ سلطان شاہ دور رہ کر تمہیں کور دے سکتا ہے تم چلے گئے تو وہ اپنا سر پیٹتی رہ جائے گی۔" اس نے کہا۔ وہ بلی پر کیے جانے والے تجربے کے بعد

بری طرح بدحواس اور خوف زدہ نظر آنے لگا تھا۔

"بے کار ہے۔" میں نے کہا۔ "اول تو باہر اس کے آدمی موجود ہونے کا امکان ہے۔ تمہارے گھر سے چوہے کا بچہ بھی باہر نکلا تو وہ اسے گھیر کر پکڑنے کی کوشش کریں گے، ناکام رہے تو مار ڈالیں گے۔ اگر میں کسی طرح نکل جانے میں کامیاب ہو بھی گیا تو وہ تم سے بہت برا سلوک کرے گی اور تم دونوں میاں بیوی اس کے رحم و کرم پر رہ جاؤ گے۔ سلمیٰ بھی سوچے گی کہ ہم تمہیں مصیبت میں ڈال کر خود صاف نکل گئے۔ ہم دونوں یہاں آ کر آنے والوں کا جم کر مقابلہ کر سکیں گے۔ بس تم ہمیں اسلحہ فراہم کر دو۔"

نئے انکشافات کے بعد فضا پر اس قدر سناٹا طاری ہو گیا تھا کہ ہم میں سے کسی کے لیے بھی تکلف کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی۔ میں نے جو کچھ کہا، وہ اس قدر اٹل تھا کہ جہانگیر میری تردید میں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا اور لاجواب ہو کر اس نے اپنے پیتے پیتے تیسرا گلاس بنانا شروع کر دیا۔

میں نے ٹرانسمٹر پر ویرا کی بے ہودہ گفتگو سے بوکھلا کر سلمیٰ کی آمد پر اسے آف کر دیا تھا کیوں کہ اس وقت میرے لیے ویرا کی گفتگو کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن بلی کی بے ہوشی کے بعد یہ جاننا ضروری ہو گیا تھا کہ اس رات کے بارے میں ویرا کے ذہن میں کیا منصوبے پروان چڑھ رہے ہیں۔

میں نے اپریٹس آن کیا تو اس وقت اس پر صرف ریڈیائی لہروں کا دھیما دھیما شور قدرے وقفوں کے ساتھ گونج رہا تھا اور کسی انسانی آواز کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

"تم دونوں بوتل لے کر بیٹھتے ہو تو پھر اس میں غرق ہو جاتے ہو۔" سلمیٰ کی چڑچڑی آواز سن کر میں چونک پڑا۔ "میں کہہ رہی ہوں کہ آج کی رات گزر جانے دو، صبح تک زندہ رہے تو اپنا شوق کل پورا کر لینا۔" اس نے قریب آ کر ٹرالی پر سے بوتل اٹھالی۔ "اب میں تمہیں اس کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گی۔"

ہم دونوں میں سے کسی نے سلمیٰ سے اس کی مداخلت بے جا پر اعتراض نہیں کیا۔ میں ڈبل پیگ لینے کے بعد مجھے مزید سرور کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ سلمیٰ نے بوتل کیبنٹ میں بند کرنے کے بعد ڈرائنگ روم کی کھڑکیوں کے پردے برابر کرنے شروع کیے اور ان سے فارغ ہو کر دروازہ بند کر کے اندر سے بولٹ کر دیا۔

"اب تم لوگ بھی اندر آ جاؤ۔" اس نے ہماری طرف پلٹتے ہوئے مربیانہ انداز میں کہا۔

"ہمیں یہیں رہنے دو۔" میں نے کسل مندانہ لہجے میں کہا۔ "کوئی آ ہی گیا تو یہاں سے ہم اس کو آسانی کے ساتھ اپنی زد میں لے سکیں گے۔"

"مجھے زیادہ خوف زدہ نہ کرو۔" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

شاید اسے پچھلی کرب ناک رات یاد آ گئی تھی جو اس نے موت کی دہشت میں اور گولیوں کے سائے میں سسک سسک کر گزاری تھی۔ دلدار آغا کے خوف ناک جارحانہ تیوروں کے مقابلے میں اس رات سلمیٰ اپنے ملازمین کے درمیان بالکل اکیلی تھی اور جہانگیر خواب آور دوا کے زیر اثر اپنے کمرے میں دنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند سو رہا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کہا۔ تم خود ہی ویرا کا نام سن کر خوف زدہ ہو گئی ہو۔" میں نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ میں اسے بتانا نہیں چاہ رہا تھا کہ ہم لوگ بھی فضا میں خطرے کی بو محسوس کر رہے تھے۔

"وہ عورت نہیں، پوری چڑیل ہے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اس نے تم سے بات کی ہے تو اب کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلائے گی۔"

ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر آنے والوں کا انتظار کرنا حماقت تھا۔ اس لیے اندرونی روشنیاں گل کرتے ہوئے ہم چاروں ایک خواب گاہ میں پہنچ گئے جو جہانگیر کے کمرے سے ملحق تھی۔ اس سے قبل میں جہانگیر کے گھر کے گیسٹ بیڈ روم میں کئی بار شب بسری کر چکا تھا جو اندرونی حصے سے خاصا الگ تھلگ تھا لیکن اس رات کی صورتِ حال کے پیشِ نظر جہانگیر نے ہمیں قریب رکھنا مناسب سمجھا تھا۔

بستر وغیرہ درست کر کے سلمیٰ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور جہانگیر ہمارے لیے دو رائفلیں لے آیا جن کے ساتھ فاضل کارتوسوں کے کئی ڈبے تھے۔ رینج اور ہلاکت خیزی کے اعتبار سے وہ اسلحہ بے مثال تھا لیکن آنے والے لمحات میں اس کی فائرنگ کی رفتار سست ثابت ہو سکتی تھی۔ ہر فائر کے بعد لوڈ کرنے میں جو وقت صرف ہوتا اس سے فائدہ اٹھا کر کوئی بھی تیزی سے پیش قدمی کر سکتا تھا۔

میرے استفسار پر جہانگیر ایک سب مشین گن لایا تو میں حیران رہ گیا۔ اس دو نفری گھرانے میں اس قدر آتشیں اسلحے کی بھرمار میرے لیے ناقابلِ فہم تھی۔ جہانگیر نے بتایا تھا کہ اس کے پاس دو رائفلوں کے لائسنس تھے۔ بقیہ دو رائفلیں فیکٹری کے چوکیداروں کے نام پر تھیں۔ کلاشنکوف اور ایس جی ایم اس نے ان دنوں بھاری داموں پر اپنے مسلح محافظوں کے لیے خریدی تھیں جب اسے شی کے خلاف کل پرزے نکالنے کے بعد اپنی جان کا خوف لاحق ہو گیا تھا۔ ان دنوں وہ ایک بلٹ پروف کار میں سفر کرنے لگا تھا۔ گھر کے احاطے کی دیواروں کو اونچا کرا کے فصیل کا روپ دے ڈالا تھا۔ لان اور احاطے میں رات کو اس قدر

چراغاں ہوتا کہ فرش پر گرا ہوا تنکا بھی دور سے دیکھا جا سکتا تھا۔ اس نے اسی پر بس نہیں کیا تھا بلکہ احاطے میں دن رات خونخوار کتے بھی کھلے پھرتے تھے جن کی موجودگی میں پرندوں تک نے اس گھر کے درختوں پر بیٹھنا یا بسیرا کرنا ترک کر دیا تھا۔

دو دن گزر گئے تھے لیکن جہانگیر نے اسلحہ کسی بُرے وقت کے لیے رکھ چھوڑا تھا۔ ان دنوں شہر میں کئی بار منظم پیمانے پر خونریزی کی علاقائی وارداتیں ہو چکی تھیں جس کے نتیجے میں شہریوں کا لائسنس یافتہ اسلحہ سرکاری احکام کے ذریعے متعلقہ تھانوں میں جمع کرا لیا گیا تھا۔ ایسی بے بسی کی حالت میں کسی ناگہانی خطرے سے نمٹنے کے لیے غیر قانونی اسلحہ ہی کام دے سکتا تھا۔ کیوں کہ شر پسند اور بلوائی کہیں بھی قانونی اسلحے کو تخریب کاری کے لیے استعمال نہیں کرتے، وہ قانون شکنی کے لیے ہمیشہ غیر قانونی اسلحے اور حرکتوں پر انحصار کرتے ہیں۔

ایک ایس جی ایم اور دو رائفلیں ہم دونوں کے سپرد کرنے کے باوجود جہانگیر کی خوابگاہ میں ایک ڈبل بیرل رائفل اور ایک پستول موجود تھا۔

اپنی تیاریوں کے باہمی جائزے کے بعد جہانگیر اپنے کمرے میں چلا گیا اور ہم نے بھی اپنے کمرے کی بتیاں بجھا دیں۔ اس وقت نیند کا کوسوں دور پتا نہیں تھا لیکن ساری رات بیٹھ کر بھی نہیں گزاری جا سکتی تھی اس لیے ہم اسلحہ قریب رکھ کر بستر پر دراز ہو گئے۔ میں نے ٹرانسمٹر آن کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ لیا تھا۔

سگرٹیں پھونکتے ہوئے مجھے اچانک خیال آیا کہ ڈیرا یا ش[illegible]ے مقابلے میں میں اتنا مجبور نہیں تھا جتنا خود کو تصور کر رہا تھا۔ ٹرانسمٹر پر ڈیرا سے بات ہونے کے بعد سب کچھ ذاتی سطح پر سوچا جاتا رہا جب کہ میرے ساتھ مافیا کی افرادی قوت بھی تھی سینڈو اور اس کے آدمیوں نے جہانگیر کا مکان دیکھا ہوا تھا اور وہ میرے ایک اشارے پر اس کے گرد مورچا بند ہو سکتے تھے۔

یہ خیال آتے ہی میں نے اضطراری طور پر بستر چھوڑ دیا سلطان شاہ نے اپنی رائفل اٹھاتے ہوئے بوکھلا کر میری تقلید کی تھی اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا تھا "کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ آرام سے لیٹے رہو۔ یوں اپنے سائے سے بھڑکتے رہے تو صبح تک اعصاب زدہ ہو جاؤ گے۔ میں اپنے آدمیوں کو فون کرنے جا رہا ہوں۔"

"تمہارے آدمی؟" اس کی تحیر زدہ سرگوشیانہ آواز ابھری۔ میری ہی طرح وہ بھی مافیا کو بھولا ہوا تھا۔ میرے بتانے پر وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

وہ جاڑوں کی راتیں تھیں۔ وقت اتنا زیادہ نہیں گزرا تھا لیکن گھر میں پھیلے ہوئے اندھیرے اور باہر راج کرتے ہوئے سناٹے کی وجہ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آدھی رات بیت گئی ہو۔ جہانگیر کی خواب گاہ کے بند دروازے کی نچلی جھری سے روشنی کی لکیر نظر آ رہی تھی۔ میں وہاں سے گزر ہی رہا تھا کہ اچانک دروازہ کھل گیا۔

"ارے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" کھلے ہوئے دروازے میں سے آنے والی روشنی میں مجھے دیکھتے ہی سلمیٰ حیرت سے اچھل پڑی۔

"کر کچھ نہیں رہا۔ یہاں سے گزر کر ڈرائنگ روم میں فون کرنے جا رہا ہوں۔" میں نے خفت آمیز مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"لعنت بھیجو ڈرائنگ روم پر۔ یہاں میرے کمرے سے فون کر لو۔" اندر سے جہانگیر نے ہانک لگائی۔ اس کی آواز سے پتا چل رہا تھا کہ وہ اس وقت سُرور میں آنے لگا ہے۔

"باتوں ہی باتوں میں ہم کھانا بھی بھول گئے۔" سلمیٰ مجھے راستہ دیتے ہوئے بولی۔

"تمہیں بھوک لگ رہی ہے تو ضرور کھانا کھاؤ۔ ہم شام کو دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد سیدھے تمہاری طرف آئے تھے۔ اس لیے اب کھانے کی خواہش نہیں ہے۔" میں نے اس کی خواب گاہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"اس وقت کون یاد آ گیا جسے فون کرنے جا رہے تھے؟" جہانگیر نے بستر پر ہی میرے لیے جگہ بناتے ہوئے سوال کیا۔ سُرور میں آنے کے ساتھ ہی اس کے ذہن پر سے مخدوش صورتِ حال کا دباؤ کم ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا جو ایک لحاظ سے اچھا شگون نہیں تھا۔

"سلمیٰ ڈیرا سے خوف زدہ ہے۔ اندر ہم نے دفاع کی تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔ سوچ رہا ہوں کہ باہر بھی کچھ آدمی بلا لوں کچھ ہو ہی گیا تو حریفوں کو دونوں طرف سے گھیر کر مارنے میں لطف آئے گا۔" سلمیٰ کو وہیں رکا ہوا دیکھ کر میں فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم تکلف نہ کرو، اپنے اور جہانگیر کے لیے کھانا لے آؤ۔ وھسکی کے بعد اس کا معدہ خالی رہا تو یہ متلیاں شروع کر دے گا۔"

سلمیٰ میرا مدعا سمجھ گئی لیکن کچھ بولے بغیر وہاں سے چلی گئی۔

میں نے تپائی پر سے فون اٹھا کر ٹرنک لائن کا نمبر ملایا۔ میرا خیال تھا کہ مجھے دیر سے جواب ملے گا لیکن دوسری ہی گھنٹی پر سلسلہ مل گیا اور میں نے سینڈو کی آواز پہچان لی۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں۔ تمھیں وہ گھر یاد ہے جہاں ہم نے دلدار آغا کے دانت کھٹے کیے تھے؟" میں نے براہِ راست مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔

"کیا وہاں پھر کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے؟" اس کی آواز تجسس آمیز تھی۔

"امکان نظر آرہا ہے۔ اپنے آدمیوں کو لے کر پہنچو اور چھپ کر اس مکان کو گھیر لو۔ میں اس وقت اندر موجود ہوں ۔ ہو سکتا ہے کہ باہر سے کچھ لوگ اس مکان پر حملہ کرنے کی کوشش کریں۔ تم کو ہر قیمت پر انھیں روکنا ہے لیکن اس کوشش میں اندر داخل ہونے کی کوشش نہ کرنا ورنہ اندر پھیلے ہوئے نشانچی غلط فہمی میں تمھارے ہی آدمیوں پر گولی چلا دیں گے۔"

"میں جلد از جلد وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔" اس نے جواب دیا اور میں نے فون بند کر دیا۔

"ٹرانسمٹر پر کال آرہی ہے۔" اسی وقت سلطان شاہ کی آواز آئی جو میری بے خبری میں نہ جانے کب وہاں آکھڑا ہوا تھا اور شاید میرے فون سے فارغ ہونے کا منتظر تھا۔

"ٹرانسمٹر کہاں ہے؟"

"وہیں کمرے میں سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا ہے۔" اس نے کہا۔

"تو تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔ اسے یہیں اٹھا لاتے۔ وہ تمھیں کرنٹ تو نہیں مار دیتا۔" میں نے قدرے تیکھے لہجے میں کہا اور وہ خفت آمیز انداز میں سر جھکا کر واپس چلا گیا۔

وہ واپس آیا تو اس وقت بھی ٹرانسمٹر پر ویرا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"ڈینی ریسیونگ۔" ویرا کی طرف سے لائن اوور کیے جانے کے بعد میں نے اپنی آواز کو دانستہ غنودہ بنا کر جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا مرچیں چبا رہے ہو؟ اوور۔" اس نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"اپنے مطلب کی بات کرو، بار بار کیوں تنگ کر رہی ہو؟ اوور۔" میں نے بدستور اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے چڑچڑے لہجے میں کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم کچی نیند سے اٹھے ہو۔ کمال ہے کہ اتنی جلدی سونے کے لیے لیٹ گئے۔ کیا جہانگیر جلدی سو جانے کا عادی ہے؟ اوور۔" اس نے مکارانہ لہجے میں پوچھا تھا۔

"یہ تو جہانگیر ہی سے معلوم کرو، میں اپنے گھر میں آرام کر رہا ہوں۔ اوور۔"

"تھوڑی ہی دیر پہلے تو تم سے وہاں میری بات ہو رہی تھی۔ اتنی جلدی واپس آکر سو بھی گئے۔ اوور۔" اس کے لہجے میں حیرت اور بے یقینی کا امتزاج موجود تھا۔

"ان سب باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ میری نیند کیوں خراب کی ہے؟ اوور۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم جہانگیر ہی کے گھر پر موجود ہو۔ اوور۔" اس نے میرے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بے اعتباری سے کہا۔

"گویا تم اس وقت صرف یہی معلوم کرنا چاہتی ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں کہیں بھی ہوں، اس سے تمھارے لیے کیا فرق پڑتا ہے۔ تمھارا راستہ الگ ہے اور میری راہ جدا۔۔ پھر بھی تمھاری تسلی کے لیے بتا دوں کہ میں جہانگیر کے ساتھ شراب نوشی کر رہا تھا کہ ایک خبر ملنے کے بعد غزالہ کے ساتھ وہاں سے نکل آیا۔ یہ شراب ہی کا اثر تھا کہ میں گھر آتے ہی بستر میں لیٹ گیا، ورنہ میں عام طور پر دیر ہی سے سوتا ہوں۔ اتنی وضاحت کے بعد امید ہے کہ اب تمھارے ذہن کی خارش دور ہو گئی ہو گی۔ اوور۔"

"تم وہاں سے نکل ہی نہیں سکتے تھے۔ میں کیسے مان لوں کہ اس وقت تم اپنے گھر میں ہو۔ اوور۔" اس نے کھل کر اپنے دل کی بات بیان کر دی۔

میں نے بٹن دبا کر ایک جاندار قہقہہ لگایا اور اس کے یقین کو مزید متزلزل کرنے کے لیے کہا۔ "تمھارے آدمی بہت احمق تھے جو ٹرانسمٹر کے ساتھ چوکیدار کو زہر ملا حلوہ بھی دے گئے اور قبل از وقت تمھارے منصوبے کا راز مجھ پر فاش ہو گیا۔ وہ حلوہ کھا کر دو گتے آناً فاناً میں بے ہوش ہو گئے۔ اس کے بعد میرے لیے چوہے دان میں رکا رہنا مہلک ہو سکتا تھا۔ اس لیے میں نکل آیا۔ اوور۔"

"اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ تم جھوٹے ہو۔ تم وہاں سے نکل ہی نہیں سکتے تھے۔ اوور۔"

"تم اٹلی سے تازہ تازہ یہاں وارد ہوئی ہو اس لیے تمھیں اندازہ نہیں کہ تمھارا ٹھیکیدار کس قماش کے آدمی فراہم کرتا ہے۔ اسی کی ناکارہ نفری نے ڈی ڈی کو مروایا تھا اور شاید تم نے بھی اسی لالچی ٹھیکیدار سے رابطہ قائم کیا ہے۔ اوور۔" اس کی چال بازی کی وجہ سے میں بھی اس سے پہیلیوں میں تشنہ گفتگو کر رہا تھا تاکہ اسے میری کسی ایک بات سے اپنے دو سوالوں کے جواب نہ مل سکیں۔

"تم کس کی اور کیا بات کر رہے ہو؟ اوور۔" اس کا لہجہ ایک دم سپاٹ ہو گیا اور میں نے اندازہ لگا لیا کہ میری گفتگو سے وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اپنی تشویش کے اخفا کے لیے وہ عموماً اسی قسم کا اندازِ تکلم اختیار کرتی تھی جو میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔

"میں معراج دین عرف ملبے کی بات کر رہا ہوں جو آج کل سٹی کا لیبر کنٹریکٹر بنا ہوا ہے۔ اس کے آدمی اول درجے کے احمق اور ناکارہ ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ جدید ترین اسلحے کے ساتھ بھونڈے انداز میں جہانگیر کے مکان کے گرد پھیلے ہوئے ہیں مگر بہترین دستی اسلحہ بھی بھانڈوں کو لڑاکا نہیں بنا سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ ابھی تک اپنے دو

ساتھیوں کی لاشوں تک نہیں پہنچ سکے ہیں جنھیں ہلاک کر کے میں ان کے گھیرے حصار سے باہر نکلا تھا ورنہ مجھ سے رابطہ قائم کیے بغیر تمھیں علم ہو جاتا کہ اب میں وہاں نہیں ہوں جہاں تم مجھے روکنا چاہ رہی تھیں۔ تم نے اپنی دانست میں بہت ہوشیاری کے ساتھ مجھے گھیرنے کا منصوبہ بنایا تھا جو پروان چڑھنے سے پہلے ہی اپنی موت آپ مر گیا۔ اوور۔"

"تم بلف کر رہے ہو۔" اس کی سپاٹ آواز ابھری۔ "قول کے سچے ہو تو جہاں ہو وہیں ٹھہرو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ ذرا بھی تشدد نہیں ہوگا۔ میں تنہا تم سے ملنے آؤں گی۔ اوور۔"

"غزالہ کے مل جانے کے بعد اب میرے لیے تمھاری ذات اپنی دلکشی کھو چکی ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "ایک ہی شکار پر منہ مار مار کر ہر شکاری جلد اکتا جاتا ہے اس لیے تمھیں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی مجھے چاروں طرف سے گھیرنے کی ناکام کوشش کے بعد تمھارا تنہا آنے کا دعویٰ مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ اپنا دل ہی بہلانا ہے تو ایسے لطیفے کسی ایسے شخص کو سناؤ جو تمھیں زیادہ نہ جانتا ہو۔ اوور۔"

"یہ شی میں میرے وقار کا معاملہ بن گیا ہے ڈینی!" اس کا لہجہ یک بیک مفاہمانہ بلکہ خوشامدانہ ہو گیا۔ "تم صرف ایک ڈیڑھ گھنٹے کے لیے جہاں ہو وہیں ٹھہرو۔ بقول تمھارے، میرے آدمی جہانگیر کے گھر کے گرد جھک مار رہے ہیں اور تم اپنے گھر پر ہو۔ میں تنہا تم سے ملنے آتی ہوں۔ مجھے تم سے کچھ نجی اور بہت ضروری گفتگو کرنی ہے۔ اوور۔"

"مجھ سے نجی گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں کیوں کہ میں نہ تم سے شادی کر سکتا ہوں نہ تمھاری ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہوں۔ رہی ضروری گفتگو تو وہ تم خاصی دیر سے کر رہی ہو میرے بارے میں تم کوئی غلط اندازہ قائم نہ کرنا اب پوری بات کسی حد تک میری سمجھ میں آتی جا رہی ہے اوور۔"

"تم مجھ پر ضرورت سے زیادہ شبہ کر رہے ہو ڈینی!" اس کا شکایتی لہجہ بہت رومانوی تھا۔ "پتا نہیں تم یک طرفہ طور پر میرے بارے میں کیا سوچے جا رہے ہو؟ اوور۔"

"مجھے معلوم ہے ویرا بے بی کہ اب جدید ٹرانسمیٹرز میں لوکیشن فائنڈر بھی لگے ہوتے ہیں۔ شاید تمھارے ایریٹس پر لگا ہوا کوئی آلہ تمھیں قطب نما پر میری پوزیشن اور فاصلے سے آگاہ کر رہا ہوگا تم اسی کی مدد سے مجھ تک پہنچنا چاہتی ہو۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ تم نے مجھے ٹرانسمیٹر بھجوانے کی ضرورت کیوں محسوس کی تھی لیکن میں نرا احمق نہیں ہوں تم سے بات ختم کر کے میں اپنا ایریٹس آف کر دوں گا۔ اس کی پاور سپلائی کے ساتھ ہی ہر سگنل بھی آف ہو جائے گا اور تمھارا لوکیشن فائنڈر میرے بارے میں اندھا ہو کر رہ جائے گا۔ چلو میں وعدہ کرتا ہوں کہ رات بھر اپنے گھر پر ہی رہوں گا۔ ہو سکے تو مجھ تک پہنچ کر دکھا دو۔ ابھی تک مجھے صرف یہی خلش تھی کہ تم نے مجھے ٹرانسمیٹر کیوں بھجوایا ہے مگر اب یہ خلش دور ہو گئی ہے۔ اوور۔"

"تم بہت بڑبولے ہو گئے ہو ڈینی!" اس کا لہجہ خشک اور کھردرا ہو گیا۔ "تم بلاوجہ مجھے سخت رویہ اپنانے پر مجبور کر رہے ہو۔ تم نے لوکیشن فائنڈر کی بات چھیڑی ہے تو کان کھول کر سن لو کہ جب پچھلی بار میں نے تم سے بات کی تھی تو تمھاری لوکیشن بالکل وہی تھی جو اس وقت مل رہی ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ تمھاری پوزیشن میں سرِ مو بھی فرق نہیں آیا ہے۔ تم جہاں تھے وہیں موجود ہو۔ حلوے کے بارے میں شاید تمھیں پتا چل گیا ہو لیکن میرے دو آدمیوں کے قتل کا دعویٰ بجا اس ہے اس وقت تو جہانگیر کے گھر سے کوئی سایہ بھی باہر نظر آیا تو اس پر چاروں طرف سے نادیدہ ہاتھ آگ کا جہنم کھول دیں گے۔ ہمت ہے تو گھر سے باہر قدم نکال کر دکھا دو، میں تمھیں شورما مان جاؤں گی۔ اوور۔"

"آخر تمھیں سچ بولنا ہی پڑ گیا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "تم کھل کر میرے سامنے آ گئی ہو اس لیے اب قابلِ عمل تجاویز اور سمجھوتے کا ڈھکوسلا ختم کرو اور یہ بتاؤ کہ مجھے مارنے کے لیے جمی لائیڈ سے کب تک کی مہلت لے کر آئی ہو؟ اوور!"

"تجاویز اپنی جگہ برقرار ہیں۔ انھیں قبول کر لو گے تو زندہ اور فائدہ میں رہو گے۔ انھیں ٹھکرایا تو دنیا کے کسی بھی گوشے میں پناہ حاصل نہ کر سکو گے۔ یہ اچھا ہوا کہ ہمارے کارڈز قبل از وقت ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے۔ اب ہم کسی ہیرپھیر کے بغیر ایک دوسرے سے بات کر سکتے ہیں۔ اوور۔"

"میرے نہ کوئی کارڈز تھے اور نہ کھلے ہیں۔ تم ابتدا ہی سے بدنیتی سے مجھے گھیرنا چاہ رہی تھیں لیکن دیکھ لو کہ میں زبان سے کچھ نہ کہنے کے باوجود ابتدا سے تمھیں سمجھ رہا ہوں اسی لیے نہ تمھارا محبت آمیز بلاوا میری رال ٹپکا سکا اور نہ ہی تمھاری موجودہ سازش کامیاب ہو سکی۔ اگر میرے گرد تمھارے آدمیوں کا گھیرا ہے تو ان کے گرد میرے آدمی بھی تیار کھڑے ہیں۔ آج رات اگر کوئی معرکہ چھڑ گیا تو یہ یاد رکھنا کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت مجھے تمھارے خلاف براہِ راست کارروائی سے نہ روک سکے گی۔ اب میں زیادہ دیر باتیں کر کے تمھیں مزید مہلت نہیں دینی چاہتا اس لیے ایک بار لائن اوور کر کے ایریٹس آف کر دوں گا اوور۔"

"تم مجھے چیلنج دے رہے ہو! اوور۔" اس کی آواز دھمکی آمیز تھی۔ میں نے اپنے وعدے کے مطابق کوئی جواب دیے بغیر سلسلہ منقطع کر کے ایریٹس آف کر دیا۔

"تو یہ کھیل چل رہا ہے۔" بات ختم ہو جانے پر جہانگیر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "تمھیں سب کچھ معلوم ہے لیکن پھر بھی ہمیں ایک لفظ نہیں بتایا۔ یہ زیادتی ہے ڈینی! ہم گلے گلے تمھارا ساتھ دینے والے ہیں، ہم سے تو اتنی پردہ پوشی نہیں کی جانی چاہیے۔"

بس سگریٹ سلگاتے ہوئے خندہ پیشانی کے ساتھ بولا۔
"ویرا کی اس وقت کی کال میرے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی ہے اور میں نے سب کچھ اسی کی باتوں اور کچھ اپنے اندازوں سے سمجھا ہے ورنہ ابھی تک میں یہی سمجھ رہا تھا کہ ویرا نے مجھے ٹرانسمٹر صرف یہ جتانے کے لیے بھیجا ہے کہ وہ جب اور جہاں چاہے مجھ تک پہنچ سکتی ہے مگر یہ تو کھیل ہی دوسرا ہے۔ مجھے اپنی خوش قسمتی کی صرف اتنی بات نظر آئی ہے کہ وہ براہِ راست مجھے مارنا نہیں چاہتی بلکہ اپنی راہ سے ہٹانا چاہتی ہے۔۔۔"
"لیکن اندھا دھند گولیاں چلتی ہیں تو وہ کسی کو نہیں پہچانتیں۔" سلمیٰ نے کہا۔ وہ اسی دوران میں کسی وقت کھانے کی ٹرے لے کر کمرے میں آگئی تھی۔ "مقابلے میں گرنے والی خون کی پہلی بوند تمہاری بھی ہو سکتی ہے۔ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ ویرا عورت نہیں پوری چڑیل ہے۔ اب دیکھو کہ آج کی رات یہاں کیا ہوتا ہے؟ اچھا ہی ہوا کہ تم یہاں رک گئے ورنہ باہر نکلنے پر بے خبری میں ان خونیوں کا نشانہ بن سکتے تھے۔"
"بلکہ یہ بھی اچھا ہوا کہ اب یہ دونوں حملہ آوروں کی یلغار روکنے میں ہمارا ساتھ دے سکیں گے۔" جہانگیر نے سلمیٰ کے لہجے اور الفاظ میں چھپے ہوئے طنز کو محسوس کرتے ہوئے گرہ لگائی۔
"میرے پیٹ میں ہول سے گرہیں پڑنی شروع ہو گئی ہیں۔" سلمیٰ تھوک نگلتی ہوئی بولی۔ "مجھ سے کھانا نہیں کھایا جائے گا۔ تم جلدی سے دو لقمے کھا لو پھر پتا نہیں کب کھانا نصیب ہو۔"
"اتنی قنوطی نہ بنو۔" جہانگیر نے ٹرے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے ہوئے اسے ڈانٹ دیا۔ "صبح کا ناشتا ہم سب میز پر ایک ساتھ کریں گے۔ آؤ! تم بھی میرا ساتھ دو۔"
سلمیٰ اس وقت شدید ذہنی انتشار میں مبتلا ہوتی جا رہی تھی لیکن اس نے جہانگیر کے اصرار کو نہیں ٹالا اور خاموشی سے اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئی۔
"کہاں چلے؟" مجھے اٹھتا ہوا دیکھ کر جہانگیر نے منہ میں موجود لقمہ نگلتے ہوئے سوال کیا۔
"تم دونوں کھانا کھا لو، میں سلطان شاہ کے ساتھ چھت پر سے باہر کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "اگر کوئی ٹارچ ہو تو دے دو، میں غیر ضروری طور پر بلب روشن نہیں کرنا چاہتا۔"
جہانگیر کے ایما پر اس کی بیڈ سائیڈ ٹیبل کی دراز سے ٹارچ نکال کر میں باہر چلا گیا۔
لوڈ کی ہوئی رائفل سلطان شاہ نے اٹھائی اور اپنے کمرے میں سے سب مشین گن میں نے لے لی اور ہم اوپر جانے والے زینوں کا بند چوبی دروازہ کھول کر اوپر تاروں بھرے آسمان تلے پہنچ گئے۔

رات سرد تھی اور ہلکی ہلکی ہوائیں چلنے کے سبب سردی کا احساس کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا تھا۔ اس مکان کے قرب و جوار میں مکانات ہلکی سی کہر میں لپٹے ہوئے تھے۔ اسٹریٹ لیمپس اور مکانات میں نظر آنے والی روشنیوں پر بھی خوابناک سی دھند چھائی ہوئی تھی۔ ہر طرف گہرا سکوت طاری تھا۔ اس علاقے کے مکین آنے والے بھیانک لمحات سے بے خبر اپنے اپنے گھروں میں شاید شب بسری کی تیاریوں میں مصروف تھے۔
چھت پر گہرے اندھیرے میں دھند ہونے کے باعث نیچے کہیں سے ہمارا دیکھ لیا جانا ممکن نہیں تھا اس لیے ہم نے چھت کے کناروں پر بنی ہوئی دیوار پر سے دیکھا کہ مکان میں جہانگیر کی خواب گاہ کے سوا تمام کمروں کی روشنیاں ضرور گل تھیں لیکن احاطے میں چاروں طرف اِکا دُکا بلب اس طرح روشن تھے کہ کوئی بھی حصہ مکمل تاریکی میں نہیں تھا۔ ایک چوکیدار بہت مستعدی کے ساتھ اپنی رائفل کندھے پر لٹکائے اپنے سایہ دار کیبن میں چوکی پر بیٹھا ہوا تھا۔ گل بدن خان عقبی حصے میں گشت کر رہا تھا اور ایک تیسرا شخص آم کے تناور درخت پر مضبوط شاخوں کے درمیان مورچا لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ بقیہ تین کسی ایسی کمین گاہ میں پوشیدہ تھے جو ہماری نگاہوں سے اوجھل تھی۔ احاطے سے باہر کہیں بھی کسی قسم کی کوئی مشتبہ نقل و حرکت نظر نہیں آ رہی تھی۔

ویرا نے اپنے ابتدائی منصوبے میں جہانگیر کے گھر میں موجود چوکیداروں کو بے ہوش کرنے کا انتظام کیا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے حمایتیوں کے ساتھ خاموشی سے گھر میں داخل ہو کر ہم پر شب خون مارنے کا ارادہ رکھتی تھی اور کسی واضح دھوم دھڑکے کے بغیر خاص طور پر مجھے اپنا قیدی بنانا چاہتی تھی اگر اس کا منصوبہ برقرار رہتا تو اس پوری کارروائی میں زیادہ نفری کے استعمال کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ دستی اسلحے سے مسلح دو چار آدمی بھی کامیابی سے واردات کر کے فرار ہو سکتے تھے لیکن ویرا سے ٹرانسمٹر پر ہونے والی میری آخری گفتگو کے نتیجے میں ویرا کو علم ہو گیا تھا کہ زہریلے حلوے کا راز فاش ہو گیا تھا اس لیے اسے اپنے پروگرام پر نظرِ ثانی کر کے نفری میں اضافہ کرنا پڑ گیا ہوگا تاکہ اندر موجود محافظوں سے مقابلہ کیا جا سکے۔
"ہم میں سے ایک آدمی چھت پر موجود رہے تو ہر طرف نگاہ رکھی جا سکتی ہے۔" سلطان شاہ نے دھیمی آواز میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔
"اوّل تو سرد ہوائیں اس ایک آدمی کی قلفی جما دیں گی پھر

جب اندھادھند فائرنگ کی نوبت آئے گی تو کوئی بھی بھٹکی ہوئی گولی اس ایک آدمی کی کھوپڑی میں ہوادان بھی بنا سکتی ہے۔" میں نے کہا۔

"تم نیچے چلے جاؤ، میں اُوپر رُک جاتا ہوں۔" اُس نے پیشکش کی۔

"بات میری اور تمھاری نہیں، خطرے کی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ گولی تمھاری کھوپڑی میں داخل ہونے کے بجائے اُچٹ کر کہیں نکل جائے گی۔ ضرورت پیش آئی تو اُوپر آجائیں گے۔"

اس نے میری رائے تسلیم کر لی تھی لیکن پھر بھی ہم دونوں غیر ضروری طور پر بحث کرتے ہوئے نیچے آگئے۔

⁂

چاروں ایک ہی کمرے میں موجود تھے۔ سلمیٰ کی بے آرامی کے خیال سے میں نے جب بھی اٹھنے کا ارادہ کیا جہانگیر نے مجھے سختی سے روک لیا۔ سلمیٰ نے ہلکی آنچ پر گیس سے چلنے والا روم ہیٹر آن کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے کمرے میں سکون پرور حرارت رچی ہوئی تھی۔

لیکن انتظار کی بھی ایک حد ہوتی ہے، خواہ وہ موت کا ہی کیوں نہ ہو۔ ایک مرحلے پر انسان اُکتا کر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ سب کچھ ایسی کی تیسی میں جائے، جب بُری گھڑی آئے گی تو دیکھا جائے گا۔ وہی کچھ ہمارے ساتھ بھی ہوا۔ ڈیڑھ بجے تک ہر طرف رات کا سناٹا چھایا رہا تو سب پر اُکتاہٹ طاری ہونے لگی اور میرے تو اعصاب تک چٹخنے لگے کیونکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ویرا ایک بار کوئی بات طے کر کے پیچھے ہٹنے والی عورت نہیں تھی۔

"تم چاہو تو تھوڑی دیر آرام کر لو، پتا نہیں وہ لوگ رات کے کس حصے میں پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کریں؟" جہانگیر نے ہمدردانہ لہجے میں مجھے مشورہ دیا۔

میں مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔ "تخلیہ چاہنے کا خوب صورت طریقہ ہے۔ ویسے بھی تم بہت کمزور ہو گئے ہو، تمھیں اس وقت کسی قسم کی ورزش کے بجائے خالص آرام کی ضرورت ہے۔"

سلطان شاہ گفت گو کا رُخ بھانپ کر فوراً ہی جہانگیر کی خوابگاہ سے نکل گیا تھا۔

"تم بہت سُوَر ہو گئے ہو۔" جہانگیر خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"بہرحال، جو بھی مطلب تھا وہ پورا ہو گیا۔ میں جا رہا ہوں لیکن جاگتا رہوں گا۔ جس وقت بھی ضرورت محسوس کرو بلاتکلف آواز دے دینا، ویسے بھی میرے کمرے کا دروازہ کھلا رہے گا۔"

میں وہاں سے نکل کر برابر والے کمرے میں آگیا۔ سلطان شاہ آتے ہی بستر پر دراز ہو چکا تھا، میں نے بھی کمر سیدھی کرنے کے لیے بستر سنبھال لیا۔

سکون، خاموشی اور تخلیہ میسر آتے ہی میرا ذہن سینڈو کی طرف بھٹک گیا۔ مجھے اسے ہدایت دیے ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے اور میرا خیال تھا کہ وہ اس وقت تک اپنے مسلح آدمیوں کے ساتھ قرب و جوار میں گھیرا ڈال چکا ہو گا۔ وہ علاقہ کچھ اس طرح بسایا گیا تھا کہ کسی بھی گلی میں یا سڑک پر دو افراد ایک دوسرے کی نظروں میں آئے بغیر زیادہ دیر تک ایک ساتھ نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ اس اعتبار سے سینڈو کے آدمیوں کو بہت دیر پہلے ویرا کے آدمیوں سے بھڑ جانا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں ہوا تھا جس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا تھا کہ دونوں میں سے کوئی ایک فریق مقابلے کا خطرہ مول لیے بغیر پسپائی اختیار کر گیا تھا یا ویرا نے اپنی حکمت عملی بدل لی تھی۔

میں انھی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک رائفل کے بُہول دھماکے نے رات کے سناٹے کا سینہ مجروح کر دیا۔ اسی کے ساتھ فضا میں ایک دلدوز انسانی چیخ اُبھری تھی۔ ہم دونوں بے اختیار اپنے بستروں سے نیچے اُتر آئے اور اپنا اپنا ہتھیار سنبھال لیا۔ اسی وقت جہانگیر بھی اپنی دونالی سنبھالے وہیں آگیا۔ اس کے پیچھے سلمیٰ تھی جس کا بدن خوف سے کانپ رہا تھا۔

"ٹکراؤ شروع ہو گیا۔" جہانگیر کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔ "آواز قریب ہی سے آئی تھی۔"

اس پہلے فائر کے بعد بمشکل چند ثانیے کے لیے فضا پر سکوت طاری رہا۔ پھر اچانک ہی فضا بھانت بھانت کے اسلحے کی فائرنگ کے شور سے لرز اٹھی۔

اس شور میں چھوٹے اور بڑے، خود کار اور نیم خود کار اسلحے کی ملی جلی آوازیں شامل تھیں اور پہلے فائر کے بعد سناٹے میں وہ آوازیں یک بیک اور اتنی شدت کے ساتھ گونجنی شروع ہوئی تھیں جیسے پہلے فائر نے جہنم کے کسی دہانے کا سُوراخ کھول دیا ہو۔ شدت کی بنا پر محض آوازوں سے یہ قیاس کرنا ممکن نہیں تھا کہ ان میں سے کس کا پلہ بھاری تھا۔

"تم دونوں میاں بیوی یہیں ٹھہرو اور تم میرے ساتھ آؤ۔" میں نے ٹرانسمٹر اٹھا کر سلطان شاہ کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اُس نے گولیوں کا ایک ڈبا اور میگزین کی چند فاضل پیٹیاں اٹھائیں اور ہم دونوں تیزی کے ساتھ چھت کی طرف جانے والے زینے کی طرف بڑھ گئے۔

راستے ہی میں میں نے ٹرانسمٹر کا سوئچ آن کر دیا۔

چھت پر سے باہر کا منظر بہت مہیب اور روح فرسا نظر آرہا تھا۔ ہلکی ہلکی کہر میں جلی ہوئی بارود کے دھوئیں کی بُو بہت تیزی کے ساتھ ہر طرف پھیل چکی تھی۔ اطراف و جوانب کی گلیوں میں مختلف سمتوں سے فضا میں شعلے تیرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

"جو جہاں ہے وہیں ٹھہرا ہوا ہے۔" سلطان شاہ تشویش آمیز لہجے میں بڑبڑایا۔ "جو بھی کمزور ہوتا، اتنے زبردست ہلّے میں اس کے

بپر اکھڑ جاتے۔ دونوں طرف ہی پوری تیاریاں معلوم ہوتی ہیں۔ ہمیں یہ بھی پتا نہیں کہ ہمارے حامی کس طرف اور کہاں ہیں؟"

"ڈینی کالنگ! جو بھی میری آواز سن رہا ہو' وہ فوراً جواب دے۔ اوور۔" میں نے ایریٹس کا بٹن دبا کر اپنا پیغام نشر کیا اُس وقت دیر ایسے کچھ بھی پھاڑ کر کے صورتِ حال کے بارے میں کوئی مفید بات معلوم کی جا سکتی تھی ورنہ روح فرسا انتظار کے علاوہ کوئی راہ نہیں تھی۔

"آخر کار تمھاری آنکھ کھل ہی گئی؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد ہی ریسیور پر ویرا کی آواز سنائی دی۔ شاید وہ اس وقت میدانِ کارزار ہی میں موجود تھی کیوں کہ اس کی آواز کے پس منظر میں فائرنگ کی بازگشت سنائی دے رہی تھی جو فضا سے براہِ راست بھی میرے کانوں میں آرہی تھی۔

"دیکھ لو کہ میں آگئی ہوں اور میرے لوکیشن فائنڈر پر تم اس وقت مجھ سے دس درجے شمال میں صرف ایک سو اسی میٹر کے فاصلے پر ہو۔ میدان صاف ہوتے ہی میں ایک دوڑ لگا کر تم تک پہنچ سکتی ہوں۔ اوور۔"

"مگر ایک سو اسی میٹر کی یہ ہرڈلز دوڑ آسان نہیں ہوگی۔ تم آئی ہو تو تم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ میں نے تمھارے استقبال کا شایانِ شان بندوبست کیا ہے۔ اوور۔"

"رکاوٹوں کو گرانا اور توڑنا میرا محبوب مشغلہ ہے۔" اس کی آواز میں ذرا بھی تشویش نہیں تھی۔ "کیا تم اپنے آدمیوں کی کمان خود کر رہے ہو؟ اوور۔"

"اگر تم نے کسی کو مامور نہیں کیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ میری ہی ذمّے داری ہے۔ اوور۔" اس کے سوال پر میرا ماتھا ٹھنکا تھا کیوں کہ اس وقت اس کا کوئی محل نہیں تھا۔

"مجھ سے دس درجے شمال میں ایک سو اسی میٹر کے فاصلے پر جہانگیر کا مکان ہے۔" اس کی آواز سنائی دی۔ "اُدھر سے ابھی تک میرے آدمیوں پر ایک بھی گولی نہیں چلائی گئی ہے۔ ساری فائرنگ پیچھے سے ہو رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم گھر میں گھس کر اپنے آدمیوں کو مروا رہے ہو جب ہی وہ سوچے سمجھے بغیر اندھا دھند فائرنگ کر رہے ہیں۔ شاید تمھیں علم نہ ہو کہ مجھے آرمری میں خاصی مہارت حاصل ہے۔ تمھارے آدمیوں کے اسلحے کی گونج سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ان کی کل تعداد آٹھ سے زیادہ نہیں ہے۔ اوور۔"

"بہت قابل ہو۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اب شاید تم ان آٹھ میں نر اور مادائوں کا تناسب بتانے کے بعد یہ بھی بتا سکو گی کہ ان میں کتنے بالغ اور کتنے نابالغ ہیں۔ اوور۔"

"وہ جس طرح اندھا دھند اسلحہ برباد کر رہے ہیں اس سے تو یہی اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ سب نابالغ ہیں یا پھر اپنے انجام سے خوف زدہ ہیں۔ اگر تم واقعی ان کی عملی کمان کر رہے ہو تو فوری طور پر انھیں تیس سیکنڈ کے لیے سیز فائر کا حکم دو۔ اوور۔"

"میں احمق نہیں ہوں پھر یہی مطالبہ میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔ اوور۔" میں نے اسے ٹالنے کی نیت سے رواروی میں کہا۔

"یہ لو!" اس کے فقرے کے ساتھ ہی یک بیک فائرنگ کی آواز میں حیرت ناک سُرعت کے ساتھ کمی آتی چلی گئی اور چند ہی سیکنڈ میں فائرنگ کا شور آدھے سے بھی کم رہ گیا۔ واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا کہ دو میں سے کسی ایک فریق نے ہاتھ روک لیا تھا اور دوسرا فریق بلاوجہ گولیاں برسائے جا رہا تھا۔

"دیکھ لیا میری کمان کا اثر؟ اوور۔" ویرا کی فخر آمیز آواز ابھری۔

"پتا نہیں ان اوچھی حرکتوں کے ذریعے تم کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو؟" میں نے اپنے لہجے میں قدرے ناگواری پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "شاید تمھاری ساری نفری ٹرانسمٹرز سے لیس ہے اس لیے تم نے پل بھر میں اپنی آواز اپنے ہر آدمی تک پہنچا دی جب کہ میرے لیے ایسا کرنا ناممکن ہے۔ میں دو چار کو تو روک سکتا ہوں لیکن اس طرح دوسرے تشویش میں پڑ جائیں گے اور ان کے قدم اکھڑ سکتے ہیں اس لیے میں اس مقابلے سے دست بردار ہوا جاتا ہوں۔ سامنا ہوگا تو دیکھا جائے گا کہ کون جیتتا ہے۔ یہ خیال رکھنا کہ میں اب کوئی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ اوور۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"یہی پیغام میرا بھی ہے۔ اوور۔" اس کے لہجے میں بھی تلخی آگئی۔

"اوور اینڈ آل۔" میں نے ایریٹس کی پاور سپلائی آف کر دی۔

"یہ تو نورا کشتی ہو رہی ہے۔" سلطان شاہ نے تحیّر آمیز لہجے میں کہا۔ "چاروں طرف گولیاں برس رہی ہیں۔ اس علاقے کے سیکڑوں مکین موت کی دہشت سے اپنے گھروں میں کانپتے ہوئے اپنی اور اپنے عزیزوں کی زندگی کی دعائیں مانگ رہے ہوں گے اور تم دونوں ٹرانسمٹر پر گپیں لڑا رہے ہو۔"

"یہ عجیب ضرور محسوس ہو رہا ہوگا لیکن اسے تم نورا کشتی کیسے کہہ رہے ہو؟ وہ میری دشمن ہے اور میں اس کے لہو کا پیاسا ہوں۔ دونوں فریق پٹاخے نہیں چلا رہے بلکہ اصلی گولیوں سے ایک دوسرے کی نفری کو گھٹانے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں۔"

میرا فقرہ ادھورا رہ گیا کیوں کہ اس وقت پہلی بار کسی طرف سے چلائی گئی تین گولیاں یکے بعد دیگرے جہانگیر کے مکان کی طرف آئی تھیں۔

میں نے میگزین بیلٹ چیک کر کے ایس جی ایم سیدھی کی اور اندازے سے اسی طرف ایک باڑھ ماری جدھر سے فائرنگ کی گئی تھی اور یہی میری غلطی تھی۔ آنے والوں نے فائرنگ کی چمک سے یہ دیکھ لیا کہ مورچا جہانگیر کے گھر کی چھت پر تھا اس لیے پے در پے متعدد گولیاں رخ بدلتی ہوئی چھت سے گزری تھیں اگر ہم دونوں فوراً ہی نیچے نہ جھک جاتے تو ان میں سے کوئی گ...

ہمیں اپنی زد میں لے سکتی تھی۔

"اب ہوشیار رہنا۔ اس نے ہمیں باتوں میں الجھا کر اپنا رُخ بدل لیا ہے۔ اور کچھ لوگ ادھر مکان کے قریب بھی آگئے ہیں۔ کچھ لوگ سینڈو کے آدمیوں کو دور روکے رہیں گے اور بقیہ اندر گھسنے کی کوشش کریں گے۔" میں نے اسی طرح جھک کر چھت کی چار دیواری کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

فائرنگ کا شور کانوں کے پردے پھاڑے دے رہا تھا۔۔۔ جہانگیر کے مسلح آدمیوں نے گھر کے قریب حملہ آوروں کی موجودگی کو بھانپ کر کارروائی کا آغاز کر دیا تھا اور احاطے میں موجود جملہ چھ محافظوں میں سے تین کی رائفلیں گرجنے لگی تھیں، لیکن کمال کی بات یہ تھی کہ اس قدر دھواں دھار فائرنگ کے باوجود پہلی انسانی چیخ کے بعد کوئی دوسری بے ساختہ انسانی چیخ نہیں سنائی دی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ دونوں اطرف کی دفاعی حکمت عملی پوری طرح کامیاب تھی لیکن میری یہ سوچ زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر پیش قدمی کرنے کے چکر میں شاید کچھ لوگ گولیوں کی زد میں آگئے تھے کیونکہ ان کی چیخیں لرزا دینے والی تھیں۔

اور اسی لمحے جہانگیر کے محافظوں میں سے کسی نے مکان کے باہر رینگنے والوں میں سے کسی کو بھون ڈالا۔ اس زخمی کی چیخوں نے دم بھی نہ توڑا تھا کہ باہر سے کسی نے بجلی کے تاروں پر ایک لمبا برسٹ مارا۔ تار ٹوٹ کر سینکڑوں چنگاریاں اڑاتے ہوئے نیچے گرے اور بے جان ہو گئے۔

پورا علاقہ یک بیک گھور تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہاں آس پاس بجلی کی کوئی آتش گیر تنصیب نہیں تھی۔ اس لیے شرف آباد والا سانحہ دُہرایا نہ جا سکا۔

ہر طرف سے فائرنگ کا زور تیزی سے جہانگیر کے مکان کے گرد مرکوز ہوتا جا رہا تھا۔ بے مقصد فائرنگ سے اکتا کر ان حریفوں نے اپنی اپنی مقررہ سمتوں میں پیش قدمی کا آغاز کر دیا تھا جس کے نتیجے میں پوزیشن بدلنے والے گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔

اس وقت سینڈو کا نشانہ ویرا کے آدمی تھے اور ویرا کا نشانہ جہانگیر کا گھر تھا جو ہر طرف سے فائرنگ کی زد میں آچکا تھا۔ آہنی پھاٹک پر بے تحاشا گولیاں برس رہی تھیں۔ بعض آہنی چادر پھاڑ کر اندر گر رہی تھیں اور کمزور قوت کی کم رفتار گولیاں لوہے پر شیطانی جل ترنگ بجا کر باہر ڈھیر ہو رہی تھیں۔

اس تمام کارروائی کو چلتے ہوئے بمشکل پانچ منٹ ہوئے تھے لیکن آتشیں اسلحے کے نغموں نے ایسا بھیانک سماں باندھ دیا تھا جیسے وہ خونی ڈراما گھنٹوں سے چل رہا ہو۔

میرے لیے اضطراب کا باعث یہ تھا کہ مجھے سینڈو کی پوزیشن کا کوئی علم نہیں تھا۔ ہلاک یا زخمی ہونے والوں کی چیخوں سے یہ پتا چلانا ناممکن تھا کہ وہ کس فریق سے تعلق رکھتے تھے البتہ فائرنگ کا زور جہانگیر کے مکان پر مرکوز ہو جانے سے یہ ضرور سمجھ میں آ رہا تھا کہ سینڈو ویرا کے آدمیوں کی صفوں میں دراڑ ڈال کر ان کے اور مکان کے درمیان حائل ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

مکان پر فائرنگ اتنے کم فاصلے سے ہو رہی تھی کہ چھت پر سر اُبھارنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہو سکتا تھا پھر اچانک کچھ لوگوں نے باہر سے وزنی آہنی پھاٹک پر دھاوا بول دیا اور مل کر اس پر یوں زور آزمائی کرنے لگے جیسے اسے بنیادوں سے اُکھاڑ پھینکنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

پھاٹک بہت مضبوط اور ناقابلِ شکست تھا لیکن یہ بات تشویش ناک تھی کہ وہ پھاٹک تک آ پہنچے تھے اسی وقت باہر سے پھاٹک کے اوپر ایک جوشیلا انسانی ہیولا نمودار ہوا۔ وہ سر پھرا پھاٹک سے اندر کود کر اپنے ساتھیوں کے لیے پھاٹک کھولنے کے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔

میں نے اپنی سب مشین گن شست لینے کے لیے سیدھی ہی کی تھی کہ نیچے احاطے میں سے پے در پے رائفل کے دو مہلک فائر ہوئے اور مہم جوئی کے جنون میں مبتلا شخص کی کھوپڑی ایک دھماکے کے ساتھ اس کے شانوں پر سے غائب ہو گئی۔ اس کا لہولہان دھڑ اندھیرے میں کسی آسیبی ہیولے کی طرح اچھل کر باہر ہی جا پڑا تھا۔ وہ اس بُری طرح مارا گیا تھا کہ اسے چیخنے کی مہلت بھی نہیں مل سکی تھی۔

رات کے ہولناک اور سرد اندھیرے میں موت کے سایوں کا وہ طاغوتی کھیل ایک ایسے موڑ پر پہنچ چکا تھا جہاں کسی بھی لمحے کچھ بھی ہو سکتا تھا اور میں چھت پر رہتے ہوئے اپنا بھرپور کردار ادا کرنے میں دشواری محسوس کر رہا تھا اس لیے میں نے سلطان شاہ کا ہاتھ تھاما اور جھکی ہوئی حالت میں زینے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اسی اثناء میں آہنی پھاٹک پر زور آزمائی کا سلسلہ موقوف ہو گیا تھا اور کہیں قریب ہی کسی گاڑی کا طاقتور انجن بیدار ہونے کی آواز سنائی دی تھی۔

بجلی کے تار ٹوٹنے اور برقی رو کی فراہمی کا سلسلہ منقطع ہو جانے کی وجہ سے کھلی چھت کے مقابلے میں نیچے کی صورتِ حال زیادہ پریشان کن تھی۔ کھڑکیوں پر پڑے ہوئے دبیز پردوں اور بند دروازوں کی وجہ سے ہر طرف گھور اندھیرے کا راج تھا اور صرف اندازوں کی بنا پر ہی کسی سمت میں پیش قدمی کی جا سکتی تھی۔

"ہم نیچے آگئے ہیں۔" میں نے جہانگیر کو آگاہ کرنے کی

نیت سے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"اچھا ہوا، میری تو عقل ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ لوگ پھاٹک گرانے کی کوشش کر رہے ہیں" جہانگیر کی آواز میں دہشت جھلک رہی تھی۔

"سلمٰی کہاں ہے؟ اُسے خواب گاہ میں بھیج دو۔" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔ "کسی بھی لمحے گھر کے اندر لڑائی چھڑنے والی ہے۔ ہمیں ڈرائنگ روم کی کھڑکیوں کے پیچھے مورچے سنبھالنے ہوں گے۔"

"وہ دہشت سے بے ہوش ہو چکی ہے۔" جہانگیر نے انکشاف کیا۔ پھر بڑبڑاتے ہوئے بولا۔ "بجلی بھی اسی وقت جانی تھی۔ میں اس کے لیے کچھ بھی تو نہیں کر سکتا۔"

"فکر نہ کرو، اچھا ہوا کہ اس نے خود ہی بے ہوش ہو کر تمھیں تفکرات سے بچا لیا ہے۔ ان لوگوں نے فائرنگ کر کے دانستہ بجلی کے تار گرائے ہیں۔ . . !"

میری بات ایک ہولناک دھماکے کی وجہ سے ادھوری رہ گئی۔ دھماکا اس قدر شدید تھا کہ پورا گھر ہل کر رہ گیا تھا۔ لوہے سے لوہا ٹکرانے کی بھیانک جھنکار کے ختم ہوتے ہی وزنی آہنی چادریں زمین پر گرنے کی پُرشور آواز سنائی دی۔ اسی کے ساتھ کئی افراد کی بے معنی وحشیانہ چیخیں سنائی دیں جیسے انھوں نے اپنی کسی بڑی کامیابی پر حلق کی گہرائیوں سے آوازیں نکال کر خوشی کا اظہار کیا ہو۔

دھماکے، آہنی جھنکار اور وحشیانہ شور کے ساتھ ہی احاطے میں تواتر سے گولیاں چلنے لگیں۔ دو دلدوز چیخیں فضا میں ابھریں اور پھر باہر ہونے والی ساری فائرنگ گویا اسی گھر پر مرکوز ہو گئی۔

میں دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔ مضبوط دیوار کی اوٹ لے کر میں نے ایک کھڑکی کے گوشے سے پردہ سرکا کر باہر نگاہ ڈالی تو حیران رہ گیا۔

آہنی پھاٹک کا نچلا چوتھائی حصہ غائب ہو چکا تھا اور اندر ایک سیاہ فوکس ویگن تباہ شدہ حالت میں کھڑی ہوئی تھی اس کا بغیر انجن کا اگلا حصہ آہنی پھاٹک سے ٹکرانے کے بعد اگلی نشستوں میں جا گھسا تھا اور اگر اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی موجود تھا تو یقیناً اس کا قیمہ بن چکا تھا۔

کوئی بھی ہوش مند شخص اس قدر بھیانک خودکشی نہیں کر سکتا تھا۔ میرے ذہن میں خیال آیا کہ فوکس ویگن کار بلا وجہ استعمال نہیں کی گئی تھی۔ دوسری جدید وضع کی گاڑیوں کے مقابلے میں اس کی باڈی مضبوط تھی اور انجن بھی پچھلے حصے میں تھا۔ جس سے فائدہ اُٹھا کر کار بوریٹر کے لیور سے مضبوط ڈوری باندھ کر کسی ڈرائیور کے بغیر بھی کار کی رفتار اچانک بڑھائی جا سکتی تھی۔ ڈرائیور کو بس گاڑی گیئر میں ڈالتے ہی نیچے کودنا پڑا ہو گا اور اس کے اُترتے ہی کار پوری قوت سے پھاٹک چیر کر اندر جا گھسی۔ اگر جہانگیر کے گھر کا پھاٹک غیر معمولی طور پر مضبوط نہ ہوتا تو اس شدید ضرب کے نتیجے میں ستون ہی جڑ سے اکھڑ سکتے تھے۔

کھڑکی کی جھری سے چند ثانیوں ہی میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ صورتِ حال ہمارے حق میں اتنی خراب نہیں تھی جتنی میں سمجھ رہا تھا۔

پورچ میں موجود میری سیاہ شیراڈ سمیت جہانگیر کی دونوں گاڑیاں بُری طرح چھلنی ہو چکی تھیں۔ چوتھی کار تباہ شدہ فاکس ویگن تھی اور احاطے میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار حریف ان گاڑیوں کی اوٹ لے کر ایک دوسرے کو نشانہ بنانے کی کوششیں کر رہے تھے۔

فائرنگ کے رُخ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سینڈو کے آدمیوں نے ویرا کی ٹولی پر زبردست دباؤ ڈالا تھا جس سے گھبرا کر وہ جہانگیر کے گھر میں گھسنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ لیکن اندر جہانگیر کے مسلح آدمی ان کے قدم جمنے نہیں دے رہے تھے۔ اس لیے پھاٹک اور اس کے باہر پورے جوش و خروش کے ساتھ مقابلہ جاری تھا۔

جہانگیر کے آدمیوں نے احاطے میں نسبتاً اندرونی سمت میں پوزیشنیں سنبھالی ہوئی تھیں اس لیے ٹوٹے ہوئے دروازے سے اندر گھس آنے والے گاڑیوں کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے۔ اس بارے میں انھوں نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی عمارت کے رخ پر نظر نہیں آ رہا تھا۔ انھوں نے ایسی سمت کا انتخاب کیا تھا کہ وہ مکان کے اندر سے چلائی جانے والی گولیوں سے محفوظ رہ سکیں۔

"یہ تو سب گڈمڈ ہو کر رہ گیا ہے۔ اندھیرے میں اپنے اور پرائے کی تمیز بھی بہت دشوار ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کس پر فائر کیا جائے؟" سلطان شاہ میرے قریب بڑبڑایا۔

"پھاٹک سے باہر اور گاڑیوں کی اوٹ میں چھپے ہوئے سب لوگ ویرا کے آدمی ہیں۔ میں پھاٹک کے سوراخ سے باہر برسٹ مارتا ہوں۔ تم دونوں پوزیشنیں لے کر گاڑیوں کے نیچے فائر کرو!" میں نے آہستہ سے کہا۔

میں نے آہنی پھاٹک کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے اس پار برسٹ مارا تو پہلا ہی راؤنڈ کارگر رہا اور فضا ایک دلدوز چیخ سے لرز اٹھی۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ رائفل داغ چکا تھا...

گاڑی کے پیچھے سے اچٹ کر باہر نکلنے والے چھروں کی برسات نے تباہی پھیلا دی تھی۔ دو افراد بری طرح اچھلے تھے، ان میں سے ایک کو جہانگیر نے باڑھ پر لے لیا۔

ہماری یہ مداخلت اس قدر بھرپور ثابت ہوئی کہ حملہ آوروں کے قدم اکھڑ گئے کیوں کہ ان پر بیک وقت تین سمتوں سے موت کی برسات شروع ہو چکی تھی۔ سب سے پہلے ایک زخمی ہیولا بلند آواز میں کراہتا اور لنگڑاتا ہوا پھاٹک کے سوراخ کی طرف بھاگا تھا اور میں نے اسے راستے ہی میں خاک و خون میں نہلا دیا۔ میری سب مشین گن کے برسٹ کی آدھی سے زیادہ گولیاں اس کے بدن میں پیوست ہو گئی تھیں۔

پھر باہر سے ایک سُریلی چیخ سنائی دی تو میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ شاید ویرا بھی کسی گولی کا شکار ہو گئی تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ ان لوگوں نے اتنی بڑی کارروائی کا منصوبہ بناتے ہوئے صرف فائر کرنے والے اسلحے پر ہی انحصار کیا تھا۔ اگر ان کے پاس دستی بموں کا مختصر سا ذخیرہ بھی ہوتا تو وہ نہ صرف مسلح محافظوں کو آسانی سے خاموش کر سکتے تھے بلکہ عمارت کے مخصوص حصوں کو نقصان پہنچا کر ہمیں بھی باہر نکلنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ میرے لیے یہ اطمینان کی بات تھی کہ انھوں نے کسی غیر معمولی مزاحمت کی توقع نہ کرتے ہوئے ہماری تیاریوں کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔ بموں سے کام لیا جاتا تو فوکس ویگن کو تباہ کیے بغیر پورے پھاٹک کو بھی اڑایا جا سکتا تھا۔

"تم دونوں کارروائی جاری رکھو!" میں نے اپنی ایس جی ایم سلطان شاہ کو دیتے ہوئے کہا۔ "میں ذرا ویرا کی خبر لیتا ہوں۔ شاید وہ بری طرح زخمی ہوئی ہے۔"

سلطان شاہ نے جواب میں آہستہ سے کچھ کہا جو فائرنگ کے شور میں میرے پلے نہ پڑ سکا اور میں تیزی سے قدرے پیچھے ہٹ آیا۔ اس وقت ویرا پر اپنی بالادستی قائم کر کے مجھے خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔

"ڈیتھ کالنگ فار ویرا ڈارلنگ... اوور!" میں نے اپریٹس آن کر کے آہستہ سے کہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ آج کی رات ہم میں سے کسی ایک کے لیے فیصلہ کن ہو گی... اوور!" اس کی درد میں ڈوبی ہوئی غصیلی آواز سنائی دی تھی۔

"فی الحال تو یہ فیصلہ تمھارے خلاف جاتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ تمھارے دو آدمی تو میں نے ابھی پچھلے چند ثانیے میں جہنم واصل ہوتے دیکھے ہیں۔ آخری آدمی تک لڑنے کا ارادہ ہے تو اور بات ہے ورنہ تمھاری چیخ بھی میں سن چکا ہوں، زخمی کمانڈر کے سپاہی لڑنے کے بجائے فرار کی راہ ڈھونڈتے ہیں... اوور!"

"رات گزرنے میں ابھی بہت وقت پڑا ہوا ہے۔" اس کے لہجے میں بلا کی تلخی اُمڈ آئی۔ "پہلا راؤنڈ جیت لینے پر اتنا گھمنڈ نہ کرو، تھوڑی دیر بعد نئی تیاریوں کے ساتھ حملہ ہوگا اور اس بار تم لوگ حقیر چیونٹیوں کی طرح بے رحمی کے ساتھ مسل دیے جاؤ گے۔ اوور!"

"کوّوں کے کوسنوں سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔" میں نے اس کا مضحکہ اُڑانے والے لہجے میں کہا۔ "چاہو تو ہاتھ اٹھا کر سامنے آ جاؤ۔ ہم مرہم پٹی اور ناشتا فراہم کر کے تمھیں چھوڑ دیں گے۔ تم چاہو تو ویسے ہی اداؤں سے دسیوں کو ڈھیر کر سکتی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تمھاری مسیحائی کرتے ہوئے ہم ہی میں سے کوئی تمھارے دام میں آ جائے۔ ویسے میں اتنا بتا دوں کہ اس راؤنڈ کے خاتمے کے بعد میں یہاں نہیں رکوں گا۔ چاہو تو ٹرانسمیٹر پر آدھے گھنٹے بعد رابطہ قائم کر کے لوکیشن فائنڈر پر چیک کر لینا۔ اس بار تم نے اپنے ارمان نکالے ہیں، اب میری باری ہے۔ اوور!"

"تم ابھی تک اندازہ نہیں کر سکے ہو کہ کس راہ پر چل رہے ہو۔ تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے اور میں تمھاری زندگی کو ایک عذاب بنا کر رکھ دوں گی۔ اوور!"

"بال بیکا نہیں ہو سکا تو پھر ابھی تمھاری چیخ کیوں گونجی تھی؟ کون آ گیا تھا تمھارے پاس؟ اوور!"

"یہ نہ سمجھنا کہ مجھے کوئی بڑا زخم آیا ہے۔ میری اضطراری چیخ نے تمھیں کسی بڑی خوش فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ میں شیر کی بیٹی ہوں اور مرتے مرتے بھی دشمن کو ساتھ لے مروں گی۔ اوور!"

"میں اس شیر سے اچھی طرح واقف ہوں جو ڈان مرسیانو کا روپ دھار کر اپنی بیٹی کو دُم والوں کے لیے چارے کے طور پر استعمال کرتا رہا... اوہ! شاید پولیس آ رہی ہے؟" میں نے فضا میں کسی پولیس کار یا ایمبولنس کے سائرن کی موہوم سی آواز سن کر کہا۔ "انھیں کس نے خبر کر دی؟ اوور!"

"اوور اینڈ آل!" کہہ کر ویرا نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔

جان لڑا کر مقابلہ کرتے ہوئے میں یہ بات بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا کہ اس آفت رسیدہ علاقے کا کوئی بھی دہشت زدہ مکین، اس ڈراؤنی صورتِ حال کے خاتمے کے لیے کسی بھی وقت پولیس سے رجوع کر سکتا تھا اور پولیس کی آمد ہمارے حق میں پریشان کن ثابت ہو سکتی تھی۔

سائرن کی آواز واضح ہوتے ہی باہر فضا میں یکلخت سناٹا چھا گیا۔ جیسے کسی نے ایک مرکزی بٹن دبا کر گولیاں چلانے والے سارے

روبوٹوں کو ناکارہ کر دیا ہو۔

ویرا اپنے مدِمقابل صف آرا لوگوں کی اصلیت سے بے خبر تھی لیکن میں جانتا تھا کہ مافیا والے جرائم کی دُنیا اور باہمی تنازعات میں پولیس کو کبھی مداخلت کی نہ دعوت دیتے تھے اور نہ موقع دیتے تھے۔ اسی طرح شی والے بھی کسی اصول کے تحت نہیں بلکہ اپنی خلاف قانون سرگرمیوں کی بنا پر پولیس سے دُور بھاگتے تھے یہی وجہ تھی کہ پولیس کی مداخلت کے آثار نمودار ہوتے ہی دونوں فریقوں میں کسی قسم کے مذاکرات کے بغیر جنگ بندی ہو گئی تھی اور شاید انھوں نے اپنے مُردے اور زخمی بھی سمیٹنے شروع کر دیے تھے تاکہ کسی کلیو کے سہارے پولیس اُن تک نہ پہنچ سکے۔

باہر کا مقابلہ ختم ہو جانے کے بعد چند ثانیے تک جہانگیر کے مسلح محافظوں کی دوڑ اُنگلیں گر جتی رہیں لیکن کہیں بھی کوئی ردِ عمل نہ دیکھ کر انھوں نے بھی چُپ سادھ لی۔

"پولیس کے آتے ہی معاملہ ایک دم ٹھنڈا پڑ گیا" سلطان شاہ نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"یہ بہت بُرا ہوا۔ پولیس کو ہم بالکل ہی بُھلا بیٹھے تھے..." میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔" فائرنگ بند ہو گئی ہے لیکن پولیس کے آنے تک ہم باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ اندر بھی اسلحہ موجود ہے۔ کچھ مسلح ملازمین احاطے میں موجود ہیں، وہاں ہر طرف استعمال شدہ گولیوں کے سیکڑوں خول بکھرے ہوئے ہوں گے۔ پولیس کے سامنے ان سب کے بارے میں جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔"

"اب تو اسے بھگتنا ہی پڑے گا۔" جہانگیر بولا۔" جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں سلمٰی کی خبر لینا چاہیے۔ وہ نہ جانے اب کس حال میں ہو؟ خدا کا شکر ہے کہ معاملہ باہر ہی نمٹ گیا ورنہ میں تو ڈر رہا تھا کہ آج کہیں دست بدست مقابلے کی نوبت نہ آ جائے۔"

لڑائی ختم ہونے کے بعد پہلی اہمیت واقعی سلمٰی کی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں خود کو ملامت کی کہ مجھے کیوں اس بے چاری کا خیال نہیں آیا؟

ان دونوں میاں بیوی کی بہت سی ذاتی خامیوں کے باوجود ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ مجھ سے بار بار کی تکرار اور لڑائی جھگڑے کے باوجود وہ مجھے دل و جان سے عزیز رکھتے تھے اور ان کے درمیان میں ہمیشہ ایسی اپنائیت محسوس کرتا تھا جو قریبی رشتے داروں میں بھی عنقا ہوتی ہے۔

موم بتیوں کی یرقان زدہ روشنی میں بستر پر بے ہوش پڑی ہوئی سلمٰی کے سینے میں اگر سانس کی آمد و رفت سے زیر و بم پیدا نہ ہو رہا ہوتا تو اس کے زرد چہرے اور پھیکے ہونٹوں کو دیکھ کر یہی گمان ہوتا تھا کہ وہ زندگی کے سارے جھمیلوں سے آزاد ہو کر راہیِ ملکِ عدم ہو چکی تھی۔

سلطان شاہ حجاب کی وجہ سے بستر سے دور رہا اور میں جہانگیر کے ساتھ مل کر سلمٰی کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگا۔

فضا میں سائرن کی گونج لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی اور حیرت کی بات یہ تھی کہ باہر رہنا کارانہ جنگ بندی ہو جانے کے بعد دونوں میں سے کسی بھی فریق نے گولی نہیں چلائی تھی۔

امن اور قانون کے ازلی دشمنوں کا بقائے باہمی کا یہ عملی مظاہرہ میرے لیے ایک حیران کُن تجربہ تھا۔ ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے قانون کو نیچا دکھانے کے لیے اپنی ساری رنجشوں کو فراموش کر بیٹھے تھے۔

معاملات یک بہ یک بہت سنگین رُخ اختیار کر چکے تھے۔ میں نے شی کے مقامی سربراہ ڈی ڈی یا دلدار آغا کو تو جہنم واصل کر دیا تھا لیکن اس بڑے معرکے میں سرخ رُوئی حاصل کرنے کے بعد بھی مجھے آرام اور سکون کی چند گھڑیاں میسّر نہیں آ سکی تھیں۔ میرے لیے یہ تصوّر ہی لرزہ خیز تھا کہ جو کنڈی کے ویرانے میں میں اسرار رضوی کی مدد سے دلدار آغا کو کیفرِ کردار کو پہنچا رہا تھا تو ہزاروں میٹر کی بلندی پر، خلا میں جو کنڈی پر ٹھہرے ہوئے ایک مواصلاتی سیارے کے حسّاس کیمرے اس ہولناک خونریزی کی لمحہ بہ لمحہ تصویریں سمندر پار، ہزاروں میل دور اٹلی میں بیٹھے ہوئے جمی لائیڈ کو اس کے مخصوص مانیٹرنگ یونٹ کی روشن اسکرین پر پہنچا رہے تھے۔ میں محض ایک فرد تھا اور مجھے گردشِ زمین پر لے دے کر بس ایک سلطان شاہ کی ذات کا عملی سہارا حاصل تھا اور دوسری طرف جمی لائیڈ ایک منظم گروہ کا سربراہ تھا اس کے پاس نہ کالے دھن کی کمی تھی اور نہ افرادی قوت کی۔ اس کے پاس ہر شعبے میں لوگوں کی ایک فوجِ ظفر موج موجود تھی۔ میں ایک دلدار آغا کو مار چکا تھا لیکن جمی لائیڈ جب چاہتا، میرے مقابلے میں ویسے ہی دس ڈی ڈی آتار سکتا تھا لیکن یہ عجیب اتفاق تھا کہ اس موقع پر اس کی، اپنی بیٹی ویرا لائیڈ سے صلح ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی ٹھکرائی ہوئی بیٹی کو نہ صرف اپنا لیا تھا بلکہ اسی بنت الحرام کو میری سرکوبی کے لیے حیرت ناک سرعت کے ساتھ پاکستان پہنچا دیا تھا۔

جمی لائیڈ میرے بارے میں بہت کچھ جانتے ہوئے بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔ میری ذات اور مزاج کے بہتیرے گوشے اس کے لیے سربستہ راز تھے لیکن ویرا کی بات مختلف تھی۔ ابتدا

میں وہ میری مضبوط حریف بن کر سامنے آئی تھی لیکن اپنے باپ کی سرد مہری اور مسلسل روپوشی نے اسے جمی لائیٹ کے مقابلے میں میرا ہم نوا بنا دیا تھا۔ میری حلیف بننے کے بعد وہ مجھ سے اس قدر قریب آنے میں کامیاب ہوگئی کہ اس تعلق کو بلا مبالغہ دوستی کا نام دیا جا سکتا تھا۔ دوستی تو میری سلطان شاہ اور جہانگیر سے بھی تھی مگر وہ دونوں میرے ہم نفس ہونے کے ساتھ ہی ہم جنس بھی تھے اس لیے پوری طرح میرے مزاج آشنا ہرگز نہیں ہوسکتے تھے مگر ویرا نہ صرف جنس مخالف سے تعلق رکھتی تھی بلکہ بے پناہ حسن کی بھی مالک تھی اسی کے ساتھ اس کے ذہن میں نسوانی وقار، احترام اور عزتِ نفس کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ اس کے باپ جمی لائیٹ نے ڈان مرسیانو کا روپ دھار کر روم میں اس کی ایسی مکمل برین واشنگ کی تھی کہ وہ اپنا عورت ہونا ہی بھول بیٹھی تھی۔ بجائے اس کے کہ مرد اس کی ایک نگاہ کرم کی امید میں اس کے طواف میں لگے رہتے، وہ خود ہی اپنا دل بہلانے اور تنہائی کے احساس کو بھلانے کے لیے گھات لگا کر مردوں کا شکار کرنے کی عادی ہوگئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ مجھ سے اس قدر قریب ہونے میں کامیاب ہوگئی کہ میرے لیے اپنی ذات کا کوئی گوشہ چھپائے رکھنا ناممکن ہوگیا۔ وہ میری خوبیوں کے ساتھ میری خامیوں سے بھی اچھی طرح واقف تھی اور میرے مقابلے پر آنے کے بعد اسے میرے بارے میں مؤثر ترین فیصلے کرنے کے سارے مواقع حاصل تھے۔

میرا خیال تھا کہ اگر میں ویرا کو بدترین زک پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا تو شاید جمی لائیٹ ہمیشہ کے لیے مجھے بھول جانے پر مجبور ہو جاتا۔ اس ٹکراؤ میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ غزالہ دلدار آغا کی جاں گسل قید سے تو رہا ہو چکی تھی لیکن میری تحویل میں آنے کے بجائے لاپتا تھی اور ویرا نے چھوٹتے ہی مجھ سے اس کے بارے میں سوال کیے تھے۔ اسے تو میں نے ٹال دیا تھا مگر وہ بہت مکار تھی۔ غزالہ کے ساتھ میرے قلبی لگاؤ سے اچھی طرح واقف تھی۔ اسے اگر کہیں سے بھنک بھی مل جاتی کہ غزالہ شہر میں ہی بھٹک رہی ہے تو ویرا مجھے بلیک میل کرنے کے لیے اپنی پوری توجہ اسی پر مرکوز کر سکتی تھی۔

مگر وہ سب بعد کے امکانات تھے۔ اس وقت کے فوری مسائل دو تھے۔ ان میں سے اول کا تعلق سلمٰی کی بے ہوشی سے تھا۔ اسے جلد از جلد ہوش میں لایا جانا اس کی اپنی صحت اور جہانگیر کے ذہنی سکون کے لیے ضروری تھا اور دوسرا مسئلہ ذرا سنگین اور قانونی نوعیت کا تھا۔ مافیا اور شی والے غالباً اپنے زخمی اور مردے سنبھال کر نکل بھاگنے کی تیاریوں میں مصروف تھے جبکہ جہانگیر کے مکان میں چھ مسلح ملازمین، غیر قانونی اسلحہ اور احاطے میں ہر طرف بکھرے ہوئے استعمال شدہ گولیوں کے سیکڑوں موجود تھے۔ ان سب کے بارے میں پولیس کو مطمئن کرنا آ کام نہیں تھا۔ اگر کوئی افسر وہاں بال کی کھال اتارنے پر تُلتا تو آسانی کے ساتھ ہمیں دو میں سے ایک متحارب فریق قر دے کر دشواریوں سے دوچار کر سکتا تھا۔

پولیس کار کے سائرن کی آواز کافی قریب آ کر دم توڑ تھی اور ہم دونوں سلمٰی کو ہوش میں لانے کی کوششوں میں مصر تھے۔ آخر کار ہماری کوششیں رنگ لائیں اور سلمٰی نے کراہ ہوئے، دہشت زدہ انداز میں آنکھیں کھول دیں۔ پہلی بار کی دھندلائی ہوئی روشنی میں غالباً اس کی بصارت پوری طرح کا ساتھ نہ دے سکی اور اس نے ہم میں سے کسی کو پہچانے مخاطب کیے بغیر دوبارہ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ دوسری بار اس آنکھیں کھولیں تو بے اختیار اس کے دہانے سے لرزتی ہوئی سی آواز برآمد ہوئی۔

"میں کہاں ہوں؟ وہ درندے کہاں چلے گئے؟" اس نظریں جہانگیر کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"تم اپنی خوابگاہ میں ہو۔" جہانگیر والہانہ انداز میں اپ دونوں ہاتھوں سے اس کے رخسار تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ لوگ گھر میں گھسنے میں کامیاب نہیں ہوسکے اور فرار ہوگئے

"پھر یہ اندھیرا کیوں ہے؟ روشنی کرو، فضا میں بارود ک سے میرا دم گھٹ رہا ہے۔" اس نے دھیمی اور خوف زدہ آواز کہا۔ چند روز کے عرصے میں دوسری بار پیش آنے والے خوز اور وحشیانہ حملے کے اثرات نے اس کے اعصاب کو بری ہلا کر رکھ دیا تھا اور اس وقت وہ اپنی حرکات و سکنات سے سہمی ہوئی پاگل عورت نظر آ رہی تھی جو اپنے سائے کو دیکھ خوف سے بدکنے لگتی ہے۔

"فائرنگ سے بجلی کے تار ٹوٹ گئے ہیں۔" میں نے ا نرم لہجے میں سمجھایا۔ "بارود کی بو رفتہ رفتہ ختم ہوگی اور شاید پہلے روشنی بھی بحال نہ ہوسکے اس لیے تم خود کو سنبھالنے کی ک کرو۔ مجرم فرار ہو چکے ہیں اور پولیس علاقے میں پہنچ چکی ہے"

"پولیس پورے شہر میں آج تک کیا کر سکی ہے جو اب لے گی؟" اس کی نقاہت آلود آواز میں کربناک بے بسی امڈ آئی وہ جہانگیر کا سہارا لے کر مسہری سے اٹھ گئی۔

"تم ذرا سلمٰی کو دیکھو، میں ابھی آتا ہوں۔" میں نے آہ سے جہانگیر سے کہا اور پھر سلطان کو اشارے سے اپنے ساتھ کر خوابگاہ سے باہر نکل گیا۔

"صورتِ حال نازک ہوگئی ہے۔" میں نے تاریک راہد

سے گزرتے ہوئے سلطان شاہ سے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ ”کسی بھی لمحے پولیس یہاں پہنچ سکتی ہے۔“

”علاقے میں تو پولیس آچکی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اندھیرے کے باعث وہ لوگ ادھر آنے کی ہمت نہیں کرسکیں گے۔ ان کے آنے سے پہلے ہمیں نکلنے کا موقع مل جائے گا۔“ سلطان شاہ نے کہا۔

”چند گاڑیوں کے ہیڈلیمپس پورے علاقے کو روشن کردیں گے۔ پھر قرب وجوار میں رہنے والے انھیں بتائیں گے کہ جہانگیر کا گھر اس چاندماری کا مرکز تھا۔ رہی سہی کسر آہنی پھاٹک کی پھٹی ہوئی چادریں پوری کردیں گی جنھیں چیر کر فوکس ویگن اندر گھسی تھی...“

”یہ سب تو میں بھی جانتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟“ اس نے میری بات کاٹ کر اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

”میں پولیس والوں کے سامنے نہیں آؤں گا۔ تمھیں ان کو مطمئن کرکے واپس کرنا ہوگا۔ ویسے میں ابھی فون پر اپنے دفتر میں سینڈو سے بھی رابطہ قائم کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ مافیا والوں کے روابط اس وقت ہمارے کام آسکیں۔ ویسے بھی وہ لوگ میرے اور جہانگیر کے مراسم سے بخوبی واقف ہیں۔“

”خدا کرے کہ سینڈو والا معاملہ کامیاب ہوجائے۔“ وہ تشویش زدہ لہجے میں بولا۔ ”پولیس والے یہاں آہی گئے تو انھیں آسانی کے ساتھ واپس لوٹانا ممکن نہیں ہوگا۔ گھر کے احاطے میں میدانِ جنگ کا سا سماں ہے۔ اندر جہانگیر کے جسم پر تشدد کے واضح نشانات باقی ہیں پھر محلّے والے یہ بھی بتائیں گے کہ اس سے پہلے بھی اس گھر کے اطراف میں جم کر گولیوں کا تبادلہ ہوا ہے۔ اتنا مواد مل جانے کے بعد تو وہ لوگ یہیں ڈیرے ڈال کر بیٹھ جائیں گے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کا اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے۔“

اس سے گفتگو کرتے ہوئے میں نے اپنا پیش قدمی کا سلسلہ منقطع نہیں کیا تھا اس لیے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے ٹریڈلائن کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

پہلی دو گھنٹیوں پر اُدھر سے کوئی جواب نہیں ملا تو میرے ذہن پر جھلاہٹ سوار ہونے لگی کہ سب لوگ نہ جانے کہاں مر گئے تھے لیکن پھر فوراً ہی مجھے یاد آگیا کہ سینڈو کو اس کے تمام آدمیوں سمیت میں نے خود ہی ویراکی پارٹی کے مقابلے کے لیے جہانگیر کے مکان کے قریب طلب کیا تھا۔ باہر ہونے والی معرکہ آرائی کو ختم ہوئے بمشکل چند منٹ ہوئے تھے اس لیے یہ توقع کرنا بے سود تھا کہ وہ لوگ اتنی جلدی اپنے ٹھکانے پر واپس پہنچ جاتے۔

متعدد بار گھنٹی کی آواز سننے کے بعد میں نے سلسلہ منقطع کردیا۔ جھلاہٹ اور مایوسی کی ملی جلی کیفیت میں کئی منٹ تک میرا ذہن کام نہ کرسکا پھر مجھے کی کلب کی مس پارسن کا خیال آیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ عیاشی کے اس خفیہ اڈے پر کافی تعداد میں اہم سرکاری اہلکار آتے تھے لیکن بنیادی طور پر وہ مافیا کا ایک طفیلی اڈا تھا جہاں سے کسی مدد کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ مس پارسن اور اس کی خوبرو لڑکیوں کا کام وہاں ہانکے جانے والے افسران کو کھلی تفریح کے مواقع فراہم کرکے ان کی ذاتی خامیوں کو اس انداز میں اجاگر کرنے تک محدود تھا کہ اس کی مدد سے مافیا کے بڑے ان افسران کو اپنے اشاروں پر نچا سکیں۔ مس پارسن ذاتی طور پر شاید کسی کو اپنے دباؤ میں لینے کی اہل نہیں تھی۔

پھر اچانک ہی مجھے سیٹھ حبیب جیوانی یاد آگیا۔ وہ مافیا کی عملی کارروائیوں سے دور رہتا تھا لیکن مقامی چیف اور پالیسی ساز ہونے کی وجہ سے ان لوگوں سے اچھی طرح واقف تھا جو مال کھا کر یا اپنی بے اعتدال رنگ رلیوں کو راز میں رکھنے کی خاطر مافیا کے وفادار تھے۔ اس مشکل وقت پر میں سیٹھ حبیب کو اس کے گھر پر پکڑنے میں حق بجانب ہوتا کیونکہ اس نے یوروپی جیل سے فرار کے بعد غالباً پہلی بار اپنا رہائشی فون نمبر کسی کو دیا تھا۔

فون کی دوسری گھنٹی پر مجھے ریسیور پر ایک دلکش نسوانی آواز سنائی دی تھی۔ بولنے والی نے اردو زبان ہی استعمال کی تھی۔

سیٹھ حبیب جیوانی اپنی بیوی کے ساتھ رہ رہا تھا اور شہر میں اپنے رشتے داروں سمیت اس کے کسی سے روابط نہیں تھے۔ اسی کے ساتھ وہ مجھے بتا چکا تھا کہ بیوی سارے معاملات میں اس کی قابلِ اعتماد رازداں تھی اس لیے میں نے اسے فوراً ہی اپنا نام بتا کر چیف سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور چند ثانیے کے توقف کے بعد ہی سیٹھ حبیب جیوانی لائن پر آگیا۔

”مجھے توقع نہیں تھی کہ اس نمبر پر تم مجھے کبھی فون کروگے... کہو کیا ضرورت پیش آگئی؟“ اس نے سرد اور ٹھہری ہوئی آواز میں مجھ سے سوال کیا۔ دنیا بھر کے دوسرے کاروباری سربراہوں کی طرح اس نے مجھے میری گزشتہ کامیابیوں کی بنیاد پر ذرا بھی رعایت دینے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی اور براہِ راست اپنی ناپسندیدگی کے اظہار پر اُتر آیا تھا جس پر میری طبیعت بدمزہ ہوگئی تھی۔

”اس کال سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ میری ضرورت ناگزیر ہے۔“ میں نے بھی خشک لہجے میں کہا۔ ”میں جہانگیر کے گھر پر ہوں۔ یہاں کے حالات میرے حق میں نہیں ہیں۔ علاقے میں پولیس آچکی ہے، وہ لوگ یہاں آگئے تو میں انھیں مطمئن نہیں

کر سکوں گا...“

”تم نے سینڈو سے بات کی؟“ اس نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

”اس قسم کی مدد کی فریاد نیچے والوں سے نہیں اوپر والوں سے کی جاتی ہے۔“ میری آواز میں غیرارادی طور پر ہلکی سی تلخی پیدا ہوگئی۔ ”پھر بھی میں نے اسے فون کیا تھا مگر وہ واپس اپنے ٹھکانے پر نہیں پہنچا۔ وہ بھی اسی علاقے میں بتی والوں کی سرکوبی کے لیے آیا ہوا تھا۔“

”خیر! میں اس فون پر زیادہ تفصیل میں نہیں جا سکتا تم بے فکر رہو، میں کوشش کرتا ہوں کہ تمھاری گلوخلاصی ہو جائے۔ مجھے جہانگیر کا پتا اور فون نمبر لکھوا دو۔“

”تم نے غالباً ابھی تک پولیس کے محکمے میں اپنی آمد کا اندراج نہیں کرایا ہے؟“ مجھ سے وہ کوائف لینے کے بعد اس نے چبھتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

اس کا یہ سوال سنتے ہی مجھے ڈان نفری کی مکارانہ سازش یاد آگئی مگر میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ”میں سمجھا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“

”تم پیٹر واک ہو اور باہر سے آئے ہو۔ ڈان نے تمھیں اپنی آمد کا اندراج کرانے کی ہدایت کی تھی۔“

”اوہ! وہ پرانی بات ہوگئی۔“ میں نے بے پروائی سے کہا۔ ”اس کی ہدایت کے بعد صورتِ حال اتنی تیزی کے ساتھ تبدیل ہوئی کہ میں نے وہ نام ہی ترک کر دیا اور پاسپورٹ تلف کر دیا۔ اس کو تو اب قصۂ پارینہ ہی سمجھو لیکن اتنے دنوں بعد تمھیں وہ پرانی بات کیسے یاد آگئی ہے؟“

”کل ڈان نے اس بارے میں خاص طور پر سوال کیا تھا۔ ویسے وہ تمھاری اب تک کی کارکردگی پر خوش ہے۔ کل اس سے میری بات ہوئی تھی۔“ اس نے سپاٹ لہجے میں مجھے آگاہ کیا۔

”مجھے خوشی ہے کہ کوئی تو میری کارکردگی پر خوش ہے۔“ میں نے بھی سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”کارکردگی کے بارے میں میرے پاس کچھ اور خبریں ہیں جو میں دفتر میں سناؤں گا۔“

”تمھیں شاباش میں نے بھی دی تھی لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ میں اپنی ہر گفتگو اور ہر فقرے میں تمھارے گزرے ہوئے کارناموں کا ریکارڈ لگاتا رہوں۔“ اس کی آواز سے برہمی مترشح تھی۔

”میں نے تم سے شکایت تو نہیں کی...“ میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات اڑا دی۔

”دفتر میں بات ہوگی... تمھارے مسئلے کے حل کے لیے میں ابھی فون کرتا ہوں۔“

”شکریہ اور اللہ حافظ!“ میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

اس سے بات کرنے کے بعد میرے دل پر سے بڑا
ہٹ گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کے بس میں جو کچھ بھی ہوا وہ
گزرے گا اور اس کی کوششوں کے نتائج سینڈو کی جدوجہد
کہیں زیادہ بہتر اور مؤثر ہوتے کیوں کہ مافیا میں وہ بہرحال چھ
کے درجے پر فائز تھا۔

اسی وقت اندر سے جہانگیر کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ
پکار رہا تھا۔

”آ رہا ہوں۔ ایک منٹ کے لیے صبر سے کام لو۔“ میں
ڈرائنگ روم سے اونچی آواز میں جواب دیا اور سلطان شاہ کو
چھوڑ کر واپس جہانگیر کی خواب گاہ کی طرف چل دیا۔

”ہم بلاوجہ موم بتیوں کی روشنیوں میں سڑ رہے ہیں“
پہنچتے ہی جہانگیر خفت آمیز لہجے میں بولا تھا۔ ”میری بھی عقل
پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ ابھی سلمٰی نے یاد دلایا کہ گھر کے ہر کمر
میں ری چارج ایبل بیٹریوں سے منسلک روشنیاں موجود
انھیں آن کر کے ہم پورا گھر منور کر سکتے ہیں۔“

”تمھاری عقل کے پتھر تخلیے کی وجہ سے ہٹے ہیں اور
اسی وجہ سے سلمٰی کو بھی کچھ افاقہ ہوا ہے۔“ میں نے ماحول کا بوجھ
دور کرنے کی نیت سے کہا۔ ”اگر ڈوز پورا ہو چکا ہے تو فوراً بتی
روشن کرو۔ میرا خیال ہے کہ اب خطرہ ٹل چکا ہے... لیکن یہ
آف کیوں رکھی گئی تھیں؟“

”ان کے سوئچ میں نے آف کیے تھے۔“ سلمٰی کی کمزور آ
سنائی دی۔ ”مجھے ڈر تھا کہ کہیں ان کے بے موقع جل اٹھنے کی
ہم پریشانیوں سے دوچار نہ ہو جائیں۔“

وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ باہر پھیلے ہوئے گھور اندھیر
میں اندر کی روشنیاں ہمارے حریفوں کو اپنی چاند ماری کے لیے
نشانے فراہم کر سکتی تھیں۔

جہانگیر نے اسی وقت اپنے بیڈروم کے سوئچ بورڈ
قریب وال بریکٹ سے لگی ہوئی ایمرجنسی لائٹ کا سوئچ آن کر
اور کمرے میں تیز مگر خوشگوار روشنی پھیل گئی۔

روشنی ہوتے ہی سلمٰی کی آنکھیں چندھیا سی گئیں۔ چند ثا
بعد جب اس نے مجھے اپنے روبرو دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت
پھیل گئیں۔ ”تمھارا دوست کہاں گیا؟“ اس کے ہونٹوں سے
ہوئی متحیر آمیز آواز برآمد ہوئی تھی۔

”وہ ڈرائنگ روم میں موجود ہے تم کسی اور کے بجا
اپنی فکر کرو اور جوس وغیرہ پی کر تر و تازہ نظر آنے کی کوشش کر
ہمیں کسی بھی لمحے پولیس کا سامنا کرنا پڑ جائے گا۔“

کے بعد دیگرے ہم نے متعدد کمروں میں بیٹری سے

والی ایمرجنسی لائٹس آن کر دیں اور جہانگیر کا گھر دیکھتے ہی دیکھتے اندھیرے کے سمندر میں روشنیوں کا جزیرہ بن گیا اور ہم چاروں ڈرائنگ روم میں ہی آبیٹھے کیوں کہ وہاں سے باہر آنے والی آوازوں کا اندازہ بھی لگانا آسان تھا۔

چند ہی ثانیے بعد ڈرائنگ روم کے دروازے پر ہلکی سی دستک کی آواز سنائی دی اور ہم سب چونک پڑے۔

"کون ہے؟" جہانگیر نے اضطراری طور پر فوراً ہی سوال کیا تھا۔

"گل بدن خان، صاب!" باہر سے کرخت لیکن دھیمی آواز سنائی دی۔

میں نے بڑھ کر فوراً ہی بولٹ گرا دیا اور تنومند چوکیدار اپنے کندھے پر رائفل سنبھالے دروازے سے اندر آ گیا۔ "ابی باہر جنگ بند ہو گیا۔ ام لوگ کا واسطے کیا حکم ہے صاب؟" اس نے اسی سرگوشیانہ لہجے میں مشینی انداز میں سوال کیا۔

"اپنی اپنی جگہ سنبھال لو۔" میرے بجائے جہانگیر نے کہا۔ "بغیر لائسنس والا اسلحہ چھپا دو۔ پولیس آئے تو یہ کہنا کہ تمھیں کچھ معلوم نہیں، بس اچانک ہی باہر سے کچھ لوگوں نے فائرنگ کرتے ہوئے اندر گھسنے کی کوششیں شروع کر دیں اور تم نے انھیں روکنے کے لیے فائرنگ شروع کر دی۔"

اس نے تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلایا اور واپس لوٹنے لگا۔ اگلے لمحے تاریک آہنی پھاٹک کے نزدیک کچھ آہٹیں سنائی دینے لگیں اور میں دروازے کی اوٹ سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسی سمت دیکھنے لگا لیکن میری یہ کوشش اپنے بصری اعصاب کو تھکانے سے زیادہ بار آور ثابت نہ ہو سکی اور میں نے اندر کی روشنی گل کرادی۔

"پھاٹک پر اندھیرا ہے لیکن اندر چراغاں نظر آ رہا ہے۔" ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔ "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے کوئی بکتر بند موٹر گاڑی فولادی پھاٹک کو چیرتی ہوئی اندر گھسی ہو۔" اسی کے ساتھ ملی جلی آوازیں سنائی دینے لگیں جن میں قیاس آرائیوں کے ساتھ مشورے بھی شامل تھے۔ ان کا لب لباب یہ تھا کہ روشنی میں نقصان رسیدہ ویران پھاٹک کا تفصیلی جائزہ لیے بغیر ان میں سے کوئی بھی اندر گھسنے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

میرا دل چاہا کہ باہر نکل کر ان لوگوں کا بے بنیاد خوف دور کرنے کی کوشش کروں لیکن وہ سب پولیس والے تھے جن سے نہ عدم تعاون میں عافیت رہتی ہے اور نہ تعاون کرنے کی صورت میں کسی حوصلہ افزائی کا امکان ہوتا ہے۔ میرے سننے میں یہی آیا تھا کہ جو بھی امن پسند شہری اپنے جائے سے باہر ہو کر پولیس کے گھاگ اور پیشہ ور افسران کی رہنمائی کرنے کی کوشش کرے اسے مشتبہ ملزمان کی فہرست میں سب سے اُوپر رکھ کر باقاعدہ تفتیش کا آغاز کر دیا جاتا ہے اور جب تک تفتیش مکمل ہوتی ہے، عام طور پر تعاون کرنے والا اپنی پیش قدمی پر نادم ہو کر زندگی بھر کے لیے ایسے افعال سے تائب ہو چکا ہوتا ہے۔

پھاٹک پر باہر کی سمت سے متعدد روشنیاں گردش کرنے لگیں پھر سب سے پہلے ایک سپاہی ڈنڈا تھامے پھاٹک میں بنے ہوئے خلا سے گزر کر اندر داخل ہوا تھا۔ اندر اگر واقعی کوئی مجرم موجود ہوتا تو باہر سے پڑنے والی ٹارچز کی روشنی میں نہایت اطمینان کے ساتھ اس ڈنڈا بردار سپاہی کو اپنی گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا جو قربانی کا بکرا بنائے جانے پر بہت زیادہ خوف زدہ تھا۔

جب اس پر کسی سمت سے کوئی وار نہ ہوا تو بیک وقت متعدد باوردی پولیس والے اسی راستے سے اندر گھس آئے۔ وہ سب مسلح تھے اور ان کی سربراہی کرنے والے نے ڈنڈا بردار ہراول کو ایک طرف ہٹا کر قیادت کا کٹھن فریضہ خود سنبھال لیا تھا۔

احاطے میں نظر آنے والے بھیانک منظر نے ان سب کو ہی متحیر کر دیا۔ میں دروازہ بند کر کے پھرتی کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا اگر ان میں سے کوئی مجھے دروازے کی اوٹ میں کھڑا ہوا دیکھ لیتا تو میری فی الفور شامت آ سکتی تھی۔ ویسے بھی میں نے چیف سے گفتگو ہونے کے بعد اپنا ارادہ بدل دیا تھا اور روپوش ہونے کے بجائے خود سامنے رہ کر پولیس والوں کی باز پرس کا جواب دینے کے لیے تیار تھا۔

میری توقع کے عین مطابق چند ہی ثانیے بعد برآمدے کے پختہ فرش پر پولیس والوں کے وزنی جوتوں کی چاپ سنائی دی اور پھر دروازے پر دستک دی گئی۔

میں نے خود ہی اندر کی ایمرجنسی لائٹ دوبارہ آن کی اور دروازہ کھول دیا۔

وہ تعداد میں چار تھے۔ ان میں سب سے آگے ایک نوجوان اور مستعد سب انسپکٹر تھا جس نے اپنے ساتھیوں کے برعکس چست وردی زیب تن کی ہوئی تھی اور اس کا پستول اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔

"اندر آنے سے پہلے اپنے ہتھیار اپنے ہولسٹر میں رکھ لو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر بھرائی ہوئی مغموم آواز میں کہا۔ "ان ہتھیاروں کی گھن گرج نے آج ہمارے جسموں سے آدھا خون نچوڑ لیا ہے۔ تم فکر نہ کرو، مکان کے اندر مجرموں کا کوئی ساتھی داخل نہیں ہو سکا تھا۔"

"تم اس مکان کے مالک ہو؟" سب انسپکٹر نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے مجھ سے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔ ہتھیاروں کے بارے میں میری درخواست کو انھوں نے یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

"تقریباً!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے کہا۔

"مجھے گول مول نہیں، سیدھا اور دوٹوک جواب چاہیے۔" اس کا لہجہ بگڑ گیا۔

"یہ میرے دوست کا مکان ہے۔" میں نے صوفے پر بیٹھے ہوئے جہانگیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ بیمار ہے اس لیے سارے واقعات میں ہی بتا سکوں گا۔"

اس دوران میں جہانگیر کے اشارے پر سلمٰی وہاں سے اندر چلی گئی تھی۔

"یہاں کوئی بڑی واردات ہوئی ہے۔" وہ بغور ڈرائنگ روم کا جائزہ لیتا ہوا معنی خیز لہجے میں بولا۔ "باہر کئی جگہ خون کے بڑے بڑے دھبے موجود ہیں لیکن کہیں بھی کوئی زخمی یا مُردہ نظر نہیں آیا۔ باقاعدہ تفتیش شروع کرنے سے پہلے میں پورے واقعات سُننا چاہتا ہوں۔"

"اس علاقے میں بہت دیر سے زبردست فائرنگ ہو رہی تھی۔ درمیان میں انسانی چیخیں بھی سُنائی دے رہی تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو مسلح گروہ آپس میں برسرِ پیکار ہوں۔ ہم لوگ کھڑکیاں دروازے بند کر کے کمرے میں چھپ گئے۔ رفتہ رفتہ فائرنگ کی آوازیں بہت قریب آگئیں پھر ہمارے آہنی پھاٹک پر زبردست دھماکا ہوا جیسے کوئی گاڑی اس سے ٹکرائی ہو۔ شاید لڑنے والوں میں سے کسی ایک پارٹی نے بدقسمتی سے ہمارے گھر میں گھس کر پناہ لینی چاہی تھی اور اسی کے ساتھ قیامت آگئی۔ ہمارے احاطے میں بے تحاشا گولیاں چلنے لگیں اور ہم اندر محبوس اپنی جانوں کے خوف سے کانپتے رہے۔ ہم اتنی ہمت بھی نہیں کر سکے کہ کسی کھڑکی سے جھانک کر باہر کی پوزیشن دیکھ سکیں۔ جیسے ہی دُوسرے پولیس کار کے سائرن کی آواز سُنائی دی، اسی وقت یکلخت فائرنگ ختم ہو گئی۔ اس کے بعد سے ابھی تک مہیب سناٹا ہے، ہمیں کچھ نہیں پتا کہ باہر کیا ہوا اور زخمی یا مُردے کہاں غائب ہو گئے۔"

"لڑنے والوں میں سے کسی نے تمھارے گھر میں گھسنے کی کوشش نہیں کی؟" اس نے میرے مقابل ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔ میری کہانی سن کر اس کے چہرے اور پیشانی پر متعدد تشویش آمیز لکیریں اُبھر آئی تھیں جن سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس نے میری کہانی پر خاصی حد تک یقین کر لیا تھا۔

"کسی نے نہیں، البتہ کبھی کبھار بھٹکی ہوئی گولیاں دروازوں اور شیشوں کو نقصان پہنچاتی رہیں۔" میں نے پُر وثوق لہجے میں کہا۔ "اتنی شدید فائرنگ تھی کہ کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔"

"تمھارا چوکیدار وغیرہ کہاں ہے؟" اس نے سوال کیا۔

میں نے چونکنے کی اداکاری کی "کیا وہ باہر نہیں ہیں؟ ان دونوں کو تو۔۔۔"

"اس قدر خونریزی میں وہ اپنی جگہ کیسے ٹکے رہ سکتے تھے۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "ان کی کل تعداد کتنی ہے؟"

"دو چوکیدار اور چار دیگر ملازمین باہر رہتے ہیں۔" میں نے کہا۔

میری بات سُنتے ہی وہ اپنے ماتحتوں کی طرف متوجہ ہوا اور ان میں سے ایک کو چوکیداروں وغیرہ کی تلاش میں باہر روانہ کر دیا اور دوبارہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "نام کیا ہے تمھارا؟"

"تنویر علی!" اس وقت میں نے مدتوں بعد ماں باپ کے رکھے ہوئے نام سے اپنا تعارف کرایا تو لمحہ بھر کے لیے مجھے خود بھی وہ نام اجنبی محسوس ہوا۔ سچی بات یہ تھی کہ گھر سے نکلنے کے بعد ڈیڈی نے تنویر علی کو اس طرح نگل لیا تھا کہ نام کے ساتھ میری شخصیت بھی یکسر بدل کر رہ گئی تھی۔

"میرے عملے کے لوگ باہر مصروف ہیں تمھیں اعتراض نہ ہو تو میں ایک بار اندر سے پوری عمارت کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔" اس نے اپنی جیبی ڈائری پر کچھ اندراج کرنے کے بعد کہا اور میں فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔

اندرونی کمروں کا سرسری جائزہ لینے کے لیے روانہ ہونے سے قبل اس نے اپنے بقیہ دو ماتحتوں کو وہیں روک دیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اندر کسی افراتفری کی علامات کا متلاشی تھا جو وہاں سرے سے مفقود تھیں۔ راہداریوں سے گزرتے ہوئے وہ اپنے انداز میں تبصرے بھی کرتا رہا اور مجھ سے پُرپیچ سوالات بھی کرتا رہا جن کے جوابات میں نے پہلو بچا کر دیے۔ مجھے امید تھی کہ سیٹھ حبیب جیوانی اس وقت تک اپنا کام دکھا چکا ہوگا اور سب انسپکٹر اپنے طور پر جو رپورٹ چاہے، مرتب کرلے مگر وہ ریکارڈ پر نہیں جائے گی۔ اپنی زیرِ زمین سرگرمیوں کے سلسلے میں، میں ہمیشہ ہی پولیس اور دوسرے سرکاری اہل کاروں سے دُور ہی رہا تھا لیکن اس بار چند ہی دنوں میں بار بار ان لوگوں سے واسطہ پڑ رہا تھا۔ پہلے شرف کے فلیٹ میں سیما کے قتل کے چکر میں ایک پولیس افسر خطرناک تیوریوں کے ساتھ میری طرف متوجہ ہوا مگر اسے مافیا کے ڈان ٹھری نے اپنی ذاتی نگرانی میں ٹریفک کے ایک حادثے میں قتل کروا دیا۔ اس کے بعد ایکسائز انسپکٹر اصغر علی نے مجھے کلفٹن پر ہیروئن کی کھیپ کے ساتھ رنگے ہاتھوں گرفتار کر کے حوالات میں پہنچا دیا لیکن وہاں اسرار رضوی نے مجھے اس مصیبت سے نجات دلائی تھی اور [illegible] تھی کہ میں ایکسائز والوں کے چُنگل سے بچ کر ڈیڈی کے [illegible] پہنچ گیا تھا اور اب یہ نئی مصیبت سر پر سوار تھی۔

میں نے باتوں ہی باتوں میں اس کا نام بھی معلوم کر لیا تھا

سرور کہا جاتا تھا! اندر کے جائزے کے دوران اس نے مسہریوں کے نیچے جھانکنے سے بھی گریز نہیں کیا تھا۔ ماسٹر بیڈ روم جو جہانگیر اور سلمٰی کے زیر استعمال تھا، اس کی توجہ کا خاص مرکز بنا تھا۔ وہاں اس نے باتھ روم بھی دیکھ ڈالا تھا اور آخر کار واپس لوٹتے ہوئے اس نے اپنے دل کی بات زبان سے کہہ ہی ڈالی۔

اس کا نظریہ بہت صاف اور سیدھا تھا۔ اس علاقے میں اور بھی بہتیرے مکانات تھے بعض کے پھاٹک تو اتنے کمزور تھے کہ نوکس ویگن کے جھٹکے سے دیوار سمیت زمین بوس ہو جاتے اس لیے وہ یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ لڑنے والے دو میں سے ایک فریق نے محض پناہ لینے کی خاطر جہانگیر کے مکان کا مضبوط پھاٹک اُکھاڑنے کی احمقانہ حرکت کی ہوگی۔ انہیں پناہ ہی لینی ہوتی تو وہ کسی دوسرے کمزور پھاٹک کا انتخاب کرتے۔ اس گھر کا پھاٹک توڑنے کے لیے نوکس ویگن کو تباہ کرنے کے پس پشت کوئی اور مقصد کار فرما تھا۔

میں خود کو ایسے کسی مقصد سے لاعلم ظاہر کرتا رہا اور ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اس نے واشگاف الفاظ میں اپنا عندیہ ظاہر کر دیا کہ واردات کے مقاصد کی تہ تک پہنچنے کے لیے وہ اپنے عملے کے ذریعے پورے مکان کی تلاشی لینا چاہتا تھا اگر ہم سیدھی طرح اسے اجازت نہ دیتے تو وہ ہم سب کو زیر نگرانی رکھ کر مجسٹریٹ سے گھر کی تلاشی کا وارنٹ حاصل کر سکتا تھا۔

اس کے ارادے میرے لیے جتنے خطرناک تھے اس سے زیادہ جہانگیر کے لیے تشویشناک تھے لیکن اس موضوع پر گفتگو آگے نہ بڑھ سکی کیوں کہ گل بدن خان کو اس کے پانچ ساتھیوں سمیت پانی کے پمپ والی عقبی کوٹھری سے دو رائفلوں کے ساتھ 'برآمد' کر لیا گیا تھا۔

سرور نے انتہائی درشت لہجے میں گل بدن خان کو رُعب میں لینے کی کوشش کی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ تیور گل بدن سے زیادہ ہم لوگوں کے لیے تھے۔ چوکیدار کو پھٹکار کر وہ ہمیں یہ جتانا چاہ رہا تھا کہ اگر ہم نے اس کی مرضی پر عمل نہیں کیا تو وہ ہمارے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار کرنے پر قادر تھا۔

گل بدن خان بہت مخلص، سادہ لوح اور وفادار آدمی تھا سرور کے الفاظ نے اس کا چہرہ ضرور دُھواں کر دیا لیکن جب وہ بولا تو وہی کچھ بولا جو اسے رٹایا گیا تھا۔ اس کے نزدیک اپنے مالک کا حکم ماننا عبادت کا درجہ رکھتا تھا اس لیے جب وہ اپنی کہانی سُنا رہا تھا تو اس کے چہرے کے رُوئیں رُوئیں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے دل میں کوئی چور نہیں تھا۔

سرور اس کے طرز بیاں سے دھوکا کھا گیا اور اس نے جھلاتے ہوئے انداز میں ایک سپاہی کے ہاتھ سے وہ دونوں رائفلیں لے لیں جو گل بدن خان اور اس کے ساتھی سے لی گئی تھیں اور انہیں فضا میں لہراتے ہوئے مجھ پر غرّایا۔ "ان کے لائسنس کہاں ہیں؟"

"یہاں تمہیں کوئی غیر قانونی چیز نہیں مل سکے گی۔ مہلت ملنے پر ان کے لائسنس بھی فراہم کر دیے جائیں گے لیکن از راہِ کرم اپنے لہجے پر قابو رکھو۔ گرہ کٹوں اور معززین سے گفتگو کے لیے ایک جیسا انداز اختیار کرنا تم جیسے سمجھے ہوئے نوجوان افسروں کو زیب نہیں دیتا۔"

"سر یہاں کوئی خوف ناک لڑائی ہوئی ہے۔" باہر سے آنے والے ایک ہیڈ کانسٹیبل نے کسی تمہید کے بغیر کہنا شروع کر دیا۔ "گاڑیاں اور دیواریں گولیوں سے چھلنی ہیں۔ ہر طرف گولیوں اور کارتوسوں کے خول ہی خول بکھرے ہوئے ہیں۔ کلاشنکوف، رائفل، ایس ایم جی، ریوالور اور پستول، سب ہی چلائے گئے ہیں۔ فرش پر کم از کم تین جگہ بہت خون پڑا ہوا ہے مگر حیرت کی بات ہے کہ چڑیا کا بچہ بھی ہمارے ہاتھ نہیں آسکا۔"

"یہاں تو کچھ معلوم نہیں ہو رہا۔ ذرا اپنے منور علی صاحب کو تھانے لے جا کر باتیں کریں گے تو کچھ پتا چل سکے گا۔ یہی کچھ زیادہ باخبر معلوم ہوتے ہیں۔" سرور نے میری طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا اور اچانک میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ واضح طور پر مجھے حراست میں لینے کی دھمکی دے رہا تھا۔

"روشن خان! تم یہیں تنویر صاحب کے پاس ٹھہرو۔" سرور اٹھتا ہوا ایک سپاہی سے بولا۔ "ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا۔ باہر کے کام سے فارغ ہو کر واپسی میں ہم تم دونوں کو ساتھ لے لیں گے۔"

"یہ نہیں ہو سکتا، کوئی الزام عائد کیے بغیر تم مجھے حراست میں نہیں لے سکتے۔" میں نے تیز لہجے میں احتجاج کیا۔ "یہ سراسر دھاندلی ہے کہ ہمارے گھر کو تباہ کیا گیا اور ہم ہی کو گرفتار کیا جا رہا ہے۔"

"تم بہت بھولے بادشاہ ہو تنویر صاحب!" سرور استہزائیہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ "تم پاکستان میں بیٹھ کر ولایت کی باتیں کر رہے ہو۔ ہمارے پاس قانون کی ایسی ٹیڑھی دفعات موجود ہیں کہ جب چاہیں کسی کو بھی داد فریاد کے بغیر اندر کر سکتے ہیں مگر تم مت گھبراؤ، ہم صرف تمہارا بیان لیں گے اور پھر چھوڑ دیں گے۔ ہمیں بھی تو اتنی بڑی واردات پر اپنے روزنامچے میں کچھ نہ کچھ دکھانا ہی پڑے گا۔ تمہاری طرح ہم تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ لوگ لڑتے ہوئے آئے اور پولیس کار کا سائرن سنتے ہی گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو گئے۔ زخمی ہوا میں اُڑ گئے اور مُردے زمین میں دھنس گئے۔ تمہارے بیان کو تھوڑا بہت چکر دے کر ہمیں اپنی کہانی پوری کرنی ہوگی یا پھر تم کسی ایسے آدمی کا نام بتاؤ جو ہماری مدد کر سکے۔"

...ٹھونس، دھاندلی اور زبردستی کو تم مد کہتے ہو؟" میں نے ... سے کہا۔ "میں تمھارے ساتھ ضرور چلوں گا مگر..." میں نے اسے گھورتے ہوئے اپنا جملہ دانستہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اب دیکھو شاہ جی! تم خود ہی تاؤ میں آکر پھنس گئے۔" وہ بے پروایانہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ "کارِ سرکار میں مداخلت بہت سنگین جرم ہے اور تم نے ابھی ابھی اتنے آدمیوں کے سامنے مجھے اپنے فرائض کی انجام دہی سے روکنے کی غرض سے دھمکی دی ہے اور میں اس وردی میں یہاں قانون کا نمائندہ ہوں۔ اڑتالیس گھنٹوں کے لیے تو تمھیں سیدھا لاک اپ میں ڈال سکتا ہوں پھر ریمانڈ کا سلسلہ چلے گا اور چالان پیش ہونے کے بعد تمھیں سیدھا جیل بھیج دیا جائے گا۔ فرض کرو کہ تم نے اچھا اور مہنگا وکیل کر لیا اور بری ہونے میں کامیاب ہو گئے تب بھی عدالت سے فیصلہ صادر ہونے میں کم از کم دو سال لگ جائیں گے اور اس وقت تک تم جیل میں سڑتے رہو گے۔ اس لیے میرا مشورہ مانو اور کھوپڑی ٹھنڈی رکھو ورنہ مجھے گرمی چڑھ گئی تو مشکل میں پڑ جاؤ گے۔"

اس سے آگے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں تھی اس لیے میں خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ قصور خود میرا اپنا تھا کہ میں اس سرزمین پر جو میری اپنی تھی، اپنے قانونی حقوق سے یکسر نابلد تھا اور سرور کی کہی ہوئی باتوں کو مان لینے پر مجبور تھا۔ کارِ سرکار میں مداخلت واقعی سنگین جرم تھا لیکن یہ الزام عائد کرنے کے لیے کچھ حالات کا موجود یا رونما ہونا لازمی ہونا چاہیے تھا اور میں اس سے بھی نابلد تھا۔ ان حالات میں میری ساری امیدیں سیٹھ حبیب جیوانی کے اثر و رسوخ پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔

اس نئی صورتِ حال کی وجہ سے ڈرائنگ روم کی فضا بوجھل سی ہو گئی۔ سپاہی روشن خان نے نکاسی کے دروازے کے قریب ایک کرسی سنبھال لی تھی۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک باوردی مگر غیر مسلح سپاہی بوکھلایا ہوا ڈرائنگ روم میں گھس آیا۔ "صاب کہاں ہے؟" اس نے اندر آکر چاروں طرف کا جائزہ لینے کے بعد سپاہی روشن خان سے سراسیمہ لہجے میں سوال کیا۔

"باہر ہی کہیں ہوں گے۔" روشن خان نے اٹھ کر اس کا بازو تھامتے ہوئے دوستانہ لہجے میں کہا۔ "کیا بات ہے؟ تو اتنا گھبرایا ہوا کیوں ہے۔ گاڑی تو ٹھیک ہے نا تیری؟"

"یار، مذاق مت کر۔" نووارد اپنا بازو روشن خان کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "سب ٹھیک ہے، ابھی وائرلیس پر ایس پی صاحب کی کال تھی۔ انھوں نے حکم دیا ہے کہ سرور صاحب فوراً ان سے بات کریں۔ دیر ہو گئی تو ایس پی صاب ناراض ہوں گے۔"

روشن خان نے ہنستے ہوئے اس کا بازو چھوڑ دیا اور وہ جس رفتار سے اندر آیا تھا اسی رفتار سے باہر نکلتا چلا گیا۔ وہ غالباً پولیس وین کا ڈرائیور تھا اور اپنی دھن میں وہاں آیا تھا لیکن میرے لیے اس کی آمد نعمت سے کم نہیں تھی۔ ایک سب انسپکٹر کے لیے اتنی رات گئے ایس پی کا لاسلکی پیغام خالی از علت نہیں ہو سکتا۔ مجھے امید پیدا ہو چلی تھی کہ شاید ایس پی ہمارے ہی مسئلے پر بات کرنے والا ہے۔

ہمیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تقریباً دس منٹ بعد ہی ایک سپاہی آکر روشن خان کو اپنے ساتھ لے گیا۔ سرور خفت اور شرمندگی سے بچنے کے لیے خود واپس نہیں آیا تھا۔ میں روشن خان کے پیچھے پیچھے ڈرائنگ روم سے نکاسی کے دروازے پر پہنچا اور میں نے دیکھا کہ سرور پھاٹک کے قریب کھڑا ہوا تھا اور اس کے عملے کے لوگ تیزی کے ساتھ احاطے میں پھیلے ہوئے ناکارہ خول سمیٹ رہے تھے۔

میں نے ہاتھ کے اشارے سے سرور کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا لیکن وہ مجھے نظر انداز کر کے مڑا اور لوٹتے ہوئے پھاٹک سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس والوں کی ساری نفری واپس لوٹ گئی اور یوں ایک بار پھر مافیا والوں کی حکمتِ عملی کامیاب ہو گئی تھی۔

اس وقت رات تیزی سے گزر رہی تھی اور وال کلاک کی سوئیاں تین سے آگے کے سفر پر رواں تھیں۔ میرے لیے اس وقت بستر ناگزیر تھا لیکن صورتِ حال مجھ سے مزید قربانی کی متقاضی تھی۔ ویرا نے واپس جاتے جاتے زیادہ تیاریوں کے ساتھ دوبارہ لوٹنے کی دھمکی دی تھی اور اگر میری وجہ سے جہانگیر کے گھر پر تیسری بار بڑا حملہ ہو جاتا تو مجھے پورا یقین تھا کہ سلمیٰ دوستی اور رشتے پر لعنت بھیج کر پہلی پرواز سے لاہور اپنے میکے کے لیے روانہ ہو جائے گی اور جہانگیر مجھے کوستا رہ جائے گا۔

ویرا کو جہانگیر کے مکان پر حملہ آور ہونے سے روکنے کی ایک ہی صورت تھی کہ میں جہانگیر کے گھر سے بہت دور کسی غلط سمت میں جا کر ٹرانسمیٹر پر ویرا سے رابطہ قائم کرتا اور وہ اپنے لوکیشن فائنڈر پر خود دیکھ لیتی کہ میں جہانگیر کے گھر سے کوسوں دور تھا۔

ویرا کو یہ فریب دینے کے لیے میرا وہاں سے جانا ضروری تھا۔ کال کے بعد میں بے خوفی کے ساتھ وہیں واپس آسکتا تھا اور اطمینان سے پاؤں پسار کر چند گھنٹے تک سو سکتا تھا

پولیس والے جہانگیر کے گھر سے واپس لوٹ گئے تھے لیکن باہر ان کی نقل و حرکت جاری تھی۔ میں نے گل بدن خان کو بلا کر اس کی ثابت قدمی پر اسے شاباش دی اور پھاٹک کھول کر تباہ شدہ فوکس ویگن گھر سے باہر کسی ویران گلی میں دھکیل دینے کے لیے کہا مگر وہ گھر کی حدود سے باہر پولیس والوں سے خوف زدہ تھا۔ اس لیے میں نے خود پھاٹک پر کھڑے ہو کر اس کارروائی کی نگرانی کی۔ اس وقت دو پولیس والے گھر کے قریب ہی سڑک پر موجود خون کے ایک بڑے دھبے کی پیمائش میں مصروف تھے۔ علاقے میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ لوگ اپنا کام ٹارچوں کی روشنی میں کر رہے تھے۔

جب انھوں نے فوکس ویگن کے باہر نکالے جانے پر ہم سے کوئی تعرض نہیں کیا تو میں از خود اظہارِ خیر سگالی کے طور پر ان کے قریب گیا اور انھیں پیشکش کی کہ وہ چاہیں تو اپنا کام کرنے کے لیے ہم سے چند ایمرجنسی لائٹس مستعار لے لیں مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ ان میں سے ایک نے بتایا کہ سرور ہم لوگوں کو سڑی سڑی گالیاں دیتا ہوا واپس لوٹا تھا اور بھنا کر دوسرے ہی رخ پر چلا گیا تھا۔ اس لیے وہ ہماری کوئی مدد لے کر اس کے غصے کو دعوت دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

میدان صاف ہو جانے اور پولیس کے آجانے کے باوجود اہل ثروت لوگوں کی اس آبادی میں رہنے والوں نے اپنے گھروں سے باہر آنے کی زحمت نہیں کی تھی تاکہ خود کو گواہی و شہادت کے روایتی چکروں سے محفوظ رکھ سکیں۔ شاید انھوں نے ایسی ہی پابندی اپنے ملازمین پر بھی عائد کر دی تھی کیونکہ گنتی کے چند ہی پھاٹکوں پر اکا دکا چوکیدار نظر آرہے تھے، ورنہ سب غائب تھے۔

فوکس ویگن سے گلو خلاصی کے اس اہم مرحلے سے نمٹ کر میں نے کچھ دیر کے لیے غائب ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ تینوں ہی مضطرب ہو گئے۔ جہانگیر اس وقت گھر سے باہر جانے کے قابل نہیں تھا۔ سلمٰی ہر لمحے اس کے ساتھ رہ کر بجا طور پر اس کی دیکھ بھال کرنا چاہ رہی تھی لیکن ان دونوں کو ہی میری ذات سے ایسی ڈھارس تھی کہ وہ مجھے روکنے پر تُلے ہوئے تھے۔ اُدھر سلطان شاہ میرے تنہا جانے کے خلاف تھا اور خود میرے ساتھ نکلنا چاہ رہا تھا لیکن میری دانست میں اس کا جہانگیر اور سلمٰی کے پاس ٹھہرنا ضروری تھا تاکہ وہ کسی بھی ناگہانی صورت حال میں ان کو سہارا دے سکے۔

کافی بحث اور تمحیص کے بعد میں انھیں اپنی روانگی کی فوری اہمیت کے بارے میں قائل کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ غنیمت یہ تھا کہ گولیوں نے میری کار کی باڈی میں کئی سوراخ بنا دیے تھے لیکن اس کے ٹائر اور شیشے بالکل صحیح و سالم تھے۔

جہانگیر کے گھر سے نکل کر میں نے شیراڈ لیاقت آباد، فیڈرل بی ایریا اور سہراب گوٹھ جانے والے راستے پر ڈال دی۔ میرا ارادہ سہراب گوٹھ کے قرب و جوار سے ویرا سے رابطہ قائم کرنے کا تھا۔ ٹرانسمٹر کے علاوہ میرے پاس حفظ ماتقدم کے طور پر ایک بھرا ہوا پستول بھی تھا جو میں نے نشستوں کے نیچے اُڑسنے یا گلوز کمپارٹمنٹ میں چھپانے کے بجائے بونٹ کے نیچے ایک کھانچے میں رکھ کر ان پر میلا ڈسٹر ڈال دیا تھا۔ ان دنوں شہر فساد زدہ تھا۔ بہت سے علاقوں میں کرفیو نافذ تھا۔ اس لیے یہ امر یقینی تھا کہ اتنی رات گئے کہیں نہ کہیں پولیس کی کسی گشتی پارٹی سے میرا سامنا ہوتا اور پھر کار کی تلاشی لی جاتی۔

میرا تجربہ شاہد تھا کہ پولیس پارٹیاں عام طور پر ڈکی، ڈیش بورڈ کے خانوں اور نشستوں کی نچلی جگہ کی ہی تلاشی پر اکتفا کرتی تھیں۔ انجن والا حصہ عموماً ان کی توجہ سے محروم رہتا تھا۔ ہاں کسی پر پکا شبہ ہو جائے تو پھر پوری گاڑی کی ہی شامت آسکتی تھی۔ اسی وجہ سے میں نے ان دونوں غیر قانونی اشیا کو چھپانے کے لیے انجن والے حصے کا انتخاب کیا تھا۔

راستے میں گرومندر کے چوراہے پر پہلی بار میری کار روک کر تلاشی لی گئی پھر تین ہٹی کے چوراہے سے مجھے داہنی طرف گھوم جانا پڑا کیونکہ لیاقت آباد میں کرفیو نافذ تھا۔ پورے راستے پر خاردار تاروں کی باڑھ پھیلا کر صرف اتنی جگہ چھوڑی گئی تھی کہ ایک وقت میں ایک سمت میں صرف ایک گاڑی گزر سکتی تھی۔ ان رکاوٹوں کے عقب میں مسلح فوجی علاقے میں داخل ہونے والوں کے کرفیو پاس اور شناختی کارڈ چیک کر رہے تھے۔ کراچی جیل کے پھاٹک سے ذرا آگے ایگل اسکواڈ کے جوانوں نے دوسری بار کار کی تلاشی لی بالآخر میں حسن اسکوائر اور غریب آباد سے گزر کر سپر ہائی وے پر کریم آباد کے مقام پر نکل آیا۔

اس وقت سڑک ویران پڑی ہوئی تھی البتہ مال بردار وزنی ٹرک شہر میں داخلے اور شہر سے بیرونِ شہر روانگی کے لیے لیاقت آباد کے بجائے متبادل راستے اختیار کر رہے تھے۔

واٹر پمپ سے آگے نکل کر میں نے اپنی گاڑی بائیں جانب ایک گلی میں موڑ کر تاریکی میں روک لی۔ بونٹ اٹھا کر میلے ڈسٹر کے نیچے سے ٹرانسمٹر نکالا اور گاڑی دوبارہ آگے

بڑھا دی۔ میں چلتی ہوئی کار سے ویرا سے بات کر کے اسے
یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ میں اتنی رات گئے اس کے خوف سے
شہر کی سڑکوں پر بھٹک رہا ہوں اس لیے میں نے پہلا خالی
میدان نظر آتے ہی موقع پا کر کار اس میں اتاری اور ایک
زیرِ تعمیر یا متروک مکان کی اوٹ میں روک کر انجن بند کر دیا۔

میری پہلی ہی کال پر دوسری طرف سے ویرا نے
بذاتِ خود جواب دیا تھا۔

"تو میرے بعد تم کو بھی وہاں سے بھاگنا ہی پڑا۔" اس
کا لہجہ فخر آمیز تھا۔ "میں جانتی تھی کہ ان حالات میں تم وہاں
پولیس کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں کر سکو گے۔ میں دیکھ رہی
ہوں کہ تم اس وقت شہر کے مشرقی حصے میں مجھ سے کافی
دور پہنچے ہوئے ہو... اوور!"

"پولیس میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی لیکن ان کا سامنا کرنے
سے گریز ممکن ہو تو خطرہ مول لینا بے وقوفی ہے۔" میں نے
اسی کی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ
اس مقابلے میں تم زخمی ہو گئیں۔ اب تمہارے زخم کا کیا حال
ہے؟ اوور!" مزاج پرسی کے لیے میں نے ہمدردانہ لہجہ اپنایا تھا۔

"مجھے الو بنانے کی کوشش نہ کرو۔" وہ تلخ اور چڑچڑے
لہجے میں بولی۔ "اب ہمارے درمیان پرانے رشتے باقی نہیں
رہے ہیں۔ موقع ملا تو میں بے رحمی کے ساتھ تمہیں چھلنی کر
ڈالوں گی۔ اوور!"

"یہ اور بات ہے۔ اگر گولی تمہارے دل میں اتری ہوتی
تو مجھے ذرا بھی قلق نہ ہوتا لیکن زخمی کر کے اور سسکا سسکا کر
مارنا شاید میرے لیے ممکن نہ ہو۔ تم جیسی دلکش عورت کے ساتھ
میں ایسا ظالمانہ سلوک نہیں کر سکتا۔ جو کچھ ہوا، وہ اتفاقاً ہوا تھا۔
یہ بتاؤ کہ اب اگلی ملاقات کب ہو رہی ہے؟ اوور!"

"تمہارے ستارے اچھے ہیں کہ بات کچھ دن کے لیے
ٹل گئی ہے۔ میرے کئی آدمی مرے ہیں اور کئی زخمی ہوئے ہیں،
ان کی صحت یابی کا انتظار کرنا ہی پڑے گا۔ اس دوران میں
تم میری پیشکش پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکتے ہو۔ میری مصالحت
کی پیشکش اب بھی برقرار ہے... اوور!"

"ابھی چھلنی کیسے ڈال رہی تھیں، اب مصالحت کی
بات کر رہی ہو۔" میں نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔ "معلوم ہوتا
ہے کہ آج کے واقعے نے تمہارے اعصاب پر اچھے اثرات
نہیں چھوڑے ہیں... اوور!"

"مصالحت کی پیشکش تو آخر تک برقرار رہے گی تم چاہو
تو مرتے مرتے بھی اپنا مستقبل ہم سے وابستہ کر کے زندہ رہ
سکتے ہو۔ یہ میرا وعدہ ہے لیکن تم نے ہتھیار نہ ڈالے تو آ
میں ہی تم کو فنا کر دوں گی۔ میرے مزاج سے تم اچھی طرح
واقف ہو کہ میں جن کھلونوں سے اکتا جاتی ہوں انہیں بے
کے ساتھ توڑ دیتی ہوں۔ تمہارے بارے میں وہ ناخوشگوار
مرحلہ ابھی نہیں آیا ہے... اوور!"

"مگر میں اپنے کھلونے دوسروں کے لیے چھوڑ
ہوں۔ ہمارے بارے میں مشکل یہ ہے کہ ہم آج تک ایک
دوسرے کو یہی باور نہیں کرا سکے کہ کون کس کو بے وقوف
رہا ہے۔ تم اپنی جگہ برتری کے زعم میں مبتلا ہو اور میں خو
کو استاد سمجھ رہا ہوں۔ جب دونوں ہی خوش فہمیوں میں
ہوں تو کون کس کے سامنے ہتھیار ڈال سکتا ہے؟ اس
فیصلہ تو لڑ کر ہی ہو سکے گا... اوور!"

"شاید تم یہ ہرزہ سرائی اس خیال سے کر رہے ہو کہ تم
کمین گاہ میرے علم میں نہیں ہے لیکن تم میرے ہوٹل سے
واقف ہو اور جب چاہو گے مجھ پر چڑھ دوڑو گے لیکن
میں یہ واضح کر دوں کہ اب میں ہوٹل میں نہیں ہوں
میں نے کراچی میں اپنا ایک آپریشنل بیس بنا لیا ہے جہاں
تم پَر بھی نہ مار سکو گے... اوور!"

قدرت کی اس ستم ظریفی پر میں دل ہی دل میں ہنس
پڑا۔ میں نے اسے اس ارادے سے کال کی تھی کہ اسے ا
کے لوکیشن فائنڈر کے ذریعے یہ یقین دلا سکوں کہ میں مستقل
طور پر جہانگیر کے گھر پر مقیم نہیں ہوں اور وہ مجھے یہ یقین دلا
کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ ہوٹل میں نہیں ہے۔ شاید ہم دونوں

ایک دوسرے کے ساتھ ایک ہی چال چل رہے تھے۔ ا
مقابلے میں کامیابی اسی فریق کو نصیب ہو سکتی تھی جو ا
عزائم کو صیغۂ راز میں رکھتے ہوئے اپنے حریف کی چالوں
سمجھنے میں کامیاب رہتا۔

"تمہارے آپریشنل بیس سے میں اچھی طرح واقف
وہاں جانے والے ہمیشہ سرنگوں ہو کر ہی واپس آتے ہیں
تمہارا پیچھا کرنے کی کوئی مجبوری نہیں ہے کیونکہ میرا نشانہ
ہو بلکہ میری اصل پرخاش تمہارے باپ سے ہے۔ اب میں دوبا
لوگوں پر اپنا وقت ضائع نہ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ تمہارا
چاہے تو میرے فراق میں اپنا سر کھپاتی رہو۔ میں نے اپنا

بندوبست کیا ہوا ہے۔ اوور۔"

"میرا مقابلہ کرنے والے تمہارے اپنے آدمی تھے یا تم کسی سے مل گئے ہو؟ اوور!"

"کسی اور سے ملنا ہوتا تو شی کو ہی کیوں چھوڑتا؟ میں نے اپنی چھوٹی سی مگر ناقابلِ تسخیر فوج بنا لی ہے۔ تمہارے مقابلے میں گنتی کے لوگ اترے تھے جن کی کارکردگی کا تم خود اعتراف کر چکی ہو۔ تمہارے مرنے اور زخمی ہونے والوں کے مقابلے میں میرے صرف دو آدمی زخمی ہوئے ہیں اور پوری نفری اگلے کسی بھی راؤنڈ کے لیے پوری طرح تیار اور تازہ دم ہے۔ تم دشمنی پر اتر آئی ہو تو میری دشمن ہی بن کر رہو۔ دوستانہ لب و لہجہ اختیار کر کے تم میری زبان سے کوئی ایسی بات نہیں اگلوا سکو گی جو میں تم سے چھپانا چاہتا ہوں۔ نقارے پر چوٹ پڑ چکی ہے، ایک خونریز راؤنڈ ہو چکا ہے اس لیے اب بات آگے بڑھ چکی ہے۔ اوور!"

اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز ابھری جس میں شکست کا ایک موہوم سا احساس لرزاں تھا پھر اس کی رسیلی سی آواز سنائی دی "پہلے دوستی تھی اس لیے اب صرف دشمنی نہیں چل سکتی تم چاہو تو اسے دشمنی نما دوستی یا دوستی نما دشمنی کہہ سکتے ہو۔ کوئی لکیر کھینچ دی تو تم ہی خسارے میں رہو گے۔ اوور!"

"میرے خسارے کے بجائے اپنے فائدے کی فکر کرو گی تو تم اپنے دغاباز باپ کے سامنے جلد سرخروئی حاصل کر سکو گی۔ اوور!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اتنی بڑی بات نہ کہو!" اس کی آواز میں سرد مہری اور چیلنج تھا "پہلے میرا خیال تھا کہ صرف غزالہ تمہاری کمزوری ہے۔ اس کا دکھ تمہیں پریشان کر دیتا ہے۔ اس بار وہ تمہارے ساتھ ہے لیکن میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ جہانگیر بھی تمہارے لیے کم اہم نہیں ہے۔ اسے تم اپنی وجہ سے پریشانیوں میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ اسی لیے تم اس کے ساتھ نہیں رہ رہے ہو اگر ہمارے درمیان کھلی دشمنی ہی چل نکلی تو میں ان دونوں میاں بیوی کو اٹھوا کر ان پر ایسا ناقابلِ تصور تشدد کراؤں گی اور پھر شہر کی کسی سڑک پر پھنکوا دوں گی کہ تمہاری روح تک لرز اٹھے گی۔ جب تک تم ہاتھ نہیں آؤ گے ان کے ساتھ بار بار یہی ہوتا رہے گا۔ تم غزالہ کو لے کر تو کہیں بھی روپوش ہو سکتے ہو لیکن مصیبت زدہ خانہ بدوشوں کا پورا قافلہ جمع کر کے نہ تم خود پوشیدہ رہ سکتے ہو، نہ انھیں تحفظ فراہم کر سکتے ہو۔ جہانگیر کے گھٹنوں، ٹخنوں، کہنیوں اور ریڑھ کی ہڈی میں ڈرل مشین سے کیے جانے والے سوراخ اسے مردوں سے بدتر بنا کے رکھ دیں گے.... اوور!"

اس کا بتایا ہوا خاکہ سن کر میں جھرجھری لے کر رہ گیا اور چند ثانیے تک اسے جواب تک دینے کے قابل نہ ہو سکا۔ پھر تھکی ہوئی آواز میں بولا "تم واقعی جمی لائیڈ کی اولاد اور پکی بلیک میلر ہو۔ میرا خیال ہے کہ تمہارا نظریہ عملی حقیقت سے زیادہ قریب ہے...۔ اوور!"

"کس نظریے کی بات کر رہے ہو؟ اوور!" اس کی آواز ترش ہو گئی تھی۔

"دشمنی نما دوستی یا دوستی نما دشمنی کی!" میں نے بادلِ ناخواستہ اس کی کہی ہوئی بات دہرائی۔ "تم نے تو مثال کے طور پر اپنی طرف سے دی جانے والی ایک رعایت کا ذکر کر دیا مگر اس کے عوض مجھ سے کیا چاہو گی؟ اوور!" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"جب تک ہم دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر واضح طور پر غالب نہیں آ جاتا، تم اس ٹرانسمیٹر کے ذریعے مجھ سے رابطہ برقرار رکھو گے اور اب جاز فارماسیوٹیکل والے معاملے کو بالکل نہیں چھیڑو گے اگر تم نے مجھ کو زیر کر لیا تو وہ فیکٹری از خود ختم ہو جائے گی۔ اوور!"

'تو یہ چکر تھا ساری دوستی کا!' میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ ان لوگوں کے منصوبے میں اس فیکٹری کی کوئی کلیدی اہمیت تھی، جب ہی دلدار آغا کی موت کے بعد ویلا اس کے بارے میں سمجھوتا کرنا چاہ رہی تھی۔

"فیکٹری والی بات تو سمجھ میں آتی ہے۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "لیکن اس سزا کا جواز میری سمجھ میں نہیں آیا جو پولیس دس نمبری بدمعاشوں کو دیتی ہے۔ وہ روزانہ تھانے میں حاضری لگوانے کے پابند ہوتے ہیں اور مجھے ہر روز تمہیں ریڈیائی سلام کرنا ہو گا.... اوور!"

"تم بس اپریٹس آن رکھنا، سلام میں خود کر لیا کروں گی۔ اوور!"

"میں عقل سے بالکل ہی پیدل نہیں ہوں ویلا!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ٹرانسمیٹر آن رکھنے کا مطلب ہو گا کہ میں ہر لمحے تمہیں اپنی پوزیشن دیتا رہوں۔ اور تم لوکیشن فائنڈر کی مدد سے مجھے گھیر لو۔ میں صرف اتنا وعدہ کر سکتا ہوں کہ میں شہر میں موجود رہا تو تمہیں کال کرتا رہوں گا۔ ویسے اس اپریٹس کی رینج کیا ہے؟ اوور۔"

وہ بے اختیار ہنس پڑی تھی "تم شاید سوتے ہوئے بھی جاگتے رہتے ہو۔ اس اپریٹس سے سو کلومیٹر تک آسانی سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے تو کیا میں توقع رکھوں کہ تم جاز فارماسیوٹیکل کے خلاف کوئی تخریبی کارروائی نہیں کرو گے؟ اوور۔"

"جب تک تم جہانگیر اور اس کی بیوی کو تنگ نہیں کرو گی،"

میں اس فیکٹری کو بھولا رہوں گا۔ وہاں جو کچھ ہو چکا ہے' اس کے بعد میں اس فیکٹری کو مرکزی محکمۂ آب کاری کے ذریعے ختم کرانے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔۔۔ تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تمھارے زخم کا کیا حال ہے اور وہ کہاں آیا ہے؟ اوور۔"

"زخم نہیں، وہ معمولی سی خراش تھی۔ ایک گولی کولہے کی جلد سے مَس ہوتی ہوئی گزر گئی تھی۔ وہ چیخ درد کا نتیجہ نہیں تھی، بس اضطراری چوک ہو گئی تھی۔۔۔۔ اوور!"

"نشانچی بڑا باذوق تھا جو اندھیرے میں بھی اس نے کام دکھا دیا۔ ویسے تم نے چیخ نہ ماری ہوتی تو میں تم کو عورتوں کے زمرے سے بالکل ہی خارج کر دیتا۔ اپنی ساری مردانگی اور بہادری کے باوجود عورتیں ایسی ہی اضطراری حماقتوں کی بنا پر اپنا امتیاز برقرار رکھتی ہیں۔ اوور اینڈ آل۔"

میں نے اس کا جواب سنے بغیر ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ میں اپنی اس کال کا مقصد حاصل کر چکا تھا۔ بظاہر ویرا نے میری اس بات پر یقین کر لیا تھا کہ میں جہانگیر کے ساتھ نہیں رہ رہا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ویرا نے خود ہی جاز فارماسیوٹیکل کے بدلے جہانگیر کو تنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر کے میرے ذہن پر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا تھا۔ اس وقت جہانگیر کا سکون اور اس کی سلامتی میرے لیے بہت اہم تھی۔ جب کہ جاز فارماسیوٹیکل کے خلاف مزید کوئی کارروائی میرے بس سے باہر تھی۔ میں نے ایک روزنامے کے چیف رپورٹر کو فون پر دلدار آغا کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس کا ایک لفظ بھی کہیں شائع نہ ہو سکا تھا اور میری وہ بالواسطہ کوشش بری طرح ناکام ہو گئی تھی۔ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح صحافت کے میدان میں بھی شی والوں نے نہایت مضبوطی کے ساتھ اپنے پنجے گاڑے ہوئے تھے اور اگر میں جاز فارماسیوٹیکل کی بیخ کنی کے لیے کھل کر کسی سرکاری محکمے سے رابطہ قائم کرتا تو خود میرے خلاف فائل کھلنے کے قوی امکانات موجود تھے۔

اس طرح میں نے اپنی دانست میں ویرا کو کچھ بھی نہ دے کر اسے جہانگیر سے دور رہنے پر آمادہ کر لیا تھا اور وہ اس رات کے لیے میری بڑی کامیابی تھی۔

اس ویران میدان سے واپس جہانگیر کے گھر لوٹتے ہوئے میرا ذہن پھول کی طرح ہلکا ہو چکا تھا۔

دفتر میں اس دن سب ہی مطمئن اور خوش نظر آ رہے تھے۔ شہر کے بیشتر علاقوں میں بدستور کرفیو چل رہا تھا جس میں صبح اور شام کے اوقات میں وقفہ دیا جاتا تھا۔ اس لیے ٹریڈلائن کے دفتر سے ملحقہ رہائشی حصے میں مقیم عملے کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ڈیوٹی پر موجود تھے۔ مجرموں کی ایک تنظیم کے لیے کام کرنے والوں میں فرض شناسی کا وہ جذبہ میرے لیے قابلِ رشک تھا۔ ورنہ میں ایسے لوگوں سے بھی واقف تھا جو ملیر میں ہنگامہ ہونے کی خبر سن کر ناظم آباد میں اپنے گھر میں دبک کر بیٹھ جاتے تھے اور دفتری کام کی ذمے داریوں سے مکمل چشم پوشی کو اپنا حق تصور کرتے تھے۔

"ٹیلی فون آپریٹر اور دو ٹائپسٹوں کے علاوہ سارا ہی عملہ پچھلی رات والے مقابلے میں شامل تھا اس لیے آج سب خوش ہیں۔ رات کو ہمارے حریف کی نفری زیادہ تھی لیکن ہم شروع سے آخر تک ان پر حاوی رہے۔ میرا اندازہ ہے کہ ان کے کم از کم دو تین آدمی ضرور مرے ہوں گے جب کہ ہمارے صرف دو آدمیوں کو زخم آئے اور وہ بھی جلد ہی بھر جائیں گے۔" سینڈرو نے مجھے بتایا۔ اس وقت وہ میری طلبی پر میرے دفتر میں آیا ہوا تھا۔

مجھے حیرت ہوئی کہ میں نے ویرا کا مورال گرانے کے لیے اپنے نقصان کے بارے میں جو شیخی بگھاری تھی' وہ اتفاق سے درست ثابت ہوئی تھی اور اگر سینڈرو کے آدمی اپنی اس کارکردگی پر نازاں تھے تو انھیں اس کا حق حاصل تھا جس پر کوئی قدغن عائد نہیں کی جا سکتی تھی۔

"تم لوگوں کی کارکردگی قابلِ فخر ضرور رہی لیکن تم محدود نفری کی بنا پر شاید ابتدا سے ہی مدافعانہ جنگ لڑ رہے تھے جس کی بنا پر ان لوگوں کو پھاٹک توڑ کر گھر میں گھسنے کا موقع مل گیا۔ اگر اندر گولیوں کی باڑھ ان کا خیر مقدم نہ کرتی تو وہ دندناتے ہوئے عمارت میں گھس آتے۔" میں نے خوبصورتی کے ساتھ اس کا خمار اتارنے کے ارادے سے نرم الفاظ میں کہا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم اندر موجود ہو اور انھیں سنبھال لو گے ویسے بھی ہم ذرا تاخیر سے پہنچے تھے۔ وہ لوگ ہمارے اور مکان کے درمیان حائل تھے اس لیے ہمارے دباؤ کے نتیجے میں پسپا ہونے کے باوجود انھیں گھر میں گھسنے کا موقع مل گیا۔ اگر ہمیں مزید دس منٹ مل جاتے تو ہم ان کے سروں پر پہنچ کر اسی مکان کو ان کا قبرستان بنا دیتے۔ پولیس کار کے سائرن نے ہمارا کام خراب کر دیا۔"

"ان حالات میں تم اس سے بہتر کارکردگی دکھا بھی نہیں سکتے تھے۔" میں نے اس کے مدافعانہ جواب پر مربیانہ انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن وہاں ایک عورت کی بے ساختہ چیخ بھی سنائی دی تھی۔ وہ کون تھی؟" اس نے مجھ سے نظریں چار کیے بغیر تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ایک گولی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر ڈرائنگ روم کی اندر

وار میں گھس گئی تھی۔ اس پر جہانگیر کی بیوی خوفزدہ ہو کر چیخ
ی تھی۔" میں نے اطمینان سے کہا۔
"اوہ!" اس کا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ "مجھے
معلوم ہوا تھا جیسے وہ عورت کھلی فضا میں چیخی ہو۔ میرا خیال
ی مسز جہانگیر کی طرف گیا تھا۔ میں سمجھا تھا کہ دشمن کے آدمی
ید اسے قابو میں کر کے باہر لانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔
علوم ہوتا ہے کہ ڈی ڈی کے مر جانے کے باوجود معراج دین
کے حوصلے بلند ہیں۔"
"اس کا خیال کیسے آ گیا تمھیں؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔
"بجلی کے تار ٹوٹنے سے پہلے میں نے اس کے ایک آدمی
ی جھلک دیکھی تھی۔ وہ اقتدار کا بھوکا ہے اور اپنے علاقے میں
سی اور کا سایہ تک برداشت نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے کہ اب
وہ ڈی ڈی کی جگہ لینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسی لیے اس کی
وت کے بعد بھی تمھارے پیچھے لگا ہوا ہے۔"
"تم ہوش میں آ کر حقائق کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے
و۔" میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ "اخبارات میں ڈی ڈی
ہیں، دلدار آغا کی موت کی خبر شائع ہوئی ہے۔ تمھیں تو میرے
ذریعے معلوم ہو گیا کہ وہ کون تھا لیکن اس کے لیے کام کرنے
لے اس کی شخصیت سے لاعلم تھے۔ ان کے لیے وہ بس
ی ڈی ہی تھا۔ جب تک ان کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان کا آقا
ہنم واصل ہو گیا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اس کی جگہ لینے کا
صور نہیں کر سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ ماجے نے اپنی دانست میں ڈی ڈی
کے ادھورے کام کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہو۔" یہ ایک
چھی بات تھی کہ اس نے مقابلے کے دوران میں معراج دین عرف
ماجے کے آدمی کو پہچان لیا تھا جس کا مطلب تھا کہ ویرا اسی کے
دمیوں سے کام لے رہی تھی لیکن میں سینڈو کو ویرا کی آمد کی اطلاع
نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے ویرا کی چیخ کو سلمٰی کے
کھاتے میں لگا دیا تھا۔
اس میں شبہ نہیں کہ مقابلے کا کھلا آغاز ہو جانے کے
بعد میں پہلی فرصت میں ویرا کے فتنے کی مکمل سرکوبی کرنا چاہ رہا
تھا لیکن اسی کے ساتھ میرے دل کے کسی گوشے میں یہ بے سبب
سی خواہش بھی پوشیدہ تھی کہ کوئی اور اسے ہاتھ بھی نہ لگا پائے
اور اسے میں خود اپنے ہاتھوں سے کیفرِ کردار کو پہنچاؤں۔
"سچ پوچھو تو شروع میں میں اپنے اوپر تمھارے تسلط سے
خوش نہیں تھا۔" اس نے نظریں جھکا کر کھلے دل کے ساتھ کہا۔
"تمھارے آنے سے پہلے میں سیاہ و سفید کا مالک اور پوری
طرح خود مختار تھا۔ اپنی خوشی سے کوئی خود کو لگام نہیں لگواتا
لیکن تم نے آتے ہی چند روز میں ہر طرف اپنا سکہ جما لیا ہے۔
تم بہت دور تک سوچتے اور دیکھ لیتے ہو جب کہ میں
سامنے کی باتوں پر زیادہ مغز کھپانے کا قائل نہیں ہوں۔
معراج دین کا حوصلہ توڑنے کے لیے کیوں نہ اس کے آدمیوں
میں ڈی ڈی کے مرنے کی خبر پھیلا دی جائے؟"
"یہ تجویز قابلِ عمل ہے۔" میں نے اس سے اتفاق
کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ کام بہت احتیاط سے کرنا ہو گا۔
اس خبر کے سلسلے میں جو بھی سامنے آ گیا، وہ معراج دین کے
انتقام سے نہیں بچ سکے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے ڈی ڈی
سے تواتر کے ساتھ ایک معقول رقم حاصل ہوتی رہتی تھی۔"
"تم فکر نہ کرو۔ یہ کام تو میں بڑی خوش اسلوبی کے
ساتھ کر سکتا ہوں۔ میراں ناکے میں شیدی ٹھرّے کا خفیہ اڈا
چلاتا ہے۔ وہاں کسی کو بھنک بھی مل گئی تو آناً فاناً میں یہ
ڈی ڈی کی موت کی خبر ہر طرف پھیل جائے گی اور کسی کو معلوم نہیں
ہو سکے گا کہ خبر کہاں سے چلی تھی۔"
"یہ کام تم کر ہی گزرو۔" میں نے چند ثانیے کے توقف
کے دوران سوچتے ہوئے کہا۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح ویرا
کی قوت پر کاری ضرب لگائی جا سکتی تھی۔
اس کے چلے جانے کے بعد میں دفتر میں بیٹھا سگریٹیں
پھونکتا رہا۔ مجھے سیٹھ حبیب کی آمد کا انتظار تھا کیونکہ وہ بعد
کے بہت سے واقعات سے آگاہ نہ ہونے کے باوجود میرے
لیے بہت کچھ کر رہا تھا۔ دوسری طرف میں اسے اکسا کر معراج
دین سے مقابلے کی راہ پر ڈالنا چاہتا تھا تاکہ منشیات فروشوں
کے باہمی تصادم کے نتیجے میں شہر پر ان کی گرفت کمزور پڑ سکے۔
پھر اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ اس بھاگ دوڑ میں
میں غزالہ کو ایک بار پھر فراموش کر بیٹھا ہوں۔ سلطان شاہ کے
ساتھ تبادلۂ خیال میں یہ امکان بہت قوی نظر آیا تھا کہ کہیں غزالہ
مار دھاڑ میں بری طرح زخمی نہ ہو گئی ہو۔ جب تک اس کی
جان پر بنی رہی، وہ اپنے زخم کو بھول کر دیوانہ وار آزادی کی
جدوجہد کرتی رہی اور جب اسے آزاد فضا میں اپنی مرضی سے
سانس لینے کی مہلت ملی ہو گی تو اس کے زخم یا چوٹ نے اپنا
رنگ دکھانا شروع کر دیا ہو گا۔ اس بارے میں سلطان شاہ
نے دلدار آغا کی مثال دی تھی جو لیاقت آباد میں اپنی ہڈیاں
تڑوا کر کسی نہ کسی طرح میلوں دور ہاتھ آئی لینڈ تک پہنچنے میں
کامیاب ہو گیا تھا۔
اگر غزالہ واقعی شدید زخمی حالت میں کسی اسپتال میں
مسکن ادویہ کے زیرِ اثر صاحبِ فراش تھی تو میری بدنصیبی تھی

کہ میں ایک شہر میں ہوتے ہوئے بھی اس کی مدد کو نہیں پہنچ سکا تھا۔

میں نے اضطراری طور پر ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی اور اس میں سے نمبر تلاش کر کے ایک سرے سے شہر کے اسپتالوں کو فون کرنے شروع کر دیے۔

میں نے بڑی امید کے ساتھ اسپتالوں کو فون کرنے کے سلسلے کا آغاز کیا تھا لیکن ابتدائی چند ناکامیوں کے بعد میرا حوصلہ پست ہو گیا۔ ہر بار میں نے واضح تر شناخت کے سہارے سوالات کیے لیکن ہر بار جواب نفی میں ہی ملتا رہا اور رفتہ رفتہ شہر کے تمام سرکاری اور غیر سرکاری قابلِ ذکر اسپتالوں کی فہرست ختم ہو گئی مگر کہیں بھی غزالہ کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

غزالہ زندہ تھی، آزاد تھی اور اسی شہر میں تھی لیکن کہاں اور کس حال میں تھی، یہ میرے علم میں نہیں تھا اور اپنی بےبسی پر میرے دل میں ناقابلِ بیان کسک اُبھر اُبھر کر ماند پڑ رہی تھی۔

شاید میری یہ کیفیت میرے پورے وجود پر محیط ہو کر مجھے ناکارہ کر دیتی لیکن اسی لمحے انٹرکام کی گھنٹی نے میرے مہیب خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

انٹرکام پر سیٹھ حبیب جیوانی نے مجھے اپنی آمد کی اطلاع دی تو میں نے فوراً ہی دفتر چھوڑ دیا۔ اس کے دروازے پر سرخ روشنی نہیں جل رہی تھی۔ اس لیے میں نے دروازے کے دستے پر ہاتھ رکھا اور دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ اس روشن کمرے میں چیف حسبِ معمول میز کے عقب میں نیم تاریکی میں موجود تھا۔

"رات کیا رہا؟" رسمی مزاج پرسی کے بعد اس نے براہِ راست سوال کیا۔

"تمھاری محنت بار آور ہوئی اور پولیس پریشان کیے بغیر واپس چلی گئی۔"

"لیکن وہ چکر کیا تھا۔ پولیس تمھارے پیچھے کیسے لگ گئی؟" اس کی آواز پُرتجسس تھی۔

میں نے بلا تامل سینڈو کے خیالات دہرا دیے۔ "دلدار آغا مر گیا ہے لیکن اس کے لیے کام کرنے والوں کو ڈی ڈی کی موت کا علم نہیں ہو سکا ہے۔ اس لیے شاید معراج دین پچھلی ناکامی کا بدلہ لینے کے لیے کل رات کو پھر میرے دوست کے گھر پر چڑھ دوڑا تھا . . ."

"معراج دین۔" اس کی معنی خیز اور پُرخیال آواز اُبھری۔ "اس سے تمھیں ہوشیار رہنا ہو گا۔ مجھے اٹلی سے خبر ملی ہے کہ ویرا لائیڈ اور جمی لائیڈ کی صلح ہو چکی ہے۔ باپ نے اپنی بیٹی

کو دوبارہ شپ میں ملازم رکھ لیا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلدار آغا کی موت کے بعد ویرا ایک جہاز چارٹر کر کے میلان سے کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو چکی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے ادھر کا ہی رخ کیا ہو۔ وہ یہاں آئی تو لازمی طور پر معراج دین سے ہی مدد لے گی۔"

میں اس کی معلومات پر ششدر رہ گیا۔ اتنا باخبر آدمی مافیا کا چیف کہلائے جانے کا مستحق ہو سکتا تھا۔ غنیمت یہ تھی کہ اس کو ویرا کی پاکستان آمد کی حتمی اطلاع نہیں مل سکی تھی۔ ورنہ وہ ویرا کے بارے میں میرا جھوٹ فوراً ہی پکڑ سکتا تھا۔

"ویرا اگر یہاں آئی تو اس کا مطلب ہو گا کہ شپ والے پاکستان میں آسانی سے پسپائی اختیار نہیں کریں گے اور ہمیں انھیں ختم کرنے کے لیے کوئی بڑا آپریشن کرنا پڑے گا۔"

"اس بارے میں ہمیں زیادہ قیاس آرائیوں کی ضرورت نہیں۔" اس نے کاغذ کا ایک چھوٹا سا پُرزہ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ویرا کے جہاز کا رجسٹریشن نمبر اور ماڈل ہے۔ اگر کراچی آئی ہے تو اپنے جہاز کو کہیں نہ چھپا سکے گی۔ کراچی ائرپورٹ کے علاوہ وہ کہیں اور لینڈ نہیں کر سکتی۔ اپنے کسی آدمی کو جہاز کی نشان دہی پر مامور کر دو۔ اگر یہ جہاز ائرپورٹ کی کسی بےرن وے سے ملحق پارکنگ ایریا میں کھڑا ہوا ہے تو ہمیں ابھی سے ٹکراؤ کی تیاریاں شروع کر دینی چاہئیں۔ اس کا پہلا ہدف ڈی ڈی کا قاتل ہو گا۔ مجھے شبہ ہے کہ ویرا کل دن میں کراچی پہنچ چکی ہے اور اس نے اپنے کام کا آغاز کر دیا ہے۔"

میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ "یہ اندازہ کس بنا پر کیا ہے تم نے؟"

"تم ہی نے سینڈو کو اسرار رضوی کے قتل کی خبر دی تھی۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اسے واقعی بہت بےدردی سے مارا گیا ہے۔ تم دونوں اس کے قاتل کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکے لیکن میرا خیال ہے کہ اسے دلدار آغا سے غداری کرنے اور تمھارا ساتھ دینے کے الزام میں مارا گیا ہے۔"

"مگر وہاں تو میرے، دلدار اور اسرار کے علاوہ کوئی چوتھا فرد موجود نہیں تھا۔ پھر پردیس سے آنے والی ویرا کو اس کے کردار کا کیسے علم ہوا؟" میں نے اسے اُلجھانے کی نیت سے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"ان کے اپنے وسائل ہوں گے۔" چیف نے بےزاری سے کہا۔ "تم جہاز کے بارے میں معلوم کرو۔ تمھاری فراہم کردہ ہوئی معلومات کی روشنی میں ہی میرے اس نظریے کی تصدیق یا تردید ہو سکے گی۔"

"میں جہاز کا پتا لگا کر جلد از جلد تمھیں مطلع کروں گا۔" میں نے خلوص سے کہا۔

"مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔ اب تمھیں کچھ دن کے لیے نتائج اخذ کر کے خود ہی فیصلے کرنے ہوں گے۔ میں تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کیوں؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔ "کیا تم کہیں باہر جا رہے ہو؟"

"ایسا ہی سمجھ لو۔ میرے معاملے میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔" اس کا لہجہ غیر ارادی طور پر دھیما ہو گیا۔ "میرا ہم شکل جرمنی کی جیل میں میری جگہ سزا کاٹ رہا تھا، اس کا دل کے دورے میں انتقال ہو گیا۔ اس بارے میں اتنی احتیاط کی گئی تھی کہ سارے ریکارڈ میں میرے فنگر پرنٹس تک بدل دیے گئے تھے لیکن اس کی لاش کے پوسٹ مارٹم اور طبی معائنے سے پتا چلا کہ اس کے سارے دانت پورے اور اصلی تھے جبکہ میرے اگلے تین دانت مصنوعی ہیں۔ یہ بات ریکارڈ پر تھی اس لیے اب جرمن حکام میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ نیچے سے اوپر تک سب پریشان ہیں کہ اصل مجرم کی جگہ دوسرا آدمی کیسے جیل میں پہنچ گیا۔ اس بارے میں تفصیلی تحقیقات کے لیے وہاں سے ایک ٹیم کسی بھی وقت یہاں پہنچنے والی ہے جب تک یہ قصہ ختم ہو کر مطلع صاف نہیں ہو جاتا مجھے مکمل طور پر انڈر گراؤنڈ رہنا پڑے گا۔ میں کراچی کو خیرباد کہہ کر کسی غیر معروف صحت افزا مقام پر آرام کروں گا۔"

"اوہ! یہ تو بہت سنگین معاملہ نظر آتا ہے۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "لیکن تمھارے دانتوں کا معاملہ فائل پر کیسے آگیا؟ عام طور پر فنگر پرنٹس پر ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔"

"منشیات کی اسمگلنگ میں ملوث مجرموں کو وہ خطرناک تصور کرتے ہیں اور ہر مجرم کی طبی اور جسمانی ساخت کا مکمل ریکارڈ تیار کرتے ہیں تاکہ سزا پوری ہونے کے بعد بھی ضرورت کے وقت اس تک رسائی میں کوئی دقت نہ ہو۔ اپنے لوگوں کی اور بات ہے لیکن ان سفید بھیڑیوں کو جُل دینا آسان کام نہیں ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو تم بے فکر رہو۔ تمھاری غیر حاضری میں میں سارے معاملات پر نگاہ رکھوں گا لیکن باہر والوں سے مراسم کے بارے میں میں بالکل تاریکی میں ہوں۔"

"باہر والوں سے کوئی خاص رابطہ نہیں رہتا۔ البتہ ان میں سے کوئی ہم سے رابطہ کرتا ہے تو اسے شناخت کے لیے کوڈ دینا ہوتا ہے۔ صحیح کوڈ کے ذریعے اجنبی راز داں بن جاتے ہیں۔ میرا کوڈ خفیہ ہے لیکن تم سے بات کرنے والے مافیا کے بڑے ریگاٹا فور کا کوڈ استعمال کریں گے۔ اس کے بعد تم ان پر مکمل بھروسا کر سکو گے۔ تمھیں کسی مشکل مرحلے پر صرف ڈان تھری سے بات کرنے کا اختیار حاصل ہو گا۔ اس کا فون نمبر میں دے دوں گا۔ اسے بھی تم ریگاٹا فور کے کوڈ سے اپنی شناخت کراؤ گے لیکن یہ سمجھ لینا کہ ڈان تھری سے کوئی مدد یا مشورہ طلب کرنے کا مطلب عموماً اپنی ناطاقتی کا اعتراف ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ہمارے یونٹ کو مکمل خود مختاری ملنے میں تاخیر ہو سکتی ہے۔ اس لیے اسے بڑی مجبوری کے عالم میں ہی کال کرنا۔ مجھے پوری امید ہے کہ تمھیں میری غیر حاضری میں ایسی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے مجھے تفصیل سے پوری صورتِ حال سمجھا دی۔ اب میں ڈان تھری کے بغیر ہی گاڑی چلا لوں گا لیکن اسے یہ تو معلوم ہی ہو گا کہ تم فوری طور پر انڈر گراؤنڈ ہو رہے ہو؟"

"درحقیقت یہ قدم میں اسی کے مشورے سے اٹھا رہا ہوں۔" اس نے کھلتے ہوئے کہا۔ "مجھے اندازہ ہے کہ میں مشکل حالات میں تمھیں اکیلا چھوڑ کر روپوش ہو رہا ہوں۔ معراج دین کے آدمی شہر میں تمھاری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ اُدھر ویرا یہاں آگئی ہے یا آنے والی ہے۔ تمھیں چومکھی لڑائی لڑنی پڑے گی لیکن یہ یاد رکھنا کہ ہمارا اصل کام لڑائی بھڑائی نہیں بلکہ ہیروئن کی خرید اور نکاسی ہے۔ ایکسائز والوں کے چھاپے کے بعد سے ہمارا یہ کام عملاً ٹھپ پڑا ہوا ہے جبکہ ہمارے اخراجات اسی آمدنی سے چلتے ہیں اور اسی میں سے ملنے والے حصے کی مقدار سے اٹلی والے ہماری کارکردگی کا اندازہ لگاتے ہیں۔"

"فوری ضروریات کے لیے پیسہ کہاں سے آئے گا؟" اس کے یاد دلانے پر مجھے یہ اہم ترین سوال یاد آگیا۔ ایک معقول رقم کے بغیر میری عارضی سربراہی چار روز بھی نہیں چل سکتی تھی۔

"تجوری میں دس لاکھ روپے نقد موجود ہیں۔" اس نے ایک چابی میرے حوالے کرنے کے بعد ایک گوشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مال کی وصولیابی شناختی کاغذ سے ہوتی ہے۔ اس کی ادائیگی میں واپسی پر کروں گا لیکن فروخت کی رقم نقد وصول ہوتی ہے۔ ادھار مال لے کر نقد فروخت کرنے کے بعد تمھارے پاس ہر وقت پیسے کی ریل پیل رہے گی۔ چاہو تو مال کی وصولی اور نکاسی کا کام سینڈو کو ہی سونپ دینا۔"

"وہ اب راہِ راست پر آگیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس

کام کے لیے وہی بہتر رہے گا۔" میں نے کچھ دیر توقف کرنے کے بعد پوچھا "کلب اور یہاں کے اسٹاف کی تنخواہوں کا کیا ہوگا؟" مجھے رہ رہ کر وہ ساری عملی دشواریاں یاد آرہی تھیں جو بعد میں میرے لیے پریشانی کا سبب بن سکتی تھیں۔

"اس کے لیے باقاعدہ دفتری انداز ہے۔ آخری تاریخ کو تنخواہوں کے رجسٹر تمھارے پاس آئیں گے۔ ان کے مطابق ادائیگی کر دینا۔ کسی کو اس کی کارکردگی پر انعام دینا چاہو تو وہ اس کے علاوہ ہوگا۔ ان معمولات کے لیے سینڈو کارآمد ثابت ہوگا کیونکہ پہلے وہی سارے کام کرتا تھا۔"

"مال کی آمد کا علم کیسے ہوگا؟" مجھے خوشی تھی کہ سیٹھ حبیب کی ایک ذاتی الجھن کی وجہ سے مجھے فوری طور پر وہ سب کچھ جاننے کا سنہری موقع مل رہا تھا جو بصورتِ دیگر شاید برسوں بھی میرے علم میں نہ آسکتا تھا اور دوسری سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مافیا کی باگیں میرے ہاتھ میں آجانے کے بعد مجھے مافیا اور شی کو ایک تباہ کن معرکے میں الجھانے کی پوری آزادی میسر آجاتی۔

"مال کی آمد کا طریقہ بہت سہل ہوتا ہے۔ عام طور پر ایک ڈیلیوری کے وقت اگلی ڈیلیوری کے لیے شناختی کاغذ یا نوٹ کا ٹکڑا دے دیا جاتا ہے لیکن اولڈ کلفٹن والے چھاپے کی وجہ سے یہ سلسلہ ٹوٹ گیا ہے۔ اس لیے اب ٹریڈ لائن کے پتے پر ایک رجسٹری آئے گی۔ اس میں شناختی پرزے کے ساتھ ایک کاغذ پر ٹائپ کیا ہوا فون نمبر اور دو کوڈ ہوں گے۔ تم وہ نمبر ملا کر پہلا کوڈ دہراؤ گے۔ دوسری طرف سے دوسرا کوڈ بتا کر تمھیں مال کی ڈیلیوری کے وقت اور مقام سے آگاہ کر دیا جائے گا اور یہ سلسلہ پھر چل پڑے گا۔"

"تم مجھے بہت بڑے امتحان میں ڈال رہے ہو۔" میں نے تجوری کی چابی اپنی انگلیوں میں گھماتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔ "ذمے داریوں اور کام کی حد تک تو سب ٹھیک ہے لیکن پرائے پیسے کا معاملہ بہت خراب ہوتا ہے جو کچھ تم نے بتایا، اس سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں اس تجوری میں کروڑوں کی رقم آجائے گی۔ اول تو اس کی حفاظت کا بوجھ بہت بھاری ہوگا۔ پھر میں بھی انسان ہی ہوں، یہ میری نیت کا امتحان بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ اتنی رقم سمیٹ کر میں دنیا کے کسی بھی حصے میں سکھ کی زندگی گزار سکتا ہوں۔ جہاں نہ تمھارے ہاتھ مجھ تک پہنچ سکیں گے اور نہ ہی شی والوں کی چیرہ دستیوں کا کوئی خطرہ ہوگا۔"

گمبھیر فضا میں اس کی ہنسی کی آواز مجھے نامانوس سی محسوس ہوئی۔ "تجوری کی حفاظت کی فکر نہ کرو۔ اگر تم اسے مقفل کر بھول بھی گئے تو یہ محفوظ رہے گی۔ اس کا راز سینڈو کو بھی معلو ہے۔ کی ہول میں غلط چابی لگاتے ہی دروازے کے سوراخوں سے بہ یک وقت تین فائر ہوں گے جو تجوری پر آزمائی کرنے والے کو خون میں نہلا دیں گے۔ رہا تمھاری کے امتحان کا معاملہ تو مجھے اسی وقت پتا چل گیا کہ وہ صا تمھارے من میں کوئی کھوٹ ہوتا تو تم اس وقت اتنی بے تکل ساتھ رقم سمیٹ کر کہیں غائب ہونے کا ذکر نہ کرتے۔ ویسے احتیاطاً تم کو یہ بتا دوں کہ میں اپنی آمدنی کا ایک معقول حص ہی اٹلی والوں کو نہیں دیتا۔ ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ان سے تو یہاں ہے، جونک بن کر چمٹا ہوا ہے۔ مافیا کی یہ بڑ پرانی تاریخی روایت ہے کہ ان کا کوئی غدار آج تک ان کے سے نہیں بچ سکا ہے۔ اپنے مشن اور منصوبے میں ناکامی ک کے بڑے خندہ پیشانی سے قبول کر لیتے ہیں لیکن کسی کی اور بے ایمانی کے سدِباب کے لیے دیوانگی کی حد تک اپ سارے وسائل داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ افریقہ کے جنگلات جنوبی امریکا کی دشوار گزار وادیوں تک سے انھوں نے اپ مجرموں کو کھینچ نکالا ہے۔ اسی لیے جرائم کی دنیا میں مافیا ک بیٹھی ہوئی ہے۔ جو ایک بار ان کا ہو جاتا ہے وہ پھر مر کر سے جدا ہوسکتا ہے۔۔۔۔"

وہ بولتا رہا اور میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ م بارے میں ان لوگوں نے شدید دھوکا کھایا تھا۔ میں نہ ان مخلص تھا اور نہ ان کا وفادار۔ اس لیے ان کی برسوں پرا میرے ہی ہاتھوں لٹتی نظر آرہی تھی۔ رقم لے اُڑنے کی تو محض رسمی بات تھی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ میں کم پاکستان میں مافیا کی بنیادوں میں بارود بھرنے کا مصمم ارادہ تھا۔ جسے سیٹھ حبیب بھانپ ہی نہیں سکا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ اس کے ہوتے ہوئے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنا لیکن یہ میری خوش نصیبی یا مافیا والوں کی بدنصیبی تھی کہ سیٹھ حب جیوانی حالات سے بے بس ہو کر میرے لیے کھلا میدان چھ اندرونِ ملک روپوش ہو جانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ میرے ساتھ دیر تک گفتگو کرتا رہا اور پھر اچا ہی ایک بے تکا سوال کر بیٹھا۔ "دلدار آغا کی موت کے غزالہ کہاں ہے اور اب تمھارے دل میں اس کے لیے کتنی باقی ہے؟"

اس کی زبان سے یہ سوال سن کر میں دل ہی دل پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ مافیا میں حبیب جیوانی کی جو بھی

رہی ہو لیکن ایک بار ہیروئن کی اسمگلنگ میں ملوث ہونے کے بعد وہ امیرزادہ میری نگاہ میں دو ٹکے کے اُچکے سے زیادہ اہمیت کا حامل نہیں رہا تھا۔ اب یہ میرے مقدر یا حالات کی ستم ظریفی تھی کہ وہ میرے قطعی نجی معاملات میں بھی دخیل ہونے کی جسارت کر رہا تھا۔

"دلدار آغا نے اسے بہت بڑا فریب دیا تھا۔" میں نے ہمیشہ کے لیے اس کی غلط فہمی دور کرنے کی نیت سے پہلی بار اسے پورے پس منظر سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "پہلے غزالہ کو یقین دلایا گیا کہ میں زندہ نہیں ہوں پھر اس کے غنڈوں نے غزالہ کو اغوا کر کے اسے قید کرنے کا ڈراما رچایا اور پھر اس کے ساتھ دست درازی کا آغاز کر دیا۔ وہ ایک سوچی سمجھی اسکیم تھی جب غزالہ کو ہر طرف سے بے دست و پا کر کے اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب کر لی گئیں تو اچانک دلدار آغا ایک شریف اور دلیر آدمی کے روپ میں وہاں پہنچ گیا۔ جسے غزالہ کی چیخوں نے اپنی طرف متوجہ کیا تھا مصنوعی فائرنگ کے تبادلے کے بعد دلدار آغا کے آدمی غزالہ کو چھوڑ کر فرار ہو گئے اور دلدار آغا نے غزالہ کو اپنی شریفانہ تحویل میں لے لیا۔ میری زندگی سے مایوس ہونے کے بعد غزالہ اس دنیا میں بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ ایک جاں گسل معرکے سے بچ نکلنے کے بعد اس کی حیثیت گرم لوہے جیسی تھی جسے ایک ہلکی سی ضرب سے کسی بھی طرف موڑا جا سکتا تھا۔ اس مردود نے صورتِ حال کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اور محتاط انداز میں اس طرح پیش رفت کی کہ غزالہ اس کے کردار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور یوں وہ دونوں ازدواجی رشتے میں بندھ گئے۔ لیکن شادی کے بعد جب رفتہ رفتہ غزالہ کو دلدار آغا کے سیاہ کرتوتوں کے بارے میں اڑتی اڑتی خبریں ملیں تو وہ اس سے بدظن ہونے لگی۔ چند کھلے کھلے ثبوت سامنے آ جانے کے بعد اسے دلدار آغا سے اس قدر نفرت ہو گئی کہ عملاً ان کے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں رہا تھا اور غزالہ کافی عرصے سے دلدار آغا کے مکار ملازمین کی نگرانی میں اس کے مکان میں ایک قیدی کی طرح محصور تھی۔ اس کی موت کے بعد کیا صورت ہو سکتی ہے، اس کا تم خود اندازہ لگا سکتے ہو۔"

"اس دوران میں غزالہ سے تمہارا رابطہ برقرار تھا؟" میری کہانی اس کے لیے دلچسپی اور تجسس کا سبب ثابت ہوئی تھی۔

"دلدار کی مشکوک سرگرمیوں کے بارے میں غزالہ کے شبہات اپنی جگہ تھے لیکن بعض اہم مواقع پر میں نے اسے دلدار کے بارے میں ایسی معلومات بہم پہنچائیں جن کی بنا پر اس کے شبہات یقین میں بدل گئے اور وہ دلدار آغا سے متنفر ہوتی چلی گئی ..."

"اس کا مطلب ہے کہ اب اس کا جھکاؤ تمہاری طرف ہوگا۔"

"دلدار آغا ایک حادثہ بن کر اس کی زندگی میں داخل ہوا تھا اور اسی طرح نکل بھی گیا۔ غزالہ کو اپنی مشرقی اقدار کا پاس نہ ہوتا تو وہ بہت پہلے اس درندے کو چھوڑ کر میرے پاس آ گئی ہوتی۔ دلدار کی موت کے بعد وہ ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہو چکی ہے اور میں نے بھی دلدار آغا کو ایک ناخوشگوار حادثہ سمجھ کر بھول جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" میں نے آدھی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر غیر ارادی طور پر نئی سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا اور سیٹھ حبیب کی آنکھوں میں تجسس کے سائے گہرے ہو گئے۔

"یعنی اب وہ تمہارے ساتھ ہے؟" میری توقع کے برعکس اس نے یہ براہِ راست سوال پوچھ ہی لیا۔

"پھر اسے تمہارے خیال میں کہاں ہونا چاہیے؟" میں نے قدرے تیز لہجے میں الٹا اسی سے سوال کر ڈالا اور وہ میرے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اس نے پہلو بدل کر جلدی سے کہا۔ "نہ میں دوسروں کے ذاتی معاملات میں حد سے زیادہ دخل دینا پسند کرتا ہوں لیکن تمہارا اور غزالہ کا معاملہ زیرِ زمین دنیا میں بہت شہرت پا چکا ہے۔ پرانے لوگ کہتے ہیں کہ تم اس سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن شی والوں نے اختلافات کی بنا پر اسے اغوا کر کے بیرونِ ملک بھجوا دیا اور تم غزالہ کے پیچھے پیچھے باہر چلے گئے۔ طویل عرصے کے بعد شی کے حلقوں نے دلدار آغا اور غزالہ کی شادی کی خبر پھیلائی مگر اس وقت تک میرے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ دلدار ہی شی کا مقامی سربراہ تھا۔ میں تو اسے درمیانی سطح کا ایک محنتی کارکن سمجھتا تھا۔ اب سمجھ میں آتا ہے کہ دلدار نے اپنی شادی کی تشہیر کر کے ایک شعبے میں تم پر اپنی بالادستی ثابت کرنے کی بھونڈی اور غیر ضروری کوشش کی تھی اور وہی اس کے گلے پڑ گئی۔ اگر غزالہ کی شادی کا معاملہ تمہارے علم میں نہ آتا تو شاید تم اس پر زیادہ توجہ نہ دیتے اور وہ ابھی تک دندناتا پھر رہا ہوتا۔" وہ سانس لینے کے لیے لمحہ بھر کے لیے رکا پھر آہستہ سے بولا۔ "بس اسی داؤ پیچ کی وجہ سے میں تمہارے معاملے میں دلچسپی لے رہا تھا۔ دنیا میں نہ جانے کتنے لوگ ایک دوسرے سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں لیکن کوئی ان پر توجہ نہیں دیتا۔ لیکن لیلیٰ مجنوں کی کہانی آج بھی لوگ شوق سے پڑھتے اور اسکرین پر دیکھتے ہیں۔ ان دونوں کا عشق ادب میں ایک ممتاز مقام پا چکا ہے۔ ایسا ہی کچھ تھوڑا بہت تمہارے ساتھ ہوا ہے اس لیے مجھے امید ہے کہ میری مداخلتِ بے جا

کو معاف کر دو گے۔"

"ہمیں لیلیٰ مجنوں سے نہ ملاؤ۔" میں نے رسمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "چاہت اور دیوانہ وار عشق میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ہم دونوں ایک مدت تک ایک دوسرے سے دُور رہے لیکن نہ میں نے گریبان چاک کیا اور نہ غزالہ نے عقل و شعور کا دامن ہاتھ سے جانے دیا۔" آخری فقرہ میں نے اس کے ابتدائی سوال کا سلسلہ سرے سے منقطع کرنے کے خیال سے کہا تھا تا کہ میرے اعتراف یا انکار کے بغیر وہ بذاتِ خود یہ نتیجہ اخذ کر لے کہ فراق کے لمبے وقفے کے بعد آخر کار وصال کی گھڑی آ چکی تھی۔

سیٹھ حبیب جیوانی کو بہلا لینا ایسا محال اور ناممکن نہیں تھا۔ میں نے اپنی چرب زبانی سے اس کی زبان بند کرا دی تھی۔ لیکن غزالہ کا ذکر آنے پر میرے وجود کی گہرائیوں میں جو آگ بھڑک اٹھی تھی اس کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کرنا میرے بس سے باہر تھا۔

میں نے کہنے کو تو اس سے کہہ دیا تھا کہ ہم دونوں لیلیٰ مجنوں نہیں تھے لیکن اس کی زبان سے وہ موازنہ سننے کے بعد مجھے دل ہی دل میں مان لینا پڑا تھا کہ اس نے صحیح تمثیل کا سہارا لیا تھا۔ مجنوں شاید مکتب سے نابلد ایک سچا اور سادہ لوح عاشق تھا اس لیے جو محسوس کرتا تھا وہ اپنا گریبان چاک کر کے دنیا کو سناتا پھرتا تھا۔ ورنہ اس کے قلب پر بھی وہی واردات گزرتی ہو گی جو مجھے مضطرب کیے رکھتی تھی۔ میں جہاں دیدہ اور تجربے کار تھا اس لیے دل کا درد دل ہی میں لیے پھرتا تھا جس کا درماں غزالہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں تھا۔

"ٹریڈ لائن کا بھرم قائم رکھنے کے لیے میں درآمد کا تھوڑا بہت کام کرتا ہوں۔ میرے اسٹاف میں حامد تنہا اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اس کا کام صرف اتنا ہوتا ہے کہ مارکیٹ پر نگاہ رکھتے ہوئے ہارڈ ویئر کے آئٹموں کی ایل سی کھولتا رہے۔ آج کل رنگین مال کی درآمد میں سونا برس رہا ہے۔ اس کی ایک ایل سی پچھلے ہفتے کھولی گئی ہے۔ مال جاپان سے آ رہا ہے۔ اس کے بعد جیسا چاہو کر لینا۔" آخر کار اس نے موضوع بدل ہی لیا۔

"اس مال کی ذخیرہ اندوزی اور فروخت کا بھی تو کوئی انتظام کرنا ہوتا ہو گا۔" میں نے سوال کیا۔ "درآمدی تجارت یوں ہی کاغذوں پر تو نہیں چل سکتی۔"

"حامد اسی کام کا ماہر ہے۔ وہ وہی مال منگواتا ہے جو گودی میں جہاز لگنے سے پہلے نقد بک جاتا ہے۔ بازار میں جمالو نامی ایک دلال اس کے لیے کام کرتا ہے اور نفع کی رقم دے کر کاغذات پر ہی سودا کرا دیتا ہے۔ مال چھڑانے اور بیچنے کا کام خریدنے والی پارٹی خود کرتی ہے اس بارے میں تمہیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ اس دفتر کے اخراجات پورے کرنے کے لیے مجھے یہ چکر چلانا پڑتا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ اپنے اخراجات پورے کر کے ٹریڈ لائن ہر سال ایک لاکھ سے اوپر انکم ٹیکس بھی ادا کرتی ہے۔ یہ ڈھکوسلا نہ چلایا جائے تو بہت سے سرکاری ادارے ہماری آمدنی کے ذرائع دریافت کرنے کے لیے ہمارے پیچھے لگ سکتے ہیں۔"

"اگر یہ معاملہ حامد اور جمالو تک ہی محدود رہتا ہے تو ٹھیک ہے کیوں کہ ٹریڈنگ کے بارے میں میری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔" میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"ٹریڈنگ۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "ہیروئن کی اسمگلنگ نے تو خیر اس دور میں آمدنی کے سارے جائز اور ناجائز ذرائع کو مات کر دیا ہے ورنہ ٹریڈنگ وہ فن ہے جو آدمی پوری طرح جانتا ہو تو محض ہزاروں کی پونجی سے لاکھوں کما سکتا ہے اور یہ ساری آمدنی قانونی ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بھاری انکم ٹیکس بچانے کے لیے خود ہی کھاتوں میں ردوبدل کر کے آدمی دھن کو کالا دھن بنانے میں لگ جائے۔"

"اتنی عمر گزار لی ہے، جو باقی رہ گئی ہے، وہ بھی گزر ہی جائے گی۔ مجھے ایسے فن سیکھنے کا شوق نہیں۔ ہزاروں سے لاکھوں کمانے کی آرزو کرنا تجارت نہیں قزاقی ہوتی ہے۔ بات در اصل یہ ہے کہ جو جس پیشے سے روزی کماتا ہے اسے فن اور ہنر بلکہ عبادت تک کا درجہ دینے لگتا ہے۔ قاتل انسانی خون بہانے کی باریکیوں اور نزاکتوں کو فن کہتا ہے۔ تم ہیروئن کی بیرونِ ملک اسمگلنگ کے نادر طریقوں کو ہنر کہتے ہو گے اور جیب تراش اپنے شکار کو کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر اس کی جیب کاٹ لینے کو آرٹ اور فن قرار دیتا ہے لیکن میری دانست میں کسی بھی پیشے کے معیار اور تقدس کے بارے میں صحیح رائے وہی فریق دے سکتا ہے جو فن کے مظاہرے سے فوراً اور براہِ راست متاثر ہوتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن فی زمانہ کسی بھی فن، ہنر اور پیشے کو ناپنے کا معیار صرف پیسہ بن کر رہ گیا ہے۔ جتنا زیادہ کما لیتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ کامیاب اور معزز بن جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ اس کا پیشہ دوسروں کے لیے قابلِ تقلید بن جاتا ہے۔"

"ایسا نہیں ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "طوائف کسی قابل سرمایہ کاری کے بغیر بار پیسہ کے ساتھ بہت کچھ کماتی ہے مگر کتنی عورتیں ہیں جو اس کی تقلید کرتی ہیں؟ ڈاکو کسی سرمایہ کاری کے بغیر ایک ہی ہلے میں لاکھوں اڑا لے جاتے ہیں لیکن کتنے لوگ اپنے بچوں کو ڈکیت بنانے کی آرزو کرتے ہیں؟ ہمارا معاشرہ ابھی

تباہ نہیں ہوا ہے کہ صرف پیسہ زندگی کی ساری زندہ قدروں کو بہالے جائے۔ جو لوگ اپنی سرمایہ کاری پر کئی گنا نفع کمانے ہیں وہ بھی عمر بھر گھاٹے کا رونا روتے نظر آئیں گے تاکہ معاشرے میں ذخیرہ اندوز اور منافع خور جونکوں کی طرح نہ پہچانے جائیں۔ میں تو جس تاجر سے ملا ہوں وہ مندی اور گھاٹے کا سوگ مناتا ہوا نظر آیا ہے' اس کے باوجود ان کا سرمایہ اور جائدادیں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں کچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ سب کہاں سے آتا ہے۔"

"تمھارے تجربات بہت تلخ اور محدود معلوم ہوتے ہیں۔"
وہ خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اس بحث کو یہیں ختم کر دیا جائے تو بہتر رہے گا۔ میرے گھرانے کا تعلق بھی نامور کاروباری برادری سے ہے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے آبائی پیشے میں اپنا مستقبل تباہ کر لیا۔ ان لوگوں کو تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ یہ حقیقت ہے کہ کمانے کے ساتھ ہی تجارت میں کبھی کبھار گنوانا بھی پڑتا ہے۔"

"پھر ختم کرو اس قصے کو!" میں نے اسی کی بات کا سہارا لے کر کہا۔ "تم نے ویرا کی آمد کا شبہ ظاہر کر کے مجھے تھوڑا سا پریشان کر دیا ہے۔ میں سینڈو کو اسی وقت ائرپورٹ پر ویرا کے جہاز کا کھوج لگانے بھیجتا ہوں۔ وہ آگئی ہے تو اب وقت مصروفیت میں گزرے گا۔"

"اب تم مجھ سے آملے ہو' بلکہ میرے دستِ راست بن گئے ہو تو مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ پاکستان میں اور بیرونِ ملک بھی میں نے تمھارا بہت شہرہ سنا تھا اور اب تم میرے روبرو موجود ہو اسی طرح میں نے مافیا کے بڑوں سے ویرا کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے۔ وہ تشی میں تھی تو اس نے بڑے کام دکھائے۔ پاکستان کے قبائلی علاقے میں ایک ماہر جرمن کیمسٹ کی مدد سے ہیروئن تیار کرنے کی پہلی فیکٹری بھی اسی نے لگائی تھی اور جب اس کی اپنے باپ سے ٹھن گئی تو اس نے اسے بھی تگنی کا ناچ نچا کر رکھ دیا۔ مجھے اپنی سلامتی کے ڈر سے روپوش نہ ہونا پڑتا تو میں ویرا سے ضرور ملتا۔ وہ تمھارے ہاتھوں ماری گئی تو میری یہ حسرت دل ہی میں رہ جائے گی۔"

"موقع ملا تو تمھاری خاطر اسے زندہ پکڑنے کی کوشش کروں گا۔"

"بہت خوبرو، خوش مزاج اور خوش ذائقہ لڑکی ہے۔ تمھیں واقعی اس سے ملنا چاہیے۔"

"میرے بارے میں کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔ عورتوں کے معاملے میں میرا دامن صاف ہے۔ مجھے اپنے گھر کا سکھ میسر ہے اس لیے کبھی کسی پرائی عورت میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوئی۔" اس نے میرے تبصرے پر جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی وہ باضابطہ طور پر پرائی نہیں ہوئی ہے۔ خود کو مس کہتی ہے۔ تم اسی قدر درویش ہو تو پھر ویرا کی لاش کی ممی بھی تیار کی جاسکتی ہے۔ کم از کم اسے دیکھ تو لوگے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب تم جاؤ۔" اس نے کرسی چھوڑتے ہوئے کہا پھر یوں چونک کر بولا جیسے اچانک کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔ "تمام سرکاری اور قانونی ضروریات کے لیے یہ یاد رکھنا کہ ٹریڈ لائن کا مالک سینڈو ہے۔ میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"یہ کیوں؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "تم نے اسے ضرورت سے زیادہ سر چڑھا رکھا ہے۔ اگر وہ تمھاری دی ہوئی ان رعایتوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے تو اس میں اسے زیادہ قصوروار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ بھی یہی کچھ کرتا۔"

"تم میری مجبوری کو بھول جاتے ہو!" اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔ "قانونی طور پر اس وقت بھی میں پاکستان میں موجود نہیں ہوں۔ مجھے جرمنی کی جیل میں ہونا چاہیے تھا۔ اسی وجہ سے میں اپنے نام سے پاکستان کی سرزمین پر کوئی قانونی لین دین نہیں کرسکتا۔ میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ جیل سے اپنے فرار کے سلسلے میں میں نے صرف اپنی بیوی کو اعتماد میں لیا ہے۔ میرے والدین بھی ابھی تک میرے فرار سے لاعلم ہیں ایسی صورت میں میں ٹریڈ لائن کے لیے کس کا نام تلاش کرتا ہے لے دے کر سینڈو ہی نظر آتا تھا۔"

"سینڈو' سینڈو' سینڈو!" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "تم اپنا نام بھی بدل سکتے تھے۔ چند سو روپے خرچ کر کے جب غیر ملکی یہاں کی اصلی شناختی دستاویزات بنواسکتے ہیں تو تمھیں کیا دشواری تھی' تم تو اسی دھرتی کے فرزند ہو۔ ایسی جعل سازیوں پر تمھارا بھی حق بنتا ہے۔"

"عملاً ایسا ہی ہوا۔" اس نے کہا۔ "ہر جگہ نام سینڈو کا ہے اور دستخط میں کرتا ہوں۔ یوں سمجھ لو کہ میں نے اپنا نام سینڈو رکھ لیا ہے۔ میرے دستخط کے بغیر وہ کچھ نہیں کرسکتا...!"

"لیکن اسی طرح وہ جب چاہے تمھیں اپنا بستر بوریا لپیٹنے پر مجبور کرسکتا ہے۔ وہ ٹریڈ لائن کی سرگرمیوں سے اپنی برأت کا اعلان کر دے تو تمھارے دستخط بے معنی لکیروں کی حیثیت اختیار کرلیں گے۔"

"ہاں' بس یہی خرابی ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔ "میں نے یہ بندوبست اسی لیے کیا تھا کہ کسی وقت وہ میرے اثاثوں پر قابض نہ ہوسکے۔"

میں خاموش ہوگیا۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ خود کو سادہ لوح اور معصوم ظاہر کر کے دوسروں کی ہمدردیاں بٹورنا اس کا شیوہ تھا ورنہ درحقیقت وہ اتنا احمق نہیں تھا جتنا خود کو ظاہر کرتا تھا۔ احمق سینڈو تھا جو اپنے مالک کا احسان مند تھا کہ اس نے سینڈو کو اپنے کاروبار کا مالک بنایا ہوا تھا جب کہ وہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ اس کی دُم ہر وقت سیٹھ حبیب کے جوتے کی زد میں رہتی تھی۔ وہ جب چاہتا اسے ایڑی سے مسل کر کسی باؤلے اونٹ کی طرح بلبلانے پر مجبور کرسکتا تھا۔

وہ محفل وہیں ختم ہوگئی سیٹھ حبیب نے میری کامیابی کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے گرمجوشی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ کیا اور میں اس کے کمرے سے نکل آیا۔

اپنے دفتر میں پہنچ کر میں نے سوچا کہ میں سیٹھ حبیب سے اپنے مشاہدے کے بارے میں پوچھنا بھول گیا تھا۔ میں نے دوبارہ اس کے دفتر کا رُخ کرنے کے بجائے ہاٹ لائن کا ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف وقفے وقفے سے گھنٹی بجتی رہی لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

غالباً سیٹھ حبیب مجھے رخصت کرتے ہی خود بھی دفتر سے روانہ ہوگیا تھا۔

میں نے اس کی گفتگو سے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ جرمنی کی جیل میں اپنے ہم شکل کی ناگہانی موت کے نتیجے میں شروع ہونے والی قانونی کارروائیوں سے بُری طرح خوف زدہ تھا اور شاید فوری طور پر شہر چھوڑ کر کہیں اور جانے کا مصمم ارادہ کرچکا تھا اس لیے میں نے سوچا کہ میں قدرت کی طرف سے ملنے والے اس سنہری موقع سے بھرپور فائدہ کیوں نہ اُٹھاؤں؟

دفتر کے بلکہ مافیا کے تمام کارندوں سے میرا تفصیلی تعارف ہوچکا تھا اور مجھے ان میں سے کئی کے نام بھی یاد ہوچکے تھے لیکن جو بے تکلفی سینڈو کے ساتھ تھی کسی اور کے ساتھ نہیں تھی اس لیے میں نے اسی کو اپنے دفتر میں بلوالیا۔

"تمہارے آدمیوں میں جو سمجھدار ہو اسے ائرپورٹ روانہ کردو" میں نے سیٹھ حبیب سے ملا ہوا رقعہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے اس نمبر کے جہاز کے بارے میں معلوم کرنا ہے آیا کراچی پہنچا ہے یا نہیں اور اگر پہنچا ہے تو کب پہنچا ہے؟ کہاں پارک کیا گیا ہے؟ اس سے آنے والوں کی تعداد کتنی ہے؟ وہ لوگ کب تک واپسی کا ارادہ رکھتے ہیں؟ مجھے یہ ساری متعلقہ معلومات جلد از جلد درکار ہیں۔"

"میں حامد کو بھیج دیتا ہوں۔ وہ سرکاری دفاتر میں لوگوں سے مل بیٹھنے میں خاصا ماہر ہے۔ وہ پورا کھوج نکال لے آئے گا۔" اس نے رقعے کے مندرجات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"یہ حامد وہی تو نہیں جو ہماری درآمدی سرگرمیوں کی دیکھ بھال کرتا ہے؟" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

سینڈو کی آنکھوں میں حیرانی تیر گئی "تم حیرت ناک تیزی کے ساتھ ہمارے تنظیمی ڈھانچے کے بارے میں جانتے جارہے ہو مجھے خوشی ہے کہ میرے اوپر آنے والا مجھ سے بہتر صلاحیتوں کا مالک ہے۔"

"یہ گھسا پٹا خوشامدانہ جملہ تیسری بار مجھے سنا رہے ہو۔" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا "یہ طے ہوچکا ہے کہ میں ہر لحاظ سے تم سے بہتر ہوں۔ دو فیصد فرق کا اعتراف تو تم نے خود ہی کیا تھا۔ اس لیے اس طے شدہ بات کا بار بار دُہرانا فضول ہے۔"

"آئندہ احتیاط رکھوں گا۔" میری تادیب پر وہ فوراً ہی سنجیدہ ہوگیا۔

"میں فوری طور پر معراج دین کی گوشمالی کا ارادہ رکھتا ہوں تاکہ اسے اس قدر مفلوج کردوں کہ چند ہفتوں تک وہ میرے خلاف کسی مہم جوئی کا خیال اپنے دل میں نہ لاسکے۔"

"میرے لیے جو حکم ہو میں حاضر ہوں۔"

اس کے سعادت مندانہ جواب پر میں چڑ گیا۔ "بولو گے تو رائے زنی، تعریف اور تنقیص کرو گے ورنہ کاٹھ کے اُلو کی طرح کھوپڑی ہلاتے رہو گے۔ میں نے تمہیں مطلع نہیں کیا ہے بلکہ اس معاملے میں تمہاری رائے مانگی ہے۔ جو کچھ ذہن میں آتا ہے کُھل کر کہتے چلے جاؤ۔"

"وہ تمہیں ڈی ڈی یا دلدار آغا کا نشانہ سمجھ کر جہانگیر کے گھر پر چڑھ دوڑا تھا۔" اس نے قدرے توقف کے بعد دھیمی آواز میں کہا "اسے پیغام بھجوا دو کہ اب تم مافیا کے ساتھ آملے ہو تو اس کا سارا جوش اور غصہ سمندر کے جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا۔ ویسے بھی پچھلی رات کے مقابلے میں اس نے خاصا نقصان اٹھایا ہے۔ تمہارا پیغام ملنے کے بعد وہ دوبارہ اِدھر کا رُخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔ میری عقل ذرا موٹی ضرور ہے لیکن تمہاری دعاؤں سے شہر میں میرے آدمیوں کی ایک دھاک اور ساکھ قائم ہے۔"

"یہ سردانگی کے خلاف ہوگا۔" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا "یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی بچہ اپنے حریف سے مار کھانے کے بعد اپنے ماموں کے پاس جا کر کھڑا ہوجائے اور اپنے حریف سے کہے کہ اب تو نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا تو میرے ماموں تیرے دانت توڑ دیں گے۔ اس قضیے کو میں مافیا کا نام درمیان میں لائے بغیر اپنے طور پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ وہ باز نہ آیا تو پھر کچھ سوچیں گے"

"پھر تو اسے اس کے گھر میں گھس کر مارنا ہی زیادہ بہتر

گا۔اس نے اپنے اڈے کو ناقابلِ تسخیر قلعہ بنایا ہوا ہے جس کے گرد اس کے آدمی دن رات پہرا دیتے ہیں۔"

"تو پھر تیاری شروع کر دو۔ ہم تھوڑی دیر میں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

میری بات ختم ہو جانے پر اس نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی۔ اس کے چہرے سے تذبذب کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

"کیا بات ہے؟ کچھ پریشان نظر آ رہے ہو؟" میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"برا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟"

"کہہ ڈالو، میں برا صرف احمقانہ اور خوشامدانہ باتوں کا مانتا ہوں۔" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر اس کی حوصلہ افزائی کی نیت سے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"مجاہد گل خان ادھر گیا تھا اور دن دہاڑے مارا گیا۔" اس نے بظاہر کوئی لمبا اسٹارٹ لیا تھا۔ "اس علاقے میں دن کے وقت بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے اور عام لوگوں میں مل کر کسی دشمن کا ان کے ٹھکانے تک پہنچنا آسان ہوتا ہے۔ اس لیے دن میں ماجے کے کتے چوکنے رہتے ہیں اور اس راستے پر آنے والے ہر مشتبہ یا نئے شخص پر اس وقت تک نظر رکھتے ہیں، جب تک کہ وہ اڈے کے قریب سے گزر کر راستے کی دوسری جانب نہ نکل جائے۔ میرا خیال ہے کہ رات کے وقت وہ غیر محتاط ہو جاتے ہوں گے۔ ان میں چرسی اور نشے باز بھی ہیں جو رات ہوتے ہی ٹھرے کا پوا پی کر اوندھے ہو جاتے ہوں گے۔ اگر ہم رات کا پروگرام رکھیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔"

میں نے ایک لمحے کے لیے اس کے مشورے پر غور کیا پھر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "رات کو انھیں بھی ہم پر گولیاں چلانے کی آزادی ہو گی۔ دن کو بھیڑ بھاڑ میں وہ کسی ایک آدمی کو تو تاک کر نشانہ بنا سکتے ہیں لیکن ہمارے غول کے سامنے ان میں سے کوئی نہیں رکے گا۔ تم تیاریاں کر لو لیکن ہم شام کو دھندلکے کے وقت اپنی کارروائی کا آغاز کریں گے۔ وہ لوگ تمھارے آدمیوں میں سے کس کس کو پہچان سکتے ہیں؟"

"تم جانتے ہو کہ اپنی دانست میں تو ہر ایک پُراسرار بننے کی کوشش کرتا ہے لیکن زیرِ زمین دنیا میں ایک دوسرے سے کچھ کہے یا پوچھے بغیر ہر ایک جانتا ہے کہ کون کس کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ ماجے کے آدمی ہم سب سے ہی اچھی طرح واقف ہوں گے۔ اگر وہ ہماری ٹولی میں سے کسی کو بھی نہ پہچان سکے تو یہ ان کی صریح بدقسمتی اور نااہلی ہو گی۔"

"اپنی شناخت کے بارے میں اسی قدر پُریقین ہو تو احتیاطاً سب لوگوں کے لیے نقابوں کا بندوبست کر لینا۔ آج میں ماجے کا دماغ درست کرنا چاہتا ہوں۔"

"ڈی ڈی کی موت کے بعد اس کا سر کچلنا ضروری ہو گیا ہے۔" اس نے حسبِ عادت پھر تبصرہ کر ڈالا لیکن اس بار میں نے اسے ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا۔

برا یا بھلا، وہ جو کچھ بھی تھا اسے اس کی فطرت اور عادتوں کے ساتھ قبول یا مسترد کرنا تھا اور اس مرحلے پر خصوصاً سیٹھ حبیب کی غیر حاضری میں مافیا کے کاروبار کو چلانے کے لیے سینڈو کا ساتھ ہونا ناگزیر تھا ورنہ میرا کامیابی سے آگے بڑھتا ہوا مشن وہیں ناکام ہو سکتا تھا۔

اسی وقت مجھے اپنی جیب میں پڑے ہوئے ویرا کے ایئر پیس میں ہلکی سی تھرتھراہٹ کا احساس ہوا جو ایئر پیس آن مگر آواز بالکل بند ہونے کی وجہ سے کال سگنل موصول ہونے کا اشارہ تھا۔

"ٹھیک ہے تم جا کر تیاری کرو، باقی باتیں بعد میں بتاؤں گا۔" میں نے اسے وہاں سے رخصت کرنے کی نیت سے کہا اور وہ فوراً ہی واپس لوٹ گیا۔

اس کے باہر نکلتے ہی میں نے اپنے جیکٹ کی جیب سے ایئر پیس گھما کر تھوڑی سی آواز کھولی تو لحظہ بھر بعد ہی ویرا کی آواز سنائی دی جو مجھے کال کر رہی تھی۔

میں اس کال کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ ٹرانسمٹنگ بٹن کی طرف بڑھتی ہوئی، میری انگلی ایک اضطراری خیال کے تحت درمیان میں ہی رک گئی۔

پچھلی رات جہانگیر کے گھر پر ہونے والے خونریز تصادم کے دوران میں وہیں سے ویرا سے کئی بار ٹرانسمٹر پر بات ہوئی تھی۔ ویرا سمجھ رہی تھی کہ میں جہانگیر کے پاس مقیم تھا اس لیے اُس کے اس تاثر کو ختم کرنے کی نیت سے میں نے، مقابلہ ختم ہو جانے کے بعد، جہانگیر کے گھر سے میلوں دور، فیڈرل بی ایریا جا کر ایک ویران میدان سے ویرا کو ٹرانسمٹر پر کال کی تھی اور اس کے لوکیشن فائنڈر کے ذریعے اسے یہ دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ میں اسی علاقے میں مقیم تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں نے صرف اسے دھوکا دینے کے لیے اتنی دور آنے کی زحمت کی ہو گی۔

اگر میں اس وقت ویرا کی کال کا جواب دے دیتا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں تھا کیونکہ ٹریڈ لائن کا دفتر جہانگیر کے گھر سے بہت دور بولٹن مارکیٹ کے مصروف کاروباری علاقے میں واقع تھا لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ اس بار بھی ویرا سے کسی اور جگہ کے بجائے فیڈرل بی ایریا سے ہی بات کی جائے تاکہ اسے میری کمین گاہ کے بارے میں کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

اگر میں اس وقت اس کی کال کا جواب نہ دیتا تو مجھے یقین تھا کہ وہ وقفے وقفے سے اس وقت تک مجھے کال کرتی رہے گی جب تک

میری طرف سے اُسے جواب نہ مل جاتا۔

"میں نے اسی وقت دفتر چھوڑ دیا اور وہاں سے تیز رفتاری کے ساتھ فیڈرل بی ایریا کے لیے روانہ ہو گیا چلتے ہوئے میں نے ٹیلی فون آپریٹر کو بتا دیا تھا کہ مجھے تھوڑی دیر بعد واپس لوٹ آنا تھا۔

دن کا وقت تھا اس لیے شہر سے واپس جانے والا ٹریفک خاصا کم تھا اس لیے مجھے اپنی تیز رفتار برقرار رکھنے میں دشواری پیش نہیں آئی لیکن فاصلہ طویل تھا اس لیے میرے قیاس کے عین مطابق راستے میں دو بار ویرا کی کال کا اشارہ ملا مگر میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اس علاقے میں پہنچ کر میں نے سیدھا اسی میدان کا رخ کیا جہاں ایک زیر تعمیر مکان کی اوٹ سے پچھلی رات ویرا سے بات کی تھی مگر مجھے دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ خنک ہواؤں میں نیچے چمکتی ہوئی دھوپ سے لطف اندوز ہونے کے لیے اس میدان میں کرکٹ کھیل رہے تھے۔ شہر میں دلدار آغا کے برپا کرائے ہوئے بھیانک فسادات کے بعد شہر کے دوسرے حساس علاقوں کی طرح اس علاقے میں بھی زندگی کے معمولات درہم برہم سے نظر آتے تھے اور شاید اسکول بھی بند تھے کیونکہ تمام خالی گلیوں اور گزرگاہوں پر کھلاڑی بچے قابض نظر آ رہے تھے۔

وہ صورت حال دیکھ کر میں لمحے بھر کے لیے چکرا کر رہ گیا اور مجھے اپنی وہ لمبی دوڑ رائگاں جاتی ہوئی نظر آنے لگی مگر پھر فوراً ہی خیال آیا کہ فاصلہ کم ہوتا تو پوزیشن کی تبدیلی لوکیشن فائنڈر پکڑ سکتا تھا لیکن طویل فاصلے کی صورت میں پچیس پچاس گز کا فرق زاویے پر بہت کم اثر انداز ہوتا اس لیے میں نے قرب و جوار میں کسی طرف ایسے پرسکون ٹھکانے کی تلاش شروع کر دی جہاں میں کسی کی نظر میں آئے بغیر ویرا سے ٹرانسمیٹر پر بات کر سکتا۔

آخر کار میں ایک مسجد کے زیرِ سایہ پرسکون گوشۂ عافیت تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ظہر کی نماز کا وقت ہو چلا تھا لیکن آثار بتا رہے تھے کہ خانۂ خدا خالی تھا جو دو چار لوگ نظر آ رہے تھے، وہ مسجد سے کنی کترا کر گزر رہے تھے کہ مبادا نادیدہ ہاتھ انھیں اندر، ان کے معبود کے حضور دھکیل دیں۔

میں نے اس سازگار ماحول میں جیب سے ایرپیس نکال کر کال بٹن دبا کر ویرا کے لیے پیغام نشر کیا اس وقت اچانک مجھے یاد آیا کہ بے دھیانی میں مجھ سے ایک سنگین حماقت سرزد ہو چکی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میرا ایرپیس آن ہونے کی صورت میں ویرا مجھ سے بات کیے بغیر بھی میری پوزیشن کا اندازہ لگا سکتی تھی اور دفتر سے وہاں تک میرا ایرپیس آن رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ ویرا میری لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی پوزیشن سے میرے سفر کا اندازہ کر چکی ہو گی مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا جسے واپس نہیں لوٹایا جا سکتا تھا۔ البتہ ویرا کی گفت گو سے یہ نکتہ ضرور صاف ہو سکتا تھا۔

ویرا کی طرف سے میری کال کا فوری جواب ملا تھا "تم کہاں غائب تھے؟ میں کافی دیر سے تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اوور"

اس کے پہلے ہی فقرے نے میری اُلجھن دور کر دی۔ اگر میرا ایرپیس آن ہونے کی وجہ سے اس کا لوکیشن فائنڈر کام کر رہا ہوتا تو مجھ سے میرے غائب ہونے کے بارے میں دریافت کرنے کے بجائے مجھے یہ بتاتی کہ وہ کافی دیر سے میری بدلتی ہوئی پوزیشن کا جائزہ لے رہی تھی۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہاری کال کئی مرتبہ آئی تھی اس لیے میں نے جوابی کال کی ہے۔" میں نے اس کا سوال نظرانداز کرتے ہوئے کہا "میری کیا ضرورت پیش آ گئی تم کو؟ اوور!"

"اگر تمہارا کوئی آدمی میرا پیغام سن ہی رہا تھا تو اس نے جواب کیوں نہیں دیا؟ اوور۔" اس کی آواز سے چڑچڑا پن ظاہر ہو رہا تھا۔

"میں نے اپنے لوگوں کو اس ایرپیس کو چھونے تک سے منع کیا ہوا ہے؟ اوور۔"

"کیوں؟" اس کی غصیلی آواز اُبھری تھی۔ "مجھے پہلی بار ہی معلوم ہو جاتا کہ میرا پیغام تم کو مل جائے گا تو میں بار بار اپنا وقت ضائع نہ کرتی... اوور۔"

"تم سے ڈر لگتا ہے۔ تم غیر ملکی ہونے کے باوجود اردو پر عبور رکھتی ہو۔ اپنی لچھے دار باتوں سے میرے کسی بھی آدمی کی زبان سے بہت کچھ اگلوا سکتی ہو۔ اوور۔"

"آدمیوں سے نہیں، اب تو تم سے ہی اگلواؤں گی۔" اس کی تلخ آواز سنائی دی۔ "میرا لوکیشن فائنڈر بتا رہا ہے کہ اس وقت بھ تم اسی پوزیشن پر ہو جہاں سے پچھلی بار بات کی تھی۔ پچھلی ریڈنگ کے مطابق میرے آدمی نے کراچی کے نقشے پر نشان دہی کی ہے تم فیڈرل بی ایریا کے ایک مخصوص علاقے میں مقیم ہو۔ بہت جل میں تمہارے ٹھکانے پر پہنچ جاؤں گی۔ اوور۔"

"میں بھی اتنا احمق نہیں ہوں ویرا بی بی!" میں نے اپ حکمتِ عملی کی کامیابی پر دل ہی دل میں خوشی محسوس کرتے ہو کہا۔ "آج میں نے دوسری بار محض اس خیال سے اسی مقا تم سے بات کر لی کہ کہیں تمہیں مجھ سے کوئی ضروری کام نہ ہو ور میں پہلے سے تہیہ کیے بیٹھا ہوں کہ تم سے ہر بار نئی پوزیشن بات کروں گا تاکہ تم مجھ تک نہ پہنچ سکو۔ اگلی بار تم فیڈرل بی ای علاقے سے کال کر کے میرے بلاک نمبر کا اندازہ لگا لو گی اور ا کوششوں میں میرے ٹھکانے تک پہنچ جاؤ گی۔ اگر تم مجھ پر لو فائنڈر کا راز فاش نہ کرتیں تو شاید میں دھوکے میں مارا جاتا۔

اب میں اس داؤ میں نہیں آسکتا اس لیے ان فضول باتوں میں وقت برباد کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ مجھے کیوں کال کی تھی؟ بے مقصد گپ شپ کرنی ہے تو میں بعد میں بات کروں گا۔ اوور۔"

"اس وقت کیا مصروفیت ہے؟ اوور!" وہ مجھے چڑانے پر تلی ہوئی تھی۔

"یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ تمھیں اب ایسے نجی سوالات زیب نہیں دیتے۔ اوور۔"

"اوہ! میں بھول ہی گئی تھی کہ بڑی مدت کے بعد غزالہ تمھارے ہاتھ لگی ہے۔" اس نے میرا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا۔ "اور تم دونوں آج کل جوانی کی راتیں اور مرادوں کے دن گزار رہے ہو گے... ویسے تم بہت بے مروّت ہو۔ کم از کم غزالہ سے ہی میری بات کرادو۔ اوور۔"

"وہ تم سے اس قدر بدظن ہے کہ کبھی تم اس کے سامنے آگئیں تو وہ تمھارا منہ نوچ لے گی اس لیے اس سے بات کرنے کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔ اوور۔"

"دفع کرو اسے۔ مجھے بھی اس سے بات کرنے کا کوئی ایسا شوق نہیں ہے۔ میں تو اس سے ماضی کی زیادتیوں پر معذرت کرنا چاہ رہی تھی۔ اب وہ اپنی ایسی تیسی میں جائے۔ وہ تو میرا منہ بعد میں نوچے گی، اسے یہ بتادینا کہ میں اس کی ایسی چیزیں نوچوں گی کہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔ اوور۔"

"اس بکواس کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔" میں نے غراتے ہوئے کہا۔ "تمھیں یہی اول فول بکنا ہے تو میں سلسلہ منقطع کر رہا ہوں۔ اوور۔"

"یہ تو میرا لاڈ پیار تھا۔ کام کی بات اب شروع ہوگی۔" اس کی آواز یک بیک سنجیدہ ہوگئی۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے شی سے بغاوت کیوں کی ہے؟ اوور۔"

اس کا یہ سوال بہت عجیب تھا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ میں اسے سچی بات نہیں بتا سکتا تھا۔ شی کے خلاف میری مہم کی ابتدا صرف اس وجہ سے ہوئی تھی کہ میں پاکستان کی حدود میں ان کی گھناؤنی سرگرمیوں سے نفرت کرنے لگا تھا اور انھیں یہاں سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا تھا جبکہ ویرا یہ سمجھتی رہی کہ میں شی سے باغی ہونے کے بعد انتقامی جذبے کے تحت اس تنظیم کو بھاری نقصانات پہنچا کر اسے نیست و نابود کرنا چاہتا تھا اس لیے ہر ملک اور شہر میں، میں تاک تاک کر ان کے مفادات اور اثاثوں کو نشانہ بنا رہا تھا۔

"یہ ریاضی کا کوئی پیچیدہ سوال نہیں ہے جو تم اپنے ساتھ میرا بھی وقت برباد کر رہی ہو۔ سیدھی سی بات ہے کہ تم مجھے فنا کرنے پر تلی ہوئی ہو اور میں تم لوگوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے پر تلا ہوا ہوں۔ کل تک تم میرے ساتھ تھیں لیکن آج مجھے دغا دے کر اپنی اصلیت کی طرف لوٹ چکی ہو... اوور۔"

"لیکن اب میں دشمنی ختم کرکے دوستی کا پیغام لائی ہوں تو تمھیں ہتھیار نیام میں ڈال لینے میں کیوں شرم آرہی ہے۔ تمھاری انا کے لیے تو یہی اعزاز کافی ہونا چاہیے کہ شی جیسی تنظیم تم سے سمجھوتے کی خواہش مند ہے۔ تم جانتے ہو کہ شی نے اپنے غداروں کو ہمیشہ بھیانک سزائیں دی ہیں۔ اوور۔"

"میری دانست میں معاملہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ دوستی برابری کے ساتھ ہوتی ہے۔ ہاتھی اور چیونٹی میں تو دوستی ہو ہی نہیں سکتی۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میری ذات سے تمھارے باپ یا شی کو خاصے نقصانات اُٹھانے پڑ رہے ہیں اس لیے وہ ہر قیمت پر میرا راستہ روکنا چاہتا ہے۔ دشمنی سے بات نہیں بنی تو اب تمھیں دوستی کا سفیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تم سے دوستی کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں ایک بار پھر شی کی غلامی قبول کرلوں۔ کچھ عرصے تک مجھے بہلایا جائے گا اور پھر اچانک مجھے بے بس کرکے ذبح کر دیا جائے گا۔ میں دیدہ و دانستہ اپنی شہ رگ تمھارے ہاتھوں میں نہیں دے سکتا۔ اوور۔"

"تم اسے شی کی غلامی سمجھتے ہو تو ایک درمیانی راستہ بھی ہے۔ تم ہمیں بھول جاؤ، ہم تمھیں بھول جائیں گے۔ اس طرح تم سکون کی زندگی گزار سکتے ہو۔ یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تم اکیلے ہو اور شی ایک خوفناک ہزار پا بلا کی طرح ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ تم اس سے لڑتے لڑتے اور بھاگتے بھاگتے تھک جاؤ گے۔ ضروری نہیں کہ تمھارا ہر بار مجھ ہی سے سامنا ہو۔ میری جگہ جو بھی آیا وہ بے رحمی کے ساتھ تمھارا پیچھا کرکے تمھیں بُری طرح تھکائے گا اور پھر ایک دن تمھارا شکار کرلے گا۔ اوور۔"

"یہ بات میں بہت پہلے سمجھ چکا تھا۔ باہر میں اپنے غول سے بچھڑا ہوا تھا۔ پاکستان لوٹ کر مجھے وقت اور وسائل میسّر آگئے ہیں، اب میں اکیلا نہیں ہوں۔ پچھلی رات کا تلخ تجربہ تمھیں یاد ہوگا۔ کم از کم پاکستان کی حد تک میں تمھارے خلاف ایک ایسا مضبوط گروہ کھڑا کردوں گا کہ یہاں سے تمھارے قدم اکھڑ جائیں گے۔ پاکستان میں شی کے ہر بڑے کو دلدار آغا جیسے بھیانک انجام کا سامنا کرنا ہوگا۔ اوور۔"

"مجھے کچھ اُڑتی اُڑتی خبریں ملی ہیں کہ شی کے ساتھ یہاں مافیا بھی زور پکڑ رہی ہے اور وہ لوگ بھی تم سے معاہدہ کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں؟ اوور۔"

ویرا کے اس سوال نے مجھے چونکا دیا۔ غالباً اس کی ساری

تمہید کا نچوڑ ہی یہ سوال تھا۔ اس نے اپنی دانست میں بڑی چالاکی دکھائی تھی کہ براہ راست کچھ پوچھنے کے بجائے لمبی چوڑی گفتگو کر کے یہ منطقی سوال میرے سامنے لائی تھی۔

"تمھاری خبروں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "مافیا والے آتے ہیں تو انھیں آنے دو۔ میں ان کے بھی پرزے پرزے کر دوں گا۔ اور آج میں تمھیں بتاتا ہوں ویرا کہ میں نے تم لوگوں کا گھناؤنا کھیل تمھاری صفوں میں رہ کر کھیلا اور دیکھا ہے۔ اسی کے ساتھ ہیروئن کی تباہ کاریاں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں جو خشک اور سوکھے معدوں میں اترنے والا یہ زہر رگوں میں پھیل کر دماغ اور اعصاب کو تباہ کر ڈالتا ہے اور تم اسے پاکستان میں پھیلا رہی ہو۔ شی ہو یا مافیا، ویرا ہو یا دلدار آغا، جو بھی ہیروئن کے کاروبار میں ملوث ہو گا میں اسے بے دردی سے تباہ و برباد کر دوں گا۔ ہیروئن کے خاتمے کو اب میں نے اپنا مشن بنا لیا ہے۔ اور...."

"میرا بھی یہی خیال تھا۔" ایربس پریس کی پرخیال آواز ابھری "مجھے آج اپنے ایک اہم سوال کا جواب مل گیا ہے۔ میں اکثر سوچا کرتی تھی کہ شی کے خلاف تمھارے جذبات میں مجنونانہ شدت کیوں ہے؟ ذاتی عناد میں کوئی قدم اٹھاتے ہوئے آدمی اپنی ذاتی سلامتی کو زیادہ عزیز رکھتا ہے لیکن تم بدترین حالات میں بھی مجھے بالکل بے خوف نظر آئے ہو جسے میں حماقت اور دیوانگی کے علاوہ کوئی اور نام نہیں دے سکتی۔ اصل بات یہی ہے کہ تم نے ایک مشن بنا لیا ہے اور مشنری ہمیشہ پاگل اور دیوانے ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں تم سے مفاہمت کا امکان کم ہی ہے لیکن پھر صرف شی تمھارے انتقام کا نشانہ کیوں بن رہی ہے۔ ہمیں لگتا ہے کہ تم ایک طرح سے نادانستہ طور پر مافیا کی راہ ہموار کر رہے ہو۔ وہ بھی بڑے پیمانے پر ہیروئن کا کام کر رہے ہیں۔ جب تم نے اپنے کام کو مشن ہی بنا لیا ہے تو صرف شی کے پیچھے کیوں لگے ہو؟ دوسروں کو بھی گھیرو! اور...."

"شی کی بدقسمتی یہ ہے کہ میں کافی عرصے تک اندر کا آدمی رہ چکا ہوں اور ان کے گھر گھاٹ سے واقف ہوں۔ اس لیے وہی میری زد میں آئے ہوئے ہیں۔ مافیا والوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اس لیے وہ ابھی تک مجھ سے بچے ہوئے ہیں۔ جس دن وہ میری نگاہوں میں آ گئے تو پھر میرے انتقام سے نہ بچ سکیں گے۔ میرے نزدیک گلیوں اور بازاروں میں ہیروئن کی پڑیاں بیچنے والے مجرم نہیں ہیں۔ وہ اپنا اور اپنے بال بچوں کے پیٹ کا جہنم بھرنے کے لیے اس لعنتی کام میں ملوث ہوتے ہیں۔ میں یونیورسٹی کے ایسے کئی طالب علموں سے ڈیل کرتا رہا ہوں جنھوں نے اپنی تعلیم کے اخراجات پورے کرنے کے لیے یا گھر کا کوئی کفیل نہ ہونے کی وجہ سے یا بہنوں کی شادی کے لیے پیسہ کمانے کی خاطر یونیورسٹی میں ہیروئن کو متعارف اور رائج کرایا۔ ان کا مقصد صرف پیسہ کمانا تھا۔ وہ جبلی طور پر مجرم نہیں تھے لیکن ان کی ضروریات نے انھیں مجرموں کے پاس رہن رکھ دیا تھا اس لیے اس سطح کے لوگوں کو میں کچھ نہیں کہتا۔ میری نظروں میں مجرم وہ ہیں جو ایسے مجبوروں کو یکجا اور منظم کر کے حرکت میں لاتے ہیں۔ ان میں سے جو بھی سامنے آ جائے میں رنگ، نسل، زبان، مذہب، فرقے اور وطن کا لحاظ کیے بغیر اسے خاک و خون میں نہلا دوں گا۔ یہ میرا اپنی ذات سے عہد ہے اور آج تم سے وعدہ بھی... تم سے وعدہ اس لیے کر رہا ہوں کہ تم نے مجھ پر شی کو ختم کر کے مافیا کے لیے راہ ہموار کرنے کا الزام لگایا ہے۔ میں تمھیں اتنا بتا دوں کہ میں نے ساری دنیا کا ٹھیکا نہیں لیا ہوا ہے۔ میں صرف ان کا دشمن ہوں جو صرف میرے وطن کے گلی کوچوں میں ہیروئن کا زہر پھیلاتے ہیں۔ تمھارے مومن خان اور دوسرے قبائلیوں کے کارخانوں تک میری رسائی نہیں ہے جس کی وجہ سے میں ہیروئن کے پیداواری سرچشموں کو بانجھ نہیں کر سکتا اس لیے ایسے لوگوں کو بھی اپنے ملک اور قوم کا محسن تصور کرتا ہوں جو ہیروئن کا ایک گرام بھی مقامیوں میں فروخت کیے بغیر باہر اسمگل کر دیتے ہیں۔ اور...."

اس سے گفتگو کے دوران میں فینڈر مرر میں اس شخص کا جائزہ لیتا رہا تھا جو ٹرک کی دوسری جانب کھڑا ہوا بڑی توجہ سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔ شاید ویرا سے گفتگو کے دوران میرے لبوں کی جنبش اور اضطراری حرکات و سکنات نے اسے میری طرف سے شبہے میں ڈال دیا تھا اور میں اس کی طرف سے بے آرامی محسوس کرتے ہوئے گفتگو ختم کر کے جلد از جلد وہاں سے روانہ ہونا چاہ رہا تھا۔

"یہ تمھاری سنگدلی اور خود غرضی ہے ڈینی!" ویرا کی احتجاجی آواز سنائی دی۔ "مشنری بننا آسان ہے اس منصب کو نبھانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ مشنری ہر ایک کا محسن اور مہربان ہوتا ہے۔ تم یہ کیا کہہ رہے کہ یہاں ہیروئن بیچنے والے تمھارے دشمن اور یہاں سے اسمگل کرنے والے تمھارے محسن ہیں۔ کیا امریکی اور یورپی نوجوان تمھارے نوجوانوں کی طرح اپنی قوم کا بیش قیمت اثاثہ نہیں ہیں؟ اپنے کو بچا کر تم دوسروں کو تباہی میں دھکیلنے کا عزم کر کے مشنری تو نہیں کہلا سکتے۔ اور...."

"میں نے پیغمبری کا دعویٰ نہیں کیا ویرا ڈارلنگ!" میں آئینے میں اس شخص پر نگاہ رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اس لیے مختصراً یہ سمجھ لو کہ بیک وقت پوری دنیا کی اصلاح کا مشن ایک پیغمبر ہی کا ہو سکتا ہے۔ دوسروں پر خیرات گھر سے شروع ہونے والا محاورہ صادق آتا ہے۔ پاکستانی معاشرے کو ہیروئن کے مہلک اثرات سے محفوظ کرنے کے بعد ہی میں سف

چڑی والے آقاؤں کے بارے میں کچھ سوچ سکوں گا۔ مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے ان گورے آقاؤں نے یہ منصوبہ بنایا ہے کہ پاکستان میں تیار ہونے والی ہیروئن کی پاکستان میں ہی کھپت پیدا کی جائے تاکہ ان کے بچے اور جوان ہیروئن کی ہلاکت خیزیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ میں بالکل باعمل نہ سہی لیکن مسلمان ہوں۔ ہم ایک تھپڑ کھا کر دوسرا رخسار پیش کرنے کے فلسفے پر یقین نہیں رکھتے بلکہ تھپڑ کے جواب میں اتنی ہی شدت سے تھپڑ رسید کرنے کے قائل ہیں۔ جس دن اس خبر کی تصدیق ہوگئی تو میں منصوبہ سازوں کے ہر گھر کو ہیروئن سے روشناس کرانے کو اپنا مشن بنالوں گا۔ اس پر نہ تم کو اعتراض ہونا چاہیے نہ مجھے کوئی شرمندگی ہوگی۔ اوور۔"

"تم جو کچھ بکتے ہو اس کے پیچھے خود ساختہ دلائل پر انحصار کرتے ہو۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ میں تم سے ایک بار مل لوں؟ میرے پاس ایسی معلومات موجود ہیں کہ تمھاری آنکھیں کھل جائیں گی۔ تم اپنے محافظوں کا حصار قائم رکھنا میں تنہا آؤں گی اور وعدہ کرتی ہوں کہ اس میں کوئی سازش نہیں ہوگی۔ اوور۔"

"میں تھوڑی دیر بعد خود تم سے رابطہ قائم کروں گا۔ اس وقت میرے کچھ مہمان آگئے ہیں اس لیے میں ایریلیس آف کر رہا ہوں لیکن اتنا بتادوں کہ اب میں نئی جگہ سے بات کروں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

ایریلیس آن کرتے ہی میں نے اپنی کار کا اگنیشن آن کرکے انجن اسٹارٹ کرلیا۔

مسجد کے سامنے سے کار پیچھے ہٹتے ہی میری نگرانی کرنے والے نے آگے چلنا شروع کردیا تھا مگر میں کار گھما کر اسی سمت میں اس کے پاس رک گیا۔

"آپ کہاں جارہے ہیں؟" میں نے پسنجر سیٹ کا شیشہ گرا کر اس شخص سے سوال کیا جو میری اس دیدہ دلیری پر بری طرح بوکھلایا ہوا نظر آرہا تھا۔

"پان لینے گلبرگ جارہا ہوں۔" اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"اس گاڑی میں کیا نظر آگیا تھا جو آپ پان بھول کر پندرہ منٹ سے اسے گھور رہے تھے؟" میں نے خشمناک تیوروں کے ساتھ سوال کیا۔

"مم... میں تو کچھ بھی نہیں گھور رہا تھا۔ تمھیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ میرے تیوروں سے گڑبڑا کر مدافعانہ انداز میں پیچھے ہٹتے ہوئے ہکلایا۔

مجھے شبہ تھا کہ کہیں وہ کوئی سرکاری اہل کار یا دشمن کا آدمی نہ ہو لیکن اس کے اضطراری ردِعمل سے میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ بے چارہ ایک عام سا راہ گیر تھا جو میری کسی حرکت سے میری طرف متوجہ ہوگیا تھا ورنہ اس کا کوئی مخصوص ارادہ نہیں تھا۔

"چاہو تو آجاؤ، میں تمھیں گلبرگ اتار دوں گا۔" میں نے اس شریف آدمی کو پیش کش کی۔

جواب میں اس کے حلق سے ایک ڈری ڈری، بے معنی آواز برآمد ہوئی اور اس نے اچانک پلٹ کر دوڑ لگادی۔ غالباً میری پیشکش نے اسے خوف زدہ کردیا تھا کہ اگر وہ سیدھی طرح گاڑی میں سوار نہ ہوا تو میں اسے طاقت یا اسلحہ کے بل پر زبردستی اغوا کرلوں گا۔ شہر میں دلدار آغا کے پھیلائے فساد کے بعد سے جو صورت حال چل رہی تھی اس کی روشنی میں بھاگنے والے کا خوف ایسا بے جا بھی نہیں تھا۔

فیڈرل بی ایریا میں مجھے کوئی خاص کام نہیں تھا بلکہ میں صرف ویرا کو کال کرنے کے لیے ادھر آیا تھا اس لیے واپسی میں میں سیدھا ٹریڈلائن کے دفتر کی طرف ہولیا۔ اس بھاگ دوڑ کے نتیجے میں کم از کم ایک اہم بات یہ معلوم ہوگئی تھی کہ صرف میرا ایریلیس آن ہونے کی صورت میں ویرا کا لوکیشن فائینڈر کام نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی کارکردگی کے لیے دونوں طرف سے گفتگو کا ہونا ضروری تھا شاید سمت نما لہریں ٹرانسمیشن کے دوران آواز کی لہروں کے ساتھ ہی حرکت میں آتی تھیں۔

دفتر میں گیٹ پر کوئی موجود نہیں تھا۔ میں نے اندر داخل ہوکر ٹیلی فون آپریٹر سے چوکیدار کے بارے میں استفسار کیا تو پتا چلا کہ پورے دفتر میں اس وقت آپریٹر کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ سینڈو سب کو سمیٹ کر عمارت کے رہائشی حصے میں لے گیا تھا اور آپریٹر سے کہہ گیا تھا کہ کوئی بھی فون آئے تو متعلقہ شخص کے باہر ہونے کا عذر کرکے صرف پیغام نوٹ کرلیا جائے۔

پیغامات میں کوئی اہم بات نہیں تھی۔ آپریٹر کو سینڈو کو بلانے کی ہدایت دے کر میں سیدھا اپنے دفتر میں چلا گیا۔ اندر گھستے ہی مجھے ایک شدید ذہنی جھٹکے کا سامنا کرنا پڑا اور میرے قدم دروازے پر ہی جم کر رہ گئے کیوں کہ میری کرسی پر بغیر گردن کا ایک قدِ آدم انسانی دھڑ نما ہیولا براجمان تھا۔

وہ منظر میرے لیے اس قدر غیر متوقع اور سنسنی خیز تھا کہ میں کئی ثانیوں تک اپنی جگہ سے جنبش نہ کرسکا پھر میں نے اپنی میز کے قریب جاکر دیکھا کہ وہ ہوا سے پھولنے والا پلاسٹک کا ایک قدِ آدم پتلا تھا جس کی گردن کاٹ کر وہ حصہ کسی محلول سے جوڑ دیا گیا تھا تاکہ اس جگہ سے خول میں بھری جانے والی ہوا خارج نہ ہو۔ اس میں قدرے کم ہوا بھر کر ٹانگیں وغیرہ موڑ کر اسے میری کرسی سے ٹیپ کے ذریعے اس طرح چپکایا گیا تھا کہ دور سے اصل صورت حال کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

ٹریڈلائن مافیا کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی چھلاوا

بھی کسی کی نظروں میں آئے بغیر میرے دفتر تک رسائی حاصل کرسکے اگر کوئی آیا ہوتا تو آپریٹر مجھے ضرور بتاتی۔ اس کی لاعلمی کا مطلب تھا کہ کوئی خفیہ طور پر میرے دفتر تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ ویسے تو اس پتلے میں ہوا بھرنے اور نکالنے کا سوراخ بھی ہونا چاہیے تھا مگر میں نے بروقت اپنے سگریٹ والے ہاتھ کو پلاسٹک کے خول میں سوراخ کرنے سے روکا اور ٹیپ اکھاڑ کر وہ پتلا اسی حالت میں دور اچھال دیا۔

پتلے کو دیکھ کر کوئی بچہ بھی یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اصل کھلونے میں گردن سے اوپر چہرہ بھی موجود رہا ہوگا جسے کاٹ کر جدا کر دیا گیا تھا۔ بادی النظر میں وہ سر کٹا مجسمہ مجھے اپنے کسی حریف کی جانب سے وارننگ کی کھلی علامت کے طور پر نظر آ رہا تھا۔ اس کے ذریعے مجھے یہ بتانے کی کوشش کی گئی تھی کہ اگر میں نے اپنی سرگرمیاں ترک نہ کیں تو جس طرح وہ پتلا میرے دفتر میں پہنچایا گیا تھا اسی طرح میرے دفتر میں، یا شہر میں کہیں بھی میری گردن کاٹ کر دل و دماغ کے سارے رشتوں کو منقطع کیا جا سکتا تھا۔

سینڈو اس پتلے کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہ مان ہی نہیں سکتا تھا کہ کوئی شخص ان لوگوں کی نگاہوں میں آئے بغیر دفتر میں گھس سکتا تھا۔

"مگر یہ منحوس پتلا تمہارے سامنے ہے۔" میں نے اس کے بُشرے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "یہ یہاں کیسے آگیا؟"

"اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ کوئی خطرناک دشمن ہماری راہ پر لگا ہوا ہے۔" اس نے خوف زدہ نظروں سے اس آسیبی پتلے کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اندر کے سب آدمی میرے اعتماد کے ہیں۔ باہر سے یوں رازدارانہ طور پر کسی کا اندر آنا ناممکنات میں سے ہے۔ مجھے دیکھنا ہوگا کہ یہ مجسمہ یہاں کیسے آیا؟"

"آنے والے کو اتنی مہلت دی گئی تھی کہ اس نے اس پتلے کو بیٹھنے کے انداز میں میری کرسی کے ساتھ چپکایا ہوا تھا۔ اسے میں نے اکھاڑ کر دور پھینکا ہے۔ تم نے دفتر سے اپنے تمام آدمی اندر رہائشی حصے میں کیوں بلا لیے تھے؟ میرا خیال ہے کہ یہ کارروائی اسی دوران میں کی گئی ہے۔"

"میرے لیے یہ سب ناقابلِ فہم ہے۔" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا۔ "میں قسم کھا سکتا ہوں کہ میرا کوئی آدمی اس حرکت میں ملوث نہیں ہو سکتا۔ مگر پھر بھی مجھے دیکھنا ہوگا۔"

"اسے بہت باریکی کے ساتھ دیکھو!" میں نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "سانپ کے بل میں نیولے شکار کھیلنے لگیں تو سانپ کو خاموشی سے خودکشی کر لینی چاہیے۔"

"میں دیکھتا ہوں۔" وہ رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "اس وقت ساڑھے بارہ بجے ہیں۔ دو بجے میرے آدمی پوری طرح تیار ہوں گے۔ تم جب چاہو، ہمیں ماجے کے اڈے پر دھاوا بولنے کا حکم دے سکتے ہو۔ آج ہم اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔"

"اس کی اینٹیں بجانے سے پہلے اپنے کنکر بجانے کی کوشش کرو۔ کچھ پتا نہیں کہ پتلے کی طرح ہم میں سے کس کی گردن پہلے کاٹی جائے۔ یہ دھمکی میرے ساتھ ساتھ تمہارے لیے بھی ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں۔" اس نے جاتے جاتے کہا اور میرے کمرے سے نکل گیا۔ وہ منحوس، گردن زدہ پتلا دور میں پڑا رہ گیا۔ میں نے کرسی چھوڑ کر اس کا ہوا کا سوراخ کھولا اور پھر جلتی ہوئی سگریٹ کا سرا لگا کر پتلے پلاسٹک میں جا بجا سوراخ کر دیے۔ پتلے کی ہوا نکال کر میں نے اسے چھوٹی سی تہ میں تبدیل کر کے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔

وہ ایک ناگہانی مرحلہ تھا جو درمیان میں حائل ہوگیا۔ اس سے نمٹتے ہی میں نے برقی سوئچ کی مدد سے اپنے کمرے کو مقفل کیا اور پھر ویرا سے رابطے کے لیے ٹرانسمیٹر نکال لیا۔

"اوہ! اتم تو شہر کے کسی دوسرے حصے میں پہنچے ہوئے ہو۔" غالباً اس نے اپنے لوکیشن فائینڈر کا جائزہ لیتے ہوئے تحیر زدہ آواز میں کہا۔

"عمل اور رفتار میں ہم آہنگی ضروری ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں نے تم سے وعدہ کیا تھا جو پورا کر دیا۔ اب تمہیں جو کچھ کہنا ہے، وہ جلدی سے کہہ ڈالو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اوور۔"

"تم کسی احمق دیہاتی کی طرح لٹھ لے کر شتی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو لیکن تمہاری ناک کے نیچے مافیا والے دن رات مونگ دَل رہے ہیں۔" اس کی آواز بھی جذبات سے یکسر عاری تھی۔ "ہمیں معلوم تھا کہ وہ یہاں سرگرم ہیں لیکن ان کے سربراہ کی ذات پوشیدہ تھی۔ اب پتا چلا ہے کہ وہ جرمنی کا ایک سزا یافتہ قیدی ہے اور اپنی جگہ، جرمنی کی جیل میں اپنے ہم شکل کو پھنسوا کر یہاں عیش کر رہا ہے۔ ہم شکل کی اچانک موت سے اس کا یہ راز فاش ہو چکا ہے۔ اگر تم اپنے مشن میں واقعی مخلص ہو تو اس کا سراغ لگاؤ! اس کی تلاش میں جرمنی سے خفیہ پولیس کا ایک افسر، ہربرٹ کارادیلی یہاں آیا ہوا ہے۔ تم اس سے بھی تعاون کرو گے تو ایک ہی جھٹکے میں یہاں سے مافیا کا صفایا ہو جائے گا۔۔۔"

وہ بول رہی تھی اور میرا دماغ سُن تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دیا جائے۔ مافیا والے ان کے ہر راز سے واقف تھے اور ویرا مافیا کی اندر کی خبریں سُنا رہی تھی۔ دنیا اس وقت اتنی مختصر اور سکڑی ہوئی محسوس ہو رہی تھی کہ کسی کی نظروں سے چھپا کر کچھ کرنے کی کوشش ہی سرے سے بے سود نظر آ رہی تھی۔

اُن کے ہولناک نظم وضبط اور معلومات کے ذرائع نے مجھے ششدر کر کے رکھ دیا تھا۔ اپنی دانست میں دونوں فریق پوری احتیاط کے ساتھ سنبھل سنبھل کر اپنی چالیں چل رہے تھے۔ رازداری کا پورا اہتمام کر رہے تھے لیکن پھر بھی وہ ایک دوسرے کی صفوں میں اس طرح گھسے ہوئے تھے کہ دونوں کو اپنے حریف کی اندر کی خبریں معلوم تھیں۔ تھوڑی دیر پیشتر سیٹھ حبیب جیوانی نے ویرا کی پاکستان آمد کے بارے میں اپنے قوی شبہات کا اظہار کرتے ہوئے مجھے ویرا کے جہاز کی ساخت کے ساتھ ہی اس کا رجسٹریشن نمبر تک دے دیا تھا اور اس وقت ویرا مجھے سیٹھ حبیب جیوانی کی تلاش کی مہم پر پاکستان آئے ہوئے جرمن خفیہ پولیس کے افسر ہربرٹ کارادیلی کے بارے میں بتا رہی تھی۔

لیکن اسی کے ساتھ مجھے حیرت تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں بڑی بڑی خبروں سے واقف ہونے کے باوجود اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ میرے ان دونوں سے رابطے تھے اور میں ان شہ زور حریفوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا کر انھیں نڈھال کرا دینے کے منصوبے بنا رہا تھا۔

"یہ دکھ بہت بُرا ہے ڈیئی!" ویرا کی آواز ایئر پیس پر سُنائی دے رہی تھی۔ "تھوڑی دیر پہلے تم نے مجھے وطن اور ہم وطنوں سے محبت کے بارے میں قائل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن یاد رکھو کہ سائنس اور خاص طور پر مواصلات کے ذرائع کی بے پناہ ترقی نے ہر مقصد کے لیے جغرافیائی سرحدوں کو بے مقصد لکیروں میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ ہر طرف صرف اور صرف طاقت کا راج چل رہا ہے۔ جو طاقت ور ہیں، وہ جب چاہتے ہیں، ستر سرحدوں کو عبور کر کے کسی بھی ملک میں خوں ریزی اور افراتفری کا بازار گرم کر کے فاتحوں کی طرح واپس لوٹ آتے ہیں اور جو کمزور ہیں، وہ اپنے ملکوں، شہروں بلکہ گھروں تک میں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ تم نے پیغمبر اور مشنری کی بات چھیڑی تھی۔ اچھا ہوا کہ تم نے پیغمبری کے دعوے سے اپنی برأت ظاہر کر دی لیکن مشنری بن کر بھی تم اپنے اوپر ظلم کر رہے ہو۔ مشنری دوسروں کے لیے گالیاں اور پتھر کھاتا ہے بلکہ آج کے دور میں تو شاید اسے گولیاں ہی کھانی پڑیں گی۔ نئی یا مافیا میں آسمان سے اُترے ہوئے یا جہنم سے گرائے گئے لوگ کام نہیں کرتے۔ ان سب کا کاروبار تمھارے ہی سیکڑوں بلکہ ہزاروں ہم وطنوں کے سہارے چل رہا ہے اور روز بہ روز فروغ پا رہا ہے۔ مشنری بن کر تمھیں سب سے پہلے اپنے ان خود غرض ہم وطنوں سے جان گسل مقابلہ کرنا پڑے گا۔ چند ہی دن میں تم چوکڑی بھول جاؤ گے۔ تمھارے یہ ہم زبان اور ہم نسل زندہ ہی تم کو چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔ وطن پرستی کا نشہ بہت گہرا ہوتا ہے مگر یہ تم جیسے سمجھدار آدمی کو زیب نہیں دیتا۔ یہ سستے نعرے سیاست داں غریب اور اَن پڑھ لوگوں کو ورغلانے کے لیے ایجاد کرتے ہیں۔ جہاں ان کے مفادات پر زد پڑتی ہے، یہ تلملا کر وطن اور قوم پرستی کی دُہائی دینے لگتے ہیں اور بیسیوں جیالوں کو ایک ہی ہلّے میں ڈھیر کرا دیتے ہیں اس لیے یہ گھٹیا باتیں چھوڑ دو۔ کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو صرف اور صرف اپنے لیے کرو۔ اپنی ذات اور اپنے گھر کو مضبوط بناؤ۔ اسی کو اپنا وطن اور ملک سمجھو تا کہ تمھارا کوئی احمق پڑوسی تمھاری طرف ٹیڑھی آنکھ سے نہ دیکھ سکے۔ تم سے میری بہترین دوستی رہی ہے۔ ہم نے خلوت اور جلوت میں اکٹھے رہ کر بہترین وقت گزارا ہے۔ اس لیے میں تمھیں یہ مخلصانہ مشورہ دے رہی ہوں اسے قبول کرنے میں عار محسوس کرتے ہو تو چند روز کے لیے مجھے بھول کر ہربرٹ کارادیلی کی مدد کرو۔ مجھے اُمید ہے کہ تمھیں اس کام میں دلی خوشی محسوس ہو گی لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اسی کے ساتھ مافیا والوں کی شہ پر تمھارے اپنے ہم وطن افسر تمھارے خلاف فائلیں کھول لیں گے۔ مافیا چیف بچا رہے یا مارا جائے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ تم بہت جلدی اپنی زندگی سے بیزار ہو کر خودکشی کے امکانات پر غور کرنے لگو گے... اور۔" وہ اپنی گفتگو کے دوران میں کوئی قابلِ ذکر وقفہ دیے بغیر تسلسل کے ساتھ بولتی ہی چلی گئی۔

اس کی اثر انگیز مگر مکارانہ گفتگو سُنتے ہوئے میرا ذہن مسلسل کام کر رہا تھا اور آخر کار میں ایک اہم ترین سوال کا جواب پا لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

سیٹھ حبیب جیوانی نے ویرا کے جہاز کے بارے میں مجھے جو کچھ بتایا، یا ویرا نے ہربرٹ کارادیلی کے بارے میں جو کچھ کہا، ان دونوں باتوں کا تعلق بیرونِ پاکستان بلکہ زیادہ مناسب الفاظ میں مغربی دُنیا سے تھا۔ ایک خبر کا ماخذ اٹلی تھا اور دوسری کا جرمنی۔

اس کے برعکس وہ دونوں کراچی کی اہم خبروں سے بے خبر تھے۔ نہ ویرا کو یہ معلوم تھا کہ میں باقاعدہ مافیا سے مل چکا تھا اور نہ سیٹھ حبیب جیوانی کو یہ اندازہ ہو سکا تھا کہ پچھلی رات اس کے آدمیوں کے ساتھ تصادم میں ویرا بنفسِ نفیس معراج دین عرف ملّاجے کے آدمیوں کی راہنمائی کر رہی تھی۔

ان واضح تضادات سے صرف ایک ہی سیدھا سادہ

نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ خاص طور پر یورپ میں ان دونوں جرائم پیشہ تنظیموں کے مخبری کے ذرائع حیرت ناک حد تک منظم اور ایک دوسرے کے خلاف مؤثر تھے جب کہ پاکستان میں اس میدان میں دونوں کی ہی کارکردگی مایوس کن تھی یقیناً دیگر مجھے دونوں طرف سے شہ ملنے کے بجائے دونوں تنظیمیں میرے لہو کی پیاسی ہو چکی ہوتیں۔

"تمہاری تقریر خاصی دل پذیر تھی ویرا بے بی!" میں نے اس کے خاموش ہونے پر اس کا مضحکہ اڑانے والے لہجے میں کہا۔ "لیکن تم خود مجھے سمجھداری کا تمغا دے چکی ہو اس لیے یہ بات میرے حلق سے نہیں اتر سکتی کہ میں اپنے جسم میں صرف اپنی آنکھوں کی حفاظت کروں اور دوسرے اعضاء کو ہر قسم کی تباہی کے لیے کھلا چھوڑ دوں۔ میں ابھی صاحب اولاد نہیں ہوں لیکن یہ جانتا ہوں کہ اگر آج میرے پڑوسیوں کے بچے کھلے بندوں ہیروئن پیں گے تو کل میرے بچے بھی اس موذی نشے سے نہیں بچ سکیں گے اس لیے تم مجھ پر اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنی پسپائی کی منصوبہ بندی کرو۔ تمہارے خلاف کامیابی حاصل کرنے میں مجھے شاید دیر تو ہو سکتی ہے لیکن یاد رکھو کہ فتح میری ہی ہوگی... اوور!"

"ہربرٹ کارا ویلی سے تعاون نہیں کرو گے؟" اس کی طنزیہ آواز ابھری۔ "معلوم ہوتا ہے کہ مافیا والوں سے تمہارا کوئی گٹھ جوڑ ہو گیا ہے۔ اوور!"

"تم میرے سامنے ہو اس لیے مخاطب تمھی کو کرتا ہوں لیکن میری دشمنی تمہارے پورے قبیلے سے ہے۔ میں دیکھوں گا کہ مافیا چیف کی بیخ کنی کے لیے میں کیا کر سکتا ہوں... اوور۔" میں نے اس کے طنزیہ لہجے پر تاؤ کھائے بغیر پرسکون لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں ایک بار پھر بتائے دیتی ہوں کہ تم اپنے ان ہم وطنوں کے لیے یہ مصائب جھیل رہے ہو جن کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے ذرا سی بھی رواداری باقی نہیں ہے۔ تم نے دیکھ لیا کہ ہاتھی مرتے مرتے بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ دلدار آغا نے اپنی مکمل شکست کو گلے لگانے سے پہلے اپنی مکاری سے کام لے کر تمہارے اس شہر میں بسنے والوں کو بھوکے کتوں کی طرح کتنی آسانی کے ساتھ آپس میں لڑوا دیا تھا۔ تم نے اسے مار دیا لیکن اس کی سلگائی ہوئی آگ کی چنگاریاں مہینوں تمہیں اپنا رنگ دکھاتی رہیں گی... اوور!"

"ایسی تنگ نظری کی باتیں نہ کرو ویرا!" میں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "دلدار آغا جیسے بے ضمیر لوگ صرف یہاں نہیں ہوتے۔ کمینے لوگوں کے معاملے میں تمہارا ہر ترقی یافتہ معاشرہ بھی نہ صرف خود کفیل ہے بلکہ ایسے لوگوں کو رنگ دار معاشروں میں برآمد بھی کر سکتا ہے... اوور!"

"کیا مجھ پر کیچڑ اچھال رہے ہو؟ اوور۔" اس کی برہم آواز ابھری۔

"میں ایک عام سی بات سمجھا رہا تھا تم اپنے بارے میں اتنی حساس کیوں ہو گئی ہو؟ ویسے یہ تو حقیقت ہی ہے کہ تمہارے وطن میں تمہارا کام آگے بڑھانے والوں کی خاصی تعداد پل رہی ہے جب ہی تم کو یہاں آ کر اپنی صلاحیتوں کے جوہر آزمانے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ دلدار آغا جہنم واصل ہو چکا ہے لیکن تمہارے مقدر نے یاوری کی تو مجھے یقین ہے کہ تم یہاں جلد ہی اس کا کوئی ہم زاد پیدا کر لو گی... اوور!"

"ظاہر ہے کہ میں اسی خلا کو پُر کرنے کا بندوبست کرنے کے لیے یہاں آئی ہوں۔ تم سے جو ہو سکے وہ کر لو مگر تم میرا راستہ نہیں روک سکو گے۔ اوور!"

"اور نہ تم میرا کچھ بگاڑ سکو گی۔ اوور!" میں نے ٹکڑا لگایا۔

"لیکن یہ یاد رکھنا کہ اب تم جاز فارماسیوٹیکل کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے!" اس کی تادیبی آواز گونجی۔ "جس دن تم نے فیکٹری کے خلاف کوئی تخریبی کارروائی کی اسی دن سے جہانگیر کے بدن کی ہڈیوں میں ڈرل مشین سے سوراخ ہونے شروع ہو جائیں گے... اوور!"

"تم نے بد عہدی کی ابتدا نہ کی تو میں اس زہریلی عمارت کو بھولا رہوں گا۔ میں تمہاری مجبوریوں سے اچھی طرح واقف ہو چکا ہوں اس لیے امید ہے کہ یہ دو طرفہ معاہدہ برقرار رہے گا۔" میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔ "ویسے تم مجھ سے ملنے کے لیے کب آ رہی ہو؟ اوور!"

"تمہارے دماغ میں لچک نہیں رہی ہے اس لیے میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔" اس کی آواز یک بیک مضمحل ہو گئی۔ "تم سے تو اب جلد ہی کسی اور انداز میں ہو گا۔ اوور!"

"چلو! میں اس وقت کا بھی انتظار کر لوں گا۔ اوور اینڈ آل۔" میں نے ایریمیٹس آف کر دیا۔

میں نے یک طرفہ طور پر گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا لیکن ویرا سے ہونے والی بات چیت کی بنا پر میرے ذہن میں بہت واضح سی سنسناہٹ ہو رہی تھی۔

پاکستان میں ہیروئن اور ناجائز اسلحہ کے ف

کے لیے شی کی منظم جدوجہد کو بہت قریب سے دیکھ کر مجھے ان لوگوں سے نفرت سی ہو گئی۔ چند برس پرانی بات تھی کہ پاکستان میں عام لوگ ہیروئن کے موذی نشے کے وجود تک سے باخبر نہیں تھے۔ شوقین مزاج نوجوانوں کی آشنائی بس اس ہیروئن سے تھی جو فلمی پردے پر اپنی اداکارانہ صلاحیتوں اور قلابازیوں کے جوہر دکھاتی تھی۔ ان دنوں مزدور طبقے کے محروم اور ناآسودہ لوگ مشقت کی چکی پیسنے کا دکھ بھلانے کے لیے زیادہ سے زیادہ چرس کا نشہ کرتے تھے جس کا استعمال آسان نہیں تھا کیوں کہ سگریٹ کے تمباکو کے ساتھ سلگتی ہوئی چرس کی تیز بو دور تک پھیلتی تھی اس لیے لوگ آزادانہ طور پر اسے استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ کونوں کھانچوں میں دبک کر اور عام شہریوں سے چھپ کر چرس پیتے تھے۔ ان دنوں شی بھی چرس کے کاروبار میں ملوث تھی۔ پھر شی کے بڑوں نے ایک منظم سازش اور منصوبے کے تحت پورے شہر سے چرس غائب کرا دی۔

اس ہولناک قحط کی وجہ سے عادی نشے بازوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ چند روز تک وہ سفاکانہ خلا برقرار رکھنے کے بعد شہر میں یک بیک ہیروئن کے ہوش ربا سفوف کی ننھی ننھی پڑیاں چرس فراہم کرنے والے اڈوں سے مفت تقسیم کی گئیں۔ چرس کو ترسے ہوئے نشے بازوں نے ہیروئن کو چرس سے سو گنا بہتر پایا کیوں کہ اس نشے کا پہلا ہی کش انھیں نئے جہانوں کی سیر کرانے لگا تھا۔ پھر ہیروئن کی مانگ پیدا ہوتے ہی اس کے واجبی دام مقرر کر دیے گئے جو مانگ بڑھنے کے ساتھ ساتھ تیزی سے بڑھتے چلے گئے اور یوں ہیروئن ایک اجنبی جنس ہونے کے باوجود پاکستان کی سرزمین میں مضبوطی سے پنجے گاڑتی چلی گئی۔

اس نشے میں نہ بو تھی نہ کوئی مخصوص ذائقہ لیکن سرور ہر نشے سے ہزاروں گنا زیادہ ملتا تھا اس لیے ہیروئن مزدور اور نچلے طبقے سے نکل کر متوسط اور خوشحال لوگوں میں بھی مقبول ہونے لگی پھر مجبور طلبا کے سہارے اسے درسگاہوں اور جامعات میں متعارف کرایا گیا۔ ہیروئن وہاں بھی نئی نسل کے سر پر چڑھ کر ناچی اور فیشن سے ہوتے ہوتے وبائی عادت کی صورت اختیار کر گئی۔ میں نے وہ سارے مراحل بچشم خود دیکھے تھے بلکہ ان گھناؤنی کارروائیوں میں شی والوں کا مؤثر ترین آلۂ کار بنا رہا تھا۔

اس وقت تک میں شی کے آدرش سے واقف نہیں تھا۔ میں اسے چرس، ہیروئن اور دوسری منشیات کی تجارت کرنے والے مجرموں کا ایک منظم اور مضبوط گروہ سمجھتا تھا۔ لیکن ان کے ناپاک عزائم سے واقف ہونے کے بعد میں نے در پردہ ان کے مفادات کو زک پہنچانا شروع کر دی لیکن میرا وہ دہرا کردار زیادہ دن نہ چل سکا اور مجھے کھل کر ان کے سامنے آنا پڑ گیا۔

میں نے پاکستان سے ہیروئن کے سدباب کو اپنا مشن بنایا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں جوش کے عالم میں سنگلاخ زمین چھوڑ کر دلدل میں جا گھسا تھا جہاں میں لمحہ بہ لمحہ اندر ہی اندر دھنستا جا رہا تھا۔

شی کی مخالفت مول لے کر میں نے بہت جارحانہ انداز میں ان کو ہر طرح نقصان پہنچایا تھا۔ پاکستان میں ان کی قابل رشک تنظیم کے چیتھڑے اڑا دیے تھے۔ ان کے اہم کاروباری اور مواصلاتی اڈوں کو تباہ کیا تھا۔ پاکستان سے فرانس تک کئی مقامات پر ان کے غیر قانونی بارودی ذخائر کو نیست و نابود کیا تھا لیکن دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اتنی بڑی کارروائیاں کرنے کے باوجود مجھے بے فکری کے چند لمحے میسر نہیں ہو سکے تھے۔ مجھے ہر آن غنیم کی طرف سے کسی ناگہانی اور مہلک حملے کا خوف لاحق رہتا تھا جس کی وجہ سے میرے اعصاب پر برا اثر پڑ رہا تھا کیوں کہ عملاً میں ہر وقت حالت جنگ میں تھا اور میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میری غفلت کا پہلا لمحہ میری زندگی کا آخری لمحہ بن سکتا تھا۔ اسی دفاعی فکر اور اعصابی تناؤ کی وجہ سے میں نے مافیا والوں کی طرف سے دوستی کی پیش کش قبول کی تھی۔ میرا خیال تھا کہ ان کی نچلی صفوں میں رہ کر میں اپنے سازشی حربوں کے ذریعے انھیں شی سے بھڑا دوں گا اور رقیب دوست سانڈ آپس میں لڑتے ہیں تو مفتوح وحشی کی موت کے ساتھ ہی فاتح بھی گھنٹوں اپنے پیروں پر کھڑا رہنے کے قابل نہیں رہتا۔

مگر مافیا میں صورت حال غیر متوقع طور پر تیزی کے ساتھ بدلتی جا رہی تھی۔ میں درمیانی سطح پر کام دکھانے کا ارادہ کر کے سیٹھ حبیب جیوانی سے ملا تھا لیکن ناگزیر حالات کی وجہ سے مافیا کی مقامی سطح پر سربراہی کا بوجھ میرے کندھوں پر آ پڑا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ اس وقت دونوں میں سے کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ میں کس کے ساتھ تھا اور میری وفاداریوں کا محور کیا تھا لیکن ویرا کو میرے ماضی کی بنا پر اتنا یقین ضرور تھا کہ میں اس کے باپ کے خلاف سرگرم عمل تھا جس کا تازہ ترین شاہکار دلدار آغا تھا۔

ویرا کی پاکستان آمد سے یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ اس ملک کی زرخیز پیداواری منڈی شی کے بڑوں کے لیے غیر معمولی اہمیت کی حامل تھی جس سے وہ آسانی کے ساتھ دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے اور اس پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے وہ ہر قیمت پر مجھے اپنا مطیع دیکھنے کے آرزو مند تھے۔ ایسی ذلت آمیز صلح سے میرے انکار کی صورت میں یہ بات یقینی تھی کہ وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے، بے رحمی کے ساتھ میری گردن کاٹ دینے پر تل جاتے۔

معاً میرے ذہن میں ہوا سے پھولنے والا وہ گردن کٹا پتلا ابھر آیا جو تھوڑی دیر قبل میری کرسی پر موجود تھا اس کا خیال آتے ہی میرے بدن میں سرد جھرجھریاں سی دوڑ گئیں۔

اس منحوس اور پراسرار پتلے کے ذریعے دیا جانے والا پیغام بہت واضح تھا۔ وہ جو بھی تھا اتنی طاقت اور صلاحیت کا مالک تھا کہ میرے اس مضبوط اور محفوظ دفتر میں کوئی پتلا پہنچانے کے بجائے میری ہی کرسی پر میرا سر قلم کر سکتا تھا۔

وہ کون ہو سکتا تھا؟ یہ ایک گمبھیر سوال تھا جس کا جواب تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا۔

میں سیٹھ حبیب جیوانی کا قریبی حلیف تھا اس لیے اس کی طرف سے دھمکی کا خیال بعید از قیاس تھا۔ دوسرا نام ویرا کا تھا لیکن اس سے چند ثانیے قبل میں بات کر چکا تھا۔ مافیا چیف کی کمین گاہ تو دور کی بات تھی، وہ تو اس کی اصلیت سے بھی لاعلم تھی اور اپنی راہ صاف کرنے کے لیے مجھے مافیا چیف کے خلاف ہربرٹ کا راویلی کی مدد کرنے کا مشورہ دے رہی تھی۔

پتلے کے سلسلے میں فوری طور پر کوئی تیسرا نام میرے ذہن میں نہیں آسکا مگر مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ویرا کی پاکستان آمد میرے لیے مصائب کا باعث بن سکتی تھی۔ وہ دلدار آغا کی طرح اپنے وسائل میں محدود رہنے پر مجبور نہیں تھی جب بھی چاہتی، مخبری اور سراغ رسانی کی وہی تمام سہولتیں پاکستان میں درآمد کر سکتی تھی کہ جن کے سہارے جمی لائیڈ اٹلی میں رہتے ہوئے بھی چوکنڈی کے ویرانے کی نگرانی کرنے پر قادر تھا۔

معاً میرے ذہن میں خیال کوندا کہ اس آدم قد پتلے پر کہیں کوئی پیغام درج نہ ہو جس سے اسے پہچاننے والے کی ذات اور اس کے مقاصد پر روشنی پڑ سکے۔ میں نے اضطراری طور پر ردی کی ٹوکری سے تہ کیا ہوا وہ پتلا نکال کر میز پر اپنے سامنے پھیلا لیا۔

میں نے رنگین پلاسٹک کی پتلی سی، نرم پرت سے ڈھلے ہوئے آدم قد مجسمے کے ہر انچ کا گہری نظر سے جائزہ لے ڈالا لیکن اس پر ہوا کے سوراخ کے نزدیک پلاسٹک میں ابھرے ہوئے ننھے حروف میں کمپنی کے نام اور ساختہ جاپان کے الفاظ کے علاوہ کچھ دریافت نہیں کر سکا۔

جھلاہٹ میں میں نے اس پتلے کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ اس عمل کے دوران میں پھاڑے گئے ٹکڑوں میں سے کوئی چیز میری گود میں سے ہوتی ہوئی قالین پر گری اور میں تباہ حال پتلے کو چھوڑ کر بے ساختہ اسی طرف متوجہ ہو گیا۔

قالین پر میرے قدموں میں کاغذ کی ایک چھوٹی سی نلکی موجود تھی جو کسی ورق کو بل دے کر بنائی گئی تھی۔ اس نلکی کو کھولتے ہوئے بات میرے ذہن میں آ گئی تھی کہ اس پراسرار پیغام کو ہوا کی نلی کے ذریعے اس پتلے میں داخل کرنے کے لیے کاغذ کو جلدی میں بل دے کر نلکی میں تبدیل کیا گیا تھا۔

'اب تم سربراہ ہو۔ آنکھیں کھلی رکھو۔ یہ پتلا میں نے پہنچایا ہے تاکہ اسے بنیاد بنا کر تم ماتحتوں پر اپنی گرفت مضبوط کر سکو۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ عمارت محفوظ اور تمہارا کمرا محفوظ ترہے۔ ادھر آنے والا خود ہی فنا ہو جاتا ہے۔ پیغام پڑھ کر اس کاغذ کو نذر آتش کر دینا۔ تم نے جب مجھے رنگ کیا تو میں دفتر میں موجود تھا لیکن میں نے دانستہ ریسیور نہیں اٹھایا تھا۔ میں تمھیں مضبوط اور پراعتماد دیکھنا چاہتا ہوں!'

بے اختیار میرے دہانے سے ایک گہری سانس آزاد ہو گئی۔ سادے کاغذ پر بال پین سے عجلت سے لکھا گیا وہ پیغام یقیناً میرے ہی لیے تھا۔ نیچے لکھنے والے کا نام موجود نہیں تھا لیکن میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ سیٹھ حبیب جیوانی کی تحریر تھی۔

اگر میں نے اپنی کوشش سے پتلے میں وہ پیغام تلاش کیا ہوتا تو مجھے خوشی ہوئی ہوتی لیکن اس وقت وہ پیغام میری جھلاہٹ کے نتیجے میں غیر متوقع طور پر سامنے آیا تھا اس لیے مجھے سیٹھ حبیب جیوانی پر غصہ آنے لگا کہ اس نے وہ پیغام پتلے کے اندر کیوں ڈالا تھا؟ یہ ضروری تو نہیں تھا کہ میں وہ رقعہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی جاتا۔ اگر وہ کاغذ میرے ہاتھ نہ لگتا تو حبیب جیوانی سے اگلی ملاقات یا گفتگو ہونے تک پتلے والا معاملہ میرے ذہن کو بچھو کی طرح ڈستا رہتا اور میں نہ جانے کن خطوط پر سوچ کر کچھ غلط فیصلے کر بیٹھتا۔

میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگائی اور اسی دیاسلائی سے کاغذ کو آگ دکھا دی۔

کاغذ کے راکھ بننے تک حبیب جیوانی پر میرا غصہ تیزی سے سرد ہوتا چلا گیا۔ اس امر میں شبہ نہیں تھا کہ مافیا کا چیف ہونے کے باوجود اس نے اپنے گروہ میں جس طرح

میری پذیرائی کی تھی وہ انداز کسی کے لیے بھی باعثِ اعزاز ہو سکتا تھا۔ شاید اس نے میری ذہانت سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کرلی تھیں اور سمجھ رہا تھا کہ "پتلا" مل جانے کے بعد اس پر پوری طرح غور و فکر کیے بغیر اسے ضائع نہیں کروں گا اور اسی غور و فکر میں، میں اس پیغام تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔

غلطی میری تھی کہ بس نے ٹھنڈے دماغ سے پوری صورتِ حال کا ادراک کرنے کے بجائے جھلاہٹ اور اشتعال کا عقل دشمن مظاہرہ کیا تھا۔

میرے دفتر میں اس پُراسرار پُتلے کی موجودگی کی پیچیدہ گتھی سلجھ جانے کے بعد میرا ذہن دوسرے معاملات کی طرف بھٹک گیا جن میں سرِفہرست سلطان شاہ کا معاملہ تھا۔

پچھلی رات ویرا سے جاز فارماسیوٹیکل کے بارے میں معاہدہ ہونے کے بعد میں نے بھانپ لیا تھا کہ سٹی کے لیے اس فیکٹری کی کوئی خاص اہمیت تھی۔ ہارمونیم کیپسولز کے ذریعے ہیروئن ملک سے باہر اسمگل کرنے کا معاملہ تو میرے علم میں آچکا تھا لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ اسی فیکٹری کے کسی خفیہ حصے میں افیم سے بیش قیمت ہیروئن بھی کشید کی جاتی رہی ہو۔

اس فیکٹری کے رازوں کو بے نقاب کرنے کی نیت سے سلطان شاہ نے ارادہ ظاہر کیا تھا کہ ایک دن آرام کرنے کے بعد وہ حسبِ معمول فیکٹری جانا شروع کر دے گا۔ اسے جاز فارماسیوٹیکل کے مزدوروں کی بھیڑ میں گھسنے کا جو موقع مل گیا تھا اسے وہ گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی تجویز پر میں نے بھی کسی منفی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا تھا کیوں کہ ویرا کی طرف سے سلمٰی اور جہانگیر کی سلامتی کو جاز فارماسیوٹیکل سے منسلک کیے جانے کے بعد خود میرے ذہن میں بھی اس فیکٹری کے رازوں کے بارے میں تجسس پیدا ہو چکا تھا۔

مگر اس وقت مجھے احساس ہو رہا تھا کہ سلطان شاہ کا فیصلہ غلط تھا۔ دوبارہ فیکٹری کا رخ کر کے وہ کسی بڑی پریشانی سے بھی دوچار ہو سکتا تھا۔ دلدار آغا مارا جا چکا تھا۔ پولیس والے اس لاوارث فیکٹری کے عملے کے ساتھ من مانا رویہ اختیار کیے ہوئے تھے اگر سٹی کے لیے اس فیکٹری کی ذرا بھی اہمیت اور افادیت باقی تھی تو ویرا پولیس والوں کو وہاں کھلی چھوٹ نہیں دے سکتی تھی۔ غالب امکان یہی تھا کہ وہ کسی نہ کسی بہروپ میں خود فیکٹری کا انتظام سنبھالے گی اور اس وقت تک باقاعدگی سے وہاں کے معاملات میں دخیل رہے گی جب تک اُسے کوئی کام کا آدمی نہیں مل جاتا۔

سلطان شاہ کی موجودگی میں ویرا کا وہاں پہنچنا تصور سے سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا کیوں کہ وہ سلطان شاہ کو اچھی طرح پہچانتی تھی۔ اسے وہاں دیکھتے ہی وہ اپنی رائے قائم کر لیتی کہ میں نے اُس سے فیکٹری سے دُور رہنے کا معاہدہ توڑ کر سلطان شاہ کو تخریبی کارروائیوں کے لیے وہاں بھیجا تھا۔

وہ جتنی خوب صورت اور دل نواز دوشیزہ تھی اسی قدر سفاک بھی تھی۔ مجھے تلخ سبق دینے کے لیے وہ فوری طور پر سلطان شاہ کو بے بس کرا کے ہلاک کرا سکتی تھی اور اسی کے ساتھ وہ جہانگیر کے ساتھ بھی خونریز چھیڑ چھاڑ کا محاذ کھول دیتی۔ ایک بار یہ سلسلہ چل پڑنے کے بعد میں کسی بھی طرح اسے معاہدے کے بارے میں اپنی نیک نیتی کا یقین نہیں دلا سکتا تھا۔

حالاں کہ ہمارے درمیان طے شدہ پروگرام کے مطابق وہ سلطان شاہ کے آرام کا دن تھا اور اسے اگلے دن ڈیوٹی پر فیکٹری جانا تھا لیکن میں اسے فوری طور پر فون کرنے کی اپنی اضطراری خواہش نہ دبا سکا۔ سامنے کی بات تھی کہ شام کو گھر لوٹنے کے بعد میں اسے فیکٹری کا رخ کرنے سے روک سکتا تھا مگر شاید میرے لاشعور میں کہیں یہ خیال بھی جما ہوا تھا کہ شام کو بلّے کے اڈّے پر حملے کے دوران اگر میں زخمی ہو کر چند روز کے لیے بستر پر دراز ہو گیا تو تیر کمان سے نکل سکتا تھا۔ سلطان شاہ کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو پاتی کہ میرے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی تھی۔ وہ بے خبری میں فیکٹری جاتا اور اگر ویرا اسے وہاں دیکھ لیتی تو وہ بے خبری میں دھر لیا جاتا۔

میں نے اپنی ڈائریکٹ لائن پر جہانگیر کے گھر کا نمبر ملایا تو پہلی گھنٹی پر ہی دوسری طرف سے سلمٰی نے ریسیور اٹھا لیا۔ پچھلی رات وہ بہت زیادہ تباہ حال نظر آرہی تھی مگر اس وقت فون پر اس کی آواز میں تازگی رچی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"ڈیڈی بول رہا ہوں۔ طبیعت کیسی ہے اب تمھاری؟" میں نے نرم لہجے میں سوال کیا۔

"پچھلے کچھ دنوں سے تو روز ہی مر مر کر جینا پڑ رہا ہے۔"

اس کی آواز میں مایوسی کے بجائے صورتِ حال سے مفاہمت کا جذبہ جھلک رہا تھا۔ "اندھیرا پھیلتا ہے تو ہر طرف موت کے سائے سرسراتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی تو اپنی ذات سے بھی خوف آنے لگتا ہے۔ اِس وقت میں خود کو بہت دلیر اور محفوظ تصور کر رہی ہوں۔ دیکھو رات کیسی گزرتی ہے؟"

"خوف یا خوشی!" میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا۔ "دونوں صورتوں میں اچھا خاصا آدمی شاعر ہو جاتا ہے۔ تم نے

اس صنف پر کبھی طبع آزمائی کی ہے؟"

"کیا تم شاعروں کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہے ہو؟" خلاف توقع ریسیور پر اس کی غصیلی آواز سن کر میں حیران رہ گیا۔

"میری کیا مجال کہ ایسی جسارت کروں۔ کسی نے ایک ہجو بھی لکھ دی تو پورے شہر سے منہ [illegible] پھروں گا۔ میں تو تمہاری مبالغہ آرائی کی تعریف کر رہا تھا۔ مبالغے کے بغیر شاعری روکھی پھیکی اور سپاٹ محسوس ہوتی ہے۔ مگر تم کو شاعروں سے اتنا لگاؤ کب سے ہے؟"

"شاعروں سے نہیں، مجھے شاعری سے ہمیشہ سے لگاؤ ہے۔ اختر شیرانی کا کلام میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھتی رہی ہوں۔ ہزاروں اچھے اشعار مجھے زبانی یاد ہیں۔"

"شاید تم ناموں کی مماثلت سے دھوکا کھا گئیں۔" اس وقت سلمٰی سے ہونے والی وہ ہلکی پھلکی گفتگو مجھے دلچسپ اور خوشگوار محسوس ہو رہی تھی۔ "اختر شیرانی کے کلام میں تمہارا ذکر نہیں ہے۔ ان کی اپنی بھی ایک سلمٰی ہوا کرتی تھی جس سے دل لگا کر وہ بدنام ہوتے رہے تھے۔"

"مجھے نہ پڑھاؤ۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ "شاید تمہیں علم نہ ہو کہ شادی سے پہلے میری ہی فرمائش پر جہانگیر نے وہ کلام پڑھا تھا اور میرے سامنے موقع بے موقع سلمٰی سے دل لگا کر بدنام ہو رہا ہوں، گنگناتے رہتے تھے۔" پھر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز سنائی دی تھی۔ "وہ بھی کیا دن تھے؟ ہر دن جو گزر جاتا ہے ایک یاد بن کر دل میں اپنی کسک چھوڑ جاتا ہے۔ جو آج اچھی نہیں لگتی، ماضی کی یاد بن کر وہ یادگار ہو جاتی ہے۔ اب ان باتوں کو ختم کرو۔ یہ بتاؤ کہ تم نے فون کیوں کیا ہے؟"

"اس وقت تم نے واقعی مجھے حیران کر دیا ہے۔" میں نے اس کے آخری سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی خوب صورت گفتگو کا ذوق رکھتی ہو گی۔ کتنی پیاری بات کہی ہے تم نے کہ آج کبھی حسین نہیں ہوتی لیکن کل بن کر وہی آج نہ صرف حسین نظر آتی ہے بلکہ یادگار بن جاتی ہے۔ عورت میں اتنی سمجھ ہو تو وہ واقعی پرستش کے قابل ہوتی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ غزالہ سے مایوس ہو گئے ہو جبھی مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کر رہے ہو۔" اس کی تلخ آواز نے مجھے بھونچکا کر دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری سیدھی سادی گفتگو کو وہ اچانک ایسا نازک موڑ دے بیٹھے گی۔

"میری بات کا غلط مفہوم نہ لو!" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ مسز جہانگیر کی حیثیت سے میں تمہاری کتنی عزت کرتا ہوں...."

"لیکن اس وقت مسز جہانگیر کے بجائے سلمٰی کی بات ہو رہی تھی۔" وہ قطع کلام کرتے ہوئے بولی تھی۔ "شاید گفتگو کی روانی میں تم اپنا وہ خول برقرار نہ رکھ سکے جو تم نے جہانگیر کے خوف سے اپنے اوپر منڈھا ہوا ہے۔ حالاں کہ میں ہمیشہ تم سے دوستی کی خواہاں رہی ہوں۔ کاش مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ میری نیم شاعرانہ گفتگو تمہارے دل کے بعض خفیہ تاروں کو چھیڑ سکتی ہے تو...."

میں نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی۔ "جہانگیر سے میں کبھی خوف زدہ نہیں رہا سلمٰی... میں ہمیشہ سے تمہارا احترام کرتا ہوں اس لیے کبھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھا ورنہ میں کبھی اس کے بارے میں سوچ سکتا ہوں جب کہ غزالہ کی الگ ہی کہانی ہے۔ تم اس سے اپنا موازنہ نہیں کر سکتیں۔ تم جہانگیر کے بچے کی ماں بننے والی ہو اور اس کی امانت دار ہو جب کہ غزالہ ایک بلا عنوان کہانی ہے۔"

"احترام کی بات نہ کیا کرو۔" اس کی آواز سے ہلکا سا تنفر جھلک رہا تھا۔ "عورت کے احترام کا منظر اور انجام میں ایک مدت تک بہت قریب سے دیکھتی رہی ہوں۔ عورت صرف احترام کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتی۔ وہ محبت اور چاہت کی پیاسی ہوتی ہے۔ محبت نہ ملے تو وہ دیوانی ہو جاتی ہے۔"

"کس کی بات کر رہی ہو؟" میں نے پرتجسس لہجے میں سوال کیا۔

"میری ایک خوب صورت اور دھان پان سی کزن ہے جو بدقسمتی سے ذرا قبل از وقت ہی بالغ ہو گئی تھی مگر اس کے گھر والے اس تبدیلی کے مضمرات کو پوری طرح نہ سمجھ سکے۔ پھر اس بدنصیب پر اس کے شہ زور فطری جذبے غالب آنے لگے تو کسی نے اس کی ضروریات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسے ہمیشہ گڑیوں اور کھلونوں سے بہلانے کی کوشش کی گئی جس کے نتیجے میں ایک بار اس پر ہسٹیریا کا شدید دورہ پڑا۔ اس کے گھر والے سہم گئے۔ سب کا خیال تھا کہ لڑکی پر کوئی جن آ گیا تھا کیوں کہ دورے کی حالت میں اس کی آواز اور لہجے میں تبدیلی آ گئی تھی، جسم میں بلا کی توانائی حلول کر گئی تھی۔ ان جاہلوں نے طبی علاج کے کسی مشورے کو قبول نہیں کیا اور نام نہاد روحانی علاج پر تل گئے۔ لڑکی پر دوسرا دورہ پڑا تو اس کے کمرے میں عود و عنبر، لوبان اور اگر بتیوں کے سہارے فضا کو دھواں دھار بنا کر سارے گھر والے ادب اور احترام سے

لڑکی بے ساختہ دوزانو ہو گئے۔ وہ بے چاری بلبلاتی اور تڑپتی رہی، گھر والے اس کا احترام کرتے رہے۔ آخر کار وہ کثیف، بوجھل دھوئیں کی یلغار کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی۔ دورہ ختم ہونے کے بعد اسے ہوش آیا تو گھر میں سب کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ ہر فرد اس سے خوف زدہ ہونے کی حد تک اس کا احترام کر رہا تھا۔ حد یہ ہوئی کہ لوگ اس سے اپنے مقدر کا حال پوچھنے لگے۔ کسی نے اس کے باقاعدہ علاج پر توجہ نہیں دی۔ جب بھی اُس پر دورہ پڑتا اس کے کمرے کو بھانت بھانت کی خوشبویات کے دھوئیں سے بوجھل کر دیا جاتا۔ آخر کار چند ہی ماہ میں گھر والوں کے اس بے پناہ احترام نے اسے ہمیشہ کے لیے پاگل کر دیا۔ وہ آج بھی زندہ ہے۔ اس کے گھر والوں کا خیال ہے کہ ان سے جن کی شان میں کوئی ایسی حرکت سرزد ہو گئی جو احترام کے منافی تھی اس لیے روبینہ کا دماغ اُلٹ گیا ورنہ اس کی بدولت ان کے گھرانے کا مقدر بدل سکتا تھا۔

"یہ واقعی بڑے دُکھ کی بات ہے۔" میں نے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔ "مگر یہ ایک غیر معمولی کہانی ہے۔ احترام ہو یا محبت، انتہا پسندی کہیں بھی کامیاب نہیں رہتی میری نگاہ میں عورت ہر لحاظ سے اس کائنات کی محترم ترین مخلوق ہے۔"

"روبینہ کی پوری کہانی قریب سے دیکھنے کے بعد مجھے احترام کے لفظ سے چڑ ہو گئی ہے۔" اس کی چڑچڑی آواز سُنائی دی۔ "اس لفظ کے حوالے سے میرے ذہن میں یہ تصور بس گیا ہے کہ جس کا احترام کرنا ہو اس کی فریاد، آواز، للکار یا پیغام پر کان دھرے بغیر اسے دن رات لوبان اور اگر بتیوں کی دھونی دکھاتے رہو۔ تم عورت کی بات کر رہے ہو۔ میں تو مذہب، آئین، قانون، وطن اور رشتوں کے احترام کی بھی یہی حالت دیکھتی ہوں جس کسی کے احترام کا ذکر آتا ہے میری آنکھوں میں خوب صورت اور معصوم روبینہ کی ویران آنکھیں گھوم جاتی ہیں جن میں ایک ہی سوال ہوتا ہے کہ ہمارا احترام کب تک ہوتا رہے گا۔" وہ ایک لمحے کے لیے رُک کر تلخ لہجے میں بولی تھی۔ "روبینہ کے حوالے سے مجھے تو اس لفظ میں دھمکی پوشیدہ نظر آنے لگی ہے جس کو زک پہنچانی مقصود ہو اسی کا احترام کر ڈالو۔ اس ترکیب سے زیادہ تیر بہدف نسخہ میری نگاہ سے نہیں گزرا ہے۔"

"یہ بُری بات ہے کہ تم شاعری جیسے لطیف موضوع سے اب فلسفے کی طرف آ رہی ہو۔" میں نے گفتگو کا رُخ بدلنے کی نیت سے کہا۔ "یہ بتاؤ میں رات کو گھر پر ہوں گی اس وقت تو میں نے تم لوگوں کی خیریت دریافت کرنے کے لیے فون کیا تھا۔ جہانگیر کہاں ہے؟"

"رات کو وہ بہت زیادہ تھک گئے تھے ابھی تک سو رہے ہیں۔" میری ترکیب کارگر رہی اور اس کا لہجہ اعتدال پر آ گیا۔ "اسی لیے تو میں کُھل کر بات کر رہی ہوں ورنہ اب تک وہ میرے ہاتھ سے ریسیور لے چکے ہوتے۔ تم دونوں کے درمیان کچھ ایسا لگاؤ ہے کہ کبھی کبھی تو میں تمھیں اپنا رقیب سمجھنے لگتی ہوں۔"

"عورت ہو۔" موڈ بحال ہوتے ہی میں نے اسے چڑانے کی کوشش کی۔ "ذرا ذرا سی بات کو اپنے دل پر لے لیتی ہو۔ رقابت ہم جنسوں کے درمیان ہوتی ہے۔ مخالف جنسوں میں تو رفاقت ہی رفاقت ہوتی ہے۔ پتا نہیں تم میری اور جہانگیر کی دوستی سے کیوں چڑتی ہو؟"

"تم نہ میری رقابت کو تسلیم کرتے ہو نہ رفاقت پر آمادہ ہوتے ہو تو میں چڑنے کے سوا اور کیا کر سکتی ہوں؟ میرے لیے تو تم ایک پہیلی بن کر رہ گئے ہو۔"

"میرا احترام کرنا شروع کر دو۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "میں لوبان کے بغیر بھی گزارہ کر لوں گا۔"

"تھوڑی دیر پہلے پولیس اسٹیشن سے ایک گاڑی میں باوردی لوگ آئے تھے۔" آخر کار اس نے خود ہی کام کی بات چھیڑ دی۔ "سلطان شاہ ان سے ڈرائنگ روم میں ملا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ پولیس والے پچھلی رات کے رویے کی معذرت کرنے آئے تھے۔"

"ناقابلِ یقیں سی بات ہے۔" میں نے دل ہی دل میں سیٹھ حبیب جیوانی کے مراسم کی مضبوطی کا اعتراف کرتے ہوئے سلمیٰ کو جواب دیا۔ "ذرا سلطان سے میری بات تو کراؤ۔"

"ذرا ہولڈ کرنا پڑے گا۔ پتا نہیں وہ کہاں مرا ہوا ہو گا۔ مجھے دیکھ کر یوں کترا تا پھر رہا ہے جیسے میں اسے کھا جاؤں گی۔" اس کی بیزار سی آواز سُنائی دی۔

"وہ شرمندگی کی وجہ سے تم سے مُنہ چھپا رہا ہو گا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس کی وجہ سے جہانگیر نے تمھاری خاصی دل آزاری کر ڈالی تھی۔ اس معاملے میں سلطان شاہ بہت حساس آدمی ہے۔"

"تم ہولڈ کرو! میں تمھارے حساس آدمی کو تلاش کرتی ہوں۔"

میرے لیے سلمیٰ کا کردار ابتدا ہی سے ناقابلِ فہم رہا تھا۔ وہ جہانگیر کے ساتھ ہوتی تو میاں بیوی کی معمول کی نوک جھونک سے قطع نظر

اس کی وفادار نظر آتی تھی لیکن علیحدگی میں اس کے دماغ میں کچھ
اور محرکات رُوبہ عمل نظر آنے لگتے تھے جو میری دانست میں ان کی
ازدواجی زندگی کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے تھے لیکن سلمٰی کبھی بھی اپنی
لاابالی حرکات کے نتائج کا صحیح ادراک کرتی ہوئی نظر نہیں آتی تھی۔
بظاہر اس ذہنی بے راہ روی کا ایک ہی سبب ہو سکتا تھا کہ ان
دونوں کی شادی کے ابتدائی دنوں میں جہانگیر بشی کا سرگرم کارندہ
تھا اور اس نے اپنی آمدنی کے ناجائز ذرائع کو اپنی بیوی سے
پوشیدہ رکھا ہوا تھا اس لیے وہ کبھی بھی اپنی مشتبہ اور وقت
ناوقت نقل و حرکت کے بارے میں سلمٰی کو کوئی تسلی بخش جواب
نہ دے سکا اس لیے ابتدا ہی میں ان کے درمیان ذہنی ہم آہنگی
پیدا ہونے کے بجائے عدم اعتماد کا ذہنی خلا بڑھتا چلا گیا اور سلمٰی
نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اپنی حدود سے تجاوز کرنے کی
کوششیں شروع کر دیں جو کم از کم میری حد تک ناکام رہی تھیں
لیکن میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ مسز ڈی سلوا جیسی عورت سے دوستی
رکھنے کی وجہ سے اس کے مراسم کی جڑیں کہاں تک اتری
ہوئی تھیں۔

میرے کان سے لگے ہوئے ریسیور پر سلطان کی آواز
نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

"تم سلمٰی سے کیوں بھاگ رہے ہو؟" میں نے اس کی آواز
سنتے ہی سوال کیا تھا۔

"جہانگیر اپنی خواب گاہ میں گہری نیند سو رہا ہے۔ سلمٰی سے
جتنی بار بھی میرا سامنا ہوا میں نے اسے ایسی نظروں سے اپنی
طرف گھورتے ہوئے پایا کہ میرے پسینے چھوٹ گئے۔" اس کی
دھیمی اور شرمسار آواز سنائی دی۔ "تم جانتے ہو کہ میں عورتوں
سے ویسے ہی دور بھاگتا ہوں۔ سلمٰی تمہارے دوست کی بیوی
ضرور ہے مگر مجھے اس سے خوف آتا ہے۔ کل سے میں فیکٹری
جانے لگوں گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"سلمٰی سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں ناصحانہ
لہجے میں کہا۔ "کسی بھی مرد کی طرف سے خود کو نظر انداز کیے جانے
کو وہ اپنی توہین سمجھتی ہے۔ اس سے بات چیت کر دو تا کہ اسے
سمجھ سکو۔ فی الحال ان دونوں کو ہماری ضرورت ہے۔ ہم انہیں حالات
کے حالات کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے اور سب سے اہم بات
یہ ہے کہ تم اب فیکٹری کا رُخ نہیں کرو گے۔"

"یہ کیوں؟" میری ہدایت سن کر اس نے تحیّر زدہ لہجے میں
سوال کیا تھا۔

"کل رات ہم یہ بھول گئے کہ دلدار آغا کے بعد اب ویرا خود
بھی لاوارث فیکٹری کا انتظام سنبھال سکتی ہے۔ وہ تمہیں اچھی
طرح پہچانتی ہے اس لیے اب تمہیں اس چوہے دان سے دور
رہنا چاہیے۔ اس مرحلے پر میں کوئی بڑا خطرہ مول لینے کے
تیار نہیں ہوں۔"

"پھر ہمیں فیکٹری کے اندر کی خبریں کیسے مل سکیں گی؟"

"فی الحال ہمیں فیکٹری کو بھولنا ہوگا۔ آج رات مجھے
میں دیر ہو سکتی ہے۔ یہ امکان بھی ہے کہ شاید میں واپس نہ آ سکوں
میری طرف سے کسی کو فکر مند نہ ہونے دینا۔ رات کو میں تنہا نہیں
رہوں گا۔"

"تمہارے الفاظ سے خون کی بو آ رہی ہے کیا آج رات کم
کارروائی کا ارادہ ہے؟"

"فی الحال کچھ کہہ نہیں سکتا۔" میری آواز غیر ارادی طور پر
ہو گئی۔ "میرے دوست اور ہمدرد میرے ساتھ ہیں ان کی موجودگی
میں شاید مجھے ہدایات جاری کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہ کرنا پڑے
لیکن بُرے وقت کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ بھٹکی ہوئی
گولی کسی کو بھی چاٹ سکتی ہے۔"

"کیا ویرا سے دو دو ہاتھ کرنے جا رہے ہو؟" میرے غیر
جواب نے اس کے تجسس کو بھڑکا دیا۔

"براہِ راست نہیں بلکہ میں اس کے دستِ راست ماجے
کا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم کرنا چاہ رہا ہوں۔ اسے جہنم واصل
کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ویرا کی کمر ٹوٹ جائے گی۔"

"ویرا کو ہی کیوں نہیں پکڑتے؟ چیلے چاٹوں کے بجائے
گرو کا ہی قصہ تمام کرنے کی کوشش کرو کیونکہ اس کے بعد
تو جمی لارنڈ کو خود ہی یہاں آنا پڑے گا۔"

"مجھے ماجے کا اڈا معلوم ہے جبکہ ویرا کا ٹھکانا معلوم
وہ سامنے آ گئی تو میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکے گی۔ فی الحال
ماجے پر ہی قناعت کرنی ہوگی۔"

"تم مجھے کیوں کاٹ رہے ہو؟ میں بھی تمہارے ساتھ
رہنا چاہتا ہوں۔"

"مجبوری ہے۔ میں تمہیں مافیا والوں کے سامنے نہیں
لانا چاہتا۔" بات کرتے کرتے اچانک ہی مجھے ایک اور خیال
آگیا۔ "اگر تم گھر سے نکل سکو تو تمہارے لیے بھی ایک کام موجود

"جلدی بتاؤ میں تو گھر سے باہر نکلنے کے لیے بہانے
تلاش میں ہوں۔"

میں نے اسے مختصراً ہربرٹ کارا ویلی کے بارے میں بتاتے
ہوئے کہا۔ "یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ اس کا ٹھکانا کہاں
ہے؟ اس کے پاس کیا مواد ہے؟ اور اب وہ کس سمت
پیش قدمی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟"

"یہ کام میرے لیے دلچسپ ثابت ہوگا لیکن مجھے کم ازکم کسی ایمرجنسی کے لیے اپنے دفتر کا فون نمبر تو دے دو، یہ میں اپنی ذات تک محدود رکھوں گا۔"

"ان نمبروں پر تم مجھ سے بلا تکلف بات کرسکتے ہو، یہاں میں ٹریڈ لائن کا جنرل مینیجر ہوں۔ میں موجود نہ ہوں تو تم پیغام چھوڑ سکتے ہو۔" میں نے اپنے فون نمبر نوٹ کرانے کے بعد کہا۔ "بس یہ دھیان رہے کہ کوئی اہم بات ہو تو ایکسچینج کے بجائے ڈائریکٹ لائن پر رابطہ قائم کرنا۔"

اس کال سے فارغ ہوکر میں نے سینڈو کو اپنے دفتر میں طلب کیا اور وہ کسی سہمے ہوئے مجرم کی طرح سر جھکائے میرے روبرو آ کھڑا ہوا۔

"پتلے کے بارے میں کیا پیش رفت ہوئی؟" میں نے اسے بیٹھنے کی اجازت دیے بغیر سرد لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ پتا نہیں چل سکا۔ مجھے اپنے آدمیوں پر مکمل اعتماد ہے۔ میری عقل کام نہیں کرتی کہ وہ پتلا کس نے یہاں پہنچایا ہوگا۔" اس کے چہرے پر چھائی ہوئی مردنی گہری ہوگئی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" میں نے اسے حکم دیا۔ "چہرے پر یتیمی طاری کرلینے سے ساری مشکلات حل نہیں ہوجائیں گی۔ جو کچھ ہوا ہے، تمہارے سامنے ہوا ہے۔ وہ پتلا میں اپنے ساتھ یہاں لے کر نہیں آیا تھا۔ اگر ہم سب کی لاعلمی میں کوئی شخص پتلا میری کرسی پر بٹھا کر واپس جاسکتا ہے تو یقین رکھو کہ کسی بھی لمحے یہ پوری عمارت اپنی مضبوط بنیادوں سمیت اڑائی جاسکتی ہے۔"

"تم یقین کرو باس کہ یہ واقعہ میرے لیے کسی ننگی گالی سے کم نہیں ہے۔" اس نے ندامت کے ساتھ سر جھکا کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے میرے مقدر میں تمہارے سامنے صرف روسیاہی لکھی گئی ہے۔ ایک کام ٹھیک کرتا ہوں تو دوسرا خود بخود غلط ہوجاتا ہے۔"

"مقدر کو کوسنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" میں نے ترش لہجے میں کہا۔ "کسی نئی نویلی بیوہ کی طرح باتیں نہ بناؤ اور اپنے نظام کا بار بار جائزہ لو کہ خامی کہاں ہے اور اس کا سدِباب کیسے کیا جاسکتا ہے۔ جب تم اپنی ناکامی کا اعتراف کرلو گے تو میں خود دیکھوں گا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

میرے آخری فقرے پر سینڈو کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ ان الفاظ میں واضح طور پر اس کی معزولی کی دھمکی پوشیدہ تھی اور مافیا میں کام سے معزولی کا عام مفہوم جان سے محرومی لیا جاتا تھا کیونکہ ایک بار اندر کا آدمی بن جانے کے بعد مافیا سے باہر کوئی زندہ نہیں چھوڑا جاتا تھا۔

"اتنی اٹل بات نہ کہو باس۔" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ "میرا ماضی گواہ ہے کہ اپنی ذاتی کمزوریوں کے باوجود میں نے اپنے کام سے ہمیشہ انصاف کیا ہے۔۔۔"

"اپنے کام سے انصاف کے صلے میں تم کو معاوضے کے ساتھ تعریفی کلمات بھی سننے کو ملتے رہے اس لیے پچھلا حساب بے باق ہے۔ اس کا حوالہ نہ دو۔ ہمیں کسی بھی فرد کی ضرورت کا فیصلہ اس کی موجودہ صلاحیتوں کو مدِنظر رکھ کر کرنا پڑتا ہے، ماضی کی بین بجانے والے احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ غنیمت یہ ہے کہ میں تمہیں وقت کا پابند نہیں کر رہا لیکن یاد رکھنا کہ اب تمہاری کارکردگی پر ہر لمحے میری کڑی نگاہ رہے گی اور میرا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے۔"

اس نے سر اٹھا کر ایک بار میری طرف دیکھا اور دوبارہ سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئی تھیں اور کمرے میں ائرکنڈیشنر کی پھیلائی ہوئی خنکی کے باوجود اس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی تھی جیسے میری زبان سے فرمانِ امروز جاری ہوتے ہی اجل کے فرشتے نے اس کے عقب میں اپنی پوزیشن سنبھال لی ہو اور اگلے اشارے پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

سینڈو جیسے جفاکش کارکن کے ساتھ میرا بے رحمانہ سلوک خود میری نظروں میں ناروا تھا۔ پتلے کے اندر سے چیف کا پیغام برآمد ہونے کے بعد تو اس سختی کا سرے سے کوئی جواز ہی نہیں رہا تھا لیکن میری نظروں میں وہ سب ہی چور اور گرہ کٹ تھے جن میں حدِ فاصل قائم کرنا محال تھا۔ اگر کوئی فرق تھا تو صرف اتنا کہ شی والے بربادی کے زیادہ مستحق تھے۔ مافیا والوں کو بھی میرے زیرِعتاب آنا تھا اس لیے اس کارِخیر کی اسی وقت داغ بیل ڈالنے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ اگر خود مجھے سینڈو کی مدد اور حمایت کی ضرورت نہ ہوتی تو شاید میں اسی بہانے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ ہیروئن کی غیرقانونی تجارت میں ملوث جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ عام آدمیوں جیسا برتاؤ کرنا امن پرور شہریوں کے ساتھ بے انصافی کے مترادف ہوتا۔

"میں رحم کی بھیک مانگتا ہوں باس!" سینڈو بجلی کی سی سرعت کے ساتھ میز کے گرد گھوم کر اچانک میرے قدموں میں گر پڑا اور میری خودی اچانک ہی کچھ بلند ہوگئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ سینڈو نہیں بلکہ کوئی آدم خور درندہ تھا جو مجھے پھاڑ کھانے کے بجائے مجھ سے رحم کا طالب تھا۔ میں نے اسے اپنی ٹھوکر سے ہی پیچھے ہٹا دیا۔ "بزدلی مت دکھاؤ سینڈو! تم

جس پیشے سے منسلک ہوا اس میں موت سایہ بن کر ہمارا تعاقب کرتی ہے۔ موت سے دہشت زدہ ہونے والا کبھی اچھا کارکن نہیں بن سکتا۔"

"میں موت سے نہیں ڈرتا باس! ابھی تم ماجے کے اڈے پر جاؤ گے تو میری بے خوفی کے جوہر دیکھ لینا۔ میں دشمن کی گولی پشت کے بجائے سینے پر کھانا پسند کرتا ہوں لیکن اس موت سے پناہ مانگتا ہوں جو میری کسی لغزش کے نتیجے میں اپنوں کی طرف سے مجھ پر مسلط کی جائے۔"

"تیاریوں کی کیا پوزیشن ہے؟" میں نے وہ موضوع وہیں ختم کرتے ہوئے سوال کیا اور سینڈو رعشے کے کسی مریض کی طرح لرزتا ہوا میرے قدموں سے اٹھ گیا۔

"سب تیار ہیں، میں بھی تیار تھا لیکن اب مجھے خود کو سنبھالنے کے لیے تھوڑا سا وقت درکار ہوگا۔ اس وقت میں اندر سے بری طرح ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہوں۔"

"تمہاری حالت اتنی ہی ابتر ہے تو آرام کرو۔ مہم کی قیادت میں خود کرلوں گا۔" میں نے اسے ایک اور چرکا لگایا جو اس کی برداشت سے باہر تھا۔

سینڈو تڑپ کر تقریباً چیخ پڑا۔ "نہیں باس! ابھی میرے بازوؤں میں اتنی جان ہے کہ میں اپنے بڑوں کی پشت پناہی کے ساتھ خود ہراول بن سکتا ہوں۔ تم یہ سعادت مجھ سے نہیں چھین سکتے۔ تم حکم دو تو میں ابھی اور اسی وقت روانہ ہونے کے لیے تیار ہوں۔"

"جاؤ!" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "اور آرام کرو۔ ہم ایک گھنٹے بعد روانہ ہوں گے۔ یہاں سے صرف دو گاڑیاں جائیں گی، ان کی نمبر پلیٹیں بدلوا لینا۔ ابھی میں نہیں چاہتا کہ شی والوں کو اپنے مقابلے میں مافیا کے اترنے کی بھنک مل سکے۔ آدمیوں کے لیے نقابوں کے ساتھ ہی دستی بم بھی ضروری ہیں۔ دھوئیں کے بے ضرر بم پھینک کر ہم آسانی کے ساتھ اپنا راستہ بنا سکیں گے۔ پورے علاقے میں وسیع پیمانے پر خوف و ہراس پھیل گیا تو ماجے کا مخبری کا نظام آپ ہی درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔"

"بہت اچھوتا خیال ہے۔ اس کی حرف بہ حرف تعمیل ہوگی۔" اس نے گھگیا کر کہا۔

"درباریوں جیسی باتیں نہ کرو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "اور جا کر آرام کرو۔ اب سے ٹھیک ایک گھنٹے بعد تم سے ملاقات ہوگی۔"

وہ مضمحل اور شکست خوردہ انداز میں میرے دفتر سے واپس چلا گیا۔ میں نے دیدہ و دانستہ جس بے رحمی سے اس کی انا کو لہولہان کیا تھا اس کے پیش نظر مجھے پورا یقین تھا کہ اپنے وجود کو منوانے کے لیے وہ ماجے والی مہم میں شاندار کی بہترین کارکردگی دکھانے کی کوشش کرے گا جو میرے لیے وقت کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔

وہ علاقہ بہت زیادہ مصروف نہیں تھا کہ ٹریفک میں گاڑیاں آگے بڑھانا محال ہوتا اور نہ ہی اتنا ویران کہ استعمال کیے بغیر بے خطر ڈرائیونگ کی جا سکے۔ پانچ آدمی کاروں میں تھے جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر سینڈو بذات خود تھا اس کے پیچھے میری جیپ تھی جس میں میں ڈرائیور والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور پچھلی نشستوں پر دو محافظ موجود تھے جو کسی بھی صورت میں پل بھر میں حرکت میں آ سکتے تھے۔

اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا لیکن آسمان پر ڈوبتے ہوئے سورج کی ہلکی سی روشنی موجود تھی جس کی وجہ سے غبار آلود فضا کی دھندلاہٹ نہ صرف نظر آرہی تھی بلکہ اس سے گھٹن بھی محسوس ہو رہی تھی۔ کہیں کہیں لیمپ روشن کیے جا چکے تھے مگر بیشتر سڑکیں تاریک تھیں۔ اس تاریکی میں کچھ حصہ متعلقہ اہل کاروں کی کسل مندی کا اور کچھ کارفرمائی لوڈشیڈنگ کی نظر آرہی تھی۔ ایسے مقامات پر صرف دکانوں سے پڑنے والی روشنیاں ہی ڈرائیوروں کی راہنمائی کر رہی تھیں ورنہ خستہ حال سڑک کے نشیب اور گندے پانی سے بھرے ہوئے گڑھوں سے گاڑی نکال لے جانا محال ہو جاتا اور پیدل چلنے والے ادھر ادھر نکلنے کی عملی تفسیر بن جاتے۔

ماجے کے اڈے سے ہو کر گزرنے والی سڑک کی لمبائی ڈیڑھ کلومیٹر تھی۔ وہ علاقہ میرا دیکھا بھالا ہوا نہیں تھا اس لیے ہمارے درمیان یہ طے پا چکا تھا کہ ماجے کے اڈے کی طرف آخری موڑ گھومنے سے ذرا پہلے سینڈو دائیں بائیں دونوں انڈیکیٹر بیک وقت روشن کرے گا تاکہ ہم لوگ الرٹ ہو سکیں۔ اس مخصوص اشارے پر میری جیپ کی رفتار سست کر کے درمیانی فاصلہ بڑھا لیا جاتا اور پھر دونوں گاڑیاں یکے بعد دیگرے اس سڑک پر گھوم جاتیں جو سوئے مقتل جاتی تھی۔ اس راستے پر دونوں پارٹیوں کو اپنی ضروریات کے مطابق آزادانہ کارروائی کرنے کا پورا اختیار حاصل تھا۔ گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد سڑک کی ایک سمت ہیروئنچیوں سے بھرا ہوا ایک تاریک پارک اور دو

متعفن نشینی جو ہر آسکتا تھا۔ اس مقام پر ہم میں سے ہر ایک کو اپنے
چہروں پر ربر کے وہ نرم اور رنگین نقاب منڈھ لینے تھے
جو فینسی ڈریس کے مقابلوں وغیرہ میں رُوپوشی کے لیے استعمال
کیے جاتے ہیں۔ ان نقابوں میں خاص بات یہ تھی کہ جلتی ہوئی
کار پر نگاہ پڑنے کے باوجود کوئی شخص بادی النظر میں ان پر شبہ
نہیں کر سکتا تھا۔

گاڑیوں کا سفر جاری تھا اور میں اپنے ذہن میں آنے
والے خونیں لمحات کے بارے میں نقشہ جما رہا تھا تاکہ شہر والوں
میں سفید موت کے ہولناک جراثیم پھیلانے والوں کو سنبھالا
لینے سے قبل ہی ان کی کمین گاہوں میں موت کے گھاٹ
اتارا جا سکے۔

اچانک سینڈو کی کار کے دونوں عقبی انڈیکیٹر جلنے بجھنے نظر
آئے اور میں اضطراری طور پر اپنی نشست پر پہلو بدل کر رہ
گیا تین بار اشارہ ہونے کے بعد وہ روشنیاں معدوم ہو گئیں۔
چند ثانیے بعد ہی سینڈو نے داہنی طرف مڑنے کا سگنل دیا اس
وقت میری جیپ اور اس کی کار کا درمیانی فاصلہ مناسب حد
تک بڑھ چکا تھا اور یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ دونوں گاڑیاں
ایک ساتھ تھیں۔

وہ موڑ گھومتے ہی جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں
میں نے دیکھا کہ سُرخ ٹی شرٹ اور سیاہی مائل نیلی جینز میں
ملبوس ایک اوباش قسم کا نوجوان ایک کیبن کے پہلو میں اپنی
موٹر سائیکل کو کک لگا کر اسٹارٹ کر رہا تھا۔ اس کی نظریں
مڑ کر جاتی ہوئی سینڈو کی کار کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ وہ
اپنے علاقے میں اپنے لوگوں کے درمیان تھا اس لیے اس
وقت حد سے زیادہ خود اعتمادی میں مبتلا نظر آ رہا تھا۔ اس
کے تیور دیکھ کر کوئی بھی آسانی سے اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ نوجوان
اپنی موٹر سائیکل پر سینڈو کی کار کے تعاقب میں جانے کا ارادہ
رکھتا تھا۔

"رفتار کم کر دو۔" میں نے دھیمی مگر سخت آواز میں اپنے
ڈرائیور کو ہدایت دی۔ "پہلے موٹر سائیکل والے کو نکل جانے
دو پھر اسے درمیان سے نکلنے نہ دینا۔"

اس کی ساری توجہ سینڈو کی کار پر مرکوز تھی اس لیے
اس نے مڑ کر ہماری رینگتی ہوئی جیپ کی طرف دیکھنے کی بھی
زحمت نہیں کی اور انجن اسٹارٹ ہوتے ہی گیئر ڈال کر چشم زدن
میں سینڈو کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ میرے ڈرائیور نے جیپ
کی رفتار بڑھا دی۔

موٹر سائیکل سوار اس وقت پوری طرح جیپ کے
ہیڈ لیمپس کی زد میں آیا ہوا تھا۔ سینڈو کی کار سے قریب ہوتے
ہوئے اس کا بایاں ہاتھ جینز کی جیب کی طرف گیا اور اگلے ہی
لمحے میں نے اس کے ہاتھ میں پستول کی جھلک دیکھی جو اس
نے شاید حفظِ ماتقدم کے طور پر نکالا تھا۔

وہ نوجوان میرا ہم وطن تھا۔ دوسروں کی طرح وہ بھی
نہ جانے کس ماں کا لال تھا اور کس کس کی امیدوں کا مرکز و
محور تھا مگر اپنی جیب سے پستول نکال کر اس نے اپنی
شناخت ظاہر کر کے میرے شبے کی تصدیق کر دی تھی۔

وہ جو بھی تھا اس وقت میری نظروں میں یک بیک اپنی
ساری افادیت کھو کر، معاشرے میں ہیروئن کی ترویج اور
تبلیغ کرنے والوں کا نمائندہ بن کر رہ گیا تھا جو میری دانست
میں بدترین سزا کے مستحق تھے میں نے باہر کے مقابلے میں جیپ
میں تاریکی ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے چہرے پر ربر
کا رنگین انسانی نقوش والا نرم نقاب منڈھ لیا۔ میری دیکھا دیکھی
ان تینوں نے بھی وہی کیا۔

"جیپ اس کے برابر میں لے جاؤ۔" میں نے اپنی گود
میں رکھا ہوا بے آواز پستول سنبھالتے ہوئے سرد لہجے میں
کہا۔ میری لوڈ کی ہوئی کلاشنکوف میرے قدموں میں موجود تھی۔

جیپ کے انجن کی غرّاہٹ ذرا تیز ہوئی اور ایک ہی
جست میں وہ موٹر سائیکل سوار کے پہلو میں پہنچ گئی۔ اس
نوجوان نے مڑ کر غصّے اور تنفّر کے عالم میں جیپ کی طرف دیکھا
مگر اس بدنصیب کو تاخیر ہو چکی تھی اس وقت تک میرے
ہاتھ میں موجود پستول کی نال ہارڈ ٹاپ جیپ کی کھڑکی سے
نکل چکی تھی۔ میں نے ذرا بھی ملال کیے بغیر بلا توقف اس کے
چہرے پر ہی فائر کر دیا۔ ٹریگر کے میکانیکی جھٹکے کی ہلکی سی
آواز ہوئی اور موٹر سائیکل لہرا کر بائیں طرف جھکتی چلی گئی۔ وہ
بدنصیب نوجوان میری گولی کھاتے ہی اچھل کر اپنی سیٹ سے
نیچے گر چکا تھا۔

فائر کارروائی دھماکا نہ ہونے کے باوجود وہ منظر دیکھنے
والے اضطراری طور پر چیختے چلاتے ہوئے زخمی کی طرف لپکے
جو میری دانست میں چند ہی لمحوں میں آنجہانی ہونے والا
تھا۔ اس کی طرف لپکنے والوں کا سارا ردِّعمل اس حادثے پر
تھا۔ غالباً اس واقعے میں میرے کردار کا اندازہ کسی کو بھی نہیں
ہو سکا تھا مگر پھر بھی لوگوں کا وہاں جمع ہو کر منظم ہونا میرے
مفادات کے حق میں نہیں تھا اس لیے میں نے جھک کر
پائیدان میں اپنی کلاشنکوف کے ساتھ رکھے ہوئے تھیلے میں
سے دھوئیں کا ایک بم نکالا اور اس کی فیوز پن کھینچ کر اسے کھڑکی

میں سے باہر، پیچھے کی طرف اچھال دیا۔
ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ فضا بری طرح لرز اٹھی اسی کے ساتھ خوفزدہ لوگوں کی چیخ و پکار نے وہاں ایک گمبھیر سماں باندھ دیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا کہ پھٹنے والے بم سے خارج ہونے والے کثیف اور سیاہ دھوئیں کے بادل تیزی سے ہر طرف پھیل گئے تھے اندھیرے کی اس چادر میں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا لیکن میرا دل مطمئن تھا کہ وہ ایک بے ضرر بم تھا اگر اس کا پلاسٹک کا خول پھٹنے سے کسی کو معمولی سی خراشیں آئی ہوں تو اور بات ہے ورنہ وہ مہلک ہرگز نہیں تھا۔
اس دھماکے کے نتیجے میں جائے وقوع پر جو کچھ ہوا تھا وہ اپنی جگہ پر تھا لیکن خرابی یہ ہوئی کہ پرشور دھماکے کے نتیجے میں ہمارے راستے پر نظر آنے والی متعدد گلیوں سے بھی بہت بڑی تعداد میں ہراساں مردوں، عورتوں اور بچوں کے غول کے غول امڈ پڑے تھے اور سب کا رخ اسی طرف تھا جہاں گاڑھے دھوئیں کے بادل فضا میں بلند ہونے کے بجائے زمین سے چند فٹ کی بلندی پر ہلکورے لے رہے تھے۔
بظاہر کسی نے ہماری گاڑیوں کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ سب لوگ ایک اجتماعی اور اضطراری ردعمل کا شکار نظر آرہے تھے۔ دھماکے کی آواز اتنی بلند تھی کہ مجھے یقین تھا کہ ماچے کے اڈے پر بھی سنی گئی ہوگی اس طرح ان لوگوں کو ہوشیار ہونے کا موقع مل گیا تھا۔
اچانک ہی مخالف سمت سے دو موٹر سائیکلیں ہارن بجاتی ہوئی تیزی کے ساتھ نمودار ہوئیں۔ سڑکوں کے کناروں پر بھاگتے ہوئے لوگ انھیں خود بخود راستہ دے رہے تھے کیونکہ وہ دونوں یہ کچھ چلا بھی رہے تھے۔ انھوں نے سینڈو کی کار کو نظرانداز کر دیا تھا پھر پہلا موٹر سائیکل سوار ہماری جیپ سے آگے نکلتا چلا گیا مگر دوسرا نہایت جارحانہ تیوروں کے ساتھ اچانک ہی موٹر سائیکل جیپ کے سامنے لے آیا۔ اگر ڈرائیور فوراً ہی بریک نہ لگاتا تو تصادم ہونا یقینی تھا۔
اس نے موٹر سائیکل روک کر ایک پیر زمین پر ٹکایا اور پھر پے در پے گالیاں دیتے ہوئے ہم سے جیپ کی چابیوں کا مطالبہ کرنے لگا۔ ہراساں لوگوں کی بھیڑ میں سے کچھ لوگ وہ تماشا دیکھنے کے لیے رک گئے۔ ہم لوگوں کی طرف سے کوئی ردعمل نہ دیکھ کر موٹر سائیکل سوار نے اپنی موٹر سائیکل بے پروائی سے وہیں سڑک کے وسط میں سائیڈ اسٹینڈ پر کھڑی کی اور پستول تان کر دادا گیروں والے انداز میں ہماری طرف بڑھا تھا اسی کے ساتھ مجمع میں سے مارو، پکڑو کی آوازوں کے ساتھ جیپ پر پتھراؤ شروع ہو گیا۔
وہ بہت سنگین صورت حال تھی۔ ہمارے چہروں پر چڑھے ہوئے ماسک اس وقت تک اندھیرے میں پوشیدہ تھے لیکن قریب آکر کوئی بھی ان کی اصلیت بھانپ سکتا تھا۔ مجھے بے اختیار دلاور کی وہ درگت یاد آ گئی جو لیاقت آباد میں ایک مشتعل ہجوم نے بنائی تھی ہم ہوبہو اسی صورت حال سے دوچار تھے۔ ہماری گاڑی میں اسلحہ بھی موجود تھا اور ہم ہر اعتبار سے مشتبہ تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ہمارے خلاف لوگ خود بخود مشتعل نہیں ہوئے تھے بلکہ انھیں موٹر سائیکل سوار نے ہماری طرف متوجہ کرایا تھا جو واضح طور پر معراج دین عرف ماچے کا آدمی تھا جو دھماکے کا سبب معلوم کرنے کے لیے اپنے اڈے سے اس طرف آیا تھا۔ غالباً اسے ہم پر شبہ ہو چکا تھا اور دھماکے کے بارے میں اپنی تحقیقات مکمل کرنے تک وہ جیپ کی چابیاں لے کر ہمیں اپنا مشتبہ قیدی بنائے رکھنا چاہتا تھا۔ یہ سارے خیالات پلک جھپکتے میں میرے ذہن میں آکر گزر گئے۔ اتنی دیر میں وہ اپنی موٹر سائیکل سے دو قدم آگے ہی بڑھ سکا تھا اور جیپ کی آہنی چادر پر پتھروں کی پہلی بوچھاڑ نے آہنی ترنگ بجائی تھی۔ اس وقت فیصلے کی ذرا سی تاخیر ہمیں ناقابل تصور دشواریوں سے دوچار کر سکتی تھی۔
"چاروں طرف دھوئیں کے بم پھینکو!" میں نے وحشی غراہٹ کے ساتھ کہا اور اچانک ہی کھڑکی سے ہاتھ باہر نکال کر پستول بردار دادا گیر کے سینے پر فائر کر دیا۔
اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ اسے بھرے مجمع میں اس طرح مار دیا جائے گا۔ گولی کھا کر وہ ایک کربناک چیخ مار کر سڑک پر گرا اور بری طرح تڑپنے لگا۔ اسی لمحے جیپ کے اطراف میں یکے بعد دیگرے بموں کے کئی دھماکے ہوئے۔ کثیف دھوئیں کے بادلوں میں ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ اسی کے ساتھ آگے سے تیز فائرنگ کا شور گونجنے لگا۔
شاید سینڈو نے ہماری مخدوش پوزیشن کا اندازہ لگا کر پھیلے ہجوم میں خوف و ہراس پھیلانے کے لیے ہوائی فائرنگ شروع کرادی تھی جس نے ہمارے حق میں امرت دھارا کا کام دکھایا۔ یہ سب کارروائیاں کسی سوچے سمجھے منصوبے کے بغیر پلک جھپکتے میں تقریباً بیک وقت رونما ہوئیں جس کے نتیجے میں تماش بین اپنی جانیں بچانے کے لیے بلبلاتے ہوئے بھاگ لیے اور ہم پر سنگ باری کرنے والوں کو فوری طور پر اپنا سر یاد آ گیا۔ اس افراتفری میں ڈرائیور کو کوئی ہدایت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔
پستول بردار شہدے کے ڈھیر ہوتے ہی اس نے جیپ آگے بڑھائی تھی اس کی ٹکر سے موٹر سائیکل اچھل کر دور جا گری جیپ سڑک پر آگے نکلتی چلی گئی۔

، اکا دکا بم پھینکتے رہو۔" میں نے آگے کی گلیوں سے نمودار ہونے والوں کو تشویش آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور ہوائی فائرنگ بھی شروع کر دو ورنہ انسانوں کا یہ سیلِ رواں ہمیں تنکوں کی طرح اپنی رَو میں بہالے جائے گا۔ ان کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

میرے الفاظ مکمل ہونے سے پہلے ہی ایک دھماکا ہوا اور پھر فضا سب مشین گن کے اعصاب شکن نغمے سے لرز اٹھی۔ سینڈو کی کار کے ساتھ ہی جیپ سے بھی ہوائی فائرنگ شروع کر دی گئی تھی۔

گلیوں سے لوگ اس طرح اُمڈے چلے آرہے تھے جیسے انھیں مشینوں سے ڈھال کر کھیپ در کھیپ باہر دھکیلا جارہا ہو۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس علاقے کی آبادی اس قدر گنجان ہوگی۔ گلیوں سے لوگوں کی آمد کا سلسلہ منقطع ہوتا ہوا نظر نہیں آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے چھوٹے چھوٹے کچے اور نیم پختہ مکانات میں رہنے والوں کو کھانے، کمانے اور بچے پیدا کرنے کے علاوہ کوئی چوتھی مصروفیت میسّر ہی نہیں تھی۔

سخت متعفن ہوا کے جھونکے سے اندازہ ہوا کہ ہم بدبودار جوہڑ کے قریب سے گزر رہے تھے۔ دوسری جانب تاریک پارک تھا جہاں سینڈو کے بیان کے مطابق، دن رات ہیروئن پینے والوں کا راج رہتا تھا۔ ان مدہوشوں اور غافلوں کی طرف سے کسی تعرض کا خطرہ نہیں تھا اور نہ ہی جوہڑ میں سے کوئی مخلوق برآمد ہو کر ہماری راہ میں حائل ہوسکتی تھی اس لیے ہم نے اپنے اسلحے کا استعمال ترک کر دیا۔

اس سے آگے سڑک کے دونوں طرف ویرانہ ہی ویرانہ تھا۔ کچھ فاصلے پر داہنی طرف ایک روشن عمارت نظر آرہی تھی جو علامات کے اعتبار سے ہماری منزل ہوسکتی تھی۔

پیچھے رہ جانے والے شور و غل کی اونچی بازگشت وہاں تک سنائی دے رہی تھی۔ ماجے کی راجدھانی میں بسنے والوں کے لیے غالباً وہ پہلا تجربہ تھا کہ اجنبی حملہ آور علاقے میں گھس کر دہشت گردی اور خونریزی میں کامیاب ہوئے تھے۔ ہم لوگ اپنی ابتدائی کوشش میں کامیاب ہوچکے تھے۔ ماجے کے دو مخبروں کو میں نے اپنے ہاتھوں سے خون میں نہلا دیا تھا اس لیے مزید کسی احمقانہ احتیاط کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی اور جیپ سینڈو کی گاڑی سے تقریباً مل کر اس سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

ہم ماجے کے اڈے سے تقریباً سو گز دور رہ گئے تھے کہ سڑک کے دونوں طرف سے ہماری گاڑیوں پر گولیوں کی باڑھ ماری گئی اور سینڈو نے اضطراری طور پر اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی جس کی میرے ڈرائیور نے بھی تقلید کی۔

میرے حساب سے وہ صورتِ حال خطرناک ہوسکتی تھی کیونکہ ماجے کے آدمی خطرہ بھانپ کر ہماری پیشوائی کے لیے اپنے اڈے سے باہر مورچا زن ہوچکے تھے۔ تیز رفتاری کی وجہ سے ان کی گولیاں ہماری گاڑیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں البتہ سینڈو کی کار کا ایک پچھلا ٹائر دھماکے سے پھٹ گیا تھا۔ سینڈو نے اس کی پروا نہیں کی تھی اور نہ ہی اپنی رفتار میں کوئی کمی آنے دی تھی۔

ہم معصوم اور بے گناہ شہریوں کے مسکن سے گزر کر مردم آزار بھیڑیوں کے خوں میں آچکے تھے جہاں رحم، نرمی یا رعایت سے کام لینا خودکشی کے مترادف ہوتا۔ ہم انھیں نہ مارتے تو وہ بے رحمی کے ساتھ ہمیں خاک و خون میں نہلا دیتے۔ اس لیے میں نے پھرتی کے ساتھ گرینیڈ اُٹھا کر دانتوں سے اس کی پن کھینچی اور وہ آہنی گولا اندازے سے اس طرف اُچھال دیا جدھر سے گولیاں چلائی گئی تھیں۔

میں وہاں ماجے کو تہس نہس کر دینے کا عزم لے کر آیا تھا تاکہ ویرا کو بے بسی اور تنہائی میں مبتلا کرسکوں۔ وہ ایک گنجان آباد علاقہ تھا اس لیے ہم وہاں طویل مقابلے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ میرا تجربہ تھا کہ آبادیوں میں اپنا گھناؤنا کاروبار چلانے والے علاقے کے لوگوں کی اجتماعی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے عموماً ان کی ضروریات کے سلسلے میں فراخ دلی سے کام لیتے ہیں تاکہ طاقت سے خوفزدہ نہ ہونے والے لوگ مروت کی وجہ سے ان کی مذموم سرگرمیوں کی طرف سے چشم پوشی اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اگر وہاں ہمارا مقابلہ طول پکڑتا تو عین ممکن تھا کہ ماجے کے آدمی مروت، محلے داری اور دادا گیری کے زور پر علاقے کی آبادی سے ہمارا گھیراؤ کرا کے ہمارے فرار کی راہیں مسدود کرا دیتے اس لیے ہمیں جو کچھ کرنا تھا، آناً فاناً میں کرنا تھا اور حریف کو کسی منصوبہ بندی کا موقع دیے بغیر اس خطرناک علاقے سے نکل جانا تھا۔

محض اسی فوری خیال کے تحت میں نے گولیوں کا جواب گولی سے دینے کے بجائے دستی بم استعمال کیا تھا جو اپنی تباہ کاری کی وجہ سے ایک ہی وار میں، اندھیرے میں چھپے ہوئے حریف کے پیر اکھاڑ سکتا تھا۔

میں نے جو سوچا تھا وہی ہوا۔ ہینڈ گرینیڈ کے ہولناک بارودی دھماکے میں کئی انسانی چیخیں اُبھری تھیں۔ وہ وقت ہر مرحلے پر ہدایات جاری کرنے کا نہیں تھا۔ جرائم پیشہ لوگوں میں ایسے نازک مواقع پر خود بخود ایسی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ کسی تبادلۂ خیال کے بغیر خاموشی سے ایک دوسرے کے خیالات کی لہریں پڑھ کر عمل کر گزرتے ہیں۔

میں نے اپنی سمت میں، سڑک کے بائیں طرف کی کمین گاہوں پر مہلک وار کیا تھا، اگلی گاڑی والوں نے لمحہ بھر بعد وہی کارروائی دائیں جانب کی لیکن وہ اتنی مؤثر ثابت نہیں ہوسکی کیونکہ وقت کے

اس خفیف سے فرق میں متحرک گاڑیاں دشمن کے مورچوں سے آگے
نکل گئی تھیں لیکن اس کا ایک فائدہ ضرور ہو سکتا تھا کہ فائرنگ کرنے
والوں میں سے بچ رہنے والے ہمارے تعاقب میں آنے کی ہمت
نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ ان کا مقابلہ ایک
مضبوط ترین اور سفاک دشمن سے تھا۔

ماجے نے اپنی دانست میں ان لوگوں کو اسلحہ دے کر باہر
صف آرا کر کے بہت بڑا کام دکھایا تھا لیکن ان کے پستول، رائفلیں
اور دوسرا خود کار اسلحہ بموں کے معاملے میں بہت حقیر تھا البتہ مجھے
پورا یقین تھا کہ ماجے کے اڈے پر صورتِ حال اتنی یک طرفہ نہیں
رہے گی۔ وہاں ہمارا واسطہ زیادہ مہلک اور جدید اسلحے سے پڑ سکتا
تھا جس کے سدِباب کے لیے جیپ کے عقبی حصے میں ایک
درمیانی رینج کا ہلکا پھلکا راکٹ لانچر تین راکٹوں سمیت موجود تھا۔
اس لانچر کو کندھے کے سہارے کسی عام سی رائفل کی طرح
ایک شخص استعمال کر سکتا تھا اور شانے کی ہڈیوں پر کوئی بھی ناروا
جھٹکا کھائے بغیر راکٹ کی مدد سے تیس کلومیٹر تک کسی بھی شے کو
اپنا نشانہ بنا سکتا تھا۔ افغانستان میں ہونے والے خونریز فوجی
معرکوں کی بدولت روسی ساخت کے وہ ہلکے لانچر پشاور سے
کراچی تک، ہر جگہ سستے داموں، آسانی کے ساتھ مل جاتے تھے۔
ان کے ساتھ دقت صرف اتنی تھی کہ انہیں کلاشنکوف کی طرح بغل
میں، کوٹ کے نیچے یا چادر کی اوٹ میں چھپانا ناممکن نہیں تھا اور
نہ ہی ان سے فائر کیے جانے والے راکٹوں کو کلاشنکوف میگزین
کی طرح جیبوں میں چھپایا جا سکتا تھا۔

معاملہ اتنا پھیل چکا تھا کہ آبادی سے الگ تھلگ، وسیع
رقبے پر آباد، ماجے کے دو منزلہ اڈے میں لوگ تیار تھے۔ وہ عمارت
پختہ تھی اور اوپری منزل سے تقریباً دس فٹ کی اونچائی پر پانی کی
ٹنکی تھی جس کے اوپر آبزرویشن پوسٹ کی شکل میں ایک چوکی بنی
ہوئی تھی۔ اس چوکی میں روشنی ہو رہی تھی اور غالباً وہاں کوئی نگراں
بھی موجود تھا جو نظر نہیں آرہا تھا۔

ان لوگوں کو کسی نہ کسی طرح ہماری گاڑیوں کے بارے میں
خبر مل چکی تھی اس لیے جوں ہی ہم ان کے اسلحے کی رینج میں آئے،
عمارت سے دھواں دار فائرنگ شروع کر دی گئی۔ اس مقام پر
دونوں گاڑیاں روک دی گئیں اور بیک وقت سب لوگ پیچھے
اتر کر انھی گاڑیوں کی اوٹ میں آگئے۔

اس وقت ہمارا عمارت سے فاصلہ زیادہ تھا اس لیے
ہمارے پاس موجود تین رائفلیں تین افراد نے اٹھالیں اور تیزی
کے ساتھ عمارت کی کھڑکیوں پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔
مقابلے میں ابتدا سے ہی اتنی شدت تھی کہ اس کے انجام کے بارے
میں کوئی قیاس آرائی نہیں کی جا سکتی تھی۔

دشمن کے مقابلے میں ہماری نفری بہت کم تھی اس لیے ہم
زیادہ منظم تھے اور محفوظ بھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی فائرنگ سے
ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا لیکن ہماری رائفلوں کے فائر کے تیسرے
ہی راؤنڈ میں عمارت سے دو انسانی چیخیں ابھری تھیں جن کے بعد
پوری عمارت اچانک اندھیرے میں ڈوب گئی۔

ماجے کا وہ اقدام بہت دانشمندانہ تھا۔ اندھیرے میں
کھڑکیوں اور دروازوں کا صحیح اندازہ کر کے ان کے پیچھے موجود
لوگوں کو نشانہ بنانا دشوار تھا۔ اس طرح ان کی نقل و حرکت پر نگاہ
رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔

ہمارے سب آدمیوں کے چہروں پر ربر کے مضحکہ خیز ماسک
چڑھے ہوئے تھے اس لیے مقابلے کی گرم بازاری میں ایک دوسرے
کو پہچاننا ممکن نہیں رہا تھا لیکن مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ رائفل
والوں کی مصروفیت اور اڈے سے دوری کا فائدہ اٹھا کر ہمارے
ایک آدمی نے کسی کی ہدایت کے بغیر ہی سینڈو کی کار کا پھٹا ہوا ٹائر
پھرتی سے بدلنا شروع کر دیا۔

"یہ تو تعطل پیدا ہو گیا۔" ایک ادھیڑ عمر سفید فام کے
ماسک کے عقب سے مجھے سینڈو کی تشویش زدہ آواز سنائی
دی۔ "اس طرح تو ہم ایک گز بھی پیش قدمی نہیں کر سکیں گے
وہ رفتہ رفتہ چھت پر پوزیشنیں لے رہے ہیں۔ وہاں سے
ان کو ہم پر سبقت حاصل ہو جائے گی۔"

"پھر تم کیا سوچ رہے ہو؟" میں نے تاریک عمارت کا
جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"میں اس عمارت کو نیست و نابود کرنے جا رہا ہوں۔"
وہ اٹل لہجے میں میرے سوال کا جواب دیتا ہوا جیپ کی طرف
بڑھ گیا۔

اسی لمحے عمارت کی چھت سے ایک دستی بم پھینکا گیا
جو درمیان میں ہی گر کر ایک دھماکے سے پھٹ گیا۔ فاصلہ
زیادہ ہونے کی وجہ سے ہم بم کے براہ راست اثرات سے
محفوظ رہے لیکن دھماکے کے ساتھ اڑنے والے آہنی ٹکڑے
اور پتھر وغیرہ ہماری گاڑیوں پر آگرے۔ اگر ہم ان کی آڑ میں
نہ ہوتے تو ہمارا بھی زخمی ہونا یقینی تھا۔ پتھر اڑ وغیرہ سے
ہمارے دو آدمی زخمی ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی
نقصان نہیں ہوا تھا جبکہ ماجہ خسارے میں رہا تھا۔

سینڈو نے جیپ میں سے راکٹ لانچر نکال کر لوڈ کر لیا
پھر ایک لمبے پائپ جیسا وہ ہتھیار اس نے عمارت کی سمت
میں سیدھا کیا اور چند ثانیوں بعد اسے فائر کر دیا۔

راکٹ اپنے پیچھے بے رنگ دھوئیں کی لکیر چھوڑتا ہوا، شوں کی تیز آواز کے ساتھ تاریکی میں عمارت کی طرف تیر گیا۔ وہ راکٹ خاصے طاقتور بارودی چارج سے لیس تھا کیونکہ عمارت سے ٹکرا کر اس کے پھٹتے ہی دھماکے کی وجہ سے ہمارے قدموں کی زمین تک لرز اٹھی تھی۔

بارودی روشنی میں عمارت کی اوپری منزل کا ملبہ دور تک بکھرتا ہوا نظر آیا تھا۔ ساتھ ہی وہاں موجود لوگوں کی بے ساختہ چیخیں فضا میں گونجنے لگیں۔

اس وقت میں خود کو محاذ پر جیتتی ہوئی ایسی فوج کا کمانڈر محسوس کر رہا تھا جو کسی بھی لمحے دشمن کے مورچوں کو روند کر اجنبی سرزمین پر قبضہ کر سکتی تھی۔ میری عقابی نظریں عمارت کا جائزہ لے رہی تھیں اور میں کسی ایسے حصے کی تلاش میں تھا جس کے منہدم ہوتے ہی پوری عمارت کی بنیادیں لرز اٹھیں۔ اسی اثناء میں سینڈ ڈماجے کے اڈے پر دوسرا راکٹ فائر کر چکا تھا۔ اس اُڑن بم نے پہلے راکٹ سے زیادہ تباہی پھیلائی پھر اسی لمحے میں نے اپنا ہدف تلاش کر لیا۔

وسیع و عریض پانی کی ٹنکی اس عمارت کی چھت سے تقریباً دس فٹ کی بلندی پر کنکریٹ کے ستونوں پر ٹھہری ہوئی تھی ٹنکی کو اوپر لے جا کر عمارت میں مزید ایک منزل کے اضافے کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس ٹنکی میں ٹنوں پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش تھی اور اگر راکٹ مار کر اسے تباہ کر دیا جاتا تو ملبے کے ساتھ ہی پانی کی جھونک اوپر سے نیچے تک پوری عمارت کو لے بیٹھتی۔ اس عمارت کا وسیع رقبہ اس وار کی زد میں آ جانے کے بعد رہے سہے حصوں کا خود بخود منہدم ہونا یقینی تھا۔ اس کارروائی کے بعد ہم علاقے کے لوگوں یا پولیس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی باآسانی فرار ہو سکتے تھے۔

"پانی کی ٹنکی کو اڑاؤ! وہ پوری عمارت کو لے بیٹھے گی۔" میں نے سینڈ ڈ کو تیسرا راکٹ لوڈ کرتے ہوئے دیکھ کر سرد لہجے میں کہا۔ "اب ہمارا زیادہ دیر تک یہاں رکنا خطرناک ہوگا۔"

"پوری عمارت گر گئی تو اندر سے ایک فرد بھی صحیح سلامت نہیں نکل سکے گا۔" اُس نے میری طرف سر گھما کر جھجکتے ہوئے کہا۔ ماسک کی وجہ سے تاروں کی چھاؤں میں میں اس کے چہرے کے تاثرات نہ دیکھ سکا لیکن اُس کے الفاظ سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ اتنی بڑی قاتلانہ کارروائی کا فیصلہ کرنا اُس کے لیے سہل کام نہیں تھا۔ اسی کے ساتھ میری کسی ہدایت سے انحراف اُس کے بس سے باہر تھا۔ ہیڈ کوارٹر میں مبتلا برگزیدہ ہونے کے واقعے نے ذہنی طور پر اُسے میرا غلام بنا کر رکھ دیا تھا۔

"ہم اُن سپنولیوں کو دودھ پلا کر پروان چڑھانے کے لیے یہاں نہیں آئے ہیں۔" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ "اس عمارت میں سب ہمارے جیسے لوگ ہیں۔ ان میں کوئی نیک اور پارسا نہیں ہوگا۔ ان کا مر جانا ہی ہمارے وسیع تر مفاد میں ہے۔"

زناٹے کی آواز کے ساتھ راکٹ اپنے ہدف کی طرف روانہ ہوا اور آناً فاناً میں ٹنکی سے ٹکرا کر پھٹ گیا۔ وہ طاقتور بارود کی طرح ایک دھماکا تھا لیکن اس کے بعد دھماکوں کا ایک قیامت خیز سلسلہ شروع ہو گیا۔ ٹنکی کا ملبہ پانی کی وحشی دھاروں کے ساتھ نیچے آیا اور پہلی منزل کی چھت کو ساتھ لیتا ہوا غالباً نچلی منزل کی چھت بھی لے بیٹھا۔

تینوں راکٹ استعمال ہو چکے تھے۔ ٹنکی گرنے کے بعد تاریکی میں عمارت کا تاریک تر ہیولا لرزتے ہوئے زمین بوس ہونے کی تیاری کر رہا تھا کہ ہم تیزی کے ساتھ وہاں سے آگے روانہ ہو گئے۔ اس وقت تک بارود کے دھوئیں اور ملبے سے اٹھنے والے گرد و غبار میں اس آگ کا دھواں بھی شامل ہو گیا تھا جو عمارت میں جا بجا بھڑک اٹھی تھی۔

ہم لوگ وہاں سے برق رفتاری کے ساتھ فرار ہوئے تھے۔ پیچھے رہ جانے والی غارت گری کے اثرات اگلی آبادی میں صرف اس حد تک پہنچے تھے کہ لوگ ٹولیوں کی صورت میں جا بجا ہوٹلوں اور پان والوں کے کیبنوں کے گرد جمع تھے اور وہاں بھی افراتفری اور خوف و ہراس کی فضا نظر آ رہی تھی۔

پہلی ٹولی ہماری گاڑیاں دیکھتے ہی امید اور تجسس کے عالم میں سڑک کی طرف لپکی تھی کیونکہ آگ، دھماکوں اور دھوئیں کے آغاز کے بعد ہم ہی سب سے پہلے اس طرف سے نمودار ہوئے تھے اس لیے لوگوں کو امید رہی ہوگی کہ انھیں دور رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں ہم سے قرینِ قیاس خبریں مل سکیں گی لیکن ہم لوگ وہاں کسی بھی اُلجھن میں نہیں پڑنا چاہتے تھے اس لیے رُکے بغیر آگے بڑھتے رہے۔

ہم سب نے اپنے چہروں سے نقاب اُتار دیے تھے۔ اگلے چوراہے پر ٹریفک کی بھیڑ کی وجہ سے ہمیں رُکنا پڑا کیونکہ ہنگامے کی وجہ سے علاقے کے نوجوان وہاں سے ٹریفک کو گلیوں میں موڑ رہے تھے۔ وہاں ہونے والے سوال جواب سے اندازہ ہوا کہ لوگوں [illegible] ماجے کے اڈے پر خفیہ پولیس کے بھرپور چھاپے کی افواہیں موصول ہو چکی تھیں اور کوئی بھی شخص ادھر جا کر ماجے کے خلاف پولیس کا گواہ بنائے جانے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے کچھ لوگ ہماری طرف
بھی متوجہ ہوئے لیکن میں نے انھیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہم کسی
دوست سے مل کر آرہے تھے جو ماجے کے اڈے سے پہلے
ہی رہتا تھا۔

اس ہڑبونگ کا فائدہ اٹھا کر سینڈو نے چوراہے سے
بائیں طرف راستہ صاف دیکھ کر اپنی گاڑی اُدھر موڑ لی۔ پھر
جیپ بھی اسی کے پیچھے ہولی۔

اس واقعے کے بارے میں افواہیں دور دور تک پہنچ
چکی تھیں جنھوں نے چشم دید خبروں کا روپ دھار لیا تھا متوقع
ہنگامے کے پیش نظر بازار قبل از وقت بند ہو رہے تھے ہوٹلوں
وغیرہ میں بھی باہر پھیلا ہوا فرنیچر سمیٹ کر ایسی تیاریاں کر لی گئی
تھیں کہ ضرورت پیش آنے پر فی الفور تالا بندی کی جا سکے بے ہنگم
ٹریفک میں رینگ رینگ کر راستہ بناتے ہوئے ہمیں فضا میں
سائرن کی آواز سنائی دی تو چونک پڑے، اس بھیڑ میں کسی بھی
پولیس والے کا کسی مشتبہ کار کو پہچان لینا معجزے سے کم نہ ہوتا
جو اس صدی میں کم ہی رونما ہوتے ہیں مگر میرے دل میں چور
موجود تھا میں نے اپنی دانست میں مجرموں کے ایک خطرناک
ٹولے کو اس انجام سے دوچار کیا تھا جس کا وہ مستحق تھا مگر میں
یہ بھی جانتا تھا کہ قانون نے اس بارے میں مجھے کوئی اختیار نہیں
دیا تھا، وہ جھلائے ہوئے ایک بیزار شہری کی انفرادی کارروائی
تھی جو قانون کی نظروں میں شاید ماجے کے سنگین جرائم سے بھی
زیادہ قابل نفرت ٹھہرائی جاتی۔ اس لیے میرے دل میں بے اختیار
یہ خواہش ابھری کہ کاش پولیس والوں نے اپنی آمد کے لیے
کوئی اور راستہ اپنایا ہوتا تاکہ ہم اُن کا سامنا کیے بغیر بے خوف و
خطر اس مخدوش علاقے سے دور نکل گئے ہوتے۔

لیکن چند ثانیوں بعد یہ دیکھ کر مجھے دلی اطمینان ہوا کہ
آنے والی دونوں سائرن بجاتی ہوئی گاڑیاں مولانا عبدالستار
ایدھی کی ایمبولینسیں ہیں، علاقہ پولیس کا دور دور تک پتا
نہیں تھا۔ ویسے بھی پولیس والوں کا یہ ایک لگا بندھا اصول ہوتا
ہے کہ کہیں جرائم پیشہ لوگوں کے گروہوں میں تصادم ہو رہا ہو تو
خبر موصول ہونے کے باوجود متحارب فریقوں کو اتنا موقع دیا
جانا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے پر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔
اس سے قبل دخل اندازی کی صورت میں وہ باہمی اختلاف فراموش
کر کے اپنی تمام تر توجہ پولیس یا قانون نافذ کرنے والوں کی طرف
مرکوز کر کے انھیں جانی نقصان سے دوچار کر سکتے تھے۔

وہ اصول نہ کسی مستند آدمی کا فرمودہ تھا اور نہ ہی کسی
پولیس والے نے کبھی اسے تسلیم کیا تھا لیکن میں گروہ بند مقابلوں
میں جا بجا اس اصول کی کارفرمائی دیکھتا رہا تھا جو جانوں کا
بھی تھا اور قانون کی روایتی عمل داری میں بھی خلل نہیں ڈال

اس علاقے سے بحفاظت نکل جانے کے بعد
طے تھا۔ ہمارے پاس موجود دونوں گاڑیاں چوری کی تھیں
کے آدمیوں نے لانڈھی کے بل ایریا سے اٹھائی تھیں۔ پولیس
کی فوری باز پرس سے بچنے کے لیے ان کی نمبر پلیٹیں بدل
گئی تھیں لیکن ہم ان گاڑیوں کو ٹریڈ لائن کے دفتر تک
کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اس لیے بندرگاہ کے
میں کسٹم ہاؤس کی بغلی سڑک پر ہماری گاڑیاں پہلے سے
تھیں۔ دن میں اس علاقے میں لوگوں کا ازدحام ہوتا تھا
شام ہوتے ہی وہاں ایسی ویرانی اور بے رونقی چھا
کہ دل اُڑنے لگتا تھا۔ وہاں ہم مسروقہ گاڑیاں پارک کر
ان میں سے اپنے ہتھیار اور بچا ہوا اسلحہ اپنی گاڑیوں
منتقل کر کے اپنے ٹھکانے کی طرف روانہ ہو جاتے
کی گاڑیاں وہیں کھڑی رہ جاتیں جنھیں پولیس والے
برآمد کر سکتے تھے۔

واپسی کا سفر بہت مختصر تھا، گاڑیاں اندر پہنچا کر
سینڈو کو ساتھ لیا اور اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔ بقیہ لو
گاڑیوں سے سامان نکالنے میں مصروف ہو گئے۔

"آج کی کارروائی کے بارے میں تمہاری کیا رائے
میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سینڈو سے نرم لہجے میں

"میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہم اتنے بڑے
آپریشن کے لیے جا رہے ہیں۔ راکٹ لانچر وغیرہ کو تو
حفاظتی انتظام کے کھاتے میں رکھا تھا۔ آج تم نے واقعی
کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اپنی لائن میں اب اس کی
جائے گی اور وہ مدتوں نہ سنبھل سکے گا۔"

"اور اب وہ میرا پیچھا بھی چھوڑ دے گا؟" میں نے سوال

"یہ دو اور دو چار والی بات ہے کہ اپنی عقل لڑا کر
نتیجہ اخذ کر لے کہ اسے تباہ کرنے والے تم تھے، اسی وقت
تمہارا پیچھا چھوڑ سکے گا۔ اگر اس کارروائی کو اس نے اپنے
اور دشمن کے کھاتے میں ڈال دیا تو وہ بدستور تمہاری راہ پر
رہے گا تم نے تو کوئی ایسا سراغ بھی نہیں چھوڑا جس
پر وہ اپنے خوفناک دشمن کی اصلیت سے واقف ہو

"تمہاری رائے درست ہے لیکن اس کی بنیاد
مفروضے پر ہے کہ ماجا اس حملے میں بچ گیا ہو جب
خیال میں وہ بھی اس معرکے میں کام آگیا ہوگا۔"

"ایسا ہوا تو پھر ماجے کی پارٹی کو ختم ہی سمجھو

اسی کے نام کی تھی۔ ابھی تک وہ اپنے آدمیوں میں اپنا کوئی جانشین تیار کرنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ اس کا ہیروئن بیچنے کا نفع بخش دھندا اب کئی ہاتھوں میں بٹ جائے گا۔ ابھی تک وہ شہر پر راج کر رہا تھا۔" وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا پھر نسبتاً دھیمی آواز میں بولا۔" وہ زندہ ہو یا مر چکا ہو، دونوں صورتوں میں لوہا گرم ہے۔ اس وقت تمھیں شہر میں اپنے اور مافیا کے سمجھوتے کی خبر پھیلا دینی چاہیے تاکہ رہی سہی کسر بھی پوری ہو جائے اور کوئی تمھاری طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت تک نہ کر سکے۔"

اسے ویرا کے بارے میں میری مجبوریوں کا علم نہیں تھا اس لیے وہ ایسا مشورہ دے رہا تھا جب کہ میں اپنے اور مافیا کے مراسم کو اس وقت منظرِ عام پر لانے کا متحمل ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

"ابھی نہیں۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا۔ "کسی کو بھنک بھی نہ ملنی چاہیے کہ ماجے کی تباہی میں مافیا کا کوئی ہاتھ تھا۔ اب اس معاملے کو میں خود سنبھالوں گا۔ تمھاری آج کی شاندار منصوبہ بندی اور کارگزاری کو دیکھتے ہوئے میں نے اپنی دوپہر کو دی گئی وارننگ واپس لے لی...."

"تم بہت عظیم ہو باس!" وہ میری بات کاٹ کر بھرائی ہوئی جذباتی آواز میں بولا۔" مجھے اُمید تھی کہ میں اپنی بہتر کارکردگی سے کسی نہ کسی وقت تمھیں متاثر کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ تقدیر نے مجھے وہ موقع فوراً ہی فراہم کر دیا۔ اب تمھیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ تم نے جس وقت ہیروئن کی فروخت میں میری دو فیصد کی ہیر پھیر کو بڑے پن کے ساتھ اپنی ذات تک محدود رکھا تھا، میں نے اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ تم بہت فراخ دل اور مردم شناس آدمی ہو جو ہم سب کے لیے باپ کی طرح مہربان ثابت ہو گے۔"

"یہ بات خود بھی یاد رکھنا اور اپنے آدمیوں کو بھی سمجھا دینا کہ ماجے سے مافیا کو کوئی پرخاش نہیں ہے۔ اس بارے میں کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نکل گیا تو میرا کھیل بگڑ جائے گا۔" میں نے تادیبی لہجے میں کہا۔ "اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا کہ چیف اب گوشہ نشین ہو گیا ہے، سارے چھوٹے اور بڑے فیصلے میں خود کروں گا۔ ایک محدود عرصے میں مجھے چیف کو اپنی کارکردگی دکھانی ہے۔ اندر یا باہر کا جو شخص بھی میرے عزائم کی راہ میں روڑے اٹکائے گا، میں اسے بے رحمی کے ساتھ پیس کر رکھ دوں گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں شکایت کا کوئی موقع نہیں آنے دوں گا۔ ویسے تو ہم سب تمھارے حکم کے غلام ہیں لیکن میں تمھیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنے آدمیوں کی لگامیں بہت مضبوطی کے ساتھ تھامی ہوئی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی تم سے سرکشی کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"ڈی ڈی یا دلدار آغا کے بعد آج میں نے ماجے کو بھی ملیا میٹ کر دیا۔" میں نے کرب کے ساتھ سوچا۔ "وہ زندہ تھا یا مردہ، عملی طور پر میرے خلاف اس کا وجود فنا ہو چکا تھا لیکن غزالہ؟ وہ کہاں تھی؟"

دلدار آغا کے خلاف میں نے محاذ صرف غزالہ کی وجہ سے کھولا تھا ورنہ شہر میں تو مجھے صرف اتنا معلوم ہوا تھا کہ شی کا سربراہ ڈی ڈی تھا جو اپنے ماتحتوں کے لیے صرف ایک نام تھا جس کی آواز حکم صادر کرتی تھی اور کوئی اس کی اصلیت سے باخبر نہیں تھا۔ پھر غزالہ ملی اور اس نے بتایا کہ وہ میری طرف سے مایوس ہو کر مسز دلدار آغا بن چکی تھی۔ اس کی بے بسی اور مجبوری کی کہانی اپنی جگہ بھرپور اور مکمل تھی مگر غزالہ کے اعتراف کے بعد میرے دل میں دلدار آغا کے خلاف نفرت کا جہنم بھڑک اُٹھا اور میں اس کی راہ پر لگ گیا۔

محبت کے ازلی تکون کے تیسرے اور جہنمی کردار کے پیچھے لگ کر میں نے اس کی ذات کے بخیے اُدھیڑنے شروع کیے مدعا صرف یہ تھا کہ غزالہ کو اپنے رقیب کی اصل صورت دکھا سکوں مگر وہ درحقیقت شی کا ڈی ڈی ثابت ہوا اور میری جاں گسل جدوجہد کے نتیجے میں پیوندِ خاک ہو گیا۔

میرا خیال تھا کہ اسے بے نقاب کرنے کے بعد غزالہ اس سے متنفر ہو جائے گی اور اپنی غلطی کی معافی مانگ کر مجھ سے رجوع کر لے گی۔ دلدار آغا کی موت کے بعد تو اس کی واپسی میں کوئی کلام ہی نہیں رہا تھا لیکن غزالہ لاپتا تھی۔ میں اپنی کوششوں کے باوجود شہر میں کہیں اس کا سراغ نہیں پا سکا تھا۔

اس وقت معافی تلافی کے بعد سینڈو ذہنی طور پر اب بے حد میرے بہت قریب آ چکا تھا۔ وہ تیسرے درجے کا مجرم ضرور تھا لیکن اس کی ذات میں کچھ ایسا وصف تھا کہ اسے منہ لگانے کو جی چاہتا تھا۔ مجھے دلدار آغا اور ماجے کے انجام کے ساتھ ہی خیال آیا کہ کیوں نہ غزالہ کے بارے میں اس کو بھی اعتماد میں لے لیا جائے؟ اس وقت وہ مجھے سلطان شاہ کا ہمزاد نظر آ رہا تھا۔

"میں تمھیں بتانا بھول گیا تھا۔" سینڈو کی معذرت خواہانہ آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "شام کو ماجے کے اڈے کی طرف روانگی سے پہلے حامد خبر لایا تھا کہ تمھارے دیے ہوئے ماڈل اور نمبر کا جہاز کراچی ائیرپورٹ کے رن وے نمبر دو سے کافی دور ایک پارکنگ بے پر کھڑا ہے۔ اسے ماریا تا گبرائیل نامی ایک لڑکی میلان سے اپنے معاون کے ساتھ اڑا کر لائی ہے۔ راستے میں وہ لوگ قاہرہ اور دبئی رکتے ہوئے آئے ہیں۔ معاون کا نام انطونیو ہے۔ وہ دونوں ہوٹل شیرٹن میں مقیم ہیں۔ ان کی اگلی منزل دہلی ہے لیکن روانگی سے قبل وہ کافی دن یہاں قیام کا ارادہ رکھتے ہیں۔ دونوں کے پاس پاکستان میں دو سال قیام کا ویزا ہے۔"

"حامد واقعی کام کی خبریں لایا ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں

دیکھتے ہوئے کہا۔ ویرا کے بدلے ہوئے نام کی وجہ سے اسے اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کتنی بڑی خبر تھی جو مجھے پہلے سے معلوم تھی لیکن سیٹھ حبیب جیوانی کے سامنے اپنی لاعلمی ظاہر کرنے کی وجہ سے حامد کو مخبری کے مشن پر بھیجنا پڑ گیا تھا۔ اس پوری تفصیل میں وہ نکتہ میرے لیے نیا اور اہم تھا کہ اِس بار ویرا نے اپنے اصل نام سے سفر نہیں کیا تھا بلکہ ماریا ناگبرا ئیل بنی ہوئی تھی۔ اس نکتے کو بروئے کار لا کر میں امیگریشن حکام کو اس کے پیچھے لگا سکتا تھا جو میری فراہم کی ہوئی معلومات کی بنا پر آسانی کے ساتھ اسے نام بدلنے کا مجرم قرار دلوا سکتے تھے۔

لیکن وہ بعد کا معاملہ تھا۔ اس وقت تو میرے ذہن پر غزالہ سوار ہو چکی تھی۔ اس لیے میں نے پُرخیال لہجے میں اس سے سوال کیا۔ "میرے بارے میں تم کیا کچھ جانتے ہو؟"

اس نے نظریں اُٹھائیں تو ان میں خوف جھلک رہا تھا۔

"کک... کچھ بھی نہیں، صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم ہمارے نئے ساتھی ہو اور باس کہلاتے ہو۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولا تھا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں، جو کچھ جانتے ہو، ایمانداری کے ساتھ بتاتے چلے جاؤ۔" میں نے نرمی سے کہا۔

وہ چند ثانیوں تک زبان سے کچھ کہے بغیر غور سے میری طرف دیکھتا رہا جیسے میرے چہرے کے تاثرات سے میرے عزائم دریافت کرنا چاہتا ہو لیکن میرے سپاٹ چہرے پر کوئی تحریر نہ دیکھ کر اس نے تھوک نگل کر، اپنا حلق تر کرتے ہوئے مشینی انداز میں بولنا شروع کر دیا۔ "تم کئی برس پہلے یہاں شی کے بڑوں میں شمار ہوتے تھے۔ تمھارا اصل نام تنویر علی ہے لیکن تم ڈینی کے نام سے پہچانے جاتے تھے پھر کسی وجہ سے تمھاری شی سے ٹھن گئی۔ مجھے ٹھیک نہیں معلوم لیکن اپنی لائن کے لوگوں سے سُنا ہے کہ تم غزالہ نامی کسی لڑکی کو چاہتے تھے۔ شی والوں نے تم کو بے بس کرنے کے لیے غزالہ کو اغوا کر کے ملک سے باہر روانہ کر دیا۔ اس کی تلاش میں تم بھی یہاں سے چلے گئے۔ اب تم اپنے ماضی سے رشتے توڑ کر یہاں آئے تو تم سے پہلے دلدار آغا غزالہ کو پاکستان لا کر اس سے شادی کر چکا تھا۔ اس نے خود ہی اپنی شادی کی تشہیر کی تھی اور لوگوں سے یہ کہتا پھرتا تھا کہ اس سے شادی کرنے سے قبل غزالہ ڈینی کو چاہتی تھی۔ اس کے بعد کے قصے تو سامنے ہی ہیں۔"

"ہوں!" میں نے اپنی کرسی پر پہلو بدل کر ایک گہرا سانس لیا۔ "تو غزالہ والا معاملہ تم کو پوری طرح معلوم ہے۔ کبھی غزالہ کو دیکھا بھی ہے تم نے؟"

"نہیں!" اس نے مایوسانہ انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ بس اِدھر اُدھر کے قصے ہی سنتا رہا ہوں۔"

"یہ دیکھو!" میں نے اپنے پرس سے غزالہ کی ایک پرانی لیکن واضح تصویر نکال کر اس کے سامنے ڈال دی۔ "یہ تصویر پرانی ضرور ہے لیکن اب بھی وہ ایسی ہی نظر آتی ہے۔"

اس نے ایک سرسری نظر ڈال کر غزالہ کی تصویر مجھے واپس دی۔ اس وقت تک اس کے بُشرے سے خوف اور حیرت کے [illegible] پوری طرح مٹ نہیں پائے تھے۔

"سارے پس منظر سے تم پوری طرح واقف ہو۔" میں نے نئی [illegible] سلگاتے ہوئے کہا۔ "جب تک میں شی کا وفادار رہا، میرے نام [illegible] کام تک، ہر بات سختی سے صیغۂ راز میں رکھی جاتی تھی۔ حد یہ ہے کہ [illegible] ساتھ کام کرنے والوں کو بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ در پردہ میں ہی ان کو احکام جاری کرتا تھا لیکن بعد میں شاید انتقاماً ہر بات پھیلا دی [illegible] تاکہ کسی طرح مجھے گھیرا جا سکے اور یہی کچھ غزالہ کے معاملے میں بھی ہوا [illegible] پاکستان آنے کے بعد میں اس سے ملتا رہا ہوں۔ دلدار آغا کی حرکتوں [illegible] واقف ہونے کے بعد وہ اس سے بدظن ہو چکی تھی لیکن شادی کے بندھن کی وجہ سے مجبور تھی۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ آخری دنوں میں دلدار [illegible] نے غزالہ کو اپنے مکان میں قید کر کے اس کی آمد و رفت پر پابندیاں عائد کر دی تھیں۔ دلدار آغا مارا جا چکا ہے۔ اس کے گھر کو کھنڈر میں [illegible] کیا جا چکا ہے لیکن غزالہ کا کہیں پتا نہیں ہے۔ میں ہر قیمت پر جلد از جلد اس کا سراغ لگانا چاہتا ہوں۔"

"غزالہ کی تلاش ہماری ترجیحات میں پہلے نمبر پر ہوگی۔" اس نے سر جھکا کر پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "تم اجازت دو تو میں اپنے آدمیوں کو بھی یہ تصویر دکھا دوں تاکہ وہ غزالہ کو دیکھتے ہی پہچان لیں اور اسے تمھارے پاس لے آئیں...."

مجھے اس کی احمقانہ بات پر اتنا تاؤ آیا کہ میں خود کو بمشکل [illegible] تھپڑ مارنے سے باز رکھ سکا اور اس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی [illegible] بولا۔ "یہ معاملہ صرف میرے اور تمھارے درمیان ہے۔ ذاتی مسائل کی تشہیر نہیں کی جاتی۔ اپنے آدمیوں کو تم اس معاملے سے الگ رکھو گے۔"

"میں سمجھ گیا۔" وہ جلدی سے بولا۔ "مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی کہ تم [illegible] اسے قیدی بنانا چاہتے ہو۔"

"اب جاؤ اور اس معاملے میں جو کچھ کر سکتے ہو، وہ کرو۔" میں [illegible] کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔ "میرے لیے غزالہ کی ذات اتنی اہم ہے [illegible] اگر تم اس کا سراغ لگانے میں میری کوئی بھی مدد کر سکے تو میں ساری تمھاری احمقانہ غلطیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ نظر انداز کرتا رہوں گا۔"

اس دن سینڈو کے ہونٹوں پر پہلی بار مسکراہٹ نظر آئی اور [illegible] میرے دفتر سے نکلتا چلا گیا۔

معراج دین کے اڈے کے خلاف کارروائی میں ہمیں خلاف توقع بہت کم وقت لگا تھا کیونکہ ہمارے حد سے زیادہ جارحانہ [illegible] کی وجہ سے وہاں مقابلے یا محاذ آرائی کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ میں [illegible] رسٹ واچ کا جائزہ لیا تو اس کے ڈائل پر آٹھ بجنے والے تھے۔ ہم

اراده وہاں سے نکل کر سیدھا جہانگیر کے گھر جانے کا تھا مگر اس سے
پہلے میں ویرا سے بھی بات کرنا چاہ رہا تھا اس لیے سینڈو کے چلے جانے
کے بعد میں نے دوبارہ اپنی نرم کرسی میں دھنس کر دراز میں سے ایرپٹس
نکال لیا۔

مجھے پہلی ہی کال پر دوسری طرف سے جواب مل گیا "ویرا ہیئر!"
اس کی آواز میں اس وقت ہلکا سا خمار جھلک رہا تھا "کیا بات ہے؟
آج دن میں دوسری بار کال کر رہے ہو۔۔۔ اوور!"

"دن تو ڈھل گیا اب رات اتر آئی ہے۔" میں نے شوخ لہجے میں
کہا "تنہائی میں اداسی گھر کرتی جا رہی تھی تو سوچا کہ تم ہی سے کچھ گپ شپ
کر ڈالی جائے۔۔۔ اوور۔"

"تم تنہا اور اداس ہو! اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمھاری بلبل تمھیں
چھوڑ کر کہیں اور گئی ہوئی ہے جبھی تو کہتے ہیں کہ جسے سات گھر جھانکنے
کی عادت پڑ جائے وہ کبھی گھر میں نہیں ٹک سکتی۔ تم اداس اُلّو کی طرح
بیٹھے رہو وہ کسی اور کے ساتھ اپنی طبیعت ہری کر رہی ہوگی۔ اوور۔"

اس کے الفاظ سنتے ہی میں سنبھل گیا۔ اس سے گفتگو کا آغاز
کرتے ہوئے میں یہ بھول ہی بیٹھا تھا کہ اسے میں نے غزالہ کے
نکل جانے کی من گھڑت کہانی سنائی ہوئی تھی "وہ جہاں بھی گئی ہے
میری مرضی اور اجازت سے گئی ہے۔ اب اس کے بارے میں ایسے
ناروا کلمات تمھیں زیب نہیں دیتے۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں
کہا "یہ درست ہے کہ اب تم سے میری ٹھن گئی ہے لیکن اس مقابلے
میں ہم ایک دوسرے کے لیے کم از کم شائستگی تو برقرار رکھ سکتے ہیں۔ اوور۔"

"دشمنی میں زندگی یا موت تو ایک ہی بار نصیب ہوتی ہے۔ ہم میں
سے جس کو پہلے موقع ملا وہ دوسرے کو مار دے گا۔ اصل دشمنی تو باتوں
سے کلیجے میں چٹکیاں لے کر نکالی جاتی ہے، اس طرح دشمن مرنے سے
پہلے ہی بار بار مر کر نئے وار سہنے کے لیے زندہ ہوتا ہے۔ اوور۔"

"لیکن ہمارے درمیان تو دوستی نما دشمنی ہے۔" میں نے اسے
یاد دلایا "ایسی تلخ باتیں کر کے طبیعت کو بدمزہ کرو گی تو میں سلسلہ منقطع
کر دوں گا۔ اوور!"

"یہ دھمکی نہ دو!" وہ جلدی سے بولی "تمھیں تمھاری وفا نے اکیلا
چھوڑا ہوا ہے اور میں تمھاری بے وفائی کا سوگ منا رہی ہوں۔ میرے
سامنے بوتل بھی ہے اور پیمانہ بھی لیکن اس مے میں کچھ مزہ نہیں آ رہا
آدمی اندر تک سے اکیلا ہو تو گلابوں کی مہک بھی بے کیف محسوس ہوتی
ہے۔ اوور۔"

"تم تو کسی الم رسیدہ محبوبہ کے انداز میں بول رہی ہو جیسے اس
کا آشنا دغا دے گیا ہو۔" میں نے اس کے الفاظ پر اپنی حیرت چھپاتے
ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا "تم جیسی کھلنڈری عورت کو بھلا کون دغا
دے سکتا ہے۔ دغا تو اسے دی جاتی ہے جو وفا کے معنی جانتا ہو۔ اوور!"

"کھیل کھیل میں بھی کبھی ایسی اٹوٹ دوستیاں ہو جاتی ہیں جو
بھلائے نہیں بھولتیں۔" اس کی آواز میں درد سا سمٹ آیا "اپنے بارے
میں مجھے یہی خوش فہمی تھی کہ دنیا کا کوئی مرد مجھے متاثر نہیں کر سکتا جب
تک تم میری دسترس میں رہے میری یہ خوش فہمی برقرار رہی لیکن جب
سے تم نے غزالہ کے ملنے کی خبر سنائی ہے میرے اندر ایک آگ سی
بھڑک اٹھی ہے۔ تم مانو یا نہ مانو لیکن مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی
عار نہیں کہ تم میرے دل میں گھر کر چکے تھے۔ تم سے آشنائی مجھے بہت
مہنگی پڑی ہے لیکن میں یہ صدمہ جھیل لوں گی۔ تمھیں اور تمھاری یادوں
کو اسکاچ میں تحلیل کر کے میں ایک روز یکسر بھلا دوں گی اور کیسے
خبر کہ اس سے پہلے ہی میں تمھارے پہلو میں گولی اتارنے میں کامیاب
ہو جاؤں۔ اوور!"

"شاید اس وقت بھی تم پی رہی ہو؟ اوور!" میرے لہجے میں
غیر ارادی طور پر تلخی آ گئی۔

"پی رہی ہوں!" اس نے اعتراف کیا "تم آ جاؤ تو تمھیں بھی پلاؤں
گی۔ آج رات کے لیے کیوں نہ ہم اپنی دشمنی معطل کر کے پہلے کی طرح
دوست بن جائیں؟ اوور!"

میں انکار کرنے ہی والا تھا کہ اچانک مجھے ایک چال سوجھ
گئی۔ وہ پیتی تھی تو پیتی ہی چلی جاتی تھی۔ الکحل اس کے ذہن اور اعصاب
پر سوار ہوتی تھی، لب و لہجے سے اس کی کیفیت کا پتا چلانا ہمیشہ دشوار
ثابت ہوتا تھا اور اس وقت بھی وہ نشے میں تھی۔ اس جھونک کا فائدہ
اٹھا کر میں اس کی زبان سے بہت کچھ اگلوا سکتا تھا اس لیے میں نے
فی الفور اداکاری کا فیصلہ کر لیا۔

"اس وقت اداسی کے لمحات میں تمھارا خیال آیا تو اس کا بھی
کچھ سبب تھا۔" میں نے دھیمے اور رومانوی لہجے میں کہا "غزالہ کے
بعد اگر میرے دل میں کسی کے لیے جگہ ہے تو وہ تم ہو۔۔۔۔ تم یعنی
ویرا لائیڈ۔ اپنے اس روپ میں تم ہمیشہ میری دوست رہو گی لیکن
جب تم تشی والوں کا بہروپ دھار لیتی ہو تو میرے لیے ایک ڈراؤنی
صورت بن جاتی ہو۔ اصل روپ میں ملنے کا وعدہ کرو تو میں ابھی
اور اسی وقت تمھارے پاس آ سکتا ہوں۔ غزالہ نہ شراب پیتی
ہے اور نہ میرا پینا پسند کرتی ہے۔ ہم دونوں مل بیٹھے تو ہو سکتا ہے کہ
اپنے مقاصد کو قربان کیے بغیر آئندہ کے لیے مفاہمت کی کوئی راہ نکال
لیں۔ تم دیکھ چکی ہو کہ میں آسانی کے ساتھ مرنے والوں میں سے نہیں ہوں
اور نہ تم آسانی سے زیر ہو سکو گی۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں کم از کم ایک بار
آپس میں مل لینا چاہیے۔۔۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں ہو اور میں کیسے تم تک
پہنچ سکتا ہوں؟ اوور!"

ایرپٹس پر اس کی استہزائیہ ہنسی ابھری "نہیں ڈیئر! مجھ سے
مکاری نہیں چلے گی۔ تم مجھے دھوکا دے کر میرا سراغ نہیں پا سکتے۔ میں

تمہاری لمحہ بہ لمحہ قلا بازیوں سے خوب واقف ہوں۔ تم نے ابھی ابھی کوئی نئی چال سوچی ہے اور مجھے پھانسنے کے لیے آیندہ کی مفاہمت کا چارا بھی ڈال رہے ہو، ورنہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہمارے مقاصد ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ہم میں سے کسی ایک کو اپنا سر جھکائے یا کٹوائے بغیر کسی قسم کے سمجھوتے کی اُمید نہیں ہو سکتی۔ یہ فریب تم کسی اور کو دے سکتے ہو، مجھے نہیں۔ اوور!"

"تم میری طرف سے بے اعتمادی کا شکار ہو رہی ہو۔" میں نے دل ہی دل میں اسے گالیاں دیتے ہوئے کہا۔ "تم نہیں ملنا چاہتیں تو نہ ملو، لیکن میرے جذبوں کو الزام نہ دو۔۔ اوور!"

"آیندہ کی مفاہمت کا ذکر درمیان میں لا کر تم نے اپنی نیت ظاہر کر دی ہے۔ میں پی ضرور رہی ہوں لیکن اتنا نشہ نہیں ہے کہ بہک کر تمھیں اپنی کمین گاہ کا پتا بتا دوں۔ اوور!"

"کاش کوئی ایسی صورت ہوتی کہ میں تمھیں اپنے خلوص کا یقین دلا سکتا۔ اوور!" میں نے اپریٹس اپنے دہانے کے قریب لا کر ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ایسی بھی ایک صورت ہے۔" اس حرافہ نے فوراً ہی میری بات پکڑ لی۔ "اگر تم مجھ سے محبت کے دعوے میں مخلص ہو اور مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو اپنا پتا بتا دو، میں خود تمھارے پاس آ جاتی ہوں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تنہا اور غیر مسلح آؤں گی اور یہ ہماری دوستانہ ملاقات ہوگی۔ اوور۔"

میں اس کے مکارانہ مطالبے پر چڑ گیا۔ "جب تم کو مجھ پر اعتماد نہیں تو میں تم پر کیسے بھروسا کر سکتا ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے فراق میں اپنے اپنے آشیانوں میں دبکے ٹھنڈی آہیں بھرتے رہیں۔ محبت کے دعوے کے ساتھ ایسی کھلی بے اعتمادی میں نے پہلی بار دیکھی ہے۔ اوور!"

"مجبوری ہے ڈیئر ڈارلنگ! جب واسطہ تم جیسے مکار اور سفاک محبوب سے ہو تو عورت کو کچھ سوچنا پڑتا ہے۔ میں نے تمھیں بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے۔ سفید جھوٹ بولتے ہوئے بھی تمھاری آنکھوں میں سچائی کی معصومانہ چمک برقرار رہتی ہے۔ تمھاری صورت اور باتوں کا فریب کھا کر میں نے بہتیرے لوگوں کو زندگی کی بازیاں ہارتے دیکھا ہے، اس لیے میں مجبور ہوں۔ اس وقت تم سچے بھی ہو تو میرا دل اعتماد کرنے کو تیار نہیں ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم میری اس مجبوری کو معاف کر دو گے۔ اوور۔"

"چلو پھر کسی تفریحی مقام پر مل لیتے ہیں۔ وہاں مرضی... تو باہمی رضامندی سے یا قرعہ اندازی کے ذریعے کسی... ہوٹل میں شب بسری کر لیں گے۔ اوور۔"

ایک بار پھر اس کی تلخ ہنسی سنائی دی۔ "اب یہ تمھاری نئی قلابازی ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ملاقات کی... میری تھی اور اب اصرار تم کر رہے ہو۔ میں کہہ چکی ہوں کہ ہمارے لیے ایک دوسرے کو فریب دینا بہت مشکل ہے۔ تم مقام طے کر لو مگر میں شرط لگاتی ہوں کہ مقررہ وقت پر دونوں میں سے کوئی طے شدہ مقام پر سامنے آنے میں پہل نہیں کرے گا۔ میں تمھارے نمودار ہونے کے انتظار میں کسی گلی میں چھپی رہوں گی اور تم کہیں اور گھات لگا کر میرے سامنے آنے کا انتظار کرو گے اور ہم دونوں کی... تک اسی طرح اعصابی دباؤ کے عالم میں جھک مار کر نامراد واپس لوٹ جائیں گے۔ اس لیے پروگرام کی بات چھوڑ دو۔ ہاں ہم ایک شریفانہ معاہدہ کر سکتے ہیں کہ آج کے بعد پہلی بار جہاں بھی اتفاقاً ہمارا سامنا ہو، ہم ایک دوسرے پر ہتھیار اُٹھانے کے بجائے دوستانہ انداز میں ملیں گے اور اسی ملاقات میں اگلی ملاقات کے انداز کا فیصلہ کر کے رخصت ہوں گے۔ ایسی اتفاقی ملاقات میں ہم میں سے کوئی حالات کے بارے میں پیش بینی نہیں کر سکتا۔ یہ معاہدہ ہم میں سے بالادست کی عہد پروری کا امتحان ہوگا کیوں کہ... یا مارنے کا اختیار اسی کو حاصل ہوگا اور اگر وہ بدعہدی پر آیا تب بھی زیادہ سے زیادہ وہی ہوگا جو معاہدے کے بغیر ہوتا۔ وہ بالادست میں بھی ہو سکتی ہوں اور تم بھی۔ بولو... منظور ہے؟ اوور۔"

ویرا بہت گھاگ اور شاطر تھی، وہ فوراً ہی میری نئی تجویز کی تہ تک پہنچ گئی تھی اس لیے میں نے اس کا پیش... ہوا "شریفانہ معاہدہ" قبول کر لینا ہی مناسب سمجھا کیونکہ موقع آ جانے پر اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا انحصار بالادست کی صوابدید پر تھا۔ میں حاوی ہوتا تو اسے گولی مار دیتا... ہوتی تو معاہدے کی دہائی دے کر اسے کسی انتہائی اقدام سے روکنے کی التجا کر سکتا تھا۔ وہ مان لیتی تو سودا خسارے کا نہیں تھا اور نہ بھی مانتی تو مجھے یہ ملال نہ رہتا کہ اس... کس چال سے بازی کا رخ پلٹا تھا۔

"چلو یہ معاہدہ ہی تسلیم کیے لیتا ہوں۔" میں نے کہا... "تم ملو گی تو دیکھ لینا کہ میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں ہے... میں تمھیں غزالہ پر فوقیت نہیں دیتا مگر پھر کہتا ہوں کہ غزالہ...

بعد اگر میں کسی اور عورت کو چاہتا ہوں تو وہ صرف اور صرف تم ہو... اوور۔"

"اپنا اپریٹس آن ہی رہنے دینا۔" اس کی مضمحل آواز ابھری "ادھر تم اداس ہو اور ادھر میرے وجود میں اداسی اترتی جا رہی ہے۔ وقفے وقفے سے باتیں ہی ہوتی رہیں گی۔ تمہارے شبہات دور کرنے کے لیے یہ بھی بتا دوں کہ آج دوپہر کو اپریٹس گر جانے کی وجہ سے اس کا لوکیشن فائینڈر کام نہیں کر رہا اس لیے تم سے گفتگو کے دوران میں بھی مجھے تمہاری پوزیشن کا علم نہیں ہو سکا۔ ویسے بھی میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ اپریٹس آن ہونے سے لوکیشن فائینڈر کام نہیں کرتا۔ اس کی سوئیاں اسی وقت حرکت میں آتی ہیں۔ جب دوسری طرف سے آواز کی ریڈیائی لہریں موصول ہوں۔ اوور۔"

"میں اپنا اپریٹس آن رکھوں گا لیکن پندرہ بیس منٹ تک کال نہ کرنا۔" میں نے دفتر سے جہانگیر کے گھر تک پہنچنے کے وقت کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ "میں باتھ روم میں گرم پانی سے طویل غسل کرنے جا رہا ہوں۔ شاید نہا کر میرے ذہن سے کسولت دھل جائے۔ اوور۔"

"میرا جام تمہارے نام۔ اور فی الحال اوور اینڈ آل۔" لبوں کے جڑ کر کھلنے کی چہکار کے ساتھ اس کی آواز سنائی دی اور میں عجلت کے عالم میں دفتر سے نکل کھڑا ہوا تاکہ اس کا دوسرا پیغام آنے سے قبل میں جہانگیر کے گھر پہنچ کر اس سے گفتگو کے لیے تیار ہو سکوں۔

اس سے رابطہ قائم کرتے ہوئے میرے ذہن میں صرف ایک خیال تھا۔ میں جاننا چاہ رہا تھا کہ اسے معراج دین عرف ملنگے کے اڈے کے بارے میں کوئی خبر مل چکی تھی یا وہ بے خبر تھی اور میں نے اندازہ لگایا کہ یہ معاملہ اس کے علم میں نہیں تھا۔

اس کی چالاکی کی بنا پر مجھے اپنی دوسری کوششوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا لیکن وہ مسلسل اسکاچ پی رہی تھی اور اس سے خاصی تلخ و شیریں گفتگو ہو چکی تھی اس لیے مجھے توقع تھی کہ وہ تھوڑی دیر بعد گفتگو میں کوئی ایسی لغزش کر سکتی تھی جس کی بنا پر میرے لیے اس تک پہنچنا آسان ہو سکتا تھا۔

✪

جہانگیر کے ملازمین نے پھاٹک کے نقصان رسیدہ حصوں کو انتہائی پھرتی کے ساتھ مرمت کرا دیا تھا کہ اس وقت صبح والے پھاٹک کو شناخت کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ وہاں سے گزر کر میں اندر پورچ میں کار سے اتر کر دروازہ لاک کر ہی رہا تھا کہ سلطان شاہ برآمدے میں نکل آیا۔ شاید وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا بے تابی کے ساتھ میری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔

مجھ سے ملاقات ہوتے ہی اس نے میری مہم کے بارے میں پے در پے سوالات کرنے شروع کر دیے اور جب میں نے مختصراً اسے بتایا کہ میری مہم توقع سے کہیں زیادہ کامیاب ثابت ہوئی تھی اور میں اپنی طرف کے کسی جانی نقصان کے بغیر معراج دین کے اڈے کی پرشکوہ عمارت کو کھنڈر میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا تو مسرت سے اس کی باچھیں کھل گئیں۔

اس سے پتا چلا کہ وہ لوگ رات کا کھانا کھا چکے تھے۔ اور اس وقت سلمیٰ خواب گاہ میں جہانگیر کے ساتھ شطرنج کھیل رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے تک وہ خود بھی وہیں بیٹھا کھیل دیکھ رہا تھا لیکن اسے میری سلامتی کی فکر لاحق تھی اس لیے شطرنج سے دل اچاٹ ہونے پر وہ بہانہ کر کے وہاں سے کھسک آیا تھا۔

"اگر تم نو بجے تک واپس نہ لوٹتے تو میں تمہارے دفتر فون کرتا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم خود الگ رہ کر اپنے آدمیوں کو بھی اس کام پر روانہ کر سکتے تھے۔"

"ضرور کر سکتا تھا لیکن وہ خاک دھول میں نہا کر ناکام و نامراد واپس آئے ہوتے۔ موقع پر موجود رہ کر بروقت درست فیصلے کیے جا سکتے ہیں جو کسی بھی کام یا مہم کے نتائج پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں آج ذرا بھی چوک ہوئی ہوتی تو اس علاقے کے لوگ ہم سب کا وہی حشر کرتے جو لیاقت آباد میں دلدار آغا کا ہوا تھا۔" میں نے اپریٹس جیب سے نکال کر آن کرتے ہوئے کہا۔

اس وقت میں تھکا ہوا تھا اس لیے سلطان شاہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بجائے کیبنٹ سے اسکاچ کی ایک بوتل لے کر سیدھا اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔

"اسے کیوں آن کیا ہے تم نے؟" سلطان شاہ نے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"شاید تھوڑی دیر میں وہ بات کرے گی۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "دفتر میں اس سے عشق و محبت پر بڑی لچھے دار گفتگو ہوئی ہے مگر وہ میرے چکر میں نہیں آئی۔"

"خدا کی پناہ!" وہ آنکھیں نکال کر حیرت سے بولا۔ "کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے ڈینی؟ تم بھول گئے ہو کہ کل رات کو اس نے کتنے بڑے پیمانے پر یہاں حملہ کیا تھا اور تم کو مار ڈالنے کی سر توڑ کوشش کی تھی؟"

"سب یاد ہے۔" میں نے ٹرانسمٹر اور اسکاچ کی بوتل
میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "یہی تو لطف کی بات ہے کہ رات
کو وہ میرے خون کی پیاسی ہو رہی تھی اور ابھی تھوڑی دیر پہلے
مجھ سے محبت کا دم بھرتے ہوئے اپنی بدنصیبی کا گلہ کر رہی تھی۔"
"وہ اپنے وقت کی سب سے مکار عورت ہے۔
سارے ہتھیار کند ثابت ہوئے تو اب وہ تم کو اپنی اداؤں
سے مارنے پر تل گئی ہے۔ وہ تمہارے مزاج کی رنگینیوں سے
اچھی طرح واقف ہے۔"
"میں سب جانتا ہوں سلطان شاہ۔" میں نے اس
کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "میں اتنا نادان نہیں
کہ اس کے نخروں سے مر جاؤں۔ میں بھی اس کی رگ رگ
سے واقف ہوں۔ وہ مجھ سے کھیلنا چاہ رہی ہے جب کہ
میں اس سے کھیل رہا ہوں۔ اس بارے میں تم اپنے ذہن
کو زیادہ نہ تھکاؤ۔ میں موقع محل کی نزاکت کو اچھی طرح سمجھتا
ہوں۔ اس کے جھانسے میں نہیں آؤں گا۔"
"اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو مگر میری چھٹی حس بار بار کہتی ہے
کہ اگر تمہیں کبھی زک اٹھانا ہی پڑی تو کسی عورت کے ہاتھوں
اٹھانا پڑے گی۔"
"ویرا کے معاملے میں اپنی چھٹی حس کو کچھ دنوں کے
لیے رخصت پر بھیج دو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "ویرا
چالاک ضرور ہے مگر میرے مقابلے میں دودھ پیتی بچی۔"
"جب ہی اس نے کل رات ہمیں گھر میں محصور کر کے
چاروں طرف سے جہنم برسانا شروع کر دیا تھا۔" وہ میری بات
کاٹ کر تلخ لہجے میں بولا۔ "میں ایک بار پھر تمہیں آگاہ کر رہا
ہوں کہ اس کے مقابلے میں تمہیں کسی خوش فہمی میں نہیں رہنا
چاہیے۔ میں نے کبھی کبھار اس کی آنکھوں میں ایسی وحشیانہ چمک
دیکھی ہے کہ وہ رات بھر اپنے پہلو میں سونے والے مرد
کو صبح ہوتے ہی بڑے سکون سے گولی مار سکتی ہے۔"
"تم فکر نہ کرو، ایسا موقع آیا تو میں گولیاں نکال کر سوؤں
گا۔" میں اس کی بات کو مذاق میں ٹالتا ہوا باتھ روم کی طرف
بڑھ گیا۔
منہ ہاتھ دھو کر، لباس تبدیل کرنے کے بعد میں باہر
آیا تو میں نے خوشگوار حیرت سے دیکھا کہ سلطان شاہ نے
زندگی میں پہلی بار میرے لیے وسکی کا گلاس تیار کیا ہوا تھا۔
"آج تم نے اپنا عہد توڑ کر ام الخبائث کو کیسے ہاتھ لگا
لیا؟" میں نے پوچھا۔
"صرف تمہاری خوشی کے لیے۔" وہ مغموم لہجے میں
بولا۔ "اگر تمہارے ساتھ دوستی نباہنا ہی ہے تو پھر نہ چا
ہوئے بھی بہت سے کام کرنے پڑیں گے لیکن یہ بتا دو
اسے ہاتھ تو لگا لیا ہے منہ کبھی نہیں لگاؤں گا۔ پتا نہیں
تلخ لادے سے تمہیں کون سی خوشی مل جاتی ہے۔"
"خوشی نہیں ملتی، غم اس میں ڈوب جاتے ہیں۔"
نے دل ہی دل میں ویرا کے نوشی کا تصور کر کے اپنے
لب تر کرتے ہوئے کہا۔ "اور میری زندگی ابتدا ہی سے غم
کے بوجھ سے دبی رہی ہے۔ ان سے نجات مل گئی تو
یہ بھی چھوٹ جائے گی۔"
مجھے حیرت تھی کہ باہر میری کار کے انجن کی آواز
بھی جہانگیر یا سلمی میں سے کسی نے خبر گیری کی ضرورت نہ
سمجھی تھی لیکن سلطان شاہ نے بتایا کہ وہ دونوں دنیا و ما
سے بے خبر شطرنج میں اس طرح منہمک تھے جیسے اُن
عاقبت کا فیصلہ اسی بازی کے نتیجے پر منحصر تھا۔
"تم کیا کر آئے؟" چند گھونٹ معدے میں ا
کے بعد مجھے یاد آیا کہ میں نے دوپہر کو سلطان شاہ کو بھی
کام بتایا تھا جس کے بارے میں وہ خاموش تھا۔
"ہربرٹ کا راویلی بہت پرعزم افسر ہے اور پو
تیاریوں کے ساتھ یہاں آیا ہے۔" سلطان شاہ نے بـ
شروع کیا۔ "وہ اپنے ساتھ ایک سراغرساں کتا بھی لایا تھ
سیٹھ حبیب جیوانی کی ذاتی استعمال کی ان اشیاء پر تر
دی گئی تھی جو گرفتاری کے وقت اس کی تحویل سے بر
کر کے سیل کر دی گئی تھیں۔ وہ کتا ائرپورٹ پر کسٹم والوں
ان کتوں کے ساتھ کڑی نگرانی میں رکھا گیا تھا جو مسا
سامان میں منشیات کا سراغ لگاتے ہیں لیکن آج صبح ک
زہر دے کر اس کتے کو ہلاک کر دیا جب کہ کتوں والے
میں کسی غیر متعلقہ شخص کی رسائی ناممکنات میں سمجھی جا
کتے کی ہلاکت کی اطلاع ملنے پر ہربرٹ جائے وار
معائنہ کرنے ائرپورٹ آ گیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر ا
سے ذرا آگے ایک چلتی کار سے اس پر قاتلانہ حملہ ک
گولیاں اس کے چہرے اور بازو پر لگیں اور اب وہ جناح
میں زیر علاج ہے۔"
"قاتل پکڑے گئے یا فرار ہو گئے؟" اس کے
ہوتے ہی میں نے سوال کر ڈالا۔
"صرف اتنا دیکھا گیا کہ وہ سفید لینڈ کروزر تھی جس
افراد سوار تھے۔ وہ لوگ فائرنگ کرتے ہوئے فرار ہو
میں کامیاب ہو گئے کیوں کہ حملے میں ہربرٹ کا اردلی

بھی بُری طرح زخمی ہوگیا تھا اور ان کا تعاقب کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ یہاں مافیا والوں کے ہاتھ بھی لمبے ہیں۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "اس معاملے میں میرے ماتحتوں میں سے کوئی شریک نہیں تھا جس کا مطلب ہے کہ کچھ اور لوگ بھی مافیا چیف کے لیے کام کر رہے ہیں جن کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ تنخواہ دار نہ ہوں بلکہ کرائے کے لوگ ہوں جنھیں معاوضہ دے کر بالا ہی بالا اس کام پر لگایا گیا ہو۔" سلطان شاہ نے اظہارِ خیال کیا۔

"اس سے پہلے ہربرٹ کہاں ٹھہرا ہوا تھا؟" میں نے چند ثانیوں بعد سوال کیا۔

"پرل کانٹی نینٹل۔" اس نے جواب دیا۔ "کمرا نمبر چار سو اٹھارہ اس کے نام پر بُک ہے۔"

"تم نے مختصر سے وقت میں خاصی معلومات حاصل کرلیں لیکن تم اس تک رسائی حاصل کرنے میں تو کامیاب نہ ہو سکو گے؟" میں نے پوچھا۔

"کوشش کی تھی لیکن اسپتال میں اسے سخت پہرے میں رکھا گیا ہے جہاں پرندہ بھی پَر نہیں مار سکتا۔ گولیاں نکالنے کے لیے فوری طور پر اس کا آپریشن کیا گیا تھا۔ اس واقعے پر مقامی پولیس حکام بُری طرح بوکھلائے ہوئے ہیں۔ واردات کے بعد سے پورے شہر میں ہنڈا ایکارڈ رکھنے والوں کی شامت آگئی ہے اور انھیں جگہ جگہ روک کر تلاشی لی جا رہی ہے۔" وہ بتانے لگا۔ "سُننے میں آیا ہے کہ اس کی حالت سنبھلتے ہی اسے پہلی پرواز سے وطن واپس روانہ کر دیا جائے گا۔ اسپتال میں صفائی کے انتظامات پر ہربرٹ بہت برہم ہے۔ اسے خوف ہے کہ اس کے زخموں میں انفکشن نہ ہو جائے۔"

ہماری گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا کیوں کہ سلمٰی ہمیں تلاش کرتی ہوئی وہیں آپہنچی تھی اور میرے ہاتھ میں گلاس دیکھتے ہی پھٹ پڑی۔ "نہ ملاقات، نہ دُعا سلام۔ کب کے پیاسے تھے جو آتے ہی گلاس بھر کے یہاں بیٹھ گئے۔ میں سارے گھر میں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔"

"مجھے پتا چلا تھا کہ خواب گاہ میں معرکے کی بازی ہو رہی ہے۔ اس لیے رنگ میں بھنگ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا۔ جیت کس کی ہوئی؟"

"پوری بازی کھیلتے تو میں ہی جیتتی۔" پسند کا موضوع میسّر آتے ہی وہ ٹھنڈی پڑ گئی۔ "جب ہار سامنے نظر آنے لگی تو انھوں نے سر میں درد کا بہانہ کرتے ہوئے بازی اُلٹ دی۔"

"بوتل اٹھاؤ تو تمھارے ہی کمرے میں چلتے ہیں۔" میں نے گلاس لے کر اُٹھتے ہوئے کہا۔ سلطان شاہ نے ایئربیٹس اُٹھا لیا تھا جو میں نے آتے ہی آن کر دیا تھا۔

"وہاں پہلے سے بوتل موجود ہے۔" وہ جلے کٹے لہجے میں بولی۔ "اسے یہیں اپنے سرہانے رکھ لو۔"

"یہ مشورہ بھی مناسب ہے۔" میں نے اسے چڑانے کے لیے ہنستے ہوئے کہا اور وہ غضب آلود نگاہوں سے مجھے گھور کر رہ گئی کیوں کہ اس سے زیادہ اس کے بس میں کچھ نہیں تھا۔

جہانگیر کسی جیتے ہوئے راجا کی طرح اپنی خواب گاہ میں وسیع و عریض بستر پر دراز تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے پھُرتی سے اپنا بستر چھوڑ دیا اور مسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "آؤ تم تو... باہر سے ہی گلاس لیے چلے آ رہے ہو اور میں گھر میں بار ہوتے ہوئے بھی پیاسا ہوں۔"

"پیاس بجھا کر کسی کے لیے بار بن جاتے ہو گے اسی لیے پیاسے رکھے گئے ہو۔" میں نے اسے آنکھ مار کر شوخ لہجے میں کہا اور سلمٰی بھنّا گئی۔

"جگت بازی اور پھبتیاں اُڑانا تو کوئی تم دونوں سے سیکھے۔" وہ پیر پٹختی ہوئی چڑچڑے لہجے میں بولی۔ "دونوں مل کر اچھے خاصے آدمی کو تماشا بنا دیتے ہو۔" پھر وہ میری طرف مُڑ کر غرّائی۔ "مجھے کیا ضرورت تھی انھیں پیاسا رکھنے کی، میری بلا سے تم دونوں نہانے بھی لگو تو میں نہ روکوں گی۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔" میں پیچھے سرکتے ہوئے بولا۔ "اچھی بیویاں تو کبھی بھی اپنے آدمیوں کے شوق پر معترض نہیں ہوتیں۔ جہانگیر بلاوجہ ہی تمھاری طرف سے شاکی رہتا ہے۔"

"یاد رکھنا کہ میرے ساتھ مسخرہ پن کر کے تم اپنے حق میں کانٹے بو رہے ہو۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ "غزالہ کو مل جانے دو پھر دیکھنا کہ یہ خوش مزاجی کس طرح ہوا ہوتی ہے۔"

"معافی چاہتا ہوں۔" میں نے جلدی سے گلاس میز پر رکھ کر اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ "تم جو چاہے سزا دے لو لیکن غزالہ کے بارے میں ایسی بات نہ کہو۔ وہ مجھ سے اتنے عرصے تک دُور رہی ہے کہ اب تمھاری بہت سی باتوں کو سچ مان لے گی۔ اس معاملے میں تمھاری کوئی بھی شرارت مجھے بہت مہنگی پڑ سکتی ہے..."

"دیکھ لیا۔" جہانگیر نے بستر پر بیٹھے بیٹھے فخریہ لہجے میں ہانک لگائی۔ "میں تو میں میرے دوست بھی تم سے ڈرتے ہیں لیکن تم ہو کہ پھر بھی ہم سے ناخوش رہتی ہو۔ جاؤ ڈیڈی کے

لیے کھانے کا بندوبست کرو۔ یہ صورت ہی سے بھوکا لگ رہا ہے۔ یہ دو تین گلاس پی کر کھانا کھائے گا۔"

میں بے بسی سے اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا اور سلمیٰ مٹک مٹک کر کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی جہانگیر نے مسہری کے نیچے ہاتھ ڈال کر بلیک اینڈ وائٹ کی بوتل نکالی جو ایک چوتھائی خالی ہو چکی تھی۔ شاید وہ دن بھر بستر پر پڑا پڑا سلمیٰ کی نظریں بچا کر بوتل ہی سے چسکیاں لیتا رہا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ سلمیٰ اس کی حرکت سے واقف ہونے کے باوجود اپنا بھرم برقرار رکھنے کے لیے انجان بنی رہی ہو۔ وہ مجھے اپنی خواب گاہ میں لانے سے پہلے ہی بتا چکی تھی کہ اس کے کمرے میں جہانگیر کے پاس پوری بوتل موجود تھی جو اس وقت تین چوتھائی نظر آ رہی تھی۔

"ذرا لپک کر فریج سے برف کے ڈلے تو لے آؤ۔" میں نے اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے سلطان شاہ کو پچکارا اور اپنا گلاس جہانگیر کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"سلمیٰ کو چڑانے کی بات اور تھی لیکن اب آدمیوں کی طرح صبر سے پیو۔ نہ ہم کو اب کہیں جانا ہے اور نہ بوتل کہیں بھاگی جا رہی ہے۔" وہ میری ہلکی سی ہچکی پر برا سا منہ بناتا ہوا بولا۔ "ابھی سے ہچکیاں لو گے تو تھوڑی دیر میں سر کے بل کھڑے ہوتے نظر آؤ گے۔"

"یہ اسکاچ کی ہچکی نہیں تھی۔" میں نے بستر پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "غزالہ نے مجھے یاد کیا ہوگا۔ آج مجھے دن میں بھی ہچکیاں آتی رہی ہیں۔"

"آج تم سارا دن کہاں غائب تھے؟" وہ گلاسوں میں اسکاچ انڈیل کر بوتل کا منہ بند کرتے ہوئے بولا۔ "وہ بتا رہی تھی کہ دوپہر میں تم نے فون کیا تھا۔"

"بس بھاگ دوڑ میں مصروف تھا۔" میں نے کہا پھر دروازے پر نگاہ رکھتے ہوئے آہستگی کے ساتھ کہا۔ "کل کے اخبارات سے پتا چلے گا کہ میں آج کہاں تھا۔ آج ایسا زبردست کام ہوا ہے کہ ویرا تو کیا اس کا باپ بھی کئی مہینوں تک یہاں شی کو نہیں سنبھال سکے گا۔"

"یہ بتاؤ کہ اس مار دھاڑ اور دھما چوکڑی سے ہماری جان کب چھوٹے گی؟" اس کے لہجے میں دبا دبا سا احتجاج موجود تھا۔ "اب تو سلمیٰ پتا کھڑکنے پر بھی بری طرح بھڑک رہی ہے۔ چند ہی دنوں میں اس کے چہرے پر زردی نے ڈیرے جما دیے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ آج وہ فتنہ بھی دفن ہو گیا۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "شی والے یہاں معراج دین کی انفرادی قوت کے بل پر اودھم مچائے ہوئے تھے۔ آج میں نے اس کے اڈے کی عمارت اور ساکھ کو بری طرح خاک میں ملا دیا ہے۔"

"پھر یہ اپریٹس کیوں ساتھ لیے پھر رہے ہو؟" اس کا لہجہ اشتباہ آمیز تھا۔

"آدھا گھنٹا پہلے ویرا سے بات ہوئی تھی۔ وہ مالے کے انجام سے بے خبر اپنے نامعلوم ٹھکانے پر اکیلی شراب پی رہی تھی۔ وہ مجھ سے دوبارہ کسی بھی وقت رابطہ قائم کر سکتی ہے۔ اسی لیے میں نے اپریٹس آن رکھا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نشے کی جھونک میں وہ کوئی ایسی بات بتا جائے جو میرے سارے مسائل کی کنجی ثابت ہو۔ تھوڑی دیر کے لیے سلمیٰ کو اس کمرے سے دور ہی رکھنا۔"

"فکر نہ کرو۔" وہ ہنستا ہوا بولا۔ "روٹیاں ختم ہو چکی ہیں اسے تمہارے لیے روٹیاں پکانے میں خاصی دیر لگ جائے گی۔ ویسے بھی وہ اس وقت ہم سے دور ہی رہے گی۔ اس نے اندازہ لگا لیا ہے کہ اس وقت ہم دونوں ہی اس کی کھنچائی کے موڈ میں ہیں۔"

اسی وقت سلطان شاہ آئس پاٹ میں برف کے پارچے اور یخ بستہ پانی لے آیا۔ جہانگیر نے پگھلی ہوئی برف کا پانی باری باری دونوں گلاسوں میں انڈیلا تو سلطان شاہ فضا میں رچی ہوئی الکحل کی بو پر برے برے منہ بنا رہا تھا۔

"چاہو تو تم کمرے میں جا کر آرام کر سکتے ہو۔" میں نے اسے کھسکنے کا موقع فراہم کرتے ہوئے کہا۔ "کئی دن بعد ذہن کا بوجھ ہلکا ہوا ہے تو اب ہم ذرا دیر تک بیٹھیں گے۔"

"میں بھی بیٹھا ہوا ہوں۔ تم میری فکر نہ کرو۔" اس نے بے پروائی سے کہا اور میں سمجھ گیا کہ وہ وہیں موجود رہ کر ہماری گفتگو سننا چاہ رہا تھا۔

جہانگیر ان دنوں اپنے گھر میں قید ہو کر رہ گیا تھا اس لیے اسے میری سرگرمیوں کے بارے میں سب کچھ جان لینے کا خبط ہو گیا تھا مگر میں نے اسے وہی کچھ بتایا جو میری دانست میں ضروری تھا۔ اسی مواد میں ویرا کا قصہ بھی تھا جسے سن کر جہانگیر کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیلتی چلی گئیں وہ باور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ ویرا جیسی عورت جو ایک طرف میرے خون کی پیاسی ہو رہی تھی، دوسری طرف مجھ سے محبت کا دعویٰ بھی کر سکتی تھی۔ شاید میں اسے وہ کہانی نہ سناتا لیکن اپریٹس پر آنے والی متوقع کال کے پیش نظر اسے پورے پس منظر سے آگاہ کرنا ضروری تھا ورنہ وہ یہی سمجھتا تھا کہ میں نے ایک مرتبہ پھر ویرا کے ساتھ گلچھرے اڑانے شروع کر دیے تھے۔

"وہ آخر یہ ویرا کس مٹی سے بنی ہوئی ہے؟" اس نے تعجب آمیز لہجے میں کہا۔ "میں نے اپنی زندگی میں بہت سی عورتیں دیکھی ہیں لیکن آتنی ڈھیٹ، دلیر اور بے شرم عورت نہیں دیکھی جو اپنے محبوب پر تلوار سونت کر اس سے عشق کا اظہار کرتی ہو۔"

"یہ ویرا ہی ہے جو آج بھی صحیح الدماغ ہے۔ اس کے باپ نے خاص طور پر ڈان مرسیانو بن کر روم میں اُسے جو غلیظ تربیت دی تھی اس کے بعد تو کوئی بھی عام لڑکی مستقل ذہنی مریضہ بن سکتی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بہت دلیر اور حوصلہ مند ہے لیکن اُس کے باپ نے اپنے مذموم مقاصد کی خاطر اس کے خمیر میں ڈھٹائی اور بے شرمی کے جراثیم بھی گوندھ دیے ہیں۔"

میں نے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لیا اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "وہ تو نفسیاتی طور پر بہت زیادہ اُلجھی ہوئی ہے مگر میں ہر طرح سے نارمل ہونے کے باوجود اُس کے بارے میں متضاد جذبات کا شکار رہتا ہوں۔ کبھی اُسے ذبح کر دینے کو دل چاہتا ہے اور کبھی اُسے ایک معصوم اور بے سہارا عورت سمجھ کر اس سے ہمدردی پیدا ہونے لگتی ہے۔"

"یہی میں کہہ رہا تھا۔" سلطان شاہ ایک دم بول پڑا۔ "اور تم نہیں مان رہے تھے۔ شراب میں بس یہی ایک اچھائی نظر آتی ہے کہ یہ اندر جاتی ہے تو اندر سے سچ زبان پر آجاتا ہے۔ اپنی

اس ہمدردی کو قابو میں رکھو ورنہ وہ تمہارا سر سہلاتے سہلاتے اچانک تمہاری گردن اڑا دے گی۔ میری نگاہ میں وہ ایک ہوس پرست، پاگل اور جنونی عورت ہے جو اپنی خوشی کے لیے کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتی ہے۔"

"سلطان شاہ درست کہہ رہا ہے۔" جہانگیر نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "وہ ایک زہریلی ناگن ہے، خوبصورت اور زہریلی۔ جو اپنے حُسن سے شکار کو مسحور کرتی ہے اور پھر اُسے ڈس لیتی ہے۔ تمہیں اُس کی طرف سے ہر وقت محتاط رہنا چاہیے ورنہ وہ کوئی بھی گل کھلا سکتی ہے۔"

"میں شیر خوار بچہ نہیں ہوں یار۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "اپنی دلی کیفیات بتانے کا یہ مطلب نہیں کہ میں واقعی اس کی خیر خواہی شروع کر دوں گا۔ یہ سب میں نے صرف اس کے کردار کی وضاحت کے لیے بتایا تھا۔"

"اس کے گھناؤنے کردار کا میں خود شاہد ہوں۔ تم اس بارے میں زبان بندی رکھو تو بہتر ہوگا۔" سلطان شاہ اس وقت یکایک بزرگانہ موڈ میں آگیا تھا۔

"ویرا کالنگ فارڈینی۔ . . . اوور!" اچانک خواب گاہ کی محدود فضا میں ویرا کی بھرائی ہوئی آواز ابھری اور ہم سب یوں خاموش ہو گئے جیسے ہمیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

میرے داہنے ہاتھ میں گلاس موجود تھا۔ اس لیے بائیں ہاتھ میں اپریٹس اٹھا لیا۔

"تم کچن میں جا کر سلمٰی کو وہیں مصروف رکھو۔" جہانگیر نے ایک جھٹکے کے ساتھ سلطان شاہ سے کہا۔ "وہ ادھر آنکلی تو سارا معاملہ گڑبڑ کر دے گی۔"

"اسے آنے دو بلکہ اسے بُلا لاؤ۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا۔ "اسے اپریٹس سے دور رہ کر غزالہ کی سی اداکاری کرنی ہے۔ ویرا کے لیے اپریٹس پر پس منظر سے سُنائی دینے والی نسوانی آواز ہی کافی ہوگی۔ فاصلے کی وجہ سے وہ لب و لہجے میں تمیز نہیں کر سکے گی۔"

اسی اثناء میں اپریٹس پر دوبارہ ویرا کا پیغام سنائی دیا اور اس بار میں نے لائن اوور ہوتے ہی اس کی کال کا جواب دے ڈالا۔

"غنیمت ہے کہ تمہاری آواز سنائی دی ورنہ میں تو سمجھی تھی کہ تم اپنا اپریٹس آن رکھنا بھول گئے۔" اُس کی آواز پر واضح طور پر نشے کا غلبہ محسوس کیا جا سکتا تھا۔ "اپریٹس آن ہونے کا مطلب ہے کہ تمہارے دل کے کسی گوشے میں میرا خیال ضرور موجود ہے۔ . . . اوور!"

"یہ تمہاری خوش فہمی بھی ہو سکتی ہے ویرا!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تھوڑی دیر پہلے میں نے جو کچھ کہا اسے تم نے میری قلابازی قرار دیا تھا اس لیے اب کسی اور موضوع پر بات کرو کیونکہ اب میں تنہا نہیں ہوں۔ غزالہ واپس آچکی ہے اور کسی بھی لمحے ادھر آسکتی ہے۔ اوور۔"

جہانگیر معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا اور سلطان شاہ میری ہدایت پر پہلے ہی سلمٰی کو بلانے جا چکا تھا جو کچن میں میرے لیے روٹیاں تیار کر رہی تھی۔

"غزالہ آگئی ہے؟" اس کی مخمور آواز تحیر آمیز ہو گئی۔ "تو ذرا اس سے میری بھی بات کرا دو۔ اوور۔"

اُسی وقت سلمٰی بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی سلطان شاہ کے ہمراہ خواب گاہ میں آگئی۔ وہ حیرت سے میری طرف دیکھتی رہی لیکن زبان سے کچھ نہ بولی۔ شاید سلطان شاہ نے اسے راستے ہی میں اس بارے میں بریف کر دیا تھا۔

"غزالہ شاید ہی تم سے بات کرنا پسند کرے گی . . . تم دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے بغض و حسد کے جذبات موجود ہیں۔ اس لیے میں خود بھی یہ تماشا پسند نہیں کروں گا۔ ایک دوسرے سے لڑتی ہوئی حسین ترین عورتیں بھی مجھے چمگادڑوں کی طرح محسوس ہوتی ہیں۔ اوور!"

"تم بہانے بازی کر رہے ہو ڈینی۔ شاید تم ابھی تک اکیلے

ہو اور تمہاری چمگادڑ کہیں کسی پرانے شہتیر سے اُلٹی لٹکی ہوئی ہے۔ ۔ ۔ ۔ سچے ہو تو اسے بلاؤ۔ یہ ایریئیس بہت حساس ہے۔ میں اس کی آواز سن لوں گی۔ زیادہ سے زیادہ وہ مجھے گالیاں ہی دے لے گی۔ اوور!"

"تم سنتی رہو۔ میں اسے بلاتا ہوں"! میں نے سلمٰی کو آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ ساری گفتگو سن رہی تھی۔ اس لیے اپنا رول بخوبی سمجھ چکی تھی اور فوراً ہی کمرے سے باہر چلی گئی۔

میں نے ٹرانسمیشن بٹن پر سے اپنی انگلی کا دباؤ ختم کیے بغیر غزالہ کا نام پکارا اور سلمٰی نے دور سے "میں ابھی آئی" کی ہانک لگائی۔ چند ثانیوں بعد وہ خواب گاہ کے دروازے پر آکر رک گئی۔

"ایریئیس پر ویرا تم سے بات کرنا چاہ رہی ہے۔" میں نے ویرا کو سنانے کے لیے کہا۔

"میں اس حرامزادی کی آواز کی بھی روادار نہیں۔" سلمٰی نے بے مثال صداکاری کرتے ہوئے غصیلی آواز میں کہا۔ "یہ حرافہ میرے سامنے ہوتی تو میں ابھی اس کا منہ نوچ لیتی۔"

"اچھا! تم جاؤ، میں اس سے بات کر کے آتا ہوں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ جواب میں سلمٰی نہ جانے کیا بڑبڑانے لگی اور پھر چپ ہو گئی۔ مجھے یقین تھا کہ اس کی بڑبڑاہٹ دوسری طرف سن لی گئی ہو گی۔

"سن لیا تم نے؟" میں نے ایک گہرا سانس لے کر ایریئیس میں ویرا سے کہا۔ "میں جانتا تھا کہ وہ انکار کر دے گی۔ اب بتاؤ کہ مجھ سے کیا چاہتی ہو؟ اوور!"

"جس کے پاس اپنے لیے کچھ نہ ہو اس سے میں کیا چاہ سکتی ہوں؟" اُس کی آواز بہت تلخ اور کاٹ دار ہو گئی۔ "مجھے خوشی ہے ڈینی کہ میرا دل دکھا کر تم بھی سکھی نہیں ہو۔ میری ہی طرح تنہا اور اداس ہو۔ غزالہ کی موجودگی کا جو ڈراما تم نے رچایا ہے وہ سراسر فراڈ ہے۔ فاتح تم نہیں، میں ہوں۔" اور پھر اچانک ہی ایریئیس پر اس کا ہذیانی قہقہہ گونجنے لگا۔

اُس کا ہنسنے کا انداز خود میرے لیے بھی اجنبی اور بہت زیادہ پُراسرار تھا۔ نہ جانے وہ نشے کی جھونک میں ہنس رہی تھی یا اس ہنسی کا کوئی ٹھوس سبب بھی تھا!

مجھے گمان ہوا کہ شاید وہ غزالہ کا سراغ لگا چکی تھی اور اس وقت مجھے بے وقوف بنا کر میری بے بسی کا مضحکہ اُڑا رہی تھی۔ وہ خیال آتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور بدن کے مساموں سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ اچانک ہی بہنے لگا۔

میں اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا لیکن اس کا ہذیانی قہقہہ طویل ہوتا چلا گیا جو میرے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا اور آخر میں نے خوف اور جھنجلاہٹ کے عالم میں ایریئیس آف کر دیا۔

قہقہے کی آواز معدوم ہوتے ہی یکلخت ایسا غیر فطری سناٹا چھا گیا۔ جیسے کائنات گردش کرتے کرتے اچانک تھم گئی ہو اور کسی بھی لمحے سب کچھ ایک دوسرے سے متصادم ہو کر فنا ہونے والا ہو۔

"بڑی بھیانک ہنسی تھی اس کی!" کمرے میں چھائے ہوئے گمبھیر سکوت میں جہانگیر کی سرسراتی ہوئی آواز گونجی۔ وہ ویرا سے ویسے بھی ذہنی طور پر بہت مرعوب تھا۔ پھر اس وقت تو ویرا کے غیر متوقع اور ہذیانی قہقہے نے خود مجھے بھی بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ اس لیے جہانگیر کا خوفزدہ ہونا کوئی تعجب انگیز واقعہ نہیں تھا۔ وہ شی سے عرصۂ دراز سے لاتعلق تھا، لیکن ان لوگوں کی ماورائی بالادستی کے سحر سے نہیں نکل سکا تھا۔

"وہ عورت نہیں، پکی مداری ہے۔" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔ "وہ جانتی ہے کہ کن حربوں سے تمہیں پریشان کر سکے گی۔ تمہارے ساتھ رہ کر اس نے تمہارے بارے میں بہت کچھ جان لیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اب اس کا ہنسی کا دورہ ختم ہو گیا ہو۔ ایریئیس آن کر دو تو پتا چلے گا کہ اب وہ کیا بک رہی ہے۔"

سلطان شاہ کی رائے معقول تھی۔ میں نے جو کچھ کیا وہ میرا اضطراری ردِعمل تھا۔ ایریئیس آف کر کے میں کسی بھی صورتِ حال کو تبدیل نہیں کر سکتا تھا جبکہ ویرا سے گفتگو جاری رکھ کر میں کم از کم اس کے ہذیانی قہقہے کا۔ ۔ ۔ سبب تو معلوم کر ہی سکتا تھا۔

میں نے فوراً ہی ایریئیس دوبارہ آن کر دیا مگر اس پر سکوت طاری تھا۔

"وقفہ خاصا طویل ہو گیا تھا۔" سلمٰی نے رائے زنی کی۔ "تم کال کرو گے تو وہ ضرور جواب دے گی۔"

"نہیں۔" سلطان شاہ نے جلدی سے مجھے روک دیا۔ "اس نے قہقہہ لگا کر تمہیں پریشان کرنے کی کوشش کی تھی۔ اب تو اگر تم رابطہ قائم کرنے میں پہل کرو گے تو وہ خوش ہو گی کہ اس نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ اپنا ایریئیس آن رکھ کر انتظار کرو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تم سے بات کرنے کی کوشش کرے گی۔ اس مکار عورت سے تم کو ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیے۔"

"اس کے الفاظ ذو معنی تھے۔" جہانگیر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ "سلمیٰ کی آواز سن کر اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ غزالہ کی موجودگی کا ڈراما سراسر فراڈ ہے۔ اس کا دل دکھا کر تمہارے تسکین نہ ہونے سے تو ایک ہی بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ اسے غزالہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہو چکا ہے...."

"یہ ضروری نہیں۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ایسا ہوتا تو وہ غزالہ سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار نہ کرتی بلکہ اپنی معلومات کے سہارے ڈیبی کو بتاتی کہ غزالہ کے بارے میں بولے جانے والے جھوٹ سے وہ پوری طرح باخبر ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے آواز کا فرق پہچان لیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم غیر ضروری قیاس آرائیوں میں الجھ رہے ہیں۔ اپوائنٹمنٹ تک اس نے مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہ کی تو میں خود اس سے بات کروں گا۔"

"تم تین مرد مل کر بھی اس ننھی سی آفت کو زیر نہیں کر سکتے۔" سلمیٰ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "وہ جو چاہتی ہے کر گزرتی ہے۔ تم میں سے کسی میں ذرا بھی ہمت ہو تو اس کی چوٹی کو تین بل دے کر ایک کونے میں ڈال سکتا ہے مگر تم لوگ سوچنے میں زیادہ وقت گزارتے ہو۔"

"مشکل یہی ہے کہ اس کی چوٹی نہیں ہے۔" جہانگیر گہرا سانس لے کر حسرت زدہ لہجے میں بولا۔ "مردوں کا شکار کھیلنے والی ولایتی عورتیں سب سے پہلے اپنے بال ہی کٹواتی ہیں۔ تم نے ویرا کا صرف نام ہی نام سنا ہے۔ تمہیں یہ نہیں معلوم کہ وہ کس خمیر سے پیدا ہوئی ہے...."

"مجھے تو اسی وقت پتا چلے نا جب تم لوگ مجھے کسی قابل سمجھو۔ دن رات میری جان سولی پر ٹنگی رہتی ہے۔ لیکن جب بھی کوئی گشت و خون ہوتا ہے تو تم لوگ مجھے جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر بہلا دیتے ہو۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ مجھے اچھی طرح اندازہ ہے کہ تم لوگ مجھ سے بہت کچھ چھپاتے ہو۔ لیکن میں دانستہ خاموش رہتی ہوں۔ اس شہر میں لاکھوں اور گھرانے ہیں پھر آخر بار بار یہی گھر تشدد کا نشانہ کیوں بنایا جاتا ہے۔ کیوں؟ ڈیبی بیسیوں مسلح قاتلوں کو کہاں سے لے آتا ہے؟ تمہارے پاس وائرلیس اور ایسی ہی دوسری چیزیں کہاں سے آتی ہیں؟ یہ سب سامنے کے کھلے کھلے سوال ہیں مگر میں کس سے پوچھوں کہ...."

سلمیٰ نے کسی دکھی خانہ دار عورت کی طرح شکوے شکایات کے لیے بظاہر ایک لمبا اسٹارٹ لیا تھا لیکن ٹرانسمیٹر پر ویرا کی مخمور آواز سن کر میں نے سختی سے سلمیٰ کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا اور وہ اپنا فقرہ پورا کیے بغیر خاموش ہو گئی لیکن الفاظ کی راہ نہ پانے والی اس کی ساری شکایتیں اس کی آنکھوں میں مجسم ہو کر رہ گئی تھیں۔

"ویرا فار ڈیبی ڈارلنگ... اوور۔" اپریٹس پر اس کی خمار سے بوجھل آواز سنائی دے رہی تھی۔

"اب کیا تکلیف ہے تمہیں؟ اوور۔" میں نے اپنے تجسس کو پوشیدہ رکھتے ہوئے بیزاری اور چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور اس کی ہنسی میں بھی نشے کے اثرات واضح تھے۔ "بس تمہاری یہی ادائیں تو مجھے دیوانہ بنا دیتی ہیں۔ میری ہنسی سن کر اپریٹس تم نے بند کیا تھا اور اب میری تکلیف جاننا چاہ رہے ہو۔ سچ کہتی ہوں کہ اس وقت مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے بلکہ میں اندر تک سے خوش ہوں۔ اوور۔"

"اندر کی اس خوشی کا کوئی قابلِ ذکر سبب بھی ہوگا؟ اوور۔" میں نے پوچھا۔

"خوشی اس بات کی ہے کہ اب میری طرح تم بھی دکھی ہو۔" اس کی آواز ابھری۔ "تمہیں ہر وقت اپنے جیسا دیکھنے کی خواہش ہی اب میری سب سے بڑی خوشی ہے۔ اوور۔"

"اندھا اپنی آنکھیں حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لیے دوسروں کی آنکھیں پھوڑ کر خوشی حاصل کرتا ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "بڑی اچھی سوچ ہو گئی ہے تمہاری۔ اوور۔"

"میں تمہیں کھو کر اداس ہوں اور تم غزالہ سے بچھڑ کر تنہا ہو۔ میرا خیال ہے کہ اس سودے میں خسارہ ہم دونوں کا ہوا ہے۔ غزالہ نفع میں رہی ہے۔ ہر روز آشنائیاں بدل کر زندگی کے مزے لوٹ رہی ہے اور تم ابھی تک اس کے نام کی مالا جپ رہے ہو۔ اوور۔"

"الکحل شاید تمہارے دماغ کی جڑوں تک میں اتر چکی ہے اسی لیے تم خرافات بکنے پر تل گئی ہو۔" میں نے درشت لہجے میں کہا۔ "یا پھر غزالہ کی آواز سن کر تمہارا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ رات بھر کی نیند کے بعد صبح دماغ سے دھند صاف ہو گئی تو مجھ سے بات کرنا۔ میں صبح آٹھ بجے تمہاری کال کا انتظار کروں گا۔ اوور۔"

"میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، الکحل میرے خون میں شامل چلی آ رہی ہے اور میرا ذہنی توازن بھی درست ہے۔ مگر تم یہ بھول رہے ہو کہ غزالہ کے بارے میں تم پوری

دنیا کو دھوکا دے سکتے ہو، مگر مجھے فریب دینا ناممکن ہے۔ تم نے مجھے جو آواز سنائی، وہ غزالہ کی ہرگز نہیں تھی۔ اوور۔"

"اب شاید تم یہ کہو گی کہ غزالہ میری محبوبہ ضرور ہے لیکن اس کو تم نے جنا ہے اس لیے تم اسے مجھ سے زیادہ جانتی ہو۔ اوور۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتی لیکن غزالہ کو میں اس سے بھی زیادہ جانتی ہوں۔" اس کی خمار آلود آواز سنائی دی۔ کچھ توقف کے بعد وہ پھر بولی۔ "شاید تمھیں علم نہیں کہ غزالہ جتنے عرصے میری تحویل میں رہی، میں اس کا گہرا مشاہدہ اور تجزیہ کرتی رہی ہوں۔ خوبصورتی میں اگر میں اس سے برتر نہیں تو کم تر بھی نہیں ہوں۔ میں نے اس کی آواز اور چال ڈھال سے لے کر اس کے انداز و اطوار تک پر نگاہ رکھی تھی کہ اس میں وہ کون سی خوبی ہے جو تمھارے دل کو لبھاتی ہے اور میں اس خوبی سے محروم ہوں۔ اس ارتکاز کے نتیجے میں غزالہ کے نقوش اور عادات سے اس کی آواز تک، ہر بات میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ میں اسے لاکھوں کے ہجوم میں پہچان سکتی ہوں۔ شہر میں صور پھونکا جا رہا ہو تب بھی اس کی آواز پہچان سکتی ہوں۔ اسی وجہ سے میں غزالہ سے بات کرنے پر اصرار کر رہی تھی اور آخر کار میرا شبہ درست ثابت ہوا۔ غزالہ تمھارے پاس نہیں ہے۔ تم اس کے فراق کی آگ میں جل رہے ہو مگر مجھے جلانے کے لیے تم نے کسی اور کو غزالہ بنا کر اس کی آواز مجھے سنائی اور یوں تم میری نگاہوں میں اپنا بھرم کھو بیٹھے ہو۔ سچ سچ بتاؤ کہ دلدار کو دغا دینے کے بعد اب وہ کس کے پاس گئی ہے؟ اوور۔"

اس کے دلائل مضبوط تھے۔ اس لیے اس سے بحث میں الجھنا بے سود تھا۔ میں نے اس کی چڑانے والی گفتگو کے جواب میں سرد اور سپاٹ رویّہ اختیار کر لیا۔

"میں نے غزالہ کی تم سے بات کرا دی۔ اگر تم اس کو غزالہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو تو یہ تمھاری اپنی مرضی ہے جس پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں اس بحث میں نہیں الجھنا چاہیے۔ کوئی خود فریبی اگر تمھارے تھکے ہوئے ذہن کو سکون دے سکتی ہے تو اسے ہر صورت میں برقرار رہنا چاہیے۔ اوور۔"

"خود فریبی نہیں، یہ میرا یقین ہے جسے تم اپنے کسی حربے سے متزلزل نہیں کر سکتے۔" اس کی آواز میں قدرے برہمی پیدا ہو گئی تھی۔ "جس طرح میں نے اپنی ہزاروں دوستیوں کے باوجود صرف اور صرف تمھیں چاہا، اسی طرح روئے زمین پر میں نے صرف غزالہ سے رقابت محسوس کی ہے۔ پچھلی بار میں نے غلطی سے غزالہ کو تم سے دور کر دیا تھا اور پھر بعد میں اپنے اس اقدام پر خود پشیمان رہی تھی۔ لیکن اس بار ہمارے درمیان ٹھن چکی ہے۔ غزالہ تم سے الگ ہے اس لیے میں اسے تلاش کروں گی اور اپنی قید میں رکھ کر ایسی ایسی نادر ایذائیں پہنچاؤں گی کہ وہ تم سے مل کر بھی نہ مل سکے گی۔ تم دونوں ہمیشہ کے لیے پیاسے ہی پیاسے رہو گے۔ اس کے بارے میں میں پوری طرح آزاد ہوں اور آزاد رہوں گی۔ البتہ اپنے دو وعدوں کے سلسلے میں تم مجھے سچا پاؤ گے۔ جب تک تم جاز فارماسوٹیکل کو بھولے رہو گے، میں جہانگیر اور اس کی بیوی کو بھولی رہوں گی۔ اسی کے ساتھ پہلی دو بدو ملاقات میں اگر مجھے تم پر بالادستی حاصل ہوئی تو تم میرا رویّہ دوستانہ پاؤ گے۔ ان دو شریفانہ معاہدوں کے علاوہ ہم دونوں پر ایک دوسرے کا نہ کوئی حق ہے اور نہ دعویٰ، تم اپنی من مانی کرتے رہو، میں اپنا کھیل کھیلوں گی۔ اوور۔"

"تم ہمیشہ ہی اپنے کھیل کھیلتی رہی ہو۔ تم جیسی آزاد خیال اور بے باک لڑکی کو اس کے من پسند کھلونے بھی آرام سے مل جاتے ہیں۔ غزالہ میری تحویل، رفاقت اور حفاظت میں ہے۔ اس بار تمھارا سایہ بھی اس تک نہیں پہنچ سکے گا۔" اس کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ اٹلی سے تازہ بہ تازہ کراچی وارد ہوئی تھی اور اس نے پے در پے دو معرکے بھی سر کر ڈالے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ وہ اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی لیکن اس کے باوجود وہ پُرعزم اور با اعتماد محسوس ہو رہی تھی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کے اعتماد کو متزلزل کیا جائے تاکہ وہ اونچی اڑان لینے سے باز رہ سکے۔ اس فوری خیال کے تحت میں نے اچانک ہی اپنی گفتگو کا رُخ موڑ دیا۔ "میرے اور غزالہ کے بارے میں بڑے بڑے دعوے کرنے کے بجائے اگر تم اپنے گھر کی خیر لو تو زیادہ فائدے میں رہو گی۔ اوور۔"

"میں آفاقی برادری کی قائل ہوں۔ میرا کوئی بھی گھر نہیں اور دُنیا کا ہر گھر، میرا گھر ہے۔ تم کس گھر کی بات کر رہے ہو؟ اوور۔" اس نے شاید میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی تھی۔

"فضا میں جہاز اُڑا لینے سے تم جیسی کوئی لڑکی آفاقی برادری میں شامل نہیں ہو جاتی مس ماریانا گبرائیل۔" میں نے استہزائیہ انداز میں اسے اس نام سے مخاطب کیا جو اس نے پاکستان میں داخلے کے لیے استعمال کیا تھا۔ "یہ اور بات ہے کہ میلان سے کراچی تک کے سفر میں انطونیو تمھیں نادیدہ جہانوں کی سیر کراتا رہا ہو۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم کو اپنے گھر کی خبر

لینی چاہیے۔ اوور۔"

"یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے کہ تم نے میرے فرضی نام اور میرے ساتھی کا سراغ لگا لیا ہے۔ یہ کام تو تیسرے درجے کے نکمّے سراغرساں بھی کر سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اپنی ان معلومات کے سہارے تم امیگریشن کے مقامی حکام کو میرے پیچھے لگانے کی گھٹیا حرکت نہیں کرو گے۔ اوور۔"

"دو شریفانہ معاہدوں کے علاوہ ہمارا ایک دوسرے پر کوئی حق ہے اور نہ دعویٰ۔" میں نے اسی کی کہی ہوئی بات اسے لوٹا دی۔ "اگر تم انطونیو کی خوش فعلیوں کی وجہ سے امید سے ہو تو اور بات ہے لیکن مجھ سے کوئی امید ہرگز نہ رکھنا۔ جنگ میں ہر اعلیٰ اور گھٹیا حربہ جائز ہوتا ہے۔ اوور۔"

میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی سلمٰی بُرا سا منہ بناتی ہوئی خوابگاہ سے چلی گئی۔ جہانگیر کی موجودگی کی وجہ سے اس کے لیے یہ اداکاری لازم ہو گئی تھی۔ ورنہ وہ عامیانہ گفتگو سے بھی لطف اندوز ہونے کا خاصا ذوق رکھتی تھی اور کئی بار مجھے نرغے میں لے چکی تھی۔

"یہ حق اور دعوے کی بات نہیں، معیار کی بات ہے۔ چھچھورے دشمن سے ذلیل ترین وار کی بھی توقع کی جا سکتی ہے۔ لیکن اصول پرست حریف دشمنی میں بھی وضعداری سے کام لیتے ہیں۔ میں تمھیں کسی بھی اقدام سے نہیں روک سکتی۔ لیکن اتنا ضرور بتا دوں کہ میں گھٹیا پن پر اُتر آئی تو میرے آدمی شہر کی سڑکوں سے تمھارا گزرنا بھی محال کر دیں گے۔ اوور۔"

آخر کار اس کی زبان سے وہ بات نکل ہی گئی جس کا میں انتظار کر رہا تھا اور مجھے اس پر اپنی کارگزاری ظاہر کرنے کا موقع مل گیا۔

"تم جن آدمیوں پر تکیہ کر رہی ہو، ان کی خبر تو لے لو۔ وہ بے چارے اس وقت عالمِ بالا یا عالمِ نزع میں تم جیسی کسی فراخ دل الپسرا کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اوور۔"

"پتا نہیں، تم کیا بک رہے ہو۔ اوور۔" اس کی جھلائی ہوئی آواز اُبھری۔

"بک نہیں رہا، بلکہ فرما رہا ہوں۔" میں نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم معراج دین عرف ماجے کا لشکر لے کر میرے اوپر آئی تھیں۔ میں نے تمھیں نظر انداز کر کے ماجے کو سزا دی ہے۔ اب تم اس پر یا اس کے آدمیوں پر انحصار نہیں کر سکو گی۔ اس وقت ان سب کی بدروحیں آگ چاٹ کر جہنم میں بلبلاتی پھر رہی ہوں گی۔ ہو سکے تو ان میں سے زندہ رہ جانے والے لوتھڑوں کی خبر گیری کرو تاکہ ہر طرف سے تنہائیوں کے اندھیرے میں گھر کر نہ رہ جاؤ۔ یہ شراب نوشی تمھیں فریب تو دے سکتی ہے سہارا نہیں۔ اوور۔"

"پی میں رہی ہوں مگر معلوم ہوتا ہے کہ نشہ تم کو ہو رہا ہے۔" اس کی آواز اور لہجے سے بے اعتباری مترشح تھی۔ "تم نے کہیں سے ماجے کا نام سن لیا ہو گا اور اب مجھے بوکھلانے کے لیے اس کی موت کی [illegible] اپنا یہ کارنامہ تمھیں اتنی دیر سے کیوں یاد نہیں آیا؟ اوور۔"

"میں اسے کارنامہ نہیں سمجھتا۔ یہ تو میرے جاں نثاروں کی معمولی سی کارگزاری ہے۔ اس وقت بہک رہی ہو تو صبح کا اخبار دیکھ لینا۔ اب رات ڈھل رہی ہے۔ میں صبح تک تمھاری دل جوئی نہیں کر سکتا۔ اس لیے اب جلدی گفتگو ختم کرو، مجھے آرام بھی کرنا ہے۔ اوور۔"

"تم بے پروائی ظاہر کر کے میری نیند نہیں اڑا سکتے۔ شاید تمھیں علم نہیں کہ ماجا شیر کی طرح دلیر اور چیتے کی طرح مکار ہے۔ اس پر آسانی سے ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں ہے۔ اوور۔"

"میں نے تمھیں صرف ایک خبر سنائی ہے۔ تمھیں اس پر یقین کرنے پر مجبور نہیں کر رہا۔ اگر تم مجھے جھوٹا سمجھتی ہو تو گفتگو کا سلسلہ ختم کر کے سکون سے سو جاؤ۔ صبح کے اخبارات سے تمھیں اپنے دلیر اور مکار درباری کے انجام کا علم ہو جائے گا۔ اس وقت چاہو تو مجھ سے دوبارہ بات کر لینا۔ اوور۔"

"ٹھیک ہے، صبح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ فی الحال اوور اینڈ آل۔"

میں نے جوں ہی اپریٹس آف کیا، سلطان شاہ اور جہانگیر نے پُرجوش آواز میں تقریباً ایک ساتھ بولنا شروع کر دیا۔ ان کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میری کسی بات سے اختلافِ رائے کرنا چاہ رہے تھے۔ ان میں سے جہانگیر اہلِ خانہ تھا اور سلطان شاہ اس کا مہمان، لہٰذا سلطان شاہ نے خاموشی اختیار کر کے جہانگیر کو بولنے کا موقع دیا۔ وہ مجھ سے الجھ پڑا۔

"عورت کی لگاوٹ سے تم ایسے ریشہ خطمی ہو جاتے ہو کہ تمھیں اپنی کھوپڑی اور زبان پر بالکل اختیار نہیں رہتا۔" وہ آنکھیں نکال کر بولا تھا۔

"پتا تو چلے کس بات پر تم اتنے برہم ہو رہے ہو؟" میں نے پُرسکون انداز میں سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "پتا نہیں تم دونوں کو مجھ سے کیا عداوت ہو گئی ہے کہ جب ویرا سے ذرا سی سیاسی گفتگو کرتا ہوں تو تم ایک دم بھڑک اٹھتے ہو۔ تم لوگوں کو اندازہ نہیں ہے کہ جب میں [illegible] سے بات کرتا ہوں تو ایک ایک لفظ سوچ سمجھ کر بولتا ہوں۔"

"سیدھے ٹریک پر چلتے چلتے تمھیں ماجے کے ...

میں زبان کھولنے کی کیا تکلیف لاحق ہو گئی تھی؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ترش لہجے میں سوال کیا۔ سلطان شاہ اپنی کھوپڑی کو تفہیمی انداز میں جنبش دے کر جہانگیر کا ساتھ دے رہا تھا۔

"میں نے وہ ذکر دانستہ تاخیر سے چھیڑا کیونکہ میں موقع کی تلاش میں تھا۔ اسے یہ جتانا بہت ضروری تھا کہ ماجے کے کریا کرم میں ہمارا ہاتھ ہے۔"

"اگر اسے نہ بتلاتے تو کون سی قیامت آجاتی؟" جہانگیر مجھے گھورتے ہوئے غرایا۔

"اس پر بالادستی حاصل کرنے کے لیے یہ بہت ضروری بلکہ ناگزیر تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "صبح کے اخبارات میں پڑھ کر وہ ہم سے خوف زدہ ہو جائے گی۔"

"اور ہماری اس کارروائی کا انتقام لینے کے لیے کوئی نئی منصوبہ بندی شروع کر دے گی۔" جہانگیر نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"اوہو، تو تم اس کے انتقام سے خوف زدہ ہو۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر استہزائیہ انداز میں کہا۔ "تم فکر نہ کرو میرے انکشاف نے اس کی کمر توڑ دی ہو گی۔ اب اسے ہمارے خلاف کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے دس بار سوچنا پڑے گا۔ اور تم تو ویسے بھی میرے اور اس کے معاہدے کی رو سے امان میں آئے ہوئے ہو۔ وہ تمہیں چھیڑ کر جاز فارما سیوٹیکل کے لیے کوئی خطرہ کھڑا نہیں کرے گی۔"

"بس اب چپ رہو۔" جہانگیر نے قدموں کی ہلکی سی دھمک محسوس کر کے اضطراری لہجے میں کہا۔ "سلمٰی کے سامنے ماجے کا قصہ نہ چھیڑنا، ورنہ وہ واقعی خوف زدہ ہو کر میکے چلی جائے گی۔"

"تم بھی نرے جورو کے غلام ہو۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

"فکر نہ کرو، تمہاری شادی ہو گی تو ساری مردانگی سامنے آجائے گی۔" وہ مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتا ہوا غرایا۔

بات آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ اسی وقت سلمٰی کھانے کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہو گئی۔

"پی چکے ہو تو اب کھانا لگا دوں؟" سلمٰی نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر طنزیہ لہجے میں سوال کیا تھا۔ لطف کی بات یہ تھی کہ اسی کے ساتھ اس نے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر سینٹر ٹیبل پر کھانے کی ٹرے رکھ کر میرے سامنے پلیٹ سجا دی تھی۔

"تم مجھے بلاوجہ کانٹوں میں گھسیٹتی ہو۔" میں نے اپنے گلاس سے آخری قطرے اپنے معدے میں انڈیلتے ہوئے احتجاج کیا۔ "جہانگیر مجھ سے زیادہ پیتا ہے۔ ابھی ابھی اس نے اپنی مسہری کے نیچے سے جو بوتل نکالی تھی وہ ایک چوتھائی خالی ہو چکی تھی۔ یہ شاید شام سے ہی چوری چھپے چسکیاں لیتا رہا ہے۔"

"آپس میں لڑانے کی کوشش نہ کرو۔" جہانگیر شرمندہ ہونے کے بجائے جارحانہ انداز میں غرایا۔ "ڈھکن ڈھیلا رہا ہو گا اسی میں سے تھوڑی بہت بہہ گئی ہو گی۔"

"وہ نئی بوتل تھی۔" سلمٰی نے خشک لہجے میں کہا۔ "اتنا تو میں بھی جانتی ہوں کہ ولایتی بوتلوں کی سیل توڑے بغیر ڈھکن لیک نہیں ہوتے۔ اس بوتل کی سیل کیسے ٹوٹ گئی؟"

"مجھے کیا پتا، اسی سے پوچھو۔" جہانگیر نے ڈھٹائی سے کہا۔ اس کا اشارہ میری جانب تھا۔ "میں تو دن بھر یہاں بستر میں پڑا رہتا ہوں۔ یہی کیبنٹ میں بوتلوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا ہے۔"

میں نے اس کی دیدہ دلیری پر ایک گہرا سانس لے کر چھت کی طرف دیکھا اور پھر بے بسی کے ساتھ کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ریٹا کے ساتھ تمہارا کیا چکر چل رہا ہے؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد سلمٰی نے چبھتے ہوئے لہجے میں مجھ سے سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔

"کس ریٹا کی بات کر رہی ہو تم؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تو دو چار ریٹاؤں سے مراسم ہیں تمہارے؟" اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "کبھی شراب نوشی میں اپنے ساتھ کسے لیے اسے یاد کرتے ہو اور اس وقت اسے پہچاننے سے بھی منکر ہو رہے ہو۔"

میں اپنی خالی الذہنی کی وجہ سے اضطراری طور پر وہ سوال کر بیٹھا تھا، ورنہ اگلے ہی لمحے میں مجھے سلمٰی کی وہ خوب رو پڑوسن یاد آگئی تھی جسے مافیا والوں کے کلب میں دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا۔

ریٹا ڈی سوزا سلمٰی کے محلے کی ایک شادی شدہ غیر مسلم خاتون تھی، جو لاولد ہونے کی وجہ سے سوشل سرگرمیوں میں خاصی دلچسپی لیتی تھی۔ پھر وہ متوفی اسرار رضوی سے اپنے نجی مراسم کی وجہ سے کلب جا پہنچی۔ وہ دونوں اپنے جس مذموم

تفریحی مقصد کے لیے کی کلب میں یکجا ہوتے تھے، وہ کی کلب والوں کے لیے کوئی راز نہیں تھا کیونکہ اس کلب کی آڑ میں ایسی ہی سرگرمیوں کو فروغ دے کر با اختیار اعلیٰ افسران کو مٹھی میں لیا جاتا تھا۔ اسی کے ساتھ ان لوگوں کی بے راہ روی کی فلمیں بنا لی جاتی تھیں تاکہ کسی مرحلے پر ان کے انکار کی صورت میں بدنامی کی دھمکی دے کر انھیں مافیا کے مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکے۔

ریٹا سے میری پہلی ملاقات سلمیٰ کے ڈرائنگ روم میں اس وقت ہوئی تھی جب دلدار آغا نے جہانگیر کو اغوا کرا لیا تھا اور سلمیٰ اپنے گھر میں سخت تشویش اور اضطراب کے عالم میں تنہا تھی۔ دوسری بار میں نے ریٹا کو کی کلب میں اس رات دیکھا جب دلدار آغا کو جہنم واصل کیا گیا تھا۔

دوسروں کی طرح ریٹا نے بھی اپنی رنگین مزاجی کے بارے میں ایک معصومانہ سی کہانی تراشی ہوئی تھی۔ جس سے میں ذرا بھی متاثر نہیں ہوا تھا لیکن میں نے ریٹا کی یہ التجا قبول کر لی تھی کہ اس کی کی کلب سے وابستگی کے بارے میں سلمیٰ کو کچھ نہ بتایا جائے۔ اپنے محلے میں وہ اپنا عزت دار گھریلو خاتون کا بھرم برقرار رکھنے کی آرزومند تھی جب کہ کی کلب میں پہلا سودا عزت ہی کا ہوا کرتا تھا۔

"ریٹا کیوں یاد آگئی اس وقت تمھیں؟" میں نے ہنستے ہوئے سلمیٰ سے سوال کیا۔ "اس سے تم نے ہی یہاں متعارف کرایا تھا۔ میرا کیا چکر چل سکتا تھا اس کے ساتھ؟"

"آج اس نے دو بار تمھارے لیے فون کیا تھا۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ "دوسری بار اس نے پیغام چھوڑا تھا کہ جب تم واپس لوٹو تو اسے فون کر لینا۔"

"اور تم اب بتا رہی ہو؟" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"تمھیں فرصت ہوتی تو بتاتی۔ چاہو تو اس وقت بھی اس سے بات کر سکتے ہو۔"

"کافی دیر ہو گئی ہے۔ اس کا شوہر کیا خیال کرے گا۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ان دونوں میں کافی ذہنی ہم آہنگی ہے۔ وہ ایک دوسرے پر بھروسا کرتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ڈی سوزا تنگ نظر نہیں ہے۔"

سلمیٰ اپنا جواز دیتی رہی اور میں اندر سے پھریری لے کر رہ گیا۔ ڈی سوزا تنگ نظر نہیں تھا اور اپنی بیوی پر بھروسا کرتا تھا لیکن ریٹا اس سے چھپ کر اس بھروسے کا خون کر رہی تھی۔ اسرار رضوی کے ساتھ اس کی دوستی کسی طرح بھی قابل درگزر نہیں تھی لیکن اس معاملے میں ریٹا سے زیادہ قصوروار ڈی سوزا تھا۔ جس نے آزاد خیالی اور باہمی اعتماد کے نام پر اپنی خوبرو اور جواں سال بیوی کو غیر مردوں سے ملنے جلنے کی آزادی عطا کی ہوئی تھی۔ آگ اور تیل کو یکجا کر کے یہ توقع رکھنا کہ آگ نہیں بھڑکے گی، حماقت اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ احمقوں کی جنت میں رہ رہا تھا۔

"دیر سویر کی بات تو بے معنی ہے۔ مجھے الجھن یہ ہے کہ وہ تم سے ملنے کے لیے بے چین کیوں ہے؟" سلمیٰ کے آخری فقروں نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

"ایک عورت کسی مرد سے کیوں ملنا چاہتی ہے۔ یہ تو اس دنیا کا سب سے سیدھا اور آسان سوال ہے۔ جس کا جواب کوئی نیم بالغ بچہ بھی دے سکتا ہے۔ تم کیوں اپنا دماغ خراب کر رہی ہو۔" جہانگیر نے لقمہ دیا۔ اپنے معمولات میں وہ خاصا زیرک اور حاضر دماغ تھا لیکن میرے اور سلمیٰ کے معمولات میں اس نے کبھی بھی اپنے ذہن پر زور دینے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے رویے سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سلمیٰ کے مقابلے میں مجھے نابالغ یا اس کا کوئی محرم تصور کرتا ہو۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں دانستہ وہاں سے اٹھ گیا، میرا ارادہ ڈرائنگ روم سے فون کرنے کا تھا۔

"ریٹا کو فون نہیں کرو گے؟" جہانگیر نے اپنی سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"ڈرائنگ روم سے بات ہو گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور سلمیٰ سے ریٹا کا فون نمبر دریافت کر کے جہانگیر کی خواب گاہ سے نکلتا چلا گیا۔

دوسری طرف سے ریٹا نے ہی کال ریسیو کی تھی اور آواز سنتے ہی مجھے پہچان گئی تھی۔

"تم کہاں غائب ہو؟ میں تم سے ملنے کے لیے بے چین تھی۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

"اسرار رضوی کے بعد اب تم مجھ پر مہربان ہو رہی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے بھی اس کے تعاقب میں روانہ ہونا پڑ جائے۔ ویسے تمھارا شوہر کہاں ہے اس وقت؟"

"اسرار کے اندوہناک انجام کی ذمے داری مجھ پر نہ ڈالو۔" اس کی آواز سے یوں محسوس ہوا جیسے میرے تبصرے سے اسے دلی صدمہ پہنچا ہو۔ اسی کے ساتھ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ ہوا، وہ میرے تصور سے بعید اور میرے لیے ناقابلِ فہم تھا۔ میرا شوہر بے چارہ بے ضرر سا آدمی ہے۔ تمھیں اس کی طرف سے فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ وہ اس

وقت خواب آور گولیاں لے کر گہری نیند سو چکا ہے۔"

"جو اپنی بیوی کا کچھ نہ بگاڑ سکے، وہ شوہر بے ضرر ہی کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ اور ماؤتھ پیس میں کہا۔ "تمھیں یک بہ یک میری کیا ضرورت پیش آگئی؟ تمھاری بے چینی نے ہمارے تعلقات کے بارے میں سلمیٰ کو چوکنا کر دیا ہے۔"

"میں نے مجبوراً اسے فون کیا تھا کیونکہ میرے پاس تم سے رابطے کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ مجھے کی کلب میں تمھاری حیثیت اور پوزیشن کا کوئی اندازہ نہیں لیکن میں جس الجھن میں گھر گئی ہوں، اس کے بارے میں صرف تم ہی سے بے تکلفی کے ساتھ بات کر سکتی ہوں کیونکہ کلب سے تمھارا تعلق ضرور ہے۔"

"پہیلیاں بجھائے بغیر کھل کر سیدھی سیدھی بات کرو۔ سلمیٰ ادھر آنکلی تو تمھاری بات ادھوری رہ جائے گی اور معاملہ کل پر ٹل جائے گا۔"

"کی کلب والے اسرار رضوی کے بارے میں مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" اس کی روہانسی آواز شاید غیر ارادی طور پر دھیمی ہو گئی تھی، کیونکہ وہ اس وقت اپنی نجی زندگی کے ایک ناگفتہ گوشے کو زیرِ بحث لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"لیکن اس سے تمھارا کیا تعلق؟ وہ تو کسی اور ہی چکر میں مارا گیا ہے۔"

"کی کلب والوں کے پاس میرے اور اسرار کے مراسم کے بارے میں جو مواد موجود ہے، اگر اس کی تشہیر کر دی گئی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی اور پولیس والے بھی ان مراسم کی بنا پر تفتیش کے سلسلے میں ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

"تمھیں کیا معلوم کہ کی کلب والوں کے پاس تمھارے خلاف کیا مواد موجود ہے؟"

"اس وقت میں پراگندہ ذہنی کا شکار ہو رہی ہوں۔" ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ "جب تک میں شروع سے پوری بات نہیں بتاؤں گی، تم کچھ نہیں سمجھ سکو گے۔ آج صبح میرے پاس مس شوچان کا فون آیا تھا۔ وہ فوراً مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ میں کی کلب پہنچی تو اس نے تخلیے میں مجھ سے اسرار رضوی کی موت پر تعزیت کرتے ہوئے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں کی کلب میں اپنی آمد و رفت کا سلسلہ اسی طرح برقرار رکھوں جیسے میں اسرار کی زندگی میں آتی تھی۔ میرے استفسار پر مس شوچان نے کہا کہ میں جوان اور خوبصورت ہوں۔ اس لیے وہ لوگ میرے ذریعے اپنے کچھ معزز ارکان کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میرے لیے وہ توہین آمیز تجویز کسی بھی طرح قابلِ قبول نہیں تھی۔ میں بُری طرح برہم ہو گئی، مس شوچان کی منطق ہی نرالی تھی۔ اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی کہ ایک بار گھر سے نکل آنے کے بعد ناموں کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ اسرار رضوی کی جگہ دوسرے بھی لے سکتے ہیں۔ جب میں اس کو بُرا بھلا کہہ کر واپسی کے لیے اٹھ رہی تھی تو وہ مجھے بہلا پھسلا کر زیرِ زمین ایک کمرے میں لے گئی۔ وہاں ویڈیو ٹیپ کی مدد سے اس نے ٹیلی وژن اسکرین پر مجھے طویل دورانیے کی وہ فلم دکھائی جو میری لاعلمی میں تیار کی گئی تھی۔ ان حرام زادوں نے ہر وہ قابلِ ذکر لمحہ ریکارڈ کیا ہوا ہے جو میں نے کی کلب کی خلوت میں اسرار رضوی کے ساتھ گزارا تھا۔ شوچان نے مجھے آگاہ کیا کہ اگر میں نے اس کی تجویز پر عمل نہ کیا تو وہ فلم نہ صرف میرے شناسا حلقوں اور میرے شوہر کے اہم کاروباری رفقا تک پہنچا دی جائے گی۔ بلکہ اس کا ایک پرنٹ پولیس کو بھی دے دیا جائے گا۔ جس کے بعد میں پورے شہر میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ میں پہلے سے ان لوگوں کے لیے جو کچھ کرتی رہی ہوں اس سے زیادہ کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"یہ تو واقعی بڑی سنگین صورتِ حال ہے۔" میں نے مافیا والوں کے طریقۂ واردات کے اس عملی پہلو پر غور کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں ان میں سے نہیں ہوں جو تمھاری کوئی مدد کر سکوں۔ میں خود ایک تماشائی کی حیثیت سے وہاں جاتا ہوں اور وقت گزاری کر کے لوٹ آتا ہوں۔"

"مجھے پورا یقین تھا کہ تم میری مدد کر سکو گے۔" اپنے تاریک مستقبل کے تصور سے اس کی آواز بھرانے لگی۔ "اس کی شرائط تسلیم کر کے تو میں ایک بازاری عورت بن کر رہ جاؤں گی۔ تم نے تو کلب کی ملکیت کا بھی دعویٰ کیا تھا؟"

"یہ پہلے سوچنے والی بات تھی ریٹا۔" میں نے نرم اور ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "جرم اگر پوری رازداری کے ساتھ کیا جائے تو اس کے اثرات محدود رہتے ہیں لیکن کھلے بندوں یا ڈنکے کی چوٹ پر وہی لوگ جرم یا گناہ کر سکتے ہیں، جنھیں اپنی عزت یا نیک نامی کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ میری ملکیت والی بات مذاق تھی۔ میں بس ان کا پرانا گاہک ہوں۔"

"لیکن میں نے ایسی کوئی بے حیائی نہیں کی۔ میں کلب میں اسرار رضوی کی ایک معزز ملاقاتی بن کر جاتی رہی ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدنیت لوگ ابتدا ہی سے میری خفیہ

بھجواتی کراتے رہے ہیں تاکہ میرے خلاف مواد اکٹھا کر کے
مجھے بلیک میل کر سکیں۔ تم ان کو سمجھا تو سکتے ہو۔"
"بچوں جیسی باتیں نہ کرو، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کسی مرد
سے ملاقات کے لیے ایک معزز عورت کیوں دوڑی چلی آتی
ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے دو جمع دو لکھ کر یہ توقع کی جائے کہ کوئی
اس کا جواب نہیں بوجھ سکے گا۔ تم سے سنگین غلطی ہوئی ہے میں
تمہاری خاطر زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہوں کہ کی کلب میں
توڑ پھوڑ مچا دوں اور مس شوچان کو مار مار کر اس کا چہرہ بگاڑ
دوں۔ اس کو تو تم سے بات ہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ یہ کام
پارسن کا تھا۔۔۔"
"نہیں، ایسا ہرگز نہ کرنا۔" وہ میری بات کاٹ کر جلدی
سے بولی۔ "اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہاں عملے کے لوگوں
میں مسلح محافظ بھی رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں گولی ہی
مار دیں۔ ایسی صورت میں تو وہ بری طرح میرے دشمن ہو جائیں
گے۔۔۔۔"
"پھر میں فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے قدرے
توقف کے بعد کہا۔ "فی الحال تم ان سے دور ہی رہو لیکن شوچان
تمہیں طلب کر لے تو اس سے مل کر ٹال مٹول کرتی رہنا تاکہ
ہمیں وقت مل سکے۔ اس دوران میں میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے
لیے کیا کر سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ مس پارسن کوئی راہ نکال سکے۔"
"اوہ ڈارلنگ! یو آر گریٹ!" اس کی آواز فرطِ جذبات سے
رندھ گئی تھی۔ "مجھے یقین تھا کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔ تم سے
میری مختصر سی دو ملاقاتیں ہوئی ہیں لیکن میں یوں محسوس کرتی ہوں
جیسے ہمارے درمیان ایک لمبی مدت سے دوستی چلی آرہی ہے۔"
"کوئی راستہ نظر آیا تو میں خود تم سے رابطہ قائم کر دوں گا۔
اب تم میرے لیے سلمیٰ کو فون نہ کرنا۔"
"پھر مجھے اپنا نمبر دے دو۔ تم رہتے کہاں ہو؟" اس نے اصرار
کیا اور اسی لمحے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ آزاد خیال عورت ہر
ایک سے بہت جلد فری ہو جانے کے مرض میں مبتلا تھی جس
کی وجہ سے ایک اسرار رضوی تو کیا، نہ جانے کتنے لوگ اسے
قدم قدم پر فریب دیتے ہوں گے۔
"میں شرف آباد میں رہتا ہوں مگر میرے گھر پر فون
نہیں ہے۔" میں نے آدھا سچ اور آدھا جھوٹ بولا۔ "تم فکر نہ
کرو، میں دن میں کم از کم ایک بار ضرور تم سے رابطہ قائم کروں گا۔"
میں فون رکھ کر پلٹا تو سلطان شاہ ایک صوفے پر براجمان
تھا۔ وہ میری بے خبری میں نہ جانے کب وہاں آ بیٹھا تھا۔ اس
کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے
میری ساری نہیں تو بیشتر گفتگو ضرور سنی تھی۔ جس میں موضوع کے
بارے میں بہت سی کھلی کھلی باتیں شامل تھیں۔
"یہ بھی امیدوار معلوم ہوتی ہے۔" آخر کار سلطان شاہ نے
فقرہ چست کر ہی دیا۔
"مظلوم عورت ہے۔ تم اس کا ساتھ دے سکو تو یہ ثواب
کا کام ہوگا۔"
"یہ ثواب تم ہی کماتے رہو، مجھے معاف رکھو۔" وہ برا سا
منہ بنا کر بولا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر مظلوم اور دکھی عورت
کو پوری دنیا میں تمہارے سوا اپنا کوئی ہمدرد نہیں ملتا۔
ویسے تمہارا یہ مشورہ سونے کے حروف سے لکھے جانے کے
قابل ہے کہ منہ کالا ہی کرنا ہو تو راز داری کا پورا اہتمام کیا جانا
چاہیے۔ سنگساری کی سزا نافذ کرنے کے لیے دو چشم دید گواہوں
کی شرط سے تمہارے مشورے کو تقویت ملتی ہے۔ جو شخص
دوسروں کو دکھا کر کوئی جرم یا گناہ کر لے وہ صرف خود ہی
مجرم نہیں بنتا بلکہ دوسروں کو بھی اپنی تقلید پر اکساتا ہے اور
اسے سخت سے سخت سزا ملنی ہی چاہیے۔"
"میرے یار اس کا مضحکہ نہ اڑاؤ۔ اس کی ایک لغزش اس
کے لیے لعنت کا طوق بن گئی ہے۔ جس سے وہ اب خوفزدہ ہے۔"
میں نے تاؤ کھائے بغیر ناصحانہ لہجے میں کہا۔
اگر اس نے میری گفتگو نہ سنی ہوتی تو شاید میں اسے ریٹا
کے راز سے آگاہ نہ کرتا لیکن اس وقت اس کے ذہن کو
صاف رکھنے کے لیے تفصیل میں جانا ناگزیر ہو گیا تھا۔
اپنی خواب گاہ میں اسے اختصار سے سمجھاتے ہوئے
میرے ذہن میں رہ رہ کر ایک ہی خیال ڈنک مار رہا تھا کہ
گھناؤنے جرائم میں ہیروئن فروشی، قتل و غارت گری، دہشت
گردی اور اسلحہ کی غیر قانونی تجارت میں کسی نہ کسی طرح منسلک
رہنے کے بعد بلیک میلنگ کا صرف ایک شعبہ باقی رہ گیا
تھا جو مافیا کی سربراہی کے بعد میرے کھاتے میں شامل ہو گیا تھا۔
یہ اور بات تھی کہ میرے مافیا میں شامل ہونے کے
مقاصد کچھ اور تھے اور میں ان کی صفوں میں شامل ہو کر ان کی
بیخ کنی کرنا چاہتا تھا لیکن اپنے مقصد سے قطع نظر اس وقت
میں مافیا کا سربراہ تھا اور میری شمولیت سے قبل وہ بلیک
میلنگ سمیت جو کچھ کر رہے تھے، اس کی براہ راست ذمے داری
میرے اوپر آ چکی تھی۔ اچھے دنوں کی امید کا تعاقب کرتے
ہوئے بلیک میلنگ کا آخری خطاب باقی رہ گیا تھا۔ جو کسی
جدوجہد کے بغیر خود بخود میری پیشانی کا داغ بن گیا تھا۔
ادھر میری غیر حاضری نے سلمیٰ کو تجسس میں مبتلا کر دیا

تھا۔ اس لیے تھوڑی ہی دیر بعد وہ میری خواب گاہ میں آپہنچی اور مجھے احتراماً بستر چھوڑ دینا پڑا۔ سلطان شاہ کرسی پر بیٹھا اخبار پڑھنے میں مصروف تھا۔ اس نے سلمیٰ کی آمد پر بھی اپنے انہماک میں فرق نہیں آنے دیا۔

"اس سے بات کرکے چوروں کی طرح یہاں کیوں چھپ گئے ہو؟" سلمیٰ نے آتے ہی لڑاکا انداز میں اپنا ہاتھ فضا میں لہرا کر مجھ سے سوال کیا تھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تمھیں نیند نہیں آسکے گی۔" میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہ صرف یہ جاننا چاہتی تھی کہ میں تمھارے ہی ساتھ رہتا ہوں یا میرا کوئی اور ٹھکانا ہے۔"

"یہ تو وہ مجھ سے بھی معلوم کرسکتی تھی۔" اس نے بے اعتباری کے ساتھ کہا۔

"اس کا جواب وہی دے سکی گی۔" میں نے بے پروائی سے شانے اچکا کر کہا۔

"تم نے اس کے ساتھ ہیرا پھیری کا کوئی چکر چلایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" وہ مجھے گھورتی ہوئی غرائی۔

"اس طرح بیویاں ہی اپنے شوہروں کو دھمکی دینے کا حق رکھتی ہیں مگر پھر بھی تم جانتی ہو کہ میں اس قسم کی ہیرا پھیری سے کوسوں دور بھاگتا ہوں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میں تمھاری طرح پارسا بننے والے گھٹنے لوگوں کو اچھی طرح جانتی ہوں۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ "جو اپنی جاننے والیوں پر اپنی پارسائی کا رعب گانٹھ کر دن رات اجنبی عورتوں کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ یہ بدترین قسم کا ذہنی عارضہ ہے جو شاید تم کو لاحق ہوچکا ہے۔" سلطان باہر جاچکا تھا۔

"تم فکر نہ کرو، مجھے کبھی ایسی ضرورت پیش آئی تو ابتدا جاننے والیوں سے ہی ہوگی۔" میں نے تخلیے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔ "ریٹا کا چہرہ اتنے گہرے میک اپ میں لتھڑا رہتا ہے کہ مجھے اس سے گھن آتی ہے۔ اس کے مقابلے میں تم بدرجہا حسین ہو لیکن میرا مزاج تمھارے سامنے ہے۔"

"بس میں بھی تمھیں یہی سمجھانا چاہ رہی تھی۔" وہ مجھ سے نظریں چار کیے بغیر بولی۔ "تم نے ہمیشہ میری بہت توہین کی ہے۔ اب اگر غزالہ کے علاوہ کسی اور کے حوالے سے تمھارا کوئی کارنامہ سامنے آیا تو میں تمھاری زندگی اجیرن بنا کر رکھ دوں گی۔"

※

وہ پہلا موقع تھا کہ ہیروئن کے کاروبار میں ملوث لوگوں کے بارے میں اخبارات نے صحیح خبریں شائع کی تھیں اور ... کے اڈے کی تباہی کو منشیات فروشوں کی باہمی چپقلش کا شاخسانہ قرار دیا تھا، ورنہ اس سے قبل ہر واقعے کو توڑ مروڑ کر کوئی رخ دے دیا جاتا تھا۔

اس صحیح رپورٹنگ کا سبب شاید یہ تھا کہ اس کارروائی میں ... گیا تھا اور اخباری نمائندوں نے اڈے سے دور مار دیے جانے والے دو موٹر سائیکل سواروں کا تعلق بھی ماجے سے نکال لیا تھا اور کھل کر لکھا تھا کہ اس مسلح مقابلے میں ماجے کا بدنام اڈا ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہوگیا تھا جس پر علاقے کے باشندوں نے سکھ کا سانس لیا تھا کیونکہ اس اڈے سے علاقے کے نوجوانوں میں ہیروئن اور کچی شراب سے لے کر جوئے بازی کے جراثیم تک پھیلائے جارہے تھے۔

مرنے والوں کی تعداد گیارہ بتائی گئی تھی جن میں سے سات گولیوں سے مرے تھے اور چار عمارت کے ملبے میں دب کر ہلاک ہوئے تھے۔ زخمیوں کی تعداد اٹھارہ تھی۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ اس اڈے پر جوا کھیلنے والوں میں سے کوئی نہیں مارا گیا تھا۔ چھ جواری زخمی ہوئے تھے اور بقیہ معجزانہ طور پر صاف بچ گئے تھے۔

نامعلوم حملہ آوروں کی اصلیت اور تعداد کے بارے میں مبالغہ آمیز قیاس آرائیاں کی گئی تھیں۔ جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔

میں نے حسب وعدہ صبح ایریش آن رکھ کر ویرا کی کال کا انتظار کیا تھا لیکن شاید وہ اخباری خبریں پڑھ کر اس قدر دل شکستہ ہوگئی تھی کہ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی ہمت ہی نہیں کرسکی اور میں ناشتا کرکے سیدھا کلب کی طرف روانہ ہوگیا۔

ساحلِ سمندر سے ذرا پہلے ڈیفنس کے نیم آباد اور زیر تعمیر علاقے میں کلب کے پھاٹک پر اس وقت گوریلا چوکیدار مامور تھا جو کلب کے آٹھ رکنی عملے میں واحد مرد تھا۔ اس نے ذیلی کھڑکی کھول کر مجھے دیکھا اور پہچانتے ہی پھرتی سے پھاٹک کھول دیا اور میں اپنی کار اندر لیتا چلا گیا۔

صبح سویرے کلب میں بے رونقی کے آثار پھیلے ہوئے تھے لیکن مس پارسن اپنے خوبصورت استقبالیہ کاؤنٹر کے قریب ایک صوفے پر بیٹھی فائلوں میں الجھی ہوئی تھی۔ اس نے شدید حیرت اور اس سے زیادہ احترام کے ساتھ میرا استقبال کیا تھا۔

"آج اتنی صبح ادھر آنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

اس نے مجھ سے گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے حیرت کے ساتھ استفسار کیا۔

"میں یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ تم نے اپنے اختیارات شوہاں

کو کب سے منتقل کر دیے ہیں؟" میں نے اس کی گرم جوشی کے جواب میں سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اوہ! شاید مسز ریٹا کا معاملہ تمھارے علم میں آگیا ہے،" وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔ "دراصل چند روز پہلے ریٹا سے میری کچھ تلخ کلامی ہو گئی تھی اور اس نے مجھ سے بول چال بند کر دی تھی لیکن نیا معاملہ اہم اور فوری توجہ کا متقاضی تھا۔ اس لیے میں نے خود ہی شوچان کو آگے بڑھا دیا تھا۔"

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، ریٹا شادی سے قبل اپنے ایک نومولود بچے کے قتل کی مجرم تھی اور اسی بنا پر اسے کلب کی رکنیت دی گئی تھی۔ پھر اب اسے یہ جتانے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی کہ یہاں اس کی ایک فلم بھی موجود ہے؟" میں نے باز پرس کے لیے سختی برتنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"دراصل ریٹا ہمارے لیے بہت سے کام کرتی رہی ہے لیکن ہماری وجہ سے اس نے کبھی کسی اجنبی مرد کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "اسرار رضوی کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اس کا ذاتی معاملہ تھا مگر سینڈو کے حکم پر ہم نے اس کی فلم بنانا شروع کر دی تھی۔ اس وقت ہمیں خفیہ پولیس کے ایک اعلیٰ افسر کو اپنے دام میں لانے کا حکم ملا ہوا ہے۔"

"یہ حکم کس نے دیا تھا؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"تمھارے آنے سے قبل سینڈو کا حکم تھا،" وہ بولی۔ "وہ افسر کسی چکنی مچھلی کی طرح چالاک ہے۔ مگر وہ ریٹا کی طرف بری طرح مائل تھا۔ ریٹا اسے نظر انداز کر رہی تھی۔ میں بھی اسرار کی وجہ سے خاموش تھی۔ کیونکہ دو افسروں کی رقابت ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اسرار کے مارے جانے کے بعد میں نے ریٹا کو راہ پر لانے کا ارادہ کیا تھا اور شوچان نے اسی بارے میں پیش رفت کی تھی۔"

"سینڈو کی بالادستی کا دور ختم ہو گیا۔ اس معاملے میں تمھیں مجھ سے اجازت لینا چاہیے تھی۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر سرجیکل مسکراہٹ جمی ہوئی تھی مگر بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میری باز پرس پر سراسیمہ ہو گئی تھی۔ "یہ میری غلطی تھی۔ میں نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا تھا کہ پچھلی ہدایات کی از سر نو توثیق کرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہو گی، آئندہ میں محتاط رہوں گی۔"

"ریٹا، شوچان کی حرکتوں پر بہت برہم ہے۔ وہ ایک کامیاب وکیل کی بیوی ہے اگر اس فلم کے بارے میں کوئی جھوٹ پر سچ بول کر اپنے شوہر کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کر لیا تو ہم بڑی مشکلات سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنے مقاصد کے لیے ایک خاص حد تک استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ریٹا ایسی عورت نہیں ہے کہ ہم اسے موم کی ناک کی طرح جدھر چاہیں، ادھر موڑ لیں۔"

"شوچان اس سے معافی مانگ لے گی۔" پارسن نے سر جھکا کر آہستگی سے کہا۔

"فلم کے کتنے پرنٹ ہیں تمھارے پاس؟" میں نے سوال کیا۔

"ایک!" وہ بولی۔ "ماسٹر پرنٹ سینڈو کی تحویل میں ہے۔"

"ہم اس کلب میں جو کچھ کر رہے ہیں۔ اس کی ضرورت سے زیادہ تشہیر پسند نہیں کرتے۔ ریٹا سے تم کو ذاتی طور پر معذرت کرنا ہو گی۔ اس طرح تم شوچان کو ہدفِ ملامت بھی بنا سکو گی۔ اپنا پرنٹ یہ کہہ کر ریٹا کے حوالے کر دینا کہ یہی اکلوتا ماسٹر پرنٹ ہے۔ عارضی طور پر ہمیں ریٹا کو ڈھیل دینا ہو گی تاکہ وہ اس واقعے کو سرے سے بھول جائے۔ بعد میں اس پر از سرِ نو محنت کی جائے گی۔"

"یہ تجویز بہتر اور باعزت نظر آتی ہے۔ میں آج ہی اسے فون کروں گی۔"

مجھے دل ہی دل میں خوشی ہوئی کہ میں نے ریٹا کو بدترین سطح پر بلیک میل کیے جانے کے خطرے کا فوری طور پر سدِباب کر دیا تھا۔ سینڈو کے پاس موجود ماسٹر پرنٹ کو میں بعد میں کسی بھی بہانے سے اپنی تحویل میں لے کر ضائع کر سکتا تھا۔

کلب سے فارغ ہو کر میرا ارادہ ٹریڈ لائن کے دفتر جانے کا تھا لیکن اس وقت طبیعت پر سستی غالب آنے لگی تھی۔ کیونکہ شہر کی پرہجوم سڑکوں پر اب اعصاب شکن ڈرائیونگ خاصی مشکل تھی۔ اس لیے میں نے وہیں سے فون پر سینڈو سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

سینڈو کو میں نے پچھلی رات جس اعزاز سے نوازا تھا۔ اس کی بنا پر وہ بہت مسرور تھا۔ رہی سہی کسر اخباری اطلاعات نے پوری کر دی تھی۔ ویسے بھی خود کوئی جانی نقصان اٹھائے بغیر فریق مخالف کے گیارہ آدمیوں کو ہلاک اور اٹھارہ کو بری طرح زخمی کر دینا ایک کارنامے سے کم نہیں تھا۔

دلدار آغا کی دردناک موت کے نتیجے میں پاکستان میں شی کو نقصان کے بجائے اس اعتبار سے فائدہ پہنچا تھا کہ فوری طور پر ویرالائیڈ جیسی مکار اور چالاک عورت نے وہ خلا پورا کر دیا تھا اور اگر اسے اپنی من مانی کارروائیاں کرنے کی تھوڑی سی مہلت بھی مل جاتی تو وہ ایک بار پھر شی کو طاقت اور اثر و نفوذ کی ان بلندیوں پر لے جاتی۔ جہاں شی سے ٹکرا کر بچنا

محال ہو جاتا۔ یہ میری اور مافیا والوں کی خوش نصیبی تھی کہ میں ابتدا ہی سے ان دونوں کو لڑانے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا اور سیٹھ حبیب جیوانی کے ہٹتے ہی میں نے اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دیا تھا میرا یہ فیصلہ معراج دین اور اس کے جانثاروں کے لیے اس قدر غیر متوقع اور اچانک تھا کہ انھیں سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا اور شی کی وہ اہم ترین افرادی قوت کچھ سمجھنے سے پہلے ہی کنکریٹ اور لوہے کے ملبے میں دفن کر دی گئی۔ شی کی کمر توڑ دینے کے بعد ویرا تنہا رہ گئی تھی۔ اسے ہراساں کر کے گھیرنا میرا اپنا کام تھا۔

اس کامیابی کے بعد ہیروئن کی مقامی منڈی میں مافیا باقی رہ گئی تھی جس کی قیادت خود میرے ہاتھ آ چکی تھی۔ اس کی تمام سرگرمیوں کو سبوتاژ کرنا میرے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا لیکن ویرا کو لگام دینے سے پہلے میں مافیا کو مفلوج کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ ویسے بھی مافیا کی سرگرمیوں سے پاکستانی معاشرے کو کوئی بھیانک خطرہ لاحق نہیں تھا کیونکہ وہ لوگ بیش قیمت اعلیٰ ہیروئن مقامی منڈی میں پھینکنے کے سرے سے قائل نہیں تھے۔ ہیروئن تیار کرنے والے بے ضمیر پاکستانیوں اور دونوں طرف کے قبائلیوں سے ہیروئن سمیٹ کر وہ اسے بھاری نفع پر یورپ اور امریکا کی منڈیوں میں بیچتے تھے۔ اس طرح ایک اعتبار سے وہ مقامی آبادی کو ایک مہلک وبا سے بچا رہے تھے، جب کہ شی، ان کے برعکس ہیروئن کا عذاب مقامیوں پر مسلط کر کے سفید فام نوجوانوں کو اس سے بچانے کے مشن پر کام کر رہی تھی۔

چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد سینڈو نے مجھ سے اچانک ہی ایک بے تکا سوال کر ڈالا۔ "تمھیں کشتی رانی سے بھی کوئی دلچسپی ہے؟"

"نہیں! یہ خیال کیسے آ گیا تم کو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے تمھارے لیے کسی غیر ملکی کا فون آیا تھا۔ وہ تین اور چار بجے کے درمیان شام کو دوبارہ رنگ کرے گا۔ آپریٹر کا کہنا ہے کہ وہ کوئی اوورسیز کال تھی کیونکہ ریسیور اٹھاتے ہی اسے گھنٹی کی مخصوص آواز سنائی دی تھی۔"

میرے لیے یہ سنسنی خیز خبر تھی۔ "کیا کہا تھا اس نے؟ اس کال سے تمھیں کشتی رانی کا خیال کیسے آ گیا؟"

"میرے استفسار پر اس نے اپنا نام بتانے کے بجائے صرف اتنا کہا کہ وہ ریگاٹا کے سلسلے میں بات کرنا چاہتا تھا اسی سے مجھے کشتی رانی کا خیال آیا تھا۔"

بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ کال یقیناً ڈان بتھری کی رہی ہو گی۔ اس نے سینڈو کو اپنے کوڈ کا آدھا حصہ بتا کر مجھے اپنی شناخت کا اشارہ دیا تھا کیونکہ سیٹھ حبیب جیوانی کے مطابق میرا اور ڈان بتھری کا شناختی کوڈ ریگاٹا فور ہونا چاہیے تھا۔

"پھر میں تین بجے سے ذرا پہلے دفتر آؤں گا۔" میں نے کِی کلب کا کوئی ذکر کیے بغیر کہا اور فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"آرام کرنے کا ارادہ ہو تو اوپر کمرا تیار ہے۔" مس پارکن نے اپنی مصنوعی مسکراہٹ میں دلکش اور حقیقی مسکراہٹ شامل کرتے ہوئے پیشکش کی۔ "مساج وغیرہ کا بھی بندوبست ہو سکتا ہے۔"

"تم خوبصورت ہونے کے ساتھ ذہین بھی ہو مگر مجھے اس وقت آرام کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اگر ریٹا کا معاملہ خوش اسلوبی سے سنبھال لو تو میرے لیے اتنا ہی کافی ہو گا۔"

"میں شرمندہ ہوں کہ میری غلط فہمی کی وجہ سے تم کو کوفت اٹھانا پڑی۔" وہ میرے سامنے بچھی جا رہی تھی کیونکہ اس وقت گرد و پیش میں میرے علاوہ اسے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔

میں اس کے شانے پر سرپرستانہ انداز میں ہلکی سی تھپکی دیتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

دفتر میں تین بجے سے پہلے میرے لیے کوئی کام نہیں تھا۔ کِی کلب سے میں فارغ ہو چکا تھا اس لیے میں نے دوبارہ جہانگیر کے گھر کی راہ لی۔ ہر طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میرا ارادہ ویرا سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا تھا۔ اسے اپنی طرف متوجہ کر کے میں سلطان شاہ کو ہوٹل شیرٹن روانہ کر سکتا تھا تاکہ وہاں سے ویرا کے ساتھی کو جہانگیر کے گھر لایا جا سکے۔ ویرا کو زچ کر کے پاکستان سے بھگانے کی یہی ایک صورت ہو سکتی تھی کہ اس کے سرپرست مددگار اور ساتھی کی زندگی اجیرن بنا دی جائے۔

میں گھر پہنچا تو برآمدے تک حالات معمول کے مطابق تھے لیکن ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کیونکہ اس دروازے کے عین مقابل، مخالف سمت والی دیوار کے سائے میں صوفے پر ایک وجیہہ اور تندرست نوجوان بیٹھا ہوا تھا جس کا گود میں رکھا ہوا داہنا ہاتھ ایک رنگین رومال کے نیچے چھپا ہوا تھا اہم بات یہ بھی کہ وہ قد آور اور خوش پوش نوجوان میرے لیے اجنبی تھا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے دور دور تک شناسائی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

"آؤ جمی! احتیاط سے اندر چلے آؤ۔" جہانگیر کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ ڈرائنگ روم کی صورتِ حال مجھے دیکھ

مشتبہ نظر آرہی تھی، جہانگیر نے مجھے جمی کے نام سے مخاطب کر کے مزید پریشان کر دیا۔

اس وقت میں نے دیکھا کہ جہانگیر، سلمٰی اور سلطان شاہ کے ساتھ دروازے کے قریب صوفے پر براجمان تھا۔ وہ سب جیتی صورتِ حال کا مظہر تھا۔ نوجوان غالباً مسلح تھا اور ایسی جگہ بیٹھا ہوا تھا جہاں سے وہ ہر آنے والے پر نظر رکھ سکتا تھا جب کہ تینوں ساتھی اس کے مقابل بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی ذراسی بھی جنبش پر وہ نوجوان ان پر گولی چلا سکتا تھا۔

"اندر آؤ اور دروازہ بند کر کے انھی لوگوں کے قریب بیٹھ جاؤ۔" اس نوجوان نے رومال کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکال کر اشارۃً تین دو کے پستول کی نمائش کرتے ہوئے مجھ سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "ذرا بھی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میں گولی چلا دوں گا۔"

نوجوان کی آنکھوں میں لہراتی ہوئی بیگانگی اور جہانگیر کے مصلحت آمیز تخاطب کی وجہ سے میں نے بھی نوجوان کو اس کے نام سے مخاطب کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور دروازہ بند کر کے یرغمالیوں کی قطار کے آخر میں سلطان شاہ کے پہلو میں جا بیٹھا۔

"تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟" نوجوان نے درشت لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"میں جہانگیر کا دوست جمی ہوں اور اس سے ملنے آیا ہوں۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ان تینوں کے نام دُہراؤ۔" اس نے پستول کی نال لہرا کر حکم دیا۔

"جہانگیر، اس کی بیوی سلمٰی اور اس کا دوست سلطان شاہ۔" میں نے مشینی انداز میں ترتیب وار تینوں نام دُہرا دیے۔ صورتِ حال میری توقع سے زیادہ سنگین ثابت ہو رہی تھی۔

"تم ڈینی کو جانتے ہو جو آج کل پیٹر واک کا نام بھی استعمال کرتا ہے؟" نوجوان کی سرد آنکھوں میں موت کے سائے لہرا رہے تھے۔

اس سوال نے مجھ پر چودہ طبق روشن کر دیے۔ وہ میری صورت بھول چکا تھا لیکن میرا نیا اور پرانا نام اسے اچھی طرح یاد کروا دیا گیا تھا۔ اسی لیے جہانگیر نے مجھے جمی کے نام سے مخاطب کیا تھا تاکہ میں اس نوجوان کے لیے اجنبی بنا رہ کر خود کو بچا سکوں۔

"نہیں۔" میں نے اپنے سر کو مایوسانہ انداز میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "یہ دونوں نام میرے لیے اجنبی ہیں لیکن تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" میں نے اپنے سوال میں اس کے پستول اور دہشت گردی کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

"میں کامران ہوں اور اب تم سب ڈینی کی آمد تک میرے یرغمالی بنے رہو گے۔ حیرت ہے کہ میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر بھی تم نہیں سمجھ سکے کہ میں یہاں کیا کر رہا ہوں۔"

"میں اسے تو لائٹر پستول سمجھ رہا تھا۔" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تمہاری ڈینی سے کیا دشمنی ہے؟" میں اس سے سوالات کر کے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ صحیح الدماغ تھا یا دیوانگی کے زیرِ اثر اپنا پستول اُٹھا کر وہاں چلا آیا تھا۔

"ڈینی میرے بہنوئی کا قاتل ہے۔ اس نے دلدار بھائی کو مار کر گڈی کو اغوا کر لیا ہے۔" کامران کے لہجے میں گمبھیر سنجیدگی رچی ہوئی تھی۔ "اور اب وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ میں اپنی بہن کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ وہ نہ ملی تو میں سب کو شوٹ کر دوں گا۔"

کامران کے اس الزام پر میرا دل تڑپ اُٹھا لیکن اس وقت میرا کوئی بھی جذباتی قدم وہاں خونریزی کا سبب بن سکتا تھا۔ اس لیے میں نے بات جاری رکھنے کے لیے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔ "یہ تو بڑی کمینگی کی بات ہے۔ اگر ڈینی نے واقعی یہ گھٹیا حرکت کی ہے تو ہم تمہارے ساتھ ہیں تمھیں یہ پستول جیب میں رکھ لینا چاہیے۔ ذراسی بے احتیاطی سے گولی چل گئی تو تم کو کسی بے گناہ کا خون بہانے پر زندگی بھر قلق رہے گا۔"

"فکر نہ کرو، مجھے اس کے استعمال پر پوری مہارت حاصل ہے۔"

"گڈی تو کسی بچی کا پیار کا نام معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت عمر کیا ہے تمہاری بہن کی؟" میں نے اسے غصہ دلانے کی نیت سے معصومانہ لہجے میں سوال کیا۔

"بکواس مت کرو۔" وہ صوفے کے ہتھے پر بایاں ہاتھ مار کر غصیلے انداز میں غرّایا۔ "میں ابھی تمھیں بتا چکا ہوں کہ وہ شادی شدہ تھی۔ ڈینی نے اس کا سہاگ لوٹا مگر اب میں اسے گڈی کی آبرو سے نہیں کھیلنے دوں گا۔ اس سے پہلے ہی اس کا خون کر دوں گا۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ علاج کے نتیجے میں اس بدنصیب کا ذہنی توازن تو بحال ہو چکا تھا لیکن کھوئی ہوئی یادداشت واپس نہیں آئی تھی۔ اس کی گفتگو میں کسی بچے جیسی معصومیت اور بے ساختگی تھی۔ وہ عیاری اور مکاری سرے سے مفقود تھی جو نارمل نوجوانوں میں عموماً پائی جاتی ہے۔

"میں اس گھر میں تھوڑی سی اہمیت رکھتا ہوں۔" میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ "مجھے اپنی پوری کہانی سناؤ۔ ہو سکتا ہے کہ میں جہانگیر کی مدد سے ڈینی کو تلاش کر کے تمھاری گڈی بھی واپس دلوا سکوں۔"

وہ غور سے میری طرف دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار دور ہی سے پڑھے جا سکتے تھے۔ پھر اس نے بھرائی ہوئی دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "بچپن میں ایک حادثے کی وجہ سے میری یادداشت چلی گئی تھی۔ مجھے اپنے ماضی میں ماں باپ سمیت کچھ بھی یاد نہیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ گڈی میری اکلوتی اور چہیتی بہن تھی۔ اسی نے مجھے علاج کے لیے ایک اسپتال میں داخل کرایا۔ چند ماہ پہلے میرا علاج کامیابی سے ہمکنار ہونا شروع ہوا تو گڈی مجھ سے ملنے آتی رہتی تھی۔ اس وقت وہ دلدار بھائی سے شادی کر چکی تھی۔ گڈی کے ساتھ وہ بھی کئی بار اسپتال آئے اور پھر میرے صحت یاب ہونے پر انھوں نے مجھے اپنے گھر میں بلا لیا۔ وہ بہت نیک اور مہربان آدمی تھے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ ڈینی اس شہر کا ایک چھٹا ہوا غنڈہ ہے اور گڈی کی گھریلو زندگی برباد کرنے کے لیے اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔" اس کی آواز خواب ناک ہو چلی تھی۔ چہرے پر معصومانہ سادگی تھی اور نگاہیں خلا میں کسی نامعلوم نقطے پر مرکوز تھیں۔ جیسے وہ چشم تصور سے کوئی فلم دیکھ کر اپنی کہانی کے مختلف حصوں کو جوڑ رہا ہو۔

"ڈینی کے بارے میں میں نے کئی بار گڈی سے کریدنا چاہا۔ لیکن ہر بار میرے سوالوں کے جواب میں اسے چپ لگ جاتی تھی اور وہ اپنی سوچوں میں گم ہو جاتی تھی۔ اس نے مجھے بدمعاش ڈینی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اس موذی سے خوفزدہ تھی۔ پھر دلدار بھائی کے ساتھ کبھی کبھی اس کی جھڑپیں ہونے لگیں۔ دلدار بھائی نے بتایا کہ ڈینی گڈی کو بلیک میل کر کے خود سے ملنے پر مجبور کر رہا تھا جسے وہ ایک غیرت مند شوہر کی حیثیت سے پسند نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے گڈی کو ڈھکے چھپے الفاظ میں سمجھانا چاہا لیکن اس نے مجھے سختی سے ڈانٹ کر اس معاملے سے الگ رہنے کا مشورہ دیا۔ میں اس کی ہنستی کھیلتی ازدواجی زندگی میں شکوک و شبہات کا زہر گھلتے دیکھتا رہا۔ دلدار بھائی کبھی کبھار مجھے کچھ بتا دیتے تھے۔ لیکن میں گڈی کی ضد کے سامنے بے بس تھا۔ وہ ڈینی سے ڈرتی تھی اور کسی کو بھی اس کے سامنے نہیں لانا چاہتی تھی۔ شاید اسے ڈر تھا کہ وہ خونی درندہ سامنے آنے والے کسی بھی شخص کو بے دریغ قتل کر دے گا۔ میری پریشانی دیکھتے ہوئے دلدار بھائی مجھے اپنے ساتھ فیکٹری لے جانے لگے۔ ان کے ساتھ رہ کر میں نے محسوس کیا کہ وہ بہت عظیم اور رحم دل انسان تھے۔ مگر دوسرے اچھے لوگوں کی طرح ان کی زندگی بھی دراز نہ ہو سکی۔ ایک رات ڈینی نے غنڈوں کے ساتھ ان کے گھر پر بموں اور دوسرے اسلحے سے لیس ہو کر حملہ کر دیا۔ مکان کی بجلی کاٹ دی گئی۔ وہ بہت بھیانک اور خونی رات تھی۔ مکان میں ہر طرف آگ، خون اور دھواں اور ملبہ پھیل رہا تھا۔ کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا۔ اسی افراتفری میں دلدار بھائی کا ایک منہ چڑھا ڈرائیور مجھے اپنی گاڑی میں وہاں سے نکال لے گیا۔ ان واقعات نے میرے ذہن پر اتنا برا اثر ڈالا کہ میں دلدار بھائی کی فیکٹری میں کئی گھنٹے تک بے ہوشی کے عالم میں بخار میں جلتا اور ہذیان بکتا رہا۔ مجھے ہوش آیا تو میری حالت غیر تھی۔ دلدار بھائی اور گڈی کا کوئی پتا نہیں تھا۔ ان کا مکان راکھ اور ملبے کے ڈھیر میں بدلا جا چکا تھا۔ ان حالات میں اس ڈرائیور نے مجھے فیکٹری کے ایک آرام دہ کمرے میں ہی روپوش رکھا۔ پھر پرسوں دلدار بھائی کی چچی میرے پاس آئی۔ اس نے مجھے یہ اندوہناک خبر سنائی کہ ڈینی نے دلدار بھائی کو قتل کر کے گڈی کو اغوا کر لیا تھا۔ یہ خبر سن کر میرے وجود میں آگ بھڑک اٹھی مگر چچی نے مجھے انتقام کے لیے صبر کے ساتھ موقع کا انتظار کرنے کا مشورہ دیا۔ میرے لیے یہ شہر اور لوگ، سب کچھ اجنبی ہے۔ اس لیے میرے پاس چچی کے مشورے کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ چچی کو مجھ سے زیادہ گڈی کی فکر تھی۔ آخر کل رات اس نے مجھے فیکٹری آ کر بتایا کہ ڈینی یہاں جہانگیر کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے۔ اسے زیر کر کے گڈی کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور میں اپنی بہن کی تلاش میں یہاں آ پہنچا ہوں۔"

اس کے چہرے پر اداسی تیرنے لگی۔ وہ خاموش ہوا تو میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اس مظلوم اور معصوم کو بہت چالاکی کے ساتھ قربانی کا بکرا بنایا گیا تھا۔

"تمھارے لیے یہ شہر اجنبی ہے تو تم یہاں تک کیسے پہنچے؟" میں نے اس مکروہ سازش کی جڑوں میں پہنچنے کی کوشش میں کامران سے سوال کیا۔

"اسی ڈرائیور نے مجھے یہ مکان دکھا کر کچھ فاصلے پر اتار دیا تھا۔ ورنہ میں تو ڈینی کی تلاش میں شہر کی ٹھوکریں ہی کھاتا رہتا۔ اس پوری دنیا میں میرے صرف دو چاہنے والے تھے۔ ڈینی نے دلدار بھائی کو قتل کر دیا۔ اب میں گڈی کو ہر قیمت پر تلاش کروں گا۔" غم، غصے، حسرت اور اداسی کے ہر اتار چڑھاؤ کے باوجود کامران ایک لمحے کے لیے بھی اپنے پتا

ی طرف سے غافل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اپنی گفتگو کے دوران بھی
بار بار اسے فضا میں لہرا کر ہمیں اپنے مسلح ہونے کا احساس
دلا رہا تھا۔

"دلدار کی چچی کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟" میں نے
سوال کیا۔

"کیوں؟" وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔ "کیا تم لوگ اب اس
بے چاری کو بھی تنگ کرو گے؟"

"نہیں، تم ہمیں غلط سمجھ رہے ہو۔" میں نے جلدی سے
بات سنبھالتے ہوئے کہا۔ "دراصل تم سے پہلے دلدار کی ایک
چچی یہاں بھی آئی تھی۔ وہ غزالہ کے بارے میں بہت فکرمند تھی
لیکن ہم اس کا تفصیلی تعارف حاصل نہ کر سکے۔ وہ کوئی غیر ملکی
عورت ہے لیکن اردو ہم لوگوں سے بھی بہتر بولتی ہے۔۔۔۔"

"ہاں، اسی نے میری مدد بھی کی ہے۔" وہ روانی میں کہہ
گیا۔ "وہ باہر سے جتنی حسین ہے اندر سے بھی اسی قدر خوب صورت
ہے۔ میری پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھ رہی ہے۔ کوئی اور عورت
ہوتی تو اپنے بھتیجے کی موت کے غم میں اس کی بیوی کو بالکل ہی
بھول جاتی۔"

میں دل ہی دل میں کھول کر رہ گیا۔ کامران کو میرے خلاف
بھڑکانے میں سو فی صدی ویرا ہی ملوث تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی
تھی کہ میں کامران کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکوں گا۔ اس لیے
اس نے کامران کے ذہن میں میری طرف سے زہر بھر کر اسے
میدان میں اتار دیا تھا۔

"یہ ڈینی کیا بلا ہے؟" میں نے جہانگیر کی طرف گھوم کر
تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

"میرا ایک دوست ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔ "کبھی
کبھار یہاں آتا رہتا ہے لیکن اس کی رہائش کہیں اور ہے۔ ویسے
میں نے آج تک اس کے ساتھ کوئی عورت نہیں دیکھی۔ وہ جب
بھی آتا ہے اکیلا ہی آتا ہے۔"

"سنو دوست!" میں نے کامران کی طرف متوجہ ہو کر ایک
گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ہم معزز اور عیال دار لوگ ہیں اور
ایسی غنڈہ گردیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو ڈینی نے
روا رکھی ہوئی ہیں۔ دلدار کی چچی کی طرح ہم بھی تمہارے ہمدرد ہیں۔
جہانگیر یہ ذمہ لے گا کہ ڈینی جب بھی یہاں آیا۔ وہ اسے روک
کر تمہیں مطلع کر دے گا۔ اب تم واپس کہاں جاؤ گے؟"

"کہیں بھی نہیں۔" اس نے سکون اور سادگی کے ساتھ کہا۔
"میں ایک گھنٹے سے ایک مہینے تک یہیں رک کر اس بے رحم
شخص کے آنے کا انتظار کروں گا۔ اگلی گلی میں ڈرائیور گاڑی سمیت
میری واپسی کا انتظار کر رہا ہو گا لیکن چچی نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ
ڈینی کے دوست اسی کی طرح چالاک اور سنگ دل ہیں۔ میں
گڑیا کی بازیابی کا معاملہ تم لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔
اس کے آنے تک تم سب میرے یرغمالی بنے رہو گے خواہ
اس کے لیے ایک مہینے تک انتظار کرنا پڑے۔"

میں اسے چوکنا ہونے کا موقع دیے بغیر اضطراری کیفیت
کی اداکاری کرتا ہوا صوفے سے اٹھ گیا۔ "اول تو کسی بے گناہ
کو طاقت کے بل پر یرغمالی بنانا سنگین جرم ہے پھر اس میں تمہارے
لیے خطرہ بھی ہے۔ ہم چاروں کے علاوہ اس گھر میں متعدد ملازم
ہیں، ملاقاتی بھی آتے رہتے ہیں، تم کس کس کی زبان بند رکھو گے۔
تمہاری یہ غیر قانونی کارروائی ایک آدھ گھنٹے سے زیادہ طول پکڑ
گئی تو ان میں سے کوئی بھی صورتِ حال بھانپ کر پولیس کو
مطلع کر دے گا اور تم پکڑے جاؤ گے۔"

وہ پہلی بار مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ بہت جان دار اور
پُراعتماد تھی۔ پھر وہ میری بات کاٹتا ہوا بولا۔ "یہاں پولیس کا سایہ
بھی نظر آیا تو کسی کی خیر نہیں۔ اپنے اوپر آنچ آنے سے پہلے میں تم
سب کو شوٹ کر دوں گا۔ اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ ہو
سکتا ہے کہ چچی مجھے بچا لے۔ اس نے بتایا تھا کہ شہر کے اعلیٰ حکام
سے اس کے گہرے دوستانہ مراسم ہیں۔"

"اس کے مراسم ہیں تو وہ خود ڈینی کو کیوں نہیں تلاش
کراتی۔۔۔؟"

"تم کیا جانو؟" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "راستے
بھر ڈرائیور ان سادہ پوش پولیس والوں کی نشان دہی کرتا ہوا آیا
ہے جو شہر کے تمام راستوں کی نگرانی کر رہے ہیں۔ چچی نے ڈینی
کے گرد بہت مضبوطی کے ساتھ اپنا جال پھیلا ہوا ہے مگر میری
خواہش ہے کہ اپنی بہن کا سہاگ لوٹنے والے سے میں خود انتقام
لوں۔ وہ پولیس والوں کے ہاتھ لگ گیا تو میں اس کا کچھ نہ بگاڑ
سکوں گا۔"

اس کی سادہ لوحی اور حماقت پر میں دل ہی دل میں پیچ و تاب
کھا کر رہ گیا۔ اسے لانے والے ڈرائیور نے شاید ویرا کے ایما پر
کامران کو دل کھول کر بے وقوف بنایا تھا اور اسے ویرا سے مرعوب
کرنے کے لیے عام راہگیروں کی نشان دہی سادہ پوش پولیس
والوں کے طور پر کراتا چلا آیا تھا اور اپنے گرد و پیش کی فریب کاریوں
سے بے خبر کامران نے اسے سچ تسلیم کر لیا۔

"بہر حال میں اتنا بتائے دیتا ہوں کہ کوئی غلط قدم اٹھا کر تم اپنی بہن کی کوئی خدمت نہ کر سکو گے۔" میں نے اُسے احساس دلائے بغیر آہستہ آہستہ اُس کی طرف سرکتے ہوئے کہا۔ "پولیس کی تحویل میں جانے کے بعد تم بے بس ہو جاؤ گے اور ڈینی کو تمھاری بہن کے ساتھ من مانی کرنے کی آزادی مل جائے گی۔ جو کام تم کر سکتے ہو وہ دلدار کی بچی ہرگز نہیں کر سکتی۔"

اچانک ہی اُسے احساس ہوا کہ میں سرکتے سرکتے اس سے کافی دور ہو چکا تھا اور وہ بھڑک کر میرے مقابل آ گیا۔ اس نے پستول کی نال میرے سینے پر تان لی تھی۔

"پیچھے ہٹو۔ . . پیچھے ہٹو! تم اب ایک انچ بھی آگے بڑھے تو میں ڈینی سے پہلے تم ہی کو گولی مار دوں گا۔" میری طرف سے خطرہ محسوس کرتے ہی اُس کی آواز سے اعصاب زدگی مترشح ہونے لگی تھی اور اس کی کشادہ پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگی تھیں۔

اس وقت کمرے میں جو لوگ موجود تھے وہ کامران کے مرض اور شخصیت سے بھی اسی قدر واقف تھے جتنا وہ غزالہ کے بارے میں جانتے تھے اور اس کا اُس وقت کا جنونی رویّہ بھی اُن کے سامنے تھا اس لیے جوں ہی لمحاتی طور پر اس کی تمام تر توجہ میرے اوپر مرکوز ہوئی، سلطان شاہ نے بے مثال ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اپنی جگہ سے جست لگائی اور فضا میں اُڑتا ہوا بائیں پہلو سے اس طرح کامران پر آ گرا کہ اس کی پستول والی کلائی نہایت مضبوطی سے اس کی گرفت میں آ گئی تھی۔

اس ناگہانی وحشیانہ حملے نے کامران کو بوکھلا کر رکھ دیا۔ اس کے حلق سے دبی دبی غضب ناک غرّاہٹیں بلند ہوئیں اور وہ خود کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کرتا ہوا سلطان شاہ کی جھونک میں قالین پر ڈھیر ہو گیا لیکن پستول بدستور اُس کے داہنے ہاتھ میں موجود تھا۔

سلطان شاہ فوراً ہی سنبھل کر اُس کے سینے پر سوار ہو گیا اور اس کے پستول والے داہنے ہاتھ کو مروڑ کر اپنے سے دور فرش سے لگائے رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

اس جدّوجہد میں سلطان شاہ کو آگے جھکنا پڑا اور اُس کا چہرہ غیر ارادی طور پر کامران سے خطرناک حد تک قریب ہو گیا اس سے پیشتر کہ میں چیخ کر سلطان شاہ کو ہوشیار کرتا، کامران نے پوری قوت سے اس کے چہرے پر ٹکر رسید کر دی۔

سلطان شاہ تکلیف سے بلبلاتا ہوا اپنے بائیں پہلو پر جھک گیا اور کامران کا پستول والا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔

اس وقت کامران کی آنکھوں سے وحشت اور دیوانگی جھانکنے لگی تھی۔ مجھے یوں نظر آ رہا تھا جیسے وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر سلطان شاہ کے بدن میں پورا میگزین خالی کر دے گا۔ میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑی اور کامران کی کلائی پر ٹھوکر رسید کرتا ہوا آگے نکل گیا۔ کامران اس ضرب کی اذیت سے چیخ پڑا اور پستول اس کی گرفت سے نکل گیا۔

میں نے پلٹ کر اس بھرے ہوئے پستول پر قبضہ کر لیا۔ سلطان شاہ نے کامران سے چہرے پر ٹکر کھائی تھی اور میں نے کامران کی کلائی کو ٹھوکر سے اُڑایا تھا اس لیے مار کھا کر وہ دونوں ہی وحشی درندوں کی طرح اشتعال میں آ گئے تھے اور بُری طرح ایک دوسرے سے لپٹ پڑے تھے۔

"دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جاؤ ورنہ میں گولی مار دوں گا۔" میں نے پستول کی نال سیدھی کر کے سرد اور تحکمانہ لہجے میں کہا۔

کامران کے ہاتھ اس دھمکی پر سست پڑ گئے۔ سلطان شاہ جانتا تھا کہ میں کامران کو کم سے کم نقصان پہنچا کر مغلوب کرنا چاہ رہا تھا اس لیے کامران کے ہاتھ سست پڑتے ہی وہ اپنی کارروائی روک کر اس کے سینے پر سے اُتر گیا۔

کامران صحت مند اور طاقت ور ضرور تھا لیکن اس قسم کے دھول دھپّے کا عادی نہیں تھا لہٰذا اس ذرا سی مشقت کے نتیجے میں ہانپنے لگا تھا۔ اس کے بال بے ترتیبی سے پیشانی پر بکھر گئے تھے اور بدلی ہوئی صورتِ حال پر وہ سراسیمہ نظر آنے لگا تھا۔

"دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا لو۔" میں نے سخت لہجے میں اُسے حکم دیا پھر سلطان شاہ سے مخاطب ہو گیا۔ "اسے ہمارے بُری طرح بھڑکایا گیا ہے۔ اس کی اچھی طرح جامہ تلاشی لے ڈالو۔"

کامران نے اپنی جامہ تلاشی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس کی آنکھوں میں تشویش کے گمبھیر سائے منڈلانے لگے تھے۔ وہ بالادست تھا تو ہمارے قتال پر آمادہ تھا اس لیے اب اس سے کسی بہتر اور نرم تر رویے کی اُمید نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ دیوانگی سے صحت یاب ضرور ہو چکا تھا لیکن اس کے عمل اور ردِّعمل میں وہ فطری ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکی تھی جو عام لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کی اسی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر دیرا نے اسے ہمارے خلاف کسی تنویم زدہ معمول کی طرح استعمال کرنے کی کوشش کی تھی جو ہماری حاضر دماغی اور مشترک کوششوں سے ناکام بنا دی گئی تھی۔

پستول کے علاوہ اس کی جیب سے چھ انچ لمبے پھل والا

انی دار چاقو بھی برآمد ہوا جو کھٹکا دباتے ہی کھل جاتا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے احساس ہونے لگا کہ ویرا نے اس کے ذہن کو مسموم کر کے اسے ہمیشہ کے لیے میرے پیچھے لگا دیا تھا۔ جہانگیر کے ذریعے کامران کو واپس لے جانے کا کوئی بندوبست نہیں کیا گیا تھا۔ ڈرائیور غالباً اسے اتارتے ہی رفوچکر ہو گیا تھا اور اگر کامران کسی جاز فارماسیوٹیکل واپس پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا تو چوکیدار وغیرہ اسے پہچاننے سے انکار کر کے وہاں سے دھکے دے دیتے۔

"اب بتاؤ کہ تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" چاقو برآمد ہونے کے بعد میں نے کامران کی بے رونق آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ترش لہجے میں سوال کیا۔

"میں ڈینی کے خون کا پیاسا بن کر آیا تھا، تم مجھے مار دو!" اس نے ڈھٹائی کے ساتھ کہا۔ "اس سے زیادہ تم لوگ کر بھی کیا سکتے ہو؟"

"تشدّد، موت سے بھی بدتر اور بھیانک ہوتا ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "تشدّد سے تمھارا دماغ بھی اُلٹ سکتا ہے اور اس بار تم ہوش و حواس کھو بیٹھے تو زندگی بھر نارمل نہیں ہو سکو گے۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دیوانگی بھی موت کی طرح پُرسکون کر دیتی ہے۔ آدمی دکھ درد سے بالکل بے گانہ ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے میں گڈی کا غم بھول جاؤں۔"

"بیٹھ جاؤ احمق لڑکے!" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اور غور سے سنو کہ ان لوگوں نے تمھاری ناتجربہ کاری سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ دلدار آغا چور، قاتل اور اسمگلر تھا۔ اس نے دھوکے سے غزالہ کو اپنی بیوی بنا لیا تھا۔ دلدار کی چچی بھی چھٹی ہوئی بدمعاش ہے۔ انھوں نے تمھارے ذہن میں ڈینی کی طرف سے زہر بھرا ہے کیونکہ اسی نے دلدار کو بے نقاب کیا تھا اور غزالہ اس سے محبت کرتی تھی۔ تم کڑیل جوان ضرور ہو گئے ہو لیکن طویل ذہنی بیماری کی وجہ سے تمھارا سارا تجربہ ان گنے چنے لوگوں تک محدود ہے جو تمھاری صحت یابی کے بعد تم سے ملنے ملانے آئے ہیں اس لیے تم یہ کھیل نہیں سمجھ رہے ہو۔ وہ لوگ ہمارے دشمن ہیں اور انھوں نے تمھیں مروانے کے لیے یہاں بھیجا ہے جب کہ ہم میں سے ہر ایک تمھارا اور غزالہ کا خیر خواہ ہے۔ ہم سے بگاڑ کر کے تم سراسر خسارے میں رہو گے۔"

"میرے تجربے کے بارے میں شاید تم درست کہہ رہے ہو لیکن میں نے دلدار بھائی کو قریب سے پرکھا تھا۔ میں کیسے مان لوں کہ انھوں نے زبردستی گڈی سے شادی کی تھی جب کہ وہ انھی کو چاہتی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ تم ان میں سے کوئی الزام ثابت نہیں کر سکتے۔"

"الزام تو اسی وقت ثابت ہو سکیں گے جب غزالہ کا کوئی سُراغ ملے گا۔ فی الحال میں تمھیں ان کی نیت کا یقین ضرور دلا سکتا ہوں۔ باہر جا کر دیکھ لو کہ تمھیں لانے والی گاڑی یا ڈرائیور کا دُور دُور تک کوئی پتا نہیں ہو گا۔ انھوں نے تمھیں چارا بنا کر ہمارے سامنے ڈال دیا ہے اور اب کہیں ہماری گھات لگائے بیٹھے ہوں گے کیونکہ وہ ڈینی کے ہر دوست کے جانی دشمن ہیں۔"

"یعنی تم نہ مجھے گولی مارو گے، نہ مجھ پر تشدّد کرو گے؟" اس نے بے اعتباری سے سوال کیا۔

"ہم تمھیں دوستوں کی طرح زندہ رکھیں گے . . . اب تم میرے ساتھ آؤ۔" میں نے اُس کی آنکھ بچا کر سلطان شاہ کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" ہم تینوں کو نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر جہانگیر نے سوال کیا۔

"دس منٹ میں آتے ہیں۔" اسے جواب دے کر میں نے کامران سے چھینا ہوا پستول اپنی جیب میں رکھ لیا۔ چاقو پہلے ہی سلطان شاہ کی تحویل میں تھا۔

کار میں پھاٹک سے نکل کر میں نے کامران کی بتائی ہوئی سمت میں گاڑی موڑی تھی۔ اگلی گلی کو ویران دیکھ کر اُسے دھچکا لگا پھر ہم نے دُور تک متعدد گلیاں چھان ماریں لیکن وہاں نہ کوئی ایسی کار موجود تھی اور نہ ڈرائیور جسے کامران کی واپسی کا منتظر سمجھا جا سکتا۔

"میری نظر میں یہ مہمل حرکت ہے۔" واپس لوٹتے ہوئے کامران نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ڈرائیور کو گاڑی سمیت تم نے ہی ٹھکانے لگا دیا ہو۔ چچی چاہتی تو زبردستی مجھے فیکٹری سے نکلوا سکتی تھی۔"

"چچی نہیں، اُسے ویرا کہو۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "اُس نے تمھارے ساتھ نفسیاتی حربہ استعمال کیا ہے۔ وہ تم کو نکلوا دیتی تو تم بھرا ہوا پستول اور چاقو لے کر ڈینی کے پیچھے نہ آتے۔ اُس نے تم سے اپنا پیچھا چھڑایا ہے اور اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ تمھارے احمقانہ رویّے کے باوجود ڈینی تمھارے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہیں کرے گا کیونکہ تم غزالہ کے بھائی ہو۔ اگر تم ڈینی کے ساتھ رہتے ہوئے اُس پر کوئی وار کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ ویرا کے لیے بونس ہو گا۔"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ تم نے مجھے بُری طرح اُلجھا دیا ہے۔" وہ اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے بولا۔ "خدا کے لیے اب خاموش رہو اور ڈینی یا گڈی کو تلاش کرو تاکہ مجھے اپنے سوالوں کے

جوابات مل سکیں۔ تم تو مجھے ایک دو روز میں ہی پاگل کر دو گے۔"

"دلدار کے قتل کے بعد سے غزالہ لاپتا ہے۔ ڈینی خود اُسے تلاش کر رہا ہے۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ تم اُس کے ٹھکانے کے بارے میں کوئی روشنی ڈال سکو۔"

میرے اِن فقروں پر وہ بری طرح چونکا تھا۔ "کیا تم واقعی سچ بول رہے ہو؟ گڈی، ڈینی کے قبضے میں نہیں ہے؟"

"اِس میں سچ کے سوا کچھ نہیں ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"اگر یہ سچ ہے تو شاید مجھے معلوم ہے کہ وہ کہاں ہو گی۔ گاڑی آگے بڑھالو۔" اُس کی آواز یک بیک پُرخیال ہو گئی جیسے وہ بیٹھے بیٹھے ہی کسی خیال کے تحت تنویم زدہ ہو گیا ہو۔

"تمھیں معلوم ہے؟" میں نے اُس کا شانہ جھنجوڑتے ہوئے ہیجان آمیز لہجے میں کہا۔ "پھر تم اِدھر اُدھر کیوں بھٹکتے پھر رہے ہو؟ سیدھے اُس کے پاس کیوں نہیں گئے؟"

"میرا ذہن ہی اُس طرف نہیں گیا تھا۔" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا۔ "جب سے میں ہوش میں آیا ہوں، ہر ایک سے یہی سن رہا ہوں کہ گڈی کو ڈینی نے اغوا کر لیا ہے لہٰذا میں اُس ایک امکان کے علاوہ کچھ اور سوچ ہی نہ سکا۔ میرے تو دماغ کی چولیں ہل کر رہ گئی ہیں۔"

"غزالہ کے اُس ٹھکانے کے بارے میں تم نے میرے علاوہ اور کس کو بتایا ہے؟" میں نے کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے پُرتجسس لہجے میں دریافت کیا۔ صورتِ حال کے اس نئے موڑ نے میرے پورے وجود میں ہیجان اور سنسنی کی ناقابلِ بیان لہریں سی دوڑا دی تھیں۔

"کسی کو نہیں۔" اُس نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "مجھ سے تو کسی نے پوچھا ہی نہیں۔۔۔ سب اپنی اپنی ہانکتے رہے کہ اُسے ڈینی نے اغوا کر لیا ہے اور اُس پر ستم ڈھا رہا ہو گا۔"

"غزالہ کے اس ٹھکانے سے تمھارے علاوہ اور کون واقف ہے؟"

"کوئی بھی نہیں۔ ہمارے دردناک ماضی کی اس یادگار سے ہم دونوں کے سوا کوئی واقف نہیں۔" اس کی آواز میں درد انگیز اُداسی اُترتی چلی جا رہی تھی۔ "وہ گھر غزالہ نے اپنی جوڑی ہوئی رقم سے چوری چھپے خریدا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے وہاں چلی جاتی تھی۔ دو بار وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر وہاں گئی تھی۔ اُس نے مجھے وہ کمرا دکھایا جہاں ممی نے آخری

بار سانس لیا تھا۔ اُسی گھر میں وہ منحوس کمرا ہے جس میں ڈیڈ
ممی کے انتقال کے صدمے سے دل برداشتہ ہو کر خود کشی
اور میرا پنجرے نما قید خانہ بھی ہے جس میں میں دیوانگی
میں اپنے شب و روز گزارتا تھا۔ اس ایک گھر کے علاوہ
دنیا میں ہمارے ماضی کی کوئی مشترک یادگار نہیں ہے
کا گھر ہے۔ اگر تم سچے ہو اور ڈینی نے اُسے اغوا نہیں کیا
اُسی گھر میں محصور ہو گی۔ اُسے مجھ پر بڑا مان ہے، وہ ہر لمحے
قدموں کی آہٹ کا انتظار کر رہی ہو گی۔"

چند ثانیوں کے لیے کار میں سکوت چھایا رہا پھر
ہی ایک بھرائی ہوئی شناسا نسوانی آواز گونجی اور میرا وجود
ہو کر رہ گیا۔

"براوو ڈینی!" ویرا کی آواز کامران کے جسم کے کسی
سے اُبھری تھی۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم ہمیشہ میری توقعات پر پورے
اُترتے ہو۔ یہ کٹیل جوان ذہنی طور پر میرے لیے کسی شیر
بچے سے بھی زیادہ ناکارہ تھا۔ اس کا کوئی مصرف نہ پا کر میں
اسے اچھی طرح بگ کر کے تمھاری طرف ہانک دیا۔ میرا خیال
کہ تم اس سے غزالہ کے بارے میں کھل کر بات کرو گے
پتا چل جائے گا کہ وہ تمھارے ساتھ ہے یا لاپتا ہے لیکن تم
تو اس گونگے سے غزالہ کا پتا اُگلوا کر کمال ہی کر دیا۔ میں شر
اب تک تمھاری گفتگو کا ایک ایک لفظ سنتی آئی ہوں
کے لباس میں بٹنوں کی صورت میں تین بگ لگے ہوئے
تمھاری آواز مجھ تک پہنچا رہے ہیں اور ایک سے تم میری
سن رہے ہو۔ کوئی بھی بٹن وغیرہ دبائے بغیر تم جو کچھ کہو
من و عن مجھ تک پہنچ جائے گا۔ کہو یہ کیسی رہی؟"

"یہ تو ممی کی آواز ہے۔" کامران بوکھلائے ہوئے
میں بولا۔ "پتا نہیں، یہ میرے بدن کے کس حصے میں
ہے۔ تم یقین کرو کہ میں اس سازش میں شریک نہیں تھا۔"

کیبن میں میں اُسے گھور کر رہ گیا اور پھر ویرا سے
ہو گیا۔ "تم بہت سفاک اور سنگ دل ہو ویرا۔ میرا خیال
کہ تمھارے بے رحمانہ تبصرے نے اس وقت کامران کو اند
توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہو گا۔ اگر تم نے اسے استعمال کر ہی لیا
کی ہتک کرنے سے گریز کرنا چاہیے تھا۔ تم سب کچھ
مگر میں اتنا بتا دوں کہ اب میں ہی غزالہ تک پہلے پہنچو
اس وقت کسی مہم جوئی کا خیال اپنے دل میں نہ لانا۔ تم
کا رُخ کیا تو میں تمھارے ساتھ ذرا بھی رعایت
نہیں لوں گا۔۔۔"

اُس کی زہریلی ہنسی کی آواز سنائی دی پھر وہ میری

کر بولی: "تم نے ماجے کے اڈے کو تباہ کر کے مجھے بے بس کرنا چاہا تھا مگر دیکھ لو کہ میری رسائی کہاں تک ہے۔ صبح میں نے دانستہ تم سے بات نہیں کی تھی کیونکہ اس وقت میں شکست خوردہ تھی لیکن اب میں فاتح ہوں۔ تمہارا سفید جھوٹ پکڑا جا چکا ہے۔ مجھے دکھ دے کر تم کبھی سکھ میں نہیں رہ سکتے ڈیئی۔۔۔"

"ارے باپ رے!" کامران کے ہونٹوں سے مضحکہ خیز آواز برآمد ہوئی۔ "تو تم ہی ڈیئی ہو؟ چچی نے درست ہی کہا تھا کہ تم اس صدی کے سب سے بڑے جھوٹے اور مکار ہو۔"

"چچی کے بچتے! اب تھوڑی دیر اپنی زبان کو لگام دو اور چپ رہو۔" سلطان شاہ دانت پیس کر اس پر غرآیا تھا۔ "تم نے اس وقت اپنی بہن کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔"

"میں تم سے پہلے غزالہ تک پہنچوں گی اور اسے اڑا لے جاؤں گی۔ تم سے میرا شریفانہ معاہدہ ہوا تھا کہ ہمارا جب بھی سامنا ہوگا تو بالادست لیتے زیردست پر ہتھیار اٹھائے بغیر دوستانہ انداز میں ملے گا لیکن تم سامنا ہونے سے پہلے ہی اپنی بدعہدی کی دھمکی دے رہے ہو اور میرا ظرف دیکھو کہ میں اس وقت تمہارے انجام پر پوری طرح قادر ہونے کے باوجود تمہیں رعایت دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"تم وہاں پہنچو پھر دیکھنا کہ ہوتا کیا ہے؟" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

وہ پھر ہنسی۔ "میں دعویٰ کرتی ہوں کہ تم مجھ سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکو گے۔ کامران کا دماغ درست ضرور ہو گیا ہے۔ لیکن تجربے کی کمی کی وجہ سے یہ ساری زندگی اپنے ہم عصروں کے مقابلے میں ذہنی پسماندگی کا شکار رہے گا اس لیے اسے تمہارے پاس روانہ کرنے سے پہلے میں نے اس کی شہ رگ کاٹنے کا پورا انتظام کر لیا تھا کہ مجبوری، بے بسی اور استحصال کی زندگی کے مقابلے میں موت اس کے حق میں بہتر رہے گی۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ اس کے ساتھ ہی تم کو اڑا دوں گی مگر میں اپنے الفاظ کا پاس کرتی ہوں، بالادست ہو کر بھی تمہیں ایک موقع دے رہی ہوں۔ کامران کے بدن پر جو کوٹ ہے اس میں دوہرے کنٹرول والا مکمل بارودی استر لگا ہوا ہے۔ تم نے اس کے بدن سے زبردستی کوٹ اتارنے کی کوشش کی تو بارودی دھماکے میں کامران کے ساتھ خود بھی اڑ جاؤ گے۔ اس بارودی استر کا دوسرا ریموٹ کنٹرول میرے پاس ہے۔ میں پانچ تک گنتی شروع کر رہی ہوں۔ تم نے گنتی ختم ہونے تک کار روک کر اسے نہ اتارا یا خود دور نہ بھاگے تو میں تمہارے دردناک انجام کی ذمے دار نہیں ہوں گی۔"

فضا میں سکوت چھا گیا۔ میں نے اضطراری طور پر بریک لگا کر کار روکی اور انجن بند کر دیا۔

"نہیں! میں نہیں اتروں گا۔" میرے متوجہ ہوتے ہی کامران نے مضبوط لہجے میں کہا۔ اپنی موت کا فرمان سن کر اس کے چہرے پر عجیب سی بحالی آگئی تھی۔ "وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ذہنی پسماندگی کے ساتھ زندہ رہنا ایک عذاب سے کم نہیں ہے۔ تم جیسے چالاک اور مکار لوگ زندگی میں ہر قدم پر ایسے چرکے لگاتے رہیں گے کہ میں خود اپنے اوپر رحم کھانے لگوں گا۔ ایسی بے کسی اور مظلومیت سے موت بہتر ہے۔ اگر تم کو اپنی زندگی سے پیار ہے تو کار سے اتر کر پوری قوت سے دوڑ لگا دو۔۔۔ لیکن بس یہ یاد رکھنا کہ اگر گڈی تمہیں مل جائے تو اسے جان سے زیادہ عزیز رکھنا، یہ میرا تم پر قرض اور تمہارا فرض ہوگا۔ اسے میں نے ہمیشہ سب سے بڑھ کر چاہا ہے۔ اسے تمہاری ذات سے دکھ پہنچا تو میں مر کر بھی تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ آسیب بن کر اندھیری راتوں میں تمہارا پیچھا کروں گا اور تمہیں خوف سے ہلکان کر دوں گا۔"

ویرا اپنی گنتی شروع کر چکی تھی۔ ہمارے پاس اتنی مہلت نہیں تھی کہ کامران کی زندگی بچانے کے لیے اس کے بارودی کوٹ سے نجات حاصل کرنے کے لیے کوئی کوشش کر پاتے یا اس کے کنٹرول تلاش کر کے انہیں ناکارہ بنا سکتے۔ کامران اپنی ناگہانی موت کے انتظار میں بالکل مطمئن اور پُرسکون نظر آرہا تھا۔ اس کا ہیجان اور ولولہ سرے سے کافور ہو چکا تھا جیسے خود اسے بھی لاشعوری طور پر مدت سے ان ہی لمحات کا انتظار رہا ہو۔

میرا دل بوجھل ہونے لگا۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی کو اتنے سکون اور وقار کے ساتھ موت کو گلے لگاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے بے اختیار اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔ اس کے داہنے رخسار پر گرم جوشی کے ساتھ ایک بوسہ دیا اور ویرا کے چار تک پہنچنے سے پہلے ہی گاڑی سے اتر گیا۔

سلطان شاہ میرے تیور بھانپ کر پہلے ہی گاڑی سے نیچے اتر چکا تھا۔

"گڈی کا خیال رکھنا۔" کار سے دور جاتے ہوئے میرے کانوں میں کامران کی آخری آواز آئی۔ پھر ایک دھماکا ہوا جس کی گونج کم تھی لیکن طاقت کا یہ عالم تھا کہ ہمارے قدموں کے نیچے زمین ہل کر رہ گئی تھی۔

راہگیروں میں بھگدڑ مچ گئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو ہماری کار کی پسنجر سیٹ کامران سمیت نیست و نابود ہو چکی تھی اور کار میں بارودی دھواں بھرا ہوا تھا۔

اس ہولناک اور سفاکانہ واقعے نے میرا دماغ ماؤف کر کے رکھ دیا۔ کار میں نظر آنے والا بارودی دھواں میرے ذہن

میں بھی بھرتا جا رہا تھا مگر وہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔

مرنے والوں کے سوگ میں زندہ لوگوں کو ایک لمحے کے لیے بھی فراموش نہیں کیا جاتا مگر مجھے کئی لمحوں کے بعد غزالہ کا خیال آیا تھا اور میرے بدن میں ہیجان کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔

میرے ساتھ ہی ویرا کو بھی غزالہ کی کمین گاہ کا علم ہو چکا تھا۔ وہ مجھے نیچا دکھانے کے لیے غزالہ کو اپنا قیدی بنانے کے لیے بے چین تھی اور شاید کامران کو ہلاک کرتے ہی اپنے مشن پر روانہ ہو چکی تھی جبکہ میں کار سے محروم ہو چکا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق اس وقت غزالہ کا آبائی مکان ہم سے چھ سات کلومیٹر دور تھا۔ میں نے اضطراری طور پر قرب وجوار میں نظریں دوڑائیں لیکن کہیں کوئی خالی رکشا یا ٹیکسی نظر نہیں آئی۔ وہ بھیڑ بھاڑ کے اوقات تھے اور کسی خالی سواری کا ملنا محال نظر آ رہا تھا۔

"آؤ" اچانک سلطان شاہ نے میرا ہاتھ دبا کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا اور تیزی کے ساتھ فٹ پاتھ کے ایک کنارے کی طرف لپکتا چلا گیا۔

پھر وہ پستہ قامت شخص مجھے بھی نظر آ گیا جو ایک سوبارو کار سے اتر کر اس کا دروازہ لاک کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔

سلطان شاہ نے پیش قدمی کرتے ہوئے نہایت سکون اور اعتماد سے اس شخص کے کندھے پر یوں ہاتھ رکھ دیا جیسے ان دونوں میں برسوں کی شناسائی رہی ہو۔ لمحہ بھر کے لیے میں خود بھی دھوکا کھا گیا لیکن سلطان شاہ کا مکالمہ سنتے ہی میری غلط فہمی رفع ہو گئی۔

"شرافت سے کار کی چابی میرے حوالے کر کے پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ ورنہ بھیجا اڑا دوں گا" سلطان شاہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔

وہ مہلک دھمکی سنتے ہی اس شخص کی آنکھیں عینک کے محدب عدسوں کے پیچھے دھندلا گئیں لیکن اس سے قبل کہ وہ تیورا کر وہیں ڈھیر ہوتا، سلطان شاہ نے اس کے منحنی وجود کو اپنے مضبوط بازوؤں میں سنبھال لیا۔ میں نے بڑھ کر چابی پر قبضہ کیا اور پچھلا دروازہ کھول کر بے ہوش اجنبی کو اندر گھسیٹنے میں سلطان شاہ کی مدد کی اور یوں چند ثانیوں بعد ہی ہم برق رفتاری کے ساتھ غزالہ کی کمین گاہ کی طرف سفر کر رہے تھے۔

اس وقت مجھے قلق اس بات کا تھا کہ وہ میری زندگی کا اہم ترین معرکہ ثابت ہونے والا تھا اور ہم دونوں ہی گھر سے غیر مسلح نکلے تھے۔ میری جیب میں مرحوم کامران سے چھینا ہوا پستول تھا جو سات گولیاں فائر کرنے کے بعد ناکارہ ہو جاتا یا پھر سلطان شاہ کے پاس کمانی دار چاقو تھا جو صرف دست بدست مقابلے میں ہی کوئی کارکردگی دکھا سکتا تھا۔

غزالہ کی پناہ گاہ تک رسائی اور پھر وہاں سے واپسی کے لیے ہمیں سواری درکار تھی۔ اگر سوبارو کے مالک کو بے ہوشی کی حالت میں اپنے ساتھ ہی رکھا جاتا تو وہ کسی بھی نامناسب موقع پر ہوش میں آ کر ہمارے لیے دشواریاں کھڑی کر سکتا تھا اس لیے میں نے راستے میں ایک نیم ویران مقام پر موقع غنیمت جان کر کار روکی اور کار والے کو عقبی نشست سے اٹھا کر کچی زمین پر منتقل کر دیا۔ اس وقت تک اس کے دل کی دھڑکنیں معمول کے مطابق چل رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ وہ دہشت سے مرا نہیں تھا بلکہ صرف بے ہوش ہوا تھا اور کسی بھی وقت ہوش میں آ کر اپنی کار کی تلاش کا آغاز کر سکتا تھا۔

غزالہ کے گھر کا چپا چپا میرا دیکھا بھالا تھا۔ کرنل زرداد اور ..... شمع جیسی معصوم خاتون کے بزرگانہ سائے میں میں نے اسی چار دیواری میں غزالہ کے ساتھ مستقبل کے پاکیزہ اور سہانے خواب دیکھے تھے۔ عمارت پر نظر پڑتے ہی ماضی کے بہتیرے واقعات کسی فلم کی طرح میری نگاہوں میں گھوم گئے۔

دور سے مکان پر سکوت کا راج نظر آ رہا تھا اور وہاں کسی کی آمد کے کوئی آثار نہیں تھے جس کا مطلب تھا کہ ویرا اس وقت تک وہاں پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

کامران نے اپنی دردناک موت سے پہلے یہ تو بتا دیا کہ دلدار آغا کی زندگی میں ہی غزالہ نے اپنا آبائی مکان خرید لیا اور وہ وہیں روپوش ہو سکتی تھی مگر مجھے یہ معلوم کرنے کی مہلت نہیں مل سکی تھی کہ اس گھر میں غزالہ کے علاوہ بھی کوئی ملازم رہتا تھا یا وہ اکیلی ہی وہاں آتی جاتی تھی۔

مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ ویرا سے پہلے میں وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس احساس سے میری دلی کیفیت بھی عجیب ہو رہی تھی کہ میری غزالہ مجھ سے تھوڑی دور اپنے مکان کی چار دیواری میں محصور تھی اور میں کسی بھی لمحے اس تک رسائی حاصل کر سکتا تھا مگر اسی کے ساتھ میرے ذہن میں یہ گرہ بھی موجود تھی کہ اگر وہ اپنے مکان میں آزادی اور خود مختاری کے ساتھ رہ رہی تھی تو اس کے لیے مجھ سے جہانگیر کی معرفت رابطہ قائم کرنے میں کیا امر مانع تھا؟

اسی کے ساتھ میرے ذہن میں ایک اور مسئلہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ ویرا میرے ساتھ دشمنی پر تلی ہوئی تھی اور خاص طور پر غزالہ کے بارے میں بہت حساس تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نے تھوڑی دیر قبل کامران کو بارود دکھا کے

نے ہوئے مجھے اس سے دور نکل کر اپنی جان بچانے کا موقع فراہم کیا تھا لیکن غزالہ کو قابو کرنے کے معاملے میں وہ جذباتی ہو کر مجھے کوئی بھی نقصان پہنچا سکتی تھی۔

اس وقت اگر ہم ویرا کی آمد سے پہلے اندر داخل ہونے کا فیصلہ کر لیتا تو اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں۔ میں سلطان شاہ کے ہمراہ اندر داخل ہو جاتا یا اُسے باہر نگرانی کے لیے چھوڑ کر خود اندر چلا جاتا اور غزالہ کو ساتھ لے کر باہر نکل آتا مگر ان دونوں ہی صورتوں میں ویرا کا خطرہ اپنی جگہ برقرار رہتا۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ ویرا وہاں تنہا آنے والی تھی یا کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر آتی۔ ہم دونوں ہی اندر چلے جاتے تو وہ باہر گھات لگا کر واپسی پر ہمارے خلاف کوئی بھی مہلک قدم اٹھا سکتی تھی۔ جس کا ایک پستول کے سہارے مقابلہ کرنا آسان نہ ہوتا اور اگر سلطان شاہ کو نگرانی کے لیے باہر چھوڑ کر میں اکیلا اندر جاتا تب بھی اس امر کا قوی امکان موجود تھا کہ ویرا وہاں پہنچ کر آسانی کے ساتھ اس کی موجودگی کا اندازہ لگا سکتی تھی اور پھر وہ اندر گھسنے کی بجائے اپنے مددگاروں کے ذریعے سلطان شاہ کو بے بس کر کے میرے خلاف کوئی مؤثر منصوبہ بندی کر سکتی تھی۔ ان دونوں ہی صورتوں میں ہم کو پہل کا فائدہ حاصل ہونے کی بجائے نقصان پہنچنے کا زیادہ خدشہ تھا۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ ہم صبر سے کام لے کر فوری طور پر غزالہ کے مکان میں داخل ہونے کا ارادہ ترک کر دیتے اور مکان سے محفوظ فاصلے پر رہ کر ویرا کے وہاں پہنچنے کا انتظار کرتے۔ اس طرح ہم اس کی عددی صلاحیت سے باخبر ہو کر پورے اطمینان سے اس کی پیش قدمی کا مشاہدہ کر سکتے تھے اور اس کی واپسی پر اُسے گھیرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اپنی محدود نفری اور واحد پستول کے مؤثر استعمال کے لیے دوسری صورت ہی ہمارے حق میں مفید ثابت ہو سکتی تھی۔

سلطان شاہ کے ذہن میں ایک تیسرا ہی خیال موجود تھا۔ وہ فوری کارروائی کے حق میں تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ غزالہ اگر اندر موجود ہوئی تو اُسے میری ہدایات پر عمل کرنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیے تھا۔ اُسے ساتھ لے کر ہم نکاسی کے راستے کی بجائے عقبی دیوار پھاند کر فرار ہو سکتے تھے۔ اگر ہم اندر گھسنے سے پہلے اپنی کار بھی اسی طرف پارک کر دیتے تو ہمارا منصوبہ کامیابی سے مکمل ہو سکتا تھا۔

مختصر سی بحث کے بعد میں نے اُس کا مشورہ قبول کر لینے پر آمادگی ظاہر کی ہی تھی کہ اچانک ایک سیاہ ٹویوٹا کراؤن غزالہ کے مکان کے پھاٹک کے سامنے رکی اور میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔

اس گاڑی کے تاریک شیشے چڑھے ہوئے تھے، اور چڑھتے ہوئے سورج کی تیز روشنی میں باہر سے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ کار میں کون کون موجود تھا لیکن مجھے اتنا ضرور یقین تھا کہ آنے والوں میں ویرا ضرور شامل رہی ہوگی۔ لمحہ بھر بعد ہی کار کی پسنجر سیٹ کا دروازہ کھلا اور ویرا جینز اور جیکٹ میں ملبوس نیچے اُترتی ہوئی نظر آئی اُس کے شانے سے ایک بڑا سا شولڈر بیگ لٹک رہا تھا۔

دروازہ بند ہونے سے پہلے مجھے ڈرائیونگ سیٹ پر ایک قوی الجثہ سفید فام کی جھلک نظر آئی اور میں فوراً ہی معاملے کی تہ تک پہنچ گیا۔

ویرا کی افرادی قوت کا تمام تر انحصار کھڈے کے سوائے زمانہ منشیات فروش معراج دین پر تھا لیکن پچھلی رات اُس کی موت اور اُس کے اڈے کی تباہی کے بعد ویرا کا وہ سہارا ختم ہو گیا تھا۔ اس کے لیے فوری طور پر ماجے کا نعم البدل تلاش کرنا ممکن نہیں تھا اسی لیے اُس نے اپنی تازہ ترین مہم کے لیے غالباً انطونیو کی مدد لی تھی جو میلان سے اُس کے چارٹرڈ جہاز پر معاون ہوا باز کی حیثیت سے کراچی آیا تھا میرے لیے اس نکتے کی غیر معمولی اہمیت تھی۔

اس وقت اگر ویرا کے ساتھ کوئی پیشہ ور قاتل یا لڑاکا ہوتا تو ہمیں اس کو زیر کرنے میں دشواری پیش آ سکتی تھی لیکن ایک معاون ہوا باز کتنا ہی بدمعاش اور مکار کیوں نہ ہو ایک پیشہ ور قاتل کا ہم پلہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ دوسری بہتر بات یہ تھی کہ ویرا ہماری طرح مذبذب میں مبتلا نہیں ہوئی تھی۔ اُس نے میدان صاف دیکھتے ہی یہ فرض کر لیا تھا کہ میں اس سے پہلے وہاں پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کی وہ بے بنیاد خود اعتمادی بھی میری کامیابی میں کلیدی کردار ادا کر سکتی تھی۔

"تم یہیں ٹھہرو، میں کالی کراؤن کی طرف جاتا ہوں . . ."
میں نے گفتگو کی ابتدا ہی کی تھی کہ سلطان شاہ نے فوراً میری بات کاٹ دی۔

"میں جاتا ہوں، تم یہیں ٹھہرو، خطرے کی صورت میں تم بہتر طور پر میری مدد کر سکو گے جب کہ میں یہاں رُک کر کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کر سکوں گا۔"

وہ اس کی سراسر جذباتی تجویز تھی۔ اس وقت ویرا کسی زخم کھائی ہوئی ناگن کی طرح خطرناک ہو چکی تھی اور اپنے سامنے آنے والے ہر حریف کو کچل سکتی تھی۔ اگر سلطان شاہ کا اس سے سامنا ہو جاتا تو کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ اُسے بلا توقف ہلاک کر دیتی

جب کہ شکست اور مایوسی کے اس عالم میں بھی ویرا کے دل
میں میرے لیے نرم گوشہ موجود تھا جس کا کھلا مظاہرہ وہ تھوڑی
دیر قبل کامران کی موت کے موقع پر کر چکی تھی۔ سلطان شاہ ویرا
کے ساتھ میرے رویے سے پہلے ہی شاکی تھا اس لیے میں اس
نازک پہلو پر اپنی زبان کھول کر اس کے مذاق کا نشانہ نہیں بننا
چاہتا تھا لیکن اسی کے ساتھ میں اسے کسی خطرے میں بھی نہیں
جھونکنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس کے ساتھ کسی بحث میں الجھنے کے
بجائے میں نے تحکمانہ انداز اختیار کر لیا اور وہ مایوسی کے ساتھ
منہ لٹکا کر میری ہدایات سننے پر مجبور ہو گیا۔

میں نے فوراً ہی مسروقہ کار کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال
کر انجن اسٹارٹ کیا اور اسے تیزی کے ساتھ سڑک پر لیتا چلا
گیا۔ غزالہ کے گھر سامنے سیاہ ٹویوٹا کراؤن فٹ پاتھ کے سہارے
قرینے سے کھڑی ہوئی تھی مگر میں نے اس کے سفید فام ڈرائیور
کو اشتعال دلانے کے لیے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے
اپنی کار کا بایاں حصہ اس کی گاڑی کے عقبی حصے سے ٹکرا دیا۔

اگر میں براہ راست اس سے الجھتا تو وہ میری طرف سے
چوکنا ہو سکتا تھا۔ اس لیے تصادم کی ابتدا کے لیے یہ ایک بہتر
تدبیر تھی۔ سلطان شاہ اپنی جگہ پر بے پروایانہ انداز میں کھڑا ہوا،
دور سے یہ دیکھ رہا تھا اور ضرورت پڑنے پر میری مدد کے لیے
آ سکتا تھا۔

ہلکے سے دھماکے اور آہنی رگڑ کے ساتھ ہی میں نے اپنی
کار کو سنبھال لیا اور کراؤن سے قدرے آگے نکل کر اپنی کار بھی
کنارے سے لگا دی اور نیچے اتر گیا۔

میں کراؤن کا دزدیدہ نظروں سے جائزہ لیتا ہوا اپنی کار
کے نقصان رسیدہ حصے کی طرف بڑھا اور انہماک سے اس کا جائزہ
لینے لگا۔ غلطی سراسر میری ہی تھی۔ اس لیے میری اس سرد مہری
نے سفید فام کو بھڑکا دیا۔ وہ اپنی کار سے اتر کر غصیلے انداز میں میری
طرف آیا تھا۔

"کیا تم اندھے ہو جو تمہیں کنارے سے لگی ہوئی اتنی بڑی
گاڑی نظر نہیں آئی؟" میرے قریب آ کر وہ غصے سے دانت پیستا
ہوا بولا اس کی انگریزی قابلِ رحم حد تک کمزور تھی۔

"کس گاڑی کی بات کر رہے ہو؟" میں نے عقابی نظروں
سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔ "میں تو یہ سوچ
رہا ہوں کہ میرا نقصان کون پورا کرے گا۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ
تم نے اپنی بے ڈھب گاڑی ممنوعہ علاقے میں پارک کی
ہوئی ہے۔"

"ممنوعہ علاقہ؟" میری بات پر وہ بری طرح بھنّا گیا۔ "دنیا
کے کسی بھی کشادہ رہائشی علاقے میں پارکنگ پر کوئی پابندی نہیں
ہوتی۔ یہاں دور دور تک ایسا کوئی سائن بورڈ نہیں ہے۔"

"سائن بورڈ نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ تم سڑک کے
وسط میں کار کھڑی کر کے سو جاؤ۔ اس ملک میں بہت سی باتیں
ڈرائیور کے تجربے اور صوابدید پر چھوڑ دی جاتی ہیں۔" میں نے
گہری سنجیدگی سے کہا۔ "پہلے تو تم مجھے اپنا ڈرائیونگ لائسنس دکھاؤ
ورنہ میں ابھی تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔"

"چوری اور سینہ زوری!" وہ غرایا۔ "تمہارا لائسنس
کہاں ہے؟"

"میں بھی دکھا دوں گا۔" میں نے اپنی جیب تھپتھپاتے
ہوئے کہا۔ "پہلے تم اپنے کاغذات دکھاؤ۔"

وہ برہمی کے انداز میں مڑا اور اپنی کار کی طرف چل دیا۔
خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لیا۔ میرا مقصد بہت خوب صورتی
کے ساتھ پورا ہو رہا تھا اور سفید فام میری خواہش کے عین مطابق
اپنے ردعمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

اپنے کاغذات نکالنے کے لیے وہ ڈرائیونگ سیٹ
دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ میں نے کھلے ہوئے دروازے
درمیان آ کر اسے بند کرنے کی راہ مسدود کر دی۔ اس وقت تک
سفید فام میرے عزائم نہیں بھانپ سکا تھا۔

وہ ڈیش بورڈ کے اوپر پڑے ہوئے مختصر سے سفری بیگ
میں اپنے کاغذات ٹٹول ہی رہا تھا کہ میں نے خاموشی کے ساتھ
جیب سے پستول نکال کر اس کا آہنی دستہ بے دردی کے
اس کی کنپٹی پر رسید کر دیا اور وہ ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ
لے کر اپنی سیٹ میں وہیں بے سدھ ہو گیا۔ اس کی گردن
پر ایک طرف ڈھلک گئی تھی۔

وہ میری خوش نصیبی تھی کہ اس کار میں کوئی اور موجود
تھا۔ میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کر سلطان شاہ کو اشارہ کیا
برق رفتاری کے ساتھ سڑک عبور کر کے میری طرف چلا آیا
اتنے میں میں نے ایک دیا سلائی کی مدد سے کراؤن کے ٹائر
سے ہوا نکال کر ویرا کے فرار کی راہ مسدود کر دی تھی۔

میں نے دیکھا تھا کہ ویرا غزالہ کے مکان کے پچھلے
ذیلی دروازہ کھلوا کر اندر داخل ہوئی تھی جس کا مطلب تھا
مکان میں غزالہ کے علاوہ کوئی چوکیدار یا مالی وغیرہ بھی موجود
لیکن میں اطلاعی گھنٹی بجا کر ویرا کو ہوشیار کرنے کا کوئی
نہیں لے سکتا تھا۔

سلطان شاہ نے طے شدہ پروگرام کے مطابق کراؤن
بے ہوش سفید فام کے برابر میں پسنجر سیٹ سنبھال لی

مل مقصد کار کی تلاشی لے کر، اس میں موجود اسلحے پر قابض ہونا
تا تاکہ صورت حال کے بگڑنے پر طاقت کے استعمال سے ویرا
پسپائی پر مجبور کیا جاسکے۔

ویرا ایک عیار اور شاطر عورت تھی، اُس سے یہ توقع
بھی کی جاسکتی تھی کہ اُس نے غزالہ کے مکان میں کسی کو بھی اپنی
ہوں سے اوجھل یا آزاد رہنے دیا ہو۔ اندر سے کسی قسم کے
ردعمل یا ہنگامے کی آوازیں بلند نہ ہونے سے یہ گمان ہو رہا
کہ جس آسانی سے مَیں نے باہر کی صورتحال پر قابو پالیا تھا،
دبش اسی آسانی کے ساتھ ویرا اندر اپنی برتری قائم رکھنے
کامیاب ہوگئی تھی جس کا فوری سدِباب ضروری تھا۔

مَیں نے پھاٹک اور اُس کے ذیلی دروازے پر ہلکا سا
ور دیا تو وہ دونوں اندر سے بولٹ تھے، مَیں نے لحظہ بھر اُس
ں کا جائزہ لیا اور میدان صاف پاکر کسی بندر کی سی پھرتی کے
اتھ احاطے کی آدم قد دیوار پر چڑھ کر اندر ویران کیاری میں
وُد گیا۔

غزالہ کے باپ، کرنل زوّار زیدی کی زندگی میں اس گھر میں
زے اور پھولوں کی بہار ہمیشہ قابلِ دید ہوا کرتی تھی، کُل وقتی
کو ملازم رکھنے کے وسائل نہ ہونے کی وجہ سے وہ شخص اپنا
تر وقت پودوں اور کیاریوں کو سنوارنے میں صرف کرتا تھا
یکن اس وقت احاطے میں ہر طرف عجیب سی ویرانی کا راج تھا۔
ں اور کیاریوں کو خودرَو جھاڑ جھنکار نے تباہ کیا ہوا تھا۔ اسی
ے درمیان کہیں کہیں آدم قد جنگلی گھاس لہرا رہی تھی۔ ان سب
بزوں کے درمیان کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا۔

مَیں نے چند ثانیوں تک وہیں رُک کر کچھ اندازے قائم
، پھر مکان کی دیوار کے سہارے عقبی حصّے کی طرف ہو لیا۔ مجھے
دتھا کہ اس طرف کچن سے نکاسی کا دروازہ کھلتا تھا۔

کونے سے گھومتے ہی میرے کانوں میں ویرا کی دھیمی مگر
رش آواز آئی۔ وہ اسی سمت کے کسی کمرے میں کسی سے باز پرس
رہی تھی۔

"تم مالکن کی دوست ہو اور میرے لیے مالکن ہی کی طرح
اجازت ہو۔ مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟"
کسی بوڑھے کی لجلجاتی ہوئی آواز تھی جو ایک کھلی ہوئی کھڑکی
ے سُنائی دی تھی۔

"مجھے پتا چلا ہے کہ وہ دو تین دن پہلے یہاں آئی تھی۔" ویرا
کی آواز میں غصّے اور جھلاہٹ کی آمیزش نمایاں ہوگئی تھی "مَیں
یسے مان لوں کہ تم نے کئی ہفتوں سے اُسے نہیں دیکھا۔"

"مَیں قسم کھانے کے لیے تیار ہوں کہ مالکن یہاں بہت کم
آتی ہے۔" بوڑھی مردانہ آواز میں رقت کی حد تک بے چارگی
سمٹ آئی "تمھیں میرا یقین نہیں ہے تو ماسی سے پوچھ لو۔ مالکن
نے اُس پر ترس کھا کر اُسے یہاں رہنے کی اجازت دی ہوئی
ہے۔ . . ."

"وہ کہاں ہے؟" ویرا نے اُس کی بات کاٹ کر غصّے سے پوچھا۔

"بیمار عورت ہے جب بھی آتی ہے، اندر کے ایک
کمرے میں پڑی رہتی ہے۔"

"تو کیا وہ کہیں جاتی بھی ہے؟" ویرا کی ترش آواز
سنائی دی۔

"طبیعت سنبھلتی ہے تو اپنے بچوں میں چلی جاتی ہے۔ ان
سے ناراض ہوتی ہے تو بیمار ہو کر یہاں پڑ جاتی ہے۔ وہ چار دن
سے یہاں آئی ہوئی ہے۔ وہ بتا دے گی کہ پچھلے چار دن سے ہم
دونوں کے علاوہ یہاں کوئی نہیں آیا۔ مالکن تو دُور کی بات ہے۔
کئی دن سے بھنگن تک نہیں آئی۔"

اس اثنا میں مَیں کچن کے دروازے تک پہنچ چکا تھا
جو دباؤ ڈالتے ہی کھل گیا۔ اور مَیں دبے پاؤں اندر داخل ہوگیا۔ ان
دونوں کی آوازیں کچن سے ملحقہ کمرے سے آرہی تھیں جو کسی
زمانے میں ڈائننگ روم ہوا کرتا تھا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ چلو ماسی کے کمرے میں چلو!" ویرا
کی آواز سنائی دی۔

ننگے فرش پر ان دونوں کے قدموں کی چاپ دُور ہوتی ہوئی
سنائی دی۔ مَیں نے ڈائننگ روم کی طرف کُھلنے والے دروازے
کے کی ہول میں سے دیکھا کہ وہ دونوں اس کمرے سے باہر جارہے
تھے۔ مَیں نے چند ثانیوں کا وقفہ دے کر درمیانی دروازہ کھولا اور
پنجوں کے بل ڈائننگ روم میں داخل ہوگیا۔ اس وقت پستول
میرے ہاتھ میں تھا اور مَیں کسی بھی ناگہانی صورت حال کا فوری
مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔

حالات کی ستم ظریفی تھی کہ اس وقت میری بدترین دشمن،
ویرا بھی اسی چھت کے نیچے مجھ سے چند گز کے فاصلے پر موجود تھی،
اور میرا خیال تھا کہ میری عزیز ترین ہستی، غزالہ بھی اسی چھت کے
سائے میں کہیں روپوش تھی۔ ویرا دشمنی کے جذبے کے تحت اس
کی تلاش میں تھی اور مَیں غزالہ کی محبت اور ہمدردی میں سایہ بن کر
ویرا کے پیچھے لگا ہوا تھا۔

اس وقت مَیں چاہتا تو ذرا سی پھرتی اور احتیاط سے کام
لے کر عقب سے ویرا پر گولی چلا کر اُسے جہنّم واصل کر سکتا تھا
لیکن اُس نے تھوڑی دیر قبل مجھے ہلاکت سے بچا کر میرے
ارادوں کو مروّت کا پابند کر دیا تھا۔ اُس سے میری دشمنی اپنی جگہ پر

تھی لیکن اس وقت ویرا پر ارادتاً ہتھیار اٹھانا میرے بس سے
باہر ہو چکا تھا۔ پھر دوسرا نکتہ یہ بھی تھا کہ ویرا میری مزاج فہم
اور قدرے ہمدرد دشمن تھی۔ میں یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ
اس کے مار دیے جانے کے بعد جمی لائیڈ جس کسی کو بھی پاکستان
کے معاملات کا ذمے دار بناتا، وہ میرے لہو کا پیاسا ہوتا اور پہلی
فرصت میں مجھے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ اس لیے تمام تر بغض و
عناد اور دشمنی کے باوجود ویرا کا زندہ رہنا ہی میرے لیے
سود مند تھا۔

اس مکان کی ساخت میرے ذہن نشین تھی اس لیے میں
اندازے سے ایک کمرے کا فرق برقرار رکھ کر کامیابی کے ساتھ
ان دونوں کا پیچھا کرتا رہا۔ آخر کار ایک جگہ ان دونوں کے قدموں
کی چاپ تھم گئی اور میرے کانوں میں بوڑھے کی متحیر زدہ آواز آئی۔
"ارے! آج تو ماسی کا کمرہ اندر سے بند ہے۔"

"دستک دے کر دروازہ کھلواؤ ورنہ میں اسے توڑ دوں
گی۔" ویرا کی غصیلی آواز سنائی دی تھی۔ "مجھے تو تم اور ماسی دونوں
ہی فراڈ معلوم ہوتے ہو۔ آخر وہ اپنے بچوں سے لڑ کر اس اکیلے گھر میں
تمہارے پاس کیا لینے آتی ہے؟" وہ جس کمرے کے سامنے رکے تھے
وہ غالباً غزالہ کا کمرہ ہوا کرتا تھا۔

"اس عمر میں مجھے ایسا گندا الزام نہ دو۔" بوڑھے کی تڑپتی ہوئی،
زخم خوردہ آواز ابھری۔ "اسے میں نے یہاں نہیں ڈالا ہے۔ وہ مالکن
کے حکم سے یہاں آتی ہے۔"

"تمہاری مالکن بھی پکی حرافہ ہے۔" اسی فقرے کے ساتھ
چوبی دروازے پر ٹھوکر پڑنے کی پرشور آواز سنائی دی۔ شاید
ویرا نے جھلا کر بند دروازے پر ٹھوکر رسید کی تھی پھر وہ غرائی تھی۔
"دروازہ کھول ماسی! ورنہ اندر آ کر تیری ہڈیاں پسلیاں ایک
کر دوں گی۔"

"تم نے مالکن کو گالی دی ہے بی بی!" بوڑھے کی آواز بھرائی
ہوئی تھی۔ "میں نمک حرام نہیں ہوں۔ اس لیے تمہارا جو جی چاہے
کرتی رہو، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کروں گا۔ تمہیں روکنا بھی میرے
بس سے باہر ہے کیونکہ تمہارے پاس طمنچہ ہے۔ گولی کے آگے میں
کیا کر سکتا ہوں۔"

طمانچے کی آواز خالی مکان میں کافی گونجی تھی۔ اسی کے ساتھ
بوڑھے کی چیخ ابھری۔ ویرا عمر اور جنس کا کوئی لحاظ کیے بغیر اپنے
حریفوں پر ہاتھ اٹھانے کی عادی تھی اس لیے وہ بوڑھے کی باتیں
برداشت نہیں کر سکی تھی جو سچی ہونے کے ساتھ کڑوی بھی تھیں۔
ویرا نے پہلی لات کے بعد دروازہ جھنجوڑ کر رکھ دیا۔
ساتھ ہی وہ خرافات بھی بکتی جا رہی تھی۔ مگر دوسری طرف ...

سکوت طاری تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اگر غزالہ اسی مکان میں
تھی تو اتنے شور اور ہنگامے کے باوجود کہاں دبکی ہوئی
اگر وہ اسی گھر میں تھی تو عقب سے اچانک نمودار ہو کر مجھے
ویرا کو متحیر کرنے کے ساتھ ہی اسلحے کے بل پر ویرا کو
بھی کر سکتی تھی۔

مجھے شبہ ہونے لگا کہ کامران نے مجھے جو کچھ بتایا وہ
حد تک تو درست تھا کہ غزالہ نے اپنا آبائی مکان خرید لیا
کیونکہ بوڑھا اپنی گفتگو میں بار بار کسی مالکن کا حوالہ دے
لیکن غزالہ وہاں موجود نہیں تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ویرا کے جنون میں بھی
اضافہ ہوتا چلا گیا۔ میں اس سے اچھی طرح واقف تھا
رہا تھا کہ جھلاہٹ کے عالم میں ویرا اس وقت اپنی آمد کا
تک بھول بیٹھی ہو گی اور ماسی کو اس کے کمرے سے کھ
کر باہر لانا اس کے نزدیک مقدم ہو چکا تھا۔

بند دروازہ زیادہ دیر تک وہ شدید ضربات نہ سہ
اور چرچراہٹ کے بعد ایک دھماکے کے ساتھ غالباً کھ
گیا۔ کیونکہ اسی کے ساتھ متحیر زدہ آواز ابھری تھی۔ "یہ کمرہ تو خا
ہے..."

"وہ اسی مسہری پر پڑی رہتی ہے۔ پتا نہیں اب ک
غائب ہو گئی۔" بوڑھے کی آواز سے بوکھلاہٹ ٹپک رہی
"دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ غسل خانے
"غسل خانے میں بھی جھک مار لو۔ وہ بڑھیا فرار ہو
ہے کیونکہ یہ کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔ سچ سچ بتاؤ کہ وہ کون
اور اس کے بچے کہاں رہتے ہیں؟"

"جتنا اس نے خود بتا دیا تھا اس سے زیادہ مجھے کچھ
نہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کہاں سے آتی تھی اور
کہاں لوٹ جاتی تھی۔ میں اس معاملے میں بالکل بے قصور ہوں
"اور تمہاری مالکن کہاں رہتی ہے؟" ویرا بری طرح
جھنجلائی ہوئی تھی۔

"بس اتنا معلوم ہے کہ ڈیفنس میں ان کی کوٹھی ہے
کبھی وہاں جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ ہر مہینے کی
تاریخ کو مالکن خود مجھے تنخواہ دینے آتی ہیں۔"
"اس کا مطلب ہے کہ تم اپنی مالکن کو پہچانتے ہو؟"
نے پوچھا تھا۔

"کیسی بات کرتی ہو بی بی! جس کا نمک کھاتا ہوں
کو نہ پہچانوں گا۔ اب تو تھپڑ کھا کر تمہیں بھی اچھی طرح پہچان
دوبارہ آؤ گی تو جھک کر سات سلام کروں گا۔"

"وہاں پر قابو رکھو بکواسی بڈھے!" ویرا اس پر پھر برس پڑی۔" ایسا نہ ہو کہ میں اسی وقت تیرا کام تمام کر دوں۔" ویرا کے ان الفاظ نے مجھے بوڑھے کے انجام کے بارے میں تشویش میں مبتلا کر دیا۔

ویرا اتنی کھلی کھلی باتیں کر کے اسے زندہ چھوڑنے والی مخلوق نہیں تھی مگر قدرے توقف کے بعد اس نے خود ہی اپنا ارادہ واضح کر دیا۔

"جب تک تیری مالکن یہاں نہیں آتی، میرا ایک آدمی یہاں رہے گا اور تو پنجرے والے کمرے میں قید رہے گا۔" ویرا کہہ رہی تھی۔" تیری مالکن آئے گی تو تجھے چالا بنا کر باہر نکالا جائے گا۔ اب میں دیکھوں گی کہ وہ کب تک میرے ہاتھ سے اپنی چمڑی بچاتی ہے۔"

"میں تو تمھارے ہاتھ میں طمنچہ دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ تم کسی بھی طرح میری مالکن کی دوست نہیں ہو سکتیں۔" بوڑھے کی آواز میں درد انگیز مایوسی رچی ہوئی تھی مگر مجھے یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ویرا کے مقابلے میں ہر لحاظ سے کم تر ہوتے ہوئے بھی وہ بڑے حوصلے کا مالک تھا۔

"پورے گھر میں بس ماسی کے کمرے میں ہی مسہری اور فرنیچر نظر آ رہا ہے۔ تیری مالکن یہاں آ کر کس کمرے میں رہتی تھی؟" قدموں کی کھٹ کھٹ کے ساتھ ویرا کی آواز ابھری۔ شاید وہ اس خواب گاہ کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھی۔

"وہ رہنے کے لیے کبھی یہاں نہیں آئیں۔" بوڑھے نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔" ماسی پتا نہیں کہاں مر گئی، ورنہ وہ میرے ایک ایک لفظ کی تصدیق کر دیتی۔"

"فکر نہ کرو ماسی کہیں نہیں جا سکی ہو گی۔ میرے ساتھی موجود ہیں۔ انھوں نے اسے باہر نکلتے ہی دبوچ لیا ہوگا۔" ویرا کی طنزیہ آواز سنائی دی۔" میں خود بھی ایک عورت ہوں، دو منٹ میں اس حرام زادی بڑھیا کو سچ بولنے پر مجبور کر دوں گی۔"

وہ ویرا کا حد سے بڑھا ہوا اعتماد تھا کہ وہ اپنے سفید فام ساتھی کو محفوظ تصور کر کے ماسی کے پکڑے جانے کے بارے میں شاید پُر یقین تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ سلطان شاہ نے ماسی کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا ہوگا۔

پھر ویرا اور اس بوڑھے میں بحث کے ساتھ ہی زور آزمائی شروع ہو گئی کیونکہ ویرا اسے آہنی جنگلے والے اس کمرے میں بند کرنا چاہ رہی تھی، جہاں کسی زمانے میں کامران قید رکھا گیا تھا۔ بوڑھا اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ مزاحمت کرتا رہا لیکن اس کی چیخ و پکار رائیگاں گئی۔ آہنی جنگلے کی جھنکار اور پھر تالے میں چابی گھومنے کی آواز سے ظاہر ہو گیا کہ ویرا اس پر حاوی ہو گئی تھی۔

"اب میرے آدمی کی آمد تک تم اسی پنجرے میں سڑتے رہو گے بڈھے خرگوش!" ویرا کی زہر میں ڈوبی ہوئی آواز خالی مکان میں گونجی۔" چند دن بعد جب تمھاری مالکن تم کو تنخواہ دینے کے لیے آئے گی تو اس سے ملنے کے لیے میں خود بھی یہاں موجود رہوں گی۔ فی الحال تم اکیلے عیش کرو۔"

میں بے آواز قدموں سے چلتا ہوا تیزی سے واپس لوٹا تھا۔ میں کچن میں موجود تھا۔ ویرا کے سینڈلوں کی کھٹ کھٹ ڈائننگ روم تک آ کر پھر دور ہونے لگی۔ اس نے اپنی واپسی کے لیے بھی سامنے کا دروازہ استعمال کرنے کو ترجیح دی تھی۔

مکان کے اندر یا پھاٹک کے قریب رہ کر باہر کا جائزہ لینا ممکن نہیں تھا۔ ویرا کو جس خاموشی کے ساتھ غزالہ کے معاملے میں شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا، میں اسے درہم برہم نہیں کرنا چاہتا تھا، ورنہ ویرا واپس جانے کے بجائے اپنی پوری توجہ اسی مکان پر مرکوز کر دیتی۔ جب کہ میں فوری طور پر بوڑھے قیدی سے کچھ معلومات حاصل کر کے پُراسرار ماسی کے معاملے پر تھوڑی سی محنت کرنا چاہ رہا تھا۔ اس لیے میں نے کسی بھی قسم کی محاذ آرائی سے گریز کرتے ہوئے چھت پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ دن کا وقت تھا اور چھت پر ذرا سی بے احتیاطی کے نتیجے میں نیچے سے مجھے دیکھا جا سکتا تھا۔ اس لیے میں نے پانی کے ٹینک کے ایک ستون کی آڑ لے لی۔ وہاں سے مجھے غزالہ کے مکان کا پھاٹک اور اس کے سامنے کھڑی ہوئی ویرا کی کار واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ سلطان شاہ سیاہ لرڈن میں اپنا کام ختم کرنے کے بعد مسروقہ کار کو وہاں سے ڈرائیو کر کے کسی ایسے مقام پر لے گیا تھا جہاں وہ میری نظروں سے اوجھل تھی۔

ویرا ذیلی پھاٹک کھول کر باہر نکلی پھر میں نے اسے اپنی کار کے قریب پہنچ کر بری طرح چونکتے دیکھا کیونکہ میرے وار کے بعد سلطان شاہ نے رہی سہی کسر پوری کر کے سفید فام کو طے شدہ پروگرام کے مطابق جہنم واصل کر دیا تھا۔

اندر داخل ہونے سے قبل سفید فام کی ہلاکت کا فیصلہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی کہ ویرا کے ہر مجرم ساتھی کو موت کے گھاٹ اتارنا ایک اخلاقی فریضہ تھا۔ جو ہیروئن کے خلاف جہاد میں معاشرے کی طرف سے ہم پر عائد ہوتا تھا لیکن اندر پیش آنے والے واقعات کی روشنی میں یہ د... مجھے اپنے حق میں زیادہ سود مند ثابت ہوتی

نظر آ رہی تھی۔

ویرا کو یہ گھمنڈ تھا کہ باہر اس کا ساتھی محفوظ ہے اور اگر ماسی پھاٹک سے فرار ہوئی تو وہ اسے پکڑ لے گا لیکن ویرا نے میرے سامنے ذیلی پھاٹک کا بولٹ خود کھولا تھا جس سے یہ بات واضح ہو جاتی تھی کہ اگر ماسی باہر گئی تھی تب بھی اس نے پھاٹک استعمال نہیں کیا تھا۔ یہ نتیجہ ویرا بھی اخذ کر سکتی تھی۔ اس کے باوجود اپنے سفید فام ساتھی کو کار میں مردہ پا کر وہ لامحالہ یہی سوچتی کہ ماسی درحقیقت اتنی معصوم اور کم ہمت نہیں تھی جتنا بوڑھا چوکیدار بتا رہا تھا۔ اس قتل کو ماسی کے کھاتے میں ڈالنے کے بعد ویرا کا تشویش میں مبتلا ہونا قدرتی امر تھا۔

صورتِ حال یہ ظاہر کرتی تھی کہ ماسی نے سفید فام کو قتل کرنے کے بعد کار کے تین ٹائروں کی ہوا خارج کر کے اسے وہاں روکے رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اس گورکھ دھندے میں وہ ہمارے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتی تھی۔ اسے صرف ایک فکر لاحق ہو جاتی کہ وہ فی الفور وہاں سے روانہ ہو کر ماسی کے کسی بھی سازشی منصوبے کو ناکام بنا دے لیکن ویرا میری توقع کے برعکس اپنی کار لاک کر کے دوبارہ مکان میں داخل ہو گئی۔

اس مرتبہ اس کی عجلت کی وجہ سے مجھے نیچے اتر کر اس کی نگرانی کرنے کی مہلت نہ مل سکی لیکن جب چند منٹ بعد وہ عمر رسیدہ چوکیدار کو دھکے دیتی ہوئی مکان سے باہر لائی تو اس کا کھیل خود بخود واضح ہو گیا

غزالہ کے بارے میں اسے کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ ماسی اسے جل دے کر فرار ہو گئی تھی، سفید فام مارا جا چکا تھا اس لیے چوکیدار ہی وہ واحد شخص تھا جو اس پُراسرار معاملے پر کچھ روشنی ڈال سکتا تھا۔ شاید ویرا کو خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ماسی واپس لوٹ کر چوکیدار کو بھی آزاد نہ کرا دے۔ اس لیے وہ اس واحد گواہ کو قیدی بنا کر ساتھ لے جانا چاہ رہی تھی جس پر تشدد کر کے وہ کچھ نہ کچھ اگلوا سکتی تھی۔

میرے دل میں اس شخص کے لیے رحم اور ہمدردی کے جذبات اُمڈ آئے لیکن میں بے بس تھا کیونکہ خود کو خطرے میں ڈالے یا کھیل بگاڑے بغیر میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

چوکیدار اپنے ساتھ ویرا کے بدلے ہوئے وحشیانہ سلوک پر بری طرح ہراساں نظر آ رہا تھا۔ ویرا نے اس کی مدد سے سفید فام کی لاش کو اسٹیئرنگ وھیل کے عقب سے نکال کر پسنجر سیٹ پر منتقل کیا پھر چوکیدار کو عقبی نشست پر سوار کرانے کے بعد ویرا بھی ادھر ہی گھس گئی۔

اس وقت فٹ پاتھ ویران تھی اور شاید ویرا کو اپنے بازو پر پورا پورا اعتماد تھا۔ لہٰذا اس نے عقبی دروازہ بند کرنے کی زحمت نہیں کی۔ میں نے کار کے پچھلے حصے پر تشدد اور جدوجہد کے آثار نمودار ہوتے دیکھے جو زور پکڑنے سے پہلے ہی ختم ہو گئے اور ویرا ہاتھ جھاڑتی ہوئی باہر نکل آئی۔

اس نے غالباً اپنے شکار کو بے ہوش کر دیا تھا۔ ایک بے ہوش اور ایک مردہ شخص کی موجودگی میں ویرا نے کار کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور ہوا سے محروم ٹائروں کی پروا کیے بغیر کار آگے بڑھا دی۔ دن دہاڑے اس مخدوش کار کو شہر میں ڈرائیو کرنا ویرا جیسی دل گردے والی عورت ہی کا کام تھا۔ اس کی جگہ کوئی عام مرد بھی ہوتا تو کار پر لعنت بھیج کر وہیں کسی طرف دوڑ لگا دیتا۔

میں تیزی کے ساتھ چھت سے نیچے آیا اور سیدھا اس کمرے کی طرف گیا جہاں سے ماسی فرار ہوئی تھی۔ اور کمرے میں وہی مانوس سی بو رچی ہوئی تھی جو غزالہ کے وجود سے عبارت تھی۔

میں نے دیوانہ وار اس کمرے کی ایک ایک چیز کا جائزہ لے ڈالا۔ اور مجھے وہاں ذاتی استعمال کی ایسی کئی چیزیں نظر آ گئیں جو غزالہ کو خاص طور پر پسند تھیں۔

وہ غزالہ کی خواب گاہ تھی، وہاں اس کے وجود کی مہک رچی ہوئی تھی مگر چوکیدار نے وہاں کسی جنم جلی ماسی کے قیام کی کہانی سنائی تھی۔ اس کے لب و لہجے میں صداقت رچی ہوئی تھی جس کی وجہ سے میرے لیے کوئی فیصلہ کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ چوکیدار نے ویرا کو بتایا تھا کہ اس بار ماسی پچھلے چار دن سے وہاں مقیم تھی اور دلدار آغا کے مکان کی تباہی کو بھی کم و بیش اتنی ہی مدت گزر رہی تھی۔

حالات نشان دہی کر رہے تھے کہ ماسی کے روپ میں غزالہ بذات خود وہاں مقیم تھی اور خطرہ بھانپ کر خاموشی سے کسی طرف فرار ہو گئی تھی مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اپنے ہی گھر میں اسے اپنے ایک قابلِ اعتماد ملازم کے سامنے بہروپ بھرنے کی کیا ضرورت تھی۔

اس نے اگر پچھلے چار دن سے یہ روپ دھار رکھا تھا تو میں یہ سمجھ سکتا تھا کہ دلدار آغا کی عبرت ناک تباہی کے بعد اس نے خود کو اس کے ہمدردوں کی کسی امکانی کارروائی سے محفوظ رکھنے کے لیے ماسی کے روپ میں پناہ لی تھی مگر بوڑھے چوکیدار کا کہنا تھا کہ اس کی مالکن کبھی اس مکان میں آ کر نہیں رہتی تھی۔ البتہ اس کی اجازت سے وہ ماسی ہی اکثر و بیشتر وہاں

...تی ہی تھی۔ دوسری طرف کامران کا یہ بیان بھی قابلِ غور تھا
ولدار آغا کی زندگی میں بھی غزالہ اپنی تنہائی اور اداسی سے نجات
پانے کے لیے کبھی کبھار اس سے چھپ کر اپنے آبائی مکان میں
وقت گزارتی تھی۔ ان متضاد حقائق سے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا
سکتا تھا کہ غزالہ اپنے اصل روپ میں صرف چوکیدار کو تنخواہ
دینے وہاں آتی تھی لیکن رہائش کے لیے وہ ابتدا ہی سے ماسی کے
روپ میں آتی رہی تھی۔ اس دُہرے کردار کی ضرورت پر صرف
غزالہ ہی روشنی ڈال سکتی تھی جو اب وہاں نہیں تھی۔

اس کمرے کے بعد میں نے پورا مکان چھان مارا لیکن کہیں
بھی کسی کی موجودگی کی کوئی علامت دریافت نہ کر سکا۔ غزالہ
کی خواب گاہ کے علاوہ پورے مکان میں ننگا فرش اور بے جان
در و دیوار ہر قسم کی آرائش سے محروم تھے۔

وہ غزالہ کا گھر تھا اور تھوڑی دیر قبل تک وہ وہاں مقیم
تھی میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ غزالہ خطروں سے گھبرا کر بھاگنے
والی نہیں تھی۔ کچھ وقت گزارنے کے بعد اسے واپس لوٹنا چاہیے
تھا کیونکہ ولدار آغا کی موت کے بعد وہی گھر اس کی پناہ گاہ رہ
گیا تھا۔

اس وقت میرے دل کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔
غزالہ کی بازیابی کی امید میں میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔
مجھے دکھ تھا تو صرف اس بات کا کہ پہلی بار وہ مجھ سے بچھڑ
رہی تو میرے پاس اس کی ماں کی موت اور باپ کی
گمشدگی کی اندوہناک خبریں تھیں اور اس بار میں اسے کامران
کی لرزہ خیز قتل کی کہانی سنانے پر مجبور تھا۔ اپنے پورے گھرانے
میں وہ بالکل ہی تنہا رہ گئی تھی مگر مجھے پورا یقین تھا کہ ولدار آغا
کے بھیانک چنگل سے نجات پانے کے بعد وہ میرے سہارے
اچھی زندگی گزار سکے گی۔

انہی خیالات میں غلطاں، میں نے ذیلی دروازے پر
دباؤ ڈالا تو وہ باہر سے بند تھا۔ میں مین گیٹ کھول کر فٹ پاتھ
پر آیا تو ذیلی پھاٹک پر باہر سے وزنی تالا پڑا ہوا تھا۔ بوڑھے
چوکیدار نے ویرا کا قیدی ہوتے ہوئے بھی آخر تک اپنی مالکن
کا حق نمک ادا کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔

میرا خیال تھا کہ میں غزالہ کے مکان سے باہر نکلوں گا تو
باہر موجود سلطان شاہ مجھے دیکھتے ہی تیر کی طرح میری
طرف لپکے گا لیکن وقت دھیرے دھیرے سرکتا رہا اور
سلطان شاہ کے نمودار ہونے کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو مجھے
اس کی سلامتی کی طرف سے تشویش ہونے لگی اور میں بڑے
پھاٹک میں باہر سے کنڈا لگا کر مخالف سمت کی ان گلیوں
کی طرف بڑھ گیا جدھر وہ موجود ہو سکتا تھا۔

غزالہ کا سراغ پالینے کی بے پایاں خوشی سلطان شاہ کی
سلامتی کی فکر میں قدرے ماند پڑ گئی تھی۔ مجھے بس ایک ہی ڈر
تھا کہ کہیں اس نے میری واضح ہدایت سے انحراف کرتے ہوئے
اپنا مورچا چھوڑ کر ویرا کے تعاقب میں جانے کی حماقت نہ کر
ڈالی ہو۔ شکست کھا کر ویرا بہت خونخوار اور عیار ہو جاتی تھی۔
ایسی حالت میں اسے جُل دے کر اپنا دفاع کرنا اس کے بہترین
حریفوں کے لیے بھی دشوار ہو جاتا تھا۔

جب سے ویرا کی کراچی میں موجودگی کا انکشاف
ہوا تھا، میرے لیے مقابلے میں کلیدی اہمیت اُسی کی ہو کر رہ گئی
تھی۔ اس سے لڑنا، ذہنی معرکے سر کرنا اور پھر اسے زیر کرنا ہی
میرا مطلوب و مقصود ہو کر رہ گیا تھا اور میں نے اپنی پوری توجہ
اس کے ساتھ ہونے والے داؤ پیچ پر مرکوز کر دی تھی مگر اُس وقت
قصہ ہی کچھ اور ہو گیا تھا۔ غزالہ تک رسائی کی مہم جوئی میں ویرا لائیڈ
نے کامران کو موت کے گھاٹ اُتار کر مجھ پر برتری حاصل کرنے
کی کوشش کی تھی جسے ناکام بناتے ہوئے میں نہ صرف اس مکان
تک آپہنچا تھا بلکہ میں نے لحہ بہ لحہ ایک سائے کی طرح ویرا کی ناکامی
اور نامرادی کا مشاہدہ بھی کیا تھا۔ ویرا اپنی برتری کے زعم میں اس
گھر میں داخل ہوئی اور غزالہ کے بارے میں مُنہ کی کھا کر، اس مکان
کے بوڑھے چوکیدار کو اپنا قیدی بنا کر ساتھ لے گئی تھی۔ مجھے پورا یقین
تھا کہ غزالہ کے بارے میں وہ بوڑھا اُس سے ایک لفظ بھی زیادہ
نہیں جانتا تھا جو وہ پہلے ہی ویرا کو بتا چکا تھا۔ وہ مسکین اور عمر رسیدہ
چوکیدار، تیسرے درجے کا ایک تنخواہ دار ملازم تھا جو اپنے فرائض کی
ادائیگی سے تجاوز کر کے اپنی جواں سال مالکن کے بارے میں تجسس میں
مبتلا ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ویرا اگر اُسے کولھو میں بھی
پلوا دیتی تو وہ اپنے پچھلے بیان میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا تھا۔

حالات اور ویرا کے سامنے چوکیدار کے دیے ہوئے بیان
سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا تھا کہ اس مکان کی حد تک غزالہ نے
دُہرا کردار اختیار کیا ہوا تھا۔ اپنے اصل روپ میں وہ صرف چوکیدار
کو تنخواہ دینے آتی تھی مگر اپنے پرانے مکان میں ذہنی آسودگی کے لیے
قیام کرتے ہوئے وہ ماسی کا قابلِ رحم روپ دھار لیتی تھی۔ ویرا نے
زمانے کی اتنی ٹھوکریں کھائی تھیں کہ وہ اپنے دفاع کے لیے ہر فن مولا
بن چکی تھی۔ مار دھاڑ سے لے کر روپ بہروپ تک کہیں بھی اس نے
مار نہیں کھائی تھی۔ موقع محل کی مناسبت سے کہیں وہ مقابلے پر جم کر
اپنے دشمن کے دانت کھٹے کر دیتی تھی اور کہیں مصلحت کے ساتھ
فرار یا پسپائی کی راہ اختیار کر کے اپنے حریف کو بے بسی کے احساس
میں مبتلا کر دیتی [illegible] فن میں طاق [illegible] تھی
اپنے گھر میں ویرا کی مداخلت کا احساس کرتے ہی وہ اپنا کمرا

چھوڑ کر حیرت انگیز اور پُراسرار انداز میں اس گھر سے فرار ہو گئی تھی لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ اسے جلد یا بدیر واپس اسی گھر میں لوٹنا چاہیے تھا۔ دلدار آغا کے قتل کے بعد اس نے پورا شہر اور اس کے بارونق ہوٹل چھوڑ کر جس کسی مصلحت کے تحت وہاں روپوشی اختیار کی تھی، میری دانست میں ویرا کی مداخلت سے اس مصلحت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور غزالہ کو ہر قیمت پر وہاں لوٹنا چاہیے تھا۔ میرے لیے سب سے بڑا مسئلہ مجھے شہر میں غزالہ کا سراغ حاصل کرنے کا تھا جو کامران کی مداخلت سے بالآخر مجھے مل چکا تھا اور میں مختصر سے صبر آزما انتظار کے بعد غزالہ سے ملاقات کے بارے میں بہت زیادہ پُرامید ہو گیا تھا۔

جہاں تک ویرا کا تعلق تھا، وہ میری نگاہ میں سب سے بڑی حریف تھی کیونکہ دلدار آغا اور راجے کی موت کے بعد کراچی بلکہ پاکستان میں شی جیسی سازشی عالمی تنظیم کی بقا کا اہم ترین مسئلہ صرف اور صرف ویرا کی سلامتی اور اس کے فیصلوں سے وابستہ ہو کر رہ گیا تھا۔ پاکستان کے گلی کوچوں میں ہیروئن جیسی لرزہ خیز لعنت کو متعارف اور مقبول کرانے والے سارے سرکردہ اہلکار یکے بعد دیگرے جہنم واصل کیے جا چکے تھے۔ ان کی نچلی سطح کی تنظیم باقی رہ گئی تھی لیکن پوری سازش کو چلانے والے دماغ سوکھ چکے تھے کیونکہ مُردہ کھوپڑیوں میں نہ دورانِ خون باقی رہتا ہے اور نہ زندگی۔ ان جہنم رسیدہ سازشی اور سیاہ کار ذہنوں کی جانشینی کے لیے اٹلی سے جمی لائیڈ نے اپنی ناجائز بیٹی کو ایک چارٹرڈ جہاز سے پاکستان بھیجا تھا تاکہ کسی قابلِ ذکر تعطل کے بغیر پاکستان میں شی کے زہریلے منصوبے پروان چڑھتے رہیں مگر ایک طرف مجھے ویرا سے اپنی پرانی آشنائی کے فوائد حاصل تھے اور دوسری طرف ویرا اپنے درمیانی سطح کے معاونوں سے بھی محروم ہو کر بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ اپنی فطری ذہانت اور پھرتی کے علاوہ اس کے پاس کوئی سہارا باقی نہیں رہ گیا تھا اور مجھے امید تھی کہ میں عجلت یا گھبراہٹ کا مظاہرہ کیے بغیر آہستہ آہستہ اس کا ہانکا کر کے پاکستان کو ہمیشہ کے لیے امریکا کی پروردہ شی کا قبرستان بنا سکتا تھا۔

مگر وہ سب ثانوی چیزیں تھیں۔ اس وقت میرا فوری مسئلہ سلطان شاہ کی ذات سے وابستہ تھا جو میری ہدایات کے مطابق غزالہ کے مکان کے قرب و جوار میں تو کیا، دور دور تک موجود نہیں تھا۔ ماسی کے روپ میں غزالہ پھاٹک کے بجائے کوئی دیوار پھاند کر فرار ہوئی تھی اس لیے سلطان شاہ کا اس کی طرف متوجہ ہونا ممکنات میں سے نہیں تھا۔ ویرا کے تعاقب سے میں نے اسے منع کیا تھا۔ اس کو ہر صورت میں اپنی جگہ پر موجود ہونا چاہیے تھا مگر وہ وہاں نہیں تھا۔

مجھے رہ رہ کر ایک ہی خیال آ رہا تھا کہ کہیں سلطان شاہ نے اغوا ہونے والے بوڑھے چوکیدار کی مظلومیت سے متاثر ہو کر ویرا کے تعاقب کا فیصلہ نہ کر لیا ہو۔ غزالہ کو کھونے پر اس کا مشتعل ہو جانا قطعی فطری امر تھا اور میرا تجربہ یہ تھا کہ ویرا کی عارضی شکست کے بعد حد سے زیادہ خونخوار، خطرناک اور بے رحم ہو جایا کرتی تھی۔ اس حالت میں شبہ ہو جانے پر وہ نہایت آسانی کے ساتھ سلطان شاہ کو اپنا شکار بنا سکتی تھی اور یہ خیال اس وقت مجھے کچھ کچھ لرزائے جا رہا تھا۔ سلطان شاہ کے خلاف کوئی سفاکانہ قدم اُٹھا کر ویرا مجھے ذہنی اذیت پہنچانے کی کوشش کر سکتی تھی۔

مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ نہ سلطان شاہ قرب و جوار کی ان گلیوں میں موجود تھا اور نہ ہی اس کی تحویل میں موجود موٹر سائیکل دوبارہ موجود ہو سکتی تھی مگر کسی بھی معاملے سے جذباتی طور پر وابستہ ہو جانے کے بعد جس طرح ہر انسان احمقانہ غلطیوں کا ارتکاب کرنے لگتا ہے، اس طرح میں بھی پُرتجسس انداز میں دیوانہ وار غزالہ کے مکان کے آس پاس کی گلیوں کا جائزہ لینے لگا۔

نہ سلطان شاہ کوئی حقیر بونا تھا اور نہ ہی سو بارہ سوئی کی طرح باریک تھی پھر بھی میں نے پورا علاقہ چھان مارا لیکن ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا اور میں غیر ارادی طور پر ٹہلتا ہوا ایک جگہ لگے ہوئے پیپل کے ایک تناور درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے ایک ادھیڑ عمر شخص کے قریب جا ٹھہرا۔

متوسط قامت والے اس بے ریش شخص کے بدن پر صاف ستھرے کپڑے اور پیروں میں نفیس جوتے موجود تھے۔ بڑھے ہوئے بالوں اور بڑھی ہوئی ناتراشیدہ سفید مونچھوں کی وجہ سے وہ ایک عجیب شخص نظر آ رہا تھا لیکن اس نے جس والہانہ انداز میں آنکھیں بند کر کے اپنی پشت پیپل کے تنے سے ٹکائی ہوئی تھی، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بیمار تھا یا پھر کسی نشے کے زیرِ اثر بے سدھ وہاں گھنے پیپل کی چھاؤں میں عالمِ کیف و سرور کے مزے لوٹ رہا تھا۔

میرے قدموں کی آہٹ سے اس کی تنویمی حالت میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی تو میں نے آہستگی کے ساتھ اس کا شانہ ہلایا۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے سرخ ڈوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گہری نیند میں تھا یا پھر کسی تیز نشے نے اسے بالکل ہی بے سدھ کیا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے؟ تم نے ہمیں چھیڑنے کی گستاخی کیوں کی؟ تمھیں معلوم نہیں کہ ہم سب کے گرو ہیں اور جگت گرو کسی کو بھی فنا کر سکتا ہے؟" اس نے سرخ اور نیم وا آنکھوں

مجھے گھورتے ہوئے بھاری آواز میں سوالات کیے تو میں نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا کہ اس کے ہوش و حواس ٹھکانے پر نہیں تھے وہ دوسرے عالم بالا میں پرواز کر رہا تھا۔

"یہاں تو کوئی آوارہ کتا بھی نظر نہیں آتا۔ پھر گرو مہاراج! آپ یہاں کس کے انڈوں پر بیٹھے ہوئے ہیں؟" میں نے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"انڈے؟" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں فٹ پاتھ پر ٹٹولتے ہوئے کہا۔ "اوہ! وہ تو شاید داؤد خان کھا گیا مگر تم کون ہو اور مجھے کیوں ستا رہے ہو؟" اس گفتگو کے دوران میں اس کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔

"یہاں ایک گاڑی میں میرا ساتھی میرا انتظار کر رہا تھا اب وہ نہیں، وہ کہاں غائب ہو گیا؟ تم نے تو یہاں کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہوتے ہوئے نہیں دیکھا؟" میں نے پوچھا۔

اس نے میرے سوال پر غیر فطری انداز میں ہنسنے کی کوشش کی اور اس کا نرخرا پھڑپھڑا کر رہ گیا۔ "ہم آسمان کی سیر کر رہے تھے، تم ہم سے زمین کی باتیں نہ کرو...!"

"تم زمین پر ہو اس لیے تم سے زمین ہی کی باتیں کی جا سکتی ہیں۔" میں نے اچانک اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر اسے اس کے قدموں پر کھڑا کرتے ہوئے جارحانہ لہجے میں کہا۔ "اگر تم فوراً آسمانوں سے زمین پر نازل نہ ہوئے تو میں مکے مار مار کر تمہاری بتیسی جھاڑ دوں گا!"

اس نے گریبان پر میری گرفت کی پروا کیے بغیر اپنی گردن کو ذرا سی جنبش دے کر اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں اپنے دہانے میں ڈالیں اور لمحہ بھر میں اپنے اوپر اور نیچے کے مصنوعی دانتوں کے جبڑے ہتھیلی پر رکھ کر میری طرف بڑھا دیے۔ "تم کو مکے مارنے کی ضرورت نہیں، میرے سارے دانت حاضر ہیں۔ یہ لے جاؤ، میں دوسری بتیسی بنوا لوں گا لیکن خدا کے لیے میرا نشہ خراب نہ کرو۔ آج کل یہ بڑی مشکل سے ملتی ہے۔"

اس کے دہانے کے لیس میں لتھڑے ہوئے وہ مصنوعی دانت میرے لیے کراہت انگیز تھے۔ میں نے ہاتھ مار کر اوپر اور نیچے کے دونوں فریموں کو اس کی ہتھیلی سے دور اچھال دیا اور غراتے ہوئے کہا۔ "میری بات کا جواب دو ورنہ میں تمہیں فنا کر دوں گا...!"

"ارے باپ رے!" وہ گھگھیانے لگا۔ "مجھے فنا نہ کرنا ورنہ میں فنا کانپوری بن کر رہ جاؤں گا۔ ان کا کلام میرے لیے کبھی بھی قابلِ فہم نہ ہو سکا... دوسرے فنا بدایونی ہیں جو اپنی میٹھی شاعری کی مار سے اچھے خاصے دوستوں کو اپنا دشمن بنانے میں ملکہ رکھتے ہیں... فنا کیے بغیر تمہیں کس بات سے تسلی ہو سکتی ہے، اس کی بات کرو اور ذرا میرا گریبان ڈھیلا کر دو۔"

وہ ہیروئن کے نشے میں دھت تھا مگر پھر بھی اس کی گفتگو میں قابلِ فہم ربط برقرار تھا اس لیے میں نے اس کے گریبان پر اپنی گرفت قدرے نرم کرتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔ "گاڑی اور آدمی! آدمی گاڑی میں تھا اور گاڑی سامنے والی گلی میں تھی۔ تم اس کے بارے میں کیا بتا سکتے ہو؟"

اس نے اپنی نیم غنودہ اور سرخ آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "مجھے کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ وہ سرمئی سوبارو تھی۔ اس میں کوئی پکا حرامی بیٹھا ہوا تھا اور کسی لونڈیا کو تاڑ رہا تھا مگر پھر لونڈیا کے بجائے اس کی کوئی ادھیڑ عمر ملازمہ آئی اور وہ حرامی اس نوکرانی کو ساتھ لے کر رفوچکر ہو گیا۔ اس قماش کے لوگ مالکنوں پر ڈورے ڈالتے ہیں مگر پھر نوکرانیوں پر ہی گزارہ کر لیتے ہیں۔ وہ نوکرانی کو اپنے ساتھ لے کر فرار ہو گیا، اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تمہارا حافظہ بہت اچھا ہے۔" میں نے سفید بالوں میں چھپی ہوئی اس کی کھوپڑی کو سہلاتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "ذرا یہ تو بتاؤ کہ وہ نوکرانی اس کار والے کو زبردستی اپنے ساتھ لے گئی تھی یا وہ اپنی مرضی سے اس عیاشی پر رضامند ہوا تھا؟"

اس نے عارفانہ انداز میں ہنسنے کی کوشش کی اور بولا۔ "ایسے معاملات میں عورت زبردستی کر کے بھی زبردستی نہیں کرتی۔ اس نے بات کی اور اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ وہ راضی نہ ہوتا تو نہایت آسانی سے گاڑی چلانے سے انکار کر سکتا تھا۔"

میں نے اس کا گریبان چھوڑ دیا اور وہ دوبارہ وہیں ستانے کے بجائے نشے کی جھونک میں جھومتا ہوا آگے چل دیا۔ میں وہیں کھڑا سلطان شاہ کے بارے میں سوچتا رہ گیا۔

نشہ کرنا ہر اعتبار سے ایک قابلِ نفرت فعل ہے لیکن بہرحال وہ جگت گرو کا ذاتی فعل تھا لیکن اس نے نشے میں ہونے کے باوجود مجھے معلومات فراہم کر دی تھیں جن کے بغیر میں سلطان شاہ کے بارے میں اندھیرے میں تھا مگر دوسری طرف ان معلومات نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔

اس شخص نے جس خاتون کو نوکرانی سمجھا تھا۔ وہ میری دانست میں ماسی کے روپ میں غزالہ ہی ہو سکتی تھی۔ اگر اس نے اپنے مکان سے فرار ہونے کے بعد کسی وجہ سے سلطان شاہ سے رجوع کیا تھا تو اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ اس نے سلطان شاہ کو پہچان لیا ہوگا جب کہ سلطان شاہ کی طرف سے غزالہ کو پہچاننے کا معاملہ مشکوک تھا۔

وہ اسے اپنے ساتھ کہاں لے گئی تھی؟ اس بارے میں کوئی

بھی اندازہ لگانا محال تھا۔ میں نے سلطان شاہ کو اپنی واپسی کے انتظار میں وہاں چھوڑا تھا اور اسے ہر قیمت پر وہاں موجود رہنا چاہیے تھا کیونکہ مکان کے اندر ویرا کے مقابلے میں مجھے کوئی بھی مخدوش صورتِ حال پیش آ سکتی تھی اور اگر کسی خطرے کی بنا پر مجھے وہاں سے فرار ہونا پڑ جاتا تو گاڑی کے بغیر میں ویرا کے چنگل سے دُور نہیں نکل سکتا تھا۔ سلطان شاہ دودھ پیتا بچہ نہیں تھا۔ ان خطرات سے وہ بھی بخوبی آگاہ تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ مجھے خطرے میں چھوڑ کر وہاں سے کیوں چلا گیا تھا۔

میرے لیے وہاں دیر تک رُکنا مناسب نہیں تھا۔ میرے لیے دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ غزالہ کے مکان میں جا کر آرام کرتا یا پھر پیدل ہی واپسی کی راہ اختیار کرتا۔ اس وقت ایک بجنے کا عمل تھا اور تین بجے مجھے ٹریڈ لائن کے دفتر جا کر ڈان تھری کی فون کال کا انتظار کرنا تھا اس لیے میں وہاں رُک کر زیادہ وقت برباد نہیں کر سکتا تھا۔

میں سخت ذہنی کوفت اور اُلجھن کے عالم میں تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ اچانک عقب میں ایک کار کے انجن کا ہلکا سا شور سُنائی دیا۔ میں نے غیر ارادی طور پر پلٹ کر دیکھا اور پھر میرا خون کھول اُٹھا۔

سوبارُو فٹ پاتھ کے کنارے میرے قریب ہی روک دی گئی۔ سلطان شاہ کار میں تنہا تھا اور شفاف وِنڈ شیلڈ کے پیچھے اس کا چہرہ یوں دمک رہا تھا جیسے وہ کوئی تیر مار کر آیا ہو۔

اس نے خود ہی اندر سے جُھک کر میرے لیے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولا۔ میں نے نشست سنبھال کر کار کے دروازے پر غصّہ اُتارتے ہوئے اسے پوری طاقت سے بند کیا تھا۔

"اور زور سے مارو!" وہ کار آگے بڑھاتا ہوا شوخ لہجے میں بولا۔ "اپنے باپ کا کیا جاتا ہے۔ چھینی ہوئی کار ہے۔ مالک کو ایک آدھ دروازے کے بغیر بھی واپس مل گئی تو وہ اللہ کا شکر ادا کرے گا لیکن میرے ساتھ یوں برہمی ظاہر نہ کرو، مجھے تم مسکراتے ہوئے اچھے لگتے ہو۔"

"جب میں نے تمھیں یہاں رُک کر اپنا انتظار کرنے کی ہدایت کی تھی تو تم کہاں دفع ہو گئے تھے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

اس نے دانت نکال دیے۔ "میری کارگزاری کی تفصیل سنو گے تو ابھی تم سارا غصّہ تھوک کر مجھے گلے سے لگا لو گے۔ کوئی معمولی بات ہوتی تو میں تمھیں خطرے میں چھوڑ کر نہ جاتا۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ تمھاری ہدایت سے انحراف کر کے میں نے کتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔"

"یہ تمھاری خوش فہمی ہے۔" میں نے تُرش لہجے میں کہا۔ "اس بڑھیا کو یہاں سے جلد از جلد دور نکل جانا تھا۔ اسے تم کاٹھ کے اُلو نظر آئے اور اس نے تمھیں چکما دے کر اپنا اُلو بنا لیا۔"

سلطان شاہ نے حیرت اور بے یقینی سے مجھے گھُورا پھر تعجب آمیز لہجے میں سوال کیا۔ "تم تو اندر پھنسے ہوئے تھے تمھیں کیا معلوم کہ میں کس کے ساتھ گیا تھا؟"

"فضول باتوں میں اپنا دماغ کھپانے کے بجائے ... کر اسے کہاں چھوڑ کر آئے ہو؟ میں اگر تمھاری طرف سے ہوشیار نہ ہوں تو نجانے تم کہاں اپنے ساتھ میری بھی گ... کٹوا دو گے۔ تمھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ میرے ساتھ ... مکان میں موجود تھی۔ اس کے باوجود تم اپنا مورچا چھوڑ کر چل... ایسی غیر ذمّے داری کی تم سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔"

"ہم لوگ یہاں غزالہ کی تلاش میں آئے تھے۔" اس ... ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ میرے جارحانہ لب و لہجے سے اس کا سارا جوش و خروش صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ ...
"تم اندر تھے اور میں اپنی جگہ پر مستعد بیٹھا ہوا تھا کہ غزالہ کے مکان کی بغلی گلی سے وہ بڑھیا نکلی اور تیر کی طرح میری طرف آئی کیونکہ اس وقت وہاں میرے علاوہ اور کوئی نہ... اس نے مجھے بتایا کہ وہ غزالہ کی نوکرانی ہے اور خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگی ہے کیونکہ کچھ خطرناک اور مسلح لوگ گھر میں گھس ... تھے۔ غزالہ کا نام سُنتے ہی میں چونک پڑا کیونکہ ہماری ساری دوڑ اسی کے لیے تھی۔ بڑھیا اس وقت عبداللہ شاہ غازیؒ کے مزار تک پہنچنے کے لیے میری مدد کی طلب گار تھی۔ ... معلومات حاصل کرنے کی اُمید میں اسے لفٹ دے دی ... میں اس نے میرے استفسار پر بتایا کہ اس کی مالکن پہلے ... بار اپنے مکان پر آئی ہے۔ وہ بڑھیا اس کے پتے سے وا... نہیں تھی لیکن اس نے مجھے ایک فون نمبر دیا ہے جس ... ضرورت کے وقت اپنی مالکن سے رابطہ قائم کر سکتی ...

وہ اپنی کہانی دُہراتا چلا گیا اور مجھے اس پر تاؤ آ ...

"وہ نمبر کیا ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پھاڑ کھانے والے لہجے میں سوال کیا۔

سلطان شاہ نے ایش ٹرے میں اٹکا ہوا ایک کاغذ ... کر میری طرف بڑھا دیا۔ "یہ کاغذ اسی نے مجھے دیا تھا۔ ... سوسائٹی کے علاقے کا معلوم ہوتا ہے۔"

میں نے وہ کاغذ کھول کر دیکھا اور میری کھوپڑی بھنا ... غزالہ نے سلطان شاہ کی ہیجانی کیفیت سے پورا پورا فا... اُٹھا کر اسے نہایت بے رحمی سے اُلو بنایا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے وہ کاغذ مسل کر سلطان شاہ کے قدموں میں پھینک دیا۔ "یہ تو جہانگیر کے شرف آباد والے

کا فون نمبر ہے جو ہمارے تصرف میں ہے۔"

میرے اس انکشاف پر سلطان شاہ بھونچکا رہ گیا اور ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بڑھیا فراڈ ہوگی۔ وہ ایک خوفزدہ عورت معلوم ہو رہی تھی جو مدد کے لیے اضطراری طور پر اس شخص کی طرف چلی آئی جو سب سے پہلے اسے نظر آیا۔ میں نے اس کا دیا ہوا فون نمبر دیکھا ضرور تھا لیکن اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔۔۔"

"وہ بڑھیا پکی فراڈ تھی۔" میں نے غزالہ پر غصہ محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "اس نے تمہاری آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنا مقصد حاصل کر لیا اور تمہارے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو سکی کہ وہی غزالہ تھی۔ اس نے دیدہ و دانستہ تمہیں زک دی ہے۔"

میرا وہ انکشاف اس قدر سنسنی خیز تھا کہ لمحہ بھر کے لیے سلطان شاہ کا ہاتھ اسٹیئرنگ وھیل پر بہک گیا لیکن اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا۔

"میں نہیں مان سکتا۔" اس نے بے اعتباری سے کہا تھا۔ "غزالہ کے بارے میں، میں اتنا بڑا دھوکا نہیں کھا سکتا۔ وہ تو صورت اور عادتوں سے ہی خاندانی ملازمہ معلوم ہو رہی تھی۔"

"مجھے بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی مکمل اداکارہ بن چکی ہو گی۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ غزالہ تھی اور اس نے تمہیں ایسا چونا لگایا ہے کہ تم زندگی بھر فراموش نہیں کر سکو گے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اسے کہاں چھوڑا ہے؟"

"اس کے ایما پر میں نے عبداللہ شاہ غازیؒ کے مزار کے قریب گاڑی روکی تھی اور وہ پھول والوں کے قریب سے ہو کر سیڑھیوں پر چڑھتی چلی گئی تھی۔" اس نے کہا پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔ "چلو میں مانے لیتا ہوں کہ اس کے میک اپ کی وجہ سے میں اسے شناخت نہیں کر سکا لیکن اس نے تو مجھے ضرور پہچان لیا ہوگا۔ وہ اکیلی اور خطرات میں گھری ہوئی ہے۔ اسے شدت سے مدد اور سہارے کی ضرورت ہے پھر اس نے مجھ پر اپنی اصلیت ظاہر کیوں نہیں کی؟ اگر وہ مجھے حقیقت سے آگاہ کر دیتی تو شاید میں سب کچھ بھول بھال کر اسے کسی محفوظ ترین مقام پر پہنچا دیتا۔ اس نے مجھ سے پردہ پوشی کیوں ضروری سمجھی؟"

"یہی تو لاکھ روپے کا سوال ہے!" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پُرخیال انداز میں کہا۔ "ابھی تک تو میں یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ کسی مجبوری کے تحت لاپتا ہوئی ہے جس پر اس کا کوئی اختیار نہیں ہے لیکن آج معلوم ہوا کہ اس نے اپنی مرضی سے اپنے آبائی مکان میں روپوشی اختیار کی ہوئی تھی۔ اسے اگر باہر نکلنے میں خطرہ محسوس ہو رہا تھا تو وہ اپنے چوکیدار کے ذریعے فون پر مجھ سے رابطہ قائم کر سکتی تھی یا کوئی پیغام ہی دے سکتی تھی۔"

"اگر میں تمہاری دلیل کو درست مان لوں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دلدار آغا کی موت کے بعد غزالہ کو کوئی خاص مجبوری نہیں تھی بلکہ وہ دانستہ تمہاری ذات سے اجتناب برت رہی تھی۔ اس کے ماضی کو مدِنظر رکھتے ہوئے تم اس رویے کو کس کھاتے میں ڈالو گے؟"

میں اپنے وجود میں ایک ہولناک جھرجھری لے کر رہ گیا۔ سلطان شاہ کا وہ منطقی سوال میرے لیے اپنے جلو میں حد سے زیادہ سنگین حقائق لیے ہوئے تھا۔ غزالہ ان دنوں میں مجھ سے متنفر ہو چکی تھی یا اس نے اپنے لیے کوئی اور مضبوط سہارا تلاش کر لیا تھا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے کہ اس کے بارے میں بال کی کھال نکالتا پھروں۔" میں نے سلطان شاہ کے اٹھائے ہوئے سنگین نکتے کے جواب میں سرسری لہجہ اپناتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ مجھ سے بھاگ رہی ہے تو میں بھی اس کا پیچھا نہیں کروں گا۔ وہ ایک بدترین ٹھوکر کھا چکی ہے اور اگر اس نے ٹھوکروں میں ہی اپنی زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں اس کی کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو ڈینی؟" اس نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے لمحے بھر کے لیے مجھے تعجب آمیز نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "تمہارے لیے تو غزالہ تمہاری زندگی تھی!"

"وہ سب ماضی کے قصے ہیں یار!" میں نے ایک تلخ ہنسی کے ساتھ کہا لیکن حالات کے سنگین ادراک پر اس وقت میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ "تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ اگر اس نے مجھے نظرانداز کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں کس منہ سے اس کا پیچھا کر سکتا ہوں۔ خوشی اس بات کی ہے کہ ہم نے اپنی کوششوں سے تصویر کا وہ رخ بھی دیکھ لیا ہے جو غزالہ نے ہم سب سے چھپایا ہوا تھا۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" وہ اونچی آواز میں بڑبڑایا۔ "تمہیں کم از کم ایک بار اس سے ضرور ملنا چاہیے تاکہ وہ اپنے پُراسرار رویے کی ایماندارانہ وضاحت کر سکے۔۔۔"

"آج سے پہلے میں اس سے ملنے کے لیے مرا جا رہا تھا۔ لیکن اب صورتِ حال بالکل بدل چکی ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اس کے آج کے لاتعلقانہ رویے کا کوئی بھی جواز اسی صورت میں قابلِ قبول ہو سکتا ہے کہ اس نے تمہیں نہ پہچانا ہو اور یہ بات ناممکنات میں سے ہے۔"

"دراصل تمہارے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ وہ

ہم سے بھاگ رہی ہے اس لیے تم پورے معاملے کو اسی نگاہ سے دیکھ رہے ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے ہم سب کی اجتماعی بہتری کے لیے ایسا رویہ اختیار کیا ہو۔ اسے صفائی کا موقع دیے بغیر اس کے خلاف کوئی یک طرفہ فیصلہ کرنا سراسر ظلم ہوگا۔"

"ایک نہیں، اس کے خلاف کئی باتیں جاتی ہیں۔ وہ تمھیں پہچان کر بھی تمھارے لیے اجنبی بنی رہی پھر اس نے تمھیں عزالہ کا فون نمبر بتا کر جو رقعہ دیا اس پر میرے ہی فلیٹ کا نمبر درج ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے تمھیں پہچان لیا تھا اور تمھیں خلش میں مبتلا کرنے کے لیے وہ رقعہ دیا تھا۔ ویسے تم نے اپنے بارے میں اسے کیا بتایا تھا؟ اپنے جھوٹ کا بھرم برقرار رکھنے کے لیے اس نے بھی تم سے سوالات کیے ہوں گے؟"

"میں نے اسے صرف اتنا بتایا تھا کہ میں اس کی مالکن کے دوستوں میں سے ہوں اور ان لوگوں کے پیچھے لگا ہوا ہوں جو عزالہ کے مکان پر قبضہ کرنے کی فکر میں ہیں...."

اسی وقت ہم دونوں ہی بری طرح چونک پڑے کیونکہ ہماری کار کے عین عقب میں یک بیک پولیس سائرن بجنا شروع ہوگیا تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا وہ طاقت ور انجن والی سفید موٹر سائیکل پر سوار سارجنٹ تھا جو ہماری کار سے آگے نکلنے کے لیے ٹریفک صاف ہونے کا منتظر تھا۔

میرے لیے وہ منظر روح فرسا تھا کیونکہ اس وقت ہم دونوں ایک مسروقہ کار میں سفر کر رہے تھے۔ ہمیں وہ کار چھینے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی اور اس امر کا قوی امکان موجود تھا کہ کار کے مالک نے ہوش میں آتے ہی پولیس میں اپنی کار کی چوری کی رپورٹ کرادی ہوگی۔ ٹریفک سارجنٹ کی سازو سامان سے لیس موٹر سائیکل پر نصب وائرلیس ٹرانسمیٹر سے اس بات کا پورا خطرہ نظر آرہا تھا کہ محکمۂ پولیس کے مرکزی کنٹرول نے اس لاسلکی رابطے پر اپنے تمام اہل کاروں کو اس مسروقہ کار کے جملہ کوائف سے آگاہ کردیا ہو۔

میرا ابتدا ہی سے یہ ارادہ تھا کہ عزالہ کے مکان سے واپسی پر ہم کسی جگہ پر مسروقہ کار سے نجات حاصل کرلیں گے جہاں سے ہمیں اپنا سفر جاری رکھنے کے لیے ٹیکسی وغیرہ مل سکے لیکن سلطان شاہ کے ساتھ عزالہ کے بارے میں گفتگو چھڑ جانے کے بعد میرے ذہن سے وہ نکتہ محو ہوگیا۔

سلطان شاہ نے عقب نما آئینے میں چنگھاڑتی ہوئی تُند زور موٹر سائیکل کا عکس دیکھ کر اپنی کار بائیں طرف دبا کر سارجنٹ کو گزر جانے کے لیے راستہ دیا۔ مجھے موہوم سی امید تھی کہ وہ راستہ مل جانے پر سائرن بند کرکے سبک رفتاری سے آگے نکل جائے گا لیکن اس نے اپنی موٹر سائیکل کار کے برابر میں لاکر سلطان شاہ کو رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے تیزی سے سائیڈ دبانا شروع کردیا اور سلطان شاہ کو کار کی رفتار کم کرتے ہوئے اسے کنارے پر روک دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا کیونکہ ٹریفک سارجنٹ کی موٹر سائیکل کو ٹکر مار کر دور گرائے بغیر فرار ہونا ممکن نہیں رہا تھا۔

اس روز میں نے پہلی بار دیکھا کہ ساڑھے سات سو سی سی کی اس دو انجنوں والی موٹر سائیکل پر صرف ایک ہی آدمی کے لیے نشست فراہم کی گئی تھی جس کے عقب میں سیاہ پلاسٹک کا ایک ڈبا نصب تھا جس میں شاید وائرلیس [illegible] نصب تھے۔ اور سارجنٹ کا ساتھی کانسٹیبل اسی ڈبے [illegible] بیٹھا تھا۔

ٹریفک سارجنٹ نے سوہارو کی راہ مسدود کرکے اپنی موٹر سائیکل سائیڈ اسٹینڈ پر کھڑی کی اور لاپروایانہ انداز میں ہماری طرف پشت کرکے سڑک پر رواں ٹریفک کا جائزہ لینے لگا۔ سپاہی ڈبے سے کود کر تیزی سے ہماری طرف آیا تھا۔

"گاڑی کے کاغذات اور لائسنس نکالو۔" اس نے آتے ہی سلطان شاہ سے تحکمانہ لہجے میں مطالبہ کیا۔ میں اس باضابطہ مطالبے سے پہلے ہی ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر یہ زہرہ گداز حقیقت دریافت کرچکا تھا کہ وہاں بیٹری اور ٹائروں کے گارنٹی کارڈ کے علاوہ کوئی ایسی دستاویز نہیں تھی جس سے سوہارو کی ملکیت کا اظہار ہوتا۔

مجھے معلوم تھا کہ ان دنوں شہر میں کاروں کی بڑھتی ہوئی چوریوں کی وجہ سے بیشتر کار مالکان نے دوسری احتیاطی تدابیر کے ساتھ ہی رجسٹریشن کے کاغذات گاڑیوں میں رکھنے کے بجائے جیبوں یا بریف کیس وغیرہ میں رکھنے شروع کردیے تھے تاکہ کار کی چوری یا چھینے جانے کی صورت میں قزاقوں کو کسی شناسا کی ملکیت کے دعوے کی سہولت حاصل نہ رہے۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ وہ کاغذات کسی پائیدان کے نیچے یا ڈگی میں پوشیدہ رہے ہوں لیکن میں کانسٹیبل کی موجودگی میں پوری کار کی بے ترتیب تلاشی لے کر خود کو مشتبہ نہیں بنانا چاہتا تھا

کانسٹیبل کے مطالبے پر ڈرائیونگ لائسنس کے لیے.... سلطان شاہ کا ہاتھ غیر ارادی طور پر جیب کی طرف بڑھا تھا مگر میں نے ٹہوکا دے کر اسے روک دیا۔ میرا تجربہ شاہد تھا کہ رجسٹریشن کے کاغذات یا ڈرائیونگ لائسنس تحویل میں لینے کے بعد ٹریفک والوں کی سودے بازی میں تیزی کا جہان آجاتا تھا۔

ایسے معاملات میں سلطان شاہ کی گرم کھوپڑی ضرر رساں ثابت ہوسکتی تھی اس لیے میں پھرتی کے ساتھ اپنی سیٹ چھوڑ

کر نیچے اُتر گیا۔ ٹریفک سارجنٹ بدستور ہماری طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے حوالدار صاحب؟ کیا قصور ہو گیا ہے ہم سے؟" مَیں نے ازراہِ بندہ پروری اس خالص کانسٹیبل کے منصب میں کئی فیتوں کا اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمھارا ڈرائیور ہمارے افسر کا سائیڈ جام کر کے گاڑی چلا رہا تھا۔" اس نے بتی لیٹی رکھے بغیر مجھے فردِ جرم سُنا دی۔ "سڑک پر سارجنٹ کا راستہ روکنا یا اس سے آگے نکلنا بہت سنگین جُرم ہوتا ہے... لاؤ کاغذ نکالو، اب تمھارا پرچا کٹے گا۔"

"غلطی معاف کر دو حوالدار صاحب!" مَیں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "گاڑی کے کاغذ، لائسنس سب پورے ہیں۔ بندہ بشر ہے، غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ چالان کے بعد عدالت بھی جرمانہ ہی کرے گی۔ چائے پانی لے کر ٹُمک ٹُمکا کر دو، آیندہ احتیاط رکھیں گے۔"

کانسٹیبل نے لمحے بھر کے لیے مجھے گھورا پھر سخت لہجے میں بولا۔ "لال پتّا نکالو! تم شریف آدمی معلوم ہوتے ہو اس لیے چھوڑ رہا ہوں ورنہ عدالت سے پورے پانچ سو کا جرمانہ ہوتا۔"

اس کی مطلوبہ رقم بہت حقیر تھی مگر میرے دل میں چور تھا میرا خیال تھا کہ اگر مَیں چون و چرا کیے بغیر سو روپے کا نوٹ اسے تھما دیتا تو وہ میری طرف سے شبہے میں مبتلا ہو سکتا تھا اس لیے وردی پوشوں کے اس غنڈا ٹیکس میں مول تول بہت ضروری تھا۔

"سو روپے تو زیادہ ہیں۔" مَیں نے احتجاج کیا۔ "کوئی مناسب بات ہونی چاہیے۔"

"مناسب بات ٹریفک مجسٹریٹ سُناتا ہے۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔ "لوگ تو ہماری قدر ہی نہیں کرتے۔ ہم غریب غربا کو دس بیس روپے میں چھوڑ دیتے ہیں، یہ افسر کا معاملہ ہے۔ وہ جس ڈرائیور پر ہاتھ رکھ دے اس سے قائدِ اعظم سے کم پر بات نہیں بنتی... اپنے لیے تو یہ بیگار ہے۔ دس پندرہ گاڑیوں کو کھلنگ کے بعد دس روپے کا ایک نوٹ بخشش میں ملے گا... دھندے کا وقت کھوٹا نہ کرو۔ یہ اسکولوں سے چھٹی کا وقت ہے۔ ابھی بغیر لائسنس والی عورتیں اپنے بچوں کو لینے کے لیے نکلی ہوں گی۔ آگے جا کر ان سے مال پیدا کرنا ہے۔ سو روپے نہیں دے سکتے تو پرچا کٹواؤ۔ بغیر لائسنس، بغیر کاغذات، سیدھا سیدھا چوری کا چالان بنے گا۔ ہو سکتا ہے کہ صاحب گاڑی بھی ضبط کر لے، پھر پیدل عدالتوں کے چکر لگاتے رہنا۔"

مبلغ ایک سو روپے سکہ رائج الوقت میں ادائیگی کے لیے وہ بحث معقول بھی تھی اور متاثر کن بھی۔ مَیں اسی ملک کا باسی ہوں، پاکستان میں کسی اور جنت گم گشتہ سے نازل نہیں ہوا تھا مگر پھر بھی میرے لیے وہ تجربہ انوکھا اور خیال انگیز تھا۔ اگر مَیں محض سو روپے رشوت کی مد میں دے کر ایک مسروقہ کار میں پورے سکونِ خاطر کے ساتھ شہر میں دندناتا پھر سکتا تھا تو پیشہ ور چوروں اور قزاقوں کو کس نے روکا تھا جو وہ چند سو روپے کی سرمایہ کاری کر کے شہر کی سڑکوں سے لاکھوں کی کاریں نہ چھین کے جاتے۔ لاکھوں روپے کی مسروقہ گاڑیاں اس پیشے کے جغادری سرپرستوں کے ہاتھ ہزاروں میں بھی بک جائیں تو یہ سودا بُرا نہیں تھا۔ مہینے بھر کی نوکری اور آجر کے دن رات کے نخروں کو سہنے کے باوجود بھی کسی جاہلِ مطلق کو تو در کنار، اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو بھی اتنی بازیافت نہیں ہو سکتی تھی جو کاروں کی چوری اور قزاقی کے دھندے میں چند گھنٹوں کی محنت اور چند سو روپوں کی حرام کاری سے حاصل ہو سکتی تھی۔

مجھ سے نوٹ لیتے ہی اس سپاہی نے پیشہ ورانہ پھرتی کے ساتھ اس کار کو رُکنے کا اشارہ کیا جو بدقسمتی سے اس وقت سپاہی کے سامنے سے گزر رہی تھی گویا پکڑے جانے کے لیے کسی واضح جرم کا ارتکاب یا مجرمانہ نیّت کا ہونا سرے سے ضروری نہیں تھا بلکہ اہمیت اس بات کی تھی کہ... اقتدار اور اختیار رکھنے والا کب کس موڈ میں ہوتا ہے۔ پیسوں کی ضرورت ہو تو بے گناہوں کو بھی قطار در قطار روک کر نت نئے قانونی آزاروں میں مبتلا کرنے کی دھمکی دی جا سکتی تھی اور اگر مختارِ کار کو جیب و شکم کی آسودگی ہو تو کھلے کھلے مجرموں کو بھی بلا تردد گزر جانے کی اجازت عطا کی جا سکتی تھی۔ اندھیر نگری اور چوپٹ راج شاید ان ہی مستند اور مسلّمہ اصولوں پر چلایا جاتا تھا۔ خوشی کی بات یہ تھی کہ نئے دَور کی ہزاروں نعمتیں اور لعنتیں عام ہونے کے باوجود ہمارے اہلِ کار حکمرانی کے قدیم اور آزمودہ نسخوں کو نہیں بھولے تھے اور حسبِ توفیق قدیم روایتوں کو جدید اسلوب میں زندہ رکھنے کے لیے کوشاں رہتے تھے تاکہ ہر طرف چور اور ساہوکار ایک گھاٹ پانی پی کر انصاف اور مساوات کے اصولوں کا بول بالا کرتے رہیں کیوں کہ حق اور انصاف کو ڈنکے کی چوٹ پر پروان چڑھانے کے لیے معاملے کے دونوں فریقوں کا ہونا ناگزیر تھا۔ ساہوکاروں کو تو پھر بھی ڈرا دھمکا کر قانون [illegible]وں کی شکم پروری پر مجبور و آمادہ کیا جا سکتا تھا یا پھر ان ہی میں سے چند کو چور قرار

دیا جا سکتا تھا لیکن سب چور ہو جاتے تو مدعی کا وجود ختم ہو جاتا جس کے بغیر نہ انصاف پنپ سکتا ہے اور نہ قانون نافذ کرنے والوں کی ضرورت باقی رہتی ہے کیوں کہ عملاً وہ خود مدعی سے مایوس ہو کر فریقِ ثانی کی مضبوط اور واحد ٹولی میں شامل ہو چکے ہوتے ہیں۔

گاڑی آگے بڑھ جانے کے بعد بھی میں پلٹ پلٹ کر پیچھے کا جائزہ لیتا رہا اور جوں ہی باوردی قانون بازوں کی دو نفری جماعت میری نگاہوں سے معدوم ہوئی، مَیں نے کار وہیں رکوا دی۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ مقتدر بازی گروں کی پوری مخلصانہ جانفشانی کے باوجود ہم اپنے معاشرے کو یک رنگ نہیں بنا سکے تھے۔ نہ سب چور بن سکے تھے اور نہ ہی سب ساہوکار رہ گئے تھے اور یہی حال قانونی وردیوں کا بھی تھا۔ پچھلے مرحلے پر مرحوم قائدِ اعظم کو شرفِ باریابی بخش کر ہمیں مسروقہ کار سمیت آزادی عطا کر دی گئی تھی لیکن اس رنگا رنگ معاشرے میں یہ ضروری نہیں تھا کہ کوئی دوسرا اہلکار بھی اتنا ہی بامرّوت اور خلیق ثابت ہوتا یا ملکی اکابرین کی مطبوعہ سرکاری تصاویر کا اتنا ہی احترام کرتا جتنا ہم دیکھ آئے تھے، اس لیے کسی ناسازگار واقعے کے رونما ہونے سے پہلے ہمیں اس کار سے پیچھا چھڑا لینا ضروری ہو چکا تھا جس کے اصل اور مسکین مالک کو ہم بے ہوش کر کے کہیں پھینک آئے تھے۔

"اب کدھر کا ارادہ ہے؟" سلطان شاہ نے چابی اگنیشن میں چھوڑ کر نیچے اُترتے ہی سوال کیا۔

"چاہو تو میری نئی سلطنت بھی دیکھ سکتے ہو۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر سرسری نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ "میں تمھارے ساتھ مزدور لگا پھرتا ہوں مگر دوسری طرف مافیا کا سربراہ بھی ہوں۔ وہ لوگ میرے ایک اشارے پر اپنی جانیں فدا کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔"

"جہاں چاہو، لے جا سکتے ہو۔ مَیں تو حکم کا بندہ ہوں۔" اُس نے کہا۔

"آؤ ٹیکسی لے لیتے ہیں۔ مجھے تین بجے اپنے دفتر میں موجود ہونا چاہیے۔"

"وقت کی اسی قدر پابندی کرنی پڑتی ہے تو یہ سربراہی تو نہ ہوئی۔" اُس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "ایسی پابندیاں تو ماتحتوں اور ملازمین کے لیے ہوتی ہیں۔"

"پھر مجھے ماتحت ہی سمجھ لو!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ خیال رہے کہ مافیا میں مَیں اپنا ہی ماتحت ہوں۔ کوئی دوسرا مجھے ہدایات نہیں دیتا۔"

"تمھاری گاڑی جو کامران کے ساتھ تباہ ہوئی ہے، شاید مافیا کی ہی تھی۔" اُس نے کسی سواری کی تلاش میں قرب و جوار کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔ "اس حادثے کی تفتیش میں مافیا یا اس کے کسی نہ کسی آدمی کا نام تو ضرور اُچھلے گا کیونکہ گاڑی کی ملکیت بھی زیرِ غور آئے گی۔"

"ابھی تم دیکھ چکے ہو کہ ہم کس طرح قانون کی دسترس سے نکلے ہیں۔ کل رات کی تاریخ میں کسی بھی تھانے میں اس کار کی چوری کی رپورٹ درج کرا دی جائے گی اور کسی کا بال بھی بیکا نہ ہو گا۔ مافیا کے وسائل اور رابطے بہت زیادہ ہیں اور یہ لوگ سائنٹیفک انداز میں کام کرنے کے عادی ہیں۔"

"وہ تو جو ہو گا سو ہو گا لیکن تم نے مجھے یہ بتا کر میری ساری توقعات اور اُمیدوں پر پانی پھیر دیا ہے کہ مجھ سے لفٹ لینے والی کوئی اور نہیں بلکہ خود غزالہ ہی تھی۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ مطلع صاف ہونے پر وہ دوبارہ اپنے گھر کا ہی رُخ کرے گی۔ ہمیں کم از کم ایک بار اُس سے ملنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔"

"ہم اپنی کوشش کر چکے۔" مَیں نے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔ "اگر اُسے ہماری کوششوں سے ذرا بھی دلچسپی یا لگاؤ ہے تو اب اس کی باری ہے۔ اُسے معلوم ہو چکا ہے کہ ہم اُسے ڈھونڈتے ہوئے اُس کے گھر تک آ پہنچے تھے۔ اس لیے اب اسے ہم سے رابطہ قائم کر کے اپنے پُراسرار طرزِ عمل کی وضاحت کرنا چاہیے۔ اُس کے پاس میرے فلیٹ کا فون نمبر موجود رہا ہے۔ وہ جب چاہے مجھ سے اس نمبر پر بات کر سکتی ہے۔"

میرے آخری فقرے پر وہ چونک پڑا۔ "میرا خیال ہے کہ مَیں معاملے کی تہ تک پہنچ گیا ہوں۔ مجھے تمھارے فلیٹ کا نمبر دے کر اُس نے بالواسطہ طریقے سے یہ پیغام دیا ہے کہ تم اُس فون پر موجود رہو تاکہ وہ تم سے بات کر کے اپنی وضاحتیں پیش کر سکے۔ جب سے دلدار آغا کے فتنے کا آغاز ہوا ہے، فلیٹ تو عملاً بند ہی پڑا ہوا ہے اور ہم جہانگیر کے گھر کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ غزالہ نے پچھلے چند دنوں میں اس نمبر پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہو اور جواب نہ ملنے پر مایوس ہو گئی ہو۔"

"یہ سب میرے اور تمھارے مفروضے ہیں، سلطان صاحب۔" مَیں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اب کچھ کام غزالہ کو بھی کرنا چاہیے۔ اُس کے مکان میں فون موجود ہے۔ اُسے میرے اور جہانگیر کے مراسم کا بخوبی علم ہے۔ اگر اُسے فلیٹ کے فون سے جواب نہیں مل رہا تھا تو وہ جہانگیر کے گھر فون کر سکتی تھی۔ وہ گھرائر

کا دیکھا ہوا ہے۔ اگر وہ چاہتی تو وہاں آ بھی سکتی تھی۔ ۔ ۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم اس موضوع پر بات جاری رکھ کر تلخیوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔ تم بھی یک بیک بہت زیادہ جذباتی ہو گئے ہو۔ میں تم سے پھر کسی وقت بات کروں گا۔ اس وقت تمہارا ذہن اپنی سوچ سے ہٹ کر کوئی بات قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔"

میں خاموش ہی رہا مگر اس وقت میرے وجود میں انتقامی خیالات کے ہولناک گرداب اُٹھ رہے تھے اور میرا کسی سے بھی ٹکرا جانے کو دل چاہ رہا تھا۔

اس احتیاط کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی مگر طویل عرصے سے پیش آنے والے غیر یقینی حالات کی بنا پر معمولی نکتے کو اہمیت دینا میرے مزاج میں داخل ہو گیا تھا اس لیے میں نے ٹیکسی ٹریڈ لائن کے دفتر سے دُور ہی چھوڑ دی۔ سلطان شاہ نے نیچے اُترتے ہی متجسس انداز میں قرب و جوار کے پُرہجوم علاقے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ وہ اپنے طور پر اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ مافیا کا دفتر کون سا ہو سکتا تھا۔

میں ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ دے کر فارغ ہوا تو مصروف فٹ پاتھ پر لوگوں کی بھیڑ میں ہتھارے والوں سے بچ کر اپنی راہ بناتے ہوئے سلطان شاہ اپنے جبلی تجسس پر قابو نہ رکھ سکا۔

"کیا مافیا کا دفتر کچھ دُور ہے؟" اُس نے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

"کیا گھاس کھا گئے ہو؟" میں آنکھیں نکال کر غرایا۔ "یوں بے احتیاطی سے اس لفظ کو استعمال کرو گے تو وہاں پہنچنے سے پہلے اپنی گردن کٹوا بیٹھو گے۔"

"پھٹکار کے بعد بھی تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" چند ثانیے کے توقف کے بعد اس نے مُنہ بسورتے ہوئے شکوہ کیا۔

"تمہارے پیروں میں چھالے نہیں پڑیں گے اور نہ حمل گرے گا۔" میں نے اُسی لہجے میں جواب دیا۔ "چند قدم کا فاصلہ طے کرنے کے بعد سب سامنے آ جائے گا۔"

"کیا بوڑھیوں جیسی واہیات باتیں کر رہے ہو؟" وہ بُرا سا مُنہ بنا کر بڑبڑایا۔

"کون سی واہیات بات کی ہے میں نے؟ تم اپنی اُردو درست کرو۔ حمل کے وہی ایک معنی نہیں ہیں جو تمہاری ننھی کھوپڑی میں ناچ رہے ہیں۔ اس کے معنی بوجھ کے ہیں اور بوجھ اُٹھانے والا حمال کہلاتا ہے۔ میں کچھ سوچ رہا ہوں اور تم مستقل بولے جا رہے ہو۔"

"سوچو، دل کھول کر سوچو۔ اب میں خاموش ہی رہوں گا۔" وہ جل کر بولا۔ زبان کے معاملے میں اس کی معلومات اس قدر ناقص تھیں کہ وہ میری کسی بات کو چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔

وہ مافیا میں میری شمولیت سے تو باخبر تھا لیکن اس نے نہ مافیا کے دفاتر دیکھے تھے اور نہ ہی اس گروہ میں میری سربراہانہ حیثیت سے باخبر تھا اس لیے جب میں ٹریڈ لائن کے دفتر میں داخل ہوا تو دربان سے لے کر دیگر عملے تک کے رویے نے اُسے حیران کر دیا اور آخر کار میں اُسے اپنے ہمراہ لے کر اپنے پُرشکوہ دفتر میں داخل ہو گیا۔

مجھے اندازہ تھا کہ سلطان شاہ کے ذہن میں یک بیک سوالات کا لاوا اُبلنے لگا ہو گا۔ دوسری طرف سینڈوکی فوری مداخلت کا بھی امکان تھا اس لیے میں نے کرسی سنبھالتے ہی وہ سوئچ آن کر دیا جو باہر سُرخ بلب روشن کر دیتا تھا۔ اس بلب کے روشن ہونے کے بعد نہ کوئی میرے دفتر میں مخل ہو سکتا تھا اور نہ ہی آپریٹر کوئی فون کال مجھے منتقل کرتی۔

"اب پوچھو، کیا پوچھ رہے تھے؟" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں، اب میں چپ ہی رہوں گا، تم اپنی یکسوئی میں خلل نہ آنے دو۔" وہ میری طرف دیکھے بغیر سپاٹ اور سرد لہجے میں بولا۔

"احمق نہ بنو۔" میں نے اُسے سمجھاتے ہوئے دوستانہ لہجے میں کہا۔ "مافیا اور شی انسانی خون کی بھینٹ پر زندہ رہنے والے گروہ ہیں۔ ان کے بارے میں کی جانے والی لغزش کے ازالے کی مہلت نہیں ملتی۔ تم نے دیکھا کہ ہم دفتر سے کتنے نزدیک تھے۔ لوگوں کی اس بھیڑ بھاڑ میں مافیا کے کچھ مخبر ہر وقت مشتبہ لوگوں کی بُو سونگھنے پر مامور رہتے ہیں۔ ۔ ۔"

"وضاحتیں پیش نہ کرو۔" وہ بدستور رکھائی سے بولا۔ "تمہارا دفتر اور عملے میں تمہاری شان و شوکت دیکھ کر میں سمجھ گیا ہوں کہ اس علاقے میں آتے ہی تمہارے سر پر افسری کا بھوت سوار ہونا شروع ہو گیا تھا۔ میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ مافیا میں تمہاری پرواز اتنی اونچی ہو گئی ہو گی۔ سربراہی والی بات کو میں مذاق سمجھ رہا تھا۔"

"تم نے جنم جلی عورتوں جیسی باتیں اور اپنا مظلومانہ انداز ترک نہ کیا تو میں ابھی تمہارا سر توڑ دوں گا۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں اس وقت کتنے اہم مشن پر یہاں آیا ہوں۔ میرا ذہن اسی معاملے میں بُری طرح اُلجھا ہوا تھا۔"

میرے بے تکلفانہ طرزِ تخاطب پر اس کے چہرے پر

بحالی کی لہر دوڑ گئی۔

"لیکن میرا تجسس بالکل بجا تھا۔" اُس نے کہا۔ "اور میں تمہارے ساتھ پہلی بار یہاں آیا ہوں۔ اب لعنت بھیجو اس قصّے پر۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ تم اب تک اپنے مشن میں پوری طرح کامیاب جا رہے ہو۔ ملجے کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہے اور ویرا نے کامران کے قتل کے موقع پر تمہیں چھوٹ دے کر اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیے ہیں۔ تم بہت جلد اسے بھی مار لو گے۔ دوسری طرف مافیا تمہاری مٹھی میں آ گئی ہے۔ تم جب چاہو ان کے سارے کارندوں کو ایک جگہ جمع کر کے جہنم واصل کر سکتے ہو۔"

"کاش! یہ اتنا ہی آسان ہوتا۔" میں نے حسرت سے کہا۔ "ویرا نے اپنے الفاظ کی پاسداری کر کے مجھے بے بس کر دیا ہے۔ وہ چاہتی تو آسانی کے ساتھ ہم دونوں کو بھی کامران سمیت موت کے گھاٹ اتار سکتی تھی۔ تم کو شاید یہ سُن کر تعجب ہو گا کہ غزالہ کے مکان میں ویرا میرے نشانے کی زد میں تھی۔ میں چاہتا تو نہایت آسانی کے ساتھ اسے ختم کر سکتا تھا۔ میں نے دو بار۔۔۔ ارادہ بھی کیا لیکن دونوں مرتبہ اندر کی کسی طاقت نے مجھے احسان کا بدلہ ظلم سے چکانے سے روک دیا۔۔۔"

"یہ میرے لیے نئی خبر ہے۔" اُس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔ "تم دونوں کی دوستی کی طرح تمہاری دشمنی بھی میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ جس رات وہ جہانگیر کے مکان پر فائر سے زخمی ہوئی، اس رات تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ تمہیں مکان کے ملبے میں پیس کر رکھ دے گی اور اب تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ عدل و احسان کی ناقابلِ فہم مثالیں قائم کرنے پر تُل گئے ہو۔ مجھے تو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ معاملات اسی ڈھب پر چلتے رہے تو وہ تم پر ایک بھی گولی چلائے بغیر تم کو اپنی نظروں سے گھائل کر کے ہمیشہ کے لیے اپنا قیدی بنا لے گی۔ غزالہ کی تازہ ترین پُراسرار بے رُخی کے بعد تو یہ امکان اور زیادہ روشن نظر آنے لگا ہے۔ آخر تمہیں اس سے کس بھلائی کی اُمید ہے جو تم نے اسے چھوڑ دیا؟ اور مجھے دیکھو کہ میں نے سفید فام انطونیو کا ماضی جانے بغیر اسے محض اس وجہ سے بے رحمی سے ہلاک کر دیا کہ ویرا کا ساتھی اور شی کا ایک سرگرم بین الاقوامی کارندہ تھا۔" اس کے لہجے میں گہرا قلق تھا۔

"ابھی تم نے میری پوری بات ہی نہیں سُنی۔" اس کے خاموش ہو جانے پر میں نے بجھی بجھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "بات تمہاری اس رائے سے شروع ہوئی تھی کہ اب شی اور مافیا دونوں میری مٹھی میں ہیں اور میں جس طرح چاہوں، انھیں نیست و نابود کر سکتا ہوں۔ ویرا کے بارے میں تو تم نے سُن ہی لیا، اب مافیا کے بارے میں بھی سُن لو۔ مجھے ایک سینئر کارندے کے طور پر لیا گیا تھا لیکن اب میں عملاً مافیا کے مقامی بیورو کا چیف بن بیٹھا ہوں یا بنا دیا گیا ہوں۔ جہاں تک مقامی معاملات چلانے کے لیے فیصلے کرنے کے اختیار کا معاملہ ہے تو میں خود مختار ہوں لیکن میری کارکردگی پر ہزاروں میل دُور بیٹھے ہوئے مدر مافیا کے بڑوں کی نگاہ رہتی ہے۔ میں نے اپنی ذات کو شبہات سے بالاتر رکھے بغیر کوئی تخریبی کارروائی کی تو یہ منظم درندے اسی لمحے میرے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔ ابھی تین اور چار بجے کے درمیان باہر کے کسی ملک سے ڈان تھری کا فون آنے والا ہے۔ دیکھو وہ کیا خبر سُناتا ہے۔"

"اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ تم ایک بار پھر ایسے سفاک بلیک میلروں کے جنگل میں پھنس گئے ہو جو اسی وقت تک تمہارے دوست ہیں جب تک تم ان کے لیے کام کر رہے ہو۔ جس دن تم نے اپنا ارادہ تبدیل کیا، وہ تمہارے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔" وہ بولا۔

"بدقسمتی سے صورتِ حال ہی کچھ ایسی ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی خرکاری ہے۔ یہ تو پھر بھی جرائم کی دُنیا ہے۔ میں تو ایسے مہذب خرکاروں سے مل چکا ہوں جو صنعت اور کاروبار کی دُنیا میں خوبصورت بہروپ بھر کر راج کر رہے ہیں۔ دُنیا کو دھوکا دینے کے لیے وہ باہر سے نفیس بنے رہتے ہیں۔ شعر و شاعری کا ذوق بھی رکھتے ہیں مگر ان کے ملازمین ان کی مرضی کے مطابق اور ان کی شرائط پر زندگی بھر ان کی ملازمت کرنے پر مجبور ہیں۔ ایسے صورت حرام مہاشے بڑی مکاری کے ساتھ جذباتی فضا پیدا کر کے اپنے ملازمین سے اخلاقی دباؤ میں اپنے مفاد میں کوئی سنگین جُرم کرا لیتے ہیں یا پھر باہمی اعتماد کے نام پر ان سے کوئی اہم تحریر یا سادہ کاغذ پر دستخط حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ چیزیں ان ملازمین کے لیے زندگی بھر سُولی کی صورت اختیار کیے رہتی ہیں۔ وہ جب بھی راہِ راست پر آنے کی کوشش کرتے ہیں سُولی کا سایہ ان کی گردن پر پڑنے لگتا ہے۔ مفادات کی جنگ میں ہر خود غرض بالادست اپنے زیردستوں کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو مدر مافیا والے کسی شرمساری کے بغیر نچلے لوگوں کے ساتھ کرتے۔"

"تم نے تو اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔" وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "کھیلے کہاں کہاں اور کیسے ہوتے ہیں، یہ میں بھی جانتا ہوں۔ میرے کہنے کا مطلب صرف اتنا تھا کہ تم آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئے ہو اور اپنی مرضی سے مافیا سے کنارہ کش نہ ہو سکو گے۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں۔ میں مافیا میں شامل ہونے سے پہلے

اس بات سے باخبر تھا۔ اب تو جان اسی صورت میں چھوٹے گی جب خود مافیا کا باجا بج جائے گا۔" میں نے کہا۔

"لیکن وہ اپنی جڑیں کاٹنے والے کو کب معاف کریں گے؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"اصل بات یہی ہے کہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔" میں نے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اس وقت میں بیورو چیف ہوتے ہوئے بھی اپنی مرضی کے مطابق کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ اپنی کارروائی کے لیے مجھے وقت اور موقع کا انتظار کرنا ہوگا تاکہ تباہی کی ڈھول بیٹھنے کے بعد بھی کسی کو یہ پتا نہ چل سکے کہ مافیا کی مضبوط بنیادوں میں بارود کس نے بھرا تھا۔"

"ماجے اور اس کے اڈّے کو تم نے تباہ کر دیا۔ غزالہ کو فی الحال گمشدہ ہی سمجھو، دیرا پر تمہارا ضمیر تمہیں وار نہیں کرنے دیتا اور مافیا میں تمہیں وقت کا انتظار ہے۔ آخر ہم اس اذیت ناک فضا میں کب تک زندہ رہ سکیں گے؟"

"ہمارے سامنے کوئی انتخاب نہیں ہے سلطان شاہ...!" میں نے اس کی دلی کیفیت اور بے بسی کا اندازہ لگاتے ہوئے نرمی سے کہا۔ "یہ سب ہماری مجبوریاں ہیں۔ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو تم مجھے بتاؤ کہ میں کہاں لغزش کر رہا ہوں، میں تمہارا مشورہ قبول کر لوں گا۔"

"ختم کرو اس بحث کو۔" وہ اپنا سر جھٹک کر بولا۔ "تمہارے اعصاب پر ویسے ہی کافی دباؤ ہے۔ اس بے سود ذہنی مشقت سے ہم خود کو اور زیادہ تھکا رہے ہیں۔"

"ابھی تک ہم تخلیے میں تھے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "اب میں باہر جلنے والی پرائیویسی لائٹ آف کر رہا ہوں۔ تم بلاضرورت میں دخل نہ دینا۔ بس یہ یاد رہے کہ تم میرے پرانے باڈی گارڈ ہو۔ ... سے میرے بیشتر راز تمہارے علم میں ہیں۔"

"تم فکر نہ کرو لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمہیں واپسی کے لیے گاڑی ابھی بندوبست کرنا ہوگا۔ ہم ٹیکسی سے یہاں آئے ہیں۔" اس نے لائٹ آف ہونے کی آواز سنتے ہی کہا۔

پرائیویسی لائٹ آف ہوتے ہی فون کا بزر بول اٹھا۔ ریسیور اٹھانے پر آپریٹر نے بتایا کہ ٹریڈ لائن کے نام پر ایک رجسٹری آئی ہے۔ اس دفتر کا اصول تھا کہ رجسٹرڈ خطوط میں خود ہی کھولتا تھا۔ اس سے پہلے وہ فرض سینڈو کے ذمّے تھا کیونکہ رجسٹری کے ذریعے کبھی کبھار مال کی آمد کی اطلاعات بھی موصول ہوتی رہتی تھیں۔ ... والے واقعے کے بعد تو سروس کے لین دین کے از سرِ نو آغاز کی اطلاع خط سے ہی ملی تھی اس لیے رجسٹری اندر منگواتے ہوئے

میں نے ڈائریکٹ فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ سینڈو دروازہ کھول کر مؤدبانہ انداز میں اندر داخل ہوا۔

"تم ذرا اُدھر بیٹھو۔" میں نے سلطان شاہ کو دور افتادہ دیوار کے ساتھ لگے ہوئے صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میرے وسیع و عریض کمرے میں دو اطراف میں اس طرح صوفے لگے ہوئے تھے کہ وہاں بیٹھے ہوئے لوگ میز پر دھیمے لہجے میں ہونے والی گفتگو نہیں سن سکتے تھے۔

ویسے تو میرے اور سلطان شاہ کے درمیان کوئی راز نہیں تھا مگر سینڈو کے اطمینان کے لیے اسے دور بھیجنا ضروری تھا۔ کیونکہ مافیا کے اندرونی معاملات کے بارے میں باہر کے لوگوں سے پوری پوری رازداری برتنا مافیا کے بنیادی اصولوں میں شامل تھا۔

"مال کے بارے میں کوئی خبر، باس!" اس نے میری میز کے قریب ٹھہر کر پرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

"آج ایک رجسٹری آئی ہے، ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی پیغام ہو لیکن تم اس بارے میں اتنے پریشان کیوں نظر آرہے ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر سوال کیا۔

"شہر میں بھی مال کا قحط پڑا ہوا ہے...!" اس نے کہنا چاہا۔ لیکن میں نے فوراً ہی اس کی بات اڑا دی کیونکہ اس تمہید پر

میری کھوپڑی چیخ اُٹھی تھی۔

"شہر میں قحط پڑے یا فراوانی ہو، اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میرا مطلب یہ تھا کہ شہر میں قحط ہے۔ ملبے کے اڈے پر بھی خاصا مال رہا ہوگا جو برباد ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں مقامی منڈی میں دام اٹھیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیں مال دینے والے پیسے کے لالچ میں مقامی منڈی میں مال دینا شروع کر دیں۔" اس نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

اس کی دلیل وزنی تھی مگر وہ سوال ایسا تھا جس نے مجھے لاجواب کر دیا۔ انتظامی معاملات کے علاوہ مال کی وصولی اور ترسیل کی حد تک ہر چیز مجھے اپنے قابو میں نظر آ رہی تھی لیکن دو شعبے ایسے تھے جن میں سیٹھ حبیب جیوانی کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے اچانک درمیان سے ہٹ جانے کی وجہ سے میں ان شعبوں میں خود کو معلق محسوس کر رہا تھا۔

پہلا شعبہ تو وہی تھا جس کی نشاندہی سینڈو نے کی تھی۔ اگر مال فراہم کرنے والے بدنیت ہو جاتے یا کسی حادثے کی وجہ سے ان کی طرف سے تاخیر ہوتی تو مجھے ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا اور نہ ہی میں ان سے رجوع کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ مافیا کے پورے مالیاتی آپریشن کا انحصار ایسے لوگوں پر تھا جو میرے لیے یکسر اجنبی تھے۔

دوسرا شعبہ مافیا کے اثر و رسوخ کا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ میں کلب کا کنٹرول حاصل کر چکا تھا جہاں اہم سرکاری اہل کاروں اور دیگر شخصیات کو کانا بنایا جاتا تھا اور پھر ان سے کام لیے جاتے تھے مگر مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ سیٹھ حبیب جیوانی ہر معاملے میں پسِ پردہ رہتا تھا اس لیے ایسے اہل کاروں سے اس کی ذاتی واقفیت ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا پھر آخر ان لوگوں سے کیوں اور کیسے کام لیا جا سکتا تھا؟ میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"پھر تم مجھ سے کیا توقع کر رہے ہو؟" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "اس مسئلے کا کیا حل ہے تمہاری نظر میں؟"

"یہی ایک معاملہ ایسا ہے جہاں میں خود کو بے بس محسوس کرتا ہوں۔ باقی معاملات میں تو چیف مجھ پر ہی انحصار کیا کرتا تھا۔" اس کا جواب میرے لیے بہت حوصلہ افزا تھا۔

"میری کار اُڑ گئی ہے۔" میں نے فوراً ہی اپنا مسئلہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ "کار میں موجود ایک شخص بھی دھماکے میں ہلاک ہُوا ہے...."

"یہ کب اور کیسے ہوا؟" اس نے اضطراری طور پر میری بات کاٹ دی۔

"یہ تفصیلات غیر اہم ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ کچھ دیر قبل ایسا ہو چکا ہے۔ پولیس کی تفتیش آگے بڑھنے کے ساتھ ہی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ میری کار کا رجسٹریشن کس کے نام پر تھا؟"

"وہ تو ٹریڈ لائن کے نام پر ہی رجسٹرڈ تھی۔ اس چکر سے بچنے کی تو ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ کسی تھانے میں واردات سے قبل کار چوری ہونے کی ایف آئی آر درج کرا دی جائے۔"

"ایف آئی آر درج کرانے کا وقت بھی حادثے سے کم از کم کئی گھنٹے پہلے کا ہونا چاہیے۔ ایسی کارروائی تو کوئی جاننے والا ہی کر سکتا ہے۔"

"یہ تو تمہارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ شہر کے جو افسران بلیک میلنگ یا رشوت خوری کی بنا پر ہمارے لیے کام کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی تمہارے ایک فون پر دُم کے بل کھڑا ہو جائے گا۔ چیف بھی کسی کے سامنے آئے بغیر فون پر اپنے سارے کام نکلواتا ہے۔ وہ لوگ اسے ایگل چیف کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ خفیہ حوالہ دے کر تم اپنا کام کروا سکتے ہو۔"

"آواز کی تبدیلی کسی بھی شخص کو میری طرف سے شبے میں مبتلا کر سکتی ہے۔" میں نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔ میرے لیے وہ صورتِ حال بہت عجیب تھی کہ میں اپنے اختیارات کے بارے میں اپنے ایک ماتحت سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غنیمت بس یہی تھا کہ دو فیصد کی چوری پکڑے جانے کے بعد وہ مجھ سے ذہنی طور پر بُری طرح مرعوب ہو گیا تھا پھر رہی سہی کسر گردن کٹے پُتلے کی دریافت پر میرے سخت گیرانہ رویّے نے پوری کر دی تھی اور ذہنی طور پر وہ میرا غلام ہو کر رہ گیا تھا۔

"ایگل چیف کا نام بڑے دلوں کے لیے دہشت کی علامت ہے۔ تمہارا کوڈ سُن کر ہی ہر شخص کے اوسان خطا ہو جائیں گے۔ ابھی چند ہفتے قبل ہی احکام پر عمل نہ کرنے والا ایک کسٹم آفیسر پُراسرار انداز میں ایک ہوٹل کے رہائشی کمرے میں قتل کر دیا گیا تھا۔ لاش کی قمیص کے بٹن میں لگی ہوئی عقاب کی تصویر اخبار میں بھی چھپی تھی جو سارے متعلقہ لوگوں کو یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ وہ ایگل چیف کے عتاب کا نشانہ بنا تھا۔" وہ بولتے ہوئے چند ثانیے کے لیے رُکا پھر رازدارانہ سرگوشی میں بولا۔ [illegible]

ہیں پچھلے سات سال میں یہ تیسرا افسر تھا جو ایگل چیف کا شکار ہوا تھا۔ اس کے لیے کام کرنے والے اس کے حکم سے سرتابی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ چیف نے مجھے بہت چھوٹ دی ہوئی تھی کئی بار میں خود ایگل چیف کے حوالے سے کام لے چکا ہوں۔"

"پھر مجھے ان افسران کی ایک جامع فہرست مہیا کر دو جو ایگل چیف کے حوالے سے خوفزدہ کیے جا سکتے ہیں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا حالانکہ سینڈو کے اس انکشاف سے مجھے دلی مسرت ہوئی تھی کیونکہ مافیا کے سربراہ کی حیثیت سے لطف اندوز ہونے کے لیے یہ جاننا بہت ضروری تھا کہ شہر کے حکمرانوں میں سے کون کون اس کے نام پر اپنے منصب سے غداری کر سکتا تھا۔ ایسے ہی غدار افسران شہر کے تمام سماج دشمن، دہشت گرد اور غنڈا عناصر کو مضبوط پشت پناہی فراہم کرتے تھے ورنہ کسی کی مجال نہیں تھی کہ اپنے حقیر سے مفادات کے لیے پورے شہر کو فسادات اور خون ریزی کے جہنم میں جھونکنے کی جرات کرتا۔

سینڈو مجھ سے چند منٹ کی اجازت لے کر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی استقبالیہ کاؤنٹر والی بذات خود رجسٹری لے کر میرے دفتر میں آگئی۔ لفافہ دے کر وہ اُلٹے قدموں لوٹ گئی۔ میں نے لفافہ کھولا تو اس میں حسب توقع مال کی آمد کے بارے میں خفیہ پیغام موجود تھا۔ دو روز بعد رات آٹھ بجے کورنگی کریک میں مال آنا تھا۔ مال کی وصولیابی کے لیے کسی پوسٹر سے پھاڑا ہوا رنگین آرٹ پیپر کا ایک مطبوعہ ٹکڑا کاغذ سے منسلک تھا۔

"تم تو واقعی افسر لگ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے اپنی جگہ سے ہانک لگائی۔ "تمہیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تم چوروں اور بدمعاشوں کے سربراہ ہو۔"

"چوروں کے نہیں، صرف بدمعاشوں کے کہہ سکتے ہو۔" میں نے اس کی تصحیح کی۔ "اس وقت میرا ایک بہت بڑا کام ہوا ہے اور اب میں تم کو شہر میں اپنے کمالات دکھاؤں گا۔"

"اجازت ہو تو خادم اب تمہاری میز پر آجائے؟" اس نے طنزیہ لہجے میں اجازت طلب کی۔

"ضرور آجاؤ لیکن میرے ماتحت عملے میں سے کوئی اندر آجائے تو اپنی چونچ بند رکھنا۔ میں تمہیں اپنا باڈی گارڈ ظاہر کروں گا۔"

وہ نہایت خوشدلی کے ساتھ میرے مدمقابل، میز کی دوسری جانب آبیٹھا۔ اس سے گفتگو کے دوران میں ہی سینڈو واپس لوٹ آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تہ کیا ہوا کاغذ موجود تھا جو اس نے خوشی سے میرے حوالے کر دیا۔

"بیٹھ جاؤ!" میں نے اس کاغذ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے سینڈو سے کہا۔ "یہ میرا باڈی گارڈ سلطان شاہ ہے۔"

"کیا یہ بھی ہم میں سے ہے؟" سینڈو نے کرسی سنبھالتے ہوئے محتاط لہجے میں سوال کیا۔

"بالکل!" میں نے کاغذ پر سے نظریں اُٹھا کر جارحانہ لہجے میں کہا۔ "اسے میں نے رکھا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس کی تنخواہ میں اپنی جیب سے ادا کرتا ہوں۔"

"میرا نام سینڈو ہے۔" اس نے اپنا ہاتھ سلطان شاہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں باس کے حقیر جاں نثاروں میں سے ایک ہوں۔"

سلطان شاہ نے میری ہدایت کے عین مطابق اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نکالے بغیر دانت نکال دیے۔ اس کے بونگے انداز پر میں دل ہی دل میں کھول کر رہ گیا۔

"میں نے اس فہرست پر تین جگہ نشانات لگا دیے ہیں جن کا موجودہ مسئلے سے براہ راست تعلق ہو سکتا ہے۔" سینڈو نے مجھے دوبارہ فہرست کی طرف متوجہ پا کر کنائے میں کہا۔ "تم ان میں سے کسی کو بھی فون پر احکام دے سکتے ہو۔"

"شکریہ! اور اب تم جا سکتے ہو!" میں نے کاغذ پر سے نظر ہٹائے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا۔ دل میں اس کا حد سے زیادہ سپاس گزار ہونے کے باوجود میں اس کے اظہار میں بخل سے کام لے رہا تھا، ورنہ سینڈو کا دماغ آسمان پر پرواز کرنے لگتا۔

"رجسٹری میں کوئی کام کی بات ملی؟" اس نے کرسی چھوڑتے ہوئے دھیمے لہجے میں ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔ اس کی نظریں میری میز پر پڑے ہوئے، پھٹے ہوئے لفافے پر مرکوز تھیں۔

"خیر ہے لیکن اس موضوع پر بعد میں بات ہوگی۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا اور وہ میرے کمرے سے چلا گیا۔ میں نے مزید کسی دخل اندازی سے محفوظ رہنے کے لیے فوری طور پر اپنے کمرے کے باہر پرائیویسی لائٹ روشن کر دی۔

"مجھے عہدہ تو مل گیا تھا لیکن اختیار اب نصیب ہوا ہے۔" تخلیہ ہوتے ہی میں نے سلطان شاہ کے لائے ہوئے کاغذ کو چومتے ہوئے کہا۔ "اب میں کراچی میں اپنی مرضی کے تماشے دکھاؤں گا۔"

"اس میں تمہیں کون سی ڈگڈگی مل گئی جو تماشے یاد آنے لگے ہیں؟"

"ابھی دیکھتے جاؤ، تماشوں کی ابتدا تمہارے سامنے ہی ہوتی ہے۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ اس وقت میری گھڑی پونے تین بجا رہی تھی۔

میں نے اس فہرست میں سے شہر کے ایک مشہور ڈی

ایس پی کا نمبر منتخب کیا اور ڈائریکٹ فون پر وہ نمبر ملا لیا۔ دوسری گھنٹی پر ریسیور میں غراتی ہوئی ایک تحکمانہ آواز سنائی دی۔
میں نے سیٹھ حبیب جیوانی جیسا سرد اور سپاٹ لہجہ اختیار کرتے ہوئے ڈی ایس پی کا نام لے کر اس کے بارے میں دریافت کیا۔
"ارے بھئی انکوائری آفس کیوں کھول لیا ہے؟ میں بول تو رہا ہوں۔" اس کی غراہٹ۔۔۔ بیزاری عود کر آئی جیسے اُسے اپنی آواز نہ پہچانے جانے پر غصہ آ گیا ہو۔
"ہوش میں رہو مجید! میں ایگل چیف بول رہا ہوں۔" میں نے کن انکھیوں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے موت کی طرح سرد لہجے میں غرا کے کہا۔
"سر۔۔۔ سر! میں معافی چاہتا ہوں۔" ایگل چیف کا نام سنتے ہی اُس کا غرور اور تکبر خاک میں مل گیا اور اس کے لب و لہجے میں معذرت خواہانہ عاجزی پیدا ہو گئی۔ "میرے پاس دن بھر لوگوں کے لایعنی فون آتے رہتے ہیں۔ اسی جھونک میں گستاخی کر بیٹھا تھا۔ حکم فرمائیں۔"
"حواس درست ہو گئے ہوں تو میں بات کروں۔۔۔؟ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔ ذرا سی بھی غفلت یا کوتاہی ہوئی تو وات ہونے سے پہلے شہر میں جو تھا شاہکار۔۔۔ وجود میں آ جائے گا۔"
"حکم کریں سر! میں ہمہ تن گوش اور پوری طرح ہوش میں ہوں۔" اُس کی خوف سے سہمی ہوئی عاجزانہ آواز سن کر یہ یقین کرنا محال تھا کہ وہ شخص پُرغرور لہجے میں بات کر سکتا تھا۔
"ٹریڈ لائن والوں کی ایک کار کی کل رات چوری کی رپورٹ درج ہونی چاہیے۔ یہ اندراج کل ہی کی تاریخ میں رات گئے دکھانا ہے کیونکہ آج صبح کار کو ایک افسوسناک حادثہ پیش آ گیا ہے۔ باقی تفصیلات تم خود سمجھ سکتے ہو۔"
"میں سمجھ گیا سر! پورا کام حسبِ مرضی ہو جائے گا۔" اس کے الفاظ اور لہجے سے بدحواسی مترشح تھی۔ "مجھے بس ٹریڈ لائن کا فون نمبر بتا دیں۔"
میں نے ٹریڈ لائن کا فون نمبر دہراتے ہوئے کہا۔ "اسی نمبر پر سینڈو ہو گا۔ رجسٹریشن کی تفصیلات وہی بتا سکے گا۔ اُسے ایک گھنٹے سے پہلے ایف آئی آر کی نقل مل جانی چاہیے۔"
"ایسا ہی ہو گا سر! میں سارے رجسٹر وغیرہ ساتھ لے کر خود سینڈو صاحب کے دفتر جاتا ہوں اور انھیں وہیں پر ایف آئی آر کی نقل دے دوں گا۔"
اُس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی میں نے مزید کچھ کہے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔
"یہ ایگل چیف کیا بلا ہے؟" سلطان شاہ نے میرے فارغ ہوتے ہی متحیرانہ لہجے میں سوال داغ دیا۔
"اللہ دین کے چراغ کا جن جو اس شہر میں ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے۔" میں نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "اس نام سے شورت خور اور بدعنوان افسر بلیک میل کیے جاتے ہیں۔ اب میں ایک دوسرے افسر کو غزالہ پر مامور کر دوں گا اور کل صبح تک اس کے معاملے میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"
"عجلت میں ایسا بے رحمانہ فیصلہ نہ کرو۔" وہ جلدی سے بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ تمھارے حکم کی تعمیل میں وہ افسر غزالہ کے ساتھ کوئی ایسی زیادتی کر گزرے جس کا ازالہ خود تمھارے بھی اختیار سے باہر ہو اور تم اپنے اس اقدام پر خود زندگی بھر پچھتاتے رہو۔"
وہ جو کچھ کہنا چاہ رہا تھا وہ پوری طرح واضح تھا لیکن اس وقت میری عجیب سی کیفیت تھی اور سلطان شاہ سے گفتگو کرتے ہوئے مجھے غزالہ کی ذات سے بے نیازی اختیار کرنے میں لذت آمیز کسک محسوس ہو رہی تھی۔ میرے اس عمل سے غزالہ کی ذات کو کوئی دُکھ نہیں پہنچ رہا تھا مگر مجھے صرف اس احساس سے خوشی ہو رہی تھی کہ میں ایک مشترکہ درد آشنا کے سامنے غزالہ کی ذات سے بے نیازی کے لفظی مظاہرے میں کامیاب تھا۔
"اب وہ بھی کچھ زیادتیوں کی مستحق ہو گئی ہے۔" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "اب تک وہ مظلوم بن کر ہمیں بے وقوف بناتی رہی ہے۔ میں اُس کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہوتا رہا ہوں اور وہ ہمارے اتنا قریب ہوتے ہوئے بھی ایک اجنبی سائے کی طرح گزر گئی۔ پولیس والوں کا اپنا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ وہ جیسے بھی چاہیں کام کریں۔ مجھے تو صرف غزالہ کے شب و روز کی تفصیلات درکار ہیں۔ وہ اس مکان میں کب آتی ہے اور پھر کہاں چلی جاتی ہے؟ اُس کے کن لوگوں سے مراسم ہیں؟ وہ اپنے آبائی مکان میں کیوں روپوش ہے؟ اُس نے کس کے خوف سے روپ بدلا ہوا ہے؟ مجھے اِن سوالات کے جواب مل جائیں تب ہی میں یہ فیصلہ کر سکوں گا کہ مجھے اس سے کیا سلوک کرنا چاہیے۔ اس وقت تو وہ میری محبوب ترین ہستی کے مقام سے گر کر ایک عام سی عورت رہ گئی ہے جس کے مشکوک کردار کی تصدیق کیے بغیر میں اپنے کومل جذبوں کو اُس کی ذات سے وابستہ نہیں رکھ سکتا۔"
سلطان شاہ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں مُنہ پھاڑے

بیری تقریر سنتا رہا، پھر آہستہ سے بولا۔ "اس کے رویے نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں تمھارے سامنے زبان نہ کھولوں۔ پھر بھی تصدیق اور تردید کے یہ نازک مرحلے تم دونوں کو ذاتی سطح پر طے کرنے چاہئیں۔ جب تم ایک بار ہمیشہ کے لیے اس سے منہ پھیرنے کا فیصلہ کر لوگے تو پھر تمھیں اس کے بارے میں ہر قول و فعل کی آزادی ہوگی۔ ابھی اس کی طرف سے تمھارے دل میں شبہات ضرور پروان چڑھ رہے ہیں لیکن اس سے نفرت نہیں ہوئی ہے اس لیے تمھیں اس کو کچھ رعایتیں دینی ہوں گی۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

"کسے فون کر رہے ہو؟" مجھے نمبر ڈائل کرتے ہوئے دیکھ کر اس نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

"ایک اور پولیس افسر کو!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تم کو جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا تم نے، اور میں نے سن لیا۔ اب میں جو بات کروں گا وہ تمھیں خاموشی سے سننا ہوگی۔"

"لیکن تم تو کسی کو فون کرنے جا رہے ہو!" اس نے احتجاج کیا۔

"بات اسی سے ہوگی اور سننا تمھیں پڑے گی۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "ہمارے آپس کے مذاکرات کا وقت تو اب گزر چکا۔ میں ڈان بھری کی کال آنے سے پہلے اپنے ان ذاتی مسائل سے نمٹنا چاہتا ہوں۔ پتا نہیں، وہ کیا خبر سنانے والا ہے۔"

سلطان شاہ کو میرے تیور دیکھ کر مجبوراً خاموش ہو جانا پڑا۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس بار بھی دوسری طرف سے فون اٹھانے والا میرا مطلوبہ شخص ہی تھا۔ نسبتاً نرم گو اور خوش مزاج تھا لیکن اینگل چیف کا نام سنتے ہی اس کی خوش مزاجی دہشت کے رنگ میں بدل گئی اور اس کی آواز میں ہکلاہٹ پیدا ہو گئی۔

"خو... خو... حکم جناب! ب... بہت دنوں بعد آپ کی آواز سننے کا شرف حاصل ہو... ہو رہا ہے۔" اس کی لکنت زدہ آواز مضحکہ خیز تھی۔

"جو کہا جا رہا ہے اس سے سرمو بھی انحراف نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے سرد، سخت اور تحکمانہ لہجے میں غزالہ کے مکان کا پتا دہراتے ہوئے بات شروع کی۔ "بظاہر یہ ایک ویران اور غیر آباد مکان ہے لیکن اس میں ایک مشتبہ عورت روپوش ہے۔ وہ ہماری دوست بھی ہو سکتی ہے اور دشمن بھی۔ تمھیں اس عورت کو ہوشیار ہونے کا موقع دیے بغیر اس کی نگرانی کرانا ہے۔ تمھارے ہاتھوں سے اسے کوئی گزند نہیں پہنچنا چاہیے۔ تمھیں سرکاری ریکارڈ پر کوئی اندراج کیے بغیر اس عورت کی اصلیت اور مصروفیات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنی ہیں جس کے لیے تمھارے پاس پورے چوبیس گھنٹے ہیں۔ میں کل دوپہر کو تین بجے اسی نمبر پر تم سے رپورٹ لوں گا۔"

"موقع مل جائے تو اس عورت کو حوالات میں اٹھوا لوں؟" دوسری طرف سے خوشامدانہ لہجے میں احمقانہ سوال کیا گیا جس کی سرے سے گنجائش ہی نہیں تھی۔

"تمھاری کھوپڑی میں بھس بھر گیا ہے یا تم نشے میں ہو۔" میں نے اسے بری طرح پھٹکار دیا۔ "میں کہہ رہا ہوں کہ عورت کو اس نگرانی کا علم تک نہیں ہونا چاہیے۔ کچھ پتا نہیں کہ وہ دوست ہے یا دشمن اور تم اسے حوالات میں اٹھوانے کے خواب دیکھ رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمھارے دن پورے ہو چکے ہیں۔ میری ہدایات کے برعکس کچھ بھی ہوا تو سزا بھگتنے کے لیے تیار رہنا اور میری سزا کے بارے میں تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میں جو کہتا ہوں وہ ہونا چاہیے ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

"معافی چاہتا ہوں، لغزش ہے میری جناب!" اس کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "جو کہا گیا ہے وہی ہوگا۔ میں اس سے ایک قدم بھی تجاوز نہیں کروں گا۔"

"کل دوپہر تین بجے کے بعد تمھیں زندہ دیکھنا میری آرزو ہوگی۔" میں نے سرد لہجے میں وہ دہشت انگیز فقرہ دہرا کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم نے میری باتوں کا لحاظ کر لیا۔" فون بند ہوتے ہی سلطان شاہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "پولیس کے محکمے میں اچھے لوگ بھی ہیں مگر نچلے درجے کے لوگ مشتبہ عورتوں کے معاملے میں عام طور پر ایک ہی حیوانی انداز میں تفتیش کا آغاز کرتے ہیں۔ اوپر سے نیچے تک سب لوگ باری باری طویل اور مختصر بیان لیتے ہیں اور حوالات میں پہنچنے والی عورتوں کی زندگی تباہ ہو کر رہ جاتی ہے۔"

"مجھے زیادہ تفصیلات نہ سناؤ سلطان شاہ!" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "میں آسمان سے نازل نہیں ہوا، یہیں پیدا ہوا اور پلا بڑھا ہوں۔ اچھی طرح جانتا ہوں کہ کہاں کہاں، کیا کیا ہوتا ہے۔ امکانی خطرات کا تفصیلی تذکرہ کر کے میری حمیت کو اشتعال دلانے کی کوشش نہ کرو۔ میں اس کے لیے جو کچھ کر سکتا تھا وہ میں نے کر دیا ہے اور اب میرے اگلے اقدام کا انحصار نگرانی کرنے والوں کی رپورٹ پر ہوگا۔ تالی ایک نہیں دونوں

ہاتھوں سے بجتی ہے۔ اس اصول سے کوئی مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا۔"

"مجھے افسوس ہے... میرا وہ مقصد نہیں تھا جو تم سمجھ رہے تھے۔" میری تادیب پر اُس کا منہ لٹک گیا۔ "تمہیں جو کچھ کرنا تھا وہ تم کر ہی گزر رہے تھے۔ میری سفارش پر ان رعایتوں میں اضافے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ بہرحال اب میں کل دوپہر تک اس معاملے میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔"

"چاہو تو میں تمہیں بھی مافیا میں شامل کرا دوں!" تھوڑی دیر بعد میں نے تجویز پیش کی۔

"میں اب ایسے کسی چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔" اُس نے جلدی سے کہا۔ "مجھے تو اندازہ ہو رہا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ یہاں آکر غلطی کی ہے۔ اپنے سرسبز و شاداب گاؤں میں اپنے دوستوں کے ساتھ اونچی اور کھڑی ڈھلانوں پر کھیلتے کودتے ہوئے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک روز میں اسلحہ ہاتھ میں لے کر قانون کے مساوی اپنی حیثیت منوانے کی کوشش کروں گا۔ میں گاؤں کا ایک سیدھا سادہ لڑکا تھا اور اپنی روزی آسانی کے ساتھ کمانے کے چکر میں کراچی آگیا تھا مگر بھلا ہو عیسیٰ خان کا کہ اُس نے مجھے حالات کے اس دھارے میں دھکیل دیا۔ تم تو بہت شریف النفس اور عظیم انسان ہو اگر میرا پالا واقعی کسی اسمگلر یا ڈاکو سے پڑ گیا ہوتا تو میں بہت پہلے پھانسی کے پھندے تک پہنچ چکا ہوتا۔"

"گاؤں اور دیہاتوں سے بھاگے ہوئے ایسے ہی کڑیل اور خوابوں کی دنیا میں رہنے والے نوجوان کراچی میں جرائم پیشہ لوگوں کا ایندھن بنتے ہیں۔ وہ محنتی، دلیر اور بات بات پر لڑ جانے والے لوگ ہوتے ہیں۔ راتوں رات امیر بننے کے خواب لے کر کراچی آتے ہیں۔ اُن کا وفاداری کا تصور بہت دو ٹوک اور واضح ہوتا ہے جو انھیں تنخواہ دیتا ہے، اس کے حکم کی تعمیل کو وہ عبادت کے برابر سمجھتے ہیں۔ چھوٹے موٹے جرائم اور دنگے فساد سے اپنی زندگی کی ابتدا کر کے ان کی دہقانی مردانہ انا کو بڑی تسکین ملتی ہے کہ دولت کی ریل پیل سے جگمگاتے ہوئے اس شہر کے کچھ باسیوں پر ان کی دھونس چلنے لگی ہے۔ اسی سرکشی کو مہمیز دے کر پُرانے گھاگ اپنی بنیادوں کو مضبوط کرتے ہیں اور پھر جوش و وفاداری میں مبتلا ہر نوجوان کو ایک دن یک بیک احساس ہوتا ہے کہ اس سے کوئی ایسا سنگین جرم سرزد ہو چکا ہے کہ اپنے آقاؤں کی بھرپور سرپرستی کے بغیر وہ ایک دن بھی قانون کے چنگل سے بچا نہ رہ سکے گا۔ اسے لمبی سزا ہو جائے گی یا وہ پھانسی کے تختے پر پہنچ جائے گا۔ اسی دن زیرِ زمین دنیا کو ایک نیا اور پُرجوش کارکن میسر آجاتا ہے۔"

"تم واقعی سچ کہہ رہے ہو۔ کراچی آنے والا ہر دیہاتی اس شہر کے پڑھے لکھے لوگوں کو اپنے مقابلے میں بزدل سمجھتا ہے اور اپنی واپسی پر اپنی محرومیوں کے درمیان بڑے فخر سے اپنی داداگیری اور قوت کے قصے جوڑتا چلا جاتا ہے۔ ایسے لوگ فطری طور پر ان ہی پیشوں اور کاموں کا رُخ کرتے ہیں جہاں اُن کی انا کو تسکین مل سکے..."

اسی لمحے میرے ڈائریکٹ فون کا بزر بول اُٹھا اور سلطان شاہ مشینی انداز میں خاموش ہو گیا۔ ان دونوں ڈائریکٹ لائنوں کے نمبر ٹیلی فون ڈائریکٹری میں درج نہیں تھے۔ ان نمبروں پر شاذ و نادر ہی باہر سے کوئی صحیح یا غلط کال آتی تھی ورنہ وہ باہر فون کرنے کے کام آتے تھے۔ اس لیے تین بج کر دس منٹ پر بجنے والی وہ گھنٹی میرے لیے اہم اور معنی خیز تھی۔ سلطان شاہ کے ساتھ میں بھی انسٹرومنٹ کو گھورنے لگا جیسے باہر سے آنے والی کال کا اشارہ موصول کر کے اُس نے کسی گستاخی کا ارتکاب کیا ہو۔

دوسری گھنٹی بجنے پر میں نے ریسیور کریڈل سے اُٹھالیا۔

"ریگاٹا فورا!" ریسیور اٹھاتے ہی غیر ملکی لب و لہجے میں ڈان بھتری کی سپاٹ اور مشینی آواز میرے کانوں میں گونجی، اور میں اپنی کرسی میں پہلو بدل کر رہ گیا۔

"ریگاٹا فورا!" میں نے باہمی شناخت کے طے شدہ طریقۂ کار کے تحت اپنا کوڈ دہرایا اور ڈان بھتری کے پیغام کے انتظار میں خاموش ہو گیا۔

"شام بخیر ڈینی!" اُس نے گفتگو کی ابتدا نہایت خوشگوار انداز میں کی تھی۔ "تمہارے ہاں شام ہو چلی ہے مگر یورپ میں چمکیلی صبح کا آغاز ہوا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے پیغام کے مطابق تم بروقت اپنے دفتر میں موجود ہو۔"

"صبح بخیر ڈان! شناخت دہرانے سے قبل خیر مقدمی کلمات کا ادا کرنا ضابطے سے انحراف ہوتا اس لیے میں معذرت چاہتا ہوں۔"

"کسی معذرت کی ضرورت نہیں!" وہ مافیا کا ڈان تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے تحکم اس کے لہجے کا پیدائشی عنصر رہا ہو۔ "چیف کو خبر کر دو کہ اب اُس کے لیے میدان صاف ہو چکا ہے۔"

"کوشش کروں گا کیونکہ وہ پوری طرح زیرِ زمین چلا گیا ہے۔ مجھے اُس سے رابطہ قائم کرنے کے کسی ذریعے کا علم نہیں۔ وہ خود ہی کوشش کرے گا تو بتا دوں گا۔"

"ہربرٹ کا راویلی کا انجام تمھیں معلوم ہو گیا ہو گا؟"

"اُسے راستے میں بُری طرح زخمی کر دیا گیا تھا۔ اب تک شاید وہ جرمنی واپس لوٹ چکا ہو۔" میں نے اپنی تازہ ترین معلومات سے گویا اُسے آگاہ کیا۔

"اُس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ بچ گیا۔ جرمنی میں چیف کے ہم شکل کی لاش کی پوسٹ مارٹم رپورٹ بدل دی گئی ہے۔ سرکاری ریکارڈ میں اُسے مُردہ قرار دیا گیا ہے۔ لاش کے دانت توڑ کر کاغذی شناخت کی کارروائی مکمل کرالی گئی ہے۔ اب تمھارا چیف ایک آزاد پرندہ ہے۔"

"لیکن یہاں ہربرٹ پر وار کرنے والے کون لوگ تھے؟" میں نے ڈرتے ڈرتے ڈان سے وہ سوال کر ہی ڈالا جو ابتدا سے میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔ "ہم لوگ لاعلم ہیں اور چیف مُلک کے انتہائی شمال میں کہیں روپوش ہے پھر ہمارا یہ خود رو ہمدرد کون تھا؟"

نہ اُس نے میری لاعلمی پر حیرت کا اظہار کیا اور نہ میرے سوال پر ناراض ہوا بلکہ اسی پُرسکون آواز میں بولا۔ "مدر مافیا اپنے یونٹوں سے بلاوجہ خراج نہیں لیتی بلکہ اس قسم کے ناگہانی اور بین الاقوامی خطرات سے تحفظ بھی فراہم کرتی ہے۔ تمھارے شہر میں تمھارے تحفظ کے لیے مدر مافیا کا ایک بہت مختصر اور منظم یونٹ موجود ہے جو صرف مجھ سے ہدایات لیتا ہے ورنہ خود مختار ہے۔ وہ لوگ صرف تم پر نگاہ رکھتے ہیں اور ضرورت پیش آنے پر تمھیں تحفظ دیتے ہیں۔ ہربرٹ کا راویلی شروع سے ان کی نظروں میں تھا۔ اس کے تربیت یافتہ کتے کو بھی اسی یونٹ نے ٹھکانے لگایا ہے لیکن وہ لوگ ابھی تک ویرا کا سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ وہ ہوٹل شیراٹن میں ابتدائی چیک اِن کے بعد لاپتا ہو گئی ہے۔"

"مجھ سے اُس کی جھڑپ ہو چکی ہے۔" میں نے اُسے وہ اطلاع دیتے ہوئے اپنے اندر اطمینان کی لہر دوڑتی ہوئی محسوس کی۔ "میں نے شاید اُسے زخمی بھی کر دیا ہے۔"

"گڈ! تم بہت اچھے جا رہے ہو۔ یہ دھیان رکھنا کہ اس کے ساتھ اس کا اطالوی ہوا باز بھی ہے جو انطونیو کے نام سے لائسنس رکھتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ وہ آج صبح جہنم واصل کیا جا چکا ہے۔ ویرا کے ستارے اچھے تھے کہ وہ میرے جال سے صاف بچ نکلی ورنہ آج اُس کی باری بھی آگئی تھی۔"

"تم تو میری توقعات سے بھی آگے جا رہے ہو۔" میرے کانوں نے پہلی بار ڈان تھری کی آواز میں حیرت کا عنصر محسوس کیا لیکن پھر اُس کے اگلے ہی سوال نے میرے دل کی دھڑکنیں تیز کر کے میری خوشی پر اوس ڈال دی۔ "تم ویرا کو دانستہ ڈھیل نہیں دے رہے ہو؟" اُس نے قدرے توقف کے بعد سرسری لہجے میں وہ سوال کیا تھا جس کا جواب خود اسی سوال میں مضمر تھا۔

میرا خیال تھا کہ میرے اور ویرا کے دوستانہ یا عاشقانہ مراسم میں وضع داری صرف ہم دونوں کے درمیان تھی جس سے کسی تیسرے فرد کے واقف ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن ڈان تھری روحوں اور ذہنوں میں اتر جانے والی ماورائی طاقتوں کا مالک محسوس ہو رہا تھا۔۔۔ جو میرے اور ویرا کے دلوں میں پروان چڑھنے والی باہمی رواداری کے بارے میں سوال کر بیٹھا تھا۔

"اسے ڈھیل دے کر میں اپنی موت کو دعوت دوں گا۔" میں

نے بلاتوقف سپاٹ لہجے میں کہا۔ "ہم دونوں کی راہیں اور مقاصد متضاد ہیں۔ نہ وہ مجھ سے کوئی رعایت کرے گی اور نہ میں اسے ڈھیل دے سکتا ہوں۔ بات صرف موقع ملنے کی ہے جسے موقع مل گیا وہ پہل کر گزرے گا۔"

"تم دونوں کے بارے میں یورپ میں کچھ رومان آمیز کہانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ ویرا تمھاری خاطر کچھ عرصے تک اپنے باپ سے باغی رہی ہے۔"

"وہ ایک رنگین مزاج لڑکی ہے، جس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اگر میرے دل میں اس کے لیے ذرا بھی جگہ ہوتی تو میں اس کے لوگوں کو چھوڑ کر تم سے نہ آملتا۔ میرے لیے شی میں بہت سی رعایتیں میری منتظر تھیں جن میں سے ایک ویرا کا قرب بھی ہوسکتا تھا مگر تم جانتے ہو کہ میں نے بلاتردد ان سب کو ٹھکرا دیا لیکن اس مرحلے پر جب میں بیورو چیف بنا بیٹھا ہوں، تمھارا یہ سوال مجھے عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔"

ریسیور پر ایک دبی دبی چھنکار سنائی دی۔ یوں معلوم ہوا جیسے پتھر سے تراشا گیا ڈان بھی بے ساختہ ہنس پڑا ہو پھر اس کی آواز ابھری "مافیا حرکت اور تحریک کا نام ہے ڈینی! یہاں عہدے مل کر خود بخود برقرار نہیں رہتے بلکہ ہر وقت کارکردگی پر نگاہ رکھی جاتی ہے۔ جائز رعایتوں کے ساتھ ہر شخص کو اپنا مقام برقرار رکھنے کے لیے ہر وقت جدوجہد کرنا پڑتی ہے اور تم بھی انھی میں شامل ہو۔"

"میں اپنے تبصرے پر معافی چاہتا ہوں ڈان!" میں نے کہا۔

"معافی چاہنے کے بجائے کوشش یہ کیا کرو کہ تم ایسی کسی حرکت کے مرتکب ہی نہ ہو جس پر بعد میں پشیمان ہونا پڑے۔" اس کا لہجہ سرد اور سپاٹ ہوگیا۔ "مجھے معذرت چاہنے والوں سے چڑ ہے۔ تمھیں جو کہنا تھا وہ تم کہہ گزرے۔ اب اس پر شرمندہ کیوں ہوتے ہو؟ شاید تمھیں معلوم نہیں کہ اس کرۂ ارض پر پیدا ہونے والی ہر آواز ہوا کی لہروں کے مخصوص ارتعاش کی صورت میں صدیوں برقرار رہتی ہے۔ اس دور کے محقق نپولین، ہٹلر، رومیل اور نہ جانے کن کن لوگوں کی آوازیں سن چکے ہیں۔ جملے اور آوازیں پتھر کی لکیر ہوتی ہیں، پنسل کی نہیں جنھیں ربر سے مٹایا جاسکے۔ اس لیے تول کر بولا کرو اور جب بول ہی پڑو تو اپنے الفاظ پر کبھی معذرت نہ کرو بلکہ پوری محنت اور کوشش سے اپنے الفاظ کی صداقت کو ثابت کرنے پر تل جاؤ۔ ایسے ہی لوگ تاریخ میں بڑے آدمی کہلاتے ہیں اور لوگ ان کے کہے ہوئے کو مثال اور معیار بنا کر دہراتے رہتے ہیں۔ معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے والے زندگی بھر مجبور، محکوم اور ناکام رہتے ہیں۔"

"میں تم سے بہت جلد بہت کچھ سیکھ لوں گا ڈان! کاش مجھے تمھاری رہنمائی میں کام کرنے کا موقع ملتا رہے۔" میں نے سپاس گزار لہجے میں کہا۔

"میرے اور تمھارے درمیان چیف حائل ہے۔" اس کے لہجے سے یہ ظاہر نہ ہوسکا کہ وہ صرف حقیقت بیان کر رہا تھا یا مجھے سیٹھ صبیب جیوانی کے خلاف اکسا رہا تھا۔ "مقدر نے تمھیں چند روز کی خود مختاری دے دی اس لیے آج تم مجھ سے ہم کلام ہو ورنہ ہم پروٹوکول کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ڈسپلن اور وفاداری ہماری بنیاد کے دو پتھر ہیں تم ان کی آبیاری کرتے رہے تو جلد ہی میرے اور تمھارے درمیان موجود فاصلہ ختم ہوسکتا ہے ویسے بھی تم نے بہت اوپر سے ابتدا کی ہے اگر تم پاکستان سے شی کو نیست و نابود کرنے میں کامیاب ہوگئے تو تم کو تمھارے تصور سے زیادہ سرخروئی حاصل ہوسکتی ہے۔"

"شی تو میرا ذاتی معاملہ بھی ہے۔۔۔ ویرا زخمی کردی گئی البرٹو مار ڈالا گیا اور شی کے لیے کام کرنے والوں کی بھاری نفری سمیت ان کا سربراہ بھی مارا جاچکا ہے۔ شی کا شیرازہ بس اب بکھرنے ہی والا ہے جس دن ویرا زد میں آگئی وہی پاکستان میں شی کا آخری دن ہوگا۔"

"جمی لائیڈ کو خبر مل چکی ہے کہ تم اس سے ٹوٹ کر ہم سے مل گئے ہو۔ اس نے تمھارے معاملے پر احتجاج کرنے کے لیے سپر ڈان سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔" وہ خبر میرے لیے سنسنی خیز تھی۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر جمی لائیڈ کا قصہ ہی ختم کردیا جائے؟"

"ایسا نہیں ہوا کرتا ہم سب ایک دوسرے کے بڑوں کا پورا پورا احترام کرتے ہیں۔ دشمنی اپنی جگہ جیسی رہتی ہے لیکن جب کوئی طے شدہ ملاقات ہوتی ہے تو مہمان داری کے اعلیٰ ترین اصولوں کی پاسداری کی جاتی ہے۔ مافیا صدیوں سے ان روایات کی امین چلی آرہی ہے۔ ہم اس سے انحراف نہیں کرسکتے۔ ملاقات طے ہوگئی تو جمی لائیڈ اپنے چہرے پر نقاب پہن کر آئے گا اور تم یقین نہیں کرو گے کہ اپنے تجسس کے باوجود میزبانوں میں سے کوئی بھی اس کا اصل چہرہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

"اس کا اصل روپ تمھارے لیے تو اتنا پرتجسس نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے رائے زنی کی۔

"کیا تم مجھے عام لوگوں میں شامل نہیں سمجھتے؟" اس نے مجھ سے سوال کر ڈالا۔

"قطعی نہیں۔ جب مجھے معلوم ہے تو یہ بات تم سے کیسے

چھپی رہ سکتی ہے کہ کنگ لائنز کا مالک اور جہازرانی کی صنعت کا بے تاج بادشاہ جمی لائیڈ ہی شی کا سربراہ ہے۔"

"سنا میں نے بھی ہے۔" اس کی آواز کسی بھی قسم کے جوش سے عاری تھی۔ "لیکن دونوں کے معاشی رتبے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دوسری بڑی خرابی یہ ہے کہ کنگ لائنز کے سربراہ کو دیکھنے کے دعوے دار بھی مشکل ہی سے مل سکیں گے۔ اخبارات میں آئے دن اس کے بیانات آتے ہیں۔ اس کی نجی زندگی کے بارے میں میگزین اور اخبار خبریں اور فیچرز چھاپتے ہیں لیکن وہ خود اخباری نمائندوں اور کیمروں کے سامنے نہیں آتا۔ اس کی ان حرکتوں نے اس کی بے اندازہ دولت سے مل کر اسے جدید دنیا کا ایک افسانوی کردار بنا دیا ہے۔"

"ان دونوں کے درمیان اس کا ایک روپ بہت مکروہ و گھناؤنا بھی ہے۔" اس موضوع پر میں ڈان کو اپنی معلومات سے مرعوب کر کے خوشی محسوس کر رہا تھا۔

"وہ کیا؟" میرے خاموش ہونے پر اس نے وہی سوال کیا جس کی میں توقع کر رہا تھا۔

"روم میں وہ اسی دوران میں ڈان مریسانو کے روپ میں رہتا رہا ہے....!"

"ڈان مریسانو!" گفتگو کے دوران اس پر دوسری مرتبہ حیرت کا حملہ ہوا اور اس نے وہ نام دہراتے ہوئے میری بات درمیان ہی سے اڑا دی۔ "عورتوں کا وہ دلال تو ایک زمانے میں روم کے امراء اور رؤسا کی آنکھوں کا تارا بنا رہا ہے۔ میں خود کئی پارٹیوں میں اس سے ملا ہوں۔ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ڈان مریسانو ہی جمی لائیڈ ہے؟ میں نہیں مان سکتا کہ اس مرتبے کا آدمی روم میں اتنے گھٹیا پیشے سے منسلک رہا ہو... یہ تم کس دور کی بات کر رہے ہو؟"

"اس کے تینوں روپ ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ شی کے قدم جم چکے تھے، کنگ لائنز اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑ چکی تھی اور وہ ڈان مریسانو کے روپ میں روم میں اپنی بیٹی ویرا کو ایک کامیاب سوسائٹی گرل بننے کی تربیت دے رہا تھا۔ اس نے ویرا کے ذہن سے یہ خیال کھرچ پھینکنے کے لیے بڑی محنت کی ہے کہ وہ ایک عورت ہے۔"

"لیکن ویرا تو ایک مدت تک یورپ میں بلبلاتی پھری ہے کہ وہ اپنے باپ کی صورت دیکھنے کو بھی ترسی ہوئی ہے پھر وہ کیا معما تھا؟" ڈان تھری کے ظاہری سخت خول پر فطری تجسس غالب آ گیا تھا۔

"پاکستان کے ایک صوبائی دارالحکومت لاہور میں لائیڈز کاٹیج کے نام سے ایک پرشکوہ اور قلعہ نما عمارت میں شی کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ وہاں ایک تہ خانے میں ویرا نے میرے ساتھ پہلی بار جمی لائیڈ کی ایک آدم قد قلمی تصویر دیکھ کر اسے پہچانا تھا۔ وہ نادیدہ جمی لائیڈ کو اپنا باپ کہتی تھی مگر اس تصویر کو اس نے ڈان مریسانو کی حیثیت سے پہچان کر غصے میں اس تصویر کے چیتھڑے اڑا دیے۔ اسی کی زبان سے مجھے ڈان مریسانو کی کہانی کا علم ہوا پھر کنگ لائنز سے خریدے ہوئے ایک سالخوردہ جہاز میں سفر کے دوران کپتان کے متروکہ کیبن میں وہی تصویر جہازراں کمپنی کے مالک کی تصویر کی حیثیت میں نظر آئی۔ یوں مجھے علم ہو گیا کہ وہ تینوں ایک ہی شخصیت کے روپ تھے۔"

"میں دیکھوں گا کہ ڈان مریسانو اب کہاں ہے۔ وہ تو سارا وقت روم کی طوائفوں کی دلالی کرتا تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس جیسا گندذہن، غبی اور کاہل شخص شی یا کنگ لائنز کا سربراہ ہو سکتا ہے۔ اس کے بارے میں تمہاری معلومات واقعی قابلِ رشک ہیں۔"

"جب سے ویرا اس راز سے آگاہ ہوئی ہے، میری معلومات کے مطابق ڈان مریسانو غائب ہو گیا ہے۔ اب شاید ہی کبھی جمی لائیڈ کو اس روپ میں دیکھا جا سکے۔"

"جو کچھ تم نے بتایا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمی لائیڈ کسی پیچیدہ نفسیاتی عارضے میں مبتلا ہے اور کسی ذہنی گرہ سے مجبور ہو کر ہی ڈان مریسانو والی حرکتیں کرتا پھرتا تھا ورنہ کنگ لائنز کے مالک کی حیثیت سے وہ دلال تو درکنار، مہینوں کے لیے روم کی ساری طوائفوں کو خرید لینے کی حیثیت رکھتا تھا۔"

"پستہ قد شاہ فاروق کو کیا حاصل نہیں تھا؟ مگر وہ پھر بھی چوریاں کرتا تھا۔ جبلت کا حیثیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ شاید تمہارا قیاس درست ہے۔"

"ذرا ایک بات یاد رکھنا۔ سپر ڈان اور جمی لائیڈ کی ملاقات میں اگر ضرورت پیش آئی تو تمہیں چند روز کے لیے یورپ کے کسی صحت افزا مقام پر بلایا جائے گا تاکہ ان دونوں کے سامنے تم کسی جبر اور دباؤ کے بغیر شی یا مافیا میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکو۔ اس بارے میں ہماری جانب سے تم پر کوئی جبر یا دباؤ نہیں ہو گا۔ اسی طرح اس تنازعے کو ختم کیا جا سکے گا۔"

وہ بات سن کر میرا ذہن سن ہو کر رہ گیا۔ ڈان تھری نے اس کے فوراً بعد ہی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا اور میں سوچ میں پڑ گیا۔

اس کی ساری تمہیدی گفتگو کی طوالت صرف اسی آخری اطلاع کے لیے تھی۔ کسی نہ کسی وجہ سے شی اور مافیا دونوں ہی کے لیے میری ذات غیر معمولی اہمیت اختیار کر چکی تھی اور فیصلہ

کرنے کے لیے دونوں طرف کے بڑوں کے درمیان میری موجودگی ضروری سمجھی جا رہی تھی مگر ڈان تھری اس بات کی اصل اہمیت ظاہر کیے بغیر مجھے متوقع طلبی سے مطلع کرنا چاہ رہا تھا، اس لیے اس نے کئی منٹ تک اِدھر اُدھر گھمانے کے بعد بالکل آخر میں سرسری انداز میں وہ خبر دی تھی۔

لیکن میرے لیے وہ خوشی کا مقام نہیں تھا اس اطلاع نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ ایک طرف سیٹھ حبیب جیوانی کے معاملے میں مدر مافیا والوں نے اتنی سرگرمی دکھائی تھی کہ جرمنی جیسے سخت گیر ملک میں قانون کا توڑ کرنے کے لیے سیٹھ حبیب جیوانی کے ہم شکل کی لاش کے دانت توڑ کر سرکاری ریکارڈ میں مافیا کے پاکستانی بیورو چیف کو مُردہ قرار دلوا دیا تھا اور دوسری طرف ہربرٹ کارادیلی کو زخمی کر کے فوری طور پر میدان سے نکال باہر کیا تھا تاکہ میں فوری طور پر بیورو چیف کی ذمے داریوں سے سبکدوش ہو سکوں۔ ایک بار سیٹھ حبیب جیوانی بے خوف و خطر اپنی کمین گاہ سے نکل آتا تو مافیا کے روزمرہ معاملات میں میری اہمیت ختم ہو کر رہ جاتی۔ ایسی صورت میں سپر ڈان مافیا کی سرگرمیوں میں کسی رکاوٹ کا خطرہ مول لیے بغیر مجھے یورپ بلوا سکتا تھا۔

وہاں تک تو معاملہ سیدھا اور قابل فہم تھا۔ جو بات میری سمجھ سے بالاتر ثابت ہو رہی تھی وہ یہ تھی کہ یک بیک میری ذات شی اور مافیا کے لیے اتنی اہم کیوں ہو گئی تھی کہ دونوں سربراہ میری خاطر یوں سر جوڑ کر بیٹھنے پر مجبور ہو گئے تھے شی اور مافیا، دونوں کے مقاصد ایک دوسرے سے متضاد اور مختلف تھے۔ شی یورپ اور امریکا سے ہیروئن کا وجود ختم کرنے کے خفیہ سرکاری مشن پر کام کر رہی تھی۔ وہ مشرق میں ہیروئن کو اس قدر مقبول کرنا چاہ رہے تھے کہ وہاں پیدا ہونے والی ہیروئن مقامی طلب سے بچ ہی نہ سکے۔ دوسری طرف مافیا ہیروئن کی سو فیصد پیداوار پر قابض ہو کر اسے یورپ اور امریکا کی زرخیز عالمی منڈیوں میں کیش کر رہی تھی۔ ان دونوں میں کھلے باہمی تصادم کے باوجود سرد جنگ جاری تھی اور دونوں ہی پُرامن بقائے باہمی کے اصول پر کبھی ایک دوسرے سے متحارب نہیں ہوئے تھے لیکن متحارب نہ ہونا اور آپس میں مل بیٹھنا بھی دو متضاد صورتیں تھیں جو حریف برسوں میں کبھی یکجا نہیں ہوئے تھے، میری وجہ سے کیوں مل بیٹھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

سلطان شاہ کے لیے بھی وہ بہت بڑا سوالیہ نشان تھا...

لیکن میں اس موضوع پر ٹریڈ لائن کی چھت کے نیچے زیادہ تفصیلی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے بر اپنی ریسی لائٹ آف کر کے سینڈرو کو طلب کیا تو اس نے مجھے مطلع کیا کہ ڈی ایس پی اپنے محرر اور متعلقہ رجسٹروں سمیت اس کے دفتر میں حامد کے ساتھ مصروف تھا تاکہ ایک گھنٹے کی مہلت ختم ہونے سے پہلے میری کار کی چوری کی ایف آئی آر جاری کر سکے۔

"چوری کے وقت گاڑی کس کی تحویل میں ظاہر کی گئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"حامد کی تحویل میں دفتر کے باہر موجود تھی کیونکہ وہ ڈی ایس پی اسی علاقے کی ایف آئی آر جاری کرنے کا مجاز ہے۔ چوری کا وقت کل رات دس اور گیارہ بجے کے درمیان درج کرایا گیا ہے۔ اس نے چند موٹی موٹی باتیں معلوم کی ہیں، باقی خانہ پُری خود کر لی ہے۔"

"اب میرے لیے دوسری گاڑی کون سی ہے؟"

"ایک کرولا موجود ہے۔ صاف ستھری لوڈ ہڈ گاڑی ہے۔ وہی نکلوائے دیتا ہوں۔" اس نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ "اس کا رجسٹریشن بھی فرم کے نام ہے۔"

"تیل پانی چیک کروا کے جلدی نکلواؤ۔ مجھے فوراً واپس لوٹنا ہے اور ہاں! سرخ گاڑی کی تباہی کی خبر ملتے ہی انشورنس کلیم داخل کر دینا۔"

وہ سر ہلاتا ہوا باہر چلا گیا چند منٹ بعد اس نے انٹرکام پر گاڑی تیار ہونے کی اطلاع دی اور میں دفتر سے اٹھ کر چل دیا۔ وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے میں ایگل چیف کے نمک خواروں کی فہرست ساتھ لینا نہیں بھولا تھا کیونکہ میں مافیا میں رہتا یا نہ رہتا، وہ فہرست ہمیشہ میرے کام آسکتی تھی جو سینڈرو نے فرمانبرداری کے ساتھ میرے حوالے کر دی تھی مجھے خلش اس بات کی تھی کہ سیٹھ حبیب جیوانی نے اپنی ذمے داریوں کا چارج میرے حوالے کرتے ہوئے اس اہم فہرست کا ذکر کیوں نہیں کیا تھا، جو مافیا چیف کے فرائض کی بجا آوری میں کلیدی اہمیت کی حامل تھی۔ میں اس وقت ذہنی تذبذب کے عالم میں ضرور تھا لیکن دل ہی دل میں یہ تہیہ کر چکا تھا کہ اگر مجھے مافیا والوں کی نیت میں ذرا بھی فتور نظر آگیا تو میں فوری طور پر ان کے خلاف محاذ کھول دوں گا۔

سینڈرو ریسپشن ہال میں میرا منتظر تھا۔ میں راستے میں ملنے والے ملازمین کے پھریتیلے سلام قبول کرتا ہوا اس کی رہنمائی میں باہر نکلا تو فرم کے باوردی ڈرائیور نے احترام کے ساتھ سفید کرولا کا عقبی دروازہ میرے لیے کھول دیا اور میں بے نیازی کے ساتھ عقبی نشست میں دھنس گیا۔

کار کا انجن چل رہا تھا اور ائرکنڈیشنر بھی آن تھا۔ جس کی وجہ سے گاڑی ٹھنڈی ہونی شروع ہو گئی تھی میرے کچھ کہے بغیر سلطان شاہ نے پیشہ ورانہ انداز میں ڈرائیونگ

سنبھال لی اور میں کسی جیتے ہوئے جواری کی طرح سینڈ و
ہاتھ ہلا کر سلطان شاہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گیا۔
ان معروف کاروباری اوقات میں بولٹن سے ٹاور
کی سڑک بسوں، گاڑیوں، رکشاؤں، ہاتھ گاڑیوں اور
بڑ سائیکلوں کے ہجوم کی وجہ سے تقریباً بند محسوس ہو رہی
فضا میں پھیلے ہوئے کثیف دھوئیں میں انجنوں اور ہارنوں
پریشان کیے دے رہا تھا لیکن وہاں سے نکلنے کا کوئی
راستہ موجود نہیں تھا اس لیے ہماری گاڑی بھی اُسی
میں پھنسی ہوئی آہستہ آہستہ آگے رینگتی رہی۔
"چندریگر روڈ پر موڑنے کے بجائے سیدھے پُل کی طرف
لینا" میں نے بیزاری کے عالم میں کہا۔ "اس وقت
ڈرائیور ہی بہتر رہے گا۔ تھوڑی دور چل کر گاڑی کہیں روک
کر میں بھی آگے آجاؤں۔"
"آرام سے پیچھے ہی بیٹھے رہو مگر بولتے رہو" وہ ونڈ شیلڈ
لگے ہوئے عقب نما آئینے میں میرا عکس دیکھتے ہوئے بولا۔
بارے میں ہونے والی سہ فریقی کانفرنس نے مجھے چکر میں
رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کل کلاں کو تمہاری وجہ سے حکومتوں میں
جل جائیں۔"
"تیسرا فریق کہاں سے پیدا کر لیا تم نے؟" میں نے ماحول
پن دور کرنے کے لیے تمسخر آمیز لہجے میں اس سے
کیا۔
وہ کافی عرصے پہلے پیدا ہو چکا ہے شبہ ہو تو آئینے میں
صورت دیکھ لو۔" ٹریلائن کے دفتر سے باہر آکر وہ بھی موڈ
آ رہا تھا۔ "شی اور مافیا کے درمیان تیسرے فریق تم خود
گئے۔"
"فریق برابر کے لوگ بنتے ہیں میرا شمار تو شاید وعدہ معاف
میں کیا جائے گا۔ سپر ڈان شاید میری زبان سے جمی لائیڈ کو میرا
بیان سنوانا چاہتا ہے کہ میں کسی جبر و تشدد اور نفع یا لالچ
بغیر رضاکارانہ طور پر شی کو لات مار کر مافیا میں شامل ہوا ہوں۔"
"ان کا جیز کا خیال مختلف ہے۔" وہ ٹریفک پر نگاہ رکھتے
سے بولا۔ "تمہارے انتہائی اقدام کے بعد جمی لائیڈ
مایوس ہو چکا ہے اب تو ایک ہی بات رہ گئی ہے کہ ویرا
گرم کو خود اپنی زبان سے اپنی فرزندی میں لینے کی
اظہار کرے۔ وہ ایک بڑا گروہ بند بنا ہوا ہے اس
نے سپر ڈان کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہو گی کہ جو شی
اس کے مفادات کے خلاف کام کرتا رہا ہو وہ مافیا میں
اس کی جڑیں کاٹنے سے کیسے باز رہ سکے گا۔ وہاں

دونوں طرف سے تم پر بے رحمانہ جرح ہوگی اور جرائم پیشہ تنظیموں کے باہمی اور عالمی مفادات کے تحفظ کے لیے تمہاری بھینٹ چڑھا دی جائے گی۔"

"کم از کم مافیا والوں کو مجھے مارنے کے لیے اتنا لمبا کھڑاگ پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ دھوکے سے کسی بھی وقت مجھے یہیں مار سکتے ہیں۔"

"تم جتنی تیزی سے ان میں شامل ہوئے ہو، اتنی ہی تیزی کے ساتھ عالمِ فانی کی طرف روانہ کر دیے جاؤ تو مافیا کے دوسرے کارندوں کی ذہنی کیفیت کیا ہوگی؟ وہ سب مافیا سے بدظن ہو جائیں گے کہ ایک دن ان کا انجام بھی تم جیسا ہو سکتا ہے پھر اتمام حجت بھی کوئی چیز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سپر ڈان تم کو تمہارے جانی دشمن کے سامنے بٹھا کر تمہارے کردار کے بارے میں اپنی کوئی رائے قائم کرنا چاہتا ہو۔ تم اس کے معیار اور توقعات پر پورے اترے تو زندہ رہو گے۔ ورنہ وہیں کہیں دفن کر دیے جاؤ گے۔"

"تمہاری آخری بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے لیکن یہ امکان بھی خطرے سے خالی نہیں۔ ایک بار وہاں پہنچنے کے بعد تو میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں رہے گا۔ سارے فیصلے ان ہی لوگوں کی صوابدید پر منحصر ہوں گے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس بارے میں ویرا سے کچھ معلوم ہو سکے میں گھر پہنچ کر اس سے ٹرانسمیٹر پر بات کروں گا۔"

واقعات اتنی تیزی کے ساتھ اور کچھ اس انداز میں رونما ہو رہے تھے کہ سلمیٰ سمیت کوئی بھی کسی بات سے بے خبر نہیں تھا اس لیے رازداری برقرار رکھنے کی مزید کوششیں ہم چاروں کے درمیان بدگمانیوں کو جنم دے سکتی تھیں میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس نازک موڑ پر مافیا اور رشی کے علاوہ باقی ہر موضوع پر مشترکہ تبادلۂ خیال کروں گا تاکہ کوئی بہتر حل سامنے آ سکے۔

منہ ہاتھ دھو کر ہم دونوں کھانے کی میز پر پہنچے تو سلمیٰ میز تیار کیے، جہانگیر کے ساتھ ہماری منتظر تھی۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت اس کا ذہن خالی نہیں تھا۔

"آج تمہاری گاڑی بدل گئی ہے؟" سلمیٰ نے کھانے کا آغاز ہوتے ہی سوال داغ دیا۔

"اللہ کی دین ہے... میرے لاکھوں ڈالر تمہارے پاس رکھے ہوئے ہیں اور غیب سے آمدنی کے اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔" میں نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ "روٹی اور مکان تم نے فراہم کیا ہوا ہے۔ کپڑے کچھ اپنے ہیں، باقی جہانگیر کے کام آ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں اور کیا چاہیے؟"

"سارا دن کہاں گزار کر آئے ہو؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے دوسرا سوال کیا۔ "مجھے اب یہ نہ بتانا کہ تم نے کہیں نوکری کر لی ہے۔ تم دس منٹ میں واپسی کا وعدہ کر کے گئے تھے۔"

"نوکری تو میں پہلے بھی کر چکا ہوں یہ اور بات ہے کہ ... کے بجائے ایسی افسری ملی ہے کہ اوپر کوئی پوچھنے والا نہیں ..."

"کامران کو تم نے کہاں چھوڑا ہے؟" جہانگیر نے اچانک ... وہ سوال کر دیا جو میرے لیے اندوہناک تھا۔ غزالہ پر میرا ... اپنی جگہ پر تھا مگر میں کامران جیسے مظلوم اور معصوم شخص کی بے رحمانہ موت کو آسانی سے فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

مجھے لقمہ اپنے حلق میں پھنستا ہوا محسوس ہونے لگا اور چند ثانیوں تک ہم دونوں میں سے کوئی بھی جہانگیر کے سوال کا جواب دینے کی ہمت نہ کر سکا۔

"اسے ویرا نے قتل کر دیا!" میں نے سوگوار لہجے میں کہا۔ "جو کچھ ہوا ہمارے سامنے ہوا لیکن ہم اس قدر بے بس تھے کہ اسے بچانے کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے۔ دھماکا اتنا شدید تھا کہ کامران کے بدن کے ساتھ ہی کار کے بھی بہتیرے حصوں کے چیتھڑے اڑ گئے اور ہم وہاں رک بھی نہ سکے۔"

"تو کیا بم پھینکا گیا تھا اس پر؟" جہانگیر نے حیرت سے سوال کیا۔ "وہ تو تمہاری کار میں تھا نا؟"

"میری ہی کار میں تھا۔ کار اسی کے ساتھ تباہ ہوئی ہے جس کی وجہ سے مجھے دفتر سے دوسری کار لینا پڑی ہے۔ ہو ... کیا تھا، یہ تم سلطان شاہ سے سن لو۔ اس بدنصیب نے جتنے باوقار انداز میں موت کو گلے سے لگایا ہے۔ اس کا تصور مجھے آبدیدہ کرنے کے لیے کافی ہے۔" میری آواز واقعی بوجھل ہو گئی۔

میز کی فضا یک بیک اداس اور بوجھل ہو گئی۔ سلطان ... نے کامران کی موت کا واقعہ دہرانا شروع کیا تو سلمیٰ کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آنے لگے۔ صاف نظر آ رہا ... کہ وہ بہت مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی۔ اس ... چند گھنٹے پہلے ہی کامران کو زندہ اور چاق و چوبند دیکھا ... وہ اس کے ماضی سے بھی اچھی طرح واقف تھی، اس ... اس کا دل گرفتہ ہونا فطری امر تھا۔

کامران کے لیے ہم چاروں ہی افسردہ تھے۔ ہم تینوں ... کے انتقامی اور انتہا پسند مزاج سے اچھی طرح واقف تھے ... لیے ویرا کے وحشیانہ حربے کے بارے میں کوئی خاص تعجب ...

اتھا لیکن سلمیٰ کے لیے وہ ایک انوکھا کتابی واقعہ تھا جسم پر
ھی ہوئی بارودی جیکٹ کو ریموٹ کنٹرول سے اُڑانے کا واقعہ
کے لیے فلمی منظر تو ہو سکتا تھا مگر حقیقی زندگی کا واقعہ نہیں۔
روشن خیال اور تعلیم یافتہ تھی پھر بھی اس نے جی بھر کے ویرا
ری طرح کوسا اور اسی دوران ہم کھانے سے فارغ ہو گئے۔
اس سے آگے غزالہ اور ویرا کے ساتھ آنکھ مچولی کی کہانی
نے سُنائی لیکن ان پر ظاہر نہ ہونے دیا کہ کسی مرحلے پر ویرا
ری زد میں آگئی تھی مگر میں نے اسے معاف کر دیا تھا۔
"کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا ہو رہا ہے" سلمیٰ نے اُلجھے ہوئے
ے میں کہا "ویسے ویرا تمھارے خون کی پیاسی بنی پھرتی ہے۔
ارے گھر کو ملبے کا ڈھیر بنانے میں اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی
ی مگر جب تم کو کامران کے ساتھ جان سے مارنے کا موقع ملا
و تمھیں وارننگ دے کر ... سے دُور بھگا دیا۔ دوسری
ف غزالہ بیگم اور تم ایک دوسرے کے لیے بیسویں صدی کے
مجنوں بنے ہوئے ہو لیکن غزالہ، سلطان شاہ سے ملی تو اسے
ہانے بغیر اپنا اُلو سیدھا کر کے غائب ہو گئی۔ میں نے تو آج تک
یسی دُشمنی دیکھی اور نہ دوستی۔ پتا نہیں کہ ان دونوں عورتوں
ے تمھارے کیسے مراسم ہیں؛ کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی۔"
"ویرا کی حرکت تو پھر بھی قابلِ فہم ہے۔" جہانگیر نے میرا
اتھ دینا چاہا۔ "اس نے ڈینی سے دو معاہدے کیے تھے۔ اوّل
یہ اگر ڈینی جاز فارماسیوٹیکل کو نہیں چھیڑے گا تو وہ ہم دونوں
تنگ نہیں کرے گی۔ اس نے ابھی تک اپنا وعدہ پورا کیا ہے
نہ روزانہ اس کے آدمی ہمارے گھر پر دو چار راؤنڈ فائر کر کے
ماری زندگی اجیرن بنا سکتے تھے۔ اس کا دوسرا وعدہ بھی ایسا ہی
تھا۔ اس نے ڈینی سے کہا تھا کہ ان دونوں کا جب بھی سامنا ہو
بالادست کو مغلوب فریق کو پہلی بار معاف کرنا ہوگا۔ اس نے
پنا قول پورا کیا ہے۔ اگلی بار اسے موقع ملا تو ڈینی کو زندہ نہیں چھوڑے
مگر ڈینی کو پہلی بار اس کا قرض ادا کرنا ہوگا البتہ غزالہ کا رویہ میرے
یے ناقابلِ فہم ہے، وہ مکان میں ویرا سے بچ کر فرار ہوئی تھی اگر
بلک اپ کی وجہ سے سلطان شاہ اسے نہیں پہچان سکا تو وہ تو
سلطان کو اچھی طرح جانتی ہے، وہ اپنی شناخت کا ذرا سا بھی
شارہ دے دیتی تو اسے دُشمنوں سے پناہ مل سکتی تھی۔"
"آج کے واقعے پر غزالہ سے میرا دل پھر گیا ہے۔" میں نے
بجھدلی کے ساتھ کہا۔ "اگر وہ کبھی سامنے آبھی گئی تو میرے لیے
یک اجنبی لڑکی ہوگی۔ صرف دلدار آغا کی نوجوان بیوہ ... اس
ے آگے تعلقات رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ اس میں آجانے
والی تبدیلیوں پر منحصر ہوگا۔"

"اسے اپنے بھائی کی موت کا علم ہو چکا ہے؟" سلمیٰ نے
سوال کیا۔
"کیسے ہوتا؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔ "غزالہ، ویرا اور
ڈینی تینوں ایک مکان کی چھت کے نیچے چکر لگاتے رہے لیکن
کسی کی بھی ایک دوسرے سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ غزالہ ماسی
کے روپ میں میرے پاس آئی تو میں بدقسمتی سے اسے پہچان ہی
نہ سکا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ میرے بجائے ڈینی سے ٹکرائی
ہوتی تو یہ ضرور اسے پہچان لیتا اور بات وہیں ختم ہو جاتی۔"
"غزالہ تمھیں چوٹ دے گئی۔ اب تم کہیں اور اپنا دل لگانے
کی تیاری کرو۔" سلمیٰ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ میرے زخموں
پر نمک پاشی کا کوئی بھی موقع وہ ضائع نہیں کرتی تھی۔
"اسے تیاری کی کیا ضرورت ہے؟ تمھاری سہیلی، ریٹا خود
ہی اس کی طرف آرہی ہے۔ خاصی خوش مزاج عورت ہے۔
فی الحال اسی سے دل بہلا رہے گا۔" جہانگیر نے پھر میری
طرف داری کی۔
"ریٹا کے بارے میں زبان کھولنے سے پہلے یہ بھی سوچ
لو کہ تم خود شادی شدہ ہو۔" سلمیٰ نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔
"پرائی عورتوں پر نظر رکھنا بدترین گناہ ہوتا ہے۔"
"ریٹا کو بھی پرائے مردوں سے دُور رہ کر گناہ سے بچنا

چاہیے۔" جہانگیر نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "غزالہ کا قصہ تو ابھی تازہ ہے۔ اب سے پہلے ڈینی غزالہ کا مرد ہوا کرتا تھا۔"

"تم لوگ آپس میں نہ لڑو!" میں نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اس بارے میں مجھے جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا ہوگا۔ میں ایک سائے یا سراب کے پیچھے اپنی زندگی برباد نہیں کرسکتا۔"

"شکر ہے کہ تمھیں جلد ہی خیال آ گیا۔" سلمٰی برتن سمیٹتی ہوئی بولی۔ "غزالہ تو خیر سے ایک شادی کر کے بیوہ بھی ہو گئی اور تم ابھی تک کنوارے بیٹھے ہوئے ہو۔"

اس کا وہ فقرہ تیر کی طرح میرے دل میں لگا مگر میں نے زبان نہ کھولی۔ میں اُس وقت شکوہ کرتا تو سلمٰی زیادہ سخت باتیں کہہ گزرتی جنھیں سہنا شاید میرے بس سے باہر ہوتا۔ وہ میرے نام سے وابستہ ہر عورت کی بدترین دشمن تھی اور ان میں غزالہ سرِفہرست تھی۔

وہ برتن سمیٹ کر چلی گئی تو میں سلطان شاہ کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گیا۔ جہانگیر نے بھانپ لیا تھا کہ سلمٰی کے تند و تیز فقروں نے میرا موڈ خراب کر دیا تھا اس لیے وہ بھی زبان سے کچھ کہے بغیر ہمارے پیچھے لگا چلا آیا اور وہیں ایک صوفے پر دراز ہو گیا۔

اس وقت میری طبیعت اتنی مکدر ہو گئی تھی کہ تھوڑی دیر کے لیے بھی اس گھر میں ٹھہرنا محال معلوم ہو رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میں دل پر جبر کر کے وہاں رُک گیا تو سلمٰی کی ذرا سی بدزبانی پر اُس پر اس بُری طرح اپنے دل کا غبار نکالوں گا کہ پھر مفاہمت کی کوئی راہ باقی نہیں رہ جائے گی لیکن دوسری طرف یہ مشکل تھی کہ کسی بدمزگی کا اندازہ لگانے کے بعد جہانگیر کسی قیمت پر مجھے اپنے گھر سے نہ جانے دیتا اس لیے میں نے مصلحت سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم لوگ خطرات سے محفوظ ہو چکے ہو!" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد پُرسکون لہجے میں جہانگیر سے گفتگو کی ابتدا کی۔

"دیکھو ڈینی! تم سلمٰی کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو۔ میں بار بار کہتا رہا ہوں کہ وہ زبان کی بُری ضرور ہے لیکن دل کی بُری نہیں ہے اور تم کو بھائی کی طرح چاہتی ہے۔ تم کو اُس کی کسی بات کا بُرا نہیں منانا چاہیے۔ مجھے علم ہے کہ اس وقت سلمٰی نے تمھارے ساتھ زیادتی کی ہے لیکن اُس کی زبان پکڑنا میرے بس سے باہر تھا۔ . . ." اُس نے اپنی بیوی کی صفائی میں ایک لمبی تمہید باندھی مگر میں نے درمیان میں سے ہی اس کی بات کاٹ دی کیونکہ اس وقت میں اس موضوع کو طول

نہیں دینا چاہتا تھا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ سلمٰی نے زیادتی ضرور کی ... میں اس کی نشتر زنی کا عادی ہو چکا ہوں۔" میں نے ... بے جان مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میرے لیے یہاں سے ... ضروری ہو گیا ہے۔"

"تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے ڈینی! تمھارا چہرہ ... کھا رہا ہے کہ تم اندر ہی اندر کھول رہے ہو لیکن بظاہر ... کی کوشش کر رہے ہو۔ تمھارا یہاں سے جانا قطعی ضرور... نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی غلطی کا احساس ہونے پر ... ہونے سے پہلے ہی تم سے معافی مانگ لے . . ."

"سلمٰی کا نہیں، یہ غزالہ کا معاملہ ہے۔" میں نے تحمل ... کام لیتے ہوئے کہا۔ "سلمٰی نے تو بہت بعد میں زبان کھولی ... میں فلیٹ میں منتقل ہونے کا فیصلہ کر کے یہاں آیا تھا۔ ... وہ فلیٹ بھی تو تمھارا ہی ہے اس لیے مجھ سے ضد نہ کرو ... مجھے جانے دو۔"

"ابھی غزالہ کو سراب قرار دے رہے تھے اب اُس کا ... معاملہ پیدا ہو گیا؟"

"غصے میں آدمی کچھ بھی کہہ سکتا ہے لیکن برسوں کی ... ریاضت کو یوں لمحوں میں خاک تو نہیں کیا جا سکتا۔" ... اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ غزالہ کا تمھارے منتقل ہونے ... کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" وہ میری کسی بات پر یقین کرنے کو ... آمادہ نہیں تھا۔

"تم بھول رہے ہو کہ غزالہ نے سلطان شاہ کو جو رقعہ ... دیا اس پر تمھارے فلیٹ کا فون نمبر لکھا ہوا تھا جہاں سے ... کبھی کبھار اسے دلدار کے گھر فون کرتا رہتا تھا۔ میں غزالہ ... رگ رگ سے واقف ہوں۔ اس رقعے میں میرے لیے ... پوشیدہ ہے کہ میں اس نمبر پر رہ کر اس کی فون کال کا ... کروں۔ ہو سکتا ہے کہ میری غیرحاضری کے دوران وہ ... رہی ہو اور جواب نہ پا کر مایوس ہو گئی ہو۔"

"لیکن اسے میرا گھر معلوم ہے۔ وہ یہاں آ سکتی تھی۔ ... سے بڑھ کر یہ کہ آج سلطان شاہ کو اپنی اصلیت بتا سکتی ... اس نے تو تم سے کھلی ہوئی لاتعلقی اختیار کی ہوئی ہے۔"

"اس کی کیا مجبوریاں ہیں؟ یہ تو وہی بتا سکتی ہے ... میں منتقل ہونے کے بعد فون پر اس سے بات ہو گی۔ تب ... پتا چل سکے گا کہ وہ کیوں اور کہاں روپوش ہے۔"

"یہ تمھاری ہمیشہ کی عادت ہے۔" وہ میرے دلائل ...

سامنے زچ ہو کر بے بسی سے بولا۔ "تم جس بات پر اڑ جاتے ہو اس کے حق میں ایسی ایسی تاویلیں تلاش کر لیتے ہو کہ اپنے سامنے والے کو لاجواب کر دیتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے عزالہ کے دبے ہوئے رقعے سے یہ کہانی ابھی ابھی سوچی ہے ورنہ کھانے کی میز پر تم عزالہ کے بارے میں اتنا سخت رویہ اختیار نہ کرتے۔"

"تم یقین کرو یا نہ کرو لیکن میرا فلیٹ منتقل ہونا بہت ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آج رات ہی کو مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے۔" میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

سلطان شاہ معاملے کی تہ تک پہنچ گیا تھا لیکن وہ خود سلمیٰ کو ناپسند کرتا تھا اس لیے اس نے مجھے سمجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور جہانگیر کو آخر کار ہتھیار ڈالنے پڑ گئے۔

"تم میری کالی شیراڈ اپنے استعمال میں رکھو گے۔" مجبور ہو کر اس نے دوستی برقرار رکھنے کی علامت کے طور پر ایک شرط عاید کر دی۔

اس بار میں واقعی ہنس پڑا۔ "کیوں بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو جہانگیر؟ میں ہوٹل یا کرائے کے گھر میں نہیں بلکہ تمہارے ہی فلیٹ میں منتقل ہو رہا ہوں۔ میرے پاس اپنے دفتر کی کار بھی ہے میں بیک وقت دو گاڑیاں تو نہیں چلا سکتا۔"

"تم ابھی تک کہیں نہ کہیں پھنسے ہوئے ہو۔ تمہاری غیر حاضری میں سلطان شاہ کو سواری کی ضرورت پیش آ سکتی ہے شیراڈ یہ رکھ لے گا۔" اس نے اصرار کیا اور اس بار مجھے خاموش ہونا پڑ گیا۔

ہم دونوں کا جملہ ساز و سامان فلیٹ ہی میں تھا اس لیے روانگی کے لیے کسی خاص تیاری کی ضرورت نہیں تھی۔ بیم گن اور ایک کلاشنکوف کے علاوہ وہ دیرا سے رابطہ قائم رکھنے والا مختصر سا ٹرانسمیٹر گاڑی میں منتقل کر کے ہم روانگی کی تیاری کر رہے تھے کہ سلمیٰ اندر سے آ گئی۔

"کہاں کی تیاری ہو رہی ہے؟" اس نے برآمدے میں آتے ہی کاٹ دار لہجے میں سوال کیا۔ اسے اپنے سابقہ رویے کا شاید نہ احساس تھا اور نہ ملال۔

"یہ دونوں فلیٹ جا رہے ہیں۔ وہ کئی دن سے خالی پڑا ہوا ہے۔" جہانگیر نے مجرمانہ احساس کے ساتھ دبے لہجے میں کہا۔ میں کسی تلخی سے گریز کرتے ہوئے سفید کرولا سے نیچے اتر آیا۔ البتہ سلطان شاہ شیراڈ کا انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ وہ تو گھڑی کی چوتھائی میں اس گھر سے نکل بھاگنے پر تلا بیٹھا رہتا تھا۔

"تم فلیٹ پر پہنچو میں آتا ہوں۔" میں نے اسے اشارہ کرتے ہوئے کہا اور وہ کھلے ہوئے پھاٹک میں سے اپنی کار باہر لیتا چلا گیا۔

سلطان شاہ کے اس گستاخانہ فرار پر سلمیٰ کی تیوریاں چڑھ گئیں اور وہ بپھرے ہوئے انداز میں میری طرف متوجہ ہو گئی۔

"دیکھا اس جنگلی گنوار کو۔ مجھ سے سلام دعا کیے بغیر ایسا بھاگا ہے جیسے مجھے جانتا ہی نہیں۔ اچھا ہوا جو عزالہ نے اسے منہ نہیں لگایا... تم بھی اس کے ساتھ رہ کر یا اسے اپنے ساتھ رکھ کر اسی جیسے ہو گئے ہو۔ جاؤ! تم بھی اسی کی طرح منہ اٹھا کر چلے جاؤ۔"

"میں ہمیشہ کے لیے نہیں جا رہا۔ تم اندر مصروف تھیں اس لیے میں نے مخل ہونا ضروری نہیں سمجھا۔ اب اگر اجازت ہو تو..." میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"لیکن تمہارا منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟" اس کے تیور بدلتے جا رہے تھے۔

"وقت اور حالات کے تھپیڑوں نے سجا دیا ہے۔" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"ارے میں مذاق کر رہی ہوں مگر تم تو بھرے بیٹھے ہو۔" وہ دو قدم آگے بڑھ کر بولی۔ "میں نے کیا کیا ہے تمہارے ساتھ جو مجھ سے اتنے ناراض نظر آ رہے ہو؟"

"جس کی محبوبہ اسے دغا دے جائے وہ کبھی نہیں مسکراتا سلمیٰ بی بی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بے وفائی کی چوٹ کھا کر دل مرجھا جاتا ہے، چہرہ سوجا ہوا نظر آنے لگتا ہے، ہونٹوں سے مسکراہٹ چھن جاتی ہے۔ الفاظ میں شیرینی نہیں رہتی اور تم چاہتی ہو کہ میں ایسی حالت میں بھی تم کو ہنستا مسکراتا ہوا نظر آؤں۔ میں انسان ہوں، پتھر نہیں جو سدا ایک حالت میں رہتا ہے خواہ اسے ٹھوکروں میں پڑا رہنے دیا جائے یا اٹھا کر کسی مسجد کی محراب میں سجا دیا جائے۔"

"یہ دل گرفتہ اور زخم خوردہ ہے سلمیٰ!" جہانگیر نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "اس وقت اسے نہ چھیڑو یہ بپھر گیا تو سنبھالنا دشوار ہو جائے گا۔"

"جاؤ ٹونی! وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بولی۔ "میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

میں سر جھکا کر گاڑی میں بیٹھا اور انجن اسٹارٹ کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا۔

ایریٹس میری جیب میں تھا۔ اس وقت میرے دل میں دیرا سے بات کرنے کی شدید خواہش بیدار ہو چکی تھی۔ میں نے اسے آن کر کے پسنجر سیٹ پر رکھ دیا۔ اس وقت میں اس سے رابطہ کرنے کے بجائے اس کی کال کا انتظار کرنا چاہ رہا تھا... مجھے امید تھی کہ کامران کی موت کے بعد کے واقعات کے بارے میں وہ کسی نہ کسی وقت مجھ سے ضرور بات کرے گی۔

سلطان شاہ فلیٹ پر پہنچ کر جھاڑ پونچھ کا آغاز کر چکا تھا

یا ابتدا میری ہی خواب گاہ سے کی تھی میں نے آن کیا ہوا اپریٹس
ا ہنڈٹیبل پر رکھا اور لباس تبدیل کیے بغیر بستر پر دراز ہوگیا۔
"تم نے وہاں سے نکل آنے کے لیے جہانگیر کو جو کہانی سنائی
یرے دل کو لگتی ہے۔" اس نے ہاتھ روک کر قدرے پُرجوش
ہجے میں کہا۔ "غزالہ جلد یا بدیر تم سے اسی فلیٹ کے فون پر رابطہ
رے گی میں راستے بھر تمہاری اسی قلابازی کے بارے میں سوچتا
ہوا آیا تھا اس رُقعے سے تم نے بالکل صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے جو
یرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔"

"جنگلی گنوار! میرے ذہن میں سلطان شاہ کے لیے کہے
ہوئے سلمٰی کے الفاظ گونجے اور میں نے اس سے کہا۔" وہ
یک افسانہ تھا سلطان شاہ! جس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔
زالہ اگر غلطی سے فون کر بھی بیٹھے تو تم اسے ٹال دینا۔ فی الحال
یں نہ اس کی صورت دیکھنا چاہتا ہوں اور نہ اس کی آواز برداشت
ر سکوں گا۔ اس کے بارے میں تو اب وہی خبریں مستند ہوں گی
و کل دوپہر کو ڈی ایس پی سرور لودھی سے ملیں گی۔ اس سے
پہلے میں اس عورت کے بارے میں کچھ سوچنا نہیں چاہتا۔ اس وقت
اگر کسی کی ذات سے مجھے سکون مل سکتا ہے تو وہ تم دیرا ہی
ہوسکتی ہے جس کی آواز کے انتظار میں میں نے اپریٹس آن کر
رکھا ہے۔

وہ ترحم آمیز نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ "میں تمہاری
ذہنی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہا ہوں۔ میں تم کو حکم نہیں دے سکتا لیکن
یہ التجا ضرور کر سکتا ہوں کہ خود پر قابو پانے کی کوشش کرو۔ ہو سکتا
ہے کہ جو کچھ اب نظر آرہا ہے وہ سراب ہو۔"

"مجھے مت بہلاؤ سلطان شاہ اور اندر سے میرے لیے بوتل،
پانی اور گلاس لے آؤ۔"

سلطان شاہ کسی وفادار خادم کی طرح خاموشی کے ساتھ چلا
گیا اور چند ہی منٹ بعد میری مطلوبہ اشیاء میرے سرہانے رکھ کر
ائرکنڈیشنر چلا دیا۔

وہ میری خواب گاہ کا دروازہ بند کر کے چلا گیا تو میں نے
جوتے اتار کر اپنے لیے پہلا گلاس تیار کر لیا جو بہت زیادہ تیز
اور تلخ تھا۔ سنہری رنگ کا وہ مہلک سیال ہی اس وقت مجھے
مدہوش کر کے میرے ذہن کے رستے ہوئے زخموں کو کچھ سکون دے
سکتا تھا۔

اس وقت میری حالت اس دل شکستہ کھلاڑی سے بھی
بدتر تھی جس نے فتح کی لکیر کے اس پار اپنی محبوبہ سے ملنے کی امید میں اپنی ساری
قوت اور صلاحیتیں صرف کر کے ٹریک پر دوڑ لگائی ہو لیکن سب سے
آگے نکلنے کے بعد دوڑ ختم ہونے پر اسے کوئی زہریلی ناگن اپنی
منتظر ملی ہو۔ محبوبہ اور زہریلی ناگن ہی دو متضاد جذبوں کی علامتیں
ہو سکتی تھیں۔

ایک سراپا مہربانی، محبت آمیز، نرم خو اور حیات آفریں لیکن
دوسری قہرمان، نفرت انگیز، تند خو اور ہلاکت آفریں جس کے کاٹے
کا علاج بھی ممکن نہیں تھا۔

"دس از ویرا کالنگ فار ڈینی۔۔۔ اوور!" کچھ دیر بعد کمرے کی
فضا میں ایک دھیمی دھیمی خوابناک آواز گونجی اور میں نے ہڑبڑا کر
اپنا سر جھٹک دیا۔

میں نے اپریٹس کی طرف دیکھا تو اس کی پاور آن ہونے
والی سرخ بتی روشن تھی مگر میں یہ فیصلہ نہ کرسکا کہ وہ آواز اپریٹس
سے ہی ابھری تھی یا وہ میرے مخمور اور شکست خوردہ ذہن کی
پیداوار تھی، الکحل معدے میں اترتے ہی جمی لائیڈ کی بیٹی میرے
سر پر سوار ہونے لگی تھی۔

وہی دھیمی اور خوابناک آواز دوبارہ ابھری تو اس بار میں
اپریٹس ہی کی طرف متوجہ تھا اور وہ آواز واضح طور پر اس میں سے
آئی تھی۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔

میں نے فتح کے احساس کے ساتھ اپریٹس اٹھالیا۔ "ڈینی
ریسیونگ یور کال ویرا ڈارلنگ۔۔۔ اوور!" میں نے اپنی ترنگ
میں کال کا جواب نشر کیا تھا۔

"او ہو!" وہ شاید میری آواز سن کر چونک پڑی تھی۔ "شاید تم شغل کر رہے ہو؟ ابھی تو سورج بھی غروب نہیں ہوا پھر یہ بے اعتدالی کس خوشی یا صدمے میں کر رہے ہو؟ میرا تو خیال تھا کہ اس وقت صرف میرا ہی دماغ خراب ہوا ہے... اوور...!"

ویرا کا وہ انکشاف میرے لیے دلی مسرت کا باعث ثابت ہوا۔ اس کے اور میرے درمیان حد سے زیادہ ذہنی ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ وہ کسی وقت مجھ سے ضرور بات کرے گی اور اس کی کال آگئی تھی۔ اس وقت جو کچھ میں کر رہا تھا، وہی ویرا بھی کر رہی تھی۔ وہ نامہربان ہو کر بھی مجھ پر اتنی مہربان تھی کہ اس نے کامران کو ہلاک کرتے ہوئے مجھے زندہ بچ نکلنے کے لیے پوری پوری مہلت دی تھی اور جس ہستی کو میں مہربان تصور کیے بیٹھا تھا، وہ اپنی دوشیزگی کو بیوگی کی چادر میں لپیٹ لینے کے باوجود مجھ سے دور بھاگی جا رہی تھی جیسے میرے لیے اس کے سوا کوئی اور انتخاب ہی نہ ہو۔

"ہم ایک دوسرے کے دشمن نما دوست ہیں ویرا ڈارلنگ! اور ایک دوسرے کو فریب دینے کے بجائے خود ہی کو دھوکے دیتے رہتے ہیں۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ آج تم نے ڈنکے کی چوٹ پر اپنا وعدہ پورا کیا لیکن مجھے خوشی ہے کہ میں نے بھی تمہاری پشت پر گولی نہ چلا کر آج کا حساب آج ہی بے باق کر دیا۔ اوور!"

"تم جھوٹے ہو۔ تم کہاں موجود تھے؟ میں نے تو آج تمہارا سایہ بھی نہیں دیکھا۔ اوور!"

"اندر میں ہر قدم پر تمہارا تعاقب کر رہا تھا۔ باہر تم نے میرے سامنے بوڑھے چوکیدار کو اپنے نرم و نازک وجود کی مار سے اپنی کار کی عقبی نشست پر بے ہوش کیا تھا۔ تم ہر وقت میرے نشانے پر تھیں لیکن میں نے تم کو معاف کر دیا۔ تم نے کامران کو مارا تھا، میں نے اس کے بدلے میں انطونیو کو ہلاک کر دیا۔ غزالہ نہ تمہارے ہاتھ آسکی اور نہ میں کامیاب رہا۔ اس اعتبار سے آج کا مقابلہ بالکل برابر رہا۔ اوور!"

"اوہ، تو انطونیو کو تم نے مارا تھا!" اس کی آواز کرب آمیز تھی۔ "وہ میرا بہت اچھا دوست تھا۔ میں سمجھ رہی تھی کہ وہ ماسی کے روپ میں فرار ہونے والی غزالہ کا شکار ہوا ہے۔ پھر تو ٹائروں کو بھی تم ہی نے فلیٹ کیا ہوگا۔ تم واقعی مکارِ اعظم ہو ڈینی۔ اوور!"

"آج کی تاریخ میں جو ہونا تھا وہ ہو گیا!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ہم دونوں کا کامیابیوں اور ناکامیوں کا اسکور برابر ہی رہا ہے۔ میں نے تمہاری نیت دیکھ لی۔ تم نے مجھے آزما لیا۔ ہم دونوں ہی اپنے قول کے پکے ہیں۔ پھر ایک بار مل بیٹھنے میں کیا مضائقہ ہے؟ اوور!"

"ہمیں مل ہی لینا چاہیے!" اس کی آواز دل کی گہرائیوں سے ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ "میں انطونیو کا سوگ منا رہی ہوں اور تم شاید غزالہ کے فراق میں سلگ رہے ہو۔ ایک دوسرے کا درد بانٹ کر شاید ہم کام کے بارے میں بھی کچھ باتیں کر سکیں۔ اپنا پتا بتاؤ، میں فوراً ہی وہاں پہنچتی ہوں۔ اوور!"

"یہاں سلطان شاہ بھی ہے۔ وہ رنگ میں بھنگ ڈالے گا۔" میں نے حیلہ جوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے اپنا ٹھکانا بتا دو، میں آجاتا ہوں۔ اوور!"

"جب تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں تو میں تم پر کیسے بھروسا کر سکتی ہوں؟ اوور!" ویرا کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"چلو! پھر اپنے ٹھکانوں کو ایک دوسرے سے پوشیدہ رکھتے ہوئے ہم کہیں اور مل لیتے ہیں۔" میں نے تجویز پیش کی۔ "ہم ایک دوسرے کے وعدوں کو آزما چکے ہیں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ کم از کم آج کی رات تم میری امان میں رہو گی اور امید کرتا ہوں کہ تم بھی کوئی چال بازی نہیں کرو گی۔ اوور!"

"یہ دو ناکاموں کی عجیب و غریب ملاقات ہوگی۔ بہرحال ہمیں ایک بار مل لینا چاہیے۔ میں ہالیڈے اِن کے لاؤنج میں ... ہوں۔ تم بھی وہیں پہنچو۔ اوور!"

"اس حالت میں ہمیں لاؤنج کے بجائے کسی کمرے میں مذاکرات کرنے ہوں گے۔ تم غیر ملکی ہو، اسی ہوٹل میں ایک کمرا بک کرا... اوور!"

"وہ سب ہو جائے گا۔ تم گھر سے تو نکلو۔ اور ہاں کوئی ساتھ نہ لانا۔ میں تمہاری اچھی طرح جامہ تلاشی لوں گی... اوور اینڈ آل!"

ایریئل آف کرتے ہوئے میں زیرِ لب مسکرا دیا۔ اس شام وہ میری پہلی حقیقی مسکراہٹ تھی۔

مجھے تیار ہوتا دیکھ کر سلطان شاہ آموجود ہوا اور سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "اب کہاں کی تیاری ہے؟"

"ذرا ہالیڈے اِن تک جا رہا ہوں۔" میں نے اسے ویرا کے بارے میں بتائے بغیر کہا۔ "تم چاہو تو میرے ساتھ چل سکتے ہو لیکن کچھ پتا نہیں کہ تمہیں کب تک باہر انتظار کرنا پڑے۔"

اس نے لاکھ کریدنا چاہا لیکن میں نے اسے اصل بات کی ہوا بھی نہ لگنے دی اور آخر کار چند منٹ بعد ہم دونوں کی سیاہ شیراڈ میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ سلطان کار ڈرائیو کر رہا تھا اور میں اس کے برابر والی نشست پر ... سرور سے رہا تھا۔

"غزالہ کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟" کئی منٹ تک خاموشی کے ساتھ کار
ـنے کے بعد آخر کار سلطان شاہ اپنی زبان کی خارش سے مجبور
ل ہی پڑا۔
یں اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر اپنا دماغ خراب نہیں
تا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "مجھے یہ اعتراف
یں کوئی عار نہیں ہے کہ اس کا نام آج ایک پھانس بن کر
دل میں چبھ رہا ہے۔ میں نے اسے ٹوٹ کر چاہا اور اپنی
ت کو حاصل کرنے میں ناکام رہا اس لیے بار بار اس کا ذکر
یرے زخموں کو نہ کریدو۔ میں نے تمہیں بتادیا ہے کہ میں
مکن کوشش کر چکا ہوں اب غزالہ کی باری ہے۔ اسے
رنا ہوگا کہ وہ آج بھی مجھے کچھ سمجھتی ہے ورنہ وہ میرے
اجنبی لڑکی بن کر رہ جائے گی اور اگر آج آزاد ہوتے ہوئے
ں کی کچھ مجبوریاں اس کا تعاقب کر رہی ہیں تو اس کے بارے
کل یہ بہتر تک مجھے نگرانی کرنے والوں کی رپورٹ مل جائے
وقت تک میں اپنے دل و دماغ کو بے لگام چھوڑ دینا
ہوں۔"
"الی ڈے ان کس لیے جارہے ہو؟" اس نے آہستگی
چھا۔
"کسی سے ملنے۔" میں نے ویرا کا نام لیے بغیر بے پروائی سے کہا۔
"اس کا کوئی نام، کوئی روپ تو ہوگا؟" اس کے لہجے میں ہلکی
ا گئی۔
"میرے لیے اس کا کوئی نام نہیں ہے، ہاں روپ بہت
ہے۔ دلکش چہرہ، تیکھے خدوخال اور متناسب بدن۔ یہی
یزیں مجھے اس کی طرف لے جارہی ہیں۔"
اس نے اندر ہی اندر غراتے ہوئے اپنے سر کو تفہیمی انداز
جنبش دی پھر بولا۔ "ویسے تو میں تمہارا تنخواہ دار نوکر ہوں
نے ہمیشہ مجھے جو عزت دی ہے اس کی بنا پر میں اپنے
ے میں خوش فہمی میں مبتلا رہتا چلا آرہا ہوں اسی لیے تمہارے
ی معاملات میں بھی وقتاً فوقتاً دخل دیتا رہتا ہوں اور اس
ت بھی میرے لیے خاموش رہنا ناممکن ہوتا چلا جارہا ہے۔
اجازت دو تو میں تم سے کھل کر کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں اور
بتادوں کہ میری گفتگو کچھ زیادہ خوشگوار نہیں ہوگی۔"
"میں نے کبھی تم پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ جو کچھ کہنا چاہتے
بلا تکلف کہہ ڈالو لیکن جس طرح تم نے پہلے ہی بتادیا ہے کہ
ری گفتگو خوشگوار نہیں ہوگی اسی طرح میں بھی یہ واضح کردینا
ہتا ہوں کہ اگر میرا ردعمل تلخ ہو تو منہ نہ سجالینا۔"

وہ چند ثانیے تک خاموش رہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ اپنی بات شروع کرنے کے لیے مناسب الفاظ کی تلاش میں تھا۔ پھر اس نے آہستگی سے بولنا شروع کردیا۔ "میرا اور تمہارا ساتھ بہت زیادہ طویل نہیں ہے لیکن اس دوران میں دن رات ساتھ رہ کر میں نے تمہارے مزاج سے پوری طرح واقفیت حاصل کرلی ہے۔ تم پارسا کبھی بھی نہیں رہے ہو جہاں موقع ملتا ہے کھل کر اپنی رنگین مزاجی کے مظاہرے کرتے ہو۔ خوبصورت عورتوں کی موجودگی میں تمہارا دماغ بھی خوب چلنے لگتا ہے لیکن میں نے کبھی بھی تمہارا رجحان پیشہ ور عورتوں کی طرف نہیں دیکھا۔ ساری خرابیوں کے باوجود تمہاری یہ عادت مجھے پسند ہے کہ تم لنگناتے، مترنم جھرنوں میں تو خوب غوطے لگاتے ہو لیکن گندی نالیوں میں بہنے والے پانی سے دور رہتے ہو لیکن ابھی تم نے جو کچھ کہا، اس سے مجھے دلی تکلیف ہوئی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم خود کو اس حد تک گرا لوگے۔"

"میں نے تو بہت کچھ کہا ہے۔ تم میری کس بات کے حوالے سے یہ تقریر کررہے ہو؟" میں نے قدرے حیرت سے سوال کیا کیونکہ میں واقعی یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ میری کون سی بات اس کے لیے دلی تکلیف کا باعث بنی تھی۔ جو وہ مجھ پر تنقید کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔

"غزالہ سے تمہاری دوستی ہے۔ تمہیں اس سے ناراض ہونے کا بھی پورا پورا حق ہے لیکن اس سے روٹھ کر تم طوائفوں کے چکر میں کیوں پڑ رہے ہو؟" اس کے لہجے سے اس کا اندر کا دکھ ظاہر ہو رہا تھا جس پر میں چونک پڑا۔

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"ابھی تم نے خود ہی بتایا تھا کہ تم تیکھے خدوخال اور متناسب بدن والی کسی ایسی عورت سے ملنے جارہے ہو جس کا، تمہارے لیے کوئی نام نہیں ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ میں نے اس سے بحث میں الجھنے سے بچنے کے لیے ویرا کا نام چھپایا تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ میری وہ احتیاط سلطان شاہ کے لیے صدمے کا باعث بن رہی تھی اس لیے میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "غم نہ کرو، میں تمہارے پندار کو ٹھیس پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ وہ بالکل ایسی ہی ہے جیسا میں نے تمہیں بتایا ہے۔ تم خود اسے بارہا دیکھ چکے ہو۔ میں ویرا سے ملنے جارہا ہوں۔"

"ویرا سے؟" اس کے حلق سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔ "شاید تم یہ بھول رہے ہو کہ وہ تمہیں چھوٹ دینے کا وعدہ پورا کرچکی ہے اور اب تمہارے خون کی پیاسی ہے۔"

"جنھیں چاہا جاتا ہے انھیں مارنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ خواص صرف بھیڑیوں میں پائے جاتے ہیں جو اپنے غول کے کمزور ساتھیوں کو خود ہی چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں۔"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "پتا نہیں تم کس زمانے کی بات کر رہے ہو؟ ویرا تو پھر بھی ایک مستند قاتلہ اور غیر ملکی ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے۔ دلدار آغا کی ذرا سی سازش کے نتیجے میں سب لوگ اندھے، بہرے اور دیوانے ہو گئے تھے۔ کسی سبب اور دشمنی کے بغیر لوگ کلاشنکوفیں تان کر ایک دوسرے پر گولیاں برسانے لگے تھے۔ زندگی ہراساں تھی۔ اسے نہ گھر میں پناہ میسر تھی اور نہ گلی کوچوں میں۔ ہر طرف موت کی حکمرانی دیکھ کر بھی تم دقیانوسی باتیں کر رہے ہو۔ اس نے اپنے بدن کا سحر دکھا کر تمھیں بلایا ہے اور موقع پاتے ہی وہ تمھارے سینے میں گولیاں اُتار دے گی۔"

"یہ سینہ اتنا چھلنی ہو چکا ہے کہ ویرا کی چلائی ہوئی گولیاں اس کے پار نکل جائیں گی۔ میری اس سے تفصیلی بات ہوئی ہے۔ اسے انطونیو کی موت کا شدید غم ہے۔ وہ مجھ سے وعدہ خلافی نہیں کرے گی اور پھر یار! میں تو مسلمان ہوں۔ میری موت اگر ویرا ہی کے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے تو میں کہیں بھی چھپتا پھروں، آخر کار وہی مجھے میرے آخری سفر پر روانہ کرے گی۔ میں اس وقت نہیں رکوں گا۔ تم گاڑی کی رفتار کم کیوں کر رہے ہو؟ مجھے دیر ہوئی تو وہ میری طرف سے شبہات میں مبتلا ہو جائے گی۔"

"اس وقت تمھاری ذہنی حالت درست نہیں ہے۔" اس نے گاڑی سڑک کے کنارے روک کر خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "تم غزالہ سے مایوس ہو کر ویرا جیسی ناگن کی آغوش میں پناہ لینے جا رہے ہو۔ یہ دانشمندی نہیں ہے۔ میں گاڑی واپس گھما رہا ہوں۔"

"چلو!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "ورنہ میں کار پر لعنت بھیج کر ٹیکسی سے چلا جاؤں گا۔ ویرا میں ہزار خرابیاں ہیں لیکن وہ جھوٹی نہیں ہے۔"

میرا ہاتھ دروازے کے لیور پر دیکھ کر سلطان شاہ نے بادلِ ناخواستہ کار آگے بڑھا دی۔

"غیر محسوس طریقے پر تم بھی میری عادت بن گئے ہو۔" گاڑی حرکت میں آنے کے بعد میں نے کہا۔ "اصولاً مجھے اس وقت اکیلے آنا چاہیے تھا لیکن نہ جانے کیوں میں نے تمھیں بھی ساتھ لے لیا؟"

جواب میں وہ کچھ نہ بولا۔ اس کے پاس اپنی ناخوشی کے اظہار کا کوئی اور ذریعہ نہیں رہا تھا۔

"تم چاہو تو میں تمھیں بلبل ہزار داستان بلڈنگ تک پہنچا سکتا ہوں۔ اس بازار میں تم جس سے چاہو، مول کر لینا۔ کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن ویرا سے تمھاری اس وقت [illegible] پر نہ صرف مجھے اعتراض ہے بلکہ یہ تمھاری سلامتی کے لیے [illegible] خطرناک ہے۔" تھوڑی دیر کی جبری خاموشی کے بعد وہ [illegible] بار پھر اپنی زبان کھولنے پر مجبور ہو گیا۔

"اپنی سلامتی کی فکر سب سے زیادہ مجھے ہونی چاہیے [illegible] لیے اسے تو بھول جاؤ! مجھے یہ بتاؤ کہ تمھارے اعتراض کی [illegible] کیا ہے؟"

"نت نئی عورتوں سے ملنے والے رات ڈھلے آخر کار گھر [illegible] آتے ہیں لیکن ایک ہی عورت سے بار بار ملنے والے آخر کار [illegible] کا راستہ بھول جاتے ہیں۔ تمھارا بار بار ویرا سے ملنا تمھیں کہیں [illegible] رکھے گا۔ شاید تم بھول گئے ہو کہ وہ بھی ایک پیشہ ور عورت [illegible] اسے روم میں ڈان مرسیا تو نے تربیت دی تھی۔ وہ مردوں [illegible] ہوش و حواس پر چھا جانے کے فن میں طاق ہے اور تیز شراب [illegible] نشے کی طرح عقل کو ماؤف کر دیتی ہے۔ اس سے پینگیں بڑھا [illegible] اپنا مستقبل تباہ کر لو گے...."

"ایسی باتیں نہ کرو کہ مجھے نیند آنے لگے۔ میرا ذہن [illegible] تھوڑا سا بوجھل ہے۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ [illegible] اس وقت گرجا کے کسی پادری کی طرح بول رہے ہو جو زندگی [illegible] تجربوں سے گزرے بغیر ان میں کیڑے نکالتا رہتا ہے اور [illegible] دل ہی دل میں اس کی احمقانہ باتوں پر کڑھتے رہتے ہیں۔ کسی [illegible] کرو، وفا کر کے بے وفائی کا داغ اٹھاؤ پھر مجھے کچھ سمجھا سکو [illegible]

"تمھارے دماغ پر مفروضے سوار ہیں۔ میں تو بس اتنا جانتا [illegible] کہ غزالہ سب کچھ کر سکتی ہے مگر تم سے بے وفائی نہیں کر سکتی [illegible]

میں نے جھلا کر اس کی بات کاٹ دی۔ "بس کرو۔ [illegible] یہ نام اب میری سماعت پر بھی بوجھ بننے لگا ہے۔ اس وقت [illegible] اور بات کرو!"

"بس ایک آخری بات سن لو!" اس کا لہجہ غیر متوقع طور پر [illegible] ہو گیا۔ "اگر وہ بے وفا نکلی تو اس کو ٹھوکر مارنے والوں میں [illegible] سے آگے نظر آؤں گا لیکن تم نے اپنی کسی حماقت سے اس کی [illegible] گالی دی تو میں اسے سہارا دوں گا..."

"اس نے تو تمھیں کسی قابل ہی نہیں سمجھا۔ میرے [illegible] میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "تم سے ملی اور تم کو کچھ بتائے [illegible] اُلو بنا کر چلی گئی۔ تمھارا کمزور سہارا اس کے کسی کام کا نہیں [illegible] بولتے اچانک میرے ذہن کو ایک جھٹکا لگا اور میں خاموش [illegible] اس وقت تک جو کچھ مشاہدے میں آیا تھا اس کی [illegible] مشتعل ہونا فطری امر تھا لیکن جذبات کی روانی میں، میں [illegible]

تھا کہ میں نے کوئی فیصلہ کرنے کے لیے اگلے روز شام تک کا وقت
...ر لیا تھا۔ غزالہ کی نگرانی کرنے والوں کی رپورٹ پر ہی میں
...ی حتمی فیصلہ کر سکتا تھا۔ اس سے پہلے غصے میں اول فول بکنا
...ب نہیں تھا اور نہ ہی سلطان شاہ کی بحث پر غزالہ کے بارے
...بد زبانی مجھے زیب دیتی تھی۔ میں نے قدرے توقف کے بعد
...اب غزالہ کا نام نہ لینا سلطان شاہ! کل شام سے پہلے میں اس
...ے میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔ تمہیں میرے سامنے اس سے
...ردی جتانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ تم نے کوئی نازیبا بات کی
...یں مکا مار کر تمہارے دانت توڑ دوں گا!"

سلطان شاہ خاموش رہا لیکن اونچے نیچے برقی اشتہاروں
...ی تیز انعکاس میں میں نے اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ ابھرتی
...ھی جسے میں کوئی معنی نہ دے سکا۔

"بھاڑ میں جائے۔" میں نے دل میں سوچا اور کھڑکی سے باہر
...ھے کی طرف دوڑتے ہوئے در و دیوار پر نظریں جمانے کی ناکام
...شش میں مصروف ہو گیا۔

...روشن اور نیم روشن ہیولوں کی الٹی دوڑ پر نظریں جمائے ہوئے
...ی لمحوں کے بعد مجھے سلطان شاہ کی فاتحانہ مسکراہٹ کا سبب
...لوم ہوا۔ شاید میں نے نازیبا بات کے حوالے سے مکا مار کر اس
...ے دانت توڑ دینے کی دھمکی دے کر غزالہ سے اپنے تعلق کا بالواسطہ
...تراف کر لیا تھا جسے وہ اپنی کامیابی سمجھ بیٹھا تھا۔ پھر اگلے ہی
...ے مجھے یہ بھی یاد آ گیا کہ میں نے اسے اپنے سامنے غزالہ سے ہمدردی
...تانے کے حق سے محروم قرار دیا تھا۔ وہ دونوں ہی باتیں میرے
...شعال سے میل نہیں کھاتی تھیں۔

...میرا شعور غزالہ سے مشتعل تھا، میری زبان اس کے بارے
...ں بدگوئی میں مصروف تھی لیکن میرے لاشعور میں کہیں نہ کہیں پرانی
...بت کی چنگاریاں دبی رہ گئی تھیں جو غزالہ کے بارے میں
...لطان شاہ کے عزائم کا ذکر آنے پر یک بیک بھڑک اٹھی تھیں۔
میں اوپر سے جتنا بھی زم خو بننے کی کوشش کرتا، حقیقت
...ی کا اندر سے میں درندہ ہی تھا۔ غزالہ اگر میری نہیں ہو سکتی تھی
...ھر روئے زمین پر کسی کی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ غنیمت تھا کہ
...نے کبھی دلدار آغا سے محبت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ ابتدا میں وہ
...کی شرافت کے گن گا کر اس کی ازدواجی پناہ میں آنے کا عذر کرتی
...ھی دلدار آغا کے بے نقاب ہونے کے ساتھ ہی اس سے
...فرت کے اظہار میں بخل سے کام نہیں لیا ورنہ میں شاید ابتدا ہی
...ں غزالہ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دیتا۔ محبت اور رقابت کے
...ذبے بھی کتنے عجیب اور غیر منطقی ہوتے ہیں۔
میں نے سلطان شاہ سے غلط کہا تھا کہ جنہیں چاہا جاتا ہے
انھیں مارنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں
انسان کے خواص بھیڑیوں سے بھی زیادہ مہلک ہوتے ہیں۔ جسے
جتنا زیادہ چاہا جاتا ہے، اسے اشتعال کے عالم میں ہلاک کرنا اسی
قدر سہل ہوتا ہے۔ اجنبیوں پر تو ہاتھ اٹھانے سے پہلے، ان کا
خون بہانے کے ہزار حیلے سوچنے پڑتے ہیں مگر پھر پچھلے دنوں
شہر میں ہونے والی اندھا دھند خونریزی کی روشنی میں یہ نظریہ بھی
غلط محسوس ہونے لگا۔ متعدد لوگوں نے بلا کسی سبب اور اشتعال
کے، رنگ، نسل، زبان اور مذہب کا کوئی امتیاز روا رکھے بغیر بیسیوں
بے گناہ شہریوں اور راہ گیروں کو ہولناک اسلحے کا نشانہ بنا دیا تھا۔
حقیقت صرف اتنی تھی کہ اندھا دھند خونریزی وہی لوگ کر سکتے
تھے جن کے ضمیر مر چکے ہوں اور جس میں ضمیر کی قوت زندہ ہو وہ
بلا سبب کسی انسان کے خون سے ہاتھ نہیں رنگ سکتا تھا۔
البتہ اشتعال کا معاملہ مختلف تھا۔ مرد و زن کا رشتہ اس
کائنات کی سب سے اٹل کہانی ہے جو آدمؑ سے آج تک لحہ بہ لحہ
دہرائی جا رہی ہے۔ اس میں کہیں مذہب نے راہیں متعین کی ہوئی
ہیں اور جہاں مذہب کو گرجا گھروں میں مقفل کر کے، شخصی آزادیوں
کے نام پر مادر پدر آزاد رشتے ایجاد کر لیے گئے ہیں وہاں صرف
نفاست اور اخلاق کی گنی چنی زنجیریں باقی رہ گئی ہیں۔ یورپ کے
پارکوں اور تفریح گاہوں میں میں نے بچشم خود لوگوں کو ناگفتنی نظاروں
سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ جانوروں کی طرح کسی
کنج عافیت میں مہکتے، لپکتے، لپٹتے اور سسکاتے ہوئے لوگ
دوسروں کو اندھا اور بہرا تصور کر لیتے ہیں لیکن شائستہ لوگ ان انکھیوں
سے اور ڈھیٹ تماشائی بے محابا ان تماشوں کو دیکھنے کے مرض
میں مبتلا پائے گئے ہیں۔ پرائے لوگوں کے ان تماشوں سے اور تو اور
پاکستانی بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ دیدہ و دانستہ کونوں کھدروں
کے قریب منڈلاتے پھرتے ہیں اور ان مناظر کی دید سے اپنے
حیوانی اور سفلہ جذبات کو مہمیز دیتے ہیں لیکن اپنے گھر میں، اپنی
کسی عزیزہ کے ساتھ اس سے بدرجہا کم معیوب تماشا دیکھ کر انھیں
کوئی تسکین نہیں ملتی بلکہ ان میں سے بیشتر مشتعل ہو جاتے ہیں اور
خون آشام تیوروں کے ساتھ آشناؤں کے ساتھ شناسا چہروں
پر بھی ٹوٹ پڑتے ہیں جس کا انجام عموماً قتل ہوتا ہے۔
مشہور سائنس داں البرٹ آئن اسٹائن نے شادی سے
قبل اور شادی کے بعد اپنی بیوی ملیوا مارک کے ساتھ مل کر نظریۂ
اضافیت پر اپنے تاریخ ساز کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ ان دونوں
کا کام آج بھی جدید سائنس کی اساس ہے لیکن ان کا رشتہ زیادہ
دن نہ چل سکا۔ اضافیت کا وہ نظریہ صرف سائنسی اصولوں پر ہی
نہیں بلکہ زندگی میں ہر جگہ کارفرما ہے۔ ردِ عمل اور جذبے بھی اسی

کے تابع ہیں۔ جو منظر لندن کے ہائیڈ پارک کے کسی گوشے میں
سنسنی خیز اور جذبات انگیز تماشا نظر آتا ہے، اپنے گرد و پیش میں
وہی قصّہ ناقابلِ برداشت المیہ بن جاتا ہے۔ مقام اور رشتے بدل
جانے سے سب کچھ بدل کر رہ جاتا ہے اور کہیں بھی کوئی کلیہ صادق
نہیں آتا۔ ہمارے لیے زمین ساکن ہے کیونکہ ہم اس کرّے کے
جس مقام اور جس اسٹیج پر ٹھہر جائیں، وہیں ٹھہرے رہتے ہیں۔
کچھ مشاہدے ضرور بتاتے ہیں کہ کچھ ہو رہا ہے۔ دن ڈھلنا اور
رات کا اُترنا، موسموں کا بدلنا۔ یہ سب کسی حرکت کا سراغ ضرور
دیتے ہیں لیکن اصل حقیقت وہی دیکھ سکتا ہے جو زمین سے
دور، خلا میں کسی مقام پر ٹھہرا ہوا ہو۔ اگر وہ خود بھی متحرک ہو تو
اس کا مشاہدہ حقیقت نہیں ہو سکتا۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے، وہ
اس کی اپنی اور زمین کی رفتار کا فرق ہوتا ہے۔

میں سوچتا رہا اور میرا ذہن اُلجھتا چلا گیا۔ اس وقت تک
مجھے حقیقت کا علم نہیں تھا۔ میں نے جو کچھ دیکھا اور سُنا وہ میرے
اور غزالہ کے رویے کا فرق تھا۔ میں اس کی طرف بھاگ رہا تھا
اور وہ بظاہر مجھ سے دور بھاگ رہی تھی۔ کشش اور گریز کے اس
اجتماع نے میرے ردِّعمل کو شدید تر کر دیا تھا۔ اگر میں کسی طرح
خود کو جذباتی انجماد کی حد تک لے آتا تو ایک غیر جانبدار تماشائی
کی طرح غزالہ کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانا بہت آسان ہو جاتا۔
شاید ویرا میرے بھٹکے ہوئے جذبات کو کسی حد تک سرد کرنے
کی اہل تھی۔ وہ رات غیر محسوس طریقے سے گزر جاتی اور نیا دن نکل
آتا۔ نیا دن جو تین بجے تک غزالہ کے بارے میں بہت سی بنیادی
خبریں فراہم کرنے والا تھا جن کی روشنی میں، میں آسانی سے کوئی
درست فیصلہ کر سکتا تھا۔

سلطان شاہ نے کار گھما کر ہالی ڈے اِن کے پورٹیکو میں
لے جانی چاہی تھی مگر میں نے چونک کر اسے روک دیا۔ ”اندر
نہیں، تم اپنی کار باہر سروس لین میں ہی پارک کر لو۔“ میرا اسے
استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن وہ ساتھ موجود ہی تھا
تو اس کا ویرا کی نظروں سے دور رہنا ضروری تھا۔ بصورتِ دیگر
ویرا کو میری نیت پر شبہ ہو سکتا تھا یا شاید وہ دور ہی سے خطرہ
بھانپ کر روپوش ہو جاتی۔

سلطان شاہ نے گاڑی کی رفتار کم کر کے اسے آہستگی سے سروس
لین میں ڈال دیا جہاں دونوں طرف زرد اور پرائیویٹ ٹیکسیوں کی
لمبی قطار پارک کی ہوئی تھی۔

”یہاں تو جگہ ملنی محال ہے۔“ سلطان شاہ بڑبڑایا۔ ”برآمدے
کی طرف نہ جاتے تو ہوٹل کی پارکنگ لاٹ ہی میں چلے جاتے،
وہاں جگہ مل جاتی۔“

”تو اب کوشش کر لو، بڑبڑا کیوں رہے ہو؟“ میں نے تلخ
لہجے میں کہا۔

”اب یہ روڈ پر اوپر سے گھوم کر آنا پڑے گا ورنہ......“
اس نے بات ادھوری چھوڑ کر کار کی رفتار یکایک قدرے بڑھا
دی اور میں نے بھی دیکھ لیا کہ شاپنگ آرکیڈ میں واقع ائر...
کے بند دفتر کے سامنے سے ایک کار رینگتی ہوئی باہر نکل رہی تھی۔
جگہ خالی ہونے کے انتظار میں سلطان شاہ نے بریک...
لے کر کار روکی تو میں نیچے اُتر گیا۔

”میں یہیں انتظار کروں گا۔“ سلطان شاہ نے ہانک لگائی۔
”میں پورے ایک گھنٹے تک انتظار کروں گا۔ کوئی لمبا پروگرام...
جائے تو مجھے آگاہ کر دینا ورنہ میں اندر آ کر تمھاری تلاش شروع
کر دوں گا۔ آج کی رات نجانے کیوں، مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔“

”فکر نہ کرو، میں خود تمھاری بد دعاؤں سے ڈرتا ہوں۔ دیر
ہوئی تو تمھیں روانہ کر دوں گا ورنہ تم میرے اور ویرا کے بارے
میں سوچ سوچ کر کڑھتے رہو گے۔“ میں نے کھڑکی کے کھلے...
شیشے میں سے سر اندر ڈال کر کہا اور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر
ہوٹل کی طرف چل دیا۔

ہوٹل کی دھیمی اور تیز روشنیوں کے خوابناک امتزاج میں
پورٹیکو کا ستونوں پر ٹھہرا ہوا پُرشکوہ سائبان اس وقت حسین تر نظر آ...
تھا۔ دن کے اوقات میں کاروباری حلیوں میں بھاگ دوڑ میں...
رہنے والے لوگ بھی اس وقت خوش باش اور پُرسکون نظر آ رہے
تھے۔ ہوٹل میں آنے والے جوڑوں اور خوش باش ٹولیوں نے...
ہی میں خوشگوار سماں باندھا ہوا تھا۔

باوردی دربان نے ادب اور احترام کے ساتھ میرے
لیے دروازہ کھولا تو اس کے لبوں پر ایسی والہانہ مسکراہٹ نظر...
جیسے وہ ہوٹل اور اس کا سارا انتظام و انصرام خاص طور پر صرف...
لیے وجود میں لایا گیا ہے۔ اندر داخل ہو کر میں ایک لمحے کے...
ٹھٹکا۔ داہنی جانب ریستوران میں رومان انگیز دھیمی روشنی...
ہوئی تھی لیکن وہاں مجھے ویرا کا ہیولا کہیں نظر نہ آیا اور میں...
کی طرف بڑھ گیا جو کاؤنٹر سے دوسری طرف واقع تھا۔ ...
پر جا بجا ہر عمر اور جنس کے بے فکرے لوگ اپنے میزبانوں یا
مہمانوں کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان ہی میں ذرا...
ویرا بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ اس وقت گلابی پھولوں والے سیاہ بلاؤز اور لمبے...
میں ملبوس تھی۔ سنہرے بالوں پر بندھا ہوا گلابی اسکارف
گلابی شہابی رنگت پر عجیب بہار دے رہا تھا۔ رہی سہی...
کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے خمار کے سرخ ڈورے دل...

ردی تھی۔ اسے دیکھ کر، معمولی سی ذہانت رکھنے والا کوئی بھی
شخص بآسانی یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ اپنے کسی بہت اہم ملاقاتی
سے ملنے آئی تھی۔

میں اسے پہلے ہی دیکھ چکا تھا لیکن اس نے بھی مجھے دیکھتے
ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ہم دونوں وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں سے قدرے
دور ایک فانوس کے نیچے ایک دوسرے سے ملے۔

میں نے ویرا کی نیلی آنکھوں میں جھانکا تو وہاں پتلیوں میں
ایک حیوانی چمک موجود تھی جو اس کی اندرونی کیفیات کی چغلی
کھا رہی تھی۔

"میرا دل کہہ رہا تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔" اس نے خمار آلود اور
سرگوشی کے لہجے میں کہا۔ "اکیلے ہی آئے ہو یا باہر کوئی لشکر بھی موجود
ہے؟" اس نے گفتگو کے لیے اردو کا سہارا لیا تھا۔

"باہر سے اپنے محافظوں کو بلا کر تم تصدیق کر سکتی ہو کہ میں
تنہا آیا ہوں۔" میں نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر
سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تم بالکل غیر مہذب اور جنگلی ہو۔" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔
"میری کے ساتھ مجھے مطمئن کرنے کے بجائے، الٹا مجھ ہی پر طنز
کر رہے ہو۔ میرے ساتھ محافظ ہوتے تو میں تمھیں اندر موجود
ملتی۔"

"یہی بات تم کو میرے بارے میں سمجھ لینی چاہیے تھی۔" میں
نے دھیمی آواز میں کہا کیونکہ کچھ لوگ ہمارے قریب سے گزر رہے
تھے۔ "ہم دونوں یہاں برابری کے جذبے کے ساتھ ایک دوسرے
سے ملنے آئے ہیں اس لیے ہم دونوں میں سے کسی کو دوسرے پر
رنگ، نسل، جنس یا زبان کی کوئی برتری حاصل نہیں ہے ..."

"پھر بہکنے لگے... آؤ میرے ساتھ آؤ۔" اس نے میرا
ہاتھ تھام کر پیار بھرے لہجے میں کہا اور رہائشی منزلوں کی طرف
جانے والی لفٹوں کی طرف ہولی۔

"کس کے پاس لے جا رہی ہو؟" راستے میں تخلیہ پا کر میں
نے سوال کیا۔

"ماریانا گبرائیل کے کمرے میں لے جا رہی ہوں۔" اس
نے شوخ لہجے میں کہا۔ "میں تم سے کافی دیر پہلے یہاں آگئی تھی
اور میں نے تمھاری ہدایت کے مطابق کمرا ایک کرا لیا تھا۔"

"تم اتنی نمایاں تیاریوں کے ساتھ آئی ہو کہ بلا مبالغہ ہر شخص
تمھیں دیکھنے پر مجبور ہوا جا رہا ہے۔" میں نے اس کے سراپا کا
جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"خوبصورت لگ رہی ہوں نا؟" اس نے بچوں جیسی خوشی
سے کہا پھر یکلخت سنجیدہ ہو کر بولی۔ "میں اسی لباس میں بیٹھی
ہوئی تھی۔ بال سنوار کر اسکارف باندھا ہے یا سینڈل پہنے ہیں۔ میرا
خیال ہے کہ تم نشے میں ہونے کی وجہ سے اس وقت زیادہ حساس
ہو گئے ہو۔ مجھے تو اندازہ نہیں ہو سکا کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہو۔
ہاں، ہوٹل سے باہر کی اور بات ہے۔ تمھارے لوگ صرف دیکھنے
پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ میری سفید چمڑی کا فائدہ اٹھا کر، اور کچھ
نہیں تو شانے ہی لڑاتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔"

"تمھارے شانے گھس تو نہیں جاتے؟ یہ کیوں بھول رہی
ہو کہ ولایت کی ٹیوب، میٹرو اور بسوں میں تم سر سے پیر تک مردوں
کی بھیڑ میں پھنس کر سفر کرنے کی عادی ہو۔"

"میرا کچھ بھی نہیں گھستا۔" وہ اوپر جانے والی خالی لفٹ میں
سوار ہوتے ہوئے بولی۔ "مجھے ان بے چاروں پر ترس آتا ہے جو میرے
شانے کا ایک لمحاتی لمس محسوس کر کے گھنٹوں میرے بارے میں
سوچتے رہتے ہوں گے جبکہ میں خود ایسے مردوں کو سِسکا اور
تڑپا کر لذت محسوس کرتی ہوں۔ تمھارے شہر میں آ کر کبھی کبھار تو
میں خود اپنے کندھوں اور کہنیوں کو فراخدلی سے استعمال کرنے
لگتی ہوں۔ اس مہم جوئی میں کئی بار ایسا بھی ہوا کہ بدقماش لفنگے
میرے پیچھے لگ گئے اور اس وقت تک نہ بھاگے جب تک
میں نے ڈانٹ پھٹکار کر انھیں تماشا نہیں بنا دیا۔ ذہنی عیاشی
کی اور بات ہے لیکن میں اپنی زندگی میں کبھی کسی کے لیے ایسا
نرم چارا ثابت نہیں ہوئی جیسا تم محسوس کرتے ہو گے۔"

میں نے اس نرم چارے کا گداز محسوس کرنے کا ارادہ کیا ہی
تھا کہ تیزی سے اوپر اٹھتی ہوئی لفٹ ایک ہلکے سے جھٹکے کے
ساتھ چوتھی منزل پر رکی اور اس کا دروازہ کھل گیا۔

فلور پر نیچے جانے والی لفٹ کے انتظار میں دو جوڑے
موجود تھے۔ انھیں یک بیک سامنے پا کر میرے لیے اس کے
سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ ویرا کے عقب میں جاپانیوں کے انداز میں
بار بار سر کو کمر سمیت احترام آمیز خم دیتا ہوا لفٹ سے برآمد ہوتا۔
میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ میری اس زن مریدانہ حرکت
پر ایک لڑکی نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں اپنے ساتھی مرد کی طرف
دیکھا۔ بظاہر اس کا مدعا یہی معلوم ہوا کہ وہ اپنے ساتھی مرد کو مجھ
سے سبق لینے اور میری تقلید کرنے کا مشورہ دینا چاہ رہی تھی۔ اس
بے چاری کو اس واردات کا مطلق اندازہ نہیں ہو سکا تھا جو میری
جاپانی زدگی سے لمحہ بھر پہلے رونما ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔

"یہ یاد رکھنا کہ اس وقت میرا نام ماریانا گبرائیل ہے۔" ویرا
نے راہداری میں اپنے کمرے کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔

"تو کیا تم اسی ہوٹل میں مقیم ہو؟" میں نے اشتباہ آمیز لہجے
میں سوال کیا۔

"میں پہلے تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں نے تمہارے آنے سے پہلے کمرا بُک کرایا ہے۔" اس نے مجھ پر آنکھیں نکال کر دھیمی غراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ابھی یہ غصہ نہ دکھاؤ۔ کمرا ابھی بُک کرایا ہے تو کوئی پورٹر وغیرہ ساتھ کیوں نہیں لیا اور کمرے کی چابی کہاں ہے؟" میرے ذہن میں دُور کہیں خطرے کی گھنٹی بج اُٹھی تھی۔

"پورٹر تمہیں سر پر اُٹھاتا؟ جب میرے ساتھ سامان ہی نہیں ہے تو پورٹر کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے اپنے کمرے کا نمبر معلوم ہے اور یہ ہوٹل میرا دیکھا بھالا ہے۔ چابی کی ہول میں موجود ہوگی یا روم سروس والے کمرا درست کر رہے ہوں گے۔"

اس کے دونوں جواب معقول تھے لیکن میرے ذہن سے خطرے کی موہوم گونج دُور نہ ہو سکی۔

ویرا چلتے چلتے ایک کمرے کے کھلے ہوئے دروازے میں گھوم گئی۔ میں نے اس کی تقلید کی۔

اندر ایک ہاؤس میڈ بستر درست کرنے کے بعد کرسیاں جھاڑ رہی تھی۔ اس نے شستہ انگریزی میں ہم دونوں کو خوش آمدید کہا اور ویرا نے اس سے بھی زیادہ نکھری ہوئی اردو میں اس کا شکریہ ادا کر کے اسے بھونچکا کر دیا۔

ڈائننگ ٹیبل پر پھیلی ہوئی ہوٹل کی اسٹیشنری سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کمرے میں روم سروس والی خاتون کا کام مکمل نہیں ہوا تھا لیکن ویرا نے اپنے سیاہ، چرمی شولڈر بیگ میں سے ننھا سا دستی پرس نکال کر دس روپے کا نوٹ اس خاتون کو تھمایا تو شکریہ ادا کرنے کے بعد بھی وہ متذبذب تھی۔

"مجھے چند منٹ کی۔۔۔" اس نے کہنا چاہا لیکن ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"جو رہ گیا ہے وہ ہم خود کر لیں گے۔ تم جا سکتی ہو۔"

ٹپ دینے کا مطلب ہی یہ تھا کہ اس کی کمرے میں موجودگی ضروری نہیں رہی تھی۔ یہ رمز وہ پیشہ ور خاتون بھی خوب سمجھتی تھی اس لیے فوراً ہی سروس ٹرالی کو دھکیلتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ باہر جا کر اس نے دروازہ احتیاط سے بند کر دیا تھا جو اندر سے خود ہی مقفل ہونے والا تھا۔

تخلیہ میسر آتے ہی میں ویرا کا ہاتھ تھام کر بستر پر گر گیا۔ اس نے بڑی مہارت سے نہ صرف میرے وجود کا جھٹکا سہہ لیا بلکہ اپنا ہاتھ چھڑانے میں بھی کامیاب ہو گئی۔

"لاابالی نوجوانوں کی طرح بے خود ہونے کی کوشش نہ کرو۔" اس نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "میں نے تمہیں گفتگو کے لیے بلایا ہے۔ مجھے شکار سمجھ کر گھیرنے کی کوشش کرو گے تو بہت جلد تھک جاؤ گے کیونکہ میں خود بھی خطرناک شکاری ہوں اور [illegible] ٹھنی ہوئی بھی ہے۔"

"اپنی دشمنی ہم اس ہوٹل سے باہر چھوڑ آئے ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "یہ کیسی عجیب دشمنی ہے کہ دو دن پہلے تم پوری قوت کے ساتھ میری کمین گاہ پر چڑھ دوڑی تھیں اور مجھے پیس ڈالنا چاہتی تھیں لیکن آج ہم خلوت میں بیٹھے مذاکرات کر رہے ہیں۔"

"دانشمندوں میں کبھی ازلی دشمنی نہیں ہوتی۔" اس پر بدستور سنجیدگی طاری تھی۔ "کبھی کبھار دشمنی ایک روگ بن کر ان کی عقل کو ضرور چاٹ جاتی ہے لیکن آخر کار وہ گفتگو سے کوئی نہ کوئی راہ نکال لیتے ہیں۔"

"تم تو دانشور بننے کی کوشش کر رہی ہو۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑانا چاہا۔ "لیکن یہ بھول گئی ہو کہ یہاں مادہ دانشور بننے کے لیے ایک عینک اور چند بکھری ہوئی زلفوں کا ہونا ضروری ہے۔ تم اسکارف کھول کر بھی ان دونوں میں سے کوئی شرط پوری نہیں کر سکتیں۔"

"شی کو تمہاری ضرورت ہے۔" وہ صوفے پر دراز ہو کر براہ راست اپنے کام کی بات پر آ گئی۔ "تم شی سے ٹکرا کر زندہ اور آزاد ہو لیکن شی نے تمہاری مخاصمت کی بھاری قیمت ادا کی ہے۔ شی اب مزید مالی اور جانی نقصان برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ اندر کی باتیں ہیں جو میں تمہیں بتا رہی ہوں۔ تم شی کے بڑوں کو ہلاک کر کے گئی سلور آئیز پر قابض ہو چکے ہو۔ ان طلسماتی سکوں سے تم شی کے کارندوں کو دھوکا دے سکتے ہو لیکن تم اختلافات کو فراموش کر کے سمجھوتے پر آمادہ ہو جاؤ تو میں مقامی قیادت کے ساتھ ہی تمہیں آئی مین کا منصب دلوا سکتی ہوں۔۔۔ یہ تم پر کوئی احسان نہیں ہوگا بلکہ تم اس منصب کے اہل ہو۔"

"نہیں ویرا! اب میں دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں۔ ایک بے نام فون کال پر جب میں اپنے دوستوں کے ساتھ تمہاری تنظیم میں شامل ہوا تو ایک طرف ہم پر دوسرے ذرائع سے روزی حاصل کرنے کے راستے بند ہو چکے تھے اور دوسری طرف میں تمہاری تنظیم کے نام اور کام سے پوری طرح واقف نہیں تھا۔ میرے دو دوستوں کو تمہارے بڑوں نے بے رحمی سے ذبح کرا دیا تھا۔ اب میں دوبارہ اسی اندھے گڑھے میں نہیں گرنا چاہتا۔"

"گڑے مُردے نہ اکھیڑو۔" وہ قدرے برہمی کے ساتھ بولی۔ "کوئی زیرِ زمین تنظیم اپنے پرانے کارکنوں کو بلاوجہ ذبح نہیں کراتی۔ ملوں، کارخانوں اور دفتروں کے لیے ہر اسامی کے [illegible] متبادل ہر وقت مل جاتے ہیں لیکن ہماری دنیا میں افرادی قوت کی اتنی فراوانی نہیں ہے۔ ہمارا ہر کارکن ہمارا بیش قیمت سرمایہ ہوتا ہے۔ جب اسے راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو اس

کے پس پشت کوئی ناگزیر مجبوری کارفرما ہوتی ہے۔"

"ہم گہرے دوست تھے۔" میں اس کے جواز کو کوئی اہمیت دیے بغیر بولا۔ "ان میں سے ایک کو ہر طرف سے گھیر کر، بری طرح دہشت زدہ کر کے مارا گیا۔ قتل سے پہلے اس کا فون تک کاٹ دیا گیا تھا اور ہمیں اس کے جنازے کو کندھا دینے کی اجازت تک نہیں دی گئی تھی کیونکہ اس کے حوالے سے ہم قانون کی نظروں میں آجاتے۔ نادر کی لاش کو لاوارث قرار دے کر خیراتی فنڈ سے کفن فراہم کیا گیا تھا۔ شی کو اپنے لہو کی بوندوں سے پروان چڑھانے والے ایک مخلص کارکن کا وہ انجام دیکھ کر میرے دل میں بغاوت کی پہلی چنگاری بھڑکی تھی جو آج ایک کھولتے ہوئے آتش فشاں میں بدل چکی ہے کیونکہ میں نے تمہاری صفوں میں گھس کر تمہارے اصل عزائم کا اندازہ لگا لیا ہے۔ کیا تم اس بات سے انکار کر سکتی ہو کہ شی کو امریکی سی آئی اے فنڈز فراہم کرتی ہے اور شی سی آئی اے کا ذیلی ادارہ ہوتے ہوئے بھی اس قدر طاقتور اور خود مختار ہے کہ تمہارے حرامی باپ کو براہ راست صدر امریکا تک رسائی حاصل ہے؟"

"یہ نئی خبریں تمھیں کس چنڈو خانے سے حاصل ہوئی ہیں؟" اس نے بے اعتباری کے ساتھ میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے سوال کیا۔ اس کے بشرے پر پیدا ہونے والے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اداکاری نہیں کر رہی تھی بلکہ اسے واقعی میرے عائد کیے ہوئے الزامات پر یقین نہیں آیا تھا۔ شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ شی کی اعلیٰ ترین پالیسی ساز سطح تک اس کی رسائی نہیں تھی اور وہ خود ان باتوں سے بے خبر تھی جو میں مانیا کے ڈان بھتری کی زبانی سن چکا تھا۔

"یہ سب اٹل حقیقتیں ہیں ویرا۔" میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے فوراً میری بات کاٹ دی۔

"تم نے پھر میرا غلط نام لیا۔ میں بتا چکی ہوں کہ میں ماریانا گبرائیل ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس وقت ہم اس کمرے کی خلوت میں ہیں۔ یہاں ایسی احتیاط غیر ضروری بلکہ مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے۔"

"احتیاط کبھی غیر ضروری نہیں ہوتی۔ اب تم مجھے ماریا کے نام سے ہی پکارو گے کیونکہ میں نے یہ کمرا اسی نام سے لیا ہے۔ میرے پاس پاسپورٹ کے علاوہ کوئی اور شناختی دستاویز ہوتی تو میں یہ نام بھی استعمال نہ کرتی۔ آج کل تمہارے شہر میں ہونے والی دہشت گردی اور تخریب کاریوں کی وجہ سے ہوٹل والے کسی کو بھی واضح شناخت کے بغیر کمرے نہیں دے رہے

... خیر اسے چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"کوئی بات صرف اس وجہ سے بے سروپا قرار نہیں دی جا سکتی کہ وہ تمہارے علم میں نہیں ہے۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر دھواں اگلتے ہوئے کہا۔ "شی کی منشیات فروشی اور اسلحے کی غیر قانونی درآمد و برآمد کے کھیل تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہو لیکن مجھے یقین ہے کہ تم شی کے پس پردہ عزائم سے آج بھی اتنی ہی بے خبر ہو جتنی دس برس پہلے تھیں۔"

"شی کے ذریعے میرا باپ بے پناہ دولت کما رہا ہے۔ اسے پیسے کی ہوس ہو گئی ہے۔"

"پیسہ کمانے کے لیے کنگ لائنز ہی کافی ہے۔ جہاز رانی کی دنیا میں وہ بے تاج بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔ حساب لگاؤ گی تو شی میں تمھیں گھاٹا ہی گھاٹا نظر آئے گا۔" میں نے کہا۔

"میری معلومات کو ناقص کہہ رہے ہو تو پھر وہ بتاؤ جو تمہارے علم میں ہے۔ گھاٹے کے لیے کون اس قدر خطرات مول لے کر اپنی عزت، شہرت اور زندگی کو داؤ پر لگائے گا؟"

"تم جانتی ہو کہ شی ہیروئن کو یہاں سے باہر اسمگل کرنے میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتی۔ شی ایک خفیہ امریکی ادارہ ہے جو صرف ایک مقصد سے وجود میں لایا گیا ہے کہ جن ملکوں میں افیون پیدا ہوتی ہے اور پھر اس سے ہیروئن کشید کی جاتی ہے، ان ہی ملکوں میں اس کی زبردست کھپت پیدا ہو جائے تاکہ وہاں سے مغرب اور امریکا اسمگل کرنے کے لیے کچھ بھی باقی نہ رہے۔ تھوڑی بہت مقدار جو شی باہر اسمگل کراتی ہے، مجھے یقین ہے کہ تلف کرا دی جاتی ہوگی۔ اس مقصد کے حصول میں شی کو آمدنی کے بجائے سراسر خسارہ ہوتا ہے جبکہ اس کے تنظیمی اخراجات بے پناہ ہیں جو سب خفیہ فنڈز اور امداد سے پورے کیے جاتے ہیں۔ شاید تمھیں علم ہوگا کہ امریکا سیاسی اور سفارتی سطح پر ترکی، پاکستان، برما اور ہیروئن کا خام مال پیدا کرنے والے دوسرے ممالک کو صرف اس مد میں بھاری امداد دیتا ہے کہ ان ممالک کی حکومتیں اپنی سرزمین پر افیون کی کاشت کی پوری قوت سے حوصلہ شکنی کریں۔ وہ کھلا ہوا سفارتی اور سیاسی محاذ ہے اور شی اسی مشن پر نہایت خفیہ انداز میں کام کر رہی ہے۔ وہ مقامی جرائم پیشہ افراد کو ترغیب دیتی ہے کہ وہ ہیروئن کی تقسیم کے کام میں مال بنائیں اس طرح وہ ہر ملک میں سماج دشمنوں کی ایک خوفناک فوج منظم کر رہی ہے۔"

"پھر اسلحے کی تجارت کس مد میں جاری ہے؟" وہ فوری طور پر میرے دعوے کی تردید کی ہمت نہ کر سکی۔ اسے علم تھا کہ میں ثبوت یا دلیل کے بغیر کوئی دعویٰ نہیں کرتا تھا۔

”مقامی جرائم پیشہ لوگ بہت تیزی کے ساتھ ہیروئن کی خرید و فروخت کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ اسمگلنگ میں کامیابی تو لاٹری نکلنے کے مترادف ہوتی ہے لیکن مقامی لین دین بھی کم منافع بخش نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہیروئن ایک ہولناک وبا کی طرح ہر شہر اور قصبے میں پھیلتی جا رہی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ، ہیروئن فروشوں کے خلاف رائے عامہ بھی منظم ہو رہی ہے۔ سماجی اور اخلاقی جرائم کی بھرمار سے تنگ آ کر یہ رائے عامہ ایک طوفانی لہر کی طرح منشیات فروشوں کے خلاف اُٹھ سکتی ہے۔ اسے خوفزدہ، خاموش اور بے ضرر رکھنے کے لیے مقامی منشیات فروشوں کو طاقت فراہم کرنا ناگزیر ہے۔ یہ تمام اسلحہ ان مجرموں کے ہی کام آتا ہے۔ ہمارے ملک میں آئے دن یہ لوگ خون کی ہولیاں کھیلتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے شریف شہری سب کچھ جانتے ہوئے بھی ان کے خلاف زبان کھولنے سے ڈرتے ہیں، جو ذرا سی ہمت دکھانے کی کوشش کرتا ہے، اسے بے رحمی کے ساتھ ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جاتا ہے۔ خوف و ہراس بلکہ دہشت کے اس ماحول میں ان لوگوں کے خلاف رائے عامہ کبھی بھی منظم نہیں ہو سکتی۔ اس فضا کو برقرار رکھنے کے لیے جدید اور مہلک ترین اسلحے کا استعمال اور اس کی نمائش ضروری ہے۔“

”معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے شی کے خلاف تمہارے ذہن میں اچھی طرح زہر بھرا ہے۔“ وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ ”کہاں صدرِ امریکا اور کہاں جمی لائیڈ جو مجھ جیسی نہ جانے کتنی بیٹیوں کا باپ بن جانے کے باوجود آج تک غیر شادی شدہ ہی کہلاتا ہے۔ میں نہیں مان سکتی کہ یہ اتنے اونچے پیمانے پر ہونے والا کوئی کھیل ہے۔ دُنیا کا کوئی بھی ملک ریاستی سطح پر بین الاقوامی جرائم، قتل و غارت گری اور منشیات فروشی کی حماقت نہیں کر سکتا، کیونکہ ایسے راز فاش ہوتے ہی وہ ملک عالمی نفرت کا نشانہ بن سکتا ہے۔ غیر معمولی مواصلاتی ترقیوں کے اس دَور میں کوئی قوم اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔“ اس کے ایک ایک لفظ سے بے اعتباری مترشح تھی لیکن اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی سوچ میں پڑ گئی ہے۔

”طاقت کے سامنے عالمی رائے عامہ دو کوڑی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ طاقت کو تو قوموں کی برادری تک میں ویٹو کی صورت میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور پھر شی کی ذمے داریوں میں منشیات کا فروغ ہی ایک اضافہ ہے ورنہ قتل، تشدد، تخریب کاریوں جیسے جرائم امریکی سی آئی اے کے فرائض میں شامل ہیں۔ کئی ملکوں میں حکومتوں کا تختہ اُلٹنے کے بارے میں کھل کر سی آئی اے کا نام لیا جاتا ہے۔ کئی سربراہوں کا خون اس کے نامۂ اعمال میں درج ہے۔ ہاں، تم یہ ضرور کہہ سکتی ہو کہ کوئی چھوٹا اور کمزور ملک ایسی مہم جوئی کی جسارت کر بیٹھے تو بڑی طاقتیں اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دیں گی۔“

”میرا ایک چھوٹا سا سوال تھا جس کے جواب میں تم داستانِ امیر حمزہ لے بیٹھے۔“ اس نے اردو ادب کا وہ مستند حوالہ دے کر مجھے حیران کر دیا۔ ”میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم ایک بڑے منصب اور وسیع تر اختیارات کے ساتھ شی میں لوٹنا چاہتے ہو یا نہیں؟“

”لیکن کیوں؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پُرزور انداز میں سوال کیا۔ ”تم نے یہ غور کرنے کی زحمت کیوں نہیں کی کہ پاکستان میں بُری طرح ہزیمت اُٹھانے کے باوجود شی یہاں اپنے پنجے کیوں گاڑے رکھنا چاہتی ہے؟ یہاں اپنا وجود باقی رکھنے کے لیے وہ اپنی روایات کے برعکس مجھ جیسے بدترین دُشمن سے سمجھوتا کرنے پر تیار ہیں۔ اس کا کوئی تو قابلِ فہم سبب ہونا چاہیے۔“

”میرا خیال ہے کہ تم اپنی ذات کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو۔“ اس نے اپنے چرمی شولڈر بیگ میں سے بلیک لیبل کی سربمہر بوتل نکالتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ”میری اب اپنے باپ سے صلح ہو گئی ہے۔ شی کے کسی مفاد کے بجائے اس نے صرف میری وجہ سے تم کو سمجھوتے کی پیشکش کی ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ طویل رفاقت کے بعد اب میں تم کو پسند کرنے لگی ہوں۔ اسی وجہ سے اس نے مجھے یہاں بھیجا ہے ورنہ پیغام رسانی کے لیے تو کوئی اور شخص بھی پاکستان آ سکتا تھا۔“

”جمی لائیڈ مکارِ اعظم ہے۔ اس نے ایک تیر سے دو شکار کھیلنے کی کوشش کی ہے۔ ایک طرف تم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئی ہو کہ تمہارے باپ نے تمہاری پسند کا لحاظ کیا ہے اور دوسری طرف اسے اُمید رہی ہو گی کہ میں تمہارے دام میں تو آ سکتا ہوں مگر کسی اور کے قابو میں نہیں آ سکوں گا۔ بنیادی بات یہ ہے کہ وہ شی کو ہر قیمت پر پاکستان میں پنپتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔“

اس نے گلاس اُٹھا کر ریفریجریٹر سے ٹھنڈے پانی کی بوتل بھی نکال لی تھی اور دو گلاس بنانے میں مشغول ہو چکی تھی۔ ”اس کے لیے پاکستان اتنا اہم کیسے ہو گیا؟“ ویرا نے اپنا کام روکے بغیر میری طرف نظریں اُٹھا کر سوال کیا۔

”افغانستان کی لڑائی نے دونوں طرف کے سرحدی علاقوں کی صورتِ حال پر اثر ڈالا ہے۔ قانون کی دسترس سے باہر ان علاقوں میں نہ صرف مقامی قبائلیوں نے بلکہ بعض متحارب افغ

گروہوں نے بھی افیون کی مہنگی اور نقد فصل کی کاشت شروع کی ہوئی ہے۔ خام مال کی فراوانی نے اس پوری پٹی کو ہیروئن کی کشید کے لیے زرخیز بنا دیا ہے۔ اس ہیروئن کی کچھ مقدار ہندوستان کے راستے بھی اسمگل ہوتی ہے لیکن بیشتر مقدار پاکستان کے روٹ سے نکلتی ہے۔ جمی لائیڈ اس نکاس کو ہر قیمت پر روکنا چاہتا ہے۔ سرکاری سطح پر امریکا نے بھاری امداد دی ہے تاکہ مردان وغیرہ کی تحصیلوں میں کاشتکاروں کو معاوضے دے کر ان کی افیون کی فصلیں تباہ کر دی جائیں اور انھیں دوسری فصلوں یا مزدوری وغیرہ کی ترغیب دی جائے۔ جن زمینداروں نے یہ پیشکش قبول نہیں کی ان پر تشدد کیا گیا اور فصلوں پر زبردستی، جہازوں سے تباہ کن اسپرے کیا گیا لیکن میں جانتا ہوں کہ اس قسم کی حرکتیں ان علاقوں میں کبھی بار آور ثابت نہ ہو سکیں گی۔ اسی ناکامی کے سدباب کے لیے جمی لائیڈ کی شی یہاں سرگرم عمل ہے۔ یہاں سے ایک بار شی کے پاؤں اکھڑ گئے تو ڈرگ مافیا یہاں کی پیداوار کے سہارے یورپ اور امریکا میں تہلکہ مچا دے گی۔ اپنی سرزمین پر آنے والے اس متوقع طوفان کو روکنے کے لیے امریکی پاکستان میں بند باندھنے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں۔ اس پوری بین الاقوامی سازش میں تمھیں جمی لائیڈ ایک حقیر مہرے کی طرح استعمال کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے مصلحتاً صرف اس لیے تم سے صلح کی ہو کہ تمھارے ذریعے مجھے گھیرنے میں کامیاب ہو سکے۔"

"تم سے نہیں ملی تھی تو تمھیں اسٹین گن سے بھون ڈالنے کو جی چاہتا تھا۔" وہ بلیک لیبل کا گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے مضمحل لہجے میں بولی۔ "اب ملی ہوں تو تم نے میرے ذہن کو الجھا کر رکھ دیا ہے۔ مجھے کچھ پتا نہیں کہ تم نے یہ تمام باتیں کس بنیاد پر کی ہیں لیکن میں نے یہ اندازہ ضرور لگا لیا ہے کہ تم نے اب مافیا والوں کے لیے کام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"نہ شی کے لیے اور نہ مافیا کے لیے۔" میں نے ویرا کے ساتھ گلاس سے ایک گھونٹ لیتے ہوئے دوٹوک لہجے میں جھوٹ بولا۔ "شی کے لیے تو میں خود کام کرتا رہا ہوں لیکن مافیا کے وجود سے میں بے خبر ہوں۔ تم نے مجھے کسی جرمن پولیس افسر کی مدد کرنے کا مشورہ دیا تھا جو یہاں مافیا کے خلاف تفتیش کے لیے آیا ہوا تھا لیکن میرے اس تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ ایک ناکام قاتلانہ حملے سے خوفزدہ ہو کر اپنے وطن واپس لوٹ چکا تھا اس لیے میرے اور مافیا کے گٹھ جوڑ کے بارے میں تمھارے قیاسات بے بنیاد ہیں۔"

"تمھارے ملک میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ پولیس اور انسدادِ منشیات کے متعدد اداروں میں ایسی کالی بھیڑیں گھسی ہوئی ہیں جو ہر خفیہ آپریشن سے پہلے اپنے آقاؤں کو ہوشیار کر دیتی ہیں اور ہر کارروائی بری طرح ناکام ہو جاتی ہے۔"

"پاکستان کا طعنہ نہ دو۔" میں نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔ "مافیا کا تاریخی وطن اٹلی کہلاتا ہے اور اب شی کا مرکز بھی وہی ہے۔ کولمبیا اور جنوبی امریکا کے کئی ملکوں میں مستند ڈرگ اسمگلر نہ صرف اسمبلیوں میں قانون کا منبع اور ماخذ بنے ہوئے ہیں بلکہ حکمرانی بھی کر رہے ہیں۔ اچھائیوں کے ساتھ ان برائیوں میں بھی ہم تم لوگوں سے پیچھے ہیں اور پسماندہ کہے جا سکتے ہیں۔"

"پسماندہ ہو کر بھی ہیروئن سب سے عمدہ بناتے ہو۔" وہ کھنکتی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "خالص پاکستانی ہیروئن عالمی منڈی میں سب سے مہنگی بکتی ہے۔ سڑکوں پر ڈوز بیچنے والوں تک پہنچتے پہنچتے اس میں دس گنا ملاوٹ ہو چکی ہوتی ہے مگر پھر بھی پہلا کش کہیں سے کہیں لے جاتا ہے۔ خالص ہیروئن تو شاید سونگھنے سے ہی سر پر ناچنے لگے۔"

وہ اپنی رَو میں بات کہہ گئی اور میرا ذہن کہیں اور بھٹک گیا۔ باہر کی منڈیوں میں ہماری کئی جیتی جاگتی ہیروئنیں جاتی ہی اسی لیے ہیں کہ دیکھنے کے بعد انھیں سونگھا جائے اور جب وہ منڈل لگا کر ناچتی ہیں تو ہر تماشائی کے سروں پر ناچتی ہیں۔ وہ ناچتی ہیں تو حیا سر جھکا کر منڈل کے چور دروازے سے رخصت ہو جاتی ہے اور جو رہ جاتا ہے یا ہوتا ہے وہ سب ناگفتنی ہوتا ہے۔ اعضا کی شاعری کے نام پر سجنے والی ایسی محفلیں قوم کا نوحہ بن کر رہ جاتی ہیں۔

"میرا خیال ہے کہ میں تم کو کبھی اپنی راہ پر نہ لا سکوں گی۔" خاموشی کے دوران میں اپنے لب تر کرنے کے بعد وہ دوبارہ بولی۔ "تمھاری باتیں فکر انگیز ضرور ہیں لیکن میں تمھارے نظریات کو قبول نہیں کر سکتی۔ جب تک میں اکیلی تھی تو اور بات تھی مگر اپنے باپ سے صلح ہو جانے کے بعد میں اب اسے ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ تمھارے دلائل درست ہوں یا بے بنیاد، مجھے آخر کار اپنے باپ کے پاس واپس جانا ہے۔ میرا مشن تمھیں راہِ راست پر لانا یا ختم کرنا ہے۔ پہلا کام نہیں ہو سکتا اس لیے دوسرے انجام سے بچنے کے لیے تمھیں کچھ دن کے لیے روپوش ہو جانا چاہیے تاکہ شی کے ساتھ میری وفاداری شک و شبے سے بالا رہ سکے۔ میں تمھاری تلاش میں ناکام رہ کر واپس چلی جاؤں گی۔"

"یہ باتیں ہوتی رہیں گی، میں تم سے چند منٹ کی اجازت چاہوں گا۔" میں نے چونک کر کہا کیونکہ مجھے کار میں سوکھتے ہوئے سلطان شاہ کا خیال آ گیا تھا۔

"کہاں جانا ہے؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"بس نیچے کا ایک چکر لگا کر لوٹ آؤں گا۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے سلطان شاہ کا نام لیا تو وہ چراغ پا ہو جائے گی۔

"ناممکن۔" وہ اٹل لہجے میں بولی۔ "ہم اس کمرے میں ایک معاہدے کے تحت یکجا ہوئے ہیں۔ باہمی سلامتی کا تقاضا ہے کہ ہم اکٹھے اندر آئے ہیں تو اکٹھے ہی باہر جائیں۔"

"تمہیں شبہ ہے تو پھر میں کہیں نہیں جاتا۔" میں نے پھر گلاس اٹھا لیا۔

"لیکن تمہیں بتانا پڑے گا کہ تم کہاں جانا چاہ رہے تھے۔ اس بارے میں مجھ سے جھوٹ نہیں چل سکے گا۔ جھوٹ بولے تو یہ محفل ابھی برخواست سمجھو۔"

میں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا پھر مسکراتا ہوا بولا۔ "میں گھر سے نکلا تو نشے کی جھونک میں تھا۔ اس لیے ڈرائیور کو ساتھ لے لیا تھا۔ سوچا تھا کہ اسے واپس لوٹا دوں۔"

"سلطان شاہ تو نہیں ہے نیچے؟" وہ فوراً ہی بات کی تہ تک پہنچ گئی۔

"وہی ہے لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ کوئی سازش نہیں ہے۔" میں نے کن انکھیوں سے اپنی رسٹ واچ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ مجھے سلطان شاہ کا دیا ہوا وقت یاد تھا۔ اگر میں ایک گھنٹے کی مدت میں اسے اپنی خیریت سے آگاہ نہ کرتا تو وہ واقعی میری تلاش میں ہوٹل میں داخل ہو سکتا تھا۔

"وہی ہے تو اسے روانہ کر دو۔ چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" وہ اپنے گلاس میں سے دو لمبے گھونٹ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اتنی عجلت بھی نہیں ہے، کم از کم گلاس تو خالی کر لو۔" میں نے کہا۔

"اسے روانہ کر کے سکون سے پئیں گے۔ میں نے تم کو اکیلے آنے کی تاکید کی تھی۔ اس شق کی خلاف ورزی کر کے تم نے میری طبیعت بے مزہ کر دی ہے۔"

"پھر آؤ، اس سے نمٹ ہی لیتے ہیں۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

اسی لمحے ویرا تیزی سے رائٹنگ ٹیبل کی طرف جھپٹی اور میں بوکھلا گیا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ کسی نادیدہ دشمن کے وار سے بچنے کے لیے ادھر گئی ہو۔ لیکن وہ ٹیبل کے قریب پہنچ کر رک گئی اور میز کی سطح پر دونوں ہاتھ ٹکا کر گلدان میں لگے ہوئے تازہ پھولوں کو گھورنے لگی۔

صاف ظاہر تھا کہ اس گلدستے میں اسے دور ہی سے کوئی غیر معمولی چیز نظر آ گئی تھی ورنہ وہ یوں اضطراری انداز میں ادھر نہ جھپٹتی۔

"ادھر آؤ اور یہ دیکھو۔" اس نے میری طرف متوجہ ہوئے بغیر کہا۔

میں اس کے نزدیک پہنچا تو وہ گلدستے میں سے ایک دو انچ لمبا اور بمشکل نصف انچ قطر والا سیاہ جالی دار آلہ نکال چکی تھی جس کے اوپری حصے پر ماند پڑتے ہوئے انگارے جیسی سرخی موجود تھی۔ میں نے وہ آلہ ویرا کی چٹکی سے لے لیا۔ اپنی ظاہری ساخت کے مقابلے میں وہ خاصا وزنی تھا اور یقینی طور پر کوئی حساس لاسلکی مائیکروفون تھا جس کا رابطہ کسی ریسیونگ اپریٹس سے رہا ہو گا۔

ویرا کی اس دریافت کا جائزہ لیتے ہوئے میرے بدن میں سنسنی سرایت کر گئی۔ مائیکروفون کا مدھم بلب اس امر کا مظہر تھا کہ وہ آن تھا اور جس کسی نے وہ آلہ ہمارے کمرے میں بھجوایا تھا، وہ آس پاس ہی، کہیں چھپ کر ہماری گفتگو سن رہا تھا۔

آلے کی بیرونی سطح پر کہیں کوئی ایسا سوئچ یا بٹن نہیں تھا جسے دبا کر اسے آف کیا جا سکتا۔ اس دریافت کے بعد ہم دونوں ہی خاموش ہو گئے تھے اور ویرا کے چہرے پر تشویش کے ساتھ ہی بے اعتباری کے سائے لہرانے لگے۔

دوسری طرف میری کیفیت بھی کچھ مختلف نہیں تھی۔ مجھے ڈان تھری سے علم ہو چکا تھا کہ شہر میں کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو براہ راست مدر مافیا کو جواب دہ تھے اور ان کا کام پس پردہ رہ کر میری اور مدر مافیا کے مفادات کی حفاظت کرنا تھا۔

ویرا کے تمام حواری جہنم واصل ہو چکے ہیں، اینڈو وغیرہ سے ایسی جارحانہ جسارت کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس لیے لے دے کر مدر مافیا کے آدمی رہ جاتے تھے جو وہ آلہ نصب کرا سکتے تھے لیکن ان کی پیش بینی کسی بھی طرح قابل فہم نہیں تھی کیونکہ میری اور ویرا کی ملاقات فوری طور پر طے ہوئی تھی ہم کو ہالی ڈے ان میں ضرور ملنا تھا لیکن وہاں کمرا حاصل کرنے کا فیصلہ ویرا نے اپنے طور پر کیا تھا جس کی کسی کو بھی بھنک نہیں مل سکتی تھی۔

اگر مدر مافیا والے میرا تعاقب کر رہے ہوتے تو مجھ سے پہلے ویرا کے کمرے تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ وہ ویرا کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور اس نے

میرے آنے سے قبل جب کمرا بُک کرایا تو اُنھوں نے کاؤنٹر سے
اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور ہمارے اوپر پہنچنے
سے قبل کمرے میں اپنا کام پورا کر گئے۔

ایسی صورت میں قوی امکان تھا کہ وہ آس پاس کے کسی
کمرے میں ہماری گفتگو سُنتے رہے ہوں۔ میں نے اپنے ذہن میں
فوراً ہی ساری گفتگو کا جائزہ لے ڈالا جو زنوشی کی حمایت میں تھی اور
مافیا کی مخالفت میں۔ مگر اس گفتگو سے یہ ضرور ظاہر ہو جاتا تھا کہ
میرا ویرا سے رابطہ برقرار تھا جبکہ مافیا والوں کو میں نے اس بارے
میں اندھیرے میں رکھا ہوا تھا۔

ویرا نے وہ آلہ میرے ہاتھ سے واپس لے کر اس کے
انگارے کی طرح روشن حصے کے ساتھ کوئی حرکت کی اور پھر
تیزی کے ساتھ اسے غسل خانے کے فرش پر ڈال دیا۔ لمحہ بھر بعد ہی
دھیمی اور سرخ روشنی معدوم ہوئی اور وہ آلہ شوں کی تیز آواز کے ساتھ
دیا سلائی کے مسالے کی طرح جل اُٹھا۔

آلے کی گرم راکھ سے اُٹھتے ہوئے سفید دھوئیں کا جائزہ لیتے
ہوئے میں نے اچانک محسوس کیا کہ وہ چیز ویرا کے لیے نئی نہیں
تھی کیونکہ وہ اسے تباہ کرنے کے طریقے سے واقف تھی۔ لاعلم
ہوتی تو آلے کو غسل خانے کے ننگے فرش کے بجائے کمرے
کے قالین پر ڈال کر اسے جلا دیتی۔

"یہ کمرے میں کہاں سے آیا؟" میں نے سحر زدہ اور دھیمی آواز
میں اس سے سوال کیا۔

"میں خود حیران ہوں۔ میرا خیال ہے کہ کسی نے ہاؤس میڈ کو
آلۂ کار بنایا ہوگا۔"

"مگر وہ کون ہو سکتا ہے اور یہ کیا بلا تھی؟" میں بدستور اُلجھا
ہوا تھا۔

"یہ جدید ترین چپس ٹیکنالوجی کا ایک شاہکار تھا اور اس نے
مجھے پریشان کر دیا ہے۔ دراصل یہ ایک ایسا سیٹلائٹ مائیکروفون
تھا جو مواصلاتی سیارے کے ذریعے ہمارے سانسوں تک کی
آوازیں براہِ راست میلان کے کنٹرول روم میں پہنچا رہا ہوگا۔ اسے
صرف ایک مرتبہ اور ہمیشہ کے لیے آن کیا جا سکتا ہے۔ لیمپ کور
گھما... کوشش کے پندرہ سیکنڈ بعد یہ خود بخود جل جاتا ہے
لیکن مجھے حیرت ہے کہ یہ حساس ترین مائیکروفون کس نے یہاں
پہنچایا؟ اس کا مطلب ہے کہ میرے باپ نے کسی کو میرے
پیچھے لگایا ہوا ہے..."

اس کے وہ الفاظ میرے لیے حوصلہ افزا تھے۔ مگر مافیا
والوں کا خوف دور ہوتے ہی میرا دل شیر ہو گیا اور میں نے ویرا
کی بات درمیان سے ہی اُڑا دی۔ "یہ مائیکروفون میرے دعوے
کی تصدیق کرتا ہے۔ تمھارے باپ کو اب بھی تم پر اعتماد نہیں
ہے۔ اس نے تمھیں چارا بنا کر یہاں بھیجا ہے۔ اس کی تم سے
صلح ایک مکارانہ چال کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کا کوئی قابلِ
اعتماد ساتھی تمھارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمھارے
ٹیلی فون بھی سُن رہا ہو۔ جب ہی اُس نے اس کمرے میں
بروقت مائیکروفون نصب کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تاکہ
تمھارا باپ اپنے کانوں سے میری اور تمھاری گفتگو سُن سکے۔"

"مجھے یقین ہے کہ میرا تعاقب نہیں کیا گیا تھا۔ میں انطونیو
کے ساتھ اپنے چارٹرڈ جہاز میں آئی تھی۔" اس نے پُرخیال لہجے
میں کہا۔ "یہ سب تمھاری وجہ سے ہوا ہے۔ ماجا اس وقت دُنیا
کے بہترین مرسنریز سپلائرز میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے فراہم
کیے ہوئے جنگجو دُنیا کے مختلف علاقوں میں شہرت کما رہے ہیں۔
ایسے مار کر تم نے میرے لیے دُشواریاں کھڑی کی ہیں۔ جو کچھ ہوا
اس کے قتل کے بعد ہی ہوا ہوگا۔ جمی لائیڈ نے فوراً ہی میری
حفاظت کے لیے کسی کو یہاں بھیج دیا ہوگا۔"

"تم مائیکروفون کو بھول رہی ہو۔ وہ ننھا سا آلہ انطونیو
بھی اپنی جیب میں رکھ کر لا سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے مرنے سے
پہلے وہ آلہ مطلوبہ آدمی تک پہنچا دیا ہو۔" میں اس موقع سے پوری
طرح فائدہ اُٹھانے پر تُلا ہوا تھا۔ "اصل بات یہ ہے کہ کسی بھی
اہم ترین موقع پر تمھارا بدذات باپ اپنے کانوں سے تمھاری گفتگو
سُننا چاہتا تھا اور وہ اس نے سُن لی۔ آج انطونیو زندہ ہوتا تو
ہتھوڑے سے تشدد کے بعد ہی شروع سے آخر تک ساری
کہانی اگلتا چلا جاتا..."

"ماجے کے بعد اسے بھی تم ہی نے مارا ہے!" وہ ملامت آمیز
لہجے میں بولی۔

"وہ انتقاماً مارا گیا۔ تم نے بدنصیب کامران کو جس بےرحمی
کے ساتھ دردناک موت کا نشانہ بنایا، اس نے میرے وجود
میں آگ بھر دی تھی۔ اگر تم نے مجھے چھوٹ نہ دی ہوتی تو غزالہ
کے مکان میں، میں نے تمھارے پورے بدن کو گولیوں سے چھلنی
کر دیا ہوتا۔"

"تو اب اپنا ارمان پورا کر لو۔" اس نے گلاس خالی کر کے
ایک ادا کے ساتھ کہا۔

"ضرور کروں گا لیکن پہلے سلطان شاہ کے بارے میں
فیصلہ کر لینے دو۔"

"جاؤ۔ اس سے نمٹ آؤ۔ مائیکروفون کی دریافت نے
پوری صورتِ حال کو بدل کر رکھ دیا ہے۔"

"میں بھی یہی سمجھانا چاہ رہا تھا کہ تمھیں اپنے دُشمنوں سے

اتنا خطرہ نہیں ہے جتنا اپنے نام نہاد دوستوں اور ہمدردوں سے ہے۔ مجھے تم اپنا دشمن نمبر ایک قرار دیتی ہو لیکن دیکھنا کہ آج کی رات تم میرے ہاتھوں میں کتنی محفوظ و مامون اور آسودہ رہو گی... میں بہت جلد واپس آ رہا ہوں۔ اس دوران میں تم تیتے گلاس تیار کر لو۔ ذہن بوجھل ہو جائیں تو غم ہلکے محسوس ہونے لگتے ہیں۔"

وہ تیکھی چتون سے میری طرف دیکھ کر مسکرا دی اور میں اس کے کمرے سے نکل گیا۔

رات ڈھل رہی تھی اور عرصہ دراز سے ہوٹلوں میں ان سرگرمیوں پر پابندی عائد تھی جو اندھیرا پھیلنے کے ساتھ ساتھ شباب پر آتی ہیں رقص خانے رہے تھے نہ مرمریں جسموں والے ساقیوں کے ہاتھوں سے زہر پینے والوں کو آزادی تھی پھر بھی ہوٹل میں رونق تھی۔ لب تشنہ ہوں تو نظروں کی پیاس بڑھ جاتی ہے اس لیے ہر شخص اپنے پیرے کو فراموش کر کے دوسرے نگینوں کی چکا چوند میں الجھا جا رہا تھا۔ ماحول بہت زیادہ مہذب لیکن نگاہیں بے باکانہ تھیں۔

ہوٹل سے نکل کر میں سڑک پر آیا تو ٹیکسیوں کی تعداد میں کمی آ چکی تھی۔ سلطان شاہ چاہتا تو اپنی گاڑی ہوٹل کے قریب لا سکتا تھا مگر اس کی کار نیم اندھیرے میں وہیں موجود تھی جہاں میں نے اسے چھوڑا تھا۔ میں دل ہی دل میں اس کی کاہلی پر کڑھتا ہوا اس کی کار کی طرف بڑھا تو عقبی شیشے میں سے براہ راست اسٹیئرنگ وھیل نظر آتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

لمحہ بھر بعد میں اپنی کم فہمی پر دل ہی دل میں کھسیانا ہو کر رہ گیا۔ یہ درست تھا کہ اسٹیئرنگ وھیل اور شیشے کے درمیان ڈرائیور موجود نہیں تھا لیکن اسی کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ کی پشت گاہ بھی لاپتا تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ پشت گاہ سیدھی کیے، کار ہی میں آرام کر رہا تھا۔

میں قریب پہنچا تو سلطان شاہ واقعی پشت گاہ گرا کر کار میں سویا ہوا تھا۔ کار ریڈیو دھیمی آواز میں آن تھا مگر اسٹیشن کے سارے پروگرام ختم ہو جانے کے بعد اسپیکر پر صرف ریڈیائی لہروں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ مجھے گمان گزرا کہ سلطان شاہ گہری نیند سویا ہوا تھا لیکن جوں ہی میں نے اس کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"یوں ہی سوتے رہے تو کوئی خاموشی کے ساتھ تم کو ذبح کر کے چلا جائے گا۔" میں نے دروازہ کھول کر خوشگوار لہجے میں کہا۔ "نیند آ رہی ہے تو فلیٹ میں جا کر سو جاؤ۔"

"خدا کی پناہ!" اس کی تحیر زدہ اور غنودہ آواز ابھری۔ "تم شاید پھر پیتے رہے ہو۔ تمھارے سانسوں سے الکحل کی کتنی تیز بو آ رہی ہے۔ راستے میں تمھیں کسی نے ٹوکا یا پکڑا نہیں؟"

"تعلیم یافتہ اور روشن خیال لوگ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں، دوسروں کے پھڈے میں ٹانگ نہیں اڑاتے۔ تم جا کر سو جاؤ۔ میرے پاس اپنی چابی ہے۔ میری واپسی پر تمھاری نیند میں خلل نہیں پڑے گا۔ بس اندر سے بولٹ نہ چڑھا لینا۔"

"یہی روشن خیالی لوگوں کو ایک دوسرے سے بیگانہ بنائے جا رہی ہے۔ کوئی سڑک پر پڑا ایڑیاں بھی رگڑ رہا ہو تو کوئی اس کا حال نہیں پوچھتا۔ لوگ زیر لب ایصال ثواب کی دعائیں پڑھتے ہوئے اس سے کنی کترا کر گزر جاتے ہیں۔ کوئی زیادہ نرم دل ہو تو بس ایک ترحم آمیز نظر ڈال لیتا ہے۔" وہ انجن کو سیلف لگاتے ہوئے اپنی جھونک میں بڑبڑایا۔ "ویرا سے ذرا ہوشیار ہی رہنا۔ یہ روشن خیال لوگ خوشیاں لوٹنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں لگے رہتے ہیں لیکن دکھ بانٹنے کا سوال پیدا ہو تو دور دور تک ان کا سایہ بھی نظر نہیں آتا۔"

اس نے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر کار آگے بڑھا دی اور میں فوراً ہی واپس چل دیا۔

سینڈو کے چہرے پر پھٹکار برس رہی تھی اور وہ میرے سامنے مجرمانہ انداز میں سر جھکائے خاموش کھڑا تھا جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

"مجھے جواب چاہیے سینڈو!" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "میں اپنے آدمیوں کی حد سے زیادہ کوتاہیاں برداشت نہیں کر سکتا۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ علاقے کے تھانے سے کسی باوردی پولیس افسر کو کلب کی حدود میں داخل ہونے کی جرات کیسے ہوئی؟"

"میں اس واقعے کے اسباب کا کھوج لگانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" وہ دھیمی آواز اور شرمسار لہجے میں بولا۔ "وہ نیا نیا اس تھانے میں تعینات ہوا ہے۔ میں نے پورا معاملہ اس کے افسر اعلیٰ تک پہنچا دیا ہے۔ وہ نہایت سختی سے اس کی گرفت کرے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے کسی نے کوئی ٹپ دی تھی اور وہ اپنی آمدنی کا معقول ذریعہ تلاش کرتا ہوا وہاں آ پہنچا۔ اسے ہر بات کا تسلی بخش جواب دیا گیا اور وہ کافی دیر کی کوشش کے باوجود بھی کوئی قابل گرفت نکتہ تلاش نہ کر سکا۔ میری نظروں میں اس معاملے کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن پھر بھی میں نے تمھیں باخبر کرنا ضروری سمجھا..."

"نہ کہتے تو میں تمھاری کھال اتروا دیتا۔" میں چند ہی دنوں میں اس پر بری طرح حاوی ہو چکا تھا۔ "معمول سے ہٹ کر ہونے والا ہر چھوٹا بڑا واقعہ میرے علم میں آنا چاہیے۔ بعض بڑے واقعات کی بنیاد ان چھوٹے واقعات سے پڑتی ہے جنھیں غیر اہم سمجھ

کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ وہ اے ایس آئی کی کلب میں اکیلا آیا تھا یا اس کے ساتھ اس کے ماتحت بھی آئے تھے؟"

"سرکاری وین کا ڈرائیور اور ایک سپاہی ساتھ تھا۔ ڈرائیور وین ہی میں رہا تھا۔ سپاہی برآمدے میں رُک گیا تھا۔ مس پارسن کے کمرے میں وہ اکیلا ہی تھا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ چند ہی دنوں میں ہمارا غلام ہو جائے گا۔ مس پارسن کی سرجیکل مسکراہٹ نے اسے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔ گفتگو کے دوران میں اس نے کئی بار مس پارسن کے جسم کو بھی چھوا تھا۔ وہ دانستہ اس کی حرکتوں کو نظر انداز کرتی رہی۔ اس کے لیے ہم مس پارسن ہی کو چارا بنائیں گے۔ ایک بار اس کی بھی ویڈیو فلم بن گئی تو وہ اپنے افسر سے زیادہ ہمارا احترام کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

وہ تفصیل سن کر مجھے اپنے آپ سے گھن آنے لگی۔ جرم و گناہ کی راہوں پر چلتے چلتے میں ایک ایسے موڑ پر آ پہنچا تھا کہ آبرو باختہ عورتوں کے حسن و شباب کے سہارے حریفوں کو زیر کرنے کی نوبت آ گئی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میں طوائفوں اور ان کے دلالوں کے کسی طائفے کا سرغنہ بن بیٹھا ہوں۔ میرے نزدیک وہ حرکتیں سخت ناپسندیدہ اور مردانگی کے خلاف تھیں لیکن میں مجبور اور بے بس تھا۔ مافیا کے برسوں پرانے طریقۂ کار کو فوری طور پر بدل ڈالنا میرے بس سے باہر تھا۔

"فی الحال مس پارسن کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اس بات کو کوئی اہمیت دیے بغیر سرسری لہجے میں کہا۔ "چند روز دیکھو کر اس کا افسرِ اعلیٰ کیا کرتا ہے۔ اگر اسے اوپر سے مناسب جھاڑ پڑی تو وہ کلب کا رُخ کرنا ہی بھول جائے گا۔ ہمیں اس کی حوصلہ افزائی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"بہتر ہے۔ ایسا ہی ہو گا۔" اس نے سعادت مندانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"تم عجیب کاٹھ کے اُلو ہو۔" مجھے اس کے مشینی انداز پر غصہ آ گیا۔ "جو کہہ دیا جائے اس پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آتے ہو۔ تمہاری اپنی خود کوئی رائے نہیں کہ کیا درست ہے اور کیا غلط؟"

"تمہاری بات درست ہے۔" اس نے بوکھلا کر جلدی سے کہا۔ "ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اس کا اوپر والا کیا کرتا ہے۔ مس پارسن کو تو ضرورت پیش آنے پر کسی بھی وقت استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

"اور کوئی خاص بات؟" میں نے اسی بگڑے ہوئے انداز میں پوچھا۔

میرا خیال تھا کہ وہ میرے سامنے ٹھہرنے کے بجائے بھاگ نکلے گا لیکن وہ خلافِ توقع ڈٹا رہا۔ "کل رات آٹھ بجے کورنگی کریک سے مال لینا ہے۔ کلفٹن والے واقعے کے بعد یہ پہلی کھیپ ہے جو ہمیں مل رہی ہے۔ تم مناسب سمجھو تو میں اپنے پیچھے ایک مسلح پارٹی لے جانا چاہتا ہوں۔ کوئی اونچ نیچ ہونے کا امکان ہوا تو وہ لوگ کور دیں گے اور میں اپنا کام کر گزروں گا۔"

"ایسا ہی کرو۔ لیکن یہ خیال رکھنا کہ زیادہ دھوم دھڑکے کے ساتھ گئے تو ٹریفک کا عام سپاہی بھی تمہاری طرف سے چوکنا ہو سکتا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو، میں محتاط رہوں گا۔" وہ ادب سے بولا اور قدرے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔ "پرسوں پہلی تاریخ ہے کل کی کلب سے بھی تنخواہوں کے رجسٹر آ جائیں گے۔"

"تم لوگوں کا جہنم بھرنے کے لیے چیف مجھے کافی رقم دے گیا ہے۔ تنخواہوں میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی۔" میں نے اپنی عادت کے برعکس ترش لہجے میں کہا اور وہ سر جھکا کر واپس لوٹ گیا۔

تخلیہ میسر آتے ہی میرا ذہن ایک بار پھر گزری ہوئی رات کے واقعات میں اُلجھ گیا۔ ویرا کے ساتھ میں نے بہت خوشگوار وقت گزارا تھا لیکن کمال کی بات یہ تھی کہ چوتھی منزل کے روم سروس کے عملے میں اس عورت کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا جو سروس ٹرالی لیے ویرا کے کمرے کی صفائی میں مصروف نظر آئی تھی اور ویرا نے اسے دس روپے ٹپ میں دیے تھے۔

ایک وہی نہیں بلکہ چوتھی منزل کے عملے میں اس رات کوئی عورت موجود نہیں تھی۔ میں ہوٹل کے بقیہ اسٹاف کو بھی چیک کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے وہ ارادہ ملتوی کر دیا کیونکہ بڑے پیمانے پر وہ اسکینڈل کھڑا کر کے ہم دونوں غیر ضروری طور پر لوگوں کی توجہ کا مرکز بن سکتے تھے جبکہ ویرا نہایت رازدارانہ طور پر وہ رات میرے ساتھ گزار کر لوٹ جانا چاہتی تھی۔

باتوں باتوں میں میں نے اس سے معلوم کر لیا تھا کہ اس نے غزالہ کے مکان سے اس کے چوکیدار کو اغوا کر کے کلفٹن کے ساحلی علاقے میں ایک ویران اور زیرِ تعمیر عمارت میں اس پر خاصا تشدد کیا تھا لیکن غزالہ کے مکان میں جو کچھ وہ خود دیکھ چکی تھی، اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں اگلوا سکی تھی اور آخر کار ادھیڑ عمر چوکیدار کو زخمی حالت میں اسی عمارت میں چھوڑ کر واپس لوٹ گئی تھی۔

پوری رات گزار کر میں صبح سویرے ویرا کی کار میں، اسی کے ساتھ واپس لوٹا تھا۔ وہ مجھے یقین دلانے میں کامیاب ہو گئی تھی کہ ہوٹل کے کمرے میں سے سیٹلائٹ مائیکروفون برآمد ہونے کے بعد اس کی سوچ میں نمایاں تبدیلی آئی تھی اور وہ ظاہری طور پر مجھ سے دشمنی برقرار رکھنے کے باوجود، میرے معاملے میں قطعی غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

اس کے اس دوستانہ اعلان کے باوجود میں نے ٹیکسی سے واپس لوٹنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اس نے اس قدر آزردہ ہو کر دل گرفتہ لہجے میں مجھ سے بے اعتباری کا شکوہ کیا کہ میں اس سے لفٹ لینے پر مجبور ہو گیا البتہ میں نے یہ احتیاط ضرور کی تھی کہ اپنے فلیٹ سے ذرا دور ہی اس کی کار سے اُتر گیا تھا اور اسے اپنے ساتھ آنے کی رسمی دعوت دینے سے یہ کہہ کر معذرت کر لی تھی کہ فلیٹ میں سلطان شاہ موجود ہو گا جو اپنی تنگ دلی کی بنا پر کوئی بدمزگی پیدا کر سکتا تھا۔

میں نے وہیں کھڑے رہ کر ویرا کی کار کی عقبی روشنیوں کو صبح کے اولین اور میلے اجالے میں معدوم ہوتے دیکھا تھا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میری کمین گاہ سے دور نکل چکی ہے تو میں سرعت کے ساتھ اپنی بلڈنگ کے زینوں میں داخل ہو گیا۔

فلیٹ کی تمام روشنیاں گل تھیں لیکن جب میں اپنی چابی سے قفل کھول کر خاموشی سے اندر داخل ہوا تو سلطان شاہ میری واپسی کے انتظار میں پوری طرح جاگ رہا تھا۔

اس نے ویرا کے ساتھ میری واپسی کی خبر سن کر میرے اوپر لعنت ملامت کی بوچھاڑ کر [illegible] ہ خیال تھا کہ ویرا نے فلیٹ دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو [illegible] جیسی چالاک اور مکار عورت کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ میرا علاقہ دیکھ گئی تھی اور ضرورت پیش آنے پر کسی نہ کسی طرح میرا سراغ لگا کر فلیٹ کے دروازے پر دستک دے سکتی ہے۔

ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی سلطان شاہ کا استدلال وہی تھا کہ میں اپنے مرد حریفوں سے اچھی طرح نمٹ سکتا تھا لیکن خوبصورت عورتوں سے واسطہ پڑتے ہی میری عقل پر پردے پڑ جاتے تھے۔ اس کی وہ بے بنیاد سرزنش سرائی میرے لیے نئی نہیں تھی۔ اس لیے میں نے خاموشی اختیار کر کے اسے زچ کر دیا مگر مافیا کے دفتر میں بیٹھ کر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ویرا اپنی بے پناہ صلاحیتوں کے باوجود زود حس اور جذباتی لڑکی تھی جو حالات کی تبدیلی سے بہت زیادہ متاثر ہو جاتی تھی۔

اس کے زود حس ہونے کے جائز اور منطقی اسباب تھے کہ اسے بچپن ہی سے باپ کا سایہ نہیں مل سکا اور پھر ماں بھی اوائل عمری میں داغ مفارقت دے گئی لیکن وہ میرے مسائل نہیں تھے۔ مجھے خوف لاحق ہونے لگا تھا کہ باپ سے صلح ہوتے ہی وہ اس کے ایک اشارے پر مجھ سے اپنے پرانے رشتے فراموش کر کے میرے خون کی پیاسی ہو گئی، پھر ہوٹل کے کمرے میں سے مائیکروفون برآمد ہونے کے بعد اپنے باپ سے برگشتہ ہو کر میرے خلاف اپنی خون آشام دشمنی سے دستبردار ہو گئی۔ اسی طرح کوئی نیا جذباتی جھٹکا اسے ایک بار پھر میرے خلاف محاذ آرا کر سکتا تھا۔ اگر اس سے ہر وقت میرا میل جول رہتا تو میں اس کے ذہن میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے واقف ہو سکتا تھا۔ لیکن اس سے دور رہ کر میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو پاتا کہ وہ کس وقت کن ذہنی تبدیلیوں سے گزر رہی ہے۔

اسی سوچ بچار میں میرا ذہن ڈان بھتری کے تازہ ترین پیغامات کی طرف منتقل ہو گیا۔ ایک طرف اس نے سیٹھ حبیب جیوانی کے لیے میدان صاف ہونے کی اطلاع دی تھی، جس کا مطلب تھا کہ حبیب جیوانی کے واپس لوٹتے ہی مافیا پر میری چند روزہ حکمرانی اپنے انجام کو پہنچنے والی تھی۔ وہ تو غنیمت تھا کہ مجھے حبیب جیوانی کا کوئی پتا ٹھکانا معلوم نہیں تھا۔ اس لیے میں اس سے کوئی رابطہ ہونے تک اپنی سربراہی کو بھرپور طریقے سے استعمال کر سکتا تھا۔

دوسری طرف مجھے یورپ کے کسی پُرفضا مقام پر بلائے جانے کی خبر دے کر الجھن میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس بارے میں میں سلطان شاہ کے خیالات سے سو فیصد متفق تھا۔ میں شی یا مافیا میں سے کسی کے لیے بھی اپنی کارکردگی کی بنا پر اتنا اہم نہیں تھا کہ میرے لیے سپر ڈان اور جمی لائیڈ اپنی تاریخ میں پہلی بار یکجا ہوتے۔ وہ دونوں ہی جرائم پیشہ لوگوں کے سرغنے تھے۔ ایک کو امکانی طور پر ایک بڑی طاقت کی ریاستی سرپرستی حاصل تھی اور دوسرا اپنی نجی عالمی سنڈیکیٹ چلا رہا تھا۔ ان دونوں کے مفادات ایک دوسرے سے متصادم تھے۔ مگر وہ پُرامن بقائے باہمی کے اصول پر دنیا کے کسی علاقے میں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا نہیں ہوئے تھے جہاں بھی ایک کا پلّہ بھاری پڑتا، دوسرا خود بخود اس کے لیے میدان خالی چھوڑ دیتا تھا۔

بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ میری وفاداریاں بدل جانے سے شی کو جو نقصانات اٹھانا پڑے تھے ان کے حوالے سے جمی لائیڈ مافیا کے سپر ڈان کو قائل کرنا چاہتا تھا کہ جو شخص ایک بار اپنی وفاداری تبدیل کر سکتا ہے وہ بار بار بھی اسی عمل سے گزر سکتا ہے۔ سلطان شاہ کے تجزیے کے مطابق مجھے یہی نظر آ رہا تھا کہ اگر میں کسی ڈان کے حکم پر یورپ چلا گیا تو مجھے دونوں طرف کے بڑوں کے درمیان بٹھا کر بے رحمی کے ساتھ ایسی کڑی جرح کی جاتی کہ میرے دل میں موجود ہیروئن اور دیگر منشیات کے لیے نفرت کو چھپائے

رکھنا ناممکن ہو جاتا اور وہ فرلتی مجبوری مجھے اپنے مقاصد کا دشمن قرار دے کر موت کا سزاوار ٹھہرا دیتی۔

وہ فیصلہ اگر صرف جمی لائیڈ کا ہوتا تو قابلِ اعتراض نہ ہوتا کیونکہ اس سے میری ٹھنی ہوئی تھی۔ میں اس کی بیخ کنی پر تلا ہوا تھا اور وہ میرے خون کا اس قدر پیاسا ہو رہا تھا کہ اس نے مجھے کیفرِ کردار کو پہنچانے کے لیے اپنی بیٹی کو پاکستان بھیجا ہوا تھا لیکن مافیا کا معاملہ بالکل مختلف تھا۔

ان سے میرا نیا معاہدہ ہوا تھا۔ انھوں نے میری کسی فرمائش اور مطالبے کے بغیر، میری ماضی کی کارکردگی کی بنا پر مجھے خاصے اعلیٰ منصب پر اپنا شریکِ کار بنایا تھا۔ اس لیے میرا تحفظ ان کا فرض بنتا تھا۔ اگر وہ لوگ اپنے وسیع تر مفادات کی خاطر جمی لائیڈ کے ساتھ مل کر میرے قتل کا فیصلہ صادر کرتے تو یہ بددیانتی کی بدترین مثال ہوتی۔ ان امکانات کے ہوتے ہوئے اگر میں اپنی... تسکین کے لیے یا اپنے دفاع میں مافیا کے خلاف بھی کارروائیاں شروع کر دیتا تو اس میں پوری طرح حق بہ جانب ہوتا۔

یہ درست تھا کہ ہیروئن کے خلاف اپنے مشن کے باوجود ذہنی طور پر میں مافیا سے زیادہ قریب تھا کیونکہ وہ شی کی طرح پاکستان کی رگوں میں ہیروئن کا زہر نہیں پھیلا رہی تھی۔ مافیا خالص کاروباری انداز میں ہیروئن کو پاکستان سے باہر اسمگل کر کے بھاری نفع کمانے میں مصروف تھی لیکن وسیع تر مفہوم میں ہیروئن کے ہر گرام کا برباد کیا جانا میرے مشن سے مطابقت رکھتا تھا۔ جو ہیروئن روکی، پکڑی یا تباہ کی جاتی وہ پاکستان میں نہ سہی، باہر کے کسی ملک کے نوجوانوں کو نڈھال اور نیم جان ہونے سے محفوظ رکھتی۔

سوچتے سوچتے آخر کار میں نے اپنے لیے ایک راہِ عمل متعین کر ہی لی جس میں میرے لیے متعدد فائدے نظر آ رہے تھے جب کہ نقصان کوئی نہیں تھا۔

خون آشام دشمنی کے بعد ویرا ایک بار پھر میرے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنے پر راضی ہو گئی تھی۔ اس کے کمرے سے برآمد ہونے والے مائیکروفون نے اسے اپنے باپ کی جانب سے شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا تھا اور جب تک اس کے ذہن سے وہ دھند صاف نہ ہوتی، میرے ساتھ اس کے مراسم میں کوئی ناخوشگوار تبدیلی نہیں آ سکتی تھی۔ دوسری طرف وہ پاکستان میں اپنے قیام کے دوران میں مافیا کے خلاف کوئی کارروائی کرنا چاہتی تھی تاکہ اس کی بنا پر اپنے باپ کے سامنے سرخرو ہو سکے۔

میری ذہنی کیفیت بھی غیر یقینی تھی۔ شی سے میں باغی ہو چکا تھا اور کسی بھی قیمت پر دوبارہ ان کی صفوں میں شامل ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ان سے مکمل گلوخلاصی حاصل کرنے کے لیے میں نے مافیا میں شمولیت اختیار کی تھی۔ مگر اب مافیا والے میرے لیے برادرانِ یوسف ثابت ہوتے نظر آ رہے تھے۔ مجھے دھوکے میں رکھ کر جمی لائیڈ سے میرا سودا کرنے کی فکر میں تھے۔ اس لیے میں انھیں موقع دینے سے پہلے خود پہل کرنا چاہتا تھا۔

ویرا مستند طور پر مافیا کی حریف تھی۔ میں اپنی ذات کو پس پردہ رکھتے ہوئے، ویرا کا نام جھنڈے پر چڑھا کر مافیا کو گہرے چرکے لگا سکتا تھا۔

مافیا کے خلاف وارداتوں میں میں نقاب استعمال کر کے ویرا کے دستِ راست کا کردار قبول کرنے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اس وقت میں خود مافیا کا مقامی سربراہ تھا اس لیے میرے واسطے موقعِ واردات کا انتخاب کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ سکتی تھی۔ مجھے یہ معلوم رہتا تھا کہ کس وقت کب اور کہاں مافیا کو کمزوریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس وقت دن کے دو بج رہے تھے اور ڈی ایس پی سرور لودھی کو میں نے غزالہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے تین بجے تک مہلت دی تھی۔ میری دانست میں مقررہ وقت سے ایک گھنٹا قبل اسے یاد دہانی کرانے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔

میں نے جیب سے سینڈو کی دی ہوئی فہرست نکال کر سرور لودھی کے دفتر کا فون نمبر دیکھا اور آپریٹر کی مدد لینے کے بجائے ڈائریکٹ فون پر اس سے خود ہی رابطہ کر لیا۔

پچھلی بار میری غیر متوقع فون کال کے جواب میں سرور لودھی کی آواز نرم اور خوشگوار تھی لیکن ایگل چیف کی طرف سے دیے ہوئے وقت کے آس پاس اس کا لہجہ بہت سنجیدہ اور بدلا ہوا تھا۔

”تین بجنے میں صرف چھپن منٹ باقی رہ گئے ہیں سرور!“ میں نے اس کی ہیلو کے جواب میں سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

”میرا کام مکمل ہے سر!“ مستعد لہجے میں جواب دیا گیا۔

”گڈ“ تو پھر شروع ہو جاؤ۔ مجھے ایسے لوگ پسند ہیں جو اپنا کام نمٹانے کے لیے آخری لمحات کا انتظار نہیں کرتے۔“ میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرنا ضروری سمجھا۔

”وہ کوئی بہت پراسرار عورت ہے سر! اس پر براہِ راست ہاتھ ڈالے بغیر اس کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہ ہو

سکیں گی۔" اس نے اپنی رپورٹ کی ابتدا میں ہی میری امیدوں پر اوس ڈال دی۔

"مکان کے خفیہ محاصرے اور مسلسل نگرانی کے بعد کل رات گئے ایک ادھیڑ عمر عورت اس مکان کے عقبی حصے میں سڑک پر نظر آئی تھی، ورنہ اس سے قبل مکان ویران اور غیر آباد پڑا ہوا تھا۔ میں نے خود دیوار پھاند کر اندر کی تفصیلی تلاشی لی تھی۔ مکان کھلا ہوا تھا مگر اس میں چوہوں کے علاوہ کوئی ذی روح موجود نہیں تھا البتہ کچن کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ زیر استعمال تھا۔ تازہ گندے برتنوں سے پتا چل رہا تھا کہ چند گھنٹے قبل ہی وہ برتن استعمال کیے گئے تھے۔ ریفریجریٹر چل رہا تھا اور اس میں خورو نوش کا سامان بھرا ہوا تھا۔" وہ میرے ردعمل سے بے خبر، اپنی رو میں بولے جا رہا تھا۔" بظاہر وہ عورت بیمار اور ادھیڑ عمر نظر آ رہی تھی لیکن اس مکان کے احاطے کی عقبی دیوار کے قریب پہنچتے ہی وہ چالاک، پھرتیلی اور تازہ دم نظر آنے لگی۔ اس نے ایک جگہ ٹھہر کر لمحہ بھر میں گرد و پیش کا جائزہ لیا اور پھر کسی جوان لڑکی کی سی پھرتی اور مہارت کے ساتھ دیوار پھلانگ کر اندر کود گئی۔ وہ ابھی تک مکان کے اندر ہی ہے اور میرے آدمی اس مکان کی نگرانی کر رہے ہیں۔ اس علاقے کے لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ وہ مکان کافی عرصے سے غیر آباد تھا۔ لیکن چند ہفتوں سے وہاں ایک عمر رسیدہ چوکیدار نظر آنے لگا تھا جس نے بتایا کہ وہ مکان کسی مسز آغا نے خرید لیا تھا جو کہیں اور رہتی تھی۔ اس مکان میں کسی عورت کو دیکھنے کا کوئی دعوے دار سامنے نہیں آسکا۔"

"اتنا تو مجھے بھی معلوم تھا اس کے لیے تمھیں جھک مارنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مجبوری ہے سر! مجھے بتائیں کہ میں کیا کر سکتا تھا۔ وہ کسی طرف سے پیدل ہی وہاں تک آئی تھی۔ اگر وہ کسی سواری سے آئی ہوتی تو میرے آدمی اسے لانے والے ڈرائیور کو پکڑ کر اس سے بہت کچھ اگلوا سکتے تھے۔ اب تو دو ہی صورتیں ہیں۔ اسے پکڑ لیا جائے یا پھر صبر کے ساتھ اس کے باہر نکلنے کا انتظار کیا جائے۔ وہ باہر آئے گی تو اس کا تعاقب کر کے کچھ نہ کچھ معلوم کیا جاسکے گا مگر مجھے ایک بات پر سخت حیرت ہے کہ اس مکان کا پھاٹک باہر سے مقفل تھا۔ میں اندر گیا تو اس چوکیدار کا بھی کوئی سراغ نہیں مل سکا جو پڑوسیوں کے بیان کے مطابق وہاں دیکھا جاتا تھا۔"

"چوکیدار بھی لوٹ آئے گا لیکن وہ معصوم اور بے خبر ہے۔ اس عورت کے بارے میں وہ تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ تم کسی طرح وہاں ایسے حالات پیدا کرو کہ وہ عورت گھبرا کر مکان سے باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے۔ اسی صورت میں تمھیں اس کے دوسرے ٹھکانوں وغیرہ کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے گا، ورنہ تمھارے آدمی ہفتوں وہاں بیٹھے انڈے دیتے رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس کی پُر خیال آواز ابھری۔" میں اس علاقے میں دھوم دھڑکے کے ساتھ کسی ڈاکے کا بندوبست کرتا ہوں۔ دھواں دھار گولیاں چلیں گی تو وہ پُراسرار عورت باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے گی۔ یہ ترکیب مؤثر اور کارگر رہے گی۔"

"ڈاکا کون ڈالے گا؟" میں نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"میرے ہی ماتحت ہوں گے۔ بس وردیاں اتار کر قمیص اور شلواریں پہن لیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے عملے میں سے کون کون ایسی وارداتیں کرتا ہے۔ میں ایسے تجربہ کار سپاہیوں ہی سے کام لوں گا۔ مفت میں انھیں بھی کچھ مال ہاتھ آجائے گا۔"

"سرور! تم ایک ذمے دار پولیس افسر ہو کر ایسی بات کہہ رہے ہو؟"

"کبھی نہیں کہتا لیکن آپ کے سامنے تو میں بالکل ننگا ہوں سر!" اس کی عاجزانہ آواز سنائی دی۔" یہ دور ہی بہت برا ہے بگڑے ہوئے لوگ ہر محکمے میں ہوتے ہیں۔ انھیں پکڑا جائے تو پورے محکمے کی بدنامی ہوتی ہے۔ پورا شہر چیخنے لگے گا کہ پُلِس والے چوری کرتے ہیں، ڈاکا مارتے ہیں، پھر آج کل تو خرچے پورے کرنے کے لیے طالب علم، افسر اور بابو بھی پارٹ ٹائم میں چھوٹی موٹی چوریاں وغیرہ کر لیتے ہیں۔ اس لیے مجبوراً ہمیں بھی آنکھیں بند رکھنا پڑتی ہیں، پھر ایماندار ملازمین کے مقابلے میں ایسے واردات پیشہ ماتحت آڑے وقتوں میں اپنے اپنے افسروں کے ایسے ایسے کام کرتے ہیں کہ انھیں پروان چڑھانا ہی پڑتا ہے۔ ہمارے محکمے میں جب تک دو چار نڈر اور بے جگر ماتحت نہ ہوں، افسری چلانا مشکل ہو جاتا ہے، ہر لچا لفنگا ہمارے منہ کو آنے لگتا ہے۔"

"خیر، یہ تمھارے اپنے مسائل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے نیچے والوں کے لیے ایگل چیف بنا ہوا ہے اور ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ تم ڈاکا ہی ڈلواؤ لیکن نشانہ اس عورت کے پڑوس کو بنانا۔ اس عورت کے گھر میں تمھارے ڈاکوؤں کو کچھ نہیں مل سکے گا۔"

"ٹھیک ہے لیکن اتنا بتا دوں سر! کہ آج کل رنگین ٹی وی اور وی سی آر تو خستہ حال جھونپڑیوں میں بھی مل جاتے ہیں۔ چور بازار میں اس چوڑی کے کم از کم دس ہزار مل ہی جاتے ہیں ..."

"پھر کبھی تم سے کب بات کروں؟" میں نے اس کی بات

کاٹ کر سوال کیا۔

"رات گیارہ بجے۔" اس نے بلاتامل جواب دیا تھا۔ "میں دفتر ہی میں رہوں گا۔"

"میں گیارہ اور بارہ کے درمیان فون کروں گا۔" میں نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں اس کے لیے ایگل چیف بنا ہوا تھا جو شہر کے بدکار، راشی اور ظالم افسروں کے لیے ایک خونخوار بلیک میلر تھا۔ سرور سے گفتگو ختم کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں نے اسے ضرورت سے زیادہ مُنہ لگا لیا تھا۔ میں نے اسی وقت ارادہ کر لیا کہ رات کو گیارہ بجے ہونے والی گفتگو میں میں اپنی اس نرمی کا معقول ازالہ کر دوں گا تاکہ اس کے ذہن پر سے بلیک میلر کی دہشت کم نہ ہو سکے۔

اس کے بعد دفتر میں میرے لیے کوئی کام نہیں رہ گیا تھا۔ اس روز میں برائے نام حاضری کے لیے دفتر میں آیا تھا اور اس حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو اہم کام کیے جا سکتے تھے، وہ میں نے کر لیے تھے اس لیے میں نے وہاں مزید وقت برباد کرنے کے بجائے فوراً دفتر چھوڑ دیا۔

میں فلیٹ پر پہنچا تو وہاں بیرونی راہداری میں فلیٹ سے گانے کی مدھم آواز سنائی دی جو میرے لیے حیرت کا باعث بن گئی کیونکہ سلطان شاہ کو بقول خود ایسے 'زنانہ' شوق نہیں تھے۔

فلیٹ کی چابی میرے پاس موجود تھی۔ پہلے میں نے ڈور بیل بجانے کا ارادہ کیا لیکن اس طرح اندر کا منظر فوری طور پر تبدیل ہو سکتا تھا۔ لہٰذا میں نے بہت آہستگی اور احتیاط سے تالا کھول کر اندر کا جائزہ لیا تو گانے کی آواز سلطان شاہ کے کمرے سے آتی ہوئی سنائی دی اور میں اپنی دانست میں رنگے ہاتھوں اسے پکڑنے کے عزم کے ساتھ، داخلی دروازہ بند کر کے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

لیکن کمرے کے کھلے ہوئے دروازے سے اندر کا منظر دیکھتے ہی میری کھوپڑی بھق سے اُڑ گئی۔

اندر سلطان کا نام و نشان تک نہ تھا اور وہی ہوا تھا جس کا مجھے پہلے سے خدشہ تھا۔ صبح سویرے میں نے ویرا کی کار اپنے فلیٹ والی عمارت سے دُور ہی چھوڑ دی تھی مگر سلطان شاہ نے وہ خبر سنتے ہی کہہ دیا تھا کہ ویرا جیسی چالاک اور مکار عورت کو صرف علاقہ معلوم ہونا کافی تھا۔ ضرورت پیش آنے پر وہ کسی بھی وقت ڈھونڈ ڈھانڈ کر میرے فلیٹ پر دستک دے سکتی تھی۔ دل ہی دل میں اس کے خیال سے متفق ہونے کے باوجود میں نے سلطان شاہ کا مضحکہ اڑایا تھا مگر اس وقت ہوا یہ تھا کہ ویرا بنفسِ نفیس سلطان شاہ کے بستر پر اوندھی لیٹی ہوئی ریڈیو سے گانے سن رہی تھی۔ اس کی ٹانگیں دروازے کی طرف تھیں اور اوندھی لیٹی ہوئی ہونے کی وجہ سے وہ مجھے نہیں دیکھ سکی تھی۔ میری چابی جس آرام کے ساتھ قفل میں گھوم گئی تھی اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ویرا نے نہایت اعتماد اور

چابک دستی کے ساتھ میرے فلیٹ میں نقب زنی کی تھی۔

میں نہایت خاموشی کے ساتھ دروازے کے سامنے سے دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔

حقیقت یہ تھی کہ زینے طے کرتے ہوئے میں اسی لفنگی کے بارے میں سوچ رہا تھا جو کبھی آتشیں اسلحہ لے کر مجھے مار ڈالنے پر تل جاتی تھی اور کبھی اپنی اداؤں سے گھائل کر کے بے جان کر دیتی تھی۔

"ہینڈز اپ! جہاں لیٹی ہو وہاں سے اٹھ کر دونوں ہاتھ اٹھاؤ اور کمرے سے باہر آجاؤ۔" میں نے آواز بدل کر دیوار کی اوٹ سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

مسہری کے چرچرانے کی آواز سنائی دی۔ شاید وہ پہلو بدل کر مسہری سے نیچے اتری تھی لیکن میری ہدایت کے جواب میں وہ ایک لفظ بھی نہیں بولی تھی۔

"جلدی باہر آؤ۔" میں نے چند ثانیوں کی سکوت آمیز خاموشی میں انتظار کرنے کے بعد کہا۔ "میں پانچ تک گنتا ہوں۔ تم باہر نہ آئیں تو میں تمھاری زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا۔"

ویرا بہت مکار تھی۔ فوراً ہی اس نے انگریزی بولنا شروع کر دی۔ "تم کون ہو اور کیا کہہ رہے ہو، میری سمجھ میں نہیں آرہا۔ اگر تم میری بات سمجھ رہے ہو تو سامنے آکر بات کرو۔ میں غیر ملکی ہوں اور میرا میزبان مجھے یہاں چھوڑ کر کھانے پینے کی چیزیں لینے گیا ہے۔"

ویرا کے اس داؤ پر میری کھوپڑی بھنا گئی۔ اپنے ڈرامے کو اس کے منطقی انجام تک پہنچانے کے لیے مجھے انگریزی میں اس کا جواب دینا ضروری تھا۔ اپنی ہدایت کو انگریزی میں دہراتے ہوئے میں خود کو اول درجے کا احمق محسوس کر رہا تھا۔

"گنتی گننے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی ابھی تم اندر آنا۔" اس کی طرف سے فوراً ہی جواب آیا تھا۔ "میں کپڑے بدل رہی ہوں۔ اس سے فارغ ہوئے بغیر باہر نہ آسکوں گی۔"

میں اس کا فراڈ خوب سمجھ رہا تھا۔ لباس بدلنے کی بات اس نے کسی مصلحت سے چھیڑی تھی۔ میری جگہ اس کا کوئی ندیدا دشمن ہوتا تو خم ٹھونک کر فوراً ہی کمرے میں جا گھستا۔

"لباس بدلنے کی ضرورت نہیں، میں تم سے منگنی کرنے نہیں آیا ہوں۔" میں نے بدلی ہوئی آواز میں غراتے ہوئے کہا۔ "میں گنتی شروع کر رہا ہوں۔"

"یقین نہیں تو دیکھو۔" فوراً ہی کھلے ہوئے دروازے میں سے پہلے ویرا کا اسکرٹ اڑتا ہوا باہر آیا، پھر بلاؤز بھی اسی کے قریب قالین پر آگرا۔ "کمرے میں نہ آنا۔ اب میں صرف زیر جامے میں ہوں۔"

"تم سے زیادہ بے شرم عورت میں نے روئے زمین پر نہیں دیکھی۔" غصے اور بے چارگی کی کیفیت میں میں بے اختیار اپنی اصلی آواز میں اردو میں بول پڑا۔ "تم اپنے عورت ہونے کا ہر وقت فائدہ اٹھانا چاہتی ہو۔ یہ بے شرمی کسی دن تمھیں لے ڈوبے گی۔"

"اوہو، تو یہ کالے چور تم ہو۔" اس کی کھنکتی ہوئی تحیرزدہ آواز سنائی دی اور پھر وہ بے محابا کمرے سے باہر نکل آئی۔ "اس وقت تو تم نے واقعی میری جان ہی نکال دی تھی۔"

"تمھاری جان تو اب بھی کپڑوں سے باہر نکلی ہوئی ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "سلطان شاہ نے تمھیں ان چست زیر جاموں میں دیکھ لیا تو ابھی فلیٹ سے نکال دے گا۔"

"اس نے تمھارے ساتھ مغرب کی ہوا تو کھائی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کسی ساحل پر نہیں گیا۔ وہاں کے لیے تو یہ زیر جامے بھی ضرورت سے زیادہ ہیں۔"

"فی الحال آدمیوں کی طرح پورا لباس پہنو۔" اس کے تاخیری ہتھکنڈوں سے مجھے وحشت ہونے لگی تھی۔ "اس بار وہ لندن گیا تو اسے برائیٹن بیچ ضرور بھیجوں گا تاکہ اسے چیتھڑوں کی قدر کا اندازہ ہو سکے لیکن اب تم کپڑے پہن لو۔"

"برائیٹن بیچ پر تو وہ وقت یاد آنے لگتا ہے جب خدا نے انسان کو زمین پر اتارا ہوگا۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "لیکن یہ دیکھو کہ اس فطری ماحول میں اتنی کشش ہے کہ سوٹ اور ٹائی میں ملبوس لوگ بھی اس جنتِ ارضی کا نظارہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

"اپنی اس جنت کو جہنم واصل کرو اور یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیسے پہنچیں؟ میں نے دانستہ تم کو یہ ٹھکانا نہیں دکھایا تھا کیونکہ یہ سلطان شاہ جیسے خردماغ کی ملکیت ہے۔"

"مجبوری تھی اس لیے تلاش کرتی ہوئی یہاں تک آگئی۔ سفید چمڑی والی دل کش عورت سے ہم کلام ہو کر تمھارے لوگ سرور کے سمندر میں بہہ جاتے ہیں۔ تم مرچکے ہوتے تو مجھے یقین ہے کہ ان ہی میں سے کوئی تمھاری قبر تک بھی پہنچا دیتا۔ عمارت تک رہبروں نے پہنچایا اور تمھارے فلیٹ کی نشاندہی خود عمارت کے چوکیدار نے کی تھی۔ مجھے بس اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ٹوٹی پھوٹی اردو میں بات کرنی پڑی تھی۔"

"یہ بے شرمی کی انتہا ہے ویرا!..." میں نے احتجاج کرنا چاہا لیکن اس نے فوراً ہی منہ بنا کر میری بات کاٹ دی۔

"تم لوگوں کا شرم کا تصور ہی میرے لیے شرمناک ہے۔ مرد کو جھوٹ، چوری، بدمعاشی اور آوارگی کی کھلی اجازت ہے، عورت یہی کام کرلے تو بے شرم کہلاتی ہے۔ یہ کیا ڈھکوسلا ہے؟ سیدھی طرح کہہ دو کہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح تم عورتوں کو بھی اپنی مرضی سے ہانکنا چاہتے ہو۔ جو عورت تمہاری آمرانہ مرضی کو تسلیم کرنے سے انکار کرے، وہ بے شرم ہے۔"

"تم نے میرے فلیٹ میں قفل شکنی کیوں کی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے موضوع بدل دیا۔

"تو کیا باہر کھڑی رہ کر تمہارا انتظار کرتی؟" اس نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "ویسے میرا مشورہ مانو تو اپنے فلیٹ کا تالا بدلوالو۔ میں نے بال پن سیدھی کرکے دوسری کوشش میں ہی آسانی کے ساتھ اسے کھول لیا تھا۔ میں نے بستر پر دراز ہوکر ریڈیو ضرور آن کیا تھا لیکن پورے فلیٹ میں کسی اور چیز کو نہیں چھیڑا کیونکہ اس وقت میں دوستانہ حیثیت میں یہاں آئی تھی۔"

"اب تو تمہاری دوستی بھی گلے پڑتی نظر آرہی ہے۔ صبح ہی تو تم نے مجھے یہاں چھوڑا تھا۔ پھر اب میری کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟"

"ناک بھوں نہ چڑھاؤ۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "میں تمہیں صرف یہ بتانے آئی تھی کہ تمہاری چہیتی، غزالہ کسی بدترین خطرے میں گھر چکی ہے۔"

"کیا مطلب؟" اضطراری طور پر میں اس سے سوال کر بیٹھا۔

"بات ذرا ٹیڑھی ہے۔" وہ اپنے اسکرٹ کی سائڈ زپ بند کرتے ہوئے بولی۔ "اس کے مکان کے قریب میرے ہاتھ سے ایک قتل بھی ہوگیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے مکان کی کڑی نگرانی کی جارہی ہے اور وہ کسی بھی لمحے مصیبت میں گرفتار ہوسکتی ہے۔"

ویرا کے ان فقروں نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ ویرا کو علم نہیں تھا لیکن میں اچھی طرح جانتا تھا کہ سرور لودھی کے آدمی غزالہ کے مکان کی کڑی نگرانی کررہے تھے۔ اگر وہاں کوئی گڑبڑ ہوتی اور ویرا کے ہاتھوں سے ایک قتل بھی سرزد ہوگیا تھا تو صورتِ حال بہت سنگین رخ اختیار کرچکی تھی۔

"تفصیل سے بتاؤ کہ کیا ہوا؟" میں نے اپنی اضطراری کیفیت پر قابو پانے کے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"تم سے رخصت ہوکر میں نے کچھ دیر آرام کیا لیکن کوشش کے باوجود سونے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ ذہن پر بس وہ پراسرار مائیکروفون سوار رہا۔ میں تمہارے بارے میں سوچتی رہی تمہارے ساتھ دوستی اور دشمنی کے چکر میں، میں تم کو تو کوئی قابلِ ذکر نقصان نہیں پہنچا سکی لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے غزالہ کی زندگی ضرور تباہ کردی۔ پہلی بار میرے ہاتھوں اغوا ہونے کے بعد وہ خانہ زاد لڑکی خونخوار جرائم پیشہ لوگوں سے لڑنے پر مجبور ہوگئی اور آخر کار اسے دلدار آغا جیسے سکہ بند بدمعاش کو اپنے شوہر کے طور پر قبول کرنا پڑ گیا۔ میں نے جتنا غور کیا اسی قدر میرے وجود پر ملامت طاری ہوتی چلی گئی اور میں نے ضمیر کی اس بڑھتی ہوئی خلش سے مجبور ہوکر غزالہ کی مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ تم اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے اور مجھے اس کا ٹھکانا معلوم تھا۔ مجھے یقین تھا کہ غزالہ رات بسر کرنے کے لیے ہر قیمت پر اپنے آبائی مکان میں واپس آئی ہوگی کیونکہ وہ مکان اس کے لیے جذباتی اہمیت رکھتا ہے۔ تنہائی اور بے بسی کے اس دور میں وہ اس مکان میں خود کو اپنے ماں باپ کے زیرِ سایہ تصور کرتی ہوگی اور وہی تصور اسے ہر جگہ سے کھینچ کر اس چار دیواری میں لاتا ہوگا۔ یہ نتائج اخذ کرتے ہی میں نے غزالہ کی مدد کرکے تم کو حیران کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس طرح میں نہ صرف غزالہ کے ساتھ اپنی ماضی کی زیادتیوں کا ازالہ کرسکتی تھی بلکہ عورتوں کی باہمی رقابت کے مردانہ نظریے کو بھی چکنا چور کرسکتی تھی۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے میرے ساتھ ہی سلطان شاہ کے خواب گاہ میں داخل ہوکر ایک صوفے پر براجمان ہوگئی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "کل رات بھر کی بسیار نوشی کی وجہ سے میں ہینگ اوور کا شکار تھی۔ ذہن کی وہ کیفیت خاصی حد تک اب بھی باقی ہے۔ اس حالت میں ذہن پر جو دھن سوار ہوجائے آدمی اسی طرف لگ جاتا ہے۔ میں تیار ہوکر گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ غزالہ کے مکان کا پھاٹک باہر سے مقفل تھا۔ میں نے میدان صاف دیکھ کر تالے پر طبع آزمائی شروع کردی۔ جب تالا کھلنے کی امید نہ رہی تو میں نے اپنے بیگ میں سے سائیلنسر لگا ہوا پستول نکال کر تالے پر فائر کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اسی لمحے مختلف سمتوں سے کئی افراد للکارتے ہوئے میری طرف لپکے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ان میں سے کم از کم دو افراد کسی قسم کی وردیوں میں تھے مگر میرے پاس ان کی اصلیت پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ میں ذرا سی بھی تاخیر کرتی تو وہ میرے سر پر سوار ہوکر مجھے زیر کرلیتے۔ میں نے ان پر فائرنگ شروع کردی۔ میرا پستول بے آواز تھا اس لیے آس پاس کے رہنے والوں کو پتا بھی

نہیں چل سکا ہو گا کہ وہاں کیا ہو رہا تھا مگر میری گولیوں سے
ایک لہولہان ہو کر واپس بھاگا تھا اور دوسرا ایک دلخراش
چیخ کے ساتھ اپنی ہی جگہ پر ڈھیر ہو گیا۔ میرا اندازہ ہے کہ
وہ جانبر نہ ہو سکا ہو گا۔ اپنے دو ساتھیوں کا حشر دیکھ کر باقی
بھی ٹھٹکے اور میں اپنی کار اسٹارٹ کر کے وہاں سے روانہ
ہو گئی۔ اس واقعے نے مجھے غزالہ کی سلامتی کی طرف سے
اس قدر فکرمند کر دیا کہ میں سیدھی تمہاری تلاش میں نکل کھڑی
ہوئی اور آخر کار یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔ مجھے
ڈر ہے کہ خوف و دہشت سے نجات پاتے ہی نگرانی کرنے
والوں نے غزالہ کے گھر پر دھاوا بول دیا ہو گا۔ اگر وہ وہاں
موجود تھی تو اس کو بے رحمانہ تشدد سے کوئی نہ بچا سکا ہو گا۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ بھی سگریٹ سلگانے میں
مصروف ہو گئی اور میں گہری سوچ میں پڑ گیا کیونکہ مجھے دونوں
طرف کی پوری معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ مجھے معلوم تھا
کہ سرور لودھی کے آدمی میرے ہی ایما پر غزالہ کے مکان کی
نگرانی کر رہے تھے اور غزالہ پچھلی رات سے اسی مکان میں
محصور تھی۔ دو بجے کے بعد اس بارے میں میری سرور لودھی
سے بات ہوئی تھی۔ اس وقت تک حالات نارمل تھے جس
کا مطلب تھا کہ وہاں جو کچھ ہوا تھا، اس کے بعد ہی ہوا تھا۔

پولیس والے اپنے جارحانہ مزاج اور کڑوے تیوروں
کے بارے میں ویسے ہی اچھی شہرت نہیں رکھتے۔ اپنے
ایک ساتھی کے قتل اور دوسرے کے زخمی ہونے کے بعد
ان کے ردعمل کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔ کچھ روز پہلے
شہر میں ہونے والے ایک ہنگامے میں پولیس والوں کے
وحشیانہ ردعمل کے بارے میں، میں خود بہت کچھ پڑھ اور سن
چکا تھا۔ لوگوں کی طرف سے کی جانے والی فائرنگ سے چند
سپاہیوں کے زخمی ہو جانے پر ان کے مسلح ساتھیوں نے
ہجوم پر ایس ایم جی اور رائفلوں سے براہ راست فائرنگ کر کے
چشم زدن میں سات آدمی موت کے گھاٹ اتار دیے تھے
بلکہ زخمی ہونے والوں کا کوئی شمار ہی نہیں تھا۔

تکلف کی بات یہ تھی کہ اس براہ راست فائرنگ کے
وقت نہ کوئی ذمے دار افسر پولیس نفری کے ساتھ تھا اور نہ
اس علاقے میں مجسٹریٹ پایا جاتا تھا۔ بغیر حکم اور ہدایت کے
چلائی جانے والی اس خونریزی کے بارے میں سرکاری حلقوں
کی طرف سے حفاظت خود اختیاری کا موقف اختیار کیا گیا تھا۔
کسی ایک شرپسند کی فائرنگ کو بنیاد بنا کر یہ دعویٰ کیا جا رہا
تھا کہ اگر پولیس پارٹی فائر نہ کھولتی تو مسلح ہجوم پوری پولیس
پارٹی کو ہلاک کر کے ٹرک کو نذرِ آتش کرنے کے ارادے سے
پیش قدمی کر رہا تھا۔

ایسے محکمے کے لوگوں سے غزالہ کے حق میں کسی رعایت
کی امید رکھنی عبث تھی کیونکہ سرور لودھی ضرور ایگل چیف سے
خوفزدہ تھا مگر اس کے ماتحتوں کے لیے ایگل چیف کا ہونا
یا نہ ہونا برابر تھا۔

"یہ واقعہ کب پیش آیا؟" میں نے تفکر آمیز خاموشی کے
بعد ویرا سے سوال کیا۔

"بس وہیں سے سیدھی اِدھر آئی ہوں۔" اس نے بے پروائی
سے کہا۔ "تقریباً دو بجے کا عمل رہا ہو گا۔ ابھی تک میرے
ہاتھوں میں بارود کی بُو ہے۔ لباس اور ہاتھوں پر بارود کے
ذرات بھی موجود ہوں گے۔ تمہیں جو کچھ کرنا ہے، فوراً ہی
کرنا ہو گا ورنہ کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔"

"ان میں سے کسی نے تمہاری گاڑی کا نمبر تو ضرور نوٹ
کیا ہو گا، کار کہاں ہے تمہاری؟" میں نے فوری خیال کے
تحت اس سے سوال کیا۔

"میری کار کافی دور مین روڈ پر وہیں کھڑی ہے، جہاں
صبح تمہیں اتارا تھا کیونکہ مجھے تمہارے فلیٹ کا صحیح علم نہیں
تھا۔ تم نمبر کی پروا نہ کرو، اس مرتبہ میں بہت محتاط ہوں۔ کسی
بھی مہم پر روانہ ہوتی ہوں تو میری کار کی نمبر پلیٹ جعلی ہوتی
ہے۔ میں نے راستے میں یہی ایک کام کیا تھا کہ دونوں جعلی
نمبر پلیٹیں ایک گندے نالے میں پھینک کر اپنی کار پر اصلی
نمبر پلیٹیں لگا لی تھیں۔"

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" میں نے سرد لہجے میں
سوال کیا کیونکہ میں اس کی موجودگی میں ایگل چیف کا کوڈ
استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"کیا پروگرام ہو گا؟" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ "اب تمہارے
ساتھ چلوں گی۔ کیا تمہارا غزالہ کی مدد کرنے کا کوئی ارادہ
نہیں ہے؟"

"نہیں ویرا!" میں نے اداکاری کرتے ہوئے دل برداشتہ
لہجے میں کہا۔ "سورج سر پر چڑھتا ہے تو سایہ بھی سکڑ کر وجود
میں سمٹنے لگتا ہے لیکن غزالہ تو سائے سے بھی دو ہاتھ آگے
نکل گئی ہے۔ مجھ سے میلوں آگے بھاگ رہی ہے۔ تمہیں
اس کی مدد کرنی ہو تو تم جاؤ، میں اس کا پیچھا نہیں کروں گا۔
وقت اور زندگی نے اسے مہلت دی اور راستے کوئی نیا دلدار
آغا نہ ملا تو پھر ملاقات ہو جائے گی۔ اس وقت سوچوں گا کہ

ہم دونوں ایک دوسرے سے کتنے فاصلے پر ہیں۔"

"میرا تو خیال تھا کہ تم میری کہانی سنتے ہی میرے ساتھ دوڑ لگا دو گے۔" وہ ملامت آمیز حیرت کے ساتھ بولی۔ "کل تک تم غزالہ کے لیے مرے جا رہے تھے۔ کامران پر محنت کر کے تم نے اس کا سراغ لگایا اور آج اس سے ایسی سنگدلانہ بے رخی کا اظہار کر رہے ہو جیسے وہ تمہاری آشنا ہی نہ رہی ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے مزاج میں یہ تلوّن کب سے پیدا ہو گیا ہے۔"

"پورے کھیل میں کلیدی کردار تمہارا ہے۔" میں اپنے رویّے کا جواز دینے کی رو میں کہہ گیا۔ "کل تک تم سے دشمنی تھی تو غزالہ دوست نظر آتی تھی۔ تم سے دوستی ہو جانے کے بعد وہ خلا کسی حد تک پورا ہو گیا ہے اور پھر اب وہ پرانی غزالہ نہیں رہی ہے۔ وہ زمانہ شناس بیوہ کے روپ میں اپنی کشش بڑی حد تک کھو چکی ہے۔ پرانے تعلق کی تجدید کے لیے اسے بہت کچھ ثابت کرنا ہو گا۔"

"تم وقت برباد کر رہے ہو۔" وہ بیگ سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اگر اسے کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ گیا تو تم زندگی بھر کفِ افسوس ملتے رہو گے۔"

"کیا تم اس کی مدد کے لیے جا رہی ہو؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

"کاش میں جا سکتی۔" وہ غصے میں دانت پیستی ہوئی بولی۔ "میں لباس بدل بھی لوں تو ڈر ہے کہ پہچان لی جاؤں گی... لیکن پھر بھی میں کوشش تو ضرور کروں گی۔"

"جو ہونا تھا، وہ ہو چکا ہو گا۔ تم پر حملہ آور ہونے والے اب تک من مانی کر کے کہیں کے کہیں پہنچ چکے ہوں گے۔ اگر تمہارا ضمیر زیادہ پھڑک رہا ہے تو جھک مار کر دیکھ لو..."

"مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں اور ہاں یہ بتا دوں کہ اب اس فلیٹ سے بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ وقت ملا تو میں دوبارہ آؤں گی۔"

"دوبارہ آؤ گی؟" میں نے اسے ضد دلانے کی نیت سے کہا۔ "مجھے چند روز تو آرام کرنے دو... اور ہاں اب تم نے میرا گھر دیکھ لیا ہے تو اپنا ٹھکانا بھی بتا دو۔"

"میں نے خود تمہارا سراغ لگایا ہے۔ تم میں ہمت ہو تو تم بھی میرا ٹھکانا تلاش کر لو۔ ویسے میرا ایک ایڈریس تمہاری تحویل میں ہے۔ جب چاہو اس پر مجھ سے بات کر سکتے ہو۔"

وہ تیزی کے ساتھ میرے فلیٹ سے نکل گئی اور میں نے دروازہ بند کر کے اندر سے بولٹ چڑھا لیا۔

تخلیہ میسر آتے ہی میں نے تیزی کے ساتھ سرور لودھی کا فون نمبر ڈائل کیا تھا۔ دوسری گھنٹی پر مجھے ایک نامانوس اور کرخت آواز سنائی دی۔ بولنے والے کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے فون کی گھنٹی کی مداخلت بہت زیادہ گراں گزری تھی۔

میں نے اس سے بھی زیادہ کرخت، غیر مہذب اور تحکمانہ لہجے میں سرور لودھی کے بارے میں دریافت کیا تو میرے مخاطب کی عقل ٹھکانے پر آ گئی۔

"وہ دفتر میں نہیں ہیں سر!" اس کے لہجے میں فوراً ہی احترام آمیز نرمی پیدا ہو گئی۔ "آپ کون صاحب بول رہے ہیں سر؟" ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے اپنا بلکہ سرور لودھی کا بھی کوئی افسر سمجھ رہا تھا۔

"سارے نکمے اور کام چور میرے محکمے میں جمع ہو گئے ہیں!" میں اس کی غلط فہمی کا فائدہ اٹھاتا ہوا ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ "دن میں دس دفعہ فون کروں تو مجھے ہر بار اپنا نام بتانا پڑے گا۔ تم کون ہو اور لودھی کے دفتر میں کیا کر رہے ہو؟"

میرے جارحانہ طرزِ تخاطب نے اس کے اوسان خطا کر دیے۔ اسے کچھ اور نہ سوجھا تو اس نے اپنی جان بچانے کے لیے اچانک ہی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

غزالہ کے مکان کے پاس واردات ہو چکی تھی اور لودھی اپنے دفتر میں نہیں تھا۔ بات بہت سیدھی اور سامنے کی تھی۔

سرور لودھی نے میرے دباؤ پر ذاتی سطح پر سرکاری عملے کے کچھ لوگوں کو غزالہ کے مکان کی نگرانی پر مامور کر دیا تھا۔ ان میں سے کم از کم ایک اہل کار غزالہ کے مکان کے تالے پر طبع آزمائی کرنے والی ایک سفید فام عورت کی فائرنگ سے ہلاک ہو... اس لیے اس کی ہلاکت پر نامعلوم مجرم کے خلاف قتل کا مقدمہ درج ہونا لازمی تھا لیکن اسی کے ساتھ یہ سوال بھی اٹھ کھڑا ہوتا کہ ان سرکاری ملازمین کو لودھی نے غزالہ کے مکان کی نگرانی پر کیوں مامور کیا تھا؟ اس ڈیوٹی کا اندراج ریکارڈ میں کیوں نہیں کیا گیا تھا؟

مجھے احساس ہوا کہ غزالہ پر تو جو گزرنی تھی سو گزرنی تھی مگر لودھی اس معاملے میں بری طرح مارا گیا تھا۔ اگر میں اس وقت گھر سے نکل کر براہِ راست جائے واردات کا رخ کرتا تب بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ میں اس بارے میں کار آمد معلومات حاصل کر لیتا۔

فون پر تو لو دھی، ایگل چیف کا حوالہ سُن کر سر کے بل کھڑا
ہونے پر مجبور ہو سکتا تھا لیکن اس سے دوبدو ملاقات میں یہ
حوالہ استعمال نہیں کر سکتا تھا اور اپنے مسائل میں گھرا ہوا وہ
افسر شاید مجھ سے بات کرنے سے بھی انکار کر دیتا۔
میرے پاس فوری طور پر کوئی راہ نہیں تھی البتہ مجھے
یقین تھا کہ میرے دیے ہوئے وقت کے عین مطابق
آدھی رات کے گیارہ بجے ہر حال میں اپنے دفتر میں موجود
رہ کر میری کال کا انتظار کرتا۔ اسی وقت صحیح صورتِ حال
میرے علم میں آسکتی تھی۔
لیکن اگلے چھ سات گھنٹے بے یقینی کے عالم میں
فلیٹ میں بیٹھ کر گزارنا بھی مشکل تھا اس لیے میں نے بھی
فلیٹ سے روانہ ہونے کا ارادہ کر لیا۔
غزالہ کے مکان کے قرب وجوار میں پولیس کی خاصی نفری
پھیلی ہوئی تھی۔ پولیس اسٹیشن کی دو گاڑیوں کے علاوہ بھی ذیلی
تھانوں کی گاڑیوں کی بھیڑ موجود تھی۔ پولیس والوں کے ازدحام میں
علاقے کے مکینوں کی خاصی تعداد بھی نظر آرہی تھی مگر ہر ایک کے
چہرے پر تجسس منڈلا رہا تھا اور لوگ رازدارانہ سرگوشیوں میں
ایک دوسرے سے صحیح صورتِ حال جاننے کی کوشش کر رہے تھے۔
وہاں موجود لوگوں کو قتل کی واردات کے بارے میں اتنا
ہی معلوم نہیں تھا جتنا دیرا مجھے بتا چکی تھی۔ زخمی ہونے اور مرنے
والوں کی تعداد میں تضاد تھا۔ کوئی دو زخمیوں کی کہانی سنا رہا تھا
اور کوئی دو لاشوں کا ذکر کر رہا تھا۔ وہاں موجود پولیس والے
کسی سے سیدھے منہ بات کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور
بار بار ان لوگوں کو دور بھگانے کی کوشش کر رہے تھے جو کوئی
تازہ خبر پا لینے کی اُمید میں بار بار جائے واردات کے پاس جمع ہو
کر بھیڑ کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔
میں اپنی کار دُور چھوڑ کر اُن ہی اطراف میں منڈلاتا رہا۔
معلومات حاصل کرنے کے لیے لوگ ایک دوسرے پر انحصار کر
رہے تھے یا پولیس والوں سے سُن گُن لینے کی کوشش کر رہے
تھے لیکن میں نے اس دوران میں ایک اخباری فوٹو گرافر کو کیمرا
اور فلیش گن سنبھالے، ایک موٹر سائیکل کی طرف جاتا ہوا دیکھا تو
لپک کر اسی کے پاس جا پہنچا اور جب میں نے عزت کے ساتھ
اسے مخاطب کیا تو اس کے لبوں پر ہلکی سی آسودہ مسکراہٹ
پھیل گئی جیسے اسے اپنی اہمیت کا احساس دلائے جانے پر
دلی خوشی ہوئی ہو۔
”کوئی بڑا ہی چکر معلوم ہوتا ہے!“ میرے عاجزانہ استفسار پر
اس نے گمبھیر لہجے میں بتانا شروع کیا اور ہم دونوں گفتگو میں

مصروف دیکھ کر متجسس تماشائی ہمارے گرد اکٹھا ہونے لگے۔

"معاملہ دو عورتوں کا ہے۔" وہ اپنا کیمرا وغیرہ سنبھالتا ہوا بتا رہا تھا۔ "ایک نے بے آواز پستول سے فائرنگ کر کے ایک سپاہی کو ہلاک اور دوسرے کو بری طرح زخمی کر دیا، دوسری عورت اس مکان میں سے دیوار پھاند کر فرار ہوتے ہوئے پکڑی گئی..."

"اور وہ قاتلہ؟" کسی کی تیز سرگوشیانہ آواز ابھری۔

اخباری فوٹوگرافر نے اپنے اردگرد جمع ہو جانے والے لوگوں پر ایک نظر ڈالی اور قدرے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ جو کوئی اس کی راہ میں حائل ہونے کی کوشش کرتا، وہ اسے بھی گولی مار دیتی۔"

اس بھیڑ میں وہ واحد معتبر آدمی ہاتھ آیا تھا اس لیے لوگ اس کی زبان سے بہت کچھ اگلوانا چاہتے تھے لیکن وہ زیادہ دیر تک وہاں رکنے کے موڈ میں نہیں تھا اس لیے اس نے لوگوں کو ٹالتے ہوئے، کک لگا کر اپنی موٹر سائیکل کا انجن اسٹارٹ کیا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

میری وہاں تک کی دوڑ اس اعتبار سے بار آور ثابت ہوئی تھی کہ مجھے غزالہ کے انجام کا علم ہو گیا تھا۔ احاطے کی دیوار پھاند کر بھاگنے کی کوشش کرنے والی عورت اس کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قتل کی ایک ہی واردات ہوئی تھی لیکن قتل بہرحال قتل تھا اور غزالہ اسی سلسلے میں گرفتار کی گئی تھی اس لیے اس کی آسانی سے گلوخلاصی ہونی ممکن نہیں تھی۔

غزالہ کے بارے میں میرے لیے یہ امر بھی بے حد تشویشناک تھا کہ وہ اپنے گھر میں ادھیڑ عمر ملازمہ کا بھیس بدل کر رہتی تھی۔ اگر بات صرف وضع قطع کی تبدیلی کی ہوتی تو اتنی خطرناک نہ ہوتی لیکن غزالہ نے اپنا چہرہ مہرہ میک اپ وغیرہ کے ذریعے اس حد تک بدلا ہوا تھا کہ سلطان شاہ جیسا اس کا صورت آشنا اس سے ملنے اور گفتگو کرنے کے باوجود اسے نہیں پہچان سکا تھا۔

گرفتاری کے بعد ابتدائی تفتیش کے دوران میں ہی گھاگ پولیس افسران یہ تاڑ جاتے کہ اس نے میک اپ سے اپنا چہرہ بدلا ہوا تھا اور اس انکشاف کے ساتھ ہی غزالہ کے لیے دشواریوں کا آغاز ہو جاتا۔ وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لا کر بھی میک اپ کا کوئی قابل قبول عذر پیش نہیں کر سکتی تھی۔

غزالہ کی گرفتاری کی خبر پا لینے کے بعد میرا وہاں رکنا بے سود تھا اس لیے میں دوبارہ فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں سے میں کم از کم فون پر کچھ اقدامات کر سکتا تھا۔

مجھے یاد آیا کہ سینڈو سے ملی ہوئی وہ فہرست میری جیب میں موجود تھی جس میں ایگل چیف کے حوالے سے بلیک میل کیے جانے والے تمام افراد کے نام، پتے اور فون نمبر موجود تھے۔

میں نے ایک غیر معروف سڑک پر رفتار کم کر کے اس کاغذ پر نظر دوڑائی تو مجھے یہ دیکھ کر تسلی ہوئی کہ اس کاغذ پر ایک سابقہ ڈی آئی جی کا نام بھی موجود تھا۔ میں نے وہ کاغذ احتیاط سے جیب میں اڑس لیا۔

جس طرح مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے اسی طرح محکمۂ پولیس سے نکلا ہوا یا نکالا ہوا افسر بھی عام شہریوں کے مقابلے میں منفرد و ممتاز مقام رکھتا ہے۔ اگر وہ اپنے اثر و رسوخ سے کوئی بگڑا ہوا کام سیدھا نہ کرا سکے تو اپنے لوگوں کے گھر گھاٹ سے واقف ہونے کی بنا پر اچھی طرح جانتا ہے کہ کہاں کس زہر کا کون سا تریاق ہو سکتا ہے۔

غزالہ کی مدد کے لیے میں تمام امکانی ذرائع استعمال کرنے کے لیے آمادہ تھا۔ اسے مصیبت میں مبتلا پا کر میرے وجود میں بے چینی سرایت کر گئی تھی۔ بظاہر میں نے اپنے اور اس کے تعلق کو سرور لودھی کی خفیہ رپورٹ سے منسلک کر دیا تھا لیکن یہ میری قسمت کی خوبی یا خرابی تھی کہ رپورٹ مکمل ہونے سے پہلے ہی ویرا کی مداخلت کی بنا پر غزالہ پابند قفس ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے حق میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میرا یہ جاننا ضروری تھا کہ اس واردات میں اس کے کردار کا کیا تعین کیا جا رہا تھا!

میری نظروں میں اس سوال پر روشنی ڈالنے والا ایک ہی شخص تھا جو اپنے ستارے گردش میں آ جانے کی بنا پر اپنا دفتر چھوڑ کر جائے واردات پر موجود تھا ورنہ مجھے پورا یقین تھا کہ کسی معزز ترین شہری کی بدترین مشکلات پر بھی اس نے کبھی اپنے دفتر سے نکلنے کی زحمت نہیں کی ہو گی۔ قانون اور اپنے فرائض سے اس کی بے نیازی ثابت کرنے کے لیے صرف یہی ایک بات کافی تھی کہ مافیا کا سربراہ، سیٹھ حبیب جیوانی، ایگل چیف بن کر اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا تھا۔

مافیا نہ کوئی تبلیغی جماعت تھی اور نہ رفاہی ادارہ۔ اس لیے اس کے اور اس کے حواریوں کے عزائم کے بارے میں مجھے کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ سینڈو بے وردی قانون شکن تھا اور سرور لودھی باوردی۔

واپسی پر فلیٹ میں سلطان شاہ سے ملاقات ہو گئی۔

اس کے تیور کچھ چڑھے ہوئے تھے۔

میں نے اس کے منہ لگے بغیر اپنے کمرے میں جانا چاہا

لیکن اس نے میری راہ روک لی۔ "تم اب سے پہلے بھی فلیٹ میں واپس آئے تھے؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں آیا تھا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"تمہارے ساتھ اور کون تھا؟" سلطان شاہ کے اس عجیب سوال پر میں چونک پڑا۔

"کوئی بھی نہیں، یہ کیوں پوچھ رہے ہو تم؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"آؤ۔" وہ میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے کمرے میں لے گیا اور پھر اس نے اپنے بستر کی سفید چادر پر سے کئی نرم اور لمبے سنہری بال چٹکی میں اُٹھا کر میرے سامنے کر دیے۔

"تم اکیلے تھے تو میرے بستر پر یہ زنانہ بال کہاں سے آ گئے؟"

لمحہ بھر کے لیے مجھے اس کے بے تکے سوال پر شدید غصہ آیا مگر میں فوراً ہی ہنس پڑا۔ "میں اپنے ساتھ کسی کو لایا ہوتا تو اس کے بال میرے بستر پر ہوتے۔ یہ تمہاری کوئی مہمان تھی۔"

اپنی ذہنی پریشانی کے باوجود میں نے چند ثانیوں تک سلطان شاہ کو اُلجھن میں ڈالے رکھا پھر جب میں نے اسے فلیٹ میں ویرا کی نقب زنی کی اطلاع دی تو اس کا مُنہ بن گیا مگر غزالہ والے معاملے کا ذکر آتے ہی وہ سب کچھ بھول بھال کر بہت زیادہ پریشان ہو گیا۔

"آج کل پولیس والوں کے ہاتھ بہت کُھل گئے ہیں۔" وہ تشویش آمیز لہجے میں بولا۔ "شہر میں امن و امان کی خراب صورتِ حال کی وجہ سے پولیس کو مشتبہ افراد کی گرفتاری، تشدد اور ہاف مرڈر کے خصوصی اختیارات دے دیے گئے ہیں اور غزالہ تو موقع واردات سے پکڑی گئی ہے۔ تھانے میں اس بے چاری کی مٹی پلید کر دی جائے گی۔ اس کے لیے تم کیا کر رہے ہو؟"

"اختلافات اپنی جگہ پر ہیں۔ میں اسی کے لیے گیا ہوا تھا۔ مجھے اُمید ہے کہ اس کے ساتھ زیادہ بُرا سلوک نہیں کیا جائے گا کیونکہ میں اس بارے میں سرور لودھی کو پہلے ہی ہدایت دے چکا تھا۔ اب اس سے بات کیے بغیر کوئی راہ تلاش کرنا مشکل ہے۔"

"سرور لودھی ذاتی طور پر سب کچھ کر سکتا ہے لیکن غزالہ ایک ملزمہ بن چکی ہے۔ لودھی کے متوجہ ہونے سے پہلے ہی کوئی بدمعاشی کر سکتا ہے۔ اپنے ایک ساتھی کو قتل اور دوسرے کو زخمی کرنے والی مشتبہ عورت سے تھانے کا سارا ہی عملہ نفرت آمیز سلوک کرے گا۔"

میں نے اسے اپنی حکمتِ عملی سے مختصر طور پر آگاہ کر کے فوراً ہی ریٹائرڈ ڈپٹی انسپکٹر جنرل فرمان خان کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے وہ پہلی ہی گھنٹی پر لائن پر آ گیا۔

اُس کے نام کی تصدیق کر کے میں نے گمبھیر آواز میں ایگل چیف کہہ کر اپنا تعارف کرایا تو ریسیور پر فوراً ہی اس کے گہرے سانسوں کی آواز سنائی دی۔

"تم ڈی ایس پی سرور لودھی سے ضرور واقف ہو گے۔ تمھیں اس کو پیغام پہنچانا ہے کہ وہ اپنی آوارہ گردی فوراً بند کر دے اور اپنے دفتر میں مقیم رہے ورنہ بھاری نقصان اُٹھائے گا۔ یہ پیغام اُسے فوراً ملنا چاہیے۔ اسی کے ساتھ تم سرور لودھی کے تھانے سے اس عورت کو رہا کراؤ گے جسے تھوڑی دیر پہلے ایک مشتبہ ملزمہ کے طور پر حراست میں لیا گیا ہے۔"

"میں ہر وقت ہر کام کے لیے تیار ہوں۔" اُس کی ہانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "سرور لودھی کو تمھارا پیغام تھوڑی دیر میں پہنچا دوں گا مگر حوالات سے ایک ملزمہ کے فرار کے بارے میں میں وعدہ نہیں کر سکتا۔ میں پوری کوشش کروں گا مگر بھرے تھانے سے کسی ملزمہ کو نکال لے جانا میرے تو کیا، کسی بھی اکیلے آدمی کے بس کی بات نہیں۔ یہ میری زندگی کے . . ."

"بس فرمان خان!" میں اُس کی بات کاٹ کر برہمی کے عالم میں غرّایا۔ "شاید تم بھول رہے ہو کہ میں انکار کے الفاظ کا عادی نہیں ہوں۔ تمھیں شہر کی مصروف ترین شاہراہ پر سرِ بل کھڑا ہو کر اُلو کی بولی بولنی پڑے تب بھی میں آج کی رات اس عورت کو حوالات کی چھت سے باہر کھلی فضا میں دیکھنا چاہتا ہوں وہ آزاد ہو گی یا پھر تم شہر میں آج کی رات چوتھے شاہکار کے درجے پر فائر کر دیے جاؤ گے۔ تم نے بہت حرام مال کمایا ہے اگر میرے کام کے لیے اس میں سے کچھ قربان کرنا پڑے تو تمھیں اپنی جان بچانے کے لیے یہ کر گزرنا چاہیے ورنہ تم کہیں بھی میرے بھیانک انتقام سے امان نہ پا سکو گے۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔" گہرے سانسوں کے درمیان اُس کی رو دینے والی آواز سنائی دی۔ شاید وہ دمے کا مریض تھا اور اس وقت خوف سے اُس پر دورہ پڑ گیا تھا۔ سرور لودھی بہت خود سر اور بد دماغ افسر ہے۔ اُس کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ میں نے اپنے دور میں ایک بار اس کی ترقی کو روکنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ وہ میری بات ہرگز نہیں مانے گا۔ اگر اُسے بھنک بھی مل گئی کہ میں اس عورت کی رہائی میں دلچسپی لے رہا ہوں تو وہ حوالات کی دن رات حفاظت پر پوری مسلح

لاؤن لگادے گا۔" اُس نے لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو کر اپنے
کھڑتے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کی پھر بات جاری
کھتا ہوا بولا۔ "تمھارا پیغام تو میں کسی نہ کسی طرح اس تک پہنچوا
دوں گا مگر عورت کی رہائی کے لیے میں صرف کوشش کر سکتا
ہوں۔ کاش میں اپنی کوششوں میں سرخرو رہوں ورنہ معلوم ہوتا
ہے کہ میری موت تمھارے ہی ہاتھوں لکھی گئی ہے۔ اتنے مشکل
کام کا میرے تصور میں بھی آنا ممکن نہیں تھا۔"

"مجھے جو کہنا تھا وہ میں نے کہہ دیا۔ آج رات دو میں سے
ایک واقعہ ضرور رونما ہوگا۔" میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔
"عورت کی آزادی یا تمھاری موت ــــ میں تم کو اس وقت کے
لیے نہیں پال رہا تھا کہ جب مجھے تم سے کام پڑے تو تم مجھے
پیٹھ دکھادو۔"

"خدا، رسول کی قسم میں تمھاری بات نہیں ٹال رہا۔" فون پر
اُس کی بلبلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "میں حقیقت بتا رہا ہوں۔
میں تھانے پر حملہ کرا دوں گا، عمارت کو تباہ کرا دوں گا۔ کچھ نہ کچھ
ضرور کروں گا۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ مجھے اپنی زندگی سے پیار
ہے۔ . . میں نے دو مہینے پہلے نئی شادی کی ہے . . . میرے
بہت سے ارمان اور منصوبے ہیں . . . میں تم سے رحم کی نہیں،
بس وقت کی بھیک مانگتا ہوں۔ میں اپنی طرف سے کوئی کسر
نہیں چھوڑوں گا۔ لیکن مہلت کل تک بڑھا دو۔ واردات تازہ
ہے ابھی تھانے میں افسروں کی بھرمار ہوگی۔ میں میدان صاف
ہوتے ہی اپنا کام دکھاؤں گا . . . مجھے یقین ہے کہ اس عورت
کا جرم بھی معمولی نہیں بہت سنگین ہوگا۔"

"بڈھے طوطے! یہ اندازہ کیسے لگا لیا تم نے؟" میں
نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

"تم کسی معمولی بات پر کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔"
اس کا لہجہ پُریقین تھا۔ "معمولی بات ہوتی تو اسے دوسرے
طریقوں سے بھی تھانے سے چھڑایا جا سکتا تھا۔ تم نے
مجھے فون کیا ہے تو ضرور اس معاملے میں کوئی خاص گڑبڑ ہو۔"

"عورت پر شاید ایک سپاہی کو قتل اور دوسرے
کو زخمی کرنے میں معاونت کا الزام عائد کیا جائے گا۔" میں
نے ایک مرتبہ پھر اس کی بات کاٹ دی۔ "مگر یہ سراسر جھوٹ
ہوگا۔ تمھاری عبرت کے لیے سرور لودھی آج مار دیا جائے
گا کیوں کہ وہ میرے حکم کے برعکس اس عورت کو حوالات
سے دُور رکھنے میں ناکام رہا ہے۔ ایگل چیف کے نافرمانوں
پر زمین تنگ کر دی جاتی ہے۔ تمھاری مہلت اگلا سورج
طلوع ہونے تک باقی رہے گی۔ ناکام رہے تو کل کا دن
تمھارا آخری دن ہوگا۔"

فون پر اس کے نرخرے سے سیٹیوں کی آوازیں سنائی
دینے لگیں۔ شاید وہ بولنا چاہ رہا تھا لیکن سانس پھول جانے
کی وجہ سے بول نہیں پا رہا تھا۔ سر پر منڈلاتی ہوئی موت کے
بھیانک تصور نے اس رشوت خور اور نافرض شناس
بڈھے کا سانس اکھاڑ دیا تھا۔

میں نے اس کے لیے اپنے دل میں رحم کی ذرا بھی
رمق محسوس کیے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"اس وقت تم واقعی مافیا چیف نظر آ رہے ہو۔"
سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔ "جس کے سائے سے موت جنم
لیتی ہے۔ کیا تم واقعی غزالہ کو گرفتار کرنے والے کو مروا
دو گے؟"

"اب کہہ بیٹھا ہوں تو اس پر عمل بھی کرانا پڑے گا۔"
میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "ویرا کے بیان سے پتا چلتا ہے
کہ واردات کے وقت سرور لودھی موقع پر موجود نہیں تھا۔
غزالہ کو اس کے ماتحتوں نے پکڑا ہوگا لیکن اس نے غزالہ
کو حوالات میں بند کر کے میری حکم عدولی کی ہے۔ اسے تھوڑی
دیر میں اپنے دفتر میں آ جانا چاہیے۔ اس سے بات کرنے
کے بعد میں سینڈو کو حکم دوں گا اور تم کل کے اخبارات میں

دیکھ لینا کہ ایگل چیف کی نافرمانی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ سرور لودھی کی موت فرمان خان کو اپنے سارے وسائل استعمال کرنے پر مجبور کر دے گی۔ جنھیں اپنی زندگی سے غیر معمولی پیار ہوتا ہے وہ زندہ رہنے کے لیے بدترین اور گھناؤنے حربے استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔"

صرف بیس منٹ ہم نے اس نئی صورتِ حال پر تبادلۂ خیال کرنے میں گزارے پھر میں نے سرور لودھی کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے اسی نے فون اٹھایا۔ اس کی آواز سہمی ہوئی تھی۔ شاید وہ اپنے بارے میں نوشتۂ دیوار پڑھ چکا تھا۔

"ایگل چیف!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم نے اپنے مقدر پر سیاہی مل لی ہے سرور!"

وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر متوحش لہجے میں تخلیے کے بارے میں بولا۔ شاید مجھ سے بات کرنے سے پہلے وہ اپنے دفتر میں موجود لوگوں کو نکال رہا تھا۔

"میں رحم چاہتا ہوں چیف!" چند ثانیوں بعد ریسیور پر اس کی رو دینے والی آواز سنائی دی۔ "جو کچھ ہوا اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس گھر پر آنے والی سفید فام قاتلہ نے میرا سارا منصوبہ درہم برہم کر دیا۔ ایک سپاہی کے قتل کے بعد اندر سے فرار ہونے والی کو میرے مشتعل آدمیوں نے پکڑ لیا۔ میں اسے بند نہ کرتا تو نہ صرف نوکری سے جاتا بلکہ اعانتِ جرم میں اندر کر دیا جاتا۔ وہ حوالات میں بالکل محفوظ و مامون ہے۔ اسے بند کر کے میں نے اپنے مشتعل عملے کے تشدد سے بچا لیا ہے۔ تم چاہو تو اپنا کوئی آدمی تھانے بھیج کر اس سے تصدیق کرا سکتے ہو کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"وہ رہا کب ہو گی؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"زیادہ سے زیادہ دو روز میں۔" اس کی آواز میں امید کی توقت امڈ آئی۔ "میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ دو روز بعد ہم اسے ریمانڈ لینے کے لیے عدالت میں لے جائیں گے، تو واپسی پر وہ ہمارے ساتھ نہیں ہو گی میں عدالت کے احاطے سے اسے اپنی نگرانی اور حفاظت میں فرار کرا دوں گا۔"

"اور ان دو دنوں میں لاک اپ میں اس کے ساتھ کیا ہو گا؟" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ "تمھاری تفتیش کیسے جاری رہے گی؟"

"تفتیش ہوتی رہے گی۔ تم چاہو تو صبح شام اپنا آدمی تھانے میں بھیج کر اس سے تصدیق کرا سکتے ہو کہ میں اپنے عہد کی پابندی کرتا ہوں یا نہیں۔ اس کے ساتھ گرفتاری کے وقت جو کشمکش اور زور آزمائی ہوئی اس کے بعد کسی نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے لیکن میری ایک التجا ہے، اسے مشورہ دو کہ وہ گونگی اور بہری نہ بنی رہے، کم از کم اپنا نام پتا وغیرہ بتا دے، اپنی مدافعت میں وہ جو کچھ کہنا چاہتی ہے وہ میں من و عن ریکارڈ کر لوں گا۔ اس نے زبان بند رکھی تو ہو سکتا ہے کہ میرے اوپر کا کوئی افسر پوچھ گچھ میں دخل دے بیٹھے۔ میں ایسے کسی بھی امتحان سے بچنا چاہتا ہوں۔"

"یعنی ان دو دنوں میں بھی تمھارے اوپر والوں کی دخل اندازی کا خطرہ ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے خشمناک لہجے میں سوال کیا۔

"نن... نہیں۔" اپنی غلطی محسوس کرتے ہی وہ بوکھلا گیا۔ "میں نے تو بس ایک بات کہی تھی۔ وہ نہ بولنا چاہے تو میں اس کی طرف سے ایک محفوظ فرضی بیان بنا لوں گا۔ مجھ سے جو کچھ ممکن ہے، وہ میں کر گزروں گا اور دو دن کے بعد وہ آزاد ہو گی۔ ایک دفعہ وہ فرار ہو گئی تو ریکارڈ میں خورد برد کر کے اس کا قصہ حذف کرنا میرا کام ہو گا۔ یہ میرا تم سے عہد ہے اس میں سرِ مو فرق نہیں آئے گا۔"

"فوری طور پر اس کی رہائی ممکن نہیں؟" میں نے [illegible] لہجے میں پوچھا۔

"میرے لیے ناقابلِ تصور دشواریاں کھڑی ہو جائیں گی..." وہ گڑگڑایا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم جہنم میں جاؤ، میں اس کی بات کر رہا ہوں میری دلچسپی اس کی آزادی سے ہے۔"

"میں وہی کہہ رہا تھا۔" وہ بوکھلا کر جلدی سے بولا۔ "میں عتاب میں آ گیا تو میرے حوالے سے پورے شہر کی پولیس اس کی تلاش شروع کر دے گی اور وہ زیادہ دیر آزاد نہ رہ سکے گی۔"

"ٹھیک ہے سرور!" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "تم اپنی کوششیں جاری رکھو۔ تقدیر کا اپنا کھیل شروع ہو چکا ہے، وقت بتائے گا کہ کون جیتتا اور کون ہارتا ہے؟"

"مجھے تو دو دن کی مہلت مل گئی ہے نا؟" اس نے لجلجاتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"اس کا جواب وقت دے گا۔" میں نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اسے مبہم جواب دینا ضروری تھا تاکہ وہ اپنی زندگی
سے مایوس ہو کر تخریبی کارروائی شروع نہ کر دے لیکن
اس کے بارے میں فیصلہ کر چکا تھا۔ فرمان خان کو
...ن، دھن کی بازی لگانے پر مجبور کرنے کے لیے
سرور لودھی کا ہلاک کیا جانا ضروری تھا۔ فرمان خان
سرور لودھی کے انجام سے پہلے ہی آگاہ کر چکا تھا
...فوری طور پر ذہنی دباؤ میں آجائے اور وہ واقعی
گیا تھا۔ اس نے سرور سے مراسم نہ ہوتے ہوئے
...پلک جھپکتے میں دفتر واپس لوٹنے کے بارے میں میرا
اس تک پہنچا دیا تھا اور میں صرف بیس منٹ بعد
اس سے بات کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔
میری دانست میں غزالہ کی رہائی سرور کے بس سے
...ی۔ ہاں، اس کے قتل کے بعد زندگی کا حریص فرمان خان
...معمولی کارگزاری دکھا سکتا تھا۔
میری اگلی فون کال سینڈو کے لیے تھی جو دفتر ہی میں
تھا۔
ڈی ایس پی سرور لودھی کا نام سینڈو کے لیے نامانوس
تھا اس کے فوری قتل کا نادر شاہی حکم سن کر وہ بری
طرح چونکا تھا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا۔
"یہ ایگل چیف کا چوتھا شکار ہوگا۔" میں نے اسے
آگاہ کیا۔ "اس کی لاش کے ساتھ نشان بھی ملنا چاہیے
تاکہ ہر متعلقہ شخص کو معلوم ہو سکے کہ سرور ایگل چیف کی
نافرمانی کی پاداش میں مارا گیا ہے۔ یہ کام سورج ڈھلنے سے
پہلے ہو جانا چاہیے۔"
"ضروری تو نہیں کہ اسے تھانے میں ہی مارا جائے؟"
سینڈو نے سوال کیا۔
"وہاں زیادہ بہتر رہے گا۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ
تھانے بھی ایگل چیف کی دسترس سے باہر نہیں ہیں لیکن
کوئی بڑا خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں۔ اصل اہمیت اس
کے قتل کی ہے۔"
اپنے کسی ماتحت کو کسی کے قتل کا حکم صادر کرنے
کا وہ میرا پہلا موقع تھا۔ انسانی خون کی حرمت اپنی جگہ پر
مسلم تھی۔ مجھے یہ بھی احساس تھا کہ میرا وہ اقدام خلاف
قانون تھا لیکن سماج کے باغی ہر مجرم کی طرح میرا ضمیر مطمئن
تھا کہ میں نے کسی معصوم اور بے گناہ شخص کے قتل کا
حکم نہیں دیا تھا۔ سرور لودھی ایگل چیف کا آلۂ کار تھا اور وہ

منصب ایسا تھا کہ شیطانی کردار اور صفات رکھنے والے ہی اپنی شرمناک کمزوریوں کا پردہ رکھنے کے لیے ایگل چیف کے غلام بننے پر مجبور ہوتے تھے۔

"وہ بٹیروں کے قورمے کا بہت شوقین ہے۔" سینڈو کہہ رہا تھا۔ "میں کسی گمنام دوست کی طرف سے اسے زہر ملا ہوا قورمہ عقاب کی تصویر کے ساتھ پیک کر کے بھیج دیتا ہوں۔ اس کی موت کے بعد پیکنگ وغیرہ کی باریکی سے جانچ پڑتال ہو گی تو عقاب کی تصویر سامنے آجائے گی۔"

"نہیں۔" میں نے اسے سختی کے ساتھ منع کر دیا۔ "میں کسی بے گناہ کا خون اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔ اگر اس نے اپنے ساتھ کھانے میں کسی اور کو بھی شریک کر لیا تو وہ بھی بے موت مارا جائے گا۔ احتیاط اور چالاکی کے ساتھ تمہیں صرف اسی کو مارنا چاہیے۔"

"رات ہونے سے پہلے کام پورا ہو جائے گا۔" اس کی آواز سنائی دی اور میں نے فون بند کر دیا۔

غزالہ کے ساتھ میری برہمی اپنی جگہ پر تھی لیکن اس پر پڑنے والی نئی افتاد نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کی مدد کے لیے مزید کیا کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے پولیس کی تحویل میں ہونے کی وجہ سے حالات اس قدر نامساعد تھے کہ ....

میں خود سامنے آکر کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا البتہ مجھے یہ اطمینان ضرور تھا کہ میں جس کسی سے کام لے سکتا تھا اس کو میں نے دھندے سے لگا دیا تھا۔

وہ سارے انتظامات اپنی جگہ پر تھے لیکن فلیٹ میں رہ کر مجھے کہیں سے کوئی خبر نہیں مل سکتی تھی۔ میں نے سینڈو کے لیے دوبارہ دفتر فون کیا تو وہ وہاں سے نکل چکا تھا اس لیے میں نے اپنا نمبر دے کر پیغام چھوڑ دیا کہ وہ واپس آتے ہی مجھ سے فون پر رابطہ قائم کرے۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنی مہم پر نکل کھڑا ہوا تھا اور کسی بھی وقت کامیابی کی خبر کے ساتھ واپس آسکتا تھا۔

غزالہ کے بارے میں میں سلطان شاہ سے اس قدر بکواس کر چکا تھا کہ بدلے ہوئے حالات میں اس سے غزالہ کے موضوع پر بات کرنا مشکل ہو رہی تھی اس لیے میں نے ایک بار پھر مینا و پیمانہ سنبھال کر خود کو اپنی خوابگاہ تک محدود کر لیا اور فون اپنے ہی کمرے میں لے لیا۔ ویرا کا ایریئل بھی میں نے آن کر کے رکھ لیا تھا۔

سلطان شاہ اپنی جگہ گم تھا۔ مجھے اس کی فکرمندی کا احساس بھی تھا اور اندازہ بھی، لیکن وہ خود بھی زبان بند … باہر سے آنے والی کسی اچھی خبر کا منتظر تھا۔ ہم دونوں … آپس میں کوئی مشورہ کیے بغیر رضاکارانہ طور پر ایک … کو نہ چھیڑنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا لیکن سوا چھ بجے جب … کی گھنٹی بجی تو وہ بے تابانہ انداز میں میرے کمرے میں … چلا آیا۔

وہ کال سینڈو کی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ ڈی ایس پی … کو تھانے سے گھر لوٹتے ہوئے گولی مارنے میں کامیاب ہو … تھا۔ اس وقت سرور لودھی اپنی کار خود چلا رہا تھا اور تنہا سفر … کر رہا تھا۔ سینڈو نے اپنی مسروقہ کار اس کے پہلو میں … کر اس کی کھوپڑی اور چہرے میں تین گولیاں اتارنے … بعد عقاب کی تصویر والا کارڈ کھڑکی میں سے سرور کی ڈرائیونگ سیٹ پر پھینک دیا تھا۔

مسروقہ کار سے نجات حاصل کرنے کے بعد اس … میرے پیغام کے بعد دفتر لوٹتے ہی مجھے فون کیا تھا اور … دن کی پہلی اچھی خبر تھی۔

وقت دھیمے دھیمے سرکتا رہا۔ میرا دل اچھلنے … سے تیزی سے دھڑک رہا تھا یا شاید میں نے خوشی کی وجہ … اس بارے میں زیادہ حساس ہو گیا تھا۔ پھر آٹھ بجے اچانک … ٹرانسمٹر پر ویرا کی آواز ابھرنے لگی، وہ ماریانا کے فرضی نام … میرے لیے پیغام نشر کر رہی تھی۔

"اسلحہ لے کر گھر سے نکل پڑو۔" میرا جواب ملنے پر … نے اضطراری لہجے میں کہا۔ "میں اپنے کسی منصوبے کے ساتھ … کی تلاش میں تھانے کے گرد منڈلا رہی تھی کہ اچانک کچھ مسلح … نے تھانے کی عمارت پر شدید حملہ کر دیا ہے۔ غزالہ کی جان کو خطرہ … ہے اس سے تھوڑی دیر پہلے کسی نے علاقہ کے انچارج کو اس کی … کار میں گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ کچھ پتا نہیں کہ یہاں کیا ہو … ہے۔ میں اکیلی کچھ نہ کر سکوں گی۔ تم سلطان کو ساتھ لے کر جلد … تاکہ ہم پوری عمارت تباہ ہونے سے پہلے غزالہ کو اس جلتے … جہنم سے نکال سکیں۔ اوور اینڈ آل۔"

وہ رکے بغیر ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی اور … جواب سنے بغیر رابطہ بھی منقطع کر دیا مگر اس کا پیغام جامع … مکمل تھا۔ میں نے سلطان شاہ کو تیاری کی ہدایت دیتے ہوئے … بستر چھوڑ دیا۔

… یہ تعین نہیں کر سکا تھا کہ فرمان خان نے غزالہ کو … کرانے کے لیے اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا تھا یا کوئی اور … تھانے کی عمارت کا دشمن ہو گیا تھا۔

غزالہ کے حق میں ویرا کا وجود ہی منحوس ہے۔"
ن شاہ تیاری کرتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ جب بھی اس کے آس
نظر آتی ہے۔ وہ بے چاری کسی نہ کسی ناگہانی مصیبت
مبتلا ہو جاتی ہے ...."
"یہ تمہارا خیال ہے۔" میں نے سرزنش کرنے والے لہجے
کہا۔ "میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ وہ غزالہ کی مدد کرنے کی
میں تھانے کے قریب منڈلا رہی تھی۔"
"اور ایسی مدد کی ہے کہ اب ہمیں ہتھیار جمع کرنے پڑ رہے
" اس نے برا سا منہ بنا کر استہزائیہ لہجے میں تبصرہ کیا۔ "اللہ
ایسی مدد سے محفوظ رکھے۔"
"تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ برے مواقع پر ویرا کسی نہ کسی
غزالہ کے آس پاس ہی پائی جاتی ہے۔ اگر اس وقت وہ
نہ ہوتی تو ہمیں پتا بھی نہ چلتا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔"
"اپنی اپنی سوچ کی بات ہے۔" اس کی بیزاری میں کوئی
نہیں آسکی تھی۔ "تم اس کے ساتھ پچھلی رات گزار چکے ہو۔
لیے تمھیں اس کی صرف اچھائیاں نظر آرہی ہیں۔ میرا تو
خیال ہے کہ ویرا تھانے کی طرف نہ پہنچتی تو غزالہ کسی بڑے
رے سے دوچار ہوئے بغیر اب تک آزاد ہو چکی ہوتی۔"
وہ سب ہماری قیاس آرائیاں تھیں۔ مفروضوں میں الجھ
اپنے ذہن کو تھکانے کے بجائے اس وقت ہم کوئی عملی
اٹھا کر ہی غزالہ کی مدد کر سکتے تھے۔ اس لیے میں نے
سلطان شاہ سے بحث جاری رکھنے کے بجائے چپ سادھ
اور ہم دونوں مسلح ہو کر فوراً ہی فلیٹ سے روانہ ہو گئے۔
اچھی طرح جانتا تھا کہ سلطان شاہ کے ذہن میں ویرا کی طرف
جو مخاصمانہ خیالات پروان چڑھ رہے تھے، انھیں ختم کرنا
بس سے باہر تھا۔ وہ جس سخت قبائلی ماحول میں پروان
چڑھا تھا وہاں شرم، حیا، عزت اور غیرت کے مخصوص مگر اٹل
معیار رائج تھے جن سے انحراف کر کے عورتیں تو درکنار، مرد
قبائلی جرگے کی تعزیری کارروائی سے نہیں بچ سکتے تھے اور
خوبصورت ہونے کے باوجود ان معاملات میں کسی معیار پر
نہیں اترتی تھی۔ سلطان شاہ جیسے کٹر قبائلی مسلمان کے
نقطہ نظر اس کی زندگی کا سرمایہ ہو سکتی تھیں، ویرا برسوں پہلے
دم میں ڈان مرسیانو کے چرنوں میں لٹا آئی تھی۔ اس
کا اور سلطان شاہ کا ایک دوسرے کو معاف کرنا ناممکن
سلطان اسے کسی بھی قیمت پر ایک عورت تسلیم کرنے
لیے تیار نہیں تھا اور اسی طرح ویرا اپنی دانست میں اس
بے آزمانے کے بعد اس کی مردانگی کو کبھی کبھار کھل

کر چیلنج بھی کر دیتی تھی۔
"مجھے خوشی ہے کہ تمہارے ذہن میں غزالہ کی خیر خواہی
کے جذبات اب بھی موجود ہیں۔" راستے میں سلطان نے سکوت
توڑتے ہوئے کہا۔ "ورنہ کل پرسوں تو تم اس سے بالکل ہی منحرف
نظر آرہے تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے تم زندگی بھر اس کی
صورت بھی نہیں دیکھو گے۔"
"انسان اپنی چوکھٹ پر جانور بھی پالتا ہے تو اس سے
محبت ہو جاتی ہے۔ غزالہ تو پھر آدمی کی بچی ہے۔" میں نے ایک
بار پھر اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔ "اس کی خیر خواہی
اور خبر گیری کے پیچھے صرف یہ جذبہ کار فرما ہے کہ وہ اکیلی
اور بے سہارا ہے۔ اس سے آگے مجھے اس سے کوئی امید
نہیں۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ اب پھر اس کی خاطر میرے سینے میں محبت
کا طوفان امڈنے لگا ہے۔"
"خود کو فریب نہ دو ڈینی!" اس کا لہجہ ناصحانہ ہو گیا۔ "جن
سے زندگی میں ایک بار محبت ہو جاتی ہے۔ ان سے دوبارہ
محبت یا نفرت تو کی جا سکتی ہے لیکن اس طرح لاتعلق اور
غیر جانبدار نہیں رہا جا سکتا جس کا تم دعویٰ کر رہے ہو۔ ایسا دعویٰ
وہی کر سکتا ہے جس کی رگوں میں خون کے بجائے کسی کاریز
میں بہنے والا ٹھنڈا پانی دوڑ رہا ہو۔ تم مان کیوں نہیں لیتے کہ
اپنی ساری ناراضی کے باوجود تم آج بھی غزالہ کے لیے اپنے
دل میں گہرا پیار رکھتے ہو؟"
"تم کتنے عشق لڑا چکے ہو جو اس بارے میں اتنے اعتماد
کے ساتھ رائے زنی کر رہے ہو؟" میں نے تلخ اور ملامت آمیز
لہجے میں اس سے سوال کیا۔
میرا خیال تھا کہ وہ لاجواب ہو کر چپ ہو جائے گا مگر
وہ بولتا ہی رہا۔ "یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں نے کبھی کسی
سے عشق نہیں کیا؟"
اس کے بے باکانہ سوال نے مجھے چونکا دیا۔ میں سوچ
بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کسی مرحلے پر خود ہی ایسا کوئی انکشاف
کر بیٹھے گا۔ "تم نے کسی گائے، بکری یا بھیڑ سے عشق کیا ہو تو
اس سے میں لاعلم ہوں۔" میں نے اس پر حاوی رہنے کی نیت
سے تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔
"تم میرا مذاق اڑا سکتے ہو لیکن میرے دعوے کو نہیں
جھٹلا سکتے۔" اس کی آواز میں آزردگی تیر گئی۔ "ضروری نہیں
کہ عشق لڑایا ہی جائے، عشق کیا بھی جاتا ہے۔ مجھے اپنی ماں سے
عشق تھا۔ میں اس سے لڑتا بھی تھا، ناراض بھی ہوتا تھا اور جب
وہ ناراض ہو کر مجھ سے بولنا بند کر دیتی تھی تو یہ میں ہی جانتا ہوں

کہ میرے زخمی دل میں کیسی کسک ہوتی تھی۔ اپنے اسی تجربے کی بنا پر میں تمہاری کیفیت کو سمجھ رہا ہوں۔ تم نے اپنے اوپر غزالہ سے برہمی اور تنفر کا خول ضرور چڑھا لیا ہے لیکن اضطراری لمحات میں کچھ سوچے سمجھے بغیر تم اچانک اس خول سے باہر آ کر اس کے لیے بے چین ہو جاتے ہو۔ یوں ہی تمہیں اپنی اداکاری میں خلل پڑنے کا احساس ہوتا ہے تم ایک بار پھر اسی خول میں سمٹ کر اپنی اضطراری بے چینی کے الٹے سیدھے جواز تلاش کرنے لگتے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ اندر سے تم اب بھی غزالہ کے پرانے ڈیپنی ہو۔ جنھیں چاہا جاتا ہے ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف کرنے میں کوئی سبکی یا توہین نہیں ہوتی۔ تمہیں غزالہ سے روٹھنے کے بجائے اس سے مل کر پوچھنا چاہیے کہ وہ تم سے دور کیوں بھاگ رہی ہے؟ اسے کیا مجبوری ہے؟ ایسے سوال ان ہی لوگوں سے کیے جاتے ہیں جن پر تمہارا کوئی حق ہوتا ہے...!"

وہ جو کچھ کہہ رہا تھا غالباً درست ہی کہہ رہا تھا لیکن یہ مرد کی انا بھی عجیب چیز ہوتی ہے۔ اپنے دل میں میں اپنی کیفیت کو خوب سمجھ رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا غزالہ سے میرا سامنا ہوگا تو اس کی صورت دیکھتے ہی میرے تمام شکوے اور ساری مفروضہ شکایتیں ہوا میں تحلیل ہو جائیں گی مگر مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ سلطان جیسا جاں نثار اور قریبی دوست بھی میرے من مندر کے نہاں خانوں میں بنتی بگڑتی ان سچائیوں میں جھانک سکے۔ اس کے سامنے میں وہی تند خو اور روایتی مرد بنا رہنا چاہتا تھا جو ذرا سی لغزش پر چوٹی پکڑ کر اپنی عورت کو اماوس کی ٹھٹھرتی ہوئی سیاہ اور لمبی رات میں گھر سے باہر ہانک دیتا ہے۔

میں خیالات کی رو میں ڈوبا ہوا تیزی سے کار ڈرائیو کرتا رہا اور پھر فضا میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو محسوس ہونے لگی جو آنکھوں اور نتھنوں میں جلن پیدا کر رہی تھی لیکن فضا میں کسی قسم کے ہتھیاروں کی گھن گرج موجود نہیں تھی۔

چند موڑ گھومنے کے بعد تھانے کی دھواں اگلتی ہوئی تباہ شدہ عمارت کا منظر ہمارے سامنے آ گیا اور میں نے بکھرے ہوئے ہجوم میں سے گزرنے کے بجائے کار ایک طرف پارک کر کے لاک کر دی۔

تھانے کی عمارت بظاہر سالم نظر آ رہی تھی مگر کثیف دھوئیں اور شعلوں میں گھری ہوئی تھی۔ اس کے کسی حصے کے منہدم نہ ہونے سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس عمارت پر بموں وغیرہ سے حملہ نہیں کیا گیا تھا لیکن وہاں موجود فائر بریگیڈ کی گاڑیوں اور ایمبولینسوں کی تعداد سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہاں کوئی معمولی کارروائی نہیں کی گئی تھی جو کچھ ہوا تھا وہ خاصے بڑے اور منظم پیمانے پر ہوا تھا۔

ہمارے پہنچنے سے پہلے وہاں سے حملہ آور فرار ہو چکے [illegible] لیکن تھانے کی جلتی ہوئی عمارت کے گرد ہونے والی [illegible] اور دہشت زدہ ہجوم کی کثرت نے مجھے دہشت میں ڈال [illegible] کہ فرمان خان جیسا شخص سرور لودھی کے قتل کے بعد [illegible] میں اتنے وسائل یکجا کرنے میں کیسے کامیاب ہو گیا کہ تھانے [illegible] تاراج کر کے میرے حکم کی تعمیل پر تل گیا۔ اس وقت تک [illegible] یہی سمجھ سکا تھا کہ وہ کارروائی فرمان خان نے کی تھی اور اس کا مقصد حوالات سے غزالہ کو فرار کا موقع فراہم کرنا تھا۔

مقابلہ ختم ہو چکا تھا اس لیے ہم دونوں نے اپنے ساتھ کوئی اسلحہ نہیں لیا تھا۔ خوف و ہراس میں مبتلا تماشائیوں میں ہر ایک حقیقت جاننے کے لیے بے تاب تھا لیکن کسی کو [illegible] کے علاوہ کچھ معلوم نہیں تھا کہ تھانے پر کچھ لوگوں نے باہر [illegible] زبردست فائرنگ کی آڑ میں حملہ کیا تھا۔ ایک ہی شام میں ڈی ایس پی سرور لودھی کے قتل اور تھانے کی تباہی نے لوگوں میں دور از کار قیاس آرائیوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ہجوم میں ہر پُرجوش شخص لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے الزام طرازی پر تلا ہوا تھا۔ ان افواہوں اور خیال آرائیوں میں حقیقی صورتِ حال کا علم ہونا محال تھا۔ اس لیے میں نے سرکاری اہلکاروں کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اس دوران میں میری نگاہ ویرا کو بھی تلاش کر رہی تھیں۔

ویرا کے ساتھ مشکل یہ تھی کہ اسی روز غزالہ کے مکان [illegible] قفل شکنی کرتے ہوئے اس کا سرور لودھی کے آدمیوں سے تصادم ہوا تھا جس کے نتیجے میں ایک سپاہی ہلاک اور دو [illegible] زخمی ہو گیا تھا۔ غزالہ کے پکڑے جانے کے باوجود ویرا وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن ایک سفید فام کی حیثیت سے اس کا خاص حلیہ بچ رہنے والے حریفوں کی نگاہوں میں آ گیا تھا اس لیے ویرا اپنے رنگ روپ میں بڑی تبدیلیاں لائے بغیر اس علاقے میں منظرِ عام پر آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

اس نے ٹرانسمیٹر پر مجھے بتایا تھا کہ وہ غزالہ کی مدد کے ارادے سے تھانے کے ارد گرد منڈلا رہی تھی۔ اس کی دی ہوئی اطلاع سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنے حلیے میں تبدیلی کر کے ہی اس مہم پر نکلی ہو گی اگر وہاں تھانے پر فائرنگ [illegible] سلسلہ شروع نہ ہو جاتا تو شاید ویرا خود ہی تھانے میں پہنچنے کی کوشش کرتی۔ تھانے کا عملہ تو شاید بہروپ میں اسے شناخت نہ کر پاتا لیکن مجھے یقین تھا کہ میں ہر حالت میں اسے [illegible]

وہ اس پورے معاملے کی چشم دید گواہ تھی اور اس سے صحیح واقعات کا علم ہو سکتا تھا۔

شہر کے ایک تھانے پر دیدہ دلیری کے ساتھ حملہ کرنا بڑا اور سنگین واقعہ تھا اس لیے وہاں لمحہ بہ لمحہ باوردی اور سرکاری گاڑیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔

فائر بریگیڈ کا عملہ پانی کی تیز دھاروں سے آگ بجھانے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ امدادی ٹیم کے اراکین اندر سے اسٹریچروں پر کئی افراد کو ایمبولینسوں میں لائے تھے جن کے بعد گاڑیاں سائرن بجاتی ہوئی، برق رفتاری کے ساتھ اسپتال کی طرف روانہ ہو گئی تھیں۔ جائے واردات کی صورتِ حال کے پیشِ نظر یہ بات یقینی نظر آ رہی تھی کہ لے جانے والوں میں سارے ہی زخمی نہیں تھے بلکہ ان میں چند لاشوں کا ہونا بھی یقینی تھا۔ ان مناظر کو دیکھ کر میرا دل بوجھل ہونے لگا۔

پولیس کے محکمے میں کام کرنے والوں کے لیے شہر بلکہ ملک بھر میں لوگوں کے دلوں میں محبت اور اپنائیت کا کوئی قابلِ ذکر جذبہ نہیں پایا جاتا تھا۔ محکمے میں جا بجا اتنی خرابیاں تھیں اور ان کو ذرائع ابلاغ سے اس قدر اچھالا جاتا تھا کہ اچھائیاں دھندلا کر رہ جاتی ہیں۔ میں نے جب فرمان خان کی خدمات سے غزالہ کی رہائی کا بندوبست کرانے کا حکم دیا تھا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ دمے کا مریض ریٹائرڈ افسر اتنی طاقت سے کام لے سکے گا کہ خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ پولیس کے محکمے میں کام کرنے والے اہلکار بھی اسی فرسودہ اور زوال پزیر معاشرے کے ارکان تھے۔ معاشرے میں ہر طرف جو برائیاں پھیل رہی تھیں ان سے وہ بھی آلودہ تھے لیکن وہ آلودگی انسانی لہو کی حرمت کو آنچ نہیں آنے دیتی۔

انسان اچھا ہو یا برا، نیک نام ہو یا بدنام۔ وہ ہر حال میں انسان ہی رہتا ہے۔ اور اس کے افعال و کردار کی بنا پر کسی دوسرے انسان کو اس کا خون بہانے کی آزادی ہرگز نہیں دی جا سکتی، ورنہ انسانی آبادیاں ایسے جنگلوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں جہاں صرف درندوں کا راج ہوتا ہے۔ میں نے فرمان خان کو اس کارروائی کا حکم دیا تھا اور اس اقدام کے نتیجے میں کچھ جانیں نابود میں آ چکی تھیں۔ اس لیے میں خود کو اس خونریزی کا براہِ راست ذمے دار سمجھ رہا تھا۔ میرے ذہن میں ایک خوف سا تھا کہ ایسی ہولناک اور اندھا دھند کارروائی میں کسے یہ پتا رہا ہوگا کہ وہ اپنے حریفوں کو پہچان کر گولیاں برسائے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ فرمان خان کے سورماؤں نے خونریزی کے اندھے جوش میں اسی غزالہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہو جسے آزاد کرانے کے لیے ان کے ولی نعمت نے وہ مہم ترتیب دی تھی۔

سنسنی، بے چینی اور تجسس کے عالم میں کافی دیر تک اِدھر اُدھر دھکے کھانے کے بعد پتا چلا کر تھانے پر جو تباہی نازل ہوئی تھی وہ تو اپنی جگہ پر تھی لیکن اسی کے ساتھ، تھانے والوں کی جوابی کارروائی کے نتیجے میں حملہ آوروں میں سے کم از کم ایک شخص ضرور مارا گیا تھا جس کی لاش وہ لوگ فرار ہوتے وقت اپنے ساتھ نہیں لے جا سکے تھے۔ پولیس کی بھاری نفری نے اس لاش کے گرد گھیرا ڈال دیا تھا۔ سننے میں آیا کہ متوفی کی شناخت ہو گئی تھی لیکن اعلیٰ حکام نے اس امر کو سختی کے ساتھ صیغۂ راز میں رکھا ہوا تھا۔

ہم دونوں کسی اہم خبر کی امید میں کم و بیش ایک گھنٹے تک وہاں دھکے کھاتے رہے۔ ایک بار بڑھتے ہوئے ہجوم پر پولیس والوں کے لاٹھی چارج سے پیدا ہونے والی بھگدڑ کے نتیجے میں سلطان شاہ کی پشاوری چپلیں اس کے پیروں سے نکل گئیں تو ہم نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔

وہاں بھٹکنے کے بجائے فلیٹ پہنچ کر میں فرمان خان سے فون پر زیادہ معلومات حاصل کر سکتا تھا۔

"اسی سے معلومات حاصل کرنا تھیں تو یہاں تک کیوں دوڑے چلے آئے تھے؟" سلطان شاہ پسنجر سیٹ پر دراز ہوتا ہوا دھیمے لہجے میں بڑبڑایا۔

"مجھے الہام نہیں ہوا تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی میدان صاف ہو جائے گا۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "ہم یہاں معلومات حاصل کرنے نہیں، بلکہ مقابلے میں حصہ لینے کے لیے آئے تھے۔"

"ویسے تمہارا کیا خیال ہے؟" کار حرکت میں آ جانے کے بعد اس نے سوال کیا۔ "کیا وہ غزالہ کو نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہوگا؟"

"آثار بتاتے ہیں کہ منظم اور مسلح حملہ آوروں کو تھانے والوں پر برتری حاصل تھی۔ انھوں نے اپنا مقصد حاصل نہ کیا ہوتا تو اپنے مورچے چھوڑ کر نہ جاتے۔"

"پھر اب غزالہ کہاں ہو سکتی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"یہ تو فرمان خان ہی بتا سکے گا۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ اس کے بعد سلطان شاہ نے مجھ سے کوئی نیا سوال نہیں کیا اور فلیٹ پہنچنے تک کار میں گمبھیر خاموشی چھائی رہی۔

فلیٹ میں غیر متوقع طور پر ریا پہلے سے موجود تھی۔ اس

نے موت کی طرح ہمارا گھر دیکھ لیا تھا اور جو پختہ قفل شکنی میں بھی ماہر تھی اس لیے اسے آزادانہ آمد و رفت سے روکنا کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔

اسے دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کیونکہ اس سے ہم کو تھانے پر حملے کے بارے میں بہت سی خبریں مل سکتی تھیں لیکن اسے اپنے بستر پر دراز دیکھ کر سلطان شاہ کا منہ بن گیا۔

"چوروں کی طرح آتی ہو تو ڈیبی کے بستر پر ہی آرام کیا کرو۔ میں اپنے بستر پر کسی عورت کا تصرف تو درکنار، اس کا سایہ تک برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ تلخی کے ساتھ بولا تھا۔

ویرا تنک کر اس کے بستر سے اُتر گئی۔ "میں خود بھی اب غسل کروں گی۔ پتا نہیں تم جیسی گندی سوچ رکھنے والا کا بستر کتنا غلیظ رہتا ہوگا۔"

"اسے سمجھا لو! یہ حد سے تجاوز کر رہی ہے۔" سلطان شاہ میری طرف پلٹ کر شکایتی لہجے میں غرایا۔ "اب میں کچھ کہوں گا تو یہ مرنے مارنے پر تل جائے گی۔"

"میں مردوں سے لڑتی ہوں، تمھیں نہیں چھیڑوں گی۔" ویرا نے چڑانے والے لہجے میں ترکی بہ ترکی جواب دیا اور سلطان شاہ بھنا کر باورچی خانے کی طرف چل دیا۔

ویرا مسکراتی ہوئی میرے ساتھ کمرے میں آ گئی۔

"ایسا لگتا ہے جیسے اسے کسی عورت نے نہیں بلکہ اس کے باپ نے ہی جنا ہو۔" کمرے میں آ کر اس نے کہا۔ "عورتوں کو تو چڑیلوں سے بھی زیادہ حقیر سمجھتا ہے۔"

میں نے چاہا کہ اسے بتاؤں کہ سلطان شاہ غزالہ کی کتنی عزت کرتا تھا۔ وہ ان ہی عورتوں سے بدکتا تھا جو ہر مرد کی مردانگی کو آخری مرحلے تک آزمانے کے چکر میں رہتی تھیں۔ مگر اس وقت میں ویرا کو خفا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس کے تبصرے پر مسکرا کر رہ گیا۔

"اسے چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم تھانے کے اطراف میں اپنی اصلی شکل و صورت میں گھوم رہی تھیں؟" میں نے سب سے پہلے وہی اہم سوال کیا۔

"میں مناسب موقع پر ایک باضمیر اور قانون پرست شہری کی حیثیت سے تھانے میں داخل ہو کر اپنی گرفتاری دینا چاہتی تھی۔ تھانے والے بہت زیادہ بوکھلائے ہوئے تھے کیونکہ شام کو کسی پُراسرار شخص نے ان کے ڈی ایس پی کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا۔ اس کی لاش پر سے عقاب کی تصویر والا ایک کارڈ بھی ملا تھا۔ سنا ہے کہ عقاب والے اہم سرکاری افسران کے دشمن ہیں اور وہ اپنی نوعیت کی چوتھی واردات تھی۔ تھانے کا خاصا عملہ بھی اسی طرف مصروف تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ ایک بار مجھے غزالہ کے ساتھ سوالات میں پہنچا دیتے تو میں کوئی نہ کوئی چکر چلا کر اپنے ساتھ اسے بھی رہا کرا لیتی مگر پھر اچانک ہی تھانے پر مسلح حملہ شروع ہو گیا اور میں کچھ بھی نہ کر سکی۔"

"حملہ آور کون تھے؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"کچھ پتا نہیں چل سکا۔ بس اچانک ہی کئی اطراف سے تھانے پر گولیاں برسنے لگیں۔ میں نے فوراً ہی ایک خشک برساتی نالے کی پلیا کے نیچے چھپ کر اپنی جان بچائی لیکن میں اپنے تجربے کی بنا پر یہ کہہ سکتی ہوں کہ وہ سب پیشہ ور لوگ تھے۔ میں نے کئی رائفلوں کی آوازیں بھی سنی تھیں۔ جس کی وجہ سے ان لوگوں نے دور رہتے ہوئے بھی تھانے میں تباہی مچا دی۔"

"لیکن تھانے میں کوئی آتش گیر مادہ تو نہیں رہا ہوگا پھر محض فائرنگ سے تھانے میں آگ کیسے لگ گئی؟" میں نے اگلا سوال دریافت کیا۔

"میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن آگ کے ابتدائی شعلوں کے ساتھ میں نے فضا میں پیٹرول کی تیز بو محسوس کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اندر گھس کر آگ لگائی ہو۔ وہاں موجود گاڑیوں کی ٹنکیاں توڑ کر پیٹرول ہی پیٹرول حاصل کیا جا سکتا تھا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ غزالہ کے بارے میں ہم اب بھی تاریکی میں ہیں۔"

"میرا منصوبہ دھرا رہ گیا تھا۔ اس لیے فائرنگ ختم ہوتے ہی میں وہاں سے اِدھر روانہ ہو گئی۔ تم تو وہاں خاصا وقت گزار کر آئے ہو۔ تمھاری اطلاعات کیا ہیں؟"

"صفر!" میں نے مایوسی سے کہا۔ "میں صرف ایک افواہ کا اضافہ کر سکتا ہوں۔ سنا ہے کہ حملہ آور فرار ہوتے ہوئے اپنے ایک ساتھی کی لاش وہاں چھوڑ گئے ہیں۔"

"پھر تو وہ لوگ پولیس کی نگاہوں میں آ گئے ہوں گے۔" وہ بولی۔ میری بات سن کر اس کی نگاہوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس بار وہ غزالہ کی سلامتی اور آزادی کے بارے میں واقعی مخلص تھی۔

"فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ صرف افواہ ہی ہو۔ البتہ تم تھوڑی دیر کے لیے باہر چلی جاؤ تو میں

ے کچھ خبریں حاصل کر سکتا ہوں۔"
"کسی کو فون کرو گے؟" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے

"فلیٹ میں رہ کر فون ہی کر سکتا ہوں مگر تخلیہ ضروری ہے۔"
"میں اسی کمرے میں آرام کرتی ہوں تم اطمینان سے فون کر لو۔ پھر بھی اطمینان نہ ہو تو سلطان شاہ کو میری نگرانی پر کر دو۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ میری مسہری پر دراز ہو گئی۔
"تمہارے معاملے میں سلطان شاہ ناکارہ ثابت ہو گا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تم اس کے ساتھ کوئی ایسی حرکت کرو تو وہ خود ہی اچٹ کر بھاگ جائے گا۔۔۔۔"
"تمہاری مرضی۔" وہ میری بات کاٹ کر بے پروائی سے بولی۔ "بعد میں فون کر لینا۔ فی الحال میرا یہاں سے جانے کا ارادہ نہیں ہے۔ تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"
"تو پھر کرو بات۔" میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس وقت تک میں مطمئن تھا مجھے بڑی حد تک یقین تھا کہ تھانے پر حملے کی کارروائی عالان کی ہی رہی ہو گی۔ اسے فون کر کے مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ ویرا کہاں اور کس حال میں ہو گی اور دوم اسے غیر ضروری خون خرابے پر سخت سرزنش کرنی تھی۔ وہ دونوں ہی کام ایسے تھے جو ویرا کو ٹالنے کے بعد بھی کیے جا سکتے تھے۔ اس کی موجودگی میں میں اپنی ایگل چیف کی حیثیت استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چالاک اور مکار تھی۔ اگر اسے اس کی ذرا سی بھنک بھی مل جاتی تو میرے لیے دشواریاں کھڑی کر سکتی تھی۔
"سلطان شاہ کی صحبت میں رہ کر تم بالکل ہی بے مروت ہو گئے ہو۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ "اس مہم سے واپسی پر ناکامی کا ایک جام تو ہونا چاہیے۔ پھر باتیں کریں گی۔"
اس کی زبان سے ناکامی کا لفظ سن کر میرا دل دہل گیا۔ میرے بس میں ہوتا تو میں اسے وہیں خاموش کر دیتا لیکن وہ میرے بارے میں حقیقت سے لاعلم تھی۔ اور جو کچھ کہہ رہی تھی اپنی دانست میں درست ہی کہہ رہی تھی۔ اس لیے مجھے خاموشی سے وہ سنگین مذاق سہنا پڑا۔
میرے ہاتھ میں لارج اسکاچ کے دو گلاس دیکھ کر وہ یوں اچھل کر اٹھی جیسے اس کے وجود میں شیطان حلول کر گیا ہو۔ میرے ہاتھ سے گلاس لے کر اس نے غزالہ کی سلامتی کا ٹوسٹ تجویز کیا اور ہم دونوں نے بہ یک وقت اپنے حلق میں آتشیں تحریریں اتار لیں۔
اپنی لمبی لمبی مخروطی انگلیوں سے لائٹر جلا کر ویرا نے پہلے میری سگریٹ سلگائی پھر اپنی سگریٹ سلگا کر بولی۔ "کل دن میں تم کیا کر رہے ہو؟"
"فی الحال کوئی پروگرام نہیں ہے۔ اپنا پتا دو تو کسی وقت تمہاری طرف چکر لگا لوں گا۔ تم میرا گھر دیکھ چکی ہو تو اب تمہیں بھی اپنا ٹھکانا نہیں چھپانا چاہیے۔"
"تم دوست بن کر بھی میرا سراغ نہیں لگا سکے لیکن ایک اجنبی مجھ تک پہنچ گیا ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اب مجھے تم کو بتانا ہی پڑے گا کہ میں کہاں رہ رہی ہوں۔"
اس کی زبان سے اجنبی کا حوالہ کچھ عجیب اور ذو معنی سا محسوس ہوا مگر میں نے دانستہ کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ میرا تجسس بھانپ کر بات کو طویل کر سکتی تھی۔
"آج ایک اجنبی نے مجھے فون کیا تھا۔" ویرا نے دھیمے لہجے میں بات شروع کی تو اس کے بشرے پر تفکر آمیز لکیریں نمودار ہو چکی تھیں۔ "اس نے مجھے ماریانا گیبرائیل کے بجائے ویرا کے نام سے مخاطب کیا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میں اپنی کمین گاہ میں اکیلی رہ رہی ہوں۔ وہ شی کے نام اور کام سے بھی واقف ہے لیکن میرے لیے اس کی آواز اجنبی تھی۔ وہ کسی اہم معاملے میں کل بارہ بجے مجھ سے میرے گھر پر ملنا چاہ رہا ہے۔ اس کی شرط ہے کہ میں اس سے تنہا ملوں کیونکہ اسی میں میری اور اس کی بہتری پوشیدہ ہے۔"
"ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارا کوئی پرانا عاشق ہو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔
"عاشق عیار نہیں ہوتے۔" وہ بھڑکے بغیر بولی۔ "میں جو کچھ ہر ایک سے چھپاتی رہی ہوں وہ سب اسے معلوم ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے کسی بڑے گروہ کی سرپرستی حاصل ہے جو ہمارے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔"
"وہ مافیا کا آدمی بھی ہو سکتا ہے۔" میں نے دوسرا شوشہ چھوڑا۔
"نہیں۔" اس نے سختی سے میری بات رد کر دی۔ "مافیا والے کبھی اس طرح کسی کی راہ نہیں کاٹتے۔ انہیں ملنا ہوتا تو مجھے یا میرے بڑوں کو کوئی باقاعدہ پیغام ملتا۔ اس شخص نے مجھے کچھ ایسی باتیں بھی بتائیں جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ملاقات کے لیے مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہ رہا تھا۔"
"اس بارے میں تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" میں نے براہِ راست سوال کر ڈالا۔
"انطونیو کے قتل اور رما جے کی مکمل تباہی کے بعد میں اس شہر میں تنہا رہ گئی ہوں۔ اس وقت میں صرف تم پر ہی اعتماد کر سکتی ہوں اور چاہتی ہوں کہ اس پراسرار شخص سے ملاقات کے

وقت تم میرے آس پاس پوشیدہ رہ کر معاملات پر نگاہ رکھو!"
"میں تمہاری دوستی حاصل کرنے میں دوبارہ کامیاب ضرور ہو گیا ہوں مگر تم جانتی ہو کہ میں تم لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔"
"میں جانتی ہوں کہ تم ضدی اور ہٹ دھرم ہو میرے دوست بن جانے کے باوجود ابھی تک شی سے باغی ہو اور شی کے کسی بھی کام کے لیے کبھی میرے ہم نوا نہیں بن سکتے۔ اسی وجہ سے آج میں نے تھانے کا رخ کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اگر میں غزالہ کی آزادی کے سلسلے میں کوئی قابلِ ذکر کام دکھا سکی تو اس طرح تم مجھ سے تعاون کرنے کے لیے اخلاقی دباؤ میں آجاؤ گے مگر بدقسمتی سے وہاں بازی ہی الٹ گئی اور اس وقت مجھے تم سے ایک سوالی کے روپ میں بات کرنا پڑ رہی ہے۔"
"تمہاری ذات کے لیے میں کسی اخلاقی دباؤ کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہوں لیکن شی کے لیے میں ایک کیل بھی ہلانے پر آمادہ نہیں۔ اب تو تم کو بھی ہوش آجانا چاہیے۔ تم اس سیٹلائٹ مائکروفون کو کیوں بھول رہی ہو جو ہالیڈے ان میں تمہاری عارضی قیام گاہ میں دریافت ہوا تھا؟"
"جمی لائیڈ میرا باپ ہونے کے ساتھ ہی شی کا سربراہ، ہزاروں کارکنوں کا مربی اور سرپرست بھی ہے۔ جب میں اس کی سگی بیٹی ہو کر اس کے تم جیسے دشمن سے پینگیں بڑھا سکتی ہوں تو اسے بھی اپنے کارندوں کی حرکات و سکنات پر گہری نظر رکھنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ وہ یہ خبر رہے تو اس کا کوئی بھی آدمی سیکڑوں کارندوں کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بن سکتا ہے۔ میں نے اس معاملے میں ہر طرح سے غور کرنے کے بعد اسے تکبیر بھلا دیا ہے... میں مانتی ہوں کہ اس پراسرار اجنبی کا معاملہ آخر کار شی کا مسئلہ ہی ثابت ہوگا لیکن فوری طور پر یہ میری یعنی ویرا لائیڈ کی ذات کی سلامتی کا مسئلہ ہے اور اسی کے لیے میں تم سے مدد مانگ رہی ہوں۔ جونہی شی کے مفاد کا معاملہ سامنے آئے تم اپنا ہاتھ نکال لینا۔ میں تم سے کوئی شکوہ نہیں کروں گی لیکن نئے اور پرانے مراسم کی روشنی میں تم کو میرا ساتھ ضرور دینا ہوگا۔"
"تم اس سے ملے بغیر اپنا ٹھکانا بدل سکتی ہو۔ تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"
"لیکن مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ تم ہمارے ساتھ رہ چکے ہو اور اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم اپنی راہ میں آنے والے پتھروں کو ٹھوکریں مار کر ادھر ادھر نہیں لڑھکاتے۔ انھیں تراش خراش کر اپنے کام میں لے آتے ہیں یا پھر زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔ پھر یہ خطرہ بھی ہے کہ میرے گھر کی نگرانی نہ ہو رہی ہو۔ وہ میرے فرار اور پھر نئے ٹھکانے سے واقف ہو گیا تو اسے میری کمزوری سمجھ کر مجھ پر حاوی ہونے کی کوشش کرے گا۔"
"نگرانی ہو رہی ہے تو اس وقت بھی کوئی میرے فلیٹ کے نیچے موجود ہوگا اور پھر تمہارے قرب و جوار میں میری موجودگی اس کی نظروں سے کب پوشیدہ رہ سکے گی؟"
"اس وقت نگرانی نہیں ہو رہی ہے۔ میں نے اس بات کا یقین کرنے کے بعد ہی تھانے کا رخ کیا تھا۔ اس کے آدمی سے پہلے اس کے محافظ ضرور میرے گھر کے گرد گھیرا ڈال سکتے ہیں، ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنا تمہارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔" اس کے پاس میرے ہر اعتراض کا جواب موجود تھا۔
"تمہارے ارد گرد موجود رہ کر مجھے کیسے علم ہوگا کہ اندر کیا ہو رہا ہے اور مذاکرات کس رخ پر جا رہے ہیں؟"
"بہت آسان سی بات ہے۔ بازار میں ایف ایم مائک آسانی سے ملتے ہیں۔ اس کے ذریعے لاسلکی رابطے پر تم کسی بھی جیبی ٹرانزسٹر کو ایف۔ ایم بینڈ پر ٹیون کر کے دیوار کے پیچھے ہونے والی گفتگو سن سکو گے اور جب ضرورت محسوس کرو، دخل انداز ہو سکو گے۔"
مجھے وہ معاملہ دلچسپ رخ اختیار کرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ لڈا رہ کر ویرا کی حفاظت کرنا کوئی قابلِ فخر کام نہیں تھا بلکہ سلطان شاہ تو شاید اسے باعثِ شرم ہی قرار دے دیتا لیکن ایک باخبر اجنبی سے ویرا کے مذاکرات کی روداد میرے لیے کسی نئی دلچسپی کا باعث ثابت ہو سکتی تھی۔
"میں وعدہ نہیں کرتا ویرا!" میں نے اس پر اپنی دلچسپی ظاہر کیے بغیر کہا۔ "غزالہ کا معاملہ ابھی گمبھیر ہے۔ اس کی طرف سے کوئی مصروفیت پیدا نہ ہوئی تو میں ضرور آجاؤں گا مگر یہ یاد رکھنا کہ میری دلچسپی صرف تمہاری سلامتی تک ہوگی۔ شی غرق بھی ہو جائے تو مجھے کوئی پروا نہیں ہوگی۔"
"تمہیں میرے الفاظ دہرانے کی ضرورت نہیں، میں جو کہتی ہوں، وہ پوری طرح یاد رکھتی ہوں۔"
گلاس خالی ہو جانے کے بعد میں نے اس سے دوسرے دور کے لیے نہیں پوچھا اور وہ ایک تو بہ شکن انگڑائی لیتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔
"مجھے چلنا چاہیے۔ تمہیں کسی کو فون بھی کرنا ہے۔" وہ مسکراتی ہوئی معنی خیز لہجے میں بولی۔
میں سر ہلا کر رہ گیا۔ فلیٹ سے نکلنے سے پہلے ویرا نے

لطان شاہ کی نیم روشن خواب گاہ میں جھانک کر پشتو میں نہ جانے
یا کہا کہ وہ بُری طرح بھڑک کر بستر سے اُس کی طرف لپکا تھا اور
فوراً ہی میری اوٹ میں ہوگئی۔ میں نے سلطان شاہ کو پچکار
بشکل واپس لوٹایا اور ویرا کو نیچے تک چھوڑنے کے لیے اُس
ے ہمراہ فلیٹ سے باہر آ گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ ویرا پاکستان کے شمال مغربی پہاڑوں میں
یرونُ کے فروغ کے لیے کافی عرصے تک کام کرتی رہی تھی
ور پشتو کے علاوہ دوسری علاقائی زبانوں پر بھی خاصا عبور
تی تھی لیکن میں یہ نہ سمجھ سکا کہ سلطان شاہ کو اس نے کس لفظ
سے بدکایا تھا۔

"اچھا آدمی ہے لیکن عورتوں کے معاملے میں بالکل جنگلی
ہے۔" ویرا نے میرے سہارے سیڑھیاں طے کرتے ہوئے کہا۔
نی باتوں اور حرکتوں سے جنسِ مخالف کو غصہ دلانے میں پیدائشی
ہر معلوم ہوتا ہے لیکن آج میں نے بھی ایسی چٹکی لی ہے کہ
ب وہ ہفتوں بلبلاتا رہے گا۔"

"وہی تو پوچھ رہا ہوں کہ تم نے اُسے کیا کہہ دیا تھا؟"

"بس نخیتیں کہہ دیا تھا!" وہ ہنستی ہوئی بولی اور میں زیرِ لب
بڑا کر رہ گیا کیونکہ وہ لفظ میرے کانوں کے لیے نامانوس
ہی تھا۔

ویرا کو رخصت کر کے میں اوپر واپس لوٹا تو سلطان شاہ
ت زیادہ برہم اور مشتعل تھا۔ ویرا تو فتور پھیلاتے ہی وہاں سے
لنے میں کامیاب ہوگئی تھی لیکن سلطان شاہ کو شاید رہ رہ کر
ہ توہین آمیز خطاب کا خیال آ رہا تھا جو ویرا جاتے جاتے
س پر چپکا گئی تھی۔

"تم نے اُسے بہت سر پر چڑھایا ہوا ہے۔" دروازہ کھولتے
ی وہ غصیلے لہجے میں مجھ پر برس پڑا۔ "آج تم درمیان میں نہ آتے
ں تھپڑ مار مار کر اُس کا چہرہ بگاڑ دیتا۔ آخر وہ خود کو سمجھتی کیا ہے؟
گر اس نے اب یہاں قدم رکھا تو میں اُس کی ٹانگیں چیر کر اُسے نیچے
پھینک دوں گا۔"

"اتنا غصہ اچھا نہیں ہوتا۔" میں نے اُس کے شانے پر
کی دیتے ہوئے کہا۔ "وہ تمہیں غصہ دلانا چاہتی تھی اور دیکھ لو
وہ کامیاب ہوگئی۔ تم نے خود ہی اُسے اپنے کمرے سے نکال
لڑائی میں پہل کی تھی۔ میرے آگے یا پیچھے اس پر ہاتھ نہ اٹھانا۔
رتوں پر ہاتھ اٹھانا مردانہ شان کے خلاف ہوتا ہے۔"

"ہوا کرے۔" اس وقت اس کی کھوپڑی گرم تھی۔ "جو عورتیں
ہ اور بے لگام ہو کر مردوں کے منہ آنے لگیں انھیں جوتی
زبان ہی سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ اب اس معاملے میں تم
کچھ نہ بولنا۔"

میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ ارادہ یہ تھا کہ بعد میں کسی
مناسب موقع پر اسے سمجھا لوں گا۔

میں فون کی طرف بڑھا تو میرے کچھ کہے بغیر سلطان شاہ
بھی میرے ساتھ آ گیا اور نسبتاً دھیمی آواز میں بولا۔ "غزالہ کے
بارے میں وہ کیا بتا رہی تھی؟"

"وہ کچھ بھی نہیں۔ فائرنگ اتنی شدید تھی کہ وہ ایک پُلیا کے
نیچے چھپی رہی۔ سناٹا ہوا تو وہاں سے نکل کر ادھر آ گئی۔ اب
فرمان خان سے ہی پتا چل سکے گا کہ وہاں کیا ہوا تھا۔" میں نے
فرمان خان کا نمبر ملایا تو ریسیور خود اُسی نے اُٹھایا تھا اور میری
آواز پہچانتے ہی اُس کا سانس پھولنے لگا۔ "میں... میں تم سے
معافی چاہتا ہوں چیف! میں کچھ بھی نہ کر سکا۔" اُس نے خوفزدہ
آواز میں ہکلاتے ہوئے بمشکل وہ الفاظ ادا کیے اور مجھے یوں
محسوس ہوا جیسے کسی نے اچانک ہی مجھے کسی اتھاہ اور تاریک
کنوئیں میں پھینک دیا ہو اور میں تیزی کے ساتھ اس پُرہول خلا
میں نیچے ہی نیچے گرتا جا رہا ہوں۔

"میں اپنے آدمیوں کو لے کر وہاں پہنچا تو وہاں زبردست
فائرنگ اور خون ریزی کے بعد سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ میرے
لیے کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔" وہ اپنے نرخرے سے پیدا ہونے
والی سیٹیوں کے درمیان دہشت زدہ لہجے میں بولے جا رہا تھا۔
"میں نے اپنے مسلح آدمیوں کو فوراً واپس کر دیا۔ جو کچھ ہوا، اس
میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ مجھے سرور لودھی کا انجام معلوم
ہو چکا ہے مگر میں زندہ رہنا چاہتا ہوں چیف!"

"پھر وہ حملہ آور کون تھے؟" مجھے اپنی سرد اور سپاٹ
آواز کہیں دُور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں بول رہا تھا لیکن
اس وقت میری سماعت صحیح طور پر کام نہیں کر رہی تھی۔

"وہ جانو ماچھی کے آدمی تھے جنھوں نے اسے حوالات
سے نکال لے جانے کے لیے پوری قوت سے تھانے
پر حملہ کیا تھا۔ وہ لوگ فرار ہوتے ہوئے حوالات سے اس
لڑکی کو بھی اپنے ساتھ نکال لے گئے جس کے لیے تم نے
مجھے حکم دیا تھا۔ پولیس نے پورے شہر کی ناکابندی کر لی ہے۔
وہ لوگ شہر سے نکلنے سے پہلے ہی پکڑ لیے جائیں گے۔ ایک
بار وہ لڑکی مل جائے تو میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنا کام کر
گزروں گا۔ سرور لودھی کے ہٹ جانے کے بعد اس تھانے
میں میرے لیے بہت سی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی..!"

"یہ جانو ماچھی کون ہے؟" وہ نام میرے لیے اجنبی تھا۔

"داود کا ایک بدنام قاتل اور ڈاکو ہے جو تین روز قبل

ایک مسروقہ کار میں شہر سے پکڑا گیا تھا۔ اس کے ساتھ اُس کا ایک ساتھی بھی تھا۔ اس کے خلاف اندرونِ سندھ کے متعدد تھانوں میں قتل، ڈکیتی، تاوان، رسّہ گیری، آتش زنی اور عصمت دری کے بے شمار مقدمات درج ہیں۔۔۔"

"اُس کا ٹھکانا کہاں ہے؟" میں نے اُس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"علاقے کے لوگ ہی جانتے ہیں مگر وہ اس قدر سفّاک اور موذی ہے کہ اس کے خوف سے کوئی قانون کی مدد نہیں کرتا۔ کراچی میں بھی وہ محض نشے میں تیز رفتار ڈرائیونگ کی وجہ سے اینگل اسکواڈ والوں کی نظر میں آگیا، ورنہ وہ یہاں بھی عیش کر کے واپس لوٹ جاتا۔"

"وہ اسی قدر سفّاک اور موذی ہے تو اس کے خلاف مقدمات درج کرانے والے کیوں زندہ ہیں؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ فرمان خان سے میری گفتگو بہت اہم تھی، اس لیے میں نے جذباتی جھٹکے پر فوراً ہی قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ مجھے یہ بھی احساس تھا کہ فرمان خان بلا وجہ ہی دہشت زدہ تھا، ورنہ اس کی ناکامی میں اس کی کسی کوتاہی کا دخل نہیں تھا۔ شاید سردار لودھی کے انجام نے اس کے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"وہ بہت بے خوف اور دیدہ دلیر مجرم ہے۔ اس کے خلاف سارے مقدمات پولیس نے خود درج کیے ہیں کیونکہ وہ ہر واردات کے بعد ایک دو روز میں کسی معصوم بچّے یا راہگیر کے ذریعے کسی تھانے میں اطلاع دیتا ہے کہ فلاں واردات اس نے کی ہے۔ اس سے علاقے کے چھوٹے موٹے ڈاکو بھی ڈرتے ہیں کیونکہ اس نے دیہاتوں میں کھل کر اعلان کیا ہوا ہے کہ جس کسی نے اس کے نام سے فائدہ اُٹھا کر لوٹ مار کرنے کی کوشش کی، وہ اس کا نرخرا کاٹ ڈالے گا۔"

"لڑکی حوالات میں اسی کے ساتھ رکھی گئی تھی؟" اس سوال پر میری رگوں میں خون کھولنے لگا تھا۔

"نہیں!" اس کے جواب کا پہلا لفظ سُن کر مجھے قرار آگیا۔

"حوالات میں صرف قیدی تھے۔ لڑکی کو حوالات کے سامنے ایک کوٹھری میں بند رکھا گیا تھا، وہ اسے وہاں سے نکال لے گئے۔"

"تم بڈھے ہوگئے ہو فرمان خان! شاید تمھاری ہڈیوں کا گودا سوکھ چلا ہے جو تم نے تھانے تک پہنچنے میں اتنی تاخیر کی۔ اب اس کے ازالے کی ایک ہی صورت ہے کہ جلد از جلد لڑکی یا جانو ماچھی کا سُراغ لگاؤ۔"

"قسم پروردگار کی چیف!" وہ فوراً ہی گڑگڑانے لگا۔ "میں نے کہیں کوئی تاخیر نہیں کی۔ آدمی جمع ہوتے ہی میں تھانے کی طرف چل دیا تھا۔ میں ریٹائر ضرور ہوگیا ہوں مگر ابھی بوڑھا نہیں ہوا۔ میرے بدن میں جوانوں سے زیادہ دم خم ہے۔ ابھی دو مہینے پہلے ہی میں نے نئی شادی کی ہے۔ میں ضرور تمھارے سامنے سرخرو رہوں گا۔ انھیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا۔ میں نے اپنی نوکری کا زیادہ عرصہ اندرونِ سندھ گزارا ہے۔ افسروں نے میرے تجربے کی وجہ سے جانو ماچھی کے اس قصے میں مجھے بھی ساتھ لے لیا ہے۔۔۔"

"تمھیں ساتھ لے لیا ہے تو تم اس وقت گھر پر کیا کر رہے ہو؟" میرا وہ سوال غیر ارادی تھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم فون کرو گے، اس لیے افسروں سے نئی شادی کا بہانہ کر کے گھر آگیا تھا۔ اب صبح سے میں میدان میں ہی رہوں گا اور جلد ہی کچھ نہ کچھ کر گزروں گا۔ اپنی نوکری کے زمانے میں میرا یہ حال تھا کہ واردات بعد میں ہوتی تھی۔ مجھے پہلے سے پتا ہوتا تھا کہ مجرم کون ہوگا۔ سب میری جیب میں ہوتے تھے۔ جب اور جسے چاہا، اسی کو پکڑ لیا۔۔۔"

وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا مگر بولے جا رہا تھا اور اس بسیار گوئی میں بہک بھی رہا تھا۔ وہ اپنے جو کمالات بتا رہا تھا، ان کی بنا پر یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ اینگل چیف کی گرفت میں کیسے آیا ہوگا۔

"اس وقت تمھاری نئی بیوی کہاں ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔ مجھے اچانک ہی خیال آگیا تھا کہ کہیں وہ بڈھے کی ساری ہرزہ سرائی نہ سُن رہی ہو۔

"وہ اپنے کمرے میں ہے، میں اپنی خواب گاہ سے بات کر رہا ہوں۔" اس بار وہ فوراً ہی میری بات سمجھ گیا۔

"تو کیا تم دونوں کی خواب گاہیں الگ الگ ہیں؟" میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"کبھی کبھی مجھے سانس کا زور ہونے لگتا ہے تو وہ میرے نرخرے سے نکلنے والی آوازوں سے ڈر جاتی ہے اس لیے ہم الگ کمروں میں سوتے ہیں۔" اس کی کھسیائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"میں کل شام چار بجے فون کروں گا۔" میں نے اُسے آخری ہدایت دے کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔" سلطان شاہ نے میرے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے تشویش آمیز لہجے میں سوال کیا اور میں اسے فرمان خان سے ہونے والی مایوس کن گفتگو کا خلاصہ سُنانے لگا۔

*

اگلی صبح کا اخبار اس واردات کے بارے میں سنسنی خیز انکشافات سے بھرا ہوا تھا۔

اس تھانے میں کافی عرصے سے کسی انچارج کا تقرر نہیں کیا گیا تھا اور ذمے داریاں عارضی طور پر ایک سب انسپکٹر کو سونپ دی گئی تھیں لیکن عملاً تھانے کا پورا کنٹرول سرور لودھی نے ہی سنبھالا ہوا تھا۔ اس دوران میں اس نے دونوں ہاتھوں سے مال بنایا تھا۔ فریقین سے لے دے کر ریکارڈ میں ردوبدل سے لے کر مال خانے میں موجود چوریوں وغیرہ کے برآمد کیے ہوئے زیورات، تمسکات اور نقدی کی خورد برد تک کی خبریں موجود تھیں۔

جانو ماچھی اور اس کے ساتھی کی گرفتاری اینگل اسکواڈ کے ذریعے عمل میں آئی تھی، اس لیے اسے بند کرنا ہی پڑ گیا لیکن جب جانو ماچھی نے اپنے فرار کے لیے اسے دو لاکھ روپے کی پیشکش کی تو اس نے فوراً ہی ایک اچھوتا منصوبہ سوچ لیا۔

جانو ماچھی کے آدمیوں سے رقم وصول ہونے کے بعد واردات والی شب سرور لودھی خلافِ معمول سرِ شام ہی تھانے سے گھر لوٹ گیا۔ یہ اور بات تھی کہ اسے گھر پہنچنا نصیب نہ ہو سکا اور سینڈو نے میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اسے راستے ہی میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

مقررہ وقت پر جب جانو ماچھی کے آدمیوں نے تھانے پر فائرنگ شروع کی تو سرور لودھی کا معتمدِ خاص، مال خانے کا منشی پٹرول کے گیلن لیے تیار بیٹھا ہوا تھا۔ پہلے اس نے مال خانے میں پٹرول چھڑک کر آگ لگائی پھر اس نے ریکارڈ روم میں بھی وہی حرکت کرنا چاہی، مقصد یہ تھا کہ ان دونوں کی دھاندلیوں اور بے ایمانیوں کا معاملہ بھی آگ کی اوٹ میں چھپ جائے لیکن ریکارڈ روم میں پٹرول چھڑکتے ہوئے منشی کے کپڑے بھی پٹرول میں بھیگ گئے اور جونہی اس نے دیا سلائی جلائی، ریکارڈ روم سے پہلے اس کے لباس میں آگ بھڑک اٹھی۔ وہ بری طرح جل کر اسپتال پہنچا تھا۔ اس آگ نے اسے اس قدر دہشت زدہ کیا کہ اس نے کسی بازپرس کے بغیر خود ہی سارے جرائم کا اعتراف کر لیا جس کی تائید یا تردید کے لیے سرور لودھی زندہ نہیں تھا مگر مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ جس شخص کو اینگل چیف اپنے مقاصد کے لیے بلیک میل کر رہا ہو، وہ کبھی بھی چھوٹا مجرم نہیں ہو سکتا تھا۔

اس مذموم سانحے میں آتش زنی سے تین اور فائرنگ سے صرف دو افراد زخمی ہوئے تھے جب کہ مرنے والوں میں سے جانو ماچھی کے صرف ایک ساتھی کی لاش دستیاب ہو سکی تھی۔

عام طور پر اس رائے کا اظہار کیا جا رہا تھا کہ جانو ماچھی نے دو لاکھ روپے رشوت دینے کے بعد خود ہی سرور لودھی کو ہلاک کرایا تھا اور معاملے کو الجھانے کے لیے اس کی لاش پر عقاب کی تصویر والا کارڈ ڈال دیا تھا۔

معاملے کو سیدھا رکھنے کے شوق میں تفتیشی افسران نے اس نکتے کو فراموش کر دیا تھا کہ جانو ماچھی اپنے جرائم کو الجھانے کا عادی نہیں تھا بلکہ اپنی دھاک قائم رکھنے کے لیے خود ہی اپنی سیاہ کاریوں کا برملا اعلان کرتا پھرتا تھا۔

واردات کے فوراً بعد شہر سے نکاسی کے تمام راستوں کی سخت ناکابندی کر کے اندرونِ شہر مفرور مجرموں کی تلاش کی مہم شروع کر دی گئی جس کے نتیجے میں دیگر بہت سے مجرم پکڑے گئے تھے لیکن جانو ماچھی کا کہیں سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اس پوری کہانی پر جانو ماچھی اس بری طرح حاوی تھا کہ دوسرے حوالاتیوں کے بارے میں خبر میں صرف اتنا لکھا گیا تھا کہ اس افراتفری میں دیگر دو مرد اور ایک عورت حوالاتی کو بھی فرار ہونے کا موقع مل گیا تھا۔

غزالہ کے مکان پر ویرا کی مداخلت کے موقع پر رونما ہونے والے خوں ریز معاملے کی خبر عقبی صفحے پر موجود تھی۔ اس کے کوائف من و عن وہی تھے جو پہلے ہی میرے علم میں آ چکے تھے۔ خبر سے یہ تصدیق بھی ہو گئی کہ ویرا کی فائرنگ سے ایک کانسٹیبل ہلاک اور دوسرا زخمی ہوا تھا۔

اس خبر میں اضافی اطلاع یہ تھی کہ پولیس حکام یا اخباری نامہ نگار نے واضح طور پر غزالہ کے خلاف کوئی فردِ جرم عائد نہیں کی تھی۔ خبر میں قتل کا تمام تر الزام اس سفید فام عورت پر عائد کیا گیا تھا جو فائرنگ کرتی ہوئی فرار ہو گئی تھی البتہ غزالہ کے لیے پُراسرار اور گمنام حسینہ کے الفاظ استعمال کیے گئے تھے۔ خبر کے مطابق غزالہ نے تھانے میں اپنی زبان سختی سے بند رکھی ہوئی تھی۔ گویا گونگے پن کا کردار اپنا کر اس نے اپنی اصلیت پر پردہ ڈالے رکھنے کی کامیاب کوشش کی تھی جو جانو ماچھی کے ساتھ اس کے فرار یا اغوا کی وجہ سے مکمل ترین ثابت ہوئی تھی۔ ان دونوں خبروں میں کہیں بھی اس بات کا کوئی اشارہ موجود نہیں تھا کہ غزالہ کو ڈاکوؤں نے اغوا کیا تھا مگر اسی کے ساتھ، میرے پاس فرمان خان کی دی ہوئی اطلاع پر شبہ کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں تھی۔

جانو ماچھی اور اس کے ساتھیوں نے تھانے کو تباہ کر کے قانون کے محافظوں کو ایک اعتبار سے کھلا چیلنج دیا تھا اور شکست خوردہ پولیس اہل کاروں نے پورے شہر میں اپنا جال پھیلا دیا تھا مگر مجھے خوب اندازہ تھا کہ جو لوگ اپنے سا

کو حوالات سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو سکتے تھے انھیں یہی اور روایتی کارروائیوں کے ذریعے دوبارہ پکڑ لینا اس قدر سہل نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ جب تک ضابطے کی کارروائیوں کے بعد شہر کی ناکا بندی اور نگرانی کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہو، وہ لگ شہر کی حدود سے کوسوں دور نکل چکے ہوں اور اگر وہ کسی وجہ سے شہر میں ہی پھنسے رہ گئے تھے تو حالات اعتدال پر آنے تک یقیناً کسی مہنگے علاقے میں روپوشی اختیار کر چکے تھے۔

آئے دن ملنے والی خبروں سے یہ پتا چلتا تھا کہ بڑے بڑے ڈاکوؤں وغیرہ نے متوسط اور غریب طبقے کی گنجان آبادیوں میں اپنی پناہ گاہیں بنانے کے بجائے شہر کے مہنگے اور پرسکون علاقوں میں خطیر کرایوں پر وسیع و عریض کوٹھیاں حاصل کی ہوئی تھیں جہاں چھوٹے موٹے اہل کار دروازوں پر دینے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ایسے علاقوں میں ہر گھر کے مکین آسودہ حال اور بارسوخ تھے جو اپنی خلوت اور شہری آزادیوں کے بارے میں غیر معمولی حد تک حساس تھے۔ ایسے ہی بیس گھروں کے درمیان اگر ایک چار دیواری میں چور، ڈاکو، قاتل اور دہشت گرد بھی پناہ گزین ہو جاتے تو کسی کوشش یا محنت کے بغیر ان تمام غیر معمولی آزادیوں اور رعایتوں سے فیض یاب ہو سکتے تھے جو ان کے معزز پڑوسیوں کو حاصل تھیں۔

غزالہ کے قصے نے مجھے ذہنی طور پر اس قدر مفلوج کر کے رکھ دیا تھا کہ اس کی بازیابی کے سلسلے میں مجھے فوری طور پر شہر میں فرمان خان کے علاوہ کوئی سہارا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی زبانی مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ جانو ماچھی بدنام ڈاکو اور قاتل ہونے کے ساتھ ہی تاوان کے لیے باحیثیت لوگوں کو اغوا کرنے کا بھی عادی تھا۔ میں نے اس نکتے پر خاصا غور کیا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ تاوان کے اعتبار سے غزالہ کی ذات میں جانو ماچھی کے لیے کوئی دلکشی نہیں تھی۔ وہ حوالات میں قید ایک گمنام عورت تھی جس کے بارے میں جانو ماچھی کو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ اس کا کوئی ولی وارث بھی تھا یا نہیں۔ ایک ایسے غیر یقینی شکار کو ایسے نازک موقعے پر اپنے گلے کا ہار بنا کر وہ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس امکان کے بعد بس یہی ایک دلخراش حقیقت رہ جاتی تھی کہ حرام کی بے تحاشا آمدنی پر پلنے والے دوسرے ڈاکوؤں کی طرح جانو ماچھی بھی رنگین مزاج تھا۔ اس نے حوالات کی آہنی سلاخوں کے درمیان سے دیکھا ہو گا کہ اس کے سامنے والی کوٹھری میں ایک جواں سال اور خوبرو لڑکی کو قید کیا گیا تھا اس لیے فائرنگ کے سائے میں تھانے سے فرار ہوتے ہوئے غزالہ کو مال غنیمت کی طرح اپنے ساتھ لیتا چلا گیا تھا۔

اندرونِ سندھ کے غیر تعلیم یافتہ، دیہی اور روایتی طور پر جاگیردارانہ معاشرے میں ویسے بھی عورت کی وقعت بہت زیادہ نہیں تھی۔ مرد کو ہر قسم کی برتری اور آزادی حاصل تھی جبکہ عورتوں کو عام طور پر مذہب اور رسوم و رواج کی آڑ میں اس حد تک مغلوب رکھا گیا تھا کہ موروثی جاگیروں کی تقسیم میں بھی عورتوں اور بیٹیوں کو خاطر میں نہیں لایا جاتا تھا۔ بعض گھرانوں میں محض جائیداد کی تقسیم سے بچنے کے لیے جوان جہان لڑکیوں کو قرآن سے شادی کے نام پر زندگی بھر کنوارا رکھ کر آخر کار قبروں میں اتار دیا جاتا تھا۔ جانو ماچھی اسی ماحول کا پروردہ تھا اور کوئی شریف آدمی نہیں تھا۔ اس کے لیے عورت کی حیثیت کھلونے سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی اور پھر غزالہ تو اس کی لاوارث قیدی بن چکی تھی۔ وہ اس پر جو کچھ بھی ستم ڈھاتا وہ کم ہوتا۔

مایوسی کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں میں نے مضطرب ہو کر ریڈ لائٹ کا نمبر ملا لیا۔ فرمان خان کے بعد اگر کوئی اور شخص میرے کسی کام آ سکتا تھا تو وہ سینڈو تھا۔

"یہ شہر میں کیا ہو رہا ہے سینڈو؟" اس کے لائن پر آتے ہی میں نے بلا کسی تمہید کے یہ سوال کر ڈالا۔ وہ میرا ماتحت ضرور تھا مگر میں نے اسے اس بری طرح گرفت میں لیا ہوا تھا کہ وہ میرا ہم درد اور غم گسار بنا رہنے پر مجبور تھا۔ میں رازداری کے پورے یقین کے ساتھ اس سے کھل کر بات کر سکتا تھا۔

"مجھے خود تشویش ہے باس!" اس کی آواز تشویش آمیز تھی۔ "میں نے اڑتی اڑتی سی خبر سنی ہے کہ تھانے سے فرار ہونے کے بعد جانو ماچھی اپنے ساتھیوں سمیت، ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر شہر سے نکل گیا مگر پولیس اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے شہر بھر میں پھیل گئی ہے۔ ان کی کڑی نگرانی اور سخت چیکنگ کی وجہ سے مجھے آج کی رات اپنے لیے بھاری نظر آ رہی ہے..."

"کیوں، آج کیا خاص بات ہے؟" میرے ذہن سے غزالہ کے علاوہ ہر بات محو ہو چکی تھی۔

"آج رات کورنگی کریک پر مال آنے والا ہے باس!" اس کی آواز یک بہ یک دھیمی اور رازدارانہ ہو گئی۔ "یہ کھیپ بہت عرصے کے بعد آ رہی ہے اگر اس کی وصولی میں کوئی گڑبڑ ہو گئی تو ہم کافی دنوں تک اس خلا کو پورا نہیں کر سکیں گے۔ سوچ سوچ کر میری تو کھوپڑی دکھنے لگی ہے۔"

مجھے یاد آ گیا کہ وہ رات میرے لیے بھی اہم تھی۔ میں نے ارادہ کیا ہوا تھا کہ خود پس پردہ رہ کر دریا کو سینڈو کی راہ پر ڈال دوں گا۔ وہ دونوں کتے بلیوں کی طرح آپس میں لڑتے اور آنے والی ہیروئن خطرے میں پڑ جاتی لیکن بدلے ہوئے حالات میں میں

ایسی کوئی کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔ مافیا کی بدقسمتی سے اگر پولیس والے ہی سینڈو کی گردن ناپ لیتے تو اور بات تھی۔

"یہ ممکن نہیں کہ آج خطرہ مول نہ لیا جائے؟" میں نے تجویز پیش کی۔ اس وقت سینڈو کا آزاد اور محفوظ رہنا میرے بھی مفاد میں تھا۔

"مال لانے والا ہی نہ پہنچ سکے تو اور بات ہے۔ مجھے یا میرے کسی آدمی کو تو ہر حال میں مقررہ وقت پر وہاں پہنچنا ہوگا۔ میں تم کو ایسے کسی فیصلے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ ہم غوطہ مار گئے تو ہم پر بدعہدی اور بزدلی کا الزام آجائے گا۔ اس سے بہتر ہے کہ میں تیاری کے ساتھ وہاں چلا ہی جاؤں۔"

"تم نے آج کے اخبارات دیکھے ہیں؟" قدرے توقف کے بعد میں نے سوال کیا۔

"اخبارات میں تو کئی عجیب کہانیاں ہیں۔" اس کا لہجہ معنی خیز ہوگیا۔ "سرور لودھی اسی تھانے میں بیٹھتا تھا جہاں سے جانو ماچھی فرار ہوا ہے۔ کیا تمھیں پہلے سے علم ہوگیا تھا کہ سرور لودھی رشوت لے کر اسے حوالات سے فرار کرانے کا منصوبہ بنا چکا ہے؟"

"یہ اتنا سیدھا کھیل نہیں تھا۔ تم اس بارے میں اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ اور پوری توجہ کے ساتھ رات کی مہم کی تیاری کرو۔ ویسے جانو کے شہر سے نکل جانے کے بارے میں تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"

"ریاض ٹیڈی یہاں کا بہت جی دار ڈکیت ہے۔" وہ بتانے لگا۔ "جانو ماچھی کو تھانے سے نکالنے میں اسی کے آدمیوں کا ہاتھ ہے۔ کل رات ہی ان لوگوں نے کہہ دیا تھا کہ اب جانو ماچھی کسی کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ پولیس والوں نے اپنی ساری توجہ اندرونِ سندھ جانے والے راستوں پر مرکوز کی ہوئی ہے مگر وہ دو جیپوں میں لسبیلہ کی طرف فرار ہوا ہے۔ وہاں سے وہ جہاز کے ذریعے اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ جائے گا۔"

"ہو سکے تو اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرو۔ میں خود ہی فون پر تم سے رابطہ قائم کروں گا۔" میں نے بے چینی کے ساتھ کہا۔ سینڈو اس معاملے میں بھی میری توقعات سے زیادہ باخبر نظر آرہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم اس معاملے میں دلچسپی لے رہے ہو۔" اس کی سنجیدہ آواز ابھری۔ "ایسا ہے تو ایک اور ضروری بات تمھارے علم میں آجانی چاہیے۔"

"وہ بھی بتا ڈالو!" میں نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"جانو بہت رنگین مزاج آدمی ہے۔ وہ تھانے سے اپنے ساتھ ایک خوبصورت حوالاتی لڑکی کو بھی اٹھا لایا تھا۔ وہ بہت نخریلی ہے۔ راستے میں اس کی طرف سے کسی گڑبڑ کے خدشے کی وجہ سے جانو اسے اپنے ساتھ بلوچستان نہیں لے گیا ہے۔ وہ لڑکی کراچی کے ہی کسی بنگلے میں ہے۔ جانو کے آدمی اسے یہاں سے سیدھا دادو کے جنگلوں میں لے جائیں گے۔ سنا ہے کہ جانو دیکھتے ہی اس لڑکی پر مر مٹا تھا۔"

میرا دورانِ خون میری کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ "تمھیں اس لڑکی کا ٹھکانا معلوم ہے؟"

"نہیں!" اس کی مایوسانہ آواز ابھری۔ "مجھے تو یہ تمام باتیں ریاض ٹیڈی کے ہی ایک آدمی سے اتفاقاً معلوم ہوگئیں ورنہ ایسی باتیں سینہ بہ سینہ بہت آہستگی سے سفر کرتی ہیں۔"

"ریاض ٹیڈی کو تو معلوم ہوگا کہ لڑکی کو کہاں رکھا گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں! وہ تو صرف جانو کو حوالات سے باہر نکالنے کا ذمے دار تھا۔ باہر آتے ہی اس نے اپنے آدمیوں پر خود کنٹرول کر لیا تھا۔ بتانے والے نے اس کی زبان سے صرف وہ ہدایات سنی تھیں جو وہ لڑکی کے بارے میں اپنے آدمیوں کو دے رہا تھا پھر وہ مختلف سمتوں میں روانہ ہوگئے تھے۔"

"تم کوشش کرو۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم محنت کرو گے تو اس بارے میں بہت کچھ معلوم کر لوگے۔ میرے لیے وہ لڑکی بہت اہم ہے۔ سرور بھی اسی کی وجہ مارا گیا تھا۔"

"وہ ویرا تو نہیں تھی؟" اپنے تجسس سے مجبور ہو کر وہ آخر کار ایک احمقانہ سوال کر ہی بیٹھا۔

"تمھاری حوصلہ افزائی کا یہ مطلب نہیں کہ تم جاگتے ہوئے بھی خواب دیکھنے شروع کر دو۔" میں نے سرد لہجے میں اسے تادیب کرتے ہوئے کہا۔ "جو کہا جا رہا ہے وہ کرو، اس سے آگے قیاس آرائیوں کی ضرورت نہیں۔"

"میں معافی چاہتا ہوں باس!" میری تنبیہہ پر وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ "میں ابھی اپنے آدمی دوڑاتا ہوں۔ مجھ سے جو کچھ بن پڑا، اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔"

"گڈ!" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ "نوکری کرنے کا یہ بنیادی اصول یاد رکھنا کہ بہترین ماتحت وہی ہوتا ہے جو اعلیٰ ترین کارکردگی دکھا کر بھی ماتحت ہی بنا رہتا ہے۔ جو لوگ سر پر آنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اپنی اچھی کارکردگی پر بھی ستائش کے دو بول سننے کو ترستے رہتے ہیں۔"

میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

غزالہ قریب آتے آتے یک بہ یک ایک سراب کی طرح میری نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔ میرے لیے وہ خیال ہی

سوہان روح تھا کہ اسے لے جانے والا ایک رنگین مزاج قاتل اور ڈاکو تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ حالات کے جبر کے تحت عارضی طور پر غزالہ، جانو ماچھی کی دسترس سے دور اور بڑی حد تک محفوظ تھی۔ جانو نے اس کے لیے اپنی پسند کا اظہار کر کے اپنے آدمیوں کی کسی بھی چیرہ دستی کی راہ مسدود کر دی تھی اور وہی میرے لیے ایک مہلت تھی کہ میں غزالہ کو ہوس کے اس درندے کے چنگل سے آزاد کرا لوں۔

اس بارے میں ستارے بھی کچھ یاوری کرتے نظر آ رہے تھے۔ ایک طرف فرمان خان ان پہاڑوں اور جنگلوں سے خوب آشنا تھا جہاں جانو ماچھی روپوش رہتا تھا اور دوسری طرف سینڈو نے کسی جدوجہد کے بغیر کچھ کلیدی باتیں معلوم کر لی تھیں اور اگر مجھے کراچی میں غزالہ تک پہنچنے میں کامیابی نہ ہوتی تو میں وقت ضائع کیے بغیر فرمان خان کے ساتھ وادو کے جنگلات کی طرف روانہ ہونے کا پختہ عزم کر چکا تھا۔

میں سینڈو سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں سلطان شاہ سے اگلے اقدامات کے بارے میں تبادلۂ خیال کر رہا تھا کہ فون کی تیز گھنٹی نے ہمیں چونکا دیا۔

میں نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں ہیلو کہا ہی تھا کہ دوسری طرف سے دیرا نے بولنا شروع کر دیا۔

"دس بج رہے ہیں، تم اب تک فلیٹ میں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ میں بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ یہاں ابھی تک میدان صاف ہے، ایک بار اس کے آدمی آ گئے تو تم اندر داخل نہ ہو سکو گے اور اگر کسی طرح تم اندر گھسنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ سامنے نہیں آئے گا..."

اس نے اچھا خاصا تقریری اسٹارٹ لیا تھا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہارے مسائل اپنی جگہ پر ہیں مگر میں بھی کسی الجھن سے دوچار ہوں۔ پچھلی رات کو غزالہ حوالات سے اپنی مرضی سے فرار نہیں ہوئی بلکہ اسے جانو ماچھی اغوا کر کے لے گیا ہے۔"

"اسے غزالہ سے کیا دشمنی ہو گئی؟" اس کی تحیر زدہ آواز سے بے یقینی مترشح تھی۔

"دشمنی نہیں، وہ اسے مالِ غنیمت سمجھ کر لے گیا ہے اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ غزالہ کے لیے اس وقت میں کیا کر سکتا ہوں۔" دیرا سے بات کرتے ہوئے میرے لہجے میں بے بسی عود کر آئی۔

"میں سمجھ رہی ہوں۔" وہ جلدی سے بولی تھی۔ "تو تمہارے آنے کی ضرورت نہیں، اپنا معاملہ میں خود سنبھال لوں گی۔ ادھر سے فارغ ہو کر میں تمہاری طرف آؤں گی۔ اگر تمہیں ملنے والی اطلاع درست ہے تو ہمیں دیکھنا ہو گا کہ ہم فوری طور پر غزالہ کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ یہ معاملہ تو واقعی بہت زیادہ سنگین ہو گیا ہے۔"

میرا خیال تھا کہ وہ غزالہ کے معاملے کو نظرانداز کر کے مجھے بلانے پر اصرار کرے گی اور میں اسے ٹکا سا جواب دے دوں گا لیکن اس نے پوری بات سمجھتے ہی جس ہمدردانہ ردِعمل کا اظہار کیا، اس نے مجھے بھی پگھلا دیا۔

"غزالہ کے بارے میں ہمیں مل کر ہی سوچنا پڑے گا۔ میں بس چند منٹ میں نکلتا ہوں۔"

"آ جاؤ گے تو تمہاری مہربانی ہو گی۔ میں غزالہ کی طرح کسی کے لیے مالِ غنیمت نہیں بننا چاہتی لیکن یہ دھیان رکھنا کہ میں تمہیں مجبور نہیں کر رہی۔"

"میں آ رہا ہوں۔" میں نے وہ پیغام دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

"میں یہاں اکیلا پڑا رہ کر کیا کروں گا؟ مجھے بھی کوئی کام بتلاتے جاؤ۔" سلطان شاہ بولا۔

پچھلی رات اس کی دیرا سے جو تلخ کلامی ہوئی تھی اس کے بعد میں فوری طور پر ان دونوں کا سامنا نہیں کرانا چاہتا تھا، ورنہ اس وقت سلطان شاہ میرے لیے ایک اچھا مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔

"مجھے واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اس دوران میں تم فون پر جہانگیر کو غزالہ کے اغوا کے واقعے سے آگاہ کر دو ورنہ وہ ہماری غیر حاضری کو ہماری ناراضی کا نتیجہ تصور کرے گا۔" میں نے لباس بدلتے ہوئے اس سے کہا۔

"یہ فرض تم خود ہی انجام دے لینا۔ اگر فون سلمٰی نے اٹھا لیا تو مجھ سے اس کی کھٹ پٹ ہو جائے گی۔ تمہاری جاننے والیوں سے اب مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔"

"یہ سب تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ تم مسلمان ہو کر بھی راہبوں سے گئے گزرے بن گئے ہو۔ راہب تارک الدنیا ہونے کے دعوے دار ہوتے ہیں لیکن موقع مل جائے تو کسی بھی دوشیزہ پر ریشہ خطمی ہونے کے لیے تلے رہتے ہیں۔ سلمٰی سے ڈر لگتا ہے تو تھوڑی دیر میں جہانگیر کو فیکٹری فون کر لینا۔ اب وہ صحت مند ہو چکا ہے، ساڑھے دس بجے تک اسے وہاں پہنچ جانا چاہیے۔"

میں تیار ہو کر فلیٹ سے نکل آیا۔ اس وقت معاملہ دیرا سے ملاقات کا تھا، اس لیے میں نے مافیا والی گاڑی کے بجائے کالی شیراڈ لی تھی۔ پچھلے دنوں دیرا سے میری خونریز دشمنی چل نکلی تھی۔ میں اس کا تاثر برقرار رکھنا چاہتا تھا تاکہ مافیا کے بڑوں کی بے خبری میں دیرا سے ان کی بنیادیں کمزور کرا سکوں۔ اگر انھیں دیرا کے ساتھ میری ملی بھگت کی بھنک بھی مل جاتی تو شاید اس سے پہلے وہ میری زندگی کو جہنم میں تبدیل کر سکتے تھے۔

میرے لیے اس وقت صورتِ حال نہایت سنگین اور پیچیدہ ہو چکی تھی۔

شی والوں سے مَیں نے ذاتی طور پر ٹکر مول لی ہوئی تھی اور اپنی کارروائیوں سے انہیں اس قدر زچ کیا تھا کہ جمی لائیڈ بذاتِ خود میری سرگرمیوں میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔ آخری چارۂ کار کے طور پر اس نے اپنی بیٹی ویرا سے صُلح کر کے اُسے مجھ کو پھانسنے کے مشن پر پاکستان بھیجا تھا تاکہ وہ یہاں شی کی بکھرتی ہوئی تنظیم کو سہارا دینے کے ساتھ ہی مجھے فراخ دلانہ شرائط پر دوبارہ شی میں شامل ہونے کی ترغیب دلا سکے۔ ویرا کی وہ پیش کش مسترد کر کے مَیں نے اُسے اپنا دُشمن بنا لیا اور وہ پوری سنجیدگی کے ساتھ مجھے ختم کر دینے پر کمر بستہ ہو گئی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ لیڈز کے ایک کمرے میں سیٹلائٹ مائکرو فون کی دریافت ہوتے ہی ویرا کی مجھ سے دُشمنی، دوستی میں بدل گئی۔ دوستی کی تجدید کے بعد مجھے اپنے خلوص کا مظاہرہ کرنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا لیکن ویرا پے در پے کئی مرتبہ اپنے عمل سے یہ ثابت کر چکی تھی کہ میری طرف سے اس کا دل صاف ہو چکا ہے۔ اُس وقت ویرا کے گھر کی طرف سفر کرتے ہوئے مجھے اُس سے عملی ہمدردی کے اظہار کا پہلا موقع میسر آیا تھا جسے مَیں استعمال کرنے والا تھا۔

دوسری طرف غزالہ کا معاملہ میرے لیے ناقابلِ فہم پہیلی کی صورت اختیار کر گیا تھا جسے بوجھنا مجھے اپنے بس سے باہر نظر آ رہا تھا۔ دلدار آغا کی موت کے بعد اُس نے مجھ سے رجوع کرنے کے بجائے ناقابلِ فہم انداز میں روپوشی اختیار کر لی پھر جب مَیں نے اُس کا سُراغ لگایا تو میرے اُس تک پہنچنے سے پہلے وہ اپنے گھر سے نکل چکی تھی۔ میک اپ کی وجہ سے سلطان شاہ اسے نہیں پہچان سکا لیکن غزالہ نے بھی کسی شناسائی کا اظہار نہ کیا اور اس سے قبل کہ میں اس مسئلے کو حل کرتا، غزالہ پولیس لاک اَپ میں پہنچ گئی جہاں سے جانو ماچھی اسے لے اُڑا تھا۔ میرے پاس اس امر کے یقین کی کوئی صورت نہیں تھی کہ غزالہ کسی مجبوری کے تحت مجھ سے دُور بھاگ رہی تھی یا پھر وہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے ترکِ تعلق کا فیصلہ کر چکی تھی؟ غزالہ میری زندگی کی پہلی اور شاید آخری پاکیزہ چاہت تھی۔ مَیں نے اپنی زندگی کے بہترین لمحات، اس کے ساتھ حسین مستقبل کے منصوبے بناتے ہوئے گزارے تھے۔ اس نے بے بسی، مجبوری اور ناامیدی کے جس موڑ پر پہنچ کر دلدار آغا سے شادی کرنے کا المناک فیصلہ کیا تھا۔ وہ کسی بھی خانہ دار مشرقی لڑکی کے لیے ناقابلِ تصور ہو سکتا تھا ایسے مراحل پر باحیا لڑکیاں کوئی جُرأت مندانہ فیصلہ کرنے کے بجائے عموماً موت کو گلے لگا لیتی ہیں لیکن غزالہ کوئی عام لڑکی نہیں تھی۔ اس میں زندہ رہنے اور حالات سے لڑنے کا حوصلہ تھا۔ اس لیے مَیں نے دلدار آغا کے بارے میں اس کی لغزش کو بھلا دیا تھا لیکن غزالہ میری زندگی کی کتاب پر نرم پینسل سے لکھی ہوئی کوئی بے ثبات تحریر نہیں تھی جسے ربر سے مٹا کر فراموش کر دیا جاتا۔ اس کا وجود میری سانسوں اور دل کی دھڑکنوں میں بسا ہوا تھا۔۔۔ اس کی جھیل جیسی گہری آنکھیں اکثر میرے تصورات میں آ کر سوالیہ انداز میں میرے چہرے پر جم جاتی تھیں۔ اس کے حسین پیکر کو مَیں نے بارہا کسی سائے کی طرح اپنے قرب و جوار میں محسوس کیا تھا۔ اس کے بارے میں مَیں سلطان شاہ سے تو ہرزہ سرائی کر سکتا تھا۔ اُس سے اپنی لاتعلقی اور بیزاری کا اعلان کر سکتا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ غزالہ سے ملے بغیر اور اس کی بے رُخی کے اسباب جانے بغیر مَیں اس کے خلاف مر کر بھی کوئی یک طرفہ فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔۔۔ اس کی زندگی کے تباہ ہو جانے یا اس کے مر جانے سے پہلے مَیں ہر قیمت پر اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اس ملاقات کے دو ہی امکانات باقی رہ گئے تھے۔ اوّل یہ کہ وہ اندرونِ سندھ لے جائے جانے سے پہلے ہی کراچی کی کسی شاہراہ پر مجھے اتفاقاً نظر آ جاتی یا پھر مجھے ہر قیمت پر جانو ماچھی کی واپسی سے پہلے دادو کے گھنے اور خطرناک جنگلات میں اس کے ٹھکانے پر پہنچنا تھا، جہاں سے جانو ماچھی کو غزالہ سے ملنا تھا۔

تیسری طرف مَیں مافیا والوں میں گھرا ہوا تھا۔ سیٹھ حبیب جیوانی ایک عارضی خطرے کے تحت روپوش ہو کر مقامی مافیا کی سربراہی مجھے سونپ گیا تھا۔ اس کے سر پر منڈلاتا ہوا خطرہ ٹل چکا تھا اور وہ کسی بھی وقت واپس آ کر اپنی جگہ سنبھال سکتا تھا لیکن اس کی خفیہ کمین گاہ کا نہ مجھے علم تھا، نہ کسی اور کو۔۔۔ اس لیے میری سربراہی بدستور چل رہی تھی مگر مدر مافیا کے ڈان تھری نے فون پر مجھے یہ خبر بھی سُنا دی تھی کہ میری وفاداریوں کا معاملہ نچلی سطح سے گزر کر شی اور مافیا کے بڑوں تک پہنچ گیا تھا۔ سپر ڈان اور جمی لائیڈ اس متنازعہ مسئلے کو سلجھانے کے لیے جلد ہی یورپ کے کسی پُر فضا مقام پر ملنے والے تھے اور اس اَمر کا قوی امکان تھا کہ اس سربراہی اجلاس میں میرا اقبالی بیان سُننے کے لیے مجھے یورپ طلب کر لیا جاتا۔ وہاں میرے ساتھ جو کچھ ہوتا وہ ایک الگ ہی قصّہ ہوتا لیکن اس مخدوش صورتِ حال میں، مَیں کسی طویل مدت کے لیے شہر سے غائب ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

مافیا سے وفاداری میری شہر میں موجودگی کی طلب

گاڑیتی رشی کی دشمنی میری روپوشی کی متقاضی تھی جب کہ غزالہ کی روح فرسا مجبوریاں مجھے کھل کر سامنے آنے اور کراچی سے دادو کے علاقے میں پہنچنے پر مجبور کر رہی تھیں میرا اندازہ تھا کہ غزالہ کی آواز پر لبیک کہہ کر ہی میں اپنے دل اور ضمیر کو مطمئن رکھ سکتا تھا، ورنہ بدیہی طور پر جو کچھ ہوتا ہوا نظر آرہا تھا، وہ اس قدر وحشت انگیز تھا کہ زندگی بھر بھی میرے اندر کے زخم مندمل نہ ہو پاتے۔ وقت گزر جانے کے بعد جانو ماچھی کا قتل بھی میرے ان زخموں کا مداوا نہیں بن سکتا تھا۔

خیالات کی وہ سُرخ آندھیاں میرے ذہن میں تلاطم برپا کرتا رہیں۔ مجھے ہوش اس وقت آیا جب میں ویرا کے بتائے ہوئے پتے کے عین مطابق اس مکان کے سامنے پہنچ گیا جس کے پھاٹک پر پیتل کی گول تختی میں صرف "انتالیس" سی کندہ تھا، جب تک وہ سنگین مکان باقی تھا، اس کا نمبر بھی وہی رہنا تھا، اسی لیے عقل مند مالک جائیداد نے مکان پر نمبر کی مستقل تختی نصب کرائی ہوئی تھی۔ مکین شاید کرائے پر آتے جاتے رہتے ہوں گے، اس لیے ان میں سے کسی کے نام کے اظہار کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔

اس گیٹ پر ہارن بجانے سے پہلے ہی میری نگاہ ستون میں نصب اسپیکر فون پر پڑ گئی۔ انجن بند کیے بغیر میں نے گیئر نیوٹرل کر کے ہینڈ بریک لگایا اور انٹرکام کے اسپیکر کی جالی پر لگا ہوا بٹن دبا دیا۔

"کون ہے؟" اس آلے پر فوراً ہی ویرا کی آواز سنائی دی تھی۔

"میں الیکٹرک لاک کھول رہی ہوں، بزر آف ہونے سے پہلے ہی دروازہ کھول لینا۔" میرا نام سن کر ویرا نے ہدایت کی۔ میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ عریض آہنی پھاٹک میں ذیلی کھڑکی کے بجائے برابر میں ایک چوبی دروازہ بھی تھا جو صرف آدمیوں کی آمدورفت کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔

"دروازہ نہیں پھاٹک کھولو! میرے پاس گاڑی بھی ہے۔" میں نے اُسے آگاہ کیا۔

"چوبی دروازہ کھول کر اندر آؤ اور پھاٹک کا بولٹ کھول لو، پھاٹک مقفل نہیں ہے۔" اسی کے ساتھ چوبی دروازے کی طرف سے بزر کی ہلکی سی آواز اُبھرنے لگی۔

اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے میں نے گاڑی اندر داخل کر کے پھاٹک دوبارہ بولٹ کر دیا۔ وہ مکان بہت وسیع اور عریض تھا۔ میں نے کار میں سوار ہو کر برآمدے تک جانے والی پختہ روش طے کی تو وہاں داخلی دروازے کے سامنے ویرا چبوترے پر میرے استقبال کے لیے موجود تھی۔

"مہمانوں سے دروازہ یا پھاٹک کھلوانا بدتہذیبی بلکہ بدمزگی میں شمار ہوتا ہے۔" میں نے کار سے اُترتے ہوئے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"باتیں بنانے کے بجائے جلدی اندر آجاؤ!" اس نے بُرا مانے بغیر کہا۔ "اتنے بڑے گھر میں اکیلا رہنے کی وجہ سے ایسی مجبوریاں پیش آتی رہتی ہیں۔"

"ایسی بھی کیا کفایت؟ تم کم از کم ایک چوکیدار تو رکھ ہی سکتی ہو۔"

"بات کفایت کی نہیں، پرائیویسی کی ہے۔" وہ میرے ساتھ آراستہ اور پُرشکوہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "انٹرویو کے بعد تم دوسرے آدمی ہو جسے میرے اس ٹھکانے کا علم ہوا ہے۔"

"دوسرا نہیں تیسرا کہو۔" میں نے اس کی تصحیح ضروری سمجھی۔ "دوسرا تو وہ ہے جس کے استقبال کے لیے تم نے مجھے یہاں بلایا ہے۔ اس کی طرف سے کوئی نئی کال تو نہیں آئی؟"

"نہیں!" وہ ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "باہر کا موسم تم نے کیسا پایا؟"

"مطلع صاف ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ تمہارے پھاٹک پر پہنچنے تک میں غزالہ کے بارے میں اتنی گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ قرب و جوار کا جائزہ لینا ہی بھول گیا۔"

وہ اس موضوع کو ختم کر کے غزالہ کے بارے میں سوالات کرنے لگی۔ چند ثانیے تک تو میں اسے جوابات دیتا رہا پھر میں نے اسے روک دیا۔

"فی الحال تمہارا اتنا ہی جاننا کافی ہے جو میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ اب وہ کام کرو جس کے لیے ہم یہاں اکٹھے ہوئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ تمہارا وہ نامعلوم شیدائی آپہنچے اور ہم بیٹھے ہی رہ جائیں۔"

"ایف ایم مائک میں نے ٹیپ سے اس سنٹر ٹیبل کے نیچے چپکا دیا ہے۔" وہ اپنے سامنے رکھی ہوئی میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "جیبی ٹرانزسٹر ہیڈ فون اور جیک وائر کے ساتھ پیانو پر رکھا ہوا ہے۔ ایک بار تم اسے مائک سے ٹیون کر لو تو بہ آسانی ہماری گفتگو کا ایک ایک لفظ سن سکو گے۔"

میں فوراً ہی پیانو کی طرف بڑھ گیا۔ ویرا وقفے وقفے بولتی رہی اور میں اس سے کافی دور پیانو کے قریب ہی ٹرانزسٹر کو ٹیون کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ پورے ایف ایم بینڈ پہ سوئی گھمانے کے باوجود جب کوئی کامیابی نہ ہوئی تو میرے چڑچڑے ردّعمل پہ ویرا ہی کو مائک آن کرنے کا خیال آیا اور اس نے دبیز قالین پر بیٹھ کر میز کے نیچے چپکے ہوئے مائک

کا سوئچ آن کر دیا۔ چند ثانیوں میں ویرا کی آواز ٹرانزسسٹر پر سنائی دینے لگی۔
"یہ بتاؤ کہ مجھے کہاں چھپنا ہوگا؟" میں نے وہ کام ختم ہونے کے بعد ...اسے سوال کیا۔
"کسی بھی ایسی جگہ چھپ جانا جہاں سے اسے دیکھ سکو اور ضرورت پیش آنے پر فوراً مداخلت کر سکو۔" پھر وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولی۔ "تمہیں ابھی سے ان سب باتوں کی کیا فکر ہے؟ ابھی تو گیارہ ہی بجے ہیں۔ وہ بارہ بجے آئے گا۔ اس دوران میں تم مجھے غزالہ کے بارے میں بتاؤ۔"
"بارہ بجے آنا ضرور تھا لیکن اب نہیں آؤں گا۔" اچانک کمرے میں ایک اونچی مردانہ آواز سنائی دی اور ہم دونوں ہی حیرت سے اچھل پڑے۔ ویرا کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ہی سراسیمگی نظر آنے لگی تھی۔
"میرے آنے کی شرط یہی تھی کہ تم مجھے تنہا ملو گی لیکن تم نے یہ شرط توڑ دی ہے۔ اس لیے مجھے مجبوراً وہ بگ سسٹم استعمال کرنا پڑ رہا ہے جو تمہاری لاعلمی میں کئی دن سے یہاں نصب ہے۔"
اجنبی آواز گونج رہی تھی۔
"تم کون ہو؟ اور آخر ملاقات میں اتنی رازداری کے متمنی کیوں ہو؟" ویرا نے سوال کیا۔ اس اثنا میں میں نے آواز کے مخرج کا اندازہ لگا لیا تھا اور قالین پر دبے قدموں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔
"میری رازداری کے اسباب کچھ اسی قسم کے ہیں جو تم کو حفاظتی اقدام پر مجبور کر چکے ہیں کسی بھی بڑے کام میں بڑے دل کی سلامتی تمام نتائج پر فوقیت رکھتی ہے اور تم ....."
"تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ..." ویرا نے اس کی بات کاٹ کر کہنا شروع کیا۔ لیکن اسی لمحے کمرا عجیب سی ریڈیائی گونج سے بھر گیا۔
میرے لیے وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس وقت اجنبی نے ہم سے کسی دوطرفہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے لاسلکی رابطہ قائم کیا ہوا تھا اور ایسے ریڈیائی رابطوں میں ایک طرف کا پیغام مکمل ہونے سے پہلے دوسرا فریق بھی بولنا شروع کر دے تو دونوں میں سے کسی طرف کا کوئی لفظ نشر نہیں ہوتا اور ریسیور پر بے ہنگم ریڈیائی شور سنائی دینے لگتا ہے جو کسی ایک کے خاموش ہونے تک برقرار رہتا ہے۔
ویرا کے لیے بھی وہ مواصلاتی شعبدے نئے نہیں تھے۔ اس لیے صورتِ حال کا ادراک ہوتے ہی وہ یکلخت خاموش ہو گئی اور کمرے میں ایک بار پھر وہی اجنبی، مردانہ آواز سنائی دینے لگی۔
"اب تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ میں کیسے تم سے مخاطب ہوں۔ از راہِ کرم اب میری بات پوری ہونے سے پہلے نہ بولنا آج میری اور تمہاری ملاقات کا امکان ختم ہو گیا ہے لیکن میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا۔ اس لیے ہمیں اب ایک دوسرے سے دور رہ کر اسی طرح مذاکرات کرنا ہوں گے۔"
"تم بے دھڑک بولتے چلے جاؤ۔ میں سن رہی ہوں۔" اس کے خاموش ہو جانے پر ویرا نے کہا۔
"مجھے چھوٹا اسلحہ اور میگزین درکار ہے۔ تمہارے پاس جتنی کھیپ موجود ہے میں اس کا خریدار ہوں۔ ادائیگی نقد اور تمہاری مرضی کے مطابق ہوگی۔"
"تم مجھے پہلے رابطے میں بھی بتا چکے ہو کہ شی غیر قانونی اسلحے کی تجارت کرتی ہے۔ اس وقت میں نے تمہاری تردید کرنی مناسب نہ سمجھی، لیکن اب تم اپنا منہ کھول ہی بیٹھے ہو تو سن لو کہ شی پاکستان سے باہر بہت کچھ کرتی ہے مگر یہاں ہم اسلحے کے لین دین سے دور رہتے ہیں۔ کیونکہ پچھلے چند برسوں سے یہ بہت حساس علاقوں میں شمار ہونے لگا ہے اور یہاں غیر قانونی اسلحے کی کوئی بھی قابلِ ذکر مقدار طاقت کے توازن پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔"
"ایک بالغ آدمی کو پریوں کی کہانی سنا کر بہلانے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ لاہور میں تباہ ہونے والا لائیڈرز کا ٹیج کس کی ملکیت تھا اور اس کے زمین دوز تہ خانوں میں کیا سامان ذخیرہ کیا ہوا تھا۔"
"ہماری پالیسی میں تبدیلی ہی لائیڈرز کاٹیج والے حادثے کے بعد آئی ہے۔" ویرا پوری مضبوطی کے ساتھ اپنے مؤقف پر اڑ گئی تھی۔ "اور پھر ہم جہاں بھی اسلحہ فراہم کرتے ہیں جانے پہچانے لوگوں سے معاملہ کرتے ہیں۔ اجنبیوں سے ہم کسی قیمت پر کوئی سودا نہیں کرتے۔"
"جو آج تمہارے جانے پہچانے لوگ ہیں، پہلی ڈیل کے وقت وہ بھی اجنبی رہے ہوں گے۔ یہ بتا دوں کہ اس وقت اسلحہ میری ضرورت ہے اور میں تمہیں اس کے بہت معقول دام دے سکتا ہوں۔"
"ایسے خریداروں کی ہر ایک قدر کرتا ہے۔ تم جس سے چاہو، سودا کر سکتے ہو۔ پاکستان ہی میں کئی لوگ یہ کام کرتے ہیں۔"
"مجھے زیادہ تعداد میں اسلحہ درکار ہے۔ پھر جو کچھ میں چاہتا ہوں، وہ شی ہی مجھے فراہم کر سکتی ہے۔ میرے مطلوبہ اسلحے تک دوسروں کی رسائی بہت مشکل ہے۔"
"تم اینٹی ائرکرافٹ گنوں کے خواب تو نہیں دیکھ رہے؟"

ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ مل جائیں تو کیا ہی بات ہے لیکن میری اصل دلچسپی ہلکے ہتھیاروں اور ان کے میگزین میں ہے۔ اسٹنگر میزائل اور ان کے لانچروں کی بھی ضرورت ہے۔"

"کھل کر کیوں نہیں کہتے کہ تم گوریلا جنگ کے امریکی ہتھیاروں میں دلچسپی لے رہے ہو۔"

"تم خود ہوشیار ہو تو مجھے اتنا کھلنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"لیکن زیرِ زمین دُنیا کے لوگوں کی ضروریات عام طور پر ایسی مہلک نہیں ہوتیں۔ تم تخریب کاری یا دہشت گردی کے کسی منصوبے کو روبہ کار لانا چاہتے ہو؟"

"اہمیت اسلحے سے زیادہ ان ہاتھوں کی ہوتی ہے جن سے وہ چلایا جاتا ہے۔ ہمارا مشن بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ یہ سب اسلحہ سرحدوں کی حفاظت کے لیے استعمال ہوگا۔"

"کیا تم کسی خفیہ سرکاری محکمے کے اہلکار ہو؟" ویرا نے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہارا اندازہ درست ہو، تب بھی میں اس کا اعتراف نہیں کروں گا۔"

میں نے محسوس کیا کہ وہ اُلجھی اُلجھی گفتگو کر رہا تھا۔ خاص طور پر اپنی ذات اور اپنے مقاصد کے بارے میں ابہام پیدا کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کر رہا تھا۔

"اعتراف نہیں کرو گے تو مجھے سرحد کی حفاظت کا دعویٰ مشکوک نظر آئے گا۔" ویرا کے اس تبصرے پر مجھے خوشی ہوئی کہ وہ بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہی تھی جو میرے ذہن میں جنم لے رہے تھے۔

"شی کسی معاہدے کے تحت اسلحہ نہیں بیچتی جو تم میرے مقاصد میں اتنی دلچسپی لے رہی ہو۔"

"لیکن تم شی سے زیادہ میرے لیے اجنبی ہو۔ تم نے پہلے کبھی ہم سے واسطہ ڈالا ہوتا تو تمہیں معلوم ہوتا کہ شی اصولوں پر چلنے والوں کی تنظیم کا نام ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "جو لوگ اسلحے اور ہیروئن کی آمدنی پر پلتے ہوں ان کی اصول پرستی کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہوتی۔ تم اصل موضوع سے بہک رہی ہو۔"

مجھے اندازہ تھا کہ وہ اپنے اس سسٹم پر ابتدا ہی سے ہماری گفتگو سُن رہا تھا اور میرے وجود سے باخبر تھا اس لیے میرا خاموش رہنا ضروری نہیں تھا۔ اس بار میں نے اشارے سے ویرا کو خاموش کر دیا اور نامعلوم شخص سے گفتگو آگے بڑھانے کا کام خود سنبھال لیا۔

"اگر تم سرکاری آدمی ہو تو یہ امکان بھی ہے کہ تم ہمیں گھیرنے کی کوشش کر رہے ہو۔" میں نے اس کے پیدا کیے ہوئے ابہام سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "سرکاری اہلکار چوروں کی طرح چھُپ کر سودے نہیں کرتے۔ وہ تو سامنے آ کر ڈنکے کی چوٹ پر اپنا کمیشن تک خود طے کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ تم نے سرحدوں کی حفاظت کی بات بھی کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہاری یہ بات سچ ہے لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ تم کس ملک کی سرحدوں کی حفاظت میں دلچسپی لے رہے ہو۔ پاکستان کی یا اس کے کسی ناراض پڑوسی کی سرحدوں کی؟"

"مادام نے تمہیں ڈینی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نرے محافظ ہی نہیں ہو بلکہ اہم معاملات میں دخیل بھی ہو سکتے ہو۔ مادام غیر ملکی ہے۔ تمہاری قومیت مجھے معلوم نہیں لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ مجرم کا کوئی وطن نہیں ہوتا۔ وہ صرف اپنی ذات کے لیے کماتا اور زندہ رہتا ہے۔ اس بات سے تمہیں کیا فرق پڑتا ہے کہ میری ہمدردیاں کس ملک کے ساتھ ہیں۔ سمجھنے والی بات یہ ہے کہ ایسے خطرناک سودے آدمی اپنی سرزمین پر ہی زیادہ آرام، اطمینان اور حفاظت کے ساتھ کرتا ہے۔"

اس کے دلائل کمزور تھے۔ میں نے بھانپ لیا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ اس کا تعلق یقیناً سرحد پار کی کسی غیر دوستانہ سلطنت سے تھا۔ وہ کھل کر جھوٹ اس لیے نہیں بول پا رہا تھا کہ سودا بن جانے کے بعد مال کی تحویل کے مقام اور رقم کی ادائیگی کے مراحل سامنے آتے تو وہ باتیں خود بخود کھل سکتی تھیں۔ لیکن میں اسے یہ احساس نہیں دلانا چاہتا تھا کہ میں نے اس کا جھوٹ پکڑ لیا تھا۔

مجھے اخبارات اور سیاست سے کبھی بھی زیادہ دلچسپی نہیں رہی تھی مگر میرا خیال تھا کہ وہ کسی دُشمن ملک کا ایجنٹ تھا۔ اپنے ملک کی خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے اس نے شی اور ویرا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد پاکستان کی سرزمین پر اس سے رابطہ قائم کیا تھا مگر بدقسمتی سے وہ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس کی معلومات کے ذرائع مقامی ہوتے تو ویرا کے ساتھ ہی میرے نام اور کام سے بھی واقف ہوتا کیونکہ ایک زمانے میں مَیں خود شی میں بہت زیادہ فعال رہنے کے بعد بتدریج شی سے تصادم کی راہ پر چل نکلا تھا۔

"ویرا نے تمہیں بتا دیا ہے کہ اب پاکستان میں شی اسلحے کی تجارت نہیں کرتی لیکن ویرا کے بین الاقوامی رابطے ہیں، یہ تمہارا سودا کرا سکتی ہے۔ اس کے لیے تمہیں مطلوبہ سامان کی فہرست کے ساتھ ذاتی طور پر ہم سے ملنا ہوگا تاکہ ہم اپنے ذرائع سے

تمھارے بے ضرر ہونے کے بارے میں تصدیق کرا سکیں۔"

"اور اگر میں اس سے انکار کر دوں؟" اس کا لہجہ تمسخر آمیز ہوگیا۔ جیسے میں نے اس سے کسی انہونی بات کا مطالبہ کر دیا ہو۔

"پھر کچھ نہیں ہو سکتا۔ تم ویرا کے بارے میں مخبری کر کے اسے ماریا تا گبرائیل کی سفری دستاویزات پر پاکستان میں داخل ہونے کے جرم میں گرفتار اور پھر شاید ملک بدر تو کرا سکتے ہو لیکن ہمارے خلاف اپنا کوئی اور الزام ثابت نہیں کر سکو گے۔ ویرا کا تنہا رہنا ہمارے کسی پروگرام کا حصہ ہے۔ ہم ہر کام قانون کی زد سے باہر رہ کر صاف ستھرے انداز میں سرانجام دیتے ہیں جس پر کوئی انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔"

"مخبری تو گھٹیا اور چھچھورے حریف کرتے ہیں۔ میں اپنا کام نکالنا اچھی طرح جانتا ہوں مگر میری مخلصانہ کوشش یہ ہوگی کہ ہم دوستانہ فضا میں کسی سمجھوتے پر پہنچ جائیں۔"

"مل بیٹھ کر ہی کوئی راہ نکالی جا سکتی ہے۔" ویرا کے اشارے پر میں اپنا فقرہ مکمل کر کے خاموش ہوگیا اور اس نے فوراً ہی بولنا شروع کر دیا۔

"ڈینی کی تجویز معقول ہے۔ تم ہماری بہت سی کمزوریوں سے واقف ہو جبکہ ہم تمھارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ اس لیے ہم سے مل بیٹھنے میں تمھیں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہونا چاہیے۔ آپس میں ملے بغیر ہم کسی نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے۔ تم جب چاہو ہم سے مل سکتے ہو۔"

"میں نے احتیاط کے طور پر تمھارے گھر کو بگ کرایا تھا تاکہ ملاقات سے پہلے تمھاری تیاریوں سے آگاہ رہ سکوں اور تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔ تم باہر سے آئی ہوئی ہو۔ تم سے ملنے میں مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن تمھارے علاوہ میں کسی اور سے نہیں مل سکتا۔ یہ میرے اصولوں کے خلاف ہے۔ اسی اصول کی پاسداری کے لیے میں نے تمھارے گھر میں گفتگو سننے کے آلات نصب کرائے تھے ورنہ مجھے یہ خطرہ مول لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔"

"چلو، اب میں تم سے تنہا ہی ملوں گی۔" ویرا نے مجھے آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے اسے پیشکش کی۔

اس کی خفیف سی ہنسی کی آواز سنائی دی پھر وہ بولا۔ "میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ تمھارا آقا جمی لائیڈ بھی ذاتی تحفظ کے اسی اصول پر برسوں سے عمل پیرا ہے اور کوئی بھی صورتِ حال اسے کسی کے سامنے آنے پر مجبور نہیں کر سکی ہے۔"

"جہاں ذاتی نمائندگی ناگزیر ہو وہاں وہ اپنے با اختیار نمائندے سے کام لیتا ہے۔ تم بھی اپنے کسی آدمی کو بھیج سکتے ہو جو ہمارے سوالات کے جواب دے سکے۔"

"مشکل ہے۔ تم جیسی ہوشیار اور ذہین عورت سے معاملات طے کرنے کے لیے میرے پاس کوئی پائے کا آدمی نہیں ہے۔ اس بڑے سودے کو مجھے خود ہی طے کرنا ہوگا۔"

"پھر ہمیں کوئی اور بات کرنی چاہیے۔" ویرا نے دو ٹوک لہجے میں وہ بات وہیں ختم کرنا چاہی۔

"اگر میں تمھارا کوئی اہم کام کرا سکوں، تب کیا صورتِ حال ہوگی؟" قدرے پس و پیش کے بعد اس کی تردد آمیز آواز سنائی دی۔

"پتا نہیں تم کس کام کا حوالہ دے رہے ہو۔ اس پر بات کرنے سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گی کہ یہ سودے بازی ہوگی یا بلیک میلنگ کی کوئی دھمکی؟" ویرا اس پر حاوی رہنا چاہ رہی تھی۔

"دونوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔" اس کی طرف سے جواب آیا۔

"سودے بازی یک طرفہ ہوتی ہے۔ بلیک میل کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکنے پر نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔"

"جو نقصان ہونے والا ہے وہ تو تمھارے ذہن میں بھی ہے۔ مجھ سے معاملہ کر کے تم اس نقصان سے محفوظ رہ سکتی ہو۔ بات نہ بننے کی صورت میں وہی ہوگا جو ہونے والا ہے۔ میں اس میں دخل نہیں دوں گا۔"

"یہ ایک باعزت تجویز ہے لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم میرے کس معاملے کا ذکر کر رہے ہو۔ فی الحال تو میرے سامنے ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"تمھاری اور ڈینی کی گفتگو میں نے ابتدا سے سنی ہے۔ تم دونوں غزالہ نامی کسی ایسی لڑکی کے بارے میں فکرمند ہو جسے جانو ماچھی نے حوالات سے اغوا کر لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں اس بارے میں تمھارے کام آ سکتا ہوں۔"

ہمارے کام آنے کی ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ جانو ماچھی تمھارا آدمی ہو۔ اس جیسے لوگ قانون اور طاقت کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے اور لڑتے لڑتے ایک دن کسی پاگل کتے کی طرح مار دیے جاتے ہیں۔"

"جانو ماچھی میرا آدمی ہے۔ اس کے فرار کی منصوبہ بندی بھی میں نے ہی کرائی تھی لیکن مجھے یہ علم نہیں تھا کہ وہ فرار ہوتے ہوئے بھی اپنے ساتھ ایک ایسی لڑکی کو اٹھالے جائے گا جو کسی بھی طرح تمھارے لیے اہم ہو سکتی ہے۔ میں چاہوں تو اس لڑکی کو کوئی نقصان پہنچنے سے پہلے عزت کے ساتھ تمھارے حوالے کر سکتا ہوں۔"

"جانو ماچھی سے اپنا تعلق ظاہر کر کے تم نے اپنا بھرم کھول دیا ہے۔ تم کسی خفیہ سرکاری محکمے کے اہلکار تو ہرگز نہیں ہو سکتے۔" ویرا خود پر قابو رکھتے ہوئے غزالہ کے معاملے میں کسی غیر معمولی جوش کا مظاہرہ نہیں کر رہی تھی بلکہ اس نے اپنی جرح کا مرکز اسی کی اصلیت کو بنایا ہوا تھا۔

"یہ تمہارا مفروضہ ہے جس کا حقائق سے کوئی تعلق ضروری نہیں۔ تم جانتی ہو کہ جانو ماچھی یا اس جیسے دوسرے جرائم پیشہ لوگ سرکاری اہلکاروں کی سرپرستی ہی میں پروان چڑھتے ہیں۔ اس بحث میں پڑ کر تم اصل موضوع سے بھٹک رہی ہو۔ ہمیں وقت ضائع کرنے کے بجائے غزالہ کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔ جانو کے آدمی اسے کراچی سے نکال لے گئے تو یہ معاملہ طول پکڑ سکتا ہے۔"

ویرا استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی لیکن میں نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ میرے کچھ کہے بغیر بھی ویرا جانتی تھی کہ میں غزالہ کو اس ذلت آمیز قید سے ہر صورت میں رہائی دلوانا چاہتا تھا۔ وہ غزالہ کی مدد کے بدلے شی سے مخصوص قسم کے ہتھیاروں کی ایک بڑی کھیپ خریدنا چاہ رہا تھا جو شی یا ویرا کے لیے کوئی نامناسب مطالبہ نہیں تھا۔ وہ لوگ تو خود ہی دہشت گردوں اور تخریب کاروں میں اسلحہ کھپانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

"ہم غزالہ کی آبرومندانہ واپسی چاہتے ہیں لیکن اس کی صورت کیا ہوگی؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد ویرا نے اس سے سوال کیا۔

"جو کچھ طے ہو جائے اس پر نیک نیتی کے ساتھ عمل ہونا چاہیے لیکن میں کوئی خطرہ پھر بھی مول نہیں لوں گا۔ غزالہ کو میں اپنی حفاظت میں لے لیتا ہوں۔ اسی ٹرانسمٹر پر میں تم سے اس کی بات کرا دوں گا۔ اس کے بعد ہمارا سودا طے ہوگا۔ مال کی وصولیابی کے وقت سودے کی رقم کے ساتھ غزالہ تمہارے حوالے کر دی جائے گی۔ اس بندوبست میں کہیں بھی خلل آیا تو اس کے نتائج غزالہ کو بھگتنا ہوں گے۔ میں اس کے ساتھ ایسا سلوک کروں گا جس کا عشر عشیر بھی جانو ماچھی کے وہم و خیال میں نہیں آسکا ہوگا۔"

"تمہاری بدعہدی کی صورت میں ہم کہاں جائیں گے؟" ویرا نے سوال کیا۔ "ہمارے لیے تو تم محض ایک آواز ہو جس کا تعاقب نہیں کیا جا سکتا۔"

"میں تمہیں مؤثر ضمانتیں فراہم کر سکتا ہوں۔" اس کا لہجہ پُراعتماد تھا۔ "پھر تم آخری مرحلہ آنے تک سودا منسوخ کر سکتی ہو۔ یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ غزالہ تو اب بھی محفوظ نہیں ہے۔ میری مداخلت سے اسے تحفظ مل جائے گا۔ میں نے تم سے کوئی بدعہدی کی تو مجھے کیا مل جائے گا؟ غزالہ تو میرے لیے ایک اَن دیکھی لڑکی ہے۔ میں حسینۂ عالم کی خاطر بھی اپنا یہ سودا خراب نہیں کروں گا جس کے لیے میں نے اتنے پاپڑ بیلے ہیں۔"

"یہ اسلحہ تمہیں ان ڈاکوؤں کے لیے درکار ہے جو تمہاری سرپرستی میں پل رہے ہیں؟" میں نے دخل دیتے ہوئے سوال کیا۔

"اسلحہ بیچنے کے بعد تمہاری ذمے داری ختم ہو جاتی ہے۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی تلخی آگئی۔ "تمہاری سوچ بہت محدود معلوم ہوتی ہے۔ مجھ سے ویرا کو بات کرنے دو۔"

"تمہیں کیا کیا درکار ہے؟" ویرا نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔ وہ میری الجھن کا سبب سمجھ رہی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ میں نے محض پاکستانی معاشرے کی فلاح کی خاطر شی سے مخاصمت مول لی تھی۔ مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے لوگوں کو ہیروئن کے لاعلاج عذاب میں مبتلا کرتا ہوں اور پھر بات وہیں آگئی تھی کہ غزالہ کی سلامتی کے نام پر وہ شخص اسلحے کا طلبگار تھا۔ غیر قانونی اسلحہ جہاں اور جس کے پاس ہو، کبھی امن اور فلاح کی آبیاری کے لیے استعمال نہیں ہوتا اور دہشت گرد گوریلوں کے ہاتھ لگ جائے تو سرحدوں کا طاعون بن کر ملکوں کے جغرافیے کو بدلنے لگتا ہے۔ وہ دونوں ہی صورتیں میرے لیے تکلیف دہ تھیں۔ شی اپنے طور پر جو چاہتی وہ کر سکتی تھی لیکن غزالہ کے حوالے سے جو کچھ ہوتا ہوا نظر آرہا تھا وہ اچھا نہیں تھا۔

"ٹائپ کی ہوئی فہرست آج شام تک تمہیں مل جائے گی۔" دوسری طرف سے جواب آیا تھا۔

"اصولی اتفاق رائے سے پہلے میں وہ فہرست سننا چاہتی ہوں۔" ویرا نے اصرار کیا۔

اس نے فہرست پڑھنا شروع کی جس میں سب سے ہلکا ہتھیار سب مشین گن تھا۔ ہلکی مشین گنوں اور راکٹ لانچروں تک پر مشتمل اسلحے کی وہ فہرست زیادہ طویل نہیں تھی لیکن اس خطرناک اسلحے کی مقدار سن کر میری آنکھیں فرطِ حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس سے آگے اس اسلحے کے میگزین کی مطلوبہ تعداد تو ہوش رُبا تھی۔ رائفل کی طرح شانے سے فائر کیے جانے والے ہلکے لانچروں کے لیے دو ہزار اسٹنگر میزائل

فہرست میں شامل تھے۔ یہ کہا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ ان
ہتھیاروں کی فراہمی کے لیے ایک گمنام فرد ذاتی سطح پر دلچسپی
لے رہا تھا۔ وہ تعداد اور مقدار اتنی زیادہ تھی کہ اس کے
سہارے ایک نئی اور طاقت ور ترین گوریلا آرمی کھڑی کی
جا سکتی تھی جو نہ صرف زمینی نشانوں کو نیست و نابود کرنے
پر قادر ہوتی۔ بلکہ نیچی پرواز کرنے والے طیاروں اور ہیلی کاپٹروں
کو بھی میزائیل سے مار گرا سکتی تھی۔

"شی ہتھیاروں کا لین دین ضرور کرتی ہے اور پاکستان
سے باہر کرتی ہے لیکن اتنے بڑے ذخیرے کے لیے میں
اپنے طور پر کوئی سودا نہیں کر سکتی۔ اس کے لیے مجھے اپنے
اوپر والوں سے منظوری لینا ہو گی۔" ویرا نے کہا۔

"اس منظوری میں کتنا وقت لگ جائے گا؟" اس
نے سوال کیا۔

"فون پہ شام تک معاملہ طے ہو سکتا ہے۔ ابھی تو یورپ
میں صبح بھی طلوع نہیں ہوئی ہو گی لیکن مجھے ڈر ہے کہ موجودہ
سیٹ اپ کے ساتھ ہم اسلحے کی اتنی بڑی کھیپ پاکستان
میں نہیں لا سکیں گے۔"

"لیکن میرے لیے یہ بہت ضروری ہے۔" اس نے
زور دے کر کہا تھا۔ "مجھے مال ہر صورت میں سانگھڑ یا
تھرپارکر کے کسی سرحدی قصبے میں ملنا چاہیے۔"

"اگر یہ بندوبست سرحد پار راجھستان کے کسی علاقے
میں طے پا جائے تو کیسا ہے گا؟" ویرا نے مجھے آنکھ مار کر
وہ سوال کیا جو اسے بڑی حد تک بے نقاب کر سکتا تھا۔

"نہیں۔" اس کا جواب فیصلہ کن تھا۔ "مال سرحد سے
ادھر ہی ملنا چاہیے۔ سرحدوں پہ آج کل کشیدگی ہے۔ دونوں
طرف فوج کی بھاری تعداد مامور ہے اور دن رات گشت جاری
رہتا ہے۔ میں اپنا کالوائے راجھستان سے اس طرف نہ لا سکوں
گا۔ زیادہ مجبوری ہو تو میں دو کھیپیں بھی قبول کر سکتا ہوں۔"

"مجھے اندازہ ہے کہ بری راستہ ہمارے لیے مخدوش ہو
گا۔ یہ دیکھنا ہو گا کہ رن کچھ کے علاقے میں ہم لانچ کے ذریعے
کس گھاٹ پہ مال اتار سکیں گے۔" ویرا نے پرخیال لہجے میں
اظہار رائے کیا۔

"یہ یاد رکھنا کہ وہ بہت گندی سمندری دلدل ہے جس
کے درمیان چند نالیوں میں ہی سفر کیا جا سکتا ہے۔ ان اطراف
میں آنے جانے والے ہی ان راستوں کو پہچان سکتے ہیں۔
نئے لوگ دلدل میں پھنس گئے تو تیر کر بھی ساحل تک نہیں
پہنچ سکیں گے۔ اس لیے میں رن کچھ کے بحری راستے کا مشورہ
نہیں دوں گا۔"

"وہ میرا یا تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" ویرا نے بے پروائی سے
کہا۔ "ہمارے پاس بحری راستوں اور ان پہ چلنے والے عملے کا
انتخاب کرنے والے ماہرین موجود ہیں جو تم سے زیادہ
سمندری راستوں کو سمجھتے اور جانتے ہیں لیکن میں پیشگی اتنا ضرور
بتا دوں کہ اوپر سے اجازت مل گئی تو نصف رقم پیشگی دینا ہو
گی۔ مقامی کرنسی میں شرح تبادلہ پر دس فیصد پریمیم دینا ہو گا ورنہ
ہم ڈالروں میں ہی رقم لینا پسند کریں گے۔"

"رقم تمہاری مرضی کے سکے میں دی جائے گی لیکن پیشگی
ادائیگی کے بدلے میں ایسا ضامن فراہم کر دوں گا جو تم کو قبول
ہو گا۔ رقم ڈلیوری پہ ہی دی جائے گی۔ ان کچے دھندوں میں
یہ بنیادی اصول ہوتا ہے۔ میرے ہاتھ آنے سے پہلے مال پکڑا
گیا تو میری کوئی ذمے داری نہیں ہو گی۔"

"میں تمہاری شرائط اوپر پہنچا دوں گی۔ فیصلہ وہیں سے
صادر ہو گا۔"

"میں رات کو اسی سسٹم پر تم سے رابطہ قائم کروں گا۔
اس وقت ہم کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔ خیر سگالی کے اظہار
کے طور پر میں عزرائیل کے لیے ابھی سے کام شروع کر دیتا
ہوں۔ وہ مل گئی تو رات کو اس سے تمہاری گفتگو بھی کرا دوں
گا۔ یہ یاد رکھنا کہ اب ہمیں ایک دوسرے کے اعتماد پہ پورا
اترنا ہو گا۔"

"اعتماد تو اب مجھے اپنے گھر پر بھی نہیں رہا مجھے باہر
ہی سے اہم فون کالز کرنا ہوں گی۔ ورنہ تم ہر بات سنتے رہو
گے۔ اس وقت میں تمہارے سسٹم کو تلاش کرنے میں اپنا
وقت برباد نہیں کر سکتی۔"

"میں نے تمہارا صرف ڈرائنگ روم بگ کرایا ہے۔
باقی گھر محفوظ ہے۔ تم نے میری آواز کی سمت سے یہ اندازہ تو
لگا لیا ہو گا کہ اس ریسیور کا اسپیکر سسٹم سفید مرمر کے مجسمے کے
ساتھ لگا ہوا ہے۔ تمہاری آوازیں مجھ تک پہنچانے والا ٹرانسمیٹر
فانوس میں لگا ہوا ہے۔ اس کا بٹن آف کر کے تم اپنے گھر کی
پوری رازداری بحال کر سکتی ہو لیکن میرے اس سسٹم کو تباہ
نہ کرنا کیونکہ اب یہی ہمارے درمیان رابطے کا کام دے گا۔"

"ہمارے پاس تمہارا مطلوبہ مال اسٹاک میں نہیں ہے۔
اس لیے یہ سب باہر سے ہی منگوانا ہو گا۔ اسی وجہ سے میں
نے تمہیں پیشگی ادائیگی کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کے متبادل
کے طور پر تم نے ضامن کا ذکر کیا ہے۔ اگر تم اس کو ہمارے
لیے قابل قبول سمجھتے ہو تو اب اس کا نام بھی بتا دو۔ ہو سکتا

ہے کہ صرف اسی کی وجہ سے ہمارے اوپر والے تم سے سودا کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ عزالہ کا معاملہ درمیان میں آجانے کے بعد مجھے اس سودے سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے تاکہ مال دے کر میں تم سے عزالہ کو چھڑوا سکوں۔"

"تم بہت دیر کے بعد کھلی ہو۔" ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔ "میرا اندازہ بھی یہی تھا کہ عزالہ کی صورت میں جانو ماچھی نے مجھے ماسٹر ٹرمپ کارڈ تھما دیا ہے۔ تم یقین رکھو کہ وہ کراچی میں ہو یا وادو میں، میں اسے کوئی گزند پہنچنے سے پہلے اپنی تحویل میں لے لوں گا اور اگر سودے کی تکمیل تک میرے ساتھ کوئی بدعہدی یا چال بازی نہ کی گئی تو میں اسے اپنی بہن اور بیٹی کی طرح تمہارے حوالے کر دوں گا۔ یہ سمجھ لینا کہ اب ہمارے درمیان معاہدے پر عمل کا مرحلہ شروع ہو گیا ہے۔ اس لیے میں تمہیں اپنے ضامن کا نام بتانے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ ہو سکتا ہے کہ تم اس سے واقف نہ ہو لیکن وہ سری لنکا میں شی کے ساتھ براہ راست کھرے سودے کر چکا ہے اور آج کل اسلام آباد میں متعین ہے کرنل مہیش پال اس کا نام ہے۔"

وہ نام سن کر دیرا کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی لیکن اس نے اجنبی کی بات پر کسی خاص ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ بے پروایانہ لہجے میں بولی۔ "یہ نام میرے لیے نیا ہے۔ معاہدے پر عمل درآمد شروع ہو گیا ہے تو اب اپنے بارے میں بھی کچھ بتا دو۔ کرنل پال یا کوئی اور کسی آواز کا ضامن تو نہیں بن سکتا۔"

"میری شناخت بلیک کیٹ ٹی ہے۔ کرنل پال اس نام سے آشنا ہے۔" اس کا جواب سن کر میرے پیٹ میں گرہیں سی پڑنے لگیں۔ آخر کار وہی سب سامنے آرہا تھا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔

کرنل مہیش پال کے نام ہی سے اس کی قومیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا اور اگر وہ اسلام آباد میں متعین تھا تو یقینی طور پر کسی سفارتی عہدے کی آڑ میں اپنا کام کر رہا تھا۔ سری لنکا میں شی کے ساتھ اس کے سودوں کا حوالہ بھی ایک خاص سمت کی نشاندہی کر رہا تھا۔ سری لنکا میں تامل آبادی کو پراسرار انداز میں مسلح کر کے مقامی آبادی اور پھر حکومت کے خلاف کھڑا کیا گیا تھا۔ آبادی کے دو مختلف طبقات کو آپس کی خونریزی میں الجھا کر سیاسی سطح پر تامل اور سنہالیوں کے مسئلے کا اسکینڈل کھڑا کیا گیا جس کی آڑ لے کر آخر کار ایک طاقت ور مگر کم ظرف پڑوسی نے اپنی باقاعدہ مسلح افواج سری لنکا میں اتار دی تھیں اگر کرنل مہیش پال نے اس دوران میں شی سے بھاری تعداد میں اسلحہ خریدا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ وہ سری لنکا میں ہونے والی گوریلا کارروائی کے براہ راست سرپرستوں میں شامل تھا اور اس نے تامل سنہالی تنازعے کو گوریلا جنگ میں تبدیل کرنے میں اہم رول ادا کیا تھا۔

اپنے اس پس منظر کے ساتھ کرنل مہیش پال مجھے ایک مکروہ اور شیطانی کردار نظر آرہا تھا۔ پاکستان میں سندھ کے سرحدی علاقوں اور اندرون سندھ میں عرصہ دراز سے ڈاکوؤں، قاتلوں اور تاوان وصول کرنے والوں کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ مہلک اور جدید اسلحے کی فراوانی سے انہیں اتنی طاقت میسر آگئی تھی کہ وہ رنگ، نسل، مذہب، زبان اور فرقے کا کوئی لحاظ کیے بغیر اس حد تک شہریوں اور دیہاتیوں کے دشمن ہو گئے تھے کہ بسا اوقات امن و امان قائم رکھنے والی مقامی اور صوبائی قوتیں ان کے سامنے مفلوج نظر آنے لگتی تھیں۔

امن دشمن اور شرپسند قوتوں کی وہ شورش اپنی جگہ پر تھی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ متعصب نسل پرور گروہوں کو بھی نامعلوم ذرائع سے اسلحے کی کمک مل رہی تھی جو نسلی جنون میں وحشی درندوں کی طرح اپنے جیسے دوسرے انسان کو صرف اس لیے چیر پھاڑ کر رکھ دیتے تھے کہ وہ کسی اور نسل سے تعلق رکھتا تھا یا اس کی من پسند زبان نہیں بولتا تھا۔ بعض اوقات پرامن فریقین کو مشتعل کرنے کے لیے نامعلوم دہشت گرد کہیں سے نمودار ہوتے اور بلا تفریق گولیاں برسا کر متعدد بے گناہوں کو ہلاک و زخمی کرتے ہوئے روپوش ہو جاتے۔ ایسی کارروائیوں کے بارے میں بہت سے باشعور لوگ بیرون ملک کی پروردہ بلیک کیٹس کمانڈو تنظیم کا نام لیتے تھے اور اس پراسرار شخص نے اپنی شناخت ہی بلیک کیٹ بتائی تھی جس میں ٹی کا اضافی حرف شاید اس کی ذاتی شناخت کے لیے تھا۔ اگر وہ شی سے اسلحے کی بھاری مقدار خریدنا چاہ رہا تھا تو اس کے عزائم بہت صاف اور واضح تھے۔ وہ کرنل مہیش پال کی سرپرستی میں سندھ کے سرحدی علاقے میں باہر سے آتے ہوئے اپنے کارکنوں اور قانون کو مطلوب مقامی جرائم پیشہ لوگوں پر مشتمل ایک مسلح اور طاقت ور گوریلا تنظیم قائم کرنا چاہ رہا تھا جو اس کے اشاروں پر امن و امان کو تہ و بالا کر کے صوبے میں عدم تحفظ اور بغاوت کی صورت حال پیدا کر سکے۔ ایسے غیر یقینی بلکہ مخدوش اندرونی حالات میں بیرون ملک سے کوئی بھی یلغار مہلک اور تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔

مجھے صدمہ اس بات کا تھا کہ عزالہ بدقسمتی سے جانو ماچھی کے ذریعے ایسے لوگوں میں پہنچنے والی تھی جو ملک دشمن عزائم رکھتے تھے اور وہ عزالہ کی آڑ میں شی سے اپنے خون آشام

منصوبوں کے لیے بھاری مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود خریدنا چاہ رہے تھے مگر ساتھ ہی مجھے اس بات کی موہوم سی خوشی بھی تھی کہ مجھے قبل از وقت ایک ہولناک بیرونی سازش کا سُراغ مل گیا تھا۔

"بلیک کیٹ ٹی!" ویرا نے اس کا کوڈ دُہرایا۔ "بلیک کیٹس تو شاید سرحد پار کے ایک تجربے کار کمانڈو گروپ کا نام ہے۔ کیا تم انہی کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"یہ فضول باتیں ہیں جو پروپیگنڈے کے ذریعے پھیلائی جاتی ہیں۔" اُس کی سخت آواز گونجی۔ "تمہیں میرے اوپر ریسرچ کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تمہیں وہ کوڈ بتایا ہے جو کرنل مہیش پال کے لیے نیا نہیں ہے۔"

"جو باتیں خود بخود سامنے آجائیں انہیں تم ریسرچ نہیں کہہ سکتے۔ دو جمع دو کا جواب ہر شخص چار ہی دے گا۔ اسے پونے چار یا سوا چار ثابت کرنے کے لیے ریسرچ کی ضرورت پڑتی ہے۔"

"تمہیں شام کو میری مطلوبہ فہرست مل جائے گی اور میں رات کو نو بجے تم سے خود رابطہ قائم کروں گا۔"

گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہو گیا مگر سسٹم آن تھا، اس لیے ہم دونوں نے فوری طور پر زبان نہیں کھولی۔ سب سے پہلے میں نے مرمر کے مجسمے کے قریب رکھے ہوئے ریسیور کا جائزہ لیا۔ اس مختصر سے سیاہ ڈبے پر سے ساخت وغیرہ کے بارے میں ہر تفصیل رگڑ کر مٹا دی گئی تھی۔ تلاش بسیار کے بعد میں ایک سوراخ میں ننھا سا وہ سُرخ بٹن دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا جسے سوراخ میں دیاسلائی ڈال کر ہی چھڑایا جا سکتا تھا۔ دیاسلائی دبانے سے اس آلے میں ایک خفیف سا کھٹکا پیدا ہوا اور اسپرنگ کے دباؤ سے دیاسلائی پہلے سے زیادہ باہر آگئی جس کا مطلب تھا کہ دبا ہوا سُرخ بٹن قدرے باہر آگیا تھا جو کسی بھی پش بٹن کے آف ہونے کی علامت تھی۔

سقف گیر فانوس میں پیچیدہ ساخت میں ٹرانسمیٹر اس طرح چھپایا گیا تھا کہ بادی النظر میں اس کا سُراغ لگانا ناممکن تھا۔ اس پر سے بھی سارے نشانات بہت احتیاط کے ساتھ مٹا دیے گئے تھے۔ میں نے اسے بھی نیچے اُتار کر آف کر دیا تھا۔

اس کارروائی کے بعد ہم دونوں نے پورا گھر چھان مارا لیکن کہیں اور کوئی مشتبہ آلہ دریافت نہ کر سکے۔ اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد ہم دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔

"شکر ہے کہ غزالہ کی رہائی کی ایک صورت تو نظر آئی ہے۔" اُس نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے گہری سانس لے کر کہا۔ "اس بار اُس کی آزادی بہت ضروری ہے کیونکہ وہ بہت خطرناک اور بدفطرت لوگوں کے چنگل میں پھنس گئی ہے۔"

"ضروری تو ہے مگر اس قیمت پر نہیں جو بلیک کیٹ ٹی نے طلب کی ہے۔" میں نے فضا میں نظریں جما کر سخت لہجے میں کہا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو؟" وہ بے پروائی سے بولی۔ "میں بھی وہی سمجھی ہوں جو تمہارے ذہن میں ہے۔ یہ کوئی طاقتور بھارتی گروپ ہے جس کے ایجنٹ یہاں ڈاکوؤں اور مجرموں کی سرپرستی کر رہے ہیں اور ہم سے اسلحہ لے کر یہاں اپنی دہشت گردی اور تخریبی کارروائیوں میں تیزی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ خریدار ہیں اور شی دُکاندار۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ شی ہمیشہ اچھے گاہکوں کی تلاش میں رہتی ہے۔ غزالہ کا معاملہ درمیان میں نہ آتا تب بھی یہ لوگ مجھ سے ضرور رجوع کرتے اور اسلحہ خریدنے میں کامیاب ہو جاتے۔ یہ تو پھر بھی نقد کا ضرورت مند خریدار ہے جس سے ہم زیادہ دام بھی لے سکتے ہیں۔ یہ بڑی خوشی سے عالمی منڈیوں سے دو چار فیصد زیادہ قیمت دے دے گا۔ تمہیں یہ سُن کر حیرت ہو گی کہ شی اکثر و بیشتر ادھار یا قسطوں پر بھی اسلحہ فراہم کرتی رہتی ہے بشرطیکہ رقم ڈوبنے کا خطرہ نہ ہو۔ بعض مخصوص حالات میں شی نے اس شرط پر اسلحہ فراہم کیا ہے کہ سازش یا بغاوت کامیاب ہو گئی تو دوگنی رقم ادا کی جائے گی اور اگر ناکامی ہوئی تو خریدار ہر ذمے داری سے بری ہو گا۔ میرے علم میں افریقہ کے دو ایسے واقعات ہیں اور دونوں ہی مرتبہ ہمارے خریدار کامیاب رہے تھے۔ یہ کھیل دُنیا بھر میں چلتے رہتے ہیں۔ تم تو یہ سمجھو کہ اس سودے میں غزالہ بونس کے طور پر رہا ہو رہی ہے۔"

"وہ غزالہ کا ذکر درمیان میں نہ لاتا تو تمہارا ردِعمل کیا ہوتا؟" میں نے پوچھا۔

"میں خوشی سے اس کا سودا کرا دیتی۔ تمہیں دراصل میرے ابتدائی ردِعمل سے غلط فہمی ہو گئی ہے۔ ابتدا میں بات آگے بڑھانے سے پہلے میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ کہیں وہ کوئی فرضی گاہک نہ ہو مگر وہ اناڑی تھا۔ اس لیے خود ہی غزالہ کا ذکر نکال بیٹھا۔ ہم لوگ دیکھ بھال کیے بغیر نئے لوگوں کو قریب نہیں آنے دیتے۔"

"شی کے دونوں ہی روپ گھناؤنے ہیں۔" میں نے

اپنے دل کی بات اس پر ظاہر کر دی "ہیروئن کے کاروبار کو میں ایک عرصۂ دراز تک قریب سے دیکھتا رہا ہوں اور آج اسلحے کا گندا کھیل بھی دیکھ لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جمی لائیڈ نے اس کرۂ ارض پر موت اور روگ پھیلانے کا ٹھیکا لیا ہوا ہے۔"

"یہ سب اُس دور کی بین الاقوامی ضرورتیں ہیں۔ انھیں میرا باپ پورا نہیں کرے گا تو کوئی اور آگے بڑھ کر اپنی جیبیں بھرے گا۔ یہ نہ سمجھو کہ جمی لائیڈ یا سٹی کے ختم ہوتے ہی دُنیا میں ہر طرف امن اور شانتی کا دور دورہ ہو جائے گا۔ جب تک اسباب کا خاتمہ نہیں کیا جاتا سیاسی اور معاشرتی بیماریاں اسی طرح پھلتی پھولتی رہیں گی۔"

"جو کچھ بھی ہو مگر میں اس سودے کے نتیجے میں غزالہ کی آزادی پر زندگی بھر اپنے آپ سے شرمندہ رہوں گا۔" میں نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا "لپنے گاہک کے ساتھ تمھارا جو دل چاہے، وہ کرتی رہو مگر میں اس کی بیخ کنی ضرور کروں گا۔ تمھاری یہی مہربانی کافی ہے کہ تم نے مجھے بلا لیا اور اس طرح مجھے اس منحوس کے بارے میں کافی کچھ جاننے کا موقع مل گیا، جو رسوائے زمانہ مجرموں کو قانون کی تحویل سے نکال کر اُن سے اپنے کام لیتا ہے۔"

"بلیک کیٹ ٹی کو تو خیر تم غیر ملکی ایجنٹ کہہ رہے ہو لیکن میری بات لکھ کر رکھ لو کہ جب تم اس معاملے کی چھان بین کرو گے تو تمھیں اپنے نہ جانے کتنے شرفا اور معززین اس کے مددگار نظر آئیں گے۔ باہر سے آنے والے تخریب کار اسی وقت کامیاب ہوتے ہیں جب انھیں مقامی پناہ دینے لگیں۔ تم ایک محبِ وطن شہری کی طرح اس کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہو تو ضرور کرو۔ میں تمھاری کامیابی کے لیے دست بہ دُعا ہوں۔ تم ایک پھوڑا کاٹ پھینکو گے لیکن اس سرطان کی ہزاروں پوشیدہ جڑوں میں ہر شاخ سے ایک نیا پھوڑا اُبھرتا رہے گا۔ تم کس کس پر ہاتھ یا ہتھیار اُٹھاؤ گے؟ میری مانو تو اب یہ کُود اپنے سر سے نکال دو۔ سٹی کے لیے کام نہیں کرنا چاہتے تو نہ کرو اور غزالہ کو اپنے محبت انگیز سائے میں لے کر خاموشی سے کسی حسین شہر یا وادی میں روپوش ہو جاؤ۔ بلیک کیٹ ٹی پر تمھارا کوئی وار اوچھا پڑا تو وہ ہم پر معاہدہ شکنی کا الزام لگا کر غزالہ کے ساتھ ایسی کوئی زیادتی کر بیٹھے گا کہ تم پچھتانے کے سوا کچھ بھی نہ کر سکو گے۔"

"میں تم کو تمھارے کام سے روک نہیں رہا، جو چاہتی ہو کرتی رہو۔ مجھے جو کچھ کرنا ہے وہ سوچ سمجھ کر ہی کروں گا اور اگر ناکام رہا تو غزالہ کو تحفے میں تم سے وصول کر لوں گا۔"

"کم از کم غزالہ کے معاملے میں تمھیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔ اس کے بارے میں میرے اپنے دل اور ضمیر پر بوجھ ہے۔ میں پوری طرح تمھارا ساتھ دوں گی..."

"وقت پڑنے پر میں خود تم سے مدد مانگ لوں گا لیکن کم از کم سوچنے کا کام تو مجھے تنہا ہی کرنا ہو گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم سوچو اور بہت اچھی طرح سوچو۔ میرا خیال ہے کہ آخر کار تم کو مجھ سے اتفاق کرنا پڑے گا کہ تم تن تنہا اس دُنیا میں کوئی انقلاب نہیں لا سکتے۔ اگر تم گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے کا ارادہ کر لو تو میں جمی لائیڈ سے بات کر کے تمھاری اور اس کی صلح بھی کرا سکتی ہوں۔ وہ کبھی تمھاری سلامتی کے لیے خطرات نہیں کھڑے کرے گا۔"

"اس سودے کے بارے میں تم کو کس سے منظوری لینا ہو گی؟" میں نے وہاں سے اُٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"کسی سے بھی نہیں۔" وہ قہقہہ مار کر بولی۔ "ارے بابا! میں سٹی کے لیے منافع بخش بزنس حاصل کر رہی ہوں۔ اس سے مجھے کون روک سکتا ہے۔ ہاں، مجھے کچھ لوگوں سے فراہمی کی صورتِ حال اور موجودہ داموں کے بارے میں ضرور مشورہ کرنا ہو گا۔ میں اسے چکر دے رہی تھی اور تم بھی اس چکر میں آ گئے۔"

"اسٹنگر میزائیل تو شاید تم اتنی آسانی سے فراہم نہیں کر سکو گی۔" میں نے اپنی محدود معلومات کی روشنی میں اپنی رائے ظاہر کی۔ "امریکی حکومت اپنے حلیفوں کو بھی پس و پیش کے بعد یہ ہتھیار دے رہی ہے۔"

"یہ سب ڈھکوسلا ہے۔" وہ میرے ہمراہ ڈرائنگ روم سے باہر آتی ہوئی بولی۔ "آج کل ہتھیاروں کی ٹکنالوجی بہت مہنگی ہو گئی ہے۔ ایک نیا ہتھیار تیار ہونے تک اس کی ریسرچ پر لاکھوں بلکہ کروڑوں ڈالر خرچ ہو چکے ہوتے ہیں۔ اگر ان کی محدود تیاری کے بعد کارخانے بند کر دیے جائیں تو امریکا کیا، کسی بھی ملک کی معیشت تباہی سے دوچار ہو سکتی ہے اور پھر محدود تعداد میں بننے والے ہتھیار اس قدر مہنگے ہوں گے کہ کوئی انھیں خرید ہی نہیں سکے گا۔ یہ عالمی پبلسٹی کا ایک نیا حربہ ہے کہ ہر نئے ہتھیار کو مہنگا دفاعی راز اور دوسروں کے لیے ممنوعہ قرار دینے کا ڈھول پیٹا جائے۔ اس طرح خریدار ممالک نئے ہتھیار پر تنقید کرنے یا اس کی خامیاں تلاش کرنے کے بجائے، اپنی رائے عامہ کے دباؤ کے تحت اسے خریدنے پر تُل جاتے ہیں ورنہ آج صنعتی جاسوسی اور ٹکنالوجیکل ترقی اس کمال کو پہنچی ہوئی ہے کہ ایک ملک کا کوئی نیا ہتھیار بازار میں آنے سے پہلے اس کا حریف ملک اس کے توڑ پر کام شروع کر چکا ہوتا ہے۔ تمھیں امداد اور خیرات میں اسٹنگر

میزائل نہیں ملتے ہوں گے۔ زرِ مبادلہ فراہم کرو، ڈالروں میں نقد ادائیگی کا یقین دلا دو تو میں تمہاری سرزمین کے ہر میل پر اسمگلرز کے ڈھیر لگوا سکتی ہوں۔ دن رات چلنے والے اسلحہ ساز کارخانوں کی پیداوار سمندر میں تو نہیں پھینکی جا سکتی نا؟"

وہ جو کچھ جانتی تھی اس میں کتاب سے زیادہ شاید ورثے کا دخل تھا۔ اس کے بدن میں ایک اسمگلر کا خون دوڑ رہا تھا جو عالمی پیمانے پر ہیروئن، دیگر منشیات اور اسلحے کی تجارت میں سر سے پیر تک غرق تھا اس لیے ویرا سے بحث کر کے جیتنا آسان کام نہیں تھا۔

میں اس کے گھر سے روانہ ہوا تو میرے ذہن پر سوچنے کے لیے خاصا مواد سوار تھا۔

فلیٹ پر سلطان شاہ اپنے کمرے میں گہری نیند سو یا ہوا تھا۔ میں نے اس کے آرام میں خلل ڈالے بغیر اپنی خواب گاہ سے ٹریڈ لائن کے دفتر فون کیا تو سینڈو سے معلوم ہوا کہ جانو ماچھی کے آدمیوں کے بارے میں اسے کوئی نئی بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ اس کے آدمی فیلڈ میں مصروف تھے اور وہ ان کی کارکردگی کی طرف سے خاصا پُرامید تھا لیکن مجھے اس سے کوئی قابلِ ذکر خبر ملنے کی امید نہیں رہی تھی۔

اگر وہ جانو ماچھی کے فرار ہی کا معاملہ ہوتا تو ریاض ٹیڈی سے ہی بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا تھا لیکن اس واقعے کے پس پردہ کام کرنے والے بلیک کیٹ ٹی کا کردار سامنے آ جانے کے بعد میری وہ امید ختم ہو گئی تھی۔ غیر ملکی ایجنٹوں کا کام کرنے کا بنیادی اصول یہ ہوتا ہے کہ کسی بھی پیش قدمی سے پہلے وہ اپنے پچھلے نقوش پا مٹاتے چلے جاتے ہیں تا کہ کوئی ان کے سائے کا بھی سراغ نہ لگا سکے۔

جانو ماچھی اور بلیک کیٹ ٹی، دونوں ہی اس کہانی کے گم شدہ کردار تھے لیکن ایک نام بہرحال میرے سامنے موجود تھا اور میں اس پر محنت کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ کرنل مہیش پال لاکھ سفارتی افسر سہی، سینڈو اس کو بہت آسانی کے ساتھ اپنی گرفت میں لے سکتا تھا مگر سینڈو کو اسلام آباد روانہ کرنے سے پہلے میرا یہ جاننا ضروری تھا کہ فرمان خاں اپنے پیشہ ورانہ انداز میں میرے لیے کیا کر سکتا تھا۔

فرمان خان کو پروگرام کے مطابق اپنا دن تفتیشی افسران کے ساتھ گزارنا تھا البتہ مجھ سے طے شدہ پروگرام کے مطابق وہ چار بجے گھر پر موجود ہوتا اس لیے وقت گزاری کی خاطر میں نے جہانگیر کی فیکٹری کا نمبر ملایا۔

اس کی دل کش سیلونی سیکرٹری خوش شکل ہونے کے ساتھ ہی خوش آواز بھی تھی اور اس سے بلاوجہ باتیں کیے جانے کو دل چاہتا تھا لیکن اس وقت کی گمبھیر صورت حال نے میرے وجود میں سے خوش دلی کی ہر رمق نچوڑ لی تھی اس لیے میں نے اس سے فوراً ہی جہانگیر سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کر دیا۔

"صاحب بیمار ہیں اور دفتر نہیں آ رہے۔" مجھے پہچان کر اس نے شستہ انگریزی میں آگاہ کیا۔

"اُس کی غیر موجودگی میں دفتری معاملات کی دیکھ بھال کون کر رہا ہے؟" میں بلاوجہ ہی سوال کر بیٹھا۔

"میں جو یہاں موجود ہوں۔" وہ دھیمے سے مترنم آواز میں ہنسی تھی۔

"میں بھول گیا تھا کہ وہ تمہاری اور تم دفتری معاملات کی دیکھ بھال کرتی ہو۔ میرا خیال تھا کہ وہ اب صحت مند ہو چکا ہے اور اُسے دفتر آنا چاہیے وہ گھر پر رہ کر کیا کر رہا ہے؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ باس ہر جگہ اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے۔" اُس نے بے بسی سے کہا اور میں نے اپنی اس غیر ارادی گفتگو کا سلسلہ فوراً ہی موقوف کر دیا۔

جہانگیر کے دفتر میں موجود نہ ہونے کا مطلب تھا کہ وہ غزالہ کے معاملے سے بے خبر تھا کیونکہ سلمیٰ کی وجہ سے سلطان شاہ نے اس کے گھر فون کرنے سے پہلے ہی معذرت کر لی تھی۔

میری مزاج پرسی کے جواب میں وہ فوراً ہی جھکنے لگا اس نے بتایا کہ وہ ویک اینڈ گھر پر ہی گزار کر نئے ہفتے کی ابتدا سے دفتر جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہ میرے مصائب سے بے خبر تھا اس لیے اپنی رو میں کئی منٹ تک انٹ شنٹ بولتا رہا اور میں نہایت سکون سے وہ سب سنتا رہا پھر جب اس کو میری مزاج پرسی کا خیال آیا تو میں نے مختصر الفاظ میں اُسے صرف اتنا بتایا کہ غزالہ ایک ناگہانی حادثے کے نتیجے میں پولیس کی تحویل میں پہنچنے کے بعد حوالات سے اغوا کر لی گئی ہے۔

اگلے سوال کے جواب میں اغوا کنندہ کے طور پر جانو ماچھی کا نام سن کر وہ حیرت سے تقریباً چیخ پڑا۔

"اُس ذلیل ہاری کی یہ مجال کہ وہ بھابی کو اٹھا لے گیا!" اُس کے لہجے سے غم و غصہ عیاں تھا۔

"اوّل تو وہ اُسے اٹھا کر نہیں لے گیا، چلا کر لے گیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے ساتھ کہا پھر سوال کیا۔ "یہ تم جانو ماچھی کے بجائے کون سے ذلیل ہاری کا ذکر لے بیٹھے ہو؟"

"میں اُسی کا ذکر کر رہا تھا۔ چند برس پہلے جانو میر رجب علی کا ہاری ہوا کرتا تھا۔ میر رجب علی میرا دوست اور دادو کا بہت بڑا زمیندار ہے۔ رجب علی کے سامنے وہ بھیگی بلی بنا رہتا تھا۔ جسم کا مضبوط تھا اس لیے رجب علی لڑائی جھگڑے والے معاملات میں اسی کو آگے رکھتا تھا مجھے تو آج کے اخبار میں اس کی تصویریں دیکھ کر علم ہوا کہ وہ مسکین سا ہاری آج کا جانو ماچھی بنا ہوا ہے۔ ۔ ۔"

"تمھارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ آج بھی میر رجب علی کا ہی محکوم ہوگا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"نمک حرام نکلا ہے وہ۔" جہانگیر کی غصیلی آواز اُبھری۔ "اخبار دیکھ کر میں نے میر کو فون کیا تھا۔ وہ اس سے بہت نالاں ہے کیونکہ جانو کئی بار اس کے مویشی بھی کھول کر لے جا چکا ہے۔"

"پھر تمھیں اس کا نام عزت سے لینا چاہیے۔ کیونکہ اب وہ تمھارے کسی دوست کا ملازم نہیں رہا ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم میر سے سفارش کر کے اس کی کھال میں بھوسا بھروا دو گے۔"

"نشتر زنی نہ کرو۔" وہ بُرا مان کر بولا تھا۔ "میرے بس میں ہوتا تو میں یقیناً ایسا ہی کرتا۔ پھر تم بھابی کی بازیابی کے لیے کیا کر رہے ہو؟ اخبار میں تو اس بارے میں کچھ نہیں تھا۔"

"افراتفری میں کسی کو پتا نہیں چل سکا تھا کہ تھانے میں کیا ہوا تھا۔ مجھے اندر والوں سے یہ خبر ملی ہے۔ فی الحال صبر یا انتظار کے علاوہ میں اور کیا کر سکتا ہوں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ بھابی کی طرف سے ابھی تمھارا دل صاف نہیں ہوا ہے۔"

"دل صاف ہے۔" میں نے قدرے برہم ہو کر کہا۔ "لیکن وہ ایک بار میرے سامنے تو آئے۔ کبھی حالات اسے مجھ سے دور دھکیل دیتے ہیں اور کبھی وہ خود مجھ سے دور بھاگنے لگتی ہے۔ ایک بار ملاقات ہو تو میں اس سے کم از کم یہ تو پوچھ ہی سکتا ہوں ناکہ اب ہمارے درمیان کیا رشتہ ہے؟"

"پولیس اغوا کی اس واردات سے لاعلم ہے اور تم کچھ نہیں کر سکتے تو اب غزالہ کا کیا بنے گا؟"

"میں بالکل ہی ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بھی نہیں بیٹھا ہوا ہوں۔ کچھ لوگوں کو ہلایا جلایا ہے۔ اب دیکھو کہ ان کوششوں کے کیا نتائج نکلتے ہیں۔ فی الحال تو بہتر امیدوں کے ساتھ انتظار ہی کیا جا سکتا ہے۔"

"تمھارے وہ آدمی کہاں ہیں جنھوں نے ہمارے گھر پر ماچھے کے آدمیوں کی یلغار اور اس سے پہلے دلدار آغا کے حملے کا مقابلہ کیا تھا۔ انھیں سارے شہر میں پھیلا کر کچھ نہ کچھ تو کیا جا سکتا ہے۔"

"تم بیمار بن کر گھر پر پڑے ہوئے ہو اس لیے ان باتوں پر اپنا دماغ نہ تھکاؤ۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "غزالہ کے لیے میں جو کچھ کر سکتا ہوں، وہ کر رہا ہوں۔ تم بس اتنا کرو کہ ز... کر کے میر رجب علی کو غزالہ کے بارے میں ہوشیار کر دو۔ م... نے سنا ہے کہ جانو ماچھی کی کمین گاہیں دادو کے جنگلات میں ہ... ہیں۔ ۔ ۔ ۔"

"میر سے تم کیا توقع کر رہے ہو؟" اس نے کچھ نہ سمجھ... والے لہجے میں سوال کیا۔

"وڈیرے اور جاگیردار اپنی میری پیری کو رواں رکھنے کے لیے نہ صرف اپنے غنڈے پالتے ہیں بلکہ ڈاکوؤں اور رسہ گیروں کی سرپرستی بھی کرتے ہیں۔ تمھارے میر کے آد... کچھ اور نہ کر سکے تو کم از کم یہ خبر تو دے ہی سکیں گے کہ جا... جنگلات میں اکیلا ہی داخل ہوتا ہے یا کوئی لڑکی بھی ساتھ لے کے آتا ہے؟"

"ہاں یہ ہو سکتا ہے۔" اس نے پُرخلوص لہجے میں اقرار کیا تھا۔ "چاہو تو میں خود تمھارے ساتھ گوٹھ اللہ داد چلنے کے لیے تیار ہوں۔ میر ہمیں دیکھ کر خوش ہو جائے گا۔ بہترین میزبانی ک... ساتھ ہی اپنے بہترین آدمی بھی ہمارے حوالے کر دے گا۔ یہاں... کر کسی خبر کا انتظار کرنے کے بجائے ہمارا وہاں موجود رہنا زیادہ بہتر ہوگا۔"

"میں فی الحال یہ شہر نہیں چھوڑ سکتا۔" میں نے نرمی... کہا۔ "میری اطلاعات کے مطابق فی الحال غزالہ کراچی ہی میں کہیں قید ہے۔ میرے لیے کئی افراد کام کر رہے ہیں۔ میں گو... چلا گیا تو ان سب سے رابطہ ٹوٹ جائے گا۔ ویسے بھی غزالہ کراچی میں ہے تو ہم دادو میں کیا کر سکیں گے۔"

"یہ تو معاملہ ہی دیگر ہو گیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ میں تمھارے پاس آتا ہوں۔ ہمیں سر جوڑ کر کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔"

"سلمیٰ کو بھی ساتھ لا رہے ہو نا؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوال کیا۔ کیونکہ اس وقت میرے لیے سلمیٰ کو برداشت کرنا تقریباً ناممکن ثابت ہو سکتا تھا۔

"نہیں! میں اکیلا آ رہا ہوں۔" اس کا جواب سن کر میرا دل خوش ہو گیا۔ "آج اس کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی۔ اسے...

بپتال میں داخل کرا دیا ہے۔ وہ تین دن وہیں رہے گی۔"
پھر جلدی آؤ! میں انتظار کر رہا ہوں۔ ایک آدھ بوتل بھی
لیتے آنا۔"
میں نے سلسلہ منقطع کیا تو سلطان شاہ دروازے میں موجود تھا
کے چہرے سے بھی فکرمندی ٹپک رہی تھی اور وہ بہت زیادہ
پریشان نظر آ رہا تھا۔
غزالہ کے سلسلے میں ویرا کے مکان پر جو سنسنی خیز پیش رفت
تھی اس کے بارے میں میں جہانگیر کو اعتماد میں نہیں لے سکتا
لیکن سلطان شاہ کو سب کچھ بتانا ناگزیر تھا۔
وہ حیرت سے منہ پھاڑے میری کہانی سنتا رہا۔ میرے خاموش
ہونے پر اس نے ایک گہرا سانس لے کر دو ٹوک الفاظ میں اپنی رائے
دی تھی۔" اب ہمارے سامنے صرف کرنل مہیش پال موجود ہے
وقت ضائع کیے بغیر اس حرامزادے پر ہاتھ ڈال دینا چاہیے
دیر غزالہ کے ساتھ ہی ملک کے خلاف ایک گھناؤنی سازش کا
معاملہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بلیک کیٹ ڈی آخر میں غزالہ کو رہا
کرنے سے انکار کر دے۔"

وہ درست کہہ رہا تھا ہم بلیک کیٹس کی یقین دہانی پر بھروسا
نہیں کر سکتے تھے۔" میں صبح سینڈ رو کو اسلام آباد بھیجنے کا فیصلہ کر چکا
ہوں۔ کرنل کو وہ صحیح طرح سے قابو میں لے گا۔" میں نے اسے
مطلع کیا۔
" اس طرح تم معاملات کو پھر الجھا دو گے۔" اس نے پُرخیال
لہجے میں کہا۔" وہ میرا اپنا علاقہ ہے میں اسے بے بس کر کے آسانی
کے ساتھ کراچی لا سکتا ہوں۔ یہاں ہمیں بہت سی آسانیاں حاصل ہیں۔"
" راستے میں تم سے کوئی نہیں پوچھے گا کہ اسے کہاں لے جا رہے ہو؟"
" کرائے کی پرائیویٹ ٹیکسیوں میں اکثر و بیشتر ادھر سے مریض
کراچی لائے جاتے ہیں۔ ایک آدھ آدمی کو اُجرت پر ساتھ لے لوں
گا اور راستے بھر اسے اتنی افیم کھلاتا رہوں گا کہ وہ ہوش ہی میں نہ
آسکے۔ اگر مجھے آج کی فلائٹ مل گئی اور کرنل اسلام آباد میں موجود ہوا
تو میں زیادہ سے زیادہ پرسوں رات تک اسے یہاں لانے میں کامیاب
ہو جاؤں گا۔ یہ کام ہمیں خود ہی کرنا چاہیے۔ سینڈرو سے کام لیا تو
مافیا میں تمہاری پوزیشن خطرے میں پڑ سکتی ہے کیونکہ کرنل کوئی عام آدمی
نہیں بلکہ ایک اہم سفارتی عہدے دار ہے۔"

اس سے مشورہ کر کے میں نے کبھی کوئی نقصان نہیں اُٹھایا تھا۔

اس کی احمقانہ رائے کو میں خندہ پیشانی کے ساتھ ٹال دیتا تھا لیکن کام کی باتیں ہمیشہ معاون ثابت ہوتی تھیں۔ سینڈو بے شک مجھ سے کچھ دریافت نہ کرتا لیکن وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو سکتا تھا کہ مجھے ایک سفارتی افسر کے اغوا کی ایسی کون سی ضرورت پیش آ گئی تھی جس کا مافیا سے کوئی تعلق نہ ہوتا۔ پھر وہ اپنے اسی تجسس سے مجبور ہو کر سیٹھ حبیب جیوانی کو اس کی واپسی پر اس معاملے سے آگاہ کر سکتا تھا۔

سیٹھ حبیب جیوانی نے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ ڈان تھری کی خواہش پر مجھے مافیا کے مقامی بیورو میں مامور کیا تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ڈان کی نظروں میں میری کیا وقعت تھی۔ اسے یہ بھی نظر آ رہا ہوگا کہ آگے چل کر میں اس کی سربراہی کے لیے چیلنج بن سکتا تھا جب کہ جرمنی کی جیل میں اپنے ہم شکل کی موت اور اس کی میڈیکل فائل کا تضاد ختم ہونے کے بعد وہ سرکاری طور پر آنجہانی ہو چکا تھا اور نام تبدیل کر کے بے خوف و خطر آزادی کی زندگی گزار سکتا تھا اس لیے وہ میری کسی بھی بڑی کمزوری یا کوتاہی کی پردہ پوشی کرنے کے بجائے اسے ڈان تھری کے علم میں لے آتا تاکہ اس پر میری برتری قائم ہونے کا موہوم سا خطرہ بھی باقی نہ رہے۔

میں نے بلاپس و پیش سلطان شاہ کی تجویز منظور کر لی "تم آج بلکہ ابھی روانہ ہو جاؤ ــــ ائیرپورٹ پر ڈیرا ڈال دو گے تو کسی نہ کسی پرواز میں جگہ مل ہی جائے گی لیکن یہ دھیان رکھنا کہ کرنل کو اغوا کرنے کے بعد تم اس سے کوئی بات نہیں کرو گے۔ اسے ہوا بھی نہ لگنی چاہیے کہ اسے کس معاملے میں اغوا کیا گیا ہے۔"

"تم بے فکر رہو" وہ فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑتا ہوا بولا۔ "اغوا کے بعد سے یہاں پہنچنے تک وہ ہوش میں ہی نہیں آنے پائے گا جو اس سے کوئی گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ وہاں سے چلنے سے پہلے فون پر تم کو خبر بھی دے دوں گا لیکن تم اسے قید کہاں کرو گے؟" آخر میں اسے وہ اہم نکتہ یاد آ گیا۔

"تم فکر نہ کرو" میں نے اُسی کے لہجے میں جواب دیا۔ "فلیٹ میں اس کی چیخیں باہر دُور تک سُنی جائیں گی۔ میں اسے جہانگیر کی فیکٹری میں رکھوں گا جہاں پرندہ بھی پَر نہیں مار سکے گا۔"

سلطان شاہ نے نہا دھو کر تیار ہونے میں بہت عجلت سے کام لیا تھا کیونکہ چار بجے کے قریب ایک پرواز براہِ لاہور، اسلام آباد کے لیے روانہ ہونے والی تھی۔ وقت کا خیال رکھنے والے بیشتر مسافر اسلام آباد جانے کے لیے اس پرواز کو پسند نہیں کرتے تھے اور لاہور جانے والوں کی تعداد ان دنوں بہت زیادہ نہیں ہوتی تھی اس لیے لاہور کے راستے اسلام آباد جانے والوں کو اس پرواز پر نشست مل ہی جاتی ہے

اسے روانہ کیے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ جہانگیر فلیٹ پر آ موجود ہوا۔ وہ کئی دنوں بعد گھر سے باہر نکلا تھا، اس لیے استری کیے ہوئے صاف ستھرے لباس میں بہت ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔

غزالہ کے بارے میں وہ بہت زیادہ تشویش میں مبتلا تھا۔ غزالہ سے میرے تعلق کے علاوہ خود اس کے اخلاق کی وجہ سے میرے شناساؤں میں غزالہ کے لیے غیر معمولی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا مگر اس حالت میں بھی پینے پلانے کی عادت بد نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔

چند پُرسوز فقروں اور پُرجوش تجویزوں کے بعد اس نے خود ہی لوازمات جمع کر کے بوتل کھول لی۔

"یہ دُکھ درد تو یار زندگی کے ساتھ چلتے ہی رہتے ہیں" اُس نے گلاسوں میں برف کے ڈلے ڈالتے ہوئے اللہ والوں کی طرح بے نیازی سے کہا تھا "انھیں بھول جانے یا ان کا بار ہلکا کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو آدمی زندہ ہی درگور ہو جاتا ہے۔"

"تم درست کہہ رہے ہو" میں نے اُس کی تائید کرتے ہوئے اپنا گلاس اُٹھا لیا۔

ہم نے ایک ایک گھونٹ لے کر سرور میں آنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ بیرونی دروازے کے قفل میں ہلکی سی آواز سُنائی دی۔ وہ دروازہ میری خواب گاہ سے صاف نظر آتا تھا اس لیے چابی گھومنے کے میکانی کھٹکوں کی خفیف سی آواز کے بعد لیور نے حرکت کی اور میں اپنی جگہ چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔

"کوئی تالا کھول کر اندر آنے کی کوشش کر رہا ہے" جہانگیر نے سراسیمہ سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ خوف کی وجہ سے اس کی آنکھیں پھیل کر پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میری نگاہیں مسلسل دروازے پر مرکوز تھیں۔

آخر لمحہ بھر میں دروازہ کُھل گیا۔ اس خلا میں پیش قدمی کرنے والے وجود کو دیکھ کر جہانگیر کے حلق سے ایک ڈری ڈری سی عجیب آواز برآمد ہوئی اور گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ٹیبل ٹاپ پر پُرشور آواز سے ریزہ ریزہ ہو گیا۔

اُسے دیکھ کر جہانگیر پر ایسی سراسیمگی طاری ہوئی کہ وہ قطعی غیرارادی بلکہ مشینی طور پر اپنی کرسی سے اٹھتا چلا گیا۔ اُس کے انداز میں خوف کے ساتھ ہی عزت و تکریم کا پہلو بھی نمایاں تھا۔

"تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اس سے کہا۔ "نقب زنی کرنے کے بجائے تم ڈور بیل بھی بجا سکتی تھیں۔"

"میں نے سوچا کہ کہیں گھنٹی کی آواز تمھاری نیند میں مخل نہ ہو۔" اُس نے مڑی ہوئی ناکارہ بال پن ڈسٹ بِن میں پھینکتے ہوئے کہا۔ "جب تک تم یہ ناکارہ قفل نہیں بدلواؤ گے میں اسی طرح آتی رہوں گی۔"

میں نے اُس کا نام نہیں لیا تھا اور نہ ہی جہانگیر نے کبھی ویرا کو دیکھا تھا اور نہ ہی اُس کی کوئی تصویر دیکھی تھی پھر بھی اُس نے ویرا کو محض اندازے سے شناخت کر لیا تھا۔

اُس کی اس وقت کی کیفیت سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ویرا سے غائبانہ طور پر ہی بہت خائف تھا۔ ویرا کے اچانک سامنے آجانے سے اُس کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ اُس کے لیے ویرا جمی لائیڈ کی بیٹی اور اُس شی کی سربرآوردہ شخصیت تھی جس کو پروان چڑھانے کے لیے جہانگیر نے دن یا رات کی پروا کیے بغیر اپنے خون پسینے کی قربانی دی تھی۔ اُس زمانے میں شی والوں میں ویرا بلیک کوئین کے نام سے جانی جاتی تھی اور مدتوں میں شاید دو بار، ہم لوگوں کے سامنے آئی تھی۔ بلیک کوئین کے روپ میں وہ سر سے پیر تک سیاہ اور چست لباس میں ملبوس ہوتی تھی۔ کوئی اس کی صورت سے واقف نہیں تھا لیکن اس کی بربریت اور سفاکی سے ہر ایک ہی لرزہ براندام رہتا تھا۔ ایک اجلاس میں تو ویرا نے کسی بات پر ناراض ہو کر کھڑے کھڑے اپنے ہی ایک اہم کارکن کو گولی مار کر موت کی نیند سلا دیا تھا۔ اُس نے اجلاس میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ دیا لیکن بلیک کوئین کی ہیبت کی وجہ سے اُس کے دن رات کے ساتھی بھی اُس کے قریب جانے کی ہمت نہیں کر سکے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ اس لاش کو چھیڑے بغیر وہ اجلاس اس طرح جاری رہا تھا جیسے ویرا نے اپنے سر پر بھنبھنانے والی کسی مکھی کو مارا ہو۔ اجلاس کے اختتام پر وہ لاش پر نگاہ ڈالے یا اُس کے بارے میں کسی کو کوئی ہدایت دیے بغیر سرد مہری کے ساتھ وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

ویرا کے صرف اس بھیانک روپ سے واقف ہونے کی وجہ سے جہانگیر کی وحشت اپنی جگہ حق بجانب تھی۔ ویرا کے بارے میں سنائی ہوئی سلطان شاہ کی کہانیاں اور سلمیٰ کی تلخ کلامیاں بھی جہانگیر کے دل سے اُس کا خوف کم نہیں کر سکی تھیں۔ حقیقت یہ تھی کہ شی پر بُرا وقت آنے کے ساتھ ساتھ اُس کا شیرازہ اس طرح بکھر اتھا کہ بعد میں آنے والوں میں سے کسی نے جہانگیر سے کام لینے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی ورنہ وہ اُس وقت بھی شی کا ایک وفادار کارندہ تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شی میں ایک مرتبہ شمولیت اختیار کر لینے کے بعد ہر شخص زندگی بھر شی کا غلام رہتا ہے یا اپنی قیادت کے فیصلوں سے انحراف کرنے پر مار دیا جاتا ہے۔ شی کو چھوڑ کر یا اس سے باغی ہو کر کوئی زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسی وجہ سے زیرِ زمین دنیا میں شی کے کسی سابقہ کارکن کا کوئی وجود نہیں ملتا تھا۔ یہ اعزاز صرف میرے ہی نصیب میں آیا تھا یا پھر میرے ستارے یاور تھے کہ میں اُن لوگوں سے بغاوت کر کے بھی اُن کے سینے پر مونگ دَلنے کے لیے زندہ تھا۔

شی والا رابطہ ٹوٹ جانے کے بعد جہانگیر نے چند روز قبل ویرا کے وہ بھیانک تیور بھی دیکھے تھے جب وہ مسلح آدمیوں کے جتھے لے کر مجھے ہلاک کرنے کے ارادے سے جہانگیر کے مکان پر چڑھ دوڑی تھی۔ اُس رات ویرا نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر جہانگیر کے گھر پر اس قدر شدید حملہ کیا تھا کہ گھر میں محصور ہو جانے والے ہر فرد کو وہ کائنات کی آخری طویل رات محسوس ہونے لگی تھی جسے ٹالنا کسی کے بس میں نہیں تھا۔

جہانگیر کے ذہن سے ویرا کی وہ دہشت دُور کرنے کے لیے مجھے اپنی جانب سے پیش رفت ضروری محسوس ہو رہی تھی ورنہ وہ ویرا کے قرب کے خوف سے ہی سہم کر اپنا خاصا وزن کھو بیٹھتا۔ ویرا بھی پکی بدمعاش تھی۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ میں خواب گاہ میں اکیلا نہیں تھا اور شاید وہ یہ قیاس بھی کر چکی تھی کہ وہ میرا جگری دوست، جہانگیر تھا لیکن اُس نے ابتدا سے ہی اُسے بُری طرح نظر انداز کیا ہوا تھا۔ ایک بار بھی اُس سے مخاطب نہ ہوئی تھی اور نہ اُس پر نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

"یہ میرا دوست جہانگیر ہے اور یہ میری دوست ماریا نا گبرائیل۔" میں نے اُن دونوں کا رسمی تعارف کراتے ہوئے اُن سے باری باری مخاطب ہو کر اُن کے نام دُہرائے۔ جہانگیر کو میں پہلے ہی بتا چکا تھا کہ اس مرتبہ ویرا ایک فرضی نام سے پاکستان میں وارد ہوئی تھی مگر ویرا کو بھی یہ جتانا مقصود تھا کہ میں نے اپنے قریب ترین دوست کو بھی اُس کے راز میں

شریک نہیں کیا تھا کیونکہ وہ خود اس بارے میں رازداری کی سے خواہاں تھی۔

تعارف ہوتے ہی ویرا نے باچھیں پھیلا کر بلا تردد اپنا داہنا ہاتھ جہانگیر کی طرف بڑھا دیا۔ جہانگیر نہ کچھ بول سکا اور نہ ہی اُس سے نظریں چار کرنے کی ہمت کر سکا۔ مَیں نے دیکھا کہ ویرا سے مصافحہ کرتے ہوئے اُس کا داہنا ہاتھ یوں کانپ رہا تھا جیسے اُس پر رعشہ طاری ہو گیا ہو۔

خواب گاہ میں دو کرسیاں موجود تھیں۔ تیسرا امیر البستر تھا لیکن وہ کمرا تین افراد کی نشست کے لیے ناکافی تھا۔ اس لیے مَیں اپنا گلاس لے کر وہاں سے اُٹھ گیا۔ "بوتل وغیرہ بھی ڈرائنگ روم میں لے آؤ۔ ماریانا بھی ہمارا ساتھ دے گی۔" مَیں نے چلتے چلتے جہانگیر سے کہا تھا۔

"مادام کے لیے اسکاچ ہی چلے گی یا شیری کا بندوبست کروں؟" جہانگیر نے ہم دونوں کی تقلید کرتے ہوئے کسی جدّی پشتی غلام کی طرح مجھ سے سوال کیا تھا۔

مَیں اُس کی بزدلی پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ ویرا کی سفید چمڑی اور شی میں اُس کی بالادستی کے باوجود اس کے تعارف کی رسم اردو زبان میں ادا کی گئی تھی جو جہانگیر کو اس کی پوشیدہ شخصیت سے متعارف کرانے کے لیے ضرورت سے زیادہ کافی تھی پھر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ویرا سے میرے مراسم کی نوعیت کیا تھی لیکن اس کے باوجود وہ ویرا کے سائے سے بھی یوں بوکھلا جا رہا تھا جیسے وہ اُسے صحیح سالم ہی نگل جائے گی۔

"شیری کی ضرورت نہیں، مس گبرائیل نیٹ وسکی پیتی ہے۔" مَیں نے پلٹ کر جہانگیر کو گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "میری یا تمھاری کم ظرفی کی وجہ سے اگر یہ وسکی میں پانی یا برف کے ڈلے ڈال لے تو دوسری بات ہے۔ اس لیے جو حاضر ہے وہی لے آؤ تو کافی ہے۔"

"سب لوگ تمھاری طرح بے مہار اور سنگ دل نہیں ہوتے۔" ویرا ہم دونوں کے مکالموں سے محظوظ ہو کر ایک جاندار قہقہہ لگاتی ہوئی بولی۔ "جہانگیر مجھ جیسی خوب صورت لڑکی [illegible] کے معاملے میں تم سے کہیں زیادہ نرم دل او [illegible] ہے۔ میں اِس کی نرم خوئی کی دل سے قدر کرتی ہوں۔"

"بدمعاشی کی ضرورت نہیں۔" مَیں نے ویرا کو گھورتے ہوئے اُسی سرد لہجے میں کہا۔ "اوّل تو تم کسی بھی معیار سے خوب صورت نہیں ہو، صرف قبول صورت کہی جا سکتی ہو۔ دوم یہ کہ تم لڑکی نہیں بلکہ ایک بھرپور اور تجربہ کار عورت ہو جو کسی بھی مرد کو ناک آؤٹ کرنے کے فن سے آشنا ہو۔ اس لیے مَیں تم کو جہانگیر پر پنجہ آزمائی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ شرافت سے ہمارے ساتھ بیٹھو اور کسی کی مردانگی کو للکارے بغیر جو کچھ پی سکتی ہو، وہ پی کر یہاں سے چلتی پھرتی نظر آؤ۔ یہ توقع نہ رکھنا کہ تم اپنی اداؤں سے ہمارے درمیان کوئی پھوٹ ڈلوانے میں کامیاب ہو جاؤ گی۔ مَیں اگر کنوارا ہوں تو جہانگیر ایک عدد خوب صورت اور ذہین بیوی کا مالک ہے۔"

"مَیں نے آج تک تم سے بڑا مسخرہ نہیں دیکھا ہے۔" وہ ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر دراز ہو کر ہنستے ہوئے بولی۔ "تم اپنے ایک فقرے میں دو لطیفے سناتے ہو۔ پہلا یہ کہ تم کنوارے ہو اور دوسرا یہ کہ جہانگیر ایک عدد بیوی کا مالک ہے۔" اُس نے لفظ مالک پر تضحیک آمیز انداز میں زور دیا تھا۔ "لڑکی یا عورت بذاتِ خود ایک بااختیار ذات ہوتی ہے۔ وہ کوئی چوپایہ یا مویشی نہیں ہوتی جس کے مالک نامزد یا مقرر کیے جا سکیں۔ تمھارے دوست نے اگر کسی لڑکی سے شادی کر لی ہے تو وہ اپنی بدقسمتی سے اس کی بیوی ضرور کہلا سکتی ہے لیکن ملکیت قرار نہیں دی جا سکتی۔ تم میرے سامنے عورتوں کی ایسی تذلیل نہیں کر سکتے۔"

"نہیں کرتا۔" مَیں نے اُس کے لیے اسکاچ کا نیا گلاس تیار کرتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن مَیں اُس لڑکی کے بارے میں کیا کہوں جو عورت بننے کی آرزو میں میرے سامنے ایک بچے کی طرح بچھی جاتی ہو۔"

"زیادہ بکواس نہ کرو۔" وہ تلخ لہجے میں غرائی۔ "تم میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں جو ایک آبرومند لڑکی تمھارے لیے ایک کھلونا بننے پر تُل جائے گی۔"

"سرخاب کے پر؟" مَیں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "مَیں تو آج بھی اپنے سرخاب کے اُن پَروں کی تلاش میں ہوں جو گوری چمڑی والیوں کو میرا دیوانہ بنا دیتے ہیں۔"

"کم از کم مَیں اس زمرے سے خارج ہوں۔" وہ اپنا گلاس اٹھا کر جلدی سے مدافعانہ لہجے میں بولی۔ "میری چمڑی بھی گوری ہے اور مَیں تمھاری دوست بھی ہوں مگر مَیں ہمیشہ سے اپنی مرضی کی مالک رہی ہوں۔ مجھے کھلونا بنانے کی آرزو کرنے والے ہمیشہ خاک چاٹتے ہوئے نظر آئے ہیں۔"

"تم بلاوجہ جذباتی ہو رہی ہو مادام!" جہانگیر پھر رشتہ غلطی ہونے لگا۔ اُس کے ذہن سے بلیک کوئین اور ویرا کا بھوت شاید اُتر گیا تھا اور وہ خود کو ایک آزاد خیال، سفید فام اور خوبرو حسینہ کے رُوبرُو محسوس کرنے لگا تھا جو ذرا سی منت

نتیجے میں اس کے سامنے سپر ڈال سکتی تھی۔
"تم پر جو شخص بھی الزام لگائے گا میں اُس کی گردن اُڑا دوں
جہانگیر نے اپنے دوسرے گلاس کی ترنگ میں کہا۔ "تم پوری
طرح اپنی مرضی کی مالک ہو۔ چاہو تو کسی سے ملو اور نہ چاہو تو
اس کے چہرے پر بھی تھوک دو۔ تمہارے سامنے کسی کی کیا مجال
کہ کچھ بھی بول سکے۔"
"ابے اُلو کے چرخے! یہ مس ماریانا گیبرائیل ہے۔" اُس کے
بارے میں تلملا کر غیر ارادی طور پر بول پڑا۔ "اسے تم اپنی اماں
جان سمجھ رہے ہو؟"
"خبردار! جو میری ماں کے بارے میں کچھ کہا۔" جہانگیر کے
تیور یک لخت بدل گئے۔ "مرجانے والے بزرگوں کی شان میں
یاوہ سرائی میں برداشت نہیں کرسکتا۔"
"تم بلاوجہ بہک رہے ہو۔ میں تو ایک زندہ اور جیتی جاگتی
خاتون کی بات کر رہا تھا۔" میں نے اُس کی بات اچکتے ہوئے
کہا۔ "جو اس وقت بھی ہمارے سامنے موجود ہے۔"
"میرے لیے یہ بھی قابلِ احترام ہے۔" وہ اپنی جھونک میں
بولا۔ "جب تک کوئی عورت تمہارے ساتھ خلوت میں نہ ہو
تم کو اس کے بارے میں ادب و آداب کو پوری طرح ملحوظ رکھنا
چاہیے۔ اگر ہم لوگ ہی عورتوں کی عزت کا خیال نہیں رکھیں
گے تو اس کام کے لیے آسمان سے فرشتے تو نہیں اُتارے
جائیں گے۔"
"جس طرح بیوی خلوت اور جلوت میں صرف اور صرف
بیوی ہوتی ہے اسی طرح گرل فرینڈ ہر جگہ اور ہر حالت میں گرل
فرینڈ ہوتی ہے۔ جب ماریانا کو میری کسی بات پر اعتراض نہیں
تو تم کیوں اس کے ماموں بننے کی کوشش کر رہے ہو؟ یہ
ہماری آپس کی باتیں ہیں، تمھیں ان میں دخل انداز ہونا ہی
نہیں چاہیے۔"
ویرا بڑی دلچسپی کے ساتھ جہانگیر کا جائزہ لے رہی
تھی جو اس وقت پوری سنجیدگی کے ساتھ اُس کی یک طرفہ حمایت
پر تلا ہوا تھا۔ ویرا کے ساتھ بیٹھ کر اُس نے خلافِ عادت
دو تین لمبے گھونٹ لے لیے تھے جن کے نتیجے میں نہ صرف
اُس کی آنکھوں میں سُرخ ڈورے تیرنے لگے تھے بلکہ شاید اس
کی عقل بھی ماؤف ہونے سے پہلے سن ہو کر رہ گئی تھی اور وہ بس
اپنی رَو میں بولے جا رہا تھا۔
"تمھاری آپس کی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ فضا میں ہاتھ
لہرا کر بے پروائی کے ساتھ بولا۔ اس کی مخمور نگاہیں بار بار بہک
کر ویرا کے وجود پر جمی جا رہی تھیں اور ویرا اپنی ذات میں
اس کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کا اندازہ کر کے زیادہ بے حجابانہ انداز
میں میز پر یوں جھک کر بیٹھ گئی تھی کہ اس کے بدن کے نظر آنے
والے حصے بھی جہانگیر کو مہمیز دینے لگے تھے۔
"آپس کی بات ہوتی تو مادام، تم سے یہ نہ کہتی کہ اسے کھلونا
سمجھنے والے ہمیشہ خاک چاٹتے ہیں۔ تم میرے سامنے اس خوبصورت
اور معزز خاتون کی بے عزتی نہیں کر سکتے۔" مجھ سے بات کرتے
ہوئے اس نے اپنے خالی گلاس میں اسکاچ انڈیل کر اُس میں پگھلی
ہوئی برف کا رُخ باقی ملا لیا تھا۔
"اس معزز خاتون کو تم کب سے جانتے ہو؟" میں نے چبھتے
ہوئے بدمزہ لہجے میں سوال کیا۔
"جاننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ویرا کے لبوں پر سلگتی ہوئی
مسکراہٹ نے اس وقت جہانگیر کی کھوپڑی ہی چوپٹ کر کے
رکھ دی تھی۔ "مجھ جیسے شائستہ آدمی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ اس
وقت میری مہمان ہے۔"
ویرا نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھا
اور طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "تمہارا دوست تم سے زیادہ
مہذب اور ذہین ہے ڈیئر! اس سے بحث کرنے کے بجائے تم
کو اپنی غلطی تسلیم کر لینی چاہیے۔"
"بالکل۔" جہانگیر نے مجھ سے نظریں چار کیے بغیر پرزور
انداز میں اُس کی تائید کی۔ "غلطی تسلیم کر کے خاموشی سے یہاں
بیٹھے رہو یا پھر یہاں سے چلے جاؤ۔ میں مادام کی عزت افزائی کا یہ
موقع کھونا نہیں چاہتا۔"
میں نے بھنا کر اپنی نشست چھوڑ دی۔ "میری طرف
سے تم بھاڑ میں جاؤ۔ پتا نہیں کہ ماریانا گیبرائیل میں تم کو اپنی کون سی
بزرگ مادام کی شباہت نظر آ رہی ہے؟ لیکن یہ یاد رکھنا کہ ماریانا
نرم و نازک سی لڑکی نہیں ہے۔ جوڈو کے سہارے یہ بڑے
بڑے توانا مردوں کے دانت کھٹے کر سکتی ہے۔" میں تیز اور غصیلے
لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے واپسی کے لیے مڑا ہی تھا کہ ویرا
نے بوکھلا کر میرا ہاتھ تھام لیا۔
"ارے بیٹھو۔" وہ اضطراری مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔
"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مذاق ہی مذاق میں تم دونوں لڑ بیٹھو گے۔
میں تم سے کچھ اہم باتیں کرنے آئی تھی۔"
جہانگیر نے آنکھیں پھاڑ کر ہم دونوں کو دیکھا اور پھر مایوسی
سے اُس کا چہرہ لٹک گیا۔
"یہ نشے میں ہے اور کچھ نشہ تم نے اپنی حرکتوں سے گہرا کر
دیا ہے۔" میں نے جہانگیر کو سنانے کے لیے تلخ اور قدرے
بلند آواز میں کہا۔ "آج اُس نے محض تمہاری وجہ سے مجھے یہاں

سے نکل جانے کی دھمکی دے کر میری شدید بے عزتی کی ہے۔ میں یہاں نہیں رک سکتا۔ تمہیں مجھ سے کوئی ضروری بات کرنی ہے تو میرے ساتھ چلو، ہم باہر کسی ہوٹل میں بیٹھ کر بات کر لیں گے۔۔۔"

"ہوٹل میں ہم آزادی سے بات نہیں کر سکتے۔" ویرا نے مجھے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "دوستوں میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر نہیں لیا کرتے۔ جہانگیر ابھی تم سے معافی مانگ لے گا۔"

مجھے اندازہ تھا کہ جہانگیر کو اکسانے میں ویرا کا ہاتھ تھا اس لیے میں خود بھی اس معاملے کو طول نہیں دینا چاہتا تھا چنانچہ میں خاموشی سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اور ویرا جہانگیر کی طرف بڑھ گئی۔

"ڈینی، میرے بارے میں منہ پھٹ اور گستاخ ضرور ہے لیکن تم کو بھی اس کے ساتھ اتنی ترش روئی کے ساتھ پیش نہیں آنا چاہیے تھا۔" وہ اپنے نرم و گداز ہاتھ سے اس کی پشت سہلاتے ہوئے ناصحانہ لہجے میں بولی۔ "بعض اوقات ایسی ذرا ذرا سی باتوں پر عمر بھر کی دوستیاں پل بھر میں ختم ہو جاتی ہیں۔"

جہانگیر ٹس سے مس ہوئے بغیر کسی اداس الو کی طرح ٹھس بیٹھا رہا۔ ویرا کے خاموش ہونے پر اس نے اپنے گلاس سے ایک اور لمبا گھونٹ لیا تھا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا تھا۔

ویرا نے اپنے دستِ شفقت کو رائیگاں جاتے ہوئے دیکھ کر پینترا بدلا اور جہانگیر سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ "اب اٹھو اور ڈینی سے معافی مانگو نا۔" اس نے اٹھلاتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

جہانگیر ایک جھرجھری لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ویرا نے اس کے بدن میں برقی رو دوڑا دی ہو۔ وہ ویرا کی طرف مڑ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا تھا۔ "تم واقعی بہت نرم دل اور مہربان دوست ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ دوستوں کے بارے میں ڈینی جیسے ناقدرے اور ناشکرے کا نصیب اتنا اچھا کیوں ہے؟"

ویرا نے شاید اس کی مخمور آنکھوں میں کچھ پڑھ لیا تھا کیونکہ وہ تیزی سے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی تھی۔ "مقدرات کو بدلنا انسان کے بس سے باہر ہے۔ بس تم جلدی سے ڈینی سے صلح صفائی کر لو تاکہ میں کچھ کام کی بات کر سکوں۔"

"تم کہو گی تو میں اس کے پیر بھی پکڑ لوں گا مگر تم مجھے بس ایک سوال کا جواب دے دو۔" اس نے التجا کی اور میں مخمصے میں پڑ گیا کہ اس مرحلے پر جہانگیر کو کون سا نازک سوال یاد آ گیا تھا۔

"سوال محبت کے بارے میں نہ ہونا چاہیے۔" ویرا نے بلا توقف شرط عائد کر دی۔ "مجھ میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ میں محبت کے بارے میں مستقل مزاج نہیں ہوں۔ دل بھر جاتا ہے تو جوتوں اور کپڑوں کی طرح محبوب بھی بدل لیتی ہوں اور یہ سب آناً فاناً میں ہوتا ہے۔۔۔"

"محبت تمہارا ذاتی مسئلہ ہے۔" میری توقع کے برعکس جہانگیر نے عقل کی بات کی۔ "میں تو تمہاری زبان سے صرف یہ سننا چاہتا ہوں کہ تم ماریانا گبرائیل نہیں ہو۔"

"ہاں، میں ماریانا گبرائیل نہیں ہوں۔" ویرا اس کی طرف دیکھ کر میٹھے انداز میں مسکرائے جا رہی تھی۔

"پھر کون ہو؟" جہانگیر اس بارے میں اس قدر متجسس اور پُر ہیجان ہو گیا تھا کہ اس کے سانسوں کی آواز مجھ تک کو سنائی دینے لگی تھی۔

"ایک حسین اور خوبرو لڑکی۔" ویرا کے بھرے بھرے گلابی ہونٹوں پر مسکان گہری ہو گئی۔ "ایک اجنبی عورت کا اس سے بہتر کوئی نام نہیں ہوتا۔ تم جو سمجھ رہے ہو وہ بتا دو، میں ایمانداری کے ساتھ اس کی تصدیق یا تردید کر دوں گی۔"

"ویرا لائیڈ۔" اس کے حلق سے وہ دو الفاظ رک رک کر برآمد ہوئے تھے۔

"ہاں۔" ویرا نے پورے اعتماد سے کہا۔ "تمہارا قیاس درست ہے۔"

"مادام!" جہانگیر کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی اور خوف زدہ آواز برآمد ہوئی پھر وہ منہ کے بل ویرا کے قدموں میں جھکتا ہی چلا گیا۔

جہانگیر کی اس گھٹیا حرکت پر میرا خون کھول اٹھا یہ درست تھا کہ فنی اعتبار سے وہ اس وقت بھی شی کا غلام اور بلیک کوئین یعنی ویرا لائیڈ کا ایک معمولی ماتحت تھا لیکن وہ جانتا تھا پاکستان میں میرے ہاتھوں سے شی اور ویرا کی کیسی درگت بن چکی تھی۔ اس لیے میرے سامنے اس کا ویرا کے پیروں میں گرنا شرم ناک حد تک مضحکہ خیز تھا۔

میرا وہ غصہ لمحہ بھر کے لیے بھی قائم نہ رہ سکا۔ اور مجھے لپک کر ویرا کے ساتھ جہانگیر کو سنبھالنا پڑا کیونکہ اس نے ویرا کی قدم بوسی کی کوئی کوشش نہیں کی تھی بلکہ اپنے رو برو بلیک کوئین کی موجودگی کا یقین ہوتے ہی دہشت سے بے ہوش ہو کر منہ کے بل فرشی قالین پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

جہانگیر کو سنبھالتے ہوئے میں نے ویرا کی طرف دیکھا تو اس کا چہرہ مسرت اور غرور سے غیر معمولی طور پر دمک رہا تھا۔ اس جیسی پیشہ ور گروہ بند عورت کے لیے یہ واقعی فخر کا

مقام تھا کہ اُس کے برسوں پرانے کارندوں پر بھی اس کے نادیدہ روپ کی ایسی دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ اس سے اچانک سامنا ہوجانے کی دہشت سے وہ بے ہوش بھی ہوسکتے تھے۔ ہونے پر سہاگا یہ تھا کہ ویرا کی ہیبت کے اس مظاہرے کا شاہد میں بھی تھا جو دوستی یا دشمنی . . . کسی بھی عالم میں ویرا کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔

"اس وقت اسے کچھ زیادہ ہی چڑھ گئی ہے۔" میں نے ویرا کی مدد سے جہانگیر کو صوفے پر لٹاتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "مردود، دس پندرہ منٹ میں تین گلاس چڑھا گیا جو لازماً سے بھی شاید ڈبل ہی تھے . . ."

"بات بنانے کی ضرورت نہیں۔" وہ اُسے لٹانے کے بعد آنکھیں نکالتے ہوئے بولی۔ "اسے نشہ وشہ کچھ نہیں ہوا تھا۔ تم نے سُنا نہیں کہ وہ مادام کہہ کر اچانک ہی کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح گرتا چلا گیا تھا۔"

"میرا بھی یہی مقصد تھا۔" میں نے بات بناتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "نشے کی جھونک میں آدمی ضرورت سے زیادہ حساس ہوجاتا ہے۔ دلیری کی رو چل پڑے تو بھڑکتی ہوئی آگ میں بھی کود پڑتا ہے اور خوف کی لہر سوار ہوجائے تو وہی آدمی چیونٹی جیسے حقیر کیڑے سے بھی دہشت زدہ ہوسکتا ہے . . ."

"تم اس واقعے کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کررہے ہو لیکن اپنے دل میں تم خود بھی جانتے ہو کہ یہ کیوں بے ہوش ہوا ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "اس کی بے ہوشی کا سبب نشہ نہیں بلکہ میرا خوف ہے۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔" میں نے جہانگیر کے بوٹوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "ایسا ہوا تو یہ جلدی ہوش میں آجائے گا ورنہ نشہ اُترنے تک یوں ہی بے سُدھ پڑا رہے گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آج سٹی کی بے توقیری کے باوجود میری اتنی دھاک برقرار ہے۔" وہ فخریہ لہجے میں بولی۔ "میری اور تمھاری دوستی کافی پرانی ہوگئی ہے لیکن تمھیں اندازہ بھی نہ ہوسکا ہوگا کہ میں مرگی کی مریضہ ہونے کے باوجود اتنی ہنگامہ خیز زندگی گزار رہی ہوں . . ."

"تت . . . تم مرگی کی مریضہ ہو؟" میں نے بے اعتباری کے ساتھ سوال کیا۔

"تمھیں میرے بیان پر شبہ نہیں ہونا چاہیے۔" وہ پُراعتماد مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "یہ تمھاری خوش قسمتی ہے کہ تم نے آج تک میرا حسین روپ ہی دیکھا ہے ورنہ جب مجھ پر دورہ پڑتا ہے تو مجھے کچھ ہوش نہیں رہتا۔ دیکھنے والے بعد میں بتاتے ہیں کہ میرے اعصاب پر تشنج طاری ہوجاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں [illegible] جاتے ہیں، دانت بھنچ جاتے ہیں، زبان باہر نکل آتی ہے [illegible] سے مکروہ آوازیں برآمد ہونے لگتی ہیں۔ ہوش میں آنے پر [illegible] مجھے یاد نہیں رہتا البتہ آئینے میں اپنے چہرے پر بڑے بڑے [illegible] اور ورم آلود دھبے دیکھ کر میں سمجھ جاتی ہوں کہ مجھ پر کیا گزری [illegible] یہ داغ دور ہونے تک چند روز کے لیے گوشہ نشین ہو [illegible] ہوں اور جب دوبارہ منظرِ عام پر آتی ہوں تو پھر اُسی طرح [illegible] مرد، رال ٹپکاتے ہوئے میرے اردگرد منڈلانے لگتے ہیں [illegible] اُن میں سے کسی کو رجھاتی ہوں، کسی کو پھانستی ہوں، کسی کو گر[illegible] ہوں اور کسی کو ٹھوکروں میں اُڑانے لگتی ہوں۔ اُن میں سے [illegible] کو اندازہ نہیں ہو پاتا کہ میں مرگی کی مریضہ ہوں۔ میرے لیے یہ [illegible] قابلِ فخر ہے کہ مریضہ ہوتے کے باوجود جہانگیر جیسے مردوں [illegible] اوسان خطا کرسکتی ہوں۔"

"مہلک آتشیں ہتھیار کے سہارے تو دس سال کا ای[illegible] بچہ بھی دس سورماؤں کو مرغا بنا کر بانگ دینے پر مجبور کرسکتا [illegible] اصل مزہ تو جب ہے کہ مقابلہ برابر کا ہو۔ دونوں فریق برابر [illegible] مسلح ہوں . . ."

وہ زور سے ہنسی۔ "برابر سے مسلح ہونے کا تو سوال ہی [illegible] پیدا ہوسکتا۔ عورت نہتی ہوکر بھی مرد سے زیادہ مسلح ہوتی ہے [illegible] قدرت کے بنائے نظام کو نہیں بدل سکتے۔"

"میں ان ہتھیاروں کی بات نہیں کررہا . . ." میں نے [illegible] سختی سے کہنا چاہا لیکن اُس نے درمیان سے ہی میری با[illegible] اُڑادی۔

"[illegible] قدرت نے مرد پر ایک پیدائشی برتری د[illegible] جہاں مرد [illegible] ایک وحشی رہ جاتا ہے۔ میں نے [illegible] میں انرا ایکسپریس نامی ایک ٹریول ایجنسی میں ملازمت کے دو[illegible] میں اپنی نسائیت کے جادو کا خوب مشاہدہ کیا ہے جسے جھ[illegible] بات کرلی وہ بندۂ بے دام ہوگیا اور اگر کسی سے رسمی فاصل[illegible] کر زیادہ قریب سے بات کرلی تو وہ سوچے سمجھے بغیر میری [illegible] حمایت پر تل جاتا تھا . . ."

"یہ تم روم کی بات کررہی ہو یا کراچی کی؟" میں نے اُس[illegible] بات کاٹ کر سوال کیا۔ "مغرب میں عورت کے جادو کی لم[illegible] وہ کمال نہیں جو مشرق میں نظر آتا ہے۔"

"عورت مشرق میں ہو یا مغرب میں، ہر جگہ عورت [illegible] ہے۔ تہذیب اور جغرافیہ بدلنے سے صرف اتنا فرق پڑتا [illegible] تکلف اور بے تکلفی کے درمیان لگی ہوئی لکیر کچھ اوپر نیچ[illegible] جاتی ہے۔" وہ پُرزور لہجے میں بولتی چلی گئی۔ "میرا عورت [illegible]

جگہ اٹل ہے لیکن میں جو بات تمھیں سمجھانا چاہ رہی تھی وہ
کر میں مریض ہو کر بھی ہزار صحت مند مردوں پر بھاری ہوں
ر تمھارا . . .“
میں نے اُس کی بات کاٹ دی ”ایک کھونٹے سے بندھی
والی عورت کی بات اور ہے۔ اُسے کوئی روگ لگ جائے
ہے یہ غم ڈستا رہتا ہے کہ ہر شام اُس کا مرد گھر لوٹ کر اس
اپنے مرض کی نئی کہانیاں سُنے گا تو ایک نہ ایک دن اُس
کر کہیں بھاگ نکلے گا لیکن جو عورت ہر شام نئے پنچھی کے
انے کی شوقین ہو اُس کے لیے اس کا روگ ایک نعمت
ہے۔ نئے مردوں کی زبان سے ہمدردی کے رنت نئے
اسے ایک عجیب سی سنسنی سے دوچار کرتے ہیں اور وہ
سنسنی سے اپنے مرض یا روگ سے لڑنے کا حوصلہ حاصل کرتی
میں خطرہ لگاتا ہوں کہ تم شادی نہ کرو لیکن نیک نیتی کے
اپنی آزاد روی ترک کرنے کا ارادہ کر لو تو کل ہی تم خود کو
اپنی عمر سے یک بیک دس پانچ برس زیادہ بوڑھی محسوس
نے لگو گی۔“

”یہ سب مردوں کے وہ حربے ہیں جن سے وہ اپنی مردانگی
میں پنپاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت اگر زندہ رہنے
کر ہی لے تو وہ سدا بہار رہتی ہے جب کہ مرد ہر ڈھلتے
لمحے کے ساتھ جہانگیر کی طرح بوڑھا اور از کار رفتہ ہوتا جاتا
ایسی صورت میں ہر عورت نئی مردانہ کونپلوں سے زندگی کا جوہر
نے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اس کا سبب یہ نہیں ہوتا کہ وہ ہرجائی
بے وفا ہے بلکہ اس کی زندہ اور جواں تر رہنے کی اُمنگ اُسے
رے مضبوط کھونٹوں کی طرف دھکیلتی رہتی ہے۔“ وہ میرے
تواعدہ بحث پر تُل گئی تھی۔

”اس وقت مجھے تمھارے کھونٹوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ تم
بہار رہنا چاہتی ہو تو ضرور رہو۔ اپنا مرگی کا مرض دوسروں
دیا خود ہی اسے پالتی رہو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔
وقت تو میں صرف جہانگیر کو اس کے ہوش و حواس میں لانا
ہوں۔ تمھارے کہنے کے مطابق یہ تمھاری دہشت سے بے ہوش
ہے اس لیے اسے ہوش میں لانے کی زیادہ ذمے داری بھی تم
عائد ہوتی ہے۔“

”اس کے منہ سے منہ ملا کر تیز تر مصنوعی تنفس کے ذریعے
سے چند منٹ میں ہوش میں لا سکتی ہوں۔“ وہ مسکراتے ہوئے
لیکن میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گی کیونکہ مجھے بھی مرگی کا مرض
بالکل تھا۔ میں سر پر ایک ضرب آنے کی وجہ سے بے ہوش
گئی میری نائیکہ کے پاس ایک بوڑھا مینڈولین نواز تھا
جو مرگی کا مریض تھا۔ اس نے میرے منہ میں اپنے دہانے سے پھونکیں
مار کر مجھے ہوش دلایا تھا اور اُسی روز سے میں اُس کے مرض کی
امین بن گئی۔ میں نہیں چاہتی کہ جہانگیر بھی میری طرح زندگی بھر
کا روگی بن جائے۔“

”تم بہت پیچیدہ عورت ہو۔“ میں نے ایک گہرا سانس
لے کر کہا۔ ”تم، تمھاری ترجیحات اور تمھارے اوہام سب میرے
لیے ناقابلِ فہم ہیں۔ چھوت چھات چند ہی امراض میں ہوتی ہے۔
ہر جگہ نہیں . . . تمھیں شاید یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ اگر جہانگیر کو
تمھارے لبوں سے دمِ مسیحائی ملنے کی اُمید ہو تو ایک بار وہ اپنی
قبر سے بھی انگڑائی لے کر اُٹھ کھڑا ہوگا۔ تمھیں اس پر مصنوعی تنفس
کی آزمائش ضرور کرنی چاہیے۔“

”اس وقت وہ بے ہوش ہے اسے کیا پتا چلے گا کہ کون اُسے
ہوش میں لانے کی کوششیں کر رہا ہے؟“ اُس نے قدرے معصومانہ
حیرت سے کہا۔

”تم فکر نہ کرو۔ عورت بلکہ اجنبی عورت کا لمس، مرد عالمِ
سکرات میں بھی محسوس کر لیتا ہے اور اس کی رُوح آسانی کے
ساتھ قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی ہے۔ تم کوشش کرو، اگر
اسے زندہ رہنا ہے تو ابھی یہ انگڑائی لے کر صوفے سے اُٹھ
کھڑا ہوگا۔“

”تم بہت بدمعاش اور بے رحم ہو۔“ ویرا بے اختیار ہنس
پڑی۔ ”تمھیں نہ جہانگیر کی زندگی سے دلچسپی ہے اور نہ میری بے گناہی
سے۔ تم ہر حال میں اپنی رائے کی بالادستی [illegible] چاہتے ہو۔“
ویرا نے جہانگیر پر اپنی لب آزمائی کا [illegible] ہی تھا کہ
اُس نے کسمسا کر پہلو بدلا اور کسی ناقابلِ فہم زبان میں کچھ بڑبڑانے
لگا تھا۔

”دیکھ لو، ابھی میں نے صرف ارادہ ہی کیا تھا کہ یہ زندہ ہونے
لگا ہے۔“ ویرا نے شوخ لہجے میں کہا۔ ”اسے چھو لیتی تو یہ ابھی قلانچیں
بھرتا ہوا باہر بھاگ نکلتا۔“

”چھوڑو، اب یہ ہوش میں آ ہی جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ تم یہاں
کیوں آئی تھیں؟“

”بلیک کیٹ ڈی۔“ اُس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے
مسکرا کر کہا۔ ”وہ رات کو نو بجے اپنے نصب کیے ہوئے سسٹم
پر مجھ سے رابطہ قائم کرے گا اس لیے میں نے اپنا کام مکمل کر لیا
ہے۔ اُسے صرف تین دن کے نوٹس پر اس کا مطلوبہ سامان فراہم
کیا جا سکتا ہے۔“

”تین دن؟“ میں نے حیرت سے دُہرایا۔ ”تو کیا اُس کا
مطلوبہ اسلحہ ائیر لفٹ کیا جائے گا؟“

"ایک خلیجی ریاست میں اسلحے کا ایک بہت بڑا انفراسٹاک موجود ہے۔ اس میں سے بلیک کیٹ ٹی کی ساری ضروریات با آسانی پوری کی جا سکتی ہیں۔"

"اور دام کیا ہوں گے؟" میرے لیے شی اور ویرا کی وہ سرگرمیاں خاصی حیران کن تھیں۔

"آج کل بازار مندا ہے۔ ایران عراق جنگ بند ہو چکی ہے۔ نکاراگوا، سری لنکا، افغانستان، جنوبی افریقہ، سارے ہی محاذوں پر سناٹا ہے اس لیے جو دام مل جائیں وہ غنیمت ہیں۔ میری کوشش تو یہ ہوگی کہ بلیک کیٹ ٹی سے زیادہ سے زیادہ دام وصول کر سکوں۔"

"اسلحے کی عالمی منڈی کے ان حالات سے تو وہ بھی واقف ہوگا۔ وہ اتنی آسانی کے ساتھ تمھیں زیادہ قیمت نہیں دے گا،" میں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

ویرا مسکرا دی۔ "یہ اونچ نیچ ہی تو سودے بازی کہلاتی ہے۔ جہاں بات ختم ہوگی، وہیں سودا ہو جائے گا۔ اس معاملے میں کلیدی نکتہ یہ ہے کہ اسے جو کچھ درکار ہے وہ امریکی حکومت یا پھر چور بازار میں صرف شی ہی فراہم کر سکتی ہے۔ اسٹنگر میزائیل اور خاص قسم کی آٹومیٹک رائفلیں اسے کسی دوسرے ذریعے سے نہیں مل سکیں گی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ شی امریکی حکومت کا ہی ایک غیر سرکاری رُخ ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ "وہ جو کچھ سرکاری سطح پر، بدنامی کے خوف سے کسی کو نہیں دے سکتے، وہ شی کے ذریعے فراہم کر دیتے ہیں۔ اس طرح اُن کا نام منظرِ عام پر آئے بغیر مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں۔"

"تم کافی دنوں سے شی کو امریکی حکومت کی پروردہ، زیرِ زمیں تنظیم ثابت کرنے پر تُلے ہوئے ہو جو افیم پیدا کرنے والے ایشیائی ملکوں میں ہیروئن کے فروغ کا خون ریز مشن چلا رہی ہے اور اسی کے ساتھ غیر قانونی مزاحمتی تحریکوں اور تنظیموں کو اسلحے کی امداد فراہم کر رہی ہے۔ یہ سب تمھارے اپنے قیاسات ہیں۔ میں تو شی کے بارے میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ یہ تنظیم جمی لائیڈ کے اشاروں پر چلتی ہے۔ اس کے تمام تر مفادات اور اقدام اسی ایک شخص کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں۔ شی کے فیصلوں کا سیاسی مفادات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"

"یہ تمھارے قیاسات ہیں،" میں نے [illegible] کے لہجے میں ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "جذباتی سوچ انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ اگر تم غیر جانبدار ہو کر شی کی سرگرمیوں اور حکمتِ عملی پر غور کرو تو تم خود محسوس کر لوگی کہ میرے سارے الزامات درست ہیں۔ امریکی حکومت ایک منظم منصوبے کے تحت شی کو ایک متوازی سیاسی قوت کے طور پر پروان چڑھا رہی ہے جو ساری بین الاقوامی پابندیوں سے آزاد ہو کر امریکی حکومت کے مفادات کی نگران ہو سکتی ہے۔"

"تمھاری یہ سوچ سراسر تعصب اور تنگ نظری پر مبنی [illegible]" وہ اُکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "امریکی حکومت کے پاس اپنے [illegible] دائرہ کار میں رہتے ہوئے سی آئی اے کی ایسی متحرک، منظم اور [illegible] قوت موجود ہے کہ اُسے اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے کسی [illegible] اور تنظیم کی ضرورت نہیں۔۔۔"

میں نے اُس کی بات وہیں کاٹ دی۔ "اپنی ہٹ دھرمی [illegible] باوجود تم خود ہی میرے سوال کا جواب دے رہی ہو۔ امریکن [illegible] اے جو کچھ بھی ہے امریکی آئین اور قانون کے دائرۂ کار میں ہے لیکن اگر کہیں قانون اور آئین سے ماورا کسی کارروائی کی ضرورت پیش آجائے تو امریکی حکومت کہاں جائے گی؟"

"پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ امریکی حکومت کو اپنے آئین اور قانون سے ماورا کسی کارروائی کی ضرورت کیوں پیش آئے گی" وہ ایک بار پھر مجھ سے اُلجھنے کے موڈ میں نظر آنے لگی۔ "ایک [illegible] بڑی جمہوریت اور سُپر پاور کو خود کو اتنا گرانے کی کیا ضرورت ہے کہ مجرموں کی پشت پناہی کرنی پڑے؟"

"یہی اس سارے مسئلے کا نچوڑ ہے،" میں نے پُرزور [illegible] میں کہا۔ "اسرائیل آج کے دَور کی سب سے بڑی غنڈا مملکت [illegible] اُن کے عزائم بھی واضح اور روشن ہیں۔ اس لیے انھیں اپنے مقا[illegible] کے حصول کے لیے کسی غیر آئینی اور غیر قانونی آڑ کی ضرورت نہیں [illegible] وہ جب اور جہاں چاہتے ہیں، اپنی برّی اور فضائی قوت سے [illegible] کر گزرتے ہیں۔ وہ بُرے یا بھلے جو کچھ بھی ہیں، صرف اپنے [illegible] ہیں کیونکہ وہ ایک علاقائی طاقت ہیں لیکن جب کوئی ملک [illegible] عالمی قوت ہونے کا دعوے دار ہوتا ہے اور چودھراہٹ [illegible] تُل جاتا ہے تو اُسے اپنے فیصلے نافذ کرنے کے لیے قانونی [illegible] قوتوں کے ساتھ ہی زیرِ زمیں قوتوں پر بھی انحصار کرنا پڑتا [illegible] اپنی عالمی ساکھ برقرار رکھنے کے لیے بعض اوقات سپر پاور [illegible] کو بعض مقامات پر ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں لیکن وہ حقیقتاً [illegible] مطالبوں سے دست بردار نہیں ہوتے۔ ایسے مواقع پر اُن [illegible] زیرِ زمیں حلیف حرکت میں آجاتے ہیں اور پوری صورتِ [illegible] کو اتنی تیزی کے ساتھ بدل لیتے ہیں کہ سپر پاور کے حریفوں [illegible] اُن کی ہی بتائی ہوئی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑتا [illegible] ایسے مواقع پر سپر پاور زبظاہر امن، صلح اور قانون کی سربلندی کا راگ الاپتی رہتی ہیں لیکن پسِ پردہ اپنی کٹھ پُتلیوں [illegible]

خون ریزی، تخریب کاری اور دہشت گردی کے کام لے کر اپنے حریفوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اِس بارے میں لیبیا دورِ جدید کی سب سے واضح مثال ہے۔ جب لیبیا کے معمر قذافی کو سرنگوں کرانے کی ساری زیرِ زمیں ترکیبیں ناکام ہوگئیں تو امریکا نے بلبلا کر اپنی فضائیہ کی مدد سے قذافی کے محل پر خوف ناک بمباری کرا ڈالی۔ آج کی مہذب اور سکڑی ہوئی دنیا میں ایسے حربوں کا کیا جواز ہے؟ یہ تو صریحاً ایک غیر قانونی قاتلانہ حملہ تھا لیکن کسی نے امریکا کا کیا بگاڑ لیا؟ اصل بات یہ ہے کہ بین الاقوامی قانون کا ماخذ اور منبع یہی سپر طاقتیں بن کر رہ گئی ہیں۔ وہ جو کچھ کرلیں، وہی قانون کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ تنبیہ اور تادیب چھوٹی قوموں کا مقدر بن کر رہ گئی ہے۔ نیپال شی کی سرپرستی کی جراُت نہیں کر سکتا لیکن امریکا کے اَن لکھے قانون میں کہیں نہ کہیں جمی لائیڈ جیسے بھیڑیے کی پرورش کا جواز ضرور موجود ہوگا۔ ۔ ۔"

"میری بات کا بُرا نہ منانا۔" ویرا نے میری بات کاٹتے ہوئے ملائمت سے کہا۔ "تم، تیسری دنیا کے لوگ بہت چھچھورے اور جذباتی ہوتے ہو۔ اِس مرض سے تمھارے دانشور بھی محفوظ نہیں ہیں۔ تمھارے لیے جو بات بھی ذرا سی ناقابلِ فہم یا پیچیدہ ہو، اُسے براہِ راست سپر پاورز کے کھاتے میں ڈال دیتے ہو۔ بڑی طاقتوں کے خلاف تم لوگوں کا احساسِ کمتری اس قدر گہرا اور شدید ہے کہ جو شاعر اور ادیب اِن عالمی طاقتوں کو گالیاں دینے لگتا ہے اُسے راتوں رات قومی ادیب اور شاعر کے منصب پر فائز کر دیتے ہو لیکن یہ سب عالمی سیاست اور بین الاقوامی تعلقات کے شاخسانے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ شی کے بارے میں تمھارے بعض اندازے درست ہوں لیکن مَیں یہ نہیں مان سکتی کہ شی امریکی حکومت کی مرضی سے، اُسی کے اشارے پر وجود میں آئی ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ شی اپنی حکمتِ عملی کی وجہ سے نادانستگی میں بعض امریکی مفادات کی تکمیل کرتی ہو لیکن امریکا جیسے جمہوری ملک میں کوئی حکومت شی جیسی مجرمانہ تنظیم کی سرپرستی کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ ایسے معاملات میں وہاں کی رائے عامہ بہت حساس ہے۔ جس دن یہ انکشاف ہوا کہ اُن کی عظیم جمہوری روایات کی پاسداری میں شی جیسی قانون شکن تنظیم کا بھی کوئی کردار ہے تو اُسی دن وہاں ایسا بھیانک اسکینڈل کھڑا ہوگا جو نہ صرف پوری حکومت کو اپنے ساتھ بہا لے جائے گا بلکہ کئی لوگوں کو بُرقی کرسی تک کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ۔ ۔"

مَیں تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "امریکی قوم بہت چالاک اور خود غرض ہے۔ اُن کی سی آئی اے دنیا کے متعدد ممالک میں سیاسی دہشت گردی، سربراہانِ مملکت کے قتل اور مقبول حکومتوں کا تختہ اُلٹنے کی شرمناک کارروائیوں میں ملوث رہی ہے لیکن آج تک کسی امریکی شہری نے سی آئی اے کے وجود اور کردار پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ دراصل آزاد خیال قوم میں خود غرضی کا عنصر اِس قدر راسخ ہے کہ وہ ہر قول اور فعل کو اپنے ذاتی مفاد کی ترازو میں تولتے ہیں۔ حکومت کے کسی اقدام سے اُن کی شخصی آزادی میں خلل واقع ہو رہا ہو تو وہ واٹر گیٹ جیسے ہزاروں اسکینڈل کھڑے کر کے اپنے حکمرانوں کو آناً فاناً معزول کر کے گھر واپس بھیج دیتے ہیں لیکن اُن کے حکمراں اُن کی آزادیوں پر کوئی قدغن عائد کیے بغیر اگر پوری دنیا میں بدترین قانونی اور اخلاقی جرائم کا ارتکاب بھی کرتے رہیں تو امریکی معاشرہ اُن سے کوئی باز پرس نہیں کرے گا۔ اپنے عوام کی اسی گندی اور خود غرضانہ نفسیات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے امریکی حکمرانوں نے سی آئی اے اور شی جیسے بھیانک ادارے تخلیق کیے ہیں جو اپنی جگہ حکومت در حکومت کا آزاد اور خود مختار درجہ رکھتے ہیں۔ یہ ادارے مجسمۂ آزادی کے سائے میں دنیا بھر میں سیاسی اور معاشی آزادیوں کا گلا گھونٹنے میں مصروف رہتے ہیں لیکن کسی کی مجال نہیں جو اِن سے ذرا بھی باز پرس کر سکے۔ امریکی حکومت کی دی ہوئی پالیسیوں سے انحراف کرنے والے جانتے ہیں کہ اگر انھوں نے اِن دوستانہ مشوروں کو بے رخی سے ٹھکرا دیا تو اُن کے نیست و نابود ہونے تک سنگدل اور سفاک قاتل ہر لمحے اُن کا پیچھا کریں گے اور اپنے بے رحمانہ فیصلوں سے انھیں عبرت کی ایسی مثال بنا دیں گے کہ اُن کی آنے والی نسلوں میں بھی کوئی اِن دیدہ دلیروں سے تصادم مول لینے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ اِس لیے تم یہ خیال تو چھوڑ دو کہ شی کی سرپرستی کرنے کی وجہ سے امریکی حکومت کو کوئی خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ امریکیوں کو تو یہ جان کر بے حد خوشی ہوگی کہ اُن کے حکمراں اُن کے بچوں کو ہیروئن کی لعنت سے محفوظ رکھنے کے لیے ایشیائی بچوں میں اس شوق کو مقبول بنانے کی کوششیں کر رہے ہیں تاکہ ایشیا میں پیدا ہونے والی افیم کا سارا جوہر وہیں کھپ جائے۔ جب مقامی

مانگ سے فاضل پیداوار نہ ہوگی تو امریکی اور مغربی معاشرے خود بخود ہیروئن کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں گے۔"

ویرا کے ہونٹوں پر پھیکی اور بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم اندر سے اتنے سیدھے اور سادے نہیں ہو جتنا اوپر سے نظر آتے ہو۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں کہ عالمی سیاسی اور معاشی مسائل کے بارے میں تمہاری سوجھ بوجھ مجھ سے بہت زیادہ ہے۔ شی کے بارے میں تمہارے قیاسات درست ہو سکتے ہیں مگر میں پوری ایمان داری کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتی ہوں کہ مجھے شی کے بارے سیاسی پس منظر کا کوئی علم نہیں ہے۔ میں شی کو اپنے باپ کی جاگیر تصور کرتی ہوں۔ میری دانست میں وہی شی کا مطلق العنان سربراہ ہے اور شی کی ہر کارروائی سے براہ راست اسی کو سارا فیض حاصل ہوتا ہے۔ اگر اس کی امریکی حکومت یا کسی اور سے کوئی ساجھے داری ہے تو میں اس سے لاعلم ہوں۔"

"گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "تمہارا یہی اعتراف اس ساری بحث کا نچوڑ ہے۔ پیدائش کے اعتبار سے تم انگریز ہو۔ تمہاری پرورش مغربی یورپ بلکہ اٹلی میں ہوئی۔ تمہارے اعصاب پر ابتدا ہی سے صرف ایک خبط سوار رہا کہ تم اپنے باپ تک رسائی حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ تمہیں اس بات سے کبھی کوئی غرض نہیں رہی کہ وہ کس کے لیے کام کر رہا ہے اور اس کے کیا مقاصد ہیں۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں کسی کے لیے بھی کام کر سکتا ہوں مگر مجھے یہ علم ضرور ہونا چاہیے کہ میری تمام کارروائیوں سے فائدہ کس کو حاصل ہو رہا ہے؟ میں جرائم ضرور کرتا ہوں لیکن ان کے مقاصد سے آگاہ ہوئے بغیر میں کسی کا آلۂ کار نہیں بن سکتا یہی میری کمزوری یا مجبوری ہے۔"

"شی کی اصلیت سے قطع نظر اس وقت ہم بلیک کیٹس کے معاملے میں کہاں ہیں؟ اس سے رات کو بات ہونی ہے۔ میں اپنے وسائل اور ذرائع کے بارے میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ اب ہمیں اس کے ساتھ کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے؟ میں اسی مسئلے پر بات کرنے کے لیے یہاں آئی تھی اور تم نے مجھے دوسری باتوں میں الجھا لیا۔"

"بات کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم تو پورا پروگرام لے کر آئی ہو۔ رات کو اس سے دام طے کرو اور تین دن میں ڈلیوری دے کر رقم وصول کر لو۔"

"پہلے اس کے مشن سے رجوع کرنا ہوگا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "میں بلیک کیٹس پر آنکھیں بند کر کے بھروسا نہیں کر سکتی۔ اگر مال پہنچ جانے پر وہ غائب ہوگیا تو میں اسلحے کی اتنی بڑی کھیپ کو کہاں لے جاؤں گی۔ شی کے تمام محفوظ اڈے تم پہلے ہی تباہ کر چکے ہو۔"

"پھر تو تمہیں کرنل مہیش پال سے پہلے ہی بات کر لینی چاہیے۔" میں نے رائے دی۔

"میرے لیے اس کا نام اجنبی ہے۔ مجھے کل صبح تک اس کے بارے میں رپورٹ ملے گی کہ وہ شی کے لیے کس حد تک قابل اعتماد ہے۔ اس کے بعد ہی اس سے بات کر سکوں گی۔"

اسی لمحے جہانگیر نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے دماغ پوری طرح سنبھال نہیں ہوئے تھے لیکن پھر بھی اس کے بشرے پر خفت کے آثار نمایاں نظر آرہے تھے۔ مجھ سے نظریں چار کیے بغیر وہ صوفے سے اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا غسل خانے کی طرف چل دیا۔ ہم دونوں میں سے کسی نے اسے روکنے یا ٹوکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس وقت جہانگیر کا بہترین علاج یہی تھا کہ وہ کچھ دیر تک ٹھنڈے پانی کے شاور میں کھڑا ہو کر غسل کرتا۔

"اسے مال کہاں دیا جائے گا؟" توقف کے بعد میں نے بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ بھی ایک اہم نکتہ ہے۔ اسے اندرون سندھ ڈلیوری نہیں دی جا سکے گی۔ لانچ سے مال کیٹی بندر پر اتار دیا جائے گا۔ اسے وہیں ڈلیوری لینا ہوگی۔" وہ بولی۔ "اور غزالہ کو بھی وہیں ساتھ لانا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ وہ مال وصول ہونے سے پہلے غزالہ کو ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔"

"کرنل مہیش پال سے رابطہ ہو جانے کے بعد اسے بھی تم پر اعتماد کرنا چاہیے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "جب تم اتنے بڑے سودے کے معاملے میں اس پر اعتبار کر دو گی تو اسے بھی غزالہ کے معاملے میں فراخدلی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔"

"میں کوشش ضرور کروں گی لیکن امید نہیں ہے کہ وہ میری بات مان لے۔ رات کو تم خود بھی میرے ساتھ ہی موجود رہو گے۔ مجھ سے بات نہ بن سکی تو تم خود کوشش کر لینا۔"

میں نے کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ غزالہ کی بازیابی کے لیے بلیک کیٹس کو اسلحہ فراہم کیے جانے کی بات ابتدا ہی سے میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ اس گندی بلیک میلنگ کے بجائے اگر زر تاوان ادا کرنے کی بات ہوتی تو وہ اتنی زیادہ ذلت آمیز محسوس نہ ہوتی لیکن میں ویرا سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس قیمت پر غزالہ کی آزادی مجھے منظور نہیں تھی۔ میرے بس میں جو کچھ تھا وہ میں کر گزرا تھا۔ مجھے امید تھی کہ سلطان شاہ اسلام آباد سے کرنل مہیش پال کو اغوا کرنے میں کامیاب ہو جائے گا مگر میں نے ویرا کو پتے اس اقدام کی ہوا تک بھی نہ لگنے دی تھی۔

جانو ماچھی اور غزالہ کی تلاش کے سلسلے میں سینڈو اور فرمان خان کی کوشش اپنی جگہ پر تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ مجھے ان دونوں سے کوئی بڑی اُمید نہیں تھی۔ میرے کھیل کا سارا دارومدار سلطان شاد کی کامیابی پر تھا۔ جانو ماچھی بلیک کیٹ ٹی کا پروردہ تھا اور بلیک کیٹ ٹی کرنل کا نمک خوار تھا۔ ایک بار وہ میرے قبضے میں آجاتا تو میں نہ صرف غزالہ کو باعزت طور پر اُن لوگوں کے چُنگل سے نکال سکتا تھا بلکہ اسلام آباد سے کرنل کی غیر حاضری کی وجہ سے ویرا کا اسلحے کا سودا بھی خراب ہوسکتا تھا۔

جس طرح ہیروئن لوگوں کے لیے مہلک تھی اسی طرح باہر سے اسمگل کیا جانے والا غیر قانونی اور مہلک اسلحہ بھی بہت بڑی بربادی کا سبب بن سکتا تھا۔ ویرا سے دوستی ہوجانے کے بعد میں کھل کر اُس کی سرگرمیوں کی مخالفت نہیں کرسکتا تھا لیکن پسِ پردہ رہ کر اس کی تخریب کاریوں کا سدِباب کرنے میں میرے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ اُس کا وہ سودا روک کر میں ایک بڑی کامیابی حاصل کرسکتا تھا۔

اگر جانو ماچھی اور غزالہ کا وہ چکر نہ چل پڑا ہوتا تو میں شی اور مافیا کو ایک دوسرے سے لڑا کر اُن کی قوت تباہ کرانے کا مصمم ارادہ کرچکا تھا۔ اس معاملے کی پہلی کڑی اُسی رات سے شروع ہوسکتی تھی کیونکہ سیٹھ حبیب جیوانی کی روپوشی کے بعد سینڈو اُس رات کورنگی کریک کے علاقے میں ہیروئن کی پہلی کھیپ وصول کرنے والا تھا۔ اگر میں ویرا کو اشارہ بھی کردیتا تو وہ سینڈو پر وار کرکے اس سے مال چھین سکتی تھی مگر میں اس مرحلے پر وہ نیا محاذ کھولنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس وقت میری پہلی ترجیح غزالہ کی آزادی بن چکی تھی۔

ویرا میرے پاس ٹھہرنا چاہتی تھی تاکہ مقررہ وقت پر مجھے اپنے ساتھ لے کر گھر جاسکے مگر میرے لیے اس کی موجودگی مناسب نہیں تھی۔ اس لیے میں نے رات کو بلیک کیٹ ٹی سے ہونے والے مذاکرات کا تفصیلی خاکہ طے کرنے کے بعد ویرا کو خوش اسلوبی کے ساتھ روانہ کردیا۔

ویرا کے جانے کے بعد میں نے ٹریڈ لائن کے دفتر فون کیا تو سینڈو وہاں موجود نہیں تھا۔ فرمان خان کے گھر پر اس کی بیوی نے میری کال ریسیو کی تھی۔ اس کی زندگی سے بھرپور اور شوخ آواز سن کر ہی اندازہ ہوگیا کہ اس کی اور فرمان خان کی عمر میں خاصا نمایاں فرق تھا۔

"فرمان ابھی ابھی باہر نکلے ہیں۔ آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟" میرے استفسار پر وہ بولی تھی۔

"میرا نام عبدالسلام ہے۔ مجھے فرمان سے ضروری بات کرنا تھی۔" میں نے کہا۔

"کوئی بہت ضروری بات ہے؟" اُس کا لہجہ تجسس آمیز ہوگیا تھا۔

"ہاں! دراصل مجھے چار بجے اُس سے بات کرنا تھی لیکن کسی مصروفیت کی وجہ سے تاخیر ہوگئی۔" میں نے یہ سوچ کر وقت کا حوالہ دے ڈالا تاکہ فرمان خان پیغام ملنے پر یہ سمجھ لے کہ وہ میری کال تھی۔

"اوہ تو وہ تمھاری ہی کال کا انتظار کررہے تھے۔" اس کی تحیر زدہ آواز ابھری۔ میرے لیے چونکنے والی بات یہ تھی کہ وہ اچانک ہی آپ سے تم پر آگئی تھی۔

"کیا اُس نے اس بارے میں تمھیں کچھ بتایا تھا؟" میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"بتا دیتے تو مجھے اندازہ نہ لگانا پڑتا۔ وہ پونے چار بجے آئے تھے اور ساڑھے چار بجے تک بہت بے چینی اور وحشت کے عالم میں فون کے آس پاس ہی منڈلاتے رہے۔ انھوں نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ تم سے خوف زدہ بھی تھے۔ مجھے سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور فرمان سے کیا چاہتے ہو؟"

"تم ذہین ضرور ہو لیکن ذہانت میں اتنی لمبی چھلانگیں مناسب نہیں ہوتیں۔ فرمان کو جب یہ معلوم ہوگا کہ تم نے مجھ سے ایسی بے تکی گفتگو کی ہے تو وہ تم پر بہت ناراض ہوگا۔"

"میں فرمان کی ناراضی کی پروا نہیں کرتی۔ اُنھیں منانا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔" اُس کا لہجہ بہت مضبوط اور پُراعتماد تھا۔ "دوستوں کی فون کال کا اس قدر بے چینی کے ساتھ انتظار نہیں کیا جاتا۔ میں نے انھیں بہت غور سے دیکھا تھا۔ اس وقت فرمان پسینے میں نہائے جا رہے تھے اور اُن پر سانس کا دورہ بھی پڑا ہوا تھا۔ اُن کی کیفیت انتظار کی نہیں تھی بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی ظالم اور سفاک آدمی نے اس مقررہ وقت پر فون پر اُن کی ڈیوٹی لگائی ہو۔ اور اگر تم اُن کے دوست ہی ہو تو اُن کے پاس تمھارا فون نمبر ہونا چاہیے تھا۔ تمھاری کال نہیں آئی تھی تو وہ تم کو فون کرسکتے تھے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"فرمان آئے تو اُسی سے پوچھ لینا۔" میں نے سرد اور خشک لہجے میں کہا۔ "وہ تمھیں زیادہ بہتر طریقے پر سمجھا دے گا کہ میں کون ہوں اور اُس سے کیا چاہتا ہوں۔"

"تم میرے سوال کا جواب نہیں دوگے تو میں انھیں پتا بھی نہیں چلنے دوں گی کہ تمھاری کوئی فون کال آئی تھی، یہی نہیں بلکہ

میں اُن کے فون ریسیو کرنے پر پابندی لگا دوں گی۔ تم جب بھی فون کرو گے، تمھیں مجھ ہی سے بات کرنا پڑے گی مجھے جب تک میرے سوالوں کے جواب نہیں ملیں گے۔ اس نمبر پر تم فرمان سے بات نہیں کر سکو گے۔"

"اپنی ضد سے تم فرمان کو کوئی بڑا نقصان پہنچا بیٹھو گی۔" میں نے کہا۔ اس وقت میری مشکل یہ ہو گئی تھی کہ میں بات ادھوری چھوڑ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیتا تو وہ عورت بات کا بتنگڑ بنا سکتی تھی۔ وہ عمر میں فرمان خان سے خاصی چھوٹی رہی ہو گی لیکن اپنی گفتگو سے خاصی ہوشیار اور تجربے کار معلوم ہو رہی تھی۔

"دیکھا! اب آ گئے نا اپنی اصلیت پر۔" میری بات مکمل ہوتے ہی اُس کی پُرجوش آواز اُبھری تھی۔ "دوست ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی دھمکیاں نہیں دیتے۔ تم یہ بھول رہے ہو کہ میرا شوہر ایک ریٹائرڈ پولیس افسر ہے اور آج بھی کنٹریکٹ پر اپنے محکمے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اُسے دھمکی دے کر تم سکھ سے نہیں رہ سکو گے۔ ۔ ۔"

"تم بلاوجہ بھڑک رہی ہو۔" میں نے سخت لہجے میں اُس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ فرمان نے دوسری شادی کر کے ایک جھکی اور شکی عورت کو اپنے گلے کا ہار بنا لیا ہے۔ نقصان جسمانی نہیں، کاروباری بھی ہوتا ہے۔ میری اُس سے بات نہ ہوئی تو اُسے بھاری خسارہ اُٹھانا پڑے گا۔"

"ذرا مجھے بھی تو معلوم ہو کہ وہ تمھارے ساتھ کون سا کاروبار کر رہا ہے؟"

اُس نے خود ہی میرے ساتھ تلخ کلامی کی ابتدا کی تھی اس لیے مجھے بھی اس پر گرم ہونے کا حق حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے اس بحث کو وہیں ختم کرنے کے لیے کہا۔ "فرمان تمھارا شوہر ہے، تمھاری جرح کا جواب وہی دے سکتا ہے۔ میں نہ تمھارا شوہر ہوں اور نہ دوست۔ اس لیے مجھے معاف رکھو۔" میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"یہ تم کس سے لڑ رہے تھے؟" پشت سے آنے والی جہانگیر کی بھرائی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے سر گھمایا تو وہ صرف پتلون پہنے تولیے سے اپنے سر کے بال خشک کر رہا تھا۔

"اب تو تم خاصے ہوش میں نظر آ رہے ہو۔" میں نے تیز نظروں سے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"آہستہ بولو! وہ کہاں گئی؟" اُس نے جھینپتے ہوئے انداز میں مجھ سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"وہ چلی گئی۔ موجود ہوتی تو تمھارا نشہ ابھی بھی نہ اُترتا۔ اُسے پہچانتے ہی تم دہشت زدہ کیوں ہو گئے تھے؟"

"دہشت زدہ نہیں ہوا تھا۔ بس ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ تم خود سوچو کہ جو عورت سر سے پیر تک نقاب میں چھپ کر ہم پر برسوں حکمرانی کرتی رہی، وہ اچانک ہی یوں بے حجاب سامنے آ گئی۔ مجھے تو اُسے دیکھتے ہی شبہ ہوا تھا لیکن جب تک اُس نے خود اعتراف نہیں کیا، مجھے یقین نہیں آ سکا تھا کہ وہی ویرا لائیڈ ہو گی۔"

"تم نے اُس کے سامنے بزدلی بلکہ نامردی کا مظاہرہ کیا ہے۔" میں نے غصّے سے کہا۔ "اور اُس کی شہ پر مجھ سے کیوں اُلجھ بیٹھے تھے؟ معلوم ہو رہا تھا کہ تم نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی گوری چمڑی والی عورت ہی نہیں دیکھی ہے۔"

"میں تم سے دست بستہ معافی چاہتا ہوں۔" اس نے ندامت کے ساتھ میرے سامنے واقعی ہاتھ جوڑ دیے۔ "وہ بہت بدمعاش عورت ہے۔ مجھے ذرا سی چڑھ گئی تھی اور وہ میری تفریح لینے پر تُل گئی۔ تم یقین کرو کہ وہ بار بار اشاروں کنایوں سے مجھے اُکسائے جا رہی تھی۔ میری غلطی صرف اتنی تھی کہ میں اضطراری کیفیت میں تیزی سے پیتا چلا گیا تھا۔ دوسری بار اُس سے سامنا ہو گا تو تم دیکھ لینا کہ میں اپنی آج کی حرکتوں کا ازالہ کر دوں گا۔"

"بس اب کسی ازالے کی ضرورت نہیں۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔ "تم اُس سے خوف زدہ تھے اور اب بھی تم ذہنی طور پر اُس سے مرعوب ہو۔ ازالہ کرنے کے چکر میں پھر کوئی نادر الوجود حماقت کر بیٹھو گے۔"

"میں تو یہی نہیں سمجھ پا رہا کہ اب میری کیا حیثیت ہے۔" وہ اُلجھے ہوئے انداز میں بولا۔ "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سٹی کی طرف سے عرصۂ دراز سے کوئی کام نہیں لیا گیا لیکن یہ بھی حقیقت ہی ہے کہ مجھے آج تک سٹی سے خارج نہیں کیا گیا ہے۔ اگر کسی مرحلے پر ویرا مجھے کوئی حکم دے بیٹھی تو میں کیا کروں گا؟"

"اُسے معلوم ہے کہ میری وجہ سے تم اُس کی گرفت سے نکل چکے ہو۔ اگر وہ اسی قدر حاوی رہنا چاہتی تو مجھے مارنے کے لیے خود تمھارے گھر پر دھاوا نہ بولتی بلکہ فون پر تمھیں حکم دیتی کہ مجھے تلاش کر کے بے دست و پا کر دو اور اُس کے سامنے پیش کر دو۔ وہ تمھیں کوئی ہدایت دینے کی حماقت نہیں کرے گی۔"

"آئندہ تمھیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔" اُس نے اپنے دونوں کان پکڑ کر کہا اور مسکراتا ہوا دوبارہ غسل خانے کی طرف چلا گیا۔

پونے نو بجے ہی میں نے دونوں سسٹم آن کر دیے تھے تاکہ مقررہ وقت پر بلیک کیٹ ٹی سے دو طرفہ مذاکرات ہو سکیں۔ ویرا

کے ساتھ میری موجودگی کا راز اُس پر پہلے ہی منکشف ہو چکا تھا اس لیے ویرا نے مجھے کھلی چھوٹ دے دی تھی کہ مَیں جب چاہوں، گفتگو میں دخل انداز ہو کر معاملات کو اپنی مرضی پر چلا سکوں۔

ٹھیک نو بجے کمرے میں بلیک کیٹ ٹی کی آواز گونجی تھی۔ "شام بخیر! مَیں کسی اچھی خبر کی اُمید لیے، حسبِ وعدہ، مقررہ وقت پر حاضر ہوں۔"

"اچھی خبر کہیں سے طلوع نہیں ہوتی۔ اسے بنانے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔" ویرا نے گفتگو کی ابتدا میں ہی اپنی بالادستی قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔

"مَیں اپنے حصّے کی محنت کرنے کے لیے تیار ہوں، تم کو اپنا کام کرنا ہو گا۔"

"اس سودے میں غزالہ کی باعزت آزادی کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ تم نے اس بارے میں ابھی تک کوئی ذکر نہیں چھیڑا۔ تمھارا خیال تھا کہ تم اس وقت غزالہ سے ہماری بات بھی کرا سکو گے۔"

"وہ میرا خیال تھا جو اس وقت حقیقت نہیں بن سکا لیکن یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ غزالہ کراچی میں جانو ماچھی کے آدمیوں کی حفاظت میں ہے اور کسی بھی وقت میری تحویل میں آسکتی ہے۔"

"اتنے یقین کے باوجود اگر تم اسے اپنی تحویل میں لینے سے قاصر ہو تو پھر آگے کیا کر سکو گے؟ جو لوگ ڈھیلی ڈھالی باتوں سے کام چلانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ عموماً قابلِ اعتماد نہیں ہوتے۔"

"تم خود ایک زیرِ زمین تنظیم کی ذمّے دار رکن ہو، تم اپنے گنے چُنے ماتحتوں سے ہی رابطہ رکھتی ہو گی۔ یہ نہیں کہ ہر للّو پنجو کے ساتھ مغز زنی کرتی رہتی ہو۔"

"میرا اپنا ایک طریقۂ کار ہے۔ تمھیں اس کے بارے میں تجسّس میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"مجھے کوئی تجسّس نہیں ہے۔ مَیں تمھیں اپنی پوزیشن سمجھانا چاہ رہا تھا۔ جانو ماچھی براہِ راست مجھے جواب دہ ہے اور میرے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا لیکن اس کے آدمیوں کے لیے مَیں محض ایک اجنبی ہوں۔ وہ میرے کسی مطالبے یا اتھارٹی کو تسلیم نہیں کریں گے۔ جانو ماچھی سے رابطہ قائم ہونے کے بعد ہی مَیں اپنا مقصد حاصل کر سکوں گا۔"

"اور اس وقت تک جانو کے آدمی غزالہ کو لے کر دادو کے گھنے اور خطرناک جنگلات میں روپوش ہو چکے ہوں گے۔" ویرا کا لہجہ قدرے تلخ ہو گیا۔ "اگر معاملات اسی طرح طے پانے تھے تو غزالہ کے بارے میں کل تم نے اتنا بڑا دعویٰ کیسے کر ڈالا تھا۔ کیا تمھیں کل اپنی مجبوریوں کا اندازہ نہیں تھا؟"

جواب میں بلیک کیٹ ٹی کا لہجہ بھی خوشگوار نہیں تھا۔ "کل میرا خیال تھا کہ شاید جانو ماچھی بھی کراچی میں کہیں چھپا ہوا ہو گا مگر وہ حوالات سے فرار ہوتے ہی آگے نکلتا چلا گیا۔ مجھے کراچی میں اُس کے ٹھکانے معلوم ہیں۔ اُس کے آدمی ان ہی میں سے ایک کمین گاہ میں چھپے ہوئے ہیں۔ میرے اپنے ذرائع میں حسن کی مدد سے مَیں نے انھیں خوف زدہ کر دیا ہے اور وہ میری مرضی کے بغیر وہاں سے فرار ہونے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔ اس اثنا میں جانو ماچھی سے میرا رابطہ قائم ہو جائے گا اور لڑکی آسانی کے ساتھ میری تحویل میں آجائے گی۔"

"تو پھر ہم اپنے مذاکرات کو اس وقت تک کے لیے ملتوی کیے دیتے ہیں۔" ویرا مجھے آنکھ مارتے ہوئے بولی۔

"مَیں اس وقت تم سے سودا نہیں کر رہا۔" اُس کا لہجہ مضطربانہ ہو گیا۔ "مجھے یہ جاننے کا حق تو حاصل ہے کہ اگر مَیں نے تمھاری عائد کی ہوئی شرط پوری کر دی تو مجھے میرا مطلوبہ مال مل سکے گا؟"

"شرط نہیں، شرائط کہو۔" ویرا نے فوراً ہی اس کی تصحیح کر ڈالی۔ "اگر تم غزالہ سے ہماری بات کرا کر اُسے بحفاظت ہماری تحویل میں پہنچانے کا یقین دلا سکتے تو اس دوران میں ہم کرنل میش پال سے تمھارے بارے میں ضمانت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ ضامن بن جاتا ہے تو مال تمھیں فروخت کر دیا جائے گا۔"

"گڈ! میرے لیے یہ ایک حوصلہ افزا خبر ہے۔" اس نے اپنا اطمینان چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ "یہ دونوں شرائط پوری ہو جائیں گی بلکہ کرنل سے تو تم کل صبح ہی تصدیق کر سکتی ہو۔"

"یہ کام کسی کو سونپا جا چکا ہے۔ کل شام تک مجھے رپورٹ مل جائے گی۔" ویرا نے اتنے اعتماد سے کہا کہ مَیں اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پاکستان میں واقعی کسی بہت بڑے گروہ کو چلانے میں مصروف ہو۔

"دام اور ڈلیوری کا کیا رہے گا؟" اُس نے اگلا سوال کیا۔

"فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔ دام اگلی گفتگو میں طے کر لیے جائیں گے۔ تم تو اس طرح بات کر رہے ہو جیسے ہمارے درمیان سب کچھ طے ہو چکا ہے۔"

"میرے لیے یہ سب جاننا ضروری ہے تاکہ مَیں پروگرام کو مدِّنظر رکھتے ہوئے آگے کی منصوبہ بندی کر سکوں۔ ہم لوگ کافی یا چاکلیٹ کا سودا نہیں کر رہے جو وصول ہوتے ہی بازار میں پھیلائی جا سکے۔"

"ڈلیوری کیٹی بندر پر دی جائے گی۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "داموں کا تعلق ڈلیوری کی مدت سے ہے۔ تم اس بارے میں حسّاس نظر آتے ہو۔"

"مجھے مال جلد از جلد چاہیے۔ ویسا تمھارا نارمل ڈلیوری ٹائم کتنا ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"ایک سے ڈیڑھ ماہ!" ویرا نے اطمینان سے کہا۔ "ارجنٹ ڈلیوری پر پریمیم دینا ہوگا۔ اس کے بارے میں مَیں فی الوقت کوئی اندازہ ظاہر نہیں کر سکتی۔"

"دونوں ہی معاملے ٹیڑھے ہیں۔" اُس کی آواز میں تشویش اُمڈ آئی۔ "مجھے تو دنوں میں مال چاہیے۔ تاخیر ہوئی تو میرا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ پورے معاملے میں اصل اہمیت بر وقت پہل کی ہے جو حریف پیش قدمی کرنے میں کامیاب ہو گیا وہی کامیاب رہے گا اور دوسرے کو تہس نہس کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ کیٹی بندر پر ڈلیوری کا معاملہ بھی ٹیڑھا ہے لیکن اُسے مَیں کسی نہ کسی طرح سنبھال لوں گا۔ تمھیں اصل پیکنگ والے چوبی کریٹوں کو گتّے کے مضبوط ڈبوں میں اس طرح پیک کرانا ہوگا کہ بادی النظر میں اس کھیپ پر کسی کو شبہ نہ ہو سکے۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے کرنل پال سے ضمانت حاصل ہو جانے دو۔ مَیں دیکھوں گی کہ شی تمھارے ساتھ کہاں تک تعاون کر سکتی ہے۔"

"مَیں جانتا ہوں کہ شی زیرِ زمین دنیا میں جوہر دکھانے کی صلاحیت رکھتی ہے اس لیے میں نے تم سے رجوع کیا ہے۔" اس کا لہجہ قدرے شاہانہ ہو گیا اور ویرا کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اگر ہماری ڈیل ہو گئی تو یہ کئی ملین ڈالر کا سودا ہوگا۔" ویرا نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "شی ایسی بڑے سودے عام طور پر حکومتوں کے ذمّے دار افراد سے کرتی ہے۔ تمھارے پاس اگر غزالہ کا سہارا اور کرنل پال کا حوالہ نہ ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ تمھاری درخواست براہِ راست مسترد کر دی جاتی۔"

"میری حکومت کی بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔" وہ رفتہ رفتہ ویرا کے ساتھ بے تکلّف ہوتا جا رہا تھا اسی وجہ سے مَیں نے مکمل طور پر خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔

"اس علاقے کے حساس سیاسی ماحول کی وجہ سے ہم افشائے راز کا ذرا سا بھی خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ اس لیے یہ مشن مجھے سونپا گیا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اس علاقے کے اَن پڑھ اور تعلیم یافتہ بے روزگار جو معاشی جبر سے مجبور ہو کر ڈاکو بنے ہوئے ہیں، انھوں نے ابتدا میں بڑی سنسنی محسوس کی۔ مفلسوں کو راتوں رات دولت کے انبار ملے تو انھوں نے عیش و عشرت کی نئی مثالیں قائم کیں۔ اُن کے خواب تھے کہ وہ یوں ہی شہزادوں کی طرح زندگی گزار لیں گے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُن کا نامۂ اعمال سیاہ تر ہوتا چلا گیا اور قانون کے رکھوالے اُن کے لہو کے پیاسے ہو گئے تو اب وہ گھروں کی پُرسکون زندگی کو ترستے ہیں۔ اُن کے پاس مال و دولت کے انبار ہیں لیکن وہ رات کے اندھیرے میں بھی بے فکری سے آبادیوں میں اپنے عزیزوں اور رشتے داروں سے ملنے نہیں جا سکتے۔ انھیں اپنے سایوں سے بھی خوف آتا ہے، قریب سے گزرنے والا ہر اجنبی اُن کو سرکاری مخبر نظر آتا ہے۔ سیاسی محاذ آرائی کے دباؤ کی وجہ سے حکومت نے پہاڑوں اور جنگلوں میں روپوش اُن ڈاکوؤں کی فوج کو معافی دینے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ حکومت برقرار رہی تو وہ یوں ہی ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کی طرح قانون سے لڑتے ہوئے ایک روز دردناک موت سے ہم آغوش ہو جائیں گے۔ معافی کے بغیر اُن کا مستقبل تاریک ہے اس لیے وہ ہم سے مل کر علاقے میں شورش کرنا چاہتے ہیں۔ موجودہ سیاسی نظام کو تباہ کر کے وہ اپنی قوت سے جن لوگوں کو برسرِ اقتدار لائیں گے وہ یقیناً اُنھیں عام معافی دے دیں گے اور یہ تمام دہشت گرد اور ڈاکو اپنے گھروں میں اپنی ماؤں، بہنوں، بیویوں اور اولادوں کے پاس لوٹ سکیں گے۔ اس وقت لوہا گرم ہے۔ ان سب کے حوصلے بلند ہیں۔ انھیں اسلحہ فراہم کر کے ہم بہت دُور رس نتائج حاصل کر سکتے ہیں جو عام حالات میں شاید اس صدی کے اختتام تک ہمارے خواب ہی بنے رہیں گے۔ میرے لیے وقت سب سے اہم ہے۔ تم ڈلیوری میری مرضی کے مطابق دو۔ میں تمھیں منہ مانگے دام ادا کروں گا۔"

وہ بہت کھُل کر بول رہا تھا۔ اُس کے بھیانک عزائم سن کر میرا خون کھولنے لگا تھا اور میرے دل میں سلطان شاہ کے مشن کی کامیابی کی آرزو شدید ترین ہو گئی تھی۔ اگر وہ اسلام آباد سے کرنل پال کو اغوا کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو بلیک کیٹ ٹی کے پورے پلان پر پانی پھر سکتا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ مَیں نے ویرا کو بھی سلطان شاہ کے خفیہ مشن کی ہوا نہ لگنے دی تھی۔ ایک بار کرنل پال منظر سے غائب ہو جاتا تو نہ بلیک کیٹ ٹی کو ضامن میسر ہوتا اور نہ ویرا کا سودا طے ہو پاتا۔

رہا غزالہ کا معاملہ تو مجھے اُمید تھی کہ بلیک کیٹ ٹی کے مقابلے میں مَیں کرنل پال کو زیادہ بہتر طریقے پر استعمال کر سکتا تھا کیونکہ حالات کی روشنی میں وہ سفارتی افسر سب سے بڑا بدمعاش نظر آ رہا تھا۔

"تم خوش قسمت ہو کہ آج ڈینی میرے ساتھ نہیں ہے۔" ویرا اُس سے کہہ رہی تھی۔ "وہ گاہکوں سے اتنی کھلی کھلی باتوں کا قائل نہیں ہے۔ لین دین سے آگے کسی معاملے سے سروکار نہیں

رکھتا مگر میرے لیے تمھاری گفتگو خیال انگیز ہے۔ مجھے موقع ملا تو کبھی تمھارے ساتھ تفصیلی ملاقات کروں گی۔ تم جیسے بارسوخ اور موقع شناس لوگ آج کل کم ہی ملتے ہیں۔ باہمی کشیدگی کی اس فضا میں یہاں کام کرنا واقعی دل گردے کا کام ہے۔"

"اصل نکتہ یہی ہے کہ میری اصل پر کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے اپنی دھرتی کی خدمت کے لیے پچھلے پندرہ برس سے اُسے چھوڑا ہوا ہے اور روپ بدل کر یہیں کے ایک سرحدی قصبے میں رہ رہا ہوں۔ میں نے ایک مقامی عورت سے شادی کی ہوئی ہے جس سے میرے دو بچے بھی ہیں۔ اپنی دھرتی کے لیے اتنی بڑی قربانی کون دے سکتا ہے؟ حالات سازگار رہے اور کبھی تم سے ملاقات ہوئی تو دیکھنا کہ گاؤں کے لوگ میری کتنی عزت کرتے ہیں کیونکہ میں درختوں کے سائے میں اُن کے بچوں کو تعلیم دیتا ہوں۔ میں نے اپنی یہ ساکھ بڑی محنت سے بنائی ہے۔ راج ناگ کا سر کچلنے کے لیے دل پر پتھر رکھ کر سنپولیوں کو دودھ کے پیالے پلا رہا ہوں لیکن آج تم سے بات ہونے کے بعد مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اب میری آخری اور سب سے بڑی کامیابی کا وقت بہت قریب آچکا ہے۔"

وہ تیزی سے کھل رہا تھا۔ ویرا اُس کی زہریلی گفتگو سننے کے ساتھ بہت غور سے میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ بھی لے رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں التجا تھی کہ میں خاموش رہ کر وہ ساری زہر فشانی سُنتا رہوں اور میں بھی خاموش تھا کیونکہ اس طرح مجھے ملک دشمنوں کے ہولناک عزائم سے واقف ہونے کا موقع مل رہا تھا۔ بلیک کیٹ ڈی تو پھر بھی غیر ملکی تخریب کار اور ایجنٹ تھا۔ مجھے دُکھ اُن لوگوں کا تھا جو اسی پیڑ کی جڑوں میں تیزاب اُنڈیل رہے تھے جس کا پھل کھا کر وہ اپنے وجود کے لیے قوتِ نمو حاصل کرتے تھے۔

"ارادے مضبوط ہوں تو کامیابی ضرور قدم چومتی ہے۔" ویرا نے اُس سے کہا۔ "اب اتنی باتیں ہو گئی ہیں تو یہ بھی بتا دو کہ تم کس گاؤں میں اور کس نام سے رہتے ہو؟"

"ابھی اس انکشاف کے لیے وقت سازگار نہیں لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ بہت جلد تمھیں اپنا مہمان بناؤں گا۔ تم سے باتیں کر کے مجھے تمھاری ذات سے کچھ عقیدت سی ہو چلی ہے۔"

ویرا استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی۔ "عقیدت ہو گئی ہے مگر ابھی بھروسا نہیں ہوا۔ تم تمام سیکرٹ ایجنٹ ایک جیسے ہوتے ہو۔ ہر قسم کے احساس سے عاری ایک انسانی مشین کی طرح۔ میرا تو خیال ہے کہ جس دن تم اپنا مشن مکمل محسوس کرو گے اپنی مقامی بیوی کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر ڈالو گے۔"

"نہیں ویرا جی!" اُس کی آواز میں گہری سنجیدگی تھی۔ "میری خود ساختہ جلاوطنی میں اُس عورت نے مجھے بہت سُکھ دیا ہے۔ اُسے میں دل و جان سے چاہنے لگا ہوں مگر مشکل یہ ہے کہ وہ مجھے دیندار مسلمان سمجھتی ہے۔ یہ گالی میری برداشت سے باہر ہے جسے میں پندرہ برس سے سوتے جاگتے برداشت کر رہا ہوں۔ تمھاری دعا سے جب میرا مشن پورا ہو گا تو میں اُسے اور دونوں بچوں کو کلکتے لے جا کر اپنے ہاتھوں سے کالی دیوی کے چرنوں پر بھینٹ کر دوں گا۔ مانا کہ وہ میرا بھی خون ہے مگر میرا خون گنگا جل تو نہیں جو ہمیشہ اور ہر جگہ پاک رہتا ہے۔ کیا پتا کہ کب میری بیوی کا خون میرے بچوں کے سر چڑھ کر بولنا شروع کر دے۔ اتنی بڑی قربانی دے کر میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے بچے میرے دیوتاؤں کو بُرا سمجھنے لگیں۔"

"تمھارے خیالات قابلِ قدر ہیں۔" اس وقت ویرا اُس مردود سے اس کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ "اپنا خدا مٹی کا ہو یا پتھر کا، ہر ایک کو جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اب تم دعا کرو کہ تمھارا کرنل حوصلہ کر کے تمھارا ضامن بن جائے اور تمھیں اپنے برسوں کے خواب پورے کرنے کا موقع مل سکے۔"

"میں کل رات اسی وقت تم سے بات کروں گا۔" اُس کی آواز ممنونیت آمیز ہو گئی تھی۔

"میں نو بجے یہ سسٹم آن رکھوں گی، فی الحال شب بخیر!" ویرا نے وہ الوداعی فقرہ ادا کر کے اپنے لیے سگریٹ سُلگائی اور میں نرم قالین پر بے آواز قدموں سے اس مواصلاتی نظام کی طرف بڑھ گیا۔

"بڑے لال پیلے ہو رہے تھے تم اُس کی باتوں پر!" میرے فارغ ہونے پر ویرا نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "میں تو ڈر رہی تھی کہ کہیں تم مشتعل ہو کر اُسے گالیاں دینی نہ شروع کر دو..."

"میں اتنا احمق نہیں ہوں۔ ذرا بھی بولتا تو وہ اپنے دل و دماغ میں چھپا ہوا زہر اُگلنا بند کر دیتا۔ مجھے تو اس خبیث پر پہلے ہی شبہ تھا اب تم نے اپنے کانوں سے سن لیا کہ وہ کون ہے اور کیا گُل کھلانا چاہ رہا ہے۔"

"وہ کون ہے اور کیا کر رہا ہے؟ اُسے تو بھول جاؤ۔ دشمن ایک دوسرے کے خلاف ہمیشہ ایسے ہی تباہ کن منصوبے بناتے ہیں۔ تمھارے نزدیک وہ خبیث اور ملعون ہے مگر اپنے ہم وطنوں کے لیے وہ بہت بڑا ہیرو ثابت ہو گا۔ مادیت پرستی کے اس دور میں تمھیں ایسے کتنے لوگ ملیں گے جو کسی نظریے کی آبیاری کے لیے وطن اور گھر بار کو تج کر دشمنوں کی صف میں اتنی طویل مدت تک ریاضت کرتے رہیں؟ تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اُسے اپنا مقصد

آگے بڑھانے کے لیے یہاں والوں کی حمایت اور سرپرستی بھی حاصل ہے۔ اِن جونکوں کو جسم کاٹے بغیر کس طرح نوچ کر پھینکا جا سکتا ہے؟"

"تم یہ سوال آج کر رہی ہو اور میں نے صرف اسی بنا پر شی سے بغاوت کی تھی۔ میرا ضمیر مجھے یہ اجازت نہیں دیتا تھا کہ میں ہیروئن جیسا زہر اپنے ہاتھوں سے اپنے لوگوں میں پھیلاؤں۔ اُس وقت میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہیروئن اور اسلحے کا اتنا قریبی ساتھ ہو گا۔ شی تو اس دَور کی مکروہ ترین طاقت ثابت ہو رہی ہے۔

کیا تمھارا ضمیر تم کو کبھی اِن سرگرمیوں پر ملامت نہیں کرتا؟"

"جو لوگ اپنے گھروں میں داخل ہونے سے روک دیے گئے ہیں اُن کے بارے میں تمھارا ضمیر کیا کہتا ہے؟" اُس نے میرا سوال نظر انداز کر کے جوابی سوال کر ڈالا۔

"جو لوگ اپنے ذاتی تحفظ کے لیے اپنے وطن کے بخیے اُدھیڑنے پر تُل جائیں وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ انھیں چوراہوں پر پھانسی پر لٹکایا جانا چاہیے . . ."

"یہ آفاقیت کا دَور ہے مسٹر ڈینی!" وہ میری بات کاٹ کر طنزیہ لہجے میں بولی۔ "اس دَور میں ہم بند جزیروں میں نہیں رہ رہے۔ تم اپنا جغرافیہ درست رکھنے کے لیے لوگوں کو سُولیوں پر لٹکاؤ گے تو تاریخ تمھارا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے گی۔ تاریخ تو پھر بعد میں آئے گی، حقوقِ انسانی کے عالمی ادارے لٹھ لے کر تمھارے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

"حقوقِ انسانی کے عالمی ادارے!" میں نے حقارت سے کہا۔ "یہ سب بڑی طاقتوں کے چونچلے ہیں۔ چھوٹے ملکوں میں مقامی مفادات پر سیکڑوں انسان تہ تیغ کر دیے جاتے ہیں، ڈرگ مافیا اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے خون کی ہولی کھیلتی ہے تو کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی لیکن فاک لینڈ میں ایک انگریز چوٹے کی ٹھکائی ہو جاتی ہے تو برطانیہ کی شاہی بحریہ اپنی پوری بحری اور فضائی قوت کے ساتھ اُسے روند ڈالتی ہے۔ یہ سب بھانڈوں کے درباری ادارے ہیں اور ہر حال میں اُسی کے گُن گاتے ہیں جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی ہے۔"

"یہ بہت طویل اور لاحاصل بحث ہو گی،" وہ بات وہیں ختم کرتی ہوئی بولی۔ "یہ بتاؤ کہ اب اپنے دوست کو اسلحہ دلوانے کا ارادہ ہے یا اُسے ٹال دیا جائے؟"

"تم شی کی نمک خوار ہو اور مجھے نہیں بلکہ اپنے باپ کو جواب دہ ہو۔ اس لیے جو مناسب سمجھو وہ کرتی رہو۔ میں تمھاری روزی کے معاملے میں دخل انداز نہیں ہونا چاہتا،" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اِس بے حسی پر تمھارا ضمیر تمھیں ملامت نہیں کرے گا؟"

اُس نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔ "تمھاری ناک کے نیچے یہ سودا ہو گا اور تم تماشا دیکھتے رہو گے؟"

"میں نے یہ نہیں کہا۔ تم اپنا کام کرو، میں اپنا کام کروں گا۔" میرا سیدھا سا جواب تھا۔

"میرے مقابل آنے سے کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ میں تمھاری خاطر یہ سودا ترک کر دوں؟ مگر یہ یاد رکھنا کہ میں نے بلیک کیٹ ٹی کو اتنا مئنہ صرف اس لیے لگایا ہے کہ غزالہ بحفاظت ہماری تحویل میں آسکے۔"

"تمھیں سودا خراب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کی فرمائش پوری کر کے جتنا مال بنا سکتی ہو وہ بنا لو۔ اسلحے کی فراہمی کے عوض اگر غزالہ کو چھڑوا سکتی ہو تو یہ حسرت بھی پوری کر لو۔ میں اپنا کام اس وقت شروع کروں گا۔ جب اسلحہ تمھاری تحویل سے نکل کر . . . . . بلیک کیٹ ٹی کے قبضے میں چلا جائے گا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تمھارے اعتماد کی بدولت مجھے اُس لین دین کے بارے میں تفصیلی معلومات مل گئی ہیں۔"

میری بات سُن کر ویرا کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ تعریفی لہجے میں بولی۔ "یہ تو واقعی سب سے سہل تجویز ہے۔ سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی مگر بلیک کیٹ ٹی کو شبہ ہو جائے گا کہ اس سودے کے بارے میں مخبری کی گئی ہے۔ اتنی بڑی کھیپ پکڑے جانے پر ایک مدت کے لیے اُن لوگوں کی کمر ٹوٹ جائے گی۔"

"پیسہ تمھارے پاس آجانے کے بعد وہ تم سے کوئی شکوہ نہیں کر سکے گا۔" میں نے اپنی دلیل کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔ "پندرہ برس کی ریاضت کے بعد آخر کار اُسے اپنے سر میں دھول ڈال کر اپنی کالی پیلی دیویوں کے چرنوں میں ہی واپس لَوٹنا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ اتنی بڑی ناکامی کا صدمہ اُسے خودکشی پر مجبور کر دے۔"

"یہی تدبیر بہتر رہے گی۔" وہ مجھ سے پوری طرح متفق تھی۔ حالانکہ وہ سب میں نے اسے مطمئن کرنے کے لیے کہا تھا۔ میرا اصل منصوبہ تو پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ نہ ہو گا بانس، نہ بجے گی بانسری والی کہاوت اس وقت کرنل مہیش پال پر سو فی صد صادق آرہی تھی۔ اس سے دو فائدے تو حاصل ہوتے ہی تھے لیکن بلیک کیٹ ٹی کی تازہ ترین ہرزہ سرائی کے بعد میں نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ کرنل سے بلیک کیٹ ٹی کا سراغ حاصل کر کے اُسے بھی پہلی فرصت میں ٹھکانے لگانا تھا۔

میرے لیے وہ رات بہت اہم تھی۔ ایک طرف سینڈ کو کورنگی کریک سے ہیروئن وصول کرنی تھی۔ میں اپنے پروگرام کے مطابق اس کی وصولیابی میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکا تھا لیکن مجھے اس کا کچھ زیادہ غم نہیں تھا کیونکہ تبدیل شدہ منصوبے کے

ئت وہ ساری کھیپ جُوں کی توں میڈرڈ کے ذریعے نیویارک
روانہ کی جانے والی تھی۔ شہر میں سرور لودھی کے قتل اور جانو ماچھی
کے فرار کی وجہ سے پولیس کی جو سرگرمیاں شروع ہو گئی تھیں اُن
کی وجہ سے میں سینڈو کے بارے میں فکرمند تھا۔ میرے مفادات
کی تکمیل کے لیے اُس کی سلامتی بہت ضروری بلکہ ناگزیر تھی۔

دوسری طرف میرا دھیان سلطان شاہ کی طرف بھی لگا ہوا
تھا۔ اُس نے فلیٹ سے ائرپورٹ جانے کے بعد مجھے کوئی
فون نہیں کیا تھا۔ اس وجہ سے مجھے اُمید تھی کہ اُسے اسلام آباد جانے
والی کسی پرواز میں جگہ مل گئی ہوگی۔

سلطان شاہ غزالہ کے بارے میں مجھ سے زیادہ حساس تھا۔
مجھے یقین تھا کہ وہ اسلام آباد پہنچنے کے بعد ایک لمحہ بھی ضائع کیے
بغیر کرنل مہیش پال پر کام شروع کر دے گا۔ اگر اُسے رات ہی میں
اُس پر ہاتھ ڈالنے میں کامیابی حاصل ہو جاتی تو وہ مجھے فون کر کے
وہاں سے فوری طور پر کراچی واپسی کا سفر شروع کر سکتا تھا۔

ان دونوں کی خیر خبر لینے کے لیے میرا اپنے فلیٹ پر موجود رہنا
ضروری تھا کہ ویرا کو پورے پس منظر کی ہوا لگے بغیر میں اپنا کام مکمل
کر سکوں، اس لیے میں ویرا کے مکان سے فوراً ہی روانہ ہو گیا۔

جہانگیر کے ساتھ شام میں میری جو جھڑپ ہوئی تھی اس پر وہ
بہت زیادہ شرمسار تھے اور پھر سلمٰی بھی گھر کے بجائے اسپتال میں
تھی اس لیے وہ میری غیر موجودگی میں اسپتال کا چکر لگا کر فلیٹ پر
ہی آگیا تھا اور بظاہر میرے ساتھ ہی شب بسری کے موڈ میں نظر
آرہا تھا۔

مجھے اُس کو دیکھ کر خوشی ہوئی مگر میں نے اُس پر رُعب گانٹھنے
کے لیے خشک لہجے میں سوال کیا۔ "تم اَب تک یہاں کیا کر رہے ہو؟ کیا
گھر جانے کا ارادہ نہیں ہے؟"

"گھر، گھر والی سے ہوتا ہے۔" وہ ڈھٹائی سے ہنستا ہوا بولا۔
"جب گھر والی اسپتال یا میکے میں ہو تو ہر جگہ گھر کے برابر ہوتی ہے۔
آج تو تم بھی اکیلے ہی نظر آرہے ہو۔ تمھارا جوڑی دار کہاں ہے؟"

اُسے بہت دیر سے سلطان شاہ کی غیر حاضری کا خیال آیا تھا
لیکن غنیمت یہ تھا کہ وہ اُسے بھولا نہیں تھا۔

"اگر اب تمھارے ہوش و حواس بحال ہو چکے ہوں تو کچھ کام
کی بات کروں؟" میں نے اُسے ملامت آمیز نظروں سے گھورتے
ہوئے سوال کیا۔

"اب بار بار اس ناخوشگوار واقعے کا ذکر کر کے شرمندہ نہ کرو۔"
وہ بُرا مانے بغیر بولا۔ "کبھی کبھار تم سے بھی ایسی بے اعتدالی سرزد
ہو سکتی ہے۔"

"سلطان شاہ ایک اہم مشن پر اسلام آباد گیا ہوا ہے۔ اس کا
قوی امکان ہے کہ واپسی میں اُس کے ساتھ ایک خطرناک قیدی بھی
ہوگا۔ اگر حالات سازگار رہے تو وہ کل کسی بھی وقت واپس
آجائے گا۔"

"قیدی؟" اُس نے حیرت اور بے یقینی سے دہرایا۔ "تو کیا
وہ کسی کو اغوا کرنے گیا ہے؟"

"تم ٹھیک سمجھے۔" میں نے اُس کے خیال کی تائید کی۔ "آنے
والا ایک اہم سیاسی بلکہ سفارتی عہدے دار ہوگا۔ اُس سے باز پرس
کے لیے مجھے شاید تمھاری فیکٹری استعمال کرنی ہوگی۔"

"وہ کوئی مسئلہ نہیں، فیکٹری تو کیا، تم اس مقصد کے لیے میرا
گھر بھی استعمال کر سکتے ہو۔ سلمٰی کو ابھی چار چھ دن تک اسپتال میں
رہنا پڑے گا۔ مگر سوال یہ ہے کہ تم اچانک ہی ٹریک سے کیسے
اُتر گئے۔ سفارتی عہدے داروں سے تمھارا کون سا نیا تعلق پیدا ہو
گیا جو اَب اُن کے اغوا تک کی نوبت آگئی ہے۔"

"بس یوں سمجھ لو کہ مجھے اتفاقاً ہی ایک بھیانک سازش کا علم
ہو گیا ہے جو کامیاب ہو گئی تو نہ صرف صوبہ سندھ خاک و خون میں
نہا جائے گا بلکہ سرحد پار سے بھی کوئی بڑی مداخلت ہو سکتی ہے۔
اس کا سدِّباب کرنے کے لیے اس سفارتی افسر پر ہاتھ ڈالنا ضروری
ہو گیا ہے۔"

پھر میں نے نہایت اختصار کے ساتھ اُسے بلیک کیٹ ٹی
سے متعلقہ واقعات سے آگاہ کرنا شروع کیا تو اُس کی آنکھیں
حیرت سے پیشانی تک چڑھتی چلی گئیں۔

"اگر تم اتفاقاً ہی درمیان میں نہ آجاتے تو بلیک کیٹس نے
شی سے یہ سودا کر لیا ہوتا۔ شی تو واقعی نہایت خون آشام تنظیم ثابت
ہو رہی ہے۔"

"برخوردار! میں بلا وجہ ہی شی سے بدظن نہیں ہوا تھا۔ لاہور
میں میں نے اُن کا ایسا بھیانک روپ دیکھا تھا جو کسی کو بھی ہول
دلانے کے لیے کافی ہوتا۔ لاہور میں لائیڈز کاٹیج ان کا ایک ایسا
گڑھ تھا جہاں ان کی مرضی کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔
وہاں زیرِ زمین تہ خانوں میں تباہ کن اسلحے کے بھاری ذخائر موجود
تھے جو آخر کار اسی ملک کی تباہی کے لیے استعمال ہونے تھے۔
ان ذخیروں کو میں نے ویرا کے ساتھ مل کر خود تباہ کیا تھا اور جب
ہی سے جمی لائیڈ میرے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔"

"لیکن مجھے تو یاد پڑتا ہے کہ اس واقعے کے بارے میں
اخبارات میں کچھ اور ہی کہانیاں چھپی تھیں۔" جہانگیر نے اس
پرانے واقعے کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

"یہی سب سے بڑی بدقسمتی ہے۔ ہر کلیدی جگہ پر ان کے
ایسے نمک خوار موجود ہیں جو ان کے اصل چہروں کو بے نقاب

ہونے ہی نہیں دیتے۔ ہوتا کچھ اور ہے، کہانیاں کچھ اور ہی پھیلائی جاتی ہیں۔"

"اور میں ان کے لیے کام کرتا رہا تھا۔" وہ جھرجھری لیتا ہوا بولا تھا۔

"بلکہ اصولی طور پر تم اب بھی ان ہی کے تابع ہو۔ آدمی ایک بار ان میں شامل ہو کر ہمیشہ کے لیے ان ہی کا غلام ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور باغی ہو جائے تو پھر اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"میری تو عقل کام نہیں کرتی کہ تم ان سے ٹکرا کر اب تک کیسے زندہ ہو۔ بھوکے درندوں کے غول کو اپنے پیچھے لگا کر آدمی زیادہ دیر تک نہیں بچ سکتا۔"

"حوصلہ اور مضبوط قوت ارادی ہو تو ہر کام ممکن ہے اور اب یہی دیکھ لو کہ بلیک کیٹ ٹی اور اس کا سرپرست کسی پکے ہوئے پھل کی طرح خود بخود میری جھولی میں آگرا ہے۔"

"لیکن کرنل مہیش پال کو سلطان شاہ اسلام آباد سے یہاں تک کیسے لائے گا؟"

"وہ اس کا کام ہے۔ جب سر پر ذمے داری آپڑتی ہے تو آدمی کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتا ہے۔ غزالہ کے لیے وہ اس قدر پریشان رہتا ہے جیسے وہ اس کی سگی بہن ہو۔"

"چلو، تمھیں مفت میں ایک وفادار اور جاں نثار سالا ملا ہوا ہے۔" وہ ہنس پڑا۔

ہمارے لیے باتیں کرنے کے لیے اس گمبھیر صورتِ حال کے بارے میں بہت مواد موجود تھا۔ اس لیے ہم دیر تک اس بارے میں تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ بارہ بجے میں نے سینڈرو کے لیے فون کیا تو دوسری طرف سے اس کی پژمردہ آواز سن کر مجھے شبہ ہوا کہ وہ اپنے مشن میں ناکام رہا تھا۔

"آج شہر کے حالات بہت ناسازگار ہیں۔" دعا سلام کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ "پولیس کی مدد کے لیے رینجرز کو بھی طلب کر لیا گیا ہے اور جگہ جگہ گاڑیوں کو روک کر تلاشی لی جا رہی ہے۔"

"یہ بتاؤ کہ مال کا کیا بنا؟" اس کے تمہیدی فقروں سے مجھے الجھن ہونے لگی تھی۔

"وہ بہت دشواریوں سے مال لے کر پہنچا تھا اس لیے کسی بھی قیمت پر واپس لے جانے پر آمادہ نہیں ہوا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ واپسی کے سفر میں رنگے ہاتھوں دھر لیا گیا تو اس کی چمڑی میں بھوسا بھر دیا جائے گا۔ میں خود بھی وہاں سے مال نہیں لا سکتا تھا۔ اس لیے مجبوراً ساری تھیلیاں ایک ویرانے میں زیرِ زمین دفن کر دی گئیں۔ ایک دو روز میں حالات معمول پر آئیں گے تو وہاں سے مال نکال لوں گا۔"

"اس وقت تک وہ لوگ انتظار کر لیں گے جنھیں آگے مال دینا ہے؟"

"مجبوری ہے، انھیں انتظار کرنا ہی ہوگا۔ اس وقت شہر میں مال کی پوزیشن بہت ٹائٹ ہے۔ باہر بھیجنے کے لیے خالص مال کی اتنی بڑی مقدار کہیں سے نہیں مل سکے گی۔"

"ٹھیک ہے، میں صبح دفتر آکر بات کروں گا۔" میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کس سے کس مال کے بارے میں بات کر رہے تھے؟" جہانگیر نے میری اس گفتگو پر چونکتے ہوئے سوال کیا۔ "اس وقت تمھارے لب و لہجے سے پرانے قصوں کی بو آرہی تھی۔ ایک طرف مال اور اس سلسلے سے نفرت کر رہے ہو اور دوسری طرف اسی کی فکر میں دُبلے ہوئے جا رہے ہو۔"

"آج کل میں کئی محاذوں پر مصروف ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ایک پارٹی کو ڈبل کراس کر رہا ہوں۔ مال سامنے آتے ہی پکڑوا دوں گا۔ اب تو میرے سامنے بس یہی ایک مشن رہ گیا ہے۔"

"تم ہر طرف اور ہر ایک سے دشمنی لے کر جو چومکھی لڑائی لڑ رہے ہو وہ تمھارے لیے بہت مہلک ثابت ہو گی۔ کسی بھی وقت اتنی خاموشی اور بے رحمی سے مار دیے جاؤ گے کہ ہمیں تم پر رونے کا موقع بھی نہ مل سکے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ تم پر جنون کی کیفیت طاری ہوتی جا رہی ہے اور بعض اتفاقی کامیابیوں نے تمھارا دماغ بالکل ہی خراب کر کے رکھ دیا ہے۔ اپنے زمانے میں خود تم نے کتنے شرفاء اور معززین کو جھوٹے مگر مضبوط مقدموں میں پھنسا کر ان کا جینا اجیرن کر دیا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ بھی تمھاری زندگی جہنم بنا دیں گے..."

"شاید میرے وہی پرانے گناہ میرے ذہن پر کچوکے لگاتے رہتے ہیں۔ جو میں ان کے ازالے کے لیے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں۔ اس راستے میں مارا بھی گیا تو دوسری دنیا میں کم از کم میری روح تو سُکھی رہ سکے گی۔"

"یہ سب خود فریبی کی باتیں ہیں، بس یہ یاد رکھو کہ جب چیونٹی کی موت آتی ہے تو اس کے پر نکل آتے ہیں۔ تم نے جو اونچی پرواز شروع کی ہوئی ہے، مجھے اس کا انجام اچھا ہوتا نظر نہیں آرہا۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "عینک لگا کر دیکھو گے تو سب صاف نظر آنے لگے گا۔"

"مشورہ مان لو گے تو ہمیں بھی خوشی ہوگی نہیں مانو گے تو جب تک تمھاری زندگی لکھی ہوئی ہے، مجبوراً تمھارا ساتھ

ضرور دیتے رہیں گے۔ اس سے منہ نہیں موڑیں گے۔"

"جمع کا صیغہ استعمال کر رہے ہو؟" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "کیا اپنے ساتھ سلمیٰ بھابی کو بھی شامل کر رہے ہو؟"

"تم بلا وجہ اس کی طرف سے بدظنی میں مبتلا رہتے ہو۔ جس طرح سلطان شاہ غزالہ سے کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود اس کے لیے سگے بھائی سے زیادہ بے چین رہتا ہے اسی طرح سلمیٰ تمہاری حالت اور بے ترتیب زندگی پر کڑھتی رہتی ہے۔" اس نے وہ ناموزوں ترین مثال دے کر میری طبیعت بدمزہ کر دی۔ اسے حقیقت کا علم نہ ہونا ایک دوسری بات تھی مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ سلمیٰ کے دل میں میرے لیے کیا جذبات موجزن رہتے تھے۔ اور وہ کیوں مجھے بار بار خلوت میں گھیر کر مجھ سے ناگفتنی باتیں کیا کرتی تھی۔ میری مجبوری یہ تھی کہ ان میں سے کوئی بات بھی جہانگیر کو نہیں بتا سکتا تھا۔

"وہ ٹوک ٹوک کر تمھیں تمہاری غلطیوں کا احساس دلانا چاہتی ہے، اس کی دلی آرزو ہے کہ تم اپنی زندگی میں کوئی ترتیب اور قرینہ پیدا کر لو مگر تم ہر وقت اس سے لڑنے پر ادھار کھائے بیٹھے رہتے ہو۔ یقین کرو کہ اس کے دل میں جھانکو گے تو وہ تمھیں مجھ سے زیادہ اپنی خیر خواہ نظر آئے گی۔"

"مجھے اس کی خیر خواہی پر کبھی کوئی شبہ نہیں رہا۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔ "اسی لیے کئی بار کی تو تکار کے باوجود میں اس سے صلح کر چکا ہوں لیکن اس کا کسی ہیڈ ماسٹرنی والا رویہ مجھے چڑانے لگتا ہے۔۔۔۔"

"یہی نہیں، بلکہ کچھ اور بھی ہے۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو میں بری طرح چونک پڑا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میرے دل کا چور پکڑ لیا ہو لیکن وہ بولا تو میرا اندیشہ ختم ہو گیا۔

"تمہارے اور اس کے درمیان تکرار کی ایک بڑی وجہ سلطان شاہ کی ذات بھی ہے۔ وہ آج تک اسے دل سے تمہارا گہرا دوست تسلیم نہیں کر سکی ہے اور اس بار بھی تم اسی کی وجہ سے ناراض ہو کر میرے گھر سے آئے تھے، میں سب کچھ سمجھ رہا تھا لیکن بات بڑھ جانے کے خوف سے خاموش رہا تھا۔"

"تم جیسے عقلمند شوہروں ہی کی وجہ سے نسلی ارتقا کا عمل جاری ہے۔ ورنہ ساری دنیا کی عورتیں اپنے شوہروں سے لڑ کر گھروں میں بیٹھ چکی ہوتیں۔"

وہ کھسیائے ہوئے مدافعانہ انداز میں ہنس کر رہ گیا، کیونکہ اس کے یہاں بچے کی ولادت قریب ہونے کی وجہ سے نسلی ارتقا کی پھبتی اس پر بڑی طرح چپک چکی تھی۔

جہانگیر جب تولیے سے اپنا سر اور بدن خشک کرتا ہوا غسل خانے سے برآمد ہوا تھا تو میں نے دیکھا تھا کہ اس کے بدن پر دلدار آغا کے آدمیوں کے تشدد کی متعدد نشانیاں مندمل ہوتے ہوئے زخموں کی صورت میں موجود تھیں اور وہ میرے اندازے کے مطابق غیر معمولی تیزی کے ساتھ صحت یاب ہوا تھا مگر کئی دنوں تک خانہ نشین ہو رہنے کی وجہ سے اس کی شراب نوشی میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔ عادی شرابیوں کی طرح وہ بھی ہر اچھائی کو مے نوشی سے منسوب کرنے کا عادی تھا اور میری ہر سرزنش پر اس نے یہی کہا تھا کہ شراب کے جراثیم کش اور صحت افزا اثرات کی وجہ سے ہی وہ اپنے زخموں سے اتنی جلدی سنبھل گیا تھا، ورنہ شاید ہفتوں تک بستر پر صاحب فراش رہتا۔

اس نے بستر پر جانے سے پہلے بھی اس کا سہارا لینا ضروری سمجھا کیونکہ رات کا کوٹا لیے بغیر اسے آسانی سے نیند نہیں آ سکتی تھی جبکہ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور مجھے بلا وجہ اس کا ساتھ میسر آ رہا تھا۔ اس لیے میں نے اس کے شوق پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور تقریباً دو بجے تک ہم یونہی بیٹھے گپیں لڑاتے رہے۔ وہ مسلسل بولے جا رہا تھا جبکہ میرا ذہن مسلسل سلطان شاہ کی طرف لگا ہوا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ کامیابی اور ناکامی، ہر حالت میں مجھے رات ہی کو باخبر ضرور کرے گا۔ آخر کار جب جہانگیر پر ہلکی سی اونگھ سوار ہونے لگی تو وہ خود ہی ڈرائنگ روم سے اٹھ کر سلطان شاہ کی خواب گاہ کی طرف چل دیا۔ اور میں اسے بستر تک پہنچا کر اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔

نائٹ لیمپ کی روشنی میں اپنے بستر پر سگریٹیں وغیرہ پھونکتے ہوئے کسی ارادے کے بغیر ہی مجھے شی والوا) کی گن بوٹ کی فروخت سے حاصل کی ہوئی وہ خطیر رقم یاد آ گئی جو ڈالروں کی صورت میں جوں کی توں سلمیٰ کے پاس پڑی ہوئی تھی۔ ابتدا میں میں نے اس رقم میں سے جو چند بنڈل نکالے تھے ان کے بعد کبھی پیسے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ اس لیے میں لوٹ کے اس مال کو بھولا ہوا تھا لیکن جہانگیر کے گھر پر جو ہنگامے ہو چکے تھے، ان کی بنا پر مجھے رقم کا وہاں چھوڑنا احمقانہ اقدام محسوس ہو رہا تھا اور پھر کبھی کبھار تو وہ گھر سراسر نوکروں ہی کے رحم و کرم پر رہ جاتا تھا۔ جیسے اس وقت سلمیٰ اسپتال میں تھی اور جہانگیر فلیٹ میں میرے پاس دھت ہو کر سو رہا تھا۔

میرے ذہن میں بھانت بھانت کے متعلقہ اور غیر متعلقہ

خیالات آتے رہے ہیں نیند کا دُور دُور تک کوئی پتا نہیں
تھا پھر آخر کار صبح کے سوا چھ بجے ٹیلی فون کی گھنٹی کے ایسی
شور نے مجھے بُری طرح چونکا دیا۔

میری توقع کے عین مطابق دوسری طرف سے سلطان شاہ
بول رہا تھا۔

"تم کہاں ہو، خیریت تو ہے نا؟" میں نے اس کی آواز
پہچانتے ہی انتہائی ... میں سوال کیا۔

"میں خیریت سے ہوں" مرنا باقاعدہ آگیا ہے تم تیاری کر
لو۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں یہاں سے نکلنے ہی والا ہوں۔ میں
نے اپنے ساتھ دو مقامی آدمی لے لیے ہیں جو مجھے کراچی پہنچا
کر واپس آجائیں گے۔۔۔"

"اس وقت کہاں ہو تم؟" کرنل مہیش پال کے پکڑے
جانے کی خبر یہ رہے یہ ایک بڑی خوش نصیبی سے کم نہیں
تھی مگر مجھے سلطان شاہ کی سلامتی کی زیادہ فکر تھی۔ غلط کار
سفارتی نمائندے کسی بھی طرح سفاک اور بے رحم سیکریٹ
ایجنٹوں سے کم نہیں ہوتے کیونکہ بے نقاب ہونے کی صورت
میں تو ان کا کیریئر ہی تباہ ہو جاتا ہے۔ اور جو سفارت کار ایک
مرتبہ کسی بڑے اسکینڈل میں ملوث ہو جائے اسے دوسرے
ممالک عام طور پر یہاں ہی طور قبول ہی نہیں کرتے اس لیے
مجھے ڈر تھا کہ کہیں کرنل پال نے مزاحمت کرتے ہوئے اسے
زخمی نہ کر دیا ہو۔

"شاید تم نے سنا ہو کہ اسلام آباد سے ذرا آگے بری امام
کا مزار ہے۔ میں اسی سے ملحقہ آبادی میں اپنے جاننے والوں
کے ساتھ مقیم ہوں۔ مجھے گولی کا زخم آیا ہوا ہے۔ یہ مجبوری نہ
ہوتی تو میں اب تک گجرات سے بھی آگے نکل چکا ہوتا۔
لیکن فکر کی کوئی بات نہیں۔ اب وہ مسلسل بے ہوش ہے
اور اسی حالت میں کراچی پہنچے گا۔"

"زخم کہاں آیا ہے؟ اور تم اس وقت کہاں سے فون
کر رہے ہو؟"

"زخم معمولی سا ہے۔ گولی بائیں بازو کی جلد پھاڑتی ہوئی
گزر گئی تھی۔ اس وقت بھی میں اسی آبادی میں ہوں اور ایک
سرکاری ادارے کو جانے والی فون کی لائن سے تار جوڑ کر
اس وقت تم سے بات کر رہا ہوں۔ میں نے تم سے فون پر
اطلاع دینے کا وعدہ کیا تھا جو میں نے پورا کر دیا ہے۔ اب
میں جلدی میں ہوں۔ کیونکہ اس وقت پولیس والے رات بھر
کے گشت کے بعد تھک ہار کر آرام کر رہے ہوتے ہیں۔
میں وقت ضائع کیے بغیر اسی وقت نکلنا چاہتا ہوں۔"

"اتنا بڑا خطرہ مول نہ لو۔ منہ اندھیرے تمہاری گاڑی ہر
جگہ مشتبہ سمجھی جائے گی۔ دن نکلنے کے بعد جب ٹریفک رواں
ہوگا تو پر ہجوم سڑکوں پر کوئی تم پر خاص توجہ نہیں دے گا۔"
میں نے اصرار کیا۔

"تم فکر نہ کرو۔ جی ٹی روڈ پر دن رات بھاری ٹریفک
چلتا رہتا ہے۔ ایک بار میں اس سڑک پر نکل گیا تو کچھ بھی
نہیں ہوگا۔ مجھے اس کی گاڑی سے کچھ نقشے اور دستاویزات
بھی ملی ہیں جو میں جلد از جلد تم تک پہنچانا چاہتا ہوں اور پھر
غزالہ کے لیے بھی ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اس وقت میں
اپنے ذرا سے آرام کی خاطر کوئی بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"تمہارا زخمی ہونا خطرناک ہے۔ ایک کار میں ایک بے ہوش
مریض اور دوسرا زخمی ہو تو پولیس لامحالہ شبہے میں پڑ جائے
گی اور پھر تمہارے پاس کچھ دستاویزات بھی ہیں۔ گاڑی میں
تھوڑا بہت اسلحہ بھی ہوگا۔۔۔"

"میں نے سارا بندوبست کیا ہوا ہے۔" اس نے میری
بات کاٹ دی۔ "میرا زخمی بازو جیکٹ کی آستین میں پوشیدہ
ہے۔ ہمارا اسلحہ لائسنس یافتہ ہے اور ہم ایک نئی مرسڈیز
میں سفر کریں گے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ پولیس والے
ایسی قیمتی گاڑیوں کو روکنے کی ہمت نہیں کرتے۔ بدقسمتی
ہی آڑے آجائے تو یہ اور بات ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا۔ مریض کو
براہ راست جہانگیر کے گھر لے آنا، میں تمہیں وہیں ملوں گا۔
اس کے ساتھ فلیٹ آنا اور پھر فیکٹری کی طرف روانہ ہونا
مناسب نہیں رہے گا۔"

"میں اب کسی بھی قیمت پر اس عورت کا سامنا نہیں
کرنا چاہتا۔" اس نے ترش لہجے میں کہا۔ "وہ میری حد سے
زیادہ تحقیر کرتی ہے۔ میں تم کو نہیں منع کر سکتا لیکن اگر شہر
میں وہی ایک محفوظ ٹھکانا رہ گیا ہے تو میں مریض کو تمہارے
حوالے کر کے پھاٹک ہی سے واپس لوٹ جاؤں گا۔ وہاں
ٹھہرنا میرے لیے ممکن نہ ہو سکے گا۔"

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔ تمہاری عزت نفس مجھے بھی
بہت عزیز ہے۔ دراصل سلمیٰ کئی دن کے لیے اسپتال جا
چکی ہے۔ اس کی غیر حاضری میں تمہارے لیے کوئی پریشانی
نہیں ہوگی۔"

"وہ لوٹ آئی تو میں وہاں نہیں رکوں گا۔" لمحہ بھر کے
سکوت کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

فون کا سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد میرا ذہن الجھ
کر رہ گیا۔ کرنل مہیش پال بلاشبہ سلطان شاہ کی قید میں تھا۔
لیکن اس ایک واقعے سے پیوستہ متعدد سوالات ایسے تھے

جو میں فون پر سلطان شاہ سے نہیں پوچھ سکتا تھا۔ اگر اس کے لیے وہ مہم آسان ثابت ہوئی ہوتی تو وہ صبح کے سوا آٹھ بجے کے بجائے بہت پہلے مجھے فون کرتا۔ اسلام آباد میں اس وحشی درندے پر ہاتھ ڈالنے کے لیے سلطان شاہ کو یقیناً محنت کرنی پڑی تھی اور اس بارے میں واپس آنے کے بعد وہ خود ہی زیادہ بہتر روشنی ڈال سکتا تھا اور مجھے اس وقت تک قیاس آرائی اور انتظار کی اذیت سے گزرنا تھا۔

سلطان شاہ وہاں سے روانہ ہونے کے بعد کہیں آرام کیے بغیر بھی سفر جاری رکھتا تب بھی اس کا اگلے دن کراچی پہنچنا ناممکن تھا۔ اس کی جلد از جلد واپسی اگلی صبح ہی ہو سکتی تھی۔

ایک اعتبار سے وہ صورت حال کوئی اطمینان بخش نہیں تھی کیونکہ آنے والی رات کے نو بجے ویرا کو ایک بار پھر بلیک کیٹ ٹی سے بات کرنا تھی۔ ویرا نے اس سے تو کہہ دیا تھا کہ اس دوران میں وہ کرنل سے مطلوبہ ضمانت حاصل کرنے کی کوشش کرے گی مگر مجھے اس سے یہ دریافت کرنا یاد ہی نہیں رہا تھا کہ وہ کرنل سے رابطہ قائم کرنے کے لیے کسے استعمال کرے گی۔ میری دانست میں اس وقت پاکستان میں تتی سمٹ کر ویرا کی ذات تک محدود رہ گئی تھی۔ میرے سامنے کوئی ایسا فرد موجود نہیں تھا جس پر ویرا اعتماد کر کے اپنا راز دال بنا سکے۔

اگر ویرا کرنل سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتی تو اسے رات نو بجے سے پہلے ہی کو کھلا کر مجھ سے رابطہ قائم کرنا چاہیے تھا کیونکہ کرنل پال کے اغوا کی خبر سفارتی حلقوں سے ہوتی ہوئی جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیلنی چاہیے تھی۔ دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی سفارتی افسر کا اغوا بجائے خود ایک اہم واقعہ ہوتا ہے لیکن جب دونوں ملکوں کے تعلقات کشیدہ ہوں تو ایسے کسی بھی واقعے کی اہمیت یک بہ یک ہزار گنا بڑھ جاتی ہے۔

ویرا کا کرنل ہمیش پال سے رابطہ نہ ہوتا تو اس رات بلیک کیٹ ٹی سے تلخ گفتگو ہونے کا امکان تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ غزالہ کو چھوڑ لینے کے باوجود ٹرانسمٹر پر اس سے میری یا ویرا کی بات کرانے سے انکار کر دیتا۔

جو کچھ ہوا ہمارے پروگرام کے مطابق ہی ہوا تھا لیکن اس میں اوقات کا تعین کرتے ہوئے تقدیم و تاخیر کو سرے سے نظرانداز کر دیا گیا تھا۔

اس ضمن میں جب میں نے اپنے ذہن میں سلطان شاہ سے ہونے والی گفتگو کا جائزہ لیا تو مجھے اس میں کھلا تضاد محسوس ہوا جس پر میں نے پہلے توجہ نہیں دی تھی۔ ایک طرف سلطان شاہ نے یہ بتایا کہ اس کا بایاں شانہ گولی سے زخمی ہوا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اغوا کی واردات خاموشی سے اور بلا مزاحمت نہیں ہوئی تھی، بلکہ گولیوں کے ساتھ تصادم بھی ہوا تھا۔ ایسی صورت میں اس واقعے کا راز میں رہنا ناممکن نظر آتا تھا۔ لیکن دوسری طرف اس نے اپنی روانگی کے ضمن میں پولیس کا اس طرح ذکر کیا تھا جیسے دارالحکومت میں کوئی غیر معمولی صورت حال نہ ہو۔ اس کا یہ کہنا کہ پولیس والے رات بھر کے گشت کے بعد اس وقت تھک کر آرام کر رہے ہوں گے۔ یہ ظاہر کرتا تھا کہ سلطان شاہ کی دانست میں دارالحکومت کی پولیس ایک سفارتی افسر کے اغوا سے لاعلم تھی۔

واقعات تیزی سے رونما ہو رہے تھے اور اس وقت جو تصویر بن رہی تھی وہ بہت گنجلک تھی۔ آنے والے حالات کے بارے میں صرف قیاس آرائی ہی کی جا سکتی تھی۔ لیکن یہ طے تھا کہ مجھے ہر لمحے مستعد اور ہوشیار رہنا تھا، ورنہ میری ذرا سی غفلت سے حالات قابو سے باہر نکل سکتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد دوبارہ فون کی گھنٹی بجی تو مجھے احساس ہوا کہ اس وقت میرے ساتھ ہی کچھ اور لوگ بھی پریشانی کی وجہ سے جاگ رہے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ فون کال سلطان شاہ کی نہیں تھی۔ اس نے سرکاری لائن سے تار جوڑ کر جس طرح مجھ سے فون پر بات کی تھی۔ اس عمل کا اتنی جلدی دہرانا آسان نہیں تھا اور پھر اس نے فرار کی عجلت میں خود ہی گفتگو کا سلسلہ منقطع کیا تھا۔ اس لیے ریسیور اٹھاتے ہوئے مجھے پوری امید تھی کہ وہ کوئی نئی آواز ہوگی۔

"میں ویرا بول رہی ہوں۔" ریسیور اٹھاتے ہی میرے کان میں اس کی غنودہ آواز گونجی۔

"بولو، بولو۔" میں نے بیزاری کے عالم میں کہا۔ "میرا تو خیال ہے کہ تم میری قبر میں بھی بولتی رہو گی۔ ابھی رات کو ہماری ملاقات ہوئی ہے، پھر صبح کے چار بجے تمھیں جھک مارنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تمھاری آواز میں دور دور تک نیند کا شائبہ نہیں ہے تم اتنی صبح جاگ کر کیا کر رہے ہو؟" اس کی آواز سے ہلکی سی حیرت کا اظہار ہو رہا تھا جو ناقابلِ فہم نہیں تھی۔

"غزالہ غائب ہو گئی ہے نا! اس کے فراق میں اختر شماری کر رہا ہوں۔" میں نے بھنا کر کہا۔ "تم بتاؤ کہ تمھیں انطونیو کی بدروح نے جھنجوڑا ہے یا کوئی کالا بلا تمھارے بستر میں گھس آیا ہے؟"

"مجھے ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ کرنل ہمیش اپنے گھر سے

غائب ہے۔" ویرا کی آواز سے تشویش ہویدا تھی۔" وہ اپنے کام
کے سلسلے میں اکثر کئی کئی دن کے لیے غائب ہو جاتا ہے۔
لیکن جانے سے پہلے اپنے سیکریٹری کو اپنے پروگرام سے ضرور
آگاہ کر دیتا ہے۔ اسے پیشگی اطلاع دیے بغیر وہ اپنے پروگرام
سے پندرہ منٹ کا بھی انحراف نہیں کرتا لیکن آج وہ رات
سے کہیں لاپتا ہے۔ اسے آخری بار ساڑھے نو بجے ہالیڈے
ان میں ایک ڈنر پارٹی سے روانہ ہوتے دیکھا گیا ہے اس
کے بعد وہ گھر نہیں پہنچا۔ نہ ہی اس کے سفارت خانے کا عملہ
شہر میں اس کی گاڑی دریافت کر سکا ہے۔"

"یہ خبر میرے بجائے پولیس کو دی جاتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔"
میں نے اپنی دلچسپی کو دباتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔" ویسے
تم کو یہ سب تفصیلات کس نے مہیا کی ہیں؟"

"جہانگیر کی طرح پاکستان کے چند دوسرے شہروں میں
اب بھی شی کے ایسے بڑے موجود ہیں جن سے ایک مدت
سے تنظیم نے کوئی کام نہیں لیا لیکن وہ آج بھی تنظیم کے
احکام پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ میں نے اسلام آباد میں
ایسے ہی ایک شخص کو پوری بریفنگ دے کر کرنل مہیش سے
ضمانت حاصل کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اسی نے ابھی چند منٹ
پہلے مجھے فون پر یہ سب بتایا ہے۔ کرنل کے سفارت خانے
نے ابھی تک پولیس سے رجوع نہیں کیا ہے۔ وہ لوگ مخمصے
میں ہیں کہ کیا کیا جائے؟ اگر کرنل کسی خفیہ ترین مشن پر نکلا
ہوا ہے تو پولیس رپورٹ کے بعد اس کی واپسی پر ناقابل
بیان دشواریاں کھڑی ہو جائیں گی۔ اور اگر کسی نے اس پر
ہاتھ ڈالا ہے تو رپورٹ نہ کرنے کی صورت میں اسے کرنل
سمیت بہت دور نکل جانے کا موقع مل جائے گا۔ انھیں اس
معاملے میں نئی دہلی سے خفیہ ہدایات کا انتظار ہے۔"

"یہ تو واقعی دلچسپ معاملہ معلوم ہوتا ہے لیکن سفارت
خانے والوں نے اندر کی یہ باتیں تمھارے آدمی کو کیسے بتا
دیں۔ تمھاری باتوں سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ انھوں نے کرنل
کی گمشدگی کا معاملہ ابھی تک چھپایا ہوا ہے۔"

"کرنل ہی نہیں، اس سفارت خانے کے مزید دو افسر
ہمارے دوستوں میں سے ہیں۔ ان سے بھی پہلے لین دین ہو چکا
ہے۔ میں نے اپنے آدمی کو تینوں کے بارے میں بتا دیا تھا۔
ان میں سے ایک آج کل کرنل کا سیکریٹری ہے۔ وہ کوڈ سنتے
ہی سمجھ گیا کہ کرنل کو تلاش کرنے والا شی کا آدمی ہے۔ اسے
بلیک کیٹ کے سودے کی بھی کچھ سن گن تھی۔ اس لیے اس
نے میرے آدمی کو یہ سب بتا دیا۔ مجھے پریشانی یہ ہے کہ اگر
کرنل کو کچھ ہو گیا تو بلیک کیٹ ٹی سے سودا نہیں بن سکے گا۔
ایسی صورت میں غزالہ کا کیا بنے گا؟ اس کا تو مستقبل تباہ ہو
جائے گا۔"

"کسی کا مستقبل بنانا اور بگاڑنا انسانوں کے اختیار میں
نہیں ہوتا ویرا۔" میں نے جذبات سے عاری اور سپاٹ لہجے
میں کہا۔" ہم لوگ جو کچھ کر سکتے تھے ہم نے کر کے دیکھ لیا اب
باقی کام خدا پر چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ معاملہ اتنا سنگین اور نازک
ہے تو بلیک کیٹ ٹی کو تم سے پہلے کرنل کی گمشدگی کا علم ہو
چکا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ سندھ میں اسلحہ پھیلانے کی مہم کا
اصل روح رواں کرنل ہی تھا۔ بلیک کیٹ ٹی کو اس نے اپنی
سفارتی حیثیت بچائے رکھنے کے لیے استعمال کیا ہوگا۔ اگر
میرا یہ خیال درست ہے تو کسی مقامی خفیہ ایجنسی کے لوگ بھی
اسے اٹھا سکتے تھے۔" میں نے پوری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔
ویرا نے مجھے معاملہ سلجھانے کے لیے فون کیا تھا مگر میں کرنل
کے معاملے کو اس کے لیے اتنا الجھا دینا چاہتا تھا کہ وہ ذہنی
طور پر کوئی فیصلہ کرنے کے قابل ہی نہ رہ سکے اور رات کو
بلیک کیٹ ٹی سے ہونے والی گفتگو میں فطری انداز اختیار
کرے۔ اسے کسی بھی صورت میں نتیجہ خیز ثابت نہ ہونے دے۔
میرے لیے اس معاملے میں وقت حاصل کرنے کی وہی ایک
سب سے بہتر اور قابل عمل صورت حال ہو سکتی تھی۔

"میرے لیے یہ خبر تشویش انگیز تھی اس لیے میں نے
تمھیں مطلع کرنا ضروری سمجھا تا کہ تمھیں میری کارکردگی پر کوئی
شبہ نہ ہو۔ غزالہ کے بارے میں میں اپنا وعدہ نبھانے کی پوری
کوشش کر رہی ہوں۔ لیکن من مانے نتائج کا حصول میرے
بس سے باہر ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے اور تم بھی اس معاملے میں
میری کوئی مدد کرنے سے قاصر ہو۔" اس گفتگو کے نتیجے میں اس
کی آواز سے نیند کا خمار یکسر کافور ہو چکا تھا۔

"تم خود بتاؤ کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟ میری تو عقل ہی
ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔"

"کیوں نہ ہم خود جانو ماچھی تک رسائی حاصل کرنے کی
کوشش کریں؟"

"اگر خودکشی کرنا چاہتی ہو تو ضرور کرو۔" میں نے لاپروائی
سے کہا۔" وہ ان جنگلوں کا کیڑا ہے جہاں اس نے برسوں سے
روپوشی اختیار کی ہوئی ہے۔ اس کے چپے چپے پر اس کے
مخبروں کا جال بچھا ہوا ہوگا۔ تم ان اطراف میں قدم رکھتے ہی قیدی
بنا لی جاؤ گی۔ آبادیوں سے دور جنگلوں اور ویرانوں میں روپوش
رہنے والے دہشت گرد مسلسل محرومیوں کے نتیجے میں صنفِ
مخالف کے حق میں بالکل جانور ثابت ہوتے ہیں۔ بہرحال میں
تمھیں کسی ایسی حماقت کا مشورہ نہیں دوں گا۔ غزالہ کے تو

ے اچھے ہیں کہ جالو ماچھی نے اسے اپنے لیے پسند کر کے اپنے ساتھیوں کی چیرہ دستیوں سے بچا لیا ہے۔ تم بلیک ٹی سے یہ بھی سن چکی ہو کہ غزالہ سمیت جالو ماچھی کے آدمی راچی ہی میں روپوش ہیں جنھیں اس نے اپنی حکمتِ عملی ان کی کمین گاہ میں محصور رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس تم زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتی ہو کہ بلیک کیٹ ٹی کو میں لے کر غزالہ کی نگرانی کرنے والی ٹولی کو کراچی سے لنے دو۔ اسی دوران میں تازہ جمود کا بھی کوئی نہ کوئی حل سامنے آ جائے گا۔ جس کی روشنی میں ہم کوئی بہتر فیصلہ کر سکیں گے۔"

"یہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ وہ لوگ ایک بار غزالہ کو اپنے لے کر یہاں سے نکل گئے تو پھر کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔"

ی پرخیال آواز ابھری۔ "اگر کسی طرح ہمیں ان کی کمین گاہ ہو جائے تو ہم ہر خطرہ مول لے کر طاقت کے زور پر ان سے غزالہ کو چھین سکتے ہیں۔ غزالہ اب کوئی خانہ دار نہیں رہی ہے۔ تصادم کی صورت میں اپنی حفاظت وہ ہی کر لے گی۔ دیکھو، میں بھی سوچتی ہوں، تم بھی اس بارے غور کرو۔"

"میں تو اس وقت بھی پلک جھپکائے بغیر اسی معاملے ر کر رہا تھا۔ لیکن عین ممکن ہے کہ میں تمھیں کوئی خبر دیے چانک ہی کہیں چلا جاؤں۔ میرے بارے میں تشویش مبتلا ہوئے بغیر یہاں کے حالات تمھیں خود ہی سنبھالنے لگے۔ دورہ کر میں کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔"

"کیوں، تم کہاں غائب ہونے کا ارادہ رکھتے ہو؟" وہ دم ہی چونک پڑی تھی۔

"میں اسی بارے میں اندرونِ سندھ کا ایک چکر لگانے رادہ رکھتا ہوں۔" میں نے سلطان شاہ یا کرنل مہیش پال ری ذکر کیے بغیر کہا۔ "میں نے چند بااثر زمینداروں سے رابطہ کر کے کچھ معلومات منگوانے کی کوششیں شروع کی ہوئی ہیں۔ اگر ادھر سے کوئی بھی موافق اشارہ مل گیا تو میں ی ہی چل دوں گا۔"

"لیکن آج رات نو بجے تو تم میرے پاس آؤ گے ناں؟" س کا لہجہ مضطربانہ تھا۔ "میں چاہتی ہوں کہ بلیک کیٹ ٹی سے کے مذاکرات تم خود بھی سنو تاکہ تمھیں فیصلہ کرنے میں مدد سکے۔ اسے بھی یہ معلوم ہے گا کہ تم ابھی تک میرے ساتھ وہ اپنی ضرورت کے تحت اندھا ہو رہا ہے۔ ہم سے اسلحہ ل کرنے کے لیے وہ کوئی گند اور بھی کر سکتا ہے۔ جب کہ غزالہ کی بازیابی تک اس سے کوئی رکاوٹ پیدا کرنا نہیں ئی ہوں۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔" میں نے پوری نیک نیتی کے ساتھ کہا۔ "لیکن نہ آ سکوں تو سمجھ لینا کہ کسی ناگزیر ضرورت کے تحت ہی مجھے کہیں جانا پڑا ہے۔"

"سلطان شاہ تو فلیٹ ہی میں موجود رہے گا نا؟" اس نے سوال کیا۔

"تم نے اسے جو کچھ کہا تھا اس پر وہ بری طرح بدک گیا تھا اور اسی کے بعد سے کہیں بھاگا ہوا ہے۔ شام کو جہانگیر چکر میں پڑ کر تم نے شاید اس کی غیر موجودگی کو محسوس نہیں کیا۔"

"محسوس کیا تھا مگر وہ آوارہ گرد ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ وہ کہیں نکلا ہوا ہوگا۔ تو کیا اب وہ لوٹ کر تمھارے پاس واپس نہیں آئے گا؟" اس کے لہجے میں ہلکی سی ندامت پیدا ہو گئی تھی۔

"جائے گا کہاں؟ دو چار روز میں غصہ سرد ہوگا تو خود ہی لوٹ آئے گا۔ تم سے میری ایک گزارش ہے کہ اب کہیں اس سے سامنا ہو جائے تو اس سے الجھنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ وہ تم پر ہاتھ بھی چھوڑ سکتا ہے۔"

"میں تو دل سے چاہتی ہوں کہ وہ مجھ پر ہاتھ اٹھائے میں آناً فاناً میں اس کا سارا غرور خاک میں ملا دوں گی۔ تند خو اور خشک مزاج مردوں کے لیے مظلوم عورت کے آنسو عذاب بن جاتے ہیں۔ جس دن وہ مجھ پر ہاتھ اٹھا لے گا۔ اس کے بعد زندگی بھر میری تحقیر کرنے کی جرات نہیں کر سکے گا۔"

"صبح سویرے خدا کا نام لو ویرا!" میں نے اسے ٹوک دیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کے عشق میں مبتلا ہو گئی ہو اور بس اسی کو زیر کرنے کے خواب دیکھتی رہتی ہو۔ وہ ایک کرخت اور اکھڑ مزاج آدمی ہے۔ تم اس کے منہ لگتی ہو تو مجھے دکھ ہوتا ہے۔ میں نہ تم کو کچھ کہہ سکتا ہوں اور نہ اسے پھٹکار سکتا ہوں۔"

"عشق نہیں، بس اسے تم میری انا کا سوال کہہ سکتے ہو مجھ جیسی کوئی بھی لڑکی یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی مرد اسے مسلسل اور بری طرح نظر انداز کرتا رہے۔ جس دن میں نے اسے زیر کر لیا وہی اس میں میری دلچسپی کا آخری دن ثابت ہو گا۔ اگر تم چلے بھی گئے تو میں کبھی کبھار تمھارے فلیٹ کا چکر لگاتی رہوں گی۔ جانے سے پہلے فلیٹ کا تالا نہ بدلوا دینا۔ اس سے مجھے بہت آسانی رہتی ہے۔"

"فضول باتیں کر کے اپنی معصومیت جتانے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ تم لڑکی نہیں بلکہ بھرپور عورت ہو۔ اور نسائیت کے ہر گھر گھاٹ سے واقف ہو۔ اسی طرح میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم ایک

ماہر نقب زن ہو۔ تمہارے لیے دروازوں کے عام تالے تو کیا، تجوریوں کے پیچیدہ قفل کھیل ثابت ہوتے ہوں گے۔ اب اپنی یہ تقریر ختم کرو، تاکہ میں سورج طلوع ہونے سے پہلے کچھ دیر کے لیے سو سکوں۔ تمہاری گفتگو سن کر اب مجھے نیند آنے لگی ہے۔ اس سے پہلے کہ غنودگی کی یہ لہر ختم ہو مجھے سو جانا چاہیے۔"

"رات نو بجے والا معاملہ نہ بھولنا۔" اس نے مجھے آخری یاد دہانی کرا کے فون کا رابطہ منقطع کر دیا۔

"تم نے میرا سونا محال کر دیا ہے۔" میں بستر پر لیٹا ہی تھا کہ دروازے کی طرف سے آنے والی جہانگیر کی بھرائی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "یہ اتنی رات گئے بار بار فون کی گھنٹی کیوں بج رہی ہے۔" وہ نہ جانے کب سے وہاں کھڑا تھا۔

"رات نہیں ہے، اب تھوڑی دیر میں صبح طلوع ہونے والی ہے۔" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ "اگر شراب پی کر بھی تم اتنی کچی نیند سوتے ہو کہ فون کی گھنٹیاں خلل انداز ہوتی ہیں تو تمہیں اپنی بے خوابی کا باقاعدہ علاج کرانا چاہیے۔ تمہاری نیند کے خیال سے میں باہر سے فون کرنے والوں پر پابندی نہیں لگا سکتا۔"

"میرا تو خیال ہے کہ تم سرے سے سو ہی نہیں سکے۔ بے خوابی کے علاج کے لیے ہم دونوں کو ایک ساتھ جانا پڑے گا۔ تم اپنے اندرونِ سندھ سفر کے بارے میں ابھی کیا کہہ رہے تھے؟"

"ویرا کا فون تھا۔ اس کو اپنی غیر حاضری کا جواز بتا رہا تھا۔ سلطان شاہ کے آجانے کے بعد مجھے لامحالہ یہاں سے تمہارے گھر منتقل ہونا پڑے گا۔ بعد میں ویرا کو جواب دہی مشکل ہو جاتی۔"

"لوگوں کے اندرونِ سندھ جانے کے ذکر پہ مجھے وہ دوست یاد آتا ہے۔ جو اپنی شادی کے بعد اندرونِ سندھ سفر کے نام پر اپنی بیوی کے ساتھ حجرہ نشین ہو گیا تھا۔ خاصی تگ و دو اور اشتہاری مہم کے بعد اسے وہاں سے برآمد کرایا جا سکا تھا۔ مجھے گمان ہوا تھا کہیں تم نے بھی غزالہ کے بجائے اپنا کوئی اور سندھ نہ دریافت کر لیا ہو۔"

"سوتے جاگتے ہر وقت تمہارے ذہن پر بے ہودگی سوار رہتی ہے۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "اب تم لاابالی لونڈے نہیں رہے ہو۔ چند روز میں ایک بچی کے باپ بننے والے ہو۔ ایسی باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔"

"بچی کیوں؟ بچہ کہتے ہوئے شرم آ رہی ہے تمہیں؟"

میرے اندازے کے عین مطابق وہ بچی کے لفظ پر بھڑکا تھا۔

"یہ تمہارے اندرونی معاملات ہیں، ان کے بار… میں تم ہی مجھ سے بہتر جان سکتے ہو۔" میں نے بے پروائی… کہا۔ "میں نے تو یوں ہی روا روی میں بچی کا ذکر کر دیا… نومولود کی جنس سے زیادہ میرا مقصد تمہیں یہ جتانا تھا… اب تم بھی باپ ہونے والے ہو۔ تو تمہیں باپوں جیسے اند… بھی اپنانے چاہئیں۔"

"ویرا کو تم نے اپنی غیر حاضری کے بارے میں بتا… ہے، سلطان شاہ سے تمہارا رابطہ کب اور کیسے ہوگا…" اس نے میرے تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگ… موضوع بدل دیا۔

"اس سے بھی میری بات ہو گئی ہے۔ ریلا فون ا… کا تھا۔ کرنل مہیش پال اس کی قید میں ہے۔ اسے لے کر… اسلام آباد سے سیدھا تمہارے ہی گھر پہنچے گا۔" میں نے…

"تو پھر ہم یہاں فلیٹ پر کیا کر رہے ہیں؟" وہ ا… اطلاع پر خوش ہو گیا۔ "اٹھو، گھر چل کر آرام کریں گے۔ ک… ملازم گرم کھانا اور عمدہ ناشتا تو فراہم کرتے رہیں گے،… تو ہم ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر بیزار ہو جائیں گے…"

اس کی تجویز مناسب تھی۔ وہاں ہمیں ہر طرح کا آ… ہونے کے ساتھ ہی یہ موقع بھی مل جاتا کہ کرنل کو قید میں ر… کے انتظامات کر کے غیر ضروری ملازمین کو جبری رخصت… بھیج دیتے۔

کرنل مہیش پال ایک سفارتی افسر تھا۔ اس لیے اس… زبان کھولنے پر مجبور کرنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ بھی ممکن… تشدد کے ذریعے اس کی زبان کھلوانے کے لیے ہمیں… دن تک اسے اپنا قیدی بنائے رکھنا پڑتا۔ اس لیے ا… معاملے میں جہانگیر کے گھر جتنے کم ملازمین ملوث ہوتے ا… ہی بہتر ہوتا۔

اس وقت تک کرنل مہیش پال کے مستقبل کے با… میں میرا ذہن صاف نہیں تھا۔ غزالہ کی بازیابی کی جستجو… ایک کلیدی کردار کے طور پر اس کا نام سامنے آیا ت… میں نے فوراً ہی سلطان شاہ کو اسلام آباد دوڑایا لیکن… جب کہ سلطان شاہ نے اسے پکڑ لیا تھا تو جلد از جلد… کے مستقبل کا فیصلہ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

سلطان شاہ نے ایک مقابلے کے بعد اسے زیر… تھا اس لیے یہ بات واضح تھی کہ کرنل نے اپنے شکار… کا چہرہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیا ہوگا۔ اگر بازپرس… دوران میں ہم لوگ نقابیں وغیرہ استعمال کر کے خود کو ا…

ئے رکھنے میں کامیاب ہو جاتے تب بھی رہائی حاصل
انے کے بعد وہ سلطان شاہ کے لیے خطرات کھڑے
سکتا تھا اور ایک بار سلطان شاہ گرفت میں آجاتا تو اس
ذریعے ہم بھی مشکلات سے دوچار ہوسکتے تھے۔
کرنل مہیش پال بادی النظر میں ہماری سرزمین پر ہونے
ایک گھناؤنی سازش کا سرغنہ نظر آرہا تھا۔ اس کے
کے پیش نظر اس کا سہل ترین علاج یہ تھا کہ اسے
کا خوف دلا کر زبان کھولنے پر مجبور کیا جاتا اور اس
ساری اہم باتیں اگلوانے کے بعد اسے موت کے
اتار دیا جاتا اور لاش کو خاموشی کے ساتھ کہیں
کر دیا جاتا۔ اس صورت میں ہم میں سے کسی کے پھنسنے
امکانات بہت کم رہ جاتے لیکن کرنل مہیش پال نرا
ہی نہیں تھا۔ مجرم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک
سفارت کار بھی تھا۔ اس کے سفارت خانے کے
کار اس کی پُراسرار گمشدگی پر اپنی مجبوریوں کے سبب
دو دن تک تو خاموش رہ سکتے تھے لیکن اس کے
کسی زیادتی کا یقین ہوتے ہی سیاسی اور سفارتی
پر ایک طوفان کھڑا ہوسکتا تھا۔ جو باہمی کشیدگی کی فضا
ناک حد تک بگاڑ سکتا تھا۔

ان دنوں میں جو کچھ کر رہا تھا وہ صرف میری اپنی
کے لیے نہیں تھا۔ میں نے اپنے وطن اور ہم وطنوں
بھلائی کی خاطر شی کو خیرباد کہہ کر ان عالمی بھیڑیوں کی
مول لی تھی۔ اپنے لوگوں کو شی کے ذریعے ہیروئن نوشی
مبتلا ہونے سے بچانے کے لیے میں نے مافیا والوں کے
مضبوط کرنے کا فیصلہ کیا تھا جو مقامی منڈی سے
سے زیادہ ہیروئن سمیٹ کر یورپ اور امریکا کے
شہروں کے مضطرب اور ناآسودہ شہریوں میں
تھیں۔ اس لیے میں کرنل مہیش پال کے بارے میں
ایسا خود غرضانہ فیصلہ نہیں کر سکتا تھا جو میری سہولت
بعد پر میری مملکت کو پیچیدہ مشکلات سے دوچار
تا۔ مگر وہ سب میری نظریاتی قیاس آرائیاں تھیں اصل
کچھ ہونا تھا اس کا تمام تر انحصار خود کرنل مہیش پال
اپنے رویّے پر ہوتا مجھے اپنے طور پر صرف اتنی....
تدبیر کرنی تھی کہ سلطان شاہ کے علاوہ وہ ہم میں
کسی کو نہ پہچان پائے اور اگر اسے زندہ رہنا ہی ہو
نادیدہ دشمنوں کی دہشت سے نجات نہ پا سکے۔

کرنل مہیش پال دُبلا پتلا اور دراز قامت شخص تھا
جس کے استخوانی چہرے پر اندر کو دھنسی ہوئی عقابی آنکھیں
دیکھنے والے کو اپنے وجود میں اُترتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔
وسط سے اس کی چندیا کسی انڈے کی طرح صاف اور چمکدار
تھی لیکن کنپٹیوں سے اوپر کھوپڑی پر کھچڑی جیسے بالوں
کی ایک جھالر موجود تھی۔ کھوپڑی سے ملی ہوئی سپاٹ
پیشانی سے اس کی سنگ دلی کا اظہار ہوتا تھا۔

اس وقت بھی اس کے بدن پر وہی شکن آلودہ، سیاہ
سوٹ موجود تھا جس میں اسے اسلام آباد سے اغوا کیا گیا
تھا۔ اس وقت اس کے بشرے سے برہمی ٹپک رہی تھی۔
کیوں کہ اغوا کے فوراً بعد ہی سلطان شاہ نے اس کے سر
پر ضرب لگا کر اسے بے ہوش کر دیا تھا اور پھر اسے افیم
کے زیرِ اثر مسلسل بے ہوش رکھا گیا تھا۔ اسے بے ہوشی ہی
کی حالت میں ہم نے جہانگیر کے گھر کے صاف ستھرے اور
کشادہ تہ خانے میں پہنچایا تھا جہاں مسہری اور ملحقہ باتھ
روم جیسی بنیادی ضروریات کے ساتھ ہی کمرے کو ٹھنڈا
رکھنے کے لیے ائرکنڈیشنر بھی نصب تھا۔ کرنل مہیش پال
کی تفصیلی جامہ تلاشی لینے کے بعد اسے ٹھنڈے تہ خانے
میں ہی مقفل کر دیا تھا۔ سلطان شاہ زخمی تھا اور طویل سفر
سے بُری طرح تھکا ہوا تھا اس لیے ڈریسنگ کرانے کے
بعد طویل غسل کر کے ایک خواب گاہ میں جا گھسا تھا۔ اس
نے کرنل کی کار سے برآمد ہونے والے جو کاغذات میرے
حوالے کیے تھے ان کو دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے
کھُلی کی کھُلی رہ گئی تھیں۔

کئی گھنٹوں کا طویل وقفہ دینے کے بعد میں جہانگیر
کے ہمراہ دن چڑھے تہ خانے میں داخل ہوا تو کرنل تشویش
زدہ انداز میں مسہری پر دراز تھا۔ اسے خائف کرنے کے
لیے ہم دونوں نے سر سے پیر تک سیاہ چُست لباس پہنے
ہوئے تھے جس میں آنکھوں کی جگہ گول سوراخ تھے یا سانس
لینے کے لیے نتھنوں کے سامنے باریک جالی لگی ہوئی تھی۔
اس پر اپنی دہشت قائم کرنے کے لیے ہم دونوں نے امریکن
کاؤبوائز کی طرح خود کو بے تحاشا مسلح کیا ہوا تھا۔

بلٹ ہولسٹرز سے ہم دونوں کے دونوں پہلوؤں سے
اعشاریہ تین آٹھ کے ہولناک پستول لٹک رہے تھے جن کے
کئی فاضل میگزین بیلٹ میں لگے ہوئے تھے۔ بائیں شانوں پر
خودکار سب مشین گنیں موجود تھیں، ان کے فاضل کلپ ایک
شولڈر اسٹریپ میں لگے ہوئے تھے۔

کرنل مہیش زمانے کا سرد و گرم دیکھا ہوا ایک گھاگ
افسر تھا۔ اس نے کسی بھی قسم کے خوف یا غصے کا اظہار کیے

بغیر قدرے حیرت مگر خاموشی سے ہم دونوں کو دیکھا تھا۔ اور ہم بھی اسے مخاطب کیے بغیر چند ثانیوں تک گھورتے رہے پھر جہانگیر پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق فوجی انداز میں مڑا اور اس زیرِ زمین خواب گاہ سے باہر نکل کر... دروازہ بند کر دیا۔

میں کرنل مہیش پال پر سے نظریں ہٹائے بغیر آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر دیوار کے سہارے لگے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے لوڈ کی ہوئی سب مشین گن احتیاط سے اپنی گود میں رکھ لی تھی۔

"یہ کیا ناٹک ہو رہا ہے؟ اور تم لوگ کون ہو؟ مجھے کس مقصد کے لیے اغوا کیا گیا ہے؟" آخر کار اسی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا اور وہ اضطراری لہجے میں بول پڑا۔

"تمھیں اغوا نہیں کیا گیا بلکہ تم دوستوں کے درمیان ہو۔" میں نے بدلی ہوئی مرتعش آواز میں کہا۔ "تمھیں معلوم ہے کہ تم یہاں آگ سے کھیل رہے ہو۔ انٹر سروسز انٹیلی جنس اور دوسرے کئی حساس ادارے تمھارے وجود اور سرگرمیوں سے غافل نہیں ہو سکتے پھر بھی تم گارڈز وغیرہ کے بغیر باہر نکلنے کا خطرہ مول لیتے رہتے ہو۔ تم کو ان ہی خطرات کا احساس دلانے کے لیے اس قدر غیر معمولی طریقے سے اٹھوایا گیا ہے اور مجھے افسوس ہے کہ تم نے اس واقعے میں میرے ایک آدمی کو اپنے پستول سے بری طرح زخمی بھی کر دیا ہے۔"

"تم دوست کے علاوہ کچھ بھی ہو سکتے ہو، شاید تمھیں معلوم نہیں کہ ایک غیر ملکی سفارتی افسر کو حبسِ بے جا میں رکھنا کتنا بڑا اور ناقابلِ معافی جرم ہے، میری گم شدگی پر میرے سفارت خانے نے اب تک پورے اسلام آباد کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا اور جلد یا بدیر تمھیں مجھ کو آزاد کرنا پڑے گا اس لیے اپنا اور میرا وقت برباد کرنے کے بجائے مجھ سے کھل کر بات کرو کہ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس کا لہجہ سپاٹ اور دو ٹوک تھا۔ میرے سر سے پیر تک نقاب پوش ہونے سے اس نے وہی نتیجہ اخذ کیا تھا جو میں اسے باور کرانا چاہتا تھا۔

اس ڈرامے بازی کی بنا پر اس کے دل میں ابتدا ہی سے اپنی زندگی اور آزادی کی امید پیدا ہو گئی تھی۔ اس جیسے تجربے کار شخص کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ اگر ہم کو آخر کار اسے قتل ہی کرنا ہوتا تو ہمیں اس سے اپنی شناخت چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

اس سے گفتگو کرنے کے لیے میرے ذہن میں پہلے سے ایک خاکہ موجود تھا مگر اسی لمحے مجھے ایک نئی را[...] سوجھ گئی۔ پچھلی رات بلیک کیٹ ٹی ویرا سے زیادہ بااو[...] تھا۔ ویرا کو کرنل نہیں ملا تھا اور بلیک کیٹ ٹی غزالہ کو ا[...] تحویل میں لینے میں ناکام رہا تھا اور وہ دونوں ہی ایک دو[...] کی کامیابی کے لیے دست بہ دعا تھے اس لیے وہی ترغ[...] کرنل مہیش پال کو فوراً زیر کر سکتا تھا۔

"بلیک کیٹ ٹی۔" میں نے وہ تین الفاظ ادا کر ک[...] خاموشی اختیار کر لی اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میری [...] زبان سے وہ نام سن کر وہ حیرت زدہ نظر آنے لگا تھ[...] اور اس کی آنکھیں بے یقینی کے عالم میں پھیل گئی تھیں۔

"بھاری مقدار میں اسلحہ خریدنا چاہ رہا ہے۔" میں [...] قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے [...] "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اسے یہ اسلحہ کیوں اور کہاں [...] درکار ہے، وہ مقامی ڈاکوؤں اور چھاپا ماروں کی ایک دل[...] فوج کو منظم کر چکا ہے، وقت آگیا ہے کہ وہ ان سے کا[...] لے اس لیے اسے اسلحے کی ضرورت ہے، اسے سودے [...] کی تکمیل کے لیے تمھاری ضمانت کی ضرورت ہے۔ وہ خو[...] شی کے لیے اجنبی ہے، تم، تمھارا سیکرٹری اور ایک تیس[...] آدمی شی کے پرانے شناساؤں میں شامل ہے اگر تم بلیک [...] کیٹ ٹی کی طرف سے معاہدے کی پابندی کی ضمانت د[...] دو تو اسلحہ یہاں اسمگل کر لیا جائے گا اور بلیک کیٹ ٹ[...] ڈلیوری لے کر سودے کی رقم ادا کر دے گا۔"

وہ خاموشی اور توجہ سے میری بات سنتا رہا لیکن [...] آسانی کے ساتھ میرے جھکے میں آنے والا نہیں تھا۔ وہ [...] تو ابتدائی تحیر کے باوجود اس کا لہجہ سپاٹ اور سرد تھا۔ "می[...] کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو، مجھے تم [...] گھٹیا جاسوسی فلم سے متاثر نظر آرہے ہو، شی اور بلیک [...] جیسے ناقابلِ فہم استعاروں کے بجائے مجھ سے کھل کر با[...] کرو اور کسی بھی دوسری بات سے پہلے مصدقہ ثبوت [...] ساتھ مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ میں ایک اجنبی کی ہونکا[...] پر اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کر سکتا۔

"تم یہ بھول رہے ہو کرنل کہ اب وقت تمھارے سا[...] نہیں ہے اور تم اس کمرے میں جو وقت بھی گزار رہے [...] وہ بالکل بے وقعت ہے، میری شناخت کے لیے و[...] کافی ہے جو میں تمھیں بتا چکا ہوں، میں اپنی اتھارٹی کے [...] میں تمھیں کسی بھی طرح جواب دہ نہیں ہوں، مجھے نئی د[...] یہاں صرف اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں تمھارے آدمیو[...]

کارکردگی پر نگاہ رکھوں اور تم میں سے جو بھی آپریشن کی کامیابی کے لیے خطرہ بنتا ہوا نظر آئے میں خاموشی سے اسے راستے سے ہٹا دوں۔ بلیک کیٹ ٹی کی کارکردگی سے میرا دل خوش ہوا ہے۔ وہ اپنی ذات کو پوری طرح کیموفلاج کرکے ایک سرحدی قصبے میں مولوی بن کر بظاہر خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہا ہے۔ اس نے مجھ سے کوئی شناخت طلب کیے بغیر میری اتھارٹی کو تسلیم کرلیا اور شی والے سودے میں تمہاری ضمانت کی ضرورت سے بھی آگاہ کر دیا لیکن تمہاری یہاں پر موجودگی سے ثابت ہوتا ہے کہ تم اپنے فرائض کی ادائیگی سے غفلت برت رہے ہو۔ میں چاہوں تو صرف اپنی صوابدید پر تمھیں ذبح کرکے نئی دہلی کو اطلاع دے سکتا ہوں۔ مجھ سے نہ کوئی بازپرس ہوگی، نہ کوئی مجھے سولی چڑھائے گا۔ شی کی تسلی کے لیے کسی دوسری ضمانت کا بندوبست کر دیا جائے گا۔“ اس بار میرا لہجہ ابتدا ہی سے حقارت آمیز اور طنزیہ رہا تھا۔ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں تشدد کے بغیر اس کی زبان کھلوا لوں۔

”یہ سب میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔“ قدرے سکوت کے بعد اس نے پُرملال لہجے میں کہا۔ ”کاش میں تمھاری کوئی بھی بات سمجھ سکتا۔ میں تو خیر ایک معزز اور سچا سفارت کار رہوں لیکن میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ حریف ایک دوسرے کے اہم آدمیوں پر ہاتھ ڈال کر ان کے اندر کے راز اگلوا لیتے ہیں اور پھر اپنی ان معلومات کے سہارے اپنے دشمن کی صفوں میں داخل ہوکر انھیں ڈبل کراس کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ میری جگہ تمھاری رمزیہ گفتگو سمجھنے والا کوئی سمجھ دار آدمی بھی ہوتا تو تمھاری شناخت کے بغیر ان کہانیوں پر اعتماد نہ کرتا۔ اہم اور خفیہ کاموں میں باہمی شناخت کی کلیدی اہمیت ہوتی ہے۔ ابھی تو تم محض میری دوستی اور خیرخواہی کا دعویٰ ہی کر رہے ہو جسے تسلیم کرنے سے مجھے انکار ہے۔ اگر ابھی تم یہ کہو کہ تم کوئی پولیس یا فوجی افسر ہو تو میں اس دعوے کو بھی نہیں مانوں گا۔ جب تک تم مناسب شناختی دستاویزات کے ذریعے اپنی باقاعدہ شناخت نہیں کراتے، تم میری نگاہ میں ایک معمولی مجرم رہو گے جس نے کسی مالی فائدے کی امید میں مجھے طاقت اور سازش کے بل پر اغوا کرالیا ہے۔“

وہ شدید ذہنی اذیت سے گزر چکا تھا۔ انیم نے طویل دورانیے کے لیے اس کے حواس کو مفلوج کیا ہوا تھا مگر اس کی گفتگو کا ایک ایک لفظ نپا تلا تھا۔ وہ کسی پختہ کار سفارتی عہدے دار کی طرح مجھ سے کھل کر کوئی بات کیے بغیر مجھے یہ جتانے میں کامیاب ہوچکا تھا کہ میرا دوستی کا دعویٰ بودا اور بے بنیاد تھا۔ میری خفیہ معلومات کے حصول کے ذرائع کے بارے میں بھی اس نے بڑی خوب صورتی سے اپنے شبہے کا اظہار کر دیا تھا جو حقیقت سے بہت قریب تھا۔

”بلیک کیٹ ٹی تمھارا اندر کا معاملہ ہے اگر تم نے اس کے بارے میں زبان نہ کھولنے کا عہد کیا ہوا ہے تو میں اس بات پر اصرار نہیں کرتا لیکن تم نے جانو ماچھی نامی ڈاکو کا نام ضرور سنا ہوگا جو حال ہی میں حوالات سے فرار ہوا ہے۔ وہ تمھارے لیے کام کرتا ہے لیکن مقامی ہے۔ اس کے بارے میں تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟“

”پھر وہی بات!“ وہ سر جھٹک کر بولا۔ ”بھلا ایک غیر ملکی سفارت کار کا یہاں کے ڈاکوؤں سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ میں نے اخبارات میں اس کے فرار کی خبریں ضرور پڑھی تھیں لیکن اس موضوع پر تبادلۂ خیال کرنے سے پہلے بھی باہمی تعارف ضروری ہے۔ اگر تم اپنے رویے میں تبدیلی نہ لائے تو آخرکار تم خود ہی اپنی مشکلات میں اضافہ کرلو گے۔“ اس کی گفتگو میں پڑھے لکھے لوگوں کی سی نزاکت اور شائستگی بہت نمایاں تھی۔

”مجھے اپنا تعارف کرانا ہوتا تو میں خود کو چھپائے رکھنے کی حماقت نہ کرتا۔“ میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

”سفارتی عہدے بہت اہم اور حساس ہوتے ہیں۔“ اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ ”میں مانتا ہوں کہ طے شدہ عالمی ضابطوں میں ایسی کوئی گنجائش نہیں لیکن کشیدہ صورت حال میں بیشتر ممالک اپنے سفارت کاروں کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے بالا ہی بالا تجربہ کار مخبروں کو بھیج دیا کرتے ہیں جو دور سے اپنا جائزہ مکمل کرکے واپس لوٹ جاتے ہیں۔ ایسے مبصر اور مخبر لازمی طور پر بہت سینئر اور خفیہ اداروں کے معروف لوگ ہوتے ہیں جو بھیس بدل کر اپنا کام کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ میں فوج سے فارن سروس میں آیا ہوں اس لیے فوجی اور سول اداروں کے بیشتر سینئر افسران کو کسی نہ کسی طرح جانتا ہوں۔ اگر تم واقعی نئی دہلی سے آئے ہوئے ایسے کوئی مبصر ہو تو تعارف کراؤ یا نہ کراؤ، کم ازکم اپنا چہرہ ہی بے نقاب کر دو۔ ہوسکتا ہے کہ میں نے تمھیں کہیں دیکھا ہو اور میرا حافظہ ساتھ دے تو میں تمھیں پہچان لوں۔ باہمی اعتماد کی فضا پیدا ہوئے بغیر میں کسی بھی متنازعہ یا مشکوک معاملے پر اپنی رائے تک ظاہر نہیں کروں گا۔“

وہ مجھ سے بحث ضرور کر رہا تھا لیکن اس کے تیور لڑ مرنے کی حد تک جارحانہ نہیں تھے۔ میں سب مشین گن ہاتھ میں دبا کر صوفے سے اٹھا اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

”تو تم شرافت سے زبان نہیں کھولو گے؟“ میں نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

”میرا راستہ چھوڑ دو اور مجھے گھر جانے دو!“ وہ نرمی اور شرافت سے بولا۔ ”میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا کہ تم نے مجھے زبردستی اٹھوایا تھا۔ میرے دفتر میں ملنے آؤ گے تو میں تم سے ہر موضوع

پر کھل کر بات کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس اچھے ماحول میں مجھے کچھ بھولی بسری باتیں یاد آ جائیں۔ اس تنگ ماحول میں تو مجھے اپنا دماغ تک ماؤف ہوتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ یہاں تم مجھ سے کوئی فیض حاصل نہیں کر سکو گے۔"

میں نے اچانک ہی اس کے چہرے پر الٹے ہاتھ کا بھرپور تھپڑ رسید کیا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ تھام کر ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ پیچھے لڑھک گیا۔ وہ سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ میں نے پیچھے سے اس کے کوٹ کا کالر تھام کر نہایت بے رحمی کے ساتھ اسے مسہری سے نیچے گھسیٹ لیا۔

میرے پُرشور تھپڑ سے اس کا داہنا رخسار سرخ ہو کر قدرے سوج گیا تھا اور ہونٹوں کے داہنے کونے سے خون کی پتلی سی لکیر بہ نکلی تھی۔ اس نے فرش پر سنبھل کر اٹھنا چاہا تھا کہ میں نے اس کی پسلیوں میں زوردار ٹھوکر رسید کی اور وہ بُری طرح بلبلا کر فرش پر ہی تڑپنے لگا۔

"کرنل! میں اسی طرح ٹھوکروں سے تمہارے بدن کا ریشہ ریشہ الگ کر دوں گا۔" میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "میں نے کافی دیر تک تحمل سے کام لیا ہے لیکن اب میں تمہاری ڈھٹائی برداشت نہیں کروں گا۔ میں اپنے قیدیوں سے سوالات سننے کا عادی نہیں ہوں۔ مجھے ہر قیمت پر اپنے سوالوں کے جوابات چاہئیں۔"

میں اس سے مذاکرات کے دوران اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ جسمانی طور پر زیادہ مضبوط نہیں تھا لیکن اس کی قوتِ ارادی قابلِ رشک حد تک مضبوط تھی۔ اس کی اعصابی قوت کو چکنا چور کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اس پر لگاتار تشدد کر کے اسے موت کے خوف میں مبتلا کر دیا جاتا۔

"جو کچھ میرے علم نہیں ہے وہ میں تمہیں کیسے بتا سکتا ہوں۔" گھٹنوں کے درمیان سے اس کی رندھی ہوئی مگر عاجزانہ آواز ابھری۔ "اگر تم خود میرے سامنے نہیں آتے تو کم از کم کسی ایسے آدمی ہی کو لے آؤ جس نے تمہیں میرے بارے میں بتایا ہو۔ مجھے کچھ تو پتا چلے کہ تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟"

"تمہیں ابھی تک اپنے سفارت خانے سے امیدیں وابستہ ہیں۔" میں نے اس کی طرف ایک قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ تم اس وقت کہاں ہو؟"

"مجھے اپنے چہرے کے بڑھے ہوئے شیو سے اندازہ ہو چکا ہے کہ مجھے اغوا ہوئے کم از کم دو دن ہونے والے ہیں۔" اس نے اپنی سرخ آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اتنی مدت میں تو مجھے دنیا میں کہیں بھی پہنچایا جا سکتا تھا۔"

اس کے جواب پر میرا خون کھول کر رہ گیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ خود کو اسلام آباد ہی میں موجود سمجھ رہا ہو گا لیکن وہ میری توقع سے بڑھ کر ذہین تھا۔ وقت کی پیمائش کے لیے بڑھے ہوئے شیو کا پیمانہ استعمال کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ "تم اپنے لوگوں سے بہت دور اس قلعے میں قید ہو جہاں میری مرضی کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ تمہاری کار اسلام آباد میں کرائے کے ایک گیراج میں مقفل کر دی گئی ہے۔ تمہاری تحویل سے جو دستاویزات ملی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سندھ میں تخریب کاری کے ساتھ ہی تم حساس دفاعی نوعیت کی بعض اہم تنصیبات میں بھی دلچسپی لے رہے تھے۔ تمہارے سفارت خانے والے مخمصے میں ہیں کہ کیا کریں۔ ان کا خیال ہے کہ کہیں تم اچانک ہی کسی مشن پر تو نہیں نکل پڑے۔۔"

"مجھے یہ سب سنا کر خوف زدہ کرنے کی کوشش نہ کرو، یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اٹک اٹک کر سوال کیا۔ "تم نے میری پسلیوں میں بڑی بے دردی سے ٹھوکر ماری ہے، سانس لیتے ہوئے بھی اس مقام پر شدید درد ہو رہا ہے۔"

میں نے اس کی آخری شکایت کو سُنی اَن سنی کر دیا۔ "کراچی میں جانو ماچھی کے کون کون سے اڈے ہیں؟ وہ یا اس کے آدمی کہاں پناہ لے سکتے ہیں؟ بلیک کیٹ ڈی ٹی کس گاؤں میں رہتا ہے؟ یہاں تمہارے مزید کیا عزائم ہیں؟" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر بے رحمانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے ان سب اور ایسے ہی بے شمار ضمنی سوالات کے ٹھیک ٹھیک جواب درکار ہیں ورنہ تم ہر لمحے موت کی آرزو کرو گے اور موت تمہاری زندگی سے لرز کر دُور بھاگتی رہے گی۔ تم معذوری اور مجبوری کے عالم میں اسی تہ خانے میں سسک سسک کر اپنی زندگی کے دن پورے کرو گے اور جب تمہاری طبعی موت آ جائے گی تو تمہاری داغ دار لاش کسی کوڑا گھر پر پھینک دی جائے گی۔"

"میں جو باتیں خود نہیں جانتا، ان کے بارے میں تمہیں کیا بتا سکتا ہوں۔" اس نے بے بسی کے عالم میں میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تمہیں میرے بارے میں کوئی خوف ناک غلط فہمی ہوئی ہے یا میرے کسی بدترین دشمن نے میرے خلاف تمہیں بہکایا ہے۔"

وہ اپنے سوجے ہوئے خون آلود چہرے کو ٹٹولتا ہوا فرش سے اٹھا تو سیدھا ہونے کی کوشش میں کئی بار اس کے منہ سے بے اختیار سسکیاں آزاد ہو گئیں۔ شاید اس کی کوئی پسلی واقعی چٹخ گئی تھی۔

میں نے اس کے قریب پہنچ کر چند ثانیوں تک اس کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ خاصی مار کھا لینے کے باوجود اس کی آنکھوں میں حوصلے کی چمک برقرار تھی۔

میں نے لاپروایانہ انداز میں سب مشین گن پر اپنی گرفت تبدیل کر کے اُس کی سرد آہنی نال اپنے ہاتھ میں لے لی اور پھر اچانک ہی گھما کر اُس کا آہنی دستہ کرنل مہیش پال کے چہرے پر بائیں طرف رسید کر دیا۔

کئی ہڈیاں چٹخنے کی لرزہ خیز آواز کے ساتھ ہی وہ بُری طرح جھنجھناتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا اور اُسی لمحے جہانگیر دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

مہیش پال فرش پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر خون تھوک رہا تھا۔ خون کے سُرخ لوتھڑوں میں ٹوٹے ہوئے سفید دانت اور اُن کی کرچیں بھی دُور ہی سے دیکھی جا سکتی تھیں۔

اس ضرب سے اُس کے دہانے میں اتنی شدید شکست و ریخت ہوئی تھی کہ وہ مُنہ بھر کر خون تھوکنے سے فارغ نہ ہوتا تھا کہ تازہ خون دوبارہ اُس کے دہانے میں بھرنے لگتا تھا۔

"اُس کی کھال کافی جگہوں سے پھٹ چکی ہے۔ ان کھلے ہوئے زخموں پر اسپرٹ لگاؤ تا کہ اس کے ہوش ٹھکانے آ سکیں۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں،" میں نے سرد لہجے میں جہانگیر کو ہدایات دیں اور خود اُس کمرے سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

"نہیں!" میری ہدایت پر مہیش پال کے حلق سے خرخراتی ہوئی کرب ناک آواز برآمد ہوئی تھی "میرے ساتھ یہ ظلم نہ کرو۔ میں کچھ نہیں جانتا! مجھے کچھ نہیں معلوم..."

"بکواس بند کر اُلو کے پٹھے!" جہانگیر نے بھی اس کی پشت پر ایک ٹھوکر رسید کر دی "یہاں صرف باس کا حکم چلتا ہے۔ زبان نہیں کھولے گا تو تیرے مرنے کا انتظار کیے بغیر تیرے زندہ بدن پر اسپرٹ چھڑک کر آگ لگا دی جائے گی اور تو شعلوں کا ناچ ناچنا شروع کر دے گا۔"

"اوہ بھگوان!" وہ بہت درد بھری آواز میں کراہا تھا "یہ کیا کلجگ آن لگا ہے۔ پتا نہیں یہ میرے کس پاپ کی سزا ہے جو مجھے موت بھی نہیں آ رہی..."

میں نے اُس کی مزید فریاد سنے بغیر دروازہ بند کر دیا۔

دروازے کے باہر ایک مختصر سی راہداری تھی جس میں دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اسی راہداری کے ایک گوشے سے زینے اوپر جا رہے تھے۔

میں نے اپنی سر سے گردن تک چڑھا ہوا چست نقاب اُتارا اور وہیں ایک کرسی پر دراز ہو کر اپنے لیے سگریٹ سُلگائی۔ کرنل مہیش پال سے اس مقابلے میں مجھے کوئی شدید محنت نہیں کرنا پڑی تھی لیکن اس کی ذہانت اور قوتِ برداشت نے اعصابی طور پر مجھے تھکا ڈالا تھا۔

مجھے نظر آ رہا تھا کہ وہ ہمارے ہاتھوں سسک سسک کر دم توڑ دے گا لیکن نہ کوئی اعتراف کرے گا اور نہ ہی کوئی اور کام کی بات اُگل کر دے گا۔

چند ثانیوں بعد میرے کان اندر سے آنے والی چیخوں پر مرکوز ہو گئے۔ جہانگیر نے مقفل کیبنٹ سے اسپرٹ نکال کر اس کے زخموں کی دھلائی شروع کر دی تھی یا پھر اس پر تشدد کا کوئی دوسرا دَور شروع کر دیا تھا۔ وہ کمرا خاصی حد تک ساؤنڈ پروف تھا لیکن کرنل مہیش پال کی، ذبح ہوتے ہوئے سانڈ جیسی چیخوں کو اندر ہی مقید رکھنا ان دیوار و بام کے بس سے باہر تھا بلکہ میرا تو خیال تھا کہ وہ آوازیں اوپر موجود ملازمین تک بھی پہنچ رہی ہوں گی جن کی کُل تعداد صرف دو تک محدود رکھی گئی تھی۔

میں نے نہ کوئی آہٹ محسوس کی اور نہ کوئی سایہ دیکھا، بس چھٹی حس کے تحت اچانک ہی پیچھے مڑا تھا اور پھر بھونچکا ہو کر بے اختیار اپنی کرسی سے اُٹھتا چلا گیا۔

زینوں والے نیم روشن خلا سے ویرا اس حالت میں بے آواز قدموں سے فرش پر اُتر رہی تھی کہ اس کے ایک ہاتھ میں پستول موجود تھا اور وہ برہنہ پا تھی۔

اُس نے اضطراری طور پر پستول کی نال میری طرف گھمائی تھی اور تقریباً ہذیانی سرگوشی کے عالم میں بولی تھی "اندر کون ہے؟ یہاں کیا ہو رہا ہے؟ تمہاری گردن سے یہ سیاہ نقاب کیوں جھول رہا ہے"

"جہاں ہو، وہیں سے واپس لوٹ جاؤ ویرا!" میں نے اپنی سب مشین گن پر ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا "یہ میرا کھیل ہے، میں تم اس میں مداخلت کی اجازت نہیں دے سکتا!" میرا لہجہ سرد اور تحکمانہ تھا۔

"دوستی ہو جانے کے بعد اب کوئی بھی کھیل صرف تمہارا اپنا نہیں رہا ہے ڈیئر!" آگے بڑھتے ہوئے وہ دھیمے اور مکارانہ لہجے میں بولی "تم تو اندرونِ سندھ جانے والے تھے پھر یہاں کیا کر رہے ہو؟ میں تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے جہانگیر سے ملنے آئی تھی لیکن اوپر کی تو فضا ہی عجیب ہے..."

"رُک جاؤ ویرا!" میں غصے سے اپنا ایک پاؤں زمین پر مار کر غرایا "مزید آگے بڑھو گی تو میں فائر کر دوں گا۔"

وہ جہاں تھی وہیں منجمد ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کی قہر بار نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

اندر سے اُبھرنے والی کرنل مہیش پال کی چیخوں میں اب وقت بُلا کی شدت پیدا ہو چکی تھی۔

میں سب مشین گن سیدھی کیے اپنی جگہ پر کھڑا
تھا اور برہنہ پا ویرا اپنی جگہ پر جمی ہوئی، خونخوار نظروں سے
مجھے گھورے جا رہی تھی۔ تیور ہم دونوں ہی کے خطرناک اور جارحانہ
تھے۔ فرق اگر کوئی تھا تو بس اتنا تھا کہ مجھے دیکھنے کے بعد اس کا
پستول والا ہاتھ غیر ارادی طور پر گرتا چلا گیا تھا جب کہ میں نے
اچھی طرح جانتے بوجھتے ہوئے بھی اس کو اپنی سب مشین گن کی زد
پر لیا ہوا تھا۔

"مجھ سے اندرونِ سندھ جانے کا جھوٹ بول کر تم یہاں
کون سا خفیہ کھیل کھیل رہے ہو؟" چند ثانیے کے خون آشام
سکوت کے بعد آخر کار ویرا ہی نے غصے سے پھنکارتی ہوئی آواز
میں سکوت توڑا تھا۔

"یہ میرے دوست کا گھر ہے۔" میں نے اپنا وزن ایک سے
دوسرے پیر پر منتقل کرتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "یہ ضروری
نہیں کہ میں اپنے ہر فعل سے تمھیں آگاہ کروں۔ اس چھت کے نیچے
میں ہر وہ کام کر سکتا ہوں جو میں چاہوں۔ اس کے لیے نہ تو تمھاری
اجازت ضروری ہے اور نہ واقفیت۔"

اسی لمحے ایک بار پھر بند تہ خانے میں سے کرنل مہیش پال
کی دہاڑ اور کربناک چیخوں کی گونج باہر تک پھیلنے لگی تھی۔ ویرا مجھ
پر بہت زیادہ برہم تھی۔ اس کی کیفیت سے یہ اندازہ لگانا دشوار
نہیں تھا کہ وہ اوپر موجود دونوں ملازمین کی مرضی کے خلاف زبردستی
تہ خانے میں اُتر آئی تھی۔ شاید کرنل مہیش پال کی مکروہ چیخوں نے
اس کے دل میں تجسس کی جوت جگائی تھی اور وہ ان آوازوں
کے تعاقب میں میرے روبرو آ موجود ہوئی تھی۔

میں نے اسے اپنی اندرونِ سندھ روانگی کے بارے
میں جو کہانی سنائی تھی اس کی روشنی میں وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی
کہ میں جہانگیر کے گھر کے اس زمین دوز حصے میں موجود رہوں گا۔

وہ کسی واضح مقصد یا ارادے کے بغیر تجسس کے ہاتھوں
مجبور ہو کر ادھر آئی تھی لیکن وہاں مجھے عجیب و غریب حلیے میں موجود
پا کر اس کی کھوپڑی چٹخ اٹھی تھی۔ اپنے قول و فعل کے تضاد پر میں
اس بُری طرح رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا کہ ویرا سے کھل کر مخاصمت
مول لیے بغیر چارہ ہی نہیں رہا تھا۔

میں نرمی اور خوشامد کی راہ اختیار کرتا تو وہ اگلے ہی لمحے میں
مجھے نظر انداز کرتی ہوئی زیرِ زمین خواب گاہ میں داخل ہو کر میرا
بنا بنایا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔ اس لیے میں فوری فیصلے کے تحت اس
کے مقابلے پر ڈٹ گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میرے اس سرد اور جارحانہ
رویے سے بددل ہو کر وہ فوراً ہی واپس لوٹ جائے گی۔

"ڈیٹی!" وہ دانت پیس کر مجھ پر غرائی تھی۔ "مجھے اندازہ نہیں
تھا کہ دروغ گوئی اور مکاری میں تم اتنی دور تک بھی جا سکتے ہو۔ اس
وقت تم مجھ سے اُلجھ سکتے ہو مگر یہ یاد رکھنا کہ موقع ملنے پر میں تمھیں
اچھی طرح دیکھ لوں گی۔"

"ضرور دیکھ لینا۔" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "لیکن ذرا عینک
لگا کر غور سے دیکھنا۔ بعض اوقات میں اپنی باریکی کی وجہ سے خود
کو آئینے میں تلاش کرتا ہی رہ جاتا ہوں۔"

"ایسی کی تیسی تمھاری باریکی کی۔" تاؤ میں آ کر اس نے نتائج کی
پروا کیے بغیر، غراتے ہوئے، میری طرف دوڑ لگا دی۔ میں ارے...
ارے اور ہائیں، ہائیں کرتا ہی رہ گیا لیکن اس نے میرے نچلے
دھڑ سے لپٹ کر وحشیانہ انداز میں مجھے نیچے گرا دیا۔

میرے لیے اس کا وہ ردِعمل لاکھ غیر متوقع اور حیران کن
سہی لیکن میں چاہتا تو اپنی سب مشین گن کے سہارے اسے نہ صرف
خود سے دور رہنے پر مجبور کر سکتا تھا بلکہ چاہتا تو ایک آدھ گولی مار
کر اسے زخمی بھی کر سکتا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس پر آنکھیں نکالنے
کے باوجود میرا اسے نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میری
کوشش صرف اتنی سی تھی کہ اسے خوفزدہ کر کے وہاں سے واپس
لوٹ جانے پر مجبور کر دوں۔

کرنل مہیش پال ویرا کے اسلحے کے سودے میں کلیدی
اہمیت کا حامل تھا۔ ویرا نے جب مجھ سے پوچھا کہ اگر میری رائے
ہو تو وہ اپنا اسلحے کا سودا سرے سے منسوخ ہی کر دے تو میں نے
اس کا وہ احسان لینا پسند نہیں کیا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق
بلیک کیٹ ٹی سے معاملات طے کرنے کی آزادی دے دی۔ اس
وقت ہم دونوں باہمی اعتماد کے سائے میں ایک دوسرے سے
اپنے تعلقات کو پروان چڑھا رہے تھے لیکن پھر اسلام آباد سے
کرنل مہیش پال کے اغوا کی تجویز نے مجھے ویرا سے دروغ گوئی پر
مجبور کر دیا۔ میری کوشش یہ تھی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی
نہ ٹوٹے کے مصداق کرنل کے ذریعے غزالہ میری تحویل میں آ جائے
اور ویرا کو میری طرف سے پوری آزادی ہونے کے باوجود بھی
اس کا اسلحے کا غیر قانونی سودا نہ بن سکے لیکن ویرا کی اس وقت کی
ناگہانی مداخلت نے سب کچھ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ سانپ بند کمرے
میں ہونے والے تشدد کے نتیجے میں بری طرح بنکار رہا تھا اور
ویرا لاٹھی کی صورت میں میرے سر پر سوار تھی۔

"تم بہت بے ہودہ اور ہاتھ چھٹ عورت ہو۔" میں نے
اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ غنیمت یہ تھا کہ
گرتے ہوئے بھی سب مشین گن میری گرفت سے نہیں نکلی تھی۔ "تم

"بس یوں ہی پڑے رہو۔" وہ میری بات کاٹ کر آنکھیں
نکالتے ہوئے غرائی۔ "مشین گن ہاتھ سے چھوڑ دو...

اپنے قدموں پر نہ اٹھنے دوں گی۔"
دھمکی دینے کے ساتھ ہی اس نے اپنے لوڈ کیے ہوئے پستول کی نال میری پیشانی کی طرف تان لی اور میں کھسیائے ہوئے انداز میں ہنس کر رہ گیا۔

"سب مشین گن تو میں نے یوں ہی دھمکی کے طور پر تانی تھی۔ اگر میں سنجیدہ ہوتا تو مجھ تک پہنچنے سے پہلے تمہارے نقرئی بدن کے چیتھڑے اُڑ گئے ہوتے۔" میں نے اپنی صفائی میں کہا۔

"یہی تو میں نے تمھیں پہلے بھی بتانا چاہا تھا۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "کہ مرگی کی مریضہ ہونے کے باوجود قدرت نے میری ذات کو ایک عجیب سا سحر عطا کیا ہے جس کے سامنے بالادست اور طاقتور دشمن بھی مسحور ہو کر عمل کی قوت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ وہ میرے خلاف جو کچھ کرنے کے اہل ہوتے ہیں، اس کا عشر عشیر بھی نہیں کر پاتے اور میں چشم زدن میں موت بن کر ان کے سروں پر سوار ہو جاتی ہوں...!"

"خدا کے لیے میرے سر پر سوار نہ ہونا!" میں نے اس کی بات کاٹ کر اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "میں عملی آدمی ہوں، زبانی کارروائیوں سے میلوں دور بھاگتا ہوں۔" اسی کے ساتھ میں نے اپنے ہاتھ سے سب مشین گن چھوڑ دی تاکہ بات زیادہ نہ بڑھنے پائے۔

"اب آگے بڑھو اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو جاؤ۔"

اس نے پستول کی نال کو جنبش دیتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم نے اندر کسے قید کیا ہوا ہے اور اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔ تم نے میرے ساتھ کوئی چالاکی کرنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ فائر کر دوں گی۔"

"بات بڑھانے کی کوشش نہ کرو ویرا!" میں نے اُسے راہ راست پر لانے کے لیے نرمی سے کہا۔ "میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ مجھے ایک بہت اہم اور ضروری کام سے اندرون سندھ جانا تھا لیکن میری روانگی سے پہلے ہی ایک ایسا اہم معاملہ پیش آ گیا کہ مجھے اپنا پروگرام ملتوی کر کے یہاں آنا پڑ گیا۔ اندر جو کچھ ہو رہا ہے اس کے بارے میں میں تمھیں سب کچھ بتا دوں گا لیکن تم اندر نہ جاؤ۔ تمھاری مداخلت سے میرا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"

ویرا سے گفتگو کرتے ہوئے میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا اور میں کوئی ایسی راہ تلاش کرنے میں مصروف تھا کہ ویرا کو ناراض کیے بغیر اسے کرنل ہیلش پال کی گرفتاری سے آگاہ کر سکوں لیکن وہ واقعہ اس قدر سنگین تھا اور ایسی خفیہ سازش کے ذریعے انجام پذیر ہوا تھا کہ ویرا کا بدکنا لازمی نظر آ رہا تھا۔ سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ فوری طور پر مجھے بدنیت سمجھ کر یہ فتویٰ جاری کر دیتی کہ میں اس سے سمجھوتا کرنے کے معاملے میں مخلص نہیں تھا بلکہ اسے بے وقوف بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کے دل میں میری طرف سے ایک بار وہ گرہ پڑ جاتی تو میرے اور اس کے مراسم ہمیشہ کے لیے خراب ہو سکتے تھے۔

"اندر کون کون ہے؟" اس نے اپنی ہدایت پر اصرار کرنے کے بجائے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا جو میرے لیے ایک اچھا شگون تھا یعنی وہ ذہنی طور پر مذاکرات کی طرف مائل تھی۔

"قیدی کے ساتھ جہانگیر ہے۔" میں نے قیدی کی شناخت ظاہر کیے بغیر نہایت مخلصانہ لہجے میں جواب دیا جسے سن کر اس کی تیوری پر کئی بل پڑ گئے۔

"بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آ رہی ہے۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے پُرخیال لہجے میں بولی۔ "شاید اندر کوئی ایسا قیدی ہے جسے تم پوچھ گچھ کے بعد رہا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تم نے اسی لیے یہ نقابوں کا چکر چلایا ہوا ہے۔ کوئی ہرج نہیں میں بھی نقاب لگا کر ہی اس کے سامنے جاؤں گی... لیکن اندر صرف جہانگیر ہے تو تمھارا ہم زاد سلطان شاہ کہاں ہے؟" آخری سوال اس نے چونکتے ہوئے کیا تھا جیسے اسے کوئی بھولی بسری بات اچانک یاد آ گئی ہو۔

"یہ مصیبت اسی کی لائی ہوئی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "چلا گیا تھا تو اس کی سلامتی کی طرف سے میری طبیعت فکر مند تھی اور اب آیا ہے تو ایک مصیبت ساتھ لے کر آیا ہے۔ تم قیدی کا نام سنو گی تو تمھاری کھوپڑی فضا میں معلق ہو کر رہ جائے گی۔"

"گھٹیا قسم کا تجسس پیدا کرنے کی کوشش نہ کرو۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔ "مجھ سے سیدھی اور صاف صاف بات کرو۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تم جس طرح اندرون سندھ روانگی کا اعلان کر کے یہاں پائے گئے ہو اس کے پیش نظر تم مجھے سچی بات ہرگز نہیں بتاؤ گے۔ لیکن پھر بھی میں تمھاری کہانی سننا چاہتی ہوں۔"

"مجھے معلوم تھا۔" میں نے دردناک لہجے میں کہا۔ "تمھیں سچائی کا یقین دلانا آسان کام نہیں ہو گا۔ مصیبت یہ ہے کہ سلطان شاہ کرنل ہیلش پال کو کہیں سے پکڑ لایا ہے۔ اس وقت اندر وہی چیخ رہا ہے..."

ویرا کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور وہ بپھرے ہوئے تیوروں کے ساتھ بولی۔ "تم جھوٹے ہو۔ یہ سب تمھاری کارستانی ہے۔ سلطان شاہ جب مجھ سے الجھنے کے بعد تمھارے فلیٹ سے گیا تھا تو اس وقت تک ہماری بلیک کیٹ ٹی سے بات ہی نہیں ہوئی تھی اور خود ہمیں کرنل ہیلش پال کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ تمھارے بیان کے مطابق اس کے بعد سلطان شاہ تم سے ناراضگی کے باعث

واپس نہیں لوٹتا۔ اسے کیسے الہام ہوگیا کہ کرنل مہیش پال بھی کوئی وجود رکھتا ہے...؟"

"اس کی اسی لاعلمی نے تو یہ جنجال کھڑا کیا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے معالجانہ لہجے میں کہا۔ "ایک اہم سفارتی عہدے دار کو یوں حبسِ بے جا میں رکھنا سنگین اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کا کیا کروں۔ اس کے ملک سے ہمارے سفارتی تعلقات کشیدہ ہی سہی لیکن ہم اس کے ساتھ زیادتی کر کے اپنے ملک کو خطرناک بین الاقوامی پیچیدگیوں میں ڈال دیں گے۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ سلطان شاہ کے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کسی سفارتی افسر کو اغوا کر رہا تھا..."

"تم نے پھر بہکنا شروع کر دیا۔" وہ غرائی۔ "یہ نہ بھولو کہ میں رومنٹ میں کرنل سے سب کچھ معلوم کر سکتی ہوں۔"

"وہ تم کو حقیقت کی ہوا بھی نہیں لگنے دے گا۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ "وہ سمجھ رہا ہے کہ ہم لوگ کسی مقامی خفیہ ایجنسی کے کارندے ہیں اس لیے وہ خود کو معصوم ظاہر کرنے پر تلا ہوا ہے۔ سلطان شاہ نے اسے کراچی ہی میں کورنگی کے علاقے سے اٹھایا ہے لیکن کرنل مہیش پال اس حقیقت سے سرے سے منکر ہو گیا ہے۔ اس کا اصرار ہے کہ اسے اسلام آباد میں ایک ڈنر پارٹی سے واپس لوٹتے ہوئے اغوا کیا گیا ہے۔"

"جب سلطان شاہ کو اس کے نام کا علم نہیں تھا اور نہ تم اس سے کبھی ملے تھے تو پھر تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ کرنل مہیش پال ہی ہے؟" ویرا کا لہجہ اشتباہ آمیز تھا لیکن اس کی آنکھوں میں پائی جانے والی کیفیت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کڑیاں یکجا کر کے، کسی نہ کسی طرح میری کہانی کو ہضم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اب تم کسی کند ذہن بچے کی طرح بحث پر تل گئی ہو۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "اس کے یہاں لائے جانے کے بعد سب سے پہلے میں نے اس کی جامہ تلاشی لے کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ کون ہے۔ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب سے اس کا سفارتی شناخت نامہ برآمد ہوا جس پر اس کے نام اور عہدے کے ساتھ ہی اس کی تازہ تصویر بھی چسپاں ہے اور پھر اس نے ہوش میں آ کر جوں ہی صورتِ حال کا ادراک کیا، خود چیخ چیخ کر اپنی معزز سفارتی حیثیت کے حوالے سے اپنی رہائی کا مطالبہ کرنے لگا...!"

"لیکن سلطان شاہ اس کی طرف کیوں متوجہ ہوا تھا؟" وہ جلد از جلد پوری بات جاننا چاہ رہی تھی۔

"یہ تمھارا پہلا معقول سوال ہے۔" میں نے پُرستائش انداز میں کہا۔ "تم سے جھڑپ کے بعد سلطان شاہ بے مقصد آوارہ گردی

کرتا ہوا کورنگی کے علاقے میں گھوم پھر رہا تھا کہ ایک جگہ اسے کرنل مہیش پال دو آدمیوں کے ساتھ باتیں کرتا ہوا نظر آیا۔ کرنل غیر ملکی ضرور ہے لیکن ہم لوگوں کے خدوخال یا رنگ میں اتنا فرق نہیں ہے کہ مقامی اور غیر مقامی میں آسانی کے ساتھ تمیز کی جا سکے سلطان شاہ کو جس بات نے چونکایا وہ ان کی گفتگو میں استعمال ہونے والا جانو ماچھی کا نام تھا جو کرنل کی زبان سے نکلا تھا۔ تمھیں معلوم ہے کہ سلطان شاہ غزالہ کو اپنی سگی بہن کی طرح چاہتا ہے اس لیے اس نے کچھ نہ کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ تینوں ہر لحاظ سے اس سے برتر تھے۔ انھیں للکار کر سلطان شاہ کسی قیمت پر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا اس لیے وہ ٹہلتا ہوا ایک دکان پر جا کھڑا ہوا جہاں سے ان تینوں پر بہ آسانی نظر رکھی جا سکتی تھی۔ چند منٹ کی گفتگو کے بعد بقیہ دو آدمی ایک ساتھ آگے بڑھتے چلے گئے۔ کرنل اکیلا واپسی کے لیے لوٹا تو سلطان شاہ نے اسی کو اپنا شکار بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ کرنل نے ان دونوں سے ملاقات کے لیے اپنی گاڑی یا ٹیکسی وہاں سے کچھ دور چھوڑی تھی اس لیے ایک تاریک میدان سے گزرتے ہوئے سلطان شاہ کو اس پر وار کرنے کا موقع مل گیا۔ اس کے آگے اس کا کام بہت سہل تھا۔ وہ خود قبائلی باشندہ ہے۔ اس طرف کے ہزاروں آدمی یہاں رکشے اور ٹیکسیاں چلاتے ہیں۔ سلطان شاہ کو بہ آسانی ایک قابلِ اعتماد ڈرائیور مل گیا جس نے سلطان شاہ کے 'بے ہوش مریض' کو یہاں پہنچا دیا۔ سلطان شاہ کے ساتھ اس قیدی کو دیکھ کر جہانگیر کے ہاتھ پیر پھول گئے اور اس نے مجھے فون کر ڈالا۔ صورتِ حال اس قدر سنگین تھی کہ مجھے اندرونِ سندھ جانے کا ارادہ ملتوی کر کے فوراً یہاں آنا پڑا۔ کرنل مہیش پال کے شناختی کاغذات ہاتھ لگنے کے بعد میرا ارادہ تھا کہ اسے چھیڑے بغیر بے ہوشی کی حالت میں ہی باہر کہیں پھنکوا دوں لیکن سلطان شاہ کی کہانی آڑے آ گئی۔ اگر کرنل مہیش پال اپنی اداکاری ترک کر کے راہِ راست پر آ جائے تو مجھے اندرونِ سندھ کی خاک چھانے بغیر، اسی کے ذریعے غزالہ کا سراغ مل سکتا ہے...“

”تمھاری عقل پر شاید برف جمنے لگی ہے۔“ پوری کہانی سن لینے کے بعد اس نے قطع کلامی کرتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ ”تمھیں معلوم ہے کہ کرنل مہیش پال اسلحے کے سودے میں بلیک کیٹ ٹی کا ضامن بننے والا تھا۔ تمھیں اس پر تشدد کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ تم شی اور بلیک کیٹ ٹی کے حوالے سے بات کرتے تو ابتدا ہی سے دوستانہ فضا بن جاتی اور وہ بلا تردد تمھاری مدد [illegible] ہو جاتا۔ بڑے مقاصد کے پیشِ نظر جانو ماچھی کی عیاشی یا ایک [illegible] لڑکی کی رہائی کی اس کے نزدیک ذرا بھی اہمیت نہ ہوتی...“

”میں نے یہ تدبیریں بھی آزمائیں لیکن وہ رام نہ ہو سکا۔ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں نے کسی مصالحانہ کوشش کے بغیر ہی اس پر تشدد کا آغاز کرا دیا ہوگا؟ وہ تو اس قدر ڈھیٹ اور ضدی ہے کہ محتاط قانونی لب و لہجے میں اپنا دفاع کرنے پر تلا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ اسے رہا کر کے اس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی جائے تو عین ممکن ہے کہ اس بہتر ماحول میں اسے کچھ بھولی بسری باتیں یاد آ جائیں۔ ہم لوگوں کے نقاب پوش ہونے کی وجہ سے اس نے بدقسمتی سے یہ اندازہ لگا لیا ہے کہ تشدد کتنا بھی ہو لیکن ہم اسے قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔“

”اندر کیا ہو رہا ہے اس کے ساتھ؟“ ویرا اپنے کان پر ہاتھ رکھتے ہوئے بیزاری کے عالم میں بولی۔ ”اس کی چیخوں سے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے اسے ذبح کیا جا رہا ہو...“

”کچھ نہیں۔“ میں نے جلدی سے کہا۔ ”وہ بدمعاش ہے اور سمجھ رہا ہے کہ اس کی چیخیں کسی کو ادھر متوجہ کر لیں گی۔ دراصل جہانگیر اس کے کھلے ہوئے زخموں کو اسپرٹ سے صاف کر رہا ہے تاکہ“

”بس بس... میں سمجھ گئی۔“ اس نے اپنا پستول والا ہاتھ بلند کر کے مجھے مزید بولنے سے روک دیا۔ ”غنیمت ہے کہ تم نے اس کے زخموں کی صفائی کے لیے نمک یا مرچ کا انتخاب نہیں کیا۔ اگر تم لوگ تہ خانے میں اس پر اتنی بے رحمی کے ساتھ تشدد نہ کر رہے ہوتے تو میں شاید اوپر ہی سے واپس لوٹ جاتی۔ ملازمین کے مشکوک طرزِ عمل اور پھر کرنل کی چیخوں نے مجھے تہ خانے کے زینوں کا رخ کرنے پر اکسایا تھا۔ ویسے جہانگیر کی بیوی کہاں ہے؟ وہ تو تمھاری طرح کنوارا نہیں ہے۔“

”وہ کیسٹر آئل پینے گئی ہوئی ہے۔“ ذہن کے کسی گوشے میں اٹکی ہوئی وہ بات بے ساختہ میری زبان پر آ گئی۔

”کیسٹر آئل؟“ اس نے حیرت سے دہرایا۔ ”دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمھارا؟ کیسٹر آئل بھی کوئی پینے کی چیز ہے؟“

”پتا نہیں۔“ میں نے بے پروائی سے کہا۔ ”وہ ماں بننے والی ہے۔ ہماری طرف ایسے وقت کو قریب تر لانے کے لیے کیسٹر آئل ہی دیا جاتا ہے۔“

”تم واقعی کچھ جھکی ہو گئے ہو۔“ وہ جھنجلا کر بولی۔ ”سیدھی طرح نہیں بتا سکتے تھے کہ وہ کسی میٹرنٹی ہوم میں ہے؟“

”مشکل یہ ہے کہ سیدھی بات تمھاری سمجھ میں نہیں آتی۔“ میں نے سادگی سے کہا۔ ”بات کرتے ہوئے یہ دھیان بھی رکھنا پڑتا ہے کہ مخاطب کون ہے۔ ویسے تمھاری اطلاع کے لیے یہ بتا تا چلوں کہ عمر کے اعتبار سے مردوں کی تین اقسام ہوتی ہیں۔ جوانی میں ہر مرد بکّی ہوتا ہے۔ اپنی بکنے کی دھن میں دوسروں کی بہت کم سنتا ہے

ر قوی پر زوال آنے کے ساتھ ساتھ جھکی ہوتا چلا جاتا ہے۔ جو
ام اعصاب نہیں کر پاتے، وہ بوجھ زبان پر ڈال کر ہر بات پر بال
ی کھال نکالنے لگتا ہے اور جو لوگ ان دونوں مراحل سے زندہ و
لامت گزر جاتے ہیں وہ عموماً شکی پائے جاتے ہیں۔"
اس کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔
تم نے بگی، جھکی اور شکی کے مسئلے پر بکواس کر کے مجھے یہ یقین دلانے
ی کوشش کی ہے کہ ابھی تم جوان ہو۔ میں مانے لیتی ہوں لیکن خدا
یے اندر ہونے والا مکروہ کھیل بند کراؤ۔ وہ تشدد کے بغیر
ی بولنے لگے گا۔"
مجھے اس امر پر بے اندازہ خوشی ہوئی کہ اس نے میری
ائی ہوئی بے بنیاد کہانی پر کوئی بڑا اعتراض کیے بغیر من و عن تسلیم
لیا تھا۔ مجھے اس بات کی کوئی فکر نہیں تھی کہ ویرا کا سامنا ہونے
جب کرنل نہیش کمار اپنے اغوا کا اصل واقعہ سناتا تو ویرا کا کیا
ِ عمل ہوتا۔
میں ویرا سے صاف کہہ سکتا تھا کہ کرنل ایک مستند مجرم کی
ہ موقع واردات سے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا اور اپنی بے گناہی
ت کرنے کے لیے اسلام آباد سے اپنے اغوا کا قصہ تراش رہا تھا
ماس پر مقامی حکام کی اجازت کے بغیر شہر بلکہ صوبہ چھوڑ کر سیاستی
ریب کاری میں ملوث ہونے کا الزام عائد نہ کیا جا سکے۔
میری کسی دخل اندازی کے بغیر اسی وقت کرنل کی چیخوں کا
سلہ موقوف ہو گیا۔ کراہنے یا بولنے کی آوازوں کے لیے تہ خانے
ے در و دیوار ضرورت سے زیادہ ساؤنڈ پروف تھے۔
"تم کرنل نہیش پال سے پہلے کبھی مل چکی ہو؟" میں نے ویرا
ے سوال کیا۔
"نہیں۔" اس نے بلا توقف جواب دیا۔ "لیکن اس کا نام شی
ے اعلیٰ حلقوں میں سنا جاتا رہا ہے اسی وجہ سے میں نے ضامن
ے طور پر اس کا نام قبول کر لیا تھا۔"
"پھر تم کس بنا پر یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کر رہی ہو کہ وہ تشدد
ے بغیر بولنے لگے گا؟"
"اس کو یہ جتانا ہو گا کہ ہم اس کی زیرِ زمین سرگرمیوں سے
ی طرح واقف ہیں۔ تم دیکھ لینا کہ یہ انکشاف ہوتے ہی ہمارے
تھ اس کا رویہ ایک دم بدل جائے گا۔"
"میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ میں نے شی، بلیک کیٹ ٹی اور اسلحے
ہ سودے کے تمام حوالے دے کر دیکھ لیا لیکن وہ ٹس سے مس
نے پر آمادہ نہیں ہوا۔ پھر تم کیا تیر مار لو گی؟"
"وہ کچی گولیاں نہیں کھیلا ہوا ہے۔" وہ استہزائیہ مسکراہٹ
ے ساتھ بولی۔ "ایک تجربے کار اور سینئر سفارتی افسر ہر ایرے غیرے

کے داؤ میں آکر اپنے کرتوتوں کا اعتراف کرنے لگے تو دنوں میں نہیں بلکہ منٹوں اور سیکنڈوں میں اپنے ہی بہی خواہوں کے ہاتھوں پیوندِ زمیں کر دیا جاتا ہے۔ ان سب واقعات سے زیادہ اہمیت ان پاس ورڈز کی ہے جن کے ذریعے شی اسے اور وہ شی کو شناخت کرتا ہے۔ جب اسے یقین ہو جائے گا کہ اس کا مخاطب شی کا بااختیار نمائندہ ہے تو وہ بلا تکلف اپنی کینچلی بدل ڈالے گا۔ اگر وہ تمہارے ہاتھ آ ہی گیا تھا تو تمہیں کسی احمقانہ پیش قدمی کے بجائے مجھ سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اس کے بارے میں مجھے سب کچھ نہ سہی بہت کچھ ضرور معلوم ہے لیکن تم ہر وقت اکیلے ہی چلنے کے عادی ہو گئے ہو۔ تمہیں وہم رہتا ہے کہ کہیں کوئی دوسرا تمہاری کامیابی میں حصے داری کا دعویٰ کر کے تمہاری اہمیت کو کم نہ کر دے۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔" میں نے احتجاج کیا۔ "تمہیں ہمیشہ میرے معاملات کے بارے میں پورا پورا علم رہتا ہے مگر تم پھر بھی میری کارکردگی کو منفی نظر سے دیکھتی ہو۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کرنل مینش پال میرا قیدی بن جائے گا مگر سلطان شاہ اچانک ہی اسے گھیر لایا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوتا رہا وہ کسی منصوبہ بندی کے بغیر ہوا۔ میں تو یہ چاہ رہا تھا کہ جلد از جلد اس کی زبان کھلوا کر اسے آزاد کر دوں۔۔"

"تم نے بہت عرصے کے بعد اپنے کسی قیدی کے بارے میں نرم دلی کا ثبوت دیا ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اگر تم نے اپنے چہرے پر نقاب نہ منڈھی ہوئی ہوتی تو میرے لیے یہ مان لینا آسان نہ ہوتا کہ تم کرنل کو زندہ چھوڑنے کا غیر معمولی ارادہ رکھتے ہو۔" اس نے خاموش ہو کر اپنے لیے سگریٹ سلگائی پھر سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "تم نے تو جھک مار کر دیکھ لی اب میں کوشش کرتی ہوں۔ تم دیکھ لینا کہ پاس ورڈ سنتے ہی وہ ایک نیا آدمی نظر آنے لگے گا۔"

"اب میں تمہیں اندر جانے سے نہیں روکوں گا لیکن میرا مشورہ ہے کہ تم بھی نقاب استعمال کرو تو بہتر رہے گا۔ تم اس کے بارے میں بہت پر امید ہو لیکن میں اب بھی اس کی طرف سے مایوس ہوں۔"

ویرا نے اس وقت نیلی جینز اور اسی رنگ کی جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ بالوں پر نیلے رنگ کا پھول دار اسکارف بندھا ہوا تھا۔ اس نے میرا مشورہ سنتے ہی بالوں سے اسکارف کھول کر اپنے چہرے پر اس طرح باندھ لیا کہ آنکھوں سے نیچے اس کا چہرہ دہرے اسکارف کے نیچے چھپ کر رہ گیا۔

اس کمرے کا دروازہ کھول کر پہلے ویرا اور اس کے پیچھے میں اندر داخل ہوا تھا۔ میں نے اندر جانے سے پہلے اپنے چہرے پر نقاب اوڑھ لیا تھا۔

کرنل مینش پال اس وقت قالین پر اپنے گھٹنے سینے سے جوڑ کر کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح پڑا ہوا تھا اور اس کا بدن یوں کانپ رہا تھا جیسے اسے سردی چڑھ گئی ہو۔ اس کا پھٹا ہوا خون آلود کوٹ ایک گوشے میں پڑا ہوا تھا۔ اس کی سفید خون آلود قمیص کو شاید جہانگیر نے کئی جگہ سے پھاڑ دیا تھا جس کی وجہ سے اس کے بدن کے زخم نظر آ رہے ہے۔ بالوں کی جھالر سے اوپر شفاف کھوپڑی سے بھی خون بہہ رہا تھا اور کمرے کی فضا میں خون کے ساتھ ہی ابکائی کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔

دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سے کرنل کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ اسی طرح فرش پر گٹھری بنا ہوا کانپتا اور کراہتا رہا لیکن جہانگیر میرے ساتھ ویرا کو دیکھ کر بری طرح بھڑک گیا تھا۔

اسے اچھی طرح علم تھا کہ میں نے کرنل کے معاملے سے ویرا کو دور ہی رکھنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا اور اس نے ویرا کے چہرے پر بندھے ہوئے اسکارف کے باوجود اسے پہچان لیا تھا۔

"مم۔۔۔ مادام کو تم یہاں کیوں لے آئے؟" ویرا کو دیکھتے ہی اس نے مجھ سے اضطراری لہجے میں وہ بے تکا سوال کر ڈالا جو ویرا کو بدکانے کا سبب بن سکتا تھا۔ اس سوال سے واضح طور پر یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا اور کرنل مینش پال کا ایک دوسرے سے سامنا کرانا ہمارے پروگرام میں شامل نہیں تھا جب کہ میں چند منٹ قبل پورے خلوص کے ساتھ ویرا کو کچھ اور ہی کہانی سنا چکا تھا۔

"اسے مادام کے بجائے اگر تم ممی کہہ کر اس کی گود میں چڑھ کر ٹھنکنے لگو تو زیادہ اچھے لگو گے۔" میں نے کرنل کی موجودگی کی پروا کیے بغیر جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "ہمیں ایک دوسرے کے نام ہی لینا ہوتے تو چہروں پر نقاب چڑھانے کا سوانگ رچانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مسٹر کی طرح مادام بھی ایک عام سا کلمۂ تخاطب ہے۔" جہانگیر کے سرد لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری بات بری لگ گئی تھی۔ "اس سے کون کسی کو پہچان سکتا ہے؟"

"تم سمجھے نہیں۔" میں نے سنبھل کر فوراً ہی مصالحانہ لہجہ اختیار کر لیا۔ "ہمارے ساتھ اس وقت کوئی عام اور کند ذہن آدمی نہیں بلکہ کرنل مینش پال جیسا گرگ باراں دیدہ ہے۔ اسے کسی بات کا ذرا سا بھی اندازہ ہو گیا تو باہر نکل کر یہ ہمارے لیے ناقابلِ تصور دشواریاں کھڑی کر دے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ دروازے کی طرف آتا ہوا بولا۔ "میں باہر ٹھہرتا ہوں۔ تم دونوں اس کو دیکھو۔ ویسے بھی اسپرٹ ختم ہو چکی ہے اس لیے میرا کام بھی ختم ہو گیا تھا۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور میں نے اسے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ویرا کو سنائی ہوئی اپنی کہانی کا بھرم برقرار رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ پورے معاملے کو میں اکیلا ہی انجام کو پہنچاؤں۔ اگر جہانگیر بے موقع زبان کھول بیٹھتا تو اس کی کہی ہوئی کسی غلط بات کو نباہنا میرے لیے مشکل ہو جاتا۔

اس دوران میں قالین پر پڑے ہوئے کرنل مہیش پال کی پوزیشن میں سرِ مو بھی فرق نہیں آیا تھا۔

ہمارے چہروں پر نقاب چڑھے یا بندھے ہوئے تھے۔ اس لیے میں نے ویرا کو پیش قدمی کا اشارہ کیا۔

"کیا ہو رہا ہے کرنل؟" ویرا کے دہانے سے زندگی سے بھرپور، کھنکتی ہوئی آواز برآمد ہوئی تھی۔

سرد، کرخت اور سفاکانہ مردانہ آوازوں میں وہ مترنم نسوانی جھنکار اس کے لیے اس قدر غیر متوقع تھی کہ اس نے چونک کر قالین سے اپنا سر اٹھا کر زمین سے ساڑھے پانچ فٹ کی بلندی پر اس آواز کے مخرج کا جائزہ لینے کی کوشش کی اور میں کھوپڑی سے ٹھوڑی تک اس کا خون میں ڈوبا ہوا بھیانک چہرہ دیکھ کر اندر ہی اندر لرز کر رہ گیا۔ شدید ضربات اور زخموں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ورم کی وجہ سے اس کا اچھا خاصا چہرہ ڈراؤنی حد تک غیر متوازن ہو کر رہ گیا تھا۔ کھوپڑی سے ملی ہوئی پیشانی کے نیچے موجود اس کی عقابی نگاہیں خون کے لوتھڑوں اور سوجن میں تقریباً دفن ہو کر رہ گئی تھیں۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ میرے باہر نکل جانے کے بعد جہانگیر نے اس کی کٹی پھٹی جلد پر صرف اسپرٹ کے استعمال پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ اس پر حسبِ ضرورت خاصا تشدد بھی کرتا رہا تھا۔

"مجھے خود نہیں معلوم کہ میں کہاں ہوں اور میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔" کرنل کے ہونٹوں سے لرزتی ہوئی نقاہت زدہ آواز برآمد ہوئی۔ "لیکن تم کون ہو؟" اس دوران میں وہ امید و بیم کی حالت میں اپنی گردن بدستور اسی طرح اٹھائے رہا تھا۔

"ہم سلور آئی کے پجاری ہیں کرنل۔" ویرا کے لبوں سے سرگوشیانہ آواز برآمد ہوئی اور کرنل کے بدن نے یوں جھرجھری لی جیسے وہ انکشاف اس کے لیے غیر متوقع رہا ہو۔ میں خود بھی ایک طویل مدت کے بعد طلسمی سلور آئی کا ذکر سن کر چونکا تھا۔ ویرا نے وہ فقرہ شاید اپنی شناخت کے کوڈ کے طور پر استعمال کیا تھا مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ شی میں جمی لائیڈ روایتی طور پر سپر آئی مین کہلاتا تھا اور اپنی شناخت کے لیے ایسے تین طلائی سکے اپنے پاس رکھتا تھا جن کے وسط میں چاندی کی ایک نہایت حسین اور خوابناک آنکھ اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ ابھری ہوئی ہوتی تھی۔ یورپ میں وہ شناخت بہت مقبول تھی۔ جمی لائیڈ کے براہِ راست ماتحت جو اس کے تمام تر اختیارات اور طاقت کے نفوذ کی علامت سمجھے جاتے تھے، صرف آئی مین کہلاتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے منصب کی شناخت کے لیے ایک سلور آئی کا مالک بنا دیا جاتا تھا۔ شی میں سلور آئی رکھنے والا لامحدود اختیارات کا مالک ہوتا تھا۔ ان تجربے کار اور وفادار لوگوں کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ اٹل اور ناقابلِ تنسیخ ہوتا تھا۔ سلور آئی دکھا کر وہ شی کے کسی بھی اہلکار سے کام لے سکتے تھے یا اسے سزا دے سکتے تھے اور اپنے فیصلوں کے لیے سپر آئی مین کے سوا کسی کو جواب دہ نہیں ہوتے تھے۔

یورپ میں جمی لائیڈ اور اس کے معتمدینِ خاص سے خون آشام معرکوں میں میں نے چار سلور آئیز حاصل کر لی تھیں ان میں سے ایک سلور آئی میں نے ویرا کو دے دی تھی مگر تین سکے اس وقت بھی میرے سامان میں محفوظ تھے جن کے سہارے میں اندر کے کسی بھی آدمی کو اپنے جمی لائیڈ ہونے کا یقین دلا سکتا تھا۔

"تم... سلور آئی کی پجاری ہو؟" کرنل کے دہانے سے سرسراتی ہوئی، تحیر زدہ آواز ابھری جیسے اسے ویرا کے دعوے پر یقین نہ آیا ہو مگر اس نے اپنی ابتر حالت کے باوجود خود کو فوراً سنبھال لیا۔ "پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا ہے خاتون!" اس کی نقاہت زدہ آواز میں گہرا تاسف بھی امڈ آیا۔ "اس چھت کے نیچے میری عمر رسیدہ ہڈیوں کو بڑی بے رحمی کے ساتھ گودا گیا ہے۔ جب تک مجھے رہائی نصیب نہیں ہوتی، مجھے یقین نہیں آ سکے گا کہ تم میں سے کوئی میرے دوستوں میں سے بھی ہو سکتا ہے..."

"لیکن سلور آئی کے پجاری تمہارے پرانے دوستوں میں سے ہیں۔" اس کے ردِعمل پر ویرا کے اعتماد کو دھچکا لگا تھا اور اس کی آواز میں بوکھلاہٹ عود کر آئی تھی۔

"ہوتے ہوں گے۔" اس نے بے پروایانہ لہجے میں کہتے ہوئے اپنی اٹھی ہوئی گردن دوبارہ قالین پر ڈال دی اور چند گہرے گہرے سانس لینے کے بعد اپنی بات جاری رکھتا ہوا بولا۔ "مگر موجودہ دردناک صورتِ حال نے میرا ذہن ماؤف کر دیا ہے۔ مجھے دوست اور دشمن کی کوئی تمیز نہیں رہی ہے۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں ایک معزز غیر ملکی سفارت کار ہوں جسے غیر قانونی طور پر حبسِ بے جا میں رکھا ہوا ہے۔ دوست ایک دوسرے کے حق میں اتنے سفاک اور سنگ دل نہیں ہوتے جب تک یہ صورتِ حال تبدیل نہیں ہو گی میں کسی سے کسی موضوع پر بات نہیں کروں گا۔"

"تم اس مقدس عہد کی توہین کر رہے ہو کرنل! جو ہمارے اور تمہارے درمیان آج بھی موجود ہے۔" ویرا کی آواز میں پایا جانے

والا جھرنوں کا ترنم یکلخت رخصت ہوگیا۔

"عہد اور عمل خلا میں معلق چیزیں نہیں ہوتیں خاتون!" وہ جس قدر شدید اور بے رحمانہ تشدد سے دوچار ہوا تھا وہ کئی گھنٹوں کے لیے کسی سانڈ کا بھیجا بھی ہلا دینے کے لیے کافی تھا لیکن وہ دھان پان سا آدمی اس وقت بھی پوری طرح اپنی حاضر دماغی کا ثبوت دے رہا تھا۔

"ان کے مؤثر ہونے کے لیے کچھ شرائط ہوتی ہیں' گرد و پیش میں کچھ حالات کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بغیر یہ سب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اپنی زمینوں سے مجھے گیہوں فراہم کرنے کا وعدہ کرکے تم وہاں ببول کے جنگل کاشت کر دو تو کیا ہوگا؟ مجھے الزام دینے کے بجائے از راہِ کرم مجھے میری آزاد سفارتی حیثیت واپس دلانے کا بندوبست کرو۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میرے ذہن پر سے اپنی توہین اور تذلیل کا بوجھ اتر گیا تو مجھے بہت سی بھولی بسری باتیں خود بخود یاد آجائیں گی۔ یہ میری سخت جانی ہے کہ میں اس حال کو پہنچ جانے کے بعد بھی تم سے باتیں کر رہا ہوں ورنہ یقین کرو کہ میرے بدن میں جتنی ٹوٹ پھوٹ ہوچکی ہے' اسے اچھے سے اچھا معالج بھی کئی ہفتے کے بعد اعتدال پر لا سکے گا۔"

"میں تمہاری ہمت کی داد دیتی ہوں کرنل!" ویرا نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری سخت جانی کا سبب شاید یہ ہے کہ تم فوج کے کمانڈو گروپ سے فارن سروس میں آئے ہو...!"

"میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں' اس موضوع پر میں دوسروں کی رائے زنی سننے کا عادی نہیں ہوں۔" وہ ویرا کی بات درمیان سے ہی کاٹتے ہوئے بولا۔ "بس اتنا کافی ہے کہ میں فوج سے فارن سروس میں آیا ہوں یہ بات میں تمہارے سنگدل ساتھیوں کو پہلے بھی بتا چکا ہوں۔"

"آزادی اور طبّی امداد کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔" ویرا اس کا ہاتھ تھام کر اسے سہارا دیتے ہوئے بولی۔ "پہلے تم باتھ روم میں جاکر پانی سے اپنے زخم صاف کرو۔ وسکی کا ایک آدھ پیگ تمہاری حالت بہتر کرنے میں مدد دے گا۔ چاہو تو میں زخم صاف کردوں گی۔"

وہ ویرا سے کوئی مزاحمت کیے بغیر لڑکھڑاتا ہوا اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا اور بولا۔ "اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ تم بھی مجھے فوری طبّی امداد نہیں فراہم کرو گی۔ میرے دونوں رخساروں کی ہڈیاں چٹخ چکی ہیں جن میں بولنے سے بھی شدید درد ہو رہا ہے۔ ایک بازو کا بھی یہی حال ہے۔ جو زخم ہیں' وہ اتنے گہرے ہیں کہ میں نے ان پر جما ہوا خون دھو ڈالا تو تازہ خون پھر سے بہنے لگے گا۔ طبّی امداد نہیں دینی تو نہ دو مگر مجھے اپنے زخم دھونے پر مجبور نہ کرو۔ وسکی میں اس حالت میں بھی پی سکتا ہوں۔"

"زخموں پر جمے ہوئے خون کی پپڑیاں صاف نہ کرو لیکن باقی جگہوں سے خون دھو لو۔" ویرا نے اس کا شانہ سہلاتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے ہونٹوں پر موجود خون الکحل میں شامل ہوکر تمہارے معدے میں اتر جائے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں یہاں تشدد سہنا پڑا لیکن یقین کرو کہ یہ سب غلط فہمی کی بنا پر ہوا ہے ورنہ ہماری نیت میں کوئی فتور نہیں تھا۔"

"اگر ہم سب دوست ہیں' اور میں یہ بھی مان لوں کہ اب تک میرے ساتھ جو کچھ ہوا' وہ غلط فہمی کا نتیجہ تھا تو پھر تمہارے چہروں پر نقاب کیوں ہیں؟" رسّی جل گئی تھی مگر اس کے بل نہیں گئے تھے۔

"تم اس میدان کے نئے کھلاڑی نہیں ہو۔" ویرا اس کے ساتھ مسلسل مصالحانہ رویّہ اپنائے ہوئے تھی۔ "ہم لوگ غیر ضروری طور پر سامنے آنے سے گریز کرتے ہیں۔ نقابیں اتارنے سے اگر تمہارا کوئی مقصد حاصل ہوتا ہو تو ہم بے نقاب ہونے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کریں گے۔"

"مقصد حاصل ہوگا۔" وہ اپنے خون میں لتھڑے ہوئے چہرے کو جنبش دے کر پُرسکون لہجے میں بولا۔ "تم میرے سامنے سلور آکی کی بیجارن بن کر آئی ہو جب کہ تمہارا ساتھی اس سے پہلے خود کو نئی دہلی سے آیا ہوا ایک بااختیار افسر ظاہر کر رہا تھا۔ میرے لیے آن دونوں حیثیتوں میں سے کسی میں بھی کوئی کشش نہیں ہے لیکن پھر بھی میں تم دونوں کے چہرے ضرور دیکھنا چاہوں گا۔"

اس کے انکشاف پر ویرا نے سر گھما کر میری طرف دیکھا اور میں دانستہ اسے نظر انداز کرکے براہ راست کرنل کی طرف دیکھتا رہا۔ مجھے اندازہ ہونے لگا تھا کہ جلد ہی کرنل کے ساتھ میری منہ ماری شروع ہونے والی تھی کیونکہ وہ بتدریج گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں شکوہ کرتا نظر آرہا تھا۔

"جو ہوا اُسے بھول جاؤ کرنل!" ویرا میری طرف سے کوئی اشارہ نہ ملنے پر' قدرے توقف کے بعد بولی۔ "اب ہمیں دوستانہ فضا میں آئندہ کے بارے میں بات کرنا چاہیے۔"

"تم آپس میں مشورہ کرلو' میں منہ دھو کر آتا ہوں۔ میرا اصل کلیدی سوال یہ ہے کہ اگر تم لوگ مجھ سے دوستی کے دعوے دار ہو تو پھر مجھے اس قدر بے رحمی کے ساتھ اغوا کیوں کیا گیا؟ اس سوال کا جواب ملنے اور اپنی آزادانہ سفارتی حیثیت کی بحالی کے بغیر میں تم لوگوں سے کوئی بات نہیں کرسکوں گا۔" وہ اپنی بات مکمل کرتا ہوا ناہموار قدموں سے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"تم نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔" اس کے باتھ روم میں چلے جانے کے بعد ویرا نے میرے قریب آ کر تیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "تم دونوں نے تو اس کا بھوسا ہی نکال کر رکھ دیا ہے اور یہ نئی دہلی سے آنے والے افسر کا کیا معاملہ ہے؟"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ سلطان شاہ نے اس کی زبان سے جالو ماچھی کا نام سن کر اسے اغوا کیا تھا۔ میں کرنل کی زبان سے جلد از جلد سچ سننا چاہتا تھا اس لیے میں نے اپنی دانست میں اس پر ہر وہ حربہ استعمال کیا جو اس کی زبان کھلوانے میں مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ اس پر تشدّد کی ابتدا کرنے سے پہلے ساری ترکیبوں میں ناکام رہنے کے بعد میں نے یہ کہا تھا کہ میں نئی دہلی سے پورے اختیارات کے ساتھ صرف اس مشن پر آیا ہوں کہ اس کی کارکردگی کو پرکھ سکوں۔"

"جب سلطان شاہ نے اسے ایک عام مشتبہ آدمی کے طور پر پکڑا تھا تو تم کو اس کی سفارتی حیثیت کا حوالہ دینے اور لمبے چوڑے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟" اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت تک میری سنائی ہوئی کہانی سے مطمئن نہیں ہو سکی تھی۔

"مجھے اس کی جامہ تلاشی میں برآمد ہونے والی دستاویزات سے اس کی اصلیت کا علم ہوا تھا۔ شاید میں اس کا حوالہ بھی نہ دیتا مگر اس نے ہوش میں آتے ہی واویلا شروع کر دیا کہ اس ملک میں مجرم اہم سفارتی افسروں کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔ جب اس نے دوسرے تمام حوالوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو مجبوراً مجھے نئی دہلی سے بھیجے گئے افسر کا افسانہ تراشنا پڑا۔"

"تم نے اسے پکڑ لیا ہے اور یہ بھی دیکھ چکے ہو کہ وہ بہت زیادہ صحت مند نہ ہونے کے باوجود زبردست قوتِ ارادی کا مالک ہے۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اپنی غیر مشروط رہائی کے بغیر ہم سے ہماری دلچسپی کے موضوع پر ہرگز بات نہیں کرے گا۔ ایسی صورت میں اس کے ساتھ تمہاری حکمتِ عملی کیا ہوگی؟ کرنل کمانڈو گروپ کے حوالے پر بُری طرح بھڑکا تھا اور میں یہ بات اچھی طرح جانتی ہوں کہ فوج میں کمانڈوز کی ساری تربیت کا نکتہ ہی یہ ہوتا ہے کہ جان دے دو مگر زبان نہ کھولو۔ کرنل اگر سویلین شعبے سے فارن سروس میں آیا ہوتا تو ہم اس پر محنت کر کے کامیابی حاصل کر سکتے تھے مگر اب یہ ممکن نظر نہیں آتا۔"

"میری حکمتِ عملی تو تمہاری آمد کے بعد دھری کی دھری رہ گئی۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اب تو تم چوہدری بن کر یہاں نازل ہوئی ہو اس لیے تم ہی بتاؤ کہ کیا کرنا مناسب ہوگا؟"

"کیا یہ درست ہے کہ اسے سلطان شاہ نے کورنگی ہی سے اغوا کیا تھا؟" اس نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد مجھ سے وہ چبھتا ہوا سوال کیا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں اب تک تم سے جھوٹ بولتا رہا ہوں؟" موقع ملتے ہی میں ایک دم ہتھے سے اکھڑ گیا۔ "تم تو گھر کی بھیدی بن کر لنکا ڈھانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو ماسٹر!" کرنل مینش پال کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ گداز تولیے کے روئیں سے تھپتھپا کر اپنا چہرہ خشک کرتا ہوا باتھ روم سے باہر آ رہا تھا۔ اس کی اچانک مداخلت پر ویرا کا ردِعمل بھی کچھ خوشگوار نہیں تھا۔

"شاید تمہارا یہ تہ خانہ ساؤنڈ پروف ہو لیکن تمہاری بدقسمتی سے اس کمرے اور باتھ روم میں ساؤنڈ پروفنگ کا بندوبست نہیں کیا گیا اس لیے میں باتھ روم میں بھی تمہاری گفتگو کسی حد تک سنتا رہا ہوں۔" وہ اپنی بات جاری رکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "تم نے کورنگی کا نام لیا ہے تو مجھے اب پہلی بار پتا چلا ہے کہ میں کراچی میں قید ہوں لیکن اس امر میں کسی بھی فریق کو کوئی شبہ نہ ہونا چاہیے کہ مجھے اسلام آباد سے ایک ڈنر سے واپس لوٹتے ہوئے انتہائی درندگی کے ساتھ اغوا کیا گیا تھا۔"

میں اس ملعون کو زیرِلب ایک انتہائی گندی اور کریہہ گالی دے کر رہ گیا۔

"میں مان لیتی ہوں کہ تمھیں اسلام آباد سے نہیں بلکہ شکمِ مادر سے اغوا کیا گیا تھا۔" اس کی مداخلت پر ویرا بری طرح مشتعل اور برہم ہوگئی تھی۔ "لیکن اس وقت کی حقیقت یہ ہے کہ تم اغوا ہو چکے ہو اور ہماری تحویل میں ہو۔ سندھ میں تمھارے جو کچھ مفادات ہیں وہ اپنی جگہ برہیں۔ تم بلیک کیٹ ٹی کی ضمانت ہو گئے تو ہم اسے اسلحہ فراہم کر دیں گے ورنہ اس کی گردن کاٹ کر اس کی لاش دریائے سندھ میں کہیں پھینک دیں گے۔ یہ سب ہمارے لیے سطحی معاملات ہیں۔ اس وقت اہم ترین معاملہ جالو ماچھی کا ہے جو ہماری ایک معزز اور محترم عورت کو اُٹھالے گیا ہے۔ تم جالو ماچھی کے مقامی ٹھکانوں کے بارے میں کیا بتا سکتے ہو؟"

مُنہ دھو لینے کے بعد اس کا اُدھڑا ہوا چہرہ پہلے سے زیادہ بھیانک نظر آنے لگا تھا۔ ورم اور کٹے پھٹے زخموں کے باعث اس کے خدوخال تک بدل کر رہ گئے تھے۔ دُھلے ہوئے زخموں سے رسنے والے تازہ خون نے اس کے چہرے کو اور زیادہ کریہہ بنا دیا تھا۔ پھٹے ہوئے ہونٹ سوج کر اس طرح کیا ہو گئے تھے کہ اس کا اوپری ہونٹ عملاً ناک سے جا ملا تھا۔ اس وجہ سے ویرا کے سوال پر اس کے چہرے پر رونما ہونے والی کسی تبدیلی کا درست اندازہ نہیں ہوسکا لیکن وہ بولا تو اس کا لہجہ خون سلگا دینے کی حد تک تحقیر آمیز اور معصومانہ تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو اور کن لوگوں کے حوالے دے رہی ہو۔ اگر تم مجھ سے دوستی اور ہمدردی کا ذرا بھی دعویٰ رکھتی ہو تو فوری طور پر میری رہائی کا بندوبست کرو تاکہ میں کراچی سے اسلام آباد روانہ ہو سکوں۔ میری اچانک روپوشی نے میرے سفارت خانے کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا اور ان لوگوں نے مقامی اہل کاروں کو تگنی کا ناچ نچا رکھا ہوگا۔"

"تم... سور کے بچے! ہوش کے ناخن لو۔ اگر تم نے فوری طور پر اپنی اداکاری کا سلسلہ ترک نہ کیا تو میں تمھارا بھرکس نکال کر رکھ دوں گی۔" ویرا اچانک ہی آپے سے باہر ہوگئی۔

ویرا کے اس ردِعمل پر مجھے خوشی ہوئی کیونکہ میں نے اسے دھوکا دے کر بالا ہی بالا کرنل ہیش پال کو اغوا کرایا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ ویرا اس بددیانتی پر مجھ سے الجھنا شروع کر دے گی لیکن کرنل ہیش پال نے اپنے احمقانہ رویے سے ویرا کو اس حد تک بھڑکا دیا تھا کہ وہ میرے قول اور فعل کے تضادات کو یکسر فراموش کر کے کرنل کے خلاف ایک فریق بن گئی تھی۔

ویرا نے اپنی بات مکمل کر کے ذرا بھی توقف کیے بغیر کرنل کے رخسار پر پوری قوت سے طمانچہ رسید کیا تھا اور کمرا چٹاخ کی پُرشور آواز سے گونج اٹھا۔ کرنل اس ناگہانی ضرب سے بری طرح لڑکھڑا گیا تھا۔ اس کے رخسار کے ایک پرانے زخم سے خون کا رساؤ یک بیک بہاؤ میں بدل گیا تھا۔

"اگر تو نے سیدھی طرح زبان نہ کھولی تو میں تیرا وہ حشر کروں گی کہ تو ہمیشہ کے لیے ایک زندہ لاش کی صورت میں بدل کر رہ جائے گا۔" ویرا نے طیش میں آ کر اپنے چہرے پر بندھا ہوا اسکارف کھول کر تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "میرے ساتھی تجھے زندہ رکھنا چاہ رہے تھے لیکن میرے سامنے ایسی کوئی رکاوٹ نہیں۔ اگر تو اپنی نامردی کی وجہ سے مر بھی گیا تو مجھے کوئی ملال نہیں ہوگا۔"

پہلی بار اس کی نگاہوں میں خوف کے لہریے نظر آئے اور وہ ہکلاتا ہوا بولا۔ "تت... تم سلور آئی کی پجارن ہوتے ہوئے میرے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتیں۔"

ویرا کے حلق سے بے اختیار ایک وحشیانہ بلکہ ہذیانی سا قہقہہ ابل پڑا۔ "تیرے لیے تو یہ سب اجنبی الفاظ تھے پھر اب سلور آئی کے پجاریوں سے تیری ماں کا کون سا رشتہ نکل آیا کہ میں تیرے ساتھ رعایت کرنے پر مجبور ہو جاؤں؟ سب سے پہلے میں تیرے جسم کے اہم اعضا کو ناکارہ کر دوں گی اور یہ میرے تشدد کی ابتدا ہوگی۔ اس کی انتہا کا اندازہ لگانے کے لیے تجھے اپنے ذہن پر زیادہ زور نہیں دینا پڑے گا۔"

اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی ویرا کا سبک اور رومان پرور وجود حیواتی انداز میں فضا میں اچھلا اور پھر اس نے فضا میں اُڑ کر اپنی دونوں لاتیں پوری قوت سے کرنل کے سینے پر رسید کر دیں۔ کرنل ایک بے اختیار چیخ کے ساتھ اچھل کر پشت کے بل نیچے گر گیا۔

وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ویرا اس کے سر پر مسلط ہو گئی اور اس نے کرنل کی شفاف چندیا کے گرد اگی ہوئی بالوں کی جھالر پکڑ کر اسے زبردستی اس کے قدموں پر کھڑا کر دیا۔

"یہ... یہ ظلم ہے... درندگی ہے۔" وہ ہانپتے ہوئے کراہا۔ "م... میں تمھارے بڑوں سے شکایت کروں گا۔ طاقت کے پجاریوں سے ہمارا طویل المدت معاہدہ ہے۔ اس میں ایسی غنڈا گردی اور زبردستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھا کر اپنے حق میں کانٹے بو لیے ہیں۔"

"تیری ماں کا سر!" ویرا نے دانت پیستے ہوئے اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں داہنے ہاتھ سے کراٹے چوپ مارا اور وہ فضا میں اچھل کر بلبلاتا ہوا فرش پر گرا اور دُہرا ہو کر کربناک چیخوں کے ساتھ تڑپنے لگا۔

"میں خود اپنی بڑی ہوں۔" ویرا نے نخوت آمیز لہجے میں کہا۔ "تو کسی سے میری شکایت نہیں کر سکے گا۔ میں بھی اتنی دیر سے تجھے

یہی یاد دلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ سور آئی کے بیچاریوں سے
تیرے آقاؤں کا کوئی معاہدہ ہے اور تجھے اس کی پاس داری کرنا
چاہیے لیکن تو شاید فاتر العقل ہو چکا ہے۔ غنیمت ہے کہ اب تجھے
معاہدہ تو یاد آ گیا ہے لیکن جب تک تو اپنا کوڈ نہیں بتائے گا
میں تجھے اُدھیڑتی رہوں گی۔"

"نن... نہیں۔" وہ کسی اندھے کی طرح اپنے دونوں ہاتھ
فضا میں لہرا کر بلبلایا۔ "میں طاقت کا دیوتا ہوں اب تم مجھے نہیں
مار سکتیں۔"

"طاقت کا دیوتا؟" میں نے آہستگی سے دہراتے ہوئے ویرا سے
سوال کیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کا جوابی پاس ورڈ یا کوڈ ہے؟"

"ہاں۔" ویرا نے تضحیک آمیز انداز میں کہا۔ "تم نے دیکھا کہ اسے
کتنی جلدی اپنا شجرہ یاد آ گیا؟ تمھاری زبان کا وہ محاورہ بالکل درست
ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔"

"اب تمھارے دماغ سے اپنی سفارت کا بھوت اتر چکا
ہے۔" ویرا کرنل سے مخاطب ہو گئی۔ "اسی لیے سیدھی طرح میرے
سوالوں کے جواب دیتے چلے جاؤ..."

"نن... نہیں۔" وہ پُر اذیت آواز میں کراہا۔ "مجھے اتنا مجبور نہ
کرو۔ تم نے اپنا کوڈ بتا کر مجھے مسخر کر لیا ہے لیکن میری چھٹی حس کہہ
رہی ہے کہ تمھارے آنے سے پہلے میں جن لوگوں کی تحویل میں
تھا وہ میرے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی ضرورت
کے پیشِ نظر وہ مجھے کہیں ڈبل کراس کر گزریں..."

ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہم سب ایک ہیں۔ پہلے
تمھارے ساتھ جو کچھ ہوا وہ بھی درست تھا اور جو اب ہونے
والا ہے وہ بھی درست ہی ہو گا۔ ہم نہ سفارت کار ہیں اور نہ
سیاست باز۔ تم جانتے ہو کہ ہم ہیروئن اور اسلحے کے سوا کسی تیسری
جنس کا بیوپار نہیں کرتے۔ اس لیے ہم میں سے کسی کو تمھیں ڈبل کراس
کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہماری دلچسپی صرف اس معزز خاتون
کی بازیابی تک ہے جسے جانو ماچھی اُٹھا کر لے گیا ہے۔" اسے
مداخلت کے لیے لب کشائی کرتے دیکھ کر ویرا نے فوراً ہی اسے
ٹوک دیا۔ "نہیں... مجھ سے ہرگز یہ نہ کہنا کہ تم جانو ماچھی کو نہیں جانتے
بلیک کیٹ ٹی، سندھ میں تمھارا پروردہ ایجنٹ ہے۔ مجھ سے اس
کی ایک بہت بڑی ڈیل چل رہی ہے جس میں وہ ایڈوانس ادائیگی
کے بدلے تمھیں ضامن بنانا چاہتا ہے۔ ساری رقم وہ مال کی ڈیلیوری
کے وقت ادا کرے گا۔ وہ مجھے بتا چکا ہے کہ جانو ماچھی اس کا خاص
آدمی ہے۔"

"تم نے براہِ راست بلیک کیٹ ٹی سے جانو ماچھی کے بارے
میں کیوں نہیں پوچھ لیا؟" کرنل ہنیش پال نے گہرے گہرے سانسوں
کے درمیان سوال کیا۔

"تم میرے لیے طاقت کے دیوتا کے حوالے سے شناسا
ہو جب کہ وہ بالکل اجنبی ہے۔ اس حد تک اجنبی کہ اس پر اعتبار
کرنے کے لیے مجھے ایک ضامن کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔
اس نے ہماری مغویہ کو ایک کارڈ کے طور پر استعمال کرنا چاہا ہے
اسی لیے تم کو اٹھوانے کی ضرورت پیش آئی ہے..."

"یعنی تم بلیک کیٹ ٹی کو اس کی ضرورت کا اسلحہ فراہم کرنا
نہیں چاہتیں؟" اس نے ویرا کی بات کاٹ کر سوال کیا۔ اس کے
لب و لہجے اور الفاظ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بلیک کیٹ ٹی کے
تخریبی منصوبے اور اس کی ضروریات سے پوری طرح واقف تھا۔

"اسے اسلحہ دیں گے۔" میں نے پہلی بار مداخلت کرتے ہوئے
کہا۔ "لیکن بلیک میل ہوئے بغیر... تمھیں معلوم ہے کہ رشی اجنبیوں
سے آسانی کے ساتھ لین دین نہیں کرتی اس لیے بلیک کیٹ ٹی کو بھی
سودے سے منع کر دیا گیا تھا مگر اس نے جانو ماچھی کی مغویہ کا معاملہ
درمیان میں لا کر ہمیں بات آگے بڑھانے پر مجبور کر دیا۔ ہمیں یہ
صورتِ حال ہرگز قبول نہیں ہے۔"

"تو کیا اس نے تمھیں بلیک میل کے لیے ہی اس خاتون کو
اغوا کرایا ہے؟" میری بات مکمل ہونے پر اس نے قدرے حیرت
کے ساتھ سوال کیا۔

"اس نے بظاہر اس اغوا کو ایک اتفاق ثابت کرنے کی
کوشش کی ہے لیکن فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اصولی بات صرف
اتنی سی ہے کہ بلیک میل کے آگے جھکنا رشی کی پالیسی کے خلاف
ہے۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "اسی لیے تمھیں اٹھایا گیا
ہے تاکہ تم بلیک کیٹ ٹی سے رابطہ کیے بغیر ہمیں حقائق سے آگاہ کر
سکو۔ اسلحے کے معاملے میں جو ہونا ہے وہ ہوتا رہے گا۔"

"تو اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے اپنا سوجا ہوا ہونٹ
سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"کراچی میں جانو ماچھی کے اڈے کا پتا۔" میں نے دو ٹوک لہجے
میں کہا۔

"اس خاتون کے اغوا کے الزام میں تم جانو ماچھی کو موت کے
گھاٹ اتار دو گے؟" اس نے وہ سوال بالکل اضطراری انداز میں
کیا تھا۔

"جانو ماچھی کراچی میں نہیں ہے۔" ویرا نے بات سنبھال لی۔
"اغوا کی واردات کے بعد وہ بلوچستان کی طرف فرار ہو گیا ہے،
وہ وہاں سے براہِ راست دادو کے قرب و جوار میں کسی ہوائی اڈے
پر اترے گا۔ مغویہ کراچی ہی میں اس کے آدمیوں کی تحویل میں
ہے جو اسے شہر سے نکال لے جانے کے لیے کسی مناسب موقع کے

منتظر ہیں۔ ہم ان کو یہیں کراچی میں گھیرنا چاہتے ہیں۔"

"تم نے میرے لیے مشکلات کھڑی کر دی ہیں اور مجھے چاروں طرف سے جکڑ لیا ہے۔" اس کے دماغ سے رازداری کا بھوت اتر چکا تھا اور وہ کھلی کھلی بات کرنے کے موڈ میں آچکا تھا۔ "بلیک کیٹ ٹی کے لیے جانو ماچھی بہت اہم ہے کیونکہ سرکاری طور پر اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر دس لاکھ روپے کا انعام مقرر ہونے کے باوجود اس کے علاقے کے کسی فرد نے اس کے خلاف مخبری کرنے کی جرات نہیں کی تھی۔ وہ اپنی بدقسمتی سے کراچی میں پولیس کے ایک روٹین کی زد میں آگیا تھا ورنہ اسے گرفتار کرنے کی حسرت کبھی پوری نہ ہوتی۔ قصہ یہ ہے کہ جانو ماچھی اور اس کے آدمی جو کچھ کرتے ہیں اسے عوامی تائید اور حمایت حاصل ہوتی ہے۔ وہ لوٹ مار کے مال سے عوام کی ضروریات فراخ دلی سے پوری کرتا ہے اور جواب میں اس کے علاقے کے لوگ ایک ہیرو کی طرح اسے پناہ دیتے ہیں اور اس کے خلاف ہونے والی سرگرمیوں کی خبریں اسے پہنچاتے ہیں۔ جس دن اس نے حکومت کے خلاف کھلی بغاوت کا اعلان کر دیا یوں سمجھو کہ سرحدی علاقوں کی تقریباً نصف آبادی اس کی ہم نوا بن جائے گی۔ اس کا مطالبہ صرف ایک ہے کہ اسے اس کی ضرورت کے مطابق جدید اسلحہ فراہم کیا جائے تاکہ وہ کم سے کم جانی نقصان اٹھاتے ہوئے طے شدہ علاقوں پر قابض اور حکمراں ہو سکے۔ ہماری منصوبہ بندی میں اسے ایک خاص مقام حاصل ہے۔"

"اتنی لمبی چوڑی تمہید کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے ناگواری کے ساتھ اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہمیں جانو ماچھی سے کوئی غرض نہیں ہم صرف اس خاتون کی بازیابی میں دلچسپی رکھتے ہیں جو کراچی میں اس کے آدمیوں کی قید میں ہے۔"

"کراچی میں جانو ماچھی کے دو اڈے ہیں۔" خاصے توقف کے بعد اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "وہ لوگ ڈیفنس کے علاقے میں ہو سکتے ہیں یا پھر ٹمبر مارکیٹ کی ایک فیکٹری میں مقیم ہوں گے۔"

اس کے لیے کراچی نامانوس شہر تھا۔ اپنے بیان کے مطابق وہ کئی بار کراچی آچکا تھا لیکن شہر کے مختلف علاقوں سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اسے ٹمبر فیکٹری کا نام اور ڈیفنس والے مکان کا نمبر یاد تھا جو میں نے فوراً ہی نوٹ کر لیا۔

ویرا کا ارادہ بازپرس کا دائرہ وسیع کرنے کا تھا لیکن اس وقت میں ان باتوں میں وقت ضائع کیے بغیر فوری طور پر غزالہ کی تلاش میں نکلنا چاہ رہا تھا اس لیے ویرا نے بھی سوال و جواب کا سلسلہ وہیں منقطع کر دیا۔ ہم دونوں واپسی کے لیے مڑے ہی تھے کہ کرنل مہیش پال نے ہمیں روک لیا۔

"تم ویرا لائیڈ تو نہیں ہو؟" اس نے قدرے تردد کے ساتھ سوال کیا۔ اور ہم دونوں ہی چونک کر اس کی طرف مڑنے پر مجبور ہو گئے۔

ویرا تاؤ میں آکر پہلے ہی اپنے چہرے سے اسکارف اتار چکی تھی۔ جبکہ میرے چہرے پر اس وقت بھی باقاعدہ نقاب منڈھی ہوئی تھی۔

"یہ خیال کیسے آگیا تم کو؟" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"جو لوگ ٹی سے واسطہ ڈالتے ہیں، وہ جمی لائیڈ اور ویرا لائیڈ کے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ جانتے ہیں۔" اس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "تم سفید فام ہونے کے باوجود اہلِ زبان کی طرح ہندی بولتی ہو۔ اس لیے لامحالہ خیال آتا ہے کہ تم ویرا ہی ہو سکتی ہو۔"

"ہندی نہیں، یہ زبان اُردو کہلاتی ہے۔" ویرا نے اس کی تصحیح کرنے کی کوشش کی۔

"ایک ہی بات ہے۔" وہ سرسری لہجے میں بولا۔ "یہاں یہ اُردو کہلاتی ہے سرحد پار ہندی بن جاتی ہے۔ رسم الخط بدل جانے سے الفاظ نہیں بدلا کرتے۔"

"یہ تمہارا اپنا فلسفہ ہو سکتا ہے مگر زبانیں وہی تسلیم کی جاتی ہیں۔ جن کا اپنا رسم الخط ہوتا ہے۔" ویرا نے ترش لہجے میں کہا۔ "ویسے تمہارا قیاس درست ہے۔ میں ویرا ہی کہلاتی ہوں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ اس بہانے مجھے اپنے دور کی ایک عظیم عورت سے ملاقات کا موقع مل گیا۔" وہ اپنی ابتر حالت کے باوجود حیرت ناک طور پر پُرسکون لہجے میں بات کر رہا تھا۔ "میری یہ خوشی اپنی جگہ پر ہے مگر اسی کے ساتھ میں یہ بھی جاننا چاہوں گا کہ تمہارے سوالات کے جوابات دینے کے بعد اب میری پوزیشن کیا ہوگی....؟"

"فی الحال کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔" ویرا نے اس کی بات وہیں کاٹ دی۔ "تم نے جو پتے بتائے ہیں، ان کی تصدیق ہونے تک تم ہمارے مہمان رہو گے۔ اتنا فرق ضرور پڑ جائے گا کہ تمہارے بیان کی تردید سامنے آنے تک تم پر کوئی تشدد نہیں کیا جائے گا۔"

"اور اگر بدقسمتی سے جانو ماچھی کے آدمی اس عورت کو اپنے ساتھ لے کر ان ٹھکانوں سے کوچ کر چکے ہوں تو میرا کیا بنے گا؟" اپنے مستقبل کے بارے میں اس کی فکرمندی اپنی جگہ بجا تھی۔

"تم خود اس صورتِ حال کو اپنی بدقسمتی قرار دے رہے ہو تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ اس خاتون کی بازیابی تک تمہیں ہماری رہنمائی کا فرض ادا کرنا ہوگا۔"

"مجھے روکنا ہی ہے تو کم از کم میرے سفارت خانے کو فون پر مطلع کر دو کہ میں بہ حفاظت ہوں۔" وہ چند ثانیے کی خاموشی

کے بعد تردد آمیز لہجے میں بولا۔ ”وہاں میرے علاوہ بھی دو ایسے افراد موجود ہیں جو تمہارے کوڈ کو سمجھتے ہیں۔ انھیں خبر کرنا ضروری ہے، ورنہ میری طویل غیر حاضری پر کوئی بڑا اسکینڈل کھڑا ہو سکتا ہے۔ جو کسی بھی طرح میرے مفاد میں نہیں ہوگا۔“

”تم فی الحال اطمینان سے یہاں قیام کرو۔ یہ سب معاملات ہم دیکھ لیں گے۔“ ویرا نے بے پروائی سے کہا۔ اور میرے ساتھ اس کمرے سے نکل گئی۔

کمرے کا دروازہ مقفل کرنے کے بعد ہم نے زینوں والا دروازہ بھی باہر سے مقفل کر دیا۔ جہانگیر خلاف توقع وہاں موجود نہیں تھا لیکن زینے چڑھنے کے بعد میں نے اسے ہال میں پوری طرح مستعد پایا۔ اس کے چہرے سے نقاب اترا ہوا تھا۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمہارے ملازمین کہاں ہیں؟“ میں نے نقاب سے چھٹکارا حاصل کرتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔

”سب حرام خور ہو گئے ہیں۔“ اس نے بے زاری کے عالم میں کہا۔ ”ان دونوں کو بھی میں نے ان کے کوارٹروں میں دفع کر دیا۔ وہ اپنا کام کرنے کے بجائے خود چھپ کر نیچے سے آنے والی آوازیں سننے کی کوششیں کر رہے تھے۔“ اس بار وہ ویرا سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔

”چلو اب تھوڑی دیر آرام کر لو۔“ میں نے تہ خانے کی چابیاں اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ”جلد ہی ہمیں مہم پر روانہ ہونا ہے۔“

اس کے استفسار پر راستے میں میں نے اسے تہ خانے میں ہونے والی پیش رفت کے بارے میں آگاہ کیا اور وہ فوراً ہی پُرجوش نظر آنے لگا۔

جہانگیر اپنی خواب گاہ کی طرف گیا لیکن ویرا بدستور میرے ہی ساتھ جڑی رہی اور پھر میرے کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھ پر غرانے لگی۔

”نیچے میں نے بات بڑھانی مناسب نہیں سمجھی تھی مگر اب تم بتاؤ کہ کرنل کو سلطان شاہ نے کہاں سے اغوا کیا تھا؟“

وہ مجھ سے لڑنے کے موڈ میں نظر آ رہی تھی۔
"میں تمھیں بتا چکا ہوں،" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔
"تم جھوٹ بول رہے ہو..... کرنل کے سیکریٹری نے پرسوں ہی کوڈ سننے کے بعد میرے آدمی کو بتایا تھا کہ کرنل آخری بار ہالیڈے اِن کے ڈنر میں دیکھا گیا تھا، اس کے بعد سے لاپتا ہے اور اب کرنل بھی اسلام آباد سے اپنے اغوا کی کہانی سنا رہا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کے بیان میں اس قدر یکسانیت ہو؟ میں نے اسے بھی پھٹکار دیا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ سچا ہے۔"
"تو پھر اب مجھے پرا غ پا ہو جانا چاہیے،" میں نے غصے میں آئے بغیر کہا۔ "شاید اس وقت تمھاری کھوپڑی پر برف جم گئی ہے جو سامنے کی بات بھی نہیں سمجھ رہی ہو۔ سیدھی سی بات ہے کہ کرنل جس مشن پر آیا ہے اس کا منصوبہ اس کے سفارت خانے کی مدد سے پروان چڑھ رہا ہے۔ ان لوگوں نے پہلے سے طے کر لیا ہو گا کہ کرنل ڈنر کے بعد اسلام آباد سے غائب ہو جائے گا تاکہ کراچی میں اپنا کام کر سکے۔"
"کرنل جھوٹ بول سکتا ہے،" اس نے میری بات درمیان ہی سے اڑا دی۔ "لیکن اس کے سیکریٹری کو اتنا سنگین جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ بہت آسانی کے ساتھ کہہ سکتا تھا کہ کرنل کسی اہم کام میں مصروف تھا یا شہر سے باہر تھا۔"
"دوسروں سے شاید یہی کہا گیا ہو مگر شی کے نمائندے سے ملاقات نہ کرنے کے لیے کوئی مضبوط بہانا چاہیے تھا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ آج کے اخبارات بھی کرنل کے اغوا کے بارے میں خاموش ہیں جس کا مطلب ہے کہ سفارت خانے والوں نے ابھی تک اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج نہیں کروائی ہے۔"
"پھر تو ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ کرنل کو اسلام آباد چھوڑنے سے پہلے ہی الہام ہو چکا تھا کہ شی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے گی اور اس نے اسی مفروضے کی روشنی میں اپنے سیکریٹری کو بریف کیا ہو گا۔" اس نے میرا مضحکہ اڑانے والے لہجے میں کہا۔
"تم مذاق سمجھ رہی ہو جب کہ فی الحقیقت ایسا ہی ہوا ہو گا۔" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اسے الہام کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ بلیک کیٹ ٹی اسے اطلاع دے چکا ہو گا کہ اسلحے کے سودے کی ضمانت کے لیے شی والے اس سے رجوع کریں گے۔"
"تم نے تہیہ کر لیا ہے کہ اپنے جھوٹ پر ڈٹے رہو گے؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر شکست خوردہ لہجے میں سوال کیا۔
"یہ جھوٹ نہیں بلکہ سچ ہے۔ آخر تم اس کے مقابلے میں میری صداقت پر کیوں شبہ کر رہی ہو؟" میں نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔ "صرف اس لیے کہ اس وقت تم نے مجھے یہاں دیکھ لیا ہے؟"
"وجہ یہ ہے کہ میں تمھاری رگ رگ سے واقف ہوں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "تم اپنے جھوٹ کے حق میں بھی ایسی ایسی تاویلیں لے آتے ہو کہ سچ بولنے والا تمھارا منہ دیکھتا رہ جاتا ہے..... خیر اب اس بحث کو ختم کرو اور یہ بتاؤ کہ کرنل کا کیا کرنا ہے؟"
"تم اس کے سامنے آ گئی ہو جب کہ ہم لوگ ابھی تک بے نقاب نہیں ہوئے ہیں۔ نہ ہی اسے یہ اندازہ ہے کہ وہ کہاں قید ہے اس لیے اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا اختیار تم کو ہے۔"
"وہ سفارت کار ضرور ہے لیکن اس کے مقامی زیرِ زمین دنیا سے قریبی روابط ہیں۔ جلد یا بدیر اسے یہ ضرور معلوم ہو جائے گا کہ جس لڑکی کی رہائی کے لیے ہم اتنے مضطرب ہیں وہ غزالہ ہے۔ اس کے بعد یہ سمجھنا دشوار نہیں ہو گا کہ تم اصل میں کون ہو اور تمھارا ساتھ دینے والے کون ہیں۔" اس نے میرے تاثرات کا گہرا جائزہ لیتے ہوئے اس خطرے کی نشان دہی کی۔
"ذاتی طور پر تو میں ہمیشہ خطرات سے ہی کھیلتا آیا ہوں لیکن آج کل میرے دل میں وطن پرستی کی جو لہر چلی ہوئی ہے وہ مجھے مجبور کر رہی ہے کہ کرنل کو زندہ نہ چھوڑوں..... سانپ پر رحم کھایا جائے تو وہ نہ جانے کتنے ہی بے گناہوں کو ڈس لیتا ہے۔ یہ میری ایماندارانہ رائے ہے لیکن اس کے باوجود کرنل کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اختیار تم ہی کو ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے تم بلیک کیٹ ٹی کو خطیر مالیت کا اسلحہ اچھے داموں پر فروخت کر سکتی ہو۔ یہ تمھارے لیے اپنے باپ کے سامنے سرخرو ہونے کا بہت اچھا موقع ہے جسے میں اپنی خواہشات کی خاطر برباد نہیں کروں گا۔ کرنل تو سامنے آ ہی گیا ہے۔ اس سے میں بعد میں کسی بھی وقت نمٹ لوں گا اس بار تم اپنا اُلو سیدھا کر لو۔"
اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تم پھر جھوٹ بول رہے ہو۔ میں تمھاری آنکھوں سے پڑھ چکی ہوں کہ تم کرنل کا قیمہ بنانا چاہتے ہو۔ تم میری خاطر اتنا بڑا جوا نہیں کھیل سکتے کہ طاقت کے توازن کو تہس نہس کر دینے والے جدید اسلحے کی کھیپ سندھ میں آنے دو۔"
"تم ٹھیک سمجھ رہی ہو،" میں نے اس کی بات درمیان سے اچک کر اس کی تائید کی۔ "میں تمھارا سودا خراب نہیں کروں گا لیکن جونہی تم کیٹی بندر پر اسلحے کی کھیپ دے کر رقم وصول کر لو گی اور اس سودے سے بری الذمہ ہو جاؤ گی، میں اپنا کام شروع کر دوں گا۔" میں نے کہا۔
"نہیں ڈارلنگ! یہ نہیں ہو سکتا،" اس نے سختی سے کہا۔ "میں

نے اس معاملے پر بہت سوچا ہے۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ ہماری دنیا کا سارا دارومدار ساکھ اور چند ان لکھے اصولوں پر ہے۔ بلیک کیٹ ٹی کو دھوکا دینے سے یہ بہتر ہوگا کہ میں اسے اسلحہ دینے سے سرے سے انکار ہی کر دوں۔"

"یہ تم اس لیے کہہ رہی ہو کہ میں نے اپنا دل کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیا ہے، ورنہ ایسا عموماً ہوتا ہی رہتا ہے۔ اتفاقاً بڑی بڑی کھیپیں پکڑی جاتی ہیں۔ سارا کام اس طرح ہوگا کہ کسی کے فرشتوں کو بھی تم پر بدعہدی کا گمان نہیں ہو سکے گا۔"

وہ رسوائے زمانہ مجرمہ تھی۔ انسانی لہو سے لے کر مال و متاع تک، اس کی نظروں میں کسی چیز کی کوئی وقعت نہیں تھی لیکن پھر بھی وہ چند اصولوں پر کاربند رہنے کی دعوے دار تھی۔ اس لیے اس کے ساتھ میری تکرار طول پکڑنے لگی۔ اور آخر کار اسی نے وہ موضوع یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ اس وقت غزالہ کی خبر گیری ان سب معاملات پر مقدم تھی۔ میں نے اسے وہیں چھوڑا اور خود تیسری خواب گاہ کی طرف ہو لیا جہاں سلطان شاہ گدھے گھوڑے بیچ کر سویا ہوا تھا۔

وہ علاقہ نیم آباد تھا۔ بڑے بڑے مکانات کے درمیان جابجا خالی اور ناہموار پلاٹ موجود تھے یا ان پر تعمیراتی کام ہو رہا تھا۔ ان ادھورے ڈھانچوں اور در و بام میں رہنے والے چوکیدار وغیرہ روشنیاں گل کر کے شاید سرِ شام ہی سو جانے کے عادی تھے۔ جو مکان آباد تھے، ان میں بھی روشنیوں یا بند پھاٹکوں کے پیچھے سے جھانکتے ہوئے پالتو کتوں کے علاوہ زندگی کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے تھے۔

فضا میں مخصوص بُو رچی ہوئی تھی اور رات کے سناٹے میں ساحل پر دم توڑتی ہوئی وحشی سمندری لہروں کا شور وقفے وقفے سے ایک مہیب گونج پیدا کر رہا تھا۔ اس آبادی سے آگے نشیب میں ساحل سے قریب تر اونچی اونچی عمارتوں کے تاریک ڈھانچے نظر آ رہے تھے۔ مجموعی طور پر اس علاقے کا ماحول کسی بھی بڑی کارروائی کے لیے خاصا سازگار تھا۔

ہماری نفری کل چار نفوس پر مشتمل تھی مگر چاروں ہی پوری طرح تیار اور مسلح تھے ہم نے یہ حکمتِ عملی اختیار کی تھی کہ ایک ہی کار میں اکٹھے آنے کے بجائے چاروں الگ الگ گاڑیوں میں ایک دوسرے سے مناسب اور محفوظ فاصلے پر سفر کر رہے تھے۔

میں سب سے آگے تھا اور ویرا سب سے پیچھے تھی۔ بھرے پُرے اور آباد علاقے سے گزر کر اس نیم آباد علاقے میں داخل ہوتے ہی میری حیوانی جبلت پوری طرح بیدار ہو چکی تھی۔ اس علاقے میں خرابی بس ایک ہی تھی کہ آبادی خال خال ہونے کے باوجود بھی سڑکوں کے کنارے ایستادہ کھمبوں پر اسٹریٹ لیمپ روشن تھے۔

مطلوبہ مکان کی تلاش میں مجھے کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی کیونکہ اس علاقے میں مکانوں کے نمبر ایک خاص ترتیب سے گھٹتے بڑھتے نظر آرہے تھے۔ اور خوش قسمتی سے مطلوبہ مکان کے پھاٹک سے ملحقہ ستون پر نمبر پلیٹ بھی موجود تھی۔ نمبر نوٹ کرتے ہی میں نے اپنی کار کی رفتار سست کر دی۔

اس مکان کے گیٹ لیمپس ضرور روشن تھے لیکن عمارت مکمل طور پر اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کھڑکیوں کے شیشوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے یا پھر اندر دانستہ اندھیرا کیا گیا تھا۔ پھاٹک کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے اس مکان کا جائزہ لیا اور پھر تیزی کے ساتھ اپنی کار آگے نکالتا چلا گیا۔

دو موڑ گھومنے کے بعد میں نے ایک رتیلے میدان میں گاڑی روک دی۔ پیچھے آنے والی تینوں کاریں بھی یکے بعد دیگرے وہیں آرکیں۔

ان تینوں نے بھی میری طرح اس مکان کو نوٹ کر لیا تھا۔ اور سب ہی اس کی ویرانی کے بارے میں شاکی نظر آرہے تھے۔

"وہ خود بھی سخت خطرے میں گھرے ہوئے ہیں۔" ویرا نے کہا۔ "بلیک کیٹ نے بھی انھیں خوفزدہ کیا ہوا ہے میرا خیال ہے کہ وہ اندھیری عمارت میں بھوکے بھیڑیوں کی طرح گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی کسی اونچی جگہ سے اپنے ساتھیوں کی حفاظت ضرور کر رہا ہوگا۔"

"براہِ راست ادھر کا رخ کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔" جہانگیر نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ "نشانے پر لگنے والی ایک گولی بھی ہمارا سارا کھیل بگاڑ سکتی ہے۔"

"میں نے اس مکان کا محل وقوع دیکھ لیا ہے۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "اس مکان کے قرب و جوار میں زیادہ تر خالی پلاٹ ہیں۔ اسی وجہ سے جانو ماچھی نے اس پر ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ ہمیں اس مکان کے سامنے کچھ ایسا ڈراما کرنا پڑے گا کہ اندر والے خود ہی باہر آنے پر مجبور ہو جائیں۔"

"ڈگڈگی لے کر وہاں بندر نچانا شروع کر دو جنگل میں منگل کا سماں ہو جائے گا۔" ویرا نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"تمھارے ہوتے ہوئے نہ ڈگڈگی کی ضرورت ہے نہ بندر کی۔" میں نے سنجیدگی سے کہا اور ویرا میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی میری طرف جھپٹی تھی۔

"پہلے پوری بات تو سن لو۔" میں نے اس کے خوشگوار وجود کو اپنے ہاتھوں پر روکتے ہوئے بوکھلا کر کہا۔ "میرا مقصد بندر یا ڈگڈگی سے تمھارا موازنہ کرنا نہیں تھا۔ تم حسین و جمیل ایک غیر ملکی عورت ہو اور میں ایک آوارہ گرد مرد۔ اگر میں تمھارا پیچھا کرتا ہوا اس اڈے کے قریب سائیڈ مار کر تمھاری کار کا راستہ روک لوں اور تم سے زور آزمائی شروع کر دوں تو تم نہایت فطری انداز میں مدد کے لیے اس پھاٹک کو پیٹ کر رکھ سکتی ہو۔ یہ دونوں وقفے وقفے سے ادھر آکر تماشائیوں کے طور پر رک کر اپنا رول ادا کر سکتے ہیں۔ چوری چھپے کسی کارروائی کا خطرہ مول لینے کے بجائے یہ ترکیب زیادہ کارگر ہو سکتی ہے۔ ان لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہمیں اپنی گاڑیوں کو احتیاط سے اس طرح لڑانا ہو گا کہ ہمیں کوئی گزند پہنچے بغیر تصادم کا اتنا دھماکا ضرور ہو کہ اندر والوں کو باہر کسی گڑبڑ کا احساس ہو جائے۔"

"گندی اور گھٹیا حرکتیں سوچنے میں بھی تمھارا دماغ خوب کام کرتا ہے۔" ویرا بے اختیار ہنس پڑی۔ "اور اگر سلطان شاہ یا جہانگیر کے پہنچنے سے قبل ہی ان میں سے کسی نے میری ہمدردی میں تمھارا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا تو کیا ہوگا؟"

"اگر مگر کے چکر میں پڑو گی تو پھر وہ تمھیں تل کر بھی کھا سکتے ہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "غزالہ ان لفنگوں کی تحویل میں ہے مگر جانو ماچھی کی ہدایت کی وجہ سے ان کے لیے شجر ممنوعہ بن کر رہ گئی ہے۔ اس لیے وہ اپنی بھڑاس نکالنے کے لیے بخوشی تمھیں اپنی چھت کے نیچے پناہ دے دیں گے۔"

"چلنے کا ارادہ ہے یا یہاں یونہی نوک جھونک میں ہم اپنا وقت برباد کرتے رہیں گے۔" سلطان شاہ نے ٹوکا۔

"چلو!" میں ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

ہم وہاں سے ایک مختصر سا چکر کاٹ کر واپس روانہ ہوئے تو سلطان شاہ اور جہانگیر ہم سے بہت پیچھے رہ گئے۔ میں نے ابتدا ہی سے ویرا کی کار سے اپنی کار کا فاصلہ کبھی کم اور کبھی زیادہ کر کے اسے بار بار ڈپر مارنے شروع کر دیے تاکہ تصادم ہونے تک اس کے مزاج میں فطری چڑچڑاپن عود کر آئے۔

اس مکان والی سڑک پر آتے ہی میں نے بار بار اپنی کار ویرا کے برابر میں لانے کی کوشش شروع کر دی مگر وہ سائیڈ دبا کر مجھے اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کرتی رہی۔

جانو ماچھی کے تاریک اڈے کے سامنے پہنچنے تک میری

بھی کھوپڑی کچھ سنک چکی تھی۔ کیونکہ ویرا بڑی چابکدستی کے ساتھ مجھے مدافعانہ ڈرائیونگ پر مجبور کرتی آ رہی تھی۔ مقررہ مقام پر ویرا نے طے شدہ پروگرام کے مطابق مجھے داہنی طرف سے آگے نکلنے کا موقع ' ہم کیا اور میں نے اس کے برابر میں آتے ہی اپنی کار کو اتنی تیزی کے ساتھ بائیں طرف دبایا کہ میری کار کا عقبی حصّہ پُرشور آواز کے ساتھ ویرا کی کار کے داہنے فینڈر سے ٹکرایا۔ اور میں نے ویرا کے آگے نکلنے کی راہ مسدود کر دی۔

میں پھرتی سے اپنی ڈرائیونگ سیٹ سے اُترا۔ میری نظریں تاریک مکان پر مرکوز تھیں۔ مجھے وہم ہوا کہ دھماکا ہوتے ہی ایک تاریک کھڑکی میں کوئی تاریک تر سایہ نمودار ہوا تھا۔

گھپ اندھیرے میں کسی نادیدہ اور مسلح حریف کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی مجھے پہلی بار بھیانک خطرے کا ادراک ہوا۔ اگر وہ کسی بے آواز رائفل سے اضطراری طور پر فائر کر بیٹھتا تو میرے لیے زندہ رہنے کا کوئی امکان نہیں ہو سکتا تھا۔

ویرا اپنی کار سے اترے بغیر سریلی آواز میں، انگریزی میں اول فول بک رہی تھی۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر اس نے پھرتی سے اپنی کار ریورس گیئر میں ڈالی جیسے میری بدنیتی کو بھانپ کر پیچھے کی طرف فرار ہونا چاہتی ہو۔ اس کار کے عقب میں جل اٹھنے والی ریورس لائٹس سے کوئی بھی سمجھ دار تماشائی سمجھ سکتا تھا کہ وہ واپس بھاگنا چاہ رہی تھی مگر میں نے فوراً ہی دروازہ کھول کر اسے ڈرائیونگ سیٹ سے نیچے گھسیٹ لیا۔ اس کی کار پیچھے کی طرف اچھلی اور پھر انجن خود بخود بند ہو گیا۔

اس وقت ویرا اُردو سے نابلد ایک غیر ملکی دوشیزہ کا رول بخوبی ادا کر رہی تھی اور مجھے ہر وہ انگریزی گالی دی جا رہی تھی، جو عام حالات میں شاید وہ سوچ کر ہی رہ جاتی ہو۔

اندھیرے میں چھپے ہوئے سفاک دشمن کے خوف کے باوجود وہ میرے لیے ایک سنسنی خیز تجربہ تھا۔ ویرا کے ساتھ میرے دیرینہ مراسم بہت روایتی اور مفاہمانہ تھے۔ اس نے کبھی بھی مجھے مایوس نہیں کیا تھا اور سردم سپردگی کے انداز میں مجھے خوش آمدید کہا تھا۔ لیکن اس وقت کی مصنوعی مزاحمت میں میں نے محسوس کیا کہ غیر ارادی طور پر میرا دورانِ خون تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔

یہ مشکل چند ثانیے گزرے تھے کہ ویرا کی مزاحمت اور بیخ و پکار رنگ لائی۔ جانو ماچھی کے تاریک اڈے سے ایک کرخت مردانہ آواز نے ہمیں للکارا تھا۔

"ٹھہرو...... ورنہ گولی مار دوں گا۔" میرا قیاس تھا کہ وہ آواز چھت کی طرف آئی تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میرا بچھایا ہوا جال کارگر ثابت ہو رہا تھا۔ میں نے وہ للکار سن کر بھڑکنے کی اداکاری کی اور اسی لمحے ویرا اچھل کر میری گرفت سے نکل گئی اور چلاتی ہوئی بند پھاٹک کی طرف دوڑ پڑی۔

میں چند ثانیے تک کسی ہونق کی طرح اپنی جگہ پر کھڑا چکراتا رہا۔ اس دوران میں مجھے ایک کار کے ہیڈ لیمپس اپنی طرف آتے ہوئے نظر آئے۔ اور میں سر جھٹک کر ویرا کے پیچھے ہو لیا۔

اوپر سے گیٹ لیمپس کی روشنی میں ویرا کو اچھی طرح دیکھ لیا گیا تھا۔ میں ویرا کے پاس پہنچا تو اسی وقت آہنی پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھلا اور وہاں قمیض شلوار میں ملبوس، چڑھی ہوئی مونچھوں والا ایک دیوہیکل شخص نظر آیا۔ جس کے کندھے پر رائفل اور فاضل کارتوسوں کی بیلٹ جھول رہی تھی۔

خوفناک چہرے والا وہ لحیم شحیم شخص بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ذیلی کھڑکی سے باہر آیا اور اس نے دانت پیستے ہوئے میرا کالر پکڑ کر مجھے پھاٹک سے اندر گھسیٹ لیا۔ ویرا ٹک ٹک کرتی ہوئی خود بخود میرے پیچھے اندر داخل ہو گئی۔ اس شخص نے ویرا کے اندر پہنچتے ہی ذیلی دروازے کا بولٹ لگایا اور میرے چہرے پر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔

"سالا، سور! گوریوں کے ساتھ بدمعاشی کرتا ہے۔" اس نے نہایت تحقیر آمیز انداز میں کہا تھا اور پھر فاتحانہ نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا تھا۔

ویرا نہایت رواں انگریزی میں اسے اپنا مسئلہ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ کچھ سمجھے بغیر والہانہ انداز میں اس کے چہرے کو تکے جا رہا تھا۔ ویرا کے شرربار حسن نے اسے ایسا مبہوت کیا تھا کہ مجھے ایک تھپڑ رسید کرنے کے بعد وہ ایک دم بھول چکا تھا۔

میرے لیے وہ مہلت بہت غنیمت تھی۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے اعشاریہ تین آٹھ کا ابھرا ہوا اسمتھ اینڈ براؤنی نکالا اور اس کی مہیب آہنی نال بے رحمی سے اس کے پیٹ میں اُڑا دی۔

"جس حالت میں ہو اسی طرح شرافت سے باہر آ جاؤ۔" میں نے غراتے ہوئے اسے حکم دیا۔ "اپنے کسی ساتھی کو کوئی اشارہ کرنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔"

اس اثناء میں ویرا نے ذیلی پھاٹک کا گیٹ کھول دیا تھا۔ وہ اپنی وضع قطع سے ہی مستنڈا ڈاکو نظر آ رہا تھا۔ گوری عورت کے ذریعے نازل ہونے والی اس ناگہانی مصیبت نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا اور وہ کوئی چوں و چرا کیے بغیر ذیلی دروازے

سے باہر آگیا۔
جوں ہی وہ دیوار کی اوٹ میں آیا، ویرا نے اس کے شانے سے رائفل اور کارتوس کی پیٹی اتار کر بائیں ہاتھ سے اس کی مونچھ کا ایک سرا نوچ لیا۔ وہ اپنے قدموں پر اچک کر ایک سسکاری لے کر رہ گیا۔

جائے واردات پر بقیہ دونوں کاریں بھی پہنچ چکی تھیں اور آنے والوں نے صورتِ حال کا اندازہ لگاتے ہی اپنا اسلحہ سنبھال لیا تھا۔

"وڈے سائیں مراد! ادھر کیا ہوتا ہے؟" چھت پر سے وہی پرانی کرخت آواز ابھری تھی۔

"اسے بھی باہر بلاؤ۔" میں نے اس کے پیٹ پر پستول کی نال کا دباؤ بڑھاتے ہوئے اضطراری لہجے میں سرگوشی کی۔

"اوا! تم باہر آؤ، ادھر گھپلا ہو گیا ہے۔" مراد نے اونچی آواز میں کہا۔ پھر مجھ سے بولا۔ "تم کون ہے اور کس کا آدمی ہے؟" لمحہ بھر کی برتری کے بعد اسیر ہو جانے پر وہ بوکھلا ضرور گیا تھا لیکن کسی بھی طرح خوفزدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"اندر کتنے آدمی ہیں اور کتنا مال ہے؟" میں نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

اس نے خاموشی سے جہانگیر اور سلطان شاہ کا جائزہ لیا پھر بولا۔ "تم شہر کے گیدڑ ہو، ایسے چور اچکے ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ خیریت چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ۔ یہ جانو ماچھی کا ڈیرا ہے۔ وہ اپنی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو بازو سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔۔۔"

"جانو ماچھی مر چکا ہے۔" میں نے سرسراتی ہوئی زہریلی آواز میں کہا اور اس کی آنکھیں بے یقینی کے عالم میں پھیلتی چلی گئیں۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ اگر اپنی زندگی اور عافیت چاہتے ہو تو سارا مال ہمارے حوالے کر کے یہاں سے نکل جاؤ۔ ورنہ تمہیں جانو ماچھی کے پاس پہنچا کر ہم خود ہی سارا مال تلاش کر لیں گے۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ ہتھیار پھینک کر باہر آ جائیں۔"

"تم جھوٹے ہو!" اس نے لرزتی ہوئی اندوہناک آواز میں کہا۔ "جانو سائیں نر شیر تھا، وہ کبھی نہیں مر سکتا۔ وہ تو ہمارا مائی باپ ہے۔ وہ مر گیا تو ہم کو کس کے ڈیرے سے روٹی ملے گی؟"

"اوئے مراد!" اچانک اندر سے کسی نے اونچی آواز میں کہا۔ "باہر کیا گھپلا ہے اور تو کہاں ہے؟ سامنے آ کر بات کرو ورنہ ہم آگے نہیں آئیں گے۔"

میں نے اُس کے پیٹ سے پستول کی نال ہٹا کر اُسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور وہ کھلے ہوئے ذیلی دروازے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"بہت بُری خبر آئی ہے۔" مراد کی آواز فرطِ جذبات سے تقریباً رُندھی ہوئی تھی۔ "جانو سائیں قتل ہو گیا۔۔۔" اس کا دوسرا فقرہ پورا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ فضا رائفلوں کے ہیبت ناک دھماکوں سے لرز اُٹھی۔ اندر سے تقریباً بیک وقت تین رائفلیں چلی تھیں اور تینوں کا نشانہ مراد ہی تھا جس نے اندر والوں کو جانو ماچھی کی موت کی اطلاع دینے کی کوشش کی تھی۔

گولیاں اُس کی چھاتی اور پیٹ کو پھاڑتی ہوئی آر پار گزر گئیں۔ اُس کے کڑیل بدن میں ہونے والے اُن سوراخوں میں سے زندہ اور گرم گرم خون کے فوارے اُبل پڑے۔ اُس کا جسم سنبھالا لینے کی کوشش میں اپنے قدموں پر پھرکی کی طرح گھوما اور پھر خاک اور خون میں گر کر دیکھتے ہی دیکھتے بے جان ہو گیا۔ ہم چاروں پھاٹک اور دیوار کی آڑ میں تھے اس لیے گولیاں ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔

جانو ماچھی کے لیے کام کرنے والے اُس کے لیے اپنے دل میں اندھی عقیدت رکھتے تھے۔ انھوں نے آناً فاناً میں جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے ایک ایسے ساتھی کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جس نے انھیں اُن کے آقا کی موت کی منحوس خبر سنانے کی کوشش کی تھی۔

مراد کو وہ جھوٹی خبر سنانے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ان لوگوں کا حوصلہ ختم کیا جا سکے اور میرا اندازہ تھا کہ میں اپنی اس کوشش میں ضرورت سے زیادہ کامیاب رہا تھا۔

مراد اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا اور اندر سے تین رائفلوں سے فائرنگ کی گئی تھی جس کا مطلب تھا کہ ہم چار افراد کا مقابلہ کم از کم تین حریفوں سے تھا۔ انھوں نے مراد کو جہنم واصل کرنے کے بعد مزید کوئی فائر نہیں کیا تھا۔ لیکن مجھے خوف تھا کہ نیم آباد ویرانے میں رائفلوں کے فائروں کی ہیبت ناک بازگشت دُور دُور تک سُنی گئی ہو گی۔ گشت و خون کی پیغامبر، وہ آوازیں سُن کر کوئی عام شہری تو اپنے گوشۂ عافیت سے نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن مجھے ڈر تھا کہ پولیس کی کسی گشتی پارٹی نے فائرنگ کی وہ آوازیں سن لیں تو وہ کسی بھی لمحے کہیں سے نمودار ہو کر ہمیں ناقابلِ تصور مشکلات سے دوچار کر سکتی تھی۔

جب کئی ثانیے گزرنے کے باوجود اُن کی طرف سے کوئی فائر نہ ہوا تو مجھے تشویش ہونے لگی اور میں نے ذیلی دروازے کے سامنے آنے کا خطرہ مول لیے بغیر احاطے کی دیوار سے سر اُبھار کر اندر کا جائزہ لیا تو وہاں ہر طرف ویرانی کا راج تھا اور کہیں بھی کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔ عمارت میں بدستور گھور اندھیرا تھا اور گیٹ لیمپس کی روشنی میں پورٹیکو میں دو گاڑیاں کھڑی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

اپنی ابتدائی اضطراری فائرنگ کے بعد انھیں اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا اور انھوں نے اپنی طرف سے گولیاں ضائع کرنے کی بجائے غالباً اندھیرے میں مورچے جما لیے تھے اور اس بار ہماری طرف سے کسی چھیڑ چھاڑ کے منتظر تھے۔

وہ اپنے گھر میں محصور اور محفوظ تھے لیکن ہمارے لیے وہ تاخیر مہلک ثابت ہو سکتی تھی اس لیے میں نے دیوار کے ساتھ ایک پتھر جما کر سلطان شاہ سے اُس کی سب مشین گن لی اور پھر احاطے کی دیوار کے اوپر سے اندر ایک برسٹ چلا دیا۔

جواب میں اندر سے کسی ردِّعمل کا اظہار نہیں ہوا۔ ہر طرف وہی مہیب اور پُرہول سناٹا چھایا رہا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ان لوگوں نے احاطے میں رہ کر مقابلہ کرنے کے بجائے عمارت میں پسپائی اختیار کر لی ہو اور وہاں سے مدافعانہ کارروائی کرنے والے ہوں۔

"اپنی گاڑیاں یہاں سے ہٹاؤ۔" میں نے فوری خیال کے تحت اُن تینوں سے کہا۔ "گاڑیوں کی بھیڑ ہمارے حق میں مضر ہو سکتی ہے بلکہ دو آدمی اپنی گاڑیوں میں عمارت کی عقبی سمت میں چلے جائیں۔"

وہ تینوں ہی اپنی گاڑیوں میں سوار ہو گئے۔ میں نے اپنی کار سڑک سے ہٹا کر اس مکان کے ساتھ اس طرح پارک کر دی کہ اس پر بادی النظر میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اندر والوں کو اندھیرے کی پناہ حاصل تھی جب کہ گیٹ لیمپس کی روشنی میں ہمیں دُور ہی سے دیکھا جا سکتا تھا اس لیے میں نے فوراً ہی پتھر مار کر دونوں لیمپ ناکارہ کر دیے۔ اسٹریٹ لیمپس سے آنے والی روشنی اتنی ناکافی تھی کہ ہوشیاری سے کام لے کر اُس سے محفوظ رہا جا سکتا تھا۔

میں اپنے جائزے میں مصروف تھا کہ ویرا اپنی کار کہیں

پارک کر کے واپس آ گئی۔ اُس نے متوفی مراد سے چھینی ہوئی رائفل اور کارتوسوں کی پیٹی اپنی گاڑی ہی میں چھوڑ دی تھی۔

اندھیرا ہونے کے بعد میں نے ایک بار پھر احاطے کی دیوار سے اوپر سر ابھار کر اندر کا جائزہ لینا چاہا اور اس بار ایک تاریک کھڑکی سے شعلہ چمکا۔ اگر میں فوراً ہی نیچے نہ بیٹھ گیا ہوتا تو میری کھوپڑی صاف اُڑ گئی ہوتی۔ اُن کی تعداد کُل تین تھی۔ وہ زیادہ سمتوں پر نظر نہیں رکھ سکتے تھے لیکن پھاٹک پر بہرحال اُن کی کڑی نگرانی تھی اس لیے میں دوڑتا ہوا احاطے کی دیوار کے دوسرے گوشے پر پہنچ کر برابر والے خالی پلاٹ میں گھوم گیا۔ اس پہلو پر صورتِ حال کچھ سازگار تھی اور عمارت اور احاطے کی دیوار کا درمیانی فاصلہ بھی قدرے کم تھا جسے طے کر کے عمارت کی دیوار سے لگ کر خود کو اندر سے ہونے والی فائرنگ سے بچایا جا سکتا تھا۔

میں نے دیوار کے ساتھ جُھک کر عمارت کے عقبی حصے کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ویرا پیچھے سے مجھے کور دے رہی تھی۔ ہم نے راستے میں آنے والی تمام کھڑکیوں اور دروازوں پر دباؤ ڈال کر دیکھ لیا لیکن وہ سب اندر سے اچھی طرح بند تھے۔

اس وقت میرے لیے وہ خیال سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ میں جانو ماچھی کے ایک ٹھکانے پر سنگین دیواروں سے باہر اندھیرے میں بھٹک رہا تھا اور غزالہ اندران ڈاکوؤں کی قید میں تھی جو اپنے ذاتی مفاد کے لیے اپنے وطن کی بنیادوں میں بارود بھرنے سے بھی دریغ نہیں کر رہے تھے۔

عمارت کے گرد اپنا طواف مکمل کرتا ہوا جب میں پورچ کے ساتھ، سامنے والے حصے کی طرف پہنچا تو ٹھٹک کر ایک جگہ میرے قدم زمین میں گڑ گئے۔ میں کافی دیر سے مسلسل اندھیرے میں بھٹک رہا تھا اس لیے میری آنکھیں اس تاریکی میں بھی دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں اور مجھے آگے ایک کھڑکی سے باہر نکلی ہوئی رائفل کی نال نظر آ رہی تھی۔

اس دریافت پر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور مجھے اپنی محنت بارآور ہوتی ہوئی نظر آنے لگی۔ وہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اس کے پیچھے کوئی شخص رائفل لیے شکار کے سامنے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ بظاہر وہ اس امکان سے غافل نظر آ رہا تھا کہ کوئی شخص اندر داخل ہو کر دیوار کے سائے میں پناہ لیتا ہوا اچانک ہی رائفل کی نال پر ہاتھ ڈال سکتا تھا

میرے لیے وہ بہت کٹھن اور ہولناک مرحلہ تھا۔ اگر رائفل کی نال پر میرا وار ذرا بھی اوچھا پڑتا تو اگلے ہی لمحے میرا بدن چھلنی کیا جا سکتا تھا۔

چند ثانیے تک اپنی قوت مجتمع کرنے کے بعد میں نے اپنے پیچھے دبکی ہوئی ویرا کو اشارہ کیا۔ وہ نئی صورتِ حال سے پوری طرح باخبر تھی۔ میں بہت احتیاط سے دبے پاؤں آگے بڑھتا رہا۔ اس دوران میں میری نظریں مستقل آہنی نال پر جمی ہوئی تھیں جو کھلی کھڑکی کی چوکھٹ پر مسلسل ایک ہی سمت میں ٹکی ہوئی تھی۔

کھڑکی کے عین نیچے پہنچ کر میں نے اپنے بدن کا زاویہ درست کیا اور کھڑکی کے اُس پار مراد جیسے تن و توش والے کسی حریف کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے پوری قوت سے رائفل کی نال پر ہاتھ ڈال دیا۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ پہلے ہی جھٹکے میں اپنے حریف سے رائفل چھین لوں گا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ رائفل ایک اشارے سے میرے قبضے میں آ گئی اور میں اپنی شہ زوری کے نتیجے میں رائفل سمیت پشت کے بل پختہ فرش پر اُلٹ گیا۔ اُس کھڑکی کے پیچھے کوئی بھی نہیں تھا اور وہ خالی رائفل کسی چیز کے سہارے، محض دھوکا دینے کی نیّت سے وہاں رکھی گئی تھی۔

اپنا توازن بگڑنے پر میں بُری طرح بوکھلا گیا۔ رائفل کا چوبی کُندا فضا میں اُڑتا ہوا خاصی پُرشور آواز کے ساتھ فرش سے ٹکرایا لیکن عمارت کے اندر سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ میدان چھوڑ کر فرار ہو چکے ہیں۔" ویرا مجھے سہارا دیتی ہوئی میرے کان کے نیچے منمنائی۔ "تم ٹھیک ٹھاک ہو نا؟"

"وہ کہاں جا سکتے ہیں؟" میں مایوسانہ لہجے میں بڑبڑایا۔ دونوں گاڑیاں جوں کی توں موجود ہیں، مکان سے نکاسی کے سارے راستے بند ہیں۔ . . ."

"ہمیں پیچھے کا خیال دیر سے آیا۔ وہ اسی طرف سے دیوار پھاند کر نکل گئے ہوں گے۔"

"پیدل؟" میں نے سوال کیا۔ "تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ غزالہ بھی اُن کی قید میں ہے، وہ اپنی مرضی سے اپنے قدموں پر چل کر تو ہرگز اُن کے ساتھ نہیں گئی ہوگی۔"

"جانو ماچھی کی موت کی اطلاع نے اُن کی ہمتیں توڑ دیں۔ وہ یہاں سے سر پر پیر رکھ کر بھاگ گئے ہیں، اب اندر گھس کر ہی پتا چل سکے گا کہ یہاں کون کون تھا۔"

"رائفل کی طرح کہیں اندر بھی کوئی ٹریپ نہ ہو۔" میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"ناممکن!" اُس نے پورے اعتماد سے کہا۔ "میرے حساب سے تو انھوں نے رائفل ٹکا کر بھی بڑی ہمت کا ثبوت دیا ہے۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ جانو ماچھی کی موت کی خبر دینے پر انھوں نے مراد کو بھون کر رکھ دیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں کچھ دیر کے لیے اس عمارت پر قابض ہونا چاہیے مراد کی لاش پھاٹک سے اندر منتقل کر کے ہم اپنی گاڑیاں بھی اندر لا سکتے ہیں۔ میں یہاں ٹھہرتی ہوں، تم سلطان شاہ اور جہانگیر کو بھی بُلا لو۔ ہم سب مل کر جلد ہی کچھ نتائج اخذ کر سکیں گے۔"

اِن دونوں کو بُلا کر مراد کی لاش احاطے کی ایک خودرو کیاری میں ڈال دی گئی۔ پھاٹک پر جمے ہوئے خون پر مٹی ڈال دی گئی تاکہ اتفاقاً بھی کوئی اِدھر متوجہ ہونے کی زحمت نہ کرے۔ پھر ہم چاروں کھلی ہوئی کھڑکی کے بجائے ویرا کی قفل شکنی میں مہارت کے طفیل ایک بغلی دروازے سے اندر داخل ہوئے اور آناً فاناً میں ویرا کی رائے کی تصدیق ہو گئی کہ عمارت خالی پڑی ہوئی تھی۔

مکان میں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا مگر شراب کی خالی اور سربند بوتلوں اور سگریٹ کے کارٹنوں اور بے شمار ٹوٹوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہاں رہنے والے ذہنی دباؤ کے عالم میں رہ رہے تھے۔ ان خالص مردانہ اور غیر معتدل علامتوں کے ساتھ ہی ایک ایسی خواب گاہ بھی دریافت ہوئی جو پورے مکان سے زیادہ صاف ستھری تھی۔ وہاں ہینگرز پر لٹکے ہوئے زنانہ ملبوسات اور چند دوسری اشیا سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کمرے میں کوئی نفاست پسند لڑکی مقیم رہی تھی اور آخر کار سلطان شاہ نے ان سب نشانیوں سے بڑھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے ایک کپڑے کے نیچے سے سگریٹ کی ڈبیا پر کسی نوکدار چیز سے لکھی ہوئی ایک تحریر دریافت کر لی جو میرے لیے کبھی بھی اجنبی نہ رہی تھی۔ اُس پر ایک شعر لکھا ہوا تھا جو غزالہ کے اپنے دکھ کی منہ بولتی تصویر تھا۔ اس کے نیچے غزالہ کے دستخط تھے۔

شعر

شام ہونے کو ہے کدھر جائیں
اپنا گھر ہو تو اپنے گھر جائیں

اس شعر میں پوشیدہ کرب کو محسوس کر کے میرا دل بے اختیار بھاری ہو گیا۔ میرے خیال، میرے خدشے، سب غلط تھے۔ غزالہ اپنے گھر کی معصوم سی آرزو کو اس وقت بھی اپنے لہو سے سینچ رہی تھی، دلدار آغا کا گھر کبھی اُس کا گھر نہ بن سکا۔ گھر بسانے کی تمنا میں وہ خود اُجڑ کر رہ گئی تھی اور دلدار کی موت کے بعد اب وہ پھر ایک ایسے پنچھی کی طرح تھی جس کا آشیانہ آندھی نے بکھیر دیا ہو اور اُسے تنکا تنکا جوڑ کر ایک مرتبہ پھر اپنا گھر بنانا ہو لیکن تیز ہوائیں بار بار اُس کے جمع کیے ہوئے تنکوں کو اُڑا دیتی ہوں۔ وہ حالات کے بے رحم تھپیڑوں سے مسلسل لڑ رہی تھی، ایک طوفانی لہر کو پار کرتی تو دوسری موج اُسے پھر پیچھے اُچھال دیتی تھی، اور اس بار تو اُس پر ظلم کی انتہا ہو رہی تھی کہ ایک ڈاکو نے اُسے اُٹھا لیا تھا۔ میں اُس کے نقوشِ پا کا پیچھا کرتا ہوا اُس مکان تک آ گیا تھا لیکن مجھے دیر ہو گئی تھی۔ ڈاکو کے حواری اپنی قیدی سمیت میری دسترس سے دُور نکل چکے تھے۔

اور پھر یہ بھی پتا چل گیا کہ وہ کیسے فرار ہوئے تھے، وہ کوئی عام سا مکان نہیں تھا بلکہ جانو ماچھی جیسے عیار اور مکار ڈاکو کا ٹھکانا تھا۔ وہاں کچن کے ایک گوشے میں زیرِ زمین سُرنگ میں اُترنے کا راستہ تھا جو اس مکان سے خاصی دُور ایک ویران احاطے میں نکلتی تھی اور اس کچے احاطے میں ایک چھپّر کے نیچے سے پھاٹک اور پھر باہر سڑک تک کسی کار کے ٹائروں کے تازہ نشانات موجود تھے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ جانو ماچھی اپنے یا اپنے آدمیوں کے کسی بُرے وقت کے لیے اس کچے احاطے میں ہر وقت ایک کار تیار رکھتا تھا۔

رات ڈھلتی جا رہی تھی۔ گزرنے والا ہر لمحہ غزالہ کو ہم سے اور آزادی سے دُور کرتا جا رہا تھا۔ سلطان شاہ کا چہرہ گمبھیر نظر آ رہا تھا۔ جہانگیر کو بھی چپ لگی ہوئی تھی اور سدا بہار ویرا بھی یوں اُداس تھی جیسے اسے اپنے قریبی عزیز کے بسترِ مرگ پر ہونے کی خبر دی گئی ہو۔

"یہ آخری کلیو تھا جو ہم نے کھو دیا۔" جہانگیر نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "اس بار ہم بُری طرح ناکام ہوئے ہیں۔ ہماری حکمتِ عملی کچھ اور ہوتی تو شاید ہم انھیں روک لیتے۔"

"ناممکن!" میں نے اس کے تنقیدی تبصرے پر چڑ کر کہا۔ "ہم وہاں سر کے بل کھڑے ہو کر بانگ دینے لگتے، تب بھی ان کو نہیں روک سکتے تھے۔ مکان کے اندر موجود زیرِ زمین خفیہ راستہ ان کی کامیابی کا سب سے بڑا راز تھا۔ ہم کچھ بھی کر لیتے ہوتے بھی انھیں ہمارا پلہ بھاری پڑنے کا احساس ہوتا، وہ خاموشی کے ساتھ اسی راستے سے فرار ہو جاتے اور ہم منہ دیکھتے رہ جاتے۔"

"ڈیڈی درست کہہ رہا ہے۔" ویرا نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر دھواں بکھیرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "اس وقت ہم لوگوں میں سے سب سے زیادہ دکھی یہی ہے۔ اس لیے ناروا تنقید کر کے اسے مزید آزردہ نہ کرو۔ وہ لوگ ڈیفنس والے اڈے سے نکل گئے ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہم ان کی راہ کیسے روک سکتے ہیں۔"

"ڈیفنس والے اڈے پر دھاوا بولنے سے پہلے ہم نے ویران ٹمبر فیکٹری کھنگال لی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ڈیفنس میں مار کھانے کے بعد وہ ٹمبر فیکٹری ہی کی طرف گئے ہوں۔" جہانگیر نے تفکر آمیز لہجے میں اپنی رائے ظاہر کی جو بادی النظر میں معقول نظر آ رہی تھی۔

"اس کا امکان ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "لیکن بے ترتیبی سے پھیلی ہوئی اس وسیع و عریض فیکٹری سے ان کا فرار ہونا بہت آسان ہوگا۔ ہم بغیر سوچے سمجھے اُدھر کا رُخ نہیں کر سکتے اگر وہ ٹمبر فیکٹری ہی گئے ہیں اور کسی وجہ سے ہوشیار ہو کر وہاں سے بھی بھاگ نکلے تو پھر ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ بلیک کیٹ ٹی نے اگر واقعی انھیں اپنے ٹھکانے تک محدود رہنے کی دھمکی دی ہوئی ہے تو وہ شہر سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔ ان کا اپنے آدمیوں سے رابطہ منقطع ہے اور یہ رابطہ بحال ہونے تک وہ اسی غلط فہمی میں مبتلا رہیں گے کہ جانو ماچھی مارا جا چکا ہے۔ ان کے حوصلے اور خود اعتمادی کو تباہ کرنے کے لیے ان کی یہی ایک غلط فہمی کافی ہے لیکن اب ہم ان پر کوئی اوچھا وار کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ اس بار انھیں بھاگنے کا موقع مل گیا تو وہ سیدھے دادو کے جنگلات میں ہی پہنچ کر دم لیں گے اور وہاں انھیں معلوم ہو جائے گا کہ جانو ماچھی زندہ ہے۔۔۔"

"ٹمبر فیکٹری ایک مدت سے ویران اور غیر آباد ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہاں ایک چوکیدار کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہوتا پھر ہم وہاں کس طرح جا سکتے ہیں؟ فیکٹری کے پھاٹک پر آہٹ ہوتے ہی جانو ماچھی کے آدمی بھڑک جائیں گے۔" جہانگیر نے کہا۔

"اس کے لیے کوئی راہ سوچنا ہوگی۔" میں نے کہا۔ "اس وقت ہمارے سامنے صرف ایک ٹرمپ کارڈ رہ گیا ہے۔ بلیک کیٹ ٹی جانو ماچھی اور اس کے آدمیوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے جانو کے آدمی بھی اس کی دھمکیوں سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ ہمیں ہر صورت میں فوری طور پر بلیک کیٹ ٹی پر ہاتھ ڈالنا چاہیے۔ اس کے ذریعے ہماری مہم حیرت ناک حد تک آسان ہو سکتی ہے اور اس کے بارے میں صرف کرنل نمیش پال ہی کچھ بتا سکتا ہے۔"

"کرنل بظاہر ایک کمزور اور نحیف و نزار سا آدمی ہے۔" ویرا نے میری بات اُچکتے ہوئے کہا۔ "لیکن اندر سے وہ بہت مضبوط اور ناقابلِ تسخیر ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ مر جائے گا مگر بلیک کیٹ ٹی کے بارے میں اپنی زبان نہیں کھولے گا کیونکہ

وہ سندھ کی سرزمین پر اس کا اہم ترین کارندہ ہے اور اپنے تئیں دانست میں شاید مستقبل کی ایک نئی تاریخ کی بنیادیں ڈالنے کی تیاری کر رہا ہے۔ بغزالہ اور جالو ماچھی کے معاملات میں وہ بلیک کیٹ ڈی کے مستقبل کو داؤ پر نہیں لگائے گا۔"

"یہ تمہارے اندازے ہیں۔" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "کرنل کی ساری دلیری اس وقت تک ہے جب تک وہ زندہ ہے۔ مگر میں اسے اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ میں دیکھوں گا کہ موت کو سامنے پا کر وہ کتنا دلیر رہ جاتا ہے۔ وہ مجھے بلیک کیٹ ڈی کا پتا بتائے گا یا میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو جائے گا۔"

"کرنل کو بھی آزما لو، لیکن عنبر فیکٹری میں گھسنے کا ایک اور بھی طریقہ ہے۔" سلطان شاہ نے پوری توجہ سے ہماری گفت گو سننے کے بعد پرخیال لہجے میں کہا۔ "ہم لکڑی سے لدا ہوا ایک ٹرک لے کر ڈرائیور اور مزدوروں کے بھیس میں بہ آسانی وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ ہمارے کاغذات یہ ظاہر کریں گے کہ ہمیں وہ لکڑی فائن عنبر فیکٹری پر اتارنی ہے۔ تو چوکیدار بھی مجبور ہو جائے گا ۔۔۔ کرائے یا کسی اور رقم کی ادائیگی کے بغیر مال وصول کرنے میں اسے کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیں مال اتارنے دے یا نہ اتارنے دے مگر رات بھر کے لیے ٹھکانا مہیا کرنے پر ضرور مجبور ہو جائے گا۔"

"تمہاری تجویز واقعی معقول اور قابلِ قبول ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس وقت لکڑی سے لدا ہوا ٹرک کہاں سے میسر ہوگا۔" میں نے کہا۔

"تم کرنل کی خبر لو اور یہ ذمے داری مجھے سونپ دو۔" اس نے پیشکش کی۔ "کراچی میں کوشش کی جائے تو سب کچھ ممکن ہو جاتا ہے۔ میں کہیں نہ کہیں سے لکڑی اور ٹرک کا بندوبست کر کے واپس آتا ہوں۔ ہم رات کے دو بجے بھی ٹرک لے کر عنبر فیکٹری جا سکتے ہیں۔ کیونکہ ملک کے شمالی علاقوں سے آنے والے رات بے رات بھی کراچی پہنچتے رہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" ویرا نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "تم جاؤ اور ٹرک لے کر یہیں آ جاؤ، لیکن فائن عنبر فیکٹری کے نام مال کا چالان وغیرہ لانا نہ بھولنا تاکہ فیکٹری کے چوکیدار کو ہمیں روکنے کا کوئی بہانہ نہ مل سکے۔ ٹرک بھی خود ہی چلا کر لانا کیونکہ ہماری تعداد چار ہے۔ ڈرائیور کی موجودگی میں ہم سب ٹرک پر نہ کھپ سکیں گے۔"

"لیکن تم ہمارے ساتھ نہیں جا سکو گی۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "ٹرک کے عملے یا مزدوروں میں ایک سفید فام عورت کی موجودگی کسی کو مشتبہ کرنے کے لیے کافی ہو گی۔"

"تم فکر نہ کرو، واپس آؤ گے تو تم خود بھی مجھے نہ پہچان سکو گے۔ میری جلد کا رنگ بھی بدل چکا ہو گا اور میں مردانہ لباس میں آ جاؤں گی۔"

سلطان شاہ نے اس سے بحث نہیں کی، لیکن اسے تنقیدی نگاہوں سے گھور کر رہ گیا۔ اس کا شبہ اپنی جگہ درست تھا۔ ویرا سب کچھ کر سکتی تھی لیکن اس کے لیے اپنے بدن کی بھرپور نسوانی ساخت کو چھپانا ممکن نہیں تھا۔

اس وقت ہم چاروں ڈیفنس والی مہم کی ناکامی کے بعد جہانگیر کے مکان پر جمع تھے۔ سلطان شاہ چائے پی رہا تھا جب کہ ہم تینوں وِسکی کے ہلکے پیگ لے کر اپنا غم غلط کر رہے تھے۔ میرے لیے یہ بات حیرت ناک ثابت ہوئی تھی کہ کرنل کے خلاف میرے جارحانہ عزائم کے اظہار پر ویرا نے میری مخالفت میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

"تم میرے ساتھ چلو۔" سلطان شاہ نے اپنی چائے کی پیالی خالی کرتے ہوئے جہانگیر سے کہا۔ "مجھے شاید کئی جگہ جانا پڑے گا۔ ٹیکسی وغیرہ کی تلاش میں وقت خراب ہو گا۔ واپسی پر میں ٹرک لے آؤں گا۔ تم کار واپس لے آنا۔"

"کار تم ہی لے جاؤ۔ جہانگیر کی یہاں ضرورت پڑ سکتی ہے۔ جہاں سے ٹرک لو گے کار وہیں چھوڑ دینا۔ کل ٹرک واپس دو گے تو کار لے آنا۔" میں نے کہا۔ میرے دل میں یہ خیال موجود تھا کہ اگر میرے تشدد کے نتیجے میں کرنل مر گیا تو اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے لیے میں جہانگیر کے دونوں ملازموں میں سے کسی کو اعتماد میں نہیں لے سکتا تھا۔

سلطان شاہ اپنے کام پر روانہ ہو گیا اور میں تہ خانے کی چابیاں لے کر نیچے کرنل کی مزاج پرسی کے لیے چل دیا۔ اس کے کسی جارحانہ ردِعمل کے پیشِ نظر میں نے اپنا پستول بھی ساتھ لے لیا تھا۔

کرنل نیچے والے کمرے میں بستر پر بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے بستر پر لیٹے لیٹے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا تھا اور پھر اسی طرح دراز ہو گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کے زخموں اور ضربات پر مزید ورم آ گیا تھا۔ اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چھوتے چھوتے اس کا چہرہ اچانک دھماکے سے پھٹ جائے گا۔

"میدان میں آ جاؤ کرنل۔" میں نے اندر قدم رکھتے ہی اسے للکارا۔ "اب ایک بار پھر تمہاری باری آ گئی ہے اور اس بار تم دیکھ رہے ہو کہ میں نقاب لگائے بغیر تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"مجھ پر رحم کرو ... کم از کم آج کے لیے مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو۔" اس نے بگڑے ہوئے تلفظ کے ساتھ فریاد کی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی زبان بھی اینٹھ گئی ہو۔ "تم نے کچھ پوچھا تھا، وہ میں نے بتا دیا۔ اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"بلیک کیٹ ٹی کا اصل نام اور پتا۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "تمھاری بدقسمتی ہے کہ جانو ماچھی کے آدمی تمھارے بتائے ہوئے دونوں ٹھکانوں پر نہیں مل سکے اب اس عورت کی تیز تر بازیابی کے لیے ہمارا بلیک کیٹ ٹی تک پہنچنا ضروری ہو گیا ہے۔ اس کے ذریعے ہم براہِ راست جانو ماچھی سے مل کر بات کریں گے۔ تمھاری ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اگر اس عورت کو کوئی نقصان پہنچا تو پھر میں تمھارے جسم سے ایک ایک بوٹی کاٹ کر تمھیں ختم کر دوں گا۔"

"میری حالت ابتر ہے۔ آدھے دانت ٹوٹ یا جھڑ چکے ہیں۔ زبان زخمی ہے۔ پیٹ درد سے پھٹا جا رہا ہے۔ میں اس وقت کچھ سوچنے یا سمجھنے کی حالت میں نہیں ہوں ..." اس نے بستر پر پڑے پڑے کراہتے ہوئے کہا مگر میں نے غراتے ہوئے اس کی بات درمیان ہی سے کاٹ دی۔

"تمھیں کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں مجھے صرف بلیک کیٹ ٹی کا پتا ٹھکانا بتاؤ اور خواب آور دوا لے کر سو جاؤ۔ تمھیں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا ہے۔"

"ناممکن!" وہ کرب کے عالم میں تکیے پر اپنا سر پٹختے ہوئے بے بسی کے عالم میں کراہا۔ "جو بات مجھے خود معلوم نہیں وہ میں تمھیں کیسے بتا سکتا ہوں؟"

میں نے بے رحمی کے ساتھ اسے بستر سے نیچے گھسیٹ لیا۔ اگر وہ فوراً ہی سنبھل کر اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو گیا ہوتا تو اسے کوئی بے طرح ضرب آ سکتی تھی۔

میرے لیے کرنل ہیش پال کی ذات کراہت انگیز تھی۔ اپنے لوگوں کے لیے وہ کتنا ہی بڑا کلاکار رہا ہو مگر میری نظروں میں اس کی حیثیت ایک ناقابلِ معافی مجرم کی سی تھی۔ اگر وہ صرف سیکرٹ ایجنٹ ہی ہوتا تو شاید مجھے اس سے اتنی زیادہ نفرت نہ ہوتی لیکن وہ سفارتی مراعات کی آڑ لے کر پاکستان میں گھناؤنا کھیل کھیل رہا تھا جس پر اسے کسی رعایت کا مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔

میں نے یکے بعد دیگرے اس کے جبڑوں پر رائٹ اور لیفٹ پنچ رسید کیے اور وہ چلاتا ہوا چکرا کر نیچے ڈھیر ہو گیا۔ ان مکوں نے اس کے چہرے کے زخم ایک بار پھر کھول دیے تھے۔ جب سے میرا اور اس کا سامنا ہوا تھا، وہ مسلسل ہی میرے ہاتھوں سے پٹ رہا تھا لیکن اس نے اپنے مدافعانہ رویّے کے باوجود میرے خلاف ایک مرتبہ بھی ہاتھ اُٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ فارن سروس میں آنے کے بعد وہ فوجی کمانڈو کے اپنے اصل پیشے کو یکسر فراموش کر کے پکا اور حقیقی سفارت کار بن گیا تھا جو تشدد کے بجائے صرف اور صرف دلائل سے اپنی بات منوانے کا عادی تھا لیکن اس وقت میرے سامنے کوئی دلیل نہیں چل سکتی تھی اور میں دیرا کی خاموشی سے فائدہ اُٹھا کر اسے ہر قیمت پر جہنم واصل کرنے پر تُل گیا تھا۔

"تم میرے ساتھ جو سلوک چاہو کرتے رہو مگر میں بلیک کیٹ ٹی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

میں نے اچانک ہی اپنی جیب سے ایک چھوٹا مگر تیز چاقو نکال لیا۔ اس کا ننھا سا، چمکدار پھل دیکھ کر کرنل کی آنکھوں میں دہشت تیر گئی پھر اس سے قبل کہ وہ کوئی مزاحمت کرتا میں نے جھپٹ کر نہایت صفائی سے اس کا بایاں کان جڑ سے کاٹ کر الگ کر دیا۔

کرنل اس بار بہت بُری طرح چیخا تھا۔ اس کے زخم سے خون کی دھاریں بہہ نکلیں اور میں نے کٹا ہوا کان حقارت سے اس کے قدموں میں پھینک دیا۔

"تم درندے ہو۔" وہ خوف اور دہشت کے عالم میں چیخا۔

”خدا کے لیے تم یہاں سے چلے جاؤ اور ویرا کو بھیج دو۔ میں اسے سمجھالوں گا مگر میں تم سے بات نہیں کر سکتا۔“

”وہ تمھیں میرے رحم و کرم پر چھوڑ کر جا چکی ہے۔“ میں نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ”ابھی میں نے اصل تشدد کی ابتدا کی ہے۔ ذرا سی دیر میں تمھارے دونوں کانوں کے علاوہ ناک بھی کاٹ دوں گا اور آنکھوں میں گرم سلاخیں گھسا کر تمھیں اندھا کر دوں گا۔ اگر اس کے باوجود تم نے بلیک کیٹ ٹی کا پتا نہیں بتایا تو میں تمھیں ہلاک نہیں کروں گا بلکہ ایک زہریلا انجیکشن دے کر ہمیشہ کے لیے تمھارا دماغ الٹ دوں گا اور تمھیں یہاں سے باہر ہانک دوں گا۔ تمھاری مسخ شدہ اور ڈراؤنی صورت دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ تم کبھی کانڈو، سفارت کار یا سیکرٹ ایجنٹ رہے ہو گے اور نہ تم کسی کو اپنی شناخت بتلانے کے قابل رہو گے تم اس ملک کی گلیوں اور سڑکوں پر سسک سسک کر اپنی زندگی کے دن پورے کرو گے جسے تباہ کرنے کا مشن لے کر بلیک کیٹ ٹی پچھلے پندرہ برس سے اس دھرتی سے اگنے والا اناج کھا کر اپنی سازش کے تار و پود پھیلا رہا ہے۔“

میں نے اس کی قوتِ مزاحمت کو ختم کرنے کے لیے وہ تفصیلی منظر کشی کی تھی تاکہ وہ اپنے بھیانک مستقبل سے خوف زدہ ہو کر ہتھیار ڈال دے مگر میرے ان الفاظ نے اس پر میری توقع کے برعکس اثر کیا۔ وہ چند ثانیے تک کھڑا اپنی پھولی اور سوجی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ اس بری طرح بگڑا ہوا تھا کہ اس وقت اس کے تاثرات کا کوئی اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا پھر وہ اچانک ہی اچھل کر بھاگا اور میں نے غیر ارادی طور پر دروازے کے سامنے پوزیشن لے لی جو پہلے ہی بند تھا۔

مگر کرنل کا رخ ادھر نہیں تھا، اس سے پہلے کہ میں اس کا ارادہ بھانپ کر اس کا کوئی سدِباب کرتا، وہ نہایت تیزی سے ملحقہ باتھ روم میں گھسا اور اس نے خود کو اندر مقفل کر لیا۔

میرا ذہن سُن ہو کر رہ گیا۔ اس کی وہ حرکت میرے لیے یکسر ناقابلِ فہم تھی۔

”بلیک کیٹ ٹی مجھ سے بھی زیادہ عظیم ہے۔“ باتھ روم میں سے کرنل کی بگڑی ہوئی آواز ابھری مگر میں نے یہ محسوس کر لیا کہ وہ استہزائیہ لہجے میں بول رہا تھا۔ ”وہ جو مشن لے کر چل رہا ہے وہ ضرور کامیاب ہو گا اور تم جیسے حقیر کتے اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے . . . اور نہ ہی تم میرے وجود پر اپنے ارمان پورے کر سکو گے۔ میرا ایک کان جو تم نے کاٹا ہے بس وہی تمھارے تشدد کی معراج ثابت ہو گا اب میں تمھاری دسترس سے باہر اور پوری طرح آزاد ہوں، تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“

”یہ باتھ زیادہ دیر تک تمھیں پناہ نہیں دے سکے گا مہیش پال۔“ میں نے قہر بار لہجے میں کہا۔ ”تم شرافت سے باہر نہ آئے تو میں دروازہ توڑ دوں گا اور پھر تمھیں تمھاری ہرزہ سرائی کا ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ تمھاری آنے والی نسلیں بھی اُسے فراموش نہیں کر سکیں گی۔“

”تم کتے ہو، باہر کھڑے بھونکتے رہو۔“ اُس کا لب و لہجہ حیرت انگیز طور پر جارحانہ بلکہ توہین آمیز ہو گیا تھا اور میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ کس بل پر بکواس کرنے لگا تھا۔

”تم سب اسی طرح بھونکتے رہو گے۔“ وہ کہہ رہا تھا۔ ”میری بدنصیبی ہے کہ میں اپنے حصے کا کام پورا کرنے سے پہلے ہی تمھاری گرفت میں آ گیا مگر بلیک کیٹ ٹی تم سے تمھاری دھرتی سے میرا انتقام لے گا۔ میرے لیے تو اس وقت یہ بھی میری جیت ہے کہ میں اس وقت تمھاری چھت کے نیچے ہوتے کے باوجود تمھارے بس سے باہر ہوں . . .“

میں نے پوری قوت سے باتھ روم کے دروازے پر لات ماری لیکن دروازے کا کچھ نہ بگڑا۔

اُسی لمحے اندر سے کوئی شیشہ ٹوٹنے کا چھناکا سنائی دیا اور پھر کرنل کی آواز ابھری۔ ”میں نے دیوار گیر آئینہ توڑ دیا ہے اور اس کا ایک بڑا سا دھار دار ٹکڑا میرے ہاتھ میں ہے۔ دروازے پر تمھاری زور آزمائی بے سود ہے کیونکہ تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ میری زندگی میں اب تم مجھے چھو بھی نہیں سکتے، مجھے معلوم ہے کہ بھینٹ دیے بغیر کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ میری دھرتی مجھ سے بھینٹ مانگ رہی ہے اور میں نے دھرتی ماتا کے چرنوں میں اپنے خون کا نذرانہ پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ مجھے کر نرگ کا ایندھن بنو گے۔ اگر تم نے اب دروازے پر ذرا بھی زور آزمائی کی تو میں شیشے سے فوراً اپنی شہ رگ کاٹ کر تمھیں مات دے دوں گا۔ تم میں ذرا بھی انسانیت ہے تو مرنے سے پہلے مجھے تھوڑا سا وقت دے دو تاکہ میں پوجا پاٹ کر کے سورگ کے سفر پر روانہ ہو سکوں۔ زبردستی کرو گے تو میں ابھی اور اسی وقت اپنا گلا کاٹ لوں گا۔“

کرنل کا وہ انکشاف میرے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ وہ حقیقی معنوں میں ایک پکا سیکرٹ ایجنٹ تھا جو اپنے اہم رازوں کی حفاظت کے لیے اپنی زندگی کا چراغ گُل کرنے پر تُل گیا تھا۔ میں نے مضطربانہ انداز میں باتھ

یوار کا جائزہ لیا جو فرش سے چھت تک کرنل مہیش پال
لیے ایک بے روزن فصیل بنی ہوئی تھی۔ مجھے افسوس
کہ وہ آخری لمحات میں چکما دے کر میری پہنچ سے باہر
لگیا تھا پھر موہوم سی خوشی کا احساس بھی ہوا کہ اُس کی
متر کوشش کے باوجود اس کا انجام وہی ہو رہا تھا جو میں
سوچا ہوا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں
ے بجائے خود اُس کے ہاتھ اپنی گردن پر تھے۔

اُس کی آخری منزل قریب تھی۔ اس مرحلے پر بھی اس
ے خیالات کی زہرناکی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ وہ میری
ی کا غدار تھا۔ اُس نے مجھے اور میری دھرتی کو للکارا تھا
ں لیے مجھ پر اس کا کوئی حق نہیں بنتا تھا۔ اس جیسے ملعون
اس کے خانہ ساز دھرم کے مطابق پوجا پاٹ کا موقع دینا
نبولیے کو کچلنے سے پہلے دودھ پلانے کے مترادف تھا۔
ں لیے میں نے باتھ روم کے دروازے سے چند قدم دُور
کر دوڑتے ہوئے، اپنے شانے سے دروازے پر شدید
رب لگائی اور مقدر کی بات ہے کہ اس زبردست جھٹکے
ے دروازے کا اندرونی بولٹ اُکھڑ گیا اور میں اُس کھلتے
وئے دروازے کے ساتھ ہی اپنی جھونک میں اندر گھستا
ہلا گیا۔

لمحہ بھر کے لیے مجھے خوف ہوا کہ کہیں کرنل دھاردار
شیشے کی نوک سے مجھ پر ہی حملہ نہ کر دے مگر اجل اُس
ے سر پر منڈلا رہی تھی۔ مسلسل تشدد سے وہ اس قدر اعصاب
دہ ہو چکا تھا کہ اُس نے دروازے پر میرے شانے کا
ھماکا سنتے ہی اپنا گلا کاٹ لیا تھا۔

کٹے ہوئے نرخرے سے نکلنے والی خوف ناک آوازیں
ن کر میں تیزی سے پلٹا تو کشادہ باتھ روم کے ایک گوشے
یں کرنل مہیش پال کموڈ کے قریب فرش پر بُری طرح تڑپ
ہا تھا اور اُس کے حلقوم سے خون کی تیز دھاریں اُبل کر
ر و دیوار کو داغ دار کر رہی تھیں۔

گندہ خون، گندے وجود سے اُبل کر براہِ راست گندی
الی میں ہی جا رہا تھا۔

میں نے لوٹا بھر کر پانی اُس کے گلے پر ڈالا اور اُسے
اسی طرح تڑپتا ہوا چھوڑ کر باہر آ گیا۔

میری تھکی تھکی سی چال سے ویرا چونک پڑی "کیا بات
ہے؛ کچھ شکست خوردہ سے نظر آ رہے ہو؟" اُس نے مجھ پر
نظریں جما کر متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"شکست خوردہ ہی سمجھو" میں نے اُس کے سامنے
کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "شکاری اپنے شکار کا ہانکا کرتا ہے
اور شکار اُس کی گولی کا نشانہ بننے سے پہلے اچانک خود
ہی مر جائے تو شکاری خود کو ناکام اور شکست خوردہ ہی
سمجھتا ہے۔۔۔"

"خیریت تو ہے؟ یہ اُلجھی اُلجھی باتیں کیوں کر رہے ہو؟"
جہانگیر نے کہا "کرنل کا کیا رہا؟"

"اُس نے خود کو باتھ روم میں بند کر کے آئینہ توڑا اور
اُسی کے ایک ٹکڑے سے اپنی گردن کاٹ کر خودکشی کر لی
اب وہ وہیں نالی پر دم توڑ رہا ہے۔"

"نہیں!" ویرا اضطراری طور پر کرسی سے اُٹھ گئی "وہ اس
قدر کم ہمت تو نظر نہیں آتا تھا۔"

"دو بلند ہمت فریق بھی جب آپس میں ٹکراتے ہیں
تو فیصلہ کن لمحات اسی وقت آتے ہیں جب ان میں سے
کسی ایک کی ہمت جواب دے جائے۔" جہانگیر نے کہا۔
"شاید تمھیں شبہ ہو رہا ہے کہ اُسے میں نے مارا ہے؟"

میں نے ویرا سے بے پروایانہ لہجے میں کہا "میں نے باتھ روم
کے دروازے کا بولٹ اُکھاڑ دیا ہے، جا کر اپنی آنکھوں
سے دیکھ لو کہ کیا ہوا ہے۔ میں اُس کا ایک کان کاٹنے کا قصور
وار ضرور ہوں، باقی کام اُس نے خود کیا ہے۔"

وہ واقعہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ ان دونوں
میں سے کوئی بھی وہاں بیٹھا نہ رہ سکا۔ وہ کرنل کی لاش کے
معائنے کے لیے چلے گئے اور میں اطمینان سے پاؤں

پسار کر سگریٹ پینے لگا۔
چند منٹ کے بعد ہی وہ دونوں واپس آ گئے۔
"اپنے حریفوں کے لیے تم اکثر ایک عفریت ثابت ہوتے ہو،" ویرا نے کہا "میرا خیال ہے کہ اُس نے تمھارے بگڑے ہوئے تیوروں سے دہشت زدہ ہو کر خودکشی کی ہے۔"
"تم ہدایت دے دیتیں تو میں اُس سے خوش اخلاقی سے پیش آتا۔ آخر کو وہ ہمارا مہمان ہی تو تھا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا "پتا نہیں بعض اوقات تم بچوں جیسی باتیں کیوں کرنے لگتی ہو؟"
"اچانک رونما ہونے والے واقعات پر کبھی کبھار ایسا ہی بے تکا ردِعمل سرزد ہو جاتا ہے۔" جہانگیر نے دخل دیتے ہوئے کہا "سلطان شاہ اپنے کام پر نکلا ہوا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ ٹرک پر ٹمبر لوڈ کرا کے لے آئے اور ہم یہیں مہیش پال کی خودکشی پر غور کرتے رہ جائیں، ہمیں بھی اپنی تیاری کرنا ہے۔"
"تمھارے گھر میں مزدوروں جیسا لباس تو ملنا مشکل ہوگا۔" ویرا نے میرے بگڑے ہوئے موڈ کا اندازہ کرتے ہوئے خود بھی موضوع کو فوراً ہی بدل دیا۔
"ملازمین سے لباس مل جائیں گے۔" جہانگیر نے کہا "لیکن تم اپنے بارے میں کیا کرو گی؟"
"غیر یقینی حالات کی وجہ سے میں اپنے پرس میں ہر وقت چند چھوٹے موٹے شعبدے لیے پھرتی ہوں۔" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا "لباس کے ساتھ بالوں کے میچنگ کلر کے فیشن کی وجہ سے اب بازار میں بہت سی ایسی لوشن ڈائز آ گئی ہیں جن سے بالوں کے ساتھ ہی جلد کو بھی رنگا جا سکتا ہے۔ سارا کام دس پندرہ منٹ میں ہو جاتا ہے اور اُس کے اثرات کم از کم ایک دن کے لیے ضرور باقی رہتے ہیں۔"
"بالوں کا کیا کرو گی؟" میں نے ناقدانہ لہجے میں سوال کیا۔
"انھیں ایک ٹوپی میں سمیٹ لوں گی۔" وہ ہنس کر بولی "تمھارے لوڈنگ ٹرکوں پر ڈرائیوروں کے ساتھ چلنے والے نوعمر لڑکوں کو میں نے عموماً ٹوپیاں پہنے ہوئے دیکھا ہے۔"
"میں تمھاری تیاری کے بارے میں مطمئن نہیں ہوں۔" میں نے کہا "میرا خیال ہے کہ ہمیں آخری لمحات کا انتظار کرنے کے بجائے اپنی تیاری مکمل کر لینی چاہیے تاکہ ایک دوسرے کو مشورے دے کر خامیاں دُور کر سکیں۔ ہماری تیاری میں ذرا بھی کسر رہ گئی تو کھیل بگڑ جائے گا۔"
"ابھی بہت وقت ہے۔" ویرا کسلمندانہ لہجے میں بولی "سلطان شاہ کو ٹرک لے کر اس پر شہتیر لوڈ کراتے میں خاصا وقت لگے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ دو بجے کے بعد ہی واپس آ سکے گا۔"
"تیار ہو کر آرام کر لینا... بس اب اُٹھ جاؤ۔" میں نے قدرے سختی سے کہا۔
"سلطان شاہ واپس آ کر کپڑے وغیرہ بدل لے گا۔" جہانگیر نے تائید طلب لہجے میں مجھ سے کہا۔
"اُسے کیا ضرورت ہے؟" مجھ سے پہلے ویرا بولی۔ اُس کے چہرے پر شرارت ناچ رہی تھی۔
"کیوں؟" جہانگیر نے چونک کر پوچھا "کیا وہ ہمارے ساتھ نہیں جائے گا؟"
"جائے گا۔" ویرا بے پروائی سے بولی "لیکن اُسے کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہوگی، وہ تو شکل و صورت اور لباس سے ہی پیدائشی ڈرائیور معلوم ہوتا ہے۔"
"ویرا!" میں نے سختی سے کہا "اُس کے بارے میں اب ایسی اوچھی باتیں کرنا چھوڑ دو۔"
"کیا فرق پڑتا ہے؟ اس وقت تو وہ یہاں نہیں ہے۔" اُس نے کہا۔
"وہ نہ ہو لیکن اُس کے بارے میں بدتمیزی میں بھی پسند نہیں کرتا۔"
"اور مہیش پال کی لاش کا کیا ہوگا؟" جہانگیر اچانک ہی بے تکے انداز میں سوال کر بیٹھا۔
"اُسے بھی ٹرک پر لاد کر لے جائیں گے اور فیکٹری ہی میں شہتیروں کے ساتھ اُتار دیں گے۔" ویرا بولی۔
"نہیں! میرے نزدیک کسی سفارت کار کی لاش کو ٹھکانے لگانے کا معاملہ اتنا سادہ نہیں تھا۔" تہ خانہ مقفل کر کے لاش کو یہیں پڑا رہنے دو۔ اس کے بارے میں کل کوئی فیصلہ کریں گے۔"
میں ویرا کے ساتھ چل پڑا اور جہانگیر انٹرکام پر اپنے کسی ملازم کو کپڑوں کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔
کچھ دیر بعد میں باہر آیا تو جہانگیر مجھ سے پہلے تیار ہو چکا تھا۔ اُس کی وضع قطع بالکل ہی بدل گئی تھی اور اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میرے بارے میں اُس کی رائے بھی کچھ یہی تھی لیکن چند منٹ بعد ویرا سامنے آئی تو میرے لیے اُسے پہچاننا دشوار تھا۔
ڈھیلی ڈھالی مردانہ قمیص شلوار میں وہ ایک نوخیز لڑکا نظر آ رہی تھی۔ اُس لباس میں پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ وہ کوئی لڑکی تھی۔ اُس نے اپنے چہرے، گردن اور جسم کے دوسرے کھلے ہوئے حصوں کی جلد کے رنگ میں اتنی واجبی سی تبدیلی کی تھی کہ اس کا رنگ و رُوپ شمالی علاقوں کے باشندوں

سے میل کھانے لگا تھا قمیص پر اُس نے نسواری رنگ کی میلی سی واسکٹ پہنی ہوئی تھی، سر پر ٹوپی تھی جس نے اُس کے بال چھپا لیے تھے۔ میں دل ہی دل میں ویرا کی مہارت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

"کیسا لگ رہا ہوں؟" اُس نے لوفرانہ انداز میں بائیں آنکھ دبا کر سوال کیا۔

"دلبر خان لگ رہی ہو۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "تم جیسا ہیلپر ساتھ ہو تو ڈرائیور دو دن کے بجائے دس دن میں بھی منزل پر پہنچنے کے لیے آمادہ نہیں ہوگا لیکن ذرا پیچھے گھوم کر تو دکھاؤ۔"

"تم نے تو خود کو ابھی سے ڈرائیور سمجھنا شروع کر دیا ہے کہ جدھر چاہو، میرا اسٹیرنگ گھما دو۔" وہ ہنستی ہوئی ایک ادا کے ساتھ گھوم گئی۔

"بس یہی ذرا سی گڑبڑ ہے۔" میں نے اُس کی گدی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "بالوں کے نیچے جلد پر اُگا ہوا رُواں۔ تمہارے زنانہ بالوں کی چغلی کھا رہا ہے۔"

"اندھیرے میں شاید کوئی اُدھر دھیان نہیں دے گا اور نہ وہاں میری فیشن پریڈ ہوگی، میں خود خیال رکھوں گی کہ گدی پر کسی کی نظر نہ پڑنے پائے، چاہو تو ریزر سے رُواں صاف کر دو۔ خود میرے لیے یہ کام کرنا ممکن نہیں ہوگا۔" غزالہ کی آزادی کی خاطر وہ ہر سمجھوتے پر آمادہ تھی۔

اُس کی تجویز معقول تھی اس لیے میں نے جہانگیر کو وہ خوشگوار فریضہ سونپ دیا۔

صبح ڈھائی بجے سلطان شاہ تھکا ہارا واپس آیا اور آتے ہی چند کاغذات مجھے سونپ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ اُس نے ویرا کو بہت غور سے دیکھا تھا لیکن اُس سے اَن بن ہونے کی وجہ سے اُس نے کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

"ٹرک کہاں ہے؟" میں نے کاغذات پر نگاہ ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"مکان سے ذرا دور کھڑا کیا ہے۔ تم تیاری کرو، میں باتھ روم سے دو منٹ میں آتا ہوں۔" وہ رُکے بغیر میری بات کا جواب دیتا ہوا چلا گیا۔

کاغذات ہر اعتبار سے مکمل اور شکوک و شبہات سے بالا تھے، اُن میں محکمہ جنگلات کا پرمٹ اور پروانہ راہداری بھی موجود تھا۔ وہ دونوں کاغذات کسی میاں اسلم کے نام تھے لیکن چالان فائن ٹمبر فیکٹری کے نام پر تھا جو گلگت کے کسی ٹمبر مرچنٹ نے جاری کیا تھا، حد یہ تھی کہ محصول راہداری کی دو دن پرانی رسید بھی کاغذوں سے منسلک تھی۔

ہمارا اسلحہ کینوس کے تھیلے میں تیار تھا، کافی عرصے بعد میں نے اپنی بیم گن بھی ویرا کو بتائے بغیر اپنی جیب میں ڈال لی تھی، میری دانست میں اس مہم میں بیم گن کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔

سلطان شاہ عموماً شلوار قمیص ہی پہنتا تھا اور اس وقت ٹرک اور لکڑی کا بندوبست کرانے کی وجہ سے اُس کا لباس قدرے میلا اور گندہ بھی ہو گیا تھا۔ اس طرح ویرا کے تبصرے کے مطابق وہ واقعی کسی تیاری کے بغیر اس سفر میں ہمارے ساتھ جا سکتا تھا۔

اسلحے کا تھیلا لے کر ہم چاروں ساتھ ہی گھر سے نکلے۔ جہانگیر کو اسلحے کے تھیلے سمیت ڈرائیونگ کیبن کی چھت پر پہنچا دیا گیا اور ہم تینوں کیبن میں سوار ہو گئے، ہمارے لباسوں میں بھرے ہوئے پستول موجود تھے کیونکہ طویل اور بین الصوبائی* راستوں پر سفر کرنے والے ڈرائیوروں میں اسلحہ ساتھ لے کر چلنے کی روایت عام ہے اور اسے کوئی بھی شبہے کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر سلطان شاہ قابض تھا۔ اُس نے ٹرک اسٹارٹ کیا اور ہم یقین اور بے یقینی کے عجیب سے عالم میں فائن ٹمبر فیکٹری کی طرف روانہ ہو گئے جہاں جانو ماچھی کے آدمیوں کی موجودگی کا امکان تھا۔

کرنل مہیش پال کی خودکشی کے بعد غزالہ کی فوری بازیابی کی بس ایک ہی امید باقی رہ گئی تھی کہ وہ جانو ماچھی کے ڈیفنس سے فرار ہونے والے آدمیوں کی قید میں ٹمبر فیکٹری میں ہو۔ ورنہ جانو ماچھی یا اُس کے مربی بلیک کیٹ تک رسائی کا معاملہ بہت دشوار ثابت ہوتا نظر آ رہا تھا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات آٹھویں حصے میں ملاحظہ جو کہ ساتھ ہی شائع کیا جا رہا ہے

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

8

ھواں حصہ

مرگ سوداگر

قلیم علیم

ہتھیار
یک لخت مارتے ہیں
مگر ان کا نشانہ خطا بھی
ہو جاتا ہے، ہیرو ئن سسکا سسکا
کر مارتی ہے اور اس کا نشانہ کبھی
خطا نہیں ہوتا۔ موت کی سوداگری
کرنے والے اُن بین الاقوامی فتنوں کی ہولناک
داستان جو ننگر نگر طاقت و اقتدار کی بساط
اُلٹ کر من پسند مُہرے سجاتے ہیں۔ ان سفاک
اور درندہ صفت مسیحاؤں کا آلۂ کار بننے والے
ایک پُرعزم نوجوان کی ولولہ انگیز سرگزشت
جس نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ کر قہر و
جبروت کے ناخداؤں کو للکارا اور دہشت و
انتقام کی ہر نادیدہ زنجیر کو توڑ کر اُن
کے قدم اُکھاڑ دیے۔ اپنے دامن میں اندر
کی اَن گنت کہانیاں سمیٹے ہوئے پل پل
رنگ بدلنے والی ایک انوکھی
کہانی۔

حقیقت سے زیادہ فکر انگیز ـــــ سسپنس کا ایک تعمیری سلسلہ

رات گزر چکی تھی اور صبح کے پہلے پہر کا عمل شروع ہو چکا تھا۔ شہر میں ہر طرف ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ شب بیداری کے غیر فطری مرض میں مبتلا انسانوں سمیت، شہر کے سارے ذی روح اپنی رات بھر کی ہوس رانیوں کے بعد تھک ہار کر کونے کھدروں میں جا سوئے تھے۔ سناٹے کی اس لامتناہی چادر کو ہمارے ٹرک کے انجن کا شور مجروح کر رہا تھا یا پھر خارش زدہ یا آوارہ کتوں کی یادِ فراقِ صحبتِ شب سے مجروح، مکروہ آوازیں اس سناٹے کا سینہ چیر رہی تھیں۔

"کمال ہے!" ویرا کچھ دیر کی خاموشی کے بعد قدرے تشویش آمیز انداز میں بڑبڑائی۔ "ویران راستوں کو دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے شہر میں رات کو پولیس والوں کی عمل داری باقی نہ رہتی ہو۔ ہمیں ابھی تک کہیں، کوئی اونگھتا ہوا سپاہی بھی نظر نہیں آیا ہے۔"

"کوئی کمال نہیں ہے۔" میں نے ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا۔ "پولیس والے اسی قدر کام کرتے ہیں، جتنی انہیں تنخواہ دی جاتی ہے۔ کوئی پولیس والا اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں کسی چور یا ڈاکو کے ہاتھوں مارا جائے تو اس کی بیوہ یا پسماندگان کو محکمے کی طرف سے تعریفی سند کے ساتھ محض دو سو روپے نقد دیے جاتے ہیں۔ اتنی رقم میں تو آج کل کوئی گھر کا گزر بھی نہیں کھولتا پھر پولیس والے اندھیرے میں مجرموں کا پیچھا کر کے اپنی جان کا خطرہ کیوں مول لیں گے.....؟"

"انشورنس کی رقم بھی تو ملتی ہوگی؟" ویرا نے میری بات کاٹتے ہوئے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔ "وہ کس کھاتے میں جائے گی؟"

"انشورنس کی رقم تو حادثاتی طور پر مرنے والے ہر شہری کو ملتی ہے۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "اس کی ادائیگی میں ڈاکو، سپاہی یا راہ گیر کا کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ اتنا فرق ضرور ہوتا ہے کہ ڈاکو کے وارث اس کی موت کے معاوضے کے دعوے دار کے طور پر سامنے آنے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ خود کو اس کے حوالے سے سامنے لا کر وہ بے شمار سماجی اور معاشرتی مسائل میں الجھ جاتے ہیں۔"

"سماجی اور معاشرتی مسائل!" اس نے استہزائیہ انداز میں دہرایا۔ "تم تو ان مسائل پر یوں بات کر رہے ہو جیسے عمرانیات کے پروفیسر رہے ہو....."

"عمرانیات کے پروفیسر آسمانوں سے نہیں اتارے جاتے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "وہ بھی ہمارے جیسے انسان ہوتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ چند برس پہلے یورپ کے کسی فضائی سفر میں میری ملاقات پروفیسر انیس نامی ایک

شخص سے ہوئی تھی۔ وہ عمرانیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا حامل تھا اور اسلام آباد کی اسلامی یونیورسٹی میں روزگار کے لئے بیرونِ ملک جانے والوں کے اندوہ ناک معاشرتی مسائل پر تحقیق کر رہا تھا۔ اس کے تجزیئے سن کر دل خون کے آنسو روتا تھا۔ زرِمبادلہ کمانے کے لئے انسانوں کو مشین بنا کر ہم اپنے ملک میں فصلیں سنوار کر نسلیں بگاڑ رہے ہیں۔ محروم بیویاں اندھے راستوں پر چل رہی ہیں۔ جوان بچے' بچیاں' باپ کے روایتی دباؤ سے آزاد رہ کر بے لگام ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم زرِمبادلہ ضرور کما رہے ہیں لیکن اس کے تبادلے میں اپنی صدیوں پرانی روایتوں کو بڑی آسانی کے ساتھ اور بے خبری کے عالم میں نیلام کرتے جا رہے ہیں۔ یہ لہریوں ہی چلتی رہی تو بس چند برس کی بات ہے' یورپ والے آزادروی کا سبق ہمارے دیہاتوں اور کھلیانوں سے سیکھا کریں گے۔ منہ زور نسوانی مطالبوں کے سامنے عمر رسیدہ اور استخوانی ڈھانچے زیادہ دنوں تک شرم وحیا اور صبروشکر کی خود ساختہ دیواروں کو سہارا نہ دے سکیں گے.....''

''تم طوطے!'' ویرا طویل سکوت کے بعد بالآخر میری بات کاٹ کر غرانے پر مجبور ہو گئی ''دنیا کے ہر موضوع پر اس طرح بکواس کرتے ہو جیسے تم نے اس پر کوئی سند لی ہوئی ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ اپنی تمام تر بے عملی کے باوجود تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو اور تمہارے مذہب میں بھی یہ خیال رائج ہے کہ بھوک انسان کو مذہب سے دور لے جاتی ہے۔ بھوک اور بے روزگاری سے سارے شیطانی فتنوں کے راستے کھلتے ہیں۔ فکرِ معاش میں اپنے پیاروں اور اپنی دھرتی کو چھوڑ کر باہر جانے والے ذاتی قربانیاں دے کر ان راستوں کو بند کرتے ہیں۔ خود ذہنی عذاب کے عالم میں ناآسودہ رہ کر اپنے لواحقین کو آسودگیاں فراہم کرتے ہیں اور تم اس معاشی ہجرت کو ایک معاشرتی المیہ قرار دے رہے ہو....''

''انسان بھوکا ہو تو دین' دھرم اور اقدار کو بھول کر صرف روٹی کی یاد میں مبتلا رہتا ہے'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''لیکن پیٹ بھر جانے کے بعد اسے اپنی دوسری آزادیاں اور حقوق یاد آنے لگتے ہیں۔ تم نے بدی اور بدکاری کے حیوانی اور شیطانی چوباروں پر کبھی کسی ننگے بھوکے کو دادِ عیش دیتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔ وہاں وہی لوگ جاتے ہیں جو شکم سیر ہوتے ہیں۔ دینار' ریال اور ڈالروں کی ریل پیل جہاں بہت سے مسائل کو حل کرتی ہے' وہیں بہتیرے سنگین مسائل پیدا بھی کرتی ہے۔ باپ کے سائے سے محرومی کے عالم میں پلنے والے لڑکے ہوش سنبھالتے ہی اپنی ماؤں سے کھلا خرچ طلب کرتے ہیں' اپنے باپ کی بے تول کمائی پر موج اڑانا وہ اپنا حق سمجھتے ہیں اور جوان ہونے تک بیشتر لڑکے اوباش' سرکش' خودبین اور خود آرا ہو جاتے ہیں! اس طرح نگر نگر نوجوانوں کی ایک ایسی نسل پیدا ہوتی جا رہی ہے جو کسی کے اختیار کو مانتی ہے اور نہ اقدار کے بندھن کو تسلیم کرتی ہے۔ روز بہ روز ان کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ چڑھتے ہوئے خون کے نشے میں سرشار' یہ لوگ رومان پرور خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں..''

''خدا کے لئے خاموش رہو!'' سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی آواز میں میری بات کاٹ دی ''ہم معاشرتی اصلاح کے لئے ہونے والے کسی مذاکرے میں نہیں جا رہے ہیں۔ تم دونوں یہ تقریریں رٹتے رہے تو نمبر فیکٹری میں جانو ماچھی کے آدمی ہمارے مزار بنا کر ان کے مجاور بن بیٹھیں گے.... اور ہاں' ذرا تم اسے کھڑکی کی طرف سرکا کر خود بیچ میں آ جاؤ' یہ مجھے ستا رہی ہے۔''

ویرا مردانہ روپ میں ہم دونوں کے درمیان میں بیٹھی ہوئی تھی اور بظاہر پوری طرح میری طرف متوجہ تھی اس لئے سلطان شاہ کی شکایت میرے لئے ناقابلِ فہم ثابت ہوئی۔

لیکن میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی ویرا اس پر آنکھیں نکالتے ہوئے جارحانہ لہجے میں غرائی ''میں کیا ستا رہی ہوں تمہیں؟ بلاوجہ میرے منہ لگنے کی کوشش کی تو میں مزہ چکھا دوں گی۔''

اسی لمحے میں نے دیکھا کہ ویرا نے شرارتی انداز میں اپنی داہنی ٹانگ سلطان شاہ کی ٹانگ سے ملادی تھی۔ میں ایک گہرا سانس لے کر کھڑکی سے باہر ویران راستوں کو گھورنے لگا۔ ان دونوں کے معاملات کو سلجھانے کی کوشش میں خود کو ہمیشہ احمق محسوس کرنے لگتا تھا۔

ویرا کی تیز اور بے ساختہ سسکاری نے مجھے بے اختیار اندر کی صورتِ حال کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ اسٹریٹ لیمپ کی روشنی کے انعکاس میں مجھے ویرا کی آنکھوں میں ایک عجیب سی فاتحانہ چمک کوندتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''کیا ہوا؟'' میں نے اضطراری لہجے میں اسی سے سوال کیا تھا۔

''کچھ نہیں'' ویرا نے بے پروایانہ لہجے میں کہا ''تم اپنے کام سے کام رکھو۔ اپنے آپس کے معاملات ہم خود ہی نمٹا لیں گے۔ تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''یہ بہت ڈھیٹ ہڈی ہے'' سلطان شاہ کی بھرائی ہوئی آواز سے اس کی بے بسی ظاہر ہو رہی تھی ''اس نے دوبار ٹانگ لڑائی تھی اور میں نے پوری قوت سے چٹکی لے ڈالی مگر یہ

س اذیت سے بھی مزہ لے رہی ہے ..."

ویرا غصیلے لہجے میں اس پر برس پڑی "ہم تینوں کسی مقبرے میں رکھی ہوئی حنوط شدہ لاشیں نہیں ہیں۔ ہم زندہ ہیں اور ٹرک بھی شہر کی ناہموار سڑکوں پر چل رہا ہے۔ اگر اتفاق سے ہاتھ پیر ٹکرا ہی جائے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ تم ذہنی طور پر بری طرح بیمار نظر آتے ہو جو ان چھوٹی موٹی باتوں کا بتنگڑ بنا رہے ہو۔ واپسی پر 'اگر تم زندہ رہے تو میں اپنے بدن کے نیل تم ہی سے گنواؤں گی اور تم سے اکٹھا بدلہ لوں گی ..."

"تم مجھ سے اپنی جگہ بدل ہی لو تو بہتر ہو گا" میں نے ویرا کی بات کاٹتے ہوئے انتہائی نرم اور مصالحانہ لہجے میں کہا "تم یہ بات کیوں بھول رہی ہو کہ سلطان شاہ نے اس کٹر قبائلی ماحول میں پرورش پائی ہے جہاں عورتیں نامحرم مردوں سے اپنا چہرہ ہی نہیں بلکہ بال اور ناخن تک چھپاتی ہیں اور اگر کوئی نامحرم اپنے تجسس یا کسی خاتون کی بے پروائی کی بنا پر ان جزئیات سے آگاہی حاصل کر لے تو صورت حال کا انکشاف ہوتے ہی جرگہ اس پر اپنا تعزیری قانون نافذ کر کے اسے سزا سنا دیتا ہے"

"تم لوگ مجھے اچھوت نہیں بنا سکتے" وہ مجھ پر بھی برہم ہو گئی "میں نے تم سے درمیانی نشست کی فرمائش نہیں کی تھی لہٰذا اب میں ہرگز اپنی جگہ نہیں بدلوں گی۔ جب میری وجہ سے تم کو کوئی پریشانی نہیں ہے تو آخر اسے کیا اچک دم لگی ہوئی ہے؟ میں تو تم دونوں ہی کے ساتھ بیٹھی ہوں۔ اس میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں جو میں اس سے ٹانگیں لڑاؤں گی؟"

"کوئی بات تو ہے جو تم نے نہایت خاموشی کے ساتھ اس کی چٹکی سہہ لی" میں نے تاریک کیبن میں ویرا کی چمک دار آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "اس وقت ہمارے سامنے ایک مرحلہ درپیش ہے اس لئے اپنی شرارتیں کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھو۔ ذہنی کوفت اور تناؤ کے عالم میں ہم میں سے کوئی بھی نازک لمحات میں صحیح فیصلہ نہیں کر سکے گا۔"

اچانک میری سمت میں ٹرک کی باڈی کو زور سے تھپتھپانے کی آواز آئی۔ میں نے کھڑکی سے اپنا سر باہر نکال کر دیکھا تو جہانگیر کیبن کی چھت پر سے میری طرف جھکا ہوا تھا۔

"کیا مصیبت ہے؟ ٹرک رفتار کیوں نہیں پکڑ رہا؟ ہم اسی طرح چلتے رہے تو صدیق دہاب روڈ پر پہنچنے تک سورج طلوع ہو چکا ہو گا" جہانگیر نے تند و ترش لہجے میں کہا تھا۔

اس لمحے مجھے احساس ہوا کہ ٹرک کی رفتار واقعی سست تھی۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ سلطان شاہ' ویرا کی حرکتوں سے گھائل ہو چلا تھا اور سست رفتاری کے ساتھ وہ سفر طے کر کے ویرا کے پہلو میں اپنی ہم نشینی کے لمحات کو طول دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ مرد تھا۔ ایک قبائلی مرد' جو اپنی انا کی خاطر اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ جھکنے کے بجائے اپنی گردن کٹوانے میں زیادہ عزت محسوس کرتا ہے۔ سلطان شاہ شاید ویرا کی شرارتوں اور خفیہ بدمعاشیوں سے کسی حد تک متاثر ہو چلا تھا لیکن اس کے وجود میں چھپا ہوا قبائلی مرد ویرا کے سامنے سپر ڈالنے پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ شاید ویرا کے حسین و متناسب وجود کی بے پناہ رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے پر آمادہ تھا لیکن اپنی طرف سے کوئی پیش قدمی کرنے کے بجائے ویرا کی طرف سے دست درازی کا منتظر تھا اور اسے کھل کھیلنے کا پورا موقع دینے پر تلا ہوا تھا۔

"انجن کمزور ہے" میں نے جہانگیر کو جواب دیا "سلطان شاہ جوش میں پوری دس ٹن لکڑی لوڈ کرا لایا ہے جب کہ ٹرک چھ سات ٹن سے زیادہ گھسیٹنے کے قابل نہیں ہے۔"

جہانگیر کا وہ تبصرہ سلطان شاہ نے بھی سن لیا تھا۔ چند ثانیوں کے لئے انجن کا شور تیز تر ہونے کے ساتھ ٹرک کی رفتار قدرے بڑھی پھر سلطان شاہ نے گیئر تبدیل کیا اور میں دل ہی دل میں ویرا کی مکاری کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اپنی چھیڑ چھاڑ سے سلطان شاہ کے ذہن کو اس حد تک ماؤف کر کے رکھ دیا تھا کہ وہ غیر ارادی طور پر ٹرک کو نچلے گیئر میں چلائے جا رہا تھا۔ شاید اس طرح وہ لاشعوری طور پر ویرا کی ہم نشینی کے لمحات کو طول دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

ٹرک کی رفتار بڑھتے ہی جہانگیر ٹرک کے کیبن پر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

"تھوڑی دیر کے لئے بھول جاؤ کہ تمہارے ساتھ کوئی ویرا بیٹھی ہوئی ہے" میں نے ناصحانہ لہجے میں سلطان شاہ سے کہا "کسی نازک موقع پر غیر ارادی طور پر تم اسے عورت کے طور پر مخاطب کر بیٹھے تو سارا معاملہ چوپٹ ہو کر رہ جائے گا"

ویرا دھیمے سے ہنس دی اور چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اسے یہ بھی بتا دو کہ میرا مردانہ نام کیا ہو گا۔ کہیں یہ فیکٹری پہنچ کر میرا نام نہ پوچھ بیٹھے۔"

میں نے اپنی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے کہا "تمہارا نام دلبر خان ہی مناسب رہے گا۔ میں نے تمہارے جیسے لڑکوں کے عموماً ایسے ہی نام سنے ہیں۔"

اس کے بعد کیبن میں خاموشی چھا گئی۔ آنے والے سنگین لمحات کا ذکر آتے ہی ماحول قدرے بوجھل ہو گیا تھا۔ آپس کی نوک جھونک میں الجھ کر کچھ دیر کے لئے ہم تینوں یہ

بات فراموش کر بیٹھے تھے کہ ہم کسی پکنک پر نہیں، بلکہ ایک خوں ریز مہم پر جارہے تھے۔

نشتر روڈ سے دو موڑ گھومنے کے بعد ہمارا ٹرک صدیق وہاب روڈ پر پہنچ گیا۔ سناٹے میں وہ سڑک اس وقت بہت کشادہ اور خوبصورت نظر آرہی تھی۔ اسی سڑک سے ملنے والی ایک گلی کے آخری سرے پر ہماری مطلوبہ فیکٹری واقع تھی۔

اس گلی میں تمام تر دکانیں اور گودام ہی واقع تھے جن میں اس وقت زندگی کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے تھے کسی کسی دکان کے آگے بنے ہوئے پختہ تھڑے پر چرسی اور موالی قسم کے خستہ حال، اکادکا افراد بے سدھ پڑے ہوئے تھے جن کی مدہوشی میں ٹرک کے انجن کا شور بھی خلل انداز نہ ہوسکا تھا۔ ہمارے لئے ان کی وہ بے تعلقی ہر اعتبار سے سودمند تھی۔

سلطان شاہ ڈرائیونگ سیٹ پر تھا اس لئے ٹرک رکنے تک وہ کسی عملی کارروائی میں کوئی حصہ نہیں لے سکتا تھا لیکن ہم دونوں کسی بھی صورتحال سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار ہوچکے تھے۔

پھر ٹرک کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں، گلی کے بند سرے پر، بڑے سے، سالخوردہ چوبی پھاٹک کے برابر میں دیوار پر لگا ہوا وہ دھندلایا ہوا بورڈ نظر آنے لگا جس پر انگریزی حروف میں فائن ٹمبر فیکٹری کا نام درج تھا۔

بورڈ کے اڑے ہوئے رنگوں اور خستہ حالی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ فیکٹری کے مالکان نے برسہا برس قبل اس کی تنصیب کے بعد کبھی بھی اس پر کوئی توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

چوبی پھاٹک اس احاطے میں ایک برائے نام رکاوٹ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ بادی النظر میں یوں معلوم ہوتا تھا کہ ذرا سی زور آزمائی کرکے اسے بآسانی کھولا جاسکتا تھا یا پھر اسے پھاند کر اندر اترا جاسکتا تھا۔

سلطان شاہ نے پھاٹک کے قریب ٹرک روک کر انجن کو دو تین مرتبہ ریس دی، ایک بار ہارن بجایا اور پھر ہیڈ لیمپس کو باربار دھیما اور تیز کرنے لگا۔

میں دروازہ کھول کر ٹرک کے نیچے اترا، اتنی دیر میں جہانگیر بھی کیبن کی چھت پر سے نیچے آگیا۔ اس وقت ہمارا طویل سفر سے آئے ہوئے مزدوروں کی طرح بے تابی کا اظہار کرنا ضروری تھا اس لئے اندر سے کوئی تحریک نہ ہوتی دیکھ کر ہم دونوں چوبی پھاٹک پر طبع آزمائی کرنے لگے۔

سلطان شاہ اپنی جگہ پر مستعد تھا۔ ہمارے آگے نکلتے ہی اس نے ٹرک کے ہیڈ لیمپس گل کردیئے اور ہم انجن کے شور میں چوبی پھاٹک دھڑ دھڑانے میں مصروف ہوگئے۔

"خاصی بڑی فیکٹری ہے۔" جہانگیر نے میرے کان م سرگوشی کی۔ "کیبن کی چھت پر سے میں نے پورا جائزہ لینے کوشش کی تھی۔ اگر گیٹ کے قریب کوئی موجود نہ ہوا تو ہم تک بھی گیٹ بجاتے رہیں گے اور اندر سے کوئی ہماری طرف مت نہیں ہوگا۔"

میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "یہ اسی صورت میں مم ہوسکتا ہے کہ ہمارے حریفوں نے ادھر کا رخ نہ کیا ہو۔ اگ ڈیفنس سے مار کھاکر اسی طرف آئے ہیں تو نہ صرف چوک بلکہ وہ خود بھی چوکنا ہوں گے اور شاید خود ہی ہمارا استقبال ک گے۔"

"کون ہے؟" چند ثانیوں بعد فیکٹری کے احاطے سے ایک کرخت اور گونجیلی آواز ابھری جس میں نیند کا یکسر مفقود تھا۔

"برادر پھاٹک کھولو! مال آیا ہے۔" جہانگیر نے پشتو میں شاید اس نے سوال کرنے والے کے لہجے سے بھانپ کہ وہ کوئی پختون تھا۔ اور ویسے بھی کراچی کے ساہوکارو جان و مال کی حفاظت کا فریضہ عام طور پر پختون ہی سرا دیتے ہیں۔ پختونوں کی ناخواندہ اکثریت نے اس شہر میں سنگلاخ پرورش اور جنگی جبلت کی بنا پر شب بیدار نگہ کے طور پر اپنی کچھ ایسی ساکھ بنالی ہے کہ لسانی تنازعات کے میں بھی باحیثیت لوگ ان ہی پر اعتماد کرتے ہیں۔ بڑی با ہے کہ اس برادری نے اپنی انفرادی خوبیوں اور خامیوں باوجود کبھی بھی اپنے مالکان کو دھوکا نہیں دیا ہے۔ شہر کی اور بازاروں میں سندھی، پنجابی، مہاجر اور پٹھان ایک دو کو لہولہان کرنے پر تلے ہوئے ہوں تب بھی پٹھان مح دیواروں کے پیچھے جاگ کر اپنے سندھی، پنجابی اور مہا کے جان و مال کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ وہ جس کا نمک ہے، اس سے نمک حرامی کم ہی کرتا ہے۔

جہانگیر کا مطالبہ اندر والے کے لئے بجا طور پر ناقا تھا۔ وہ پھاٹک سے دور تھا لیکن آواز سے ظاہر ہو رہا پھاٹک کی طرف آرہا تھا۔ "یہ فیکٹری برسوں سے بند پڑ ہے۔ تمہیں کوئی مغالطہ ہوا ہے یہاں کوئی مال وال نہیں" گونجیلی آواز نے اس بار پشتو میں جواب دیا تھا۔

"فائن ٹمبر فیکٹری یہی ہے؟" جہانگیر نے اصرار کی شمال کے جنگلات سے یہاں کے لئے لکڑی لے کر آ دروازہ کھولو، تکان اور نیند سے ہمارا برا حال ہو رہا

"بابا، یہاں کوئی مال نہیں آتا تھا۔" کچی زمین پر

موں کی چاپ چوبی پھاٹک کے قریب آگئی "تم کیوں یہاں
رہو رہے ہو؟ مال کسی اور کا ہو گا۔"

"غضب خدا کا" جہانگیر چڑچڑے سے انداز میں بولا "دن
ات سفر کرتے ہوئے ہزار میل سے یہاں پہنچے ہیں تو مال کا
ئی ولی وارث ہی نہیں ہے۔ سپرہائی وے پر پولیس والوں نے
خوار کیا۔ اگر مال نہیں لیتا تو نہ لو لیکن گاڑی تو اندر لے لو
ہم لوگ بھی تھوڑی دیر کے لئے بے خبری سے سو سکیں۔
مال اونے پونے بیچ کر کوئی نیا بھاڑا پکڑ لیں گے۔"

سالخوردہ پھاٹک کی ذیلی کھڑکی پر کھڑکھڑاہٹ سنائی دی پھر
ر آواز سے وہ کھڑکی کھل گئی۔ اس میں سے ایک تنومند
دراز قامت شخص بر آمد ہوا تھا۔

اس نے پرتپاک انداز میں ہم دونوں سے ہاتھ ملایا۔ میں
خاص طور پر نوٹ کیا کہ اس کی آنکھوں میں دور دور تک
کا خمار نہیں تھا۔

وہ واجبی حد تک پڑھا لکھا تھا۔ چالان پر اپنی فیکٹری کا نام
ہ کر وہ قدرے پریشان نظر آنے لگا اور خود کلامی کے انداز میں
"چالان ہماری ہی فیکٹری کا ہے لیکن یہاں تو مشینیں بھی
وں پہلے زنگ کھا کر ناکارہ ہو چکی ہیں۔ سیٹھ لوگ مہینوں
ادھر نہیں آئے پھر یہ لکڑی کس نے یہاں بھیجی ہے؟"

"بابا! مال لے کر ہماری گلو خلاصی کرو" میں نے برہمی کے
میں کہا "کیوں ہم پردیسیوں کو پریشان کرتے ہو؟ مفت میں
ئی ٹنوں لکڑی یہاں کیوں بھیجے گا؟ تمہارے سیٹھ لوگوں
ہی کسی سے اس کا سودا کیا ہو گا۔ پھاٹک کھولو، انجن بند کر دیا
پھر ٹرک دھکے سے ہی اسٹارٹ ہو گا۔ راستے میں اس کا
ت بھی خراب ہو گیا ہے۔"

اس نے چالان کو روشنی میں غور سے دیکھا پھر سوال کیا۔
یہ مل چکا ہے؟"

"ہاں، سب کچھ مل چکا ہے" میں نے بے زاری کے عالم
کہا "تم بس اندر کہیں جگہ بتا دو تاکہ ہم ٹرک خالی کرا لیں۔
ور تو ہوں گے تمہارے پاس؟"

"یہ ویران اور غیر آباد فیکٹری ہے" وہ سمجھانے والے
راز میں بولا "میرے پاس اپنی تنخواہ کے بچے ہوئے پیسوں
ے علاوہ کچھ نہیں ہے پھر اس وقت مزدور بھی نہیں ملیں گے۔
تم ٹرک اندر کھڑا کر کے سو جاؤ۔ میں صبح کوئی بندوبست کروں
۔ زیادہ جلدی ہے تو تم لوگ ہی ہمت کرو۔ میں بھی تمہارا ہاتھ
ں گا۔ ایک گھنٹے میں ٹرک خالی ہو جائے گا۔"

خدا کا شکر تھا کہ وہ پھاٹک کھولنے پر آمادہ ہو گیا تھا میں نے
ری سے کہا "تم پھاٹک تو کھولو، پھر ہم آپس میں مشورہ
کریں گے کہ کیا کرنا ہے۔"

پھاٹک کھلتے ہی سلطان شاہ نے ٹرک کے ہیڈ لیمپس
روشن کر دئے اور میں نے دیکھا کہ اس وسیع و عریض مگر ویران
رقبے پر پھاٹک سے کافی دور ایک اونچا اور کافی بڑا شیڈ بنا ہوا تھا جو
شاید کسی زمانے میں مشین ہال رہا ہو مگر اس وقت تاریک اور
ویران پڑا ہوا تھا۔

سلطان شاہ پھاٹک سے گزرنے کے بعد ٹرک کو اسی شیڈ
کی طرف لے جانا چاہتا تھا مگر چوکیدار دونوں ہاتھ پھیلا کر ٹرک
کے سامنے آگیا اور اونچی آواز میں بولا "ادھر جانے کی ضرورت
نہیں، بس یہیں پھاٹک کے قریب ٹرک بند کر دو۔"

"بھرے ہوئے ٹرک کو دھکا لگا کر اسٹارٹ کرنا آسان کام
نہیں ہو گا" میں نے اسے ڈراتے ہوئے کہا "ایک بار ٹرک
یہاں کھڑا کر دیا تو لکڑی یہیں اتروانی پڑے گی۔"

"فکر نہ کرو، لکڑی یہیں اتروالوں گا" وہ احاطے کے
اندرونی حصوں کے بارے میں بہت زیادہ محتاط نظر آرہا تھا۔
اس کے رویے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اندر کوئی گڑبڑ تھی۔
حقیقت یہ تھی کہ ہم لوگ کسی گڑبڑ ہی کی امید لے کر اس
وقت وہاں پہنچے تھے۔

میں نے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف پہنچ کر سلطان شاہ کو
ٹرک وہیں لگانے کا مشورہ دیا اور اس نے کمال ہوشیاری سے
ٹرک کو لمبا سا چکر دے کر اس طرح گھمایا کہ باری باری احاطے
کے تمام حصے روشنی سے منور اور پھر تاریک ہوتے چلے گئے
اور اسی دوران میں میں نے زرد رنگ کی وہ لمبی سی سیڈان کار
بھی دیکھ لی جو شیڈ کے پہلو میں کھڑی ہوئی تھی۔

ٹرک کے طاقتور ہیڈ لیمپس کی روشنی میں واضح نظر
آرہا تھا کہ اس کار کی باڈی اور شیشوں پر گرد کی خاصی تہ جمی ہوئی
تھی جیسے وہ مدت سے وہاں کھڑی ہوئی ہو لیکن اسے دیکھتے ہی
میرے ذہن میں ڈیفنس کے مکان سے نکلنے والی سرنگ کے
اختتام پر واقع احاطہ یاد آگیا جہاں چھپر کے نیچے کسی کار کی
موجودگی اور پھر روانگی کے سارے شواہد موجود تھے۔

خلاف توقع پھاٹک کے ساتھ چوکیدار کے لئے کوئی کمرا
وغیرہ نہیں تھا۔ وہاں پیپل کے ایک تناور درخت نے کافی
بڑے حصے پر سایہ کیا ہوا تھا۔ چوکیدار نے ہمیں آگاہ کیا کہ ہم کو
رات کے باقی لمحات وہیں زمین پر چادر وغیرہ بچھا کر گزارنے
ہوں گے۔

"تم رات کو کہاں سوتے ہو؟ تمہارا بستر نظر نہیں آرہا۔"
ٹرک کا انجن بند ہو جانے کے بعد میں نے چوکیدار سے تجسس
آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں اندر سوتا ہوں۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "لیکن تم لوگ ٹرک خالی نہیں کرو گے تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ یہیں سوؤں گا۔"

"وہ کار تمہارے سیٹھوں کی ہے؟" میں نے رواروی میں اس سے سوال کیا اور اس نے چونک کر بے ساختہ انداز میں مجھ سے سوال کر ڈالا تھا۔ "کون سی کار؟"

"ارے وہی جو دھول مٹی میں اٹی ہوئی شیڈ کے قریب کھڑی ہوئی ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے لاابالی انداز میں کہا۔ "یہاں کون سی دس بیس کاریں ہیں؟"

وہ بھونڈے انداز میں ہنس پڑا۔ "ہاں' وہ سیٹھ کی ہی گاڑی ہے۔ کبھی کبھار یہاں بھی آجاتی ہے.... تم لوگ اپنے لیٹنے کا بندوبست کرو' میں اندر سے اپنی چادر لے کر آتا ہوں۔"

کار کے بارے میں میرے سوال پر وہ بوکھلا گیا تھا اور جواب دیتے ہوئے یہ بھول گیا تھا کہ چند ہی لمحے پہلے وہ مجھے فیکٹری سے سیٹھوں کی مہینوں طویل غیرحاضری کی کہانی سنا چکا تھا لیکن میں نے بھی اسے ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا تاکہ وہ ہماری طرف سے ہوشیار نہ ہوسکے۔

ٹرک سے اترنے کے بعد ویرا نے صرف ایک بار ہی اپنی زبان کھولی تھی اور میں اس کے حلق سے برآمد ہونے والی مردانہ آواز سن کر بھونچکا رہ گیا۔ وہ ہر اعتبار سے اپنے مردانہ بہروپ کو نباہنے پر قادر تھی لیکن تشویش کی بات یہ تھی کہ اس مختصر سی مدت میں چوکیدار کئی بار حریصانہ نظروں سے اس کی طرف گھور چکا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اندر کا ایک چکر لگانے کے بعد وہ یقینی طور پر ہم میں سے کسی سے ویرا کے بارے میں بات کرنے کی کوشش کرے گا۔

وہ چادر لینے کا عذر کرکے وسطی میدان عبور کرتا ہوا' آہستہ آہستہ شیڈ کی طرف بڑھنے لگا میں نے سرگوشیانہ لہجے میں ان تینوں سے کہا۔ "یہیں میرے سگنل کا انتظار کرو۔ میں اس کے پیچھے جارہا ہوں۔ وہ لوگ یقینی طور پر یہاں موجود ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ چادر لینے کے بہانے ان کو لکڑی سے لدے ہوئے ایک ٹرک کی ناگہانی آمد کی اطلاع دینے گیا ہے۔ یہ ہمارے لئے سنہرا موقع ہے ورنہ اندھیرے میں ہم ان کو آسانی کے ساتھ تلاش نہیں کرسکیں گے۔"

"میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔" ویرا نے فوراً ہی اپنا فیصلہ صادر کردیا لیکن میں نے سختی کے ساتھ ان تینوں کو وہیں رکا رہنے پر مجبور کردیا۔ چار میں سے کسی ایک کے غائب ہونے پر تو حوائج ضروریہ کے کسی ناگزیر دباؤ وغیرہ کا بہانہ کیا جاسکتا تھا لیکن آدھی نفری غائب ہونے کی صورت میں باقی رہ جانے والوں کے لئے اس غیرحاضری کا دفاع کرنا محال ہوجاتا۔

اگر فیکٹری کے تاریک شیڈ میں جانو ماچھی کے ساتھی چھپے ہوئے تھے تو یہ امر یقینی تھا کہ انہوں نے پھاٹک کی طرف آنے والے چوکیدار کو بے لگام نہیں چھوڑا ہوگا بلکہ ان میں سے کوئی نہ کوئی مستقل طور پر اس کی نگرانی بھی کررہا ہوگا اس لئے تاریک میدان میں براہِ راست چوکیدار کا تعاقب کرنا خطرناک بلکہ مہلک ثابت ہو سکتا تھا جب کہ اس نادیدہ عمارت کے تاریک ڈھانچے میں جانو ماچھی کے آدمیوں کی کمین گاہ کا سراغ لگانے کے لئے چوکیدار کا تعاقب ناگزیر تھا!

ان تینوں کو سختی سے ہدایات دیتے ہی میں نے پیپل کی چھاؤں میں احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ دوڑنا شروع کردیا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ اندھیری رات تھی اور صرف تاروں کی چھاؤں میں دور سے کسی کا دیکھ لیا جانا ممکنات میں سے نہیں تھا۔

میں خاصی کڑی اور پُرمشقت زندگی گزارنے کا عادی تھا لیکن اس رات اندازہ ہوا کہ مسلسل دوڑنا کتنی ہمت کا کام ہوتا ہے۔ دیوار کا کونا آنے تک میرا سانس پھولنے لگا تھا۔ اس دوران جابجا اُگے ہوئے تناور درختوں کی اوٹ سے میں چوکیدار کا جائزہ بھی لیتا رہا جو تاریک شیڈ سے لحہ بہ لحہ قریب ہونے کے باوجود اتنا دور تھا کہ میں پورے احاطے کا چکر کاٹ کر اس سے پہلے شیڈ کے آس پاس کوئی پوزیشن لے سکتا تھا۔

میں مسلسل دوڑتا رہا۔ میرا سینہ کسی لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا لیکن میرے لئے وہ لمحات بہت اہم تھے۔ اسی احاطے کے کسی گوشے میں میری غزالہ سفاک اور بے رحم ڈاکوؤں کی قید میں تھی۔ اس وقت تک وہ میرا قیاس تھا جسے چوکیدار کا مشکوک رویّہ تقویت دیتا رہا تھا لیکن مجھے پوری امید تھی کہ اس رات کی میری وہ بھاگ دوڑ جلد ہی بار آور ہونے والی تھی۔

ایک سمت مجھے راستہ صاف ملا مگر دوسرے رخ پر خودرُو جھاڑیوں اور پودوں نے مجھے محتاط ہونے پر مجبور کردیا۔ بیچ کہیں کہیں خاردار پودے بھی پھل پھول رہے تھے جن کی وجہ سے میری رفتار میں خاصی کمی آگئی لیکن پھر بھی میں چوکیدار سے چند ثانیوں پہلے ہی تاریک شیڈ کی بغلی دیوار کے ساتھ قد آدم جھاڑ جھنکاڑ میں دبک کر بیٹھ گیا۔

"کیا خبر لائے ہو شیر خان؟" چوکیدار شیڈ سے چند قدم دور ہی تھا کہ اندھیرے میں سے ابھرنے والی ایک آواز نے میرے وجود میں سنسنی سی دوڑادی۔

چوکیدار نے ہمیں فیکٹری کی ویرانی کی خبر سنائی تھی لیکن

وہ خود اس ویرانے میں کسی کے ساتھ مذاکرات کر رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ لکڑی سے لدے ہوئے ٹرک کے ساتھ ہماری بھاگ دوڑ رائیگاں نہیں گئی تھی۔ ہمیں ایک رات میں دوسری بار اپنے حریفوں سے پنجہ آزمائی کا موقع مل رہا تھا۔

" فیکٹری کے نام پر لکڑی آئی ہے" شیر خان کی الجھن آمیز آواز ابھری۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ سوال سنتے ہی اندھیرے میں اپنی جگہ پر منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔

" لکڑی آئی ہے ؟" تلخ اور زہریلی آواز ابھری " بھلا یہ کہاں سے آئی ہے ؟"

" سوات کے جنگلوں سے پورا ٹرک آیا ہے۔ کسی میاں اسلم نے یہ مال ہماری فیکٹری کے نام بھیجا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ ٹرک کا کرایہ بھی ادا کیا جا چکا ہے۔ ہمیں بس اپنے مزدوروں سے ٹرک خالی کروانا ہے اور پھر لاکھوں روپے کی یہ لکڑی ہماری ہوگی۔"

" ٹرک پر کتنے آدمی آئے ہیں ؟" پُر خیال لہجے میں وہ اہم سوال کیا گیا " سائیں نے تمہیں اس ٹرک کے بارے میں کوئی خبر نہیں دی تھی ؟"

" سائیں نے کچھ بتایا ہوتا تو کوئی پریشانی نہ ہوتی۔ میں نے تو پھاٹک کھولنے سے ہی انکار کر دیا تھا لیکن کاغذات دیکھنے کے بعد انہیں اندر بلانا پڑا۔ لمبے سفر سے آنے والوں کی مہمان نوازی ویسے بھی ہم لوگوں میں فرض سمجھی جاتی ہے۔ یہ بے چارے تو بہت تھکے ہوئے ہیں۔ میں نے ان چاروں کو پھاٹک پر ہی روک دیا ہے۔"

" ان میں سے کسی ایک کو گھیر گھار کر ہماری طرف لے آؤ۔ مجھے اس ٹرک پر کچھ شبہ ہو رہا ہے۔ اول تو یہاں لکڑی کا آنا ہی عجیب سی بات ہے پھر اس ٹرک پر ڈرائیور اور کلینر کے بجائے چار آدمی آئے ہیں ...."

" ایک جوان اور خوبصورت لڑکا ہے" شیر خان نے اندھیرے میں سوال کرنے والے کی بات کاٹ کر دھیمے لہجے میں کہا۔ " لمبے روٹ پر چلنے والے، گاؤں کے لڑکوں کو شہر دکھانے کے بہانے اکثر دل بہلانے کے لئے ساتھ لے آتے ہیں۔ وہ مجھے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کلینر کچا ہو تو کبھی کبھار منزل پر جلدی مال پہنچانے کے لئے دو ڈرائیور بھی چل پڑتے ہیں۔ وہ باری باری کیبن کی چھت پر سوتے اور ڈرائیونگ کرتے ہیں۔"

" تمہاری باتوں سے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم ہی انہیں یہاں لائے ہو" چبھتے ہوئے لہجے میں کہا گیا " آخر انہیں یہاں مرنے کی اتنی کیا جلدی تھی کہ پورا جلوس بنا کر آئے ہیں ؟"

" مجھے الزام نہ دو سائیں" شیر خان نے مجروح لہجے میں احتجاج کیا۔" میں مر سکتا ہوں مگر اپنے مالکوں سے نمک حرامی نہیں کر سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم یہاں آئے ہوئے ہو پھر مجھے کسی کو بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ میں تیس برس سے یہاں چوکیداری کر رہا ہوں۔ میں نے اپنی جوانی اسی کام میں گزاری ہے۔ جب یہ فیکٹری چلتی تھی تو میرا دن رات ٹرک والوں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا۔"

چند ثانیوں کے لئے تاریک فضا پر بوجھل اور خون آشام سا سکوت چھا گیا پھر وہی آواز ابھری " اچھا! تو اب تم یہیں ٹھہرو، میں خود ان لوگوں کو دیکھوں گا۔"

" ایسی غلطی نہ کر بیٹھنا" شیر خان جلدی سے بول پڑا۔ " میں نے ان لوگوں سے کہا ہے کہ فیکٹری میں میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ میری جگہ تمہیں دیکھ کر وہ بھڑک جائیں گے۔"

" بھڑک کر کیا کر لیں گے ؟" اس کا لہجہ تضحیک آمیز ہو گیا " وہ شمال سے لکڑی ہی لے کر آئے ہیں تو انہیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہونا چاہئے کہ یہاں کتنے آدمی ہیں اور ان سے جھوٹ کیوں بولا گیا تھا؟ اگر ان کے کچھ اور ارادے ہیں تو انہیں کھل کر سامنے آنا پڑے گا۔ تم ان سب باتوں کی فکر نہ کرو۔ میں اپنی بات خود ہی سنبھال لوں گا۔"

" تم میرے ساتھ آ جاؤ تو ہم ان کے ساتھ مل کر ابھی ٹرک خالی کرا لیں گے اور انہیں یہاں سے چلتا کر دیں گے۔ ان میں سے ایک نے تمہاری گاڑی بھی دیکھ لی ہے" جانو ماچھی کے ساتھی کی گفتگو نے شیر خان کے ذہن میں بھی شبہات ابھار دیئے تھے۔

"تمہاری تجویز درست ہے۔" اس نے فوراً ہی کہا تھا۔ "لیکن اپنی رائفل لوڈ کر کے فاضل کارتوسوں کی پیٹی بھی ساتھ لے لو۔ گڑبڑ کا ذرا سا بھی شبہ ہوا تو ہمیں ان کو ہوشیار ہونے کا کوئی موقع دیئے بغیر ہی پہلے وار میں ڈھیر کرنا ہوگا۔"

مجھے حیرت تھی کہ ان دونوں کے مذاکرات طویل ہو جانے کے باوجود اندر سے کسی کی مداخلت کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ ہماری زبان سے جانو ماچھی کی موت کی خبر سن کر آگے بڑھانے والا، ان کا ساتھی، ڈیفنس میں ان ہی کے ہاتھوں مارا جا چکا تھا لیکن ہمیں یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ان کی کل نفری کتنی تھی؟ اور وہ کس حد تک مسلح تھے؟

"تم یہیں ٹھہرو، میں رائفل لے کر آتا ہوں۔" اس شخص کی آواز سنائی دی۔ میرے لئے یہ بات باعثِ حیرت تھی کہ چوکیدار کو خوں ریزی میں اپنا شریک کار بنانے کے باوجود وہ اسے اندر داخل ہونے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔

اس اثنا میں میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اندر والے جانو ماچھی کے ساتھی تھے اور ان کا براہ راست اس فیکٹری سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن چوکیدار اس شخص کے ایما پر جتنی آسانی کے ساتھ قتل اور خوں ریزی پر آمادہ ہو گیا تھا، اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ان دونوں میں کوئی ایسی قدر مشترک تھی کہ باہمی جان پہچان نہ ہونے کے باوجود بھی وہ ایک دوسرے کے معاون اور مددگار ثابت ہو رہے تھے۔ اس اعتبار سے فائن ٹمبر فیکٹری کا وہ چوکیدار بھی ڈاکوؤں، قاتلوں اور اغوا کنندگان کی صف میں شامل نظر آنے لگا تھا اور اگر میں صورتحال کو اپنی گرفت میں لینے کے لئے اسے مار بھی دیتا تو میرے دل پر ذرا بھی بوجھ نہ ہوتا۔

ان لوگوں کی تعداد میرے علم میں نہیں تھی، غزالہ ان کی قید میں تھی اور اس وسیع و عریض فیکٹری میں مکمل تاریکی کا راج تھا۔ قرب و جوار میں اگی ہوئی خودرَو جھاڑیوں میں جابجا جھینگر بول رہے تھے۔ بعض جگہ اس قدِ آدم اور بے ترتیب جھاڑ جھنکاڑ نے اتنا پھیلاؤ اختیار کر لیا تھا کہ اس میں بیک وقت کئی آدمی آسانی سے روپوش ہو سکتے تھے۔ اگر ایک بار ان سے کھلے تصادم کا آغاز ہو جاتا تو وہ خطرہ بھانپتے ہی، غزالہ کو ساتھ لے کر اس تاریک جنگل میں کہیں بھی پناہ لے کر پسپا ہوتے ہوئے دیوار پھاند کر فرار ہو سکتے تھے اور ہم ہوا میں اپنا اسلحہ برباد کر کے بھی ناکام و نامراد رہتے۔

چوکیدار اور اس نامعلوم شخص کے مذاکرات سے جو صورتحال بن رہی تھی، وہ کچھ امید افزا تھی۔ اس وقت تاریک میدان میں صرف نہتا چوکیدار ہی میرا مدِمقابل رہ گیا تھا۔

آوازوں کی بنا پر میں نے اس کی موجودگی کی سمت کا تعین کر لیا تھا پھر جھاڑیوں میں جگہ بنا کر تاریکی میں اس کا تاریک ترہیولا بھی دیکھ لیا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ کھلے تصادم کے آغاز سے پہلے ان میں سے ایک ایک کو گھیر کر ٹھکانے لگا دیا جاتا۔

جھاڑیوں میں پلے ہوئے چوہے، ان کے خونی تعاقب میں لگی ہوئی بلیاں اور خاصے حشرات الارض دوڑتے پھر رہے تھے، اس لئے مجھے اپنی پیش قدمی سے پیدا ہونے والی سرسراہٹوں کی کوئی فکر نہیں تھی۔ اس وقت میں پستول سے فائر کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا اس لئے میں نے اللہ کا نام لے کر بیم گن نکالی اور چوکیدار کی طرف بڑھنے لگا جو اندھیرے میں اپنی رائفل کا منتظر تھا۔

بیم گن بلا شبہ ایک بہت مہلک اور بے آواز ہتھیار تھا جس نے بہتیرے نازک مواقع پر میری مدد کی تھی مگر مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ ایک بار اس کا چارج ختم ہونے کے بعد اسے دوبارہ کارآمد بنانا میرے لئے ناممکن تھا۔ میں نے اسے کافی مدت سے استعمال نہیں کیا تھا لیکن مجھے پوری امید تھی کہ وہ ہتھیار کم از کم اس رات مجھے دغا نہیں دے گا جو غزالہ کے لئے غالباً اہم ترین رات تھی۔

میں جھاڑیوں میں اپنی راہ بناتا ہوا بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھا تھا کیونکہ اندر سے کسی کی واپسی سے پہلے مجھے اپنا کام پورا کرنا تھا۔ میرا ارادہ اسے رینج میں لے کر اس کے دل کے مقام پر بیم فائر کرنے کا تھا لیکن اس کی بدقسمتی کہ میں جوں ہی جھاڑیوں کے آخری سرے پر پہنچا، اس نے اچانک اپنی پوزیشن تبدیل کی اور میرے طرف پشت کر کے پھاٹک کی طرف دیکھنے لگا جہاں اندھیرے میں ہمارا ٹرک موجود تھا۔

میں نے فوراً ہی جھاڑیوں سے نکل کر پنجوں کے بل میدان میں اس کی طرف دوڑ لگا دی۔ چشم زدن میں عقب سے اس کے قریب پہنچ کر میں نے دل کے مقام پر ایک ڈیڑھ انچ کے فاصلے سے فائر کیا۔ بیم گن کے نوزل سے مہلک نیلگوں شعاع اس کی جلد، گوشت اور ہڈیوں کو راکھ کرتی ہوئی اس کے دل سے گزر گئی۔ اسے چونکنے یا کسی ردعمل کا اظہار کرنے کا موقع تک نہیں مل سکا۔ نیلگوں شعاعیں بیم گن کے نوزل سے نکلنے کے بعد کسی بھی وجود سے ٹکراتے ہی پھیلاؤ اختیار کر لیتی تھیں، اس لئے لمحہ بھر کی اس شرر باری نے شاید اس کے پورے دل کو ہی راکھ کر ڈالا تھا۔ وہ جس طرح کھڑا ہوا تھا، اسی طرح، ہلکی سی دھمک کے ساتھ زمین پر آرہا۔ میں نے بیم گن بائیں ہاتھ میں تھامی اور داہنے ہاتھ سے اس کی ایک ٹانگ پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا جھاڑیوں کی طرف

لے چلا تاکہ آنے والے کو اس کے عبرت ناک انجام کا پتا نہ چل سکے۔

وہ سب بہت قلیل سے وقفے میں ہوا مگر اس دوران میں سنسنی اور بے یقینی کی وجہ سے میرا دل پوری رفتار سے کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔ اس مختصر سے مقابلے میں قویٰ اور اعصاب دونوں ہی پر شدید دباؤ پڑا تھا لیکن میں پوری بے خوفی کے ساتھ اگلے راؤنڈ کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

چند ثانیوں بعد شیڈ کی جانب سے رائفل بردار نمودار ہوا۔ چوکیدار کو ٹھکانے لگانے کے بعد اس کے استقبال کے لئے میں نے زیادہ بہتر پوزیشن لے لی تھی اور اس وقت وہ براہِ راست میری نظروں میں تھا۔

ویران فیکٹری کا تاریک پھاٹک وہاں سے کافی دور تھا' اس لئے وہ بے پروایانہ انداز میں باہر آیا تھا۔ ایک جگہ رک کر اس نے چند ثانیوں تک انتظار کیا پھر شیر خان کو آواز دی جو زندگی اور اس کے تمام تر تکلفات سے بے نیاز ہو کر جہنم واصل ہو چکا تھا۔

شیر خان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر اس نے فوراً ہی زمین پر سینے کے بل لیٹ کر اپنی رائفل سیدھی کر لی۔ وہ ایک رسوائے زمانہ ڈاکو کا قریبی ساتھی تھا اس لئے خطرہ بھانپتے ہی اس کی ساری حیوانی جبلتیں یک بیک روبہ کار آگئی تھیں۔

میں نے اپنے قدموں میں سے ایک پتھر اٹھا کر مخالف سمت میں' جھاڑیوں میں اچھال دیا۔ تیز اور دھیمی سرسراہٹوں میں پتھر گرنے کی آواز بہت نمایاں تھی۔ وہ بجلی کی سی سرعت سے زمین پر پیٹ کے بل گھوما تھا اور اس نے پتھر گرنے والی جگہ پر فائر کر دیا۔

اس وقت میرا کوئی ارادہ یا منصوبہ نہیں تھا۔ بس میں اپنا پستول سنبھال چکا تھا لیکن جوں ہی فضا میں رائفل کا پُر ہول دھماکا گونجا' میں ایک لمحاتی فیصلے کی تحت پوری قوت سے یوں چیخ پڑا جیسے گولی نے میرا بدن اُدھیڑ ڈالا ہو۔ دھماکے کی گونج ختم ہونے سے پہلے ہی میں خاموش ہو چکا تھا۔

وہ واقعات اتنے تواتر سے رونما ہوئے کہ اس کھلے میدان میں اسے قطعی اندازہ نہیں ہو سکا کہ انسانی چیخ اُدھر سے نہیں ابھری تھی جدھر اس نے فائر کیا تھا۔ اس کے دماغ پر بس یہ نشہ سوار ہو گیا کہ اس کا نشانہ بے خطا ثابت ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی بے احتیاطی کے ساتھ زمین سے اٹھ کر اس طرف دوڑ لگا دی' جدھر اس نے رائفل چلائی تھی۔

فائر اور چیخ کے ساتھ ہی ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ شیڈ کی طرف سے کچھ ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے چند لوگ آپس میں لڑ پڑے ہوں یا دھما چوکڑی مچا رہے ہوں۔

دوسری طرف میرے ساتھیوں میں بھی تشویش کی لہر دوڑ گئی تھی اور وہ تینوں تیزی سے اس طرف بھاگے چلے آ رہے تھے۔

اس ڈاکو کے دیدہ دلیرانہ فائر نے میرے ارادوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ روپوش رہ کر ان لوگوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرنے کے بجائے اب کھل کر مقابلہ کرنا ضروری ہو چکا تھا۔

اپنے متوقع شکار تک رسائی کے وحشیانہ جنون میں وہ رائفل بردار ڈاکو جوں ہی دوڑتا ہوا میری زد میں آیا' میں نے پستول سیدھا کر کے اس پر گولی داغ دی۔

اس بار وہ غضبناک انداز میں چیخا تھا۔ اندھیرے میں بھاگتے ہوئے شکار کا بالکل صحیح نشانہ لینا کسی ماہر ترین نشانے باز کے لئے بھی ممکن نہیں ہوتا' اس لئے میری گولی اسے کوئی مہلک زخم نہیں لگا سکی تھی البتہ زخمی ہوتے ہی وہ رائفل پھینک کر شیڈ کی طرف دوڑ پڑا تھا۔

میں نے اپنی کمین گاہ چھوڑ کر رائفل پر قبضہ کر لیا۔ اس کے دستے پر تازہ خون کی چپچپاہٹ سے اندازہ ہوا کہ میری گولی نے شاید اس کا شانہ زخمی کر دیا تھا' اس لئے وہ رائفل اور کارتوسوں کی پیٹی پھینک کر وہاں سے فرار ہونے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"شیر خان! ادھر گولیاں کیوں چل رہی ہیں؟ کون کون زخمی ہوا ہے؟" دور ہی سے جہانگیر کی وحشت زدہ بلکہ ہذیانی آواز سنائی دی۔

اسی لمحے شیڈ کے اندر گولی چلی اور ایک مردانہ چیخ سنائی دی اور میں مضطرب ہو گیا۔

غزالہ کے ہاتھ اسلحہ لگ گیا تھا یا پھر ان ہی میں سے کسی نے بوکھلاہٹ میں اپنے کسی ساتھی کو زخمی کر دیا تھا لیکن یہ امر یقینی تھا کہ اندر بھی مزاحمت اور مقابلے کا آغاز ہو گیا تھا۔

"شیر خان بھاگ گیا۔" میں نے اونچی آواز میں کہا۔ "سنبھل کر آنا' ورنہ گولیوں کا نشانہ بن جاؤ گے۔"

میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی شیڈ کی طرف سے تڑاتڑ گولیاں چلنے لگیں۔ وہ واضح طور پر دو عدد خود کار کلاشنکوف رائفلیں تھیں جو نیم دائرے کی صورت میں شیڈ کے سامنے والے پورے علاقے کو کور کر رہی تھیں۔ میں فائرنگ کی ابتدا ہوتے ہی جھاڑیوں میں لیٹ گیا اور اندازے کی بنا پر شیڈ کے داخلی راستے کی طرف رائفل چلا دی لیکن وہ فائر رائیگاں گیا۔

اس کھلے مقابلے میں نہ پستول کارآمد تھا' نہ ہی بیم گن کسی کام آ سکتی تھی۔ جدید اور خود کار اسلحے کی تباہ کن فائر پاور کے سامنے رائفل بھی ناکارہ ہو کر رہ گئی تھی۔ میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ میرے ساتھی بوکھلاہٹ میں اپنا اسلحے کا تھیلا ساتھ لانا نہ بھولے ہوں۔

ان لوگوں پر بھرپور جوابی حملہ کئے بغیر نہ ہم انہیں زیر کر سکتے تھے اور نہ فرار ہونے سے روک سکتے تھے۔ ان کی طرف سے گولیوں کی تڑتڑاہٹ جاری تھی اور یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہم پوری طرح ان کے دباؤ میں آ گئے ہوں کہ اچانک مخالف سمت سے شیڈ پر خود کار سب مشین گن کا فائر شروع ہو گیا اور پہلے ہی ہلے میں حریفوں کی طرف سے ابھرنے والی دو چیخوں پر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔

وہ زخمی ہو چکے تھے اور انہیں ہراساں کرنے کے لئے یہی بات کافی تھی کہ ان کے حریف ان سے کسی طرح کم تر نہیں تھے۔ اس سے قبل شیر خان سے مذاکرات کرنے والا میرے ہاتھوں زخمی ہو چکا تھا۔ رفتہ رفتہ صورتحال واضح ہوتی جا رہی تھی۔ مقابلے میں براہ راست شریک نہ ہونے کی وجہ سے میں نے اپنی پوری توجہ ان کی نفری کے تعین پر مرکوز کر رکھی تھی اور اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ اس وقت جانو ماچھی کے کم از کم چار آدمی ہمارے سامنے صف آرا تھے۔ غزالہ کی نگرانی پر مامور افراد ان کے علاوہ ہو سکتے تھے۔ جبکہ پانچویں کو وہ خود ڈیفنس میں جہنم واصل کر آئے تھے۔

دونوں طرف سے دھواں دھار فائرنگ ہو رہی تھی۔ جانو ماچھی کے ساتھی شیڈ میں محبوس ہو کر رہ گئے تھے۔ سامنے کے رخ سے باہر آنا ان کے لئے ممکن نہیں رہا تھا لیکن میں بھی گولیوں کی شدید برسات میں اپنے ساتھیوں تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اپنے پاس مناسب اسلحہ نہ ہونے کی وجہ سے میں اس مقابلے میں مزید کوئی رول ادا کرنے سے قاصر ہو کر رہ گیا تھا اس لئے میں نے وہیں دبک کر وقت ضائع کرنے کے بجائے شیڈ کے عقبی حصے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

اس طرف شیڈ کی خستہ حال دیواریں تقریباً زمین بوس ہو چکی تھیں اور چھت کو سہارنے والا ڈھانچا آہنی ستونوں پر رکا ہوا تھا۔ شیڈ کی گری ہوئی دیواروں سے چند فٹ کے فاصلے پر احاطے کی دیوار تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جانو ماچھی کے آدمی اس طرف سے غافل تھے۔

اس طرف کسی کے موجود نہ ہونے کا پورا یقین کر لینے کے بعد میں شیڈ کی طرف بڑھا تو فضا جلے ہوئے بارود کی بو سے بوجھل ہو رہی تھی اور فائرنگ کے آتشیں انعکاس سے پہلی ہی نظر میں ان چاروں کی پوزیشنیں میری نظروں میں آ گئیں۔ اندر گہرا اندھیرا تھا لیکن چند ثانیوں بعد' جب میری

آنکھیں اس اندھیرے کی عادی ہوگئیں تو مجھے اس وسیع وعریض ہال میں بے جان مشینوں کے کئی دیو ہیکل ڈھانچے ایستادہ نظر آئے جن میں سے ایک آدھ ان ڈاکوؤں سے اتنا قریب تھا کہ میں اس کی آڑ لے کر ان پر اپنی بیم گن آزما سکتا تھا۔ اس ڈھانچے کی طرف بڑھتے ہوئے میں پوری طرح مستعد تھا۔ چار ڈاکو میری نظروں کے سامنے تھے لیکن غزالہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

وہ ان عورتوں میں سے نہیں تھی جو ایسے دشوار حالات میں خود کو تقدیر کے حوالے کرکے ایک گوشے میں سر جھکائے بیٹھی رہتی ہیں۔ جانو ماچھی کے آدمیوں نے مقابلہ شروع ہوجانے کے بعد یا تو اسے بے ہوش اور یا بے بس کرکے کسی کونے میں ڈال دیا تھا یا ان کا کوئی ساتھی غزالہ کی نگرانی پر مامور تھا۔ میرے لئے ہر دو صورتوں میں غزالہ تک پہنچنا بہت اہم تھا مگر اس کی فکر میں پڑ کر میں ان چاروں کو ڈھیل نہیں دے سکتا تھا۔

ان چاروں کی مسلسل فائرنگ کی وجہ سے شیڈ کوئی زیرِ زمیں دمدمہ محسوس ہو رہا تھا جہاں ہوا کا مناسب گزر نہ ہونے کی وجہ سے گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔

میں نے ایک آرا مشین کی اوٹ میں پوزیشن لے کر پستول بائیں ہاتھ میں سنبھالا اور بیم گن سے قریب ترین حریف کی کھوپڑی کا نشانہ لے کر ٹریگر دبادیا۔

شیر خان تو دل راکھ ہوتے ہی حیرت ناک سرعت کے ساتھ بے حس و حرکت ہوکر گر گیا تھا مگر کھوپڑی پر بیم گن کی مہلک، نیلگوں دھار کھانے والا اچانک ہی اپنی جگہ لٹو کی طرح تیزی سے گھوما۔ اس کی کلاشنکوف پُر شور آواز کے ساتھ زمیں پر گری اور پھر وہ بھی ایک دھماکے کے ساتھ دور جاگرا۔

ٹریگر چھوڑتے ہی شعاعیں معدوم ہوگئیں لیکن میرے اس فائر کی وجہ سے شیڈ کی تاریک فضا میں لمحے بھر کے لئے پراسرار سی نیلی روشنی پھیل گئی جس نے باقی تینوں کو چونکا دیا اوران کی فائرنگ کے تسلسل میں غیر ارادی طور پر خلل واقع ہوگیا۔

پھر انہوں نے اپنے ساتھی کو پھرکی کی طرح ناچ کر گرتے دیکھا تو غالباً ان کے حواس باختہ ہوگئے۔ گرنے والے کی ناک اور حلق سے چند ثانیوں کے لئے خوفناک آوازیں برآمد ہوئیں اور وہ بے حس و حرکت ہوگیا۔

"کالو.... کالو! کیا ہوا؟" شیڈ میں ان تینوں کی ملی جلی خوف زدہ آوازیں ابھریں۔

اسی لمحے میں نے اندھیرے میں تاک کر دوسرے کے سینے پر بیم گن فائر کردی۔

بقیہ دونوں اسے ڈھیر ہوتا دیکھ کر بوکھلا گئے۔ ایک پلٹ کر بھاگا۔ دوسرے نے میری کمین گاہ کی طرف برسٹ مارا۔ ساری گولیاں مشین کے زنگ خوردہ مگر مضبوط فولادی ڈھانچے سے ٹکرا کر اچٹ گئیں۔

بھاگنے والا جوں ہی میری زد میں آیا، بیم گن کی شعاعیں اس کے پیٹ میں اترتی چلی گئیں اور وہ وہیں زمین پر گر کر کسی ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح چیخنے لگا۔

وہ تینوں ڈاکو آناً فاناً میں چت پٹ ہوئے تھے، اس لئے اکیلا رہ جانے والا بری طرح بدک کر شیڈ سے نکاسی کے راستے کی طرف بھاگا۔ شاید گولیوں سے زیادہ وہ بے آواز شعاعوں سے دہشت زدہ ہوگیا تھا لیکن جوں ہی وہ دیوار کی اوٹ سے نکل کر نکاسی والے خلا کے سامنے پہنچا، باہر سے آنے والی گولیوں کی بوچھاڑ نے اس کے وجود کو چھلنی کرکے اندر اچھال دیا اور وہ بھی درد ناک چیخوں کے ساتھ تڑپنے لگا۔

اس دوران میں اندر کہیں سے، کوئی مداخلت نہیں ہوئی تھی۔ دو حریف ٹھنڈے ہوچکے تھے اور دو زخمی ہوکر موت کی دہلیز پر ایڑیاں رگڑ رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ اندر ان کا کوئی ہمدرد یا ساتھی باقی نہیں رہا تھا جو ان کی مدد کو آتا۔

غزالہ اگر وہاں تھی تو بے ہوش یا بے دست وپا تھی جسے فوراً تلاش کرنا ضروری تھا۔

"فائرنگ بند کردو، ادھر قصہ ختم ہوگیا۔" میں نے وہیں سے چیخ کر باہر والوں کو ہدایت جاری کی اور چیختی چنگھاڑتی فضا پر یکلخت ایک ہولناک سناٹا چھا گیا۔

اس سناٹے میں دم توڑتے ہوئے، دونوں زخمیوں کی دلدوز چیخیں عجیب وحشتناک سماں باندھ رہی تھیں۔ میں نکاسی والے خلا کے سامنے آیا تو وہ تینوں دوڑتے ہوئے اسی طرف آرہے تھے۔

آتے ہی ان تینوں نے مجھ پر سوالات کی یلغار کردی۔ ان کے لئے میری اندر موجودگی، سرے سے ناقابلِ فہم ثابت ہوئی تھی لیکن میرے لئے اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

"اندر غزالہ کو تلاش کرو۔" میں نے سرد لہجے میں انہیں ہدایت کی۔ "چوکیدار یہاں رہتا تھا اس نے اپنے لئے کوئی نہ کوئی بلب وغیرہ ضرور لگا رکھا ہوگا جسے ان لوگوں نے دانستہ بجھا رکھا ہے۔ روشنی میں ہم اپنا کام تیزی سے نمٹا سکیں گے۔"

وہ تینوں اندر پھیل گئے۔ اس اثنا میں گولیوں سے زخمی ہونے والا ڈاکو بھی سسک سسک کر دم توڑ چکا تھا اور فضا میں صرف اس شخص کی کراہیں باقی رہ گئی تھیں جس کا پیٹ بیم

گن نے چھید ڈالا تھا۔

میں تیزی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ وہ کرب اور نیم غشی کے عالم میں بری طرح مدد کے لئے کراہ رہا تھا۔ میں نے اس کے جسم کو سہارا دیا تو وہ بالکل خشک تھا۔

بیم گن کی خوبی یا خرابی یہی تھی کہ اس سے کوئی ایسا زخم نہیں آتا تھا جس سے خون یا کوئی اور سیال بہہ سکے۔ نیلگوں شعاعیں اپنی راہ میں حائل ہونے والی ہر شے کو جلا کر یوں بھسم کرتی تھیں کہ زخم کے سرے جلے ہوئے ریشوں کے سبب سے خود بخود بند ہو جاتے تھے۔

"تمہیں بچالیا جائے گا مگر پہلے یہ بتاؤ کہ لڑکی کہاں ہے؟" میں نے اس کے رخسار پر زور زور سے تھپڑ مارتے ہوئے سوال کیا۔

"لل.... لڑکی نے ہم سب کو مروادیا۔" وہ ہکلاتا ہوا کرب ناک آواز میں کراہا۔ "سائیں جانو اب اسے اپنی سیج پر لے جانے کے بجائے مروا دے گا....."

"فضول باتیں نہ کرو، تم خطرناک حد تک زخمی ہو۔ دیر ہو گئی تو مرجاؤ گے۔ یہ بتاؤ کہ لڑکی اب کہاں ہے؟ اس کے بعد ہم تمہاری دیکھ بھال کرسکیں گے۔"

"مجھے بچالو..... میں ابھی نہیں مرنا چاہتا۔" وہ تڑپ کر میرے ہاتھوں سے نکل گیا۔ "پہلا فائر ہوتے ہی اسے سائیں مراد اپنی ساتھ لے کر پیچھے سے دیوار پھاند کر نکل گیا تھا...." پھر کرب اور مایوسی کے عالم میں شاید مجھے اپنی باتوں کا یقین دلانے کے لئے اس نے اچانک انگریزی بولنا شروع کردی۔ "میں کامرس کا گریجویٹ ہوں۔ کسی وڈیرے نے میری کوئی مدد نہیں کی، ہم سب بھوکوں مر رہے تھے..... میں مجبور ہو کر سائیں جانو کا ساتھی بنا تھا۔ سائیں بہت گریٹ ہے۔ اسے اس کی نیکیوں کا اجر اللہ سائیں دے گا مگر اپنی زمین پر قانون، اس کے اور اس کے ساتھیوں کے خون کا پیاسا ہے..... تم مجھے بچالو، میں سائیں کو چھوڑ دوں گا...."

زخمی حریف کے چہرے پر تیزی کے ساتھ موت کی زردی پھیلتی جارہی تھی، اس کی آنکھیں پپوٹوں میں چڑھ چکی تھیں۔ مہلک شعاعوں نے شاید اس کا مثانہ، گردے اور آنتیں تباہ کردی تھیں کیونکہ فائر اس کے پیٹ کے نچلے حصے پر پڑا تھا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے اجل کے بے رحم ہاتھوں سے نہیں بچا سکے گی۔

"سائیں مراد کہاں ملے گا؟" میں نے اس کے قریب پہنچ کر سوال کیا۔

اس کے لبوں کو جنبش ہوئی لیکن کوئی آواز برآمد نہیں ہوئی، اس لمحے اس کا سانس اکھڑنا شروع ہو گیا تھا اور اس کے نتھنوں سے بھیانک آوازیں برآمد ہونے لگی تھیں۔

میں نے بہت کوشش کی کہ اس لب دم حریف کی زبان سے غزالہ اور سائیں مراد کے بارے میں کام کی کوئی بات اگلوا سکوں لیکن مجھے اپنی اس کوشش میں ذرا بھی کامیابی نہ ہو سکی اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے زندگی کی شدید ترین آرزو میں دم توڑ دیا۔

میں ایک گہرا سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ جانو ماچھی کے چار اہم اور قابل اعتماد ساتھی ہمارے ہاتھوں ذرا سی دیر میں موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے تھے لیکن میرے نزدیک ہماری وہ پوری رات بری طرح ناکام ہوئی تھی اور ہم اپنے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

ابتدا غیر ملکی سفارت کار، کرنل میش پال سے ہوئی تھی جسے سلطان شاہ بڑی محنت سے اسلام آباد سے اغوا کر کے لایا تھا۔ اس سے میں بلیک کیٹ ٹی کا سراغ حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن کرنل نے اس موضوع پر بات کرنے سے ہی انکار کردیا تھا۔ اس سے ہم بمشکل صرف اتنا معلوم کرسکے کہ جانو ماچھی کے ساتھی کراچی میں کہاں کہاں روپوش ہو سکتے تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ بعد میں اس پر تھرڈ ڈگری آزما کر اسے بلیک کیٹ کے معاملے میں زبان کھولنے پر مجبور کردیا جائے لیکن کرنل نے میرا ارادہ بھانپ کر غسل خانے کے باتھ روم میں ٹوٹے ہوئے شیشے سے اپنی شہ رگ کاٹ کر میری کامیابی کی راہ مسدود کردی۔

اسی طرح غزالہ کی بازیابی کی کوششوں میں بھی مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ جانو ماچھی کے آدمی پہلے ایک آدمی کا نقصان اٹھا کر اپنے ڈیفنس والی کمین گاہ کے زیرزمین راستے سے فرار ہوئے پھر اب فائر نمبر فیکٹری سے بھی سائیں مراد غزالہ کو نکال کرلے گیا تھا۔ گو اس مرتبہ میں جانو ماچھی کے پانچ آدمی مارے گئے تھے لیکن میرے نزدیک یہ ہماری کوئی کامیابی نہیں تھی۔ غزالہ کے نکال لے جانے کی وجہ سے ہمارا مشن ناکام رہا تھا۔

اسی اثنا میں وہ تینوں بھی اس شیڈ کے جائزے سے فارغ ہو کر میرے پاس لوٹ آئے۔ آتے وقت انہیں اندھیرے کی وجہ سے علم نہیں ہو سکا تھا کہ حریفوں کا اسلحہ خاموش کرانے کے لئے انہیں کتنی خونریزی کرنی پڑی تھی۔ وہ ان دونوں سے ہی باخبر تھے جو ان کے آتے ہوئے، زخمی حالت میں، بری طرح کراہ رہے تھے اس لئے تینوں نے ہی ان چار لاشوں کو حیرت سے دیکھا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ڈاکوؤں کے آنے سے پہلے بھی لوگ موجود تھے۔" جہانگیر نے باری باری ان چاروں لاشوں کا جائزہ لیتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"لیکن پھر بھی ان میں فیکٹری کا چوکیدار شامل نہیں ہے۔" ... بھی ان چاروں کو الٹ پلٹ کر ان کے چہروں کی شناخت کرنے

کوشش کر رہی تھی۔

"اس کی لاش باہر جھاڑیوں میں پڑی ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "یہیں رک کر لاشیں تلاش کرتے رہے تو جلد ہی پولیس رنگے ہاتھوں ہمیں گرفتار کرلے گی۔ سناٹے میں دھواں دھار فائرنگ کی آوازیں بہت دور تک سنی گئی ہوں گی۔"

"چلو۔" میرے یاد دلاتے ہی سب کے ذہنوں میں صورتحال کی سنگینی واضح ہوگئی اور ہم افراتفری کی حالت میں وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

اس وقت ہمارے سامنے دو راستے تھے۔ فیکٹری کے احاطے کی دیوار، کہیں سے بھی عبور کرکے پیدل ہی کسی طرف سے فرار ہو جاتے لیکن اس صورت میں ایک خرابی یہ تھی کہ وہ علاقہ ہم میں سے کسی کا دیکھا بھالا نہیں تھا اور ہمیں بالکل اندازہ نہیں ہو پاتا کہ ہم کدھر سے بچ کر نکل سکیں گے اور کس سمت میں خود ہی شب بیدار پولیس والوں کے سامنے جا کھڑے ہوں گے۔ دوسری راہ بھی پرخطر ہی تھی مگر وہ نسبتاً قابلِ عمل تھی اس لئے ہم تیزی کے ساتھ پھاٹک پر کھڑے ہوئے ٹرک پر جا پہنچے۔

فائرنگ کے تیز شور سے اس علاقے میں بیداری کی لہر ضرور دوڑ گئی تھی لیکن مزدوروں یا کئی منزلہ فلیٹوں میں رہنے والوں میں سے کسی نے باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لیا تھا۔ پھر کھلے میدان میں گولیوں کی گونج کی وجہ سے شاید کسی کو اندازہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ فائرنگ کہاں ہوئی تھی۔

سلطان شاہ نے کسی ماہر اور پیشہ ور ڈرائیور کی طرح پھرتی کے ساتھ، لکڑی سے لدا ہوا ٹرک اسٹارٹ کیا۔ میں نے پھاٹک کھولا اور ٹرک گھوم کر باہر نکل گیا۔ میں بھی سالخوردہ چوبی پھاٹک بند کرکے باہر نکلا اور رینگتے ہوئے ٹرک کے پائیدان پر لٹک کر اپنی نشست پر پہنچ گیا۔ میرے سوار ہوتے ہی ٹرک نے رفتار پکڑلی۔ واپسی کے اس سفر میں بھی ہماری جگہیں وہی رہی تھیں جو ہم نے وہاں آتے ہوئے سنبھالی تھیں۔

اس گنجان علاقے میں سڑکوں کے کنارے لگے ہوئے گھنے درختوں سے پرندوں کی چہکار سنائی دینے لگی تھی۔ آسمان کے مشرقی گوشوں پر ہلکی ہلکی سفیدی نمودار ہو چلی تھی جس کا مطلب تھا کہ ہم نے وہ پوری رات ہی جانو ماچھی کے آدمیوں کے خوں ریز تعاقب میں گزار دی تھی۔

○○

کرنل میش پال کی گردن کاٹ کر، اس کی لاش پر سے لباس اتار کر اسے ٹھکانے لگانے کا پروگرام ابتدائی مرحلے پر ہی ناقابلِ عمل ثابت ہوا کیونکہ کرنل یقینی طور پر روایتی اور کٹر ہندو ثابت ہوا تھا۔ اس کی بے لباس لاش سے اس کا دھرم سامنے آتے ہی اس کو شناخت کرلیا جانا یقینی ہو جاتا جبکہ میں ایسا کوئی بکھیڑا نہیں پھیلانا چاہتا تھا۔

میری نظروں میں وہ ناقابلِ معافی مجرم تھا اور ایک پاگل کتے کی طرح، اپنے ہاتھوں خود ہی اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا، اس لئے اسے گمنامی کے عالم میں کہیں مفقود الخبر ہو جانا چاہئے تھا۔ ایک مردہ دشمن کی لاش سے گردن کاٹ لینے کے علاوہ مزید کسی اقدام پر میرا دل مائل نہ ہوا اور آخر کار ویرا کے مشورے پر کراچی کے جنوب مشرقی ساحل پر اس سمندری علاقے میں لاش کو بھاری پتھروں سے باندھ کر پانی میں پھینک دینے کا فیصلہ کرلیا گیا جہاں سمندر میں ہر وقت گوشت خور مچھلیوں اور خونی مگرمچھوں کی موجودگی کی کہانیاں سننے میں آتی تھیں۔ اس علاقے میں پانی پر ابھرنے سے پہلے ہی کرنل میش پال کا استخوانی ڈھانچا ناقابلِ شناخت ہو کر رہ جاتا۔

صورتحال اتنی وحشت انگیز تھی کہ رات بھر کی تکان اور بھاگ دوڑ کے باوجود ہم چاروں میں سے کوئی بھی سونے کی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکا اور چند گھنٹوں تک بستروں پر کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد ہم ایک ایک کرکے جہانگیر کے ڈرائنگ روم میں جمع ہوگئے جہاں ویرا سب سے پہلے، اعصابی سکون کے لئے اسکاچ کا ایک لارج پیگ لئے سگریٹ نوشی میں مصروف تھی۔

غزالہ اس وقت ہم سب کے ذہنوں پر سوار تھی۔ جانو ماچھی کے آدمی اپنے دونوں معتبر ٹھکانوں پر بری طرح ناکام ہو کر موت کے گھاٹ اتر چکے تھے، اس لئے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ مراد اسے لے کر کہاں روپوش ہوا ہوگا۔

"بہت غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اب ہمیں غزالہ کے بارے میں زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" ویرا نے اپنے گلاس سے ایک ہلکی سی چسکی لے کر کہا۔

"چوہا رات بھر شراب کے مٹکے میں ڈبکیاں کھانے کے بعد، صبح کو مشکل سے باہر آنے میں کامیاب ہوا تو اس کے ننھے سے ذہن میں بھی ایسے ہی نادر خیالات اُگنے شروع ہوگئے تھے۔" سلطان شاہ نے ویرا کو یکسر نظر انداز کرکے براہ راست مجھ سے کہا۔ "ایک رائے یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ مراد، غزالہ کو اپنے ساتھ لے گیا اور وہ ہمارے ہاتھ نہیں آسکی۔ ہو سکتا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ زیادہ محفوظ نہ ہوتی....."

"پی میں رہی ہوں لیکن نشہ تمہارے گھر کے چوہوں کو چڑھ رہا ہے۔" ویرا اس کے تبصرے پر چڑے بغیر ترکی بہ ترکی جہانگیر سے مخاطب ہوگئی۔ "مجھے تو یہ سوچ کر ہی ہول آرہے ہیں کہ غزالہ چھ وحشی درندوں کی قید میں تھی۔ اگر جانو ماچھی نے اس کے لئے اپنی پسند کا اظہار نہ کیا ہوتا تو وہ بھیڑیے، نجانے اس کا کیا حشر کرتے۔ ایک کو انہوں نے صدمے کے عالم میں خود بھون ڈالا۔ چار کو ہم نے

ٹھکانے لگادیا' اب غزالہ کا واسطہ صرف مراد سے ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ برابر کے اس مقابلے میں کسی نہ کسی طرح فاتح ہو کر نکلے گی... مجھے معلوم ہے کہ انگلینڈ میں میرے آدمیوں کی تحویل سے نکل بھاگنے کے بعد اس نے اپنا پیچھا کرنے والوں کو کیا تگنی کا ناچ نچایا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم جہانگیر کے ساتھ کرنل کی لاش کو ٹھکانے لگا آؤ۔" میں نے ویرا کی بات کا وزن محسوس کرتے ہوئے سلطان شاہ کو وہاں سے ٹالنے کی نیت سے کہا۔" گھر میں لاش کو زیادہ دیر تک لئے بیٹھنا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس دوران میں میں سوچتا ہوں کہ ہمیں کیا کرنا ہو گا؟"

"کرنل کے سفارتخانے کا کراچی میں کاؤنسلیٹ بھی ہے۔" سلطان شاہ نے تلخ لہجے میں کہا۔" اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ غزالہ کے اغوا میں براہِ راست نہ سہی، لیکن بالواسطہ طور پر یہ لوگ بھی ملوث تھے تو تم دیکھ لینا کہ میں ان لوگوں کا کیا حشر کرتا ہوں۔ تم مراد اور بلیک کیٹ ٹی کو ڈھونڈتے رہ جاؤ گے اور میں اس عمارت کو کھنڈر میں تبدیل کر دوں گا۔ اب یہ معاملہ میری برداشت سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔"

میں نے سرد نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔" میری اجازت کے بغیر تم ایسی کوئی کارروائی نہیں کرو گے۔ اپنے ایک ذاتی معاملے کے لئے میں اپنے ملک اور حکومت کے لئے کوئی سنگین سفارتی جھگڑا کھڑا کرنا نہیں چاہتا۔"

وہ زہریلے انداز میں ہنستا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور بولا۔" تم حکومت کی فکر میں دبلے ہوتے رہو۔ حکومت کو تمہاری اور تم جیسوں کی کوئی فکر نہیں ہے۔ روز اغوا ہو رہے ہیں' ڈاکے پڑ رہے ہیں' ڈنکے کی چوٹ پر لاکھوں اور کروڑوں کا زرِ تاوان' جرم نہیں بلکہ حق سمجھ کر طلب کیا جا رہا ہے۔ خود غزالہ کو جانو ماچھی تھانے دار کو بھاری رشوت دے کر حوالات توڑ کر اغوا کر کے لے بھاگا' قانون اور حکومت نے تمہارے یا غزالہ کے لئے کیا کر لیا؟"

"تمہیں یہ لاف و گزاف زیب نہیں دیتی۔" مجھے اس کا اندازِ گفتگو پسند نہیں آیا تھا۔" تمہیں معلوم ہے کہ امن و امان تباہ کرنے اور لوگوں میں مایوسی پھیلانے کے لئے بیرونی طاقتیں مقامی تخریب کاروں سے مل کر کیا کچھ کر رہی ہیں... کرنل مہیش کمار اسی سلسلے میں تمہارے ہاتھ آیا ہے' ورنہ اسے اسلام آباد سے کراچی آکر کورنگی کی دھول پھانکنے کی کیا ضرورت تھی....؟"

ویرا نے فوراً ہی میری بات پکڑ لی۔" اب بار بار کورنگی کا ڈھول نہ بجاؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ کرنل کے اغوا کے سلسلے میں تمہارے دل میں چور رہے' اسی لئے تم بار بار اس کی صفائی پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔" اس نے منہ بنا کر کہا تھا۔" جب میں اس بارے میں تم سے کوئی بات نہیں کر رہی تو تم کو بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں چھیڑنا چاہئے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے ڈھٹائی کے ساتھ کہا۔" کورنگی نہ سہی' اسے اسلام آباد سے ہی اٹھایا گیا مگر اہم بات جو میں سلطان شاہ کو سمجھانا چاہ رہا ہوں' وہ یہ ہے کہ ہم یا وہ خود اس کی طرف کیوں متوجہ ہوا تھا؟ جانو ماچھی تو مقامی تخریب کاروں اور ملک دشمنوں کی ایک علامت ہے اور سارا قصہ ایسی قوتوں کے گھناؤنے گٹھ جوڑ کا ہے اگر ہم جذبات کی رَو میں بہہ کر کوئی مجنونانہ انتقامی کارروائی کر گزرے تو یوں سمجھنا چاہئے کہ کرنل مہیش پال مرنے کے باوجود اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا ہے۔"

"جرم صرف جرم ہوتا ہے' اس کا بھی کوئی فلسفہ نہ ہوتا ہے اور نہ گھڑا جا سکتا ہے۔" سلطان شاہ نے سر جھٹک کر کہا۔" اصل بات یہ ہے کہ مجرموں کے مقابلے میں ہم بھی کچھ نیک نام نہیں۔ جرم کو مٹانے کے لئے ہم خود مجرم بنے ہوئے ہیں کیونکہ لوہے کو صرف لوہا ہی کاٹ سکتا ہے لیکن تم اپنے جرائم کے ارتکاب میں فلسفہ لے آتے ہو جو میری سمجھ سے بالاتر بات ہے۔ یہ تمہارے اپنے طریقے ہیں۔ مجھ سے جو چاہتے ہو' وہ میں کرتا ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ جہانگیر کی طرف متوجہ ہو گیا۔" آؤ جی! ہم دونوں اپنے کام پر چلتے ہیں۔ یہ دونوں' ایک دوسرے کی بات آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری واپسی تک ذہنی معقولیت کے انداز میں سوچنے لگے۔ فی الحال تو یہ ملک اور قوم پر ہم سب کو قربان کرنے کے موڈ میں نظر آتا ہے۔"

ان دونوں کے وہاں سے چلے جانے تک ویرا سنجیدگی کے ساتھ' خاموش بیٹھی رہی لیکن ان کے جاتے ہی دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔" تمہارے ساتھ رہ کر کل کلیہ گونگا بھی اب خوب بولنے لگا ہے۔"

"وہ صحیح کہہ رہا ہے" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔" میرے مقابلے میں وہ کم عمر اور نوجوان ہے' اس لئے حالات کا اثر فوراً قبول کرتا ہے۔ حالات مسلسل بگڑتے چلے جائیں اور ان کے سدھار کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو معاشرے میں اجتماعی مایوسی اور بددلی اسی طرح سرایت کرتی چلی جاتی ہے اور یہ بھی مایوسی کا پہلا مرحلہ ہے۔ اس کے بعد والا مرحلہ تباہ کن ہوتا ہے جب امن پسند اور پڑھے لکھے لوگ بھی اپنی مسلسل مظلومیت سے تنگ آکر ہتھیار اٹھانے اور سرکشی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کرنل مہیش پال اور اس کے حواری' دراصل ہمیں اسی راہ پر دھکیل رہے ہیں۔"

"خدا کی پناہ!" وہ حیرت سے بولی۔" اس وقت تو تم واقعی کوئی راہب یا مصلح نظر آ رہے ہو۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ان معاملات میں اب تم اس قدر حساس ہو چکے ہو۔"

"یہ آج کی بات نہیں ہے' میں ہمیشہ سے اسی قدر حساس رہا

ہوں۔"
"اور اسی وجہ سے تم شی سے باغی ہوئے ہو؟" اس نے میری بات میں ٹکڑا لگایا۔
"حالات کے جبر سے مجبور ہو کر میں نے شی میں شمولیت اختیار کی تھی۔" میں نے اعتراف کیا۔ "لیکن جب میری ضروریات پوری ہونے لگیں تو میرا ضمیر کچوکے لگانے لگا ..."
"یہی بات تو سمجھنے والی ہے کہ جب آدمی کا پیٹ خالی ہو تو اس کا ضمیر سو جاتا ہے۔ حلق تک حرام کھا لینے کے بعد جب ضمیر یکایک جاگتا ہے تو آدمی تمہاری طرح مصلح بن جاتا ہے... ارے بابا! یہ سب تم کسے سنا رہے ہو؟ تم وہی ڈینی ہو' میں وہی ویرا الائیڈ ہوں۔ ہم مل جل کر بھیانک ترین جرائم کرتے رہے ہیں' اس لئے تمہاری یہ باتیں سلطان شاہ کو ہی نہیں' مجھے بھی عجیب سی محسوس ہوتی ہیں۔"
"شکر ہے کہ کسی بات پر تم اس سے متفق ہوتی ہوئی نظر آئی ہو۔"
وہ ہنس پڑی۔ "ضد اور ہٹ دھرمی کی اور بات ہے' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اکثر و بیشتر عقل کی باتیں کرتا ہے۔ اگر وہ عورتوں کا احترام کرنا سیکھ لے تو ہیرا بن سکتا ہے۔"
"وہ پہاڑی پتھر ہے۔ اسے ہیرا بننے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تم اس سے اپنا جس قماش کا احترام کرانا چاہتی ہو' یہ تو وہ قبر میں اترنے تک بھی نہیں کر سکے گا۔ تم شمال کے پہاڑوں میں خاصا عرصہ گزار چکی ہو اور اچھی طرح جانتی ہو کہ وہاں مرد سے عورت کے صرف تین رشتے ہوتے ہیں۔ ماں' بہن' بیوی... ماں' سب کی ماں ہوتی ہے۔ بہن' سب کی بہن اور عزت ہوتی ہے لیکن بیوی' جس کی ہو' بس اسی کی ہوتی ہے۔ وہاں ان تین کے علاوہ' مرد اور عورت کے درمیان دوست یا محبوبہ کا کوئی رشتہ نہیں ہوتا..."
اس نے میری بات کاٹ دی۔ "وہ لوگ جدید تہذیب کو گناہ سمجھ کر اس سے دور رہتے ہیں۔ ان کی اپنی روایات ہیں' اس لئے ان پہاڑوں میں ان کا یہ رویہ قابلِ فہم ہوتا ہے لیکن سلطان شاہ برسوں سے شہروں میں نئی تہذیب کے سائے میں شب و روز گزار رہا ہے۔ وہ اب تک ان باتوں سے مانوس کیوں نہیں ہو سکا؟"
"اس سوال کا جواب وہی دے سکے گا... یہ تم کیا خرافات لے بیٹھیں؟"
"پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟ بلیک کیٹ ٹی سے تو اب میرے گھر سے رات ہی کو رابطہ ہو سکے گا۔"
"ہم ابھی تک کرنل مہیش پال کے مقامی کاؤنسلیٹ کو بھولے رہے ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"یہاں ہمارا کوئی شناسا نہیں ہے..." اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔
"اسلام آباد کے سفارت خانے میں مہیش پال کے علاوہ بھی تمہارے دو ایسے جاننے والے ہیں جن سے تم شی کے کوڈ کے ذریعے کھل کر بات کر سکتی ہو۔ وہ تمہیں بتا دیں گے کہ کراچی میں تمہارے کام کا آدمی کون ہے۔ بلکہ ان دونوں میں سے ایک تو کرنل مہیش پال کا سیکریٹری ہی ہے۔"
"ایسے کاموں میں لوگ بلا ضرورت خود کو یا اپنے رابطوں کو ایکسپوز نہیں کرتے۔ میں جس سے بھی اس موضوع پر بات کروں گی' وہ چھوٹتے ہی یہ جاننا چاہے گا کہ مجھے کراچی والوں کے بارے میں کیا تجسس ہے۔"
وہ بات سیدھی اور سامنے کی تھی۔ میں چاہتا تو ویرا کو سمجھا سکتا تھا مگر میری خواہش تھی کہ میں اس معاملے کا کنٹرول ویرا سے لے لوں' اس لئے میں نے کہا۔ "بات کر کے کوئی بھی راہ نکالی جا سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ تم سے متعارف تو نہیں ہوں گے۔ بس کوڈ کے ذریعے شناخت ہوتی ہوگی۔"
"متعارف نہیں ہیں لیکن پہلے بھی ان سے بات چیت ہوتی رہی ہے مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ساری اہمیت صحیح کوڈ کی ہوتی ہے ... کیا تم خود اسلام آباد بات کرنا چاہ رہے ہو؟"
"سوچ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ جمود ٹوٹنے کی کوئی راہ نکل آئے۔"
"کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اتنا بتا دوں کہ گفتگو کرتے ہوئے تمہیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔ سفارتی عہدوں کی آڑ میں یہ لوگ سیکرٹ سروس کے سینئر اراکین ہیں اور اڑتی چڑیا کے پر گن لینے کا ملکہ رکھتے ہیں۔"
"ان دونوں کے نام کیا ہیں؟" میں نے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔
"کرنل مہیش پال کا سیکریٹری رام دیال ہے اور دوسرا ویزا افسر کرن مورے ہے۔"
ویرا سے کوڈ کے تبادلے کے طریقِ کار پر گفتگو کے بعد میں نے فون سنبھال لیا۔
رام دیال کا نمبر براہِ راست تھا اور میری نظروں میں وہی اہم آدمی بھی تھا کیونکہ کرنل مہیش پال اسی کا افسر تھا اور وہ باہمی اعتماد کی فضا میں کوئی ایسی بات بھی بتا سکتا تھا جو کرن مورے کے علم میں بھی نہ ہوتی۔
دوسری گھنٹی پر اسلام آباد میں فون اٹھا لیا گیا۔ مردانہ آواز نے اپنا نام بتانے کے بجائے اپنے سفارت خانے کا نام لیا تھا۔
"میں مسٹر مہیش پال سے بات کر سکتا ہوں؟" بغیر کسی پیشگی ارادے کے میری کھوپڑی نے عین وقت پر قلابازی کھائی تھی کیونکہ اس وقت تک اخبارات میں مہیش پال کی گمشدگی کے بارے میں کوئی خبر نہیں آئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ شی کے کارندے کی

حیثیت میں مجھے سب سے پہلے کرنل ہی سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کرنا چاہئے تھا۔

ویرا میرے اس غیر متوقع سوال پر حیران نظر آرہی تھی لیکن ایکبار گفتگو کا آغاز ہو جانے کے بعد درمیان میں دخل انداز ہو لیا مجھے لقمہ دینا اس کے لئے ممکن نہیں رہا تھا' اس لئے وہ خاموش ہی رہی۔

"کرنل مہیش پال موجود نہیں ہیں... فرمایئے' میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں؟" دوسری طرف سے نہایت خلیقانہ لہجے میں مجھ سے دریافت کیا گیا۔

"میرا کرنل سے بات کرنا بہت ضروری اور ناگزیر ہے" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "وہ کب تک مل سکیں گے؟"

"کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟"

میرے اصرار پر میرے مخاطب کا تجسس بیدار ہوگیا۔

"اگر وہ نہیں ہیں تو پھر میری رام دیال سے بات کرادیں۔" میں نے اس کا سوال نظر انداز کردیا۔

"میں بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے فوراً ہی جواب دیا گیا تھا۔

میں نے اپنے لہجے کو دھیما اور رازدارانہ بناتے ہوئے کہا۔ "میں سلور آئی کا پجاری بول رہا ہوں۔"

"اوہ۔" رام دیال نے شاید ایک گہرا سانس لیا تھا۔ "میں طاقت کا دیوتا ہوں۔"

میں نے اس تبادلے پر اطمینان کا اظہار ضروری سمجھا "گڈ! کرنل کے بارے میں ہماری طرف سے ایک شخص پہلے بھی تم سے رابطہ کرچکا ہے۔ آخر کرنل کہاں لاپتا ہوگیا ہے؟" تشویش آمیز لہجے میں آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے میں نے کرنل کے بارے میں دانستہ واحد غائب کا صیغہ استعمال کیا تھا تاکہ اپنے مخاطب کو ذہنی طور پر مرعوب رکھ سکوں۔"

"ہم خود پریشان ہیں۔" وہ واقعی کھل کر بات کر رہا تھا۔ "اس واقعے کو آج تیسرا دن ہو چلا ہے اور ہم مخمصے میں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کرنل کسی اہم مشن پر اکیلے نکل گئے ہوں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم سے کیا بات کروں؟ مجھے صرف اور صرف کرنل سے بات کرنا تھی۔"

"میں اصرار نہیں کرتا' لیکن تم چاہو تو اپنا مسئلہ مجھے بتا سکتے ہو۔ شاید میں تمہاری کوئی مدد کرسکوں۔"

"مسئلہ میرا نہیں' بلکہ کرنل کا اور تمہارا ہے۔" میں نے بے لوچ لہجے میں کہا۔ "اس کی اہمیت کا اندازہ تم صرف اسی بات سے لگا سکتے ہو کہ میرا کوڈ سن کر بھی تم میری اس فون کال کا مدعا نہیں سمجھ سکے۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میں اصرار نہیں کر رہا۔ ہو سکتا ہے کہ کرنل کی غیر حاضری کچھ طویل ہو جائے۔" اس کا لہجہ بہت زیادہ مدافعانہ ہو گیا۔ وہ غیر ضروری طور پر کوئی ذمے داری اپنے سر لینے کے لئے آمادہ نہیں تھا لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنے فرائض سے چشم پوشی کرنے پر بھی تیار نہیں تھا۔

"تم بلیک کیٹ ٹی کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟" میں نے گمبھیر لہجے میں سوال کیا۔

میں اسمگلروں، چوروں، قاتلوں، ڈاکوؤں اور موت کے سوداگروں کے ساتھ زندگی بھر ہر قسم کے مذاکرات کرتا رہا تھا اور چند ہی ثانیوں میں معاملہ ختم کرنے کا عادی ہو چکا تھا لیکن کسی سفارتی افسر سے ایک نازک اور خفیہ موضوع پر گفتگو کرنے کا، وہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ محتاط روی میں گفتگو بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی لیکن وہ لمحات میرے لئے صبر آزما تھے۔ وہ ذہنی تناؤ میں صرف اس امید پر برداشت کر رہا تھا کہ آخر کار مجھے کامیابی کی امید ہو چلی تھی۔

ریسیور پر اس کی آواز بھی رازدارانہ ہو گئی "صرف اس حد تک کہ وہ فائل کرنل ہر وقت اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اپنے ساتھ دفتر لاتے ہیں اور چھٹی ہونے پر گھر لے جاتے ہیں۔ وہاں بھی وہ تجوری ہی میں رہتی ہوگی جس کی چابی صرف کرنل کے پاس ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ علم نہیں۔"

"بلیک کیٹ ٹی کسی فرد کا نام ہے یا پراجیکٹ کا؟" اس کی لاعلمی پر مجھے سوال کرنے کا موقع مل گیا۔

فوراً ہی اس کا لہجہ ترش ہو گیا "تم مجھ سے کیا اگلوانا چاہ رہے ہو؟"

اس مرحلے پر بات بگڑ سکتی تھی، اس لئے میں نے فوراً ہی نرمی سے کہا "تم مجھے غلط نہ سمجھو۔ دراصل مجھے اس بارے میں بہت کچھ معلوم ہے اور اپنی زبان کھولنے سے قبل میں یہ اندازہ لگانا چاہ رہا ہوں کہ تم کتنا جانتے ہو تاکہ میں اپنی گفتگو اسی دائرے میں محدود رکھوں۔ مجھے اس موضوع کی اہمیت کا پورا پورا اندازہ ہے۔"

"ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے قابلِ اعتماد ہیں کیونکہ ہم نے کوڈ ورڈز سے اپنی شناخت کرالی ہے۔ جہاں تک بلیک کیٹ ٹی کا معاملہ ہے، اس سلسلے میں تم باہر کے آدمی ہو۔ اگر تم کو کچھ معلومات حاصل ہو چکی ہیں تو کھل کر بات کرو۔ وہ باتیں میرے علم میں آنے سے ان کی رازداری میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"تم نے یہ وضاحت کرکے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتار دیا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "بلیک کیٹ ٹی تمہارا ایک گھاگ سیکرٹ ایجنٹ ہے اور سندھ میں تمہارے کسی مشن کا چیف بھی ہے۔ وہ ہم سے فوری طور پر پیچیدہ ہتھیاروں اور ان کے اسلحے کی ایک بڑی کھیپ خریدنا چاہتا ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ٹی کے لئے وہ اجنبی ہے اور وہ ٹی پر بھروسا کر کے سودے کی رقم پیشگی ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ وہ ڈلیوری لے کر رقم دینے کی بات کر رہا ہے۔ ہم کسی معقول ضمانت کے بغیر اسلحے کی اتنی بڑی کھیپ یہاں نہیں لا سکتے۔ اس کے لئے بلیک کیٹ ٹی نے خود ہی، ضامن کے طور پر کرنل کا نام تجویز کیا ہے اور کرنل لاپتا ہے۔"

میں سانس لینے کے لئے خاموش ہوا تھا کہ وہ بول پڑا "معاملہ واقعی بہت اہم ہے... کیا تم ضمانت کے لئے چند روز تک کرنل کی واپسی کا انتظار نہیں کر سکتے؟"

"ہمیں کوئی عجلت نہیں ہے... عجلت بلیک کیٹ ٹی کو ہے۔ وہ فوری طور پر اسلحہ چاہتا ہے۔ یہ اتفاق یا اس کا مقدر ہے کہ اس کا مطلوبہ ساز و سامان ہمارے مشرقِ وسطیٰ کے آپریشن ڈپو میں موجود ہے۔ ضمانت مل جائے تو لانچوں میں وہ سارا ساز و سامان چند دنوں میں ہی یہاں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ دیر ہو گئی تو ہم دو ماہ سے پہلے ڈلیوری نہیں دے سکیں گے۔"

"دو ماہ؟" اس نے حیرت سے دہرایا تھا "یہ تو بہت لمبی مدت ہے۔" اس کے تبصرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بلیک کیٹ ٹی کے معاملے میں وہ اتنا انجان نہیں تھا، جتنا بن رہا تھا۔ اسے اپنے سیکرٹ ایجنٹ کی ضروریات اور ترجیحات کا بخوبی علم تھا اور وہ یقیناً خود بھی اس کھیل میں کوئی اہم رول ادا کر رہا تھا۔

"مشکل یہ ہے کہ ہم مقامی یا علاقائی نہیں بلکہ عالمی پیمانے پر آپریٹ کرتے ہیں۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "اسرائیل اور کئی دوسری جنگجو طاقتوں سے ہمارے مذاکرات چل رہے ہیں۔ تمہاری ضمانت ملنے سے پہلے کسی حکومت سے ہماری شرائط طے پاگئیں تو ہمارا ڈپو خالی ہو جائے گا۔ دور دراز منڈیوں میں اسلحے کی دستیابی تک ہم کسی سپلائی سے قاصر رہیں گے۔ مال مل بھی گیا تو اسے یہاں تک لانے میں ہی ایک، ڈیڑھ ماہ لگ سکتا ہے۔"

"پھر تم کیا چاہتے ہو؟" میری پیش کی ہوئی صورتحال نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"کچھ بھی نہیں" میں نے بے پروائی سے کہا "دراصل اس وقت بھی میں نے تم سے فون پر بات کرکے بہت بڑا خطرہ مول لیا۔"

"تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھ سے بات کرلی۔ مجھے ایسی کوئی ضمانت دینے کا اختیار تو نہیں ہے لیکن میں اپنے اوپر والوں سے بات کرکے جلد از جلد اس مسئلے کا حل نکال سکتا ہوں۔"

"تم سمجھے نہیں۔" میں نے زور دے کر کہا "ان ممالک میں فون کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی کوئی لائن کراس ہو اور کوئی خاموشی سے ہماری گفتگو سن رہا ہو۔ تم دونوں ممالک کے تعلقات خراب ہیں، اس لئے یہ امکان بھی ہے کہ سراغرسانی کا کوئی ادارہ تمہارا فون ٹیپ کر رہا ہو۔ میں ان خطرات سے بہت خوف

ہوں ۔"

"میں تمہارے اندیشے سمجھ رہا ہوں۔" اس کی تفہیمی آواز ابھری۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ چند روز کے لئے تم اسلام آباد آجاؤ۔ یہاں ہم سارے معاملات دوبدو طے کرلیں گے۔ مجھے امید ہے کہ اوپر سے کلیئرنس آنے میں دو دن سے زیادہ وقت نہیں لگے گا کیونکہ بلیک کیٹ ٹی کے لئے وقت کا معاملہ بہت اہم ہے ۔"

"کراچی میرا ایک اہم اور بڑا آپریشن بیس ہے۔ یہاں ہماری پوری تنظیم ہے۔ اسے چھوڑ چھاڑ کر میں اسلام آباد نہیں آسکتا۔" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا "میں وہاں سے فون پر اہم ہدایات جاری کرنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا۔ تم چند دن کے لیے کراچی کیوں نہیں آجاتے۔ تمہیں تو اپنے سفارت خانے سے اس کام کے لئے باقاعدہ اجازت مل سکتی ہے ۔"

"اسلام آباد چھوڑتے ہی مقامی حکام میری کڑی نگرانی شروع کرادیں گے۔ ہمارے عملے کا کوئی فرد وزارت خارجہ کو اطلاع دیئے بغیر شہر نہیں چھوڑ سکتا۔ میں وہاں آ بھی گیا تو میری وجہ سے تم بھی کسی چکر میں پڑ سکتے ہو۔ ہمیں باہمی رابطے کے لئے یقیناً کوئی اور راہ تلاش کرنی ہوگی ۔"

"بس یہ خیال رہے کہ یہ میری آخری فون کال ہے۔" میں نے اس پر دباؤ بڑھانے کی نیت سے کہا۔

"تمہارا فون نمبر کیا ہے؟" اس نے برجستہ سوال کیا تھا۔

"میں نے کہا نا کہ میں ٹیلی فون کے رابطوں کا قائل نہیں ہوں۔ اس وقت بھی ایک پبلک بوتھ سے فون کر رہا ہوں۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"کرنل آگئے تو وہ تم سے کیسے رابطہ کریں گے؟" اس نے مجھے گھیرنا چاہا۔

میں نے خشک لہجے میں کہا "ہماری طرف سے یہ دوسری کوشش ہے۔ اب کرنل کو بلیک کیٹ ٹی کے ذریعے کوئی راہ نکالنا ہوگی ہمارا اس سے رابطہ رہتا ہے ۔"

"کرنل نہ آئے تو میں کیا کروں گا؟" میں تو جلد از جلد یہ معاملہ ختم کرنا چاہتا ہوں ۔"

"یہ تمہارے سوچنے کی بات ہے ۔"

دوسری طرف سے لائن پر سکوت چھایا رہا۔ شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

اس دوران میں میں لوہا گرم دیکھ کر اپنے ذہن میں موجود تجویز کے لئے مناسب الفاظ یکجا کرتا رہا اور پھر اس کے بولنے سے پہلے ہی پُرخیال انداز میں بولا "کراچی کاؤنسلیٹ میں بھی تو تمہارا کوئی خاص آدمی ہوگا؟"

"ہاں، یقیناً ہے۔" اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا تھا "تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

"تمہارے لئے کوئی دشواری نہ ہو تو میرے روزمرہ رابطے کے لئے تمہارا کراچی والا آدمی کارآمد رہے گا۔ میرے اور تمہارے درمیان وہ زیادہ موثر پیغام رسانی کرسکے گا۔ پیغامات کے تبادلے کے لئے تم لوگ سفارتی ڈاک کے تھیلوں سے ٹیلکس اور فیکس تک، کچھ بھی استعمال کرسکتے ہو ۔"

میری تجویز پر وہ اپنی خوشی نہ چھپا سکا۔ "تم نے تو میرا مسئلہ ہی حل کردیا۔ ہم لوگ فون ملا کر آپس میں دعا سلام کے ذریعے یہ یقین کرلیتے ہیں کہ نمبر صحیح ملا ہے، پھر اپنے خفیہ پیغامات ایک دوسرے کو فیکس کردیتے ہیں جو پڑھ کر تلف کردیئے جاتے ہیں۔ یہ صورت ہمارے لئے بہت مناسب رہے گی ۔"

"جب مناسب سمجھو، اپنے آدمی کو بتادینا کہ وہ بلیک کیٹ ٹی کے ذریعے مجھ سے مل لے۔" میں نے اپنے جوش اور ہیجان پر قابو پاتے ہوئے سرسری لہجے میں کہا۔

"اس کا کانٹیکٹ خود میرے پاس نہیں تو میں کسی اور کو کیا بتاؤں گا۔" مسئلہ حل ہونے کی امید میں اس کے لہجے میں بے تکلفی عود کر آئی "میں اسے مطلع کردوں گا۔ نصف گھنٹے بعد تم اس سے اپنے کوڈ کے حوالے سے بات کر کے کہیں مل لینا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ طریق کار ہم دونوں کے لئے سودمند رہے گا۔"

"کوڈ تو بعد میں آئے گا۔ اس کی ابتدائی شناخت کیا ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"مس شانتی نرائن، ہماری پی آر او ہے، تمہارا اسی سے واسطہ رہے گا۔"

"خدا کرے کہ تمہاری پی آر او خوش شکل اور خوش مزاج ثابت ہو۔"

"اسے دیکھو گے تو دیکھتے ہی رہ جاؤ گے لیکن اتنا بتادوں کہ وہ بھی ہماری ہی ٹریڈ کی ہے۔ اسے زیادہ رجھانے اور لبھانے کی کوئی کوشش نہ کرنا۔ وہ اپنی کھڑی ہتھیلی کی ایک ہی ضرب سے گردن توڑ دینے میں کمال رکھتی ہے۔"

"ان خرافات کے لئے میرے پاس بھی وقت نہیں ہوتا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "بات صرف اتنی سی ہے کہ بدشکل اور بدمزاج عورتوں سے مل کر میں کئی کئی دن تک خودکشی کے امکانات پر غور کرتا رہتا ہوں۔ اسی وجہ سے ایسی ملاقاتوں سے گریز کرتا ہوں۔ کوئی بڑی مجبوری پیش آجائے تو اور بات ہے۔"

اس سے گفتگو کا خاتمہ خاصے پرجوش اور خوشگوار انداز میں ہوا تھا۔

"یہ کون سی پی آر او کی بات ہو رہی تھی؟" ریسیور کریڈل پر رکھتے ہی مجھے ویرا کی جرح سے دوچار ہونا پڑ گیا کیونکہ وہ بے چاری صرف میری ہی گفتگو سنتی رہی تھی۔

"یہاں کراچی میں کوئی مسز شانتی نرائن ہے۔" میں نے اسے نام سے آگاہ کر کے رام دیال سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل دہرانی شروع کردی جو ویرا کے لئے حیرت اور دلچسپی کا باعث تھی۔

"تم واقعی اتنے پکے مکار ہو کہ وہ بے چارہ آخر تک تمہارا مقصد نہیں سمجھ سکا ہوگا۔" میرے خاموش ہونے پر وہ اپنے لئے نئی سگریٹ سلگا کر بولی تھی "تم نے گھیر گھار کر اپنے مطلب کی بات اس کے منہ سے اگلوا ہی لی!"

"شطرنج میں حریف کے شاہ کو مارنے کے لئے ہر مہرے کو بیسیوں دفعہ آگے پیچھے لے جانا پڑتا ہے تب کہیں بازی قابو میں آتی ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ویسے وہ بھی بہت مرد ثابت ہوا۔ آخر تک بلیک کیٹ ٹی کے بارے میں معصوم اور انجان بنا رہا جب کہ میرا اندازہ ہے کہ شی کے کوڈ سے واقف ہر شخص بلیک کیٹ ٹی اور اس کے منصوبے سے نہ صرف پوری طرح باخبر ہے بلکہ اپنی اپنی بساط کے مطابق اس کا ہاتھ بٹانے کی کوشش بھی کر رہا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تم ایسے تمام لوگوں کو اغوا کر کے ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرو گے جو کرنل مہیش پال کے ساتھ کیا گیا تھا؟" ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے، چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"میں اتنا احمق نہیں ہوں۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ کرنل کو سلطان شاہ نے کسی پروگرام کے بغیر کورنگی سے اغوا کیا تھا۔ رام دیال، کرن مورے، مسز شانتی نرائن کو کوئی نقصان پہنچا تو سفارتخانے والے بڑی آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کرلیں گے کہ شی انہیں ڈبل کراس کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"پھر تم کراچی میں ان کے آدمیوں کی نشان دہی میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟"

میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "سیدھی سی بات ہے کہ میں یہاں اس سے ہر وقت مل سکتا ہوں۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا سکتا ہوں کہ وہ سچ بول رہی ہے یا جھوٹ... اور پھر شاید باتوں باتوں میں بلیک کیٹ ٹی کا ٹھکانا بھی معلوم ہو جائے۔ غزالہ کی بازیابی کے بعد میں اس کو ضرور گھیروں گا۔"

"میں دیکھتی ہوں کہ اب تم کیا کرتے ہو۔" یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میری طرف سے اس کا ذہن صاف نہ ہوا ہو۔

ویرا کے ساتھ کچھ دیر تک وہیں گپ شپ ہوتی رہی۔ میں دانستہ اسے چڑانے کی کوشش کرتا رہا۔ دراصل میں اس سے کچھ دیر کے لئے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا تاکہ مافیا والوں کی خیر خبر لے سکوں۔

عملاً میں ہر محاذ پر اپنے لئے اور اپنے دوستوں کے لئے کام کر رہا تھا لیکن ویرا سے گہری دوستی ہونے کی بنا پر مجھے اس قتالۂ عالم کا تعاون بھی حاصل تھا۔ اسے اس بات کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی تھی کہ جن دنوں وہ کراچی میں میرے خون کی پیاسی ہو رہی تھی تو میں نے اس کا زور توڑنے کے لئے مافیا والوں سے معاہدہ کر لیا تھا۔

مقامی مافیا چیف، سیٹھ حبیب جیوانی کی کچھ اپنی قانونی مجبوریاں تھیں جن کی وجہ سے وہ منظرِ عام پر نہیں آسکتا تھا پھر اسے مافیا کے ڈان تھری کی آشیرباد حاصل تھی جو مجھے اپنے ساتھ ملانے کے لئے خود پاکستان آیا ہوا تھا۔ اس تمام جوڑ توڑ کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ سیٹھ حبیب جیوانی مافیا کا مکمل چارج میرے حوالے کر کے خود ملک کے انتہائی شمالی علاقوں میں کہیں روپوش ہوگیا تھا کیونکہ جرمنی کے پولیس اور جیل کے حکام کو شبہ ہوگیا تھا کہ وہ جیل میں اپنے کسی ہم شکل کو پھنسوا کر، خود

وہاں سے فرار ہوگیا تھا۔ جیل سے اس کے فرار کی تیاری اور منصوبہ بندی مافیا کے بڑوں کی براہِ راست نگرانی میں ہوئی تھی کیونکہ وہ لوگ منشیات کے اس باحیثیت مجرم کو پاکستان لاکر اس کی سربراہی میں مافیا کی داغ بیل ڈالنا چاہتے تھے تاکہ پاکستان میں تیار ہونے والی کم لاگت مگر بہترین ہیروئن پر قابض ہو سکیں۔

سیٹھ حبیب کے لئے میری ذات اس وقت ایک ناگزیر مجبوری بن گئی جب جرمن جیل میں اس کا ہم شکل اتفاقی طور پر مرگیا اور اس کی لاش کا پوسٹ مارٹم کیا گیا تو یہ انکشاف ہوا کہ متوفی کے دانتوں کی تعداد اصل قیدی کے دانتوں سے زیادہ تھی اور پھر وہاں سے ماہرین پوری تیاریوں کے ساتھ مفرور قیدی کا کھوج لگانے کے لئے پاکستان آگئے۔

پاکستان میں موجود مدر مافیا کے نمائندوں نے ان ماہرین کو دہشت گردی کے ذریعے خوف زدہ کرکے واپس لوٹنے پر مجبور کردیا مگر احتیاطاً سیٹھ حبیب جیوانی کو بھی روپوشی اختیار کرنا پڑ گئی اور میں مافیا کے سارے وسائل پر پوری طرح قابض و متصرف ہوکر اسے شی کے سامنے لانے میں کامیاب ہوگیا۔

لیکن تازہ ترین خبریں میرے لئے تشویش ناک تھیں۔ مدر مافیا کی طرف سے اطلاع ملی تھی کہ جرمن جیل میں مرنے والے قیدی کی لاش سے مطلوبہ تعداد میں دانت غائب کرکے ریکارڈ میں سیٹھ حبیب جیوانی کو مردہ قرار دلوادیا گیا تھا اور وہ اپنی روپوشی ختم کرکے کسی نئے نام سے منظرِ عام پر آسکتا تھا۔

مافیا، شی سے کہیں زیادہ قدامت پسند اور روایتی تنظیم تھی۔ اس میں شمولیت کے لئے حلف لینا ہوتا تھا اور ایک بار حلف لینے کے بعد کوئی بھی شخص، زندگی بھر مافیا سے رُوگردانی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

آزاد اور خود مختار رہتے ہوئے مجھے ہر قسم کی آزادیاں حاصل تھیں لیکن ایک بار سیٹھ حبیب جیوانی واپس آکر میرے سر پر مسلط ہوجاتا تو میرے لئے مشکلات کا ایک لامتناہی دور شروع ہو سکتا تھا۔ ٹریڈ لائن کے دفتر سے میری طویل غیر حاضری پر مشتبہ ہوکر وہ کسی کو میری نگرانی پر بھی مقرر کرسکتا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوتا، اس کا تصور کرنا بہت زیادہ مشکل نہیں تھا۔

دوسری طرف مجھے یہ تشویش ناک خبر بھی مل چکی تھی کہ میری تباہ کن سرگرمیوں پر قابو پانے کے لئے شی کے سربراہ جمی لائیڈ نے مافیا کے سپر ڈان سے رابطہ کیا ہوا تھا۔ وہ دونوں عالمی مجرموں کے نامور معززین تھے اور ان کے درمیان اصولی طور پر ایک ملاقات طے ہوچکی تھی جس کا انعقاد یورپ کے کسی پُرفضا مقام پر ہوتا تھا۔ وہ دونوں ہی درندوں، بھیڑیوں اور موت کے سوداگروں کی بھیانک تنظیمیں تھیں اور ان کے درمیان ایک قدر مشترک تھی کہ وہ پرامن بقائے باہمی پر یقین رکھتی تھیں اور جرائم کی آبیاری کی خاطر کبھی بھی قانون یا دوسری اصلاحی قوتوں کا سہارا لینے کی قائل نہیں تھیں۔

یہ طے کرلیا گیا تھا کہ دونوں بڑوں کی اس پہلی ملاقات میں مجھے بھی طلب کیا جاتا۔ وہاں میرا بیان سن لینے کے بعد جو کچھ ہوتا، وہ مجھے اپنے حق میں بہتر نظر نہیں آرہا تھا۔ خاص طور پر سیٹھ حبیب جیوانی کے ذاتی مسائل حل ہونے کے بعد مافیا والوں کے لئے میری افادیت کم ہوکر رہ گئی تھی اور مجھے یہ نظر آرہا تھا کہ سپر ڈان، جمی لائیڈ سے خیرسگالی کے نجی اظہار کے طور پر اس ملاقات میں مجھے اس کے حوالے کرسکتا تھا۔

اس پریشان کن پس منظر میں میرے لئے مافیا کی سن گن لینا ناگزیر ہوگیا تھا۔

ویرا کے ٹل جانے کے بعد میں نے فوراً ہی فون پر سینڈو سے سلسلہ ملایا۔ وہ کاروباری اوقات تھے، اس لئے ٹریڈ لائن کا دفتر کھلا ہوا تھا۔ آپریٹر نے فوراً ہی میری آواز پہچان کر سینڈو سے لائن ملادی۔

"میں تمہاری طرف سے بہت پریشان ہوں باس۔" دعا سلام کے بعد اس کی تشویش آمیز آواز ابھری تھی۔ "مجھے کچھ علم نہیں کہ تم آج کل کہاں مصروف ہو اور کیسے مل سکتے ہو...."

اس کے لب و لہجے میں مجھے ہلکی سی شکایت کا احساس ہوا اور میں نے غراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے ہوش میں نہیں ہو سینڈو! یہ کب سے ضروری ہوگیا کہ میں اپنی نقل و حرکت اور مصروفیات سے تمہیں باخبر رکھا کروں، میں تمہارا ماتحت تو نہیں ہوں۔"

"میں معافی چاہتا ہوں باس!" اس کی سہمی ہوئی آواز ابھری۔ "میں جانتا ہوں کہ مجھے تم سے ایسی باتیں کرنے کی جسارت نہیں کرنی چاہئے لیکن مشکل یہ ہے کہ چیف شہر میں موجود ہے۔ وہ دفتر نہیں آیا لیکن کل شام سے اب تک وہ از کم دس مرتبہ فون کرکے تمہارے بارے میں پوچھ چکا ہے اور میں اسے کوئی معقول جواب نہیں دے سکا۔ اب تم خود میری پوزیشن اور مجبوریوں کا اندازہ لگا سکتے ہو...."

"میں سمجھ رہا ہوں۔" میں نے اسی جھنجلاہٹ میں جواب دیا۔ "اسے بتادینا کہ آج میں بہت مصروف ہوں۔ ہو تو خود ہی اس سے بات کرلوں گا ورنہ کل دفتر آؤں گا۔"

"بات کرلو تو زیادہ بہتر رہے گا۔" سینڈو کی آواز پژمردہ تھی ورنہ تم سے رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ فون پر مجھے پھاڑ کھانے

دوڑ رہا ہے۔۔۔"

"تم نے اسے ان پیغامات سے آگاہ کردیا ہے جو ڈان تھری نے میرے لئے چھوڑے تھے؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت اس کی بات کاٹ کر چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"میں اسے آگاہ کرنا چاہتا تھا لیکن اس کا پہلا سوال تمہارے بارے میں ہوتا ہے اور میرا منفی جواب سنتے ہی اس کا پارہ چڑھ جاتا ہے۔ اس نے مجھے اپنی بات کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔"

"اس مال کا کیا بنا جو تم ابراہیم حیدری کے علاقے میں وصول کرنے کے بعد اپنے ساتھ نہیں لاسکے تھے؟" صورتِ حال سمجھ کر میں نے اپنی گفتگو کا رخ اس کی کارکردگی کی طرف موڑ دیا۔

"وہ مال محفوظ تھا' کل میں نکال لایا تھا۔ تم اجازت دو تو اسے آگے بڑھا کر رقم وصول کرلوں۔ چیف کی غیر حاضری میں ہم یہی ایک ڈیل کرسکتے ہیں اور وہ بھی ابھی ادھوری ہی ہے۔"

"یہ مال کراچی سے کیسے نکلے گا؟" میں نے اپنی معلومات میں اضافے کے لئے سوال کیا۔

"آج کل ایئرپورٹ مخدوش ہوگیا ہے۔ یہاں امریکن ماہرین اور تربیت یافتہ کتے باہر اسمگل ہونے والی ہیروئن کا سراغ لگانے پر مامور ہیں اس لئے 'مال کراچی پورٹ سے نکلے گا۔ آگے دوبئی سے کوئی دوسرا بندوبست ہے۔"

"مال کی آج ڈلیوری دے دو۔ یہ یاد رکھنا کہ جب تک چیف دفتر نہیں آتا۔ تم براہِ راست مجھ ہی کو جواب دہ ہو۔" اس سے بات کرتے ہوئے میں نے کن انکھیوں سے جائزہ لیا کہ ویرا اس وقت تک واپس نہیں لوٹی تھی' اس لئے دھیمی آواز میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔" میں ویرا اور شی پر آخری اور بھرپور ضرب لگانے کی تیاریوں میں مصروف ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس سے میری کیسی خوں ریز آویزش چل رہی ہے۔"

"تم وہیں ہو جہاں اس نے مسلح دھاوا بولا تھا؟" اسے سوال کرنے کا موقع مل گیا۔

"وہاں وہ مجھے 'اب تک ذبح کراچکی ہوتی۔ میں نے جو کچھ کہا ہے 'اسے دھیان میں رکھنا۔ اب کل صبح ہی دفتر میں تم سے ملاقات ہوسکے گی۔" اتنا کہہ کر میں نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

سگریٹ سلگاتے ہوئے سینڈو کی استعمال کی ہوئی ترکیب میرے ذہن میں رینگ آئی اور میں بے اختیار مسکرانے لگا۔ ہیروئن کے انسداد کے لئے پاکستان میں دو بیرونی قوتیں برسرِکار تھیں۔ امریکن اور تربیت یافتہ کتے۔ خواص کے اعتبار سے ان دنوں وہ دونوں ہی ایک پٹڑی پر چل رہے تھے جس کی بنیاد خودغرضی اور مفاد پرستی پر استوار تھی۔

آئین میں دی گئی شخصی آزادیوں کی بنا پر وہ اپنے ملک میں ہیروئن اور دیگر منشیات کے بڑھتے ہوئے استعمال پر کوئی سخت قدغن عائد کرنے سے گریز کرتے تھے لیکن دوسری طرف ہیروئن کے پیداواری سرچشموں پر پوری قوت کے ساتھ تمام ممکنہ پابندیاں عائد کرنے پر تلے رہتے تھے۔ بابائے معاشیات ' آدم اسمتھ کے طلب اور رسد کے اٹل اصول پر اپنی آزاد اور خود مختار معیشت کو سنوارنے والے منشیات کی کھپت ' اسمگلنگ ' بڑھتے ہوئے استعمال اور اس کی ہلاکت خیزی پر وہ اٹل اصول عائد کرنے سے مسلسل چشم پوشی اختیار کرتے چلے آرہے تھے۔

"بے وقوفوں کی طرح اکیلے بیٹھے ہوئے کیوں مسکرا رہے ہو؟" ویرا کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ میری بے خبری میں نہ جانے کب اپنے کمرے سے وہاں آموجود ہوئی تھی۔

"سوچ رہا تھا کہ یہ مسز شانتی نرائن کہیں تمہاری چچی ثابت نہ ہو۔" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔" رام دیال کی تعریف تو میں تمہیں سنا ہی چکا ہوں۔"

"تمہیں بھی ہر موڑ پر عورتیں ٹکراتی ہی رہتی ہیں۔" وہ میرے قریب بیٹھتی ہوئی بولی تو اس کے الفاظ سے حسد اور رقابت کی ہلکی سی آنچ ظاہر ہورہی تھی۔" لیکن تم شانتی کے ساتھ صرف کام سے کام رکھوگے۔"

" جب میں نے اسلام آباد بات کی تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس تجسس کا اختتام کسی خوبرو خاتون کی ذات پر ہوگا۔ اب اسے راہ پر لانے کے لئے کچھ نہ کچھ دانہ تو ڈالنا ہی پڑے گا۔"

"کم از کم اس سے بات تو کرو۔ اب تک رام دیال تمہارے بارے میں اسے بریف کرچکا ہوگا۔ وہ بڑی شدت سے تمہاری کال کا انتظار کررہی ہوگی۔" ویرا نے مجھے اکسانے کی کوشش کی۔

"وہ اگر صرف شانتی ہوتی تو میں بڑے شوق سے اس سے ملتا لیکن وہ مسز بھی ہے۔ میں پرائی عورتوں سے دامن بچا کر چلنے کا عادی ہوں۔ اس سے میری دوستی مطلب نکالنے سے آگے نہ بڑھ سکے گی۔"

"ذرا یہ خیال رکھنا کہ اس سے آج شام کے لئے کوئی پروگرام نہیں بنانا ہے۔ آج ہمیں بلیک کیٹ ٹی سے بات

کرنے کی کوشش کرنا ہوگی۔ اگر اسے جانو یا چھی کے آدمیوں
کے بارے میں ذرا بھی بھنک ملی ہوئی تھی تو اب تک اسے
ضرور پتا چل گیا ہوگا کہ ان پر کیا بیت چکی ہے۔ ویسے بھی شام
کے اخبارات میں سب کچھ آجائے گا۔"
میں نے غور سے دیرا کی طرف دیکھا اور رام دیال سے ملا
ہوا، شانتی کا نمبر ملانے لگا۔
دوسری طرف سے کال اسی نے ریسیو کی تھی۔ اس کی
ذات جو کچھ بھی رہی ہو، اس کی آواز میں صنفِ مخالف کے
لئے بے پناہ جاذبیت اور مقناطیسی کشش موجود تھی۔
اس کی زبان سے اس کے نام کی تصدیق ہوتے ہی میں
نے اپنا کوڈ ادا کیا اور اس نے فوراً ہی "طاقت کا دیوتا" کہہ کر
گفتگو آگے بڑھانے کی راہ ہموار کردی۔
گفتگو کو ابتدا ہی سے رسمی ڈھرے سے ہٹانے کے لئے
مجھے فوراً ایک بات سوجھ گئی "تم جیسی دلکش آواز والی خاتون کو
دیوتا کے بجائے طاقت کی دیوی ہونا چاہئے۔"
اس کی جاندار ہنسی کی مترنم آواز ابھری "کوڈ ادا کرتے
ہوئے خود میں نے بھی یہی سوچا تھا لیکن دیوی کہتی تو شاید تم
میری شناخت ہی تسلیم نہ کرتے۔ رام دیال نے مجھے تم لوگوں
کے کٹر اصولوں کے بارے میں اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا تھا۔
ویسے اصل نام کیا ہے تمہارا؟ آدمی دلچسپ معلوم ہوتے ہو۔"
"ہماری دنیا میں کسی کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ تم جو نام چاہو،
مجھے دے سکتی ہو۔"
"تم میرے نام سے واقف ہو، اخلاقاً تمہیں بھی اپنا نام بتانا
چاہئے۔ میں ہر وقت تو تمہیں سلور آئی کا پجاری نہیں کہہ
سکتی" اس نے نرم، دعوت انگیز اور مصلحت آمیز لہجے میں کہا۔
"پھر تم مجھے پیٹرواک کہہ سکتی ہو" میں نے ایک گہرا
سانس لے کر کہا۔
"تو کیا تم کوئی غیر ملکی ہو؟" اس نے مجھ پر فوراً ہی وہ سوال
داغ دیا اور میرا اقرار سن کر تحیر زدہ لہجے میں بولی "غیر ملکی ہو کر
بھی تم مجھ سے اچھی ہندی بول رہے ہو!"
"زبان سیکھنے کے بعد ہی مجھے یہاں کی پوسٹنگ ملی ہے۔
ہمارے کام بھی سفارتی پیمانے پر ہوتے ہیں" مجھے اس نڈر،
بیباک اور باتونی خاتون سے گفتگو میں دلچسپی پیدا ہوگئی تھی "مجھ
سے ملوگی تو تم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکو گی کہ میرا رنگ
روپ بھی یہاں کے باشندوں سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔"
"مجھے بتایا گیا تھا کہ مجھے تمہارے اور اسلام آباد کے
درمیان رابطے کا کام دینا ہے۔ غالباً ہم ایک دوسرے سے مل کر
ہی اس بارے میں کوئی طریقِ کار طے کرسکیں گے۔"

"تمہاری چھٹی کس وقت ہوتی ہے؟" میں نے قدر
فدویانہ لہجے میں سوال کیا۔
"کام کے لئے ہر وقت دفتر چھوڑ سکتی ہوں" اس
فوراً ہی جواب دیا "تم چاہو تو میں اسی وقت کہیں بھی آ
ہوں لیکن سچی بات یہ ہے کہ ملنے جلنے کا مزہ سورج ڈھلنے
بعد ہی آتا ہے۔"
"پاکستان ایک خشک ملک ہے" میں نے معنی خیز
میں کہا "جب سے یہاں امتناعی قوانین نافذ ہوئے ہ
شاموں کا رنگ روپ ماند پڑ گیا ہے۔ سورج ڈوب جائے یا
رہے، ہمیں تو چائے یا کافی کی پیالی پر ہی مذاکرات کرنا ہوں
"مجھے خوشی ہے کہ تم اچھا جمالیاتی ذوق بھی رکھتے ہو
میرے تبصرے پر خوش ہوگئی تھی "اچھے لوگوں کا ساتھ
ہو تو کام بھی تفریح بن جاتا ہے۔ چاہو تو کلفٹن میں م
فلیٹ پر آسکتے ہو۔ وہاں مہمان داری کے سارے لوازم
ہوتے ہیں جو میں اپنے ڈیوٹی فری کوٹے سے جمع کرتی
ہوں۔"
"ہم کل شام کو مل سکیں گے" میں نے چند ثانیوں
توقف کے بعد کہا "میری مہمان داری بھی کچھ ایسی گئی گ
نہیں ہے۔ آج شام کو اگر میرا پیشگی پروگرام طے نہ ہوتا
آج ہی تم سے ملتا۔ تم سے بات کرکے تم سے ملاقات کر
شوق بھی ہوگیا ہے۔ تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ ہمارا م
مقصد کیا ہے؟"
"فکر نہ کرو۔ ہم ایک دوسرے کے بہت کام آسکتے
اپنی طرف سے میں بھی تھوڑے بہت اختیارات
ہوں جن کی وجہ سے مجھے بہت سی باتیں خود بخود معلوم
رہتی ہیں... پھر کل کا پروگرام کیا رہے گا؟"
"تمہارے شوہر، شری نرائن تو دفتر کے بعد کی تم
مصروفیات پر معترض نہیں ہوتے؟" میں نے محتاط ل
اس سے بہت ہی ذاتی نوعیت کا وہ سوال بھی کر ڈالا جو کا
سے میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔
میرا سوال پورا ہونے سے پہلے ہی وہ زندگی سے
انداز میں، زور سے ہنس پڑی تھی "تم ان کی فکر نہ کرو
پاکستان میں اکیلی ہی آئی ہوئی ہوں اور یہاں کے شب
میرے اپنے ہوتے ہیں۔"
"بس، تو پھر کل دوپہر کو میں فون کرکے تمہیں پرو
بتادوں گا" میں نے کہا۔
"فون نمبر کیا ہے تمہارا؟" اس نے رواروی میں سو
تھا۔

"میرے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ میرے ٹھکانے
لئے رہتے ہیں۔ فی الحال کام کرنے کے لئے تمھیں میری
ن کالز پر انحصار کرنا ہوگا۔ یہ بات تمہیں میری مجبوری سمجھ کر
ول کرنا ہوگی۔"
"جب کل اپنے گھر بلا ہی رہے ہو تو آج فون نمبر دینے
ں کیا حرج ہے۔" اس کے لہجے میں پہلی بار سرد سی سنجیدگی در
ئی اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ میری مخاطب کوئی عام سی
ے عورت نہیں تھی۔
"ضروری نہیں کہ ہماری ملاقات وہیں ہو جہاں میں اس
ت موجود ہوں۔" میں نے بھی سرد اور روکھے لہجے میں کہا۔
ل جول میں ہم نے ایک دوسرے کے اصولوں کا لحاظ نہ رکھا
یہ گاڑی سرے سے چل ہی نہیں سکے گی۔ کیا تم میرے فون
بر کے بدلے میں مجھے بلیک کیٹ ٹی کا پتا یا فون نمبر بتا سکتی ہو؟"
"وہ ایک تیسرا آدمی ہے، میں اپنی اور تمہاری بات کر رہی
ں۔" اس نے کہا۔
"میرے اور تمہارے درمیان یہ پہلی گفتگو ہے۔ نہ میں
مہارا عاشق ہوں، نہ تم مجھ پر فدا ہوئی ہو۔ پھر ہم ایک دوسرے
ے یہ توقع کیسے کرسکتے ہیں کہ ہمارے لئے فریقِ ثانی اپنے
صولوں سے انحراف بھی کر گزرے گا۔"
"ٹھیک ہے۔" اس کا لہجہ سنجیدہ اور سپاٹ رہا تھا۔ "میں کل
ماری کال کا انتظار کروں گی۔"
وہ مجھ سے شاید کسی جواب کی توقع کر رہی تھی لیکن میں
نے مزید کچھ کہے بغیر فون کا ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔
"آج تم نے واقعی میرا دل خوش کر دیا۔" ویرا میرے شانے
تھ مارتے ہوئے بولی۔
"کیوں آج کیا خاص بات ہو گئی؟" میں نے اپنا شانہ
لاتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔
"آج پہلی بار تم نے ثابت کیا ہے کہ تم عورتوں سے ہمیشہ
مرعوب نہیں ہوتے۔ تمہاری دو ٹوک باتیں سن کر وہ الو کی
ی اپنے ہونٹ چباتی رہ گئی ہوگی۔ بعض عورتیں تو بس یہ
ھتی ہیں کہ وہ جس مرد سے ذرا سا ہنس کر بات کرلیں وہی
ھ کے کسی الو کی طرح ان کے پیچھے دم ہلاتا پھرے گا..... وہ کیا
رہی تھی تم سے؟"
"فون نمبر مانگ رہی تھی۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔
تمہیں اتنی معمولی سی بات پر بغلیں نہیں بجانی چاہئیں۔
رٹ ایجنٹوں کا کام ایسا ہوتا ہے کہ ان میں انا کی رمق بھی باقی
ں رہتی۔ انہیں ابتدا سے ہی ہر قیمت پر مقررہ نتائج حاصل
نے کی تربیت دی جاتی ہے، چاہے اس کے لئے انہیں اپنے
جسم، مزاج اور خودی کو ہی داؤ پر کیوں نہ لگانا پڑ جائے، میں نے تو
اسے ذرا سی بات کہی تھی اگر وہ حقیقی معنوں میں سیکرٹ ایجنٹ
ہے تو کل ملاقات ہونے تک وہ ان ناخوشگوار فقروں کو سرے
سے بھول چکی ہوگی کیونکہ میری ذات سے اس کے ملک کے
مفادات وابستہ نظر آنے لگے ہیں۔"
مجھے توقع تھی کہ سلطان شاہ جہانگیر کے ساتھ کرنل کی
لاش ٹھکانے لگانے کے بعد شام سے پہلے واپس نہیں آئے
گا اس لئے میں تیار ہو کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔
ویرا نے میرے ساتھ جانا چاہا تھا لیکن میں نے سختی سے
انکار کر دیا۔ اسے میں نے یہی بتایا تھا کہ مجھے اگلے روز مسز شانتی
نرائن سے ملاقات کے لئے تیاری کرنی تھی اس لئے میرا باہر
جانا ناگزیر تھا جب کہ مجھے اصل فکر سیٹھ حبیب جیوانی کی
طرف سے لاحق تھی۔ میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ مجھ سے بات نہ
ہونے کی وجہ سے وہ کس قدر بھنّایا ہوا ہوگا۔
دفتر میں شاید عملے کے لوگوں کو اس دن بھی میری آمد کی
امید نہیں رہی تھی اس لئے میری صورت دیکھتے ہی وہاں
ہلچل سی مچ گئی مگر میں ان سب کو نظر انداز کرتا ہوا سیدھا اپنے
دفتر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔
سینڈو کے بارے میں ٹیلی فون آپریٹر سے پتا چلا کہ وہ فون
پر مجھ سے بات ہوتے ہی اپنے کام پر نکل کھڑا ہوا تھا۔
میں نے اپنے کمرے کے دروازے پر پرائیویسی آن
کر کے ڈائریکٹ لائن پر پہلی بار سیٹھ حبیب جیوانی کے گھر کا نمبر
ملایا تو میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا ہے۔
گھنٹی بجنے پر خوش قسمتی سے خود حبیب نے ہی ریسیور
اٹھایا تھا ورنہ میں سوچ رہا تھا کہ اس کی بیوی سے میں خود کو کن
الفاظ میں متعارف کرا سکوں گا۔
"میں ڈینی بول رہا ہوں چیف۔" میں نے دھیمی آواز میں
کہا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم شہر لوٹ آئے ہو۔"
مجھے پہچانتے ہی وہ ایک دم پھٹ پڑا۔ "میں کل سے آیا
ہوں اور دسیوں بار تمہارے لئے فون کر چکا ہوں لیکن کسی کو
کچھ پتا ہی نہیں ہے کہ تم کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو ....
اختیارات مل جانے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آدمی بالکل ہی
خود سر اور بے لگام ہو جائے، میں پوچھتا ہوں کہ پچھلے تین دن
سے تم کہاں غائب ہو؟"
"اس وقت میں اپنے دفتر میں ہوں۔" میں نے بجھے
ہوئے لہجے میں کہا۔ "اتنی توہین آمیز باز پرس سے تو بہتر ہوگا کہ
تم دفتر آکر مجھے اپنے ہاتھوں سے ذبح کر دو۔"
"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔" وہ میرے شریفانہ

احتجاج پر تلملا اٹھا۔
" تمہاری غیر حاضری میں ویرا کے ساتھ مسلح تصادم ہوچکا ہے جس میں وہ زخمی بھی ہوگئی تھی۔ آج کل میں اسی کے پیچھے لگا ہوا ہوں اور وہ اپنی جان کے خوف سے زیر زمین چلی گئی ہے۔"
" یہ سب کام تم اکیلے ہی کررہے ہو؟"
" سینڈو اور اس کے آدمیوں نے اس مقابلے میں اہم رول ادا کیا ہے لیکن وہ لوگ ہر کام نہیں کرسکتے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ویرا بہت چالاک عورت ہے اسے میں ذاتی طور پر دیکھ رہا ہوں۔"
" پھر اس کا پتا چلایا نہیں؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس نے سوال کیا۔
" پتا چل گیا ہوتا تو اس وقت تمہیں فون کرنے کے بجائے ساری نفری لے کر اس کی کمین گاہ کا گھیراؤ کیا ہوا ہوتا۔ میں تو اب اس کے لہو کا پیاسا ہو گیا ہوں۔"
ایک مرتبہ پھر کئی سیکنڈ کے لئے لائن پر سکوت چھاگیا۔ میں دانستہ خاموش رہا۔ آخر کار اسی کو جھلائی ہوئی آواز میں سکوت توڑنا پڑا۔" آگے بھی کچھ بکو۔ کیا سوگئے ہو؟"
" میں تو ہمہ تن گوش ہوں۔ تمہارے اگلے سوال کا انتظار کررہا ہوں۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔
" اس سے آگے بتانے کے لئے تمہارے پاس کچھ نہیں ہے؟" اس کا پارہ چڑھنے لگا تھا۔
" بہت کچھ ہے لیکن تم نے ہی مجھے صرف اپنی بات کا جواب دینے کی ہدایت کرکے میری زبان بند کردی ہے۔" میں نے اسے چڑانے کے لئے کہا۔" تم پوچھو تو میں بتاؤں گا۔"
" ڈینی! مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو۔" اس کے لہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس نے اپنی زبان کو بہت مشکل سے لگام دی تھی۔" تم میری زبان پکڑرہے ہو۔"
" میں ایسی جرات بھی نہیں کرسکتا' چیف۔" میں نے مسمسی آواز میں کہا۔" اب تم نے اجازت دی ہے تو سنو کہ تم سرکاری طور پر وفات پا چکے ہو....."
" میں تمہاری چمڑی گرادوں گا' تم میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کررہے ہو۔" وہ میری بات کاٹ کر پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوری آواز سے دہاڑا تھا۔
" یہ ڈان تھری کا پیغام تھا چیف۔" میں نے اسے اپنے آپے سے مزید باہر ہونے کا موقع دیئے بغیر جلدی سے اپنی بات کی وضاحت کی۔" تمہارے متوفی ہم شکل کے دانت توڑ کر کاغذات کا پیٹ بھر دیا گیا ہے جس کی رو سے جرمنی کی جیل میں تمہاری وفات ہو چکی ہے۔ اب تم نام بدل کر ... عام پر آسکتے ہو۔"
" اتنی بڑی خبر' تم مجھے اب سنا رہے ہو؟" وہ ... کر اس کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔
" یہ خبر تو سینڈو بھی تم کو سنانا چاہ رہا تھا لیکن ... بھی موقع نہیں دیا۔ اس اطلاع کی وجہ سے ... بذات خود مجھے فون کیا تھا۔"
" مجھے تو ایک اخباری اشتہار میں شائع ہو... کے ذریعے پیغام ملا کہ مجھے فوری طور پر کراچی ... میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ دانتوں ... آسانی سے سلجھ جائے گا۔ وہ اشتہار تم ہی نے ... وقت تک حبیب کا غصہ کافور ہو چکا تھا اور وہ دو... بول رہا تھا۔
" اشتہار کا مجھے علم نہیں۔ وہ مدر مافیا والوں ... میں نے کہا۔
میرے الفاظ پر شاید وہ بری طرح چونکا تھا۔" تم ... مافیا کیا ہے؟"
" شاید میں اب بھی اندھیرے میں رہتا لیک... تھری نے ہی مدر مافیا کے بارے میں بریف کیا ... اعتراف کرتے ہوئے کہا۔" اب تم آگئے ہو تو ... محسوس کررہا ہوں ورنہ مجھے ہر وقت یہ شبہ ر... مدر مافیا کا کوئی نہ کوئی آدمی میرا پیچھا کررہا ہے۔"
" تم دو چار روز عیش کرو۔ یہ تمہارا انعام ... خوش دلانہ آواز ابھری۔" کل سے دفتر کے معاملات ... دیکھ لیا کروں گا۔ دل بھر جائے تو کام پر واپس آجا...
" چھٹی میں ضرور کروں گا... لیکن خدا کے لئے ... تحقیر نہ کیا کرو کہ مجھے اپنے وجود پر غصہ آنے ... مجھے آسمان پر پہنچادیتے ہو اور کبھی تحت الثریٰ ... دیتے ہو۔"
اتنے دنوں میں پہلی بار میں نے اس کی ہنسی کی ...
"آئندہ محتاط رہوں گا۔"
اس سے گفتگو ختم ہوتے ہی میں نے دفتر ... دوبارہ گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔
جہانگیر کے گھر میں ویرا ڈرائنگ روم میں ... بوتل لئے بیٹھی تھی اور خلاف معمول ڈرائنگ ر... جانے والے دونوں دروازے بند تھے' جہانگیر یا سلطا... پتا نہ تھا۔
" یہ دونوں ابھی تک نہیں آئے؟" میں نے ار...

لیتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔
"آگئے ہیں، تمہارا سورما دروازے بند کر کے اندر محصور ہو گیا ہے۔ اسے ڈر ہے کہ کہیں میں اس کی عزت نہ لوٹ لوں۔"
اپنے استہزائیہ لہجے میں کہا۔" اور جہانگیر واپسی کے بعد اپنی بیوی کی خبر لینے کے لئے اسپتال چلا گیا تھا۔ دروازہ کھلوا کر دیکھو کہ تمہاری سلطان بی بی زندہ ہے یا اس نے اپنی آبرو بچانے کے لئے خودکشی کر لی ہے۔"
"یقیناً تم نے اسے ستایا ہوگا ورنہ اتنا بزدل بھی نہیں ہے۔" میں نے ایک بند دروازے کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔" تم غیر ضروری طور پر اس سے مخاصمت مول لے رہی ہو۔"
"تم یقین کرو کہ میں نے کچھ نہیں کیا تھا، بس اس سے دوستی کرنے کی کوشش کی تھی جس سے پر وہ بدک گیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ مجھ سے بہت زیادہ خائف ہے۔"
سلطان شاہ نے میری کئی دستکوں کے بعد میری آواز سن کر دروازہ کھولا تھا۔ اس کا منہ سوجا ہوا تھا۔ ویرا نے تو مجھ سے کچھ اعتراف ہی نہیں کیا تھا لیکن سلطان شاہ نے بھی اپنے مضحکہ خیز ردعمل کا کوئی سبب نہیں بتایا۔ میرے بار بار کے اصرار پر صرف یہی کہتا رہا کہ ویرا اس کے ساتھ بدتمیزی کر رہی تھی۔
میری مداخلت پر دروازے کھل گئے لیکن سلطان شاہ وہاں بیٹھنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ جب کافی وقت برباد کرنے کے باوجود بھی میں ان دونوں کے درمیان نئی جھڑپ کے اسباب تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تو میں نے مجبوراً ویرا ہی کے ساتھ نشست جمالی کیونکہ نو بجے سے پہلے مجھے اس کے ساتھ، اس کے گھر جانا تھا تاکہ بلیک کیٹ ٹی کی طرف سے رابطہ ہونے کی صورت میں اس سے تفصیلی بات چیت کی جاسکے۔
"تم نے مسز شانتی نرائن کو اپنا نام پیٹرواک بتایا ہے جبکہ بلیک کیٹ ٹی اچھی طرح جانتا ہے کہ میں ڈینی کے ساتھ مل کر کام کر رہی ہوں۔" اس کا ذکر آنے پر ویرا بولی۔
"ضروری نہیں کہ تمہارے ساتھ صرف ڈینی ہی ہو۔" میں نے اپنی بائیں آنکھ دباتے کہا۔" پیٹرواک دوسرا آدمی بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی لازمی نہیں کہ بلیک کیٹ ٹی اور شانتی میں فوری طور پر کوئی رابطہ ہو سکے۔"
"لیکن آج ہم اس سے کیا بات کریں گے۔" ویرا نے گلاس خالی کرتے ہوئے سوال کیا۔
"اس سے ہونے والے سودے کی بنیادی شرط پر بات ہو گی۔" میں نے رسٹ واچ دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے
"وہ ابھی تک غزالہ سے ہماری بات کرانے میں ناکام رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں اس نکتے پر زور دینا چاہئے تاکہ مراد کو گھیرنے کی کوشش کرے۔ مراد غزالہ کو لے کر نکل گ بات دور چلی جائے گی۔"
"مراد نہ سہی، تو پھر اسے براہِ راست جانو ماچھی سے با کرنا ہو گی۔" ویرا کا لہجہ تلملہ کن تھا۔
ان دونوں کے مراسم میں کشیدگی نہ ہوتی تو شاید سلطا شاہ بھی ہمارے ساتھ چلنے پر اصرار کرتا لیکن اس وقت اس ہمارے پروگرام میں ذرا بھی مداخلت نہیں کی اور ہم دونوں کی کار میں وہاں سے روانہ ہو گئے۔
میں ویرا کے ڈرائنگ روم میں لاسلکی آلات کے نظام آن کرنے میں مصروف ہو گیا اور ویرا لباس تبدیل کرنے لئے اپنی خواب گاہ میں چلی گئی۔
وہ شب خوابی کے سیاہ لبادے میں واپس آئی تو می نگاہیں اس کے وجود پر جم کر رہ گئیں۔ سسٹم آن ہو چکا تھا لئے میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور ویرا دلآویز مسکراہٹ ساتھ میرے قریب ہی بیٹھ گئی۔ سلطان شاہ کی سرکشی کی میری تعریفی نگاہوں نے شاید اسے خاصا سہارا دیا تھا۔
ٹھیک نو بجے بلیک کیٹ ٹی اپنی مخصوص آواز کے س لائن پر آگیا۔
"ہم تمہاری آواز سن رہے ہیں۔" طے شدہ پروگرا مطابق میں نے بات شروع کی۔" ہم مال فراہم کرنے ے تیار ہیں لیکن تمہاری طرف سے ابھی تک نہ ضامن س آیا ہے اور نہ ہی تم غزالہ سے ہماری بات کرانے میں کا حاصل کر سکے ہو۔"
"کرنل مہیش پال کئی دن سے اپنے سفارت خانے غائب ہے۔ آج شام ان لوگوں نے مایوس ہو کر کرنل گمشدگی کی ایف آئی آر کٹوا دی ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ مقامی خفیہ ایجنسی کے ہتھے نہ چڑھ گیا ہو۔"
"پھر تمہاری ضمانت کون لے گا؟" اس کے خامو ہونے پر میں نے سوال کیا۔
"اس کا جواب تم خود بھی جانتے ہو، تم میں سے ک آج رام دیال سے اس موضوع پر بات کی ہے۔ کرنل کے

پاکستان میں وہی میرے لئے ایسا کوئی بندوبست کر سکتا ہے ۔
میں نے اس سے بات کی تو پتا چلا کہ تم لوگوں کے ذریعے وہ پہلے
ہی حالات سے باخبر ہو چکا ہے ایک دو روز میں وہ ضمانت کا
بندوبست کرا لے گا ۔ "

" اس نے تمہیں یہ بھی بتایا ہو گا کہ وقت کتنی تیزی کے
ساتھ ہماری گرفت سے نکلتا جا رہا ہے ۔ دوسروں سے بھی بات
چیت چل رہی ہے ۔ محض وعدوں اور امیدوں پر لاکھوں ڈالر
کیش کے سودے ملتوی نہیں کئے جاسکتے ۔ "

" میری مجبوریوں کی خاطر تمہیں انتظار کرنا ہو گا ۔" اس
کے لہجے سے دباؤ ظاہر ہو رہا تھا ۔

" لیکن کب تک ؟ اور اگر کرنل کسی ایجنسی کی قید میں
چلا گیا ہے تو تمہارا بنا بنایا کھیل بگڑ سکتا ہے ۔ تشدد سے گھبرا کر وہ
اپنی زبان کھول بیٹھا تو تمہارے ساتھ ہم بھی مصائب سے
دوچار ہو جائیں گے ۔ "

" تمہیں آج سے صرف دو دن تک انتظار کرنا ہو گا ۔
اڑتالیس گھنٹے گزرنے کے بعد آزادی ہو گی کہ تم اپنا اسلحہ
اسرائیل کو دو یا عراق کے ہاتھ بیچ دو ' رہا کرنل کا معاملہ تو میں
پوری ذمے داری سے تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان میں
ہماری حکومت کی طرف سے پیدائشی سیکرٹ ایجنٹ ہی بھیجے
جاتے ہیں جو مر جانا گوارہ کر جائیں گے لیکن اپنی زبان نہیں
کھولیں گے ۔ "

" یہ تمہارا مفروضہ ہے جس کی تصدیق یا تردید آنے والا
وقت ہی کر سکے گا ۔ "

" تم لوگ میری توقع سے کہیں زیادہ مستعد اور فعال ہو ۔"
اس کی آواز میں ہلکی سی اداسی اتر آئی ۔" میں نے تم کو بتایا تھا کہ
جانو ماچھی میرا آدمی ہے اس کا ہر آدمی میرا سپاہی ہے ۔ ان میں
ہر خطے اور ہر علاقے کے لوگ شامل ہیں جو اپنی روزی کے
لئے جانو ماچھی کے غلام ہیں ۔ اسلحہ ملنے پر جانو کی سربراہی میں
وہ سب میرے لئے کام کریں گے ۔ وہ سب اپنی ذات اور قوم
سے قطع نظر میرے سپاہی ہیں اور تم آج نہایت بے دردی
کے ساتھ اس کے سات آدمیوں کو ختم کر کے مجھے گہری زک
پہنچائی ہے ۔ "

" کون سات آدمیوں کی بات کر رہے ہو " میں نے حیرت
سے پوچھا اور میری وہ حیرت اس حد تک بجا تھی کہ ہم نے
اپنے ہاتھوں سے چوکیدار سمیت صرف پانچ آدمی مارے تھے
جب کہ وہ سات کی خبر سنا رہا تھا ۔ چھٹا تو پھر بھی ڈیفنس میں اپنے
ساتھیوں کے ہاتھوں مارا جانے والا ہو سکتا تھا لیکن ساتواں
میرے لئے ناقابلِ فہم تھا ۔

" شام کے اخبارات سے مجھے پتا چلا تھا ۔" اس کی آواز
ابھری ۔" ان میں صرف تین کو میں اچھی طرح جانتا ہوں ' مجھے
امید نہیں تھی کہ تم ان کی بو سونگھتے ہوئے ڈیفنس اور پھر نر
فیکٹری بھی پہنچ جاؤ گے ' ورنہ میں اپنی کوششیں تیز کر دیتا مجھ
سے ہیر پھیر کی کوشش نہ کرو ' میں جانتا ہوں کہ شہر میں ت
لوگوں کے علاوہ کوئی ایسی بے رحمانہ کارروائی نہیں کر سکتا ۔
جانو ماچھی کے آدمیوں سے تو پولیس والے بھی کنی کترا کر گز
جاتے ہیں اور انہیں چھیڑنے کی ہمت نہیں کر پاتے ۔ "

" یہ کوئی شرم یا ندامت کی بات نہیں بنتی اگر تم یہ کارنامہ
ہمارے ہی کھاتے میں ڈالنے پر مصر ہو تو میں تم سے بحث
نہیں کروں گا ۔ تم نے ضمانت کے لئے تو اڑتالیس گھنٹے مانگ
لئے لیکن غزالہ کے بارے میں ابھی تک خاموش ہو ۔ "

" وہ ساتوں تو مر گئے لیکن دلی صدمے کے ساتھ مجھے اس
بات کی خوشی ہے کہ اتنا بڑا آپریشن کرنے کے باوجود تم لڑکی
اپنے قبضے میں لینے میں کامیاب نہ ہو سکے ۔ شاید تمہیں ا
لوگوں کے تیسرے ٹھکانے کا علم نہیں تھا ۔ شام کے اخبار
دیکھ کر میں ان کے تیسرے اور آخری ٹھکانے تک پہنچا تو
خوبصورت مگر خونخوار لڑکی مراد کا گلا گھونٹ کر تمہارا اسلح
سات تک پہنچا چکی تھی ۔ جانو ماچھی کے ساتوں آدمی مو
کے گھاٹ اتر گئے لیکن میری جیت یہ ہے کہ میری بروق
مداخلت سے لڑکی مراد کو قتل کر کے فرار نہیں ہو سکی ۔"

اس کی زبان سے وہ انکشاف سنتے ہی میرا دل اچھل
حلق میں آگیا ۔ حیرت اور بے یقینی کی حالت میں میری
آنکھیں بھی اس کی پیشانی پر جا چڑھی تھیں ۔

" پھر اب کہاں ہے وہ لڑکی ؟" میں نے اضطراری لہجے
سوال کیا ۔

" میری تحویل میں ۔" اس کی آواز مجھے کسی گہر
کنوئیں کی تہ سے آتی ہوئی محسوس ہوئی اور یک بیک
دورانِ خون تیز ہو کر میری کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے ل

" لو ' اب میں اپنی دوسری شرط بھی پوری کرتا ہوں ' ت
اس سے بات کر لو ۔" اس نے کہا تھا اور میں لاسلکی ریسیو
غزالہ کی آواز سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو گیا ۔
اعصاب پر یکا یک ہی چٹخا دینے والا تناؤ طاری ہونے لگا
ویرا اضطراری طور پر صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی
غزالہ تک رسائی کی دوڑ میں بلیک کیٹ ٹی نے آ
ہم سب کو پیچھے چھوڑ دیا تھا ۔

"غزالہ اسپیکنگ" لاسلکی آلات پر اس کی بھرائی ہوئی مگر جذبات سے یکسر عاری آواز ابھری اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یک بیک فضا گنگنا اٹھی ہو۔ اس وقت عام حالات ہوتے تو شاید ویرا کی وہ آواز مجھے اس کی سلامتی اور صحت کے بارے میں فکر مند کر دیتی لیکن میں نے ایک طویل وقفے کے بعد اس کی آواز سنی تھی۔ میرے لئے بس اتنا ہی کافی تھا کہ اپنی تمام تر مشکلات اور دشواریوں سے نمٹنے کے بعد وہ زندہ تھی۔ میں بلیک کیٹ ٹی سے سن چکا تھا کہ غزالہ اپنے اغوا کنندہ کو قتل کرکے فرار ہونے سے ذرا ہی پہلے اس کے چنگل میں پھنسی تھی، اس لئے اس کالب و لہجہ اس وقت میرے لئے اہم نہیں تھا۔

موت کے سوداگروں کے خلاف میری جاں گسل جدوجہد میں وہ بھی اس بری طرح ملوث ہوئی تھی کہ کبھی اسے ویرانے اغوا کراکے پاکستان سے باہر اسمگل کرایا اور جب وہ درندوں کے اس غول کو چیر پھاڑ کر اپنا راستہ بناتی ہوئی پاکستان پہنچی تو بھیڑ کے بہروپ میں چھپے ہوئے، دلدار آغا نامی بھیڑیے نے اسے فریب دے کر مجھ سے اتنا دور کر دیا کہ وہ مشرقی لڑکی، مجھ سے روبرو ملنے کے باوجود مجھے اپنا نہ کہہ سکی۔ دلدار آغا کو اپنا مجازی خدا بنا کر اس نے خود ہی اپنی محبت کو لہولہان کر دیا تھا۔ اس عمل میں وہ خود بھی اندر سے اتنی فگار ہو گئی تھی کہ میں اپنے دل میں بھڑکتے ہوئے محرومی کے شعلوں اور کھولتے ہوئے انتقامی لاوے کے باوجود اس سے کوئی شکوہ نہ کر سکا اور میری غزالہ مجھے اپنے سے دور رہنے کا تحکمانہ مشورہ دے کر اسی درندے کے بھٹ میں لوٹ گئی جس نے اپنی مکاری سے اسے شکار کیا تھا۔

میرے لئے غزالہ کا یوں پرایا ہونا ایک بدترین شکست سے کم نہیں تھا۔ اس وقت تک میں ٹی کے ڈی ڈی کے بارے میں سن چکا تھا لیکن یہ بات میرے وہم و خیال میں بھی نہیں تھی کہ غزالہ کو مجھ سے چھیننے والا، دلدار آغا ہی ڈی ڈی ثابت ہوگا۔ میں اسے اپنا رقیب روسیاہ سمجھ کر اس کے پیچھے لگ گیا اور آخر کار اس کی ذات کے گرد بنے ہوئے حصار کو توڑ کر اس کی اصلیت کا سراغ لگا لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اپنے شوہر کا وہ گھناؤنا روپ بتدریج غزالہ پر بھی ظاہر ہوتا چلا گیا اور اپنے احتجاج کے نتیجے میں وہ اپنے ہی گھر میں ایک قیدی بنادی گئی۔

اس کی مظلومیت اپنی جگہ پر تھی مگر میں دلدار آغا کے لئے قہر داماں دشمن بنا ہوا تھا۔ میں اس کی بو پر لگا رہا اور آخر کار وہ بدنصیب شخص نہایت عبرت اور کسمپرسی کے عالم میں اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔

میرا خیال تھا کہ اس کی موت کے بعد میری اور غزالہ کی آنکھ مچولی ختم ہو جائے گی لیکن غزالہ کی پُراسرار اور ناقابل فہم روپوشی نے میرے اس خیال کو ایک خودساختہ وہم میں تبدیل کرکے رکھ دیا۔

وہ دوبارہ میری نظروں میں آئی تو میرے ہاتھ پڑنے سے پہلے ہی ناگہانی طور پر پولیس کی تحویل میں چلی گئی جہاں سے جانو ماچھی، ایک بدعنوان اور راشی پولیس افسر کی مجرمانہ سازش کے سہارے نہ صرف خود فرار ہوا بلکہ غزالہ کو بھی مال غنیمت کے طور پر اپنے ساتھ لیتا چلا گیا۔

جانو ماچھی کے ساتھیوں سے روح فرسا تصادم کے بعد اس وقت مجھے پہلی بار غزالہ کی شناسا آواز سنائی دی تھی۔ یہ درست تھا کہ وہ اس وقت بھی آزاد اور اپنی مرضی کی مالک نہیں تھی۔ بلیک کیٹ ٹی اپنی طاقت اور وسائل کے سہارے اس کی قضا و قدر کا مالک بن بیٹھا تھا لیکن یہ کافی تھا کہ وہ زندہ تھی۔

اگر وہ زندہ تھی اور اس کے دل میں زندہ رہنے کی تڑپ موج زن تھی تو جلد یا بدیر اسے بلیک کیٹ ٹی کے گھناؤنے چنگل سے رہائی مل سکتی تھی۔

"میں زندہ ہوں۔ مجھے قیدی بنانے والے آخری شخص سے مقابلے میں معمولی سے زخم آئے ہیں مگر اس سے میری ہمت اور ارادوں میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔" وہ اسی بھرائی ہوئی سپاٹ آواز میں کہہ رہی تھی۔ "میری بدقسمتی ہے کہ آخری لمحات پر اس نقاب پوش نے مجھے اپنا قیدی بنایا لیکن میں پہلا موقع میسر آتے ہی اس کا گلا کاٹ کر اپنی آزادی کی راہ نکال لوں گی۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم اس سے کیا کہتے رہے ہو لیکن میں نے اس کی جو کچھ یک طرفہ گفتگو سنی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نقاب پوش تم سے اسلحہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس سودے بازی میں کوئی سفارتخانہ بھی ملوث ہے۔ مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ تم نے جانو ماچھی کے چھ ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جبکہ ساتواں میرے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ نقاب پوش یقیناً آٹھواں ہوگا۔ اس نے لاسلکی ٹرانسمٹر کا ہیڈ گیئر میرے حوالے کرنے سے پہلے اپنی کسی دوسری شرط کا ذکر کیا تھا۔ میری ہدایت ہے کہ میری وجہ سے اس کا کوئی ناجائز دباؤ ہرگز قبول نہ کرنا۔"

"تم ان چکروں میں نہ پڑو" اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے اضطراری لہجے میں کہا "تمہاری وجہ سے اس نے ہم پر کوئی شرط عائد نہیں کی ہے۔ بلکہ ہم نے اس پر تمہاری تلاش میں مدد دینے کی ذمے داری عائد کی تھی۔ یہ ابھی ہماری شرط کا ذکر کر رہا تھا۔"

ویرا بولی "تم فکر نہ کرو۔ تمہارے لئے میں ڈینی کے ساتھ کام کر رہی ہوں۔"

ہم دونوں ہی کمرے میں گونجتی ہوئی اس کی آواز سن
رہے تھے۔ بیک وقت اپنی آوازیں اس تک پہنچا سکتے تھے
لیکن دوسری طرف ریسیور کا کام شاید ہیڈ فون سے لیا جارہا تھا
جس کی وجہ سے ہماری طرف سے کہی ہوئی بات ایک وقت
میں صرف غزالہ سن سکتی تھی یا پھر بلیک کیٹ ٹی سن سکتا تھا۔
غزالہ کہہ رہی تھی "مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں اکٹھے ہو۔
تم چاہو تو مل کر دنیا کے بڑے سے بڑے شہ زور کے پیر اکھاڑ
سکتے ہو" اس کے لہجے میں ہلکی سی ترشی تھی۔ ویرا نے معنی خیز
نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں خود بھی سمجھ رہا تھا کہ
غزالہ نے وہ فقرہ بلیک کیٹ ٹی کو سنانے کے لئے مجبوراً ادا کیا تھا۔
"لیکن دلدار کی موت کے بعد سے تم کہاں غائب تھیں؟"
میں نے دوسری طرف بات سنی جانے کے انفرادی نظام
سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ سوال کر ڈالا جس نے ان دونوں سے
مجھے پریشان کیا ہوا تھا۔

اس کا جواب خجالت آمیز تھا "ملوں گی تو سب کچھ بتادوں
گی۔ اب میں ٹرانسمٹر نقاب پوش کو دے رہی ہوں... یہ یاد
رکھنا کہ تمہیں اس کی دھونس میں آنے کی ضرورت نہیں
ہے۔"

غزالہ ویرا کو کبھی بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ اس کی ناپسند
میں سلطان شاہ کی طرح ذاتی عناد یا حسد کا دخل نہیں تھا۔
نہ ہی اسے اس بات کی پروا ہوتی تھی کہ ویرا ایک خوبرو اور
رنگین مزاج عورت تھی جو میرے اور غزالہ کے درمیان
فاصلہ پیدا کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔ اس کی ناپسندیدگی کا
واحد سبب یہ تھا کہ ویرا نہ صرف نسلی اعتبار سے بلکہ اپنے
مزاج کے لحاظ سے بھی ایک مستند اور پیشہ ور مجرمہ تھی جو اپنے
متعین کئے ہوئے مفادات کے حصول کے لئے کسی بھی
وقت، کسی کو بھی داؤ پر لگا سکتی تھی۔

یہ اچھا ہوا تھا کہ ویرا کی مداخلات کی وجہ سے غزالہ کو یہ علم
ہو گیا تھا کہ شی اور دلدار آغا کے خلاف بھیانک اور خون ریز
کارروائیوں کے باوجود، ان دنوں ویرا سے میری دوستی چل رہی
تھی ورنہ بے خبری کے عالم میں وہ بلیک کیٹ ٹی سے کچھ ایسی
باتیں کہہ سکتی تھی جنہیں سنبھالنا شاید میرے اور ویرا کے
لئے دشوار ہو جاتا۔

"میں نے تمہاری دوسری شرط پوری کردی ہے" کمرے
میں بلیک کیٹ ٹی کی آواز ابھری "لیکن میں ابھی تک غزالہ کو
سمجھنے سے قاصر ہوں۔ اپنے سن و سال سے یہ لڑکی نظر آتی
ہے لیکن باتیں پختہ کار عورتوں کی طرح کرتی ہے۔"
مجھے اس کا تبصرہ ناگوار گزرا اور میں نے ترش لہجے میں کہا
"تمہیں اس پر ریسرچ کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ کہ
اب اسے کب اور کہاں ہمارے حوالے کر رہے ہو؟"

"ابھی تک نہ تم مجھ پر اعتماد کر سکے ہو اور نہ مجھے تمہ...
نیت پر بھروسا ہے۔ کرنل مہیش پال یا رام دیال ہی کو یہ...
کام کرنا ہوگا۔ تمہیں رقم کی ادائیگی کا یقین دلانا ہوگا اور مجھے
اطمینان دلانا ہوگا کہ اس لڑکی کو تمہارے سپرد کردینے کے بعد
میرے ساتھ دھوکا نہیں ہوگا۔"
"تم اپنی باتوں سے ہمارے درمیان بداعتمادی کی فضا
کررہے ہو!"
"اعتماد دو طرفہ ہوا کرتا ہے میرے دوست!" اس کی...
میں ہلکی سی تلخی پیدا ہو گئی "یہ کیسے ممکن ہے کہ تم مجھے
سمجھتے رہو اور میں صدق دل سے تمہیں ساہوکار مان لوں"
"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں اڑتالیس گھنٹے گزر...
تک انتظار کرنا ہوگا؟"

بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن مجبوری کی وجہ...
صورت حال بدل بھی سکتی ہے۔"
اس کے معنی خیز لہجے نے مجھے چونکا دیا "کس مجبوری
ذکر کررہے ہو؟"
"تمہیں معلوم ہے کہ کرنل مہیش پال غائب ہے ا...
رام دیال نیا آدمی ہے۔"

اس کی نئی قلابازی سے مجھے الجھن سی ہونے لگی۔...
نے برہمی سے کہا "رام دیال نیا آدمی کہاں سے ہو گیا؟ نیا ہو...
وہ ہمارے کوڈ سے ہی لاعلم ہوتا۔"
وہ یوں ہنسا جیسے میری برہمی سے محظوظ ہو رہا ہو "پھر...
ضمانت فراہم کرنا اس کے فرائض میں ایک خوشگوار اضافہ...
ایسے کام کرنل مہیش پال ہی کیا کرتا تھا۔"
"اسے پیدا کرنا میری ذمے داری نہیں ہے۔ ہو سکتا...
کہ وہ خود ہی روپوش ہو گیا ہو۔"

"میرے لئے اس کی روپوشی بھی اسی قدر تشویشناک
ہے جتنی اس کی گمشدگی۔"
آخر تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟" رفتہ رفتہ میرے صبر کا پیالہ
لبریز ہوتا جارہا تھا۔

"اول تو سارا کام طے شدہ طریقے پر پایۂ تکمیل کو پہنچ...
چاہئے" مجھے محسوس ہوا جیسے وہ اس وقت الفاظ کو چبا چبا کر
کررہا ہو۔ وہ کہہ رہا تھا "لیکن کرنل مہیش پال کے درمیان...
نہ ہونے سے کوئی پیچیدگی بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ رام دیال
کرنل کے مقابلے میں ایک جونیئر افسر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ
دہلی میں بیٹھے ہوئے اعلیٰ افسران، اتنے بڑے سودے میں ا...
کو اختیارات دینے پر آمادہ نہ ہوں..."
اس کی بات پر مجھے شدید غصہ آیا لیکن مجھے اس کی بات
کو تحمل سے برداشت کرنا پڑا۔ میں نے پوچھا "پھر تم کیا کرنے
ارادہ رکھتے ہو؟"

"یہاں رہتے ہوئے میں کچھ بھی نہیں کرسکوں گا" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔

"پھر یہ سودا نہیں بن سکے گا" میں نے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ فوراً ہی چہکتے ہوئے لہجے میں بولا تھا "اس وقت ایسی بدشگونی کی باتیں نہ کرو۔"

"یہ بدشگونی تم خود ہی پیدا کرنا چاہ رہے ہو۔ ایسی منفی قیاس آرائی کا یہ کون سا موقع ہے؟"

"ضمانت نہیں مل سکی تو بھی ہمارا سودا ضرور ہوگا" اس کی پراعتماد آواز ابھری۔

"تو کیا رقم کی پیشگی ادائیگی کا کوئی بندوبست کر لیا ہے تم نے؟"

"غزالہ میری حفاظت میں ہے۔ تم خود اس سے بات کر چکے ہو۔ اس کے ہوتے ہوئے تمہیں کسی نہ کسی حد تک میری ذات اور زبان پر بھروسا کرنا ہی پڑے گا۔"

"یعنی تم اسے اپنی قید میں رکھ کر ہمیں بلیک میل کروگے؟" میں نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"یہ تمہارے اپنے الفاظ ہو سکتے ہیں، میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"بالکل یہی ارادہ ہے" میں نے غصیلے لہجے میں کہا "ہم تمہیں اسلحہ فراہم کریں گے تو تم غزالہ کو ہمارے حوالے کروگے۔ غزالہ کے تمہارے قبضے میں ہونے سے یہ بات کہاں ثابت ہوتی ہے کہ سودے کی قیمت کی ادائیگی کے معاملے میں تم نیک نیت ہو یا اتنی بڑی رقم ادا کرنے کی حقیقی استطاعت بھی رکھتے ہو؟"

"سودا بہت بڑا ہے۔ نہ تم مجھے سارا مال ایک کھیپ میں دوگے اور نہ میں ساری رقم کے سوٹ کیس اسی وقت تمہارے حوالے کروں گا۔ پہلی کھیپ ملتے ہی میں غزالہ کو تمہارے حوالے کردوں گا۔ تمہاری رقم بھی تمہیں مل جائے گی اور تم میری نیک نیتی کے قائل ہو جاؤ گے۔ اس سے آگے مجھے مال ملتا رہے گا اور تمہیں دام ملتے رہیں گے۔ غزالہ کو پہلی ڈیل ہونے تک اپنا مہمان رکھوں گا۔ اور وہ بھی صرف اس وقت جب رام دیال ضمانت فراہم کرنے میں ناکام ہو جائے" اس کا لب ولہجہ حد سے زیادہ مکارانہ ہو گیا تھا "وہ اپنا کام پورا کر لیتا ہے تو میں ایک لمحے کے لئے بھی غزالہ کو اپنے پاس نہیں رکھوں گا۔ خونخوار اور مردمار عورتوں سے میں ہمیشہ سے الرجک رہا ہوں۔ خود تم نے بھی غزالہ کو مراد کی بے جان لاش کے نرخرے پر آخری زور آزمائی کرتے ہوئے دیکھ لیا ہوتا تو شاید تمہارے ذہن سے اس کے حسن وجمال کا طلسم کئی دن کے لئے محو ہو جاتا۔"

"اتفاق نے اگر ہمیں یکجا کر ہی دیا ہے تو تمہیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ تم ہمارے ذاتی معاملات پر بھی تبصرے کرنے لگو" میں نے روکھے لہجے میں کہا۔

میری بات پر وہ فوراً ہی شرمندہ ہو گیا۔ "میں معذرت چاہتا ہوں۔"

جب تک غزالہ اس کی دسترس سے باہر تھی، وہ اپنی ملک دشمن سرگرمیوں کے لئے سراسر ہمارا محتاج تھا۔ ہم پر اس کا کوئی زور نہیں تھا۔ وہ پیسہ دے کر ہم سے ہتھیار اور اسلحہ خریدنا چاہ رہا تھا لیکن ہم اپنی مرضی کے مالک تھے۔ ہم نے اس پر کرنل مہیش پال کی ضمانت فراہم کرنے کی شرط عائد کر کے ایک اعتبار سے خود ہی کرنل کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس سے آگے اگر رام دیال نئی دہلی سے ہماری مطلوبہ ضمانت کا بندوبست کرادیتا تو دوسری بات تھی ورنہ ہم آزاد تھے لیکن بدقسمتی سے غزالہ کی صورت میں ایک اہم کارڈ اس کے ہاتھ لگ گیا تھا اور صاف نظر آرہا تھا کہ وہ اپنی اس کامیابی سے پورا پورا فائدہ اٹھانے پر تلا ہوا تھا۔ مجھے محسوس ہورہا تھا کہ کہیں اس نے رام دیال کو اپنی کوششیں عارضی طور پر معطل کرنے کی ہدایت ہی نہ کردی ہو۔

"تمہارے اڑتالیس گھنٹے پرسوں پورے ہوں گے۔ پھر اسی وقت بات ہوگی" میں نے کہا۔

"لیکن ہم کل رات بھی بات کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ کام بن جائے" وہ بولا۔

"کل ہم دونوں مصروف ہیں" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا "کل کوئی بات نہیں ہو سکتی۔"

"شاید تم میری کسی بات سے ناراض ہو گئے۔" اس کا لہجہ مصالحانہ ہو گیا "تمہیں معلوم ہے کہ میں اپنی کوششوں سے ویرا کی کمین گاہ تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ میرے لئے یہ پتا لگانا مشکل نہیں ہوگا کہ کل کے لئے واقعی تمہارا کوئی پروگرام ہے یا تم مجھے ٹالنے کی کوشش کررہے ہو۔"

اس کا نرم لہجہ اپنی جگہ لیکن اس کی بات اشتعال دلانے والی تھی اس لئے میں فوراً ہی بھڑک گیا "تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔ ہم لوگ اس شہر میں تمہارے باج گزار نہیں ہیں جو اپنے ہر قول اور فعل میں تمہاری خوشنودی کا خیال رکھیں۔ اگر تم نے یا تمہارے کسی آدمی نے اب ہمارے قریب آنے کی کوشش کی تو ہم بے رحمی سے اسے ذبح کر ڈالیں گے۔ شاید تم بھول گئے ہو کہ میری اور ویرا کی پشت پر شی کی وہ قوت ہے جس سے ہر ایک لرزتا ہے۔"

اس نے میری کسی بھی بات کا جواب دیے بغیر کہا "اچھا تو اب تم سے پرسوں ہی بات ہو گی۔ میں اس مرحلے پر بات بڑھا کر کوئی بدمزگی پیدا کرنا نہیں چاہتا۔"

گفتگو کا سلسلہ ختم کر کے میں نے سسٹم آف کر دیا تاکہ ویرا سے بات کر سکوں۔

"غزالہ تو ہر بار چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر ہمارے ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے" میرا کام ختم ہو جانے پر ویرا نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"مقدر کی بات ہے کہ ہم اس قدر کشت و خون کر کے بھی اسے حاصل نہ کر سکے اور بلیک کیٹ ٹی نے کسی جدوجہد کے بغیر اسے اپنا قیدی بنا لیا" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "مجھے پورا یقین ہے کہ اب رام دیال دم دکھا دے گا اور بلیک کیٹ ٹی پہلی کھیپ ملنے تک غزالہ کو اپنی قید میں رکھے گا۔"

"جانو ماچھی کے ٹھکانوں تک تو ہم نے رسائی حاصل کر لی تھی لیکن بلیک کیٹ ٹی کا سراغ ملنا مشکل ہے۔ اسے تو تم نے شی کی تنظیم اور قوت کی دھونس دے ڈالی لیکن یہاں تم نے اپنے ہاتھوں سے ان دونوں چیزوں کو تباہ کر دیا ہے۔ میں اکیلی تو کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ اب ہمیں تحمل سے مناسب وقت کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ مسز شانتی نرائن سے ہمیں کچھ مدد مل سکے" میں نے امید ظاہر کی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ شانتی سے ملاقات سود مند ثابت نہ ہوئی تو مجھے اسلحہ کی ڈیل کے بارے میں اپنے بڑوں سے رجوع کرنا پڑے گا۔ باہر سے صرف میری ہدایت پر اسلحہ یہاں نہیں بھیجا جائے گا اور مجھے فکر لاحق ہو چلی ہے کہ میں جوں ہی باہر والوں سے کسی بھی سلسلے میں رابطہ کروں گی تو وہ مجھ سے جمی لائیڈ کے لئے میرے مشن کے بارے میں کریدنے کی کوشش کریں گے جس کے لئے میرے پاس کوئی جواب نہیں ہو گا۔"

"اس میں میرا کیا قصور ہے؟" میں نے بے چارگی سے سوال کیا۔

"نہ ہو لیکن وہاں تو یہی سمجھا جا رہا ہو گا کہ میں پاکستان آ کر پھر بدل گئی ہوں۔"

میں نے حیرت سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا "اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟"

اس نے شانے اچکا کر میری طرف دیکھا اور تیز لہجے میں بولی "وہ سیٹلائٹ مائیکروفون سے میری مصروفیات کی نگرانی کر رہے تھے۔ تم نے اسے تباہ کر کے وہ رابطہ ہی منقطع کر دیا۔ انہیں تشویش تو ضرور ہو گی اور پھر میں نے بھی یہاں آنے کے بعد سے اب تک ان لوگوں میں سے کسی سے رابطہ نہیں کیا ہے۔"

"سیٹلائٹ مائیکروفون تمہارے کمرے میں تمہاری لاعلمی میں چھپایا گیا تھا۔ تم خود ہی انہیں اپنے کمرے میں کسی مشتبہ لاسلکی آلے کی موجودگی کی خبر سنا سکتی ہو۔ کہہ دینا تمہاری چھیڑ چھاڑ کے نتیجے میں وہ آلہ یک بیک جل کر تباہ ہو... اس کہانی کے بعد کوئی بھی تم سے کوئی سوال نہیں کرے گا۔"

"ترکیبیں بتانا دنیا کا سب سے آسان کام ہے۔ اب اس معاملے کو تو مجھے ہی بھگتنا ہو گا۔ بظاہر میں اس مائیکروفون سے انجان بن سکتی ہوں لیکن میری اس بے خبری پر کوئی اعتماد نہیں کرے گا۔ شی کے بڑوں کو اپنے اعلیٰ اختیارات کی وجہ سے بعض ایسی چیزوں اور رازوں تک بھی رسائی حاصل ہو جاتی ہے جو اصولاً ان کے علم میں نہیں آنے چاہئیں۔ سیٹلائٹ مائیکروفون کی کارکردگی میں ڈیلاس میں بنفس نفیس دیکھ چکی تھی۔"

"وہ بعد کی باتیں ہیں۔ جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ فی الحال تو میرے ذہن پر شانتی نرائن سوار ہو کر رہ گئی۔ اب میری تمام امیدیں اسی کی ذات سے وابستہ ہو کر رہ گئی۔

"ابھی بلیک کیٹ ٹی نے تم سے جو کچھ کہا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اس کی نیت خراب ہو رہی ہے تو وہ ... تک رام دیال کو بھی اپنے ارادوں سے آگاہ کر چکا ہو گا تاکہ اس سے براہ راست بات کریں تو وہ ہم کو اصل کہانی سے ... نہ کر دے اور اگر وہ ایسا کر بیٹھا ہے تو یقین رکھو کہ رام دیال شانتی نرائن کو بھی بریف کر دیا ہو گا اور وہ ہمارے کسی کام نہ آ سکے گی۔ اگر وہ تم سے ملی بھی تو تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش کرے گی۔"

میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا "تو اب میں کون سا ... ہوں؟ پھر خوبصورت اور دل نواز عورتوں سے مل کر تو شیخ کا بھی گمراہی کے لئے مچلنے لگتا ہے۔"

"تم نے بھی عجیب سیمابی طبیعت پائی ہے" وہ ... گھورتے ہوئے، ملامت آمیز لہجے میں بولی "ابھی غزالہ ... فراق میں گھلے جا رہے تھے اور اب شانتی سے ملنے کی امید ... قہقہے لگا رہے ہو۔ تمہاری طبیعت کے اسی تلون سے سلطان شاہ چڑچڑاتا ہے۔ اگر اس وقت وہ موجود ہوتا تو یقیناً تم سے ... پڑا ہوتا۔"

سلطان شاہ کے ذکر پر میں چونک پڑا "باتوں میں ڈوب ... میں وہ قصہ تو بھول ہی گیا تھا۔ تنہائی میں تم نے اس کے ... کیا حرکت کی تھی کہ وہ خود کو گھر میں محصور کر لینے پر مجبور ... تھا؟ وہ خاصا شرمسار اور جھینپا ہوا نظر آ رہا تھا، اسی وجہ سے ... نے اس سے بھی زیادہ باز پرس نہیں کی۔"

اس بار وہ ہنستے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں بولی تھی "اسی سے پوچھ لینا۔ چھیڑ چھاڑ کے بعد بات ہاتھا پائی اور پھر کشتی تک پہنچ گئی تھی۔ میرا اندازہ ہے کہ آج کے واقعے کے بعد ہمیشہ کے لئے ہم دونوں کے تعلقات بہتر ہو جائیں

راصل میں آج سے پہلے اس کے ٹائپ کا اندازہ نہیں لگا سکی
تھا۔ "تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

وہ شوخ لہجے میں بولی "میں کسی سے کچھ نہیں چھپاتی۔ جو کچھ ہوا تھا، وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔ اس سے آگے کی تحریر اس کی آنکھوں میں پڑھنے کی کوشش کرنا۔"

وہ بہت ضدی اور ہٹ دھرم تھی۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ اس موضوع پر اس وقت مزید زبان نہیں کھولے گی۔ اس لئے میں نے چلنے کا ارادہ کیا مگر وہ بھی میرے ساتھ ہی اٹھ گئی۔

"تم کہاں چلیں؟" میں نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

"اب میں بڑی حد تک تمہاری پارٹی میں شامل ہو چکی ہوں اس لئے مجھ سے دور بھاگنے کی کوشش بے سود ہیں۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ سلمیٰ نے کیسٹر آئل پی کر کیا کارنامہ سر انجام دیا ہے؟"

"جہانگیر اس معاملے میں بہت جذباتی ہے۔ اس کے سامنے یہ الفاظ نہ دہرا بیٹھنا ورنہ وہ زندگی بھر کے لئے تمہاری صورت سے بے زار ہو جائے گا۔"

وہ مجھے چیلنج کرنے والے انداز میں بولی "وہ سلطان شاہ کی بالکل ضد ہے۔ میری اصلیت سے آگاہ ہوتے ہی مجھ پر ریشہ خطمی ہوا جا رہا تھا۔ تم اسے بار بار نہ ٹوک رہے ہوتے تو وہ میرے پیر چاٹ رہا ہوتا۔"

اس سے میرے مراسم بہت دوستانہ اور بے تکلفانہ تھے لیکن جہانگیر اور سلطان شاہ اس کی وجہ سے قدرے ذہنی دباؤ کی حالت میں رہتے تھے، اس لئے میں اسے ساتھ لے جانے پر آمادہ نہیں تھا لیکن اس کے اصرار کے سامنے مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے اور وہ اپنا گھر مقفل کر کے میرے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئی۔

وہ اس وسیع و عریض مکان میں برقی حفاظتی نظام اور برقی تالوں کے حصار میں تنہا رہتی تھی۔ چند روز پہلے تک اسے گمان تھا کہ اس مکان کا حفاظتی نظام ناقابل تسخیر تھا۔ اس کی خلوت میں کسی اجنبی کی مداخلت بعید از قیاس تھی۔ لیکن بلیک کیٹ ٹی نے، اس کی لاعلمی میں، اس کے ڈرائنگ روم میں لاسلکی مواصلاتی نظام نصب کر کے اس کے اعتماد کو خاصی ٹھیس پہنچائی تھی مگر پھر بھی ویرا کا خیال تھا کہ ہر شخص بلیک کیٹ ٹی کی طرح اس کے مکان میں رسائی حاصل نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس نے پھاٹک پر برقی قفل کے علاوہ کوئی اور احتیاط ضروری نہیں سمجھی تھی۔

اس وقت ہم دونوں ایک ہی کار میں سفر کر رہے تھے۔ میں خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ ویرا خوشگوار باتیں کر رہی تھی اور بظاہر ہمیں کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا لیکن بلیک کیٹ ٹی سے ہونے والی، تازہ ترین گفتگو کی وجہ سے میں لاشعوری طور پر بہت زیادہ چوکنا تھا، اس لئے میں نے ابتداء ہی سے اس کار کو بھانپ لیا جو ایک گلی سے نکل کر ہمارے پیچھے روانہ ہوئی تھی۔

ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی کے پیچھے رات کے اندھیرے میں چھپی ہوئی کسی کار کا رنگ اور ماڈل وغیرہ دیکھنا ناممکنات میں سے تھا، اس لئے میں نے ابتدا ہی سے عقب نما آئینے میں مسلسل ان دونوں چمکتے ہوئے ہیڈ لیمپس پر اپنی نگاہ رکھی تاکہ تعاقب کے بارے میں میرے شبہے کی حتمی تصدیق یا تردید ہو سکے۔

چند بے مقصد موڑ گھومنے اور گلیوں کی سڑکیں ناپنے کے بعد جب میں نے دوبارہ اپنی کار مین روڈ پر نکالی تو پیچھے آنے والی کار بدستور ہمارے پیچھے آ رہی تھی۔ میری ڈرائیونگ سے شاید وہ بھی اندازہ لگا چکا تھا کہ میں اپنے تعاقب سے باخبر ہو چکا ہوں لیکن اس نے بھی ڈھٹائی اختیار کر لی اور ہم سے اپنا فاصلہ بڑھانے یا ہیڈ لیمپس گل کرنے کے بجائے مسلسل اسی فاصلے سے ہمارے پیچھے آ رہا جو اس نے ابتدا ہی سے قائم رکھا ہوا تھا۔

کافی دیر بعد ویرا کو میری حرکات کا اندازہ ہو سکا تھا اور اس نے چونک کر مجھ سے پوچھا تھا "یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ سیدھے راستوں کے بجائے گلیوں میں کیوں بھٹک رہے ہو؟"

"تم اپنی کھال میں مست اور بے خبر ہو جبکہ ایک کار ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔"

میرے انکشاف پر اس نے چونک کر اپنی گردن پیچھے گھمائی تھی اور تعاقب میں آنے والی کار کا جائزہ لیتے ہوئے زیر تشویش لہجے میں بڑبڑائی تھی "تو بلیک کیٹ ٹی نے اپنی دھمکی پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔"

"میرے لئے یہ تعاقب بہت زیادہ خیال انگیز ثابت ہو رہا ہے" میں نے کہا۔

میرے لہجے نے اسے مزید چونکا دیا "کیوں؟ کیا اس تعاقب میں کوئی خاص بات نظر آ رہی ہے؟"

"خاص ہی نہیں، خاص الخاص کہو" میں نے کہا "میں ٹائمنگ پر غور کر رہا ہوں۔"

ویرا نے اس اثنا میں اپنے بیگ میں سے بھرا ہوا پستول نکال کر گود میں رکھ لیا تھا۔ وہ بولی "کھل کر بات کرو! میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکی۔ کس ٹائمنگ پر غور کر رہے ہو تم؟"

"بلیک کیٹ ٹی سے ہماری گفتگو کو ختم ہوئے بمشکل پانچ دس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ایک کار نے ہمارا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ ہم فوراً بھی روانہ ہوئے

ہوتے تو کار اسی طرح ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہوتی۔"
"کیا مطلب ہے کہ وہ اسی علاقے میں ہمارے آس پاس ہی رہتا ہے؟"

"وہ کہیں بھی رہتا ہو' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرا خیال ہے کہ اب میں اس کا طریق کار کسی حد تک سمجھ گیا ہوں۔ وہ اول درجے کا مکار اور سازشی ہے اور شاید خود ہی ہمارا تعاقب کر رہا ہے" میں نے کہا۔

اس نے حیرت اور بے یقینی سے سوال کیا "وہ خود ہمارا پیچھا کر رہا ہے؟"

"ہاں! میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں" میں نے کار کی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ غزالہ بھی اس کار میں اسی کے ساتھ ہے۔ اس نے ابھی چند منٹ پہلے ٹرانسمٹر پر غزالہ سے ہماری بات کرائی تھی" کھوپڑی میں امکانات روشن ہونے کے ساتھ ہی اس کی حیرت میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ میری بات تمہاری سمجھ میں آگئی" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اس نے جو آلات تمہارے ڈرائنگ روم میں نصب کئے ہیں وہ بہت زیادہ طاقتور نہیں ہیں۔ طویل فاصلوں پر کام کرنے والے ہائی فری کوئنسی لاسلکی آلات کے استعمال میں ہر وقت یہ خدشہ رہتا ہے کہ درمیان میں کوئی غیر متعلقہ فریق پیغام نہ سن لے' اس لئے وہ مقررہ وقت پر کسی قریبی گلی میں اپنی کار پارک کر کے وہیں سے ہم سے بات کرتا ہے اور ہمیں یہ تاثر دینے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ ہم سے بہت دور اپنے کسی محفوظ ٹھکانے سے سارے مذاکرات کر رہا ہے جبکہ یہ آلات شاید چند کلومیٹر سے زیادہ آگے تک کام ہی نہیں کرتے ہوں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو ورنہ اتنی جلدی وہ کسی کو ہمارے پیچھے نہیں لگا سکتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں اس کو گھیرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ قصہ ابھی ختم ہو جائے۔"

"اتنی پر امید نہ بنو" میں نے ذہن میں ایک خاکہ بناتے ہوئے کہا "میں شہر کے پرہجوم راستوں کی طرف نکل رہا ہوں۔ جہاں بھی میں کہوں' پلک جھپکتے میں نیچے اتر کر دروازہ بند کر دینا۔ تم ٹیکسی پکڑ کر اس کے پیچھے لگ سکتی ہو مگر شرط یہی ہے کہ وہ تم کو اس کار... سے اترتا ہوا نہ دیکھے۔ خطرہ بھانپتے ہی وہ فرار کی راہ اختیار کرنے میں ذرا بھی تکلف نہیں کرے گا اور ہم شہر کی سڑکوں پر جھک مارتے رہ جائیں گے۔"

"لیکن اس مصالحانہ فضا میں اسے ہمارا تعاقب کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"غزالہ کے ہاتھ لگ جانے کے بعد وہ خود کو بالا دست سمجھ رہا ہے اور ہمارے اوپر اپنا دباؤ بڑھانا چاہتا ہے۔ تم پر چلی ہو کہ ہتھیار اور سرمائے کے ساتھ ہی اسے افرادی قوت کی بھی ضرورت ہے۔ وہ تمہیں بھی پیشکش کر چکا ہے لہٰذا تو معقول معاوضے پر اپنے آدمیوں کی خدمات اس کے حوالے کر دو۔ وہ لین دین میں تو گڑبڑ نہیں کرے گا لیکن اس طرح ڈال کر آخر کار ہمیں وسیع تر پیمانے پر' اپنا ساتھ دینے پر مجبور کرے گا۔"

کافی لمبا چکر کاٹ کر ہم صدر کے بارونق علاقے میں داخل ہوئے تو پورا علاقہ روشن اشتہارات سے دمک رہا تھا۔ دکانیں بند ہو چکی تھیں اور فٹ پاتھوں پر غیر ملکی سیاح یا مقامی لوگ نظر آ رہے تھے لیکن سڑکوں پر رش نہ ہونے کے باوجود خاصا ٹریفک رواں تھا۔

میرے ذہن میں ایک واضح پروگرام بن چکا تھا۔ جب محض میرا پیچھا کر رہا تھا' اس لئے رفتار کی کمی بیشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں اپنے اور اس کے درمیان کئی کاریں کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اگلے چوراہے پر ٹریفک سگنل کی سبز بتی روشن تھی۔ میں نے اچانک ہی اپنی رفتار کم کر دی۔ پہلو سے گاڑیاں نکل رہی تھیں لیکن میں اپنی قطار میں رینگتا رہا۔ میرے پیچھے آنے والے میری اس سست روی سے پریشان ہونے لگے۔ کئی لوگوں نے ہارن بجائے گئے مگر میں نے انہیں نظر انداز کر دیا۔ آگے نظر آنے والے سبز سگنل کی وجہ سے دائیں بائیں جانب کی سڑکوں میں ٹریفک تیزی سے رواں تھا۔ اس لئے میرے پیچھے آنے والوں کے لئے پہلو کاٹ کر آگے نکلنا بھی ممکن نہیں تھا۔

پھر جوں ہی سگنل پول پر زرد بتی روشن ہوئی' میں نے کار کی رفتار یک بیک تیز کر دی۔ چوراہے پر پہنچتے تک سرخ بتی جل اٹھی تھی اور دوسری سمت کا ٹریفک رواں ہونے والا تھا کہ میں سرخ بتی کی پروا کئے بغیر' برق رفتاری کے ساتھ نکلتا چلا گیا۔ میرے پیچھے آنے والوں کو رکنا پڑ گیا تھا اور تعاقب کرنے والا اس بھیڑ میں پھنس کر رہ گیا تھا۔

اگلا سگنل بند تھا' وہاں صرف چند ہی گاڑیاں تھیں۔ رکنے سے پہلے ہی میں نے ویرا کو اشارہ دیا اور وہ پلک جھپکتے میں گاڑی سے اتر کر آگے کھڑی ہوئی ٹیکسی کی طرف لپکی۔ شہر کی روایت کے برعکس اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے مذاکرات میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا تھا اور دروازہ کھول کر عقبی نشست میں غائب ہو گئی تھی۔

عقب نما آئینے میں پچھلے سگنل سے ٹریفک حرکت کرتا ہوا نظر آیا تو اسی لمحے میرا سگنل بھی سبز ہو گیا۔ میں نے حرکت کرنے والا شاید چند سو گز کے فاصلے سے یہ دیکھ چکا تھا کہ میں نے بائیں طرف گھوم کر کہیں غائب ہو جانے ...

سرخ بتی پر رک جانے کا فیصلہ کیا تھا اس لئے راستہ کھلتے ہی وہ ڈرائیور کے کرتب دکھاتا ہوا دوسری گاڑیوں سے آگے نکلا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے، میرے اور اس کے درمیان صرف دو گاڑیاں رہ گئی تھیں۔

ویرا نے ڈرائیور کو شاید اپنی خوش اخلاقی سے زیر کرلیا تھا کیونکہ اس کی ٹیکسی اپنی قطار سے داہنی طرف نکل کر رینگ رہی تھی اور واضح طور پر مجھ سے پیچھے بلکہ تعاقب کرنے والے کے پیچھے آنا چاہ رہی تھی۔

محمد علی جناح روڈ پر آنے تک تینوں گاڑیوں کی فارمیشن میرے پروگرام کے مطابق ہوچکی تھی۔ صدر کے جگمگاتے ہوئے علاقے میں موڑ گھومتے ہوئے میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ میرا تعاقب کرنے والی گاڑی گہری سبز نسان کار تھی جس پر کراچی ہی کی نمبر پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ میں اپنی پوری کوشش کے باوجود اس کا نمبر نہ پڑھ سکا لیکن مجھے امید تھی کہ وہ پہلو ویرا نے نگاہ میں ضرور رکھا ہوگا۔ اس تعاقب سے کچھ اور نتیجہ نکلتا یا نہ نکلتا، کم از کم کار کے نمبروں کے سہارے ہم کسی سمت میں کوئی کارروائی ضرور کرسکتے تھے اور اس طرح ہمیں بلیک کیٹ ٹی کا کوئی نہ کوئی سراغ مل سکتا تھا۔

نمائش کا چوراہا گھوم کر میں قائداعظم کے مزار کے سامنے سے گزرتا چلا گیا۔ پچھلی گاڑی کو روکنے کے لئے میرے ذہن میں قائداعظم کے مزار سے آگے داہنی طرف مڑنے والی سڑک سے بہتر کوئی مقام نہیں تھا کیونکہ وہاں داہنی طرف مزار قائد کے احاطے کی دیوار اور آہنی جنگلا دور تک چلا گیا تھا اور بائیں طرف بلند و بالا درختوں میں گھرے ہوئے تاریک اور وسیع احاطوں میں ایسے مکانات واقع تھے جو باہر سے بالکل ویران اور سنسان نظر آتے تھے۔

اس سڑک پر گھومتے ہوئے سبز نسان میری کار کے بالکل پیچھے تھی۔ میں نے موڑ کاٹتے ہوئے کار کو سڑک کی داہنی جانب رکھا پھر بہت تیزی سے سائیڈ کاٹتے ہوئے اپنی کار کو اس طرح بائیں طرف دبایا کہ سبز کار والا کوشش کے باوجود مجھ سے آگے نکلنے کی ان کوششوں میں کامیاب نہ ہوسکا۔

اسی اثنا میں پیچھے سے ویرا کی ٹیکسی بھی سر پر آ گئی۔

میں دروازہ کھول کر نیچے اترنا ہی چاہتا تھا کہ پیچھے سے ٹھک کی ایک مشینی آواز کے ساتھ بے آواز شعلہ فضا میں تیرتا ہوا میری کار کی طرف آیا اور باڈی میں سوراخ ہوگیا۔

میں نے نیچے اترنے کا ارادہ ترک کرکے اپنا پستول سنبھال لیا۔

سبز نسان والا سائلنسر لگے ہوئے پستول سے فائر کررہا تھا۔ اس نے پے در پے مزید تین فائر کئے۔ میری گاڑی کا ایک پچھلا ٹائر دھماکے سے پھٹ گیا۔ اسی کے ساتھ سبز نسان حرکت میں آ گئی۔

گولیوں کی اس بوچھاڑ میں میرے لئے زیادہ سر ابھارنا خطرناک ہوسکتا تھا کیونکہ سبز کار والے کو پہل کا فائدہ حاصل ہوچکا تھا۔ میں نے بس اتنا دیکھا کہ تاریکی میں کوئی باریش شخص اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر جما ہوا تھا۔ میں چاہتا تو پھٹے ہوئے ٹائر کی پروا کئے بغیر اس کا تعاقب جاری رکھنے کی کوشش کرسکتا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ میری وہ کوشش بے سود ہوتی البتہ مجھے یہ حیرت تھی کہ ویرا کی طرف سے کیوں خاموشی اختیار کرلی گئی تھی؟

چند ہی ثانیوں میں مجھے اپنی اس ناقابل فہم پہیلی کا جواب بھی مل گیا۔

ویرا بری طرح ہانپتی ہوئی، پوری رفتار سے دوڑتی ہوئی میری طرف آئی تھی۔ ایک گیم شحیم انسانی ہیولا اس کا تعاقب کررہا تھا۔ میں نے یہ سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں کی کہ وہ ٹیکسی ڈرائیور تھا۔

"اس وحشی کو روکو" اس نے دروازہ کھول کر میرے برابر والی نشست پر گرتے ہوئے بڑی خوف زدہ آواز میں کہا۔ "اندھیرے میں ٹیکسی روکتے ہی اس نے میرے ساتھ دست درازی کی کوششیں شروع کردی تھیں..."

لمحہ بھر میں وہ پوری صورت حال میری سمجھ میں آ گئی۔ ویرا کے دل پھینک رویئے نے ڈرائیور کو اس کے کردار کے بارے میں کسی سنگین غلط فہمی میں مبتلا کردیا تھا۔ سبز کار کے پیچھے اندھیرے میں ٹیکسی روکتے ہوئے اسے گمان گزرا ہوگا کہ اس کے ہاتھ آیا ہوا پنچھی اب اس کی ٹیکسی سے نکل کر سبز کار والے خریدار کے ساتھ چلا جائے گا، اس لئے اس نے کرائے سے پہلے ہی ویرا سے اپنی خدمات کا خراج وصول کرنے کی بے باکانہ کوششیں شروع کردیں جس کی وجہ سے ویرا سبز کار والے کو گھیرنے کے سلسلے میں اپنا رول ادا نہیں کرسکی۔ اس کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ ٹیکسی سے نکل بھاگی تھی۔

ہم دونوں میں سے کسی کو اپنے دھماکا خیز پستولوں سے فائر کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ سبز کار والے نے جو متعدد فائر کئے، وہ بے آواز تھے اور محض کھٹکے کی آوازیں سن کر کوئی عام آدمی فائرنگ کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا اس لئے ڈرائیور کو وہاں رونما ہونے والی سنگین صورت حال کا سرے سے ادراک ہی نہ ہوسکا تھا، اس لئے وہ اپنی خرمستی میں مبتلا رہا۔

میں پستول تان کر اپنی سیٹ سے نکلا تو ڈرائیور آستین سے اپنا منہ پونچھتا ہوا ویرا والے دروازے پر طبع آزمائی کی تیاری کررہا تھا۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا اور اس کے وجود میں ہونے والی حیوانی پیکار نے اس کا چہرہ مسخ کرکے رکھ دیا تھا جیسے وہ آدمی نہیں، اپنے شکار کا پیچھا کرتا ہوا کوئی درندہ ہو۔

میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر اسے پسلا بھڑکا لگا" یہ ہمارا عورت ہے' اسے باہر نکالو" اس نے پستول پر سے نظریں ہٹائے بغیر کمزور آواز میں اپنا جان دار مطالبہ پیش کیا۔

"یہ اپنے باپ کی نہیں ہے تو تمہاری کیسے ہوسکتی ہے!" میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا اور وہ بے چارہ الٹے قدموں پیچھے کی طرف سرکنے لگا۔ اس وقت مجھے اس پر ترس بھی آرہا تھا۔ وہ جوان اور بہت صحت مند نوجوان تھا۔ میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ ویرا اسے کیسی لچھے دار باتوں میں الجھا کر تعاقب پر آمادہ کرسکی ہوگی۔

"تم اس کا باپ تو نہیں ہوسکتا" اس نے مجھے گھورتے ہوئے پُریقین لہجے میں کہا "اس نے ہم کو سبز گاڑی کا پیچھا کرنے اور بعد میں ہمارا ڈیرے پر چلنے کا وعدہ کیا تھا..."

"ضرور کیا ہوگا... مگر اب تم کو صرف کرائے پر گزارا کرنا ہوگا" میں نے مصالحانہ لہجے میں کہا "یہ تھوڑی سی کریک ہے۔ گھر سے باہر نکل کر ہر ایک سے ایسے ہی اول فول وعدے کرتی ہے اور بعد میں اسے حدود آرڈی ننس کے تحت پولیس والوں سے پکڑوا دیتی ہے۔ اس کی باتوں پر جاؤ گے تو کرائے سے ہاتھ دھونے کے علاوہ دُرّے بھی کھانا پڑیں گے۔"

میری اس صاف بیانی پر وہ صرف منہ چلا کر رہ گیا لیکن کچھ کہہ نہ سکا۔

"یہ لو" ویرا نے کار سے اتر کر سو روپے کا نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا" یہ تمہارے کرائے سے بہت زیادہ اور تمہارا انعام ہے۔ غیر عورتوں کی باتوں پر آئندہ کبھی بھروسا نہیں کرنا۔"

ویرا کے داہنے ہاتھ میں بھی پستول تھا' اس لئے اس نے مزید کسی بحث کا ارادہ ترک کردیا اور تحقیر آمیز انداز میں ویرا کے ہاتھ سے نوٹ جھپٹ کر زیر لب کچھ بڑبڑاتا ہوا اپنی ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔

مجھے خطرہ تھا کہ سبز کار والا کہیں چکر کاٹ کر دوبارہ ادھر نہ آنکلے اس لئے میں نے فوراً ہی انجن اسٹارٹ کرکے اپنی کار آگے بڑھا دی تاکہ کسی محفوظ' ملحقہ گلی میں سکون سے ٹائر بدل سکوں۔

"تم نے اسے بہت آسانی سے نکل جانے دیا؟ اور یہ تمہاری کار کچھ لہرا کیوں رہی ہے؟" ویرا نے اپنے بال سمیٹتے ہوئے پہلے ملامت آمیز اور پھر قدرے تحیر زدہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

"آسانی اس لئے کہہ رہی ہو کہ تم اپنے ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ موج اڑا رہی تھیں" میں نے تلخ لہجے میں کہا" وہ مجھ پر بے آواز پستول کا پورا میگزین خالی کرکے بھاگا ہے۔ غنیمت ہے کہ میری کھوپڑی کے بجائے کار کا صرف ایک ٹائر ہی فلیٹ ہوا ہے' ورنہ آج تمہیں اس ڈرائیور سے بچانے والا کوئی نہ ہوتا۔"

"اوہ خدا!" وہ ان لمحوں کو یاد کرتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر بولی "یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے مجھے خرید لیا ہو۔ میں تو اسے سلطان شاہ کی طرح بے ضرر انسان سمجھ کر اس سے بے تکلفانہ گفتگو کرتی چلی آئی تھی..."

میں نے غصیلے لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ سلطان شاہ کے قبیلے میں تمہیں ایسے نوجوان بھی ملیں گے جو خوبصورت عورتوں کو تل کر کھانے کے شوقین ہوتے ہیں۔"

وہ بے اختیار ہنس پڑی اور اسی ترنم ریز ہنسی کے دوران میں بولی "تم مبالغہ کرنے پر آؤ تو زمین اور آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دیتے ہو۔ جس عورت نے ان علاقوں میں اپنا وقت گزارا ہو' وہ تو آنکھیں بند کرکے تمہاری باتوں پر ایمان لے آئے گی۔ سالم عورتوں کو تل کر کھانے کا تصور تو اب آدم خور قبیلوں میں بھی نہیں رہا ہوگا۔"

"اس کی گاڑی کا نمبر کیا تھا؟" میں نے ایک ملحقہ گلی پر کار گھماتے ہوئے سوال کیا اور ویرا نے میری توقع کے عین مطابق فوراً ہی سبز کار کا نمبر دہرادیا جو کراچی ہی کا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آیا کہ اس میں بلیک کیٹ ٹی یا اس کا کوئی آدمی سوار تھا" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "وہ تو کوئی دراز ریش' مولوی نما آدمی تھا اور کار میں اکیلا ہی تھا۔ اگر تم اس کی بے آواز فائرنگ کی کہانی نہ سناتے تو میں یہی سمجھتی کہ تمہاری عدم توجہی سے ہم اصل کار کو نظر انداز کرگئے تھے۔"

"نیم اندھیرے میں اس کی ایک ہلکی سی جھلک میں نے بھی دیکھی تھی" میں نے اس کی تائید کی "شاید تم بھول گئیں کہ اس نے خود ہی پاکستان کے کسی سرحدی قصبے میں اپنی برسوں کی ریاضت کا ذکر کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے کسی پیر' مولوی یا ملا کا روپ دھارا ہو۔ مذہب اور مذہبی شخصیتوں کے معاملے میں عام مسلمان بہت سادہ لوح ثابت ہوتے ہیں اور نہایت آسانی سے بے وقوف بن جاتے ہیں۔"

"تم عام لوگوں کی بات کرتے ہو" وہ ہنستے ہوئے بولی "حکیم مومن خان کی ہیروئن فیکٹری کے قیام کے دنوں میں میں نے تمہارے ایک وزیر کو خیبر کے پہاڑوں میں ایک نیم دھڑنگ مجذوب کے پاؤں داہتے دیکھا ہے۔ وہ وزیر گڑگڑا کر اس مجذوب سے بس ایک ہی سوال پوچھ رہا تھا کہ آنے والے بحران میں اس کی وزارت باقی رہنی تھی یا نہیں تھی؟ اگر بلیک کیٹ ٹی تمہارا مقامی پوپ بنا بیٹھا ہے تو پھر اس کا کام بہت آسان ہوگا۔ بہتیرے بارسوخ مگر ضعیف العقا

مقامی ۔۔۔ اس کے گرویدہ ہوں گے اور اسے گھر بیٹھے اہم ترین خبریں پہنچاتے ہوں گے۔"

میں نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی کار فٹ پاتھ کے کنارے روکی اور کار جیک پر چڑھا کر پھٹا ہوا ٹائر بدلنے میں مصروف ہو گیا جو گولی لگنے سے اس بری طرح پھٹا تھا کہ مرمت سے بے نیاز ہو گیا تھا۔

"بلیک کیٹ ٹی کی اس وقت کی چھیڑ چھاڑ میرے لئے ناقابل فہم ہے" ویرا نے میری مدد کرتے ہوئے تشویش آمیز لہجے میں کہا "اس کے تیور کچھ بگڑے ہوئے سے نظر آتے ہیں یا پھر اس کی نیت خراب ہو گئی ہے۔"

"میرا بھی یہی اندازہ ہے" میں نے ناکارہ ٹائر اتار کر فاضل ٹائر چڑھاتے ہوئے جواب دیا "تم اخبارات پڑھنے کی عادی نہیں ہو لیکن یہ شوق میری ہمیشہ کی کمزوری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بلیک کیٹ ٹی نے متوقع سیاسی تبدیلیوں کی وجہ سے اپنا پلان کچھ بدل دیا ہو۔ چور' ڈاکو عام شہریوں کو ہراساں کر کے پولیس وغیرہ سے تو لڑ سکتے ہیں لیکن منظم اور پیشہ ور فوجیوں کے سامنے زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتے..."

"تو کیا ڈاکوؤں وغیرہ کے خلاف کسی فوجی ایکشن کا پلان بن رہا ہے؟" اس نے میری بات کاٹ کر متجسس لہجے میں سوال کیا "وہ اپنے آدمیوں کو ایسی ہی کسی صورت حال کے خلاف مسلح کرنا چاہ رہا تھا۔"

"ابھی صرف اخباری افواہیں ہیں۔ یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مقامی حکام نے بلیک کیٹ ٹی کی سازش کا سراغ لگا لیا ہے اور اس کی تیاری سے پہلے ہی اس کے حواریوں کو تہس نہس کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ بلیک کیٹ ٹی نے ہمیں دو دن کا وقت دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت تک واضح صورت حال سامنے آ جائے گی۔"

کار کا ٹائر تبدیل کر کے تازہ ترین واقعات پر اپنا اپنا مغز کھپاتے ہوئے ہم دونوں جہانگیر کے گھر پہنچے تو وہاں خوشی کا سماں طاری تھا۔ گھر کی تمام روشنیاں جل رہی تھیں۔ چوکیدار سے لے کر اندر کے ملازمین تک سب ہی مسرور نظر آ رہے تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اندر سے طاقتور ڈیک کے اسپیکروں کے ذریعے ایک مشہور مغنیہ کے ایک طربیہ نغمے کے بول باہر تک گونج رہے تھے۔ ویرا نے مسکراتے ہوئے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولی۔

ہم کار سے اتر کر برآمدے کے زینے بھی طے نہ کرنے پائے تھے کہ جہانگیر اندر سے دوڑتا ہوا آیا اور مجھ سے بغل گیر ہو گیا اور فرط جذبات سے تقریباً رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

یار' اللہ نے مجھ پر بڑا کرم کیا' سلمیٰ کی گود میں ایک چاند جیسا بیٹا کھیل رہا ہے اور دونوں کے ساتھ سب کچھ نارمل رہا ہے۔"

میں نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ اسے اپنی بانہوں میں بھینچ کر اس خوشی خبری پر مبارک باد دی۔ میرے سینے سے الگ ہو کر وہ ویرا کی طرف مڑا تو اس نے ویرا سے مصافحے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا لیکن ویرا نے اس کے گلے سے لگ کر اس کے رخسار پر مبارکباد کا بوسہ دے کر نہ صرف اسے' بلکہ مجھے بھی حیران کر دیا۔

وہ ایک جذباتی فضا ہو گئی تھی۔ ویرا کی پشت میری طرف تھی لیکن اس کے شانے پر سے جہانگیر کا چہرہ میری طرف تھا۔ ویرا کے نرم و نازک وجود کے گرد اپنے ہاتھ حمائل کرتے ہوئے جہانگیر کے چہرے پر دوران خون کا دباؤ جس رفتار سے بڑھا' اس سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ رسم' موقع اور دستور کی اس خوابناک یکجائی سے پوری طرح لطف اندوز ہوا تھا۔ ویرا نے خود ہی اس کی طرف پیش قدمی کی تھی' اس لئے کئی لمحوں تک اس نے پسپائی کی کوئی علامت ظاہر نہیں کی لیکن جب اس کی پشت پر جہانگیر کی مضبوط کلائیوں کا دباؤ بڑھنے لگا تو وہ کسمسا کر اس سے الگ ہو گئی۔

"مبارکباد کا بہت بہت شکریہ مادام!" اس نے ویرا کی طرف اپنے سر کو خم دے کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا "تم واقعی دنیا کی سب سے زیادہ خوش مزاج اور فراخ دل خاتون ہو۔"

"میں ہمیشہ ایسا ہی رہنا چاہتی ہوں مگر بعض لوگ میرے جذبوں کی قدر نہیں کرتے۔ مجھے خوشی ہے کہ ایک اچھے شوہر کے بعد آج تم ایک باپ بھی بن گئے ہو۔ آج رات ہم اس خوشی کا جشن منائیں گے۔"

جہانگیر کا چہرہ کھل اٹھا۔ تازہ ترین خوشگوار واقعے کے بعد ویرا کی وہ پیشکش اس کے لئے دعوت سے کم نہیں تھی۔ وہ ہم سے آگے آگے اندر داخل ہوا تھا۔ ویرا شوخ نظروں سے میری طرف دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی۔

"کبھی کبھی تم اپنے آپے سے باہر ہو جاتی ہو۔ اب وہ ساری رات شراب پی کر تمہیں اپنے ساتھ نچاتا رہے گا۔ میں تم دونوں کا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ مجھے کچھ کام سرانجام دینے ہیں۔"

"سلطان شاہ خشکا بنا رہے گا۔ تم اپنے کام میں لگ جاؤ گے تو دو آدمی کیا خاک جشن منائیں گے" وہ برا سا منہ بنا کر غصیلے لہجے میں بولی تھی "وہ تو واقعی میری مٹی پلید کر ڈالے گا۔"

"مجھے بلیک کیٹ ٹی کی کار کے نمبروں پر کچھ کام کرنا ہے"

میں نے دانت پیستے ہوئے کہا "تمہاری کھوپڑی پر جب شیطان سوار ہوتا ہے تو تم برے اور بھلے کی تمیز تک کھو بیٹھتی ہو۔"

"جب تم خود بے لگام ہونے لگتے ہو تو کسی کو اپنی حرکتوں پر اعتراض تک کرنے کا موقع نہیں دیتے۔ تمہیں اندازہ

نہیں ہے کہ برسوں کے صبر آزما انتظار کے بعد جب آدمی اچانک باپ بنتا ہے تو اس کے کیا جذبات ہوتے ہیں؟ میں نے تو اپنی جانب سے جہانگیر کی اس خوشی میں اپنی شرکت کا اظہار کرنا چاہا تھا۔ تم اسے جو چاہو، سمجھ لو۔"

مجھے اس کی دلیل پر غصہ آ گیا اور میں نے ترش لہجے میں کہا "تم تو اس طرح جہانگیر کی وکالت کر رہی ہو جیسے تم دسیوں مرتبہ ایسے تجربات سے گزر چکی ہو۔ کتنے بچے ہیں تمہارے؟"

"نوزائیدہ سے کبھی پالا نہیں پڑا، نازائیدہ کی تعداد یاد نہیں۔"

وہ بے حیائی سے ہنسنے لگی۔

"اور دوسری بات یہ کہ کوئی انسان کبھی اچانک باپ نہیں بنا کرتا" میں نے اسی لہجے میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ٹیسٹ ٹیوب کا رواج آ جانے کے بعد بھی ابتدائی چند عرصے کے بعد، بچہ بیشتر عرصہ اپنی ماں کی کوکھ میں ہی پروان چڑھتا ہے۔

اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے میری بات کاٹ دی "ایسے دعوے نہ کرو۔ بچہ مردہ پیدا ہو تو آدمی باپ نہیں بن جاتا۔ ولدیت زندہ بچوں کی ہی گنی جاتی ہے۔ پیدائش سے پہلے کسی کو نہ جنس کا علم ہوتا ہے اور نہ زندگی یا موت کا، اسی لئے وہ لمحہ گزر جانے کے بعد آدمی کو اچانک ہوش آتا ہے تو وہ لاولد سے ایک دم خود کو باپ کے زمرے میں شامل پاتا ہے..."

اسی وقت جہانگیر دور سے ہماری آوازیں سنتا ہوا دوبارہ کمرے میں لوٹا اور خوش دلانہ لہجے میں بولا "یہ کس کے باپ کی باتیں ہو رہی ہیں؟ اس وقت تو ہمیں ہلکی پھلکی باتیں کرنا چاہئیں۔"

میں نے اس کا موڈ صحیح سطح پر لانے کی نیت سے کہا "باپ نہیں، باپ کی بات ہو رہی تھی۔"

"تم ٹھہرو۔" ویرا نے پرجوش انداز میں مجھے خاموش کر دیا اور جہانگیر کی طرف دو قدم آگے بڑھ کر بولی "میں جہانگیر سے خود ہی پوچھ لیتی ہوں۔ تمہیں اور مجھے اس حقیقت کا پتا چل جائے گا جس سے ابھی تک ہم دونوں دوچار ہی نہیں ہوئے ہیں۔ جہانگیر ہماری بحث سے لاعلم ہے، اس لئے اس کا جواب بھی بے لاگ اور ایمان دارانہ ہوگا۔"

اس نے قدرے توقف کیا اور مجھے خاموش پاکر دوبارہ جہانگیر سے مخاطب ہو گئی "یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنا باپ بننا اچانک محسوس ہوا ہے یا یہ خوشی بتدریج تم تک پہنچی ہے؟"

جہانگیر نے ایک لحظے کے لئے باری باری ہم دونوں کے چہروں کا جائزہ لیا۔ جیسے بات کے رخ کا اندازہ کرنا چاہ رہا ہو۔ پھر جھجکتے ہوئے بولا "سچ پوچھو تو یہ خوشی اچانک ہی ہے۔ کسے پہلے سے معلوم تھا کہ بیٹا ہوگا اور وہ بھی صحت مند اور خوبصورت! یہ خبر تو لیبر روم سے باہر آنے والی سسٹر ہی سناتی ہے۔ اس سے پہلے کسی کو کچھ پتا نہیں ہوتا۔"

ویرا، جہانگیر کو دعوت دے بیٹھی تھی۔ جہانگیر پر سرمستی کی سی کیفیت طاری تھی اس لئے ان دونوں نے مدہوشی کے لوازم کے ساتھ محفل سجالی۔ میں بھی بے دلی کے ساتھ ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

میرا ذہن مسلسل بلیک کیٹ ٹی میں الجھا رہا۔ ویرا کے ڈرائنگ روم میں لاسلکی مواصلاتی آلات نصب کرکے اس نے خود کو ناقابل تسخیر اور پراسرار ثابت کیا تھا۔ اس کی طاقت اور رسائی سے میں بھی مرعوب ہو گیا تھا لیکن تھوڑی دیر قبل پیش آنے والے واقعات نے اس کا بھرم ختم کرکے رکھ دیا تھا۔

اس نے ہم سے اگلے دن بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن میں نے مسز شانتی نرائن سے ملاقات کے پیش نظر معذرت کرکے اس کو مزید ایک دن بعد کا وقت دیا تھا۔ بلیک کیٹ ٹی نے اسی وقت کہا تھا کہ وہ اپنے وسائل سے میری مصروفیت کی نوعیت معلوم کرکے خود ہی یہ اندازہ لگا لے گا کہ مجھے واقعی کوئی حقیقی مصروفیت درپیش تھی یا میں نے بہانہ کرکے اسے ٹالنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے جب اپنے وسائل کی بات کی تھی تو مجھے اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنے کسی گرگے کو ہمارے تعاقب پر مامور کرکے، ہماری نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھنے کی پوری کوشش کرے گا۔

اس وقت ہم دونوں میں سے کسی کو یہ شبہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ بلیک کیٹ ٹی، خود ہی، باہر اپنی کار میں دبک کر ٹرانسمٹر پر، ہم سے بات کر رہا تھا اور خود ہی ہمارا پیچھا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اس نے ٹرانسمٹر پر غزالہ سے ہماری بات کرائی تھی۔ اس لئے یہ امر یقینی تھا کہ غزالہ بھی، اس کے ساتھ، اسی کار میں موجود تھی۔ غزالہ کے لب ولہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے بلیک کیٹ ٹی سے تعاون نہیں کر رہی تھی پھر اس نے بلیک کیٹ ٹی کا حوالہ ایک نقاب پوش کی حیثیت سے دیا تھا جب کہ ہم دونوں نے سبز کار میں واضح طور پر باریش شخص بے نقاب دیکھا تھا۔ جو ہم پر بے آواز اسلحے سے فائر کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں دو ہی امکانات نظر آتے تھے۔ اول یہ کہ سبز کار میں بلیک کیٹ ٹی کے ساتھ اس کا کوئی ساتھی بھی موجود رہا ہو جس نے غزالہ کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر اسے قابو کیا ہو۔ جب بلیک کیٹ ٹی نے مناسب تو غزالہ سے، اسی حالت میں یا اس کی آنکھوں سے پٹیاں اتار، میری بات کروادی۔ غزالہ نے اسے نقاب پوش شاید اس لئے کہا ہو کہ اس نے، قید ہونے کے بعد، اسے نقاب میں دیکھا ہو اور اس کی آواز پہچانتی ہو۔ ایسی صورت میں [illegible] ہوتا ہے [illegible] تصادم کے وقت غزالہ اور [illegible]

کار میں کیوں نظر نہیں آیا؟

اگر بلیک کیٹ ٹی نے ہمارا تعاقب شروع کرنے سے قبل ان دونوں کو اپنے قریب موجود کسی اور کار میں منتقل کر دیا تھا تو اور بات تھی ورنہ یہی سمجھا جا سکتا تھا کہ کسی متوقع خطرے کے پیش نظر غزالہ کو بے ہوش کر کے کار کے عقبی پائیدان میں ڈال دیا گیا تھا اور اس کا نگراں بھی اسی طرح خود کو چھپانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

دوسرا امکان یہ ہو سکتا تھا کہ بلیک کیٹ ٹی' غزالہ کو بے دست وپا کر کے' اس کے منہ پر ٹیپ چپکا کر اپنے ساتھ لایا ہو اور مجھ سے بات کروانے کے لئے اس کے دہانے کو عارضی طور پر آزاد کیا ہو۔ بعد میں وہ بہ آسانی' غزالہ کو اسی طرح خاموش رہنے پر مجبور کر سکتا تھا اور غزالہ' بے دست وپا وہیں پڑی رہتی' جہاں وہ اسے ڈال دیتا۔

ویرا کا غرور میں نے ایک مرتبہ پھر خاک میں ملا کر' اس کے ہمدردوں اور نمک خواروں کا شیرازہ بکھیر دیا تھا اور وہ تنہا رہ گئی تھی۔ اس کی پشت پر شی کی ہیبت اور اس کا' پرشکوہ نام ضرور تھا لیکن یہ حقیقت بھی شہر میں صرف مجھ ہی کو معلوم تھی کہ پاکستان میں شی' ویرا کی یکہ وتنہا ذات سے آگے کچھ بھی نہیں تھی۔

اس اعتبار سے غزالہ کی بازیابی کی کارروائی میں اس کا رول بہت محدود اور مختصر ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی ضمنی افادیت صرف اتنی تھی کہ اس کے ذریعے بلیک کیٹ ٹی سے رابطہ ہو گیا تھا۔ آگے کا کام مجھے خود ہی پایۂ تکمیل تک پہنچانا تھا۔ جس میں مافیا کے کارندے میرے لئے زیادہ مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔

سیٹھ حبیب جیوانی کی واپسی کی وجہ سے مافیا کے بارے میں میری بالادستی اور خود مختاری بڑی تک متاثر ہوئی تھی لیکن ایک دو معاملات میں سینڈو کی بے پروائی اور خاص طور پر ہیروئن کی فروخت میں اس کی دو فیصد رقم کی چوری کے راز سے واقف ہونے کے بعد میرے اور اس کے درمیان' باہمی اعتماد کی ایسی فضا بن گئی تھی کہ میں پوری بے فکری اور رازداری کے اطمینان کے ساتھ اسے کوئی بھی چھوٹا موٹا ذاتی کام سونپ سکتا تھا جس کی سیٹھ حبیب جیوانی کو ہوا بھی نہ لگتی۔

میں نے پہلا پیگ خالی کرنے کے بعد اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ان دونوں نے میری سرد مہری پر خاصا شور مچایا لیکن میں سنی ان سنی کر کے اس کمرے میں چلا گیا جہاں سلطان شاہ آرام کر رہا تھا۔

سینڈو دن میں بظاہر ٹریڈ لائن کا ایک وفادار ملازم ہوا کرتا تھا لیکن اس [illegible] آمد [illegible] فرم کے کاروباری اوقات ختم ہونے کے بعد بھی اسی عمارت میں مقیم رہتا تھا۔ وہی اس معاملے میں میرے لئے کام کر سکتا تھا۔

اس نے دوسری گھنٹی پر ہی فون اٹھا لیا۔ اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پیئے ہوئے تھا۔

"ڈینی بول رہا ہوں.... کیا ہو رہا ہے؟" میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کو... کوک.... کچھ بھی نہیں۔" سنبھالا لینے کی کوشش میں اس کی زبان زیادہ ہی بہک گئی "بس' ذرا بلیک کوئین کھیل کر اپنا وقت گزار رہے تھے۔" اس نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کہا۔

"اور وہسکی بھی پی رہے ہو؟" میں نے نرم لہجے میں سوال کیا۔

"ہلکا سا دور چل رہا ہے" اس نے بلا حیل وحجت اعتراف کر لیا پھر فوراً ہی ایک سوال داغ دیا۔ "سنا ہے چیف کے لوٹ آنے کے بعد تم چند روز کی چھٹی پر چلے گئے ہو؟"

"تم نے صحیح سنا ہے" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "کس نے خبر دی تم کو؟"

"چیف ہی سے بات ہوئی تھی۔ تمہاری غیر حاضری میں مجھے براہ راست اسی سے ہدایات لینا ہوں گی۔"

"اس کے علاوہ کون یہ منصب سنبھال سکے گا؟" میں نے سرسری لہجے میں کہا "اس دوران میں مجھے ایک ذاتی کام پیش آ گیا ہے۔ کام بہت معمولی سا ہے لیکن میں چیف کو اس میں [illegible] کرنا چاہتا۔"

"تم حکم کرو باس! تم تو میرے محسن ہو۔ چیف کو میں ہوا بھی نہ لگنے دوں گا۔ تم نے میرے ساتھ جس اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے' اس کے بعد تو میں تمہارے لئے اپنی گردن بھی کٹوا سکتا ہوں"

"اتنی بڑی بات نہ کہو سینڈو' جو بعد میں تمہارے لئے امتحان بن جائے" میں نے سخت لہجے میں اسے تنبیہہ کی "ویسے بھی میں تم سے کوئی باغیانہ کام نہیں لینا چاہتا ...."

اس نے وہیں سے میری بات کاٹ دی اور شرابیوں والے' روایتی' جذباتی لہجے میں بولا "باس! سینڈو مرد کا بچہ ہے۔ دشمن کی لاش پر اپنا پیشاب بھی ضائع نہیں کرتا لیکن محسنوں کے لئے گردن بھی کٹوا لے گا۔ تم ابھی آزما کر دیکھو۔ اگر میں اپنی بات سے پھر جاؤں تو اس برتن میں کھانا دینا' جس میں کتا کھاتا ہے۔"

"چلو یہ آزمائش پھر کبھی سہی۔ ابھی تو ایک چھوٹا سا کام کرنا ہے" اتنا کہہ کر میں نے سبز کار کا نمبر دہرایا اور پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تمہیں اس کار کے موجودہ مالک کا نام اور پتے کا سراغ لگانا ہے"

"کل دوپہر سے پہلے تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ چاہو تو اس الو کے پٹھے کو اٹھا کر تمہارے ٹھکانے پر پہنچا دوں" اس وقت سینڈو کا دماغ بہت اونچا اڑ رہا تھا۔

"کل تو میں خود بھی مقامی رجسٹریشن آفس سے سارے کوائف نکلوالوں گا۔ مجھے صبح ہونے سے پہلے یہ معلومات درکار ہیں۔ صبح میرا شکار' پنجرہ کھلا چھوڑ کر' پرواز کر جائے گا۔" میں نے تازیانہ لگایا۔

دوسری طرف سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا۔ میرے کڑے مطالبے نے شاید اسے گہری سوچ میں ڈال دیا تھا۔ چند ثانیوں کے بعد اس کی آواز دوبارہ ابھری تو اس کے لہجے میں نمایاں تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ "باس! تم واقعی باس ہو' تم نے بڑی آسانی کے ساتھ مجھے نکیل ڈال دی ہے۔ کام تو تم نے بہت چھوٹا سا بتایا ہے لیکن وقت کی پابندی عائد کر کے تم نے اسے چیلنج بنا دیا ہے مگر میں بھی پیچھے ہٹنے والا نہیں ہوں۔ اس وقت کوئی وعدہ تو نہیں کروں گا۔ لیکن اپنی کوششوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ تھوڑی ہی دیر میں مجھے سرخروئی حاصل ہو جائے۔"

میں نے سوال کیا "کوئی آدمی ہے تمہاری نگاہ میں' جو یہ کام کر سکے؟"

"ایک دو جاننے والوں کو ٹرائی کروں گا ورنہ رجسٹریشن آفس کے دو چار تالے توڑنا پڑیں گے۔" وہ اپنی دانست میں تمام امکانات پر غور کر رہا تھا۔

"تم اس قابل تو ہو نا کہ باہر نکل کر قاعدے سے گاڑی چلا سکو؟ کہیں کوئی سپاہی تمہیں نہ روک لے۔ آج کل شرابی حدود آرڈیننس کے تحت گرفتار کئے جاتے [illegible] گرفتاریوں پر اخبارات بھی نمایاں خبریں چھاپتے ہیں۔ [illegible] گروگھنٹال کے لئے ایسی کوئی بھی خبر خوش گوار ثابت نہ ہو گی۔"

وہ ترنگ میں بولا "تم میری بالکل فکر نہ کرو۔ مجھے آدھی بوتل پینے کے بعد نشہ ہونا شروع ہوتا ہے۔ ابھی تو میں نے دو تین ہی پیگ لئے ہیں۔ پھر بھی تم نے یاد دلایا ہے تو نکلنے سے پہلے سکنجبین پی کر خوشبو والا پان کھالوں گا۔ کسی کے باپ کو بھی مجھ پر کوئی شبہ نہیں ہو سکے گا۔"

میں نے اسے یہ جتانا ضروری سمجھا کہ اس وقت بھی اس کی زبان پر لکنت طاری تھی۔ مجھ سے گفتگو کی ابتدا کرتے ہوئے وہ اپنا مدعا ظاہر کرتے ہوئے الفاظ کا تلفظ تک برقرار نہیں رکھ پا رہا تھا۔ اگر اس کا دعویٰ تھا کہ وہ نشے میں نہیں تھا تو مجھے اسے قبول کرنے میں کیا تامل ہو سکتا تھا۔ مجھے غرض صرف اس بات سے تھی کہ وہ مجھے سبز کار کے مالک کا پتا لا دے تاکہ میں بلیک کیٹ ٹی نامی 'بارلیش دہرتے' کے گلے میں پھندا ڈال کر' غزالہ کو اس کے چنگل سے رہا کرا سکوں۔

میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا "یہ اچھی بات ہے کہ تم نشے میں نہیں ہو لیکن پھر بھی' باہر نکلنے سے پہلے احتیاطی تدابیر اختیار کرلو گے تو کسی خسارے میں نہیں رہو گے۔"

"اگر میرا داؤ چل گیا تو میں تم کو خبر کیسے دوں گا؟" اس نے پوچھا۔

میں نے لمحہ بھر کے لئے سوچا اور پھر نہایت اطمینان سے جہانگیر کے فلیٹ کا نمبر دہرا دیا۔ عارضی طور پر حالات کچھ بھی رہے ہوں مگر وہ سب ناگزیر سمجھوتوں کی پیداوار تھے۔ بنیادی حقائق یہ تھے کہ ٹی کی طرح مافیا سے بھی میرا نظریاتی اختلاف تھا۔ ٹی سے اپنا پیچھا چھڑانے کی جاں گسل جدوجہد میں' میں آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکا تھا۔ ڈان تھری نے میرا ہمدرد اور دوست بن کر نہایت مکاری اور چالاکی کے ساتھ مجھے مافیا میں شامل کیا تھا۔ ان میں سے کسی کو بھی میں دیدہ و دانستہ ایسی کوئی بات نہیں بتا سکتا تھا جو آگے چل کر میرے یا میرے دوستوں اور خیرخواہوں کے لئے مصائب کا باعث بن سکتی تھی۔

ویسے تو ویرا کے خلاف خونریز محاذ آرائی کے دنوں میں سینڈو اور اس کے آدمیوں نے جہانگیر کا گھر بھی دیکھ لیا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ میں نے وہاں عارضی پناہ لی ہوئی تھی اور وہیں مورچہ بند ہو کر ویرا کو نیچا دکھانا چاہ رہا تھا لیکن میں اسے یہ شبہ نہیں ہونے دینا چاہتا تھا کہ وہ گھر' میرا کوئی مستقبل ٹھکانا تھا۔ دوسری طرف جہانگیر کا یا عملاً میرا فلیٹ' وقفوں کے ساتھ آباد اور غیر آباد رہنے کے باوجود میرا ٹھکانا شمار کیا جاتا تھا کیونکہ مافیا والوں نے وہیں' میری لاعلمی میں' اپنے کچھ جاں بازوں کے ذریعے مجھے مسلح تحفظ فراہم کر کے دوستی کا پیغام دیا تھا پھر بعد میں ڈان تھری نے اسی فلیٹ میں مجھ سے پہلی ملاقات کی تھی۔

"بس باس! تم میری کامیابی کے لئے دعا کرنا!" سینڈو کی [illegible] اعتماد آواز ابھری "مجھے اندازہ ہے کہ رجسٹریشن آفس میں گاڑیوں کا ریکارڈ سیریل نمبر کے حساب سے رکھا جاتا ہو گا۔ اگر ہماری مطلوبہ فائل اپنی جگہ سے غائب نہ ہوئی تو میں خود بھی اسے تلاش کرلوں گا۔ میری کوشش ہو گی کہ سورج طلوع ہونے سے بہت پہلے' تمہارا کام ہو جائے۔"

میں نے حوصلہ افزائی کے چند بول کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں جب تک فون پر مصروف رہا' سلطان شاہ مسلسل مجھے ملامت آمیز نظروں سے دیکھتا رہا اور جب میں ریسیور کریڈل پر ڈال کر اس کی طرف گھوما تو اس نے استہزائیہ سے لہجے میں مجھ سے سوال کیا "کیا کر آئے اور اب کیا کرنے جا رہے ہو؟"

"بلیک کیٹ ٹی کی ہلکی سی ایک جھلک اور اس کی کار کا نمبر دیکھ کر آیا ہوں اور اب اس پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ ہے" میں نے مختصر ترین الفاظ میں' مکمل ترین بات سموتے ہوئے کہا "اس مہم میں تم کو میرا ساتھ دینا ہو گا۔"

"اس وقت تمہیں' اچانک میری عزت افزائی کا خیال کیسے آ گیا؟" اس نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔ یہ بات میں نے

ہی نوٹ کر چکا تھا کہ وہ مجھ سے ناراض تھا اور اس کا منہ سوجا ہوا تھا۔

"میرے دل میں تمہارے لئے، ہر وقت عزت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہتا ہے" میں نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ "مجھ سے ایسے لہجے میں جلی کٹی باتیں نہ کیا کرو۔"

"عزت کے اس سمندر میں آج کل ویرا کی ناؤ تیر رہی ہے۔" اس کا لہجہ مزید تلخ ہو گیا "سمندر کی لہریں کتنی ہی اوپر چلی جائیں، یہ ناؤ ان سب سے اوپر رہتی ہے۔ یہ کنجری جب بھی تم سے ملتی ہے، تم اس کے خمار میں مدہوش رہنے لگتے ہو۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ کب اور کیا کر رہے ہو۔ یہ تو تمہاری مہربانی ہے کہ پھر بھی، کبھی کبھی مجھے یاد کر لیتے ہو"

اس کی زبان سے ویرا کے لئے کنجری کا لفظ سن کر مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا اور مجھے بے اختیار ویرا کی سنائی ہوئی وہ ادھوری کہانی یاد آ گئی جس میں، اس نے سلطان شاہ سے ہاتھا پائی اور پھر دھینگا مشتی کا ذکر کیا تھا۔

"میں مانتا ہوں، سلطان شاہ کہ وہ بہت اخلاق باختہ عورت ہے لیکن اس نے بڑے نازک وقتوں میں ہمارا ساتھ دیا ہے۔ تم کو اس کے لئے اس قدر گرے ہوئے الفاظ کا استعمال نہیں کرنا چاہئے۔"

" میرا بس چلے تو میں اس سے بھی برے القاب لے آؤں مگر مشکل یہ ہے کہ وہ پشتو میں ہیں اور تم پشتو سے بالکل نابلد ہو۔" اس کا لہجہ اس قدر تحقیر آمیز تھا کہ میرے لئے اس کے وجود میں سلگتے ہوئے نفرت کے جہنم کی تپش کا اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا۔ میں نے اسے پہلی بار ویرا سے اس قدر بدظن اور متنفر پایا تھا۔

"عزت دار عورت، ماں، بیٹی، بہن یا بیوی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتی مگر تمہاری لاڈلی ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ خواص ڈیرے دار کنجریوں کے ہوتے ہیں۔ تم ان کا پیچھا کرو تو وہ تمہیں بھگا بھگا کر نڈھال کر دیتی ہیں اور اگر تم ان کے چہرے پر چڑھے ہوئے پُرفریب نقاب کے پیچھے جھانکنے میں کامیاب ہو کر ان سے دور بھاگنے لگے تو یہ تمہیں گرا کر تمہارے سینے پر سوار ہو کر اپنے اندر کے حیوان کو اپنے لباس تک سے باہر لے آتی ہیں۔ ان کے لئے تو اتنی ہی عزت کافی ہوتی ہے کہ تم انہیں پہچان کر بھی اپنے قریب ان کا وجود صرف اس لئے برداشت کرتے رہو کہ وہ تمہارے یاروں کو پیاری لگتی ہیں"

وہ نفرت اور غصے کے عالم میں اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا اور میں اس کے الفاظ میں پوشیدہ اس کہانی کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جو اس وقت تک میرے لئے ایک پہیلی بنی ہوئی تھی۔

وہ اپنی تقریر میں کوئی وقفہ دیئے بغیر کہہ رہا تھا "اس کی جب بھی تم سے صلح یا دوستی ہوتی ہے تو تم مجھے ہی نہیں، غزالہ کو بھی بڑی حد تک فراموش کئے رہتے ہو۔ وہ تمہاری نظروں کے سامنے کسی بھوکی بندریا کی طرح ہر طرف ہاتھ پیر مارتی رہتی ہے اور پھر بھی کبھی تمہاری پیشانی پر بل نہیں آتے"

" تم سمجھتے نہیں سلطان شاہ!" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "تم نے خود ہی عورت کے چار روپ بتائے ہیں۔ میرا اس سے کون سا ایسا رشتہ ہے، جس کے حوالے سے میں اس کی آزادیوں پر پابندی لگا سکوں..."

اس نے فوراً ہی میری بات کاٹ دی اور بولا "خود کو اتنا مظلوم اور بے بس ظاہر نہ کرو! اسے نہیں روک سکتے تو اس سے دور تو رہ سکتے ہو لیکن تمہیں ہر وقت اسی کے ساتھ رہنے میں لطف آتا ہے۔"

میں نے نرمی سے پوچھا "اس نے تمہارے ساتھ کیا زیادتی کی ہے؟ اندر ہی اندر کھولنے کے بجائے مجھے بتاؤ تاکہ میں اس سے باز پرس کر سکوں۔ ایسے اشاروں کنایوں سے بات نہیں بن سکے گی۔"

میں نے اپنی دانست میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ وہ سوال کیا تھا لیکن سلطان شاہ ایک دم ہی بھڑک اٹھا اور غصیلے لہجے میں بولا "مجھے غرق کرو۔ میں اپنی نہیں، تمہاری بات کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ کھیل تماشے تم کرتے ہو۔ دوستی کی آڑ میں وہ رفتہ رفتہ تمہاری ضرورت بلکہ مجبوری بنتی جا رہی ہے۔ اس کے ساتھ غزالہ کا پیچھا کر کے تم کسے دھوکا دے رہے ہو۔ ویرا کو، غزالہ کو یا خود اپنے آپ کو؟ غزالہ کے لئے تمہاری چاہت کمزور پڑ چکی ہے اسی لئے وہ ہر بار ہاتھ آتے آتے نکل جاتی ہے۔ طلب صادق ہو تو انسان میلوں دور سے خود کھنچا چلا آتا ہے اور تم ہو کہ مسلسل آنکھ مچولی کھیل رہے ہو۔"

بات بڑھتی جا رہی تھی اور مجھے ڈر تھا کہ کہیں بگڑ ہی نہ جائے اس لئے میں نے آہستگی سے کہا "میں تمہاری برہمی کا سبب سمجھ رہا ہوں۔ آئندہ تمہیں مجھ سے شکایت نہیں ہو گی۔ اب وہ جہانگیر سے دوستی بڑھا رہی ہے۔"

اس نے مایوسانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی "اور اس پر تم کو جہانگیر سے دوستی کا دعویٰ ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ ایسے معاملات میں احمق ہونے کی حد تک سیدھا ہے۔ ویرا اس کا گھر تباہ کرا دے گی۔"

" ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے ہی میں ویرا کا کوئی بندوبست کر لوں۔ برسوں کا یہ بگاڑ صرف تمہاری تقریر سے دور نہیں ہو سکتا۔ مجھے سنجیدگی کے ساتھ اس کا کوئی توڑ سوچنا ہو گا۔ اب تم تیار ہو جاؤ۔ ہمیں فلیٹ چلنا ہے۔"

اس نے اتنی بکواس کر لی تھی مگر پھر بھی اس کے دل کی بھڑاس پوری طرح نہیں نکلی تھی۔ میری مزاحمت سے اتنا ضرور ہوا کہ اس کا لہجہ کمزور پڑ گیا اور میں اسے بڑبڑاتا ہوا

باہر نکل آیا۔

وہاں سے میں سیدھا ڈرائنگ روم کی طرف گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ ان دونوں کو اپنے فلیٹ کی طرف روانگی کے پروگرام سے باخبر کردوں لیکن وہاں مجھے دروازے پر ہی رک جانا پڑا۔

وہ دونوں اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کی پشت میری جانب تھی میں اپنی جگہ پر کھڑا کئی سیکنڈ تک پُرتشویش انداز میں ان کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ دونوں پی رہے تھے اور باتوں میں پوری طرح منہمک تھے۔ جہانگیر زیادہ بول رہا تھا۔ ویرا اسے کہیں کہیں لقمہ دے رہی تھی اگر اپنی بسیار نوشی کی وجہ سے وہ دونوں ہی بے سدھ نہ ہوتے تو بادی النظر میں حالات اسی سمت میں پیش قدمی کرتے ہوئے نظر آرہے تھے جس کی پیش گوئی سلطان شاہ کرچکا تھا۔

میں ان دونوں کو اپنی موجودگی کا کوئی احساس دلائے بغیر ہی ڈرائنگ روم کے دروازے سے الٹے قدموں واپس ہولیا۔ لوٹتے ہوئے میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ فلیٹ جاتے ہوئے مجھے سلطان شاہ کے ہمراہ عقبی راستہ استعمال کرنا تھا تاکہ سلطان شاہ ڈرائنگ روم میں کوئی بدمزگی پیدا نہ کرسکے۔

جہانگیر ایک عاقل و بالغ شخص تھا اور میرے مقابلے میں اس اعتبار سے زیادہ ذمے دار تھا کہ اب وہ عیال دار ہوچکا تھا۔ اپنی ذاتی خوشی اور ناخوشی کے ساتھ ہی اسے اپنی ازدواجی زندگی کے تحفظ کا بھی خیال رکھنا تھا۔ جس کی طرف سے وہ مجرمانہ غفلت برت رہا تھا۔

ویرا تو چار دن کی شناسا تھی لیکن اس سے پیشتر میں ذاتی طور پر سلمٰی کے بارے میں کچھ ایسے اٹل اور نازک تجربات سے گزرچکا تھا کہ میرا جہانگیر کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہتا تھا۔ ماں بننے کے بعد سلمٰی بدل جاتی تو اور بات تھی ورنہ جہانگیر کے رویے کی وجہ سے اس کے دل و دماغ میں ناآسودگی کے ایسے مہلک جراثیم پرورش پارہے تھے جو ویرا کے متعارف ہونے کے بعد کسی بھی لمحے جہانگیر کی گھریلو زندگی کو بارود کی طرح اڑا سکتے تھے۔

سلطان شاہ جیسے نوآموز کی پیش بینی اور پیش گوئی اپنی جگہ لیکن اس امر میں ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ ایسا کوئی المیہ رونما ہوتا تو اس میں سارا قصور خود جہانگیر کا ہی ہوتا۔

میری بدقسمتی یہ تھی کہ بہت اچھا دوست ہونے کے باوجود جہانگیر میرے معاملے میں بہت زیادہ حساس تھا۔ دوستی کی ابتدا ہی سے ناگزیر حالات اور ضروریات کے تحت اسے بالادستی قبول کرنی پڑگئی تھی۔ جسے میں اپنے رویے اور کارکردگی سے بتدریج مستحکم کرتا چلا گیا جس کے نتیجے میں وہ لاشعوری طور پر میرے مقابلے میں احساس کمتری کا شکار ہوگیا تھا۔ اس کے اسی احساس کمتری نے اسے میرے بارے میں حساس بنادیا تھا۔ اگر میں اسے ویرا سے دور رہنے کا مشورہ دیتا تو وہ ٹھنڈے دل سے میرے اس مشورے کی اچھائیوں اور برائیوں پر غور کیے بغیر بلا تامل مجھ پر حسد اور رقابت کا الزام لگا دیتا جو میں اپنے سر لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

☆○☆

رات دھیمے دھیمے، چپکے چپکے گزر رہی تھی۔ وال کلاک کی روشن سوئیاں تین بجانے کے بعد اگلی منزل کی طرف گھوم رہی تھیں اور میں اپنی تاریک خواب گاہ میں بستر پر دراز سگریٹ پھونک رہا تھا۔

اس وقت میں نے سوچا کہ فی الحقیقت مجھے سگریٹوں کی ضرورت نہیں تھی۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ میرا ذہن سینڈو کی کارکردگی کے نتائج میں الجھا ہوا تھا۔ سونے کے ان مسلمہ اوقات میں، نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور اس صورت حال نے میرے اعصاب پر دباؤ بڑھادیا تھا۔ اس دباؤ سے نجات حاصل کرنے کے لئے اضطراری طور پر مجھے کوئی ایسی مصروفیت درکار تھی جو میرے خیالات کے دھارے کو اس مہیب سرنگ سے کسی اور طرف موڑ سکے۔ بستر چھوڑے بغیر اس وقت صرف سگریٹ ہی میری دسترس میں تھی اس لئے میں یکے بعد دیگرے سگریٹیں راکھ کرتا چلا جارہا تھا۔

سگریٹ ایک نیم مہلک سا نشہ ہے جو بہت دھیمے دھیمے اور دیر میں اثر کرتا ہے لیکن دوسرے نشے سب ہی مہلک ہوتے ہیں۔ ابتدا شاید اسی طرح ہوتی ہے کہ اعصابی تناؤ میں جو کچھ دسترس میں ہو، کھاپی لیا جائے تاکہ ذہن کو پراگندہ خیالی سے نجات مل سکے۔ آدمی خود کو شہ زور، برتر اور پُراعتماد سمجھ کر اپنی دسترس میں آئے ہوئے نشے کو سونگھتا یا چوستا چلا جاتا ہے۔ پھر ایک دن ایسا بھی آتا ہے کہ اعصاب سکون طلب کرتے ہیں لیکن سرہانے رکھی ہوئی تپائی خالی ہوتی ہے۔

خیالات کے تالاب میں محرومی کا وہ پہلا پتھر ہوتا ہے جو انسان کو پریشان کردیتا ہے۔ پھر خیالات بھی پریشان ہونے لگتے ہیں۔ ننھے ننھے اور بے وقعت مسائل، رات کے اندھیرے میں گمبھیر اور ڈراؤنا روپ دھارنے لگتے ہیں۔ خطرات، خدشے اور وسوسے ہر طرف سے یلغار کردیتے ہیں، مساموں سے دھیرے دھیرے، ٹھنڈا پسینہ خارج ہونے لگتا ہے۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہوجاتی ہیں، بدن دکھنے لگتا ہے، اعصاب چٹخنے لگتے ہیں۔ تاریکی میں روشن اور تاریک تر سائے لہراتے ہوئے نظر آنے لگتے ہیں اور سرہانے رکھی ہوئی تپائی خالی ہوتی ہے۔ اس وقت انسان کو پہلی بار احساس ہوتا ہے کہ وہ نہ شہ زور ہے اور نہ برتر۔ اور نہ ہی پُراعتماد رہا ہے۔ اس کا سارا اعتماد تو وہ پُراسرار نشہ نگل گیا ہے جسے وہ روز نگلتا رہا ہے اور اسی نے

انسان پر منکشف ہوتا ہے کہ وہ فاعل سے مفعول ہوگیا ہے۔ بے بس ہو کر اس نشے کا غلام ہوگیا ہے جسے وہ اپنا محکوم سمجھتا رہا ہے۔ اور اس بھیانک لمحے کے بعد اپنے اعصاب اور نظام کو اعتدال پر رکھنے کے لئے انسان اپنی بساط سے بڑھ کر کوششیں شروع کردیتا ہے کہ ضرورت کے کسی بھی لمحے میں اس کی تپائی خالی نہ رہے۔ زیادہ بزدل، ڈرپوک اور پریشان حال ہو تو تپائی پر بھی بھروسا نہیں کرتا۔ نہ جانے کب اور کہاں ضرورت پڑجائے؟ تپائی تک پہنچنا نصیب ہو یا نہ ہو؟ اس لئے بہتر یہی سمجھتا ہے کہ اپنی امرت کی پڑیا، اپنی جیب میں لئے پھرتا ہے تاکہ جب علامتیں پیدا ہونے لگیں تو اس مشکل کشا پڑیا کو اپنے معدے کے جہنم میں انڈیل لے۔ وہ ہر ایک سے دور رہ لیتا ہے مگر اپنی پڑیا سے نہیں۔ روزی ناکافی ثابت ہونے لگے تو روزہ رکھ کے، چوری کر کے پڑیا خریدے گا۔ کوئی ٹوکے گا تو سینہ زوری پر اتر آئے گا۔ ضرورت پڑ گئی تو قتل وغارت، فساد سے بھی دریغ نہیں کرے گا لیکن اپنی امرت کو لمحے بھر کے لئے بھی اپنے وجود سے الگ نہیں ہونے دے گا۔

ہیروئن ہر طرف اور ہر معاشرے میں اسی لگے بندھے اصول کے تحت پھل پھول رہی تھی۔ لاکھوں میں کوئی ایک بھی یہ سوچ کر ہیروئن کا پہلا ڈوز نہیں لیتا کہ اسے مستقبل میں سب سے بڑا ہیروئنچی بن کر اپنے باپ دادا کا نام روشن کرنا ہے۔ کوئی سکون کے لئے، کوئی اپنے حالات سے فرار کے لئے، کوئی تجسس کی خاطر، کوئی اپنی قوت ارادی کا امتحان لینے کے لئے اور کوئی محض تفریحاً پہلا ڈوز لیتا ہے اور اسی لمحے عالمی منڈی میں ہیروئن کا ایک نیا اور مستقل خریدار وجود میں آجاتا ہے۔

رات کے اندھیرے میں اڈکشن کے بارے میں میرے وہ خیالات اتنے ڈراؤنے تھے کہ میں نے اضطراری طور پر اپنی انگلیوں میں دبی ہوئی ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر بجھادی۔ میں نے اسی لمحے فیصلہ کیا کہ میں اگلے چند روز تک سگریٹ کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا اور یہ دیکھنے کی کوشش کروں گا کہ کہیں میں سگریٹ جیسے حقیر اور کمزور نشے کا عادی تو نہیں ہوگیا تھا۔

یہ میرا یقین تھا اور آج بھی ہے کہ سگریٹ کسی بھی نشے کی پہلی سیڑھی ہے۔ مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس نے براہ راست ہیروئن پینی شروع کی ہو۔ سب سگریٹ سے گزر کر ادھر آتے ہیں۔ چرس تو ملائی ہی تمباکو میں جاتی ہے۔ شراب سگریٹ کے بغیر مزہ نہیں دیتی۔ سگریٹ دراصل ایک اشتہار ہے جسے پینے والا لاشعوری طور پر دوسری منشیات کے لئے اپنی سپردگی کا کھلا اظہار کرتا ہے کہ ہمت ہے تو آؤ اور مجھے کوئی اور نشہ چکھاؤ۔

جس طرح فاتح افواج اپنے مفتوحہ شہروں کا قتل عام کرنے سے پہلے شہر میں واقع ... دیوار پر نشانیاں لگا کر اپنے دوستوں اور دشمنوں میں حد امتیاز قائم کرتی ہیں، اسی طرح سگریٹیں ہاتھوں میں تھما کر نشے کے حامیوں کو دوسرے لوگوں سے الگ کرلیا جاتا ہے۔ جن کے ہاتھ خالی ہوں، ان کی جیبیں اور تپائیاں بھی ہمیشہ خالی رہتی ہیں۔ انہیں کوئی منشیات فروش گھاس نہیں ڈالتا، نہ ان کا کوئی گرگا ان پر اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔ شناخت ہوجانے کے بعد ان سب کا کام آدھا رہ جاتا ہے۔ وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ جو شخص مختلف حیلوں کا سہارا لے کر سگریٹ جیسے حقیر اور بے مایہ نشے کی گرفت سے بھی خود کو آزاد نہ کراسکے، وہ ان کی زبردست ترغیب پر قوی تر منشیات کے چنگل سے کیسے نکل سکے گا؟"

ماضی کے ایک بڑے ہیروئن فروش کی یہ تصوراتی منطق نہ جانے کتنے روپ دھارتی کہ اچانک ہی میرے سرہانے رکھے ہوئے فون کی گھنٹی چیخ اٹھی اور خیالات کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا۔

"گاڑی گردھاری لال کے نام پر ہے۔" دوسری طرف سے سینڈو نے میری آواز پہچان کر بتایا اور پھر بلا توقف گردھاری لال کا پتا بتاتا چلا گیا جس کا تعلق شہر کے ایک معروف اور ستھرے رہائشی علاقے سے تھا۔

"میں تمہارا ممنون ہوں سینڈو! مجھے امید ہے کہ تم راز داری کا خیال رکھو گے؟"

"رازداری کی تو تم فکر نہ کرو" اس کی فاتحانہ آواز ابھری۔ "پورے شہر میں میرے اور تمہارے علاوہ کسی اور کو اس کارروائی کا علم نہیں ہوسکا کیونکہ میں نے رجسٹریشن آفس میں نقب زنی کر کے خود ہی وہاں تک رسائی حاصل کی تھی اور مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ وہاں ریکارڈ اتنی ترتیب سے نہیں تھا جو میرے خیال میں تھی۔ اب میں صبح تک فارغ ہی ہوں۔ چاہو تو مجھے کوئی اور کام بھی سونپ سکتے ہو۔ مجھے نو بجے چیف کی کال کا انتظار کرنے کے لئے دفتر میں موجود رہنا ہوگا۔"

"نہیں سینڈو، بس اتنا ہی کافی ہے۔ اب تم گردھاری لال کو بالکل بھول جاؤ۔ باقی معاملات میری ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں میں خود ہی دیکھوں گا" میں نے کہا۔

میری بات ختم ہونے پر اس نے جھجکتے ہوئے لہجے میں کہا "برا نہ مانو تو ایک سوال پوچھ لوں؟" پھر چند ثانیوں کا وقفہ دے کر اس نے اپنا سوال بھی داغ دیا "ذاتی معاملے سے مجھے خیال آیا کہ یہ کہیں اسی لڑکی کا معاملہ تو نہیں ہے جس کی تلاش کے سلسلے میں تم نے ایک بار مجھے اس کی تصویر بھی دکھائی تھی؟"

"تم بہت مردود اور ذہین ہو" مجھے اس سے اعتراف کرنا ہی پڑا "میں تمہیں سب کچھ بھول جانے کی ہدایت دے رہا ہوں اور تم اس معاملے کو کریدے جارہے ہو۔"

"بس رواروی میں خیال آگیا تھا۔ اب میں دونوں باتیں بھول چکا ہوں" اس نے فوراً ہی معذرت خواہانہ لہجے میں کہا اور میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اسی اثنا میں سلطان شاہ بھی میرے کمرے میں آگیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اپنے جسم پر موجود بے داغ لباس کے ساتھ وہ کہیں بھی روانگی کے لئے پوری طرح تیار اور چاق و چوبند نظر آرہا تھا۔

"تم نے کچھ آرام نہیں کیا؟ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم سو رہے ہوگے" میں نے سلطان شاہ کا بغور جائزہ لیتے ہوئے شفقت آمیز لہجے میں کہا "اب تمہیں شاید ہی آرام کرنے کا موقع مل سکے۔"

"آرام کے لئے ایک عمر پڑی ہے" وہ مغموم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "غزالہ کو اب کسی بھی قیمت پر ہمارے ہاتھوں سے نہیں نکلنا چاہئے۔ ایک بار اسے سچے معنوں میں آزادی مل جائے تو پھر میں آرام ہی آرام کرتا رہوں گا۔"

"تو پھر چلو" میں بھی اٹھ کھڑا ہوا "غزالہ کی آزادی اب میری منزل نہیں ہے۔ ہاں، نشانِ منزل ضرور ہے۔ اسے اپنی تحویل میں لینے کے بعد مجھے بلیک کیٹ ٹی کی اینٹ سے اینٹ بجانی ہے۔"

"مجھے تو اس کے منصوبے پر غور کرتے ہوئے ہی پھریریاں سی آنے لگتی ہیں۔ آج کل کے دور میں اپنے وطن کے لئے کون اتنی بڑی قربانیاں دیتا ہے؟ پندرہ برس سے وہ اپنے وطن اور اپنے پیاروں کو بھول کر ہماری سرزمین پر اپنے بہروپ کے فتنے کو پروان چڑھا رہا ہے اور آج اس پوزیشن میں ہے کہ شاید ہم اپنی ہی سرزمین پر اس کے گریبان پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔ ہمارے ہم وطن اس جعلی ملّا کی حمایت میں ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

"ایسے ہی بے نفس لوگ اپنی قوموں کی تقدیر بناجاتے ہیں" میں نے قدرے رشک آمیز لہجے میں کہا "تم اسے غدارِ اعظم اور جعلی ملّا کے ساتھ جو دل چاہے خطاب دیتے رہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کا بہت بڑا ہیرو ہے۔ اس کا منصوبہ ناکام ہو جائے اور وہ ہمارے ہاتھوں مارا جائے تو وہ ایک الگ بات ہے لیکن آنے والے دنوں میں اس کی کہانیاں اس کی قوم میں اس جیسے نہ جانے کتنے ہیرو پیدا کریں گی۔ ہمیں اس کا انجام اس قدر بھیانک اور عبرت ناک بنانا ہوگا کہ کمزور دل کے لوگ بھولے سے بھی اس کی تقلید کا خیال اپنے دل میں نہ لا سکیں۔ یہ کام ہم غیر سرکاری لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ قانون کی گرفت میں آنے کے بعد تو وہ ہماری ہی روٹیوں پر برسوں پلے گا۔ مقدمہ چلے گا اور پھر زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ایک دن اسے [illegible] دیا جائے گا۔"

میری دانست میں وہ مہم تصادم سے زیادہ مخبری پر مبنی ہوا تھی۔ بلیک کیٹ ٹی انڈین سیکرٹ سروس کا ایک منجھا ہوا کارندہ تھا۔ مجھے اس سے یہ امید نہیں تھی کہ سبز کار میں ہم سے ہلکے سے ٹکراؤ کے بعد وہ اپنی کار گردھاری لال کے گیراج میں کھڑی کر کے اسی مکان کے کسی کمرے میں جا سوئے گا۔

ہر سیکرٹ ایجنٹ کی تربیت کی مبادیات میں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ کسی بھی مشن پر کام کرتے ہوئے پیش قدمی کے ساتھ پیچھے کا ہر سراغ مٹا دیا جائے تاکہ کوئی حریف اس کی راہ نہ لگ سکے اور اگر کسی نقش پا کو مٹانا ممکن نہ رہے تو وہ اپنی سلامتی کی خاطر اسی مقام سے اچانک اپنا رخ تبدیل کرے تاکہ پیچھا کرنے والے امکانات کے گھنے جنگل میں بھٹکتے رہ جائیں۔

اصولی طور پر ہم سے ٹکراؤ کے بعد بلیک کیٹ ٹی کو گردھاری لال سے دور رہنا چاہئے تھا تاکہ سبز کار کی شناخت کے ذریعے اس تک رسائی ممکن نہ رہے۔ مزید احتیاط کے طور گردھاری لال اپنی کار کی چوری یا گم شدگی کی رپورٹ درج کرا کے بلیک کیٹ ٹی سے اپنا عدم تعلق ظاہر کر سکتا تھا۔ اگر کار کے مالک کا نام گردھاری لال نہ ہوتا تو مجھے چند فیصد یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ بلیک کیٹ ٹی نے وہ کار چوری کی ہو لیکن ان دونوں میں بظاہر مذہب اور وطنیت مشترک نظر آرہی تھی اور یہ اتفاق ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے وقت ضائع کئے بغیر گردھاری لال پر طبع آزمائی کا فیصلہ صرف اسی لئے کیا تھا کہ بلیک کیٹ ٹی اپنی مرضی کے مطابق نقل و حرکت کرنے کے سلسلے میں خود مختار نہیں رہا تھا۔ اس نے غزالہ کی صورت میں ایک بھوکی شیرنی کو قید کیا ہوا تھا جو ذرا سا بھی موقع ملتے ہی بلیک کیٹ ٹی کے ناپاک منصوبوں کو درہم برہم کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ وہ اسے بے دست و پا یا قید کر کے اسلحے کے زور پر باہر لایا تھا اور واپسی پر اسے لامحالہ کسی ایسی ہی جگہ کا رخ کرنا تھا جہاں وہ غزالہ پر بہ آسانی اپنی برتری قائم رکھ سکے۔

کچھ عرصے قبل تک ہم دونوں ہی اپنی بقا کی ایک شدید جنگ میں مصروف رہے تھے۔ ہم غیر قانونی طور پر پاکستان میں داخل ہوئے تھے۔ ہمارے نام کچھ اور تھے، کاغذات کچھ اور بتاتے تھے لیکن دشمن ہمیں شکل و صورت سے بہت اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اپنے ان خون آشام دشمنوں سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے ہم نے بہت سے ایسے چھوٹے موٹے شعبدے جمع کئے ہوئے تھے جن کی مدد سے ہم فوری طور پر اپنے حلیوں میں نمایاں تبدیلی لا کر خود کو ناقابلِ شناخت بنا سکتے تھے۔

سینڈو سے گردھاری لال کے ٹھکانے کی خبر ملنے کے بعد ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں تھا، اس لئے ہم دونوں نے ہی اپنے نتھنوں میں چھوٹے چھوٹے اسپرنگ پھنسا کر ہونٹوں [illegible]

گھنی مونچھیں لگالیں اور مختصر سا اسلحہ لے کر فلیٹ سے روانہ ہوگئے۔ میری جیبوں میں ایک بھرے ہوئے پستول کے علاوہ بیم گن اور دو ننھی ننھی ٹکڑے کی گیندیں بھی تھیں جو دراصل بے ہوش کرنے والی گیس کے دستی بم تھے اور زمین پر گرتے ہی ہلکے سے دھماکے سے پھٹ سکتے تھے۔

جب تک سینڈو سے کوئی خبر نہیں ملی تھی، میں گردھاری لال سے نمٹنے کے لئے کوئی معقول تجویز سوچ ہی نہیں سکا تھا لیکن کار میں سندھی مسلم سوسائٹی کی طرف جاتے ہوئے میرا ذہن اس موضوع پر تیزی سے کام کررہا تھا۔

دو گلیوں میں بھٹکنے کے بعد ہم نے مقررہ مکان آسانی کے ساتھ تلاش کرلیا۔ گاڑی میں اس مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے نوٹ کیا کہ آہنی پھاٹک بند تھا، گیٹ لیمپس بجھے گل تھے اور بادی النظر میں پھاٹک کے پیچھے کسی چوکیدار وغیرہ کی موجودگی کے آثار بھی نہیں تھے۔

اس علاقے میں مکانات کی دونوں جانب ایک جیسی پختہ سڑکیں موجود تھیں لیکن تمام مکینوں نے بلا استثنیٰ اپنے مکان ایک ہی رخ پر بنائے ہوئے تھے جس کے نتیجے میں ہر مکان کا مین پھاٹک ایک ہی سڑک پر کھلتا تھا۔ عقبی سمت میں بھی چھوٹے دروازے اور پھاٹک موجود تھے لیکن وہ بالکل بے رونق اور ویران پڑے ہوئے تھے جیسے انہیں ہفتوں سے نہ چھیڑا گیا ہو۔ میں نے اسی طرف گردھاری لال کے مکان کے عقبی پھاٹک کے قریب کار رکوادی۔

"اب تم کار سے اتر کے کسی چیز کی اوٹ میں چھپ جاؤ" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں سلطان شاہ کو ہدایت دی "اس مکان میں سے کوئی بھی باہر نکلتا ہوا نظر آئے تو بے دریغ اسے بھون ڈالنا۔"

"ادھر سے تمہاری واپسی بھی ہوسکتی ہے" اس نے آہستگی سے مجھے یاد دلایا۔

"میں ادھر سے نہیں آؤں گا" میں نے وضاحت کی۔ "البتہ تمہیں غزالہ کا دھیان رکھنا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ افراتفری کی صورتحال میں اسے عقبی سمت سے فرار ہونے کا موقع مل جائے۔"

"تم بے فکر رہو۔ آج وہ نظر آگئی تو چھلاوے کی طرح غائب نہیں ہوسکے گی۔"

وہ کار سے اتر کر ایک ایسے مکان کی طرف بڑھ گیا جو ھر لگا ہوا لیمپ پول، بلب سے محروم تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر گردھاری لال کے مکان کے آہنی پھاٹک کے چپٹے حصے میں لگی ہوئی سلاخوں میں سے اندر کا جائزہ لیا تو ادھر اندھیرے اور سناٹے کی مکمل حکمرانی نظر آئی۔ پھاٹک سے چند گز آگے اصل عمارت میں ایک اور شٹر نما دروازہ نظر آرہا تھا جو غالباً کسی گیراج ہی میں کھلتا تھا۔

پھاٹک کی سالخوردہ حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پھاٹک اور اس سے آگے واقع گیراج مدتوں سے استعمال ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی اور شاید مکان کا وہ عقبی حصہ مکینوں کی مکمل عدم توجہی کا شکار تھا۔

میں نے زمین سے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا کر گردھاری لال کے احاطے میں اچھال دیا۔ اس وقت کی خطرناک اور سنسنی خیز صورت حال کے پیش نظر میرے حواس خمسہ غیر معمولی حد تک بیدار ہوچکے تھے اور اندر پیدا ہونے والی کوئی خفیف سی آہٹ بھی میری سماعت سے محفوظ نہیں رہ سکتی تھی۔ اندر پختہ فرش پر پتھر گرنے کی آواز آئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

میں مزید چند ثانیوں تک اندر کی سن گن لیتا رہا پھر تن بہ تقدیر ہوکر آہنی پھاٹک کی طرف بڑھ گیا کیونکہ احاطے کی تقریباً آٹھ فٹ اونچی، سپاٹ دیوار کے مقابلے میں آہنی گیٹ کے ذریعے اوپر چڑھنا آسان تھا۔

مجھے یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں میرے بوجھ سے پھاٹک کے زنگ خوردہ قبضے وغیرہ اچانک آوازیں نہ پیدا کرنے لگیں اس لئے میں نے لیور کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے پھاٹک کے وسط کے بجائے ستون کے قریب سے اس پر مقدر آزمائی شروع کردی اور خوش قسمتی سے چند ہی سیکنڈ میں اوپر چڑھ کر اندر کود گیا۔

میرے پیروں میں کریپ سول جوتے تھے اس لئے میرے کودنے سے بہت خفیف سی دھمک پیدا ہوئی لیکن یہ سوچ کر میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہوگئیں کہ اس مکان میں اگر گردھاری لال یا کوئی اور فرش پر سونے کا عادی تھا تو دھمک کی وہ ہلکی سی آواز بھی اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ احاطے کی اس سمت میں روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ کھڑکیوں پر بنے ہوئے کنکریٹ کے چھجوں میں سے ایک دورافتادہ چھجے پر زرد روشنی والا ایک علامتی بلب روشن تھا جس پر لگا ہوا شیشہ امتداد زمانہ سے دھندلایا ہوا تھا۔ وہ بلب بھی غالباً کسی اچھی ساخت کا تھا اور برسوں سے جل رہا تھا۔ وہ فیوز ہوا ہوتا تو شاید اسی بہانے سے شیشہ بھی صاف ہوجاتا۔

میں گیراج کے شٹر کے ساتھ چپک کر کئی منٹ تک دوسری طرف سے کسی ردعمل کا انتظار کرتا رہا۔ جب ادھر مسلسل سکوت طاری رہا تو میں نے محتاط انداز میں پیش قدمی شروع کردی۔

عقبی حصے کے بعد میں بلب کی مخالف سمت والے بغلی گلیارے سے گزر کر مکان کے سامنے والے حصے میں پہنچا تو یہ دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا کہ بلیک کیٹ ٹی کے زیر استعمال رہنے والی سبز کار پورچ میں موجود تھی۔ اس سمت میں اکا دکا بلب بھی روشن تھے لیکن میرے ابتدائی اندازے کے عین مطابق چوکیدار کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

احاطے کی مکمل ویرانی اور چوکیدار کے موجود نہ ہونے سے میرا ماتھا ٹھنکا تھا لیکن پھر میں نے خود ہی اپنے اوہام کی تردید کردی۔ بلیک کیٹ ٹی "معراج دین عرف ماتے یا کسی اور بدمعاش کی طرح گروہ بند نہیں تھا جو علی الاعلان اپنی طاقت کا مظاہرہ کرکے مخالفین کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ ایک اجنبی سرزمین پر اپنے ملک اور اس کے مقاصد کے لئے کام کررہا تھا اس لئے اسے رازداری سے کام لینا پڑتا تھا۔ اپنی حفاظت کا کام دوسروں کو سونپ کر خود بے خبری کی نیند سونے کے بجائے اسے خود کو بچائے رکھنے کے لئے ہروقت چوکنا رہنا پڑتا تھا۔ گردھاری لال کے مکان کے احاطے میں سبز کار کی موجودگی یہ ظاہر کررہی تھی کہ بلیک کیٹ ٹی اگر وہاں موجود نہیں تھا تو آیا ضرور تھا اور اس کے بارے میں گردھاری لال سے بیش بہا معلومات حاصل ہوسکتی تھیں۔

کریپ سول جوتوں کے باوجود میں احتیاطاً پنجوں کے بل بڑھتا رہا۔ باہر کی طرف کھلنے والے دروازے اندر سے مضبوطی سے بند تھے۔ پرانی وضع کے ان مضبوط چوبی دروازوں میں ہفنی قفل نہیں تھے بلکہ بیرونی سمت میں موجود پیتل کے کنڈوں سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ اندر بھی کنڈے اور قابلے لگے ہوئے تھے جنہیں رازداری کے ساتھ کھولنا ممکن نہیں تھا۔

خاصی کوشش کے بعد آخر کار مجھے ایک کھڑکی کے پٹ غیر مقفل مل گئے۔ میں نے ذرا سا زور لگایا تو چوبی پٹ باہر کھل گئے۔ ان میں شیشہ وغیرہ استعمال نہیں کیا گیا تھا اس لئے کھلی ہوئی کھڑکی میں آہنی گرل یا کوئی اور رکاوٹ نہیں تھی۔

اس کمرے میں گہرا اندھیرا اور سناٹا تھا' حتیٰ کہ کسی ذی روح کے سانس لینے کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اپنی دانست میں پورا احتیاطی جائزہ لینے کے بعد میں کھڑکی کی چوکھٹ عبور کرکے اندر داخل ہوگیا۔

جب میری آنکھیں اندر پھیلے ہوئے گھور اندھیرے سے مانوس ہوئیں تو میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اس ایک منزلہ مکان کا کوئی کمرا نہیں' بلکہ ایک کشادہ راہداری تھی۔ وہاں رچی ہوئی کھانوں کی بو سے پتا چل رہا تھا کہ کچن اسی راہداری سے ملحق تھا۔

میں نے پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے یکے بعد دیگرے تین کمروں کا جائزہ لے ڈالا۔ جن میں سے ایک ڈائننگ روم ثابت ہوا' بقیہ دو خوابگاہیں تھیں لیکن سب خالی پڑے ہوئے تھے۔ چوتھے کمرے کا دروازہ کھولتے ہی میرے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی کیونکہ میں نے واضح طور پر کسی کے تیز سانسوں کی آواز سنی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا گہری نیند سو رہا تھا کیونکہ اس نے دروازہ کھلنے کے باوجود کسی ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ پھر بھی میں مزید چند ثانیوں تک ادھ کھلے دروازے سے باہر ٹھہرا رہا اور پھر بیم گن ہاتھ میں لے کر اندر داخل ہوگیا۔

اس خوابگاہ میں مسہری کے بجائے دہرے بستر والا ایک وسیع و عریض چھپر کھٹ موجود تھا جس پر ایک موٹا آدمی بنیان اور دھوتی میں ملبوس گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ پورا مکان ہی قدیم طرز پر بنا ہوا تھا۔ چھتیں کافی اونچی تھیں۔ اس کمرے کی تین دیواروں میں چھت کے قریب روشندان کھلے ہوئے تھے۔ واحد کھڑکی مکان ہی کے کسی اندرونی ہوادار حصے میں کھلتی تھی۔

آثار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت مکان میں وہی موٹا موجود تھا۔ میں نے خواب گاہ کا دروازہ بند کرکے اندر سے بولٹ کیا اور اللہ کا نام لے کر روشنی کا ایک سوئچ آن کردیا۔

خواب گاہ میں روشنی ہوتے ہی پنکھے کی مشینی گھوں گھوں میں سوئے ہوئے شخص کی بڑبڑاہٹیں گونجیں اور اس نے کروٹ بدل کر اپنا چہرہ ایک نرم تکئے میں چھپا لیا۔

میں نے آگے بڑھ کر سختی سے اسے جھنجوڑا تو اس نے بڑی بڑی 'خمار آلود آنکھیں کھول کر حیرت سے مجھے دیکھا تھا' پھر بیم گن پر نگاہ پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں دہشت تیر گئی۔

"کک... کون ہو تم؟" اس نے پھنسی پھنسی اور بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"اٹھو... اور تیس سیکنڈ میں اپنے اوسان یکجا کرلو ورنہ میں تمہیں گولی مار کر چلا جاؤں گا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے" میں نے درشت بلکہ سفاکانہ لہجے میں کہا اور اس نے اپنی دھوتی سنبھالتے ہوئے فوراً ہی بستر چھوڑ دیا۔

"تم کون ہو؟ اور مجھ غریب سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے اپنی دھوتی کا بند درست کرتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں سوال کیا۔

"تم میرا پورا گھر دیکھ لو۔ یہاں تمہیں کوئی مال نہیں ملے گا۔ عزت سے رہنے اور کھانے پینے کے بعد جو کچھ بھی بچتا ہے' وہ جوڑنے کے بجائے میں دان کرتا رہتا ہوں۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

مجھے مال نہیں' معلومات درکار ہیں" میں نے بیم گن کو خطرناک انداز میں جنبش دیتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔ "سچ بولو گے تو صبح کے سورج کی روشنی دیکھ سکو گے ورنہ یہیں مار دیئے جاؤ گے۔"

اس کے ذہن سے نیند کا خمار ایک دم اڑ گیا تھا اور وہ دہشت زدہ نظر آنے لگا تھا "میں تو ایک مسکین سا کاروباری

آدمی ہوں۔ آلو پیاز کی آڑھت کرنے والے سے تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"پچھلی رات تمہاری گاڑی کس کے استعمال میں تھی؟" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا اور اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ اس پر سوار ہونے والی خوف کی لہر اتنی شدید تھی کہ پل بھر میں اس کے ہونٹ خوف سے سفید پڑ گئے اور وہ یوں منہ چلانے لگا جیسے حلق میں پھنسی ہوئی کسی شے کو اپنے معدے میں اتارنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کی آنکھوں میں ہراس سمٹ آیا تھا۔

"میری... میری گاڑی... مم' میرے پاس تھی" وہ ہکلاتا ہوا بولا۔

میں نے چھپر کھٹ کے سرہانے رکھی ہوئی پیتل کی چمچماتی ہوئی' اونچی تپائی کی طرف رخ کر کے لحظہ بھر کے لئے بیم گن کا ٹریگر دبادیا۔ فضا میں نیلگوں شعاعیں تیریں اور پیتل کی تپائی کا ایک حصہ آناً فاناً میں پگھل کر جل گیا۔ میں نے اس موٹے کو گھورتے ہوئے کہا" یہ پستول نہیں' ایک نیا خلائی ہتھیار ہے یہ آناً فاناً میں تمہاری پسلیوں کے ساتھ تمہارا دل بھی جلا کر راکھ کر دے گا اور تم کوئی آواز نکالے بغیر گر کر پٹ سے مرجاؤ گے' اس لئے مجھ سے اول فول بکنے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہارے بارے میں بالکل ہی بے خبر نہیں ہوں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں جو کچھ جانتا ہوں' تمہاری زبان سے اس کی تصدیق سننا چاہتا ہوں۔ تم نے زبان کھولنے میں ہچر مچر کی تو میں تمہیں مار کر سکون سے واپس لوٹ جاؤں گا۔"

"تم یہ کیوں نہیں بتاتے کہ تم کون ہو؟" وہ پہلو بدلتا ہوا بولا۔ میری خوفناک دھمکیوں اور بیم گن کے استعمال کے ہولناک مظاہرے سے وہ بہت زیادہ بے چین اور مضطرب ہو گیا تھا۔

"میں کرنل میش پال ہوں" میں نے دانستہ وہ نام استعمال کرتے ہوئے کہا" میرے کچھ ساتھی یہاں میرے خلاف بغاوت پر تل گئے ہیں اور میں ان کی بیخ کنی پر نکلا ہوا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہاں تمہارا کیا رول ہے؟ لیکن تم نے مجھ سے تعاون نہیں کیا تو میں تمہیں اپنے باغیوں میں شمار کر کے اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔"

"مجھے کچھ پتا نہیں؟" وہ دردناک لہجے میں کراہا" مجھے کچھ نہیں معلوم کہ تم کس بغاوت کا ذکر کر رہے ہو۔ میں تو بس اس آس پر کچھ لوگوں کی مدد کرتا رہتا ہوں کہ ایک دن اکھنڈ بھارت کا خواب پورا ہو سکے۔ مُسلوں نے اس دھرتی کو پاک استھان کا نام دے کر ہمارے منہ پر تھپڑ مارا ہے... جیسے بنارس' کلکتہ' پونا اور ایودھیا' سب ملیچھ شہر ہوں۔ اس سے آگے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں کاروباری آدمی ہوں۔ بھلا ان سب باتوں سے میرا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"گردھاری لال!" میں نے سرد اور بے رحمانہ لہجے میں کہا" میرے پاس تمہاری تقریریں سننے کے لئے وقت نہیں ہے۔ مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ پچھلی رات تمہاری گاڑی کس کے استعمال میں تھی؟"

"وہ بہت ظالم آدمی ہے" گردھاری لال خوف زدہ لہجے میں بولا" اگر تمہیں سب کچھ معلوم ہی ہے تو خود اسی سے کیوں نہیں پوچھ لیتے؟ مجھ بے چارے کی مٹی کیوں پلید کراتے ہو؟"

"تمہیں یہ بتانے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں کہ مجھے کس سے کیا پوچھنا چاہئے۔ میں اپنا کام اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم بس اتنا بتاؤ' جتنا تم سے پوچھا جا رہا ہے" میں نے تلخ لہجے میں اسے لتاڑتے ہوئے کہا۔ اور پھر بڑھ کر پوری قوت سے اس کے دہانے پر بیم گن کی آہنی نال سے ایک ضرب لگادی۔

وہ خاصی کریہہ اور گھٹی گھٹی آواز میں چیخا تھا۔ اس کے ہونٹ پھٹ گئے اور دہانے سے تازہ تازہ خون کی کئی لکیریں بہہ نکلیں۔ اپنا منہ تھامنے کے بعد اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے خون آلود ہاتھوں کا جائزہ لیا اور روہانسی آواز میں بولا" یہ ظلم ہے... یہ انیائے ہے کرنل! تم ایک برہمن ساہوکار پر یوں ظلم نہیں کر سکتے۔ میں اپنی محنت کی روزی سے تمہارے منصوبوں کو سینچتا ہوں اور تم مجھ غریب پر ہی اپنے ہتھیار آزمانے پر تلے ہوئے ہو۔"

"برہمن کے دم نہیں ہوتی گردھاری لال جی" میں نے زہریلے لہجے میں کہا" آج تم ایک روپیہ دیتے ہو تو اکھنڈ بھارت بننے کے بعد اس کے ہزار بھی تم ہی وصول کرو گے۔ یہ تو مہاجن کا بیوپار ہے۔ اصل جاتا ہے تو پھر اپنے ساتھ بیاج بھی لے کر آتا ہے۔ مجھے یہ سب پٹیاں پڑھانے کے بجائے وہ بتاؤ' جو میں پوچھ رہا ہوں۔"

"یہ تمہارے آپس کے جھگڑے ہیں" وہ اپنے زخمی ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا" وہ جب بھی یہاں آتا ہے' رازداری پر باربار زور دیتا ہے۔ وہ بھی یہی کہتا ہے کہ وہ اپنے غداروں کو زندہ نہیں چھوڑتا۔ ایک آدمی کو تو اس نے اسی گھر میں میری آنکھوں کے سامنے سسکا سسکا کر کاٹا تھا۔ بھگوان کے لئے... تم مجھے مجبور نہ کرو۔"

"وہ تو بعد میں آئے گا۔ میں اس وقت تمہارے سر پر سوار ہوں۔ میرے پاس تمہیں سسکانے کا وقت بھی نہیں ہے۔ بس ماروں گا اور واپس چل دوں گا۔ ہاں اتنا وعدہ ضرور کر سکتا ہوں کہ تم نے میرے ساتھ تعاون کیا تو اسے یہ پتا نہیں لگنے دوں گا کہ تم نے اس کے بارے میں اپنی زبان کھولی تھی۔"

"وہ کئی دن سے اپنے گاؤں سے یہاں آیا ہوا ہے" اس نے خاصے طویل سکوت کے بعد جھجکتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہنا شروع کیا" شام کو بھی گاڑی وہی لے گیا تھا۔ رات گئے گاڑی چھوڑ کر واپس چلا گیا۔"

"نام کیا ہے اس کا؟" میں نے اپنے تجسس پر قابو رکھتے

ہوئے سوال کیا۔
"رام جانے' اس کا اصل نام کیا ہے؟ سب اسے ملا سرکار کہتے ہیں" وہ اس قدر دھیمی آواز میں بول رہا تھا جیسے اسے اپنی آواز کہیں اور سن لئے جانے کا خدشہ ہو۔
"اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟" میں نے اگلا اہم ترین سوال کیا۔
"کوئی نہیں" گردھاری لال کی آواز اس کے حلق میں گھٹی جا رہی تھی اور خوف سے پھٹی ہوئی آنکھیں یوں مستقل طور پر چکرا رہی تھیں جیسے اسے دیواروں میں سے اچانک کسی کے نکل پڑنے کا خطرہ لاحق رہا ہو "وہ جب بھی آتا ہے' اکیلا ہی ہوتا ہے۔ کل شام کو بھی دونوں بار وہ اکیلا تھا۔"
"آج کل ملا سرکار کہاں ٹھہرا ہوا ہے؟" گردھاری لال کے راہ راست پر آجانے کی وجہ سے مجھے یک بیک اپنی کامیابی بہت قریب نظر آنے لگی تھی لیکن میں اس کے سامنے تحمل سے کام لینے پر مجبور تھا۔
"کسی دوست کے پاس ٹھہرا ہوا ہے۔ ضرورت پڑتی ہے تو خود آجاتا ہے یا فون کر لیتا ہے۔ مجھے اس کے ٹھکانے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ ان معاملات میں وہ پوری رازداری سے کام لیتا ہے۔"
"اتنے بڑے مکان میں تم تنہا رہتے ہو تو وہ تمہارے پاس کیوں نہیں ٹھہرتا؟"
"اس کے لئے یہ گھر چھوٹا ہے" پہلی بار گردھاری لال کے لہجے میں ملا سرکار کے لئے ہلکی سی تلخی عود کر آئی "وہ کسی بڑی حویلی میں رہتا ہے جہاں شاید اس کے لئے نوکر چاکر بھی ہوتے ہیں۔"
"تم اسے کس طرح جانتے ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔
"ہماری پنچایت کے سرپنچ نے اسے مجھ سے ملایا تھا" وہ دھوتی سے اپنا دہانہ صاف کرتا ہوا بولا "اس نے بتایا تھا کہ ملا سرکار بھارت کا ایک بڑا افسر ہے اور اکھنڈ بھارت کا خواب پورا کرنے کے لئے ہم سب کو پوری طرح اس کا ساتھ دینا چاہئے۔ اس کے بعد سے وہ میرے پاس آتا جاتا رہا ہے۔"
"وہ پکا سور اور بدمعاش ہے" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اکھنڈ بھارت کے نام پر تم جیسے سادہ لوح لوگوں سے لاکھوں روپے کا چندہ لے کر ہضم کر چکا ہے اور دوسروں کو بھی بگاڑ رہا ہے۔"
"پر تم نے بھی میرے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ ادھر سے آنے والا ہر افسر ظالم یا بدمعاش ہوتا ہے" اس نے رندھی ہوئی آواز میں مجھ سے احتجاج کیا۔
"مجھ سے ظلم تمہاری ضد نے کرایا ہے ورنہ مجھے تم سے کوئی پرخاش نہیں تھی" میں نے ملائمت سے کہا "اب جلدی سے یہ بھی بتا ڈالو کہ ملا سرکار کا اصل گاؤں کون سا ہے اور وہ کہاں سے آتا ہے؟"
"وہ دا..." اس کا فقرہ ادھورا رہ گیا۔ ٹھک کی آواز کے ساتھ کسی جانب سے ایک بے آواز گولی آئی اور اس کی پیشانی کے وسط میں پیوست ہو گئی۔ گردھاری لال کے حلق سے ایک تیز ہچکی برآمد ہوئی' وہ کھڑے کھڑے لڑکھڑایا اور پھر منہ کے بل فرش پر گر کر بے جان ہو گیا۔
میں تیزی سے پلٹا۔ دروازہ بدستور بند تھا لیکن اس کے اوپر بنے ہوئے روشندان کے قریب بارودی دھوئیں کی ہلکی ہلکی لکیریں فضا میں تیر رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ بے آواز فائر اسی روشن دان سے کیا گیا تھا۔
روشن دان زمین سے اتنی بلندی پر واقع تھا کہ وہاں سے ہونے والے فائر نے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ بظاہر وہاں تک رسائی کی ایک ہی صورت تھی کہ چھت پر لیٹ کر اگلا دھڑ اس حد تک آگے جھکایا جاتا کہ روشندان میں سے کمرے کا جائزہ اور گردھاری لال کی پیشانی کا نشانہ لینا ممکن ہو جاتا۔ میں تیزی کے ساتھ اسی روشندان والی دیوار کی طرف کھسک گیا تاکہ اس نادیدہ دشمن کی زد سے باہر نکل سکوں۔ ادھر کھسکتے ہوئے مجھے یاد آیا کہ اس کمرے سے باہر راہداری کی اونچائی کمرے سے بہت کم تھی جس کا مطلب تھا کہ اس طرف سامان وغیرہ رکھنے کے لئے دو چھتی بنی ہوئی تھی اور قاتل غالباً اسی میں پناہ گزین تھا۔
"اب تم اس کمرے سے باہر نہیں نکل سکو گے" روشن دان کی طرف سے اچانک بلیک ٹی کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ "میں نے دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا ہے اسی لئے بزدل' گردھاری لال کو تم سے کچھ زہر افشانی کرنے کا موقع مل گیا ہوگا ورنہ میں اسے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار چکا ہوتا۔ اب تم سامنے آؤ اور اسلحہ پھینک کر خود کو میرے حوالے کر دو۔"
گردھاری لال پر فائر ہوتے ہی مجھے خیال آیا تھا کہ اس کا نادیدہ دشمن نجانے کب سے روشن دان کے پیچھے چھپا ہوا ہماری باتیں سن رہا تھا مگر بلیک کیٹ ٹی نے اپنی بات سے خود ہی اس سوال کا جواب فراہم کر دیا تھا لیکن وہ یہ بھول رہا تھا کہ اس کمرے میں ایک کھڑکی بھی تھی۔
"تم نے گردھاری لال کے ساتھ بہت بے رخی کا مظاہرہ کیا ہے" میں نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر کہا "وہ تمہارا ایک وفادار ساتھی تھا اور تم نے خود ہی اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شاید اپنے محسنوں کو ڈسنا تمہاری فطرت میں شامل ہے۔ اسی لئے تم ہم سے بھی عہد شکنی کر رہے ہو' رات کو تم نے ہمارا پیچھا کر کے ہم پر گولیاں برسائیں اور اب مجھے للکار رہے ہو۔"
"میرا نشانہ اتنا کچا نہیں ہے کہ میرے شکار میرا پیچھا کرنے کے لئے زندہ رہ سکیں" اس نے تکبر آمیز لہجے میں کہا "وہ میرا ایک ہرکارہ تھا اور تم اسے بھی زیر نہیں کر سکے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ تم جلد یا بدیر گردھاری لال تک ضرور پہنچو گے۔ میں

نے تمہارے استقبال کا مناسب بندوبست کرلیا تھا مگر افسوس
اس بات کا ہے تم میری توقع سے زیادہ تیز رفتار ثابت ہوئے اور
مجھے یہاں پہنچنے میں ذرا سی تاخیر ہوگئی لیکن انجام تمہارے
سامنے ہے۔ اب تم ایک چوہے کی طرح میرے بے ضرر
قیدی بن چکے ہو۔"

"تم اور ہم حریف نہیں تھے بلکہ ایک کاروباری لین دین
پر مذاکرات کررہے تھے" میں نے تلخ لہجے میں کہا "تمہیں
ہمارا تعاقب کرنے یا کروانے کا کوئی حق نہیں تھا۔ غزالہ پر قابو
پالینے کے بعد تمہاری نیت بدلتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ اسی
لئے تم یہ سب قلابازیاں کھارہے ہو۔ ہم نے بھی تمہارے
عزائم کو بے نقاب کرنے کا ارادہ کرلیا تھا اور مجھے خوشی ہے کہ ہم
اس میں کامیاب ہوئے ہیں" اس کو جواب دیتے ہوئے میں
نے نکاسی کے دروازے پر زور لگا کر دیکھا مگر وہ باہر سے واقعی بند
تھا۔

"غزالہ کے ساتھ تمہارے ہاتھ آجانے کے بعد اب میری
پوزیشن اور بہتر ہوجائے گی" اس کے لہجے میں تحقیر کا انداز
نمایاں ہوگیا "میرا خیال ہے کہ اب ٹی کے ساتھ سودے میں
مجھے کسی ضمانت کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ویسے بھی بے
چارہ کرنل مہیش پال نہ جانے کہاں غائب ہے۔ رہا رام لال تو وہ
بے چارہ بہت یتیم ہے۔ نئی دہلی میں کوئی اس کی بات پر کان
نہیں دھرے گا۔"

اس نے پچھلی رات سبز کار میں اپنے بجائے اپنے کسی
آدمی کی موجودگی کی خبر سنا کر مجھے چونکا دیا تھا۔ اگر وہ سچا تھا تو اس
کا مطلب تھا کہ میں نے ویرا کے ساتھ جس باریش بہروپئے کو
دیکھا وہ اس کہانی کا کوئی غیر اہم کردار تھا لیکن وہ بلیک کیٹ ٹی کی
چال بھی ہوسکتی تھی۔ مجھے گمراہ کرکے وہ اپنی ذات کی
پراسراریت برقرار رکھنے کی کوشش کرسکتا تھا۔ حقیقت کو
دریافت کرنے کی ایک ہی صورت تھی کہ کسی طرح اسے
سامنے آنے پر مجبور کردیا جاتا۔

"اس وقت تم کسی پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ کے بجائے
ایک گھٹیا بلیک میلر معلوم ہورہے ہو۔"

"بلیک میلنگ کسی بھی سیکرٹ ایجنٹ کا پہلا اور بنیادی
ہتھیار ہوتا ہے۔"

"لیکن اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ تم نے مجھے پکڑ لیا ہے۔
یہ مکان اس وقت ٹی کے پیشہ ور گوریلوں کے محاصرے میں
ہے اگر میں ایک خاص وقت تک باہر نہ نکلا تو وہ پوری طاقت
سے اپنی کارروائی کا آغاز کردیں گے۔"

"انہیں بھی دیکھ لیا جائے گا" اس کا لہجہ بے پروایانہ تھا۔
"گردھاری لال کا مکان میرا کوئی مستقل اڈا یا ٹھکانا نہیں ہے۔
میں یہاں تمہاری تلاش میں آیا تھا اگر تمہارے آدمی واقعی باہر
موجود ہیں تو میرے لئے ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر
نکلنا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے گردھاری لال و

کس امید پر اپنے نشانے پر لیا ہوا تھا؟"

"تم نے کل رات کو بدعہدی کی بدترین مثال قائم
تھی۔ جب تم ہماری راہ پر لگے ہوئے تھے تو ہمیں بھی تم
کھوج لگانے کا اسی قدر حق حاصل ہے۔ اس محاذ آرائی
تمہارا، اسلحے کا سودا خراب ہوجائے گا۔"

اس کی طنزیہ ہنسی کے ساتھ آواز ابھری "تم فکر نہ کرو
نے دیکھ لیا ہے کہ غزالہ کی تم لوگوں کے لئے کیا اہمیت ہے
میں چاہوں تو تم لوگ اسلحے کے کریٹ اپنے سروں پر لا
میرے مطلوبہ مقام پر پہنچاؤ گے۔"

میں نے اپنی جیب سے کپڑے کی ایک گیند نکال لی
جس میں بے ہوش کرنے والی گیس کی خاصی مقدار، بھا
دباؤ میں موجود تھی۔ پھر اس سے کہا "اگر تم سودے کے بار
میں واقعی سنجیدہ ہو تو سامنے آکر بات کرو۔ تمہیں احساس
چاہئے کہ ٹی اور چور اچکوں سے معاملات طے کرنے میں
نمایاں فرق ہوتا ہے۔"

"فرق ہونا چاہئے لیکن تم نے برقرار نہیں رکھا" اس
ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "اپنی جگہ پر، میری مختصر
مربوط تنظیم بھی ٹی سے کسی طرح کم نہیں ہے اور میں
آمیز رویہ بہت کم برداشت کرپاتا ہوں۔"

"ہم نے تمہاری شان میں کون سی گستاخی کی تھی، جس
تم یہ حوالہ دے رہے ہو؟"

"سودے سے انکار اور ضمانت کی فراہمی کا مطالبہ میر
لئے ذلت آمیز تھا۔"

"باہمی اعتماد کے بغیر گروہوں کے مفادات سے ہا
دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ تم ہمارے لئے اجنبی تھے اور
علاقے کی حساس سیاسی صورتحال میں ٹی کوئی اندھا جوا
کھیل سکتی تھی۔ یہ تمہاری بے بنیاد بات ہے۔"

"مجھے تو اب شبہ ہونے لگا ہے کہ کہیں تم لوگوں نے
کرنل مہیش پال کو اسلام آباد سے نہ اٹھوالیا ہو۔ نہ وہ م
رہے گا، نہ تمہیں ضمانت مل سکے گی اور نہ سودا بنے گا۔ وہ تو
مقدر یاور تھا کہ میں نے عین وقت پر غزالہ کو پکڑ لیا۔ وہ م
واردات سے نکل جانے میں کامیاب ہوجاتی تو تم مجھ
آنکھیں ہی بدل لیتے۔"

"ہم نے مہیش پال کو اٹھوایا ہوتا تو سیدھے تمہار
ٹھکانے پر ہی پہنچتے۔ گردھاری لال کے پاس جھک نہ مار رہے
ہوتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ عملاً تم آزاد اور خود مختار ہو مگر
اصولی طور پر کرنل مہیش پال ہی تمہارے پراجیکٹ کا سربرا
ہے اور وہی تم کو سارے مالی وسائل فراہم کرنے کا ذمے دا
ہے" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ اس دوران میں میں
مسلسل یہ جائزہ لیتا رہا کہ میرا پھینکا ہوا گیس بم روشن دان سے
گزر کر بلیک کیٹ ٹی کی کمین گاہ تک پہنچ سکے گا یا دیوار سے
ٹکرا کر میرے لئے ہی مصیبت کھڑی کردے گا؟ مجھ سے یہ

حماقت سرزد ہوگئی تھی کہ بے ہوش کرنے والی گیس کے بم اپنے ساتھ لینے کے باوجود میں نے کوئی گیس ماسک نہیں رکھا تھا جو کسی ناگہانی صورت حال میں میرے کام آسکتا تھا اگر اس وقت میرا نشانہ ذرا بھی خطا ہو جاتا تو نہ صرف یہ کہ بلیک کیٹ ٹی پوری طرح محفوظ رہتا بلکہ میں خود ہی کھانس کھانس کر بے ہوش ہو جاتا اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ مجھے اپنا قیدی بنالیتا۔

لیکن وزنی چوبی دروازہ باہر سے بند ہونے کے بعد میرے لئے دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ بلیک کیٹ ٹی کا مقابلہ کرکے، اسے زیر کرنے کی کوشش کرتا یا پھر مکان کے اندرونی حصے میں کھلنے والی کھڑکی سے فرار کی راہ اختیار کرلیتا۔

ادھر بلیک کیٹ ٹی استہزائیہ ہنسی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ "میش پال اور گردھاری لال میں بڑا فرق ہے۔ میش پال سچا سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ تم اس کے بدن کا ریشہ ریشہ بھی الگ کردو گے تب بھی وہ اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ میں ذرا سی دیر اور نہ آتا تو دہشت سے گردھاری لال کی دھوتی خراب ہوگئی ہوتی اور وہ رٹے ہوئے سبق کی طرح تمہیں ہر وہ بات بتا چکا ہوتا جو کسی بھی طرح سے اس کے علم میں تھی۔ مجھے شبہ ہے کہ کرنل کی خاموشی نے ہی تمہیں یہاں تک پہنچنے پر مجبور کیا ہے۔"

میں نے کچکڑے کے بم کو اپنے ہاتھ میں تولتے ہوئے مناسب جگہ کے انتخاب کے لئے کمرے کا تنقیدی جائزہ لیا۔ پھر دوڑتے ہوئے گردھاری لال کی لاش کے قریب سے وہ گیند پوری قوت سے بلیک کیٹ ٹی والے روشن دان کی طرف پھینک دی۔ فضا میں بلیک کیٹ ٹی کی ایک دبی دبی سی غراہٹ گونجی۔ میں نے کمرے میں جلنے والے بلب کے انعکاس میں واضح طور پر دیکھا کہ بلیک کیٹ ٹی میری طویل خاموشی سے تشویش کا شکار ہو کر خواب گاہ کا جائزہ لینے کے لئے روشندان کے قریب آیا تھا کہ میرا پھینکا ہوا نازک سا بم اس کے چہرے سے ٹکرا کر پھٹ گیا۔ اس کی اضطراری غراہٹ گیند کی ضرب کا نتیجہ تھی۔ اگر اس کے چہرے پر نقاب منڈھا ہوا نہ ہوتا تو وہ اسی لمحے بے ہوش ہو سکتا تھا۔

گیند ہاتھ سے نکلتے ہی میں نے روشن دان کے پیچھے اس کی سیاہ کھوپڑی ابھرتی ہوئی دیکھ لی تھی اور اس پر گولی چلانے کے لئے بلا توقف پستول نکال لیا تھا لیکن گیس کے بادل نے اسے اپنی اوٹ میں لے کر میرے فائر سے بچالیا۔

بلیک کیٹ ٹی کے چہرے پر چڑھی ہوئی نقاب اس اعتبار سے گیس ماسک ثابت ہوئی کہ وہ منہ پر گیند پڑنے کے باوجود فوراً بے ہوش نہیں ہوا تھا لیکن اس کے مسامات میں پہنچ کر گیس نے اپنا کام دکھانا شروع کر دیا جس کی وجہ سے بلیک کیٹ ٹی پر شدید کھانسی کا دورہ پڑ گیا جو میرے لئے حوصلہ افزا تھا۔

کھانستے ہوئے وہ بار بار اپنے پھیپھڑوں میں گیس آلود ہوا لینے پر مجبور تھا۔ اس طرح اس کے بے ہوش ہونے کا قوی امکان تھا مگر پھر اس نے کھانسی کو دبانے کی کوششیں شروع کردیں اور اسی کے ساتھ اس کی آواز دور ہونے لگی۔ گیند سے خارج ہونے والی بے ہوشی کی گیس دباؤ ختم ہونے پر پوری دو چھتی میں بھر چکی تھی اور بلیک کیٹ ٹی نے وہاں سے صاف فضا میں نکلنے کی کوشش شروع کردی تھی۔

میں اچھل کر بھاگا اور کھڑکی سے گزر کر برآمدے میں جانکلا۔ وہ مکان میرے لئے نیا تھا۔ گردھاری لال کی خواب گاہ کے علاوہ پورے مکان میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ دو چھتی تک کس سمت سے رسائی ہوگی۔ میں برآمدے سے دوڑتا ہوا ایک راہداری میں داخل ہوا تو میری نگاہ دیوار گیر سوئچ پر پڑی اور میں نے رکے بغیر سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار دیا اور راہداری میں بیک وقت دو بلب جل اٹھے۔

روشنی ہوتے ہی مجھے احساس ہوا کہ وہ راہداری جس میں میں اس وقت دوڑ رہا تھا گردھاری لال کی خواب گاہ کے سامنے واقع تھی۔ اس کی نیچی چھت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بلیک کیٹ ٹی کی کمین گاہ اسی کے اوپر واقع تھی۔

میں دو چھتی کے اختتام پر راہداری عبور کرکے اونچی چھت والے حصے میں داخل ہو رہا تھا کہ اچانک اوپر سے کوئی وزنی وجود میرے اوپر آیا اور پھر فرش پر لڑھک گیا۔ میں اپنی رفتار اور بے خبری کی وجہ سے بری طرح لڑکھڑا گیا تھا صاف ظاہر تھا کہ وہ کوئی بھی تھا مجھے بے بس کرنے کے لئے میرے اوپر نہیں کودا تھا بلکہ اتفاقاً سے ہی اس کے کودنے اور میرے وہاں سے گزرنے کی ٹائمنگ یکساں ہوگئی تھی جس کے نتیجے میں وہ خود بھی بوکھلا گیا تھا۔

گردھاری لال مارا جا چکا تھا اور میری دانست میں اس وقت پورے مکان میں میرے اور بلیک کیٹ ٹی کے علاوہ کوئی تیسرا ذی روح موجود نہیں تھا اس لئے میں بڑی سرعت کے ساتھ پلٹا تھا۔ اس وقت تک وہ نقاب پوش سنبھل چکا تھا۔

میں اس کی طرف لپکا تھا مگر وہ اٹھتے ہی برآمدے کی طرف دوڑ پڑا جدھر سے میں آیا تھا اس وقت اسے زیر کرنے کے ساتھ ہی میری خواہش اسے بے نقاب کرنے کی بھی تھی تاکہ اس بات کا تعین کرسکوں کہ پچھلی رات وہ خود ہی ہمارا پیچھا کر رہا تھا یا اس کا کوئی آدمی اس کام پر مامور تھا۔

"رک جاؤ، ورنہ گولی ماردوں گا" میں نے غراتے ہوئے اسے حکم دیا لیکن اس کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اس اثنا میں میں یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ بے ہوش کرنے والی گیس اس کے جسمانی نظام پر کسی حد تک اثر انداز ہو چکی تھی اور اگر میرا اس سے دوبدو مقابلہ ہوتا تو وہ زیادہ دیر تک اپنے قدموں پر کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔

وہ لحظہ بھر کے لئے رک کر پلٹا پھر اس نے ایک سیاہ دستی بم میرے اور اپنے درمیان فرش پر دے مارا۔ وہ بم ہلکے سے دھماکے سے پھٹا اور ہر طرف کثیف دھوئیں کے سے بادل

پلٹتے چلے گئے میں نے سیاہ دھوئیں کی اس چادر کو عبور کر کے
ں قدمی کرنا چاہی لیکن اس گیس کی تیز اور نامانوس بو نے
ں رکنے پر مجبور کر دیا مجھے خطرہ محسوس ہوا تھا کہ کہیں وہ
ک، زہریلی گیس نہ رہی ہو۔
برآمدے سے آنے والی ہوا کثیف دھوئیں کی اس چادر
سرنگ نما راہداری میں دھکیل رہی تھی۔ میں نے بے بسی
رایوسی کے عالم میں پستول سے دو فائر کیے جن کی گونج سے
ارت لرز اٹھی لیکن بلیک کیٹ ٹی کی کوئی آواز نہیں سنائی

اس مقابلے کے لئے اس کی تیاری ہر اعتبار سے بہتر اور
ل تھی اگر وہ میری طرح اپنے ساتھ دستی بم نہ لایا ہوتا تو بڑی
سانی کے ساتھ زیر کیا جا سکتا تھا لیکن دھوئیں کی دیوار نے
ے صاف بچ نکلنے کا بہترین موقع فراہم کر دیا تھا۔ میرا اندازہ تھا
بے ہوش کر دینے والی گیس کے اثرات سے اس کی حالت
ی ابتر ہو چکی تھی کہ وہ رک کر میرا انتظار کرنے کی ہمت نہیں
سکتا تھا۔
زہریلے دھوئیں نے مجھے راہداری میں پسپائی کی راہ
یار کرنے پر مجبور کر دیا۔ ویسے بھی دو پر شور فائروں کے بعد
ر وہاں رکا رہنا میرے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتا تھا اس
ے میں نے واپسی کے لئے وہی راہ اختیار کی جس کی ذریعے
ِ اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوا تھا۔
دیوار پر میرا ہیولا دیکھتے ہی سلطان شاہ لپک کر کار کی طرف
تھا۔ نیچے کود کر میں جونہی کار میں سوار ہوا اس نے انجن
رٹ کر کے گاڑی آگے بڑھا دی۔
"تم ٹھیک تو ہو نا؟ اندر گولیاں چلی تھیں" اس نے
یش آمیز لہجے میں پوچھا۔
میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "وہ فائر میں نے کئے
۔ وہ ادھر سے فرار تو نہیں ہوا تھا؟"
میرا سوال ادھورا تھا لیکن سلطان شاہ میرا مفہوم سمجھ گیا۔
ں 'ادھر تو چڑیا کا بچہ بھی نظر نہیں آیا۔ کیا تمہارا براہ راست
ں سے تصادم ہوا تھا؟ میرا خیال تھا کہ وہ ہمیں یہاں نہیں مل
گا۔"
"تمہارا خیال ٹھیک ہی تھا۔ وہ کچھ دیر اور نہ آیا ہوتا تو میں
دھاری لال سے بہت کچھ اگلوا لیتا لیکن اس نے ایک نازک
حلے پر گردھاری لال کو بے آواز پستول سے ہلاک کر دیا۔
تو بس یوں سمجھو کہ وہ میرے ہاتھ آتے آتے نکلا ہے۔"
سلطان شاہ پورے واقعات کے بارے میں بہت زیادہ
س تھا اس لئے مجھے اس کو پوری کہانی سنانا پڑی جس کے
یان میں وہ سوالات بھی کرتا جا رہا تھا۔
"ایک بات بہت اچھی ہوئی کہ گردھاری لال نے مرنے
ے پہلے ہی تمہیں اس کا نام بتا دیا" پورا واقعہ سن لینے کے بعد
ان شاہ نے رائے زنی کی "ملا سرکار کوئی عام سا نام نہیں۔

اس کا نام تو سرکار ہی رہا ہوگا لیکن اس کے بہروپ اور اداکاری کی وجہ سے لوگوں نے خود ہی اسے ملا سرکار بنا دیا ہوگا۔ نام کی بنیاد پر اندرون سندھ اس کی تلاش میں آسانی ہو سکتی ہے مگر دو باتیں خراب ہوئیں۔ اول یہ کہ گردھاری لال مرنے سے پہلے اس گاؤں کا نام نہیں بتا سکا اور دوم یہ کہ تم اس کا اصلی چہرہ نہیں دیکھ سکے۔"

"چہرہ دیکھنے کی خواہش میری اپنی تھی" میں نے کہا "مجھے یقین ہے کہ پچھلی رات سبز کار میں خود ہی تھا۔ اس نے ہمیں شش و پنج میں ڈالنے کے لئے اپنے ہرکارے کی کہانی تراشی تھی۔ رہا ملا سرکار کے گاؤں کا مسئلہ تو اس کے سلسلے میں ایک نام میرے سامنے ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں اسے آسانی سے راہ پر لے آؤں گا۔ بلیک کیٹ ٹی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ میں وہاں تک پہنچ سکتا ہوں۔"

"کون ہے وہ؟" سلطان شاہ نے پر اشتیاق اور تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"یہاں رہنے والے سارے ہندو پاکستان کے دشمن نہیں ہیں" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا "لیکن جانو ماچھی وغیرہ کی طرح ان میں بھی کالی بھیڑیں موجود ہیں۔ انہی میں پنچایت کے موجودہ سرپنچ کا شمار ہوتا ہے جس نے ملا سرکار کا گردھاری لال سے تعارف کرایا تھا۔ سرپنچ معزز اور بارسوخ شخص ہوتا ہے۔ اسے ذرا دھمکا کر آسانی سے راہ پر لایا جا سکتا ہے۔"

"تم واقعی بہت دور کی کوڑی لائے ہو۔ میں نے تو ادھر دھیان بھی نہیں دیا تھا" وہ تعریفی لہجے میں بولا "جب میں تمہارے ساتھ شامل ہوا تھا تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں کوئی نیک کام بھی کروں گا۔ ذہن میں یہی تصور تھا کہ آگے چل کر ہیروئن اور چرس کے دھندے میں نام کے ساتھ پیسہ بھی کماؤں گا لیکن آج ہم ہیروئن کے خلاف ایک ہولناک جنگ لڑ رہے ہیں۔ ٹی اور مافیا جیسی تنظیمیں تم سے خائف ہیں اور اب یہ نیا سیاسی رخ سامنے آیا ہے۔ ملک دشمن ریشہ دوانیوں اور دہشت گردی کے خلاف کام کرنا بھی خاصا عزت کا کام ہے اگر ہم بلیک کیٹ ٹی کے فتنے کا سر کچلنے میں کامیاب ہو گئے تو میں سمجھوں گا کہ میں نے اپنی زندگی کا بڑا مقصد پورا کر لیا ہے۔"

وہ بات بہت سیدھی اور سامنے کی تھی لیکن سلطان شاہ کے ذہن میں نہیں آ سکی تھی۔ جرم انفرادی ہو یا اجتماعی، اپنی اصل میں ہمیشہ جرم ہی رہتا ہے اور جب ایک جرم کا ارتکاب کر لیا جاتا ہے تو اس کی پردہ پوشی یا اپنے دفاع کے لئے دوسرا جرم کرنا پڑتا ہے اور انسان سر سے پیر تک جرائم کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔

جس طرح حرام کی آمدنی اپنے ساتھ گمراہی، بے راہ روی، شرمناک آزادی اور دیگر حرام کاریوں کا عقل اور نگاہ کو چندھیا دینے والا روشن سیلاب لے کر آتی ہے اسی طرح

جرم اپنے جلو میں ایک ابلیسی داستان لئے ہوئے ہوتا ہے۔ قتل و غارت گری، آتش زنی اور لوٹ مار، اغوا اور تاوان، منشیات فروشی اور اسلحے کی اسمگلنگ، یہ سب جرم کے ایک ہی تناور درخت کی چھتنار شاخیں ہوتی ہیں۔ کہیں بھی حد فاصل کھینچ کر ایک جرم کو دوسرے جرم سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ہم منشیات فروشی کے کام میں شریک ہوئے تو اپنی اجارہ داری برقرار رکھنے کے لئے ہمیں خوں ریزیاں بھی کرنی پڑیں۔ مجرمانہ رقابتوں میں اپنے پیاروں کو خود اپنے ہاتھوں سے ٹنوں مٹی میں دبانا پڑا۔ اسی کے ساتھ اپنی دھاک اور برتری کو برقرار رکھنے کے لئے ہمیں ناجائز اسلحے پر بھی انحصار کرنا پڑا۔ یہی کارروائیاں جب انفرادی اور علاقائی سطح سے ٹی اور مافیا جیسی بین الاقوامی تنظیموں میں مدغم ہوتی ہیں تو پھر ان میں سے ہر شاخ ایک فن بن جاتی ہے جس کی آبیاری کے لئے سینڈو، ویرا لائیڈ، معراج دین اور ملا سرکار جیسے پیشہ ور مہرے پروان چڑھائے جاتے ہیں ایک جرم کرتے ہوئے یہ سوچ لینا کہ انسان دوسرے جرم سے بچا رہے گا، احمقانہ فعل ہوتا ہے اور اسی طرح جرائم کا انسداد کرنے والا بھی ہر وقت ہر قسم کی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

اس وقت تک ملا سرکار کا جو کردار سامنے آیا تھا اس سے اس کے خوفناک عزائم مترشح تھے۔ وہ ایک مستحکم اور خود مختار ریاست میں انتشار اور انارکی پھیلا کر ایک نئی تقسیم کا بیج بونا چاہتا تھا لیکن اس کے سرپرست کرنل مہیش پال کے عزائم اس سے بھی بہت آگے تھے۔ وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنے بھیانک انجام کو پہنچ گیا تھا لیکن سلطان شاہ اسے اغوا کرتے ہوئے اس کی گاڑی سے جو کاغذات لایا تھا وہ لرزہ خیز حقیقتوں کی کہانی سناتے تھے۔ ملا سرکار اور غزالہ کے چکروں میں پھنس کر میں خود بھی ان کاغذات کو فراموش کر بیٹھا تھا مگر اس لمحے میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ غزالہ کی رہائی کے بعد میں اس پہلو کو بھی دیکھوں گا جس پر میرے وطن کی بقا کا دارومدار تھا۔ کرنل مہیش پال تک سلطان شاہ کی رسائی دراصل میرے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی تھی۔ اس نے کرنل پر ہاتھ نہ ڈالا ہوتا تو وہ درندہ ہمارے قومی وجود کی نہ جانے کن کن بافتوں کو اپنے نکیلے دانتوں سے ادھیڑ چکا ہوتا۔

ہیروئن کا انسداد میرے لئے بہت اہم تھا لیکن قومی سلامتی کے معاملات اہم ترین تھے۔ میں ریاستی ڈھانچے سے باہر ایک عام اور حقیر سا شہری تھا لیکن میں اس مٹی کا مقروض بھی تھا جس سے میرا خمیر اٹھا تھا۔

☆○☆

اس سے میری پہلی گفتگو کی ابتدا بہت خوشگوار انداز میں ہوئی تھی لیکن اس کا اختتام بہت سرد اور رسمی رہا تھا۔ جس کی وجہ سے میں نے دوسری بار زیادہ محتاط رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں نے اس سے دوپہر فون کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن دانستہ شام کو پونے پانچ بجے فون کیا۔ میرا اندازہ تھا کہ دوسرے عام [illegible] طرح اس کے اوقات کار بھی پانچ بجے تک ہوں گے۔ میرا [illegible] تھا کہ وہ اپنی رضامندی کا اظہار کرتی تو میں دفتر سے واپسی پر اس کے ساتھ ہو لیتا۔ اپنے تحفظ کے خیال سے میں نے [illegible] اپنے فلیٹ میں لانے کا ارادہ ترک کردیا تھا۔ اس سے [illegible] بالمشافہ ملاقات اسی کے ٹھکانے پر سود مند ثابت ہو سکتی [illegible] جہاں میں رہن سہن اور آرائش و زیبائش کی روشنی میں [illegible] کے مزاج کے بارے میں زیادہ صحیح اندازہ لگا سکتا تھا۔

پہلی گھنٹی بجتے ہی اس نے خود فون اٹھایا تھا [illegible] نے اس کی آواز پہچان لی تھی۔

"ہیلو شانتی!" میں نے پرجوش اور بے تکلفانہ [illegible] میں کہا تھا "تم کیسی ہو؟"

"تم کون ہو؟" دوسری طرف سے شانتی کی سرد اور سپاٹ آواز ابھری تھی۔

"میں پیٹر بول رہا ہوں، پیٹر واک" اس کے بدلے ہوئے رویے نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا۔

"اتنا تو میں تمہاری آواز سے پہچان گئی تھی۔ غالباً ہمارے درمیان ایسی کوئی بے تکلفی نہیں ہے کہ تم چھوٹتے ہی میرا مزاج پرسی شروع کردو" اس کا لہجہ تکلیف دہ حد تک جذبات سے یکسر عاری تھا "ہمارا تعارف کسی خاص حوالے سے ہوا [illegible] اس میں تمہاری ذات کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ اس حوالے سے بات کی ابتدا کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔"

"آئندہ احتیاط رکھوں گا...." غیر ارادی طور پر میرا لہجہ [illegible] ہو گیا مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔

"آئندہ کے بجائے اسی لمحے سے پروٹوکول کا لحاظ رکھو تو مناسب رہے گا۔ رسمی شناخت کے بغیر میں تم سے گفتگو جاری نہیں رکھ سکوں گی کیونکہ یہ میری پیشہ ورانہ مجبوری [illegible]" اس کا لہجہ کاٹ دار ہو گیا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ پچھلے روز میری سرد مہری کو فراموش نہیں کر سکی تھی اور اس وقت اس کا جواب دے رہی تھی۔

"میں سلور آئی کا پجاری ہوں" میں نے اپنے غصے اور جھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"طاقت کا دیوتا" اس کی سرد اور بے مہر آواز میرے کانوں میں گونجی "اب بتاؤ کیا پروگرام ہے؟"

"آج شام ہماری ملاقات طے تھی۔ تم کب اور کہاں [illegible] سکتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے کل ہی تمہیں بتادیا تھا کہ میں کسی وقت [illegible] کہیں بھی مل سکتی ہوں۔"

"پھر سوا پانچ بجے آواری ٹاورز کے ریمپ پر میں تمہارا انتظار کروں گا۔ وہ شاید تمہارے دفتر سے نزدیک بھی ہے" [illegible] اپنے اندر کی تلخی کو حتی الامکان دل ہی دل میں دبانے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا۔

"تمہاری کارن ۔ ۔ ریا ہوگا؟" میرے مصالحانہ لب و
لہجے باوجود اس کے انداز تخاطب میں کوئی تبدیلی نہیں آئی
تھی۔

"میں ٹیکسی میں آؤں گا۔ تم اپنی گاڑی کا نمبر بتادو۔ میں
لیمپ سے نکاسی والے سرے پر مقررہ وقت پر تمہارا انتظار
کروں گا۔ میرے بدن پر نیلے رنگ کا سوٹ ہوگا اور شناخت
کے لئے کالر میں گلاب کی کلی ہوگی۔"

"خوب" اس نے بہت کھینچ کر معنی خیز لہجے میں کہا۔
معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری مجبوریاں قابل رحم حد تک لامحدود
۔ گھر کا پتا نہیں بتاسکتے۔ ذاتی کار چھپا کر ٹیکسی میں سفر
کرتے ہو۔ پتا نہیں مجھے اپنا نام کیسے بتا بیٹھے؟ ہوسکتا ہے کہ یہ
بھی فرضی ہو اور ولدیت تو ہر ایک سے ہی چھپاتے ہوگے۔"

مجھے بے اختیار کسی شاعر کا وہ مصرعہ یاد آگیا رنجش ہی سہی
دل کو جلانے کے لئے آ۔

اس نے مجھ سے بدلہ لینے کے لئے اپنے مزاج پر سرد
مہری کا ایک خول منڈھ لیا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ٹیکسی کا ذکر
سن کر وہ جمود توڑنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ طنز ہی سہی لیکن اس
کی گفتگو میں زندگی کا کوئی رنگ تو جھلکا تھا۔

"نام درست ہے۔ ولدیت اَیڈ منڈ واک ہے۔ کار
خرید نہیں سکا کیونکہ کام کے سلسلے میں شہر شہر گھومنا
پڑتا ہے۔ چاہو گی تو میں تمہیں اپنا پورا شجرہ سنادوں گا لیکن پانچ
بجے سے ۔ ۔ ۔ آواری ٹاورز آنا نہ بھولنا۔"

ریسیور پر پہلی بار اس کی خفیف سی ہنسی کی مترنم رل ترل
سنائی دی "شاید مجھے اپنے گھر بھی نہیں لے جاؤ گے؟"

میں ایک گہرا سانس لے کر حسرت آمیز لہجے میں بولا۔
گھر ہوتا تو ضرور لے جاتا۔ ہم جیسے خانہ بدوش جہاں بیٹھ جائیں
اسی جگہ کو اپنا آشیانہ سمجھ لیتے ہیں لیکن تمہیں لے کر میں
ہر جگہ بیٹھنے کا تصور نہیں کرسکتا۔"

"کل تو تم نے بڑے زعم کے ساتھ اپنی مہمان داری کا ذکر
کیا تھا" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مہمان داری تو آواری ٹاورز سے پرل کانٹی نینٹل تک
کہیں بھی کی جاسکتی ہے۔ میں نے اپنے گھر کا کوئی ذکر نہیں کیا
تھا۔ ساری بات وہیں آجاتی ہے کہ گھر ہو تو اس کا ذکر اچھا لگتا
ہے۔"

"اور اگر میں بھی تمہیں اپنے گھر لے جانے سے انکار
کردوں" وہ رفتہ رفتہ راہ پر آرہی تھی۔

"اگر مسٹر نرائن آگئے ہیں تو میں خود بھی تمہارے گھر
سے دور رہنا پسند کروں گا۔"

اس بار وہ کھلکھلا کر بے ساختہ ہنس پڑی تھی "اب میں
فون بند کررہی ہوں۔ پانچ بجنے والے ہیں، تمہیں نہادھو کر نیلا
سوٹ پہننا ہے۔ گلاب کی کلی خریدنا ہے اور پھر سوا پانچ سے
پہلے ٹیکسی میں آواری ٹاورز پہنچنا ہے۔ اتنے کاموں کے لئے

وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ میں زیادہ دیر تک وہاں انتظار نہیں
کروں گی" اس نے اپنی کار کا نمبر بتا کر فون بند کردیا۔

مجھے نہانا دھونا تو خاک بھی نہیں تھا۔ نیلے سوٹ کی پتلون
اور سفید قمیص پہلے سے میرے بدن پر موجود تھی۔ گلے میں
سرخ ٹائی باندھ کر میں نے کوٹ پہنا، اتنی دیر میں سلطان شاہ
نے جہانگیر کے گھر کا نمبر ملالیا۔

"رات کو تم کچھ کہے سنے بغیر کہاں غائب ہوگئے تھے؟"
جہانگیر نے میری آواز سنتے ہی شکوہ شروع کردیا مگر میں نے فوراً
ہی اسے خاموش کردیا اور سرد لہجے میں ویرا سے بات کرانے کی
ہدایت کی۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے اسے ذرا بھی ڈھیل دی تو
وہ اپنی پچھلی رات کی بے اعتدالیوں کا جواز دیتے دیتے میرا بھیجا
چوپٹ کردیتا۔

"رات کو تم اپنے مکان پر موجود رہنا" ویرا کے لائن پر
آنے پر میں نے کہا "مجھے یقین ہے کہ بلیک کیٹ ٹی تم سے
رابطہ کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ اس کی نئی باتوں پر تم
آزادی کے ساتھ اپنی حیرت اور لاعلمی کا اظہار کرسکتی ہو۔ بس
یہ یاد رکھنا کہ کل رات دس بجے کے بعد سے میں مسلسل لاپتا
ہوں۔"

"تم جو کچھ بک رہے ہو، اس میں شبہ ہی کیا ہے۔ یہ بتاؤ
کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

"صبح کے اخبارات میں کچھ نہیں آسکا تھا۔ شام بلکہ
دوپہر کے بیشتر اخبارات کی شہ سرخیاں تمہیں میری
مصروفیات سے باخبر کردیں گی۔ باقی تفصیلات ملاقات ہونے پر
بتاؤں گا۔"

"آج تو تمہیں شانتی نرائن سے بھی ملنا تھا" اس نے
چونکی ہوئی آواز میں کہا۔

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اس وقت اسی سے ملنے
جارہا ہوں۔ بس تم مری مغفرت کی دعائیں کرتی رہنا۔ میرا
خیال ہے کہ وہ ہر اعتبار سے تمہاری بھی خالہ ثابت ہوگی۔"
میں نے فون بند کردیا۔ مڑا تو سلطان شاہ سٹین گن لئے کھڑا
تھا "یہ ساتھ لے جاؤ۔"

"میں کوئی ہتھیار نہیں لے جاؤں گا" میں نے اس کا ہاتھ
تھام کر اسے دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا "یہ تم رکھ لو۔
دیر ہوگئی تو سارا کام خراب ہوجائے گا۔ یہاں سے راستہ بھی
خاصا طویل ہے۔"

گاڑی میں روانہ ہونے کے بعد بھی سلطان شاہ مجھے مسلح
کرنے پر مصر رہا لیکن میں نے سختی سے اسے ٹال دیا۔ شانتی
ایک آزاد خیال عورت معلوم ہوتی تھی اور مجھ سے بے تکلفی
کے بہانے میرے بدن پر ہاتھ پھیر کر بہ آسانی میری جامہ
تلاشی لے سکتی تھی اگر اسے میرے مسلح ہونے کا شبہ بھی
ہوجاتا تو وہ میری طرف سے بے اعتمادی کا شکار ہوسکتی تھی۔
میں ہر قیمت پر اسے شیشے میں اتارنے کا ارادہ لے

آواری ٹاورز جارہا تھا۔

میرے ایما پر سلطان شاہ نے شرف آباد سے نکل کر کار شہید ملت روڈ پر موڑلی اور آگے چل کر ہم طارق روڈ پر مڑ گئے اس وقت پانچ بجنے والے تھے' اس لئے ٹریفک کا پرہجوم ریلا سڑکوں پر نہیں آیا تھا۔ طارق روڈ کے اختتام پر قبرستان کے سامنے پھول والے بیٹھے تھے جن سے میں نے منہ مانگے داموں پر گلاب کی ادھ کھلی اور بن کھلی کلیوں کا ایک ہار خریدا اور اس میں سے ایک بغیر کھلی ہوئی کلی الگ کر کے بقیہ ہار سلطان شاہ کی گود میں ڈال دیا۔

سندھی مسلم سوسائٹی سے گزرتے ہوئے مجھے گردھاری لال کا خیال آیا جس کا مکان ہمارے داہنے ہاتھ کی گلیوں میں سے کسی ایک میں واقع تھا۔ اس کا قتل صبح کے اولین لمحات میں ہوا تھا' اس لئے قتل کی خبر شام کے اخبارات نے شائع کی تھی اگر میرے دو فائروں نے گردھاری لال کے پڑوسیوں اور علاقے کے چوکیدار کو چوکنا نہ کیا ہوتا تو شاید اس بے چارے آڑھتی کی لاش کئی دن تک اس مکان میں سڑتی رہتی اور کوئی اس کا پرسان حال نہ ہوتا۔ اخباری اور پولیس کے ذرائع نے گردھاری لال کے بہیمانہ قتل کو خاندانی تنازع کا نتیجہ قرار دیا تھا کیونکہ گردھاری لال کی بیوی اس سے لڑ کر کئی ماہ قبل بچوں سمیت اپنے میکے چلی گئی تھی۔ جو شکارپور میں واقع تھا۔ پولیس کی ایک جماعت گردھاری لال کی بیوی اور اس کے میکے والوں کو تفتیش میں شامل کرنے کے لئے فوری طور پر شکارپور روانہ ہوگئی تھی۔ سہل ترین انداز میں وہ قصہ نمٹانے کی کوششوں میں' اہل کاروں نے گردھاری لال کی موت کا سبب بننے والی گولی کے علاوہ باقی دو گولیوں اور دو دستی بموں کی باقیات کو اس بری طرح نظر انداز کیا تھا کہ خبروں میں ان کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں تھا۔

شاہراہ فیصل پر آتے ہی میں نے سلطان شاہ کو بریف کرنا شروع کردیا "شارع فیصل اور فاطمہ جناح روڈ کے سنگم پر جو چوراہا ہے۔ تم مجھے وہاں اتار دینا میں سڑک عبور کر کے' ٹہلتا ہوا ہوٹل کے ریمپ پر چڑھ جاؤں گا۔ اس اثنا میں تم میٹروپول ہوٹل کا طواف کر کے سامنے سے اسی طرف داخل ہوجانا — برآمدے سے گزر کر جب تم ریمپ سے اترو گے تو ڈھلان کے اختتام پر میں اس کے ساتھ موجود ملوں گا۔ تمہاری کار نظر آنے تک میں کسی نہ کسی طرح اسے الجھائے رکھوں گا۔ تمہیں محفوظ فاصلے پر رہتے ہوئے بہت احتیاط سے اس کا پیچھا کرنا ہے۔ آگے کیا کرنا ہے وہ تم اچھی طرح جانتے ہو لیکن غیر ضروری طور پر عجلت یا بے احتیاطی سے کام نہ لینا۔ شانتی اپنی باتوں سے بہت چالاک اور مکار عورت معلوم ہے۔"

"اس کی کار کا نمبر اور راستہ بتادو۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے مجھے مقررہ مقام تک پہنچنے میں دیر ہوجائے تو کم از کم آگے ... سے تلاش کرسکوں" اس نے سعادت مندانہ لہجے میں سوال کیا۔

"وہ کلفٹن کے علاقے میں' ایک فلیٹ میں رہتی ہے" میں نے شانتی کی کار کا سفارتی نمبر دہراتے ہوئے کہا۔ "وہاں سے نکل کر وہ فریئر ہال کے سامنے سے بھی گزر سکتی ہے اور فاطمہ جناح روڈ پر اپنے کاؤنسلیٹ والی راہ بھی اختیار کر سکتی ہے لیکن کلفٹن کے پل سے ہر حال میں گزرے گی۔ تم وہاں کہیں اسے پکڑ سکتے ہو۔"

چند ثانیوں کے بعد ہم ہوٹل مہران کے سامنے سے گزرے اور مقررہ چوراہا جس سے داہنی طرف ہوٹل آواری ٹاورز سر اٹھائے کھڑا ہوا تھا اور بائیں طرف والی سڑک پر شانتی کے کاؤنسلیٹ کا دفتر واقع تھا۔ سلطان شاہ نے چوراہے پر گھومتے ہوئے ٹریفک کی آڑ میں' لمحہ بھر کے لئے کار روکی اور میں دروازہ کھول کر وہیں اتر گیا۔ سلطان شاہ نے دروازہ بند ہوتے ہی اپنی کار آگے بڑھادی اور میں موقع پاکر سڑک پار کرگیا۔

دوسرے ٹریک پر' سگنل بند ہونے کی وجہ سے قطعی ٹریفک نہیں تھا۔ اس لئے چند ثانیوں میں آواری ٹاورز کے سامنے میں پہنچ گیا۔ میرے لئے ریمپ پر چڑھنا بے معنی تھا کیونکہ میں نے شانتی کو اس کے اختتام کا مشورہ دیا تھا۔

ہوٹل کے ریستوران اور دوسرے دفتر کے سامنے سے گزرتا ہوا' میں مقررہ مقام پر پہنچا تو سامنے ہی کنکریٹ کی دیوار کے ساتھ مطلوبہ کار کھڑی ہوئی نظر آگئی۔ اس میں سوار خاتون پر نظر پڑتے ہی' میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ نسوانی حسن و جمال کی ہر وہ تعریف جو تصور میں آسکتی ہے' اس خاتون میں مجسم نظر آرہی تھی۔

گوری رنگت' تیکھے نقوش' مسکراتے ہوئے گلابی ہونٹ' بڑی بڑی سیاہ آنکھیں' شانوں تک تراشے ہوئے سنہرے بال اور بغیر آستین والے بلاؤز کے ساتھ' ساڑی میں ملبوس وہ خاتون حسن کے ساتھ ساتھ نسوانی وقار کا ایک پیکر نظر آرہی تھی جسے چھوتے ہوئے بھی خوف آتا ہو کہیں وہ چٹخ نہ جائے۔

وہ مسکراتے ہوئے میری ہی طرف دیکھ رہی تھی ... ... نہ وہ میری تھی اور نہ میرا اس سے کوئی تعلق تھا لیکن پھر بھی' صرف اس خیال سے میرا سینہ پھول گیا کہ شانتی جیسی لاکھوں میں ایک' حسینہ وہاں میرا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے اپنی کار داہنی طرف' دیوار سے ملا کر کھڑی کی ہوئی تھی اس لئے اس کے نیچے اترنے کی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے نیلا سوٹ اور کالر میں گلاب کی کلی دیکھ کر مجھے پہچان لیا تھا اس لیے میرے قریب پہنچتے ہی اس نے جھک کر پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ اس کی ذات اس قدر سحر انگیز تھی کہ اس قدر واضح پیشکش کے باوجود میں لمحہ بھر کے لئے ٹھٹک کر رہ گیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ٹیکسی کے بجائے پیدل چل

آرہے ہو" اس نے بے ساختہ مسکراہٹ کے ساتھ یوں کہا
جیسے ہم مدت سے ایک دوسرے کے صورت آشنا ہوں "یا
کسی سے لفٹ لے کر آئے ہو؟"
میں اس کے وجود کی رعنائیوں کے دیدار میں کھویا ہوا تھا
اس کی رسیلی اور مترنم آواز سن کر چونکا اور ایک جھٹکے سے
اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔
کار میں گھستے ہی، شانتی کے وجود کی حیوانی مہکار نہایت
وحشیانہ شدت سے میرے اعصاب پر حملہ آور ہوئی تھی۔
اس بو میں کسی دھیمے پرفیوم کی خوشبو بھی شامل تھی لیکن ان
دونوں میں اتنا واضح فرق تھا کہ اسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں تھا۔
"ٹیکسی میں نے اس پار ہی چھوڑ دی تھی" میں نے
مسکراتے ہوئے کہا "چند قدم کے فاصلے کے لئے اتنا لمبا چکر
کاٹنے میں خاصا وقت خراب ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ مجھے دیر
نہیں ہوئی ہے۔"
"دیر تو ہوئی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں تم سے پہلے
یہاں موجود ہوں" میں جانتا تھا کہ وہ کون تھی مگر پھر بھی مجھے
اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں معصومانہ سی شوخی رقصاں
نظر آرہی تھی۔
"پہلے کبھی تمہیں دیکھ لیا ہوتا تو تمہیں ایک لمحے کے
لئے بھی انتظار نہ کرنے دیتا" میں نے ٹانگیں پائیدان پر رکھ کر
اپنی سمت کا دروازہ بند کرلیا۔ میں گھر سے ہی یہ سوچ کر چلا تھا کہ
شانتی کو یہ یقین دلانے کی اداکاری کروں گا کہ میں اس کے تیر
نظر سے گھائل ہو گیا تھا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ اسے دیکھ
لینے کے بعد میرے جو جذبات تھے، ان کی وجہ سے مجھے کسی
اداکاری کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ شانتی سحر خیز شخصیت،
طلسم انگیز سراپا اور فسوں خیز اطوار کی مالک تھی۔ وہ خود بھی
اپنے وجود کی ان حشر سامانیوں سے بے خبر نہیں تھی۔ تبھی
اس نے اپنی گداز اور شہابی بانہوں کو نمایاں کرنے کے لئے سیاہ
سلک کا مختصر سا، بغیر آستین والا بلاؤز پہنا ہوا تھا جس پر زرد اور
سیاہ ساڑی عجیب رنگ دکھا رہی تھی۔ مختصر سے ان چند لمحوں
میں نہ جانے کتنی بار میرے دل میں یہ طفلانہ خواہش پیدا ہوئی
کہ کسی بہانے سے اس کے گلابی، شہابی بازو کو چھو کر حسن و ادا
کی اس دیوی کے بدن کا لمس تو محسوس کروں جس سے پتا چل
سکے کہ وہ آسمان سے اتری ہوئی کوئی اپسرا نہیں بلکہ میری طرح
کی ایک انسان تھی۔
اس نے جس رفتار سے گاڑی ریمپ سے نکال کر گھمائی
تھی، اس سے ظاہر ہوا کہ وہ کھلنڈری طبیعت کی مالک تھی۔
شاید خطروں سے الجھنا اور الجھ کر بچ نکلنا اس کی ہابی تھی۔ اسی
وجہ سے وہ سیکرٹ ایجنٹ بنی ہوئی تھی۔ اسے قریب سے دیکھ
کر اس کے پیشہ ور رقیبوں کے نصیب کی سیاہی کا اندازہ لگانا کچھ
دشوار نہیں تھا۔
"تم چپ کیوں ہو پیٹر جی" حیوانی مہکار میں شانتی کی
رسیلی آواز ابھری "کیا مجھ سے مل کر مایوس ہوئے ہو؟"
"مجھے حیرت ہے کہ تم جیسی حسین پتنی کو شری نرائن
نے ایسا خطرناک پیشہ اختیار کرنے کی چھوٹ کیسے دی ہوئی
ہے" میں نے اپنے اوپر طاری ہونے والی مرعوبیت کے حصار
کو توڑتے ہوئے کہا۔
"تم سے ملنے کا یہ مطلب نہیں کہ میرا پیشہ بہت
خطرناک ہے کیونکہ میں اپنے کاؤنسلیٹ کی پبلک ریلیشنز
آفیسر ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرے کوئی پتی ابھی تک
پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں۔ یہ تو خیر چھوٹی موٹی باتیں ہیں۔ اصل
بات یہ ہے کہ میں بھی کچھ کم خطرناک نہیں ہوں۔ ٹارگٹ
شوٹنگ میں سات اور کراٹے میں تین ٹرافیاں جیت چکی ہوں"
اس وقت وہ کسی سیکرٹ ایجنٹ کے بجائے ایک الہڑ دوشیزہ
معلوم ہو رہی تھی جو اپنے کارنامے گنا کر خوش ہو رہی ہو۔
"پتی پیدا نہیں ہوئے" میں نے حیرت سے دہرایا "تو یہ
مسز شانتی نرائن کا کیا ڈھکوسلا ہے؟"
"مس رہتے ہیں تو قدم قدم پر شادی کے امیدوار تڑپتے
اور پھڑکتے رہتے ہیں۔ مسز بن جانے سے ایسے جنجالوں سے
جان بچی رہتی ہے۔ خاص خاص لوگوں کو میں خود ہی اندر کی
بات بتا دیتی ہوں۔"
"مجھے تم نے کب سے اپنے خاص آدمیوں میں شامل
کرلیا ہے؟" میں پر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔
"رام دیال نے کہا تھا کہ تم کوئی بہت ہی خاص آدمی ہو۔
جب تک تم خود بگاڑ پیدا نہیں کرو گے، میں پورے خلوص کے
ساتھ تم کو اپنا خاص آدمی سمجھتی رہوں گی۔ مجھے معلوم ہے کہ
ہمارا اور شی کا اکثر واسطہ پڑتا رہتا ہے۔"
مجھے ان لوگوں کی ذہانت کی داد دینی پڑتی ہے جنہوں نے
کراچی میں تم کو پی آر او مقرر کیا ہے۔ تمہاری کہی ہوئی ہر بات پر
اس شہر کے لوگ آنکھیں بند کر کے یقین کرلیتے ہوں گے؟"
"زبان سے تو سب ایسا ہی کہتے ہیں، اندر کی بات وہ خود
جانتے ہوں گے" اس نے معصومانہ بے بسی سے کہا پھر یک
بیک موضوع بدلتے ہوئے بولی "میرے ہاتھ کی سبزی
کھاؤ گے یا بازار سے کچھ لیتے چلیں؟"
"میزبان تم ہو، اس لئے انتخاب کا اختیار بھی تم ہی کو ہے"
میں نے کہا۔
وہ اچانک کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ گاڑی چلاتے ہوئے
خاصی دیر تک ہنستی رہی اور میں یہ سوچتا رہا کہ مجھ سے ایسا کون
سا لطیفہ سرزد ہو گیا تھا جس نے اسے یوں ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا
جب اس کی ہنسی قابو میں آئی تو اس نے وہ پہیلی خود ہی
حل کر دی اور بولی "ابھی پانچ بج کر بیس منٹ ہوئے ہیں۔
کراچی میں لوگ نہیں بھی ہوں، آٹھ، نو بجے سے پہلے ڈنر
نہیں لیتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت تک تم میرے
ساتھ ہی رہو گے۔"

"تم سے مل کر اپنی مرضی سے واپس لوٹنا بدذوقی ہوگی۔ جب تم چاہو، بی، میں اٹھ کر چلا آؤں گا۔ مجھے تو تم سے کچھ دیر باتیں کرنی ہیں، اس کے بعد بیٹھنا یا نہ بیٹھنا تمہاری مرضی پر منحصر ہوگا" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

اس نے دوستانہ انداز میں میرے داہنے شانے پر ہاتھ مارا اور جلدی سی بولی "ارے! اتنی سی بات کا برا مان گئے؟ میں بات بے بات پر ہنس بول کر زندہ رہنے کی عادی ہوں۔ مذاق کی باتوں پر برا مناؤ گے تو ہم دونوں بہت جلد ایک دوسرے سے بدظن ہو جائیں گے۔ خوش رہنا آج کے دور میں زندگی کا سب سے بڑا انعام ہے۔"

"رفتہ رفتہ میں تمہارے مزاج کو سمجھ جاؤں گا" میں نے بے پروائی اختیار کرنے کی کوشش میں کہا "آج تو تم بار بار مجھے حیران کئے دے رہی ہو۔ کبھی بیس برس کی ایک الہڑ دوشیزہ نظر آنے لگتی ہو اور کبھی ایک پختہ کار عورت کا روپ دھار لیتی ہو۔"

اس نے ایک بار پھر قہقہہ لگایا "حالانکہ میں ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہوں!"

اچانک اس کی گاڑی میں ڈیش بورڈ کے کسی حصے سے الیکٹرانک الارم کی اک ہلکی سی آواز ابھری اور فوراً ہی معدوم ہو گئی۔

"یہ کیسی آواز تھی؟" میں نے وہ سوال کرتے ہوئے اپنے لاشعور میں خوف کی ایک موہوم سی لہر ابھرتی ہوئی محسوس کی۔

"اس گاڑی میں ایسے کئی شعبدے نصب ہیں" وہ ہنستے ہوئے بولی "مثال کے طور پر تم ڈیش بورڈ میں اپنے سامنے دیکھو تو کوارٹز کلاک کے برابر میں تمہیں ایک گول سوراخ نظر آئے گا۔ بظاہر یہ ڈیش بورڈ کی ساخت کا ایک حصہ نظر آتا ہے لیکن درحقیقت یہ ایک پوشیدہ پستول کی نال ہے جس کا رخ تمہارے سینے کی طرف ہے۔ یہ پستول ہر وقت لوڈ رہتا ہے اور اس کا ٹریگر ایک برقی سولینائیڈ سے آپریٹ ہوتا ہے جس کا کنٹرول میرے پاس ہوتا ہے۔ میں جب چاہوں، ایک سوئچ دبا کر اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے شخص پر یکے بعد دیگرے چھ فائر کر سکتی ہوں۔ یہ صرف حفاظت خود اختیاری کے لئے ہے۔ کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کب اس کی ضرورت پیش آجائے۔"

"پھر تو تمہاری ہم نشینی مہلک بھی ثابت ہو سکتی ہے" میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا۔ الارم کی آواز کے بعد اس کی وضاحت مجھے کسی گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی لیکن میں اس پر اپنے کسی اندیشے کا اظہار کرنے سے قاصر تھا۔

"دشمنوں کے لئے مہلک ہو سکتی ہے، دوستوں کے لئے یہ بے ضرر ہے۔ تمہیں اس سے خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ ہمارے پیشے میں خطرات اچانک ہی نازل ہوتے ہیں۔"

"کہیں یہ میرے لئے کوئی دھمکی تو نہیں ہے؟" میں نے اپنے اندیشوں پر غالب آتے ہوئے سرسری سوال کیا۔

"ارے نہیں" وہ پھر ہنس پڑی "تھوڑی دیر کی ... میں راستے میں سپر اسٹور سے روزمرہ کی اپنی کچھ ... کروں گی پھر ہم فلیٹ میں مزے سے خوش گپیاں کریں ... تم چاہو گے تو کام کی باتیں بھی ہو جائیں گی۔"

اس کے لب ولہجے نے مجھے مطمئن کر دیا۔ اس ... میں، میں دیکھ چکا تھا کہ سلطان شاہ جہانگیر کی سیاہ ... مناسب فاصلے سے ہمارے پیچھے لگا ہوا تھا۔ کسی بھی خطر... صورت میں وہ فوری طور پر میری مدد کر سکتا تھا۔

اگلے چوراہے پر شانتی نے اپنی کار سپر اسٹور کے ... روک دی۔ اس کی فرمائش پر مجھے بھی کار سے اترنا پڑا ... وقت اسٹور میں خریداروں کی خاصی بھیڑ تھی۔ اس ... شانتی میرے بدن سے بالکل لگ کر چل رہی تھی۔ ایک بار مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ جامہ تلاشی کے انداز ... بدن ٹٹول رہی ہو لیکن اس کی مخمور نگاہوں کا سامنا ہو... میرے شکوک وشبہات یک بیک ذہن سے پھسل پڑتے ...

وہ گھر داری کی متعدد اشیا اپنی ٹوکری میں ڈالتی جا رہی ... جب ٹوکری کا وزن بڑھنے لگا تو میں نے اخلاقاً اپنی خدمات ... کر دیں۔ اس نے پنیر اور بسکٹوں سے لے کر صابن او... پیسٹ تک کی خریداری کر ڈالی تو مجھے محسوس ہوا ... خریداری میں دانستہ خاصا وقت صرف کرنے کی ... کر رہی تھی۔ جب اس نے خوشبویات والے شیلف ... لینا شروع کیا تو میں خاموش نہ رہ سکا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آج تم دفتر سے پورے ... خریداری کا ارادہ کر کے نکلی ہو" میں نے ہلکے سے طن... میں کہا تھا۔

"اوہ! سوری ڈارلنگ" اس نے لپٹ کر بڑے والہانہ... میں دونوں ہاتھوں سے میرا داہنا بازو تھام لیا "گھر دا... معاملے میں، میں بہت بے پروا واقع ہوئی ہوں۔ آج ... وجہ سے اسٹور میں آئی تو یاد آیا کہ گھر میں ہر چیز ختم ہو... ہے۔ آؤ، بس اب چلتے ہیں۔"

میں نہایت سعادت مندی کے ساتھ اس کے ہمراہ ہولیا۔ اس پورے وقت میں، میں نے یہ نوٹ کیا تھا کہ ... میں موجود ہر شخص شانتی کو دیکھ کر مبہوت ہوئے بغیر ... سکا تھا۔ عورتوں کی نگاہوں میں رشک وحسد کے جذبا... اور مرد تو پیدا ہی مرمٹنے کے لئے ہوتے ہیں۔ ان میں ... زیادہ حریص اور ندیدے تھے، وہ اسے اپنے کندھوں اور ... سے چھوتے ہوئے بھی گزر گئے تھے لیکن شانتی نے توجہ نہیں دی تھی۔ وہ اپنی خریداری میں محو تھی یا میری متوجہ تھی۔

رقم کی ادائیگی کے بعد ہم واپس لوٹ کر کار میں بیٹھے

تو میں نے از راہ مذاق کہا "میرا خیال ہے، مجھے پیچھے یا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنا چاہئے۔ پتا نہیں، کب تم غلطی سے وہ خفیہ سوئچ دبا بیٹھو!"

"میں غلطی نہیں کرتی" اس نے شوخ لہجے میں کہا۔ "بس ذرا سی دیر کی بات ہے، اب ہم فلیٹ کے قریب ہیں۔"

کار میں سوار ہونے تک میں نے موقع پا کر سیاہ شیراڈ کو دیکھنا چاہا لیکن وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ سروس لین میں آگے جا کر میں نے پہلے سلطان شاہ کو دیکھا جس کے چہرے پر تشویش کی آثار تھے۔ پھر اسی کے قریب شیراڈ بھی نظر آ گئی۔ اس کے پچھلے ٹائر فلیٹ تھے۔

گاڑی مین روڈ پر پہنچی ہی تھی کہ شانتی کی کار میں ایک مرتبہ پھر ایمرجنسی الارم کی ہلکی سی آواز گونجی۔

"اوہ شٹ!" شانتی نے دانت پیس کر غصیلے لہجے میں کہا اور کار کی رفتار ایک دم بڑھا دی۔

"کس پر دانت پیس رہی ہو" میں نے ہولے سے سوال کیا۔

"کسی پر نہیں۔ پنڈلی میں کریمپ آ گیا تھا" وہ خوشگوار لہجے میں بولی "تم میرے خفیہ پستول سے بلاوجہ ہی خوف زدہ ہو رہے ہو۔ میں تمہیں یہ بتانا تو بھول ہی گئی تھی کہ پستول بے آواز بھی ہے۔ جب تک گولی سینے میں نہ اترے، شکار کو پتا ہی نہیں چلتا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ پچھلی بار تم نے جو الارم سنا تھا، اس کے ذریعے مجھے راستے میں کہیں رکنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا تھا اور میرے محافظ اسے چیک کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے الارم کے ذریعے ان میں سے کسی نے مجھ سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ میں اپنا اپریٹس آن کرنے جا رہی ہوں۔ تم اطمینان اور خاموشی سے ساری گفتگو سنو گے، ورنہ میری اور تمہاری دوستی ختم ہو جائے گی۔"

اس کے وہ انکشافات سن کر میرا دماغ سن ہو کر رہ گیا۔ اس نے بڑی ہوشیاری اور مہارت سے مجھے اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ میں اس کا قیدی بن چکا تھا اور اگر میں اس کی مرضی سے انحراف کرتا تو ڈیش بورڈ میں پوشیدہ پستول کی ایک بے آواز گولی میرا کام تمام کر سکتی تھی۔ اس نے باتوں ہی باتوں میں ساری صورتحال مجھ پر اچھی طرح واضح کر دی تھی۔

اس وقت تک وہ گاڑی اگلے چوراہے سے داہنی طرف موڑ کر ویران ساحلی پٹی کی طرف لے چکی تھی اور پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنے اپریٹس کا سوئچ آن کر دیا اور کار کی رفتار کم کر دی۔

"... کالنگ فار نمبر ٹو" اپریٹس پر ایک بھاری مردانہ آواز بے تابانہ انداز میں وقفے وقفے سے پیغام دہرا رہی تھی۔ ریڈیائی شور کی وجہ سے لب و لہجہ واضح نہیں تھا لیکن میں آواز سن کر چونک پڑا کیونکہ اس میں بلیک کیٹ ٹی سے بہت زیادہ مماثلت تھی۔

"نمبر ٹو رسیونگ" شانتی نے سرد اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔ اس کی آواز کی ساری چاشنی یک لخت کافور ہو گئی تھی اور اس کے چہرے پر بھی گہری سنجیدگی نے ڈیرے ڈال دیئے تھے۔

"تم بہت احمق اور بے پروا ہو" غصیلی مردانہ آواز ابھری "ہوٹل سے ایک سیاہ شیراڈ مسلسل تمہارا پیچھا کر رہی تھی۔ سپر اسٹور کے قریب اس کے دو ٹائر ناکارہ کر دیئے گئے ہیں۔ اب میدان صاف ہے۔ تمہیں فلیٹ کا رخ کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے پروگرام بدل دیا ہے۔ قیدی سے فلیٹ میں باز پرس کی گئی تو پوری بلڈنگ میں ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔"

"پھر میرے لئے کیا حکم ہے؟" خاموشی چھاتے ہی شانتی نے کسی فرماں بردار ماتحت کی طرح سوال کیا۔

"اسے اسٹیشن پر لے آؤ، میں وہیں پہنچ رہا ہوں۔ اوور اینڈ آل!"

شانتی نے ہاتھ بڑھا کر اپریٹس کا سوئچ آف کر دیا۔

میں اس وقت پستول کے سامنے بہت خطرناک پوزیشن میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس لئے کوئی مداخلت کئے بغیر صبر و سکون سے وہ گفتگو سنتا اور شانتی کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔

بات ختم ہونے پر میں نے اپنے وجود میں برپا طوفان پر قابو پاتے ہوئے شانتی سے پرسکون لہجے میں پوچھا "یہ کس... اور کس کے بارے میں بات ہو رہی تھی تمہاری؟"

اس نے کڑے تیوروں سے گھور کر میری طرف دیکھا اور ہنس پڑی۔ اس بار اس کی ہنسی میں نہ لوچ تھا، نہ کھنک۔ ہنسی میں صرف درندگی اور خون کی پیاس جھلک رہی تھی۔

"ابھی سب پتا چل جائے گا ڈیئر مہاراج!" اس نے غراتے ہوئے کہا اور موڑ لے کر کار کی رفتار ایک بار پھر بڑھا دی۔

اس کی زبان سے اپنا نام سن کر میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔ میرا انجام تو جو ہونا تھا سو ہونا ہی تھا مگر وہ عورت مجھے بار بار حیرت کے سمندر میں غوطے دیئے جا رہی تھی۔

میرے ذہن میں بے اختیار سلطان شاہ کی پیش گوئی گونجنے لگی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ مجھے زندگی کی سب سے بڑی زک کسی حسین اور خوبرو عورت کے ہاتھوں اٹھانا ہوگی اور وہ ہوتا نظر آ رہا تھا۔

کار کا انجن پوری قوت سے مگر ہموار آواز میں غرا رہا تھا۔ شانتی کلفٹن کی بھری پری، بارونق شاہراہ پر ایک قیدی کو لئے کسی پراسرار ٹھکانے کی طرف اڑائے لئے جا رہی تھی۔

صورت حال نے یک بیک ہولناک اور روح فرسا رخ اختیار کر لیا تھا۔

میں بلیک کیٹ ٹی کو اپنی دانست میں چکمہ دے کر خوبرو شانتی نزائن سے ملنے کے لئے نکلا تو میرے ذہن میں خاکہ بنا ہوا تھا کہ میں اس دلربا نازنین سے کچھ ایسی خفیہ باتیں اگلوانے میں کامیاب ہو جاؤں گا جو اس وقت تک میرے علم میں نہیں تھیں اور ان کی روشنی میں میرے لئے بلیک کیٹ ٹی پر کاری ضرب لگانا آسان ہو جائے گا۔

لیکن شانتی نزائن میری توقع کے خلاف ایک گھاگ اور زیرک سیکرٹ ایجنٹ ثابت ہو رہی تھی۔ وہ کسی روایتی مشرقی عورت کی طرح آسانی سے میری باتوں میں آنے والی نہیں تھی۔ مجھ سے ملاقات سے پہلے اس نے اپنے اطمینان کا پورا بندوبست کیا ہوا تھا۔ اس کا ولی نعمت اس کو تحفظ فراہم کر رہا تھا اور ہمارے آواری ٹاورز سے روانہ ہوتے ہی پیچھا کرنے والوں نے بھانپ لیا تھا کہ کوئی اجنبی اپنی کار میں شانتی کا پیچھا کر رہا ہے۔

میں نے شانتی کے ہمراہ سپر اسٹور سے واپس لوٹتے ہوئے سلطان شاہ کی پریشان حالی بھانپ لی تھی۔ اس کی کار کا ایک فلیٹ ٹائر تو میں نے بھی دیکھ لیا تھا لیکن ٹرانسمٹر پر ہونے والی شانتی کی گفتگو سے میں نے سمجھ لیا تھا کہ اس بے چارے کی کار کا دوسرا ٹائر ناکارہ کر کے اسے رکنے پر مجبور کر دیا گیا تھا اور وہی اس کی پریشانی کا اصل سبب تھا۔ ایک ٹائر کی بات ہوتی تو وہ فوراً ہی کار کو جیک پر چڑھا کر ٹائر بدلنے کی تیاری شروع کر چکا ہوتا لیکن یک وقت دو ٹائروں کا ناکارہ ہونا بڑے سے بڑے افلاطون کے لئے بھی تشویش کا باعث بن سکتا تھا۔

میں نے راستے میں سلطان شاہ کو اس کے مشن کے بارے میں بریف کر دیا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میں بالکل غیر مسلح تھا۔ دوسری طرف دو ٹائر ناکارہ ہونے کے بعد اس نے فوراً ہی سمجھ لیا ہو گا کہ مجھے کوئی سنگین خطرہ درپیش تھا۔ ایسے حالات میں تعاقب کا یکایک موقوف ہونا میرے حق میں بدترین ثابت ہو سکتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ سلطان شاہ کوئی متبادل حل تلاش کرنے تک ہی ہمارے ہر سراغ سے محروم ہو چکا ہو گا۔

دوسری طرف شانتی سے بات کرنے والے کی شناسا آواز تھی۔ اس نے خود کو صرف ٹی کہا تھا۔ لیکن وہ شاید ان کی باہمی شناخت کے لئے کافی تھا جبکہ وہی آواز مجھ سے یا ویرا سے بلیک کیٹ ٹی کے طور پر متعارف تھی۔ اس نے شانتی کو نمبر ٹو کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ اگر شانتی واقعی بلیک کیٹ ٹی کی براہِ راست مددگار تھی تو مجھے بڑی چوٹ ہو چکی تھی اور میرے لئے مصائب کے کسی نئے سلسلے کا آغاز ہونے والا تھا۔

جب اسلام آباد میں اس کے سفارت خانے کے ایک اہل کار، رام دیال سے فون پر بات کرتے ہوئے مسز شانتی نزائن کا نام میرے سامنے آیا تو میرا خیال تھا کہ وہ بلیک کیٹ ٹی کے اثر و رسوخ سے آزاد ایک ایسی عورت ہو گی جسے اپنی لچھے دار باتوں میں الجھا کر میں اسے بہت کچھ اگلنے پر مجبور کر دوں گا۔ لیکن وہ ایسی چالاک اور مکار ثابت ہوئی تھی کہ اس نے لچھے دار گفتگو کا مرحلہ آنے سے پہلے ہی مجھے بے بس کر ڈالا تھا اور یک بیک میری تقدیر کی مالک بن بیٹھی تھی۔

میرے لئے بلیک کیٹ ٹی اور شانتی کا وہ براہِ راست تعلق بہت تشویش انگیز تھا۔ سیاسی اور سفارتی جرائم سے براہِ راست کوئی واسطہ نہ ہونے کے باوجود میں جانتا تھا کہ حساس ممالک اور کشیدگی کے خطوں میں ہر ملک اپنے سفارت خانے کو ہر حالت میں اور ہر قیمت پر ایسے واقعات سے حتی الامکان دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے جن کے انکشاف کی صورت میں اس کے سفارت خانے کو شرمندگی، بدنامی یا رسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔ ان کے لئے کام کرنے والے سیکرٹ ایجنٹ، تخریب کار، دہشت گرد اور گوریلے بھی عام طور سے ان سے دور رہتے ہیں اور انہیں یہ تک نہیں معلوم ہوتا کہ ان کی ڈوریاں ہلانے والا کون اور کہاں ہے۔ اپنے اندازوں کی بنا پر اگر وہ کوئی موہوم سی رائے قائم بھی کر لیں تو اس میں کوئی وزن نہیں ہوتا اور پکڑے جانے کی صورت میں وہ اپنے پس پردہ آقاؤں کے لئے کوئی خطرہ ثابت نہیں ہوتے۔ اپنی مکمل بے خبری کے باعث وہ اپنے حریفوں کے لئے قطعی بے مصرف ثابت ہوتے ہیں اور خاموشی کے ساتھ ان کی جگہ کوئی دوسرا مہرہ تیار کر لیا جاتا ہے جو اپنی کارکردگی کے سہارے ترقی کرنے کے جوش میں زیادہ کارآمد ثابت ہوتا ہے۔

لیکن شانتی نزائن کے معاملے میں وہ اصول سرے سے غلط نظر آ رہا تھا۔

وہ کھل کر بلیک کیٹ ٹی کی باغیانہ سرگرمیوں میں اس کی معاونت کر رہی تھی۔ اپنی گاڑی میں خفیہ اور بے آواز پستول کے ساتھ ہی ایک ایسا ٹرانسمٹر بھی لئے گھوم رہی تھی جس پر براہِ راست بلیک کیٹ ٹی سے رابطہ کیا جا سکتا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بلیک کیٹ ٹی کی ہدایت پر وہ مجھے اپنے فلیٹ کی بجائے کسی نامعلوم اسٹیشن کی طرف لئے جا رہی تھی۔ جس سے اس کا اور بلیک کیٹ ٹی کا براہِ راست رابطہ تھا۔ اس کی بے خوفی سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے مقامی حکام اور قانون کا ذرا بھی اندیشہ نہیں تھا یا پھر وہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے اپنی جان

تک قربان کردینے کی حد تک آمادہ و تیار تھی۔

ایک اسی کی بات نہیں تھی' اس سے پہلے سلطان شاہ نے کرنل میش پال کر پکڑا تھا جو ایک اہم سفارتی افسر ہوتے ہوئے بلیک کیٹ ٹی کا ضامن بننے کے لئے تیار تھا۔

جب جنگ کی رفتار سست اور مدافعانہ ہو تو ہر قدم بہت سوچ سمجھ کر اور رازداری کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے تاکہ دشمن کو اس کی ہوا نہ لگ سکے لیکن جب گھمسان کا رن پڑ جائے اور دونوں طرف فنا یا بقا کا گمبھیر سوال حوصلوں کو مہمیز دینے لگے تو پھر ساری احتیاط اور رازداری کو بالائے طاق رکھ کر تیز اور بروقت کارروائیاں کی جانے لگتی ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کن فیصلوں کی پشت پر کون کام کر رہا ہے اور اس کا ہدف کیا ہے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ لوگ اپنی دانست میں جنگ کے دوسرے مرحلے میں پہنچے ہوئے تھے اور کھل کر کام کرنے کے موڈ میں آچکے تھے تاکہ جلد از جلد اپنے مقررہ ٹارگٹ حاصل کر سکیں۔

کامیابی کو گلے لگانے کی آرزو میں ان لوگوں نے ہر خطرہ مول لینے کا ارادہ کر لیا تھا۔

بلیک کیٹ ٹی کو اس غیر ملکی سفارت خانے سے الگ سمجھ لینا میری بہت سنگین غلطی تھی جس کا خمیازہ میں شانتی کا قیدی بن کر بھگت رہا تھا۔ کرنل میش پال کا اس سازش میں ملوث ہونا تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا تھا اور یہ بالکل واضح بات تھی کہ جب کوئی ملک دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اپنے کارندوں اور اپنے فیلڈ ورکرز کی سرپرستی کرنے والوں کو سفارتی عہدوں کی آڑ میں چھپاتا فراہم کرنے کی ضرورت سے گریز نہیں کر سکتا۔

بلیک کیٹس اس ملک کی سیکرٹ سروس کا ایک انتہائی خوفناک اور سازشی شعبہ تھا جو را کی تنظیم سے الگ اور خود مختار تھا۔ را' ان کے ملک کا ایک باقاعدہ ادارہ تھا جس کے ملازمین ضوابط اور طریقۂ کار کے پابند تھے۔ اس ریگولر سروس کے اراکین کے لئے فوری اور آزادانہ فیصلے کرنا شاید اتنا سہل نہیں تھا' جتنا بلیک کیٹس کے لئے۔ اس کا ہر رکن اپنی جگہ ایک خود مختار اور مطلق العنان افسر ہوتا ہو گا جو کہیں بھی اور کوئی بھی فیصلہ کر کے اسے فوری طور پر نافذ کر سکتا تھا۔ اسے اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے نہ کسی کی اجازت کی ضرورت تھی اور نہ منظوری کی کیونکہ ایسے لوگوں سے صرف نتائج کی امید رکھی جاتی ہے۔ اس بات سے کسی کو کوئی غرض نہیں ہوتی کہ وہ مطلوبہ نتائج اور مقاصد حاصل کرنے کے لئے اپنی صوابدید پر کون سی راہ اختیار کرتے ہیں۔

شانتی نے مجھے اپنی کار کے ڈیش بورڈ میں نصب خفیہ اور بے آواز پستول کی نال کی زد میں ہونے کے رمز سے نہایت

خوبصورتی سے آگاہ کر دیا تھا پھر ٹرانسمٹو پر اس کی ہو
ہوئی وہ میرے لئے چونکا دینے والی تھی۔ میں نے سلطان
کی شیراڈ کا ٹائر فلیٹ ہونے کو محض ایک اتفاق سمجھا تھا
ٹرانسمٹو پر ہونے والی گفتگو سے ظاہر ہوا کہ شانتی کی باقا
نگرانی کی جارہی تھی۔ اس کے آدمیوں نے بھانپ لیا تھا کہ
شیراڈ میں اس کا پیچھا کیا جارہا تھا۔ اس لئے اسے کہیں رکنے
اشارہ دیا گیا اور شانتی خریداری کی غرض سے مجھے ساتھ لے
سپر اسٹور میں گھس گئی۔ وہ وہاں جس انداز میں خریداری ک
رہی اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت گزار
کی کوشش کر رہی تھی۔ بعد کے واقعات سے ظاہر ہو گیا کہ
اسٹور میں دیر لگا کر دراصل وہ اپنے ساتھیوں کو کام دکھانے
مہلت دے رہی تھی۔ شاید سلطان شاہ کو اندازہ نہیں ہ
تھا کہ کوئی اس کا بھی تعاقب کر رہا تھا۔ اسی لئے سپر اسٹور
بھی اپنی کار پارک کر کے غالباً ٹہلتا ہوا کسی طرف نکل گیا
شاید اسٹور کے گیٹ ہی کی طرف آیا ہوگا کہ اس پر نظر ر
والوں نے اس کی کار کے پچھلے دونوں ٹائروں کی ہوا نکال کر ا
فوری طور پر وہاں سے روانہ ہونے سے روک دیا۔

سلطان شاہ کا کانٹا نکال دینے کے بعد شانتی کو مجھ پر
برتری حاصل ہو گئی تھی۔ اس لئے اس نے میری موجود
پروا کئے بغیر ٹرانسمٹو پر اپنے آقا سے ہدایات لیں اور مجھے
دیا کہ میں اس کا قیدی بن چکا ہوں۔

اس کی سرد اور سفاکانہ ہنسی ختم ہونے کے بعد کار میں
ثانیوں تک سکوت چھایا رہا۔ جب میری لمحاتی سوچ کا سل
ٹوٹا تو میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی
تم میری عرفیت تک سے واقف ہو۔"

"ہم لوگ چوکنا اور باخبر نہ رہیں تو پیس کر رکھ دیئے جا
اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "ہم جس سے ملتے
اس کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں بھی معلوم کر لیتے
جن سے وہ خود بھی واقف نہیں ہوتا۔ فارن سروس میں
والوں کے لئے صلاحیت اور ذہانت کا بہت کڑا امتحان ہو
جو ...."

میں نے اس کی بات وہیں کاٹ دی "تم اپنے بارے
زبان نہ کھولو تو بہتر ہوگا۔ اس وقت تمہیں تمہارے کر
ون نے سب کچھ بتایا ہے۔ رہا میرا نام' تو وہ بھی شاید ا
کسی وقت بتایا ہوگا۔"

"میں اور وہ یا ہمارے دوسرے ساتھی' انفرادی طور پر
بھی نہیں ہیں۔ ہم لوگ ایک ٹیم بلکہ ایک مشین کی صو
میں کام کرتے ہیں جس کا ایک بھی پرزہ گڑبڑ کرنے
مشین رک جاتی ہے۔ میری اور میرے ساتھ کام کرنے
کی یہ خوبی ہے کہ ہم حالات اور ضروریات کے تحت ہر

ایک دوسرے سے ہم آہنگ رہتے ہیں۔"
"تم تو خود کسی اور کے ساتھ کام کر رہی ہو۔ تمہارے ساتھ نچلے درجے کے کچھ لوگ ہوں گے۔"
"جو دل چاہے سمجھ لو، تم مجھے چڑانے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"
"تم نے میرا نام لیا ہے تو میں بھی در جواب آں غزل کے طور پر یہ بتاتا چلوں کہ ٹرانسمٹر پر جو کوئی بھی بول رہا تھا، وہ میرے لئے اجنبی نہیں ہے۔ تم مجھ سے اور میں اس سے واقف ہوں۔"
اس نے مجھے گھورا اور بولی "کیا جانتے ہو تم اس کے بارے میں؟"
"وہ بلیک کیٹ ہے۔ میرا خیال ہے تم بھی گوری ہونے کے باوجود کالی بلی ہی ہوگی۔"
"تھوڑی دیر کی بات ہے۔ ابھی تمہاری معلومات میں خاصا اضافہ ہونے والا ہے" اس نے بے اعتنائی سے کہا "میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم کوئی بہت بڑا انکشاف کرو گے۔ تم نے تو صرف اس کی آواز پہچانی ہے۔"
"تمہارے کالے بلے کا اسٹیشن کہاں ہے؟" میں نے تاؤ دلانے کی نیت سے پوچھا۔
"چند منٹ بعد تمہیں خود پتا چل جائے گا" وہ خشک لہجے میں بولی۔
"تم اس کھیل میں ٹی کی کٹھ پتلی ہو یا تمہیں پورے معاملات کا بھی علم ہے؟"
"کسی بڑے کی فرمانبرداری سے کوئی کٹھ پتلی نہیں بن جاتا۔ میں اتنا ضرور جانتی ہوں جو میرے فرائض کی انجام دہی کے لئے ضروری بلکہ ناگزیر ہے۔ تم ہمارے اور ٹی کے درمیان ایک دیوار حائل کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"
"تمہیں گمراہ کیا گیا ہے۔ یہ سارا کیا دھرا تمہارے کرنل مہیش پال کا ہے۔"
میں نے سگریٹ کا پیکٹ نکالنے کے لئے اپنا ہاتھ جیب کی طرف لے جانے کی کوشش کی تھی کہ شانتی نے فوراً ہی مجھے ٹوک دیا "خبردار! جس طرح بیٹھے ہو، اسی طرح بیٹھے رہو۔ کوئی بھی حرکت تمہیں مہنگی پڑ سکتی ہے۔"
"تم مجھے ٹٹول کر دیکھ چکی ہو کہ میں غیر مسلح ہوں۔ میں صرف سگریٹ پینا چاہتا ہوں۔"
"سگریٹ بھی ملے گی مگر فی الحال آرام سے بیٹھے رہو" وہ بولی۔
"تمہاری شکل و صورت اور اعمال میں دور دور تک کوئی مماثلت نہیں ہے۔"
"اسی لئے میں اپنے پیشے میں اب تک بہت کامیاب رہی ہوں" اس کا لہجہ پُر غرور ہو گیا۔
"تم جیسی سُندر ناری پر پیشے کا لفظ کچھ جچتا نہیں" میں نے اسے چھیڑا۔
"لعنت بھیجو میری سُندرتا پر۔ یہ بتاؤ کہ کرنل کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟"
"کرنل کو ایک سودے میں بلیک کیٹ ٹی کا ضامن بننا تھا۔ اِدھر بلیک کیٹ ٹی نے ضامن کے طور پر اس کا نام تجویز کیا اور اُدھر وہ اچانک کہیں روپوش ہو گیا۔ بس وہیں سے ہماری پرخاش کا آغاز ہوا ہے۔"
"اب تو کرنل کی سلامتی کے بارے میں ہم خود فکر مند ہیں" وہ سنجیدگی سے بولی۔
"کرنل بہت گہرا اور کائیاں آدمی ہے کچھ سوچ سمجھ کر ہی اتنا لمبا غوطہ مارا ہے اس نے" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "میری معلومات کے مطابق، وہ سندھ کے سرحدی علاقوں میں لاقانونیت اور شورش کی لہر پھیلانے کے ساتھ ہی کھوٹہ کے بارے میں زیادہ سرگرم عمل تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ منظرِ عام سے دور رہ کر اس سلسلے میں کوئی اہم کام کر رہا ہو۔"
"کھوٹہ پر تم لوگ بہت ناز کرتے ہو" اس کا لہجہ زہریلا ہو گیا "اسے کچھ تو مغربی ذرائع ابلاغ نے پُراسرار بنا دیا ہے اور رہی سہی کسر تمہارے سیاست دان پوری کر رہے ہیں۔ کرنل کے بارے میں تمہاری یہ اطلاع واقعی اہم اور قابلِ قدر ہے۔ تم دیکھ لینا کہ ایک دن وہ کھوٹہ کے سارے رازوں کو بے نقاب کر دے گا اور تمہارے سیکورٹی حکام اپنا سر پیٹتے رہ جائیں گے۔ کرنل ایک ایسے لنک پر کام کر رہا ہے جو اسے ہر شام اندر کی تازہ ترین خبریں لا کر دے گا۔"
میں اس کی خوش فہمیوں پر اپنے دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا کیونکہ کرنل مہیش پال اپنے مذموم منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے زندہ نہیں رہا تھا۔ اسے سلطان شاہ نے بڑی بے رحمی کے ساتھ اسلام آباد سے اغوا کر کے جہانگیر کے گھر کے تہ خانے میں پہنچایا تھا جہاں اس نے تشدد اور باز پرس سے دہشت زدہ ہو کر خود کشی کر لی تھی۔
"وہ لنک کھوٹہ کے اندر سے تعلق رکھتا ہے یا باہر سے؟" میں نے پوچھا۔
"اندر اور باہر کے بارے میں، مَیں کچھ نہیں جانتی" اس نے بے پروایانہ لہجے میں کہا "بس اس نے کسی کو گھیرا ہوا ہے اور جوں ہی اس کا شکار راہِ راست پر آیا ہمارا کام بن جائے گا۔"
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کرنل جس لنک پر کام کر رہا ہے، وہ خود ہی کرنل کو ڈبل کراس کر رہا ہو۔ کرنل اپنی دانست میں اسے گھیرنا چاہ رہا ہے جب کہ وہ خود کرنل پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں ہو گا۔"

"یہ بھی ممکن ہے" اس نے اعتراف کیا "اس بارے میں تم لوگوں نے سیکیورٹی کا جو ہوا کھڑا کیا ہوا ہے، اس کی روشنی میں کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن کرنل بھی گرگ باراں دیدہ ہے۔ وہ آسانی کے ساتھ دھوکا نہیں کھا سکتا۔"

اس کے گھمنڈ کو خاک میں ملانے کے لئے میرا دل چاہا کہ اسے حقیقت سے آگاہ کر دوں لیکن اس وقت شانتی کو جو مجھ پر بالا دستی حاصل تھی اس کی روشنی میں میرا ایسا کوئی اقدام اسے مشتعل کرنے کا سبب بن سکتا تھا اس لئے میں نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا اور بات کو دوسری طرف گھماتے ہوئے سوال کیا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم نے مجھے اغوا کرنا کیوں ضروری سمجھا ہے؟"

"اغوا!" وہ آہستہ سے ہنسی "تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو، میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ میں تمہیں اغوا کر رہی ہوں۔"

"ہم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہ رہے ہیں" میں نے مفاہمانہ لہجے میں کہا "ہمارے بہت سے مفادات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے مراسم کو محاذ آرائی کی راہ پر کیوں ڈالا جا رہا ہے؟"

"میں بہت زیادہ تفصیل تو نہیں جانتی لیکن اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ ہم لوگوں کو تمہاری نیت پر بھروسا نہیں رہا ہے۔ کچھ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم ہمارے اور شی کے درمیان رکاوٹ بن رہے ہو۔"

"یہ سب تمہارے قیاسات ہو سکتے ہیں۔ ان کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔"

ہو سکتا ہے کہ نہ ہو، لیکن ہم لوگ ڈسپلن کے تحت کام کرتے ہیں۔ میں جس کسی کی معاونت کرتی ہوں، اس کا خیال وہی ہے جو میں تم کو بتا چکی ہوں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ اس کے اندازے بہت کم غلط ثابت ہوتے ہیں۔"

"اور وہ بلیک کیٹ ٹی ہے" میں نے اس کی بات میں ٹکڑا لگایا۔

"اس کا نام بار بار دہرانا فضول ہے" وہ خفگی کے ساتھ بولی۔

"شاید تمہیں ابھی تک اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہو سکا ہے۔"

"اس کی اہمیت تو اسی ایک بات سے ظاہر ہے کہ وہ باہر کا آدمی ہوتے ہوئے بھی تمہارے سفارت خانے اور کاؤنسلیٹ کے تنخواہ دار سرکاری ملازمین پر بالا دستی رکھتا ہے۔"

"یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ تم اس کی نظروں میں آ گئے ہو" وہ بولی۔

"شاید وہ مجھ سے ملاقات ہونے کے بعد میرے بارے میں اپنی رائے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو جائے گا" میں نے پرخیال لہجے میں کہا "دراصل میری اور اس کی سوچ بالکل یکساں ہے۔ جس طرح وہ آسانی کے ساتھ کسی پر بھروسا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اسی طرح میں بھی ٹھونک بجا کر ساتھیوں پر اعتماد کرنے کا عادی ہوں۔"

"یعنی تمہیں اس کی نیت پر شبہ رہا ہے؟" اس نے لہجے میں سوال کیا۔

"ابتدا میں شبہ موہوم سا تھا لیکن اب اسے تقویت جا رہی ہے۔"

"انفرادی طور پر ہمارے لئے تو تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مگر میں یہ ضرور جاننا چاہوں گی کہ ہم اپنی نیت میں کوئی فتور پیدا کر کے شی کو کس طرح زک پہنچا سکیں گے"

"سامنے کی بات ہے" میں نے بے پروائی سے کہا "کروڑوں کا معاملہ ہے۔"

"لیکن کرنل مہیش پال کی ضمانت بڑی حد تک سر ضمانت کا درجہ رکھتی ہے۔"

"خرابی تو یہی ہے کہ وہ روپوش ہے" میں نے گہرا لے کر کہا "وہ سامنے ہوتا تو یہ بکھیڑے ہی پیدا نہ ہوتے"

"کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ کرنل مہیش پال سامنے یہ تمام الجھنیں پیدا نہ ہوتیں؟"

"غنیمت ہے کہ میں اپنی بات تمہیں سمجھانے کامیاب ہو گیا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "کر سے لین دین کرتا رہا ہے، اس کی ساکھ اور بات شی قابل قبول تھی لیکن مسئلہ یہ ہوا کہ... جوں ہی بلیک نے اسے اپنا ضامن نامزد کیا، وہ یکایک زیر زمین چلا گیا تمہارے اسلام آباد کے سفارت خانے کے رام دیال ذریعے ضمانت فراہم کرنے کی بات چلی اور اسی دوران میں کیٹ ٹی ہماری ایک اہم رکن، غزالہ کو اپنا قیدی بنا کامیاب ہو گیا۔ وہ غزالہ کی اہمیت سے بخوبی باخبر ہے اور ا نیت میں فتور آ گیا ہے۔ وہ کسی بھی ضمانت کی فراہ وعدے سے پھر گیا ہے اور غزالہ کو چارا بنانے پر تل گیا اس کا مطالبہ ہے کہ ہم اسے اس کا مطلوبہ اسلحہ فراہم کر غزالہ کو ہمارے حوالے کرے گا۔ ایسی صورت میں شی رقم ڈوبتی ہوئی نظر آ رہی ہے اور ہم اس سے غزالہ کی رہ ضمانت کی فراہمی پر مصر ہیں جو سودے کی اصل روح مطابق ہے لیکن وہ ہم سے محاذ آرائی پر تل گیا ہے۔"

"اپنی کہانی سے تو تم بالکل ہی مسکین اور مظلوم ہوتے ہو" وہ طنزیہ لہجے میں بولی "لیکن باس بھی ا نہیں ہے کہ اپنی پیدا کی ہوئی الجھنوں کو تمہارے کھا ڈال دے۔ درمیان میں یقیناً کچھ اور بھی رہا ہوگا۔"

مجھے اس کی زبان سے بلیک کیٹ ٹی کے لئے باس سن کر خوشی ہوئی۔ بظاہر وہ کراچی میں اپنے کاؤنسلیٹ پبلک ریلیشنز آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہی تھی اور ا

کی آڑ میں اسے بہترین سفارتی مراعات بھی حاصل رہی
لیکن وہ بے دھیانی میں اپنی اصلی حیثیت کا اعتراف
تھی کہ وہ براہِ راست بلیک کیٹ ٹی جیسے سازشی اور
مرد کی ماتحت تھی جو سندھ کے علاقوں میں چوروں،
لیروں اور ڈاکوؤں کی مدد سے بدامنی اور مسلح بغاوت
نے کے گھناؤنے منصوبے پر کام کر رہا تھا۔
"حاشیہ آرائی کے لئے درمیان میں کچھ بھی شامل کیا جاسکتا
بن واقعات وہی ہیں جو میں تم کو سنا چکا ہوں۔ رام دیال
ن دہلی سے ضمانت کی منظوری لینے کے لئے وودن کی
طلب کی تھی اور معاملات طے کرنے کے لئے مجھے تم
وبدو مذاکرات کرنے کی ہدایت کی تھی لیکن تم کو میری
ے پہلے ہی بھڑکا دیا گیا ہے۔"
"مجھے کسی نے نہیں بھڑکایا۔ بس محتاط رہنے کی ہدایت
تھی اور میں نے اس کے باوجود تم پر اتنا اعتماد کرلیا کہ
ں سیدھی اپنے گھر لے جارہی تھی۔ اگر باس کے
ں نے میرا پیچھا کرکے، میرے تعاقب کرنے والے کا
غ نہ لگایا ہوتا تو اب تک تم میرے فلیٹ میں میرے ساتھ
رم یا جن پی رہے ہوتے۔"
"اگر کوئی واقعی تمہارا تعاقب کر رہا تھا تو اس سے میرا کوئی
نہیں۔ تم لوگوں کی پراسرار سرگرمیاں اس قدر
ت اور وسیع ہیں کہ مقامی خفیہ ایجنسیاں کسی بھی وقت
ی راہ پر لگ سکتی ہیں۔ ملک کے ایک حساس علاقے میں
ت کی سازش اور اہم ترین ایٹمی تنصیبات تک رسائی کی
شیں سرکاری اداروں سے زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ
۔"
وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی اور ہنستے ہوئے بولی "ہم
عرصے سے ان لائنوں پر کام کر رہے ہیں اور کبھی کسی چڑیا
بچے نے بھی ہم پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔
یہ کیسا اتفاق ہے کہ آج ہی تم مجھ سے ملنے آئے اور آج
ئی سورما پھریری لے کر نیند سے جاگا اور میرے پیچھے ہولیا۔
ں طرح تو تم خود بھی پاکستان کی کسی خفیہ ایجنسی کے
ے ثابت ہوتے ہو۔"
"یہ سراسر تمہاری کٹ حجتی ہے، ورنہ صورتِ حال کو تم
مجھ چکی ہو۔"
"باس کی براہِ راست دخل اندازی کے بعد میرے لئے
اور سمجھانے کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ اس سفر
اختتام پر باس خود ہی تم کو ساری بات سمجھا دے گا۔ وہ اپنے
مد حاصل کرنے کے معاملے میں بہت سخت اور بے رحم
ہوا ہے۔ اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو نہایت سفاکی
ساتھ اپنی ٹھوکروں سے اڑا کر رکھ دیتا ہے۔"

"کیا تم مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟" میں
نے بے پروایانہ لہجے میں سوال کیا "میری نیک نیتی کا سب
سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ میں اس وقت بالکل غیر مسلح ہوں
لیکن مجھ پر کوئی برا وقت آیا تو میں غیر مسلح ہونے کے باوجود کسی
دشمن کے لئے تر نوالہ ثابت نہیں ہوسکوں گا۔"
"اس سے برا وقت کیا آئے گا کہ تم اس وقت میرے برابر
میں ایک بے آواز خفیہ پستول کی نال کے سامنے بالکل بے بس
.... بیٹھے ہوئے ہو۔ ہمت ہے تو میری مرضی کے خلاف کوئی
حرکت کرکے دیکھ لو۔"
"تمہاری بات دوسری ہے۔ میں خوبصورت عورتوں کے
ساتھ دھول دھپّے کا قائل نہیں ہوں۔ جو کچھ ہونا ہے، اب وہ
تمہارے باس کے ساتھ ہی ہوگا...."
اس نے میری بات کاٹ دی اور بولی "مجھ جیسی عورتوں
کے ساتھ دھول دھپا تو ہر مرد کے دل کی آرزو ہوتی ہے۔ تم
بھی شاید یہی سوچ کر آئے تھے کہ پی پلا کر میرے ساتھ رنگ
رلیاں مناؤ گے اور بے خودی کے عالم میں مجھ سے کام کی باتیں
اگلوا کر اطمینان سے واپس لوٹ جاؤ گے۔ تمہارے وہم و گمان
میں بھی نہ آیا ہوگا کہ میرے ساتھ تمہیں اسلحے کی ضرورت
بھی پیش آسکتی ہے۔ عورت ہونے کا ایک سب سے بڑا فائدہ
یہی ہے کہ ایک بار تو بڑے سے بڑے سورما مرد کی عقل بھی
چوپٹ ہو کر رہ جاتی ہے۔"
"مرد یا عورت ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ زک
اٹھانے کا سبب بس ایک ہی ہوتا ہے۔ آدمی جہاں اعتماد کرتا ہے
وہیں مار کھاتا ہے۔ کسی پر اعتماد نہ کیا جائے تو دھوکا کھانے کا
امکان بہت کم ہوتا ہے۔"
"وجہ کچھ بھی رہی ہو، اصل صورتِ حال یہ ہے کہ تم
بہت آسانی سے میرے چوہے دان میں پھنس چکے ہو۔"
"تمہاری چوہے دانی میں پھنسا ہوتا تو زیادہ قلق نہ ہوتا۔
افسوس تو اسی بات کا ہے کہ تمہارے بلیک کیٹ ٹی نے مجھے
گھیرا ہے" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تم خواہ مخواہ
پانچوں سواروں میں شامل ہو رہی ہو۔"
میں اس وقت جس نازک اور خطرناک صورتِ حال
سے دوچار تھا اس میں شانتی سے بے مقصد گفتگو کرنے کی
عیاشی کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ
وہ ایک بار مجھے اپنے کسی ٹھکانے پر لے جانے میں کامیاب
ہوگئی تو میری گلو خلاصی محال ہو جائے گی۔ غزالہ اس کے باس
کی قید میں تھی۔ اس پر جانو ماچھی کے ایک اہم ترین آدمی
سائیں مراد کو قتل کرنے کا دوٹوک الزام تھا۔ وہ اس الزام سے
کسی طور پر نہیں بچ سکتی تھی کیونکہ بلیک کیٹ ٹی نے اسے
سائیں مراد کو قتل کرتے ہوئے پکڑا تھا۔

بلیک کیٹ ٹی کے حساب سے میری فرد جرم خاصی طویل تھی۔ اس کی دانست میں میں نے ہی ویزکو اس بے جال میں پھنسنے سے روکا تھا ورنہ شاید وہ کسی لمبے چوڑے چکر کے بغیر اس سے اسلحہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا۔ گو یہ حقیقت نہیں تھی لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اسی لائن پر سوچ رہا ہوگا۔ بلیک کیٹ ٹی کے فرشتوں کو بھی اس امر کی بھنک نہیں مل سکی تھی کہ کرنل میتش پال ہماری تحویل میں آگیا تھا اور اسی سے ہم نے کراچی میں جانو ماچھی کے دو ٹھکانوں کے بارے میں معلوم کیا تھا لیکن وہ اس امر پر بہت پریشان تھا اور اس کارروائی کو بھی میرے ہی کھاتے میں ڈال رہا تھا کہ ہم لوگوں نے ایک ہی رات میں جانو ماچھی کے دونوں ٹھکانوں پر حملہ کیا تھا۔ ڈیفنس والے مکان پر ہمیں کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہوسکی تھی لیکن فائن نمبر فیکٹری میں سائیں مراد کے علاوہ جانو ماچھی کے سارے آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے تھے۔ اس کی نظر میں ہمارے ان اقدامات نے اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ اسی لئے وہ سائیں مراد کی لاش پر سے غزالہ کو اپنی تحویل میں لیتے ہی بذاتِ خود ہماری راہ پر لگ گیا تھا۔

بظاہر وہ ہمیں خوف زدہ کرنا چاہ رہا تھا لیکن مزارِ قائد کے سامنے ہونے والی مختصر سی مڈبھیڑ میں وہ کامیابی حاصل کئے بغیر فرار کی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اس کی کار کے نمبر کے سہارے میں گردھاری لال تک جاپہنچا مگر وہ بے چارہ اپنی پوری کہانی سنانے سے پہلے ہی بلیک کیٹ ٹی کی گولی کا نشانہ بن گیا۔

گردھاری لال نے مرنے سے پہلے جو کچھ بتایا' وہ بھی کچھ کم اہم نہیں تھا۔ بلیک کیٹ ٹی اپنے بہروپ میں ملاّ سرکار کے نام سے پہچانا جاتا تھا اور اندرونِ سندھ کے کسی گاؤں میں غالباً اسی نام سے رہتا چلا آرہا تھا۔ اسے گردھاری لال سے متعارف کرانے والا مقامی ہندو پنچایت کا سربراہ تھا۔

بلیک کیٹ ٹی یا ملاّ سرکار نے گردھاری لال کو اتنی مہلت نہیں دی کہ وہ مجھے اس کے گاؤں کا نام بھی بتاتا لیکن مجھے پوری امید تھی کہ مقامی ہندو پنچایت کے سربراہ کو ڈرا دھمکا کر میں اس سے مزید معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔

گردھاری لال کے مکان پر ملاّ سرکار سے میرا خوفناک تصادم ہوا تھا۔ مقابلہ کرتے ہی ہم دونوں ہی یک بیک ایک ایسی پوزیشن میں آگئے تھے کہ کسی بھی لمحے ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کا اسیر ہوسکتا تھا۔ اس موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے ملا سرکار سیاہ دھوئیں کی آڑ میں وہاں سے فرار ہوگیا تھا۔

میری پے درپے کامیابیوں نے غالباً اسے خوف زدہ کردیا تھا۔ خاص طور پر گردھاری لال تک میری رسائی کے بعد اسے اپنی سلامتی کو درپیش سنگین خطرات کا ادراک ہوجانا چاہئے تھا۔

وہ ہندو تھا اور پندرہ برس سے ایک پاک باز مسلمان کا روپ دھار کر اندرون سندھ کے کسی گاؤں میں بیٹھا مورچہ مستحکم کررہا تھا۔ مناسب وقت کے انتظار میں اس نے اپنی زندگی کا بہترین عرصہ غریب الوطنی میں گزار دیا تھا۔ اس نے اپنے دین دھرم اور عقیدے سے انحراف کرتے ہوئے بھرم برقرار رکھنے کے لئے ایک مقامی مسلمان عورت سے شادی کی تھی اور اسی کے بطن سے صاحب اولاد بھی ہوا لیکن وہ اپنے مشن کی دھن میں ایسا ڈوبا ہوا تھا کہ اسے اپنی بیوی اور اولاد تک کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ ان سب کی قربانی دے کر بھی اپنے خوفناک منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے پر تُلا ہوا تھا۔ مجھے گردھاری لال کے مکان پر دیکھ لینے کے بعد اسے یک بیک اپنی ناکامی کا خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔ اسی لئے اس نے مزید وقت ضائع کئے بغیر میرے گرد اپنا گھیرا تنگ کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا تھا۔

ملاّ سرکار بلیک کیٹ ٹی ہونے کے ساتھ ہی شانتی کا باس بھی تھا اور میرے نہ بتانے کے باوجود اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا اس شام شانتی سے ملنے کا پروگرام تھا اسی لئے اس نے اپنے آدمی شانتی کے پیچھے لگادیئے تھے۔

سلطان شاہ کا تعاقب کرنا اس سلسلے میں ایک بہانہ ثابت ہوا تھا جس کی آڑ لے کر ملا سرکار کو اپنی کارروائی کا منتظر موقع مل گیا ورنہ دوسری صورت میں شانتی مجھے کسی ہوٹل میں کوئی خواب آور دوا پلا کر بے ہوش کرتی اور اسی حالت میں ملاّ سرکار کے حوالے کردیتی۔ مجھے پورا یقین ہوچلا تھا کہ ملا سرکار میرے بارے میں ویرا سے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ جس طرح ہم نے اس کی بے خبری میں کرنل میتش پال کو اغوا کرکے اسے خودکشی پر مجبور کیا تھا ملا سرکار اسی طرح سے مجھے بھی راہ سے ہٹادیتا۔

کلفٹن سے شہر آنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ ریلوے لائن پر بنے ہوئے قدیم پل کے ذریعے ساحلی علاقہ شہر کے مرکزی علاقے سے ملاتا ہے۔ اس لئے جب تک ہم ہوٹل میٹرو پول والے چوراہے تک نہیں پہنچے' مجھے اندازہ نہیں ہوسکا کہ شانتی مجھے قیدی بنا کر کہاں لے جارہی تھی۔ اس مقام کے لئے ملا سرکار نے اسٹیشن کا لفظ استعمال کیا تھا جو بہت مبہم تھا۔

اس دوران میں' میں اپنی تمام تر اعصابی قوت کو کارروائی کے لئے یکجا کرچکا تھا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ ڈیش بورڈ میں نصب پستول کی آہنی نال' پسنجر سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص کے سینے کو زد میں لینے کے لئے ایک مخصوص زاویئے پر فکس کی گئی تھی۔ اس میں گھومنے یا رخ بدلنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔ اگر میں کسی بھی مرحلے پر شانتی کو غافل

جھلنے یا پائیدان تک سرکنے میں کامیاب ہو جاتا تو آسانی
ساتھ بازی الٹ سکتا تھا۔ ایسے کسی موقع کی امید میں، میں
اپنے دونوں پاؤں پائیدان پر پھیلا کر جمالئے تھے تاکہ وقت
نے پر مجھے پوزیشن تبدیل کئے بغیر اپنے منصوبے پر عمل
نے کا موقع مل سکے۔

شانتی پُرہجوم ٹریفک میں بہت محتاط انداز میں ڈرائیونگ
رہی تھی اور مجھ پر بھی کڑی نگاہ رکھ رہی تھی۔ سگنل کھلنے پر
نے چوراہا عبور کرتے ہی کار کا رخ قدرے داہنی جانب
لیا اور جب اس کی کار ہوٹل میٹروپول بلڈنگ کا طواف کرتی
ی فاطمہ جناح روڈ والے چوراہے کی طرف مڑی تو سامنے
رہ ہوٹل آواری ٹاورز کی بلند عمارت نظر آنے لگی۔
آواری ٹاورز کی عمارت پر نگاہ پڑتے ہی میرے دماغ میں
ے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

اگلے چوراہے سے داہنی طرف گھوم کر فاطمہ جناح روڈ پر
یز ہال کے تقریباً عقب میں شانتی نرائن کے ملک کا
ونسلیٹ آفس واقع تھا اور وہ مجھے یقیناً وہیں لے جا رہی تھی۔
کسی دوسری عمارت کے مقابلے میں ایک سفارتی
رت میرے لئے ڈراؤنا خواب ثابت ہو سکتی تھی۔ وہاں
ں پہنچنے میں اتنا کم فاصلہ اور وقت رہ گیا تھا کہ میرے لئے
ی کارروائی کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

سگنل کھلا ہوا تھا اور اس سمت میں ٹریفک بہا چلا جا رہا تھا۔
نتی نے میری توقع کے عین مطابق چوراہا گھوم کر اپنی کار
مہ جناح روڈ پر موڑ لی۔ شہر کے اس بارونق علاقے میں
ک کا وہ حصہ مصروف ترین کاروباری اوقات میں بھی
لک کے ہجوم سے محفوظ رہا کرتا تھا اور اس وقت تو وہاں اکاؤ کا
کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ بڑے بڑے بنگلوں میں قائم دفاتر
ں کام کرنے والے چھٹی کر کے اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے
ماحول میری کارروائی کے لئے پوری طرح سازگار تھا۔

میرے اور مقتل کے درمیان چند سو گز اور صرف چند
نڈ کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا کہ میں اچانک اپنے پنجوں پر زور دے
پھرتی کے ساتھ کار کے پائیدان پر پھسل گیا۔ شانتی نے براہِ
است میری طرف دیکھے بغیر تبدیلی کا اندازہ کر لیا اور فوراً ہی
ٹ کی آواز کے ساتھ کار میں فائر ہوا۔ گولی غالباً میری سابقہ
نست کی پشت گاہ سے گزر کر پچھلی سیٹ میں پیوست ہو گئی
ر کار کے بند کیبن میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو پھیل گئی۔

شانتی نے مجھ پر ناکام فائر کرنے کے ساتھ ہی یک بیک
ا کار کی رفتار بڑھانا چاہی۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ ہر قیمت پر
پنے کاؤنسلیٹ تک پہنچنے کے لئے کوشاں تھی جہاں وہ مسلح
ا محافظوں کی مدد سے بہ آسانی مجھے زیر کر سکتی تھی بلکہ وہاں تو
ے سفارتی عمارت میں زبردستی گھسنے کی کوشش کا الزام لگا کر
سرِ عام گولی ماری جا سکتی تھی۔

میں نے پائیدان میں پہلو بدل کر داہنے ہاتھ سے کار کا ہینڈ
بریک پوری قوت سے کھینچا اور اسی لمحے گیئر وغیرہ ٹوٹنے کی
پروا کئے بغیر چلتی ہوئی کار کا گیئر نیوٹرل کر دیا۔

شانتی کی کار کے ٹائر سڑک پر چیخ اٹھے۔ اچانک گیئر
نیوٹرل ہو جانے پر انجن کی رفتار خطرناک حد تک بڑھ گئی اور
میں نے اندازے سے ہاتھ بڑھا کر اگنیشن آف کر دیا۔

کار رکنے کے شدید جھٹکے سے سنبھلتے ہی شانتی نے بائیں
ہاتھ سے میری کنپٹی پر کراٹے کا بھرپور وار کرنا چاہا لیکن میں اس
خوش رو حسینہ کی اس تباہ کن صلاحیت سے باخبر تھا اس لئے
میں نے خود کو بچاتے ہوئے مختصر سے بلاؤز اور ساڑی کے
درمیان اس کے برہنہ پیٹ پر مکّا رسید کر دیا اور شانتی کراہ کر
اسٹیئرنگ پر دہری ہو گئی۔

میں ہمیشہ عورتوں پر ہاتھ اٹھانے سے گریز کرتا ہوں۔ دیرا
نے بارہا ایسی حرکتیں کیں جن پر میں اسے جھڑتے بھی لگا تا تو کم ہوتا
لیکن میں ایسی حرکات سے گریز ہی کرتا رہا مگر شانتی کے مقابلے
میں صورتِ حال بہت سنگین ہو چکی تھی۔ میں غیر مسلح تھا اور
وہ اپنی کار میں نہ جانے کیسے کیسے شعبدے لئے گھوم رہی تھی۔
میں بے یار و مددگار تھا اور وہ اپنے مسکن سے چند قدم دور تھی۔
اس کی ایک چیخ پر اسے پہچان کر متعدد مسلح بھیڑیئے میرے
اوپر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ میرے لئے وہ اپنی بقا کی ایک
ہولناک اور حیوانی جنگ بن گئی تھی جس میں لڑنے کے
سارے معیار اور اصول معطل ہو کر رہ گئے تھے۔

میرے لئے مشکل یہ تھی کہ میں اپنے پائیدان سے اوپر
ابھرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا ورنہ شانتی اپنے خفیہ
کنٹرول سے کام لیتے ہوئے میری کھوپڑی میں پگھلا ہوا سیسہ
اتار سکتی تھی۔

یہ سب اتنی تیزی کے ساتھ رونما ہوا کہ ٹائروں کے شور
سے کوئی چونکا ہو تو چونکا ہو لیکن کوئی شخص پوری طرح ہماری
طرف متوجہ نہیں ہوا تھا اور میں ایسی کوئی نوبت آنے سے
پہلے ہی بساط لپیٹ دینا چاہتا تھا۔

شانتی اپنی عمر اور چہرے مہرے کے تاثرات کے مقابلے
میں کہیں زیادہ خرانٹ تھی۔ اس نے فوراً ہی میرے تیور
بھانپ لئے اور کار میں بیٹھے رہ کر میرا مقابلہ کرنے کے بجائے
اپنی سمت کا دروازہ کھول کر باہر کود گئی۔

میں نے جھپٹ کر اسے پکڑنا چاہا، اس کے بجائے اس کی
حریری ساڑی کا پلو میرے ہاتھ میں آگیا۔ اس کے بدن کو جھٹکا لگا
لیکن وہ رکے بغیر چکراتی ہوئی اپنے بدن کو ساڑی کی گرفت
سے آزاد کراتی ہوئی آگے بڑھتی رہی اور لمحوں ہی لمحوں میں
اس کی سیاہ پھولوں والی زرد ساڑی سڑک پر لہراتی رہ گئی جس کا

ایک سرا میرے ہاتھ میں تھا۔

شانتی ساڑی کے عذاب سے نجات حاصل کرتے ہی مختصر سے بلاؤز اور پیٹی کوٹ میں دوڑتی ہوئی سڑک عبور کرنے لگی۔ میرے لئے وہ صورتِ حال پریشان کن تھی۔ میں نے فوراً ہی ساڑی کو اپنی گرفت سے آزاد کر دیا اور وہ رنگین، آرائشی لبادہ ہوا کے دوش پر دور تک اڑتا چلا گیا۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ شانتی اپنی کار کے اگنیشن سوئچ سے چابی نکال کر لے جانا بھول گئی تھی۔ میں نے اضطراری طور پر کار کا انجن بیدار کیا اور ہینڈ بریک چھوڑ کر کار کو پہلے گیئر میں ڈال دیا۔

اسی لمحے کسی طرف سے پُرشور دھماکے کے ساتھ ایک فائر ہوا، بے اختیار میری نظر دوڑتی ہوئی شانتی کی طرف اٹھ گئی۔ اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوا تھا اور وہ آگے کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔

دوسرا فائر ہوا اور اس بار فضا شانتی کی دل دوز چیخ سے لرز اٹھی۔ وہ بہت بری طرح منہ کے بل کولتار کی سڑک پر گر کر تڑپنے لگی تھی اور اسی لمحے مجھے فائر کرنے والا نظر آگیا۔

وہ سفید رنگ کی کرولا ڈرائیو کرتا ہوا میرے برابر سے گزرا تھا۔ اس کی کار کا بایاں حصہ بری طرح پچکا ہوا تھا لیکن اس سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ وہ سلطان شاہ تھا۔

میں نے تو اسے دیکھا ہی تھا لیکن اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ پتا نہیں کہ وہ کب اور کیسے وہاں آپہنچا تھا لیکن اس نے اپنی کار سے فائر کر کے شانتی کو جس طرح ڈھیر کیا تھا اس سے یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ صورتِ حال پوری طرح سمجھ چکا تھا۔

میرے قبضے میں آئی ہوئی شانتی کی کار حرکت میں آنے سے قبل ہی سلطان شاہ نے سفید کرولا قدرے آگے نکال کر روک دی۔ میں شانتی کی کار کا انجن بند کئے بغیر تیزی سے نیچے اترا اور سفید کرولا میں سوار ہوگیا۔ سلطان شاہ نے میرے سوار ہوتے ہی اپنی کار برق رفتاری سے آگے بڑھا دی۔

اس وقت تک شانتی سڑک پر پڑی تڑپ رہی تھی۔ اس کے زخم سے بہنے والا خون دور تک پھیل رہا تھا اور اس کی رنگین ساڑی سڑک پر ہوا سے اڑتی پھر رہی تھی۔ ادھر اُدھر سے کچھ لوگ شانتی کی طرف آنا شروع ہوگئے تھے۔ کاؤنسلیٹ کے بلند اور سیاہ آہنی پھاٹک کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ وہ بند تھا اور اس کے آہنی جنگلے کے پیچھے متعدد مسلح اور باوردی محافظ متجسس انداز میں کھڑے ہوئے تھے۔ وہ اپنے سفارتی احاطے سے باہر نہیں نکلے تھے اس لئے انہیں علم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ ان سے ذرا دور ان کی ایک اعلیٰ افسر پر کیا قیامت گزر چکی تھی۔

"ساڑی سے بچ کر نکلنا" میں نے سلطان شاہ کے تیور بھانپ کر جلدی سے کہا "گزوں لمبا یہ باریک کپڑا کسی نازک لپٹ جاتا تو ہم یہیں پھنس کر رہ جائیں گے۔"

"فاصلہ زیادہ ہونے کے باوجود میں نے پیچھے سے اس کے دل کا نشانہ لینے کی کوشش کی تھی۔ اس کا انجام دیکھ کر تمہیں قلق تو ضرور ہوا ہوگا" اس نے جذبات سے عاری لہجے میں

"میں مسلح ہوتا تو تم سے پہلے یہی کام کر گزرا ہوتا۔ سفارتی مراعات کی آڑ میں یہ بھی ملا سرکار کے لئے کام کر رہی تھی اور میں اب ملا سرکار تو کیا اس کے کتوں تک کے خون کا پیاسا ہو چکا ہوں۔ لیکن میں حیران ہوں کہ تم اچانک یہاں کیسے پہنچ گئے؟ یہ کار کہاں سے اور کیسے ہاتھ لگی؟ اور وہ لوگ سوئے ہوئے ہیں جو حفاظت کے لئے شانتی کا پیچھا کر رہے تھے؟"

"تم نے تو سوالوں کی بھرمار کر دی۔ تم لوگ جب اسٹور پر رکے تو وہیں میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ مجھے ڈر ہوا کہ شانتی نے تعاقب کا اندازہ نہ لگا لیا ہو۔ ایسی صورت میں تمہیں ساتھ لے کر ٹیکسی سے فرار ہو سکتی تھی۔ اس لئے میں نے کار پارک کر کے تم دونوں کا پیچھا کیا۔ تمہارے اسٹور میں داخل ہونے کے بعد بھی میں کافی دیر تک اسٹور کے سامنے ٹہل کر شیشے کی دیواروں میں سے تمہارا جائزہ لیتا رہا۔ جب مجھے اطمینان ہوگیا کہ تم دونوں وہاں واقعی خریداری کر رہے ہو تو میں اپنی کار کی طرف لوٹ آیا۔ اس وقت میری کار کے دونوں ٹائر ناکارہ کئے جا چکے تھے" اس نے خبر سمجھتے ہوئے ابتدا ہی سے کہانی سنانی شروع کر دی" لئے وہ بہت بڑی پریشانی تھی۔ تمہاری کار سروس لین سے گزر گئی تو میں اضطراری طور پر سڑک عبور کر کے دوسری طرف آکھڑا ہوا۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ شانتی کی کار اگر سے لوٹ کر واپس آئی تو میں اس کے سامنے آکر اسے مجبور کر دوں گا لیکن کئی منٹ گزرنے کے بعد بھی تم لوگ نہیں آئے تو میں نے سمجھ لیا کہ تم آگے نکل گئے ہو۔ ناکامی کی جھنجلاہٹ میں مجھے کچھ اور نہ سوجھا تو مناسب جگہ دیکھ کر نیم تاریکی میں پستول کی زد پر ایک سے یہ کار چھین لی۔ وہ نیچے اتر کر اسے لاک کرنے میں نے اسے دھر لیا۔ یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ کی دہشت سے فوراً ہی بیہوش ہوگیا اور یوں میں اس قابض ہوگیا۔ اس علاقے کی سڑکوں پر بے مقصد ڈرائیونگ کرتے ہوئے آخر کار مجھے شانتی کی کار نظر جو واپس مین روڈ کی طرف آرہی تھی۔ ایک سفید کا صرف پارکنگ لائٹس جلی ہوئی تھیں، تم دونوں لگی ہوئی تھی۔ اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں، میں نے کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک باریش شخص کو براجمان

جس نے شام کے اندھیرے میں بھی تاریک شیشوں کی عینک لگائی ہوئی تھی اور میں فوراً اس کے پیچھے ہولیا۔ میرا اندازہ ہے کہ میری کار کے ٹائروں کو اسی ملعون نے ناکارہ کیا تھا۔ فوری طور پر اسے اپنی راہ سے ہٹائے بغیر میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا اس لئے اگلے چوراہے پر گھومتے ہوئے میں نے تیز رفتاری کے ساتھ سفید کار کو اس بری طرح سائیڈ ماری کہ میری کار سے ٹکرانے کے بعد وہ کار ایک تیسری کار کا خانہ خراب کرتی ہوئی گھاس پر چڑھ گئی۔ میں رکے بغیر آگے بڑھتا رہا۔ میرا خیال ہے کہ تاریک عینک والا جائے حادثہ پر پھنس کر رہ گیا ہوگا۔

اس دوران میں شانتی کی کار ٹریفک کی بھیڑ میں میری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ پل اترنے کے بعد میں پریشان تھا کہ تم دونوں کو کدھر تلاش کروں؟ اس وقت میری چھٹی حس نے میری یاوری کی اور میں نے سب سے پہلے شانتی کے دفتر کا جائزہ لینے کا فیصلہ کرلیا جو وہاں سے قریب ترین تھا۔ میں ہوٹل آواری ٹاورز والا چوراہا گھوم ہی رہا تھا کہ مجھے شانتی اپنی ساڑی چھوڑ کر سڑک کے وسط میں دوڑتی ہوئی نظر آئی اور میں نے اپنا رول ادا کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ شانتی کو سڑک پر بھاگتا ہوا دیکھ کر میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ تمہیں اس کی نیت اور عزائم پر شبہ ہو چکا تھا اور تمہاری اس سے ان بن ہوگئی تھی اس لئے اس کے دفتر سے اتنے قریب یہ ڈراما کھڑا ہو گیا تھا۔"

اس دوران وہ سفید کار کو فریئر ہال کی اندرونی سڑک سے گزار کر اسے دوبارہ کلفٹن جانے والے راستے پر ڈال چکا تھا جو میری نگاہ میں ایک مخدوش اقدام تھا۔

"اب تم واپس کلفٹن کیوں جا رہے ہو؟ ہمیں چوری کی اس کار سے فوراً پیچھا چھڑا لینا چاہئے۔"

"فکر نہ کرو۔ ابھی چھوڑ دیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم جہانگیر کی شیراڈ کو جلد از جلد سپر اسٹور کے پاس سے ہٹالیں۔ اس بار ہمارے سامنے ایک بہت چالاک اور مکار دشمن ہے اس لئے ہمیں اپنے نقوش پامٹا دینے چاہئیں۔"

"تم نے شانتی کا تعاقب کرنے والے کی جو وضع قطع بتائی ہے اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس بار بھی ملا سرکار خود ہی میدان میں اترا ہوا تھا اور تم نے اسے بہت گہری چوٹ دی ہے لیکن شیراڈ سے وہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔"

"وہ شیراڈ سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو تم نے گردھاری لال کی کار کے نمبروں سے اٹھایا تھا۔"

"تم بے وقوف ہو" میں نے آہستگی سے کہا "ہم اس کے سامنے ہیں جب کہ وہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ شیراڈ کے ذریعے وہ زیادہ سے زیادہ جہانگیر تک پہنچ سکتا ہے۔ جب وہ میرے اصل نام سے واقف ہے تو شاید اسے جہانگیر کی اور میری دوستی کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ معلوم رہا ہوگا۔

شیراڈ کی طرف سے تمہاری فکر مندی بالکل بے بنیاد ہے۔"

"پھر بھی کار وہاں سے ہٹا لینے میں کیا حرج ہے؟" اس نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ دوسری بات ہے لیکن یہ مسروقہ کار چھوڑ دو۔ ہم ٹیکسی میں بھی وہاں جا سکتے ہیں۔"

"چلو اس چوراہے پر چھوڑ دیں گے جہاں میں نے ملا سرکار کی کار کو سائیڈ ماری تھی۔ وہاں کی بھی تو کچھ خیر خبر لینی چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ شدید زخمی ہونے کے بعد پولیس کی گرفت میں آگیا ہو۔"

میں نے اس سے مزید بحث کئے بغیر خاموشی اختیار کرلی۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ شانتی اپنی ساڑی سڑک پر چھوڑ کر کیوں بھاگ گئی تھی؟"

میں نے اسے اصل قصہ بتانے میں جھجک محسوس کرتے ہوئے فوراً ہی ایک کہانی تراش لی "اس سے یہ طے ہوا تھا کہ اس کے فلیٹ پر بیٹھ کر باتیں ہوں گی لیکن اس نے اچانک ہی اپنے دفتر میں کچھ کاغذات سیف سے باہر چھوڑ آنے کا عذر کر کے کار واپس موڑلی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ مجھے ایک بار اپنے دفتر لے گئی تو میں دوبارہ اپنی مرضی سے اس سفارتی عمارت سے باہر نہیں آسکوں گا۔ راستے بھر ہماری تکرار ہوتی رہی اور جب اس کا کاؤنسلیٹ آفس قریب آگیا تو میں نے ہینڈ بریک کھینچ کر کار روک دی اور اس کے ساتھ آگے جانے سے انکار کردیا۔ یوں بات بڑھ گئی اور وہ کار سے اتر بھاگی۔ اگر وہ کاؤنسلیٹ آفس پہنچنے میں کامیاب ہو جاتی تو مجھے یقین ہے کہ وہ وہاں کے مسلح محافظوں کو میرے خلاف صف آرا کر کے مجھے گھیر لیتی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میں عین وقت پر ہی وہاں پہنچ گیا؟" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"لیکن اس بار میں تمہاری چھٹی حس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ذہنی انتشار کے عالم میں تم نے کاؤنسلیٹ کی راہ اختیار کر کے بڑی دانش مندی کا ثبوت دیا ہے۔"

"بس تمہاری دعا سے کبھی کبھی میری عقل بھی چل ہی پڑتی ہے" اس نے انکسار سے جواب دیا۔

پل عبور کرنے کے بعد سلطان شاہ نے سفید کرولا بائیں جانب ایک دفتری بلاک کے تقریباً ویران پارکنگ لاٹ میں کھڑی کی اور چابی کار کے پائیدان پر ڈال کر باہر آگیا۔

وہاں سے ہم دونوں ٹہلتے ہوئے اگلے چوراہے کی طرف بڑھے تو وہاں ایک طرف لوگوں کا ہجوم نظر آیا۔ موقع پر پولیس کی گشتی گاڑیاں بھی دور ہی سے دیکھی جا سکتی تھیں۔

"تمہاری وزنی جیبوں پر کسی کی نگاہ پڑ گئی تو ہم دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔"

" فکر نہ کرو۔ میرے پاس پستول ہے۔ بیم گن میں نے شیراڈ ہی میں چھوڑ دی تھی۔"

ہم لوگ دور تک پھیلے ہوئے متجسس ہجوم تک پہنچے تو چوراہے کے بائیں کنارے پر ایک دوسری سے بری طرح ٹکرائی ہوئی دو کاریں وہاں موجود تھیں اور پولیس والے اپنی کارروائیوں میں مصروف تھے۔

چند ثانیوں کی پوچھ گچھ کے بعد پتا چلا کہ حادثہ ہوتے ہی ملا سرکار اپنی تباہ شدہ کار سے نکل کر خاموشی سے کہیں کھسک لیا تھا اور دوسری کار والا اپنی تباہی پر سرپیٹتا رہ گیا تھا۔ اس کی نئے ماڈل کی گاڑی کو نقصان پہنچا تھا اور وہ خود بھی خاصا زخمی ہوا تھا۔ جائے حادثہ پر پہنچنے والی پہلی پولیس موبائل کے عملے نے اپنے پاس موجود فہرست کا جائزہ لے کر فوراً ہی اعلان کر دیا تھا کہ ملا سرکار کی چھوڑی ہوئی لاوارث کار چند گھنٹے قبل سوسائٹی کے علاقے سے چوری کی گئی تھی۔

مسروقہ کار ثابت ہونے کے بعد کہانی بہت آسان اور سادہ سی رہ گئی تھی۔ مسروقہ کار میں حادثے سے دوچار ہونے کے بعد کوئی بھی سمجھ دار چور جائے حادثہ پر اپنی گردن پھنسانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ بھاگنے والا بھاگ گیا تھا لیکن پولیس والوں نے ضابطے کی کارروائیوں کے نام پر دوسری کار والے کو گھیرا ہوا تھا۔ کئی لوگوں نے وقتاً فوقتاً اس بے چارے کے زخموں سے بہنے والے خون کی طرف بھی توجہ دلانے کی کوشش کی تھی لیکن دن رات خونریزیوں سے دوچار رہنے والے پولیس اہلکاروں نے ان زخموں کو معمولی قرار دے کر اپنے ضابطے کی کارروائیاں جاری رکھی تھیں کیونکہ مسروقہ کار سے قطعِ نظر بنیادی طور پر وہ ٹریفک کا ایک حادثہ تھا اور اس امر کا تعین کیا جانا از بس ضروری تھا کہ اس حادثے میں کہیں زخمی کار مالک تو قصور وار نہیں تھا۔

بھاگنے والا کار چور بھاگ گیا تھا اور پولیس والوں کی چائے پانی کا تمام تر انحصار اسی فریق پر تھا جو فرار نہ ہونے کی وجہ سے ان کے ہاتھ لگ گیا تھا اور بدقسمتی سے تفتیش کا واحد شادتی ذریعہ تھا۔

گردھاری لال کو گنوا کر ملا سرکار نے بڑا سبق سیکھا تھا جبھی اس بار اس نے مسروقہ کار استعمال کی تھی۔

ہم ٹیکسی سے سرانور کی طرف چلے۔ راستے میں سلطان شاہ پر یکایک ہی کچھ اضطرابی کیفیت طاری ہوگئی اور میں نے اپنے تجربے کی بنا پر اندازہ لگا لیا کہ اس کے ذہن میں کوئی کام کی بات آئی تھی جو مجھ تک پہنچانے کے لئے بے چین ہوا جا رہا تھا لیکن ٹیکسی ڈرائیور کی وجہ سے خاموش رہنے پر مجبور تھا۔

پھر ہم نے جوں ہی کرایہ ادا کر کے ٹیکسی کو فارغ کیا' سلطان شاہ یک بیک بول پڑا" ملا سرکار ہمارے لئے دشواریاں کھڑی کر رہا ہے تو ہمیں بھی اس کے گلے میں ڈھول لٹکا دینا چاہئے۔"

" اب کیا نئی بات سوجھی ہے تم کو؟"

" غیر ملکی کاؤنسلیٹ والے اپنے احاطے میں محصور ہیں انہیں شانتی کی موت کا اسی وقت علم ہوگا جب پولیس لاش کی شناخت کے بعد ان سے رجوع کرے گی ..."

" مفروضوں پر سوچ کر اپنے دماغ کو نہ تھکاؤ" میں نے خشک لہجے میں اس کی بات کاٹ دی " شانتی کی لاش کے ساتھ ہی اس کی ویران کار بھی وہیں کھڑی ہوئی ہے جس پر سفارتی نمبر پلیٹ لگی ہوئی ہے۔ نمبروں کے لئے ہر ملک کا الگ سفارتی کوڈ ہوتا ہے۔ اب تک پولیس ان تک پہنچ چکی ہوگی۔"

" ہمیں فوری طور پر پولیس کو اس کار پر قابض ہونے کا مشورہ دینا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ کار میں کچھ اہم دستاویزات وغیرہ مل سکیں" اس نے اضطراری لہجے میں کہا۔

" وہ کار ایک قتل میں ملوث ہے۔ پولیس والے اسے اپنی تحویل ہی میں رکھیں گے" میں نے اس کی تجویز کو مسترد کرتے ہوئے کہا لیکن اسی لمحے میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور میں بے چین ہوگیا۔

میں نے خفت سے بچنے کے لئے سلطان شاہ کو شانتی کی کار میں نصب ٹرانسمٹر اور خود کار پستول کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن میں ان حساس آلات کی موجودگی اور کارکردگی کا عینی شاہد تھا۔ شانتی کے قتل کی خبر ملتے ہی اس کے کاؤنسلیٹ کے سینئر افسران اپنی پوری صلاحیتیں استعمال کر کے شانتی کی کار کو پولیس کی تحویل سے نکال سکتے تھے اگر پولیس کو ان حساس آلات کی ہوا نہ بھی لگ سکے لیکن پولیس والوں کو اشارہ دے دیا جاتا تو کار میں موجود ان آلات کی بنا پر مقامی حکام شانتی پر سنگین الزامات عائد کر سکتے تھے جن کا جواب دہی کاؤنسلیٹ آفس کے لئے دشوار ہوتی۔

اپنی اس نشاندہی کے ذریعے ہم ایک تیر سے دو شکار کر سکتے تھے۔ ایک طرف کاؤنسلیٹ والے مقامی انتظامیہ کو معصوم اور بے گناہ سفارتی افسر کی جان کے تحفظ میں شرمناک ناکامی کا الزام لگانے سے محروم رہ جاتے اور دوسری طرف انہیں اپنی پبلک ریلیشنز آفیسر کی سفارتی کار میں غیر قانونی تنصیبات کا جواز دینا محال ہو جاتا۔

ذہن میں وہ جھماکا ہوتے ہی میں تیزی کے ساتھ ایک پبلک کال آفس کی طرف لپکا جسے میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ سلطان شاہ میرے پیچھے پیچھے اس مختصر سی دکان تک آیا جس کے کاؤنٹر پر فون موجود تھا۔

میں نے ٹیلی فون ڈائریکٹری کے ابتدائی صفحات کی ورق گردانی کر کے پولیس ایمرجنسی سینٹر کا نمبر تلاش کیا۔ میں

ملاہی رہا تھا کہ سلطان شاہ نے کاؤنٹر کے عقب میں موجود نوجوان کو ہیوٹم کی خریداری کے سلسلے میں دکان کے دوسرے سرے پر اپنے ساتھ الجھالیا تاکہ میں فون پر آزادی سے بات کرسکوں۔

سلسلہ مل جانے پر دوسری طرف سے ایک بھاری مردانہ آواز نے جوں ہی ایمرجنسی سینٹر کے الفاظ ادا کئے میں نے دھیمی مگر واضح الفاظ میں اپنی بات شروع کردی۔

" فاطمہ جناح روڈ پر فریئر ہال کے پیچھے ایک غیر ملکی جاسوسہ ماری گئی ہے۔ جس کی کار میں اسلحہ اور ٹرانسمٹر موجود ہیں "اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے میں نے غیر قانونی اشیا کے لئے دانستہ جمع کا صیغہ استعمال کیا تھا "اس کے ساتھی کسی بھی لمحے کار کو جائے واردات سے ہٹا کر لے جاسکتے ہیں۔ پولیس نے اس کار پر قبضہ نہ کیا تو اس قتل کی گتھی کبھی نہیں سلجھ سکے گی اور اس کے قتل کا الزام یہاں کے اہل کاروں پر آجائے گا۔"

"کار کا ماڈل اور نمبر کیا ہے؟" دوسری طرف سے مشینی لہجے میں سوال کیا گیا۔

" ان باتوں میں وقت ضائع کئے بغیر ریڈیو پر اپنی گشتی گاڑیوں کو ہدایت نہ دیں تو تم صبح ہونے سے پہلے معزول کردیئے جاؤ گے " میں نے کن انکھیوں سے سلطان شاہ کے ساتھ مصروف دکاندار کا جائزہ لیتے ہوئے غراتی ہوئی سرگوشی میں کہا "میں ایک ذمّے دار آفیسر کی حیثیت سے تمہیں یہ اطلاع دے رہا ہوں۔"

اپنا پیغام مکمل کرتے ہی میں نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

وہاں سے واپس کار کی طرف لوٹتے ہوئے سلطان شاہ اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا اور پوچھ بیٹھا "تم نے میری تجویز کو مسترد کردیا تھا تو پھر اب کسے فون کرنے آئے تھے؟"

" پولیس سینٹر ہی فون کیا تھا۔ تمہاری تجویز کی ایک دوسری افادیت میرے ذہن میں آگئی تھی۔ ہمیں اب مدافعانہ کردار ترک کرکے ان لوگوں کے ساتھ جارحانہ رویّہ اپنانا ہوگا۔" میں نے کہا۔

اس کی حیران نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔
"شاید تم بھول گئے ہو کہ ابھی غزالہ ملا سرکار کے قبضے میں ہے۔ شکست کی جھلاہٹ میں وہ غزالہ کو کوئی نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔"

" جب تک معاملہ میری ذات کا تھا میں سمجھوتا کرتا رہا لیکن غزالہ کی وجہ سے میں اپنے ملک کے مفادات پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔ اس وقت ملاّ سرکار کو چھوٹ دینے کا مطلب وطن سے غدّاری ہوگا۔ رہی غزالہ، تو وہ اپنا دفاع خود بھی کرسکتی ہے۔ ہم لوگ ہمیشہ اس کی صلاحیتوں کے بارے میں کم تر اندازے لگاتے آئے ہیں۔"

میرے سخت لب و لہجے نے اسے خاموش ہوجانے پر مجبور کردیا۔

○☆○

اگلی صبح کے اخبارات سنسنی خیز خبروں سے بھرے ہوئے تھے جو شہر کے باسیوں کو بری طرح چونکانے کے لئے کافی تھیں کیونکہ پچھلی رات کے اندھیرے نے انسانی لہو میں غسل کرکے اجالے کا روپ دھارا تھا۔

شانتی زخموں کی تاب نہ لاکر طبّی امداد سے پہلے ہی جہنم واصل ہوگئی تھی۔ اس کی کار پولیس نے اپنی تحویل میں لے لی تھی۔ کار کے ڈیش بورڈ میں پوشیدہ بے آواز پستول لائسنس یافتہ تھا لیکن وہ شانتی کی تحویل میں ہونا ضروری تھا۔ اسے جس طرح کار میں نصب کیا گیا تھا وہ طریقہ سراسر غیر قانونی تھا پھر اس سے منسلک سائلنسر نے معاملہ مزید الجھادیا تھا کیونکہ پورے ملک میں آتشیں اسلحے کے ساتھ ایسے آلات کے استعمال پر کڑی پابندی تھی جو حفاظتِ خود اختیاری کے بجائے اسلحے کو پیشہ ور قاتلوں کے استعمال کی مہلک اور محفوظ اشیا میں تبدیل کردیتے تھے۔

سفارت خانے نے اپنی ایک اہم خاتون عہدے دار کے بہیمانہ قتل پر حکومت پاکستان سے شدید احتجاج کیا تھا اور اس سازش کے ذمے داروں کو بے نقاب کرکے سزائے موت دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ ان لوگوں کے دعوے کے مطابق شانتی اپنے معمول کے فرائض کی انجام دہی کے دوران بے رحمی سے ہلاک کی گئی تھی جس کا کوئی جواز نہیں تھا۔

دوسری طرف مقامی انتظامیہ سے لے کر مرکزی حکام تک، سب ہی نے اس معاملے پر چپ سادھ لی تھی لیکن اخباری ذرائع نے شانتی کی کار میں موجود میڈیم رینج کے غیر قانونی ٹرانسمٹر اور الیکٹرونک سوئچ سے چلنے والے بے آواز پستول کے حوالے سے شانتی کو سیکرٹ ایجنٹ قرار دیا تھا۔ اداریوں میں سخت احتجاج کرتے ہوئے یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ کسی بھی سفارتی اہل کار کو ایک اجنبی ملک کی شہری حدود میں ایسی کار لئے پھرنے کی کیا ضرورت تھی؟

دلائل کے ذریعے نتائج اخذ کئے گئے تھے کہ شانتی اپنے ملک کے مفادات حاصل کرنے کے لئے دہشت گرد اور ناپسندیدہ لوگوں سے خفیہ رابطے استوار کئے ہوئے تھی اور اس کی کار میں نصب پستول کی نوعیت اور پوزیشن سے واضح ہوتا تھا کہ اس کی کار کی پسنجر سیٹ پر بٹھا کر بعض لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف ایک سے دوسرے مقام پر منتقل کیا جاتا تھا اور ایسے لوگ یقینی طور پر مغویان ہی ہوسکتے تھے جن کی

تعداد تشویشناک حد تک بڑھی ہوئی تھی۔

ایک اخبار نے ان سب امکانات کو ایک خصوصی فیچر میں یکجا کردیا تھا۔ اس کے مطابق شانتی اپنے سفارتخانے کے ناپسندیدہ افراد اور مقامی جرائم پیشہ لوگوں اور ایجنٹوں کے درمیان رابطے کا کام سرانجام دیتی تھی۔ وہ ایک خوبرو، جواں سال اور آزاد خیال عورت تھی جو شہر کے سوشل حلقوں میں بھی خاصی جانی پہچانی جاتی تھی۔ اس لئے اسے مجرمانہ سرگرمیوں کے سلسلے میں پوری آزادی حاصل تھی۔ اس کے لئے کام کرنے والے دہشت گرد اور تخریب کار اس سے ملے بغیر 'ٹرانسمٹر کے ذریعے اس سے ہدایت لیتے تھے اور اسی پر اپنی کارکردگی کی رپورٹ دیتے تھے۔ شہر میں خوف و ہراس اور بے یقینی کی فضا پھیلانے کے لئے شانتی اپنے ایجنٹوں کی ذریعے مال دار اسامیوں کو اغوا کراتی تھی اور کامیابی کی خبر ملنے پر بدنصیب قیدیوں کو اپنی کار کی مہلک پسنجر سیٹ پر بٹھا کر نہایت اطمینان سے محفوظ ٹھکانوں پر منتقل کردیتی تھی۔ اپنے کارندوں کے ذریعے یرغمالی کے لواحقین سے تاوان کے مطالبے، اس پر گفت و شنید اور پھر رقم کی وصولی کے بعد یرغمالیوں کو رہا کرادیتی تھی۔ اس طرح وہ لوگ شانتی کے سفارتی بجٹ سے کوئی مدد لئے بغیر مقامی طور پر اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کے لئے خطیر قوم بٹور رہے تھے۔

اس کہانی کو اس امر سے تقویت ملتی تھی کہ شانتی کے قتل کے بعد ایک نامعلوم تیز رفتار کار سے شہر کے تین گنجان آباد علاقوں میں ایک گھنٹے سے بھی کم مدت میں طاقتور دستی بم پھینکے گئے جن سے کم از کم سات افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے۔ لاکھوں کی املاک کی تباہی اس اندوہ ناک جانی نقصان کے علاوہ تھی۔

کہا گیا تھا کہ شانتی کے قتل کے فوراً بعد بموں کے وہ دھماکے کسی باہمی چپقلش کاشاخسانہ تھے۔ شاید شانتی سے کہیں کوئی لغزش ہوئی تھی اس لئے اس کے بڑوں نے اسے مقامی قانون کی بے رحم گرفت میں آنے سے پہلے راستے سے ہٹا دیا لیکن جو لوگ شانتی کے لئے کام کرتے تھے وہ اس کے قتل کو مقامی انتظامیہ کے کھاتے میں ڈال کر ہنستی کھیلتی بستیوں پر بم برسانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

وہ کہانیاں ان لوگوں کے ذہنوں کی پیداوار تھیں جنہیں اندر کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا مگر میرے لئے بات بہت واضح تھی۔ سلطان شاہ کے ہاتھوں بدترین زک اٹھانے اور شانتی کے قتل کا یقین کر لینے کے بعد ماما سرکار کا شکست خوردہ ذہن انتقام کی راہ پر چل پڑا تھا۔ اس نے جہاں بھی ہم سے تصادم کیا وہیں ہم سے مار کھا رہی تھی۔ غزالہ کو اتفاقاً اپنا یرغمالی بنانے کے علاوہ اسے کہیں بھی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی

اس لئے اس درندے نے شہر کی گنجان بستیوں کو خاک و خون میں نہلا دیا تھا۔

ماما سرکار ایک جنونی شخص تھا جو برسوں سے اپنے پیاروں، عزیزوں گھربار حتیٰ کہ وطن تک کو تج کر پرائی مٹی پر بیٹھا اسے لہو رنگ بنانے کے منصوبے پر انتھک محنت کر رہا تھا۔ اس نے چوروں، ڈاکوؤں اور رسّا گیروں کی مدد سے سندھ کے اندرونی اور سرحدی علاقوں میں جس تباہی کے خواب دیکھے تھے اس کی ایک ہلکی جھلک اس نے کراچی والوں کو دکھا دی تھی۔

میرے لئے صرف ایک ہی خیال باعثِ تسکین تھا کہ کسی بڑی اور ناقابلِ تصور بربادی کی راہ روکنے کے لئے سات انسانی جانوں کی قربانی قومی سطح پر کوئی بڑی قیمت نہیں تھی لیکن افسوس ان چھوٹی چھوٹی خبروں کو پڑھ کر ہوا جن میں مرنے والوں کو ان کے قومی منصب سے بہت نیچے دھکیل دیا گیا تھا۔

متعدد تنگ نظر اور متعصب لوگوں نے آناً فاناً میں مرنے والوں کے شجرے کھنگال ڈالے تھے اور صوبے، مذہب، ذات، برادری کے نام پر اس منظم دہشت گردی کو نسلی، لسانی، فرقہ وارانہ اور علاقائی تشدد قرار دیتے ہوئے اپنے حریفوں کا زن بچہ کو لہو پلوادینے کے مطالبات پیش کردیئے تھے۔ میرے لئے وہ بڑے دکھ کی بات تھی کہ زیرِ زمین تیار ہونے والی ہوشربا سازشوں کے اس دور میں بھی بعض لوگ اپنی ناک سے آگے دیکھنے پر آمادہ نہیں تھے۔ انہیں خبر نہیں تھی کہ وقتاً فوقتاً سر ابھارنے والی تشدد اور خونریزی کی ان لہروں کے پیچھے ایک ایسا بھیانک لاوا پک رہا تھا جو پھٹ پڑنے پر، کسی بھی تمیز اور تفریق کے بغیر اپنی راہ میں آنے والے ہر ذی روح کو جلا کر خاک کر سکتا تھا۔ اس لاوے کی تیاری کے لئے کچھ ایندھن سرحد پار سے لایا جا رہا تھا اور کچھ عاقبت نااندیش لوگ اپنی تنگ نظری سے رضاکارانہ طور پر فراہم کر رہے تھے۔

ویرانے اپنی رات جہانگیر کے گھر پر ہی بسر کی تھی اور شاید دیر سے سو کر اٹھی تھی۔ کیونکہ گیارہ بجے اس کا فون آیا۔ وہ میری اور شانتی کی مجوزہ ملاقات سے باخبر تھی اس لئے اخبارات پڑھ کر اس کا بوکھلا جانا فطری امر تھا۔

"اخبارات کل رات کے بارے میں کیا کہانیاں سنا رہے ہیں؟" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔

"کہانیاں تو ہر لمحے جنم لیتی رہتی ہیں، یہ بتاؤ تمہاری رات کیسی گزری؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"اچھی ہی گزری" اس نے ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا تھا "لیکن اخبار پڑھ کر قلق ہو رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ کیوں نہ ہوئی؟ تم تو خیریت سے ہو نا؟"

"تم سے دور رہ کر میں عموماً خیریت سے ہی رہتا ہوں۔ میرا

یال ہے کہ ملا سرکار آج غصے میں خود ہی اپنی بوٹیاں نوچ
ا ہو گا۔ تمہارا دل بھر چکا ہو تو میرا مشورہ ہے کہ تم اپنے گھر جا کر
ں کی کسی کال کا انتظار کرو۔ ویسے بھی آج شام اسے تم سے
ت کرنا ہے" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "بیگ
یٹ نی یہاں ملا سرکار کے نام سے رہ رہا ہے۔"

"تو کیا وہ مقررہ وقت سے پہلے بھی مجھ سے رابطہ کر سکتا
ہے؟"

"میرا یہی خیال ہے۔ پے درپے ناکامیوں نے شاید اس کا
ماغ الٹ دیا ہے۔ جب ہی اس نے شہر کے تین علاقوں میں بم
پھینکنے کی وارداتیں کی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ٹریفک کے ایک
حادثے میں وہ زخمی بھی ہوا ہو گا۔"

"ٹرانسمٹر تو میں مقررہ وقت پر ہی آن کروں گی" اس
کی آواز ابھری۔

"وہ آلات اس نے ہمیں مرعوب کرنے کے لئے نصب
کئے تھے۔ وہ ہمیں یہ جتانا چاہتا تھا کہ ہمارا گھر بھی اس کی دسترس
سے باہر نہیں ہے ورنہ وہ فون پر بھی رابطہ کر سکتا ہے۔"

"فون پر رازداری کا پورا یقین نہیں ہوتا" اس نے ہلکی سی
آواز میں کہا تھا" ویسے میرا خیال ہے کہ اس کا دماغ اگر سنکا
ہوا ہے تو پھر وہ میرا فون نمبر ضرور ٹرائی کر رہا ہو گا۔"

"اسی لئے میں تمہیں اپنے گھر جانے کا مشورہ دے رہا
ہوں" میں نے کہا۔

"وہ غزالہ کو ایذائیں نہ دے رہا ہوں" ویرا نے بھی میری
دکھتی رگ چھیڑ دی۔

"دیتا رہے!" میں نے جھلا کر کہا" وہ میری دسترس سے باہر
ہے۔ اگر اس کی زندگی باقی ہے تو وہ بچ ہی جائے گی۔ فی الحال میں
اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

کہنے کو تو میں نے اس سے کہہ دیا لیکن اپنے ایک غیر
جذباتی تجزیئے میں میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس وقت غزالہ
کو ملا سرکار کی ذات سے کوئی سنگین خطرہ لاحق نہیں تھا۔

اس کے اصل مشن کی کامیابی کا انحصار شانتی کی زندگی یا
موت پر نہیں بلکہ ٹی سے مہلک اسلحے کی فراہمی پر تھا۔ وہ ویرا
کو بتا چکا تھا کہ غزالہ اسکی قید میں تھی۔ ایسی صورت میں غزالہ
کو کوئی نقصان پہنچتا تو اسے ٹی سے اسلحہ ملنے کے امکانات ختم
ہو کر رہ جاتے۔ اصل صورتِ حال تو یہ تھی کہ اس وقت تک
ویرا نے ملا سرکار کو اسلحہ فراہم کرنے کی سمت میں کوئی پیش
رفت نہیں کی تھی لیکن ملا سرکار کو تاثر یہی دیا گیا تھا کہ
انتظامات طے ہوتے ہی اسے اسلحہ مل سکتا تھا۔

ویرا پاکستان میں ٹی کی اکلوتی کلیدی شخصیت تھی اس
لئے ملا سرکار اپنے مفاد کی خاطر اسے چھیڑنے کی پوزیشن میں
نہیں تھا۔ وہی اس کے اسلحے کے سودے کو پایۂ تکمیل تک
پہنچا سکتی تھی مگر میری بات دوسری تھی۔ وہ میری اصلیت سے
باخبر تھا اور ویرا کی لاعلمی میں مجھ پر ہاتھ ڈال کر میرا پتا صاف کرنا
چاہ رہا تھا۔ اپنی کامیابی کی صورت میں وہ غزالہ کو ویرا کے
حوالے کر کے اس سے اسلحے کی کم از کم پہلی کھیپ
ضرور وصول کر سکتا تھا۔

وہ تو میرے ستارے یاور تھے کہ میں نہ صرف گردھاری
لال کے مکان سے زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا بلکہ شانتی
کے بھرپور وار سے بھی خود کو بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ ورنہ
ملا سرکار نے مجھے ہر طرف سے گھیرنے میں کوئی کسر نہیں
چھوڑی تھی۔ میں اس کے ہاتھ لگ جاتا تو نہایت خاموشی کے
ساتھ وہیں روانہ کر دیا جاتا جہاں کرنل مہیش پال پہلے سے
موجود تھا۔

ویرا اخبارات کے ذریعے واقعات کا خلاصہ تو سمجھ چکی
تھی لیکن وہ اس کی تسلی کے لئے ناکافی تھا اس لئے میں نے
اس کے سوالات کی بوچھاڑ سے بچنے کے لئے مختصر الفاظ میں
پچھلی شام کے اہم واقعات سے آگاہ کر کے فون کا سلسلہ منقطع
کر دیا۔ اس سے پہلے اس نے مجھ سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ تیار
ہو کر فوراً ہی اپنے گھر منتقل ہو جائے گی۔

اسی لمحے دوبارہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس بار لائن پر
سلطان شاہ تھا جسے میں نے صبح ہی ہندو پنچایت کے سربراہ کا
سراغ لگانے کے لئے روانہ کر دیا تھا۔

"اس کا نام موہن داس ولد کرم چند ہے" سلطان شاہ بتا رہا
تھا۔" وہ کیماڑی کے علاقے میں رہتا ہے اور بولٹن مارکیٹ
کے علاقے میں اس کی آڑھت ہے۔"

"کیا اس کی ولدیت سے اس کی شناخت میں کوئی فرق پڑتا
ہے؟"

"پڑنا تو نہیں چاہئے لیکن وہ اپنے نام کے ساتھ ولدیت
ضرور لکھتا ہے۔ دکان کے بورڈ پر بھی اس نے یہی نام لکھا ہوا
ہے۔" سلطان شاہ کے لہجے شگفتگی تھی" ہو سکتا ہے کہ اسے
اپنی ولدیت بدل جانے کا ڈر رہتا ہو۔"

"تم اس وقت کہاں سے بول رہے ہو؟" میں نے سوچتے
ہوئے سوال کیا۔

"سٹی پوسٹ آفس کے پبلک کال آفس سے بول رہا
ہوں۔ موہن داس ولد کرم چند اس وقت اپنی آڑھت پر
براجمان ہے۔ بہت موٹا اور ڈرپوک سا آدمی ہے۔ میرا خیال
ہے کہ دو چار ہی دھمکیوں میں روتا ہوا پیروں پر گر جائے گا۔"

"بدمعاش کے سامنے سارے ہی شریف اور معزز
آدمیوں کا یہی حال ہوتا ہے۔"

"پھر اب میرے لئے کیا حکم ہے؟" اس نے قدرے
توقف کے بعد سوال کیا۔

"اسے دکان ہی سے اٹھا لیا جائے تو بہتر رہے گا۔

ہو کہ ہمارے اس تک پہنچنے سے پہلے ہی ملا سرکار کو اس کا دھیان آجائے اور وہ اسے بھی ٹھکانے لگا دے۔"

"کرین کے بغیر اسے اٹھانا دشوار ہوگا۔ ویسے ڈیڑھ بجے کے قریب وہ کھانا کھانے کے لئے گھر جاتا ہے" سلطان شاہ میں خوبی یہی تھی کہ جب وہ کوئی کام کرتا تھا تو اس کی تمام جزئیات پر بھی پوری طرح نظر رکھتا تھا۔

بولٹن مارکیٹ کا علاقہ میرے لئے اجنبی نہیں تھا اور پھر مافیا کا ہیڈ کوارٹر بھی ٹریڈ لائن نامی دفتر کی آڑ میں وہیں قائم تھا۔ میں چاہتا تو میرے ایک اشارے پر سینڈو وہاں پہنچ سکتا تھا لیکن میں اس پورے معاملے کو بالکل ذاتی سطح پر نمٹانا چاہتا تھا۔ مافیا کو درمیان میں لانے سے یہ خدشہ تھا کہ کہیں میرے اور ویرا کے روابط کا راز فاش نہ ہو جائے۔

"اس موٹے پر نگاہ رکھو" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "میں ٹھیک ایک بجے لکشمی بلڈنگ کے سامنے تاج ہوٹل میں ملوں گا۔ وہیں بات کریں گے۔"

"موہن داس ولد کرم چند کو گھیرنے کے لئے لکشمی بلڈنگ کے سامنے ملنے کا خیال بہت اچھا ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم مقررہ وقت پر تاج ہوٹل میں نہیں پہنچ سکو گے۔"

"فکر نہ کرو۔ میں وقت کی پابندی کا خیال رکھوں گا" میں نے کہا۔

"تم مجبور ہو جاؤ گے۔ یہاں پارکنگ کا بہت برا حال ہے۔"

مجھے ایک بار پھر اس کی محنت کی داد دینا پڑی۔ حالانکہ پارکنگ اس کا نہیں بلکہ میرا مسئلہ تھا۔ پھر بھی اس نے اس پہلو پر نگاہ رکھی تھی۔ دن کے اوقات میں اس علاقے میں گاڑی کھڑی کرنے کے لئے جگہ تلاش کرنے کا مسئلہ روز بہ روز واقعی سنگین صورت اختیار کرتا جا رہا تھا جس کے سامنے حکام بے بس نظر آتے تھے۔

"پھر یوں کرو کہ تم باہر فٹ پاتھ پر ہی رہنا" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد سوچتے ہوئے کہا "میں تمہیں اپنے ساتھ کار میں لے لوں گا۔ تمہاری کار اس وقت کہاں ہے؟"

"اس کی فکر نہ کرو۔ اپنی کار میں نے کھارادر کے رہائشی علاقے میں پارک کی ہوئی ہے۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر میں واپسی پر اپنی گاڑی لے لوں گا۔ لیکن تم نے موٹے کے لئے کیا سوچا ہے؟"

"اب سوچوں گا اور ملا[illegible] اس بارے میں بات ہوگی۔" میں نے کہا۔

اس نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا اور میں ریسیور کریڈل پر رکھ کر کچن میں گھس گیا۔

بھاپ اڑاتی ہوئی تازہ کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے، میرا ذہن موہن داس میں الجھا رہا۔ ویسے تو وہ ایک معزز اور کاروباری آدمی تھا۔ سلطان شاہ کی فراہم کی ہوئی تفصیلات کے مطابق وہ لڑائی جھگڑے سے دور بھاگنے والا ایک ڈرپوک آدمی تھا لیکن خرابی یہ تھی کہ وہ جس دھرتی کا باسی تھا اس [illegible] صدق دل سے وفادار نہیں تھا۔

گردھاری لال نے اپنی ناگہانی موت سے قبل مجھے بتایا تھا کہ ملا سرکار کو موہن داس ہی نے اس سے متعارف کرایا تھا اور وہ تینوں ہی بدقسمتی سے پاکستان میں رہ کر اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھا کرتے تھے۔

یہ ضروری نہیں تھا کہ پاکستان میں رہنے والے سارے ہندو پاکستان کے مخالف رہے ہوں۔ میں خود ایسے بہت سے ہندوؤں کے ناموں سے واقف تھا جو پاکستان کے اہم مرکزی اور صوبائی محکموں میں کلیدی عہدوں پر سرفراز تھے اور شاید دل و جان سے پاکستان کے وفادار بھی تھے لیکن میں پاکستان کے خلاف اس کے توسیع پسند پڑوسی کی سازش پر کام کر رہا تھا۔ میرا ہدف بلیک کیٹ ٹی یا ملا سرکار تھا جو دراصل ایک جنونی ہندو تھا اس لئے اس مردود کے حوالے سے اس کے سچے ہمدردوں کے جو نام میرے سامنے آ رہے تھے وہ سب ہی ہندوؤں اور ایسے ہندوؤں کے تھے جو پاکستان کے ذرا بھی مخلص نہیں تھے وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ اس ٹولے میں کسی وطن دوست کی توقع اسی طرح عبث تھی جیسے شیطان کے چیلوں میں کسی زاہد کی موجودگی کی امید۔

فرق صرف یہ تھا کہ ملا سرکار دل و جان سے پاکستان کی سلامتی کے خلاف کام کر رہا تھا اور گردھاری لال اور موہن داس جیسے ہندو بنیے مال و دولت سے اس کی مدد کر رہے تھے ان میں سے کوئی بھی کسی رعایت کا مستحق نہیں تھا لیکن میرا اپنا خیال تھا کہ اگر موہن داس آسانی کے ساتھ زبان کھولنے آمادہ ہو جاتا تو میں اسے زبان بند رکھنے کی ہدایت کے ساتھ اس کے حال پر چھوڑ دیتا۔ عین ممکن تھا کہ اپنی جان کے خوف سے وہ آئندہ کے لئے ملا سرکار کی حمایت سے تائب ہو جاتا۔

میں نے لباس تبدیل کر کے جلد ہی فلیٹ چھوڑ دیا تاکہ موہن داس کے دکان سے اٹھنے سے پہلے ایک بار اس دکان اور علاقے کا جائزہ لے کر اپنی راہ عمل کا تعین کر سکوں۔

میں ایک بجنے سے کافی پہلے ڈینسو ہال کے علاقے سے گزرا تو میرا خیال تھا کہ مجھے سلطان شاہ کا انتظار کرنا ہوگا لیکن مقررہ مقام پر وہ مجھے دور ہی سے نظر آ گیا۔

اس نے بھی میری کار پہچان لی تھی اس لئے میرے پہنچنے سے پہلے فٹ پاتھ سے نیچے اتر آیا۔ [illegible] وں ہی میں نے کار روکی وہ بائیں طرف کا اگلا دروازہ کھول کر میرے برابر میں سوار ہو

"آڑھتیوں کے علاقے میں ٹرکوں اور باربرداری دوسری سواریوں کا بہت زیادہ ہجوم ہے" سلطان شاہ نے داہنی طرف مڑنے پر آمادہ پا کر کہا "تم پیدل چل کر ہی اس د[illegible] تک پہنچ سکو گے۔"

ایک جگہ میں نے کار سڑک کے کنارے روک دی اور سلطان شاہ سے کہا "تم ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے رہو تاکہ لفٹو سے کار نہ اٹھالی جائے۔ میں اس کا جائزہ لے کر واپس آتا ہوں۔"

وہ خاصی بڑی دکان تھی۔ اس پر لگے ہوئے بڑے سے بورڈ کے نیچے جلی حروف میں پروپرائٹر موہن داس ولد کرم چند لکھا ہوا تھا۔ دکان کے باہر خالی اور مال سے لدے ہوئے ٹرک کھڑے ہوئے تھے۔ دکان کے اندر کئی افراد موجود تھے۔ کچھ چل پھر رہے تھے، کچھ کرسیوں پر براجمان تھے لیکن ان سب میں نمایاں موٹی سی توند والا ایک پستہ قامت اور کوتاہ گردن شخص تھا جو بڑے آسودہ انداز میں بڑے سے تخت پر جمی ہوئی گدی پر بیٹھا ہوا تھا۔

وہاں موجود سب ہی لوگ صورتوں اور اپنے اطوار سے سیدھے سادے نظر آرہے تھے۔ اس وقت مجھ پر نہ جانے کیا اضطراری کیفیت طاری ہوئی کہ میں رکے بغیر سیڑھیاں چڑھ کر دکان میں جاگھسا۔

موٹا شخص اس وقت اپنے سامنے بیٹھے ہوئے بیوپاریوں سے پیاز کے کسی سودے کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ اس نے اپنی تیوری میں خفیف سے بل ڈال کر ناگواری سے میری طرف دیکھا اور میں نے اسی لمحے دور ہی سے ہاتھ جوڑ کر اسے ہندوانی انداز میں پرنام کیا۔

مسلمانوں کے ملک اور شہر میں ایک اجنبی کا یہ انداز موٹے کے لئے چونکا دینے والا ثابت ہوا لیکن اس نے منہ سے کچھ کہنے کے بجائے اپنی ننھی سی بل دار گردن کو خفیف سی جنبش دینے پر اکتفا کیا۔

میں آگے بڑھ کر خاموشی کے ساتھ ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ موٹے کے سامنے بیٹھے ہوئے بیوپاری میری مداخلت کی وجہ سے خاموش ہو کر مجھے گھورنے لگے۔ موٹا بھی میری طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے میری موجودگی اس کی طبعِ نازک پر گراں گزر رہی ہو۔

"کیا بات ہے؟ کون ہو تم؟" آخر کار اس نے بھاری بلغمی آواز میں مجھ سے سوال کیا۔

"میں ستمش پال ہوں مہاراج!" میں نے اپنے ذہن میں سب سے پہلے آنے والا نام دہراتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "چند روز ہوئے دلی سے یہاں آیا ہوں۔ تم اپنی بات کرلو، میں اتنی دیر انتظار کرلوں گا۔"

دلی کے ذکر پر موہن داس کے چہرے پر ہلکا سا رنگ آکر گزر گیا۔ اور وہ پھر اپنے سامنے والوں سے مخاطب ہو گیا "میاں جی! میں ایک پیسہ بھی کم نہ کرتا لیکن یہ میرا مہمان آگیا ہے۔ نہ میرے پچاس نہ تمہارے چالیس۔ بس اب اڑتالیس پیسے پر بات ختم کرو۔ مجھے بھی کھانا کھانے جانا ہے۔"

"اڑتالیس سے تو بہتر ہے کہ تم اپنے پچاس پیسے ہی رکھو لیکن کاروبار میں اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی" ایک منحنی سے آدمی نے اپنے منہ میں پان کا گولا ایک داڑھ سے دوسری طرف گھماتے ہوئے کہا۔

میرا خیال تھا کہ اس آڑھت پر کروڑوں کا لین دین ہوتا ہوگا۔ صرف وہ جگہ ہی لاکھوں کی ملکیت تھی۔ اس لئے ان کے درمیان پانچ دس پیسوں پر ہونے والی حجت سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا لیکن میں خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔

ان میں تکرار جاری رہی، میں نے محسوس کرلیا تھا کہ موہن داس میرے بارے میں تجسس میں مبتلا ہوگیا تھا اور اس بحث کو جلد از جلد ختم کرنا چاہ رہا تھا مگر اس کے ساتھ ایک پیسہ بھی چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا۔

وہ لوگ روپوں کی کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ سارا مسئلہ پیسوں پر اٹکا ہوا تھا۔ ان کے چند منٹ کے مکالموں کو سن کر مجھے معلوم ہوا کہ داموں میں ان پیسوں سے پہلے دو روپے بھی موجود تھے اور وہ سودا اتنا بڑا تھا کہ نرخ میں ایک پیسے کی کمی بیشی سے پورے بارہ ہزار کا فرق پڑ رہا تھا۔

پاکستان میں کرنسی کا اعشاری نظام رائج ہونے کے بعد پیسے سے چھوٹا کوئی سکہ باقی نہیں رہا تھا لیکن ان اسامیوں کے لئے پیسہ بہت بڑی رقم تھی اس لئے انہوں نے اس کے بھی ٹکڑے کئے ہوئے تھے اور آخر کار ان کا سودا پونے اڑتالیس پیسوں پر ختم ہوگیا۔ پان چبانے والے نے اپنی میلی قمیص کا دامن اٹھا کر نیچے پہنی ہوئی بنیان کی جیب سے ایک ہزار روپے والے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور موہن داس کی گود میں پھینک دی۔

"مال کل سے بھجوانا شروع کردو" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

ان کے درمیان چند رسمی باتیں ہوئیں اور پھر وہ ٹولی وہاں سے روانہ ہوگئی۔

موہن داس نے ان کے جاتے ہی وہ گڈی گنے بغیر آہنی تجوری میں ڈال لی۔

میں نے دیکھا کہ موہن داس کو اپنی اندرونی جیب سے ایک لاکھ روپے دینے والا بظاہر بہت مفلوک الحال نظر آرہا تھا۔ اس کا رنگین لباس خاصا میلا تھا جس پر جابجا پیک کی چھوٹی اور بڑی چھینٹیں پڑی ہوئی تھیں۔ اپنے مدقوق چہرے کے ساتھ اگر وہ کسی مصروف فٹ پاتھ پر کچھ سوچنے کے لئے بھی رک جاتا تو بہتیرے خدا ترس لوگ اس پر رحم کھا کر اس کی جیبوں میں صدقے اور خیرات کی رقوم ڈالتے چلے جاتے۔

ایسے لوگوں کی دنیا بھی بڑی عجیب ہوتی ہے۔ وہ زندگی بھر لاکھوں کماتے ہیں اور ہر لمحے اپنی کمائی بڑھانے اور اسے جوڑنے کے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں۔ خود سسک سسک کر زندگی گزارتے ہیں۔ انہیں پیسے سے اتنی محبت ہوتی ہے

کہ اپنی کمائی اپنی ذات پر خرچ کرتے ہوئے بھی ان کا دل دکھتا ہے لیکن یہ اپنے تمام تر ذہنی، جسمانی اور روحانی امراض کے باوجود لمبی عمریں پاتے ہیں۔ ناگ بن کر اپنی تجوریوں پر بیٹھے رہتے ہیں جیسے انہیں عمر بھر اپنی مایا ہی کو سینا ہے اور پھر ایک دن وہ اچانک مر جاتے ہیں۔ زندگی بھر انہیں یہ یاد نہیں آتا کہ ایک روز انہیں سب کچھ اسی دنیا میں چھوڑ کر خالی ہاتھ دوسرے جہاں میں چلے جانا ہے۔

"ہاں جی! اب تم کہو کیسے آئے ہو؟" موہن داس کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

میں نے سنبھل کر اس کی طرف دیکھا اور رازدارانہ لہجے میں سوال کیا "اجازت ہو تو قریب آجاؤں؟"

"تم شودر تو نہیں ہو؟" اس نے اشتباہ آمیز نظروں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں مہاراج!" میں نے پُروثوق لہجے میں کہا "پکا برہمن ہوں برہمن!"

"خوب! تو پھر ادھر آجاؤ" اس نے تخت پر اپنے قریب ہاتھ مار کر دعوت دی۔

میں سعادت مندانہ انداز میں اس کے قریب جا بیٹھا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا "معاملہ اچانک ہی بہت گمبھیر ہو گیا ہے تمہیں تھوڑی دیر کے لئے میرے ساتھ چلنا ہوگا۔"

سلطان شاہ کا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔ وہ میرے لب و لہجے سے ہی گھبرا گیا اور اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ وہ بولا تو اس کی آواز میری آواز سے بھی زیادہ دھیمی تھی۔

"کیا ہو گیا؟ کہاں چلنا ہوگا؟ مجھ سے کھل کر بات کرو۔ میں دل کا مریض ہوں۔"

"گھبراؤ نہیں" میں نے جلدی سے اسے تسلی دی۔ "معاملہ کچھ ایسا خراب بھی نہیں ہوا ہے۔ تمہاری آنکھوں سے خوف جھلک رہا ہے۔ تمہارے آدمیوں کو ہماری باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"لعنت بھیجو ان مرداروں پر" وہ دانت پر دانت جما کر کراہا "میرے پیٹ میں ہول اٹھ رہے ہیں۔ جلدی بتاؤ کہ تم کیا خبر لائے ہو؟ دلی سے کس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے؟"

"دلی سے ہزاروں دیش سیوک 'یاتری' بن کر پاکستان میں داخل ہو چکے ہیں۔ سمندر میں ہمارے جہازوں نے کراچی کے گرد گھیرا ڈال لیا ہے۔ ان کی توپوں کے گولے اس وقت بھی شہر پار کر سکتے ہیں" میں نے اپنے لہجے کو اور دھیما کر کے اسے اس قدر سنسنی میں مبتلا کر دیا کہ اس کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح تیزی سے پھولنے اور پچکنے لگا۔

"سینا سرحد پر تیار ہے لیکن یہاں گردھاری لال کا [illegible] گیا ہے۔ اس کی وجہ سے سارا معاملہ چوپٹ ہوتا نظر آرہا ہے۔ ملا سرکار کو اس وقت تم جیسے سیانوں کے مشورے کی ضرورت ہے۔"

"اس کا نام مت لو" وہ میرا ہاتھ دباتا ہوا گھگھیایا "میں کسی وقت اس سے مل لوں گا۔"

"لیکن اس نے تمہیں ابھی بلایا ہے۔ تم یہاں برادری کے سرپنچ ہو۔ وہ تمہاری رائے کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ تم سے مشورے کے بعد ہی وہ اپنے اوپر والوں سے بات کرے گا۔"

"اس وقت تو میری گاڑی بھی بچوں کو اسکول سے لینے گئی ہوئی ہے۔"

اس کا لہجہ مایوسانہ تھا لیکن میرے لئے وہ بہت بڑی خوشخبری تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اضطرار کی حالت میں کی ہوئی میری پیش قدمی ستاروں کی کسی موافقانہ چال کا نتیجہ تھی جب ہی میرا شکار خود بخود میرے بچھائے ہوئے جال میں پھنس کر لحظہ بہ لحظہ بے بس ہوا جا رہا تھا۔

میری زبان سے گردھاری لال اور ملا سرکار کے نام سن لینے کے بعد اسے وہم تک نہیں ہو سکا تھا کہ میں اس کا کوئی دشمن تھا۔ اس کی دانست میں ایسی اندر کی باتیں تو گھر کا کوئی بھیدی ہی جان سکتا تھا۔

"تم فکر نہ کرو مہاراج!" میں نے اسے دلاسا دیا "میرے ساتھ چلو۔ ملاقات کے بعد میں خود ہی تمہیں یہاں چھوڑ دوں گا۔ دیش اور دھرم کے معاملوں میں دیر سویر کو بھگوان کبھی معاف نہیں کرتا۔"

اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنی گدی سے اٹھنے کی کوشش کی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے اس شانے پر زمین نے اپنا محور منتقل کرنا شروع کر دیا ہو۔ اس سے پیشتر میری قوت برداشت جواب دے جاتی، اس کا پہاڑ جیسا بوجھ میرے شانے سے اس کے اپنے قدموں پر منتقل ہو گیا۔

"کہاں چلے بابو؟" اسے اٹھتا دیکھ کر دکان کے کسی حصے سے کسی نے سوال کیا۔

"پھر وہی بابو" وہ سر جھٹک کر غصے سے بڑبڑایا "حرامی لاکھ بار سمجھایا ہے کہ میں اس کی ماں کا خصم نہیں ہوں پھر بابو بابو کی رٹ لگائے چلا جاتا ہے" پھر اونچی آواز میں بولا "آتا ہوں۔ ذرا ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔ آج کا سودا ہو ہے کوئی بیوپاری آئے تو کل بلالینا۔"

مختصر قامت کے ساتھ موہن داس کا بے تحاشا پھیلا ہوا وجود، تخت پر مضحکہ خیز انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اپنے مرکز ثقل سے خطرناک حد تک باہر نکلی ہو توند دو منوں وزنی بوجھ کے ساتھ وہ چلتا کیسے ہوگا لیکن جب گوشت اور چربی کا وہ بے ہنگم انبار حرکت میں آیا تو میرا یکلخت اپنے پروردگار کی کبریائی کا قائل ہو گیا جو کسی کی ٹانگوں پر اس کی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں لادتا۔

موہن داس میرے سہارے کھڑا ہوا تھا لیکن پھر خود ہی چلتا ہوا تخت سے نیچے آ گیا۔

"گاڑی کہاں ہے؟" دکان سے فٹ پاتھ پر اترتے ہوئے اس نے سوال کیا تھا۔

"قریب ہی ہے مہاراج" میں نے جلدی سے کہا پھر اس کی توجہ بانٹنے کے لئے سوال کیا "وہ کون ہے جو بلاوجہ ہی تمہیں باپو کہہ کر پکارتا ہے؟"

"میرے منیم کا لڑکا ہے۔ میرے پاس کام کرتا ہے۔ منیم کی بیوی ایسی سوکھی سڑی اور دھان پان سی ہے کہ میں اس کا پتی ہوتا تو بیاہ ہوتے ہی اس کی ہتیا کرنے کے جرم میں سولی پر لٹکا دیا گیا ہوتا۔"

میں اخلاقاً دھیمے سے ہنس دیا "باپو تو احترام کا لقب ہے مہاراج! تم اس کی ماں کے بارے میں کیوں سوچنے لگتے ہو؟"

"پھر تم کیوں مجھے باپو کے بجائے مہاراج کہہ رہے ہو۔ اتنی عمر گزر گئی لیکن میری اپنی اولاد اور اس حرامی منیم کے بچے کے علاوہ کسی نے بھی مجھے باپو کہہ کر نہیں پکارا۔"

اس بار میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ اس جیسے بے ڈول، کریہہ اور بے ہنگم شخص کو کوئی احتراماً تو کیا ضرور تاً بھی باپ بنانے پر آمادہ نہ ہوتا۔ اس کے بچوں کی سعادت مندی تھی کہ وہ اسے دیکھ کر بھی اپنی ولدیت سے منحرف نہیں ہوتے تھے اور منیم کے لڑکے نے تو خوشامد کی انتہا کی ہوئی تھی۔

شاید موہن داس کو وہ مٹاپا ورثے میں ملا تھا۔ مجھے شبہ ہونے لگا کہ اس کا باپ یعنی کرم چند اس سے زیادہ مکروہ وجود کا حامل رہا ہوگا جب ہی موہن داس نے اپنی ذہنی بغاوت کے لئے اپنے باپ کے نام کو مستقل طور پر اپنے نام کا جزو بنالیا تھا تاکہ باپ کے حوالے سے اس کی برہمی برقرار رہ سکے۔

راستے میں وہ جلد ہی ہانپنے لگا۔ اس نے مجھ سے تین بار گاڑی کے بارے میں استفسار کیا اور میں ہر بار اسے غوطہ دے گیا۔ ہمارے آس پاس سے گزرنے والے گوشت کی اس تھلتھلاتی ہوئی پہاڑی کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اور جو اس کے شناسا تھے وہ دور سے اس سے سلام دعا ضرور کر رہے تھے جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اپنی بد باطنی کے باوجود علاقے میں اس کی عزت اور ساکھ قائم تھی۔ اس کے مذہب کی وجہ سے لوگوں نے اسے نظرانداز نہیں کیا ہوا تھا۔

ہم مین روڈ سے ذرا ہی دور تھے کہ سلطان شاہ نے ہمیں دیکھ لیا۔ میں موہن داس کے ساتھ وہیں رک گیا اور ہاتھ کے اشارے سے سلطان شاہ کو گاڑی وہیں لانے کی ہدایت کی۔

سلطان شاہ گاڑی لے کر آیا تو حیرت اور بے یقینی سے اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں موہن داس کو اتنی آسانی کے ساتھ اس کی دکان سے اٹھا لاؤں گا۔ سلطان شاہ نے کسی فرماں بردار ڈرائیور کی طرح موہن داس کے لئے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور پوری احتیاط کے ساتھ اسے دروازے سے اندر گھسیٹ دیا۔ میں پیچھے بیٹھ گیا۔

"یہ... یہ تمہارا ڈرائیور شودر تو نہیں ہے؟" اندر بیٹھنے کے بعد موہن داس نے چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان مجھ سے سوال کیا۔ اس وقت تک سلطان شاہ گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر نہیں پہنچا تھا۔

"مہاراج! تم تو یہاں مُسلوں کے ساتھ رہتے ہو جو ہمارے دھرم کو ہی جھوٹا افسانہ قرار دیتے ہیں۔ پھر تم شودروں سے اتنا کیوں گھبراتے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"مُسلوں سے دور دور ہی رہتا ہوں۔ میرے جاننے والے مجھ سے ہاتھ بھی نہیں ملاتے ..."

"وہ اپنا دھرم بھرشٹ ہونے سے بچاتے ہوں گے" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"نہیں" وہ نرمی سے بولا "ان کا دھرم جیسا بھی ہو لیکن مُسلے میرا بڑا لحاظ کرتے ہیں۔ آنے جانے والوں کی چھوت چھات سے بچنے کے لئے ہی میں تخت پر بیٹھتا ہوں" سلطان شاہ نے کار آگے بڑھا دی تھی۔

"اور ان سے لین دین بھی نہیں کرتے؟" میں نے اسے مصروف رکھنے کے لئے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"وہ تو مجبوری ہے" اس نے بے چارگی سے کہا "دھن آتا ہے تو لینا ہی پڑتا ہے۔ ڈر لگتا ہے کہ جس دن آنے والے دھن کو ٹھکرایا تو لچھمی دیوی روٹھ جائے گی۔ ہم اپنے دیوی دیوتاؤں کو کیسے ناراض کرسکتے ہیں؟"

"وہ شودروں والی بات بیچ میں رہ گئی" میں نے اسے یاد دلایا۔

"یہ تو رامائن میں لکھا ہے منتش پال کہ برہمن، کھتری اور ویش پوتر آتمائیں ہوتی ہیں۔ انہوں نے بدن سے جنم لیا تھا اور شودر تو اس مٹی سے اٹھے ہیں جو دیوی دیوتا کے ملاپ کے وقت گندی ہوگئی تھی۔ مُسلوں کو تو ہم نام سے پہچان کر احتیاط کرلیتے ہیں لیکن شودروں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ یہ کمینے اب نام بھی ہم جیسے رکھنے لگے ہیں۔"

"تو پہلے کب ان کے نام ہم سے الگ ہوتے تھے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں ہوتے تھے" اس نے قدرے توقف کے بعد شکست خوردہ لہجے میں اعتراف کیا "مگر وہ خود ہی ہم سے دور، زمین پر بیٹھتے تھے۔ اب یہ ننگ پنے پر اتر آئے ہیں۔ ہماری برابری کرنے لگے ہیں۔"

اب کدھر چلنا ہے؟" سلطان شاہ نے ٹاور سے کار کو واپس چندریگر روڈ پر موڑتے ہوئے پوچھا۔

"ویرا دیوی کے گھر چلو۔ مہاراج کی وہیں خاطر کریں گے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

موہن داس بھونڈے انداز میں ہنس پڑا "ہم تو یہاں مر مر کر جی رہے ہیں۔ ایسے میں خاطر مدارات میں بھی لطف نہیں آتا۔ تہوار تو ہم اس دن منائیں گے جب یہاں کے گلی کوچوں میں بھی بندے ماترم گونجے گا اور ترنگا سب سے اوپر لہرائے گا.... یہ بتاؤ کہ جب ہم سمندر میں گھیرا ڈال چکے ہیں 'سینا تیار ہے اور دیش سیوک یہاں آن گھسے ہیں تو اب نقارہ بجنے میں کیا دیر ہے؟ میں تو جس دن ملا سرکار سے ملا تھا' میں نے اسی دن اپنی بلڈنگ کی چھت پر نکلے ہوئے گٹر کے پائپ میں ڈوری سمیت اونچا سا بانس پھنسوا دیا تھا۔ ترنگا باندھ کر بس ڈوری کو کھینچنا ہو گا اور میری بلڈنگ پر بھارت ماتا کا ترنگا جھنڈا جوبن دکھانے لگے گا۔"

"تم نے ذرا عجلت سے کام لیا مہاراج!" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا" ہمارے دھرم میں شگون اور بدشگونی کا بڑا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔ تم کو ترنگا لگانے کے لئے گٹر کا پائپ ہی ملا تھا؟"

"بس جلدی میں میرے لڑکے کو وہی سب سے اونچی جگہ نظر آ رہی تھی۔ لوہے کے کھلے پائپ میں بانس پھنسانا بھی آسان تھا ویسے تم صحیح کہہ رہے ہو۔ ہمارا جھنڈا گٹر لائن پر نہیں لہرانا چاہئے۔ آج گھر جا کر میں اس کے لئے کوئی اور صاف ستھری جگہ دیکھوں گا۔ آج کل کے بالک تو ان باریکیوں کو سمجھتے ہی نہیں ہیں اور پھر اپنے ساتھ اپنے بڑوں کی عقل بھی چوپٹ کر دیتے ہیں۔ مجھے بھی آج تک خیال نہیں آیا کہ بانس غلط جگہ پر لگا ہوا ہے۔"

سلطان شاہ پشتو میں کچھ غرایا۔ وہ الفاظ میرے لئے ناقابلِ فہم تھے۔ لیکن میں سمجھ گیا کہ وہ موہن داس کے معصومانہ اعترافات پر غصے میں پھنک رہا تھا۔ اسے موٹے کے اغوا کے پس منظر کا علم نہیں تھا اس لئے اس کی برہمی بجا تھی لیکن میں اس معزز سرپنچ کو کرید کرید کر اس کے خلاف اپنی فردِ جرم مرتب کر رہا تھا۔

پہلے میرا خیال تھا کہ باز پرس کے بعد ہم اس شریف آدمی کو رہا کر دیں گے لیکن اس سے باتیں کرتے ہوئے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہیں رہنے اور یہیں کا کھانے کمانے کے باوجود اس کی رگ رگ میں پاکستان کے خلاف زہر بھرا ہوا تھا۔ اس کے نادر خیالات سے آگاہی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ میری رائے تیزی کے ساتھ بدل رہی تھی اور میں زہر کی اس پوٹ پر نشتر زنی کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور ہو گیا تھا جو اپنا زہر دوسروں تک پھیلا سکتی تھی۔

"تمہاری ماں زندہ ہے مہاراج؟" اچانک سلطان شاہ براہ راست اس سے مخاطب ہو گیا۔ اس کے لہجے میں چھپی ہوئی غضب آلود تلخی سے میں بھی گھبرا گیا کہ کہیں وہ کھیل نہ بگاڑ دے۔

موہن داس اس وقت اپنے سنہرے سپنوں میں ڈوبا ہوا تھا اس لئے سلطان شاہ کے لہجے کی تلخی پر دھیان دیئے بغیر اپنی رو میں لہک کر بولا "وہ بے چاری تو بھارت کی تقسیم کا داغ اپنے دل پر لئے برسوں پہلے سرگباش ہو گئی۔ بڑا صدمہ تھا اس بیچاری کو بٹوارے کا.... ہائے! وہ کیوں یاد آ گئی تم کو؟"

"بس ایسے ہی" سلطان شاہ نے کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا" وہ زندہ ہوتی تو میں تمہیں بتاتا کہ ترنگے جھنڈے کے لئے بانس کہاں گاڑنا سب سے بہتر اور مناسب رہتا۔"

"میں سمجھا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" موہن داس کی تحیر زدہ آواز ابھری۔

وہ کچھ نہیں سمجھا تھا لیکن میں سب کچھ سمجھ چکا تھا اس لئے جلدی سے بولا "یہ ٹھیک کہہ رہا ہے مہاراج! گھر میں کوئی بڑا بوڑھا موجود ہو تو وہ بچوں کو بھی دھرم کے بارے میں سکھاتا رہتا ہے۔ تمہاری ماتا زندہ ہوتی تو تمہارا لڑکا کبھی گٹر کے پائپ میں بانس لگانے کی بدشگونی نہ کرتا۔ بڑوں کے ہونے یا نہ ہونے سے یہی تو فرق پڑتا ہے۔"

"لیکن وہ زندہ ہوتی تو تمہارا ڈرائیور کیا بتاتا؟ یہ تو ماں کی نہیں' اپنی بات کر رہا تھا۔"

"ایک ہی بات ہے۔ یہ تمہیں مشورہ دیتا کہ جا کر اپنی ماں کی رائے لو جہاں وہ کہے وہیں بانس گاڑ دو۔ ہو سکتا ہے کہ بانس کی جڑ میں ناریل بھی تڑوانے کا مشورہ دیتی۔"

"یہ تو تم واقعی ٹھیک کہہ رہے ہو" اپنی مری ہوئی ماں کا ذکر آنے پر موٹا اداس ہو گیا۔

غنیمت یہ ہوا کہ سلطان شاہ نے زبان کھولتے ہی موقع کی نزاکت بھانپ لی اور دوبارہ کچھ نہ بولا اس لئے مجھے بات سنبھالنے کا موقع مل گیا ورنہ شاید اسی وقت کھیل خراب ہو جاتا۔

"تم ملا سرکار کے گاؤں تو گئے ہو گے؟" چند لمحوں کے سکوت کے بعد میں نے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

"کبھی نہیں" اس نے سختی کے ساتھ انکار کر دیا "میں اس کی مدد کرتا ہوں۔ میری دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔ پر یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ بڑا بھیانک کھیل کھیل رہا ہے۔ کسی کو بھنک مل جائے تو وہ یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جا سکے گا۔ اس لئے میں نے کبھی اس سے میل جول بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ خود آتا ہے تو میں مل لیتا ہوں۔"

"مجھے بڑا شوق ہے دیہاتی زندگی کو قریب سے دیکھنے کا یہاں سے کتنی دیر کا سفر ہو گا اس کے گاؤں تک؟" میں نے سرسری لہجہ برقرار رکھتے ہوئے نئے زاویئے سے حملہ کیا۔

"میرا اندازہ ہی کہ کوٹ مندو پہنچنے میں دس بارہ گھنٹے ضرور لگیں گے" اس نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ اس اچانک انکشاف پر خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

وہ راز جسے معلوم کرنے کے لئے ہم نے نہ جانے کتنے

بیلے تھے' موہن داس نے نہایت آسانی کے ساتھ اگل دیا تھا۔
کوٹ مندو میرے لئے ایک نامانوس نام تھا لیکن پاکستان میں پھیلے ہوئے ہزاروں دیہات ایسے تھے جن کے نام لاکھوں شہریوں کو معلوم نہیں تھے مگر مجھے قوی امید تھی کہ میں ملّا سرکار کے اس گاؤں کے بارے میں جلد ہی معلومات اکٹھا کر سکتا تھا۔

وہاں تک موہن داس سے ساری گفتگو نپے تلے انداز میں چلی تھی تاکہ وہ کہیں بھڑک نہ جائے۔ اس کی آرزوئیں بے نقاب ہو چکی تھیں اور کوٹ مندو کا نام سامنے آ گیا تھا اس لئے موہن داس کی افادیت ختم ہو چکی تھی۔ پھر بھی میں نے سفر کو پرسکون رکھنے کے لئے اس کے ساتھ ہلکی پھلکی گفتگو جاری رکھی۔ اس دوران میں سلطان شاہ وقفے وقفے سے پشتو میں بڑبڑاتا رہا۔ صرف دو مرتبہ ایسا ہوا کہ اس کی دی ہوئی غلیظ گالیاں میری سمجھ میں آ سکیں ورنہ ہر بار وہ نامانوس الفاظ بولتا رہا۔

"یہ بار بار کیا بڑبڑانے لگتا ہے؟" آخر کار موہن داس سے نہ رہا گیا اور وہ سوال کر ہی بیٹھا۔

"یہ تمہاری ماں کے لئے اشلوکوں کا پشتو ترجمہ پڑھ رہا ہے۔" میں نے خلوص سے کہا۔

"کیا رامائن کا پشتو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

اس بارے میں میری معلومات صفر سے بھی کم تھیں اس لئے میں نے گول مول سے جواب پر ہی اکتفا کیا "پوری نہ سہی' اس کے کچھ حصوں کا ضرور ترجمہ ہوا ہو گا ورنہ یہ خود تو اتنا عالم فاضل نہیں ہے۔"

"اس کے بجائے تم ہی بول رہے ہو۔ یہ خود کیوں نہیں بتاتا؟"

"شاید تم بھول رہے ہو کہ اشلوک پڑھتے ہوئے کوئی اور بات نہیں کی جاتی۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری ماں کے ساتھ ساتھ تمہارے باپ کے لئے بھی کچھ پڑھ رہا ہو جو کسی وجہ سے نرگ میں تڑپتے اور کلپتے رہتے ہیں۔ انہیں ایسے اشلوکوں سے بہت شانتی ملتی ہے۔"

سفر جاری رہا۔ سکوت وقفے وقفے سے ٹوٹتا رہا لیکن سلطان شاہ مسلسل خاموش ہی رہا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اشلوکوں کے پشتو ترجمے کو داؤ پر لگا دینے کے بعد میرے ترکش میں اس کے دفاع کے لئے کوئی تیر باقی نہیں رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ ویرا ہدایت کے مطابق اس وقت تک جہانگیر کے گھر سے اپنے گھر پہنچ چکی ہو گی۔ اس کے گھر کے بند آہنی پھاٹک پر گھنٹی کے جواب میں انٹر کام پر ابھرنے والی اس کی آواز نے میرے خیال کی تائید کر دی۔

میری آمد اس کے لئے اس قدر غیر متوقع تھی کہ اس نے حیرت کے ساتھ انٹر کام پر ہی مجھ سے ایک دو سوالات کر ڈالے اور پھر ہم لوگ کار سمیت اس کے پورچ میں داخل ہو گئے۔

الیکٹرونک لاک سے لیس پھاٹک کو بند کر کے میں برآمدے کی طرف بڑھا تو سلطان شاہ بے پروائی کے ساتھ دور کھڑا ہوا موہن داس کی کار سے برآمد ہونے کی مضحکہ خیز کوششوں کا زہریلے انداز میں جائزہ لے رہا تھا اور ویرا بھی برآمدے میں کھڑی نہایت حیرت کے ساتھ گوشت کے اس پہاڑ کو گھورے جا رہی تھی۔

"یہ کون ہے؟ اسے کہاں سے اٹھا لائے؟" ویرا نے متحیر انداز میں مجھ سے انگریزی میں سوال کیا موہن داس کے حلیے اور وضع قطع سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ انگریزی سے نابلد رہا ہو گا اور خود میرا بھی یہی خیال تھا۔

"مادام! کسی کا ایسے مذاق اڑانا اچھا نہیں ہوتا" موہن داس نے کار کے حقیر سے دروازے سے اپنے عظیم الشان جثے کو گزارنے کی کوششیں ترک کرتے ہوئے انگریزی میں ہی مداخلت کر کے مجھے اور ویرا کو حیران کر دیا "یہ تن و توش میں نے اپنی محنت سے نہیں بڑھایا ہے۔ تمہیں مجھ سے ہمدردی ہونا چاہئے۔"

"مجھے افسوس ہے مسٹر...." ویرا اضطراری طور پر برآمدے سے اتر کر اس کی سمت کے کھلے ہوئے دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ اس کے الفاظ سے ندامت ظاہر ہو رہی تھی لیکن اس کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر چڑھی ہوئی تھیں۔

ویرا مسٹر پر آکر جوں ہی رکی' موہن داس فوراً بول پڑا۔ "میں مسٹر موہن داس ولد مسٹر کرم چند ہوں۔ ذرا ہاتھ بڑھا کر مجھے سہارا دو تاکہ میں اس حقیر جاپانی کار سے باہر آ سکوں۔"

ویرا نے بے تکلفی کے ساتھ اس کا باہر پھیلا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ موہن داس کی انگریزی سے واقفیت کے اظہار پر وہ ندامت سے پانی پانی ہوئی جا رہی تھی۔ اس نے موہن داس کو مدد دیتے ہوئے کہا "معاف کرنا' میرا مقصد تمہارا مضحکہ اڑانا یا تمہاری دل آزاری کرنا نہیں تھا۔ میری اس سے ایسی ہی بے تکلفی ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ میرے پاس اکیلا ہی آیا ہو گا۔"

"کوئی بات نہیں مادام!" اس نے فراخ دلی کے ساتھ کہا۔ "تم میں کم از کم اتنا اخلاق تو ہے کہ معذرت کرنے کے ساتھ ہی میری مدد بھی کر رہی ہو۔ اس کا ڈرائیور تو بہت بدتمیز ہے۔ دیکھو سور کی طرح منہ پھلائے کس طرح سے دور کھڑا ہوا ہے حالانکہ مجھے کار میں اسی نے بٹھایا تھا اور یہ جانتا تھا کہ میں از خود باہر نہیں نکل سکوں گا۔"

اس بار موہن داس سے بھی بالکل وہی غلطی ہوئی جس کا ارتکاب ویرا کر چکی تھی۔ ویرا سے انگریزی میں مذاکرات کرتے ہوئے اس احمق نے یہ فرض کر لیا تھا کہ سلطان شاہ اس زبان سے نابلد ہو گا۔ اپنے بارے میں اس کا توہین آمیز تبصرہ سنتے ہی سلطان شاہ مشتعل ہو گیا اور اس نے بڑھ کر موہن داس کی کار سے برآمد ہوتی ہوئی پشت پر ٹھوکر رسید کر دی۔

"سالا موٹا سوّر!" سلطان شاہ غصے میں بنکارا تھا" ہر ایک کو اپنی ہی نسل کا جانور سمجھتا ہے۔"

"ارے باپ رے!" پتا نہیں موہن داس لات پڑنے پر اچھلا تھا یا سلطان شاہ کے اشتعال نے اسے بوکھلا دیا تھا" یہاں تو ایک سرے سے سب ہی انگریز معلوم ہوتے ہیں۔"

پہلے سلطان شاہ اردو میں غرایا تھا پھر موہن داس نے اردو ہی میں اپنے اضطراری ردعمل کا اظہار کیا اور آخر ویرا بھی اردو پر آگئی "یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ آخر تم کیوں نہیں بتاتے کہ تم لوگوں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟"

جھلاہٹ کے عالم میں وہ براہ راست مجھ سے مخاطب ہوئی تھی۔

"اوہ! اب مادام بھی اردو بول رہی ہے" موہن داس دردناک آواز میں کراہا تھا" پتا نہیں میں سالا یہاں آتے ہی کیوں گھن چکر بن گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ لات کھانا بھی اپنے مقدر میں تھا" اس وقت تک وہ پوری طرح کار سے باہر آچکا تھا اور وہ جگہ سہلا رہا تھا جہاں سلطان شاہ کی لات پڑی تھی۔ اس کے جسم پر جلد اور گوشت کے درمیان چربی کی اتنی موٹی تہ حائل تھی کہ میرا خیال تھا اسے لات پڑنے سے بالکل ضرب نہیں آئی تھی۔ بس لات پڑنے کے احساس نے اسے نادم کیا ہوا تھا۔

"موہن داس ہمارا اپنا آدمی ہے اور ملا سرکار سے ملنے یہاں آیا ہے" میں نے ویرا کو آنکھ مار کر کہا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے مجھ سے بلیک کیٹ ٹی اور ملا سرکار کے بارے میں گفتگو کر چکی تھی۔ اس لئے فوراً ہی بات سمجھ گئی۔

"تو ہم باہر کیوں کھڑے ہوئے ہیں؟ اندر چلو نا!" ویرا نے مہمان داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

ہم تینوں برآمدے کی طرف چل دیئے۔ سلطان شاہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

"کیا وہ باہر ہی کھڑا رہے گا؟" برآمدے میں پہنچ کر ویرا نے دھیمی آواز میں سوال کیا۔

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ وہ آج کل بپھرا ہوا ہے۔"

"میں مانتا ہوں کہ میری غلطی تھی" موہن داس نے دھیمے لہجے میں اپنی بات چھیڑ دی" مجھے اس کو سوّر نہیں کہنا تھا لیکن میں نے کہہ بھی دیا تھا تو اسے لات نہیں مارنی چاہئے تھی۔ میرا کوئی نوکر میرے مہمان کے ساتھ ایسی حرکت کرتا تو میں اس کی چمڑی گرا دیتا لیکن تم نے اسے بہت سر چڑھایا ہوا ہے۔ یہ سب زمانے کا قصور ہے۔ بٹوارے سے پہلے ہم شودروں کے ایک سے ایک کڑیل جوان کو جوتے مارا کرتے تھے اور وہ رو رو کر گھگیاتا ہوا پٹتا رہتا تھا۔ اس کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ ہمارے ہاتھ سے جوتی بھی چھین سکے۔ یہ نیچ لوگ اپنی اوقات اچھی طرح پہچانتے تھے لیکن اب تو بس کلجگ آن لگا ہے۔ اب بھارت کے شہروں میں بھی اونچی ذات والا کوئی ہندو کسی شودر کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ لے تو شودر اس کو گریبان سے پکڑ لیتا۔"

"اب ذات پات کا زمانہ نہیں رہا مہاراج!" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا" عزت اور آبرو کے ساتھ جو دن گزر جائے اسے غنیمت جاننا چاہئے ورنہ لوگ گریبان کے بجائے گلا بھی پکڑ سکتے ہیں۔"

"یہ سارا انیائے جمہوریت کا لایا ہوا ہے" وہ ویرا کے ڈرائنگ روم کا ستائشی جائزہ لیتا ہوا بولا" لاکھوں کی بھیڑ میں ذات پات اور دھرم کا خیال رکھے بغیر لوگ کندھے سے کندھا ملا کر نیتاؤں کی تقریریں سنتے ہیں۔ اسمبلیوں میں چوڑے چمار اور شودر، برہمنوں کے ساتھ بیٹھتے اور بحث کرتے ہیں۔ یہ وہی زہر ہے جو ہر طرف پھیل رہا ہے۔"

"مہاراج کو اندر والی خالی خوابگاہ میں لے چلو" میں نے ویرا کو ڈرائنگ روم میں بیٹھنے پر آمادہ پا کر معنی خیز لہجے میں کہا۔ اس خوابگاہ کے عقبی دروازے پر کار لگانی آسانی تھی اور ہم مہاراج کو زیادہ دور تک ڈھونے سے بچ سکتے تھے۔

"خالی خوابگاہ میں؟" اتنی دیر میں موہن داس پہلی بار قدرے چونکا تھا" کیا سرکار مہاراج یہاں نہیں ہیں؟"

"وہ خواب گاہ ملا سرکار ہی کی ہے۔ اسے وہاں آنے کی آزادی رہتی ہے۔ ہم وہیں بیٹھ کر اس کا انتظار کریں گے۔ دارو وارو پیتے ہو تو میم صاحب کے پاس اس کا بھی بندوبست ہے۔"

وہ بے ہنگم انداز میں ہنسنے لگا" ہولی دیوالی پر ڈٹ کر پیتا ہوں۔ عام دنوں میں ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔"

اسے باتوں میں لگا کر، بہلا پھسلا کر ہم عقبی خواب گاہ میں لے گئے جہاں فرش قالین سے محروم تھا۔

اس کمرے کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مدت سے کسی کے استعمال میں نہیں رہا تھا لہٰذا موہن داس اندر قدم رکھتے ہی متوحش نظر آنے لگا۔ گردن کے بغیر شانوں پر جڑی ہوئی اس کی کھوپڑی تیزی سے اِدھر اُدھر گھومنے لگی شاید اس کے وجود میں کہیں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی

"اب آواز اونچی نہ ہونے دینا موہن داس!" میں نے سلطان شاہ سے لیا ہوا پستول نکالتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ میری زبان سے مہاراج کے بجائے پہلی بار اپنا نام سن کر وہ بری طرح بھڑکا تھا اور میری طرف پلٹنے پر جب اس کی ڈراؤنے پستول پر پڑی تو اس کی آنکھیں خوف سے ہو گئیں۔

"یہ..... یہ کیا ہو رہا ہے ستمش پال؟" وہ خوف زدہ آواز میں ہکلایا تھا۔

"تم نے پوچھا تھا نا کہ ساری تیاری مکمل ہیں تو پھر نقارے پر چوٹ پڑنے میں کیا دیر ہے؟ سمجھ لو کہ نقارہ بجنے ہی والا ہے۔ اکھنڈ بھارت اتنی آسانی سے نہیں بن سکے گا۔ اس مقصد

لئے اس کے سیوکوں کو بڑی بھینٹ دینا ہوگی۔ یہ بتاؤ کہ ملّا سرکار کے بارے میں تم اور کیا جانتے ہو؟"

"تم بالکل بدلے بدلے لگ رہے ہو ستیش پال!" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا "سچ بتاؤ کہ تم کون ہو' تمہارے ہاتھ میں پستول کیوں آگیا ہے؟ تمہاری آنکھیں کسی خونی کی آنکھیں کیوں لگ رہی ہیں؟"

اس کی دہشت میں اضافہ کرنے کی نیّت سے میں سفاکانہ انداز میں ہنسا اور بولا "یہ سب تمہارے اندر کا پاپ ہے جو تمہیں یہ تبدیلیاں دکھا رہا ہے۔ ورنہ سب کچھ وہی ہے جو چند منٹ پہلے تھا۔ یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ تھوڑی دیر بعد وہ نہ رہے جو اب نظر آرہا ہے۔ اگر تمہاری نظر وہاں تک کام کرتی ہے تو میرے سوالات کے جوابات دیتے چلے جاؤ۔"

"ملّا سرکار کے بارے میں' میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے" دہشت سے اس کا چہرہ تاریک پڑتا چلا جارہا تھا "معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے بڑی بھاری بھول ہوئی ہے۔ تم ملّا سرکار کے آدمی نہیں ہو۔"

"کیا اس کی کرنل سے ملاقات کرانے کا ارادہ ہے؟" ویرا حالات کی نہج سمجھ رہی تھی۔

"ہاں! یہ بہت ضروری ہے۔ کرنل مہیش پال سے مل کر ہی لالا کو کچھ عقل آسکے گی۔"

ویرا میرے قریب آگئی اور میں نے سرگوشیوں میں اسے بتایا کہ موہن داس نے اپنے دل کی باتیں اگل کر' کس طرح خود ہی اپنی موت کو بلایا تھا میرا خیال تھا کہ اس سے مزید کچھ معلوم نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جو کچھ وہ جانتا تھا اس میں اہم ترین بات یہ تھی کہ ملّا سرکار کا گاؤں کون سا تھا اور وہ میں اس سے اگلوا چکا تھا۔

اگر اسے زندہ رکھنا ہوتا تو اسے زندگی کے لئے ترسانا اور دہشت زدہ کرنا مناسب ہوتا تاکہ وہ دوسروں کے لئے عبرت کا ایک مثالی نمونہ بن سکے لیکن میں اسے زندگی کی رعایت دینے کے لئے آمادہ نہیں تھا۔

اکھنڈ بھارت کے لئے اس کی امنگ اور آرزوؤں سے واقف ہونے کے بعد کوئی بے غیرت پاکستانی ہی اس موذی کو زندہ چھوڑنے کا فیصلہ کر سکتا تھا۔

معصوم' سادہ اور امن پرور ظاہر رکھنے والا موہن داس اس زمین کے لئے جس کا وہ کھاتا پیتا تھا' بہت زہریلا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جن لوگوں نے برِصغیر کی تقسیم کا پورا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا لیکن پھر بھی وہ اسے تسلیم کر لینے پر آمادہ نہیں تھے۔ انہوں نے اس نظریاتی ملک کی جغرافیائی سرحدوں پر ایک کاری وار کر کے سنہرے ریشوں کے سانولے سلونے خطے میں ایک الگ دیش بنوا دیا تھا اور سمجھنے لگے تھے کہ ایسے ہی ایک آدھ وار میں وہ آخر کار اپنے من کی مُرادیں پالیں گے لیکن یہ علم نہیں تھا کہ ان کے سیاسی آقاؤں نے اپنے گھناؤنے عزائم کی تکمیل کے لئے جن مجرموں سے رشتے استوار کئے تھے' وہ ہیروئن اور ناجائز اسلحہ بیچنے والی... بے روح مشینیں نہیں تھیں بلکہ ان میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کے مسخ کرداروں کے خاکستر میں کہیں کہیں ضمیر کی کوئی چنگاری دبی رہ گئی تھی جو بھڑک اٹھنے پر' خود ان ہی کے خرمن کو خاک کر سکتی تھی۔

منوں وزنی موہن داس وزنی ہی تھا۔ مزاحمت اس کے بس کی بات نہیں تھی اس لئے میں نے آتشیں اسلحہ استعمال کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ویرا کی اس متروک خواب گاہ کا فرش بھی میری دھرتی کا ایک مقدس ٹکڑا تھا۔ اگر اسے موہن داس جیسے غلیظ اور غدار کے ناپاک لہو کے داغوں سے آلودہ ہونے سے بچایا جاسکتا تھا تو ایسا کرنا میرے فرائض میں شامل تھا۔

میں نے پستول اپنی جیب میں رکھ لیا اور موہن داس کی طرف بڑھنے لگا۔

وہ فضامیں میری طرف ہاتھ لہراتا ہوا' الٹے قدموں پیچھے سرکنے لگا۔ دہشت سے اس کی آنکھیں اس حد تک پھٹ گئی تھیں جیسے ان کے ڈھیلے کسی بھی لمحے باہر ابل پڑیں گے۔ اس کے لبوں پر کپکپاہٹ طاری تھی لیکن موت کے بھیانک تصور سے اس کی آواز بند ہو چکی تھی پھر اچانک ہی اس کے قدموں میں خواب گاہ کا فرش گیلا اور گندہ ہونے لگا۔

"ٹھہر جاؤ!" سلطان شاہ کی پرسکون اور تحکمانہ آواز نے مجھے چونکا دیا "اس حرامی نے مجھے سور کہا تھا' اب اس کا حساب میں ہی چکاؤں گا۔"

اس کے ہاتھ میں نائیلون کی ایک مضبوط ڈوری تھی جس کے ایک سرے پر وہ کھچاؤ سے تنگ ہونے والا پھندا تیار کر رہا تھا۔ اس کی آواز سن کر بھی موہن داس نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اس کی پھٹی ہوئی آنکھیں خلا میں کسی نکتے پر مرکوز تھیں اور وہ فضا میں اپنے دونوں ہاتھ یوں لہرا رہا تھا جیسے کسی نظر نہ آنے والی مُہیب بلا کو اپنے سینے پر حملہ آور ہونے سے روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کی حرکات دیکھ کر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے موت کی دہشت نے اس کی سماعت' بصارت اور گویائی کی قوتیں سلب کر لی ہوں۔ اس کے نزدیک میری اور سلطان شاہ کی کوئی شناخت باقی نہیں رہی تھی۔ وہ تو بس اپنی دیومالا کے ان ہولناک عفریتوں اور بلاؤں کی ہوسناک سسکاریاں سن رہا تھا جو نرگ کے لپکتے ہوئے شعلوں میں گرنے والے وجود کی ہڈیوں اور بوٹیوں پر ہی پلتی تھیں۔

میں رک گیا۔ سلطان شاہ پھندا تیار کر کے تیزی سے موہن داس کے عقب میں پہنچا اور اس کریہہ وجود کی پھیلائی ہوئی غلاظت سے خود کو بچاتے ہوئے' اس نے دور ہی سے وہ پھندا اس کی کھوپڑی پر اچھال دیا۔

کشادہ پھندا اس کے شانوں پر رک کر' موت کی مالا کی طرح موہن داس کے سینے پر جھول گیا۔ سلطان شاہ نے اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے ڈوری کے سرے کو تیزی او[illegible]رت

کے ساتھ کھینچا اور وہ پھندا اس کے سینے سے سرکتا ہوا، ٹھوڑی کے نیچے سے گزر کر شہ رگ کے گرد کسنے لگا۔ موہن داس کے نرخرے سے ایک ڈراؤنی آواز برآمد ہوئی پھر وہ کسی دیوہیکل سانڈ کی طرح، پُرشور آواز کے ساتھ فرش پر گر گیا۔ وہ بری طرح تڑپ رہا تھا اور سلطان شاہ نے پوری قوت سے ڈوری تانی ہوئی تھی۔

موہن داس کے آخری سانسوں پر، سلطان شاہ کو ڈوری کو تھامے رکھنا دشوار ہو گیا۔ گوشت اور ہڈیوں کے اس انبار میں پوشیدہ حیوانی قوتِ نمو، موت سے پنجہ آزمائی میں پورا زور دکھا رہی تھی اور پھر ایک جھٹکے میں ڈوری کا سرا سلطان شاہ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ تیزی کے ساتھ آگے لپکا تھا مگر میں نے سختی کے ساتھ اسے روک دیا۔

مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس وقت تک موہن داس کی پھانسی کا پھندا اس کی جلد اور چربی میں پیوست ہو کر اپنی جگہ بنا چکا تھا اس لئے پھندا ڈھیلا ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اس کے بدن کے شدید ترین جھٹکے، بجھنے والے چراغ کی لو بھڑکنے سے مشابہ تھے۔ اس کی بدروح بدن کا ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ برسوں کی آویزش کے بعد جسم و روح کا الگ الگ ہونا ذرا کم ہی آسان ہوتا ہے۔

اس کی موت کا منظر اس قدر ڈرامائی تھا کہ ہم تینوں وہیں کھڑے، اس کو دیکھتے رہے اور چند ثانیوں کے بعد موہن داس کا بدن بالکل ساکت اور بے جان ہو گیا۔

"اب اس کی گندی لاش کو ڈھونا بہت گراں گزرے گا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "جانور ہوتا تو بھنگیوں سے اٹھوا کر کہیں پھکوا دیتے۔ اسے یہیں دھو کر سکھانا ہوگا۔"

"فکر نہ کرو۔ یہ بندوبست میں اپنے ذمے لئے لیتا ہوں۔" سلطان شاہ نے کہا۔

ویرا دلچسپی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس وقت تک ان دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔

"کیا اسے کندھے پر لاد کر لے جاؤ گے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کارپوریشن والے جس لمبی قینچی سے کتے پکڑتے ہیں، اس کا بندوبست کروں گا اور اسے گردن سے گھسیٹ کر کہیں بھی لے جاؤں گا" اس نے کہا "ہم کو اس کی لاش تو ٹھکانے لگانا ہی ہوگی۔"

"اور اگر یہ لاش اسی جگہ پڑی، سڑتی رہے تو کیسا رہے گا؟" ویرا نے پوچھا۔

"بڑا نادر خیال ہے لیکن تم اس کے ساتھ گزارہ کر لو گی؟" میں نے سوال کیا۔

"ملّا سرکار کے ساتھ معاملہ اب چھیڑ چھاڑ سے بہت آگے بڑھ چکا ہے" وہ موہن داس کے مقتل سے باہر نکلتے ہوئے بولی "خونریزیوں کے معاملے میں ابھی تک ہمارا پلّا بھاری رہا ہے مگر میں کوئی بڑا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی۔ یہ مکان اس کی نظروں میں ہے۔ وہ میری لاعلمی میں اندر بھی آتا جاتا رہا ہے اس لئے میں یہ مکان چھوڑنے کا ارادہ کر چکی ہوں۔"

"سازو سامان سمیت!" میں نے سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے سوال کیا۔

وہ بولی "میں نے اسی حالت میں لیا تھا، ایسے ہی چھوڑ دوں گی۔ میرا کیا جائے گا؟"

اسی لمحے سلطان شاہ ہم دونوں سے کٹ کر کچن کی طرف ہو لیا۔ اسے جاتا دیکھ کر میں نے ہانک لگائی "کہاں بھاگ رہے ہو؟"

"گاؤں میں بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ کسی موذی کو مارنے کے بعد اچھی طرح ہاتھ دھو کر تین بار کلّی کر لینا چاہئے۔ بس کلّی کر کے ابھی آتا ہوں" اس نے مڑ کر کہا اور کچن میں غائب ہو گیا۔

"یہ بھی عجیب الخلقت آدمی ہے" ویرا سر جھٹک کر بولی۔ "خود شہروں میں رہتا ہے اور اس کی روح پہاڑوں میں ہی چکراتی رہتی ہے۔"

"اسے چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم موہن داس کی لاش سمیت مکان چھوڑو گی تو مالک مکان کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟"

"مالک مکان اپنی فیملی سمیت امریکا میں ہے" وہ مسکراتے ہوئے بولی "اس کے ایجنٹ نے بالا ہی بالا یہ مکان کسی کو کرائے پر دیا ہوا تھا اور میرے آنے سے پہلے یہاں شام جوا کھیلا جاتا تھا۔ وہ معراج دین کا آدمی تھا۔ میں نے مکان اسی سے لیا تھا۔ ایجنٹ کو چار ماہ کا پیشگی کرایہ ملا ہوا ہے اس لئے وہ ادھر کا رخ ہی نہیں کرتا۔"

"لیکن معراج دین کے آدمی کو یہ لاش ٹھکانے لگانا ہوگی پھر اس کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی۔"

"یہ اس کا مسئلہ ہے" وہ بے پروائی سے شانے اچکا کر بولی "میں کیوں اس فکر میں دبلی ہوتی پھروں؟"

"یہ تو سراسر خود غرضی ہے کہ اپنی جان بچا کر تم اپنے جاں نثار کو مشکل میں ڈال دوں۔"

"ارے بابا، ماجے کا وہ آدمی تمہاری کارروائی میں مر گیا تھا ایجنٹ کو اس کی موت کا علم نہیں ہے۔ مجھے تم ایسا خود غرضی سمجھتے ہو کہ میں اپنے کسی ہمدرد کو اندھے کنوئیں میں دھکیل دوں گی۔"

"یعنی یہ لاش ایجنٹ کے گلے پڑے گی" میں نے اس خیال سے دل ہی دل میں لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"پڑنا چاہئے کیونکہ اس نے مالک مکان سے نمک حرامی کر کے چار ماہ کے ساٹھ ہزار روپے پیدا کئے ہیں۔ لاش دیکھ کر ماجے کے آدمی کو تلاش کرے گا تب اسے تارے نظر آئیں گے۔ مجھ سے اس کا کبھی سامنا ہی نہیں ہوا۔ میں آرام سے کسی ایسی جگہ منتقل ہو جاؤں گی جدھر ملّا سرکار کا خیال ہی

جا سکے گا۔"

"یہ مناسب ہے۔ چابی چند روز بعد ہی لوٹانا تاکہ موہن داس کے قتل کا راز فی الحال دبا رہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس دوران میں ہم کوٹ مندو پہنچ کر ملا سرکار پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

"وہ کراچی میں ہے تو تم کوٹ مندو میں کیا کرو گے؟ میں تو یہ بھی سوچ رہی ہوں کہ دو ایک روز تک میرا سراغ نہ ملنے کے بعد جب وہ اپنے چور راستے سے اس گھر میں داخل ہو گا تو موہن داس کی لاش دیکھ کر اس کے فرشتے کوچ کر جائیں گے۔"

"اس نے ایک دیہاتی ملا کا روپ اختیار کیا ہوا ہے۔ وہ زیادہ لمبے عرصے تک یہاں ٹھہرا تو کوٹ مندو میں اس کی پوزیشن مشکوک ہو جائے گی۔ ویسے مجھے حیرت ہے کہ اس نے آج تم سے رابطہ نہیں کیا!"

"ابھی تو پورا دن پڑا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی فون آ ہی جائے۔ ہمیں رات نو بجے تک تو انتظار کرنا ہی ہو گا ممکن ہے کہ اسے فون کا خیال ہی نہ آئے اور وہ ٹرانسمٹر پر بات کرنا پسند کرے۔"

اسی وقت سلطان شاہ اپنی آستین سے مُنہ صاف کرتا ہوا ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

"اس سے پوچھو کہ اس قدر خطرناک صورتِ حال میں بھی یہ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہا؟" ویرا نے اس کے آتے ہی غیر متوقع طور پر وہ موضوع چھیڑ دیا جس سے میں گریز کر رہا تھا۔ میں ویرا کی طرف دیکھ کر بے بسی کے ساتھ اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

"اسے بتا دو کہ میں عورتوں کے مُنہ لگنا ہرگز پسند نہیں کرتا اس لئے یہ بھی مجھ سے الجھنے کی کوشش نہ کرے۔" سلطان شاہ نے مجھے مخاطب کر کے غصیلے لہجے میں کہا جیسے مجھ سے بھی ناراض ہو۔

"یہ تمہارا گہرا دوست ہے اس لئے میں تمہیں بتا رہی ہوں کہ اس کے دماغ میں ضرورت سے زیادہ گرمی چڑھی ہوئی ہے" ویرا مجھ سے کہہ رہی تھی "اسے مشورہ دو کہ یہ اپنی کھوپڑی ہروقت روغنِ کدو میں تر رکھا کرے اور ہر روز شام کے وقت تھوڑی سی بھنگ ملا کر ٹھنڈائی کے دو گلاس ضرور پیا کرے ورنہ یہ کسی دن اپنی گرمی سے خود ہی چٹخ جائے گا۔"

"اللہ نے چاہا تو یہ خود جگہ جگہ سے چٹخے گی" سلطان شاہ میرا شانہ جھنجھوڑ کر بھنائے ہوئے لہجے میں بولا "میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تو یہ بلاوجہ میرے پیچھے کیوں پڑی رہتی ہے!"

"اس کی بددعا سے پہلے ہی مجھ میں دراڑیں پڑ چکی ہیں۔" ویرا کا انداز بھی سلگانے والا تھا "اسے کیا معلوم کہ دراڑوں کے بغیر عورت کا وجود ہی مکمل نہیں ہوتا۔ عورت تو قدرت کی ایک نازک اور حساس مخلوق ہے کہ دوسروں کے دکھ پر بھی ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔"

"بس!" میں دونوں ہتھیلیاں اپنے کانوں پر رکھ کر زور سے بولا "اگر تم دونوں نے میری مٹی پلید کرنے کا سلسلہ ختم نہ کیا تو میں اسی وقت یہاں سے باہر چلا جاؤں گا۔ یہ کِل کِل میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔"

"یہاں سے کہاں جاؤ گے؟" ویرا مجھ پر آنکھیں نکالتے ہوئے بولی "ابھی تو تمہیں ملا سرکار کے فون کا انتظار کرنا ہے؟"

"بہتر یہ ہو گا کہ تھوڑی دیر کے لئے اپنی سہیلی کو موہن داس کی لاش کے پاس بھیج دو۔ یہ وہاں اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لے گی۔ وہ ذرا سا بھی احتجاج کئے بغیر اس کی ساری بپتا سنتا رہے گا" سلطان شاہ نے مجھے مشورہ دیا۔

میں نے باری باری ان دونوں کو خشمناک نگاہوں سے گھورا پھر کہا "آپس کے جھگڑے میں تم دونوں میری زندگی اجیرن بنا دو گے۔ میں زیادہ دیر تک یہ خرافات برداشت نہیں کر سکتا۔ دونوں اٹھو اور اسی وقت ایک دوسرے سے دوستی کر لو۔"

"مجھے تو اٹھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ میری کسی سے بھی لڑائی نہیں ہے" ویرا تنک کر بولی۔

"حالانکہ تمہاری غیر موجودگی میں پہل اسی نے کی تھی۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"کیا پہل کی تھی؟ کھل کر بات کرو نا!" ویرا جارحانہ لہجے میں براہِ راست اسی سے مخاطب ہو گئی۔

سلطان شاہ چند ثانیوں تک غصے اور بے بسی کے عالم میں ویرا کو گھورتا رہا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ گھڑی کی چوتھائی میں اس کا تیاپانچا کرنے پر تلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ویرا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چیلنج کرنے والے انداز میں مسکرائے جا رہی تھی۔ پھر سلطان شاہ کا چہرہ سرخ ہونے لگا اور اس نے اپنا سر جھکا لیا۔

اس واقعے کے بارے میں تجسس مجھے بھی تھا اور اس وقت لوہا بھی گرم تھا اس لئے میں نے سلطان شاہ سے کہا "یہ ٹھیک تو کہہ رہی ہے۔ تم کھل کر بات کیوں نہیں کرتے؟ جب تک کچھ بتاؤ گے نہیں، میں کیا فیصلہ کر سکوں گا؟"

"تم بتاؤ ورنہ میں پوری تفصیل بتاتی ہوں" ویرا نے براہِ راست اسے دھمکی دی۔

"میں خود پرانی باتوں پر مٹی ڈالنا چاہتا ہوں لیکن جب تک تم وعدہ نہیں کرو گی کہ آئندہ میرے ساتھ ایسی زیادتی نہیں کرو گی، ہماری دوستی نہیں ہو سکے گی" ویرا کے جارحانہ انداز کے سامنے سلطان شاہ واضح طور پر شکست خوردہ نظر آنے لگا تھا۔ اس کے رویے سے مجھے خاصی مایوسی ہوئی کیونکہ ان دونوں کا وہ راز ایک بار پھر طشت ازبام ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔

"آخر تم اس زیادتی کی وضاحت کیوں نہیں کرتے؟" میں نے سلطان شاہ کو مشتعل کرنا چاہا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں ہو گا" ویرا نے مصالحت کے لئے سلطان شاہ کی عائد کی ہوئی شرط پ...

کر کے میری امیدوں پر بری طرح اوس ڈال دی۔

اس بار وہ دونوں میرے کہے بغیر اپنی جگہوں سے بیک وقت اٹھے تھے اور ایک دوسرے سے ہاتھ ملانے کے بعد دوبارہ اپنی جگہوں پر واپس آ گئے۔ میں خود کو اپنی جگہ پر اوّل درجے کا احمق محسوس کر رہا تھا جسے ان دونوں نے اپنی مرضی کے مطابق آلۂ کار بنا کر آخر کار اپنی مصالحت کی ایک باعزت اور پُراسرار راہ نکال لی تھی۔

میرے ذہن میں سلطان شاہ کی وہ زہرافشانیاں گونجنے لگیں جو وہ پچھلے دو دن سے ویرا کے بارے میں کرتا رہا تھا۔ اس کی باتوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے قریب ویرا کا سایہ تک برداشت نہیں کر سکے گا اور میں فکرمند ہو گیا تھا کہ اختلافات کی اتنی وسیع خلیج کے ساتھ وہ دونوں میرے ساتھ کتنے دن چل سکیں گے؟ وہ جمود ختم نہ ہوتا تو لامحالہ مجھے اپنی گاڑی چلانے کے لئے ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا جو میرے لئے بڑا کٹھن مرحلہ ہوتا۔

لیکن عورت کی ذات اپنی تمام تر خامیوں اور عیبوں کے باوجود مرد پر حاوی ہی رہتی ہے۔ ویرا کے پیچھے سلطان شاہ اس کی ذات میں دنیا جہان کے کیڑے نکالتا رہا لیکن اس کا سامنا ہوا تو دس منٹ بھی اس کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور صلح پر اتر آیا۔ عورت ہر حال میں عورت ہی ہوتی ہے۔

میرا اپنا تجسس اپنی جگہ دھرا کا دھرا رہ گیا تھا جس پر مجھے خاصی مایوسی ہوئی تھی لیکن دوسری طرف اس بات کی خوشی بھی تھی کہ ان کے اختلافات خوش اسلوبی کے ساتھ خود بخود دور ہو گئے تھے۔

"میرا خیال ہے، تم دونوں کی صلح کی خوشی میں ایک ایک پیگ ہو جانا چاہئے" میں نے ویرا کو تجویز پیش کی۔

"ہرگز نہیں" سلطان شاہ نے فوراً ہی اعتراض کر ڈالا "تم دونوں ہی پینے لگتے ہو تو میں کسی احمق کی طرح تمہارا منہ دیکھتا رہتا ہوں۔ کوئی ایسی تجویز پیش کرتے جس میں میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہوتا۔"

وہ بات آئی گئی ہو گئی اور ویرا نے موہن داس کے بارے میں سوال کرنے شروع کر دیئے جن میں سے بعض شاید سلطان شاہ کے ذہن میں بھی پرورش پا رہے تھے۔ خاص طور پر یہ بات اس کے لئے یکسر ناقابلِ فہم تھی کہ میں زبردستی یا تشدد کے بغیر موہن داس کو اس کی دکان سے نکال لانے میں کیونکر کامیاب ہو سکا تھا۔

میں ان دونوں کی جرح کا جواب دیتا رہا لیکن میرا ذہن ملاّ سرکار کی ذات میں الجھا ہوا تھا۔ اس کے اگلے اقدام کا اندازہ لگانے کے لئے اس کا ردِ عمل سامنے آنا بہت ضروری تھا۔ میں اسی روشنی میں کراچی میں رکے رہنے یا کوٹ مندو کا سفر کرنے کے بارے میں کوئی پروگرام طے کر سکتا تھا بصورت دیگر ـــ پر جمود طاری ہو سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی تو معاً میرا ذہن ملا سرکار کی طرف گیا اور فوراً خیال آیا کہ اس سے بات کرنے کے لئے ڈرائنگ روم کے بجائے ویرا کی خوابگاہ زیادہ بہتر تھی جہاں اسپیکر فون موجود تھا۔ اس کو اپنی سہولت کے مطابق عام فون کی طرح بھی استعمال کیا جا سکتا تھا اور اگر ضرورت پیش آتی تو محض ایک بٹن دبا کر انسٹرومنٹ کا وہ نظام حرکت میں لایا جا سکتا تھا جس کے ذریعے کمرے میں موجود تمام افراد نہ صرف دوسری طرف ہونے والی گفتگو سن سکتے تھے بلکہ بوقت ضرورت خود بھی گفتگو میں شریک ہو کر اپنی آواز فون کرنے والے تک پہنچا سکتے تھے۔

ویرا نے گفتگو کا سلسلہ منقطع کر کے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ میں نے سختی سے اسے روک دیا "یہاں سے نہیں، اپنی خوابگاہ کے اسپیکر فون سے بات کرو، میں بھی وہیں آ رہا ہوں۔"

ٹیلی فون کی دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے ویرا نے اپنی خوابگاہ کی طرف دوڑ لگا دی۔

"تم بھی ڈرائنگ روم کا دروازہ اندر سے بولٹ کر کے وہیں آ جاؤ" میں بھی سلطان شاہ کو ہدایت دیتا ہوا تیزی کے ساتھ ویرا کے پیچھے ہو لیا جو اتنی دیر میں اپنی خوابگاہ میں کال ریسیو کر چکی تھی کیونکہ فون کی تیسری گھنٹی درمیان ہی میں موقوف ہو گئی تھی۔

"تم کو ڈینی کو لگام دینا ہو گی" میں ویرا کی خوابگاہ میں داخل ہوا تو اسپیکر فون پر ملا سرکار کی غصیلی آواز سنائی دے رہی تھی، "وہ اپنی حد سے بہت آگے بڑھ چکا ہے۔"

"کیا ہوا؟ اس سے یک بیک تمہیں کیا تکلیف پہنچی ہے؟" ویرا نے مجھے آنکھ مارتے ہوئے پوچھا۔

"اس نے میرے ایک آدمی کو ہلاک کیا ہے۔ وہاں وہ میرے مقابلے پر بھی آ گیا تھا" ملا سرکار کی آواز میں شکست کی تلخی نمایاں تھی "پھر کل شام اس نے میرے سفارت خانے کی ایک افسر کو ہلاک کر دیا۔"

"اوہ! تو شانتی کو اس نے مارا ہے؟" ویرا نے متحیر ہونے کی صداکاری کرتے ہوئے کہا "وہ خبر میں نے اخبار میں پڑھی تھی لیکن سفارت خانے والوں سے تمہارا کیا تعلق ہے؟ وہ تو ابھی تک تمہاری ضمانت کا بھی بندوبست نہیں کرا سکے ہیں۔"

"شانتی اسی بارے میں ڈینی سے ملی تھی اور اس نے شانتی کو مار ڈالا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایسی مخاصمانہ حرکتوں سے وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟"

"اس کا جواب تو وہی دے سکے گا لیکن ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ تصادم کا آغاز تمہاری طرف سے ہی ہوا ہے۔ تم میرا اور ڈینی کا تعاقب کر کے ہم پر بے آواز فائر کرنے سے پہلے اس کے انجام کے بارے میں سوچنا چاہئے تھا۔"

"یہ واقعہ میرے علم میں آ چکا ہے۔ ڈینی بلاوجہ میری

ے تمہیں بدظن کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ میں
بلکہ میرا ایک آدمی تھا۔ اسے اس کی حماقت کی سزا مل چکی
!

"تم ہو یا تمہارا آدمی، ہمارے لئے ایک ہی بات ہے" ویرا
کی بات کاٹ دی۔
اس

"میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ ڈیبی ہمیں شی سے محاذ
ی کی راہ پر ڈالنے کی سر توڑ کوشش کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے
اس نے میرے خلاف تم سے بہت کچھ کہا ہو لیکن میں
بتائے دے رہا ہوں کہ یہ سب اس کا فراڈ ہو گا۔"

"تمہیں ان قیاس آرائیوں کی ضرورت نہیں" ویرا نے
ے اس کی بات مسترد کر دی "ڈیبی میرا ماتحت نہیں ہے جو
کارکردگی کی رپورٹ دینے کا پابند ہو۔ وہ اپنے فیصلے خود
ہے اور ان پر عمل کر گزرتا ہے۔ ہم دونوں بالکل آزاد اور
ار حیثیت میں کام کرتے ہیں اس لئے میں اس کی کوئی
ضناپسند نہیں کرتی۔"

"اب سے پہلے تمہاری یہ بات درست تھی لیکن اب
اس معاملے میں کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا کیونکہ مجھے تم سے
لینا ہے اور تم کو میری تحویل سے غزالہ کو حاصل کرنا ہے۔
رے مابین "مخبان" پروان چڑھتی رہیں تو ہم دونوں کو ہی
خمیازہ بھگتنا ہو گا۔"

"اگر حالات کو بگڑنا ہی ہے تو میں کچھ نہیں کر سکتی۔ غزالہ
ارے میں ہم کچھ اور سوچیں گے۔ اس بارے میں تم کو
ے بات کر کے اپنے اختلافات ختم کرنے کی کوشش کرنا
۔ میں اس سے بہتر کوئی اور مشورہ نہیں دے سکتی۔"

"لیکن وہ کہاں ملے گا؟ میں تو خود اس کے چکر میں ہوں۔"

"اس کے چکر میں رہو گے تو چکر ہی کھاتے رہو گے۔"
نے اسے منہ توڑ جواب دیا "ملنا چاہو تو ہر وقت مل سکتے ہو۔"

"میرے پاس کسی سے ملنے کا وقت نہیں ہوتا۔ اس سے
ماں ہو سکتی ہے؟"

"ابھی بات کر سکتے ہو۔ وہ یہیں موجود ہے" ویرا نے
مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اوہ...!" ملا سرکار کی تحیر زدہ آواز ابھری "تم نے پہلے
بتایا۔"

"تم نے پوچھا ہی کب تھا جو تمہیں کچھ بتاتی، وہ بھی تم
ہ خوش نہیں ہے۔"

"ریسیور اسے دے دو، میں اسی سے بات کرتا ہوں" اس
یر آواز ابھری۔

ویرا نے آنکھ مار کر مجھے اشارہ کیا اور میں نے لمحے بھر کے
کے بعد سوال کیا "کہو تمہارے مزاج کیسے ہیں؟"

"چبا چبا کر باتیں نہ کرو" اس کی غراتی ہوئی آواز گونجی۔
ے مخاطب ہوتے ہی اس کا لب و لہجہ یک لخت تبدیل
تھا "میرا داؤ چل گیا تو میں تمہیں پیس کر رکھ دوں گا۔ کل
شام تمہارے ستارے اچھے تھے ورنہ شانتی کی جگہ کسی کوڑا
گھر پر کتے تمہاری لاش کو چاٹ رہے ہوتے اور ویرا تمہیں شہر
میں تلاش کرتی رہ جاتی۔"

میں نے ویرا کو اور اس نے مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھا
ملا سرکار کے لب و لہجے کی اچانک تبدیلی نے اسے پہلی بار
احساس دلایا کہ میرا حریف مجھ سے مار کھا رہا تھا۔

"مرچیں چبا رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ کار کے حادثے
میں تمہارے دماغ پر چوٹ آئی ہے" میں نے زہریلے لہجے
میں کہا "جو کچھ تم میرے بارے میں کہہ رہے ہو وہی سب
تمہارے بارے میں میرے دل میں موجود ہے۔ کیونکہ تم ہم
سے بدترین عہد شکنی کے مرتکب ہوئے ہو۔"

"دونوں بار تم خوش قسمتی سے بچ گئے۔ پہلا ٹکراؤ
میرے نشانے کی غلطی کی وجہ سے بے سود رہا اور دوسری بار
گردھاری لال کی بزدلی نے تمہیں موقع فراہم کر دیا، تمہاری
کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا ہوتا تو شاید اسلحے کے بارے میں اب
تک ویرا سے میری بات بن گئی ہوتی۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ
میرا پیچھا چھوڑ دو ورنہ تم زبردست خسارے میں رہو گے۔"

"دو مقابلوں کی بات تو تم نے بتا دی، کل والے قصے کا ذکر
کرتے ہوئے کیوں شرما رہے ہو؟"

اس نے بھناتے ہوئے لہجے میں ایک غلیظ سی گالی دی اور
بولا "وہ بھی تمہارے کسی کمال کے بجائے میری بے پروائی
تھی۔ مجھے دھیان ہی نہیں رہا کہ تمہارا کوئی تیسرا آدمی بھی
پیچھے لگا ہوا ہو گا۔ بزدلوں کی طرح محافظوں کی بھیڑ کے ساتھ
باہر نکلنے کے بجائے مردوں کی طرح اکیلے سامنے آؤ تو میں
تمہیں بتاؤں کہ مردانگی کیا ہوتی ہے۔"

"گردھاری لال کے گھر پر میں اکیلا تھا تو تم وہاں سے بھی
لنگڑاتے ہوئے بھاگ نکلے تھے۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیوں
بات کرنا چاہ رہے تھے؟ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جو
کھیل کھیل رہے ہیں اس سے خوب واقف ہیں۔ تمہیں
موقع ملا تو تم مجھے معاف نہیں کرو گے اور میرا داؤ چل گیا تو میں
تمہاری لاش چیل کوؤں کو کھلا دوں گا۔"

"کان کھول کر سن لو کہ تم ویرا کو بیوقوف بنا سکتے ہو مگر مجھے
نہیں" اس کی تلخ آواز ابھری "میں تمہارے بارے میں اب
بہت کچھ جان چکا ہوں، میری نگاہ میں ویرا کے علاوہ شی کا کوئی
نمائندہ قابل قبول نہیں۔ تم اس کے ساتھ میرے معاملات
طے ہو جانے دو۔ اس میں رخنہ اندازی کی کوئی بھی کوشش
تمہیں مہنگی پڑ سکتی ہیں۔"

"میری نمائندہ حیثیت کے بارے میں ویرا ہی تمہیں
بتائے گی۔ اگر تم اڑیل ٹٹو کی طرح حرکتیں نہ کرتے تو شاید مجھے
گردھاری لال تک پہنچنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ تم اب
بھی اپنا رویہ درست کر لو تو ہمارے درمیان مفاہمت ہو سکتی
ہے۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم آسانی کے ساتھ راہِ راست پر نہیں آؤ گے" اس کی آواز خوفناک اور زہریلی ہوگئی "اس لئے میں تھوڑی دیر پہلے ہی کوریئر سروس سے ویرا کے پتے پر ایک ننھا سا پیکٹ روانہ کرچکا ہوں جو خاص طور پر تمہارے لئے ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اسے کھولنے کے بعد تمہارے ہوش اپنے ٹھکانے پر آجائیں گے۔ وہ پیکٹ شام تک تمہیں مل جانا چاہئے۔ جس کے بارے میں، میں رات کو نو بجے اپارٹمنٹ پر تم سے بات کروں گا۔ مجھے توقع ہے کہ اس وقت ہم کسی سمجھوتے پر پہنچ جائیں گے۔"

اس کی بدخوئی کی وجہ سے میرے لئے یہ تجویز خطرے کی گھنٹی تھی۔ وہ یقین کرنا چاہ رہا تھا کہ میں نو بجے ویرا کے گھر میں موجود رہوں گا ایسی صورت میں وہ ویرا کے گھر پر دھاوا بھی بول سکتا تھا۔ اس لئے میں نے اس کی یہ تجویز فوراً ہی مسترد کردی۔

"بے سود بات ہے، میں نو بجے تک یہاں نہیں رکوں گا۔ اس پیکٹ میں میرے لئے تم نے کون سی ایسی خاص چیز بھیجی ہے؟"

"پیکٹ ملے گا تو تمہیں خود پتا چل جائے گا۔ میں تم پر رکنے کے لئے زور نہیں دیتا۔ پیکٹ کھول لینے کے بعد بات کرنا چاہو تو ویرا کے گھر آجانا میں تو ہر حالت میں نو بجے اس سے بات کروں گا۔"

"میں تمہیں ایک مرتبہ پھر بتادوں کہ غزالہ تمہاری تحویل میں ہے۔ اگر اسے کوئی نقصان پہنچا تو میں پاتال تک تمہارا پیچھا کروں گا" میں نے اسے کسی امکانی خدشے کے پیش نظر تنبیہہ کرنا ضروری سمجھا۔ اس وقت مجھے ہر طرح اس پر برتری حاصل تھی۔ اگر میری کوئی کمزوری تھی تو بس یہی تھی کہ وہ غزالہ کو پکڑے بیٹھا تھا اور اسی کے حوالے سے مجھ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کرسکتا تھا۔

اس کی زہریلی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری "اس بارے میں تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں، عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ مجھے تم دونوں کے بارے میں ہر بات معلوم ہوچکی ہے اور مجھے حیرت ہے کہ ویرا تمہاری محبوبہ کی واپسی میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہے۔ وہ اپنے دوستوں کے قریب، اپنے علاوہ کسی اور عورت کا سایہ تک برداشت نہیں کرتی لیکن تمہیں وہ از خود غزالہ کی گود میں ڈالنے پر آمادہ نظر آتی ہے۔"

"تم میں خرابی یہی ہے کہ تم غیر متعلقہ باتوں کے بارے میں اپنا بہت زیادہ وقت برباد کرتے ہو۔ تمہیں ہم لوگوں کے ذاتی معاملات سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے" میں نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرا مشن پورا ہوجائے تو پھر میں تمہاری نصیحتوں پر غور کرنے کے بارے میں سوچوں گا، فی الحال ریسیور ویرا کو دے دو مجھے اس سے کچھ اہم باتیں کرنا ہیں" اس کے لہجے میں قدرے نرمی پیدا ہوگئی۔

"یہ ڈیٹی کن دو مقابلوں کی بات کر رہا تھا؟" و...
لمحوں کے سکوت کے بعد تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا
ایسا لگ رہا ہے جیسے تم دونوں بے لگام سانڈوں کی ط...
دوسرے سے لڑتے پھر رہے ہو۔"

"ابھی میں بھی اسے یہی سمجھانا چاہ رہا تھا کہ ا...
توانائیاں مجھ پر ضائع نہیں کرنا چاہئیں" اس کی آواز ...
طور پر نرم اور شریفانہ ہوچکی تھی جس میں معصومیت...
ہوئی تھی "لیکن وہ غزالہ کے فراق میں پاگل ہوا جا ر...
نے سن ہی لیا ہوگا کہ اس نے میرے آدمیوں کو...
شروع کردیا ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ڈ...
کی کون سی ادا پسند ہے، تم یقین کرو کہ میں نے اپنی ...
میں اس جیسی سفاک اور سنگ دل عورت نہیں د...
کپڑا نچوڑتے ہوئے سوچتی ہوگی کہ کہیں کپڑا سسک...
لیکن غزالہ نے بھوکی شیرنی کی طرح بے رحمی...
سائیں مراد کا نرخرا دبوچا ہوا تھا۔ مجھے تو اس کی صورت...
اس سے کراہیت ہونے لگتی ہے۔ بھلا وہ عورت...
سکتی ہے جس کے دل میں نرمی اور محبت نہ ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ اب تو تم دونوں کے دل...
دوسرے کی طرف سے صاف ہوگئے ہوں گے۔"

"میرا تو دل صاف ہے" ملا سرکار کی معصومانہ آوا...
"غزالہ اس کا نجی معاملہ ہے۔ اسے یہ سمجھ لینا چاہ...
اسلحے کی پہلی کھیپ ملنے پر وہ خود بخود اسے واپس مل ج...
وہ میرا پیچھا کرنا چھوڑ دے تو میں اسے اپنا بھائی سمجھنے...
تیار ہوں۔"

چلو، میں مانے لیتی ہوں۔ اب یہ بتاؤ کہ رام دیا...
کب پورا ہوگا؟"

"وہ نکھٹو ہے، مجھے امید نہیں کہ وہ میرے لئے
کام کرسکے گا۔"

"یعنی تمہیں اسلحے کی ضرورت باقی نہیں رہی" ...
نے حیرت سے سوال کیا۔

"ضرورت تو پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی...
خوشامدانہ لہجے میں بول رہا تھا "تم پہلی کھیپ دو گی...
ساتھ ہی غزالہ بھی تمہیں مل جائے گی۔ آگے کا...
سیدھا سیدھا چلے گا۔"

"اس کے لئے مجھے اپنے بڑوں سے منظوری لی...
میں اتنا بڑا فیصلہ نہیں کرسکتی۔"

"بڑا کہاں، یہ تو اب بہت معمولی سا سودا رہ گیا...
مال کو چھوٹی چھوٹی کھیپوں میں بانٹ دو۔ ہر کھیپ...
تمہیں رقم ملتی رہے گی میں جب بھی بدنیتی کا مظاہرہ...
اگلا مال روک لینا۔ اس طرح تمہارے نقطۂ نظر سے...
لئے بس ایک چھوٹی کھیپ کا رسک رہے گا۔ یہ فیصلہ...
بھی کرسکتی ہو" وہ اسے شیشے میں اتارنے کی پوری کو...

مں رات نو بجے اپرٹیس پر تم سے بات کروں گا۔ تمہیں
وت تک فیصلہ کر لینا چاہئے۔"
مں سوچوں گی" ویرا نے پُر تشویش لہجے میں کہا" تم مجھے
امتحان میں ڈال رہے ہو۔"
"یہ میری بد قسمتی ہے کہ کرنل کہیں غائب ہو گیا ورنہ یہ
سیدھا سادہ معاملہ تھا۔"
"وہ میرے لئے آسان تھا۔ تمہارا مال باہر سے آتا ہے
یپ ہوتی تو ایک ہی دفعہ میں پوری لانچ آ سکتی تھی۔ مجھے
ہں کہ باہر والے چھوٹی موٹی متعدد کھیپ بھیجنے پر آمادہ
ہوں گے یا نہیں" ویرا کے چہرے پر کسی لومڑی جیسی
ں نہک رہی تھی" اپنے کام کے بارے میں ان لوگوں کی
ی ترجیحات ہوتی ہیں۔ جن کا خیال رکھنا ہوگا۔"
"میرے لئے یہ اب یا کبھی نہیں والا مسئلہ ہے۔ میرے
ے میں تمہارے تعاون کو کلیدی اہمیت حاصل تھی۔"
ہ لہجہ اس قدر ڈھیلا اور خوشامدانہ تھا کہ ویرا نے اسے مجھ
بات کرتے ہوئے نہ سنا ہوتا تو اسے یقین ہی نہیں آ سکتا
وہ میرے لہو کا پیاسا ہو رہا ہوگا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس کے
ی ایک وقت میں صرف ایک ہی مخاطب سن رہا تھا۔
لئے وہ پوری بے فکری کے ساتھ اپنے عزائم کو بے نقاب
ر رہا تھا۔
"اور فیصلہ تم خود ہی کرنا" وہ کہہ رہا تھا" ڈینی متعصب اور
نظر ہے۔ اس سے بات کرو گی تو وہ تمہیں بہکائے گا۔
پنی ساری نیک نیتی کے باوجود اس کے ارادے خطرناک
تے ہیں۔ اسے جب بھی موقع ملا وہ مجھ پر وار کرنے
ہیں چوکے گا۔"
"تم نے جو کچھ کہا ہے، میں اس کا بھی خیال رکھنے کی
ں کروں گی۔"
"اور ہاں! میں نے تمہارے پتے پر ڈینی کے لئے ایک
ا پیکٹ بھیجا ہے۔ وہ شام تک تمہیں مل جائے گا۔ وہ
م نہ کھولنا بلکہ اسی طرح ڈینی کے حوالے کر دینا۔"
"کیا اس میں کوئی بم وغیرہ بھیج رہے ہو؟" ویرا نے چونک
ل کیا تھا۔
"بم نہیں، بس ایک شعبدہ ہے" اس کی آواز میں ایسی
ت آمیز شوخی عود کر آئی جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کو اپنی کسی
شرارت کے بارے میں بتا رہا ہو" میں ڈینی کو ایک ذہنی
نا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میری کوشش بار آور ثابت
وہ میرے بارے میں حقیقت پسندانہ رویّہ اپنانے پر آمادہ
ے۔"

برا دل چاہا کہ درمیان میں دخل دے کر اسے بتاؤں کہ وہ
در جھوٹا تھا۔ وہ جو کچھ کرنے والا تھا یا کر چکا تھا اس کے
میں ویرا کو بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن مصلحت
ر میں خود پر ضبط کئے، خاموش بیٹھا رہا۔

"ٹھیک ہے، میں نو بجے اپرٹیس آن رکھوں گی" ویرا اس کی گفتگو سے متاثر ہونے کی کامیاب اداکاری کر رہی تھی۔

"گڈ بائی ہنی!" ملا سرکار کی آواز ممنونیت کے جذبات سے لبریز تھی۔

اس کی طرف سے فون کا سلسلہ منقطع ہونے کی کلک کی آواز سنائی دی اور ویرا نے بھی بٹن دبا کر اپنا اسپیکر فون آف کر دیا۔" یہ بالکل بھی بھروسے کے قابل نہیں ہے" سلطان شاہ نے غصیلی آواز میں کہا" اور بیک وقت تم دونوں کو بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے تو اب گھیر کر مار ہی دینا چاہئے۔"

"وہ اتنی آسانی کے ساتھ نہیں گھیرا جا سکے گا برخوردار!" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا" مجھے تشویش لاحق ہو گئی ہے کہ اس نے پیکٹ میں میرے لئے کیا بھیجا ہوگا۔"

"اس قدر دوغلے اور کمینے آدمی کم ہی پائے جاتے ہیں۔" ویرا نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا" تمہارے بارے میں تو وہ مرتے دم تک بھی کوئی نیک خیال اپنے دل میں نہیں لا سکتا۔ خدا کی پناہ! کس قدر نفرت تھی اس کے لہجے میں تمہارے لئے .... اور مجھ سے وہ ایسا بن رہا تھا جیسے تمہارا سب سے بڑا بہی خواہ ہو۔"

"غزالہ کے بارے میں بات کرتے ہوئے اس نے تمہارے رقیبانہ جذبات کو بھی بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"وہ نفرت، بے بسی اور انتقام کی اس منزل پر پہنچا ہوا ہے جہاں وہ تمہارے خلاف اپنا ہر کارڈ کھیل جانے پر تُل گیا ہے۔ اگر اسے یقین ہو کہ اس کے ' سر کے بل کھڑا ہونے سے تمہیں کوئی قابل ذکر نقصان پہنچ سکتا ہے تو وہ یہ احمقانہ حرکت بھی کر گزرے گا۔ یہ بالکل جنون اور دیوانگی کی سی منزل ہے جہاں انسان کی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں۔"

"لیکن اس کی عقل ابھی تک پردے سے باہر ہے" میں عالم تصور میں ملا سرکار کے چیتھڑے اڑاتے ہوئے کہا۔ "پچھلی رات اس نے مجھے پھانسنے کا بے داغ منصوبہ بنایا تھا۔ اگر راستے میں سلطان شاہ نے اس کی کار سے اپنی کار لڑا کر اسے رکنے پر مجبور نہ کر دیا ہوتا تو شانتی کے بوکھلا کر بھاگ نکلنے پر وہ خود سامنے آ کر مجھے بے بس کر لیتا۔"

"میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے اس بات کی امید کیوں پیدا ہوئی کہ میں تمہارے مقابلے میں اس کی ہم نوا بن سکتی ہوں۔ اس کا سارا زور اسی ایک بات پر تھا کہ میں تمہیں نظر انداز کر کے اس کا ساتھ دوں۔"

"اس نے بڑے لطیف پیرائے میں تمہیں بھی بلیک میل کرنے کا اشارہ دیا ہے" میں نے کہا" اسے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میں شی سے باغی ہو چکا ہوں اور تم ذاتی دوستی کی بنا پر میرا ساتھ دے رہی ہو۔ وہ تمہاری کسی بات کی مخالفت کرنے کی حماقت نہیں کر سکتا لیکن اس نے مجھ سے صاف کہہ دیا تھا

وہ تمہارے علاوہ کسی کو شی کا نمائندہ تسلیم نہیں کرتا۔ میرے بھکانے کا حوالہ دے کر اس نے تمہیں یہ یاد دلایا ہے کہ تم نے شی کے مفاد کے خلاف کوئی فیصلہ کیا تو وہ تمہارے اوپر والوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"وہ مر کر بھی ان میں سے کسی تک نہیں پہنچ سکتا۔ تمہارے بارے میں تلخ ترین تجربات سے دوچار ہونے کے بعد وہ لوگ ایشیائیوں سے بہت ڈرنے لگے ہیں۔ ملا سرکار نے ان تک پہنچنے کی کوشش کی تو ان کے محافظ اسے دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔"

"تم نے اسے یہ کیوں نہیں بتایا کہ کرنل مہیش پال خود کشی کر چکا ہے اور موہن داس کو ہم نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اپنے بڑے حمایتیوں کی موت کی خبر پا کر اس کے حوصلے پست ہو جاتے" سلطان شاہ بولا۔

میں نے لمحہ بھر کے لئے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر نرمی سے کہا "ابھی تک ہم اس سے کھلا ہوا بگاڑ پیدا کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ کرنل کے بارے میں زبان کھول کر ہم اس کے دعوے کی تصدیق کر دیتے کہ ہم خود ہی اس کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں اور موہن داس کی موت تو بہت زیادہ اہم ہے۔ اسے اپنی مقامی بیوی اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والے بچوں سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ وہ فوراً ہی کوٹ مندو کا رخ نہ کرنے کا فیصلہ کر سکتا ہے پھر ہم اسے کہاں تلاش کریں گے؟ ہم نے اس کے گرد گھیرا زیادہ تنگ کیا تو وہ عارضی طور پر سرحد پار چلا جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مایوسی اور بددلی کے عالم میں وہ انتقاماً غزالہ ہی کو مار ڈالے۔"

"تم جب اتنی مدلل باتیں کرتے ہو تو مجھے اپنے اوپر غصہ آنے لگتا ہے کہ اتنی سیدھی اور سامنے کی باتیں میرے دماغ میں کیوں نہیں آتیں؟" سلطان شاہ نے جھنجلاہٹ کے ساتھ کہا۔

"اسی لئے میں نے کہا ہے کہ اپنی کھوپڑی روغن کدو میں تر رکھا کرو۔ دماغ ٹھنڈا رہے تو آدمی کو اندھیرے میں بھی بڑی دور دور کی سوجھتی ہے" ویرا کو اس پر چوٹ کرنے کا موقع مل گیا اور وہ خلاف توقع مسکرا دیا۔

ملا سرکار سے ہونے والی اس بے باکانہ گفتگو کے بعد کسی خوش فہمی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی اور یہ بات کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ میری اور ملا سرکار کی باقاعدہ ٹھنی ہوئی تھی۔ ابھی تک اس سے جتنی بھی جھڑپیں ہوئی تھیں ان میں اسی کو منہ کی کھانی پڑی تھی۔ وہ ان کینہ پرور لوگوں میں سے تھا جو اپنی شکست کو کبھی بھی خندہ پیشانی سے قبول نہیں کرتے بلکہ اپنی ہار کا بدلا چکانے کے لئے ہر وقت اپنے حریف کی گھات میں لگے رہتے ہیں اور موقع ملنے پر گھٹیا وار کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ اسے اس وقت یہ معلوم ہو چکا تھا کہ میں ویرا کے گھر موجود تھا۔ اپنی مقدر آزمائی کے لئے وہ فوری طور پر بھی

اِدھر کا رخ کر سکتا تھا۔ اندر داخل ہونے سے پہلے اس کے علاوہ کسی اور کی موجودگی کا سراغ لگانے کے پاس ایک ہی پیمانہ تھا۔ پورچ میں ویرا کی کار کے علاوہ کار دیکھ کر وہ فوری طور پر کسی مہم جوئی کا فیصلہ میں نے اصولی طور پر سلطان شاہ کو اپنی کار واپس فلیٹ بھیجنے کا ارادہ کر لیا۔ میری مجبوری یہ تھی سرکار کی طرف سے بھیجے گئے پیکٹ کے بارے میں اور میں وہیں رک کر اس کا انتظار کرنا چاہ رہا تھا۔ ویرا یہ تھی کہ وہ نہ صرف میری میزبان اور اہل خانہ تھی بھی نو بجے ملا سرکار سے بات کرنے کے لئے گھر پر تھا جب کہ سلطان شاہ کے لئے ایسی کوئی مجبوری درپیش نہیں تھی۔

لیکن خرابی یہ تھی کہ میں کچھ بتائے بغیر اسے لے جانے کی ہدایت دیتا تو اسے پہلا اور اٹل خیال ویرا کے ساتھ یکجا ہوتے ہی میرے دماغ میں خناس اور میں اسے وہاں سے ٹال کر ویرا کے ساتھ آزادانہ محفل طرب و نشاط سجانے کا منصوبہ بنا رہا تھا لہٰذا میں تمہید کے ساتھ اسے پس منظر سے آگاہ کر کے طلب کی اور جب اس نے میرے تجزیے سے اتفاق کا اظہار کیا تو میں نے رسانیت سے اس کو کار وہاں سے ہدایت کی اور وہ بے چون و چرا وہاں سے اٹھ کھڑا

"کہیں بھٹکنے کے بجائے تم فلیٹ ہی میں رہو میرے مذاکرات ختم ہونے پر اس سے کہا" ضرور ہم فون پر تم سے رابطہ کر لیں گے۔ کسی برے وقت کے لئے گاڑی میں اسلحہ وغیرہ تیار کر لینا۔"

"کیوں؟" میں نے حیرت سے ویرا کی طرف دیکھا اس نے پوچھا "مجھے تو ایسی معرکہ آرائی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ یہاں گھس بھی آیا تو سلطان شاہ کو فون کرنے سے پہلے ہی قصہ نمٹا چکے ہوں گے۔"

"میں فضا میں کسی گمبھیر خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں" ویرا کی سنجیدگی نے مجھے چونکا دیا "اسلحہ ڈگی کے بجائے کار میں پڑا رہے تو کیا ہرج ہے۔ کم از کم یہ تو نہیں ہوگا کہ ہم تیار نہیں تھے۔"

"ایسی بات ہے تو تم یہ بھی رکھ لو" سلطان شاہ نے جاتے اپنی جیب سے بیم گن نکال کر مجھے تھما دی۔

"تمہاری بیم گن کہاں ہے؟" میں نے ویرا سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے یورپ میں ایک بیم گن فراہم کی تھی۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ تم نے نہ صرف بیم گن دی تھی بلکہ دو سلور آئیز بھی مجھے دی تھیں" اس نے آلود لہجے میں اعتراف کیا "لیکن میں نے اپنے ... کے موقع پر جذبات کی رو میں آکر خیر سگالی کے

نیا اسے لوٹا دی تھیں۔"
سلطان شاہ ہماری گفتگو سننے کے لئے وہاں رکا نہیں تھا
سیدھا بڑھتا چلا گیا تھا۔

"تمہاری اس خیر سگالی کے جواب میں وہ سٹلائیٹ
یکرو فون سے تمہاری سرگرمیوں کی خیر خبر رکھ رہا تھا" میں
ظریہ لہجے میں کہا "تم بھی کس قدر بھولی ہو ویرا! کہ ابھی
جی لائیڈ کو نہیں سمجھ سکی ہو۔ اس نے تم سے صرف
لئے صلح کی تھی کہ تمہیں پاکستان بھیج کر، تمہارے
یعے میرا پتا صاف کروا سکے۔"

"یہ بات تو اب میری بھی سمجھ میں آچکی ہے۔ اس وقت
زہ لگانا محال تھا۔"

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ آج کے بارے میں تم کون سا
ہ سونگھ رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ میری چھٹی حس مجھے کسی بہت
ے خطرے کا احساس دلا رہی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے طوفان
نے سے پہلے بعض پرندے مضطرب ہو کر شور مچانے لگتے
۔ تجربات سے ثابت ہو چکا ہے کہ میلوں دور بننے اور
نے والی موسمیاتی لہروں کا پرندوں کے نظام پر کوئی اثر نہیں
ا ان کی حیوانی جبلت انہیں شور کرنے پر اکساتی ہے۔"

"سلطان شاہ جا چکا ہے۔ اب حیوانی جبلت کا ذکر نہ چھیڑو
....." میں نے اسے چھیڑا۔

"میں مذاق نہیں کر رہی!" اس نے پریشان لہجے میں
ی بات کاٹ دی "آؤ ہم بھی اپنے ہتھیار درست کر لیں۔"

ساڑھے چار بجے ڈور بیل بجی تھی۔ ویرا نے انٹر کام پر
ال کیا تو معلوم ہوا کہ قاصد آیا تھا۔ میں اضطراری طور پر خود
پھاٹک پر جانا چاہ رہا تھا لیکن ویرا نے مجھے روک دیا۔ پھر مجھے
ی یاد آیا کہ میں اس مکان میں اپنی موجودگی کو صیغۂ راز میں
نا چاہ رہا تھا اس لئے میرا پھاٹک پر جانا مناسب نہیں تھا۔

ویرا باہر گئی اور ذرا سی دیر میں ایک ننھا سا خوبصورت سا
ٹ لے کر اندر آ گئی۔ بڑی لپ اسٹک کے ڈبے کے برابر وہ
ٹ سرخ کاغذ میں لپٹا ہوا تھا اور اس پر سنہری ڈوری بندھی
ا تھی۔

"پیکٹ بہت چھوٹا اور ہلکا ہے، اس میں بم وغیرہ تو نہیں
سکتا" ویرا نے وہ پیکٹ اسی طرح میری طرف بڑھاتے
ئے کہا "دیکھنا چاہئے کہ اس بار ملا سرکار کی شیطانی کھوپڑی
کیا گل کھلایا ہے۔"

پیکٹ واقعی بہت ہلکا تھا۔ اس کا وزن بس اتنا ہی تھا جتنا
ی بڑی لپ اسٹک کا ہو سکتا تھا۔ اس پیکٹ پر ایک طرف
رے نام سے ساتھ ویرا کے گھر کا پتا لکھا ہوا تھا۔ بھیجنے والے کا
م ایل سی ٹی درج تھا جو بلیک کیٹ ٹی کا مخفف تھا۔ اس کے نیچے
پتا درج تھا اس کے بارے میں یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ
ی رہا ہوگا۔

وہ میرے لئے میرے کسی دوست کا نہیں بلکہ دشمن کا تحفہ تھا اس لئے میں نے ڈوری کھول کر احتیاط سے پیکنگ اتارنے کے بجائے ایک طرف سے انگلی پھنسا کر گتے کا وہ ڈبا پھاڑ دیا اور پیکٹ کو دوسری ہتھیلی پر الٹ دیا۔ موٹے سرخ کاغذ میں لپٹی ہوئی کوئی لمبی اور قدرے لجلجی سی چیز ڈبے میں سے میری ہتھیلی پر پھسل آئی اور میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔

اندر والے کاغذ پر ایک چٹ لگی ہوئی تھی جس پر ایک مختصر تحریر تھی "خیر خواہ کی طرف سے اپنے بدخواہ کے لئے۔"

سرخ کاغذ میں موجود شے کی ماہیت کچھ عجیب سی تھی۔ وہ نرم بھی تھی اور اس میں سختی بھی تھی۔ ایک سرے پر کاغذ کچھ زیادہ ہی پھولا ہوا تھا جہاں کسی دھات کی موجودگی محسوس ہو رہی تھی۔

میں نے اندر والی پیکنگ کو نہ ٹٹولا اور نہ اس بارے میں زیادہ تجسس کیا لیکن میں نے جو کچھ محسوس کیا وہ میرا فوری ردِ عمل تھا اور پھر میں نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر وہ سرخ کاغذ پھاڑ دیا۔

زندگی سے محروم، اس زرد مخروطی انگلی پر نگاہ پڑتے ہی میرا سر چکرا گیا اور پھر مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا پھیلتا ہوا محسوس ہونے لگا کیونکہ زنانہ انگلی کی خون آلود جڑ میں ہیرے کی وہ انگوٹھی پھنسی ہوئی تھی جو میں نے بہت چاہت اور پیار کے ساتھ اپنی غزالہ کو تحفے میں دی تھی۔ وہ انگلی ہتھیلی کے جوڑ سے اتنی مہارت سے کاٹی گئی تھی کہ جوڑ کی انگلی والی ہڈی اپنی جگہ پر سالم تھی۔ اس پر جمے ہوئے خون کے سرخ لوتھڑے زیادہ سے زیادہ چند گھنٹے پرانے تھے۔ اس انگلی کو اس کے بدنصیب بدن سے الگ کرنے کے بعد اتنا وقت دیا گیا تھا کہ خون جم کر خشک لوتھڑوں میں بدل جائے اور پیکنگ خون سے داغ دار نہ ہو۔ ہیرے کی طلائی انگوٹھی ان ہی لوتھڑوں میں جوڑ کی ہڈی سے اوپر پھنسی ہوئی تھی۔ انگلی کا ناخن سلیقے سے ترشا ہوا تھا اور نیل پالش سے بے نیاز تھا۔

وہ زرد اور بے جان انگلی چند گھنٹوں پہلے گداز، مخروطی اور سرخ و سفید رہی ہوگی لیکن اس کی رگِ حیات کاٹ دیئے جانے کے بعد اس کا سارا حسن موت کے سکوت نے نگل لیا تھا۔ میں غزالہ کے وجود کو بہت اچھی طرح پہچانتا تھا لیکن اس کے ہاتھ سے کٹی ہوئی انگلی کو شناخت کرنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ میں زندہ غزالہ کو پہچانتا تھا اور زندگی عناصر کے ظہور ترتیب کا نام ہوتا ہے۔ جب یہ عناصر بکھر جائیں تو موت ان پر پردہ ڈال لیتی ہے اور ان کی کوئی شناخت باقی نہیں رہتی۔

میرے ذہن کو پہلا اور شدید ترین جھٹکا وہی لگا۔ کیا غزالہ زندہ تھی اور ملا سرکار نے اپنے بھیانک عزائم کا اشارہ دینے کے لئے اس کے زندہ وجود سے اس کی انگوٹھی والی انگلی کاٹ کر مجھے بھیجی تھی یا اس نے غزالہ کی لاش سے اس کی وہ نشانی

کی تھی؟

غزالہ اس قدر حسین تھی کہ اسے کبھی میک اپ وغیرہ کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ وہ نہ ناخن بڑھاتی تھی اور نہ نیل پالش لگا کر ان کی قدرتی جلا کو تباہ کرنے کی شوقین تھی۔ ملا سرکار کی بھیجی ہوئی انگلی میں وہ ساری نشانیاں موجود تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میری دی ہوئی انگوٹھی اس بدنصیب انگلی میں پھنسی ہوئی تھی۔

میں تیورا کر صوفے پر بیٹھتا چلا گیا۔ ویرا نے پھرتی سے سہارا دے کر مجھے گرنے سے بچایا تھا۔

اس زنانہ انگلی کو بھیجنے والا ملا سرکار جیسا وحشی تھا۔ غزالہ اس کے قبضے میں تھی اور پھر میرا ردِ عمل اس کے سامنے تھا اس لئے ویرا کو اس کو شناخت کے لئے کسی سوال کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے ناخن کے قریب سے پکڑ کر وہ انگلی اپنی چٹکی میں دبالی اور متاسفانہ لہجے میں بولی "میں اس شقی القلب حرامزادے کے کان چاقو سے نہیں بلکہ قینچی سے کاٹوں گی۔"

"پتا نہیں غزالہ زندہ بھی ہے یا اس نے اس کی لاش سے انگلی کاٹی ہے؟" میری آواز بہت کمزور تھی۔ میں اپنے ہاتھوں سے اپنے دشمنوں کے نرخرے کاٹتا رہا تھا۔ اس وقت بھی موہن داس کی غلیظ اور آلودہ لاش پچھلی خوابگاہ کے فرش پر پڑی ہوئی تھی لیکن اپنی عزیز ترین شخصیت کے جسم سے ایک انگلی کے کاٹے جانے پر میری حالت غیر ہوئی جا رہی تھی۔

"لاشوں سے خون نہیں بہا کرتا" ویرا نے مضبوط اور پُراعتماد لہجے میں کہا "اس کے پاس غزالہ ہی تو ایک کارڈ ہے جس کے ذریعے وہ ہم سے اسلحہ لے سکتا ہے۔ اسے مار کر وہ اپنی بازی خراب نہیں کرے گا۔ تم یقین کرو وہ زندہ ہوگی' ہاں اس بھیڑیئے نے اسے اذیت پہنچا کر یہ انگلی کھرچ کھرچ کر ہتھیلی کے جوڑ سے نکالی گئی ہوگی اور میں اس کا بدلہ لوں گی۔"

"میری وجہ سے اس کی زندگی تو تباہ ہو ہی گئی ہے' اب اس کی اعضا تراشی کی بھی نوبت آگئی ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو زیادہ عذاب میں ہوگی آج اس نے غزالہ کی ایک انگلی بھیجی ہے کل دوسری اور پھر تیسری بھی آسکتی ہے۔ وہ بڑے کرب میں ہوگی۔ میں اپنی ہار مانتا ہوں۔ میں اس خونی درندے کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔"

"تم بالکل اسی ردِ عمل کا مظاہرہ کر رہے ہو جو وہ چاہتا تھا؟" ویرا نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "انگلی کیا لوگ تو پورے پورے ہاتھ کٹوا کر بھی بڑے حوصلے سے زندگی گزارتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس کا ٹرانسمٹر محدود حیطۂ عمل میں کام کرتا ہے۔ وہ اس مکان کے آس پاس ہی کسی گلی میں اپنی کار روک کر ہم سے بات کرتا ہے۔ نو بجے میں اسے باتوں میں الجھاؤں گی۔ تم سلطان شاہ کے ساتھ اسے ڈھونڈ کر پکڑ لینا۔ اس کی تو منصوبہ بندی ہی یہی ہے کہ تم دل شکستہ ہو کر ہتھیار ڈال دو۔ اگر اس سے سامنا ہوا یا بات کرنے کی نوبت آجائے تو تمہیں ہمت اور حوصلے سے کام لینا ہوگا۔ مجھے معلوم [illegible] اپنے پیاروں کی تکلیف پر صبر کرنا بہت دشوار کام [illegible] تمہیں اپنے سینے پر پتھر رکھ کر اسے یقین دلانا ہوگا کہ [illegible] ہوئی انگلی سے کوئی اثر نہیں لیا۔"

"وہ کھل کر سامنے آگیا ہے۔ اس کے بھیانک [illegible] وجہ سے چوہے اور بلی کا یہ کھیل زیادہ دیر تک نہیں چل [illegible] میں نے سنبھالا لے کر کہا "اسے جلد از جلد ختم کرنا ہو [illegible] اسے اور وہ مجھ کو سمجھ چکا ہے۔ آج رات وہ بھی تیار [illegible] ساتھ آئے گا۔ ہم نے اس پر اوچھا وار کیا تو کل پھر ہمیں [illegible] انگلیاں موصول ہو سکتی ہیں۔ اس کے لئے تو سوچ سمجھ [illegible] قدم اٹھانا ہوگا۔"

چند ثانیوں تک ڈرائنگ روم کی فضا پر گمبھیر سکوت [illegible] رہا پھر ویرا پر خیال انداز میں بولی "کراچی انسانوں کا سمند[ر ہے] جب تک وہ یہاں رہے گا اس تک پہنچنا دشوار رہے گا [illegible] خیال ہے کہ آج رات اس سے بات ہوگی تو میں اسے [illegible] وصولی کا انتظام کرنے کے لئے کہوں گی اور اسے لامحالہ [illegible] سندھ جا کر اپنے حواریوں سے مشورے کرنا ہوں [illegible] مندو میں وہ خود کو روپوش نہیں رکھ سکے گا۔ تمہیں اس [illegible] تباہ کرنا ہوگا۔"

"میں تو کوٹ مندو جانے کے لئے تلا بیٹھا ہوں [illegible] نے کہا "وہ یہاں سے ملے تو میں بھی چل پڑوں گا۔ وہ[اں] میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس نے سادہ لوح دیہاتیوں کو کس [طرح] بیوقوف بنایا ہوا ہے۔"

سات بجے کے قریب سلطان شاہ کا فون آیا۔ وہ جلد [ہی] چلا گیا تھا لیکن اس کا دھیان بھی ملا سرکار کے بھیجے [ہوئے] پیکٹ میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے کٹی ہوئی انگلی کا قصہ [سنایا] اسے ملال کے ساتھ ہی بہت طیش بھی آیا لیکن اس [illegible] سب بے سود تھا۔ ان باتوں سے کٹی ہوئی انگلی جڑ سکتی [تھی] نہ ملا سرکار کے فتنے کا سدِباب ہو سکتا تھا۔

اس نے بتایا کہ جہانگیر ہم لوگوں کی تلاش میں بار بار [illegible] پر فون کر رہا تھا لیکن سلطان شاہ ہمارے بارے میں لاعلم تھا۔ ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا کہ جہانگیر کو بھی [ساتھ] لے لوں لیکن وہ طویل انتظار کے بعد باپ بننے کی مسر[ت سے] روشناس ہوا تھا میری دانست میں یہ مناسب نہیں تھ[ا کہ] خوشی کے موقعے پر میں اسے قتل و غارت گری کے اس کھیل میں گھسیٹ لیتا۔ اس وقت ہم چاروں میں ایک تھا جو اپنی دنیا میں خوش اور مگن تھا بقیہ تینوں [کے] مسائل اور مشکلات کے عفریت اپنے ہولناک دہانے [کھولے] کھڑے تھے جن سے بچ کر گزرنا ممکن نظر نہیں آ رہا [تھا]

"گاڑی تیار ہے؟" میں نے ذومعنی لہجے میں سلطان [شاہ] سے سوال کیا۔

"پوری طرح" اس کا لہجہ پُراعتماد تھا "کپڑے

گینڈیں بھی گاڑی ہی میں ہیں۔"
"وہ نو بجے کال کرے گا۔ تم آٹھ بجے یہاں پہنچ جانا" میں نے اسے ہدایت کی "تمہیں دور رہ کر مکان کی نگرانی کرنا ہے۔ اگر کوئی پھاٹک کھلوائے بغیر کسی اور طریقے سے اندر گھسنے کی کوشش کرتا ہوا نظر آئے تو بے دریغ اسے بھون ڈالنا۔"

"کیا ایسا کوئی امکان نظر آرہا تھا؟" اس نے اشتیاق آمیز لہجے میں پوچھا تھا۔

"وہ میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ میرا اس سے بات کرنے کا ارادہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مکان میں میری موجودگی کا علم ہوتے ہی وہ اپنے آدمیوں کو گھر میں گھسنے کا سگنل دے دے۔ اس یلغار کو تمہیں اکیلا سنبھالنا ہوگا۔"

"کہو تو کچھ اور آدمی بھی اکٹھا کرلوں۔ تمہارا سینڈو بھی تو اس موقع پر کام دکھا سکتا ہے۔"

"سینڈو اور ویرا بیک وقت کسی ایک فریق کی حمایت میں جمع نہیں ہوسکتے" میں نے مافیا میں سیٹھ حبیب جیوانی کی واپسی کا ذکر کئے بغیر کہا "تم کہاں سے بھروسے کے آدمی لاؤ گے؟"

"تم کو بار بار یاد دلانا پڑتا ہے کہ کراچی میں میرے قبیلے برادری کے کافی لوگ موجود ہیں۔ سرحد میں جو اسلحہ ان سورماؤں کا زیور ہوتا ہے، کراچی میں آتے ہی وہ جرم بن جاتا ہے لیکن وہ گھروں میں اسلحہ ضرور رکھتے ہیں۔ ان ہی میں سے دو چار کو لے آؤں گا۔"

"لے آؤ!" میں نے بلا توقف اسے اجازت دے دی۔
"لیکن یہ خیال رکھنا کہ بلا ضرورت کوئی گولی نہ چلے۔ جوش اور ہیجان میں کوئی قبل از وقت فائر کر بیٹھا تو ہم سر پیٹتے رہ جائیں گے۔"

"تم بالکل فکر نہ کرو۔ میرے آدمی پیشہ ور جنگجو ہوں گے۔ قبائلی جھگڑوں میں ہمارا بچہ بچہ گوریلا سپاہی ثابت ہوتا ہے۔" اس نے فخر آمیز لہجے میں کہا پھر سوال کیا "اگر اتفاقاً وہ خود بھی نظر آجائے تو کیا کرنا ہوگا؟"

"تم اسے کیسے پہچانو گے؟" میں نے حیرت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کٹی ہوئی انگلی نے شاید تم کو بہت پریشان کردیا ہے۔ کل رات ہی کو میں نے اس کی کار سے اپنی کار لڑائی تھی۔ تم نے خود کہا تھا کہ داڑھی والا ملّا سرکار ہی ہے۔ اسے تو میں ہزاروں کی بھیڑ میں بھی پہچان لوں گا۔"

"وہی ہمارا اصل ٹارگٹ ہے۔ وہ نظر آجائے تو بچ کر نہ نکلنے پائے۔ زندہ یا مردہ، ہر دو صورتوں میں وہ ہمارے ہاتھ آنا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم نے مجھے بہت عرصے بعد کھلی چھوٹ دی ہے۔ اب تم باہر سے بے پروا ہو کر اندر کی منصوبہ بندی کرو۔ میں اپنی تیاریوں کے لئے روانہ ہو رہا ہوں۔ میدان صاف ہونے پر وہیں ملاقات ہوگی" اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔

"اب شاید تمہاری چھٹی حس بھی کچھ بول رہی ہے؟" ویرا نے کہا "اس نے اسپیکر فون پر میرے اور سلطان شاہ کے درمیان ہونے والی پوری گفتگو نہایت انہماک سے سنی تھی۔

"میرا دل کہہ رہا ہے کہ آج کی رات کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ یہ درست ہے کہ ملا سرکار غزالہ کو ہلاک کرکے اپنا کھیل خراب نہیں کرے گا لیکن اس کی کٹی ہوئی انگلی تمہیں بھیج کر اس نے بہت بڑی جسارت کی ہے۔ اسے یہ خوف بھی نہیں رہا کہ اس گھٹیا تشدد پر میں اس سے اپنے تعلقات بگاڑ سکتی ہوں۔" "میرا خیال ہے کہ کچھ تم نے بھی اس کی حوصلہ افزائی کی ہے" میں نے دبے لفظوں میں کہا "تمہاری گفتگو سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہوگا کہ تم مجھے چھوڑ کر اس کی طرف جھک رہی ہو۔"

"یہ نہ بھولو کہ ہم کو فون کرنے سے پہلے وہ پیکٹ روانہ کر چکا تھا" وہ تیکھے لہجے میں بولی اور میں خاموش ہوگیا۔

ہم دونوں نے آخری بار پورے گھر کا چکر لگا کر نیچے کے تمام بولٹ لگا دیئے۔ موہن داس کی لاش بدستور اسی خوابگاہ کے فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ وہاں پیدا ہونے والے تعفن سے

شبہ ہوا کہ اس کی لاش پھول کر سڑنا شروع ہو گئی تھی لیکن ایسا نہیں تھا۔ لاش زیادہ پرانی نہیں ہوئی تھی۔ اس کا تن و توش ہی ایسا تھا کہ اس پر ورم ہونے کا شبہ ہوتا تھا۔

ٹھیک نو بجے ڈرائنگ روم میں پوشیدہ ریسیور پر ملاّ سرکار کی آواز ابھری تھی جس کا ویرا نے سرد لہجے میں فوراً ہی جواب دیا تھا۔

"کیا بات ہے؟ کچھ برہم اور ناراض معلوم ہو رہی ہو؟" ملاّ سرکار ویرا کے لہجے کی خشکی کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

"میں نے تمہیں غزالہ کے بارے میں خاص ہدایت کی تھی مگر تم نے پھر بھی اس کی کٹی ہوئی انگلی بھیجنے کی حماقت کی ہے۔"

"غزالہ سے مجھے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ میں تو اس کے حوالے سے ڈینی کو اذیت پہنچانا چاہ رہا تھا" اس نے اپنی حرکت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا "انگلی دیکھ کر اس کا ردِ عمل کیا رہا؟"

"وہ چلا گیا تھا۔ آئے گا تو دیکھے گا۔ فی الحال تو وہ انگلی میرے ہی پاس ہے۔"

"میں نے تمہیں پیکٹ کھولنے سے منع کیا تھا" اس کی آواز سے شکوہ ٹپک رہا تھا پھر اس نے اچانک ہی پوچھا تھا۔ "لیکن تم نے کیسے پہچانا کہ وہ انگلی غزالہ ہی کی ہے؟"

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو" ویرا تلخ لہجے میں بولی۔ آہستہ آہستہ وہ اس پر حاوی ہوتی جا رہی تھی "اسے پہچاننے کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ پیکٹ تمہاری طرف سے ڈینی کے نام آیا تھا اور پھر تم نے اس میں غزالہ کی انگوٹھی بھی پھنسا دی تھی۔ جو ڈینی نے میرے ساتھ ہی خرید کر تحفے میں اس کو دی تھی" پھر اچانک موضوع بدل دیا "تم اپنے مال کی کھیپ بنا کر فہرست دے دو اور آج سے پانچویں دن پہلی کھیپ کی وصولی اور رقم کی ادائیگی کا بندوبست کر لو۔ روزانہ ایک کھیپ آئے گی اور یہ سلسلہ پندرہ دن تک جاری رہے گا۔"

"اوہ!" ملاّ سرکار کی تحیر زدہ آواز ابھری "تم نے تو واقعی کمال کر دیا۔ اس کا مطلب ہوا کہ پندرہ کھیپ بنانی ہوں گی .... اور یہ فہرست تمہیں کب مل جانی چاہئے؟"

"زیادہ سے زیادہ کل شام تک" ویرا نے سختی سے کہا۔ "کل رات سے پہلے میں فہرست انہیں فیکس نہ کر سکی تو یہ سارا بندوبست منسوخ ہو جائے گا۔ ڈلیوری کراچی کی جنوب مغربی ساحلی کھاڑیوں میں کسی گھاٹ پر ہو گی۔"

"لیکن یہ تو چھوٹی کھیپ ہوں گی؟" اس کا لہجہ استعجابیہ تھا "ان کے لئے پورا اسٹیمر آیا کرے گا؟"

"پھر بھی ٹنوں وزنی کریٹ ہوں گے۔ چھوٹی لانچیں اتھلے پانیوں میں اندر تک جا سکیں گی۔"

"تم مال کی اندرون سندھ تک ترسیل کا بندوبست نہیں کرا سکتیں؟"

"آدمی دے سکتی ہوں۔ ان سے تمہیں اپنی ذمے... پر کام لینا ہو گا۔ ویسے اندرونِ سندھ میں منزل کیا ہو گی؟" ... نے میری طرف دیکھتے ہوئے آنکھ سے اشارہ کیا۔ وہ ... بالکل صحیح لائن پر لے جا رہی تھی۔

"صحیح ٹھکانوں کی نشاندہی کے لئے تو مجھے اپنے ... سے آدمی ساتھ لانے ہوں گے۔ یوں سمجھو کہ تھر... سانگھڑ اور خیرپور میں ہمارے بارہ خفیہ ٹھکانے ہیں۔ ... وہیں اترے گا۔ وہاں سے اسے آگے پھیلایا جائے گا۔"

"میں آدمی تلاش کرتی ہوں۔ تم مجھے فہرست دے... گاؤں سے آدمی لے آؤ۔ یاد رکھنا کہ اس بندوبست میں بھی کوئی خلل پڑا تو شی اپنے نقصانات کا تاوان وصول کر... طرح جانتی ہے۔ یہ تمہارے اور ڈینی کے جھگڑے کی... نہیں ہو گا کہ میں اپنی آنکھیں بند کئے رہوں۔"

"تم بالکل فکر نہ کرو" ملاّ سرکار کی آواز سے خوشی کا... ہو رہا تھا "میرا خیال ہے کہ ڈینی سے تمہاری جھڑپ ہو... جب ہی تم نے اتنی جلدی اتنے بڑے فیصلے کر ڈالے ہیں... کٹی ہوئی انگلی وصول کرنے کے بعد وہ اور پاگل ہو جا...

"وہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ تمہیں اس سے کوئی سر... ہونا چاہئے!" ویرا نے سرد لہجے میں اسے خاموش کر...

"میں نے اس لئے پوچھا کہ میں اس سے اپنا حساب... چاہتا ہوں" قدرے توقف کے بعد ملاّ سرکار کی تردد آمیز... ابھری۔

"وہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ میں روکوں گی نہ... گی۔ میں تم کو پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ وہ میری طرح... خود مختار ہے لیکن اتنا بتا دوں کہ غزالہ کی واپسی سے اس... تعلق نہیں ہے۔ پانچویں دن پہلی کھیپ لینے سے پہلے... اسے میرے حوالے کرنا ہو گا" ویرا کے لہجے میں کمال... مہری ابھر آئی تھی۔

"سب کچھ تمہاری مرضی اور میرے وعدوں... مطابق ہو گا" وہ ویرا کی گفتگو سے بہت محظوظ ہو رہا...

ویرا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اچانک فضا کسی را... گرج دار آواز سے لرز اٹھی اور اسی کے ساتھ رات... میں ایک ہولناک انسانی چیخ گونج اٹھی۔

نہ فائر کی کوئی شناخت تھی اور نہ چیخ پہچانی جا سکی... اس لئے اندازہ نہیں ہو سکا کہ پہل کس کی طرف... تھی۔ رائفل کی گونج معدوم ہونے تک فضا پر سناٹا چھا... اچانک بے تحاشا گولیاں چلنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوا... رائفل کا سگنل ملتے ہی دو مسلح اور خونخوار گروہ ایک دو... نیست و نابود کرنے کے لئے میدانِ عمل میں کود پڑے...

"پہلا فائر رائفل کا ہوا تھا" ویرا پر تشویش لہجے میں
تے ہوئے بولی۔
میں خاموش رہا۔ اس کے بولنے سے پہلے، خود میرے ذہن
ہی وہی خیال آیا تھا۔ فلیٹ پر ہمارے پاس مہلک آتشیں
کا خاصا معقول ذخیرہ موجود تھا لیکن مجھے اچھی طرح معلوم تھا
س میں کوئی رائفل نہیں تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اس بار
بلیک کیٹ ٹی کی طرف سے ہوئی تھی۔

میرے لئے یہ صورت حال خاصی پریشان کن تھی۔ میں
سلطان شاہ کو ویرا کے مکان کی حفاظت پر مامور کیا تھا اور
ہدایت کی تھی کہ وہ ویرا کے مکان میں کسی کی ناجائز
ت کے آثار دیکھتے ہی فائر کھول دے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا
نی مرضی کا محاذ کھولنے سے پہلے ہی وہ یا اس کے آدمی بلیک
ٹی یا اس کے آدمیوں کی نگاہ میں آگئے تھے اور انہوں نے
ن شاہ کی پارٹی کو باڑھ پر لینے کی کوشش کر ڈالی تھی۔

اس صورت حال سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ
فل کے فائر کے جواب میں ابھرنے والی چیخ لامحالہ ہمارے ہی
آدمی کی تھی جو اپنی بدبختی کی وجہ سے دشمنوں کی نگاہ میں
تھا۔

"لیکن میرا اندیشہ غلط بھی ہو سکتا ہے" چند ثانیوں کے
کے بعد ویرا دوبارہ بولی۔

باہر سے آنے والی فائرنگ کی دھواں دھار آوازوں میں اس
پُرامید تبصرے نے مجھے چونکا دیا اور میں استفسار طلب
وں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"سلطان شاہ نے کراچی میں موجود اپنے ان دوستوں کا ذکر
تھا جو اپنی روایات کے تحت اپنے پاس اسلحہ ضرور رکھتے ہیں۔
ہ انہیں بھی ساتھ لایا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ ان ہی میں سے کسی
پاس رائفل بھی موجود رہی ہو" ویرا نے اپنی رائے کی
احت کرتے ہوئے پُرامید لہجے میں کہا۔

"اس وقت تو میں دعا ہی کر سکتا ہوں کہ تمہارا خیال درست
ت ہو۔"

ویرا کی وہ بات اس وقت واقعی میرے دل کو لگی تھی۔

"اور ہاں!" ویرا نے چونکتے ہوئے کہا "جب تم فون پر
طان شاہ سے باتیں کر رہے تھے تو اس نے کسی سینڈو کا ذکر بھی
ا تھا۔ یہ کون سی بلا ہے؟ آخر وہ میرے ساتھ تمہاری حمایت
ول نہیں کر سکتا؟"

تشویش اور پریشانی کے ان لمحات میں ویرا کا وہ سوال میرے
ئے بہت ٹیڑھا ثابت ہوا۔ مجھے یاد آیا کہ مجھ سے اسپیکر فون پر
ت کرتے ہوئے سلطان شاہ نے نفری کی فراہمی کے سلسلے میں
نڈو کا ذکر بھی کیا تھا جسے ٹالنے کے لئے میں روانی میں ایک بے تکا
تبصرہ کر بیٹھا تھا جو ویرا نے بھی سن لیا تھا۔

ویرا کراچی میں بے سروسامان ضرور ہو گئی تھی لیکن مجھ سے
ٹکرانے سے قبل وہ اس قدر بے بس اور مجبور نہیں تھی۔
معراج دین عرف ماجے کی مسلح اور بارسوخ غنڈوں کی فوج
ظفر موج اس کے اشاروں پر ناچنے کے لئے تیار رہتی تھی اور یہ
امر ناممکن نظر آتا تھا کہ ویرا شہر میں مافیا اور اس کے حوالے سے
سینڈو کی سرگرمیوں سے بالکل ہی بے خبر رہی ہو۔ ان نازک
لمحات میں اس کے سوال نے مجھے احساس دلا دیا تھا کہ وہ میری
زبان سے سینڈو کا ذکر سن کر کھٹک گئی تھی اور اس معاملے میں
میری ذرا سی لغزش بھی اس کی برہمی کا سبب بن سکتی تھی۔

سینڈو اور مافیا کے بارے میں میں ویرا پر کھل کر اعتماد نہیں
کر سکتا تھا مگر پھر بھی میں نے اس سے تھوڑا بہت سچ بولنے کا ایک
اضطراری فیصلہ کر ہی لیا۔

"سلطان شاہ احمق اور سادہ لوح ہے" میں نے کہا "وہ ہر
کسی پر بہت جلد بھروسا کر لیتا ہے۔ دراصل سینڈو مقامی مافیا کا
کوئی اہم کارندہ ہے۔ اس نے فون پر کئی بار مجھے مافیا کے لئے کام
کرنے کی پیشکش کی تھی۔ اس کے بدلے میں اس نے مجھے بھاری
معاوضے اور مافیا کی بھرپور پشت پناہی کی یقین دہانی بھی کرائی تھی
مگر میں نے ہر بار سختی کے ساتھ اس پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا۔
میرے لئے تو سینڈو ایک قصۂ پارینہ بن چکا ہے۔"

"لیکن تم نے آج تک یہ بات مجھے نہیں بتائی تھی" ویرا کی
آواز میں شکوہ اُمڈ آیا۔

"بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی" میں نے باہر ہونے والی
فائرنگ کی شدت پر دھیان دیتے ہوئے کہا "یہ ان دنوں کی بات
ہے جب میری تم سے ٹھنی ہوئی تھی" پھر میں نے اپنے لہجے میں
دانستہ بیزاری پیدا کر لی "اس وقت تم یہ قصہ کہاں نکال بیٹھیں؟
ہمیں اپنی سلامتی کی فکر کرنا چاہئے۔ باہر برسنے والی بارودی آگ
کسی بھی لمحے ان در و دیوار کے اندر تک پہنچ سکتی ہے۔ زندہ رہے
تو یہ تمام شکوے شکایتیں بعد میں بھی کر سکتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میرے لئے یہ جاننا بہت
ضروری ہے کہ تم کو میرے علاوہ کن لوگوں کی پشت پناہی حاصل
ہے۔ ان سے واقف ہوئے بغیر میں تمہارے لئے کوئی مثبت رول
ادا نہیں کر سکتی" اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"اب تو میں نے تمہیں بتا دیا کہ سینڈو کون ہے.... اس کے
بعد تمہارے لئے کون سی بات رہ جاتی ہے جو تمہیں میرا ساتھ
دینے سے روک سکے؟" میں نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

میرے لہجے کی تلخی پر وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔ اس وقت
اس کی ہنسی میں مجھے عجیب سی درندگی کی جھلک محسوس ہوئی۔ اسی
کے ساتھ وہ بولی "خواہش کے باوجود کبھی کبھار تم پر اعتماد کرنے کو
دل نہیں چاہتا۔ میں اپنی ہر بات تمہیں بتا دیتی ہوں لیکن میرا
خیال ہے کہ تم اپنے کارڈز چھپا کر رکھتے ہو..."

"شش" میں نے اچانک ہی اسے خاموش رہنے کا اشارہ
کیا۔

جس وقت باہر سے رائفل کا پہلا فائر ہوا تو ویرا نے ٹرانسمیٹر پر ملا سرکار کی بات سن رہی تھی۔ ہماری سمت کا سسٹم آن تھا اور اس لئے میں نے محسوس کیا کہ ملا سرکار والا ایرپیس بھی آن تھا کیونکہ باہر سے آنے والی آوازیں ڈرائنگ روم میں موجود اسپیکر پر بھی گونج رہی تھیں اور اگر باہر برپا ہونے والی قیامت میں ملا سرکار کے اوسان سلامت رہے تھے تو وہ اس وقت بھی اپنے ایرپیس پر ہماری گفتگو سن سکتا تھا۔

ویرا نے فوراً ہی میرا اشارہ سمجھ لیا اور خاموش ہوگئی۔ چند ثانیوں کے مکمل سکوت کے باوجود دوسری سمت سے ملا سرکار کی آواز نہ سنائی دی تو مجھے شبہ ہونے لگا کہ اس افراتفری میں وہ ایرپیس ملا سرکار کے ہاتھ سے نہ گر گیا ہو لیکن مزید چند لمحات گزرنے کے بعد ملا سرکار کی بپھری ہوئی آواز نے میری وہ غلط فہمی رفع کردی۔

وہ کسی بھیڑیے کی طرح غرا رہا تھا "تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ اب تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا" اس کی بات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ایرپیس بدستور اس کی تحویل میں تھا اور وہ اچانک فائرنگ ہونے کی وجہ سے فوری طور پر جوابی کارروائی میں منہمک ہو کر اس کی طرف سے غافل ہوگیا تھا۔

"ہوش میں رہ کر بات کرو' بلیک کیٹ!" ویرا نے غصیلی آواز میں کہا "میں ایسا گھٹیا لب ولہجہ سننے کی عادی نہیں ہوں۔ میں اپنے گھر میں موجود ہوں۔ باہر کیا ہو رہا ہے؟ اس سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔ تمہاری ڈینی سے ٹھنی ہوئی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تم رات کے نو بجے مجھ سے رابطہ کرو گے۔ ہوسکتا ہے کہ وہی اپنے آدمیوں کے ساتھ تمہاری گھات میں لگا ہوا ہو۔ یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ مجھے اس میں گھسیٹنے کی کوشش نہ کرو۔"

"لیکن میں نے تو ٹرانسمیٹر پر بات کرنے کے لئے کہا تھا پھر اس نے یہاں گھیرا کیسے ڈال رکھا ہے؟" بلیک کیٹ ٹی کے لہجے سے اشتعال اور برہمی مترشح تھی۔ ویرا کی بات پر اس کی طرف سے کوئی اعتراض نہ ہونے پر میں نے اطمینان کا سانس لیا تھا کہ اس نے بوکھلاہٹ یا مصروفیت کی بنا پر' اپنے ایرپیس پر میری آواز نہیں سنی تھی۔

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو" ویرا نے ناخوشگوار لہجے میں کہا "ڈینی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے۔ اسے پہلے سے شبہ ہے کہ رازداری برقرار رکھنے کے لئے تم محدود حیطۂ عمل میں کام کرنے والا آلہ استعمال کرتے ہو اور اس سسٹم پر مجھ سے بات کرتے ہوئے میرے گھر کے آس پاس ہی موجود ہوتے ہو۔ ویسے فائرنگ کی ابتدا کس نے کی ہے؟"

"اسی حرامی نے سلسلہ چھیڑا ہے لیکن میں بھی آج اسے بچ کر نہیں جانے دوں گا۔ میرے آدمی اسے گھیرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں" اس کے لہجے میں شکست کی تلخی گھلی ہوئی تھی۔

"پھر اسے کیوں الزام دے رہے ہو؟ مجھ سے بات کے لئے تمہیں آدمی ساتھ لانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ آدمی لانے کا مطلب ہے کہ تمہارے ارادے بھی نیک نہیں تھے۔ تم نے سوچا ہوگا کہ وہ میرے گھر میں موجود ہوگا تو تم اسے باتوں میں الجھا کر اپنے آدمیوں کو اندر گھسنے کا موقع دو گے اور اسے پکڑ لوگے۔ وہ شاید اسی لئے واپس نہیں لوٹا کہ اسے تمہارے بھیجے ہوئے پیکٹ کے بارے میں خاصا تجربہ تھا۔ اب وہ پروگرام بنائے بغیر اچانک ہی یہاں پہنچے گا۔"

"تم اپنا پھاٹک کھول دو' میں تھوڑی دیر کے لئے اندر آنا چاہتا ہوں۔"

"میں اس دھواں دھار فائرنگ میں باہر نکلنے کا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی۔"

"لیکن تمہارے پھاٹک پر تو ریموٹ کنٹرول الیکٹرانک لاک ہے۔ تم اسے اندر ہی سے کھول سکتی ہو" اسے ویرا کے گھر کے بارے میں پوری معلومات حاصل تھیں۔

"وہ قفل مسلسل نہیں کھلا رہ سکتا۔ چالیس سیکنڈ میں اگر داخل نہ ہوا جائے تو وہ دوبارہ مقفل ہوجاتا ہے۔ تم گیٹ پر انٹرکام پر جونہی آواز دو گے' میں پھاٹک کھول دوں گی" ویرا کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

"میں ادھر آیا اور رکا رہا تو بے موت مارا جاؤں گا۔ لوگوں نے تمہارے مکان پر کڑی نظر رکھی ہوئی ہے۔"

"ایسا تو نہیں کہ تمہارے کسی آدمی نے دیوار پھاند کر اندر کودنے کی کوشش کی ہو اور ڈینی کے آدمیوں نے اس پر اندر سے فائر کردیا ہو؟" ویرا نے چونک کر سوال کیا۔

"رائفل سے میرا جو آدمی زخمی ہوا ہے' اس نے میری ہدایت کے بغیر ضرور حماقت کی ہوگی۔ کھلے نشانے پر آئے بغیر آدمی اتنی بری طرح زخمی نہیں ہوسکتا" اس نے تبسم سا دبا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے' تو اب تم اپنے آدمیوں سے اپنی ہدایات تحت حماقتیں کراتے رہو' میں ایرپیس آف کرکے اپنی خوابگاہ میں جارہی ہوں' میرا سونے کا وقت ہوگیا ہے۔"

"خدا کی پناہ" بلیک کیٹ ٹی کی تحیر زدہ آواز ابھری "فائرنگ کے اس خوفناک شور میں تمہیں نیند آجائے گی؟"

"لاشوں کے بستر پر بھی مجھے نیند آجاتی ہے۔ تم بھول رہے ہو کہ میں کون ہوں اور کیا کرتی ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم مجھے اپنے مکان میں داخل نہیں ہونے دوگی؟"

"میں ساری رات تو تمہارا انتظار نہیں کرسکتی۔ تمہیں مجھ سے کیا کام ہے؟ ایسا تو نہیں کہ تم اندر آکر بذات خود اس بات کا یقین کرنا چاہتے ہو کہ ڈینی اندر نہیں ہے؟"

"تم نے بہت شکی مزاج پایا ہے" بلیک لیٹ نی کے ایک
ے سانس کے بعد اس کی آواز ابھری "ٹھیک ہے۔ تم آرام
ے میری جنگ ہے اسے میں خود ہی لڑتا رہوں گا۔"
"یہ یاد رکھنا کہ کل شام تک مجھے فہرستیں نہ ملیں تو سودا
نے کی ذمے داری مجھ پر نہ ہوگی۔"
"فہرستیں مل جائیں گی اور شاید اسی کے ساتھ ڈینی کا قصہ
ختم ہوجائے گا۔ تمہاری طرف سے کھلی چھوٹ مل جانے کے
میں اسے بہت آسانی کے ساتھ گھیرلوں گا۔"
"لیکن یہ یاد رہے کہ غزالہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس کی
متی کی پوری ذمے داری تم پر ہے۔"
"ٹھیک ہے" اس کی الجھن آمیز آواز ابھری "لیکن میں یہ
ھنے سے قاصر ہوں کہ ڈینی کی موت کے بعد تم اس کی محبوبہ کے
ے میں کیا کروگی۔ جانوماچھی اسے حاصل کرکے خوش
جائے گا۔"
"نہیں!" ویرا نے سختی کے ساتھ کہا "جو طے ہوچکا ہے'
ں سے سرمو بھی انحراف نہ ہونا چاہئے۔"
"تم ضد پر اڑی ہوئی ہو تو اس شرط کا بھی خیال رکھا جائے
"اس کا لہجہ مایوسانہ تھا "اوور اینڈ آل" کہہ کر اس نے اپنا
بٹن آف کردیا کیونکہ ڈرائنگ روم کے اسپیکر سے ابھرنے والا
ئرنگ کا شور یک لخت معدوم ہوگیا البتہ باہر نہایت تسلسل اور
تر کے ساتھ گولیاں چل رہی تھیں۔
اپنی سمت کا' آواز کی لاسلکی ترسیل والا آلہ بند کرتے ہوئے
براذہن باہر ہونے والی بے مقصد فائرنگ میں الجھا ہوا تھا۔ پہلی
سانی چیخ کے بعد صرف فائرنگ ہو رہی تھی۔ اس شور میں کوئی
مزید انسانی آواز سنائی نہیں دی تھی جس کی بنا پر ایسا معلوم ہو رہا
تھا کہ دونوں فریق اپنا وافر میگزین پھونک کر اپنے مخالف کو خوفزدہ
کرنے کی کوشش میں مصروف تھے لیکن پھر سلطان شاہ اور اس
کے آدمیوں کی حد تک بات میری سمجھ میں آگئی۔
اسے معلوم تھا کہ میں ویرا کے مکان میں محصور تھا اور باہر
ملا سرکار کے خونی درندے پھیلے ہوئے تھے اور اگر وہ ایک بار ویرا
کے مکان میں داخل ہونے میں کامیاب ہوجاتے تو نہ صرف میری
سلامتی کے لئے سنگین خطرات پیدا ہوجاتے بلکہ ایک امکان یہ
بھی پیدا ہوجاتا کہ ملا سرکار گھر کی عقبی خواب گاہ تک رسائی
حاصل کرکے ہندو پنچایت کے مقامی سربراہ موہن داس کی لاش
دیکھ لیتا اور پھر اسی لمحے ہمارا سارا کھیل بگڑ جاتا۔ ملا سرکار سمجھ
لیتا کہ ہم نے اس کے بارے میں موہن داس سے معلومات
حاصل کرکے اسے ٹھکانے لگادیا اور ویرا اس کو خیر سگالی کے
ماحول میں الجھا کر بے وقوف بنا رہی ہے تاکہ اس کے اہم ترین
ٹھکانے تک پہنچنے کا وقت حاصل کرسکے۔ اس خطرے کے پیش
نظر ملا سرکار کا اس چار دیواری سے دور روکا جانا بہت ضروری
ہوگیا تھا۔

ہم نے مکان کو اندر سے اچھی طرح مقفل کرلیا تھا۔ کسی
بھی کھڑکی' دروازے یا روشن دان سے پر شور زور آزمائی کے بغیر
گزر کر کسی کا اندر گھسنا محال تھا۔ اس لئے ہم دونوں ڈرائنگ
روم میں جا بیٹھے جو اپنے محلِ وقوع کے اعتبار سے اس مکان کے
تقریباً وسط میں واقع تھا اور وہاں رہ کر ہم پورے مکان کے کسی
بھی حصے میں پیدا ہونے والی آہٹ سن سکتے تھے۔
تھوڑی دیر بعد فائرنگ کے شور میں ایک اور اندوہناک
انسانی چیخ سنائی دی۔ ہم دونوں نے خاموش نگاہوں سے ایک
دوسرے کی طرف دیکھا لیکن زبان سے کچھ نہ بولے کیونکہ اس
چیخ کی کوئی شناخت نہیں تھی۔ وہ ہمارا دشمن بھی ہوسکتا تھا اور
ہمدرد بھی۔ ہر دو صورتوں میں وہ واقعہ مقابلے کے سمٹنے میں اہم
رول ادا کرسکتا تھا۔
اس چیخ کے بعد فائرنگ کی شدت میں نمایاں کمی ہوگئی۔ چند
ہی منٹ میں یوں محسوس ہونے لگا جیسے ایک فریق نے اپنی
مدافعت میں اکا دکا فائر کرکے' اس کی آڑ میں باہر نکلنے کا فیصلہ
کرلیا ہو۔ چند سیکنڈ تک صرف تین مختلف اقسام کے اسلحے چلتے
رہے پھر وہ آوازیں بھی یکلخت معدوم ہوگئیں۔
دھواں دھار فائرنگ کے بعد وہ سناٹا بہت مہیب اور وحشت
ناک محسوس ہو رہا تھا۔
"تمہارا کیا خیال ہے؟ دونوں میں سے کون پسپا ہوا ہوگا؟"
ویرا نے سوال کیا۔
"اصولاً تو ملا سرکار کو مار پڑنا چاہئے تھی" میں نے سگریٹ
سلگاتے ہوئے کہا۔
"کس اصول کے حوالے سے یہ دعویٰ کررہے ہو؟" ویرا
میرے جواب پر چڑ کر بولی۔
"اصول استعداد کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔ پہل کرنے والے کو
شروع میں ہی ایک حریف کو مار لینے کا فائدہ حاصل ہوگیا تھا جس
کا اعتراف ملا سرکار نے خود تم سے کیا تھا۔"
"تم بھول رہے ہو کہ وہ اس کے باوجود کافی دیر تک مجھ سے
باتیں کرتا رہا تھا۔"
"میرا خیال ہے کہ دوسری چیخ بھی اسی کے کسی ساتھی کی
تھی۔ اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دو چار ہی آدمی رہے ہوں
گے۔ ان میں سے دو کے معذور ہونے یا مرجانے کے بعد اس کے
قدم اکھڑ گئے ہوں گے۔"
"خدا کرے کہ تمہاری یہ خوش فہمی درست ثابت ہو۔ وہ
بھی اتنا کمزور نظر نہیں آتا۔"
"تھوڑی دیر میں سب کچھ سامنے آجائے گا۔ اگر وہ میدان
میں ڈٹا رہا تو اب میدان صاف ہوجانے پر وہ ضرور تمہارے گھر
میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا۔"
میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس نے اپنی جگہ چھوڑ
دی اور بولی "باہر اندھیرا ہے اور ہم اندر چراغاں کئے بیٹھے ہیں۔

ہمیں تمام بتیاں گل کر دینا چاہئیں۔"
اس کی وہ تجویز معقول تھی اس لئے میں بھی اٹھ کر اس کا ہاتھ بٹانے لگا۔
"میرا خیال ہے کہ اب تک باہر پولیس آچکی ہوگی" گھر میں مکمل اندھیرا کر دینے کے بعد ویرا تشویش زدہ انداز میں بڑبڑائی۔
"معلومات حاصل کرنے کے لئے انہوں نے ہمارا دروازہ آزمایا تو کیا ہوگا؟ یہاں تو ایک لاش بھی پڑی ہوئی ہے۔"
"اگر ماجے کا آدمی اس مکان میں واقعی جوئے کا اڈا چلا رہا تھا تو پھر پولیس کو ہمیں نہیں چھیڑنا چاہئے۔"
"یہ کیا بات ہوئی؟" وہ تنک کر بولی "تم ہر بات پر یوں ہی فتوے صادر کر دیتے ہو۔"
"سامنے کی بات ہے ویرا خانم!" میں نے نرمی سے کہا۔ "جوئے خانوں میں لوگوں کی غیر معمولی آمد و رفت رہتی ہے۔ کسی رہائشی علاقے میں پولیس کی ملی بھگت کے بغیر ایسے اڈے نہیں چلائے جا سکتے۔ وہ تھانے والوں کو معقول بھتا بھی دیتا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی ذاتی حیثیت میں کوئی افسر بعد میں آکر رسمی پوچھ گچھ کر لے لیکن اس وقت وہ اپنی دودھ دینے والی بکری کو نہیں چھیڑیں گے۔ علاقے سے سارے مجرم' بدمعاش اور لٹیرے نکال دیئے جائیں تو ان بے چارے پولیس والوں کے بھاری خرچے کہاں سے پورے ہوں گے؟ بدعنوان افسروں کا بس چلے تو سونے کا انڈا دینے والی ایسی تمام تگڑی مرغیوں کو اپنے اپنے باڑوں میں ہی ہانک لائیں۔"
"تمہارے یہاں شاید اسی لئے تھانوں کی بولیاں لگانے کا رواج ہے" ویرا کی آواز زہریلی ہوگئی "جس تھانے کی حدود میں سونے کا انڈا دینے والی مرغیوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی' اس کا بھاؤ بھی اسی قدر اونچا جاتا ہوگا۔"
"تم تو خود ہی خاصی عقل مند ہو" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "ساری باتیں جانتی ہو لیکن خرابی یہ ہے کہ اپنی کھوپڑی پر زیادہ زور دینے کی عادی نہیں رہی ہو۔"
"شی میں سوچنے کا کام جمی لائیڈ یا اس کے بڑے کرتے ہیں" اس نے ڈھٹائی کے ساتھ کہا "ہم لوگ تو حکم کے بندے ہیں۔ جو کچھ بتا دیا جاتا ہے اسے پورا کر گزرتے ہیں۔ میں تم سے ایک بار پھر کہتی ہوں کہ تم دوبارہ شی میں آجاؤ تو بہت فائدے میں رہو گے۔ پیسے کے ساتھ ساتھ عزت بھی ملے گی اور میری جان بھی سکھ سے رہے گی۔"
"معلوم ہوتا ہے کہ آج پھر تمہارے دماغ کی کوئی رگ پھڑک گئی ہے جو تم یہ مسئلہ دوبارہ نکال بیٹھی ہو۔ اس موضوع کو تو ہم ہمیشہ کے لئے دفن کر چکے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ صرف میری خاطر جمی لائیڈ اپنی شی کا مزاج اور طریق کار کیسے بدل سکتا ہے؟ وہ ہر قیمت پر مجھے اپنا اسیر بنا کر مارنا چاہتا ہے۔ دوسرے طریقوں سے کامیابی نہیں ہوئی تو اس نے تمہیں چارا بنا کر یہاں بھیجا ہے۔ تم خود بتاؤ کہ شی میں آج تک کسی باغی کو زندہ چھوڑا ہے؟"
"میں جانتی ہوں کہ باغی ہمیشہ اور ہر قیمت پر مارے جاتے رہے ہیں لیکن تمہارے لئے شاید اس کے دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری وجہ سے تمہیں رعایت دینے پر آمادہ ہو گیا ہو۔ تمہیں اندازہ نہیں تھا کہ پاکستان افیون کی کس قدر زرخیز منڈی ہے۔ اگر کسی روک ٹوک کے بغیر ان وسائل کو بروئے کار لایا جائے تو ہیروئن کی مد سے اتنی آمدنی ہو سکتی ہے جو تمہارے ملک کے سالانہ بجٹ کے نصف سے بھی زیادہ ہو۔ پاکستان کی اسی اہمیت کی وجہ سے جمی لائیڈ یہاں سے اپنی ناکامی کا ازالہ کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے تمہارے تعاون کا خواہاں ہے۔"
اس کی بات سن کر اس کی کم دماغی پر مجھے غصہ آگیا اور میں نے ملامت بھرے لہجے میں کہا "تم اپنے بارے میں بار بار خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتی ہو۔ یہ خود فریبی کی انتہا ہے حالانکہ تم اپنے ہوٹل کے کمرے میں سیٹلائٹ مائکروفون دیکھ چکی ہو جس کی مدد سے تمہارے باپ کے نمک خوار تمہارے سانسوں تک کی آوازیں سنتے رہتے تھے۔"
"مجھے اب شی یا اس کی سرگرمیوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رہی ہے" اندھیرے کمرے میں ویرا کی پرخیال آواز ابھری "مجھے صرف ایک ہی بات کی حسرت تھی۔ میں نے کم سنی میں اپنی ماں کا سایہ ضرور دیکھا تھا۔ اسی کی گود میں ہوش سنبھالنا شروع کیا تھا لیکن میں نے اپنے باپ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ماں نے مجھے بتایا تھا کہ جمی لائیڈ میرا باپ تھا لیکن میں نے بھی اس تک پہنچنے کی کوشش کی' کچھ نامعلوم لوگوں نے نہایت بے رحمی کے ساتھ مجھے اس سے بہت دور پہنچا دیا۔ اپنی ان کوششوں میں میں نے بڑی اذیت سہی۔ کئی بار بدترین حالات برداشت کرنا پڑا۔ توہین اور تذلیل کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ تم جانتے ہو کہ میں جب تم سے ملی تو اپنے باپ سے ملنے کے خبط میں مبتلا تھی۔ اب اس سے صلح ہو جانے کے بعد میں نے دیکھ لیا ہے۔ اس نے مجھے اپنی بیٹی تسلیم کر لیا ہے تو میں اس کے نام کے سحر سے آزاد ہو چکی ہوں۔ اس سے زیادہ دلچسپی تمہاری ذات میں ہے۔ میں تمہیں 'آزاد' زندہ اور سکھی دیکھنا چاہتی ہوں۔ تم غزالہ کے ساتھ خوش و خرم رہو گے تو میں کبھی کبھار تمہاری ذاتی مسرتوں کے کچھ لمحے چرا کر خوش ہو لیا کروں گی۔ اس سے زیادہ میری کوئی اور آرزو نہیں ہے۔"
اس کے خیالات بہت بے تکے اور مفسدانہ تھے لیکن اس وقت کچھ جذباتی ہو رہی تھی۔ اسی لئے میں نے اس کا مذاق اڑانے سے گریز کرتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں کہا "ہم اپنی مرضی سے پیدا ہوتے ہیں اور نہ اپنی خواہش کے تحت مرتے ہیں۔ ہماری زندگی کے سروں پر یہ دونوں ہی اٹل ترین حقیقتیں

کوئی نہیں جھٹلا سکتا اور ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی جدوجہد اور کوششوں کے باوجود ہم پوری زندگی کسی نادیدہ کی کٹھ پتلی بنے رہتے ہیں اس لئے ہمیں اپنی آرزوؤں کو کبھی حاوی نہیں ہونے دینا چاہئے۔ بھوتوں کے تحت اوپر گزارنے والے عموماً سکھی رہتے ہیں۔ اپنی آرزوؤں کے کو بہت زیادہ بڑھا لیا جائے تو ہوس کے عالم میں ساری عمر دوڑتے رہنے کے باوجود آدمی آسودگی کے کسی لمحے سے س تک نہیں ہو پاتا۔"

"تم مایوسانہ باتیں ..." بولتے بولتے وہ اچانک خاموش اور میں نے ایک دم اپنی نشست چھوڑ دی کیونکہ مکان کے حصے سے کوئی نامانوس سی آہٹ سنائی دی تھی۔

اس گھر کی عقبی خوابگاہ کے ننگے فرش کے علاوہ کہیں بھی کوئی قالین سے خالی نہیں تھا۔ غسل خانوں تک میں فرش قالین آراستہ تھا۔ باتھ ٹبوں اور شاور ٹریز کے گرد غیر جاذب حریری ے لگا کر اور ان کے قریب نہایت جاذب اور دبیز سوتی ن ڈال کر ان مقامات کو خشک رکھنے کا پورا اہتمام کیا گیا تھا لئے میں نے اپنے جوتے وہیں چھوڑ دیے تاکہ ان سے پیدا والی کوئی آواز کسی کو ہوشیار نہ کر سکے۔

میں چلا تو ویرا نے اضطراری طور پر میرا بازو تھام لیا اور راتی ہوئی آواز میں بولی "یہیں بیٹھے رہو۔ کھڑکیوں وغیرہ سے جنگلا اکھاڑے بغیر کوئی اندر نہیں آ سکے گا۔"

"ہمیں دیکھنا چاہئے کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟" میں سرگوشیانہ لہجے میں مختصر سا جواب دیا حالانکہ بیرونی مداخلت س امکان نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔

اکا دکا آہٹوں وغیرہ پر اندر سے کسی مداخلت کے آثار نہ پاکر معلوم شخص شیر ہو سکتا تھا اور اسی زعم میں کسی کھڑکی کا شیشہ توڑنے کا خطرہ بھی مول لے سکتا تھا۔ وہ مداخلت کار تھا اور گھر میں گھسنے کی نیت سے آیا تھا۔ اس لئے اس کے پاس وغیرہ کا ہونا لازمی تھا اگر وہ محض اتفاقاً ہی عقبی خوابگاہ کی بیرونی کھڑکی کا شیشہ توڑنے میں کامیاب ہو جاتا تو ٹارچ کی نی میں اندر، فرش پر پڑی ہوئی موہن داس کی لاش دیکھ سکتا تھوڑی دیر پہلے تک باہر ہونے والی خون ریز فائرنگ کی نی میں یہ امر یقینی تھا کہ مداخلت کار ہمارا ہمدرد نہ تھا اور نہ یا عام سا چور اچکا۔ وہ ملا سرکار یا اس کا کوئی ساتھی ہی سکتا تھا اور وہ موہن داس کی لاش کا سراغ لگانے میں کامیاب جاتا تو ہمارا بنایا ہوا پورا منصوبہ بدترین ناکامی سے دوچار ہو سکتا

ہم دونوں دبے قدموں چلتے ہوئے عقبی راہداری کی طرف دروازے پر ہی ہمارے قدم جم کر رہ گئے کیونکہ ایک کھڑکی تاریک شیشے کے پیچھے ایک انسانی ہیولا متحرک نظر آ رہا تھا۔ اس سمت میں بیرونی دیوار پر ایک دوسرے سے متصل آٹھ دس کھڑکیوں کی قطار تھی جن کے گرد مضبوط آہنی گرل لگی ہوئی تھی۔ وہ سایہ اس وقت دروازے سے تیسری کھڑکی پر تھا۔ چند ثانیوں تک اس کھڑکی کے پٹوں پر ناکام زور آزمائی کرنے کے بعد وہ سایہ پھرتی سے چوتھی کھڑکی کے پیچھے چلا گیا۔

وہ کسی دوسری کارروائی سے پہلے باری باری ان تمام کھڑکیوں پر اپنا مقدر آزمانا چاہتا تھا اسی لئے تیزی کے ساتھ ایک سے دوسری کھڑکی پر جا رہا تھا۔ نازک شیشوں کی وہ کھڑکیاں اس کے لئے ترغیب آمیز ثابت ہو رہی تھی۔ ان کی قطار ہونے کی وجہ سے وہ راہداری سے منسلک اس عقبی خوابگاہ کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا جس کے فرش پر موہن داس کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس وقت مکان میں گھور اندھیرا تھا لیکن باہر کسی دور افتادہ بلب کی روشنی میں یا تاروں کی دھیمی روشنی کی وجہ سے اتنا گمبھیر اندھیرا نہیں تھا جس کی وجہ سے ہمیں شیشوں پر اجنبی کا دھندلایا ہوا سایہ نظر آ رہا تھا لیکن وہ شیشہ توڑے بغیر اندر کے بارے میں کوئی قیاس لگانے سے قاصر تھا۔

اس کا بغور جائزہ لیتے ہوئے ایک بار وہ ایسے رخ پر گھوما کہ مجھے اس کے تاریک سائے کے چہرے پر اسی وضع کی داڑھی کی موجودگی کا گمان گزرا جو میں ملا سرکار کے چہرے پر دیکھ چکا تھا۔

ویرا نے خاموشی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں موجود بے آواز پستول میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس نے بالکل وہی سوچا تھا جو میرے ذہن میں آیا تھا۔ اس وقت ہمارے پاس اور کوئی دوسرا حل ہی نہیں تھا۔

گھر کی تمام کھڑکیاں اور دروازے ہم نے سر شام ہی اندر سے بند کر لئے تھے۔ اس لئے احاطے میں موجود شخص کو راہ ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہ شاید پورے گھر کا طواف کر چکا تھا۔ اسی لئے اس نے اپنی پوری توجہ اسی حصے میں مرکوز کی ہوئی تھی۔ آخری کھڑکی کے جائزے سے مایوس ہو کر وہ سایہ دوبارہ دروازے سے متصل پہلی کھڑکی پر آیا تھا۔

میرا خیال تھا کہ وہ ادھر آتے ہی براہ راست کھڑکی کا شیشہ توڑے گا لیکن وہ بہت محتاط نظر آ رہا تھا اور اندر والوں کو ہوشیار کئے بغیر گھر میں داخل ہونے کے چکر میں تھا۔

شیشے کے پیچھے وہ انسانی ہیولا چند ثانیوں تک تیز حرکات میں مصروف رہا پھر فضا میں کسی سخت سطح پر دوسری سخت چیز کھرچنے کی آواز آئی پھر ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ شیشے میں سے ایک چوکور ٹکڑا الگ ہو کر باہر غائب ہو گیا جو کسی چیز سے پہلے ہی چپکا لیا گیا تھا تاکہ نیچے گر کر ٹوٹنے نہ پائے۔

ہیرے کی کنی سے شیشہ کاٹ کر وہ اندر کوئی کارروائی کرنا چاہ رہا تھا۔ ہم اپنی جگہ پر خاموش اور مستعد کھڑے رہے۔ باہر سے شیشے پر بننے والے سائے کی پوزیشن سے جوں ہی میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کٹے ہوئے شیشے سے اندر کا جائزہ لینے کے لئے اس پر جھکا ہوا تھا، میں نے اپنا پستول سیدھا کر کے اس پر فائر کر دیا۔

گولی سوراخ کے بجائے سالم شیشے کو ایک چھناکے کے ساتھ توڑتی ہوئی گزری تھی اور باہر سے خلافِ توقع کسی چیخ کے بجائے ایک انسانی غراہٹ سن کر میری کھوپڑی گھوم گئی۔

میں نے اضطراری طور پر دوسرا بے آواز فائر بھی اسی سمت میں جھونک مارا۔

رہا سہا شیشہ بھی ٹوٹ کر کھڑکی کے فریم سے نیچے آرہا۔ یہ فائر بالکل ہی رائگاں گیا تھا اور پہلا فائر بھی زیادہ موثر ثابت نہیں ہوا تھا کیونکہ باہر کے پختہ فرش پر دوڑتے ہوئے انسانی قدموں کی دور ہوتی ہوئی دھمک واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ وہ ملاّ سرکار یا جو کوئی بھی تھا، میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا۔ اپنے نشانے کی غلطی پر میں جھلا کر رہ گیا۔

اسی لمحے مکان کے اندرونی حصے میں گھنٹی بجی، ویرا تیزی کے ساتھ اپنی خوابگاہ کی طرف لپکی۔

گو کہ ایک کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ چکا تھا لیکن مضبوط آہنی جنگلے کی وجہ سے ادھر سے کسی کے اندر آنے کا فوری خطرہ درپیش نہیں تھا اس لئے میں بھی ویرا کے پیچھے ہولیا۔

بجنے والی گھنٹی فون کی تھی۔ ویرا نے روشنی کئے بغیر اپنی خوابگاہ کے اسپیکر فون پر کال وصول کی تھی۔ بٹن دباتے ہی انسٹرومنٹ پر رابطہ ہونے کا ننھا سا سرخ بلب جل اٹھا۔

"میں سلطان شاہ بول رہا ہوں اور ادھر آنے کی اجازت چاہتا ہوں" اسپیکر فون پر سلطان شاہ کی ٹھہری ہوئی اور پرسکون آواز سے اعتماد کا اظہار ہو رہا تھا۔

"مقابلے کا کیا رہا؟ اس وقت تم کہاں سے بول رہے ہو؟" ویرا نے سوال کیا۔

"میرے ساتھ تین آدمی تھے اور وہ بھی کل چار ہی تھے۔ ان میں سے ایک نے تمہاری دیوار پھاند کر اندر گھسنے کی کوشش کی تھی اور میں نے اسے زخمی کرکے باہر ہی ڈھیر ہو جانے پر مجبور کردیا۔ ان کا ایک اور آدمی زخمی ہوا تو وہ بھاگ نکلے، میرے تینوں ساتھی اس وقت بھی وہیں منڈلا رہے ہیں میں کچھ دور سے فون کر رہا ہوں۔"

"تمہارا کوئی آدمی پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائے..." ویرا نے کہنا چاہا لیکن سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ تینوں بہت چالاک ہیں، پولیس کے آتے ہی ہوا میں تحلیل ہو جائیں گے۔" "لیکن یہاں بھی میدان صاف نہیں ہے۔ ابھی ابھی کسی نے ایک کھڑکی توڑ کر اندر گھسنے کی کوشش کی ہے۔"

"اس وقت تو وہ سب ہی بھاگ گئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ملاّ سرکار کھسیا کر پلٹ پڑا ہو۔ ایسی حرکت کرنے کی ہمت وہی کر سکتا ہے۔ میں نے اسی لئے آنے سے پہلے فون کیا ہے۔"

تم آجاؤ، آج کی رات ہمارا یہاں رہنا مخدوش ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن دیکھ بھال کے آنا۔ ہو سکتا ہے کہ ملاّ سرکار ابھی تک یہیں کہیں موقع کی تلاش میں منڈلا رہا ہو" میں دیتے ہوئے کہا۔

"میں چند منٹ میں پہنچتا ہوں۔ میں گاڑی سے خطرہ مول نہیں لوں گا بلکہ دوبار ہارن بجاؤں گا۔ پھاٹک کھول دینا ورنہ میری کھوپڑی میں کوئی کھڑکی بھی طلوع..."

"تم فکر نہ کرو۔ میں باہر نکل کر تمہارے ہارن کا انتظار کروں گا۔"

"تم باہر نہیں جاؤ گے" فون کا سلسلہ منقطع ہوتے ہی ویرا نے تحکمانہ لہجے میں کہا "اس نے تمہاری جھلک بھی دیکھ لی تو بے دریغ تمہارے بدن کو چھلنی کردے گا۔ مجھ سے اس کا کیا واسطہ ہوا ہے۔ اس لئے وہ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکے گا۔"

ان تبدیلیوں کے بعد مکان میں اندھیرا رکھنا بے کار تھا اس لئے ہم نے مکان کے زیرِ استعمال حصوں میں روشنی کردی۔ ویرا نے اپنے کمرے میں نصب گیٹ کے قفل کے ریموٹ کنٹرول پینل کے سلیکٹر سوئچ کو مینول پوزیشن پر سرکایا اور سلطان شاہ کے استقبال کے لئے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

میں کسی ناگہانی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ڈرائنگ روم کے دروازے کی اوٹ میں پستول سنبھال کر کھڑا ہو گیا۔

وقت دھیمے دھیمے سرکتا رہا۔ میرے لئے وہ صورت حال بہت غیر یقینی تھی۔ ملاّ سرکار جیسے وحشی درندوں کے بارے میں کچھ گمان نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ وہیں بھٹک رہا ہو گا یا چلا گیا ہو گا۔ باہر سڑک پر پولیس کی گشتی گاڑیاں بھی موجود تھیں جو سلطان شاہ کے پیچھے اس مکان تک پہنچ سکتی تھیں۔ کئی منٹ سکون اور سکوت کے عالم میں گزر گئے۔ سلطان شاہ کی گاڑی کے دو ہارن سنائی دئے۔ اس کے بعد آہنی پھاٹک کے کھلنے کی جھنکار سنائی دی اور قدرے بعد ویرا سلطان شاہ کو اپنے ہمراہ بحفاظت اندر لے آئی۔ ہمارے لئے وہاں مزید کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ عقبی کھڑکی کے راستے نقب لگانے میں بدترین ناکامی کے بعد ملاّ سرکار اس رات دوبارہ ویرا کے مکان کا رخ کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔

وہ اس کے مقدر کی خوبی سے زیادہ میرے اعصاب کی کمزوری تھی کہ شیشے کی ایک پتلی سی چادر اور اندھیرے کی موجودگی درمیان میں حائل ہونے پر بھی میں ملا سرکار کے سینے میں پگھلا ہوا سیسہ اتارنے میں ناکام رہا تھا۔

○☆○

اگلے دن کے اخبار میں ہمارے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی لیکن امن و امان کی بگڑی ہوئی صورت حال میں کوئی بھی ان کڑیوں کو یکجا کرکے ایک اہم خبر بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ ہر خبر ایک دوسرے سے الگ اور انفرادی نوعیت کی ہوئے تھی لیکن ہم تینوں کے لئے ان میں ربط تلاش

تھا۔
ب سے اہم مگر حاشیے والی چھوٹی سی خبر یہ تھی کہ پچھلے دن
ش فین مزاج شخص بازارِ حسن سے ایک لڑکی کو منتخب کر کے
ی معاوضے پر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس نے راستے میں
نف کے دلال کو سگریٹ اور پان خریدنے کے بہانے کار سے
را اور جوں ہی وہ نیچے اترا مذکورہ شخص اس طوائف کو لے کر
ہو گیا۔ اس کے شور مچانے پر اس نے راستے ہی میں کچھ
ھا کر طوائف کو بے ہوش کر دیا۔ وہ دوبارہ ہوش میں آئی تو
کالونی کے عقبی راستے پر ندی کی نمناک ریت پر پڑی ہوئی
اور اس کے بائیں ہاتھ میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔
مات کے مطابق نامعلوم مجرم نے بے ہوشی کے دوران میں
کے ہاتھ کی چھوٹی کے برابر والی انگلی جڑ سے کاٹ کر الگ
ی تھی اور زخم پر اچھی طرح مرہم پٹی کر کے اسے ویران ندی
ڈال دیا تھا۔

کسی زندہ انسان کے بدن سے کوئی عضو کاٹ کر نکال لینا
وحشیانہ بلکہ گھناؤنا جرم تھا لیکن اس انوکھی واردات کی خبر
کر مجھے یقین ہو گیا کہ وہ حرکت ملا سرکار کی ہی ہو سکتی ہے۔

اس خبر میں میرے لئے خوشی کا یہ پہلو تھا کہ کٹی ہوئی جس
کو میں انگوٹھی کی وجہ سے غزالہ کی سمجھ رہا تھا وہ اس کی نہیں
۔ اس خبر سے اس خیال کی تصدیق ہو گئی کہ محض دیرا کی
نودی کے حصول کی خاطر ملا سرکار غزالہ کو کسی قسم کا کوئی
سان پہنچانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے ذہنی جھٹکا دینے کے
اس نے بازارِ حسن سے ایک ایسی عورت کا انتخاب کیا تھا
کی انگلیاں غزالہ سے مشابہ رہی ہوں گی۔ اپنے ڈرامے کو
قت سے قریب تر لانے کے لئے اس نے کٹی ہوئی انگلی میں
لہ کی انگوٹھی پھنسا دی اور اس طرح مجھے کئی گھنٹوں کے لئے
اذیت میں مبتلا رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔

دوسری خبر دیگر مغویان کے ساتھ موہن داس کے بارے
تھی۔ جرائم کے روز افزوں ترقی کے دور میں پچھلے روز شہر
تین مالدار اسامیوں کو اغوا کیا گیا تھا۔ دو کو نامعلوم اغوا کنندہ
ٹ کے بل پر زبردستی اپنے ساتھ لے گئے تھے لیکن موہن داس
بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہ دہلی سے آئے ہوئے اپنے کسی
ما کے ساتھ جانے کے بعد واپس نہیں لوٹا تھا۔ معاشی اعتبار
وہ انتہائی خوشحال لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا اس لئے اس
ر کے بارے میں بھی فرض کر لیا گیا تھا کہ اسے کسی نے تاوان
لئے اغوا کیا ہو گا۔ اس کے ورثا اغوا کنندگان کی طرف سے
تاوان کے مطالبے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔

میری خبر کا تعلق نامعلوم افراد کے گروہوں میں اندھا دھند
رنگ کے تبادلے سے تھا۔ جائے واردات سے چلی ہوئی گولیوں
ے متعدد خول ملے تھے لیکن پولیس کے ذرائع کے مطابق تصادم
ضرور رہا تھا۔ شہر میں آئے دن ہونے والی فائرنگ کی وارداتوں
میں اس واقعے کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی گئی تھی۔

چوتھی خبر نہایت دلچسپ اور جاندار تھی کیونکہ اس کا تعلق
شانتی کے قتل سے تھا۔

مقامی حکام نے نہایت پھرتی کے ساتھ شانتی کی کار پر قبضہ
کیا تھا۔ شاید اس کارروائی کا محرک میری گمنام فون کال ہی بنی
تھی جو میں نے ایک اہم افسر کے روپ میں پولیس کے ہنگامی
امدادی مرکز میں کی تھی۔ کار سے خود کار اور خفیہ پستول کے
ساتھ ٹرانسمیٹر کی برآمدگی کی خبریں پہلے ہی شائع ہو چکی تھیں لیکن
لطف کی بات یہ تھی کہ شانتی کے سفارت خانے نے اپنے ابتدائی
اعترافات کے بعد اپنا موقف ایک دم بدل لیا تھا اور شانتی کی کار
سے ان اشیا کی برآمدگی کو مقامی انتظامیہ کا اسکینڈل قرار دے ڈالا
تھا۔ وہ مصر تھے کہ ان کے سفارت خانے کی ایک اہم، ایماندار
اور محنتی افسر کو بے رحمی سے قتل کیا گیا تھا اور انتظامیہ مجرموں پر
ہاتھ ڈالنے کے بجائے ان سے چشم پوشی برت کر شانتی کو ہی
ناپسندیدہ سرگرمیوں میں ملوث ثابت کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

شانتی کی کار سے اس کی ایک ڈائری بھی برآمد ہوئی تھی
جس میں بہت سے اہم اور حساس اداروں کے ذمے دار افسران
کے نام، پتے اور فون نمبر درج تھے۔ اسی کے ساتھ ہر نام کے
آگے اس شخص کے اخلاق اور کردار کی کمزوریوں کے بارے میں
مختصر اور ذو معنی فقرے درج تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شانتی
اپنے بعد آنے والوں کے لئے اپنے مشاہدات کا خلاصہ اس
ڈائری میں درج کرتی رہتی تھی تاکہ متعلقہ اہلکاروں کو گھیرنے کے
لئے زن اور زر کو مناسب ترین مواقع پر موثر ترین مقداروں میں
داؤ پر لگانے کی شرح آنے والوں کو معلوم ہوتی رہے۔ ان
خلاصوں کی روشنی میں بہت سے لوگ شامل تفتیش کر لئے گئے
تھے۔ لیکن بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ شانتی کی موت کے اگلے
ہی دن جوابی کارروائی کے طور پر شانتی کے ملک کے
دارالحکومت میں پاکستانی سفارت خانے کے ایک سینئر افسر کی
بیوی پر سوت نامعلوم لوگوں نے تشدد کیا جب وہ بچے کو اسکول
سے لے کر اپنی کار میں گھر واپس آ رہی تھی۔

وہ بدیہی طور پر سرکاری سطح کی ایک انتقامی کارروائی
تھی جس میں ایک شریف اور خانہ دار عورت کو اس کے بچے
سمیت نشانہ بنایا گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس واقعے پر
اعتراض، احتجاج اور مراسلے بازی کا ایک سلسلہ چلے گا اور
پھر وہ قصہ داخل دفتر ہو جائے گا۔ سرکاری غنڈوں کے ہاتھوں
پٹنے اور بے آبرو ہونے والی کو کبھی انصاف نہیں مل سکے گا۔

دیرا ہم دونوں کے بیدار ہونے سے پہلے ہی تیار ہو کر
فلیٹ سے اپنے گھر جا چکی تھی کیونکہ وہاں اسے دوہری ذمے
داری سنبھالنا تھی۔ سب سے پہلا کام تو یہ تھا کہ وہ وہاں پڑی
ہوئی موہن داس کی لاش کو کسی کی نظروں میں نہ آنے دے۔
دوم یہ کہ ملا سرکار شام ہونے تک اسے اسلحے کی فہرست

فراہم کرنے کا پابند تھا۔ اگر وہ مقررہ وقت کے اندر اندر معلومات فراہم نہ کرتا تو ویرا اسے اسلحہ فراہم کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں آزاد ہو جاتی۔

وہ ساری کتھا صرف ملا سرکار کو فریب دینے کے لئے بنائی گئی تھی ورنہ حقیقت یہ تھی کہ اسلحے کے اس سودے کے بارے میں ویرا نے ذرا بھی پیش رفت نہیں کی تھی۔ وہ اپنی کوششوں سے ملا سرکار کو رفتہ رفتہ اس مقام کی طرف لے جانا چاہ رہی تھی جہاں وہ اپنے قابل اعتماد ساتھیوں اور محفوظ ٹھکانوں کے کوائف ویرا کو بتانے پر مجبور ہو جاتا تاکہ ہم اسے گھیر کر آسانی کے ساتھ جہنم واصل کر دیتے۔

موہن داس سے ملنے والی معلومات نے ہمارا کام آسان کر دیا تھا لیکن ہماری کامیابی کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ ملا سرکار کراچی کو خیرباد کہہ کر کوٹ مندو کی راہ اختیار کرے۔ اسے کوٹ مندو کے چوہے دان میں پھانسنے کے لئے ویرا کو اس پر وقت برباد کرنا پڑ رہا تھا تاکہ وہ اپنی کامیابی کے نشے میں سرشار ہو کر ویرا کے اشاروں پر چلتا رہے۔

اس خبیث اور بے ضمیر شخص کو موہن داس کے حقیقی انجام یا کوٹ مندو سے میری واقفیت کا ذرا بھی علم ہو جاتا تو وہ کوئی خطرہ مول لینے کے بجائے اپنی مقامی بیوی اور بچوں پر لعنت بھیج کر ہمیشہ کے لئے کوٹ مندو کو خیرباد کہہ دیتا اور ہمارے لئے اس تک رسائی کا خواب ہمیشہ کے لئے تشنۂ تعبیر رہ جاتا۔

منہ ہاتھ دھو کر میں کسل مندانہ انداز میں دوبارہ اپنے بستر میں دبک گیا تھا کیونکہ ان دنوں فضا میں چبھنے والی خنکی کا رچاؤ خاصا بڑھتا جا رہا تھا۔ میں پیروں سے اپنے سینے تک لحاف تان کر اطمینان کے ساتھ اخبار کے تفصیلی مطالعے میں منہمک تھا کہ سلطان شاہ میرے لئے چائے بنا کر لے آیا۔

"اب بستر سے نکل آؤ۔ میں بھاپ اڑاتی ہوئی تازہ چائے بنا کر لایا ہوں۔"

"میں پہلے ہی بستر سے نکل چکا تھا، ہاتھ منہ دھو کر دوبارہ لیٹا ہوں" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"پھر ٹیبل پر ہی آجاؤ۔ ناشتا کئے لیتے ہیں" وہ چائے کی پیالی واپس لے گیا۔

ناشتے کے دوران میں ہم دونوں اخباری اطلاعات پر تبصرہ کرتے رہے۔

"حسرت تو اس غنچے پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گیا" شانتی کا ذکر آنے پر سلطان شاہ نے ایک گہرا سانس لے کر ایک مصرعے کی ریڑھ لگاتے ہوئے کہا۔

"وہ مسز شانتی نرائن تھی، مس نہیں تھی۔ تمہاری اطلاع کے لئے یہ بھی بتا دوں کہ وہ کھل کر کافی عرصے سے [illegible] کے سماجی اور سیاسی حلقوں میں بہار دکھا رہی تھی۔"

"وہ سب بہاریں دوسروں کے لئے تھیں، تمہا
آئی تو بے چاری کے مرجھانے کی باری آگئی" اس
چڑانے والے انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"تم دن بدن سُور ہوتے جا رہے ہو" میں
گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے ایسے گندے ناموں سے یاد نہ کیا کرو
شریر لہجے میں احتجاج کیا "تمہاری وجہ سے دوسروں
ملتی ہے۔ موہن داس نے بھی مجھے یہی مثال دی تھی
خون کھول اٹھا تھا۔"

"تمہارا خون تو ہر وقت ہی کھولتا رہتا ہے اس
کسی مثال کا دیا جانا ضروری نہیں ہے۔"

"تم مانو یا نا مانو لیکن میرا دل کہتا ہے کہ
حسین اور دل پھینک عورت تھی جو تم سے شیر و شکر
ہی براہِ راست دشمنی کے منصب پر فائز ہو کر
خوبصورت عورتوں کے بارے میں تم نے اپنا ایک
طریقہ بنایا ہوا ہے۔ حسین دشمنوں کو بھی پہلے اپ
دوستی کی مار سے نڈھال کرتے ہو پھر انہیں تڑپنے
کے لئے ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہو لیکن شانتی
مشقتوں سے گزرے بغیر ہی شانت ہو گئی۔"

"خوب! تو اب تم بھی بولنے لگے ہو۔ میرا خیا
ویرا نے تمہاری کوئی ایسی رگ دبائی ہے کہ تمہار
دماغ کے ساتھ ہی تمہاری زبان بھی چلنے لگی ہے۔"

وہ فوری طور سے میرے تبصرے کی گہرائی تک
سکا اور روانی میں بولا "میں تمہاری و[illegible] سے اب
کرتا ہوں ورنہ اب تک اس کا بھی کریا کرم کر چکا ہو

"اور میرا اندازہ ہے کہ اس فلیٹ کی تنہا
تمہارے غرور کا کریا کرم کر چکی ہے۔ کل اس نے
اس بارے میں بھانڈا پھوڑنے کی دھمکی دی، تم
مصالحت پر اتر آئے تھے۔"

اس کے کانوں کی لویں اور پھر اس کا چہرہ
نظریں نیچی ہوئیں اور اس نے جلدی سے چائے کی
دہانے سے لگالی۔ اس لئے کہ وہ موضوع کچھ ایسا سج
ہوا تھا کہ وہ اس بارے میں میرے سامنے زبان
ہرگز آمادہ نہ ہوتا تھا۔ وہ اس بارے میں جس قدر
اختیار کرتا تھا، اپنے واضح قیاسات کے باوجود میر
اس کی کہانی اسی کی زبانی سننے کا تجسس بڑھتا چلا جاتا

اس نے چائے کا گھونٹ لے کر پیالی میز پر ر
نے اسے پھر پکڑ لیا "شرماتے کیوں ہو؟ کھل کر بتا
کے ہاتھوں تم پر کیا گزری تھی کہ تم اس کے سامنے
بھڑکنے لگے تھے اور اب پھر اس سے دوستی کا دم بھ
ہو؟ وہ بہت گھاگ اور کھلاڑی عورت ہے اور تمہا

پہچان گئی ہے۔ جب چاہے گی تمہارے سر پر سوار ہو جائے گی۔"
اس کے بشرے سے زندہ دلی رخصت ہو چکی تھی اور وہاں گمبھیر سنجیدگی نے ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ وہ بولا تو اس کے لہجے میں آزردگی جھلک رہی تھی "مجھے اسی دن سے معلوم تھا کہ وہ سب تمہاری شرارت تھی۔ تم نے مجھے نیچا دکھانے کے لئے اس کے ساتھ ملی بھگت کی تھی۔ وہ واقعی بہت بد دماغ عورت ہے لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ بات بڑھ جانے کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ اس لئے میرا مضحکہ اڑانا تمہیں زیب نہیں دیتا۔"
اس میں خرابی یہی تھی کہ وہ مرد اور میرا دوست ہوتے ہوئے بھی میرے ساتھ محبوبانہ رویہ اختیار کئے رہتا تھا۔ میری جانب سے ہر وقت اور ہر حال میں فراخ دلی کی توقع رکھتا تھا لیکن میری ذرا سی لغزش پر بھی فوراً ہی روٹھ جایا کرتا تھا۔
"میں تمہارا مضحکہ نہیں اڑا رہا، میں تمہاری کہانی سننا چاہ رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ دیرا جلد یا بدیر اس سلسلے میں میرے سامنے تقریر کرنا شروع کر دے گی اگر مجھے تم کچھ نہیں بتاؤ گے تو مجھے بے چون و چرا... اس کی کہانی کو مان کر اس کی ہاں میں ہاں ملانا پڑے گی۔ تم جانتے ہی ہو کہ وہ حد سے زیادہ خود پرستی اور خود نمائی کی عادی ہے۔ اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے چکر میں اگر اسے دنیا کی ساری غلاظت اپنے چہرے پر مل کر بھڑکتے ہوئے جہنم میں چھلانگ لگانا پڑے تو وہ اس سے بھی گریز نہیں کرے گی۔"
"کمال ہے کہ تم اسے اتنا قریب سے جانتے ہو اور پھر بھی اسے ایک ڈھول کی طرح اپنے گلے میں لٹکائے پھرتے ہو۔"
اس بار اس کا لہجہ تحیر آمیز لیکن طنز سے عاری تھا۔
"میری مجبوری سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ کچھ دن پہلے ہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو چکے تھے۔ دونوں ہی کے ستارے اچھے تھے کہ ہم میں سے کوئی نہیں مارا گیا۔ وہ اب بھی بڑے ناز سے میرے بدن پر میری گولی سے آنے والا زخم کھا کر میری سنگ دلی کا شکوہ کرتی رہتی ہے۔ جہانگیر کے مکان پر حملے کے وقت آنے والا وہ زخم ابھی تک مندمل نہیں ہوا ہے۔"
"وہ بہت مکار اور لعنتی عورت ہے۔ مردوں کو رجھانے اور پھانسنے کے ہر حربے سے واقف ہے۔ اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے تو ہم اپنا پورا دن برباد کر لیں گے۔ اب اس پر لعنت بھیجو اور کام کی بات کرو۔"
"جانو ماچھی جس قدر تیزی سے ابھر کر سامنے آیا تھا، اسی طرح اب بالکل پس منظر میں چلا گیا ہے۔ اس کے بارے میں میرے دل میں گہری خلش پرورش پا رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے غزالہ کو حوالات سے نکال کر ملا سرکار کی تحویل میں دینا ہی اس کے ذمے تھا۔ اب وہ دوبارہ جنگلات میں غائب ہو چکا ہے اور میرا خیال ہے کہ اس سے میرا کبھی سامنا نہیں ہو سکے گا۔ میرے لئے وہ شخص [illegible] نام ہی بنا رہے گا۔"
"ابھی ایک امکان باقی ہے" سلطان شاہ بولا "ملا سرکار اسلحے کی وصولیابی کے اڈوں تک رہنمائی کے لئے اپنے [illegible] آدمیوں کو لائے گا۔ ان میں ملا سرکار بھی شامل ہو سکتا ہے۔"
"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ دیکھا جائے تو وہ ایک طرح سے غزالہ کا محسن بھی ثابت ہوا ہے۔ حوالات سے فرار کے بعد غزالہ کو اپنے آدمیوں کے حوالے کرتے ہوئے اگر وہ غزالہ کے لئے اپنی خاص پسندیدگی کا اظہار نہ کرتا تو کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ بھیڑیئے اپنی تحویل میں آئی ہوئی غزالہ کے ساتھ کیا سلوک کرتے۔ دیکھا جائے تو جانو ماچھی نے غزالہ کو حوالات سے زبردستی نکال کر اس کے ساتھ جو زیادتی کی تھی، اس نے خود ہی اس کا ازالہ بھی کر دیا تھا۔
چند ثانیوں تک فلیٹ میں خاموشی رہی پھر سلطان شاہ چونک کر بولا "تم نے شانتی کے بارے میں جو کہانی سنائی تھی اس میں اس کی کار میں موجود اشیا کا کوئی ذکر نہیں تھا؟"
"اتنی تفصیل میں جانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔" میں نے ابتدائی جھوٹ برقرار رکھتے ہوئے کہا "وہ تو بہانے سے مجھے اپنے کاؤنسلیٹ میں لے جانا چاہ رہی تھی۔ اس بات پر بگڑی اور آناً فاناً میں کھیل ختم ہو گیا۔"
"تمہیں شبہ بھی نہیں ہو سکا ہو گا کہ اس کے برابر والی نشست پر تم کسی خود کار پستول کے نشانے پر بیٹھے ہو؟" سلطان شاہ نے کریدنے کی نیت سے سوال کیا۔
"وہ بات تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔" مجھے اپنا ایک جھوٹ نبھانے کے لئے تسلسل کے ساتھ جھوٹ بولنا پڑ رہے تھے جن کا حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔
"لیکن حیرت اس بات کی ہے کہ جب تم نے مزاحمت کی ابتدا کی تو اس نے تمہیں پستول کی دھمکی کیوں نہیں دی؟ اپنی کار سے بے سروسامانی کے عالم میں بھاگنے کے بجائے وہ چاہتی تو تم پر بے آواز فائر بھی کر سکتی تھی۔ تم بے خبری میں بہت آسانی کے ساتھ مارے جا سکتے تھے۔ کسی کو کانوں کان پتا بھی نہ چلتا کہ چلتی ہوئی کار میں کیا ہوا ہے۔"
"ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک مجھے مارنا ان کے پروگرام میں شامل نہ رہا ہو۔"
"لیکن وہ دھمکی تو دے ہی سکتی تھی۔ اخبارات نے لکھا ہے کہ پولیس کی تحویل میں لئے جانے کے وقت پستول کا میگزین بھرا ہوا تھا اور وہ ایک اشارے پر چلایا جا سکتا تھا۔"
"یہی کہا جا سکتا ہے کہ میری ہاتھا پائی سے وہ ایک دم بدحواس ہو گئی ہو گی۔"

"اور اب تو ملا سرکار بھی تمہارے لہو کا پیاسا ہو چکا ہے۔"

"وہ شانتی کے مشن کی ناکامی کے بعد کی بات ہے۔ اس سے پہلے تو ملا سرکار مجھے زندہ پکڑ کر اپنا قیدی بنانا چاہ رہا تھا تاکہ غزالہ کے ساتھ مجھے بھی ویرا پر دباؤ ڈالنے کے لئے استعمال کر سکے۔"

"لیکن اب بازی الٹ چکی ہے۔ وہ آگے ہے اور تم اس کے پیچھے لگے ہوئے ہو" وہ پرخیال لہجے میں بولا "کٹی ہوئی انگلی کے ڈرامے سے یہ بھی ظاہر ہو گیا ہے کہ وہ اتنا بے فکر نہیں ہے جتنا خود کو ظاہر کرتا ہے۔"

"وہ تو اس کی کمینگی کی انتہا تھی۔ مجھے حیرت ہے کہ اس دور میں ترشے ہوئے ناخنوں والی طوائف اس نے کہاں سے تلاش کر لی؟ اس ناخن پر نیل پالش تک نہیں تھی۔"

"نیل پالش محلول سے اتاری جا سکتی ہے۔ اسی طرح ناخن بھی بعد میں کاٹا جا سکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس انگلی میں غزالہ کی انگوٹھی دیکھنے کے بعد تم نے کسی اور چیز پر توجہ ہی نہیں دی ہو گی۔"

"تمہارا خیال درست ہے" میں نے اعتراف کیا۔ "انگوٹھی پہچانتے ہی میری حالت غیر ہو گئی تھی۔ کسی کا گلا کاٹ کر اسے ہلاک کر دینا تو معمول کی ایک کارروائی ہوتی ہے لیکن ایک زندہ آدمی کی اعضا بریدگی تو درندگی کی انتہا ہی کہی جا سکتی ہے۔ ویرا نے عہد کیا ہے کہ موقع ملا تو وہ ملا سرکار کے دونوں کان قینچی سے کاٹے گی۔"

"اس کی ضرورت نہیں' اب تو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ویرا کی انگلی نہیں تھی۔"

"نہیں تھی لیکن وہ ایک زندہ عورت کے ہاتھ سے ہی کاٹی گئی تھی۔ ملا سرکار کو مرنے سے قبل اس اذیت سے بھی گزرنا چاہئے ورنہ وہ اپنی زندگی کے ایک نادر تجربے سے محروم رہ جائے گا۔"

"ظلم ہوتا تو ظلم ہی ہے لیکن اگر وہ اپنے یا اپنے کسی محبوب کے ساتھ ہو تو اس کی شدت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ شہر میں آئے دن اس سے زیادہ درندگی سے بھرپور واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں اور ہمارے دل پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوتے۔ اس طوائف سے تمہیں اس لئے ہمدردی ہو گئی ہے کہ اس کی انگلی چند گھنٹوں تک غزالہ سے منسوب رہی ہے۔"

"تمہارا خیال درست ہے لیکن تم نے کام کی ایک ہی بات کی ہے۔ ملا سرکار ڈینگیں زیادہ مارتا ہے لیکن اس کا دل چھوٹا ہے۔ اندر سے وہ ویرا کی ناراضی سے خائف تھا اگر وہ کٹی ہوئی انگلی کے بارے میں اپنی برہمی کا اظہار کرتی تو شاید وہ اسی لمحے اس سے اپنی چال بازی کا اعتراف کر لیتا۔"

"ویرا نے اسے بہت کم وقت دیا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ ویرا کو اسلحے کی فہرستیں فراہم کرتے ہی وہ آج کوٹ مندو کے لئے روانہ ہو جائے گا۔ وہ اندرون سندھ کا ایک دور افتادہ سرحدی علاقہ جہاں جیپ کے علاوہ کسی اور ذریعے سے رسائی ناممکن ہو گی۔ مقامی لوگ اپنی سواری کے لئے اونٹوں اور گدھوں پر ہی انحصار کرتے ہوں گے۔"

"میں نے بھی اس بارے میں غور کیا ہے۔ پورا سفر اتنا دشوار نہیں ہے۔ محراب پور تک ٹرین سے سفر کے بعد ہی جیپ کا بندوبست کرنا ہو گا۔ اس بارے میں جہانگیر سے بھی بات کروں گا۔ چھوٹے گاؤں میں گاڑی والے مہمان عجوبے کی طرح ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز بن جاتے ہیں اگر ہمیں ان اطراف کے کسی میر' پیر' وڈیرے یا زمیندار کے نام تعارفی خط مل جائے تو ہم اس کے مہمان بن کر آسانی سے اپنا کام کر سکیں گے ورنہ ملا سرکار فوراً ہی ہماری آمد سے واقف ہو جائے گا۔"

"تم بالکل صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔ جانو ماچھی بھی پہلے جہانگیر کے کسی دوست کا ہاری تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ زمینداروں وغیرہ سے اس کے اچھے مراسم ہیں۔ کم از کم اسے آگاہ تو کر دو تاکہ وہ اپنے جاننے والوں پر نظر دوڑا سکے۔"

جہانگیر کی حساس طبیعت سے میں واقف تھا۔ ایک نومولود بیٹے کا باپ بننا' اس کے لئے زندگی کا اہم ترین سنگ میل تھا۔ اس نے زچہ اور بچہ کو ہسپتال میں چھوڑ کر جب اپنے گھر پر اس ولادت کا جشن منانا چاہا تو میں نے چند وجوہ کی بنا پر اس کا اور ویرا کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا اور ان دونوں کو مے نوشی میں مصروف چھوڑ کر اپنے فلیٹ پر چلا آیا تھا۔

جہانگیر کو میری گوناگوں مصروفیات اور مجبوریوں کا اچھی طرح علم تھا لیکن اس نے میری اس سرد مہری بلکہ خود غرضی کا خاصا برا منایا تھا۔ یہ بھی ایک اتفاق ہی تھا کہ اس کے بعد میرا اس کے گھر جانا نہیں ہوا تھا اور میں نے فون پر ہی اس کے گلے شکوے سن لئے تھے۔ اس موقع پر اسے فون کرنا' اسے چڑانے کے مترادف ہوتا اس لئے میں نے فوراً ہی تیار ہو کر اس کے گھر جانے کا ارادہ کر لیا۔

میرا اندازہ تھا کہ اس وقت تک سلمیٰ بھی نومولود کے ساتھ ہسپتال سے گھر آ چکی ہو گی اس لئے میں اس کے گھر جا کر ایک پنتھ سے دو کاج کرتے ہوئے اپنی مقصد آوری کے ساتھ سلمیٰ کو بھی مبارکباد دے سکتا تھا۔

یہ خیال آتے ہی میں تیزی کے ساتھ تیار ہوا اور سلطان شاہ کو فلیٹ ہی میں رکا رہنے کی ہدایت کر کے جہانگیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان دونوں کی ذہنی کیفیت کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے راستے میں سے مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکروں کے علاوہ پھولوں کے ہار بھی لے لئے۔ دنیا کے ہر ملک' شہر' قصبے اور محلے میں ہر روز لوگ ماں اور باپ بننے بے فطری

اور ارتقائی عمل سے گزرتے ہیں اور اسے اپنا کوئی کارنامہ تصور نہیں کرتا لیکن جہانگیر اور سلمیٰ کا معاملہ ان عام لوگوں سے بہت مختلف تھا۔

جہانگیر گھر پر ہی موجود تھا اور اس شان سے موجود تھا کہ اس کے وسیع و عریض پورچ میں میری گاڑی کے لئے جگہ نہیں تھی بلکہ دو کاریں پھاٹک سے باہر فٹ پاتھ کے کنارے بھی کھڑی ہوئی تھیں۔ میں اپنی گاڑی باہر ہی لاک کر کے اندر داخل ہوا تو جہانگیر کے دربان کا چہرہ مسرت سے یوں کھلا پڑ رہا تھا۔ جیسے بچے کی ولادت میں اس کا بھی قابل ذکر حصہ رہا ہو۔

"یہ اتنی گاڑیاں کیسے جمع ہیں؟" میں نے روا روی میں دربان سے سوال کیا۔

"صاحب لوگوں کے ملنے والے اور رشتے دار آئے ہوئے ہیں۔" اس نے باچھیں پھیلا کر جواب دیا۔

"کیا آج بچے کی ختنہ ہو رہی ہے؟" میرے لئے جہانگیر کے گھر میں اتنے لوگوں کی موجودگی حیران کن تھی کیونکہ میں اس کے بہت زیادہ دوستوں اور رشتے داروں سے واقف نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ سلمیٰ کے بعد اس کی کل کائنات میرے اور ویرا کے گرد ہی گھومتی تھی ورنہ سماجی طور پر وہ دونوں ہی تنہائی کا شکار تھے۔

"ختنہ تو ہسپتال ہی میں ہو گئی تھی صاحب" وہ کھی کھی کر کے ہنستا ہوا بولا۔ "دراصل بیگم صاحبہ کل شام ہی ہسپتال سے گھر آئی ہیں اس لئے صبح سے مبارکباد دینے کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔"

"گاڑی میں سے مٹھائی کے ٹوکرے نکلوا کر اندر لے آؤ" میں نے کار کی چابی اسے دیتے ہوئے کہا۔ پھولوں کی تھیلی میں اپنے ساتھ ہی لیتا آیا تھا۔

اندر سے ملی جلی مردانہ اور زنانہ آوازوں کے درمیان بلند آہنگ قہقہے بھی سنائی دے رہے تھے۔ میں اس گھر کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ اس لئے سیدھا ڈرائنگ روم میں گھستا چلا گیا۔ جہاں جہانگیر متعدد جوڑوں کے درمیان گھرا ہوا خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ خوبصورت عورتوں کے سامنے دل کھول کر چہکنا اس کا پرانا مرض تھا اور اس وقت تو سلمیٰ بھی وہاں موجود نہیں تھی۔ اس لئے جہانگیر کا دماغ کچھ اونچا ہی اڑ رہا تھا۔ ان ہی لوگوں کے درمیان میں نے اس کی شوخ اور خوبصورت سیلونی اسٹینو کو بھی براجمان پایا۔ جسے رسم، موقع اور دستور سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جہانگیر نے فیکٹری کے بجائے اپنے گھر پر بلا لیا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی وہ بڑے پرتپاک انداز میں چہکتا ہوا میری طرف لپکا تھا۔ میں ڈرائنگ روم کے دروازے پر رک کر اس کے لئے تھیلی میں سے گلاب کا وزنی ہار نکال رہا تھا۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ وہاں پھل اور مٹھائی کے ڈبے وغیرہ تو موجود تھے لیکن پھولوں کے نام پر دور دور تک کوئی پنکھڑی بھی نہیں تھی۔ اس روایتی خوشی کے موقع پر ہاروں کا غیر روایتی تحفہ لانے کی حماقت صرف مجھ سے ہی سرزد ہوئی تھی۔ میں نے ہار کے ڈورے میں پھنسا ہوا کاغذ تھام کر ہار کی لڑیاں الگ کی ہی تھیں کہ جہانگیر نے والہانہ انداز میں لپک کر اپنی کھوپڑی اس ہار کے درمیان داخل کر دی اور پھر گردن کے زور سے ہار کو میری گرفت سے اچکتا ہوا سیدھا ہو گیا۔ اسی لمحے میری گاڑی سے اتارے جانے والے دونوں ٹوکرے بھی وہاں آ گئے۔

"واہ واہ! تم نے میرا دل خوش کر دیا" جہانگیر میرا بازو مسلتا ہوا بولا۔ "اس تھیلی میں شاید دوسرا ہار ہوگا؟"

میں بے بسی کے ساتھ اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ ڈرائنگ روم میں موجود جملہ خواتین و حضرات کے چہروں سے خوشی کا عنصر رخصت ہو چکا تھا اور وہ سب میری طرف متوجہ تھے۔ بعض کے چہرے بند ٹیلی ویژن کی اسکرین کی طرح سپاٹ ہو گئے تھے لیکن چند افراد خشم ناک اور رقیبانہ نظروں سے مجھے گھور رہے تھے۔

"تو پھر جاؤ، یہ ہار خود اپنی بھابی کو پہنا آؤ! وہ اپنی خوابگاہ میں آرام کر رہی ہے۔" جہانگیر نے بازو کے سہارے مجھے عملاً اندرونی دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "تمہیں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوگی۔"

میں دل ہی دل میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس کی سانسوں سے آنے والی الکحل کی بو نے اس کے موڈ کا راز فاش کر دیا تھا۔ شاید اس نے بستر چھوڑتے ہی وسکی کی چسکیاں لینی شروع کر دی تھیں۔ جو اس پر ہلکا سا سرور طاری کر رہی تھیں۔

"یہاں اور لوگ بھی بیٹھے ہیں" میں نے اپنا غصہ ضبط کر کے کھسیائی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ان سے دعا سلام اور تعارف تو ہو جانے دو۔ یہ ہار میں واپس نہیں لے جاؤں گا۔"

دو خواتین کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ جہانگیر بھی احمقانہ انداز میں ہنسنے لگا۔

سیلونی اسٹینو اور سلمیٰ کے ایک کزن کے علاوہ باقی لوگ جہانگیر کے کاروباری دوست تھے۔ قریب جا کر میں نے دیکھا کہ جہانگیر ان سب کی بھی جن اور ٹانک واٹر سے خاطر مدارات کر رہا تھا۔ خواتین کے بارے میں یقین سے کچھ کہنا محال تھا کیونکہ ان کے سفید گلاسوں میں بے رنگ سیال کوئی کولڈ ڈرنک بھی ہو سکتا تھا اور میں ان میں سے کسی کے دہانے سے خطرناک حد تک قریب ہو کر سانسوں کو سونگھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

تعارف کے بعد گفتگو شروع ہوئی۔ وہ باقاعدہ پینے پلانے

ی پارٹی نہیں تھی بلکہ جن رسمی طور پر پلائی جارہی تھی۔ ہائے یا کافی نہ سہی بادہ نوشوں کے لئے ایک گلاس ہی کافی تھا گلاس خالی ہو جانے کے بعد وہ لوگ ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگے۔ اسی اثنا میں اندر سے بھی دو خواتین برآمد ہوئیں اور اپنے شوہروں کے ساتھ چلی گئیں۔ وہ شاید سلمٰی کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ ان عورتوں میں سے معلوم ہوتی تھیں جو اپنے شوہروں کی ہر خامی کو خندہ پیشانی سے قبول کرلیتی ہیں لیکن بالفعل ان کی کسی بے اعتدالی میں براہِ راست شریک بننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتیں۔

میدان صاف ہو جانے کے بعد میں سیلونی اسٹینو' جولیا اور سلمٰی کے کزن منصور کے ساتھ ڈرائنگ روم میں رہ گیا۔ جہانگیر آخری دو جوڑوں کو باہر الوداع کہہ رہا تھا۔

"تم تو مسٹر ڈینی ہوتا تھا نا؟" جولیا نے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر مسکراتے ہوئے سوال کیا اور اس کے تیور دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ میں نے گھبرا کر منصور کی طرف دیکھا تو وہ ہم دونوں سے بے پروا' اس موقع کو غنیمت جان کر اپنے خالی گلاس میں گورڈن کی دیوہیکل بوتل سے مزید جن انڈیل رہا تھا۔

"ابھی بھی میں وہی ہوں۔" میں نے خندہ پیشانی کے ساتھ کہا۔

"لیکن صاب نے تو تم کو تنویر علی بولا تھا۔" اس پر دوسری نگاہ ڈال کر مجھے قدرت کی ان فیاضیوں کا تہ دل سے اعتراف کرنا پڑا جو اس سنہری لڑکی کی تخلیق کے وقت بروئے کار لائی گئی تھیں۔ اس وقت وہ دفتر والی جولیا سے بہت مختلف نظر آرہی تھی۔

"ڈینی میرا گھریلو نام یا عرفیت ہے۔" میں نے وضاحت کی۔ اسی وقت جہانگیر ڈرائنگ روم میں دوبارہ داخل ہوا۔ وہ اپنے گلے میں لٹکے ہوئے وزنی ہار کے ساتھ خاصا مضحکہ خیز لگ رہا تھا اور اس پر طرّہ یہ کہ وہ پھولوں کو اپنی داہنی مٹھی میں دہانے کے قریب لے جاکر کسی زکام زدہ سانڈ کی طرح گہرے گہرے سانسوں میں نچوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کے نتھنوں سے خارج ہونے والی تیز آوازیں سن کر منصور نے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا اور گلاس میں ٹانک واٹر ملا کر ایک ہی سانس میں آدھا گلاس غٹاغٹ اپنے حلق سے اتار لیا۔ اس نے گلاس رکھا تو اس سرعت کا نتیجہ آنسوؤں کی صورت میں اس کی آنکھوں میں ڈبڈبانے لگا تھا۔

"آج واقعی تم نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔" جہانگیر نے قریب آکر پھر سے مصرعہ طرح اٹھایا۔ "سب سالے سوکھی کڑی مٹھائی کے ڈبے اٹھائے چلے آئے تھے۔ تم نے سب ہی کو شرمندہ کر دیا۔"

"میں نے بھی ہار لینے کا ارادہ کیا تھا۔" منصور نے کھنکھار کر بھرائی ہوئی آواز میں اپنی صفائی پیش کی۔ "لیکن راستے میں کہیں بھی تازہ پھول نظر نہیں آئے..."

"ارے یار تیری نہیں' دوستوں کی بات ہو رہی ہے۔" جہانگیر نے بے پروائی سے کہا۔ وہ اپنی اور منصور کی عمر کے فرق کا پورا پورا فائدہ اٹھانے کے موڈ میں تھا۔ "تو تو اپنا رشتے دار ہے۔ ماموں بننے کی خوشی میں کون سالا ہار لاتا ہے۔"

منصور نے خفت مٹانے کے لئے دوبارہ گلاس اٹھالیا۔

"یہ تھیلی ابھی تک یہیں ہے؟" پھولوں کی تھیلی پر نگاہ پڑتے ہی جہانگیر نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "جاؤ! سلمٰی کو اپنے ہاتھوں سے یہ ہار پہنا کر آؤ' اسے گلاب اور موتیا' دونوں ہی بہت پسند ہیں۔"

"تم ہی لے جاؤ یا منصور کو دے دو۔ ابھی اسے آرام کی ضرورت ہے۔ میری وجہ سے وہ بے آرام ہوگی۔"

"تم میں اور منصور میں عمر کے علاوہ کیا فرق ہے؟ میں کہتا ہوں' جاؤ!"

مجھے مجبوراً اپنی جگہ چھوڑنا پڑ گئی بصورت دیگر وہ مجھ سے الجھنے پر آمادہ ہو سکتا تھا۔

سلمٰی کی خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ولادت کے عمل سے تازہ تازہ گزری ہوئی کسی خاتون کا قرب کبھی بھی خوشگوار ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے اس وقت مجھے اخلاقی اقدار کا پورا پورا خیال تھا۔ میں نے دیوار کی اوٹ میں رہتے ہوئے آہستہ سے سلمٰی کو آواز دی تو اس نے میری آواز پہچان کر فوراً ہی مجھے اندر بلالیا۔

وہ مسہری پر چادر اوڑھے ہوئے دراز تھی۔ چہرے پر نمودار ہونے والی ہلکی سی نقاہت نے اس کی دلکشی کو چار چاند لگا دیئے تھے لیکن وہ چاروں چاند بھی اس خسارے کو پورا نہیں کر سکتے تھے جو میرے اعصاب پر بری طرح مسلّط تھا۔

اس نے مسکرا کر میرا استقبال کیا تو اس کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک ابھر آئی جیسے مجھ سے اپنے کسی کارنامے پر داد کی خواہاں ہو۔ میں نے پھرتی کے ساتھ تھیلی سے ہار نکالا اور بڑھ کر اس کے سرہانے رکھ دیا۔

اس ملاقات کو مختصر ترین کرنے کے لئے میں نے اسی بلّے میں اس کے پہلو میں چادر کا کونہ سرکا کر' سوئے ہوئے نومولود کو دیکھا اور اس کے آرام کے بہانے فوراً ہی چادر کا کونہ چھوڑ دیا اور سلمٰی کو بیٹے کی ولادت کی لفظی مبارکباد دیتا ہوا' الٹے قدموں پسپا ہونے لگا۔

"ہسپتال میں تم ایک دن بھی مجھے دیکھنے نہیں آئے؟" سلمٰی نے محبت آمیز لہجے میں شکوہ کیا۔ اس طرح اس نے میری پسپائی کی راہ روکنے کی لطیف سی کوشش کی تھی۔

"میں شرمندہ ہوں لیکن میں مجبور تھا۔" میں نے نظریں جھکا کر ادب سے کہا۔ "میٹرنٹی ہوم میں قدم رکھتے ہوئے مجھے

قے ہونے لگتی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ میری پیدائش کے زمانے میں یہ شعبہ دائی سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتا تھا اور کسی بچے کو عجیب و غریب ادویات کی تیز بو کی ہوا بھی نہیں لگنے پاتی تھی۔"

"چلو غنیمت ہے کہ تم یہاں ہی آ گئے۔" اس کی آواز سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔ "لیکن یہ ہار تم نے میرے سرہانے کیوں رکھ دیا؟ اپنے ہاتھوں سے مجھے نہیں پہناؤ گے؟"

"تم مسلسل بستر پر دراز ہو' ہار پہن کر تمہیں الجھن ہو گی۔ یہ پھول تو تم ویسے بھی سونگھ سکتی ہو۔ ان علامتی پھولوں کا گلے میں پہنایا جانا اس قدر ضروری تو نہیں ہے۔"

"یہ بتاؤ کہ تمہاری غزالہ کا کیا بنا؟" اچانک ہی وہ سوال کر بیٹھی۔

"ابھی تک اس کا کوئی پتا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی تلاش میں مجھے اندرون سندھ جانا پڑ جائے۔"

"اللہ اس پر اپنا رحم کرے' سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بے چاری کو اس کے کون سے ناکردہ گناہوں کی سزا مل رہی ہے!" اس کے لہجے سے دلی رنج اور افسوس کا اظہار ہو رہا تھا۔

"اس کے تو کیا' یہ میرے ہی گناہ ہو سکتے ہیں جو اس کے گلے پڑے ہوئے نظر آ رہے ہیں" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اس کی ذات کی خوبی یہ ہے کہ بدترین حالات میں بھی اس کا بال بیکا نہیں ہوتا۔ وہ مکھن میں سے بال کی طرح ہر بار صاف نکل آتی ہے لیکن ہر بار میری دسترس سے باہر ہوتی ہے۔"

اس کے کریدنے پر میں نے اسے مختصراً ان حالات سے آگاہ کیا جو اس کی غیر حاضری میں رونما ہو چکے تھے۔ وہ تفصیلات سن کر اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"ڈرائنگ روم میں جہانگیر کے پاس کون کون ہے؟" میرے خاموش ہونے پر اس نے سوال کیا تھا۔

"تمہارا کوئی کزن' منصور بیٹھا ہوا ہے" میں نے جولیا کا ذکر دانستہ گول کر دیا۔

"باقی سب لوگ چلے گئے؟" اس نے قدرے حیرت سے پوچھا اور میں نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

"جولیا بھی چلی گئی؟" اس کے لہجے میں بے اعتباری کی حیرت نمایاں تھی۔

"وہ موجود ہے" میں نے آہستگی سے اعتراف کیا "وہیں بیٹھی ہوئی ہے۔"

"لیکن تم نے اس کا ذکر نہیں کیا؟" وہ شکایتی لہجے میں بولی۔

"میں اسے ملاقاتیوں میں شمار نہیں کرتا' دفتری ملازمین صرف ملازم ہوتے ہیں۔"

"لیکن جولیا ان کی خاص ملازمہ ہے۔ ان کا بہت خیال رکھتی ہے۔"

ضرور رکھتی ہو گی اس بارے میں وہ مجھے کچھ نہیں بتاتا۔

"چلو اچھا ہے' کہ وہ بیٹھی ہوئی ہے' میرے صحت یاب ہونے تک وہ ان کا دل بہلاتی رہے گی۔"

"مجھے حیرت ہے کہ آج کل تم اتنی فراخ دل ہو گئی ہو"

"فراخ دلی کو چھوڑو' یہ بتاؤ کہ تمہاری منصور سے ملاقات ہوئی ہے؟"

"تعارف ہوا ہے' وہ ندیدے پن کے ساتھ جس پر ... ہوا ہے۔"

"وہ میرے رشتے کے ماموں کا لڑکا ہے' یہ لوگ رانی پور میں خاصی زرعی زمینوں کے مالک ہیں۔"

رانی پور کا نام سنتے ہی میرے کان کھڑے ہو گئے کیونکہ وہ محراب پور کے قریب ہی خیر پور کا ایک مشہور شہر تھا اور نقشے کے مطابق کوٹ مندو سے زیادہ دور نہیں تھا۔

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہ لوگ میرے مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"اندرون سندھ کا ذکر سن کر ہی مجھے منصور کا خیال آیا تھا۔ تمہیں کہاں جانا ہے؟"

"خیر پور ہی کا ایک سرحدی گاؤں ہے۔ اسے تلاش کرنا ہو گا۔"

"جا کر اسے روکو' بلکہ یہیں بلا لاؤ' وہ نکل گیا تو پھر مشکل سے ہی ہاتھ آئے گا۔"

سلمیٰ نے اس وقت میرا دل خوش کر دیا۔ میں اپنے دل میں جو خیال لے کر جہانگیر کے گھر پہنچا تھا' وہ میری کسی کوشش کے بغیر خود ہی پورا ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہاں کا رخ کرتے ہوئے یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ سلمیٰ کا کوئی ماموں کوٹ مندو سے اتنا قریب رہتا ہو گا۔ اس پر طرہ یہ کہ اس کا ماموں زاد بہ نفس نفیس وہاں موجود تھا۔

ڈرائنگ روم میں وہ تینوں اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے جس طرح میں انہیں وہاں چھوڑ کر گیا تھا۔ منصور کی آنکھوں میں چمک کے ساتھ ہی حیرانی سی لہرا رہی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے نظر آ رہا تھا جو الکحل پیتے ہوئے طبیعت کی شگفتگی کے مراحل سے گزرے بغیر ہی براہ راست جمود اور بے عملی کی انتہا کو چھونے لگتے ہیں۔

وہ جہانگیر کا سسرالی رشتے دار تھا لیکن جہانگیر اس کی موجودگی سے ذرا بھی مرعوب یا متاثر نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے برعکس میں نے دیکھا کہ وہ منصور کو نظر انداز کر کے بے تکلفی کے ساتھ جولیا سے گپ شپ لڑا رہا تھا۔ اس کے گلے میں ہار بدستور جھول رہا تھا۔ یوں نظر آ رہا تھا جیسے پھولوں کے مرجھانے سے پہلے اس ہار سے دست بردار نہ

ہوگا۔"
"آؤ آؤ۔ دفتر کے ماحول سے نکل کر جولیا کا دماغ خوب چل رہا ہے۔ یہ ابھی ابھی بڑے اچھے چٹکلے سنا رہی تھی۔"
جہانگیر نے اپنے برابر میں میرے لئے جگہ بناتے ہوئے کہا۔
"جولیا اچھی اور خوبصورت لڑکی ہے" میں نے جہانگیر کے موڈ سے شہ پاکر جولیا کی تعریف کرتے ہوئے کہا "لیکن میں اس کے فرائض منصبی میں مداخلت کرنا پسند نہیں کروں گا۔ میں منصور کے پاس بیٹھ جاتا ہوں۔"
"اوہ نو' ڈپٹی صاحب!" جولیا ہنستے ہوئے اپنے لچکیلے وجود کو لہرا کر بولی "میں ڈیوٹی پر نہیں ہوں۔ یہ تو میری سوشل کال ہے۔ میں باس کی مسز کو گھر آنے پر مبارک باد دینے آئی ہوں۔"
"اور بچے کی مبارک باد؟" میں نے منصور کے قریب بیٹھتے ہوئے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔
"وہ تو میں اسپتال میں ہی دے آئی تھی" اس کی ہنسی رکتے رکتے پھر تیز ہو گئی۔ وہ بھی ان عورتوں میں سے تھی جو اپنی ذات میں دلچسپی لینے والے کسی بھی مرد کو مایوس کرنا معیوب خیال کرتی ہیں اور ان کو حسب توفیق اپنے وجود کے ثمرات سے بہرہ ور کر کے حقوق العباد ادا کرنے کی مسرت سے سرشار رہتی ہیں۔ ایسے جمالی پیکر کو بس گل اور ثمر ہی برسانے کی عادت ہوتی ہے۔ کسی کی بد خلقی کی وجہ سے پتھر اٹھانے کی نوبت آجائے تو اس کے لمس ہی سے ان کی انگلیاں فگار ہو جاتی ہیں۔
"منصور کو اکیلا چھوڑ دو اور یہیں واپس آجاؤ" جہانگیر نے اپنے صوفے کے کشن پر ہاتھ مار کر اپنا فرمان دہرایا۔
"یار' اس بے چارے کو بھی تو کمپنی کی ضرورت ہے" میں نے بے تکلفی کے ساتھ منصور کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "تم جولیا سے باتیں کرتے رہو۔ میں منصور سے پنجہ آزمائی کئے لیتا ہوں۔"
"آپ جہانگیر بھائی کی بات سن لیں۔ مجھے تنہائی سے کوئی فرق نہیں پڑتا" منصور نے خشک لہجے میں کہا اور اپنے بارے میں میری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔
"منصور اپنی ذات کے خول میں مست رہتا ہے۔ اسے خاموشی کے ساتھ پینے دو۔ منظور ماموں کے سائے میں بے چارے کا خون خشک ہوتا رہتا ہے۔ رانی پور سے یہاں آتا ہے تو دل بھر کر پیتا ہے۔ واپس جائے گا تو پھر مہینوں بوند بوند کو ترس جائے گا۔ وہاں بیٹھ کر تم اس کے ساتھ کوئی بھلائی کرنے کے بجائے اس کے سرور میں خلل ڈالو گے" جہانگیر نے ہنستے ہوئے کہا "میرے لئے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ منظور ماموں' منصور کے باپ رہے ہوں گے۔"
"لیکن یہ شخص صرف شراب پی کر کیا کرتا ہے؟ سرور میں آنے کے بعد تو بڑی شدت سے کسی نرم و نازک ساتھی کی ضرورت سر ابھارنے لگتی ہے۔ کوئی اور نہ ملے تو مجبوری کے عالم میں آدمی کسی گدھی کے گلے میں ہی بانہیں ڈال کر شاعری شروع کر دیتا ہے" میں نے جہانگیر کے برابر میں جگہ سنبھالتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔
جولیا اردو بہت اچھی طرح سمجھ اور بول لیتی تھی لیکن بولنے کے معاملے میں تذکیر و تانیث اور الفاظ کے استعمال کے بارے میں دلچسپ غلطیاں کرتی رہتی تھی۔ میری بات سن کر اس کے لبوں پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی لیکن وہ منہ سے کچھ نہ بولی۔
"یہ سالا شراب پی کر اور کچھ نہیں کرتا" جہانگیر نے مجھے آگاہ کیا۔
"نشے میں آکر کچھ نہ کچھ تو کرتا ہی ہوگا۔ ورنہ نشے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟"
"نشہ مقصد بھلانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ گھر پر رہتا ہے تو اس کے والد اپنی سخت گیری کی وجہ سے اسے سب کچھ بھلائے رہتے ہیں۔ ان کی زد سے باہر نکل آتا ہے تو اپنی خالی الذہنی برقرار رکھنے کے لئے بوتل کی گردن ناپنا شروع کر دیتا ہے۔ جب نشہ بہت گہرا ہو جاتا ہے تو یہ ٹھنڈی ٹھنڈی نیند سو جاتا ہے۔"
"یعنی یہ صرف سونے کے لئے شراب پیتا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"ایک لحاظ سے تمہارا یہ خیال بھی سو فیصدی درست ہے" اس نے مجھ سے اتفاق کیا۔
"پھر تو یہ بہت مہنگا شوق ہے۔ سونے کے لئے تو ایک آدھ روپے کی کوئی خواب آور گولی بھی لی جاسکتی ہے۔ جب تک ہلا گلہ نہ کیا جائے' شراب نوشی کا لطف ہی نہیں آسکتا۔"
"تم اس کی ذات میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔
"تخلیے میں بتاسکوں گا" میں نے جولیا کی طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔
"تمہیں معلوم نہیں کہ یہ میری کانفیڈنشل سیکرٹری بھی ہے۔ تم اس کے سامنے کھل کر بات کر سکتے ہو" جہانگیر نے کہا لیکن جولیا عقل مند عورت تھی اور میری بات سنتے ہی اپنی جگہ چھوڑ چکی تھی۔

"تم لوگ اپنی بات کرلو، میں مادام کے پاس جارہی ہوں۔"
وہ کولہے مٹکاتی ہوئی وہاں سے چل دی۔

"تم نے اس بے چاری کا دل توڑ دیا" جہانگیر نے متاسفانہ لہجے میں کہا "وہ اس وقت خود کو بہت چھوٹا محسوس کررہی ہوگی۔ آج کل کے دور میں ایسی مخلص اور ہمدرد لڑکیاں مشکل ہی سے ملتی ہیں۔ میں کبھی اسے احساس نہیں ہونے دیتا کہ یہ میری تنخواہ دار ملازمہ ہے اور وہ میری اسی عادت پر جان چھڑکتی ہے۔"

"یہ تمہاری ہی نہیں دنیا کے ہر مرد کی عادت ہوتی ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "دنیا کی ہر خوبصورت لڑکی اور عورت کو اپنی بیوی کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اپنا سمجھنا مردوں کی ایک آفاقی بیماری ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کچھ لوگ اپنی اس کمزوری کا کھل کر اعتراف کرتے رہتے ہیں اور جو گھنے ہوتے ہیں وہ اپنی بے لگام آرزوؤں کو پارسائی کے لبادے میں لپیٹے لئے پھرتے ہیں۔"

"تخلیے میں تم کیا بتانا چاہ رہے تھے؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے پوچھا "تم چاہو تو میں منصور کو بھی اس کی بہن کے کمرے میں بھیج دوں۔ ویسے وہ اب کسی بھی لمحے تنگ ہونے والا ہے۔"

"میرا اصل کام اسی سے ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ منصور کا باپ خیرپور کا زمیندار ہے۔ مجھے پتا چلا ہے کہ بلیک کیٹ ٹی بھی خیرپور ہی کے کسی گاؤں میں رہتا ہے" میں نے بلیک کیٹ ٹی اور اس کے گاؤں کے اصل نام ظاہر کئے بغیر کہا۔ "اگر ہمیں منصور کے گھر میں پیر لٹکانے کا سہارا مل جائے تو ہم آسانی کے ساتھ اس کا کھوج لگا سکتے ہیں۔"

"منظور ماموں میرے دوستوں کی مہمان داری کر کے بہت خوش ہوں گے" اس نے کہا "انہیں تو یہی شکوہ رہتا ہے کہ کراچی جانے والے کبھی ان سے ملنے نہیں آتے لیکن سلمیٰ کی وجہ سے میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکوں گا۔"

"میں تمہیں نہیں لے جانا چاہتا۔ میں تم سے کسی کے نام پر کوئی تعارفی خط لینے آیا تھا لیکن یہاں خوش قسمتی سے منصور خود موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اس سے میرا تفصیلی تعارف کرادو تو میں اسی کے ساتھ رانی پور چلا جاؤں گا۔ یہ کب تک واپس جارہا ہے؟"

"یہاں آکر یہ مشکل سے ہی واپس جانے کا نام لیتا ہے۔ تم اپنا پروگرام بتاؤ تو میں اسے کسی بھی وقت چلتا کردوں گا۔"

وہ منصور پر اپنی بالادستی کے بارے میں بہت خوش فہمی میں مبتلا تھا۔

"میں تو آج ہی رات جانا چاہوں گا۔ میرے ساتھ سلطان شاہ بھی ہوگا۔ حالات نے اجازت دی تو شاید ویرا بھی اس مہم میں میرے ساتھ ہی روانہ ہوجائے گا۔ وہ اتنے مہمانوں کا بوجھ اٹھالیں گے؟"

"منظور ماموں بہت بڑی اسامی ہیں۔ ان زمینداروں کی بڑائی کا سب سے نمایاں اظہار اسی بات سے ہوتا ہے کہ ان کے دسترخوان پر کتنے... مہمان ہوتے ہیں۔ بس تمہیں ویرا کے بارے میں ذرا محتاط رہنا ہوگا۔ اولاد کے حق میں سخت گیری بلکہ جلاد ہونے کے باوجود منظور ماموں عورتوں کے معاملے میں بہت ندیدے ہیں۔ ویرا کو دیکھتے ہی ان کی رال ٹپکنے لگے گی۔"

"تو یوں کہو کہ ایں خانہ ہمہ آفتاب است، تمہارے رشتے دار بھی تم سے کم تو نہیں ہوسکتے۔ ایسے معاملات میں ویرا خود مختار رہنا پسند کرتی ہے۔ منظور ماموں اس کے معیار پر پورے اترے تو ان کی چاندی ہوجائے گی ورنہ ویرا خود ہی انہیں دھتا بتائے گی۔ مجھے یا تمہیں اس کے بارے میں فکرمند ہونے کی چنداں ضرورت نہیں" اس وقت تک ہم دھیمی آواز میں گفتگو کررہے تھے۔

"منصور!" جہانگیر نے اونچی آواز میں ہانک لگائی اور وہ اپنی جگہ پر سنبھل کر سیدھا ہوگیا "یہ میرے جگری دوست تنویر علی ہیں اور کراچی ہی میں رہتے ہیں۔"

"جی! مجھے معلوم ہے۔ آپ نے تھوڑی دیر پہلے ہی بتایا تھا" منصور نے سپاٹ مگر سعادت مندانہ لہجے میں آگاہ کیا

"میں اسے پیار سے ڈینی کہتا ہوں" جہانگیر نے دوسرا انکشاف کیا۔

"جی ہاں! میں نے مس جولیا کی زبان سے یہ بھی سن لیا تھا۔"

"جب تمہیں سب کچھ ہی معلوم ہے تو میں الو کا پٹھا تمہیں کیا بتارہا ہوں؟" اس کے سپاٹ لہجے اور رسمی لہجے پر یک بیک جہانگیر کا پارہ چڑھ گیا کیونکہ وہ بھی قدرے جھونک میں تھا۔

"پتا نہیں" منصور نے غیرارادی طور پر جواب دیا اور جہانگیر بھنا کر رہ گیا۔

"دیکھ لیا تم نے؟" جہانگیر مجھ سے مخاطب ہوکر غصیلے لہجے میں بولا "ابا جان کی دسترس سے باہر ہونے کا یقین ہوتے ہی صاحبزادے اپنی یہ درگت بنالیتے ہیں۔ یہ خود یہاں بیٹھا ہوا ہے لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ اس وقت اس کا ذہن خلا کے ان جانے جہانوں کی سیر کررہا ہوگا۔"

"الزام نہ لگایئے جہانگیر بھائی!" اس نے کمزور سے لہجے میں احتجاج کیا "مجھے معلوم ہے کہ یہ کراچی میں رہنے والے آپ کے دوست تنویر علی عرف ڈینی ہیں، اس سے آگے آپ کچھ بتائیں گے تب ہی مجھے معلوم ہوگا۔ آپ بلاوجہ مجھے نہ جانے کہاں کہاں پہنچارہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کا کتنا لحاظ کرتا ہوں۔"

"بدمزگی کی ضرورت نہیں" میں نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے فوراً ہی مصالحانہ کردار اپنا لیا اور منصور سے بولا۔ "بات صرف اتنی سی ہے کہ میں نے جہانگیر سے رانی پور دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔"

"ضرور ضرور!" منصور کی آواز میں پہلی بار زندگی اور گرمجوشی کی ہلکی سی رمق پیدا ہوگئی "مجھے یقین ہے کہ اباجان آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ وہ جہانگیر بھائی کے دوستوں کی بھی بہت عزت کرتے ہیں آپ تو خیر ان کے جگری دوست ہیں۔"

اس کی زبان سے وہ بے محل مثال سن کر میرے مُنہ کا ذائقہ تلخ ہوگیا لیکن میں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اس نے کسی ارادے کے بغیر اپنی پنک میں وہ ناشائستہ مثال دے ڈالی تھی۔

"ان کے ساتھ ایک دو اور لوگ بھی ہوں گے۔ چند روز تک سیر و تفریح کرنے اور شکار کھیلنے کے بعد یہ واپس آجائیں گے۔ تم انہیں ساتھ لے کر کب تک یہاں سے روانہ ہوسکتے ہو؟"

"جب آپ حکم دیں، جہانگیر بھائی!" اس کا لہجہ اتنا ادب آمیز تھا جیسے وہ اپنے اباجان کے کسی نائب سے مخاطب ہو "میں یہاں اباجان کی طرف سے مبارک باد کا پیغام لے کر آیا تھا کسی بھی وقت واپس جاسکتا ہوں۔"

"شاباش!" جہانگیر کی پھڑکتی ہوئی انا کو اس جواب سے قرار مل گیا۔

"تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟" میں نے منصور سے مخاطب ہوکر نرم لہجے میں پوچھا۔ اس وقت تک وہ مجھے یک بیک قابلِ رحم اور مظلوم نظر آنے لگا تھا۔

"ہوٹل میں ہوں لیکن سلمٰی باجی نے یہیں روک لیا تھا۔"

"میں اپنا پروگرام طے کرکے فون کردوں گا۔ میرا خیال ہے کہ رات کو سفر کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اس لئے ہم شاید کل صبح رانی پور کے لئے روانہ ہوجائیں گے۔ میں کسی جیپ کا بندوبست کرلوں گا۔"

"سفر لمبا اور راستے خراب ہیں۔ تکان ہوجائے گی۔" منصور معقول باتیں کرنے لگا تھا "رانی پور تک ٹرین کا سفر ہی بہتر رہے گا۔ وہاں ہمارے پاس کئی گاڑیاں ہیں۔ آپ کو جیپ بھی مل جائے گی۔"

"رانی پور سے کوٹ مندو کا فاصلہ کتنا ہوگا؟" میں نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"کوٹ مندو؟" اس نے چونک کر دہرایا پھر سر جھکا کر بولا "سارا ہی کچا راستہ ہے، جیپ کے ذریعے تین چار گھنٹے کا راستہ ہوگا۔ وہاں کیا کام ہے آپ کو؟"

"کچھ بھی نہیں... سنا ہے کہ وہ ایک خوبصورت سرحدی گاؤں ہے۔"

اس نے یوں میری طرف دیکھا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو پھر خوابیدہ لہجے میں بولا "اندرونِ سندھ آپ کو صرف بھوک، غربت اور افلاس کے سائے لہراتے ہوئے ملیں گے۔ آپ میلوں میل چلتے چلے جائیں، ریت اور ریت میں اٹی ہوئی بے نور جھاڑیوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آئے گا۔ چیتھڑوں میں ملبوس بچے بھیک ملنے کی امید میں سراپا سوال بنے نظر آتے ہیں اور کہیں کائی زدہ کچے جوہڑوں پر کتے اور انسان ایک ساتھ نہاتے ہوئے ملتے ہیں۔ برسات میں بھر جانے والے یہی جوہڑ سال بھر علاقے کے جانوروں اور انسانوں کی آبی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ یہی پانی وہ پیتے ہیں اور اسی میں نہاتے ہیں۔ زندگی کے ان مظاہر میں خوبصورتی تلاش کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ کوٹ مندو تو سال بھر ریتیلی آندھیوں کی زد میں آیا رہتا ہے۔ وہاں ملّا سرکار نہ ہوتا تو لوگ نہ جانے کتنا عرصہ پہلے وہ گاؤں چھوڑ کر سرحد سے پیچھے کسی بہتر علاقے میں خیمہ زن ہوگئے ہوتے!"

اس کی تقریر سن کر میں حیران رہ گیا۔ وہ نرا شرابی ہی نہیں تھا بلکہ اس کے اندر ایک حساس انسان بھی موجود تھا جسے شاید اس کے باپ کی سختیوں نے بے رحمی سے کچل کر رکھ دیا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر حیرت کی بات یہ تھی کہ کوٹ مندو کے حوالے سے وہ ملا سرکار کے وجود سے بھی باخبر تھا جس کا مطلب تھا کہ طویل ناکامیوں اور محرومیوں کے بعد آخر کار قدرت نے مجھے بالکل صحیح راہ پر ڈال دیا تھا اور میں بہت جلد ملّا سرکار کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔

"یہ کوٹ مندو تمہیں کیسے یاد آگیا؟" جہانگیر نے مشتبہ لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

میں نے منصور کی نظر بچاکر جہانگیر کو آنکھ ماری اور منصور سے پوچھا "یہ ملّا سرکار کون ہے؟"

"کوٹ مندو کا بہت بڑا برگزیدہ اور خدا ترس انسان ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ خود بھوکا رہ کر اپنے گاؤں کے بھوکے کتوں اور بلیوں کو اپنا کھانا کھلا دیتا ہے۔ وہ شروع سے ہی کوٹ مندو میں مقیم ہے اور اپنی جھونپڑی سے کہیں اور جانے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ پورے علاقے میں اس کے ہزاروں معتقد ہیں جن کا سلسلہ سرحد پار تک پھیلا ہوا ہے۔ آنے والے اس کے لئے نذرانے لاتے ہیں جو وہ گاؤں والوں میں تقسیم کردیتا ہے اور خود مسجد کی امامت کے صلے میں ملنے والے صدقہ اور خیرات کے کھانے پینے پر گزارہ کرتا ہے۔ اس کی ذات کی ان برکتوں سے کوٹ مندو کے باسی علاقے کے دوسرے لوگوں سے کہیں زیادہ خوشحال ہیں۔"

"مسجد کی امامت کے ساتھ وہ پیری فقیری بھی کرتا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"لوگ اسے کسی پیر ہی کی طرح پوجتے ہیں لیکن ملّا

سرکار کسی کو اپنا مرید نہیں بناتا۔ شاید وہ علاقے کے طاقت ور پیروں سے خائف رہتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ جس دن بھی اس کی سرگرمیاں علاقے کی گدیوں کے لئے خطرہ بنیں اسے بیک بنی و دو گوش کوٹ مندو سے اٹھا کر کہیں اور پھینک دیا جائے گا' جب کہ اسے اپنی دھرتی کے اسی ٹکڑے سے پیار ہے جہاں وہ برسوں سے رہتا چلا آرہا ہے۔ اسے مذہبی پاپائیت سے کوئی دلچسپی نہیں' وہ لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہے اور کئے جارہا ہے۔"

ملا سرکار کی کہانی میں اس کی زبانی تو سن ہی چکا تھا لیکن منصور اس کی ریاضت' عبادت اور مقبولیت کی جو کہانی سنا رہا تھا' وہ میرے لئے طلسم ہوشربا سے کسی طرح کم نہیں تھی۔

بیسویں صدی کے اس ترقی یافتہ دور میں جب انسان خلا کے دور دراز سیاروں کے خبریں لا رہا تھا' یہ بات قابل یقین نظر نہیں آرہی تھی کہ ایک غیر ملکی ایجنٹ اور تخریب کار اپنے پڑوسی ملک میں ایسا روپ دھار کر بیٹھ گیا ہو کہ اس کے ارد گرد رہنے والے اس کی ذات کے سحر میں گرفتار ہو کر اندھے اور بہرے ہو گئے ہوں۔

ملا سرکار میری نگاہوں میں غدار' خونی' سازشی اور مکار تھا۔ کوئی جرم ایسا نہیں تھا جو اس کے کھاتے میں شامل نہ رہا ہو اور اب وہ غیر قانونی اسلحے' مقامی ڈاکوؤں اور سرحد پار سے آئے ہوئے دہشت گردوں کی مدد سے اس پورے علاقے کو خاک و خون میں نہلا دینے کے منصوبے بنا رہا تھا جہاں وہ ایک مدت سے امن و اخوت اور بھائی چارگی کی تبلیغ کرتا چلا آرہا تھا۔

"تم نے میرے دل میں اس سے ملنے کا اشتیاق پیدا کر دیا ہے" میں نے کہا۔

"وہ اپنے لوگوں میں مگن رہتا ہے۔ اجنبیوں کو مشکل ہی سے اس کے سامنے شرف باریابی ملتا ہے۔ عقیدت مندوں کی بھیڑ بھاڑ سے تنگ آکر اس نے کئی برس سے امامت بھی چھوڑی ہوئی ہے۔ جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے موقع پر دوسرے شہروں میں جہاں کی آبادی زیادہ ہے' آتا ہے اور عام مقتدی کی طرح نمازیں پڑھ کر واپس لوٹ جاتا ہے۔"

"امامت چھوڑی ہے لیکن باجماعت نماز تو پڑھتا ہی ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

"پتا نہیں... سننے میں آیا ہے کہ اس کے گاؤں والے اس کی پسند اور ناپسند کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اب ملا سرکار کی خصوصی اجازت کے بغیر اجنبیوں کو کوٹ مندو میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ وہ کہتا ہے کہ اس طرح اس کے اعتکاف' مراقبے اور مجاہدے میں خلل پڑتا ہے۔ اب وہ دنیا داری سے بہت دور ہو گیا ہے۔"

"شادی بھی نہیں کی ہو گی؟" میں نے اس سے سوال کرتے ہوئے اس کے قریب صوفہ سنبھال لیا۔ میرے اور اس کے سوال و جواب کی نوعیت سے جہانگیر نے بھی کچھ اندازہ لگا لیا تھا اس لئے گفتگو میں دخل نہیں دے رہا تھا۔

"کوٹ مندو کی ہی ایک عورت سے شادی کی ہے جس سے اس کے دو بچے ہیں۔"

"بیوی بچوں کی وجہ سے اس کی عبادت اور ریاضت میں خلل نہیں پڑتا؟"

"عبادت کے لئے اس نے بیوی بچوں سے الگ اپنی کٹیا بنائی ہوئی ہے۔"

"تم اس سے مل چکے ہو؟" میں نے اس کے خالی گلاس میں جن اور پھر ٹانک واٹر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں" اس نے صاف دلی سے اقرار کیا "لیکن ابا جان اس سے مل کر بہت متاثر ہوئے تھے۔"

"سرحد پار رہنے والے اس کے معتقد ہو گئے؟" میرے ذہن میں سوالات کا جوالہ مکھی ابل رہا تھا۔

"نیک لوگوں کی شہرت سرحدوں کی پابند نہیں ہوتی بلکہ خود نئی سرحدیں بناتی ہے" اس کی زبان سے وہ دور رس اور ذو معنی تبصرہ سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔

"ملا سرکار کبھی کبھار ان سے ملنے بھی جاتا ہو گا؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ کہیں نہیں جاتا۔ سرحد پار سے اس کے معتقد لمبی لمبی گاڑیوں میں اس سے ملنے آتے ہیں اور اس کی قدم بوسی کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔ زیادہ نذرانے وہی لوگ دیتے ہیں۔ کمال کی بات یہ ہے کہ ان میں ہندو بھی ہوتے ہیں۔"

"لیکن ادھر کی سرحدیں برسوں سے بند پڑی ہوئی ہیں؟ وہ کوٹ مندو کیسے آتے ہیں؟"

"کوٹ مندو سرحد سے دو سو میل دور ہے۔ رینجرز کو بھی ملا سرکار کے عقیدت مندوں کا علم ہے۔ دور دراز سے آنے والوں کی والہانہ عقیدت اور ان سے ملنے والے پیسوں سے متاثر ہو کر انہیں چند گھنٹوں کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ عقیدت کے مارے بے ضرر لوگ ہوتے ہیں۔ اپنی نظروں کی پیاس بجھا کر واپس چلے جاتے ہیں۔ ان کا مقامی آبادی سے کبھی کوئی تنازع نہیں ہوا' نہ ہی وہ سیاست پر کسی سے کوئی بات کرتے ہیں۔"

میرا بنایا ہوا گلاس خالی کرتے ہوئے منصور کے اعصاب پر سستی طاری ہونے لگی اور بار بار آنکھیں پھاڑ کر نیند کو دور بھگانے کی کوشش کرنے لگا۔ ایسی حالت میں اسے اپنے ذہن پر زور دینے پر مجبور کرنا' ظلم ہوتا اس لئے میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اس کے پاس سے اٹھ کر جہانگیر کے پاس آگیا۔

منصور سے ہونے والی گفتگو نے میرے ذہن پر بڑ

ہوئے بہت سے پردے ہٹادیئے تھے۔ جدید زمانے کے سیکرٹ ایجنٹ عموماً عیاشیوں کے دلدادہ اور آرام طلب پائے جاتے تھے جن کی قدرے مبالغہ آمیز کردار نگاری جیمز بانڈ کی فلموں میں عام طور پر نظر آتی ہے۔ جدید وسائل سے بھرپور استفادے کے لئے عام طور پر بڑے شہر ہی ان کی کارروائیوں کا مرکز بنتے ہیں لیکن ملا سرکار کا طریقۂ کار ان سب سے مختلف اور غیر روایتی نظر آرہا تھا۔

عیاشیاں کرنے کے بجائے وہ نفس کشی سے کام لے کر اپنے ملک کی خدمت کررہا تھا۔ شہروں کے جدید محلات کے بجائے کوٹ مندو کے ایک جھونپڑے میں موسم کی سختیاں جھیلنے کے ساتھ خاک پھانک رہا تھا اور حقیقی عقیدت مندوں کے حلقے میں شامل اپنے کارندوں کو ڈنکے کی چوٹ پر کنٹرول کر رہا تھا۔

شاید اس نے کوٹ مندو کے اپنے نام نہاد آستانے کے ذریعے ہی علاقے کے ڈاکوؤں، رسہ گیروں اور دہشت گردوں سے اپنے گرگوں کے مراسم قائم کرائے تھے اور خود ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالاتر رہ کر مہاتما بنا بیٹھا تھا۔ اس کے خاص آدمیوں کے علاوہ کسی کو اس کی اصلیت کا علم نہیں تھا۔ یہ بات ہر قسم کے شبے سے بالا اور بالکل یقینی تھی کہ ملا سرکار کوٹ مندو میں بیٹھ کر صرف ٹرانسمٹر کے ذریعے ہی اپنے ان کارندوں سے رابطہ کرسکتا تھا جو صوبے کے دور دراز علاقوں میں اور سرحد پار پھیلے ہوئے تھے۔ زبانی پیغام رسانی کے علاوہ جب اسے سرحد پار سے کوئی چیز لانی یا لے جانی ہوتی تھی تو اس کے آدمی سرحد پار کے عقیدت مندوں کا روپ دھار کر اس سے ملنے آجاتے تھے اور مطلوبہ لین دین کرکے خاموشی کے ساتھ واپس لوٹ جاتے تھے۔

میری نگاہ میں وہ تمام کڑیاں ایک ہی لڑی کا سلسلہ تھیں لیکن کسی خفیہ ادارے کے اعلیٰ اہل کاروں کو اپنی اس سنسنی خیز کہانی کا یقین دلانا میرے لئے محال تھا۔ میں نے جو کچھ دیکھا یا محسوس کیا تھا اس کے بارے میں میرے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔ ان دنوں جب ملا سرکار کراچی آکر اپنی سازشوں کو پروان چڑھا رہا تھا تو عین ممکن تھا کہ کوٹ مندو والے سادہ لوح لوگ اسے اپنی کٹیا میں چلہ کش سمجھ رہے ہوں اور اس کے اعتماد کے چند افراد اس کی خالی کٹیا کے باہر پورے ادب اور احترام سے اس کی حفاظت کررہے ہوں تاکہ کوئی اچانک اندر گھس کر ملا سرکار کے گاؤں سے غائب ہونے کا راز فاش نہ کرسکے۔ ان حالات میں کوٹ مندو کے مکین حلفیہ بیان دے سکتے تھے کہ ملا سرکار نے ایک لمحے کے لئے بھی گاؤں نہیں چھوڑا تھا۔

ملا سرکار ایک مسلمہ سیکرٹ ایجنٹ تھا لیکن قانون کے مروجہ طریقوں سے اس پر ہاتھ ڈالنا ناممکنات میں سے تھا۔

اگر ایک بار بھی اس سے چھیڑ چھاڑ کرکے اسے اگلے کسی موقع پر رنگے ہاتھوں گرفتاری کے لئے چھوڑ دیا جاتا تو وہ ہر ایک کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ہمیشہ کے لئے سرحد پار کرکے روپوش ہوسکتا تھا۔

اس فتنے کا سر کچلنے کی واحد حکمت عملی یہی تھی کہ ملا سرکار کو اس کی اپنی کچھار میں بے فکر رہنے دیا جاتا اور بالا ہی بالا تیاریاں مکمل کرکے پہلے ہی وار میں اسے جہنم واصل کردیا جاتا۔ لیکن منصور کی سنائی ہوئی کہانیوں نے میرے دل میں غزالہ کے بارے میں تردد پیدا کردیا تھا۔ منصور سے بات ہونے سے پہلے تک میرا یہ خیال تھا کہ ملا سرکار کوٹ مندو میں کسی عالیشان حویلی میں محافظوں کی فوج ظفر موج کے حصار میں رہتا ہوگا اور اپنے ساتھ غزالہ کو بھی وہیں لے جاکر حویلی کے کسی کمرے میں قید کردے گا اور جب میں اسے گھیر کر اس کا تیا پانچا کروں گا تو غزالہ خود بخود میری تحویل میں آجائے گی لیکن منصور کے بیان کے مطابق ملا سرکار نے کوٹ مندو میں بالکل سادہ اور درویشانہ انداز رہائش اختیار کیا ہوا تھا جس میں کسی کو اس کی مرضی کے خلاف قید میں رکھنا محال تھا۔

گھاس پھوس کے جھونپڑے کسی بھی آبادی میں کسی کا نجی قید خانہ نہیں بن سکتے۔ اگر ملا سرکار غزالہ کو رات کے اندھیرے میں کسی سواری میں وہاں لے جانے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو غزالہ کی چیخ و پکار کسی بھی وقت ملا سرکار کے لئے ایک سنگین مسئلہ کھڑا کرسکتی تھی اور گاؤں میں اس کی نیک نامی خطرے میں پڑسکتی تھی۔

غزالہ کو اس ویران گاؤں میں قید رکھنے کی ایک ہی صورت تھی کہ ملا سرکار اسے مستقل بے ہوشی کی حالت میں اس کٹیا میں ڈال دیتا جہاں دوسروں کو داخلے کی اجازت نہیں تھی اور وہ خود اندر بند ہوکر عبادت و ریاضت کا ڈھونگ رچانے میں مصروف ہوجاتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت میری نگاہ میں نہیں آتی تھی۔

کوٹ مندو میں ملا سرکار کے کھلے کھاتے کی روشنی میں یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس سفر میں اپنے ساتھ لے جانے کے بجائے کراچی میں ہی اپنے کسی آدمی کی تحویل میں چھوڑ دیتا تاکہ اسلحے کی پہلی کھیپ لیتے ہوئے غزالہ کو وہیں کے وہیں ویرا کے حوالے کردیا جاتا لیکن بدقسمتی سے کراچی میں ملا سرکار کا کوئی ایسا آدمی میرے علم میں نہیں تھا جس پر انحصار کرتے ہوئے میں اس کا پیچھا کرنے کا ارادہ ملتوی کردیتا اور شہر میں رہ کر ہی غزالہ تک رسائی حاصل کرلیتا۔

"شاید اب تم اس کی راہ پر لگ گئے ہو" جہانگیر مجھ سے کہہ رہا تھا "کیا بلیک کیٹ ہی ملا سرکار کا بنا ہوا ہے؟"

"یہ بات ثابت ہوچکی ہے ورنہ مجھے اتنی لمبی دوڑ لگانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخری معرکہ کوٹ مندو میں ہی ہوگا؟"

"آثار سے تو یہی ظاہر ہو رہا ہے۔ اس سے آگے مقدر کی بات آجاتی ہے۔"

"وہ ہاتھ آگیا تو غزالہ بھی خود بخود آزاد ہو جائے گی؟" اس کا لہجہ پُرامید تھا۔

"بس یہی ایک الجھن کھڑی ہوگئی ہے۔ اس پر کچھ غور کرنا پڑے گا۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور جہانگیر نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔

"اوہ! ویرا، تم کہاں سے بول رہی ہو؟" دوسری طرف سے آواز سن کر وہ چونکا تھا۔

اس کی گرم جوشی کے جواب میں جو کچھ کہا گیا، وہ شاید کچھ خوشگوار نہیں تھا کیونکہ اس نے برا سا منہ بنا کر مجھے اطلاع دی کہ ویرا کی وہ فون کال میرے لئے تھی۔

"میں اپنے کام سے فارغ ہوگئی ہوں اور اب فلیٹ واپس جارہی ہوں" میری آواز سن کر اس نے بلا تمہید کہا۔ اس کی آواز میں کوئی ایسی خاص بات تھی جس نے مجھے چونکا دیا۔

"اس نے فہرستیں دے دی ہیں؟" میں نے محتاط لہجے میں پہلا سوال کیا۔

"وہ پھاٹک پر لگے ہوئے لیٹر بکس میں لفافہ ڈال گیا تھا۔ فون پر اس کا پیغام ملنے پر میں نے وہ لفافہ نکال لیا۔ اس میں تمام فہرستیں موجود ہیں۔ آج وہ چند روز کے لئے باہر جارہا ہے۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں جارہا ہے؟" میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"یہ باتیں وہ مجھے کیوں بتانے لگا؟" فون پر اس کی غراتی ہوئی آواز ابھری۔

"اس سے نمٹ کر تمہیں فلیٹ ہی جانا تھا تو تم نے یہاں فون کیوں کیا ہے؟"

"کیوں؟ کیا میرے فون کرنے پر کوئی پابندی ہے؟" اس وقت وہ چڑچڑی ہو رہی تھی۔

"ہرگز نہیں۔ میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہاری اس فون کال کا مقصد کیا ہے؟ تم معمول سے ہٹ کر بلاوجہ ہی کوئی کام کرنے کی عادی نہیں ہو اس لئے میں الجھن میں ہوں۔"

"پہلے میں نے فلیٹ پر فون کیا تھا۔ سلطان شاہ نے بتایا کہ تم یہاں ہو تو میں نے یہاں فون کرلیا۔ میں فون پر ساری باتیں نہیں کرسکتی۔ تم بھی جلد از جلد فلیٹ پر پہنچنے کی کوشش کرو۔"

"کوئی ایسی بات تو نہیں ہے جو ہمیں کراچی میں رکنا پڑے؟"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا تھا۔

"تو پھر یہ بات ذہن میں رکھنا کہ صبح ہم کو ٹرین سے رانی پور روانہ ہونا ہے۔"

"یہ رانی پور کیا بلا ہے؟" پاکستان سے خاصی حد تک واقف ہونے کے باوجود وہ نام اس کے لئے نیا تھا۔

"اس گاؤں کے نزدیک ایک شہر ہے۔ وہاں جہانگیر کا ایک رشتے دار رہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، تم اپنا پروگرام طے کرلو۔ میں صبح تیار رہوں گی۔"

"کیا بات تھی؟" میں فون کا سلسلہ منقطع کرکے پلٹا تھا کہ جہانگیر نے سوال داغ دیا۔

"وہ روانگی کا پروگرام جاننا چاہ رہی تھی" میں نے اسے ٹال دیا۔

اس وقت تک منصور صوفے پر بیٹھے ہی بیٹھے انٹاغفیل ہوچکا تھا۔

"اسے ہوٹل سے فارغ کرکے یہاں بلالو۔ ہم لوگ یہیں آجائیں گے اور اسے ساتھ لے کر ریلوے اسٹیشن چلے جائیں گے" میں نے جہانگیر سے کہا "ہماری کار تمہارا ڈرائیور واپس لے جائے گا۔"

"میں منظور ماموں کو فون کئے دیتا ہوں کہ تم لوگ وہاں پہنچ رہے ہو۔ وہ اسٹیشن پر گاڑی بھجوادیں گے۔ ٹرین کا وقت صبح فون کرکے کنفرم کردوں گا۔"

میرا وہاں آنے کا مقصد بحسن و خوبی پورا ہوچکا تھا دوسری طرف ویرا نے میرا ذہن الجھا دیا تھا اس لئے میں لوگوں سے رخصت ہوکر وہاں سے روانہ ہوگیا۔ راستے میں سرکار کے پراسرار اور پیچیدہ کردار پر غور کرتا رہا جو جنون کی حد تک اپنے وطن کا وفادار تھا اور ہر لمحے آتش فشاں دہانے پر بیٹھا ہوا تھا۔

میں سست رفتاری سے کار ڈرائیو کرتا رہا اس لئے فلیٹ میں داخل ہوا تو ویرا مجھ سے پہلے وہاں موجود تھی اس کا چہرہ بہت گمبھیر نظر آرہا تھا۔ اس وقت تک اس سلطان شاہ سے بھی کوئی بات نہیں تھی اس لئے وہ بھی مضطرب اور بے آرام سا نظر آرہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے، ملا سرکار نے اپنی گفتگو سے تمہیں پریشانی پر ڈال دیا ہے" میں نے اپنی نشست سنبھال کر سگریٹ سلگاتے ہوئے ویرا سے کہا۔ وہ اپنا سر اثبات میں ہلا کر رہ گئی۔

"میرا بھی یہی اندازہ ہے۔ معاملہ کچھ گڑبڑ ہوتا ہے" اسے خاموش پاکر سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔

"تم سنو گے تو تم بھی پریشان ہوجاؤ گے۔ مجھے

سے بتاؤ کہ یہ سینڈو کون ہے؟" ویرا بولی۔

"سینڈو!" میں چونک پڑا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ مافیا کا کوئی رکن ہے اور دو مرتبہ مجھے فون کرکے مافیا میں شامل ہونے کی ترغیب دے چکا ہے جسے میں نے ٹھکرادیا تھا۔"

سلطان شاہ کے سامنے وہ بات پہلی مرتبہ آئی تھی اس لئے ویرا کی زبان سے سینڈو کا نام سن کر وہ بھی چوکنا نظر آنے لگا تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ ایک مرتبہ فون پر سینڈو کا ذکر کرکے اُسی نے اس جھمیلے کا آغاز کیا تھا۔

"تو پھر کان کھول کر سن لو کہ اب حالات ہمیں مافیا سے مقابلے کی راہ پر لے جارہے ہیں" اس نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا "ملاّ سرکار کو اب سینڈو کی پشت پناہی حاصل ہوگئی ہے۔"

"یہ تم کس بنا پر کہہ رہی ہو؟" اس کے انکشاف نے مجھے ششدر کردیا۔

"ملاّ سرکار نے مجھے خود بتایا ہے۔ مال کی ڈلیوری وغیرہ کے سلسلے میں کوئی شخص سینڈو کے نام سے مجھ سے رابطہ کرے گا۔ مال اس کے حوالے کرکے ہمیں اس سے رقم لینا ہوگی۔"

"لیکن تم سینڈو کو کیسے پہچانو گی؟" میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"لفظ سینڈو ہی اس کا کوڈ ہوگا" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر تو یہ اتفاق بھی ہوسکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ مافیا والا سینڈو ہی ہو۔ ملاّ سرکار نے اتفاقاً کسی بھی آدمی کو وہ کوڈ دے دیا ہوگا۔ ہم مافیا سے اس کے ڈانڈے کیسے ملا سکتے ہیں؟"

"دنیا ابھی اتنی مختصر نہیں ہوئی کہ سارے جرائم کا ٹھیکا ٹی اور مافیا کے نام چھوٹ جائے" سلطان شاہ نے میرے خیال کی تائید کرتے ہوئے کہا "ملا سرکار اور اس جیسے دوسرے مجرموں کو بھی زندہ رہنے کا پورا حق حاصل ہے۔"

"تمہاری دلیل وزنی ہے" ویرا نے اعتراف کیا "میں تو سینڈو کا نام سنتے ہی یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ اب ملاّ سرکار ہمیں مافیا سے لڑوانے کے کسی منصوبے پر کام کررہا ہے۔"

"یہ لڑائی بھڑائی تو اس وقت ہوگی جب تم واقعی اسلحہ فراہم کرکے رقم وصول کرنے کا ارادہ کرلو گی۔ جب تک سینڈو تمہارے سامنے آئے گا، تم ملا سرکار سے فارغ ہوچکی ہوگی۔ خاموشی سے سینڈو کو بھی ٹھکانے لگادینا۔ منظم جرائم کی دنیا میں سب سے بڑا نام ہونے کے باوجود ہر سال دوسرے گروہوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ آدمی مافیا کے ہی مرتے ہیں۔ ان مرنے والوں میں ایک نام سینڈو کا بھی شامل ہوجائے گا۔ اس وقت تمہارے مفروضے بے بنیاد ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے پرس میں سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کر میری گود میں ڈال دیا۔

ٹائپ کئے ہوئے ان کاغذوں پر اسلحے اور گولہ بارود کی ان کھیپوں اور مقدار کی نوعیت درج تھی جو ملا سرکار شی سے حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔ اسلحہ اس قدر جدید، مہلک اور وافر مقدار میں تھا کہ اس کی مدد سے باقاعدہ فوج کے کئی ڈویژن مسلح کئے جاسکتے تھے۔ شانوں اور جیپ جیسی ہلکی گاڑیوں سے فائر کئے جانے والے میزائیلوں نے تباہ کاری کا متوقع دائرہ بہت وسیع کردیا تھا۔

فہرستوں کے علاوہ ایک کاغذ پر ان ٹھکانوں کی نیم خفیہ نشاندہی بھی کی گئی تھی جہاں وہ اسلحہ اور گولہ بارود ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ مقامات کے نام فرضی تھے لیکن اضلاع کے اصل نام درج تھے جس سے پتا چلتا تھا کہ وہ لوگ سب سے زیادہ زور خیرپور کے ضلع پر دے رہے تھے جہاں ان کے چھ اسلحہ ڈپو تھے۔ سانگھڑ میں چار اور تھرپارکر میں صرف دو خفیہ ڈپو تھے۔

"اور یہاں مال کیسے پہنچے گا؟" میں نے وہ کاغذات لفافے میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ساحلی علاقے میں سینڈو مال وصول کرکے ٹرکوں میں لدوائے گا۔ وہاں سے سینڈو ہی کے مسلح دستوں کی حفاظت میں مال مقررہ ٹھکانوں کی طرف بھیجا جائے گا۔ ان ٹھکانوں تک رہنمائی کرنے کے لئے ملا سرکار اپنے آدمی دے گا۔ دراصل وہ ان ہی لوگوں کا بندوبست کرنے کے لئے کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہوا ہے۔"

"یہ تو تم نے بتادیا کہ رقم سینڈو ہی دے گا لیکن غزالہ کو کون تمہارے حوالے کرے گا؟"

"ملا سرکار نے میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وقت آنے پر وہ اس بندوبست سے بھی مجھے آگاہ کردے گا۔ میرا اپنا اندازہ یہ ہے کہ پہلی کھیپ کی وصولی کے وقت وہ خود بھی موجود ہوگا۔"

"پہلی کھیپ!" سلطان شاہ زور سے ہنس پڑا۔ "تم تو یوں بات کررہی ہو جیسے سب کچھ اسی طرح ہونے کی تیاریاں کرلی گئی ہوں۔ کون سی کھیپ اور کہاں کی کھیپ؟ اب تو ہمیں کوٹ مندو ہی چلنا چاہیے۔"

"کوٹ مندو کی کہانیاں حیرت ناک اور ناقابل یقین ہیں" میں نے کہا۔ "ملا سرکار کو اس علاقے میں بہت بلند مقام حاصل ہے۔ عام لوگوں کو اس کے خلاف کسی کارروائی کی بھنک بھی مل گئی تو وہ سینہ تان کر اسے اپنے حصار میں لے لیں گے۔ وہ واقعی ان سادہ لوح دیہاتیوں کا پوپ بن کر ان پر حکمرانی کررہا ہے۔"

ان دونوں کے لئے وہ اطلاعات سنسنی خیز تھیں اس لئے

میں نے منظور ماموں اور منصور کے غائبانہ تعارف کے ساتھ ان کو اپنی معلومات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

میں نے سینڈو والے معاملے میں ویرا کو ضرور ٹال دیا تھا لیکن میرے ذہن میں ایک نقش بار بار سر ابھار رہی تھی کیونکہ سینڈو بہت حریص اور مکار شخص تھا۔ اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ اس نے اپنی بالائی آمدنی کی خاطر مافیا کی جانب سے سرکار سے کوئی معاہدہ کر لیا ہو' جب تک سیٹھ حبیب جیوانی روپوش رہنے پر مجبور تھا اور اس کی جگہ مافیا کی سربراہی کر رہا تھا' سینڈو کی دال کہیں بھی نہیں گل سکی تھی اور اس کی کئی بد معاملگیوں سے واقف ہونے کے بعد میں نے پوری طرح اسے نکیل ڈال دی تھی لیکن سیٹھ حبیب جیوانی کی واپسی کے ساتھ ہی میں نے چند روز کی چھٹی لے لی تھی اور سینڈو سیٹھ کا منہ چڑھا آدمی تھا اس لئے اس کے بے لگام ہونے کا امکان بعید از قیاس نہیں تھا۔

اگر سینڈو اور ملا سرکار کا کوئی گٹھ جوڑ ہو چکا تھا تو یہ ماننا پڑتا تھا کہ سارے جرائم کے ڈانڈے سمٹ کر آخر کار اپنی اصل ہی میں آملتے ہیں اور جرائم کی مہیب دنیا سمٹ کر ایک مختصری برادری تک محدود رہ جاتی ہے۔

ان دونوں کو ایک موقع پر آپس میں الجھا کر مجھے فون استعمال کرنے کا موقع مل ہی گیا اور میں نے فوری طور پر ٹریڈ لائن کے دفتر کا وہ نمبر ملایا جو تعطیلات میں اور دفتری اوقات کے بعد سوئچ بورڈ سے رہائشی علاقے میں منتقل ہو جاتا تھا۔

وہ چھٹی کا دن تھا اس لئے دوسری طرف سے سینڈو ہی لائن پر آیا تھا۔

" ڈینی بول رہا ہوں " اس کی غراہٹ کے جواب میں' میں نے درشت لہجے میں کہا۔

اس کے حواس فوراً ہی ٹھکانے پر آگئے اور وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا " ارے باس ! تم کہاں ہو۔ تمہیں دیکھنے کو میری آنکھیں ترس گئی ہیں۔ دفتر نہیں آتے تو کبھی کبھار فون ہی کر لیا کرو۔ "

" اتنی خوشامد نہ کرو۔ چیف یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ اس کے ہوتے ہوئے تم دوسروں کو اتنا مکھن لگاؤ' ویسے بھی تم میرے مزاج سے واقف ہو ہی چکے ہو۔ "

" تم یقین کرو کہ یہ مکھن بازی نہیں ہے۔ میں دل کی گہرائیوں سے تمہاری عزت کرتا ہوں " وہ گڑگڑایا۔

" یہ اسلحے والا کیا قصہ ہے ؟ " میں نے اسے سوچنے سمجھنے کا موقع دیئے بغیر سوال کیا۔

" کون سا قصہ باس ؟ " اس کی تحیر زدہ آواز میں مجھے بناوٹ محسوس نہ ہو سکی۔

" کسی سے وصول کر کے اسلحہ کہاں پہنچانا ہے ؟ " میں نے اپنا جارحانہ لہجہ برقرار رکھا۔

" میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ تم کس معاملے کا ذکر کر رہے ہو۔ "

" مجھے توقع تھی کہ ایسا ہی ہوگا۔ آج کل اپنی آنکھیں کھلی رکھا کرو۔ "

" مجھے کچھ تو بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے ؟ آج کل تو حالات سازگار ہیں اور میدان بالکل صاف ہے۔ ماجے کی تباہی کے بعد ویرا بھی غائب ہوگئی ہے اور اب منڈی پوری طرح ہمارے ہاتھ میں آگئی ہے۔ "

" اس پر بغلیں بجانے کی ضرورت نہیں۔ شہر میں کچھ لوگ تمہیں بدنام کرنے پر تل گئے ہیں۔ تم ان سے غافل رہے تو بے خبری میں کسی بھی وقت مار لئے جاؤ گے " میں نے اس پر رعب جھاڑتے ہوئے۔

" اس خبرگیری پر میں تمہارا احسان مند ہوں لیکن مجھے کچھ تو بتا دو تاکہ میں ان لوگوں پر نگاہ رکھ سکوں۔ "

" نہیں ! " میں نے سختی کے ساتھ کہا " اس وقت بس اتنا ہی کافی ہے۔ "

" ہو سکے تو چیف سے بات کر لینا " اس نے جلدی سے کہا۔ شاید اسے ڈر تھا کہ کہیں میں اچانک ہی فون بند نہ کر دوں " تمہارے لئے روم سے کوئی اہم پیغام آیا ہوا ہے۔ "

میرے دل میں اس پیغام کی نوعیت کے بارے میں تجسس بیدار ہوا لیکن میں نے فوراً ہی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں جانتا تھا کہ جلد یا بدیر سیرڈان مجھے یورپ کی کسی پرفضا وادی میں بلانا چاہتا تھا تاکہ مجھے قربانی کا بکرا بنا کر شرٹی کے سربراہ جمی لائیڈ سے اپنے تنازعات کو حل کر سکے اور میں اس وقت ملک سے باہر جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس وقت غزالہ کی سلامتی اور بازیابی میرے لئے اپنی زندگی سب سے اہم سوال بنی ہوئی تھی۔

میں فون سے نمٹ کر ڈرائنگ روم میں پہنچا تو رانی پور کے سفری پیکنگ کے سلسلے میں ویرا سلطان شاہ سے بری طرح الجھ رہی تھی۔ وہ بہت کم سامان ساتھ لے جانے کا مشورہ دے رہا تھا اور ویرا بے سرو سامانی کے عالم میں کسی کے گھر میں مہمان بننے کے لئے آمادہ نہیں تھی۔

○☆○

منظور ماموں بہت ہی باغ و بہار شخصیت ثابت ہوئے جوش مہمان داری میں گاڑی لے کر وہ مقررہ وقت سے پہلے ہی اسٹیشن پر پہنچ گئے تھے۔ ہمارے ساتھ منصور موجود تھا اس لئے دونوں فریقوں کو ایک دوسرے کی شناخت میں کٹھن مرحلے سے نہیں گزرنا پڑا اور ہم ایک ہی کشادہ گاڑی میں پھنس کر منظور ماموں کی مضافاتی حویلی میں پہنچ گئے۔

ان کی حویلی رانی پور کے مضافات میں کئی ایکڑ کے رقبے پر پھیلے ہوئے سرسبز و آباد باغ کے وسط میں واقع تھی

باغ کو آوارہ چوپایوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کے گرد گارے اور پتھروں کی ایک دیوار سی بنی ہوئی تھی لیکن اندر بل کھاتی ہوئی پکی سڑک سے گزرتے ہوئے ہم نے جابجا پالتو مویشیوں کے ریوڑ دیکھے جو ستانے' جگالی کرنے یا چرنے میں مصروف تھے۔اس باغ میں کئی اقسام کے ہزاروں پھل دار درخت تاحد نظر پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان خالی قطعات پر کہیں پھل پھول نظر آرہے تھے اور کہیں صرف گھاس اگی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں سبزیاں بھی نظر آرہی تھیں۔

منظور ماموں کی بیوی انہیں عین عالم شباب میں داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ وہ آدمی وضع دار تھے اس لئے کبھی دوسری شادی کے بارے میں نہیں سوچا' دوسری ہیرا پھیریوں کا اندازہ جہانگیر کی اس وارننگ سے ہوگیا تھا جو اس نے ویرا کے بارے میں دی تھی۔

وہ ایک عدد جوان بیٹی اور جوان بیٹوں کے اکلوتے باپ تھے۔ منصور سب سے چھوٹا تھا۔ کوثر اس سے بڑی تھی اور محمود سب سے بڑا لڑکا تھا وہ راستے بھر ہم سے باتیں کرتے اور راستے میں آنے والے تاریخی اور غیر تاریخی مقامات پر رننگ کنٹری دیتے آئے تھے۔ وہ عادتاً بہت خوش باش تھے۔ ان کے کسی طور طریقے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ اپنی اولاد کے حق میں وہ جلاّد رہے ہوں گے۔

ویرا کے ساتھ ان کا رویہ بہت باوقار اور رسمی رہا تھا۔ جس میں لگاوٹ نام کو بھی نہ تھی اس لئے مجھے یہ سمجھ لینا پڑا کہ جہانگیر نے اس بارے میں مجھ سے مذاق کیا تھا یا پھر منظور ماموں زمانے کے سرد وگرم کو دیکھے ہوئے بہت کائیاں آدمی تھے اور منصور کی موجودگی میں کوئی ندیدی حرکت کرکے اپنا بھرم نہیں کھونا چاہتے تھے۔

حویلی میں کوثر نے ملازمین کی مدد سے ہمارے استقبال کا بھرپور انتظام کیا ہوا تھا۔ منظور ماموں کی ہدایت پر سارے افراد اور ملازمین ڈیوڑھی میں موجود تھے جن سے تعارف کے بعد ہمارے کمرے دکھائے گئے جن سے ملحقہ غسل خانوں میں گرم اور ٹھنڈے پانی سے بھری ہوئی بڑی بڑی بالٹیاں پہلے سے تیار تھیں۔

اس پرشکوہ حویلی میں بجلی موجود تھی لیکن گیس شاید بالا ہی بالا وہاں سے گزر رہی تھی اس لئے منظور ماموں گیزر کی نعمت سے محروم تھے اور بالٹیوں میں حسب منشا پانی ملا کر نہانے کے عادی تھے۔

ہمارے کمرے بہت وسیع اور چھتیں اونچی تھیں۔ ہر کمرے میں بیک وقت پوری بارات رہ سکتی تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے منظور ماموں نے ہمیں فی کس ایک کمرا دے کر شہری اونٹوں کو پہاڑ تلے لانے کی شعوری کوشش کی تھی۔ وہ کمرے بھی صرف کمرے ہی نہیں تھے بلکہ بودوباش کے لئے اپنی اپنی جگہ پر آراستہ اور مکمل رہائشی یونٹ تھے۔

سفر کی تکان اتار پھینکنے کے لئے انہوں نے مہمان داری کی ابتدا اسی ایک نکتے سے کی تھی۔ میں تازہ دم ہونے کے بعد غسل خانے سے کمرے میں آیا تو ویرا کے ساتھ ہی سلطان شاہ بھی وہاں براجمان تھا۔ وہ دونوں ہی مجھ سے پہلے فارغ ہوگئے تھے۔

"مکان کیا' یہ تو پورا محل ہے" ویرا نے درودیوار کا جائزہ لیتے ہوئے تعریفی لہجے میں کہا "انہوں نے ہمیں بلا وجہ ہی الگ الگ کمروں میں ڈال دیا ہے حالانکہ دیوان' صوفے اور پلنگ ملا کر اسی ایک کمرے میں چھ سات قد آدم بستر موجود ہیں۔ انہیں بتادینا کہ ہم ایک ہی کمرے میں گزارہ کرلیں گے۔"

"سچی بات یہ ہے کہ اسے ان کمروں سے ڈر لگ رہا ہے" سلطان شاہ نے وضاحت کی "ہر کمرے میں اتنا سازوسامان ہے کہ آنکھ بچا کر کوئی بھی کسی کونے کھانچے میں دبک سکتا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ ہم یہاں پکنک منانے نہیں' ملاّ سرکار کو پکڑنے کے لئے آئے ہیں۔ اکٹھے رہ کر ہم ہر وقت تبادلۂ خیال کرسکتے ہیں۔ الگ الگ رہے تو تبادلۂ خیال کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔"

"مجھے تو ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے ٹرین سے اترتے ہی ہماری کایا پلٹ ہوگئی ہو۔ ماحول اور آب و ہوا مزاج پر حاوی ہوئی جارہی ہے" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

اسی وقت باہر سے منظور ماموں نے آواز لگائی اور سب لوگ لگی لگائی وسیع میز کے گرد کرسیاں سنبھالنے لگے۔ چائے کے ساتھ ساتھ وہاں ہلکے پھلکے لوازمات بھی تھے لیکن ان سے زیادہ دلچسپ منظور ماموں کی باتیں تھیں۔ منصور اور محمود میز پر ادب سے خاموش بیٹھے ہوئے تھے لیکن کوثر ویرا کے ساتھ باتوں میں مشغول تھی۔

چائے کے بعد سب لوگ مردانہ بیٹھک میں آگئے۔ ہر اعتبار سے وہ کمرا ایک پرشکوہ ڈرائنگ روم تھا جہاں ایک دیوار پر منظور ماموں کے دادا کی قد آدم قلمی تصویر آویزاں تھی۔ دیوار پر جابجا شکار کی ٹرافیاں بھی آویزاں تھیں جن کے درمیان شیشے کے پٹوں والی نازک نازک سی الماریاں دنیا بھر کے لوازمات سے سجی ہوئی تھیں۔

تھوڑی دیر تک وہاں حاضری لگوانے کے بعد محمود اور منصور خاموشی سے کہیں کھسک گئے۔ منظور ماموں خشک میوے اور حقے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اپنے عہد رفتہ کی کہانیاں سنانے میں ایسے منہمک تھے کہ انہیں دونوں کی غیر حاضری کا احساس تک نہ ہوا اور پھر مجھ سے اشارہ پاکر ویرا بھی کوثر کے ساتھ وہاں سے اٹھ گئی۔

منظور ماموں عہد رفتہ کی یادوں سے ذرا باہر آئے تو ایک وقفہ میسر آتے ہی میں نے ملاّ سرکار کا ذکر چھیڑ دیا۔ میرے

زبان سے اس کا نام سنتے ہی وہ سرتاپا عقیدت کے پیکر میں ڈھل گئے۔

"اس کی کیا بات ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا درویش صفت آدمی نہیں دیکھا۔ لوگ اسے ملا سرکار کہہ کر اس کی توہین کرتے ہیں لیکن وہ اس میں خوش رہتا ہے جیسے اسے کسی بات کی پروا ہی نہ ہو۔ اس سے ملوگے تو تمہاری طبیعت ہی خوش ہو جائے گی۔ میں نے اسے کوٹ مندو چھوڑ کر اسی حویلی کے کسی بھی حصے میں رہنے کی پیش کش کی تھی لیکن وہ اللہ کا بندہ اپنی کٹیا چھوڑنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا۔"

"اس کے دشمنوں نے اس کے بارے میں کچھ افواہیں بھی پھیلا رکھی ہیں" میں نے اندھیرے میں تیر چھوڑا۔

"ہاں! کئی برس پہلے غلغلہ اٹھا تھا کہ وہ کوئی جاسوس ہے جو بھیس بدل کر وہاں چھپا ہوا ہے لیکن اب وہ باتیں پرانی ہو گئیں۔ لوگ ان قصوں کو بالکل بھول چکے ہیں" میرا تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔

"موقع ملا تو ہم لوگ کل اُدھر کا چکر لگائیں گے" میں نے پُراشتیاق لہجے میں کہا۔

"کل کچہری میں میری ایک پیشی ہے۔ کسی دن میرے ساتھ چلنا' وہ مجھے پہچانتا ہے۔ اکیلے گئے تو شاید اس سے ملاقات کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکو گے" منظور ماموں نے مشفقانہ لہجے میں کہا۔

"بعد میں آپ کے ساتھ بھی چلے جائیں گے" سلطان شاہ نے معصومانہ لہجے میں کہا "سارا دن یہاں پڑے پڑے اکتا جائیں گے۔ ہمیں کرنا ہی کیا ہے۔ جیپ مل گئی تو ادھر ہو آئیں گے۔"

منظور ماموں نے ایک جاندار قہقہہ لگایا اور بولے "بھلے مانس' یہ حجرے اور حویلیاں تو اللہ نے سونے اور آرام کرنے کو دی ہیں۔ تمہارے دو تین دن تو باغ دیکھنے میں ہی صرف ہو جائیں گے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہیں روک رہا ہوں۔ جب چاہو جیپ نکلوا سکتے ہو۔ اگر ضرورت سمجھو تو ڈرائیور اور ایک آدھ ملازم کو بھی ساتھ لے لینا۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ گھر سے باہر بھی تم لوگوں کو متواضع اور مہمان نواز پاؤ گے۔ ہاں' اتنا دھیان رہے کہ سورج ڈوبنے سے پہلے گھر لوٹ آنا۔"

"اجازت ہو تو ہم تینوں کسی ایک ہی کمرے میں منتقل ہو جائیں۔ ان بڑے بڑے کمروں میں رات کو ہول آنے لگیں گے" انہیں فیاضی پر آمادہ پا کر میں نے دوسرا مطالبہ پیش کر دیا۔

وہ پھر زور سے ہنسے اور بولے "ہاں بھئی' شہر کے کابکوں میں ... بستر پر لیٹتے ہی چاروں دیواریں نظر آنے لگتی ہیں۔ اندھیرے میں تم لوگوں کو یہاں خوف آئے گا" پھر وہ ایک... ہی چونک کر مجھے گھورتے ہوئے سنجیدگی سے غرائے "تم... سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ لڑکی بھی تمہارے ساتھ سوئے گی؟"

"بب... بالکل ساتھ نہیں" میں ان کے تیور دیکھ کر گھبرا گیا "وہ ہمارے کمرے میں بالکل الگ بستر پر سوئے گی۔"

"اس سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟" ان کی بڑی بڑی آنکھیں مسلسل میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

"کچھ بھی نہیں' وہ ہماری دوست ہے" میں نے جلدی سے جواب دیا۔

ان کے نتھنوں سے ایک گہرا سانس یوں خارج ہوا جیسے میرا اعتراف سن کر ان کے ذہن سے کوئی بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ پھر وہ بولے "جہانگیر نے بھی یہی بتایا تھا۔ تم دونوں ایک کمرے میں سو سکتے ہو لیکن میں اس کو تمہارے ساتھ شب بسری کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس سے کوثر کے ذہن پر برا اثر پڑے گا۔ وہ چاہے تو کوثر کے ساتھ سو سکتی ہے۔"

"جیسی آپ کی مرضی" میں نے سعادت مندی کے ساتھ اپنا سر جھکا دیا۔

"اس لڑکی سے تمہاری دوستی کب اور کیسے ہوئی؟" انہوں نے حقہ گڑگڑا کر' پہلو بدلتے ہوئے سوال کیا اور میں نے اسی وقت اندازہ لگا لیا کہ منظور ماموں کے وجود میں چھپا ہوا اندیدا مرد بیدار ہو رہا تھا۔

"وہ انگلینڈ میں سات برس تک میری ہم جماعت رہ چکی ہے" میں نے جھوٹ بولا۔

"اچھی لڑکی ہے" وہ سر ہلا کر بولے "صورت سے باکردار معلوم ہوتی ہے۔"

میرا دل چاہا کہ ان کے انکشاف پر زور دار قہقہہ لگاؤں لیکن اس وقت منظور ماموں کی رضا ہماری اپنی خواہش پر مقدم تھی اس لئے میں نے اطاعت کے انداز میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"اردو بھی بہت اچھی بولتی ہے" منظور ماموں دیرا... بارے میں باتیں کرتے رہنا چاہ رہے تھے۔ ساتھ ہی حقے... نے پر ان کے پھیپھڑوں کی قوت میں بھی بتدریج اضافہ ہو... جا رہا تھا۔

"اس نے ڈیڈی ہی سے اردو بولنا سیکھی ہے" سلطان شاہ نے کہا۔

"اسے پینے پلانے کا شوق ہے یا نہیں؟" ان کا لہجہ بہت پُراشتیاق ہو گیا تھا۔

"پیتی ہے لیکن پاکستان آ کر سب بھول رہتی ہے" میں نے جواب دیا لیکن میں ان سے یہ پوچھنے کی جرات نہیں کر سکا کہ وہ پارسائی کے دعوے دار تھے یا رند کہلوانا پسند کرتے تھے۔

ہمارے نزدیک منظور ماموں کا اس سے زیادہ کوئی
نہیں تھا کہ ہمیں ان کا گھر جملہ سہولتوں کے ساتھ
ال کرتا تھا۔ ان سے ہمیں جو باتیں معلوم ہو سکتی تھیں وہ
رنے پہلے ہی بتادی تھیں۔ اس لئے ہم آرام کرنے کے
وہاں سے اٹھ گئے۔ وہ بھی ڈرائنگ روم سے نکل کر
ی زبان میں کسی نادیدہ ملازم کو کچھ ہدایات دیتے ہوئے
دروازے میں غائب ہو گئے۔
ہم دونوں نے وہیں رک کر گرد و پیش کا جائزہ لیا لیکن
ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ منظور ماموں کی اولادوں کے
ہی ویرا ابھی نہ جانے کہاں غائب تھی۔ حویلی اس قدر
د عریض تھی کہ اس میں سے کسی کو ڈھونڈنا ایک نو وارد
لئے آسان نہیں تھا۔ اس لئے میں اپنے کمرے میں چلا

"ہمیں ویرا پر نگاہ رکھنی ہوگی" کمرے میں پہنچ کر
ن شاہ نے کہا "بڈھا اس کے ذکر میں بہت دلچسپی لے رہا
یہاں تو کوئی ہماری مدد کو بھی نہیں آسکے گا۔"
"تم بالکل احمق ہو۔ ویرا کی فکر کو اپنے ذہن سے بالکل
ھٹک دو۔ اس کی مرضی کے بغیر کوئی اسے ہاتھ بھی نہیں
لگا۔ البتہ جسے وہ پسند کرنے لگے اسے ہر قیمت پر اپنے
ں میں جھکا لیتی ہے۔"
آخری فقرہ کسی حد تک چسپاں ہو رہا تھا اس لئے وہ
کرکے فوراً ہی باتھ روم کی طرف کھسک لیا۔
سات بجے کے قریب ویرا آئی تو پلنگ پر گر کر گہرے
ے سانس لینے لگی جیسے کوئی مہم سر کرکے آئی ہو۔
"تم کہاں غائب تھیں؟ سلطان شاہ تمہاری طرف سے
ند ہو رہا تھا۔"
"میں ڈرائنگ روم سے کوثر کے کمرے میں چلی گئی تھی۔
ں سے محمود باغ کی سیر کرانے کے بہانے مجھے حویلی سے
لے گیا۔ ان لوگوں کا باغ بہت خوبصورت ہے لیکن محمود
یرے دماغ کی چولیں تک ہلا دیں۔"
"تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ ابھی تک نوجوان بھی
ی ذات میں دلچسپی لیتے ہیں۔"
"وہ سارا وقت سفید فاموں کی تعریف میں رطب
ن رہا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ براہِ راست
تعریف کرتا۔ ابھی چند منٹ پہلے اس نے اپنی ساری
مجتمع کرکے اپنی پسند کا اظہار کرتے ہی میرا ہاتھ تھام لیا
آنکھیں موند کر عشق و محبت میں لتھڑے ہوئے وہ سارے
گ دہراتا چلا گیا جو اس نے فلموں سے یاد کئے ہوں گے۔"
"پھر کیا ہوا؟" میں نے متوقع انجام کے بارے میں
تے ہوئے ہنس کر سوال کیا۔
"وہی جو ہونا تھا" وہ بے پروائی سے بولی "ایک لات

پڑتے ہی وہ اڑتا ہوا دور جا گرا۔ پانی کی نالی کی کیچڑ سے اس کا
لباس بھی خراب ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ اب کافی عرصے
تک اس کے دماغ میں عشق کے کیڑے نہیں کلبلائیں گے۔
وہ سمجھ رہا تھا کہ چند پھول اور پرندے دکھا کر اس نے مجھے
رام کرلیا ہے۔"
"دیکھ لیا!" میں نے سلطان شاہ سے کہا "ویرا سے
زبردستی کے عشق کا یہ انجام ہوتا ہے۔"
"سب سے زیادہ مضحکہ خیز صورتحال اس کے بعد رونما
ہوئی تھی" ویرا بتارہی تھی "میں غصے سے وہاں حویلی کی طرف
روانہ ہوئی تو وہ اپنی توہین اور چوٹ بھول بھال کر اسی گندی
حالت میں ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا کہ میں اسے
معاف کردوں اور اس کے اظہار عشق کے بارے میں بڑے
میاں سے شکایت نہ کروں۔ میں نے بھی اس سے اس وقت
تک وعدہ نہیں کیا جب تک اس سے زمین پر ناک سے لکیریں
نہ نکلوالیں۔"
"بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم نے ایک کو سدھا لیا؟"
میں نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "اب وہ ہمارے بہت کام
آئے گا۔ تمہیں اس پر اپنا دباؤ برقرار رکھنا ہوگا۔"
"وہ ڈفر تمہارے کس کام آئے گا؟" ویرا کے لہجے میں
اس کے لئے حقارت تھی۔
"تمہیں اندازہ نہیں کہ آج تم نے کتنا بڑا کام کیا ہے۔
ہم اس علاقے میں اجنبی ہیں اور اسی کے ساتھ اپنا مشن بھی
خفیہ رکھنا چاہتے ہیں۔ یہاں ہم جس کسی کو اپنا راز دار بنانے
کی کوشش کرتے' وہ ہمارا سارا کچا چٹھا منظور ماموں کو سنا دیتا
آج کے واقعے کے بعد تم محمود کو ڈٹ کر بلیک میل کرسکو گی۔
وہ ہمارا گائیڈ بھی بنا رہے گا اور وقت پڑنے پر مدد بھی کرے
گا اور کسی کو کچھ نہیں بتائے گا۔ کل کے لئے تم نے میری
بہت بڑی الجھن دور کردی ہے۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" میرے بتانے پر سلطان شاہ کو
بھی دھیان آگیا "ہم سارا دن بھٹکنے کے بعد بھی کوٹ مندو
پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے تھے۔ ویرا کو تو ویسے ہی حویلی
میں چھوڑنا ہوگا۔"
"کیوں میں یہاں پڑی رہ کر کیا کروں گی؟" اس نے
سلطان شاہ پر آنکھیں نکالیں۔
"ملا سرکار کوٹ مندو کے راستے پر کسی سفید فام عورت
کی موجودگی کی خبر پاتے ہی خطرہ بھانپ لے گا اور کہیں غائب
ہو جائے گا۔ ویسے تمہارے لئے ایک اطلاع اور بھی ہے کہ
تم اپنے کمرے میں اکیلی نہ سونا چاہو تو کوثر کی خواب گاہ میں
سو سکتی ہو۔ منظور ماموں نے رات کے وقت اس کمرے کو
تمہارے لئے ممنوع قرار دیا ہے۔"
"منظور ماموں کی اور تمہاری ایسی کی تیسی"... اکو

غصہ آگیا "میں اسی کمرے میں رات گزاروں گی اور کل بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ محمود میرے لئے مردانہ لباس کا بندوبست کرے گا۔"

"ناک رگڑوا کر اب اسی پر ... کر رہی ہو" سلطان شاہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

وہ ویرا کو مزید چڑاتا لیکن میں نے فوراً ہی بات سنبھال لی۔ "محمود کے رام ہو جانے کے بعد تمہارے ساتھ چلنے میں کوئی قباحت نہیں لیکن شب بسری کے معاملے میں تمہیں مشرقی روایات کا خیال رکھنا ہوگا۔ اسی چھت کے نیچے منظور ماموں کی جوان اور کنواری بیٹی بھی رہتی ہے۔ ہم لوگوں کا آزادانہ اختلاط اس کے ذہن پر برا اثر ڈالے گا۔"

"پتا نہیں، تم لوگ عورت کو کانچ کی گڑیا کیوں سمجھ لیتے ہو" میری وضاحت پر اس کا غصہ ضرور سرد ہو گیا لیکن چڑچڑا پن ختم نہیں ہو سکا "تم لوگوں کا بس چلے تو لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی ممی بنا کر کسی طاق پر سجا دو۔ اپنی دن رات کی نزاکت کی تکرار سے تم اپنی عورتوں کو ہوش سنبھالنے تک اتنا ناکارہ بنا دیتے ہو کہ وہ محمود جیسے مردوں کو لات مارنے کے بجائے گھٹنوں میں منہ دے کر رونا شروع کر دیتی ہیں اور فتح کر لی جاتی ہیں۔"

"صبر سے کام لو ویرا ڈارلنگ!" میں نے اسے پچکارا۔ "بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں ہم پورے خلوص کے ساتھ ناروا سمجھتے ہیں لیکن مصلحتاً انہیں برداشت کرنا پڑتا ہے۔ آج رات تمہیں کوثر کے کمرے میں سونا ہوگا۔ شاید کل تک میں اس مسئلے کا کوئی حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"میں اپنا مسئلہ خود حل کر لوں گی" اس نے اعلان کر دیا۔

"میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ ... میری وجہ سے کوئی بدمزگی نہیں ہوگی لیکن اسی کے ساتھ تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ میرے معاملات میں دخل نہیں دو گے۔"

"... تجویز ہے" میں نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

آٹھ بجے کھانے کا اعلان ہو گیا۔ شام والی ترتیب کے مطابق منظور ماموں صدر نشین تھے۔ باقی لوگ بھی اپنی اپنی جگہوں پر تھے لیکن ویرا نے پھرتی دکھا کر منظور ماموں کی داہنی جانب والی میری کرسی سنبھال لی تھی۔ ویرا شام کو کوثر کے برابر میں بیٹھی تھی۔ میرے لئے وہ جگہ لینا مناسب نہیں تھا اس لئے میں منصور کے برابر میں بیٹھ گیا۔

کھانے کے دوران میں منظور ماموں نہایت باوقار اور مساویانہ طریقے سے سب کی مہمان داری کرتے رہے۔ میری نظریں مسلسل ان کے چہرے کا طواف کرتی رہیں اور میں نے ... بار ان کے چہرے پر سرخی سی آکر گزرتے دیکھی۔ میں

نے ویرا کو اس کی ذات میں منظور ماموں کی دلچسپی ... میں نہیں بتایا تھا اسی لئے میں حیران تھا کہ ویرا نے ... پر ان کے برابر والی نشست پر بیٹھنا کیوں ضروری سمجھا۔

کھانا ختم ہونے کے بعد ڈرائنگ روم میں محفل ... چائے کا دور شروع ہو گیا۔ وہاں بھی ویرا منظور ماموں کے قریب بیٹھی تھی لیکن وہ اپنی بیٹی اور ... کے سامنے ذرا بھی متاثر نظر نہیں آرہے تھے۔ ویرا کے ساتھ ان کا طرز گفتگو بزرگانہ تھا۔ اگر چہرے پر انسان کے دل کا حال آجاتا ہے تو اس وقت یہ کہا جا سکتا تھا کہ ویرا کے بارے میں منظور ماموں کا دل صاف تھا۔

وہاں سے پہلے محمود اٹھا۔ اسی کے ساتھ میں ... ہو گیا۔ منظور ماموں سے معذرت کر کے میں ڈرائنگ روم سے نکلا اور دوستانہ انداز میں محمود کو اپنے کمرے میں ... دعوت دی تو اس کا چہرہ خوف سے دھواں ہو گیا۔

ڈرائنگ روم میں ویرا اس کے ابا جان سے ... میں مصروف تھی اور میں اسے اپنے کمرے میں ... اسی لئے اس بے چارے کو یہی خیال آسکا ہوگا ... ناک سے لکیریں نکالنا رائیگاں گیا تھا اور ابا جان جو تا سنبھال کر کسی بھی لمحے اس پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔

"بیٹھو!" میں نے اندر جا کر بزرگانہ انداز ... پیشکش کی۔ وہ جھجکتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا تو میں ... تسلی کی خاطر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ویرا میری فرینڈ ہے۔ تم جانتے ہی ہو گے کہ بیوی اور اس ... رشتے میں موہوم سا فرق ہوتا ہے۔ اس نے مجھے ... بتا دی۔ جو کچھ ہوا، ہم اسے بھلانے کی کوشش کریں ... اس کے ساتھ ہم تم سے بھی تھوڑی سی مدد کی توقع ... مجھے امید ہے کہ تم میری توقعات پر پورا اترو گے۔"

"میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا" وہ تھوک ... بولا۔

"کل صبح ہمارا شکار پر جانے کا ارادہ ہے۔ ... کرا کر اس میں کھانے پینے کا سامان، رائفلیں ... کارتوسوں کے ڈبے اور دوسرا سامان لدوا لینا۔ ... چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم سرحدی ریگستان کی ... جائیں۔ ویرا کے لئے مردانہ سفاری سوٹ اور شکاری ... ٹوپی کا بندوبست کر لینا۔ ہماری جیپ تم ہی چلاؤ گے ... اپنے پروگرام کی تفصیل بتاتے ہوئے کوثر منصور کا ... نہیں لیا تھا تاکہ وہ آسانی سے دام میں آجائے۔ باقی ... راستے میں طے کئے جا سکتے تھے۔

"سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہوگا" ... سعادت مندانہ لہجے میں کہا "ابا جان پہلے ہی ہدایت ... ہیں کہ سب لوگوں کو مہمانوں کی مرضی اور آرام کا

۔ کہیں کیمپ لگانے کا ارادہ ہو تو دو چھولداری اور
الدواردوں۔ انہیں نصب کرنے اور اکھاڑنے میں زیادہ
نہیں لگتا۔"

کوٹ مندو کے قریب اپنا شکاری کیمپ لگانے کا خیال
چھوڑا تھا۔ اس لئے میں نے فوراً ہی اس کا مشورہ قبول
"لیکن یہ یاد رکھنا کہ جیپ میں ہم تینوں کے ساتھ
تم ہی جاؤ گے۔ ہمیں وہی کچھ ساتھ لینا چاہئے جسے ہم
سکیں۔ ملازموں کے ساتھ ایسے پروگرام کا مزہ کرکرا
ہے۔"

"تم چاہو تو ملازم دوسری گاڑی سے ہمارے پیچھے آسکتے
س نے کہا۔

"نہیں ملازم ہرگز نہیں جائیں گے" میں نے سختی کے
س کی بات کاٹ دی۔

"ٹھیک ہے" اس نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیئے "ہمیں
ے منہ اندھیرے ہی نکلنا ہوگا۔"

"تم وقت بتادو، ہم تینوں تیار رہیں گے" میں نے وہ
ری بھی اس پر ڈال دی۔

ی وقت سلطان شاہ بھی کمرے میں آگیا۔ ہم تینوں نے
ورے سے پانچ بجے کا وقت مقرر کیا اور محمود گرمجوشی
ہ ہم دونوں سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔

"ویرا بڈھے کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔" میدان صاف
ی سلطان شاہ نے مجھے مطلع کیا۔ "اپنے بچوں سے
ں بڈھے کے رویئے میں نمایاں تبدیلی آگئی۔"

ویرا کی شراب نوشی سے واقف ہو کر اس نے بہت
انداز میں اپنی کھوپڑی گھمائی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ
طریقۂ واردات کیا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی بچوں
پ کر اپنے کمرے میں شراب پیتا ہے۔ وہ ویرا کو مے
دعوت دے کر اپنے کمرے میں لے جانے کی کوشش
گا۔ میری آرزو ہے کہ ویرا اس سے انکار کر دے۔
کہیں بڈھے کو بھی لات ماردی تو ہم کھڑے کھڑے
نے سے محروم ہو جائیں گے۔"

فی دیر تک ویرا کی واپسی کا انتظار کرنے کے بعد دس
قریب میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو وہ ویران پڑا ہوا
ل اسی طرح جل رہی تھیں۔ پھر میں نے باری باری
دونوں خواب گاہ کا بھی جائزہ لے لیا۔ وہاں کسی ذی
نام و نشان نہیں تھا۔ بڈھا ویرا کو لے کر کہیں غائب
ا

ویرا کوثر کے کمرے میں نہ چلی گئی ہو" کمرے میں
تے ہی مجھے سلطان شاہ کی احمقانہ رائے سننا پڑی۔
وہ وہاں جانے سے پہلے ہم سے ضرور ملتی۔ میرا خیال
بڈھے کے ہی ساتھ ہے۔"

ہم دونوں اپنے بستروں پر دراز ہو کر اگلے دن کے پروگرام پر تفصیلی تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ کراچی سے ہم اپنے ساتھ صرف ہیم گن اور ایک پستول لائے تھے جس کے فاضل میگزین ہمارا زیادہ ساتھ نہیں دے سکتے تھے کیونکہ ہمارا فائر پاور ایک گولی سے زیادہ نہیں تھا۔ شکار کے بہانے منظور ماموں کے اسلحہ خانے سے رائفلیں سمیٹ کر ہم اپنی پوزیشن بہت زیادہ مستحکم کر سکتے تھے۔

گیارہ بجے کے بعد ویرا شراب کے بھبکے اڑاتی ہوئی خواب گاہ میں آئی تو بہت مضمحل تھی۔

"رات کہاں گزارنے کا ارادہ ہے؟" سلطان شاہ نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

"یہیں تمہارے سینے پر مونگ دلوں گی۔ میں نے کہا تھا کہ میں اپنا بندوبست خود کرلوں گی اور دیکھ لو کہ میں تمہارے بڈھے ماموں سے تمہارے ساتھ رہنے کی اجازت لے آئی ہوں" اس کا لہجہ بے حد زہریلا تھا۔

"اور اس کا کیا معاوضہ دے آئی ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں بلکہ اس نے مفت میں شیواز ریگال کے تین گلاس بھی پلائے ہیں" اس نے فاتحانہ لہجے میں کہا پھر فوراً ہی تلخ ہو گئی "اب بتاؤ کہ کوثر اور تمہاری مشرقی اقدار کہاں ہیں؟ کوئی خوبصورت عورت ذرا سامنہ لگا لے تو

مردوں کا دین دھرم تک متزلزل ہو جاتا ہے اور وہ اپنی اصلیت پر اتر آتا ہے۔ اپنی اولادوں کے سامنے بڈھا واعظ بنا ہوا تھا۔ موقع پاتے ہی گھٹیا پن پر اتر آیا۔ اس کی تجوریوں میں شراب کی بوتلوں کا پورا کریٹ بھرا ہوا ہے جس سے اس کے بچے بے خبر ہیں۔ شام کو صاحبزادے مجھ سے عشق لڑانا چاہ رہے تھے اور پہلا گلاس معدے میں اتار کر ابا جان اظہارِ محبت پر تل گئے۔ میں نے بمشکل اپنے اشتعال پر قابو پایا اور اسے دوسرا گلاس پلا کر باہر آ گئی۔"

"وہ نشے میں باہر آ کر اودھم مچانا شروع نہ کر دے" میں نے بوکھلا کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔ وہ بے سدھ ہو کر سو چکا ہے" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"تو یوں کہو کہ تم نے نشے کی حالت میں اس سے اجازت لی ہے" سلطان شاہ نے اسے چرکا لگانے کی کوشش کی۔

"اجازت ڈرائنگ روم میں ہی مل گئی تھی۔ میں نے مے نوشی کی دعوت اس کا دل رکھنے کے لئے قبول کی تھی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ بڈھا بھی اپنے بیٹے کی طرح رنگین مزاج اور دل پھینک ہو گا۔"

"چلو اب منصور رہ گیا ہے۔ کل اس کو بھی آزما لینا" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا "پورا گھرانا ہی تم سے محبت کرنے پر تل گیا تو شاید تم ہمارے ساتھ جانے سے ہی انکار کر دو گی۔"

ویرا مکا تان کر اس پر جھپٹی تھی لیکن میں نے درمیان میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کرا دیا۔

وہ رات کسی اور واقعے کے بغیر خیر و عافیت سے گزر گئی۔

ہم تینوں ٹرین کے سفر سے تھکے ہوئے تھے اس لئے باہمی مسائل سے نجات پانے کے بعد گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے اور اس وقت بیدار ہوئے جب محمود نے تقریباً جھنجوڑ کر ہمیں بیدار کیا۔

وہ بے چارہ ساڑھے چار بجے سے شکاری لباس میں ملبوس ہو کر ہمارا انتظار کر رہا تھا جب کہ اس وقت ساڑھے پانچ بھی بج چکے تھے اور سوئیوں کا سفر آگے کی طرف جاری تھا۔

ہم لوگ منہ ہاتھ دھو کر نکلے تو میز پر گرم گرم ناشتا تیار تھا۔ اپنا مختصر سفری تھیلا لے کر محمود کے ہمراہ حویلی سے باہر آئے تو صبح صادق کی دھندلاہٹوں میں سامان سے لدی پھندی جیپ سفر کے لئے تیار تھی اور کئی ملازمین ساز و سامان کی آخری دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ شاید ان کے لئے ایسی مہارت معمول بن چکی تھی۔

محمود نے جیپ کی ٹنکی بھروانے کے ساتھ ہی دو فاضل آہنی کین بھی پٹرول سے بھروا کر جیپ کی عقبی ریلنگ پر بندھوا دیئے تھے۔ کسی ناگہانی صورتحال کے لئے فاضل ٹائروں کی تعداد بھی تین تھی۔

ان بھرپور تیاریوں کے ساتھ صبح سویرے کی خن
میں ہم اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

اس دیہاتی فضا میں عجیب سی بھینی بھینی خوشبو
سحر خیز پرندوں کی پرشور چہکار اور پالتو مویشیو
آوازوں نے ایک ایسا سماں باندھا ہوا تھا جن کا
مصروف اور صنعتی شہر میں تصور بھی محال تھا۔

محمود ڈرائیونگ سیٹ پر جما ہوا تھا۔ میں اس کے
ویرا سلطان شاہ کے ساتھ عقبی نشست پر تھی۔

"سب کچھ تو ہے مگر رائفلیں کہاں ہیں؟" میں
محمود سے سوال کیا۔

"رائفلیں اور میگزین پچھلی سیٹ کے نیچے ہ
تحمل سے جواب دیا۔

"باغ کے احاطے سے باہر نکل کر گاڑی روک
سب خود کو مسلح کر لیں۔ ویرا بھی کسی اوٹ میں سفار
کر مردانہ روپ میں آجائے گی" میں نے سگریٹ سلگا

"اوہ مجھ سے غلطی ہو گئی" وہ متاسفانہ لہجے میں
اندر ہی لا دیتا تو اسے کھلی فضا میں لباس نہ بدلنا پڑتا۔"

غلطی اس کی نہیں بلکہ ہم سب کی تھی۔ سفید فا
وجہ سے ویرا اندر سے بھی سفاری سوٹ پہن کر برآم
کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ بالوں کو چھپانے کے لئے
پہنی جا سکتی تھی۔

محمود نے جیپ واپس لے جانے کی پیشکش کی
خود ہی اسے سختی سے منع کر دیا۔ احاطے سے باہر
ویرا کپڑے لے کر دیوار کے عقب میں چلی گئی ا
رائفلوں کا جائزہ لینے لگے۔

زمینداری شکار کھیلے بغیر مکمل نہیں ہوتی اس
پکا شکاری تھا۔ وہ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ہمیں ا
ساخت اور کارکردگی کے بارے میں بتاتا رہا۔ م
تفصیلات غیر ضروری تھیں۔ میرے لئے بس یہ اندا
وہ چاروں ہی بیش قیمت شکاری رائفلیں تھیں جن
خطا ہوتا ہے۔

ویرا مردانہ لباس میں سر پر ٹوپی اوڑھے
ساتھ واپس آئی تو محمود اسے کن انکھیوں سے دیکھ
اور میں اس قبیلے کے بارے میں سوچنے لگا جو گالیا
بے مزہ نہیں ہوتا۔ محمود اس قبیلے سے بھی دو ہاتھ آ
وہ گالیوں کے ساتھ ہی ویرا کی ایک نازک مگر بھ
کھا چکا تھا۔

"کہیں قریب ہی شکار کھیلنا ہے یا لمبی ڈرائیو
محمود نے جیپ کو دوبارہ حرکت میں لاتے ہوئے پوچھا

"کوٹ مندو کی طرف چلو" میں نے اسے ہدایت کی "ادھر
راستہ کیسا ہے؟"
"راستہ کچا لیکن جیپ کے قابل ہے مگر وہاں تک پہنچتے پہنچتے
بہت اوپر آجائے گا اور شکار نہیں مل سکے گا۔ تیتروں کا
شکار دھندلکے میں کھیلا جاتا ہے" وہ لمحہ بھر کے لئے جھجکا
"اوران اطراف میں شکار بھی زیادہ نہیں ملتا۔"
"فکر نہ کرو' اپنا شکار ہم خود ڈھونڈ لیں گے" میں نے بے
لہجے میں کہا۔
"منصور بتا رہا تھا کہ تم کو ملا سرکار سے بھی ملنے کا شوق ہے؟"
"ضرور ہے لیکن واپسی پر تم کسی کو نہیں بتاؤ گے کہ ہم ادھر
گئے تھے۔"
"میرا خیال ہے کہ تم شکار سے زیادہ کسی اور چیز میں دلچسپی
لے رہے ہو۔ اگر تم مجھ سے کھل کر بات کرو تو میں تمہیں مفید
اور بہتر مشورے بھی دے سکتا ہوں۔ یہ یقین رکھو کہ تمہاری ہر
بات میرے سینے ہی میں دفن رہے گی۔"
"ملا سرکار کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے
چند ثانیوں تک خاموش رہ کر سوچنے کے بعد وہ سوال کر ہی ڈالا۔
"مجھے وہ کوئی بہت بڑا فراڈ معلوم ہوتا ہے" اس کے جواب
نے میرا دل خوش کردیا "ابا جان کے ساتھ میں ایک بار اس سے
مل چکا ہوں۔ یہ درست ہے کہ وہ پچھلے پچیس تیس سال سے
کوٹ مندو میں رہ رہا ہے' اس نے شادی بھی وہیں کی ہے لیکن
عقیدت کے اندھوں میں سے کوئی یہ نہیں سوچتا کہ اس کا ماضی
گمنام ہے۔ وہ کہاں سے آیا ہے؟ اس کے باپ دادا کون تھے؟
چپڑاسی کی نوکری کے لئے درخواست دینے والوں سے یہ سب
پوچھا جانے لگا ہے لیکن ہزاروں عقیدت مندوں کی پیشوائی
کرنے والے کے بارے میں یہ سوال کوئی پسند نہیں کرتا۔ خود ابا
جان نے مجھے ڈانٹ دیا تھا کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کے بارے
میں ایسے ٹیڑھے اور بے ہودہ سوال سوچنا کفر ہے۔"
"لیکن تم نے اپنے طور پر بھی تو کچھ نہ کچھ پتا چلایا ہوگا؟"
"کچھ نہیں' اس علاقے میں ملا سرکار کا سب سے بڑا مخالف
مٹھن شاہ تھا جو کوٹ مندو کے نواح میں ایک مزار کا مجاور بنا بیٹھا
تھا۔ جب سے ملا سرکار نے اپنا چکر شروع کیا ہے' لوگوں نے
مٹھن شاہ کی درگاہ پر نذر نیاز دینا اور چڑھاوے چڑھانا بند کردیا
ہے۔ اس مفلسی سے تنگ آکر مٹھن شاہ کوٹ مندو گیا تھا تاکہ ملا
سرکار سے' اس کی آمدنی میں اپنا حصہ طلب کرے یا وہاں سے
اپنی تنخواہ مقرر کرائے لیکن ملا سرکار کے آدمیوں نے مار پیٹ کر
اسے وہاں سے بھگا دیا۔ مٹھن شاہ کہتا تھا کہ ملا سرکار سندھ کے
چوروں' ڈاکوؤں اور بدمعاشوں کا سب سے بڑا سرغنہ ہے وہ سب
اس کے ڈیرے پر آکر اس سے ہدایات لیتے ہیں۔ مزے کی بات
یہ ہے کہ ملا سرکار ان الزامات سے انکاری نہیں ہے۔ وہ مانتا
ہے کہ بہتیرے مشہور مجرم ہدایت لینے اس کے ڈیرے پر آتے
ہیں لیکن یہ ہدایات مادی نہیں بلکہ روحانی مسائل کے بارے میں
ہوتی ہیں۔"
"تم لوگ تو یہاں خاصے بارسوخ ہو۔ کسی سے تفتیش بھی
کرا سکتے ہو۔"
"ابا جان کو علم ہوگیا تو مار مار کر کھال ادھیڑ دیں گے۔ ایک
بار ایک ایس پی سے بات کرنا چاہی تو اس نے ہنس کر موضوع ہی
ٹال دیا۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ ایس پی صاحب سیاسی اور وی آئی
پی جرائم کا سراغ لگانے یا چوریوں کا مال برآمد کرانے کے لئے خود
کوٹ مندو میں حاضریاں دیتے رہتے ہیں اور اکثر سرخرو رہتے ہیں۔
میرا خیال ہے کہ مٹھن شاہ درست ہی کہتا تھا۔ ایس پی کو اپنے
ہاتھ میں رکھنے کے لئے ملا سرکار خود ہی چوریوں کا مال واپس
کروا دیتا ہوگا۔"
"تم مٹھن شاہ کے بارے میں مسلسل ماضی کا صیغہ کیوں
استعمال کر رہے ہو؟"
"اس لئے کہ اب وہ زندہ نہیں ہے۔ ملا سرکار اسے کھلم
کھلا تو نہ مروا سکا لیکن ایک روز مٹھن شاہ کی لاش جنگل سے ملی۔
اس کے سر پر ایک وزنی شاخ ٹوٹ کر گری ہوئی تھی جس سے
اس کا بھیجا باہر آگیا تھا۔ لوگوں نے مٹھن شاہ کی دردناک موت کو
بھی ملا سرکار کی دل آزاری کا نتیجہ قرار دے ڈالا تھا۔"
"مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ تم ملا سرکار کے بارے میں
ہمارے اتنے ہم خیال ہو تو میں تم سے نرم رویہ اختیار کرتی۔
بہرحال اب میں اپنی زیادتیوں پر تم سے معذرت خواہ ہوں" پچھلی
نشست سے ویرا نے کہا۔
"کوئی بات نہیں' وہ بھی میرے لئے ایک اہم سبق تھا۔"
ویرا کو جواب دے کر وہ دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوگیا "اگر تم واقعی
ملا سرکار کے خلاف کسی مشن پر نکلے ہو تو ہمارا براہ راست کوٹ
مندو جانا مناسب نہیں رہے گا۔"
"اس تمام بھاگ دوڑ کا واحد مقصد یہی ہے کہ ملا سرکار کا
سر کچلا جائے۔ پرسوں شام تک وہ کراچی میں تھا اور ہم نے اسے
اپنی آنکھوں سے ایسے لوگوں سے ملتے دیکھا ہے جو پکے ملک
دشمن ہیں۔"
"لوگ کہتے ہیں کہ وہ برسوں سے عید' بقر عید اور جمعے کی
نمازیں پڑھنے کے علاوہ کسی اور مقصد سے کہیں نہیں گیا۔ اسی
سے اس کا جھوٹ سامنے آجاتا ہے۔"
"پھر تمہاری کیا رائے ہے؟" میری نظروں میں اس کی توقیر
یک بیک بڑھ چکی تھی۔
"اس کی فکر میں اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے ہمیں
تھوڑا سا شکار کھیل کر واپس لوٹ جانا چاہئے۔ تفصیلی منصوبہ
بندی کے بعد ہی کوئی قدم اٹھانا مناسب ہوگا ورنہ ہم ملا سرکار کو

کھودیں گے۔"

اس کی بات میری سمجھ میں آرہی تھی۔ شہروں اور بڑے قصبات کے مقابلے میں چھوٹے چھوٹے دیہاتوں کی دنیا ہی مختلف ہوتی ہے۔ عام گزرگاہوں سے الگ تھلگ، دس بیس یا پچاس خاندان اکٹھے رہتے ہیں اور سب لوگ ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔ کسی واضح جواز، حوالے یا رشتے داری کے بغیر ایک اجنبی کا ان دیہاتوں میں پھٹکنا بھی مشکل ہوتا ہے اور اگر کوئی شامت کا مارا بھٹک کر آبادی میں جا نکلے تو نہ صرف مرد بلکہ عورتیں اور بچے بھی اسے گھیر لیتے ہیں۔ ایسے مواقع پر ان کی جرح کا تسلی بخش جواب دیئے بغیر وہ شخص اس گھیراؤ سے صحیح سلامت نہیں نکل سکتا۔

چھوٹے اور دور افتادہ گاؤں میں میرا اس رازداری کی وجہ سے ملا سرکار نے کوٹ مندو کا انتخاب کیا ہوا تھا۔ وہ ایسی عملی دشواریاں تھیں جن کا کراچی میں بیٹھ کر ادراک کرنا ممکن نہیں تھا۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حماقت تھی کہ اتنی دور آکر ہم بے نیل و مرام ہی واپس لوٹ جاتے اس لئے میں نے کوٹ مندو کی طرف سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔

پتھریلے اور ریتیلے راستے بہت ناہموار تھے جن پر جیپ اچھلتی کودتی آگے بڑھتی چلی جارہی تھی۔ محمود نے بتایا کہ رانی پور سے براہ راست کوئی راستہ کوٹ مندو نہیں جاتا تھا مگر وہ وقت بچانے کے لئے خود اپنا راستہ بنا رہا تھا۔ اگر وہ رانی پور سے محراب پور واپس جاتا تو کافی دور تک پختہ سڑک مل سکتی تھی اس سے آگے بھی کچا راستہ نسبتاً ہموار اور آرام دہ تھا۔

تقریباً دو گھنٹے تک سفر اسی طرح جاری رہا پھر اچانک ہی محمود کو جیپ کے بریک استعمال کرنا پڑ گئے کیونکہ داہنی سمت کی جھاڑیوں میں سے ایک نوجوان عورت تار تار لباس کے ساتھ بری طرح چیختی چلاتی ہوئی جیپ کے سامنے آگئی تھی۔

میں جیپ کے پوری طرح رکنے سے قبل ہی اچھل کر نیچے اتر گیا، اس وقت تک مظلوم نظر آنے والی وہ عورت چیختی چلاتی ہوئی جیپ کے سامنے گر کر بے ہوش ہوگئی تھی۔

"یہ ٹریپ معلوم ہوتا ہے، واپس آجاؤ" ویرا جیپ میں سے ہذیانی آواز میں چلائی تھی۔

اس وقت تک میرے دل میں اس نوجوان عورت کے لئے ہمدردی کے بے پناہ جذبات موجزن تھے۔ ویرا کی للکار سنتے ہی مجھے خیال آیا کہ لباس تار تار ہونے کے باوجود بے ہوش عورت کے بدن پر کوئی خراش تک نہیں تھی اور وہ واقعی کسی قسم کا ٹریپ ہو سکتا تھا۔ میں پھرتی سے واپس پلٹا لیکن مجھے دیر ہو چکی تھی۔ قرب و جوار کی جھاڑیوں سے بیک وقت چھ مسلح افراد باہر آئے تھے، ان سب کے ہاتھوں میں کلاشنکوف، گنیں یا پستول موجود تھے اور ان کے چہروں پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے

میں اپنی رائفل اٹھانے بھی نہ پایا تھا کہ ان میں سے ا
شخص نے پیچھے سے حملہ آور ہو کر میری مشکیں جکڑ لیں۔
تینوں افراد جیپ کی آہنی باڈی کے کشادہ حصار میں محفوظ ت
میں کھلے میدان میں تھا۔ میں نے سر کو پیچھے جھٹک کر ا
مدمقابل کے چہرے پر ضرب لگانے کی کوشش کی اسی لمحے
میں سے کسی نے بے آواز پستول چلادیا۔

میں اپنے حریف کے ساتھ جیپ سے بہت قریب تھا
گولی نہایت آسانی کے ساتھ اس کی کھوپڑی میں اتری تھی ا
ایک دلدوز چیخ مار کر نیچے گرتا چلا گیا۔

یہ واقعات اتنی سرعت کے ساتھ رونما ہوئے
آوروں کا ایک ساتھی ہی اپنی کلاشنکوف چلا سکا لیکن
کے برسٹ سے بچ کر جیپ میں گھسنے میں کامیاب ہوگیا
حملہ آور سے جدوجہد ہونے کے باوجود رائفل میری گر
نہیں نکلی تھی۔ اس نازک صورتِ حال میں وہی اب
بری صورتِ حال سے محفوظ رکھ سکتی تھی۔

محمود کی رائفل چلی اور ان میں سے ایک اور ڈھیر ہو
بقیہ چاروں کلاشنکوفیں چلاتے ہوئے خود رو جھاڑ
گھس گئے تھے۔ ان کی گولیاں اولوں کی طرح تڑاتڑ جیپ
باڈی سے ٹکرا رہی تھیں۔

مظلومیت کا روپ دھار کر ہمارے سامنے بے ہو
والی عورت بھی زمین سے اٹھ کر تیزی سے جھاڑیوں م
ہوگئی تھی۔ میں چاہتا تو اسے مار گرا سکتا تھا لیکن میں
اپنی رائفل کی نال ادھر گھمائی جدھر حملہ آور فرار ہوئے
سلطان شاہ، محمود اور ویرا نے رائفلوں کو پو
مصروف رکھا ہوا تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل
کلاشنکوف بے حساب گولیاں برسانے کے لئے بے
تھا لیکن رائفلوں کی ہلاکت خیزی ان پر حاوی تھی۔ دو
تھے۔ بقیہ چار حملہ آور اور ان کی ساتھی عورت جنگل م
ان میں سے کوئی اور ہماری رائفل کا نشانہ بنا۔ ا
چیخ کے ساتھ ہی ان کے پیر اکھڑ گئے اور ان کے ہتھیا
ہوگئے۔

" فائر کرتے رہو" اپنے ساتھیوں کو ست ہو
نے تیزی سے کہا " اب وہ اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کر
ہماری گولیاں آسانی کے ساتھ انہیں چاٹ لیں گی۔"

میری وہ حکمت عملی کامیاب رہی۔ ہم نے حملہ
پناہ گاہوں کی سمت میں زمین کے متوازی فائرنگ جار
حملہ آوروں کی طرف سے خاموشی ہوتے ہی محمود جیپ
آگیا تھا اور رائفل لوڈ کر کے فائر کئے جارہا تھا۔

جھاڑیوں میں سے مزید دو چیخیں ابھریں اور ہم

اپنی رائفلیں سنبھال کر جھاڑیوں میں گھس پڑے۔
خشک اور گرد آلود جھاڑیاں خاردار نہیں تھیں اس لئے ہمیں پیش قدمی جاری رکھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ مجھے اپنی راہ میں ایک لاش نظر آئی۔ رائفل کی گولی نے پشت سے داخل ہوکر اس کا پورا سینہ پھاڑ ڈالا تھا۔ مرے ہوئے حریف ہمارے لئے بیکار ہوچکے تھے اس لئے میں نے اس سمت میں دوڑ لگادی جدھر ایک حملہ آور تیزی سے دوڑتا ہوا نظر آرہا تھا۔
"رک جاؤ' ورنہ گولی ماردوں گا" میں نے دوڑتے دوڑتے اسے للکارا لیکن وہ پوری قوت سے دوڑتا رہا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے موت کے خوف نے اس کی سماعت ماؤف کرکے رکھ دی ہو۔

اس وقت وہ میری رینج میں تھا اور ہم دونوں کے درمیان نرم اور خود رو جھاڑیوں کے علاوہ کوئی اور رکاوٹ حائل نہیں تھی اس لئے میں نے رک کر اس کی ٹانگوں پر فائر کردیا۔
وہ بھاگتے بھاگتے' چیختا ہوا آگے کی طرف اچھلا اور زمین پر گر گیا۔

میں اس کی طرف دوڑتا رہا۔ اس کا دھڑ زمین سے کئی کئی فٹ اوپر اچھل کر بار بار نیچے گر رہا تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے وہ بری طرح زخمی ہوجانے کے باوجود اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہونے کی کوشش کررہا ہو۔
وہ مضبوط جسم والا ایک دراز قامت شخص تھا۔ قریب پہنچنے پر مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بری طرح زخمی ہوجانے کے باوجود اس کی کلاشنکوف اس کے ہاتھ میں موجود تھی۔
اس نے فوراً ہی میرے اوپر فائر کرنا چاہا۔ درد و اذیت سے تڑپنے کی وجہ سے وہ مجھے اپنے نشانے پر نہیں لے سکا۔ کلاشنکوف سے پے در پے آٹھ دس گولیاں چلیں اور پھر میگزین خالی ہوگیا لیکن اس شخص کی آنکھوں میں میرے لئے بدترین نفرت موجود تھی۔

اس کے چہرے پر ڈھاٹے کی صورت میں بندھا ہوا بڑا سا رومال کھل کر دور گر گیا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے کلاشنکوف لینا چاہی تو اس نے زمین پر پڑے پڑے وہ آہنی ہتھیار لاٹھی کی طرح میری پنڈلیوں پر رسید کرنا چاہا۔ اگر میں پھرتی سے اچھل کر دور نہ ہٹ گیا ہوتا تو اس نے میری کوئی پنڈلی توڑ دی ہوتی۔

میں نے دور ہٹ کر رائفل لوڈ کی اور اس کی نال اس کے سینے کی طرف تان لی "کلاشنکوف دور پھینک دو' ورنہ میں فائر کردوں گا" میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔
"فائر کرو" اس نے اپنا سینہ زمین سے اٹھا کر حقارت سے کہا "میں نے ہتھیار ڈالنا نہیں سیکھا۔"
اس کی دونوں ٹانگیں چھلنی ہوگئی تھیں' زخموں سے بے تحاشا خون بہہ چکا تھا' مزید خون بہہ رہا تھا لیکن اس کی [illegible] حوصلے میں کوئی فرق نظر نہیں آرہا تھا۔
اسی اثناء میں سلطان شاہ محمود کے ساتھ وہیں آ [illegible] نے بتایا کہ ہماری رائفلوں کا نشانہ بننے والے پانچوں حریف تھے' چھنا میرے سامنے زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا [illegible] عورت زندہ تھی جسے ویرا نے اپنے قابو میں کرلیا تھا۔
"تم کس کے آدمی ہو؟" اپنے زخمی حریف کی [illegible] پر نظر رکھتے ہوئے میں نے اس سے قدرے نرم لہجے میں [illegible] لیکن اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے [illegible] تھوک دیا۔

میں اس سے دور تھا' اس کا تھوکا ہوا' خود اسی [illegible] گیا لیکن اپنے عمل سے اس نے اپنی ضدی طبیعت کا [illegible] تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو ضد میں آجانے پر مر [illegible] اپنی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔
"مارو... سورما ہو تو گولی مارو۔ میں موت سے [illegible] والا نہیں ہوں" اس نے نفرت اور غصے سے مجھے للکارا۔
اسی وقت ویرا اس خستہ حال عورت کو بالوں [illegible] تقریباً گھسیٹتی ہوئی وہاں لے آئی۔
زمین پر پڑے ہوئے زخمی پر نظر پڑتے ہی اس عو[illegible] دہشت اور خوف سے پھیل گیا۔ اس کے جسم میں نہ [illegible] سی طاقت سمٹ آئی کہ وہ ایک ہی جھٹکے میں اپنے با[illegible] گرفت سے چھڑا کر "ہائے میرا جانو ماچھی" کہہ کر زخ[illegible] سے لپٹ گئی۔ زخمی نے اپنے ہاتھ سے کلاشنکوف چھو[illegible] عورت کو سختی کے ساتھ اپنی بانہوں میں بھینچ لیا او[illegible] چہرے کی سختی یکلخت محبت آمیز طمانیت اور سکون میں [illegible] گئی۔

"آج میرا وقت آگیا ہے رانی!" جانو ماچھی کے [illegible] سرسراتی ہوئی آواز نکلی "تجھے حیرت ہورہی ہے لیکن جس دن ہتھیار اٹھائے تھے' مجھے اسی دن اپنا انجام [illegible] وقت آتا ہی آتا ہے' بس دیر سویر کی بات ہوتی ہے۔"
میں سکتے کے عالم میں اپنی جگہ پر کھڑا ان دونوں [illegible] تھا۔ عورت کی زبان سے جانو ماچھی کا نام سن کر مجھے [illegible] ہوا تھا جیسے بے خبری میں کسی نے میرے سر پر لٹھ دے [illegible] میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں غزالہ [illegible] عذاب میں مبتلا کرنے والے' جانو ماچھی سے اپنا ان[illegible] سکوں گا لیکن قدرت کے حسابات اٹل ہوتے ہیں۔ چکانے کے لئے اجل خود ہی اسے کوٹ مندو کے را[illegible] لائی تھی۔

جانو ماچھی کی دونوں پنڈلیاں میری فائرنگ سے ٹوٹ چکی 'اس کے زخموں سے خون کی دھاریں بہہ کر خاک کو رنگین تھیں اور وہ اپنی رانی کو اپنی بانہوں میں سمیٹ کر اسے دل کی ڈوبتی ہوئی دھڑکنیں سنا رہا تھا' اپنے دل کی دھڑکنوں الفاظ کا روپ دے کر اسے اپنے انجام سے آگاہ کر رہا تھا۔ طرف میں تھا' مجھے ہر قدم پر اپنے دشمنوں پر کسی نہ کسی برتری حاصل ہوتی رہتی تھی۔ میں اپنے لہو کی بُو پر لگے سفاک بھیڑیوں کے تنگ ترین نرغوں سے بھی زندہ و نکل آتا تھا۔ جمی لائیڈ مجھے زیر کرنے کی آرزو میں اپنے چاٹ رہا تھا' دلدار آغا میرے لئے بچھائے ہوئے جال میں کر خود ہی جہنم واصل ہو چکا تھا' ویرا میرے خون کی پیاسی کے بعد دوبارہ میری بے دام کنیز بن گئی تھی' کوئی معذوری یا میری پیش قدمیوں کی راہ میں حائل نہیں تھی مگر پھر بھی رانی' میری غزالہ مجھ سے دور تھی۔

غزالہ کو مجھ سے دور دھکیل دینے والا مغلوب و معذور' جانو اس وقت یک بیک میری انا کے لئے ایک چیلنج بن گیا۔ کی طرف سے میری آنکھوں میں خون اترنے لگا۔

میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کرخت آواز میں کہا۔ ت! سیدھی کھڑی ہو جا۔"

"اسے میرے پاس رہنے دو" جانو ماچھی نے نرم اور نادانہ لہجے میں کہا "تم جو کوئی بھی ہو' مجھ پر غالب آ چکے ہو' جانتا ہوں کہ میں مر رہا ہوں۔ میرے زخموں سے خون بہہ رہا ۔ رانی کو بھینچنے سے جریانِ خون اور تیز ہو رہا ہے۔ میں زندگی قانون سے بھاگتا رہا اور مرتے دم تک اس کے چنگل سے ادر رہنا چاہتا ہوں۔ یہ میری مٹی اور میری زمین ہے' مجھے اسی ان جنگل سے پیار ہے' تم مجھے سکون کے ساتھ اسی ویرانے مر جانے دو' میں تمہارا زیادہ وقت برباد نہیں کروں گا' رانی رے پاس رہی تو میں جلد ہی اور سکون سے مر جاؤں گا۔"

اس کے لہجے کے سکون اور اعتماد نے مجھے حیران کر دیا۔ وہ دلیری اور بے خوفی سے اپنی موت کا ذکر کر رہا تھا وہ معمولی گردے والے کسی آدمی کا کام نہیں تھا۔ وہ مرد تھا اور کسی مرد کی طرح بول رہا تھا لیکن اس کی رانی' اس کی چوڑی چکلی چھاتی منہ چھپائے کسی عام عورت کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

صورتِ حال کچھ اتنی گمبھیر اور اثر انگیز ہو گئی کہ میں نے ہدایت پر اصرار نہیں کیا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟ اس کے سینے پر فائر کرو اور اس کا قصہ تم کرو" محمود نے مجھے متذبذب دیکھ کر تیز لہجے میں کہا "اگر یہ سچ رہا ہے اور جانو ماچھی ہی ہے تو اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر وت کی طرف سے دو لاکھ روپے کا انعام مقرر ہے۔ اس کی کت پر تم سے کوئی باز پرس نہیں ہو گی۔"

"نہیں سائیں!" اس نے اپنا کلاشنکوف والا ہاتھ فضا میں بلند کر کے اضطراری لہجے میں کہا پھر فوراً ہی وہ ہاتھ دوبارہ اپنی رانی کی پشت پر یوں جمالیا جیسے اسے یہ ڈر ہو کہ ہم میں سے کوئی رانی کو گھسیٹ کر اس کے سینے پر سے الگ ہونے پر مجبور نہ کر دے۔

"یہ ظلم نہ کرو ..... مجھے معلوم ہے کہ میں مر رہا ہوں؟" جانو ماچھی کہہ رہا تھا "تمہارا انعام کہیں نہیں جاتا۔ وہ تمہیں مل جائے گا مگر مجھے اپنی آخری خواہش ضرور پوری کرنے دو' رانی کی بانہوں میں آخری لمحے گزارنا میری ہمیشہ کی آرزو رہی ہے۔ اس کے پورا ہونے سے تمہارا کیا نقصان ہو گا؟"

رانی کی آمد اور مداخلت سے پہلے جانو ماچھی' زخمی ہونے کے باوجود وحشی درندہ بنا ہوا تھا' مجھ پر غضبناک تیوروں کے ساتھ تھوک رہا تھا' اپنی کلاشنکوف کے کُندے سے مجھے زخمی کرنا چاہ رہا تھا اور جب میں نے اسے فائر کرنے کی دھمکی دی تو اس نے میرے حکم کی تعمیل کرنے کے بجائے اپنا سینہ تان کر میرے آگے کر دیا تھا اور خود مجھے گولی چلانے کی دعوت دے بیٹھا تھا لیکن رانی کا نرم و مہربان وجود میسر آتے ہی اسے اپنی سسکتی ہوئی زندگی کے ایک ایک لمحے سے یک بیک بے انتہا پیار ہو گیا تھا۔

وہ جو کوئی بھی تھی' میں نے اندازہ لگایا کہ جانو ماچھی کو اسی طرح عزیز تھی جس طرح مجھے اپنی غزالہ پیاری تھی۔

اس نے غزالہ کو مجھ سے دور کیا تھا۔ اس کی مداخلت کی وجہ سے وہ ملا سرکار کی حیوانی تحویل میں پہنچی تھی مگر وہ سب اس وقت کے قصے تھے جب جانو ماچھی شہ زور اور بے لگام تھا لیکن اس وقت صورتِ حال یکسر بدل چکی تھی۔ غزالہ اس کی تحویل اور دسترس سے بہت دور تھی۔ وہ چاہتا بھی تو غزالہ کو مجھ سے ملانے کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ قریب المرگ تھا اس لئے میں نے کم ظرفی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اس کی آخری خواہش قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"ٹھیک ہے' ہم تمہاری خواہش کے مطابق یہ تماشا بھی دیکھ لیں گے" میں نے اپنی رائفل کی نال جھکاتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا "لیکن یہ تو بتاؤ کہ رانی تمہاری کون ہے؟"

جانو ماچھی کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں میرے لئے ممنونیت کے جذبات امڈ آئے۔ اس نے خالی کلاشنکوف چھوڑ دی اور پھر رانی کی پشت پر دونوں ہاتھ جوڑ کر میرا شکریہ ادا کرتا ہوا عجیب سے لہجے میں بولا "سائیں! یہ میری رانی ہے' میری بیوی ہے۔ اس نے مجھے بڑا پیار اور حوصلہ دیا ہے۔ اس نے مجھے بہت سمجھایا کہ میں قتل اور ڈکیتی چھوڑ دوں۔ جس دن اس نے سمجھ لیا کہ یہ عمر بھر مجھے نہیں سمجھا سکے گی تو یہ بھی میرے ساتھ ایک دم ڈاکو بن گئی۔ کبھی یہ میرے ساتھ رائفل چلاتی ہے اور کبھی تم جیسے بھٹکے ہوئے' مال دار لوگوں کو ویرانوں میں روک کر میرے جال میں پھنسا دیتی ہے" شدید زخموں کی اذیت' بہت زیادہ خون

بہہ جانے کی نقاہت اور رانی کے قرب کے جذباتی ہیجان کے باوجود جانو ماچھی کی آواز حیرت ناک حد تک ہموار اور پُرسکون تھی۔

"تم نے اپنا اور رانی کا تعارف کرادیا تو اب یہ بھی سن لو کہ میں کون ہوں" میں نے سرد آواز میں کہا "میں اس لڑکی کا ہونے والا شوہر ہوں جسے تم نے فرار ہوتے وقت کراچی کی ایک حوالات سے اغوا کیا تھا۔"

اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی امڈ آئی "کیا میں واقعی یہ مان لوں کہ اب دنیا اتنی سکڑ گئی ہے؟ چند دن پہلے میں نے تمہاری عورت کے ساتھ ظلم کیا اور آج تم نے کچھ نہ جانتے ہوئے بھی 'اس ویران جنگل میں مجھے مار گرایا۔ نہیں سائیں' نہیں! ایسا نہیں ہوسکتا' تم مجھ سے مذاق کررہے ہو۔"

"مذاق نہیں' یہ مکافاتِ عمل ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا "تم ہم پر حملہ آور نہ ہوئے ہوتے تو ہم خاموشی کے ساتھ یہاں سے گزرتے چلے جاتے لیکن یہ نہیں ہوسکتا تھا۔ قدرت کے اپنے اٹل اصول ہوتے ہیں۔ جسے ہم اپنا عزم اور ارادہ سمجھتے ہیں وہ دراصل قدرت کی ڈور ہوتی ہے جس کے دوسرے سرے پر ہم کٹھ پتلیوں کی طرح اچھلتے کودتے اور ناچتے گاتے ہیں۔ قدرت تمہیں میرے انتقام کے الاؤ میں دھکیل رہی تھی۔ تم نے ہمیں لوٹنے کے لئے حملہ کیا تھا لیکن دیکھ لو کہ اپنے پانچ ساتھی آناً فاناً میں گنوادینے کے بعد تم ہمارے رحم و کرم پر ہو۔ ہم چاہیں تو تمہاری زندگی اور موت کے درمیان حائل چند سانسوں کے دوران میں بھی تمہیں محرومی کی تڑپ کا تماشا دکھا سکتے ہیں لیکن میں تم سے وعدہ کرچکا ہوں اس لئے وعدہ خلافی نہیں کروں گا۔"

"کاش... کاش' تم نے مجھ پر گولیاں نہ چلائی ہوتیں۔"

میرے خاموش ہوتے ہی وہ حسرت آمیز لہجے میں بول پڑا "تو میں تمہاری عورت تم کو واپس دلوانے کے لئے کچھ نہ کچھ کرسکتا تھا۔"

میں تلخ انداز میں ہنس دیا "چند منٹ پہلے تم نفرت اور حقارت سے میرے اوپر تھوک رہے تھے اور شاید میں بھی مشتعل ہوکر تمہارے سینے میں گولی اتار دیتا لیکن رانی درمیان میں آگئی۔ تمہاری التجا اور پھر میری رضامندی کے بعد یہ نوبت آئی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے بارے میں دوستانہ انداز میں سوچ رہے ہیں۔ اس لئے یہ خیال اپنے دل سے نکال دو کہ تمہارے معذور اور زخمی ہوئے بغیر بھی یہ سب ہوسکتا تھا۔ میرے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ اب تم اپنے کئے پر کسی حد تک پشیمان ہو اور طاقت و ہمت نہ ہونے کے باوجود اس کا ازالہ کرنے کی خواہش رکھتے ہو... اگر تم میرے ساتھ مخلص ہو تو صرف اتنا بتادو کہ غزالہ کہاں اور کس کے پاس ہے؟" اس کی حسرت زدہ آرزو نے میرے دل میں یک بیک امید کے نئے دیے روشن کردئے تھے۔

"کرسکتا تھا' کہہ نہیں سکتا" اس کا لہجہ کھرا اور دوٹوک تھا۔

"میرا پیر بہت پہنچا ہوا بزرگ ہے لیکن ہمیں غو اپنے پیر سرکار کا نام لینے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ سے ہماری ہر پریشانی کا حل نکال لیتا ہے۔"

"نام نہ لو لیکن تصدیق یا تردید ہی کردو" میں اٹھ پر اس کی طرف بڑھ کر بولا "تم ملا سرکار کی بات تو نہیں میری زبان سے ملا سرکار کا نام سن کر اس کے زلزلے جیسے آثار نمودار ہوئے اور اس کا سر زور زور میں ہلنے لگا "نہیں' ہرگز نہیں۔ یہ نام تمہیں کس نے بہت بڑا روحانی بادشاہ ہے' ہم لوگ اس کے قدموں کی برابر بھی نہیں ہیں۔ میرا پیر بھی بہت پہنچا ہوا ہے لیکن سائیں سرکار کے قدموں کی دھول ہے۔"

سائیں سرکار کے الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کے عقیدت نمودار ہوگئی تھی اور آواز بھی احترام آمیز ہو ان تبدیلیوں سے میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ ملا سرکار ہی مگر اپنے گرو کی ہدایت پر اپنے اور اس کے تعلق کو آش پر آمادہ نہیں تھا۔

"تم مرنے والے ہو' اس وقت جھوٹ نہ بولو' تمہ سے اگر غزالہ کی عزت اور جان بچ گئی تو ہوسکتا ہے کہ جہان میں اسی ایک سچ پر تمہاری مغفرت کے کچھ سا ہوجائیں" میں نے ان کڑے اور جذباتی لمحات سے بھ اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے جانو ماچھی کو اعتراف اکسانا چاہا۔

اس کی کھوپڑی' گھڑی کے پنڈولم کی طرح ایک بار میں آگئی۔

میرا اصرار اور جانو ماچھی کا انکار جاری رہا۔ اس میں جسم سے زیادہ خون بہہ جانے کے باعث اس پر شد کا حملہ ہوا اور اس نے دردناک انداز میں اپنا نچلا ہونٹ میں دبا کر اپنی آنکھیں موندلیں۔

رانی اس کے سینے سے لپٹی ہوئی تھی اور اس کی بدلتی ہوئی کیفیت کو ہم سب سے زیادہ محسوس کررہی تھی اس کا گریہ زور پکڑنے لگا۔

"یہ تو ہمارے ہاتھوں سے گیا" ویرا نے انگریزی "چند ہی منٹ میں اس کی بیوی' بیوہ ہونے والی ہے۔ اب کی زبان سے کچھ اگلوانا پڑے گا۔"

"تھوڑی دیر کے لئے ان دونوں کو ان کے حال پر میں نے ترحم آمیز لہجے میں کہا "اس کا دم نکلنے پر شاید اپنے آپ میں نہیں رہے گی۔ اس کا جذباتی بحران گزر پہلے میں اسے چھیڑنا پسند نہیں کروں گا۔"

"تم واقعی بہت عظیم انسان ہو" ویرا جل کر بولی "مُردے کو دفن کرنے کی خوشی میں تیسرے' دسویں اور چ

دعوتیں بھی کرتے ہو، وہ سب بھگتانے کے بعد اس عورت
سے باز پرس کرنا، اس وقت تک کے لئے ہم ان بکھری ہوئی
لاشوں کے درمیان ہی کہیں خیمے گاڑ لیتے ہیں۔"
ویرا کے اس لب ولہجے پر محمود نے حیرت سے اس کی طرف
دیکھا تھا مگر وہ زبان سے کچھ نہیں بولا۔
"سلگنے کی ضرورت نہیں، ہم اسے قیدی بنا کر اپنے ساتھ
لے جا سکتے ہیں۔ محمود اسے اپنے وسیع و عریض باغ کی کسی
کوٹھری میں بند کرا دے گا..."
محمود نے وہ تجویز سنتے ہی تشویش آمیز لہجے میں میری بات
کاٹ دی "یہ نہیں ہو سکے گا... ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ اباجان کو
بھنک بھی مل گئی کہ ہم نے کسی لڑکی کو باغ میں قید کیا ہوا ہے تو وہ
سمجھیں گے کہ میں اسے بری نیت سے کہیں سے اٹھا لایا ہوں
اور پھر مجھ سے کچھ پوچھے بغیر میری چمڑی ادھیڑ ڈالیں گے۔"
"اور اگر میں اسے لے جا کر انہی کی تحویل میں دے دوں؟"
میں نے ویرا کو آنکھ مارتے ہوئے محمود سے پوچھا۔
"یہ مناسب رہے گا" اس کا لہجہ پرسکون ہو گیا "اس
صورت میں تمہیں ان کو بھی پوری کہانی سنانا پڑے گی۔ تم نے
کوئی فرضی قصہ تراش لیا تو یہ عورت ہی سب کچھ اگل دے گی
اور اباجان چاہیں گے کہ تمہیں اس عورت سے جو کچھ پوچھنا ہے
وہ انہی کے سامنے پوچھا جائے۔ اس طرح تم اپنے راز کو پوشیدہ
نہیں رکھ سکو گے۔"
وہ بے چارہ اس بازپرس سے لاعلم تھا جو اس کے اباجان
تخلیہ میسر آتے ہی خود شروع کر دیتے۔
جانو ماچھی نے چند ہی منٹ بعد زمین پر سسک سسک کر دم
توڑ دیا۔ رانی کے بین نے زمین و آسمان کو ایک کرنا شروع کر دیا۔
ہم میں کسی کو جانو ماچھی سے ذرا بھی ہمدردی نہیں تھی لیکن رانی
کا بین اس قدر دلدوز اور بے ساختہ تھا کہ میں اندر سے کانپ
اٹھا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اپنے مرد کو ٹوٹ کر چاہتی
تھی اور اس کے مرجانے پر خود کو بالکل بے آسرا اور تنہا محسوس
کر رہی تھی۔ ویرا جو چند ثانیئے پہلے مجھ پر تنقید کر رہی تھی،
میرے کچھ کہے بغیر، خود ہی بڑھ کر رانی کو دلاسا دینے میں مصروف
ہو گئی تھی۔
اس دشوار گزار اور ویران جنگل میں ڈاکو موجود تھے تو یہ
بھی یقینی امر تھا کہ پولیس والے ان اطراف میں آتے رہتے ہوں
گے۔ فرض شناس اہل کاروں کو ڈاکوؤں اور تخریب کاروں کی
تلاش ہوتی ہو گی تو فرض ناشناس اور راشی عمّال لوٹ مار کے مال
میں سے اپنا حصۂ رسدی وصول کرنے آتے ہوں گے۔ اس لئے
مجھے لاشوں کے بارے میں کوئی فکر نہ تھی۔ کوئی نہ کوئی انہیں
دریافت کر کے ان کی تدفین کا بندوبست کرا سکتا تھا۔
اس خونی ڈرامے میں جو کچھ ہوا، وہ رانی سے پوشیدہ نہیں
تھا۔ اس نے خود ہی اس ڈرامے میں افتتاحی اور بھرپور کردار ادا
کیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کے نرغے میں گھری
ہوئی تھی اس لئے سہاگن سے بیوہ ہونے کے صدمے سے اس
نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا۔
"تم نے میری مانگ اجاڑ دی، اب مجھے کیوں گھیرے ہوئے
ہو؟ جاؤ، اور مجھے میرے جانو کے پاس اکیلا چھوڑ دو" اس نے
اپنی سرخ اور ویران آنکھوں سے باری باری ہم چاروں کو
گھورتے ہوئے، رُندھی ہوئی آواز میں کہا۔
"جانو ماچھی پر دو لاکھ کا انعام مقرر تھا، اس کی لاش ہم
اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں" محمود نے اسے آگاہ کیا۔
وہ دو فقرے سنتے ہی رانی بری طرح مچل گئی "جانو کی لاش میں
ہرگز نہ لے جانے دوں گی۔"
اس کا ردِ عمل ظاہر ہوتے ہی میرے ذہن میں خود بخود ایک
نئی راہ متعین ہو گئی۔ میں نے اسے راہ پر لانے کے لئے گفتگو کا
فرض خود سنبھال لیا "ہم تعداد میں چار اور ہتھیاروں سے لیس
ہیں۔ تم نے ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کی تو ہم تمہیں بھی گولی
مار دیں گے کیونکہ تم بھی انہی کی ساتھی ہو۔"
وہ کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح چند ثانیوں تک اپنی بڑی بڑی
آنکھوں سے مجھے گھورتی رہی پھر بولی "تم زبردستی پر اتر آؤ تو جو
چاہو، وہ کر سکتے ہو لیکن یہ سوچ لو کہ انعام کے نام پر تم پولیس
والوں کو پیسے کے عوض ایک لاش بیچو گے اور یہ رقم بھی تم کو
مدتوں تک دھکے کھلا کر بڑی مشکل سے دی جائے گی۔"
"تم جو چاہو کہہ لو مگر انعام، انعام ہی ہوتا ہے۔ ہم علاقے
کے معزز لوگ ہیں۔ حکومت سے اپنا حق وصول کرنا اچھی طرح
جانتے ہیں" میں نے اس بار بھی سخت لہجہ اپنایا تھا۔
"تم لوگ سنگدل نہیں ہو" وہ فوراً ہی مصالحت پر اتر آئی۔
"تم نے جانو ماچھی کی آخری خواہش پوری کی ہے تو مجھے بھی اپنے
سہاگ کے کفن دفن کا بندوبست کرنے دو۔ جانو ماچھی ڈاکو ہوتا تو
میں ابھی تم کو دو لاکھ روپے دینے کا وعدہ کر لیتی لیکن تم یقین کرو کہ
وہ فرشتہ تھا، لوٹ کا سارا مال اپنے ساتھیوں اور گاؤں گوٹھ کے
غریبوں میں بانٹ دیتا تھا۔ ہماری جمع پونجی چند اچھے ہتھیاروں اور
دس بیس ہزار روپے سے زیادہ نہیں ہے۔"
وہ چند ثانیوں کے لئے خاموش ہوئی اور ہم میں سے کسی کے
بولنے سے پہلے ہی دوبارہ بولنے لگی "جانو مر گیا، تم اس کی لاش
پولیس کے حوالے کر دو گے تو وہ لوگ اس کے گھر اور گاؤں والوں
کو کئی دن تک تھانے میں خوب ذلیل کریں گے۔ پھر سرکاری
اسپتال والے لاش کو چیر پھاڑ کر اس میں برف بھر دیں گے۔ اسے
اس کی سزا مل چکی ہے، جب تم نے اس کی زندگی میں اس پر رحم
کیا ہے تو اس کے مرنے کے بعد اپنے اس رحم کو واپس نہ لو۔"
"یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ تم ہمیں جانو ماچھی کے

پیر کے بارے میں بتاؤ۔"

"ہم پیر سے حلف لیتے ہیں کہ اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔ ہمارے لئے اوپر خدا ہے تو نیچے بس پیر ہی پیر ہے۔ ہم مر تو سکتے ہیں مگر اپنا حلف نہیں توڑ سکتے۔"

"کچھ نہ بتاؤ' ہاں یا نہ میں میرے سوال کا جواب دے دو کہ کیا ملّا سرکار ہی تمہارا پیر ہے؟"

وہ مُنہ سے کچھ نہ بولی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز رہیں اور میں اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے وجود میں گومگو کی کیفیت برپا ہو چکی تھی۔

"تم وعدہ کرتے ہو کہ پھر جانو کی لاش کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس نے پوچھا۔

"یہ ہم سب کا وعدہ ہے کہ جواب مل جانے پر یہ لاش تمہاری ہو جائے گی۔"

اس کا سر زور زور سے اثبات میں ہلنے لگا پھر وہ زور سے بولی۔

"جاؤ' اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

محمود' رانی کے ساتھ میرے ہمدردانہ رویّے پر ناراض نظر آ رہا تھا۔ وہ برا سامنہ بنا کر بولا "تم بلاوجہ اس عورت پر ترس کھا رہے ہو' اسے جانو ماچھی اس لئے فرشتہ نظر آ رہا ہے کہ وہ اس کا شوہر تھا اور یہ خود بھی اس فرشتے کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ جانو ماچھی کی حقیقت تمہیں ان لوگوں سے معلوم کرنا چاہئے جو اس کے ہاتھوں دکھ اٹھانے کے بعد بھی زندہ ہیں' جو لوگ مارے گئے' ان کا تو ذکر ہی بے کار ہے۔"

رانی نے اپنی گردن جھٹک کر محمود کو خونخوار نظروں سے گھورا اور پھر درشت لہجے میں بولی "تم چپ رہو' جانو ماچھی کبھی بھی سیدھے سادے اور بے گناہ لوگوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا۔ وہ ان سیٹھوں کے خون کا پیاسا تھا جو غریبوں کا خون چوس کر دن رات اپنی تجوریاں بھرتے رہتے تھے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ ملا سرکار ہندوؤں سے میل جول رکھتا ہے؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے رانی کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہوئے سوال کیا۔

رانی کے چہرے پر غصے کی سرخی پھیل گئی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت مشکل سے اپنے غصے کو ضبط کر رہی تھی۔ وہ بولی تو اس کی آواز غصے کی شدت سے کانپ رہی تھی "تم اپنے وعدے سے پھر رہے ہو' تم نے ایک سوال کا جواب ملنے پر یہاں سے چلے جانے کا وعدہ کیا تھا لیکن تم ابھی تک یہیں موجود ہو۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ہم لوگوں کے دلوں میں اپنے پیر کی کتنی عزت ہے۔ اپنے پیر کے خلاف کوئی بات سننے کے ہم عادی نہیں ہیں اگر میں بے بس' مجبور اور نہتی نہ ہوتی تو ابھی تمہیں تمہاری زبان درازی کا مزہ چکھا دیتی۔ تم زیادہ سے زیادہ مجھے مار سکتے ہو لیکن یاد رکھو کہ اب میں اپنے مقدس پیر کے بارے میں تمہاری زبان سے کوئی لفظ برداشت نہیں کروں گی۔"

"چلو' پھر یہ قصہ ختم ہی سمجھو" میں اسے باتوں میں [illegible] اس سے مزید کچھ باتیں اگلوانا چاہ رہا تھا۔

"قصہ ختم' تو پھر جاؤ اور مجھے میرے جانو کے پاس [illegible] دو۔"

"جانو ایک تندرست و توانا مرد تھا۔ تم اس کی وزنی [illegible] کیا کرو گی۔ ہمارے ساتھ گاڑی پر آ جاؤ' ہم تمہیں جانو کی [illegible] کے ساتھ تمہارے گاؤں تک پہنچا دیں گے۔"

اس کے حلق سے ایک تلخ اور ہذیانی قہقہہ ابل پڑا "[illegible] جاؤ' تم جانو کے قاتل ہو۔ میں تم پر بھروسا نہیں کر سکتی۔ [illegible] علاقوں کا بے تاج بادشاہ تھا۔ اسے ان جنگلوں اور ویرانوں [illegible] دنیا کی ہر نعمت میسر تھی' تم چلے جاؤ گے تو یہاں سب کچھ [illegible] گا۔ میں چاہوں تو اپنے سرتاج کی لاش توپ پر سجا کر گاؤں لے جا سکتی ہوں۔ مگر تم چلے جاؤ' خدا کے لئے' اپنے وعدہ [illegible] پاس کرو اور یہاں سے چلے جاؤ۔"

اس نے جنون کے عالم میں آگے بڑھ کر میری جیکٹ [illegible] گریبان دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا اور پوری قوت کے ساتھ پیچھے کی طرف دھکے دینے لگی۔

ویرا اس دل شکستہ عورت کی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہی [illegible] اس لئے اس نے رانی کی جسارت پر کوئی تعرض نہیں کیا۔ محمود اس سے بہت زیادہ بدظن تھا اور اسے ذرا بھی رعایت [illegible] پر آمادہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ بہت تیزی کے ساتھ رانی پر لپ[illegible] لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

رانی اشتعال بلکہ جنون کے عالم میں مجھ سے لپٹی جا رہی [illegible] میرے گریبان کو بری طرح جھٹکے دے رہی تھی لیکن میرا [illegible] ایک عجیب اور لطیف سی دھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ عملاً میں نے [illegible] کو رانی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔

قدرت کے کھیل نیارے اور انسان کے تخیل سے [illegible] ہوتے ہیں۔

ملّا سرکار کی تلاش میں کراچی سے ان اطراف کا سفر کر[illegible] ہوئے جانو ماچھی کا نام میرے ذہن کے نہاں خانوں میں بہت [illegible] چلا گیا تھا۔ اس نے غزالہ کو حوالات سے اغوا کر کے میرے [illegible] کی بساط الٹ دی تھی مگر اسی کے ساتھ وہ خود یوں غائب ہو گ[illegible] جیسے میری کہانی میں اس کی شمولیت اسی ایک واقعے کے لئے [illegible] تھی لیکن مکافاتِ عمل نے اسے اس ویرانے میں میرے سا[illegible] ہانک کر اسے اس کے انجام کو پہنچا دیا تھا اور وہ پوری طرح [illegible] کہانی کا ایک بھرپور کردار بن گیا تھا۔

[illegible]ن عجیب بات تھی کہ کچھ روز قبل جانو ماچھی نے غزا[illegible] [illegible] کو حوالات سے اٹھایا تھا۔ یہ امر یقینی تھا کہ [illegible] کی اس واردات میں جانو ماچھی نے غزالہ کی مزاحمت پر اس[illegible]

ضرور کی ہوگی۔ اس نے دھونس، دھاندلی اور تشدد
بھی ضرور کیا تھا مگر اس نے غزالہ کی حرمت
غزالہ کو اغوا ضرور کیا تھا مگر اس نے غزالہ کی حرمت
نظر بد نہیں ڈالی تھی اور یہ قدرت کا اپنا انتظام تھا کہ جانو
کی بیوی، بیوہ ہونے کے بعد مجھ سے الجھ رہی تھی، لڑ رہی تھی
نرم و نازک وجود کی مار سے بالکل اسی طرح مجھے زیر کرنا
تھی جس طرح غزالہ نے اپنے اغوا کی واردات کو ناکام
کوشش کی ہوگی۔

وقت اور حالات کے بھیانک گرداب میں پھنس کر اس
میری سوچ عجیب و غریب ہوگئی تھی۔ بے بس اور مجبور رانی
ساتھ نبرد آزما پا کر مجھے آسودگی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ
بیوی اور اس کی شریک کار تھی لیکن ساتھ ہی ایک خوب
اور خوش بدن عورت بھی تھی۔ اس کے شوہر نے میری
کو اس کی مرضی کے خلاف چھوا تھا اور رانی خود ہی وہ
بے باق کر رہی تھی۔

میں اپنے خیالات کی رو سے اس وقت چونکا جب میری
اچانک جیپ کی آہنی باڈی سے جا لگی۔

"جاؤ... تم یہاں سے چلے جاؤ... مجھے میرے جانو کے پاس
دو" رانی ہسٹریائی انداز میں چیخ چیخ کر انہی فقروں کی تکرار
رہی تھی۔

میری پسپائی کا سلسلہ منقطع ہوتے ہی اس نے میری چھاتی پر
برسانا شروع کر دیے۔

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے گھورا پھر
قوت سے اس کی کلائیاں دبوچ لیں۔ میری بے رحمانہ
کا احساس ہوتے ہی اس کی دیوانگی کا دورہ یکلخت موقوف
اور وہ اپنا تنا ہوا بدن ڈھیلا چھوڑ کر، بلک [illegible]۔

"آؤ" میں نے سلطان شاہ کو اشارہ کرتے ہوئے رانی کی
یاں چھوڑ دیں اور وہ وہیں ریت پر اکڑوں بیٹھ کر رونے اور
لرنے لگی۔

"جانو ماچھی کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر واقعی دو لاکھ روپے کا
مقرر ہے" جیپ میں سوار ہوتے ہوئے محمود نے سرگوشیانہ
میں مجھے لالچ دلانا چاہا۔

"ہوا کرے" میں نے بے پروائی سے کہا "ہم مردہ فروشی نہیں
گے۔ وہ زندہ ہاتھ آجاتا تو میں کسی بھی قیمت پر اسے جیل
سلاخوں سے باہر نہ رہنے دیتا مگر اب بات مختلف ہوگئی ہے۔"

"تم واقعی گریٹ ہو" ویرا گہرا سانس لے کر بولی "میں تو ڈر
تھی کہ کہیں تم رانی سے ہی انتقام لینے پر نہ تل جاؤ۔ جھلایا
ہوا اپنے حریف کی عورتوں کے حق میں وحشی درندہ ثابت ہوتا
ہے"

میں اسے کوئی جواب دیے بغیر محمود سے مخاطب ہوگیا۔
واپس موڑلو۔"

"کیوں؟" اس نے جیپ کو آگے بڑھاتے ہوئے حیرت سے
پوچھا "کیا بات ہے؟"

"اس الو کی پٹھی نے طبیعت بدمزہ کر دی ہے۔ کسی کو قتل
کرنا آسان سی بات ہے لیکن رانی جیسی حسّاس عورت کو بیوہ
کرنے کا احساس بہت بوجھل ہوگیا ہے۔"

"ہم آدھے سے زیادہ راستہ طے کر چکے ہیں" محمود تحیر آمیز
لہجے میں بولا "تم گھر سے لڑنے بھڑنے کا ارادہ لے کر نکلے ہو تو
ایسے واقعات پیش آتے ہی رہیں گے۔ اس علاقے میں آج کل
ڈاکوؤں نے بہت سر اٹھایا ہوا ہے۔ وہ تو تمہارا مقدر یاور تھا کہ تم
نے ان سب کو مار لیا۔ ہم لوگوں سے ذرا بھی چوک ہوتی تو کل
پولیس والے یہاں ہماری لاشوں کی تصاویر بنوا رہے ہوتے۔ ان
لوگوں کو بڑھ کر نہیں مارو گے تو خود مار لیے جاؤ گے۔"

"یہ سب مجھے معلوم ہے لیکن اب میرا ذہن ماؤف ہو رہا
ہے۔"

"یہ بھی ممکن ہے کہ خبر ملنے پر جانو ماچھی کے حمایتی واپسی پر
ہمیں گھیرنے کی کوشش کریں" سلطان شاہ نے خیال ظاہر کیا۔
"رانی نے دیکھ لیا ہے کہ ہم آگے جا رہے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوگا" محمود نے دھیمی آواز
میں کہا "اس علاقے کے نامور ڈاکو بھی قول کے پکے اور سدا
احسان ماننے والے ہوتے ہیں، تم نے دیکھا نہیں کہ رانی نے
کسی قیمت پر ملا سرکار کا نام نہیں لیا تھا۔"

"تم نے اپنے خیال کی وجہ نہیں بتائی" سلطان شاہ نے
اسے ٹوکا۔

"یہ آمنے سامنے کا مقابلہ تھا" محمود کہنے لگا "وہ غالب
آجاتے تو ہمیں لوٹ مار کر فرار ہوجاتے۔ ہم نے انہیں مار لیا اور
جیت گئے۔ رانی اگر واقعی پکی ڈاکو ہے تو وہ ہمیں جانو ماچھی کے
قتل کا مجرم نہیں سمجھے گی۔ اس نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے
دیکھا ہے اور یہ بھی دیکھا ہے کہ تم نے اس کے مرتے ہوئے شوہر کی آخری
خواہش بڑی رحم دلی کے ساتھ پوری کی ہے۔ اس کے علاوہ تم نے
دو لاکھ روپے کے انعام کی پروا کیے بغیر جانو ماچھی کی لاش رانی
کے حوالے کر دی۔ وہ تمہارے یہ احسانات فراموش نہیں کرسکتی۔
میرا خیال ہے کہ وہ اپنے لوگوں میں لوٹ کر ہماری نشاندہی تک
نہیں کرے گی۔"

"اگر اس نے اپنے شوہر کے مشن کو جاری رکھا اور کسی
موقع پر دوبارہ ہمیں گھیرنے میں کامیاب ہوگئی؟" ویرا کے لیے
گفتگو کا وہ موڑ دلچسپ ثابت ہوا تھا۔

"پھر وہ ذرا بھی رو رعایت سے کام نہیں لے گی اور شاید
سب ہی کو اڑا دے گی۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ اس وقت اسے ہمارے احسانات
یاد نہیں آئیں گے؟"

"وہ ایک اتفاقی اور کھلا مقابلہ ہوگا۔ اتفاقاً تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ میرے کہنے کا مطلب صرف یہ تھا کہ وہ انتقاماً ہمارا پیچھا نہیں کرے گی۔ اس لئے ہمیں اس خطرے کو بھول جانا چاہئے" محمود نے وضاحت کی۔

ہمارے عزائم سے واقف ہونے کے بعد محمود نے ابتدا میں ہمیں کسی واضح منصوبہ بندی کے بغیر کوٹ مندو کا رخ نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وار اوچھا پڑنے کی صورت میں ملا سرکار وہاں سے غائب ہو سکتا تھا لیکن میرے اصرار پر اس نے سفر جاری رکھا تھا اور اب میں واپسی پر آمادہ تھا لیکن وہ سفر جاری رکھنے پر مصر تھا۔

"ہماری واپسی تمہارے ابتدائی مشوروں کے مطابق ہوگی پھر تم سفر جاری رکھنے پر کیوں اصرار کر رہے ہو؟" قدرے توقف کے بعد میں نے الجھن آمیز لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"اس وقت بھی میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم براہ راست کوٹ مندو پر دھاوا بول دیں۔ ہم ملا سرکار کے گاؤں کے قرب و جوار میں شکار کھیل کر اندھیرا ہونے سے پہلے بہ آسانی واپس لوٹ سکتے ہیں۔ ابھی بہت لمبا دن پڑا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس دوران ہمیں کوئی کام کی بات بھی معلوم ہو جائے۔"

میں خاموش ہو گیا اور جیپ ناہموار راستوں پر اچھلتی کودتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔

کافی دیر تک ہم چاروں ہی خاموش رہے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آنے والے لمحات کے بارے میں اپنی اپنی جگہ پر ہر ایک فکر مندی کا شکار ہو گیا ہو۔ دورانِ سفر جانو ماچھی اور اس کے ساتھیوں کو مار لینا ہر اعتبار سے ایک نیک شگون تھا لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اگلے کسی معرکے کا انجام کیا ہوگا۔

راستے میں ہم ایک چھوٹے سے گاؤں کے قریب سے گزرے۔ جیپ کے انجن کی آواز اور اس کے پیچھے اُڑتے ہوئے گرد و غبار کو دیکھ کر گاؤں کے بہت سے میلے کچیلے، خستہ حال اور نیم برہنہ بچے دوڑتے ہوئے گاؤں سے باہر آ گئے تھے۔ ان میں سے خاصے بچے بالکل ننگ دھڑنگ تھے جنہیں دیکھ کر میں اندر ہی اندر لرز اٹھا۔ چیختے چلاتے ہوئے بچوں نے اپنی ننھی ننھی مٹھیوں میں پتھر یا ریت بھر کر، جیپ کی طرف اچھال کر اپنے جوش و خروش کا اظہار کیا۔ وہ جیپ سے اتنی دور تھے کہ ان کا پھینکا ہوا کنکر بھی جیپ تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

"ان بچوں اور جانوروں کی زندگی میں کیا فرق ہے؟" پیچھے سے ویرانے عبرت انگیز لہجے میں تبصرہ کیا "بعض بچوں کی پسلیاں تک یہاں سے صاف نظر آ رہی ہیں۔"

"خشک، بنجر اور دور افتادہ دیہاتوں میں انسانی زندگی اس سے بھی زیادہ عبرت ناک ہوتی ہے" محمود نے ٹکڑا لگایا "کہیں کہیں تو میلوں میل تک آوارہ چوپائے تک نظر نہیں آتے لیکن وہاں بھی انسان ملتے ہیں جو پچھلی برسات سے بھرے ہوئے جوہڑ... جراثیم زدہ پانی اور خودرو جھاڑیوں پر اپنا گزارہ کرتے ہیں..."

"جیپ روک لو!" میں نے اسے ہدایت کی۔ انسان... بچوں کو دیکھ کر میرا رواں رواں کانپ اٹھا تھا۔ وہ بھی... زمین پر اشرف المخلوقات تھے لیکن ان کی زندگیاں جانور... بدتر بسر ہو رہی تھیں۔ نہ پینے کو صاف پانی میسر تھا نہ تن... کو صاف اور سالم کپڑا، مگر وہ پھر بھی پیدا ہوتے تھے اور بے... پناہ قوتِ نمو کے زور پر حیرت ناک طور پر زندہ رہتے تھے... سے بہتر حالات میں رہنے والوں پر چیختے چلاتے اور... اُچھالتے تھے۔ آسائشیں تو دور کی بات تھیں، انہیں زند... کے بنیادی لوازم تک میسر نہیں تھے۔ غریب عوام، ہاری... مزدوروں کی فلاح و بہبود کے زبانی نعرے لگانے والے... کتنے حکمران پاکستان کی بساط اقتدار پر نمودار ہو کر روپوش... تھے لیکن صاف نظر آ رہا تھا کہ کوٹ مندو کے مضافات میں... والے ان آدمیوں اور آدم زادوں کے لئے کسی نے کچھ... تھا۔

وہ بھوک، پیاس، عسرت اور افلاس کے الاؤ میں پیدا... تھے اور محرومیوں کے اسی جہنم میں، وباؤں سے لڑ کر جوان... تھے۔ زندگی کے بارے میں ان لوگوں کے تلخ ترین نظریا... جذبات کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں تھا جو شہروں... قدم پر بکھری ہوئی ہزاروں سہولتوں اور آسائشوں کے سا... سے محروم رکھے جاتے تھے۔ اس ماحول میں پلنے بڑھنے... جوان صحیح تربیت اور ماحول نہ ملنے کی وجہ سے باغی اور... ہو سکتے تھے۔ شہروں کی روشنیاں دیکھ کر ان کے وجود میں... دوغلے معاشرے سے نفرت کی آگ بھڑک سکتی تھی اور ا... میں سے کسی کو ہتھیاروں کا سہارا مل سکتا تو وہ جانو ماچھی... چور، ڈاکو یا پھریانی بن سکتا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آتی جا... کہ ملا سرکار بلاوجہ ہی کوٹ مندو میں نہیں پڑا ہوا تھا۔ لو... اندھی عقیدت، گنی چنی آبادی میں مکمل ترین تحفظ اور قو... کی بھرپور آزادی کے ساتھ ہی اس کے عزائم کے لئے وہ... بہت زرخیز تھے۔ وہ محنت کے بغیر یا ذرا سی محنت کر کے ان... ذہنوں کو بہت آسانی کے ساتھ ان لوگوں کے خلاف بھڑکا... جو ایئر کنڈیشنڈ محلوں میں رہ کر ان پر حکومت کرتے تھے ا... کے دستر خوان سے ہر وقت دنیا کی بہترین نعمتیں اتنی مقد... بچتی اور پھینکی جاتی تھیں کہ اس پر پورے پورے گاؤں کا... ہو سکتا تھا۔

پاکستان کے شہری اور دیہی معاشروں کے تضاد پر... بہت سی تقریریں سنی تھیں، کئی مضامین بھی پڑھے تھے... افتادہ مقامات پر رہنے والوں کے حقیقی مصائب کا اندازہ... درمیان پہنچے بغیر کیا ہی نہیں جا سکتا۔

جیپ رکتے ہی بیشتر بچے خوف زدہ آوازوں میں شور مچاتے ہوئے واپس بھاگ پڑے تھے۔ ان میں سے قدرے بڑی عمر کے صرف دو بچے اعتماد سے اپنی جگہ پر کھڑے ہمارا تماشا دیکھتے رہے۔ میں نے جیپ سے اتر کر اشارے سے ان دونوں بچوں کو اپنی طرف بلایا لیکن وہ وہیں کھڑے رہے۔ بھاگنے والے بچے اپنی بستی میں ایک محفوظ فاصلے پر پہنچ کر رک گئے تھے اور وہیں سے چیخ پکار کر شاید ہمیں شکست دینے کی کوششیں کر رہے تھے۔ ان کے رویے سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ انہوں نے ہمیں دوست کے بجائے اپنا حریف تصور کر لیا تھا۔

"قریب آؤ، ہم تمہارے دوست اور ہمدرد ہیں" محمود نے انہیں مخاطب کر کے سندھی میں کہا۔ میرے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ میں سندھی اچھی طرح سمجھ سکتا تھا لیکن روانی سے بولنا میرے بس سے باہر تھا۔

"دوست ہو تو تم ہمارے پاس آؤ، ہمیں وہاں کیوں بلا رہے ہو؟" ان میں سے ایک لڑکے نے تلخ انداز میں کہا "اس کے لہجے میں مفاہمت کے بجائے منفی سوچ جھلک رہی تھی۔

محمود نے جیپ میں سے خورونوش کے سامان کی ایک ٹوکری اٹھائی اور ان کی طرف بڑھ گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ میرے لئے وہ ایک نیا تجربہ تھا۔

"تمہارے گاؤں کا کیا نام ہے؟" محمود نے درمیانی فاصلہ طے کرتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ جب تک یہاں کے جوہڑوں میں پانی ہے، یہ ہمارا گاؤں ہے۔ پانی سوکھ جائے گا تو ہم یہاں سے کہیں اور چلے جائیں گے۔ خانہ بدوشوں کی آبادیوں کا کوئی نام نہیں ہوتا۔"

بولنے والا دس بارہ سال کا بچہ تھا لیکن اس کے لب و لہجے میں ان تجربات کا رچاؤ نمایاں تھا جن سے وہ اس کم سنی میں ہی گزر چکا تھا۔

"یہ لو!" محمود نے خورونوش کے سامان سے بھری ہوئی ٹوکری اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ ہماری طرف سے تمہارے لئے ایک چھوٹا سا تحفہ ہے۔ اس میں کھانے پینے کا سامان ہے۔"

اس بچے نے احسان مندی کا کوئی مظاہرہ کئے بغیر محمود سے ٹوکری لے لی۔ اس کے انداز سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ ہمیں اپنا مقروض تصور کر رہا ہو اور توقع سے کم مقدار میں قرض کی واپسی پر غیر مطمئن ہو۔

"سگریٹ ہے تمہارے پاس؟" دوسرے لڑکے نے حریصانہ لہجے میں محمود سے پوچھا۔

"اتنی چھوٹی عمر میں تم سگریٹ پیتے ہو؟" محمود نے ملامت بھرے لہجے میں پوچھا "اس ویران علاقے میں تمہیں اپنا شوق پورا کرنے کے لئے سگریٹ کہاں سے میسر آتی ہے؟"

"ہم جھاڑیاں اور ان کی جڑیں ابال کر کھاتے ہیں۔ ہمیں سگریٹ کہاں سے ملے گی؟" اس نے استہزائیہ لہجے میں جواب دیا تھا "میرا باپ کسی عجیب بیماری میں مبتلا ہے۔ سگریٹ پینے سے اسے آرام ملتا ہے۔ کبھی کبھار کوئی گاؤں سے سگریٹ لے آتا ہے یا ہم شکاریوں سے مانگ لیتے ہیں۔ پچھلے کئی ہفتوں سے اس کی سگریٹیں ختم ہو چکی ہیں۔"

میں نے اپنی جیب میں موجود تین پیکٹ، ماچسوں سمیت اس کے حوالے کر دیئے اور ٹوٹی پھوٹی سندھی میں اس سے سوال کیا۔ "تم لوگ یہاں اتنی مصیبت کی زندگی گزارنے کے بجائے کسی آباد گاؤں میں کیوں نہیں چلے جاتے؟ وہاں دال، آٹا، چاول، گوشت سب کچھ ہی ملتا ہے، سگریٹیں بھی ملتی ہیں۔"

"وہاں یہ سب چیزیں پیسے سے ملتی ہیں۔ ہم پیسہ کہاں سے لائیں گے؟"

"محنت مزدوری کر کے اتنا تو کما ہی سکتے ہو کہ اپنا پیٹ بھر سکو۔"

"کوئی زمیندار ہمیں مزدوری نہیں دیتا۔ وہ ہمیں خریدنا چاہتے ہیں۔"

"کیا تم لوگ کہیں آباد ہونے کی کوشش کر چکے ہو؟" محمود نے حیرت سے پوچھا۔

"ہم اپنی خوشی سے یہاں نہیں رہتے" اس بچے کا لہجہ کسی بڑے آدمی سے زیادہ زہریلا تھا "کتا بھی بھوک سے بلبلاتا ہے تو ویرانہ چھوڑ کر کسی بستی کی طرف بھاگتا ہے جہاں اسے جھوٹی ہڈیاں ملنے کی امید ہو۔ ہمارے بڑے بتاتے ہیں کہ وہ کئی بار بستیوں کی طرف گئے تھے اور ہر بار اپنی کئی عورتیں گنوا کر واپس لوٹنے پر مجبور ہو گئے۔ خود میری ماں بھی پتا نہیں کہاں ہو گی؟"

اس کی باتیں بھیانک تھیں لیکن اس کے سپاٹ لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ عورتیں گنوانے کے ہولناک مفہوم سے یکسر نابلد تھا۔ اس کے معصوم الفاظ میں مجھے ڈراؤنی کہانیاں پوشیدہ نظر آ رہی تھیں۔

"ہمارے بڑے اب بستیوں سے خوف کھانے لگے ہیں" وہ اپنی رَو میں بولے جا رہا تھا "سفر کرتے ہوئے، دن میں کسی بستی کے آثار یا رات میں روشنی نظر آ جائے تو وہ راستہ کاٹ کر دور سے گزر جاتے ہیں یا ویرانوں میں ڈیرے لگوا دیتے ہیں۔ ان کی نظریں بچا کر ہم میں سے کچھ بڑے بچے آبادیوں سے کچھ چرا لاتے ہیں۔ کوئی پکڑا جائے تو ہمارے بڑے رو پیٹ کر اور گاؤں والوں سے معافیاں مانگ کر اسے چھڑا لیتے ہیں۔ وہ آبادیوں سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے وہاں بھوت پریت اور بد روحیں رہتی ہوں۔"

وہ اپنی زندگی کی سنگین حقیقتیں بڑے سادہ اور ایک حد تک معصومانہ الفاظ میں بتا رہا تھا۔ اس کے لب و لہجے میں اسی قدر تلخی تھی جتنا وہ سمجھ سکتا تھا۔ اپنی عقل، سمجھ اور تجربے سے ماورا باتیں اس کے لئے سپاٹ تھیں۔ انسان نما بھیڑیوں کی حویلیوں یا

جاگیروں میں چند عورتوں کا گم ہوجانا اس کے لئے اسی طرح افسوس ناک تھا جس طرح میلے کی بھیڑ میں کسی بچی کا گم ہوجانا۔ اس سے آگے نہ اسے کچھ بتایا گیا تھا اور نہ وہ خود سمجھ سکتا تھا۔

"آبادیوں میں سب لوگ برے نہیں ہوتے" میں نے محبت بھرے لہجے میں کہا "تم چاہو تو ہمارے ساتھ چل سکتے ہو۔ پڑھ لکھ کر تم کسی قابل ہوجاؤ گے تو اپنے زورِ بازو سے بہت کچھ کما سکو گے۔ آج کے چند بچے' کچھ دن بعد اپنے پورے قبیلے کی قسمت بدل سکتے ہیں لیکن اس کے لئے ہمت کرکے کسی نہ کسی کو کوئی بڑا فیصلہ کرنا ہوگا۔"

"ہم ایسے دھوکوں میں آنے والے لوگ نہیں ہیں" اس بچے کے وجود میں چھپا ہوا کچے ذہن کا مرد بول رہا تھا "انسان کسی کی قسمت نہیں بدل سکتا۔ قسمتیں تو آسمان پر لکھی جاتی ہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ ہماری برادری میں سرکش بچے پیدا نہیں ہوتے۔ کئی تھے جو اچھی زندگی کی آرزو میں گھروں سے بھاگ گئے اور اب ان کا کوئی پتا نہیں ہے' وہ مرکھپ گئے ہیں 'بڑے آدمی بن گئے ہیں یا کسی وڈیرے کی غلامی میں زندگی بسر کررہے ہیں 'ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ ہم بنجارے ہیں 'اپنے دانہ پانی کی تلاش میں چلتے رہتے ہیں۔ اس غول سے کوئی بچھڑ جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ جاتا ہے۔ ہم تمہارے ساتھ جاکر کسی قابل ہو بھی گئے تو اپنے قبیلے' اپنے باپ اور اپنے رشتے داروں کو کہاں ڈھونڈیں گے؟ یہاں سے جانے کا مطلب ان سب سے ہمیشہ کے لئے اپنا رشتہ توڑنا ہوگا۔ ہم خود انہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں تو بڑھاپے کے بُرے دنوں میں کون ان کی دیکھ بھال کرے گا؟ کون انہیں قبروں میں اُتارے گا؟"

ہم نے ان کے سامنے اپنی جیبیں خالی کردیں اور بوجھل دلوں سے واپس ہولئے۔

"کیا تمہیں یہ سب پتا نہیں تھا جو ان بچوں کو اس طرح ٹٹول رہے تھے؟ جیپ کا سفر دوبارہ شروع ہوجانے پر میں نے محمود سے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"میں کیا' اس علاقے کا رہنے والا ہر شخص ان بدنصیبوں کی کہانیوں اور مجبوریوں سے اچھی طرح واقف ہے لیکن میں تمہیں ان بچوں کی زبان سے ان کی کہانی سنوانا چاہتا تھا۔"

خانہ بدوشوں کے وہ بچے اردو زبان سے نابلد تھے جب کہ ویرا اور سلطان شاہ کے لئے سندھی زبان ناقابلِ فہم تھی اس لئے میں ان کو اپنے الفاظ میں بچوں کی کتھا سنانے لگا۔

"ملا سرکار کے بارے میں ان بچوں کا کیا خیال تھا؟" میری گفتگو ختم ہونے پر ویرا نے سوال کیا۔

"میں نے ان سے ملا سرکار کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا" میں نے ایمانداری سے اعتراف کرتے ہوئے کہا "ان کی باتیں اتنی سادہ اور پُراثر تھیں کہ اس وقت میں ملا سرکار کو بھول ہی گیا تھا۔"

"حالانکہ ان سے تم کو بہترین معلومات حاصل ہوسکتی [illegible]" ویرا نے متاسفانہ لہجے میں کہا "یہ گھومنے پھرنے والے ہوتے ہیں۔ انہیں بہت سی ایسی باتیں بھی معلوم ہوجاتی [illegible] دوسروں کے علم میں نہیں آسکتیں۔"

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی لیکن اس کے لئے یہ سمجھنا دشوار [illegible] کہ دلگیر کردینے والے تذکروں میں مطلب کی کوئی بات رکھنا محال ہوجاتا ہے۔ سوچی سمجھی باتیں دھری کی دھری [illegible] ہیں اور گفتگو خود اپنا رخ بنالیتی ہے۔

کچھ دیر بعد محمود نے بتایا کہ کوٹ مندو کی نواحی حدود [illegible] ہونے والی تھیں اس لئے ہمیں شکار کے لئے فائرنگ کا آغاز کردینا چاہئے تھا۔ دور سے اُبھرنے والی فائرنگ کی آوازیں [illegible] آنے پر کوٹ مندو والے شاید اتنا نہ چونکتے جتنا یک بیک قریب فائرنگ سن کر ہوشیار ہوجاتے۔

ہم نے جیپ وہیں رکوالی۔ دن زیادہ نہیں گزرا تھا' سورج کو نصف النہار پر آنے میں بھی خاصی دیر تھی لیکن [illegible] سے منہ اندھیرے ناشتا کرکے نکلنے اور پھر طویل سفر کے باعث [illegible] از کم میری بھوک چمک اٹھی تھی۔

میں نے کھانا کھالینے کی تجویز پیش کی تو سب ہی نے [illegible] زبان ہوکر میری تائید کی اور ویرا نے مردانہ لباس میں ہونے [illegible] باوجود رضاکارانہ طور پر میزبانی کا زنانہ شعبہ سنبھال لیا۔

جیپ کے عقبی حصے میں گیس سے بھرا ہوا سلنڈر 'رنگ [illegible] اور چولہا موجود تھا لیکن ویرا ان میں سے کسی چیز کو چھونے پر [illegible] نہیں تھی' اس کا خیال تھا کہ گھر سے باہر بھی دسترخوان پر [illegible] اُڑاتے ہوئے گرم گرم کھانے موجود ہوں تو پکنک کا لطف [illegible] آتا۔ اس کے نزدیک ہماری وہ مہم پکنک کی طرح تھی اور وہ [illegible] سے اسی طرح لطف اندوز ہونا چاہتی تھی۔

قیمے 'کباب اور پراٹھوں سے کھڑے کھڑے ہی انصاف [illegible] گیا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ ہم گھر سے خورونوش کا [illegible] زیادہ سامان لے کر چلے تھے جس میں سے ایک ٹوکری خانہ بدوش بچوں کو دے دینے کے بعد بھی کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ کھانے [illegible] بعد پھلوں کی باری آئی۔ تھرماس سے چائے کی پیالیاں بھر [illegible] جیپ میں اپنی نشستوں پر بیٹھنے پر مجبور ہوگئے کیونکہ بسیار [illegible] کے سبب سب پر سستی سوار ہونے لگی تھی۔

میں سخاوت کے جوش میں اپنی تمام سگریٹوں سے [illegible] ہوچکا تھا۔ کھانے پینے سے فارغ ہونے کے بعد تمباکو کی [illegible] نے شدت سے سر ابھارا تو مجھے افسوس ہوا کہ میں نے [illegible] سگریٹیں کیوں نہ روک لیں۔ یہ میرا اصل روپ تھا۔ [illegible] بدوش بچوں کے سامنے میں جو کچھ کررہا تھا وہ ایک جذباتی [illegible] نتیجہ تھا۔ ایسے جذباتی ابال دنیا کے بُرے سے بُرے انسان [illegible]

رایوں کو بھی اپنے جھاگوں میں چھپالیتے ہیں اور یہ جھاگ بیٹھ جانے کے بعد جو کچھ سامنے آتا ہے وہ انسان کا اصل روپ ہوتا ہے۔ اصل روپ میں آنے کے بعد انسان کو عموماً اپنے ان فیصلوں پر افسوس ہوتا ہے جو وہ جذباتی ابال میں آکر کر گزرتا ہے۔

میری محرومی خاصی ناپائیدار ثابت ہوئی۔ ویرا نے اپنے لئے سگریٹ سلگائی تو مجھے یاد آگیا کہ وہ بھی تمباکو نوشی کی عادی تھی اور اس کے کوٹے میں حصے دار بن کر میں اپنا وقت آسانی سے گزار سکتا تھا۔

وہاں سے روانگی کا آغاز ہم نے اپنی رائفلوں کی گونج میں کیا۔ اس وقت تیتروں کا شکار تلاش کرنا آسان نہیں تھا لیکن ہمارا مقصد شکار کھیلنے سے زیادہ' اس علاقے میں اپنی موجودگی کا جواز پیدا کرنا تھا جس کے بغیر کوٹ مندو کے جعلی آستانے کے محافظ ہماری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو کر ہمارے خون کے پیاسے بن سکتے تھے۔

رائفلوں کی بے مقصد چاند ماری میں کارتوسوں کا ایک پورا پیکٹ ضائع کرنے کے بعد ہمیں کل تین تیتر حاصل ہوئے جن میں سے ایک پہلے سے زخمی ہونے کے سبب پرواز کرنے سے قاصر تھا۔ اس کے داہنے پر کے پرانے زخم پر جمے ہوئے خون سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پہلے ہی کسی شکاری کی گولی کھا چکا تھا۔ بقیہ دونوں پرندے صحت یاب اور ترو تازہ تھے۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہم کوٹ مندو سے بہت قریب آچکے ہیں" محمود دھیمی اور تشویش آمیز آواز میں کہہ رہا تھا "یہاں سے بائیں طرف مڑ کر ہم کسی بھی لمحے کوٹ مندو پہنچ سکتے ہیں۔"

"جیپ روک لو!" میں نے اسے مشورہ دیا "ہم یہیں جیپ سے اتر کر کچھ دیر تک چاند ماری کی مشق کرتے ہیں۔ کچھ نہ ہوا تو تھوڑی دیر بعد واپسی کا سفر شروع کر دیں گے۔"

"یہاں دور دور تک شکار کا پتا نہیں ہے۔ یہاں کارتوس ضائع کر کے تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟" میری حکمتِ عملی سے ویرا پوری طرح مطمئن نہیں تھی۔

اس مرحلے پر میرے لئے یہ بتانا محال تھا کہ میں کیا سوچ رہا تھا کیونکہ میرے ذہن میں جو بھی مفروضات موجود تھے وہ سب ہی مبہم اور غیر واضح تھے اس لئے میں نے ویرا سے کہا "میں جو کہہ رہا ہوں' وہ کرتی چلی جاؤ یا پھر میں دستبردار ہو جاتا ہوں جو تم چاہو گی وہی کیا جائے گا۔"

اپنی مرضی سے مختلف سمتوں میں نکلنا ہمارے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ سب سے بڑا خطرہ یہی تھا کہ ہم ایک دوسرے کے ہاتھوں زخمی ہو سکتے تھے اس لئے ہم نے گھنے جنگل میں گھسنے کے بجائے جیپ کے چاروں طرف اپنی سمتیں متعین کیں اور وقفے وقفے سے فائر کرنے میں مصروف ہو گئے۔

پرندوں کے معاملے میں وہ علاقہ بالکل ہی یتیم نہیں تھا۔

تقریباً نصف گھنٹے میں ہم وہاں سے کئی تیتروں کے علاوہ دوسرے پرندے بھی مار لینے میں کامیاب ہو گئے لیکن ہم جتنی مقدار میں اپنے کارتوس ضائع کر رہے تھے اس کے اعتبار سے ... سارا کام جا رہے تھے اور اس وقت تک شکار کے علاوہ کوئی دوسری کامیابی بھی سامنے نہیں آئی تھی جو ہماری اشک شوئی کا بہانہ بن سکتی۔

پھر اچانک ہی فضا میں ایک نئی آواز گونجی جس نے ہم سب کو چونکا دیا۔ وہ کسی سب مشین گن کی ریٹ ٹریٹ کی آوازیں تھیں جو وقفے وقفے سے تین بار ابھریں اور آخری راؤنڈ کی گونج ختم ہونے سے پہلے ہی فضا میں ایک کرخت انسانی آواز گونجی اور ویرا دوڑتی ہوئی میرے پاس پہنچ گئی۔

"یہ کون ہے؟ کیا کہہ رہا ہے؟" اس نے ہانپتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"اسی کے انتظار میں' میں یہاں کارتوس برباد کر رہا تھا" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "وہ ہمیں اپنی زبان میں فائرنگ روک دینے کا حکم دے رہا ہے۔"

آہستہ آہستہ ہم چاروں جیپ کے قریب یکجا ہو گئے جہاں شکار کئے ہوئے پرندے موجود تھے۔

اسی وقت سب مشین گن کا برسٹ دوبارہ گونجا۔ آواز اس مرتبہ قدرے قریب آچکی تھی اور فائر آسمان کی سمت میں کئے گئے تھے کیونکہ کوئی گولی درختوں کے درمیان سے سرسراتی ہوئی نہیں گزری تھی۔

"تم کون ہو؟ سامنے آکر بات کرو! ہم نے فائرنگ روک دی ہے" میرا اشارہ پا کر محمود نے چیختے ہوئے کہا تاکہ اپنا پیغام نادیدہ حریف تک پہنچا سکے۔

"جہاں ہو' وہیں ٹھہرے رہو' ہم آرہے ہیں" دوسری طرف سے فوراً ہی پیغام کا جواب دے دیا گیا۔

"یہ کون ہو سکتے ہیں؟" ویرا مکالمات نہ سمجھنے کی وجہ سے صورتِ حال کے بارے میں الجھن کا شکار ہو رہی تھی۔

"یہاں ملا سرکار کے آدمیوں کو ہی اتنی بالادستی حاصل ہو سکتی ہے۔ چند ثانیوں بعد پوری صورتِ حال واضح ہو جائے گی۔ ہمیں فائرنگ روکنے کا حکم دے کر وہ اسی طرف آرہے ہیں۔"

"اگر انہوں نے ہمیں اپنا قیدی بنانے کی کوشش کی تو کیا ہو گا؟" ویرا نے پوچھا۔

"انہیں پتا چل جائے گا کہ چارے کے طور پر ہم ایک عورت کو بھی اپنے ساتھ لئے پھر رہے ہیں۔ ہمیں چھوڑ کر وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے اور تم کو اپنی حرکتوں سے ملا سرکار کی خانگی زندگی برباد کرنے کا سنہرا موقع مل جائے گا۔"

طویل وقفے کے بعد سلطان شاہ کو ویرا کو سلگانے کا موقع مل ہی گیا۔

ویرا بھڑک کر اسے غصیلی نظروں سے گھورنے لگی "یہ خرمستیوں کا وقت نہیں ہے" وہ غرائی۔

"تم نے سوال ہی ایسا کیا تھا کہ یہاں خر ہوتے تو وہ بھی مست ہو جاتے" سلطان شاہ اپنی رائفل کی نال میں جھانکتا ہوا ' بے پروائی سے بولا "آخر وہ تمہیں کیوں پکڑیں گے؟"
"میں اپنی نہیں ' ہم سب کی بات کر رہی ہوں" ویرا غصیلے لہجے میں بولی۔
"اوہ! میں سمجھا کہ تم صرف اپنے بارے میں فکر مند ہو رہی ہو۔"
میں نے قہربار نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے اسے پھٹکارا "اپنی چونچ بند رکھو۔ آنے والے ہمارے لئے پھولوں کے ہار لے کر نہیں آ رہے ہیں۔ اس وقت ہمیں ساری توجہ ان پر مرکوز رکھنا چاہئے۔"
وہ سعادت مندانہ انداز میں سر جھکا کر ویرا سے دو قدم دور چلا گیا۔
چند منٹ بعد سامنے کی جھاڑیوں اور درختوں میں سے ہیبت ناک چہروں والے دو لمبے تڑنگے افراد نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں موجود تھیں جن کے میگزین چڑھے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں پر پھیلی ہوئی درشتگی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اپنی مرضی کے خلاف کوئی بھی واقعہ رونما ہونے پر وہ خوں ریزی سے ذرا بھی دریغ نہیں کریں گے۔
ہم سب نے اپنی طرف سے امن و صلح کے جذبات کے اظہار میں پہلے ہی اپنی رائفلوں کے کندے زمین پر ٹکائے ہوئے تھے لیکن کسی بری صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے بھی تیار تھے۔
"تم لوگ کون ہو؟" آنے والوں نے ہم سے کچھ فاصلے پر رک کر سرد لہجے میں سوال کیا۔
"شکاری ہیں ' لیکن تم کون ہو اور ہماری تفریح میں کیوں خلل انداز ہو رہے ہو؟" محمود نے تیز لہجے میں سوال کیا۔ اس کا لہجہ بالکل اس شکاری کا سا تھا جسے زبردستی اس کے شوق سے روک دیا گیا ہو۔
"یہ ہمارا علاقہ ہے ' ہماری اجازت کے بغیر کوئی یہاں شکار نہیں کھیل سکتا" بولنے والے نے اپنی کلاشنکوف کی نال ہماری طرف لہراتے ہوئے کہا "اگر تم صرف شکار ہی کھیلنے کے لئے آئے ہو تو تمہاری دوربینیں کہاں ہیں؟"
"تیتروں کا شکار کھیلنے کے لئے کون سی دوربینوں کی ضرورت ہوتی ہے؟" محمود نے سوال کرنے والے کے طنز کو سمجھے بغیر قدرے حیرت سے سوال کیا۔
"دوربینوں کے بغیر تم یہاں تیتر کیسے تلاش کر رہے ہو؟" اس نے براہِ راست سوال کیا۔
"دوربینوں کے بغیر ہی ہم نے ان کا ڈھیر لگا لیا ہے" محمود نے اپنے قدموں میں پڑے ہوئے بے جان پرندوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "شکار اور شکاریوں پر کنٹرول کرنا صرف گیم وارڈن اور اس کے عملے کا کام ہوتا ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی کلاشنکوف نہیں دی جاتی۔ تم لوگ کون ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟"
"تم شکار کھیلنے کہاں سے آئے ہو؟" اسی شخص نے سوال کیا۔
"ہم رانی پور سے آئے ہیں" محمود کے اس جواب پر میں نے بے آرامی محسوس کی لیکن اس وقت اس کی تصحیح کرنے یا اسے لقمہ دینے کا کوئی موقع نہیں تھا اس لئے میں خاموش رہا۔
"تم پر شبہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ تم رانی پور سے یہاں آئے ہو۔ یہاں بھولا بھٹکا شکار ملتا ہے جب کہ رانی پور کے آس پاس کے بہتیرے علاقے شکار سے بھرے ہوئے ہیں۔"
"شکار کھیلنے کے ساتھ ساتھ ہم اندرونِ سندھ کی سیر بھی کرنا چاہتے تھے" اس نازک مرحلے پر مجھے بات سنبھالنا پڑی "راستے میں ہم نے کئی ایسے گاؤں دیکھے ہیں جہاں خوراک تک کوئی سہولت نہ ہونے کے باوجود لوگ رہ رہے ہیں اور حیرت کی بات ہے کہ زندہ بھی ہیں۔ شہروں میں رہ کر ہم ایسی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"
"تم کس شہر سے آئے ہو؟" اس نے مجھ سے اردو میں سوال کیا۔ اس کے لہجے میں یک بیک دلچسپی عود کر آئی تھی۔
"ہم سب لاہور سے آئے ہیں۔ ہمارا ادھر آنے کا کوئی خاص ارادہ نہیں تھا۔ یہ ہمارا میزبان ہے اور ہماری فرمائش پر جیپ آگے بڑھاتا چلا آیا۔ ہماری آمد سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہو تو ہم ابھی اور اسی وقت واپس جانے کے لئے تیار ہیں۔ چاہو تو ہم شکار کئے ہوئے پرندوں سے بھی دستبردار ہوئے جاتے ہیں۔"
میری مصالحانہ گفتگو نے ان دونوں پر ہی خوش گوار اثر کیا اور وہ اپنی رائفلوں کی نالیں نیچے جھکا کر ہمارے قریب آ گئے۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا "رانی پور میں تم کس کے مہمان ہو؟"
"منظور علی نیازی ہمارے میزبان ہیں۔ یہ انہی کا بڑا محمود علی نیازی ہے۔ یہ ادھر کا رہنے والا ہے اس لئے تمہاری باتوں پر بگڑ گیا تھا لیکن ہم کوئی بدمزگی پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم یہیں کہیں رہتے ہو۔"
"تم لوگ اس وقت کوٹ مندو کے قریب ہو۔ یہ علاقہ ملا سرکار کی جاگیر سمجھا جاتا ہے" اس نے عقیدت آمیز لہجے میں کہا "جاننے والے یہاں کبھی گولی نہیں چلاتے ' فائرنگ کے شور سے ملا سرکار کی عبادت اور مراقبے میں خلل پڑتا ہے۔ تم تو کافی دور سے فائرنگ کرتے چلے آ رہے ہو؟"
"ہاں ' ہم سارے راستے رائفلیں چلاتے ہوئے آئے

ں نے مجرمانہ انداز میں اعتراف کیا۔
"کیا تمہیں بھی ملا سرکار کے حضور میں آنے کے آداب علوم نہیں ہیں؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں محمود سے سوال یا۔
"میرے ابا جان 'ملا سرکار کے معتقد ہیں۔ مجھے اندازہ نہیں سکا تھا کہ میں کوٹ مندو کی طرف نکل آیا ہوں۔ پہلی دفعہ ان طراف میں آیا ہوں۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ملا سرکار فائرنگ ے شور کو ناپسند کرتے ہیں" میرے مصالحانہ رویے کو بھانپ کر مود نے بھی نرم لب ولہجہ اختیار کرنے میں عافیت سمجھی تھی۔
فائرنگ کے شور سے بے زاری کا اظہار 'ملا سرکار کا ایک نیا ھکوسلا تھا جس کا مقصد صرف یہی نظر آتا تھا کہ مسلح افراد کو اس ی کمین گاہ سے دور رکھا جائے۔ اپنے لوگوں میں احترام اور قیدت کا روگ پیدا کرنے کے ساتھ ہی اس نے اپنے حفاظتی صار کو بھی ہر ممکن حد تک محفوظ کیا ہوا تھا۔
"تم لوگ یہاں تک آ گئے ہو تو ملا سرکار کی زیارت بھی ضرور کرنا چاہو گے؟" اسی شخص نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا ں میں مکاری کا دور دور تک کوئی شائبہ نہیں تھا۔
وہ بہت ٹیڑھا سوال تھا۔ میں نے لمحہ بھر کے لئے جملہ مکانات پر غور کیا اور بلا توقف کہا "اس سے بڑی سعادت اور کیا سکتی ہے؟ لیکن ڈر ہے کہ ہم سے ان کی شان میں کوئی گستاخی نہ و جائے۔"
"ملا سرکار ہرا یرے غیرے سے نہیں ملتے" اس نے درے ترش روئی سے جواب دیا "تمہیں کوٹ مندو کی مسجد میں ہرنا ہوگا۔ ملا سرکار کی اجازت کے بغیر کوئی ان کے حجرے میں اخل نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے ملنے سے انکار کردیا تو تمہیں بے یل مرام واپس لوٹنا پڑے گا۔ ہم صرف کوشش کر سکتے ہیں۔"
"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟" میں نے بے خوفی کے ساتھ کہا۔ میں اس بدمعاش سے دو دو ہاتھ کرنے کا ہاتھ آیا ہوا موقع ضائع کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس جسارت میں بہت سے دیدہ اور مہلک خطرات بھی پوشیدہ تھے لیکن ہم لوگ پوری طرح ے مسلح تھے۔ مجھے امید تھی کہ کوئی برا وقت آیا تو ہم لڑ بھڑ کر اں سے نکلنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔
ہم نے شکار کئے ہوئے پرندوں کو ٹوکری میں ڈال لیا اور وہ دنوں بھی ہمارے ساتھ جیپ ہی میں لد گئے۔ افشائے راز کے ڈر ے میں نے ویرا کو محمود کے برابر والی نشست پر بٹھادیا تھا اور خود ان دونوں کے ساتھ پیچھے بیٹھ گیا تھا۔
"ہم کوٹ مندو کے قریب ہیں تو سرحد بھی یہاں سے قریب ی ہوگی؟" راستے میں میں نے ان سے پوچھا۔
"کوٹ مندو سے سرحد صرف پونے دو میل دور ہے" زیادہ بولنے والے نے جواب دیا "لیکن سائیں سرکار کے مرید سرحد پار بھی پھیلے ہوئے ہیں۔"
"تو کیا ملا سرکار مرید بھی بناتے ہیں؟" میں نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔
"وہ مرید نہیں بناتے لیکن جو بھی ان پر اعتقاد کرتا ہے' ہم لوگ اسے 'ان کا مرید ہی سمجھتے ہیں۔ سائیں سرکار بہت بڑی سرکار ہیں' وہ زبانی باتوں پر یقین نہیں کرتے۔ وہ تو لوگوں کے دلوں پر راج کرتے ہیں۔"
"لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ملا سرکار فائر کی آواز سے نفرت کرتے ہیں اور ان کے مرید کلاشنکوف لئے پھرتے ہیں" میں نے حوصلہ کرکے وہ ٹیڑھا سوال کر ہی ڈالا۔ اول تو ان سے گفتگو کرنے کے بعد میرا حوصلہ بہت بڑھ چکا تھا۔ دوم میرا خیال تھا کہ میں ان سے وہ منطقی سوال نہ کرتا تو وہ ہماری طرف سے مشکوک ہو سکتے تھے۔
"تم نے یہ سوال بہت دیر سے کیا ہے" وہ زور سے ہنسا تھا۔
"ڈر رہا تھا کہ کہیں تم سوال سنتے ہی مجھ پر گولی نہ چلا دو۔"
"سائیں سرکار کو ان سب باتوں کا علم نہیں ہے" وہ یکلخت سنجیدہ ہو گیا "یہ رائفلیں ہم نے دھونس کے لئے رکھی ہوئی ہیں۔ تم ہی بتاؤ کہ ہم نہتی حالت میں تمہیں للکارتے تو تم ہم سے کیا سلوک کرتے؟ ہماری بات سننے کے بجائے دو چار ہوائی فائر کرکے ہمیں وہاں سے بھاگنے پر مجبور کردیتے۔"
"لیکن تم نے تو ہمیں للکارنے سے پہلے فائر بھی کئے تھے؟" میں نے اسے یاد دلایا۔
"لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ وہ ہماری مجبوری تھی' فائر کئے بغیر ہم تمہیں ڈرا نہیں سکتے تھے۔"
جنگل میں سے گزرتا ہوا وہ پیچیدہ راستہ خاصا طویل ثابت ہوا۔ آخر کار جنگل سے نکلتے ہی ہمیں کچھ فاصلے پر آبادی کے آثار نظر آنے لگے۔ مٹی کے بنے ہوئے مکانوں پر مشتمل اس آبادی میں مسجد کا قدرے بلند مینار دور ہی سے نظر آرہا تھا۔
جیپ کو گاؤں کی طرف آتا ہوا دیکھ کر وہاں ہلچل سی مچ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہماری جیپ کی سیدھ میں کوٹ مندو کے چند معمر افراد دو مسلح آدمیوں کے ساتھ جم کر یوں کھڑے ہو گئے جیسے جیپ کو وہیں روک لینے کا تہیہ کر چکے ہوں۔
معمر افراد غصے میں ہاتھ ہلا ہلا کر ہمیں رک جانے کا اشارہ کر رہے تھے۔ مسلح نوجوانوں نے اپنی رائفلیں ہماری گاڑی کی طرف تان لی تھیں۔ ملا سرکار لمحہ بہ لمحہ ٹیڑھی کھیر بنتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس قدر مضبوط اور بھرپور حفاظتی انتظامات کی موجودگی میں اس تک رسائی واقعی آسان نظر نہیں آتی تھی۔
اپنے سامنے مشتعل قافلے کو صف آرا دیکھ کر محمود گھبرا گیا اور اس نے ایک جھٹکے سے جیپ روک لی۔
"چلتے رہو" ملا سرکار کے آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔

"ان کے قریب پہنچ کر جیپ کی رفتار کم کر لینا۔ ہمیں دیکھ کر وہ تم تو کچھ نہیں کہیں گے۔ ہم لوگ اپنے گاؤں کو اجنبیوں کی دستبرد سے بچانے کے لئے ہر وقت چوکنا رہتے ہیں۔"

محمود جیپ ان کے قریب تک لے گیا اور وہاں رفتار کم کر لی۔

ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے راستہ دینے کی ہدایت کی جس پر ایک مسلح شخص نے اپنا سر کھڑکی سے اندر ڈال کر انہیں دیکھا اور ہمیں کوٹ مندو کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ ان لوگوں کی مستعدی دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا تھا کہ کسی اور طریقے سے اس گاؤں میں داخل ہونا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا۔ اس وقت بھی ہم صرف اس لئے محفوظ و مامون تھے کہ ہمارا ملا سرکار سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ ہم تینوں سے باری باری ٹکرا چکا تھا اور ہماری ایک جھلک دیکھتے ہی ہمیں پہچان سکتا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوتا، یہ ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا لیکن اس سے فیصلہ کن مقابلے میں مرنے یا مارنے کے جذبے کے ساتھ میں نے وہ فیصلہ کر ہی لیا تھا۔

ملا سرکار اور اسی کے ساتھ، امکانی طور پر غزالہ سے سامنا ہونے کی توقع میرے لئے بہت زیادہ سنسنی خیز تھی۔ کوٹ مندو کوئی بہت بڑی آبادی نہیں تھی۔ وہاں مٹی کے تیس چالیس صاف ستھرے مکانات کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ بچے صاف ستھرے، صحت مند اور خوش حال نظر آرہے تھے۔ گاؤں کی حالت سے بھی آسودگی ظاہر ہو رہی تھی۔ یہ سب وہ نعمتیں تھیں جن کے لئے کوٹ مندو کے باسی ملا سرکار کی ذات کی برکات کے احسان مند تھے۔

ہمارے ساتھ والوں میں سے ایک نے محمود کو جیپ مسجد کی طرف لے جانے کی ہدایت کی تھی۔ محمود صورت حال سے خائف نظر آرہا تھا اس لئے گاؤں میں اس نے جیپ کی رفتار سست رکھی تھی۔ گاؤں کے باہر ہمارا استقبال کرنے والے دونوں مسلح نوجوان جیپ کے پہلوؤں سے لگے ہوئے مسجد کی طرف دوڑ رہے تھے۔ معمر افراد کا قافلہ جیپ کے پیچھے چلا آرہا تھا۔

مسجد کے سامنے ہم جیپ سے اترے تو یوں محسوس ہوا جیسے ہمیں محاصرے میں لے لیا گیا ہو۔ گاؤں والوں سے خیر سگالی کے اظہار میں ہم نے اپنی رائفلیں جیپ ہی میں چھوڑ دی تھیں۔ ہمارے اتر جانے کے بعد ایک مسلح نوجوان نے جیپ سے رائفلیں نکالنا شروع کیں تو میں نے اس کارروائی پر احتجاج کرتے ہوئے پہلی بار اپنی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی سنسناہٹ محسوس کی۔

ہمارے ساتھ آنے والے افراد میں سے بسیار گو شخص نے، جس کا نام یا عرفیت قلندر تھی، کہا "کوٹ مندو میں آنے والے مسلح اجنبیوں کو دشمن سمجھا جاتا ہے۔ تمہیں صرف اس لئے غیر مسلح کیا جا رہا ہے کہ ہم تمہارے ساتھ دوستوں اور مہمانوں جیسا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ جب تم واپس جاؤ گے تو رائفلیں تمہیں لوٹا دی جائیں گی۔"

"ہم تو ویسے ہی غیر مسلح ہیں، ہماری رائفلیں جیپ ہی میں رہنے دو۔ جیپ تمہاری نگرانی میں رہے گی" میں نے کہا۔

"ہم مجبور ہیں، ملا سرکار کے گاؤں میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے۔"

"اس دوران میں معمر افراد بھی وہاں پہنچ گئے، ہمارے گرد گاؤں کے بچے جمع ہونے لگے تھے۔ قلندر ان کی بھیڑ کو کاٹتا ہوا معمر افراد کے گروہ تک پہنچا اور وہ سب ہم سے دور رک کر دبی دبی راز دارانہ آوازوں میں باتیں کرنے لگے۔

چند ثانیوں بعد گاؤں کے معمر اور شاید معزز افراد کا وہ گروہ ہم تک آئے بغیر وہیں سے منتشر ہو گیا۔ بچوں کو قلندر کے ایک ساتھی نے ڈانٹ کر بھگا دیا اور وہ گاؤں کے وسطی میدان میں جمع ہو کر تماشا دیکھنے لگے۔

جو کچھ ہو رہا تھا اس پر ہمارا کوئی اختیار نہیں تھا لیکن یہ دیکھ کر مجھے یک گونہ اطمینان ہوا کہ ہماری جیپ میں موجود سامان کو مالِ غنیمت نہیں سمجھا گیا تھا۔ مسلح نوجوان نے چاروں رائفلوں پر قابض ہونے کے بعد جیپ کے دروازے بند کر دیئے تھے۔

قلندر کی رہنمائی میں جوتے اتار کر ہم مسجد میں داخل ہونے لگے تو قلندر نے اپنی کلاشنکوف شانے سے اتار کر مسجد کی سیڑھیوں پر رکھ دی، اس کے تینوں مسلح ساتھی وہیں رکے رہے۔

وہ نہایت عجیب و غریب صورتِ حال تھی کہ ایک جعلی مولوی یا پیر کے ایما پر، اسی کے غنڈے ہمیں خانۂ خدا میں قید کرنے لے جا رہے تھے اور ہم سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی مہر بہ لب رہنے پر مجبور تھے۔

"تم نے اپنی کلاشنکوف سیڑھیوں پر کیوں چھوڑ دی؟" میں نے مسجد میں داخل ہو کر قلندر سے پوچھا "اگر ہم چاروں تم سے لپٹ پڑیں تو تم ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔"

"تین باتیں ہیں" وہ مسکراتے ہوئے بولا "میں نماز نہیں پڑھتا مگر اللہ کے گھر کا پورا پورا احترام کرتا ہوں اس لئے اسلحہ اندر نہیں لایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم سب میرے مہمان اور مسلمان ہو، مسلمان خانۂ خدا میں کبھی فساد نہیں کرتا، تیسری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ باہر میرے تین مسلح ساتھی موجود ہیں اگر تم میرے ساتھ کوئی شرارت کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ آناً فاناً میں اندر آکر تمہارا حلیہ بگاڑ دیں گے۔"

"ہم میں سے کوئی ہندو بھی ہو سکتا ہے" میں نے ملا سرکار سے اس کے تعلق کی گہرائی کا اندازہ لگانے کے لئے شوشا چھوڑا۔

"اصل بات تیسری ہی ہے کہ ہم تمہارے مہمان نہیں بلکہ مسلح نگرانوں کے قیدی ہیں۔"

"جو چاہو' سمجھ لو۔ میں تمہیں مہمان ہی کہتا رہوں گا۔"
ے تبصرے پر اس نے کسی خاص ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا ے ظاہر ہو گیا کہ وہ بھی ملا سرکار کی مذہبی اصلیت سے بے ا

"ہمیں مسجد میں کب تک رہنا ہو گا؟" میں نے واحد کشادہ ے پر مشتمل اس خانۂ خدا کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا جس رش پر کھجور کی چٹائیوں کے بجائے دریاں بچھی ہوئی تھیں۔
"تم لوگ یہیں ٹھہرو' میں سائیں سرکار کی قدم بوسی کر کے وں۔ حکم ہو گیا تو ابھی تمہاری ملاقات کرادی جائے گی ورنہ انتظار کرنا ہو گا" اپنی بات پوری کر کے وہ مسجد سے واپس چلا

ہم چاروں دریوں پر بیٹھ گئے۔ مسجد سے نکاسی کا وہی ایک تھا جس سے ہم اندر داخل ہوئے تھے۔ روشنی اور ہوا کے لئے کی بیت والی دیوار میں دو کھڑکیاں تھیں جن پر رکاوٹ لئے جالیاں منڈھی ہوئی تھیں۔ مجبوری کے عالم میں ان ں کو پھاڑ کر یا اکھاڑ کر کھڑکیوں سے بھی فرار کی راہ اختیار کی تی تھی۔
"یہاں آکر تم نے بہت برا کیا" تخلیہ ہوتے ہی محمود مجھ پر پڑا "تمہیں ملا سرکار کی زیارت کا اتنا شوق کیوں ہو گیا کہ لا کر مروادیا؟ انہوں نے مکاری کے ساتھ ہمیں غیر مسلح ے قیدی بنا لیا ہے۔ اب دیکھو کہ یہاں سے کب جان چھوٹتی مجھے تو یہ سارا معاملہ ہی بہت پیچیدہ اور گڑبڑ نظر آرہا ہے۔"
"ملا سرکار سے سامنا ہونے کے بعد جو کچھ ہو گا' وہ تم اچھی جانتے ہو" دیرا بولی "وہ مجھے بھی پہچان لے گا۔"
"ہائیں!" حیرت سے محمود کی آنکھیں اس کی پیشانی پر چڑھ "تو کیا وہ تمہیں پہلے سے جانتا ہے؟"
"ہم اسے اور وہ ہم سب کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اسی لئے کراچی سے اس بدمعاش کی بو سونگھتے ہوئے یہاں تک آئے ورنہ ہمیں منظور ماموں کو زحمت دینے کی کیا ضرورت تھی؟"
"مروادیا" وہ کربناک آواز میں کراہا "اگر تمہاری اس سے دشمنی چل رہی ہے تو تمہیں آنکھیں بند کر کے اس اندھے یں میں چھلانگ نہیں لگانا چاہئے تھی۔ انہوں نے ہمیں نہتا ہے۔ اب وہ ہمارے ساتھ من مانا سلوک کرے گا۔ مجھے تو ہے کہ وہ کھلے میدان میں ہی ہم کو گولیوں سے چھلنی کرادے گا۔"
"تم مان لو کہ تم سے غلطی ہوئی ہے" دیرا ابھی اس صورتِ پر خاصی فکرمند نظر آرہی تھی "دشمن کو مارنے کے لئے ی اور مکاری سے کام لینا پڑتا ہے۔ تم تو اس طرح نادیدہ نوں سے بندھے ہوئے یہاں چلے آئے ہو جیسے ملا سرکار کو ٹ منڈو میں دیکھ لینا ہی تمہارا سب سے بڑا مقصد ہے۔"
"ہتھیاروں کے بغیر ہم ان سنگدل بدمعاشوں کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے؟" محمود اپنی مجبوری اور بے چارگی کے احساس سے نڈھال ہوا جا رہا تھا۔
میرے لئے ان لوگوں کی کسی بات کا جواب دینا ممکن نہیں تھا۔

کوٹ منڈو پہنچ کر میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ملا سرکار کی کمین گاہ پر چوری چھپے حملہ آور ہونا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔ اس پر ہاتھ ڈالنے کے لئے کسی بڑے لشکر کے ساتھ کوٹ منڈو کی رازدارانہ ناکہ بندی ضروری تھی یا پھر ان لوگوں کے درمیان میں پہنچ کر صورتِ حال کے مطابق کوئی راہ نکالی جاسکتی تھی۔
ملا سرکار نے کوٹ منڈو میں جو ڈھونگ رچایا ہوا تھا' اس کی روشنی میں مجھے امید نہیں تھی کہ وہ مشتعل ہو کر گاؤں میں ہی ہمارے قتلِ عام کا کوئی خطرہ مول لے گا۔ اس کے مسلح جاں نثاروں میں ایک آدھ کو اس کے اصل عزائم کا اندازہ ہو سکتا تھا لیکن دوسرے تمام لوگوں کے لئے وہ ایک راست باز اور پارسا آدمی بنا ہوا تھا جو دنیاداری کے بکھیڑوں سے قطعاً بے نیاز تھا۔ ایسی صورت میں اگر وہ کھلے بندوں ہم سے اپنی پرانی دشمنی کا اعتراف کرتا تو اس کی برسوں کی بنی بنائی ساکھ چند لمحوں میں تباہ ہو سکتی تھی۔ اس کے کسی بھی ظالمانہ فعل پر کوٹ منڈو کے سادہ لوح اور معصوم دیہاتی اس کی طرف سے بدظن ہو سکتے تھے اس لئے میں محمود کے خدشات سے ذرا بھی متفق نہیں تھا۔
مجھے ڈر یہ تھا کہ ملا سرکار ہمیں پہچان کر ہمارا اسلحہ ضبط کر کے ہمیں کوٹ منڈو سے فوراً نکل جانے کا حکم دے سکتا تھا۔ اس طرح اس کے پیروکار اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے تھے کہ ان کے پیر نے اپنی روحانی قوت کے زور سے اجنبی مہمانوں کے گندے باطن کا سراغ لگا کر پھٹکار دیا ہے۔ اسی کے ساتھ وہ اپنے مسلح آدمیوں کو ہمارے پیچھے لگا دیتا۔ وہ لوگ کوٹ منڈو سے دور کسی ویرانے میں گھیر کر ہمیں آسانی سے ٹھکانے لگا سکتے تھے۔
ان لوگوں کا خیال تھا کہ ہم بالکل ہی غیر مسلح ہو چکے تھے لیکن میرے پاس بیم گن موجود تھی جو ضرورت پیش آنے پر کھیل کا پانسہ میرے حق میں پلٹ سکتی تھی۔ مشکل یہ تھی کہ اس کی رینج بہت کم تھی۔ اس سے میں کسی دست بدست مقابلے میں ہی کام لے سکتا تھا' اس سے آگے بیم گن کی وقعت لوہے کے ایک ٹکڑے سے زیادہ نہیں تھی۔
"ابھی ہمیں صبر اور سکون کے ساتھ حالات کا جائزہ لینا چاہئے" میں نے ان سے کہا "آنے والا وقت ہی بتا سکے گا کہ ہم سے کسی غلطی کا ارتکاب ہوا ہے یا ہم صحیح راہ پر ہیں۔"
"اس قدر مخدوش حالات میں ہم کیسے پرسکون رہ سکتے ہیں؟" محمود وحشت زدہ لہجے میں بولا۔
"تم لیٹ کر آرام کرو' میرا خیال ہے کہ طویل ڈرائیونگ نے تمہارے اعصاب پر برا اثر ڈالا ہے" میں نے خشک لہجے میں

کہا "جو کچھ ہونا ہے وہ ہم سب کے ساتھ ہوگا۔ اس کشتی میں تم اکیلے نہیں ہو۔"

میں نے ویرا سے ایک سگریٹ لی اور ان تینوں کو وہیں چھوڑ کر جائزہ لینے کے لئے مسجد سے نکاسی کے راستے کی طرف ہولیا جہاں مسلح محافظوں کی موجودگی کا امکان تھا۔

گاؤں میں ملنے والے دونوں نوجوان ہماری جیپ سے ٹیک لگائے دروازے ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی ان میں سے ایک لپک کر میری طرف آیا تھا۔

"تم اندر ہی ٹھہرو! تمہیں باہر آنے کی اجازت نہیں ہے" اس نے درشت لہجے میں کہا۔

"یہ بتاؤ کہ ہم یہاں مہمان ہیں یا قیدی بنالئے گئے ہیں؟"

میں نے قدرے برہمی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا "ہم بے وضو لوگوں کو تم نے خانۂ خدا میں ڈال دیا ہے۔ اندر تو ہم سگریٹ تک نہیں پی سکتے۔ اس کے لئے ہمیں تھوڑے وقفے سے باہر آنا ہی ہوگا" یہ کہتے ہوئے میں نے ہاتھ میں موجود سگریٹ ہونٹوں میں دبالی۔

اس لڑکے کے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا ہوگئے۔ میں نے بے پروائی سے سگریٹ سلگالی۔

"سگریٹ پی لو" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں کچھ نہیں کہہ سکتا، تمہارے سوالات کے جواب قلندر ہی دے سکے گا لیکن میرا خیال ہے کہ باہر آکر سگریٹ پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"میں نے سنا ہے کہ مُلاّ سرکار کو آتشیں اسلحے بلکہ گولیوں کی آواز تک سے نفرت ہے لیکن تم لوگ گاؤں میں کھلے بندوں اسلحہ لئے پھر رہے ہو۔ اس پر تم سے کوئی باز پرس نہیں کی جاتی؟" میں نے سگریٹ کے چند گہرے کش لے کر قدرے دوستانہ لہجے میں اس سے سوال کیا۔ اس کا دوسرا ساتھی ٹہلتا ہوا چند قدم دور چلا گیا تھا۔

"ہمیں اسلحے کی سرعام نمائش کی اجازت نہیں ہے۔ آج ہم نے مجبوری کے عالم میں اپنی گنیں شانوں سے لٹکائی ہیں کیونکہ کوٹ مندو کو اجنبیوں کی یلغار سے بچانا ہمارا پہلا فرض ہے۔"

"یعنی تم اپنا اسلحہ چھپا کر رکھتے ہو؟" میں نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ہم چاروں اس گاؤں کے محافظ ہیں" اس نے مجھے سمجھانے کی نیت سے کہا "سرحد پار سے آنے والے ڈاکو، آس پاس کے دیہاتوں میں آئے دن لوٹ مار مچاتے رہتے ہیں۔ ان سے بچاؤ کے لئے ہمیں اسلحہ رکھنا پڑتا ہے لیکن مُلاّ سرکار کی برکت سے ہمیں آج تک اس کے استعمال کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ مُلاّ سرکار انسان تو کیا، بے زبان جانوروں اور پرندوں تک کا خون بہانے کے خلاف ہیں لیکن اسی کے ساتھ انہیں اپنے گاؤں کے لوگ بھی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔"

"اس دور افتادہ گاؤں میں یہ جدید شہری اسلحہ کہاں سے آیا ہے؟" میں اس سے دوستی گانٹھ کر زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔

"یہاں ہمیں دنیا کی ساری نعمتیں مل جاتی ہیں۔ مُلاّ کے عقیدت مند دور دور سے آتے ہیں اور نذرانوں میں اناج، کپڑے سے خشک بیٹریوں تک ہر چیز لاتے ہیں۔ کوٹ مندو میں تمہیں بیٹری سے چلنے والے ریڈیو بھی ملیں گے۔ مُلاّ سرکار نذرانے میں ملنے والی ہر چیز اپنے لوگوں میں بانٹ دیتے ہیں۔"

"مُلاّ سرکار کا حجرہ کہاں ہے؟" میں نے نتھنوں سے سگریٹ کا دھواں خارج کرتے ہوئے پُر اشتیاق لہجے میں سوال کیا۔ میں بھی اس مقدس ہستی کی زیارت کے شوق میں مرا جا رہا تھا۔

"وہ ہے" اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ بھی مٹی کا بنا ہوا ایک مکان تھا جس کے باہر گیروے لباس میں چند موٹے موٹے فقیر منڈلا رہے تھے اور اسی طرف سے قلندر ہماری طرف چلا آرہا تھا۔

"مُلاّ سرکار ہر وقت اسی حجرے میں رہتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ اس گاؤں کے عام لوگوں میں گھل مل کر رہتے ہیں۔ خاص عبادتوں اور چلہ کشی کے لئے اپنے حجرے میں جاتے ہیں۔ اس وقت انہیں تنہائی کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کی اجازت کے بغیر کوئی ان کے حجرے میں داخل نہیں ہوتا۔"

"تو کیا وہ آج بھی اپنے حجرے میں ہیں؟" قلندر کے آنے سے پہلے میں اس سے زیادہ سے زیادہ معلومات اگلوانا چاہ رہا تھا۔

"وہ حجرے میں ہی رہتے ہیں، اعتکاف اور چلے کے وقت اپنے خدمت گاروں کو ہدایت دے دیتے ہیں۔ اس وقت ان کی اجازت کے بغیر کوئی اندر داخل نہیں ہوتا۔"

میں اس سے چند قدم دور چلا گیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ قلندر اس کے ساتھ میری گفتگو سے آگاہ ہوسکے۔

"تم باہر کیا کررہے ہو؟" قلندر نے آتے ہی مجھ سے تند لہجے میں سوال کیا تھا۔

"یہ سگریٹ پینے کے لئے مسجد سے باہر آیا ہے" مجھ سے پہلے ہی محافظ بول پڑا۔

"مسجد میں ہمیں کتنی دیر رہنا ہوگا؟" میں نے بے زاری کے ساتھ سوال کیا "یہاں ہمیں اپنے معمولات کے سلسلے میں کافی احتیاط کرنا پڑ رہی ہے۔"

"تمہیں آج کی رات یہیں بسر کرنا ہوگی۔ مُلاّ سرکار مراقبے میں چلے گئے ہیں۔ ان کے حجرے سے کوئی جواب نہیں مل

قلندر نے مجھے آگاہ کیا "تمہارے کھانے پینے کا انتظام ہمارے ذمے ہو گا۔"

"مشکل یہ ہے کہ ہم یہاں نہیں رک سکتے" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا "اگر ہم اندھیرا پھیلنے سے قبل گھر واپس نہ لوٹے تو ہمارے میزبان فکر مند ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پولیس کو ہماری گم شدگی سے آگاہ کر دیں۔ ہمیں واپس جانا ہو گا' مُلا سرکار کی زیارت کے لئے ہم ایک آدھ روز بعد آجائیں گے۔"

میری تجویز پر قلندر کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے سے فکر مندی کے آثار ہویدا تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ مُلا سرکار کے سامنے ہماری پیشی کرائے بغیر ہمیں چھٹی دینے پر آمادہ نہیں تھا لیکن اس کے ساتھ اس کے پاس کوئی ایسا جواز نہیں تھا جس کی مدد سے وہ ہمیں خوش اسلوبی کے ساتھ وہیں رکنے پر مجبور کر سکے۔

سگریٹ ختم ہونے پر میں مسجد میں واخل ہوا تو قلندر میرے ساتھ تھا۔

"جیپ کی چابی مجھے دے دو۔ میں سوچتا ہوں کہ تمہارے لئے کیا بہتر رہے گا" اندر پہنچ کر اس نے ایک نیا مطالبہ پیش کر دیا جو خطرے کی گھنٹی سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ پہلے مرحلے میں انہوں نے رائفلوں پر قبضہ کر کے ہمیں غیر مسلح کیا تھا اور اب جیپ کی چابی لے کر ہمارے فرار کی راہ بھی مسدود کی جا رہی تھی۔

میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی محمود نے اپنی جیب سے چابی نکال کر قلندر کو پیش کر دی اور میں اسے قہربار نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

"جیپ سے شکار کئے ہوئے پرندوں کی ٹوکری نکال کر انہیں صاف کروالو۔ باقی کسی چیز کو نہ چھیڑا جائے۔ ہماری جیپ ہماری نظروں کے سامنے رہنی چاہئے" محمود نے چابی دیتے ہوئے کہا تھا۔

"تم فکر نہ کرو" چابی قبضے میں لے کر قلندر مطمئن ہو گیا تھا۔ "جیپ یہیں رہے گی اور کھلی رہے گی تاکہ تم اس میں سے اپنی ضرورت کی چیزیں نکال سکو۔ تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ ہوتے ہی چابی واپس دے دی جائے گی۔"

ہمیں طفل تسلیاں دے کر قلندر واپس چلا گیا اور میں محمود پر برس پڑا۔ میری دانست میں چابی سے ہاتھ دھو کر اس نے ایک سنگین حماقت کا ارتکاب کیا تھا اور ہماری گلو خلاصی کی رہی سہی امید بھی خاک میں ملا دی تھی۔

"فکر نہ کرو' میرے پاس دوسری چابی بھی موجود ہے۔" اس نے یہ انکشاف کر کے مجھے حیران کر دیا "ایسی تفریحات میں چابی اندر بھول کر گاڑی لاک کر دینا معمولات میں شامل ہوتا ہے اسی لئے میں ڈپلی کیٹ چابی بھی لے آیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ قلندر کے مطمئن ہو جانے کے بعد ہماری مشکل آسان ہو گئی ہے۔ تم جب چاہو' جیپ لے کر نکل سکتے ہو۔"

کوٹ مندو کی صورت حال میرے لئے بہت زیادہ پریشان کن اور تشویش ناک تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ مُلا سرکار مراقبے کا سوانگ رچا کر اپنے حجرے سے کہیں غائب ہو چکا تھا۔ ان لوگوں کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ہمارے گاؤں میں لائے جانے تک مُلا سرکار مراقبے میں نہیں گیا تھا اس لئے مجھے شبہ ہونے لگا کہ اس نے اپنے حجرے کے کسی جھروکے سے ہمیں دیکھ کر پہچان لیا تھا اور کوٹ مندو میں ہمارا سامنا کرنے کے بجائے خفیہ طور پر کہیں غائب ہو گیا تھا۔

کوٹ مندو میں اس بد طینت ہندو نے ایک متقی اور پرہیز گار مسلمان کا روپ دھار کر لوگوں میں اپنی ساکھ بنائی ہوئی تھی اور کسی خوں ریز معرکے میں ان سادہ لوح مقامیوں کی مدد لے کر وہ اپنا بھرم نہیں کھونا چاہتا تھا اس لئے قوی امکان یہی تھا کہ کوٹ مندو سے غائب ہو کر اس نے سرحد پار سے اپنے ایجنٹوں کی کمک طلب کرنے کی کوشش کی ہو گی تاکہ مقامیوں کو ملوث کر کے ہمارا قصہ تمام کر سکے۔ اس کے غیر ملکی ساتھی کوٹ مندو کی مسجد پر بھی حملہ آور ہو سکتے تھے۔ بعد میں مُلا سرکار اس منظم سازش کو معصومانہ انداز میں سرحد پار کے ڈاکوؤں کا حملہ قرار دے کر اپنی گردن اور ساکھ بچا سکتا تھا۔

اگر میرے وہ قیاسات درست تھے تو ہمارے لئے وقت کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ہمیں جو کچھ کرنا تھا' مُلا سرکار کی تیاریاں مکمل ہونے سے پہلے کر گزرنا تھا تاکہ اسے ہمارا راستہ کاٹنے کی مہلت نہ مل سکے۔

جیپ کی دوسری چابی بے شک ہماری تحویل میں تھی لیکن ہماری رائفلیں قلندر کے قبضے میں تھیں جنہیں واپس لینا ناممکنات میں سے تھا۔ لمبی رینج کے اسلحے کے مقابلے میں ہم گن کا ہونا نہ ہونا یکساں تھا۔ اس لئے فرار ہوتے ہوئے ہم لازمی طور پر غیر مسلح ہوتے۔ اگر مُلا سرکار کے مسلح ایجنٹ ہمیں روکنے میں کامیاب ہو جاتے تو ہم ان کے سامنے بالکل بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے۔

ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ظہر کی نماز ہو چکی تھی۔ دن ڈھل رہا تھا اور عصر کے وقت مسجد دوبارہ آباد ہونے والی تھی اس لئے میں نے کچھ دیر تک غور و فکر کے بعد کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں سگریٹ نوشی کے بہانے باہر ہو آیا تھا۔ میرے بار بار باہر جانے پر محافظ چوکنا ہو سکتے تھے۔ ویرا مردانہ لباس میں چھپی ہوئی عورت تھی اس لئے میں اسے پس منظر میں رکھنا چاہتا تھا۔ سلطان شاہ اور محمود تمباکو نوشی سے بالکل پرہیز کرتے تھے۔ اس وقت مجبوری درپیش تھی اس لئے میں نے سگریٹ دے کر سلطان

شاہ کو اپنی حکمتِ عملی سمجھائی اور وہ سرہلاتا ہوا باہر چل دیا۔

"تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" ویرا میری پُراسرار سرگرمیوں پر زیادہ دیر تک خاموش نہ رہ سکی۔

"ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے اس مسجد میں بیٹھے رہے تو ہندوستانی ڈاکو شب خون مار کر ہمیں ہلاک کردیں گے یا پکڑ کر لے جائیں گے اس لئے ہمیں فوری طور پر یہاں سے نکل بھاگنا چاہئے۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا "مُلّا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کا اچانک غائب ہونا خالی از علت نہیں ہے۔"

"وہ ایک بہت بڑے منصوبے پر کام کررہا ہے۔ یہاں بے سروسامانی کے عالم میں تو نہیں بیٹھا ہوا ہوگا۔ اس کے پاس جدید مواصلاتی سہولتیں موجود ہیں۔ وہ ٹرانسمیٹر پر بھی اپنے آدمیوں سے بات کرسکتا تھا۔"

"میں نے کب کہا کہ وہ دوڑتا ہوا سرحد پار چلا جائے گا؟ وہ اس علاقے کا کیڑا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے سرحدی ویرانے میں اپنا کوئی مواصلاتی مرکز بنایا ہوا ہو جہاں بلیک کیٹس کے ایجنٹ رہتے ہوں۔ خفیہ پیغام رسانی کے لئے وہ اپنے اسی اڈے کو استعمال کرتا ہوگا' ہوسکتا ہے کہ غزالہ کو بھی وہیں رکھا گیا ہو۔"

"تمہارا نظریہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن ہم بالکل نہتے ہوچکے ہیں' مسلح محافظوں پر اوچھا ہاتھ پڑا تو وہ شور مچا کر آناً فاناً پورے گاؤں کو جمع کرلیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ بیم گن میرے پاس ہے' کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکے گا کہ محافظوں پر کیا گزری ہے۔ ان کی کلاشنکوف رائفلیں ہاتھ آجانے کے بعد شاید ہم مُلّا سرکار کے حجرے پر بھی ہلا بول سکیں گے۔"

"ارے باپ رے!" ہماری گفتگو سن کر محمود بوکھلا گیا "تم لوگ کشت وخون کے منصوبے بنا رہے ہو۔ پتا نہیں وہ کون سی منحوس گھڑی تھی جب میں نے تمہارے ساتھ آنے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔"

"تم نے ویرا سے اظہارِ عشق کرکے اس کی لات نہ کھائی ہوتی تو اس وقت اپنے ابا جان کے ساتھ آرام کررہے ہوتے۔ اب عورتوں کی طرح رینکنا بند کرو اور ہمیں پروگرام طے کرنے دو۔"

"تم نے قلندر اور اس کے ساتھی کو یہ بھی بتادیا تھا کہ تم ابا جان کے مہمان ہو" محمود رندھی ہوئی آواز میں بولا "تم تو یہاں قتل وخون ریزی کرکے چلے جاؤ گے مگر مُلّا سرکار ہماری زندگیاں اجیرن بنادے گا۔ ابا جان کو پتا چل گیا کہ اس کھیل میں' میں بھی تمہارے ساتھ تھا تو وہ کھڑے کھڑے مجھے شوٹ کردیں گے۔"

"شوٹ کردیں گے تو تم کراچی چلے آنا' تمہارا نان نفقہ ہم اپنے ذمے لے لیں گے۔"

"تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور میری جان پر بنی ہوئی ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں گا؟ کہاں جاؤں گا؟" آنے والے بھیانک لمحات کا تصور کرکے اس کے اعصاب ناکارہ ہوتے جارہے تھے۔

"فی الحال میانے کے بجائے خاموش بیٹھے رہو۔ ہم اگر یہاں سے زندہ وسلامت نکلنے میں کامیاب ہوگئے تو یہ باتیں راستے میں بھی طے کی جاسکتی ہیں۔ مُلّا سرکار سے ہمارے مراسم جو بھی ہے ہوں لیکن تم جانتے ہو کہ وہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ ہم کامیاب ہوگئے تو یہ علاقہ ہمیشہ کے لئے اس درندے کے ... سے آزاد ہوجائے گا۔"

چند منٹ بعد سلطان شاہ کھانستا اور بُرے بُرے منہ بناتا ہوا واپس آگیا۔

"سگریٹ پینے سے تو بہتر ہے کہ نیم کی چھال چبالی جائے" اس نے آتے ہی کہا تھا۔

"مجبوری میں سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ باہر کی کیا خبریں ہیں؟"

"باہر ڈیوٹی بدل چکی ہے۔ دونوں لڑکے کھانا کھانے گئے ہیں قلندر جیپ میں بیٹھا چرس پی رہا ہے۔ اس کا ساتھی مسجد کی دیوار کے سائے میں پڑا سو رہا ہے۔"

میرے لئے وہ بہت بڑی خبر تھی۔ دونوں لڑکوں کے مقابلے میں قلندر اور اس کا ساتھی میرے لئے زیادہ اہم تھے کیونکہ انہیں ہمارے اور منظور ماموں کے تعلق کا علم ہوچکا تھا۔ مجھے امید تھی کہ ان دونوں نے وہ بات بستی میں کسی اور کو بتانا ضروری نہ سمجھی ہوگی اور اگر انہیں ماردیا جاتا تو وہ راز ہمیشہ کے لئے ان کے سینوں میں دفن ہوجاتا۔

میں نے بیم گن اندرونی جیب سے نکال کر اپنی جیکٹ کی بیرونی جیب میں ڈالی اور پھر ویرا کو ساتھ لے کر مسجد سے باہر چل دیا جہاں قلندر شاید اپنی موت کا انتظار کررہا تھا۔

"اگر اس نے تمہیں اپنے قریب نہ آنے دیا تو کیا کروگے" ویرا نے پوچھا۔

"یہ کام تمہیں کرنا ہوگا" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "کسی طرح اسے شک میں ڈال دو کہ تم مرد نہیں بلکہ عورت ہو۔ وہ تجسس میں مبتلا ہوکر تمہارے پیچھے لگ جائے گا اور میں اپنا کام کرلوں گا۔"

مسجد سے باہر نکلتے ہوئے ویرا نے اپنی جیکٹ کے بٹن کھول لئے۔ قلندر جیپ میں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ باہر آکر ... نے دیا سلائی سے اپنی اور ویرا کی سگریٹ روشن کی تو وہ ہماری خوری کے مقصد سے مطمئن ہوگیا۔

اسی لمحے ہوا سے ویرا کی جیکٹ پھڑپھڑائی اور قلندر کے وجود میں بجلی سی دوڑ گئی۔ وہ جیپ سے اتر کر تیر کی طرح ویرا کی طرف لپکا تھا "ت... تم عورت ہو؟" اس نے ویرا کا ہاتھ تھام کر حیرت سے پوچھا تھا۔

ویرا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں مسکرانے لگی اور چرس کے نشے میں مخمور' قلندر کی کھوپڑی میں یک بیک آسمانوں میں پرواز کرنے لگی "تم مجھے کیا سمجھ رہے تھے؟" ویرا نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوئی کوشش کئے بغیر اٹھلاتے ہوئے سوال کیا۔

اس وقت میدان میں چند بچے کھیل رہے تھے' باقی ہر طرف سناٹا تھا۔

قلندر نے کچھ بدبداتے ہوئے ویرا کے قریب ہونے کی کوشش کی اور اسی اثنا میں' میں اس کے عقب میں پہنچ گیا۔ بیم گن کی نال اس کی پشت سے بمشکل ایک انچ کے فاصلے پر رکھ کر میں نے اس کے دل کے مقام پر فائر کردیا۔ بیم گن کے باریک دہانے سے نیلگوں شعاع کی ایک دھار نکلی اور قلندر کے وجود میں معدوم ہوگئی۔

وہ ایک خفیف سی ہچکی لے کر ویرا پر گرا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اپنا سر ویرا کے شانے پر ٹکا کر کھڑا ہوا ہو۔ ویرا نے بہت مضبوطی کے ساتھ قدم جما کے قلندر کے بھاری وجود کی جھونک سنبھالی تھی۔

میں نے ادھر اُدھر نظریں دوڑا کر پھرتی کے ساتھ قلندر کے شانے سے جھولتی ہوئی کلاشنکوف پر قبضہ کیا اور ویرا کی مدد سے اسے زمین پر ڈال دیا۔ ایک خوبرو عورت سے قریب ہونے کی تحیرآمیز خوشی قلندر کے چہرے پر امر ہوگئی تھی۔

ویرا اس کی جیبوں کی تلاشی لے کر فاضل گولیوں پر قبضہ کرنے لگی اور میں پنجوں کے بل اس بدنصیب کی طرف بڑھ گیا جو مسجد کی دیوار کے سائے میں اپنے انجام سے بے خبر گہری نیند سو رہا تھا۔

بیم گن کی مہلک دھار نے اس کے سینے سے دل میں اتر کر اتنی تیزی کے ساتھ اپنا کام دکھایا کہ اسے بیدار ہونے کا موقع بھی نہ مل سکا اور وہ سوتے سوتے ہی موت کی آغوش میں پہنچ گیا۔

وہ مرحلہ میری توقع سے کہیں زیادہ تیزی اور آسانی کے ساتھ سر ہوگیا تھا۔ دو کلاشنکوف رائفلیں اور ان کے کافی فاضل راؤنڈز ہاتھ آجانے کے بعد ہماری پوزیشن بہت بہتر ہوگئی تھی۔ اگر اس گاؤں میں کل چار مسلح محافظ تھے تو اس وقت مقابلہ برابر کا ہوگیا تھا۔

ویرا نے ہولے سے سلطان شاہ کو آواز دی۔ وہ ہماری طرف سے اشارے کا منتظر تھا۔ فوراً ہی محمود کے ساتھ مسجد سے باہر آگیا۔ محمود نے زمین پر پڑی ہوئی دونوں لاشوں کو خوف زدہ نظروں سے دیکھا تھا لیکن زبان سے کچھ کہے بغیر جلدی سے جیپ میں سوار ہوگیا۔ اس بار جیپ کی چابی میں نے اپنے قبضے میں لے لی تھی۔ میرا خیال تھا کہ محمود صحیح طور پر ڈرائیونگ نہیں کرسکے گا۔

ویرا ایک کلاشنکوف لے کر میرے برابر میں بیٹھ گئی تھی۔ دوسری کلاشنکوف سلطان شاہ کے قبضے میں تھی۔ جیپ حرکت میں آتے ہی مُلاّ سرکار کے حجرے کی طرف کئی گیروے لبادے فضا میں پھڑپھڑائے تھے۔ شاید قلندر نے انہیں بھی جیپ پر نگاہ رکھنے کی ہدایت کی ہوئی تھی' جب ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھے تھے۔

انہوں نے مسجد بلکہ جیپ کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ میں نے اسٹیئرنگ کاٹ کر جیپ مُلاّ سرکار کے حجرے کی طرف گھمائی۔ گیروے لبادوں والے ملنگ شاید چیختے چلاّتے ہوئے ہماری طرف آرہے تھے کیونکہ گاؤں کے بیشتر مکانات سے مرد' عورتیں اور بچے باہر آنے جانے لگے تھے۔ ان سب کی نگاہیں ہماری جیپ کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

وہ بہت خطرناک صورتِ حال تھی۔ اگر گاؤں کے معصوم اور بے گناہ باشندے اپنے گھروں کو چھوڑ کر ایک بار کھلے میدان میں نکل آتے تو ہمارا کام بہت پیچیدہ ہوسکتا تھا۔ کوٹ مندو کے عام باسیوں سے ہمیں کوئی پرخاش نہیں تھی۔ نہ ہم ان امن پسند لوگوں کا خون بہانا چاہتے تھے لیکن ان کی پھیلائی ہوئی افراتفری

کی آڑ لے کر باقی رہ جانے والے دو مسلح افراد ہمارے لئے مشکلات پیدا کرسکتے تھے۔

"ہوائی فائر کرو" میں نے جیپ کی رفتار بڑھاتے ہوئے ویرا سے کہا۔

اس نے کلاشنکوف کی نال کھڑکی سے نکال کر تین فائر کئے اور خوف زدہ دیہاتی جتنی تیزی سے نمودار ہوئے تھے اس سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ اپنے گھروں میں غائب ہوگئے۔

گیروے لبادوں والے مسٹنڈے ملنگ فائرنگ کا شور سنتے ہی پلٹ کر مکانوں کی طرف بھاگے تھے۔ اپنے حد سے بڑھے ہوئے وزن کی وجہ سے ان کے لئے بھاگنا دشوار ہورہا تھا۔ وہ بار بار گر کر اٹھ رہے تھے۔ ایک ملنگ ان جاں گسل کوششوں میں اپنے لبادے سے محروم ہوکر اپنے فطری لباس میں بھاگا جارہا تھا۔ ہمارا ان سے بھی کوئی جھگڑا نہیں تھا لیکن اپنے جعلی پیر کی طرح انہیں بھی ہمارے دلوں کا حال معلوم نہیں تھا اس لئے وہ اپنی دانست میں دشمن سے اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ رہے تھے۔

اس دوران میں دونوں محافظ لڑکے اپنی کمین گاہوں سے نکل کر مکانوں کے درمیان پوزیشن لے چکے تھے اور ہماری جیپ کی طرف گولیاں چلارہے تھے لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کے باعث ان کی گولیاں رائیگاں جارہی تھیں۔

ملاّ سرکار کے حجرے کے قریب ایک تناور درخت کی چھاؤں میں کھجور کے بان کی کئی بڑی بڑی چارپائیاں خالی پڑی ہوئی تھیں۔ وہیں بھنگ اور پستہ بادام گھوٹنے کے دیسی آلات پڑے ہوئے تھے لیکن وہاں کسی ذی روح کا نام ونشان تک نہیں تھا جو ہماری راہ میں حائل ہونے کی کوشش کرتا۔

"تم باہر ٹھہرو، ہم ابھی آتے ہیں" میں نے سلطان شاہ کو ہدایت دیتے ہوئے ویرا کو ساتھ لیا اور حجرے میں گھس پڑا۔

دروازے کے بعد کھلا صحن تھا جس سے آگے پوری چوڑائی میں ایک دیوار تھی۔ دیوار کے وسط میں داخلے کا راستہ تھا جس پر ایک دبیز پردہ لٹکا ہوا تھا۔

پردہ ہٹا کر ہم اندر داخل ہوئے تو چند فٹ کے فاصلے پر تیسری دیوار تھی جس میں لگا ہوا مضبوط چوبی دروازہ بند تھا۔ ان دو دیواروں کے درمیان ایک تخت بچھا ہوا تھا جس پر شاید ملاّ سرکار کا کوئی خاص خادم براجمان رہتا تھا تخت کے ایک طرف حقہ اور دوسری طرف ہماری چاروں رائفلیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک دیوار میں نصب چربی کی مشعل ٹمٹما رہی تھی۔

"یہ رائفلیں جیپ میں لے جاؤ، میں اندر دیکھتا ہوں" میں نے ویرا کے ہاتھ سے بھری ہوئی کلاشنکوف لے لی۔

رائفلوں کا یوں بازیاب ہونا میرے لئے خوشی اور حیرت کا باعث تھا لیکن اس وقت سب سے اہم مسئلہ ملاّ سرکار کی ذات تھی۔ وہی ایک ایسا شخص تھا جو غزالہ کے بارے میں کوئی کارآمد بات بتا سکتا تھا۔

چوبی دروازہ اندر سے بند تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ ملاّ سرکار اپنے حجرے کے اسی تیسرے دروازے کے پیچھے مراقبے اور چلّے کی آڑ میں روپوشی اختیار کرتا تھا اور باہر آراستہ تخت پر بیٹھا ہوا اس کا خادم خاص اس کی خلوت کی حفاظت کرتا رہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس حجرے سے باہر نکلنے کے لئے کوئی خفیہ راستہ بھی رہا ہوگا جہاں سے ملاّ سرکار غائب ہوجاتا تھا اور اس کے پیروکار یہی سمجھتے رہتے تھے کہ وہ حجرے میں عبادت کررہا ہے۔

میں نے دو تین لاتیں مار کر دروازے کی مضبوطی کا اندازہ کیا، چوبی پٹ مضبوط تھے لیکن بنیادی بات یہ تھی کہ وہ دروازہ مٹی کی دیوار میں نصب تھا میں نے کئی قدم پیچھے ہٹ کر دوڑتے ہوئے اپنے شانے سے پہلی ضرب لگائی تو دروازہ چوکھٹ سمیت اکھڑ کر اندر جارہا۔

میں اپنی جھونک سے سنبھل کر اٹھا تو ملاّ سرکار کے اس حجرے کی زیبائش دیکھ کر حیران رہ گیا۔

اس کمرے کے فرش پر بیش قیمت اور دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ دو موٹی شمعوں کی روشنی میں ساری دیواریں سیاہ مخملی پردوں سے ڈھکی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ ان پردوں پر، چھت سے ایک ڈیڑھ فٹ نیچے تک ریشم یا اسی طرح کے کسی اور کپڑے کی جھالر لٹک رہی تھی۔ اس طرح کہیں بھی مٹی کی دیوار کا کوئی حصہ نظر نہیں آرہا تھا۔ کمرے میں کہیں بھی کوئی چیز نہیں سلگ رہی تھی لیکن کمرے کی نیم روشن فضا میں عنبر اور لوبان کی پُراسرار اور سحر انگیز خوشبو رچی ہوئی تھی، جیسے وہ آگ کچھ ہی دیر پہلے سرد ہوئی ہو۔ رنگین کامدار قالین پر تین طرف سیاہ مخمل اور سنہری ڈوریوں والے گاؤتکیے لگے ہوئے تھے۔ ایک طرف پوری دیوار کی چوڑائی میں اونچا سا تخت تھا۔ تخت کی آرائش مبہوت کردینے کی حد تک شاندار تھی۔ تخت کا ایک حصہ دیوار سے ملا ہوا تھا۔ بقیہ تین سمتوں میں قالین تک جھالر لٹکی ہوئی تھی۔ اس حجرے میں داخل ہوکر یہ تصور کرنا بھی محال تھا کہ وہ مٹی سے بنا ہوا کوئی کچا کمرا رہا ہوگا۔

میں جھالر اٹھا کر تخت کے نیچے جھانک رہا تھا کہ اسی وقت ویرا اپنے کام سے فارغ ہوکر وہاں آپہنچی۔ اس کی تحیّرزدہ آواز سن کر میں نے جھالر تخت پر ڈالی اور کلاشنکوف قالین پر چھوڑ کر تخت کے نیچے گھس گیا۔

دیواروں پر چھت سے قالین تک لٹکے ہوئے وسیع وعریض پردوں کی وجہ سے مجھے یقین ہوگیا تھا کہ ملاّ سرکار حجرے سے غائب ہونے کے لئے کوئی کھڑکی استعمال کرنے کا خطرہ مول نہیں لیتا ہوگا اور نہ ہی ان دیواروں میں کسی کھڑکی کی موجودگی کا کوئی امکان نظر آتا تھا۔ کمرا خالی تھا اس لئے وہاں کسی خفیہ راستے کی موجودگی بھی یقینی تھی۔

تخت کے نیچے موم شمعوں کی روشنی نہیں پہنچ رہی تھی اس لئے ناکافی انعکاس میں تخت کے نیچے پھیلے ہوئے قالین میں کسی ز کا پتا چلانا آسان نہیں تھا۔

ہاتھ سے قالین کو تھپتھپاتے ہوئے ایک جگہ مجھے کھوکھلی واز سنائی دی تو میں نے اسی حصے پر اپنی توجہ مرکوز کردی۔ مجھے رانہ تھا کہ ہمارے پاس وقت کم تھا لیکن اسی کے ساتھ میرے ہن پر غزالہ کی فکر بھی سوار تھی۔ کوٹ مندو میں مُلاّ سرکار کا کا نیست و نابود کرنے کے بعد غزالہ کو اس کی تحویل میں ہونا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

جگہ تبدیل کرتے ہوئے ایک بار میرا سر تخت کے نیچے لگی ئی کسی گھنڈی سے ٹکرایا اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ فرش ں سے دو فٹ لمبا اور اسی قدر چوڑا ایک حصہ یوں اندر لٹک گیا ا جیسے ایک طرف سے اسے قبضوں سے جوڑا گیا ہو۔ لطف کی ت یہ تھی کہ وہ خلا تاریک نہیں تھا بلکہ اندر سے دودھیا روشنی بھر رہی تھی۔

ویرا متجسس انداز میں تخت کے نیچے آئی تو زیرِ زمین سرنگ کا ہانہ دیکھتے ہی اس کے دہانے سے تحیر زدہ سیٹی کی آواز ابھری تھی رہ مجھ سے پہلے اپنے گھٹنے قالین پر ٹکا کر اس خلا میں جھک گئی۔

"نیچے تو بہت کچھ نظر آرہا ہے" چند ثانیوں بعد وہ سیدھی ہوتے ہوئے حیرت سے بولی۔

"میں سرنگ میں اتر رہا ہوں۔ کسی وجہ سے اس کا دہانہ بند ہو جائے تو اس لیور سے اسے کھول لینا" میں نے تخت کے نیچے سب گھنڈی کے استعمال کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ فرشی لا اسی گھنڈی کی ایک جنبش سے نمودار ہوتا تھا اور دوسری نبش پر معدوم ہو جاتا تھا۔

اس خلا میں دیوار کے ساتھ ہی سیدھی آہنی سیڑھی بنی ہوئی ی جیسی عام طور پر جہاز کی چمنیوں وغیرہ پر چڑھنے کے لئے بنی ائی ہوتی ہے۔ میں کلاشنکوف اپنے کندھے پر لٹکا کر تیزی سے نیچے اترتا چلا گیا۔

نیچے دس فٹ چوڑا اور بہت لمبا ایک کمرا موجود تھا اور ڑھی اس کے ایک کونے میں موجود تھی۔ اس کمرے کا فرش ھلان کی صورت میں آگے اترتا چلا گیا تھا۔ دس پندرہ فٹ کے ند کمرے کی چوڑائی اور اونچائی نے کم ہو کر ایک سرنگ کی صورت اختیار کرلی تھی لیکن میرے لئے دلچسپی کی اشیاء کچھ اور تھیں۔

اس تہ خانے میں ایک الماری میں بھانت بھانت کی شرابوں کی بوتلیں موجود تھیں۔ ان کے قریب ایک ریک میں رائفلیں، ہینڈ گرنیڈ بم، ڈیٹونیٹر اور دوسری دھماکا خیز اشیاء موجود تھیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی لیکن ان میں بہت زیادہ تنوع موجود تھا جو مُلاّ سرکار کے مجرمانہ عزائم کی بھرپور عکاسی کرتا تھا۔

میں نے اسکاچ کی ایک بوتل سے اپنا حلق تر کرتے ہوئے یہ بات حیرت سے نوٹ کی کہ وہاں ٹیوب لائٹ جل رہی تھی۔ پھر مجھے شمسی توانائی سے چارج ہونے والی تین وزنی بیٹریاں بھی نظر آگئیں جن میں سے ایک، دیوار میں غائب ہونے والے کسی سرکٹ سے منسلک تھی۔

مُلاّ سرکار کے لئے ان شمسی بیٹریوں کو کوٹ مندو میں ہی چارج کرنا دشوار نہیں تھا لیکن وہ بہت محتاط آدمی تھا۔ مجھے تہ خانے کے فرش پر ٹائروں کے متعدد نشانات بھی نظر آئے جس کا مطلب تھا کہ بلیک کیٹ ٹی یا ملا سرکار اس تہ خانے سے سرنگ کے دوسرے دہانے تک آمد و رفت کے لئے کسی قسم کی گاڑی استعمال کرتا تھا۔

نہ فرش پر چکنائی کے دھبے تھے اور نہ سرنگ کی فضا میں کسی انجن سے خارج ہونے والے دھوئیں کی ناگوار بو رچی ہوئی تھی اس لئے مجھے یہ فرض کرلینا پڑا کہ مُلاّ سرکار کی سواری سولر یا شمسی بیٹری سے چلنے والی ہوگی اور ان بیٹریوں کی چارجنگ کا بندوبست سرنگ کے اختتام پر واقع کسی محفوظ ٹھکانے پر ہوگا۔ سرنگ کے فرش کی ڈھلان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کافی طویل رہی ہوگی اسی وجہ سے مُلاّ سرکار کو اس میں سفر کے لئے گاڑی کی ضرورت پیش آتی تھی۔

ابتدا سے ہی میرے لئے یہ بات قدرے حیرت کا سبب بنتی رہی تھی کہ مُلاّ سرکار کوٹ مندو جیسی دور افتادہ اور پسماندہ بستی میں کیوں رہ رہا تھا؟ پھر منظور ماموں نے بتایا تھا کہ وہ ملا سرکار کو اپنی حویلی میں قیام کی پیش کش کر چکے تھے جسے اس نے مسترد کردیا تھا لیکن اس کے حجرے کے نیچے سرنگ کی موجودگی سے مجھے اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔

سرنگ کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مدتوں پرانی تھی اور ملا سرکار بھی برسہا برس سے کوٹ مندو میں رہ رہا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ وہ سرنگ ملا سرکار کے حجرے سے شروع کی گئی ہو۔ وہ گاؤں سرحد سے ڈیڑھ دو میل دور تھا۔ اس مختصر سی مسافت کے بعد ملا سرکار کے آقاؤں کا دیس شروع ہو جاتا تھا۔ اس لئے غالب گمان یہی تھا کہ اس سرنگ کے ذریعے ملا سرکار کے حجرے کو سرحد پار سے ملا دیا گیا تھا۔ سرنگ کی تعمیر کا آغاز بھی سرحد کی دوسری جانب سے کیا گیا ہوگا۔ پھر اندر ہی اندر تعمیراتی کام کر کے ملبہ اور ریت دوسرے دہانے سے باہر نکالتے ہوئے اس سرنگ کو ایسی خاموشی کے ساتھ ملا سرکار کے حجرے سے ملا دیا گیا کہ کوٹ مندو کے باسیوں کو کانوں کان بھی اس زیرِ زمین تبدیلی کی ہوا نہ لگ سکی۔

مُلاّ سرکار اس سرنگ کے ذریعے کسی کی نظروں میں آئے بغیر سرحد پار آنے جانے کے لئے آزاد تھا۔ اسی طرح اس سے ملنے والے بھی اس سرنگ کو استعمال کرسکتے تھے۔ جن کاموں کے

لئے سرنگ سودمند نہ ہوتی، سرحد پار کے ایجنٹ مُلاّ سرکار کے معتقدین کے روپ میں اس کے آستانے پر آجاتے تھے۔

کوٹ مندو والوں کے نزدیک مُلاّ سرکار مدت دراز سے کہیں باہر نہیں گیا تھا جب کہ ہم کئی دن تک اسے مسلسل کراچی میں دیکھتے رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ مُلاّ سرکار ایسے ہر موقع پر اپنے حجرے سے غائب ہو کر دوبارہ وہیں سے نمودار ہوتا تھا اور اپنی بیرونی سرگرمیوں کے لئے اس مستقر کو استعمال کرتا تھا جو سرحد پار واقع تھا۔

اگر وہ کراچی سے غزالہ کو اپنے ساتھ لایا تھا تو اس نے اسے یقیناً سرحد پار ہی چھوڑا تھا۔ غزالہ کو اپنے آدمیوں کی تحویل میں دے کر اس نے سرنگ میں سفر کیا ہوگا اور اپنے حجرے کا دروازہ کھول کر مراقبہ ختم ہونے کا اعلان کرتا ہوا باہر آگیا ہوگا۔ حساس اور مخدوش سرحدی علاقے میں زیرِ زمین نقل و حرکت کی اور بات تھی لیکن زمین پر وہ سفر کبھی بھی محفوظ تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایسی صورت میں مُلاّ سرکار یہ خطرہ مول لینے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بے ہوش یا مقید غزالہ کو بھی ساتھ لے کر سرحد عبور کرتا۔ میں نے اس امکان پر جتنا غور کیا، اسی قدر مجھے اپنا پہلا خیال باطل نظر آنے لگا اور یہ یقین ہونے لگا کہ غزالہ کوٹ مندو میں یا سرحد پار قید نہیں ہے بلکہ مُلاّ سرکار نے اسے کراچی ہی میں کہیں قید کیا ہوا ہے۔

ہمارے پاس ملا سرکار کے انتظار کرنے کا وقت نہیں تھا۔ دوسری طرف سرنگ میں پیش قدمی بھی ناگہانی خطرات کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی تھی۔ اس کے دوسرے سرے پر باہر نکلنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا۔ اس لئے میں نے وقت ضائع کئے بغیر وہاں موجود اسلحے کے ذخیرے میں ایک حسّاس ٹائم بم تلاش کرکے اس کے ٹائمر کو بیس منٹ کی مدت پر سیٹ کیا اور دوسرے بارودی اسلحے کے ساتھ اس ٹائم بم کو اس حصے میں رکھ دیا جہاں کمرے نے تنگ سرنگ کی صورت اختیار کرلی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس دھماکے کے نتیجے میں زیرزمین سرنگ کا بڑا حصّہ منہدم ہوجائے گا اور ملا سرکار اس راستے سے بھی کوٹ مندو نہیں پہنچ سکے گا۔ اگر اس کا مقدر زیادہ ہی خراب ہوتا تو وہ اپنی بیٹری والی گاڑی میں کوٹ مندو کی حدود میں پہنچ کر دھماکوں کی زد میں آسکتا تھا۔

یہ کارروائی مکمل کرکے میں نے ملا سرکار کے ذخیرے میں سے عمدہ وھسکی کی دو بوتلیں اپنی جیبوں میں منتقل کیں اور دیوار گیر سیڑھیوں کو طے کرتا ہوا اوپر پہنچ گیا جہاں ویرا میری منتظر تھی۔

اس نے فوراً ہی وھسکی کی ایک بوتل کھول کر اس میں سے دو گھونٹ لئے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی "یہ ملا وھسکی بھی اپنی نسل کا اکلوتا جانور معلوم ہوتا ہے۔ حجرے میں بند ہوکر رند اور باہر پارسا بن جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ آج بھی لوگ ایسے بہروپیوں سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ یہ سرنگ کہاں تک جارہی ہے؟"

"وہ سرنگ میں سفر کرنے کے لئے بیٹری سے چلنے والی گاڑی استعمال کرتا ہے۔ کمسی بیٹریاں بھی موجود ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ سرنگ سرحد پار نکلتی ہوگی" میں نے اس کے ہمراہ حجرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

باہر سناٹا تھا، رائفلیں واپس مل جانے پر محمود کی بن آئی تھی۔ اس نے صحیح نشانے بازی کرکے ایک مسلح لڑکے کو زخمی کردیا تھا اور دوسرا خود ہی میدان چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ گاؤں والے اپنے گھروں میں دبکے ہوئے غیب سے ظہور میں آنے والی ان خبروں کے منتظر تھے جو ملا سرکار کے حجرے کی بے حرمتی کے نتیجے میں جنم لے سکتی تھیں۔

میرا ارادہ گاؤں کے بزرگوں کو جمع کرکے ضعیف الاعتقادی اور اوہام پرستی کے موضوع پر ایک مختصر مگر اثرانگیز تقریر کرنے کا تھا لیکن آبادی کے قریب جانے میں کسی کونے کھانچے سے وار ہونے کا ڈر تھا اس لئے ہم آہستہ آہستہ کوٹ مندو سے باہر نکل گئے۔ جنگل میں پہنچتے ہی ہم نے کوٹ مندو میں ایک کہرام برپا ہوتے سنا۔ شاید میدان صاف ہوتے ہی وہ سب ملا سرکار سے اپنی بے پناہ عقیدت کے اظہار میں اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔

میں نے اضطراری طور پر اپنی جیپ کا رخ گھما کر اسے دوبارہ کوٹ مندو کی طرف موڑلیا۔

"واپس کیوں جارہے ہو؟" ویرا پریشان ہوگئی "اگر مذہبی جنون میں ان کا دماغ پھر گیا تو وہ گولیاں کھا کر گرنے کے باوجود ہماری بوٹیاں نوچ کر رکھ دیں گے۔"

"میرا ان سے مقابلے کا کوئی ارادہ نہیں ہے" میں نے اسے اطمینان دلایا "میں انہیں ان کے گھروں میں لوٹانا چاہتا ہوں۔ وہ عقیدت میں حجرے کے گرد پھیل گئے تو سرنگ میں ہونے والے دھماکوں کے ساتھ بیسیوں افراد کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔"

میرا اندیشہ سو فی صد درست نکلا۔ عمر اور جنس کے کسی امتیاز کے بغیر شاید کوٹ مندو کی ساری آبادی اپنے گھروں کو چھوڑ کر میدان میں نکل آئی تھی۔ وہ لوگ بین کرتے ہوئے حجرے کے پاس جمع ہورہے تھے۔

کئی منٹ گزر چکے تھے۔ وقت کم رہ گیا تھا اس لئے میں نے اپنی جیپ آبادی کے سرے پر روک کر انجن کو ریس دیتے ہوئے ہارن بجانا شروع کردیا۔ لوگوں نے پلٹ کر ہمیں دیکھا اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔

اس بار ایک عجیب بات ہوئی کہ سب لوگ تو گھروں کی طرف بھاگ رہے تھے لیکن تین سن رسیدہ اور باریش افراد میں ہاتھ لہراتے ہوئے براہِ راست ہماری طرف آرہے تھے۔

میں انجن بند کر کے ان کے احترام میں جیپ سے نیچے اتر کر کھڑا ہو گیا۔

"سائیں سرکار کہاں ہیں؟ تم نے حجرے میں گھس کر ان کے ساتھ کیا کیا ہے؟" وہ تینوں الم زدہ آوازوں میں دور ہی سے چلانے لگے "تم بھیڑیے ہو، تم نے ہمارے پیر کی بے حرمتی کی ہے۔"

"حجرہ خالی تھا" میں نے اونچی اور پاٹ دار آواز میں انہیں آگاہ کیا۔

"مولا! تیری شان!" دو بوڑھوں نے گڑگڑا کر دعائیہ انداز میں اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھادیئے "ہمیں معلوم تھا، ہمارے دل کہتے تھے کہ تم سائیں سرکار کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ مولا تمہیں اندھا کردے گا یا پیر سائیں کو آسمان پر اٹھالے گا۔ تم ہماری بستی میں اب واپس کیوں آئے ہو؟ ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

"ملا سرکار ایک بد معاش ہندو جاسوس ہے جو برسوں سے تمہیں بے وقوف بنا رہا ہے" میں نے دیکھا کہ میرے الفاظ پر ان کے بشروں پر زلزلے کے آثار پیدا ہوگئے۔ شاید وہ زیر لب مجھے کوس بھی رہے تھے۔

"اس حجرے میں ایک سرنگ ہے جس میں اتر کر وہ سرحد پار چلا جاتا تھا اور تم سمجھتے تھے کہ وہ مراقبے میں ہے۔ اس سرنگ میں منوں گولہ بارود اور ہتھیاروں کے ساتھ شراب بھی رکھی ہوئی ہے۔ ہم تمہیں حجرے سے دور رکھنے کے لئے آئے ہیں کیونکہ تھوڑی دیر میں سرنگ کے ساتھ حجرہ بھی ایک دھماکے سے اُڑنے والا ہے۔ تمہارا ملا سرکار سرحد پار اپنے آقاؤں کے ساتھ بیٹھا ہوا عیش کررہا ہوگا۔ وہ آئے تو تمہیں اس کا سر کچل دینا چاہئے۔"

"تم جھوٹے اور اس کے دشمن ہو" ایک بوڑھے نے خوف اور غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "ہمیں معلوم ہے کہ علاقے کے سارے میر اور پیر ملا سرکار کے دشمن ہیں اور ان کی گدی پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ تم ان ہی میں سے کسی کے آدمی ہو لیکن یاد رکھو کہ تم مر کر بھی ہمارے دلوں میں سائیں سرکار کی عزت کم نہیں کرسکتے۔"

"وہ جاسوس تھا، تم دیکھ لینا کہ کل فوج یہاں ڈیرے ڈال لے گی اور سرنگ تو ابھی تمہارے سامنے...." میرا فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ ایک دھماکے سے زمین لرز اٹھی تھی۔ حجرے کے عقب میں زمین سے ریت کا غبار بلند ہوا اور پھر پے در پے متعدد دھماکوں نے پوری بستی کو ہلا کر رکھ دیا۔

فضا میں ہر طرف غبار اور ملبہ پھیل گیا تھا۔ ملا سرکار کا پرشکوہ حجرہ اسی غبار میں ڈھیر ہوچکا تھا۔ پھر اس ملبے نے تیزی کے ساتھ آگ پکڑ لی۔ تینوں بوڑھوں کے شکن آلود چہروں پر دہشت کی سیاہی پھیل گئی۔ وہ گھوم کر اس عبرت ناک تباہی کا تماشا دیکھنے لگے جو ان کے لئے ناقابل یقین تھی۔

میری واپسی کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ دھماکے سے کوٹ مندو کے کسی باسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ ڈھلتے ہوئے سورج کی روشنی میں اس ملبے کے شعلے مجھے بلیک کیٹ ٹی کی چتا سے بھڑکتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

میں نے خاموشی کے ساتھ جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور ہماری واپسی کے سفر کا آغاز ہو گیا۔

○☆○

ہمارے شکار کئے ہوئے پرندے کوٹ مندو میں اتار لئے گئے تھے اس لئے واپسی میں ہم خالی ہاتھ تھے لیکن ہم جیسے ناکام شکاریوں کی دلجوئی کے لئے بعض مقامات پر تازہ تازہ شکار کئے ہوئے پرندے سرِعام فروخت کئے جاتے تھے۔ محمود کی رہنمائی میں ہم نے ایک جگہ سے کافی تیتر خرید کر جیپ میں ڈال لئے تاکہ منظور ماموں اور ان کے ملازمین کے سامنے سُبکی سے محفوظ رہ سکیں۔

واپسی پر ہمارا منظور ماموں سے فوری طور پر سامنا نہیں ہوا کیونکہ اس روز وہ بھی اپنی کسی پیشی پر کچہری گئے تھے اور واپسی پر نہا دھو کر اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے۔

محمود ملازموں کو رات کے کھانے کے لئے تیتر بھوننے کی ہدایات دے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کوثر نے مردانہ لباس میں ملبوس ویرا کا بہت حسرت کے ساتھ استقبال کیا تھا کیونکہ اپنے سخت گیر باپ کے سامنے وہ مغربی وضع کا لباس پہننے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی لیکن اس کی نگاہیں بتا رہی تھیں کہ اسے نسوانی سج دھج کا یہ انداز بہت پسند آیا تھا۔

میں نہا دھو کر اپنے کمرے سے باہر نکلا تو منصور سے ٹکراؤ ہو گیا۔

"ملّا سرکار کی طرف گئے تھے نا؟" اس نے کھوئے کھوئے لیکن پُریقین لہجے میں سوال کیا۔

"گیا تھا، پھر تم میرا کیا بگاڑ لوگے؟" مجھے اس کے انداز پر بلاوجہ غصہ آ گیا۔

"کچھ بھی نہیں" وہ سادگی سے بولا "ابّا جان کو یہ جان کر بہت خوشی ہوگی۔"

"میں تمہارے ابّا جان کو خوش کرنے کے لئے یہاں نہیں آیا ہوں" میں بھڑک گیا۔

"تو پھر واپس کب جا رہے ہو؟" اس نے برجستہ سوال کیا تھا۔

"جب دل چاہے گا، اب میں تمہارا نہیں، تمہارے باپ کا مہمان ہوں۔"

"ہوا کرو لیکن اتنا ضرور جان لو کہ ابّا جان کو ناخوش رکھنے والے اس چھت کے نیچے کبھی سکھی نہیں رہتے۔ تم جتنی جلدی چلے جاؤ اتنا ہی اچھا ہوگا" وہ پوری طرح سنجیدہ تھا۔

"میرے جانے سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟" میں نے زچ ہو کر سوال کیا۔

"میں تمہیں چھوڑنے جاؤں گا، جہانگیر بھائی بہت مہمان نواز آدمی ہیں۔ وہاں جن پی کر بہت سرور آتا ہے۔"

اسی وقت منظور ماموں بھی کھنکھارتے ہوئے اپنے کمرے سے برآمد ہوئے اور منصور ہڑبڑا کر آگے بڑھ گیا۔

منظور ماموں نے مجھے دیکھتے ہی نہایت تپاک کے ساتھ چہک شروع کر دیا اور پھر ہمارے شکار کا حال احوال پوچھتے ہوئے مجھے اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لے گئے۔ راستے میں خرید ہوئے شکار کی مقدار کے پیشِ نظر میں انہیں نشانے بازی کے شمار قصے سنانے کی پوزیشن میں تھا لیکن میں اس وقت سنجیدہ گفتگ کے موڈ میں تھا اس لئے میں نے فوراً ہی بات اپنے مطلب کے موضوع کی طرف موڑ دی اور کہا "شکار کے ساتھ ہی ہم آ کوٹ مندو کی طرف بھی گئے تھے۔"

انہوں نے تیز نظروں سے مجھے گھورا اور بولے "میں نے تھا کہ کوٹ مندو میرے ساتھ چلنا۔ ملا سرکار سے میری اچھ خاصی آشنائی ہے۔ اس سے بھی تمہاری ملاقات کرا دیتا۔ ان کے نیک اور برگزیدہ بندوں سے مل کر انسان کے اپنے نفس تربیت ہوتی ہے۔"

میرا دل چاہا کہ انہیں ان کے نفس کی اس حیوانی تربیت اشارہ دوں جس سے مجبور ہو کر وہ اپنے بیٹے کے بعد ویرا اظہارِ عشق کر بیٹھے تھے لیکن میں کچھ کہے بغیر سر ہلا کر رہ گیا۔

"تم گاؤں میں گئے تھے؟" میری احمقانہ اور بے مقصد پر انہیں پوچھنا ہی پڑ گیا۔

"گیا نہیں تھا بلکہ لے جایا گیا تھا" میں نے سر جھکا عاجزانہ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" انہوں نے آنکھیں نکال کر غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"ہم کوٹ مندو کے اطراف میں شکار کھیل رہے تھے کہ مسلح غنڈوں نے ہمیں گھیر لیا اور اسلحے کے زور پر مجبور کر ہمیں گاؤں میں لے گئے جہاں ہمیں غیر مسلح کر کے مسجد میں کر دیا گیا۔"

"میاں، کیا بک رہے ہو؟ تم بھنگ تو نہیں پی گئے؟" غصیلے لہجے میں غرائے۔

"پہلے مجھے بھی یہی شبہ ہوا تھا لیکن بعد میں حقیقت سا آگئی۔ کوٹ مندو میں تو کھلی کھلی غنڈہ گردی کا راج تھا۔ اد جانے والے اجنبیوں کو پکڑ کر ملا سرکار کے سامنے پیش کیا ہے۔ وہی ان کی قسمت کا فیصلہ سناتا ہے۔"

"خیر خیر، تمہارے ساتھ ایک سفید فام لڑکی بھی تھی، ا غلط فہمی ہو گئی ہوگی" منظور ماموں یک طرفہ طور پر ملا سرکار

ں کے آدمیوں کے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا رہنا چاہتے
ہیں۔
"مولوی کو ہم لڑکا بنا کر لے گئے تھے" میں نے مسمسی صورت
بنا کر کہا۔
"تم لوگوں کو ایسی واہیات حرکت کی کیا ضرورت تھی؟"
انہوں نے آنکھیں نکالیں پھر قدرے توقف کے بعد خود ہی بولے۔
"لیکن ملا سرکار نے تو تمہیں رہا کردیا نا؟ وہ بہت نفیس اور درویش
صفت آدمی ہے۔"
"اس سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی۔ وہ مراقبے میں تحلیل
ہو گیا تھا۔"
"تحلیل ہو گیا تھا!" وہ حیرت سے تقریباً چیخ اٹھے "تم کیا
اول فول بک رہے ہو؟"
"ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہ حجرے میں مراقبے میں ہے اور جب
تک مراقبے سے باہر نہیں آئے گا، ہمیں کوٹ مندو کی مسجد میں
قید رہنا ہوگا۔ ہم نے قید سے فرار ہو کر حجرے کا دروازہ توڑا تو
ملا سرکار وہاں نہیں تھا۔"
منظور ماموں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر ہولے ہولے
کراہنے لگے۔ میرے تابڑ توڑ انکشافات نے ان کے ہلکے پھلکے
دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ وہ نحیف آواز میں بولے "تم
نے وہاں مار دھاڑ بھی کی تھی؟"
"ہم مجبور کردئے گئے تھے" میں نے بے چارگی سے کہا۔
"ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے تو اس وقت کوٹ مندو کی مسجد میں
اونگھ رہے ہوتے، دراصل ملا سرکار وہ نہیں ہے جو خود کو ظاہر
کرتا ہے۔"
میری جسارت منظور ماموں کے لئے ناقابلِ برداشت تھی، وہ
میز پر مکا مار کر بولے "بس! اب اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہ
نکالنا، پتا نہیں آج کل کے لونڈوں میں دہریہ پن کیوں مقبول ہو رہا
ہے؟ اللہ والوں کی توہین اور تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں
جانے دیتے۔ میں نے اپنے بال دھوپ میں سفید نہیں کئے ہیں
اور میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ ملا سرکار کے بارے میں تمہاری ہرزہ
سرائی بالکل بکواس ہے، تمہیں اس کے بارے میں کوئی شدید غلط
فہمی ہوئی ہے۔"
"کاش! آج آپ میرے ساتھ ہوتے تو اپنی آنکھوں سے
سب کچھ دیکھ لیتے۔۔۔"
انہوں نے برہمی کے ساتھ میری بات کاٹ دی اور بولے۔
"میں ثبوت کے بغیر کوئی بات تسلیم نہیں کر سکتا۔"
"ثبوت تو اب بھی کوٹ مندو میں موجود ہے" میں نے
مزاحمت کرتے ہوئے کہا، پھر اچانک ہی مجھے منظور ماموں کی دکھتی
رگ کا خیال آیا "یہ صرف میرا بیان نہیں ہے، ویرا بھی اس کی
تصدیق کر سکتی ہے۔"

منظور ماموں کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لئے حریصانہ چمک
نمودار ہوئی مگر انہوں نے فوراً ہی خود پر قابو پالیا اور بے پروایانہ
لہجے میں بولے "بلاؤ، اسے بلاؤ! وہ سچ بتائے گی۔"
میں فوراً ہی ڈرائنگ روم سے اپنے کمرے میں پہنچا جہاں
ویرا کسی بات پر سلطان شاہ سے الجھ رہی تھی۔
"جلدی چلو، بڈھا تمہیں یاد کر رہا ہے" میں نے اسے خوش
خبری سنائی۔
"میں اسے یہی سمجھا رہا تھا کہ اب یہ عمر کی ایسی منزل پر
آگئی ہے جہاں جوانوں کے ساتھ ساتھ بڈھے بھی اس میں دلچسپی
لینے لگے ہیں" سلطان شاہ نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
میں نے جلدی جلدی ویرا کو بتایا کہ منظور ماموں میری سنائی
ہوئی باتوں پر بری طرح بدک رہے ہیں اور اسے جلد از جلد انہیں
یقین دلانا ہے کہ ملا سرکار واقعی بدمعاش ہے۔ اس کی کہی ہوئی ہر
بات کو وہ توجہ سے سنتے اور انہیں اپنے دل پر پتھر رکھ کر اس کی
کسی بات کی تردید کرنا پڑتی کیونکہ وہ اس کی خوشنودی کو عزیز
رکھنے والوں میں شمار کئے جا سکتے تھے۔
منظور ماموں نے ولایتی آداب کے مطابق صوفے سے اٹھ
کر ویرا کا استقبال کیا تھا جب کہ مجھے وہ شاید ناک چڑھا کر
گھورتے رہ جاتے۔ ویرا کو دیکھ کر ان کے موڈ میں خاصی خوشگوار
تبدیلی آئی تھی۔
"اب تم بتاؤ کہ کوٹ مندو کا کیا قصہ ہے؟" منظور ماموں
نے ویرا سے کہا "ڈینی نے تو اپنی الٹی سیدھی باتوں سے میری
کھوپڑی گھما کر رکھ دی ہے۔"
"کوٹ مندو کو ملا سرکار نے اپنی جاگیر بنایا ہوا ہے جہاں مسجد
عبادت گاہ کے ساتھ قید خانہ بھی ہے۔ وہ عبادت اور مراقبے کے
بہانے اپنے کمرے میں بند ہو جاتا ہے اور پھر سرنگ میں اتر کر
سرحد پار چلا جاتا ہے۔ اس کے معتقد یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا پیر
اپنے حجرے میں بھوکا پیاسا رہ کر عبادت کر رہا ہے" ویرا نے کہا۔
"حجرے میں سرنگ کہاں سے آگئی؟ میں خود وہاں جا چکا
ہوں۔"
"ہم نے بھی سرنگ کا دہانہ بہت مشکل سے تلاش کیا تھا۔
وہ ملا سرکار کے عالی شان تخت کے عین نیچے واقع ہے۔ سرنگ،
حجرے کے نیچے واقع تہ خانے سے شروع ہوتی ہے۔ اس تہ خانے
میں شراب اور گولہ بارود کے ذخائر بھی موجود تھے۔ ملا سرکار اس
لمبی سرنگ کو طے کرنے کے لئے سولر بیٹری سے چلنے والی گاڑی
استعمال کرتا ہے۔"
"حیرت ناک باتیں کر رہی ہو تم!" میرے اندازے کے
عین مطابق منظور ماموں کو ویرا سے اختلاف رائے کرنے میں
سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا "ملا سرکار ایک گاؤں کا سیدھا
سادہ مولوی ہے، اسے کیا پتا کہ سولر بیٹری کیا ہوتی ہے۔"

"ہمیں پورا یقین ہے کہ وہ سرنگ ملا سرکار کے حجرے کو سرحد پار کے کسی اڈے سے ملاتی ہے۔ مولوی کے روپ میں وہ ہندوؤں کا کوئی اہم ایجنٹ ہے جو اپنے ناپاک عزائم پورے کرنے کے لئے کوٹ مندو میں رہ رہا ہے۔"

"وہ واپس آئے گا تو اسے پتا چلے گا کہ اس کے راز فاش ہو چکے ہیں؟" منظور ماموں نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"ڈیمی نے تہ خانے میں موجود بارود کو تباہ کر کے سرنگ کا خاصا حصہ تباہ کردیا ہے۔ اب ملا سرکار اس سرنگ کے ذریعے واپس نہیں لوٹ سکتا۔ اس نے کوئی دوسری راہ اختیار کی تو کوٹ مندو کے لوگ اسے خوش آمدید نہیں کہیں گے۔ وہ سمجھ چکے ہیں کہ ملا سرکار ایک لمبی مدت سے انہیں فریب دے رہا تھا۔"

"تم کہہ رہی ہو تو یقین کئے لیتا ہوں لیکن میرا دل نہیں مانتا کہ ایسا ہو سکتا ہے" منظور ماموں اپنی نشست پر بے چینی کے ساتھ پہلو بدل کر رہ گئے۔ ویرا کے بجائے میں نے وہ باتیں ان کے گوش گزار کی ہوتیں تو وہ کافی دیر پہلے مجھے کمرے سے نکال چکے ہوتے۔

"اب آپ سے ایک بہت ضروری کام پیش آگیا ہے" انہیں حقائق کو ہضم کرنے کی معقول مہلت دینے کے بعد میں نے مودب لہجے میں کہا "مجھے امید ہے کہ آپ ہم سے تعاون کریں گے۔"

"کیا کام ہے؟" وہ سنجیدگی کے ساتھ مجھے گھورتے ہوئے بولے۔

"ملا سرکار کا قصہ تو ختم ہوگیا ہے لیکن حساس سرحدی علاقوں میں ایسی سرگرمیاں آسانی کے ساتھ نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ علاقے کے کسی فوجی کمانڈر کو کوٹ مندو کے حالات سے آگاہ کردیں تاکہ ملا سرکار کے حجرے سے سرحد پار جانے والی سرنگ پر تحقیق کی جاسکے۔ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے علاقے میں کہیں اور بھی ایسے زیرِ زمین مواصلاتی جال پھیلائے ہوئے ہوں۔"

"کوٹ مندو رینجرز کا علاقہ ہے۔ شاید اس پر توجہ بھی نہیں دی جاتی ہوگی۔ تمہاری لائی ہوئی خبریں اگر درست ہیں تو ہم اپنی آنکھیں بند کر کے نہیں رہ سکتے۔ ایسی سازشیں قومی سلامتی کے حق میں سم قاتل ثابت ہو سکتی ہیں" منظور ماموں کی زبان سے یہ الفاظ سن کر مجھے خوشی ہوئی کہ منظور ماموں قومی جذبے سے بالکل عاری نہیں تھے۔

"ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے میں سامنے نہیں آسکتا۔ اس لئے یہ کام آپ ہی کو کرنا ہوگا۔"

"میں ایریا کمانڈر سے بات کروں گا" ملا سرکار کے بارے میں تلخ حقائق کی نشاندہی نے شاید منظور ماموں کی انا پسندی پر ضرب لگائی تھی اور وہ کچھ اداس نظر آنے لگے تھے۔

اس رات کھانے کی میز پر بھی خاموشی رہی۔ منظور ماموں وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور ہم تینوں ا کمرے میں آگئے۔ دن بھر کی تکان کے بعد بستروں کی نرم آغو کا تصور بہت سہانا تھا لیکن اسی کے ساتھ ہمیں اپنا اگلا لائحہ ع بھی طے کرنا تھا۔

کراچی سے ہم ملا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کی تباہی اور غزال بازیابی کا مشن لے کر رانی پور کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ کو مندو میں رونما ہونے والے واقعات کے نتیجے میں یہ مشکل نظ آتا تھا کہ ملا سرکار کوٹ مندو میں دوبارہ اپنے قدم جما سکے۔ اندرون سندھ میں تخریب کاریوں کے لئے وہ گاؤں اس کا سے مضبوط مواصلاتی مرکز تھا جہاں بیٹھ کر وہ اندرونی اور بیر ایجنٹوں کو ہدایات دیتا رہتا تھا۔ اس کے ختم ہو جانے کے بعد ا کی سرگرمیاں بری طرح متاثر ہو سکتی تھیں۔

سرحد پار سے آئے ہوئے پیشہ ور تخریب کاروں سے را رکھنے کے لئے ملا سرکار لاسلکی آلات استعمال کر سکتا تھا لیک مقامی ایجنٹوں سے اس کے رابطے بکھر کر رہ جاتے اور شاید ا ہتھیاروں کی خریداری کا معاملہ بھی التوا میں پڑ جاتا۔

میرا اپنا خیال تھا کہ ہماری اس مہم میں کسی کا کچھ نہیں گ تھا مگر ملا سرکار کی مقامی بیوی اور اس کے بطن سے پیدا ہو والے بچوں کا مستقبل تباہ ہو گیا تھا۔ وہ اس کہانی کے معص ترین کردار تھے جن کا کوئی جرم نہیں تھا لیکن حالات کے ہاتھ انہی کو سب سے کڑی سزا جھیلنا پڑ رہی تھی۔

ملا سرکار کے لئے وہ ایک جوا تھا۔ وہ خود کہہ چکا تھا کہ ا دھرتی کی بھلائی کے لئے وہ اپنے بیوی بچوں کی بھی بھینٹ د سکتا تھا اور وہ اس قدر خود غرض شخص تھا کہ اپنے دعوے کو ع جامہ پہنا سکتا تھا۔

کوٹ مندو میں ہونے والے واقعات سے اسے جلد آگاہی حاصل ہو سکتی تھی جس کے بعد وہ سندھ میں گڑبڑ اور بے چینی پھیلانے کے کسی نئے منصوبے پر کام شروع کر سکتا تھا۔ کام آگے بڑھانے کے لئے ہتھیار اس کی سب سے بڑی ضرور تھے جو اسے صرف اور صرف ویرا سے مل سکتے تھے اس لئے اندازہ تھا کہ سرنگ میں واپسی پر راہ مسدود پا کر جوں ہی ا بدلے ہوئے حالات کا اندازہ ہوتا تو وہ فوری طور پر سب کچھ چ چھاڑ کر کراچی روانہ ہو جاتا۔

وہ ویرا کے اصل ارادوں سے لاعلم تھا۔ اسے اتنا معلو کہ چند دن بعد اسلحے کی آمد شروع ہونے والی تھی۔ جب کہ کھ بگڑ جانے کی وجہ سے وہ کوئی مال وصول کرنے کی پوزیشن میں نہ رہا تھا۔

کراچی میں ویرا اپنی قیام گاہ چھوڑ چکی تھی۔ اس کی ع خواب گاہ کے ننگے فرش پر ہندو پنچایت کے مقامی سربراہ کی لا

رو کفن پڑی ہوئی تھی۔ کراچی پہنچنے کے بعد جب بلیک کیٹ
ے رابطہ کرنے میں ناکام رہتا تو وہ فطری طور پر اس کے
مکان کی طرف متوجہ ہوتا اور وہاں موہن داس کی لاش دیکھ
ات کی کڑیاں یکجا کر لیتا۔
موہن داس وہ واحد آدمی تھا جو بلیک کیٹ ٹی کے گاؤں کوٹ
کے نام سے واقف تھا۔ اس کی لاش دیکھتے ہی بلیک کیٹ ٹی
بتا کہ ہم لوگوں نے موہن داس کی زبان کھلوانے کے بعد
مندو پر دھاوا بولا تھا۔ ساری بات کھل جانے کے بعد وہ
اعتبار نہیں کر سکتا تھا اور انتقامی کارروائی کے طور پر غزالہ
اتھ بھی زیادتیوں کا مرتکب ہو سکتا تھا اس لئے ہمارا رانی
ں رکے رہنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔
حالات بہت تیزی سے بدلے تھے اور ان کا تقاضا تھا کہ ہم
یٹ ٹی سے پہلے کراچی پہنچ کر موہن داس کی لاش کو ٹھکانے
ا کہ بلیک کیٹ ٹی کو دھوکا دے کر غزالہ کو حاصل کرنے کی
موار کی جا سکے۔
قلندر اپنے ساتھیوں سمیت مارا جا چکا تھا اس لئے کوٹ
میں کوئی بھی ملا سرکار کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اس کے حجرے
لہ آور ہونے والے کون تھے اور کہاں سے آئے تھے۔ اگر
رماموں اپنے رسوخ کو بروئے کار لا کر فوجی حکام کو کوٹ مندو
لرف فوری طور پر متوجہ کرانے میں کامیاب ہو جاتے تو یہ بھی
تھا کہ گرفتاری کے خوف سے ملا سرکار سرے سے ہی ادھر کا
نہ کرتا اور کراچی چل دیتا۔
"ہمارے لئے ایک ایک منٹ قیمتی ہے' کھیل بگڑ گیا تو اس
ب سے زیادہ نقصان غزالہ کو پہنچے گا" سلطان شاہ نے کہا۔
وقت موہن داس کی لاش کا غائب کیا جانا سب سے زیادہ
ری ہے۔"
"یہاں سونے کے بجائے کسی کار میں روانہ ہو کر ہم صبح سے
راچی پہنچ سکتے ہیں" ویرا نے رائے دی۔
کراچی میں جہانگیر کو فون کر کے اسے ان معاملات کے
ے میں اعتماد میں لیا جا سکتا تھا لیکن اس کے پاس ایسے
ل نہیں تھے کہ وہ ویرا کی سابقہ رہائش گاہ سے موہن داس
ش اٹھوانے کا بندوبست کر سکتا۔ میرے ذہن میں دوسرا نام
ر کا تھا لیکن سیٹھ حبیب جیوانی کی واپسی کے بعد اسے ملوث
مخدوش ہو سکتا تھا۔ جیوانی کو بھنک بھی مل جاتی کہ میرے شی
دوستانہ مراسم برقرار تھے تو میرے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی
ں۔ ان دنوں میری یورپ میں طلبی کا قصہ بھی چل رہا تھا جہاں
لائیڈ اور سپر ڈان میرے بارے میں کوئی مفاہمت کرنا چاہ رہے
۔ ویرا کی ذات کے حوالے سے شی کی طرف میرے جھکاؤ کی
کوئی بھی افواہ یا خبر مافیا والوں سے میرے مراسم پر منفی انداز میں
کام دکھا سکتی تھی۔ سپر ڈان میری تیزی سے بدلتی ہوئی وفاداریوں
سے بدظن ہو کر مجھے جمی لائیڈ کے حوالے کر دیتا جو ابتدا ہی سے
میرے لہو کا پیاسا تھا۔
ان دونوں کے خارج از امکان ہو جانے کے بعد ایک ہی راہ
باقی رہ جاتی تھی کہ ہم بلا تاخیر کراچی پہنچ کر اپنے مہرے درست
کر لیں تاکہ بلیک کیٹ ٹی ہمارے چنگل سے نہ نکل سکے۔
اس رات منظور ماموں کا موڈ خوش گوار نہیں تھا اس لئے
پہلے میں نے ویرا کو ثریا کے پاس بھیجا تاکہ وہ اپنے باپ کو ہماری
ملاقات کی خواہش سے آگاہ کر سکے لیکن ویرا خبر لائی کہ
منظور ماموں کو ان کی خواب گاہ میں کوئی نہیں چھیڑ سکتا تھا۔ وہاں
خلل انداز ہونے والے کو منظور ماموں کے عتاب کا نشانہ بننا پڑتا
ان کا ایک خاص ملازم ہی خلوت میں جا سکتا تھا اور وہ بدقسمتی
سے اس وقت ان کی خواب گاہ میں ہی تھا۔
پچھلی رات کے ویرا کے تجربے کی روشنی میں منظور ماموں
کی وہ پابندیاں قابل فہم تھیں۔ اپنے بچوں کے لئے وہ اصول
پرست اور پارسا آدمی تھے لیکن اپنی خواب گاہ میں ان سے چھپ

کر وہ شراب نوشی کرتے تھے اور اس راز کو ہر قیمت پر ایک سربستہ راز ہی رکھنا چاہتے تھے۔

ویرا ان کی مے نوشی میں شریک ہو چکی تھی اس لئے میں نے اسی کو حوصلہ دلا کر ان کی خواب گاہ کی طرف ہانک دیا۔

ویرا نے ان کی خواب گاہ کے بند دروازے پر دستک دی' اندر سے کچھ استفسار ہوا اور پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ ویرا کو اندر جاتا ہوا دیکھ کر میں بھی دروازے سے اپنے کمرے میں آگیا۔

ویرا تقریباً بیس منٹ بعد واپس آئی تو اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔

منظور ماموں اپنی خواب گاہ میں حسبِ معمول مے نوشی میں مصروف تھے اس لئے ہمارے پروگرام میں اچانک پیدا ہونے والی تبدیلی سے وابستہ کوئی باریکی انہیں نہ سوجھ سکی۔ وہ ویرا کی دلربایانہ باتیں سنتے اور جھومتے رہے اور جب ویرا نے رانی پور سے فوری روانگی کے بارے میں اجازت طلب کی تو اسے فوراً پروانۂ راہداری مل گیا۔ اس بارے میں انہوں نے ویرا کو محمود سے رجوع کرنے کا حکم دیا تھا جو ہماری روانگی کے انتظامات کرا سکتا تھا۔

محمود نے وہ خبر حیرت کے ساتھ سنی لیکن فوراً ہی کرائے کی کار کا بندوبست کرنے چلا گیا۔ وہ میری ہی تجویز تھی کیونکہ میں واپسی کے سفر میں ان کی کوئی گاڑی استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ہماری تیاریاں فوراً ہی مکمل ہو گئیں۔ محمود کرائے کی ٹویوٹا کراؤن لایا تو ہم کوثر کو الوداع کہہ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ نشے کے عالم میں منظور ماموں کا باہر آنا خارج از امکان تھا' منصور حویلی کی بھول بھلیوں میں لاپتا تھا۔

قومی شاہراہ پر ہمارا وہ سفر سنسنی کے اعتبار سے ایک نہ بھولنے والا تجربہ تھا۔ رات بھر رواں رہنے والے ٹریفک کی تیز روشنیوں میں سڑک کی خستہ حالی بعض مقامات پر ہمیں مقاماتِ آہ و فغاں سے بھی آگے لے گئی اور ہم نے یہ سوچ کر اپنی آنکھیں بھینچ لیں کہ بس اگلے ہی لمحے میں سامنے سے آنے والا دیوہیکل ٹرک ہمیں گاڑی سمیت روندتا ہوا گزر جائے گا لیکن ڈرائیور کے لئے وہ راستہ اور اس کے مہلک نشیب و فراز دیکھے بھالے تھے۔ ہر بار ہم موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچتے رہے۔ خدا کا شکر اور ڈرائیور کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہمارا وہ سفر کسی نہ کسی طرح گزرتا ہی رہا۔

ہم علی الصباح بہادر آباد والے فلیٹ پر پہنچ گئے' اس وقت آسمان پر دھندلا سا اجالا نمودار ہوا تھا۔ شہر میں دودھ اور سبزی والوں کی گاڑیوں کی آمدورفت شروع ہو چکی تھی ورنہ پورے شہر پر خواب ناک سکوت چھایا ہوا تھا۔

ہمیں فلیٹ پر نہیں رکنا تھا۔ میں نے سوئے ہوئے چوکیدار کو بیدار کر کے میزنائن فلور سے اپنی کار نکالی اور ہم اس میں ویرا کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے جسے ویرا خیرباد کہنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

راستے میں مجھے شبہ ہوا کہ آخری بار اس مکان پر فائرنگ کا خاصا پُرشور تبادلہ ہوا تھا۔ پولیس اس طرف متوجہ ہو کر اگر کچھ دریافت کر چکی ہوتی تو بھی ہمارا کھیل خراب ہو سکتا تھا لیکن وہاں پہنچ کر اندازہ ہوا کہ میرے تمام اندیشے بے بنیاد تھے۔ علاقہ ویران پڑا ہوا تھا اور ہر چیز جوں کی توں موجود تھی۔

مکان میں بھی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی لیکن جونہی ہم نے عقبی خوابگاہ کا دروازہ کھولا تو تیز بدبو کے بھبکوں نے ہمارا دماغ شل کر کے رکھ دیا۔ موہن داس کی لاش بہت زیادہ پھول چکی تھی اور سڑنا شروع ہو گئی تھی۔ میں نے فوراً ہی دروازہ بند کر کے مقفل کر دیا۔ فرش اور دروازے کی درمیانی خلا میں کپڑا ٹھونس کر میں نے اپنی دانست میں موہن داس کی لاش اور اس پر پروان چڑھنے والے جراثیم کو اسی کمرے میں محدود کر دیا۔

ویرا سفید فام قوم سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ لوگ غارت گری سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا جراثیم اور وباؤں سے دہشت زدہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس نے گھر میں موجود جراثیم کش ادویات کی ساری بوتلیں اور اسپرے اس حصے میں چھڑک کر خالی کر دئے۔

"اب کیا ہو گا؟ یہ لاش تو چھوئی بھی نہیں جا سکتی" ویرا نے پُرتشویش لہجے میں سوال کیا تھا۔

"اسے بھول جاؤ' مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس سردی میں لاش اتنی جلدی گل سڑ جائے گی۔"

"تو ہمیں اس لاش کے ساتھ ہی یہاں رہنا ہو گا؟" وہ جراثیم کی امکانی یلغار سے خوف زدہ تھی۔

"مجبوری ہے' تمہارے ذہن میں اس کے علاوہ کوئی تجویز ہو تو وہ بتا دو۔"

"یہ منحوس موٹا مر کر بھی ہمارے گلے پڑا ہوا ہے' میں کیا بتا سکتی ہوں؟"

"ہندو اپنے مُردوں کی چتا جلاتے ہیں" سلطان شاہ پُرسکون لہجے میں بولا "وہ کمرا خالی پڑا ہوا ہے۔ لاش پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی جائے تو سارا قصہ ختم ہو جائے گا۔"

"گوشت اور ہڈیوں کے جلنے کی چراند پورے علاقے میں پھیل جائے گی" ویرا برا سا منہ بنا کر بولی۔

"اسے وہیں پڑا رہنے دو' ملا سرکار اسی وقت یہاں کا رخ کرے گا جب اس کی تم سے بات نہیں ہو سکے گی۔ اس گفتگو کے بعد ہی ہمیں آئندہ صورتِ حال کا اندازہ ہو سکے گا۔"

ویرا خواب گاہ میں انتظام کرنے چلی گئی اور میں سلطان شاہ کے ہمراہ مکان کا چکر لگانے کے لئے نکل کھڑا ہوا تاکہ باہر سے کھڑکیوں وغیرہ کی پوزیشن کا اندازہ لگا سکوں۔

ا کے کمرے کے علاوہ بھی اس مکان میں مزید دو خواب
تھیں لیکن وہ زیرِ استعمال نہ ہونے کی وجہ سے کچھ ابتر
تھیں اس لئے ہم نے ایک ہی کمرے میں رہنے کا
یا۔ سلطان شاہ ڈرائنگ روم میں جانا چاہ رہا تھا لیکن میں
ے اسے منع کردیا۔ اس وقت حالات ایک سنگین موڑ
چکے تھے۔ جب تک ہماری بلیک کیٹ ٹی سے گفتگو نہ
ہمیں اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ ہمیں کن خطرات کا سامنا

پہلا دن ہم نے کوٹ مندو کے سفر اور صعوبتوں میں گزارا
ات بھر رانی پور سے واپسی کا سفر طے کرتے رہے تھے اس
نوں کا ہی جوڑ جوڑ ہلا ہوا تھا۔ گھر کے تمام دروازے
مقفل کرکے ویرا نے خواب گاہ کی کھڑکیوں پر دبیز پردے
ے اور دن میں رات کا سماں پیدا کرکے مسہری پر دراز ہوگئی۔
نوں نے فرشی قالین پر چاندنیاں پھیلا کر اپنے بستر بنا لئے
تھوڑی ہی دیر میں ویرا کے ساتھ سلطان شاہ بھی دنیا ومافیہا
بےخبر ہوگیا۔

میرے اعصاب بھی بوجھل رہے تھے' رواں رواں ٹوٹ رہا
نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ میں کروٹیں بدل بدل کر
پھونکتا اور وقت گزارتا رہا۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا' میرے اعصابی دباؤ میں اضافہ
رہا تھا۔ گیارہ بجے میں نے اپنا بستر چھوڑ دیا تاکہ فون پر
سے بات کرکے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرسکوں۔

میں نے خواب گاہ میں رکھے ہوئے اسپیکر فون کی لائن الگ
تاکہ ڈائلنگ کے شور سے ان دونوں کی نیند میں خلل نہ
اور خود ڈرائنگ روم میں آگیا۔

فون کا سلسلہ مل جانے پر دوسری طرف سے خود جہانگیر نے
کی کال وصول کی تھی۔

"تم کہاں ہو؟ میں تو صبح سے تمہیں تلاش کررہا ہوں۔"
آواز پہچانتے ہی جہانگیر کی ہیجان آمیز آواز سنائی دی تھی۔
نے رانی پور فون کیا تو پتا چلا کہ وہاں سے تم رات کو ہی نکل
ے ہوئے تھے۔"

"میری تلاش کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" میں نے بوجھل
سا سوال کیا۔

"آج صبح میرے پاس ایک گمنام فون آیا تھا' وہ سخت
ی اور غصے کے عالم میں تمہارے بارے میں دریافت
تھا۔ میرے بار بار پوچھنے پر بھی اس نے اپنے بارے میں
کچھ بتایا۔ بس تمہیں مغلظات بکتا رہا۔ وہ دھمکیاں دے رہا
جلد ہی تمہارا عبرت ناک حشر کرے گا اور تمہیں مار ڈالے

"تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ کون ہوسکتا تھا؟" میرے لئے وہ
اطلاع دلچسپ تھی۔

"وہ بلیک کیٹ ٹی کے علاوہ اور کون ہوسکتا تھا؟ میں نے کہہ
دیا کہ تم میرے پابند نہیں ہو جو اپنی نقل و حرکت سے مجھے باخبر
رکھو۔ اس بات پر اس نے مجھے بھی کئی گالیاں سنائی تھیں۔"

"چلو' کووں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔ یہ بھی
نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ کہاں سے بول رہا تھا؟"

"آواز بہت صاف تھی' بعض اوقات دوسرے شہروں کی
کال بھی بہت صاف اور واضح سنائی دیتی ہے۔"

"تو کیا تم نے یہی بتانے کے لئے رانی پور فون کیا تھا؟" میں
نے پوچھا۔

"مجھے حیرت تھی کہ اس خبیث کو میرے فون نمبر کا علم کیسے
ہوگیا؟"

"وہ میرے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ اس وقت وہ
پاگل کتے کی طرح شہر کی سڑکوں پر بلبلاتا پھر رہا ہوگا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا رانی پور کا سفر کامیاب رہا
ہے؟"

"بہت زیادہ! میں نے کوٹ مندو سے اس کی بنیاد ہی اکھاڑ
دی ہے۔ تمہارے منظور ماموں کے ساتھ ان کا بڑا لڑکا بھی بہت
دل پھینک واقع ہوا ہے۔ وہ ویرا سے اظہارِ عشق کر بیٹھا تھا۔
اسے بلیک میل کرکے میں نے کل ہی کوٹ مندو کا سفر کیا تھا۔
منظور ماموں ساتھ ہوتے تو اپنی عقیدت میں ہمیں بھی مروا دیتے۔"

"میں نے تو تمہیں پہلے ہی ہوشیار کردیا تھا" اس کی بھینچی
ہوئی آواز ابھری۔

"تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں' محمود وہ حرکت نہ
کرتا تو ہمارا کام بہت مشکل اور پیچیدہ ہوجاتا۔ اس کے ابا جان تو
ملا سرکار کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہیں ہیں۔"

"اس وقت تم فلیٹ سے ہی بول رہے ہو نا؟" اس نے
چونک کر سوال کیا تھا۔

"میں ویرا کے گھر پر ہوں' میرا خیال تھا کہ دم کٹ جانے
کے بعد بلیک کیٹ ٹی ویرا سے ضرور رابطہ کرے گا۔ اس نے
تمہیں فون کیا ہے تو کسی بھی وقت ویرا سے بھی ضرور بات کرے
گا۔ کوٹ مندو کی کہانی سنوگے تو تم دنگ رہ جاؤگے۔"

"منظور ماموں تمہاری طرف سے فکرمند تھے کیونکہ رات کا
سفر عموماً بہت مخدوش ہوتا ہے۔"

"انہیں یہ تاکید کردینا کہ میرے رانی پور آنے اور کوٹ
مندو جانے کا قصہ اپنی ذات تک ہی محدود رکھیں۔ محمود وغیرہ کو
بھی رازداری کی تاکید کردیں۔ ایسا نہ ہو کہ میرا بدلہ لینے کے
لئے بلیک کیٹ ٹی انہیں اپنا نشانہ بنالے۔"

"وہ تو کہہ رہے تھے کہ تم کوٹ مندو کے بارے میں فوجی
حکام سے بات کرنے کا مشورہ دے کر آئے ہو؟" جہانگیر نے

حیرت کے ساتھ سوال کیا تھا" وہ ایریا کمانڈر کو کھانے پر مدعو کر چکے ہیں۔"

"وہاں جو کچھ ہوا' وہ تو سب کے سامنے ہے' میرا مطلب صرف اتنا ہے کہ وہ درمیان میں اپنا نام نہ آنے دیں۔ ایریا کمانڈر اپنی معلومات کے ذرائع ریکارڈ پر لائے بغیر بھی کارروائی کر سکتا ہے۔ یہ ان ہی کے حق میں بہتر ہوگا۔"

بات جہانگیر کی سمجھ میں آگئی اور رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

جہانگیر سے گفتگو ہونے کے بعد میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ وہ میرے لئے خوشی کی بات تھی کہ بلیک کیٹ ٹی زخم کھا کر بلبلایا ہوا پھر رہا تھا۔ میں نے خواب گاہ میں آکر اسپیکر فون دوبارہ لائن سے جوڑ دیا کیونکہ اسی کی مدد سے میں ویرا اور بلیک کیٹ ٹی کے دو طرفہ مذاکرات سن سکتا تھا۔

میں قالین پر دراز ہوا تو غنودگی کی لہر پر قابو نہ پا سکا۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ مجھ پر وہ کیفیت کتنی دیر تک طاری رہی۔ آنکھ کھلی تو اسپیکر فون کا بزر بول رہا تھا اور ویرا کا بستر خالی پڑا ہوا تھا۔ سلطان شاہ بھی کمرے سے غائب تھا۔

آنکھ کھلتے ہی میں غیر ارادی طور پر فون کی طرف لپکا تھا لیکن بلیک کیٹ ٹی کا خیال آتے ہی اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔ میری اور ویرا کی مفاہمت سے اس کا آگاہ ہونا ہم دونوں ہی کے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

اسی لمحے ویرا باتھ روم سے برآمد ہوئی اور اس نے لپک کر اسپیکر فون کا سوئچ آن کر دیا۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" لائن آن کر کے ویرا نے انگریزی میں سوال کیا تھا۔

"غنیمت ہے کہ تمہاری آواز سنائی دی" بلیک کیٹ ٹی کی آواز ابھری "اتنی دیر سے گھنٹی بج رہی تھی۔ میں تو سمجھا کہ تم نے اپنا ٹھکانا بدل لیا ہے۔"

"باتھ روم میں تھی' اکیلا رہنے کے یہی نقصانات ہوتے ہیں" وہ مجھے آنکھ مار کر بولی۔

"تو کیا ڈینی اب تمہارے ساتھ نہیں رہتا؟" بلیک کیٹ ٹی نے اپنا لہجہ نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن میں اس کے سوال سے ہی اس کی دلی کیفیت اور تجسس کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

"جی چاہے گا تو ملنے کے لئے آجائے گا۔ دراصل تمہارے معاملے میں اس کے ساتھ میری کچھ بد مزگی ہو گئی ہے۔ وہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس سے میں متفق نہیں ہوں اسی لئے وہ تین دن سے غائب ہے۔"

"کیا کرنا چاہ رہا ہے وہ؟" اس بار بلیک کیٹ ٹی اپنا تجسس پوشیدہ نہ رکھ سکا۔

"وہی قوم پرستی کی قدامت پرستانہ باتیں ہیں" ویرا بہت
بیزار سے لہجے میں بولی جیسے اس کے لئے وہ بات قطعی
"اس کا خیال ہے کہ ہم سے لینے والا اسلحہ تم پاکستان
کھڑا کرنے کے لئے استعمال کرو گے اس لئے مجھے یہ
کرنا چاہئے جب کہ میں ٹی کے اصولوں کی پابند ہوں
نفع کمانے کے لئے کام کرتے ہیں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ میری مخالفت میں وہ حد
تجاوز کر رہا ہے۔ مقامی ہندو پنچایت کا سربراہ کئی دن سے
اسے ایک اجنبی اس کی دکان سے اپنے ساتھ لے گ
کے بعد وہ دوبارہ نہیں دیکھا گیا۔ موہن داس میرا خاص
اہم آدمی تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ اس پر ڈینی نے ہی ہاتھ

"مجھے کچھ علم نہیں" ویرا نے معصومیت سے کہا
بار ڈینی سے بات ہوئی تو وہ تمہارے کسی ٹھکانے کا ذکر کر

"کس ٹھکانے کا ذکر کر رہا تھا؟" بلیک کیٹ ٹی نے
طور پر ویرا کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"کوٹ مندو یا شاید گوٹھ مندو کی بات کر رہا تھا'
پروایانہ انداز میں بولی۔

"الو کا پٹھا ہے وہ" بلیک کیٹ ٹی کی غراتی ہوئی آوا
"یہ نام میرے لئے بالکل نیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈ
سوتے جاگتے میرے ہی خواب آتے رہتے ہیں... تو کی
مندو ہی کی طرف نکلا ہوا ہے؟"

"اس نے کہا تو یہی تھا۔ بعد میں ارادہ بدل گیا ہو
نہیں سکتی۔ جب تمہارا اس ٹھکانے سے کوئی تعلق
تمہیں اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی کوئی ضرو
دھکے کھا کر وہ خود لوٹ آئے گا۔"

"میں قطعی فکر مند نہیں ہوں" اس نے فوراً ہی
پیش کی "وہ میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ مجھے تو بس ا
کہ کہیں وہ میری فکر میں بے گناہ لوگوں کا خون بہانا
کر دے۔"

ویرا ہنس پڑی "میں تمہیں بھی تھوڑا بہت سمجھنے
اب میرے سامنے تو بگلا بھگت بننے کی کوشش نہ کرو۔
بے گناہوں سے تمہیں اتنی ہی ہمدردی ہے تو مجھے وہ نو
لئے دی ہیں؟"

"تم میری بات پکڑ رہی ہو' جنگ میں سب کچھ جا
امن کے دنوں میں کسی غیر کو بھی پھانس چبھ جائے تو
ہوتا ہے۔ کسی مقصد کے لئے لڑی جانے والی جنگ کا
مقصد خوں ریزی سے نہیں کیا جا سکتا۔"

"ڈینی نے تمہاری سرکوبی کو اپنا مقصد بنا یا
مجھے یاد آیا کہ وہ کسی ملا سرکار کا بھی ذکر کر رہا تھا۔ وہ ٹھ
گوٹھ مندو میں وہی تمہارا بہروپ ہوتا ہے" ویرا نے
بجائے دانستہ گوٹھ کا لفظ استعمال کیا تھا۔

"اس کی قیاس آرائیوں سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ وہ
رکار کی سرکوبی کے لئے کوٹ مندو گیا ہوا ہے اور میں یہاں
ہان کے ساتھ تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ میرے لئے اتنا ہی
ہے کہ ان حماقتوں میں اب تم اس کے ساتھ نہیں ہو ورنہ
پنے ساتھ تمہیں بھی لے ڈوبنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔"
"مجھے اب ڈینی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے
رات مجھے فون کیوں کیا ہے؟" ویرا نے اکتائے ہوئے انداز
سوال کیا۔
"میں صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ تمہیں موہن داس کے
ے میں تو کچھ علم نہیں ہے؟"
"اس کا جواب میں دے چکی ہوں" ویرا کا لہجہ سخت ہو گیا۔
تمہاری فہرستیں مل گئی تھیں جو میں نے آگے بڑھا دی تھیں۔
بتا رہا ہے 'بس اسے کیمپوں میں الگ کیا جا رہا ہے' یہ بتاؤ کہ تم
اس کی وصولی کا کیا بندوبست کیا ہے؟"
"میں اس کے بارے میں بھی تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔
اپنے شیڈول پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت پڑ گئی ہے" اس کا
معذرت خواہانہ ہو گیا تھا۔
اس کی مایوسی اور بے بسی پر میں دل ہی دل میں خوش ہو کر رہ
۔ ایک طرف وہ کوٹ مندو سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کر رہا تھا
دوسری طرف شیڈول پر نظرثانی کی بات کر رہا تھا۔ صاف
ہر تھا کہ کوٹ مندو کا ٹھکانا ختم ہونے کے بعد اس کی تخریب
ی کا سارا منصوبہ درہم برہم ہو گیا تھا اور جب تک وہ اپنے
یوں سے دوبارہ رابطے استوار نہ کر لیتا' وہ ویرا سے اسلحہ
ول کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس موقع پر ویرا چاہتی تو
ے بری طرح دبا سکتی تھی۔
"تم وعدہ خلافی کے مرتکب ہو رہے ہو" ویرا نے میری توقع
ے عین مطابق گمبھیر لہجے میں کہا "تمہارے زبانی وعدوں پر ہم غیر
معینہ مدت کے لئے اپنا خطیر سرمایہ نہیں پھنسا سکتے۔ اپنی کارکردگی
ے لئے میں بھی اپنے بڑوں کو جواب دہ ہوں۔"
"زیادہ نہیں' میں صرف دو ہفتوں کی مہلت چاہتا ہوں۔"
کی خوشامدانہ آواز ابھری۔
"دو ہفتے کیا' میں دو دن بھی نہیں دے سکتی۔ کسی ضمانت
کے بغیر کئے جانے والے سودے میں ضرورت سے زیادہ رعایتوں
کی توقع نہیں کرنا چاہئے۔ تم نے کرنل مہیش پال کی روپوشی سے
بے جا فائدہ اٹھا لیا ہے۔"
"میں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا' غزالہ کی سلامتی کی
صورت میں ضمانت اب بھی برقرار ہے" اس نے بلاتوقف جواب
دیا تھا "اگر تم نے اپنے بڑوں کے علم میں لائے بغیر یہ شرط تسلیم
کی ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں اور اگر غزالہ کی سلامتی
کے معاملے میں ان لوگوں کی رضامندی شامل ہے تو میں یہ سمجھنے
سے قاصر ہوں کہ ٹی کے لئے غزالہ کی کیا اہمیت ہے؟"
"تم بہتیری باتیں سمجھنے سے قاصر ہو" ویرا کا لہجہ تلخ ہو گیا۔
"تم شاید یہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے ڈینی کی وجہ سے غزالہ والی شرط
تسلیم کی ہے اور یہی تمہاری سب سے بڑی بھول ہے۔ ٹی جیسی
تنظیم میں سارے کام لگے بندھے اصولوں کے مطابق ہوتے ہیں۔
ان میں میری یا کسی اور کی پسند یا ناپسند تبدیلی نہیں لا سکتی۔"
"ٹی کے بڑوں کے لئے غزالہ کی ذات کیوں اہم ہے؟ تم
مجھے یہ بات آج تک نہیں سمجھا سکیں۔"
"اگر تم کچھ ذرائع رکھتے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ
پہلے ڈینی ٹی کا آدمی تھا۔ آج کل وہ ٹی سے منحرف ہو چکا ہے۔
ٹی کے بڑے اس علاقے میں اپنے کاروباری مفادات کے لئے
اس سے سمجھوتا کرنا چاہتے ہیں۔ ڈینی ایسی کسی بھی مصالحت سے
بھاگ رہا ہے۔ میرے بڑوں کو معلوم ہے کہ ڈینی غزالہ کو دل و
جان سے چاہتا ہے اس لئے وہ غزالہ کو اپنی تحویل میں لینا چاہتے
ہیں تاکہ ڈینی کو اپنے سامنے جھکا سکیں میں اسی نظریئے کے تحت
تم سے ڈیل کر رہی ہوں۔ میرا کبھی بھی یہ ارادہ نہیں رہا کہ میں
غزالہ کو تمہارے قبضے سے نکال کر طشتری میں رکھ کر ڈینی کو پیش
کر دوں گی۔"
"اب میں سمجھ گیا" اس کی آواز مسرت آمیز تھی "اسی
لئے تم ڈینی کی موجودگی میں بھی غزالہ کی خیریت اور رہائی پر اصرار
کرتی رہی ہو۔ وہ سمجھتا ہو گا کہ تم سب کچھ اس کے لئے کر رہی ہو۔"
"غزالہ کی وجہ سے بھی تمہیں دو ہفتوں کی مہلت نہیں مل
سکے گی۔ جب تمہارا بندوبست مکمل تھا تو پھر اب التوا کی
ضرورت کیوں آ پڑی ہے؟" ویرا سختی کے ساتھ اپنے موقف پر
اڑی رہی۔
"غیر قانونی سودوں میں ایسی الجھنیں پیدا ہوتی ہی رہتی ہیں۔
یہ کوئی نئی بات نہیں ہے" وہ مدافعانہ لہجے میں بولا۔
"لیکن اسباب بھی ہوتے ہیں۔ تمہاری کہی ہوئی بات حرفِ
آخر نہیں ہو سکتی۔ تمہیں اس کا جواز بھی دینا چاہئے۔ آخر پہلے
ہی مرحلے پر تم اتنے بے بس کیوں ہو گئے ہو؟"
"اپنے مسائل کو میں خود سمجھتا ہوں۔ کوئی بڑی مجبوری نہ
ہوتی تو میں خود اس معاملے کو آگے ٹالنے کی کوشش نہ کرتا۔ تمہیں
معلوم ہے کہ میں ابتدا سے ہی عجلت میں تھا" وہ ویرا کو قائل
کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔
"تم ایک فرد ہو اور میں ایک تنظیم" ویرا سرد لہجے میں بولی۔
"تمہارے اعتراض پر میں نے غزالہ کے بارے میں ٹی کی
پوزیشن کی کھل کر وضاحت کی ہے حالانکہ وہ ہمارا اندرونی معاملہ
ہے۔ تمہاری ایسی مجبوریاں جو باہمی معاملات پر اثر انداز ہوتی
ہوں' ہمارے بھی علم میں آنا چاہئیں تاکہ ہم اپنے فیصلوں پر غور
کر سکیں۔"

"ڈینی بہت بڑا اور پیدائشی حرامی ہے" بلیک کیٹ ٹی کی تلخ اور شکست خوردہ آواز ابھری۔

"یہ بہت پرانی بات ہے۔ اس سے تمہارے پروگرام پر کوئی اثر نہیں پڑنا چاہئے" ویرا زیرِ لب مسکراتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں بولی۔

"پورے شہر میں صرف موہن داس کو علم تھا کہ میں کوٹ مندو میں ملا سرکار کے روپ میں رہتا ہوں" بلیک کیٹ ٹی کی آواز میں شکست کی تلخی رچی ہوئی تھی "اور وہ کئی دن سے غائب ہے' مجھے یقین ہے کہ ڈینی نے اس کی زبان کھلوا کر اسے ماردیا ہوگا کیونکہ کل کوٹ مندو پر حملہ ہوا ہے اور اب میں اس گاؤں میں نہیں جاسکتا۔"

"لیکن تھوڑی دیر پہلے تو تم کہہ رہے تھے کہ کوٹ مندو کا نام تمہارے لئے اجنبی ہے" ویرا نے اس کے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہوئے' چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"اس وقت تک مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم ڈینی سے اتنا دور جاچکی ہو۔"

"تم کوٹ مندو میں اس کا سدباب کیوں نہیں کرسکے؟ وہ تو اکیلا نہیں رہا ہوگا۔"

"مجھ سے ذرا سی چوک ہوگئی' میں نے جیپ میں ڈرائیور کے برابر والی نشست پر اسے پہچان لیا تھا۔ میں نے انتظار کئے بغیر حرکت میں آنے کا فیصلہ کرلیا۔ کوٹ مندو میں میری حیثیت مذہبی پیشوا کی تھی۔ اس روپ میں میں ڈینی کو ہلاک نہیں کرواسکتا تھا اس لئے میں اپنے خاص آدمیوں کو ہدایت دینے کے لئے ایک قریبی اڈے کی طرف چلا گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں اسے غیر مسلح کرکے گاؤں سے بھگادوں گا اور راستے میں میرے آدمی اسے گھیر کر مارلیں گے مگر وہ میری توقع سے کہیں زیادہ چالاک اور پھرتیلا ثابت ہوا وہ میرے لوٹنے سے پہلے کوٹ مندو میں تباہی پھیلا کر اور لوگوں کو میرے خلاف بھڑکا کر فرار ہوگیا۔"

"اس مہم میں وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اس کی کسی بات پر توجہ نہیں دی تھی کیونکہ ٹی کے مفادات اس سے نہیں بلکہ تمہاری ذات سے وابستہ ہیں' دوسری وجہ یہ تھی کہ مجھے اس پر یقین نہیں تھا۔"

"اس نے وہاں میرے خلاف بہت زہر اگلا ہے۔ گاؤں سے باہر میں دو آدمیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن وہ میری صورت دیکھتے ہی بھڑک اٹھے۔ وہ لوگ اب مجھے غدار اور جاسوس سمجھ رہے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ اب میں کوٹ مندو میں اپنی بیوی اور بچوں سے بھی رابطہ نہیں کرسکتا۔ پتا نہیں میرے بارے میں ان کے کیا خیالات ہیں۔"

"کوٹ مندو تمہارا ایک ٹھکانا تھا' اس کے ختم سے ساری سرگرمیاں معطل نہیں ہوسکتیں۔"

"وہ میرا ہیڈکوارٹر تھا" اس کی متاسفانہ آواز "سارے پروگرام وہیں سے جاری کئے جاتے تھے۔"

"میں تمہاری کہانی آگے بڑھادوں گی لیکن مجھے ا ہے کہ ٹی والے اس کی بنا پر اسلحے کی ترسیل کا پروگرا بڑھانے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ کرنل مہیش پال یا درجے کے کسی سفارت کار کی ضمانت کے بغیر تمہیں کو نہیں مل سکے گی۔ اس کے بغیر یہ سودا منسوخ ہوسکتا ہے۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم تسلیم کرچکی ہو کہ غزالہ کی حیثیت ضمانت کی سی ہے۔"

"وہ الگ بات ہے" ویرا نے معنی خیز نظروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ بلیک کیٹ ٹی کی گفتگو میں پوشیدہ پہلو کا قیاس کرکے میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو

"الگ بات نہیں ہے' تم چاہو تو اسے اہمیت دلوا

بلیک کیٹ ٹی بے بسی کے عالم میں ویرا کے ڈالے ہوئے پھنس رہا تھا "کرنل مہیش پال ابھی تک لاپتا ہے۔ ا روپوش ہونے سے میرے لئے ناقابلِ تصور دشواریاں پ ہیں۔ تم نے اس برے وقت میں مجھ سے تعاون کیا تو میں تمہارا احسان مند رہوں گا۔"

"تم مجھ سے کس قسم کے تعاون کی امید کررہے ہو نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"غزالہ میرے لئے بے مصرف ہے بلکہ تمہاری ہوئی شرائط کے نتیجے میں ایک ذمے داری بن گئی ہے۔ تمہاری تحویل میں دینے کے لئے تیار ہوں۔ اس طرح بڑوں کو میری نیک نیتی اور سودے کی مضبوطی کا یقین دلا

میرے لئے وہ بہت بڑی خوش خبری تھی۔ بلیک کیٹ گرگِ باراں دیدہ حالات کے دباؤ سے مجبور ہوکر خود ہی غ رہا کرنے کی ناقابلِ یقین پیشکش کررہا تھا۔ وہ ہماری حکمت کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔

"اس کے بدلے میں تم کیا چاہو گے؟" ویرا نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ کرنے کے بجائے سپاٹ لہجے میں پوچھا کیٹ ٹی کو منہ کے بل گرانے کے لئے وہی انداز سب سے

"اسلحے کی ترسیل میں صرف دو ہفتے کی تاخیر تاکہ انتظامات کو دوبارہ مستحکم کرسکوں" اس کی آواز عاجزانہ

"میں کوئی وعدہ نہیں کرسکتی' ڈینی اور اس کے حوالے سے غزالہ شی کے بڑوں کے لئے اہم ضرور ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ ان دونوں کی کیا قیمت لگائے بیٹھے ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ بروقت سودا مکمل ہونے کے مقابلے میں ان کے لئے غزالہ بالکل ہی غیر اہم ہو اور وہ غزالہ کے بدلے تمہیں ذرا بھی رعایت نہ دیں۔"

"تم مفروضات پر بات کررہی ہو' کرنل مہیش پال نے مجھے بتادیا تھا کہ شی کی اعلیٰ ترین سطح پر بھی تمہاری سفارشات کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم کوشش کروگی تو میرا کام بن جائے گا۔ اتنی قربانیاں دینے کے بعد میں اپنے منصوبے کو تباہی اور ناکامی سے دوچار ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔"

"میں تم پر بھروسا نہیں کرسکتی" ویرا نے مجھے آنکھ مارتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اپنی فطرت کے اعتبار سے تم اب تک پکے بلیک میلر ثابت ہوتے آئے ہو۔ پہلے کرنل مہیش پال کی ضمانت سے بات شروع کی تھی پھر اپنے سفارت خانے کے ایک افسر کا نام درمیان میں لائے اور جوں ہی غزالہ تمہارے قبضے میں آئی تو تم نے ضمانتوں کو جھٹلا کر غزالہ پر سودے بازی شروع کردی۔ آج تم غزالہ کو میرے حوالے کرنے کی پیش کش کررہے ہو۔ کیا پتا کہ کل ڈینی تمہارے قبضے میں آجائے اور تم پھر کوئی نئی قلابازی کھاجاؤ۔ میں تو اپنے اوپر والوں کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہوں گی۔"

"تمہیں اپنی نیک نیتی کا یقین دلانے کے لئے میں آج ہی غزالہ کو تمہارے حوالے کرنے کے لئے تیار ہوں....."

ویرا نے مکارانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی "نہیں' یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں؟" ویرا کے غیر متوقع انکار پر بلیک کیٹ ٹی متحیر رہ گیا تھا۔

"تم ڈینی کی دسترس سے باہر ہو اس لئے غزالہ تمہارے پاس محفوظ ہے' میں اسے کہاں چھپاؤں گی؟ ڈینی جب چاہتا ہے' منہ اٹھا کر میرے پاس چلا آتا ہے۔ اسے غزالہ کی بھنک بھی مل گئی تو وہ اسے زبردستی میری تحویل سے نکال لے جائے گا۔ میں خود کو اتنے بڑے امتحان میں ڈالنے کے لئے تیار نہیں" ویرا بہت خوب صورتی کے ساتھ اسے راہ پر لارہی تھی۔

"یہ تم کہہ رہی ہو؟" بلیک کیٹ ٹی کی حیرت میں کمی نہیں آئی تھی "تم سے اچھے اچھے سورماؤں کا پتا پانی ہوتا ہے۔ تم کسی بات پر تل جاؤ تو ڈینی کے فرشتے بھی تمہیں زک نہیں پہنچا سکتے۔ پھر یہ ضروری تو نہیں کہ تم غزالہ کو اپنے گھر پر ہی رکھو۔ تمہارے بہتیرے وسائل ہیں۔ تم اسے کہیں بھی محفوظ رکھ سکتی ہو۔"

"تم بلاوجہ مجھ پر دباؤ ڈال رہے ہو' ویرا نے زچ آجانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "تم میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ میں تمہارے لئے اتنا دردِ سر مول لوں۔"

"اسلحہ میری ناگزیر ضرورت ہے" وہ باقاعدہ گڑگڑا[illegible] "یہ میرے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ میرا پورا کیریئر[illegible] لگا ہوا ہے۔ تم نے اس وقت مجھ سے تعاون کیا تو میں زندگی[illegible] تمہارا احسان نہیں بھولوں گا۔ تم مجھے کسی کتے کی طرح [illegible] پاؤ گی۔ تمہارے بڑے راضی نہ ہوں تو غزالہ کو مجھے لوٹا [illegible]

"تم مجبور کررہے ہو تو پھر سات بجے غزالہ کو یہاں [illegible] لیکن یہ یاد رکھنا کہ میں سودے کی مدت میں توسیع کا کوئی [illegible] کررہی ہوں" اپنی کامیابی پر ویرا کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا تھا

"تمہیں کوئی بات دہرانے کی ضرورت نہیں' مجھے سب [illegible] ہے" اس کا لہجہ ممنونیت سے لبریز تھا "تم مجھ پر مہربان ہوگئی[illegible] مجھے امید ہے کہ تمہارے بڑے بھی مہربان ہوجائیں گے۔"

"سات بجے کا وقت یاد رکھنا' نہ اس سے پہلے اور نہ [illegible] ویرا نے تاکید کی۔

"تم فکر نہ کرو۔ وقت کی پابندی کی جائے گی" بلیک کیٹ ٹی نے یقین دلایا اور فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

ویرا نے اسپیکر فون کا بٹن آف کیا ہی تھا کہ میں نے [illegible] سے بے قابو ہوکر والہانہ انداز میں اسے اپنی بانہوں میں[illegible] "تم بہت عظیم ہو ویرا۔ تم نے جس خوب صورتی کے ساتھ ..... اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا ہے' وہ تمہارا ہی کام [illegible] آج غزالہ مجھے مل گئی تو میں سمجھوں گا کہ تم نے اس کے [illegible] اپنی ساری زیادتیوں کا کفارہ ادا کردیا ہے۔"

ویرا کے لئے میرا وہ اضطراری ردعمل بہت خوش[illegible] ثابت ہوا لیکن سلطان شاہ نے رنگ میں بھنگ ڈال دیا[illegible] یہیں رکوں یا باہر چلا جاؤں؟" اس نے مضحکانہ لہجے میں [illegible] تھا۔ وہ نہ جانے کس وقت کمرے میں آموجود ہوا تھا۔

"جاؤ اور ہتھیار تیار کرو' آج بلیک کیٹ ٹی کا قصہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گا" میں نے خفت آمیز لہجے میں اسے ڈانٹا۔

"مجھے معلوم ہے" اس نے آہستگی سے کہا "میں کا[illegible] سے یہاں کھڑا' ساری گفتگو سن رہا تھا۔"

حالات جس غیر متوقع انداز میں اچانک تبدیل[illegible] میرے لئے بڑی حد تک ناقابل یقین تھا' [illegible] کوٹ مندو کی بربادی کے بعد بلیک کیٹ ٹی خود غزالہ کو [illegible] ہمارے حوالے کرنے کے لئے تیار ہوگیا تھا۔ میرے لئے وہ [illegible] کی سب سے بڑی خوشی تھی اور میں اسے اسی انداز میں منا[illegible] ارادہ رکھتا تھا۔

ویرا کو وہیں چھوڑ کر میں سلطان شاہ کے ساتھ خوا[illegible] سے نکل گیا۔

را کے گھر میں بہت زیادہ اسلحہ نہیں تھا لیکن جو کچھ تھا وہ
ٹ کا استقبال کرنے کے لئے بہت کافی تھا۔ وہ ہماری طرح
ام سا آدمی تھا اور اس کے دل میں پیوست ہونے والی
ایک ہی گولی اسے موت کی نیند سلانے کے لئے کافی ہوتی۔
ے نزدیک وہ ایسی سہل موت کا مستحق نہیں تھا۔
ہ مکار' سازشی' خونی' قاتل اور غدار تھا۔ سب سے بڑھ کر
جرم یہ تھا کہ وہ برسہا برس سے لوگوں کے مذہبی جذبات
ل رہا تھا۔ وہ اپنی پیدائش اور عقیدے کے لحاظ سے کٹر
لیکن کوٹ مندو کے سادہ لوح مسلمانوں کے درمیان ان کا
روپ بن کر رہ رہا تھا۔ اس نے اپنی اقتدا میں ان لوگوں کی
ں نمازیں برباد کرادی تھیں اور ان کی واضح حمایت سے
ایسے عناصر کی سرپرستی کرتا رہا جو ان ہی کی بیخ کنی کی تیاریاں
ے تھے۔

ملا سرکار کے لئے موت سب سے آسان سزا تھی۔ اس کی
سزا یہ ہوتی کہ اسے ہر اعتبار سے عبرت کا ایک بے مثال
بنا کر اس کی طبعی موت آنے تک زندہ رکھا جاتا۔ وہ اپنی
صورت اور ہر شناخت سے محروم ہو کر شہر کی سڑکوں پر
پھرتا' چیخ چیخ کر اپنی اصلیت کا اعتراف کرتا لیکن پرائے تو
'اس کے اپنے بھی اسے پہچاننے سے انکار کردیتے۔ ملا
کو اس حال میں پہنچانے کے لئے میرے ذہن میں ایک
ب اور سفاکانہ منصوبہ پرورش پانے لگا تھا لیکن اس کی
ں کا تمام تر انحصار اس بات پر تھا کہ حالات اسی طرح رونما
جس کی میں توقع کر رہا تھا۔

غزالہ اس کی قید میں ضرور تھی لیکن وہ بزدل نہیں تھی۔
را یقین تھا کہ ملا سرکار کو غزالہ پر اپنی بالادستی برقرار رکھنے
ے بڑے پاپڑ بیلنا پڑ رہے ہوں گے۔ اس کے لئے یہ ممکن
تھا کہ غزالہ کو اس کے ہوش و حواس میں رکھ کر' وہ اسے
مام سے مقام پر قید رکھنے میں کامیاب ہو جاتا۔ غزالہ شورو
کے اور اپنے قید خانے کے درو دیوار پر اپنی شہ زوری دکھا
ں کے لئے ناقابل تصور دشواریاں کھڑی کرسکتی تھی۔ اس
ے یقین تھا کہ ملا سرکار اسے بے دست و پا کرکے اور اس
منہ پر ٹیپ وغیرہ لگا کر اسے کڑی نگرانی میں اپنی محفوظ ترین
اہ سے باہر نکالے گا اور پھر ویرا کو اپنی نیک نیتی کا یقین
نے کے لئے' بذات خود اسے ویرا کے حوالے کرنے آئے گا۔
میرے لئے وہی میری زندگی کا سب سے بہتر موقع ہوتا اور
ں پر وار کرکے اسے اپنی تحویل میں لے سکتا تھا۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور ہم تینوں باہمی مشوروں کے
ت کی بہترین حکمت عملی کو اختیار کرنے کے بارے میں اپنی
شیں کرتے رہے۔ ہم تینوں کی متفقہ رائے تھی کہ اس وقت
ر ناسازگار حالات کے گرداب میں پھنس کر اس قدر مجبور اور بے
بس ہو چکا تھا کہ اس کے لئے کوئی نئی قلابازی کھانا ممکن نہیں رہا
تھا۔ سارے آثار و قرائن یہی بتاتے تھے کہ مقررہ وقت پر وہ خود
ویرا کے پاس آئے گا۔

دوسری طرف ویرا اسے اپنی تنہائی کی کہانی سنا چکی تھی۔ وہ
ملا سرکار کو یہ باور کرانے میں پوری طرح کامیاب ہو گئی تھی کہ
ان دنوں میرے اور ویرا کے مراسم میں کوئی گرم جوشی باقی نہیں
رہی تھی اور ہمارے تعلقات میں پیدا ہو جانے والی سرد مہری کی
وجہ سے ہمارے مفادات مشترک نہیں رہے تھے۔ ان حالات کی
روشنی میں ہمیں ملا سرکار کو گھیرنے کے لئے بہت محتاط رویہ
اختیار کرنے کی ضرورت تھی۔

اگر ہم گھر سے باہر نکل کر اس کے استقبال کی تیاری کرتے
تو یہ خطرہ پوری شدت کے ساتھ موجود رہتا کہ ہماری کسی
اضطراری کارروائی سے ملا سرکار کو قبل از وقت اندازہ ہو جاتا کہ
اس کا معاملہ صرف ویرا کی ذات سے نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ
چھ اور لوگ بھی تھے تو وہ آخری لمحات پر بھڑک کر غزالہ سمیت
فرار ہو سکتا تھا۔ اس طرح اسے چوہے دان میں پھانسنے کا ہمارا
منصوبہ بری طرح ناکام ہو سکتا تھا۔

ملا سرکار ایک پیشہ ور تخریب کار اور سیکرٹ ایجنٹ تھا' اس
لئے مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ محض ویرا کی لچھے دار باتوں میں
آکر وہاں دوڑا چلا آتا۔ شام کے سات بجنے میں بہت وقت باقی تھا
اس لئے ملا سرکار کے لئے پورا موقع تھا کہ وہ طے شدہ وقت سے
پہلے اس علاقے کا چکر لگا کر ویرا کے گھر کی سن گن لینے کی کوشش
کرتا۔ ایسے کسی پُرخطر امکان کے سدباب کے لئے ہم نے مکان
کی تمام کھڑکیوں پر پردے کھینچ کر اندر مدھم روشنی برقرار رکھی
ہوئی تھی تاکہ باہر سے پردوں وغیرہ پر ہمارا سایہ تک نہ دیکھا
جا سکے۔

ویرا کے گھر میں اس کے ڈرائنگ روم کو مرکزی حیثیت
حاصل تھی۔ باہر سے آنے والے کسی بھی مہمان کے لئے
ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے بغیر مکان کے اندرونی حصوں تک
رسائی حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ مکینوں کی آمدورفت کے لئے
کچن کی بغلی راہداری سے ایک دروازہ احاطے میں کھلتا تھا اور
نکاسی کا تیسرا راستہ اس عقبی خوابگاہ سے ملحق تھا جہاں موہن
داس کی سڑی ہوئی لاش پڑی ہوئی تھی لیکن وہ دونوں راستے ایسے
تھے جن پر کوئی بن بلائے مہمان یا چور' ڈاکو ہی طبع آزمائی کرسکتا
تھا جب کہ ملا سرکار اپنے بیان کے مطابق ویرا کو اپنی خیرسگالی اور
نیک نیتی کا یقین دلانے پر تلا ہوا تھا۔ اس لئے ہم نے کافی طویل
بحث و تمحیص کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ملا سرکار سے دو دو ہاتھ
کرنے کے لئے ویرا کا ڈرائنگ روم ہی سب سے زیادہ مناسب
تھا۔ ویرا کا ڈرائنگ روم وزنی چوبی فرنیچر اور دیگر آرائشی اشیاء
سے بھرا ہوا تھا۔ ہم نے صوفوں وغیرہ کی ترتیب میں تبدیلی

تبدیلی کر کے دو مختلف مقامات پر اپنے لئے ایسی کمین گاہیں بنالیں جہاں چھپ کر ہم آنے والے کی نظروں سے محفوظ رہتے ہوئے بھی اس کو ہر لمحے اپنی زد پر رکھ سکتے تھے۔

ملاّ سرکار غزالہ کو ساتھ لے کر ایک بار اس ڈرائنگ روم میں آجاتا تو ہماری مرضی کے بغیر اسے وہاں سے واپس لوٹنا نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سے آگے ہم اپنی من مانی کرنے کے لئے آزاد ہوتے۔

ویرا اس مکان میں اکیلی رہتی تھی لیکن اس نے ریفریجریٹر اور ڈیپ فریزر کو اشیائے خوردونوش سے اس طرح بھرا ہوا تھا کہ ہم تینوں کئی روز تک اس گھر سے باہر نکلے بغیر اپنی شکم پُری کا بندوبست کر سکتے تھے۔ ویرا نے چند ڈبوں کا انتخاب کر کے کچن کا رخ کیا اور میں سلطان شاہ کے ساتھ ملاّ سرکار کے استقبال کے انتظامات کو آخری شکل دینے میں مصروف ہو گیا۔

ملا سرکار آسمان سے اتری ہوئی کوئی مخلوق نہیں تھا بلکہ ہم جیسا ایک انسان تھا اور مزارِ قائد پر اس سے سامنا ہونے پر میں یہ بھی دیکھ چکا تھا کہ وہ باریش شخص ہم سے کسی بھی طرح زیادہ طاقتور نہیں تھا لیکن اس کی پُراسراریت نے اس کی دہشت انگیز سرگرمیوں سے مل کر اسے ایک ہوّا بنا دیا تھا۔ اپنے نفرت انگیز کردار کے باوجود کوٹ مندو میں دجس طرح ہماری گرفت سے بال بال بچ نکلا تھا اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا تھا کہ ان دنوں اس کے ستارے اس کی یاوری کر رہے تھے لیکن اس بار میں ملاّ سرکار کے بارے میں کوئی موہوم سا خطرہ بھی مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم تینوں ویرا کی خوابگاہ میں کارڈز کھیلنے میں مصروف ہو گئے۔

پہلے دو ہاتھ ویرا مسلسل ہارتی رہی اور دونوں بار اس کی نگاہیں کسی پیشہ ور جواری کی طرح میرے ہاتھوں پر جمی رہیں۔ پہلی بار میں نے ایمانداری کے ساتھ کارڈز بانٹے اور رواداری میں کھیلتا رہا۔ کارڈز کھلوائے گئے تو میرے پاس سیکوئنس موجود تھا۔ ویرا نے اپنے کارڈز دیکھ کر بہت برا سا منہ بنایا اور پتے ملا دیئے۔ دوسری بار میں نے اسے چڑانے یا اپنی مہارت آزمانے کے لئے شارپنگ کا کمال دکھانا چاہا۔ وہ منہ سے کچھ نہ بولی لیکن اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی کیفیت سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ میری حرکت بھانپ گئی تھی۔

وہ ہاتھ بھی میں جیت گیا۔ سلطان شاہ اس معاملے میں اناڑی تھا اس لئے وہ خاموشی سے ہارتا رہا لیکن ویرا کے تیور اچھے نہیں تھے۔ چوتھی بار ویرا نے کارڈز کاٹے۔ میں نے پھر ہاتھ کی صفائی دکھائی۔ ویرا نے پھر میری چوری کا اندازہ لگا لیا لیکن منہ سے کچھ نہ بولی۔ بلائنڈ بازی بڑھنے لگی تو سلطان شاہ نے اپنے کارڈز اٹھائے اور خاموشی سے پیک ہو گیا۔ ویرا نے بلائنڈ میں اچانک سو روپے کی چال دی۔ وہ میری ڈیل تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ میرے پاس کون کون سے کارڈز موجود تھے اس لئے جسارت میرے لئے حیران کن تھی۔ اپنے پتے دیکھے بغیر یقین تھا کہ میرے پاس یکوں کی ٹریل تھی۔ یہ ناممکن تھا کہ میرے ہاتھوں سے گزر کر کلر سیکوئنس ویرا کے پاس پہنچ جاتا۔ میں چال دیتا رہا۔ ویرا رقم بڑھاتی رہی اور جب اس نے چال روپے تک بڑھا دی تو رقم کی پروا نہ ہونے کے باوجود میری پیشانی نم ہونے لگی۔ مجھے اپنی شارپنگ پر شبہ ہونے لگا۔ شو ہوتے ہی میں نے اپنے کارڈز اٹھالئے۔ اوپر اکا تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اوپر کا کارڈ آہستگی سے ہٹایا دوسرا بھی اکا تھا۔ تیسرا اکا دیکھنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ ویرا کے دماغ پر چڑھ گئی تھی ورنہ وہ سنکیوں کے سے انداز میں کھیل آگے نہ بڑھاتی۔

میں کارڈز دیکھ چکا تھا اس لئے ڈبل چال دینے پر مجبور تھا۔ ویرا جن سے اپنے لبوں کو تر کر کے مسلسل بلائنڈ کھیلے جا رہی تھی اور ہر بار چال کی رقم میں اضافہ کرتی جا رہی تھی۔

"تم کیا کر رہی ہو؟" آخر کار مجھے مضطربانہ انداز میں کہنا ہی پڑ گیا "مجھے معلوم ہے کہ تمہارے لئے رقم کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن اس طرح تم کھیل کا مزہ کرکرا کر رہی ہو۔"

"میں اسی طرح کھیلنے کی عادی ہوں۔" وہ بے پروائی سے میں بولی "ہارنے سے گھبرا رہے ہو تو چال دے کر شو کرا لو!"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں نشہ ہو گیا ہے" میں نے تینوں یکوں پر پیار بھری نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ڈیل تمہاری تھی لیکن تم نے مجھے وہی کارڈز دیئے جو میں چاہتی تھی" وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتی ہوئی پُراعتماد لہجے میں بولی "میں بلائنڈ کھیل رہی ہوں لیکن مجھے معلوم ہے کہ میرے کارڈز کیا کیا ہیں۔"

"لیکن یہ بھول رہی ہو کہ میرے ہاتھوں میں کیا ہے" اس کی خود اعتمادی حقیقتاً مجھے مضطرب کئے دے رہی تھی۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم تین یکوں کے فراق میں تھے جو تم نے اس بار لگا لئے ہیں۔ کہو تو ان کے نام بھی بتا دوں؟" اس کا لہجہ جارحانہ اور چڑانے والا ہو گیا۔

"کارڈز شو کرو!" میں نے چال دے کر جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ ڈائمنڈز کی کلر سیکوئنس ہے" اس نے اپنے کارڈز چھوتے ہوئے کہا اور پھر اٹھائے بغیر کارڈز سیدھے کر دیئے۔

میں نے بے دلی سے تینوں یکے نیچے پھینک دیئے۔ بازی ہاری جا چکی تھی۔

"اور اب میں شرط لگاتی ہوں کہ تم مسلسل ہارتے رہو گے"

اس نے کارڈز سمیٹتے ہوئے کہا "تم کچے شار پر ہو۔ میں دیکھ رہی تھی کہ تم کیا کر رہے ہو لیکن تم مجھے پکڑ لو تو بتا دینا۔ یہ کرتب میں نے میلان میں ڈان مرسیانو سے سیکھے تھے۔ میری بولی لگانے کی خواہش [illegible] واری جب چمکتی ہوئی حریص نظروں کے ساتھ میرے سامنے بیٹھتے تھے تو ان کی جیبیں تیزی کے ساتھ خالی ہونے لگتی تھیں۔ بہتیروں کے ساتھ تو یہ بھی ہوا کہ ان کی جیبوں میں میری فیس تو درکنار، کیسینو کے بار کا بل ادا کرنے کے پیسے بھی نہیں رہتے تھے۔ میلان میں میری شہرت تھی کہ جواری مجھے کبھی نہیں خرید سکتا۔ دوسرے لوگوں کے لئے میں بازار کی ایک جنس تھی۔"

"جب تم جواریوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر انہیں لوٹ سکتی تھیں تو تمہیں اپنا مول چکانے کی کیا ضرورت پیش آتی رہتی تھی؟" میں نے یہ زہریلا سوال کرتے ہوئے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔ ویرا کے ماضی کے وہ حوالے اتنے کریہہ اور شرمناک تھے کہ میں ہمیشہ انہیں بھولا ہی رہنا چاہتا تھا۔ چشم تصور میں وہ پرچھائیاں نمودار ہوتے ہی ویرا کے مرمریں پیکر کا سارا سحر اور گداز یک بیک دھندلانے لگتا تھا۔

"ڈان مرسیانو بہت چالاک تھا۔ پہلے اس نے مجھے کال گرل بننے کی تربیت دی اور مجھے اس پیشے کے ایسے ایسے گر سکھائے کہ روزی کمانے کے ساتھ ہی وہ میرا شوق بھی بن گیا۔ شار پنگ وغیرہ تو اس نے بہت بعد میں سکھائی تھی۔"

"تو یوں کہو کہ پہلے تمہیں شوقین بنایا گیا اس کے بعد شارپر بنانے کی باری آئی۔" میں نے طنز کیا۔ میری نظریں مسلسل ویرا کے ہاتھوں پر تھیں جو پتے پھینٹنے میں مصروف تھے۔

"تم اسے اب بھی ڈان مرسیانو کہتی ہو" سلطان شاہ حیرت سے بولا "حالانکہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے کہ وہ تمہارا حقیقی باپ جمی لائیڈ ہی تھا۔"

"خود فریبی کہہ لو!" وہ تلخ ہنسی کے ساتھ بولی "ڈان مرسیانو کو اپنا باپ تسلیم کرنے کو دل نہیں چاہتا جب کہ جمی لائیڈ تک پہنچنے کے لئے میں نے دنیا بھر میں نہ جانے کن کن خطوں کی خاک چھانی تھی۔"

کھیل چلا اور ویرا جیت گئی۔ ہم دونوں اس کے ہاتھوں پر کڑی نظریں رکھے ہوئے تھے لیکن اس کی انگلیاں بجلی کی طرح چل رہی تھیں۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ اوپر کے کارڈز بانٹ رہی تھی یا ہر ایک کو اپنی مرضی کے پتے دے رہی تھی۔ محض اسے پکڑنے کے آرزو میں ہم مسلسل سات بار اس سے ہارے، آخر سلطان شاہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔

"یہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس سے جیتنا مشکل ہے۔ تم دونوں ایک دوسرے کے خلاف ضد میں آتے جا رہے ہو۔ یہ صورتِ حال جاری رہی تو ملا سرکار سر پر آ جائے گا اور ہمارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکے گا۔"

"صرف اپنی بات کرو! میرے فرشتے ہر وقت بہت باخبر رہتے ہیں" ویرا ہنسی۔

شار پنگ میں ویرا کا ناقابلِ گرفت کمال میرے اعصاب پر سوار ہوا جا رہا تھا اس لئے میں نے بھی سلطان شاہ کی تائید کرتے ہوئے ویرا سے کہا "کھیل ختم! لیکن تم ہمیں بتا کر کارڈز بانٹو تو میں تمہیں مان جاؤں گا۔"

ویرا کھلکھلا کر بے اختیار ہنس پڑی "تم مجھے رفتار کم کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ سارا کمال اسی پھرتی کا ہے۔ اور اب تو سارے کارڈز اتنی مرتبہ میرے ہاتھوں سے گزر چکے ہیں کہ میری انگلیاں پورے باون پتے پہچان سکتی ہیں۔"

اس نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے دو مرتبہ کارڈز تقسیم کئے اور ہر بار اس نے دیکھے بغیر ہر ایک کے بالکل صحیح کارڈز بتا دیئے۔ جو میرے لئے ایک حیرتناک تجربہ تھا۔ مجھے جوانی کے دنوں کے ساتھی، اقبال اور اعجاز یاد آئے جو اپنی چھوٹی چھوٹی سی چالاکیوں پر بہت ناز کیا کرتے تھے۔ وہ ویرا کی کارکردگی دیکھ لیتے تو

شاید حیرت سے سر کے بل کھڑے ہو جاتے۔

"بڑے کھیل میں تم کیا کرتی ہو؟" دل میں اس کی مہارت کا اعتراف کر لینے کے باوجود میں اس کی زبان سے اُس کی کسی کمزوری کا اعتراف سننا چاہ رہا تھا "لمبی بازیوں میں پیشہ ور جواری ہر ہاتھ میں نئی گڈی لیتے ہیں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' کسی جواری کی ساتھ لائی ہوئی مہر بند گڈی کو بھی دوسرے قبول نہیں کرتے۔ گڈیاں عموماً کیسینو کے کاؤنٹر وغیرہ سے ہی لی جاتی ہیں۔ جن کی اصل پیکنگ مہارت کے ساتھ کھول کر اپنے اپنے کوڈ کے مطابق اہم کارڈز کی مارکنگ کی جاتی ہے جس سے کلب یا کیسینو کے اہم ملازمین کے علاوہ کوئی واقف نہیں ہوتا۔ ایسی گڈیاں دوبارہ اصل حالت میں پیک کر کے کاؤنٹر پر پہنچا دی جاتی ہیں۔ ایسی گڈیاں صرف ان ہی میزوں پر دی جاتی ہیں جہاں کیسینو کے تنخواہ دار شارپر عام جواریوں کے روپ میں وہاں آنے والوں کو لوٹنے کے لئے مستعد بیٹھے ہوتے ہیں۔"

"تو کیا تم بھی کسی کیسینو میں ملازم تھیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ڈان مرسیانو کی سرپرستی میں' میں نے دنیا کا ہر ذلیل اور گھٹیا کام بہت شوق سے کیا تھا۔ اس کی محبت اور تربیت کچھ ایسی تھی کہ ذہن سے اچھائی اور برائی کا ہر امتیاز مٹ گیا تھا۔"

"پھر تو شارپنگ سے لوٹی ہوئی رقم کیسینو والوں کی جیب میں جاتی ہوگی؟" سلطان شاہ نے دیا سلائی کے سرے سے اپنے دانتوں میں خلال کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اس میں میرا پانچ سے پندرہ فیصد تک کمیشن ہوتا تھا۔ جیتی ہوئی رقم میں اضافے کے ساتھ ہی کمیشن کی شرح بھی بڑھتی جاتی تھی جو زیادہ سے زیادہ پندرہ فیصد تھی۔"

"کیسینو کے مستقل گاہک تو ایسے جعلی جواریوں کو اچھی طرح پہچاننے لگتے ہوں گے پھر یہ گاڑی کیسے چلتی ہے؟" سلطان شاہ کو اس ذکر میں دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔

"پیشہ ور شارپر مستقل گاہکوں سے دور دور ہی رہتے ہیں۔ ویسے بھی اس قسم کی تفریح گاہوں کے مستقل مقامی گاہک بہت کم ہوتے ہیں۔ ان کی رونق بیرونی سیاحوں سے قائم رہتی ہے اور کھیلے کے دھندے بھی ان ہی کے سہارے چلتے ہیں۔ اگر اتفاقاً کوئی مستقل گاہک ایسے کھیل میں ملوث ہو جائے تو اپنی ساکھ اور رازداری برقرار رکھنے کے لئے کیسینو والے مطالبہ کئے جانے پر اس کی ہاری ہوئی پوری رقم سروس چارجز کاٹ کر خاموشی سے لوٹا دیتے ہیں۔"

"بڑی عجیب اور ناقابلِ یقین باتیں بتا رہی ہو تم" سلطان شاہ بڑبڑا کر رہ گیا۔

"ٹیکسی ڈرائیور اور گائیڈ وغیرہ عام طور پر ایسی تفریح گاہوں کے ٹاؤٹ ہوتے ہیں۔ انتظامیہ کی جانب سے انہیں فی شکار ... میں ہزار سے ... دیئے جاتے تھے۔"

"اور اگر ایسا شکار سرے سے جوا ہی نہ کھیلے تو کیا ہوتا ہے؟"

"فکر نہ کرو' تم گئے تو وہ تمہارے کپڑے نہیں اتاریں گے" ویرا بے ساختہ ہنسی کے ساتھ بولی "بعض کنگال سیاح ... تصویریں لینے اور اپنے ملک واپس جا کر دوستوں پر رعب جھاڑنے کے لئے ایسی مہنگی نشاط گاہوں کا رخ کرتے ہیں اور ... کا صرف ایک مگ پی کر باہر آ جاتے ہیں لیکن انتظامیہ انفرادی گاہکوں کے بجائے اوسط پر نظر رکھتی ہے۔ اسی بھیڑ میں ... ایسے گدڑی کے لعل نکل آتے ہیں جو سارے اخراجات علاوہ بھی لاکھوں لیرے دے جاتے ہیں۔ پہلے سے کسی سیاح کے ماتھے پر نہیں لکھا ہوا ہوتا کہ وہ کن ارادوں کے ساتھ ... خاک چھانتا پھر رہا ہے۔"

"بعض لوگ تو جوا صرف ہارنے کے لئے ہی کھیلتے ہیں" ... نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"بعض نہیں بلکہ ہر جواری صرف ہارنے کے لئے ہی ... ہے۔" ویرا نے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا "جوئے میں جیتی رقم پر مالِ مفت' دلِ بے رحم کی مثال صادق آتی ہے جسے ... اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر عیش و نشاط میں اڑا دیتے ہیں ہاری ہوئی رقم ہمیشہ گرہ سے جاتی ہے' اسی لئے دنیا کا ہر ... ساری عمر اپنے مقدر کی سیاہی کا رونا روتا رہتا ہے۔ مجھے آج ... کوئی ایسا جواری نہیں ملا جس نے جیت کی رقم سے اپنی ... سنواری ہو۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو" سلطان شاہ نے جلدی سے اس کی ... کی "جواری ہر وقت روتے ہی رہتے ہیں۔ ٹرانسپورٹ لائن ... نشے کے ساتھ جوئے کی لت بھی بہت عام ہے۔ میں ... دونوں خرابیوں کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔ جیتا ... ہمیشہ یاروں کا ہوتا ہے' ہارنے والا اکیلا رہ جاتا ہے۔"

"چند برس پہلے لاس ویگاس کے جوئے خانے میں ایک شہزادے نے دنیا کی سب سے بڑی رقم ہارنے کا ریکارڈ بھی ... تھا" ویرا بھی سلطان شاہ کی معلومات میں اضافہ کرنے پر ... تھی۔ "آدھی رات گزرنے کے بعد وہ ہارتے ہارتے ... ہونے لگا تو کسی نے اسے بتایا کہ ایک رات میں سب سے ... کا نیا ریکارڈ قائم کرنے کے لئے بس چند لاکھ ڈالرز کی ... تو وہ ایک نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ دوبارہ ہارنے ... جم گیا۔ صبح ہونے سے پہلے وہ اپنا نام ورلڈ ریکارڈ ... کرانے کا حق دار ہو چکا تھا۔"

"عربوں کو جانے آج کل کیا ہو گیا ہے؟" میں نے ... میں کہا۔

"میں نہیں سمجھتی تھی کہ تمہارے خیالات ...

خود بتاؤ کہ ایک ریکارڈ قائم کرنے کے لئے ایک رات
ں ڈالر ہارنے کا کیا جواز ہے؟ ہارنے والے کو کس
قانون نے یہ اختیار دیا تھا؟"

سی نے نہیں" ویرا دوٹوک لہجے میں بولی "اُس کی رقم
کھیلا اور ہار گیا' تم اس پر اعتراض کرنے والے کون
؟ آزاد معاشرے میں کسی فرد پر ایسی کوئی پابندی نہیں
تی۔"

خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ میرا دل چاہا کہ ویرا کو
نگام شہزادوں کی آمدنی کے ذرائع پر ایک لیکچر دوں' اسے
وہ لوگ اپنی قوموں کی حق تلفی کرکے اپنی تجوریوں کی
ماتے چلے ہیں لیکن میں ضبط کرکے خاموش ہی رہا۔ وہ
ت نازک تھا' ویرا جیسی لادین عورت کے سامنے اس
مزید گفتگو مناسب نہیں تھی کیونکہ اس کی نسل کے
ق کو جانے بوجھے بغیر دنیا کے تمام مسلمانوں کو ایک ہی
شمار کرتے تھے۔ میری باتوں سے حوصلہ پاکر ویرا ذرا بھی
تی تو معاملہ یک بیک سنگین ہو سکتا تھا۔

تگو کے دوران میں ویرا غیر ارادی طور پر دیر تک کارڈز
ی۔ پھر سلطان شاہ نے موقع کی نزاکت بھانپ کر اس سے
مطالبہ کیا تو وہ گڈی پیکٹ میں ڈال کر وہاں سے اٹھ گئی۔
عربوں کے معاملے میں ابھی تم کچھ جذباتی ہو گئے تھے؟"
چلے جانے پر سلطان شاہ نے تادیبی لہجے میں کہا۔

مجبوری ہے اس جذباتی وابستگی کو کسی بھی صورت میں ختم
جا سکتا۔ میں کیا' کوئی بھی سمجھدار آدمی جب ان کی نادر
حماقتوں اور شرمناک کمزوریوں کا دفاع نہیں کرپاتا تو
میں ایسی ہی لایعنی باتوں پر اتر آتا ہے۔ کوئی تمہارے
بھائی کو بدمعاش کہے تو تمہارا کیا رویہ ہو گا؟"

ویرا کے ساتھ تم نے بھی جن کے کئی گلاس پیے ہیں۔"
شاہ میرا شانہ تھپکتا ہوا بولا "وقت تیزی کے ساتھ گزرتا
ہے۔ تم دونوں کچھ دیر کے لئے آرام کرکے اپنے اعصاب
نڈال پر لے آؤ تاکہ سات بجے تک ہم سب اپنی بہترین
ر جسمانی صلاحیتوں کے ساتھ ملا سرکار کا مقابلہ کرنے کے
رہ سکیں۔"

نے حیرت سے اسے گھورا اور کہا "اب تم بھی بہت
اردو بولنے لگے ہو!"

"تمہارے ساتھ رہ کر میں نے بہت کچھ سیکھا ہے" اس نے
بت سے لبریز لہجے میں کہا "اردو بہتر ہو گئی ہے' انگریزی بولنے
نہ باہر کی دنیا دیکھ لی ہے' روپے پیسے کی ریل پیل ہے۔
ی کا آرزو ہے کہ تم غزالہ بھابی کے ساتھ اپنا گھر آباد
بھی سکھ چین کے ساتھ اپنا کوئی کونا کنارا کرلوں۔"
خواب ہمیشہ آسان اور بہت سہانے ہوتے ہیں برخوردار!

میں نے ہنستے ہوئے کہا "غزالہ کی بازیابی اس وقت کا اہم ترین مسئلہ ضرور ہے لیکن آخری نہیں۔ یہ نہ بھولو کہ مافیا میری مجبوری بنی ہوئی ہے اور شی اور مافیا کے بڑے کسی بھی وقت مجھے یورپ کے کسی مقام پر طلب کرسکتے ہیں۔ ان امور کو طے کئے بغیر پُرسکون گھریلو زندگی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ شکاری کتے ہروقت ہمارے خون کی بو پر لگے رہیں گے۔"

"خاموشی کے ساتھ لاطینی یا جنوبی امریکا کے کسی ملک کی طرف فرار ہو کر وہاں رُوپوشی کی زندگی گزاری جا سکتی ہے۔" سلطان شاہ نے تجویز پیش کی۔

"میں اس بارے میں بہت سوچ چکا ہوں۔ اوّل تو وہ ممالک دنیا بھر کے بھگوڑوں اور اشتہاری مجرموں کے گڑھ ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے اِکّا دُکّا مجرم اب بھی وہاں دریافت ہوتے رہتے ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر دنیا بھر کی قابلِ ذکر خفیہ ایجنسیاں وہاں سرگرمِ عمل رہتی ہیں۔ امریکا میں منشیات کی سب سے بڑی اور زرخیز منڈی ہونے کی وجہ سے ان ممالک میں زیرِ زمین تنظیموں کی مضبوط شاخیں ہیں۔ کئی ممالک میں حکومتیں ڈرگ مافیا کے اشاروں پر بنتی اور ٹوٹتی ہیں' انتظامیہ کے ہزاروں اہم ارکان ان کے تنخواہ یافتہ ہوتے ہیں۔ وہاں رہ کر شی اور مافیا سے بچے رہنے کا خیال حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

"حبیب جیوانی والا ڈراما بھی کامیاب ہو سکتا ہے" سلطان شاہ بولا۔

"وہ کیا؟" اس کی تجویز پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

"جرمن پولیس کے ریکارڈ کے مطابق حبیب جیوانی ان کی قید میں مرچکا ہے لیکن وہ یہاں زندہ اور آزاد ہے" سلطان شاہ نے اپنی تجویز کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اب وہ حبیب جیوانی کے نام سے کبھی سامنے نہیں آسکتا۔ نام اور شناخت کھو کر زندہ رہنے سے تو بہتر ہے کہ آدمی بے جگری سے حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے پورے اعزاز کے ساتھ موت کو گلے لگا لے۔"

ویرا کی خوابگاہ میں ہلکی پھلکی گپ شپ میں مصروف رہ کر ہم آنے والے لمحات کا انتظار کرتے رہے۔ سلطان شاہ کو چائے دینے کے بعد ویرا نے بستر پر دراز ہو کر آنکھیں موندلی تھیں۔

ساڑھے چھ بجے ہم دونوں منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو گئے۔ ویرا غسل کے ارادے سے باتھ روم میں جا گھسی۔ میرا خیال تھا کہ وہ کافی دیر میں فارغ ہوگی مگر وہ بھی چند ہی منٹ میں تیار ہو کر باہر آگئی اور ہم تینوں اپنے اسلحے سمیت خوابگاہ سے ڈرائنگ روم میں منتقل ہو گئے جہاں ہمارے مورچے تیار تھے۔

وقت دھیمے دھیمے سرکتا رہا۔ سب اپنی اپنی جگہ پر خاموش تھے اور اعصابی تناؤ لحہ بہ لحہ بڑھتا ہی جارہا تھا۔ ویرا مسلسل سگریٹیں پھونکے جارہی تھی۔

سات بجنے میں چند سیکنڈ باقی تھے کہ اچانک بجنے والی گھنٹی نے ہم تینوں کو چونکا دیا۔ ویرا یوں بری طرح اچھلی کسی نے اس کے کان میں قرنا بجادیا ہو۔

فون کی گھنٹی بجنے کا ادراک کرتے ہی وہ ڈرائنگ تپائی پر رکھے ہوئے فون کی طرف لپکی تھی لیکن میں نے ساتھ اس کی اضطراری کیفیت کو روک دیا۔

"یہاں نہیں' اپنی خواب گاہ میں جاکر اسپیکر فون پر وصول کرو۔"

وہ سب سے آگے لپکی تھی' اس کے پیچھے پیچھے ہم اس کی خوابگاہ میں پہنچ گئے۔

اس وقت تک ویرا اسپیکر فون کا بٹن آن کر چکی تھی۔ اس کی ہیلو کے جواب میں ملا سرکار یا بلیک کیٹ کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔

"سات بجنے والے ہیں' میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ تمہارے گھر سے اگلی گلی میں ایک ٹیکسی کی پچھلی نشست پر موجود ہے' تم وہاں سے اسے لاسکتی ہو۔"

"یہ کیا بک رہے ہو؟" ملا سرکار کی بات سنتے ہی کھوپڑی چیخ گئی "تم نے اسے لاوارث کی طرح وہاں کیوں چھوڑا ہے؟ تمہیں اس کو میرے گھر پہنچانا تھا۔"

"میں اسے تمہارے گھر ہی بھیج دیتا لیکن مجھے قابلِ اعتماد آدمی نہیں مل سکا۔ میں خود ٹیکسی ڈرائیو کرکے وہاں تک لایا ہوں" اس کا لہجہ نرم اور معذرت خواہانہ تھا۔

"تو کیا تم خود کو آدمی کے بجائے چوپایہ سمجھتے ہو؟" ویرا نے غرا کر سوال کیا۔

"تمہیں میری مجبوری معلوم ہے" ملا سرکار کی آواز ابھر آیا "ڈینی کسی خونی بھیڑیئے کی طرح میرے پیچھے لگا ہے۔ اس وقت میں کہیں بھی سامنے آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

ویرا اس جواب پر مزید بھڑک گئی "تو کیا تمہارا خیال ہے کہ میں نے تم کو پکڑنے کے لئے ڈینی کو اپنے گھر میں چھپایا ہوا ہے؟" یہ ویرا کا' اپنے دل کا چور تھا ورنہ میں بھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ ملا سرکار کا وہ مقصد نہیں تھا۔

"میری بات کا غلط مفہوم نہ لو' میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش کرو!" وہ مدافعانہ لہجے میں کراہا تھا "مجھے تمہاری نیت پر کوئی شبہ نہیں ہے لیکن تم خود بتا چکی ہو کہ ڈینی آزاد ہے' اونٹ کی طرح منہ اٹھائے تمہارے پاس چلا آتا ہے۔ اس وقت آگیا تو کیا ہوگا؟"

"تمہاری طرح میرے بھی کچھ تحفظات ہوسکتے ہیں۔" اس کے لب و لہجے کا کوئی اثر لئے بغیر بولی "کیا پتا کہ تم اس بہانے سے مجھے میرے گھر سے باہر نکالنا چاہ رہے ہو اور تمہارے آدمی میری گھات میں ہوں۔ غزالہ تمہاری قید

کرنے کے لئے تم مجھے بھی اغوا کرنے کی کوشش کر سکتے
ا

تو یہ مجھے اتنا گھٹیا انسان نہ سمجھو' میں ایسی گری ہوئی
بھی نہیں سکتا....."
ایک پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ کے لئے کسی انسانی جان یا
کوئی وقعت نہیں ہوتی" ویرا اس کی بات کاٹ کر سرد
رحمانہ لہجے میں بولی "اس کی تربیت کا پہلا اصول' ہر
اپنے مقصد کا حصول ہوتا ہے۔ ڈینی نے تمہاری دُم میں
دیا ہے اس لئے تم اپنی کھوئی ہوئی پوزیشن بحال کرنے
لئے بھی کر سکتے ہو۔"
اگر میں اسے لے آؤں تو تم مجھے میری سلامتی کی ضمانت
"ملا سرکار نے جھکتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔
ہرگز نہیں" ویرا اس کی دم توڑتی ہوئی قوت مزاحمت کا
اکر دو ٹوک لہجے میں بولی "ہم دونوں کا ایک ہی پیشہ ہے۔
پہلے میں جو کچھ تمہارے بارے میں کہہ رہی تھی' وہی
ویر بھی صادق آتا ہے۔ تمہاری ضمانت تسلیم کروں گی اور
ہیں کوئی ضمانت دوں گی۔ غزالہ کو لانا ہے تو خود میرے گھر
اسے واپس لے جاؤ....."
اتنی تیزی سے فیصلے نہ کرو' مجھے سوچنے کی مہلت دو۔ اور
ی التوا کی درخواست کا کیا بنا؟"
کچھ بھی نہیں۔ اب اسے بھول جاؤ۔ تم پہلے مرحلے میں ہی
ی کے مرتکب ہوئے ہو۔ غزالہ کو لانے کا وقت گزر چکا
ب اس بارے میں کوئی بات نہیں ہو سکتی۔"
نہیں نہیں' ایسا نہیں کہو" اسپیکر فون پر اس کی گڑگڑاتی
از ابھری تھی "وہ خود تمہارے پاس پہنچتی ہے یا میں اسے
اتھ لے کر آتا ہوں۔"
وہ خود کیسے آئے گی؟" اس بار ویرا اپنے اضطراری تحیر پر
طرح قابو نہیں پا سکی تھی۔ لیکن ملا سرکار شاید ویرا کے
رونما ہونے والی تبدیلی کو محسوس نہیں کر سکا اور روانی
"میں اسے بے ہوش کر کے لایا تھا' وہ کسی مریضہ کی طرح
لیٹی ہوئی' کار کی پچھلی سیٹ پر سو رہی ہے۔ میں اسے
لا کر تمہارے گھر کا راستہ سمجھا دوں گا....."
یعنی تم خود نہیں آؤ گے؟" ویرا کو ایک مرتبہ پھر غصہ آگیا۔
اگر وہ فوری طور پر ہوش میں نہ آئی تو مجھ ہی کو آنا پڑے گا۔
کی کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ انسان پر جب ا
تا ہے تو وہ اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگتا ہے۔"
تم جیسے ڈراؤنے ایجنٹ کی زبان سے یہ لطیفہ عجیب سا لگ
میں تمہیں خبردار کر رہی ہوں کہ مجھے غزالہ کی آڑ میں
ور کھیل کا شبہ بھی ہو گیا تو میں غزالہ کو بھی گولی مارنے سے
نہیں کروں گی۔"

"تم واقعی بہت عظیم ہو مادام" ملا سرکار کی تشکر آمیز آواز ابھری "اس کا مطلب ہے کہ تم نے میری دونوں تجاویز منظور کر لی ہیں۔ مجھے ڈر صرف اتنا ہے کہ وہ خونخوار لڑکی ہوش میں آتے ہی مجھ پر حملہ نہ کر دے۔"

"مجھے خوشامد سے نفرت ہے جو کچھ کر سکتے ہو' وہ سوا سات بجے تک کر لو۔ اگلی گلی سے میرے گھر تک کا فاصلہ چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں ہے" ویرا کا لہجہ یک بیک درشت ہو گیا۔

"بہت بہت شکریہ' مادام" پھٹکار سن کر دوسری طرف سے کہا گیا اور لائن کٹ گئی۔

"اعصابی جنگ میں تم سے جیتنا بہت مشکل کام ہے" سلطان شاہ نے تعریفی لہجے میں کہا "مخاطب سے بات کرتے ہوئے اس کی بدلتی ہوئی ذہنی کیفیت کا ٹھیک اندازہ لگانے میں صرف ڈینی ہی تمہارا ہمسر ہے۔ تمہاری سنگ دلانہ گفتگو سے لمحہ بھر کے لئے مجھے بھی شبہ ہونے لگا تھا کہ تم واقعی غزالہ کی دشمن ہو گئی ہو۔"

"وہ کسی بھی لمحے یہاں آ سکتا ہے" میں نے ان دونوں کو خوابگاہ سے باہر دھکیلتے ہوئے جلدی سے کہا "گھر کی تمام روشنیاں گل کر کے کھڑکیوں سے پردے ہٹا دو تاکہ ہم لوگ باہر ہونے والی نقل و حرکت پر نگاہ رکھ سکیں۔"

"اور اگر اس نے خود یہاں آنے کے بجائے غزالہ کو پتا سمجھا کر ادھر ہانک دیا تو کیا ہو گا؟" سلطان شاہ نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے سوال کیا۔

"وہی ہو گا جو منظورِ خدا ہو گا" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔
"ہمارا مقصد آم کھانے سے ہے' پیڑ گننے سے نہیں۔ ایک بار غزالہ ہماری تحویل میں آگئی تو ملا سرکار کا مقابلہ کرنا زیادہ دشوار نہیں رہے گا۔ ہم سب پوری یکسوئی کے ساتھ اس کی حرکتوں کا سدِباب کر کے اسے گھیر سکیں گے۔"

اس اثنا میں ویرا نے ڈرائنگ روم کی تمام روشنیاں گل کر کے کھڑکیوں پر سے پردے ہٹانے شروع کر دیئے تھے۔ جب کہ احاطے کے لیمپ پہلے سے روشن تھے۔ اس وجہ سے ہم اندھیرے میں رہتے ہوئے باہر رونما ہونے والی تبدیلیوں پر نظر رکھ سکتے تھے لیکن باہر سے ہمارا دیکھ لیا جانا ممکن نہیں تھا۔

"ملا سرکار کے بارے میں تمہارا کیا پروگرام ہے؟" اپنے کام سے فارغ ہو کر ویرا نے سوال کیا۔

"ہائیں!" سلطان شاہ حیرت سے بولا "ساری رات یوسف زلیخا سن کر اب پوچھ رہی ہو کہ زلیخا مرد تھا یا عورت تھی؟ تمہیں ابھی تک پتا نہیں چل سکا کہ ہم اس کا کیا کرنا چاہتے ہیں۔"

"اپنی چونچ بند رکھو۔" ویرا ناگواری کے ساتھ بولی "ڈینی میرے سوال کو سمجھ رہا ہے۔ ایسے معاملات میں تم اپنی ننھی سی کھوپڑی پر زیادہ زور نہ دیا کرو۔ کسی روز دہ چنخ بھی سکتی ہے۔"

"میری کوشش ہوگی کہ اسے زندہ پکڑا جائے" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حالات قابو سے باہر ہو جانے کی صورت میں ہم اسے زندہ نکل جانے دیں گے۔"

ڈرائنگ روم کے دو اطراف میں کھڑکیاں تھیں۔ بغلی کھڑکی کے مقابل سلطان شاہ جم گیا۔ دوسری کھڑکی سے میں نے پھاٹک کی نگرانی شروع کردی۔ ویرا میرے قریب ہی موجود تھی۔

پچھلی بار کے مقابلے میں دونوں طرف سے بارودی اسلحہ استعمال کیا گیا تھا اور اس کی پُرشور آوازوں نے پورے علاقہ کی فضا مکدر کردی تھی۔ وہ تو ہمارے ستارے اچھے تھے یا علاقہ پولیس کی نااہلی کہ کوئی ویرا کے مکان کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا لیکن اس بار ہم نے ملا سرکار کے استقبال کے لئے بہتر تیاریاں کی ہوئی تھیں۔

ہمارے پاس بڑے بور کے دو بے آواز پستول اور سائلنسر لگی ہوئی ایک بیش قیمت رائفل موجود تھی۔ جس کی مدد سے یہ قصہ خاموشی کے ساتھ نمٹایا جاسکتا تھا۔ بگڑی ہوئی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے دو عدد کلاشنکوف بھی موجود تھیں۔ مجھے امید تھی کہ ان تمام انتظامات کے سبب وہ ملاّ سرکار کی آزاد اور خودمختار زندگی کی آخری رات ثابت ہونے والی تھی۔

ویرا کے مکان سے اگلی گلی کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا اور میرا خیال تھا کہ جو کچھ بھی ہونا تھا وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں رونما ہوسکتا تھا۔

جب ہمیں انتظار کرتے ہوئے تقریباً نصف گھنٹا گزر گیا تو میرے اعصاب پر بے چینی سوار ہونے لگی۔

طویل ہوتے ہوئے صبر آزما لمحات ویرا کے لئے بھی ذہنی بے آرامی کا سبب بن رہے تھے اس لئے سب سے پہلے اسی نے اپنے دل میں پیدا ہونے والے خدشات کا اظہار کیا۔ "اس تاخیر پر مجھے تشویش ہونے لگی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ملاّ سرکار خود یہاں آنے سے گریز کر رہا ہے۔ وہ غزالہ کو ہی ہوش میں لاکر ادھر روانہ کرے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ غزالہ پر بے ہوشی کی دوا کے اثرات دور کرنے میں ناکام رہا ہو۔" میں نے کہا۔

"غزالہ اس کی قیدی ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس نے ہوش میں آتے ہی ملا سرکار کی کوئی بات سنے بغیر اس پر حملہ کردیا ہو اور وہ جان بچا کر بھاگ نکلنے پر مجبور ہوگیا ہو" ویرا نے پُرتشویش لہجے میں کہا "یہ صورتِ حال ہمارے لئے بہت زیادہ خطرناک ہوگی۔ نہ غزالہ یہ جان سکی ہوگی کہ وہ ہم سے اس قدر نزدیک موجود ہے اور نہ ہی ملا سرکار غزالہ کے بغیر ادھر کا رخ کرنے کی ہمت کرسکے گا۔ ایک بار غزالہ اس کی گرفت سے نکل گئی تو سمجھو کہ ہم ملاّ سرکار سے بھی گئے۔"

بظاہر ویرا کی بات میں وزن تھا۔ ان دنوں غزالہ جن حالات سے گزر رہی تھی ان سے دوچار ہو کر کوئی بھی حوصلہ[illegible] لڑکی جارح اور خونخوار بن سکتی تھی اور غزالہ بڑے وقت[illegible] اپنی حیوانی جبلتوں کو پوری طرح روبہ کار لانے کی بھرپور صلا[illegible] رکھتی تھی۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک اٹل حقیقت [illegible] مکمل بے ہوشی سے ہوش میں آتے ہی انسان فوری طور [illegible] چست و چالاک نہیں ہوجاتا کہ کسی پر حملہ آور ہوسکے۔ [illegible] بے ہوشی اور کامل ہوش مندی کے درمیان ایک ایسا طو[illegible] بھی حائل ہوتا ہے جب انسان سب کچھ دیکھنے اور سننے [illegible] فوری اور اضطراری ردعمل کی طاقت سے یکسر محروم رہتا [illegible] اس کے اعصاب اور قویٰ بہت آہستہ آہستہ بے ہوشی [illegible] اثرات کی گرفت سے نکلتے ہیں۔

میری دانست میں غزالہ کے ہوش میں آنے اور پوری [illegible] چونچال ہونے کے درمیان ملا سرکار کو بہ آسانی اتنا وقفہ [illegible] تھا کہ وہ غزالہ کو اپنی بات سنا اور سمجھا سکے۔ یہ اور بات [illegible] ویرا کے گھر کا پتا ٹھکانا سمجھ لینے کے بعد غزالہ کے بدن [illegible] طاقت بحال ہوگئی ہو کہ اس نے ملاّ سرکار کو مار بھگایا ہو۔

اور بفرضِ محال غزالہ نے اپنی غیر معمولی قوت ارا[illegible] ہمارے ملا سرکار پر کوئی فوری وار کر ہی دیا تھا تو ملا سرکار [illegible] نہ کہیں سے فون کرکے ویرا کو اصل صورت حال سے آ[illegible] چاہئے تھا۔

اس محاذ پر مکمل اور طویل ہوتی ہوئی خاموشی میرے [illegible] اعتبار سے تشویش انگیز تھی۔

"کیوں نہ میں باہر جاکر دیکھ لوں کہ وہاں کیا ہو رہا [illegible]" سلطان شاہ نے کہا۔

"تم دونوں تو اس وقت باہر نکل ہی نہیں سکتے۔" [illegible] سختی کے ساتھ کہا "میں ملا سرکار کو بتا چکی ہوں کہ میں تم[illegible] انتظار کر رہی ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ دیر کرکے وہ ہمارے اعص[illegible] مضبوطی کا اندازہ لگانے کے ساتھ ہی آس پاس منڈلا رہا [illegible] نے تمہارا سایہ بھی دیکھ لیا تو وہ میرے منہ آنے لگے گا [illegible] اس پر جو بالا دستی حاصل ہوگئی ہے' وہ پل بھر میں ختم ہو [illegible] ہاں' یہ ممکن ہے کہ میں باہر نکل کر گلی کا جائزہ لے آؤں [illegible]"

"اس کی میں اجازت نہیں دوں گا۔" میں نے فوراً [illegible] کا خیال مسترد کردیا "عام حالات کی بات اور ہوتی لیک[illegible] واسطہ ملا سرکار جیسے پدرالحرام سے پڑا ہوا ہے۔ وہ زہر[illegible] اور تخریبی سوچ کا مالک ہے' کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کب [illegible] گزرے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ غزالہ کو سرے سے ساتھ [illegible] ہو اور کسی تدبیر سے تمہیں باہر نکلنے پر مجبور کرکے تم [illegible] ڈالنا چاہ رہا ہو۔ اس وقت ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے [illegible]"

"بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم دونوں' ایک دو[illegible] لئے اپنے دلوں میں اتنے ہمدردانہ خیالات رکھتے ہو۔[illegible]"

بیان میں 'میں ایک یتیم پھنس گیا ہوں....'"
"بکواس مت کرو' د... ہم دونوں کے باہر نکلنے کے خلاف ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر غراتے ہوئے کہا۔
"میرا مطلب یہ تھا کہ ملا سرکار یا اس کا کوئی آدمی سامنے ہی مکان کی نگرانی ... رہا ہوگا۔ میں عقبی حصے سے باہر پھاند کر مزہ لینے کے لئے جا سکتا ہوں۔" وہ میری بات سنی ان سنی کر کے بولا۔
"اور دیوار پھاندتے ہوئے' کوئی نادیدہ گولی تمہاری کھوپڑی میں گھس گئی تو کیا ہوگا؟"
"موت آئے گی تو اس مکان پر کوئی جہاز بھی گر سکتا ہے۔ ...ے کے لکھے کو پورا کرانے کے لئے انسان نے اپنی ترقیوں سے ایسی نادر سہولتیں پیدا کرلی ہیں کہ وقت آجانے پر وہ نہ مکان میں محفوظ رہ سکتا ہے اور نہ زمین کے اندر۔ سمندر تو ویسے ہمیشہ سے غیر محفوظ سمجھا جاتا ہے۔ طوفانی لہریں جب چاہتی ہیں' بستے ہوئے شہروں کو پل بھر میں اوندھا کر دیتی ہیں۔" وہ خوش دلی کے ساتھ بولا۔ کھلی ہوئی کھڑکیوں سے آنے والی تازہ ہوا اس کے دل پر خوشگوار اثرات مرتب کر رہی تھی۔
"جا رہے ہو تو دیکھ بھال کر جانا" ویرا قدرے توقف کے بعد بولی۔ "ویسے مجھے ایک اور بھی شبہ ہو رہا ہے۔"
"میرے جانے سے پہلے وہ بھی سنا دو تو مجھے تسلی رہے گی۔"
"ملا سرکار کا فون نہ آنے کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ...الدنے ہوش میں آتے ہی اسے بے ہوش کر دیا ہو اور ٹیکسی والے اسے اپنے ساتھ لے کر فرار ہو گئی ہو" ویرا بولی۔
"یہ امکان بھی قرین قیاس ہے لیکن باہر نکلے بغیر یقین سے نہیں کہا جا سکتا" میں نے کہا۔
"جانے سے پہلے میں اپنا تازہ ترین خیال بھی پیش کر دوں" ایک طویل عرصے کے بعد سلطان شاہ اس وقت موج میں آیا "... تھوڑی دیر پہلے تم نے آسمان سے مہلک کنکر برسانے والی ابابیلوں کا ذکر کیا تھا۔ اسے ایک استعارہ سمجھو تو آج کل کے ... ہوائی جہاز بھی اڑنے اور شور مچانے والی ابابیلیں ہیں جو ... پیٹ' پروں اور چونچ سے ہزاروں پاؤنڈ وزنی بارودی ... گرا کر بڑی سے بڑی فوج یا آبادی کو نیست و نابود کر سکتی ہے۔"
"اس وقت اس بے تکے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے ... لہجے میں پوچھا۔
"اچھی بات جب بھی سوجھ جائے' کہہ ڈالنی چاہئے۔ اسے ... موقع کے لئے روک کے رکھنے سے آدمی کو دانش وری کا ... مرض لاحق ہو جاتا ہے.... اچھا میں چلا" وہ فوراً ہی تاریک ... کے اندرونی حصے کی طرف ہولیا۔
"بنیادی طور پر یہ بہت خاموش طبع ہے لیکن کبھی کبھی بہت زیادہ بولنے لگتا ہے" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا نے دوسری کھڑکی کے سامنے جگہ لیتے ہوئے کہا۔
"جب سے تم نے اس کے ساتھ کوئی خفیہ زیادتی کی ہے' اس کی زبان کھل گئی ہے لیکن تم دیکھتی ہو کہ ہر موقع پر مجھے پیچھے رکھ کر بڑے سے بڑا خطرہ مول لینے کے لئے تیار رہتا ہے۔"
"کافی دیر ہوگئی اب سگریٹ کی خواہش ستا رہی ہے" وہ بڑبڑائی۔
"بیڈ روم میں جا کر دو سگریٹیں سلگا لاؤ۔ سگریٹ ہتھیلی میں چھپا کر کھڑکی سے نیچے جھک کر اکا دکا کش لگاتے رہیں گے تو باہر سے کسی کو پتا نہیں چلے گا۔"
میں ان دونوں سے باتیں کرتا رہا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ میرا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ ملا سرکار کی آخری فون کال کے بعد بڑھتا ہوا وقفہ نیش عقرب کی طرح میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔ مکان میں پھیلی ہوئی تاریکی اور آنے والے غیر یقینی لمحات کے دباؤ کی وجہ سے میرے اعصاب پر تناؤ طاری تھا اور حواس خمسہ ضرورت سے زیادہ ہی حساس ہو رہے تھے۔
کھڑکی سے باہر' روشن احاطے میں پودوں وغیرہ پر منڈلاتے ہوئے مچھروں کے غول پر ہول آسیبی ہیولوں کی طرح پھیلتے اور سمٹتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ زیادہ ارتکاز کے نتیجے میں جب ان ہیولوں میں خدو خال بھی ابھرتے ہوئے محسوس ہونے لگے تو میں نے دل ہی دل میں ملا سرکار پر لعنت بھیج کر پھاٹک پر نگاہیں مرکوز کر لیں۔
ویرا کے آنے سے قبل مجھے مکان کے کسی حصے میں دھمک کی آواز آئی جیسے کوئی احتیاط سے کہیں کودا ہو۔ میں نے اپنے سامنے پھیلے ہوئے احاطے کا دونوں کھڑکیوں سے جائزہ لے ڈالا لیکن وہاں ہر چیز جوں کی توں موجود تھی۔ ویرا سگریٹیں لے کر آئی تو میں نے اس سے بھی دھمک کے بارے میں استفسار کیا۔ اس نے نہ کوئی دھمک سنی تھی اور نہ ہی باتھ روم وغیرہ کا کوئی دروازہ اس طرح بند کیا تھا کہ اس سے دھمک جیسی کوئی آواز پیدا ہوتی۔
"ٹینشن کی وجہ سے اس وقت تم ذکی الحس ہو گئے ہو۔ پھر بھی میں احتیاطاً مکان کا ایک چکر لگائے لیتی ہوں۔" اس نے غیر ارادی طور پر سرگوشیانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔
"مکان میں چل کر داخل ہوا جاتا ہے کودنے کی آواز باہر سے آئی تھی...."
اس نے میری بات کاٹ دی۔ "کودنے والا بھی اندر آنے کی نیت سے ہی کودا ہوگا۔ پھر سلطان شاہ بھی باہر گیا ہے۔ اس کے پاس عقبی راستے کی چابی تھی' ہو سکتا ہے کہ وہ اسے مقفل کرنا بھول گیا ہو۔ لگے ہاتھوں میں وہ دروازہ بھی چیک کرلوں گی لیکن اب تک وہاں بہت زیادہ تعفن پھیل چکا ہوگا۔"

"دعا کرو کہ اس مکان میں یہ ہماری آخری رات ثابت ہو۔ موہن داس کی لاش اب اتنی گل چکی ہے کہ اس سے مواد بہنا شروع ہو گیا ہو گا۔" میں نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔
"متعدی جراثیم سے مجھے دہشت آتی ہے۔" اس کی کمزور آواز ابھری۔ "میں یہاں رکتی ہوں۔ تم مکان کا چکر لگا لو۔ وہ ہماری بے خبری میں عقب سے اندر آگیا تو پوری بازی الٹ جائے گی۔"

تاریک مکان میں ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھتے ہوئے میں پوری توجہ سے ایک ایک گوشے کا جائزہ لے رہا تھا۔ فرش پر قالین موجود ہونے کے باوجود میں اپنے بدن کا زیادہ بوجھ پنجوں پر سہار کر پیش قدمی کر رہا تھا۔ میں وسطی لابی میں تھا کہ ایک بار پھر دھمک کی آواز سنائی دی۔ وہ اس قدر واضح تھی کہ سنسنی سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں جہاں تھا وہیں رک گیا کیونکہ اس بار دھمک باہر نہیں بلکہ چھت پر پیدا ہوئی تھی۔
میں کئی ثانیوں تک اپنی جگہ پر یوں ہی منجمد کھڑا رہا لیکن پھر مجھے اپنی تیز سانسوں کے علاوہ کوئی اور آواز نہیں سنائی دی۔ چھت تک جانے والے زینے اسی وسطی لابی میں اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے مگر مجھے معلوم تھا کہ اوپر ان کے اختتام پر ایک مضبوط چوبی دروازہ دہرے قفل سے محفوظ رہتا تھا۔
بدمعاش ملا سرکار اگر کسی تدبیر سے مکان کی چھت پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا تو اس وقت سب سے زیادہ اہمیت زینے والے دروازے کی تھی۔ دوسری فکر مجھے سلطان شاہ کے بارے میں لاحق ہو گئی۔
اسے گئے ہوئے اتنی دیر ہو گئی تھی کہ مجھے یقین تھا کہ وہ مکان سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہو گا لیکن واپسی پر اس کی سلامتی کو بدترین خطرات لاحق تھے۔ اگر ملا سرکار مکان کی چھت پر موجود تھا تو وہ سلطان شاہ کو احاطے کی دیوار پر دیکھ کر نہایت آسانی کے ساتھ گولی مار سکتا تھا۔ وہ ایک ایسا لرزہ خیز امکان تھا جس کے بارے میں، میں صرف سوچ ہی سکتا تھا، فوری طور پر اس کا سدباب کرنا میرے بس سے باہر تھا۔
زینے پر پائیدان یا قالین نہیں تھا اس لئے میں نے پھونک پھونک کر پنجوں کے بل زینے طے کئے اور غیر معمولی احتیاط کے ساتھ اس کے دونوں قفل چیک کئے۔ مجھے اطمینان ہوا کہ دروازہ مقفل تھا۔

میں چند ثانیوں تک آخری زینے پر دروازے کے قریب رکا رہا۔ دوسری طرف موت کا سا بھیانک سکوت طاری تھا لیکن میری چھٹی حس مجھے خبردار کر رہی تھی کہ وزنی چوبی پٹ کے اس پار بھی مجھ جیسا کوئی جیتا جاگتا وجود تاروں بھرے آسمان کے نیچے موجود تھا۔ بڑی شدت کے ساتھ میرا دل چاہا کہ اپنے اعشاریہ تین دو کے پستول کا دہانہ لکڑی پر رکھ کر میں دروازے کے پار فائر کر دوں۔ اس حد فاصل کے اس پار جو کوئی بھی کھڑا ہوا تھا، میری گولی سے مرتا یا نہ مرتا لیکن زخمی ضرور ہو سکتا تھا۔
بدقسمتی سے اس وقت ان تالوں کی چابیاں میرے پاس موجود نہیں تھیں اور میں فوری طور پر دروازہ کھول کر کھلی ہوئی چھت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میں مقفل دروازے سے گولی چلا کر اپنے نادیدہ حریف کو زخمی کرنے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو میں اسے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ جتنی دیر میں، میں نیچے سے چابیاں لے کر پلٹتا، میرے زخمی حریف کو چھت پر سے کود کر کہیں بھی فرار ہونے کے لئے کافی مہلت مل سکتی تھی۔
آخری سیڑھی پر وہ چند لمحے صدیوں سے زیادہ طویل ہو گئے پھر اچانک ایک بہت موہوم سی آواز ابھری۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے دھات کی بنی ہوئی کوئی چیز ہولے سے کسی دھات سے مَس ہوئی ہو۔ وہ آواز اتنی مدھم تھی کہ اس کی حقیقت کے بارے میں خود میں بھی شبے میں پڑ گیا۔ ایسے جاں گسل لمحات میں تصور کی کرشمہ سازیاں بھی اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہیں۔
اگر کوئی بند تالے پر طبع آزمائی کر رہا تھا تو دوبارہ کوئی آواز، کوئی کھنک یا کوئی کھٹکا سنائی دینا چاہئے تھا لیکن وہاں گہرا اور لامتناہی سکوت چھایا رہا جیسے حریری لبادوں میں سرسرانے والی پُراسرار روحیں یک بیک عالم لاہوت کی طرف پرواز کر گئی ہوں اور اپنے پیچھے بیکراں سناٹا چھوڑ گئی ہوں۔
میں پنجوں کے بل سیڑھیوں سے نیچے آگیا۔ عقبی دروازے پر پہنچ کر مجھے خوشی ہوئی کہ سلطان شاہ ان اعصاب شکن لمحات میں بھی اپنے پیچھے دروازہ مقفل کرنا نہیں بھولا تھا۔
واپسی پر میں نے وسطی راہداری میں رک کر ایک بار پھر اوپر کی سن گن لینے کی کوشش کی لیکن وہاں گمبھیر سناٹا تھا۔ شاید ملا سرکار مقفل دروازے پر طبع آزمائی کا ارادہ ترک کر کے مکان میں گھسنے کی کوئی دوسری راہ تلاش کرنے کی فکر میں تھا۔
میں واپس پہنچا تو ویرا رائفل شانے پر لٹکائے اور کلاشنکوف ہاتھ میں لئے، کسی گوریلے کی طرح اپنی جگہ پر مستعد تھی۔
"تم نے وہ آواز سنی تھی؟" میری آواز سنتے ہی اس نے سوال کیا تھا۔
"کون سی آواز؟" اس کے مشاہدے کو آزمانے کے لئے میں انجان بن گیا۔
"کسی کے کودنے کی آواز... شاید چھت پر سے آئی تھی۔" اس کا لہجہ پُرسکون تھا۔
"غنیمت ہے کہ اس بار تمہارے کان بھی کام کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ملا سرکار یا اس کا کوئی آدمی ہماری چھت پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ وہاں سے مکان میں داخل ہونے کے

لئے زینے کے علاوہ تو کوئی اور راستہ نہیں ہے؟"

"نہیں، تالے توڑے بغیر کوئی اندر نہیں آسکتا۔ اب ہمیں ادھر کا خیال بھی رکھنا ہوگا۔" وہ پُر تشویش لہجے میں بولی "یہ سلطان شاہ کے حق میں بہت برا ہوا۔ اگر اوپر والے نے اسے دیکھ لیا تو تیتر کی طرح مار لے گا۔"

فکر مند میں خود بھی تھا مگر میں نے پُر امید لہجے میں کہا "فکر نہ کرو۔ سب سے اوپر والا اس کی حفاظت کرے گا۔ سلطان شاہ لوٹ آئے تو ہمیں اپنی حکمت عملی بدلنا ہوگی۔"

ہم دونوں وقفے وقفے سے وسطی راہداری کے زینے کا جائزہ بھی لیتے رہے لیکن ہماری پوری توجہ ڈرائنگ روم کی سمت والے محاذ پر ہی مرکوز تھی۔ اگر ملا سرکار کے ساتھ زیادہ نفری تھی تو ہمیں ایک سمت میں الجھا کر وہ دوسری سمت سے بہ آسانی وار کرسکتا تھا۔ چھت پر قابض ہونے کے بعد اسے ہم پر قدرے برتری حاصل ہوچکی تھی جسے ہم اپنی مستعدی اور مناسب منصوبہ بندی سے ختم کرسکتے تھے۔ شرط صرف اتنی تھی کہ سلطان شاہ زندہ و سلامت واپس لوٹ آتا۔

آخر کار کچھ دیر بعد سلطان شاہ بھی واپس آگیا۔ اس کا کسی سے ٹکراؤ نہیں ہوا تھا۔

اس نے یہ عجیب خبر سنائی کہ ویرا کے مکان سے آگے والی گلی میں ایک غیر مقفل ٹیکسی موجود تھی جس کے تمام شیشے چڑھے ہوئے تھے لیکن اس میں کوئی موجود نہیں تھا۔

ٹیکسی سے غزالہ اور ملا سرکار، دونوں ہی کا غائب ہونا اور ویرا کے مکان تک نہ پہنچنا ایک ہی حقیقت کا غماز تھا کہ ملا سرکار ابتدا سے ہی بدنیت تھا اور غزالہ کو اپنے ساتھ نہیں لایا تھا۔ اس نے فون پر ٹیکسی کی نشاندہی کرکے حیلے بہانے سے ویرا کو مجبور کرنا چاہا تھا کہ وہ گھر سے نکل کر خالی ٹیکسی کی طرف جائے۔ اگر وہ اس حماقت پر آمادہ ہو جاتی تو ملا سرکار اسے ٹیکسی ہی میں اغوا کرکے فرار ہو جاتا۔

ویرا کی ثابت قدمی سے مایوس ہو کر ملا سرکار اس کے مکان میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ سلطان شاہ کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی پر اسے نہیں دیکھا گیا تھا اور وہ ہلاک یا زخمی ہونے سے بال بال بچ گیا تھا۔

"پردے کھینچ دو!" سلطان شاہ کی کہانی سننے کے بعد میں نے ویرا کو ہدایت کی "اور مکان کے اندرونی حصوں کی روشنیاں جلا دو۔ اب ہم اندر ہی رہیں گے۔"

ویرا کھڑکیوں کے پردے برابر کرنے لگی اور میں سلطان شاہ کے ہمراہ اندر چلا گیا۔

اندر کی بتیاں روشن کرتا ہوا جب میں ویرا کی خوابگاہ میں جانے کے بجائے وسطی راہداری کی طرف بڑھا تو سلطان شاہ کچھ حیران ضرور ہوا لیکن اس نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔

"تم نے بتایا نہیں کہ غزالہ ملا سرکار کے ساتھ کہاں غائب ہوگئی؟" میرے مسلسل سکوت پر آخر کار سلطان شاہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور وہ سوال کر ہی بیٹھا۔

جواب میں، میں نے اسے اپنی بنائی ہوئی کہانی کا تانا بانا سنا دیا۔

"اس کے علاوہ کچھ اور ہونا ممکن ہی نہیں۔" سلطان شاہ کے تیور یک بیک بدل گئے۔ "اگر وہ ہمارے ساتھ کمینگی پر اتر آیا ہے تو ہمیں بھی اسے ویسا ہی جواب دینا چاہئے۔"

"جواب تو اس وقت دیا جائے گا جب وہ سامنے آئے گا۔ فی الحال آنکھ مچولی ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے ہم لوگوں کی یہاں موجودگی کا شبہ ہوگیا ہے ورنہ اب تک وہ اندر آچکا ہوتا۔"

"اندر محصور رہ کر انتظار کرنے کے بجائے ہم بڑھ کر وار کیوں نہ کریں؟" سلطان شاہ پر خون سوار ہونے لگا تھا۔ "اوپر کا دروازہ کھول کر اگر میں اندھا دھند گولیاں برساتا ہوا چھت پر نکل جاؤں تو کوئی بھی میرے سامنے آنے کی جرات نہیں کرسکے گا۔"

"لیکن کسی اوٹ سے آنے والی ایک ہی گولی تمہارا کام تمام کردے گی" میں نے اس کی بات کاٹ کر تیز لہجے میں کہا "دوسری بات یہ کہ غزالہ اس کے قبضے میں ہے۔ اگر اسے یہ پتا چل گیا کہ ویرا یہاں اکیلی نہیں ہے تو وہ فرار ہوجائے گا اور بعد میں اپنی بدنیتی تسلیم کرنے کے بجائے سارا الزام ویرا پر ڈال دے گا۔"

"ہاں! وہ کہہ سکتا ہے کہ اسے ویرا کے پروگرام کا پہلے ہی علم ہوگیا تھا اس لئے وہ غزالہ کو ساتھ نہیں لایا لیکن ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بھی نہیں بیٹھ سکتے، اس جمود سے دم گھٹ رہا ہے۔"

وقت گزرتا رہا۔ رات کے دس بج گئے لیکن کہیں سے کوئی کھٹکا نہیں سنائی دیا۔ ہر طرف سکوت طاری تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مداخلت کرنے والے کوئی راہ نہ پا کر واپس لوٹ گئے ہوں۔

"میرا خیال ہے کہ میدان صاف ہوگیا ہے ہمیں سونے کی تیاری کرنا چاہئے" ویرا نے تجویز پیش کی۔

اس نکتے پر ہم تینوں ہی متفق تھے لیکن سلطان شاہ سونے سے پہلے احاطے اور چھت کا ایک چکر لگانے پر مصر تھا۔ میری دانست میں رات کے وقت یہ کوشش خطرناک بھی ثابت ہوسکتی تھی اس لئے ہم آخری بار مکان کا جائزہ لے کر اپنے تمام اسلحے سمیت ویرا ہی کی خوابگاہ میں آگئے۔

ان غیر یقینی حالات میں ہمارا ایک دوسرے سے دور رہنا ہمارے حق میں مضر ثابت ہوسکتا تھا۔ ویرا کو لاکھ انکار کے باوجود بستر سنبھالنا پڑا اور ہم دونوں قالین پر دراز ہوگئے اور نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

میری آنکھ کھلی تو خوابگاہ میں گھور اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ دونوں گہری نیند سو رہے تھے۔ میرے خوابیدہ ذہن میں ...

موجود تھا کہ میری آنکھ بلا سبب نہیں کھلی تھی۔ میرے لاشعور میں خطرے کا امکان جاگزین تھا اس لئے کوئی آہٹ یا کھٹکا ہی میری نیند میں خلل انداز ہو سکتا تھا۔

میں نے پوری طرح آنکھیں کھول کر اپنے جسم کو زیادہ حرکت دیئے بغیر تاریک خوابگاہ کا جائزہ لیا لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ غنودگی کی دھند میرے ذہن سے یکسر غائب ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے سرہانے رکھے ہوئے پستول پر ہاتھ ڈالتے ہوئے' باہر نکل کر گھر کا ایک چکر لگانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ خوابگاہ کے کھلے ہوئے دروازے سے تاریکی میں ایک شعلہ لپکا اور وہ بے آواز گولی میرے اوپر سے گزرتی ہوئی سنگھارمیز میں پیوست ہو گئی۔

"خبردار جو کوئی حرکت کی" باہر سے بھرائی ہوئی مردانہ آواز ابھری "میں اندھیرے میں بھی تم سب کو بھون سکتا ہوں۔ اس وقت تم سب میرے نشانے پر ہو۔"

فضا میں پھیلی ہوئی بارود کی بو نے آخر کار میرے بدترین خدشات پر تصدیق کی مہر ثبت کر دی تھی۔ اس وقت تک فائر کے گھٹے ہوئے کھٹکے سے ویرا کے علاوہ سلطان شاہ بھی بیدار ہو چکا تھا

"جو جہاں ہے' وہیں پڑا رہے" باہر سے دوبارہ غراہٹ ابھری۔ شاید اس نے ویرا اور سلطان شاہ کو بیدار ہوتا ہوا دیکھ کر اپنی ہدایت دہرانے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

خوابگاہ کی کھڑکیوں پر پردے تنے ہوئے اور وہاں گہری تاریکی کا راج تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ نامعلوم دشمن اس تاریکی میں بھی خاصی حد تک دیکھ لینے میں کامیاب تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" ویرا نے کسی کو خاص طور پر مخاطب کئے بغیر نیند سے بوجھل اور تشویش زدہ آواز میں سوال کیا۔

اس سے قبل کہ میں کوئی جواب دیتا' باہر سے دوسرا بے آواز فائر ہوا اور اس بار گولی چھت میں پیوست ہو گئی۔

"میری ہدایت سے انحراف کی صورت میں ایسی ہی گولیاں تمہارے جسموں میں بھی اتر سکتی ہیں۔ کوئی بھی اپنے قدموں پر اٹھنے کی کوئی کوشش کرے گا تو بے موت مارا جائے گا۔" باہر والے نے لمحہ بھر کے لئے توقف کیا پھر اسی بھرائی ہوئی آواز میں بولا "قریب ترین سوئچ استعمال کر کے روشنی کرو۔"

ویرا کے بستر سے چٹ کی ہلکی سی آواز آئی اور روشنی نے اندھیرے کو نگل لیا۔

کھلے ہوئے دروازے کے سامنے مجھے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ روشنی ہونے سے پہلے ہی نامعلوم حریف دیوار کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔

"میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ تم ویرا ہو" اس بار باہر والا شخص براہ راست ویرا سے مخاطب ہوا تھا "تمہارے ساتھ باقی دو آدمی کون کون ہیں؟"

"مسلح ہو کر بھی اس قدر بزدل ہو" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ہمت ہے تو سامنے آ کر خود دیکھ لو!"

وہ چند لمحات میری زندگی کے سب سے زیادہ سنسنی خیز اور قیمتی لمحات تھے۔

اس کے سوال سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ایسی پوزیشن میں تھا جہاں سے مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا اس لئے میں پستول سنبھال کر پھرتی کے ساتھ قالین پر کھڑا ہو گیا تھا اسے باتوں میں الجھا کر میں دیوار کے سہارے کھلے ہوئے دروازے تک پہنچ سکتا تھا اور پھر کسی بھی لمحے اسے اپنی گرفت میں لے سکتا تھا۔

لیکن میرے بولتے ہی ایک ڈرامائی ردعمل سامنے آیا جس نے میرے وجود میں دورانِ خون تیز کر دیا۔

"ڈینی!" میری آواز پر باہر سے ایک نسوانی سسکی سنائی دی جس میں محبت اور محرومی کا کرب رچا ہوا تھا۔ وہ سو فیصد میری غزالہ کی آواز تھی۔ میں نے سوچا کہ غزالہ شاید اجنبی کی تحویل میں تھی لیکن اپنے ردعمل کے بارے میں کوئی غور کرنے سے پہلے ہی میری آنکھوں کے سامنے بجلی سی کوند گئی۔

کھلے ہوئے دروازے سے ایک نسوانی ہیولا دوڑتا ہوا اندر آیا۔ گلابی لباس میں وہ غزالہ تھی۔ وہ ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان والہانہ انداز میں دوڑتی ہوئی اندر آئی اور پوری قوت کے ساتھ مجھ سے لپٹ گئی۔

جلاوطنی' طویل قید و بند' مظالم' تشدد اور دیگر صعوبتوں کے ہولناک تسلسل سے گزرنے کے بعد اسے یوں غیر متوقع طور پر میرے کڑیل وجود کا طربناک سہارا میسر آیا تو اس کے صبروضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ بلک بلک کر رو پڑی۔ میری بانہوں میں اس کا نرم و نازک وجود آندھی کی زد میں آئے ہوئے کسی ننھے سے پودے کی طرح لرز رہا تھا۔

غزالہ کو یوں غیر ارادی طور پر اپنی بانہوں میں پا کر میری آنکھیں نمناک ہو گئیں۔

غزالہ کی جھلک دیکھتے ہی سلطان شاہ کلاشنکوف اٹھا کر باہر لپکا تھا۔ ویرا نے بھی پستول سنبھال کر بستر سے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی تھی اور باہر سے ایسی آوازیں آنے لگی تھیں جیسے بدمست گھوڑوں نے اچانک وہاں دوڑنا شروع کر دیا ہو۔ خود میرا ذہن بھی اس شخص میں الجھا ہوا تھا جس کے ساتھ غزالہ وہاں تک پہنچی تھی۔

"میں مر مر کر جیتی رہی ہوں ڈینی!" غزالہ میرے سینے میں منہ چھپائے سسک سسک کر کہہ رہی تھی "اکیلی عورت اپنی زندگی میں کبھی سکھی نہیں رہ سکتی۔ درد اور کرب کی لہریں اس کا مقدر بن جاتی ہیں.... مجھ سے وعدہ کرو کہ اب مجھے اپنی بانہوں سے جدا نہیں کرو گے' کبھی جدا نہیں کرو گے۔ اپنی ڈھٹائی کے سہارے میں اب تک زندہ رہی ہوں لیکن اب میرا حوصلہ جواب دے گیا ہے۔ اب کے بچھڑے تو پھر ہم شاید اگلے جہانوں میں ہی

ل سکیں گے۔"

"تم خود مجھ سے دور بھاگتی رہی ہو" میں نے اس کی پشت سہلاتے ہوئے دل گرفتہ آواز میں کہا "تم تو ایک ... جو دھوپ چھاؤں کے کھیل میں کبھی سامنے آجاتا ہے اور کبھی ایک دم غائب ہوجاتا ہے۔"

"دلدار آنا میری زندگی کا سب سے بھیانک خواب تھا۔ وہ میری سب سے بڑی بھول تھی' مجھے معاف کر دو ڈینی!" وہ یک یک میری بانہوں سے پھسل کر میرے قدموں سے لپٹ گئی۔ "تمہاری امانت میں خیانت کرنے کے بعد میں اب تمہاری محبت کے قابل نہیں ہوں۔ جب میں دلدار کے ساتھ رہ رہی تھی تو یہ احساس جرم مجھے ہروقت ڈستا رہتا تھا کہ میں تم سے سرد مہری اور بے اعتنائی برت رہی تھی .... لل ... لیکن ڈینی' تم جانتے ہو کہ شادی محبت سے زیادہ اہم اور مقدس ہوتی ہے۔ بے وفا بیویوں کو ان کے اندر کی آگ' عمر بھر دھیمے دھیمے جلاتی رہتی ہے۔ ان کی تنہائیاں فرصت کے لمحات میں زہریلے ناگوں کی طرح ان کے ذہن میں سرسراتی ہیں اور جب وہ قبر میں اتاری جاتی ہیں تو مردہ خور حشرات الارض بھی ان کے گھناؤنے بدن سے گھن کھاتے ہیں۔ دلدار سے بے وفائی کر کے میں اپنا [illegible] خراب [illegible] چاہتی تھی اس لئے اپنے دل پر صبر کی سل رکھ کر ہر بار تمہاری حوصلہ شکنی کرتی رہی مگر تقدیر نے آج پھر مجھے آزاد کر کے اپنی ان زیادتیوں کے ازالے کا موقع دیا ہے جو میں جان بوجھ کر تمہارے ساتھ کرتی رہی ہوں۔ اب یہ تمہارا حق اور تمہاری مرضی ہے کہ مجھے اٹھا کر اپنے سر کا تاج بنالو یا مجھے اپنے قدموں کی خاک سمجھتے رہو' تم جو چاہو' کر سکتے ہو۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہوگا۔"

روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں' اس کی حالت ابتر ہوئی جارہی تھی۔

عام حالات میں' میں انسانوں کو اپنے قدموں پر جھکانا انسانیت کی تذلیل سمجھتا ہوں لیکن اس وقت غزالہ کا لمس اپنے قدموں میں محسوس کر کے نہ جانے میرے کس جذبے کو تسکین مل رہی تھی کہ میں نے اسے اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور پتھر کی چٹان کی طرح اپنی جگہ پر جما کھڑا رہا۔

"دلدار مرچکا تھا' تم اپنی ماں کے گھر میں روپوش تھیں۔ میک اپ میں ہونے کی وجہ سے سلطان شاہ تمہیں نہیں پہچان سکا لیکن تم نے اس سے اجنبی بن کر لفٹ لی تھی' تم کو جہانگیر کا گھر بھی معلوم تھا۔ تم وہاں آسکتی تھیں لیکن تم دیدہ و دانستہ مجھ سے بھاگتی رہیں۔ تمہارے اس رویئے کا کیا جواز تھا؟ تم کیا کرنا چاہ رہی تھیں...." غزالہ کے سامنے آجانے پر میرے شکووں کو زبان مل گئی تھی۔ گزرے ہوئے دنوں کی ہر کسک یوں تازہ ہوگئی تھی جیسے وہ کل ہی کی بات ہو۔

"میں نئی نئی بیوہ تھی ڈینی!" وہ میری بات کاٹ کر بلکتی ہوئی بولی "میں جانتی تھی کہ تم سے سامنا ہوگا تو مجھے اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں رہے گا۔ میں وہ سب کر گزروں گی جس سے تازہ بیواؤں کو روکا گیا ہے۔ وہ دوسرا جبر تھا جو میں نے اپنے اوپر مسلط کیا تھا۔ اپنا کوئی پتا اور نشان چھوڑے بغیر میں تم سے دور بھاگتی رہی۔ میں نامحرموں سے بچنے کی فکر میں تم سے دور بھاگ رہی تھی لیکن وہ سب میری خوش فہمی تھی۔ تقدیر ہمیں بہت بے رحمی سے بھگاتی' دوڑاتی اور مقدور بھر تھکاتی ہے اور آخر کار وہی ہوکر رہتا ہے جس سے ہم بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ مجھے تھانے اور حوالات کا منہ دیکھنا پڑا' وہاں سے جانو ماچھی نے بڑی بے رحمی سے مجھے اغوا کر لیا۔ اس نے مجھے سائیں مراد کی قید میں دے دیا اور عین اس وقت جب میں مراد کا گلا گھونٹ کر وہاں سے آزاد ہونے کی راہ استوار کر چکی تھی تو ایک داڑھی والا وہاں آگیا۔ آج تک میں اسی موذی کی قید میں تھی۔ میں پہلے دن سے تہیہ کر چکی تھی کہ ان میں سے کسی نے بھی مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو میں اسے ماردوں گی یا خود کو ختم کر لوں گی لیکن خدا کا شکر ہے کہ نامعلوم وجوہ کی بنا پر ان میں سے کسی نے مجھ پر بری نظر نہیں ڈالی اور میں آبرومندانہ طور پر اپنے مستقبل کا فیصلہ سننے کے لئے تمہارے قدموں میں موجود ہوں۔"

میں نے جھک کر اسے اپنے قدموں سے اٹھالیا اور وہ ایک بار پھر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کی بے قراری دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے اپنے روبرو میری موجودگی کا یقین نہ آرہا ہو اور وہ بار بار مجھے چھو کر اس حقیقت کا یقین کرنا چاہ رہی ہو۔

باہر سے آنے والی دھما چوکڑی کی آوازیں عروج پر تھیں۔ اس دوران میں متعدد بے آواز فائر بھی ہوئے لیکن جواب میں کہیں سے کوئی انسانی چیخ نہیں ابھری جس کا مطلب تھا کہ وہ ساری بھاگ دوڑ اس وقت تک رائیگاں گئی تھی۔

غزالہ کے ساتھ میری ملاقات کا وہ موقع اس قدر غیر متوقع اور جذبات انگیز تھا کہ اس کی نیک نیتی کا یقین ہوجانے کے بعد میں بھی اسی احمقانہ دھارے میں شامل ہوگیا جو غزالہ کے وجود کو کسی بے وزن تنکے کی طرح بہائے لئے جارہا تھا۔

وہ تسلسل اس وقت ٹوٹا جب سلطان شاہ ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان میں بولا۔ "سالے کے ستارے اچھے تھے کہ نکل جانے میں کامیاب ہوگیا۔"

"وہ چھت ہی کے راستے گیا ہے کیونکہ وہی ایک راستہ کھلا ہوا تھا" ویرا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے گرہ لگائی۔ اس کی حالت بھی سلطان شاہ سے مختلف نہیں تھی۔

غزالہ مجھ سے الگ ہو کر شرمسار انداز میں سکڑی ہوئی ایک طرف کھڑی ہوئی تھی اور دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں خشک کر رہی تھی جن سے بہنے والی لڑیوں نے اس کا پورا چہرہ تر بتر دیا تھا۔

"مجھے معاف کر دینا غزالہ!" ویرا نے بڑھ کر اس سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا "میری تم سے کبھی بھی کوئی دشمنی نہیں تھی۔ میں نے ڈینی پر دباؤ ڈالنے کے لئے جو کھیل شروع کیا تھا، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہیں اس کی اتنی بھاری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ میں سچے دل کے ساتھ تم سے شرمندہ ہوں۔ ڈینی گواہ ہے کہ میں نے اپنی اس سنگین غلطی کے ازالے کے لئے وہ سب کیا ہے جو میرے بس میں تھا اور اسی کے نتیجے میں آج ہم سب کو خوشی کے یہ لمحات نصیب ہوئے ہیں۔"

"انسان آپس میں لڑ سکتے ہیں لیکن تقدیر سے لڑنا کسی کے بس کی بات نہیں" غزالہ کے لبوں پر اداس سی مسکراہٹ تیر گئی۔ "میرے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ ہر حال میں ہو کر رہنا تھا۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

وقت اور تجربے نے غزالہ کو نوجوانی ہی میں گھاگ اور پختہ کار بنا دیا تھا۔

"میں نے بھی اپنی کوششوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" سلطان شاہ ماحول کے بوجھل پن کو ختم کرتے ہوئے مضحکانہ لہجے میں بولا "یہ گواہی ڈینی بھی دے سکتا ہے۔"

"تم سے تو مجھے معافی مانگنا چاہئے۔ ایک بار میں نے تمہیں دھوکا دیا تھا لیکن وہ میری مجبوری تھی۔ امی کے مکان کے قریب ایک بوڑھی عورت کے روپ میں میں نے تم سے لفٹ لی تھی۔"

"ہائیں!" سلطان شاہ بوکھلا کر میری طرف دیکھنے لگا "تو کیا واقعی وہ تم تھیں؟"

"برخوردار! میرے اندازے بہت کم غلط ثابت ہوتے ہیں!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا

"خیر، اب اپنے اندازوں کی بات رہنے دو، اتفاقاً ہماری آنکھ نہ کھل جاتی تو اس وقت ملا سرکار کا ساتھی ہم سب کو سوتے میں ہلاک کر کے چلا گیا ہوتا۔ میں نے اندھیرے میں سیڑھیوں تک اس کا تعاقب کیا تھا۔"

"یہ ملا سرکار کون ہے اور اس کے کس ساتھی کا ذکر ہو رہا ہے؟" غزالہ نے اپنی رندھی ہوئی آواز کو سنبھالتے ہوئے پوچھا ہم لوگوں کے درمیان آکر اس کے چہرے پر بحالی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"لمبی کہانی ہے۔ مختصراً یہ سمجھ لو کہ ملا سرکار اسی داڑھی والے کا نام ہے جس نے آج تک تمہیں قید کیا ہوا تھا۔ یہ دونوں اسی کے ساتھی کے تعاقب میں گئے تھے۔" میں نے اسے بتایا۔

"اس کا ساتھی یہاں کہاں آگیا؟" غزالہ نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہی جو تمہیں لے کر آیا تھا۔" سلطان شاہ نے فخریہ لہجے میں کہا "وہ کھلے ہوئے دروازے سے چھت پر نہ نکل گیا ہوتا تو میں نے آسانی کے ساتھ اسے مار لیا ہوتا۔"

"لیکن میرے ساتھ تو کوئی بھی نہیں تھا۔" غزالہ نے معصومانہ حیرت سے کہا۔

ویرا اور سلطان شاہ سٹپٹا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے پھر ویرا کے حلق سے تحیرزدہ آواز برآمد ہوئی "کوئی نہیں تھا تو وہ مردانہ آواز کس کی تھی؟"

"میری!" غزالہ نے آواز بدل کر کہا "مجھے معلوم تھا کہ زنانہ آواز کے ساتھ کسی کو خوفزدہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔"

اس کے حلق سے وہی مردانہ آواز سن کر میں اپنے بے ساختہ قہقہے پر قابو نہ پاسکا۔

"تم لوگ اندھیرے میں کس کے پیچھے بھاگتے پھر رہے تھے" میں نے ان دونوں سے پوچھا۔

"اب بتاؤ!" ویرا نے غصیلے لہجے میں سلطان شاہ کو پھٹکارا "پہلے تم ہی نے اس کا ہیولا دیکھ کر "وہ گیا" کا نعرہ لگایا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ نیند کی جھونک میں مجھے دھوکا ہوا ہو لیکن تم نے تو اس پر باقاعدہ فائرنگ بھی کی تھی۔" سلطان شاہ نے منہ بناتے ہوئے لہجے میں کہا "دیواروں میں پیوست گولیاں تمہاری حماقت کی گواہی دیں گی۔"

غزالہ اس عجیب و غریب چویشن پر منہ دبائے بری طرح ہنس رہی تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اندھیرے میں بھوت سے لڑ رہے تھے" ویرا خفت آمیز اور مایوسانہ لہجے میں بڑبڑائی "اس دھما چوکڑی میں سارا گھر ہی تلپٹ ہو کر رہ گیا ہے۔"

اسی لمحے میرا ذہن غزالہ سے ملاقات کے سحر سے آزاد ہوا اور مجھے یاد آیا کہ ہم ملا سرکار کو بالکل فراموش کر بیٹھے تھے سلطان شاہ رات کو خالی ٹیکسی کی موجودگی کی خبر لایا تھا۔ غزالہ سے آملی تھی، آخر ملا سرکار کہاں تھا؟

"تم یہاں تک کیسے پہنچی ہو؟ مردانہ آواز والے ڈرامے کی کیا ضرورت تھی اور ملا سرکار کہاں ہے؟" وہ خیال آتے ہی میں نے ایک سانس میں غزالہ سے کئی سوال کر ڈالے۔

غزالہ چند ثانیوں تک پر خیال انداز میں خاموش رہی جیسے اپنے خیالات کو یکجا کر رہی ہو۔ پھر چونک کر بولی "باقی باتیں تو بعد میں بھی کی جا سکتی ہیں فی الحال میرے خیال میں ملا سرکار ہمارے لئے سب سے زیادہ اہم ہے۔ ہمیں وقت ضائع کئے بغیر اس کی خبر لینا چاہئے۔ وہ ایک بار نکل گیا تو اس تک پہنچنا دشوار ہو جائے گا۔"

"لیکن وہ ہے کہاں؟" سلطان شاہ نے اپنی جھینپ مٹانے کے لئے پوچھا غزالہ کے خیالی ساتھی کے معاملے میں اس نے اور ویرا نے بہت بری طرح مار کھائی تھی اور دونوں ہی اس کے ازالے کے لئے موقع کی تلاش میں تھے۔

"اسے میں نے بے ہوش کر کے اور ہاتھ پیر باندھ کر گاڑی کی ڈکی میں بند کر دیا تھا" غزالہ نے سادگی سے کہا "یہ ساتھ

ر آس پاس کا واقعہ ہے اور اب تین بج رہے ہیں۔"

ہم چاروں ہی بیک وقت تیار ہوئے تھے لیکن ہم چاروں کا
ں ہی محاذ پر روانہ ہونا مناسب نہیں تھا اس لئے سلطان شاہ
ر غزالہ کو وہیں چھوڑ کر میں ویرا کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔

اس گلی تک ہم پیدل بھی جا سکتے تھے لیکن اتنی صبح وہاں
دیتے ہوئے ہم کسی چوکیدار یا گشتی سپاہی کی نظروں میں بھی
سکتے تھے اس لئے ہم نے گاڑی نکال لی۔

جس مقام کی سلطان شاہ نے نشان دہی کی تھی وہاں دور دور
، کسی ٹیکسی کا پتا نہیں تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہوش میں آ کر وہ بندشوں سے نجات
حاصل کر کے ڈکی سے باہر آنے میں کامیاب ہو گیا ہوگا۔" ویرا
قیاس آرائی کی "اگر ہم رات ہی کو اچھی طرح چھان بین
لیتے تو اسے آسانی سے پکڑا جا سکتا تھا۔"

غالب امکان وہی تھا جو ویرا نے ظاہر کیا تھا لیکن ایک
موہوم سا دوسرا امکان بھی موجود تھا کہ اس کھلی ہوئی ٹیکسی کو
ئی چور اچکا ملا سرکار سمیت لے بھاگا ہو۔

ہم ایک بار گھر سے باہر نکل آئے تھے اس لئے ہم نے اس
وص گلی کے علاوہ بھی قرب و جوار کا سارا علاقہ چھان مارا
ن وہ تو کیا' کوئی دوسری ٹیکسی دریافت کرنے میں بھی کامیاب
ں ہو سکے اور بے نیل و مرام گھر لوٹ آئے۔

غزالہ منہ ہاتھ دھو کر کچھ اور نکھر آئی تھی اور سلطان شاہ
ساتھ کچن میں گھسی چائے کی ٹرے تیار کر رہی تھی۔ سلطان
نہایت انہماک سے ٹوسٹ سینکنے میں مصروف تھا۔

چائے پیتے ہوئے' میرے استفسار پر غزالہ نے اپنی کہانی
ردی۔

"ملا سرکار نے مجھے ایک عمارت کے کسی تہ خانے میں قید
ہوا تھا۔ کچن میں اشیائے ضرورت سے بھرا ہوا فریج موجود
۔ مجھے اپنا کھانا وغیرہ بنانے کے لئے اس نے مجھے گیس کا چولہا
چند ضروری برتن بھی دیئے ہوئے تھے۔ وہ میرے پاس بہت کم
تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مجھ سے نفرت کرتا ہو یا پھر خوف
ا ہو۔ آج شام اس نے مجھے بتایا کہ وہ مجھے رہا کرنے کا ارادہ
چکا تھا۔ میں نے اس کی فرمائش پر چائے تیار کی اور اس نے
ا بار میرے ساتھ چائے پی۔ چائے ختم کرنے کے ساتھ ہی
ا سر بھاری ہونے لگا اور مجھے شبہ ہوا کہ اس نے میری نظر بچا
چائے میں کوئی خواب آور دوا ملا دی تھی۔ اس سے پہلے کہ
کچھ کرتی' مجھے بے ہوشی نے آ لیا۔

'دوبارہ ہوش آیا تو مجھ میں ہاتھ پیر ہلانے کی بھی سکت نہیں
ا۔ میں کسی کار کی عقبی سیٹ پر دراز تھی اور اندھیرے میں ملا
کار مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے مجھے آزادی کی نوید دیتے ہوئے
مکان کا محل وقوع سمجھایا اور کہا کہ یہاں میرے دوست اور
ہمدرد میرے منتظر ہوں گے۔ میں ٹیکسی سے نکل کر بے خوف و
خطر یہاں آ سکتی تھی لیکن میرے لئے اس پر بھروسا کرنا مشکل تھا۔
میرا خیال تھا کہ وہ مجھے کسی نئے جال میں پھانسنے کا ارادہ کر رہا
تھا۔

"ہوش میں آنے کے بعد میری کھوئی ہوئی طاقت تیزی کے
ساتھ بحال ہو رہی تھی لیکن میں کسی مناسب موقع کی تلاش میں
شدید نقاہت میں مبتلا ہونے کی اداکاری کرتی رہی۔ جوں ہی مجھے
پہلا موقع میسر آیا' میں نے اچھل کر ملا سرکار کو گردن سے دبوچ
لیا اور شدید زور آزمائی کے بعد آخر کار اس کا سر ٹیکسی کے میٹر
سے مار مار کر اسے اتنا زخمی کر دیا کہ وہ تقریباً بے ہوش ہو گیا۔
رہی سہی کسر اسکرو ڈرائیور کے وزنی دستے کی کنپٹی پر پڑنے والی
ضرب نے پوری کر دی۔ وہ اسکرو ڈرائیور مجھے ڈرائیونگ سیٹ
کے پہلو میں سے ملا تھا۔ اسے بے ہوش کرنے کے بعد میں نے
ڈسٹر اور ملا سرکار کی قمیص سے دھجیاں پھاڑ کر اس کے ہاتھ پیر
باندھے اور اس گلی کی ویرانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے ڈکی
میں مقفل کر دیا۔ میرا ارادہ تو اسے مارنے کا ہی تھا لیکن میں نے
محض اس خیال سے اسے معاف کر دیا کہ قید کے دوران میں'
اس نے میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی تھی اور پھر مجھے آزاد
بھی کر رہا تھا' اگر آزادی کی آڑ میں مجھے کوئی واضح خطرہ نظر آ جاتا
تو میں لوٹ کر اسے ہلاک کر دیتی۔

"اس مکان کا طواف کیا تو یہاں مجھے بظاہر کوئی خراب
علامت نظر نہیں آئی لیکن مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ یہاں میرا کن
لوگوں سے واسطہ پڑے گا اور وہ مجھ سے کیا سلوک کریں گے اس
لئے میں نے داخلی دروازے پر آنے کے بجائے عقبی دیوار
پھاندی اور یہ دیکھ کر شش و پنج میں مبتلا ہو گئی کہ احاطہ روشن' مگر
مکان اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ مکان کے اگلے حصے میں آئے
بغیر میں گرل اور پائپوں کی مدد سے چھت پر پہنچ گئی۔ ملا سرکار کی
جیب سے ملنے والا بھرا ہوا' بے آواز پستول میرے پاس تھا۔ میں
نے چھت کا دروازہ چیک کیا تو وہ مقفل تھا' پھر کچھ دیر بعد میں نے
احاطے کی عقبی دیوار سے کسی کو اندر کودتے دیکھا۔ میں چاہتی تو
اسے مار سکتی تھی لیکن اس طرح میری چھت پر موجودگی کا راز
فاش ہو جاتا۔ میں نے اس وقت خاموشی سے چھت کے کسی
گوشے میں آرام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"پیچھے سے اندر آنے والا آدمی جب ایک گھنٹے تک واپس
نہیں لوٹا اور نہ ہی مکان میں کوئی ہلچل نظر آئی تو مجھے یقین ہو گیا کہ
اس بار بھی میرا پالا برے لوگوں سے پڑنے والا تھا۔ مجھے یقین
ہو گیا کہ دس' بارہ بجے تک سارے مکین تھک ہار کر سو جائیں
گے اور جب وہ گدھے گھوڑے بیچ کر خواب خرگوش کے مزے
لے رہے ہوں گے تو میں تالے کھول کر خاموشی کے ساتھ گھر میں
اتر جاؤں گی۔ اس بارے میں میرے سارے اندازے درست

ثابت ہوئے۔ جب میں نے مردانہ آواز میں تم لوگوں کو للکارا تو میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ میرے سامنے کون لوگ ہیں۔ روشنی ہونے پر ویرا کی ایک جھلک دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی اور جب تم بولے تو تمہاری آواز پہچان کر میرے سارے وسوسے دور ہو گئے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ملا سرکار مجھے تمہارے پاس بھیج رہا ہوگا۔"

"اسے شبہ بھی ہو جاتا کہ یہاں تمہاری مجھ سے ملاقات ہو جائے گی تو وہ تمہیں راستے سے ہی واپس لے جاتا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے آسودہ لہجے میں کہا۔

"وہ مجھے اور ڈیزی کو دو الگ پارٹیاں سمجھ رہا ہے" غزالہ کی الجھن کو بھانپ کر ویرا کہنے لگی "وہ تمہیں میرے پاس بھیج رہا تھا کیونکہ مجھ سے اس کا ایک کام اٹکا ہوا ہے۔"

"اس کھیل میں ملا سرکار کی کیا حیثیت ہے؟ تھانے میں میں نے سنا تھا کہ جانو ماچھی ایک بدنام قاتل اور ڈاکو ہے۔ مجھے اسی نے سائیں مراد کے حوالے کیا تھا۔ ان لوگوں سے ملا سرکار کا کیا تعلق ہے؟"

"ملا سرکار غیر ملکی ایجنٹ اور دہشت گرد ہے۔ ان ڈاکوؤں کو یہ اسلحہ فراہم کر کے وہ اندرون سندھ میں امن و امان کو تباہ کر کے شورش جیسی صورت حال پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہم سے اسلحہ لینا چاہتا ہے جب کہ ہم اسے پکڑنے کی فکر میں ہیں۔"

میری باتیں سن کر غزالہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اپنی صورت اور وضع قطع سے تو وہ کوئی مذہبی آدمی نظر آتا ہے" غزالہ بولی۔

"وہ ایک قصبے میں پیش امام بلکہ پیر بنا بیٹھا تھا جب کہ وہ سرے سے مسلمان ہی نہیں ہے" میں نے اسے آگاہ کیا۔ وہ حیرت اور بے اعتباری کے ساتھ میری باتیں سن رہی تھی۔ "ہم نے کل ہی اس کا وہ اہم ترین دیہی اڈا تباہ کیا ہے ... آج وہ ہم سے بچ کر نکل گیا لیکن ہم اس کے گرد اپنا حلقہ دن بدن تنگ کرتے جا رہے ہیں۔"

"کاش، مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ وہ ایسا موذی شخص ہے تو اسے زندہ ہی نہ چھوڑتی۔ اب اگر وہ دہشت گردی کی کوئی بڑی کارروائی کر گزرنے میں کامیاب ہو گیا تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گی۔"

"فی الحال وہ اپنے مسائل اور مصائب میں مبتلا ہے۔ اپنے اڈے کی بربادی کے نتیجے میں اس کے سارے رابطے ٹوٹ کر رہ گئے ہیں۔ وہ گھوڑے کھول کر بھی کئی ہفتوں سے پہلے اپنے وسائل یکجا نہیں کر سکے گا۔"

"کن گھوڑوں کا ذکر کر رہے ہو؟ اور یہ کہاں سے کھولے جا سکتے ہیں؟" سلطان شاہ نے مجھ سے شرارت آمیز لہجے میں [illegible]۔ غزالہ کو دیکھ کر وہ بہت زیادہ مگن نظر آرہا تھا۔

میں اسے گھور کر رہ گیا لیکن ویرا خاموش نہ رہ سکی "محاورے کے گھوڑے ہیں جو کسی بھی تھان سے کھولے جا سکتے ہیں۔ تم چاہو تو ملا سرکار کو تمہاری طرف بھی بھیجا جا سکتا ہے۔"

"یہ بتاؤ کہ تم اس مقام کی نشان دہی کر سکتی ہو جہاں تمہیں قید رکھا گیا تھا؟" میں نے اس نوک جھوک کو نظرانداز کرتے ہوئے براہ راست غزالہ سے سوال کیا۔

"ناممکن ہے" وہ مایوسانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "جب مجھے وہاں لے جایا گیا تو میں بے دست و پا تھی۔ میری آنکھوں پر بھی پٹی باندھ دی گئی تھی اور آج مجھے بے ہوشی کی حالت میں وہاں سے نکالا گیا تھا۔ اس ساری مدت میں میں اس تہ خانے تک محدود رہی جہاں کوئی روشندان وغیرہ بھی نہیں تھا۔"

"تم نے بہت مصائب برداشت کئے ہیں۔ اس وقت نہا دھو کر لباس تبدیل کرو اور یہاں آرام کرو۔" ویرا مسہری صاف کرتے ہوئے بولی "ہم دوسری خوابگاہ میں محفل جمالیں گے۔ یہ باتیں صبح بھی ہو سکتی ہیں۔"

غزالہ نے لاکھ انکار کیا لیکن ویرا نے اس کی ایک نہ مانی۔

جب میں بھی ان کے ساتھ خواب گاہ سے باہر آنے لگا تو ویرا میرے بدن سے لگ کر کان میں منمنائی تھی "کیا تم اس کے ساتھ نہیں ٹھہرو گے؟ تمہارے بغیر وہ اداس رہے گی۔"

"ہمارے یہاں محبت اور دوستی کا مفہوم تم سے مختلف ہے۔" میں نے کہا۔

"انسانوں کے جذبات یکساں ہوتے ہیں۔ یہ کہو کہ تم نے ان پر بند باندھ لئے ہیں۔"

"یہی بند کھول دیئے جائیں تو انسان حیوان کی سطح پر آجاتا ہے۔"

"تو کیا تم مغرب کو حیوانی معاشرہ سمجھتے ہو؟" اس نے طنز کے ساتھ پوچھا تھا۔

"صرف گھر بار اور لباس کا فرق رہ جاتا ہے۔ کہیں کہیں تو اسے بھی مٹا دیا جاتا ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا "مخصوص ساحلوں پر انسان ننگے گھومتے ہیں اور بعض گھروں میں پالتو جانوروں کو باقاعدہ موسمی لباس پہنائے جاتے ہیں۔"

"میں اکیلی نہیں سو سکوں گی۔ تم میرے ساتھ ٹھہرو" غزالہ نے ویرا کو پکار کر وہ بحث ختم کرا دی۔

"یہ تمہارے لئے بالواسطہ دعوت ہے" ویرا بائیں آنکھ د[illegible] کر مسکرائی۔

"لعنت ہو تم پر" میں دانت پیس کر غرایا "وہ تمہاری طرح رنگین مزاج نہیں ہے۔"

"تم نہا دھو لو، میں ان کا بندوبست کر کے واپس آتی ہوں" ویرا نے پلٹ کر غزالہ سے کہا "چاہو تو میں اپنے بجائے ڈیزی بھی بھیج سکتی ہوں۔"

"وہ آئے تو بستر کے بجائے صوفے پر سوئیں گے۔ میں انہیں بے آرام کرنا نہیں چاہتی" ویرا وہ جواب سن کر ہونٹ چبانی رہ گئی۔

"ایک دوسرے سے اتنا قریب رہ کر بھی اپنے خیالات کی آگ میں سلگنے کے بجائے تم دونوں کو صبح سویرے ہی شادی کرلینا چاہئے" منہ کی کھانے کے باوجود ویرا کی زبان میں خارش برقرار تھی۔ "اس بارے میں پہل تم ہی کو کرنا ہوگی۔ تم نے اس معاملے کو زیادہ دیر تک ٹالا تو وہ سمجھے گی کہ تم نے اسے مسترد کردیا ہے۔"

"تم خاموش رہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ڈینی اپنے ذاتی معاملات کو اچھی طرح جانتا ہے۔" سلطان شاہ نے تلخ لہجے میں دخل اندازی ہوتے ہوئے کہا "اسے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مرچیں نہ چباؤ' چاہو تو میں تم سے شادی کرسکتی ہوں لیکن شرط یہ ہوگی کہ میں مسز ویرا شاہ کے بجائے ویرا لائیڈ ہی رہوں گی' تم کو اپنا نام بدل کر مسٹر سلطان لائیڈ کرنا ہوگا۔"

سلطان شاہ نے چبھتا ہوا قہقہہ لگایا تھا۔ "اپنی ڈھکی چھپی آرزوؤں کو مذاق کا رخ نہ دو۔ ابھی تم ایسی گئی گزری نہیں ہو۔ رانی پور چلی جاؤ تو منظور ماموں یا ان کے لڑکوں میں سے کسی نہ کسی کو شیشے میں اتار ہی لوگی۔"

"میں اس بڈھے اور اس کے لڑکوں پر لعنت بھیجتی ہوں۔" ویرا اس حوالے پر بری طرح چڑ گئی۔

"بڈھے سے شادی کرلو گی تو مفت میں دو پلے پلائے جوان بیٹوں کی مالک بن جاؤ گی" اس کے ردعمل پر سلطان شاہ کو اسے مزید سلگانے کا موقع مل گیا۔ "دونوں بیٹے دل و جان کی گہرائیوں سے تمہیں ممی ڈارلنگ کہا کریں گے۔"

ویرا مکا تان کر اس کی طرف جھپٹی تھی لیکن وہ دوڑ کر آگے نکل گیا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں وقت گزارنے کے بجائے اسی وقت کوچ کردینا چاہئے۔" دوسری خوابگاہ میں پہنچ کر سلطان شاہ نے رائے دی۔

مجھے حیرت ہوئی کہ وہ خیال مجھے کیوں نہیں آیا تھا۔ موہن داس کی گلتی ہوئی اور متعفن لاش کے ساتھ ہم چاروں کا اس مکان میں رکنا ہر لحاظ سے خطرناک تھا۔ وہاں آنے کا مطلب صرف اتنا تھا کہ ملا سرکار کو موہن داس کی لاش سے دور رکھا جائے تاکہ وہ غزالہ کو اپنے انتقامی تشدد کا نشانہ نہ بنا سکے۔ ہم نے اپنے اس مقصد میں توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل کرلی تھی۔ نہ صرف یہ کہ ملا سرکار' موہن داس کی لاش کے بارے میں اندھیرے میں تھا بلکہ ہم نے نہایت کامیابی کے ساتھ غزالہ کو اس کے قبضے سے بھی نکال لیا تھا۔

غزالہ نے ملا سرکار کی جو درگت بنائی تھی اس کی وجہ سے وہ تذبذب میں مبتلا ہوگیا تھا۔ ورنہ غزالہ کو بھیجنے کے بعد اسے اصولاً ویرا کو فون کرکے اپنی کارکردگی سے آگاہ کرنا چاہئے تھا۔ شاید اسے شبہ تھا کہ غزالہ نے اسے زخمی کرکے ویرا کے گھر کا رخ نہیں کیا ہوگا۔ ایسی صورت میں اسے فون پر ویرا کی طرف سے جھاڑ پڑنے کا خوف ہوسکتا تھا۔

سب سے بہتر یہی تھا کہ اس معاملے کو صاف کئے بغیر ہم وہاں سے نکل جاتے۔ دن طلوع ہونے کے بعد ملا سرکار فون پر کوئی جواب نہ پاکر ویرا کے مکان کا رخ کرتا تو موہن داس کی لاش دیکھ کر اس کے ہوش ٹھکانے آسکتے تھے۔

"ہم سب یہاں سے اسی وقت روانہ ہو رہے ہیں" کافی غور و خوض کے بعد میں نے اپنے فیصلے کا اعلان کردیا۔ غزالہ بھی ہماری خوابگاہ دیکھنے کے شوق میں ہمارے پیچھے وہیں آگئی تھی۔

"کیوں؟ یہاں کیا خرابی ہے؟" غزالہ نے پوچھا کیونکہ اسے پورے پس منظر کا کوئی علم نہیں تھا۔

"یہ مکان ملا سرکار کی نظروں میں آیا ہوا ہے اور پھر یہاں ایک لاش بھی موجود ہے۔" میں نے کہا۔

"لاش!" غزالہ میرے اس انکشاف پر بری طرح چونکی تھی۔ "لاش اس کمرے میں تو نہیں جو عقبی حصے میں پورے مکان سے تقریباً الگ تھلگ بنا ہوا ہے؟"

"اسی کمرے میں ہے۔ ملا سرکار کے دیہی ٹھکانے کا پتا اسی مقتول نے بتایا تھا۔"

"لاش شاید کئی دن سے وہاں پڑی ہوئی ہے۔ تم لوگوں کے کمرے کی طرف آنے سے پہلے میں ادھر بھی گئی تھی۔ بدبو سے میرا دماغ پھٹنے لگا تھا اور میں زیادہ دیکھ بھال کئے بغیر فوراً لوٹ آئی تھی۔"

"کیوں نہ جہانگیر کے گھر دھاوا بولا جائے؟" غزالہ کے قائل ہوجانے پر ویرا نے تجویز پیش کی۔

"یوں بے وقت کسی کو ستانا مناسب نہیں" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا' پھر مڑ کر غزالہ سے مخاطب ہوگیا "پچھلے ہفتے سلمٰی ایک بچے کی ماں بن گئی ہے۔"

"تم تو اس طرح بتا رہے ہو جیسے اس معاملے سے جہانگیر کا سرے سے کوئی تعلق ہی نہ ہو" ویرا منہ بنا کر بولی۔

"تم بہت منہ پھٹ ہوگئی ہو" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "سلمٰی اگر ماں بنی ہے تو جہانگیر کا باپ بننا ہر شک و شبے سے بالا ہے۔ وہ دونوں میاں بیوی کے رشتے میں منسلک ہیں۔"

"عابد و زاہد بننے والی بعض عورتیں اپنی گودوں میں دوسروں کے بچے پال کر بہت خوش ہوتی ہیں اور کبھی کبھار اپنے شوہروں کو سلگانے کے لئے ان پر ایسے رازوں کا انکشاف بھی کرتی دیتی ہیں۔ میرا خیال...."

غزالہ نے وہیں ویرا کی بات کاٹ دی "تم جنمی عورتوں کی

بات کر رہی ہو۔ ڈینی کا ایسا کوئی مطلب نہیں تھا۔ سلمیٰ بہت وفا شعار اور شوہر پرست بیوی ہے۔ آپس داری میں ہمیں ایسے غیر ذمے دارانہ تبصروں سے گریز کرنا چاہئے۔"

"ڈینی میرے ساتھ اسی طرح بال کی کھال نکالتا رہتا ہے۔ میرا مقصد سلمیٰ پر کوئی تہمت لگانا نہیں تھا" ویرا نے بلا تردد غزالہ سے اپنی بدکلامی پر معذرت کرلی اور وہ موضوع وہیں ختم ہوگیا۔

☆○☆

اول تو فلیٹ ویسے ہی خالص مردانہ رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہو رہا تھا جسے کسی خاتون کے جمالیاتی ذوق کا سایہ بھی نصیب نہیں تھا۔ ویرا چند بار وہاں آئی لیکن، بنی بے پروائیوں کے باعث وہ دس مردوں کی ایک مرد کہی جاسکتی تھی۔ وہ جب بھی وہاں آتی تھی' صفائی اور قرینے کے مسائل کے حل میں کوئی مدد دینے کے بجائے ان میں اضافہ کرجاتی تھی۔ فلیٹ کے سب سے بہتر دن وہ تھے جب پڑوس میں رہنے والی اٹر ہوسٹس سے میرے دوستانہ مراسم تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنے گھر سے زیادہ میرے فلیٹ کی صفائی ستھرائی کے بارے میں فکرمند رہتی تھی۔

ان دنوں ویسے بھی فلیٹ کئی ہفتوں سے غیر آباد پڑا ہوا تھا۔ کبھی کبھار چکر لگانے میں ہمیں اس کی حالت سدھارنے کا کوئی موقع نہیں ملا تھا اس لئے غزالہ وہاں پہنچتے ہی دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر رہ گئی۔

"تم لوگ اب تک اس کباڑ خانے میں رہتے آئے ہو؟" وہ سلطان شاہ سے مخاطب ہو کر حیرت سے بولی۔

"ڈینی نے عہد کیا ہوا تھا کہ تمہارے ملنے تک وہ کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ اب تم آگئی ہو تو اس فلیٹ کے دن بھی بدل جائیں گے" وہ قلقاری مار کر بولا۔

"گلے میں چوسنی لٹکا لو تو ایسی بچگانہ قلقاریاں اور اچھی لگیں گی" ویرا نے جل کر کہا۔

"تم جیسی چوسنیاں منہ کڑوا کر دیتی ہیں" سلطان شاہ نے برجستہ کہا۔ ایک بھرپور قہقہہ پڑا اور مجھے دل ہی دل میں تسلیم کرنا پڑا کہ وہ سلطان شاہ کا دن تھا۔ وہ مسلسل حاضر جوابی کا مظاہرہ کر رہا تھا اور اس سے جیتنا ممکن نہیں تھا۔

غزالہ نے چائے کے بڑے بڑے مگ تیار کر کے مجھے اور سلطان شاہ کو ڈرائنگ روم میں محدود کردیا اور ویرا کے ساتھ فلیٹ کی صفائی میں مصروف ہوگئی۔

جس وقت ہم فلیٹ میں پہنچے تو آسمان پر سحر کا اجالا پھیل چلا تھا۔ پھر تیزی کے ساتھ دن طلوع ہوتا چلا گیا۔ چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو سات بج چکے تھے۔

مجھے علم تھا کہ جہانگیر سدا سے سحر خیزی کا عادی تھا۔ سلمیٰ کے لئے بھی' شیر خوار بچے کے ساتھ زیادہ دیر تک سونا ممکن نہیں

تھا اس لئے میں نے فون اٹھا کر اس کا نمبر گھما ڈالا۔

"تم کہاں غائب ہو یار؟ میں نے کل شام سے رات ت[illegible] شاید دس مرتبہ فلیٹ فون کیا ہوگا مگر ہر بار گھنٹی بجتی رہی [illegible] جواب نہیں ملا" میری آواز سنتے ہی اس نے شکوہ شروع کردیا

"صحیح اندازہ لگالو گے تو انعام دوں گا" میں نے اسے [illegible] میں مبتلا کرنے کی نیت سے کہا۔

"ویرا کے ساتھ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں وقت گزارا[illegible]" اس کے لہجے سے بیزاری عیاں تھی۔

"تمہاری سوچ بہت متعصب اور گھٹیا ہے" میں نے ملا[illegible] آمیز لہجے میں کہا "دوسری کوشش کرو گے یا ہار مانتے ہو؟"

"ہار مانے لیتا ہوں' جلدی بتاؤ کہ کیا کر رہے تھے؟ دوسری بات بھی کرنی ہے۔"

"غزالہ اس وقت میرے ساتھ فلیٹ میں موجود ہے" [illegible] نے آہستہ سے کہا۔

میری زبان سے وہ خوش خبری سنتے ہی جہانگیر خوشی س[illegible] باؤلا ہوگیا۔ دلی مبارک باد دینے کے بعد اس نے مجھ سے ا[illegible] اتنے سوالات کیے کہ میں بوکھلا کر رہ گیا۔ مجھ سے گفتگو [illegible] دوران میں ہی اس نے چیخ کر سلمیٰ کو بھی وہ خبر سنادی اور سلمیٰ [illegible] ہی فون پر آگئی۔ مجھ سے مبارک سلامت کے بعد اس نے [illegible] سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی اور مجھے اس کو بلانا پڑگیا۔

"فون بند نہ کرنا' مجھے جہانگیر سے بات کرنا ہے" میں[illegible] ریسیور اسے دیتے ہوئے کہا۔

ان دونوں کے مذاکرات خاصے طویل ثابت ہوئے۔ [illegible] کا مگ خالی ہوگیا۔ دو سگریٹیں سلگ کر راکھ ہوگئیں [illegible] کہیں ریسیور میرے ہاتھ میں آنے کی باری آئی۔

"تو اس کا مطلب ہوا کہ تم نے ملا سرکار کو ٹھکانے لگ[illegible]" جہانگیر کی چہکتی ہوئی آواز ابھری۔

"یار' اس پر لعنت بھیجو اور یہ بتاؤ کہ وہ تمہاری دوسر[illegible] کیا تھی؟"

"اوہ! وہ تو میں بھول ہی گیا" اس کی بوکھلائی ہوئی [illegible] ابھری "منظور ماموں ایریا کمانڈر سے بات کر کے مصیب[illegible] پھنس گئے ہیں۔ انہوں نے خود کو الگ تھلگ رکھتے ہو[illegible] کوٹ مندو کی خیر خبر لینے کا اشارہ دیا تھا لیکن وہ بہت کھا گ[illegible] تھا۔ اس نے اپنے پے در پے سوالات سے منظور ما[illegible] پریشان کردیا اور وہ کچھ ایسی باتیں اگل بیٹھے جن سے [illegible] فریق کے نشاندہی ہوتی ہے۔ اب کمانڈر ہر قیمت پر تم [illegible] چاہتا ہے۔ وہ منظور ماموں کا گہرا دوست ہے لیکن اس [illegible] صاف صاف بتادیا ہے کہ قومی سلامتی کے لیے یہ معاملہ [illegible] اہم ہے کہ انہوں نے تعاون نہ کیا تو وہ انہیں آئی ایس [illegible] حوالے کردے گا"۔

ے مل کر وہ کیا جاننا چاہتا ہے؟" میں نے الجھن آمیز
ھا۔
کچھ پتا نہیں۔ وہ بار بار ایک ہی رٹ لگائے ہوئے ہیں
ہیں رانی پور بھیج دوں۔"
کو بلانے کے لئے بہانے بازی تو نہیں کر رہے وہ؟"
خیز لہجے میں پوچھا۔
عدار آدمی ہیں۔ ایسی باتوں میں اپنے بھانج داماد کو
کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"
ھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے قدرے توقف
ل کیا۔
ی طور پر رانی پور کے لئے روانہ ہو جاؤ تاکہ میری گلو
سکے"۔
یں بتا چکا ہوں کہ غزالہ طویل مدت کے بعد کل ہی
آئی ہے"۔
ے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ وہ اس کی بہت مدارات
"۔
ہیں جہانگیر! خود کو دھوکا نہ دو" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔
جتنے اجلے نظر آتے ہیں 'اندر سے اسی قدر کالے ہیں۔
لہ کو ان کی چھت کے نیچے نہیں لے جا سکتا۔ ان سے
سرکار ہے جس نے غزالہ کو کئی روز تک اپنی قید میں
باوجود ایک بار بھی اس پر نگاہِ بد نہیں ڈالی۔"

"انہیں اتنا گرا ہوا نہ سمجھو۔ ڈال سے گرے ہوئے بیر پر ہر ایک جھپٹتا ہے۔ ویرا کی بات اور تھی۔ تم غزالہ کے بارے میں فکر نہ کرو۔ سلمٰی انہیں بتا دے گی کہ وہ تمہاری منگیتر ہے۔ وہ بھی ایک جوان بیٹی کے باپ ہیں۔"

"ابھی تم نے بتایا ہے۔ میں اس بارے میں غزالہ سے مشورہ کروں گا۔ اس کے بعد کوئی پروگرام بنا سکوں گا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر خشک لہجے میں کہا۔

"وہ تمہارا فون نمبر وغیرہ پوچھ رہے تھے۔ اب ان کی کال آئی تو میں انہیں فلیٹ کا نمبر دے دوں گا۔"

"یہ بہتر رہے گا۔ تم بیچ میں سے نکل جاؤ تو میں انہیں اچھی طرح سنبھال لوں گا۔"

جہانگیر سے بات کر کے میں نے ایک اور مصیبت مول لے لی تھی۔ اگر وہ منظور ماموں کی کوئی ذہنی اپج تھی تو میں بخوبی ان کے کیڑے جھاڑ سکتا تھا لیکن اگر اریا کمانڈر ملا سرکار کے معاملے میں واقعی دلچسپی لے رہا تھا تو یہ میرے لئے خوشی کا مقام تھا کہ ملک کی سلامتی کے ذمے دار ہر وقت مستعد اور تیار رہتے تھے۔

فلیٹ میں یوں تو بہت کام تھا لیکن کمروں کو معقولیت کی سطح تک لانے کے بعد ویرا تھکے ہارے انداز میں ایک بستر پر گر گئی۔ غزالہ نے دوسری خواب گاہ سنبھال لی۔ تیسرا کمرا میرے اور سلطان شاہ کے لئے صاف کر دیا گیا تھا۔

سلطان شاہ کا خیال تھا کہ جہانگیر کی خواہش پر رانی پور کی

طرف دوڑ لگانے کے بجائے مجھے وہیں رک کر منظور ماموں کے فون کا انتظار کرنا چاہیے تھا کیونکہ ان سے براہِ راست بات کر کے ہی میں معاملے کی تہ تک پہنچ سکتا تھا۔

میری آنکھوں میں دور دور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔ سلطان شاہ نیچے جا کر وقت گزاری کے لئے کئی اخبارات لے آیا تھا اس لئے میں ان ہی کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔

میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ اخبار میں جا بجا ایسی کئی خبریں موجود تھیں جو صوبہ سندھ میں ملا سرکار کے بھیانک مشن سے میل کھاتی تھیں۔ ان میں مسلح ڈاکوؤں کے ہاتھوں لٹنے اور ہلاک و زخمی ہونے والے ان دیہاتیوں کی خبریں زیادہ سنگین تھیں جو خود بھی فرزند زمین تھے۔ ان کارروائیوں میں کوئی نسلی، علاقائی یا لسانی رنگ نہیں تھا۔ جو گاؤں لوٹے اور جلائے گئے ان کے باسی کسی بھی طرح مال دار یا ذی حیثیت نہیں کہے جا سکتے تھے۔

دور افتادہ اور گمنام علاقوں میں لوٹ مار کے علاوہ کئی خبریں اغوا کی وارداتوں کی بھی تھیں جو شہری اور دیہی علاقوں میں یکساں انداز میں رونما ہو رہی تھیں۔ باحیثیت افراد یا ان کے اہل خانہ کو اغوا کر کے ان کے لواحقین سے بھاری زر تاوان کے مطالبات کیے گئے تھے۔ اپنی اپنی جگہ، ان میں سے ہر واردات غیر اہم اور معاشرے میں پھیلی ہوئی عمومی بے اطمینانی کی عکاس نظر آتی تھی لیکن انہیں یکجا کر کے مجھے یہ نظر آ رہا تھا کہ ملا سرکار کے حواری صوبے اور خصوصاً اس کے اندرونی حصوں میں بے امنی، شورش اور عدم تحفظ کی فضا پیدا کرنے کے منصوبے کو بروئے کار لانے میں مصروف ہو چکے تھے۔

نو بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو سلطان شاہ نے دوسری طرف کی آواز سن کر ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں۔" میں نے ریسیور لے کر نرم لہجے میں کہا۔

"ارے بھئی، میں منظور علی بول رہا ہوں۔ تم کل سے کہاں غائب ہو؟" منظور ماموں کی بارعب لیکن بے تکلفانہ آواز نے میرے کان کے پردے ہلا کر رکھ دیئے "مجھے جہانگیر نے ابھی تمہارا فون نمبر دیا ہے۔"

"بس یہیں ہوں۔ مجھے ابھی ابھی پیغام ملا ہے کہ آپ ہم لوگوں کو دوبارہ شرفِ باریابی بخشنا چاہتے ہیں" میں نے گمبھیر اور قدرے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو پھر تم آج کس وقت یہاں پہنچ رہے ہو؟" انہوں نے تحکمانہ لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے اکیلا آنا ہے یا ویرا وغیرہ کو بھی ساتھ لانا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"تمہارا آنا ضروری ہے۔ کسی اور کو لانا یا نہ لانا تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔"

ان کے جواب سے یہ واضح ہو گیا کہ میری طلبی ان کے ا[...] ذہن کی پیداوار نہیں تھی۔

"میں ایک دو روز بعد کوئی جواب دے سکوں گا" میں نے رسانیت سے کہا "فی الحال میں ایک بہت اہم کام میں الجھا ہوا ہوں۔ اسے ادھورا چھوڑا تو بڑا نقصان ہو جائے گا۔"

"تمہارا نقصان میں پورا کر دوں گا۔" وہ ایک دم غصے میں آ گئے تھے "بریگیڈیر نیازی اس وقت بھی میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر تم خود نہ آئے تو یہ تمہیں پکڑ کر بلوا لیں گے۔ تمہاری یہاں موجودگی ناگزیر ہے۔"

"کیا میں ان سے بات کر سکتا ہوں؟" میں نے ان کی برہمی کے باوجود اپنا لہجہ دھیما ہی رکھا۔

"ضرور کرو۔ بلکہ وہ خود بھی تم سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"میں نیازی بول رہا ہوں" چند ثانیوں کے بعد ریسیور میں ایک بھاری بھرکم مگر دھیمی آواز سرسرائی۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ کو کسی معاملے میں میری ضرورت پیش آ گئی ہے۔"

"ہم کافی دنوں سے ایک خفیہ پروجیکٹ پر کام کر رہے ہیں۔ پرسوں کوٹ مندو میں جو واقعات پیش آئے ہیں، ان کی روشنی میں میرا خیال ہے کہ تم ہماری مدد کر سکتے ہو۔"

"میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں" میں نے سراپا انکسار بن کر کہا۔

"میں جلد از جلد تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ اگر تم ہماری کوئی مدد کر سکے تو یہ بہت بڑی قومی خدمت ہوگی۔ میں نے کوٹ مندو میں جو کچھ دیکھا ہے اس نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔"

"دراصل میں کراچی میں بھی ان ہی کڑیوں پر کام کر رہا ہوں منظور ماموں میری مجبوری کو سمجھے بغیر مجھ پر گرم ہو گئے۔ اگر اس کے باوجود حکم ہوگا تو میں اسی وقت کراچی چھوڑ دوں گا۔"

"کیسی کڑیوں پر کام کر رہے ہو؟ مجھ سے کھل کر بات کرو! میں منظور ماموں نہیں، ایک ذمے دار فوجی افسر ہوں" بولنے والے کے لہجے میں اضطراب اور تجسس امڈ آیا تھا۔

"بلیک کیٹس کا معاملہ ہے اور....." میں نے بتانا چاہا لیکن دوسری طرف سے اضطراری طور پر میری بات کاٹ دی گئی۔

"بس بس، تم کو رانی پور آنے کی ضرورت نہیں، تم جہاں ہو، وہیں ٹھہرو! کسی اہم ترین ضرورت کے بغیر باہر نہ جانا۔ اگر جانا ہو تو اپنا پروگرام بتا کر جانا۔ میرا آدمی کسی بھی وقت تم سے رابطہ کر سکتا ہے۔"

"لیکن میں اسے کیسے پہچان سکوں گا؟" میں نے رانی پور کی پیشی سے گلو خلاصی ہو جانے پر دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہارا کوڈ فاکس اور اس کا ہاک ہوگا اور یہی تمہاری

خت ہو گی۔ تم اس سے کھل کر بات کر سکو گے۔ اس سے
ہیں جو کچھ معلوم ہو گا وہ متوقع نتائج حاصل ہونے تک راز ہی
نا چاہئے۔"

" میں پوری احتیاط برتوں گا " میں نے پورے خلوص کے
تھ اقرار کیا۔

" شاید تمہیں علم نہ ہو کہ تم نادانستگی میں کس راہ پر چل
ے ہو۔ اگر تمہارے حریف تمہارے وجود سے واقف ہیں تو یہ
رکھنا کہ تم کو بدترین خطرات لاحق ہیں۔ وہ لوگ اپنی راہ میں
ئل ہونے والوں کو بڑی بے رحمی کے ساتھ ذبح کرتے چلے
ہے ہیں۔ ضروری ہوا تو میرا آدمی تمہیں بھرپور تحفظ بھی فراہم
ے گا۔"

" میں کافی دنوں سے ان لوگوں کے پیچھے لگا ہوا ہوں اور
ی تک اپنی حفاظت کرنے میں کامیاب رہا ہوں۔ ضرورت
وس ہوئی تو میں خود مدد طلب کرلوں گا۔"

" تمہارا ذریعۂ معاش کیا ہے؟" بریگیڈیر نے اچانک ہی دہ
رک سوال کر ڈالا۔

میری اپنی پلاسٹک فیکٹری جمی لائیڈ کی انتقامی کارروائیوں
ے تباہ ہو کر قصۂ پارینہ بن چکی تھی۔ میری زندگی کا کل اثاثہ ان
ہ لاکھ ڈالرز پر مشتمل تھا جو میں نے شی والوں کی گن بوٹ
وخت کر کے کمائے تھے اور جو ان دنوں سلمیٰ کی تحویل میں
کھے ہوئے تھے۔ میں اس افسر کو اپنی آمدنی کے بارے میں کچھ
ہیں بتا سکتا تھا اس لیے میں نے اس سے جھوٹ بولنے کا فوری
ملہ کرتے ہوئے کہا " میں ایک فیکٹری میں حصے دار ہوں۔"

وہ جھوٹ بولتے ہوئے میرے ذہن میں جہانگیر کی ایس جے
ارمنٹ فیکٹری تھی۔ میرا خیال تھا کہ ضرورت پڑنے پر جہانگیر
رے دعوے کی تائید کرنے میں تامل نہیں کرے گا۔

" اوکے بوائے! وش یو گڈ لک!" دوسری طرف سے بزرگانہ
لہجے میں اختتامی کلمات سنائی دیئے اور فون بے جان ہو گیا۔

سلطان شاہ کسی خبر کی امید میں میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔

میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر دونوں انگوٹھے کانوں پر
کائے اور ہتھیلیوں کو لہراتا ہوا بولا " بیٹھے بٹھائے میں ایک دم
ے فاکس بنا دیا گیا ہوں۔"

" کس سے بات کر رہے تھے؟" اس نے اشتباہ آمیز لہجے
یں سوال کیا۔

" ایک بریگیڈیر سے " میں نے کہا " قانون شکنی کی طویل
زندگی میں آج پہلی بار امن و قانون کے کسی اعلیٰ محافظ نے مجھ
ے عزت کے ساتھ بات کی ہے۔"

" اور یہ کون سی فیکٹری ہے جس میں تمہاری حصے داری ہے؟"
س نے پوچھا۔

" خلا میں بن رہی ہے " میں نے آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے
کہا۔ اسے کچھ نہ کچھ تو بتانا ہی تھا؟

" پھر اب رانی پور کب جا رہے ہو؟" سلطان شاہ صورتحال
سے مطمئن نظر نہیں آ رہا تھا۔

" وہ قصہ ختم ہو گیا۔ بریگیڈیر کی باتیں سن کر منظور ماموں کا
دم آدھا رہ گیا ہو گا۔ مجھ سے ملنے کے لئے اس کا کوئی آدمی
میرے پاس آنے والا ہے۔ اب قصہ زمین بر سرزمین ہی رہے گا۔"

چند منٹ بعد ایک بار پھر فون کی گھنٹی نے ہماری باتوں کا
تسلسل توڑ دیا۔

ریسیور اٹھاتے ہی مجھے منظور ماموں کی محبت آمیز آواز سنائی
دی تھی۔

" مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنا معاملہ خود ہی خوش اسلوبی
سے سنبھال لیا " ان کی محبت آمیز آواز ابھری " یہ میرے ہی قبیلے
کا افسر ہے لیکن سرکاری معاملات میں ذرا بھی لحاظ نہیں کرتا۔
مجھے بند کرانے کی دھمکیاں دے رہا تھا لیکن تم سے بات کرتے ہی
ایسا موم ہوا کہ میری کھوپڑی خلا میں معلق ہو گئی۔"

" دراصل وہ مجھے پہچان نہیں سکا تھا " میں نے انہیں
مرعوب کرنے کے لئے بے پروائی سے کہا " اسی لئے آپ کو
دھونس دے رہا تھا۔ مجھ سے بات ہوئی تو سارا معاملہ صاف ہو گیا۔"

" تو کیا تم بھی کوئی فوجی افسر ہو؟" منظور ماموں کی آواز میں
حیرت کے ساتھ ہی خوف بھی رچا ہوا تھا۔

" میرا کام کچھ ایسی نوعیت کا ہے کہ میں زبان نہیں کھول
سکتا " میں نے مبہم سا جواب دیا۔

" نادانستگی میں مجھ سے کوئی لغزش ہوئی ہو تو مجھے معاف
کر دینا بیٹا!" ان کی آواز کا سارا دبدبہ صابن کے جھاگ کی طرح
بیٹھ گیا تھا " میں دل کا برا نہیں ہوں۔"

" مجھے تو خیر کوئی تکلیف نہیں پہنچی لیکن ویرا کئی بار مجھے کچھ
بتانے کی کوشش کر چکی ہے۔ موقع ملا تو اس سے پوچھوں گا کہ
رانی پور کے لوگوں کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے؟"

میرے ان فقروں نے منظور ماموں کا دم ہی نکال دیا اور
ریسیور پر ان کی مردہ سی آواز ابھری " میرے لئے وہ ثریا کی طرح
ہے۔ میں نے بزرگانہ پیار میں اس سے کچھ چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ ہو
سکتا ہے۔ وہ اس سے غلط مفہوم پہنا رہی ہو۔"

" مغربی قوموں میں تو بہت آزاد خیالی پائی جاتی ہے۔ لوگ
بڑی خوشی کے ساتھ ایک دوسرے کی بیویوں اور بیٹیوں کے ساتھ
ناچتے ہیں۔ ویرا کو ایسی کسی بات کا برا نہیں منانا چاہئے تھا؟"

" یہ صرف قیاس ہے " وہ جلدی سے بولے " میں نے تمہیں
پہلے سے بتا دیا ہے۔ اگر وہ ایسی کوئی بات کرے تو میری طرف سے
اس کا دل صاف کر دینا۔ لڑکوں نے کوئی بدتمیزی کی ہو تو مجھے بتانا۔
میں ان کی کھال گرا دوں گا۔"

میں منظور ماموں کی ذہنی حالت پر دل ہی دل میں

گیا۔ اپنے کردار کی تمام تر سیاہی سے قطع نظر وہ اپنے نوجوان بچوں کی معمولی لغزشیں تلاش کرنے کی فکر میں تھے۔

"میں اسے سمجھا دوں گا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ شراب کے بارے میں کچھ بتانا چاہ رہی تھی" منظور ماموں کی زبان سے بزرگانہ پند۔ کا اعتراف سن لینے کے بعد میں نے دوسرا وار کردیا۔

"دشش!" ان کی اضطراری شِشکاری گونجی "جہانگیر وغیرہ کو نہ بتا دینا" وہ رو دینے والے انداز میں کراہے تھے "کاش مجھے علم ہوتا کہ وہ باہر جا کر سب کچھ بک دے گی تو اسے اپنی خوابگاہ میں ہی نہ لے جاتا۔ میں دوا کے طور پر وسکی لیتا ہوں۔ میرے بچوں تک کو یہ بات معلوم نہیں لیکن میرا ڈاکٹر کہتا ہے کہ میں وسکی کے سہارے چل رہا ہوں۔ میری بوتل میں سے اس نے بھی کافی پی تھی لیکن میں نے اسے مجبور نہیں کیا تھا۔"

"تم فکر نہ کرو منظور ماما!" ان کے اعترافات سن کر میں فوراً ہی بے تکلفی پر اتر آیا "یہ راز میرے سینے میں دفن رہیں گے۔ یہ صرف تمہارا نہیں' اس دور کے ہر انسان کا مسئلہ ہے۔ اندر ہم خون آشام تمنائیں اور وحشیانہ آرزوئیں لیے پھرتے ہیں لیکن بظاہر ستھرے' شائستہ اور امن پسند بنے پھرتے ہیں۔ جوں ہی موقع میسر آتا ہے' ہمارے اندر چھپا ہوا وحشی درندہ لپک کر باہر آتا ہے۔ اپنے نکیلے دانتوں سے جسموں' جذبوں اور جیبوں کو چیرتا پھاڑتا ہے اور پھر اسی مسکن میں جا چھپتا ہے جو باہر سے بہت شائستہ نظر آتا ہے۔ تم فکر نہ کرو' جہانگیر کو کچھ پتا نہیں چلے گا۔"

"تت.... تم عجیب آدمی ہو۔ کیسی ڈراونی باتیں کرتے ہو؟" ڈری ڈری ہنسی کے ساتھ منظور ماموں کی سہمی ہوئی آواز ابھری۔ "تم شاید مجھ سے مذاق کر رہے ہو۔ اچھا' خدا حافظ!"

انہوں نے بوکھلا کر فون بند کر دیا اور میں نے سوچا کہ بیشتر انسان اپنے اندر کے شر اور بدی سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا اپنی بدنامی سے ڈرتے ہیں۔

"ویرا شاید سوئی ہوئی ہے۔ اگر ما. تاتی کی موجودگی میں وہ بیدار ہو جائے تو اسے ادھر نہ آنے دینا۔ سفید فام ہونے کی وجہ سے وہ ان کی نظروں میں آگئی تو وہ اس کا پورا شجرہ کھنگال ڈالیں گے۔"

"جب تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اس وقت تک ویرا کو یہاں سے ہٹا دینا ہی مناسب ہوگا۔"

"میں پہلے سے یہی بات سوچ بیٹھا تھا۔ ویرا اور غزالہ کو جہانگیر کے گھر منتقل کرنا بہتر رہے گا۔ آج میں اس موضوع پر جہانگیر سے بات بھی کرلوں گا۔"

گیارہ بجے ڈور بیل بجی تو میں خود اٹھ کر دروازے پر گیا تھا۔ میرے سامنے سادہ لباس میں' عقابی آنکھوں والا ایک ... ان کھڑا ہوا تھا۔ وہ منہ سے ایک لفظ بھی نکالے بغیر استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھتا رہا اور میں بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا رہا۔

"ہاک!" آخر کار اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ... برآمد ہوئی۔

"فاکس" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور اس کے اندر آنے کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔

"سر! میں زیادہ دیر تک یہاں نہیں رک سکوں گا" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے کرخت فوجی لہجے میں کہا "آپ کو اسی وقت میرے ساتھ چلنا ہے۔"

"کہاں جانا ہے؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔ ایک ذمے دار سرکاری اہل کار کی زبان سے اپنے لئے سر کا لفظ سن کر میری انا کو یک بیک پھریری سی آگئی تھی۔

اس اثنا میں آنے والا ڈرائنگ روم میں پہنچ چکا تھا۔ سلطان شاہ کو دیکھتے ہی وہ ٹھٹکا اور میرے سوال کا جواب دیتے دیتے رک گیا۔ سامنے کی بات تھی کہ گفتگو کرنے کے لئے اسے تخلیہ درکار تھا۔

"تم اندر جاؤ!" میں نے سلطان شاہ کو ہدایت کی اور وہ وہاں سے چلا گیا۔

"سوری سر! میں منزل کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا" تخلیہ ہوتے ہی اس نے میرے سوال کا جواب دے دیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے اسے آزمانے کی نیت سے پوچھا۔

"ہاک" اس نے سپاٹ لہجے میں اپنا کوڈ دہرایا "آپ کا انتظار کیا جا رہا ہے سر! آپ کو باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے فوری روانگی کی تیاری کرنا چاہئے۔"

میرے لئے اس انداز میں گفتگو سننے کا وہ پہلا موقع تھا جب مجھے سر کہہ کر بار بار اپنی بے بضاعتی کا احساس دلایا جا رہا تھا۔ ہاک کا تکلم فدویانہ' لہجہ تحکمانہ اور متین رازدارانہ تھا۔ بجز داتا کا وہ حسین شاہکار تخلیق کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں تھا۔ اس موضوع پر وہی لوگ طبع آزمائی کر سکتے تھے جو اپنے مستقبل کے ماتحتوں کے اشارۂ ابرو پر پیٹ اور کہنیوں کے بل' تپتے ہوئے سنگریزوں پر رینگنے کے اعصاب شکن مراحل سے خندہ پیشانی کے ساتھ گزر چکے ہوں۔

"بیٹھو! میں جوتے پہن کر آتا ہوں" اس سے مذاکرات کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس کی آپ جناب کے جواب میں میری بالادستی کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ میں اسے تم کہہ کر مخاطب کرنے کے لئے آزاد تھا۔ اس سے زیادہ کی آرزو میں وہ سنگلاخ شخص مجھے شرمندگی کے سوا کچھ اور دینے کا اہل ہی نہیں تھا۔

"کہاں جا رہا ہوں اور کب آؤں گا' اس بارے میں میں خود لاعلم ہوں" سلطان شاہ کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی میں نے اسے

اہ کر دیا۔ "موقع دیا گیا تو کہیں سے فون پر بات کر لوں گا۔"
میں ڈرائنگ روم میں واپس آیا تو میرے ہاتھ میں کی چین
کر ہاک نے مجھے پھر ٹوک دیا "میرے پاس گاڑی موجود ہے'
پ کو اسی سے چلنا ہو گا۔"
"یہ میرے فلیٹ کی چابی ہے" میں نے جل کر کہا حالانکہ وہ
ڑی کی چابی تھی۔
"چابی کے بارے میں میں نے کچھ نہیں کہا سر!" وہ سر جھکا
صوفے سے اٹھ گیا۔
سلطان شاہ دروازہ بند کرنے آیا تو میں نے ہاک کی آنکھ بچا
ر کار کی چابی اس کے حوالے کر دی۔
نیچے سیاہ رنگ کی ایک عام سی سیلون کار موجود تھی جس کی
ر پلیٹ بھی غیر فوجی اور غیر سرکاری تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ والا
پنے چہرے مہرے کی فوجی ساخت کے باوجود سادہ لباس میں
وس تھا۔
ڈرائیور نے ہاک کے لئے پھرتی سے کار کا عقبی دروازہ کھولا۔
اس نے پہلے مجھے اندر بٹھایا پھر میرے پہلو میں براجمان ہو گیا
ر کار سبک رفتاری کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئی۔
ہاک نے کار کی پسنجر سیٹ سے ایک عینک اٹھا کر مجھے تھما دی۔
اس کے عدسے کے چاروں طرف چرمی شیلڈ لگی ہوئی تھی جو
وٹر سائیکل سواروں کی آنکھوں کو تیز ہو[illegible] سے محفوظ رکھنے
کے لئے جلد پر چپک کر آنکھوں کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔
س عینک کے عدسے کچھ عجیب اور تاریک سے تھے۔
"یہ لگا لیں اور میری ہدایت کے بغیر ہرگز نہ اتاریں" ہاک
نے مجھے ہدایت کی۔
میں نے چشمہ لگایا۔ درنی الفور بوکھلا گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا
یسے میری بصارت یکلخت مفقود ہو گئی ہو۔ عدسوں کا اندھیرا میری
ونوں آنکھوں کے گرد پھیل گیا تھا۔
"اسے آنکھوں پر ہی رہنے دیں' سر!" ہاک کی سرد آواز
ابھری۔ اس نے نہایت نرمی کے ساتھ میرا داہنا ہاتھ عینک کی
کمانی سے ہٹا دیا تھا "آپ کے اپنے تحفظ کے لئے یہ بہت
ضروری ہے۔"
"لیکن یہ تو بلائنڈ فولڈ ہے" میں نے دبے دبے لہجے میں
احتجاج کیا۔
"یس سر! آپ کا قیاس بالکل درست ہے کیا پہلے بھی آپ
کا ایسے آلے سے واسطہ پڑ چکا ہے؟" ہاک کی تحسین آمیز پھر
ندرے تحیر زدہ آواز ابھری۔
"اس بیش قیمت آلے کو کسی تجربے کے بغیر بھی آسانی کے
ساتھ پہچانا جا سکتا ہے۔" میں نے جلے کٹے لہجے میں کہا "کچھ نظر نہ
آنے کی وجہ سے مجھے سخت الجھن ہو رہی ہے۔"
"میں معذرت خواہ ہوں' سر! لیکن میرے لئے یہی حکم تھا۔
یہ زحمت تھوڑی دیر بعد ختم ہو جائے گی۔ ویسے بھی یہ شہر تو آپ
کا دیکھا بھالا ہی ہو گا؟"
قصور ہاک کا بھی نہیں تھا۔ وہ سخت ترین ڈسپلن میں پروان
چڑھنے والا انسان تھا۔ اس سے جو کچھ کہہ دیا گیا تھا' وہ اس سے
سر مو بھی انحراف نہیں کر سکتا تھا۔ کار کے شیشے چڑھے ہوئے تھے
اور ائرکنڈیشنر چل رہا تھا اس لئے ٹریفک کے شور و غل سے بھی
اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ ہم کن راستوں سے گزر رہے تھے۔
کار کی ہموار رفتار سے یہ بات ضرور سمجھ میں آ رہی تھی کہ ہم
کسی پر ہجوم سڑک پر نہیں نکلے تھے۔
کچھ دیر کے سفر کے بعد کار رکی لیکن اس کا انجن چلتا رہا۔
آوازوں سے پتا چلا کہ وہ کوئی سیکیورٹی پوسٹ تھی۔ جہاں شناختی
کارڈ وغیرہ دیکھے گئے اور کار پھر حرکت میں آ گئی۔
"کار سے اتر کر بھی آپ عینک نہیں اتاریں گے" ہاک نے
کہا "میں ہاتھ تھام کر آپ کو اندر لے جاؤں گا' کانفرنس روم
میں آپ یہ عینک اتار سکیں گے۔"
آثار بتا رہے تھے کہ وہ سفر جلد ہی ختم ہونے والا تھا۔ آخر
کار گاڑی رک گئی۔ اس کا انجن بھی بند کر دیا گیا۔ ہاک کی
رہنمائی کے باوجود میں کسی نابینا کی طرح سیٹ پر سرک کر' ٹٹولتا
ہوا کار سے اترا اور ہاک میرا داہنا بازو تھام کر مجھے ایک طرف
لے چلا۔
راستے میں مجھے جا بجا وزنی فوجی جوتوں کی دھمک سنائی دی۔
لوگ ہمارے قریب سے آ جا رہے تھے لیکن ہمیں دیکھ کر کسی کی
چال میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور نہ ہی کوئی ہاک سے مخاطب ہوا

تھا۔

ایک لمبی راہداری میں واہنی سمت کے دروازے میں داخل ہو کر ہاک نے اچانک میرا بازو چھوڑ دیا اور بولا "اب آپ چاہیں تو عینک اتار سکتے ہیں، سر!"

میں نے فوراً ہی عینک اتار دی۔ وہاں پہنچ کر میرا ارادہ احتجاج کرنے کا تھا لیکن اس وسیع و عریض ہال میں بیٹھے ہوئے سینئر فوجی افسران پر نگاہ پڑتے ہی مجھے سنجیدہ ہونا پڑ گیا۔

ہاک کے علاوہ وہاں ایک کرنل اور دو میجر براجمان تھے۔ تینوں نے ہی نہایت گرمجوشی کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ وہ تینوں میرے نام سے واقف تھے لیکن ان کے سینوں پر سے نام کی پٹیاں غائب تھیں۔

میرے بیٹھ جانے کے بعد ہاک نے قالین پر دھول اڑا کر مجھے پر شور فوجی سیلوٹ کیا اور کانفرنس ہال سے باہر چلا گیا۔ تینوں افسر خاموشی کے ساتھ اس کے باہر جانے کا انتظار کرتے رہے۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر ڈینی، کہ یہاں لائے جانے کے دوران تمہیں ضابطے کی کچھ ناگوار کارروائیوں سے گزرنا پڑا ہوگا لیکن ہم اپنے اصولوں سے ہٹ کر کچھ بھی نہیں کرسکتے" کرنل کے عہدے والے افسر نے اس قدر نرم اور شیریں انداز میں معذرت کی ابتدا کی کہ میرا جی چاہا کہ اسے شرمندگی سے بچانے کے لئے دوبارہ وہ عینک اپنی آنکھوں پر چڑھالوں۔

وہ بے چارہ کئی منٹ تک معذرت اور پھر میری دلجوئی کرتا رہا۔ اس دوران میں اپنی کہانی کو دوبارہ مجتمع کرتا رہا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں راستے بھر اس بارے میں سوچتا آیا تھا اگر میں ان لوگوں کے سامنے کوئی بھی غیر محتاط لفظ استعمال کر بیٹھتا تو میرے لئے اسے نباہنا دشوار ہوسکتا تھا۔ مجھے کھل کر سامنے آنا پڑ گیا تھا اس لئے میں نے شی یا اسلحے کی خریداری کا ذکر درمیان میں لائے بغیر اپنی کہانی غزالہ کے اغوا تک ہی محدود رکھنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"سب سے پہلے میں تم کو مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے کوٹ مندو میں صرف دو غنڈوں کو ہلاک کر کے ایک ایسی بڑی سازش بے نقاب کی ہے جس پر کافی دنوں سے کام کرنے کے باوجود ہمارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا۔" رسمی گفتگو کے اختتام پر کرنل نے کام کی بات شروع کردی "ملا سرکار ایک مدت سے مشتبہ افراد کی فہرست میں شامل تھا لیکن ہمیں اس کے حجرے کے نیچے سے شروع ہونے والی سرنگ کا علم نہیں تھا ہم ایک مدت سے کوٹ مندو سے جانے والے تمام راستوں کو خفیہ اور کڑی نگرانی کرا رہے ہیں۔ ہمارے ریکارڈ کے مطابق وہ پچھلے گیارہ ماہ سے ایک بار بھی کوٹ مندو سے باہر نہیں گیا تھا۔ دوسری طرف اس پر اندھا اعتقاد رکھنے والے ہزاروں معتقدین کا مسئلہ تھا لیکن تم نے یہ کام بہت خوش اسلوبی کے ساتھ پورا کیا ہے۔ ملا سرکار کے حجرے کی تباہی اور سرنگ کی دریافت نے علاقے کے لوگوں کی آنکھیں کھول دی ہیں اور اب وہ پورا علاقہ فوج کے محاصرے میں ہے۔"

"اجازت ہو تو ایک چبھتا ہوا سوال پوچھ لوں!" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ضرور! تعمیری ارادے رکھنے والوں پر ہم کوئی پابندی عائد نہیں کرتے۔"

"اس قدر حساس سرحدی علاقے میں اتنی لمبی سرنگ کیسے وجود میں آگئی۔ کیا یہ ہمارے نظام کی کسی خامی کی نشاندہی نہیں کرتی؟" میں نے نپے تلے الفاظ میں سوال کیا۔

"اپنے مشن کی کامیابی کے لئے فوج نے کوٹ مندو کی خبروں کا بلیک آؤٹ کیا ہوا ہے اس لئے تم تفصیلات سے لاعلم ہو" ایک میجر نے جواب دیتے ہوئے کہا "فوج کی ایک ٹیم نے تباہ شدہ ملبے سے آگے سرنگ کے محفوظ حصے کا جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ وہ سرنگ کم از کم دو سو سال پرانی ہے جسے صاف کر کے قابل استعمال بنایا گیا ہے۔ سرحد پار، اس سرنگ کے دوسرے سرے پر کالی دیوی کے ایک مندر کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں۔ تاریخ سے پتا چلا ہے کہ کوٹ مندو میں بھی کسی زمانے میں کالی کا ایک مندر ہوا کرتا تھا اور یہ زیر زمین سرنگ دونوں مندروں کو ایک دوسرے سے ملاتی تھی کوٹ مندو والا مندر مٹی کا تھا جو امتداد زمانہ سے نیست و نابود ہو گیا مگر سرنگ اپنی جگہ پر قائم رہی۔ ملا سرکار نے کوٹ مندو میں سرنگ کے دہانے کا سراغ لگا کر اس پر اپنا تخت اور پھر حجرہ تعمیر کرالیا اور صرف اسی سرنگ کی وجہ سے وہ کوٹ مندو میں رہ رہا تھا۔ اب اس امر میں کسی شبے کی گنجائش نہیں رہی کہ وہ سرحد پار کی بلیک کیٹس تنظیم کے لئے کام کر رہا تھا۔ ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تمہاری معلومات کے کیا ذرائع ہیں اور تم ان لوگوں سے کیسے ٹکرا گئے؟"

"جہاں تک ذرائع کا تعلق ہے تو میں چاہوں گا کہ انہیں نہ کریدا جائے۔ بہت سی باتیں مجھے چوروں اور ڈاکوؤں سے معلوم ہوئی ہیں۔ جو ملا سرکار کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان ذرائع سے جو کچھ اگلوانا ممکن تھا، وہ میں معلوم کرچکا ہوں انہیں چھیڑنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

"پوری کہانی مل جائے تو اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔ کوٹ مندو آپریشن میں تمہارا کردار اس قدر مثالی رہا ہے کہ ہم تمہاری کسی خواہش کو آسانی کے ساتھ مسترد نہیں کرسکیں گے" میجر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جانو ماچھی نامی ایک بدنام ڈاکو نے میری منگیتر کو اغوا کر[لیا] تھا" میں نے پُرخیال انداز میں اپنی کہانی چھیڑ دی "کراچی کے بدنام علاقوں کی خاک چھاننے کے بعد مجھے علم ہوا کہ جانو ما

ے تعاقب سے خوف زدہ تھا۔ اس لئے میری منگیتر کو کسی
لے کر کے پہاڑوں کی طرف فرار ہوگیا ہے۔ دوسرے
نام سائیں مراد تھا۔ میں ڈھونڈتا ہوا سائیں مراد تک
علوم ہوا کہ میری منگیتر اس کے قبضے سے نکل چکی تھی
رکار نامی کسی شخص کی تحویل میں تھی۔ سائیں مراد ملا
ے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس نے ہندو پنچایت
راہ موہن داس کے بارے میں بتایا۔ اس سے مجھے پتا چلا
سرکار کوٹ مندو کی مسجد میں پیش امام بنا ہوا تھا لیکن
ھنڈ بھارت کے منصوبے پر کام کر رہا تھا۔ اسے غدار
ے علاوہ سرحد پار کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔ دراصل
بلیک کیٹ ٹی کے نام سے یہاں اپنے مشن کا سربراہ ہے۔"
برے ان الفاظ پر تینوں افسران کے منہ سے تحیر زدہ
ہ برآمد ہوئی تھیں۔
بلیک کیٹ ٹی" ایک میجر اپنے سامنے رکھی ہوئی فائل کی
ردانی کرتا ہوا بولا "وہی پورے آپریشن کا سربراہ ہے۔
زیب کاری اور دہشت گردی کا ایک مخصوص مشن سونپا
جس میں مافیا اور شی جیسی زیر زمین عالمی تنظیموں سے
خریداری بھی شامل ہے۔"
جر کی زبان سے مافیا اور شی کا ذکر سن کر میرے رونگٹے
ہوگئے۔ اگر وہ لوگ اتنی معلومات رکھتے تھے تو کچھ بعید
نہیں تھا کہ وہ مجھ سے بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہے ہوں اور
آخر کار مجھے ایسی جگہ لا کر مارنا چاہتے ہوں جہاں میں پانی بھی نہ
مانگ سکوں۔ شی کے حوالے سے میرا اور رویرا کا نام تک ان کے
ریکارڈ پر ہو سکتا تھا۔

"مافیا کے بارے میں تو میں اکثر سنتا رہا ہوں لیکن یہ شی کیا
ہے؟" میں نے اپنا دل کڑا کر کے وہ نازک سوال کر ہی ڈالا جس
کے جواب سے میں ان کی رسائی کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

"یہ بھی مافیا کی طرح بلکہ اس سے زیادہ مضبوط تنظیم ہے جو
صرف ہیروئن اور اسلحے کی عالمی اسمگلنگ کرتی ہے لیکن اس کا
کردار آج تک پوری طرح متعین نہیں کیا جا سکا...."

"میرا خیال ہے کہ ہم اپنے موضوع سے ہٹ رہے ہیں"
دوسرے میجر نے ٹوکا۔ وہ چھریرے بدن والا ایک دراز قامت
شخص تھا جس کی سرد آنکھوں کا سامنا کرنا ہر کسی کے بس کی بات
نہیں تھی۔

"تم اپنی بات جاری رکھو" کرنل نے اپنی فائل پر کچھ نوٹ
کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"موہن داس سے وہ اطلاعات ملتے ہی میں کوٹ مندو کے
لئے روانہ ہوگیا۔ وہاں جو کچھ ہوا وہ آپ لوگوں کے علم میں آچکا
ہے۔ ملا سرکار وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔"

"موہن داس کہاں ہے؟" بھاری بدن والے میجر نے

سوال کیا۔
"ایک غیر آباد مکان میں اس پر تشدد کرنے کے بعد میں نے اسے ہلاک کر دیا تھا" میں نے ایمانداری کے ساتھ تیسرے قتل کا بھی اعتراف کر لیا۔ سائیں مراد کے انجام کے بارے میں انہوں نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔
"اس نے تمہیں اور کیا بتایا تھا؟" اسی میجر نے اگلا سوال پوچھا۔
"ملا سرکار کو مال دار مقامی ہندوؤں سے بھاری مالی مدد ملتی ہے۔ وہ انہیں سنہرے خواب دکھاتا رہتا ہے کہ اس کے ملک کی بحریہ کسی بھی وقت کراچی کا محاصرہ کر کے دور تک اپنے فوجی اتار سکتی ہے۔ تخریب کاریاں آ چکے ہیں۔ سرحدوں پر فوجیں تیار کھڑی ہیں۔ ان خبروں پر وہ ہر بار لاکھوں روپے سمیٹ کر لے جاتا ہے۔"
"ملا سرکار اپنے آدمیوں سے رابطہ کس طرح رکھتا ہے؟" اسی میجر نے پوچھا۔ وہ مجھ سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ فائل پر نوٹ بھی لیتا جا رہا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھ پر ان تینوں کی ہیبت طاری ہونے لگی تھی۔
"مجھے علم نہیں لیکن سنا گیا ہے کہ سارے تخریب کار اسی سے ہدایات لینے کے لئے کوٹ مندو ہی جاتے تھے۔ علاقے کے لوگ سمجھتے تھے کہ ڈاکو ملا سرکار کی تعلیمات سے متاثر ہو کر وہاں آتے ہیں۔"
ان تینوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر کرنل نے پنسل کے سرے سے پیشانی کھجاتے ہوئے مجھ سے سوال کیا "تمہاری منگیتر کا کیا رہا؟"
"یہ قسمت کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ میں اسے تلاش کرتا رہا۔ اس کی جستجو میں کوٹ مندو تک گیا لیکن وہ کہیں نہ مل سکی لیکن پچھلی رات وہ خود بخود گھر لوٹ آئی۔"
"یہ کیسے ممکن ہے" دراز قامت میجر نے حیرت سے کہا۔
"ملا سرکار نے اسے قید خانے میں بے ہوش کیا تھا وہ دوبارہ ہوش میں آئی تو ایک ویرانہ میں پڑی ہوئی تھی۔ خود کو سنبھال کر وہ بڑی مشکلوں سے کل رات گھر لوٹی ہے۔"
اس کا مطلب یہ ہوا کہ ملا سرکار تمہارے انتقام سے خوف زدہ ہو گیا ہے؟" فربہ اندام میجر نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
"مجھے ایسی خوش فہمی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ملا سرکار نے میرے فلیٹ تک اس کا تعاقب کر کے میرا سراغ لگانے کی کوشش کی ہو" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا "جب تک اس کو ٹھکانے نہ لگا دیا جائے مجھ کو ہوشیار رہنا ہوگا۔"
"اس خطرے کا سدباب کرنے کے لئے تم نے کیا بندوبست کیا ہے؟"
"وہ پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ ہے تو اپنے اصل مقصد [illegible] میرے پیچھے زیادہ وقت برباد نہیں کرے گا۔ نہ [illegible] میرے مقابلے پر آئے گا کیونکہ وہ ایک مرتبہ بے نقاب [illegible] اپنا اصل کام جاری نہیں رکھ سکے گا۔ وہ مجھ پر چھپ [illegible] کر سکتا ہے اور اس کے لئے میں ہر وقت تیار رہتا ہوں۔"
"تمہاری باتیں بہت خیال انگیز ہوتی ہیں" کرنل [illegible]
"ملا سرکار سے پہلے تمہارا کتنے سیکرٹ ایجنٹوں سے واسطہ [illegible]
"کسی سے نہیں" میرے پاس جواب حاضر تھا [illegible] پر فلمیں دیکھ کر بچے بھی بہت سی باتیں سیکھ گئے ہیں۔"
"ملا سرکار کو موہن داس کی موت کا علم ہے [illegible] قامت میجر نے پوچھا۔
"نہیں اسے شبہ ضرور ہو سکتا ہے کیونکہ موہن دا[illegible] کئی دن سے غائب ہے۔ اس کی لاش کہیں سے برآمد ہو[illegible] آجاتی تو قصہ ختم ہو جاتا۔"
چند ثانیوں تک وہ تینوں سر جوڑ کر سرگوشیوں [illegible] مشورے کرتے رہے پھر کرنل بولا "تمہاری کوٹ [illegible] گزاری کے بارے میں ہم نے اپنی رائے کا اظہار [illegible] وہاں تم نے دو آدمیوں کو ہلاک کیا تھا۔ تمہارے ہاتھو[illegible] موہن داس کا ہوا۔ رانی پور سے خبر ملی ہے کہ کوٹ [illegible] ہوئے تم نے جانو ماچھی اور اس کے ساتھیوں کو [illegible] لگایا تھا۔ ڈاکوؤں کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر انعام [illegible] تین بھی اچھے لوگ نہیں تھے لیکن قانون کی نظر میں [illegible] کہ انصاف اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے۔ تمہاری [illegible] صلے میں فی الحال تمہیں رعایت دی جا رہی ہے۔ [illegible] کیٹ ٹی کو تلاش کرو۔ اگر تم نے فرار یا روپوش [illegible] کوشش کی تو تم مصائب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"
"لیکن میں اس کے بارے میں صرف [illegible] کر سکتا ہوں" میں نے کہا۔
"مخلصانہ کوشش کرتے رہو۔ اسے پکڑنا ہمارا [illegible] ہے۔ اپنے گرد گھیرا تنگ ہو جانے کے بعد وہ زیادہ [illegible] نہیں رہ سکتا۔ تم نے اپنی کہانی مکمل ضرور کر لی ہے [illegible] بہ جگہ جھول ہیں۔ ہم ان تفصیلات کو کریدنا نہیں [illegible] خبریں مل رہی ہیں کہ اسلحہ کسی بھی وقت آنے والا [illegible] پہلے ہم ملا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کو اپنی تحویل میں لے [illegible] یہ سازش ناکام ہونی چاہئے" کرنل کا لہجہ سخت اور [illegible]
"اسلحہ نہیں آئے گا" میرے اس پُر اعتماد [illegible] تینوں کو چونکا دیا "بلیک کیٹ ٹی جس کے وجود [illegible] ہے وہ میرا کھڑا کیا ہوا مفروضہ ہے۔ اس سے وجد [illegible] لیکن یہ یقین رکھیں کہ وقت آنے پر اسے ایک [illegible] سکے گی اب بات صرف اسے پکڑنے کی ہے۔"

...طے کے سوداگروں سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" فریہ
...نے پوچھا۔
"...چھ بھی نہیں" میں نے مضبوط لہجے میں کہا "یہ ایسا ہی
...آپ کسی کے سامنے مجھے جرنیل بنا دیں حالانکہ میں دس
...سیدھا نہیں چل سکتا۔ ملا سرکار کو میں نے اپنے لئے
...ج سمجھ لیا ہے اسی لئے میں ہر محاذ پر اس سے لڑ رہا ہوں۔
...مراغ نہ ہونے کے باوجود مقدر یا میرا وجدان میری
...کرتا رہتا ہے۔"
"...مہارے دعووں کی بنیاد پر ہم اپنا کام نہیں روک سکتے۔
...علوم ہے کہ ساحلی کھاڑیوں میں کشتیاں کہاں تک جا سکتی
...ضرورت پیش آنے پر وہاں ہر طرف تباہی کا راج ہوگا۔"
"...مجھے چند آدمی مل جائیں تو میں ایک چوہے دان تیار
...ہوں" ان لوگوں کی گفتگو سے مجھے ایک بار پھر حوصلہ ملنے
...ورنہ بازپرس کے دوران مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے
...ی کوششیں کر رہے ہوں۔
"...کھل کر بتاؤ کہ کیا کرنا چاہتے ہو؟" کرنل نے تجسس آمیز
...ں کہا۔
"...جس مکان میں موہن داس کی لاش سڑ رہی ہے وہ کبھی
...میرے زیر استعمال رہا ہے۔ یہ بات بلیک کیٹ ڈی کے علم
...ں ہے۔ اسے میرے فلیٹ کا علم ہو بھی جائے تو وہ یہ جانتا
...فلیٹ میں کسی کو قید رکھنا ناممکن ہے۔ موہن داس کی
...ں وہ کسی بھی وقت اس مکان کا رخ کر سکتا ہے۔ کوٹ
...میری کارروائی کے بعد اسے یقین ہو چکا ہوگا کہ موہن
...ے ہاتھ لگ چکا ہے۔ اس مکان کی نگرانی کرائی جائے تو
...ہاتھ آ سکتا ہے۔"
...نگرانی کے ساتھ ہی میں اپنے آدمیوں کو چار دن کا راشن
...اندر رکھ سکتا ہوں" کرنل نے کہا "کامیابی کی امید نظر
...وئی بھی کارروائی کی جا سکتی ہے لیکن اندھیرے میں تیر
...ئے جا سکتے۔"
"...اس مکان کا پتا بتا دو۔ ہم چار دن کے لئے اس کی مکمل
...کرا دیں گے" فریہ اندام میجر نے کہا۔
...مدیرا کے مکان کا نمبر وغیرہ تو معلوم نہیں تھا اسی لئے میں
...انہیں محل وقوع سمجھانے میں مصروف ہو گیا۔
"...جا کر یونٹ فور کو روانہ کر دو" کرنل نے میرے فارغ
...ہی فریہ اندام میجر سے کہا اور وہ یس سر کہہ کر فوراً ہی
...ہال سے چلا گیا۔
"...یا میں یہ جان سکتا ہوں کہ اس وقت میں فوج کے کس
...مکا ہوں؟"
...ا سوال سن کر کرنل دل کھول کر خوب ہنسا اور خاصی دیر تک
...ہنسنے کے بعد بولا "ہمارا فوج سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہماری

وردیاں فوجی نہیں بلکہ فوج جیسی ہیں۔ ان سے دھوکا مت کھاؤ۔
تمہارے اطمینان کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ تم وطن دوست
قوتوں کے ساتھ ہو۔ ہمارے بارے میں زیادہ تجسس میں مبتلا ہو کر
تم خود کو پریشان کر لو گے۔"
"آپ لوگوں سے میرے رابطے کی کیا صورت رہے گی؟"
میں نے پوچھا۔
"اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ ہمارا کوئی نہ کوئی
آدمی ہر وقت تمہارے قریب رہے گا۔"
"اور آپ لوگوں کے نام؟" میں ان کے مقابلے میں خود کو
بہت کم تر محسوس کر رہا تھا۔
"بچوں جیسے سوال نہ کرو مسٹر ڈینی!" کرنل نے مشفقانہ
انداز میں کہا "نام بتانا ہوتے تو تعارف کے وقت ہی بتا دیئے
جاتے۔ بس یہ یاد رکھو کہ تم فاکس ہو اور تم سے ہاک کے حوالے
سے ملنے والا ہر آدمی ہمارا کارکن ہوگا۔"
اسی وقت دیگر لوازم کے ساتھ چائے آ گئی۔ فریہ اندام میجر
مسلسل لاپتا تھا۔ میں نے ان دونوں کے ساتھ چائے پی تو مجھے
یقین نہیں تھا کہ وہاں سے آسانی کے ساتھ میری گلو خلاصی
ہو سکے گی۔
اس ملاقات میں میرے ذہن سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ
گیا تھا۔ جب سے میں نے کوٹ مندو میں ملا سرکار کے حجرے کے
نیچے سرنگ دیکھی تھی، یہ خیال مجھے بار بار ڈس رہا تھا کہ سرحد کے
قریب، حساس ترین علاقے میں ایک کئی میل لمبی پختہ سرنگ تیار
ہو گئی تھی اور ہمارے لوگوں کو کانوں کان بھی اس کا پتا نہیں چلا
سکا تھا۔ میجر کی وضاحت نے مجھے اس ندامت آمیز احساس سے
نجات دلا دی تھی۔
چائے ختم ہونے کے بعد دراز قد میجر نے انٹرکام پر کسی کو
ہدایات دیں اور چند ہی ثانیوں میں مجھے وہاں تک لانے والا شخص
دوبارہ وہاں آ موجود ہوا۔
"اچھا مسٹر ڈینی! امید ہے کہ اب کسی اچھی خبر کے ساتھ
ہماری ملاقات ہوگی" کرنل نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔
ان دونوں سے فارغ ہوتے ہی ہاک نے میری آنکھوں پر
دوبارہ اندھی عینک منڈھ دی۔
"آئندہ کے لئے اس عینک سے نجات مل سکے تو میں شکر
گزار ہوں گا" دروازے سے نکلنے سے پہلے میں نے کہا۔
"مشکل ہے" کرنل کی آواز ابھری "بعض مجبوریوں کو بادلِ
ناخواستہ بھی قبول کرنا پڑتا ہے۔"
میں ہاک کے ساتھ کانفرنس ہال کے دروازے سے نکل کر
پختہ راہداری میں گھوم گیا۔
واپسی کا سفر صرف اس اعتبار سے مختلف تھا کہ راستے بھر ہم
دونوں خاموش رہے۔ مجھے ہاک کے اختیارات کا اندازہ ہو چکا

تھا اس لئے اس سے کوئی شکوہ کرنا ہی بے سود تھا۔

فلیٹ پہنچنے سے چند منٹ پہلے ہاک نے اندھی عینک میری آنکھوں سے اتار کر اگلی سیٹ پر ڈال دی اور پورے ادب و احترام کے ساتھ مجھے فلیٹ کے قریب اتار کر واپس لوٹ گیا۔

فلیٹ میں خاصی رونق تھی بلکہ جشن کا سا سماں برپا تھا کیونکہ جہانگیر دوپہر کے کھانے کے لئے دنیا جہان کے لوازمات خرید کر لایا تھا اور وہ سب شدت کے ساتھ میرا انتظار کر رہے تھے۔

"کہاں چلے گئے تھے غزالہ کو چھوڑ کر؟" مجھے دیکھتے ہی جہانگیر نے چیخ کر سوال کیا۔

"آخاہ! ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میں تمہارا ہی دلہا بھائی ہونے والا ہوں" میں نے جہانگیر کی ٹھوڑی کو چھو کر مضحکہ خیز لہجے میں کہا۔ میرے تبصرے پر سب ہی ہنس پڑے اور جہانگیر شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

"آخر کس کام سے گئے تھے؟" میری خوش گفتاری اس موضوع کو وہیں ختم نہ کرا سکی اور ویرا مجھ سے الجھ گئی "غزالہ کی واپسی کے موقع پر تم کن خرافات میں الجھے ہوئے ہو؟"

اس کے تیور سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ میری غیر حاضری کے بارے میں سلطان شاہ سے کوئی تسلی بخش جواب نہ ملنے پر چراغ پا ہو رہی تھی اور مجھ پر اپنی دھونس جمانا چاہ رہی تھی۔

"غزالہ کہیں بھاگی نہیں جا رہی ہے جو میں دن رات اس کے چرنوں میں بیٹھا مالا جپتا رہوں" میں نے ویرا کو خاموش کرانے کے لئے تلخ لہجے میں کہا "لاہور سے میرا ایک رشتے دار آگیا تھا۔ میں اسے یہاں سے ٹال کر باہر لے گیا تھا۔"

"لیکن سلطان شاہ تو کچھ اور بتا رہا تھا" ویرا آسانی سے قابو میں آنے والی نہیں تھی۔

"یہ اسی سے پوچھو۔ میں اس کے کسی جھوٹ کا ذمے دار نہیں ہوں۔"

"میں نے یہی تو کہا تھا کہ کسی کے ساتھ گئے ہیں، ... آئیں گے۔"

"اور میرا خیال ہے میں اپنی توقع سے کہیں پہلے اسے ٹالنے میں کامیاب ہو گیا۔"

تکرار ختم کرنے کے لئے میں باتھ روم تک گیا تھا کہ سلطان شاہ بھی لپک کر میرے ساتھ خواب گاہ میں آگیا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا "سینڈو کا تین بار فون آچکا ہے۔"

"اسے کیا تکلیف ہے" میں نے اس پر آنکھیں نکالتے ہوئے پوچھا۔

"یہ اسی سے پوچھ لینا دو مرتبہ ویرا نے فون اٹھایا تو سینڈو نے نسوانی آواز سن کر کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔ تیسری بار میں نے فون اٹھایا تو اس سے بات ہوئی تھی۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟" میں نے باتھ روم کے دروازے پر رک کر سوال کیا۔

"کسی بہت ضروری مسئلے پر تم سے فوراً بات کرنا ..."

"ٹھیک ہے میں اسے دیکھ لوں گا" میں ... جواب ... باتھ روم میں داخل ہو ہی رہا تھا کہ ویرا وہاں بھی نازل ہو ...

"اب یہاں کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں؟" کولہے ... رکھتے ہوئے اس نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے سوال کیا۔

"تم نے تو بدگمانی کی انتہا کر دی ہے' ویرا۔ کیا مجھے ... کرنے کی اجازت بھی نہیں ہے؟"

"کیا اب سلطان شاہ کے بغیر تمہارا پیشاب بھی ... سکتا؟"

"لاحول ولا قوۃ" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا "... گھٹیا زبان ہے تمہاری۔"

"باہر جا کر غزالہ کے ساتھ میز لگواؤ!" ویرا نے ... نکال کر سلطان شاہ سے کہا پھر نسبتاً دھیمی آواز میں مجھ سے ... "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم نے کوئی اور چکر بھی چلایا ہوا ہے ..."

"تمہارے وہم کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے" ... زچ ہو کر کہا۔

"تمہارے پیچھے دو پراسرار فون کالز بھی آئی تھیں ... مرتبہ میری آواز سنتے ہی دوسری طرف سے لائن کاٹ ... مجھے سچ سچ بتاؤ کہ یہاں کیا کھیل ہو رہا ہے ورنہ میں ... تمہارے پیچھے لگا دوں گی۔"

میں اسے گھورتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا جبکہ ... جانے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

کھانے کی میز پر ایک مرتبہ پھر سب خوشگوار موڈ میں ...

"یہ بتاؤ کہ تم دونوں شادی کا ڈنر کب دے رہے ہو ..." ... نے کھانوں سے انصاف کرتے ہوئے سوال کیا۔

میرے نزدیک وہ مرحلہ کسی وقت بھی طے ہو سکتا ... جہانگیر نے بزرگانہ انداز میں مداخلت کر کے میری خوش ... کر دی "ابھی نہیں اس مبارک موقع کے لئے ہمیں ... کرنا ہو گا۔"

"کیوں؟ کیا تم کوئی شبھ گھڑی نکال کر آئے ہو؟ یہ ... کب سے ہو گئے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"دلدار آغا کی موت کو ابھی ایک سو تین دن ... ہیں" جہانگیر نے بتایا۔

"دلدار کی موت سے ڈنر کا کیا تعلق؟" ویرا ... شرط ناقابل فہم ثابت ہوئی۔

"لڑکی وہی ہے نا! ہمارے یہاں پہلے شوہر کی ہڈیاں ... پہلے بیوائیں دوسری شادی نہیں کرتیں۔"

"ہڈیاں گلنے کی شرط ہے تو میں آج ہی اس کی قبر ... بھر دوں گی۔"

یہ ایک مذہبی نکتہ ہے تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتا" میں
اکو خاموش کرادیا۔
انے کے بعد کافی کے ساتھ گپ شپ کا دور چلتا رہا۔
لھر چلا گیا تو ویرا بھی اٹھ گئی "میں غزالہ کو لے کر تھوڑی
لئے بازار جارہی ہوں۔ اس کے لئے کپڑے وغیرہ
ہیں۔"
میں بھی ساتھ چلتا ہوں' چند روز تک ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔
نہیں!" ویرا چڑ گئی "میں اکیلی جاؤں گی۔ جو کچھ ہونا تھا وہ
اب میرے جیتے جی غزالہ کو آنچ بھی نہیں آسکے گی۔
کے بعد تم اپنے شوق پورے کرلینا۔"
بحث اور تکرار کے بعد مجھے ہتھیار ڈالنا پڑ گئے۔ میں نے
کو دس ہزار روپے دیئے جو اس نے ویرا کے پرس میں
یئے کیونکہ اس کے پاس تو تن کے تین کپڑوں کے سوا کچھ
ہیں تھا۔
میں نے سلطان شاہ کے ساتھ میزنائن فلور تک آکر انہیں
رخصت کیا پھر ہم دونوں اوپر لوٹ آئے۔ سلطان شاہ نے
راستے ہی میں میری طلبی کے بارے میں سوالات پوچھنا
کردیئے جن کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ حقیقت یہ
اک والا سلسلہ اس وقت تک میرے ذہن میں جم نہیں
۔
س وقت میرے لئے زیادہ اہمیت سینڈو کی فون کالز کی تھی
لئے میں نے فلیٹ میں پہنچتے ہی ٹریڈ لائن کا نمبر ملایا۔ اس
شام کے پانچ بج چکے تھے۔ اسی لئے میری توقع کے عین
سینڈو نے ہی کال وصول کی۔
"دفتر میں کیا ہورہا ہے سینڈو؟" میں نے اپنی بے فکری ظاہر
کے لئے بے پروایانہ لہجے میں سوال کیا۔
"دفتر میں تو چھٹی ہوگئی ہے لیکن تم کہاں ہو' باس؟ چیف
ئی بار تمہارے بارے میں معلوم کرچکا ہے لیکن ایسا محسوس
ہے جیسے اسے تمہارے لاپتا ہوجانے سے کوئی پریشانی نہ ہو۔"
"میں نے چیف ہی سے چھٹی لی ہوئی تھی" میں نے حیرت
ہا۔
"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہیں کیا بتاؤں۔ مجھ پر
ے اتنے احسانات ہیں کہ میں تم سے بے وفائی نہیں کرسکتا
الی آواز سے پریشانی کے ساتھ ہی فکرمندی بھی جھلک رہی
۔
"گھبرانے یا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں' جو کچھ بتانا
ہے اطمینان سے بتاتے چلے جاؤ۔"
"پچھلے ہفتے کی کلب پر چھاپا پڑ گیا۔ پولیس نے مس پارسن
ساتھ ساتوں لڑکیوں اور چوکیدار کو بھی لاک اپ میں رکھا ہوا
ولی سفارش کام نہیں آرہی۔ سنا ہے کہ شوچان نے نشے کی

حالت میں کسی بہت بڑے وی آئی پی کے منہ پر تھوک دیا تھا۔ ادھر مال کی آمد و رفت بند ہے۔ چیف کو ان سب تباہیوں کی ذرا بھی فکر نہیں ہے۔ پرسوں سے سپرڈان روز فون کر رہا ہے۔ وہ تمہارے بارے میں بھی پوچھتا ہے' چیف نے ہر بار یہی کہا ہے کہ تم لاپتا ہو۔ اس نے سپرڈان سے تمہاری چھٹی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ وہ حالات کو کسی خاص رخ پر لے جانا چاہ رہا ہے۔"

"جو محسوس کر رہے ہو وہ بے دھڑک ہو کر بتا ڈالو!" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"دیکھو یہ میری اور تمہاری ذاتی بات ہے' کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنی چاہئے۔"

"تم بے فکر رہو تمہارا نام کبھی بھی درمیان میں نہیں آنے پائے گا۔"

"وہ سپرڈان کو ایسا تاثر دے رہا ہے جیسے تم ہی روپوش ہو کر ہم پر یہ تباہیاں لا رہے ہو۔ اس نے سپرڈان کو کی کلب سیل ہونے کی خبر تو دے دی لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کارروائی شوچان کی بدتمیزی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ وہ مجھ سے بھی تمہارے بارے میں رسمی سے سوال کرتا ہے۔ جب سے جرمن پولیس کے ریکارڈ میں اس کی موت کا مصدقہ اندراج ہوا ہے' اس کے تیور بدل گئے ہیں اور شاید وہ تم کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھنے لگا ہے۔"

"اگر حالات یوں ہی چلتے رہے تو کیا ہو گا؟" میں نے بے پروائی سے سوال کیا۔

"کیا تمہیں واقعی اندازہ نہیں کہ کیا ہو گا؟" سینڈو کی آواز خوف اور حیرت سے کانپ رہی تھی۔

"میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں" اس بار میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"مافیا کے غداروں کی سزا موت ہے اور وہ اپنی زبان سے تم پر کوئی براہ راست الزام عائد کئے بغیر تمہیں غدار قرار دلوانا چاہتا ہے تاکہ تمہارا کانٹا ہمیشہ کے لئے اس کی راہ سے دور ہو جائے۔"

"اس طرح تو مجھے ہوشیار کر کے تم بھی غداری کے مرتکب ہو رہے ہو۔"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں' اس لئے میں نے تم سے رازداری کا وعدہ لیا تھا۔"

"لیکن یہ فیصلہ چیف تو نہیں کر سکے گا" میں نے پر وثوق لہجے میں کہا۔

"کم از کم تمہارے بارے میں اسے ایسا کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ ایک بار چیف بن جانے کے بعد تم بھی اس کے درجے میں شامل ہو گئے ہو۔ تمہارا فیصلہ سپرڈان ہی کر سکے گا۔"

"فکر نہ کرو' سپرڈان آئے گا تو دیکھ لیا جائے گا" میں نے کہا۔

"میں تمہیں یہی تو بتانا چاہ رہا تھا کہ سپرڈان کل شام کراچی آ رہا ہے۔ اس موقع پر اگر تم نے اس سے مل کر اپنی صفائی پیش نہ کی تو وہ تمہارے مقدر پر مہر لگا کر چلا جائے گا اور چیف کے حکم پر مجھے بھی تم پر ہتھیار اٹھانا پڑیں گے۔"

"اوہ! تو اسی لئے تم اتنے مضطرب تھے" سینڈو کے انکشاف نے مجھے واقعی پریشان کر دیا۔

"عام حالات میں میں ہرگز بھی تمہارے نمبر پر فون نہ کرتا مجھے آج صبح ہی سپرڈان کی آمد کی اطلاع ملی ہے۔ تمہارے پاس وقت بہت کم ہے۔ تم نے اس خطرے کا توڑ نہ کیا تو چیف سپرڈان کی اجازت حاصل کر کے شہر کے سارے قاتلوں کو تمہارے پیچھے لگا دے گا۔ تم زیادہ دنوں تک اس یلغار کے سامنے نہیں ٹک سکو گے۔"

"میں تمہارا احسان مند ہوں سینڈو! اگر میں اس بار سیٹھ جیوانی کا وار سہنے میں کامیاب ہو گیا تو میں بھی تمہیں نہال کر دوں گا۔ میں آج ہی اس کا کوئی بندوبست کرتا ہوں۔"

سیٹھ حبیب جیوانی کے عزائم کے بارے میں وہ اطلاع میرے لئے بہت سنسنی خیز اور بروقت تھی۔

سلطان شاہ نے جاننا چاہا کہ فون پر سیٹھ حبیب جیوانی کے بارے میں سینڈو سے میری کیا بات ہوئی تھی لیکن میں نے کوئی تفصیل بتانے کے بجائے صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ میری طویل غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے موڈ میں تھا اور میں اپنی جانب سے ایسی کوئی رعایت یا ڈھیل دینے کے لئے آمادہ نہیں تھا۔

میرے پاس سیٹھ حبیب جیوانی کے گھر کا نمبر موجود تھا۔ اس نے روپوشی اختیار کرنے سے قبل مجھے دیا تھا۔ اس وقت سخت [illegible]ب میں آیا ہوا تھا اور میرے ساتھ اس کے مراسم اچھے تھے۔ اس لئے اس نے مجھے فون نمبر دینے کے ساتھ مجھے کوڈ بھی بتا دیا تھا جسے دہرانے پر اس کی بیوی اسے فون پر بلاتی تھی۔

گو مجھے وہ کوڈ یاد نہیں رہا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ میں اس سے بات کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

دوسری طرف سے پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا اور میں نے سیٹھ حبیب جیوانی کی آواز پہچان لی۔

"ہیلو چیف! میں ڈینی بول رہا ہوں" میں نے نقاہت آواز میں کہا۔

"اوہ! کیسے ہو تم؟" حبیب کا لہجہ رسمی تھا۔ اس میں وہ گرمجوشی مفقود تھی جو میں نے اس سے چھٹی کی اجازت لیتے محسوس کی تھی۔ "چھٹی کیسے گزر رہی ہے تمہاری؟"

اگر میری طرف سے اس کا دل صاف ہوتا اور اس کے ارادے نیک ہوتے تو اسے میری آواز سنتے ہی مضطرب ہو جانا چاہئے تھا۔ ان دنوں مافیا جس عذاب سے گزر رہی تھی

ذکر کرنا چاہئے تھا۔ جس طرح سینڈو میری آواز سنتے ہی پھٹ پڑا تھا۔ میں نے اسی لمحے بھانپ لیا کہ اس کے عزائم کے بارے میں سینڈو کے خدشات سو فیصد درست تھے۔ وہ مجھے نااہل اور بے خبر سمجھ کر اپنی کوئی خطرناک چال چلنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"بس زندہ ہوں اور بستر پر پڑا ہوں اپنی ہڈیوں کی بربادی کا ماتم کر رہا ہوں" میں نے اسی مکارانہ اور کمزور آواز میں کہا۔ "میری بدنصیبی یہ ہے کہ اس وقت میں شہر سے بھی دور ہوں۔ ڈاکٹروں نے سفر سے منع کیا ہوا ہے ورنہ میں بھی کا کراچی لوٹ چکا ہوتا۔ اپنے شہر اور اپنے لوگوں میں ہونے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

"تو تم شہر سے باہر ہو؟" اس کے لہجے میں پوشیدہ تحیر آمیز حسرت مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکی "کہاں ہو؟ ایسی کون سی خطرناک بیماری ہوگئی ہے تمہیں کہ سفر کرنے سے بھی معذور ہو گئے ہو؟"

"میں حویلیاں میں اپنے چچا کے گھر میں ہوں۔ وہ پچھلے تین ماہ سے قریب المرگ ہیں مگر پھر بھی زندہ ہیں۔ میرا خیال تھا کہ کہیں ان کی جان مجھ میں نہ اٹکی ہوئی ہو، اس لئے میں ان کی عیادت کے لئے یہاں آگیا تھا لیکن یہاں آتے ہی ٹائیفائیڈ میں مبتلا ہوگیا۔ میرے بیمار پڑتے ہی میرے چچا حیرت ناک طور پر صحت یاب ہوگئے ہیں اور اتنی مستعدی سے میری دیکھ بھال کر رہے ہیں کہ مجھے بستر سے نیچے قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس وقت بڑی مشکل سے انہیں غچا دے کر پبلک کال آفس تک آنے میں کامیاب ہوا ہوں۔"

میں نے ایک ہی سانس میں اپنی ان تمام کمزوریوں سے آگاہ کر دیا جو اس کے کسی بھی شرمناک منصوبے کی تکمیل کے لئے حوصلہ افزا ثابت ہو سکتی تھیں۔

"اوہو، بہت افسوس ہوا یہ سن کر۔ تم فکر نہ کرو۔ پوری طرح آرام کرو۔ یہاں کوئی ایمرجنسی نہیں ہے۔ پوری طرح صحت یاب ہو کر ہی واپس لوٹنا تاکہ تندہی سے میرا ہاتھ بٹا سکو۔"

"ڈی کلب کیسا چل رہا ہے؟" میں نے ناپے تلے انداز میں اسے کسوٹی پر رگڑنا شروع کر دیا۔

"ٹھیک ہی ہے۔ تم اخبار تو دیکھتے رہتے ہو گے؟" اس نے محتاط لہجے میں جواب دے کر سوال کیا۔

"اخبار!" میں تضحیک آمیز انداز میں ہنسا "چچا کا خیال ہے کہ ٹائیفائیڈ کی حالت میں، میں نے اپنی آنکھوں پر ذرا سا بھی زور دیا تو عمر بھر کے لئے میری بینائی جاتی رہے گی۔"

"ڈی کلب زوروں پر ہے" اخبار بینی سے میری محرومی کی خبر پاتے ہی اس کے لہجے میں اعتماد پیدا ہو گیا "مس باربن تمہیں اکثر یاد کرتی رہتی ہے۔"

"دھندا کیسا جا رہا ہے؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں اگلا سوال کیا۔

"زبردست!" اس کی فاتحانہ آواز ابھری۔ "معلوم ہوتا ہے کہ شی والے میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ اب پوری مارکیٹ پر رفتہ رفتہ ہمارے آدمی چھاتے جا رہے ہیں۔"

"مجھے دکھ ہو رہا ہے کہ خوشحالی اور روز افزوں ترقی کے دور میں میں بستر علالت پر پڑا ہوا ہوں" میں نے دکھی لہجے میں کہا پھر اچانک ہی سوال کیا "یہ بتاؤ کہ سپرڈان کی کیا خیر خبر ہے؟"

"تمہیں اچانک ہی اس کا خیال کیسے آگیا؟" اس کی تیز آواز سنائی دی۔

"تم ہی نے بتایا تھا کہ سپرڈان اور جمی لائیڈ میں کچھ بات چیت چل رہی تھی جس کے نتیجے میں مجھے یورپ کے کسی شہر طلب کیا جانا تھا۔ میری بیماری کے دوران بلاوا آگیا تو کیا ہوگا؟"

"سپرڈان کو بزنس سے غرض ہے، ہمارا مقامی بیورو دن رات ترقی کر رہا ہے اس لئے وہ ہماری طرف سے بے فکر ہے۔ تمہارا بلاوا آیا تو میں اسے تمہاری واپسی تک ٹال دوں گا۔ تم کو اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"تم عظیم آدمی ہو چیف" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں تمہیں اتنا ضرور بتا دوں کہ میں حقیقت میں اتنا بیمار نہیں ہوں جتنا مجھے چچا جان نے بنا دیا ہے۔ پہلا موقع ملتے ہی یہاں سے فرار ہو کر کراچی پہنچ جاؤں گا۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا" حبیب کی سخت آواز ابھری "تمہارے دشمن نہیں بلکہ سچے ہمدرد ہیں۔ تم انہیں دھوکا دے کر بھاگ آئے تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم میری طویل غیر حاضری کو نظر انداز کرنے پر آمادہ ہو؟"

"نظر انداز نہیں کر رہا بلکہ یہ میری ہدایت ہے کہ صحت یاب ہونے سے پہلے حویلیاں سے باہر نہ نکلنا۔"

"چیف یو آر گریٹ" میں نے احسان مندانہ لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔

"یہ کیا ڈراما ہو رہا تھا؟" میرے فارغ ہوتے ہی سلطانہ نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں، اب تیاری کر لو۔ میں حبیب جیوانی کے بیٹے کو اغوا کروں گا" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اغوا!" حیرت سے سلطان شاہ کا چہرہ بگڑ گیا "مگر تم تو دنیا کا بدترین اور سب سے گھناؤنا جرم سمجھتے تھے!"

"وہ ماضی کی بات تھی" میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا "سیٹھ حبیب جیوانی سے بات کرنے کے بعد میرے نزدیک کی قدریں بدل گئی ہیں۔ میں دیکھوں گا کہ اب ہم دونوں میں سے کون باقی رہتا ہے۔"

بات پوری کرتے ہوئے میں نے فیصلہ کن انداز میں جگہ چھوڑ دی۔

یہاں تک میرا اور سیٹھ حبیب جیوانی کا تعلق تھا، طبل چکی تھی۔

اُس سے گفتگو کرنے کے بعد میرے ذہن میں اس کی ذرا سی بھی خوش فہمی باقی نہیں رہی تھی۔ سینڈو کے مطابق وہ واقعی مجھے اپنی راہ سے ہٹانے کا ایک سفاکانہ چکا تھا۔

میں آسانی کے ساتھ ہار ماننے کا سرے سے قائل ہی

مافیا میں رہتا یا نہ رہتا' وہ میرا آزادانہ فیصلہ ہوتا۔ سیٹھ والی کو یہ حق یا اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ اپنی سہولت مجھے دودھ میں پڑی ہوئی مکھی کی طرح باہر نکال پھینکتا۔

مجھ سے مصنوعی ہمدردی جتا کر مجھے پوری طرح صحت یاب حویلیاں ہی میں رکا رہنے کا مشورہ دے رہا تھا تاکہ حاضری میں میری طرف سے سُپرڈان کے کان بھر کر اسے خلاف کوئی بڑا اور مہلک فیصلہ کرنے پر اُکسا سکے لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ میں کراچی ہی میں' اس سے موجود تھا اور اپنی کسی شعوری کوشش کے بغیر سینڈو کی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

سینڈو نے مجھے اپنے جن خدشات سے آگاہ کیا تھا وہ حرف صحیح نظر آرہے تھے اور یہ بھی یقینی تھا کہ سپرڈان اگلے دن پہنچنے والا تھا۔ سیٹھ حبیب نے اس کی آمد کے بارے میں کا موہوم ترین اشارہ بھی نہیں دیا تھا جس کا مطلب تھا کہ مداخلت کے بغیر سُپرڈان سے ملنا اور اسے میری طرف کرنا چاہ رہا تھا۔

اسی لمحے میری کھوپڑی میں ایک چھناکا سا ہوا۔ سپرڈان فیا کا اہم ترین عہدے دار تھا اور نچلی سطح کے معاملات میں دخل انداز ہونا قرین قیاس نہیں تھا۔ مافیا میں اس کی وہی تھی جو شی میں جمی لائیڈ کی تھی بلکہ شاید اس سے بھی کچھ میرے لئے یہ سمجھنا ممکن نہیں تھا کہ کراچی میں کی کلب ہو جانے اور کاروبار ٹھپ ہو جانے سے سُپرڈان اس گیا ہو کہ اس نے کراچی کی طرف دوڑ لگانے کا فیصلہ کرلیا ہو مافیا میں سپرڈان کا اپنا مقام تھا۔ حقیقی معنوں میں وہ مدر مافیا تھا جو اپنے ہیڈ کوارٹرز میں بیٹھ کر عالمی جرائم کی ڈور ہلاتا تھا۔ ہر مقامی مافیا اپنے معاملات میں خود مختار ہوتی تھی مافیا سے الحاق کی صورت میں اسے اپنی سالانہ آمدنی کا حصہ سُپرڈان کے حوالے کرنا پڑتا تھا جس کے جواب مافیا کے مقامی نمائندوں کی مختصر اور خفیہ ٹولی اپنے وسائل مقامی مافیا کو تحفظ فراہم کرتی تھی۔ ایسے مقامی نمائندے بھی اختیارات کے استعمال کے لئے براہِ راست سپرڈان کو جوابدہ نہیں ہوتے تھے بلکہ پاکستان کی حد تک ان کی رسائی

ڈان تھری تک تھی۔ اس سے اوپر کے معاملات ڈان تھری خود ہی سُپرڈان سے طے کرتا تھا۔

اس لئے سپرڈان کی آمد کا معاملہ مشکوک نظر آنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ جوش و جذبات کی وجہ سے 'اس بارے میں سینڈو کو کوئی غلط فہمی ہوئی تھی۔ اگر اگلے روز مافیا کا کوئی بڑا آنے ہی والا تھا تو وہ میری دانست میں صرف اور صرف ڈان تھری ہو سکتا تھا جس نے بذاتِ خود مجھے مافیا میں شمولیت پر آمادہ کیا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ سُپرڈان ہی کراچی آرہا ہو۔" سلطان شاہ نے میری رائے سے اختلاف کیا تھا۔

"یہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے چیونٹی کو مارنے کے لئے ہاتھی کو باہر نکالا جائے۔"

"لیکن تم چیونٹی تو نہیں ہو۔ تمہارے بارے میں شی کے ساتھ ہی مافیا والے بھی فکر مند رہنے لگے ہیں۔"

میں چونک پڑا اور بولا "تمہارا مطلب ہے کہ سپرڈان میری وجہ سے آرہا ہے؟"

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ وہ تمہیں یورپ میں طلب کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔"

سلطان شاہ کا وہ نکتہ خیال آفریں تھا "تم درست کہہ رہے ہو۔ مگر میری طلبی کا تعلق شی اور مافیا کے درمیان صلح سے تھا۔ یورپ میں سُپرڈان' جمی لائیڈ سے ملاقات کے موقع پر مجھے طلب کرنا چاہتا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مجھ سے ملنے کے لئے یہاں دوڑا چلا آئے۔ نہیں' یہ ممکن نظر نہیں آتا۔"

"اس معاملے پر دوسرے زاویے سے غور کرو گے تو بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی" وہ ہار ماننے پر آمادہ نہیں تھا "سپر ڈان تم کو یورپ بلانا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے جمی لائیڈ سے ملاقات کا کوئی پروگرام طے کرلیا ہو۔ تم خود ہی اعتراف کر چکے ہو کہ شی سے اپنے اختلافات ختم کرنے کے لئے سُپرڈان تم کو قربانی کا بکرا بنا سکتا ہے۔ اس نے تمہاری طلبی کے لئے کراچی بیورو سے رابطہ کیا تو یہاں سے تمہاری گمشدگی کی خبر سنائی گی۔ وہ بار بار رابطہ کرتا رہا اور حبیب جیوانی ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت مسلسل ایک ہی کہانی دُہراتا رہا۔ سپرڈان شی کے سربراہ' جمی لائیڈ سے ملاقات کے موقع پر تمہاری بھینٹ دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس لئے ملاقات کا وقت قریب آنے کے ساتھ ساتھ اس کی بے چینی بڑھتی چلی گئی۔ دوسری طرف جیوانی نے ہر بار لازماً یہی کہا ہوگا کہ وہ اپنے تمام وسائل بروئے کار لانے کے باوجود تمہارا سراغ لگانے میں ناکام رہا ہے۔ اس لئے آخری چارۂ کار کے طور پر وہ خود یہاں آنے پر مجبور ہوگیا ہے۔ جیوانی کی حکمتِ عملی کی وجہ سے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ وہ یہاں آئے گا اور جیوانی کی فرضی کہانیاں سن کر تمہارے خلاف فیصلہ صادر کردے گا۔ وہ تمہیں زندہ یا مردہ' ہر حالت میں اپنی تحویل

میں دیکھنا چاہے گا۔ سیٹھ حبیب جیوانی نے تمہیں مروا بھی دیا تو
جمی لائیڈ سے ملاقات کے موقع پر سپرڈان یہ دعویٰ کرسکے گا کہ تم
سے خیر سگالی کے اظہار میں اس نے خود تمہارا فتنہ جڑ سے اکھاڑ
پھینکا ہے.....“

میں نے بے تابانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی ”بس! تم
جو کچھ کہنا چاہ رہے ہو وہ میری سمجھ میں آگیا ہے۔ اندر کے
حالات سے ناواقف ہونے کی بنا پر ہم اس وقت کوئی صحیح اندازہ
قائم کرنے سے قاصر ہیں۔ ہماری حالت ریل میں سفر کرتے ہوئے
اس تنہا مسافر کی سی ہے جو رات کے اندھیرے میں ریل کے
آہنی پہیوں کی سپاٹ آواز پر کان دھرتا ہے تو اسے چھکا چھک کی
آواز سے ہر بار ایک نیا 'مترنم آہنگ ابھرتا ہوا محسوس ہونے لگتا
ہے۔ سپرڈان آئے یا ڈان تھری آئے' میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے
کہ میں اس سے مل کر اپنی پوزیشن کی وضاحت ضرور کروں گا۔“

”ان دونوں میں سے کسی سے بھی ملتے ہوئے تمہیں محتاط
رہنا ہوگا۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ جب تم سپرڈان یا ڈان تھری
تک پہنچنے میں کامیاب ہو اس وقت تک جیوانی اس کے ذہن میں
کتنا زہر پھیلا چکا ہوگا۔“

”اسی لئے میں سب سے پہلے حبیب جیوانی کی زہر کی پوٹلی
نکال دینا چاہتا ہوں۔“

سلطان شاہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں میرا چہرہ تکنے لگا۔

”سیٹھ حبیب جیوانی کو اپنی بیوی اور بیٹے سے بہت زیادہ پیار
ہے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اغوا کرلیا جائے تو وہ وقتی
طور پر اپنی ساری ذہنی صلاحیتیں کھو بیٹھے گا۔“

”اوہ! میں سمجھ رہا تھا کہ تم اغوا برائے تاوان کے چکر میں پڑ
گئے ہو۔“

”ہم تاوان لے کر کیا کریں گے؟ سلمیٰ کے پاس ہمارے
لاکھوں ڈالرز پڑے ہوئے سڑ رہے ہیں۔ میرا مقصد صرف اتنا ہے
کہ مافیا کے کسی بڑے کی موجودگی میں سیٹھ حبیب جیوانی اپنے
سازشی ذہن سے کام نہ لے سکے۔“

سیٹھ حبیب جیوانی اپنی روپوشی کے دنوں میں بھی اپنی بیوی
کے ساتھ رہ رہا تھا۔ اپنی موجودگی کا راز قانون کی نظروں سے
چھپائے رکھنے کے لئے اس نے اپنے بیٹے کو ہاسٹل میں داخل
کرادیا تھا۔ اگر وہ اپنے معصوم بیٹے پر اپنی اصلیت کا راز فاش نہ
کرتا تو وہ بچہ اپنی ماں کو ایک اجنبی کے ساتھ بے تکلفانہ انداز
میں زندگی گزارتا دیکھ کر اس کے کردار کے بارے میں بدترین
شبہات میں مبتلا ہوسکتا تھا اور اگر سیٹھ حبیب جیوانی اسے اپنی
اصلیت سے آگاہ کردیتا تو ناسمجھی میں وہ بچہ اپنے باپ کی موجودگی
کا راز قانون تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکتا تھا۔ جس کے نتیجے میں
سیٹھ حبیب جیوانی کو کراچی سے گرفتار کرکے جرمن حکام کے
حوالے کیا جاسکتا تھا۔

وہ سب مجھے معلوم تھا لیکن میں نہ بچے کے نام سے واقف
تھا اور نہ ہی مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ ملک کے کس تعلیمی
میں قیام پذیر تھا۔ ویسے بھی میرے ضمیر کو یہ گوارا نہیں تھا
سیٹھ حبیب جیوانی سے اس کی کسی مجرمانہ سازش کا انتقام
کے لئے اس کے بچے کو کسی ایسے ذہنی صدمے یا دھچکے
کیا جائے کہ وہ زندگی بھر اس کے اثرات سے سنبھلنے
کامیاب نہ ہوسکے۔

ایسی صورت میں میرے سامنے حبیب جیوانی کی بیوی رہ
جاتی تھی جو اپنے کردار کے لحاظ سے مہرو وفا اور خلوص و محبت
ایک مثالی 'مشرقی شاہکار تھی۔

اس کا شوہر جرمنی کی جیل سے بھاگا ہوا ایک سزا یافتہ
تھا جو قانون کو مطلوب تھا۔ جب تک جرمنی میں اس کے
ہم شکل کی موت کے بعد تمام دستاویزات میں سیٹھ حبیب
کو مردہ قرار نہیں دیا گیا اس وقت تک ہر لمحے اس کی گرفتا
اور رسوائی کا دھڑکا موجود تھا۔ ان بدترین ایام میں اس عو
نے تمام تر خطرات اور رسوائی مول لیتے ہوئے اپنے شوہر کو
آن اپنی مخلصانہ رفاقت مہیا کی تھی۔

جرمنی میں سیٹھ حبیب جیوانی کی گرفتاری اور سزایابی
وہ ایک خانہ دار عورت کی طرح صبر و شکر کے ساتھ اپنی س
عزیزوں کے ساتھ رہتی تھی۔ حبیب جیوانی نے مافیا والوں کی
سے جرمنی کی جیل سے فرار ہونے کے بعد 'پاکستان پہنچ
صرف اپنی بیوی ہی سے رابطہ کیا تھا۔ قانون کے خوف سے
نے اپنے ماں باپ تک کو اپنی آمد کی ہوا نہیں لگنے دی تھی
جانتا تھا کہ ان بدترین حالات میں صرف اس کی بیوی ہی اس
فراہم کرسکتی تھی۔

اپنے شوہر کی ضروریات کا اندازہ لگاتے ہی اس عورت
ایک دم اپنی کینچلی بدل لی۔ ایک منصوبے کے تحت اپنے
ہاسٹل میں داخل کرایا اور اپنے سسرال والوں سے مفت کا
کھڑا کرکے علیحدگی اختیار کرلی۔ جب اس نے بھرا گھر چھوڑ
تنہا ایک فلیٹ میں رہنا شروع کیا تو اس کے خلاف الزام
ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اپنے پرائے 'سب اس
خیال پر متفق تھے کہ وہ اپنے شوہر کی سزایابی سے مایوس او
ہو کر اپنے نفس کے سامنے ہتھیار ڈال بیٹھی تھی اور اپنے
آشنا کے اشارے پر سب سے الگ ہونے پر تل گئی تھی۔

اپنے شوہر کی مدد اور تحفظ کی خاطر اس نے وہ تمام الزا
خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرلئے۔ بدترین طعن و تشنی
اس کے ارادوں کو نہ بدل سکے۔ پھر جب حبیب جیوانی نے
بدل کر فلیٹ میں اپنی بیوی کے ساتھ رہنا شروع کیا تو رہی سہ
بھی پوری ہوگئی۔ سسرال والے تو درکنار' خود اس کے
بھائیوں نے اس کے منہ پر تھوکنے سے بھی انکار کردیا اور

...ان والی وہ عورت چند ہی دنوں میں سنگین سوشل بائیکاٹ کا
...ار ہو گئی۔
ایسے نامساعد حالات کا سامنا کرنا آسان نہیں تھا لیکن شوہر
...محبت میں اس نے کسی مشکل کی پروا نہیں کی بلکہ وہ خوش تھی
...اس کے رشتے داروں نے اس کی ... منت کے بغیر ا
...چھوڑ دیا تھا۔ یوں وہ ساری دنیا کو ٹھکرا کر اپنے شوہر کی
...حال پر ... گی رہی۔ ظاہر ہے کہ ایسی عورت حبیب جیوانی کو
...سب سے زیادہ عزیز ہونا چاہئے تھی۔ اس کے بارے میں
...جو کچھ معلوم تھا اس میں میرے کسی کمال کا کوئی دخل نہیں
...وہ سب مجھے حبیب جیوانی نے خود ہی بتایا تھا۔ مگر وہ ان دنوں
...بات تھی جب اس کے لہو کے پیاسے اس کے خون کی بو پر لگے
...ہوئے تھے اور اسے اپنی سلامتی کے لئے میرے سہارے کی اشد
...ضرورت تھی اور اب صورت حال یکسر بدل چکی تھی۔
جرمنی میں اپنی موت کی طبی اور قانونی تصدیق کے بعد
...حبیب جیوانی ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر ایسی پوزیشن میں آ چکا
...تھا کہ وہ کسی چوراہے پر کھڑا ہو کر اپنی اصلیت کا اعتراف کرتا تو
...دنیا کا کوئی قانون اسے حبیب جیوانی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوتا۔
...اس کی بیوی اسے جانتی تھی، اس کے والدین اپنے خون کی بو
...پہچان سکتے تھے یا پھر مجھے مافیا کے اس سازشی گرگے کی اصلیت
...سے آگاہی حاصل تھی۔ میرا خیال تھا کہ اسے راہ پر لانے کے
...لئے اس کی بیوی کا اغوا ناگزیر ہو چکا تھا۔
"میں جا رہا ہوں" میں نے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد
...ان شاہ سے کہا "تم یہیں فلیٹ میں ٹھہر کر میری فون کال کا
...ار کرو گے۔ میدان صاف دیکھ کر میں تمہیں فون کروں گا۔
...اشارہ پاتے ہی تمہیں حبیب جیوانی کو فون کرنا ہو گا۔ تم
...رائی ہوئی آواز میں اسے صرف اتنا بتاؤ گے کہ ڈان کی کلب پر
...پولیس کے نرغے میں آ گیا ہے۔ یہ خبر دے کر تم مزید کچھ کہے یا
...بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دو گے اور میں اپنا کام شروع
...کر دوں گا۔"
"کم از کم مجھے تو بتا دو کہ تمہارے ذہن میں کیا پروگرام بن
...رہا ہے؟"
"اس کو سپر ڈان یا ڈان تھری کا انتظار ہے۔ تمہارا مبہم
...پیغام صرف ڈان کے بارے میں ہو گا۔ یہ اطلاع اسے اپنے فلیٹ
...سے نکلنے پر مجبور کر دے گی۔ وہ سمجھے گا کہ مدر مافیا کے کسی رکن
...نے اسے اطلاع دی ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد اس کی
...بیوی کو فلیٹ سے نکال لے جانا آسان ثابت ہو گا۔"
"وقت اور حالات نے اسے ضرورت سے زیادہ ہوشیار
...اور چالاک بنا دیا ہے۔ وہ آسانی کے ساتھ تمہارے قابو میں
...نہیں آ سکے گی" سلطان شاہ نے پر خیال انداز میں کہا۔
"اس کی ہوشیاری اور چالاکی ہی میرے کام میں آسانی پیدا
کرے گی" میں نے پورے اعتماد سے کہا "برے دنوں میں حبیب
جیوانی اپنے سارے معاملات سے اسے آگاہ کرتا رہا ہے۔ وہ مافیا
اس کی تنظیم اور اس کے عہدے داروں کے بارے میں بھی
بہت کچھ جانتی ہو گی۔ فلیٹ سے حبیب جیوانی کے روانہ ہونے
کے بعد میں وہاں پہنچ کر جب اسے بتاؤں گا کہ پولیس کسی بھی لمحے
اس کے فلیٹ پر چھاپا مارنے والی ہے تو وہ بوکھلا جائے گی
اور میرے مشورے پر فوراً میرے ساتھ ہو لے گی۔ کی کلب
ڈان کے گھیرے جانے کی خبر کے بعد وہ میرے لئے نرم چارا
ثابت ہو گی۔"
"اسے اغوا کر کے تم کہاں لے جاؤ گے؟" چند ثانیوں کی
خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے پوچھا "میں غزالہ کے بارے میں
تو کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن اسے دیکھ کر ویرا ضرور بھڑک جائے گی۔
مافیا اور حبیب جیوانی کے بارے میں وہ بالکل ہی بے خبر نہیں
ہو سکتی۔ جب اسے معلوم ہو گا کہ فلیٹ میں لائی جانے والی
عورت مسز جیوانی ہے تو ویرا تمہاری طرف سے شبہات کا شکار
ہو جائے گی۔ میں تمہیں اسے یہاں لانے کا مشورہ نہیں دوں گا۔"
"ویرا اور غزالہ کی موجودگی میں یہاں کسی تیسری عورت کی
گنجائش نہیں ہے۔ میں اسے اس وقت تک اپنی تحویل میں
رکھوں گا جب تک ڈان تھری یا سپر ڈان کراچی سے واپس نہیں
چلا جاتا۔ اتنی مختصر سی مدت کے لئے میں جہانگیر کا گھر بھی استعمال
کر سکتا ہوں۔ اسے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"
مجھے اپنی کارروائی کے دوران میں کسی مزاحمت کا خطرہ نہیں
تھا۔ پھر بھی میں نے احتیاطاً ایک بھرا ہوا پستول ساتھ لے لیا۔
بیم گن ویسے ہی میری تحویل میں تھی۔
ان دنوں میرے تصرف میں دو گاڑیاں تھیں۔ جہانگیر سے
مستعار لی ہوئی کالی شیراڈ میں ویرا، غزالہ کے ساتھ خریداری کے
لئے گئی ہوئی تھی اس لئے میں نے بلڈنگ سے نیچے گلی میں کھڑی
ہوئی وہ کار استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا جو مجھے ٹریڈ لائن یا مافیا
والوں کی طرف سے ملی ہوئی تھی۔
اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چلا تھا۔ میں نے ڈرائیونگ
سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کیا اور کار شرف آباد کے چوراہے
کی طرف موڑ لی۔
میں نے چوراہے سے بائیں طرف مڑنے کا ارادہ ہی کیا تھا
کہ ایک آواز نے مجھے چونکا دیا۔
"مڑنے کے بجائے سیدھے شہید ملت روڈ کی طرف نکل چلو"
وہ دھیمی مردانہ آواز عقبی نشست سے آئی تھی جسے سنتے ہی
میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔
"کون ہو تم؟" سرد لہجے میں وہ سوال کرتے ہوئے میں نے
غیر ارادی طور پر کار کی رفتار کم کر دی۔
"چلتے رہو، تم کو کسی ہاک سے خوف زدہ نہیں ہونا یا

میں بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ پھر تلخ لہجے میں بولا "مجھ تک رسائی کے لئے اس ڈرامائی انداز کی کیا ضرورت تھی؟ کیا تم براہِ راست میرے سامنے نہیں آسکتے تھے؟"

"آسکتا تھا، لیکن تم نے موقع ہی نہیں دیا۔ میں تمہاری کار کی عقبی نشست پر لیٹا ہوا آرام کر رہا تھا کہ تم نے آتے ہی اچانک گاڑی چلادی" پچھلی نشست سے معصومانہ لہجے میں کہا گیا۔

میرا پارہ چڑھ گیا "میری کار کے چاروں دروازے لاک تھے پھر تم اندر کیسے گھسے؟"

"سستی گاڑیاں بنانے کے چکر میں جاپانی بہت بودے تالے استعمال کرنے لگے ہیں۔ میں باہر کھڑے کھڑے تھک گیا تو تمہاری کار کے تالے پر طبع آزمائی کی اور وہ پہلی ہی کوشش میں کھل گیا۔ اگر میں کہیں اور سستانے بیٹھ گیا ہوتا تو تم اس وقت مجھے نچا دے کر صاف نکل گئے ہوتے۔"

میں نے جھلا کر پوری قوت سے کار کے بریک لگا دیئے "تمہاری ایسی کی تیسی۔ فوراً میری گاڑی سے اترو اور یہاں سے نودو گیارہ ہو جاؤ ورنہ میں مار مار کر تمہارا حلیہ نکال دوں گا۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو" وہ جلدی سے بولا تھا "میں تمہاری نگرانی نہیں کر رہا تھا بلکہ تم سے ملنے کے چکر میں تھا۔"

"بکواس مت کرو" میں غصے میں حلق کے بل غرّایا "تمہیں مجھ سے ملنا ہی ہوتا تو تم فون پر بھی مجھ سے رابطہ کر سکتے تھے۔ اس کے لئے تمہیں میری کار میں جھک مارنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس کی مغموم آواز ابھری "تمہارا فون نمبر میں نے ماچس کی ڈبیا پر لکھا تھا۔ تیلیاں ختم ہو گئیں تو میں نے بے دھیانی میں خالی ڈبیا پھینک کر نئی ماچس خرید لی۔ مجھے تمہارے فلیٹ پر جانے سے منع کیا گیا تھا کیونکہ وہاں تمہارے ساتھ کچھ اور لوگ بھی مقیم ہیں۔ تم خود بتاؤ کہ ایسی صورتِ حال میں، میں اور کیا کرتا؟"

میں نے کیبن لائٹ آن کر کے قہربار نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ ایک چاق و چوبند اور معصوم صورت نوجوان تھا لیکن اس کی معصومیت میں ایک عجیب سی پیشہ ورانہ کرختگی نمایاں تھی جو بھیڑیئے کے بچے کی آنکھوں میں پیدائش کے وقت سے ہی چمکنے لگتی ہے۔

"میرا فون نمبر تم نے ضائع کر دیا، میری کار کے جاپانی تالے ناقص ہیں، میرے فلیٹ میں تخلیئے کی گنجائش نہیں ہے.... یہ سارے بہانے تو تم نے بنا لئے لیکن اب مجھے کہاں لے جانا چاہ رہے ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے تلخ، استہزائیہ لہجے میں سوال کیا اور اس نے کسی فرماں بردار بچے کی طرح اپنا سر جھکا لیا۔

"تم نے ابھی تک اپنا جوابی کوڈ نہیں دہرایا ہے" اس نے آہستگی سے مجھے یاد دلایا "میں کیسے سمجھ لوں کہ میں صحیح آدمی سے مخاطب ہوں۔ ہمارے یہاں غلطیوں پر معافی کا کوئی رواج نہیں ہے۔"

میرے دل کی گہرائیوں سے ایک ثقیل سی گالی ابھری جو زبان تک آکر اٹک گئی اور میں نے اسی تلخ لہجے میں کہا "مجھے اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ تمہارے رویے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم مجھے پہچان چکے ہو اس لئے میں کوڈ کا سوانگ رچانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ تم نے میرے ساتھ چال بازی کی کوشش کی تو یہ سن لو کہ میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے" اس نے سادگی کے ساتھ میرے آخری فقرے کی تائید کی۔ پھر وہ عقبی دروازہ کھول کر کار سے نیچے اترا اور نہایت اطمینان سے میرے برابر میں پسنجر سیٹ پر براجمان ہو گیا۔

"ہمیں ڈیفنس چلنا ہے" قدرے توقف کے بعد اس نے مجھے آگاہ کیا۔

"میرے پاس وقت نہیں ہے" میں نے بے بسی اور جھلاہٹ کے ساتھ کہا۔

"وقت میرے پاس بھی نہیں ہے" اس کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا "تمہارا فون نمبر ضائع کر کے میں نے خاصا وقت گنوایا ہے۔ وہاں بہت شدت کے ساتھ تمہارا انتظار ہو رہا ہوگا۔"

"لیکن میں کسی اور سے ملنے جا رہا ہوں۔ وہ بھی میرا منتظر ہوگا" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر جتاتے ہوئے میں کہا "میری اپنی بھی کچھ مصروفیات ہیں۔"

"مجھے بتایا گیا تھا کہ تمہاری رگ رگ میں قوم پرستی کوٹ کر بھری ہوئی ہے" اس نے آزردہ ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا "اس لئے مجھے تم کو لے جانے میں کوئی دشواری نہیں آئے گی لیکن ان لوگوں کے اندازے غلط ثابت ہو رہے ہیں۔ تم تو بہت ضدی اور سخت گیر معلوم ہوتے ہو۔"

میں نے کیبن لائٹ آف کر کے گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھا دی۔

میں نے چوراہے سے بائیں طرف مڑنے کے بجائے اس کا بتایا ہوا راستہ اختیار کیا تھا۔

"میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ قوم پرستی جیسے جذبے سے تم لوگوں کا کیا تعلق ہے" اپنے لئے سگریٹ سلگانے کے بعد میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"ہم پسِ پردہ رہ کر قومی مفادات کی حفاظت کا مقدس فریضہ پورا کرتے ہیں۔"

سو سزا نٹیلی جنس کے آدمی ہو؟" میں نے کاٹ دار

ا۔

پردہ سے مراد خفیہ ادارے ہی نہیں ہوتے۔ وہ لوگ
یک کائنات ہیں۔ ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"
سانس لے کر بولا۔

آخر تم کیا بلا ہو؟" میں نے چڑچڑے لہجے میں پوچھا۔
وردیاں فوج سے ملتی جلتی ہیں۔ ڈسپلن کا بھی وہی
رتم پسِ پردہ کیسے ہو سکتے ہو؟"
وریات کے تحت ہم ہر بہروپ اپنانے کے وسائل

اس کے لہجے میں ہلکا سا غرور پیدا ہو گیا "بس یوں سمجھ
سلامتی کے ان شعبوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں جن پر
ے مقامی یا بین الاقوامی مجبوریوں کی وجہ سے نظر
کتے۔ بعض اوقات ہم کو اپنے فرائض کی انجام دہی
ے تجاوز بھی کرنا پڑ جاتا ہے۔"

ں!" میں نے معنی خیز انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔
کے اردگرد بھی تم ہی لوگوں کا حفاظتی حصار پھیلا ہوا
نے ادھر گھومنے والے کئی غیر ملکی سفارتکاروں کی
ی ہے۔"

لے سے ہنس دیا "میں تمہارے قیاسات پر کوئی پابندی
لا لیکن اتنا تو تم بھی جانتے ہو گے کہ اس حساس ترین
تے میں کسی کا بھٹک کر جا نکلنا ناممکنات میں سے ہے۔
لوگوں کی ہڈیاں پسلیاں توڑی جاتی ہیں' وہ مذموم عزائم
راستوں اور متروک گزرگاہوں سے ممنوعہ علاقوں میں
اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی گاڑیوں کی سفارتی نمبر پلیٹ کی
گ انہیں نظر انداز کر دیں گے۔"

اس کی باتیں میرے لئے یک بیک دلچسپ رخ اختیار کرنے لگی تھیں۔

"لیکن میں نے تو سنا تھا کہ ایسے لوگوں پر غنڈے حملہ کرتے ہیں" میں نے کہا۔

"اس علاقے کے باقاعدہ محافظ سفارتی مراعات کا لحاظ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو مجبوراً ان ہی سادہ پوش غنڈوں کو حرکت میں آنا پڑتا ہے جو قانون اور حکومت کی پابندیوں کی پروا نہیں کرتے۔ تم نے یہ بھی ضرور سنا ہو گا کہ پولیس ہفتوں ایسے غنڈوں کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہے جو معزز مہمانوں کی... بیحرمتی کے مرتکب ہوتے ہیں۔"

"لیکن آج تک ایسے کسی سرکش کی گرفتاری کی کوئی خبر میری نظر سے نہیں گزری۔"

"کیسے گزرتی؟" وہ عارفانہ انداز میں ہنسا "ان کی سرپرستی کرنے والوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

پچھلی بار میرا جس ہاک سے واسطہ پڑا تھا' وہ بہت خشک مزاج اور کم گو تھا۔ اپنی پوری کوشش کے باوجود میں اس کی زبان سے کوئی غیر ضروری بات اگلوانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا لیکن یہ شخص محتاط ہونے کے باوجود گفتگو کی حد تک بخیل نہیں تھا۔ وہ اشاروں کنایوں میں کئی ایسی کام کی باتیں بتا گیا تھا جن کے سہارے میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ میرا واسطہ کن لوگوں سے پڑا ہوا تھا اور ان کا طریقۂ کار کیا تھا۔

اگر وہ روایتی انداز میں قانون کی لکیروں کو پیٹنے والے سرکاری اہل کار ہوتے تو میرے ماضی سے واقف ہوتے ہی مجھے ہتھکڑیاں لگا کر کسی زنداں میں جھونک دیتے اور میری فراہم کی

ہوئی معلومات سے کوئی سنسنی خیز فائدہ اٹھانے کے بجائے اپنی
پوری قوت اور صلاحیتیں اس امر میں صرف کر دیتے کہ مجھے
عدالت سے کڑی سے کڑی سزا دلوا سکیں۔
لیکن ان لوگوں کی سوچ ہی مختلف تھی۔ وہ انفرادی
آزادیوں کے تحفظ کے بجائے قومی تحفظ کے لئے کام کرتے تھے
اس لئے قانون اور جرم کے بارے میں ان کا فلسفہ ہی مختلف تھا
اسی وجہ سے انہوں نے میرے ماضی سے واقف ہونے کے
باوجود اسے زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ مجھے ایک
ایسے شخص کی حیثیت سے تکریم دی تھی جو ملا سرکار جیسے سفاک
اور سازشی' غیر ملکی ایجنٹ کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔
ملا سرکار کی سرگرمیوں کے بارے میں میرے انکشافات نے
میرا داغ دار ماضی ان کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا تھا اور یوں
میں اپنے ملک میں پہلی بار عزت نفس کے لطیف احساس سے
روشناس ہو سکا تھا۔
یک بیک میرے دل میں اس ہاک کے لئے عزت و محبت
کے جذبات امڈ آئے۔ وہ میرے وجود میں رونما ہونے والی تبدیلی
سے بے خبر' کھڑکی سے باہر کچھ دیکھنے میں مصروف تھا۔
"تمہاری ہٹ دھرمی کے باوجود میں تمہارے بتائے ہوئے
راستے پر کار ڈرائیو کر رہا ہوں" میں نے کھنکار کر اسے اپنی
طرف متوجہ کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔
"میں نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ آخر کار ایسا ہی ہو گا"
وہ بے پروائی سے بولا "برے لوگوں کے آخری رد عمل کے بارے
میں اندازہ لگانا بہت آسان ہوتا ہے۔ وہ طاقت یا برتری کے
گھمنڈ میں اپنے عزائم کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کرتے اور
کھلا ہوا کھیل کھیلتے ہیں لیکن نام نہاد شرفا کے ارادوں کے بارے
میں کچھ قیاس کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ وہ مکر و فریب سے کام
لے کر اپنے دل کی بات آخر تک ظاہر نہیں ہونے دیتے اور جب
بلی تھیلے سے باہر آتی ہے تو عموماً ہمارے پیشگی ارادے دھرے کے
دھرے رہ جاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر ہمیں بھی بہت محتاط رہنا
ہوتا ہے۔"
"اس کا مطلب ہے کہ تم نے مجھے برے آدمیوں میں شمار کیا
ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اسے اپنی عزت افزائی
سمجھوں یا تذلیل سمجھ کر تم سے لپٹ پڑوں۔"
"تم سڑک پر دھیان دو" وہ بوکھلا کر جلدی سے بولا "برے
آدمی سے میرا وہ مطلب نہیں تھا جو تم سمجھ رہے ہو۔"
"کیا مطلب تھا تمہارا؟" میں نے درشت لہجے میں سوال کیا
"جس طرح لاکھوں انسانوں میں کوئی ایک آدھ ولی ہوا کرتا
ہے اسی طرح میری نظروں میں ہزاروں میں کوئی اکا دکا آدمی اچھا
ہوتا ہے۔ باقی سب برے ہوتے ہیں یا پھر وہ منافق ہوتے ہیں جو
اپنے اندر کی برائیوں پر اچھائی کا ایک ظاہری خول منڈھ لیتے ہیں

اور دن دہاڑے دوسروں کو دھوکا دیتے پھرتے ہیں۔ انہی
نام نہاد شرفا کہتا ہوں۔"
"اپنا فلسفہ پورے معاشرے پر منڈھ کر تم خود کو ا
سے برتر ثابت کر رہے ہو۔"
"یہ میرا فلسفہ نہیں' حقیقت ہے۔ اپنے ارد گرد
دیکھ لو۔ تاجر ہوس کار اور ذخیرہ اندوز' صنعتکار خود غرض
سخت گیر' ملازم حرام خور' نگہبان کاہل اور حکمران عیش
آئیں گے لیکن زبان سے ہر ایک اپنی فرض شناسی کے
ہوا نظر آئے گا۔ ایسی افراتفری اور نفسا نفسی میں اگر
سے اپنی برائیوں کا اعتراف کر لے تو میری نگاہ میں
افزائی کا مستحق ہو گا' تذلیل کا نہیں۔"
اس نے اپنی باتوں سے ایک بار پھر مجھے بکا دیا تھا۔
میں نے فوراً ہی اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہوئے
پوچھا "اس راستے سے تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"
"ڈیفنس!" اس کے ایک لفظی معصومانہ جواب
خون۔لگا کر رکھ دیا۔
"ڈیفنس تمہارے ابا جان کی بیٹھک نہیں' ایک
آبادی ہے۔ تم مجھے وہاں کس مقام پر لے جانا چاہ رہے ہو
نے چیخ کر سوال کیا تھا۔
"ہماری اصطلاح میں اسے آج کل پوائنٹ فور کہا
اس نے کہا اور مجھے یاد آیا کہ پچھلی ملاقات میں میری
ویرا کے مکان کے بارے میں جاننے کے بعد کرنل نا
اپنے فربہ اندام ماتحت کو یونٹ فور کی نفری ادھر روانہ
ہدایت کی تھی۔ شاید اسی مسلح دستے کے حوالے سے اس
پوائنٹ فور قرار دے دیا گیا تھا۔
"یہ وہی مکان تو نہیں جہاں کئی دن پرانی ایک لاش
ہے؟" میں نے پوچھا۔
"وہی مکان ہے۔ مگر تم کو اس کے بارے میں کیسے
میرے سوال پر وہ حیران رہ گیا تھا۔
"اس شہر میں رہتا ہوں تو یہاں کی بری بھلی خبرو
آگاہ رہنا پڑتا ہے لیکن پوائنٹ فور پر یک بیک میری کیا
پیش آئی؟ وہ مورچا تو تم ہی لوگوں کو سنبھالنا تھا۔"
"وہاں داڑھی والا ایک شخص پکڑا گیا ہے" اس
میرے اعصاب پر کسی دھماکا خیز بم کی طرح اثر انداز
"شاید اس کی شناخت کے لئے تمہیں بلایا گیا ہے۔"
"وہ ملا سرکار تو نہیں ہے؟" میں نے اضطراری ا
لہجے میں سوال کیا۔
"یہ سب معلوم نہیں۔ ہم لوگ باہر جھاڑیوں
ہوئے تھے اور ہمیں اس مکان پر آنے والے کسی بار
انتظار تھا وہ جونہی مقفل پھاٹک پر آ کر رکا' ہم سب

سے اپنے ہاتھوں پر سر سے بلند کر کے احاطے کی دیوار
اچھال دیا ۔ اس کے بعد یونٹ فور والوں نے اسے
ہو گا ۔ ہم لوگ باہر ہی ٹھہرے رہے تھے ۔ کچھ دیر بعد
ے بارے میں ہدایت ملی اور میں ادھر آ گیا ۔"
ے لئے وہ اس دن کی سب سے بڑی اور سنسنی خیز خبر تھی ۔
ر کار واقعی پکڑا گیا تھا تو وہ میری اور میرے اندازوں کی
بیت تھی ۔ میں نے غیر ارادی طور پر کار کی رفتار تیز کر

نے ملا سرکار کے پکڑے جانے کے واقعے کی جو منظر
ی اس پر میرا دل باغ باغ ہو گیا تھا ۔ ان لوگوں نے ویرا
کے باہر سے دبوچ کر اسے جتنی آسانی کے ساتھ اندر'
ں پھینکا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ملا سرکار بالکل بے
عالم میں مارا گیا تھا ۔ اس کے فرشتوں کو بھی شبہ نہیں رہا
ں کو پکڑنے کے لئے وہاں پہلے سے کوئی جال پھیلایا جا

سرکار بہت زیادہ فعال اور سرگرم ہونے کے باوجود اپنوں
ں کے لئے ہمیشہ سے پراسرار بنا ہوا تھا ۔ غیر ملکی سیکرٹ
ر اپنے مشن کا سربراہ ہونے کے باوجود اس نے اپنی
و نہایت کامیابی سے صیغۂ راز میں رکھا ہوا تھا اسی وجہ
کے بڑوں کو اس کی شناخت کے لئے میری ضرورت پیش
۔

ویرا کے متروک مکان پر پہنچا تو ملا سرکار کی گرفتاری کے
ں آہنی پھاٹک کھول دیا گیا تھا ۔ وہاں دو چاق و چوبند سادہ
ظ پہرے پر مامور تھے ۔ اندر پورچ میں سیاہ رنگ کی ایک
علاوہ نئے ماڈل کی دو برق رفتار گاڑیاں بھی موجود تھیں
ں طور پر وہاں خاصی چہل پہل نظر آ رہی تھی ۔
ں کی وجہ سے مجھے اندر تک بلا تعرض داخلے کی اجازت
ئی ۔ ڈرائنگ روم خالی تھا لیکن اس سے آگے اندرونی
ں میں سادہ پوش لوگوں کی خاصی بھیڑ تھی ۔ مجھے دیکھتے ہی
ں میں سے دو شناسا چہرے پرتپاک انداز میں میری طرف
۔ ان میں سے ایک کرنل اور دوسرا میجر کی وردی میں مجھ
کا تھا ۔
تمہارا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا ۔ ہم نے اس مردود
یا ہے " کرنل نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے پرجوش لہجے
لیکن وہ ہماری توقع سے زیادہ ڈھیٹ اور مکار ثابت ہوا
ی اصلیت کا اقرار کرتا ہے اور نہ اپنی ناپاک سرگرمیوں کا
کرنے پر آمادہ ہے ۔"
ں موجود افراد کو شاید میری متوقع آمد اور افادیت کا علم
لئے میرے وہاں پہنچتے ہی راہداری کے وسط سے بھیڑ چھٹنے
میں نے دیکھا کہ چھت میں پنکھے کے آہنی ہک سے رسی

کے سہارے ایک ننگ دھڑنگ شخص الٹا لٹکا ہوا تھا ۔ سر سے پیر تک اس کے بدن پر انڈر ویئر کے سوا کوئی لباس نہیں تھا ۔

ان لوگوں نے اس کے دونوں پاؤں نائیلون کی رسی سے باندھ کر اسے الٹا لٹکایا ہوا تھا ۔ اس کے جسم میں ذرا سی جنبش نہیں تھی اور دونوں ہاتھ بے جان انداز میں نیچے لٹک کر فرش کو چھو رہے تھے ۔

اس شخص کی پشت میری جانب تھی ۔ میں لپک کر سامنے گیا تو اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی میرے مُنہ سے بے اختیار ایک تاسف آمیز آواز آزاد ہو گئی ۔ اس شخص کی آنکھیں بند تھیں ۔ شاید وہ تشدد کی وجہ سے بے ہوش ہو چکا تھا ۔ اس کے چہرے پر سیاہ اور سفید داڑھی ضرور موجود تھی لیکن وہ ملا سرکار ہرگز نہیں تھا ۔

"یہ ہمارا مطلوبہ آدمی نہیں ہے" میں نے فیصلہ کن لہجے میں اعلان کیا تو وہاں ہلچل سی مچ گئی ۔ سب بوکھلائے ہوئے انداز میں یوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے جیسے یک بیک ان کے سروں پر سینگ نکل آئے ہوں ۔

"لل..... لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟" کرنل خجالت آمیز انداز میں ہکلایا "اس کی داڑھی بھی ہے اور یہ مشتبہ انداز میں اس مکان کے پھاٹک پر آیا تھا" اپنی غلطی پر وہ بہت زیادہ شرمسار بھی تھا ۔

"یہ کوئی اور بدنصیب ہے ۔ پہلے اسے اتارنے کا بندوبست کیا جائے" میں نے کہا "میں نے ملا سرکار کو ایک سے زائد مواقع پر بہت قریب سے دیکھا ہے 'یہ وہ نہیں ہے ۔"

کرنل کے اشارے پر کئی افراد بے ہوش قیدی کو فضا سے زمین پر اتارنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے اور کرنل نرمی کے ساتھ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر مجھے ڈرائنگ روم کی طرف لیتا چلا گیا ۔

"یہ تو بہت برا ہوا کہ ہم غلطی سے کسی بے گناہ پر ہاتھ ڈال بیٹھے ۔ میرے آدمیوں نے بازپرس کے سلسلے میں اس پر اچھا خاصا تشدد بھی کیا ہے ۔"

"باہر سے اچھال کر اندر پھینکنے میں اس کی ایک آدھ ہڈی بھی ضرور ٹوٹ گئی ہو گی ۔"

"یہ بہت برا ہوا" کرنل ڈرائنگ روم میں اضطراری انداز میں ٹہلتا ہوا بڑبڑایا "لیکن یہ یہاں آیا ہی کیوں تھا ؟ ہمارے پاس ملا سرکار کو پکڑنے کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور حوالہ موجود نہیں تھا کہ وہ باریش ہے اور کسی بھی وقت اس مکان میں گھسنے کی کوشش کر سکتا ہے ۔"

"قیدی نے کچھ نہ کچھ تو بتایا ہی ہو گا" میں نے خیال ظاہر کیا ۔

"وہ بتانا چاہ رہا تھا ۔ اس نے کسی معذور شخص کی کہانی چھیڑی تھی لیکن اسے مکوں اور لاتوں پر رکھ لیا گیا ۔ ہم سمجھ رہے

تھے کہ ملا سرکار اپنی جان بچانے کے لئے جھوٹ بول رہا ہے لیکن تم بتا رہے ہو کہ یہ سرے سے ملا سرکار ہی نہیں ہے۔ اگر یہ اس کا ساتھی نہیں ہے تو ہم نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ میں نے اس پر تھرڈ ڈگری آزمانے سے پہلے تم کو یہاں بلانے کا فیصلہ کر لیا ورنہ یہ تو اب تک لبِ گور پہنچ چکا ہوتا۔ میرے آدمی دشمن کے بدن کا ریشہ ریشہ ادھیڑ ڈالنے میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔"

کرنل شکست خوردہ انداز میں ایک صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ ناکامی کے احساس نے اسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔

غلط آدمی کے پکڑے جانے کی خبر آناً فاناً میں ہر طرف پھیل گئی اور اسی کے ساتھ ساری چہل پہل ایک المناک خاموشی میں تبدیل ہو گئی۔ آپریشن کی کامیابی کے نشے میں سرشار جوانوں کے لئے وہ خبرِ بد کسی ناگہانی صدمے سے کم نہیں تھی۔ ان میں سے ہر ایک کی حالت اس شخص جیسی تھی جسے پہاڑ کی چوٹی سر کرنے سے لمحہ بھر پہلے ٹانگ پکڑ کر گہری کھائی میں گھسیٹ لیا گیا ہو اور اس کے رسّوں کو آگ لگا دی گئی ہو۔

دوسری طرف میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ اس واقعے کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔ میں اس باریش شخص کی وہاں آمد کو ایک اتفاق سمجھنے کے لئے آمادہ نہیں تھا۔ وہ یقینی طور پر ملا سرکار کی کوئی گھناؤنی سازش تھی جس پر بے ہوش قیدی ہی ہوش میں آنے کے بعد کچھ روشنی ڈال سکتا تھا۔

میں ڈرائنگ روم میں کرنل کے ساتھ بیٹھا سگریٹ پھونکتا رہا۔ میں فلیٹ سے سیٹھ حبیب جیوانی کی بیوی کو اغوا کرنے کا منصوبہ بنا کر نکلا تھا لیکن باہر آتے ہی اس ناگہانی قضیے میں الجھ گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ سلطان شاہ فلیٹ میں نہایت بے چینی کے ساتھ میری کال کا انتظار کر رہا ہوگا جب کہ میں اس معاملے کو ادھورا چھوڑ کر وہاں سے نہیں نکل سکتا تھا اس لئے میں نے وہیں سے فلیٹ فون کر کے سلطان شاہ کو بتایا کہ میں کسی اور کام میں الجھ گیا تھا جس کی وجہ سے میرے پروگرام میں کچھ غیر ضروری تاخیر ہو سکتی تھی۔ سلطان شاہ نے میرے محتاط لب و لہجے سے میری مجبوری کا اندازہ لگا لیا اور گفتگو کو طول دینے کی کوئی کوشش نہیں کی اور میں نے چند فقروں کے تبادلے کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا۔

کچھ دیر بعد قیدی کے ہوش میں آنے کی اطلاع ملی تو میں کرنل کے ساتھ ویرا کی سابقہ خوابگاہ میں پہنچ گیا جہاں قیدی کو بستر پر ڈال کر اس کا بدن چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ وہ شخص تشدد کے جن مراحل سے گزر چکا تھا، ان کے بعد وہ ساری مہربانیاں اسے ایک سراب کے مانند محسوس ہو رہی تھیں۔ خوف سے اس کا منسوب چہرہ سیاہ پڑا ہوا تھا اور آنکھوں سے دہشت جھانک رہی تھی۔ وہ آرام اور خبر گیری کے اس وقفے کو تشدد کے کسی بدترین مرحلے کے آغاز کا پیش خیمہ سمجھ رہا تھا۔

"اب تم کیا محسوس کر رہے ہو؟" کرنل نے اس کے سرہانے پہنچ کر شفقت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

اس نے سر گھما کر خوف، حیرت اور بے اعتباری کے ساتھ کرنل کی طرف دیکھا پھر پھنسی پھنسی اور کانپتی ہوئی آواز میں [illegible] "میں... ٹھیک ہوں۔ خدا کے لئے مجھے جانے دو... میں ملا سرکار نہیں ہوں اور نہ اس نام کے کسی آدمی سے واقف ہوں۔ تم نے میرا جوڑ جوڑ ہلا دیا ہے۔ شاید میں اپنی ٹانگوں پر کھڑا بھی نہ ہو سکوں... تمہارے آدمیوں نے مجھے پھاٹک پر سے اندر اچھال کر شاید میری ایک پنڈلی بھی توڑ دی ہے..."

وہ روہانسی آواز میں رک رک کر فریاد کرتا رہا اور کرنل دور کھڑا، ترحم آمیز نظروں سے اپنے اس بدنصیب قیدی کی خستہ حالی کا جائزہ لیتا رہا۔

اس کی فریاد میں قدرے طویل وقفہ آتے ہی کرنل نے بولنا شروع کر دیا "تم دیکھ چکے ہو کہ ہم لوگ اپنے معاملات میں کسی رو رعایت کے قائل نہیں ہیں۔ ہم صرف سچ جاننا چاہتے ہیں۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے، رکے بغیر ایک ہی بار بتاتے چلے جاؤ۔ اگر تم ہمیں اپنی سچائی اور بے گناہی کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے تو ہم تمہارے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہم جس قدر سنگ دل ہیں اس سے کہیں زیادہ مہربان بھی ہیں۔"

کرنل کی وہ تقریر یک طرفہ اور نرمی کا مظہر تھی جب کہ قیدی کی زبان سے سچ اگلوانے کے لئے اُس کے سر پر دہشت کی تلوار لٹکائے رکھنا ضروری تھا اس لئے کرنل کے خاموش ہوتے ہی بول پڑا "لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمہارے بیان میں جھوٹ کا ایک [illegible] بھی شامل ہوا تو ہم تمہاری ہڈیوں کے سارے جوڑ توڑ کر تم کو کیچوے سے بھی بدتر بنا دیں گے۔"

میرے الفاظ پر قیدی کے تنفس کی رفتار یک بیک تیز ہو گئی اور چادر کے نیچے اس کا سینہ بہت تیزی کے ساتھ پھولنا اور [illegible] شروع ہو گیا۔

"اپنے نام اور پتے سے شروع ہو جاؤ!" کرنل نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

اس کے اشارے پر ایک سادہ پوش نے اپنی جیب میں موجود ڈکٹا فون کا سوئچ آن کر دیا تھا تاکہ قیدی کا بیان متعلقہ فیتے پر لفظ بہ لفظ ریکارڈ ہوتا رہے۔

"میرا نام مجید ملک ہے" قیدی نے دہشت زدہ لہجے میں شروع کر دیا "میں یہاں سے تیسری گلی میں رہتا ہوں اور ہوا خوری اور ورزش کے لئے اپنے گھر سے پیدل اپنے [illegible] گھر تک جاتا اور واپس لوٹ آتا ہوں۔ میری بیٹی کا گھر یہاں سے تقریباً ڈیڑھ میل دور ہے۔ میں آج شام کو بھی اپنے معمول کے مطابق واپس آرہا تھا تو راستے میں مجھے ایک سیاہ مرسڈیز

ظر آئی۔ مجھ سے آگے بھی دو آدمی اس کار کے قریب سے
ے تھے لیکن جب میں وہاں پہنچا تو کار میں بیٹھے ہوئے آدمی
واز دے کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا اور لنگڑاتا ہوا کار سے
۔ اس نے خوشامدانہ لہجے میں مجھے بتایا کہ وہ معذور ہے اور
ں اچانک خرابی ہو جانے کی وجہ سے کافی دیر سے وہاں پھنسا
ہے۔ اس کا ڈرائیور انجن کی خرابی دور کرنے کے لئے اوزار
ی نیت سے گھر گیا تھا لیکن کافی دیر گزر جانے کے باوجود
نہیں لوٹا تھا۔

"میں نے گاڑی ڈرائیو کر کے اسے گھر تک پہنچانے کی
ں کی تو اس نے مایوسانہ لہجے میں مجھے بتایا کہ کار کی چابی بھی
یور اپنے ساتھ لے گیا اور اگر میں اس کے گھر پر رک کر
یور کو جلد واپسی کی یاد دہانی کرا سکوں تو وہ میرا ممنون ہو گا۔
ے نزدیک وہ بہت معمولی سا کام تھا' اس لئے میں آمادہ ہو گیا
ر معذور بوڑھے نے مجھے اس مکان کا پتا بتایا جہاں مجھے
ا گیا تھا۔ اس مکان کے پھاٹک پر پہنچتے ہی مجھ پر جو قیامت ٹوٹی
ں نے مجھے بدحواس کر دیا۔ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں ایک
یف اور امن پسند شہری ہوں۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ اس
ے کی مدد کر کے مجھ سے کون سا قصور سرزد ہوا ہے جس کی
اش میں میرا جوڑ جوڑ ہلا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اپنی پوری زندگی میں
ں نے کبھی اتنی ذلت نہیں اٹھائی تھی جو آج میرا مقدر بن گئی۔"

آخری فقروں پر اس کی رندھی ہوئی آواز اس کے حلق میں
پھنسنے لگی اور وہ چند خاموش سسکیاں لے کر پرامید نظروں سے
مجھے اور کرنل کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس نے دوسروں کے بجائے صرف تم ہی کو کیوں روکا تھا؟"
میں نے سوال کیا۔

"اس وقت میں نے اس بات پر غور نہیں کیا تھا لیکن اب
خیال آتا ہے کہ مجھ سے آگے جانے والے چونکے بغیر اس کار
کے قریب سے گزر گئے تھے جس کا مطلب تھا کہ کار والے نے
انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں یہ
سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس نے دوسروں کو چھوڑ کر مجھ ہی کو کیوں
منتخب کیا تھا؟"

اس کے لئے وہ راز ناقابل فہم تھا لیکن میرے لئے وہ سامنے
کی بات تھی۔ دوسرے افراد کلین شیو رہے ہوں گے جب کہ ملا
سرکار خود ویرا کے مکان پر طبع آزمائی کرنے سے پہلے کسی غیر
متعلقہ مگر باریش شخص کو وہاں بھیج کر اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ اس
کے ساتھ کیا صورتِ حال پیش آسکتی تھی۔

وہ مردود اچھی طرح واقف تھا کہ اس کی واحد اور نمایاں
ترین شناخت جو میری نظروں میں آچکی تھی' وہ اس کی داڑھی ہی
تھی اور میرے آدمی کسی بھی داڑھی والے کے بارے میں
ملا سرکار ہونے کے شبے میں مبتلا ہو سکتے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ
بدنصیب مجید ملک کو اپنی سازش کا چارا بنا کر اس نے دور سے
اس پر نگاہ رکھی ہو گی اور اس پر حملہ ہوتے ہی ویرا کے مکان کا
رخ کرنے کا ارادہ ترک کر کے' وہ وہاں سے فرار ہو گیا ہو گا۔

ملا سرکار اور اس کے طریقۂ واردات کے بارے میں کرنل
نما شخص اور اس کے عملے کی معلومات بہت محدود اور ناقص
تھیں اس لئے ان سب نے مجید ملک سے باز پرس کا کام
رضا کارانہ طور پر میرے لئے چھوڑ دیا تھا۔

"اگر تم نے اسی وقت اس نکتے پر غور کر لیا ہوتا تو ان
دشواریوں سے بچ سکتے تھے۔"

"بس اسے مقدر کی خرابی ہی کہو۔ جب گردش آتی ہے تو
انسان لاکھ کوششوں کے باوجود اسے نہیں ٹال سکتا۔ وہ تھری
پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔ ایک معزز شخص کو بے بس اور پریشان
دیکھ کر تم بھی شاید وہی کچھ کرتے جو میں نے کیا تھا۔ اگر وہ کوئی
خطرناک آدمی تھا تو تم یقین کرو کہ وہ بہت بڑا اداکار بھی ہے۔"
مجید ملک بولا۔

"لباس تو تم نے بتا دیا' اس کی وضع قطع کیا تھی؟" میں نے
سوال کیا۔

مجید ملک نے اپنی یادداشت کے سہارے اس کا سراپا بیان
کرنا شروع کیا جو حرف بحرف ملا سرکار سے مطابقت رکھتا تھا
لیکن اس کے پورے بیان میں داڑھی کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

"اس کی داڑھی کے بارے میں تم نے کچھ نہیں بتایا۔"
اس کے خاموش ہونے پر میں نے کہا۔

"وہ کلین شیو تھا" مجید ملک نے کہا پھر اچانک ہی اس کی
آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں اور وہ سرسراتی ہوئی' تحیر زدہ
آواز میں بولا "اوہ خدا! اب میں سمجھا کہ اس نے مجھے کیوں روکا
تھا۔ اس نے یقیناً اپنی داڑھی تازہ تازہ صاف کی تھی۔ گھنے بالوں
کے نیچے سے برآمد ہونے والی جلد نرم اور قدرے گوری تھی۔
اس کے چہرے پر واضح طور پر دو رنگ تھے۔ رخساروں کا اوپری
حصہ اور پیشانی وغیرہ قدرے سیاہ تھی لیکن داڑھی والا حصہ
صاف اور نرم تھا۔ اس وقت بھی مجھے وہ بات غیر معمولی نظر آئی
تھی اسی لئے میرے ذہن سے چپکی رہ گئی لیکن میں سوچ بھی نہیں
سکا تھا کہ وہ اپنی داڑھی مونڈ کر وہاں کسی اور داڑھی والے کا
انتظار کر رہا تھا۔ اب تو تمہیں یقین کر لینا چاہئے کہ میں بے گناہ
ہوں اور صرف داڑھی کی وجہ سے مارا گیا ہوں' تمہارا مطلوبہ
آدمی وہی مرسڈیز والا تھا جو اب کلین شیو ہو چکا ہے۔ دو چار روز
میں اس کی جلد کا فرق بھی ختم ہو جائے گا اور کوئی اسے نہیں
پہچان سکے گا۔"

مجید ملک واقعی بہت ذہین آدمی تھا۔ وہ صرف میرے
سوالات سے ہی معاملے کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔

مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ مجید ملک نے اپنے انکشاف سے

میرا کام بڑھادیا تھا۔ ملا سرکار کے کوٹ منڈو والے بہروپ کا سحر ٹوٹ چکا تھا اور پھر اس کے چہرے پر گھنی داڑھی ' خدوخال پر اس قدر حاوی تھی کہ اسے صاف کردینے کے بعد وہ بڑی حد تک فوری شناخت کے خطرے سے محفوظ ہوگیا تھا۔ اس سے سامنا ہونے پر شاید میں خود بھی پہلی نظر میں اسے پہچاننے سے قاصر ہی رہتا۔

"کہہ دو کہ میں بے گناہ ہوں" مجھے کرنل کے ساتھ سرگوشیوں میں مصروف دیکھ کر مجید ملک کراہا "تم سب سادے کپڑوں میں ہو لیکن میرا اندازہ ہے کہ تم سب سرکاری آدمی ہو اور میں بے خبری میں کسی بڑی سازش کا شکار ہوگیا ہوں۔"

"تمہیں بہت چالاکی کے ساتھ گھیرا گیا ہے" کرنل نے سنجیدہ لہجے میں کہا "لیکن یہ معاملہ اس قدر سنگین ہے کہ ہم فوری طور پر تمہاری کہانی کی صداقت پر یقین نہیں کرسکتے۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ آنے والے واقعات کس حد تک تمہارا ساتھ دیتے ہیں۔"

"اس وقت تک میں بے موت مرجاؤں گا۔ میرے بچے پاگل ہوجائیں گے" وہ مایوسی کے عالم میں تقریباً چیخ پڑا "اس وقت مجھے آزاد کردو۔ میرا کوئی بھی جرم سامنے آجائے تو بے دریغ گولی ماردینا مگر مجھ سے میری ننھی سی گھریلو دنیا کی خوشیاں نہ چھینو! میں ایک رات بھی گھر سے باہر رہ کر اس ٹوٹی پھوٹی حالت میں واپس گیا تو زندگی بھر بہو بیٹوں سے آنکھ ملا کر بات نہیں کرسکوں گا۔ تم بال بچوں والے ہو تو میری اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتے ہو۔"

"اس وقت بھی تمہاری حالت ابتر ہے۔ ہم نے تمہیں آزاد کردیا تو گھر جاکر تم کون سی کہانی سناؤ گے؟" کرنل نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"میں کچھ بھی کہہ لوں گا۔ کراچی کے ڈرائیور بہت ظالم ہیں' کوئی تیز رفتار کار بھی مجھے روند کر فرار ہوسکتی ہے۔ تم یقین کرو کہ میں تم لوگوں کا ذکر نہیں کروں گا۔ میں کرہی نہیں سکتا کیونکہ اس کے بعد میرے لئے اپنی عزت نفس کی لاش کو کندھا دینا مشکل ہوجائے گا۔ کوئی شریف باپ اپنے بچوں سے اعتراف نہیں کرسکتا کہ وہ پولیس والوں سے پٹ کر گھر آیا ہے۔"

"ہم پولیس والے نہیں ہیں" کرنل نے سختی سے اس کے اندازے کی تردید کی۔

"سی آئی اے والے ہوگے' ایف آئی اے والے بھی ہوسکتے ہو۔ لاتعداد سرکاری ایجنسیاں ہیں۔ قانون کے محافظوں کی گرفت میں آنا کسی بھی شریف آدمی کے لئے باعث عزت نہیں ہوتا۔"

"ہم تمہیں چھوڑ دیں گے" آخر کار کرنل نے اپنے ڈرامائی فیصلے کا اعلان کرہی ڈالا "لیکن یہ یاد رکھنا کہ ہم اپنا اطمینان ہونے تک تم پر مسلسل نگاہ رکھیں گے۔ خفیہ نگاہیں تمہارا پیچھا کریں گی اور تم نے اگر اپنی یقین دہانیوں سے انحراف کیا تو دوسری مرتبہ تمہارا انجام اس سے بھی بدتر ہوسکتا ہے۔"

مجید ملک اچانک رو پڑا "مجھے منظور ہے' مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔ بس مجھے اپنے گھر' اپنے بال بچوں میں واپس جانے دو۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

اسی لمحے اچانک فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ اس وقت ہم ویرا کی خوابگاہ میں تھے جہاں اسپیکر فون موجود تھا لیکن کرنل نے اس کا اسپیکر آن کئے بغیر' اضطراری طور پر ریسیور اٹھا کر اپنے کان سے لگالیا۔

"بے ہودہ آدمی... تو کون ہے اور کس سے بات کرنا چاہتا ہے؟" ریسیور پر دوسری طرف کی بات سنتے ہی کرنل یک بیک غصے میں آپے سے باہر ہوگیا۔

کرنل کے تیور دیکھتے ہی مجید ملک سہم کر خاموش ہوگیا جیسے رونا بھول گیا ہو۔

جب سے ویرا اس مکان سے گئی تھی' وہ خالی پڑا ہوا تھا۔ ویرا کی موجودگی میں بھی وہاں بہت زیادہ فون نہیں آتے تھے اس لئے کرنل کے رد عمل پر میرا دھیان فوراً ملا سرکار کی طرف گیا تھا میں نے کرنل کو اشارہ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر اپریٹس پر رکھا اور اسی کے ساتھ اسپیکر فون کا بٹن آن کردیا۔ فوراً ہی اسپیکر سے شیطانی قہقہے کی آواز ابلنے لگی۔

"اگر تم پاگل ہوگئے ہو تو میں فون بند کررہا ہوں" میں ملا سرکار کے قہقہے کی آواز پہچانتے ہوئے' بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

اسپیکر پر قہقہے کی آواز تھمنے کے بعد چند شرمناک گالیاں گونجیں پھر ملا سرکار کی آواز ابھری "تم سب حرامی اور سرکار بھڑوے معلوم ہوتے ہو لیکن یہ لکھ کر رکھ لو کہ اس بار تم گئے نیک کر بھی میری راہ نہیں روک سکوگے۔ تم سمجھ رہے تھے مجھے آسانی کے ساتھ چوہے دان میں گھیر لوگے لیکن تم نے دیکھ کہ تم میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔"

"ابھی تک تو میں خود ہی تم سے نمٹ رہا ہوں۔ جس سرکاری کارندے تمہاری راہ پر لگ گئے تو تمہیں روئے زمین کہیں بھی امان نہیں مل سکے گی..."

"میں تمہیں کچا چبا جاؤں گا" میری بات کاٹتے ہوئے ا کی غراہٹ ابھری "مجھے پتا چل چکا ہے کہ موہن داس کو۔ جانے والے تم ہی تھے اور تم نے اسے زندہ نہیں چھوڑا ہوگا۔ "تم ہاتھ لگ گئے تو یہی سلوک تمہارے ساتھ بھی ہوگا۔ بتاؤ کہ اس وقت تم نے فون کیوں کیا ہے؟"

"یہ بتانے کے لئے کہ ملا سرکار سے ٹکرانا بچوں کا کھ نہیں ہے۔" اس کی پرغرور آواز ابھری۔

"ملا سرکار تو کوٹ مندو کے حجرے میں دفن ہوگیا۔ اب بلیک کیٹ ٹی کی بات کرو" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "تم لکھ کر رکھو کہ اب یہی علاقہ تمہاری سیکرٹ سروس کے سازشیوں کا مدفن بنے گا۔"

"وقت آنے پر سب کچھ ظاہر ہوجائے گا۔ کوٹ مندو میں تم کامیاب ضرور ہوگئے ہو لیکن اس سے میرے پلان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ تقدس کا بہروپ ختم ہونے کے بعد میں آزادی کے ساتھ اپنے ہمدردوں کی سربراہی کرسکوں گا۔"

"ہمدردوں کے بجائے قاتلوں، ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کا ذکر کیوں نہیں کرتے؟"

"میں انہیں اپنے ساتھ نہیں لایا ہوں" اس کی زہر میں بجھی ہوئی آواز ابھری "وہ سب تمہارے اپنے لوگ ہیں۔ تم انہیں جس نام سے چاہو یاد کرسکتے ہو۔"

"کرنل کمیش تو ہم میں سے نہیں تھا" میں نے اس کی دکھتی رگ کو چھیڑا۔

"اس وقت وہ کیسے یاد آگیا تم کو؟" اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت میری زبان سے کرنل مہیش پال کا ذکر سن کر وہ بری طرح چونکا تھا۔

"ہم دوستوں کے ساتھ اپنے دشمنوں کو بھی یاد رکھتے ہیں" میں نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا "اور انہیں اس انجام سے ضرور دوچار کرتے ہیں جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔"

"تت... تو کیا کرنل مہیش تمہارے قبضے میں ہے؟" وہ اپنی حیرت پر قابو نہ رکھ سکا۔

"ہوا کرتا تھا۔ اب تو وہ ماضی کی کہانی بن چکا ہے۔ مچھلیاں وغیرہ اب تک اس کا ریشہ ریشہ کھا چکی ہوں گی۔ وہ نرگ میں بڑی بے چینی کے ساتھ تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔"

"اوہ! تو میرے خدشات درست ہی تھے" میں اس کے اعتماد پر کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہوگیا تھا "ایک سفارتی افسر کے ساتھ وہ سلوک کرکے تم نے اپنی درندگی کا ثبوت دیا ہے۔"

"تمہارے بلیک کیٹ یہاں کون سی انسانی قدروں کو پروان چڑھانے کا کام کررہے ہیں؟"

"ڈیئی! تم میرے قہر سے نہیں بچ سکو گے۔ ابھی تک تم اندازہ نہیں کرسکے ہو کہ تم نے بے خبری میں کس شیر کے جبڑوں میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔ تمہاری موت میرے ہی ہاتھوں سے آئے گی۔"

"فکر نہ کرو۔ شیر کے جبڑوں سے گزر کر میرا ہاتھ اس کی دم کی طرف سے باہر آجائے گا۔ دوسروں میں موت تقسیم کرنے سے پہلے یہاں سے موہن داس کی سڑتی ہوئی لاش اٹھوا کر اس کا کریا کرم کرانے کی فکر کرو۔ اب اس میں کیڑے پڑنا شروع ہوگئے ہیں۔ اسے دیکھو گے تو تمہیں اپنا انجام بھی یاد آجائے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ اب تم اسپیشل سروسز گروپ کے لئے کام کررہے ہو۔ میں نے سنا ہے کہ ہمارے خلاف اب کمانڈو میدان میں اتار دیئے گئے ہیں" قدرے توقف کے بعد اس کی پرخیال آواز ابھری اور میں سمجھ گیا کہ وہ بظاہر مفاہمانہ رویہ اختیار کرکے میری زبان سے کچھ اگلوانا چاہ رہا تھا۔

"ایس ایس جی کے کمانڈو شیر ببر ہوتے ہیں۔ کالے بلے!" میں نے اپنا چڑانے والا انداز برقرار رکھتے ہوئے کہا "انہیں چوہوں، بلیوں اور گیدڑوں کے شکار کے لئے میدان میں اتارنا ان کی توہین کے مترادف ہوگا۔ فی الحال تم مجھ سے نمٹ لو تو یہی کافی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے کسی اہم ادارے نے ابھی تک تمہاری سرگرمیوں کو توجہ کے لائق بھی نہیں سمجھا ہے۔ اگر کوٹ مندو میں بارودی دھماکوں کے ساتھ تمہارا منحوس حجرہ زیر زمین سرنگ میں نہ دھنسا ہوتا تو شاید کوئی ادھر توجہ بھی نہ دیتا۔ اب بات چل نکلی ہے تو ان علاقوں میں تمہاری آزادانہ نقل و حرکت بھی محال ہوجائے گی۔"

"دیکھا جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ پہلے میری کال کس نے وصول کی تھی؟"

"میرا ہی ایک آدمی تھا" میں نے کرنل نما شخص کو آنکھ مار کر کہا۔ وہ سانس روکے میری اور ملا سرکار کی خوفناک گفتگو سن رہا تھا۔ اس کے آدمی کمرا چھوڑ کر باہر جاچکے تھے۔

"اور ویرا کہاں ہے؟" اس نے متجسس لہجے میں اگلا سوال کیا۔

"کہیں ایسی کی تیسی کرا رہی ہوگی" میں نے بے پروایانہ لہجے میں جواب دیا "وہ یہ مکان چھوڑ چکی ہے۔ اس پر اب میرا تصرف ہے اور یہاں میرے آدمی دندنا رہے ہیں۔"

"موہن داس کو تم ویرا کی موجودگی میں یہاں لائے تھے؟" وہ اپنے طور پر کچھ نتائج اخذ کرنے کے چکر میں تھا۔

"وہ اس مکان پر قابض اور متصرف تھی لیکن اسے موہن داس کی آمد کا آخر تک علم نہیں ہوسکا کیونکہ میں نے نصف گھنٹے کی بازپرس کے بعد ہی اسے مار کر ایک کمرے میں مقفل کردیا تھا"

"اور غزالہ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" اس کی آواز سے تلخی کافور ہوچکی تھی۔

"شاید تم مجھے یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ تم اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کرسکتے ہو جو میں نے موہن داس کے ساتھ کیا ہے؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

"غزالہ اب میری تحویل میں نہیں ہے" اس نے دھیمے لہجے میں کہا "میں اسے ویرا کی تحویل میں دینے کے لئے اپنے ساتھ لایا تھا لیکن وہ عجیب مٹی کی بنی ہوئی ہے۔ مجھے دھوکا دے کر کہیں بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔"

"لیکن وہ ویرا کے پاس نہیں پہنچی" میں نے کہا "سچ پوچھو تو

اس کے معاملے میں اب میں نے صبر کرلیا ہے۔ دنیا میں اس سے بہتر لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔"
"یہ بات بہت دیر سے تمہاری سمجھ میں آئی ہے۔ زمین یا جاگیر نسل در نسل انسان کے قبضے میں رہتی ہے۔ زر بھی خاصا ساتھ دیتا ہے۔ جاتے جاتے خاصا وقت لے لیتا ہے لیکن زن اس کائنات کا سب سے زیادہ بے ثبات اثاثہ ہے۔ بعض اوقات تو یہ تمہاری ہو کر بھی تمہاری نہیں ہوتی۔ تمہاری بانہوں میں آنکھیں موند کر نہ جانے کس کے تصور میں کھوئی ہوئی ہوتی ہے۔ تمہارے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔"
"مجھے خوشی ہے کہ کم از کم ایک بات پر تم نے مجھ سے اتفاقِ رائے کرلیا ہے۔"
"ہم میں مکمل اتفاقِ رائے بھی ہو سکتا ہے" اس کا لہجہ بہت نرم ہوگیا "ویرا مجھے بتا چکی ہے کہ تمہارے سر پر وطن پرستی کا بھوت سوار ہے لیکن یہ فرسودہ باتیں ہیں۔ اب آفاقی دور چل رہا ہے۔ کوئی ملک کسی کا وطن نہیں ہے اور ساری دنیا ہر ایک کا وطن ہے۔ جس دن تم اس خول سے باہر آگئے اس دن تم خود کو... از سرِ نو دریافت کروگے۔"
"پھر اس آفاقی دور میں تم اپنے وطن کی خدمت کیوں کر رہے ہو؟"
اسپیکر فون پر اُس کی ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ بولا "میرا وطن سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خالصتاً میری روزی کا معاملہ ہے۔ فوجیوں کو قتل و غارت گری کے حربے سکھا کر تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ عدالتوں کو قاتلوں اور لٹیروں کو سزا سنانے کی تنخواہ ملتی ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ کس کی روزی کہاں اتاری گئی ہے۔"
"یہ باتیں کسی ایسے شخص سے کرنا جس نے تمہاری زہر افشانی پہلے نہ سنی ہو۔"
"میں مشین نہیں ایک انسان ہوں۔ کبھی کبھی اپنے کام میں اتنا ڈوب جاتا ہوں کہ احمقانہ جذبات کا دورہ پڑنے لگتا ہے لیکن میں فوراً ہی خود کو سنبھال لیتا ہوں..."
"تم یہ سب باتیں مجھے کیوں سنا رہے ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"سچ بات یہ ہے کہ میں تمہارے حوصلے اور ارادے سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ لگن کے ساتھ کام کرنے والے ہمیشہ سے میری کمزوری رہے ہیں۔ تم چاہو تو میں منہ مانگے معاوضے پر تمہیں اپنے ساتھ شریک کر سکتا ہوں" اس کی مکارانہ آواز ابھری۔
"لیکن میں تمہیں اس قابل نہیں سمجھتا کہ تمہارا شریکِ کار بننے کے بارے میں سوچ سکوں۔"
"ایسے فیصلے فوراً نہیں کیے جاتے" وہ مصالحانہ لہجے میں بولا۔ "میں نے اپنے دل کی بات تم تک پہنچادی ہے۔ اس پر غور کرتے رہو گے تو کسی نہ کسی وقت میرے ہم خیال ہو جاؤ گے۔"
"اپنا پتا اور فون نمبر بھی دے دو تاکہ ہم خیالی کی صورت میں تمہیں آگاہ کر سکوں۔"
"تم میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہے ہو" اس کی آواز میں آزردگی ابھر آئی "خیر اس موضوع پر پھر کبھی بات ہوگی۔ فی الحال تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔"
"بلاوجہ میرے گلے پڑنے کی کوشش نہ کرو۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ہم ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں اور ہمارے راستے کبھی نہیں مل سکیں گے" میں نے برہمی سے کہا "ابھی تھوڑی دیر پہلے تم خود ہی مجھے گندی گالیوں کے ساتھ غلیظ قسم کے چیلنج بھی دے رہے تھے اور اب مجھے کام بتانے کی کوشش کر رہے ہو۔"
"دشمنی اپنی جگہ پر ہے۔ اعلیٰ ظرف دشمن بھی کبھی کبھی ایک دوسرے کے کام آجاتے ہیں۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تمہاری ویرا سے ملاقات ہو تو اسے میری اس خواہش سے آگاہ کردینا کہ میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں۔"
"لیکن وہ تم سے کہاں مل سکے گی؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا "کوٹ مندو کی کسی سرنگ میں یا دادو کے کسی برساتی نالے میں؟"
"اس نے یہ مکان چھوڑ دیا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ رُوپوش ہوگئی ہے۔ وہ منظرِ عام پر آجائے گی تو میں خود ہی اس تک پہنچ جاؤں گا۔ اسے کوئی زحمت نہیں کرنا پڑے گی۔"
"ملاقات ہوئی تو میں اس سے کہہ دوں گا" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا "یہ بتاؤ کہ موہن داس کی لاش یہاں سے کب اٹھوا رہے ہو؟ ایک آدھ روز میں یہاں اتنا تعفن پھیل جائے گا کہ میرا رہنا بھی دشوار ہو جائے گا۔"
"مہیش پال کے مقابلے میں موہن داس بے حیثیت تھا۔ اُس کی لاش بھی تم ہی ٹھکانے لگادو" اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری "لیکن یہ یاد رکھنا کہ تم نے میری پیشکش کا جلد ہی کوئی مثبت جواب نہیں دیا تو میں اپنے پرانے حسابات چُکانے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ میری طرف سے یہ صلح کی پہلی اور آخری پیشکش ہے۔"
"میں اسے مسترد کرچکا ہوں۔ سانپ اور نیولے کا اکٹھا رہنا ناممکنات میں سے ہے۔"
"یہ تمہارا جذباتی فیصلہ ہے۔ میں تمہیں اپنی طرف سے ایک ہفتے کا وقت دے رہا ہوں۔"
گھن گرج کے ساتھ خون آشام لب و لہجے میں شروع ہونے والی گفتگو کی وہ انتہا کرنل کے لئے حیران کن تھی۔ ملا سرکار کی پَل پَل کی قلابازیوں پر وہ بے چارہ بھونچکا سا رہ گیا تھا۔ آخر میں تو یوں محسوس ہونے لگا جیسے ملا سرکار اپنے بدترین دشمن کے بجائے

کسی روٹھے ہوئے دوست کو منانے کی کوشش کر رہا ہو۔
میں نے بٹن دبا کر اسپیکر فون آف کیا تو کرنل کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر چڑھی ہوئی تھیں۔ اس نے فوراً ہی میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے خوابگاہ سے ڈرائنگ روم کی طرف لیتا چلا گیا۔

"سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو؟" ڈرائنگ روم کے تخلیے میں پہنچ کر اس نے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہی سوال میں تم سے بھی پوچھ سکتا ہوں" اس ایک لمحے میں کرنل سے مرعوبیت کی منزل سے گزر کر اس کی برابری اور بے خوفی کے درجے پر پہنچ گیا۔

"تمہاری اور ملا سرکار کی گفتگو کے درمیان میں کئی بار مجھے محسوس ہونے لگا تھا کہ ہمارے سروں پر بھی تمہارا ہی سایہ ہے۔"

اس کے جواب نے مجھے حیران کر دیا۔

"یعنی تم اپنے سربراہ کی شخصیت سے خود بھی لاعلم ہو؟" میں نے حیرت سے زیادہ اشتیاق سے پوچھا۔

"ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم کسی فرد کے ملازم ہیں یا سرکاری تنخواہ دار ہیں۔ ملکی قانون کے لحاظ سے ہم بہتیرے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن آخر کار ہماری ہر کارروائی قومی سلامتی کے کسی اہم ترین شعبے کی کڑی ثابت ہوتی ہے اور شاید ہمارے اسی احساس نے ہماری فورس کو لوہے کی دیوار بنایا ہوا ہے۔"

"تم کس فورس کی بات کر رہے ہو؟" میں نے کرنل سے پوچھا۔

"اسپیشل ٹاسک فورس!" اس نے کہا "ہم خود کو اسی نام سے جانتے ہیں۔"

"ہمارے درمیان ابتدا سے ہی یہ معاہدہ تھا کہ تم میرے بارے میں زیادہ تجسس میں نہیں پڑو گے" موضوع کو نازک رخ اختیار کرتا دیکھ کر میں نے سنجیدگی سے کہا "نہ تم مجھے کریدو' نہ میں تمہارے بارے میں ضرورت سے زیادہ جاننا چاہتا ہوں۔ بس مجھے اپنا نام ضرور بتا دو تاکہ وقتِ ضرورت میں تم تک رسائی حاصل کر سکوں۔"

میرے جواب پر اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور چہرہ لٹک گیا۔ "میرا نام اوّل خان ہے۔"

"تمہیں مجید ملک کی رہائی کا انتظام کرنا چاہئے۔ وہ سخت اذیت کے عالم میں ہے" میں نے رسانیت سے اسے یاد دلایا۔

"اسے رخصت کر کے میں اپنی یونٹ کو بھی یہاں سے چلتا کرتا ہوں۔"

"وہ تمہاری اپنی مرضی ہے لیکن میری دانست میں تمہیں چند روز تک یہاں قابض رہنا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ ذہنی طور پر مجھ سے بہت زیادہ مرعوب ہو گیا تھا۔ "اندر پڑی ہوئی لاش کا کیا بنے گا؟"

"اسے گہرے سمندر میں پہنچا دو۔ یہی سب سے آسان طریقہ ہے۔"

"تمہاری اور ملا سرکار کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تمہارے ہاتھ پیر بہت زیادہ پھیلے ہوئے ہیں۔ مجھے کم از کم اتنا تو بتا ہی دو کہ تمہارے پاس کتنی نفری ہے؟"

"میں تنہا کام کرنے کا عادی ہوں" میں نے خوش دلی کے ساتھ جواب دیا۔

"میں نہیں مان سکتا" اس نے بے اعتباری سے کہا "بلیک کیٹس پر کاری ضرب لگانے کے لئے بڑے وسائل کی ضرورت تھی۔ خبریں ملنے کے باوجود ہم ان تک پہنچنے سے قاصر تھے۔ تم اکیلے یہ سب کیسے کر سکتے تھے؟"

"میں تمہیں اپنی کسی بات پر یقین کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا" میں نے بے بسی سے کہا۔

"تمہارے بارے میں بہت کم اور ادھوری معلومات رکھنے کے باوجود مجھے ایک بات کا پورا یقین ہو گیا ہے کہ ہماری اور تمہاری سمت ایک ہی ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "اس یقین نے میرے دل میں تمہارے لئے اپنائیت کا احساس پیدا کر دیا ہے اسی وجہ سے میں تمہیں اپنا نام بھی بتا بیٹھا ہوں مگر یہ راز میرے اور تمہارے درمیان ہی رہنا چاہئے۔"

"تم فکر نہ کرو۔" میں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا "یہ سمندر ہے۔ یہاں نہ جانے کیسے کیسے راز پوشیدہ ہیں۔ تم نے نام بتا دیا ہے تو اپنا پرائیویٹ فون نمبر بھی دے دو۔ تم سے بات کر کے کم از کم میں اپنے دل کی بھڑاس تو نکال سکتا ہوں۔ میری مشکل یہ ہے کہ میں کھل کر کسی سے بھی دل کی بات نہیں کر سکتا۔"

اس نے کسی تامل کے بغیر مجھے اپنے گھر کا فون نمبر بتا دیا جو میں نے فوراً ہی جیبی ڈائری میں نوٹ کر لیا۔

"مجید ملک کو تاکید کر دینا کہ وہ فون پر سننے والی گفتگو کو بھی بھول جائے۔"

"اس کے لئے میرا دل اداس ہے۔ اسے اپنی بے گناہی اور سادہ لوحی کی بہت بڑی قیمت ادا کرنا پڑی ہے۔ پتا نہیں وہ کتنے دن میں صحت یاب ہو سکے گا؟"

"اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر خود کو ہلکان نہ کرو۔ جو کچھ ہوا' اس میں تمہارے کسی ارادے یا بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ جب چکی کے پاٹ چل پڑتے ہیں تو ان کے درمیان میں گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔"

میں وہاں سے روانہ ہوا تو فکرمندی کے باوجود صورتِ حال کے بارے میں میرے ذہن میں ایک واضح خاکہ بن چکا تھا جس کے مطابق کامیابی زیادہ دور نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

ان دنوں اندرونِ سندھ کے حالات شورش کی سی صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں روپوش مسلح ڈاکوؤں کے جتھے دن کے اجالے یا رات کی سیاہی کی پروا کئے بغیر

جب چاہتے اچانک کہیں بھی نمودار ہوتے تھے اور اپنے جدید ترین خودکار اسلحے کے زور پر لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی وارداتیں کر کے اطمینان سے اپنی کمین گاہوں کی طرف لوٹ جاتے تھے۔ ان کے حوصلے اس قدر بڑھ چکے تھے کہ وہ پولیس کے وجود کو خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے۔ جس تھانے کا عملہ ان کی من مانی کارروائیوں کی راہ میں مزاحم ہو کر ان کی کسی واردات کو ناکام بنانے میں کامیاب ہو جاتا تھا' وہ اگلے دن ڈاکوؤں کی جوابی اور انتقامی کارروائی کا نشانہ بن جاتا تھا۔ ایسے مقابلوں میں دونوں طرف سے کھل کر اور بے محابا گولیاں چلتی تھیں اور میدان صاف ہونے پر پتا چلتا تھا کہ جہاں حملہ آوروں کے چند ساتھی ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں وہیں قانون کے محافظوں کو بھی جانی نقصان سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ ہر شخص کو معلوم ہوتا تھا کہ حملہ آور ہونے والے کون تھے اور کہاں روپوش تھے لیکن کسی کی مجال نہیں تھی کہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر جنگلوں اور پہاڑوں کی ان بھول بھلیوں کا رخ کرتا جہاں ہزار ہا نادیدہ آنکھیں دن رات مجرموں کی کمین گاہوں کی حفاظت کرتی رہتی تھیں اور اگر کوئی پر جوش ٹولی فرض شناسی کے جذبے سے مغلوب ہو کر ادھر گھس ہی پڑتی تھی تو اچانک ہونے والی گولیوں کی بوچھاڑ جلد ہی انہیں پسپائی کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

جنگلوں اور ویرانوں سے ملحق آبادیاں ان شورہ پشتوں کی آماجگاہ بنی ہوئی تھیں لیکن ساتھ ہی' بدامنی کی وہ صورت حال شہروں میں بھی رنگ پکڑ رہی تھی۔ بھاری تاوان کے لئے مال دار اسامیاں اغوا کی جاتی تھیں۔ اغوا کرنے والے مغوی کے لواحقین سے اتنا ہی طلب کرتے جتنا دینے کی ان میں سکت ہوتی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہر واردات کی پشت پر باقاعدہ تحقیق اور منصوبہ بندی کا عنصر کارفرما ہوتا تھا۔ سرگرم پیغام رسانی اور بالواسطہ مذاکرات کے نتیجے میں مغوی اچانک ہی اپنے گھروں کو لوٹ آتے تھے لیکن جانتے بوجھتے ہوئے بھی کوئی اغوا کنندگان کے نام زبان پر نہیں لاتا تھا۔ جو زبان کھولنے کی جسارت کرتا' اگلے دن اس کی باری بھی آسکتی تھی اس لئے سخت انسدادی قوانین موٹی موٹی' مجلد کتابوں میں محفوظ تھے۔ انہیں حقیقی معنوں میں حرکت میں لانے کا کوئی موقع پیدا ہی نہیں ہوتا تھا۔

سیاسی حریف امن و امان کی اس ہولناک تاراجی کو انتظامیہ کی نااہلی قرار دے کر جلسوں اور پریس کانفرنسوں میں بغلیں بجاتے پھر رہے تھے۔ متعصب اور تنگ نظر لوگ ان وارداتوں کو نسلی منافرت کا شاخسانہ قرار دیتے ہوئے اس پہلو کو یکسر نظرانداز کر دیتے تھے کہ ہر طبقے کے ڈاکو اور اغوا کنندگان دوسروں کے مقابلے میں اپنے ہم نسلوں اور ہم زبانوں کو زیادہ نشانہ بنا رہے تھے۔ انتظامیہ دبے لفظوں میں شکوہ کرتی تھی کہ ان تباہ کن تخریبی کارروائیوں کی سربراہی کرنے والے ایسے پر شکوہ سیاسی

بتوں کی آڑ میں پناہ لئے ہوئے تھے جن کی طرف نگاہ اٹھانے والے مٹی کے کھلونوں کی طرح توڑ پھوڑ کر خاک میں ملا جا سکتے تھے۔ اس ہنگامہ دار و گیر میں بھی کبھی کوئی کمزور سی آواز بلند ہوتی تھی جو ان حالات کی پشت پر بیرونی ہاتھ کی کارفرمائی کا ذکر کرتی تھی لیکن ہر بار ایسے انکشافات کو روایتی بہانہ قرار دے کر مسترد کر دیا جاتا تھا۔

مگر میں خود بہت قریب سے ان حالات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ بیرونی سازش کا مقامی سربراہ' ملا سرکار میری نظروں میں آچکا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ سرحد پار سے آنے والے اس کے سیکڑوں پیروکار' روپوش مجرموں کی ٹولیوں میں شامل ہو کر تباہی اور تخریب کاری کی اس فضا کو غیر محسوس طریقے پر پروان چڑھانے میں اپنا کردار ادا کر رہے تھے۔

جب سے افغانستان کی سرزمین پر بیرونی فتنے نے سر اٹھایا تھا اور عالمی سازشوں سے مجبور ہو کر' مزاحمت کرنے والوں نے مقامی ذرائع سے اپنے مالی وسائل کو فروغ دینے کے لئے ہیروئن کی پیداوار پر توجہ دینا شروع کی تھی' اس موذی نشے کی پیداوار منڈی جنگ کے علاقے سے سرحد پار کر کے قبائلی پہاڑوں میں منتقل ہو گئی تھی جہاں بمباری اور فوجی حملوں کے خوف کے بغیر افیم کو ہیروئن میں تبدیل کرنے کا عمل جاری رکھا جا سکتا تھا۔

ہیروئن پاکستان میں پھلنے پھولنے لگی تو جہاں اس کی غیر قانونی تجارت میں مقامی ملوث ہونے لگے' وہیں اس کا استعمال بھی وبا کی طرح ہر طرف پھیلنے لگا لیکن سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ دنیا کے سب سے زیادہ منافع بخش' اس دھندے سے اربوں روپے کا کالا دھن وجود میں آنے لگا جسے جائز کاموں میں کھپانا محال ہو گیا اور یوں اس کالے دھن کے زور پر ملک میں ہر غیر قانونی دھندے کو فروغ ملنے لگا۔ اس فہرست میں ہیروئن کے بعد دوسرا نمبر اسلحے کا تھا جس میں کلاشنکوف اور دوسری ہلکی مشین گنوں سے لے کر راکٹ تک شامل تھے اور یہ سب کھلے بازار میں بہ آسانی دستیاب تھے۔

اسلحے کی اس ریل پیل نے جرائم کی آبیاری میں فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا اور وہی اسلحہ سندھ کے چوروں' قاتلوں اور ڈاکوؤں کے کام آ رہا تھا۔ اپنی چھاپا مار کارروائیوں کی حد تک اسلحے میں خود کفیل تھے اور ملا سرکار نے اپنے بلیک میلنگ کے ذریعے انہیں ایک ایسے جنون میں مبتلا کر دیا تھا کہ وافر مقدار میں بھاری اسلحہ مل جانے کے بعد وہ کسی بھی طاقت سے ٹکر لینے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ اپنے ذخائر کی مدد سے وہ گویا مشقیں کر رہے تھے اور جس دن ملا سرکار ان کے خفیہ ٹھکانوں پر اسلحہ اور گولا بارود کے ذخائر پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا' سندھ میں خونریزی اور شورش کا ایک ہوش ربا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

حالات و واقعات ایک دوسرے کے ساتھ اس بری طرح

ہوئے تھے کہ کسی ایک تار کو الگ کر کے سلجھانا ناممکن تھا۔
طبقے کا خیال تھا کہ صوبے میں روزگار کی صورت حال سنگین
پڑھے لکھے نوجوان نوکریوں کی تلاش میں ناکام ہو کر
سے ٹولوں میں شریک ہو رہے تھے۔ اُن کی عارضی خوشحالی
دوں کو بھی ایسے ہی اقدامات کے لئے تحریک دے رہی تھی۔
طرح جاہل اور پیشہ ور ڈاکوؤں کو تعلیم یافتہ نوجوانوں کا سہارا
رہا تھا جو اپنی تعلیم' مہارت اور جدید معلومات کی مدد سے
ائم' پیش قدمی اور اپنے دفاع کو نفیس انداز میں منظم کرنے
صلاحیت سے مالا مال تھے جس کی وجہ سے پولیس کو ان کے
بلے میں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ دوسرے طبقے کا کہنا تھا
امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورت حال کی وجہ سے صوبے میں
یہ کاری رک چکی تھی۔ ہلکی پھلکی صنعتوں کی بالائی علاقوں
منتقلی ہو رہی تھی جس کی وجہ سے بے روزگاری بڑھ رہی تھی۔
بے روزگاری کی وجہ سے جرائم بڑھ رہے تھے یا جرائم کی
سے بے روزگاری بڑھ رہی تھی' یہ ایک علمی بحث تو ہو سکتی
لیکن سنگین حقیقت یہ تھی کہ وہ صورت حال بلیک کیٹ ٹی
ہولناک عزائم کے لئے بہت زرخیز تھی۔

چوری چھپے سرحد پار سے آنے والے اس کے گرگوں کو کچے
ن کے جوشیلے نوجوانوں کو ورغلانا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ وہ
ں حالات کو اس نازک موڑ تک لے آئے تھے جہاں صرف
ب دیا سلائی' پورے علاقے میں فلک بوس شعلے بھڑکا سکتی تھی
اور اس دیا سلائی کی کلید' ملا سرکار کی دانست میں ویرا کے
ں تھی۔

وہ ویرا کے ذریعے شی کے خوفناک اسلحے کی ایسی بھاری
مقدار خریدنا چاہ رہا تھا جس کے سہارے تباہ کن قوت سے لیس
یک ڈیڑھ ڈویژن نفری تیار کی جا سکتی تھی جو زمینی حملے کرنے کے
ساتھ ہی اپنا فضائی دفاع بھی کر سکتی تھی۔

دوبدو ہونے والی مسلمہ جنگ کے لحاظ سے وہ اسلحہ اور اس
کی مقدار بہت حقیر تھی جسے گھنٹوں میں نیست و نابود کرنے کے
لئے کسی غیر معمولی فوجی مہارت یا قابلیت کی ضرورت نہ ہوتی
لیکن وسیع و عریض رقبے میں پھیلے ہوئے ہزاروں دہشت گردوں
ور تخریب کاروں کے لئے وہ اسلحہ نعمت غیر مترقبہ ثابت ہو سکتا
تھا۔ دیہاتوں اور آبادیوں کے گرد روپوش ان مسلح جتھوں کو کسی
بڑے آپریشن سے تباہ کرنا ناممکن ہوتا اور وہ سرحدوں کے اندر
ہولناک خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا کر سکتے تھے۔ ان میں سے ہر
شخص چھاپا مار گوریلے کا روپ اختیار کر کے ملکی مفادات کو
بدترین نقصان پہنچا سکتا تھا۔

ملا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ ویرا
ان دنوں پوری طرح میرے اثر میں تھی۔ اس نے بلیک کیٹ ٹی کو
اسلحہ فراہم کرنے کی سرے سے کوئی کوشش کئے بغیر الجھایا ہوا تھا
بلکہ اسے اس احساس میں مبتلا کر دیا تھا کہ خود اسی کی کوتاہی کی
وجہ سے سودا خراب ہونے والا ہے۔

ان پیچیدگیوں میں پھنس کر بلیک کیٹ ٹی ایسے مرحلے پر آگیا
جہاں اسے خود غزالہ سے دستبردار ہونے پر آمادہ ہونا پڑ گیا۔ اسے
علم نہیں تھا کہ غزالہ اسے دھوکا دے کر ویرا کے پاس پہنچ چکی
تھی لیکن ویرا کے اچانک غائب ہو جانے سے وہ الجھن میں ضرور
پڑ گیا تھا۔ وہ اسلحے وغیرہ کا اتنی شدت سے خواہاں تھا کہ ویرا کے
عزائم پر شبہ کرنے کے باوجود اس پر نکتہ چینی کرنے کی جرات
نہیں کر سکا تھا۔ ابتدا میں اُس نے مجھ سے تیز و تند لہجے میں بات
کرنا شروع کی تھی لیکن جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ اس وقت
ویرا تک رسائی کے لئے اس کے پاس میرے علاوہ کوئی ذریعہ
نہیں تھا۔

ان دنوں بلیک کیٹ ٹی روئے زمین پر شاید میرا بدترین دشمن
اور میرے لہو کا پیاسا تھا لیکن اپنی مصلحت کی خاطر اُس نے مجھ
سے بالکل ہی مختلف اور دوستانہ انداز گفتگو اپنایا تھا اور اس حد
تک چلا گیا کہ مجھے اپنے ساتھ شریک ہونے کی پیشکش تک کر
بیٹھا لیکن میں جانتا تھا کہ وہ اس کی مکاری تھی۔ میرے ذریعے
اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر اپنے اصل روپ
میں میرے مدمقابل آجاتا۔ ایسا کوئی موقع آنے سے پیشتر میرے
لئے اس کا سر کچلنا ضروری ہو گیا تھا۔

میرے لئے خوشی کی بات یہ تھی کہ اب میں بلیک کیٹ ٹی
کے مقابلے میں اکیلا نہیں رہا تھا۔ میری جاں گسل جدوجہد کے
نتیجے میں اول خان کی اسپیشل ٹاسک فورس بھی ان لوگوں کے پیچھے
لگ گئی تھی۔ وہ لوگ سرکاری تھے یا غیر سرکاری' میرے لئے
سب سے اہم بات یہ تھی کہ انہیں قانون کی قوتوں کی پوری پوری
پشت پناہی حاصل تھی۔ ایسا نہ ہوتا تو منظور ماموں کی حویلی سے
مجھے فون کرنے والا ایریا کمانڈر مجھے کراچی میں رکا رہنے کی
ہدایت کر کے اول خان کو میری طرف متوجہ نہ کرتا۔

اسی ادھیڑبن میں میں سولجر بازار کے علاقے میں ان
اپارٹمنٹس تک پہنچ گیا جہاں سیٹھ حبیب جیوانی رہتا تھا۔

کئی منزلہ' صاف ستھری رہائشی عمارتیں احاطے میں گھری
ہوئی تھیں۔ گیٹ پر بنے ہوئے کیبن میں مستعد دربان موجود تھا
اور پھاٹک کے ساتھ ہی دیوار پر ایک بورڈ آویزاں تھا جس پر
ملاقاتیوں کے لئے اردو' انگریزی اور گجراتی میں ہدایت درج تھی
کہ وہ اپنی گاڑیاں احاطے میں لے جانے کے بجائے باہر ہی
پارک کریں۔

میں احاطے اور بورڈ کا جائزہ لیتا ہوا اپنی کار آگے لیتا چلا گیا۔

وہ صورت حال میرے لئے غیر متوقع تھی۔ میں نے حبیب
جیوانی کا فلیٹ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور میں یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ
کسی عام سی بلڈنگ میں واقع ہو گا جہاں میں کار میں بیٹھ کر نگرانی

کا کام کر سکوں گا لیکن احاطے نے میرا کام دشوار بنا دیا تھا۔ کار چھوڑ کر پیدل اندر جانے میں خطرہ تھا کہ حبیب جیوانی گھر سے باہر چہل قدمی نہ کر رہا ہو۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ میں حویلیاں میں اپنے چچا کے گھر بیمار پڑا ہوا تھا۔ مجھے اپنے روبرو دیکھ کر وہ میری طرف سے بھڑک سکتا تھا اور پھر میرے لئے لینے کے دینے پڑ سکتے تھے۔

اس علاقے کا ایک طویل چکر کاٹ کر میں کسی نئی حکمتِ عملی کے بارے میں سوچتا رہا دوبارہ ان اپارٹمنٹس کے قریب پہنچا تو میرے ذہن میں ایک متبادل لائحہ عمل سر ابھار چکا تھا۔

احاطے کے پھاٹک کے مقابل، کچھ فاصلے پر واقع پبلک کال آفس کی موجودگی میں نوٹ کر چکا تھا۔ وہاں رک کر میں احاطے سے آنے جانے والی گاڑیوں پر بخوبی نگاہ رکھ سکتا تھا۔

فٹ پاتھ کے سہارے گاڑی پارک کر کے میں نے پی سی او سے فلیٹ کا نمبر ملایا تو سلطان شاہ فوراً ہی لائن پر آ گیا۔

"بہت دیر لگا دی، کہاں رہ گئے تھے؟" میری آواز سنتے ہی اُس نے سوال کیا تھا۔

"میں پی سی او سے بول رہا ہوں۔ تم اسے فون کرو۔ پیغام اسی کو دینا، اُس کی بیوی کو نہیں۔ یہ بہت ضروری ہے۔" میں نے کنایوں میں بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "چند منٹ کے بعد میں تمہیں دوبارہ فون کروں گا۔"

وہ نجی تحویل میں لگا ہوا پبلک کال آفس تھا اس لئے وہاں کوئی دانستہ دوسروں کی گفتگو سننے کی کوشش نہیں کرتا تھا لیکن جگہ کی تنگی نے اس آزادی کو محدود کیا ہوا تھا اور محدود آزادی کی قیمت کال کے دوگنے داموں کی صورت میں وصول کی جاتی تھی۔

کاؤنٹر پر پیسے ادا کر کے میں سگریٹ سلگاتا ہوا باہر آ گیا۔ دوسری کال سے پہلے میں نے اتنا وقت دیا کہ سلطان شاہ حبیب جیوانی سے بات کر سکے۔ دوسری مرتبہ اس سے اطلاع ملی کہ کام بن گیا تھا۔

وہ حبیب جیوانی یا اس کی آواز سے متعارف نہیں تھا لیکن اس کا واسطہ مردانہ آواز سے پڑا تھا جوں ہی اس نے مردانہ آواز والے کو کی کلب پر ڈان کے گھر جانے کے بارے میں بتایا، وہ بری طرح بوکھلا گیا۔ اس کے اضطراری ردِ عمل سے سلطان شاہ نے اندازہ لگا لیا کہ وہ حبیب جیوانی ہی تھا۔

میں نے فوری طور پر اپنی کار اسٹارٹ کی اور اسے اپارٹمنٹس کے احاطے کی دیوار کے ساتھ ایسی جگہ پر پارک کر دیا جہاں میں اندھیرے میں رہ کر پھاٹک سے باہر نکلنے والی گاڑیوں پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔

گیٹ لیمپس کی روشنی میں دو گاڑیاں احاطے میں داخل ہوئیں اور ایک وہاں سے باہر آئی۔ روشنی میں تمام سوار بخوبی دیکھے جا سکتے تھے مگر ان میں حبیب جیوانی نہیں تھا۔

حبیب جیوانی ٹریڈ لائن میں آمد و رفت کے لئے سرمئی رنگ کی گاڑی استعمال کرتا تھا اس لئے میں نے پھاٹک سے نمودار ہونے والی سفید کار پر خاص توجہ نہیں دی۔ بس خالی الذہنی کے عالم میں پھاٹک سے برآمد ہوتے ہوئے کار کے اگلے حصے کو دیکھتا رہا لیکن جب وہ کار باہر آ کر داہنی طرف گھومی تو میں چونک پڑا کیونکہ ڈرائیونگ سیٹ پر حبیب جیوانی بذاتِ خود موجود تھا۔

میرے لئے وہ سنہرا موقع تھا۔ لمحہ بھر کے لئے میرے دل میں آئی کہ اس کا پیچھا کر کے راستے ہی میں اس کا کام تمام کر دوں تاکہ وہ بکھیڑا ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے لیکن میں نے فوراً ہی وہ خیال اپنے دل سے نکال دیا۔ اس وقت میں حبیب جیوانی کو مار کر اپنی راہ میں حائل خطرہ ضرور دور کر سکتا تھا لیکن مافیا کو کوئی نقصان پہنچانا ممکن نہیں تھا۔ اگلے دن کوئی ڈان کراچی پہنچنے والا تھا اور اگر میں اسے دستیاب نہ ہوتا تو وہ حبیب جیوانی کی جگہ کسی اور کو مافیا کے مقامی بیورو کا چیف مقرر کر سکتا تھا۔

سفید کار کی عقبی بتیاں آگے جا کر ایک موڑ پر غائب ہو گئیں تو میں پھرتی سے اپنی کار کا دروازہ کھول کر نیچے آ گیا۔ امید تو یہی تھی کہ ساحل کے قریب ڈیفنس کے علاقے سے حبیب جیوانی کافی دیر تک واپس نہیں لوٹ سکے گا لیکن میں ان آباد اور بارونق اپارٹمنٹس میں کوئی بھی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

چوکیدار کے سامنے سے گزرتے ہوئے میرے دل میں ٹوکے جانے کا ایک موہوم سا خوف موجود تھا جو بالکل بے بنیاد ثابت ہوا۔ جس در پر کوئی دیکھنے اور ٹوکنے والا ہو، اسے پار کرتے ہوئے جھجک آ ہی جاتی ہے۔ شاید اسی وجہ سے قدیم زمانے کے حکمراں اپنے شہروں کے گرد دروازوں والی فصیل بنا کر پورے شہر کو ایک گھر کا درجہ دے دیتے تھے جس میں داخل ہونے والے اجنبی اپنی آمد کا کوئی معقول جواز پیش نہ کرنے کی صورت میں قیدی بنا لئے جاتے تھے۔

بلاک 'سی' زمین سے اگی ہوئی متعدد عمارات کے تقریباً وسط میں کھڑا ہوا تھا۔ اس سے ملحق لان پر، روشنی میں بچے کھیل رہے تھے۔ مجھے فلیٹ نمبر دو میں جانا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ گراؤنڈ فلور پر ہی واقع ہوگا۔

بچے میری طرف توجہ دیئے بغیر اپنے کھیل کود میں مصروف تھے لیکن میرے دل کا چور ان سے خوف زدہ تھا۔ میں اس عمارت بلکہ احاطے میں ہی اجنبی تھا اور اگر کوئی بھی مجھے روک کر میری وہاں موجودگی کا جواز طلب کر لیتا تو میرے پاس کوئی جواب نہ ہوتا۔

اپنی خود اعتمادی بحال کرنے کے لئے میں ایک کر زینوں والی راہداری کی طرف بڑھ گیا۔

زینوں کی ابتدا سے پہلے ہی داہنی سمت کے دروازے پر

کا چمکتا ہوا دو کا ہندسہ دیکھ کر میں وہیں پہنچ گیا۔
دیوار میں کال بیل کا سوئچ موجود تھا لیکن میں نے دانستہ دروازے پر دستک دینے کو ترجیح دی۔
"کون ہے؟" اندر سے ایک مترنم اور دھیمی نسوانی آواز ابھری۔
میں نے دوبارہ ہولے سے دستک دی۔ اس بار اندر سے کوئی سوال نہیں کیا گیا لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ دروازے میں نصب ننھے سے محدّب عدسے کے پیچھے سے کوئی آنکھ میرا جائزہ لے رہی ہے۔
"کس سے ملنا ہے؟" قدرے توقف کے بعد اندر سے پوچھا گیا۔ اس بار وہ آواز دروازے کے قریب سے ابھری تھی لیکن دروازہ نہیں کھولا گیا تھا۔
"حبیب سیٹھ سے" میں نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ عورت حبیب کے موجود نہ ہونے کا عذر کر کے مجھے ٹالنے کی کوشش کرے گی اس لئے میں نے فوراً ہی اگلا جواب بھی سوچ لیا تھا۔
لیکن میری توقع کے برعکس دروازہ کھول دیا گیا اور میں کنجی آنکھوں اور گوری جِلد والی ایک خوش اندام خاتون کو اپنے روبرو دیکھ کر خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گیا۔
"حبیب سیٹھ گھر پر نہیں ہیں... آپ کون ہیں؟" اس نے جواب دے کر سوال کیا۔
اس کے خدّوخال غیر معمولی نہیں تھے لیکن آنکھوں کی رنگت نے میدے جیسی جِلد کے ساتھ اسے سحرانگیز بنا دیا تھا۔
اس نے دروازہ صرف اسی قدر کھولا تھا کہ مجھ سے دوبدو بات کر سکے۔ وہ پردے وغیرہ کی قائل نہیں تھی لیکن اتنی آزاد خیال بھی نہیں تھی کہ اپنے شوہر کے کسی شناسا کو اکیلے گھر میں بلا کر مذاکرات کرے۔ اس کا ارادہ اپنی دہلیز پر ہی بات ختم کر دینے کا نظر آتا تھا جو میرے منصوبے کے لئے کسی بھی طرح سازگار نہیں تھا۔
"میرا نام پیڈرو ہے' پیڈرو ڈی سوزا" میں نے قدرے توقف کے بعد ایک جھٹکے کے ساتھ کہا "میں سیٹھ کے دفتر میں کام کرتا ہوں اس وقت میرا ان سے ملنا ضروری ہے۔"
میں اس ساحرہ کے سامنے اپنا سر جھکائے 'معصومانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کی ٹٹولنے والی نگاہوں کی چبھن اپنے چہرے سے شروع ہو کر بدن پر سفر کرتی ہوئی محسوس کی۔
"اندر آجاؤ" میری سادگی اور معصومیت کے مشاہدے نے اس کا دل موم کر دیا۔ سیٹھ کے دفتر میں میری ملازمت کا اعتراف سنتے ہی وہ اچانک آپ سے تم پر آ گئی تھی)۔
اس نے پورا دروازہ کھول کر مجھے راستہ دیا اور میرے اندر داخل ہونے پر خود کار دروازہ مقفل کر کے میرے پیچھے آ گئی۔

"اس وقت یہ مکان خطرے میں ہے" میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے دھیمے مگر سنسنی خیز لہجے میں کہا۔
"اوہ خدا!" وہ یک بیک گھبرا گئی "آج کیا ہونے والا ہے' حبیب سیٹھ فون پر ابھی کوئی بری خبر سن کر باہر گئے ہیں اور اب تم آ گئے ہو' اس مکان کو کیسا خطرہ ہے؟"
"مجھے تفصیل کا علم نہیں' استاد سینڈو نے صرف اس پیغام کے ساتھ مجھے یہاں بھیجا تھا کہ پولیس کسی بھی لمحے یہاں ریڈ کر سکتی ہے اس لئے سیٹھ کو یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"
"سیٹھ تو چلے گئے... لیکن سینڈو نے تمہیں بھیجنے کے بجائے فون کیوں نہیں کیا؟" اس نے چونک کر پوچھا تھا۔ اس کے لہجے سے اندازہ ہوا کہ سینڈو اس کے لئے اجنبی نہیں تھا۔
"ڈیفنس میں ہمارا کلب ہے۔ پولیس نے وہاں ہم سب کو گھیر لیا تھا۔ میں بڑی مشکل سے بچ بچا کر یہاں تک پہنچا ہوں۔ وہاں گولیوں کا زبردست تبادلہ ہو رہا ہے۔"
میں نے دیدہ و دانستہ ایک ایسی کہانی تراشی تھی کہ اگر حبیب جیوانی اپنی بیوی کو کچھ بتا کر گیا ہو تو اس کا بیان میری کہانی کے کھانچے میں آسانی کے ساتھ فٹ ہو جائے۔
"اب تم کہاں جاؤ گے؟" ساحرہ نے اپنی کنجی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے سوال کیا۔
"سیٹھ مل جاتے تو میں انہی سے ہدایات لیتا... اب واپس کلب کی طرف جاؤں گا' ہو سکتا ہے کہ پولیس کے گھیرے سے باہر رہ کر میں اپنے ساتھیوں کی کوئی مدد کر سکوں۔ میرے آنے تک کئی تو زخمی ہو چکے تھے" میں نے تشویش زدہ انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا پھر اچانک نکاسی کے راستے کی طرف پلٹ پڑا۔
"ٹھہرو" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی "کیا تمہیں میری کوئی فکر نہیں ہے؟ میں حبیب سیٹھ کی بیوی ہوں" اس کی آواز سے غصے کے ساتھ ہی خوف بھی جھلک رہا تھا۔
"سیٹھ ہوتے تو اور بات تھی' میں آپ کو کیا مشورہ دے سکتا ہوں؟" میں نے بے چارگی کے ساتھ کہا "ہو سکتا ہے کہ پولیس والے عورت سمجھ کر آپ کو کچھ نہ کہیں' انہیں تو سیٹھ کی تلاش ہو گی۔"
"تم عقل سے بالکل پیدل معلوم ہوتے ہو" میری احمقانہ سادگی پر وہ بری طرح تلملا گئی "پولیس والے بہت سنگ دل ہوتے ہیں' سیٹھ نہیں ملا تو وہ سیٹھ کی بیوی کو لے جائیں گے۔ ٹھہرو' میں تمہارے ساتھ چلوں گی" وہ تیزی کے ساتھ ایک کمرے میں گھس گئی۔
میں بے بسی سے شانے ہلا کر رہ گیا۔ پنچھی اگر خود ہی جال میں آرہا تھا تو مجھے کیا عذر ہو سکتا تھا؟
اس نے اپنے بارے میں کسرِ نفسی سے کام لیا تھا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ ایک بار اسے غور سے دیکھ لینے کے بعد سنگ

دل تو در کنار نرم دل اور مہربان مرد بھی اسے اپنے کندھے پر بٹھا کر اونٹ کی طرح ہمکتے ہوئے، دوڑ لگانے پر آمادہ ہو جاتے۔ کوئی عورت اگر خوب صورت نہ ہونے کے باوجود کشش انگیز ہو تو بڑی آسانی کے ساتھ مردوں کو دیوانہ بنا دیتی ہے اور حبیب جیوانی کی بیوی عورتوں کے اسی پراسرار قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔

چند ثانیوں بعد وہ اپنے شولڈر بیگ میں مختلف اشیا ٹھونستی ہوئی کمرے سے برآمد ہوئی اور عجلت میں میرا بازو تھام کر مجھے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے بولی "جلدی نکلو! پولیس آ گئی تو دونوں دھر لیے جائیں گے۔"

اس کی گداز ہتھیلی کی بے تابانہ گرفت نے میرے بازو میں کرنٹ سا دوڑا دیا۔ میں نے پرامید نظروں سے اس کی طرف دیکھا لیکن اس کے بشرے پر خوف اور گھبراہٹ کے علاوہ دور دور تک کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے یہ فرض کر لیا تھا کہ اس کے شوہر کا ملازم ہونے کے ناتے مجھے اس کے حق میں بالکل بے ضرر ہونا چاہئے تھا۔

ہم دونوں فلیٹ اور پھر عمارت سے باہر نکل آئے۔ وہ دانستہ مجھ سے ایک دو قدم آگے نکل گئی۔ میں نے بھی احتراماً اس کے پہلو میں چلنے سے گریز کرنا ہی مناسب سمجھا، کار میں بھی میں نے دانستہ اسے پیچھے ہی بٹھایا جو میری سعادت مندی کا کھلا اظہار تھا۔

سولجر بازار سے شاہراہ قائدین سے ہوتے ہوئے ہم گورا قبرستان کی طرف سے گزرے تو میں نے عقب نما آئینے میں اس کی پوزیشن کا جائزہ لیا۔ وہ میرے عقب میں 'ڈرائیونگ سیٹ کی پشت گاہ کی سیدھ میں بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ مافیا والوں کی کار تھی اور میں اس کے تمام کل پرزوں سے بخوبی واقف تھا۔ میں نے اپنے آس پاس سڑک صاف دیکھ کر ڈیش بورڈ میں لگا ہوا ایک سوئچ دبایا۔ پیچھے سے اس کی ہلکی سی تحیر زدہ چیخ ابھری اور سناٹا چھا گیا۔ وہ اپنی جگہ بیٹھے ہی بیٹھے ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

اس کی طرف سے اطمینان ہوتے ہی میں نے کار کی رفتار یک بیک تیز کر دی۔

سلمٰی گھر پر موجود ہوتی تو بھی مجھے کوئی خاص پریشانی نہ ہوتی کیونکہ وہ ہمارے بہتیرے چھوٹے موٹے جرائم میں ہمارا ساتھ دیتی رہی تھی البتہ گھر میں ایک دلکش اور جوان عورت کے قید ہونے کی وجہ سے جہانگیر کو اپنی بیوی کی ناروا پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا لیکن اس رات ہمارے ستارے ہی کچھ اچھے تھے۔ سلمٰی کو کسی پیچیدگی کی وجہ سے سرشام ہی اس کے نومولود بچے سمیت اسپتال میں داخل کر دیا گیا تھا اور جہانگیر ایک ہلکا پھلکا گلاس لئے ٹیلی وژن پر کوئی فلم دیکھنے میں مصروف تھا۔

میری زبان سے قیدی عورت کا ذکر سنتے ہی اس ندیدے کی باچھیں کھل گئیں۔

"کہاں سے لاتا ہے اسے؟" وہ ایک ہی سانس میں اپنے گلاس کی تلچھٹ تک پی کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

میں نے اس کے سر پر ہاتھ مار کر اسے دوبارہ صوفے پر براجمان ہونے پر مجبور کر دیا "تمہیں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسے میں اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ وہ میری گاڑی میں بے ہوش پڑی ہوئی ہے۔"

"تو چلو، اسے خواب گاہ میں لے آتے ہیں۔ وہ وہاں کب تک پڑی رہے گی؟"

"میں اسے صرف ایک شرط پر تمہاری تحویل میں دے سکتا ہوں" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"شرط نہیں، حکم کہو میرے دوست! میں تو ہمیشہ سے تمہارا حکم مانتا آیا ہوں۔"

"اس کے ساتھ ظلم یا زیادتی کی گئی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"قطعی نہیں ہوگی، میں ذاتی طور پر اس کا خیال رکھوں گا" اس نے خلوص سے کہا "لیکن اتنا تو بتا دو کہ وہ کون ہے اور اندازاً کتنے دن تک یہاں رہے گی؟"

"وہ ایک خانہ دار عورت اور وفاشعار بیوی ہے" میرے آخری الفاظ پر اس نے برا سا منہ بنایا جیسے اس عورت کا کسی کی بیوی ہونا اسے پسند نہ آیا ہو۔

میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اس کا شوہر اول درجے کا بدمعاش اور مکار ہے۔ اسی کو چرکا لگانے کے لئے میں نے اس کی بیوی کو اغوا کیا ہے لیکن میں اس عورت کو کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ہو سکتا ہے کہ دو چار دن بعد میں اسے رہا کر دوں۔ اس کا انحصار میرے اور اس کے شوہر کے معاملات طے ہونے پر ہوگا۔"

"ہوش میں آنے کے بعد وہ جاننا چاہے گی کہ وہ کہاں اور کن لوگوں کے درمیان میں ہے۔"

"تم کرائے کے آدمی ہو، تمہیں مغویان کو چھپائے رکھنے کا بھاری معاوضہ ملتا ہے۔ وہ مجھے پیڈرو ڈی سوزا کے نام سے جانتی ہے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ پیڈرو کبھی کبھار لوگوں کو تاوان کے لئے اٹھاتا رہتا ہے۔"

"اس کے سامنے میں تمہیں برا بھلا بھی کہہ لوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

"تم مجھے گالیاں بھی دے سکتے ہو" میں نے اس کا منشا بھانپتے ہوئے کہا "بس یہ یاد رکھنا کہ اس نے مجھ سے تمہاری کوئی شکایت کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"یہ فقرہ تم دوسری بار کہہ رہے ہو، مجھے شرافت کا درس دیتے ہوئے تمہیں اپنی برائی کا اتنی شدت سے احساس کیوں ہو رہا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس طرح تم خود کو اس عورت کا

استعمال میں لانے کی کوشش کر رہے ہو؟"
بہت بولنے لگے ہو' یہ بتاؤ کہ تمہاری غیر موجودگی میں
نے گا؟"
ہسپتال میں ملاقات کے اوقات کے علاوہ کسی کو داخلے کی
یں ہے اس لئے میں تھوڑی دیر کے لئے سلمیٰ سے ملنے
گا - پانچوں ملازمین میرے اعتماد کے ہیں - میں انہیں
ار کردوں گا تاکہ وہ کسی کو دھوکا دے کر نکلنے میں کامیاب
- چابی دو' میں اسے گاڑی سے نکلوا تا ہوں -"
نگیر نے سروس بیل بجا کر ایک ملازم کو طلب کیا اور
یتے ہوئے میری کار کی چابی اس کے حوالے کردی -
ملازم کی نگرانی میں تنومند چوکیدار بے ہوش عورت کو
ھے پر لاد کر لایا تو جہانگیر اپنا دل مسوس کر رہ گیا - اسے
پڑا ہوا دیکھ کر اس کی جو حالت ہوئی' وہ دیدنی تھی - شاید
وس ہو رہا تھا کہ ایسی دلکش اور خوش بدن خاتون کو اپنے
پر لادنے کی سعادت سے وہ کیوں محروم رہا -
دل چاہتا ہے کہ میں اسے فوراً اپنی سیکریٹری بنالوں"
کے جاتے ہی جہانگیر ایک گہرا سانس لے کر بولا "آج کل
چہرے خوابوں میں بھی نظر نہیں آتے -"
"کیوں؟ کیا جولیا سے دل بھر گیا ہے؟" میں نے اس کی
یٹو کے بارے میں سوال کیا -
"وہ ضرورت سے زیادہ سعادت مند ہو گئی ہے - کبھی کبھی تو
وس ہونے لگتا ہے جیسے میں نے سیکریٹری کی جگہ اپنی
بیوی کو بٹھا لیا ہو" وہ اداس لہجے میں بولا -
"یہ اپنی مرضی سے یہاں نہیں آئی' زبردستی لائی گئی ہے -
کے بارے میں زیادہ سوچ کر اپنا دل خراب نہ کرو' تم اسے
ی بنانے کی کوشش میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے -"
"اسے ہاتھ پیر باندھ کر بھی سیکریٹری کی کرسی پر بٹھا دیا جائے
چل سکتا ہے -"
"اس کے ہاتھ پیر باندھ دو گے تو کام تمہارے فرشتے کریں
"وہ موج میں آیا ہوا تھا اور میں اسے چھیڑ کر لطف لے رہا

"کام" وہ دل کھول کر ہنسا "یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ
سیکریٹری کام بھی کرتی ہے' پہلے میں ایک کام جولیا کو سمجھاتا
پھر جھک مار کر وہی کام از سر نو خود کرنا پڑتا ہے - اس کے
پیر بندھے ہوئے ہوں گے تو میرا کام دگنا تو نہیں ہو گا... یہ
ٹریاں تو بس صاحب لوگوں کا موڈ اچھا رکھنے کے لئے ہوتی ہیں -
م کرنے والی سیکریٹریاں گورے اپنے ساتھ لائے تھے اور
تے ہوئے انہیں اپنی بیویاں بنا کر ساتھ ہی لے گئے تھے - ان
ے سرمئی نسل کے کچھ اینگلو انڈین دانے یہاں رہ گئے ہیں'
لال اسامیوں کے مقابلے میں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے -"

اسی اثنا میں بے ہوش عورت نے کراہتے ہوئے اپنی آنکھیں نیم وا کیں اور جہانگیر "ارے باپ رے!" کہہ کر اچھل پڑا -

"اب کیا ہوا تم کو؟" میں نے برا سا منہ بنا کر اسے گھورتے ہوئے پوچھا -

"اس کی تو آنکھیں بھی نیلی ہیں" وہ دانت پر دانت جما کر' کسی سردی کھائے ہوئے شخص کی طرح بولا "نیلی آنکھیں میرے دل پر خنجر کی طرح وار کرتی ہیں -"

"اس کے معاملے میں سنجیدہ رہنے کی کوشش کرو - میں تمہیں ایک بار پھر متنبہ کر رہا ہوں کہ یہ ہمارے ہاتھ سے نکل گئی تو اس کا شوہر ہمارا اس شہر میں جینا دو بھر کردے گا - عملاً وہ دلدار آغا سے کم نہیں ہے -"

"تم فکر نہ کرو' میں دل کے معاملات کو دماغ پر نہیں چڑھنے دیتا -" وہ ڈھٹائی سے ہنس دیا -

پہلے میں نے ارادہ کیا کہ اس کے ہوش میں آنے سے پہلے وہاں سے کھسک جاؤں تاکہ وہ ایک اجنبی کے سامنے کھل کر اپنے دل کی بھڑاس نکال سکے لیکن پھر میں نے ارادہ بدل دیا -

میں کمال ہوشیاری کے ساتھ اسے اس کے فلیٹ سے نکال تو لایا تھا' لیکن اس کے بھڑک اٹھنے کے خطرے کی وجہ سے راستے میں اس سے کوئی متنازعہ سوال نہیں کر سکا تھا اس لئے میں مختصر سی باز پرس کا سلسلہ اسی وقت ختم کر دینا چاہ رہا تھا -

کئی بار کسمسانے کے بعد آخر کار اس نے آنکھیں کھول دیں - چند ثانیوں تک وہ بستر پر چت پڑی اس طرح پلکیں جھپکاتی رہی جیسے اسے گھور اندھیرے سے یک بیک چندھیا دینے والی تیز روشنی میں دھکیل دیا گیا ہو - رفتہ رفتہ اس کے چہرے پر ہوش مندی کی علامات ظاہر ہوئیں تو وہ بھڑک کر بستر سے اتر گئی اور کھا جانے والی نظروں سے باری باری ہم دونوں کو گھورنے لگی -

پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر غصیلے لہجے میں پھٹ پڑی "نمک حرام! تم تو مجھے کلب لے جا رہے تھے... یہ کہاں لے آئے ہو؟ تم نے راستے میں مجھے بے ہوش کیوں کیا تھا؟"

میں نے مسکراتے ہوئے اس کے غصیلے چہرے کا جائزہ لیا پھر پرسکون لہجے میں کہا "پہلی بات یہ کہ میں نمک حرام نہیں ہوں - تمہارے شوہر کا ملازم نہیں ہوں بلکہ اپنا نمک کھاتا ہوں اور اپنا ہی وفادار ہوں - دوسری بات یہ کہ کلب کوئی اچھی جگہ نہیں ہے - شریف عورتیں وہاں نہیں جایا کرتیں - تیسری بات یہ کہ تم اس وقت میرے ایک محفوظ ٹھکانے پر ہو - آخری بات یہ کہ میں نے تمہیں بے ہوش نہیں کیا تھا - تم خود بے ہوش ہو گئی تھیں" چند ثانیوں تک وہ خاموش رہی - اس کے چہرے کے تاثرات رفتہ رفتہ تشویش میں ڈھلتے جا رہے تھے - آخر کار بات کسی حد تک اس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ تنفر آمیز لہجے میں بولی -

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے جھوٹ بول کر مجھے اغوا کیا ہے۔"

"تم اپنی مرضی سے میرے ساتھ آئی ہو۔ میں نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔"

"لیکن تم نے کی کلب پر پولیس کے گھیراؤ اور میرے فلیٹ پر پولیس کے چھاپے کا ذکر کرکے مجھے اس قدر خوف زدہ کردیا تھا کہ میرے پاس تم پر بھروسا کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ ہی نہیں تھا۔"

"کی کلب شہر کے رؤسا اور اعلیٰ حکام کی عیاشیوں کا خفیہ اڈا ہے۔ اگر تمہارا اس سے کوئی تعلق ہے تو تمہیں خوف زدہ ہونا ہی چاہئے تھا۔ ویسے سیٹھ اس وقت کہاں ہوگا؟"

"مجھے یہ سب تمہاری سازش معلوم ہوتی ہے۔ تم نے پہلے اسے بہانے سے گھر سے چلا جانے پر مجبور کیا پھر تم مجھے لے آئے۔ اسے بھی کی کلب کے حوالے سے الجھایا گیا ہے لیکن میں بتائے دیتی ہوں کہ حبیب سے ٹکرا کر تم خسارے میں رہو گے۔ وہ ہرگز یہ برداشت نہیں کرے گا کہ کوئی اجنبی اس کی بیوی کی توہین کرے۔"

"تمہارے شوہر کا دم خم بھی جلد ہی سامنے آجائے گا۔ فی الحال تم یہ بتاؤ کہ رسوائے زمانہ کی کلب سے حبیب کا کیا تعلق ہے اور تم اس کی مصروفیات سے کس حد تک باخبر ہو؟"

"میں تمہاری کسی بات کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔" وہ بے خوفی کے ساتھ بولی۔

اسے اپنے شوہر کی ہمت اور حوصلے پر ناز تھا اسی لئے وہ مجھ سے بحث کررہی تھی لیکن اس کے لئے بھی دل گردے کی ضرورت تھی اور میرا اندازہ تھا کہ وہ ایک دلیر عورت تھی۔

"چند روز یہاں رہو گی تو تمہارے سارے کس بل ڈھیلے ہوجائیں گے۔"

"تم مجھے میری مرضی کے خلاف یہاں نہیں روک سکتے۔ میں شور مچا کر ہنگامہ کھڑا کردوں گی۔"

"یہ شوق بھی پورا کرلینا۔" میں نے نہایت سکون سے کہا۔ "گلا بیٹھ جائے تو دوا مانگ لینا۔ یہ مکان ایک ویرانے میں واقع ہے جہاں میلوں دور تک تمہاری آواز سننے والا کوئی نہیں ہوگا۔"

"تم وحشی درندے ہو۔" وہ کراہت آمیز انداز میں بولی۔ "ایک بے بس عورت کے ساتھ یہ سلوک کسی مرد کے شایانِ شان نہیں ہے۔ پتا نہیں تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"ہمیں سیٹھ کی اصلیت کا علم ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اسے جرمنی کی جیل سے کن لوگوں نے فرار کرایا تھا۔ وہ اب تک انہی کے لئے کام کررہا ہے۔ اس کی خدمات کے صلے میں اسے بہت کچھ مل چکا ہے لیکن اب ہم بھی اپنا حصہ چاہتے ہیں۔ جب تک وہ ہمارے مطالبات تسلیم نہیں کرے گا، تمہیں یہاں رہنا ہوگا۔ وہ اپنی ضد پر اڑا رہا تو پھر اسے تمہاری لاش کا سامنا کرنا ہوگا۔ ہم لوگ حریفوں کو اپنے سامنے جھکانے کے ہر گُر سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

اس بار میری باتیں سن کر اس کے چہرے پر خوف کی زردی پھیل گئی۔ "یعنی تم مجھے یرغمال بنانا چاہتے ہو؟"

"وہ تمہاری لاش ملنے پر بھی نہ جھکا تو اس کا کیا چٹھا پولیس تک پہنچادیا جائے گا" میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کوئی چکر چلا کر اس کے ہم شکل کو ریکارڈ میں سیٹھ حبیب جیوانی ظاہر کرکے مردہ قرار دیا جاچکا ہے لیکن یہ نہ بھولو کہ ایک مدت کے بعد بھی قبر سے متوفی کی باقیات نکال کر یہ ثابت کرنا دشوار نہیں ہوگا کہ وہ حبیب جیوانی نہیں تھا۔ ہم سے ٹکرا کر وہ اپنی زندگی عذاب بنالے گا۔"

وہ تھکے ہوئے انداز میں مسہری پر بیٹھ گئی اور نقاہت زدہ آواز میں بولی "مجھے کچھ پتا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو لیکن میرا اندازہ ہے کہ تمہاری باتوں میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہوگی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے ایک بار حبیب سے فون پر بات کرنے کا موقع ضرور دو۔ میرا خیال ہے کہ میں افہام و تفہیم کی کوئی راہ نکالنے میں ضرور کامیاب ہوجاؤں گی۔"

"کسی آخری فیصلے سے قبل میں اس بارے میں غور کروں گا۔ فی الحال تمہیں کسی سے رابطے کی کوئی اجازت نہیں ہوگی۔ حبیب کا ابتدائی ردِعمل سامنے آنے کے بعد میں اپنا لائحہ عمل طے کروں گا۔"

میں ٹہلتا ہوا اس خواب گاہ سے باہر آگیا۔ جہانگیر وہیں رُکا رہا۔

"یہ بہت خبیث اور ضدی آدمی ہے" جہانگیر کی دھیمی آواز میرے کانوں سے محفوظ نہ رہ سکی "تم اس سے زیادہ بات نہ کرو ورنہ یہ تمہارے بال مونڈ کر تمہارا چہرہ بگاڑ دے گا۔"

"لیکن تم بھی تو اسی کے ساتھی ہو" عورت کی آواز ابھری۔ ان کے مکالمات سننے کے لئے میں اپنی پیش قدمی ترک کرکے دروازے کے قریب ہی رک گیا تھا۔

"پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں" جہانگیر اسے رام کرنے کے چکر میں فرسودہ محاوروں پر اتر آیا تھا۔ "پیڈرو نے اپنی جوانی کے پورے بیس برس مال بردار بحری جہازوں پر نوکری کرتے ہوئے، کھلے سمندروں میں گزارے ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ ایسے جہازوں پر جنسِ لطیف کا سایہ بھی نہیں پڑتا۔ ہر سال تک دن رات مردوں میں رہ کر پیڈرو بالکل جنگلی ہوگیا ہے۔ اسے عورتوں سے نہ کوئی رغبت ہے اور نہ ہمدردی۔"

"تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم پیڈرو کے خلاف میرا ساتھ دو گے؟"

"وہ مجھے بھی چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔ میں اتنا ضرور

ملتا ہوں کہ جب تک تم اس کی تحویل میں رہو، تمہیں اس
ستبرد سے بچاتا رہوں" جہانگیر کی آواز سنائی دی۔
"اگر تمہاری یہ ہمدردی بے لوث ہے تو تم واقعی ایک عظیم
ان ہو۔"
وہ جہانگیر کی اپنی چالبازیاں تھیں جو اس نے میری توقع سے
پہلے شروع کر دی تھیں اس لئے میں اس پر اپنا بھرم قائم
نے کی نیت سے پنجوں کے بل چلتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔
میں ڈرائنگ روم میں ٹی وی کے سامنے آبیٹھا۔ کچھ دیر بعد
نگیر وہاں پہنچا تو خاصا مسرور اور شاداں نظر آرہا تھا۔
"وہ تم سے بہت زیادہ ڈر گئی ہے۔" اس نے آتے ہی مجھے
اہ کیا۔
"چلو، اچھی بات ہے۔ تمہیں اپنی نرم دلی دکھا کر اس سے
تی گانٹھنے میں آسانی ہو جائے گی۔"
"میں اتنا گھٹیا نہیں ہوں کہ اس کی زبان سے تمہاری ہجو
کر بھی اس کی نیلی آنکھوں میں ڈوب جانے کی کوشش کرتا
وں۔ میں نے اسے صاف الفاظ میں بتا دیا ہے کہ میں تم سے
نہیں ہوں۔"
اس کے سفید جھوٹ پر میں دل ہی دل میں ہنس دیا اور بولا۔
ن میں نے تو اجازت دے دی تھی کہ نظریہ ضرورت کے تحت
اس کے سامنے مجھے برا بھلا کہہ سکتے ہو۔"
"تمہاری اجازت اپنی جگہ، لیکن انسان کا ضمیر بھی تو کوئی
ہے" اس نے اتنے پرخلوص لہجے میں وہ بات کہی کہ اگر میں
نے اس کی ہرزہ سرائی اپنے کانوں سے نہ سنی ہوتی تو بے اختیار
س پر یقین کر لیتا۔
"کئی بار سوچا کہ تمہاری برائیاں کر کے اس کی ہمدردی
صل کرنے کی کوشش کروں لیکن زبان نے ساتھ نہیں دیا۔"
ے خاموش پا کر اس نے اپنی پاکیٔ داماں کی حکایت کچھ اور دراز
ردی۔
میرے لئے اس مرحلے پر اسے ٹوکنا ضروری ہو گیا تھا۔ اس
لئے میں نے بے پروائی سے کہا "زبان کیسے ساتھ دیتی؟ تم ڈر
ہے تھے کہ کہیں میں تمہیں بھی چیر پھاڑ کر نہ رکھ دوں۔ کھلے
مندر میں مال بردار جہازوں پر بیس برس گزارنے کے بعد آدمی
ت خونخوار اور جنگلی ہو جاتا ہے۔"
جہانگیر آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے مجھے گھورنے لگا۔ اس کے
رے پر برسنے والی احمقانہ بوکھلاہٹ اور سراسیمگی قابل دید تھی۔
چند ثانیوں تک کوشش کے باوجود وہ اپنی زبان سے ایک لفظ
ھی ادا نہ کر سکا پھر یکایک ہی اس کی زبان کی بندش دور ہو گئی اور
ہ اونچی آواز میں مجھ پر برس پڑا۔
"تم بہت واہیات اور چھچھورے انسان ہو، میری ہی چھت
کے نیچے میری جاسوسی میں لگے رہتے ہو۔"

"جاسوسی کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ جوش کی وجہ سے
تم کو اپنی آواز پر قابو نہیں رہا تھا اس لئے میں نے واپس لوٹتے
ہوئے تمہاری گفتگو لفظ بہ لفظ سنی ہے" میں نے مسکراتے ہوئے
کہا۔
"تم جھوٹے ہو" اپنی خفت مٹانے کے لئے اسے الزام
تراشی کا سہارا لینا ہی تھا "چیر پھاڑ کی بات تو میں نے کافی دیر بعد
کی تھی۔ اتنی دیر میں تمہیں یہاں لوٹ آنا چاہئے تھا اور یہاں
تک میری آواز آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"
وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا اس لئے بری طرح جھینپا ہوا تھا۔
وہ جھاڑ کے کانٹے کی طرح مجھ سے الجھنے کی کوشش کرتا رہا لیکن
میں کیبنٹ سے بوتل اور گلاس نکالنے کے بعد اسے ٹھنڈا کرنے
میں کامیاب ہو ہی گیا۔
وہاں سے فارغ ہو کر میں فلیٹ پر پہنچا تو تینوں ہی بے تابی کے
ساتھ میری واپسی کے منتظر تھے۔ ویرا سب سے زیادہ بھری بیٹھی
تھی اور آثار بتا رہے تھے کہ اس نے غزالہ کو بھی میری طرف
سے بھڑکایا ہوا تھا۔
"یہ وقت ہے تمہارا آنے کا؟ کہاں دھکے کھاتے پھر رہے
تھے؟" ویرا نے آنکھیں نکال کر دھونس سے پوچھا تھا۔
"آئندہ دیر ہو گئی تو رات باہر گزار کر سویرے ہی آیا کروں
گا۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔
"میں فکر مند ہو گئی تھی" غزالہ شکایتی لہجے میں بولی "آج
کل کے حالات اچھے نہیں ہیں اور ہم لوگ تو ویسے بھی تلوار کی
دھار پر چل رہے ہیں۔ جب تک بلیک کیٹ ٹی زندہ ہے یہ خطرہ
باقی رہے گا۔"
"مجھے احساس ہے ڈارلنگ۔ میں خود بھی گھر لوٹنا چاہ رہا تھا۔
میرے لئے تمہاری واپسی کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے لیکن میری
مجبوری ناگزیر تھی۔ آج پھر ملا سرکار اپنی حاضر دماغی کی وجہ سے
بال بال بچا ہے ورنہ اس کا بھی قصہ نمٹ ہی گیا ہوتا۔"
اس مردود کا ذکر سب ہی کے لئے چونکا دینے کا سبب بن گیا۔
ویرا اور غزالہ کو میرے مشن کا سرے سے علم ہی نہیں تھا
کیونکہ سینڈو اور حبیب جیوانی سے فون پر گفتگو کرنے کے بعد
جب میں فلیٹ سے نکلا تو وہ دونوں شاپنگ کے لئے گئی ہوئی تھیں۔
سلطان شاہ کو معلوم تھا کہ میں حبیب جیوانی کی بیوی کو اغوا
کرنے کے ارادے سے نکلا تھا پھر میں نے ویرا کے گھر سے فون
کر کے اسے اپنے الجھ جانے اور دیر سے فارغ ہونے کے بارے
میں بتایا تھا لیکن وہ بھی اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ میں بلیک کیٹ ٹی
کے مسئلے میں الجھ گیا تھا۔
"ہمارے درمیان دوستی اور دشمنی چلتی رہتی ہے" میں نے
براہ راست ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "آج ہم ایک دوسرے کے
ہم نوالہ و ہم پیالہ ہیں لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ تم کب ہتھیار

سنبھال کر میرے خون کی پیاسی ہو جاؤ گی۔ اس لئے...."

"بس!" ویرا نے ہاتھ اٹھا کر تلخ لہجے میں کہا "تمہارے دل میں میری طرف سے ابھی تک بدگمانیاں موجود ہیں۔ جب ایک دوسرے کی طرف سے دل صاف نہ ہوں تو پھر مل بیٹھنا راحت کے بجائے کوفت کا سبب بن جاتا ہے۔ جب تک غزالہ تم کو نہیں ملی تھی میں اخلاقاً خود کو تمہارا پابند سمجھ رہی تھی۔ اس کے آجانے کے بعد یہ مجبوری بھی دور ہو گئی ہے...."

"پوری بات سنو!" میں نے اس کی بات کاٹ کر اسے سختی سے ڈانٹا۔ "بلاوجہ اپنا اور میرا موڈ برباد نہ کرو۔"

میں لحہ بھر کے لئے خاموش ہوا۔ جب خلاف توقع ویرا نے زبان نہیں کھولی تو میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "جو کچھ میں بتانے والا ہوں وہ بہت اہم ہے اور اس ملک کی داخلی سلامتی کے ایک حساس موضوع سے تعلق رکھتا ہے اس لئے میں سب سے وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ ہمارے باہمی تعلقات جیسے بھی رہیں، ہم اس انکشاف سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھائیں گے اور نہ اسے کسی اور پر ظاہر کریں گے۔ یہ راز ہمیشہ ہمارے سینے میں دفن رہے گا۔"

"یہ دونوں تو تمہارے اپنے اور پاکستانی ہیں۔ میں غیر ملکی ہوں اور تم مجھ سے بدظن بھی ہو، اس لئے بائبل لے آؤ تاکہ میں حلف اٹھا کر تمہیں اپنی نیک نیتی کا یقین دلا سکوں" ویرا کا لہجہ بہت تلخ تھا۔

"تم باز نہیں آؤ گی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"ویرا ٹھیک کہہ رہی ہے" غزالہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "اگر تمہیں ہم میں سے کسی کی نیک نیتی پر شبہ ہے تو تمہیں اس کی موجودگی میں یہ ذکر ہی نہیں چھیڑنا چاہئے تھا۔"

کچھ دیر کی بدمزگی کے بعد میں ان تینوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر میں نے اول خان کا نام ظاہر کئے بغیر اسپیشل ٹاسک فورس کا ذکر چھیڑ دیا جو بلیک کیٹ ٹی کے پیچھے لگ چکی تھی۔

میری کہانی ان کے لئے جتنی سنسنی خیز تھی، اس سے کہیں زیادہ تحیر آمیز تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہماری کوششوں کے نتیجے میں کوئی منظم اور طاقتور قوت بلیک کیٹ ٹی کی بیخ کنی کی طرف متوجہ ہو جائے گی۔

○☆○

ہماری مجلس رات گئے تک جاری رہی اس لئے اگلی صبح میں شاید دیر تک سوتا رہتا لیکن فون کی مسلسل بجنے والی گھنٹی نے مجھے بیدار ہونے پر مجبور کر دیا۔ سلطان شاہ اسی کمرے میں ایک صوفے پر پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ غزالہ، ویرا کے ساتھ دوسری خوابگاہ میں سو رہی تھی۔

"یار! میں نے صبح ہی صبح ایک بری خبر سنانے کے لئے فون کیا ہے" جہانگیر کی اداس اور بوجھل آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ سب سے پہلے میرا دھیان مسز جیوانی کی طرف گیا تھا۔

اگر وہ جہانگیر اور اس کے ملازمین کو چکمہ دے کر نکلنے میں کامیاب ہو گئی تھی تو وہ واقعی ایک بدترین خبر ہوتی۔ اس کی نشاندہی پر حبیب جیوانی پوری بربریت کے ساتھ جہانگیر کے مکان اور اس کے مکینوں کو نیست و نابود کروا سکتا تھا۔ وہ مقامی مافیا کا چیف تھا اور مافیا چیف کی بیوی کو اغوا کرنا دنیا کے کسی بھی خطے میں ناقابل معافی، سنگین جرم سمجھا جاتا ہے جس کی سزا کو مافیا کے سارے بڑے متحد ہو کر پوری قوت سے نافذ کرتے ہیں تاکہ جرائم کی دنیا میں ان کی ساکھ اور دھاک برقرار رہ سکے۔

"آگے پھوٹو!" اس کی خاموشی سے خلجان میں مبتلا ہو کر میں نے بے چینی سے کہا۔

"کل رات ڈاکوؤں کی بہت بڑی نفری نے منظور ماموں کی حویلی پر حملہ کر کے ان کا بدن چھلنی کر دیا...."

وہ خبر میرے اعصاب پر بجلی بن کر گری۔ منظور ماموں اپنی پوری احتیاط کے باوجود اس امر کو صیغہ راز میں رکھنے میں ناکام رہے تھے کہ ملا سرکار کے سحر کو ختم کر کے اس کے حجرے کو منہدم کرنے والے ان کے مہمان تھے۔ ملا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی اندرون سندھ ڈاکوؤں کا سب سے بڑا سرپرست اور مربی تھا۔ اسے نقصان پہنچانے والے، اس کے پیروکاروں کے نزدیک ناقابل معافی مجرم تھے اور انہوں نے آخر کار منظور ماموں جیسے اپنی کھال میں مست رہنے والے منچلے جاگیردار کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

"حویلی پر گھنٹوں فائرنگ کی گئی اور راکٹ بھی برسائے گئے" جہانگیر کی دل گرفتہ آواز مجھے کسی گہرے کنوئیں کی تہ سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی "ان لوگوں نے ملازمین کی مدد سے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن پھر ان کا میگزین جواب دے گیا۔ وہ سب حویلی سے نکل کر تاریک باغ میں چھپ گئے لیکن ڈاکو پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے۔ انہوں نے منظور ماموں اور ان کے بڑے لڑکے محمود کو ڈھونڈ نکالا۔ ان کی دلخراش چیخیں اور ڈاکوؤں کے وحشیانہ قہقہے رات کے اندھیرے میں گونجتے رہے۔ ثریا اور منصور ان چیخوں پر لرزتے رہے لیکن کوئی اپنی کمین گاہ سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ گولیوں کی آخری باڑھ کے ساتھ رات پوری اس بدنصیب حویلی میں سناٹا چھا گیا۔ آج صبح، اجالا پھیلنے پر وہ لوگ ڈرتے ڈرتے باہر نکلے تو منظور ماموں اور محمود کی چھلنی لاشیں رسوں کے سہارے حویلی کے بڑے پھاٹک پر جھول رہی تھیں۔ ڈاکوؤں نے انہیں بدترین تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد

ں کیا تھا۔ مجھے ابھی ابھی منصور نے فون پر اس سانحے کی
اطلاع دی ہے۔"

میرا دل یک بیک بوجھل ہو گیا۔ کہنے کو تو ان دونوں' باپ
بیٹے کی عمروں میں کافی تفاوت تھا لیکن دونوں ہی چنچل اور رنگین
مزاج تھے۔ دونوں ہی نے الگ الگ ویرا سے اظہار عشق کر کے
سب توفیق پھٹکار اور مار کھائی تھی لیکن دونوں میں سے کوئی بھی
ں سراپا ناز کی ناز برداری سے بے مزہ نہیں ہوا تھا۔

اس دہرے قتل کا بوجھ مجھے اپنی گردن پر محسوس ہونے لگا۔
م منظور ماموں کے مہمان تھے اور محمود نے کوٹ مندو کی طرف
ہماری رہنمائی کی تھی۔ ان دونوں کا بس وہی جرم تھا جس پر
نہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

"تم ان کی تدفین کے لئے جاؤ گے؟" قدرے سکوت کے
بعد میں نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"نہ میں جاؤں گا اور نہ تم ادھر کا رخ کرو گے" جہانگیر نے
جواب دیا "یہ منصور کی ہدایت ہے۔ ڈاکوؤں کے انتقام کی آگ
دشمن کے لہو کی پھوار کے بغیر سرد نہیں ہوتی۔ اس کا خیال ہے کہ
ڈاکوؤں کے مسلح ساتھی بھیس بدل کر جنازوں میں شرکت کریں
گے اور اس جلوس میں ہم میں سے جو بھی دیکھا یا پہچانا گیا' اسے
وہیں بھرے جلوس میں چھلنی کر دیا جائے گا۔ کوٹ مندو کے
واقعے نے ڈاکوؤں کو بہت زیادہ مشتعل کر دیا ہے۔ منصور نے
ہمیں کراچی میں بھی محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہے۔"

"وہ دونوں ہماری مدد اور میزبانی کرنے کی وجہ سے مارے
گئے" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "اور ہم اپنے ہاتھوں سے
انہیں مٹی بھی نہیں دے سکتے' کیسی مجبوری اور بے بسی ہے؟"

"یہ سب بہانے ہوتے ہیں۔ موت کا وقت تو ہر ایک کا
مقرر ہوتا ہے۔"

"اور مسز جیوانی کہاں ہے؟" کچھ دیر تک منظور ماموں اور
ان کی اولادوں کے بارے میں گفتگو کرنے کے بعد میں نے
رواروی میں پوچھا۔

"کچن میں ناشتا بنا رہی ہے" جہانگیر کا جواب سن کر میں ہکا
بکا رہ گیا۔

"وہ کسی کھڑکی یا روشندان سے نکل بھاگی تو اس کا شوہر
تمہیں کچا چبا جائے گا" میں نے بوکھلا کر کہا۔

"وہ نہیں بھاگے گی۔ میں نے اسے مسلح پہرے داروں کا
خوف دلایا ہوا ہے۔ وہ یہیں میرے ساتھ تھی۔ اس کے جاتے
ہی منصور کا فون آیا تھا۔ ویسے میں مزید احتیاط رکھوں گا۔"

"وہ تمہاری خوابگاہ میں کیا کر رہی تھی؟" میں نے ترش لہجے
میں سوال کیا۔

"وہ اپنے کمرے میں ڈر رہی تھی" اس کی خفت آمیز آواز
ابھری "میں رات ہی کو اسے یہاں لے آیا تھا۔ اس سے میری
دوستی ہو گئی ہے۔ منظور ماموں اور محمود کے دہرے قتل کی خبر نے
میرا اچھا خاصا موڈ غارت کر دیا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تمہیں الو کا گوشت کھلا دیا ہے"
میں نے غصیلے لہجے میں کہا "رات بھر تم سے دوستی کر کے
تمہاری عقل چوپٹ کر دی اور اب وہ یقیناً نکل بھاگی ہو گی۔ میں
لائن ہولڈ کر رہا ہوں۔ کچن دیکھ کر مجھے بتاؤ کہ وہ موجود ہے یا
بھاگ گئی۔"

"میں دو منٹ میں آتا ہوں" وہ میری ہدایت پر بحث کرنے
کی ہمت نہیں کر سکا۔

میں ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا اور انتظار کا وقفہ تکلیف
دہ حد تک طویل ہوتا چلا گیا۔ اس تاخیر نے میرے اندیشوں کو اور
قوی کر دیا۔ اگر مسز جیوانی فرار ہو ہی گئی تھی تو جہانگیر کے سر پر
جوتے لگانے ضروری ہو گئے تھے۔

تقریباً دس منٹ بعد ریسیور میں جہانگیر کے چڑھے ہوئے
سانسوں کے درمیان اس کی آواز ابھری "وہ..... وہ موجود ہے۔
"

"موجود ہے تو تم ہانپ کیوں رہے ہو؟" میں نے درشت لہجے
میں پوچھا۔

"تمہارا اندازہ درست تھا" اس کی سہمی سہمی آواز ابھری "وہ
کچن کی کھڑکی سے احاطے میں کود گئی تھی لیکن چوکیدار نے
بروقت اسے دیکھ لیا۔ میں ابھی ابھی اسے کمرے میں مقفل کروا
کے آیا ہوں۔ اب اس الو کی پٹھی کے ساتھ ذرا بھی رعایت
نہیں کروں گا۔ یہاں سے ایسی معصوم بن کر گئی تھی جیسے عمر بھر
یہاں سے جانے کا ارادہ نہ رکھتی ہو۔"

"تم میں ذرا سی بھی شرم ہے تو کہیں ڈوب مرو!" میں اس پر
برس پڑا "بڈھے طوطے ہو گئے ہو لیکن تریا چلتر کو خاک نہیں
سمجھتے۔ بس جہاں کسی عورت کو دیکھتے ہو' رال ٹپکنے لگتی ہے۔ میں
نے پہلے ہی کہا تھا کہ اس سے ہوشیار رہنا لیکن تمہیں تو ضد ہو گئی
ہے کہ جو کچھ میں کہوں گا' تم اس کا الٹ ہی کرو گے....."

اس نے شرمسار لہجے میں میری بات کاٹ دی "بس اب
اتنی لعن طعن نہ کرو۔ منظور ماموں کے قتل سے میرا دل ویسے ہی
برا ہو رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں واقعی خود کو گولی مار لوں تم یقین
کرو کہ میری جگہ تم خود بھی ہوتے تو اس کی معصومانہ اداکاری
سے دھوکا کھا جاتے۔ سالی پکی صورت حرام ثابت ہوئی ہے۔"

"میری بات رہنے دو۔ تم وہاں رہ کر غافل ہو اور میں یہاں
بھی چوکنا ہوں۔ اگر میں ابھی تمہیں کچن کی طرف نہ دوڑاتا تو وہ
تمہارے چوکیدار سے کبڈی کھیل کر صاف نکل جاتی اور تم اپنی
گردن کٹوا بیٹھتے۔"

"تم کو تو واقعی پیر یا ولی ہونا چاہئے تھا" جہانگیر کی تحیر زدہ
آواز ابھری "چوکیدار شور مچائے بغیر' اکیلا ہی ا...

کوشش کر رہا تھا۔ وہ دونوں عقبی لان پر ایک دوسرے سے بری طرح گتھم گتھا تھے۔ میں کچن کی کھلی ہوئی کھڑکی سے ادھر نہ کودا ہوتا تو شاید وہی کچھ ہوتا جس کا تم ذکر کر رہے ہو۔"

"میں اپنے پوت اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ تمہارے نوکر بھی تم سے کم نہیں ہیں۔"

مزید تلخ نوائی سے بچنے کے لئے میں نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

منظور ماموں اور ان کے بڑے لڑکے کے وحشیانہ قتل کی خبر اتنی معمولی نہیں تھی کہ میں دوبارہ بستر میں دبک کر سو جاتا۔ ان لوگوں سے میری ملاقات بہت مختصر تھی اور ویرا کے تجربات کی وجہ سے مجھے وہاں کچھ کوفت بھی ہوئی تھی لیکن مجموعی طور پر میں اس گھرانے سے خوشگوار یادیں لے کر واپس ہوا تھا۔ وہ لوگ رانی پور میں مخیر ہونے کی شہرت رکھنے کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے۔ انتظامیہ اور دوسرے اہم اداروں میں ان کے رسوخ کا یہ عالم تھا کہ اپنی سہولت اور مرضی کے مطابق منظور ماموں نے ایریا کمانڈر کو اپنی حویلی میں چائے پر بلالیا تھا۔ اگر ان جیسے جاگیردار کے ساتھ ڈاکو اتنا من مانا سلوک کر سکتے تھے تو دیہی علاقوں کی ناخواندہ اور بے آسرا آبادیوں کی بے بسی کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

ہیروئن کی زرخیز کوکھ سے ملک میں غیر قانونی اسلحے نے جنم لیا تھا اور اس اسلحے کے بل پر ڈاکو اور دہشت گرد' روز بروز قانون کے رکھوالوں کے لئے ایک کھلا چیلنج بنتے جا رہے تھے۔

اسلحے کی قوت کا اندازہ اس ایک امر سے لگایا جا سکتا تھا کہ بلیک کیٹ ٹی کی ہولناک سازش کے تانے بانے پوری طرح تیار تھے مگر اس کی کامیابی کے لئے اسلحہ درکار تھا جس کے راستے کاٹ کر پوری سازش کے تارو پود کو بکھیرا جا سکتا تھا۔

اس وقت میری رسٹ واچ صبح کے چھ بجا رہی تھی۔ باہر صبح کا ملگجا اجالا' تیزی کے ساتھ رات کے اندھیروں کو نگلتا جا رہا تھا۔ وہ تینوں بے خبر سوئے ہوئے تھے جب کہ میری نیند اچاٹ ہو چکی تھی اس لئے میں نے سگریٹ سلگا کر وقت گزاری کے لئے ٹریڈ لائن کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا تاکہ سینڈو سے ڈان کے بارے میں تازہ ترین معلومات حاصل کر سکوں۔

"تم کیا فون ہی سے لگے بیٹھے تھے؟" پہلی گھنٹی پر دوسری طرف سے سینڈو کی آواز سن کر میں نے حیرت سے پوچھا۔

"رات بھر شہر کے بدنام اڈوں کی خاک چھاننے کے بعد ابھی ابھی واپس لوٹا ہوں" اس نے گہرا سانس لے کر تھکے ہوئے لہجے میں کہا "رات کو کسی نے چیف کو چکمہ دے کر اس کی بیوی کو اغوا کر لیا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ آگے کی بات بتاؤ" روا روی میں بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

"باس! تو کیا تم نے اٹھایا ہے اسے؟" سینڈو کی دھیمی اور تحیر زدہ آواز ابھری۔

مجھے فوراً ہی ہوش آگیا مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا جسے لوٹا ناممکن تھا۔

"پاگل ہوگئے ہو!" میں نے بات نبھانے کے لئے غراتے ہوئے کہا "مجھے کیا ضرورت تھی اسے اٹھانے کی؟"

"پھر یہ خبر تمہیں کیسے معلوم ہوئی؟ اس واقعے پر چیف غم اور مایوسی سے پاگل ہوا جا رہا ہے لیکن پھر بھی وہ بہت رازداری سے کام لے رہا ہے۔ اس نے صرف مجھے اپنے اعتماد میں لیا ہے اور مجھے اپنے آدمیوں تک سے کام لینے سے منع کر دیا ہے۔"

"اغوا کرنے والوں کو کسی طرح میرے اور چیف کے تعلقات کا علم ہوگیا ہے کیونکہ چیف کی بیوی کی رہائی کے لئے تاوان ادا کرنے کا پیغام مجھے رات ہی کو مل گیا تھا۔"

"اوہ! یہ خبر تو فوراً چیف کو ملنا چاہئے" اس نے اضطراری لہجے میں کہا۔

"نہیں' کیونکہ چیف کی معلومات کے مطابق میں حویلیاں میں اپنے چچا کے یہاں بیمار پڑا ہوا ہوں" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔

"یہ تو گڑبڑ ہوگئی" میرے انکشاف اور پھر انکار پر وہ پریشان ہوگیا "یہ پیغام چیف کو نہ ملا تو وہ میری مٹی پلید کراتا رہے گا۔ تم مجھے بتادو' میں اپنے طور پر پیغام اُسے پہنچادوں گا۔"

"یہ بھی ناممکن ہے۔ بات آگے بڑھی تو مجھے سامنے آ پڑے گا۔ وہ مذاکرات کے لئے بار بار مجھ سے رابطہ کرتے اس لئے میں نے فون کرنے والے سے کہہ دیا کہ میں کسی حبیب جیوانی کو نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اب براہ راست چیف ہی سے رابطہ کرنے کی کوشش کریں۔ میں اس معاملے باہر رہنا چاہتا ہوں۔ میں نے تمہیں اپنا آدمی سمجھ کر بتا دیا ور کسی اور کو میں اپنی معلومات کی ہوا بھی نہ لگنے دیتا۔"

وہ میری خوشامد کرتا ہوا بولا "پھر یہ بھی بتادو کہ اغوا کر والا کون ہے اور کتنا تاوان مانگتا ہے؟"

"لیکن یہ باتیں تمہارے سینے میں دفن رہیں گی" میں تاکید کرتے ہوئے کہا "وہ میر بحر چاچڑ کے آدمی ہیں اور دو کر مانگتے ہیں۔ مسز جیوانی جنگلات میں ان کے پاس بحفاظت مو ہے۔"

"دو کروڑ روپے!" سینڈو نے سرسراتی ہوئی آواز م دہرایا "چیف مر کر بھی اتنا تاوان ادا نہیں کر سکے گا۔ بس ا ہی راستہ نظر آتا ہے کہ مدر مافیا فنڈ فراہم کرے۔ کسی بھی ا چیف کی بیوی پوری مافیا کی عزت ہوتی ہے۔ اسے بچانے کے مافیا میر بحر چاچڑ کو تحت الثریٰ سے بھی نکال لے گی۔"

"یہ معاملہ بہت سنگین ہے اسی لئے میں نے تم کو اپنی زبا بند رکھنے کا حکم دیا ہے۔"

ماری اور چیف کی پرخاش اپنی جگہ پر ہے۔ مجھے معلوم
نہارے ساتھ زیادتی کررہا ہے لیکن اسی کے ساتھ میں
وی کے بارے میں بھی فکرمند ہوں۔ اس کی بازیابی کے
کچھ کرسکتے ہو تو تمہیں ضرور کرنا چاہئے۔ ایسے نیک
ے لئے آدمی صلے اور ستائش کی پروا کئے بغیر بہت کچھ کر
ہے۔"

یں زیادہ سے زیادہ یہی کرسکتا تھا کہ میر بحر چاچڑ کے
ا پیغام رساں بننا پسند کرلیتا۔ میرے انکار کے بعد وہ
بند ہوگیا ہے۔"

م چیف سے بات کرکے دیکھو۔ شاید وہ تمہیں بھی اعتماد
لے۔"

سے کراچی میں میری موجودگی کا علم ہوا تو وہ میری طرف
میں پڑ جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اپنی بیوی کے اغوا کو وہ
رے منسلک کرکے میرے خلاف اپنی مہم تیز کردے۔"

حالات ایسے ہیں کہ میں تمہارے کسی اندیشے کی تردید
سکتا" اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

ڈان کی آمد کا کیا رہا؟" اس لمبی تمہید کے بعد آخرکار میں
وال کرہی ڈالا جس کا جواب حاصل کرنے کے تجسس میں
ے اس وقت سینڈو کو فون کیا تھا۔

پہلے سپرڈان کی آمد کی خبر تھی لیکن کل شام آخری لحات
ں نے اپنا پروگرام منسوخ کردیا۔ چیف سے معلوم ہوا تھا
ب دو چار روز کے بعد ڈان تھری یہاں آئے گا۔"

کیا سپرڈان کی آمد کی منسوخی کا چیف کی بیوی کے اغوا سے
لق ہے؟"

"نہیں... پروگرام شام کو منسوخ ہوا تھا۔ اغوا کا واقعہ تو
ں کسی وقت رونما ہوا ہے۔"

"میں اس کی بازیابی میں تمہاری کامیابی کے لئے دعاگو
ں گا۔"

اس سے مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا وہ میں اگلوا چکا تھا اس
لیں نے فون بند کردیا۔

اس صبح کا آغاز کچھ اچھا نہیں ہوا تھا۔ منظور ماموں اور
کے قتل کی اندوہناک خبر کے بعد سپرڈان کی آمد کی منسوخی
ے لئے مایوس کن ثابت ہوئی تھی کیونکہ اس طرح سیٹھ
جیوانی کی سرکوبی کا میرا منصوبہ بھی التوا کا شکار ہوگیا تھا۔
نگ مافیا کا کوئی بڑا کراچی نہ آتا تو مجھے حبیب جیوانی کی طرف
چلائی ہوئی سرد جنگ کی مہم سے نبرد آزما رہنا پڑتا جب کہ میں
انمائی محاذ کو جلد از جلد بند کرنا چاہتا تھا۔

میں اپنے لئے کافی بنانے کی نیت سے کچن کی طرف چلا تھا کہ
دازے کی طرف سے سرسراہٹ کی آواز سن کر مجھے اس کی
ف متوجہ ہونا پڑا اور لمحہ بھر میں دروازے اور فرش کے
درمیانی خلا سے ایک لفافہ اندر داخل ہوگیا۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ شاید اوّل خان کا کوئی آدمی ہم لوگوں کی نیند میں خلل ڈالے بغیر میرے لئے کوئی پیغام لایا تھا لیکن میں نے فوراً ہی اپنے اس خیال کو مسترد کردیا۔

ان لوگوں کا طریقۂ کار بہت محتاط اور محفوظ تھا۔ وہ اس بات سے بھی واقف تھے کہ میں اس فلیٹ میں کچھ اور لوگوں کے ساتھ رہتا تھا۔ ایسی صورت میں تحریری پیغام خطرناک بھی ثابت ہوسکتا تھا۔ اس قوی امکان کو کوئی بھی نظرانداز نہیں کرسکتا تھا کہ وہ لفافہ تجسس یا نادانستگی میں کوئی اور بھی کھول سکتا تھا۔

لفافہ تو اندر پہنچ ہی چکا تھا، اسے کسی بھی وقت کھول کر دیکھا جاسکتا تھا لیکن وہ لحات گزر جانے کے بعد پیغام لانے والے کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ناممکن ہوجاتا اس لئے میں تیزی سے دروازہ کھول کر باہر لپکا۔

میں نے وہ فیصلہ پلک جھپکتے میں کیا تھا لیکن میں فلیٹ سے باہر نکلا تو ایک دراز قامت شخص بہت تیزی کے ساتھ سیڑھیوں کا موڑ گھوم رہا تھا۔

اس وقت میرے بدن پر شب خوابی کا لباس موجود تھا۔ اس حالت میں باہر نکل کر میں خود کو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا سکتا تھا۔ دوسری طرف لفافہ چھوڑنے والے کی عجلت میرے لئے ناقابلِ فہم تھی۔ میں نے لمحہ بھر ٹھٹکنے کے بعد سیڑھیاں اترنا شروع کردیں۔ چوکیدار نے مجھے حیرت سے دیکھا تھا۔

میں باہر پہنچا تو مجھے تاخیر ہوچکی تھی کیونکہ دراز قامت شخص ایک لمبی سی سیاہ کار کا دروازہ کھول کر اس میں سوار ہورہا تھا کار کا انجن شاید پہلے سے اسٹارٹ تھا کیونکہ دروازہ بند ہونے سے پہلے ہی وہ کار ایک جھٹکے سے آگے روانہ ہوگئی۔ میں نے کار کی نمبر پلیٹ پر نگاہ ڈالی اور وہ نمبر ذہن میں محفوظ کرکے واپس ہولیا۔

اوپر پہنچ کر میں نے لفافے پر نگاہ ڈالی اور بری طرح چونک پڑا کیونکہ وہ پیغام میرے لئے نہیں تھا۔ اس پر مس ویرا لائیڈ کا نام میرا منہ چڑا رہا تھا۔

ویرا میرے فلیٹ میں آتی جاتی رہتی تھی لیکن اسے مستقل طور پر وہاں آئے ہوئے چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ اس کے لئے وہ پُراسرار لفافہ آگیا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ شہر میں یک بیک ایسا کون سا شخص پیدا ہوگیا تھا جو ویرا کی ذات میں اتنی گہری دلچسپی رکھ سکتا تھا۔

مجھے قلق ہونے لگا کہ میں نے چند لمحوں کی تاخیر سے لفافہ لانے والے کو گنوا دیا تھا۔ اس وقت میرے لئے وہی ایک خیال طمانیت کا باعث تھا کہ میں نے اس پُراسرار اجنبی کی کار کا نمبر نوٹ کرلیا تھا۔

لفافہ مضبوطی سے بند تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ ویرا کی لاعلمی میں اسے کھول کر دوبارہ بند کردیا جاتا۔ مجھے شبہ ہورہا تھا کہ

طرح میری مصروفیات کے بعض شعبے ویرا کی نگاہوں سے اوجھل تھے' اسی طرح وہ بھی پس پردہ اپنے کچھ چکر چلا رہی تھی۔ وہ محض ایک اتفاق تھا کہ پراسرار پیغام رساں کی حماقت کی وجہ سے وہ لفافہ میرے ہاتھ آگیا تھا۔

کافی پاٹ کا پلگ آن کر کے میں نے ویرا اور غزالہ کی مشترکہ خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی تو اندر سے ویرا نے فوراً ہی جواب دیا تھا۔ دروازہ بند ضرور تھا لیکن اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ میں نے اسے قدرے کھول کر ویرا کو باہر آنے کے لئے کہا اور دوبارہ کچن کی طرف چلا گیا۔

ویرا بند لفافہ دیکھ کر مجھ سے زیادہ حیران ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں دور دور تک ایسے کسی شخص کا نام ونشان نہیں تھا جو اس سے ایسے پراسرار انداز میں پیغام رسانی کرنے میں دلچسپی رکھتا ہو۔

اس نے لفافہ کھولا تو اس میں سادہ کاغذ پر انگریزی کے دو الفاظ ٹائپ کئے ہوئے تھے جن کا مفہوم تھا' آرنیٹ سے رابطہ کرو' وہ ایک واضح ہدایت تھی' اس کے نیچے چھ ہندسوں پر مشتمل ایک نمبر تھا جو منطقی طور پر آرنیٹ کا فون نمبر ہونا چاہئے تھا کیونکہ ویرا کے مقامی بلکہ غیر ملکی شناساؤں میں بھی آرنیٹ نام کا کوئی شخص شامل نہیں تھا۔

"یہ نمبر ملا کر دیکھو کہ یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟" میں نے مشورہ دیا۔

"تم جاگ ہی رہے تھے تو تم نے اسے روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"میں۔ سیڑھیوں کے اختتام تک اس کا پیچھا کیا تھا لیکن وہ بہت تیزی کے ساتھ واپس گیا تھا۔ تم فکر نہ کرو' اگر کوئی پیچیدگی پیدا ہوئی تو میرے پاس اس کی کار کا نمبر محفوظ ہے۔"

ویرا اس دولفظی ہدایت سے اتنی پریشان ہوئی کہ اس نے فوراً ہی رقعے پر ٹائپ کیا ہوا نمبر ڈائل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں اس کے قریب ہی موجود تھا۔

دوسری طرف آرنیٹ نے شاید خود ہی وہ کال وصول کی تھی کیونکہ چند مختصر سے فقروں کے تبادلے کے بعد ویرا نے مایوسانہ انداز میں ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آرنیٹ نے غیر ضروری گفتگو سے احتراز کرتے ہوئے اپنا مدعا بتانے کے بعد فون بند کردیا ہو۔

"ایک کاؤنسلیٹ میں طلبی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آرنیٹ وہیں کا کوئی افسر ہے" ویرا نے مجھے آگاہ کیا۔

وہ اطلاع چونکا دینے والی تھی۔ ویرا خود بھی ان امور پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکی کہ اس غیر ملکی سفارتی مشن کو اس کی ذات میں کیا دلچسپی ہوسکتی تھی اور اسے کیسے علم ہوا کہ ویرا میرے فلیٹ میں ہی مقیم تھی؟

کافی اور ناشتے کے دوران بھی ہمارے درمیان اس پر بات ہوتی رہی۔ موٹر وہیکل رجسٹریشن آفس میں سلطان کوئی پرانا شناسا کام کرتا تھا۔ سلطان شاہ نے اسے فون پیغام لانے والے کی کار کا نمبر دیا اور تھوڑی دیر بعد ہوگئی کہ وہ کاؤنسلیٹ کی اسٹاف کار کا نمبر تھا۔

ویرا کا ارادہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا تھا غور وخوض کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس کا اکیلا جانا ہی گا۔ آرنیٹ نے اس سے جس انداز میں مختصر گفتگو کی تھی سے ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ کوئی بہت خاص اور خفیہ معاملہ میں کسی اور کا شامل کیا جانا ممکن نہیں تھا۔

ویرا کو وہاں پہنچنے کے لئے گیارہ بجے کا وقت دیا گیا لئے وہ تیار ہو کر ساڑھے دس بجے فلیٹ سے روانہ ہوگئی میں غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آبیٹھا۔ سلطان شا باتیں کرنے کا موقع دے کر باہر نکل گیا تھا۔

میری اور غزالہ کی رفاقت کی کہانی بہت عجیب اور جس میں رفاقت کے آسودہ لمحے بھی تھے اور ہجر وانتظار کی تاک گھڑیاں بھی۔ میری تو پوری زندگی ہی ایک ہنگامہ خیز چل رہی تھی لیکن مجھ سے ملاقات کے بعد غزالہ کی زندگی تصور پیچیدگیوں کا شکار ہوگئی تھی۔ سب سے بڑھ کر المناک یہ تھی کہ اس خانہ دار لڑکی کو اپنا گھربار چھوڑنے پر مجبور گیا۔ مقدر کا لکھا کچھ یوں ہی تھا کہ ویرا اسے اغوا کرکے لے گئی۔ غزالہ کے پیچھے اس کی ماں کا انتقال ہوا' باپ خودکشی کی اور آخر میں جب اس کے اکلوتے بھائی' کا ذہنی توازن سنبھلا اور وہ اپنی بہن کے ہمراہ دلدار آغا کے رہنے لگا تو کاتب تقدیر کو ایک ہی ماں کی کوکھ سے جنم لینے کی وہ یکجائی ایک آنکھ نہ بھائی۔ دلدار آغا میرے ہاتھوں ہوا' غزالہ لاپتا ہوگئی اور کامران ایک بھیانک سازش ہو کر ایک کار بم کے دھماکے میں لوتھڑوں میں تبدیل ہوگیا۔ غزالہ کی داستان پرپیچ کہانیوں کی ایک دلگداز لڑی ہم دونوں کے لئے ان میں سے ہر کہانی میں بے پناہ موجود تھیں۔ غزالہ کھو کر' بچھڑ کر اور پرائی دہلیز کی باندی کے بعد آخر کار میرے پاس واپس آئی تھی۔ دلدار آغا کے میں اسے جو خوش فہمیاں تھیں' وہ دور ہونے کے بعد بھی اس وقت تک اس کے بندھن میں بندھی رہی جب تک آغا زندہ تھا۔ اپنی خوش فہمیوں کا احساس ہوجانے اور پناہ چاہنے کے باوجود غزالہ نے کبھی بھول کر بھی دلدار بے وفائی نہیں کی تھی بلکہ ہمیشہ مجھے اپنے وجود سے دور مشورہ دیتی رہی اور یہی اس کی وفاداری کی سب سے بڑی تھی۔

ہم دونوں دنیا ومافیہا سے بے خبر اپنی باتوں میں

وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا ۔ اس اثنا میں
جانے کب واپس آکر اپنے کمرے میں جا گھسا تھا۔
فلیٹ کی چابی موجود رہتی تھی اس لئے اس نے
کھولنے کے لئے بھی ہمیں زحمت نہیں دی تھی۔
کی موجودگی کا علم اس وقت ہوا جب اس نے
آکر لنچ کے بارے میں دریافت کیا۔
استفسار پر میں نے چونک کر گھڑی پر نگاہ ڈالی تو یہ
گیا کہ باتوں ہی باتوں میں دو بج چکے تھے اور ہمیں
کا احساس ہی نہیں ہو سکا تھا۔
کچھ حساس اور چڑچڑی ہو گئی ہے " غزالہ نے
کہا " اس کی واپسی کا انتظار کرلو ورنہ وہ برا مان
کئی دن تک روٹھی رہے گی۔"
یہ تبدیلی تمہاری واپسی کے بعد آئی ہے " سلطان
لہجے میں کہا " اس سے پہلے تو وہ دن رات ڈیزی کے
میں لگی رہتی تھی۔"
سمجھتی ہوں " غزالہ کے لبوں پر کھیلتی ہوئی مسکراہٹ
" اپنوں سے دور رہ کر میں نے زندگی کے ہر کھیل کو
دیکھا اور سمجھا ہے۔ وہ ڈیزی پر اپنا ...ن حق سمجھتی
تھی تو میرے بارے میں وہ مجرمانہ احساس کا شکار
لوٹ آئی ہوں تو اسے محرومی کا احساس ستانے لگا

پرانا سلطان شاہ نہیں رہا' بہت بد معاش ہو گیا ہے۔
سے کہا " تم اس مردود کی باتوں میں نہ آنا ۔ یہ ویرا
لگا ہے اس لئے اس کے بارے میں بے سروپا باتیں
ہے۔"
شاہ بھی ہمارے ساتھ وہیں بیٹھ گیا اور ہنسی مذاق کا
و گیا۔
کی واپسی تین بجے ہوئی تھی ۔ اس کے چہرے سے
گہری سنجیدگی مترشح تھی۔
دم ہوتا ہے کہ کسی کو مٹی دے کر آئی ہو " میں نے

کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور کیا
ہے " اس کی سنجیدگی میں سرمو فرق نہیں آیا تھا " کل
کھولنے سے پہلے ہم لوگوں سے وعدے لینے کی ضرورت
ر آج میں اپنی زبان کھولتے ہوئے ڈر رہی ہوں ۔ یہ
نکل گئیں تو میں ایک لمحے کے لئے بھی زندہ نہیں رہ
"

بے فکر ہو کر بات کرو' یہاں کی بات باہر نہیں جا سکے گی۔
چند ثانیوں تک خاموش رہی پھر سگریٹ سلگا کر سوچنے لگی
بات کی ابتدا کرنے کے لئے مناسب الفاظ تلاش کر رہی
ہو ۔ اس کی وہ پر تشویش اور اضطرابی کیفیت میرے لئے بالکل نئی
تھی۔
" میں جمی لائیڈ سے بات کر کے آرہی ہوں " اس کے
انکشاف پر ہم تینوں ہی حیرت سے اچھل پڑے۔
" تو کیا وہ کراچی میں موجود ہے ؟ " سلطان شاہ نے حیرت
سے پوچھا۔
" تم ہمیشہ بونگی بات سوچو گے " ویرا چڑے لہجے میں بولی۔
" کیا اس سے فون پر بات نہیں ہو سکتی ؟ "
" فون تو تم یہاں سے بھی کر سکتی تھیں ۔ آرنیٹ تمہیں
بلانے کے بجائے براہ راست کہہ سکتا تھا کہ فلاں نمبر پر فلاں
شخص سے بات کرلو " سلطان شاہ فوراً بحث پر تل گیا۔
" امکانات میں سر کھپانے کے بجائے ویرا کی بات غور سے
سنو " میں نے سلطان شاہ کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا۔
" ان لوگوں کے دنیا بھر میں مائیکروویو رابطے ہیں جو
سیٹ ئیٹ اور اس کے سگنل وصول کرنے والے ڈش اینٹنا
یونٹوں پر مشتمل ہیں۔ آرنیٹ نے اپنے ہی یونٹ سے میری بات
کرائی ہے۔"
میرے ذہن میں فوراً ہی یہ خیال ابھرا تھا کہ جمی لائیڈ کا اس
سفارتی مشن سے کیا تعلق ہے ؟ اور تعلق بھی اتنا مضبوط کہ ویرا
اور جمی کی بات کرانے کے لئے مشن کا سفارتی سیٹ ئیٹ فون
استعمال کیا گیا تھا لیکن میں خاموش ہی رہا ۔ ویرا کی بات مکمل
ہو جانے کے بعد ہم کھل کر سارے سوالات ۔ تبادلۂ خیال کر سکتے
تھے۔
" جمی لائیڈ مجھ پر بہت برہم ہوا ۔ اس کا خیال ہے کہ پاکستان
آکر میں پھر بہک گئی ہوں۔ کسی ذریعے سے اس سے شکایت کی گئی
ہے کہ میں بلیک کیٹس سے اسلحے کے سودے پر لات مار رہی ہوں۔
جمی لائیڈ کی خواہش ہے کہ تفصیلات طے کر کے اسلحہ جلد از جلد
ان لوگوں کے حوالے کیا جائے کیونکہ اس سودے کی تکمیل کے
لئے اس پر کئی طرف سے شدید دباؤ ڈالا جا رہا ہے " وہ بتا رہی تھی
اور ہم تینوں حیرت سے دیدے پھاڑے اس کے انکشافات سن
رہے تھے۔
" میں نے اسے آگاہ کر دیا ہے کہ بلیک کیٹ ٹی سودے کی
اصولی منظوری کے بعد لاپتا ہے کیونکہ اس کے پاس فنڈز کی قلت
ہے ۔ جمی لائیڈ نے مجھے ہر قیمت پر بلیک کیٹس کو جلد از جلد اسلحہ
فراہم کرنے کا حکم دیا ہے ۔ اس کا کہنا ہے کہ بلیک کیٹ ٹی رقم نہ
دے سکا تو اس آپریشن سے دلچسپی رکھنے والی ایک بین الاقوامی
خفیہ ایجنسی معاہدے کی پوری رقم ادا کرے گی ۔ اس کا صاف
مطلب ہے کہ تمہارے سندھ کے معاملات بہت نازک ہو چکے
ہیں۔"
جو کچھ ویرا بتا رہی تھی اس کا مطلب صاف ظاہر تھا ۔ سندھ

میں مقامی اور غیر ملکی تخریب کاروں کے ذریعے شورش پھیلانے
کے لئے ملا سرکار جو کچھ کررہا تھا اس میں صرف بلیک کیٹس ہی
ملوث نہیں تھے بلکہ بعض دیگر غیر ملکی طاقتیں بھی دلچسپی لے رہی
تھیں اور چاہتی تھیں کہ رقم ملنے یا ڈوبنے کی پروا کئے بغیر شی اپنے
ذرائع سے بلیک کیٹ ٹی کو اسلحے کی وہ بھاری مقدار فوراً فراہم
کردے جو بلیک کیٹ ٹی کو درکار تھی تاکہ وہ وقت ضائع کئے بغیر
اپنے مذموم منصوبے پر عمل درآمد کا آغاز کرسکے۔

پڑوسی ملک کے علاوہ دوسری غیر ملکی طاقت کی دلچسپی کا یہ
عالم تھا کہ وہ تازہ ترین حالات سے باخبر تھی۔ بلیک کیٹ ٹی کے
ساتھ ٹال مٹول میں ویرا نے بہت زیادہ مدت نہیں گزاری تھی
لیکن فریق ثانی ویرا کی نیت سے باخبر ہوگیا تھا۔

وہ غیر ملکی طاقت کون ہوسکتی تھی اس کا اندازہ لگانا بھی
مشکل نہیں تھا کیونکہ کوئی بھی غیر ملکی سفارتی مشن اپنے کسی
دوررس مفاد کے بغیر دو مجرموں کو اپنے مواصلاتی ذرائع پر
مشاورت کے لئے یکجا کرنے کی جرات تک نہیں کرسکتا تھا۔ اگر
سفارتخانے کے سیٹلائٹ فون پر ویرا اور جمی لائیڈ کے رابطے کی
خبر پھیل جاتی تو آرنیٹ کے کاؤنسلیٹ بلکہ پورے سفارتخانے
کے لئے ناقابلِ تصور سیاسی دشواریاں پیدا ہوسکتی تھیں لیکن اس
کے باوجود وہ خطرہ مول لیا گیا تھا۔

"تم نے جمی لائیڈ کے ساتھ کیا طے کیا ہے؟" میں نے ویرا
سے سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں!" ویرا نے تیزی سے کہا "میں نے اسے
بتادیا کہ میں اسلحہ بندرگاہ کی کسی برتھ یا شہر کے چوراہے پر اتار کر
اس کے ضرورت مندوں تک نہیں پہنچاسکتی۔ اگر انہیں اسلحہ
لینا ہے تو میرے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے کے بجائے انہیں مجھ سے
رجوع کرنا چاہئے تاکہ ہم اسلحے کی مقدار اور ڈلیوری شیڈول وغیرہ
طے کرسکیں۔"

بلیک کیٹ ٹی اسلحے کی فہرست ویرا کو دے چکا تھا۔ شیڈول
بھی کم وبیش طے ہوہی گیا تھا، اگر کوٹ مندو والا واقعہ رونما نہ
ہوا ہوتا تو وہ اسلحہ فوری طور پر وصول کرنے کے لئے تیار تھا۔
مجھے خوشی ہوئی کہ ویرا نے جمی لائیڈ سے وہ تمام باتیں صاف
چھپالی تھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ذہنی طور پر ہمارے ہی
ساتھ تھی۔

"اس معاملے میں آرنیٹ اور اس کے سفارتخانے کا کیا
رول ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بظاہر تو وہ لوگ اس کھیل میں پوری طرح ملوث نظر آتے
ہیں۔ مجھے اس بارے میں ایک فیصد بھی شبہ نہیں ہے لیکن
آرنیٹ نے اپنا دامن صاف رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔
اس نے مجھے بتایا کہ مسٹر جمی لائیڈ ایک امریکی شہری ہیں۔ ان
کے ملک کے سفارتکار ملک سے باہر اپنے ہر شہری کی انفرادی
ضروریات کا خیال رکھتے ہیں اس لئے جب جمی لائیڈ
کا سراغ لگا کر اس سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو
نے مجھے کاؤنسلیٹ میں بلوالیا۔"

"لیکن آرنیٹ نے تمہارے پتے اور ٹھکانے کا
لگالیا؟" ویرا کی کہانی بہت دلچسپ تھی۔

"اس نے اپنے مخصوص ذرائع کا حوالہ دے کر
دی مگر میں نے جمی لائیڈ سے یہ راز بھی اگلوالیا۔ مشکل
میرے باپ نے پچھلے دنوں میری لاعلمی میں میرے بدن
حصے میں ایک ننھا سا چپ چھپا دیا ہے۔ یہ طاقتور الیکٹر
ہروقت سگنل پھینکتا رہتا ہے اور اس سگنل کے ذریعے
دنیا کے کسی بھی حصے میں میرا سراغ لگا سکتے ہیں۔ یہ ا
نظام ہے جو چند جدید ترین جاپانی گاڑیوں میں استعمال ہو
کار دنیا کے کسی بھی براعظم میں چلی جائے گم نہیں
سیٹلائٹ کی مدد سے فوراً اس کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔
تلاش کرکے اس چپ کو بھی اپنے بدن سے الگ کرنا ہو

وہ واقعی جدید ترین طریقۂ کار تھا۔ سگنلز کو مانیٹر
ٹیلی وژن اسکرین پر دیکھ کر کار یا آدمی کا سراغ لگانا زیا
نہیں تھا لیکن اس کے لئے کمپیوٹر پروگرامنگ کا عمل
اور مہنگا تھا۔ پورے نظام کو روبہ کار لاتے ہی اسکرین
کا نقشہ نظر آنے لگتا اور چپ کا سگنل نشر کرنے وا
میں ایک سرخ نقطہ جلنے بجھنے لگتا جس سے پتا چل سکتا
اس وقت کس براعظم میں ہے۔ دوبارہ بٹن دبانے پر
صرف وہی براعظم بڑا ہوکر نظر آنے لگتا اور یوں ملک
ہوجاتی۔ ملک کے بعد شہر، علاقے، سڑک، محلے، گلی
سے ہوکر کسی خاص مقام تک کی نشاندہی ہونا ممکن تھ
لئے ضروری تھا کہ کمپیوٹر میں وہ سارے نقشے موجو
سیٹلائٹ سے ہوکر آنے والے سگنل کا مقام متعین کر

میری دانست میں بیرونِ ملک اس نظام کے ما
پروگرام میں براعظموں، ملکوں اور شہروں سے آگے
ہونا ممکن نہیں تھی البتہ اہم اور مخصوص شہروں کی
زیادہ تفصیلات بھی ہوسکتی تھیں لیکن شہروں میں مز
کام آرنیٹ کے کاؤنسلیٹ کی سطح پر ہی کیا جاسکتا تھا
یقینی طور پر کراچی کا تفصیلی نقشہ رکھتے تھے اور ایک بار
کرلینے کے بعد کوئی بھی مخصوص چپ ڈیٹیکٹر کے ذر
شخص تک رسائی حاصل کرسکتا تھا۔ اس کا مطلب تھا
ویرا کا سراغ لگانے کا کام بھی سفارتی ذرائع سے کیا
کی سطح پر انجام پایا تھا اور وہ سب بلیک کیٹ ٹی
لوگوں کے ملوث ہونے کے ثبوت تھے۔ یقینی طور پر
لائیڈ پر اسلحہ فراہم کرنے کے لئے دباؤ ڈال رہے تھے۔

"جمی لائیڈ سے تمہاری گفتگو آرنیٹ کی موجودگی

نے اگلا سوال کیا۔
ں' وہ مجھے ایک بوتھ میں چھوڑ کر چلا گیا تھا لیکن مجھے
ہے کہ میری پوری گفتگو نہ صرف کہیں اور سنی گئی ہوگی
ظ بہ لفظ ریکارڈ بھی کرلیا گیا ہوگا۔"
معاملہ الجھ رہا ہے" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔
بات صرف اتنی ہے کہ اسپیشل ٹاسک فورس بھی اس
ت میں آگئی ہے لیکن مجبوری یہ ہے کہ جمی لائیڈ اور
ے وسائل سے وہ لوگ محروم ہیں۔"
ے تو یہ بات بڑھتی ہوئی نظر آرہی ہے" ویرا نے ایمان
، اپنی رائے ظاہر کردی "ا... سیاسی پیچیدگی
تے ہیں۔ پتا ... تم دونوں نے کب کس کو ناراض کیا
خمیازہ تمہیں اب بھگتنا ہوگا۔"
اپنے جسم سے چپ نکال کر ضائع کردیا کسی پاگل کتے
یں باندھ دو تاکہ آئندہ آرنیٹ کا کوئی آدمی تم تک
مل نہ کرسکے۔ اس معاملے میں تم غزالہ سے مدد لے
چپ کو جلد کاٹ کر ہی چھپایا گیا ہوگا۔ غزالہ تمہارے
خراش کا جائزہ لے گی۔ میرا خیال ہے کہ چپ ہمیں
گا۔ دوسرا کام بہت اہم اور ضروری ہے۔ ملا سرکار کو
ے نہیں ہٹایا گیا تو دو چار روز میں تم اسے اسلحہ دینے پر
اؤگی۔ تم ٹال مٹول کرتی رہیں تو جمی لائیڈ براہِ راست
کو اس کام پر مامور کرسکتا ہے جو تیزی کے ساتھ بلیک
ضروریات کو پورا کردے گا۔"
رتِ حال سنگین رخ اختیار کررہی تھی اور میری دانست
خان کو نئی معلومات میں شریک کرنا ضروری ہوگیا تھا
کام میں ویرا کے سامنے نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ میری
ز کی بات کے جواب میں اس نے آتے ہی عہد اور
ں کا ذکر کیا تھا۔
تینوں شد و مد کے ساتھ بحث میں مصروف تھے۔ سلطان
بندوبست کرنے کے لئے بازار چلا گیا تھا کہ اچانک فون
بج اٹھی۔ غزالہ نے لمحہ بھر بعد ریسیور مجھے دے دیا۔
سری طرف سے اوّل خان بول رہا تھا۔ اس کی آواز سن
ل خوش ہوگیا۔
میں تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں' تم پوائنٹ فور پر کس
سکتے ہو؟"
بہت زیادہ ضروری ہو تو اسی وقت بھی آسکتا ہوں" میں
ی سے کہا۔
تم سات بجے وہاں آجاؤ' میں فون پر زیادہ کھل کر کچھ
نہ سکتا۔"
ہوسکے تو اشارے کنائے ہی میں کچھ بتادو ورنہ تم سے
ہونے تک تجسس رہے گا۔"

"اندرونِ سندھ جانے اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنے
کا ایک سنہرا موقع آیا ہے۔ چاہو تو تم بھی ساتھ چل سکتے ہو' وہ
لوگ باقاعدہ انٹرویو لے کر بھرتیاں کررہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہم
اس مرحلے سے بھی گزر جائیں" اس نے تفصیل میں جائے بغیر
ملاقات کا مدعا بیان کردیا جو خاصا دلچسپ اور سنسنی خیز تھا۔
میں نے اس سے سات بجے پوائنٹ فور پر پہنچنے کا وعدہ کر کے
فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

اوّل خان سے پوائنٹ فور پر ملاقات کا وقت شام سات
بجے طے ہوا تھا۔ اس لئے ہمارے پاس کافی وقت تھا۔ سلطان
شاہ بازار سے خورونوش کا سامان لے کر جلد ہی واپس آگیا۔
اسے معلوم تھا کہ واقعات تیزی کے ساتھ رُونما ہو رہے تھے اور
صورتِ حال لحہ بہ لحہ تبدیل ہوتی جارہی تھی اور وہ جتنی دیر فلیٹ
سے غیر حاضر رہتا اُسی قدر اس کی معلومات میں کمی واقع ہوجاتی
جو جلد یا بدیر اس کے لئے ذہنی کوفت کا سبب بن سکتی تھی۔
پہلے وہ غزالہ کی تلاش اور بازیابی کی ایک سیدھی سادی سی
مہم تھی جس میں جانو ماچھی کی مداخلت کی وجہ سے بلیک کیٹ ٹی
شامل ہوگیا۔ بلیک کیٹ ٹی یا ملّا سرکار بڑی ملک کا ایک خطرناک
سیکرٹ ایجنٹ تھا جو سندھ کے حسّاس سرحدی علاقوں میں اسلحے کی
مدد سے شورش برپا کرانے کے ناپاک منصوبے پر کام کررہا تھا۔
ویرا نے اسلحے کی فراہمی کے معاملے میں اسے دھوکے میں رکھا
اور غزالہ کو لہو کی ایک بوند بہائے بغیر ہی ملّا سرکار کے قبضے سے
آزاد کرالیا لیکن دوسری طرف ملا سرکار کے کوٹ مندو والے
ٹھکانے کی تباہی نے قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اس
طرف متوجّہ کردیا۔ اس طرح اوّل خان اور اس کی اسپیشل
ٹاسک فورس اس معاملے میں ملوّث ہوگئی۔
بلیک کیٹ ٹی اور اول خان کے بعد تیسرا نام آرنیٹ کا تھا جو
ایک غیر ملکی مشن سے وابستہ تھا۔ آرنیٹ... ویرا کی
اپنے باپ سے بات ہوئی جو بلیک کیٹس کو اسلحہ نہ ملنے پر برہم تھا۔
...اسے سودے کی رقم کی ضمانت کسی غیر ملکی ایجنسی نے فراہم کر
دی تھی جس کا مطلب تھا کہ سندھ کی صورتِ حال بین الاقوامی
پیچیدگیوں کا شکار ہوچلی تھی۔
ان سنگین اور مخدوش حالات میں ملّا سرکار لاپتا تھا اور ویرا
کے جسم میں جمی لائیڈ کا چھپایا ہوا چپ پوشیدہ تھا جس سے نشر
ہونے والے برقی سگنلوں کے سہارے آرنیٹ کے آدمی ہر وقت
اس تک پہنچ سکتے تھے۔
جب تک ملا سرکار زندہ تھا' بلیک کیٹس کو اسلحہ فراہم کرنے
کا معاملہ کھٹائی میں نہیں ڈالا جاسکتا تھا۔ ایک طرف وہ خود ویرا
سے ملنے کے لئے مضطرب تھا' دوسری طرف سے اسلحے کی...

کے لئے جمی لائیڈ کا دباؤ تھا۔ اس معاملے میں دیر ایک آدھ روز تک کوئی پیش رفت نہ کرتی تو قوی امکان تھا کہ شی میں اس کی ساکھ تباہ ہو جاتی اور شی کے عالمی مقاصد کے خلاف کام کرنے کے جرم میں اس کا باپ خود ہی اسے غائب کرا دیتا۔

اس بھیانک کھیل کا زور توڑنے کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ ملا سرکار کو فوری طور پر موت کے گھاٹ اتار کر اس کی لاش کو سرعام ڈال دیا جاتا تاکہ اخبارات اور ابلاغ کے دوسرے ذرائع سے اس کی تشہیر ہوتی اور دیرا کو یہ بہانا ہاتھ آ جاتا کہ ملا سرکار کے قتل کے بعد بلیک کیٹس کی تنظیم اس کے لئے قطعی اجنبی تھی اور وہ ملا سرکار کے کسی جانشین کے سامنے آئے بغیر اسلحے کے لین دین کے سلسلے میں کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔

ایک طرف وہ نازک معاملات تھے، دوسری طرف مافیا کے مقامی چیف سیٹھ حبیب جیوانی نے اپنی بدنیتی کی بنا پر مجھے ایک حماقت میں الجھا لیا تھا۔ ڈان کی آمد اور حبیب جیوانی کے عزائم کی خبریں پا کر میں نے اس کی بیوی کو اغوا کر لیا تھا۔ ڈان کی کراچی آمد کا معاملہ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر ٹل جانے کی وجہ سے وہ محاذ عارضی طور پر سرد پڑ چکا تھا لیکن سیٹھ حبیب جیوانی کی بیوی میرے لئے گلے کی چھچھوندر بن گئی تھی۔

وہ مافیا کے مقامی چیف کی عزت تھی اور اس کے اغوا کو مافیا والے اپنی ساکھ کے لئے گالی سمجھ کر میدان میں اتر سکتے تھے۔ میرا خیال تھا کہ سیٹھ حبیب جیوانی اتنا بے غیرت اور بے شرم نہیں تھا کہ اپنی بیوی کے غائب ہوتے ہی مافیا والوں سے مدد کی بھیک مانگنے پر تل جاتا۔ کسی بھی جرائم پیشہ تنظیم کے سربراہ کے لئے یہ بات بڑی شرمناک تھی کہ وہ اپنی تنظیم تو کیا، خود اپنے گھر کی بھی حفاظت نہیں کر سکا۔ بدنامی سے بچنے کے لئے سیٹھ حبیب جیوانی نے اس وقت تک اپنی بیوی کے اغوا کے معاملے کو راز میں رکھا ہوا تھا اور صرف سینڈو کی مدد سے اس کا سراغ لگانے کی ناکام کوششیں کر رہا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کب مایوس ہو کر اپنی تنظیم کے دوسرے لوگوں کو بھی میدانِ عمل میں لے آتا۔

سینڈو سے فون پر گفتگو ہونے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ سیٹھ حبیب جیوانی سے اضطراری طور پر ایک ناقابلِ معافی حماقت کا ارتکاب ہوا تھا۔ جس وقت سلطان شاہ نے ایک گمنام اجنبی کی حیثیت سے فون پر اسے یہ اطلاع دی کہ ڈان کی کلب پر پولیس کے نرغے میں آ گیا تھا، اس سے بہت پہلے سیٹھ حبیب جیوانی کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ سپر ڈان نے بعض وجوہ کی بنا پر اپنی آمد کا پروگرام چند روز کے لئے ملتوی کر دیا تھا۔ اس کے باوجود وہ ڈان کے مشکلات میں گھر جانے کی خبر سنتے ہی مشینی طور پر گھر سے نکل پڑا تھا۔ وہ سر سے پیر تک مافیا والوں کے احسانات کی دلدل میں دھنسا ہوا تھا۔ انہوں نے اسے جرمنی کی جیل سے فرار کرا کے روپوشی کی زندگی بسر کرنے اور پاکستان میں مافیا کی سربراہی کرنے کا موقع فراہم کیا اور اب، چند روز پہلے انہوں نے سیٹھ حبیب جیوانی کے ہم شکل کی موت کو خود اس کی موت قرار دلوا کر اسے آزادی کی زندگی سے لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ اس لئے وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس کے محسن اعظم کے نام پر کوئی اسے دھوکا بھی دے سکتا تھا۔ مافیا میں قول و فعل کی سخت ترین رازداری، صدیوں سے ایک مقدس رسم کی صورت میں چلی آ رہی تھی۔ وہ خبر سن کر سیٹھ حبیب جیوانی کے ذہن میں یہی خیال آیا ہوگا کہ سپر ڈان نے اپنی آمد کے التوا کی خبر دے کر اسے چند دنوں کے لئے بے فکر کر دینے کی کوشش کی اور خود پروگرام کے مطابق کراچی پہنچ کر، براہ راست کلب کی طرف چلا گیا تاکہ اس کی تباہی و بربادی کے حقیقی اسباب کا ذاتی طور پر جائزہ لے سکے۔ وہاں وہ بدقسمتی سے پولیس کے گھیرے میں آ گیا۔

وہ سیٹھ حبیب جیوانی کی اپنی کوتاہی تھی جس نے مجھے اپنے منصوبے پر عمل پیرا ہونے کا سنہری موقع فراہم کر دیا تھا لیکن سپر ڈان کی آمد میں التوا نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ میں مسز جیوانی کو سپر ڈان کی آمد تک قید میں رکھتا تو حبیب جیوانی مایوس ہو کر دوسروں کی مدد بھی طلب کر سکتا تھا۔ اس عورت کو رہا کرتا تو وہ اپنے شوہر کو جہانگیر اور اس کے گھر کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ وہ جہانگیر کے گھر کے محل وقوع سے واقف نہیں ہو سکی تھی لیکن اس نے اپنے تریا چلتروں سے جہانگیر کو ایسا الو بنایا تھا کہ اس کی خوابگاہ کے ذریعے پورے گھر میں گھومنے پھرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ تیسرا راستہ یہ تھا کہ اسے ہلاک کر کے اس کی لاش غائب کر دی جاتی۔

بادی النظر میں اس عورت کا کوئی ایسا جرم میری نگاہوں میں نہیں آ سکا تھا جس کی بنا پر میں کسی سلیس کے بغیر اسے قتل کرنے کا فیصلہ کر لیتا۔ اس نے جہانگیر کی خلوت کو آباد کر کے اپنے شوہر سے بدترین بے وفائی کا ارتکاب کیا تھا۔ اگر میں کوئی صالح اور باعمل مسلمان ہوتا تو اسی ایک جرم پر اسے سنگسار کر سکتا تھا لیکن میرا کردار اس معاملے میں داغ داغ تھا۔ دوسری طرف امکان بھی تھا کہ اس نے اپنے شوہر سے بے وفائی کا تصور کئے بغیر محض اپنے وجود کی رعنائیوں کو اسیری کی نادیدہ زنجیروں کو پگھلانے کے لئے آزمایا ہو۔ اگر میں فون کر کے جہانگیر کو بروقت ہوشیار نہ کرتا تو وہ گرما گرم گزرے ہوئے لمحات کی رنگینیوں میں ڈوبا بستر پر دراز ناشتے کا انتظار کرتا رہتا اور مسز جیوانی اس کی طرح اس چوکیدار کو بھی حسن و جمال کی کچھ بھینٹ دے کر وہاں سے صاف بچ نکلتی اور ہم لکیر پیٹتے رہ جاتے۔

میرے ایما پر دیرا، غزالہ کے ساتھ ایک خوابگاہ میں چلی

ے بدان کے کسی حصے میں پوشیدہ جیب کا سراغ لگایا
ں نے فون سنبھال لیا۔ سلطانہ شاید کسی کام سے باہر

ب بیر، تمہاری خوابگاہ میں ہے یا بھاگ چکی ہے؟"
ہوتے ہی میں نے جہانگیر کی آواز پہچان کر جلے کٹے
ل کیا۔
ائی کے ساتھ ہنس دیا تھا "یار! اب اتنا ذلیل نہ کرو۔
م ہے کہ آدمی 'عورت ہی کی وجہ سے جنت سے نکالا

تم مجھ سے زیادہ حسن پرست ہو لیکن میری سمجھ میں
تم دور رہ کر بھی عورتوں کی چالبازیوں کا اندازہ لگا لیتے
ن کا ہم نفس ہوتے ہوئے بھی الو کا پٹھا بنا رہتا ہوں۔"
اری ولدیت کے معاملے پر میں کوئی رائے زنی نہیں
ں نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "جذبات کی
اگر تم اپنی عقل پر برف نہ جمنے دیا کرو تو مجھ سے زیادہ
بت ہو سکتے ہو۔ یہ عورت ہمارے لئے بہت اہم ہے۔
ہونے میں کامیاب ہو گئی تو ہماری زندگیاں جہنم بن سکتی

مجھے بتا چکے ہو کہ وہ ایک مکار اور بدمعاش شخص کی
۔ ایسی عورتیں عموماً پارسا نہیں ہوتیں۔ اسی لئے میں
ں پر ڈورے ڈالے تھے۔ پہلی بار اس نے مجھے....
نے میں کامیابی حاصل کر لی لیکن اب تم اطمینان رکھو،
ے کہیں نہیں جا سکے گی۔"
ملٹی اسپتال سے کب فارغ ہو گی؟" میں نے اپنے
سوال کیا۔
ٹہ نال وغیرہ کا معاملہ ہے۔ وہ تین چار دن سے پہلے فارغ
سکے گی۔"
ں تو پھر عیش کرو۔ تین، چار دن تک وہ تمہاری تحویل
گی۔ تم تالاب میں پہلا پتھر پھینک چکے ہو۔ اس لئے میں
نگ باری سے نہیں روکوں گا۔ لیکن وہ تمہاری چھت
ئے سے باہر نہ نکلنے پائے۔ اس دوران میں مجھے تمہاری
ی کا موقع نہیں مل سکے گا۔ اس لئے تمہیں خود ہی

پنا ہو گا۔"
تم بالکل بے فکر رہو" اس کی مسرور آواز ابھری "بس اتنا
وہ مایوس ہو کر خودکشی وغیرہ کی کوشش تو نہیں کرے گی؟"

اس نے اپنی زندگی کا بدترین دور دیکھا ہوا ہے اور وہ
سے لڑنا جانتی ہے۔ اس میں زندہ رہنے کی اتنی طاقتور
منگ موجود ہے کہ وہ موت کے بارے میں سوچ بھی نہیں
ہماری بدقسمتی ہی کچھ زیادہ زور مارنے لگے تو اور بات ہے۔"

"آج اس نے مجھے رشوت کی پیشکش بھی کی ہے۔ کہہ رہی
تھی کہ پیڈرو سے دگنا معاوضہ دے سکتی ہے......"
"دس گنا تو وہ پچھلی رات کو ہی ادا کر چکا ہے۔" میں نے
اس کی بات کاٹ کر کہا۔
"یہ نقد نرائن کی بات ہے۔ تمہارا نام سن کر وہ الجھن میں
پڑ گئی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ وہ سینڈو کو تو جانتی ہے لیکن یہ حرامی
پیڈرو کہاں سے پیدا ہو گیا؟"
"اسے الجھن ہی میں رہنے دو۔ تم نقد ملتی ہے تو اینٹھ لو۔
باقی آگے دیکھ لیں گے۔"
"سب ادھار کی باتیں ہیں۔ نقدی کے نام پر شہابی رنگ کے
چرمی سکوں کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔" ہنسی کے
ساتھ اس کی آواز ابھری۔
"بس تو فی الحال چمڑے کی سوداگری پر اکتفا کرو۔ موقع
ملا تو میں خود ہی دوبارہ بات کروں گا۔ اس دوران میں فلیٹ پر
تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"
"کیا کہیں باہر جا رہے ہو؟" اس نے پُر تجسس لہجے میں
سوال کیا۔
"فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ جانا ہی پڑ جائے۔"
"کئی بار اس پر ہاتھ اٹھانے کو دل چاہا ہے' اجازت ہو تو
تھوڑی سی مار دھاڑ بھی کر لوں؟" اس نے جھجکتی ہوئی معذرت
خواہانہ آواز میں سوال کیا۔
"شاید تم نفسیاتی مریض ہو گئے ہو؟" میں نے زہریلے لہجے
میں کہا "سالی سے تمہاری جان نکلتی ہے اور اس پر اپنی مردانگی
آزمانے پر تلے ہوئے ہو۔ یہ بہت گھٹیا حرکت ہو گی۔"
"اب میں تمہیں کیا بتاؤں؟" اس کی خفت آمیز آواز ابھری۔
"میں نہیں بلکہ وہ خود نفسیاتی مریضہ ہے۔ جان بوجھ کر ایسی
حرکتیں کرتی ہے کہ کوئی بھی اس پر ہاتھ چھوڑ سکتا ہے۔ ابھی تک
میں تمہارے خیال سے اپنے غصے پر قابو پاتا رہا ہوں۔ وہ مجھے کچھ
اذیت پرست نظر آتی ہے۔"
"میرا خیال چھوڑ دو! وہ میری منگیتر نہیں ہے۔ اگر اس کی
کھال مصالحہ مانگتی ہے تو بڑے شوق سے اسے جوتے لگاؤ۔ بعض
عورتیں اپنے مرد کے ہاتھ سے مار کھائے بغیر اس کی مردانگی کو
تسلیم نہیں کرتیں۔ یہ بھی ان ہی میں سے ہو سکتی ہے۔ بس یہ

دھیان رکھنا کہ وہ افراتفری اور ہڑبونگ پھیلا کر فرار کا منصوبہ بنا رہی ہو۔"

"میرے لئے تمہاری اجازت کافی ہے۔ وہ بھی عمر بھر یاد رکھے گی کہ کسی سے پالا پڑا تھا۔"

میں نے فون بند کر دیا کیونکہ خوابگاہ میں سے دروازے کا بولٹ گرانے کی آواز سنائی دی تھی۔

ویرا لباس درست کرتی ہوئی خوابگاہ سے برآمد ہوئی۔ اس کے پیچھے غزالہ تھی جس کے بشرے پر مایوسی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

"کچھ نہیں مل سکا" ویرا نے پھیکے لہجے میں کہا "اس کے لئے شاید مجھے باڈی اسکیننگ ہی کرانا پڑے گی ورنہ اس لعنتی چپ سے چھٹکارا نہیں مل سکے گا۔"

"کمال ہے۔ چپ کم از کم دال یا چاول کے دانے کے برابر ضرور ہوگا۔ اس سے چھوٹا چپ زیادہ طاقتور سگنل نشر نہیں کر سکتا۔ اسے تلاش کرنا اتنا دشوار نہیں ہونا چاہئے۔"

"میں نے ویرا کا پورا بدن' حتیٰ کہ سر کی کھال تک ٹٹول کر دیکھ لی ہے' لیکن کہیں بھی جلد کے نیچے کسی چیز کی موجودگی کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ میں نے تمام غدود تک اچھی طرح دیکھے ہیں"... غزالہ نے کہا۔

"جہاں جہاں میرے ہاتھ جا سکتے ہیں' میں نے خود بھی غزالہ کی مدد کی ہے" ویرا بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ چپ جلد کی چربی کے نیچے چھپایا گیا ہو۔"

"ناممکن" میں نے پُر وثوق لہجے میں کہا "چربی یا گوشت کے ریشے کسی بیرونی چیز کو قبول نہیں کرتے۔ چپ کی وجہ سے وہاں اندر ہی اندر زخم بننا اور سڑنا شروع ہو جاتا جو تم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا پھر گہرائی میں ہونے کی وجہ سے چپ کے سگنل بھی کمزور ہو جاتے۔"

"ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مجھے چپ کھلا دیا ہو" ویرا نے رائے ظاہر کی۔

"احمقانہ باتیں نہ کرو" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا "اتنی مدت تک کوئی چیز معدے میں رکی نہیں رہ سکتی۔ دو چار گھنٹے کے لئے بھی چپ نگلنا بے سود ہوتا کیونکہ معدے میں سے سگنلوں کا دور تک پھیلنا محال ہوتا۔ وہ چپ تمہاری کھال کے نیچے ہی ہونا چاہئے۔"

"ہمیں تو نہیں ملا' اب تم خود ہی اسے تلاش کر لو!" ویرا جل کر بولی۔

"نہیں ویرا' یہ کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ ہم لوگ ابھی اتنے آزاد خیال نہیں ہوئے ہیں۔" غزالہ نے ہنس کر کہا۔

ویرا نے لحظہ بھر کے لئے اسے گھورا پھر غصیلے لہجے میں بولی۔ "کیوں نہیں دیکھ سکتے؟ کیا مجبوری؟ میری عورتیں مرد ڈاکٹروں سے رجوع نہیں کرتیں؟ اتنی ترقی تو تم لوگوں نے بھی کر لی ہے کہ مرد گائناکولوجسٹ عورتوں کو بچے جنواتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے ڈیبی کو ڈاکٹر سمجھ لینے میں کیا حرج ہے؟"

غزالہ کے چہرے پر بدمزگی کے آثار اُمڈ آئے۔ دوسری طرف ویرا نے غزالہ کے اعتراض کو اپنی انا کی توہین سمجھ لیا اور مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ میں نے اس معاملے کو ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کی تو ان دونوں میں شدید جھڑپ ہو جائے گی۔ اس لئے میں نے نرم لہجے میں بات کا رخ گھما دیا۔

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ آرنیٹ کے ہرکارے کی آمد سے پہلے یہ یقین نہیں کر سکتے کہ تمہارے جسم میں واقعی کوئی چپ ہے۔ تمہارے علم میں لائے بغیر وہ لوگ ایسی کوئی حرکت کر سکتے تھے۔"

"صلح صفائی ہونے سے قبل میں ٹی میں بازپرس کے کڑے مراحل سے گزری ہوں" ویرا تلخ لہجے میں بولی "ہفتوں ان کی قید میں رہی ہوں۔ اسی دوران میں وہ مجھے بے ہوش بھی کرتے رہے تھے۔ بے ہوشی کے دوران میں وہ میرے علم میں لائے بغیر میرے ساتھ کچھ بھی کر سکتے تھے۔"

"لیکن جلد کا کوئی بھی زخم' خواہ وہ پھانس کی خراش ہی نہ ہو' بھرنے میں کئی دن کا وقت لیتا ہے۔ تمہیں پتا چلنا چاہئے تھا کہ تمہاری جلد پر نشتر زنی کی گئی ہے۔"

"یہ فضول مفروضات ہیں" ویرا اکتائے ہوئے لہجے میں بولی "ان میں الجھ کر تم وقت برباد کر رہے ہو۔ ٹی بیسویں صدی کی انتہائی ترقی یافتہ تنظیم ہے۔ جو لوگ خلا میں تیرتے مواصلاتی سیاروں کی مدد سے سب کچھ دیکھ اور سن سکتے ہیں ان کے لئے مجھے چند روز تک مسلسل بے ہوش رکھنا یا متاثرہ والی جگہ کو زخم مندمل ہونے تک مسلسل سن کئے رکھنا کوئی کام نہیں تھا۔ جب میں کہہ رہی ہوں کہ میرے بدن میں موجود ہے تو تم کو بحث کئے بغیر میری بات پر یقین کر لینا چاہئے۔"

"تم نے ویرا کے بدن کا کوئی حصہ نظرانداز تو نہیں کیا؟" میں نے غزالہ سے پوچھا۔

"نہیں!" غزالہ نے پورے یقین سے کہا۔ "اس میں ویرا نے خود مجھ سے بہت تعاون کیا ہے۔"

"اور تم اس کے بدن پر کوئی نئی یا پرانی خراش تک نہیں کر سکیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"خراشیں تو بہت سی ہیں" ویرا معنی خیز لہجے میں بولی "... کی طرح میرا بدن بھی زخم کھاتا رہا ہے۔ کچھ تازہ چرکے لگائے ہوئے ہیں جو اب بھر چکے ہیں۔"

"تم نے انہیں بھی ٹٹولا تھا؟" میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

نئے زخموں کو کریدنا بے سود تھا۔ پرانے نشانات کو

ح دیکھا ہے۔" غزالہ اپنی بات پُراعتماد لہجے میں پوری
تے چونک پڑی جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔
جو کچھ ذہن میں آرہا ہے، کھل کر بتا ڈالو" میں نے اسے
اسے میری بہت بے تکلفی ہے۔ یہ کسی بات کا برا نہیں
ہو سکتا ہے کہ تم کوئی اہم بات بھول گئی ہو جو اب یاد
ہے۔"
ویرا کے پیٹ کے نچلے حصے پر، دائیں طرف کاج کے برابر
یک پرانا نشان ہے جسے میں نے چھوڑ دیا تھا۔" غزالہ نے
خاموش ہونے پر آہستگی سے کہا۔
اسے کیوں چھوڑا تم نے؟" میں نے قدرے تیزی کے
زالہ سے پوچھا۔
ن کے جواب دینے سے پہلے ہی ویرا بول پڑی "میں نے
یا تھا۔ وہ اپینڈکس کے آپریشن کا بہت پرانا نشان ہے۔
ل ہے کہ وہ صاف ہوگا۔"
تمہاری کھوپڑی پر شاید کہر پڑی ہوئی ہے" میں نے اسے
تے ہوئے کہا۔ "اس قسم کے کام کے لئے پرانے زخم سے
کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ آدمی کو خود بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔"
میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ویرا نے وہیں کھڑے
ے اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر اپنے زخم کو ٹٹولنے کا قصد کیا
غزالہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے خوابگاہ کی طرف لیتی چلی گئی۔
میری دانست میں وہ چند سیکنڈ کا کام تھا۔ جب ان دونوں کی
میں تاخیر ہونے لگی تو میں نے خوابگاہ کے دروازے پر دستک
ہوئے غزالہ کو پکارا۔
"بس ابھی آتے ہیں، وہ مل گیا" غزالہ کی آواز سن کر
ے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ چپ کی دریافت کسی بھی
رسے حقیر نہیں کہی جاسکتی تھی۔ وہ ہم پر شی کی ناقابلِ تصور
ستیوں کا ایک اور کھلا ثبوت تھا۔
غزالہ کے جواب کے بعد بھی کئی منٹ گزر گئے لیکن خوابگاہ
دروازہ کھلنے کے کوئی آثار نمودار نہ ہوئے تو میری طبیعت پر
یکی سوار ہونے لگی۔
میں دوبارہ دستک دینے ہی والا تھا کہ اچانک دروازہ کھل گیا۔
سب سے پہلے میری نگاہ ویرا کی پتلون کے اس خون آلود حصے پر
پی جو تقریباً اپینڈکس کے مقام پر تھا۔ خون کا دھبّا تازہ اور خاصا
تھا۔
"یہ کیا ہوا؟" میں نے اضطراری طور پر سوال کیا۔ میرے
ن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ کہیں غیر ضروری چھیڑ چھاڑ کی
جہ سے وہ چپ ویرا کی جلد کے نیچے ہی نہ پھٹ گیا ہو۔ شی والے
نائنے سے چپ میں بھی ایسا کوئی خود کار حفاظتی نظام نصب
لینے کے پوری طرح اہل تھے۔
ویرا نے اپنی داہنی چٹکی میں دبا ہوا، ایک ننھا سا سُرمئی آلہ
اپنی ہتھیلی پر ڈال کر میرے سامنے کر دیا "یہ رہا وہ موذی چپ۔"
اس نے فخر آمیز لہجے میں کہا "میں نے کہا تھا کہ چپ موجود ہے۔
اس کے بغیر وہ مجھ تک پہنچ ہی نہیں سکتے تھے۔"
"یہ کہاں سے نکالا تم نے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا
اور اس کی نم آلود ہتھیلی سے وہ چپ اٹھا لیا جو بادی النظر میں
سرامک کی چھوٹی سی ٹکیا سے مشابہ لگ رہا تھا۔
"یہ اپینڈکس کے اسی زخم میں پوشیدہ تھا جس کی طرف تم
نے توجہ دلائی تھی" اس نے انکشاف کیا۔ "میں نے قینچی کی
نوک سے جلد پر ہلکا سا نشتر لگا کر اسے نکال لیا۔"
"تم بہت احمق عورت ہو..... تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے
تھا دیکھو، تمہارے زخم سے کتنا خون بہہ رہا ہے۔ قینچی کی نوک
صاف نہ ہوئی تو تمہارے نئے زخم میں زہر بھی پھیل سکتا ہے۔"
"مجھے معلوم تھا کہ اسے برآمد کرنے کے لئے تم ڈاکٹر اور
سرجن سے رجوع کرنے کا مشورہ دو گے۔ جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔
میں نے قینچی کی نوک ڈیٹول میں صاف کر لی تھی۔ جو خون تم میری
پتلون پر دیکھ رہے ہو، وہ چپ نکالنے کی کوششوں میں بہا تھا۔
بعد میں غزالہ نے زخم کی اچھی طرح ڈریسنگ کر دی۔ خون کا بہاؤ
رک چکا ہے۔ دو تین روز میں یہ زخم بھی بھر جائے گا۔ میرا خیال
ہے کہ ہمیں اس چپ کو ضائع کر دینا چاہئے۔"
"زخم پر ٹانکوں وغیرہ کی ضرورت تو نہیں ہے؟" میں نے
غزالہ سے سوال کیا۔
"میں نے اسے منع کیا تھا لیکن یہ نہ مانی" غزالہ نے اپنی
صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں جلد پر دو تین
ٹانکے لگانے کی ضرورت تھی۔ اب زخم دیر سے بھرے گا۔"
میں نے خاصا اصرار کیا کہ ویرا کسی ڈاکٹر کو اپنا زخم دکھا لے
لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی بلکہ مجھ سے اصرار کرتی رہی کہ کوئی
نئی مصیبت نازل ہونے سے پہلے مجھے چپ کو تباہ کر دینا چاہئے۔
"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا تھا کہ چپ مل گیا تو میں اسے کسی
پاگل کتے کے گلے میں باندھ دوں گا۔ میں اب بھی اپنے اس
ارادے پر قائم ہوں۔" تکرار کو ختم کرنے کے لئے میں نے فیصلہ
کن لہجے میں کہا۔
"پاگل کتا تم کہاں سے لاؤ گے؟" ویرا نے تمسخر آمیز لہجے
میں پوچھا۔
"جی لائیڈ نہیں ملتا تو نہ سہی، شہر میں بہتیرے پاگل کتے مل
جائیں گے۔"
"یہ بلاوجہ کی ضد ہے۔" غزالہ نے ویرا کا ساتھ دیتے
ہوئے کہا۔ "پاگل کتے آسانی سے قابو میں نہیں آتے، اس نے
کاٹ لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"
"کتے کی طرح بھونکنے اور پیٹ میں چودہ انجکشن لگوانے
سے بہتر ہے کہ میری بات مان لو۔" ویرا بولی۔

"یہ بلاوجہ کی ضد نہیں ہے۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "آوارہ کتے کے بجائے میں کسی بلی کو بھی استعمال کر سکتا ہوں۔"

ویرا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "تم نے اس راہب کا قصہ ضرور سنا ہوگا جو اپنے بند حجرے میں بلی پکڑنے کی ناکام کوششوں میں لہولہان ہو کر رات گئے اپنے ایک پیروکار کے گھر گیا تھا۔"

میں غصیلی نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا مگر غزالہ کے لئے وہ کوئی نیا اور دلچسپ قصہ تھا۔ "راہب کو اپنے پیروکار کے گھر جانے کی ضرورت کیوں پیش آگئی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"پچھلی شام اسی پیروکار نے راہب کے سامنے اپنے کسی اعترافِ جرم کے سلسلے میں بلی پکڑنے کا ذکر کیا تھا۔ راہب اس سے یہ پوچھنے گیا تھا کہ اس نے بلی کیسے پکڑی تھی؟"

"یہ کیا بات ہوئی؟" غزالہ نے باری باری ہم دونوں کے چہرے تکتے ہوئے سوال کیا۔

"اس کی باتوں میں اپنا سر نہ کھپاؤ!" میں نے ترش لہجے میں کہا۔ "یہ بعض اوقات بہت ناشائستہ اور جارح ہو جاتی ہے۔ اس کا سدھرنا بہت مشکل ہے۔"

"تم دونوں کی نوک جھوک میرے لئے عموماً ناقابلِ فہم ہوتی ہے۔" غزالہ اداس لہجے میں بولی' اس کا چہرہ قدرے اتر گیا تھا۔ "کبھی کبھی تو مجھے محسوس ہونے لگتا ہے کہ میں بلاوجہ ہی تمہارے درمیان آگئی۔ تم دونوں میں اس قدر باتیں اور عادتیں مشترک ہیں کہ میں شاید کبھی اس خلا کو پورا نہ کر سکوں گی۔"

"اب بتاؤ کہ کتے اور بلی سے تمہارا کیا مطلب ہے؟" غزالہ کے ردِعمل سے ویرا شیر ہوگئی۔

"یہ چپ ہم نے تباہ کر دیا تو آرنیٹ کے ریسیور پر اس کے سگنل موصول ہونا بند ہو جائیں گے اور وہ سمجھ لیں گے کہ ہم نے اس سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی وہ ویرا کی نگرانی کے لئے کوئی دوسرا بندوبست کر لیں گے۔ اگر یہ چپ اسی طرح کسی آوارہ جانور کے گلے میں باندھ دیا جائے تو وہ ویرا کی طرف سے مطمئن رہیں گے۔ انہیں چوٹ کھانے کا احساس اس وقت ہوگا جب ان کا کوئی آدمی سگنلز کے سہارے ویرا تک پہنچنے کی کوشش کرے گا اور اس کے بجائے کسی کتے یا بلی کو اپنے روبرو پائے گا۔"

"تم بہت چالاک اور مکار ہو۔" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "جھوٹی اور فی البدیہہ کہانیاں تراشنے میں تمہیں ایسی مہارت ہوگئی ہے کہ تم داستان گو بن سکتے ہو۔"

غزالہ کی آنکھوں میں بھی میری طرف سے بے اعتباری لہرا رہی تھی۔ اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔ "کتے اور بلی کی کہانی تو سن لی' یہ پاگل کتے کا کیا چکر تھا؟"

"میں پاگل کتے کو ہی ترجیح دیتا لیکن چودہ انجکشنوں والا معاملہ سنگین ہو سکتا ہے۔ عام کتے' بلیاں سست رفتار ہوتے ہیں اور گھوم پھر کر ایک ہی علاقے یا محلّے میں منڈلاتے رہتے ہیں۔ ان تک رسائی بھی آسان ہوتی ہے جب کہ ایک پاگل کتا ہر شہر میں مارا مارا پھرتا ہے۔ وہ اتنی تیزی کے ساتھ اپنے ٹھکانے بدلتا ہوا سفر کرتا ہے کہ اس تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

ویرا حیرت سے آنکھیں پھاڑے میری گفتگو سن رہی تھی۔ میرے خاموش ہونے پر اپنے دونوں کانوں کو چھوتے ہوئے بولی۔ "خدا کی پناہ! معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے وجود میں ہٹلر کے گوئبلز کی روح حلول کر گئی تھی۔ وہ تو پھر بھی کہانیاں تراشنے میں وقت لیتا تھا لیکن تم...... تم تو بلا توقف اور بے تکان جھوٹ بولتے ہو اور بولے ہی چلے جاتے ہو۔"

میں ان دونوں کو کسی طرح یقین نہ دلا سکا کہ وہ میرا فی البدیہہ جھوٹ نہیں تھا بلکہ ابتدا ہی سے میں نے چپ کا استعمال سوچا ہوا تھا۔ میری اس بات پر یقین نہ کرنا ایک الگ معاملہ تھا لیکن وہ دونوں ہی اس بات پر متفق تھیں کہ پاگل کتے سے بہتر کوئی اور مصرف نہیں ہو سکتا تھا۔

ویرا کے پیٹ کی جلد میں چھپایا ہوا چپ ایک پاگل کتے کی گردن سے برآمد ہونے کی خبر سن کر جمی لائیڈ اپنا سر ہی پیٹتا رہ جاتا۔ اس ستم ظریفی سے اسے یہ اندازہ بھی ہو جاتا کہ ویرا دوبارہ میرے ساتھ مل گئی ہے۔

اسی اثنا میں سلطان شاہ واپس لوٹ آیا۔ اس نے ویرا کے بدن سے چپ کی برآمدگی کی خبر حیرت اور بے یقینی کے ساتھ سنی۔ اس کے لئے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ ویرا نے اپنی جلد شگاف دے کر خود ہی وہ چپ برآمد کیا تھا۔

"اور تو سب کچھ ٹھیک ہے لیکن ویرا کی دلیری کا قصہ ناقابلِ فہم ہے۔" سلطان شاہ پوری کہانی سن کر کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

ویرا آنکھیں نکال کر اس پر چڑھ دوڑی۔ "تمہیں میرے لباس پر خون کے دھبے نظر نہیں آرہے؟"

"یہ کسی کا خونِ ناحق بھی ہو سکتا ہے۔" سلطان شاہ دبی آواز میں بڑبڑایا۔ "مجھے تو تمہارا دامن ہمیشہ ہی داغ دار نظر آتا ہے۔ آج کون سی انوکھی بات ہے؟"

"تم بھی اسی ڈینی کے بچے کے چیلے ہو۔" ویرا نے غرّاتے ہوئے جھپٹ کر سلطان شاہ کو زور سے دھکا دیا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے صوفے پر ڈھیر ہوگیا۔

"تم دونوں تو ہاتھ دھو کر بے چاری ویرا کے پیچھے پڑے ہو۔" غزالہ نے وہ تماشا دیکھ کر ملامت آمیز لہجے میں سلطان شاہ سے کہا۔

"اس وقت یہ بے چاری بنی ہوئی ہے۔ جب اپنی تریا ہٹ پر اترتی ہے تو بڑے بڑوں کے کان کاٹنے لگتی ہے۔" سلطان شاہ نے صوفے پر اسی حالت میں پڑے پڑے کہا۔

یرا دانت پیستی ہوئی اس کی طرف لپکی تھی لیکن میں نے
بازو تھام لیا" اب اتنی تیزی نہ دکھاؤ۔ زخم سے زیادہ
بہنے لگا تو ایمرجنسی ہو جائے گی۔ مجھے چھ بجے ایک کام سے
"
زخم؟" سلطان شاہ نے اداکاری کرتے ہوئے حیرت سے
"ارے' پھر تو تمہارا قصہ واقعی سچ معلوم ہوتا ہے۔ میں
معذرت خواہ ہوں۔"
"داریوں جیسی حرکتیں کرتے ہوئے تم دونوں مجھے زہر لگتے
تنفر آمیز لہجے میں بولی۔
"تم بلاوجہ ان کے منہ نہ لگو' یہ مل کر تمہیں جلاتے رہیں
غزالہ نے اسے سمجھانا چاہا۔
ویرا نے پلٹ کر غزالہ کی طرف دیکھا اور کھسیائے ہوئے
میں ہنس پڑی "یہ دونوں میرے ساتھ بڑی بڑی زیادتیاں
تے ہیں لیکن پتا نہیں' میں کیوں انہیں طرح دے جاتی ہوں"
"ہم زہر نہ ہوتے تو یہ اب تک ہمیں کھا گئی ہوتی۔"
ن شاہ نے ٹکڑا لگایا اور میں نے اسی لمحے اسے گھور کر
ش ہونے پر مجبور کر دیا۔
چند لمحوں بعد ویرا نے سلطان شاہ کو شیشے میں اتار لیا اور
کے ساتھ مل کر میری درگت بنانے کی کوشش کی۔ سلطان
لو چپ کے بارے میں میرے منصوبے کا کوئی علم نہیں تھا
یوں ہی ویرا نے اسے پاگل کتے والی بات سنائی' اس نے
انہ انداز میں جھومنا شروع کر دیا۔
اس کے غیر متوقع ردِ عمل پر ویرا سلگ اٹھی اور بھنا کر
لگی "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم نے میری زبان سے اپنے
لوں کا ذکر سن لیا ہے۔"
"میں ڈیٹی کی عقل مندی پر اپنا سر دُھن رہا ہوں" وہ اسی
ح جھومتا ہوا بولا۔ "اس نے تمہارے بدن سے برآمد ہونے
لے چپ کے لئے مناسب ترین مقام تجویز کیا ہے .... ویسے
ارا نال کہاں گاڑا گیا تھا؟"
"میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔ یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟"
احلق کے بل چیخی۔
"اوہ! سمجھا' تمہاری طرف شاید نال گاڑنے کا رواج نہیں
تا" سلطان شاہ اس کے لہجے کا کوئی اثر لئے بغیر سکون سے بولا۔
راہ مجھ سے مخاطب ہو گیا "صرف کتے سے بھی کام چل سکتا تھا'
ریہ پاگل کتے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تمہیں؟ کتا ہوش مند ہو
پاگل' ہوتا تو کتا ہی ہے۔"
"پاگل کتا بہت ہی کتا ہوتا ہے۔ ٹی والے اس کا پیچھا
رتے کرتے عاجز آ جائیں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
ررویرا میری اس تجویز پر چراغ پا ہوئی جا رہی ہے۔"
"میرے ذہن میں اس سے بھی عمدہ تجویز ہے......" سلطان
شاہ نے ورجواب آں غزل بات چھیڑی اور غزالہ ویرا کا بازو تھام
کر اسے تقریباً گھسیٹتی ہوئی وہاں سے لے گئی۔
"اس وقت ان دونوں کے دماغ چل رہے ہیں۔ تم یہاں
رکی رہیں تو یہ تمہیں دیوانہ بنا دیں گے۔ انہیں اپنی اپنی ہانکنے دو
اور تم میرے ساتھ سکون سے بیٹھو۔ یہ تھک کر خود خاموش
ہو جائیں گے۔"
"بھاگ گئی۔" سلطان شاہ نے ان دونوں کے بند دروازے
کی طرف دیکھتے ہوئے داہنی آنکھ دبا کر کہا۔ "تم اس وقت اس
سے پیچھا چھڑانے پر کیوں تلے ہوئے تھے؟"
"میں سکون سے کچھ سوچنا چاہ رہا تھا" میں نے صوفے پر
دراز ہو کر سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے کہا "وہ دلیر اور بے
خوف ضرور ہے لیکن بعض اوقات عقل اس کا ساتھ چھوڑ دیتی
ہے۔"
"اس چپ کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" سلطان
شاہ نے چپ کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے سوال کیا۔
"اس کے بارے میں تم اپنی کسی تجویز کا ذکر کر رہے تھے۔"
میں نے اسے یاد دلایا۔
"اگر ٹی والوں کو چکر ہی دینا ہے تو پھر کوئی اونچا چکر دو۔ میں
اس کا بندوبست کر سکتا ہوں۔"
"میں وہی سننا چاہتا ہوں۔ انہیں دھوکے میں رہنا چاہئے کہ
چپ ابھی تک ویرا کے جسم میں محفوظ ہے اور وہ کسی بھی وقت
اس تک پہنچ سکتے ہیں۔"
"باوانی چالی اور پٹیل پاڑے سے ہر روز ملک کے شمالی
علاقوں کے لئے متعدد بسیں روانہ ہوتی ہیں۔ ان میں مجھے کوئی نہ
کوئی شناسا مل ہی جائے گا۔ میں یہ چپ ایک کپڑے میں سی کر
اسے دے دوں گا۔ اپنے گاؤں پہنچ کر وہ مخصوص پہاڑوں میں رہنے
والے کسی پرندے کے پیر میں یہ پٹی باندھ کر اسے اڑا دے گا۔ یہ
پرندے میلوں اوپر اڑتے ہیں اور برف پوش پہاڑوں میں بسیرا
کرتے ہیں۔ ٹی والے اپنے کمپیوٹروں پر جب یہ معلوم کریں گے
کہ ان کا چپ ایسے ناقابلِ گزر علاقوں میں پہنچ چکا ہے تو وہ اپنا سر
پیٹ لیں گے۔ ویرا ان کی نظروں سے روپوش رہنے میں کامیاب
ہو گئی تو وہ یہی سمجھیں گے کہ ویرا بغاوت کی سزا سے خوف زدہ ہو
کر شمال کے برف پوش پہاڑوں میں جا چھپی ہے اور وہاں بھٹکتی
پھر رہی ہے۔"
اس کی تجویز سن کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ آرنیٹ کو اپنے
آلات پر جب یہ علم ہوتا کہ ویرا پاکستان کے شمالی سرحدی علاقے
میں ہزاروں فٹ کی بلندی پر محوِ پرواز ہے تو اس کے ذہنی توازن
کے بارے میں قیاس کرنا دشوار نہیں تھا۔ وہ ہماری حکمتِ عملی کی
تہ تک پہنچ ہی نہیں سکتے تھے۔
وہ ایک ہی نتیجہ اخذ کرتے کہ ویرا نے کسی طیارے کے

ساتھ ان پہاڑوں میں اپنا مسکن بنالیا ہے۔ رسد وغیرہ حاصل کرنے کے لئے وہ اپنے طیارے یا ہیلی کاپٹر میں آبادی کی طرف سفر کرتی ہے اور ضرورت کا سازوسامان لے کر پھر اپنے ٹھکانے پر لوٹ آتی ہے اتنا مجھے بھی معلوم تھا کہ پہاڑی پرندے برفانی موسم کی سختیوں کے اس قدر عادی ہو جاتے ہیں کہ بدترین طوفانوں کے باوجود سال ہا سال اپنے نشیمن نہیں بدلتے۔ رزق کی تلاش میں ہر صبح ایک ہی آشیانے سے پرواز کرتے ہیں اور میلوں دور کا سفر کر کے سرِشام اسی آشیانے پر لوٹ آتے ہیں۔

"سات بجے مجھے ویرا کے سابقہ مکان پر پہنچنا ہے۔ تم سیدھے پٹیل پاڑے کی طرف نکل جانا۔ تمہاری تجویز بہت بہتر اور قابلِ عمل ہے۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "چپ کو غزالہ کپڑے کی پٹی میں سی دے گی۔"

"ابھی اُدھر جانا بے سود ہوگا۔ وہاں سے بسیں صبح سے روانہ ہونا شروع ہوتی ہیں۔ بسوں کے عملے اور مسافروں کی بھیڑ میں کوئی شناسا مل ہی جائے گا۔ اس وقت وہاں سناٹا ہوگا۔"

چپ سے نجات پانے کی انوکھی صورت سامنے آگئی تھی لیکن اسی کے ساتھ کچھ اور اقدامات بھی ناگزیر ہو گئے تھے۔ آرنیٹ کا ایک ہرکارہ ویرا کو پیغام پہنچانے کے سلسلے میں وہ فلیٹ دیکھ چکا تھا اس لئے ہم لوگوں کا وہاں مقیم رہنا ہمارے حق میں مضر ثابت ہو سکتا تھا۔ جمی لائیڈ، بلیک کیٹ ٹی کو اسلحہ پہنچانے کے لئے مرا جا رہا تھا۔ متحرک بس میں موجود چپ کی تیزی سے بدلتی ہوئی پوزیشن کے بارے میں خبر پاتے ہی وہ ویرا سے روابط رکھنے والوں کی طرف متوجہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے ہمیں ویرا سمیت فلیٹ فوری طور پر چھوڑ دینا چاہئے تھا۔

دوسری طرف بلیک کیٹ ٹی لاپتا تھا۔ اس نے مجھے پیغام دیا تھا کہ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ ملنے کی صورت یہ تھی کہ ویرا منظرِ عام پر آجاتی تو وہ خود ہی اس سے رابطہ کر لیتا۔

جمی لائیڈ والا معاملہ ویرا کی رُوپوشی کا متقاضی تھا اور بلیک کیٹ ٹی کو اس کی کچھار سے باہر لانے کے لئے ویرا کا سامنے آنا ضروری بلکہ ناگزیر تھا۔ ویرا کو چارا بنا کر بلیک کیٹ ٹی کو ہلاک کرنا آسان ہو جاتا۔ ایک بار وہ خوفناک دہشت گرد مار دیا جاتا تو جمی لائیڈ کی سرگرمیوں کا زور خود بخود ٹوٹ سکتا تھا۔

خاصے غوروخوض کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ہمارے پاس فلیٹ چھوڑنے کے لئے کم از کم چوبیس گھنٹے کی مہلت موجود تھی اس دوران ویرا شہر کے ہوٹلوں وغیرہ کی خاک چھان کر کہیں نہ کہیں بلیک کیٹ ٹی کو اپنی طرف متوجہ کر سکتی تھی۔ سلطان شاہ اس کا پیچھا کر کے بلیک کیٹ ٹی کو پہچان سکتا تھا کیونکہ اگلی صبح تک کے لئے وہ بالکل فارغ تھا۔ اس دوران میں میں اوّل خان سے ملنے کے لے پوائنٹ فور چلا جاتا اور غزالہ فلیٹ میں تنہا اور غیر محفوظ رہنے کے بجائے جہانگیر کے گھر چلی جاتی۔ پوائنٹ فور سے واپسی پر میں اُسے اپنے ساتھ فلیٹ پر لے آتا۔

ہم نے ویرا اور غزالہ کو بمشکل باہر بلایا تو یہ دیکھ کر میری طبیعت خوش ہو گئی کہ اس وقت ویرا کے چہرے پر جھنجھلاہٹ اور غصّے کے ملے جلے آثار نمایاں تھے۔ جن کی وجہ سے وہ ایک روایتی عورت نظر آرہی تھی۔ اتنی سی دیر میں اس نے غزالہ کو اپنا مزید ہم نوا بنالیا تھا۔ ان دونوں نے ہم پر دل کھول کر لعن طعن کی جو ہم ہنس ہنس کر سنتے رہے۔ باہمی تعلقات کے بارے میں ہم چاروں ہی اس قدر ڈھیٹ ہو چکے تھے کہ کوئی بھی کسی سے گالیاں کھا کے بے مزہ ہونے کا عادی نہیں رہا تھا۔ ہماری مسلسل خاموشی اور مسکراہٹوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ذرا سی دیر میں ان کے غباروں کی ہوا خارج ہو گئی۔

جب میں نے ویرا کو بتایا کہ اس کے سائے سے نجات ملتے ہی سلطان شاہ کی کھوپڑی نے کیا گل کھلایا تھا تو وہ ششدر رہ گئی۔ اس کی دانست میں چپ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی وہ بہترین صورت تھی۔

وہ لوگ اوّل خان کے نام اور کردار سے واقف نہیں تھے لیکن میں انہیں یہ بتا چکا تھا کہ ہماری کوٹ مندو والی مہم اور بعد کی کارروائیوں کے نتیجے میں اسپیشل ٹاسک فورس بلیک کیٹ ٹی کے پیچھے لگ گئی تھی اور اپنے حریف کی مکاریوں سے ناواقف ہونے کی بنا پر اسے پکڑنے کا ایک موقع بھی گنوا چکی تھی۔ اس لئے میں نے انہیں بتا دیا کہ اسی سلسلے میں مجھے شام کو اسپیشل ٹاسک فورس کے کسی ذمّے دار فرد سے ملنا تھا اور یہ امکان بھی تھا کہ شاید میں چند روز کے لئے گھر واپس ہی نہ آسکوں۔ میں نے اندرونِ سندھ کے اپنے متوقع سفر کے بجائے انہیں یہ بتایا کہ شاید ان لوگوں کی مدد کرنے کے لئے مجھے ان کے ہمراہ ایک بار پھر کوٹ مندو کی راہ اختیار کرنا پڑے۔

سلطان شاہ اور ویرا کے لئے وہ کوئی غیر معمولی اطلاع نہیں تھی۔ میری غیر حاضری میں وہ دونوں اپنی ذمّے داریاں سرانجام دینے کے لئے تیار تھے لیکن میری طویل غیر حاضری کے امکان نے غزالہ کو اس قدر مضطرب کر دیا کہ اس کی پریشانی اس کی آنکھوں اور چہرے سے جھانکنے لگی۔

موقع کی نزاکت بھانپ کر ویرا، سلطان شاہ سمیت ڈرائنگ روم سے ٹل گئی۔

"میں کب تک سہارے کی تلاش میں تنہا بھٹکتی رہوں گی؟"... غزالہ نے نمناک آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے جگر خراش لہجے میں سوال کیا۔ "تم آتے ہو اور ایک جھلک دکھا کر پھر کہیں رُوپوش ہو جاتے ہو۔ اب اس آنکھ مچولی سے میرا دم گھٹنے لگا ہے۔ میں اکیلی چلتے چلتے تھک گئی ہوں۔"

اس کی آنکھوں کے گوشوں پر لرزنے والے شفاف موتی، میں نے نرمی کے ساتھ اپنے رومال میں جذب کر لئے اور دھیمے

اس قدر عالی حوصلہ ہوتے ہوئے یوں بچوں کی طرح
کر رہی ہو؟ برے دن تم نے اپنی ہمت اور حوصلے سے
اب اچھے دن قریب آئے ہیں تو دل چھوڑ بیٹھی ہو۔
یں جانا ضروری نہیں ہے۔ گیا بھی' تو چند روز میں
۔"

یں معلوم ہے کہ ہم کبھی بھی طویل غیر حاضری کا
ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے" اس کی آواز
تھی۔ "ہر بار ہم چند گھنٹوں' چند لمحوں یا چند دنوں
دوسرے سے الگ ہوئے تھے لیکن حالات کے بے
نے بار بار ہمیں ایک دوسرے سے کالے کوسوں دور
میں تھک گئی ہوں۔ دلدار آغا سے فریب کھانے کے
لہولہان ہوگئی ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ مسز آغا بن کر
موتی رولوں گی لیکن وہی میری زندگی کا بھیانک ترین
ہوا۔ اب میں تم سے یا کسی اور سے نہیں' اپنی تقدیر
ہوں۔ پتا نہیں ابھی کتنے اور دکھ میرے مقدر میں ہیں؟"
نے مضبوطی کے ساتھ اس کے دونوں شانے تھام کر
ابو کرلیا "تم نے دیکھ لیا ہے کہ تم سے میری محبت
بے لوث ہے۔ میں نے شمع جی اور کرنل زوّار زیدی کی
لو ہوئے پاکیزہ جذبوں کے ساتھ چاہا تھا۔ جب تم دیارِ
جان اور ناموس کے دشمنوں میں گھر کر اپنی بقا کی جنگ
تب بھی میں اپنے ایک ایک سانس میں تم کو یاد کرتا
ب تم نے مسز دلدار آغا بن کر مجھے خود سے دور رہنے کا
وقت بھی میں تمہاری راہ کاٹے بغیر' چپکے چپکے تمہیں
مرد اور عورت کی دوستی اس کائنات کا سب سے کمزور
یوانی رشتہ ہے جس کا میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا۔
تم سے اعتراف کرتا ہوں کہ میری بہتیری دوستیاں رہیں
کے تند و تیز دھارے کی نذر ہوگئیں لیکن پہلی محبت میں
اور صرف تم سے کی ہے اور یہی میری زندگی کی آخری
ہوگی۔ ابھی میری کشتی منجدھار میں ڈانواں ڈول ہے۔
لی میرے لہو کا پیاسا ہو رہا ہے۔ میں تمہیں ساتھ لے
یں چاہتا۔ اس مردود کا قصہ پاک کردوں تو پھر ہم ہمیشہ
ایک دوسرے کے ہو کر اپنی طبعی عمر پوری کریں گے۔"
مجھے تو اب اپنے اگلے سانس کی بھی آس نہیں رہی ہے۔"
ری اندر ایک دردناک سسکی لے کر بولی۔ "ماں' باپ
تے بھائی کو کھو دینے کے بعد اس دنیا میں اب میرے لئے
ہے؟ کون رہ گیا ہے؟ وحشی اور ہوس ناک درندوں کے
دور دور تک نظریں دوڑانے کے بعد ایک تم ہی نظر
ڈیئی! تم یقین کرو کہ تمہیں کچھ ہوگیا تو میں زہر
یا خود کو گولی مار لوں گی۔ مجھ میں اب کوئی بری خبر سننے کا
نہیں رہا۔ تم جہاں جا رہے ہو' مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔

تنہائی میں خیالات کے ڈراؤنے آسیب مجھے دہلائے دیتے ہیں۔
میں وعدہ کرتی ہوں کہ اپنی حفاظت خود کروں گی اور تم پر کہیں بھی
بوجھ نہیں بنوں گی۔"

"تم میرے ساتھ ہوا کرتی تھیں اور تم نے اس کا خمیازہ بھی
بھگت کر دیکھ لیا۔ ویرا نے مجھے زیر کرنے کے لئے تمہیں اغوا
کر کے لندن بھجوادیا اور تم برسوں دیارِ غیر میں بھٹکتی رہیں۔ اس
بار میرا جن لوگوں سے پالا پڑا ہوا ہے' وہ ویرا سے بہت کم ظرف
اور کمینے ہیں۔ انہیں تمہارے وجود کی بھنک بھی مل گئی تو وہ خونی
بھیڑیوں کی طرح تمہیں گھیر لیں گے۔ بس چند روز اور صبر کرلو۔
بلیک کیٹ ٹی کے گرد میرا جال مکمل ہونے ہی والا ہے۔ اس کے
بعد تم سدا میرے ساتھ رہو گی.... یہ تم سے میرا قول ہے اور
میں چاہتا ہوں کہ اس قول کے بعد تم مسکراتے ہوئے مجھے
رخصت کرو۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے' چہرے پر حزن و
ملال کے سائے رقصاں تھے' آواز دل گرفتہ تھی لیکن میری
فرمائش پر وہ مسکرادی۔ بالکل اس طرح جیسے وہ کل سے چلنے والی
کوئی گڑیا ہو۔ اس کی وہ ادا میرے دل کو اتنی بھائی کہ میں نے بے
قرار ہو کر زندگی میں پہلی بار' پوری قوت سے اسے اپنی بانہوں میں
سمیٹ لیا۔

وہ آندھی کی زد میں آئے ہوئے' کسی ہلکے سے پتے کی طرح
میری گرفت میں ہولے ہولے لرزتی رہی اور پھر ہڑبڑا کر یکلخت
میری گرفت سے نکل گئی۔

"میں ڈرتی ہوں کہ اپنے اس سہارے کو کہیں خود میری ہی
نظر نہ لگ جائے" وہ ایک جھرجھری لے کر بولی۔ "بس تم اتنا یاد
رکھنا کہ مجھے واپسی کا قول دے کر جا رہے ہو۔ طبعی موت کی اور
بات ہے وہ کسی کو بھی' کہیں بھی آسکتی ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ تم
نے مہم جوئی کے کسی شوق میں زندگی کی دہلیز پار کرلی تو تم میرے
قرض دار ہوگے۔"

"تم فکر نہ کرو.... ہوسکتا ہے کہ مجھے جانے کی ضرورت ہی
پیش نہ آئے۔" میں نے اسے جھوٹی تسلی دی اور اس کی جھلملاتی
ہوئی آنکھوں میں یکایک امیدوں کے دیے جل اٹھے۔

○☆○

اسے خود علم نہیں تھا کہ وہ سرکاری ملازم تھا یا غیر سرکاری۔
.... ان لوگوں کی وردیاں اور شانوں پر لگے ہوئے عہدوں کے
امتیازی نشانات فوجیوں جیسے تھے لیکن اس کا کہنا تھا کہ وہ لوگ
کسی بھی طرح فوجی نہیں تھے۔ میں نے اپنی شناخت کے اعتبار
سے اُس کے عہدے کا ایک تعیّن کرلیا تھا جو کرنل کے برابر تھا۔
میں پونے سات بجے پوائنٹ فور پہنچ گیا۔ پھاٹک پر میری
زبان سے فاکس کا کوڈ سنتے ہی مجھے اندر داخل ہونے کی اجازت
دے دی گئی جہاں کرنل اَوّل خان مجھ سے پہلے پہنچا ہوا تھا۔

اس وقت وہ اپنے ایک سادہ پوش ماتحت سے تبادلۂ خیال میں مصروف تھا لیکن میرے پہنچتے ہی اس نے اپنے ماتحت کو رخصت کردیا اور مجھے صوفے پر اپنے پاس بٹھالیا۔

"میرے آدمیوں نے دن رات کی محنت کے بعد ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے" ہاتھ ملانے کے بعد اوّل خان نے بلا تمہید ہی اپنی کہانی شروع کردی۔ "کافی دنوں سے خبریں مل رہی تھیں کہ ڈاکو مایوس' بے روزگار اور باغیانہ خیالات رکھنے والے نوجوانوں کو بھاری تنخواہوں کا لالچ دے کر بھرتی کر رہے ہیں۔ ان کے کارندے شہروں' قصبوں اور دیہاتوں میں پھر کر قابلِ اعتماد اور کار آمد نوجوانوں کی درخواستیں جمع کرتے ہیں۔ پھر گھنے جنگلات میں ڈاکوؤں کے سردار ان امیدواروں کے باقاعدہ انٹرویو لے کر انہیں ملازم رکھتے ہیں۔ میرے آدمی دو فرضی ناموں پر انٹرویو کی اجازت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ ... میرا خیال ہے کہ مجھے اور تمہیں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔"

"ڈاکوؤں کے کارندے امیدواروں کی چھان بین بھی کرتے ہوں گے۔ وہ دونوں فرضی نام ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم وہاں جاتے ہی دھر لئے جائیں اور کسی کو ہمارے حشر کا پتا بھی نہ چل سکے؟" میں نے اپنے دل میں ابھرنے والے خدشات کا فوراً ہی بے لاگ اظہار کردیا۔

"سب کچھ ہوتا تھا۔ پہلے درخواستوں پر امیدواروں کی تصویریں بھی ہوتی تھیں۔ اُس وقت ہیر پھیر کرنا بہت مشکل تھا لیکن پچھلے چند ہفتوں سے تیزی سے بھرتی کی جارہی ہے کیونکہ انہیں عنقریب کہیں سے بھاری مقدار میں جدید ترین اسلحہ ملنے کی امید ہے۔ یہ وہی ملا سرکار والا چکر معلوم ہوتا ہے۔ اس امید پر انہوں نے بہت سی احتیاطی تدابیر نظرانداز کی ہوئی ہیں اسی وجہ سے ہمیں یہ موقع مل گیا۔ زندہ بچ گئے تو ہم کوئی بڑا کام کر گزریں گے اور اگر پھنس گئے تو مفت میں شہادت کا رُتبہ مل جائے گا۔ میری دانست میں یہ مہم جہاد سے کم نہیں ہوگی۔"

میرے دل میں ایسی شہادت کا کوئی شوق نہیں تھا جس میں ڈاکوؤں کی گولیوں سے چھلنی ہونا پڑے۔ دوسری طرف منظور ماموں اور ان کے لڑکے' محمود کے بہیمانہ قتل کا واقعہ بھی بالکل تازہ تھا جس سے ظاہر تھا کہ ڈاکو اپنے دشمنوں کے ساتھ ذرا بھی رُو رعایت سے کام لینے کے عادی نہیں تھے لیکن اوّل خان کے راسخ جذبۂ شہادت کو دیکھتے ہوئے میں اپنے ان خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی ہمت نہ کرسکا۔

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ بے خوف آدمی مجھے اپنے کسی ماتحت کے ساتھ جنگلات میں جانے کا مشورہ نہیں دے رہا تھا بلکہ خود میرے ساتھ جانے پر آمادہ تھا اس لئے میری کسی بھی اختلافی رائے پر وہ جھٹ سے بزدلی کا لیبل چسپاں کرنے کی پوزیشن میں تھا جو مجھے ہرگز گوارا نہ ہوتا۔

"جہاد کافروں کے خلاف ہوتا ہے" میں نے اس ... خیالات میں تبدیلی لانے کی ایک کمزور سی کوشش کرتے ہو... "یہ سب ڈاکو تو اپنے پاکستانی اور مسلمان ہیں۔ ان کے ہا... مرنے والے شہید کیسے کہلا سکتے ہیں؟ میں نے تو آج تک ... نہیں پڑھا کہ ڈاکوؤں نے فلاں علاقے میں اتنے لوگوں کو ... کردیا۔"

توقع کے عین مطابق میری وہ دلیل رائیگاں گئی اور اوّل ... نے پُرجوش لہجے میں کہا "اخبار والے تو سب سے زیادہ ... ہوتے ہیں۔ تمہیں اندر تک کی باتیں معلوم ہیں۔ جن لوگو... نکیل بلیک کیٹ ٹی اور اس کے گرگوں کے ہاتھ میں ہو... مسلمان کون کہہ سکتا ہے؟"

"ڈاکوؤں کے لئے تو وہ ملا سرکار بنا ہوا تھا۔ وہ اسے ا... مانتے ہیں۔"

"میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اب بلیک کیٹ ٹی کراچ... نہیں ہے۔ اس سے بھی انہی جنگلات میں کہیں مڈبھیڑ ہو... اگر تم خوف زدہ ہو تو میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔ اپنے کس... کو ساتھ لے جاؤں گا۔ ملک اور قوم کی خدمت کا یہ سنہ... میں ضائع نہیں کروں گا۔"

مجھے کٹ حجتی پر آمادہ پاکر اس نے میری دُکھتی رگ د... لمحہ بھر کے لئے مجھے اوّل خان اور اس کی سوچ پر رشک آ... اس ملک کو اس جیسے فرض شناس اور محبِ وطن کارکنوں ک... حقیری نفری بھی میسر آجاتی تو ملک کی تقدیر بدل سکتی تھی۔ غزالہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ یاد آیا' یہ خیال آیا کہ ہم ا... خلائی جنگوں کے ہولناک اندیشوں کے سائے میں جی ر... جہاں بے تیغ لڑنے کا تصور بہت زیادہ کارگر نہیں رہا تھا ا... خان تو بے تیغ ہی اس خون ریز مہم پر نکلنے کا ارادہ رکھتا... اسلحہ ساتھ لے جاتا تو جنگلات میں داخل ہونے سے ... ڈاکوؤں کی پہلی نگراں چوکی پر ڈھیر کردیا جاتا۔ اس کا منصو... آتا تھا کہ وہ ڈاکوؤں کی نوکری کرکے ان کے اسلحے سے ... نیست و نابود کرنے کی کوشش کرتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا جذبہ بہت صادق ... اس کا انجام اوّل خان کے حق میں خوشگوار نظر نہیں آ... ان حالات میں جو بھی اس کا شریکِ کار ہوتا' اس انجام ... دامن ہرگز نہیں بچا سکتا تھا۔

"یہ نہ سمجھنا کہ میں خودکشی کرنے جارہا ہوں۔" ... توقف کے بعد اوّل خان نے اپنی بات جاری رکھی تو میں ... ... میری دانست میں وہ خود ہی اپنے ارادوں کی نفی کر ر... شاید میری ہی طرح اسے بھی سب کچھ یاد آرہا تھا۔

"خودکشی اور شہادت میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے" ...

حرام ہے اور دوسری عین عبادت۔ اگر مجھے کچھ کر
کا موقع نہیں ملا تو میں حالات کا جائزہ لے کر خاموشی
سے واپس لوٹ آؤں گا۔ اپنی اکٹھا کی ہوئی معلومات کے
میں ان ڈاکوؤں اور ان کی کمین گاہوں کو زیادہ شدید
پہنچا سکوں گا۔"

کی وہ وضاحت قابلِ عمل اور خاصی معقول تھی۔ میں
کرنے کی نیت سے پوچھا۔ "وہاں اپنے نام، کام اور
کے بارے میں کیا بتانے کا ارادہ ہے؟"

معاشرے کے ستائے ہوئے بے گھر اور بے در لوگ ہر
ہیں۔ ہمیں اپنا روپ بدلنا پڑے گا" اس نے کہا "زیادہ
انی سنانے میں یہ خطرہ ہے کہ وہ ہمارے بیان کی تصدیق
ک ہمیں قید میں رکھ سکتے ہیں۔ تصدیق نہ ہو سکی تو وہ
ردنیں اڑا دیں گے وہاں... ہمیں ہر قدم پھونک پھونک کر
گا۔"

ل خان کی وہ باتیں ہر لحاظ سے قابلِ عمل اور حوصلہ افزا
اُس نے جس انداز میں گفتگو کی ابتدا کی تھی، اس سے
ہوتا تھا کہ وہ جنگل میں پہلا قدم رکھتے ہی شہید ہو جانے کا
تا تھا جو اس کے اپنے حق میں بھی ناروا سی بات تھی۔

روانگی کا کیا پروگرام رہے گا؟" میں نے پُرسکون لہجے میں
یا۔

تو تم میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو؟" وہ حیرت اور مسرت
پڑا اچھل پڑا۔

براہ راست شہادت کے مقابلے میں تمہارا دوسرا پروگرام
اسب ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "ڈاکوؤں کے مسکن
تے ہوئے ہمیں جوش سے زیادہ ہوش سے کام لینا ہوگا۔ میں
ان کا طریقۂ کار قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر وہاں
یٹی سے مڈبھیڑ ہو گئی تو وہ ہمارا بونس ہوگا۔"

"ہمیں آج رات ہی کسی وقت سیکھاٹ کے لئے روانہ ہونا
گا" اس نے مسرت آمیز لہجے میں مجھے آگاہ کیا "راستے میں
یدر آباد میں رک کر اپنے اس آدمی سے بریفنگ لینا ہوگی
لئے یہ بندوبست کیا ہے۔"

"میں آج رات کیا، اسی وقت روانگی کے لئے تیار ہوں۔"
نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اوّل خان کو فوری روانگی کی پیشکش کرتے ہوئے میرا ذہن
صاف تھا۔ غزالہ کے ساتھ خاصے کٹھن اور جذباتی لمحات
ار کر میں اُس سے روانگی کی اجازت لینے میں کامیاب ہوا تھا۔
گر میں روانگی کا پروگرام قدرے التوا میں ڈال کر دوبارہ اس
رجوع کرتا تو مجھے ایک بار پھر ان بوجھل جذباتی لمحات سے
گزرنا پڑتا اس لئے میں نے فوراً ہی اپنی آمادگی ظاہر کر دی تھی۔
کرنل اوّل خان کا خیال تھا کہ وہ حیدر آباد تک کا سفر اپنی
اسپیشل ٹاسک فورس کی کسی بند جیپ میں طے کرے گا لیکن میں
نے اس کا وہ خیال مسترد کر دیا۔

میرا اندازہ تھا کہ ان دنوں جنگلات اور پہاڑوں میں رُوپوش
رہ کر وارداتیں کرنے والے ڈاکو اپنے سرپرستوں کی شہ پر اتنے
منظم ہو گئے تھے کہ میلوں دور سے ان کے مخبروں کا جال شروع
ہو جاتا تھا اور اگر وہ کسی فرد یا واقعے پر نظر رکھنے کا فیصلہ کر لیتے تو
یہ ممکن نہیں تھا کہ ان کے مخبروں کو فریب دیا جا سکتا۔

اوّل خان کو سیکھاٹ پہنچنے سے پہلے حیدر آباد میں رک کر
اپنے کسی آدمی سے بریفنگ لینا تھی جس کے لئے مناسب یہی تھا
کہ ہم وہیں سے حلیے بدل کر، بس کے ذریعے اپنے سفر کا آغاز
کرتے اور بیراج کالونی کے مقررّہ مکان میں پہنچ جاتے جہاں
آرام کرنے کے بعد سیکھاٹ کا رخ کیا جا سکتا تھا۔

ان واقعات میں اسپیشل ٹاسک فورس تازہ تازہ ملوّث ہوئی
تھی۔ اس لئے اوّل خان کی شناخت کا کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن
مجھے ملاّ سرکار سے اپنی دشمنی کی وجہ سے بہت زیادہ احتیاط سے
کام لینا تھا۔

اس قلیل سی مدت میں اپنے چہرے پر نمایاں قدرتی
تبدیلیاں لانا میرے بس سے باہر تھا اس لئے میں نے اپنی گھنی
داڑھی اور سر کے بالوں سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

کرنل اوّل خان کے ماتحتوں میں سب ہی لڑنے بھڑنے
والے لوگ تھے جو فنِ سپہ گری کے مختلف شعبوں میں طاق تھے
لیکن اس کی ہدایت پر ان ہی میں سے ایک نئے ریزر کی مدد سے
حجّام کی خدمات سرانجام دینے پر تیار ہو گیا۔

ویرا کی سابقہ، عالیشان خوابگاہ کی ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے
میں مَیں اپنے سر اور چہرے پر شیونگ کریم کے پھولتے ہوئے
جھاگوں کی تہ کا جائزہ لیتا رہا اور جب ریزر کی تیز دھار نے اپنا کام
دکھانا شروع کیا تو میرے لئے خود کو پہچاننا بھی دشوار ہو گیا۔ میک
اَپ اور بھیس بدلنے کے کتابی طریقوں کے برعکس قدرتی عناصر
کی ترتیب میں ذرا سا ردّوبدل بھی بڑی تبدیلیاں لا سکتا تھا، جس کا
میں مُنہ بولتا شاہکار تھا۔

داڑھی صاف ہونے پر میرے چہرے کی جلد پر کوئی نشان باقی
نہیں رہا جس سے پتا چلتا کہ وہاں کوئی فوری کارروائی کی گئی ہے
البتہ سالہا سال کے بعد گنجا ہونے کی وجہ سے سر کی جلد پر سفیدی
سی نمودار ہو گئی تھی جو تبدیلی کی چغلی کھا رہی تھی۔ سر اور چہرے
کی بقیہ جلد کی رنگت کا وہ فرق عارضی تھا اور دو تین روز میں
بالکل ختم ہو سکتا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ سر پر کپڑے کی کوئی سستی
سی ٹوپی منڈھ کر میں وہ دو تین دن کسی دشواری کے بغیر گزارنے
میں کامیاب ہو جاؤں گا لیکن اوّل خان کے غیر پیشہ ور حجّام نے
میرے اس مسئلے کا بھی ایک فوری حل پیش کر دیا۔

بازار سے بال رنگنے والا شیمپو آجانے پر میں غسل خانے

میں دبا گھسا۔ بالوں سے مزدم کھوپڑی پر چند منٹ کی قلیل مدت کے لئے شیمپو کے لیس دار جھاگ چھوڑ کر میں نے سر دھویا تو دل ہی دل میں اس غیر پیشہ ور حجام کے تجربے کا معترف ہونا پڑا کیونکہ اب کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں نیا نیا گنجا ہوا تھا۔

وہ لوگ کون تھے؟ یہ انہیں خود علم نہیں تھا لیکن ان کے سارے انداز فوجیوں جیسے تھے۔ وہ نقل و حرکت کرتے تھے تو پوری تیاریوں کے ساتھ کرتے تھے۔ ذاتی ضروریات کی اشیا ہر وقت ان کے ساتھ رہتی تھیں تاکہ ضرورت پیش آنے پر وہ ایک پڑاؤ سے بلا تردّد دوسری منزل کی طرف چل پڑیں اور انہیں اپنی کسی ضرورت کے لئے واپس، اپنے پرانے ٹھکانے کی طرف رجوع نہ کرنا پڑے۔

اسی وجہ سے پوائنٹ فور پر موجود ہر شخص کے پاس وردی کے علاوہ سادے کپڑے بھی موجود تھے۔ ان میں سے اپنے ہم جسامت ایک شخص کے کپڑے پہن کر میں روانگی کے لئے تیار ہو گیا۔

کرنل اوّل خان نے بھی اپنی فوجی وردی کو خیرباد کہہ کر سویلین کپڑے پہن لئے تھے۔ قمیض شلوار میں وہ زیادہ وجیہہ اور بارعب نظر آرہا تھا۔

بسیں سپرہائی وے پر حیدر آباد تک پہنچنے میں اتنا وقت نہیں لیتیں جتنا شہر کے اندرونی علاقوں سے سپرہائی وے پر پہنچنے میں لیتی ہیں۔ وقت بچانے کے لئے ہم نے سہراب گوٹھ سے بس پکڑنے کا فیصلہ کیا۔ اوّل خان اپنے ماتحتوں کو ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔ نصف گھنٹے بعد وہ فارغ ہوا تو اس کے آدمی ہمارے لئے بازار سے کھانا لا کر ڈائننگ ٹیبل پر سجا چکے تھے۔ میں نے دیر سے لنچ کیا تھا اس لئے اس وقت کھانے کی خواہش نہیں تھی لیکن اوّل خان کے اصرار پر مجھے اس کا ساتھ دینا پڑا۔ اس کا کہنا تھا کہ آنے والے وقت نہ جانے کب، کہاں اور کیسا کھانا میسّر ہو۔ اس لئے ہمیں اس ڈنر کو اپنی الوداعی دعوت سمجھ کر پورے احترام سے قبول کر لینا چاہئے۔

اس کا وہ نکتہ اس قدر اثر آفرین تھا کہ فوراً ہی میری اشتہا بھڑک اٹھی۔

نو بجے اوّل خان کی گاڑی نے ہمیں سہراب گوٹھ پر اتار دیا اور ہم سپرہائی وے کی طرف رینگتی ہوئی ایک جناتی بس کو رکوا کر اس میں سوار ہو گئے۔ وہ بس غیر معمولی طور پر طویل تھی۔ اس میں مسافروں کی کثیر تعداد موجود تھی لیکن پھر بھی چند نشستیں خالی تھیں۔

ہم بس رکوا کر اس میں سوار ہوئے تھے اس لئے میرا اندازہ تھا کہ ہمارے بیٹھتے ہی وہ روانہ ہو جائے گی لیکن وہ کافی دیر تک سسک سسک کر آگے رینگتی اور پھر تقریباً وہیں رکتی رہی۔ بس کے عملے کا ایک تنومند لڑکا بس کی آہنی چادر پر اپنی ہتھیلی کی ضربوں سے یک تالہ اور دو تالہ سُر بجا بجا کر حیدر آباد، حیدر آباد کا شور مچا رہا تھا اور میں دیکھ رہا تھا کہ اس کی محنت رائیگاں نہیں جا رہی تھی بریف کیس، تھیلے یا سازوسامان سے لدا ہوا کوئی نہ کوئی مسافر کہیں نہ کہیں سے چلا ہی آرہا تھا۔ بس میں ابھی دو نشستیں خالی تھیں کہ پیچھے سے کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے ہارن کے شور کے ساتھ تیز روشنیوں کا ایک سیلاب آیا۔ بچے چونک کر رونے لگے۔ کچھ لوگوں نے خوف زدہ انداز میں پہلو بدلے۔ عادی مسافروں کے بشرے پر بے زاری کے آثار زور ہی سے پڑھے جا سکتے تھے۔ اس قدرے ہیجانی ماحول میں ہماری بس تیزی کے ساتھ حرکت میں آگئی۔ پتا چلا کہ اس کی جگہ لینے کے لئے دوسری بس اسی مقام پر پہنچ چکی تھی۔

سہراب گوٹھ سے آگے سڑک سے دور ایستادہ کنکریٹ کے روشن اور تاریک ڈھانچوں کو پیچھے چھوڑ کر ہم ٹول پلازا سے گزرے تو سڑک کے دونوں جانب لامتناہی سناٹے اور تاریکی کا راج تھا۔ دنبہ گوٹھ کی منڈائی روشنیاں پلک جھپکتے میں پیچھے رہ گئیں۔ سڑک پر رواں دو طرفہ ٹریفک کی قریب آتی اور دور جاتی ہوئی روشنیوں کے علاوہ اس سفر میں عجیب مشینی سی یکسانیت تھی... ڈرائیور بریکوں کو بھول کر ایکسیلیٹر، ہارن اور روشنیوں کی مدد سے اس سیاہ سڑک پر اپنا راستہ بنا رہا تھا۔ اس لئے انجن کی غراہٹ بھی ایک ہی سطح پر پہنچ کر گویا منجمد ہو گئی تھی۔

حیدر آبادیوں تو ایک خاصا بڑا شہر ہے لیکن وہاں کی شہری زندگی پر دیہی معاشرت کے آثار خاصے گہرے ہیں۔ لوگ سحر خیزی کے عادی ہیں لیکن وہاں رات کا سناٹا جلد راج کرنے لگتا ہے۔ ہم جیل کے قریب اپنے مطلوبہ بس اسٹاپ پر اترے تو اکا دکا شور مچاتی ہوئی سواریوں کے علاوہ وہاں نیم تاریک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ البتہ آوارہ کتوں کی ساجی سرگرمیوں نے اس سناٹے میں قدرے جان ڈالی ہوئی تھی۔

سڑک عبور کر کے ہم بیراج کالونی کے احاطے کی دیوار کے ایک ٹوٹے ہوئے حصے سے اندر داخل ہو گئے۔

"یہاں کون رہتا ہے؟" میں نے کوارٹروں سے پہلے آنے والے ہوئے کھیل کے میدان کو عبور کرتے ہوئے اوّل خان سے پوچھا۔ "یہ تو نچلے اور درمیانی درجے کے سرکاری ملازمین کی کالونی معلوم ہوتی ہے۔"

"میں اتنا جانتا ہوں کہ یہاں کم کرائے پر مکان مل جاتے ہیں" اوّل خان ہنستے ہوئے بے پروایانہ انداز میں بولا "یہاں میرے دو آدمی رہتے ہیں۔"

"وہ یہاں کیا کرتے ہیں؟" اس کی اسپیشل ٹاسک فورس کی سرگرمیوں کے بارے میں میرا تجسّس بیدار ہو گیا۔

"یہاں بھی بعض اہم تنصیبات ہیں۔ ان کے بارے میں ہم پر براہِ راست کوئی ذمّے داری نہیں ہے لیکن میرے آدمی

م پھر کران پر نگاہ رکھتے ہیں۔

"اور یہ لوگ بھی تم ہی کو جواب دہ ہیں؟" میں نے اس طرح خان کی تنظیم کی وسعت کا اندازہ لگانا چاہا۔

"یہاں کی ٹیم الگ ہے لیکن ہم لوگ کہیں بھی ہوں' ایک رے سے کھل کر تعاون کرتے ہیں۔ ہم جن لوگوں سے ملیں ' ان کا کام خطرناک سماج دشمن عناصر کی بیخ کنی کرنا بھی ہے نا یہ یہاں بدمعاشوں کے روپ میں ان ہی کے ساتھ رل کر ہے ہیں تاکہ اندر کی زیادہ سے زیادہ خبریں معلوم کر سکیں۔"

"بدمعاشوں میں رہ کر زیادہ عرصے تک ان کے خلاف کام تے رہنا مجھے تو ناممکن نظر آتا ہے۔"

"یہ اپنی ترجیحات کے تحت کام کرتے ہیں۔ کبھی امن و ان کی صورتِ حال بہت اچھی ہو جائے تو شاید یہ چور اچکوں بھی دشمن ہو جائیں لیکن آج کل کے حالات میں یہ صرف ی مچھلیوں کا شکار کھیلتے ہیں۔"

آبادی پر خواب ناک سناٹا چھایا ہوا تھا' دن بھر دفاتر اور رخانوں میں کام کرنے والے لوگ تھک ہار کر اپنے اپنے مروں میں آرام کر رہے تھے۔ کہیں کہیں سے وی سی آر پر چلنے لی فلموں کے بلند آہنگ مکالمے اور گانے سنائی دے رہے تھے۔ زمین نیم تاریک گلیوں سے گزر کر اوّل خان ایک مکان کے امنے رک گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پہلے بھی وہاں آتا رہا ہے۔

دستک کے جواب میں دروازہ کھول کر' اوّل خان کو پہچانتے ہی بے تپاک انداز میں اندر بلا لیا گیا۔

کمرے میں بلب جل رہا تھا اور اس کی روشنی میں وہ شخص پنی وضع قطع کے اعتبار سے چھٹا ہوا غنڈا نظر آ رہا تھا۔ کرنل مجھے بتا چکا تھا کہ وہ اس کا بہروپ تھا لیکن میرے لئے یہ نکتہ پھر بھی قابلِ غور تھا کہ بال بچوں والے لوگ اپنی آبادی میں ایسے عناصر کو کیوں قبول کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں؟

"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" اوّل خان نے طائرانہ انداز میں اس خالی خالی کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"ایک چیک اپ پر گیا ہوا ہے" اس کا لہجہ مہذب اور مودبانہ تھا جو اس امر کا غماز تھا کہ واقعی وہ اندر سے کچھ اور تھا لیکن باہر سے کچھ اور بنا ہوا تھا۔

"اس نے مجھے بتا دیا تھا' تم چاہو تو یہیں آرام کر سکتے ہو' تمہیں صبح سات بجے سیکھاٹ پہنچنا ہے۔"

سیکھاٹ حیدر آباد سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ہم صبح چھ بجے بیدار ہو کر بھی مقررہ وقت پر وہاں پہنچ سکتے تھے۔

اس شخص نے مجھ سے ہاتھ ضرور ملایا تھا لیکن میرے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے لئے غالباً اتنا ہی کافی تھا کہ میں اول خان کے ساتھ اس کے پاس پہنچا تھا۔

وہ دونوں مجھے نظر انداز کر کے آپس میں باتیں کرتے رہے جو میرے لئے بھی قابلِ فہم تھیں۔ ان کے مطابق نیشنل ہائی وے پر سیکھاٹ کے بس اسٹاپ پر مقررہ وقت پر ہمیں قلندر نامی ایک ایسے شخص تک پہنچنا تھا جو کسی مست ملنگ کے روپ میں عموماً وہیں چرس کے دم لگاتا ہوا ملتا تھا۔

ہمیں اس کو بتانا تھا کہ ہم صاحب کی گڑھی سے آئے تھے' قلندر ہمیں پہچان لیتا۔ اس سے آگے ہمیں قلندر کی ہدایات پر عمل کرنا تھا جن کے نتیجے میں ہم اپنے مطلوبہ مقام پر پہنچ سکتے تھے۔

ان لوگوں کے درمیان اگر کوئی تکلف نہیں تھا تو بے تکلفی بھی نہیں تھی۔ اجنبی کے رویّے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے لئے اول خان خاصا سینئر آدمی تھا۔ اس نے کمرے میں موجود دونوں چارپائیوں پر بستر درست کر کے صاف چادریں بچھائیں اور خود ایک تکیہ لے کر صحن یا دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا۔

وہ کمرا اتنا چھوٹا تھا کہ وہاں کھل کر سوچتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا' کہیں دل کی بات کوئی سن نہ لے اس لئے شدید خواہش کے باوجود میں اوّل خان سے کوئی تبادلۂ خیال نہ کر سکا۔

اول خان فوجی نہ سہی فوجی نما ضرور تھا اس لئے وہ چارپائی پر یوں دراز ہوا جیسے اسے کوئی پُر تکلف مسہری مہیا کر دی گئی ہو۔ میں نے بے آرامی کے احساس سے چھٹکارا پانے کے لئے سگریٹ سلگا لی۔ مختلف سوچوں میں گم رہ کر میں نے سگریٹ ختم کی پھر کوئی بات پوچھنے کے لئے اوّل خان کی طرف پلٹا تو وہ گہری نیند سو چکا تھا۔

صاف ستھری مشقت کے بعد رات کی گہری نیند زندگی کی وہ نعمت ہے جو مشینی عذاب میں مبتلا شہروں کے باسیوں کو مشکل ہی سے نصیب ہوتی ہے۔ اول خان سو گیا لیکن میں رات بھر پہلو بدلنے کے باوجود ایک پل کے لئے بھی پلکیں جھپکانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

اس مکان میں رہنے والا دوسرا آدمی رات بھر واپس نہیں آیا لیکن کوئی اس کے لئے فکرمند نہیں تھا۔ چھ بجے میں نے اپنی رسٹ واچ دیکھ کر بستر چھوڑا تو اوّل خان کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"وقت سے اٹھ گئے' میرا تو خیال تھا کہ تمہیں جھنجھوڑ کر جگانا ہو گا۔"

میں مسکرا کر رہ گیا۔ اسے یہ بتانا بے سود تھا کہ میں نے وہ رات سنسناتے ہوئے تاریک جنگلوں کا تصور کرتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔

میں منہ ہاتھ دھونے کے لئے باہر نکلا تو اپنے میزبان کو خود سے کہیں زیادہ مستعد پایا۔ وہ نیچی چھت والے تنگ باورچی خانے میں خاموشی سے ناشتا تیار کر رہا تھا۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم تھوڑی ہی دیر میں [illegible]

روانہ ہوگئے۔ ہمارے میزبان نے ہمیں سڑک تک پہنچانا چاہا لیکن اوّل خان نے سختی سے اسے منع کردیا۔ اس کی دانست میں ہم تینوں کا غیر ضروری طور پر اکٹھا باہر نکلنا احتیاط اور سلامتی کے بنیادی اصولوں کے منافی ہوتا۔

وہ صبح قدرے خنک اور خوش گوار تھی۔ ہم پونے سات بجے چیختی چنگھاڑتی بس کے ذریعے سیکھاٹ پہنچ گئے۔ جھونپڑا ہوٹل کے باہر گھنے درختوں کے نیچے متعدد چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ان ہی پر پانی سے بھرے ہوئے ڈالڈا کے ڈبے رکھے ہوئے تھے۔ ایک آدھ گلاس بھی کسی کسی چارپائی پر لڑھک رہا تھا۔ ۔اس وقت وہاں سڑک کے کنارے مال سے لدے ہوئے تین ٹرک کھڑے ہوئے تھے اور ٹرکوں کا عملہ وہیں چائے نوشی کے درمیان خوش گپیوں میں مصروف تھا۔

وہ ہمارے لئے ایک اجنبی اور نامعروف جگہ تھی۔ میرے دل میں یہ خوف تھا کہ اگر ہم سے کسی نے ہماری وہاں آمد کا مدّعا پوچھ لیا تو ہم کیا جواب دے سکیں گے۔ میری نظریں بہت تیزی کے ساتھ قرب وجوار کا جائزہ لے رہی تھیں لیکن مجھے کہیں بھی کسی ایسے آدمی کا وجود نظر نہیں آرہا تھا جس پر قلندر ہونے کا شبہ کیا جاسکتا۔

اول خان بے فکری کے ساتھ ایک چارپائی پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کی تقلید کی۔

ہمارے بیٹھتے ہی جھونپڑے میں سے ایک شخص برآمد ہوکر ہماری طرف آیا۔ اس کی آنکھوں میں تجسّس کی تیز چمک دور ہی سے دیکھی جاسکتی تھی۔

میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہوگئیں۔ اس کے تیور بتارہے تھے کہ وہ ہم سے کچھ پوچھ گچھ کرنے آرہا تھا۔

"دو چائے 'لمبا پانی'" اوّل خان نے اسے قریب آنے کا موقع دیئے بغیر اپنی دبنگ آواز میں کہا اور وہ راستے ہی میں سے واپس لوٹنے پر مجبور ہوگیا۔

"قلندر تو کہیں نہیں نظر آرہا۔ اب کیا کروگے؟" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں اس سے پوچھا۔

"انتظار کے علاوہ ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟" اول خان کی آواز سے بے چارگی مترشح تھی۔

"لیکن کب تک؟" میرے لئے وہ صورتِ حال بے چینی کا باعث بنی ہوئی تھی۔

"تمہیں یہی ڈر ہے نا کہ کسی نے ہم سے کچھ پوچھ لیا تو ہم اس چھوٹی سی جگہ پر اپنی موجودگی کا کیا جواز دے سکیں گے؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پُراعتماد لہجے میں سوال کیا۔

میں آہستگی سے اثبات میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا "ہوٹل والے ہمیں غور سے دیکھ رہے ہیں۔"

"تم بے فکری سے بیٹھے رہو، کوئی بات ہوئی تو میں خود سنبھال لوں گا۔"

وہی شخص چائے لایا تو پیالیاں چارپائی کی چوڑی پٹی پر رکھتے ہوئے اسے بات کرنے کا موقع مل گیا "تم ابھی بس سے اترے تھے۔ کہاں سے آئے ہو؟" سوال کرتے ہوئے اس نے باری باری ہم دونوں کا جائزہ لیا تھا۔

"ٹنڈے سے" اول خان نے مختصر سا دو لفظی جواب دیا اور اس کی طرف دیکھے بغیر چائے کی پیالی مُنہ سے لگالی۔

"کون سا ٹنڈا؟" اس کے لئے اوّل خان کا مختصر جواب تشنہ ثابت ہوا تھا۔

اول خان نے چائے کی پیالی پٹی پر رکھی اور اسے گھورتا ہوا بولا "کیا تم ہماری پولیس انکوائری کررہے ہو؟ ہم کہیں سے بھی آئے ہوں اور کہیں بھی جارہے ہوں، تمہیں اس سے مطلب"

"سائیں! غصہ مت دکھاؤ!" وہ مرعوب ہونے کے بجائے ترش لہجے میں بولا تو متوقع بدمزگی کا احساس ہوتے ہی میرے بدن میں یکلخت کروڑوں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔

"ہم نوکر آدمی ہے۔ ادھر سے جائے گا تو حیدر آباد میں دو روپیہ زیادہ کمائے گا۔ ہم نے تم سے جو پوچھا ہے' وہ بتاؤ! ہوسکتا ہے کہ اسی میں تمہاری بھلائی ہو۔"

اوّل خان نے لحظہ بھر کے لئے کچھ سوچا پھر اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔ "ٹنڈوالٰہیار سے۔"

"اور کیوں آئے ہو؟" اس نے بے خوفی کے ساتھ اگلا سوال کیا جو خاصا ٹیڑھا تھا۔

"قلندر کب آئے گا؟" اوّل خان نے چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد سوال کی صورت میں جواب دیا۔

سوال کرنے والے کا چہرہ دمک اٹھا "مجھے تم دونوں کا انتظار تھا اسی لئے تمہاری پولیس انکوائری کررہا تھا" گفتگو کی حد تک اچھے جمالیاتی ذوق کا مالک محسوس ہورہا تھا "قلندر آج ادھر نہیں آئے گا۔ ہائی وے پر رینجرز گشت کررہے ہیں۔ قلندر ان کے سامنے آتے ہی پکڑا جائے گا۔ وہ اُدھر جنگل میں تمہارا انتظار کرے گا" آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے اس نے فضا میں اپنا ہاتھ بلند کرکے ہوٹل کے پیچھے اشارہ کیا تھا۔

"پھر اُس سے کیسے ملا جاسکتا ہے؟" اوّل خان نے پہلی بار اس شخص کو کوئی اہمیت دینے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

"وہ مجھے بتاگیا تھا کہ سات بجے دو آدمی آئیں گے۔ میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا۔"

"لیکن ہمیں کیا پتا کہ تم واقعی قلندر کے آدمی ہو؟" مذاکرات کا بار اوّل خان نے ہی اٹھایا ہوا تھا۔

"بھروسا نہیں کرتے تو ٹھنڈے ٹھنڈے ٹنڈے چلے جاؤ۔"

کل اچھی نوکری آسانی سے نہیں ملتی۔"

اس کی زبان سے نوکری کا ذکر سن کر اوّل خان بری طرح
تھا "کس نوکری کی بات کر رہے ہو؟"

وہ آہستہ سے ہنس پڑا "اتنے انجان نہ بنو! اِدھر کے بچے
کو معلوم ہے کہ باہر سے آنے والے آج کل جنگلوں میں
ں جاتے ہیں اور کس کے پاس جاتے ہیں۔"

وہ بہت کچھ جانتا تھا۔ اور جس انداز میں باتیں کر رہا تھا اس
ظاہر ہو رہا تھا کہ شہروں میں رہنے والوں کے لئے جو باتیں
تہ راز تھیں وہ ان علاقوں میں سب کے علم میں تھیں۔ یہ
بات تھی کہ وہ لوگ اندر کی باتیں غیر متعلقہ لوگوں سے
اتے ہوں اور کوئی نازک موضوع آتے ہی انجان بن جاتے
ں۔

"تو پھر ہمیں قلندر کے پاس لے چلو!" اوّل خان اس
عتماد کرنے پر مجبور ہو گیا۔

"دس روپے لوں گا" اس نے حریصانہ لہجے میں کہا "وہاں
جانے کے لئے مجھے مالک سے چھٹی لینا ہوگی۔"

اوّل خان نے غصے سے اسے گھورا اور جیب سے دس روپے
وٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے ہتھیلی بند کئے بغیر استہزائیہ لہجے میں
ال کیا۔

"دس روپے، جو تم نے مانگے تھے" اوّل خان نے بھنائے
ئے لہجے میں کہا۔

"تم دو آدمی ہو۔ دس روپے کے حساب سے بیس روپے دو!"
اس نے مضبوط لہجے میں مطالبہ کیا۔ غالباً اس نے بھانپ لیا تھا
اوّل خان کی جیب میں کچھ رقم موجود تھی۔

"ایک آدمی ہو یا پچاس آدمی، تمہارا اتنا ہی وقت لگے گا
ر تم کو اسی قدر چلنا ہوگا ..... پھر بیس روپے کس بات کے؟"
ل خان اس کی قلابازی کو آسانی سے قبول کرنے کے لئے آمادہ
یں تھا۔

"یہ ہمارا حق ہے ..... تم مجھے ایک دفعہ دس روپے دو گے۔
ر تمہاری لاٹری نکل آئی تو تم عمر بھر ان جنگلوں میں ہزاروں،
کھوں روپے کماتے رہو گے۔ رینجرز نہ آ گئے ہوتے تو قلندر تم کو
یں مل جاتا یہ موقع تو مجھے کبھی کبھی ملتا ہے۔ لاؤ جلدی سے دس
وپے اور نکالو ورنہ میں قلندر سے کہہ دوں گا کہ سات بجے یہاں
کوئی نہیں آیا تھا۔"

اوّل خان مزید بحث پر تُلا ہوا تھا لیکن میں نے قصہ ختم
کرنے کے لئے اپنی جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر اس کے
حوالے کیا اور اس نے بیس روپے جلدی سے اپنی جیب میں
ٹھونس لئے۔

چائے کے دام ادا کر کے ہم دونوں اس کے ہمراہ ہوٹل کے
پچھلے علاقے میں چل دیئے۔ طویل میدان سے آگے چھدرے
درختوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا جو اندر جا کر یقیناً گھنے جنگل میں
تبدیل ہو جاتا ہو گا۔ تقریباً دس منٹ بعد ہم ان درختوں کے
قریب پہنچے تو اس شخص نے وہیں رک کر غور سے ہر طرف کا جائزہ
لیا اور پھر سمت بدل کر ایک طرف چل پڑا۔

"اسے آواز دے لو۔ وہ جہاں ہو گا، تمہیں بلا لے گا" اوّل
خان نے اسے مشورہ دیا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے اسے دیکھ لیا ہے" وہ معنی خیز
مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

چند منٹ بعد ہم نے اپنے سفر کی سمت میں زمین میں سے
دھوئیں کے مرغولے بلند ہوتے دیکھے تو میں چونک پڑا "یہ دھواں
کہاں سے اٹھ رہا ہے؟" میں نے اپنے رہبر سے پوچھا تھا۔

"یہ قلندر کے سینے سے نکل رہا ہے" اس کا جواب عجیب
تھا لیکن میں نے آگے کچھ نہیں پوچھا۔

آگے جا کر ہم نے دیکھا کہ وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ وہ ایک
خاصا بڑا اور گہرا گڑھا تھا۔ اس خشک گڑھے میں سبز لباس والا
ایک شخص نہایت اطمینان سے لیٹا ہوا، چرس سے بھرے ہوئے
سگریٹ کے دَم لگا رہا تھا۔ اس کی کمین گاہ ایسی تھی کہ وہ سگریٹ
نہ پی رہا ہوتا تو اس کے ٹھکانے کا سراغ لگانا مشکل ہو جاتا۔

ہماری آہٹوں پر اُس نے اپنی بڑی بڑی، نشے میں ڈوبی ہوئی،
سُرخ آنکھیں کھول کر ہمیں دیکھا۔

"تیرے مہمان آ گئے سائیں قلندر" ہمیں لانے والے نے
کہا اور فوراً ہی واپس چل دیا۔

قلندر ایک اُدھیڑ عمر اور استخوانی بدن والا شخص تھا۔ ڈھیلے
ڈھالے سبز لباس اور منکوں کی وزنی مالاؤں اور کڑوں کے ساتھ
وہ کسی اور دنیا کی مخلوق نظر آ رہا تھا۔

اُس نے اپنے پہلو میں رکھا ہوا موٹا سا سونٹا فضا میں لہراتے
ہوئے پوچھا "کہاں سے آئے ہو؟"

"صاحب کی گڑھی سے!" اوّل خان نے مختصر سا جواب
دینے پر ہی اکتفا کیا۔

"حق اللہ ..... اللہ ھُو" قلندر نے گڑھے میں لیٹے لیٹے،
آنکھیں بند کر کے زور سے درویشانہ نعرہ لگایا۔ سگریٹ کے
چھوٹے سے ٹوٹے کو انگوٹھے اور انگشتِ شہادت میں دبا کر اس
کے سرے پر پھیپھڑوں کی پوری قوت سے زور لگایا۔ ایک ہی
کش میں اتنا تمباکو انگارہ ہو کر راکھ ہو گیا کہ اس کی انگلیاں جلنے
لگیں تو اس نے وہ ٹوٹا وہیں گڑھے میں ایک طرف اچھال دیا اور
سونٹا لے کر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

چرس اور تمباکو کا ملا جلا دھواں اس کے پھیپھڑوں میں
گردش کر رہا تھا جسے وہ پوری طرح نچوڑ کر، آہستہ آہستہ اپنے
نتھنوں سے خارج کر رہا تھا۔

وہ جنگل میں داخل ہو گیا۔ ہم دونوں بھی اس کے پیچھے چل دیئے۔

"ہمارا خیال تھا کہ تم سے ہوٹل پر ہی ملاقات ہو گی" جمود توڑنے کے لئے میں نے پہلی بار زبان کھولی۔

"دن رات وہیں پڑا رہتا ہوں۔ ساری خبریں میرے ہی ذریعے اِدھر اُدھر ہوتی ہیں" اس نے فخریہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "مگر سرمئی وردیوں والے اپنے باپ سے بھی رعایت نہیں کرتے۔ ...ایک بار مجھے لے گئے تھے تو سات گھنٹے تک دھوپ میں الٹا لٹکا کر مارا تھا.. اب تو میں ان کی پرچھائیں سے بھی بچتا ہوں اور فوراً اندر آجاتا ہوں۔"

"وہ قلندروں کو بھی معاف نہیں کرتے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"میں نے کہا نا کہ وہ اپنے باپ کو بھی معاف نہیں کرتے" اس نے اپنی انگاروں کی طرح سرخ آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا "کسی نے میری مخبری کردی تھی۔"

"بڑا برا وقت آگیا ہے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "لوگ پیروں فقیروں کو بھی نہیں چھوڑتے .... تمہارے پاس دوسری تیار سگریٹ ہوگی؟"

"اوہ! تم بھی پیتے ہو؟" اس نے مسرت آمیز حیرت کے ساتھ پوچھا اور اپنے لبادے کی جیبیں ٹٹول کر ایک مڑی تڑی سگریٹ میری طرف بڑھادی "تم بھی دم لگاؤ اور مجھے بھی دو!"

اوّل خان نے میری پسلیوں میں کہنی سے ٹھوکا دیا لیکن میں اس کی طرف دیکھے بغیر قلندر کے داہنے ہاتھ پر ہو گیا۔ قلندر کے بیچ میں آجانے کے بعد اول خان مجھے روکنے ٹوکنے سے قاصر ہو گیا تھا۔

چرس بہت عمدہ اور خالص تھی۔ وہ کوالٹی زیرِ زمین دنیا کے اہم لوگوں کو ہی ذاتی استعمال کے لئے میسر آتی تھی ورنہ ہر طرف ملاوٹ کا دور دورہ تھا۔ کہیں کم اور کہیں زیادہ ملاوٹ کی جاتی تھی۔ ... میں نے چرس کی تعریف کر کے قلندر سے بے تکلفی پیدا کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اول خان کی دُکھتی ہوئی رگ ایک بار پھر پھڑک اٹھی۔

"ہمیں لانے والا آدمی بہت لالچی اور حریص تھا" اوّل خان نے بلا کسی تمہید کے کہا۔

"کیوں؟" قلندر نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں گھما کر چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"اس نے ہمیں تم تک پہنچانے کے دس روپے فی کس لئے ہیں" اول خان کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"کوئی بات نہیں" قلندر اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتا ہوا بزرگانہ لہجے میں بولا "ان لوگوں کا بھی حق بنتا ہے۔ تم باہر سے آنے والے لوگ بے نشان ہوتے ہو۔ ڈاکو بن جاتے ہو تو کسی کو کچھ پتا نہیں ہوتا کہ تمہارے ماں باپ، بہن بھائی اور بیوی بچے کون ہیں۔ تمہارے لئے یہ روزی بہت آسان ثابت ہوتی ہے لیکن یہ بے چارے چاہتے ہوئے بھی ہمارے ساتھی نہیں بن سکتے۔ پہلے تو پولیس ان کے گھر والوں کو تنگ کرتی ہے۔ کوئی بڑی واردات ہو جائے تو ان کے پورے پورے گھرانے اٹھا لئے جاتے ہیں۔ پولیس کے ہتھے لگ جائیں تو سرمئی وردیوں والے، جب آتے ہیں، سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ مقامیوں میں کون کون ڈاکوؤں سے ملا ہوا ہے۔ یہ بے چارے دریا کے کنارے پیاسے بیٹھے رہتے ہیں۔ کسی کی چھاگل سے دو چار قطرے لے لیتے ہیں تو یہ ان کا حق بنتا ہے۔ تم بیٹھک میں کامیاب ہو گئے تو خود ہی ان مسکینوں کو روزانہ ہزاروں روپے بانٹتے پھرو گے۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ تمہارے بیس روپوں سے آج غریب نبی بخش کے گھر میں چولہا روشن ہو جائے گا۔"

ان لوگوں میں حق کا فلسفہ زیادہ زور پکڑ رہا تھا۔ اس شخص نے حق جتا کر بیس روپے لئے تھے۔ قلندر بھی اسی حق پر زور دے رہا تھا۔ ساری گفتگو میں فرائض کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

جنگل تیزی سے گھنا اور دشوار گزار ہوتا جا رہا تھا لیکن قلندر جھاڑیوں، خاردار پودوں اور جھکی ہوئی خطرناک شاخوں سے بچتا یوں بے تکان بڑھا چلا جا رہا تھا جیسے وہاں کا ایک ایک درخت اس کا جانا پہچانا ہو۔ چرس نوشی کے معاملے میں وہ اس قدر ندیدا تھا کہ دوسری سگریٹ کا بیشتر حصہ خود ہی سُونت گیا تھا۔ نشہ کرکے اس میں سستی اور کاہلی کے بجائے پھرتی پیدا ہو رہی تھی۔ وہ نشے بازوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جو نشے کی حالت میں کاہل ہونے کے بجائے 'اپنی بساط سے بڑھ کر' بڑے اور زیادہ کام کرنے لگتے ہیں۔ وہ اس قدر چاق و چوبند تھا کہ اس نے راستے میں کئی حشرات الارض کو فرار کا موقع دیئے بغیر اپنے سونٹے کی ضربات سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

البتہ اس قلندر کا مذہبی علم اللہ ھُو اور حق اللہ سے شروع ہو کر فی الفور وہیں ختم ہو جاتا تھا کیونکہ چالیس پینتالیس منٹ کی رفاقت میں میں نے اس کی زبان سے کوئی تیسرا عارفانہ لفظ نہیں سنا تھا۔ گالیوں کے معاملے میں اس کی زبان بہت فراخ اور دراز تھی۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ سہل ترکیبیں استعمال کرے تاکہ اس کا مخاطب کسی ابہام کا شکار ہوئے بغیر ان گالیوں کی روح تک سے واقف ہو جائے۔

"تم قلندر ہو تو شریعت پر کہاں تک عمل کرتے ہو؟" راستے میں موقع پا کر میں نے اس سے پوچھ لیا۔

اس نے بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ مجھے گھورا۔ "شریعت وریعت مولوی ملاؤں کے کام ہیں۔ میں تو سیدھا سادہ قلندر ہوں، دمادم مست قلندر۔"

"شریعت نہ سہی، کوئی طریقت تو ہوگی تمہاری؟ کس پیر کے

ر؟" وہ جھگڑالو آدمی... نہیں تھا اس لئے میں نے اُس کی
چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔
کچھ نہیں!" وہ اپنا سونٹا فضا میں لہرا کر بولا "پیر سائیں 'ملاّ
نے ہمیں سب بکھیڑوں سے آزاد کیا ہوا ہے۔ ہم دنیا داری
ہیں' وہ ہماری طرف سے اللہ سائیں کو راضی رکھنے میں لگا
ہے۔"
کلمہ تو پڑھتے ہی ہو گے؟" میں نے اس کا موڈ دیکھتے ہوئے
جسارت کی۔
"مسلمانی پر شبہ کرتے ہو؟" اس نے آنکھیں نکال کر کہا۔
الا اللہ ...... حق اللہ 'ہم لوگ پکے اور سچے مسلمان ہیں۔
کی مجبوری نہ ہوتی تو میں بھی کسی مسجد میں مولوی ہوتا۔"
"یہ پورا کلمہ نہیں ہے" میں نے دبے لفظوں میں احتجاج
چاہا مگر وہ بھڑک اٹھا۔
پیش قدمی موقوف کر کے وہ وہیں بیچ جنگل میں میرے سامنے
"سچ سچ بتاؤ کہ تم نوکری کرنے آئے ہو یا تبلیغ کرنے؟" اس
اس کا سونٹا خطرناک انداز میں اٹھا ہوا تھا۔
"ہم تبلیغی جماعت کے آدمی نہیں ہیں" اوّل خان نے مجھے
ت آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے اسے مطمئن کرنا چاہا "تم
دل آدمی ہو' اس لئے یہ تم سے کچھ سیکھنا چاہ رہا ہے۔"
اس کا اٹھا ہوا سونٹا نیچے گر گیا اور وہ بدلی ہوئی 'معتدل آواز
بولا "سکھانے والے اور لوگ ہوتے ہیں۔ میں تو ضرورت کی
ر قلندر رہتا ہوں۔ بغیر کسی روک ٹوک کے ہر جگہ چلا جاتا ہوں۔
رمئی وردیوں والوں کے علاوہ کوئی کچھ نہیں کہتا۔ سیکھنا ہی
تے ہو تو پیر سائیں 'ملا سرکار کے قدم چومو۔ وہ نورانی چہرے
اصلی بزرگ ہے۔ جو کہتا ہے' وہ ہو کر رہتا ہے۔ وہ تبلیغی
توں سے بہت جلتا ہے....."
اُس نے ایک جھٹکے کے ساتھ پھر پیش قدمی شروع کردی تھی۔
اس وقت بات میرے ڈھب پر آگئی تھی اس لئے میں نے نرمی
سوال کیا "سائیں سرکار سے کہاں ملاقات ہو سکے گی؟"
"سائیں سرکار کا حجرہ دشمنوں نے تباہ کردیا لیکن پھر بھی وہ
ی کبھی اپنے مریدوں کو زیارت کراتے رہتے ہیں۔ تمہارا مقدر
چھا ہوا تو کبھی ان سے مل ہی لو گے..... ایسے بزرگ روز روز
ا نہیں ہوتے۔"
پہلے میں نے جو کچھ سنا تھا وہ باہر کی باتیں تھیں۔ اب قلندر
کوؤں کے ساتھی کی حیثیت سے جو کچھ بتا رہا تھا' وہ محمود کی
نوں پر مہر تصدیق کے مترادف تھا۔ ملا سرکار ایک طرف سادہ
ح دیہاتیوں کا پیر بنا ہوا تھا دوسری طرف ڈاکوؤں اور دہشت
دوں کا غیر رسمی سرغنہ بھی تھا۔ اپنے تقدس کو برقرار رکھتے
ہوئے وہ ڈاکوؤں کو کیا تعلیم اور تلقین دیا کرتا تھا' وہ ہنوز ایک
راز تھا۔ میرا خیال تھا کہ ان لوگوں میں باقاعدہ شمولیت کے بعد
بہت سی باتیں خود بخود مجھ پر ظاہر ہو سکتی تھیں۔
گھنے جنگل میں خاصی دور ہم ڈاکوؤں کی پہلی منزل پر پہنچے تو
مجھے اندازہ ہوا کہ ہماری وہ مہم کھیل نہیں تھی۔
گھنے درختوں کے درمیان صاف کی ہوئی اس مسطح جگہ پر
ایک بڑی سے چھولداری نصب تھی جس کے باہر ایک جیپ بھی
کھڑی ہوئی تھی۔ زمین کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جگہ
ایک طویل عرصے سے آباد اور زیر استعمال تھی۔
چھولداری کے باہر کینوس کی فولڈنگ کرسیوں پر خطرناک
چہروں والے تین افراد براجمان تھے۔ ان کے شانوں سے خود کار
سب مشین گنیں لٹک رہی تھیں۔ اسی کے ساتھ ہر ایک کے
قدموں میں رائفل بھی پڑی ہوئی تھی۔
اپنے مضبوط جسموں اور طویل قامت پر موجود ڈھیلے
ڈھالے لباس کی وجہ سے وہ تینوں ہی خونخوار عفریت نظر آرہے
تھے۔ دو کے سروں پر بڑی بڑی پگڑیاں تھیں۔ تیسرے نے پگڑی
کی کمی اپنی چڑھی ہوئی مونچھوں سے پوری کی تھی۔ وہ اپنی سرد
اور نیم وا آنکھوں سے ہمیں گھورتے ہوئے اپنی مونچھ کے سروں
کو بے رحمی سے مروڑے جا رہا تھا۔
"کیوں بے قلندر! انہیں یہاں لانے سے پہلے تو نے ان کی
تلاشی لے لی تھی؟" پگڑی والے ایک شخص نے تحقیر آمیز لہجے
میں سوال کیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے نزدیک قلندر کی
حیثیت ایک معمولی مخبر سے زیادہ نہیں تھی۔
"بھول گیا تھا" قلندر گھگھیایا "اب تلاشی لئے لیتا ہوں"
وہ تیزی سے ہماری طرف لپکا تھا۔
"اب ضرورت نہیں" وہی شخص کڑک کر بولا "بھاگ جا
یہاں سے۔ اب یہ دونوں ہمارے قیدی ہیں۔ ہم خود انہیں دیکھ
لیں گے" اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی قلندر گھنے
درختوں میں واپس بھاگ گیا۔
پگڑی والے کی زبان سے اپنے لئے قیدی کا لفظ سن کر ہم
دونوں ہی بری طرح چونکے تھے۔ میں نے محتاط لہجے میں کہا۔
"ہمارے پاس تھوڑی سی نقد رقم کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ہمیں
قیدی نہ کہو' ہم یہاں کام کے لئے آئے ہیں۔"
"کام" ان میں سے ایک نے کہا اور تینوں نے چنگھاڑ کر
فلک شگاف قہقہے لگانا شروع کردیئے۔ ہم دونوں ہونقوں کی طرح
ان کا وحشیانہ ردعمل ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔
"کام کارخانوں اور دفتروں میں ہوتا ہے" قہقہوں کا زور
ٹوٹنے پر وہی شخص بولا "جنگلوں میں کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہاں
قتل ہوتے ہیں' اغوا ہوتے ہیں یا پھر ڈاکے پڑتے ہیں۔"
"دفتروں اور کارخانوں کے دروازے بند ہونے کے بعد ہی
ہم یہاں آئے ہیں۔ ہمارے لئے یہ بھی کام اور روزگار ہوگا
کیونکہ ہمیں اپنا پیٹ پالنے کے لئے معاوضہ ملے گا" میں نے

خوشامدانہ لہجے میں کہا۔
"کہاں سے آئے ہو؟" فرعونیت کے ساتھ ہم دونوں سے سوال کیا گیا۔
"صاحب کی گڑھی سے" اوّل خان مجھ سے پہلے مشینی انداز میں بول پڑا۔
تینوں تفہیمی انداز میں اپنے اپنے سر ہلانے لگے۔ وہ فولڈنگ کرسیوں پر دراز تھے اور ہم ان کے حضور' مجرموں کی طرح سہمے ہوئے کھڑے تھے۔
قلندر کے بارے میں تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ ہمارے انتخاب میں اس کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اسے ہمیں کسی مخصوص مقام تک پہنچانا تھا لیکن ان تینوں کے بارے میں میں تذبذب کا شکار ہوگیا تھا۔ ہمارا انتخاب ان ہی کو کرنا تھا یا انہیں بھی قلندر کی طرح ہمیں کہیں اور لے جانا تھا؟ میرے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ ان تینوں کے تیور خطرناک تھے۔ انہوں نے قلندر کے ساتھ جو سلوک کیا' اس کی روشنی میں وہ خود بھی اہم افراد معلوم ہوتے تھے اور کچھ عجب نہیں تھا کہ ہمارے مقدر کا فیصلہ ان ہی تینوں کی خوشنودی پر منحصر ہوتا۔
"جب تک تمہارا انتخاب نہیں ہو جاتا' تم ہمارے قیدی رہو گے" مونچھ والے نے اپنی مونچھوں کو بیک وقت دونوں چٹکیوں سے تاؤ دیتے ہوئے کہا "منتخب ہو گئے تو تمہیں ہر طرح کی آزادی مل جائے گی۔ رہ گئے تو تمہاری آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر تمہیں جنگلات سے باہر کسی سڑک پر چھوڑ دیا جائے گا۔"
"تو کیا ہم ابھی تک تمہیں مطمئن کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکے؟" میں نے مایوسانہ لہجے میں پوچھا۔
"ہم بیچ کے آدمی ہیں" میرے سوال نے اسے حقیقت اُگلنے پر مجبور کر دیا "نئے آدمیوں کا انتخاب ہمارا سردار خود کرتا ہے۔ تم تھوڑی دیر یہیں سائے میں ستا لو پھر ہم تمہاری آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر تمہیں اندر لے جائیں گے۔ وہاں سردار تمہارا فیصلہ کرے گا۔ ہم لوگ اس کے حکم کے غلام ہیں۔"
اسی اثنا میں ایک پگڑی والا اپنی کرسی چھوڑ کر کسلمندانہ انداز میں ہماری طرف آیا اور بہت تفصیل کے ساتھ ہم دونوں کی جامہ تلاشی لے کر واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔
ان تینوں کی حیثیت کا تعین ہونے کے بعد میرا حوصلہ قدرے بڑھ گیا اور میں نے ان سے بات چیت شروع کرنے کے لئے مایوسانہ انداز میں کہا "بے روزگاری بھی ایک عذاب ہوتی ہے۔ جسے شہروں کے بعد جنگلوں میں بھی روزی نہ ملے اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہونا چاہئے۔"
"دل چھوٹا نہ کرو" مونچھوں والے نے کہا "ہمارا سردار نرا بچہ ہے اور ہیرے کو پہچانتا ہے۔ تم میں ذرا سی بھی صلاحیت ہوئی تو وہ تمہیں نوکر رکھ لے گا۔ وہ جانتا ہے کہ بے روزگاری اور بھوک مسلمان کو کفر سے بہت قریب کر دیتی ہے" وہ میرے جال میں آکر بات آگے بڑھانے میں ملوث ہو گیا تھا۔
"پہلے تو پادری بھاری رقمیں دے کر مسلمانوں کو عیسائی بنا لیا کرتے تھے لیکن مولویوں نے شور مچا کر یہ سلسلہ بھی ختم کرا دیا۔ اب تو کفر اور مذہب بدلنے سے بھی پیٹ نہیں بھرتا۔"
میں ان کی سامنے ایک مایوس اور دل شکستہ انسان کا بہروپ بھرنے کی کامیاب کوشش کرتا ہوا بولا اور وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔
"شش!" اس نے مجھے فہمائش کی "مایوسی گناہ ہے۔ ایسی باتیں نہ کرو' جانتے ہو کہ مذہب بدلنے والے مسلمان کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔"
"شروع میں لاکھوں غریب مسلمانوں کو مشنریوں نے پیسے کے زور پر عیسائی بنایا۔ میں نے تو آج تک نہیں سنا کہ اس اسلامی ملک میں کسی مرتد کو سزائے موت دی گئی ہو۔"
وہ تلخ انداز میں ہنس پڑا "یہ حکومتوں کا قصور ہے۔ ہم لوگ اپنی خوشی سے ڈاکو نہیں بنے۔ ہماری مجبوریوں نے ہمیں اس راستے پر دھکیلا ہے۔ غربت اور افلاس کی آخری سرحدوں پر مرتد ہونے کے بجائے ہم مسلمان ہی رہے لیکن ڈاکو بن گئے۔ یہاں مرتدوں کے لئے کوئی سزا نہیں ہے۔ ان کی نسلیں پھل پھول رہی ہیں لیکن ہم مظلوم ڈاکوؤں کے لئے ہر طرف صرف اور صرف موت ہے۔ پولیس' فوج' عدالتیں اور عوام.... سب ہی ہمارے خلاف ہیں۔"
"وہ اس لئے کہ کچھ لوگ انتقاماً ڈاکو بن جاتے ہیں" میں اسے اُکسانے پر تلا ہوا تھا۔
"انتقام ظلم کی کوکھ سے جنم لیتا ہے" وہ ایک دم جوش میں آگیا "تم خود بتاؤ کہ وڈیرے کے آدمی کسی غریب ہاری کے سامنے اس کی بیوی یا بہن کو وڈیرے کی حویلی میں اٹھا لے جائیں' ظالم کے خوف سے گاؤں میں کوئی مظلوم کا ساتھ نہ دے' پولیس فریاد لکھنے سے انکار کر دے' مجسٹریٹ بیان سننے پر آمادہ نہ ہو اور پھر وڈیرے کے اشارے پر اسی مظلوم ہاری اور اس کے گھر والوں کو تھانے میں بلا کر بے آبرو کیا جائے' الٹا لٹکا کر مارا جائے' انہیں ایذائیں دی جائیں تو کیا ہونا چاہئے؟ شہروں میں رہنے والے ان بھیانک کہانیوں سے ناواقف ہیں۔ دور دراز کے پسماندہ علاقوں میں ہر روز ایسی کہانیاں جنم لیتی رہتی ہیں۔ جو بزدل ہوتے ہیں وہ دل ہی دل میں خون کے آنسو بہا کر' اپنی آبرو کی لاش کے سرہانے باقی عمر گزار لیتے ہیں اور جن کے خون میں ذرا سی بھی غیرت باقی ہوتی ہے' وہ اسلحہ اٹھا کر جنگلوں میں نکل آتے ہیں۔ اپنے دشمن وڈیرے سے انتقام لینے کے لئے وہ دوسرے وڈیروں کے ہاتھ میں کھیلنے لگتے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ وڈیرے ڈاکو بنانے کی سب سے بڑی مشین ہیں۔ ایک دفعہ ڈاکوؤں کو عام معافی دے کر ان سب وڈیروں کو سولی پر ٹانگ دیا جائے تو میں گارنٹی دیتا ہوں کہ

بستیوں اور جنگلوں میں صدیوں کوئی نیا ڈاکو پیدا نہیں ہو سکے گا یوں کہ گروہ بنانے والے بڑے ڈاکو وہی سورما ہوتے ہیں جو ظلم کے سامنے جھکنے کے بجائے' اسلحہ سنبھال کر اس کے مقابلے پر آجاتے ہیں۔ ان کے حواری صرف انہی کے دم سے زندہ رہتے ہیں۔ بڑے ڈاکو پیدا نہیں ہوں گے تو چھوٹے موٹے ڈاکو خود بخود ختم ہو جائیں گے۔"

اس کی باتیں دلچسپ اور فکر انگیز تھیں۔ یہ اس کی ذاتی رائے تھی کہ وہ اپنی پوری برادری کو مظلوم سمجھتا تھا لیکن بڑے ڈاکوؤں کے پیدا ہونے کے اسباب قابل غور تھے۔ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اغوا' ڈکیتی' قتل اور تاوان کے سارے معاملات میں پھر پھر کر چند ہی نام بار بار سننے میں آتے تھے لیکن ان میں سے ہر نام کے ساتھ ڈاکوؤں کا ایک طفیلی لشکر وابستہ ہوا کرتا تھا۔ اس طفیلی لشکر میں بھی دوسرے درجے کے وہی لوگ شامل ہو سکتے تھے جو معاشرے میں اپنے حقوق کے لئے لڑنے کے بجائے دولت مند بننے کے شارٹ کٹ پر یقین رکھتے ہوں یا روزگار کے ستائے ہوئے ہوں۔ ان دوسرے درجے کے لوگوں میں اتنی ہمت اور جرات نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ کسی سورما کی پشت پناہی کے بغیر کہیں سے ایک کیل بھی چرا سکیں۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "میں اور نہ شاید تم اپنا گروہ بنانے کے بارے میں سوچ سکتے ہو۔ یہ تمہارے سردار کی مضبوط اور ناقابل شکست ذات ہے جس کے گرد لوگ جمع ہوتے جا رہے ہیں۔ خدانخواستہ آج وہ نہ رہے تو سب بکھر جائیں گے یا کسی دوسرے سردار سے جا ملیں گے۔"

"یہ بات کوئی نہیں سمجھتا۔ سب ہزاروں ڈاکوؤں کی بات کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت سوں کے پاس اتنی پونجی جمع ہو گئی ہے کہ آج انہیں معافی مل جائے تو وہ کل اپنے خاندان میں لوٹ کر روزی کمانے کا کوئی باعزت دھندا شروع کر سکتے ہیں۔ ان سے مچلکے لئے جا سکتے ہیں۔ بدعہدی پر انہیں بدترین سزائیں قبول کرنے کا پابند کیا جا سکتا ہے لیکن وڈیرہ شاہی یہ نہیں چاہتی۔ وہ سب اپنی جاگیروں کے فرعون بنے ہوئے ہیں۔ انہیں اپنی محفلوں کی رونقیں عزیز ہیں اور وہی حکومت ہیں۔ یہ لوگ ہمیں کچل کر نیست و نابود کرنے پر تل گئے ہیں لیکن ہم میں بھی زندہ رہنے کی تڑپ ہے۔ ان کے مقابلے کے لئے ہم تیزی سے اپنی نفری بڑھا رہے ہیں۔ اسی لئے آج تم یہاں نظر آ رہے ہو۔"

"خالی نفری سے ہتھیاروں کو شکست نہیں دی جا سکتی" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اسے چھیڑا۔

"سب تیاریاں مکمل ہیں۔ اسلحہ کسی بھی وقت آنے والا ہے اور وہ ایسا اسلحہ ہوگا جو ہماری طرف بڑھنے والوں کے دانت کھٹے کر دے گا۔ جنگلوں کی ہر شاخ اور پہاڑوں کے ہر پتھر سے ان پر اتنا بارود برسایا جائے گا کہ وہ چوکڑی بھول جائیں گے" آنے والے بھیانک دنوں کا تصور کر کے اس کا چہرہ سرخ اور لہجہ ڈراؤنا ہو گیا "آج ہم ان سے رحم کی بھیک اور معافی مانگ رہے ہیں' کل وہ ان ہی باتوں کے لئے ہمارے سامنے گڑگڑائیں گے۔ وقت سدا کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ آج دن بڑے ہیں تو کل راتیں بھی بڑی ہوں گی۔ اچھے مستقبل کی اسی امید پر ہم ان جنگلوں' پہاڑوں اور دلدلوں میں رہ رہے ہیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں اور درختوں پر چڑھ کر ہم اپنے گھروں کی ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں دیکھتے ہیں۔ تصور میں اپنے پیاروں اور عزیزوں کو چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے دیکھتے ہیں لیکن ہم اپنے گھروں کا رخ نہیں کر سکتے کیونکہ وہاں سرمئی وردیوں والے ہمارے منتظر ہوں گے۔ ہمارے گھر والے ہماری صورتوں کو ترس گئے ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ دور اب زیادہ دن تک نہیں چل سکے گا۔"

اس کی بعض باتیں وحشیانہ اور بعض انتہائی رقت انگیز اور جذباتی تھیں۔ وہ کہانی کا صرف ایک رخ تھا اور یقیناً سو فیصد درست نہیں تھا لیکن میرا خیال تھا کہ وہ معاملہ صرف طاقت کے استعمال کا متقاضی نہیں تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کہانی میں بہت سے دلدوز انسانی المیے بھی شامل ہو گئے تھے جنہیں اسی انداز میں سوچا اور حل کیا جانا چاہئے تھا۔

"جس گھرانے کا ایک فرد بھی ڈاکو بن چکا ہے' وہ پورا گھرانا جاگیرداروں اور وڈیروں کے مظالم سے محفوظ ہو چکا ہے" اس بار ایک پگڑی والا بولا تھا "وڈیرے جانتے ہیں کہ جس دن انہوں نے کوئی زیادتی کی' جنگلوں کی طرف سے ایک غول آئے گا اور ان کی فصلوں اور باغات کو تاراج کر کے انہیں یا ان کے چہیتوں کو اٹھا لے جائے گا۔ جس خاندان میں کوئی ڈاکو نہیں ہے' وہ پہلے کی طرح آج بھی ان وڈیروں کے رحم و کرم پر ہے۔ بڑی تعداد میں لوگوں کے ڈاکو بننے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ گھر کے ایک جوان مرد کی قربانی دے کر ہر خاندان عزت کی زندگی گزارنے کی آرزو کرنے لگا ہے۔ اپنے گروہ میں شامل آدمیوں کے گھرانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہر سردار کا سب سے پہلا فرض ہوتا ہے۔ اخبارات میں ڈاکوؤں کی پھیلائی ہوئی تباہی اور بربادی کی کہانیاں ہر روز اچھالی جاتی ہیں لیکن یہ کہیں نہیں لکھا جاتا کہ عزت دار وڈیرے رات کے اندھیروں میں اپنی رعایا کو اپنے کیسے کیسے کرتوتوں کا نشانہ بناتے ہیں۔"

ان لوگوں سے میری گفتگو میری توقع سے بڑھ کر کامیاب اور معلومات افزا ثابت ہوئی تھی۔ ان تینوں سے میں نے دیدہ و دانستہ ملا سرکار کا کوئی ذکر نہیں چھیڑا تھا۔ ڈاکوؤں میں اس خبیث کی مقبولیت کا حال میں قلندر سے پہلے ہی معلوم کر چکا تھا۔ مونچھوں والے نے جس جدید ترین اسلحے کی آمد کی امید ظاہر کی تھی' اس کی اصل بھی مجھے معلوم تھی۔ وہ وہی اسلحہ ہو سکتا تھا جو

ملا سرکار وریا کے ذریعے ٹی سے خریدنا چاہ رہا تھا۔

ڈاکو غالباً بلیک کیٹ ٹی کے اشارے پر تیزی کے ساتھ اپنی نفری بڑھا رہے تھے اور بے چینی کے ساتھ جدید اسلحے کے منتظر تھے۔ایسے حالات میں اسلحے کی ڈیل کے لئے جی لائیڈ پر نامعلوم بیرونی قوتوں کی طرف سے دباؤ پڑا اور اس کا مضطرب ہونا ہر اعتبار سے قابلِ فہم تھا۔

اس مہم میں میری شمولیت اوّل خان کے ایما پر ہوئی تھی لیکن اس تمام گفتگو کے دوران میں وہ بے چارہ مسلسل خاموش بیٹھا ہماری باتیں سنتا رہا۔ اسے اندازہ ہی نہیں ہوسکا تھا کہ میں اس گفتگو کو کس رخ پر لے جا رہا تھا۔ وہ اسی وقت قدرے چونکتا اور پھر فوراً ہی سنبھلتا تھا جب کوئی انکشاف اس کے سامنے آتا تھا۔

"سیدھی سی بات ہے" مونچھوں والا کہہ رہا تھا "ہم نے اب یہ سیکھ لیا ہے کہ اگر کوئی ہاتھ خود سے تمہیں تمہارا حق نہ دے تو بڑھ کر پوری طاقت سے اس ہاتھ کو توڑ دو۔ باہر والے ہمیں چور 'ڈاکو' جو چاہے کہتے رہیں' ہمارا کام جاری رہے گا اور آنے والے دنوں میں ہمیں ہماری محنت کا پھل مل جائے گا۔"

"اس مہم میں کوئی سیاسی قوت بھی تمہارا... یعنی ہم لوگوں کا ساتھ دے رہی ہے؟"

"کوئی نہیں" اس نے تنفّر آمیز لہجے میں کہا "زیادہ تر سیاست داں بزدل اور دوغلے ہوتے ہیں۔ ہمارے ڈیروں پر آکر میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں' باہر جا کر زہر اگلتے ہیں۔ ہمیں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ سائیں سرکار کی دعائیں ہمارے ساتھ رہیں تو ہم جلد ہی سُرخ رو ہوں گے۔"

سائیں سرکار کا نام سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ میں نے پوچھا "سائیں سرکار کون ہیں؟"

"ہمارے پیرو مرشد" اس نے احترام و عقیدت سے لبریز لہجے میں کہا "اگر تم ہمارے ساتھی بننے میں کامیاب ہوگئے تو تمہاری ان سے ضرور ملاقات ہوگی۔"

"اب چلنے کی تیاری کرو" پگڑی والے دوسرے شخص نے کہا "تم لوگ تو ایسے باتیں کر رہے ہو جیسے یہ دونوں ہمارے ساتھ شامل ہوگئے ہیں۔ ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھو اور انہیں جیپ میں ڈال کر لے جا۔"

اس خبیث نے وہ سنسنی خیز محفل پل بھر میں درہم برہم کرادی۔

ہم نے انہیں اپنی نیک نیتی کا لاکھ یقین دلانا چاہا لیکن وہ اپنے اصولوں سے منحرف ہونے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اس پہلی چوکی سے آگے کا سفر آنکھوں پر پٹیاں باندھے بغیر ناممکن تھا۔

میری اور اوّل خان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھنے کے بعد ہمارے ہاتھ بھی پشت پر باندھ دیئے گئے۔ اوّل خان کو ایک شخص کے ساتھ پچھلی نشست پر بٹھایا گیا۔ مجھے مونچھوں والے کے برابر میں اگلی نشست پر بٹھایا گیا۔ جیپ کا انجن اسٹارٹ ہوا اور وہ ہچکولوں کے ساتھ آہستہ سے اپنے سفر پر روانہ ہوگئی۔

انجن کے شور کے مقابلے میں جیپ کی رفتار بہت سست تھی جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ گھنے جنگل میں راستہ بہت خراب تھا اور جیپ فور وہیل پر چل رہی تھی۔ شدید جھٹکوں کے ساتھ ہی بار بار موڑ بھی کاٹے جا رہے تھے جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ درختوں کو صاف کرکے جنگل میں مصنوعی راستہ بنانے کے بجائے ان لوگوں نے پُرپیچ قدرتی راستہ ہی اپنے زیرِ استعمال رکھا ہوا تھا جس سے گزر کر کسی اجنبی کا ان تک پہنچنا ناممکنات میں سے تھا۔

وہ الجھن آمیز اور پُر صعوبت سفر میری توقع سے کہیں زیادہ طویل ثابت ہوا۔ گونگے اور اندھے کی طرح ایک گھنٹا گزارنے کے بعد میرے لئے سگریٹ کی طلب ناقابلِ برداشت ہوگئی تو میں نے انجن کے تیز شور میں چیخ کر اپنے نگہبانوں کو اپنی خواہش سے باخبر کیا۔

"یوں ہی بیٹھے رہو" مونچھوں والے کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی "یہ سمجھ لو کہ ابھی سے تمہاری تربیّت کا آغاز ہوگیا ہے۔ یہ جیپ ساڑھے تین چار گھنٹے تک یوں ہی چلتی رہے گی۔"

اس سے آگے کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ جیپ کی رفتار بہت سست تھی لیکن پھر بھی ساڑھے تین چار گھنٹے کا سفر معنی رکھتا تھا۔ جنگل میں ان کے سردار کا ٹھکانا بہت دور تھا یا پھر وہ ہمیں ایک ہی علاقے میں چکر دے کر مسافت کے بارے میں فریب دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ پُرپیچ سفر کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ میرے لئے صحیح صورتِ حال کا ادراک کرنا بالکل ہی ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

ہم لوگ پیدل چل رہے ہوتے تو شاید اتنی تکان نہ ہوتی مگر جیپ میں مزید کچھ دیر کے سفر کے بعد میرا جوڑ جوڑ دُکھنا شروع ہوگیا۔ آخر کار طویل وقفے کے بعد ایک مقام پر جیپ ٹھہرنے کے ساتھ ہی اس کا انجن بند ہوا اور متعدد ملی جلی انسانی آوازیں میرے کانوں میں آئیں تو میں نے دل ہی دل میں وہ پُر صعوبت سفر ختم ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

مونچھوں والے نے پہلے میری آنکھیں کھولیں پھر جیپ سے اتارنے کے بعد ہاتھ بھی کھول دیئے۔ یہی عمل دوسرے آدمی نے اوّل خان کے ساتھ دہرایا تھا۔

اس مقام کا جائزہ لیتے ہوئے میں کوشش کے باوجود اپنی حیرت پر قابو نہ رکھ سکا۔

وہ گھنے جنگل کا صاف کر کے ہموار کیا ہوا ایک میدان تھا جس کے چاروں طرف' تاحدِ نظر گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ وہ جنگل اس قدر گنجان اور دن کے وقت نیم تاریک تھا کہ اس میں چند قدم سے آگے دیکھنا دشوار تھا۔ اسی طرح یہ بھی سمجھ میں نہیں

ا کہ وہاں کھڑی ہوئی متعدد گاڑیاں کس راستے سے اس ن میں داخل ہوئی ہوں گی۔ ہماری جیپ کی پوزیشن سے یہ ہ ہو رہا تھا کہ وہ کدھر سے آئی ہوگی لیکن اس سمت میں بھی رخت ایک دوسرے سے اتنے قریب تھے کہ کسی گاڑی کا سے سیدھا گزرنا محال تھا۔

میدان میں ایک بڑا خیمہ نصب تھا۔ اس کے آس پاس چھ اریاں لگی ہوئی تھیں۔ بہت سے لوگ مختلف قسم کے ں میں مصروف تھے۔ ایک طرف اینٹوں کے بنے ہوئے ے میں لکڑیوں کی تیز آگ بھڑک رہی تھی جس پر دیگ چڑھی تھی۔ اگر وہاں ہر شخص کے بدن پر اسلحہ موجود نہ ہوتا تو النظر میں یہی معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی بڑی پارٹی پکنک منانے رادے سے وہاں کیمپنگ کیے ہوئے تھی۔

میرا سرسری سا اندازہ تھا کہ وہاں ستر سے سو کے درمیان موجود تھی اور وہ سب کم از کم پچھلے کئی دن سے وہاں رہ رہے ۔

" تم باتیں بہت کرتے ہو" مونچھوں والے نے میرے ب آکر ناصحانہ لہجے میں کہا "سردار باتونی لوگوں کو پسند نہیں ا۔ اس کے سامنے سوچ سمجھ کر زبان کھولنا۔"

" تو کیا ہمیں اسی وقت اس کے سامنے جانا ہوگا؟" میں نے سلگائی ہوئی سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے بوکھلا کر سوال ۔

" یہ سپاہیانہ زندگی ہے، یہاں تر و تازہ ہونے کا کوئی وقت نہیں ہے۔ پیشی کے مرحلے سے جتنی جلدی نمٹ جاؤ ہی اچھا ہوگا۔ تمہارے نمٹنے تک ہم بھی یہیں پھنسے رہیں گے۔"

" تو کیا تمہارا واپس جانے کا ارادہ ہے؟" میں نے حیرت پوچھا۔

" ہاں، ہماری ڈیوٹی اسی چوکی پر ہے جہاں سے تمہیں لایا گیا " اس نے کہا۔

" تو تم جاؤ، واپسی کا سفر زیادہ تھکانے والا ثابت ہوگا" میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

" جب تک تم فارغ نہیں ہو جاتے، ہمیں یہیں رکنا پڑے گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" مگر کیوں؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

" تمہارا انتخاب نہ ہو سکا تو ہم ہی تمہیں یہاں سے واپس لے جائیں گے۔"

" کیا تمہاری رائے میں ایسا کوئی امکان موجود ہے؟" میرے لئے وہ اطلاع پریشان کن تھی۔

" کسی کی رائے نہیں چلتی، سردار نے کئی ایسے آدمی رکھے ہیں جو ہماری نظروں میں ڈرپوک اور بودے تھے لیکن بعد میں انہوں نے ناقابلِ یقین کارنامے انجام دیئے۔ یہ فیصلہ سردار خود کرتا ہے۔"

پہلے سے وہاں موجود لوگوں نے ہماری آمد میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لی، نہ ہی کسی نے ہمارے لانے والوں کے ساتھ گرم جوشی کا مظاہرہ کیا جس سے پتا چلتا تھا کہ وہ سب اس کیمپ کے معمولات میں شامل تھا۔

وہ دونوں ہمیں لے کر بڑے خیمے کی طرف گئے۔ پہلے مونچھوں والا پردہ اٹھا کر اکیلا اندر گیا۔ اس کے باہر آنے پر میں آدل خان کے ساتھ خیمے میں داخل ہو گیا۔

خیمے میں قدم رکھتے ہی لہو میری رگوں میں گویا منجمد ہو گیا اور میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

سردار ایک تنومند اور دراز قامت شخص تھا۔ وہ ایک فولڈنگ کوچ پر نیم دراز سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک عورت اور ایک مرد بھی بیٹھا ہوا تھا۔ مرد میرے لئے اجنبی تھا لیکن وہ عورت، جانو ماچھی کی بیوہ، رانی تھی۔

میں اس کے شوہر کا قاتل تھا۔ اپنے شوہر کے دم توڑنے سے پہلے اور اس کے بعد رانی نے بحث و تمحیص میں میرے ساتھ کافی وقت گزارا تھا۔ وہ میری صورت نہیں بھول سکتی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میرا سر منڈا ہوا ہونے کے باوجود وہ مجھے پہچان لے گی اور وہی خیمہ میرا مدفن بن جائے گا۔ میں تنہا اور نہتا تھا جب کہ وہ پورا میدان رانی کے مسلح دوستوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ مجھے ایک ایک گولی بھی مارتے، تو میری لاش ناقابلِ شناخت ہو سکتی تھی لیکن یہ حیرت ناک بات ہوئی کہ رانی نے سرسری انداز میں ہم دونوں کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لئے شناسائی کی ذرا بھی رمق نمودار نہ ہوئی۔ شاید قدرت کو میری زندگی منظور تھی کہ رانی کی نظروں پر پردہ پڑ گیا تھا۔

" تم دونوں جاؤ" خیمے میں سردار کی بھاری اور تحکم آمیز آواز گونجی۔

اس کے حکم کی تعمیل میں وہ دونوں خیمے کا پردہ ہٹا کر یکے بعد دیگرے باہر نکل گئے۔

سردار کوچ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے سرہانے رکھی ہوئی پگڑی اپنے سر پر جمائی اور گہری ناقدانہ نظروں سے باری باری ہم دونوں کا جائزہ لینے لگا۔

" تم میں تانی کون ہے؟" آخر کار اس نے سوال کیا۔

درخواستوں پر نظرِ ثانی کئے بغیر اسے صاحب کی گڑھی سے آنے والے امیدواروں کے نام ازبر تھے۔ درخواستوں کے حساب سے میرا نام تنویر عرف تانی تھا۔

" میرا نام ہے، سردار" میں نے اپنے سر کو قدرے خم دے کر کہا۔

" اسلحے کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" اس نے ادھ جلی سگریٹ چٹکی سے دور اچھالتے ہوئے سوال کیا۔

وہ میرا دل پسند موضوع تھا۔ مجھے اسلحے کی اقسام سے لے کر ان کے بہترین میک تک معلوم تھے۔ میں نے نپے تلے الفاظ میں' رک رک کر تقریر شروع کردی جو وہ تحمل سے سنتا رہا۔ مشین گن کی باری آنے پر اس نے مجھے خاموش کردیا۔

"پہلے کیا کرتے تھے؟" اس نے خشک اور تحکم آمیز لہجے میں اگلا سوال کیا۔ اس دوران میں اس کی نگاہیں ایک پل کے لئے بھی مجھ پر سے نہیں ہٹی تھیں۔

"ہیروئن کی پڑیاں بیچا کرتا تھا" میں نے بلاتوقف جواب دیا۔

... میرے دل میں آئی کہ اس کام سے دست بردار ہونے کے اسباب پر بھی روشنی ڈالوں لیکن مونچھوں والے کی ہدایت یاد آتے ہی میں نے وہ ارادہ ترک کردیا۔

"تمہاری رائے میں غداری کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ سزا کیا ہونا چاہئے؟"

"غداری کی صرف ایک ہی سزا ہونا چاہئے اور وہ موت ہے۔"

... رفتہ رفتہ میرا اعتماد بحال ہونے لگا تھا۔

"پانچ ہزار روپے ماہانہ' چھٹی کوئی نہیں' گولی کا زخم آیا تو علاج مفت' معذوری کی صورت میں پچاس ہزار روپیہ اور گھر بیٹھے آدھی تنخواہ' مقابلے میں مارے گئے تو وارثوں کے لئے دو لاکھ نقد۔ نوکری منظور ہے؟"

"بب... بالکل منظور ہے" اس قدر مختصر انٹرویو پر انتخاب ہونے پر میں واقعی بوکھلا گیا۔

"تمہارا ولی وارث کون ہے؟" اس کا لب ولہجہ اپنے اندر شاہانہ تحکم لئے ہوئے تھا۔

"کوئی نہیں' بس میرا یہ دوست ہے" میں نے اوّل خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"مارے گئے تو دو لاکھ روپے کس کو ادا کئے جائیں گے؟" وہ کھرا اور عملی آدمی معلوم ہوتا تھا۔

"ایک لاکھ اسے اور ایک لاکھ مولانا عبدالستار ایدھی کو دے دئے جائیں۔"

اس نے مسکراتے ہوئے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور بولا "کیسی عجیب بات ہے۔ ایدھی کو لوگ اپنی مرضی سے لاکھوں روپے دیتے ہیں' رجب علی گجھیو کو زبردستی کرنا پڑتی ہے۔ مقصد دونوں کا' غریبوں کی خدمت کرنا ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سردار رجب علی' اوّل خان کی طرف متوجہ ہوگیا "تمہارا نام مستی خان ہے لیکن تمہارے چہرے پر مستی کے کوئی آثار نہیں ہیں' اس کی کیا وجہ ہے؟"

"چہرہ میرا اپنا ہے اور نام ماں باپ کا رکھا ہوا ہے" اوّل خان اس وقت اوّل درجے کا تابعدار نظر آرہا تھا۔

"اجنبی دوست اور شناسا دشمن میں سے کسی ایک پر بھروسا کرنا ہو تو کسے ترجیح دوگے اور کیوں؟"

"شناسا دشمن کو' کیونکہ وہ جانا بوجھا ہوتا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دغا دی تو کہاں سے اور کیسے وار کرے گا' اجنبی کا کچھ پتا نہیں ہوتا" اوّل خان نے میرا دل خوش کردیا۔

"لڑنے بھڑنے میں مہارت ہے؟" سردار رجب علی نے اُس سے اگلا سوال کیا۔

"بیک وقت دو آدمیوں کو آسانی سے ڈھیر کرسکتا ہوں۔" اوّل خان کے لہجے میں ہلکا سا غرور اُمڈ آیا۔

"تنخواہ چار ہزار' باقی سب کچھ وہی" سردار رجب علی نے اپنا فرمان سنایا "لیکن اس کے لئے شام کو تمہیں اپنا دعویٰ ثابت کرنا ہوگا۔ تم میرے دو آدمیوں سے میدان میں لڑوگے۔"

اوّل خان کا چہرہ اتر گیا۔ وہ دانستہ میری طرف دیکھنے سے گریز کررہا تھا۔

نوکری کے سلسلے میں مجھے نہ صرف زیادہ تنخواہ دی گئی تھی بلکہ مجھ سے میری رضا پوچھی گئی تھی جب کہ اوّل خان کو کم مشاہرے پر مشروط پیش کش کی گئی تھی۔ اگر وہ اپنے دعوے کے مطابق دو آدمیوں کو زیر کرنے میں ناکام رہتا تو سردار رجب علی اسے فوری طور پر واپس روانہ کراسکتا تھا۔

"تم دونوں برابر والی چھولداری میں خمیسو سے مل لو' وہ تمہیں کام سے لگادے گا۔"

ہم سردار کو سلام کرکے الٹے قدموں خیمے سے باہر آگئے۔ میرے لئے اہم ترین بات یہ تھی کہ ہم ڈاکوؤں کے ایک اہم ٹولے میں شامل ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے جہاں سے ہمیں بلیک کیٹ ٹی اور اس کے طریقۂ واردات کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوسکتا تھا جس کے نتیجے میں ہم اس پر بھرپور ضرب لگانے میں کامیاب ہوسکتے تھے۔

"شام والی لڑائی بلاوجہ ہی گلے پڑگئی" اوّل خان چھولداری کی طرف جاتے ہوئے بڑبڑایا "اس نے چھٹے ہوئے آدمی میرے مقابلے پر اتار دئے تو خواہ مخواہ کرکری ہوجائے گی۔"

"اس سے مفر ہی نہیں تھا۔ تم لڑنے بھڑنے سے انکار کرتے تو وہ اُسی وقت تمہیں واپس لوٹا دیتا۔"

"اس نے مجھ سے میرے ورثاء کے بارے میں بھی کچھ نہیں پوچھا" اس نے شکوہ کیا۔

"شام کو پوچھے گا' ابھی تمہاری نوکری کچی ہے... جو کچھ ہورہا ہے' ہونے دو۔ اس پر کسی ردِّعمل کا اظہار نہ کرنا۔ دو تین دن گزار کر ہم یہاں سے نکلنے کی فکر کریں گے۔"

سردار رجب علی جس قدر خوش شکل اور پُرشکوہ انسان تھا' خمیسو اسی قدر چھچھورا اور بدخو انسان تھا۔ اس نے نہایت طنزیہ انداز میں ہم دونوں کا استقبال کیا تھا۔

وہ شاید سردار رجب علی کا دستِ راست ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا منشی بھی تھا۔ اس نے ہمیں ایک آہنی صندوق میں

بے بور کے پستول فاضل گولیوں سمیت دئے اور ہمیں
لے کر ایک طرف چل دیا۔ اول خان کو اس نے کھانا
والوں کی ٹولی کے ساتھ چھوڑا اور مجھے گنجان درختوں کے
بیٹھے ہوئے پانچ قیدیوں کی طرف لے گیا۔
دہاں پہلے سے مامور، مسلح شخص، نمیسو کا اشارہ پاتے ہی
۔

"یہ پانچوں موٹی اسامیاں ہیں۔ ان کے تاوان کی بات
چل رہی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی نکل بھاگنے میں
ب ہوگیا تو تمہاری چمڑی گرادی جائے گی" آخری فقرہ اس
برے کان میں مُنہ ڈال کر آہستہ سے کہا تھا۔
نمیسو فوراً ہی چلا گیا۔ ان پانچوں قیدیوں کے شیو بڑھے
ہ تھے۔ بے خوابی کی وجہ سے ان کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے
، ہوئے تھے۔ چہروں سے سنگین تشویش ہویدا تھی۔ یوں
ہو رہا تھا جیسے ان میں سے ہر ایک کے جسم سے خون کی کئی
بلیں نچوڑلی گئی ہوں۔
ان میں سے ہر قیدی کے دونوں ہاتھ دوسرے قیدی کے
ر ہتھکڑیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ داہنا ہاتھ داہنی سمت
لے قیدی کے بائیں بازو کے ساتھ بندھا ہوا تھا تو بایاں ہاتھ
ں سمت والے قیدی کے داہنے بازو سے بندھا ہوا تھا۔ اس
سے وہ سب دائرے کی صورت میں بیٹھنے پر مجبور تھے۔ ان
سے کسی بھی ایک کی غیر محتاط نقل و حرکت دوسروں کے لئے
ف کا باعث بن سکتی تھی۔
میں ان سے قدرے دور ایک درخت کے تنے سے ٹیک
زمین پر بیٹھ گیا۔ بھرا ہوا پستول میں نے اپنی گود میں رکھ لیا تھا
بوقتِ ضرورت اسے فوری طور پر کام میں لاسکوں۔
مجھے سکون کے ساتھ سگریٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے
ہی ثانئے گزرے ہوں گے کہ اچانک بھوں بھوں کی ایک
ی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے بھڑک کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔
گے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان پانچوں میں سے ایک ادھیڑ عمر
ں اپنا سر جھٹک جھٹک کر اونچی آواز میں روئے جا رہا ہے۔
میں پستول تانے ترحّم آمیز نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ آخر
پانچوں سے میں ایک مجھ سے مخاطب ہوگیا "بھائی! تم ان میں
ے اور ذرا شریف معلوم ہوتے ہو۔ تم ہی اس کی مشکل کو کچھ
مان کرو۔"
"یہاں سردار کا حکم اور اس کی مرضی چلتی ہے۔ ہم سب
ساکے حکم کے بندے ہیں۔"
"چالیس لاکھ میری ساری پونجی ہے" رونے والا شخص رونا
ل کر اپنی بپتا سنانے لگا "پتا نہیں میرے گھر کے کس بھیدی نے
خبران کو پہنچادی ہے۔ چالیس لاکھ ان کو دے دوں تو پھر میں کیا
ؤں گا؟"

اس کی بات بہت سادہ اور قابلِ فہم تھی۔ میں نے نرمی سے
کہا "چالیس لاکھ دے دو۔ تم زندہ رہے تو اس سے زیادہ رقم
کمالوگے۔ اپنی ضد کی وجہ سے مارے گئے تو ایک پیسہ بھی
تمہارے کام نہیں آسکے گا۔"
اس نے دل کی گہرائیوں سے ایک سرد آہ کھینچی اور بولا "وہ
میری خون پسینے کی کمائی ہے۔ یہ بات سب بڑی آسانی سے کہہ
دیتے ہیں۔ یہ کوئی نہیں بتاتا کہ روپے کس پیڑ میں اُگتے ہیں۔"
اس نے دوبارہ رونا شروع کردیا۔ اس کے ساتھی قیدی اپنی
تشویش اور پریشانی کے باوجود اسے ہمدردانہ نظروں سے دیکھ رہے
تھے۔ میں نے بھی اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور دوبارہ اپنی جگہ
پر جا بیٹھا۔
ڈاکو اپنی دانست میں ان قیدیوں کے ساتھ بہتر رویّہ اختیار
کئے ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی کے فرار کے خطرے کے
سدِباب کے لئے انہیں اجتماعی طور پر ہتھکڑیاں پہنانے کے علاوہ
ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھا جا رہا تھا۔ حوائج ضروریہ کے سلسلے
میں جو بھی، جب چاہتا کھول دیا جاتا تھا۔ اسے ایک مسلح ڈاکو کی
نگرانی میں قریبی جنگل میں بھیجا جاتا اور واپسی پر دوبارہ ہتھکڑی
لگادی جاتی۔ کھانے کے وقت ان سب کو آزاد کردیا گیا اور سب
سے پہلے ان ہی کو کھانا فراہم کیا گیا۔ ان میں سے دو افراد بغیر
نمک مرچ کا پھیکا اور پرہیزی سالن کھاتے تھے جو ان کے لئے
علیٰحدہ تیار کیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک قیدی سرِشام وسکی پینے کا
عادی تھا۔ مجھے پتا چلا کہ سردار رجب علی بذاتِ خود اسے شراب
بھجواتا تھا۔
لیکن اس امر سے چشم پوشی کسی بھی طرح ممکن نہیں تھی کہ
وہ سب قیدی تھے۔ انہیں، ان کی مرضی کے خلاف ان کے
گھروں، دفتروں یا راستوں سے اغوا کیا گیا تھا۔ ان کی بخیر و عافیت
رہائی کے لئے ان کے لواحقین سے خطیر رقوم کا مطالبہ کیا گیا تھا،
انہیں یہ بتادیا گیا تھا کہ ایک مقرّرہ مدت تک مطلوبہ رقوم نہ ملیں
تو ان کی لاشیں ان کے گھروں کو روانہ کردی جائیں گی۔ وہ سب
ہی ذی حیثیت لوگ تھے اور اس کھلے جنگل میں، آسمان تلے،
انہیں ان کے معیار کی سہولتیں فراہم کرنا ناممکنات میں سے تھا
اس لئے چند ہی روز میں وہ سب برسوں کے بیمار نظر آنے لگے تھے۔
سورج مغرب کی طرف جھکنے کے بعد جب وسطی میدان میں
درختوں کے سائے لمبے ہونے لگے تو اوّل خان کے مقابلے کی
تیاری شروع ہوگئی۔ مقابلے کے لئے اسے نیکر اور بنیان فراہم
کیا گیا تھا۔ ڈاکوؤں کی بھیڑ میں بھی دو تندرست و توانا افراد اسی
لباس میں گھوم رہے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہی اول خان
کے حریف ہوسکتے تھے۔
سردار رجب علی کے خیمے سے باہر آتے ہی، ساڑھے تین
بجے اس غیر مسلح مقابلے کا آغاز ہوگیا۔

ان دونوں کے پہلے حملے کے جواب میں اول خان کے ردِعمل پر مجھے اس کی مہارت کا اندازہ ہوگیا۔ اس نے کسی پیشہ ور کمانڈو کی طرح ان دونوں کو جھکائی دے کر نہ صرف خود کو بچایا تھا بلکہ ان میں سے ایک کی پشت پر ایسی زوردار لات رسید کی تھی کہ وہ دور تک دوڑنے کے باوجود خود کو نہ سنبھال سکا اور منہ کے بل زمین پر ڈھیر ہوگیا۔

مقابلے کی ابتدا قدرے سکون سے ہوئی تھی لیکن جلد ہی تماشائیوں کی بھیڑ میں جوش و خروش بڑھنے لگا۔ لوگوں کے چہرے زمین پر خون دیکھنے کی آرزو میں دمکنے لگے' ان کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک کوندرہی تھی اور وہ چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کی یوں حوصلہ افزائی کررہے تھے جیسے ان کے مدِمقابل ایک انسان کے بجائے کوئی قابلِ نفرت درندہ اترا ہوا ہو۔

وہاں ان کے حامیوں کی کثرت تھی۔ ان کے لئے جیتنا انا کا مسئلہ بن گیا تھا۔ وہ ہر بار مار کھا کر زیادہ مشتعل ہورہے تھے جب کہ اول خان کا وہاں کوئی شناسا نہیں تھا۔ وہ بڑی چالاکی کے ساتھ اپنا دفاع کرتے ہوئے' ان دونوں کو حملے کرنے کا موقع دے رہا تھا۔ اول خان کے چہرے پر ایک آدھ گہری خراش آچکی تھی جس سے خون بھی رِسنے لگا تھا لیکن اس کے جواب میں اس نے ہانپتے ہوئے ان دونوں گینڈوں کے چہرے بگاڑ کر رکھ دئے تھے۔

ان میں سے ایک کی شامت آئی اور وہ جوں ہی اوّل خان پر اکیلا حملہ آور ہوا' اول خان نے بائیں طرف سرک کر خود کو اس کی جھونک سے بچاتے ہوئے اس کی کنپٹی پر ایسا کرارا ہاتھ رسید کیا کہ وہ ہلکی سی غرّاہٹ کے ساتھ زمین پر ڈھیر ہوکر بے حس و حرکت ہوگیا۔

اس کے بے ہوش ہونے کے بعد مقابلہ برابر کا رہ گیا تھا لیکن اول خان کے حریف کی حالت یہ بتا رہی تھی کہ وہ اکیلا زیادہ دیر تک مقابلے پر نہ ٹک سکے گا۔

جو کچھ میں سوچ رہا تھا' وہی سردار رجب علی نے بھی سوچا ہوگا کیونکہ اسی لمحے اس نے ہاتھ اٹھا کر مقابلہ روک دینے کا حکم دیا۔ اول خان کو سردار نے اپنی طرف بلالیا۔ اس کا حریف اپنے ساتھیوں میں جاملا۔

دن کے اجالے میں ان قیدیوں پر صرف میری ڈیوٹی رہی لیکن شام ہوتے ہی' میری جگہ تین نئے' چاق و چوبند آدمی آگئے۔ ... وہ مقام ایسا تھا کہ وہاں لوگ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے تھے۔ کسی تیسرے کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ کسے کیا کرنا ہے۔ میں نے اپنی جگہ آنے والوں کی بات مان کر خمیسو کی چھولداری کا رخ کیا۔

وہ باہر ہی کھڑا ہوا' نسوار کی چٹکی اپنی ہتھیلی پر مسل رہا تھا۔

" جب تک یہاں پڑاؤ ہے' گھوم پھر کر دوسروں کا ہاتھ بٹاتے رہو" خمیسو نے مجھے پہچان کر کہا " دن میں قیدیوں کی دیکھ بھال کرلیا کرو۔ ابھی تم نئے ہو اور ان جنگلوں سے ناواقف بھی اس لئے رات کے وقت تمہیں کوئی کام نہیں سونپا جائے گا۔ دوا' دارو کچھ پیتے ہو تو وہ مجھ سے مل جائے گی۔ آخر میں تنخواہ پر حساب ہوجائے گا۔"

" اسکاچ مل جائے تو تمہارا بڑا احسان ہوگا" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا" میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ سردار رجب علی کے بعد گروہ میں اسی کا طوطی بولتا تھا۔

خمیسو نے میری خواہش سن کر برا سا منہ بنایا "تم لونڈوں میں یہی خرابی ہے۔ دو پیسے کی نوکری ملتے ہی ہرا ہرا سوجھنے لگتا ہے۔ کل تک شاید کنگال پھر رہے تھے' آج اسکاچ کی سوجھ رہی ہے۔"

وہ مجھے ساتھ لے کر ایک لینڈ روور جیپ کی طرف گیا۔ اس کے عقبی حصے میں اسلحے کی پیٹیاں اور دیسی اور ولایتی شراب کے کریٹ لدے ہوئے تھے۔ میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ وہ سارے ہی اَدھے تھے۔ شاید اس لئے کہ ایک رات میں پوری ایک بوتل ختم کرنا کسی کے لئے بھی محال تھا اور اگلے دن بچی ہوئی بوتل لئے پھرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ لوگ ہر وقت حالتِ سفر میں رہتے تھے۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ کب کوچ کا حکم مل جائے اس لئے روز مرّہ ضرورت کی اشیا اسی قدر بانٹی جاتی تھیں کہ روز کا کوٹا روز ختم ہوجائے' ان کے لئے بوجھ نہ بنے۔

بلیک لیبل کا ہاف دو سو روپے میں بہت سستا تھا۔ وہ دام کراچی کی مارکیٹ سے نصف سے بھی کم تھے۔

" یہاں شراب تو بہت سستی ہے استاد" میں نے خمیسو سے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

" ان جنگلوں میں مقدر کے ستائے ہوئے لوگوں کے لئے اور رکھا ہی کیا ہے؟" خمیسو پلٹ کر تلخ لہجے میں بولا" پہلے سردار شراب مفت بانٹتا تھا۔ مفت کا مال سب ہی پینے لگتے تھے اس لئے برائے نام قیمت رکھنا پڑی۔ ریڈ لیبل اور ٹیچرز تین سو کی بوتل ہے وہ ذرا جلدی چڑھتی ہے۔ یہ خیال رکھنا کہ پی کر ذرا بھی بہکے یا اودھم مچایا تو سردار مار مار کر تمہاری چمڑی گرادے گا۔ یہاں پینے پر کوئی پابندی نہیں لیکن پی کر بہکنا ناقابلِ معافی جرم ہے۔"

میں خمیسو سے بوتل لے کر واپس لوٹ رہا تھا تو سامنے سے رانی آتی ہوئی نظر آئی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ میرے قدم من من بھر کے ہوگئے۔ خیمے میں سامنا ہونے پر وہ مجھے نہیں پہچان سکی تھی لیکن مجھے ہر آن یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ وہ جانو ماچھی کے قاتل کو کسی بھی لمحے پہچان کر میرا گریبان پکڑلے گی۔

اس وقت میری حالت چھری کے نیچے آئے ہوئے بکرے کی سی تھی لیکن رانی میری طرف ذرا بھی توجہ دئے بغیر نہایت سبک خرامی کے ساتھ میرے قریب سے گزرتی چلی گئی اور میں نے ان کٹھن لمحات گزر جانے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

رانی سے کوٹ منڈو کے مضافات میں میرا ٹکراؤ ہو چکا تھا۔
ں جانتا تھا کہ وہ ایک پیشہ ور ڈاکو کی بیوی تھی۔ جانو ماچھی کی
وت کی بعد اس نے اپنی گزر اوقات کے لئے سردار رجب علی
ے گروہ میں شمولیت اختیار کرلی۔ لیکن میں نے رانی کے علاوہ
ی سردار کے خیمے کے قریب، کئی حسین و جمیل عورتوں کی جھلک
بھی تھی جو شاید چھولداریوں میں رہتی تھیں۔ ان کے بارے
ں شدید تجسس ہونے کے باوجود میں کسی سے کوئی سوال کرنے
ی جرات نہیں کر سکا تھا۔

بڑے ڈاکوؤں کی رنگ رلیوں کے بارے میں، میں بہت کچھ
ھ اور سن چکا تھا لیکن ان تمام حالات کا بچشم خود مشاہدہ کرنے
اوہ میرا پہلا اور آخری موقع تھا۔ وہ خوش بدن اور خوش جمال
رتیں سردار رجب علی کی رکھیل بھی ہو سکتی تھیں اور ان ہی
ں اس کی کوئی بیوی بھی ہو سکتی تھی۔

اس کھلے جنگل میں پہنچ کر میں محسوس کر رہا تھا کہ ڈاکو بننا
وئی سہل کام نہیں تھا۔ اپنے خاندانوں اور معاشرے سے کٹ
ر، وہ لوگ حیوانوں سے قدرے بہتر زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔
اپنی چیرہ دستیوں کے طفیل، ان کے پاس دولت کی فراوانی تھی۔
شاید انہیں خود علم نہ ہو کہ ڈکیتیوں اور تاوان کے ذریعے وہ
س قدر دولت بٹور چکے ہیں لیکن ان کے پاس اس بے اندازہ
ولت کا کوئی مصرف نہیں تھا۔ گاڑیاں وہ چھین لاتے تھے، لے
ے کر رقم کا ایک ہی مصرف تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے
تر اسلحہ خریدیں تاکہ انہیں قانون کے محافظوں کے سامنے نیچا
ہ دیکھنا پڑے۔ رقم خرچ کرنے کے اس قدر محدود ذرائع کی وجہ
ے وہ سخاوت دکھانے پر مجبور تھے۔ اپنے ملازموں اور مخبروں کو
ھاری تنخواہوں کے علاوہ انعامات دیا کرتے تھے، اپنے آدمیوں کو
ستی شراب پلاتے تھے اور شاید قرب و جوار کی بستیوں کے غربا
ی مدد بھی کرتے تھے۔

لیکن ان راندۂ درگاہ لوگوں کو ایک لمحے کا بھی سکھ میسر نہیں
ھا۔ موت کے قدموں کی دھیمی دھیمی چاپ انہیں شاید نیند میں
بھی اپنا پیچھا کرتی سنائی دیتی تھی۔ ایک عالم کے سکھ چین کو تہس
نہس کردینے والے ان ڈاکوؤں کی کوئی منزل نہیں تھی۔ وہ
صرف زندہ رہنے کے لئے لڑ رہے تھے۔ انہوں نے خود کو حالات
کا ایسا غلام بنالیا تھا جو نہ اپنی مرضی سے پڑاؤ کر سکتا ہے اور نہ
کوچ! انہیں کچھ علم نہیں تھا کہ قزاق اجل کب ان کے ٹولے پر
شب خون مار کر ان کی آنکھوں سے زندگی کی حرارت لوٹ کر لے
جائے گا۔ بے یقینی کی اس زندگی میں سردار رجب علی اپنی بیویوں
اور محبوباؤں کو اپنے جلو میں لئے دشت و جبل میں بھٹکتا پھر رہا تھا تو
کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ آج جانو ماچھی کی بیوہ اپنی
ضرورتوں کے تحت اس کی باندی بنی ہوئی تھی تو کل اس کی
عورتیں بھی کسی اور ڈکیت کے پہلو میں پناہ لے سکتی تھیں۔

اس بھیانک اور ڈراؤنے ماحول میں وہ سب سوال ممنوعہ تھے۔ ان پر سوچا جا سکتا تھا لیکن زبان کھولنے والا بغاوت کی سزا سے ہرگز نہیں بچ سکتا تھا جسے میں نے صرف اور صرف موت تجویز کیا تھا۔

دھندلکا پھیلنے کے ساتھ ہی، فضا پرندوں کے شور سے گونجنے لگی۔ اپنے رزق کی تلاش میں دن بھر کی خونچکاں پروازوں سے نڈھال ہو کر وہ تمام پرندے خوشی خوشی اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ رہے تھے لیکن ڈاکوؤں کا کوئی گھر نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے آشیانوں کے در، خود اپنے اوپر بند کرلئے تھے۔ وہ مستقل سفر میں تھے۔ ان کی پرواز مسلسل تھی جس میں آشیانے کی طرف لوٹنے کا کوئی تصور باقی نہیں رہا تھا۔ ان کی حیثیت ان بھٹکے ہوئے پرندوں کی سی تھی جو اندھیرا پھیل جانے پر اوپر آسمان اور نیچے اتھاہ سمندر دیکھتے ہیں۔ ان کے درماندہ اور تھکے ہوئے اعصاب انہیں آرام کرنے پر اکساتے ہیں تو وہ فضا میں اڑتے اڑتے، اپنے پروں کی جنبش کو روک کر ستانا چاہتے ہیں لیکن خود کو تیزی کے ساتھ نیچے، بپھرے ہوئے سمندر کی طرف گرتا ہوا محسوس کرکے بھرپوری قوت سے اپنے پر پھڑپھڑانے لگتے ہیں۔ وہ اڑتے رہتے ہیں اور جب ان کے پر شل ہو جاتے ہیں تو وہ گولی کی طرح نیچے آتے ہیں اور سنگلاخ دھرتی سے ٹکرا کر چیتھڑوں میں بکھر جاتے ہیں۔

گیدڑ اور دوسرے درندے بھی جنگل میں چنگھاڑنے لگے تھے، کچھ لوگوں نے لالٹینیں جلا کر اپنی منڈلیاں جمالی تھیں۔ سورج ڈھلتے ڈھلتے اس میدان میں جابجا یرقان زدہ روشنیاں ٹمٹمانے لگیں، رندوں نے بوتلیں سنبھال لیں۔ فضا میں الکحل کی بو کے ساتھ انسانی آوازیں پھیلنے لگیں، میں میدان میں بھٹکتا ہوا آخر کار اول خان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جو ایک چادر پر ان دونوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جن سے اس کا شام کو مقابلہ ہوا تھا۔

اول خان کے چہرے پر ایک لمبی سی خراش تھی جس سے رسنے والا خون جم چکا تھا لیکن ان دونوں کے چہرے شدید ضربات سے نیلے اودے ہو رہے تھے۔ میں نے ان تینوں کو تشویش آمیز نظروں سے دیکھا۔ شاید وہ اول خان کو گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ رات میں اسے غافل پا کر، اس سے اپنی شکست کا بدلہ لے سکیں۔

"تم غلط سوچ رہے ہو"، اول خان نے میرے بشرے سے میرے دل کی بات بھانپ لی "شام کو جو کچھ ہوا، وہ ایک دوستانہ مقابلہ تھا۔ سردار رجب علی کا اصول ہے کہ پہلی رات نووارد اپنے حریفوں کا مہمان ہوتا ہے۔ یہ دونوں اس وقت میرے میزبان ہیں۔ آج کے لنگر کی رقم میرے بجائے ان کے کھاتے میں جائے گی۔"

ان دونوں کے سامنے ٹھرے کی بوتل اور پانی کا ڈونگا رکھا

ہوا تھا۔ وہ چائے کی پیالیوں سے پیمانوں کا کام لے رہے تھے۔
انہوں نے غیر معمولی خوش دلی کے ساتھ میرا استقبال کیا۔
"تمہارا ساتھی واقعی دلیر اور سخت جان ہے" ان میں سے ایک نے چادر پر میرے لئے جگہ بناتے ہوئے کہا۔
"اس کے ستارے اچھے تھے' ذرا بھی چوک جاتا تو تم دونوں اسے چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیتے" میں نے ان کا دل رکھنے کے لئے سفید جھوٹ بولا۔
انہوں نے مجھے ٹھرے کی پیش کش کی' میں نے جیب میں سے بلیک لیبل کا ہاف نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا "میں یہ پیتا ہوں۔ تم بھی لے کر دیکھو' لطف آجائے گا۔"
"یہ ہمارے لئے پانی کی طرح ہے' ٹھرے سے ذرا سا نشہ ہو جاتا ہے اور نیند آسانی سے آجاتی ہے۔"
سردار کے خیمے کے باہر پیٹرومیکس لیمپ جلایا گیا تو میدان میں ہر طرف مدہم سا اجالا پھیل گیا۔ میرے آجانے کے بعد اول خان اکیلا نہیں رہا تھا اس لئے وہ دونوں ٹھرے کی بوتل لے کے کسی اور طرف چل دیئے۔ "تم یہیں بیٹھو! ہم تھوڑی دیر میں واپس آتے ہیں۔"
"یہاں تو ہماری دال گلنا مشکل نظر آتی ہے۔" تخلیہ ہو جانے پر اول خان نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔
"کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا ہے کہ یہ لوگ بھاری معاوضوں پر بھرتیاں کر رہے ہیں اور اپنی بھرپور کارروائی کے لئے صرف اسلحے کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔" میں نے کہا۔
"بے کار ہے۔ یہ ثبوت ہمیں کسی عدالت میں تو پیش نہیں کرنا پڑیں گے۔ یہاں شورش پروان چڑھ رہی ہے۔ باہر نکلے بغیر ہم ان کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔"
"یہاں آنا جتنا دشوار تھا' واپس لوٹنا اس سے کہیں زیادہ مشکل ہو گا۔ اب ہم سردار کے تابع ہیں۔ ہمیں کچھ علم نہیں کہ ہم کہاں اور کسی سڑک سے کتنا دور ہیں؟" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "جان پر کھیل کر ہم گھنے جنگل میں نکل بھی جائیں تو ہم کو راستہ معلوم نہیں۔ بھٹکتے ہوئے پھر ان ہی کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔"
اول خان کھو کھلے انداز میں ہنس پڑا۔ "ایسی باتیں نہ کرو۔ تمہاری باتوں سے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ہمیں زندگی بھر انہی کے ساتھ رہنا ہو گا اور ہمارا انجام بھی ان ہی کے ساتھ ہو گا۔"
"کسی معجزے کی اور بات ہے' فی الحال تو آثار یہی بتا رہے ہیں۔ بس ایک امید نظر آتی ہے کہ شاید یہاں بلیک کیٹ ٹی سے ہمارا سامنا ہو جائے۔ ان میں سے ہر ایک اس کا معتقد نظر آرہا ہے۔"
"اس سے سامنا ہونا خطرناک ثابت ہو گا۔ وہ فوراً تمہیں پہچان لے گا۔ ہو سکتا ہے کہ مجید ملک والے واقعے کے بعد اس نے دور رہ کر مجھے بھی اچھی طرح دیکھ لیا ہو۔"
"میرا خیال ہے کہ وہ مجھے نہیں پہچان سکے گا۔" میں نے بلیک لیبل کی بوتل سے نیٹ وہسکی کا ایک دہکتا ہوا گھونٹ اپنے معدے میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔
"سرمنڈوانے سے تم میں کوئی ایسی بڑی تبدیلی نہیں آئی ہے جو تم اتنے پُریقین ہو سکو۔ بلیک کیٹ ٹی ایک گرگِ باراں دیدہ ہے۔ وہ یہاں آیا تو سردار کے نئے آدمیوں سے ضرور ملے گا۔"
"میرے یقین کی ایک وجہ ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "سردار رجب علی کے خیمے میں جو عورت موجود تھی' اس کا شوہر میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ عورت مجھے اچھی طرح پہچانتی ہے۔ جب وہ دھوکا کھا گئی تو بلیک کیٹ ٹی بھی مجھے نہیں پہچان سکے گا۔"
میرے انکشاف پر وہ چونک پڑا۔ میں نے اس کے استفسار پر اسے جانو ماچھی اور رانی کا قصہ پوری تفصیل کے ساتھ سنا دیا۔ وہ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں پلکیں جھپکائے بغیر میری کہانی سنتا رہا۔
"اگر وہ اپنے شوہر کو اتنا ہی چاہتی تھی تو وہ تمہیں ہرگز نہیں بھول سکتی۔" میرے خاموش ہونے پر اس نے بے اعتباری سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ خیمے میں روشنی کم ہونے کی وجہ سے وہ تمہیں نہ پہچان سکی ہو۔"
"اس سے ایک بار' باہر کھلی فضا میں بھی سامنا ہوا تھا۔ اس مرتبہ بھی وہ انجان بن کر میرے قریب سے گزرتی چلی گئی۔ اس کی آنکھوں میں میرے لئے شناسائی کی ذرا سی بھی جھلک نہیں تھی۔"
اچانک ہوا کے دوش پر کسی انجن کی موہوم سی آواز سنائی دی اور اس وسیع میدان میں ہر طرف موت کا سا سناٹا طاری ہو گیا۔ بولتے بولتے' سب لوگ یکلخت خاموش ہو گئے تھے اور اپنا اپنا اسلحہ نکال کر' اپنی جگہوں پر کھڑے ہو گئے تھے۔
وہ آواز بہت دور کی تھی۔ معدوم ہو کر ہوا کے جھونکوں کے ساتھ دوبارہ سنائی دی۔ اس بار جنگل میں گیدڑ بولنے لگے۔ فوراً ہی دوسرے جانوروں اور پرندوں نے بھی ان کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔
قریب آتی ہوئی وہ آواز اب تسلسل سے سنائی دے رہی تھی اچانک کسی نے اپنی رائفل کی نال آسمان کی طرف اٹھا کر ایک فائر کیا۔ ہولناک بارودی دھماکے سے فضا لرز اٹھی' ہزاروں پرندے اس دھماکے سے خوف زدہ ہو کر پھڑپھڑاتے ہوئے' اپنے آشیانوں سے نکل کی فضا میں ادھر ادھر اڑنے لگے۔
دھماکا ہوتے ہی' بلکہ اس کی گونج معدوم ہوتے ہی فضا میں ایک سُریلا سا ہارن بجنے کی آواز سنائی دی جو وقفے وقفے سے تین

ر کر معدوم ہو گئی۔ وہ غالباً کسی قسم کا جوابی سگنل تھا کیونکہ
ے بعد اسلحہ واپس رکھ لیا گیا۔ اعصاب زدہ ڈاکو دوبارہ اپنی
پر جم گئے اور پل بھر میں وہاں وہی فضا بحال ہو گئی جو انجن
از سنائی دینے سے پہلے موجود تھی۔

ہ ایک معمولی سا واقعہ تھا لیکن ان لوگوں کا نظم و ضبط دیکھ
ں حیران رہ گیا۔ وہاں ایک پل کے لئے بھی کوئی بد نظمی یا
ری نظر نہیں آئی تھی۔ ہر شخص کو معلوم تھا کہ اسے کن
میں کیا کرنا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ قانون نافذ کرنے
اداروں کے مقابلے میں اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب

چند منٹ بعد وہ آواز واضح ہو گئی۔ وہ کسی موٹر سائیکل کے
ا شور تھا۔

"شاید کوئی مخبر آرہا ہے۔" اول خان نے سرگوشیانہ لہجے
ا خیال ظاہر کیا۔

"ہوں!" میں نے بوتل سے دوسرا گھونٹ لیتے ہوئے اپنی جگہ
ی۔

وہ اگر کوئی مخبر تھا تو اسے براہِ راست سردار رجب علی کے
ہی آنا چاہئے تھا۔ دوسروں کے لئے وہ معمول کا ایک واقعہ
ں لئے کسی کی مصروفیات میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی مگر ہم
ر کے بارے میں تجسس تھا اس لئے میں اول خان کو ساتھ
ر ٹہلتا ہوا اس طرف بڑھنے لگا جدھر سردار کا خیمہ نصب تھا۔
خیمے سے ذرا دور، ہم زمین پر ہی بیٹھ گئے۔ مجھے اندازہ تھا کہ
ے اردگرد پھیلا ہوا گھنا جنگل موذی اور زہریلے حشرات
ں سے بھرا ہوا ہوگا مگر یہ بھی معلوم تھا کہ دنیا کی موذی سے
ں مخلوق بھی انسان کے سائے سے دور بھاگتی ہے۔ جس زمین
سان کے قدم پڑ جائیں وہاں سے سانپ اور بچھو تک ہجرت کر
نے میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں اس لئے خیمے کے قریب
یکس کی تیز روشنی سے ذرا دور مجھے کسی زہریلے کیڑے
ڑے کے حملے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد موٹر سائیکل وہاں پہنچی تو اسے دیکھ کر حیرت سے
ی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں۔

موٹر سائیکل چلانے والا پولیس کا ایک باوردی سپاہی تھا۔
ئی اور پلپلے بدن والے سپاہی کے پیچھے ایک سادہ پوش بیٹھا
تھا جو اپنی صورت ہی سے چھٹا ہوا بدمعاش نظر آرہا تھا۔

ایک شخص نے لپک کر سپاہی کے ہاتھ سے موٹر سائیکل لی۔
دونوں تیزی کے ساتھ سردار رجب علی کے خیمے میں غائب ہو
ے۔ تیسرا شخص موٹر سائیکل کا انجن بند کرکے اسے اسٹینڈ پر
ا کرنے لگا۔

"پولیس والے بھی اس حد تک ان ڈاکوؤں سے ملے ہوئے
ہیں؟" اول خان نے حیرت سے کہا۔

"یہی سب سے بڑی بدقسمتی ہے۔ اسی وجہ سے ایماندار اور
محنتی پولیس فورس بھاری قربانیاں دینے کے باوجود ڈاکوؤں کی مکمل
بیخ کنی میں کامیاب نہیں ہوتی۔ ان کی صفوں میں موجود کالی
بھیڑیں ہر آپریشن کا راز قبل از وقت ڈاکوؤں تک پہنچا دیتی ہیں۔
پیسے کے لالچ میں یہ لوگ اپنا سب کچھ بیچ ڈالنے پر تلے رہتے ہیں!"

"لیکن یہ جعلی سپاہی بھی تو ہو سکتا ہے۔" اول خان نے
قدرے توقف کے بعد کہا۔

"بالکل ہو سکتا ہے" میں نے اس کی تائید کی۔ "لیکن تم
نے کبھی یہ غور کیا کہ ہمیشہ جعلی سپاہی ہی کیوں ہوتا ہے؟ جعلی رینجر
یا جعلی فوجی کیوں نہیں ہوتا؟ دراصل پولیس کے محکمے کے بے
ضمیر اور غدار کارندوں نے اس قومی محکمے کی ساکھ اس بری طرح
تباہ کی ہے کہ اصلی اور نقلی کا کچھ پتا ہی نہیں چلتا۔ ایسے لوگوں کی
وجہ سے ایماندار افسر بھی ناکام رہتے ہیں۔ یہ سپاہی موٹر سائیکل
پر سوار ہو کر کسی دور دراز مقام سے آیا ہے، آسمان سے یہاں
نہیں ٹپکا اور تم اخبارات میں روز پڑھتے ہو کہ سندھ کے جنگلات
میں چپے چپے پر پولیس کی نگراں چوکیاں قائم کر دی گئی ہیں۔ اگر یہ
سب درست ہے تو یہ سپاہی ان سب کی آنکھوں میں دھول
جھونک کر یہاں پہنچنے میں کامیاب کیسے ہوا؟ اسے تو راستے ہی
میں پکڑ لیا جانا چاہئے تھا۔"

ہم وہیں بیٹھے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے رہے۔
ہمارے تجزیئے کتنے بھی بے لاگ اور حقیقی رہے ہوں، حقیقت یہ
تھی کہ جو کچھ ہو رہا تھا، اسے روکنے کے سلسلے میں ہم قطعی بے بس
تھے۔

کافی دیر بعد وہ دونوں اسی بے خوفی اور شان کے ساتھ واپس
جنگل میں روانہ ہو گئے جیسے آئے تھے۔ ان کے چلے جانے کے
بعد ہم دونوں بھی اپنے ٹھکانے کی طرف ہو لئے۔

تھوڑی دیر بعد خبر ملی کہ آنے والے تین مغویوں کے تاوان
کی وصولی کی خبر لائے تھے۔ سردار رجب علی بذاتِ خود اپنے خیمے
سے نکل کر مغویوں کے پاس آیا تھا۔ اسے دیکھ کر کافی ڈاکو اس کے
اردگرد جمع ہو گئے۔ ہم بھی اس موقع کو غنیمت جان کر وہیں پہنچ
گئے۔

سردار رجب علی بہت نرم اور شریفانہ لہجے میں مغویوں سے
ان کی بے آرامی اور زحمت پر معذرت کر رہا تھا۔

"تم نے خود دیکھ لیا ہے کہ ہم کہاں اور کس حال میں رہتے
ہیں۔ ہم نے تمہیں اپنے سے بہتر سہولتیں فراہم کرنے کی
کوششیں کی ہیں کیونکہ ہماری روزی تم ہی سے چلتی ہے۔ ہم اپنی
مرضی سے ان جنگلوں میں نہیں پڑے ہوئے ہیں۔ ہم پر عزت کے
ساتھ زندہ رہنے اور روزی کمانے کے سب دروازے بند کرکے
ہمیں یہاں دھکیلا گیا ہے۔ ہمارے لوگ [illegible] کے رہتے

ہیں۔ ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے تمہیں اٹھانا اور تاوان وصول کرنا پڑتا ہے۔ جن لوگوں کا تاوان آگیا ہے انہیں آزادی مبارک ہو۔ وہ جائیں اور عزت کے ساتھ اپنے گھروں میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سوئیں اور ہم سب کے لئے بھی دعا کریں کہ ایک دن ہم بھی گولی اور گرفتاری کے خوف کے بغیر اپنے گھروں کو لوٹ سکیں۔۔ یہاں جو کچھ دیکھا ہے اسے بھول کر بھی زبان پر نہ لانا۔ ہم قانون سے ڈرتے ہیں مگر اسی سے لڑتے بھی ہیں۔ کسی نے بھول کر بھی ہماری کوئی نشاندہی کی تو وہ ہماری کھلی کھلی دشمنی مول لے گا۔ ہماری دشمنی کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ہم لوگ اپنے دشمنوں کو پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑتے۔ سب کچھ بھولے رہو گے تو سکھ سے زندہ رہو گے۔ جس دن زبان کھولی‘ اس دن مر کر بھی تمہاری روحوں کو قرار نہیں آسکے گا۔ تمہارے بیوی بچوں کو ہم غلام بنالیں گے۔ عورت اور مزدور کی ہمیں ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ کوشش کرنا کہ تمہارے گھر والے ہماری ضرورتوں کا ایندھن نہ بن سکیں۔“

وہ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے سردار رجب علی کو دیکھ رہے تھے۔ اس وقت تک ان میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ قاصد کس کس کی رہائی کا پروانہ لائے تھے۔

قیدیوں کے بارے میں میں کیا کہتا‘ سردار رجب علی کی مختصر اور سادہ تقریر سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس نے بڑی بڑی باتیں چھوٹے چھوٹے الفاظ میں اس طرح بیان کی تھیں کہ اس کی قید سے رہا ہونے والے اس کی ہدایات سے سرتابی کی جرات نہیں کرسکتے تھے۔

سردار کے اشارے پر غمیسو نے تین قیدیوں کی ہتھکڑیاں کھول دیں۔

ادھیڑ عمر قیدی اپنی بدقسمتی پر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ دوسرا قیدی خاموش رہا لیکن اس کی ویران اور بے نور آنکھوں سے بھی بے اختیار آنسوؤں کی لڑیاں بہہ نکلی تھیں۔

”خاموش!“ سردار رجب علی زمین پر پیر پٹخ کر دھاڑا اور ادھیڑ عمر قیدی سہم کر خاموش ہوگیا۔

”مجھے معلوم ہے کہ تمہارے وارث چالیس لاکھ نہیں دے سکتے لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارا سرمایہ ساٹھ لاکھ سے اوپر ہے۔ جب تک تم انہیں خط نہیں لکھو گے‘ وہ تاوان نہیں دے سکیں گے۔ تمہارے لئے صرف دو دن رہ گئے ہیں۔ اس دوران میں تم نے ٹھیک فیصلہ نہیں کیا تو ہم تمہیں مار کر تمہاری لاش دریا میں بہادیں گے..... تم میرے ہاتھوں مرنے والے پہلے مغوی ہو گے۔ اس کا مجھے افسوس ہوگا لیکن یہ افسوس میرا فیصلہ نہیں بدل سکے گا۔“

”تم تینوں اب آزاد اور میرے مہمان ہو۔“ سردار رجب علی آزادی پانے والوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ”کل صبح میرے آدمی تمہیں کچھ رقم دے کر ایسی جگہ پر چھوڑ دیں گے جہاں سے سواری لے کر تم اپنے اپنے گھر لوٹ سکو گے۔ جلد بازی اور حماقت میں رات کو بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ جنگل چھوٹے درندوں سے بھرے ہوئے ہیں جو آناً فاناً میں آدمی کو چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں۔ یہ تمہاری آزادی کی رات ہے‘ گھومو پھرو اور عیش کرو۔“

وہ بے نیازی کے ساتھ اپنے خیمے کی طرف جانے کے لئے مڑ گیا۔ اس کے حواری اس کے پیچھے تھے۔

رہائی پانے والے تینوں افراد میں ایک وہ بھی تھا جو مے نوشی کا عادی تھا۔ اسے شاید مفت میں روزانہ ایک ادھا ملتا تھا۔ سردار کے جاتے ہی اس نے اپنی بوتل سے غٹا غٹ دو لمبے گھونٹ لئے پھر اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو صاف کرتا ہوا‘ ادھیڑ عمر قیدی سے بولا۔ ”روپیہ پیسہ سالا ہاتھ کا میل ہے۔ وہ اپنا باپ والا ساعر بولا تھا۔ جان ہے تو جہان ہے پیارے۔ کیا خبر اپن نے اکھا عمر سردار ہی کے لئے کمایا ہو۔ اس کا حصہ اسے دے دیا۔ اب واپس جاکر پھر دو کا چار کرلیں گے۔ میرے کو معلوم ہے کہ تم بنیا ہے‘ پر سیٹھ رام دیال! اپنا دل بڑا کرو۔ ابھی لفڑے میں پڑ گیا ہے تو مال دینا ہی پڑے گا۔“

رام دیال برے منہ بنا کر اسے یوں گھورتا رہا جیسے وہ اسے گندی گندی گالیاں سنا رہا ہو۔

”تیرے باپ کا مال ہے نا جو مفت میں دے دوں۔“ رام دیال نفرت آمیز لہجے میں بولا۔ ”تم سب بزدل ہو۔ تم نے لمبے مال دے کر ان کو بگاڑا ہے۔ میں مرجاؤں گا مگر بیس لاکھ سے اوپر ایک پیسہ نہیں دوں گا۔“

وہ لوگ آپس میں الجھتے رہے اور ہم دونوں خاموشی کے ساتھ وہاں سے ٹل گئے۔

رائفل کے فائر کی گونج سے جنگل میں پیدا ہونے والا پرندوں اور چوپایوں کا شور بتدریج سکوت میں ڈھل رہا تھا۔ کھانا پکانے والوں نے دیگ بجا کر ڈنر کا وقت ہونے کا اعلان کیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے لنگر کے لئے قطار لگ گئی۔ پانچوں یرغمالیوں کو اس سے پہلے ہی‘ ان کی جگہوں پر کھانا پہنچا دیا گیا تھا۔ اپنی باری آنے پر ہم دونوں بھی روٹی سالن لے کر اپنی جگہ پر آگئے۔ کھانے کے بعد بیشتر لالٹینیں گل کردی گئیں۔ سردار رجب علی کے خیمے پر پیٹرومیکس جلتا رہا۔ رات کی ڈیوٹی پر مامور مسلح محافظ اپنے اپنے مورچوں پر ڈٹ گئے اور ہم دونوں بھی چادر پر دراز ہوگئے۔

رفتہ رفتہ اس میدان پر رات کا خوابناک سناٹا طاری ہونے لگا۔ کبھی کبھار کسی کے کھانسنے کی آواز سکوت کی اس چادر کو برہم کردیتی تھی ورنہ پھر وہی لامتناہی سناٹا چھا جاتا تھا جس میں جنگل سے ابھرنے والی جھینگروں اور مینڈکوں کی آوازوں کے سوا کچھ

نائی دے رہا تھا۔
طرح وہ اول خان کا بھی پہلا ہی تجربہ تھا لیکن وہ میرے زیادہ سخت جان ثابت ہوا اور کھردری زمین پر بچھی جلد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا مگر میری آنکھوں میں نیند کا پتا نہیں تھا۔ میرا ذہن مسلسل غزالہ یا پھر رانی الجھا ہوا تھا۔
طرح سگریٹیں پھونکتے ہوئے رات بیت گئی۔ سر پر شفاف آسمان چمک رہا تھا۔ تصنع کا دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ ہر طرف زندگی اپنے اصل اور فطری روپ ہی تھی۔
چت لیٹا ہوا آسمان کی طرف نگراں تھا کہ اچانک مجھے خفیف سی دھمک کا احساس ہوا۔ اس اجنبی ماحول لئے وہ آواز تشویش کا باعث تھی اس لئے میں نے پہلو بدلا اور یہ دیکھ کر میرے بدن میں کروڑوں چیونٹیاں ں کہ وہاں رانی موجود تھی۔
وقت اس کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا اور اس کی نفرت ہوئی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔
اٹھو' اور میرے ساتھ آؤ۔" اس نے غصے سے کانپتی آواز میں کہا۔
وقت اس کے تیوروں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھے ح پہچان چکی تھی جس کا مطلب تھا کہ دن میں دونوں نے مجھے نہ پہچاننے کی کامیاب ترین اداکاری کی تھی۔
تے ہی' میرے دل میں اس کی طرف سے جو اندیشے ھنے لگے تھے وہ بے بنیاد نہیں تھے۔ خطرہ سر پر آگیا تھا یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ سب کے سامنے مجھ سے انجان بعد وہ رات کے سناٹے میں میرے پاس کیوں آئی تھی؟
نے دیکھ لیا تھا کہ وہ غیر مسلح تھی جب کہ میرے پاس کسی قت کے لئے بڑے بور کا وہ بھرا ہوا پستول موجود تھا جو نوکری مل جانے پر میرے حوالے کیا تھا۔
سا نے خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑی اور رانی کے پیچھے ہو

ں وقت اول خان سمیت اس لشکر کے تقریباً سب ہی بے خبر سو رہے تھے مگر مجھے معلوم تھا کہ چند مسلح محافظ اس کی پوری طرح چاق و چوبند اور اپنی جگہوں پر مستعد تھے جو ئے اس کھیل کے چشم دید گواہ ہو سکتے تھے۔ اگر میں رانی تھ کوئی چالبازی کرنے کی کوشش کرتا تو وہی محافظ میرے اس کے مددگار بھی بن سکتے تھے۔
میرے لئے وہ بہت عجیب اور سنسنی خیز صورتحال تھی جس رانی کے پاس تھی اور وہ مڑ کر میری طرف دیکھے بغیر' پُر نداز میں اس طرف بڑھ رہی تھی جہاں میدان ختم ہونے کے بعد گھنا جنگل شروع ہو جاتا تھا۔
جنگل کے سرے پر درختوں کے سائے کی وجہ سے خاصی تاریکی تھی جس میں سردار کے خیمے والے پیٹرومیکس کے انعکاس کے باعث بینائی کسی حد تک کام کر رہی تھی۔ رانی وہیں رک کر' تن کر کھڑی ہو گئی۔
"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" میرے قریب پہنچتے پر اس نے غراتی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں سوال کیا۔
"نوکری کے لئے" میں نے پر سکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔
"تم میرے جانو ماچھی کے قاتل ہو" اس کی آواز فرطِ غضب سے کانپ رہی تھی "جس دن تم نے اسے مارا' اسی روز تم کوٹ مندو کی طرف گئے تھے۔ اسی روز پیر سائیں کے حجرے کو شہید کر دیا گیا۔ تم بدمعاش' قاتل اور گستاخ ہو۔ تمہارا ساتھ دینے والوں کو ان کے انجام تک پہنچا دیا گیا۔ رانی پور میں ہزاروں لوگوں نے حویلی کے پھاٹک پر جھولتی ہوئی' چھلنی لاشیں دیکھ کر عبرت پکڑی ہوگی مگر تم اب تک زندہ ہو۔"
اپنی شناخت کے معاملے میں بحث بے سود تھی اس لئے میں نے سرد لہجے میں پوچھا "تم مجھے یہ سب کیوں سنا رہی ہو؟"
"یہ بتانے کے لئے کہ میں تمہیں اور تمہارے ارادوں کو اچھی طرح سمجھتی ہوں' تم یقیناً کسی بری نیت سے یہاں آئے ہو اور سردار کو دھوکا دے کر اس کے آدمیوں میں شامل ہونے میں کامیاب ہو گئے ہو..."
"اگر یہی تھا تو تم نے خیمے میں پہلی بار سامنا ہوتے ہی سردار رجب علی کو میرے بارے میں سب کچھ کیوں نہیں بتا دیا؟ یہاں رات کے سناٹے میں مجھ سے ملنے کیوں آئی ہو؟" میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔
"بتا دیتی تو وہ اسی وقت تمہارے سینے میں گولیاں اتار دیتا" اس کی آواز زہر میں ڈوبی ہوئی تھی "مگر میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ تم نے میرے جانو ماچھی کی آخری خواہش پوری کی تھی۔ اس کی لاش پر مقرر انعام کی پروا نہ کرتے ہوئے لاش میرے حوالے کی تھی جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے دفن کیا تھا۔ میں تمہارے ان احسانات کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہوں۔ ہم ڈاکو لوگ کبھی بھی احسان فراموش نہیں ہوتے۔ آج میں تمہارے احسانات کا حساب بیباق کرنے آئی ہوں۔"
اس کی گفتگو پر میں ہکا بکا رہ گیا۔ رانی جیسی گھٹیا اور ذکیت قسم کی عورت سے مجھے اس اعلیٰ ظرفی کی ذرا بھی امید نہیں تھی لیکن پھر مجھے محمود کے الفاظ یاد آئے۔ اس نے وہی کچھ کہا تھا جو رانی کہہ رہی تھی۔ وہ بیچارہ اپنی حویلی کے پھاٹک پر مارا گیا تھا اور میں رانی سے اپنے احسانات کی قیمت وصول کرنے کے لئے اس گھنے جنگل میں زندہ تھا۔

"پھر تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" میں نے چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد اس سے پوچھا۔

"تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ" اس کا لہجہ تحکمانہ تھا "میں تمہیں جان بچانے کا موقع دے رہی ہوں۔ یہ تمہارے احسانات کا بدلہ ہے۔ تم نہ گئے تو میں سردار رجب علی کو سب کچھ بتادوں گی۔"

"مجھے کچھ پتا نہیں کہ ہم کہاں ہیں... پھر ہم سردار کی اجازت کے بغیر یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ وہ ہمارا دشمن ہو جائے گا۔ اس کے آدمی ہماری بوٹیاں اڑا دیں گے۔ ہم ان ہی جنگلوں میں بھٹکتے ہوئے ان کا نشانہ بن جائیں گے۔"

"تم رضامندی ظاہر کرو، یہ سب میں سنبھال لوں گی۔ میں تمہیں اس جنگل سے نکال کر خود شاہراہ تک چھوڑوں گی۔ تم نے انکار کیا تو تم یہ موقع کھو دو گے۔"

میں خود بھی اس مہیب اور روح فرسا ماحول سے نکلنا چاہ رہا تھا۔ میرے لئے رانی کی وہ پیشکش عطیۂ خداوندی سے کم نہیں تھی لیکن اس پر اپنا بھرم قائم رکھنا بھی ضروری تھا۔

"یہ سراسر زیادتی ہے، ہم بہت مشکل سے یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں" میں نے احتجاج کیا۔

"پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں نے اپنا حساب برابر کر دیا ہے۔ صبح میں سردار کو سب کچھ بتادوں گی۔"

"موت مجھے اتنی عزیز نہیں ہے" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا "میں تمہاری پیش کش قبول کرتا ہوں۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم مان لوگے" اس کی آواز میں طنز اور تحقیر کی عجیب سی آمیزش تھی۔

"یہاں تم کیا کر رہی ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔ اسی لمحے زناٹے کی تیز آواز کے ساتھ پورا میدان سرخ روشنی کے تیز انعکاس سے بھر گیا اور رانی بوکھلا کر درختوں کے سائے سے کھلے میدان میں نکل آئی۔

آسمان پر ایک گولا سرخ روشنی خارج کرتا ہوا تیزی سے اوپر ہی اوپر چلا جا رہا تھا۔ وہ میدان سے بہت دور مشرق کی جانب تھا لیکن اس کی روشنی نے پورا آسمان منور کر دیا تھا۔

"حملہ... پولیس آرہی ہے" رانی کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی اور وہ تیزی کے ساتھ سردار کے خیمے کی طرف دوڑتی چلی گئی۔ شب بیدار محافظوں نے سیٹیاں بجانا شروع کر دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ہر طرف بیداری کی لہر دوڑ گئی۔

روشنی کا سرخ گولا، شاید ان لوگوں کی کسی نگراں چوکی سے سگنل کے طور پر چلایا گیا تھا۔

اس سگنل کے دو ہی جواب ہو سکتے تھے۔ مقابلے کی تیاری یا کوچ!

مجھے دیکھنا تھا کہ سردار رجب علی اس نازک مرحلے پر کیا فیصلہ کرتا ہے۔

سرخ روشنی والا گولا فضا میں انتہائی بلندی پر پہنچ کر راکھ میں معدوم ہو گیا لیکن اس کی پھیلائی ہوئی روشنی فضا میں تک قائم تھی۔

میدان میں سوئے ہوئے تمام ڈاکو نیند سے بیدار ہو چکے تھے۔ وہ اپنی مرضی سے نہ سو سکتے تھے، نہ جاگ سکتے تھے۔ بے پناہ دولت ہونے کے باوجود ان کا ہر فعل ان حالات کے تابع تھا جن پر ان کے لہو کے پیاسوں کی گرفت تھی۔ موت ان کے چاروں طرف دبے قدموں سرسراتی پھرتی تھی۔ جس لمحے بھی ذرا سی غفلت کے مرتکب ہوتے، اسی لمحے موت اپنے پر پھیلائے پوری قوت سے ان پر ٹوٹ پڑتی۔

ان میں رہ کر ان کے بارے میں زیادہ جاننے کا موقع ملا تھا۔ شوق، انتقام یا کسی مجبوری کے تحت وہ ڈاکو بن گئے تھے۔ یہ راستہ انہوں نے اپنی مرضی سے اختیار کیا تھا۔ پھر ڈاکو بن جانے کے بعد آدمی جنگل میں کسی درخت کی چوٹی پر نہیں جا بیٹھتا۔ قانون سے اپنی بغاوت کا اظہار کرنے کے لئے پہلا جرم کرتا ہے جو عموماً سنگین ہوتا ہے اور جن کا پہلا جرم معمولی نوعیت کا ہوتا ہے وہ اپنے ساتھیوں میں سُرخ روئی کے لئے جلد ہی کوئی بڑی واردات یا کوئی بڑا جرم کر گزرتے ہیں اس طرح قانون سے ان کا رشتہ فوری طور پر کٹ جاتا ہے۔ وہ قانون کے دشمن ہوتے ہیں اور قانون ان کا دشمن بن جاتا ہے۔

مجبوری اور محرومی کی ایک عامیانہ سی زندگی کے مقابلے میں اس پیشے کے ابتدائی تجربات بہت سنسنی خیز ہوتے ہیں۔ رائفل کی نال پر وہ جو چاہتے ہیں، حاصل کر لیتے ہیں۔ جنہیں پہلے کوئی گھاس نہیں ڈالتا، بعد میں ان کے ناموں سے بڑے بڑے ڈرنے لگتے ہیں لیکن فخر، خوشی اور اپنی وحشیانہ بالادستی کی آسودگی زیادہ دن برقرار نہیں رہتی۔

جلد یا بدیر، ہر ڈاکو کی زندگی میں یہ مرحلہ آتا ہے کہ وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ ہر شخص کو ہلاک کرنے پر قادر ہوتا ہے لیکن اپنے ایک دو بدترین دشمنوں کو مار لینے کے بعد ہر انسان کے وجود میں لہو کی پیاس سرد پڑ جاتی ہے۔ کوئی بھی انسان کسی اور پاگل درندے کی طرح ہمیشہ خون بہا کر تسکین حاصل نہیں کر سکتا۔ ان کے پاس مال ہوتا ہے لیکن بستیوں سے دور غیر آباد جنگلوں اور پہاڑوں میں اس پیسے کا کوئی مصرف نہیں ہوتا۔ انہیں اپنے گھروں کی یاد ستاتی ہے جہاں وہ اتنے زیادہ بااختیار نہیں ہوتے ہوئے بھی آسودہ رہتے تھے۔ اپنے لوٹے ہوئے مال سے ذہنی سکون اور چین نہیں خرید سکتے۔ ان کے شعور اور لاشعور پر ہر وقت قانون کی دہشت سوار رہتی ہے۔

قانون جو ہر مہذب معاشرے کی آبرو ہوتا ہے۔ جس کی بے حساب پامالی بھی کبھی اس کی سربلندی پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ قانون وہ آہنی دیوار ہوتی ہے جس سے سر ٹکرانے والے

ہی لہولہان ہوجاتے ہیں۔ ڈاکو جب اپنے گھر لوٹتے
یں سوچتا ہے تو اسے اپنے سنگین جرائم یاد آتے ہیں۔
کے قدموں کی زنجیر بن جاتی ہیں۔ جب اس نے کبھی
نہیں کیا تو قانون کیوں اسے معاف کرے گا؟

ں کی زندگی میں اکتاہٹ کا وہ موڑ بہت نازک اور
تا ہے۔ وہ اپنی گناہ آلود زندگی سے تائب ہو کر اپنے
ں کے انبوہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ ان کے دل سیر
جانے کے لئے مچلتے ہیں۔ وہ اپنی یکساں اور بے رنگ
اکتا چکے ہوتے ہیں لیکن اپنی کشتیاں وہ خود جلا چکے
ہیں وہ خود پر مظلومیت کا خول منڈھنا شروع کردیتے
معافیاں طلب کرتے ہیں۔

اور عام معافی کی طلب ایسے لوگوں کی ٹوٹی ہوئی
نشاندہی کرتی ہے۔ ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ مہذب
ہیں واپسی کی خواہش ظاہر کرکے وہ کوئی انوکھا اور
نامہ سرانجام دے رہا ہے لیکن درحقیقت یہ ایک
ں ہوتا ہے جو بگڑے ہوئے معاشروں میں 'صدیوں سے
سے دہرایا جارہا ہے۔

مراحل پر چور، ڈاکو، لٹیرے اور اغوا کرنے والے
ذرائع سے قانون کے محافظوں کی کردار کشی کرتے ہیں۔
فاک، راشی اور بزدل بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ان کا
انتا ہوتا ہے کہ اپنی مظلومیت کے افسانوں اور
محافظوں کی لرزہ براندام کردینے والی سازشوں کے
رائے عامہ ان کے حق میں استوار ہوسکے۔ رائے عامہ
رنے کے لئے وہ اپنی کمین گاہوں اور گزرگاہوں کے
بسنے والے غربا پر اپنی فیاضیوں کی برسات کرنے لگتے
بھی سمجھدار انتظامیہ کے لئے وہی وار کرنے کا وقت
۔ منظم اور بھرپور کارروائی کے سامنے دل شکستہ ڈاکو
تک نہیں ٹھہرتے اور تھوڑے سے کشت و خون کے بعد
امن وامان ہوجاتا ہے۔

دار رحب علی کے خیمے سے کوچ کا فرمان جاری ہوتے ہی
کا میدان صاف ہونے لگا۔ چادریں سمیٹ لی گئیں۔
پھولداریاں گرادی گئیں۔ وزنی سامان جیپوں میں بار
۔ ایک جیپ میں صرف عورتیں تھیں۔ دوسری جیپ
لچھپانے والے تینوں مغویوں کے ساتھ سردار خود موجود

نظر، کاموں اور لالو!" سردار کی آواز بلند ہوتے ہی
مکمل سناٹا چھا گیا "تم تینوں پیچھے جاکر پولیس پارٹی کو گھیر کر
ئر کھول دو۔ ایک رائفل اور دو سب مشین گنوں کے
بھاری مقدار میں میگزین لے جانا ہوگا۔ ان کے دو چار
ادیئے گئے تو وہ تیزی سے پسپا ہوجائیں گے۔ مرنے

والوں کو ان کے یہاں باعزت تدفین کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ انہیں کھدیڑ کر جنگل سے باہر نکال دو۔ اگر تم ان کی بھاری نفری کے پیر اکھاڑنے میں کامیاب نہ ہو سکو تو دریا کا کنارا پکڑ لینا۔ دولت پور کے مقام پر ہم دریا عبور کریں گے۔ تم بھان اور جوہی کے درمیانی علاقے میں آسانی کے ساتھ ہم سے مل جاؤ گے۔ ہم گھنے جنگل میں پھیل کر آہستہ آہستہ بڑھیں گے تاکہ پیچھے سے آنے والوں سے مقابلہ کرنا ہی پڑ جائے تو ہم کوئی نقصان اٹھائے بغیر انہیں انہی کے خون میں غسل دے سکیں۔۔۔ مجھے امید ہے کہ میرے تین سُورما یہ نوبت نہیں آنے دیں گے۔ سائیں سرکار کی دعائیں قدم قدم پر ان کا ساتھ دیں گی۔ ان جنگلوں اور پہاڑوں میں وہی ہمارا سچا مددگار ہے۔"

میرا خیال تھا کہ سوتے سے بیدار ہونے والوں کے کوچ میں بدترین افراتفری دیکھنے میں آئے گی لیکن ان کی سبک رفتار تیاریوں سے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ رات گئے کوچ کی تیاری کا پروگرام بنا کر ہی سوئے تھے۔

اچانک رانی کہیں سے بھٹکتی ہوئی ہمارے پاس آنکلی اور آتے ہی زہریلی سرگوشیانہ آواز میں بولی "ہم دس دن سے یہاں پڑاؤ کئے ہوئے تھے لیکن تمہارے قدم آتے ہی کوچ کرنے کی نوبت آگئی۔ یہ سفر تمہارے لئے ایک امتحان ثابت ہوگا۔ تم نے کہیں بھی کوئی مشتبہ حرکت کی تو میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

"یہاں سے ہماری واپسی کا کیا بنے گا؟" میں نے دھیمی آواز میں سوال کیا۔ اَول خان اس وقت مجھ سے دور تھا۔

"اگلے پڑاؤ تک اسے بھول جاؤ۔ اس وقت تک حالات جوں کے توں رہیں گے۔ سردار اس نئی افتاد پر برہم ہے۔ میں اسے تم دونوں کے بارے میں بتا کر اور پریشان نہیں کروں گی۔"

وہ عجلت میں تھی اس لئے آگے بڑھ گئی۔ اس کے کندھے پر بڑے میگزین والی ہلکی کلاشنکوف جھول رہی تھی۔

جیپوں کے انجن بیدار ہوئے اور تین مختلف مقامات سے وہ لدی پھندی گاڑیاں جنگل میں داخل ہوگئیں۔ ڈرائیوروں نے گاڑیاں گھما پھرا کر گھنے درختوں کے درمیان بمشکل راستہ بنایا تھا۔ پیدل بڑھنے والوں نے زمین پر جوتے رگڑ کر ٹائروں کے نشان مٹا دیئے تاکہ بعد میں آنے والوں کو ہمارے فرار کی سمت کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکے۔

سردار رجب علی کے تین سورما وہیں ڈٹے رہے۔ آسمان پر پھیلی ہوئی سرخ روشنی کافی حد تک معدوم ہو چکی تھی۔ مگر میں نے ان تینوں ہیولوں کو مخالف سمت میں بڑھتے دیکھ لیا۔ ان کے کندھوں سے میگزین کے وزنی تھیلے جھول رہے تھے اور میرا اندازہ تھا کہ وہ پولیس والوں کو نقصان پہنچانے میں ناکام نہیں رہیں گے۔

کھلی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس گھنے جنگل میں پیدل چلتے ہوئے اندازہ ہوا کہ وہ کیسا پُرخطر راستہ تھا۔ کہیں زمین خشک پتھریلی تھی تو کہیں دلدلی۔

ہمارے کوچ نے پرندوں کو ایک مرتبہ پھر پریشان کر دیا۔ گاڑیاں پارکنگ لائٹس کی دھیمی روشنی میں سفر کر رہی تھیں لیکن ان کے انجنوں کا شور دور تک گونج رہا تھا۔ سائلنسر سے خارج ہونے والے دھوئیں کی تیز بُو نے پیدل چلنے والوں کے لئے مشکل پیدا کی ہوئی تھی مگر وہاں سب مہر بہ لب تھے۔ کسی کو کوئی شکوہ نہیں تھا۔ سب جانتے تھے کہ اس بدترین صورت میں سردار رجب علی نے وہی راہ اختیار کی تھی جو ان کے حق میں بہترین اور محفوظ ترین تھی۔ اگر وہ لوگ وہیں رُک کر پولیس کی مسلح اور بھاری نفری کا استقبال کرنے کی تیاریاں کرتے تو دونوں فریقوں کا اس قدر لہو بہتا کہ اس علاقے کی بھوری زمین مہینوں کے لئے خونی دلدل میں تبدیل ہو جاتی اور مردار خور پرندوں اور جانوروں کے لئے مہینوں کا راشن فراہم ہو جاتا۔ ایسے خونریز اور وحشیانہ مقابلوں میں یہ کبھی نہیں ہوا کہ لوگ کھلے میدان میں ہی مارے جائیں اور فائر بندی ہونے پر امدادی اور تفتیشی جماعتیں تمام لاشوں اور زخمیوں کو اٹھا کر لے جائیں۔

بہت سے لوگ زخم کھا کر وہیں ڈھیر ہونے کے بجائے دشوار گزار اور خفیہ ٹھکانوں کی طرف بھاگتے ہیں اور بھٹوں میں منہ چھپا کر آتش و بارود کی برسات ختم ہونے کا انتظار کرتے ہیں۔ اس طویل انتظار میں ان کے زخموں سے اتنا خون بہہ چکا ہوتا ہے کہ ان میں اپنی جگہ سے ہلنے کی سکت بھی نہیں رہتی اور آخر کار ان کی حسرت زدہ نگاہوں کے سامنے گدھ منڈلانے لگتے ہیں جن کی مسرّت آمیز چیخوں سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اس خطۂ زمین پر اجل کے فرشتے کے قدموں کی چاپ سن لی ہے۔

وہ مایوسی، بے بسی، بے کسی اور عبرت کے عالم میں مر جاتے ہیں۔ ان بے جان لاشوں پر پرندے جھپٹتے ہیں، درندے دانت تیز کرتے ہیں اور حشرات الارض ان کی ہڈیوں تک پہنچ کر ماس کا ایک ایک ریشہ نگل جاتے ہیں۔

ان میں سے بیشتر افراد ان سنگین حقائق کا ہولناک ادراک رکھتے تھے۔ وہ اپنے بہت سے بدنصیب ساتھیوں کی لاشیں دیکھ چکے تھے۔ بہت سے مُردوں کی ہڈیاں دریافت کر چکے تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر ان کی گولی کسی وردی والے کو جا لگنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو یہ کامیابی انہیں ہمیشہ مہنگی پڑتی ہے۔ ان کے حریف، اپنا کوئی جانی نقصان نہ ہونے تک احتیاط سے مقابلہ کرتے ہیں لیکن اپنا کوئی آدمی گنواتے ہی جوشِ انتقام میں پوری قوت سے حملہ آور ہوتے ہیں۔ ایسے لمحات میں قانون کے تحفظ کے علاوہ اپنے ساتھی کے خون کے انتقام کا جذبہ بھی

ا ہے اور وہ عموماً انہیں بھاری جانی نقصان اٹھا کر گھنے
یں فرار ہونے پر مجبور کردیتے ہیں۔
یا شکست' جب دونوں صورتوں میں ہی فرار ہونا تھا تو بہتر
لہ وردی والوں کے ہاتھ سے کوئی نقصان اٹھائے بغیر اپنی
ت اور رسد کے ساتھ راہ بدل لی جائے۔ سردار رجب
اس فیصلے میں اس کے تجربے اور ذہانت کی جھلک تھی۔ وہ
، نا سمجھ اور نو آموز ڈاکوؤں کی طرح جوش اور بہادری کے
پنے آدمیوں کی گردن کٹوانے کا سرے سے قائل ہی نہیں
اس کے گروہ کے لوگ کوچ کرتے ہوئے بار بار ان باتوں
کر رہے تھے۔

گھنے اور تاریک جنگل میں اس کوچ نے ایک پُراسرار سی
برپا کردی تھی۔ پارکنگ لائٹس کی آسیبی روشنیاں اس
ندھیرے میں بہت تیز محسوس ہو رہی تھیں۔ پھر نجانے
سے بڑے اور طاقتور انجنوں کا دھیما دھیما شور سنائی دیا اور
دیکھتے ہی دیکھتے گھنے درختوں کے درمیان سے اونچی آہنی
والے تین بڑے بڑے ٹرک نمودار ہو کر اس پیدل اور
اروان میں شامل ہوگئے۔

سیاہ یا سیاہی مائل وہ تینوں ٹرک یکساں ساخت کے تھے۔
عقبی حصے ترپالوں سے چھپے ہوئے تھے۔ ناہموار اور کچے
ں پر ان کی کمانیوں سے پیدا ہونے والی آوازوں سے
ہو رہا تھا کہ اُن پر ان کی گنجائش سے زیادہ وزن لدا ہوا تھا
ر اور اسلحہ کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

جو کچھ ہو رہا تھا' وہ کسی بدنظمی یا افراتفری کے بغیر نہایت
طریقے پر ہو رہا تھا۔ ٹرکوں کے نمودار ہونے پر کوئی بھی نہیں
تھا۔ جیسے انہیں پہلے سے اپنے کارواں کے اس مشینی حصے
ر کا علم رہا ہو۔

اس وقت تک ہم دونوں ساتھ ساتھ تھے۔ ہمارے لئے
کچھ اجنبی تھا۔ لیکن ہم ان کے لئے یا کم از کم رانی کے لئے
نہیں رہے تھے۔ جانو ماچھی کی اس چالاک مگر جواں سال
نے مجھے پہچان کر میرے سر پر بدترین خطرے کی تلوار لٹکا دی
۔ غنیمت یہ تھا کہ اسے اپنے مرتے ہوئے شوہر کے ساتھ
آخری سلوک اچھی طرح یاد تھا اور وہ اس کے صلے میں مجھے
موقع دینے کے لئے تیار تھی۔

ہم دونوں دیدہ و دانستہ سست رفتاری سے چل رہے تھے۔
غیر محسوس طریقے پر ہم سے آگے نکلتے رہے اور آخر کار ہم
سے پیچھے رہ گئے۔ اس مرحلے پر ہم نے اپنی رفتار تیز کردی
درمیانی فاصلہ بڑھائے بغیر ہم اس جلوس کے پیچھے چلتے
۔

"ہم سب سے پیچھے رہنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔" اول
انے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "دائیں بائیں کھسک کر ہم بڑی
آسانی کے ساتھ اس ٹکڑی سے الگ ہو سکتے ہیں۔"

"اس خوش فہمی میں نہ رہنا۔" میں نے قدرے سخت اور خشک لہجے میں کہا "مجھے پورا یقین ہے کہ اندھیرے کے باوجود ہماری کڑی نگرانی کی جارہی ہوگی۔ وہ لوگ غافل نہیں ہوں گے کہ اس وقت ہم سب سے پیچھے چل رہے ہیں۔"

"رانی سے خطرہ ہو سکتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت کافی آگے نکل ہوئی ہے۔"

"رانی کو ہم پر نظر رکھنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو خود مجھ سے کہہ چکی ہے کہ ہم پہلی فرصت میں یہاں سے نکل جائیں ورنہ وہ میرا بھانڈا پھوڑ دے گی۔ سردار سازشیوں کے ساتھ ذرا بھی رعایت نہیں کرتا۔"

"یہ کب کہا اس نے؟" اوّل خان نے اضطراری طور پر سوال کیا۔ میرا انکشاف سن کر وہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔ بھاگ دوڑ میں مجھے موقع ہی نہیں مل سکا تھا کہ اسے اپنی اور رانی کی گفتگو سے آگاہ کرتا۔

"جب آسمان میں روشنی کا گولا پھٹا تو وہ درختوں کے سائے میں مجھے یہی بتا رہی تھی کہ وہ پہلی ہی نظر میں مجھے پہچان گئی تھی اور اب ایک لمحے کے لئے بھی مجھے یہاں نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"پہچان لیا تھا تو پھر خاموش کیوں رہی؟" اول خان کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔

جواب میں مجھے اختصار کے ساتھ پوری گفتگو دہرانا پڑگئی جو خاصی سنسنی خیز تھی۔

"وہ تمہیں پہچان کر بھی چھوٹ دینے پر آمادہ ہے تو پھر تمہیں نگرانی کا کیا خوف ہے؟"

"یہ نہ بھولو کہ سردار رجب علی کے گروہ میں آج ہمارا پہلا دن ہے۔"

"اس وقت انہیں اپنی سلامتی کی فکر پڑی ہوئی ہے۔ وہ ہمیں بھول گئے ہوں گے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ کوچ کے وقت کسی کو کام بانٹنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ گروہ کے سب لوگ مشینی روبوٹوں کی طرح خود بخود کام سے لگ گئے تھے۔ ایسے نظم و ضبط کے ساتھ انتظامیہ سے ٹکر لینے والے عقل سے کورے نہیں ہو سکتے۔ سردار رجب علی یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ ہم پولیس کے آدمی ہیں۔ انہوں نے ہمیں گروہ میں شامل کرانے کے بعد دھاوا بولا ہے۔ باہر سے پولیس چلی آرہی ہے۔ اگر اس اندھیرے جنگل میں اندر کے ایک دو آدمی بھی ان پر ہتھیار اٹھالیں تو یہ کسی طرح مکمل تباہی سے نہیں بچ سکیں گے۔ نہیں اوّل خان' وہ ہمیں کھلی چھوٹ نہیں دے سکتے۔"

"پھر بھی کوشش کرلینے میں کیا حرج ہے؟" اس نے نیم دلی سے اصرار کیا۔

"ایسی کوئی بھی کوشش براہِ راست خودکشی کے برابر ہوگی۔ وہ سب چوکنا بلکہ اعصاب زدہ ہیں۔ ان کی نظروں میں انسانی زندگی کی کوئی وقعت نہیں۔ وہ ہمیں پکڑنے اور قیدی بنانے کے بجائے للکارے بغیر گولیوں سے چھلنی کردیں گے اور بفرضِ محال ہم جنگل میں رُوپوش ہونے میں کامیاب ہو بھی گئے تو اس گھور اندھیرے میں کہاں جائیں گے؟ ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ اس وقت ہم کہاں ہیں اور کس طرف چل کر سڑک تک پہنچ سکتے ہیں؟"

"سردار رجب علی نے دولت پور کے مقام پر دریا عبور کرنے کا ذکر کیا تھا۔ اس نے پیچھے رہ جانے والے تینوں آدمیوں کو بھان اور جوہی کے درمیان آملنے کی ہدایت کی تھی۔" اوّل خان پُرخیال لہجے میں کہنے لگا "میرا خیال ہے کہ اس وقت ہم دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر سکرنڈ اور نواب شاہ وغیرہ کے ساتھ شمال مغرب کی جانب سفر کررہے ہیں۔ ورنہ بھان اور جوہی تک پہنچنے کے لئے دریا عبور کرنے کا ذکر نہ کیا جاتا....."

میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی "نیچے اندھیری رات اور سر پر گھنے درختوں کا سایہ ہے۔ تم اتنے وثوق سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ہم اس وقت شمال سے جنوب کی طرف سفر کررہے ہوں۔ ایسی صورت میں بائیں طرف چل کر کسی سڑک یا آبادی تک پہنچنے کے بجائے ہم مزید گھنے اور خطرناک جنگلات میں بھٹک سکتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بھٹکنے اور ان اجنبی جنگلات کی ناقابلِ بیان صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد ہم دوبارہ انہی کے چنگل میں پھنس جائیں یا اسی علاقے میں سرگرم ڈاکوؤں کے کسی اور گروہ کے ہتھے چڑھ جائیں۔"

"ہونے کو تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔" وہ بڑبڑایا "کچھ کئے بغیر ہم انہی کے ساتھ جنگلوں کی خاک چھانتے رہیں گے۔"

"تو تم یہاں آئے کس لئے تھے؟ ابھی تو ہمیں آئے چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے۔"

"ہمارے یہ چوبیس گھنٹے، چوبیس دنوں کی تپسیا پر بھاری ہیں۔ میری الگ بات ہے۔ تم تو خود بھی اس جنجال سے نکلنا چاہ رہے تھے۔ ان کے ساتھ رہ کر تو ہم کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔ چند دن اور یہی شب و روز رہے تو نفسیاتی طور پر ہم بھی خود کو ڈاکو سمجھنے لگیں گے۔"

"نکلنے کے لئے یہ وقت مناسب نہیں ہے۔" میں نے لمحہ بھر کے سکوت کے بعد کہا "یہ صحیح ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ مزید وقت گزار کر ہم اپنی معلومات میں کوئی قابلِ قدر اضافہ نہیں کرسکیں گے لیکن ہمیں تحمل کے ساتھ ایسے مناسب موقع کا انتظار کرنا ہوگا جب رانی ہمیں اپنی حفاظت میں یہاں سے نکالنے کا بندوبست کرسکے۔"

کچھ دیر تک ہم دونوں ہی خاموشی کے ساتھ پیدل چلتے رہے۔ ہمارے اردگرد، ہر طرف تناور درخت بکھرے ہوئے تھے۔ مجھے حیرت ہورہی تھی کہ جیپوں اور ٹرکوں کے ڈرائیور اس دشوار گزار جنگل میں اپنا راستہ کس طرح بنا رہے تھے۔ وہ چھوٹی موٹی جھاڑیوں، خودرَو پودوں اور کمزور درختوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ٹرکوں کے آہنی کیبن، درختوں کے نیچے جھکی ہوئی شاخوں کو بے رحمی سے توڑ رہے تھے۔ وزنی شاخیں چرچراہٹ کے ساتھ زمین پر گر کر رکاوٹ پیدا کررہی تھیں۔ پیدل چلنے والے خود کو ان سرسبز اور وزنی شاخوں کی زد سے بچانے کے بعد پھرتی کے ساتھ انہیں ایک طرف گھسیٹ لیتے تھے تاکہ پیچھے آنے والی گاڑیاں بغیر کسی رکاوٹ کے آگے بڑھتی رہیں۔

"یہ ڈاکو ایک طرف تو بہادری، خودداری اور مردانگی کے دعوے دار ہیں لیکن دوسری طرف ان کا رویّہ بہت نرم بلکہ محکومانہ ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" اوّل خان بولا۔

"مجھے تو ان کے کسی رویّے میں ابھی تک نرمی کی کوئی جھلک نظر نہیں آئی۔"

"یہ سب بڑے سفّاک سورما ہیں۔ اپنے گھربار اور رشتے داروں کو چھوڑ کر ان جنگلوں کی خاک چھان رہے ہیں لیکن سردار رجب علی اور اس کے حرم کو انہوں نے مقدر سمجھ کر قبول کیا ہوا ہے۔ کیا ان لوگوں کو ہر لمحے اپنے بیوی بچوں یا ماں باپ کا خیال نہیں آتا ہوگا؟"

"سردار رجب علی نے طاقت، تجربے اور ذہانت کے بل پر خود کو منوایا ہوا ہے۔ اس کی گفتگو پُراثر اور سحرانگیز ہوتی ہے۔ اسی کی ذات نے ان سب کو یہ حوصلہ دیا ہے کہ وہ جنگل میں صف آرا ہوکر قانون سے لڑسکیں۔ اسی لئے اسے ساری رعایتیں بھی استعمال کرنے کا حق ہے۔ ان میں ڈسپلن کی روح نہ پھونکی گئی ہوتی تو ان میں سے ہر ایک رجب علی کی جگہ لینے کے لئے بے قرار ہوتا اور یہ [illegible] میں ہی لڑلڑ کر لہولہان ہوجاتے۔ مجھ سے سچ پوچھو تو اس ساری بھیڑ میں فقط رجب علی ہی ڈاکو کہلانے کا مستحق ہے۔ باقی سب لوگ اس کے حواری ہیں۔"

"اس کے حکم پر وہ تینوں آدمی کوئی چون وچرا کئے بغیر پیچھے رہ گئے۔ حالانکہ انہیں اچھی طرح اندازہ ہوگا کہ پولیس کی بھاری جمعیت کے مقابلے میں ان کی جانوں کو شدید خطرات لاحق ہوں گے۔"

اس کے یاد دلانے پر میں چونک پڑا "لیکن وہ لوگ ابھی تک خاموش ہیں۔"

"ایسے گھنے اور بھیانک جنگلات میں لڑنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ حریف کے زد پر آجانے کا پورا یقین ہونے سے پہلے کوئی بھی فریق فائر کھولنے کی حماقت نہیں کرے گا کیونکہ پہلی گولی چلانے والا دراصل اپنے حریف کو اپنی مضبوط پوزیشن سے آگاہ کرتا ہے اور پوزیشن وہی مضبوط ہوتی ہے جو دشمن کے فائر

اس وقت کسی فوجی کی طرح تقریر کر رہے ہو۔ کیا تم
پنے اس بیان پر قائم ہو کہ تمہیں اسپیشل ٹاسک فورس
کوئی علم نہیں ہے؟"
نگجو پیدائشی فوجی ہوتا ہے یا ہر فوجی پیدائشی جنگجو ہوتا
لئے دونوں کی زبان ایک ہی ہوتی ہے۔ تم کو اب تک
ا چاہئے کہ میری فورس کا فوج سے کوئی تعلق نہیں

میں اس قدر بھاری نقل و حرکت کی پرشور آوازیں
ل پھیل رہی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ لوگ
غیرہ سے بہت دور تھے یا پھر انہیں پورا یقین تھا کہ
مسلح دستوں کے علاوہ کوئی اور ان کی عمل داری میں
وکنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔

اٹ کے قریب میں نے قلندر سے رینجرز کے گشت اور
جو کہانی سنی تھی اس سے کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے
مدود اور عمل داری کے بارے میں پولیس اور ڈاکوؤں
ن کوئی خاموش اور ان کہا سمجھوتا ہو چکا تھا۔ شاہراہ
تحویل یا حفاظت میں تھی۔ جنگلوں سے باہر پولیس کا
ور گھنے جنگلات میں ڈاکوؤں کو پوری پوری آزادیاں

آزادیوں کا شاہکار وہ تین بڑے اور وزنی ٹرک تھے جو
ں کی غراتی ہوئی ناہموار گونج میں سردار رجب علی کے
ساتھ چل رہے تھے۔ ان ٹرکوں کے بارے میں مجھے
تھا کہ ان میں راشن، اسلحے اور دیگر ضروریات کے
اور نہیں تھا۔ وہ ٹرک ہیلی کاپٹروں سے ان جنگلوں میں
ے گئے تھے بلکہ اپنی اپنی منازل سے مال و اسباب لاد
فاصلہ طے کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے اور یہ بھی لازمی
وہ خالی ہونے کے بعد نیا لوڈ لینے کے لئے جنگلات سے
اور پھر واپس آتے ہوں گے۔ کسی بھی ذی شعور شخص
یہ ماننا ممکن نہیں تھا کہ اس طویل نقل و حرکت میں وہ
ں یا کسی اور ادارے کی نظروں میں نہیں آتے ہوں
رے سامنے جو کچھ تھا وہ ایک منظم سازش کا مظہر تھا۔
ان کے بعض اہم ذمے داروں کی چشم پوشی کے بغیر ان
ظم ڈاکو ہرگز نہیں پنپ سکتے تھے۔ ان کے پاس پیسہ تھا۔
ہرے راشن، اسلحہ، بارود، میگزین اور ادویات وغیرہ کی
رہتی تھی اور ہوس ناک عزائم رکھنے والے راشی اہلکار
ا کی تلاش میں معاشرے کی ہر گندی نالی کو اپنے
ں کی پوری قوت سے سونگھتے پھرتے ہیں۔ وہ ڈاکوؤں
کی معاوضے لے کر نہ صرف گونگے، بہرے اور اندھے
ے تھے بلکہ وقتِ ضرورت شاید انہیں تحفظ بھی فراہم

کرتے تھے۔ دیکھا جائے تو علاقے کے ڈاکوؤں کو تحفظ فراہم کرنا
ایسے بے ایمان اہل کاروں کی مجبوری بھی تھی۔ ان کے علاقے
میں ڈاکو مارے یا پکڑے جاتے یا ان کا کوئی ٹرک گرفت میں آجاتا
تو افسرانِ بالا ان سے ڈاکوؤں کی پرورش کے بارے میں باز پرس
کر سکتے تھے کہ تھانے کا ریکارڈ بے داغ ہونے کے باوجود وہاں
یک بیک ڈاکو کہاں سے اُگ آئے؟ ان بے ایمانوں کی مجبوری
قابلِ فہم تھی اور یہ باور کرنا دشوار نہیں تھا کہ اپنی چمڑی بچانے
اور سروس ریکارڈ صاف ستھرا رکھنے کے لئے بھی بے ایمان افسر
اپنے علاقے میں کوئی آپریشن کامیاب نہیں ہونے دیتا تھا۔ ضلع،
ڈویژن یا صوبے کی سطح سے آنے والی جماعتوں کے بارے میں
بھی ڈاکوؤں کو پیشگی اطلاع دے دی جاتی تھی تاکہ آنے والے
افسران جنگلات وغیرہ کو عملاً بھی اسی قدر صاف ستھرا پائیں جتنا
وہ ریکارڈ میں دکھائے جاتے تھے۔

کاغذ پر راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا اور دھرتی پر نہ جانے
کتنے رجب علی پل رہے تھے۔

یہ سب باہر سے درآمد کئے گئے تھے نہ بیرونی تخریب کار
تھے۔ ان کی شناخت ان کی اپنی سرزمین تھی۔ یہ سب پاکستانی تھے
ان کی صفوں میں باہر سے چند دہشت گرد اور تخریب کار آملے
ہوں تو اور بات ہے ورنہ اپنی ہیئت اور ترکیب میں یہ مقامی ہی
تھے اور ملا سرکار انہیں اپنے مذموم مقاصد کی راہ پر دھکیل رہا
تھا۔ ملا سرکار ایک فردِ واحد تھا۔ وہ شی سے بھاری مقدار میں
اسلحہ حاصل کرنے میں ناکام ہو کر آرنیٹ کے ملک کی سفارش پر
جی لائیڈ سے براہِ راست بھاری مقدار میں مہلک اسلحہ حاصل
کر سکتا تھا لیکن اسے چلانا اس کے بس سے باہر تھا۔ اس اسلحے
کے ماہرانہ استعمال کے لئے اسے ان گھنے جنگلات میں لشکر کے
لشکر مل سکتے تھے۔ اس نے پیری کے تقدس کی آڑ میں ان سب کو
اپنا مرید بنا کر ان پر بالادستی حاصل کی ہوئی تھی۔ اس طرح نام
نہاد محرومیوں اور مظلوموں کے سہارے ایک غیر ملکی جاسوس بلکہ
دہشت گرد پورے خطے میں تباہی و بربادی کی آگ پھیلانے میں
کامیاب ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"پھیل جاؤ!" اچانک انجنوں کے شور پر حاوی، سردار

رجب علی کی تحکمانہ آواز میگافون پر گونجی "کالم کے بجائے دائیں بائیں پھیل کر چلو۔ دونوں بازوؤں پر نفری برابر ہوگی۔"

میری دانست میں سردار رجب علی کی وہ ہدایت نامکمل تھی جس کے نتیجے میں افراتفری پھیل سکتی تھی۔ اندھیرے میں یہ اندازہ لگانا دشوار ہوتا کہ کتنے لوگ کس سمت میں پھیل رہے ہیں۔ لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ قافلہ اسی رفتار سے اور اسی طرح چلتا رہا۔ گاڑیوں کے عقبی پارکنگ لیمپس کی روشنی میں آگے سے ایک آدمی داہنی طرف گیا دوسرا بائیں طرف۔ باری باری لوگ دائیں اور بائیں جانب غائب ہونے لگے۔ طاق نمبر داہنے بازو والے تھے، جفت نمبر والے بائیں طرف جارہے تھے۔

گاڑیوں کے پیچھے سے قطار تیزی کے ساتھ دائیں بائیں معدوم ہوتی جارہی تھی۔ آگے خالی ہونے والی جگہ کو پر کرتے ہوئے اپنی اپنی سمتوں میں جانے کے لئے پیچھے والوں کی رفتار میں تیزی آگئی تھی۔ اس وقت تک ہم دونوں ایک ساتھ تھے اس لئے یہ امر لازمی تھا کہ ہمیں دو مخالف سمتوں میں جانا پڑتا۔

اس وقت ہم دونوں زیادہ تاریکی میں تھے اور فارمیشن تبدیلی کے عمل سے گزر رہی تھی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ ہم میں سے کسی ایک کو بڑھ کر، ایسی جگہ لے لینا چاہئے کہ ہم دونوں ہی طاق یا جفت نمبروں پر آجائیں اور دونوں کو ایک ہی سمت میں جانے کا موقع مل سکے۔ ان مخدوش اور غیر یقینی حالات میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ایک بار بچھڑ کر ہم دونوں کو کب یکجا ہونے کا موقع مل سکے گا۔ میں نے چلتے چلتے گردوپیش کا جائزہ لیا تو کوئی بھی ہماری طرف متوجہ نہیں تھا۔

"تم پیچھے چلتے رہو، میں آگے بھیڑ میں مل جاتا ہوں۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں اوّل خان سے کہا "جدھر میں جاؤں، اپنی باری آنے پر تم بھی اسی طرف چلے آنا۔ ہمارا اکٹھا رہنا بہت ضروری ہے۔"

اپنی بات پوری کرتے ہی میں نے اپنی رفتار تیز کی تھی کہ اچانک ایک قریبی تنے کی اوٹ سے آنے والی تحکمانہ آواز نے مجھے ہلا کر رکھ دیا "خبردار! گڑبڑ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اپنی جگہ پر چلتے رہو۔"

وہ آواز رانی کی تھی۔ اس کے سرد لہجے میں ترحم یا ہمدردی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ نہ جانے کب سے بے آواز قدموں کے ساتھ ہماری داہنی جانب درختوں کی اوٹ میں چل رہی تھی۔

"میں تمہاری ہی تلاش میں آگے جارہا تھا۔" چند ثانیوں کے بھیانک اور سنسنی خیز سکوت کے دوران میں مجھے ایک بہانا سوجھ ہی گیا۔ ویسے اس کی ہدایت سنتے ہی میں نے آگے جانے کا ارادہ ترک کرکے اپنی رفتار فوراً ہی کم کرلی تھی۔

"مجھ سے کیا کام تھا؟" اس نے درختوں کی اوٹ سے نکلتے ہوئے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"ہم دونوں ایک ہی جانب اکٹھا رہنے کی اجازت حا[صل] کرنا چاہتے ہیں۔"

"ناممکن!" اس کی آواز سخت اور دوٹوک تھی "ا[س] سے کوئی انحراف نہیں کرسکتا۔"

"انحراف کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ہم صرف اجازت حا[صل] کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہ ہم پر کڑا وقت ہے۔ ایسے میں اپنی فکر کرنے وال[وں کو] گولی سے جواب دیا جاتا ہے۔"

"تم اگلے پڑاؤ تک ہمیں زندہ رکھنے کا ارادہ ظاہر [کر رہی] ہو۔"

"وہ مشروط ارادہ ہے۔ تم خاموش رہو گے تو میرا اسل[حہ] خاموش رہے گا۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ رانی کے رویّے م[یں] بھی لچک نہیں تھی۔

میمنہ اور میسرہ میں افرادی قوت کی مساوی اور خودکار [تقسیم] کا وہ عمل اس قدر سُرعت کے ساتھ جاری تھا کہ آناً فاناً ہمارے سامنے کوئی نہ رہا۔ ہم تینوں سے آگے آخری جیپ [رہ] رہی تھی۔ اوّل خان کا نمبر طاق تھا اس لئے اسے داہنی [طرف] جانا پڑا۔ میں تیزی کے ساتھ بائیں طرف ہولیا۔

رانی کسی سائے کی طرح میرے ساتھ لگی ہوئی۔ شاید میری نیت پر کوئی شبہ ہوگیا تھا۔

"میرے بعد تمہارا نمبر بھی طاق ہوجاتا ہے۔ تمہیں [اس] طرف جانا چاہئے تھا۔" میں نے اپنے اور اس کے درمیا[ن] ہوا جمود توڑنے کے لئے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سردار اور اس کے نائب دوسروں کے لئے اصول [بناتے] ہیں۔ آئندہ سردار کے کسی نائب کو ٹوکنے کی غلطی نہ کرنا و[رنہ] جسارت تمہیں بہت مہنگی پڑسکتی ہے۔" وہ سرد لہجے میں [کہتے] ہوئے بولی۔

"تو تم سردار رجب علی کی نائب ہو؟" میں نے قد[رے] حیرت سے پوچھا۔

"سردار رجب علی نے مجھے یہ مقام دے کر میر[ی] باچھی کی مردانگی کا اعتراف کیا ہے۔" اس کی آواز پُرغرو[ر] تھی "اس بھیڑ میں اس کے چار نائب اور بھی ہیں۔ سردا[ر کے] فیصلوں کو ہم پانچوں ہی نافذ کرتے ہیں۔"

"معاف کرنا، یہ ہمارا پہلا دن ہے۔ مجھے اس گرو[ہ میں] تمہاری اہمیت کا اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ دن کی روشنی م[یں] باقی چار بڑوں کو بھی دیکھنا چاہوں گا تاکہ مجھ سے ان کی شان [میں] کوئی گستاخی سرزد نہ ہو۔"

"غور کرو گے تو کسی کے دکھائے اور بتائے بغیر بھی ان کو پہچان لو گے۔ سردار رجب علی کے نائب اپنی شجاعت مردانگی کی وجہ سے الگ ہی پہچانے جاتے ہیں۔"

مرادنگی؟" میں نے گھنے درختوں کے درمیان محترک
فصیل کے انتہائی بائیں سرے کی طرف بڑھتے ہوئے
حیرت سے دہرایا "مردانگی تو مردوں میں دیکھی جاتی ہے۔
ار کی نائب مگر ایک عورت ہو۔ تمہاری ذات میں مردانگی
ے آسکتی ہے؟ تم تو بہت خوبصورت اور مکمل عورت

ں نے فوری طور پر میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ
کے سردار کی نائب ضرور تھی لیکن دنیا کی دوسری عورتوں
ح میری زبان سے اپنی تعریف سن کر شاید کچھ پھول گئی

چند ثانیوں کے بعد وہ بالکل بدلی ہوئی بوجھل سی آواز میں
ی "جانو کی موت کے بعد میں نے بھلا دیا ہے کہ میں کوئی
ہوں۔ اپنی خوبصورتی اور عورت ہونے کی تعریف اسی کی
ے اچھی لگتی تھی۔ سہاگ اجڑ جانے کے بعد وفادار
کی باہر کی نرمی اور خوبصورتی کو اندر کی سختی نگل جاتی ہے۔
یں نے خود بخود اپنا محسن مان لیا ہے اس لئے تمہیں ڈھیل
رہی ہوں ورنہ بڑے بڑے سورما مجھ سے بات کرتے ہوئے
تے ہیں۔"
"وہ تمہیں مرد کی نہیں' ماتحت بلکہ ایک غلام کی نگاہ سے
ہیں اس لئے تم سے ڈرتے ہیں۔" اس کا نرم جواب سن کر
وصلہ بڑھ گیا "میں نہ پہلے تم سے ڈرا تھا' نہ اب ڈرتا ہوں۔
ں اس دھول میں چلتا ہوا دیکھ کر کئی بار میرا دل چاہا ہے کہ
ہا اپنے کندھوں پر اٹھالوں یا کسی جیپ میں سوار کرادوں۔
ے نرم و نازک پاؤں زیادہ دنوں تک جنگلات کی خاردار
ریوں کو نہیں روند سکیں گے۔"
"وقت ہی اس کا جواب دے سکے گا۔" وہ میری خوشامدانہ
مکارانہ باتوں کا برا منائے بغیر پُر عزم لہجے میں بولی "سردار کا
ا ہے کہ وہ میری ذات میں آنے والے دنوں کا سنہرا خواب
ا ہے۔ جب میرا اپنا بھی ایک گروہ ہوگا۔ جس کے سامنے کوئی
ا ٹک سکے گا۔ آج بھی میں ہر وہ کام کر گزرتی ہوں جس کے
ے میں دوسرے سوچتے رہ جاتے ہیں۔"
"لیکن سردار دوسری عورتوں کو تم سے زیادہ عزیز رکھتا
۔ وہ اس کے ساتھ گاڑیوں میں سفر کر رہی ہیں۔ جب کہ تم
ا ماری ماری پھر رہی ہو۔" موقع پاتے ہی میں نے اس کی انا پر
ا وار کر دیا۔
رانی زہریلے انداز میں ہنس پڑی اور بولی "وہ سردار کی تنخواہ
ر رکھیل اور باندیاں ہیں جو ضرورت پیش آنے پر اس کا دل
اتی ہیں۔ وہ سردار سے قریب رہ کر بھی اس سے بہت دور
یہ مقابلے ہوتے ہیں تو گولیوں کا شور سنتے ہی ان کی چیخیں نکل
ا ہیں۔ وہ رونے اور گڑگڑانے لگتی ہیں۔ سردار انہیں
کریں مارتا ہے تو وہ سہم کر خاموش ہو جاتی ہیں لیکن اندر ہی

اندر لرزتی رہتی ہیں۔ ان کھلونوں سے تم میرا موازنہ نہیں
کرسکتے۔"
"تم سرداری کے خواب دیکھ رہی ہو تو تمہارا دل بھی ایسے
کھلونوں کے لئے مچلتا ہوگا؟"
"جانو ماچھی کے بعد کوئی مرد میری زندگی میں نہیں آسکے
گا۔" میرے اس ٹیڑھے سوال پر وہ بپھر گئی "جس طرح ہر سردار
خوبصورت عورتوں کا رسیا نہیں ہوتا.. اسی طرح ہر عورت مردوں
کی دیوانی نہیں ہوتی۔ جانو ماچھی کی بیوی گوشت پوست کی ایک
جیتی جاگتی عورت تھی۔ وہ مسکراتی تھی تو ویرانوں میں کلیاں کھل
اٹھتی تھیں لیکن جانو کی بیوہ پتھر کی بن گئی ہے۔ اس پتھر میں اب
کبھی عشق و محبت اور پیار کی دیمک نہیں لگ سکتی..."
"تم سردار رجب علی کو عورتوں کا رسیا کہہ رہی ہو؟" میں
نے اس کی بات کاٹتے ہوئے بات میں سے بات نکالی۔ وہ
جھنجلائی ہوئی لگ رہی تھی لیکن میری بے حجاب گفتگو پر اس
وقت تک مشتعل نہیں ہوئی تھی۔
"میں کسی کو کچھ نہیں کہہ رہی۔ سب جانتے ہیں کہ وہ
عورتوں کا شوقین ہے۔"
"پھر تم اس کے پاس کیا امید لے کر آئی تھیں؟ کیا اس نے
تمہیں قبول نہیں کیا؟"
"تم حد سے بڑھ رہے ہو۔" اس بار رانی کی آواز غصیلی
تھی "میں انصاف اور پناہ لینے کے لئے اس کے پاس آئی تھی۔
مجھے باعزت پناہ مل گئی۔ انصاف اس دن پورا ہوگا جب میں
تمہارے سینے میں اپنے ہاتھوں سے گولیاں اتاروں گی۔"
اس کا جواب سن کر میرے بدن میں بیک وقت کروڑوں
چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔
"یہ کام تو تم مجھے سردار رجب علی کے خیمے میں دیکھتے ہی
کرسکتی تھیں۔" میں نے قدرے توقف کے بعد پورے حوصلے مگر
دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔ پڑاؤ پر اس سے ہونے والی
ابتدائی گفتگو کے مقابلے میں فضا اس وقت بہت مختلف تھی۔
"ہم سب کچھ ہیں مگر احسان فراموش نہیں ہیں۔" اس نے
عجیب سے لہجے میں کہا "مقدر نے اتنی کم مدت میں دوسری بار
تمہیں میرے سامنے لا ڈالا ہے تو مجھے پورا یقین ہے کہ میرے
انتقام کی ہولناک کشش تمہیں تیسری بار بھی مجھ سے ملائے گی۔
پہلی بار تم بالادست تھے اور تم نے مجھ پر احسان کیا۔ آج میں
تمہاری تقدیر کی مالک ہوں مگر تمہارے احسان کا بدلہ چکا رہی
ہوں۔ تیسری بار ہم میں سے کوئی' کسی کا مقروض نہیں ہوگا اور
وہی انصاف پورا ہونے کا لمحہ ہوگا۔ کوٹ مندو کے اطراف میں
جب میرا جانو ماچھی زندگی کی آخری سرحدوں پر سسک رہا تھا تو تم
نے اس پر اور مجھ پر احسان کیا تھا۔ اسے میری بانہوں میں آخری
سانسیں لینے کا موقع دیا تھا پھر اس کی لاش میرے حوالے کردی

تھی مگر تمہارا ایک ساتھی ظالم تھا۔ وہ جانو ماچھی کے سر پر مقرر انعام حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جانو ماچھی کی میت کو مٹی دیتے ہی سردار رجب علی نے پتا چلالیا کہ وہ تمہارا میزبان اور رانی پور کے ایک جاگیردار کا بیٹا تھا۔ پھر دنیا والوں نے دیکھ لیا کہ رانی پور کی حویلی میں بسنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے ان دونوں باپ بیٹوں کی لاشوں کو عبرت کے لئے انہی کی حویلی کے پھاٹک پر سولی میں ٹانگ دیا تھا۔ وہ ہمارا انتقام تھا اور یہ ہماری محسن پروری ہے کہ تم میرے سامنے ہوتے ہوئے بھی زندہ ہو اور میں نے پورے گروہ میں کسی کو بھی تمہارے سوانگ کی ہوا نہیں لگنے دی ہے۔"

وہ جذباتی ہونے لگی تھی اس لئے میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ اس کے بھڑک اٹھنے کی صورت میں میرے لئے ناقابلِ تصور دشواریاں پیدا ہوسکتی تھیں۔ میرے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ میرے بارے میں سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی خاموش رہنے پر آمادہ تھی۔

اسی لمحے دور کہیں گولی چلی۔ وہ رائفل کا فائر تھا۔ فائر کی بازگشت کئی لمحوں تک فضا میں برقرار رہی۔ پھر اچانک ہی بہت سی گولیاں چلیں اور پھر چلتی ہی رہیں۔

قافلے کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جنگلات میں پھیلی ہوئی مسلح نفری وسط میں رواں مشینی حصے کی دھیمی روشنیوں کے سہارے اسی طرح آگے بڑھتی رہی۔ فائرنگ کی آواز ہمارے عقب میں کچھ دور سے آرہی تھی۔ جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سردار رجب علی کے پیچھے رہ جانے والے تینوں آدمی پولیس والوں کو اپنے ساتھ الجھانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

پولیس کا سامنا کئے بغیر اپنے گروہ کے سارے آدمیوں کو صحیح سلامت نکال لے جانے کی 'پسپائی کی وہ حکمتِ عملی سو فیصد کامیاب ہوتی نظر آرہی تھی۔ اس نے اپنے صرف تین آدمیوں کو پیچھے چھوڑا تھا لیکن فضا میں جس بھاری اور متواتر فائرنگ کا شور گونج رہا تھا اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ پولیس والے سردار رجب علی کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس کر اسے اصل مقابلہ سمجھ رہے تھے اور اپنے حریف کو پوری قوت سے تہس نہس کردینے پر تل گئے تھے۔

ان تینوں کا کام صرف اتنا تھا کہ ڈیڑھ دو گھنٹے تک پولیس کو پچھلے پڑاؤ کے قرب و جوار میں روکے رکھتے تاکہ سردار رجب علی کے لاؤ لشکر کو گھنے جنگلات میں کئی میل آگے نکل کر محفوظ فاصلے پر پہنچنے کا موقع مل جاتا۔ اس کے بعد وہ تینوں بھی فائرنگ بند کرکے اپنے مورچوں سے پسپائی اختیار کرلیتے اور دریا کے کنارے کنارے فرار ہوتے ہوئے بھان اور جوہی کے درمیان اپنے گروہ سے آملتے۔

"تم کبھی سوچتی ہو کہ یہ پہاڑ جیسی زندگی اسی طرح دشت و جبل میں لڑتے اور بھاگتے ہوئے کیسے گزار سکو گی؟" میسرہ میں اپنی جگہ پر پہنچنے کے کافی دیر بعد میں نے سوال کیا۔ رانی خاموشی کے ساتھ مسلسل میرے ساتھ چل رہی تھی۔

"سوچنے کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں آدمی کے سامنے کئی راستے ہوں۔ ہمارے لئے تو زندہ رہنے کی یہی ایک امید ہے کہ جنگلوں میں روپوش رہ کر اپنی روزی کماتے اور پولیس سے بچتے رہیں۔ جس دن ہم نے دن کے اجالوں میں اپنی کمین گاہوں سے نکل کر بستیوں کا رخ کیا' پولیس ہمیں پکڑ لے گی اور ہم آسمان دیکھنے کو ترس جائیں گے۔ ہمیں سولی چڑھا دیا جائے گا یا زندگی بھر کے لئے تاریک اور گندی کوٹھریوں میں بند کردیا جائے گا۔"

"جسے تم روزی کہہ رہی ہو' کیا وہ واقعی تمہاری روزی ہے؟ دوسروں کے حلق سے چھینے ہوئے لقمے روزی نہیں بن سکتے۔ ان میں سے ہر لقمہ انسانی لہو میں تر بتر ہوتا ہے۔"

وہ دھیمے سے ہنس دی "معلوم ہوتا ہے کہ تم تبلیغ کے لئے یہاں آئے ہو۔"

"یہ تو بالکل سامنے کی باتیں ہیں۔ تم لوگ رنگ' نسل' مذہب' علاقے اور قوم کا لحاظ کئے بغیر اپنی زد میں آنے والے ہر اسامی کو لوٹتے یا تاوان کے لئے اغوا کرتے ہو۔ اسے روزی کون کہہ سکتا ہے؟"

"جس طرح بھوک اور فاقے حد سے بڑھ جانے پر مردار حلال ہوجاتے ہیں اسی طرح ضرورتیں پوری ہونے کے سب راستے بند ہونے کے بعد سب کچھ جائز ہوجاتا ہے۔ تم ان لوگوں کی بات کررہے ہو جن کے پیٹ بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور دن رات پتھر کی حویلیوں میں قلعہ بند رہتے ہیں۔ خود کو ہماری جگہ رکھ کر سوچو۔ ہماری زندگی کی قیمت ایک حقیر سی گولی ہے جو کسی بھی وقت اور کہیں سے بھی آسکتی ہے۔ جو لوگ ایسے ماحول میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندہ رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک نہ اپنی زندگی کی وقعت رہتی ہے اور نہ دوسروں کی۔ وہ ہر آن مرجانے یا مار ڈالنے پر تلے رہتے ہیں۔ ان کی زندگی اس قدر پُر آشوب ہوتی ہے کہ سینے میں گولی اترنے تک انہیں سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"سردار رجب علی سوچے اور سمجھے بغیر کب کوئی قدم اٹھاتا ہوگا؟"

"اس مقام تک پہنچنے کے لئے بہت قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ ہم سب کے برے بھلے کی ذمے داری اسی پر ہے۔ وہ سوچتا ہے اور ہم اس کی سوچ کو ایک ٹھوس حقیقت میں ڈھال دیتے ہیں۔"

"گروہ کے سب لوگ تم پانچوں کے احکام کے پابند ہیں۔ پانچوں سردار رجب علی سے ہدایات لیتے ہو لیکن سردار کو کہاں سے ہدایات ملتی ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"اس کا دماغ بہت زرخیز ہے۔ وہ سب کچھ اپنی عقل سے

ہے اور کامیاب رہتا ہے۔"
"پھر ملا سرکار تم سب کا پیر کیوں کہلاتا ہے؟ تم میں سے ہر ں کی خوشنودی کا طلب گار کیوں رہتا ہے؟"

وہ خاموش رہی۔ اندھیرے کی چادر میں میرے لئے کچھ تو ممکن نہیں تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے گھور رہی پھر اسی اندھیرے میں اس کی ملامت آمیز آواز ابھری "تم نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو۔ یہ یاد رکھنا کہ ہم لوگ ں سرکار کی شان میں گستاخی کرنے والے کو فوراً جہنم واصل یتے ہیں۔ تم نے ایسی کوئی جسارت کی تو میں ذرا بھی رُو ت سے کام نہیں لوں گی۔ سردار رجب علی سے تمہیں نے کی حد تک میں اپنے وعدے کی پابند ہوں۔ اس سے آگے آزاد ہوں۔"

"میں یہی تو جاننا چاہتا ہوں کہ ملا سرکار کی ذات میں ایسی ن سی خوبی ہے کہ تم لوگ اس کی عقیدت میں اس حد تک نے پر تل جاتے ہو؟ تم نے پڑاؤ پر مجھے بدمعاش، قاتل اور تاخ کہا تھا۔ مجھ پر یہ الزام بھی لگایا تھا کہ جس روز میں کوٹ دو کی طرف گیا اسی روز پیر سائیں کا حجرہ تباہ کر دیا گیا۔ آخر تم ی طرف سے اتنی بدظن کیوں ہو؟"

"خدا کو کسی نے نہیں دیکھا مگر عقل سے پہچانا ہے۔ ہم ب آدمی کی بو سے پہچان لیتے ہیں کہ وہ ہمارا دوست ہے یا ن۔ اگر تمہارے دل میں کھوٹ نہیں ہے تو پیر سائیں کا نام م سے لو۔ اسے ملا سرکار وہی منہ پھٹ لوگ کہتے ہیں جو اس امات اور بزرگی پر یقین نہیں رکھتے۔"

"مجھے اپنے سائیں سرکار کے بارے میں بتاؤ۔ ہو سکتا ہے یرا دل بھی اس کی بزرگی کی طرف راغب ہو جائے۔ اب میں نے جو کچھ سنا ہے وہ اس کے حق میں کچھ بہتر نہیں۔"

"سائیں سرکار بہت بڑی سرکار ہے۔" وہ عقیدت سے ار لہجے میں بولی "وہ لوگوں کے دلوں کا حال جانتا ہے۔ ان کی یوں کو سمجھتا ہے۔ اچھے لوگوں کو ہی نہیں، وہ ہم جیسے راندۂ ہ لوگوں کو بھی اپنے قدموں سے اٹھا کر گلے سے لگاتا ہے لہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے کیسے ظلم اور جبر سے تنگ ہتھیار اٹھائے ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیں اچھا وقت آنے کی خبر دیتا ا ہے۔ سائیں سرکار کا فرمان ہے کہ ظلم کی رات سدا جاری ہ رہ سکتی۔ ان اندھیروں کو انصاف اور محبت کا اجالا بہت نگل جائے گا اور اس اجالے میں جو چہرے سامنے آئیں گے ان کی طرح شفیق اور مہربان ہوں گے۔ وہ ہماری آزادیاں ہ لوٹا دیں گے۔ ہمیں ذلت اور رُوپوشی کی زندگی سے نجات جائے گی۔ ہم جنگلوں اور پہاڑوں سے نکل کر خوشی خوشی... پنے گھروں کو لوٹ سکیں گے اور کوئی ہم پر ہاتھ نہیں ڈال سکے۔"

"یہ سب بہت اچھی باتیں ہیں۔ سچ پوچھو تو یہ اس گروہ اور دوسرے گروہوں میں شامل ہر شخص کے دل کی نا آسودہ آرزوئیں ہیں جنہیں سائیں سرکار کی حمایت حاصل ہے لیکن وہ یہ بھی تو بتاتا ہو گا کہ یہ ساری کایا پلٹ کیسے ہو گی؟ خالی امیدیں باندھ لینے سے حالات تو نہیں بدلا کرتے۔"

"یہی وہ بھی کہتا ہے۔" رانی پُرجوش لہجے میں بولی "وہ کہتا ہے کہ کوّوں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔ خدا آسمان سے اتر کر ہماری مدد نہیں کرے گا۔ اپنی مصیبتیں ختم کرنے کے لئے ہمیں خود ظلم اور ظالم سے لڑنا ہو گا۔ وہ کہتا ہے کہ ظلم کا ساتھ دینے والے ہر ہاتھ کو پوری قوت سے کاٹ دو۔"

"لیکن یہ جو لوگ اپنے گھروں اور بھرے بازاروں سے اٹھا لئے جاتے ہیں اور پھر بھاری تاوان لے کر رہا کئے جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں سائیں سرکار کا کیا فرمان ہے؟"

"یہ بالکل جائز ہے۔ وہ کہتا ہے حاکم کی گردن پر پوری رعایا کا بوجھ ہوتا ہے۔ اسی طرح مال داروں پر اپنے کنبے اور محلے والوں کی خبر گیری کی ذمے داری ہوتی ہے۔ اس سے غفلت برتنے والے سزا کے مستحق ہیں۔ جس دھرتی پر لاکھوں انسانوں کو دو تو کیا ایک وقت کی روٹی بھی پیٹ بھرنے کو نہیں ملتی ہو، وہاں کسی کو اپنی تجوریاں بھر کر عیش کرنے کا حق نہیں ہے۔ ایسے لوگ خدا کی دی ہوئی دولت پر ناگ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر وہ اپنی مرضی سے مظلوموں، مسکینوں اور غریبوں کو ان کا حق نہ دیں تو طاقت کے زور پر ان سے سب کچھ چھین لینا جائز ہے۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں اسے ظالم ظلم کا نام دیتے ہیں لیکن ہمیں اپنے ہر عمل کے لئے پیر سائیں کی اجازت حاصل ہے۔ مرشد کی مرضی کے بغیر ہم کچھ نہیں کرتے۔"

اس وقت تک رانی نے جو کچھ کہا وہ بہت خیال انگیز تھا۔ اس سے پہلے میں ملا سرکار کی پُراسرار اور فسوں خیز شخصیت کے بارے میں جو کچھ سنتا رہا وہ سنی سنائی کہانیوں پر مبنی ہوتا تھا لیکن رانی کی ہر بات مستند تھی کیونکہ وہ خود ملا سرکار کی سچی پیروکار تھی اور مجھے اس کی زہر آلود تعلیمات کا خلاصہ سنا رہی تھی۔

وہ ڈاکوؤں کا غیر متنازعہ پیر بنا ہوا تھا۔ اخلاق، عدل، انصاف اور مساوات جیسے اعلیٰ اصولوں کی آڑ لے کر اپنے پیروکاروں میں بغاوت کے جراثیم کی پرورش کر رہا تھا۔ ظالم اور مظلوم کے طاقتور ابدی نعرے کی آڑ میں انہیں حکومت اور انتظامیہ کے خلاف اکسا رہا تھا۔ ڈاکو اس کی اصلیت سے بے خبر اور اس کے اندھے معتقد تھے۔ اس لئے اس کی باتوں کے ظاہری معنوں پر اپنا سر دھنتے رہ جاتے ہوں گے مگر میں ملا سرکار کی اصل نسل سے واقف ہو چکا تھا اس لئے.... خوب سمجھ رہا تھا کہ وہ ان قانون شکن قوتوں کے بل پر انصاف اور محبت کے کس اجالے کی بانگیں دے رہا تھا؟ اس کے سارے اشارے اپنے ان آقاؤں کی طرف

تھے جن کا نمک وہ بیسیوں برس سے کھا رہا تھا۔ وہ جلد از جلد اور ہر قیمت پر انہیں سرحدیں عبور کر لینے کا موقع فراہم کرنا چاہتا تھا۔

"اغوا کے بارے میں تو ہم لوگ اور بھی زیادہ احتیاط سے کام لیتے ہیں۔" رانی کہہ رہی تھی " اگر کبھی کسی کنگال کو اٹھالائیں تو وہ ہمارے گلے پڑ سکتا ہے۔ اس لئے کسی شکار کا انتخاب کرنے کے بعد سردار خود سائیں سرکار سے اجازت لیتا ہے۔ وہ اپنے علم اور عمل کی طاقت سے اسی وقت یا پھر دو چار روز میں اپنا فیصلہ سنا دیتا ہے۔ اس کا علم اتنا سچا ہے کہ تاوان کی رقم تک وہ خود بتاتا ہے جو ہمیں مل کر رہتی ہے۔"

"کبھی ایسا بھی ہوا کہ سائیں سرکار نے تم لوگوں کو کسی کے اغوا سے روکا ہو؟"

"ایک دفعہ نہیں، کئی بار ایسا ہوا ہے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ سائیں سرکار کی اجازت سے ہم نے کسی کو اٹھایا ہو اور ہمیں تاوان کی رقم نہ ملی ہو۔ جس کے بارے میں وہ ہمیں منع کر دیتا ہے، اس کے بارے میں ہم سوچنا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ یہ اسی اطاعت کا انعام ہے کہ ہم ان بھیانک جنگلوں میں بھی خوب پھل پھول رہے ہیں۔"

"ڈکیت جدی پشتی ہوتے ہیں۔ ان میں اکا دکا نئے لوگ بھی شامل ہوتے رہتے ہیں لیکن تنخواہ پر لوگوں کو ڈاکو بھرتی کرنے کی بات میں نے پہلی بار سنی ہے کیا پیر سائیں کو اس بھرتی کا علم ہے؟"

"میں کہہ رہی ہوں کہ ہمارا ہر اہم اور بڑا فیصلہ سائیں سرکار کی مرضی سے ہوتا ہے۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "تنخواہ پر ڈاکو بھرتی کرنے والی بات بکواس ہے۔ ڈاکو بنائے نہیں جا سکتے، وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم نے حکومت پر زور ڈالنے اور اپنی نفری بڑھانے کے لئے بھرتی شروع کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ جب ہر گاؤں اور ہر تحصیل کے لوگ جنگلوں میں ہمارے دوش بدوش ہوں گے تو کوئی بھی شخص ہمارے خلاف قانون کا ساتھ نہیں دے سکے گا۔ دوسری طرف اس طرح ہمارے پڑھے لکھے، بے روزگار لڑکوں کو اچھی نوکریاں ملیں گی۔ ہمارے ساتھ ملنے والے ایک آدمی کے گھر خوشحالی آئے گی تو اسے دیکھ کر اس کی بستی کے اور لوگ بھی ہماری طرف آئیں گے۔ اگر قدرت ظالموں کی رسی دراز کرتی رہی تو ایک وقت ایسا آجائے گا کہ سرکاری دفتر اور کارخانے خالی پڑے ہوں گے اور جنگلوں میں نوکریاں حاصل کرنے کی کوشش کرنے والوں کی لمبی لمبی قطاریں لگی ہوں گی۔ اس سے تیسرا اور سب سے بڑا فائدہ پیر سائیں نے ہی بتایا تھا۔ بھرتی کے ذریعے اس مرتے ہوئے پیشے میں نیا خون آئے گا۔ پڑھے لکھے لڑکے ہتھیار اٹھائیں گے تو ان کے علم اور خیالات سے سب کو فائدہ ہوگا۔ وہ آسانی کے ساتھ نئے اور نازک ہتھیار چلا سکیں گے...."

"لیکن یہ نئے اور نازک ہتھیار کہاں سے آئیں گے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"پیر سائیں کی دعاؤں میں بڑا اثر ہے۔ اس کے کشف اور کرامات کے ہم سب قائل ہو چکے ہیں۔ اس نے کئی بار ہم کو کسی خاص سمت میں سفر کرنے کی ہدایت کی اور وہاں ہمیں خفیہ ٹھکانوں پر اسلحہ اور گولا بارود کے ذخیرے ملے جو شاید ہمارے دشمنوں نے ہماری جڑوں پر وار کرنے کے لئے وہاں چھپائے ہوئے تھے۔ پچھلے دنوں پیر سائیں کے کشف پر سفر کر کے ہم نے راکٹوں اور راکٹ لانچروں کا ایک ذخیرہ حاصل کیا ہے جو پیر سائیں کی ہدایت پر سردار نے کئی گروہوں میں برابر سے بانٹ دیا ہے۔ یہ لانچر ہزاروں گز دور نشانوں پر ہلاکت اور بربادی پھیلا سکتے ہیں۔ اس کی دعائیں ہمارے شامل حال رہیں تو بہت جلد ہمارے پاس ایسا ان گنت اسلحہ آجائے گا کہ کوئی ہمارے مقابلے پر نہیں ٹھہر سکے گا۔"

ملا سرکار نے ان کی عقلوں پر عقیدت کے دبیز پردے ڈال کر انہیں اندھا اور بہرا بنایا ہوا تھا۔ وہ خود ہی اسلحہ غاروں وغیرہ میں رکھوا کر کشف کا ڈھونگ رچا تا رہا ہوگا اور وہ انہیں جس ان گنت اسلحے کی امید دلا رہا تھا... اس کی اصلیت میری نگاہوں سے اوجھل نہیں تھی۔ وہ شی سے اسلحہ حاصل کرنے کے لئے بے چین تھا۔ اس کے ملک کے ایما پر آرنیٹ کا سفارتخانہ میدان عمل میں کود چکا تھا۔ ایک غیر ملکی طاقت جمی لائیڈ پر دباؤ ڈال رہی تھی۔ سیٹلائیٹ فون پر ویرا اور جمی لائیڈ کے مذاکرات کرائے جا رہے تھے اور بات صرف اتنی تھی کہ سندھ کے ان جنگلات میں لاوا پوری طرح پک چکا تھا۔ افرادی قوت تیزی کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔ روپوش افراد کے دلوں میں قانون اور اس سے وابستہ ہر نظام کے خلاف نفرت کے جذبات عروج پر پہنچے ہوئے تھے۔ کمی تھی تو صرف اسلحے اور بارود کی تھی۔ ہر خالی ہاتھ میں اسلحہ تھما کر کندھوں سے میگزین کے وزنی تھیلے لٹکا دیئے جاتے تو ان دشوار گزار جنگلات سے بارودی آتش و آہن کا ایسا ہولناک طوفان ابلتا کہ زندگی کو امان ملنا مشکل ہو جاتی۔

میرے لئے وہ مفروضہ بہت بھیانک اور کرب ناک تھا کہ محبت آمیز اجالے اور شفیق چہروں کی امید میں اپنے ہم نفسوں پر موت برسانے والے جب اپنی جھولیوں سے آخری گولی بھی چلا چکتے تو بے رحم زندگی کی وہ سنگین حقیقت، آہنی ہتھوڑے کی کسی ضرب کی طرح ان کی کھوپڑیوں کو ہلا کر رکھ دیتی کہ جو کچھ وہ سوچتے رہے، وہ محض ایک سراب اور خواب تھا۔ ان کی خون آشام یورش کی آڑ میں ملا اور اس کے بلیک کیٹ نامی گوریلوں نے ملا سرکار کی سرکردگی میں ہر طرف اپنے تیز اور خونیں پنجے گاڑ لئے تھے۔ عقل اور منطق یہ کہتی تھی کہ خدانخواستہ وہ ناپاک منصوبہ کامیاب ہو ہی جاتا تو سرحد پار سے آئے ہوئے بھیڑیا صفت

ی راہ سیدھی رکھنے کے لئے سب سے پہلے انہی مسلح
باد و تاراج کرتے جو ملا سرکار کا آلۂ کار بنے ہوئے
یب ہر دو صورتوں میں نہ صرف اپنے دردناک انجام
تھے بلکہ اس کی جھلک بھی نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ اگر
ہوش میں لانے کی کوشش کرتا تو وہ اپنے سائیں
تقدس کی پامالی کے جرم میں اسے ہلاک کر ڈالتے۔
سردار رجب علی کے تجربات سنا رہی تھی لیکن پورے
بالائی سندھ کے جنگلات میں اکیلے رجب علی کا ہی راج
وہاں بڑے بڑے متعدد گروہ سرگرم تھے۔ ان سب پر ملا
مضبوط گرفت تھی وہ انہیں بھی اپنے نام نہاد کشف اور
سے مفلوج کرتا رہا ہوگا۔ وہ ایک بھیانک اور بہت بڑی
ا جس کے تانے بانے پوری احتیاط کے ساتھ بُنے گئے
ں کی روایتی توہم پرستی سے بھرپور فائدہ اٹھا کر ملا سرکار
منبر پر جا چڑھا تھا جہاں اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کا
رزہ خیز ہو کر رہ گیا تھا۔

یہ ٹھکانوں سے ملنے والا اسلحہ تو مقامی یا زیادہ سے زیادہ
فت کا ہوتا ہوگا؟" مایوسی، ناامیدی اور اپنے غصے کو
بئیے میں نے سرسری لہجے میں وہ اہم سوال کیا۔

کل نہیں!" رانی نے سختی سے میرے اس اندازے کی
ں "ہمیں ایک گولی بھی مقامی یا بھارتی ساخت کی نہیں
مغربی ساخت کا بہترین اسلحہ اور گولا بارود ہاتھ آیا

ی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ اگر انہیں بھارتی ساخت کا
وتا تو میں ملّا سرکار کے خلاف دبے لفظوں میں اپنی کہانی
رسکتا تھا مگر وہ مردود ایک گرگِ باراں دیدہ تھا۔ اپنے
کی ساری جزئیات اس کی نگاہ میں تھیں۔ وہ اپنی سازش
ب بنانے کے لئے بے دریغ پیسہ صرف کر رہا تھا۔ اس
پ کے کمانڈو اپنے سربراہ کی ذات کو ہر قسم کے شبے سے
نے کے لئے غیر ملکی ساخت کا بہترین اسلحہ ان مقامات پر
تے تھے جن کی نشاندہی ملّا سرکار اپنے نام نہاد کشف کے
سے کیا کرتا تھا۔ اس طرح نہ صرف پاکستان کے ایک
باہی و بربادی کے لئے جدید اسلحے کی چھوٹی چھوٹی کھیپیں
، نادان ترین دوستوں کے ہاتھوں میں پہنچتی رہتی تھیں
رکار کی ساکھ میں بھی اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

سائیں سرکار واقعی بہت عظیم آدمی ہے۔" میں نے دل
ں اس ملعون کو گالیاں دیتے ہوئے آہستگی سے کہا "مجھے
یہ تمام قصے آج تک معلوم نہیں تھے..."

بہت سے لوگ نہیں جانتے۔" اس نے میری بات کاٹ
لہجے میں کہا "شہرت اور بھیڑ بھاڑ سے پیر سائیں بہت
ہے۔ اس کے کمال سے بس وہی لوگ واقف ہوتے ہیں
جنہیں اس کی ذات سے فیض پہنچتا ہے۔"

"تم نے اپنی باتوں سے مجھے بہت متاثر کیا ہے اور میرے دل میں پیر سائیں کے دیدار کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔" میں نے کسی سچے عقیدت مند کی طرح خود کو مرعوب ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں یہاں سے نکل جانے کا حکم دے چکی ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ تمہیں پیر سائیں کی زیارت کا موقع ضرور ملنا چاہئے۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولی "ہو سکتا ہے کہ ان کی نظرِ کرم تمہاری کایا پلٹ کر دے اور تم سچے دل سے ہمارے ساتھ ہو جاؤ۔ ہمیں دلیر اور فراخ دل لوگوں کی ہر وقت تلاش رہتی ہے۔ تمہاری یہ دونوں خوبیاں میں دیکھ چکی ہوں۔ رہا دل کا حال تو پیر سائیں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں رہتا۔ وہ ایک نظر میں دلوں کا حال پڑھ لیتا ہے۔"

رانی کے الفاظ سنتے ہی میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ میں ان جنگلات میں ملا سرکار کا سامنا ہونے سے پہلے وہاں سے نکل کر بھاگنا چاہتا تھا اور مجھے خوشی تھی کہ رانی نے احسان مندی کے جذبے سے مغلوب ہو کر خود ہی مجھے وہاں سے فرار کرانے کی پیشکش بھی کر دی تھی لیکن میرے ایک غیر محتاط فقرے نے پوری صورتِ حال بدل کر رکھ دی تھی۔

"پیر سائیں سے کب اور کہاں ملاقات ہو سکے گی؟" میں نے اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"اس کے آنے کا کوئی وقت اور مقام مقرر نہیں ہے۔ وہ حشرات الارض اور درندوں سے بھرے ہوئے ان جنگلات میں اپنے مریدوں کی خیر خبر لینے آتا رہتا ہے۔ وہ آج رات بھی آسکتا

ہے اور اس کی زیارت میں پندرہ دن بھی لگ سکتے ہیں۔ جب تک وہ نہیں آجاتا تم اسی طرح ہمارے ساتھ رہو گے۔ میں تمہارے بارے میں اپنی زبان بند رکھوں گی لیکن شرط یہ ہے کہ تم اس دوران میں کوئی شرارت نہیں کرو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔" میں نے پورے خلوص کے ساتھ کہا، پھر چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے سوال کیا "لیکن میں نے تو سنا ہے کہ وہ مدت سے کوٹ مندو سے نہیں نکلا تھا بلکہ ہفتوں اپنے حجرے میں بند رہ کر بھوک اور پیاس کی حالت میں عبادت و ریاضت کیا کرتا تھا، پھر وہ تم لوگوں کے پاس کیسے آتا تھا؟"

"یہ اللہ لوگوں کی باتیں ہیں، ہم جیسے دنیا داروں کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ کچھ پتا نہیں ہوتا کہ ایسے لوگوں کی روح کہاں ہوتی ہے اور جسم کہاں ہوتا ہے؟" وہ الو کی پٹھی مل! سرکار کی عقیدت میں بالکل ہی چوپٹ ہو کر رہ گئی تھی "کوٹ مندو والے کہتے ہیں کہ وہ حجرے میں ہوتا تھا تو وہ ضرور وہاں ہوتا ہوگا۔ ان جنگلوں میں مَیں خود اس سے مل چکی ہوں۔"

"سنا ہے کہ اب تو کوٹ مندو کے کچھ لوگ بھی اس سے بدظن ہو گئے ہیں۔"

"ان پر عتاب آئے گا۔" اس کے دل کی گہرائیوں سے پُر یقین آواز ابھری "پیر سائیں کے حجرے کی تباہی کے اگلے دن ہی فوج نے گاؤں خالی کرا کے وہاں قبضہ کرلیا تھا۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ وہاں کیا ہوا تھا یا اب کیا ہو رہا ہے۔ پیر سائیں کو کوسنے والی وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن کے بیٹے اس واقعے میں مارے گئے لیکن تم دیکھ لو کہ وہاں پیر سائیں کا سراغ بھی نہیں مل سکا۔ وہ اپنی روحانی قوت سے صاف بچ کر کہیں نکل گیا۔"

اس خبیث کی نام نہاد روحانی قوت کے دو تین مظاہرے تو میں خود دیکھ چکا تھا۔ اس کے ستارے ہی یاور تھے جو میرے ہر وار سے بچتا چلا آرہا تھا اور آخر میں اول خان کے خونخوار کارندوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنی جگہ مجید ملک کی گردن ان کے ہاتھ میں تھما کر فرار ہوگیا تھا لیکن میں عقیدت زدہ رانی کو اپنے تجربات سنانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ میری مصلحتوں کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی زیادہ سے زیادہ کہانی سُنی جائے۔

"سائیں سرکار کا ادھر آنا اپنی جگہ پر، لیکن کوئی حاجت مند اس سے ملنا چاہے تو کہاں جا کر مل سکتا ہے؟" میں نے چلتے چلتے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

گھور اندھیرے میں دیا سلائی کا تیز شعلہ بھڑکا تو اس کی روشنی میں، میں نے دیکھا کہ رانی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ نظریں چار ہوتے ہی اس نے بوکھلا کر اپنا منہ پھیر لیا۔ دیا سلائی پھینکتے ہوئے میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ رانی اپنی زبان سے جو دعوے چاہتی کرسکتی تھی لیکن اپنی اصل کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی تھی۔

"کوٹ مندو کا آستانہ دور دور سے آنے والوں کی امید کا مرکز تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کی تباہی کے بعد یہ سا نے کوئی نیا ٹھکانا بنایا ہے یا نہیں۔ سردار رجب علی کو معلو دوسری بات ہے۔"

"مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ تم چھپ کر میرا پیچھا کر تھیں۔ اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ تم اس وقت سارے کام بھول کر میرے ساتھ لگی ہوئی ہو۔ اس کا کیا ہے؟"

"تم پر بھروسا نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم موقع پا کر ہو جاؤ۔"

"اس خطرناک جنگل میں کسی رہنما کے بغیر فرار ہونا مو دعوت دینے کے برابر ہوگا۔"

"جان کے خوف سے آدمی کچھ بھی کرسکتا ہے لیکن ا تمہیں سمجھ گئی ہوں۔"

"میں بھاگ بھی جاتا تو تمہیں کیا فرق پڑتا تھا؟ تم تو یہاں سے بھگانا چاہتی ہو۔" میں نے اپنے لہجے میں ہلکا سا پیدا کرتے ہوئے کہا "کہیں ایسا تو نہیں کہ تم مجھے بھٹکنے ا بسی سے مرجانے سے بچانا چاہتی ہو۔"

"یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہارے عشق میں مبتلا ہو گئی ہ وہ چیخ کر بولی "تم راستہ بھولو یا گھر پہنچو، زندہ رہو یا مرجاؤ اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کوچ کے دوران میں تمہیں فرار نہیں ہونے دینا چاہتی۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں نے اس کے فقرے پر دھیان دیئے بغیر پوچھا۔

"تم بھٹک کر پولیس والوں کے ہاتھ لگ سکتے ہو او ایسی باتیں بتا سکتے ہو جس سے ہمیں نقصان پہنچ سکتا ہے پڑاؤ تک تم ہر وقت میری نظروں میں رہو گے۔"

"اب تو وہ بات ہی ختم ہو چکی ہے۔ تم نے مجھے سرکار کی زیارت کرانے تک اپنا مہمان رکھنے کا وعدہ آزادی کے ساتھ مفت کی روٹیاں ملتی رہیں تو مجھے از سے بھاگنے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے اسے یاد دلایا

"یہ تمہارے دل کی بات ہوسکتی ہے مگر میں اپنے ف غافل نہیں ہوسکتی۔"

"لیکن ایک بات سن لو۔ آج بھی کئی آدمیوں طرف دیکھ کر حقارت سے درختوں میں تھوک کر چکا ر تھیں۔ جب تک ممکن ہوا میں سب کچھ برداشت کرتا میری کھوپڑی سنک گئی تو یہاں کسی بھی وقت خون ریز ہے۔" یاد آجانے پر میں نے اسے ان واقعات سے بھ ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔

خود پر قابو رکھو گے۔" اس نے سخت لہجے میں کہا "میں
سمجھا دوں گی۔ پھر بھی تمہیں خیال رکھنا ہوگا کہ اس
ھانت بھانت کے لوگ موجود ہیں۔ آپس کے جھگڑوں
کا فیصلہ ہمیشہ پرانے آدمیوں کے حق میں ہوتا ہے۔ تم
ڑ بیٹھے تو کان پکڑ کر باہر نکال دیئے جاؤ گے۔"
نے اپنی دانست میں مجھے ایک کڑی سزا سے آگاہ کیا تھا
ے لئے اس کا انکشاف کسی خوش خبری سے کم نہیں تھا۔
ں نے مجھے چلے جانے کے لئے کہا۔ پھر ملا سرکار کے
نے تک ٹھہرانے پر آمادہ ہو گئی۔ اس کی وہ خود رو پیش
ے لئے تشویش کا باعث بن گئی تھی لیکن اس کے تازہ
نے میری مشکل بالکل آسان کردی تھی۔ میں وہاں سے
گلو خلاصی حاصل کرنا چاہتا، گروہ کے لوگوں سے دنگا
ے اپنا مطلب حاصل کر سکتا تھا۔
وہ کے داداگیروں سے میری چشمک کے بارے میں وہ سن
ھی اس لئے میں کسی بھی موقع پر جھگڑا کھڑا کرتا تو رانی کو
کرنے کا کوئی موقع نہ ملتا اور میری وہاں سے گلو خلاصی

ڑنگ کا شور رفتہ رفتہ دور ہوتا جارہا تھا لیکن رات کے
میں وہ سب اتنا واضح تھا کہ توجہ کے تھوڑے سے ارتکاز
لیوں کی آواز الگ سنی جاسکتی تھی۔ مجھے علم تھا کہ سردار
لی نے پولیس کو الجھانے کے لئے اپنے صرف تین آدمی
وڑے تھے لیکن فضا میں جس طرح بیسیوں رائفلوں اور
ٹین گنوں کا شور گونج رہا تھا اس سے مقابلے کی شدت اور
انی کی کثرت کا اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا۔
نقریباً چالیس منٹ کی دھواں دار فائرنگ کے بعد اچانک ہی
زور ٹوٹ گیا۔ چند ثانیوں تک اِکّا دُکّا فائر ہوئے اور پھر
نت سناٹا چھا گیا۔
لس کا آغاز قافلے کی رفتار پر اثر انداز ہوا تھا نہ فائرنگ
رواں کے کسی حصے سے کسی ردِعمل کا اظہار کیا گیا۔
ر انجنوں کے شور کے علاوہ پیدل چلنے والوں کے قدموں
ا پیروں میں روندے جانے والے خشک پتوں اور شاخوں
اٹ سنائی دے رہی تھی۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے
گلے پڑاؤ سے پہلے رکنے کا کوئی ارادہ نہ ہو۔
نک ہمارے قریب ہی فضا میں ایک گھٹی گھٹی انسانی چیخ
ر کسی وزنی شے کے زمین پر گرنے کی آواز آئی۔ یوں
وا تھا جیسے وہ بدنصیب ضبط کرنے کے باوجود اپنی چیخ پر قابو
ا ہو۔
نی اپنی کمر سے کسی ہوئی پیٹی سے ٹارچ نکال کر آواز کی
ا۔
لا چند آدمی اندھیرے میں کسی کے گرد جمع تھے۔ اچانک

ٹارچ کی روشنی کے ہالے میں مجھے ایک بہت لمبا ناگ نظر آیا جو
دم کے بل کسی درخت کی اونچی شاخ سے الٹا لٹکا ہوا تھا۔ اس
ناگ کا پھن زمین سے بمشکل پانچ چھ فٹ اوپر آتشیں زبانیں نگل
اور اگل رہا تھا جس وقت اس پر روشنی پڑی تو وہ اپنے جسم کو لہرا
کر فضا میں اسی طرف پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جدھر کچھ لوگ
کسی کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے ہوئے تھے۔
ٹارچ کی روشنی لحہ بھر کے لئے اس ناگ پر پڑی اور دوسری
طرف مڑ گئی مگر میں اپنی اضطراری چیخ پر قابو نہ پاسکا۔
"سانپ!" میں ان لوگوں کو ہوشیار کرنے والے انداز میں
بے اختیار چیخ پڑا۔
ان لوگوں میں کھلبلی مچ گئی۔ بیک وقت کئی آوازوں نے
سانپ کے محلِ وقوع کے بارے میں پوچھا۔
میرے ایما پر رانی نے ٹارچ کی روشنی اوپر ڈالی تو سانپ کا
پھن فضا میں جھولتا ہوا اوپر ہوتا جارہا تھا۔ لحہ بھر میں وہ ناگ گھنے
درخت کے پتوں میں روپوش ہو گیا۔
زمین پر پڑا ہوا شخص بے ہوش ہو چکا تھا۔ وہ یقینی طور پر اسی
زہریلے ناگ کا نشانہ بنا تھا۔ جس سے دوسرے لوگ بال بال
بچے تھے۔ اس کا چہرہ نیلا پڑ رہا تھا۔ دہانے سے کف جاری تھا اور
بدن پر تشنج کی کیفیت طاری تھی۔
"اسے سانپ نے ڈسا ہے۔ اٹھا کر لاریوں کی طرف لے
جاؤ۔" رانی نے ان لوگوں کو حکم دیا۔
ایک شخص نے فوراً ہی اپنی چھپی ہوئی پگڑی کھول کر طول کی
سمت میں دوہری کی اور تنگ زمین پر ڈال دی۔ پل بھر میں
مارگزیدہ کو اس اسٹریچر پر منتقل کردیا گیا۔ دو آدمیوں نے دوہری
پگڑی کے سرے سمیٹ کر اپنی مٹھیوں میں تھامے اور تیزی کے
ساتھ متحرک سرخ روشنیوں کی طرف دوڑ پڑے۔
"اس کا زندہ بچنا محال نظر آتا ہے۔" اپنی جگہ پر پہنچ کر میں
نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔
"زندگی ہوئی تو بچ جائے گا۔ خمیسو سانپ کے کاٹے کے
بہترین منتر جانتا ہے۔" رانی بولی۔
"زہر کا توڑ منتروں میں نہیں، اس کے تریاق یا دواؤں میں
ہوتا ہے۔"
"وہ دیسی جڑی بوٹیوں اور انگریزی دواؤں سے ملا جلا کر
بہت سی بیماریوں کا علاج بھی کرلیتا ہے۔ ہمارے بہت کم مریض
علاج کے لئے جنگل سے باہر بھیجے جاتے ہیں کیونکہ وہاں ان کی
گرفتاری کا ڈر رہتا ہے۔"
"پھر تو زیادہ تر مریضوں کی قبریں انہی جنگلات میں بنتی ہوں
گی۔"
"تم کڑوی کسیلی باتیں نہ کیا کرو۔ ایسے حادثے روز روز
نہیں ہوتے۔"

"حالانکہ یہ جنگلات موذی اور زہریلے حشرات الارض کے علاوہ جانوروں سے بھی بھرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔" میں نے کہا "دن میں ہر وقت بھیڑیوں، گیدڑوں اور سؤروں کی آوازیں آتی رہی تھیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن انسان کی بو پا کر یہ سب خود ہی دور بھاگتے ہیں۔ بچھو پیر پڑ جائے یا بھیڑیا زخم سے بہنے والے خون کی بو سونگھ کر پیچھے لگ جائے تو اور بات ہے ورنہ ایسے واقعات کم ہی ہوتے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد درختوں کے گھنے پتوں کے درمیان سے کہیں کہیں نظر آنے والے سیاہ آسمان پر ملگجا سا اجالا، دھبوں کی صورت میں نظر آنے لگا جس کا مطلب تھا کہ رات ڈھل چکی تھی اور دن کا سورج طلوع ہونے والا تھا۔

☆☆

اس نے پھر اپنا سر پیٹ کر عورتوں کی طرح بین کرنا شروع کر دیا۔ رات بھر اور آدھے دن کے پیدل سفر کی صعوبتوں اور پھر پڑاؤ کے لئے جنگل کا وہ حصہ صاف کرنے کی مشقت سے تھکے ہوئے بہت سے لوگ تماشا دیکھنے کے لئے ان کے گرد آ کھڑے ہوئے۔ کسی کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی، کسی کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی اور کوئی کھل کر اس کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔

اس کے رونے کا سبب کچھ ایسا ناقابلِ فہم نہیں تھا۔ سردار رجب علی کی رہنمائی میں وہ قافلہ دوپہر تک سفر کرتا رہا۔ اس دوران میں دریا تو کیا کوئی ندی تک عبور کرنے کی نوبت نہیں آئی اور پھر ایک جگہ گاڑیاں رک گئیں۔ جنگل میں دور دور تک پھیلے ہوئے لوگ گاڑیوں کے گرد جمع ہو گئے۔

جنگل کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں اس مقام پر درخت زیادہ گنجان نہیں تھے اور تھوڑی سی محنت کے بعد اسے پڑاؤ کے قابل بنایا جا سکتا تھا۔ سردار کے اشارے پر فوراً ہی وہاں پڑاؤ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

اسی کے ساتھ سردار رجب علی نے اپنے تین آدمیوں کو بلا کر وہ تین قیدی ان کے حوالے کر دیئے جن کے تاوان کی وصولی کی خبر آ چکی تھی۔ سردار کی دانست میں پولیس سے مقابلہ ہونے کا خطرہ سر سے ٹل چکا تھا۔ اس لئے ان تینوں کو پہلی فرصت میں کسی محفوظ مقام تک پہنچانا اس کا فرض بن چکا تھا۔ اس وقت پانچوں قیدی ہتھکڑیوں سے آزاد تھے۔

"سڑک کا راستہ بتا کر انہیں دور ہی چھوڑ دینا۔" سردار نے تینوں خوش نصیب یرغمالیوں سے باری باری مصافحہ کرتے ہوئے اپنے آدمیوں کو ہدایت کی تھی "سڑک سے انہیں کوئی نہ کوئی سواری مل جائے گی۔"

ان تینوں کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر انہیں جیپ میں سوار کرایا گیا۔ سردار کے آدمی بھاری خودکار اسلحہ سے لیس ہو کے ہمراہ تھے۔ جونہی جیپ کا انجن غرا کر بیدار ہوا۔ سیٹھ دیال نے سیٹی کی سی آواز نکال کر یوں رونا شروع کر دیا جیسے میں اس کی بیٹیاں اپنی سسرال کو رخصت ہو رہی ہوں۔

جیپ کے روانہ ہونے کے بعد سردار رجب علی اپنے خیمے طرف چلا گیا اور سیٹھ رام دیال کے گرد تماشائیوں کی بھیڑ لگی۔ دوسرا آدمی جس کا نام اکبر تھا.. کھوئے کھوئے انداز خاموش اور گم صم بیٹھا ہوا تھا۔

"سیٹھ تیری منکی میں مٹکا۔" اچانک کسی زندہ دل تما نے ہانک لگائی۔

ان الفاظ میں نہ جانے کیا اثر تھا کہ رام دیال اپنا رونا بھول کر اچھل کر زمین سے اٹھ گیا اور کسی دیوانے کی طرح تحاشا گالیاں بکنے لگا۔ سب لوگ اس تماشے سے محظوظ ہو رہے تھے۔

"مٹکا!" اس کے جنونی ردِعمل کو مزید ہوا دینے کے ایک شخص نے کہا۔ اس بار رام دیال نے اسے دیکھ لیا غضبناک انداز میں اس کی طرف دوڑ پڑا۔ وہ بالکل غیر اس لئے کسی نے بھی اسے پکڑنے یا روکنے کی کوشش نہ بلکہ سب ہی اسے راستہ دے رہے تھے۔

رام دیال نے ایک مختصر اور بھونڈی سی چھلانگ لگا اس شخص پر ٹوٹ پڑا جس نے مٹکا کہا تھا۔ رام دیال کے شا کندھے سے رائفل جھول رہی تھی جو اس کے ڈھیر ہو شانے سے نکل گئی اور وہ دونوں زمین پر بری طرح گتھ گئے۔

"تیری ماں کا مٹکا۔" رام دیال بری طرح ہانپتا ہوا غ "تجھے کس نے بتایا۔ آج میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ وہ مفت کا مال نہیں ہے۔ میں نے زندگی بھر پیٹ کاٹ کر کیا ہے۔"

وہ شخص ہنسی مذاق کے موڈ میں تھا۔ اس لئے رام آسانی کے ساتھ اسے گرا کر اس کے دو چار مکے جڑ کر دیئے تھے۔ جس پر مجمعے میں شور ہو گیا۔ پٹنے والے اپنے ساتھیوں کا شور توہین آمیز تھا اس لئے اسے جوش اگلے ہی لمحے وہ رام دیال کو زمین پر گرا کر اس کے سینے بیٹھا۔ اس تندرست و توانا شخص کے پہلے ہی گھونسے دیال کے اوسان خطا کر دیئے اور اس کا غصہ جھاگ کی گیا۔ اس گھونسے سے اس کے چہرے کی جلد پھٹ گئی خون بہنے لگا۔

رام دیال کا خون دیکھتے ہی اس کشتی میں مست تماش ہوش آ گیا اور بیک وقت کئی آدمیوں نے ان دونوں دوسرے سے الگ کرا دیا۔

لوگوں کی سرگوشیوں سے مجھے اندازہ ہوا کہ سردار ر

نب سے گروہ کے تمام ارکان کو یرغمالیوں پر غیر ضروری تشدد
نے کی سخت ممانعت تھی۔ وہ سب ہی اس بارے میں فکر مند
نے لگے تھے کہ سردار کو رام دیال کا خون بہنے کا کیا جواز بتا
مطمئن کیا جا سکے گا۔

وہاں اس قدر شوروغل ہوا تھا کہ سردار بھی اس ہنگامے
تعلق نہ رہ سکا۔ وہ دوبارہ وہاں آیا تو بھیڑ کائی کی طرح چھٹ
تھی۔ رام دیال کو مارنے والے کے علاوہ چند ہی آدمی باقی رہ
تھی جن میں 'میں' بھی شامل تھا۔

"اسے کس نے زخمی کیا ہے؟" رام دیال کے چہرے پر خون
کر سردار دور ہی سے چنگھاڑا تھا۔

مجرم سر جھکا کر سردار کی طرف بڑھ گیا "پہلے اس نے مجھ پر
کیا تھا۔"

"لیکن کیوں؟" سردار زمین پر پیر پٹخ کر غصیلے لہجے میں
ا۔

"تیرے سب آدمی حرامی ہیں۔" رام دیال رُندھی ہوئی
زمیں بولا "میں دیکھتا ہوں کہ کون مٹکا لے لگا۔"

"مٹکا؟" سردار رجب علی اپنے آدمی کو بھول کر حیرت سے
کی طرف گھوم گیا۔

"ہاں ہاں مٹکا۔" رام دیال کسی ضدی بچے کی طرح بولا "وہ
کے باپ کا نہیں ہے۔ تمہیں پتا چل بھی گیا ہے تو تم اسے
نہیں لگا سکو گے۔ اس کے مُنہ پر رامائن بندھی ہوئی ہے۔
نے میرے مٹکے کو ہاتھ لگایا وہ کھڑے کھڑے جل کر نشٹ
بائے گا۔ برہمن ذات کے منہ آنے والے کبھی سکھی نہیں
ہے۔"

میں رام دیال کو ترحم آمیز نظروں سے دیکھنے لگا۔ مسلسل
شت، فکر اور بے آرامی نے آخر کار اس کے دماغ کی چولیں
ڈالی تھیں اور وہ مذاق میں کہی ہوئی ایک بات پر بھڑک کر وہ
ب کہنے لگا تھا جسے اپنی قید کی ابتدا سے وہ اپنے سینے میں چھپائے
ئے تھا۔ وہ پیسے کا پجاری تھا۔ اپنی رہائی کے عوض بیس لاکھ کا
ران دینے پر آمادہ تھا لیکن سردار رجب علی کا چالیس لاکھ کا
قابلہ پورا کرنے پر قطعی آمادہ نہیں تھا۔

رام دیال کا اصرار تھا کہ اس کی کل پونجی چالیس لاکھ تھی۔
ل میں سے نصف وہ سردار کو دے سکتا تھا لیکن سردار کے
ہوں کی دی ہوئی اطلاعات کے مطابق رام دیال ساٹھ لاکھ کی
سامی تھا اور سردار اس کا دو تہائی نوچ لینا چاہتا تھا۔

سردار رجب علی بہت گھاگ آدمی تھا۔ میری طرح فوراً ہی
ت کا رخ بھانپ گیا۔

"راموسائیں!" اس نے رام دیال کو مخاطب کیا "ہم خانہ
بدوش لوگ ہیں۔ زیادہ دن تک تمہاری مہمان داری نہیں کرسکتے۔
آج کا دن گیا تو سمجھو کہ کل تمہارا آخری دن ہو گا۔ مال نہیں
ملا تو تمہاری لاش دریا میں ہوگی۔ لیکن رجب علی نے بیسیوں خون
کرنے کے باوجود آج تک کسی یرغمالی کی نکسیر بھی نہیں پھوڑی
ہے۔ تمہارے جیسے لالچی آدمی کو مارتے ہوئے مجھ دکھ ہوتا کہ میں
ایک یرغمالی کو مار رہا ہوں۔ اسی لئے میں نے....." بولتے بولتے
وہ خاموش ہو کر معنی خیز انداز میں مسکرایا اور پھر بات کا سلسلہ
جوڑتا ہوا بولا "ہاں سائیں، میں نے اپنے دو آدمی سکھر بھیجے تھے
جو مٹکے کی خبر لائے ہیں۔"

سردار کے الفاظ سن کر رام دیال کو زخمی کرنے والے کے
پژمردہ چہرے پر رونق کی لہر دوڑ گئی۔ رام دیال کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔
لمحہ بھر کے لئے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا سانس سینے میں رکنے
لگا ہو۔ پھر وہ دمے کے کسی پرانے مریض کی طرح اپنا سر اوپر نیچے
ہلاتا ہوا بمشکل بولا "پھر گھر کے کسی بھیدی نے لنکا ڈھایا ہے۔
ارے رام! میری چوکی کے نیچے گڑے ہوئے مٹکے کی خبر تو میری
پتنی کو بھی نہیں ہے۔ میں لٹ گیا، برباد ہو گیا۔"

سردار رجب علی کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔
اس نے رام دیال کو زخمی کرنے والے کو تحسین آمیز نظروں سے
دیکھا کیونکہ اسی کی ہنگامہ آرائی کے طفیل وہ رام دیال تک آیا
تھا۔

"لُٹے نہیں تو اب لُٹ جاؤ گے راموسائیں۔" سردار نے
معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تت.... تم مجھ سے بے ایمانی نہیں کرسکتے۔" رام دیال
پھٹی پھٹی آنکھوں سے سردار کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "مٹکے میں
ستر لاکھ سے اوپر رقم ہے۔ چالیس لے کر میرے تیس لاکھ واپس
کردو۔"

اپنے شکار کی ذہنی حالت پر سردار نے ایک گرجدار قہقہہ
لگایا اور بولا "نہیں راموسائیں، اندر کا مال تو پورا میرا ہے۔ وہ
میری حق حلال کی کمائی ہے۔ اب تو باہر کے چالیس لاکھ کی بات
کرو جس میں سے بیس لاکھ تم مجھے دینے کو تیار تھے۔ تم تو میرے
اندازے سے بھی تگڑی اسامی نکلے ہو۔"

رام دیال پر ایک مرتبہ پھر دورہ سا پڑ گیا۔ اس کے دہانے
سے جھاگ اڑ رہے تھے اور وہ پورے جہان کو ننگی ننگی گالیوں سے
نواز رہا تھا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں چیخ چیخ کر بے حال ہو گیا۔ اس
دوران میں سردار دور کھڑا دلچسپی کے ساتھ اس کی لحہ بہ لحہ بدلتی
ہوئی کیفیت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

"ستر اور چالیس ہوئے ایک کروڑ دس لاکھ۔" اس گنتی کا
ذکر کرتے ہوئے سردار اپنی خوشی پوشیدہ نہ رکھ سکا "اس میں
پورے ایک کروڑ میرے ہیں۔ دس لاکھ تمہارے۔ تم تو میرے
لئے سونے کی کان نکلے ہو۔ راموسائیں!"

"دیکھ رجب علی! تُو زبان کا پکا ہے۔" تھک ہار کر رام دیال
خوشامد پر اتر آیا۔ اس نے سردار کا نام کچھ ایسی فطری بے تکلفی

سے لیا تھا کہ مجھے شبہ سا ہوا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے پرانے شناسا بھی ہیں۔

"تو نے میری رہائی کے چالیس لاکھ مانگے تھے۔ اب میرے مٹکے کی دولت دیکھ کر اپنی زبان سے نہ پھر۔ میں خود گن کر تجھے پورے چالیس لاکھ دوں گا۔۔"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی رجب علی نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا "کیسا مٹکا اور کہاں کی دولت؟ یہ سب تو نے ابھی بتایا ہے۔ راموسائیں اب میں تیرے وارثوں کو تیری طرف سے پیغام بھیجوں گا کہ وہ تیری چوکی اکھاڑ کر زمین میں سے مٹکا خالی کریں اور باہر کی رقم سے ملا کر ایک کروڑ مجھے دے دیں۔۔۔۔"

رام دیال کی طرح رجب علی کی بات بھی ادھوری ہی رہ گئی کیونکہ رام دیال کھڑے کھڑے تیورا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

چند ثانیوں تک کسی نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ میں خود بھی اسے رام دیال کی مکاری سمجھ رہا تھا لیکن وہ زمین پر جس بے طرح گرا تھا' اسی طرح پڑا رہا۔ اس کے جسم میں ذرا بھی جنبش نہیں تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھیں دور سے پتھرائی ہوئی لگنے لگی تھیں۔ گردن جس بے ڈھب طریقے سے مڑی تھی۔ اسی طرح مڑی رہ گئی تھی۔

میری ہی طرح شاید دوسروں نے بھی صورت حال کا صحیح ادراک کر لیا تھا لیکن اس وقت سردار خود رام دیال کے مقابلے پر اترا ہوا تھا اس لئے اس کے اشارے کے بغیر کوئی رام دیال کو دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

"بڑا سائیں!" سردار کے پیچھے کھڑا ہوا خمیسو دونوں ہاتھ باندھ کر خوشامدانہ آواز میں منمنایا۔ یہ مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ خود کو چھوٹا سائیں کہلوانے کے شوق میں وہ خود سردار کو بڑا سائیں کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔

"کیا بات ہے؟" سردار کا چہرہ ستَ گیا تھا اور آواز بالکل سپاٹ ہو گئی تھی۔

"پکّھی مر گیا' بڑا سائیں!" خمیسو نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

"اسے دیکھو' اس کے منہ میں مُنہ ڈال کر سانس دو' دل مسلو۔" رام دیال کے گرتے ہی رجب علی کے لب و لہجے میں غمناک ٹھہراؤ پیدا ہو گیا تھا "شاید اس میں ابھی جان باقی ہو۔"

سب لوگوں کے لئے وہ اشارہ کافی تھا۔ ہر ایک ہی رام دیال کو الٹ پلٹ کر زندہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ خمیسو اس کے بے جان دہانے سے ہونٹ ملا کر اپنے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے اسے سانس دلانے کی کوشش کر رہا تھا اور رجب علی اپنی جگہ پر کھڑا ہوا متاسفانہ انداز میں بار بار پیر زمین پر پٹخ رہا تھا۔

شاید اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے رام دیال کے سامنے آخری فقرے کیوں ادا کئے تھے۔ اپنا مقصد تو وہ انکشافات سے پہلے ہی حاصل کر چکا تھا۔

سب سے پہلے خمیسو نے حوصلہ چھوڑا "بے کار ہے بڑا سائیں' یہ مر چکا ہے۔"

اس کے اعلان کے ساتھ ہی بقیہ لوگ رام دیال کے ہاتھ پیر سیدھے کرتے ہوئے الگ ہو گئے۔ خمیسو نے اپنی ہتھیلیوں کے بوجھ سے اس کی حلقوں سے باہر ابلتی ہوئی پتلیوں پر پپوٹے جھکا دیئے۔ رجب علی کسی سے کچھ کہے بغیر دل گرفتہ انداز میں اپنے خیمے کی طرف واپس چل دیا۔

وہ لوگ دن رات آتش و بارود کے سائے میں رہتے تھے۔ ان کے ہاتھ ان گنت انسانوں کے خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ سفاکی اور بے رحمی ان کے یہاں مردانہ اوصاف میں شمار کی جاتی تھی۔ پھر رام دیال کو ان میں سے کسی نے قتل نہیں کیا تھا۔ اس بدنصیب نے ہر بری خبر سن کر سہہ لی تھی لیکن اس کا دل یہ خبر نہ سہہ سکا کہ اس نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے' سردار کو اس کی دولت کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ اس نے اپنی زبان سے مٹکے کا راز فاش کر کے مایا دیوی کے چھن جانے کا بندوبست کیا تھا۔ اپنی حماقت کی وجہ سے خطیر دولت سے محرومی کا صدمہ اس کا دلِ ناتواں نہ جھیل سکا اور اس کی روح اچانک ہی قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس موت کا بار ان میں سے کسی کی گردن پر نہیں تھا۔

ان حالات میں ان سب کا اور خاص طور پر رجب علی کا سوگوارانہ ردِ عمل میرے لئے ناقابلِ فہم تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ ان لوگوں کے لئے اپنی تحویل میں کسی یرغمالی کا مرجانا کوئی برا شگون تھا یا سردار رجب علی اپنی کسی پرانی آشنائی کی وجہ سے رام دیال کو خاص طور پر زندہ دیکھنا چاہتا تھا۔

خمیسو جیسے نیم حکیم نے رات کے مار گزیدہ کو موت کے بے رحم جبڑوں سے کھینچ کر نکال لیا تھا لیکن رام دیال کو ان میں سے کوئی موت کے مُنہ میں جانے سے نہیں بچا سکا تھا۔ ان کی حالتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ راموسائیں مرتے مرتے بھی انہیں ان کی زندگی کی بدترین شکست سے دوچار کر گیا تھا۔

میرے لئے اس پوری بھیڑ میں کوئی اور دلچسپی موجود نہیں تھی۔ اس لئے میں سگریٹ سلگا کر وہیں ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ اردگرد کا ماحول انسان کے مزاج پر کتنی شدت کے ساتھ اثر انداز ہوتا ہے۔ پچھلی رات جب پوری گھن گرج کے ساتھ گولیاں چل رہی تھیں تو نہ جانے کتنے مائی کے لال ان کی زد میں آ کر ہلاک اور زخمی ہوئے تھے لیکن سردار رجب علی کے گروہ کے کسی فرد پر اس فائرنگ کا ذرا بھی اثر نہیں ہوا تھا اس لئے ان کے درمیان رہ کر میں بھی

ترنگ سے لاتعلق رہا تھا لیکن اب رام دیال کی موت پر وہ سب
پاس تھے تو ان کی اداسی مجھے بھی اپنے وجود میں اترتی محسوس
ہو رہی تھی۔ مذاق میں شروع ہونے والے اس تماشے کے
مناک انجام نے میرے ذہن پر گہرا اثر ڈالا تھا۔

رام دیال کے ورثا کی طرف سے تاوان کی رقم وصول نہیں
وئی تھی اور وہ ان کی تحویل میں مرچکا تھا۔ رجب علی نے جاتے
وئے اس برہمن کی لاش کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی
ھی اس لئے نمیسو ہدایات لینے کے لئے سردار کے خیمے کی طرف
ل دیا۔ باقی لوگ ٹکڑیوں کی صورت میں رام دیال کی بے نور
ش کے آس پاس جمع ہونے لگے۔

اسی وقت پانچواں یرغمالی اپنی جگہ سے اٹھا اور سہمی سہمی
ظروں سے گردوپیش کا جائزہ لیتا ہوا دبے قدموں رام دیال کی
اش کی طرف بڑھنے لگا۔ میں نے اپنی پوری توجہ اس پر مرکوز
کردی۔

مرنے والا برہمن تھا، بڑھنے والا مسلمان تھا لیکن مجھے
ندازہ تھا کہ اس پرہول جنگل میں ان کے مصائب مشترک تھے۔

اکبر، رام دیال کی لاش کے سرہانے بہت اہتمام سے اکڑوں
بیٹھا اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں۔
وہ ویسے بھی کم گو اور سب سے الگ تھلگ رہنے کا عادی تھا اس
لئے وہ ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان زیرلب جو کچھ بڑبڑاتا رہا
وہ میرے پلے نہیں پڑسکا۔

رانی نے وہاں آکر اسے رام دیال کی لاش کے سرہانے سے
اٹھادیا۔

" اے تانی!" اس نے میری طرف دیکھ کر کڑکدار آواز
میں کہا۔

میرا اور اس کا نام ہم قافیہ تھا۔ میری آدھی اداسی اس کی
صورت دیکھ کر ہی دور ہوگئی تھی۔ اس کے انداز تکلم پر میرا دل
چاہا کہ "ہاں رانی" کہہ کر جھومتا ہوا اس کی طرف چل دوں لیکن
وہ ایسی کسی حرکت کا موقع نہیں تھا۔

" وہ سالا مستی خان کہاں ہے؟" میرے قریب پہنچ جانے پر
رانی نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔ سب لوگوں کے
سامنے وہ مجھے بالکل ہی بدلی بدلی لگ رہی تھی۔

" کہیں پڑا اونگھ رہا ہوگا۔ کہو تو میں اسے ڈھونڈ لاؤں؟"
میں نے خندہ پیشانی سے کہا۔

" ہاں، جلدی بلاؤ اسے۔" رانی نے سختی سے کہا "تم دونوں
کو یہ لاش ڈھونا ہے۔"

" یہاں اتنے لوگ کھڑے ہیں۔ ان میں سے کسی کو لے
لوں؟" میں نے اس کے قریب ہوکر آہستگی سے کہا تاکہ میری
آواز کسی اور کے کانوں میں نہ پڑسکے۔

اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا اور وہ مجھے گھورتے ہوئے
بولی "جو کہا ہے وہ کرو۔"

میں خاموشی کے ساتھ اول خان کی تلاش میں چل پڑا۔ ان
لوگوں میں رہ کر رانی کے حکم سے سرتابی کی کوئی بھی جرات ہمیں
مہنگی پڑسکتی تھی۔

" چل بے ہیرو!" میرے کانوں میں رانی کی آواز آئی "بڈ
والی جیپ ادھر لے آ" اپنے ماتحتوں سے وہ اکھڑ اور مردانہ لہجے
میں بات کرنے کی عادی معلوم ہوتی تھی۔ ان مغلوب الغضب،
خون آشام اور بے جگر مردوں کی بھیڑ میں اپنا وجود برقرار رکھنے
اور منوانے کے لئے اس نرم و نازک عورت کے پاس کوئی دوسرا
چارہ کار بھی نہیں تھا۔

اول خان ایک سایہ دار جگہ پر اپنے منہ پر کپڑا ڈالے واقعی
بے خبر سورہا تھا۔ میں دو مرتبہ اس کے قریب سے گزر گیا لیکن چہرہ
ڈھکا ہوا ہونے کی وجہ سے اسے نہیں پہچان سکا۔ تیسری بار ایک
شخص کی نشاندہی پر میں نے اس "نئے آدمی" کو بیدار کیا اور
اپنے ساتھ لے کر واپس پہنچا تو وہاں میدان صاف ہوچکا تھا۔
جتنی دیر تک میں اول خان کو تلاش کرتا رہا اتنی دیر میں رام دیال
کی لاش اٹھائی جاچکی تھی اور رانی بھی انتظار سے اکتا کر لوٹ گئی
تھی۔

" تم دونوں کو اس نے چھتے سائیں کے پاس بلایا ہے۔"
وہاں موجود ایک شخص نے مجھے رانی کا پیغام دیا۔

نمیسو کی چھولداری شاید ہمیشہ سردار کے خیمے کے قریب ہی
ایستادہ کی جاتی تھی۔ وہاں پہنچنے کے لئے میں سردار کے خیمے کے
قریب سے گزرا تو اندر خلافِ معمول سناٹا طاری تھا۔

نمیسو اپنی چھولداری میں نہیں تھا۔ اس کے بستر پر رانی
جوتوں سمیت دراز تھی اور دلکش لگ رہی تھی۔ اس کا اسلحہ
قریب ہی رکھا ہوا تھا۔

" کہاں مرگئے تھے؟" میری صورت دیکھتے ہی وہ جھلا کر
غصیلے لہجے میں بولی۔

" یہ منہ لپیٹ کر سورہا تھا اس لئے اس کی تلاش میں دیر
ہوگئی۔" میں نے تحمل سے کہا "لیکن تم نے تو ہمارے آنے کا
انتظار کئے بغیر وہاں سے لاش اٹھوالی۔"

" بیٹھ جاؤ!" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا "اور مجھے بتاؤ کہ
ہمارے بارے میں تم اب تک کیا سمجھے ہو؟"

ہم دونوں کینوس کی فولڈنگ بنچ پر بیٹھ گئے جو بستر کے مقابل
رکھی ہوئی تھی۔

" جو کچھ سمجھتے ہیں وہ جلد ہی بھول جانا پڑتا ہے۔ کم از کم میں
تو ابھی تک چکرایا ہوا ہوں۔" میں نے کہا۔

" جو کچھ دیکھ رہے ہو اس کا کوئی مطلب تو تمہاری سمجھ میں
آیا ہوگا؟"

" آ ہی نہیں سکتا۔ کل کوچ کے وقت دولت پور کے

دریا عبور کر کے جوہی اور بھان کے قریب سے گزرنے کا ذکر ہوا تھا لیکن مجھے دریا تو کیا کوئی ندی بھی نظر نہیں آئی۔ ہم تو بس جنگلوں ہی میں چلتے رہے ہیں۔"

"وہ سردار کی چال تھی۔" رانی نے سنجیدگی سے کہا "سردار یرغمالیوں کو جلد از جلد رہا کرنا چاہتا تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ رہا ہونے کے بعد وہ زبان کھولیں گے نہ پولیس کو کوئی بیان دینے کی ہمت کر سکیں گے پھر بھی اپنی منزل کے بارے میں ہم انہیں اندھیرے میں رکھنا چاہتے تھے۔ ہم وہیں پڑاؤ کئے ہوئے ہیں جہاں ہمارا ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔"

"لیکن پولیس سے مقابلے کے لئے رکنے والے تینوں آدمی تو بھان اور جوہی کے درمیان بھٹک رہے ہوں گے۔" میں نے پُرتشویش ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ یہاں ہمارے ساتھ ہیں۔ انہیں اصل پروگرام معلوم تھا۔ سردار نے میدان میں جو کچھ کہا تھا وہ یرغمالیوں کو گمراہ کرنے کے لئے کہا تھا۔"

"اب تم ہی بتاؤ کہ ہم کیا سمجھیں گے؟ سامنے کی اتنی سیدھی باتیں بھی تمہارے بتائے بغیر ہماری موٹی عقلوں میں نہیں آتیں تو اور کیا خاک سمجھ میں آئے گا؟"

"اس پڑاؤ کے بارے میں تم ہی نہیں، سب لوگ بے خبر تھے۔ سردار، اس کے پانچ نائبوں اور پیچھے رہ جانے والے تین آدمیوں کو اصل راستے اور منزل کا علم تھا۔"

"تم لوگوں کے ہاتھوں دسیوں، بیسیوں بلکہ شاید سیکڑوں لوگ مارے جا چکے ہوں گے اور تمہیں ذرا بھی ملال نہیں ہوا ہو گا مگر آج مایا کا ایک لوبھی، اپنی مایا لُٹ جانے کے صدمے سے پٹ سے مر گیا تو سب لوگ اس طرح اداس ہو گئے تھے جیسے انہوں نے آج سے پہلے چڑیا کے بچے کی موت بھی نہ دیکھی ہو۔"

"اس کی موت کا کسی کو غم نہیں ہو سکتا۔" رانی نے وثوق سے کہا "تم خود کہہ رہے ہو کہ وہ مایا کا لوبھی تھا۔ اول تو رام دیال ہماری قید میں مرنے والا پہلا یرغمالی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کی دور کی ایک بھانجی سردار کی بیوی ہے..."

"سردار کی بیوی؟" اس انکشاف پر حیرت سے میرے دیدے پھیل گئے۔

"ہاں! لیکن شادی سے پہلے وہ مسلمان ہو گئی تھی۔ کافی عرصے کی ناراضی کے بعد سارے خاندان نے اس لڑکی سے دوبارہ ملنا جلنا شروع کر دیا لیکن رام دیال اس کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا جب کہ سردار کی بیوی اپنے اس منحوس ماموں سے بہت محبت کرتی ہے۔ اسے پتا چلے گا کہ رام دیال اس کے شوہر کی قید میں مرا ہے تو اسے بہت صدمہ ہو گا۔"

"اگر وہ زندہ رہتا تو کیا سردار کی بیوی کو اس بات پر ملال نہ ہوتا کہ اس کے شوہر نے اس کے ماموں کو یرغمال بنا کر اس کی دولت ہتھیا لی ہے؟" میں نے نیچی آواز میں سوال کیا۔ اس وقت رانی سے میری کچھ کچھ ذہنی ہم آہنگی ہو گئی تھی لیکن میں اپنی پُرپیچ باتوں پر دوسروں کے ردِعمل کے بارے میں خوش فہمی کا شکار نہیں تھا۔

"وہی نہیں، اس کے سارے رشتے دار خوش ہوتے۔ رام دیال کو اپنی دولت پر بہت گھمنڈ تھا۔ اپنے غریب رشتے داروں سے وہ بہت حقارت سے ملتا تھا۔"

"پھر تو سردار کی بیوی بھی کسی بڑے باپ کی بیٹی ہو گی۔ غریب ہوتی تو ماموں اسے مُنہ لگاتا اور نہ ہی اسے اپنے ماموں سے اس قدر محبت ہوتی۔" سردار کی نجی زندگی کے بارے میں ہونے والی وہ گفتگو میرے لئے بہت دلچسپ تھی۔

اسی وقت قریب ہی کسی جیپ کا طاقتور انجن بیدار ہوا اور پھر اس کی آواز بتدریج دور ہوتی چلی گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ رانی نے رام دیال کی لاش لدوانے کے لئے ایک جیپ ہی طلب کی تھی اس لئے انجن کے شور کو یکسر نظر انداز کر دینے ہی میں مجھے عافیت نظر آئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ جیپ لاش لے کر ہی روانہ ہوئی تھی۔

"سردار کے سسر کی آج بھی دو فیکٹریاں دن رات چل رہی ہیں۔"

"ان لوگوں کو معلوم ہے کہ ان کا داماد بہت بڑا ڈاکو بن چکا ہے؟"

"کسی کسی وقت تم بچوں جیسی باتیں کرنے لگتے ہو۔" رانی میرے سوال پر ہنس پڑی "سردار رجب علی کے نام سے بچہ بچہ واقف ہے۔ اس نے جب شادی کی تو وہ اسی وقت بڑے ڈاکو کی حیثیت سے مشہور ہو چکا تھا۔"

"پھر ایسے گھر کی لڑکی نے اسے اپنے شوہر کے طور پر کیسے قبول کر لیا؟" میں حیران تھا "سردار ڈاکو بھی تھا اور لڑکی کا ہم مذہب نہیں بلکہ مسلمان تھا۔ سندھ میں تو ہندو ویسے بھی بڑی تعداد میں بستے ہیں اور بار سوخ ہیں۔"

"دلوں کے کھیل نیارے ہوتے ہیں۔ سردار اپنے سسر کے گھر میں ڈاکا ڈالنے کے لئے دن دہاڑے وہاں گھسا تھا۔ ایک پستول سے اس نے چوکیداروں، ملازموں اور سارے گھر والوں کو بے بس کر لیا تھا۔ سب کو ایک کمرے میں مقفل کر کے وہ اپنے سسر کی کھوپڑی سے پستول کی نال لگائے ایک کمرے میں گھسا تو وہاں وہ لڑکی بے خبر سو رہی تھی۔ سردار نے اسے دیکھا اور دل ہار گیا۔ باپ نے ڈاکو کے حکم پر اپنی بیٹی کو جگایا تو وہ سراسیمہ ہو گئی۔ اسے پریشان دیکھ کر سردار نے اپنا ارادہ بدل دیا اور اس گھر سے ایک تنکا بھی لُوٹے بغیر، خالی ہاتھ واپس لوٹ گیا۔ اس لڑکی نے دنیا جہان کو لُوٹنے والے کا دل لوٹ کر اسے بے حال کر دیا تھا۔ لڑکی کا احمق باپ بالکل نہیں سمجھ سکا کہ ڈاکو نے پورے گھر کو بے

لردینے کے باوجود وہاں ڈکیتی کیوں نہیں کی۔ چند روز بعد
ر بڑی کوششوں کے بعد ایک بازار میں لڑکی سے ملا تو اسے
وا کہ وہی فراق کی آگ میں نہیں جل رہا تھا بلکہ لڑکی بھی پہلی
ات کے انوکھے لمحوں کو اپنی آنکھوں میں سجائے 'اندر ہی
سلگ رہی تھی۔ وہ بازار ہی سے سردار کے ساتھ ہولی اور وہ
کے ایک ہوٹل میں ٹھہر گئے۔ شام کو سردار نے اپنے ایک
ی کے ذریعے لڑکی کے باپ کو شادی کا پیغام بھیجا جس پر وہ
غ پا ہوگیا۔ ایک مسلمان اور وہ بھی ڈاکو 'اس کی لڑکی کا
وار ہو۔ یہ اس کے لئے گالی تھی۔ لڑکی کا باپ دفتروں اور
نوں میں دھکے کھاتا رہا۔ اخبار والوں کو بھنک ملی تو چٹنی مل کی
کے عشق کے افسانے جلی سرخیوں میں چھپنے لگے لیکن لڑکی نے
یار اور خاندان کی پروا کئے بغیر' تیسرے دن مسلمان ہو کر
ار سے شادی کرلی۔"

"تو کیا وہ سردار کے ساتھ نہیں رہتی؟" میں نے اپنے ذہن
جنم لینے والے ایک خوفناک منصوبے کی روشنی میں' دھڑکتے
ے دل کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"وہ سکھر میں رہتی ہے۔" وہ کھوئی ہوئی آواز میں بولی۔
ر سردار کے عشق کی کہانی سناتے ہوئے اسے اپنا بچھڑا ہوا
ب جانو ماچھی یاد آگیا تھا۔

"سردار کو پکڑنے یا اس پر دباؤ ڈالنے کے لئے پولیس اسے
، نہیں کرتی؟"

"اول تو وہ بڑے خاندان کی بیٹی ہے۔ پھر انتظامیہ اچھی
ح جانتی ہے کہ جس دن اسے چھیڑا گیا' سردار رجب علی
ول سے نکل کر بستیوں اور شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے
۔ سمجھنے کی ساری بات یہی ہے کہ پولیس غریب کی ماں' بہن'
اور بیوی کی بے آبروئی تو کرسکتی ہے لیکن ڈاکو کی کسی عورت کو
ھی نگاہ سے بھی نہیں دیکھ سکتی۔ ڈاکو اپنی عزت کی حرمت کے
، دشمن کے حلق میں ہاتھ ڈال کر آنتیں باہر نکال لیتے ہیں۔"

"رجب علی کے بچوں کا مستقبل کیا ہوگا؟" میں نے چند
ل کے سکوت کے بعد پوچھا۔

"وہ شوہر بن گیا ہے لیکن اس کا عہد ہے کہ جب تک عام
انی نہیں ملے گی' وہ باپ نہیں بنے گا ورنہ اس کے بچوں کو ڈاکو
اولاد ہونے کے طعنے سننے پڑیں گے؟"

"اور اگر زندگی بھر اسے معافی نہ ملی تو وہ لاولد ہی مرجائے
؟"

"اس کا ارادہ یہی ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ کب تک اس گھڑی
انتظار کرسکتا ہے۔"

"تم مجھے سوتے سے کیوں اٹھا لائے ہو؟" اچانک اول خان
ے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اوہ!" میں نے چونک کر کہا "تم کو رانی نے بلوایا تھا۔"

رانی انگڑائی لیتی ہوئی بستر سے اٹھ گئی "تم فضول باتیں بہت کرتے ہو۔ میں نے تمہیں وقت برباد کرنے کے لیے نہیں بلکہ کام کے لئے بلایا تھا۔"

"تم نے کام بتایا ہی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم نے ہمیں لاش ڈھونے کے لئے بلایا تھا۔ ہمارے آنے سے پہلے لاش جیپ میں لاد لی گئی تھی اور ابھی چند منٹ پہلے وہ جیپ شاید چلی بھی گئی۔"

"ایمان داری' وفاداری اور رازداری۔" رانی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "سردار رجب علی کے یہ تین اصول ہیں جو بھی ان سے منہ موڑتا ہے وہ غدار کہلاتا ہے اور سردار اپنے غداروں کو کتے کی موت مارتا ہے۔"

"شاید تم ہمیں یہ سمجھانا چاہ رہی تھیں۔ یہ تو بہت بنیادی باتیں ہیں۔ میں سمجھ رہا تھا تم اس سے آگے کی باتیں پوچھ رہی ہو ان معاملات میں تم ہمیں ہر طرح قابل اعتماد پاؤ گی۔"

"تم دونوں خمیسو سے اپنی تنخواہ وصول کرلو۔ وہ اخراجات کے لئے کچھ فاضل رقم بھی دے گا...."

"لیکن کیوں؟" اول خان نے آنکھیں پھاڑ کر نیند بھگانے کی کوشش کرتے ہوئے احتجاج کیا "کیا ہمیں نوکری سے نکالا جارہا ہے؟"

"نہیں!" رانی دانت پیس کر بولی "یہ سب کام کے سلسلے میں ہے۔ تمہیں رام دیال کی لاش سکھر پہنچانا ہوگی اور اسی لئے میں نے تمہیں یہاں بلایا ہے۔"

"لیکن رام دیال کی لاش تو جیپ میں چلی گئی۔ کیا ہمیں اس کے پیچھے دوڑ لگانا ہوگی؟" اس بار احتجاج کرنے کی باری میری تھی۔

"جیپ میں سردار کا قاصد گیا ہے تاکہ رام دیال کی لاش پہنچنے سے پہلے اس کے گھر والوں سے تاوان کی رقم منافع سمیت وصول کی جاسکے۔ لاش والی جیپ تم خیرو کے ساتھ لے جاؤ گے۔ جنگلات سے باہر نکلنے تک تمہاری آنکھوں پر پٹیاں بندھی رہیں گی تاکہ پکڑے جانے کی صورت میں تم کسی کی کوئی رہنمائی نہ کرسکو۔ جنگل سے نکلنے کے بعد خیرو تمہیں سفر کی سمت بتا کر اپنے ساتھی سمیت واپس جنگل میں آجائے گا اور تم دونوں جیپ میں لاش لے کر اس کی بتائی ہوئی سمت میں چل پڑو گے۔ سڑک پر پہنچنے کے بعد تمہیں سکھر کا رخ کرنا ہوگا۔"

"تو کیا تم رام دیال کے گھر والوں سے اس کی لاش تک کا تاوان وصول کرنا چاہتی ہو؟"

"اسے ہم نے نہیں مارا' وہ اپنی قدرتی موت مرا ہے۔ اس کے گھرانے کے لئے دولت ایک عذاب بلکہ زہر بن گئی ہے۔ اس سے چھٹکارا دلا کر ہم رام دیال کی آنے والی نسلوں پر احسان کریں گے۔"

"اور اگر ہم قاصد سے پہلے سکھر پہنچ گئے؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ ناممکن ہے۔ تمہاری اور اس کی روانگی میں ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہوگا۔ وہ ان علاقوں کا کیڑا ہے اس لئے کچے راستوں سے بہت آگے نکل جائے گا۔ تم کو سڑک پر ہی رہنا ہوگا ورنہ تم راستہ بھول جاؤ گے۔"

"راستے میں کسی نے روک لیا تو ہم کیا جواب دیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"اپنے بچاؤ کے لئے تم جو چاہو کہہ سکتے ہو۔ یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ رجب علی کے آدمی تمہیں شاہراہ سے اغوا کر کے لے گئے اور لاش سمیت جیپ حوالے کر کے تمہیں جنگل سے باہر ہانک دیا۔"

"سچ بول کر کیا ہم تینوں اصولوں کی پامالی کا ارتکاب نہیں کریں گے؟"

"ہرگز نہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ رام دیال کو کس نے اٹھایا ہے۔ تم انہیں اس پڑاؤ تک نہیں لا سکو گے۔ اس لئے کسی اصول کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ یہ سمجھو کہ جنگل سے نکلنے کے بعد تم آزاد اور خود مختار ہو جاؤ گے۔"

"ہمیں سکھر پہنچ کر کیا کرنا ہوگا؟" میں تیزی کے ساتھ اس مہم کی جزئیات پر غور کر رہا تھا۔

"اس بارے میں تمہیں سردار خود بتائے گا۔" اس نے ایمانداری سے ہتھیار ڈال دیئے۔

"اور ہماری یہاں دوبارہ واپسی کیسے ہوگی؟" میرے پاس اگلا سوال تیار تھا۔

"یہ بھی ٹیڑھا سوال ہے۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے؟"

"اور اگر سڑک پر نکلتے ہی پولیس کی کسی گشتی پارٹی نے ہمیں روک لیا اور سکھر پولیس کو وائرلیس پر رام دیال کی موت اور لاش کی پراسرار برآمدگی کی خبر دے دی تو سردار کا قاصد سکھر پہنچتے ہی دھر لیا جائے گا۔ اس خطرے کا کیا توڑ سوچا ہے تم نے؟" تخریبی نکات پر میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"یہی بات ہے کہ میں نے اس نکتے پر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔" میری چرب زبانی اسے مسلسل پسپائی پر مجبور کر رہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تم سردار سے ہماری ملاقات کا بندوبست کراؤ۔"

"ہاں! یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تم یہیں بیٹھو خمیسو آجائے تو اس سے پیسے لے لینا۔ میں سردار سے بات کر کے واپس آتی ہوں۔ اتنی دیر میں تم کچھ اور سوالات بھی سوچ لو۔ سردار جرح کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" وہ اپنا اسلحہ بدن پر سجانے لگی۔

وہ چلی گئی اور میں اول خان کو آنکھ مار کر خالی منہ چلانے میں مصروف ہو گیا۔

"ساری تقریر خود ہی کرنا تھی تو مجھے کاٹھ کے الو کی طرح کیوں لا بٹھایا؟" اول خان پر نیند کا چڑچڑاپن سوار تھا۔

"تم خود خاموش بیٹھے ہوئے ہو۔ میں نے تمہاری زبان بندی تو نہیں کی ہے۔"

"مجھے معاملات کے سر پیر کا ہی علم نہیں ہے تو میں کیا بکواس کروں؟"

"ساری بات تمہارے سامنے ہو رہی ہے۔ میری اور تمہاری معلومات میں فقط ایک عدد لاش کا فرق تھا۔ جس سے میں نے تمہیں راستے ہی میں آگاہ کر دیا تھا۔ ہمیں اسی کو ڈھونے کے لئے بلایا گیا تھا۔"

"مجھے قاصد والی جیپ کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں۔" وہ بری طرح الجھا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم یہاں بیٹھے بیٹھے دوبارہ سو گئے تھے ورنہ میں نے وہ آواز یہیں، تمہارے برابر میں بیٹھ کر سنی تھی۔ ذہن کو حاضر رکھنے سے بہت سی باتیں خود بخود سمجھ میں آنے لگتی ہیں۔"

"رجب علی کے عشق میں تمہیں یک بیک کیوں اتنی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی؟ زیادہ وقت تم نے اسی فضول فلمی کہانی پر ضائع کیا ہے۔ اگر رانی جھوٹ نہیں بول رہی تھی تو رجب علی کی بیوی بہت گھٹیا عورت ہے جس نے اپنی ہوس کی خاطر اپنے پورے خاندان کے نام کو بٹا لگا دیا۔" اول خان پر اکتاہٹ بری طرح حملہ آور ہوئی تھی۔

"میں بلاوجہ اسے نہیں کرید رہا تھا۔ میرے منصوبے کا سنو گے تو اچھل پڑو گے۔"

باہر قدموں کی چاپ سنائی دی اور ہم دونوں ہی خاموش ہو گئے۔

آنے والا خمیسو تھا۔ مجھے اس کی خوشامد پسندانہ طبیعت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس لئے میں اول خان کو ٹھوکا مارتا ہوا احترام سے کھڑا ہو گیا۔ خمیسو نے ہماری اس حرکت پر خاصی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

"چھوٹا سائیں۔ پیسے کے ساتھ کچھ دارو دارو بھی مل جائے گی؟" رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد اس سے پیشگی تنخواہ۔ علاوہ ایک ہزار کی رقم وصول کرتے ہوئے میں نے کہا۔

پچھلے روز والے بلیک لیبل کے ادھے کے دو سو روپے میری تنخواہ میں سے پہلے ہی وضع کر چکا تھا۔ مزید دو سو روپے کر وہ بخوشی اس لینڈ روور کی طرف چل دیا جس کے عقبی حصے میں اسلحے کی پیٹیاں اور شراب کے کریٹ لدے ہوئے تھے۔ اول خان کے نزدیک شراب نوشی بے ہودہ شغل تھا۔ اس لئے جھونپڑی ہی میں بیٹھا رہا۔

"کل والی بوتل کہاں ہے؟ راستے میں خمیسو نے محبت آمیز
میں دریافت کیا۔
" خالی بوتل رات ہی کو جنگل میں کہیں پھینک دی تھی۔"
نے معصومیت سے کہا۔
" ایک رات میں دو سو روپے خرچ کرو گے تو زندگی بھر
خش رہو گے۔" اس نے ناصحانہ انداز میں کہا " پانچ ہزار
اہ والا چھ ہزار کی شراب پینے لگے تو چور اور بے ایمان ہو جاتا
۔ اتنی پیئے بغیر گزارہ نہیں ہوتا تو دیسی یا ریڈ لیبل پیا کرو۔
ار چادر سے باہر پاؤں پھیلانے والوں پر کڑی نظر رکھتا ہے۔"
"باہر تو دیسی بھی مشکل سے ملتی ہے۔ آج بلیک لیبل ہی پینے
"

میں نے وہیں کھڑے کھڑے بوتل کھول کر نیٹ وسکی کے دو
ے گھونٹ لئے۔ چھوٹا سائیں مجھے غور سے دیکھتا رہا۔ اس کی
روں میں دلچسپی کے ساتھ ہی ملامت کے آثار بھی تھے۔
اس کے خیمے میں رانی میرے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی۔
ں خان باہر ہی ٹہل رہا تھا۔
سردار رجب علی چادر بدن پر ڈالے ہوئے اپنے فولڈنگ
چ پر سیدھا بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ
یھر اور سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔
"پہلی بات یہ یاد رکھنا کہ تمہیں مرنے والے کا نام پتا معلوم
ں ہے۔ نہ اس کے بدن پر ایسی کوئی چیز ہے جس سے اس کی
ا شناخت ہو سکے۔" ہمارے پہنچتے ہی سردار نے بلا تمہید کام کی
ت شروع کر دی۔ "یہ سب پولیس والوں کے لئے ہے۔ انہوں
نے تمہیں راستے میں پکڑ لیا تو رات بھر کچھ بھی نہیں کریں گے۔
ہیں حوالات میں ڈال کر آرام سے سو جائیں گے۔" اس نے
چانک ہی اپنے شناسا یا شاید تنخواہ دار پولیس والوں کے نام لے
لے کر ایسی دیو پیکر گالیاں بکنا شروع کر دیں جو اسی جیسے پُرشکوہ تن و
توش والے کسی مہاڈکیت کی زبان پر سج سکتی تھیں۔
"یہ شطرنج کا کھیل ہے بیٹا!" اس نے دل کی بھڑاس نکال
لینے کے بعد بزرگانہ لہجے میں بات دوبارہ شروع کی "دو کھلاڑی
آمنے سامنے کھیلتے ہیں تو ایک دوسرے کا دماغ پڑھ کر کمزور چالیں
بھی چلتے ہیں اور کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح میں بھی پولیس
والوں کی رگ رگ سے واقف ہوں اور وہ مجھے اچھی طرح جانتے
ہیں۔ ان کے پاس وائرلیس، تیر، تفنگ، توپ، کچھ بھی ہو رات کو
یہ زیادہ کام نہیں کرتے۔ جو کچھ ہوگا صبح ہوگا۔ جب تک وہ لاش
کی شناخت کرائیں گے، میرا قاصد سکھر سے تاوان لے کر یہاں
واپس پہنچ چکا ہوگا۔ یہ ہوا تمہارے پہلے سوال کا جواب۔ اگر
پولیس کی پکڑ میں آئے بغیر تم سکھر پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤ تو
وہاں سیدھے رام دیال کے گھر چلے جانا۔ انہیں تم کوئی بھی کہانی
سنا سکتے ہو۔ وہ ڈرپوک لوگ ہیں کہ لاش لے کر تمہارے منہ نہیں
لگیں گے۔ لاش تم پہنچاؤ یا تمہیں پکڑنے کے بعد پولیس پہنچائے،
میرا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اس کے بعد جہاں تمہارا دل
چاہے جاؤ اور عیش کرو لیکن سندھ سے باہر نہ جانا۔ میدان
صاف دیکھ کر میرا کوئی نہ کوئی آدمی تم سے مل لے گا۔ وہ کوئی
وردی والا بھی ہو سکتا ہے۔ تم کو اس سے خوف کھانے کی
ضرورت نہیں۔ وہ جو کچھ بتائے اس پر عمل کر کے تم میرے پاس
لوٹ آؤ گے۔ تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ جیپ کے کاغذ پکے
ہیں۔ پولیس سے بچ گئے تو وہ تمہاری ہوگی۔ بس مالک کا نام اور پتا
جعلی ہے۔"
" اتنے چکر کے بجائے کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ منہ
اندھیرے کوئی آدمی لاش سمیت جیپ کو سڑک کے قریب چھوڑ
دے۔ ہم میں سے کسی کو خطرے میں ڈالے بغیر لاش پولیس کے
ذریعے اپنے وارثوں کو مل جائے گی۔" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔
" نہیں!" سردار کی آواز گونجی مگر اس میں خفگی کا کوئی شائبہ
نہیں تھا " یہ بات تمہاری سمجھ سے باہر ہے۔ رام دیال کی لاش
لاوارث نہیں ملنا چاہئے۔ ہر صورت میں میرے آدمی اس کے
ساتھ ہوں گے۔"
" ہم ڈرتے نہیں لیکن یہ بہت اہم اور بڑا کام معلوم ہوتا
ہے جس کے لئے تم نے ہمیں یہاں آنے کی عزت بخشی۔" میں
نے لحظہ بھر کی خاموشی کے بعد جھجکتے ہوئے کہا "کیا یہ بہتر نہیں
ہوگا کہ یہ کام ہم جیسے نئے لوگوں کے بجائے پرانے اور تجربے کار
ساتھیوں کے حوالے کیا جائے؟"
" تم بالکل نئے ہو۔ تمہارا کوئی پولیس ریکارڈ نہیں ہے۔
میرے پرانے آدمیوں کے وارنٹ نکلے ہوئے ہیں یا وہ اچھی طرح
پہچانے جاتے ہیں۔ انہوں نے جنگل چھوڑ کر کسی بھی بستی کا رخ
کیا تو پکڑے جائیں گے۔ میں تم سمیت اپنا کوئی آدمی کھونا نہیں
چاہتا۔ یہ اچھی بات کہ تم سوچتے ہو لیکن فی الحال میری سوچ تم پر
بھاری ہے اس لئے وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔ تم پر کوئی آنچ
نہیں آئے گی۔ تم اس امتحان میں سُرخ رو رہے تو تمہیں ترقی
دے دوں گا۔"
" بڑے سائیں کا اقبال بلند ہو۔ تمہارے بال بچے سدا
سکھی رہیں۔ اب ہم اجازت چاہتے ہیں۔" میں نے اپنی کمر کو خم
دے کر سردار کو نیم فرشی سلام کرتے ہوئے دانستہ بچوں والی دعا دی۔
" بچے!" سردار رجب علی نے اونچی پُرخیال آواز میں
دہرایا " اس وقت میرے بچے تم لوگ ہو۔ اس روشن دن کا
انتظار کرو جب پیر سائیں کی دعاؤں سے ہمیں ہمارے دوست عام
معافی دیں گے اور ہم ہتھیار پھینک کر عزت سے اپنے گھروں کو
لوٹ سکیں گے۔ رجب علی اسی وقت ہنستے ہوئے بچوں کو اپنی گود
میں کھلانے کی ہمت کر سکے گا۔ ڈاکو کی گود میں صرف ڈاکو پلتا ہے۔
مجھے حالات نے اس راستے پر دھکیل دیا لیکن میں اب [illegible]

ڈاکو بنانے کا تصور نہیں کرسکتا۔ میری اور تمہاری زندگیوں میں وہ روشن دن ضرور آئے گا اور بہت جلد آئے گا۔ جاؤ خدا تمہیں سلامتی دے۔"

ہم دونوں رانی کے ساتھ تیزی سے باہر نکل آئے "تم چاہو تو جاکر تھوڑی دیر کے لئے سو جاؤ!" رانی نے اوّل خان سے کہا۔ میری چھٹی حس نے فوراً ہی خطرے کا نعرہ بلند کیا لیکن اوّل خان اس کا مشورہ سنتے ہی کسی تھکے ہوئے گدھے کی طرح سر جھکا کر اس سمت میں چل دیا جدھر سے میں اسے اٹھا کر لایا تھا۔

"میں نے تم کو بتایا تھا کہ سردار کے بچے نہیں ہیں پھر تم نے اس کے سامنے بال بچوں کا ذکر کیوں کیا؟" رانی نے میرے ساتھ گاڑیوں کی طرف بڑھتے ہوئے برہمی کے ساتھ سوال کیا۔

"اسے چھیڑ کر اس کا ردِعمل دیکھنا چاہ رہا تھا۔" میں نے سادگی سے اعتراف کرلیا۔

"تم نے دیکھا کہ بچوں کے ذکر پر وہ کتنا اداس ہوگیا تھا؟ تم ابھی نئے ہو اس لئے ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ تمہارے سر پر پیسہ حاصل کرنے کا بھوت سوار ہے۔ جب تم خوب دولت بٹور لو گے تو ان جنگلوں میں تمہیں ہر طرف مہیب محرومیاں اور تنہائیاں نظر آنے لگیں گی۔ برسہا برس سے یہی شب و روز گزار کر ہم تھک گئے ہیں۔ باہر سے ہم سب بہت مضبوط، سفاک، ظالم اور بے خوف نظر آتے ہیں لیکن وہ سب ہماری ماضی کی پرچھائیاں ہیں جو ابھی تک ہمارا ساتھ دے رہی ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اندر سے بہت بری طرح ٹوٹ پھوٹ چکے ہیں۔"

وہ رام دیال کی لاش والی جیپ کے قریب پہنچ کر اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی اور کنجی اگنیشن میں لگالی۔ اس نے اپنے کندھے سے رائفل اتار کر اپنے داہنے پہلو میں کھڑی کرلی تھی۔ کارتوسوں کی پیٹی بدستور اس کے شانے پر موجود تھی۔ کمر سے لٹکے ہوئے چرمی ہولسٹر میں بھرا ہوا مشینی پستول موجود تھا۔

"کہاں جارہی ہو؟" میں نے اس کی تقلید کئے بغیر اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"آؤ، ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتے ہیں۔" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

اس سے نگاہیں چار ہوتے ہی میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ چہرے میں جونک لگنے کے وہ آثار میرے لئے حیران کن تھے۔ میں اسے شہ زور مردوں سے گالیوں کے ساتھ تُو تڑاخ سے بات کرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ عملاً وہ اپنے کیمپ کا حاکم ہی ہوئی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت تک اُس نے مجھ سے کوئی بدکلامی نہیں کی تھی۔
... وہاں سے میری روانگی میں زیادہ وقت باقی نہیں رہا تھا۔ اس لئے میں بادلِ ناخواستہ اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اوّل خان کو خوبصورتی کے ساتھ ٹال کر وہ جس انداز میں جیپ میں روانہ ہورہی تھی اس سے مجھے دال میں کچھ کالا نظر آنے لگا تھا۔ میرے ذہن میں کچھ خدشات سر ابھار رہے تھے جن میں شبنم کی سی نزاکت بھی تھی اور آتشیں گولی کی کثافت بھی۔

میں نے اپنی سب مشین گن پائیدان میں رکھنے کے بجائے احتیاطاً گود میں رکھ لی اور اس کی مکھی دبا کر اسے مسلسل فائر پر ڈال دیا۔

جیپ ناہموار زمین پر جھٹکے لیتی ہوئی، درختوں کے درمیان اندر کی طرف بڑھنے لگی۔

جب تک جیپ چلتی رہی ہم دونوں ہی خاموش رہے۔ میں اپنے تفکرات میں الجھا ہوا تھا اور وہ شاید اپنے خیالات مجتمع کرنے میں مصروف تھی۔

پڑاؤ سے تقریباً نصف میل دور نکل آنے کے بعد رانی نے ایک صاف ستھرے مقام پر جیپ روک کر انجن بند کردیا۔

"رک کیوں گئیں؟ یہ مقام خطرناک معلوم ہوتا ہے۔" میں نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا "یہاں قرب و جوار میں کوئی ندی یا چشمہ معلوم ہوتا ہے۔ جانور وہاں پانی پینے آتے ہوں گے۔ اس کھلی ہوئی جیپ میں بے خبری میں کوئی درندہ ہم پر حملہ آور بھی ہوسکتا ہے۔"

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ میری بات سنتی رہی پھر شیریں لہجے میں بولی "انسانوں سے لڑتے لڑتے میں جانوروں سے بے خوف ہوگئی ہوں۔ ہاں تم سے ڈر لگتا ہے۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر نشست کی پشت گاہ سے ٹک گیا "مجھ سے کیوں ڈر لگتا ہے؟"

"تم چبھتی ہوئی اور تیکھی باتیں کرتے ہو جو زندگی سے بہت قریب ہوتی ہیں۔"

"بہت سے لوگ مجھ سے اچھی اور میٹھی باتیں کرتے ہیں۔ یہ تو اپنی اپنی پسند کی بات ہوتی ہے۔"

"میں جانو کی زندگی کے آخری لمحات کو زندگی بھر نہیں بھلا سکوں گی...."

مجھے گمان ہوا کہ وہ اس واقعے کو دہرا کر ایک مرتبہ پھر میری طبیعت بے مزہ کرے گی اس لئے میں نے اس کی بات کاٹ کر جلدی سے کہا "ایسے کٹھن لمحات ہر جوڑے کی زندگی میں آتے ہیں۔ یہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ دو چاہنے والے ایک ساتھ زندگی کی قید و بند سے آزاد ہوجائیں۔ جانو اچھی خوش نصیب تھا کہ تمہاری موت کا صدمہ جھیلنے سے بچ گیا۔ اسی طرح تم بھی خوش قسمت ہو کہ آخری وقت پر تمہیں اس کی خدمت کرنے کا موقع مل گیا۔ اصل بات یہ ہوتی ہے کہ ہم لوگ کسی واقعے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اب تو میرے دل و دماغ نے بھی اس حقیقت کو قبول کرلیا ہے کہ وہ مجھ سے اتنی دور چلا گیا جہاں سے اس کی واپسی ناممکن ہے لیکن ان لمحات میں

ی ذات میں جو مردانہ بیگانگی دیکھی اس نے مجھے اُسی وقت
ا تھا۔ قریب المرگ دشمن سے ایسا سلوک بڑے سے بڑا
نہیں کرسکتا۔ پھر میں نے دوبارہ تم کو سردار کے خیمے میں
تو اسی لمحے فیصلہ کیا کہ تم سے ہمیشہ انجان بنی رہوں گی لیکن
ر گھنٹوں سے زیادہ قائم نہیں رہ سکا۔" اس کی شہادت کی
غیر ارادی طور پر اسٹیئرنگ وھیل کو کھرچنے میں مصروف
تھی۔

"لیکن پہلی بار تو تم مجھے دھمکیاں دینے کے لئے میرے پاس
تھیں۔"

"وہ میرے اندر کا خوف تھا جو مجھے تم پر حاوی ہوجانے پر
رہا تھا۔ تمہاری باتیں دلکش ہوتی ہیں۔ میں دوسروں کی
ح تمہیں زیر کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے۔" میں ہولے سے ہنس دیا "تو کیا
رف یہی بتانے کے لئے مجھے یہاں لائی ہو؟"

"تم نے کہا تھا کہ مرد سردار کھلونوں سے اپنا دل بہلاتے
تو عورت سردار ہو کر کیا کرے گی؟ تمہاری اس بات نے مجھے
ر سے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔
، میں دیکھتی ہوں تو سامنے تا حدِ نظر پھیلی ہوئی ایک تپتی ہوئی
گزر نظر آتی ہے جس پر کسی سائے کے بغیر سفر کرنا مشکل ہی
ں بلکہ ناممکن ہے۔"

"صرف باتیں کرنے اور عمل کی بھٹی سے گزرنے میں یہی
ں ہوتا ہے۔"

"عورت جنگل میں ہو یا گھر میں، اگر وہ باعزت زندگی گزارنا
تی ہے تو اسے مرد کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا مرد
اسے کھلونا نہ سمجھے بلکہ ہر کٹھن گھڑی میں اس کا پشت پناہ
بت ہو۔" اس کی آواز دھیمی اور خوابناک ہوگئی۔ مجھے اس کی
ز اور شخصیت تک بدلی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"مجھے خوشی ہے رانی کہ تم نے کوئی ٹھوکر کھائے بغیر یہ باتیں
جھ لی ہیں۔"

"تمہیں یاد ہے۔ تم نے کہا تھا کہ سردار رجب علی کے آدمی
جھے مرد کی نہیں بلکہ ایک غلام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے
ھ سے ڈرتے ہیں لیکن تم مجھ سے نہیں ڈرتے۔" اس کے ذہن
ں گزرے ہوئے بھلے لمحات کی یادیں، آتش بازی کی بے ضرر
چنگاریوں کی طرح پھیل رہی تھیں۔

"میں اب بھی اپنے اس بیان پر مضبوطی سے قائم ہوں۔
کسی کا لحاظ کرنا اور بات ہے لیکن اس سے ڈرنا بزدلی کی بات ہے۔
مرد کسی عورت سے کبھی خوفزدہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ اسے
بہلا پھسلا کر رام کرنے کے ہر حربے سے لیس ہوتا ہے۔"

"مجھے ڈھول میں چلتا ہوا دیکھ کر تمہارا دل چاہا تھا کہ تم مجھے
اپنے کندھوں پر اٹھا لو" اس نے فرطِ جذبات سے بھاری ہوتی
ہوئی آواز میں مجھے یاد دلایا۔

"تمہاری جگہ کوئی بھی شریف اور خوبرو عورت ہوتی تو میرا
یہی دل چاہتا۔ تم سے تو میں صرف کہہ کر رہ گیا تھا... اسے شاید
کچھ کہے سنے بغیر اپنے کندھوں پر اٹھا لیتا۔" میں نے ہنستے ہوئے
کہا۔

اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے
گوشوں میں ہلکی سی نمی جھلملا رہی تھی۔ تمتماہٹ سے اس کا چہرہ
سرخ ہو رہا تھا۔ میں اندازہ نہیں کرسکا کہ وہ غصے کی سرخی تھی یا
وہ ان نرم و نازک گوشوں پر بات کرتے ہوئے شرم و حیا سے
سرخ ہوئی جا رہی تھی۔

وہ چند ثانیوں تک پلکیں جھپکائے بغیر یونہی مجھے گھورتی رہی
پھر اس نے غیر متوقع طور پر جھپٹ کر دونوں ہاتھوں سے میرا
گریبان تھام لیا اور مجھے پوری قوت سے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"تم سمجھتے کیوں نہیں؟" اس بار اس کی آواز واضح طور پر
رُندھی ہوئی تھی اور وہ میرے تجاہلِ عارفانہ پر غصے سے بپھری
ہوئی معلوم ہو رہی تھی "میں اتنی دیر سے بکے جا رہی ہوں اور
تمہارے کان پر جوں بھی نہیں رینگی۔"

"میں تمہاری ہر بات کا جواب دے تو رہا ہوں۔" میں نے
اپنا گریبان چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بے بسی کے
ساتھ کہا "تمہاری ہر بات پوری طرح میری سمجھ میں آ رہی
ہے۔"

"خاک سمجھ میں آ رہی ہے۔" اس نے غصے میں ایک بار پھر
میرے گریبان کو جھٹکا دیا "ویسے دنیا بھر کی باتیں بنا لیتے ہو لیکن
اس وقت تمہاری کھوپڑی پر برف جمی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔
آخر تم سمجھتے کیوں نہیں؟ میں تم سے اپنی باتوں کا جواب چاہتی
ہوں۔ جواب لئے بغیر تمہاری جان نہیں چھوڑوں گی۔"

"جواب تو میں نے ہر بات کا دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم
مجھ سے اپنے پچھلے رویے پر شرمندہ ہو۔ اگر تمہارا مطلب معافی
سے ہے تو میں تم کو اپنے دل کی گہرائیوں سے معاف کرتا ہوں۔"

اس بار اس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور وہ گریبان
کے سہارے مجھے اپنی طرف کھینچتے ہوئے سرگوشیانہ مگر تیز آواز میں
غرائی "کان کھول کر سن لو کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی تمہیں پسند
کرنے لگی ہوں۔ میں اکیلی زیادہ دور تک نہیں چل سکوں گی۔ اس
بارے میں مَیں تمہارا جواب سننا چاہتی ہوں۔"

مجھے بے اختیار پھریری سی آ گئی۔ اس کی آنکھوں میں رکے
ہوئے دو موتی گوشوں سے ڈھلک کر اس کے رخساروں پر آ گئے
تھے۔ اس کی آواز میں غصے اور بے بسی کا دلدوز امتزاج تھا۔ وہ
بپھری ہوئی شیرنی کی طرح میرا گریبان تھام کر میرے سینے پر سوار
تھی اور شاید مجھ سے اسی لمحے جواب سننے کی منتظر تھی۔

"آرام سے بیٹھو" میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کی کمر

تھام کر اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا "اتنی دیر سے تم گول مول باتیں کر رہی تھیں۔ اب میری سمجھ میں آیا ہے کہ تم کیا چاہتی ہو۔ اپنی جگہ پر بیٹھو تاکہ میں کچھ سوچ سکوں۔"

اس نے مجھے گھورتے ہوئے میرا گریبان چھوڑا اور واپس ڈرائیونگ سیٹ پر جم گئی۔

"ڈاکوؤں کے کٹم قبیلے میں چلتے چلتے لوٹ لینے یا لٹ جانے کا بڑا رواج نظر آتا ہے۔" میں نے اپنے گریبان کے کھل جانے والے بٹن دوبارہ لگاتے ہوئے دھیمی آواز میں تبصرہ کیا "سردار رجب علی ڈاکا مارنے گیا اور پہلی ہی نظر میں دل لٹا کر خالی ہاتھ واپس لوٹ آیا اور اب تم ایک نئی خبر سنا رہی ہو۔ کیا میں یہ پوچھنے کی ہمت کر سکتا ہوں کہ یہ واقعہ کب رونما ہوا؟ یعنی تم نے مجھ کو کب سے پسند کرنا شروع کیا ہے؟"

"اب تم میرا مضحکہ اڑاؤ گے؟" وہ آنکھیں نکال کر غرائی۔ "میں نے کبھی تمہارے قریب آنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اپنی سخت گیری سے تمہیں گروہ کے دوسروں لوگوں کی سطح پر رکھنا چاہتی تھی لیکن تم ڈھٹائی کے ساتھ میرے سامنے ڈٹے رہے۔ میں تم سے بے پناہ نفرت کرنا چاہتی تھی کیونکہ تم جانو کے قاتل ہو لیکن میں کوشش کے باوجود اپنی اس نفرت کو برقرار نہیں رکھ سکی۔ تمہیں سکھر جانے کا حکم نہ ملا ہوتا تو میں آج بھی تم سے کوئی بات نہ کرتی۔ تمہاری اچانک روانگی کی خبر مجھے یہاں تک لائی ہے۔ ...تم پر میرا کوئی حق نہیں ہے، مگر میں تمہاری زبان سے اپنی بات کا جواب سننا چاہتی ہوں۔"

"تم ایک حسین اور قابل پرستش عورت ہو رانی!" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "میرا دل بھی تم سے باتیں کرنے کے لئے مچلتا رہتا ہے۔ تم نے اپنی ذات پر سختی اور تحکم کا خول نہ منڈھ لیا ہوتا تو شاید میں کوئی پیش قدمی بھی کر بیٹھا ہوتا۔ مجھے خوشی ہے کہ میری سکھر روانگی کی اطلاع نے تم کو اپنے خول سے باہر آنے پر مجبور کر دیا۔"

اس کی نمناک آنکھیں یک بیک جگمگا اٹھیں اور اس نے نرمی سے اپنا سر میرے شانے سے ٹکا دیا۔

"دل کے معاملے عجیب اور انسان کی اپنی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔" میں نے اس کے نرم اور سیاہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "نفرت اور چاہت کے جذبے دلوں کی گہرائیوں سے اٹھتے ہیں اور اتنی شدت سے اٹھتے ہیں کہ ہم ان کے سامنے بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مجھے تمہارے سائیں سرکار سے ملنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ اس کے ذکر میں میں نے صرف اس لئے دلچسپی لی تھی کہ اس بہانے مجھے چند روز تمہارے ساتھ رہنے کا موقع مل جائے گا۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو؟" اس نے میرے شانے سے سر اٹھا کر مسرت سے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ اس وقت اس کی کیفیت کسی ایسے بچے کی سی تھی جو اپنی پسند کے کھلونے کے لئے دیر تک رو رو کر نڈھال ہوتا رہا ہو اور پھر اچانک ہی وہ کھلونا مل جانے پر رونا دھونا بھول کر قلقاریاں مارتا ہوا کھلونے سے کھیلنے میں مصروف ہو گیا ہو۔

"میں جھوٹ بولتا ہی کب ہوں؟ تم نے خود وعدہ کیا تھا کہ جب تک مجھے سائیں سرکار سے نہیں ملوا دو گی' میری مہمان داری کرتی رہو گی لیکن اب خود ہی مجھے سکھر بھیج رہی ہو۔"

"رام دیال کو ہم میں سے کسی نے نہیں مارا۔ یہ کام تو ناگہانی آفت بن کر سامنے آیا ہے۔ سردار اپنی بیوی کی خوشنودی کے لئے تمہیں لاش کے ساتھ بھیج رہا ہے۔ وہ اسے جتانا چاہتا ہے کہ اس کے ماموں کی لاش ایک لمحے کے لئے بھی لاوارث نہیں چھوڑی گئی تھی۔ تم شہر جا رہے ہو۔ میں اپنے گاؤں اور جنگل سے کبھی کسی شہر میں نہیں گئی لیکن میں نے شہروں کی کہانیاں سنی ہیں۔ وہاں قدم قدم پر خوبصورت اور چالاک عورتیں' سیدھے سادے مردوں کو پھانسنے کے لئے موجود ہوتی ہیں۔ میں تم سے وعدہ لینا چاہتی ہوں کہ تم ان سے دور رہو گے اور جلد از جلد میرے پاس لوٹ آؤ گے۔"

"تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ میں شہر سے ہی اس بن میں آیا تھا۔" میں نے اس کے معصومانہ خوف پر ہنستے ہوئے کہا "سکھر تو خیر چھوٹا سا شہر ہے' میں تو بڑے شہروں میں عمر بھر جوتیاں چٹخاتا پھرا ہوں لیکن کہیں بھی کسی خوب صورت عورت نے میرا راستہ نہیں روکا۔ چھوٹے اور محروم ذہن کے لوگ اپنی تسکین کے لئے ایسے قصے تراشتے ہیں۔"

"ماضی کو بھول جاؤ۔ اس وقت تم مجھ سے نہیں ملے تھے لیکن اب تمہیں ہر لمحے یہ یاد رکھنا ہو گا کہ رانی ان جنگلوں میں تمہاری واپسی کی راہ تک رہی ہے۔"

"لیکن میری واپسی میرے بس سے باہر ہو گی۔ سردار کا حکم تم نے خود سنا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو' میں سردار کو راضی کر لوں گی۔ وہ بہت جلد تمہیں واپس بلا لے گا۔"

وہ جانو ماچھی کی موت کے بعد کرب اور تنہائی کے جس جہنم میں جل رہی تھی' اس کا مجھے بخوبی اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ ویرانول میں پلنے اور رہنے والی ایک وحشی ہرنی تھی اور میں شہر کے چڑ گھر میں بندھا ہوا غزال۔ حالات کے طوفانی پیچاک نے ہمیں دوبار ایک دوسرے کے سامنے ضرور لا پھینکا تھا لیکن سنگلاخ حقیقت یہ تھی کہ ہم دو متوازی راستوں کے مسافر تھے جو ابد تک بھی کبھی ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے تھے۔ پھر بھی وہ ایک عورت تھی۔ اگر میرے جھوٹے الفاظ اور کھوکھلے وعدوں سے اس کی ٹوٹی پھوٹی ہوئی ذات کو کوئی سہارا مل سکتا تھا تو مجھے

ے گریز نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اسی لئے میں نے اس کے ں کے خلاف کوئی مزاحمت نہیں کی' اسے غزالہ کے بارے ھ نہیں بتایا تھا۔

اگر وہ اپنے دعووں میں سچی تھی اور اس کے دل میں محبت کی ہی چنگاری بھڑک اٹھی تھی تو وہ میرے وعدے کے پورا ے اور میری واپسی کی امید میں اپنی پہاڑ جیسی زندگی کے کئی بڑے آرام سے گزار سکتی تھی۔ ہجر و فراق کی اس تپتی ہوئی سے وہ ایک پختہ کار اور سمجھ دار عورت بن کر برآمد ہوتی۔ ں بعد جب میرے بارے میں اس کے سہانے سپنے بکھر جاتے بہتر طور پر اپنے اچھے مستقبل کے لئے کوئی فیصلہ کر سکتی تھی۔

مانا کہ وہ ایک نامی گرامی ڈاکو کی بیوی رہی تھی جس نے چی کے ایک حوالات سے غزالہ کو اغوا کر کے مجھے بدترین ی کرب اور اذیت سے دوچار کیا تھا مگر یہ بھی ایک حقیقت تھی میں نے اس ڈاکو کو ہلاک کر کے رانی جیسی خوبرو اور بھرپور ں کو تنہائی کے ہولناک جہنم میں دھکیلا تھا اور اس کھاتے میں ں اس کا مقروض تھا۔

پڑاؤ والی سنگدل اور سخت گیر رانی اس وقت پگھل کر موم ہوئی تھی۔ محبت کے سرور آگیں خمار نے اسے چور چور کر کے ردگی کی اس منزل پر پہنچا دیا تھا جہاں میں بڑی آسانی کے ساتھ ں کے پیکر سے طرب و نشاط کے چند لمحے کشید کر سکتا تھا لیکن ں وقت میرے اندر کا حیوان سویا ہوا تھا۔ ذہنی پورے ہوش و اس کے ساتھ بیدار تھا اس لئے ہم دیر تک جیپ سے اتر کر اں ٹہلتے اور باتیں کرتے رہے۔ وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا جس ہم دونوں میں سے کسی کو احساس نہ ہوسکا' پھر اچانک ہی مجھے اپسی کا خیال آیا۔ ہماری طویل غیرحاضری کی وجہ سے اگر پڑاؤ پر ماری ڈھونڈ پڑ جاتی تو بے رحم اور سازشی مردوں کے اس غول یں عجیب و غریب کہانیاں پھیل سکتی تھیں۔

جھٹپٹے کے وقت ہم پڑاؤ پر پہنچے تو وہاں سب کچھ نارمل تھا۔ پتا چلا کہ سردار نے ہماری روانگی کا پروگرام موخر کر دیا تھا۔ نئے پروگرام کے مطابق ہمیں اندھیرا پھیلنے پر وہاں سے روانہ ہونا تھا۔

اندھیرا پھیلنے میں زیادہ دیر باقی نہیں تھی۔ فضا میں کھانے کی اشتہا انگیز بو پھیلی ہوئی تھی۔ میں بھی لنگر سے اپنا کھانا لے کر اوّل خان کی تلاش میں چل دیا۔

ان گھنے جنگلات میں شام کا تصور بہت واضح نہیں تھا۔ دن ہوتا تھا یا پھر رات اپنے پر پھیلا دیتی تھی۔ سورج غروب ہوتے ہی وہاں اچانک اور اس قدر تیزی سے اندھیرا پھیلتا تھا کہ شام معدوم ہو کر رہ جاتی تھی۔ اندھیرے میں موٹے موٹے مچھروں کی یلغار اس قدر شدید ہوتی تھی کہ دس پانچ مچھر نگلے بغیر اندھیرے میں کھانا کھانا ممکن نہیں رہتا تھا۔

" تم یہاں واپسی کے بارے میں بہت فکرمند نظر آتے ہو۔" میری صورت دیکھتے ہی اوّل خان دھیمی آواز میں بول پڑا۔

" پہلا رانی سے اور پھر سردار سے اس بارے میں پوچھ رہے تھے۔ ...کان کھول کر سن لو میں کسی قیمت پر دوبارہ ادھر نہیں آؤں گا۔"

" اس نوکری کا بندوبست تم ہی نے کیا تھا۔" میں نے اسے چھیڑا " اور پھر تم تو خود کو نیم فوجی کہتے ہو۔ فوجیوں کو اپنی مہمات بلکہ مشقوں تک میں اس سے بدتر حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔"

" بھاڑ میں گئی نوکری اور ایسی کی تیسی میں گئی میری تربیت۔ تم مجھ سے زیادہ سخت جان ہو تو اکیلے ہی لوٹ آنا۔ مجھے معلوم ہے کہ اب تمہاری رانی سے گاڑھی چھن رہی ہے۔ عقل پر کسی جوان اور خوبصورت عورت کا پردہ پڑ جائے تو سیانے سے سیانا آدمی بھی ایک بار جہنم میں کود ہی پڑتا ہے۔"

" مرچیں نہ چباؤ' وہ باتیں مجھ سے کرتی ہے لیکن اس کی نظر تم پر ہے۔ وہ تم سے شادی کے بارے میں بہت سنجیدگی کے ساتھ غور کر رہی ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ وہ اس بارے میں سردار سے بھی بات کر چکی ہے۔"

" تم جھوٹ بول رہے ہو۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا لیکن اس کی آواز سے خوشگوار حیرت بھی نمایاں تھی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے مجھ سے میری بات کی مکرر تصدیق سننا چاہتا ہو۔

" اس سے شادی کر لو گے تو شاید سردار ڈاکوؤں کی اس آبادی میں اضافے کے لئے تمہیں کوئی چھوٹا موٹا خیمہ بھی دے دے گا۔ میں بھی کبھی کبھی وہاں آرام کر لیا کروں گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا لیکن وہ میرا جوابی مذاق تاڑ گیا۔

" ایک بار یہاں سے نکل جاؤں تو پھر دیکھتا ہوں کہ کون ادھر لاتا ہے؟"

اندھیرا پھیلتے ہی ہم سردار کے خیمے پر پہنچ گئے۔ خیرو اور اس کا ساتھی اپنی سج دھج کے ساتھ دور ہی سے ڈاکو لگ رہے تھے۔ ان کے جسموں پر رائفلیں' کلاشنکوف' پستول اور کارتوسوں کی پیٹی' سب ہی چیزیں موجود تھیں۔ غمسو' رانی اور چند افراد بھی وہاں جمع تھے۔ آخر سردار رجب علی نے اپنے خیمے سے باہر آکر ہمیں الوداع کہا۔ خیرو نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کیا۔ میں نے پسنجر سیٹ سنبھال لی۔ دوسرا آدمی اوّل خان کے ساتھ عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ جس کے پائیدان میں بدنصیب رام دیال کی لاش ٹھنسی ہوئی تھی۔

وہ ایک پُرخطر سفر تھا لیکن پڑاؤ سے جیپ روانہ ہوتے ہی مجھے بے نام سی خوشی کا احساس ہوا۔ رانی نے زور زور سے ہاتھ ہلا کر ہمیں الوداع کہا تھا۔ اس کے لئے میں اپنے دل کے کسی گوشے میں ہلکی سی کسک محسوس کر رہا تھا۔

کافی دیر تک ہم چاروں بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ زمین بہت زیادہ ناہموار تھی۔ درختوں کے درمیان آگے

لئے خیرو کو ہر چند گز کے بعد جیپ کو موڑنا پڑ رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ سفر دو تین گھنٹے تک یونہی جاری رہا تو خیرو کے بازو شل ہو جائیں گے شاید اسی لئے دوسرا آدمی اس کے ساتھ تھا۔

"تم لوگ ہماری آنکھوں پر پٹیاں کب باندھو گے؟" آخر کار میں نے سگریٹ سلگا کر سکوت توڑا۔

"اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔" خیرو نے بے پروائی سے کہا "رات کے اندھیرے میں سارے درخت اور راستے یکساں لگتے ہیں۔ تم چاہو بھی تو انہیں یاد نہیں کر سکتے۔"

"کیا سردار کو ہم پر اعتماد نہیں تھا جو ہمیں راستے سے بے خبر رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے؟"

"پولیس والوں کی مار کے سامنے بڑے بڑے سورماؤں کو چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا ہے۔" خیرو نے نرمی سے کہا "اگر تم پکڑے گئے تو مار پڑنے کے باوجود انہیں کچھ نہیں بتا سکو گے۔ راستہ دیکھ کر یاد کر لیتے تو ان لوگوں کی کچھ نہ کچھ رہنمائی کر سکتے تھے۔ یہ تم پر اعتماد کی بات نہیں ہے بلکہ سردار خود کو بچائے رکھنا چاہتا ہے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ ہم کس کی لاش لے جا رہے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"سردار کی بیوی کا رشتے کا ماموں ہے۔ اس سے زیادہ لالچی آدمی میں نے نہیں دیکھا۔"

"ہمارا یہ سفر اندازاً کتنی دیر جاری رہے گا؟" اس بار اوّل خان نے پوچھا تھا۔

"اگر راستہ نہ بھولے تو تین چار گھنٹے لگ جائیں گے۔" پیچھے والے کی آواز آئی۔

خیرو کا اندازہ تھا کہ پیدل چل کر جلد سڑک تک پہنچا جا سکتا تھا لیکن ان اطراف میں ندی، نالوں اور کھائیوں کی وجہ سے جیپ میں زیادہ لمبا راستہ اختیار کرنا پڑ رہا تھا۔ پھر جا بجا رکاوٹوں کی وجہ سے جیپ کی رفتار بھی بہت سست تھی۔ خیرو تین چار گھنٹے کی بات کر رہا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ ہم پو پھٹنے سے پہلے بھی سڑک کے قریب پہنچ جاتے تو غنیمت ہوتا۔

پیچھے والے نے چرس سے بھری ہوئی سگریٹ سلگائی تو مجھے بے اختیار اپنی بوتل یاد آ گئی۔

"نیٹ نہ لیا کرو، یہ دل کو جلاتی ہے۔" خیرو نے مجھے بوتل سے منہ لگا کر پیتے ہوئے دیکھ کر ہمدردانہ لہجے میں کہا "سالی خراب ہے لیکن اندر جا کر وہ مزہ دیتی ہے کہ اسے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ میں بھی برسوں سے پی رہا ہوں لیکن آج تک سوڈا یا پانی ملائے بغیر میں نے ایک گھونٹ بھی نہیں لیا۔"

ان دونوں سے وقفے وقفے سے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی۔ پیچھے والا چرس کی دوسری سگریٹ ختم کرنے کے بعد ترنگ میں آیا تو خاصا دلچسپ آدمی ثابت ہوا۔ بے ہودہ لطیفوں سے اس کا حافظہ مالا مال تھا۔ خوبی کی بات یہ تھی کہ خیرو بار بار وہ سب سننے کے باوجود اس کی باتوں سے اکتایا ہوا نہیں تھا۔

وہ لوگ ناخواندہ اور نیم خواندہ تھے۔ ان میں کچھ پڑھے لکھے لڑکے بھی تھے لیکن وہ اپنی روایتی بزدلی اور احساسِ جرم کی وجہ سے دبے دبے سے رہتے تھے اور سردار کے پورے گروہ کے ماحول پر ان ناخواندہ لوگوں کا رنگ حاوی تھا جو کثیر تعداد میں تھے لیکن میں نے یہ بات ... حیرت کے ساتھ نوٹ کی تھی کہ اپنی تہذیب، روایات اور معاشرت سے محبت کے باوجود ان لوگوں میں نسلی، علاقائی یا لسانی تعصب نام کو نہیں تھا۔ شاید اس کی وجہ رہی ہو کہ وہ لوگ کھلے جنگلات میں اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کے تحت آزادانہ زندگی گزارتے تھے اور انہیں کسی کی محکومی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ ملا سرکار اپنے زہرناک منصوبے کے تحت انہیں قوم پرستی اور منافرت کی راہ پر لے جا رہا تھا لیکن اسے بھی یہ ہمت نہیں ہو سکی تھی کہ ان لوگوں کو زبان یا جغرافیے کے نام پر بھڑکاتا۔ اس کے مقاصد اس کے دل میں پوشیدہ تھے یا میں ان سے واقف تھا لیکن وہ جب بھی بات کرتا تھا، استحصال، ظلم، عدم مساوات اور ناانصافی کے خلاف کرتا تھا۔ وہ سب ایسے آفاقی کلیئے تھے جن کی عظمت و صداقت سے کوئی ذی ہوش شخص انحراف نہیں کر سکتا تھا۔ اسی لئے وہ سب اس کے پیروکار بنے ہوئے تھے۔

اپنی جداگانہ تشخص اور دوسروں سے تعصب برتنے کا کریہہ عمل غالباً اس وقت بروئے کار آتا ہے جب لوگوں کے انبوہ خود کو کسی کا محکوم سمجھنے لگتے ہیں اور ہر سطح پر ہونے والے اجتماعی فیصلوں میں اپنی آواز کو ناموجود پاتے ہیں۔ اخوت اور ملنساری کے پُرسکون تالاب میں وہ انتشار و تعصب کا پہلا پتھر ہوتا ہے۔ اگر اس سے پیدا ہونے والی متلاطم لہروں پر اسی مرحلے پر قابو نہ پایا جائے تو پھر جن آنکھوں پر محرومی کے حوالے سے تعصب کی عینک چڑھ جاتی ہے، انہیں منصفانہ فیصلوں میں بھی اپنی حق تلفی اور دوسروں کی زیادتی کے پہلو نظر آنے لگتے ہیں جس کے نتیجے میں معاشرتی شکست و ریخت کا سلسلہ چل پڑتا ہے۔

ہمیں کراچی سے آئے ہوئے تیسرا دن تھا لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نے کوئی پہاڑ سی مدت ان جنگلوں میں گزاری ہو۔ واقعات اتنی تیزی کے ساتھ رونما ہو رہے تھے اور ہم نے مختصر سے وقت میں اتنا کچھ جان لیا تھا کہ ان لوگوں کے درمیان گزرے ہوئے دو دن مدتوں پر بھاری محسوس ہو رہے تھے۔

دوسری طرف کراچی کے معاملات بھی میرے سر پر سوار تھے۔ مافیا کے سپر ڈان کی آمد منسوخ نہیں بلکہ ملتوی ہوئی تھی۔ کسی بھی وقت اس کا اگلا پیغام موصول ہو سکتا تھا۔ میں اس کی آمد سے قبل ہی سیٹھ حبیب جیوانی کی بیوی کا معاملہ نمٹانا چاہتا تھا ... جسے میں جہانگیر کی تحویل میں چھوڑ کر آیا تھا۔ اگر سپر ڈان کی

آمد تک اسے رہا نہ کیا جاتا تو وہ معاملہ سُپرڈان کے علم میں آکر مافیا کی عزت کا سوال بن جاتا اور پاکستان میں دم توڑتی ہوئی مافیا ایک مرتبہ پھر جان پکڑ لیتی جب کہ میں سیٹھ حبیب جیوانی کو آہستہ آہستہ مفلوج کر کے ختم کرنا چاہ رہا تھا۔

اسی کے ساتھ ویرا کا معاملہ بھی تھا۔ ملا سرکار کو اسلحے کی فراہمی میں اس کی طرف سے کوئی پیش رفت نہ ہونے پر آرنیٹ نے پُراسرار طریقے پر اسے اپنے کاؤنسلیٹ میں طلب کیا تھا جہاں ویرا کو سیٹلائٹ فون پر اپنے باپ 'جمی لائیڈ کی جھاڑ سننا پڑی تھی۔ ویرا کے جسم سے الیکٹرانک سگنل نشر کرنے والا وہ طاقتور چپ نکال لیا گیا تھا جس کے سہارے آرنیٹ اس کی نقل و حرکت کو اپنے یونٹ پر مانیٹر کر سکتا تھا۔ سلطان شاہ نے اس چپ کو شمالی علاقے میں بھیج کر کسی بلند پرواز 'آزاد پرندے کے پر میں بندھوانے کی ذمے داری بھی لے لی تھی لیکن مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ وہاں کیا ہو رہا تھا۔ ویرا کی زیادہ فکر مجھے اس لئے بھی دامن گیر تھی کہ غزالہ اُس کے ساتھ تھی اور اگر ویرا پر کوئی برا وقت آتا تو غزالہ اس کے اثرات سے نہیں بچ سکتی تھی۔

تیسرا اور اہم ترین معاملہ بلیک کیٹ ٹی یا ملا سرکار کو تلاش کر کے جہنم واصل کرنے کا تھا۔ جس کے لئے ہم ان جنگلوں کی خاک چھان رہے تھے۔ ملا سرکار کی طرف سے میرے دل میں ایسی کدورت اور نفرت بیٹھ گئی تھی کہ اس تک رسائی کے لئے میں نے سردار رجب علی کی سکھر میں مقیم بیوی تک کو استعمال کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

"تم ہمیں کہاں چھوڑو گے؟" اول خان کی آواز نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

"ہم قاضی احمد اور نواب شاہ کے درمیان کہیں بھی نکل سکتے ہیں۔" خیرو نے جواب دیا۔

"لیکن نواب شاہ تو قومی شاہراہ پر نہیں پڑتا۔" میں نے ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک بار کوئی سڑک مل جائے تو قومی شاہراہ تم خود ڈھونڈ لو گے۔"

اس کا مطلب ہوا کہ ہم اپنے پڑاؤ سے پیچھے لوٹ رہے ہیں۔" میں نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔

خیرو ہنس پڑا۔ "تم آگے پیچھے کے چکر میں نہ پڑو۔ پولیس والے ان جنگلوں میں آنے سے گھبراتے ہیں کہ یہاں گھسنا جس قدر آسان ہے یہاں سے باہر نکلنا اتنا ہی مشکل ہے۔ آدمی ایک بار اس ٹھنڈی چھاؤں میں آجائے تو پھر آگے پیچھے اور دائیں بائیں کا کچھ پتا نہیں چلتا اور وہ گھن چکر بن کر رہ جاتا ہے۔"

ہماری تقریباً آدھی رات اسی طرح سفر میں گزر گئی۔ راستے میں دو مقامات پر چند ہلکی ہلکی 'یرقان زدہ روشنیاں بھی درختوں کے تنوں کی اوٹ سے ڈوبتی ابھرتی نظر آئیں۔ خیرو نے بتایا کہ وہ جنگلوں کے کنارے پر آباد خانہ بدوشوں کی جھونپڑیاں تھیں جن سے وہ دانستہ بچ کر گزر رہا تھا۔

ڈیڑھ بجے کے قریب ہمیں اپنے سر پر کھلے آسمان کا خاصا حصہ نظر آنا شروع ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ ہم اس دہشتناک جنگل کے گنجان حصے سے چھدرے علاقے میں داخل ہو گئے تھے۔

"رانی بی بی نے میری سیٹ کے نیچے کچھ ہتھیار رکھوا دیئے تھے۔" خیرو نے مجھے آگاہ کیا۔ "یہ کسی برے وقت پر تمہارے کام آسکیں گے۔ اب تھوڑی ہی دیر میں ہم جنگل سے نکلنے والے ہیں۔ ...اس سے آگے تمہارا خطرناک سفر شروع ہو جائے گا۔"

"ٹیلوں کے اس پار سڑک ہے۔" اس نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سڑک پر چڑھنے سے پہلے ہیڈ لیمپس نہ جلانا ورنہ سڑک پر افراتفری پھیل جائے گی۔ اِدھر سے نکلنے والی گاڑیوں سے ڈرائیور خوف کھاتے ہیں۔"

باہر نکل کر خیرو نے جیپ کی رفتار تیز کر دی تھی۔ چند منٹ بعد اس نے سنگلاخ ٹیلوں کے قریب جیپ روک دی اور انجن بند کر کے نیچے کود گیا' باقی لوگوں نے بھی اس کی تقلید کی۔

خیرو کے ساتھی نے ہمیں راستے کے لئے عمدہ چرس سے بھری ہوئی سگریٹیں دینا چاہیں جو میں نے شکریئے کے ساتھ اسے لوٹا دیں۔ وہ دونوں ہم سے باری باری پر تپاک انداز میں گلے ملے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے جنگل کی طرف واپس چل دیئے۔ جہاں ان کی اپنی دنیا ان کی واپسی کی منتظر تھی۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ ٹیلوں کے اس پار کون سی سڑک ہے۔" میں نے اونچی آواز میں پوچھا۔

"یہ ہائی وے ہے۔ تمہیں جیپ کی ہی سمت میں جانا ہے۔" خیرو نے مڑ کر جواب دیا اور میں نے اچھل کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ سیلف لگاتے ہوئے میں نے بائیں ہاتھ سے اپنی نشست کے نیچے ٹٹولا تو وہاں کم از کم تین ہتھیاروں کی موجودگی کا اندازہ ہوا جو ہماری سلامتی کے لئے رانی کی فکرمندی کے مظہر تھے۔

"میری سیٹ کے نیچے سے اسلحہ اور گولیاں وغیرہ نکال کر باہر پھینک دو۔" میں نے جیپ کو حرکت میں لاتے ہوئے اول خان کو ہدایت دی "جیپ میں ایک گولی بھی نہیں رہنا چاہئے۔"

"رہنے دو' ہو سکتا ہے کہ ہمیں اس کی ضرورت پیش آجائے" اس نے گہرا سانس لے کر کہا "اف خدا! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم ان جنگلوں سے باہر نکل آئے۔ میرا تو وہاں دم گھٹنے لگا تھا۔"

"میں کہہ رہا ہوں اسلحہ پھینک دو!" میں نے سختی سے کہا۔ "لاش کے ساتھ گاڑی سے اسلحہ بھی برآمد ہوا تو کوئی ہماری بے گناہی تسلیم نہیں کرے گا۔ یہ ہتھیار ہمارے گلے پڑ جائیں گے۔"

"تم بلاوجہ ڈر رہے ہو۔ دیکھنا میری پوزیشن کس طرح کام آتی ہے۔ اسپیشل ٹاسک فورس کا نام سنتے ہی پولیس والے دور ہٹ جائیں گے۔" اس نے پُریقین لہجے میں کہا لیکن غنیمت ہوا کہ اس نے میری ہدایت پر بھی عمل شروع کردیا۔

ان میں دو ٹی ٹی اور ایک ماؤزر تھا۔ ساتھ ہی ان کی فاضل گولیوں کے دو ڈبے بھی تھے۔

"قیمتی اسلحہ ہے۔ اتنا ہی محتاط رہنا ہے تو بونٹ کھول کر اسے انجن والے حصے میں چھپا دو' ادھر کسی کا دھیان نہیں جاتا۔" ہتھیار دیکھ کر اول خان کی رال ٹپک پڑی۔

میں نے ہاتھ مار کر' اس کی گود میں رکھے ہوئے وہ ہتھیار باہر پھینک دیئے۔

ٹیلوں پر چڑھتے ہوئے ہمیں شاہراہ نظر آگئی جس پر دونوں سمتوں میں متعدد روشنیاں رواں تھیں۔ گھنے اور تاریک جنگلات میں دو دن گزارنے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دل خوش کن منظر میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا ہو۔ اول خان بہ آوازِ بلند جنگل کے مصائب سے اتنی آسانی سے چھٹکارا ملنے پر اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔

میں نے اپنی بوتل سے ایک اور گھونٹ اپنے معدے میں انڈیلا اور جیپ کی رفتار بڑھا دی۔

سڑک پر آنے کے چند منٹ بعد ہی ہمیں پہلا جھٹکا لگا۔ جب ہم نے سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی پولیس کی ایک گشتی گاڑی دیکھی۔ میں نے زندگی میں کسی نازک ترین موڑ پر بھی ایسا خوف محسوس نہیں کیا تھا جو اس وقت پولیس کی گاڑی کو سامنے دیکھ کر مجھ پر طاری ہو گیا تھا۔ مجھے اپنے معدے میں گرہیں سی پڑتی محسوس ہو رہی تھیں اور دل چاہ رہا تھا کہ میں جیپ سے چھلانگ لگا کر دوبارہ جنگل کی طرف دوڑ لگا دوں۔

میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اور بدن پر ہلکی سی کپکپاہٹ طاری ہو گئی تھی کیونکہ اس وقت رام دیال کی صورت میں میں ایک ناکردہ جرم کا بوجھ لئے پھر رہا تھا۔

پھر ایک حیرت ناک واقعہ ہوا۔ گاڑی سے باہر موجود باوردی پولیس افسر نے اپنا ہاتھ پیشانی تک لے جا کر اور اس کے ساتھ موجود سپاہی نے ایڑیاں بجا کر ہمیں تعظیم دی۔ شاید وہ جیپ ان کے لئے نئی نہیں تھی۔ لیکن جوں ہی ہماری جیپ ان کے قریب سے گزری اور انہوں نے اگلی بتیوں کی چکاچوند ختم ہوتے ہی جیپ میں ہمارے ہیولے دیکھے تو فضا ایک کڑکدار آواز سے لرز اٹھی۔ ان دونوں میں سے کسی نے بلکہ شاید افسر نے ہمیں رکنے کا حکم دیا تھا۔

میں نے فوراً بریک لگاتے ہوئے جیپ سڑک سے کچے میں اتار دی۔

"میرے اشارے کے بغیر گفتگو میں دخل نہ دینا۔" میں نے اول خان سے کہا۔

میں نے جیپ کو ریورس کر کے ان کے قریب لے جانا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی افسر ٹارچ چمکاتا ہوا اپنی جگہ چھوڑ چکا تھا۔ اس لئے راستے میں ہمارا اور اس کا سامنا ہوا۔

"کون ہو اور کہاں سے آرہے ہو؟" اس نے ٹارچ کی روشنی باری باری ہم دونوں کے چہروں پر پھینکتے ہوئے دبنگ لہجے میں سوال کیا لیکن میں دیکھ چکا تھا کہ جیپ پہچان کر اس نے احترام آمیز رویے کا مظاہرہ کیا تھا اس لئے اس کی بارعب آواز میرے کمزور پڑتے ہوئے اعصاب پر زیادہ اثرانداز نہیں ہو سکی۔

"ہمیں سردار رجب علی نے بھیجا ہے۔ جنگل سے آرہے ہیں۔" میں سپاٹ لہجے میں کہا۔

"جیپ تو رجب علی کی ہی ہے لیکن تم دونوں مشتبہ لگتے ہو؟" وہ بڑبڑاتا ہوا جیپ کے عقبی حصے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

میرا خیال تھا کہ ٹارچ کی روشنی میں رام دیال کی اکڑی ہوئی لاش دیکھتے ہی وہ پستول تان کر ہمیں جیپ سے نیچے اترنے کا حکم دے گا لیکن ہمیں بس اس کی تحیر زدہ سیٹی کی آواز آئی پھر وہ ہمارے پاس آگیا۔

"مریض کو لے جا رہے ہو تو کم از کم چادر ہی ڈال لیتے۔" اس نے سخت مگر دھیمے لہجے میں کہا۔

"ڈالی تھی۔ تیز ہوا سے راستے میں اڑ گئی ہوگی۔" میں اس کے رویے سے شیر ہو گیا۔ میرا دل یہ مان ہی نہیں سکتا تھا کہ ایک تجربے کار پولیس افسر پہلی نظر میں کئی گھنٹے پرانی' اکڑی ہوئی لاش اور مریض میں تمیز نہ کر سکے۔

"تمہارے پاس کوئی کپڑا ہو تو دے دو ورنہ اسے راستے میں سردی چڑھ جائے گی۔" میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس پر فرمائش کا بوجھ لاد دیا۔

اس نے وہیں کھڑے کھڑے' سپاہی کو کپڑا لانے کی ہدایت کی فوراً ہی تین سپاہی تین مختلف کپڑے لے آئے۔ ان میں سے ایک ڈسٹر تھا' دوسرا بڑا سا رومال اور تیسری ایک چادر تھی۔

افسر نے رومال لے کر انہیں ڈانٹ کر گاڑی کی طرف بھگا دیا اور مجھ سے بولا "اس کے کنارے بدن کے نیچے دبا دینا۔ اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی زخمی مردہ پڑا ہوا ہو۔"

"سن لیا تم نے؟" میں نے رومال اول خان کو تھماتے ہوئے کہا۔

"سردار رجب علی کو میرا سلام بولنا۔" اس افسر نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کھیسیں پھیلا کر کہا "میرا نام سب انسپکٹر غلام قادر ہے۔ سردار مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔"

میں نے انجن اسٹارٹ کر کے لوفرانہ انداز میں تیز رفتاری سے جیپ آگے بڑھا دی۔ میرا اندازہ تھا کہ غلام قادر کے ساتھ اس کے سپاہی بھی ٹائروں کی اڑائی ہوئی دھول میں اٹ گئے ہوں

ے۔ اس جھٹکے سے اوّل خان لڑکھڑا کر پیچھے رام دیال کی لاش پر
جا گرا۔ مجھے برا بھلا کہتا ہوا دوبارہ اپنی نشست پر آیا تو اس کی
کھوپڑی گھومی ہوئی تھی۔

"غضب خدا کا!" وہ تحیرزدہ آواز میں کہہ رہا تھا "جس
گدھے کو اکڑی ہوئی لاش اور ایک زندہ مریض میں تمیز نہیں'
اسے سب انسپکٹر کس نے بنا دیا؟"

"وہ اندھا نہیں تھا اس نے لاش پہچان لی تھی۔ لاش پہچان
کر ہی اس نے ہمیں اس پر کپڑا ڈالنے کا مشورہ دیا تھا وہ سردار کا
ٹاؤٹ ہے اور شاید اس کا باقاعدہ تنخواہ دار بھی۔"

"پھر اس نے سیلوٹ دینے کے بعد ہمیں کیوں روکا تھا؟"

"ہم اس کے لئے اجنبی تھے۔ ہماری جگہ پرانے آدمی
ہوتے تو وہ روکنے کی جرات ہی نہ کرتا۔"

"اور سردار کا پولیس سے دم نکلا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ
اس کے آدمیوں کے وارنٹ نکلے ہوئے ہیں۔ وہ بستی کی طرف
گئے تو پولیس ان کو گرفتار کر لے گی۔"

"سردار غلام قادر جیسے بے ضمیر لوگوں کو خرید سکتا ہے۔
پولیس کے محکمے میں کثرت ایماندار ملازمین کی ہے۔"

"غلام قادر کیا' اس کے سپاہی بھی سردار رجب علی کے
آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ اس گھناؤنے کھیل میں شامل نہیں
ہیں تم نے دیکھا نہیں کہ غلام قادر نے رومال لیتے ہی ان کو کس
طرح ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔ اس نے اُن میں سے کسی کو جیپ کے
پچھلے حصے کے قریب نہیں پھٹکنے دیا۔"

"لیکن اس کے ساتھ کھڑے ہوئے سپاہی نے جیپ پہچان
کر ہمیں سیلوٹ کیا تھا۔"

"ہاتھی کے پیر میں سب کا پیر ہوتا ہے۔ وہ ایک ماتحت کی
مجبوری تھی۔ وہ تو شاید جیپ ویپ بھی نہ پہچانتا ہو۔ اس نے
دیکھا کہ اس کا افسر کسی کو سلام کر رہا ہے تو اس نے مشینی انداز
میں سیلوٹ دے مارا۔"

"ایسے بے ایمان اور راشی لوگوں کی کھال کھینچ کر اس میں
بُھس بھر دینا چاہئے۔" وہ غصے میں دانت کچکچا کر بولا "لیکن
تمہیں یہ کیا سوجھی تھی کہ چھوٹتے ہی سردار رجب علی کا نام لے
بیٹھے۔ اگر غلام قادر اس کا آدمی نہ ہوتا تو تم کیا کرتے؟"

"پھر بھی اپنی کہانی پر قائم رہتا بس ذرا وضاحتیں کرنی پڑ
جاتیں۔"

"کیسی وضاحتیں؟" ذہن صاف نہ ہونے کی وجہ سے اس
نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

"یہی کہ سردار نے ہمیں اغوا کرایا اور اب لاش ہمارے
پلّے باندھ کر ہمیں جنگل سے نکال دیا ہے۔"

"کیوں نہ ہم جیپ کچے میں لے جا کر رام دیال کی لاش
پھینک دیں اور جیپ گھما کر کراچی کی طرف چل دیں؟ اس
مصیبت سے جان چھوٹ جائے گی اور ہم بے خوف و خطر ہو کر سفر
کر سکیں گے۔" چند منٹ کے طویل سکوت کے بعد اول خان کی
کھوپڑی نے ایک نیا گل کھلایا۔

"رام دیال کے قتل کا الزام ہم پر کسی طرح نہیں آسکتا۔
تمہاری پوزیشن بھی اس معاملے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔
میں فی الحال رجب علی کو اپنی طرف سے کسی شبے میں مبتلا ہونے کا
موقع دیئے بغیر اس کام کو اس کی مرضی کے مطابق نمٹانا چاہتا
ہوں اگر رام دیال کی لاش کسی ویرانے میں پڑی ہوئی ملی تو رجب
علی مشتعل ہو کر اپنے سارے وسائل ہماری تلاش اور سرکوبی کی
مہم میں جھونک دے گا جس کے لئے میں بالکل تیار نہیں ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرے اندازے درست ہیں" وہ
غصیلی آواز میں بولا "تم پھر رجب علی کے پاس جانے کا ارادہ رکھتے
ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہاں تمہارے لئے کیا رکھا ہوا
ہے؟"

"ضروری نہیں کہ میں جنگلات میں جاؤں۔ وہ خود بھی
میرے پاس آسکتا ہے۔ اس کے ساتھ خیرسگالی کی یہ فضا کسی بھی
وقت ہمارے کام آسکتی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارا ذہن پڑھنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں ہے۔" وہ
اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "پتا نہیں تم ہر وقت کن سازشوں کا
تانا بانا بُنتے رہتے ہو۔ رجب علی ڈاکو ہے اور ہم شریف لوگ'
ہمارا اور اس کا کیا واسطہ ہو سکتا ہے؟"

"سنبھلو! پھر ایک گاڑی آرہی ہے۔" میں نے اگلے موڑ پر
مخالف سمت سے نمودار ہونے والی گاڑی پر گردش کرتی ہوئی نیلی
روشنی دیکھ کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے آج اس سڑک پر پولیس نے
گشت بڑھایا ہوا ہے۔"

"ڈکیتیوں اور لوٹ مار کی وارداتوں میں پھر بھی کوئی کمی نظر
نہیں آتی۔" اول خان بڑبڑایا۔

گردش کرتی ہوئی روشنی والی کار تیزی سے بڑھی چلی آرہی
تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی مخالف سمت میں سفر کر رہے تھے
اس لئے ٹرکوں وغیرہ کو اوورٹیک کرتی ہوئی وہ گشتی وین تیزی کے
ساتھ ہمارے مقابل آئی اور ایک زناٹے کے ساتھ آگے نکلتی
چلی گئی۔

"یہ بھی آنکھیں بند کر کے نکل گئے۔" اوّل خان کی آواز
سے دردمندی جھلک رہی تھی۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ پورا
علاقہ رجب علی کے سرپرستوں اور حامیوں سے بھرا ہوا ہے۔ میں
نے سوچا تھا کہ اس بار میں پولیس والوں سے بات کروں گا۔"

"ایسا نہیں ہے۔" میں نے عقب نما آئینے میں پولیس وین
کی بریک لائٹس روشن ہوتی دیکھ کر کہا۔ "وہ رک رہے ہیں۔
ہو سکتا ہے کہ گاڑی گھما کر ہمارا پیچھا کرنے کا فیصلہ کر لیں۔۔۔

آجائیں تو اس بار تم بھی اپنے دل کی بھڑاس نکال لینا۔"

کچھ دیر تک وہ وین ایک جگہ رکی رہی پھر فضا میں پولیس سائرن کا شور گونجنے لگا۔ اول خان مڑ کر پیچھے دیکھ رہا تھا۔ عقب نما آئینے میں وہ وین یوٹرن لیتی ہوئی نظر آئی پھر سائرن کی دل اڑا دینے والی آواز اور گھومتی ہوئی نیلی روشنی تیزی کے ساتھ ہم سے قریب ہونے لگی۔ اس وقت اتفاق سے دونوں کے درمیان کوئی گاڑی نہیں تھی اس لئے پولیس وین کا ڈرائیور بار بار ہمیں ڈپر بھی دے رہا تھا جو واضح طور پر ہمارے لئے رک جانے کا اشارہ تھا۔

"جیپ روک لو' وہ ہمیں ڈپر دے رہے ہیں۔" اول خان کی آواز جوش یا خوف سے لرز رہی تھی۔

میں نے بریک لگا کر رفتار سست کرتے ہوئے جیپ کو سڑک سے اتار کر کچھ دور کچے میں روک لیا۔ پولیس وین سائرن بجاتی ہوئی بہت تیز رفتاری سے آرہی تھی۔ انجن بند کر کے ہم دونوں جیپ سے نیچے آگئے۔

"اپنے ہاتھ جیبوں سے باہر رکھو' انہیں کسی ہتھیار کی موجودگی کا شبہ ہوگیا تو وہ بے دریغ فائر کردیں گے۔" میں نے اول خان کو ٹوکا اور اس نے فوراً اپنے ہاتھ جیبوں سے باہر نکال لئے۔

پولیس وین جیپ کے پیچھے آکر رک گئی۔ سائرن بند کردیا گیا' نیلی روشنی گھومتی رہی۔ اگلی بتیاں بھی روشن تھیں' چند ثانیوں تک وہی صورتِ حال برقرار رہی۔ شاید پولیس والے اپنی گاڑی کی اگلی بتیوں کی روشنی میں ہمارا جائزہ لے کر کوئی ابتدائی رائے قائم کرنے کی کوشش کررہے تھے جو مجھے کوئی نیک فال معلوم نہیں ہورہی تھی۔

آخر دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز اور متعدد وزنی جوتوں کی دھمک کے ساتھ روشنی کی اس تیز چادر کے عقب میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں سے باوردی مسلح افراد کا ایک مختصر سا جلوس برآمد ہوا جس کی سربراہی ایک نوجوان افسر کررہا تھا۔ شولڈر فلیپس پر لگے ہوئے تین پھولوں کے بوجھ سے اس کے شانے آگے جھکے پڑ رہے تھے۔ وہ متکبرانہ انداز میں چھڑی ہلاتا ہوا ہماری طرف آرہا تھا۔

اس نے آتے ہی ہمیں سلام کیا اور تحکمانہ لہجے میں بولا۔

"تھوڑی دیر جیپ سے دور بے حس و حرکت کھڑے رہو" پھر اپنے سپاہیوں کی طرف مڑے بغیر بولا "جیپ کی اچھی طرح تلاشی لو۔ بونٹ اٹھا کر انجن اور نیچے لیٹ کر چیسز بھی دیکھ لینا۔"

پہلے ہی سپاہی نے عقبی پائیدان پر سرچ لائٹ کی روشنی ڈالی' رومال کھینچا اور اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "لاش!"

سب لوگ تجسس اور سنسنی کے عالم میں جیپ کے عقبی حصے پر جھپٹ گئے۔

اول خان دونوں ہاتھوں کو مسلتے ہوا' ہموار قدموں سے ان کی طرف بڑھا اور شائستہ لہجے میں بولا "انسپکٹر! میں اسپیشل ٹاسک فورس کا ......" اس کا فقرہ ادھورا رہ گیا۔ انسپکٹر نے پوری قوت کے ساتھ اپنی بید اس کی گردن پر رسید کی اور وہ درد سے بلبلاتا ہوا وہیں دہرا ہوگیا۔

انسپکٹر کی چمکتی ہوئی تحقیر آمیز نگاہیں اس پر مرکوز تھیں۔ وہ غلام قادر سے بہت مختلف نظر آرہا تھا۔

غلام قادر بھی ایک باوردی پولیس والا تھا لیکن وہ سردار رجب علی کا اتنا پکا نمک خوار تھا کہ دیدہ و دانستہ ایک لاش کو شناخت کرنے سے منکر ہوگیا تھا۔ اس نے لاش کا ویران اور بے رونق چہرہ دیکھ کر بھی اسے مریض قرار دیا تھا۔ یہی نہیں' بلکہ اس نے ہم کو یہ مشورہ بھی دے ڈالا تھا کہ ہمیں مریض کو کپڑے یا چادر وغیرہ سے ڈھانپ کر لے جانا چاہئے تاکہ اس پر ہوا وغیرہ اثر انداز نہ ہو لیکن میں اسی لمحے بھانپ گیا تھا کہ وہ ہمیں کیا سمجھانا چاہ رہا تھا۔ اس کا مقصد تھا کہ وہ ہمارا خیر خواہ تھا اس لئے لاش پہچان کر بھی ہم سے کوئی تعرض نہیں کررہا تھا لیکن کسی "بدخواہ" سے ٹکراؤ ہوجاتا تو وہ لاش دیکھتے ہی ہمارے لہو کا پیاسا ہوجاتا۔ لاش پر کپڑا پڑا ہونے کی صورت میں یہ امکان باقی رہتا تھا کہ ہم سے ٹکرانے والا کپڑا ہٹا کر مریض کو پریشان نہ کرتا اور ہم آرام سے آگے نکل جاتے۔ رام دیال کی لاش کی پردہ پوشی کے لئے غلام قادر نے اپنی سرکاری گاڑی سے کسی ماتحت کا بڑا سا رومال ہمیں دلوایا تھا لیکن اس بار ہماری راہ روکنے والا نوجوان پولیس انسپکٹر غلام قادر سے بالکل ہی الگ نظر آرہا تھا۔ نہ وہ کسی سے مرعوب تھا' نہ اس کے ماتحت ڈرنے والے نظر آرہے تھے۔ افسر کی دلیری اور فرض شناسی نے اس کے ماتحتوں میں کارکردگی کی ایسی روح پھونک دی تھی کہ پہلے ہی سپاہی نے ہماری جیپ میں لاش کی موجودگی کا اعلان کردیا تھا۔

اس نوجوان افسر کو اپنے ماتحتوں پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے فوری طور پر اس کے انکشاف کی تصدیق کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی اور اس کی بنیاد پر ہمیں مجرم تصور کرلیا۔ اس کے خدوخال کی نرماہٹ سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ پولیس والوں کی روایتی سنگدلی سے بہت دور تھا لیکن اس نے اول خان کی صفائی کی ابتداہی میں اس کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس سے ظاہر ہوگیا تھا کہ ضرورت پیش آنے پر وہ انسپکٹر' خونخوار بھیڑیا بھی بن سکتا تھا۔

اول خان پر اسپیشل ٹاسک فورس کی افسری کا خمار طاری تھا۔ وہ یہ بھولا ہوا تھا کہ ایک لاش کے ساتھ پایا جانے والا شخص پہلے مرحلے پر صرف اور صرف قاتل تصور کیا جاتا ہے اور ہمارے روایتی قانونی ڈھانچے میں فی الفور اپنے تمام بنیادی اور غیر بنیادی حقوق سے محروم ہوکر' افسرِ مجاز کے رحم و کرم پر رہ جاتا ہے۔ افسر غلام قادر جیسا ضمیر فروش ہوتو پہلے سے دئیے ہوئے بھتے اور

ام آتے ہیں یا براہِ راست سودے بازی شروع ہو جاتی
افسر دوسری قسم کا ہو تو گربہ کشتن روزِ اول کے مصداق '
حلے پر مجرم یا ملزم کے حوصلے کو خاک میں ملا...ینے کے لئے
لیکن اصولی تشدد کا آغاز کر دیتا ہے۔

اندازہ تھا کہ اول خان 'اس انسپکٹر کی ہدایت پر تھوڑی
یپ سے دور' بے حس و حرکت اور خاموش کھڑا رہتا تو
بید نہ کھاتا۔ تحقیق اور دیکھ بھال کے دوران اس کی لب
رکاری فرائض میں مداخلتِ بے جا کے مترادف تھی اس
سپکٹر کی بید کھا کر 'اپنی گردن سہلاتا ہوا' بری طرح ناچ رہا
کے برعکس میں نہایت اطمینان سے اپنی جگہ پر خاموش
تھا۔

ین جیسے نازک مقام پر 'غیر متوقع طور پر پڑنے والی بید نے
پر چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔ اس کی مدارات کر کے
نے صرف چند لمحوں کے لئے توقف کیا تھا پھر وہ جیپ کے
کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کی گھاگ نظروں نے اول
اضطراری ردِ عمل سے شاید یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ عادی
اور نہ وہاں سے بھاگنے یا جوابی کارروائی کرنے والا تھا
لی گاڑی کے ہیڈ لیمپس اور ٹارچ کی روشنی میں جیپ کے
کا معائنہ کرتے ہوئے وہ اپنی سلامتی کی طرف سے بالکل
اور بے خوف نظر آ رہا تھا۔

وہ" اچانک ہی فضا میں کسی کی تحیر زدہ آواز ابھری" یہ تو
رام دیال معلوم ہوتا ہے" وہ تبصرہ یقینی ...ر پر اسی نوجوان
تھا۔

وہ اپنی بید اپنی پنڈلی پر مارتا ہوا 'اضطراری انداز میں ہماری
پلٹا تھا" یہ لاش کس کی ہے اور تم لوگ کون ہو؟"

وہاں رکنے سے پہلے اول خان نے کہا تھا کہ اس بار وہ خود
لے گا 'اس لئے میں خاموش رہا۔

"جواب دو!" انسپکٹر غصیلے لہجے میں دہاڑا" ورنہ کھال
لوں گا۔"

اول خان خاموش تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی
ان آنکھوں میں مدد کی التجا رقصاں تھی۔ ایک بید کھا کر وہ بے
ذاکرات کرنے کے ارادے سے فی الفور تائب ہو چکا تھا۔

"ہمیں نہیں معلوم کہ یہ لاش کس کی ہے۔ ہمیں اس لاش
ے سردار رجب علی نے جنگل سے ادھر بھیجا ہے" میں نے اپنا
ذاکر کے دانستہ مبہم سا جواب دیا۔ اس تند خو اور سخت گیر
افسر سے خائف ہونے کے باوجود میں یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ
ہ سردار رجب علی کے نام کا کیا اثر ہوتا ہے۔

"رجب علی!" وہ دانت پیس کر بولا" اب اس کی موت کے
ب آ گئے ہیں۔ شاید اسے علم نہیں ہے کہ یہ علاقہ اب میری
لداری میں آ چکا ہے" پھر وہ کڑک کر بولا" تم دونوں کون ہو؟"

"ہم معصوم اور بے گناہ شہری ہیں" میں نے نرم اور مصالحانہ لہجے میں کہا" سردار رجب علی کے آدمیوں نے ہمیں اغوا کیا تھا اور اب اس نے ہمیں اس لاش اور جیپ کے ساتھ جنگل سے نکال دیا۔"

انسپکٹر کی آنکھوں میں تحیر آمیز چمک پیدا ہو گئی" تمہارا مطلب ہے کہ تم رجب علی کے ساتھی نہیں ہو؟"

"یہ حقیقت ہے 'اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"اپنے اس دعوے کی تصدیق کے لئے تم کیا ثبوت پیش کر سکتے ہو؟"

"کچھ بھی نہیں" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا پھر اچانک ہی مجھے ان ہتھیاروں کا خیال آ گیا جو رانی نے ہمارے لئے جیپ میں رکھوائے تھے لیکن میں نے اول خان کی مرضی کے خلاف پھینک دیئے تھے۔

"اس جیپ میں ہتھیار اور اسلحہ بھی تھا" میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد کہا" یہاں سے تھوڑی دور ہم کچے سے سڑک پر چڑھے تھے۔ وہ سامان اب بھی وہیں پڑا ہوا مل سکتا ہے۔ ہماری نیت خراب ہوتی تو ہم رجب علی سے ملے ہوئے مفت کے ہتھیاروں کو یوں پھینک کر نہ آتے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم رجب علی کے موجودہ ٹھکانے کے بارے میں جانتے ہو؟"

"اس حد تک کہ وہ گھنے جنگلوں سے گھرا ہوا ایک چھوٹا سا میدان ہے" میں نے جلدی سے کہا" اس نے ہمیں رات کو روانہ کیا تھا۔ جنگل میں اسی کے آدمی جیپ چلاتے رہے۔ رات کے اندھیرے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ ہم کدھر لے جائے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے جنگل سے نکلنے کے بعد تھوڑی دیر پہلے ہی جیپ ہمارے حوالے کی تھی۔"

"تمہیں معلوم تھا کہ جیپ کے پچھلے حصے میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے؟"

"معلوم تھا۔"

"پھر اسلحہ پھینکنے کے ساتھ تم نے لاش بھی کیوں نہیں پھینکی؟" اس نے پوچھا۔

"رجب علی کا حکم تھا۔ ہم لاش کہیں پھینک دیتے تو وہ ہمیں پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑتا۔ وہ اس علاقے کی بادشاہی کا دعوے دار ہے۔ تم کچھ الگ نظر آتے ہو ورنہ بہت سے پولیس والے گھنے جنگلوں میں آ کر اسے تازہ ترین خبریں پہنچاتے ہیں۔"

اس نے اضطراری طور پر اپنا دایاں بوٹ زور سے زمین پر مارا اور بولا" تم اس کے پاس آنے والے پولیس والوں کو پہچان سکتے ہو یا ان کی نشاندہی کر سکتے ہو؟"

میں نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا دیا" ہم وہاں قیدی تھے۔ ...

سے وردیاں دیکھ سکتے تھے لیکن چہرے نہیں پہچان سکتے تھے۔ وہ موٹر سائیکلوں پر آتے ہیں اور خبریں پہنچا کر واپس لوٹ جاتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے.... مجھے سب معلوم ہے" وہ تڑپ کر بولا" ایسے ہی حرامیوں اور خنزیروں کی وجہ سے کل رات وہ بچ نکلا۔ پولیس فورس ہوا میں گولیاں چلاتی رہ گئی اور وہ اپنے لشکر سمیت بچ کر نکل گیا۔ کسی نے انتظار کر کے یہ اندازہ لگانے کی زحمت نہیں کی کہ دوسری طرف سے صرف تین یا چار ہتھیار استعمال کئے جا رہے تھے۔ تجربے کار افسر کے کان ہر ہتھیار کے فائر کو الگ الگ پہچان لینے کے اہل ہوتے ہیں۔"

جذبات کی رو میں آ کر وہ مجھ سے قدرے بے تکلف ہو چلا تھا' اس لئے میں نے آہستہ سے کہا" اجازت ہو تو میں تخلیئے میں کچھ عرض کرنے کی جسارت کرنا چاہتا ہوں۔"

"گاڑی کی طرف جاؤ" اس نے ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے مسلح اور مستعد سپاہیوں کو کڑک دار آواز میں حکم دیا اور وہ سب آناً فاناً ہمیں چھوڑ کر اپنی پیٹرول کار کی ہیڈ لیمپس کے پیچھے روپوش ہو گئے۔

"کیا بات ہے؟" وہ انسپکٹر مجھ سے کہیں زیادہ مضطرب تھا۔

"تم سے سامنا ہونے سے پہلے۔ ۔ انسپکٹر غلام قادر نے ہمیں روکا تھا" میں نے دھیمے اور معنی خیز لہجے میں کہا" وہ بے چارہ اس لاش کو کوئی مریض سمجھا تھا۔"

"مجھے اس حرامی پر پہلے ہی شبہ تھا" وہ غصیلی اور پُرجوش آواز میں بولا" تم اپنے اس بیان پر قائم رہو تو میں اس کو عبرت کا نمونہ بنا سکتا ہوں۔"

"ہم خود بھی اسی مشن پر نکلے ہوئے ہیں" فضا سازگار پا کر میں نے آہستگی سے کہا" ہماری بدقسمتی سے سردار رجب علی کے آدمیوں کا داؤ چل گیا ورنہ ہم بھی ان ہی لوگوں کی بیخ کنی کے مشن پر نکلے تھے...."

"تو کیا تم بھی کسی ایجنسی کے آدمی ہو؟" اس نے میری بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔

"تم نے میرے ساتھی پر بید برسا کر زیادتی کی ہے۔ وہ تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک اعلیٰ عہدے دار ہے۔"

"واقعی؟" اُس کے اس ایک لفظ میں ایسی بے ساختہ حیرت پنہاں تھی کہ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"اس بے چارے نے اسپیشل ٹاسک فورس کا نام لیا ہی تھا کہ تم نے پوری قوت سے اس کی گردن پر بید رسید کر دی اور اسے آگے کچھ کہنے کا موقع نہیں مل سکا۔"

انسپکٹر نے اپنی اضطراری حیرت سے فوراً ہی سنبھالا لے لیا اور ٹھہری ہوئی آواز میں بولا" ابھی تم لوگوں کی حیثیت کا تعین ہونا ہے۔ تمہیں اپنے دعوے کی تصدیق کرانا ہوگی۔ لیکن حقیقت

یہ ہے کہ میں نے اسپیشل ٹاسک فورس کے الفاظ نہیں سنے تھے
مجھے اس بات پر غصہ آ گیا تھا کہ تمہارے ساتھی نے میری ہدایت
خلاف ورزی کرتے ہوئے لب کشائی کی تھی۔ مجھے اچھی طرح
معلوم ہے کہ اسپیشل ٹاسک فورس موجودہ حالات میں ملک
بہت اہم کردار ادا کر رہی ہے۔"

"اپنے دعوے کی تصدیق کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں
اوّل خان نے بھرائی ہوئی اور شکست خوردہ آواز میں کہا" کسی
بڑے مشن پر نکلتے ہوئے ہم اپنے ساتھ کوئی شناخت نہیں لیتے
ذرا سے تحمل سے کام لو تو اپنے ذرائع سے میری اصلیت کے بار
میں تصدیق کر سکتے ہو' میں اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک ذمے
افسر ہوں۔"

"خفیہ اداروں سے تعلق رکھنے والوں کی مجبوریاں قابل
ہوتی ہیں" انسپکٹر سرہلا کر بولا جیسے اسپیشل ٹاسک فورس کے بار
میں وہ خاصا کچھ جانتا ہو" فی الحال وہ ہتھیار تمہاری بے گناہی
گواہی دے سکیں گے جو تم نے سڑک پر چڑھنے سے پہلے ویرا
میں پھینک دئے تھے لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے وہ ہتھیار کیوں پھینک
دئے؟"

"ہم یہ لاش اپنی مرضی سے لاد کر نہیں لائے" میں نے سا
تکلم سنبھالتے ہوئے کہا" سردار رجب علی نے وہ ہتھیار ہمیں
حفاظت کے لئے دئے تھے۔ انہیں اپنے ساتھ رکھنے یا نہ رکھنے
کوئی شرط عائد نہیں کی تھی۔ لیکن لاش کے بارے میں اس کی
ہدایت تھی کہ ہم اسے کہیں نہ پھینکیں بلکہ اپنے ساتھ رکھیں
ہمیں اندازہ تھا کہ ہم لاش کی وجہ سے کہیں نہ کہیں ضرور پکڑ
جائیں گے۔ ایسے میں اگر ہمارے پاس سے ہتھیار بھی برآمد ہو
تو ہمارے لئے فوری طور پر اپنی بے گناہی ثابت کرنا مشکل ہو جا
ہمیں پورا یقین تھا کہ پولیس کے سارے اہلکار غلام قادر کی
بے ضمیر اور ڈاکوؤں کے پشت پناہ نہیں ہو سکتے۔"

"تمہاری باتیں صاف اور سیدھی ہیں لیکن قانون کے ا
بھی کچھ ضابطے ہوتے ہیں" وہ پُرخیال لہجے میں بولا" جب
تفتیش کے نتیجے میں تمہاری بے گناہی ثابت نہ ہو جائے تم
زیرِ حراست رہو گے۔ پہلے تمہیں اپنے پھینکے ہوئے ہتھیاروں
نشان دہی کرنی ہے۔ اس کے بعد تھانے میں تمہارا تفصیلی بیان
بند کیا جائے گا۔"

انسپکٹر نے ہماری جیپ اپنے باوردی ڈرائیور کے حوا
کر دی۔ وہ دو مسلح سپاہیوں کے ہمراہ جیپ لے کر آگے روانہ ہو
باقی چار سپاہی اوّل خان کو ساتھ لے کر عقبی حصے میں سوار ہو
انسپکٹر نے وین کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ میں رہنمائی کے
اس کے ہمراہ کیبن میں بیٹھ گیا اور وین برق رفتاری سے ا
میں روانہ ہو گئی جدھر سے ہم آئے تھے۔

"فی الحال میں غلام قادر کے معاملے کی تشہیر پسند نہیں

ر کے سکوت کے بعد انسپکٹر نے دھیمی آواز میں کہا "یہ
ے اور تمہارے درمیان رہے گا۔ غلام قادر کو گڑبڑ کی
گئی تو وہ گرفتاری سے بچنے کے لئے جنگلوں میں رُوپوش
آقاؤں کے پاس پناہ لے لے گا۔ یہ ڈاکو بہت اثر ورسوخ
ہیں۔ کسی نہ کسی طرح اس کی ضمانت قبل از گرفتاری کا
کرالیں گے۔ اپنے ایک ٹاؤٹ کو بچانے کے لئے وہ تم
اک بھی کرا سکتے ہیں۔"

اید سرکاری ملازمت کے پیچیدہ ضابطے بھی غلام قادر کی
اری میں رکاوٹ بنیں گے۔"

ں کا جرم بہت سنگین ہے' مجھے اس پر پہلے سے شبہ تھا' تم
نیتی کے عینی شاہد ہو لیکن عدالت میں اس کے جرم کو
ا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ اس کی معطلی اور گرفتاری کے
اپنے افسرانِ بالا سے اجازت لینا ہوگی۔ اس کے لئے مجھے
ار ہوگا۔"

ان ضابطوں کی بات کر رہے تھے جو بنیادی طور پر' فرائض
م دہی کے دوران نوکر شاہی کے تحفظ کے لئے بنائے گئے
نوکر شاہی کا کوئی کارندہ اپنے فرائض سے منحرف ہو کر ضمیر
ر بے ایمانی پر اتر آئے تو ان ہی ضابطوں کی آڑ لے کر
مدافعت کرسکتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عام
ح اسے گرفتار کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ بعض اوقات ایسی
گوں کو حد سے زیادہ دیدہ دلیر بھی بنا دیتی ہیں۔

اس وقت سندھ کے کس علاقے میں ہیں؟" میں نے
انسپکٹر سے پوچھا۔

ہیں یہ بھی نہیں معلوم؟" اس کی آواز میں طنز کی تلخی گھلی
۔

جب علی کے آدمی ہمیں جہاں چھوڑ گئے تھے' وہیں سے ہم
چڑھ گئے۔ ہمیں قطعی اندازہ نہیں کہ ہم کہاں ہیں۔
ں کوئی آبادی ملتی تو کچھ اندازہ ہوجاتا لیکن اس سے پہلے
ملاقات ہوگئی۔"

م کس طرف سے سڑک پر چڑھے تھے؟" اس نے میرے
ال کا جواب دیئے بغیر پوچھا۔

ائیں طرف سے۔" میں نے لمحہ بھر غور کرنے کے بعد کہا
ہوئی چکر میں پڑگیا۔

ماوقت ہم سندھ کے بالائی حصے اور پنجاب کی سمت میں سفر
ستھے۔ حیدر آباد سے سیکھاٹ پہنچنے پر بھی ہماری وہی سمت
یکھاٹ میں ہم سڑک سے داہنی طرف جنگل میں داخل
تھے۔ ادھر ہمیں کہیں کہیں ریلوے لائن بھی نظر آئی تھی
بہ یکایک مجھے یاد آیا تھا کہ سردار رجب علی کے پڑاؤ سے
اپسی سڑک کی بائیں سمت سے ہوئی تھی جدھر ریلوے لائن
ر تک وجود نہیں تھا بلکہ ریت کے ٹیلوں اور کھیتوں کے پار
گھنا جنگل تھا اور اس سے آگے دریائے سندھ کی آبی گزرگاہ تھی۔

انسپکٹر کے سوال کا جواب دیتے ہوئے میں اس امر پر حیران تھا کہ ہم سڑک کی داہنی سمت سے جنگل میں داخل ہو کر' اپنی دانست میں سڑک پار کئے بغیر یک بائیں طرف کیسے پہنچ گئے تھے؟

سردار رجب علی اور اس کے گروہ کے ساتھ قیام اور سفر کے دوران ہم پوری طرح آزاد رہے تھے اور ہم اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ سردار سے ملاقات کے بعد ہم نے سڑک عبور نہیں کی تھی۔ وہ واقعہ لامحالہ اسی وقت ظہور پذیر ہوا تھا جب سیکھاٹ کے قلندر کی واپسی کے بعد سردار رجب علی کے دو آدمی ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ہمیں سردار کی طرف لے کر روانہ ہوئے تھے۔

وہ لوگ اپنے ٹھکانوں کے بارے میں ضرورت سے زیادہ حسّاس نظر آتے تھے۔ ایک طرف ہمیں بے خبر رکھ کر قومی شاہراہ کے پار منتقل کیا گیا اور دوسری مرتبہ خیرو نے بھی ہمیں چکمہ دینے کی کوشش کی تھی۔ اس نے میرے استفسار پر واضح طور پر بتایا تھا کہ ہم لوگ قاضی احمد اور نواب شاہ کے درمیان سڑک پر نکلیں گے جب کہ نواب شاہ قومی شاہراہ سے داہنی طرف خاصی دور واقع تھا البتہ قاضی احمد شاہراہ پر پڑتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ خیرو ہمیں یہ فریب دینا چاہ رہا تھا کہ ہم خود کو سڑک کی داہنی جانب ہی تصور کرتے رہیں اور بھول کر بھی بائیں طرف کے جنگلات کا خیال دل میں نہ لائیں۔

"ان کے بیشتر ٹھکانے بائیں طرف کے گھنے جنگلات ہی میں ہیں۔" انسپکٹر کہہ رہا تھا۔ "وہ تمہیں گھنٹوں جنگلات میں بھٹکانے کے بعد باہر لائے ہوں گے۔ ان کا بچاؤ اسی میں ہے کہ وہ نہ صرف اپنے ٹھکانوں کی رازداری کا پورا خیال رکھتے ہیں بلکہ تیزی کے ساتھ ٹھکانے بدلتے بھی رہتے ہیں۔"

"جس طرح کچھ پولیس والے ان کے لئے مخبری کرتے ہیں اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ پولیس ان کے کارندوں کو لالچ یا دھونس دھمکی کے ذریعے اپنے ساتھ ملا لے؟" میں نے پوچھا۔

"یہی سب سے بڑی مشکل ہے۔ ان لوگوں کے وسائل ہم سے بہت زیادہ ہیں۔ ان کے پاس ہم سے بہتر اور جدید ترین ہتھیار ہیں۔ ان کے پاس مالی وسائل کی ریل پیل ہے۔ وہ مخبروں کو مُنہ مانگے معاوضے پر خریدتے ہیں۔ انہیں کسی کی منظوری کی ضرورت ہوتی ہے' نہ آڈٹ کا خوف پھر وہ اپنے قول و فعل میں بالکل خود مختار ہوتے ہیں۔ جہاں اپنے وفادار کارکنوں کو بھاری معاوضے دیتے ہیں وہیں اپنے غدّاروں اور باغیوں کو ایسی سفاکی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارتے ہیں کہ دوسرے کارکن غداری کا خیال آتے ہی لرز اٹھتے ہیں۔ ہمارے لئے ان کے آدمیوں کو توڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن ہم اپنے ضمیر فروش ساتھیوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرسکتے۔ قانون اور ضابطے ہماری راہ روک لیتے ہیں۔

مجھے سب انسپکٹر، غلام قادر کے بارے میں بتادیا۔ مجھے خود بھی اس پر شبہ تھا لیکن میں کوتوالی جاکر اسے اسی وقت ہتھکڑیاں نہیں لگا سکتا۔ میں اسے کوئی بڑی سزا دلوانے میں کامیاب ہوگیا تو خود کو بہت خوش نصیب تصور کروں گا ورنہ ایسی شکایات عموماً تبادلے پر نمٹادی جاتی ہیں۔ کوئی سنگین معاملہ ہو تو چند ہفتوں کی معطلی یا تنزلی پر معاملہ ختم ہوجاتا ہے۔ کالی بھیڑیں عام طور پر اسی طرح ہمارے سینے پر مونگ دلتی رہتی ہیں۔"

وہ بظاہر ایک چالاک اور سخت گیر افسر تھا لیکن اس کے سینے میں ایک دردمند دل موجود تھا جو تیزی سے بگڑتے ہوئے حالات پر اندر ہی اندر سلگتا رہتا تھا۔ اس نے اپنے تجربے سے اندازہ لگالیا تھا کہ ہمارے بیانات سو فیصد نہ سہی، تو بڑی حد تک درست تھے اسی لئے وہ مجھ سے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔ وہ ایسے حساس اور نازک موضوعات تھے کہ ایک ذمے دار افسر عام لوگوں یا اپنے ساتھیوں میں، ان پر کھل کر اپنی رائے کا اظہار نہیں کرسکتا تھا۔

"یہ مجبوریاں اور رکاوٹیں اتنی واضح ہیں تو اس بارے میں قانون سازی کیوں نہیں کی جاتی؟"

"کون کرے؟" وہ تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "ہمارے سیاستداں آئینی موشگافیوں میں الجھے رہتے ہیں۔ انگریز کے بنائے ہوئے جن فرسودہ قوانین نے سب کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے، ان کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ اسمبلیوں میں جانے والے وڈیرے اور جاگیرداران قوانین کو اسی طرح نافذ رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ اس طرح ان کے مفادات کی پرورش ہوتی ہے۔ قانون کے ابہام سے فائدہ اٹھاکر وہ اپنے حریفوں اور دشمنوں کی زندگیاں اجیرن کردیتے ہیں۔ وہ کسی بھی قیمت پر اس ہتھیار کو اپنے ہاتھوں سے کھونا نہیں چاہتے۔ بدعنوان افسر شاہی بھی ان ہی لنگڑے لولے قوانین سے رزقِ حرام کشید کرتی ہے۔ ان حالات میں سدھار ہونا مشکل ہی نظر آتا ہے۔ اگر تم دونوں واقعی اسپیشل ٹاسک فورس کے آدمی ہو تو ان مجبوریوں کو خوب سمجھ سکتے ہو۔ تم ہر قانون اور ضابطے سے آزاد رہ کر اپنے فیصلے کرتے ہو اور کسی بازپرس کے بغیر انہیں نافذ بھی کرسکتے ہو۔ موجودہ صورتِ حال میں ایسے ہی خفیہ اور خود مختار ادارے بہتری کی کوئی راہ نکال سکتے ہیں ورنہ مستقبل بہت خون آشام نظر آتا ہے۔"

"ہم دونوں نہیں، بلکہ میرا ساتھی اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک ذمے دار افسر ہے۔" میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "میں فری لانسر اور اس کا دوست ہوں۔"

"فری لانسر!" اس کی آواز تحیر آمیز تھی۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم اسپیشل ٹاسک فورس کے مخبر ہو؟"

"ایسا ہی سمجھ لو!" میں اس موضوع پر بحث نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

"میرا ڈرائیور تمہاری جیپ خیرپور لے گیا ہے اور ہم وقت رانی پور سے نوشہرو فیروز کی طرف جارہے ہیں۔" چند ثا کے سکوت کے بعد وہ بولا "راستے کا خیال رکھنا۔ تمہارے ہوئے ہتھیار برآمد کرکے ہمیں بھی خیرپور واپس جانا ہے۔ کوتوالی میں باقی کارروائی پوری کی جائے گی۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم کو مزید چند کلومیٹر سفر کرنا ہے۔ وہاں دو ٹی ٹی، ایک ماؤزر اور گولیوں کے دو ڈبے پھینکے تھے۔ حافظے نے غلطی نہیں کی تو ہم جلد ہی وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"تاریکی اور ویرانے کا فائدہ اٹھاکر کسی مہم جوئی کی حماق کر بیٹھنا۔" اس نے تنبیہہ کی "میرے سپاہی بہترین نشان ہیں۔ وہ بے دریغ تمہاری پنڈلیاں چھلنی کردیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ہمیں اپنی جانیں بہت عزیز ہیں اور ہم غ بھی ہیں۔"

"میں نے احتیاطاً بتادیا۔ میرا تجربہ ہے کہ کمانڈو ہتھیا سے زیادہ اپنے زوربازو پر انحصار کرتے ہیں اور اسی زعم میں کبھار مارے بھی جاتے ہیں۔"

"تم بہت نیک اور ہمدرد افسر ہو۔" میں نے ستائش لہ کہا پھر لحہ بھر کی خاموشی کے بعد چونک کر پوچھا۔ "تم نے نظر میں ہماری جیپ میں موجود لاش کو کیسے پہچان لیا؟"

"پولیس افسر عقابی آنکھوں کا مالک ہوتا ہے۔ اس میں کوئی کمال نہیں تھا۔ پورے ڈویژن کے تھانوں میں دس دن رام دیال کی تصویریں آئی ہوئی ہیں۔ وہ رجب علی کی بیوی کا ماموں ہے۔ رجب علی نے اس کی رہائی کے لئے چالیس تاوان طلب کیا تھا۔ رام دیال سکھر کا لکھ پتی ضرور ہے لیکن اتنی حیثیت نہیں ہے کہ تاوان کے چالیس لاکھ دے کر عز زندگی گزار سکے۔ اسی لئے رجب علی نے اسے ماردیا۔"

"رجب علی یا اس کے کسی آدمی نے رام دیال پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔" میرے انکشاف پر انسپکٹر کے منہ سے چند تحیر عجیب و غریب آوازیں نکل کر رہ گئیں۔

"وہ صدمے اور دہاکے سے مرا ہے۔" میں نے اپنی بات کرتے ہوئے کہا۔

"کس بات کا صدمہ؟ رجب علی کے ڈیرے پر ایسی ک ہوگئی تھی؟"

میں نے اسے رام دیال کے اس مدفون مٹکے کا قصہ سنا میں ستر لاکھ سے زیادہ رقم موجود تھی اور مٹکے کے منہ پر باندھ کر اسے رام دیال کی چوکی کے نیچے زمین میں دبادیا گیا تھا

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے دودھ کا دودھ اور پانی ہوجائے گا۔"

"وہ اپنی حماقت کا صدمہ نہیں سہہ سکا اور دل کا دور سے چل بسا۔ دکھ اس بات کا ہے کہ رجب علی کے آدمی

مٹکے کی ساری رقم اور مزید بیس لاکھ روپے لے کر
اپنے ٹھکانے پر لوٹ آئے ہوں گے۔" میں نے حسرت
میں اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔
بہت برا ہوا۔ رجب علی نے مردے کا تاوان لیا ہے۔"
فیصلے لہجے میں بولا "مجھے پہلے ہی معلوم ہوجاتا تو میں اس کے
کو رام دیال کے گھر پر ہی گھیر لیتا۔"
میرا خیال ہے کہ اس نے اپنے آدمیوں کی بحفاظت واپسی
ہی ہمیں رام دیال کی لاش کے ساتھ روانہ کیا ہوگا۔ وہ
کی طرح چالاک ہے۔"
م دیال کی اولادیں اُسی کی طرح کنجوس مشہور ہیں۔ مجھے شبہ ہے
وں نے کوئی چون و چرا کئے بغیر اتنی بڑی رقم اجنبیوں کے
کی ہوگی۔"
رجب علی کے آدمی رام دیال کے پیغام رساں بن کر گئے
گے۔ اس کے بقول اس کی بیوی بھی مایا کے مٹکے کے وجود سے
تھی۔ انہوں نے مٹکے کی نشانیاں بتا کر اس مقام کی نشان دہی
گی تو رام دیال کے گھر والوں کو پورا یقین آگیا ہوگا کہ انہیں
یال ہی نے بھیجا ہے۔"

"دیکھا جائے گا۔" وہ سخت لہجے میں بولا "رام دیال کو اس
پر بہت گھمنڈ تھا کہ وہ پوتڑوں کا رئیس ہے۔ دولت کی وہی
اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی... تم یہ بتاؤ کہ وہ مقام اب
دور رہ گیا ہے؟"

"میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نشانیاں تلاش کر رہا ہوں۔ تم وین
رفتار ذرا کم کرلو۔"

وہ قدرے الجھا ہوا نظر آنے لگا تھا اس لئے میں نے گفتگو کا
منقطع کرکے اپنی پوری توجہ قومی شاہراہ کے بائیں جانب کے
میں مرکوز کردی جدھر ہمیں اترنا تھا۔

کھیتوں کے اختتام پر آخر کار وہ ریتیلے ٹیلے نظر آہی گئے جن
عقب میں خیرو نے ہمیں الوداع کہا تھا۔ میرے ایما پر انسپکٹر نے
کی رفتار کم کی' اس کی چھت پر گھومنے والی نیلی بتی روشن کی اور
احتیاط سے سڑک سے نیچے اتارلی۔ سامنے پھیلے ہوئے تاریک
رانے میں اترنے والی ہیڈ لیمپس کی روشن دھاریں اور گردش
کرنے والی نیلی بتی کا گھٹتا بڑھتا ہوا انعکاس عجیب پُرہول سماں پیدا
کررہا تھا۔

ریتیلے ٹیلوں پر سے دوسری طرف اترتے ہوئے انسپکٹر نے
میری نشان دہی کے بغیر' اگلی بتیوں کی تیز روشنی میں' ریت پر پڑے
ہوئے سیاہ ہتھیار دیکھ لئے اور وین کا رخ اسی طرف موڑ لیا۔ وین
کے رکتے ہی عقبی حصے سے دو مسلح سپاہی پھرتی کے ساتھ نیچے اترے'
دو سپاہی اول خان کی نگرانی کے لئے وین ہی میں موجود رہے۔
انسپکٹر اپنی نشست پر جما رہا۔ سپاہیوں نے آگے آکر وین کی روشنی
میں حیرت سے ان ہتھیاروں کا جائزہ لیا اور پھر رومالوں وغیرہ کی مدد
سے انہیں اٹھا کر انسپکٹر کی طرف لے آئے۔ انسپکٹر نے بے پروائی
سے وہ ہتھیار خالی کرکے اپنی نشست کے نیچے ڈال لئے۔ گتے کے
دونوں ڈبے ٹوٹ جانے کی وجہ سے گولیاں ریت میں بکھر گئی تھیں۔
سپاہی انہیں جمع کرنے میں مصروف ہوگئے۔

"مجھے خوشی ہے کہ تمہاری بیان کا ایک حصہ درست ثابت
ہوا۔" انسپکٹر نے سپاٹ لہجے میں کہا "دیکھنا یہ ہے کہ باقی معاملات
کس موڑ پر ختم ہوتے ہیں؟"

"ہم نے بلا کم و کاست حقائق بتائے ہیں۔ ان میں سرِ مو بھی
فرق نہیں نکلے گا۔"

گولیاں سمیٹتے ہی سپاہی وین میں واپس آگئے۔ وہاں آتے
ہوئے انسپکٹر نے راستے کی نشاندہی کے لئے مجھے اپنے ساتھ آگے
بٹھایا تھا لیکن واپسی پر بھی وہ مہربان رہا اور میں اُسی کے ساتھ بیٹھا
رہا۔

"رجب علی کے ساتھ سفر کے دوران تم نے کہیں دریا بھی
عبور کیا تھا؟" دوبارہ سڑک پر آجانے کے بعد اس نے مجھ سے
پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔

"ہم صرف اور صرف گھنے جنگل ہی میں پھرتے رہے۔ قومی
شاہراہ' ریلوے لائن یا دریا کی جھلک تک دیکھنے کی نوبت نہیں آئی
لیکن یہ بات حیرتناک ہے کہ وہ لوگ ہمیں اغوا کرکے قومی شاہراہ
سے داہنی طرف کے جنگلات میں لے گئے تھے جہاں ہماری آنکھوں
پر پٹیاں باندھ کر ہمیں کئی گھنٹے تک حالتِ سفر میں رکھا گیا۔ اس
دوران انہوں نے ہماری بے خبری میں شاید رخ بدلا تھا کیونکہ رہائی
پانے پر ہم نے خود کو سڑک کی دوسری جانب موجود پایا تھا۔"

"اغوا کئے جانے والے یرغمالیوں کے ساتھ یہ ان کے خاص
حربے ہیں۔ ان اطراف کے دریائی راستے سال بھر کارآمد رہتے
ہیں۔ ان لوگوں کو دریا کے دونوں کناروں پر مختلف گھاٹوں تک
رسائی حاصل ہوتی ہے اور وہ جب چاہتے ہیں' دور مار اسلحے کے
سائے میں چپوؤں سے چلنے والی بیڑیوں' کشتیوں اور موٹر بوٹس کے
ذریعے دریا عبور کرلیتے ہیں۔ پولیس ان تمام مقامات سے واقف
ہونے کے باوجود' اپنے کم تر درجے کے اسلحے کی وجہ سے ان کو
للکارنے یا روکنے سے قاصر رہتی ہے۔"

"رجب علی فخر سے کہتا ہے کہ جنگلوں میں اُس کا راج چلتا ہے'
باہر پولیس کی حکومت ہے اور دونوں میں سے کوئی فریق' ایک
دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا۔"

"اگر تمہارا ساتھی واقعی ایس ٹی ایف کا کوئی ذمے دار افسر
ہے اور اس کے دل میں کچھ کر گزرنے کی لگن موجود ہے تو میں اسے
ایسے نقشے فراہم کرسکتا ہوں جو میں نے بہت محنت اور عرق ریزی
کے ساتھ تیار کئے ہیں۔ ان نقشوں میں ایسے مقامات اور راستوں
کی نشاندہی کی گئی ہے جن کی ناکابندی کرکے نہ صرف ڈاکوؤں کی
رسد کے راستے کاٹے جاسکتے ہیں بلکہ ان کو باہر آکر مقابلہ کرنے پر

ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔"

"تمہاری اس محنت سے تمہارا محکمہ فائدہ کیوں نہیں اٹھاتا؟"

"ہم اپنے محدود وسائل اور اپنی صفوں میں موجود کالی بھیڑوں کی وجہ سے مار کھا جاتے ہیں۔ انہیں ہماری ہر کارروائی کا قبل از وقت علم ہو جاتا ہے اور وہ محفوظ کمین گاہوں کی طرف نکل جاتے ہیں۔"

"رینجرز ان معلومات کے سہارے ڈاکوؤں کی سرکوبی کر سکتے ہیں۔"

"انہیں ڈاکوؤں کی خلاف آپریشن میں آج تک براہ راست ملوث نہیں کیا گیا۔ انہیں قومی شاہراہ اور اس کے قرب وجوار میں امن وامان قائم رکھنے کی ذمے داریاں سونپی جاتی ہیں اس لئے ان کا دائرۂ کار قومی شاہراہ پر ہلکے یا بھاری گشت تک محدود رہتا ہے۔"

"کاش میرا ساتھی اس سلسلے میں کچھ کر سکے۔ ڈاکوؤں میں سرحد پار سے آئے ہوئے ایک سیکرٹ ایجنٹ کا بہت اثر و نفوذ ہے۔ میرا خیال ہے کہ را کے بلیک کیٹ کمانڈوز بھی ڈاکوؤں کو اکسا رہے ہیں۔"

"تم کس سیکرٹ ایجنٹ کا ذکر کر رہے ہو؟" اُس نے چونک کر سوال کیا۔

"ملا سرکار!" میں نہایت غیر محسوس طریقے پر اسے اپنے ڈھب پر لاتا ہوا بولا "سنا ہے کہ آرمی نے کوٹ مندو میں اس کے کسی خفیہ اڈے کو بے نقاب کر کے اس کی پیری مریدی کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے لیکن پھر بھی یہ ڈاکو اسے ایک صاحبِ کرامت بزرگ سمجھتے ہیں جس کی بشارتوں کے نتیجے میں انہیں اسلحے کے بڑے ذخائر ملتے رہتے ہیں۔"

"تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔" وہ مضطربانہ لہجے میں بولا "میرے اوپر والے یہ باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ کوئی ایک شخص ڈاکوؤں کی اتنی بڑی تعداد کو فعال اور متحرک کر سکتا ہے۔ اس خبیث پیر کے بارے میں میری رپورٹیں سرد خانے کی نذر ہوتی رہی ہیں۔"

"ہر بڑی شورش، کارروائی یا بغاوت کے پیچھے ہمیشہ ایک ہی دماغ کارفرما ہوتا ہے جو سازگار فضا تیار کر کے اپنے حامیوں کی بھیڑ جمع کرتا ہے۔ ملا سرکار تو ایک مدت سے اپنے منصوبے پر کام کر رہا ہے۔"

"لوگ اسے سازش اور شورش ماننے پر آمادہ نہیں ہوتے۔" وہ کرب آلود لہجے میں بولا "وہ ڈاکوؤں کی روز افزوں تعداد کو بے روزگاری، معاشی ناہمواری اور طبقاتی کشمکش کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔ جب قانون کے محافظ، حکمراں اور سیاست داں ہی ایک جرم کا جواز پیش کرنے لگیں تو مجرموں کا شیر ہونا لازمی ہے۔ سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ ایک سنگین جرم کو اس وقت جرم نہیں سمجھا قتل، اغوا اور ڈکیتی کی وارداتوں پر روایتی انداز میں انفرادی کارروائیاں ہوتی ہیں اور پھر فائلیں بند ہو جاتی ہیں۔ لوگوں کو ہوش اس وقت آئے گا جب پانی سر سے گزر چکا ہوگا۔"

"مجھے دکھ ہے کہ تم جیسا زیرک اور فرض شناس افسر بھی حالات کے شکنجے میں اس قدر بے بس ہے۔" میں نے اپنے دل کی گہرائیوں سے، دردمندانہ لہجے میں کہا "ابھی تم نوجوان اور پُرجوش ہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مسلسل بے بسی اور مجبوری تمہارے جذبوں کو بھی تھپک تھپک کر سلا دے اور تم....."

"بس!" اس نے غرّا کر مجھے خاموش کر دیا۔ "اس سے آگے ایک لفظ بھی نہ بولنا۔ مجھے اس تصور ہی سے گھن آتی ہے کہ ایک روز میں بھی غلام قادر کی راہ پر چلنے پر مجبور ہو جاؤں۔ اس سے تو بہتر ہوگا کہ میں اپنی وردی کی آبرو رکھنے کے لئے اپنے پستول سے گولیاں برساتا ہوا جنگل میں گھس جاؤں اور دو چار ڈاکوؤں یا مجرموں کو مار کر خود بھی شہید ہو جاؤں۔ اگر آدمی پر عزت سے زندہ رہنے کے سب راستے بند ہو جائیں تو عزت کی موت کو گلے لگا لینا ہمیشہ اُس کے اختیار میں ہوتا ہے۔ غلام قادر اور اس جیسے ضمیر فروشوں کے درمیان رہ کر بھی میں کبھی اپنی وردی کی حرمت پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔"

"تمہارے جذبات کی قدر کرتے ہوئے تمہارے لئے دعا ہی کر سکتا ہوں۔"

"تم میری توقع سے کہیں زیادہ معلومات رکھتے ہو۔" وہ مجھ سے مسلسل باتیں کئے جا رہا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے سینے میں کوئی طوفان پوشیدہ ہو اور وہ ایک ہم نفس مل جانے پر اپنا دل چیر کر اس کے سامنے رکھ دینے پر تل گیا ہو۔ "ڈاکوؤں کی بیخ کنی کا کام بہت بڑا ہے اور بے پناہ وسائل کا طالب بھی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم لوگ ملا سرکار کو ٹھکانے لگا کر اس گھناؤنی سازش کا دماغ ختم کر دو۔"

"سچ پوچھو تو ہم دونوں اسی مشن پر نکلے تھے کہ سردار رجب علی کے آدمیوں نے ہمیں اغوا کر لیا۔ کوٹ مندو کا حجرہ تباہ ہونے اور سرحد پار تک جانے والی سرنگ کا راز فاش ہونے کے بعد ملا سرکار لاپتا ہو گیا ہے۔"

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس سرزمین پر آج بھی محب وطن لوگ بڑی تعداد میں باقی ہیں۔ پیشہ ور مخبروں کے علاوہ دردمند معززین بھی مجھے خبریں پہنچاتے ہیں۔ مجھے علم ہے کہ ملا سرکار اکثر سکھر کے قریب واقع، سادھو بیلہ نامی دریائی جزیرے میں آتا رہتا ہے۔ وہاں ہندوؤں کا بڑا مندر ہے۔ ساری آبادی بھی ہندوؤں پر مشتمل ہے۔ ایک رات مجھے باوثوق ذریعے سے خبر ملی کہ ملا سرکار ساد ھو بیلہ میں موجود ہے۔ دریائی راستوں سے بہتیرے ڈاکو اور روپوش مجرم بھی اس سے ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے لیکن میرے اوپر والے ملا سرکار کی زہرناکیوں کو نہیں مانتے۔ انہوں نے ہندو مسلم فسادات اور منافرت کے خوف سے کوئی کارروائی نہیں کی

بری قانونی دسترس سے باہر ہے۔ پھر اپنی حدود میں بھی کوئی
رروائی کرنے سے پہلے مجھے اوپر والوں سے اجازت لینا پڑتی
اس لئے میں اپنا سر پیٹ کر رہ گیا اور ملا سرکار اپنے چیلوں کو
ہدایات دے کر سادھوبیلہ سے بحفاظت واپس لوٹ گیا لیکن
نتا ہوں کہ وہ جلد ہی دوبارہ وہاں آئے گا۔"
" مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تمہارا پورا محکمہ ہی
ار اور ڈاکوؤں کا بھی خواہ ہو۔"
"ایسا نہیں ہے۔" اس نے سختی کے ساتھ میری تردید کرتے
کہا۔ "کہیں کم فہمی آڑے آجاتی ہے۔ کہیں مقامی سیاسی
ہیں اور سفارشیں سدِ راہ بن جاتی ہیں۔ اسباب کچھ بھی
۔ان رکاوٹوں کا سارا فائدہ سماج دشمن عناصر کو پہنچتا ہے۔
رام میں ہمارا تصور دھندلاتا چلا جاتا ہے... یہ بتاؤ کہ ملا سرکار
رے میں تمہارا کیا ارادہ ہے؟"
"اس کی سرکوبی ہماری دلی آرزو ہے۔ وہ اتنا بڑا فتنہ ہے کہ
ختم کرنے کے لئے ہم سادھوبیلہ کے چپے چپے پر رکاوٹوں کا
پھیلا دیں گے۔"
"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ سادھوبیلہ میں اس کے چند
گے اسی طرح موجود ہیں جس طرح ہمارے محکمے میں ڈاکوؤں کے
لی رہے ہیں۔ وہاں کی عام ہندو آبادی 'ملا سرکار اور اس کے
م عزائم سے لاتعلق ہے۔"
- مجھے اپنے کراچی کے تجربات یاد آگئے۔ ملا سرکار شہر کی
یت ہندو آبادی کے جذبات مشتعل کرکے 'اکھنڈ بھارت مہم
نام پر ان سے بھاری چندے بٹورتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ
ھوبیلہ کے آسودہ حال لوگوں سے بھی بھاری مالی امداد لے رہا
۔ یہ اور بات تھی کہ اس کام کے لئے وہ سادھوبیلہ میں اپنے
قابل اعتماد ساتھیوں پر انحصار کرتا ہو اور عام ہندوؤں کو اس
ت کا مطلق علم نہ ہو کہ وہ کس کے لئے سرمایہ فراہم کرتے تھے
ین اس نازک مرحلے پر میں نے انسپکٹر کی رائے سے اختلاف
اہر کرنے کے بجائے خاموش ہوجانا ہی مناسب خیال کیا۔
"لیکن اس کی آمد کب تک متوقع ہے اور وہ وہاں کتنے دن قیام
کرتا ہے؟"
"کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کب وہاں آئے گا لیکن میرا تجربہ
ہے کہ جب بھی ڈاکوؤں کی کارروائیاں زور پکڑتی ہیں تو وہ کہیں نہ
کہیں دیکھا جاتا ہے۔ پچھلی بار اس نے صرف ایک رات سادھو
بیلہ میں قیام کیا تھا اور اگلی شام کو وہاں سے اپنے نامعلوم ٹھکانے
کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔"
"ہم زیادہ دن تک یہاں نہیں رک سکتے۔ اس بارے میں مجھے
اپنے ساتھی سے بھی مشورہ کرنا ہوگا۔ ضرورت پیش آنے پر تم ہم
سے کراچی میں فون پر رابطہ کرسکتے ہو۔ ہم جہاز سے فوراً سکھر پہنچ
جائیں گے۔"

"خیرپور پہنچ کر ہم اس بارے میں مزید بات کریں گے۔ جب
تک رام دیال کی لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نہیں آجاتی، تم
دونوں ضابطے کے تحت قتل کے شبے میں زیرِ حراست رہو گے۔ اس
دوران میں ہم ملا سرکار کے بارے میں کسی نہ کسی لائحہ عمل پر پہنچ
جائیں گے۔"
رام دیال کا دوبارہ ذکر آتے ہی مجھے وہ سوال یاد آگیا جس کی
وجہ سے میں مستقل ذہنی الجھن میں مبتلا تھا اور میں نے وہ سوال
انسپکٹر سے کرڈالا "ملا سرکار اپنے پیروکاروں کو احساس کرنے کا
موقع دیئے بغیر ہندوؤں کا تحفظ کرتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ اس
نے رجب علی کو رام دیال پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت دے دی؟"
"اس کا سبب میرے سامنے آچکا ہے۔" وہ ایک گہرا سانس
لے کر بولا "رام دیال حریص اور کنجوس ہونے کے ساتھ ہی بہت
زیادہ ڈرپوک بھی ہے اس لئے شہر میں اپنی زندگی اور ساکھ کے تحفظ
کے لئے وقتاً فوقتاً چند قوم پرست اور سیاسی تنظیموں کو چندے دیتا
رہتا تھا۔ اس کا یہ فعل شاید ملا سرکار کے مقاصد سے ہم آہنگ
نہیں تھا اس لئے رجب علی کو اس کے پیچھے لگا دیا گیا۔ وہ جس دن
سے اغوا ہوا تھا میں نے اس کے بارے میں شوقیہ معلومات اکٹھا
کرنا شروع کردی تھیں۔ سکھر میرا علاقہ نہیں ہے لیکن وہاں کے
بہتیرے لوگوں سے میرے گہرے روابط ہیں۔"
میں نے اسے اپنے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا لیکن دو باتیں
بہرحال اس سے پوشیدہ رکھی تھیں۔ اول یہ کہ ہمیں کسی نے
اغوا نہیں کیا تھا بلکہ ہم سردار رجب علی کے پاس ملازمت حاصل
کرنے کے منصوبے کے تحت خود ان اطراف میں پہنچے تھے اور دوم
یہ کہ رجب علی نے ہمیں رام دیال کی لاش سکھر میں اس کے گھر
پہنچانے کی ہدایت کی تھی۔ میری دانست میں وہ دونوں نکات غیر اہم
تھے۔ ان کے انکشاف سے ہماری پوزیشن قدرے متاثر ہوسکتی
تھی۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ اس کے دل میں ہم دونوں کے لیے
....جو نرم گوشہ پیدا ہوا تھا' وہ ختم ہوجاتا اور ہم پولیس کی روایتی
تفتیش کا شکار ہوکر غیر معینہ مدت کے لئے خیرپور ہی میں پھنسے رہ
جاتے۔
خیرپور جانے کے لئے پولیس وین قومی شاہراہ سے بائیں طرف
گھومی تو آسمان پر صبح کا ہلکا سا اجالا پھیل چکا تھا لیکن فضا اتنی ملگجی
تھی کہ محفوظ ڈرائیونگ کے لئے ہیڈ لیمپس جلائے رکھنا ضروری تھا۔
ہماری جیپ ہم سے پہلے کوتوالی پہنچ چکی تھی۔ رام دیال کی
لاش کی برآمدگی کی خبر نے وہاں ہلچل مچادی تھی۔ ڈیوٹی پر موجود اور
ڈیوٹی پوری کرکے وہاں آرام کرنے والا سارا عملہ نیند سے بیدار
ہوکر کوتوالی کے احاطے میں جیپ کے گرد موجود تھا۔ انسپکٹر کی آمد
کے انتظار میں کسی نے بھی رام دیال کی لاش کو نہیں چھیڑا تھا۔
جوں ہی ہماری وین کوتوالی کے احاطے میں داخل ہوئی' وہاں
سنسنی پھیل گئی۔ شاید ان لوگوں کو معلوم ہوچکا تھا کہ رام دیال کی

لاش کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے دو ملزم بھی انسپکٹر کے ساتھ آرہے تھے۔

ہمارے استقبال کے لئے عملے کے ہر مسلح فرد نے اپنے ہتھیار فائر کرنے کی پوزیشن میں تان لئے۔ وین رکتے ہی فضا ایڑیوں کی... کھٹاکھٹ سے گونج اٹھی۔ ماتحت عملے نے بہت مستعدی کے ساتھ انسپکٹر کو سیلوٹ پیش کیا تھا۔

وہاں پہنچتے ہی انسپکٹر ہم لوگوں سے لاتعلق ہو کر اپنے ماتحتوں کو رام دیال کی لاش کی تصاویر بنوا کر اسے پوسٹ مارٹم کے لئے اسپتال لے جانے کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔ محرّر اس کے حکم پر رام دیال کے اہلِ خانہ سے فون پر رابطہ کرنے چلا گیا۔ اس دوران میں ہم دونوں مجرموں کی طرح، سہمے ہوئے ایک طرف کھڑے رہے۔ کوتوالی کا عملہ ہمیں جسم میں پیوست ہو جانے والی نفرت اور حقارت آمیز نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"ان دونوں کو لاک اپ میں ڈال دو اور امیر کھوسو، تم میرے دفتر میں آؤ!" آخرکار انسپکٹر نے ہمارے بارے میں بھی فرمان جاری کردیا اور اپنے ایک ماتحت کو اپنے پیچھے آنے کا حکم دیتا ہوا برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔

"چلو بیٹا!" ایک سپاہی نے اپنی رائفل کے کندے سے ہم دونوں کو باری باری ٹہوکا دیتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا "حوالات میں چلو! اب صاحب تمہیں چھٹی کا دودھ یاد دلا دے گا۔"

اس وقت ہماری پوزیشن نہایت مخدوش تھی۔ انسپکٹر سے ہماری خاصی مفاہمت ہو چکی تھی۔ اس نے راستے میں مجھے کچھ یقین دہانیاں بھی کرا دی تھیں لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ اس نے اپنے ماتحتوں کے سامنے ہم سے سرد مہری بلکہ بے رخی کا رویّہ اپنا لیا تھا جس کی وجہ سے وہ ہمیں قتل کے عام مجرم سمجھ کر، ہمارے ساتھ ویسا ہی سلوک کر رہے تھے۔ اگر اس وقت ہم کسی بھی بات پر اشتعال میں آجاتے تو انسپکٹر کو خبر ہونے سے پہلے، اس کے ماتحت مار مار کر ہمارا بھرکس نکال سکتے تھے جس کا کوئی ازالہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

سپاہی کے توہین آمیز رویے پر اوّل خان ذرا سا ٹھٹکا تھا کہ میں اس کا بازو تھام کر اسے آگے لے گیا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"اپنی کھوپڑی پر قابو رکھو، تھوڑی دیر میں سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ وین کے پچھلے حصے میں چار سپاہیوں کے ساتھ سفر کرتا رہا تھا جب کہ میں ڈرائیونگ کیبن میں انسپکٹر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اس لئے اسے میرے اور انسپکٹر کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ذرا بھی علم نہیں تھا۔

کوتوالی کی راہداریوں میں یرقان زدہ روشنی والے اِکّا دُکّا قمقموں کی ناکافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ تین مسلح سپاہیوں کی نگرانی میں دو موڑ گھومنے کے بعد میں نے خود کو حوالات کے سلاخوں والے آہنی دروازے کے سامنے موجود پایا۔ حوالات خالی تھی اور اندر گھور اندھیرا تھا جس میں سے اٹھنے والے سیلن زدہ بھبکے دور ہی سے محسوس کئے جاسکتے تھے۔

راہداریوں کی دیوار میں نصب سوئچ آن کر کے حوالات میں روشنی کی گئی۔ ایک سپاہی نے دروازے کا قفل کھولا اور سلاخوں والا آہنی پھاٹک پُرشور آواز سے باہر کھول لیا۔

سردار رجب علی کے ٹھکانے سے باہر آنے کے بعد اوّل خان کے سر پر اسپیشل ٹاسک فورس کی افسری کا ہلکا سا خمار طاری ہو چکا تھا جسے انسپکٹر کے بید کی ضرب بھی کافور نہیں کر سکی تھی اس لئے اسے اس بلند اور مستطیل کوٹھری میں داخل ہونے میں تامّل ہوا جس کی دیواروں پر خون وغیرہ کے پرانے دھبے اس عقوبت کدے میں آنے والے مہمانوں کی مدارات کی دل گداز کہانیاں سنا رہے تھے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ان داغ دھبوں کو دھو کر مٹانے کی کوششیں کی جاتی رہی تھیں لیکن لہو کے وہ داغ جہاں پڑ گئے تھے، امر ہو گئے تھے۔

میں حوالات میں داخل ہوا تو ناچار اوّل خان کو بھی میری تقلید کرنا پڑی۔ ہم دونوں کے پیچھے وہ تینوں سپاہی بھی اندر ہی آگئے۔

میری چھٹی حس نے مجھے کسی موہوم سے خطرے سے آگاہ کیا اور میں فوراً ہی پیچھے پلٹ پڑا۔ میری اس غیر متوقع حرکت پر ان تینوں کو بھی رکنا پڑا اور میں نے ناکافی روشنی کے باوجود بھانپ لیا کہ ان تینوں کی نگاہوں میں شرارت اور شرپسندی ناچ رہی تھی۔ مجھے گمان گزرا کہ شاید وہ ہمیں مرعوب رکھنے کے لئے بغیر کچھ پوچھ گچھ کئے ہی مار دھاڑ کا ارادہ رکھتے ہیں۔

"کیا بات ہے؟ ہمارے سینوں پر کیوں چڑھے چلے آرہے ہو؟" میں نے دفاعی پوزیشن اختیار کرتے ہوئے ان سے دبنگ لہجے میں سوال کیا۔

"آواز دھیمی رکھو!" ان میں سے ایک غرّایا "اس کوتوالی میں اڑنے والے عام طور پر کندھوں پر اٹھا کر حوالات سے باہر لائے جاتے ہیں۔ بدمعاشی دکھانے کی کوشش کی تو ابھی ہاتھ پیر توڑ ڈالیں گے۔"

"حوالات کو مقفل کرو اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ تم اندر کیوں آئے ہو؟"

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات نویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو 15 جولائی 2003ء کو شائع ہوگا

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

9

قسنیم علیم

سسپنس کا تعمیری سلسلہ۔ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں

ایک نوجوان کی خود نوشت۔ اُس ... ت کے عالمی اسمگلروں کے خلاف
ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز ... ں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا
شہر شہر، ملک ملک اور ... کھیل کے لیے خاک اُڑانا اُس
نوجوان کا شغل ہو گیا مگر ... ن کے دشمن بن گئے۔ اُنھوں نے
بھی اپنی طرف سے کسو ... جو ابھی تک جاری ہے۔

"تمہاری جیبیں بھاری معلوم ہوتی ہیں۔ جامہ تلاشی لینا ہے۔" وہی شخص بولا۔

"ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے' بس تھوڑی سی رقم ہے جس سے تم کو کوئی غرض نہیں ہونا چاہئے۔"

"اسی کی تو ہمیں ضرورت ہے... سائیں۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولا اور اس کے دونوں ساتھی بے ساختہ' زور زور سے ہنسنے لگے۔

"لیکن انسپکٹر نے ہماری تلاشی لینے کا کوئی حکم نہیں دیا۔ تم ہم سے دور رہو۔"

"جج پھانسی لگانے کا حکم دیتا ہے۔ یہ نہیں کہتا کہ سولی گھاٹ کے کپڑے پہنا کر گلے میں پھندا ڈالا جائے پھر چہرے پر کالی ٹوپی چڑھا کر تختہ گرایا جائے۔ یہ کام تو خود سے کرنا پڑتا ہے۔"

وہ تینوں الجھنے پر آمادہ تھے اس لئے میں نے بحث کو بڑھانا مناسب نہ سمجھا اور اپنی جیبوں میں موجود کئی ہزار کی رقم نکال کر ان کی طرف بڑھادی۔ "گن کر اس کی رسید دے دینا۔"

"اب یہ سرکار کا مال ہے اور ہم تینوں سرکاری آدمی ہیں۔" وہ بسیار گو ہونے کے ساتھ ہی ستم ظریف بھی تھا۔ "رسید لینے سے پہلے تمہیں یہ بتانا ہوگا کہ تمہارے پاس یہ رقم کہاں سے آئی ہے؟"

مجھے مجبوراً خاموش ہو جانا پڑا۔ وہ لوگ واضح طور پر رقم ہضم کرنے کے چکر میں تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ ایک فرض شناس اور بظاہر ایماندار افسر کی ناک کے نیچے بھی ایسی دھاندلیاں ہو سکتی ہیں۔

"اے لمبا سائیں!" دوسرے سپاہی نے تحقیر آمیز انداز میں اوّل خان کو للکارا۔ "تم بھی شرافت سے اپنی جیبیں خالی کردو ورنہ ابھی موچڑا کھاؤ گے۔"

"ان سے تو خاصا مال ملا ہے" اول خان کی تنخواہ اور اخراجات کی رقم لے کر وہ خوش ہو گئے۔

"بیان میں اس تلاشی کا ذکر کیا تو یہ یاد رکھنا کہ تمہیں دوبارہ اسی حوالات میں ہمارے پاس آنا ہے" ایک سپاہی اپنی رائفل کی نال میرے نرخرے سے لگا کر دھمکی آمیز سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "مال تو چلا ہی گیا۔ ہاتھ پیر کی کوئی ہڈی بے طرح ٹوٹ گئی تو عمر بھر کے لئے معذور ہو جاؤ گے۔"

وہ کھلی بلیک میلنگ تھی۔ اگر ہم تشدد کے خوف سے اپنی زبانیں بند رکھتے تو انسپکٹر کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے ماتحت حوالاتیوں سے کیسی زیادتیاں کرتے ہیں۔ وہ اسی خوش فہمی میں مبتلا رہتا کہ اس کا عملہ بھی اُسی کی طرح ایماندار اور فرض شناس ہے۔

انہوں نے جلدی جلدی وہ ساری رقم اپنی جیبوں میں منتقل کی اور حوالات کو مقفل کر کے باہر نکل گئے۔ دروازے سے چند قدم دور جا کر ان کی آہٹیں معدوم ہو گئیں اور فضا میں سرگوشیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ شاید وہ ایک دوسرے سے الگ ہونے سے پہلے رقم کا ایماندارانہ بٹوارا کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد ان تینوں میں سے ایک سپاہی آکر، حوالات کے دروازے کے سامنے، راہداری میں پڑی ہوئی چوبی بنچ پر جم کر بیٹھ گیا۔ مالِ غنیمت میں ہاتھ لگنے والی رقم کے حصۂ رسدی نے اسے خاصا چاق و چوبند کر دیا تھا۔

کراچی سے اندرونِ سندھ کا ہمارا وہ سفر اس لحاظ سے بہت معلومات افزا ثابت ہوا تھا کہ ہم نے چند ہی روز میں ڈاکوؤں کے واردات کرنے کے طریقوں سے لے کر پولیس والوں کی گھاتوں تک بہت کچھ جان لیا تھا۔ غلام قادر جیسے افسر سے مل لئے تھے جو اپنے آقا کی خوشنودی کے لئے دن کو رات اور رات کو دن قرار دینے پر آمادہ و تیار رہتا تھا۔ دوسری طرف خیرپور کوتوالی کا انسپکٹر ہمارے سامنے تھا جو کسی لالچ و طمع کے بغیر صرف اپنے فرائض کی انجام دہی میں منہمک رہتا تھا۔

حوالات اور اس سے ملحقہ راہداری میں، کسی بھی طرف سے دن کی روشنی کا براہِ راست گزر نہیں تھا۔ وہاں ہر وقت بلب کی زرد روشنی کا ہی راج رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے دن اور رات میں تمیز کرنا دشوار تھا۔ اس حوالات کے پختہ فرش پر تین بہت میلے اور بدبودار کمبل پڑے ہوئے تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ کمرا تین قیدیوں کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

پہلے ہمارا خیال تھا کہ ہمیں انسپکٹر جلد ہی حوالات سے نجات دلا دے گا لیکن جب وقت دھیرے دھیرے گزرتا ہی رہا اور صورتِ حال میں تبدیلی رونما ہونے کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو ہم پر رات بھر کے، جوڑ جوڑ کو ہلا دینے والے سفر کی تکان غالب آنے لگی اور ہم نے کھردرے فرش پر ناچار دو کمبل بچھا لئے اور تیسرے کمبل کو لپیٹ کر مشترکہ سرہانے کے طور پر رکھ لیا۔

اس مرحلے سے پیشتر ہی میں اول خان کو اپنی اور انسپکٹر کی گفتگو کا خلاصہ سنا چکا تھا۔ وہ سب بہت حوصلہ افزا اور سنسنی خیز تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ انسپکٹر نے ملا سرکار کو گھیرنے کے لئے سادھو بیلہ کے دریائی جزیرے کا تعین بھی کر لیا تھا لیکن اول خان کو شکوہ یہ تھا کہ کوتوالی پہنچنے کے بعد انسپکٹر نے ہم سے کسی بھی خیرسگالی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا بلکہ بالکل ہی بے اعتنائی برت رہا تھا اور ہم اس کے ماتحتوں کے رحم و کرم پر رہ گئے تھے۔

اول خان بقول خود نیم عسکری آدمی تھا جو سنگریزوں پر بھی آرام سے سو سکتا تھا۔ وہ پچھلی دوپہر کافی دیر تک سو چکا تھا لیکن حوالات میں دراز ہوتے ہی نیند نے پھر اسے آلیا۔ اسے سوتا ہوا دیکھ کر مجھ پر بھی غنودگی طاری ہونے لگی اور آہستہ آہستہ میں خود بھی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

اچانک یوں محسوس ہوا جیسے پختہ سڑک پر کوئی گھوڑا بدک کر سرپٹ بھاگ نکلا ہو۔ پھر زبردست آہنی جھنکار کے ساتھ کسی قلعے کی فصیل کا دیوہیکل، فولادی پھاٹک کھلنے کا شور بلند ہوا۔

وہ سب اس قدر بلند آہنگ اور پُرشور تھا کہ میں اپنی نیند کا تسلسل برقرار رکھنے پر قادر نہ رہ سکا اور ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ ابتدا میں خمار کی دھندلاہٹ کی وجہ سے مجھے کچھ نظر نہیں آسکا لیکن میرے کانوں میں جو آوازیں آئیں، ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرا کوئی ڈراؤنا خواب نہیں تھا بلکہ اس حوالات میں واقعی غیر معمولی کارروائی ہو رہی تھی۔

صورتِ حال کے اس سنگین ادراک پر میرے غنودہ اعصاب کا ردِعمل بہت شدید ثابت ہوا۔ میں بھڑک کر اپنے میلے اور بدبودار کمبل سے اٹھا اور اپنی دانست میں کسی دیوپیکر حریف کے وحشیانہ حملے سے اپنا بچاؤ کرنے کے لئے تیار ہو گیا جو اس وقت تک مجھے کہیں نظر نہیں آسکا تھا۔

"صاحب آرہا ہے!" میرے کانوں میں چڑھتے ہوئے سانسوں کے ساتھ ایک آواز آئی۔ اس کا مخرج میرے چہرے کے قریب ہی کہیں موجود تھا کیونکہ میں نے بولنے والے کے سانسوں کے بھبکے اپنے چہرے پر محسوس کئے تھے۔

ایک پل کے ہزارویں حصے میں میرے سارے حواس یک بیک بحال ہو گئے۔ اسی کے ساتھ مجھے تین شناسا سپاہیوں میں سے ایک اپنے نزدیک نظر آیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا جیسے وہ کہیں دور سے دوڑتا ہوا آیا ہو۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، آنکھوں میں وحشت تھی اور اس کے خشک ہونٹ یوں کپکپا رہے تھے جیسے وہ مجھ سے بہت کچھ کہنا چاہ رہا ہو لیکن اس کی قوتِ گویائی اس کا ساتھ نہ دے رہی ہو۔

"صاحب آرہا ہے تو میں کیا کروں؟" اپنے جبلّی مدافعانہ جذبوں کے تحت میں نے اس غیر ارادی وقفے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، جارحانہ لہجے میں سوال کیا۔

"ہم سمجھے تھے کہ تم کوئی عام ملزم ہو۔ ہمیں ذرا سا بھی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ تم صاحب کے دوست یا جاننے والے ہو، کسی اتفاق کی وجہ سے حوالات میں آگئے ہو۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔ اس وقت تک صورتِ حال میرے پلے نہیں پڑ سکی تھی اور میں سپاہی کی طرف سے بری طرح بدکا ہوا تھا۔

"ہمیں معافی دے دو!" وہ یک بیک، گڑگڑاتا ہوا میرے قدموں میں گر گیا۔ "صاحب سے ہماری شکایت نہ کرنا۔ ہم تمہارا ایک ایک پیسہ لوٹا دیں گے۔"

میں نے اپنے پیر چھڑانے چاہے لیکن وہ کسی جونک کی طرح میری پنڈلیوں سے لپٹ گیا تھا اور اپنی پسینے میں ڈوبی ہوئی پیشانی میرے پیروں سے رگڑے جا رہا تھا۔

"یہ پیسے اب اپنے صاحب ہی کو دینا۔" میں نے بے رخی سے کہا۔ "میرے پیر چھوڑ دو ورنہ ٹھوکر مار کر ابھی تمہاری کھوپڑی پھوڑ دوں گا۔ میں تم جیسے گھٹیا لوگوں کے منہ لگنا پسند نہیں کرتا۔"

"ٹھوکریں مار لو، لیکن خدا کے لئے ہماری شکایت نہ کرنا۔ آج

پہلی تاریخ ہے۔ تم سے چھینی ہوئی رقم کے ساتھ ہم اپنی پوری تنخواہیں بھی تمہیں دینے کو تیار ہیں۔ صاحب کو پتا چل گیا تو وہ ہمیں کچا چبا جائے گا۔"

"پرے ہٹو!" میں نے اسے دھتکارا۔ "ایسی حرکتیں کیوں کرتے ہو کہ بعد میں ذلیل ہونا پڑے؟"

اس دوران میں شور شرابے سے اوّل خان کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ایک باوردی سپاہی کو میری پنڈلیوں سے لپٹے دیکھا تو نہ جانے کیا سمجھا کہ زقند لگا کر اس پر ٹوٹ پڑا اور پیچھے سے اس کا کالر تھام کر' اسے کسی بے ضرر کیچوے کی طرح مجھ سے کافی دور' پختہ فرش پر اچھال دیا۔

"یہ تمہیں گرانے کی کوشش کیوں کر رہا تھا؟" اول خان نے نیند میں ڈوبی ہوئی' سرخ آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"پیر پکڑ کر رقم چھیننے والی حرکت پر معافی مانگ رہا تھا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"اوہ!" اس نے مایوسانہ انداز میں کہا جیسے میرے انکشاف پر اسے شدید مایوسی ہوئی ہو۔ وہ پلٹا اور بے فکری کے ساتھ دوبارہ شکن آلود کمبل پر دراز ہو گیا۔

اسی لمحے راہداری میں کئی افراد کے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی جو بتدریج قریب آتی جا رہی تھی۔

فرش پر پڑے ہوئے سپاہی نے اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا لیکن وہ اپنی کوشش میں فی الفور کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کے چہرے پر ابھرنے والی کرب و اذیت کی علامات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اول خان کی گوریلا کارروائی نے اس کی پشت کے کسی حصے پر شدید ضرب پہنچائی تھی جس پر غالب آنا آسان نہیں تھا۔

"شش... شاید صاحب آ رہا ہے۔ خدا کے لئے ہمارے بال بچوں پر رحم کرو!" سپاہی اپنی جگہ پر پڑے پڑے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر خوشامدانہ لہجے میں گھگھیایا۔

کراچی میں میری خطیر رقم زرِ مبادلہ کی صورت میں جہانگیر کی بیوی' سلمٰی کی تجوری میں محفوظ تھی اس لئے مجھے پیسوں کی کوئی فکر نہیں تھی لیکن اس وقت اپنی گرفت میں آئے ہوئے ایک سرکاری اہل کار کو اس کی بدنیتی اور بدخوئی پر سبق دینا ضروری تھا۔ وہ دوسروں کی داد و فریاد پر دھیان دیئے بغیر اپنی وحشیانہ من مانی کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا اس لئے میں نے اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر بے رحمانہ لہجے میں کہا "ہمیں دگنی رقم چاہئے!"

"دے دوں گا۔ جو تم کہو گے' دے دوں گا لیکن وعدہ کرو کہ تم صاحب سے شکایت نہیں کرو گے۔" وہ تقریباً بلبلاتا ہوا بولا کیونکہ اس وقت تک قدموں کی آہٹیں بہت قریب آ چکی تھیں۔

"انسان کے بچے ہو تو اب کسی سے زیادتی نہ کرنا' زمین سے اٹھو!"

اس نے اٹھنا چاہا لیکن پھر کراہ کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

اچانک انسپکٹر حوالات کے کھلے ہوئے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ اس کے پیچھے کوتوالی کے اہل کاروں کا جلوس موجود تھا جس میں ہم سے رقم چھیننے والے بقیہ دو سپاہی بھی شامل تھے۔

"یہ سب کیا ہے؟" انسپکٹر نے حوالات کے کھلے ہوئے دروازے اور اندر فرش پر پڑے ہوئے سپاہی کو دیکھتے ہوئے حیرت سے سوال کیا "میری اجازت کے بغیر حوالات کا تالا کس نے کھولا اور تم اندر کیا کر رہے ہو؟" اپنے سپاہی سے باز پرس کرتے ہوئے اس نے مجھے بھی اشتباہ آمیز نظروں سے گھورا تھا۔

میں اس صورتِ حال کو ٹالنے کے لئے چھت کی طرف دیکھنے لگا اور فرش پر پڑے ہوئے سپاہی کو اپنے افسر کے سوال کا جواب دینا پڑ گیا۔ "سائیں تالا میں نے کھولا تھا۔"

"مگر کیوں؟" انسپکٹر آنکھیں نکال کر غرّایا۔ "کیا ضرورت تھی اس کی؟"

"سائیں! مجھے شبہ ہوا تھا کہ حوالاتیوں کے پاس کوئی اوزار ہے جسے انہوں نے فالتو کمبل میں لپیٹ کر چھپایا ہوا ہے۔" سپاہی نے فی البدیہہ ایک مضبوط عذر تراش لیا۔ "یہ دونوں سوئے پڑے تھے اس لئے میں خاموشی کے ساتھ تالا کھول کر حوالات میں داخل ہو گیا۔"

"زمین پر کیوں پڑے ہو؟ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر بات

"سائیں! کمر میں چوٹ آ گئی ہے..." سپاہی نے مسکین لہجے میں کہنا چاہا مگر انسپکٹر نے غصیلے لہجے میں اس کی بات کاٹ کر گرجنا شروع کر دیا۔

"کیسے چوٹ آئی؟ کس نے پھینکا ہے تمہیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ یہاں کیا کرتے پھرتے ہو۔ تم نے کوتوالی کا ڈسپلن تباہ کر کے اسے بھنگڑ خانہ بنایا ہوا ہے۔"

"میں حوالاتیوں کو ہوشیار ہونے کا موقع دیئے بغیر پنجوں کے بل چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ پنجہ مڑ جانے کی وجہ سے پھسل کر زمین پر گر گیا۔ مجھے کسی نے نہیں پھینکا۔" اس نے مسمسی آواز میں کہا۔

"اسے اٹھاؤ اور لے جاؤ یہاں سے۔" انسپکٹر نے مڑے بغیر غصے میں کہا۔

"فالتو کمبل میں کیا چھپایا ہے تم نے؟" انسپکٹر نے چند قدم آگے بڑھ کر مجھ سے خشک لہجے میں پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ اسے لپیٹ کر تکیہ بنایا ہوا ہے۔ ہم رات بھر کے..."

"بس!" انسپکٹر نے غرّاتے ہوئے میری بات کاٹ دی "تقریر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری طرح میں بھی رات بھر کا جاگا ہوا ہوں۔ اور صرف اس لئے آرام نہیں کیا کہ کہیں تم بے گناہ نہ

پکڑے گئے ہو۔"

میری جیبیں خالی کرانے والے دو سپاہی اپنے کراہتے ہوئے ساتھی کو اٹھا کر حوالات سے لے جا رہے تھے۔ انسپکٹر نے مڑ کر ناگواری کے ساتھ ان کو دیکھا اور اپنی بات جاری رکھتا ہوا بولا۔ "اپنے ساتھی کو اٹھاؤ۔ مجھے اس سے اپنے دفتر میں کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔ یہ تو بالکل ہی بے سدھ پڑا ہوا ہے۔"

"ہمارا کیا فیصلہ ہونے والا ہے؟" میں نے اول خان کو جگانے سے پہلے پوچھا۔

"پوسٹ مارٹم کی ابتدائی رپورٹ کے مطابق رام دیال دل کا شدید دورہ پڑنے سے مرا ہے۔" انسپکٹر کا لہجہ خلافِ توقع نرم ہو گیا۔ "لیکن مجھے دیکھنا ہو گا کہ تمہاری کہانی میں کتنی صداقت ہے۔ اپنے ساتھی کو بیدار کرو اور اپنے ساتھ لے کر میرے دفتر میں آؤ۔ میں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کر سکتا۔"

وہ جس طرح آیا تھا، اسی طرح شانِ بے نیازی کے ساتھ واپس چلا گیا۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ دن کے دو بجا رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ ہم دونوں بہت دیر تک سوتے رہے تھے۔ لیکن حوالات میں وقت کی رفتار ایک جگہ تھمی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہاں اس وقت بھی بلب کی زرد روشنی کے سوا سورج کی کسی کرن کا گزر نہیں تھا۔ عملاً وہاں وہی سماں تھا جو پہنچتے وقت دیکھنے میں آیا تھا۔

اول خان سپاہی سے دھینگا مشتی کر کے آناً فاناً میں دوبارہ گہری نیند سو گیا تھا۔ اسے بیدار کرنے میں مجھے خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ جب اسے علم ہوا کہ رام دیال کی لاش کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے دل کے شدید دورے کو اس کی موت کا سبب قرار دیا ہے تو اس کا نیند کا نشہ فوراً ہرن ہو گیا۔

وہ درحقیقت ایک بہت بڑی خوش خبری تھی۔ اگر ہمارا واسطہ غلام قادر جیسے، کسی راشی افسر سے پڑا ہوتا تو ہمیں ہفتوں بھی اس رپورٹ کی ہوا نہ لگتی اور تفتیش کے نام پر حوالات میں دن رات ہماری رگڑائی ہوتی رہتی۔ یہ انسپکٹر کی فرض شناسی اور انسانیت تھی کہ اس نے ذاتی دلچسپی لے کر ابتدائی پوسٹ مارٹم رپورٹ حاصل کرنے کا بندوبست کیا تھا اور پہلی فرصت میں ہمیں اس کے نتائج سے آگاہ کر دیا تھا۔

انسپکٹر کے ساتھ، وین میں خیرپور کی طرف آتے ہوئے میں نے اس کے بارے میں اپنی رائے قائم کر کے اس سے حتی الامکان سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اسی فیصلے کے تحت اسے اپنے اور اول خان کے اصل ناموں سے آگاہ کر دیا تھا۔ اول خان کا اصل نام ظاہر کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ [illegible] کے بغیر اسپیشل ٹاسک فورس کے افسران، اس کے بارے میں کی جانے والی کسی پولیس انکوائری کی مثبت تصدیق نہیں کر سکتے تھے۔

حوالات کا دروازہ اس بار کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے میرے دل میں خیال آیا کہ باہر نکل کر اندھا دھند ایک طرف دوڑ لگا دوں تاکہ ان بکھیڑوں سے فوراً نجات مل جائے لیکن میں نے اپنے اس خیال کو فوراً ہی کچل دیا۔ جب تک خیرپور کی کوتوالی میں انسپکٹر جیسا افسر موجود تھا، مجھے اس مقام سے خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

راہداری میں ہمارا سامنا ایک سپاہی سے ہوا جو ہمیں حوالات پہنچانے یا بالفاظِ دیگر ہم لوگوں سے رقم چھیننے والوں میں شامل تھا۔ اس نے دور ہی سے دونوں ہاتھ جوڑ کر اپنی شکر مندی کا اظہار کیا اور تیزی سے ہماری طرف آیا۔

"تمہارے بال بچوں کی خیر ہو، آج تم نے ہماری عزت اور نوکری کو بچا لیا۔" وہ تشکر آمیز لہجے میں بولا پھر اس نے اپنی جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کر مجھے تھما دیا "اس میں تمہاری رقم سے دگنی رقم موجود ہے۔ جلدی میں سو پچاس روپے کم یا زیادہ ہو گئے ہوں تو معاف کر دینا۔"

"یہ تم رکھ لو، لیکن آئندہ کسی کو تنگ نہ کرنا۔" میں نے وہ لفافہ اسے لوٹاتے ہوئے کہا "نہ جانے کتنے شریف لوگ حالات کا شکار ہو کر یہاں آ پہنچتے ہیں۔ یہاں آنے والا ہر شخص قاتل اور مجرم نہیں ہوتا۔"

اس نے بوکھلا کر دونوں ہاتھوں سے اپنے کان پکڑ لئے "یہ تمہاری امانت تھی۔ اس کا ایک پیسہ بھی اب ہم پر حرام ہے۔" وہ پلٹا۔ اس سے قبل کہ میں مزید کچھ کہتا، وہ تیزی کے ساتھ وہاں سے چل دیا۔

"رکھ لو، پولیس والوں کا مال مقدر والوں کو ہی ملتا ہے۔" اول خان نے مجھے ٹھوکا دیتے ہوئے سرگوشی کی۔ "چور پر مور کا محاورہ شاید ایسے ہی موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔"

اس غیر معروف راہداری سے مڑتے ہی کوتوالی کا وہ حصہ سامنے آ گیا جہاں خاصی چہل پہل تھی۔ شاید ہم دونوں پر انسپکٹر کے مہربان ہونے کی خبر پوری کوتوالی میں پھیل چکی تھی کیونکہ درشت چہرے والے ایک سپاہی نے کھیسیں پھیلا کر رضاکارانہ طور پر ہماری رہنمائی کا فرض سنبھال لیا۔

اس وقت تک وہ ہمارے لئے انسپکٹر یا صرف صاحب تھا۔ ہمیں اس کا نام معلوم نہیں تھا لیکن اس کے دفتر کے باہر لگی ہوئی تختی سے پتا چلا کہ اس کا نام علی اسد تھا۔ ہمیں اس کے دفتر میں داخل ہونے تک کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی لیکن چق اٹھا کر اندر داخل ہوتے ہی ہم دونوں اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گئے۔

اندر انسپکٹر علی اسد اپنی بڑی سی میز کے پیچھے افسرانہ شان سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے مقابل، میز کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں پر ایک ڈی ایس پی، دو سب انسپکٹر اور دو سفید پوش افراد براجمان تھے۔ وہ ادھیڑ عمر سفید پوش اپنی وضع قطع کے اعتبار سے شہر کے معزز

باشندے نظر آرہے تھے۔
"چلے آؤ!" انسپکٹر علی اسد نے اونچی آواز میں ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں کچھ ایسا مقناطیسی تحکم تھا کہ ہمارے قدم خود بخود حرکت میں آگئے۔
"یہ دونوں خالی کرسیاں تمہارا ہی انتظار کر رہی ہیں۔" ہمارے حرکت میں آجانے پر اس نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ وہ اپنے سامنے ڈی ایس پی کی موجودگی سے ذرا بھی مرعوب نظر نہیں آرہا تھا۔
اول خان کی ننگی گردن پر بید کی بھرپور ضرب، اس کے بعد دوستانہ رویئے پھر حوالات میں قید کے بعد انسپکٹر علی اسد کا وہ رویہّ کم از کم میرے لئے طمانیت کا باعث تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس بار انسپکٹر کے سلوک میں کوئی ڈرامائی تبدیلی نہیں آسکے گی۔ وہ اپنے ایک افسرِ بالا اور دو معزز شہریوں کے سامنے ہمیں عزت سے نواز رہا تھا تو اس کے لئے یقیناً کوئی نہ کوئی مستحکم بنیاد تلاش کر چکا تھا اور شاید ہمیں کوئی خوش خبری سنانے والا تھا۔
مجھے مزید خوشگوار حیرت اس وقت ہوئی جب اس نے بقیہ لوگوں سے ہمارا تعارف کرایا۔ اس موقع پر بقیہ چاروں افراد نے گرمجوشی کا مظاہرہ کیا اور ہمارے ساتھ ہاتھ بھی ملائے مگر ڈی ایس پی کے تیور خراب تھے۔ وہ پتھر کے بت کی طرح اپنی کرسی میں جما انسپکٹر کے تعارفی کلمات سنتا رہا اور جب اول خان نے اس سے ہاتھ ملانا چاہا تو اس نے سرد لہجے میں اسے اپنی جگہ واپس بیٹھ جانے کی ہدایت کی۔
"تم لوگوں کے لئے اتنی ہی عزت کافی ہے کہ اسد نے تمہیں اپنے ساتھ میز پر بٹھالیا ہے۔ اب کھال سے باہر آنے کی کوشش نہ کرو اور چین سے اپنی جگہ پر بیٹھے رہو۔"
"میں نے یہ عزت انہیں کسی رعایت کے طور پر نہیں دی ہے، سر!" انسپکٹر نے دھیمی اور سپاٹ آواز میں کہا۔ "یہ لوگ اس کے مستحق ہیں۔ میں ان سے شرمندہ ہوں کہ انہیں غیر ضروری طور پر چند گھنٹے ہماری حوالات میں گزارنے پڑے۔ اس کا ازالہ کرنا میرے یا کسی کے بھی بس سے باہر ہے۔"
"ایک لاش کے ساتھ پکڑے جانے والے کبھی بھی اتنی ہمدردی کے مستحق نہیں ہوتے۔ میرا تجربہ بتاتا ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ دال میں کالا ضرور ہوتا ہے۔" ڈی ایس پی نے بے رخی سے کہا۔ "یہ ان کی خوش قسمتی ہے کہ وہ دل کے دورے سے مرا۔ تم انہیں قتل کے الزام میں بری قرار دے سکتے ہو لیکن یہ نہ بھولو کہ مرنے والا کئی روز پہلے اغوا کیا گیا تھا۔ مغوی مردہ حالت میں ان کی تحویل سے برآمد ہوا ہے اس لئے یہ اغوا کے ملزم یا معاون ملزم ہونے کے شبے سے نہیں بچ سکتے..."
"میں آپ کی رائے سے اختلاف نہیں کر سکتا، سر! لیکن میری صوابدید کے مطابق جو ہونا چاہئے، میں وہی کر رہا ہوں اور اس کے نتائج کی پوری پوری ذمے داری بھی قبول کروں گا..."
وہاں کی صورتِ حال بہت سنگین تھی۔ میں دم سادھے بیٹھا رہا۔ ڈی ایس پی نے باری باری، ہم دونوں کو خشمناک نگاہوں سے گھورا۔ اندر کے ابال کی وجہ سے اس کے نتھنے بہت تیزی کے ساتھ پھول اور پچک رہے تھے۔ ہم دونوں کے ناقدانہ بلکہ بے رحمانہ جائزے سے فارغ ہو کر وہ دوبارہ انسپکٹر سے مخاطب ہو گیا۔
"ان دونوں میں یہ زیادہ خطرناک ہے۔" ڈی ایس پی کا اشارہ میری طرف تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا کیونکہ میں اپنے تمام کرتوتوں سے بخوبی واقف تھا۔ دل ہی دل میں مجھے ماننا پڑا کہ ضدی، ہٹ دھرم اور بدخو ہونے کے باوجود، ڈی ایس پی آدمی کو پرکھنے میں بے مثال مہارت رکھتا تھا۔
"میں تمہیں لکھ کر دیتا ہوں کہ رہائی ملتے ہی یہ دونوں غائب ہو جائیں گے، تم پہلی ہی پیشی پر انہیں عدالت میں پیش نہ کر سکو گے اور اپنا سر پیٹتے رہ جاؤ گے" ڈی ایس پی کہہ رہا تھا۔
اپنی مہارت اور تجربے کی اس کھلی توہین پر بھی انسپکٹر کی پیشانی پر بل نہیں آیا۔ وہ پہلے ہی کی طرح گمبھیر سنجیدگی کے ساتھ، احترام آمیز لہجے میں بولا "سر! میں آپ سے بحث نہیں کروں گا۔ شاید مجھ میں تجربے کی پختگی اور سختی کی کمی ہے لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ بیان لے کر انہیں رہا کر دینا چاہئے۔ انہیں ہر تاریخ پر عدالت میں پیش کرنا میرا کام ہوگا۔ دنیا جانتی ہے کہ رام دیال کو رجب علی نے اغوا کیا تھا، تاوان کے مطالبے اُسی کی طرف سے آتے رہے۔ اسے اور اس کے بیشتر آدمیوں کو ضلع بلکہ ڈویژن کی پولیس اچھی طرح جانتی ہے۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ یہ دونوں سب کچھ ہو سکتے ہیں لیکن رجب علی کے گروہ کے آدمی نہیں ہو سکتے۔ ان کے مستقبل کا فیصلہ میں از خود بھی کر سکتا تھا لیکن متوفی کی حیثیت اور اہمیت کے پیشِ نظر میں نے آپ کو آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ اگر آپ حکم دیں تو وہ یقیناً میرے فیصلے پر حاوی رہے گا۔"
یہ بڑی عجیب بات تھی کہ ہمارے بارے میں دو پولیس افسران کے درمیان سرد جنگ ہو رہی تھی۔ سینئر افسر عمومی طور پر مجھے برا آدمی قرار دے رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ وہ سچا تھا۔ اسی طرح انسپکٹر ہم دونوں کو رجب علی کا معاون ماننے پر تیار نہیں تھا اور اس کا تجزیہ بھی سو فیصد درست تھا۔
انسپکٹر نے ہمارے مستقبل کی ذمے داری ڈی ایس پی پر ڈال کر مجھے وحشت میں مبتلا کر دیا۔ میرا اندازہ تھا کہ ڈی ایس پی ساری مہارت اور تجربے کے باوجود پولیس والوں کے اس خرانٹ کیڈر سے تعلق رکھتا تھا جو ملزموں کے بارے میں صرف اور صرف تشدد کی زبان جانتے ہیں اور تشدد کے بدترین حربے استعمال کر کے، اپنی تحویل میں آنے والوں سے ان جرائم تک کو اگلوا لیتے ہیں جو انہوں نے شکمِ مادر میں سرانجام دیئے ہوں۔ اپنی آہنی گرفت میں آئے ہوئے کسی بھی ملزم کو چند دنوں کی قلیل سی مدت میں اقبالی

مجرموں کی صف میں لاکھڑا کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے۔

ڈی ایس پی کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی "تم نے اپنا فیصلہ سنانے سے پہلے میری رائے مانگی ہوتی تو اور بات تھی۔ تم جانتے ہو کہ ہمارے محکمے میں ماتحتوں کا لکھا ہوا' بدیل نہ کرنے کا روایتی اصول رائج ہے۔ تم جو چاہو کر سکتے ہو لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ پولیس افسر بنے یا بنائے نہیں جاتے' وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔"

اس کے الفاظ پر میری جان میں جان آئی کہ وہ اپنی رائے انسپکٹر پر مسلط کرنے پر نہیں تُلا ہوا تھا۔

"شکریہ سر۔" انسپکٹر نے اپنے سر کو خم دے کر پورے احترام کے ساتھ کہا۔

ڈی ایس پی نے ایک جھٹکے سے اپنی کرسی چھوڑ دی۔ انسپکٹر بھی اٹھا۔ اس کی تقلید میں سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ ڈی ایس پی کی تقلید میں چاروں پولیس افسران یکے بعد دیگرے دفتر سے باہر نکل گئے۔

چند منٹ بعد انسپکٹر علی اسد ایک سب انسپکٹر کے ساتھ واپس اپنے دفتر میں داخل ہوا تو اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ شاید باہر بھی اُس کی اپنے افسر سے کچھ تلخ کلامی ہوئی تھی جو باہر کے چار آدمیوں کے سامنے ممکن نہیں تھی۔

"آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟" انسپکٹر علی اسد نے اپنی کرسی سنبھال کر ان دونوں معززین سے سوال کیا۔ جن میں سے ایک رام دیال کا کزن اور دوسرا سکھر کی ہندو پنچایت کا سربراہ تھا۔

"ہم نے تمہارا بڑا نام سنا ہے' انسپکٹر صاحب!" پنچایت کا سربراہ رندھی ہوئی آواز میں بولا "سرگباشی رام دیال کی آتما تو اب شانت ہو گئی۔ ہم اس پر ظلم توڑنے والے' رجب علی کا سر چاہتے ہیں۔ بیچ کے آدمیوں سے ہماری کوئی دشمنی نہیں۔ وہ بے چارے تو اس کے حکم کے غلام ہیں۔"

میرے دل میں اس بوڑھے کے لئے بے اختیار ممنونیت کے جذبات اُمڈ آئے۔

"یہ میرا فیصلہ ہے۔" علی اسد نے دوٹوک لہجے میں کہا "اس کی اہمیت اسی وقت ہے جب مقدمے کی مدعی پولیس ہو۔ اگر تم پرچا درج کروانا چاہو اور اس میں ان دونوں پر اپنے شبے کا اظہار کردو تو میں چاہتے ہوئے بھی انہیں نہیں چھوڑ سکوں گا۔ پھر ان کا فیصلہ عدالت ہی سے ہوگا۔"

"مرنے والا مر گیا۔" رام دیال کا کزن ایک گہرا سانس لے کر بولا "اس سے جیون کی کچھ آس ہوتی تو ہم بھی کچھ کرتے۔ اب ہم ان بکھیڑوں میں پڑ کر کیا لیں گے؟ تم تو اسپتال سے اس کی لاش ہمیں دلوانے کا بندوبست کرو تاکہ ہم اسے سکھر لے جا کر جلد از جلد کریا کرم کا بندوبست کریں۔ کم از کم اس کا مردہ تو خراب نہ ہو۔"

"لاش شام تک تمہیں مل جائے گی۔" انسپکٹر نے انہیں یقین دلایا۔ "تم گاڑی وغیرہ کا بندوبست کر کے پانچ بجے اسپتال پہنچو۔ میں خود وہاں آؤں گا۔"

مزید کچھ رسمی گفتگو کے بعد کاغذی خانہ پُری کے لئے اس نے ان دونوں کو اپنے سب انسپکٹر کے ساتھ روانہ کر دیا اور اس کے دفتر میں صرف ہم دونوں رہ گئے۔

"میں تمہارا احسان مند ہوں' انسپکٹر!" اوّل خان نے جذباتی لہجے میں کہا "ہماری گردن بچانے کے لئے تم نے بڑی جرات سے کام لیا ہے ورنہ تمہارے ڈی ایس پی صاحب۔۔۔"

"ان کے بارے میں کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے اول خان کی بات وہیں کاٹ دی۔ "اصل خرابی یہ ہے کہ تم اسپیشل ٹاسک فورس کے ایک افسر ہو۔"

"کیا تم نے میرے اس دعوے کی تصدیق کرا لی ہے؟" اول خان نے حیرت اور مسرت سے مغلوب لہجے میں پوچھا۔

"تصدیق ہو جانے کے بعد ہی ڈی ایس پی صاحب نے تمہارے معاملے میں دلچسپی لینا شروع کی ہے۔ ایس ٹی ایف ایک خفیہ ادارہ ہے لیکن ہر طرف اس کی کارکردگی کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ ڈی ایس پی صاحب پرانے زمانے کے افسر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ایس ٹی ایف کا ایک اہم افسر' اگر مشکوک حالات میں ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے تو ہمیں اسے رگڑ دینا چاہئے۔ اگر ہم تھوڑی سی محنت کر کے اس کا تعلق رجب علی سے ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پورے ملک میں ہمارے نام کا ڈنکا بج جائے گا۔ دوہری ترقیاں اور بھاری انعامات اس کے علاوہ ہوں گے۔"

اپنی بات پوری کرتے ہوئی اس نے لفظ محنت پر ذومعنی انداز میں زور دیا تھا۔

"لیکن یہاں تو انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"ایس ٹی ایف کے بارے میں کھلے بندوں بات کرنا سنگین جرم ہے۔ اسی لئے ہم دوسرے حوالوں سے بات کرتے رہے۔ باہر ہماری تھوڑی سی تلخ کلامی بھی ہوئی ہے لیکن ڈی ایس پی صاحب فراخ دل افسر ہیں۔ اپنے ماتحتوں کو ڈانٹ ڈپٹ لیتے ہیں لیکن کسی کی طرف سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتے۔"

"تو کیا ہم خود کو آزاد تصور کریں؟" میں نے اس کے خاموش ہو جانے پر پوچھا۔

"میں تمہاری کہانی سن چکا تھا اس لئے فرصت کے دوران میں نے تم دونوں کے الگ الگ بیان تیار کرا لئے ہیں۔ ایس ٹی ایف سے تمہارا تعلق ثابت ہونے کے بعد میں تمہیں ایک منٹ کے لئے بھی خرافات میں نہیں الجھانا چاہتا۔ بیان پڑھ لو۔ اگر مطمئن ہو تو ان کاغذات پر دستخط کر دو۔"

اس نے اپنے سامنے رکھی ہوئی ایک سرکاری فائل میں سے چند کاغذات میرے حوالے کئے اور چند اول خان کی طرف

بڑھائے۔ جن پر پختہ خط میں سنگلاخ قانونی زبان میں ہمارے بیانات درج تھے۔

میں نے اپنا بیان پڑھنا شروع کیا اور چند ہی سطروں میں بری طرح الجھ گیا۔

"یہ ثقیل زبان میرے لئے بہت مشکل ہے۔ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ بیان تم نے تیار کروایا ہے اور تم ایس ٹی ایف کے خیر خواہوں میں سے ہو۔ میں دستخط کئے دیتا ہوں۔"

میں نے آخری صفحے کے اختتام پر اپنے دستخط کرکے کاغذات اس کی طرف بڑھائے تو اس نے مجھے ٹوک دیا۔ "ہر صفحے پر اپنے دستخط کرو اور آخری صفحے پر دستخط کے نیچے اپنا پورا نام' ولدیت اور پتا بھی لکھو۔"

"تمہارا پتا بھی اول خان ہی کی معرفت ہے" انسپکٹر علی اسد نے ہمارے مکمل کئے ہوئے کاغذات کا جائزہ لیتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "یہ یاد رکھنا کہ ڈی ایس پی صاحب تمہاری طرف سے بہت زیادہ شاکی تھے۔ جاتے جاتے کہہ رہے تھے کہ چھوڑنا ہی ہے تو میں اول خان کو چھوڑوں اور تمہیں بند کرکے مار لگواؤں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ تمہارے سینے میں عجیب و غریب کہانیاں مدفون ہیں جو مجھے حیران کرسکتی ہیں۔ تمہیں روک لینے سے اول خان بھی ہماری دسترس میں رہے گا۔"

"روکنا چاہو تو میں حاضر ہوں" میں نے پرخلوص لہجے میں کہا "جو افسر اپنے قیدیوں کی حیثیت کے تعین کے لئے' شب بیداری کے بعد دن بھر بھی جاگتا رہے' اس کی تحویل میں کسی بے گناہ کی زندگی اجیرن نہیں ہوسکتی۔ ڈی ایس پی صاحب کی باتیں تمہارے دل کو لگی ہوں تو ضرور مجھے روک لو....."

"اب تم باضابطہ طور پر آزاد شہری ہو" وہ میری بات کاٹ کر کاغذات فائل میں رکھتا ہوا بولا "تمہاری اور رجب علی کی ملی بھگت کا قصہ ختم ہوا۔ اب یہ بتاؤ کہ ملا سرکار کے لئے کیا کرنا ہے؟"

"میرے بارے میں تصدیق کرنے کے لئے تم نے یقیناً ایس ٹی ایف کے بڑوں سے رابطہ کیا ہوگا اس لئے مجھے جلد از جلد اپنے یونٹ کو رپورٹ کرنا ہوگا" اول خان کہنے لگا "ورنہ میری فائل کھل جائے گی۔ اگر میں ایک مقررہ مدت میں رپورٹ کرنے میں ناکام رہا تو مجھے مردہ یا دورانِ کار گمشدہ قرار دے دیا جائے گا۔ دونوں صورتوں میں واپسی کے بعد مجھے ریٹائرمنٹ لینا پڑ جائے گا۔ ہمارے یہاں ملازمت جاری رکھنے کے لئے طاقت' ذہانت اور اہلیت کا اعلیٰ ترین معیار برقرار رکھنا پڑتا ہے....."

"اسپیشل سروسز گروپ کی طرح؟" انسپکٹر علی اسد نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"مجھے ان کے معیار کا علم نہیں" اول خان نے بڑی خوب صورتی کے ساتھ بات ٹال دی "میں صرف اپنی فورس کے ضابطوں سے واقف ہوں جو بہت کڑے اور راٹل ہیں۔"

"میں نے جب سے رجب علی کی نجی زندگی کی کہانیاں سنی ہیں میرے ذہن میں ایک منصوبہ پرورش پا رہا ہے۔ اجازت ہو تو اس پر کچھ بات کرلوں؟" میں نے آہستگی سے کہا۔

"کھل کر بات کرو۔ یہ بھول جاؤ کہ میں انسپکٹر ہوں' تمہاری باضابطہ رہائی کے بعد میں تمہارا دوست ہوں۔ ہمارے درمیان جو کچھ بات ہوگی وہ آف دی ریکارڈ ہوگی۔ اس کی بنیاد پر تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"رجب علی کی نومسلم بیوی اور رام دیال کی بھانجی سکھر میں رہتی ہے...."

انسپکٹر علی اسد نے میری بات وہیں کاٹ دی "اس کے بارے میں' میں نے بھی بارہا سوچا ہے لیکن کبھی اس پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ رجب علی اس کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ حساس ہے۔"

"یہ مجھے بھی معلوم ہے کہ جس دن رجب علی کو پکڑنے کے لئے پولیس نے اس کی بیوی پر ہاتھ ڈالا... وہ جنگلوں سے نکل کر شہروں میں تباہی مچادے گا مگر میرا منصوبہ کچھ اور ہے" میں نے کہا۔

"بالکل نہیں" انسپکٹر نے سختی سے کہا "اس کے بارے میں سوچنا ہی بے سود ہے۔ میں رجب علی کی طاقت سے واقف ہوں۔ اس کے پاس راکٹ اور ان کے دستی لانچر موجود ہیں۔ شہروں میں اتنا بھاری جانی نقصان ہوگا کہ انتظامیہ اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اس کی بیوی کو چھوڑنے پر مجبور ہوجائے گی۔"

"میرے منصوبے کا پولیس اور انتظامیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے" میں نے کہا۔

"اسے بات پوری کرلینے دو" اول خان نے رائے دی "ہم بعد میں تبادلۂ خیال کرلیں گے۔"

"پولیس یا کسی بھی سرکاری محکمے کو درمیان میں لائے بغیر ہم اسے اغوا کرلیتے ہیں" میں نے اپنی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔ "رجب علی کا سسر مالدار اسامی ہے۔ اس کی بیٹی کو اغوا کرنے کے بعد ہم فون پر اس سے بھاری تاوان کا مطالبہ کریں گے اور رجب علی کو لامحالہ میدان میں آنا پڑے گا..."

انسپکٹر علی اسد میری اس تجویز پر بھنّا گیا "میں تمہیں یہی سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ ایسی کسی بھی کارروائی کی صورت میں رجب علی مشتعل ہوکر میدان میں آجائے گا۔ اس کا میدان میں آنا' شہریوں کے جان و مال اور امن و امان کے لئے بھیانک خطرہ بن جائے گا۔ میں ایسے کسی بھی تباہ کن منصوبے سے اتفاق نہیں کرسکتا۔"

"تم میری پوری بات سننے کے بجائے بار بار قطع کلامی کررہے ہو" میں نے احتجاج کیا "ایک بار میری بات مکمل ہونے دو۔ اس کے بعد دل کھول کر اپنی بھڑاس نکال لینا۔"

"تم بالکل غلط اور تباہ کن رخ پر سوچ رہے ہو" وہ چڑچڑے لہجے میں بولا "لیکن خیر' تم بھی اپنے دل کا غبار نکال لو' بات پوری کرلو تو مجھے بتادینا۔"

وہ اپنی گھومنے والی کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر یوں بے اعتنائی کے ساتھ جھومنے لگا جیسے اسے میری اسکیم کے ناقابلِ عمل ہونے کا پورا یقین ہو۔

"ہم فون پر اس سے مطالبہ کریں گے کہ تاوان کی رقم ملاّ سرکار کو پہنچائی جائے" میرے الفاظ پر علی اسد چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"یعنی تم ملا سرکار اور رجب علی میں تصادم کرانا چاہتے ہو؟" میری اس اچھوتی تجویز پر حیرت سے اس کی آنکھیں پیشانی پر جاچڑھی تھیں اور وہ مجھے گھورے جارہا تھا۔

"یہی سمجھ لو' ان کے درمیان ایک بدترین غلط فہمی پیدا کرکے ہم ان دونوں کو سامنے آنے پر مجبور کرسکتے ہیں۔ اس کے بعد ہم انہیں الگ الگ یا ایک ساتھ اپنا نشانہ بناسکتے ہیں۔"

"کیا رجب علی یہ یقین کرلے گا کہ اس کی بیوی کے اغوا میں ملا سرکار ہی کا ہاتھ ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"اس سے مل کر میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ قبائلی کھوپڑی کا مالک ہے۔ اس کی انا پر کاری ضرب لگائی جائے تو وہ ہوش وحواس سے بیگانہ ہو کر جذباتی رَو میں بہہ سکتا ہے۔ رام دیال کے اغوا کے معاملے میں کم وبیش ایک کروڑ کی رقم اس کے ہاتھ آئی ہے۔ اسے غلط راہ پر ڈالنے کے لئے ہم تاوان میں ایک کروڑ ہی کا مطالبہ کریں گے۔"

"وہ ملا سرکار کا مرید ہے۔ ملا سرکار کے ایک اشارے پر اپنی ساری جمع پونجی اس کے حوالے کرسکتا ہے۔ وہ ضرور سوچے گا کہ ملا سرکار کو اس کی بیوی کو اغوا کرکے تاوان طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" اول خان میرے ساتھ رجب علی کے پاس ہو کر آیا تھا اس لئے وہ سوالات کرنے کی بہتر پوزیشن میں تھا۔

"زن' زر اور زمین کے معاملات میں انسان کا خون سفید ہوجاتا ہے۔ وہ پیری مریدی کا خیال کرتا ہے' نہ رشتوں کو دیکھتا ہے... ہزاروں کی حد تک تو رجب علی ملا سرکار کی خدمت کرسکتا ہے لیکن مجھے شبہ ہے کہ وہ ایک کروڑ کی خطیر رقم اپنے پیر کو یوں ہی نذر کردے گا۔ وہ سوچے گا کہ ملا سرکار کسی بڑی واردات کے انتظار میں اسے پال رہا تھا اور جوں ہی لمبی رقم اس کے ہاتھ لگی' ملا سرکار اپنے اصل روپ میں سامنے آگیا۔"

"مجھے شبہ ہے کہ وہ اتنی آسانی کے ساتھ ملا سرکار سے بدظن نہیں ہوگا" علی اسد نے کہا۔

"اپنی بیوی کے اغوا کی خبر اس سے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سلب کرلے گی۔ ایسے میں جب ملا سرکار کے علم سے ایک کروڑ کا مطالبہ اس کے سامنے آئے گا تو وہ غصے میں اور انتقام میں پاگل ہوجائے گا۔"

"ان کی محاذ آرائی سے تم کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟" انسپکٹر علی اسد میرے منصوبے کی جزئیات کو کسی حد تک ہضم کرنے پر آمادہ نظر آنے لگا تھا۔

"سارے ہی بہت خطرناک مفروضے ہیں" میں نے اس کی اجازت سے اپنے لئے سگریٹ سلگانے کے بعد کہا "اغوا سکھر سے ہوگا۔ واردات ہوتے ہی شہر میں کہرام برپا ہوجائے گا۔ اپنی پوزیشن صاف رکھنے کے لئے پولیس پوری قوت کے ساتھ حرکت میں آجائے گی۔ اس طرح سکھر ساری کارروائیوں کا محور بن جائے گا۔ رجب علی کے سسر سے ملا سرکار کے نام پر ایک کروڑ کے تاوان کا مطالبہ کیا جائے گا تو یہ خبر رجب علی تک بھی پہنچے گی اور وہ کھلم کھلاّ ملا سرکار سے اپنی منافرت کا اظہار کرے گا۔ یہ خبر ملا سرکار کو ملے گی تو وہ تشویش میں مبتلا ہوجائے گا اور رجب علی کے سامنے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لئے سکھر کا رخ کرے گا جہاں سادھو بیلہ ہی اس کے لئے محفوظ ترین مقام ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ رجب علی سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے گا اور وہی وقت ہوگا جب ہم ملا سرکار یا اسی کے ساتھ رجب علی کو بھی مار سکیں گے۔"

"یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب سب کچھ تمہارے مفروضات کے مطابق ہو اور میں نے آج تک اتنے مفروضات کو بیک وقت رونما ہوتے ہوئے نہیں دیکھا" علی اسد نے کہا۔

"یہ تمہارے لئے مفروضات ہیں لیکن میں رجب علی کے ذہن کو پڑھ چکا ہوں۔ مجھے ابھی سے یہ سب اسی طرح ہوتا ہوا نظر آرہا ہے" میں نے پورے یقین کے ساتھ کہا۔

"تم مجھے تذبذب میں ڈال رہے ہو' میں تمہاری صحیح الدماغی پر شبہ نہیں کرسکتا۔"

"ایک راستہ طویل اور غیر یقینی انتظار کا ہے جو ہمارے بس سے باہر ہے۔ ملاّ سرکار جیسے خونخوار اور وحشی درندے کو اس کی کچھار سے باہر لانے کے لئے ہمیں یہ چھیڑ چھاڑ کرنی ہوگی۔"

"تمہیں علم ہے کہ سکھر میرے اختیار سے باہر کا علاقہ ہے۔ وہاں میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکوں گا۔ سب کچھ تم کو کرنا ہوگا۔ تم کہیں پھنس گئے تو میرے لئے مشکلات کھڑی ہوجائیں گی۔ میرے دشمن اس بات کو ہوا دیں گے کہ انسپکٹر علی اسد کے چھوڑے ہوئے مجرم سکھر میں دوبارہ پکڑے گئے۔"

"ہماری وجہ سے تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ اس بڑے مقصد کے لئے ضرورت پیش آگئی تو ہم اپنی جانوں پر کھیل جائیں گے" اول خان کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی پھیل گئی۔ "رازداری ہماری تربیت کا پہلا ستون ہے۔ مشن پورا کرو یا مرجاؤ۔ ہمارے سامنے دو کے سوا تیسرا کوئی راستہ نہیں ہوتا پھر بھی تم ہماری خاصی مدد کرسکتے ہو۔"

"سکھر میں تمہارے اپنے ذرائع ہیں جن کے ذریعے تم

ملا سرکار کی آمد پر نگاہ رکھ سکتے ہو" میں نے کہا "ہمیں اس طرف سے بے فکری ہوجائے تو کام آسان ہوجائے گا۔ اس کے علاوہ ہمیں ایک ایسے ٹھکانے کی ضرورت ہوگی جہاں ہم رجب علی کی بیوی کو بحفاظت قید رکھ سکیں۔"

"رجب علی کی بیوی ہمارے لئے کوئی مسئلہ نہیں بنے گی۔" اول خان کی پُرعزم آواز سن کر میں چونک پڑا۔ اس وقت شاید اس کے وجود میں سویا ہوا جنگجو گوریلا جاگ اٹھا تھا۔

"ملا سرکار کے فتنے کی سرکوبی کے بڑے مقصد کے لئے قربانی دینا ہی ہے تو ہم سب سے پہلے رجب علی کی بیوی کو مار کر کہیں دبادیں گے۔ اس کا شوہر نہ جانے کتنی بیویوں، بچوں، شوہروں اور بیٹوں کا قاتل ہے" اول خان کی آواز سرد اور سفاکانہ ہوگئی "اس کی قربانی سے ہونے والی ابتدا کا انجام بھی اچھا ہوگا کیونکہ ہمیں ہر وقت اس کے فرار کا دھڑکا نہیں رہے گا۔ ویسے بھی کوئی چھوٹا موٹا بدمعاش رجب علی کی بیوی کو اپنی قید میں رکھنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ اس خبیث کا نام ہی اس علاقے کے بڑے بڑے سورماؤں کا پتا پانی کردیتا ہوگا۔"

"رجب علی بہت بڑا مجرم اور قاتل سہی لیکن اس کی بیوی بے گناہ ہے" علی اسد نے احتجاج کیا "میں اس کے ساتھ ایسے وحشیانہ سلوک کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔"

"ہم نے اسے نہ مارا تو وہ کہیں نہ کہیں ہمیں مروادے گی۔ میز کرسی پر بیٹھ کر اخلاقیات اور اصولوں کی بات کرنا بہت آسان ہے۔ کبھی کسی جنگی محاذ پر جاکر دیکھو یا کسی ایسے تاراج شہر کو دیکھو جسے روند کر فاتح فوجیں آگے بڑھ رہی ہوں۔ اصول بنانے والے خود اپنے کرتوتوں کا ذکر کرتے ہوئے شرماتے ہیں... ہم ملا سرکار اور رجب علی کے خلاف میدانِ جنگ میں اتر رہے ہیں جہاں سب کچھ جائز ہوتا ہے لیکن ہم اس عورت کی حرمت کا پورا لحاظ کریں گے۔ وہ ایک نیک مقصد کے لئے ہمارے ہاتھوں ماری جائے گی۔ کیا پتا کہ اسے شہادت کا رتبہ ہی مل جائے۔"

میں جھرجھری لے کر رہ گیا لیکن اول خان سے اختلافِ رائے کی جرات نہ کرسکا۔

انسپکٹر علی اسد دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے خالی خالی نظروں سے اس کا چہرہ تکے جارہا تھا۔

"تم پولیس افسر ہو" اول خان اسی سرد اور بے رحمانہ لہجے میں بولے جارہا تھا "جب تم کوئی بڑا چھاپا مارتے ہو تو کیا صرف مجرموں اور گناہ گاروں پر گولیاں چلاتے ہو؟ معصوم اور بے گناہ شہری سامنے آتے ہیں تو تمہارے ہتھیاروں کی نالیں بنجر ہوکر بارود اور سیسہ اُگلنا بھول جاتی ہیں؟ میں تمہیں بہلانے یا تمہاری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تمہاری ہاں میں ہاں نہیں ملاسکتا۔ اگر تنویر کے منصوبے پر عمل کرنا ہے تو بھرپور کامیابی کے لئے ہمیں سب سے پہلے رجب علی کی بیوی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے پڑیں گے تاکہ ہم یکسو ہوکر ملا سرکار کا پیچھا کرسکیں۔"

اول خان سے میری رفاقت زیادہ طویل نہیں تو بہت مختصر بھی نہیں تھی لیکن اس وقت میں نے پیشہ ورانہ امور پر اس کی بھرپور تقریر پہلی بار سنی تھی اور سن کر دنگ رہ گیا تھا۔

وہ ابتدا ہی سے انسپکٹر علی اسد سے مرعوب اور دبا دبا نظر آرہا تھا لیکن اپنی پسند کا موضوع دستیاب ہوتے ہی اس نے انسپکٹر کو بھی بری طرح رگید ڈالا تھا۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پولیس والوں کے ہاتھ سے معصوم اور بے گناہ شہری بھی مرتے رہتے ہیں لیکن ہنگامی طور پر کی گئی کسی اندھا دھند کارروائی میں واضح ارادے کے بغیر کسی کو ناگہانی ہلاک کرنے اور دیدہ و دانستہ کسی بے گناہ کو موت کے گھاٹ اتارنے میں بہت بڑا فرق ہے" خاصے طویل سکوت کے بعد انسپکٹر اپنی مدافعت میں کچھ کہنے کے قابل ہوسکا تھا "لیکن تمہاری بات بھی درست ہے کیونکہ تم پیشہ ور جنگجو ہو جب کہ پولیس افسر بنیادی طور پر لڑاکا نہیں بلکہ منتظم ہوتا ہے۔ اس کی ہر لڑائی اپنی یا دوسروں کی مدافعت میں ہوتی ہے۔ وہ جارح کبھی نہیں ہوتا۔"

"گردن کا منکا ٹوٹنے سے فوری اور آسان ترین موت واقع ہوجاتی۔ ہم اسے کسی بھی تشدد کا نشانہ بنائے بغیر موت کی نیند سُلادیں گے اس لئے تم تنویر کی دوسری بات بھول جاؤ اور یہ بتاؤ کہ تمہارے سکھر والے مخبر اور معزز دوست اس مشن میں ہمارا کیا ساتھ دے سکیں گے۔"

"میں تمہیں ان میں سے کسی کا نام دینا نہیں دے سکتا۔" انسپکٹر بھڑک کر بولا۔

"ہم خود ان سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ تم سے تازہ ترین معلومات حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟" میں نے جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے کہا "اول خان کا مقصد بھی اتنا ہی ہے۔"

"تم مجھے گھر یا دفتر فون کرسکتے ہو، شناخت کے لئے تم دونوں کوئی فرضی نام استعمال کرسکتے ہو۔"

طویل بحث کے بعد یہ طے ہوگیا کہ کارروائی کی جانی چاہئے۔ اس سلسلے میں انسپکٹر نے رات گئے چند ضروری ہتھیار ہمارے حوالے کرنے کا وعدہ بھی کرلیا جو اسے اپنے ذرائع سے حاصل کرنا تھے۔

ایک اہم مسئلہ سردار رجب علی کے ان مخبروں کا تھا جو خیرپور میں موجود تھے۔ ہم خیرپور سے براہِ راست سکھر کا رخ کرتے تو وہ خبر رجب علی کو بھی مل سکتی تھی اور اس کی وجہ سے کوئی دشواری پیدا ہوسکتی تھی۔ اس لئے ہم نے طے کیا کہ رات میں انسپکٹر سے ہتھیار وغیرہ لینے کے بعد ہم اگلی صبح ڈنکے کی چوٹ پر ٹرین سے کراچی کے لئے روانہ ہوں اور اگلے کسی اسٹیشن پر اتر کر، اپنے حلیوں میں مناسب تبدیلیاں کرکے بس سے سکھر پہنچ جائیں جہاں رجب علی کی بیوی آنے والے بُرے وقت سے بے خبر بے فکری کے ساتھ رہ

رہی تھی۔

○☆○

شہر خوف و ہراس کی زد میں آیا ہوا تھا کیونکہ وہاں بھی آئے دن ڈکیتی، قتل، اغوا اور لوٹ مار کی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں۔ پان کی دکانوں پر اور ہوٹلوں وغیرہ میں، جہاں بھی چند لوگ جمع ہوتے، تازہ ترین وارداتوں پر ہی تبادلۂ خیال کرتے ہوئے پائے جاتے۔

ایک طرف وارداتوں کا زور بڑھا ہوا تھا اور دوسری طرف پولیس کسی بھی مجرم کو پکڑنے میں ناکام تھی۔ لوگ کچھ معروف مجرموں کے نام بھی لیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ پولیس بھی ان سے واقف تھی اور جان بوجھ کر ان کی سرگرمیوں سے چشم پوشی برت رہی تھی ورنہ سکھر سدا سے امن و سکون کا گہوارہ رہا تھا۔

ہم دونوں کافی دیر تک گھنٹا گھر اور اس کے آس پاس کے بازاروں میں گھوم پھر کر اس اجنبی شہر کے مزاج کا اندازہ لگاتے رہے۔ میرا خیال تھا کہ امن و امان کی بگڑی ہوئی صورتِ حال اس شہر کی سماجی زندگی پر بھی اثرانداز ہونے لگی تھی اور بازار وغیرہ سرِشام ہی ویران ہو جاتے ہوں گے۔

اس جائزے کے دوران میں ہی ہمیں ایک ہوٹل میں دو مقامی لڑکوں سے سردار رجب علی کا ذکر چھیڑنے کا موقع مل گیا اور مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ سکھر کے نوجوانوں کے لئے رجب علی ہیرو کا درجہ رکھتا تھا۔

بعد میں اسے ہیرو قرار دیئے جانے کی جذباتی وجہ بھی سمجھ آگئی جو ہمیشہ سے مسلمانوں کی ایک بڑی کمزوری رہی ہے۔ عورت کو جیت کر سب کچھ ہار جانے کو بھی وہ اپنی جیت ہی سمجھتے ہیں۔

رجب علی سکھر کے ہی گلی کوچوں میں پروان چڑھا اور پھر ڈاکو بنا تھا۔ اس نے جس غیر روایتی انداز میں ایک نامور ہندو گھرانے کی دوشیزہ سے پہلی نظر میں محبت کر کے اسے بھی اپنا گھائل بنا لیا تھا، لڑکوں کے نزدیک وہی مردانگی کی معراج تھی۔ لڑکی کے مسلمان ہونے اور پھر رجب علی سے شادی کر لینے پر جہاں سکھر کی ہندو جاتی میں صفِ ماتم بچھ گئی تھی وہاں مسلمانوں میں قومی جشن کا سا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ اس نازک موقعے پر شہر کی انتظامیہ ہوش مندی سے کام لے کر معززینِ شہر کی مدد نہ لیتی تو سکھر میں بہت بڑا ہندو مسلم فساد برپا ہو جاتا۔

رجب علی اور لیلیٰ وتی کے عشق کی اس کہانی نے.... سکھر میں لوک کہانی کا درجہ حاصل کر لیا تھا اس وجہ سے ہمیں لیلیٰ وتی کے گھر کا پتا دریافت کرنے میں ذرا بھی دشواری پیش نہیں آئی۔ گو مسلمان ہونے کے بعد لیلیٰ وتی کا نام تبدیل کر کے راحیلہ رکھ دیا گیا تھا مگر شہر والے اسے لیلیٰ وتی کے نام سے ہی یاد کرنے میں مزہ لیتے تھے۔

"جب اس کا میاں جنگلوں میں رہتا ہے تو لیلیٰ وتی اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی ہوگی؟" ان لڑکوں کی کہانی سن لینے کے بعد اول خان نے بڑے اشتیاق لہجے میں پوچھا تھا۔

وہ دونوں اول خان کی ناسمجھی پر ہنس دیئے "وہ نرکی بیوی ہے اور نروں کی طرح اکیلی رہتی ہے۔ نوکروں تک کو مغرب سے پہلے چھٹی دے دیتی ہے کیونکہ رجب علی جب بھی اس سے ملنے آتا ہے، اندھیرا پھیلنے کے بعد آتا ہے اور سورج نکلنے سے پہلے جنگل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔ رجب علی کے خوف سے بڑے بڑے شہدے اس محلے سے سر جھکا کر گزرتے ہیں۔"

"تو کیا رجب علی اس سے روز ملنے آتا ہے؟" اس بار میں نے سوال کیا۔

"دوسرے تیسرے ہفتے آتا ہے۔ وہ جنگل سے مشکی گھوڑے پر سوار ہو کر، منہ پر ڈھاٹا باندھے نکلتا ہے اور اپنے انتظار میں بھٹکتے ہوئے پولیس والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر لیلیٰ وتی کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ اس کے واپس لوٹ جانے کے بعد ہی لوگوں کو لیلیٰ وتی کی ملازماؤں سے پتا چلتا ہے کہ وہ پچھلی رات آیا تھا۔" بتانے والے نے بھرپور مبالغے سے کام لیتے ہوئے رجب علی کی دلیرانہ آمد و رفت کی پوری تفصیل دہرا دی۔

"پولیس والے اسے اپنے گھر پر کیوں نہیں پکڑ لیتے؟"

"ان بے چاروں کو پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ کب آیا اور کب چلا گیا۔"

"وہ مشکی گھوڑے کو تو پہچانتے ہوں گے۔ اسی کو دیکھ کر رجب علی کی پہچان کر سکتے ہیں۔"

"وہ ہر بار گھوڑے کا رنگ بدل لیتا ہے" دوسرے لڑکے نے تصحیح کی۔

"کاش، کبھی اس سے ہماری ملاقات بھی ہو سکے!" میں نے حسرت سے کہا۔

"مال لے کر یہاں سے کراچی کی طرف چل پڑو۔ اس کے مخبر اسے تمہاری کار کا نمبر پہنچا دیں گے۔ بس پھر روہڑی سے نکلتے ہی کہیں نہ کہیں اس سے ملاقات ہو جائے گی۔" ایک نے کہا، پھر دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"یہ یاد رکھنا کہ وہ کنگلوں کو روکتا ہے نہ اٹھاتا ہے۔ مال والے ہی اس سے مل سکتے ہیں۔" ان میں سے ایک نے ہماری میز سے اٹھتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں کہا اور ان کی ہنسی تیز ہو گئی۔

وہ واضح طور پر ہمارا مضحکہ اڑاتے ہوئے چلے گئے لیکن مجھے ان کی شوخی پر کوئی ملال نہیں تھا کیونکہ ان سے باتوں ہی باتوں میں کام کی کئی باتیں معلوم ہو گئی تھیں۔

ہوٹل سے اٹھ کر ہم دونوں پیدل ہی لیلیٰ وتی کے کوچے کی طرف چل دیئے جو وہاں سے بہت دور نہیں تھا۔

"شوہر کے انتظار میں اندھیرے سے اجالا ہونے تک، ہر رات گھر میں اکیلی رہتی ہے" اول خان نے دھیمی آواز میں ایک

ایک لفظ پر زور دے کر کہا "لگتا ہے اس بار قدرت ہم پر مہربان ہے۔"

"اسے اپنے شوہر پر گھمنڈ ہو گیا ہے۔ سوچتی ہو گی کہ وہ رجب علی کی بیوی ہے۔ جو اسے ٹیڑھی آنکھ سے دیکھے گا، رجب علی اس کی آنکھ نکال لے گا۔"

"اس کا یہ غرور بھی ہمارے حق میں جاتا ہے۔ وہ غیر مسلح ہو گی اور گھر میں بے فکر ہو کر گہری نیند سوتی ہو گی۔ مجھے تو اس بیچاری کا اغوا ابھی سے بچوں کا کھیل معلوم ہونے لگا ہے۔"

باتیں کرتے ہوئے ہم لیلیٰ کے محلے اور پھر کوچے سے گزرے۔ پرانے شہر میں واقع ہونے کے باوجود وہ محلہ صاف ستھرا تھا۔ اس کی گلیاں کشادہ تھیں اور مکانات کی ظاہری حالت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہاں آسودہ حال لوگ رہتے ہیں جو پیسہ کمانے کے ساتھ ہی اس کے صحیح مصرف سے بھی بخوبی واقف ہیں۔

پوری گلی میں کنگورے دار فصیل والا ایک ہی مکان تھا جو خوش قسمتی سے کونے پر واقع تھا جس کا مطلب تھا کہ اس پر کم از کم دو سمتوں سے طبع آزمائی کی جا سکتی تھی۔ پشت کی طرف سے دو قطاریں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں اس لئے ادھر سے براہِ راست رسائی یا نکاسی کی کوئی صورت نہیں تھی۔

"کیوں نہ ایک بار پھر اس گلی سے گزرا جائے؟" گلی کے آخری سرے سے ذرا دور نکل جانے کے بعد میں نے تجویز پیش کی جو اول خان نے فوراً ہی رد کر دی۔

"اس حماقت کی ضرورت نہیں" وہ آنکھیں نکال کر سختی سے بولا "دوبارہ گلی میں داخل ہوتے ہی ہم کسی نہ کسی کی نظروں میں آجائیں گے۔ میں نے اس مکان کو اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ وہاں داخل ہونے کا محفوظ بندوبست کرنا اب میرا کام ہے۔ تم اس فکر میں پڑ کر خود کو ہلکان نہ کرو۔"

"اغوا کی ترکیب تو تم نے سوچ لی۔ اب یہ بھی بتا دو کہ اسے کہاں گاڑو گے؟" میں نے جل کر کہا۔

"میں پہلے بھی سکھر آچکا ہوں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ شہر کا صنعتی علاقہ ابھی تک خاصا ویران ہے۔ وہیں کہیں اسے ٹھکانے بھی لگا دیں گے۔"

"صنعتی علاقہ یہاں سے دور ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ کوئی سواری لے لو۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ کوئی کار کرائے پر مل جائے۔ رات کو ہمیں کار کی ضرورت ہو گی۔"

"ہم اجنبی شہر میں ہیں، ہمارے پاس کوئی شناختی کاغذ بھی نہیں ہے۔ اس کے بغیر ہمیں کون گاڑی کرائے پر دے گا؟ ڈرائیور ساتھ ہوا تو رات کو اسے بھی دفن کرنا پڑے گا۔ بلاوجہ کام بڑھ جائے گا۔"

وہ چلتے چلتے اچانک ہی اڑیل ٹٹو کی طرح ایک جگہ جم کر کھڑا ہو گیا۔

"اب کیا ہوا بھائی؟" میں نے اپنا داہنا ہاتھ اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے پوچھا۔

"سب کچھ چوپٹ ہو گیا۔" وہ مظلوم سی آواز میں کراہا "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ کار کہاں سے آئے گی؟ کار کے بغیر تو ہم لیلیٰ کو زندگی بھر اغوا نہیں کر سکتے۔"

"پھر کیا کیا جائے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ انسپکٹر کو فون کرو، وہی کوئی نہ کوئی راہ نکالے گا۔"

"بس تم میں یہی خرابی ہے" میں نے چڑ کر کہا "بہت دھوم دھام سے کسی کام کے بارے میں سوچنا شروع کرتے ہو اور جہاں ذرا سی کوئی دشواری سامنے آجائے وہیں بوکھلا جاتے ہو۔"

"اس میں بوکھلانے کی کیا بات ہے؟ ایک مسئلہ سامنے آیا ہے تو میں اس کا حل بھی بتا رہا ہوں۔"

"اتنی سی بات کے لئے ہم انسپکٹر کو زحمت نہیں دے سکتے۔ وہ ہماری وجہ سے اپنی پوزیشن کے لئے کوئی خطرہ مول نہیں لے گا۔ ناکامی کی صورت میں کار پکڑی گئی تو وہ کہاں جائے گا؟"

"تمہارے ذہن میں اس کے علاوہ کوئی حل موجود ہو تو اس پر عمل کر ڈالو۔"

"رات کے لئے ہمیں کوئی کار چرانا ہو گی۔ اس مسئلے کا وہی بہترین حل ہے۔"

"میں بلاوجہ ہی تمہیں اپنا بڑا نہیں مانتا۔ تمہارا دماغ ہر وقت چوطرفہ کام کرتا رہتا ہے۔ اس کا یہی سب سے بہتر اور مناسب حل ہو سکتا ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

ہم نے وہیں سے ایک رکشا لیا اور فیکٹری ایریا کی طرف روانہ ہو گئے۔

فیکٹری ایریا میں آباد کارخانوں کے ساتھ ہی خود رَو جھاڑ جھنکاڑ سے بھرے ہوئے خالی قطعاتِ اراضی بھی تھے اور کئی ویران احاطے بھی جن میں کسی وجہ سے مشینوں کی تنصیب کی نوبت نہیں آسکی تھی یا تنصیب کے بعد مشینوں وغیرہ کو وہاں سے اکھاڑ لیا گیا تھا۔ رکشا چھوڑنے کے بعد اپنے اس تفصیلی معائنے کے دوران میں ہمیں بسکٹ بنانے کا ایک متروک کارخانہ نظر آگیا۔ جس کے کہن سال در و دیوار سے ویرانی اور بوسیدگی ٹپک رہی تھی۔ اس کے پھاٹک پر بڑا سا زنگ آلود قفل موجود تھا لیکن احاطے کی دیوار کئی جگہ سے گری ہوئی تھی۔

وہاں بظاہر کسی چوکیدار وغیرہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ہم گری ہوئی دیوار کا ملبہ عبور کر کے اندر پہنچے تو وہاں ہر طرف بربادی اور ویرانی کا راج تھا۔ استدادِ زمانہ سے شہتیر گلنے کے بعد چھتیں گر چکی تھیں، دیواریں جا بجا منہدم تھیں۔ لمبی لمبی مشینوں پر انچوں کے حساب سے زنگ کے پرت وجود میں آچکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس فیکٹری کے مالکان اپنے پیچھے کوئی ولی وارث چھوڑ ے

بغیر وفات پا چکے ہوں یا کسی طویل مقدمے بازی کے نتیجے میں فیکٹری کھنڈر ہو کر رہ گئی ہو۔ اس کا پس منظر جو کچھ رہا ہو' وہ فیکٹری ہمارے مقاصد کے لئے بہت مناسب تھی۔ ہمیں تو صرف ایک لاش ہی کو ٹھکانے لگانا تھا۔ وہ فیکٹری ایسی تھی کہ وہاں ایک پوری پلاٹون کو نیست و نابود کر کے اس طرح چھپایا جا سکتا تھا کہ مہینوں ان میں سے کسی کا سراغ نہ ملتا۔

چلتے چلتے اول خان کی نگاہ فیکٹری کے ٹیوب ویل پر پڑ گئی جو حقیقتاً ایک کھلا ہوا کنواں تھا جس کے دہانے پر شہتیروں کا پلیٹ فارم بنا کر پمپ لگایا اور پائپ کنوئیں میں اتارے گئے تھے۔

کنوئیں میں جھانکنے کے بعد ہم دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں لیلیٰ وتی کے لئے اس آبی قبر کے انتخاب پر متفق ہو گئے جس کے ہوتے ہوئے ہم زمین کھودنے کی مشقت سے بچ کر اپنا بوجھ بہ آسانی ہلکا کر سکتے تھے۔

اس مقام کا تفصیلی جائزہ لے کر ہم شہر لوٹ آئے اور ایک معمولی سے اقامتی ہوٹل میں اپنے اصلی ناموں سے دو الگ الگ کمرے بک کرا لئے۔

سر چھپانے کے ٹھکانے کا بندوبست کرنے کے بعد ہم نے کھانا کھایا۔ پھر خریداری کے لئے نکل پڑے کیونکہ رات کو رجب علی کے مکان میں داخل ہو۔ نے کے لئے اول خان کچھ ساز و سامان کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

اول خان کی رائے تھی کہ لیلیٰ وتی کے نام نہاد اغوا کے بعد حالات میں تیزی کے ساتھ ڈرامائی تبدیلیاں آنی لازی تھیں جن کے دوران میں انسپکٹر علی اسد اپنے پورے وسائل سے ہماری مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اگر ملا سرکار کو ساوھو بیلہ یا ست بیلہ نامی جزیرے میں ہی گھیرنا پڑ جاتا تو اس کے لئے ہم دونوں ہر اعتبار سے ناکافی تھے۔

وہ جزیرہ پوری طرح آباد اور عملاً سکھر شہر ہی کا ایک حصہ تھا جہاں سے آمد و رفت کے لئے متعدد گھاٹ موجود تھے ان سب کا مکمل محاصرہ کئے بغیر جزیرے میں ملا سرکار جیسے خطرناک مجرم کو چھیڑنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ ایک طرف اپنے دشمنوں کو موجود پا کر وہ کسی بھی دوسرے راستے سے فرار ہو سکتا تھا۔

ان امکانات کے سدِباب کے لئے اول خان اپنے بڑوں سے رابطہ کر کے اسپیشل ٹاسک فورس کی معقول نفری سکھر طلب کرنا چاہتا تھا۔ وہ لوگ دریائی جنگ کی تمام ضروریات سے لیس ہو کر منچلے سیاحوں وغیرہ کے روپ میں وہاں آتے اور اول خان ایک اشارے پر میدانِ عمل میں کود پڑتے۔

میرے نزدیک اس احتیاطی تدبیر کے اختیار کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ضرورت پڑنے پر آناً فاناً میں اس فورس کو ملا سرکار کے مقابلے میں میدان میں اتارا جا سکتا تھا۔ ان کی ضرورت پیش نہ آتی تو ملا سرکار کی سرکوبی کے بعد وہ خاموشی سے اپنے مستقر کی طرف لوٹ سکتے تھے۔

اول خان کی محتاط اور مخصوص خریداری کے دوران میں ہم اس موضوع پر متفق ہو گئے اور واپسی پر اول خان نے تار گھر سے اپنے کمانڈر کو فون پر پوری صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔

فون بوتھ میں' میں اس کے ساتھ ہی موجود تھا لیکن مزاج پرسی وغیرہ کے رسمی فقروں کے علاوہ کوئی بات میرے پلے نہیں پڑ سکی کیونکہ ساری اہم باتیں ہندسوں اور حرفوں کی صورت میں کی گئیں جو شاید اسپیشل ٹاسک فورس کی اپنی کرپٹوگرافی میں تھیں جنہیں سمجھنا آسان نہیں تھا۔

"ہمارے ستارے یاور جا رہے ہیں" باہر آ کر اول خان نے مسرت آمیز لہجے میں مجھے آگاہ کیا "سکھر سے چند میل دور ایک موٹر بوٹ دریا میں لنگر انداز ہے جس پر دریائی حیاتیات اور مچھلیوں کی افزائش پر تحقیق کرنے والے مقامی اور غیر ملکی ماہرین کی چار نفری ٹیم موجود ہے۔ ان لوگوں کے تحفظ کے لئے بوٹ پر ایس ٹی ایف کے چھ جوان موجود ہیں۔ ان کے پاس جدید ترین اسلحے سے لے کر چھوٹی کشتیاں اور لائف بوٹس تک موجود ہیں۔ کل تک ان جوانوں کی تعداد اٹھارہ کر دی جائے گی اور وہ دریا میں ایسے مقام پر لنگر ڈالیں گے جہاں سے دوربینوں کی مدد سے ساوھو بیلہ کے بیشتر گھاٹوں کی نگرانی کی جا سکے گی۔ میرا ان سے وائرلیس پر رابطہ رہے گا۔ یوں سمجھو کہ اب کام کرنے میں مزہ آئے گا۔ میں پوری اتھارٹی اور قوت کے ساتھ ان... اٹھارہ جوانوں کو حرکت میں لا سکوں گا۔"

وہ بہت بڑی خبر تھی۔ رجب علی کے ٹھکانے سے رہائی ملنے کے بعد سے ہم پر بے سرو سامانی کا جو سنگین احساس غالب تھا' وہ یکلخت کافور ہو گیا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ حالات بگڑنے یا قابو سے باہر ہونے کی صورت میں ہم فوری طور پر سکھر کو خیرباد کہہ کر اس محفوظ بوٹ پر منتقل ہو سکتے تھے۔

"بس یہ خیال رکھنا کہ بوٹ کے عملے کے ذریعے کوئی خبر باہر نہ نکلنے پائے۔"

"بوٹ کا سارا عملہ ایس ٹی ایف کے ان چھ جوانوں پر مشتمل ہے۔ وہ سب تربیت یافتہ اور مستند میرینر ہیں۔ عام حالات میں وہ موٹر بوٹ چلاتے اور اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر اپنے اصل روپ میں آ جاتے ہیں۔ در اصل ہمارے کام کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ ہمارے ہر آدمی کو گوریلا لڑائی کی تربیت کے ساتھ ہی کوئی نہ کوئی ہنر یا پیشہ بھی سکھایا جاتا ہے تاکہ اجنبی علاقوں میں وہ عام لوگوں میں گھل مل کر خود کو پوشیدہ رکھ سکیں۔ اس طرح انہیں اپنا اصل کام کرنے میں ناقابلِ تصور سہولتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔"

اس وقت تک ساری ہی خبریں بہت اچھی اور حوصلہ افزا تھیں۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ آخر تک ایسی ہی

صورتِ حال برقرار رہے تاکہ ہم ملا سرکار کے فتنے کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کرسکیں۔

ملا سرکار اپنے ملک کے لئے زبردست قربانیاں دے کر برسہا برس سے پاکستان میں چپکے چپکے کام کررہا تھا۔ اس کا یہ کہنا درست تھا کہ اس نے اپنی جوانی برباد کرکے 'بڑی ریاضت کے بعد پاکستان بلکہ سندھ کے دیہی معاشرے میں اپنی ساکھ بنائی تھی جس کے ذریعے وہ اپنا منصوبہ پورا کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔

اس کا ظاہر بہت مسکین اور محبت آمیز تھا لیکن اندر سے وہ ایک خوفناک درندہ تھا اور پورے سندھ میں شورش 'بدامنی اور دہشت گردی کی تحریک کا روحِ رواں بنا ہوا تھا۔ اس کی حکومت اس کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے اس قدر مضطرب تھی کہ اسلحے کی فراہمی کے لئے ٹی کے سربراہ 'جمی لائیڈ کو سیاسی دباؤ کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا مگر میں ان عالمی کڑیوں کو یکجا کرکے اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ اس ہولناک سازش میں ایک بہت بڑا سقم رہ گیا تھا جس سے فائدہ اٹھا کر ایک طویل مدت کے لئے بدترین حالات سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا تھا۔

نجانے وہ ملا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کی انا پرستی تھی یا اس کے بڑوں کی عاقبت نااندیشی کہ اتنی بڑی اور بین الاقوامی سازش کی بنیاد صرف اور صرف ملّا سرکار کے وجود اور کارکردگی پر رکھی گئی تھی۔ فردِ واحد پر انحصار کی جہاں کچھ اچھائیاں تھیں' وہیں بڑے نقصانات بھی تھے۔ خود ملا سرکار نے کبھی ان سرحدی علاقوں میں اپنا جانشین پیدا کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اگر اسے راہ سے ہٹا دیا جاتا تو سازشی سرگرمیوں کے لئے اس کی جگہ اس سے بہتر اور تجربے کار شخص کا تقرر کیا جاسکتا تھا لیکن اس کی وہ ساکھ ہرگز نہ ہوتی جو ملا سرکار نے کئی عشروں میں بنائی تھی۔ اسے سندھ کے عوامی حلقوں اور ڈاکوؤں میں بیک وقت رسائی اور مقبولیت حاصل نہ ہوتی اور اس طرح ملا سرکار کی موت کے ساتھ ہی پڑوسی ملک کا سازشی منصوبہ اپنی موت آپ مرجاتا۔

برسہا برس پہلے بے روزگاری کے عالم میں چرس فروشی سے شروع ہونے والا میرا کیریئر عالمی پیمانے پر ہیروئن کی غیر قانونی تجارت میں الجھ کر ایسے موڑ پر پہنچ گیا تھا جہاں ایک طرف پیشہ ورانہ عالمی رقابتوں سے میری جان کو خطرہ درپیش تھا تو دوسری طرف میں ملّا سرکار کا پیچھا کرکے اپنی دانست میں ایک بڑی قومی خدمت انجام دے رہا تھا۔

وہ سب کالے دھن کی ہولناک تباہ کاریاں تھیں۔ ہیروئن کی تجارت سے دُنیا کے بہت سے ملکوں میں زیرِ زمین متوازی معیشتیں وجود میں آچکی تھیں۔ کالا دھن جس طرف چل پڑتا تھا 'اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا تھا۔ موت کے سوداگروں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے خرید فروخت کی تمام اہم منڈیوں میں اسلحے کے بیباکانہ استعمال کو اس حد تک فروغ دیا تھا کہ ہیروئن کی تجارت کے ساتھ اسلحے کی اسمگلنگ ایک ناگزیر ضرورت بن گئی تھی۔ غیر قانونی اور جدید ترین اسلحے کی اس بھرمار نے ہر معاشرے میں نیم باغی اور ناآسودہ طبقات کو کھل کر اپنی ایک واضح شناخت قائم کرنے کا موقع فراہم کیا تھا جس کے نتیجے میں ہر طرف اسلحہ برداروں کے جتھے نظر آنے لگے تھے۔

ان خونی گروہوں کی تشکیل اور واضح شناخت کے نتیجے میں باہر سے آنے والوں کا کام بہت آسان ہوگیا تھا۔ وہ براہِ راست ان ہی بگڑے ہوئے 'خون آشام ٹولوں پر طبع آزمائی کرتے تھے اور بہت جلد اپنے مطلب کے لوگوں تک پہنچ جانے میں کامیاب ہوجاتے تھے جنہیں عام حالات میں تلاش کرنا ناممکن ہوتا تھا۔ اس لئے مشرق سے مغرب تک ' ہر طرف تشدد اور جرائم کی طوفانی لہریں موجزن نظر آرہی تھیں جنہیں روکنے میں کہیں کوئی کامیاب نہیں ہوپارہا تھا۔

اہم مقامات کے جائزے اور ضروری خریداری کے بعد ہم دونوں نے اپنا وقت یہی سب سوچتے ہوئے گزارا اور چھ بجے ہم ایک دوسرے سے الگ ہوکر اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

سات بجے میں ایک مختصر سے دستی بیگ میں اپنے حصے کا ضروری سامان لے کر ہوٹل سے نکلا تو چند سو قدم کے فاصلے پر اول خان مقررہ مقام پر میرا منتظر تھا۔

مجھ پر سرسری سی نگاہ ڈالتے ہی وہ بے پروایانہ انداز میں آگے چل دیا اور میں خاموشی سے اسی رفتار سے اُس کے پیچھے چلتا رہا۔ سکھر آنے سے پہلے ہم دونوں نے اپنی ظاہری وضع قطع میں وہ امکانی تبدیلیاں کرلی تھیں جو ہمارے بس میں تھیں۔ ہم نے اپنے سروں پر گہرے رنگوں میں چھپے ہوئے بڑے بڑے رومال لپیٹے ہوئے تھے جو بوقتِ ضرورت نقاب یا کسی حریف کا گلا گھونٹنے کے لئے بھی استعمال کئے جاسکتے تھے۔ ہمارے جسموں پر اسی تراش خراش کے لمبے اور ڈھیلے ڈھالے عوامی سوٹ تھے جو سکھر کی بیشتر آبادی کے استعمال میں تھے۔ اس طرح ہم نے اپنی انفرادیت کو شہری انبوہ میں سمونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

اندھیرا پھیلنے کے ساتھ ہی سکھر کے بازار تیزی کے ساتھ بند ہورہے تھے۔ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ لیلیٰ وتی کے گھر رات گئے جانا خطرناک ہوسکتا تھا کیونکہ اس وقت ہر شخص ہوشیار اور چوکنا رہتا ہے اس لئے ہماری کارروائی کا آغاز ایسے وقت ہوتا تھا جب شہر میں نہ بھرپور چہل پہل ہو اور نہ ہی گمبھیر سناٹا جس میں کتّوں کے رونے کی آوازیں بھی میلوں دور تک سنائی دیتی ہیں۔ اول خان نے وقت کے انتخاب میں اس وقت مجھے گہری زک پہنچائی جب اس نے اخبار دیکھ کر واردات کے لئے سوا آٹھ سے پونے نو بجے تک کا انتہائی وقت مقرر کردیا۔

"کیا تم نے اخبار سے کوئی فال نکالی ہے؟" میں نے استہزائیہ

انداز میں اس سے پوچھا تھا۔

"تم تو بہت ہوشیار ہو' خود ہی اندازہ لگالو" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

جب میں کئی کوششوں کے باوجود اس کی منطق کی تہ تک نہ پہنچ سکا تو اس نے بتایا کہ اس دن ٹیلی ویژن سے ایک بہت مقبول سیریل کی قسط نشر ہونے والی تھی۔ اس کا اندازہ تھا کہ ان اوقات میں بچے اور بڑے' سب ہی اپنے گھروں میں گھسے رہیں گے اور ہم لیلیٰ وتی کو لے کر آسانی سے نکل جائیں گے۔

ساڑھے سات بجے ہم طے شدہ نیم تاریک بازار میں مقررہ علاقے میں پہنچ گئے جہاں چند گلیوں میں قابلِ اعتماد گاڑیاں پارک کی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

میری نیت کرولا پر ہاتھ صاف کرنے کی تھی جبکہ اول خان کا تجربہ شیراڈ کا متقاضی تھا۔ یہ اس کی سوچی سمجھی رائے تھی کہ شہری علاقوں میں کسی بھی گوریلا کارروائی کے لئے شیراڈ بہترین پسنجر کار تھی۔ شاندار پک اپ کی وجہ سے اس کی رفتار پلک جھپکتے میں صفر سے انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ تنگ اور دشوار راستوں پر اسے کسی کھلونے کی طرح موڑ توڑ کر نہایت آسانی کے ساتھ نکالا جاسکتا ہے جب کہ دوسری گاڑیاں ان آزمودہ خوبیوں سے محروم تھیں۔

دو شیراڈ گاڑیاں ایسے مقامات پر پارک کی ہوئی نظر آئیں جہاں ان پر ہاتھ ڈالنا خطرناک ہوسکتا تھا لیکن تیسری ایک بند دکان کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

اول خان دور کھڑا رہا۔ میں جیب سے چابیوں کا گچھا لے کر شیراڈ کی طرف گیا۔ پہلی چابی کو قدرے آگے پیچھے کر کے گھمانے کے بعد میں نے لیورز کی ساخت کا اندازہ لگایا' پھر پہلی چابی نکال کر دوسری چابی ڈالتے ہی ہلکی سی احتجاجی آوازوں کے ساتھ ڈور لاک کے انجر پنجر ڈھیلے ہوگئے۔

اگنیشن اور اسٹیئرنگ لاک کا بھی وہی حشر ہوا اور میں نے تیزی سے گاڑی باہر نکال لی۔ اول خان اپنی سمت کا دروازہ کھول کر پھرتی سے پسنجر سیٹ پر آگیا اور میں نے شیراڈ کی سبک رفتاری کے بارے میں اول خان کے دعووں کو عملی طور پر پرکھنا شروع کردیا' جو سوفیصد درست ثابت ہوئے۔

ہمارا شیڈول بالکل درست جارہا تھا۔ ایک ویران سڑک پر کار دوڑاتے ہوئے میں نے چابی سے اگنیشن آف کیا تو انجن فوراً بند ہوگیا جو چابی گھماتے ہی پھر بیدار ہوگیا۔ میں نے دو تین مرتبہ وہی عمل دہرایا اور مجھے یقین ہوگیا کہ میری زیادتی کے نتیجے میں تالے کے لیورز ضرور ٹوٹے تھے مگر کانٹیکٹ سوئچ پوری طرح فعال تھے۔

اول خان میری ان حرکتوں کو بغور نوٹ کررہا تھا۔ ہنس کر بولا۔

"تم کسی گوریلے کی طرح ذہین' فعال اور حاضر دماغ ہو۔ ایس ٹی ایف میں آنا چاہو تو مجھ سے ایک رینک اوپر آسکتے ہو۔"

"میں کسی ایسی فورس میں شامل نہیں ہوسکتا جس کے سرکاری یا غیر سرکاری ہونے کا تعین ہی نہ کیا گیا ہو۔ مجھے تو آج تک تمہارا رینک بھی معلوم نہیں ہوسکا۔"

"خیرپور میں انسپکٹر علی اسد کی تصدیق کے بعد بھی تمہارے ذہن میں شبہات باقی ہیں؟"

"ایک بار چاہوں تو میں بھی خود کو رانی خان کا سالا ثابت کراسکتا ہوں۔ جب تم خود کچھ نہیں جانتے تو انسپکٹر یا کسی اور کی تصدیق سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

ہمیں چند منٹ سے زیادہ آوارہ گردی نہیں کرنا پڑی۔ ٹھیک آٹھ بجے ہم لیلیٰ وتی کے محلے کی طرف روانہ ہوئے تو سڑکیں اور گلیاں واقعی ویران ہوچلی تھیں' ہوٹلوں اور دوکانوں میں چلتے ہوئے ٹیلی ویژن سیٹس کے گرد لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ ٹیلی ویژن کے کسی کھیل کی مقبولیت کے بارے میں بھی اول خان کا اندازہ درست ہی ثابت ہوا تھا۔

لیلیٰ وتی کے محلے میں گلیاں بالکل ویران پڑی ہوئی تھیں اور ہر گھر سے ٹیلی ویژن کی اونچی آواز سنائی دے رہی تھی۔ لوگوں کے اجتماعی شوق کا وہ مشاہدہ میرے لئے فکر انگیز تھا۔ سلامتی اور فلاح کے راستوں پر پکارنے والے پکار پکار کر تھک جاتے ہیں لیکن چند لوگوں کے سوا کوئی ان کی دعوت کو نہیں سنتا لیکن ٹیلی ویژن' ہیروئن ہی کی طرح معاشرے کو اپنا عادی بنا چکا ہے۔ ناسمجھ بچے بھی اپنے پسندیدہ پروگراموں کی ابتدائی موسیقی خوب پہچانتے ہیں۔ مخصوص سُر اور تال سنتے ہی لوگ یوں ان طلسماتی ڈبوں کی طرف بڑھتے ہیں جیسے کوہِ ندا سے کسی مقناطیسی آواز نے انہیں پکار لیا ہو۔

شہر اور محلے کی طرح لیلیٰ کی گلی بھی ویران تھی اور میدان صاف نظر آرہا تھا۔

دشمن بہت خوفناک اور جری تھا اس لئے سب کچھ دیکھ لینے کے باوجود میرے وجود میں سنسنی خیز تلاطم سا برپا ہوچکا تھا۔ دو مرد ایک عورت کو اغوا کرنے جارہے تھے اور پھر بھی قدرے خائف تھے۔ مجھے وہ فقرے یاد آنے لگے جو میں نے جنگل میں رجب علی کے حواریوں سے سنے تھے۔

وہ ٹھیک ہی کہتے تھے کہ جس گھرانے کا ایک فرد بھی ڈاکو بن جاتا ہے' اس گھرانے کو پولیس' پٹواری' زمیندار اور بدمعاشوں کی دہشت سے نجات مل جاتی ہے۔ ہم پر لیلیٰ کا کوئی خوف نہیں تھا۔ ساری تشویش اس کے سفاک شوہر کی طرف سے لاحق تھی جو ڈاکو تھا اور صرف ہتھیاروں کی زبان میں بات کرتا تھا۔

میں نے لیلیٰ وتی کے دروازے سے تقریباً ملا کر گاڑی روک دی۔

ہم دونوں نے سب . . . کچھ پہلے ہی طے کرلیا تھا۔ اول خان گاڑی سے اتر کر دروازے پر گیا اور ڈور بیل بجا کر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ ہم کو علم تھا کہ سورج ڈھلنے کے بعد لیلیٰ وتی اپنے گھر میں اکیلی

ہوتی ہے اس لئے مجھے پورا یقین تھا کہ دروازہ کھولنے کے لئے لیلیٰ وتی خود ہی دروازے پر آئے گی۔

اندھیرا پھیل چکا تھا اور اس کا پیا اندھیرے ہی میں گھر لوٹتا تھا اس لئے ایک امکان یہ بھی تھا کہ وہ گھنٹی کی آواز سن کر غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے لیکن میرے ذہن نے فوراً ہی اس خیال کو مسترد کر دیا۔

وہ ایک بہت بڑے ڈاکو کی چہیتی بیوی تھی اور ایسا کوئی دھوکا نہیں کھا سکتی تھی۔ رجب علی نے اپنی شناخت کے لئے گھنٹی بجانے کا کوئی نہ کوئی انداز مقرر کیا ہو گا جسے سنتے ہی لیلیٰ اپنے مجنوں کو پہچان لیتی ہو گی۔ لیکن ان کے میل جول کی وہ سحر انگیز کہانی اب جلد ہی اپنے انجام کو پہنچنے والی تھی۔

میرا آخری اندازہ یہ تھا کہ وہ گھنٹی کی آواز سے کوئی دھوکا نہیں کھائے گی بلکہ بند دروازے کی اوٹ سے ہی سوال جواب کر کے اول خان کو ٹالنے کی کوشش کرے گی۔

لیکن ہوٹل میں ملنے والوں نے درست ہی کہا تھا۔ وہ نر کی بیوی تھی اور اتنے بڑے گھر میں، تن تنہا کسی نر ہی کی طرح رہتی تھی۔ تیز جھٹکے کے ساتھ اندر کا کنڈا کھلا اور پھر ایک چوبی پٹ پورا کھل گیا۔

میں نے شہابی رنگ، سڈول جسم اور دیومالائی خدوخال والی اُس حسینہ کو دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ کھلے ہوئے چوبی پٹ کے سامنے وہ اپنا بدن تانے اول خان کے مدمقابل کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے پوری قوت سے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ لیلیٰ نے میرے اعصاب سن کر کے رکھ دیئے تھے۔

وہ بلاشبہ قدرت کے حسن کا ایک نادر شاہکار تھی۔ اگر سردار رجب علی پہلی ہی نظر میں اس برہمن زادی پر مرمٹا تھا تو وہ بے چارہ بالکل بے قصور تھا۔ لیلیٰ وتی کو دیکھ کر اسے حاصل کرنے کی آرزو نہ کرنا مردانگی کی شان کے خلاف تھا۔ رجب علی نے اس کے قدموں میں اپنا دل پھینک کر اپنی مردانگی کا ثبوت فراہم کر دیا تھا۔ لیلیٰ وتی نے اس کے اندر چھپے ہوئے مرد کو پہچان کر، جواب میں فوراً ہی اپنا دل ہار دیا۔ میری دانست میں وہ دونوں بہت عظیم تھے۔ ان کے راستے میں گناہ کی کسی دلدل کا وجود نہیں تھا۔ اول خان کے سفاکانہ فیصلے کے بارے میں سوچ کر میرا دل تڑپ اٹھا اور میں نے ارادہ کر لیا کہ حسن و جمال کی اس پُر وقار دیوی کو میں قتل نہیں ہونے دوں گا۔

"کیا بات ہے؟ کون ہو تم؟" آنے والی نے تیوری پر بل ڈال کر درشت لہجہ اپنانے کی کوشش کی لیکن اپنی جھرنے جیسی مترنم آواز کی مٹھاس کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

"میں ڈانگا ہوں، جنگل سے آیا ہوں" اول خان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ لیلیٰ وتی کے حسن بے مثال کے روبرو بھی اسے اپنا رول یاد تھا۔

"کیوں آئے ہو؟ مختصر بات کرو!" وہ ڈپٹ کر بولی۔ اس کا داہنا ہاتھ اس کی پشت پر تھا اور بایاں ہاتھ وہ اپنی نازک سی کمر پر رکھے کھڑی تھی۔

"پولیس اور فوج جنگل میں گھس آئی ہے... کیا تم مجھے اندر نہیں بلاؤ گی؟"

"تم پاگل ہو گیا؟ اکیلے گھر میں عورت کے ساتھ اندر آنے کی بات کرتے تمہیں لاج نہیں آتی؟"

"بڑا سائیں زخمی ہو گیا ہے دیوی جی" اول خان کی آواز رُندھنے لگی "اس نے تمہیں بلایا ہے۔"

"کچھ لائے ہو؟" اس نے اپنا نرم و گداز، بایاں ہاتھ اول خان کے سامنے پھیلا دیا۔ لحظہ بھر کے لئے اس کے چہرے پر تشویش کے سائے لہرائے تھے لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا تھا۔

"اس بری خبر کے علاوہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، دیوی جی..."

"پھر تم جھوٹے ہو، دفع ہو جاؤ یہاں سے" اس نے چیخ کر اول خان کی بات کاٹ دی "بری خبر لانے والا جب بھی آئے گا رجب علی کی نشانی کے ساتھ آئے گا اور میں اس کے ساتھ چل دوں گی... تم اپنا منہ کالا کرو یہاں سے۔"

اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ بند کرنا چاہا لیکن اول خان نے پھرتی کے ساتھ اپنا پیر اڑا کر اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ اسی کے ساتھ اس نے پھرتی کے ساتھ اپنا پستول لیلیٰ وتی پر تان لیا۔

"ہائے رام" وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی پھر اس کا پشت کے پیچھے چھپا ہوا ہاتھ بجلی کی سی سُرعت سے سامنے آ گیا جس میں ایک چمکتا ہوا دودھاری خنجر موجود تھا۔

"رجب علی کی ڈیوڑھی پار نہ کرنا" وہ اول خان کے پستول سے ذرا بھی خوف زدہ ہوئے بغیر تحکمانہ لہجے میں بولی "تم نے دوسرا قدم اندر رکھا تو میں یہ خنجر تمہارے سینے میں اتار دوں گی۔"

"تمہارے نازک ہاتھ کانپ جائیں گے لیلیٰ دتی" اول خان کے لہجے میں خون کی پیاس اُمڈ آئی "خون کے بجائے ہم تمہارے بدن کو حنا کی لالی سے سجائیں گے۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔"

"مجھے ہاتھ بھی نہ لگانا" اول خان کو چوکھٹ سے اندر داخل ہوتا دیکھ کر وہ پہلی بار خوف زدہ ہو گئی "جہاں ہو، وہیں سے واپس لوٹ جاؤ، میں رجب علی کی اجازت کے بغیر یہ ڈیوڑھی مر کر بھی پار نہیں کروں گی۔"

"خنجر کے بجائے میرے دل پر اپنی نظروں کے تیر چلاؤ، میں یہیں تمہاری چوکھٹ پر تڑپ تڑپ کر جان دے دوں گا" اول خان کی زبان سے وہ شاعری سن کر میں ششدر رہ گیا۔

مجھے علم تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ اس کے دل کی آواز نہیں تھی۔ اس کا مقصد لیلیٰ وتی کو مشتعل کرنا تھا تاکہ وہ غصے میں آ کر کوئی غلطی کر بیٹھے اور اول خان کو اسے زیر کرنے کا موقع مل جائے۔

خنجر پر لیلیٰ وتی کی گرفت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خنجر زنی کے فن سے بھی کسی نہ کسی حد تک واقف تھی۔ اس لئے جب تک اس کے ہاتھ میں خنجر تھا' وہ اول خان کے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

اس وقت لیلیٰ وتی اپنے دفاع میں اول خان پر خنجر سے وار کر سکتی تھی لیکن اول خان اسے ہلاک کر دینے کی خواہش رکھنے کے باوجود اس پر فائر نہیں کر سکتا تھا۔ فائر کرنے کی صورت میں آناً فاناً میں وہاں بھیڑ لگ جاتی اور ہمیں لیلیٰ وتی کی لاش وہیں چھوڑ کر فرار ہونا پڑتا جس کا واحد مقصد ہمارے منصوبے کی ناکامی ہوتا۔

ہم اس واردات کو اغوا کا رنگ دینا چاہتے تھے اس لئے لیلیٰ وتی کو اس کے گھر سے زندہ سلامت نکال لے جانا ہماری اشد ضرورت تھی۔ اپنی تحویل میں لینے کے بعد ہم اسے زندہ رکھتے یا مار دیتے' اس کا باہر کے کسی آدمی کو علم نہ ہو پاتا۔ وہی ایک نکتہ ہماری کامیابی کی کلید تھا۔

اول خان اس پر پستول تانے' قدم بہ قدم اس کی طرف بڑھتا رہا اور وہ خنجر تھامے الٹے قدموں پیچھے ہٹتی رہی۔ میں گاڑی سے اتر کر جلدی سے اندر داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے اس سے لگ کر کھڑا ہو گیا تاکہ اتفاقی طور پر مکان کے سامنے سے گزرنے والے کسی فرد کو اندر رونما ہونے والے واقعات کا علم نہ ہو سکے۔

لیلیٰ وتی نے اول خان کا سامنا بہت دلیرانہ انداز میں کیا تھا۔ شاید اسے اس بات پر ناز تھا کہ وہ رجب علی جیسے بے جگر ڈاکو کی بیوی ہے اس لئے کوئی بھی' کبھی بھی اس کے سامنے آنے کی جرات نہیں کر سکے گا۔ اندھیرا پھیل جانے کے بعد دروازے پر آنا شاید اس کے لئے خلافِ معمول تھا اس لئے وہ خنجر اپنے ساتھ اٹھا لائی تھی۔ اس کے ذہن میں کوئی خوف ہوتا تو وہ خنجر کے بجائے کوئی ایسا ہتھیار اپنے ساتھ لے کر آتی جس کا گھوڑا دباتے ہی نال سے سیکڑوں گولیاں ابل کر اس کے بدخواہوں کے بدن چھلنی کر دیتیں۔

لیکن اول خان کے ڈٹے رہنے سے اس کا سارا ناز و انداز ہوا ہو گیا تھا اور وہ واضح طور پر خوف زدہ نظر آنے لگی تھی۔ اس کے دودھ جیسے حسین اور ملیح چہرے پر خوف کی زردی پھیل گئی تھی اور بڑی بڑی' سیاہ آنکھیں' خوف سے مزید پھیل کر پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔

"آخر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" آخر کار اس کی آواز پر تکان غالب آ گئی۔ وہ کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح متوحش اور پریشان نظر آنے لگی تھی۔

"رجب علی نے بہت دن عیش کر لئے۔ اب ہمیں بھی موقع ملنا چاہئے" اول خان کی آواز کسی حریص' ندیدے اور بدفطرت مرد کی آواز میں بدل چکی تھی "رجب علی تمہیں اکیلا چھوڑ کر جنگل میں عورتوں اور شراب سے اپنا دل بہلاتا رہتا ہے۔ جب اس کا دل چاہتا ہے تو کسی جنگلی سؤر کی طرح تمہاری بو پر یہاں چلا آتا ہے۔ میں تمہیں دن رات اپنے دل سے قریب رکھوں گا۔ میرے ہوتے ہوئے تمہاری زندگی میں تنہائی کی کوئی رات نہیں آئے گی۔"

"جنگلی سؤر تم ہو جو شیر کی کچھار خالی دیکھ کر یہاں گھس آئے ہو۔" خوف کے باوجود وہ اپنے غصے اور حقارت پر قابو نہ رکھ سکی۔ "مرد اور سورما تھے تو رجب علی کی موجودگی میں آتے اور اسے گرا کر مجھے جیتنے کی کوشش کرتے.... عورت اپنی زندگی میں صرف ایک مرد کو چاہتی ہے اور رجب علی میرا مرد ہے۔ میں نے اسے قول دیا ہے کہ مجھ پر کوئی بری گھڑی آئی تو میں اپنی جان دے دوں گی لیکن عزت پر آنچ نہ آنے دوں گی۔ یہ خنجر جو میرے ہاتھ میں چمک رہا ہے' میرے اسی وعدے کی یادگار ہے۔ یہ مجھے رجب علی نے دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ میں عزت سے مری تو وہ روتے ہوئے بھی پورے احترام سے میرے جنازے کو کندھا دے گا لیکن اگر میں نے کبھی اپنی آبرو کی قیمت پر زندگی کا سودا کیا تو وہ مجھے زندہ زمین میں گاڑ کر میرے چہرے پر بھیڑیے چھوڑ دے گا۔ جو اس کی سوچ ہے وہی میرا ایمان ہے...... چلے جاؤ' یہاں سے تم کو نامراد اور خالی ہاتھ لوٹنا ہو گا۔"

میرے لئے حیرت کی بات تھی کہ معاملہ اس حد تک بڑھ جانے کے باوجود اس نے شور مچانے یا مدد کے لئے کسی کو پکارنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید اس کی انا اسے خود ہی لڑتا رہنے پر اکسا رہی تھی۔

وہ الٹے قدموں پیچھے سرک رہی تھی۔ والان سے اس کا رخ دروازے کے بجائے کمرے کی دیوار کی طرف تھا۔ چند ثانیوں کی بات تھی پھر اس کی پشت دیوار سے جا لگی۔ دیوار کا سنگین لمس محسوس کرتے ہی وہ قدرے بھڑکی۔ مگر پھر دیوار کے سہارے تن کر کھڑی ہو گئی۔

اول خان بدستور بڑھ رہا تھا۔ لیلیٰ وتی کے رک جانے کی وجہ سے ان دونوں کا درمیانی فاصلہ لحہ بہ لحہ گھٹ رہا تھا اور لیلیٰ وتی کے تنفس کی بڑھتی ہوئی رفتار اس کے سینے کے ہیجان انگیز زیر و بم سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"تو تم نہیں مانو گے؟" اس نے حیرت ناک حد تک اپنے لہجے پر قابو پا کر سکون سے پوچھا۔

وہ بلا کی انا پرست تھی۔ ابتدا سے اس لمحے تک وہ لفظوں کی پیکار میں الجھی ہوئی تھی لیکن اس نے کسی کو مدد کے لئے پکارا تھا نہ اول خان سے رحم' معافی یا درگزر کی کوئی موہوم ترین التجا کی تھی۔ نفرین و ملامت کے ذریعے وہ اس معاملے کو باوقار انداز میں اس کے انجام کی طرف لے جانا چاہ رہی تھی جو ہر اعتبار سے اندوہناک تھا۔

"خنجر پھینک دو' اب تم میری دسترس میں ہو!" اول خان کا لہجہ سرد تھا۔

اچانک لیلیٰ دتی کا خنجر والا ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ ادل خان پر وار کرتی تو وہ اس کی زد میں تھا۔ ادل خان بھی اچھل کر ایک طرف ہٹا لیکن لیلیٰ دتی کا وہ ہاتھ اسی سرعت سے نیچے آیا اور خنجر کا دودھاری پھل ' دستے تک اس کے سینے میں بائیں طرف پیوست ہوتا چلا گیا۔

خنجر کے پھل اور دستے کے گرد 'لیلیٰ دتی کی تنگ چولی کے سفید کپڑے پر فوراً ہی خون کی گہری سرخی پھیل گئی۔ وار اس قدر کاری تھا کہ لیلیٰ دتی کے منہ سے ایک شدید ہچکی کے سوا کوئی آواز نہ نکل سکی۔ خوابناک انداز میں اس کی غزالی آنکھوں پر شربتی پپوٹے گرتے چلے گئے۔ ادل خان بوکھلا کر اس کی طرف لپکا اور اس کی دیوار سے فرش پر پھسلتے ہوئے نرم وگداز وجود کو سہارا دینا چاہا تو اس کے چہرے پر اندوہناک کرب کی سیاہی پھیل گئی۔

ڈاکو کی بیوی اپنے بدن پر اجنبی ہاتھوں کا لمس محسوس کرنے سے پہلے اپنی جان سے گزر چکی تھی۔

"یہ تو مر گئی ڈینی!" لیلیٰ دتی کے بے جان ' مرمریں وجود کو فرش پر ڈال کر ادل خان نے معصومانہ حیرت کے ساتھ مجھ سے کہا جیسے اسے لیلیٰ دتی کی موت پر یقین نہ آیا ہو۔

میں دروازہ بولٹ کر کے دالان میں آچکا تھا۔ میں نے آہستگی سے کہا "کیوں دل چھوٹا کرتے ہو یار! اس بے چاری کو تو بہرحال مرنا ہی تھا۔ تمہیں اس کا احسان مند ہونا چاہئے کہ اس نے خودکشی کر کے تمہیں ایک قتل کے بوجھ سے بچا لیا۔ ویسے یہ بہت عجیب اور پُرعزم لڑکی تھی۔"

"خدا کی قسم 'میں نے اسے دیکھتے ہی 'اسے زندہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس جیسی حسین ' دلیر اور باوفا عورت کو تو کوئی سنگدل جنونی ہی مار سکتا ہے۔ میں نے آج تک اس جیسی کوئی دوسری عورت نہیں دیکھی۔"

اس نے غیر ارادی طور پر لیلیٰ دتی کے سینے میں پیوست خنجر نکالنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ میں نے اسے ٹوک دیا اور اسے بھی فوراً ہی اپنی غلطی کا خیال آگیا۔

لیلیٰ دتی نے نہایت صاف ستھرے انداز میں خودکشی کر لی تھی لیکن ملا سرکار کے گرد اپنا جال مضبوط کرنے کے لئے ہمیں اس کی لاش کو وہاں سے اٹھا کر لے جانا تھا تاکہ اس کے اغوا کا ڈراما رچا کر ملا سرکار اور رجب علی میں جوتے چلوا سکیں۔ لیلیٰ دتی کی خودکشی کا ہم دونوں کے علاوہ کوئی گواہ نہیں تھا۔ ہم اس کی لاش لے جاتے تو کسی کو کانوں کان بھی پتا نہ چلتا کہ لیلیٰ دتی کو مرنے کے بعد لے جایا گیا تھا یا وہ زندہ اغوا کی گئی تھی۔

اس بے مثال اور پُروقار لڑکی کی لاش جوان اور تازہ تھی۔ اس کے دل میں پیوست خنجر نکالا جاتا تو اس کے زخم سے اس قدر خون بہتا کہ لاش کو کار میں لے جانے تک ہم دونوں خون میں نہا جاتے۔ اسی وجہ سے میں نے خنجر زخم میں چھوڑ دینا ضروری سمجھا تھا۔ اس کی چولی پر آیا ہوا داغ اور خنجر کا دستہ ایک تکیے اور چادر کے نیچے چھپایا جا سکتا تھا۔

لیلیٰ دتی کی لاش کو ہم دونوں بہت پھرتی کے ساتھ ڈیوڑھی تک لائے تھے کیونکہ ساڑھے آٹھ بج رہے تھے اور میں ٹیلی ویژن ڈراما ختم ہونے سے پہلے وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

اجرک میں لپٹی ہوئی لاش فرش پر ڈال کر میں نے دروازہ کھولا اور گلی کا جائزہ لیا جو بدستور ویران پڑی ہوئی تھی۔ محلے کے مکین اپنے گھروں میں ڈراما دیکھنے میں منہمک تھے۔

میں نے وزنی بولٹ گرا کر نکاسی کے دونوں پٹ کھول دیئے پھر نیچے جا کر شیراڈ کا عقبی دروازہ بھی کھول دیا۔ ہم دونوں نے بہت تیزی کے ساتھ لیلیٰ دتی کی لاش شیراڈ کی عقبی نشست پر منتقل کی تھی۔ ان کوششوں میں خنجر کا پھل ہلنے جلنے کی وجہ سے لاش کے زخم سے کچھ خون بھی جاری ہوا لیکن ہم مجموعی طور پر کسی مداخلت کے بغیر لیلیٰ دتی کی لاش اپنے ہمراہ لے کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

سردار رجب علی اور لیلیٰ دتی کے مکان کے داخلی دروازے کے دونوں پٹ میں نے دانستہ کھلے چھوڑ دیئے تھے تاکہ ٹیلی ویژن ڈراما ختم ہوتے ہی لیلیٰ دتی کے اغوا کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل جائے۔

شیراڈ کی افادیت کا صحیح ثبوت اس وقت ملا جب بدترین ذہنی دباؤ کے عالم میں ہم آناً فاناً فیکٹری ایریا کی متروکہ بسکٹ فیکٹری میں پہنچ گئے۔ کار چوری کی تھی۔ اس کا انجن طاقتور تھا اس لئے اسے احاطہ کی گری ہوئی دیوار کے ملبے سے گزار کر ہم براہِ راست کنوئیں تک پہنچ گئے جس کے اندر ہر طرف مکڑی کے جالے تنے ہوئے تھے۔

لیلیٰ دتی جیسی باوقار اور پُرشکوہ دوشیزہ کا وہ انجام بہت دلگداز تھا لیکن ہمارے پاس کوئی متبادل راہ موجود نہیں تھی اس لئے ہم نے وہ لاش تکیے ' چادر ' اجرک اور خنجر سمیت یونہی کنوئیں میں ڈال دی۔

کنوئیں کی تہ میں ایک پرشور چھپاکا ہوا اور ہم شیراڈ میں وہاں سے واپس روانہ ہو گئے۔

شیراڈ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ہم نے قینچی والے پل کے قریب ایک میدان کا انتخاب کیا ہوا تھا۔ کار وہاں چھوڑنے کے بعد ہم سڑک تک آئے اور تانگہ لے کر ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔

سب کچھ ہماری توقعات کے عین مطابق بلکہ اس سے بھی آسان انداز میں رونما ہوا تھا۔ ہمارا نصف مقصد حاصل ہو چکا تھا۔

اور اول خان کو کسی قتل کا ارتکاب نہیں کرنا پڑا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ لیلیٰ وتی کے اغوا کے ڈھکوسلے کے بعد ہم ملا سرکار اور رجب علی کو لڑوانے میں کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں۔

لیلیٰ وتی اور اس کے باپ ہیرا لعل کے فون نمبر ہم دن ہی میں دریافت کر چکے تھے۔ میری دلی خواہش تھی کہ ملا سرکار کے حوالے سے تاوان کا مطالبہ جلد از جلد ہیرا لعل تک پہنچا دیا جائے تاکہ کم سے کم وقت میں اس حکمتِ عملی کے نتائج ہمارے سامنے آنا شروع ہو جائیں۔

اس پیغام رسانی کے لئے ہوٹل کا فون استعمال کرنا خطرناک ہو سکتا تھا اس لئے ہوٹل میں چائے پی کر میں فوراً ہی تار گھر کی طرف چل دیا جہاں فون کی سہولت موجود تھی۔

ہیرا لعل کا ایک نمبر مصروف تھا۔ دوسرے نمبر پر ایک روہانسی نسوانی آواز نے میری کال وصول کی۔ پس منظر میں بہت سے لوگوں کی دھاڑیں مار مار کر رونے اور بَین کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"مجھے سیٹھ ہیرا لعل سے بات کرنا ہے۔" میں نے سپاٹ اور سرد لہجے میں کہا۔

"پھر کسی وقت بات کر لینا، اس وقت ان کی حالت خراب ہے۔" عورت نے ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان بدقّت تمام کہا۔ "ان کی بِٹیا کو بدمعاش اٹھا لے گئے ہیں۔"

"انہیں بلاؤ، مجھے بِٹیا ہی کے بارے میں کچھ کہنا ہے۔" میں نے سختی سے کہا۔

"ہائے میرے رمیّا!" عورت کی اضطراری آواز سنائی دی اور وہ مجھ سے کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ کر اونچی آواز میں دہائیاں دے دے کر لوگوں کو بلانے لگی۔ اس کی آوازیں مجھے واضح سنائی دے رہی تھیں۔

"ہاں بھائی!" چند منٹ کے انتظار کے بعد ریسیور پر ایک تھکی ہوئی اور بوڑھی آواز سنائی دی "کون ہو اور اس وقت بِٹیا کے بارے میں کیا بات کرنا چاہتے ہو؟"

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ کان کھول کر اور بہت غور سے سننا۔" میں نے تاکید کی۔

"بہت اچھا۔" میری سخت ہدایت اور کرخت آواز نے شاید بڈھے کا دم نکال دیا تھا۔

"تم نے پولیس وغیرہ سے رجوع کیا تو لیلیٰ وتی کی لاش تک کو ترستے رہو گے۔ کسی سے بھی ذکر کئے بغیر اس کے آدمی، رجب علی کو پیغام پہنچا دو کہ چار دن میں ملا سرکار کو ایک کروڑ روپیہ نہ ملا تو لیلیٰ وتی ماردی جائے گی۔"

"ایک کروڑ روپیہ؟" وہ شاید ناک پیٹ کر بلبلایا تھا۔

"ہاں، یہ پیغام تمہیں اس لئے دیا جا رہا ہے کہ رجب علی جنگل میں ہے۔ وہ دوسروں سے مال لیتا ہے۔ اس کو یہ رقم دینے میں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"ملا سرکار کون ہے؟" ہیرا لعل بہت خوف زدہ محسوس ہو رہا تھا۔

"رجب علی سب کچھ جانتا ہے۔ تم ہمارا پیغام اسے پہنچا دو۔ ہم دوبارہ بات نہیں کریں گے۔ چار دن کی مدت تک رقم کا انتظار کیا جائے گا۔ پھر لیلیٰ وتی کی لاش بھیج دی جائے گی۔"

"خدا کے لئے میری بچی کو کوئی دکھ نہ پہنچانا۔" ہیرا لعل کو اس کٹھن گھڑی میں نہ جانے کیوں خدا یاد آ گیا "میں نے اسے بڑے ناز و نعم سے پالا ہے......"

وہ نجانے مزید کیا کچھ کہنے والا تھا۔ میرے لئے زیادہ دیر تک بات کرنا خطرناک ہو سکتا تھا اس لئے میں نے مزید کچھ سنے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اول خان اپنے کمرے میں بہت بے چینی کے ساتھ میرا انتظار کر رہا تھا۔

"کیا رہا؟" مجھے دیکھتے ہی اس نے بے تابانہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

اُس کی بے چینی پر میں پھیکے انداز میں مسکرا دیا "اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ چند روز تک ہمیں صرف اور صرف انتظار کرنا ہوگا۔ ویسے میں لیلیٰ کے باپ کو پیغام دے آیا ہوں۔"

"شش!" اول خان نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا "آئندہ اس کا نام بھی نہ لینا۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ آئندہ سے اس کا نام استانی ہوگا۔"

"ٹھیک ہے استاد! جیسا چاہو گے وہی ہوگا۔" میں نے ماحول کا بوجھل پن کم کرنے کے لئے کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ لیلیٰ وتی کی غیر متوقع خودکشی نے ہم دونوں کو ہی ملول اور رنجیدہ کر دیا تھا۔

سکھر میں سینہ بہ سینہ چلنے والی خبریں بہت تیزی سے سفر کرتی ہیں۔ ہم نیچے ہوٹل میں بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے کہ لیلیٰ وتی کے اغوا کی خبر سنسنی خیز اضافوں کے ساتھ وہاں بھی پہنچ گئی۔

ہمارے لئے ان افواہوں میں فطری غیر جانبداری کے ساتھ دلچسپی لے کر تبادلۂ خیال میں حصہ لینا ممکن نہیں تھا اس لئے کھانے کے بل کی ادائیگی کے ساتھ ہم جلد ہی اوپر اپنے کمروں میں لوٹ آئے۔

ہم اپنے حصے کا ابتدائی کام کر چکے تھے اور اب ہمارے پاس انتظار کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ اگلی صبح انسپکٹر علی اسد کو فون کر کے میں صحیح صورتِ حال کا اندازہ کر سکوں گا۔

انسپکٹر علی اسد فون پر میری آواز پہچان کر اپنی اضطراری حیرت پر قابو رکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ "آخر کار تم نے اپنے پروگرام کے مطابق کامیابی حاصل کر ہی لی؟"

"زندہ رہنے کے لئے کامیاب ہونا ضروری تھا۔۔۔ بصورتِ دیگر ہم خود مارے جاتے۔"

"اس وقت تم کس شہر میں اور کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"سکھر کے مون لائٹ ہوٹل میں وقت گزار رہے ہیں کیونکہ اب ہم صرف انتظار ہی کرسکتے ہیں۔"

"فون پر زیادہ بات نہیں کی جاسکتی۔ میں شام تک خود ہی تم سے ملوں گا۔"

"مگر کیسے؟" اس بار میری حیران ہونے کی باری تھی کیونکہ اُس کی تجویز ہی کچھ ایسی تھی۔

"مجھے خیرپور سے سکھر طلب کرلیا گیا ہے۔ شام تک وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"تو ہم کس تھانے میں تمہارا انتظار کریں؟ ہمارے لئے زیادہ دیر تک۔۔۔"

اس نے میری بات درمیان ہی سے کاٹ دی۔ "تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں، میں خود تم سے رابطہ کرلوں گا۔ بس اپنے ہوٹل سے زیادہ دیر کے لئے غائب نہ ہونا۔"

"بہت بہتر!" میں نے گفتگو کا سلسلہ وہیں موقوف کرکے فون بند کردیا۔

میرے لئے وہ بہت بڑی خبر تھی۔ ہم جو کچھ کررہے تھے، اس کے لئے ایک طرف اوّل خان کی اسپیشل ٹاسک فورس کی مدد حاصل ہونے کی قوی امید ہوچلی تھی اور شہری محاذ پر انسپکٹر علی اسد کی آمد ہمارے لئے مددگار ثابت ہوسکتی تھی۔ ہماری نشان دہی پر وہ پولیس کی قوت اور نرمی، ملّا سرکار اور سردار رجب علی کے خلاف نہایت مؤثر طور پر استعمال کرسکتا تھا۔ مجھے محسوس ہونے لگا تھا کہ اس بہانے، ملّا سرکار کی موت کا وقت قریب آچکا تھا۔

سردار رجب علی کی بیوی نے اپنے اغوا سے پہلے ہی، اپنے گھر میں خنجر سے خودکشی کرلی تھی لیکن یہ راز پورے شہر میں میرے اور اوّل خان کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔

لیلیٰ وتی نے اپنے دل میں تیز دھار خنجر اتنی نفاست کے ساتھ گھونپا تھا کہ خنجر کے لگائے ہوئے کاری زخم سے خون کی ایک بوند بھی نہیں بہہ سکی تھی۔ بعد میں اس کی لاش کار تک لے جانے میں ہم دونوں نے بھی پوری احتیاط سے کام لیا تھا اس لئے کسی کو کانوں کان بھی خبر نہیں ہوسکی تھی کہ لیلیٰ وتی کی خودکشی کے بعد اُس کی لاش ایک ویران بسکٹ فیکٹری کے متروک کنوئیں میں پھینک دی گئی تھی۔

اس کے سنسنی خیز اغوا کی خبریں رات ہی سے شہر میں پھیلنے شروع ہوگئی تھیں لیکن صبح تک ان خبروں کے تیور بدل گئے۔ ... شہر کے رہنے والے امن و امان کی طرف سے فکرمند نظر آنے لگے تھے۔

سننے میں آیا تھا کہ سردار رجب علی کو رات ہی کو اپنی چہیتی بیوی کے اغوا کی خبر مل گئی تھی اور اس کی طرف سے صبح کے چار بجے ایک تا... مد نے سکھر پریس کلب کے سکریٹری کو نیند سے بیدار کرکے ایک خط دیا تھا جس کے مندرجات کے بارے میں شہر میں بھانت بھانت کی افواہیں پھیلی ہوئی تھیں۔

ان تمام افواہوں میں صرف دو باتیں مشترک تھیں جو میرے لئے اہم تھیں۔

اول یہ کہ سردار رجب علی نے شہر کی انتظامیہ کو وارننگ دی تھی کہ اگر ا... گلے ...بیس گھنٹوں میں، لیلیٰ وتی کو زندہ اور باعزت طریقے سے برآمد کرکے اُس کے گھر نہ پہنچایا گیا تو وہ مدت پوری ہوتے ہی رجب علی اپنے مسلح ساتھیوں کے ہمراہ سکھر پر دھاوا بول کر پورے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔

دوسری افواہ میں ملّا سرکار کا نام ہر ایک کی زبان پر تھا۔ سردار رجب علی اس معاملے میں میری توقع کے عین مطابق جذباتی رویئے کا شکار ہوگیا تھا۔ سکھر پریس کلب کے سکریٹری کے ذریعے بھیجے گئے پیغام میں اس نے انتظامیہ کو ملّا سرکار کی طرف متوجہ کیا تھا جو 'غریب اور مظلوم' ڈاکوؤں کو ورغلا کر انہیں اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کررہا تھا۔ افواہوں میں ملّا سرکار کے مذموم عزائم کی تفصیلات تھیں ... نہ سردار رجب علی سے ایک کروڑ روپے کے تاوان کی طلبی کا کوئی ذکر تھا۔ شاید رجب علی کی انا نے اُسے تاوان کا ذکر کرنے سے روک دیا تھا۔ وہ خود برسہا برس سے دوسروں سے تاوان وصول کرتا چلا آرہا تھا۔ اس لئے اُس کے لئے یہ اعتراف کرنا کسرِ شان کے مترادف ہوتا کہ اس کا کوئی ایسا حریف بھی میدانِ عمل میں اتر آیا تھا جو لیلیٰ وتی کی بازیابی کے لئے اُس سے بھاری تاوان کا مطالبہ کررہا تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ میں لیلیٰ وتی والے معاملے کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے میں کامیاب رہا تھا۔ ناکامی اس حد تک ہوئی تھی کہ ہم لیلیٰ وتی کو زندہ اغوا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے مگر ہمارے دل صاف تھے۔ ہم نے اس نومسلم برہمن زادی کی ذرا بھی بے حرمتی نہیں کی تھی۔ ہماری پوری کوشش رہی کہ اسے زندہ رکھا جائے لیکن وہ اپنے شوہر کی طرف سے غرور کے احساس میں مبتلا تھی اور یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ روئے زمین پر کوئی شخص اسے ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے۔ جوں ہی اسے اندازہ ہوا کہ وہ مشکل میں گھر گئی تھی، اس نے خاموشی کے ساتھ خود ہی اپنی زندگی کا چراغ گل کرلیا۔

اس سے آگے سب کچھ اُسی طرح ہوا تھا جس طرح میں نے سوچا تھا۔

لیلیٰ وتی کے اغوا کی خبر ہر طرف جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔ اس کے باپ سے 'ملا سرکار کی طرف سے ایک کروڑ کے نقد تاوان کے مطالبے کی خبر سردار رجب علی تک پہنچ گئی تھی جس کے ردِ عمل میں تحقیق کئے بغیر' سردار رجب علی' ملا سرکار کے لہو کا پیاسا ہو گیا تھا اور عملی طور پر نہ سہی' زبانی حد تک وہ دونوں حلیف فی الفور ایک دوسرے کے مدِمقابل آگئے تھے۔ سردار رجب علی نے غضبناک ہو کر جارحانہ تیور اپنائے تھے کیونکہ لیلیٰ وتی اپنے گھر سے غائب تھی اور اُس کے باپ سے فون پر تاوان کی ادائیگی کا مطالبہ کیا گیا تھا لیکن ملا سرکار کے فرشتوں کو بھی اس پُر پیچ کھیل کے سرپیر کا کچھ پتا نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ خبریں سن کر ملا سرکار چکرا کر رہ گیا ہو گا۔

یہ ہماری خوش نصیبی تھی کہ ہم گھنے جنگلات میں سردار رجب علی کے منظم گروہ کے ساتھ وقت گزار کر اس خوش اسلوبی کے ساتھ' ملا سرکار کا سامنا کئے بغیر واپس لوٹ آئے تھے کہ ملا سرکار کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ لیلیٰ وتی کے اغوا میں ہم لوگوں کا ہاتھ رہا ہو گا۔ اس لئے سردار رجب علی کا غصہ ٹھنڈا کرنے اور اصل معاملے کا کھوج لگانے کے لئے اسے مدافعانہ رویّہ اختیار کرنا پڑتا جو صرف اسی صورت میں کارگر ثابت ہو سکتا تھا کہ سردار رجب علی افہام و تفہیم کے لئے اس سے ملنے پر آمادہ ہو جاتا۔

سردار رجب علی' ملا سرکار کے خلاف اپنے بغض و عناد کا مظاہرہ کر کے اپنی چال چل چکا تھا اور اب ملا سرکار کی باری تھی۔ وہ غدّار دہشت گردانہ سازش کے ایسے نازک مرحلے پر پہنچا ہوا تھا کہ اس وقت وہ اپنے کسی بھی ساتھی کی بغاوت اور سرکشی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے اُسے ہر قیمت پر اور جلد از جلد رجب علی سے رابطہ کرنا تھا تاکہ وہ اُس سے مل کر نہ صرف پوری صورتِ حال سے واقفیت حاصل کر سکے بلکہ اس سے مصالحت کی راہ بھی ہموار کر سکے ورنہ رجب علی جیسے دلیر' مقبول اور بارسوخ ڈاکو کے لئے ملا سرکار کو ٹھکانے لگانا مشکل کام نہیں تھا۔

ملا سرکار' سردار رجب علی کے ہاتھوں مارا جاتا یا ہمارے ہاتھوں جہنم واصل ہوتا' دونوں صورتوں میں ہمارے مقاصد پورے ہوتے نظر آرہے تھے۔

اپنی زندگی میں ملا سرکار بلا شرکتِ غیرے سندھ کے سارے ڈاکوؤں' دہشت گردوں اور مہم جُو مجرموں کا سرغنہ اور پشت پناہ بنا ہوا تھا۔ وہ جس طرح خطرناک اسلحہ غاروں اور جھاڑیوں میں رکھوا کر ڈاکوؤں کو بشارتیں سناتا پھرتا تھا ان کی وجہ سے جنگلوں کے بیشتر باسی 'اس کی روحانی قوتوں کے قائل ہو کر اسے اپنا پیر تسلیم کرنے لگے تھے۔ سردار رجب علی' لیلیٰ وتی کے معاملے میں اس سے بدظن ہو گیا تھا تو ضروری نہیں تھا کہ جنگلوں میں چھپے ہوئے سارے ڈاکو اس کے ہم نوا بن کر ملا سرکار کے لہو کے پیاسے

ہو جاتے۔ ان میں آپس کی دشمنیاں اور خون آشام لڑائیاں عام سی باتیں تھیں۔ کچھ گروہ رجب علی سے مل جاتے تو بعض گروہ ملا سرکار کی حمایت میں ان کے خلاف صف آرا ہو جاتے۔ اس طرح ان قانون شکن قوتوں کے مہلک وسائل ایک دوسرے کی تباہی کے لئے حرکت میں آجاتے۔ ان کے درمیان چھڑنے والی خون ریز لڑائیاں شہروں اور آبادیوں کو ان کے آئے دن کے حملوں سے نجات دلا دیتیں اور چند ہفتوں کی ہی مدت میں وہ بڑے بڑے مسلح جتھے ایک دوسرے کو اس طرح تباہ کر ڈالتے کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ایک ہی یورش میں ان کے قدم اکھڑ جاتے اور امن و امان کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جاتا۔

دوسری طرف آرنیٹ کا سفارتخانہ' کاؤنسلیٹ اور ملک اسلحے کی فراہمی کے لئے جمی لائیڈ کے ذریعے شی پر شدید دباؤ ڈال رہا تھا۔ ان لوگوں کی دانست میں پڑوسی ملک کے خفیہ ادارے' ملا سرکار کی سربراہی میں 'اپنے تخریب کاروں کے ذریعے ایسی سازگار فضا پیدا کر چکے تھے کہ سندھ کی ساری امن دشمن قوتیں ان کے ساتھ صف آرا ہو گئی تھیں۔ مہلک' جدید اور دور مار اسلحہ مل جانے پر وہ لوگ حکومت بلکہ ریاست کے خلاف ایک بدترین محاذ کھول کر علاقے کا جغرافیہ بدل دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس پورے منصوبے میں کلیدی کردار ملا سرکار کا تھا کیونکہ اسلحے کی ہر کھیپ اسی کے حوالے کی جانی تھی۔ اس کی روپوشی کا بہانا بنا کر ویرا لائیڈ اپنے باپ کے بدترین دباؤ کا مقابلہ کر رہی تھی لیکن میں اچھی طرح جانتا تھا کہ آرنیٹ کا ملک بہت بڑی طاقت تھا۔ پاکستانیوں کی خواہشات کے برعکس ان کے کاؤنسلیٹ تک کو ہماری سرزمین پر من مانی کرنے کی خود ساختہ آزادیاں حاصل تھیں۔ انہوں نے ویرا کے بدن میں ایک چپ چھپا کر اس کی نقل و حرکت کی کڑی نگرانی کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان حالات میں ویرا زیادہ دیر تک دباؤ کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ اگر شی کے بیٹوں یا آرنیٹ کے کاؤنسلیٹ کو شبہ بھی ہو جاتا کہ ویرا ان کے مفادات کے خلاف کام کر رہی ہے تو وہ پُراسرار طور پر کسی دردناک انجام سے دوچار ہو سکتی تھی۔

ویرا لاکھ چالاک اور دلیر سہی لیکن ہیروئن کی بے پناہ دولت کے سہارے دنیا کے حسّاس اور تغیر پذیر علاقوں میں اسلحے کا بھیانک کھیل کھیلنے والی خوفناک بین الاقوامی تنظیموں کے بے اندازہ وسائل کے سامنے فردِ واحد سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھی۔ وہ لوگ پوری بے رحمی کے ساتھ اسے کچل کر اس کا متبادل میدان میں لانے کے اہل تھے۔ اس کھیل کو ناکام بنانے کے لئے ملا سرکار کا مارا جانا ناگزیر تھا کیونکہ پاکستان کی سرحدوں میں اس جیسا معتبر اور چالاک متبادل کھڑا کرنا کسی کے بس میں نہیں تھا۔

ملا سرکار اس پوری گھناؤنی سازش کا مرکزی ستون' بلکہ محور تھا۔ اسے جہنم واصل کر کے ہم موت کے بین الاقوامی سوداگروں

کی ایک بڑی سازش کو ناکام بنا سکتے تھے۔

وہ سب قیاس ہی قیاس تھے جو حقیقت سے قریب تر تو کہے جا سکتے تھے لیکن حقیقت بہرحال نہیں تھے۔ حقیقت جاننے کے لئے ملا سرکار کے ذہن تک رسائی ضروری تھی۔

معاً مجھے اس ٹرانسیٹر کا خیال آیا جو کوٹ مندو کی کارروائی میں ہمارے ہاتھ آیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ انسٹرومنٹ بھی کراچی میں ہماری تحویل میں تھا جس کے ذریعے ملا سرکار، ویرا سے رابطہ کیا کرتا تھا۔ ان دونوں آلات کی ساخت اور رینج میں فرق تھا لیکن میرا خیال تھا کہ ان دونوں کو آن رکھ کر ہم کسی بھی وقت ملا سرکار کی آواز میں کوئی پیغام سننے کی قوی امید کرسکتے ہیں۔

لیکن مسئلہ یہ تھا کہ کراچی سے ہم سردار رجب علی کے گروہ میں شامل ہونے کا ارادہ کر کے چلے تھے اس لئے کسی ہتھیار سمیت کوئی بھی ایسی چیز اپنے ساتھ نہیں لائے تھے جس کی وجہ سے ہماری حیثیت ڈاکوؤں کی نگاہ میں مشکوک ہو جاتی اور وہ ہمیں مخبر قرار دے کر کوئی اذیت ناک فیصلہ کر گزرتے۔

"ان کا ہونا بہت ضروری ہے۔" اول خان میری بات سنتے ہی بے چین ہو گیا۔ "وہ دونوں اپریٹس اس وقت فیصلہ کن ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"میں بھی سمجھ رہا ہوں کہ اس وقت ہمیں اپنے سارے وسائل کو بروئے کار لانا چاہئے ورنہ ملا سرکار کے خلاف ہمیں ایسا دوسرا موقع نہیں مل سکے گا لیکن ساری بات فاصلے کی ہے۔ کراچی یہاں سے قریب نہیں ہے۔"

"وہ سلطان شاہ کے پاس ہی ہیں نا؟" اول خان نے سوال کیا۔

اسے میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں اسی قدر معلوم تھا جتنا میں نے اسے بتایا تھا۔ اس سے آگے اس نے بھی مجھے کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی اس لئے سلطان شاہ سے آگے اس کی معلومات صفر تھیں۔

میرا جواب اثبات میں سن کر وہ اسی اضطراب کے عالم میں بولا۔ "کراچی سے سکھر کے لئے تقریباً ہر شام ایک پرواز روانہ ہوتی ہے۔ اگر تم اسے فون کر دو تو شام تک وہ اپریٹس یہاں لا سکتا ہے۔"

"اس وقت تک ہمیں اسی ہوٹل میں رہنا پڑے گا؟" میں نے کہا۔

وہ بے پروائی سے بولا "اس کی فکر نہ کرو۔ انسپکٹر کی کال آئے تو تم چلے جانا۔ میں سلطان شاہ کا انتظار کروں گا اور اگر موٹروے پر مامور ایس ٹی ایف کے عملے کی طرف سے کوئی خبر آئی تو میں اسے سنبھال لوں گا۔ ہم لوگ دن کی روشنی میں محتاط رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ رات سے پہلے صورتِ حال میں کوئی بڑی تبدیلی رونما نہیں ہوگی۔ اس بہانے سلطان شاہ بھی اس مہم میں شریک ہو جائے گا۔"

میں ایک بار پھر باہر چلا گیا تاکہ کراچی فون کر سکوں۔

کراچی میں فلیٹ مخدوش ہو چکا تھا کیونکہ آرنیٹ کے قاصد نے ویرا کے بدن میں چھپے ہوئے چپ کے سہارے اس کا سراغ لگا لیا تھا۔ ان لوگوں کو چکر دینے کے لئے ویرا کے بدن سے چپ نکال کر ملک کے شمالی علاقے کی طرف بھیج دیا گیا تھا جہاں وہ کسی آزاد اور بلند پرواز پرندے کے پیر سے باندھ دیا جاتا اور آرنیٹ اپنے مانیٹرنگ یونٹ پر چپ کا تیزی سے بدلتا ہوا محلِ وقوع دیکھ کر اپنا سر پیٹتا رہ جاتا۔

اس کو بچا دینے کے لئے ان تینوں نے فلیٹ چھوڑ دیا تھا۔ غزالہ کو میں نے جہانگیر کے گھر منتقل ہونے کا مشورہ دیا تھا جہاں سیٹھ حبیب جیوانی کی بیوی پہلے ہی سے جہانگیر کی قید میں تھی اور اس کی بیوی سلمٰی چند روز کے لئے اسپتال میں داخل تھی۔ ویرا اور سلطان شاہ کو اس دوران میں کسی ہوٹل میں قیام کر کے ملا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کا سراغ لگانا تھا لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ دونوں کہاں مقیم ہوں گے۔

ان تینوں کو میرے اصل مشن کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی۔ میں نے انہیں صرف اتنا بتایا تھا کہ شاید مجھے ایس ٹی ایف کے کسی اعلیٰ افسر کے ساتھ دوبارہ کوٹ مندو جانا پڑ جائے۔ اس موقع پر اگر میں ڈاکوؤں کے ٹولے میں اپنی شمولیت کا ذرا بھی ارادہ ظاہر کرتا تو غزالہ کسی بھی قیمت پر مجھے کراچی سے نکلنے کی اجازت نہ دیتی۔

میں نے پبلک کال آفس سے جہانگیر کے گھر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے فوراً ہی غزالہ کی مہذب لیکن مترنم آواز سنائی دی۔ اور متوقع باز پرس کے خیال سے میرے دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہو گئیں۔

میری آواز پہچانتے ہی غزالہ شکوے لے بیٹھی "تمہاری بلا سے، میں جہاں بھی ہوں اور جیسی بھی ہوں۔ کچھ بتائے بغیر ایسے گئے ہو کہ پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔"

"میں بہت بری طرح پھنسا ہوا تھا غزالہ!" میں نے نرم بلکہ خوشامدانہ لہجے میں کہا "فرصت پاتے ہی تمہیں فون کر رہا ہوں میں ایک لمحے کے لئے بھی تمہارے خیال سے غافل نہیں رہا۔"

اس نے ابتدا اکھڑے تیوروں کے ساتھ کی تھی لیکن میرے مسلسل مصالحانہ رویّے اور زہرہ گداز مزاج پرسی نے اس کا سارا جوش و خروش چند ہی ثانیوں میں ٹھنڈا کر دیا۔

"میری آواز سنتے ہی تم نے اپنی شکایتوں کے دفتر کھول لئے لیکن مجھ سے یہ تک نہیں پوچھا کہ میں کہاں اور کس حال میں ہوں؟" میں نے موقع پاتے ہی اسے گھیر لیا۔

"میں تمہاری طرف سے فکر مند ضرور رہی ہوں لیکن میرا دل ہر لمحے یہ گواہی دیتا رہتا تھا کہ تم بالکل خیریت سے ہو۔ یہ بتاؤ کہ اب واپس کب آ رہے ہو اور کہاں سے بول رہے ہو؟"

"میں سکھر میں ہوں اور شاید کل تک واپس لوٹ آؤں۔" میں نے کہا۔

"سکھر!" ریسیور میں اس کی تحیر زدہ آواز ابھری۔ "کیا کل رات بھی تم وہیں تھے؟"

"کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟" میں نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"آج کے اخبارات میں سکھر سے لیلیٰ وتی کے اغوا کی خبریں چھپی ہیں۔" اس کی معنی خیز آواز سنائی دی۔ "وہ سردار رجب علی نامی، کسی بڑے ڈاکو کی نومسلم بیوی ہے۔ اس سے پہلے رجب علی بے شمار مالدار لوگوں کو اغوا کر کے ان کے ورثا سے بھاری تاوان وصول کرتا رہا ہے۔"

"مجھے اس کے بارے میں علم نہیں۔ ویسے بھی فون پر اس بارے میں بات کرنا مناسب نہیں۔ یہ بتاؤ کہ وہ دونوں کس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟" میں نے اس کی بات ٹال کر رواروی میں سوال کیا۔

"گرینڈ ہوٹل میں ہیں اور خیریت سے ہیں۔ تمہارے سامنے سلطان شاہ، ویرا سے کھنچا کھنچا رہتا ہے لیکن اب اس نے ویرا کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ ذرا فون کر کے اسے سرزنش کر دو ورنہ تمہارے آنے سے پہلے ہی ویرا کچھ کر گزرے گی۔ آج کل اس کی برہمی عروج پر ہے۔"

"ہوٹل کا فون نمبر بتاؤ!" میں نے قدرے غصیلے لہجے میں کہا۔

اپنی سادگی کی وجہ سے غزالہ نے خود ہی مجھے وہ سوال کرنے کا موقع دے دیا تھا جو میرے لبوں تک آ کر رک گیا تھا۔

غزالہ نے ہوٹل کا فون نمبر بتایا اور پھر کہا "اس بار تمہارے چلے جانے پر تمہارے پسماندگان میں سے کوئی بھی خوش نہیں ہے۔ سب لوگ تمہیں یاد کرتے رہتے ہیں۔"

"پسماندگان!" میں حیرت سے بولا۔ "خدا کا خوف کرو غزالہ! ابھی تو میں زندہ ہوں۔"

"پسماندگان زندہ لوگوں کے بھی ہوتے ہیں۔ تم ہمیں چھوڑ کر ہی تو گئے ہو!" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"اور کون کون مجھے یاد کرتا رہتا ہے؟" طویل وقفے کے بعد اس سے باتیں کرنے میں مجھے لطف آ رہا تھا۔

"جہانگیر تمہاری امانت سے اکتا گیا ہے۔ ان دونوں میں ہر وقت ہاتھا پائی ہوتی رہتی ہے۔"

"جہانگیر اس کے کمرے میں کیوں جاتا ہے؟" میں نے ترش لہجے میں پوچھا۔

"یہی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس عورت کے چہرے اور بدن پر جابجا نیل پڑے ہوئے ہیں۔ کل شام کو جہانگیر کی پیشانی پر بھی ایک ابھار طلوع ہو گیا تھا لیکن مجھے معلوم ہے کہ شام کو فیکٹری سے آ کر پینے پلانے کے بعد وہ پھر اسی کی جڑ میں جا گھسے گا۔ مجھے تو دونوں ہی نفسیاتی مریض معلوم ہونے لگے ہیں۔"

"جہانگیر نے تمہارے ساتھ تو کوئی بدتمیزی نہیں کی؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں۔" وہ جلدی سے بولی "میری بات کا غلط مطلب نہ لینا۔ میرے سامنے تو وہ بے چارہ نظریں بھی اونچی نہیں کرتا۔ کل اسے سمجھانا چاہا تو وہ صفائی پیش کرنے لگا کہ تم نے دماغ درست کرنے کے لئے اس عورت کو اس کی تحویل میں چھوڑا ہے اور وہ خود اس کی مرمت کرتے کرتے عاجز آ چکا ہے۔"

"تم ان دونوں کے معاملات سے الگ تھلگ رہو۔ وہ سلمیٰ سے جتنا خوف زدہ رہتا ہے، اس عورت پر اسی قدر اپنی مردانگی جتا رہا ہے۔ الجھن محسوس کرو تو بلا تکلف کسی ہوٹل میں منتقل ہو جانا۔"

"تم کل آ ہی رہے ہو تو پھر مجھے کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ٹھیک ہے، میں تم سے جہانگیر کے گھر پر ہی ملوں گا۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا اور مزید چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس دوران میں وہاں پیچھے دو آدمی آ موجود ہوئے تھے اور عجلت آمیز انداز میں مجھے گھور رہے تھے۔ میرے پلٹتے ہی وہ دونوں ادھر ادھر دیکھنے لگے لیکن ان کی بے تابی میری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی اور میں ان کے لئے فون چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گیا۔ اپنی دوسری کال کے لئے مجھے خود بھی تخلیہ درکار تھا۔

پہلی کال کے پیسے ادا کر کے میں اپنے لئے سگریٹ سلگاتا ہوا باہر آ گیا۔

میدان صاف ہو جانے پر میں نے گرینڈ ہوٹل کا نمبر ملایا۔ سلطان شاہ کا نام سنتے ہی ہوٹل کے آپریٹر نے میری کال اس کے کمرے سے منسلک کر دی۔

"کیا بے ہودگیاں ہو رہی ہیں؟" سلطان شاہ کی آواز سنتے ہی

میں نے بگڑے ہوئے لہجے میں بات شروع کی۔ غزالہ سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں مَیں سنجیدگی کے ساتھ سلطان شاہ کی گوشمالی کرنا چاہ رہا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس کی تحیر زدہ مدافعانہ آواز ابھری "لیکن تم کہاں ہو اور کس بے ہودگی کا ذکر کر رہے ہو؟"

"تم ویرا کو کیوں تنگ کر رہے ہو؟" میں نے غراتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے اسے بالکل بھی تنگ نہیں کیا۔ تم خود اس سے پوچھ سکتے ہو۔" پھر وہ ایک دم ہی چونکتے ہوئے بولا "معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری غزالہ سے بات ہوئی ہے۔ اُسی نے میرے خلاف لگائی بجھائی کی ہوگی۔"

"بک بک مت کرو اور فون ویرا کو دے دو۔ وہ جو کچھ بتائے، تمہیں اس پر عمل کرنا ہے۔"

سلطان شاہ نے مزید کچھ کہے بغیر ریسیور ویرا کے حوالے کر دیا۔

"مجھے افسوس ہے ویرا کہ سلطان شاہ تم کو پریشان کر رہا ہے اور میں....."

ویرا نے حیرت کے ساتھ میری بات درمیان سے کاٹ دی۔ "بالکل نہیں، اس سے مجھے ذرا سی بھی شکایت نہیں ہے۔ اب تو وہ خدا خدا کرکے ذرا انسان بنا ہے... یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟"

ویرا کا معصومانہ جواب سن کر میری کھوپڑی بھنّا اٹھی۔ غزالہ آدھی دنیا کی خاک چھان لینے کے باوجود الّو کی الّو ہی رہی تھی۔ اسے ذرا بھی تمیز نہیں ہو سکی تھی کہ عورت اور مرد کے رشتے میں کیسی کیسی نزاکتیں پنہاں ہوتی ہیں عورت کبھی گالیاں دے کر اور سر پھوڑ کر مرد کی مردانگی اور محبت کو خراجِ تحسین پیش کرتی ہے تو کبھی لچھے دار باتوں کے محبت آمیز قالین میں لپیٹ کر جھوٹی تعریفوں کے وزنی جوتے رسید کرنے لگتی ہے۔

عورت کے کس فعل سے کب اور کیا مفہوم اخذ کرنا چاہئے، غزالہ اس فن سے یکسر نابلد تھی۔ سلطان شاہ اور ویرا نے اس کے اندازوں کی تردید کر دی تھی اور مجھے یقین تھا کہ جہانگیر کا جواب بھی ایسا ہی ثابت ہوتا۔

میں نے اس موضوع کو وہیں چھوڑ کر ویرا کے ساتھ کوڈ ورڈز میں گفتگو شروع کر دی۔

یہ وہ کوڈ ورڈز تھے جو میرے زمانے میں ٹی میں رائج تھے اور ان ہی کے سہارے ہم لوگ اہم پیغامات ایک دوسرے تک پہنچاتے تھے تاکہ کراس ٹاک کی صورت میں بھی ہمارے راز کسی غیر متعلقہ شخص تک نہ پہنچ سکیں۔

"دونوں ٹرانسمیٹرز موجود ہیں لیکن وہ فلیٹ ہی میں ہیں۔" میری پوری بات سننے کے بعد ویرا نے خفیہ اشاروں کی زبان میں مجھے آگاہ کیا۔ "ہوسکتا ہے کہ آرنیسٹ کے کاؤنسلیٹ کا کوئی آدمی فلیٹ کی نگرانی کر رہا ہو۔"

"تم ادھر کا رخ نہ کرنا۔ سلطان شاہ وہاں جائے اور ٹرانسمیٹر لے کر سیدھے ائرپورٹ کی طرف نکل جائے اس طرح اُس کا پیچھا کرنے والا تم تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

"لیکن وہ سلطان شاہ کے تعاقب میں سکھر تو آسکتا ہے۔"

"سلطان شاہ کو میں اتنا احمق نہیں، سمجھتا کہ وہ بے خبری میں کسی کو اپنے پیچھے لگا کر سکھر تک لے آئے اور اگر ایسا ہو بھی گیا تو میں یہاں اسے سنبھال لوں گا۔"

"لیکن تم سکھر میں کیا کر رہے ہو؟ تم تو کھٹ مندو کے لئے نکلے تھے۔"

"لمبی کہانی ہے۔ یہ سمجھ لو کہ میں اس وقت مُلّا سرکار کی کہانی کے آخری باب پر محنت کر رہا ہوں۔ میرا داؤ چل گیا تو آرنیٹ کے امریکی آقا خاصی مدت تک اپنے زخم چاٹتے رہیں گے۔"

"پچھلے دو روز سے امریکی سفارتخانہ ذرا کھل کر سندھ کے معاملات پر اظہار رائے کرنے لگا ہے۔" ویرا نے مجھے آگاہ کیا۔ "دہشت گردوں اور امن دشمنوں کے خلاف کارروائیوں میں انہیں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں نظر آنے لگی ہیں جن کے حوالے سے وہ حکومت پر اپنا دباؤ بڑھانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"یہ سب پرانے حربے ہیں۔ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش کا روپ دینے سے پہلے بھی انسانی حقوق کے امریکی، بین الاقوامی اور بھارتی ادارے نیند سے جاگ اٹھے تھے۔ ان بیانات کا مطلب ہے کہ وہ اپنی دانست میں ساری تیاریاں مکمل کر چکے ہیں اور کسی بھی لمحے بلیک کیٹ ٹی کو اسلحے کی بھاری کھیپیں سونپ کر اپنے آپریشن کا آغاز کر سکتے ہیں لیکن وہ اس بات سے غافل ہیں کہ اس مرحلے پر ہم مُلّا سرکار کے خون کی بُو پر لگ چکے ہیں۔"

اندرونِ خانہ ہونے والی گھناؤنی سازشوں سے بے خبر لوگوں
کے لئے انسانی حقوق کی سنگین پامالی کے افسانے تشویشناک ہو سکتے
تھے۔ وہ یہ بھی سوچ سکتے تھے کہ ایک بڑی عالمی طاقت ہونے کے
باوجود' آرنیٹ کا ملک برِاعظم ایشیا کے ایک دور افتادہ علاقے کے
مظلوموں کی حالتِ زار پر بھی نگاہ رکھتا ہے ۔اور ان سے ہمدردی کا
اظہار کرنا اپنا انسانی فرض تصور کرتا ہے لیکن میرے لئے وہ
زہریلے بیانات' جمی 'ہئیڈ' شی' ہیروئن کی آمنی' اسلحے کی تجارت
اور ملا سرکار کی بھیانک سازش کی ہی ایک کڑی تھے۔ ایسے بیانات
کے ذریعے اپنی مداخلت کا جواز پیدا کرنا ہمیشہ سے بڑی طاقتوں کا
ایک محبوب مشغلہ رہا ہے۔

"میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا کرتی رہوں گی۔ سلطان شاہ
ہر قیمت پر آج رات تک تم سے آملے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ اس
بار تم کسی لمبے ہی چکر میں ہو۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"اس وقت میں پبلک کال آفس سے بول رہا ہوں" میں نے
کوڈورڈز کا سلسلہ موقوف کر کے کہا۔ "باقی باتیں پھر کسی وقت ہوں
گی۔ فی الحال خدا حافظ۔"

ان دو فون کالز کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر
سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

اس کھیل کے سارے ہی شریک رفتہ رفتہ جان پکڑتے جا رہے
تھے۔ سردار رجب علی بپھرے ہوئے سانڈ کا روپ دھار چکا تھا'
ملا سرکار اپنی پس پردہ کارروائیوں میں مصروف تھا' انسپکٹر علی
اسد اپنے محکمے کی مدد کے لئے سکھر پہنچ رہا تھا' اول خان اپنے کمانڈر
سے دریائی جنگ کے لئے بھرپور مدد طلب کر چکا تھا مگر میرے لئے
کوئی اہم رول ادا کرنے کا موقع پیدا ہوتا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ سارا جوڑ توڑ میرا تھا لیکن آخری عملی معرکے میں میری
حیثیت ایک تماشائی کی سی ہوتی جا رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ
سلطان شاہ کے ٹرانسیٹرز سمیت آجانے پر یہ نقشہ بدل سکتا تھا۔

ہوٹل سے ذرا دور ہی مجھے ٹھٹک کر رک جانا پڑا کیونکہ وہاں
فٹ پاتھ کے سہارے ایک پولیس جیپ کھڑی ہوئی تھی جس میں
باوردی ڈرائیور سستا رہا تھا۔

میں نے ہوٹل واپس جانے کا ارادہ فی الفور ترک کر دیا اور
الٹے قدموں پبلک کال آفس کی طرف ہولیا۔ وہاں سے مون لائٹ
ہوٹل کا نمبر ملا کر میں نے اول خان سے بات کی تو پتا چلا کہ انسپکٹر
علی اسد کے عملے کے افراد میری تلاش میں ہوٹل پہنچے ہوئے تھے۔

اس بارے میں اطمینان ہو جانے کے بعد میں دوبارہ ہوٹل کی
طرف ہولیا۔

جیپ سے آنے والا اے ایس آئی میرے کمرے میں اول
خان کے ساتھ چائے نوشی میں مصروف تھا۔ میرے پہنچنے پر اس نے
خشک بلکہ قدرے گمبھیر انداز میں مجھ سے ہاتھ ملایا اور چائے کی
پیالی خالی کئے بغیر فوراً ہی میرے ساتھ چلنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا
جیسے اسے ضرورت سے ایک لمحے زیادہ بھی وہاں رکنے کی اجازت
نہ ہو۔

میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اول خان کو کچھ سمجھایا اور
اے ایس آئی کے ساتھ چل پڑا۔

جیپ میں شہر سے گزرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ شہر میں
خوف و ہراس کی فضا مزید کچھ گہری ہو چکی تھی اور شہر میں مسلح
پولیس کی گاڑیوں کا بھاری گشت جاری تھا۔ ماحول پر ایسی سوگوار
اداسی پھیلی ہوئی تھی جیسے کو ندا سے کسی غیبی آواز نے اس شہر
والوں کو کسی مقررہ وقت پر بلاؤں کے نزول کی خبر دی ہو اور انہیں
ٹالنا ہر ایک کے بس سے باہر ہو' اس لئے سب ہی ان ہولناک
ساعتوں کے آنے اور آکر گزر جانے کا انتظار کر رہے ہوں۔

جیپ میں میرے ساتھ موجود پولیس کے دونوں اہل کار غیر
معمولی طور پر خاموش اور سنجیدہ تھے اس لئے میں نے بھی راستے
میں انہیں چھیڑنے کی کوشش نہیں کی۔

کوتوالی کے احاطے میں پہنچتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں
کسی فعال جنگی کیمپ میں پہنچ گیا ہوں۔ وہاں ہر طرف پُراسرار اور
عجلت آمیز نقل و حرکت کا سلسلہ جاری تھا۔ پولیس کی متعدد
گاڑیوں کے ساتھ کئی سویلین ٹرک اور فوجی گاڑیاں بھی موجود
تھیں۔ درختوں کے سائے میں کچھ مسلح فوجی اگلے احکام کے انتظار
میں سستا رہے تھے۔ گیٹ کے ساتھ ہی سات عدد ایمبولینس
گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں جن میں سے پانچ کا تعلق عبدالستار ایدھی
کے رفاہی ادارے سے تھا۔

وہ ایک فرد اپنی نیک نیتی اور جدوجہد کے سہارے اپنے فلاحی
کاموں کو ریاستی معیار سے بہت آگے نکال لے گیا تھا جس کا ثبوت
شہری انتظامیہ کی دو کے مقابلے میں اس کی پانچ ایمبولینس گاڑیاں
تھیں۔

ڈرائیور ہماری جیپ کو عمارت کے بغلی حصے کی طرف لیتا چلا
گیا۔ اُدھر بھی بھیڑ بھاڑ کی تقریباً وہی حالت تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا
تھا جیسے سردار رجب علی کی خون آشام دھمکی کے بعد انتظامیہ نے
پورے ڈویژن کو خدا کے حوالے کر کے جملہ نفری اور وسائل
ڈویژنل ہیڈ کوارٹر' سکھر میں جمع کر لئے ہوں۔

اے ایس آئی کی رہنمائی میں میں ایک دفتر میں داخل ہوا تو
بری طرح چونک پڑا۔

میز کے عقب میں انسپکٹر علی اسد اس حالت میں براجمان تھا
کہ اس کے سر پر ڈریسنگ موجود تھی جو زخم سے رسنے والے تازہ
خون میں بھیگی ہوئی تھی۔ اس کی پھولی ہوئی بائیں آستین سے ظاہر
ہو رہا تھا کہ اس کے زخمی بازو پر بھی ڈریسنگ کی گئی تھی لیکن اس
فرض شناس کا چہرہ سکون سے جگمگا رہا تھا۔

اس کے سامنے مزید دو باوردی افسران موجود تھے۔ اے ایس
آئی مجھے اس دفتر میں پہنچا کر واپس چلا گیا۔ میں لمحہ بھر کے لئے جھجکا

لیکن انسپکٹر نے گونجیلی آواز میں مجھے آگے بلالیا۔

"میٹنگ آدھے گھنٹے کے لئے برخاست!" انسپکٹر نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے افسران سے خوش خلقی سے کہا اور وہ دونوں ہی متجسانہ انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

"یہ کیا ہوا؟ تم تو بہت بری طرح زخمی نظر آتے ہو؟" تخلیہ میسر آتے ہی میں اپنے ذہن میں اٹکے ہوئے ان دو تجسس آمیز سوالات کو اپنی زبان پر آنے سے نہ روک سکا۔

"فرائض کی انجام دہی میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے پُرعزم لہجے میں کہا "سردار رجب علی سے ہمدردی رکھنے والے ڈاکوؤں کے گروہ پورے سندھ میں جابجا قومی شاہراہ پر نکل آئے ہیں اور انہوں نے قتل وغارت گری اور لوٹ مار کا بازار گرم کردیا ہے۔ اس وقت ہالا سے گھوٹکی تک، قومی شاہراہ عملاً بالکل بند ہے۔ جو ٹریفک درمیان میں ڈاکوؤں کی زد میں آیا ہوا ہے اسے نکالنے کے لئے فوجی آپریشن شروع کیا جاچکا ہے۔ حیدر آباد اور پنوں عاقل کی چھاؤنیوں سے مسلح دستے چل پڑے ہیں۔ میں خود بھی راستے میں فائرنگ کی زد میں آگیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ جان بچ گئی۔ شاید قدرت کو مجھ سے کوئی بڑا کام لینا ہے ورنہ سڑک کے دونوں طرف سے ہونے والی فائرنگ سے کسی کا زندہ بچ نکلنا محال تھا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے دل پر پوری قوت سے گھونسا رسید کردیا ہو کیونکہ وہ کشت و خون میری ہی ایک کارروائی کا ردعمل تھا۔

"اپنے دل پر اثر نہ لو!" انسپکٹر علی اسد میرے چہرے کے تاثرات سے میرے دلی جذبات بھانپتا ہوا بولا "جلد یا بدیر، یہ دن آنا ہی تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ لیلیٰ وتی کے اغوا کی خبر پر وہ منظم ہوئے بغیر جذباتی ریلے میں باہر نکل آئے ہیں۔ وہ جس جنون کے عالم میں خالی شاہراہ تک پر گولیاں برسا رہے ہیں، اس کے نتیجے میں جلد ہی ان کا سارا میگزین ختم ہوجائے گا۔ وہ بوکھلا کر جنگلوں اور پہاڑوں کا رخ کریں گے تو وہاں پولیس اور فوج کو اپنے استقبال کے لئے تیار پائیں گے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ میرے اندازے سے کہیں زیادہ طاقت ور ہیں۔" میں بڑبڑایا۔

"قطعی نہیں۔ ایک کلاشنکوف بردار بھی کسی ٹرک پر گولیاں برسا کر ٹریفک بند کراسکتا ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹے ہوئے ہیں اور سردار رجب علی کا ساتھ دینے کے لئے روہڑی کی طرف آرہے ہیں۔ کئی مقامات پر ہماری فورس نے ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا ہے اور کئی نامی گرامی، اشتہاری مجرم مارے ہیں۔ چند گھنٹوں میں قومی شاہراہ پر پوری طرح ٹریفک بحال کرالیا جائے گا لیکن مجھے فکر رجب علی کی ہے۔"

"اس سے آخری معرکہ سکھر اور روہڑی میں ہی ہوگا۔ اس نے لیلیٰ وتی کی بازیابی کے لئے انتظامیہ کو چوبیس گھنٹوں کی مہلت دی تھی۔ یہ تو اس کی کھلی ہوئی بدعہدی ہے کہ اس نے وقت پورا ہونے سے پہلے ہی بربریت کا بازار گرم کردیا۔"

"اس میں رجب علی کا کوئی ہاتھ نہیں۔" انسپکٹر علی اسد نے بڑے تحمل کے ساتھ کہا "تم ان کے طریقۂ کار سے واقف نہیں ہو اس لئے رجب علی پر بدعہدی کا الزام لگا رہے ہو۔ اس نے اپنے جن جن دوستوں کے پاس اپنے قاصد بھیجے ہوں گے، وہ فوراً ہی مشتعل ہو کر نعرے لگاتے اور گولیاں برساتے ہوئے اپنی کمین گاہوں سے نکل پڑے ہوں گے۔ اب انہیں روکنا خود رجب علی کے بھی بس سے باہر ہے۔ ان خونیوں اور جنونیوں کو اسی وقت ہوش آئے گا جب وہ اپنے میگزین کی آخری گولی بھی چلا چکے ہوں گے۔ ویسے بھی مشتعل ڈاکو کے قول اور فعل کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔"

"لیکن یہ تو معصوم اور بے گناہ شہریوں اور مسافروں کا قتل عام ہے۔ ڈھائی، پونے تین سو کلو میٹر لمبی شاہراہ پر یہ بھیڑیئے دندناتے پھر رہے ہیں۔ راستے میں گھر جانے والے سیکڑوں مال بردار ٹرک، دسیوں مسافر بسوں اور نجی گاڑیوں کے مسافروں پر تو قیامتِ صغریٰ بیت رہی ہوگی۔"

"اس وقت سندھ کے اس سیکشن پر ٹریفک کا دباؤ کم ہوتا ہے۔ اس لئے زیادہ بھاری نقصان کا امکان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ قومی شاہراہ سے دور واقع شہروں سے بھی پولیس فورس روانہ ہوچکی ہے۔ سانگھڑ، شہداد پور، نوابشاہ، پڈعیدن، سہون، دادو اور لاڑکانہ سے جانے والے جوانوں نے اب تک صورتِ حال کو سنبھال لیا ہوگا۔ میں نے اس وقت تمہیں ان معاملات پر تبادلۂ خیال کے لئے نہیں بلایا۔ میں ملا سرکار اور رجب علی کے بارے میں کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہتا ہوں لیکن اس سے پہلے لیلیٰ وتی کو میری تحویل میں ہونا چاہئے۔"

"لیلیٰ وتی سے تم کیا کام لینا چاہتے ہو؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوال کیا۔

"وہ میرا ٹرمپ کارڈ ہوگی۔" انسپکٹر کا لہجہ گمبھیر ہوگیا۔ "میں کسی بھی مرحلے پر اس کی آزادی کو رجب علی کے ہتھیار ڈال دینے سے مشروط کرکے بازی ختم کرسکوں گا۔ تمہارے لئے اب وہ بے کار ہے۔"

"مجھے ڈر ہے کہ اب وہ کسی کے لئے بھی کارآمد نہیں رہی ہے۔"

"کیا؟" انسپکٹر علی اسد فرطِ حیرت سے کہنیوں کے بل میز کے تقریباً وسط تک جھک آیا۔

"ہم اسے زندہ اٹھالے جانے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔"

"تو کیا تم نے اسے مار دیا؟" انسپکٹر حلق کے بل غرایا۔

اضطراری طور پر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا "میں تمہیں جیل میں سڑا دوں گا۔ تم نے اپنی حد سے تجاوز کیا ہے۔ تم...."

وہ غصے میں آپے سے باہر ہوا جارہا تھا۔ میں نے اٹھ کر دھیمی آواز میں کہا "تم نے میری پوری بات نہیں سنی۔ پوری بات سن کر تم جو فیصلہ کرو گے مجھے قبول ہوگا۔"

"کیا قصور تھا اُس کا؟" وہ پلٹ کر تیزی کے ساتھ میرے مقابل آیا اور مجھے گھورتے ہوئے غرایا "تم اسے کہیں قید نہیں کرسکتے تھے اس لئے تم نے آسان راستہ اختیار کیا اور اسے مار دیا۔"

"ہم نے اسے نہیں مارا۔ اس نے خود کشی کرلی تھی" میں نے نظریں جھکا کر کہا۔

"تم جھوٹ بکتے ہو...... لاش کہاں ہے اُس کی؟" اس کی آنکھیں قہر کے شعلے اگل رہی تھیں۔

"انڈسٹریل ایریا میں .... ایک ویران بسکٹ فیکٹری کے کنوئیں میں" میں نے کہا اور اسے خاموش پاکر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "وہ خنجر لے کر دروازے پر آئی تھی۔ جب اسے یقین ہوگیا کہ ہم اسے اٹھالے جائیں گے تو خلاف توقع اُس نے اچانک ہی اپنے دل میں خنجر گھونپ لیا۔ وہ خنجر اب بھی اس کے دل میں پیوست ہوگا۔ اگر یہ خود کشی ثابت نہ ہو تو میں تمہاری دی ہوئی ہر سزا بھگتنے کو تیار رہوں۔"

"میری مشکل یہی ہے کہ میں کسی کو سزا نہیں دے سکتا۔" وہ جھلّائے ہوئے انداز میں دوسری طرف پلٹ گیا۔ "قانون نے میرے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں۔ تم رجب علی سے کسی طرح کم نہیں ہو۔ میرے ڈی ایس پی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ تم اوّل خان سے زیادہ خطرناک ہو۔ تم جیسے مادر پدر آزاد لوگوں نے ہی ہر طرف بے امنی پھیلائی ہوئی ہے۔"

اس نے غصے اور اضطراب کے عالم میں بڑبڑاتے ہوئے کال بیل بجائی۔ فوراً ہی باوردی اردلی اندر آیا اور کمرے کے وسط میں دونوں ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑا ہوگیا۔

انسپکٹر کئی منٹ تک کبھی مجھے اور کبھی دیوار کو گھورتا اور کمرے میں ٹہلتا رہا۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی اہم معاملے میں کوئی فیصلہ کرنے میں تذبذب کا شکار تھا۔

"جاؤ!" آخر کار اس نے اپنے اردلی کو کوئی ہدایت دیئے بغیر لوٹا دیا۔

"بیٹھ جاؤ!" وہ گہرے گہرے سانس لیتا ہوا اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

میں نے بے چون وچرا اس کے حکم کی تعمیل کی اور اپنی کرسی پر جم گیا۔

وہ چند ثانیوں تک پُرخار نظروں سے مجھے گھورتا رہا پھر نیچی آواز میں بولا "میں نے زندگی میں کبھی خود کو اتنا حقیر اور کم تر محسوس نہیں کیا جتنا آج کررہا ہوں۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے تم نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے مجھے بہت بے رحمی سے استعمال کیا ہو...."

"ایسا نہیں ہے۔ یہ تمہاری غلط فہمی اور بدگمانی ہے۔" میں نے کہا۔

"لاش کو پانی میں گئے بارہ گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا ہے۔ میں فوراً ایک پارٹی وہاں بھیجنا چاہتا ہوں لیکن تمہاری موجودگی میں نہیں بھیج سکتا۔ میرے اوپر والے لاش کی دریافت کا تم سے تعلق پیدا کرلیں گے۔ دیر ہونے کی وجہ سے لیلیٰ دتی کی لاش زیادہ گل گئی تو اس کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں ہوسکے گا۔"

"تم کہو تو میں ابھی چلا جاتا ہوں۔" میں نے سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔

"ڈاکوؤں اور رسّہ گیروں کی سرپرستی کرنے والے چند سیاستداں میری نظروں میں ہیں۔" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا "حکومت کسی پارٹی کی ہو، یہ گنے چنے لوگ ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔ طاقت کے لئے یہ ڈاکوؤں اور خوفناک مجرموں کو پالتے ہیں۔ دولت کے لئے اسلحے اور ہیروئن سے لے کر اناج تک کی اسمگلنگ کراتے ہیں۔ ان کی یہی بے اندازہ دولت انتخابات میں ہر پارٹی کو ان کے سامنے جھکنے پر مجبور کرتی ہے۔ میں نے ان کی نگرانی شروع کرادی ہے۔ ان کی مداخلت کے بغیر ملّا سرکار اور رجب علی کی ملاقات ہوسکتی ہے نہ ان دونوں میں مصالحت کی کوئی راہ نکل سکتی ہے۔ مجھے کوئی خبر ملی تو میں تمہیں بتادوں گا، تمہیں کوئی سراغ ملے تو مجھے خبر کردینا۔"

اُس کی باتیں حیران کن اور ناقابلِ یقین تھیں۔ کالا دھن ملک میں ایک متوازی معیشت چلا رہا تھا۔ ہیروئن کے دھندے میں ایک نہیں، ہزاروں نودولتیے پیدا ہوگئے تھے جن کے سامنے زندگی کی ساری اقدار پیسے پر آکر ختم ہوجاتی تھیں لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہیروئن سے کمایا ہوا کالا دھن سیاست میں بھی اپنا رنگ جمارہا تھا۔

لیکن غور کرنے سے اندازہ ہوجاتا تھا کہ انسپکٹر کی ساری باتیں بالکل ہی بے بنیاد نہیں تھیں۔ وہ پولیس سروس کا ایک تجربے کار افسر تھا۔ اس نے دنیا کے سرد و گرم کو بہت قریب سے دیکھا تھا اس لئے اس کی بات غلط نہیں ہوسکتی تھی۔ چند نفوس پر مشتمل اور مفلوک الحال سیاسی جماعتیں اپنے عظیم الشان جلسوں کے انتظامات اور سامعین کو لانے، لے جانے کے بندوبست پر لاکھوں روپے کہاں سے خرچ کرتی ہیں؟ ایسی چندوں اور حمایت کے کسی بینک اکاؤنٹ کے بغیر بیش قیمت لٹریچر کہاں سے وجود میں آتا ہے؟ سیاسی سودے بازیوں میں دولت کے انبار کہاں سے لٹائے جاتے ہیں؟ ان سب سوالات کے جواب انسپکٹر علی اسد کی مختصر لیکن پُرمغز گفتگو میں موجود تھے۔

"میں ایسا ہی کروں گا لیکن اتنا ضرور بتادوں کہ شاید آج کی رات ہم مون لائٹ ہوٹل کو خیرباد کہہ دیں۔ میں جہاں بھی ہوا وہاں سے تم سے رابطہ ضرور رکھوں گا۔"

"کیوں؟ تم کہاں چلے جاؤ گے؟" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

اس کے تیور ایسے تھے کہ میں ٹال مٹول کی جرات نہ کرسکا اور آہستہ سے بولا "ست بیلا سے ذرا آگے' دریا میں ایک تحقیقی موٹر بوٹ لنگرانداز ہے۔ ہم شاید اسی پر چلے جائیں گے۔"

"وہ تو ایک چھوٹا سا اور اچھا خاصا دریائی جہاز ہے۔" وہ چونک کر بولا "اس پر دریائی تحقیق کے بین الاقوامی ادارے کے ماہرین کچھ کام کر رہے ہیں۔ ان سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

وہ میری توقع سے کہیں زیادہ باخبر تھا اور اپنے گردوپیش پر گہری نظر رکھنے کا عادی تھا۔

"مشن کی نوعیت کے بارے میں تمہاری معلومات بالکل درست ہیں۔" میں نے کہا "لیکن اس علاقے کے مخدوش حالات کی وجہ سے مشن کے دو غیر ملکی اور دو مقامی ماہرین کے تحفظ کے لئے بوٹ کے اصل عملے کی جگہ اسپیشل ٹاسک فورس کے جوان مامور ہیں۔ ہم اس موٹر بوٹ کو ست بیلہ کے قریب لاکر اس جزیرے پر نگاہ رکھنے کی کوشش کریں گے۔ اوّل خان نے اس سلسلے میں ضروری تیاریاں کرلی ہیں۔"

"اس دریائی جہاز کے بارے میں مجھے خیرپور میں بھی خبریں ملتی رہتی تھیں۔ میرا ارادہ تھا کہ یہ ہنگامہ ختم ہونے تک انہیں سکھر سے کافی دور ہٹا دیا جائے تاکہ کسی تصادم میں ان کا نقصان نہ ہو۔"

"میں نے اصل صورتِ حال بتادی۔ ہمارا ارادہ تو یہاں تک ہے کہ موٹر بوٹ پر موجود چھوٹی تحقیقی کشتیوں پر بھی آدمی دریا میں اتار دیئے جائیں۔ ان پر کوئی شبہ نہیں کرسکے گا اور ہم ست بیلہ کے ہر گھاٹ پر نگاہ رکھ سکیں گے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس موٹر بوٹ پر اسلحہ بھی موجود ہوگا۔"

"یقیناً۔۔۔ ایسی تیاریوں کے بغیر دریائی سفر کرنا خود کشی کے مترادف ہوتا۔"

"اور اس کی موجودگی کا قانونی جواز؟" اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"میں اس سے لاعلم ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ایس ٹی ایف والے اپنی کارروائیوں میں قانونی ضروریات کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ تم چاہو تو موٹر بوٹ کی باضابطہ تلاشی بھی لے سکتے ہو۔"

"ناممکن!" وہ دانت پیستے ہوئے بڑبڑایا۔ "ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے تلاشی کا وارنٹ جاری کرنے سے انکار کردیا تھا۔ وہ موٹر بوٹ مرکزی محکمۂ داخلہ کے خصوصی پرمٹ پر یہاں آئی ہے۔ مقامی انتظامیہ کو اس سے دور رہنے لیکن ضرورت پڑنے پر اس کی بھرپور مدد کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔"

"لیکن میرے مہمان کے طور پر تم جب چاہو' وہاں آسکو گے۔"

اس کی پیشانی پر بندھی ہوئی سفید پٹیوں پر تازہ خون کا داغ میرے بیٹھے بیٹھے ہی خاصا پھیل گیا تھا۔ اس کے بائیں بازو کے زخم میں بھی شاید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں کیونکہ وہ کئی بار داہنے ہاتھ سے اپنا بایاں بازو سہلا چکا تھا لیکن وہ جن مخدوش حالات سے دوچار تھا انہوں نے اس سے آرام کرنے کا حق چھین لیا تھا۔

وہ زخمی حالت میں بھی کام میں مصروف تھا اور میں جانتا تھا کہ ویران بسکٹ فیکٹری کے متروک کنوئیں سے لیلیٰ وتی کی پھولی ہوئی لاش برآمد ہونے کے بعد اس کے کام میں یک بیک بہت زیادہ اضافہ ہونے والا تھا۔

○☆☆○

سلطان شاہ شام کو مون لائٹ ہوٹل پہنچا تو بہت زیادہ متوحش اور پریشان تھا۔

قومی شاہراہ پر ہالا اور گھوٹکی کے درمیان ہونے والے خوں ریز واقعات کی خبریں کراچی کے شام کے اخبارات نے شہ سرخیوں میں اچھالی تھیں۔ ان کے ساتھ سردار رجب علی اور لیلیٰ وتی کے غیر روایتی عشق اور شادی کی داستان بھی چھاپی گئی تھی اس لئے سلطان شاہ صورتِ حال سے بڑی حد تک باخبر تھا لیکن اسے پریشانی یہ تھی کہ اس قدر سنگین حالات میں ہم سکھر میں کیا کر رہے تھے اور ان واقعات میں ہمارا کیا رول تھا۔

ہم دونوں کو اطمینان کے ساتھ ہوٹل میں مقیم دیکھ کر اس کی پریشانی تو فی الفور رفع ہوگئی مگر اس کا تجسس بدستور باقی رہا جس کے ازالے کے لئے وقت درکار تھا۔

اس نے بہت بڑی عقل مندی یہ کی تھی کہ ٹرانسیٹر کو دستی سامان کی صورت میں نہیں لایا تھا بلکہ انہیں بہت سی غیر ضروری اشیا اور کپڑوں کے ساتھ ایک ائربیگ میں بند کرکے کاؤنٹر پر دے دیا تھا اس طرح وہ حساس آلات جہاز کے بیگیج ہولڈ میں بند ہو کر بآسانی سکھر پہنچ گئے تھے۔ اگر وہ انہیں دستی سامان میں لانا چاہتا تو شاید بورڈنگ لاؤنج میں داخلے سے قبل ہی سیکیورٹی چیک میں پکڑا جاتا اور کراچی ہی میں اندر ہوجاتا۔ عجلت میں' میں نے اس پہلو کو یکسر نظرانداز کردیا تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ سلطان شاہ نے احتیاط سے کام لیا تھا۔

میں نے وہ دونوں اپریٹس چیک کئے تو ان کے سیل بخوبی کام کر رہے تھے۔ میں نے ان دونوں کو آن کرکے اپنے سرہانے تپائی پر رکھ لیا۔

اس دوران میں سلطان شاہ' اوّل خان پر اپنی منظم جرح کا آغاز کرچکا تھا۔ اوّل خان کے ساتھ اس کے بے تکلف ہونے میں ان دونوں کی مشترکہ مادری زبان سے زیادہ دخل اس امر کا تھا کہ اوّل خان اس وقت ہوٹل کے کمرے میں میرے ساتھ موجود تھا۔

اوّل خان کو میں سلطان شاہ کے بارے میں پہلے ہی بتا چکا تھا کہ وہ روئے زمین پر میرا واحد رازداں اور رفیق کار تھا اس لئے اوّل خان نے اپنی کہانی بلاکم و کاست سنانی شروع کردی۔

سب سے پہلے تو سلطان شاہ کے لئے یہی انکشاف دھماکہ خیز

ثابت ہوا کہ ہم دونوں ڈاکوؤں کے کسی گروہ میں شمولیت کا عزم کرکے کراچی سے روانہ ہوئے تھے تاکہ ملا سرکار کے گھناؤنے کردار کے خدّوخال ذرا قریب سے دیکھ سکیں۔ اس کے بعد جوں جوں اول خان کی کہانی آگے بڑھتی چلی گئی۔ سلطان شاہ کی حیرت میں اضافہ ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ وہ زبان ہلائے بغیر کسی سحرزدہ معمول کی طرح گم صم بیٹھا اول خان کی داستان سنتا رہا۔

اول خان خاموش ہوا تو سلطان شاہ کو ہوش آیا کہ وہ اتنی دیر سے کاٹھ کے کسی الو کی طرح خاموش بیٹھا' صرف سنے جا رہا تھا۔ اس نے اپنے ذہن میں آنے والے سوالات کا سلسلہ چھیڑ دیا جو زیادہ دیر تک نہ چل سکا کیونکہ اسی وقت اول خان کے لئے ایک فون کال آگئی۔

اس کال میں اہم بات یہ تھی کہ اول خان نے ہیلو کہہ کر اپنا نام بتایا' لمحہ بھر کے لئے دوسری طرف کا پیغام سنا اور اگلا کوئی جملہ کہے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"چلو!" اس نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پُر عزم لہجے میں کہا۔

"کہاں؟" ہم دونوں نے تقریباً بیک آواز ہو کر اس سے سوال کیا۔

"میرے آدمی کا فون تھا۔ ہوٹل سے کچھ دور ایک لینڈ روور ہمارا انتظار کر رہی ہے۔"

ہمارے پاس کوئی قابلِ ذکر سامان تھا نہ سلطان شاہ ایک سفری تھیلے کے علاوہ کچھ لایا تھا اس لئے ہم تینوں فوراً ہی اپنے کمرے سے نکل آئے۔ اول خان نے اپنے کمرے سے رِسٹ واچ اٹھائی' نیچے پہنچ کر ہوٹل کا بل ادا کیا اور باہر نکل کر ہم اطمینان کی سربراہی میں ایک طرف چل دیئے۔

آن کئے ہوئے دونوں اپریٹس میں نے اسی طرح سلطان شاہ کے سفری تھیلے میں ڈال دیئے تھے۔

ہوٹل سے کچھ دور چل کر ہم اپنی داہنی طرف مڑے تو وہیں' فٹ پاتھ کے سہارے ایک سیاہ لینڈ روور کھڑی ہوئی نظر آگئی جس پر نوابشاہ کی نمبر پلیٹ موجود تھی۔

نمبر پلیٹ دیکھ کر میں ایس ٹی ایف کے منصوبہ سازوں کی بیدار مغزی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ سکھر جیسے شہر میں کراچی یا کسی اور بڑے شہر کی نمبر پلیٹ والی گاڑی ہر ایک کی نگاہوں کا ہدف بن سکتی تھی لیکن نوابشاہ کی نمبر پلیٹ کو بہتیرے لوگ یوں ہی نظرانداز کر سکتے تھے۔

اس لمحے میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال آیا کہ ہم لوگوں ... ہر درجے کی اعلیٰ ترین صلاحیتیں موجود ہیں لیکن عام حالات میں' اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی میں ان صلاحیتوں سے کام لینا ہم جرم کے درجے میں شمار کرنے لگے ہیں۔ جو شخص پوری تن دہی سے اپنا کام سرانجام دے رہا ہو' اس پر بلا تکلف حکومت یا اپنے افسر یا اپنے مالک کی خوشامدی اور چمچہ ہونے کا الزام لگا دیتے ہیں۔ اس عمومی رویّے نے لوگوں میں اپنے فرائض سے لاتعلق برتنے کا موذی مرض پیدا کر دیا ہے۔ ہاں' حالات سنگین ہوں' ادارہ مضبوط ہو' کام کے حوالے سے اپنی قومی شناخت کا پورا یقین ہو یا جزا اور سزا کا اختیار رکھنے والا افسر بالا یا مالک براہِ راست نگرانی کر رہا ہو تو ہماری ان ہی زنگ خوردہ صلاحیتوں کو آناً فاناً میں چار چاند لگ جاتے ہیں اور ہم سے پے در پے ایسے معجزے سرزد ہونے لگتے ہیں کہ دوبارہ کاہلی طاری ہونے پر ہم خود اپنی غیر معمولی کارکردگی پر حیران رہ جاتے ہیں۔ بعض لوگ اسے اداروں اور تنظیموں کے انفرادی مزاج کا نتیجہ قرار دیتے ہیں لیکن میری دانست میں یہ انفرادی رویّے ہوتے ہیں جو رفتہ رفتہ اداروں اور تنظیموں کی پہچان بن جاتے ہیں۔

راولپنڈی کا مری روڈ اور اسلام آباد ہائی وے صوبہ پنجاب اور مرکز کا سنگم ہے۔ اس چوراہے پر ٹریفک سگنل کے ایک طرف پنجاب کی ٹریفک پولیس ہوتی ہے جس کے سامنے بسوں اور ویگنوں کا عملہ کھلے ہوئے دروازوں سے باہر جھول جھول کر تماشے دکھاتا ہے' مسافروں کو پکارتا ہے' موقع ہو تو کسی پر آوازے بھی کس لیتا ہے لیکن سگنل پر داہنی طرف مڑنے سے پہلے وہی عملہ دروازے بند کر کے یوں اندر دبک جاتا ہے جیسے اس سے زیادہ قانون پرور مخلوق رُوئے زمین پر کوئی اور نہ ہو کیونکہ اس طرف اُس کا سامنا اسلام آباد کی چاق و چوبند پولیس سے ہوتا ہے۔ برسا برس سے ایک دوسرے سے تقریباً پشت لگا کر ڈیوٹی دینے والے سپاہیوں میں سے کسی نے دوسرے کا اثر نہیں لیا۔ ہر فریق بڑی استقامت کے ساتھ اپنی روایات پر ڈٹا ہوا ہے اور باہر سے آنے والے حیران ہوتے ہیں کہ ایک موڑ گھومتے ہی پبلک ٹرانسپورٹ کو کنڈکٹ کرنے والی مخلوق میں اچانک کون سی تبدیلی رونما ہوتی ہے جو وہ نظم ضبط کے [illegible] ہو جاتے ہیں۔

اس کا سبب بہت واضح ہے۔ مری روڈ والے سپاہی کو معلوم ہے کہ اس کی قضا و قدر کے مالکان لاہور میں بستے ہیں۔ وہ راولپنڈی آتے ہیں تو سائرن بجاتی ہوئی گاڑیوں کے جلو میں سفر کرتے ہیں تاکہ ہر ایک کو چند ثانیوں کے لئے چاق و چوبند ہونے کا موقع مل جائے لیکن اسلام آباد ہائی وے کے سپاہی ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے ہیں کہ نجانے کب' کس سادہ سی گاڑی میں کون سا خداوندِ نعمت اس شاہراہ پر آنکلے اور ان کی کسی کوتاہی پر وہیں کھڑے کھڑے ان کو روزی سے اتار کر روزگار سے محروم کر دے۔ دونوں طرف کے سپاہی پاکستانی ہیں لیکن جواب طلبی کا خوف ان کے رویّے میں زمین اور آسمان کا فرق برقرار رکھتا ہے۔ مری روڈ اور اسلام آباد ہائی وے کا یہ چوراہا ہماری قومی منافقت' کام چوری اور خود غرضی کا بے مثال شاہکار ہے۔ لیکن یہاں سے گزرنے والے زعما اور قائدین نے بھی ہمارے اس تضاد میں جھانکنے کی زحمت نہیں کی۔ اور وہ زحمت بھی کیوں کریں۔ ان پر مری روڈ والے سپاہی کی مثال صادق آتی ہے۔ ان زعما اور قائدین کو اچھی طرح

معلوم ہے کہ انبوہ در انبوہ انہیں ووٹ دینے والے، انہیں گدی چڑھا کر پانچ برس کے لئے اپنے گھروں میں جا سوئے ہیں۔ انہیں غم روزگار سے ہٹ کر نہ اپنے نمائندوں سے جواب طلبی کی فرصت ہے اور نہ احتساب کا احساس۔ تو پھر ان کے درد کا درماں کیوں کیا جائے؟

ان دگرگوں حالات میں ایس ٹی ایف کا وہ افسر یا شاید کلرک میری نظروں میں عزت افزائی کا مستحق تھا جو ہر کام روٹین میں سر انجام دینے کے بجائے اپنی آنکھیں کھلی رکھنے کا عادی تھا۔

سیاہ لینڈ روور میں صرف ڈرائیور موجود تھا۔ اول خان لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا، ہمیں پیچھے چھوڑ کر اس کے قریب چلا گیا۔ ان دونوں میں باہمی شناخت کے لئے شاید پاس ورڈز کا تبادلہ ہوا اور ڈرائیور نے پھرتی کے ساتھ نیچے آکر عقبی نشست کا دروازہ کھول دیا۔ اس اثنا میں ہم دونوں بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ اول خان نے احترام کے ساتھ پہلے ہمیں سوار کرایا پھر ہمارے ساتھ ہی اس کشادہ نشست پر آبیٹھا اور لینڈ روور غراتی ہوئی، سبک رفتاری کے ساتھ اپنی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ فضا میں گھور اندھیرے کی چادر تیزی سے پھیلتی جارہی تھی۔ بیشتر بازار روشنیوں کی ضرورت پیش آنے سے پہلے بند ہو چکے تھے۔ ہوٹلوں اور پان کی دوکانوں پر روشنیاں جل اٹھی تھیں لیکن شہر میں زندگی کی حقیقی رونق مفقود تھی جیسے سردار رجب علی کا آسیب پوری بے رحمی سے نگل گیا تھا۔

"اب ہم کہاں جارہے ہیں؟" سلطان شاہ نے اول خان سے پوچھا۔

"دیکھتے رہو، کہیں نہ کہیں تو پہنچ ہی جائیں گے۔" اول خان نے مبہم سا جواب دیا۔

اسی لمحے سلطان شاہ کے سفری تھیلے سے ہلکی ہلکی آوازیں برآمد ہونے لگیں جیسے کسی چرخی میں پھنسا ہوا چوہا ہولے ہولے کراہ رہا ہو۔

وہ دونوں ہی اس اشارے کا مفہوم نہ سمجھ سکے لیکن میں نے پھرتی کے ساتھ سلطان شاہ کے سفری تھیلے میں ہاتھ ڈال کر وہ ایرپیس باہر نکال لیا جس میں ہلکی سی تھرتھراہٹ کا احساس ہو رہا تھا۔

آواز کو کنٹرول کرنے والی ناب گھماتے ہی وہ چوں چوں کی آواز واضح انسانی آواز میں تبدیل ہو گئی۔

"غلام رسول کالنگ فار سائیں سرکار، اوور!" وہ بھاری مردانہ آواز وقفے وقفے سے وہی ایک پیغام نشر کئے جارہی تھی جسے سن کر بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

میرے لئے سائیں سرکار کا نام نیا تھا اور نہ غلام رسول کا، غلام رسول ایک بہت نامور اور کامیاب سیاستداں تھا اس کا نام سنتے ہی مجھے انسپکٹر علی اسد یاد آگیا جس نے امن دشمن کارروائیوں میں بعض سیاستدانوں کے ملوث ہونے کی بات کھل کر کی تھی۔

تیسری بار وہ آواز معدوم ہوتے ہی ایرپیس پر ملا سرکار کی کھرو، آواز ابھری۔ "ہاں سائیں! میں حاضر ہوں کیا خیر خبر ہے؟ اوور۔"

"سائیں! میں خود اس سے ملا ہوں۔ اس کا مغز پھرا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اسے پہلے اپنی بیوی کی رہائی چاہئے۔ اس کے بعد ہی کوئی بات ہو سکے گی۔ اوور!" غلام رسول کی آواز سنائی دی۔

"لیکن میرے ہاتھ صاف ہیں۔ میرے فرشتوں کو بھی لیلیٰ دتی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ یہ کسی بیچ کے آدمی کا حرامی پن ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ وہ مجھ سے کیوں بھڑکا ہوا ہے؟ اوور!" ملا سرکار کی آواز سے دردناک بے بسی ٹپک رہی تھی۔ ان دونوں کی گفتگو سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس بارے میں ان کے درمیان پہلے بھی بات ہو چکی تھی۔

"وہ بالکل چریا آدمی ہے۔ میں خود اُس کے جنون سے پریشان ہوں۔ وہ بولتا ہے کہ راکٹ برسا کر پورے سکھر کو کھنڈر بنا دے گا۔ میرا آدھا کنبہ یہاں رہتا ہے۔ میں سب کو لے کر کہاں جاؤں؟ تم تو بہت پہنچ والے ہو۔ پتا چلاؤ کہ اس کی بیوی کو کس نے اٹھایا ہے؟ اوور!" غلام رسول بھی بہت پریشان تھا۔

"سب پتا چل جائے گا لیکن اس کے لئے وقت درکار ہے اور وہ وقت دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اپنی بیوی کے لئے پاگل ہو کر وہ میرا سارا کھیل تباہ کر رہا ہے۔ اسے کچھ پتا نہیں کہ وہ کیا کھیل کھیل رہا ہے۔ اس کے ستائیس حامی پولیس اور دیہاتیوں کی فائرنگ سے مارے گئے ہیں۔ بائیس آدمی فوج نے پکڑ لئے۔ جو باقی رہ گئے ہیں وہ پناہ گاہوں کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔ پوری تیاری کے بغیر ٹکر لینے کا یہی انجام ہونا تھا۔ پولیس کو بھی ان لوگوں کے خلاف پوری قوت سے کارروائی کرنے کا بہانہ مل گیا ہے۔ میری عقل کام نہیں کر رہی کہ اب کیا ہوگا؟ اسے ہوش نہیں آیا تو یہ بہت برا ہوگا۔ وہ تمہارا ہاری رہ چکا ہے۔ اب بھی تمہارے دسترخوان کا نمک کھاتا رہتا ہے۔ اُسے ایک مرتبہ پھر سمجھاؤ کہ وہ تباہی کے راستے پر چل پڑا ہے۔ اپنے ساتھ ہم سب کو بھی لے ڈوبے گا۔ اوور!"

سلطان شاہ نے کچھ بولنا چاہا تھا کہ اول خان نے سختی سے شسکار کر اسے خاموش کر دیا۔

"بولنے دو اول خان!" میں نے ہیجان آمیز لہجے میں کہا "یہ کوٹ مندو والا ایرپیس ہے۔ اس کا ٹرانسمیٹنگ بٹن دبائے بغیر ہماری آواز ان تک نہیں پہنچ سکے گی۔"

لیکن ان دونوں میں سے کوئی نہیں بولا۔

ایرپیس پر غلام رسول جیسا بارسوخ آدمی گھٹیا لہجے میں گڑگڑا رہا تھا "سائیں! میں اپنی پوری کوشش کر چکا ہوں۔ تم یقین نہیں کرو گے کہ میں نے اپنی پگڑی اس کے قدموں میں ڈال دی تھی لیکن اس کتے کے دماغ پر لیلیٰ دتی کا بھوت سوار ہے۔ وہ اکیلا تم سے اور حکومت سے ٹکر لینے پر تلا ہوا ہے۔ اوور!"

لائن پر طویل سکوت چھا گیا۔ وہ لمحے اتنا طول پکڑ گئے کہ مجھے شبہ ہوا کہ کہیں اس نازک موڑ پر ہمارا ایرپیس ہی جواب نہ دے گیا

ہو لیکن اس پر ننھی سی سرخ روشنی بدستور جل رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ اپریٹس کام کر رہا تھا۔ ملا سرکار شاید اپنی شیطانی کھوپڑی سے کچھ سوچ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے!" ایک گہرے سانس کے ساتھ آخر کار ملا سرکار کی سفاکانہ آواز ابھری۔ "تم اسے آج رات بارہ بجے سادھو بیلا بلاؤ۔ اسے پیغام بھجوا دو کہ سائیں سرکار اتنا مفلس نہیں ہے کہ اسے عورتوں کو اٹھا کر ایک کروڑ کا تاوان لینے کی ضرورت پیش آئے۔ وہ آئے اور کچھ دیئے بغیر لیلیٰ دتی کو واپس لے جائے اوور!"

"لیکن سائیں!" غلام رسول کی آواز تحیر زدہ تھی "ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ تمہارے ہاتھ صاف ہیں اور تمہیں لیلیٰ دتی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے؟ اوور!"

"میں اب بھی اپنے اس بیان پر قائم ہوں۔ اوور!" ملا سرکار کی مکارانہ آواز ابھری۔

"یع... یعنی تم چاہتے ہو کہ میں اسے دھوکے سے سادھو بیلہ بلاؤں؟" غلام رسول کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی جس میں خوف بھی جھلک رہا تھا "وہ بہت ظالم ہے سائیں! اسے میری بدنیتی کا شبہ بھی ہو گیا تو وہ چن چن کر میری ساری آل اولاد کا نام و نشان مٹا دے گا... نہیں سائیں ایسا نہ کرو! اوور!"

"یہ کرنا پڑے گا سائیں غلام رسول!" ملا سرکار کا لہجہ بے حد سرد اور سفاکانہ تھا۔ "وہ ہمیں اس پر مجبور کر رہا ہے۔ پالتو کتا اگر پاگل ہو جائے تو گہری محبت کے باوجود اسے اپنے ہاتھوں سے گولی مارنی پڑ جاتی ہے۔ تم اسے دھوکے سے بلاؤ کیونکہ وہ سیدھی طرح مجھ سے ملنے پر آمادہ نہیں ہے۔ میں پیار اور محبت کے ساتھ اس سے حجت تمام کروں گا۔ اگر وہ راہِ راست پر نہ آیا تو پھر بھی سادھو بیلہ سے نہیں نکل سکے گا۔ میں اس کی لاش کو وہیں آگ لگوا دوں گا۔ اس جیسے چھوٹے اور حقیر کیڑے ہماری اور تمہاری راہ نہیں کاٹ سکتے... اوور!"

"نہیں سائیں، میرے بیوی بچے تمہارے غلام، لیکن یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ سردار رجب علی اکیلا نہیں ہے۔ اس کے بیسیوں جاں نثار ساتھی ہیں اور سب کے سب خونخوار درندے ہیں۔ رجب علی کو تم نے مار بھی دیا تو وہ لوگ میری آل اولاد کے لہو کے پیاسے ہو جائیں گے... اوور!" وہ تقریباً رو دینے والی آواز میں بولا تھا۔

"رجب علی مر گیا تو اس کے ساتھی خوف زدہ چوہوں کی طرح اپنے بلوں میں گھس جائیں گے۔" ملا سرکار کی آواز خوفناک ہو گئی۔ "نالی کے ان حقیر کیڑوں کے خوف سے تم میرا حکم نہیں ٹال سکتے۔ اوور!"

"مجھے معافی دے دو! سمجھ لو کہ تم نے اس بارے میں مجھ سے بات ہی نہیں کی تھی۔ میں ہمیشہ تمہارا تابعدار رہا ہوں لیکن آج میں تمہارے حکم کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ کام تم کسی اور سے لے لو! اوور!" ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان، غلام رسول نے کسی بلکتی ہوئی رانڈ کی طرح اپنی بات مکمل کی۔

"تم بھول رہے ہو، غلام رسول کہ تمہارا سائیں سرکار اپنی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ واپس لینے کا عادی نہیں ہے۔"

ملا سرکار کی سفاکانہ آواز میں غصے کی تلخی گھلنے لگی۔ اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "آج رات بارہ بجے تمہیں ہر قیمت پر رجب علی کو سادھو بیلہ لانا ہے اور بس۔ اس سے آگے میں تمہاری زبان سے ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتا۔ یہ کام صرف اور صرف تم کرو گے۔ اوور!"

ملا سرکار نے بات ایک نازک موڑ پر پہنچا دی تھی جہاں غلام رسول کے لئے اقرار یا انکار کے سوا کوئی تیسرا راستہ باقی نہیں رہا تھا۔ وہ ملا سرکار کے تحکمانہ طرزِ تکلم پر ایک دم بھڑک اٹھا۔ "تم مجھے دھونس نہیں دے سکتے۔ میں تمہاری عزت ضرور کرتا ہوں لیکن تمہارا دیا نہیں کھاتا۔ میری مرضی کے خلاف تم مجھے کسی کام پر مجبور نہیں کر سکتے۔ کان کھول کر سن لو کہ رجب علی کے معاملے میں، میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں... اوور!"

"ایک بار پھر سوچ لو، غلام رسول!" ملا سرکار کی قہربار آواز سنائی دی "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اپنا تھوکا ہوا کبھی نہیں چاٹتا۔ یہ کام ہر حال میں تم ہی کو کرنا ہو گا۔ اوور!"

"نہیں کروں گا... نہیں کروں گا..." ملا سرکار کی تحکمانہ تکرار پر غلام رسول کے اعصاب جواب دے گئے اور اس نے نیم ہذیانی انداز میں چیخنا شروع کر دیا۔ "میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔ میری مدد اور میرے مراسم کے سہارے آج تم سائیں سرکار بنے پھرتے ہو ورنہ تم ایک مسجد کے ملا سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھے۔ یہ نہ بھولو کہ میں نے آج تمہاری طرف اشارہ کر دیا تو تم ناکار دیئے جاؤ گے یا کسی جیل میں سڑا دیئے جاؤ گے۔ اب میرے منہ لگنے کی کوشش نہ کرو اور رجب علی سے آگے کی کوئی اور بات کرو۔ اوور!"

"مجھے معلوم تھا غلام رسول کہ سانپ کا بچہ سنپولیا ہی ہوتا ہے۔" ملا سرکار کی آواز کسی بپھرے ہوئے سانپ کی غضبناک پھنکار سے مشابہ ہو گئی۔ "شاید تم سرحد پار واقع ان تربیتی اڈوں کو بھول گئے جہاں تم نے اپنے آدمیوں سے سلامی لی تھی جنہوں نے میری دھرتی پر اپنی تربیت مکمل کی تھی... اوور!"

"بکواس بند کرو۔" غلام رسول کی غضبناک آواز میں کسی نادیدہ انجام کی دہشت سمٹ آئی۔ "مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا بک رہے ہو۔ میرے اس خفیہ سفر کا کہیں کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ اس کمزور حوالے سے تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔ میں نے اپنی زندگی کی کتاب سے وہ ورق پھاڑ دیئے ہیں۔ اوور!"

"وہ اوراق میں نے اپنی کتاب میں سجا لئے ہیں۔" ملا سرکار کی زہریلی آواز ابھری۔ ان دونوں کی لمحہ بہ لمحہ رنگ بدلتی ہوئی گفتگو بہت بھیانک اور سنسنی خیز تھی۔ میں نے کراچی سے دونوں اپریٹس کسی موہوم سے سراغ کی امید پر منگوائے تھے۔ یہ بات

میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ اس پر میں دو ملک دشمن غداروں کی ایسی ہولناک گفتگو سننے میں کامیاب ہو سکوں گا جس کا تصور ہی میرے لئے سوہانِ روح تھا لیکن میں دم بخود وہ سب سن رہا تھا۔ آپس کی تلخیوں میں الجھ کر وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے کردار کے بخیئے ادھیڑ رہے تھے۔ میری نگاہوں میں ملا سرکار تو خیر غیر ملکی ایجنٹ تھا ہی لیکن میں اس موذی کے اصل روپ پر صدمے کا شکار ہو گیا تھا جو معزز اور ثقہ لیڈر ہوتے ہوئے بھی اس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجادینے پر تلا ہوا تھا جس کے طفیل اسے عزت و اعزاز سے نوازا گیا تھا۔

"تمہارا خاندان سیاسی ہے غلام رسول! ان اوراق کی وجہ سے صرف تم ہی نہیں، تمہاری آنے والی نسلیں بھی میرے ہم وطنوں کے ہاتھوں بلیک میل ہوتی رہیں گی۔ میں یہاں گھاس کھودنے نہیں آیا تھا۔ تمہاری مٹی کی جڑوں میں مَیں نے ایسے ایسے زہریلے پودے لگائے ہیں جو ایک دن تناور درخت بن جائیں گے جو اپنی مٹی کے لئے بے فیض ہوں گے لیکن ان کے سائے سے ہم لوگ فیض یاب ہوں گے۔ شاید تمہیں یاد نہیں کہ تھر کے تپتے ہوئے صحرا میں وہ دونوں تقریبات کھلے آسمان تلے، سورج کی جلتی ہوئی کرنوں کے سائے میں منعقد کی گئی تھیں۔ تم نے تصویریں نہ بنانے کی ہدایت کی تھی۔ تم سرحد پار سے آئے ہوئے، ہمارے خفیہ مہمان تھے اس لئے بظاہر ہم نے تمہاری بات مان لی تھی مگر ہم جوہر شناس ہیں۔ ہم نے تمہاری قدروقیمت بھانپ لی تھی اس لئے ٹیلی اسکوپک لینسوں کی مدد سے ہم نے تمہاری ساڑھے سات گھنٹے کی مصروفیات کی وڈیو فلمیں بنالی تھیں۔ ان تین کیسٹوں کی ایک نقل ہمارے ہیڈ کوارٹر میں محفوظ ہے، دوسری جیسلمیر کے اڈے پر، تیسری شاہ پور کے تربیتی کیمپ کی خفیہ لائبریری میں اور چوتھی میرے پاس ہے۔ اب بتاؤ کہ تم رجب علی کی دیوانگی سے ڈرتے ہو یا میری طاقت کو سات سلام کرو گے؟ اوور!"

ایک مرتبہ پھر طویل وقفہ آگیا جس کے بعد غلام رسول کی رُندھی ہوئی اور شکست خوردہ آواز ابھری "مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟ میں پوری نیک نیتی سے تمہارا ساتھ دوں گا۔ اوور!"

"تو شودروزات کے کنجروں اور چماروں سے بھی بدتر ہے جو تھوڑی دیر کے لئے بھی اپنی ہرزہ سرائی پر قائم نہیں رہ سکا۔" ملا سرکار کی آواز سے اس قدر خشونت ٹپک رہی تھی جیسے وہ سامنے ہوتا تو اپنے ناخنوں سے غلام رسول کا چہرہ ادھیڑ کر اس کی آنکھیں نکال لیتا۔

"کان کھول کر سن لے کہ مجھے اپنے دیوی دیوتاؤں کی آشیرباد حاصل ہے۔ یہ راج سنگھاسن اکھنڈ بھارت کا تھا اور اکھنڈ بھارت جم کر رہے گا۔ تو اس کے سیوکوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر تو نے میرے خلاف رجب علی سے گٹھ جوڑ کرنے کی کوئی بھی کوشش کی تو کل صبح ہی میرے چیلے تیری فلم کے تینوں کیسٹ آرمی انٹیلی جنس والوں کو پہنچادیں گے۔ پھر تیرا جو حشر ہوگا، وہ تو خود سمجھ سکتا ہے۔ اوور!"

"نہیں سرکار، ایسا نہیں ہوگا۔ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ میں نے تم پر اعتماد کیا اور تم نے میرے اس اعتماد کو فریب دے کر میرے خلاف مواد اکٹھا کرلیا۔ یہ تو سامنے کی بات ہے کہ تم بازی جیت گئے ہو۔ اب وہی ہوگا جو تم چاہو گے۔ میں لیلیٰ وتی کی واپسی کا سانا سپنا دکھا کر آج رات کے بارہ بجے، سردار رجب علی کو سادھو بیلہ بلالیتا ہوں۔ اس سے آگے میری کوئی ذمے داری نہیں ہوگی۔ اوور!"

"ذمے داری ہوگی یا نہیں ہوگی، یہ میں تجھے سادھو بیلہ ہی میں بتاؤں گا۔" ملا سرکار اس کے ساتھ مسلسل تضحیک آمیز لہجے اور انداز میں بات کررہا تھا۔ "تو میرا اکلوتا آدمی نہیں تھا۔ ہر طرف میرے ملاقاتی موجود ہیں۔ خود رجب علی کل تک میرے پسینے پر اپنا خون بہانے کو تیار رہتا تھا لیکن میں نے اپنی گردن کسی کے ہاتھ میں نہیں دی تھی۔ تو اکیلا آدمی ہے جسے میں نے اپنا اہم ترین ٹرانسمیٹر دیا ہوا تھا اور اس کی وجہ سے تجھے اب تک یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ دن یا رات میں تو جب چاہے، سائیں سرکار سے رابطہ کرسکتا ہے لیکن اب میں یہ رعایت واپس لے لوں گا۔ رات کو سادھو بیلہ میں مَیں یہ ٹرانسمیٹر واپس لے لوں گا۔ اوور!"

"تم نے میرے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔ اس وقت تمہاری باتیں سن کر میں اندر سے بالکل ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہوں۔ مجھ میں تمہارے مقابلے کی تاب نہیں رہی ہے۔ اس وقت تم میرے ساتھ جو سلوک چاہو، کرسکتے ہو۔ میں زندگی بھر تمہاری وفاداری اور غلامی کا عہد کرتا ہوں لیکن خدا کے واسطے مجھے وہ تمام کیسٹ لوٹا دو جو تم نے میرے جیسلمیر اور شاہ پور کے خفیہ دورے کے موقع پر بنائے تھے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری بے اعتدالیوں کی وجہ سے میری آنے والی نسلیں اس سرزمین پر سر جھکا کر مجرموں کی طرح چلیں۔ اوور!"

"غلطی اور بے اعتدالی جب تک انسان کے من میں رہتی ہے اس کی اپنی امانت ہوتی ہے۔ کسی کو اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلتا لیکن جب وہ سرزد ہوجاتی ہے تو تاریخ کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔ یہ پنسل سے لکھی ہوئی تحریریں نہیں ہوتیں، جنہیں آسانی سے مٹایا جاسکے۔ تو آنے والے ایسے وقت کے بارے میں سوچ رہا ہے جب تیری یہ دھرتی قائم رہے گی مگر میری آنکھوں میں اکھنڈ بھارت کے خواب بسے ہوئے ہیں۔ اکھنڈ بھارت بن گیا تو تیرے کرتوت تیرے کارنامے بن جائیں گے اور تیری آنے والی نسلیں ان کارناموں پر فخر کریں گی۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے سینوں پر اکھنڈ بھارت کے بڑے بڑے قومی اعزاز سجادیئے جائیں۔ اس لئے اب تو ان غلطیوں کو بھول جا۔ تیرے مقدر میں جو کچھ لکھ دیا گیا تھا وہ تو نے اپنی زبان کی تیزی سے خود پورا کرالیا۔ کیسٹ پہلے بھی تھے اور اب بھی میرے پاس ہیں۔ تو مجھ سے بدکلامی نہ کرتا تو بے خبری میں سکھ کے ساتھ اپنے دن پورے کرلیتا لیکن اب تو جب تک

زندہ رہے گا، جاننے کے عذاب میں مبتلا رہے گا۔ یہ میری طرف سے تیری گستاخیوں کی سزا ہے اور تو جانتا ہے کہ میں اپنا تھوکا ہوا کبھی بھی نہیں چاٹتا۔ اوور اینڈ آل۔"

اپریٹس خاموش ہوگیا۔ لینڈ روور میں چھائی ہوئی تاریکی بھیانک سناٹے میں ڈوب گئی۔

نہ جانے کتنی دیر تک ہم تینوں، سکتے کے عالم میں دم بخود بیٹھے رہے پھر میں چونکا تو مجھے احساس ہوا کہ لینڈ روور ساکت تھی اور اس کا انجن بھی بند تھا۔

ہم تینوں ملا سرکار اور غلام رسول کی گفتگو سننے میں اتنے زیادہ منہمک رہے کہ ہمیں پتا ہی نہیں چل سکا کہ گاڑی اپنا سفر مکمل کر کے کسی تاریک ویرانے میں رک چکی تھی اور اس کا ڈرائیور اپنی نشست سے اتر کر نیچے، کچھ فاصلے پر چہل قدمی کر کے وقت گزار رہا تھا۔

ہم تینوں ایک دوسرے سے کچھ کہے بغیر تیزی کے ساتھ نیچے اتر آئے۔

ہمیں اترتا ہوا دیکھ کر ڈرائیور سرعت سے ہماری طرف آیا اور اس نے ہمارے ہاتھوں سے سامان کے دونوں تھیلے لے لئے جن میں ملا سرکار کے دو ٹرانسیٹر اور دو پستولوں کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھی۔

"تم ٹرانسیٹر پر ہونے والی گفتگو سن رہے تھے؟" اول خان نے اس سے پوچھا۔

"سن ضرور رہا تھا لیکن مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔ میری توجہ راستے پر مرکوز تھی۔"

"شاباش! میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا۔ ان معاملات کا تعلق ملکی سلامتی کے اہم ترین امور سے ہے۔ اپنے کسی چھوٹے یا بڑے کے سامنے تم بھول کر بھی ان باتوں کا ذکر نہیں کرو گے۔"

"میں جانتا ہوں، سر!" اس کا لہجہ پُرعزم اور مضبوط تھا۔

اس دوران میں مَیں نے دیکھا کہ وہ مقام تاریک ضرور تھا لیکن بالکل ہی ویران نہیں تھا۔

ہماری لینڈ روور ایک نیم پختہ راستے کے اختتام پر رکی تھی۔ اس سے آگے نرم جھاڑیوں اور خودرو گھاس سے بھرا ہوا قطعۂ زمین تھا۔ زمین کے اختتام پر نقل و حرکت کے پُراسرار آثار پائے جا رہے تھے اور وہیں تاروں کی چھاؤں میں دریا کا پانی جھلملا رہا تھا۔

ہم، ڈرائیور کی رہنمائی میں ایک چکر کاٹ کر آگے بڑھے تو پتا چلا کہ وہ ایک دریائی گھاٹ تھا جہاں اندھیرے میں دو افراد ایک موٹربوٹ کے ساتھ ہمارے منتظر تھے۔

"اباسین کے مہمان آگئے ہیں!" ان دونوں کی چمکتی ہوئی، استفسار طلب نگاہوں کے جواب میں ڈرائیور نے ان کو ہماری پوزیشن سے آگاہ کیا اور ان دونوں کے ہاتھ احتراماً پیشانیوں تک اٹھتے چلے گئے۔

اول خان مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ تحقیقی موٹربوٹ کا سرکاری نام اباسین تھا۔

وہاں موجود دونوں افراد تنومند اور مستعد تھے۔ ان کے جسموں پر صرف سفید بنیان اور خاکی نیکر موجود تھا۔ ان کی تمام حرکات و سکنات میں خالص فوجی انداز جھلک رہا تھا۔

اس مقام پر دریا کا کنارا غالباً قدرے گہرا تھا اس لئے کشتیاں وغیرہ لگانے کے لئے خشکی پر ایک چوبی پلیٹ فارم بنا ہوا تھا جس کے ذریعے ہم یکے بعد دیگرے، بغیر کیبن والی موٹربوٹ میں اتر کر پلاسٹک کی بنچوں پر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور ہمیں ان دونوں کے حوالے کر کے واپس لوٹ چکا تھا اور لینڈ روور کے انجن کی آواز تیزی کے ساتھ دور ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی تیز روشنیاں تاریکی میں دور دور تک پھیل رہی تھیں۔

ہمارے سوار ہونے کے بعد ایک شخص نے موٹربوٹ پر آکر وھیل سنبھال لیا۔ دوسرے نے پلیٹ فارم پر بندھا ہوا موٹا رسّا کھول کر بوٹ کے مختصر سے عرشے پر پھینکا اور خود بھی وہیں آکودا۔ انجن اسٹارٹ ہوا اور موٹربوٹ دریا کے رواں پانی میں گھوم کر آہستہ آہستہ ایک طرف چل پڑی۔

وہ غالباً کوئی دریائی کھاڑی تھی جہاں تیز دریائی بہاؤ سے بچا کر گھاٹ بنایا گیا تھا کیونکہ اس کے پیچ و خم سے نکلتے ہی ہمیں نہایت دلفریب منظر نظر آنے لگا۔

ہمارے سفر کی سمت میں کم از کم تین منزلوں پر مشتمل ایک دریائی جہاز تیرتا ہو نظر آیا۔ اس کی خوابناک روشنیوں کی ترتیب سے اندازہ ہو رہا تھا کہ جہاز پر عرشے سے اوپر بھی کم از کم دو منزلوں پر کیبن بنے ہوئے تھے۔ خاکی نیکروں والوں نے بتایا کہ وہی... اباسین تھا جو ایک مقام پر لنگر انداز تھا۔

میرے ذہن میں موٹربوٹ کا روایتی تصور کبھی بھی انجن سے چلنے والی کشتی سے آگے نہیں بڑھ سکا تھا حالانکہ مغربی سمندروں میں ہم کافی دنوں تک شی والوں کی جہاز نما گن بوٹ پر بھی قابض رہے تھے۔ مجھے محسوس ہوا کہ اباسین کے لئے صرف موٹربوٹ کہنا ناکافی تھا۔ شاید اسی لئے انسپکٹر علی اسد اسے بار بار دریائی جہاز کہہ رہا تھا۔

اباسین سے آگے، بائیں طرف سادھوبیلہ کا دریائی جزیرہ جھلملا رہا تھا۔ اندھیرا پھیل جانے کی وجہ سے جزیرے پر روشنیوں کا سیلاب سا آیا ہوا تھا۔ دریا کے تیز رَوپانی میں پڑنے والے، روشنیوں کے انعکاس سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بہت بڑا جہاز اپنے بے شمار مسافروں سمیت پانی پر تیر رہا ہو۔ اس سے اور آگے الٹی کمان کے ساتھ موٹے موٹے تاروں سے معلق ایوب برج اور اس پر رواں ٹریفک کی خوابناک روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ ایوب برج کے پس منظر میں قینچی والے پل کا ہزاروں ٹن وزنی، آہنی ڈھانچہ اداسی کے دھندلکے میں لپٹا ہوا تھا۔

دریا کے پانی کا بہاؤ تیز تھا اور ہم اس وقت دھارے کی مخالف سمت میں سفر کر رہے تھے اس لئے ہماری موٹربوٹ کی رفتار قدرے

ست تھی اور وہ بہاؤ کے مقابلے میں قدرے ترچھے زاویئے سے سفر کر رہی تھی لیکن پھر بھی تقریباً نصف گھنٹے کے سفر کے بعد ہماری بوٹ اباسین کے پہلو سے جا لگی۔

اوپر سے رسّا پھینکا گیا جو عرشے پر باندھ کر بوٹ کو لنگر انداز کر دیا گیا اور ہم تینوں رسوں سے بنی ہوئی سیڑھی سے جھولتے ہوئے اوپر پہنچ گئے۔

وہاں موجود افراد نے غیر فوجی انداز میں سیلوٹ کر کے اوّل خان کو تعظیم دی اور ان میں سے ایک آدمی آگے آگیا جس کے بدن پر خاکی ڈانگری چڑھی ہوئی تھی۔ اس کا نام عرفان تھا اور وہی اباسین کے کپتان کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

ہم تینوں کے لئے اباسین کی دوسری منزل پر صاف ستھرے کیبن تیار تھے لیکن اول خان نے آرام کرنے کے بجائے فوراً ہی عرفان کے ساتھ مذاکرات شروع کر دیئے۔

اباسین پر اسپیشل ٹاسک فورس کے چھ افراد پہلے سے موجود تھے۔ بارہ افراد ہلکے اور درمیانی اسلحے کے ساتھ شام کو پہنچ گئے تھے۔ اٹھارہ میں سے دو افراد اس گشتی موٹر بوٹ پر مامور کر دیئے گئے تھے جس کے ذریعے ہم کنارے سے اباسین پر لائے گئے تھے۔ متوقع خطرات اور تصادم کے پیش نظر چاروں تحقیقی سائنس دانوں کو واپس کراچی بھیج دیا گیا تھا۔ امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال پر وہ خود بھی خائف تھے اس لئے اباسین کو مکمل طور پر اسپیشل ٹاسک فورس کا آپریشن سینٹر بنانے میں عرفان کو کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

"سادھو بیلہ کے مکینوں کے معمولات کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"لوگ سیدھے سادے ہیں۔ سورج غروب ہونے کے بعد جزیرہ آمدورفت کے لئے عموماً بند کر دیا جاتا ہے۔ ساری سرگرمیاں دن کے اجالے میں شروع ہو کر دھندلکے کے وقت ختم ہو جاتی ہیں۔ ہولی، دیوالی اور دوسرے تہواروں کے موقع پر پولیس کی کڑی نگرانی میں آمدورفت کے معمولات میں ڈھیل دے دی جاتی ہے۔ ان سب کارروائیوں کا واحد مقصد جزیرے کی ہندو آبادی کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔"

"لیکن آج کی رات بہت نازک ہے۔ رات کے بارہ بجے تین مقامی اور بین الاقوامی دہشت گرد اس جزیرے پر یکجا ہونے والے ہیں۔ ہمیں ان کو زندہ یا مردہ، ہر حالت میں پکڑنا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ احتیاط بھی لازمی ہے کہ ہماری کارروائی میں وہاں کی مقامی آبادی کو کوئی گزند نہ پہنچے۔"

"بارہ بجے سادھو بیلہ پر آدھی رات اتر آتی ہے۔ ہمارے لئے یہ وقت بہت مناسب رہے گا۔ اپنی نگراں کشتیاں ہم جزیرے کے چاروں طرف پھیلا دیتے ہیں۔ ہمارے آدمی کوئی روشنی استعمال کئے بغیر بھی ہر گھاٹ کی نگرانی کر سکیں گے۔ رات کی تاریکی میں دور تک دیکھنے کے لئے ان کے پاس انفرا ریڈ گاگلز ہیں۔ ہمارا ان سب سے ٹرانسیٹر پر رابطہ رہے گا۔ کسی بھی مشکوک مرحلے پر وہ ہماری ہدایت پر کارروائی کر سکیں گے۔"

"میں ان کے داخلے کے موقع پر انہیں چوکنا نہیں کرنا چاہتا۔" اول خان نے فکرمندانہ لہجے میں کہا "وہ کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ تین ٹولیوں میں آئیں گے۔ ہم نے کسی ایک کو چھیڑا تو بعد میں آنے والے اپنا راستہ یا پروگرام تبدیل کر لیں گے۔ ہمارے لئے وہ تینوں ہی اہم ہیں۔ اگر ہم آج کی رات انہیں پکڑنے میں ناکام رہے تو پھر ان کا سایہ بھی ہمارے ہاتھ نہیں آسکے گا۔"

عرفان نے پیچیدہ اور فنی مسائل چھیڑ دیئے جو ہمارے لئے ناقابلِ فہم تھے اس لئے میں سلطان شاہ کو اشارہ کرتا ہوا، کیبن سے باہر نکل گیا۔

اباسین کسی بھی طرح ایک چھوٹے سے تفریحی جہاز سے کم نہیں تھا۔ نچلے حصے میں انجن روم، کارگو ہولڈ اور تحقیقی مقاصد کے لئے ایک مختصر سا برف خانہ تھا۔ اس سے اوپری منزل پر عملے کے لئے کیبن اور دو تجربہ گاہیں تھیں جو انواع و اقسام کے حسّاس آلات اور محلولوں سے بھری ہوئی تھیں۔ دوسری منزل پر افسران اور مہمانوں کے لئے چار پُرتعیش کیبن تھے اور یہ سہولتیں یہیں ختم ہو جاتی تھیں۔ ان آرام دہ کیبنوں کی اوپری منزل پر اباسین کا برج تھا جہاں نیوی گیشن کے آلات کے ساتھ ہی جہاز کے کپتان کا کمرا تھا جہاں سے وہ اباسین کی سمت اور رفتار کنٹرول کرتا تھا۔ نیوی گیشن روم میں ایک بڑی سی دوربین بھی موجود تھی۔

نیوی گیشن روم میں موجود شخص نے میری فرمائش پر دوربین کا رخ ست بیلہ کی طرف گھما کر اس کا فوکس درست کیا اور میرے لئے جگہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گیا۔ دوربین کے آئی پیس سے جھانکتے ہی میں ست بیلہ کا منظر دیکھ کر حیران رہ گیا اس کے عدسے بہت طاقتور تھے اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اباسین اور ست بیلہ کا درمیانی فاصلہ گھٹ کر بمشکل بیس پچیس فٹ رہ گیا ہو۔

گنجلک نقش و نگار والے در و دیوار اور کلس والے اونچے مندر کے گرد و نواح میں، غور کرنے پر لوگ بھی چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ میں نے دوربین کو اس کے وزنی پیڈسٹل پر آہستہ آہستہ گھمانا شروع کیا اور ست بیلہ کی گنجان آبادی میری نگاہوں کے سامنے سے گزرنے لگی۔

وہاں ایک عظیم الشان مندر کے علاوہ سارے مکانات کم و بیش ایک جیسی عامیانہ ساخت کے تھے۔ ان میں سفید رنگ کی ایک حویلی قدرے ممتاز نظر آتی تھی۔ میں نے کئی بار پوری آبادی کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ملا سرکار اور رجب علی کی ملاقات کے لئے اس جزیرے پر مندر یا پھر سفید حویلی کے علاوہ کوئی تیسری مناسب عمارت موجود نہیں تھی۔ اگر یہ طے ہو جاتا کہ وہ دونوں کہاں ملنے والے تھے تو پھر پوری آبادی کو کسی سنگین دشواری سے دوچار کئے بغیر ان دونوں کو وہیں گھیرا جا سکتا تھا۔ میری دانست میں غلام رسول کو پکڑنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

وہ اپنے خلاف موجود فردِ جرم ملا سرکار کی زبانی سن چکا تھا۔ اس کا ایک موہوم سا حوالہ ہی اس خبیث رہنما کو عرش سے فرش پر لا سکتا تھا۔

میرے ہٹتے ہی سلطان شاہ پُراشتیاق انداز میں دوربین سے چپک گیا۔

"اوپر منکی برج پر بھی ایک چھوٹی سی دوربین لگی ہوئی ہے۔" ایس ٹی ایف کے اہل کار نے مجھے آگاہ کیا "وہ ذرا کمزور دوربین ہے۔ لیکن بلندی پر ہونے کی وجہ سے وہاں سے بالکل ہی الگ منظر نظر آئے گا۔"

منکی برج میرے لئے ایک نیا نام تھا۔ میری دلچسپی دیکھتے ہوئے وہ مجھے نیوی گیشن روم سے باہر لایا اور برج پر ایک آہنی زینے کے پاس آکھڑا ہوا۔ وہ آہنی زینہ برج فلور سے عموداً اوپر اٹھتا چلا گیا تھا۔ حفاظت کے لئے اس کے ساتھ نیم دائرے میں آہنی جنگلا لگا ہوا تھا۔ تقریباً بیس فٹ کی بلندی پر اس زینے کا اختتام ایک مختصر سے پلیٹ فارم پر ہوا تھا جہاں سرخ بلب جل رہا تھا۔

میں وہ عمودی زینہ چڑھتا ہوا آخری سرے پر پہنچا تو وہاں زینے پر پیر ٹکا کر بیٹھنے کے لئے ایک تنگ آہنی کرسی بنی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے اسٹینڈ پر میرین ٹیلی اسکوپ موجود تھی۔

اپنی پوزیشن درست کرکے میں نے اپنے گردوپیش میں دریا کے بہتے ہوئے پانی پر نگاہ ڈالی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی لمبے بانس کے آخری سرے پر ٹک کر دریا میں ڈگمگا رہا ہوں۔ میں نے فوراً ہی دوربین سنبھال لی۔

منکی برج سے ست بیلہ کا منظر بالکل ہی مختلف اور دلفریب نظر آرہا تھا۔ بلندی میں چند فٹ کے فرق سے آبادی کے سارے ہی زاویئے یکسر بدل گئے تھے۔

میں شاید دیر تک اس نظارے میں کھویا رہتا لیکن نیچے والے کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"سر آپ کے لئے کوئی فون کال ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

اس انکشاف پر مجھے قدرے حیرت ہوئی کہ ابا سین پر فون بھی موجود تھا۔ میں تیزی کے ساتھ زینے سے نیچے آیا اور آتے ہی میں نے اپنا سوال کر ڈالا۔

"ریڈیو لنک سے ہمیں سکھر کا ایک فون نمبر ملا ہوا ہے۔" اس نے بتایا "لیکن باہر کے لوگوں کو یہ فون نمبر معلوم نہیں ہے۔ پتا نہیں آپ کے لئے کس کی کال آگئی ہے؟"

میں نیوی گیشن روم سے ملحق ریڈیو روم میں پہنچا تو آپریٹر نے فون کا ہیڈ گیئر میرے حوالے کر دیا۔

میں نے ہیڈ گیئر سر پر چڑھایا تو ریسیور میرے کانوں سے چپک گئے اور ماؤتھ پیس میرے دہانے کے سامنے فضا میں معلق ہو گیا۔ وہ ایک نرم پائپ کے سہارے ہیڈ گیئر سے منسلک تھا۔

میرے اندازے کے عین مطابق دوسری طرف انسپکٹر علی اسد موجود تھا۔

"کوئی خیر خبر؟" میری آواز سنتے ہی اس نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔ اس کی آواز سے پریشانی اور شدید تکان کے ملے جلے اثرات مترشح تھے۔

"میری کہانی ذرا لمبی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے زخموں کا کیا حال ہے؟ تمہاری آواز سے تکان اور بیزاری کا اظہار ہو رہا ہے۔" میں نے اس کی مزاج پُرسی کی نیت سے پوچھا۔

"یہ سب چلتا رہتا ہے۔" وہ بے پروائی سے بولا "تم میرا فون نمبر نوٹ کرلو۔ میں نے ابا سین سے رابطہ رکھنے کے لئے کراچی سے خاص طور پر دو موبائیل فون منگوالئے ہیں۔ اس نمبر پر تم ہر وقت مجھ سے بات کرسکتے ہو۔"

"نگرانی کے نتائج کیا رہے؟" میں نے اس کا بتایا ہوا نمبر نوٹ کرکے پوچھا۔

"فی الحال کامیابی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔" اس کی آواز میں مایوسی اور جھلاہٹ نمایاں تھی۔

"تمہاری فہرست میں شاید غلام رسول کا نام نہیں تھا؟" میں نے پوچھا۔

"غلام رسول؟" اس کی تحیر آمیز آواز سے بے یقینی جھلک رہی تھی "وہ تو بہت سیدھا اور کھرا آدمی ہے۔ ایسے گھپلوں سے وہ بہت دور بھاگتا ہے۔ تم اس کا نام کیوں لے رہے ہو؟"

"اگر تم اس کے بارے میں اتنی خوش فہمی کا شکار نہ ہوتے تو آج تم کامیابی کی خبر سنا رہے ہوتے۔ اپنے آدمی فوراً اس کے پیچھے لگا دو۔ آج کی رات وہ کہیں نہ کہیں گرفت میں آجائے گا۔"

"کھل کر بتاؤ۔ ایسی گول مول باتوں پر میں کسی شریف اور معزز آدمی کی پگڑی اچھالنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس کا ماضی آئینے کی طرح شفاف اور بے داغ ہے۔"

"فی الحال میں زیادہ آگے نہیں جاسکتا لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ ملا سرکار کے لئے کام کر رہا ہے اور اسی سلسلے میں رجب علی سے بھی اس کا رابطہ ہے۔ وہ ملا سرکار... اور رجب علی میں مصالحت کرانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ اور شاید آج رات بارہ بجے ان کی ملاقات کا بندوبست کرانے والا ہے۔"

"میرے خدا! اگر تمہاری باتیں درست ہیں تو ہم کس پر اعتبار کرسکتے ہیں؟ وہ تو اپنی ہر تقریر میں ملک، قوم اور وطن سے محبت کے نقارے بجاتا رہتا ہے۔ وہ لوگوں میں میل ملاپ کے لئے جرگے اور پنچائتیں ضرور کراتا رہتا ہے لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ ملا سرکار کے لئے کام کرتا ہوگا۔"

"ہم ہر ایک کو اپنے معیار پر دیکھتے اور پرکھتے ہیں لیکن یہ بازی گر اپنے اصل چہرے نقاب در نقاب چھپائے رہتے ہیں۔ یہ اپنی طبعی عمر پوری کرکے پوری شان و شوکت سے مرجاتے ہیں لیکن ہم ان کے اصل روپ سے کبھی واقف نہیں ہوپاتے۔ رجب علی کو پورا یقین ہے کہ ٹلّی والی ملا سرکار یا اس کے آدمیوں کے قبضے میں ہے۔ وہ اپنی بیوی کی رہائی سے پہلے ملا سرکار کی صورت بھی نہیں

یکنا چاہتا لیکن غلام رسول اسے گھیر لے گا۔ وہ اسے لیلیٰ وتی کی اپسی کا فریب دے کر آج رات بارہ بجے ست بیلہ لائے گا اور ہاں ملا سرکار اپنے خونیں عزائم کے ساتھ اس کا منتظر ہوگا۔"

"تو کیا ملا سرکار نے رجب علی کو ہلاک کرنے کا پکا ارادہ کرلیا ہے؟"

"وہ اسے سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کرے گا یکن رجب علی، لیلیٰ وتی کے فراق میں افہام و تفہیم کی منزل سے ت دور نکل چکا ہے۔ تم جانتے ہو کہ لیلیٰ وتی کو دنیا کی کوئی طاقت اپس نہیں لوٹا سکتی اس لئے رجب علی کا جنون ختم نہیں ہوگا۔ ا سرکار کہتا ہے کہ پالتو کتا پاگل ہوجائے تو اسے گولی مارنے کے سوا وئی چارۂ کار نہیں رہتا۔ آج رات اور کچھ ہو یا نہ ہو، رجب علی ضرور مارا جائے گا۔"

"اسے تو مرنا ہی چاہئے لیکن اس کا بہتر انجام پھانسی گھاٹ پر وتا۔ اس کے حامیوں کی شورش کچل دی گئی ہے لیکن اس سے پہلے پانچ بے گناہ آدمی ان کی خونریزی کی نذر ہوگئے۔ سترہ اسپتالوں میں ہیں۔"

"ان کے بھی ستائیس آدمی مارے گئے ہیں۔ بائیس پکڑ لئے گئے ہیں۔ یہ تعداد بڑھ بھی سکتی ہے۔"

"میری نگاہ میں ہزار ظالموں کا خون بھی ایک مظلوم کے خونِ حق کی برابری نہیں کرسکتا لیکن تمہیں یہ اعداد و شمار اور خبریں ہاں سے مل رہی ہیں؟"

"میں ملا سرکار کے مقابلے پر بلاوجہ ہی نہیں آیا ہوں۔ میں ی اپنا کچھ دم خم رکھتا ہوں۔ اب تم غلام رسول کی خبر لو۔ وہ نکل یا تو پھر تم اس کا سراغ کھو دوگے۔"

"اگر سادھو بیلہ میں ہونے والے اجتماع کے بارے میں ماری خبر درست ہے تو پھر وہ تینوں بچ کر نہیں نکل سکتے۔ مجھے علوم ہے کہ وہ وہاں کس ٹھکانے پر آئیں گے۔"

"تمہارا اشارہ سفید حویلی کی طرف تو نہیں ہے؟" میں نے وال کیا۔

"تم واقعی بہت کچھ جانتے ہو" اس نے اعتراف کیا "سفید یلی وہاں گنیش آشرم کہلاتی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ بھاری نفری ے ساتھ ادھر کا رخ کرنا خطرناک ثابت ہوگا اور وہ لوگ بچ کر نکل نے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ انہیں بے خبری کی حالت میں ا پا مار کر پکڑنا ہوگا۔"

"میری معلومات اور تمہارے تجربات کے اشتراک کے باوجود ن میں سے کوئی بچ نکلا تو یہ اس کی خوش بختی اور ہماری بدقسمتی ی۔ تم اپنے طریقے پر کام کرو۔ ہم دریائی راستوں پر نگاہ رکھیں ے۔"

"میں غلام رسول کو خود ہی دیکھتا ہوں۔" انسپکٹر علی اسد نے ن کا سلسلہ منقطع کردیا۔

میں نے وہیں برج پر کھلی ہوئی فضا میں کرسیاں ڈلوالیں اور سلطان شاہ کو ہدایت کی کہ وہ کیبن سے دونوں ٹرانسیٹر اوپر ہی لے آئے۔ میرا اندازہ تھا کہ ہماری وہ رات ریڈیو روم میں مہم کی نگرانی کرتے ہوئے ہی گزرے گی۔

اس وقت میری رسٹ واچ آٹھ بجا رہی تھی۔ ملا سرکار کی دی ہوئی ڈیڈ لائن میں چار گھنٹے باقی تھے لیکن میرا قیاس تھا کہ اندھیرا پھیل جانے کی وجہ سے کھیل کسی بھی وقت شروع ہوسکتا تھا۔

تھوڑی دیر میں سلطان شاہ کے ساتھ اول خان بھی برج پر ہی آگیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے آتے ہی سوال کیا "نیچے عرشے سے کشتیاں پانی میں اتاری جارہی ہیں۔ ان کے بارے میں شاید تم کوئی بہتر مشورہ دے سکو۔"

"وہ جنگی اور نیم فوجی تیاریاں ہیں۔ ان کے بارے میں تم مجھ سے بہتر فیصلے کرسکتے ہو۔ دیکھتے نہیں یہاں کتنی خوشگوار اور خنک ہوا چل رہی ہے۔ یہاں تازہ ہوا کھا کر میں اپنی کھوپڑی کو اعتدال پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ عین وقت پر دماغ نے ساتھ دینے سے انکار کردیا تو یہ پوری مہم ناکام ہوسکتی ہے۔"

اول خان میرے قریب ہی خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ سلطان شاہ نے دونوں اپریٹس آن کرکے وہیں پڑی ہوئی تپائی پر رکھ دیئے اور ریلنگ سے جھک کر نیچے کا نظارہ کرنے لگا۔

"چھ آدمی پہلے سے موجود تھے، بارہ کی کمک آجانے کے بعد میری نفری اٹھارہ ہوگئی ہے۔" اول خان ... مجھے اپنی حکمتِ عملی سے آگاہ کرتے ہوئے بولا "ان میں سے دو آدمی اس موٹر بوٹ پر اباسین کے قریب موجود رہیں گے جس کے ذریعے ہم کنارے سے یہاں آئے تھے۔ بارہ آدمی پلاسٹک کی سولوبوٹس میں دریا میں اتارے جارہے ہیں۔ یہ سب جدید اور دور مار اسلحے سے لیس ہوں گے اور ایک خاص فارمیشن میں سادھو بیلہ کے گرد پھیل جائیں گے۔ ان سولوبوٹس میں ہلکے پھلکے آؤٹ بورڈ انجن بھی موجود ہیں جو ان لوگوں کو تیزی سے نقل و حرکت کا موقع فراہم کرسکیں گے۔ یہ سب اباسین کی ریڈیو فری کوئنسی پر ہم سے اور آپس میں رابطہ برقرار رکھیں گے۔ عرفان سمیت چار آدمی اباسین پر ہی رہیں گے کیونکہ کم از کم چار نفری عملے کے بغیر رات کو اباسین کے انجن اسٹارٹ کرکے، اسے حرکت میں لانا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔"

"لیکن سولوبوٹس والے شدید ضرورت کے بغیر اپنے انجنوں سے کام نہیں لیں گے۔ آس پاس کے پانیوں میں ماہی گیروں کی کشتیاں منڈلا رہی ہیں۔ انجنوں کی آواز سے ان کے کان کھڑے ہوسکتے ہیں۔ یہ خطرہ بھی ہے کہ ان میں ملا سرکار یا سادھو بیلہ والوں کے مخبر بھی ہوں اور اپنے آقاؤں کو دریا میں غیر معمولی نقل و حرکت کی خبریں پہنچادیں اس لئے ہمیں پوری احتیاط سے اپنا محاصرہ مکمل کرنا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"تم بلا وجہ انکسار سے کام لیتے ہو۔ دیکھ لو کہ میں ماہی گیروں کی بادبانی کشتیوں کو بالکل بھول گیا تھا" وہ اٹھتے ہوئے بولا اور میرے مشورے اپنے عملے تک پہنچانے کے لئے گھوم کر اسٹار بورڈ سائیڈ پر چلا گیا۔
اس کے پکارنے کے چند ثانیوں کے بعد ہی عرفان تقریباً دوڑتا ہوا برج پر آگیا۔
اول خان نے انجنوں کے بارے میں اپنی تفصیلی ہدایت ختم کی تو میں نے کہا "سولوبوش کا محاصرہ مکمل ہونے پر اباسین کی ساری روشنیاں بجھادی جائیں گی اور انجن اسٹارٹ کر کے ہم ست بیلہ سے اپنا فاصلہ کم کرلیں گے تاکہ دور بینوں وغیرہ کی مدد سے جزیرے پر کڑی نگاہ رکھی جاسکے۔"
"اباسین کا انجن چلانے سے ماہی گیر نہیں چونکیں گے؟" اول خان نے الجھن کے ساتھ سوال کیا۔
"ضرور چونکیں گے لیکن اس وقت سولوبوش اپنی پوزیشن لے چکی ہوں گی اور دریا سے کسی ماہی گیر کو جزیرے کی طرف نہیں لوٹنے دیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ ان ماہی گیروں کے پاس مواصلات کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہوگا۔ ہمارا آپریشن ختم ہونے تک انہیں کھلے دریا ہی میں رہنا ہوگا۔"
"اباسین کو چلانے کے لئے چار آدمی کیوں درکار ہوں گے؟" عرفان کے چلے جانے کے بعد میں نے اول خان سے دھیمے لہجے میں دریافت کیا کیونکہ نیوی گیشن روم والا آدمی ہمارے قریب ہی موجود تھا۔
"ریڈیو روم میں ہر وقت آدمی رہتا ہے۔ ایک نیوی گیشن کے لئے، دوسرا انجن روم میں ہونا چاہئے۔ عرفان وھیل سنبھالے گا۔ یہ چار آدمی کم از کم درکار ہوتے ہیں۔"
"فی الحال انجن روم والے آدمی کو منکی برج پر چڑھادو۔ وہ وہاں سے چاروں طرف نگاہ رکھ سکے گا۔"
میری ہدایت پر دور مار ہتھیاروں اور ان کے میگزین کی بھاری مقدار بھی برج پر ہی پہنچادی گئی۔ عقبی محاذ کے لئے عرفان نے ڈیک پر بھی ہتھیار ماؤنٹ کرلئے تھے اور ایک آدمی کے ساتھ اسی طرف چلا گیا تھا۔
جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا ہم سب پر ہی اعصابی تناؤ مسلط ہوتا جارہا تھا۔
جہاز کے ریڈیو سسٹم سے منسلک ایک چھوٹا سا دستی اپریٹس بھی ہمارے قریب رکھا ہوا تھا جس پر چند منٹ بعد ہی سولوبوش کی طرف سے ناقابلِ فہم اشاراتی زبان میں پیغام آنے لگے۔
"دریا کا بہاؤ تیز ہے لیکن وہ سب ہی مہارت کے ساتھ اپنی اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔" اول خان نے سولوبوش والوں کی ابتدائی رپورٹیں سن کر مجھے بتایا۔
اسی لمحے ریڈیو روم سے میرے لئے فون کال کا پیغام آیا۔ وہ
بھی کوڈز میں تھا اور ٹرانسمیٹر پر آیا تھا۔ اسے سن کر اول خان چو
کہ میرے لئے اباسین پر کس کا فون آسکتا تھا۔ میں نے اسے بتا
کہ انسپکٹر علی اسد نے پہلے بھی فون کیا تھا۔
"غلام رسول لاپتا ہے۔" میری آواز سنتے ہی انسپکٹر نے
مایوسانہ لہجے میں مجھے آگاہ کیا "وہ عموماً دو چار حواریوں کے بغیر کہ
نہیں جاتا لیکن آج وہ اکیلا غائب ہے۔"
"وہ یقیناً رجب علی سے ملنے گیا ہوگا۔" میں نے پُر وثوق لہ
میں کہا۔
"آخر کار اسے سادھو بیلہ پہنچنا ہے۔ وہاں سے وہ بچ کر نہ
نکل سکے گا" اس کی تلخ آواز ابھری "میرے فون کرنے کا مقص
تمہیں صرف یہ بتانا تھا کہ اس کے بارے میں تمہارے شبہات
حد تک درست معلوم ہوتے ہیں۔"
"وہ میرے شبہات نہیں تھے۔ یوں سمجھ لو کہ میں نے اس ک
زبان سے اقبالِ جرم سنا تھا۔ وہ عدالتی زبان کے مطابق اب
نہیں رہا بلکہ مجرم بن چکا ہے۔"
"میں سادہ پوشوں کی ایک پارٹی کے ساتھ سادھو بیلہ کی طر
روانہ ہو رہا ہوں۔ تمہیں دریا کی طرف سے حملہ کرنا پڑ جائے ت
خیال رکھنا کہ ہم آپس میں ہی نہ ٹکرا جائیں۔"
"اپنی روانگی کچھ دیر کے لئے ملتوی کردو تو بہتر رہے گا۔" م
نے پُرخیال لہجے میں کہا۔
"کیوں؟ اس سے کیا فرق پڑ سکتا ہے؟" اس نے چونکتے اندا
میں پوچھا تھا۔
"میں نہیں چاہتا کہ ست بیلہ پر کوئی بھی ایسی غیر معمولی با
نوٹ کی جائے جو انہیں اپنا پروگرام بدلنے یا ملتوی کرنے پر مج
کردے۔ تم پونے بارہ بجے ادھر جاؤ تو انہیں پروگرام بدلنے کا مو
نہیں مل سکے گا۔"
"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔" اس کی اضطراری آوا
ابھری "میں خود بھی کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ تمہار
مشورے کی روشنی میں میں ا ... گرام پر نظرثانی کرتا ہوں۔"
میں واپس آیا تو ... اگ کی بوتل' ایک گلاس او
آئس پاٹ رکھا ہوا تھا۔
"یا مظہر العجائب!" میں نے آسمان کی طرف دیکھ کر حیرت
کہا "اس سرکاری موٹر بوٹ پر یہ انعامات کہاں سے برس
ہیں۔ میں تو اس وقت بوند بوند کو ترس رہا تھا۔"
"اور مجھے تم پر ترس آرہا تھا۔ تمہاری بری عادتوں سے واق
ہو جانے کے بعد اب میں تمہارے چہرے سے تمہاری ضروریا
اندازہ لگالیتا ہوں۔"
"شرابی کو شراب نہ ملے تو اس کے چہرے پر یتیمی برسنے
ہے۔" سلطان شاہ بڑبڑایا۔
"بعض لوگ شرابی نہ ہونے کے باوجود صورت سے

لوم ہوتے ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"خدا شکر خورے کو شکر ضرور دیتا ہے۔" اول خان نے بات
م کراتے ہوئے کہا "دونوں غیر ملکی ماہرین پینے کے عادی تھے۔ یہ
ل ان ہی کے کریٹ میں سے نکلوائی ہے۔"
کریٹ کا ذکر سنتے ہی میں نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ بلیک
ل اپنے گلاس میں انڈیلی‘ اس میں برف کے چند ڈلے ڈالے
ر ایک ہی گھونٹ میں چوتھائی گلاس خالی کر دیا۔
عرفان ایک آدمی کے ساتھ عرشے پر تھا۔ تیسرا آدمی ریڈیو
رم میں مصروف تھا اور چوتھا منکی برج پر اپنی آبزرویشن پوسٹ پر
جا بیٹھا تھا اس لئے برج پر ہم تینوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔
ہم لوگ وہیں بیٹھے 'پنیر' نمکین گوشت کے پارچوں اور ڈبل
ڈی کے ساتھ اپنا رات کا کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک اباسین
لے ٹرانسیٹر پر آنے والا ایک پیغام سن کر اول خان بے تابانہ
راز میں اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔
"کیا خبر ہے؟" اس نے اونچی آواز میں منکی برج والے سے
چھا۔
"سب ٹھیک ہے۔ جزیرے پر سناٹا ہے اور روشنیاں گل
نے کی وجہ سے بتدریج اندھیرا پھیلتا جا رہا ہے۔" منکی برج والے
آواز دھیمی لیکن نمایاں تھی۔
"پل کی طرف دیکھو۔۔۔ ادھر کچھ ہو رہا ہے۔" اول خان کی
ضطراری آواز ابھری۔
"کیا بات ہے؟ ادھر کیا چیک کرانا چاہ رہے ہو؟" میں نے
ال کیا۔
"پل کی طرف سے دریا کے سینے پر کچھ متحرک روشنیاں
دھوبیلہ کی طرف آتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ رات کے وقت بیڑیوں
ر کشتیوں میں سفر کرنے والے عموماً لالٹینیں استعمال کرتے ہیں۔
لو لوٹس والوں نے ڈوبتی' ابھرتی روشنیاں تو دیکھی ہیں لیکن ان کی
داد اور سمت کا تعین نہیں کر سکے۔"
"یہ رجب علی یا ملا سرکار کے آدمی بھی ہو سکتے ہیں۔" وہ
نکشاف سن کر مضطرب ہو گیا "خرانٹ قسم کے مجرم اپنے قافلِ
تھ حفاظتی انتظامات کے بغیر کبھی کسی نئی جگہ نہیں جاتے۔"
"تو انہیں روکا جائے؟" اس غیر متوقع صورتِ حال پر اول
ن بوکھلایا ہوا تھا۔
"ہرگز نہیں!" میں نے سخت لہجے میں کہا "ہو سکتا ہے کہ یہ
ناہی میں سے کسی کا ہراول دستہ ہو۔ ان سے چھیڑ چھاڑ کی گئی تو
نا کے پیچھے آنے والے رک جائیں گے۔"
اس دوران میں منکی برج والا ان یرقان زدہ روشنیوں کو اپنی
ہرن ٹیلی اسکوپ کی گرفت میں لینے میں کامیاب ہو گیا تھا اور بتا رہا
ا "وہ کم از کم سات بیڑیاں ہیں اور بہاؤ کے رخ پر ہونے کی وجہ
سے چپوؤں کے سہارے چلائی جا رہی ہیں۔ ابھی کچھ نہیں کہا
جا سکتا کہ وہ سادھو بیلہ پر لنگر انداز ہوں گے یا اس کے قریب سے
آگے گزر جائیں گے۔ ان میں سوار لوگوں کی تعداد کافی معلوم ہوتی
ہے کیونکہ ہر کشتی میں تنکوں جیسے لمبے لمبے کئی چپو چلتے ہوئے نظر
آ رہے ہیں۔"
مجھے برج پر سے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں لپک کر نیوی
گیشن روم میں گھس گیا۔ میں نے دوربین کی مدد سے دریا کا پورا
پاٹ چھان ڈالا لیکن کچھ بھی نہیں دیکھ سکا۔
اول خان نے اپنے ٹرانسیٹر کے ذریعے فوراً ہی عرفان اور اس
کے ساتھی کو طلب کر لیا۔
"سب لوگ پوزیشن لے چکے ہیں۔ آگے سے کچھ مشکوک
بیڑیاں بھی چلی آ رہی ہیں۔ روشنیاں گل کرو اور انجن چلا کر لنگر اٹھا
دو۔ یہاں سے ہم زیادہ دور تک نظر نہیں رکھ سکتے۔"
عرفان کو اپنے تینوں ساتھیوں کی ضرورت تھی اس لئے منکی
برج خالی ہو گیا۔
"تم ایک رائفل لے کر اوپر چلے جاؤ لیکن میری اجازت کے
بغیر فائر نہ کرنا۔" میں نے کہا۔
"ان دریائی راستوں پر سفر کرنے والے اسمگلر اور ڈاکو بہترین
پیراک ہوتے ہیں۔" عرفان نے جاتے جاتے‘ رک کر کہا "یہ خطرہ
دیکھتے ہی بے خوف و خطر اپنی کشتیاں چھوڑ کر دریا میں کود پڑتے ہیں
اور لمبے لمبے زیرِ آب اسٹروک مارتے ہوئے دریا کے کسی محفوظ
کنارے پر نکل جاتے ہیں جہاں انہیں تلاش کرنا دشوار ہوتا
ہے۔"
عرفان اپنے کیبن میں جا گھسا۔ ایک آدمی نیچے انجن روم کی
طرف چل دیا اور سلطان شاہ منکی برج پر چڑھ گیا۔ اسی لمحے اباسین
کی ساری روشنیاں گل ہو گئیں اور ہم اندھیرے میں کھڑے رہ
گئے۔
اندر نیوی گیشن پینل میں روشن ننھے ننھے سبز‘ سرخ اور زرد
بلبوں کی روشنی بھی اس وقت بہت تیز محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے
ایک طرف اوٹ لے کر اپنے لئے سگریٹ سلگائی اور اسے ہتھیلی
میں چھپا کر ہلکے ہلکے کش لینے میں مصروف ہو گیا۔ سات کشتیوں کی
آمد کی خبر نے مجھے قدرے متردد کر دیا تھا۔
چند ثانیوں بعد اباسین کے کسی حصے میں زندگی کی لہر جاگی اور
برج کے قریب سے گزرتی ہوئی عمودی چمنی میں سے ہلکا ہلکا دھواں
خارج ہونے کے بعد معدوم ہو گیا۔
تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ اباسین ست بیلہ کے
ساتھ ساتھ‘ ہولے ہولے آگے رینگ رہا تھا۔
آخر کار دریا کے سینے پر لرزتی اور ڈولتی ہوئی وہ یرقان زدہ
روشنیاں ہمیں بھی نظر آ گئیں جن کے بارے میں سولو لوٹس سے
خبریں آ رہی تھیں۔
"یہ رجب علی کے تو نہیں‘ ملا سرکار کے ساتھی ہوتے ہیں۔"

میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"تم یہ دعویٰ کیسے کرسکتے ہو؟" اول خان نے آہستگی سے سوال کیا۔

"رجب علی، لیلیٰ وتی کے فراق میں دیوانہ ہو رہا ہے' اس وقت اُسے سامنے کی باتیں نہیں سوجھ رہیں تو وہ دور کی کیا سوچے گا؟ پھر اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ غلام رسول تھوڑی دیر پہلے ہی اس تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہو۔ ان حالات میں رجب علی کو اپنے آدمی ادھر بھیجنے کا وقت کہاں مل سکا ہوگا؟ یہ یقیناً ملا سرکار کے حامی ہیں جو آج کی رات ست بیلہ میں اپنے سائیں سرکار کی حفاظت کے لئے آرہے ہیں۔ ہم نے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے دریا میں حصار قائم کیا ہے اور یہ لوگ جزیرے کے کنارے پر اپنا گھیرا ڈالیں گے۔"

"تو پھر تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے پہلو بدل کر پوچھا۔ "انہیں آنے دیا جائے؟"

"میرے خیال میں یہی بہتر ہوگا۔" میں نے سگریٹ کا ٹوٹا چٹکی سے سمندر میں اچھالتے ہوئے کہا "اپنے آدمیوں کو ہدایات دے دو کہ ان کا راستہ بالکل کھلا چھوڑ دیں اور ان سے کوئی تعرض نہ کریں۔"

اول خان نے فوراً ہی اپنے اپریٹس پر سولوبوٹس والوں کو کوڈ ورڈز میں ہدایات دینی شروع کردیں۔

سلطان شاہ نے اوپر سے بولنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ میں نے ڈانٹ کر اسے خاموش کردیا۔ "نیچے آکر بات کرو۔ ہوا کے دوش پر آواز دور تک جائے گی۔"

وہ فوراً ہی منکی برج سے نیچے اتر آیا اور ہیجان آمیز لہجے میں بولا۔ "وہ واقعی سات کشتیاں ہیں اور ان پر کسی بھی طرح پچاس سے کم آدمی سوار نہیں ہیں۔"

"یہ انسپکٹر علی اسد کے آدمی تو نہیں ہیں؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد سلطان شاہ نے چونک کر کہا۔

میرا منہ بن گیا۔ "بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔ یہ سات کشتیاں جس گھاٹ پر لگیں گی، وہاں ہلچل مچ جائے گی اور پل بھر میں پورے ست بیلہ کو پتا چل جائے گا کہ گھاٹ پر لوگ اتر رہے ہیں۔ انسپکٹر کا مشن خفیہ ہوگا۔ وہ یوں ڈنکے کی چوٹ پر آیا تو روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی احمق نہ ہوگا اور پھر اسے اتنے بڑے لاؤ لشکر کی کیا ضرورت ہے اس کے ساتھ تو دس پانچ آدمی بھی کافی ہوں گے۔"

عرفان اپنے کیبن سے برج پر نکل آیا۔ "ہم ڈیڑھ ناٹیکل میل آگے بڑھ آئے ہیں۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کیونکہ اس وقت ست بیلہ ہمارے بائیں ہاتھ پر آچکا تھا۔ سامنے نظر آنے والا پل بھی واضح ہوگیا تھا۔ پانی کے بہاؤ میں وہ روشن بلکہ نیم روشن جزیرہ کسی بڑے جہاز کی طرح ڈولتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"بس ٹھیک ہے' لنگر ڈال کر انجن بند کردو اور اپنی جگہ سنبھال لو۔"

اول خان کی واضح ہدایت سنتے ہی وہ مستعدی کے ساتھ پل اپنے کیبن میں جا گھسا جیسے وہ برسوں سے اول خان کی ماتحتی کر چلا آیا ہو۔ اول خان حقیقی طور پر اباسین کا کمانڈر بنا ہوا تھا۔

ساتوں کشتیاں دریا پر تیرتی ہوئی بلا روک ٹوک ست بیلہ کے جنوبی گھاٹ سے جا لگیں۔ ہم اندھیرے میں چھپے ان کا جائزہ لے رہے۔ میں نیوی کیپٹن روم کی دوربین سے ہر فرد کو صاف دیکھ تھا۔ وہ سب ہی خوفناک وضع قطع والے مسلح افراد تھے جن میں بیشتر کے دونوں شانے ہتھیاروں سے بوجھل تھے۔

گھاٹ کے قرب و جوار میں کسی غیر متوقع روزی کے انتظار میں سوئے ہوئے ملاح اور خلاصی بھی شاید ان لوگوں نے اپنی با میں گھسیٹ لئے تھے کیونکہ گھاٹ پر بھیڑ خاصی بڑھ گئی تھی۔

پھر وہ لوگ جزیرے کے کنارے کنارے پھیلنے لگے۔ سار تیاریاں اسی انداز میں ہو رہی تھیں جو میری توقعات کے مطابق تھا۔ وہ بھیڑ بھاڑ بمشکل بیس منٹ تک برقرار رہی اور آخ کار جزیرے کے گرد مسلح نگہبانوں کی پوشیدہ فصیل میں تحلیل ہوگ... کشتیوں سے اترنے والوں کی تعداد کسی طرح ستر سے کم نہیں تھی۔

"یہ مقابلہ سخت ہوتا نظر آرہا ہے۔" اول خان نے کہا "اگ یہ واقعی ملا سرکار کے جاں نثار ہیں تو ان میں سے کثرت کا صفایا ک بغیر ملا سرکار تک رسائی حاصل نہیں ہوسکے گی۔"

وہ بول رہا تھا لیکن میرے ذہن میں بدلے ہوئے حالات کے مطابق ایک نئی حکمتِ عملی ترتیب پا رہی تھی۔

ساڑھے دس بجے فضا میں ایک موٹر بوٹ کے انجن کا تیز شو سنائی دیا۔ وہ آواز بہت تیزی کے ساتھ قریب آتی جا رہی تھی۔ م نے ایک مرتبہ پھر سلطان شاہ کو منکی برج پر چڑھا دیا۔ جتنی دیر میں جائزہ لے کر نیچے اترا' اتنی دیر میں دریا کی لہروں میں جھاگ اڑا ہوئی وہ تیز رفتار اسپیڈ بوٹ دریا کے چوڑے پاٹ میں نمودار ہو جزیرے کی اوٹ میں روپوش ہوچکی تھی۔ خاص بات یہ تھی کہ ا پر بھی مکمل اندھیرا تھا۔

اباسین والے ٹرانسمیٹر پر مسلسل آوازیں گونج رہی تھیں سولوبوٹس والے ہیجانی انداز میں بولے جا رہے تھے۔ وہ برق رفتا اسپیڈ بوٹ یوں ناگہانی طور پر نمودار ہوئی تھی کہ انہیں پیشگی اطلا دینے یا ہدایت لینے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ کرنل نے بتایا ک ان لوگوں نے اسپیڈ بوٹ کو جزیرے کے مشرقی گھاٹ پر لنگر اندا ہوتے دیکھا تھا۔ ادھر اندھیرا ہونے کی وجہ سے یہ نہیں دیکھا جا کہ اس بوٹ سے کتنے آدمی آئے تھے۔

"یہ ملا سرکار معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی اسی ست سے ہے جدھر سے سات کشتیاں آئی تھیں۔" سلطان شاہ نے رائ

ظاہر کی۔ "ہمارا اصل شکار تو آ ہی گیا ہے۔ کیوں نہ کھیل شروع ہو جائے؟"

"رجب علی کا ہاتھ آنا بھی ضروری ہے ورنہ اس کے ہاتھوں مزید بے گناہ آدمی مارے جائیں گے۔ اسے پتا چل گیا کہ لیلیٰ وتی مر چکی ہے تو نجانے وہ کیا گل کھلائے گا۔ بات پولیس کے ہاتھوں میں چلی جانے کے بعد زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہ سکے گی۔ تھانے اور تفتیشی عملے کے علاوہ اسپتال اور مردہ خانے والے بھی بہت کچھ جان لیتے ہیں۔"

میری ابتدا سے ہی کوشش تھی کہ ست بیلہ کو ان سب کے لئے چوہے دان بنا لیا جائے لیکن ملا سرکار بہت چالاک اور مکار تھا۔ اس نے وہاں قدم رکھنے سے پہلے ہی جزیرے کو شیر کی کچھار بنا لیا تھا جہاں وار کرنے کے لئے بڑے دل گردے والے سورماؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔

"تم نے اس کی اسپیڈ بوٹ کی طوفانی رفتار پر غور کیا تھا؟" میں نے اول خان سے پوچھا۔

"گولی کی طرح نکل گئی تھی۔" اس نے مختصر سا تبصرہ کیا۔

"ہماری دو نفری موٹر بوٹ اس کی رفتار کا مقابلہ کر سکے گی۔"

"مجھے اندازہ نہیں۔ اس بارے میں عرفان ہی کوئی رائے دے سکے گا۔ اس نے بھی اپنے ٹرانسیٹر پر سولو بوٹس والوں کے پیغامات سن کر اسے دیکھا ہوگا۔"

کشتیوں اور جہازوں کی ساخت اور ان کی کارکردگی عرفان کی پیشہ ورانہ کمزوری تھی۔ میرا سوال سنتے ہی اس نے ملا سرکار کی اسپیڈ بوٹ کی کارکردگی اور خواص پر ایک طولانی تقریر شروع کر دی اور پھر اپنی موٹر بوٹ پر آیا تو دیر تک اسی کی خوبیاں گنواتا رہا۔ پیچیدہ اصطلاحات اور دقیق اعداد و شمار کے اس جنگل میں کام کی بات صرف اتنی تھی کہ ملا سرکار کی اسپیڈ بوٹ بلاشبہ بہت تیز رفتار تھی لیکن ابا سین کے ساتھ موٹر بوٹ اس سے بھی اعلیٰ اور ارفع تھی کیونکہ اسے مداخلت کاروں وغیرہ کے تعاقب کے لئے ہی ابا سین سے منسلک کیا گیا تھا۔

میں تاریک برج پر پاؤں پسارے بلیک ڈاگ سے شغل کرتا رہا۔ انتظار کے ان طویل اور صبر آزما لمحات کے اعصاب شکن اثرات سے خود کو بچائے رکھنے کا وہی ایک ذریعہ میری دسترس میں تھا۔ مجھے ان بیچاروں پر ترس آ رہا تھا جو اس ذوق سے محروم تھے اور محض انتظار میں سوکھ رہے تھے۔ گیارہ بجے کے بعد جب گھڑی کی سوئیاں بارہ کی طرف سفر کرنے لگیں تو میرے اعصاب پر بھی تناؤ چھانے لگا۔ ہمارے کان لہروں کے شور میں ابھرنے والی کسی بھی نئی آواز کے منتظر تھے۔ آنکھیں کسی نئی بوٹ کی متلاشی تھیں لیکن وہاں ہر طرف ایک گمبھیر سی یکسانیت کا راج تھا۔

ٹھیک پونے بارہ بجے ملا سرکار کا کوٹ منڈو والا اپریٹس یک بیک جاگ اٹھا۔

"غلام رسول فار سائیں سرکار... اوور!" وہ آواز سنتے ہی ہم سب اپنی جگہوں پر سنبھل کر بیٹھ گئے اور میں نے آواز قدرے تیز کر دی۔

"سائیں سرکار... اوور!" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ملا سرکار کی تکبر آمیز کرخت آواز ابھری۔

"سائیں، ہم چلنے والے ہیں، رجب علی میرے ساتھ دوسرے کمرے میں موجود ہے لیکن چلنے سے پہلے وہ تم سے کوئی ضروری بات کرنے پر اڑا ہوا ہے۔ کہتا ہے کہ بات کئے بغیر سادھو بیلہ نہیں جائے گا... اوور!"

"کیا تم نے اسے بتا دیا ہے کہ تمہارے پاس میرا اپریٹس ہے؟ اوور!" ملا سرکار کی آواز درشت ہو گئی۔

"نہیں سائیں، ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟ اوور!" سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا گیا۔

"تمہارا کیا اندازہ ہے؟ وہ کیوں بات کرنا چاہتا ہے؟ اوور!"

"وہ جنگلی آدمی ہے، سائیں! میرا خیال ہے کہ اسے کچھ شبہ ہو گیا ہے۔ وہ لیلیٰ وتی کی آواز سن کر یہ یقین کرنا چاہتا ہے کہ وہ واقعی تمہارے ساتھ سادھو بیلہ پر موجود ہے اوور۔"

"اسے بتا دو کہ مجھ سے بات نہیں ہو سکتی۔" ملا سرکار کی آواز سرد اور سفاکانہ ہو گئی۔ "وہ خود گنیش آشرم میں کئی بار مجھ سے ملنے آ چکا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ یہاں فون نہیں ہے۔ اوور!"

"میں سب کچھ کہہ چکا ہوں مگر وہ پھر بھی ضد کر رہا ہے سائیں!" غلام رسول کی آواز سے بے چارگی مترشح تھی۔ "ایسا لگتا ہے جیسے اس کا دماغ الٹ گیا ہو۔ ایک بات کہتا ہے اور پھر اسی کی رٹ لگا دیتا ہے۔ دوسرے کی کوئی بات، کوئی دلیل دھیان سے نہیں سنتا۔ اوور!"

"نہیں سنتا تو اسے اپنے نوکروں کی مدد سے باندھ لو یا اُسے چائے میں نشہ پلا دو۔ آج رات وہ بچ کر نکل گیا تو میں اپنے ہاتھوں سے تمہاری چمڑی گرا دوں گا۔ اوور!" ملا سرکار کی آواز میں بھیانک تلخی پیدا ہو گئی۔

"وہ میرے گھر پر نہیں ہے۔ میں اس کے سسر کی ویران حویلی میں اُس کے ساتھ اکیلا ہوں۔ اس نے ان سب کو نواب شاہ بھیج دیا ہے۔ وہ خود اوپر سے زیور نکالنے گیا ہے تو میں تم سے بات کر رہا ہوں۔ ہاتھا پائی کر کے میں اکیلا اس موذی سے نہیں جیت سکتا، وہ میری پسلیاں توڑ ڈالے گا... اوور!"

"میں کچھ نہیں جانتا غلام رسول، اسے یہاں لاد یا وہاں.... بے بس کرو۔ یہ تمہارا کام ہے۔ تم ناکام رہے تو اگلی صبح کا سورج تمہاری بدبختی کا ماتم کرتا ہوا طلوع ہوگا... اوور اینڈ آل۔"

اس نئی گفتگو نے میری طبیعت بدمزہ کر دی۔ ملا سرکار نے اتنے نازک اور ادھورے موڑ پر گفتگو کا سلسلہ ختم کیا تھا کہ آنے والے لمحوں کے بارے میں کچھ قیاس کرنا ہی ممکن نہیں رہا تھا۔

مجھے بس ایک ہی امید تھی کہ میری بلکہ ہماری طرح ملا سرکار بھی سردار رجب علی کے بارے میں اندھیرے میں تھا اور اگر غلام رسول اسے ست بیلہ لانے میں ناکام ہو جاتا یا سکھر ہی میں بے بس کر لیتا تو لازمی طور پر ملا سرکار سے ٹرانسیٹر پر رابطہ کرتا اور یوں مجھے بھی صورتِ حال کا اندازہ ہو جاتا۔

لمحہ بھر کے لئے میں نے سوچا کہ انسپکٹر علی اسد کو فون کر کے اسے لیلیٰ وتی کے باپ کے گھر دوڑا دوں لیکن اپنا وہ ارادہ میں نے فوراً ہی ترک کر دیا۔ میری رسٹ واچ بارہ بجا رہی تھی اور اس وقت انسپکٹر علی اسد کو سکھر کے بجائے ست بیلہ کے کسی اہم مورچے پر ہونا چاہئے تھا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" سلطان شاہ مایوسانہ لہجے میں کہہ رہا تھا "رجب علی کی رگ نہ اتری تو ہم ساری رات یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے؟"

"یہ غلام رسول کے لئے زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ وہ رجب علی کو شیشے میں اتارنے کے لئے اپنا سارا زور لگا دے گا۔ دیر تو ہو سکتی ہے لیکن وہ رجب علی کو ست بیلہ لے آئے گا۔"

"مجھے امید نہیں۔" اول خان بھی وہ گفتگو سن کر بددل ہو گیا تھا۔ "جب آدمی موت کی بو پا لیتا ہے تو بہت وحشی اور خود سر ہو جاتا ہے۔ رجب علی کی چھٹی حس نے اسے خطرے سے آگاہ کر دیا ہے ورنہ وہ آخری لمحات پر ایک نئی شرط عائد نہ کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ غلام رسول ہی کو مار دے۔"

ہماری وہ قیاس آرائیاں صورتِ حال کو نہیں بدل سکتی تھیں۔ ہر طرف چھایا ہوا گمبھیر سکوت جسم و جان کی گہرائیوں تک میں اترنے لگا تھا۔ بے یقینی اور اندیشوں میں گھرے ہوئے ایسے صبر آزما لمحات میں نے کبھی نہیں گزارے تھے۔ میں ہولے ہولے بلیک ڈاگ کی بوتل اپنے معدے میں اتارتا جا رہا تھا۔

ایک بجے کے بعد اچانک ابا سین کے ریڈیو سسٹم پر سولوبولس کی طرف سے پیغامات آنے لگے۔ سکھر کی طرف سے ایک کشتی ست بیلہ کی طرف آ رہی تھی۔

اس کشتی پر کوئی سازشی قافلہ نہیں تھا اس لئے اس پر موجود لالٹینوں کی روشنی میں سولوبولس والوں نے اپنی انفرا ریڈ گاگلز کی مدد سے یہ دیکھ لیا تھا کہ دو کشتی بانوں کے ساتھ صرف دو مسافر تھے۔ ان میں ایک رجب علی اور دوسرا غلام رسول ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہی ہماری دلی توقعات تھیں۔

بیچ منجدھار میں آ کر اس کشتی کا رخ جزیرے کے اس مشرقی گھاٹ کی طرف ہو گیا جہاں ملا سرکار اترا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ آنے والے وہی دونوں تھے جن کا ہم سب کو انتظار تھا۔

میں سن چکا تھا کہ رجب علی پہلے بھی گنیش آشرم آتا رہا تھا اس لئے اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ملا سرکار کے آستانے پر پہنچنے کے لئے کون سا گھاٹ قریب پڑتا تھا۔

"اب ہم سب کو چوکنا رہنا ہو گا۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "جی تھری رائفلوں میں بڑا میگزین ڈال کر ہمیں سب سے پہلے جزیرے کے کناروں پر چھپے ہوئے محافظوں پر باڑھ مارنی ہیں۔ ان کے قدم اکھاڑے بغیر ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ بھاگنے والوں پر بھاری گولا باری بھی کی جا سکتی ہے لیکن کارروائی کے آغاز کا اشارہ میری طرف سے ملے گا۔ اس سے پہلے کوئی فائر نہیں ہو گا۔"

"تو تم کہاں جا رہے ہو؟" اول خان نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"میں نیچے موٹر بوٹ پر جا رہا ہوں۔ سلطان شاہ میرے ساتھ ہو گا۔"

"پھر میں اکیلا کیا کر سکوں گا؟" میرے ارادے سے واقف ہوتے ہی اول خان بوکھلا گیا۔

"تم چار آدمی ہو۔ تم چاہو تو پورے جزیرے کو دریا میں غرق کر سکتے ہو۔ صرف ریڈیو روم والے کو اس کی جگہ سے نہ ہٹانا۔ باقی آدمی فائرنگ کا دباؤ رکھیں گے۔"

"تو کیا ابا سین اندھیرے میں یوں ہی کھڑا رہے گا؟" اول خان نے پوچھا۔

"ہاں۔ یہ ہمارا مضبوط دفاعی قلعہ ہو گا۔" میں نے کہا "تم ملا سرکار کی اسپیڈ بوٹ کی رفتار دیکھ چکے ہو۔ ابا سین پر رہ کر ہم اس پر نگاہ تک نہ رکھ سکیں گے۔ ایک آدمی منکی برج سے گنیش آشرم کے در و دیوار کو چھلنی کر دے تو یہ بڑا کام ہو گا۔ جی تھری کی مدد سے یہ ٹارگٹ حاصل کیا جا سکتا ہے۔"

"ہمارے پاس جی تھری سے بھاری گنیں بھی ہیں۔" اول خان نے کہا "کراچی سے ہمارے لئے بہترین ہتھیار بھیجے گئے ہیں۔ ایسی تین گنیں نیچے بوٹ پر بھی ہیں۔ سولوبولس بھی ان ہی سے لیس ہیں۔ ان کا فائر پاور قابلِ رشک ہے۔ خود کار پوزیشن پر یہ اس طرح میگزین خالی کرتی ہیں کہ گن لوڈ کرنے والوں پر وقت پڑ جاتا ہے۔"

"ہمارا ٹرانسیٹر پر رابطہ رہے گا۔" میں نے کہا "ہمارے پیغامات پکڑے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے اس لئے سب لوگوں کو بتا دو کہ کھلی کھلی عام فہم زبان میں بات کریں کیونکہ تمہارے کوڈ میرے لئے ناقابلِ فہم ہیں۔ ملا سرکار والے دونوں اپریٹس میں لے جا رہا ہوں تاکہ وقتِ ضرورت انہیں استعمال کر سکوں۔"

"تو تم سادھو بیلہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر چکے ہو؟" اول خان نے پُر تشویش لہجے میں پوچھا۔

"یہ سب حالات پر منحصر ہے۔ سادھو بیلہ پر حملہ کرنا پڑا تو ہمیں چھپے ہوئے پہرے داروں اور گنیش آشرم کو نشانہ بنانا ہو گا میں جانتا ہوں کہ ست بیلہ کی آبادی بے گناہ ہے۔ ان کی بے خبری میں کوئی غدار ملا سرکار کو گنیش آشرم استعمال کرنے کا موقع دیتا ہے لیکن مجبوری کی حالت میں ہمیں یہ قدم اٹھانا ہو گا۔ سچ پوچھو تو یہ

ارادہ نہیں واپسی پر گھیرنے کا ہے۔ ساتوں کشتیاں تمہارے نشانے پر ہوں گی۔ ملا سرکار اپنی اسپیڈ بوٹ میں ہوگا جسے میں سنبھال لوں گا۔ غلام رسول پر ہر وقت ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔ رہا رجب علی تو اس کا فیصلہ ملا سرکار ہی کردے گا۔ واپسی پر ان لوگوں کو گھیرنا ہر اعتبار سے بہتر ثابت ہوگا۔"

"پھر تم سادھو بیلہ پر حملے کی جزئیات پر کیوں غور کر رہے ہو؟"

"صرف ضرورت کے تحت۔ یہ نہ بھولو کہ جزیرے پر پولیس فورس بھی پہنچ چکی ہے۔ ان کی ذرا سی لغزش یا بے صبری ہمارا بنا بنایا کھیل بگاڑ سکتی ہے۔ انہوں نے کوئی بھی کارروائی کی تو ملا سرکار کے آدمی جزیرے پر قیامت مچادیں گے۔ اور اس افراتفری میں کچھ پتا نہیں چلے گا کہ کون کدھر نکل گیا۔"

"حیرت کی بات ہے کہ انسپکٹر نے بہت دیر سے ہمیں فون نہیں کیا۔" سلطان شاہ بولا "بارہ بجے کے بعد تو اسے لازماً تم سے رابطہ کرنا چاہئے تھا۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ گنیش آشرم ہی کے کسی حصے میں گھسے بیٹھے ہوں اور وہاں سے فون کرنے کا موقع نہ ہو۔ اس وقت ہم سب ہی حالات کے قیدی بنے ہوئے ہیں۔"

اول خان میرے فیصلے پر مطمئن نہیں تھا۔ برج سے نیچے آکر اس نے کہا کہ اتنے بڑے مقابلے میں موٹربوٹ بہت زیادہ غیر محفوظ تھی جب کہ اباسین واقعی ایک قلعہ تھا لیکن وہ مجھے میرا فیصلہ بدلنے پر آمادہ نہ کرسکا اور میں سلطان شاہ کے پیچھے اباسین کے قریب لنگرانداز موٹربوٹ پر اتر گیا۔

"سولو بوٹ ون' جزیرے کے مشرقی گھاٹ کی طرف چلو!" میں نے بوٹ پر قدم رکھتے ہی کہا۔ مجھے اول خان سے معلوم ہوچکا تھا کہ بوٹس کی فارمیشن کیا تھی۔ مشرقی گھاٹ کے مقابل دریا میں موجود سولو بوٹ کو ایک نمبر دیا گیا تھا۔ یہ نمبر داہنی طرف بڑھتے چلے گئے تھے اور اباسین سے آگے بارہویں سولو بوٹ پر ختم ہوگئے تھے۔

میری ہدایت سنتے ہی ایک جوان نے انجن اسٹارٹ کیا' دوسرے نے رسا کھولا اور موٹربوٹ ہلکی رفتار سے مشرق کی طرف چل پڑی۔ جہاں سولو بوٹ نمبر ایک تاریکی میں اپنی ڈیوٹی پر مامور تھی۔ "اس کا تھراٹل وغیرہ آرڈر میں ہے؟" میں نے ایک گن اٹھاتے ہوئے موٹربوٹ کے بارے میں سوال کیا۔

"یس سر! اس وقت رفتار بڑھائی تو انجن کی آواز دور تک پھیلے گی۔ لڑائی چھڑ گئی تو پھر آپ اس کی رفتار بھی دیکھ لیں گے۔ تین منٹ میں ہم جزیرے کا چکر مکمل کرلیں گے۔"

"کمانڈر کالنگ فار ایوری باڈی!" اچانک ٹرانسیسٹر پر اول خان کی بھاری آواز ابھری "اب سب لوگ کوڈ کے بجائے اردو میں رپورٹ کریں گے۔ موٹربوٹ اس وقت سیکنڈ ان کمانڈ ہے۔ جب تک میری طرف سے روکا نہ جائے' ایم بی کے ہر آرڈر پر عمل کیا جائے گا۔۔۔ اوور اینڈ آل۔"

"ایس بی ون ٹو اباسین!" چند ثانیوں بعد ریڈیائی شور میں ایک آواز سنائی دی۔ "مشرقی گھاٹ پر گہرا اندھیرا ہے۔ کشتی کی روشنیاں ناکافی ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہ ادھر کیا ہو رہا ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

"ایس بی فائیو ٹو اباسین!" توقف کے بعد ایک نئی آواز سنائی دی۔ "کنارے پر تین مسلح آدمی ایک جگہ جمع ہوکر سگریٹیں پی رہے ہیں۔ وہ تینوں میری فل رینج میں ہیں۔ اوور اینڈ آل۔"

طویل سکوت کے بعد ست بیلہ کے اطراف میں ہلچل شروع ہوئی تو ہر طرف سے پیغامات بھی آنے لگے۔ وہ لوگ ہر تبدیلی سے اپنے کمانڈر کو کلی طور پر آگاہ رکھ رہے تھے۔

موٹربوٹ میں سفر کرتے ہوئے میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ ماہی گیروں کی تمام کشتیاں اباسین کے قرب و جوار سے کہیں غائب ہوچکی تھیں اور دریا پر عملاً ہم لوگوں کی حکمرانی تھی۔

"یہ غریب ماہی گیر بہت سادہ لوح اور ڈرپوک ہوتے ہیں سر!" میرے استفسار پر دراز قامت جوان نے کہا "وہ سب ہماری پُراسرار نقل و حرکت سے خوفزدہ ہوکر' اپنے جال سمیٹ کر دریا میں نیچے چلے گئے ہیں۔"

نیچے کے لفظ پر میں چونکا لیکن اگلے ہی لمحے میری سمجھ میں آگیا کہ اس کی زبان میں اوپر کا مطلب منبع کی سمت اور نیچے کا مطلب ڈیلٹائی سمت ہوتی ہے۔

میں دل ہی دل میں حساب لگا رہا تھا کہ رجب علی نے کشتی سے اتر کر ملا سرکار تک پہنچنے میں کتنا وقت لیا ہوگا۔ ملا سرکار کی بہانے بجھانے والی بات محض ایک طفل تسلی تھی ورنہ میں جانتا تھا کہ رجب علی جب ملا سرکار کو لیلیٰ وتی کے بغیر اپنے روبرو دیکھتا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا اور اسی لمحے ملا سرکار بھی اپنی کینچلی اتار کر اپنے اصل روپ میں اس کے مدِمقابل آجاتا اور بات آناً فاناً میں نمٹ جاتی۔ سمجھنے کی نوبت آتی اور نہ سمجھانے کی۔

خیر سگالی سے خونریز دشمنی کی اس فضا میں پہنچنے کے لئے' میری دانست میں پندرہ بیس منٹ کافی تھے اور یہی ہوا کہ جب میں نے ایس بی تھری کے قریب موٹربوٹ روکنے کی ہدایت کی تو گولی چلنے کی کسی آواز کے بغیر ست بیلہ کی طرف سے ایک دلدوز مردانہ چیخ سنائی دی۔ ٹرانسیسٹر پر یکے بعد دیگرے پیغامات آنے لگے۔ وہ چیخ ہم نے ہی نہیں' ایس ٹی ایف کے اور لوگوں نے بھی سنی تھی اور وہ ہمیں چیخ کے بارے میں بتا رہے تھے۔

"اباسین ٹو ایم بی!" ایک پیغام ختم ہوتے ہی اچانک اول خان لائن پر آگیا "ہماری طرف چیخ کی آواز واضح نہیں تھی اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اوور!" اول خان کی آواز سے الجھن ظاہر ہو رہی تھی۔

"میں نے نہ صرف آواز سنی ہے بلکہ شاید پہچان بھی لی ہے۔" میں نے اپنے ایئرپیس کا بٹن دبا کر کہا "اسے کسی بے آواز ہتھیار

سے مارا گیا ہے لیکن مرتے مرتے اپنی پوری قوت سے چیخ کر اس نے ملا سرکار کے لئے مشکل پیدا کر دی ہے۔ اس چیخ پر انسپکٹر حرکت میں نہ آیا تو مجھے حیرت ہوگی۔ اوور!"

"اوور اینڈ آل" اول خان نے دوسروں کے لئے لائن خالی ہونے کا اعلان کر دیا۔

چند منٹ اسی طرح گزر گئے کہیں سے کوئی خبر نہیں آ رہی تھی۔

پھر اچانک اول خان ہی کی آواز ابھری۔ "ایم بی! ابھی ابھی سفید حویلی کے پیچھے ایک بہت بڑا شعلہ بھڑکا ہے اور اب وہاں آگ جل رہی ہے۔ اوور!" اس بار اس کی آواز سے ہلکا سا جوش جھلک رہا تھا۔

"ہلکی سی سرخی میں نے بھی دیکھی ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "شاید وہ مرنے والے کی لاش جلا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب ان کی خود اعتمادی کو مجروح کرنا ضروری ہو گیا ہے تاکہ وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلنے کی کوشش کریں۔ ان میں بھگدڑ نہ مچی تو ایسا نہ ہو کہ اصل مجرم ساتوں میں سے کسی ایک کشتی میں نکل جائے اوور!"

"تو کیا تم چاروں طرف سے فائر کرانا چاہتے ہو؟ اوور!" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں کمانڈر! میں نے تمہارے پاس دو بے آواز رائفلیں بھی دیکھی ہیں۔ اپنے کسی بہترین نشانچی سے گنیش آشرم کے اندر ایک فائر کرا دو۔ دوسرا وار سکھر والی شمالی سمت سے ایس بی فائیو کرے گا..... ہیلو ایس بی فائیو! سگریٹ پینے والے تینوں مسلح آدمی اب بھی تمہاری رینج میں ہیں؟ اوور!"

"یس سر!" ایس بی فائیو سے فوراً ہی جواب آیا "اب وہ چار ہو گئے ہیں اور کنارے پر کھڑے ہوئے بے پروائی سے سگریٹیں پی رہے ہیں۔ ہلکے سے ایک ہی برسٹ میں چاروں ڈھیر ہو جائیں گے۔ اوور!"

میں ایس بی فائیو کی خوشی کو سمجھ رہا تھا۔ اُسے اس مہم میں پہلا شکار کھیلنے کا اعزاز حاصل ہونے والا تھا اور وہ اس اعزاز کو حاصل کرنے کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔

ایس بی فائیو اور ابا سین کے درمیان جزیرہ حائل تھا اس لئے ایس بی فائیو ابا سین سے ہونے والے فائر کا شعلہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں نے اسے اسٹینڈ بائی کرا کے اول خان کو بے آواز فائر کرانے کا مشورہ دیا۔ منکی برج کی واضح بلندی سے ایک شعلہ ٹوٹے ہوئے تارے کی طرح جزیرے کی طرف تیر گیا۔

"ایس بی فائیو! فائر......" میری آواز خود کار رائفل کے مسلسل فائر کی ہولناک گونج میں معدوم ہو گئی۔

رائفل صرف چند سیکنڈ کے لئے چلی تھی اس کی گونج میں چار کربناک انسانی چیخیں بھی شامل ہو گئیں اور اسی کے ساتھ جزیرے کی طرف سے اچانک اندھا دھند گولیاں چلنے لگیں۔

"ایوری باڈی! ہماری طرف سے کوئی جوابی فائر نہیں ہوگا۔ سولو بوٹس کو جزیرے سے محفوظ فاصلے تک پیچھے ہٹا لے جاؤ۔ جزیرے کی واٹر لائن پر نگاہ رکھو۔ جو کشتی یا جاندار ادھر سے نکل کر کھلے پانی میں آئے' اسے کنٹرولڈ فائر سے تباہ کر دو۔ جب تک وہ جزیرے سے نکل کر کھلے پانی میں نہیں آتے انہیں غافل اور بدحواس رہنے دو۔ وہ یہی سمجھتے رہیں گے کہ ان ہی میں سے کسی سے غلطی سے فائر ہوا ہے.... اوور ٹو کمانڈر!"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان کی آواز آئی "لیکن بے آواز فائر پہچان لیا گیا ہوگا۔ عرفان کا نشانہ بے خطا ہے۔ اس نے گنیش آشرم کے احاطے کا نشانہ لیا تھا۔ اوور!"

"ہم نے پانی میں پہلا پتھر پھینک دیا ہے۔ اب انتظار کرو..... اوور اینڈ آل۔"

"لیکن انسپکٹر اور اس کی پارٹی کہاں غائب ہے؟" سلطان شاہ نے سوال کیا "ابھی تک ان کے وجود کا کوئی ثبوت یا اشارہ نہیں مل سکا۔" وہ اس بارے میں تشویش میں مبتلا نظر آ رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ جزیرے پر پہنچنے میں کامیاب ہی نہ ہو سکے ہوں۔"

"ایسی صورت میں انسپکٹر تم سے فون پر ضرور رابطہ کرتا۔ اسے معلوم ہے کہ تم ابا سین پر ہو۔"

سلطان شاہ کا آخری سوال فکر انگیز تھا۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ انسپکٹر علی اسد بہت دلیر اور تجربے کار افسر تھا لیکن ملا سرکار ایک گرگ باراں دیدہ تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ انسپکٹر اپنی یا اپنے کسی ماتحت کی ہلکی سی لغزش کے نتیجے میں ملا سرکار کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گیا ہو۔

میرے لئے وہ موہوم سا امکان بھی تکلیف دہ تھا لیکن انسپکٹر کی طرف سے طویل خاموشی ایسے منفی امکانات کی بنیاد فراہم کر رہی تھی۔ اس کی طرف سے کسی کارروائی کے شواہد سامنے آئے تھے نہ اس نے مجھے فون کیا تھا۔ یہ بہت غیر معمولی بات تھی۔

جزیرے کے گرد پھیلے ہوئے ملا سرکار کے محافظ کئی منٹ تک فضا میں اندھا دھند گولیاں برساتے رہے۔ قیامت کی اس گھن گرج سے جزیرے کے سوئے ہوئے امن پرور باسی ہڑبڑا کر بیدار ہوئے اور ادھر سے آہ و بکا کا ایک دردناک طوفان فضا میں اٹھنے لگا۔ خوفزدہ عورتوں اور بچوں کی لرزہ خیز چیخیں ہر لحاظ سے قابلِ رحم تھیں۔

وہ چند منٹ تک وحشیانہ انداز میں اندھا دھند فائرنگ کرتے رہے۔ پھر انہیں خیال آیا کہ وہ ہوا اور پانی میں اپنا میگزین خود ہی برباد کر رہے ہیں جب کہ جوابی فائر کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔ یہ احساس ہوتے ہی ان کی فائرنگ کا زور ٹوٹنے لگا اور پھر رفتہ رفتہ فائرنگ تھم گئی لیکن جزیرے کی آبادی میں پیدا ہونے والا خوف و ہراس بدستور برقرار تھا۔ دہشت زدہ ہذیانی چیخوں کا ملا جلا شور کانوں کے پردے پھاڑے دے رہا تھا۔

"ہیلو ایم بی!" اول خان کی آواز آئی "جزیرے کے جنوبی

گھاٹ پر' اباسین کے سامنے بھیڑ جمع ہونے لگی ہے۔ شاید وہ لوگ بھاگنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ لوگ ایک کشتی کے رسے کھول دیئے گئے اور اب وہ پانی میں چکراتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔ دوسری کشتی بھی تیزی سے بھرتی جارہی ہے...... اوور!"

"جب تک وہ تمہاری رینج میں رہتے ہیں' انہیں بالکل نہ چھیڑو' زیادہ سے زیادہ ڈاکوؤں اور کشتیوں کو بیچ میں آنے دو پھر انہیں ایک ساتھ ہی بھاری اسلحے سے اڑا دینا.... اور سولو بوٹس والے اپنے انجن اسٹارٹ کرلیں۔ کسی بھی لمحے دریا میں دشمن کا ہانکا شروع ہوسکتا ہے۔ مشرقی اور جنوبی گھاٹ کے علاوہ وہ لوگ کسی اور سمت سے بھی نجی کشتیاں کھول کر فرار ہونے کی کوشش کرسکتے ہیں۔ اوور اینڈ آل۔"

مجھے معلوم تھا کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے اور ملا سرکار چور ہی نہیں قاتل' سازشی' غدار' دہشت گرد اور ڈاکوؤں کا سب سے بڑا سرغنہ بھی تھا۔ حالات بگڑتے ہوئے دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے بھی ست بیلہ ٹھہرنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔ وہ نہ صرف فوراً فرار ہوتا بلکہ فرار کے لئے تیز ترین ذریعے پر انحصار کرتا جو اس کی اسپیڈ بوٹ کی صورت میں مشرقی گھاٹ پر موجود تھا۔ ایک بار خطرہ بھانپ لینے کے بعد وہ کسی ست رفتار کشتی میں اپنے مقدر کا انتظار کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے ذہن کو خطرے کی اس سطح پر لانے کے لئے ہی میں نے گنیش آشرم پر ایک بے آواز فائر کرایا تھا۔ اور اب مجھے یقین تھا کہ وہ کسی بھی لمحے مشرقی گھاٹ سے نکل پڑے گا اس لئے میں ساری سمتیں چھوڑ کر سولو بوٹ نمبر ایک اور دو کے درمیان موجود تھا۔ جہاں سے وہ گھاٹ نظر آرہا تھا۔ باقی معاملات میں نے اول خان کی صوابدید پر چھوڑ دیئے تھے۔

درختوں میں چھپا ہوا وہ تاریک گھاٹ مشکوک سرگرمیوں کے لئے بہترین مقام تھا لیکن وہاں سے باہر آتے ہی ملا سرکار اور اس کے حواری پوری طرح میری زد میں آجاتے۔ وہ ایک ایسا مبارک لمحہ ہوتا جس کے انتظار میں' مَیں مدت سے اس خبیث سازشی کا پیچھا کرتا پھر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس رات مجھے ملا سرکار سے دو دو ہاتھ کرنے کا موقع ضرور ملے گا۔

"ہیلو ایم بی! سات نَیں سے تین بھری ہوئی کشتیاں کھلے ہوئے پانی میں آچکی ہیں۔ گھاٹ پر مسلح آدمیوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے اور وہ سب ایک دوسرے سے پہلے کشتیوں میں سوار ہونے کی کوشش کررہے ہیں۔ میں تینوں کشتیوں اور اس ہجوم پر بیک وقت فائر کھلوانے جارہا ہوں...... اوور!"

"یہ سب موذی درندے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی بچ کر نہ نکلنے پائے۔ اوور اینڈ آل۔" میں نے پُرجوش لہجے میں کہا تاکہ میری آواز سننے والے دوسرے لوگوں کے حوصلے بھی بڑھ جائیں۔

ہولناک بارودی دھماکوں کی روشنی میں تاریک اباسین اس حد تک منور ہوگیا کہ اس کے برج پر موجود انسانی ہیولے تک نظر آنے لگے۔ ان سے ہونے والے چار دھماکوں کے پس منظر میں دو آٹومیٹک رائفلیں تواتر کے ساتھ چل رہی تھیں۔ آتش و آہن کی اس برسات کی زد میں آکر مرنے اور جھلسنے والے انسان نما درندے' اپنی پوری آوازوں کے ساتھ جہنمی بلاؤں کی طرح چیخ رہے تھے لیکن وہ امان کی ایسی مبارک رات تھی جس میں امن و امان کے دشمنوں کو ست بیلہ کے نواح میں دور دور تک پناہ میسر نہیں تھی۔ ملا سرکار کی اندھی تقلید کرنے والوں پر ان کے اپنے گھناؤنے اعمال جہنمی آگ کی صورت میں نازل ہورہے تھے اور وہ خود اسی بے بسی سے دوچار تھے جس میں وہ برسوں سے بے گناہوں کو مبتلا کرتے چلے آرہے تھے۔ وہ اپنے اعمال کی مہلت پوری کرچکے تھے اور اس رات مکافاتِ عمل سے دوچار تھے۔

کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے چار بارودی دھماکوں کے بعد اباسین پھر اندھیرے کا جزو بن گیا لیکن اس کے برج سے چار رائفلوں کی گولیاں' امید کے جگنوؤں کی طرح ست بیلہ کے جنوبی گھاٹ کی طرف تیرتی رہیں۔

اباسین سے ہونے والی اس خوفناک جوابی کارروائی نے ست بیلہ تو کیا' شاید سکھر اور روہڑی جیسے شہروں کو بھی ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ ملا سرکار ان آوازوں کے بعد ست بیلہ میں نہ رک سکا اور بلبلا کر باہر نکل آیا۔

اس کی اسپیڈ بوٹ شروع ہی سے پانی پر تقریباً اڑتی ہوئی تاریک گھاٹ سے باہر نکلی تھی۔ اس کے پہلوؤں پر دور دور تک اڑنے والی پانی کی پھواریں تاروں کی روشنی میں سفید چادروں کی طرح جگمگا رہی تھیں۔

"نو فائر.... اسپیڈ بوٹ کو میں خود دیکھوں گا۔ میری واضح ہدایت کے بغیر جزیرے کا محاصرہ ختم نہیں ہونا چاہئے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا "ریڈیو آپریٹر! تم اپنے فون پر سکھر کوتوالی کو اطلاع دو کہ ست بیلہ پر ڈاکوؤں کے ایک بڑے گروہ سے مقابلہ جاری ہے۔ اوور اینڈ آل!" میں نے اپنے ساتھیوں کو تیار رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنی ہدایت مکمل کیں۔

اسپیڈ بوٹ جوں ہی ذرا قریب آئی' سلطان شاہ نے بڑے دہانے کی گن سے تیز روشنی کا ایک گولا اس سے داہنی طرف پھینکا اور فضا چند ثانیوں کے لئے دور تک منور ہوگئی۔

اسپیڈ بوٹ میں صرف تین افراد تھے۔ ان میں ملا سرکار بھی تھا۔ وہ باریش تو پہلے سے تھا لیکن اس وقت اُس کی زلفیں بھی بڑھی ہوئی تھیں۔ بے ترتیب داڑھی اور الجھی ہوئی زلفوں کے ساتھ اس وقت وہ کوئی وحشی درندہ نظر آرہا تھا۔ روشنی ہوتے ہی اُس نے دہشت زدہ ہو کر اپنا سر کلائیوں میں چھپا لیا تھا لیکن میں اس سے پہلے ہی اپنے اس منحوس حریف کو اچھی طرح پہچان چکا تھا جو ہمیشہ چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر میرے ہاتھوں سے نکل جاتا تھا۔

روشنی کا گولا پھینکنے کا جہاں تک ہمیں یہ فائدہ ہوا کہ ہم نے اپنے اصل ٹارگٹ کو پہچان لیا' وہیں ان لوگوں نے بھی دریا میں دور تک پھیلی ہوئی ہماری نفری کو دیکھ لیا اور وہ اندھا دھند گولیاں

برساتے ہوئے ہماری پہلی اور بارہویں سولوبوٹ کے درمیان سے سیدھے نکلتے چلے گئے۔ ان کا رخ مشرق کی طرف تھا۔
اسپیڈ بوٹ کی روشنیاں اس بار بھی بند تھیں۔ لیکن دریا کے سینے پر بنائی ہوئی اس کی سفید دھار کی وجہ سے اس پر نگاہ رکھنا دشوار نہیں تھا۔ ہماری موٹربوٹ اسی راستے پر بڑھتی رہی۔
وہ لوگ پیچھے کی طرف مسلسل فائر کر رہے تھے۔ لیکن تیز رفتاری کی وجہ سے وہ ہماری بوٹ کا صحیح نشانہ لینے سے قاصر تھے۔ ہماری بوٹ کی رفتار ایک دم تیز ہوئی لیکن میں نے بھاری بدن والے کو سختی کے ساتھ اسپیڈ بوٹ سے قریب ہونے سے روک دیا میں اپنا اور ان کا درمیانی فاصلہ بڑھانا چاہتا تھا۔
جب اسپیڈ بوٹ کچھ دور نکل گئی تو میں نے اپنی بوٹ کے ناخدا کو رفتار بڑھا کر اس کا پیچھا کرنے کی اجازت دے دی۔ اسی کے ساتھ میں نے میگزین لگی ہوئی رائفل سنبھال کر اسپیڈ بوٹ پر فائرنگ شروع کر دی۔
میں نے درمیانی فاصلہ بڑھانا اس لئے ضروری سمجھا تھا کہ میں نے بھانپ لیا تھا کہ ان کے ہتھیاروں کی مار ہماری رائفل سے کہیں کم تھی۔ فاصلہ بڑھا کر ہم ان کی رینج سے نکل گئے تھے۔ لیکن وہ تینوں ہر لمحے ہماری زد میں تھے۔
ہماری موٹربوٹ میں میگزین کی پیٹیوں کی کوئی کمی نہیں تھی اس لئے میں اسپیڈ بوٹ پر بہت تسلسل کے ساتھ گولیاں برسا رہا تھا۔ ان کی طرف سے بھی فائرنگ کی جا رہی تھی۔ لیکن ان کی گولیاں ہم تک پہنچنے سے پہلے ہی پانی میں سرد ہوئی جا رہی تھیں جب کہ ہماری گولیاں ان سے آگے تک جا رہی تھیں۔
اچانک میرا وار چل گیا اور اسپیڈ بوٹ سے بیک وقت دو کریہہ چیخیں ابھریں۔ مسلسل فائر کا یہی ایک فائدہ تھا کہ جب تک نشانہ خطا ہو رہا تھا گولیاں برباد ہو رہی تھیں لیکن ایک نشانہ سچا ہوتے ہی اس متحرک ٹارگٹ پر دوسرا آدمی خود بخود میری زد میں آگیا۔ وہ دونوں ہی چیخیں خاصی کریہہ تھیں۔ مگر میں جانتا تھا کہ میرا مقابلہ ملا سرکار جیسے چالاک اور مکار حریف سے تھا اور ویسے بھی اسپیڈ بوٹ پر تین افراد سوار تھے جن میں سے کم از کم ایک بالکل محفوظ تھا اس لئے میں نے فائرنگ کے تسلسل میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیا۔ تیسرے کو مار لینے سے پہلے تساہل ہمارے حق میں مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔
پھر اچانک ایک عجیب بات ہوئی کہ اسپیڈ بوٹ خطرناک حد تک چھوٹے نیم وا دائرے میں چکر کاٹ کر اسی رفتار سے ہماری طرف آنے لگی۔ اس وقت ہماری رفتار بھی ساٹھ ناٹ سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ مجھے گمان گزرا کہ ملا سرکار اسپیڈ بوٹ کو ہماری موٹربوٹ سے ٹکرانا چاہتا ہے۔ اس صورتحال پر میرے ہاتھ پاؤں بری طرح پھول گئے۔ لیکن بھاری بدن والے نے بڑی مہارت کے ساتھ ہماری موٹربوٹ کا رخ اسپیڈ بوٹ سے کاٹ کر دریا کے کنارے کی طرف کر لیا۔
تصادم کا خطرہ ٹل گیا لیکن ملا سرکار کی حکمت عملی میری سمجھ میں اس وقت آئی جب اس کی طرف سے چلائی ہوئی دو گولیاں ہمارے سروں پر سے گزر گئیں۔ وہ اپنی جان پر کھیل کر واپس لوٹا تھا تاکہ ہمیں اپنی رینج میں لے کر ختم کر سکے۔ اس مرحلے پر میں ذہنی جھٹکے سے فوراً نہ سنبھل سکا لیکن سلطان شاہ اور دراز قامت نے رائفلیں سنبھال کر دوبارہ گھومتی ہوئی اسپیڈ بوٹ پر فائر کھول دیا اور انہیں وہیں رہ کر دوسرا وار کرنے کا موقع دیئے بغیر فرار پر مجبور کر دیا۔
چند ثانیوں بعد ہم بھی اپنا چکر پورا کر کے اسپیڈ بوٹ کے تعاقب میں بڑھے تو ان لوگوں نے ہماری فائرنگ کے زد سے باہر نکلنے کے لئے اپنی رفتار بہت تیز کر دی۔ وہ مقابلے سے نہیں بلکہ ہمارے ہتھیاروں کی رینج سے خائف تھے۔
اسی وقت سلطان شاہ یا دراز قامت میں سے کسی کا نشانہ کام دکھا گیا۔ اس بار ملا سرکار اور اس کے دونوں ساتھی بیک وقت گولیوں کی باڑ پر آگئے تھے۔ ان کی دلخراش چیخوں کے ساتھ ہی اسپیڈ بوٹ اپنی رفتار کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے ہم سے دور ہونے لگی۔
لمحہ بھر بعد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ تینوں ہی ہلاک یا شدید زخمی ہو چکے تھے اور شاید ان میں سے کوئی تھراٹل سے الجھ گیا تھا اس لئے اسپیڈ بوٹ اپنی رفتار پر دوڑ رہی تھی لیکن اس وقت اس پر کسی کا کوئی کنٹرول نہیں تھا۔
وہ ایوب برج کے نیچے سے گزر کر خطرناک انداز میں لینسر ڈاؤن برج کے آہنی ڈھانچے کے لئے بنی ہوئی کنکریٹ کی دیو پیکر بنیادوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کوئی بھی ہوش مند شخص اس رفتار سے ایسی سمت میں سفر کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔
پلک جھپکتے میں اسپیڈ بوٹ اپنی اسی رفتار کے ساتھ کنکریٹ کی اس مستحکم بنیاد سے جا ٹکرائی اور ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ فضا میں بوٹ اور اس کے سواروں کے پرخچے اڑ گئے۔ وہ بھیانک منظر اس قدر لرزہ خیز اور دلخراش تھا کہ ملا سرکار سے آخری درجے کی نفرت ہونے کے باوجود میں نے کپکپا کر اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔ بھاری بدن والے نے اسپیڈ بوٹ کے مقدر کا اندازہ لگاتے ہوئے عین آخری لمحات پر موٹربوٹ پر نصب تمام سرچ لائٹس روشن کر دی تھیں جن کی وجہ سے اندھیرے میں رونما ہونے والا حادثہ اور بھیانک ہو گیا تھا۔
اسپیڈ بوٹ کے ملبے کے ساتھ فضا میں انسانی اعضا اڑتے ہوئے صاف نظر آئے تھے اس لئے وہاں رک کر وقت برباد کرنا بے سود تھا۔ میں نے موٹربوٹ کو اباسین کی طرف موڑنے کا حکم دے دیا۔
وہاں فضا پر سکوت چھایا ہوا تھا۔ فائرنگ کا ہولناک شور دم توڑ چکا تھا مگر فضا میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو موجود تھی۔ جزیرے

خوف و دہشت سے چلّانے والے تھک کر یا سہم کر یوں خاموش ہو چکے تھے جیسے سکوتِ مرگ نے ان کی زبانیں بھی تالو سے چپکا دی ہوں۔ دریا اپنی ازلی روانی کے ساتھ رل ترل کرتا ہوا بہے جا رہا تھا۔ سولو بوٹس والوں نے بھی میدان صاف ہونے پر اپنے انجن بند کر دیئے تھے۔

ہماری موٹر بوٹ پر تیز روشنیاں دیکھ کر شاید اول خان کو ہوش آیا "ہیلو ایم بی! ادھر تو سب کا صفایا ہو گیا۔ اباسین کے میگا فون پر انٹ شٹ کر میں نے جزیرے والوں کو بھی خاموش کرا دیا۔ یہ بتاؤ کہ ملا سرکار کا کیا رہا؟ وہ مارا گیا یا کسی کنارے پر اتر کر بھاگ نکلا؟ اوور!"

"اسپیڈ بوٹ اپنی پوری رفتار کے ساتھ لینس ڈاؤن برج کی سنگلاخ بنیادوں سے ٹکرائی اور ہر شے کے پرخچے اڑ گئے۔" میں نے اپنی بوٹ کے پائلٹ کو جزیرے کا چکر لگانے کا اشارہ کیا "جو موت ملا سرکار کا مقدر بنی ہے اس سے بری اور دردناک موت کا تصور تک کرنا محال ہے۔ اوور!"

"اس کے تمام سُوما بھی وحشی درندوں کے ریوڑ کی صورت میں بھاگتے ہوئے مارے گئے ہیں۔" اول خان نے کہا "ان میں سے دس پانچ ہی بچے ہوں گے ورنہ بیشتر کی لاشیں دریا کی تیز لہریں اپنے ساتھ بہا کر لے گئیں یا پھر وہ سب جنوبی گھاٹ کے قرب و جوار میں بے گور و کفن پڑے ہوئے ہیں۔ اوور اینڈ آل۔"

سلطان شاہ نے موٹر بوٹ کی سرچ لائٹس کا رخ داہنی اور بائیں طرف گھما دیا تھا۔ ہماری داہنی جانب سولو بوٹس ننھے ننھے آبی کھلونوں کی طرح جزیرے کا محاصرہ کئے کھڑی تھیں۔ بائیں طرف جزیرے کا ویران مگر سرسبز کنارہ تھا جس پر اداسی ہی اداسی برس رہی تھی۔

ہماری موٹر بوٹ دھیمی رفتار سے جزیرے کا طواف کرتی رہی۔ کچھ فاصلے پر 'سولو بوٹ نمبر پانچ کے مقابل' مجھے ان پانچ مسلح ڈاکوؤں کی مڑی تڑی ہوئی لاشیں نظر آئیں جو شاید ایک جگہ جمع ہو کر ہیروئن یا چرس والی سگریٹیں پی رہے تھے کہ گولیوں نے ان کے تن چھلنی کر دیئے۔

اس سے آگے میدان پھر صاف تھا۔ ست بیلہ کے گرد اپنا چکر پورا کر کے میں اباسین کی طرف' جزیرے کے جنوبی گھاٹ کی طرف پہنچا تو وہاں زندگی کی بے ثباتی اور عبرت کا ایک عجیب ہی سماں تھا۔

گھاٹ کے قرب و جوار میں اُدھڑی ہوئی لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ جتنی لاشیں نہیں تھیں' اس سے زیادہ ہتھیار وہاں کیچڑ میں لتھڑے ہوئے پڑے تھے۔ اس گھاٹ پر سات میں سے ایک بھی کشتی موجود نہیں تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ کچھ کشتیاں اپنے مسافروں کے بغیر ہی دریا میں بہہ نکلی تھیں۔

دوسری طرف دریا کا پانی سدا کی طرح صاف اور شفاف تھا۔ اس میں زخمیوں کا لہو تھا نہ مرنے والے ڈاکوؤں کی لاشیں' ڈوبنے والی کشتیاں تھیں نہ [illegible] ہے۔ مہران جل اپنی دھرتی کی ان ساری

آلائشوں کو اپنے سینے میں سمیٹتا ہوا جھاگ اڑاتے سمندروں کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ دلدوز مناظر دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اندر سے خالی ہو گیا ہوں۔

اتنی بڑی تعداد میں پرندوں کی طرح مارے جانے والے وہ سب لوگ قاتل' ڈاکو' باغی اور سب سے بڑھ کر ملا سرکار جیسے خوفناک' غیر ملکی دہشت گرد کے پیروکار تھے لیکن بہرحال وہ انسان ہی تھے۔ ان سے لوگوں کے باپ' بھائی' بیٹے اور شوہر کے رشتے تھے۔ وہ اپنی وحشیانہ حرکتوں کی سزا بھگت چکے تھے لیکن اپنے پیچھے رہ جانے والوں کے لئے وہ زندگی بھر کا ایک روگ بن گئے تھے۔ انہوں نے اپنی داغ دار زندگی اور ذلت کی موت سے اپنے کنبوں کے روشن چہروں پر رسوائی کی ایسی سیاہی مل دی تھی جس سے پیچھا چھڑانا کسی کے اپنے بس میں نہیں تھا۔

میں نے اشارہ کیا اور موٹر بوٹ کا رخ اباسین کی طرف موڑ لیا گیا۔

اسی لمحے مجھے انسپکٹر علی اسد یاد آیا اور میرے دل میں ایک آگ سی بھڑک اٹھی۔ وہ زندہ ہوتا تو اتنی دیر تک خاموش اور نچلا بیٹھنے والا نہیں تھا۔ کہیں نہ کہیں سے فون کر کے مجھے اپنی خبر ضرور دیتا۔

میں نے موٹر بوٹ دوبارہ جنوبی گھاٹ کی طرف مڑوائی۔ جوں ہی بوٹ کنارے سے لگی' میں کود کر کنارے پر اتر گیا اور بوجھل دل کے ساتھ ایک ایک لاش کو الٹ پلٹ کر ان میں اپنے عظیم دوست کو تلاش کرنے لگا جس سے میری شناسائی کی مدت زیادہ طویل نہیں تھی لیکن جس کی فرض شناسی اور انسان دوستی نے میرے دل میں اس کے لئے عزت و احترام اور محبت کے جذبات پیدا کر دیئے تھے۔

خاک و خون اور کیچڑ میں لتھڑے ہوئے ان دہشت ناک اور بے جان چہروں میں سے کوئی بھی میرا شناسا نہیں تھا۔ اپنی وضع قطع سے وہ تمام لاشیں ہی سردار رجب علی کے ساتھیوں کی معلوم ہو رہی تھیں جو انسانوں کے غول سے بچھڑ کر جنگلوں اور ویرانوں میں بربریت اور سفاکی کی نت نئی داستانیں وجود میں لاتے رہے تھے۔

میرے دل سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ انسپکٹر علی اسد ایک دلیر اور اصول پرست افسر تھا۔ اگر وہ کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیئے بغیر بھگوڑوں کے ریوڑ میں کسی بھٹکی ہوئی گولی کا نشانہ بن جاتا تو مجھے بڑا قلق ہوتا۔ اپنی مجرمانہ زندگی میں اور اس سے بڑی حد تک تائب ہو جانے کے بعد بھی مجھے سرکاری اہل کاروں میں کوئی ایسا فرض شناس اور مخلص افسر نہیں مل سکا تھا جس نے مجھے انسپکٹر علی اسد کی ذات کی طرح متاثر کیا ہو۔

یہ درست ہے کہ اس نے ہماری جیپ سے رام دیال کی لاش برآمد ہونے کے باوجود ہمیں قید میں نہیں رکھا تھا بلکہ ہمیں رہا کر کے ہمارے ساتھ لیلیٰ وتی کے اغوا کی سازش میں بھی شریک ہو گیا تھا لیکن وہ اُس کی اپنی حکمت عملی تھی۔ سردار رجب علی اور [illegible]

سرکار کو جلد از جلد گھیرنے کے لئے اس سے بہتر منصوبہ وجود میں آ ہی نہیں سکتا تھا۔

انگریزی کا ایک مقولہ ہے کہ کامیابی سے زیادہ کوئی چیز کامیاب نہیں ہو سکتی۔ بعد کے، بلکہ کچھ دیر قبل رُونما ہونے والے واقعات نے یہ ثابت کردیا تھا کہ سردار رجب علی اور ملّا سرکار کے درمیان لیلیٰ وتی کے اغوا اور بھاری تاوان کے مطالبے کے تنازعے کو وجود میں لانے کی میری تجویز کامیاب رہی تھی اور انسپکٹر علی اسد نے اس سے اتفاق کر کے اپنے فرائضِ منصبی میں کوئی خیانت نہیں کی تھی۔

اس منصوبے کے نتیجے میں سردار رجب علی غالباً ملا سرکار کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکا تھا اور ملا سرکار خود میری نظروں کے سامنے چیتھڑوں کی صورت میں جہنم واصل ہو چکا تھا۔

ملّا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کے بارے میں انسپکٹر کی معلومات بہت محدود تھیں۔ اس خبیث کی زہرناکی اور اہمیت سے میں پوری طرح واقف تھا۔ ملک کے خلاف ہونے والی ایک بہت بڑی بین الاقوامی سازش میں ملّا سرکار کلیدی اہمیت کا مالک تھا۔ ایک طرف اُس نے اپنی تقدس مآب پوزیشن کے حوالے سے اور شاید اپنے دو چار غیر ملکی گرگوں کی مدد سے، سندھ کے گھنے اور دشوار گزار جنگلات میں اپنے ہزاروں پیروکار پیدا کر لئے تھے جو حکومت، انتظامیہ اور قانون سے کھلی بغاوت کرنے کے بعد اپنی کشتیاں جلا چکے تھے اور بہتر مستقبل کے لئے صرف اور صرف اُسی سے رجوع کر سکتے تھے تو دوسری طرف ملّا سرکار نے اپنے ملک کے بین الاقوامی روابط کے ذریعے اپنے ان اندھے پیروکاروں کے لئے جدید ترین، مہلک اور خودکار ہتھیار، اسلحہ اور گولا بارود جمع کرنے کے انتظامات کر لئے تھے۔ جس دن وہ ہتھیار، گولا بارود سمیت ان مفرور مجرموں اور ملزموں کی تحویل میں چلے جاتے، اسی دن ملا سرکار ایک اشارے پر سندھ میں خون کے دریا بہا سکتا تھا۔ اس کا منصوبہ اتنا بھیانک اور روح فرسا تھا کہ اس کے مضمرات اور نتائج کا قیاس کرتے ہوئے بھی ہول آنے لگتے تھے۔ ملا سرکار کی عبرت ناک موت نے ان امکانات کے روبہ عمل آنے کی ساری راہیں مسدود کردی تھیں۔

اس منصوبے کو من وعن بروئے کار لانے کے لئے سب سے پہلے تو یہ ضروری تھا کہ سندھ کے علاقے میں فوری طور پر بلیک کیٹ ٹی کا کوئی بہترین نعم البدل پیدا کیا جائے جو اپنی جعلی روحانی اور کراماتی قوتوں کی وجہ سے نہ سہی، کسی اور بنا پر ہی ڈاکوؤں، لٹیروں اور قاتلوں کے گروہوں میں یکساں طور پر مقبول اور مقتدر ہو تاکہ اُس کے ایک اشارے پر وہ سماج دشمن عناصر ہتھیار سنبھال کر اپنی کمین گاہوں سے اہم دیہی اور شہری ٹھکانوں پر حملہ آور ہو کر ریاستی نظم ونسق کو مفلوج اور تاراج کر سکیں۔

وہ کوئی آسان کام نہیں تھا کیوں کہ ملا سرکار جیسے فطین اور سازشی دماغ نہ درختوں میں اگتے ہیں جنہیں ڈالی سے توڑ کر اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کیا جاسکے، نہ اس ایٹمی دور کے فتنہ طراز لوگ آسانی کے ساتھ دو چار دن میں کسی جعلی پیر کے روحانی اور کراماتی جھانسوں میں آسکتے ہیں۔ ملّا سرکار نے اندرونِ سندھ میں صاحب کرامت بزرگ کا رتبہ برسا برس کی ریاضت اور قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اس کی جگہ آنے والا کوئی اجنبی سازشی دو چار دن یا ہفتوں میں اس جیسے اختیارات اور اثر ورسوخ کا مالک بن جاتا۔ اس لئے ملا سرکار کے جہنم واصل ہو جانے سے اس بھیانک، بین الاقوامی سازش میں ایک ناقابل تلافی خلا پیدا ہو گیا تھا۔

ملا سرکار کے غیر ملکی آقا اپنے اثر ورسوخ اور سفارتی دباؤ کو کام میں لا کر جمی لائیڈ کو پاکستان کی سرزمین پر غیر قانونی ہتھیار اور ان کا اسلحہ اسمگل کرنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ دوسری طرف جنگلوں میں ان ہتھیاروں کے بھوکے ہزاروں چور، ڈاکو، قاتل اور معاشرے کے باغی بھی موجود تھے لیکن ان ہتھیاروں کو ضرور[illegible]مندوں تک پہنچانے والا، قابلِ اعتماد اور بارسوخ سازشی خود ہی اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔

انسپکٹر علی اسد نے میری اور اوّل خان کی عملی اعانت کر کے جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا، وہ بہ حسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا اور میری دلی آرزو تھی کہ وہ اپنے اس کارنامے پر خوش ہونے کے لئے زندہ و سلامت موجود ہو۔ میرا خیال تھا کہ وہ پولیس کے محکمے کے ان چند حسّاس اور فرض شناس افسروں میں سے ایک تھا جو سندھ میں بڑھتی ہوئی لاقانونیت اور بدامنی کے اسباب پر گہری نظر رکھتے تھے اور کسی بھی قسم کی ذاتی منفعت کی پروا کئے بغیر ان اسباب کی بیخ کنی کے لئے مؤثر طور پر کوششیں کرتے رہتے تھے۔ ڈاکوؤں اور قاتلوں کے سربراہوں کے علاوہ وہ ملّا سرکار کے مکروہ کردار سے بھی باخبر تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ علاقے کی کئی اہم سیاسی شخصیتیں ان بدکردار عناصر کی سرپرستی اور پشت پناہی میں ملوث تھیں۔ اس نے اُن میں سے چند کی نگرانی بھی شروع کرائی ہوئی تھی لیکن یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس بار غلام رسول جیسا اہم سیاستدان ملا سرکار کا آلۂ کار بنا ہوا تھا اور غلام رسول ایسے لوگوں میں سے تھا جن پر انسپکٹر علی اسد جیسا تجربہ کار اور گھاگ افسر بھی کبھی شبہ نہیں کر سکتا تھا۔

”ہیلو ایم بی، تم گھاٹ پر کیا ڈھونڈتے پھر رہے ہو؟ اوور“ اچانک ٹرانسیٹر جاگ اٹھا۔

”میں انسپکٹر کی سلامتی کے بارے میں فکر مند تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ مرنے والوں میں اس کی لاش موجود نہیں ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ بھگدڑ اور افراتفری میں وہ ہمارا ہی نشانہ نہ بن گیا ہو۔۔۔ اوور“ میں نے اوّل خان کو آگاہ کیا۔

”محاذ پر ہر طرف موت کا سناٹا راج کر رہا ہے۔ دشمن نیست و نابود ہو چکا ہے۔ اب تمہارا اگلا پروگرام کیا ہے؟ واپس آرہے ہو؟

وہیں رکو گے؟ اوور۔"

"ملکوتوالی کو اس معاملے کی اطلاع دے دی گئی ہے؟ اوور۔" میں نے سوال کیا۔

"ہاں' وہاں سے مسلح پولیس کی بھاری نفری سادھو بیلہ کے لئے روانہ ہو چکی ہے۔ چند منٹ پہلے ایس پی نے خود فون کر کے یہ اطلاع دی تھی۔ اوور۔"

پولیس والوں کا کام کرنے کا ایک علیحدہ انداز ہوتا ہے۔ وہ بیشتر مواقع پر اپنی اس روایتی خوش فہمی کی وجہ سے مار کھا جاتے ہیں کہ ان کی وردی کے احترام اور خوف کی وجہ سے کوئی مجرم ان پر ہتھیار نہیں اٹھا سکے گا لیکن جدید ترین ہتھیاروں کی نت نئی اقسام چور بازاروں میں دستیاب ہونے کے ساتھ ہی' دنیا کے ہر خطے میں مجرموں کی نفسیات میں بہت خوں ریز اور جارحانہ تبدیلیاں آئی ہیں۔ مجرم کوئی واردات کرنے کے بعد بلا کسی روک ٹوک فرار ہو سکیں تو اور بات ہے لیکن ان کی مزاحمت کی جائے یا ان کا راستہ روکا جائے تو وہ قانون کے محافظوں کے مقابلے میں بھی ڈٹ جاتے ہیں اور اپنے ہتھیاروں کی برتری کی وجہ سے فریق مخالف کو اپنے سے زیادہ جانی نقصان سے دوچار کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی جان کو فرائض کی انجام دہی پر فوقیت دینے والے اہلکار کبھی بھی واردات کے دوران میں دخل اندازی کا خطرہ مول نہیں لیتے۔ فائرنگ کا شور اور زخمیوں کی داد و فریاد زیادہ ہی قریب سے سنائی دے تو موقع سے ٹل جاتے ہیں اور اس وقت تک جائے واردات کا رخ نہیں کرتے جب تک کہ جرم مکمل ہو جانے کے بعد وہاں میدان صاف نہ ہو گیا ہو۔

میرے دل میں پولیس کے فرض شناس اہل کاروں کے لئے عزت و احترام کا ہر جذبہ موجود تھا لیکن اس محکمے کی عمومی شہرت کی وجہ سے میں ست بیلہ میں صرف انہی کی کارروائیوں پر انحصار نہیں کر سکتا تھا۔

ملا سرکار کے بہت سے ساتھیوں کی لاشیں اس دریائی جزیرے کے کناروں پر بکھری ہوئی تھیں۔ کچھ کو دریا کی بے رحم موجیں اپنے بہاؤ میں نگل گئی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ دریا میں تیر کر ان میں سے کوئی بھی کسی دوسرے کنارے پر پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہوگا۔ کیونکہ ان کو ٹھکانے لگانے کے لئے سولو بوٹس میں مسلح جوانوں نے جزیرے کا محاصرہ کیا ہوا تھا لیکن یہ ضرور ممکن تھا کہ ہر طرف موت کو سایہ فگن دیکھ کر ان میں سے چند مکار لوگ دوبارہ جزیرے میں جا گھسے ہوں۔ ایسے دو چار مسلح ڈکیت بھی جزیرے پر چھپے ہوتے تو وہ پولیس والوں اور مقامی آبادی کے لئے بہت بڑا خطرہ ثابت ہو سکتے تھے۔ موت کو سامنے پا کر وحشی درندہ بن جانا' ان کے لئے فطری امر ہوتا اور ایسے مجرموں کو کسی روایتی کارروائی سے زیر کرنا آسان نہیں ہوتا اس لئے میں چاہتا تھا کہ اول خان کی اسپیشل ٹاسک فورس کے پیشہ ور کمانڈو بھی اپنا محاصرہ برقرار رکھتے ہوئے چاروں طرف سے جزیرے میں داخل ہو جائیں اور جہاں بھی مزاحمت کے آثار دیکھیں' اپنی پیشہ ورانہ مہارت سے انہیں نیست و نابود کر دیں۔

"پولیس والوں کو بالکل اندازہ نہیں ہو سکے گا کہ ان کے آنے سے پہلے یہاں کیا کھیل کھیلا جا چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ملا سرکار کے کچھ آدمی اب بھی ست بیلہ میں چھپے ہوئے ہوں۔ میری رائے ہے کہ تم کو بھی اپنے آدمیوں کے ساتھ جزیرے پر آ جانا چاہئے۔ آپریشن مکمل ہونے تک ہمیں یہاں رکنا ہوگا۔ اوور"

"کمانڈر ٹو سولو بوٹس" اول خان نے مجھ سے مزید کچھ کہے بغیر ہدایات جاری کرنی شروع کر دیں "ہر بوٹ اپنی پوزیشن سے سیدھ لے کر جزیرے پر بڑھے اور کمانڈوز اپنے ہتھیاروں کی کٹ کے ساتھ جزیرے پر اتر آئیں۔ ہر شخص اپنے راستے میں دیکھ بھال کرتا ہوا سفید عمارت کی طرف بڑھے گا۔ ہمیں وہیں جمع ہونا ہے۔ اوور' ٹو ایس پی ون۔"

"ہدایات پر پوری طرح عمل ہوگا سر!" سولو بوٹ ون والے کی آواز ابھری۔ "اوور ٹو ایس پی ٹو۔"

اس طرح باری باری ہر سولو بوٹ سے ہدایات کی موصولی کا اقرار کیا گیا۔ وہ سلسلہ مکمل ہوتے ہی اول خان ایک مرتبہ پھر لائن پر آگیا۔ "ایس ایم بی ' اب اپنی موٹر بوٹ اباسین کی طرف بھیج دو۔ اوور"

"اس کی کیا ضرورت پیش آگئی؟ اوور" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"اباسین بڑی موٹر بوٹ ہے۔ اسے گھاٹ تک لانے کی کوشش کی گئی تو کنارے کے اتھلے پانی میں مٹی میں پھنسنے کا خطرہ ہے اباسین سے کناروں تک آمد و رفت کے لئے موٹر بوٹ ہی استعمال کی جاتی ہے۔ اوور۔"

میں نے ہاتھ ہلا کر بوٹ کے دو نفری عملے کو اباسین کی طرف لوٹ جانے کی ہدایت کی اور خود اول خان سے مخاطب ہو گیا۔ "لیکن اباسین کو دریا میں بھی تو اتارا گیا ہوگا؟ اوور"

اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز ابھری۔ پھر وہ بولا "میں تمہاری الجھن سمجھ رہا ہوں۔ یہ کارروائی کرین وغیرہ کے ذریعے عمل میں آتی ہے یا پھر اسے ٹوکر کے گہرے پانی میں اتارا جاتا ہے۔ اوور۔"

"اب یہ بات چھڑ ہی گئی ہے تو میری یہ الجھن بھی دور کر دو کہ اباسین نے کراچی سے یہاں تک دریا کے پاٹ پر بنی ہوئی آبی رکاوٹوں کو کیسے عبور کیا ہوگا؟ اوور"

"آبی راستوں کے بارے میں مجھے بھی زیادہ علم نہیں ہے لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ کوٹری بیراج سے آگے صرف سیلابی موسم میں فاضل پانی گزرتا ہے ورنہ دریا کا یہ حصہ سال بھر عملاً خشک رہتا ہے۔ اباسین کو تحقیقی مقاصد کے لئے کراچی سے ٹریلر پر لایا گیا تھا اور بالائی سندھ کے کسی مقام پر دریا میں اتارا گیا تھا۔ دریا کے محدود علاقے میں کام مکمل ہونے کے بعد شاید اباسین کو اوپر بھیج دیا جائے گا۔ ایس ٹی ایف کے مقاصد حاصل ہونے تک یہ موٹر بوٹ انہی مضافات میں سرگرم رہے گی۔ دریائی راستوں پر کنٹرول اور ان کی ناکہ بندی کے لئے ایسے متحرک بیس اسٹیشن کی ضرورت کو اب بہت سے سرکاری ادارے بھی تسلیم کرنے لگے ہیں۔ کشتیوں اور بیڑیوں میں بیٹھ کر پولیس ڈاکوؤں کا قلع قمع نہیں کر سکتی۔ اوور"

"تو کیا مقامی اور غیر ملکی ماہرین کی تحقیقی جماعت بھی تم لوگوں کی اپنی اختراع ہے؟ اوور" میرے لئے اسپیشل ٹاسک فورس کا کردار رفتہ رفتہ پراسرار بنتا جا رہا تھا۔

"نہیں، نہیں۔ وہ سائنس دان واقعی ہمارے مہمان ہیں اور صرف اباسین کی موجودگی سے استفادہ کر رہے ہیں۔ ان کی اباسین پر آمد سے ایس ٹی ایف کو بھی ایک آڑ مل گئی ہے۔ وہ لوگ ہمارے ملک کے لئے بیش قیمت تحقیقی مواد اکٹھا کر رہے ہیں جس کے نتیجے میں دریا کے کناروں پر آباد علاقوں میں خوشحالی کی لہر دوڑ سکتی ہے۔ اوور"

"اور اس پر بھی تمہارا یہ دعویٰ برقرار ہے کہ تمہیں ایس ٹی ایف کے سرکاری یا غیر سرکاری ہونے کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے؟ اوور"

"یہ واقعی ایک راز ہے۔ ہم لوگوں کے اطمینان کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ ایس ٹی ایف کا ہر قدم قومی مفادات سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ ہمیں ملک اور قوم کے مفادات کے خلاف کوئی کام نہیں سونپا جاتا۔ اسی اطمینان کی وجہ سے ہمارا ہر افسر اور جوان اپنا مقررہ ٹارگٹ حاصل کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے ...... اچھا موٹر بوٹ آگئی ہے۔ میں عرفان کو ہدایات دے کر تمہاری طرف آرہا ہوں۔ اوور اینڈ آل"

اول خان کے آنے تک ایرپیس پر وقفے وقفے سے اس کے آدمیوں کے پیغامات آتے رہے۔ وہ سولو بوٹس کو خشکی پر چھپا کر جزیرے میں گھس چکے تھے اور اپنی پوزیشنوں کے بارے میں اپنے کمانڈر کو خبریں دے رہے تھے۔ ان پیغامات میں کوئی جواب طلب بات نہیں تھی اس لئے میں خاموش ہی رہا۔ دوسری طرف سے اول خان بھی خاموش ہی رہا۔

موٹر بوٹ اپنی تیز روشنی والی سرچ لائٹ سمیت واپس جا چکی تھی اور میں ایرپیس اپنے گلے میں لٹکائے اپنی رائفل سمیت تاریک گھاٹ پر متعدد لاشوں کے درمیان کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں خیالات کی ایک ہولناک یلغار جاری تھی۔ ویسے تو ملّا سرکار کی سازش ہی یہ تھی کہ سندھ کے منتخب علاقوں میں اپنے اندھے معتقدین کے سہارے "قتل عام" سرکشی اور بغاوت کی آگ بھڑکا کر اس دھرتی پر خون کی نہریں بہا دے اور لوگوں کے مختلف طبقوں کے درمیان نفرت کی ایسی آگ بھڑکائے کہ وہ علاقہ اپنے شجر سایہ دار سے ٹوٹ کر کسی "پکے ہوئے" پھل کی طرح اس کے آقاؤں کی جھولی میں جا گرے۔ لیکن اس رات ست بیلہ پر جو کچھ ہوا اس کا ملّا سرکار کے منصوبے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جو کچھ ہوا وہ اس کی توقع اور وہم و گمان کے بالکل برعکس ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں نہ جانے کتنے جیتے جاگتے انسان موت کی دیوی کی بھینٹ چڑھ گئے۔

اس منصوبے کے تار و پود میرے اپنے تھے لیکن اس کے نتیجے میں جو دو حلیف ایک دوسرے کے حریف بن کر آپس میں مقابلے پر اترے، وہ دونوں ہی سنگدل و سفاک اور ریلا کے اتا پتا تھے۔ سردار رجب علی تو پھر بھی اپنی ناک نیچی کر کے غلام رسول کے ہمراہ ملّا سرکار سے مذاکرات کے لئے ست بیلہ آپہنچا تھا لیکن ملّا سرکار نے ایک بھاری نفری کو اس معرکے کا ایندھن بنا دیا تھا۔ خود بھی مرا تھا اور اپنے ساتھ سب کو لے مرا تھا۔

اتنے انسانوں کی اجتماعی ہلاکت اس لحاظ سے افسوسناک تھی کہ سب جیتے جاگتے انسان 'ماؤں کے بیٹے' بچوں کے باپ' بیویوں کے سہاگ یا بہنوں کے بھائی تھے لیکن انہوں نے دردناک موت کا راستہ اپنی پسند اور مرضی یا شوق سے اختیار کیا تھا' جس زندگی کا

بستر بنانے کے لئے وہ ڈاکے ڈال کر دولت کے انبار سمیٹ رہے تھے آخر کار وہ زندگی ہی صفحۂ ہستی سے مٹ گئی تھی۔ ان کے ہاتھوں جو مظلوم لٹتے، مرتے اور برباد ہوتے رہے، ان کی آہیں اثر لا کر رہی تھیں۔ سارے ظالم مکافاتِ عمل کی ہولناک چکی میں پس کر رہ گئے تھے۔

لیلیٰ وتی نے خودکشی کر لی تھی، سردار رجب علی کی لاش شاید گنیش آشرم کی تازہ چتا میں جل رہی تھی، ملا سرکار کا وجود بے شمار چیتھڑوں میں تبدیل ہو کر پل کی سنگلاخ بنیادوں، آہنی ڈھانچے اور دریا کی غضب ناک لہروں پر بکھر چکا تھا۔ اس کے حواری اپنے بعد زندہ رہ جانے والوں کے لئے عبرت کا شاہکار بن کر اندھیرے گھاٹ پر بکھرے ہوئے تھے۔

بوٹ کے آتے ہی گھاٹ ایکبار پھر بھرپور روشنی میں نہا گیا۔ دوسری طرف اباسین والوں نے بھی ایک ہوٹر بجا کر موٹر بوٹ کی تمام روشنیاں جلا دیں۔

ان روشنیوں کی وجہ سے ماحول کا بوجھل پن قدرے کم ہو گیا اور میں اوّل خان کے ساتھ آبادی کی طرف چل پڑا۔

کسی ناگہانی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم دونوں نے اپنی بھری ہوئی رائفلیں ہاتھوں میں سنبھال لی تھیں جنہیں ضرورت پڑنے پر ایک اشارے سے حرکت میں لایا جا سکتا تھا۔

"یہ برا ہوا کہ ملا سرکار زندہ گرفتار نہ کیا جا سکا۔" راستے میں اوّل خان نے حسرت آمیز لہجے میں دھیمی آواز میں کہا۔

"جو کچھ نہ ہو سکے اس پر افسوس کرنا بے سود ہوتا ہے۔ جو کچھ ہو چکا ہے اس کے روشن پہلوؤں پر غور کرو گے تو خود بخود اس کی افادیت کے قائل ہوتے چلے جاؤ گے۔"

"اس کے علاوہ کیا افادیت ہو سکتی ہے کہ ملا سرکار کا فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا؟"

"غلام رسول جیسا مخلص غدار اور ملا سرکار کا ساتھی ثابت ہوا ہے۔ بلیک کیٹ ڈی زندہ پکڑا جاتا تو اس کے انکشافات نہ جانے کن کن چہروں کو بے نقاب کر ڈالتے۔"

"داغ دار چہروں کو تو ہر قیمت پر بے نقاب کیا جانا چاہئے۔ یہی لوگ اپنے اجلے بہروپ سے لوگوں کو فریب دے کر درپردہ ان کا سودا کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ ملا سرکار کے مر جانے سے وہ سب سکھ کا سانس لیں گے کہ ان کے راز اسی کے ساتھ دفن ہو جائیں گے۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ ہمیں ملا سرکار کا نام گول کر جانا چاہئے۔ میں نے اس کی اسپیڈ بوٹ کو جس انداز میں پاش پاش ہوتے دیکھا ہے، اس کے بعد ملا سرکار کی لاش کا نام و نشان ملنا بھی محال ہوگا۔"

"اس سے ہمیں کیا فائدہ ہو گا؟" میری بات اول خان کی سمجھ میں نہیں آسکی لیکن وہ چونکا ضرور تھا۔

"انسپکٹر علی اسد غیر سرکاری طور پر غلام رسول کی زبان کھلوا سکے گا۔ جب وہ اسے بتائے گا کہ ملا سرکار اس کی ذاتی تحویل میں ہے اور جیسلمیر اور شاہ پور والے کیسٹ بھی اسے مل چکے ہیں تو غلام رسول کو بولنا ہی پڑے گا۔ اس کے مرتبے کا سیاسی آدمی وطن دشمنی اور غداری کے الزامات کا سامنا کر کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ عوام میں بدنامی اور پھر پھانسی یا خودکشی سے خود کو بچانے کے لئے وہ انسپکٹر کے سامنے گھٹنے ٹیک دے گا۔"

"لیکن انسپکٹر خود ایک اہم سرکاری افسر ہے۔ غلام رسول اس سے اعتراف کیوں کرے گا؟"

"بہتیرے سرکاری افسر موٹی مرغیوں کو بلیک میل کر کے سودے بازی کرتے ہیں۔ سودا بن جائے تو سرکاری ریکارڈ میں ایسے مستند مجرموں کی بھی فائلیں سادہ رہتی ہیں۔ سودا نہ بنے تو اخبارات کو سنسنی خیز خبریں ہاتھ لگتی ہیں اور ایسے افسروں کو انعامات اور ترقی سے نوازا جاتا ہے۔"

"یہ نشیب و فراز تم سمجھ سکتے ہو۔ میرا ذہن ان گتھیوں کو سلجھانے سے قاصر ہے۔ اب تک تم نے مجھے جو کام بھی سونپا، وہ میں پوری ذمے داری سے سرانجام دیتا آ رہا ہوں۔"

باتیں کرتے ہوئے بھی ہم اس اجنبی دریائی جزیرے میں غافل نہیں ہوئے تھے۔ اوّل تو ویسے ہی کافی رات گزر چکی تھی، پھر کچھ دیر پہلے وہاں آہن و آتش کی جو برسات ہوئی تھی اس کے نتیجے میں ہر طرف پُرہول ویرانی کا راج تھا۔ مجھے یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس جزیرے کو ملکی گرڈ سسٹم سے بجلی فراہم کی جاتی تھی یا جزیرے پر کوئی الگ پاور اسٹیشن موجود تھا لیکن وہاں اس وقت بھی خاصی روشنیاں جل رہی تھیں۔

اوّل خان نے جزیرے پر برپا ہونے والے کہرام اور شور و غل پر قابو پانے کے لئے اباسین کے میگا فون سسٹم سے جو دھمکیاں نشر کی تھیں ان کے نتیجے میں پوری آبادی پر ایک غیر فطری سا سکوتِ مرگ چھایا گیا تھا جسے کہیں کہیں سے ابھرنے والی، بوڑھے اور شب بیدار مریضوں کی آہیں یا سہمے ہوئے بچوں کے رونے کی آوازیں توڑ رہی تھیں۔ آبادی کے بیشتر مکانوں میں ہونے والی روشنی سے وہاں بیداری کے آثار مل رہے تھے لیکن سڑکوں اور گلیوں میں حیرت ناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے جزیرے کے تمام باسی اپنے گھروں میں دبک کر اس طوفانِ بلا کی دوسری لہر کا انتظار کر رہے ہوں جس نے تھوڑی دیر پہلے ست بیلہ کی پُرسکون فضا کو بارود اور خون کی بُو سے بوجھل کر دیا تھا۔

"جزیرے کے لوگ بہت امن پرور اور قانون کے وفادار معلوم ہوتے ہیں" سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی ایک سڑک پر سے گزرتے ہوئے اوّل خان خود ہی بول پڑا۔

"جزیرے پر قدم رکھتے ہی تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کر لیا؟" میں نے سوال کیا۔

"خوفناک دھماکوں اور بھاری فائر کے نتیجے میں جزیرے کی سوئی ہوئی آبادی میں خوف و دہشت کی لہر دوڑ گئی تھی۔ عورتوں ... بچوں اور مردوں کا شور کانوں کے پردے پھاڑے دے رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ سب دہشت زدہ ہو کر اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تو گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جائے گا۔ اوپن شوٹنگ میں ملا سرکار کے ساتھیوں کے ساتھ دس پانچ شہریوں کا مرجانا عین ممکن تھا۔ اس لئے میں نے پوری آبادی کو اگلا حکم ملنے تک ' خاموشی کے ساتھ اپنے گھروں کی چار دیواری میں محدود رہنے کا حکم دیا تھا۔ میں نے انتباہ کیا تھا کہ جو شخص اپنے گھر سے باہر نظر آیا ' اسے للکارے بغیر شوٹ کردیا جائے گا۔ میری وہ دھمکی کارگر رہی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ چڑیا کا بچہ بھی باہر نظر نہیں آرہا۔"

"وہ حکم تم نے کس اختیار کے تحت دیا تھا؟" میں نے سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔

"ایس ٹی ایف والوں کو ہر اختیار خود بخود حاصل ہوجاتا ہے۔ تم پھر بھول رہے ہو کہ ہم غیر سرکاری لوگ ہیں اور کسی قانون کے تحت کام کرنے کے پابند نہیں ہیں۔"

"یہی واقعہ کسی مہذب ملک میں پیش آیا ہوتا تو تم کو جزیرے کی پوری آبادی کو خوف زدہ کر کے حبسِ بے جا میں رکھنے کے سنگین الزام کا سامنا کرنا پڑجاتا۔"

وہ تلخ انداز میں ہنس دیا "تم کس مہذب ملک کی بات کررہے ہو؟ امریکا؟ روس؟ یا برطانیہ؟ ان میں سے تم کس کو مہذب سمجھتے ہو؟"

"روس کے علاوہ دونوں ہی مہذب اور ترقی یافتہ معاشرے ہیں جہاں انسانی حقوق اور آزادیوں کا پورا پورا احترام کیا جاتا ہے۔" ... میں نے اسے چھیڑنے کے لئے گمبھیر سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"جن ملکوں میں سارا کام صرف نام اور سَرنیم چلتا ہو ' جہاں کسی سے اس کے باپ کا نام پوچھنا سخت معیوب اور خلافِ تہذیب سمجھا جاتا ہو اور بیشتر نوجوان جوڑے پے در پے اپنے ساتھیوں کو تبدیل کر کے حرامی بچوں کو جنم دے رہے ہوں ' جہاں نہ صرف ان حرامی بچوں کو بلکہ ان کی ماؤں اور ان کے نامعلوم باپوں کو بھی قانون کا پورا تحفظ حاصل ہو ' ایسے اخلاق باختہ معاشروں کو میں نفس زدہ جانوروں کے جنگمٹے سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ چند برسوں کی بات ہے پھر شاید ملکہ معظمہ کی اولادیں بھی شادی کے چلن کو بھول کر کتے بلیوں کی طرح اپنے ساتھی تلاش کریں گی۔ ان لوگوں کے یہاں انسانی حقوق اور آزادیوں کا ایک ڈھونگ ضرور ہے مگر انہوں نے پوری پوری قوموں کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ آئرلینڈ ' جنوبی امریکا ' مشرق وسطی اور افریقہ میں ان کے قزاق فوجی کن ضابطوں پر عمل کرتے ہیں؟ ان کے ٹینک ہزاروں زندہ انسانوں کو روند کر خندقوں میں دفن کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ ان کے جہاز زہریلی گیسوں کے بم برساتے ہیں۔ ان کی ایم آئی اور سی آئی اے کیا کرتی ہے؟ انسانی حقوق کیا صرف انہی کے شہریوں کے لئے اتارے گئے ہیں؟ رنگ دار نسلوں والے انسان کیا چھوت کی بیماریاں پھیلانے والے کیڑے ہیں جنہیں موقع ملتے ہی چُن چُن کر ہلاک کردینا چاہئے؟ ہم لوگ جو کچھ کرتے ہیں ' وہ ان نام نہاد قوموں کے کالے کرتوتوں کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم اپنی سچ بات بھی دوسروں تک پہنچانے سے معذور ہیں اور مہذب قومیں مواصلات کے ہر منبع پر قابض ہیں۔ جب اور جہاں ان کے مفادات مجروح ہونے لگتے ہیں تو وہ اتنے تسلسل اور تواتر کے ساتھ ریڈیو ' ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعے جھوٹ بولنا اور پروپیگنڈا کرنا شروع کردیتے ہیں کہ تم جیسے سادہ لوح لوگوں کے پورے پورے انبوہ اُن کے دام میں آجاتے ہیں۔" اس کا لہجہ بہت تلخ تھا۔

"تم بلاوجہ جذباتی ہوگئے۔ میں تو تم سے مذاق کررہا تھا۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"میرے جذباتی ہونے کی وجہ تھی" وہ چیخ کر بولا "تمہارا اور ہمارا اشتراک ملا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کے حوالے سے ہوا ہے لیکن تمہیں اندر کے معاملات کا علم نہیں ہے۔ ہمیں خبریں ملی ہیں کہ ایک پڑوسی ملک کی شے پر امریکا سندھ کے معاملات میں گہری دلچسپی لے رہا ہے۔ اس کے بعض سفارت کار یہاں تخریبی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ ان کے مشتبہ لوگوں سے روابط ہیں لیکن ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ ایک ... بڑی طاقت کا معاملہ ہے اس لئے ہم اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور ہیں۔ وہ لوگ ملا سرکار کی پشت پناہی کررہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سکھر کے ان واقعات میں اُس کا نام اچھالا جائے تو وہ لوگ ست بیلہ میں مجرموں کی ایک بڑی تعداد کی تباہی اور ہلاکت پر واقعی انسانی حقوق کی پامالی کا اسکینڈل کھڑا کردیں۔ اسی وجہ سے میں تمہاری اس تجویز پر چونکا تھا کہ ہمیں ان واقعات سے ملا سرکار کا نام گول کردینا چاہئے۔"

اس بار اول خان کی باتیں سن کر میں بھونچکا رہ گیا۔ اسے میں نے شروع سے آخر تک صرف ملا سرکار کے بارے میں اعتماد میں لیا تھا۔ اسے ٹی سے میرے مراسم کا علم تھا نہ اس بین الاقوامی جرائم پیشہ تنظیم میں ویرا کے وجود کی بھنک مل سکی تھی۔ اسی طرح میں نے ملا سرکار کو اسلحہ کی فراہمی میں آرنیٹ نامی سفارت کار کی گہری دلچسپی کے بارے میں اسے کوئی بات بتائی تھی۔ مجھ پر اس وقت پہلی بار یہ راز فاش ہوا کہ اسپیشل ٹاسک فورس ملکی سلامتی کے بارے میں غیر ملکی ریشہ دوانیوں سے بڑی حد تک واقف تھی اور کوئی اہم پہلو اُن کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھا۔

"لیکن تم نے مجھ سے آج تک ان معاملات کا ذکر نہیں کیا؟" میں نے اُس سے شکوہ کیا۔

"ہم لاکھ آزاد اور خود مختار سہی لیکن پھر بھی ایک ڈسپلن کے پابند ہیں۔ ابھی تک تم ہمارے لئے ایس ٹی ایف سے باہر کے آدمی ہو اس لئے میں نے تم سے صرف مشترکہ معاملات پر گفتگو کی

تھی۔ اس وقت بھی تم مجھے تاؤ نہ دلاتے تو میں ان معاملات میں۔۔۔ بین الاقوامی طاقتوں کی دلچسپی کا ذکر نہ چھیڑتا۔ مجھے امید ہے کہ اس حساس موضوع پر میری گفتگو تم صرف اپنی ذات تک محدود رکھو

"میرے ساتھ بھی کچھ یہی صورت حال ہے۔ میرا خیال تھا کہ تم بعض باتوں کی اصل روح تک نہیں پہنچ سکو گے اس لئے میں نے تم سے ان کا ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی لیکن اب تمہاری باتیں سن کر مجھے احساس ہوا ہے کہ ہمیں اس بارے میں پہلے ہی دن تبادلۂ خیال کر لینا چاہئے تھا۔"

"تو کیا ملا سرکار کے مشن سے بین الاقوامی دلچسپیوں کے بارے میں تم بھی کچھ جانتے ہو؟"

"اس اعتبار سے بہت کچھ کہ تم نے صرف خبریں سنی ہیں جب کہ میں بعض واقعات کا چشم دید گواہ ہوں۔ اس تجربے سے گزرنے کے بعد مجھے ملّا سرکار ایک مہیب اژدہا نظر آنے لگا تھا۔"

"تم مجھے اس بارے میں بتاؤ" وہ ایک دم ہی پُرجوش نظر آنے لگا "ہم اگر اس سفارتی مجرم کے ہاتھ پیر توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو اس معاملے کو کم از کم اس حد تک ضرور لے جائیں گے جہاں یہ ملک چھوڑنا اُس کے لئے ناگزیر ہو جائے گا۔ ایسے موذیوں کی بیخ کنی ہمارا محبوب ترین مشغلہ ہے۔"

"تم نے آرنیٹ کا نام ضرور سنا ہو گا؟" میں نے اُس سے سوال کیا۔

"اچھی طرح سنا ہے۔ وہ اپنے مطلب کے لوگوں سے رابطے بڑھانے میں خاص مہارت رکھتا ہے اور ایک سفارت خانے کے کراچی کے کاؤنسلیٹ میں کام کرتا ہے۔"

"تم بالکل ٹھیک سمجھے۔ وہ پاکستان میں اپنے ان ایجنٹوں پر کڑی نگاہ رکھتا ہے جن کے جسموں میں اُن کی لاعلمی میں ننھے ننھے چپ پیوست کر دیئے گئے ہیں۔ جن سے نشر ہونے والے طاقتور ریڈیائی سگنل' آرنیٹ اپنے وڈیو مانیٹرنگ یونٹ پر وصول کرتا ہے اور ان کی مانیٹرنگ کے ذریعے وہ کسی بھی وقت کسی خاص شخص کی قیام گاہ کا سراغ لگا سکتا ہے۔ اُس نے اسی طرح میری ایک غیر ملکی دوست کا سراغ لگا کر' اپنے مقاصد کے ذریعے اسے فوری ملاقات کا پیغام بھیجا تھا۔ ملاقات۔۔۔ ہونے پر اس نے اپنے سفارتی فون پر اس لڑکی کی امریکا بات کروائی۔ اس کے ذریعے وہ ہتھیاروں کے ایک بہت بڑے اسمگلر پر دباؤ ڈالنا چاہتا تھا تاکہ بلیک کیٹ ٹی کو جلد از جلد ہتھیار فراہم کر دیئے جائیں۔"

"اب وہ لڑکی کہاں ہے؟" اوّل خان نے وہ کہانی سن کر اضطراری طور پر سوال کیا۔

"میں نے اس کے بدن سے چپ نکال کر اسے غائب کر دیا ہے۔"۔۔۔ میں نے ویرا کے بارے میں کوئی تفصیل ظاہر کئے بغیر سرسری طور پر بتایا "چپ پشاور روانہ کر دیا ہے۔ وہاں میرا ایک آدمی اسے کسی چیل یا عقاب کے پیر سے باندھ کر اسے اڑا دے گا تاکہ آرنیٹ اپنے وڈیو اسکینر پر سر کھپاتا رہے۔"

"ان لوگوں نے اپنی سازشوں پر عمل درآمد کے لئے جدید الیکٹرونک ایجادات سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ کشیدگی کے پچھلے دنوں میں ہماری تمام اہم دفاعی اور جوہری تنصیبات سے سازو سامان کی مشتبہ کھیپیں ہٹا دی گئی تھیں جن کے بارے میں شبہ تھا کہ ان میں ایسے سینسر چھپا دیئے گئے ہیں جن کے خود کار ریڈیائی اشارے حملہ آور طیاروں کی میلوں دور سے بالکل صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں۔ ان میں بعض سینسر ایسے بھی ہیں جو خاص ساخت کے میزائلوں کو اپنی طرف راغب کرتے ہیں۔ ایسی مشینیں جن تنصیبات میں موجود ہوں گی وہاں کسی بھی وقت کوئی میزائل پھینکا جا سکتا ہے جو ہر رکاوٹ کو توڑتا ہوا اپنے سینسر پر گرے گا اور ہر طرف تباہی پھیلا دے گا۔"

میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن اُسی وقت ایک قریبی گلی سے ایس ٹی ایف کے دو ہتھیار بند کمانڈو نکل کر ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان کا تعلق سولو بوٹ نمبر آٹھ اور نو سے تھا۔

تھوڑی دیر میں ہم چاروں گنیش آشرم کی سفید عمارت پر پہنچ گئے جہاں مشرقی سمت سے آنے والے چار کمانڈو ہم سے پہلے پہنچ کر پھاٹک پر قابض ہو چکے تھے۔

تفصیلی ہدایات دینے کے بعد اوّل خان نے اپنے دو جوانوں کو وہیں پھاٹک پر چھوڑا اور بقیہ چار کو اپنے ساتھ لے کر اس وسیع و عریض عمارت میں داخل ہو گیا۔

منقش چوبی پھاٹک کے دیو ہیکل سنگی ستونوں سے اندرونی درو دیوار تک گنیش آشرم کے چپے چپے پر رام' شیام' گنیش' کالی' لکشمی اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی ابھری ہوئی مورتیاں موجود تھیں جو پتھریلی سلوں پر بہت مہارت کے ساتھ تراشی گئی تھیں۔

پھاٹک سے داخل ہونے کے بعد ایک بڑی سی مسقف ڈیوڑھی تھی جس میں چھت سے کانسی اور چاندی کی بنی ہوئی بہت سی گھنٹیاں لٹک رہی تھیں۔ ان سب کو نیچے جھولتی ہوئی ایک ریشمیں ڈوری سے اس طرح منسلک کیا گیا تھا کہ ڈوری کھینچتے ہی وہ تمام گھنٹیاں اپنے مخصوص ترنم میں بیک وقت بج اٹھتی تھیں۔ اس ڈیوڑھی میں دونوں طرف بغلی کمرے تھے جو اس وقت تاریک اور ویران پڑے ہوئے تھے۔

"جو جہاں ہے' وہیں رہے! حرکت کرنے والے کو چھلنی کر دیا جائے گا" اوّل خان کے آدمی دو ٹکڑیوں میں ان دونوں کمروں میں گھس گئے۔ اپنی سرچ لائٹس کی روشنی میں انہوں نے سوئچ بورڈ تلاش کر کے کمروں کو روشن کر دیا تھا۔

کمروں میں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ ڈیوڑھی سے آگے دالان تھا جس میں کھلے آسمان کے نیچے ایک چبوترہ تھا اور دیواروں کے ساتھ کل چھ دروازے نظر آ رہے تھے جو شاید کمروں میں کھلتے تھے۔ ڈیوڑھی کے بالکل سامنے برجیوں اور کلسوں والی ایک مندر

نما عمارت تھی جس میں روشنی نظر آ رہی تھی۔
ان چاروں جوانوں نے تیزی کے ساتھ ان کمروں کا بھی جائزہ لے ڈالا جن میں رہائش کے جملہ آثار ہونے کے باوجود کوئی موجود نہیں تھا۔
"معلوم ہوتا ہے کہ گنیش آشرم والے بھی افراتفری میں نکل بھاگے ہیں۔ اب ہمیں مندر کے پیچھے والے میدان کو دیکھنا چاہئے۔ وہاں پر جلنے والی چتا کی ہلکی سی سرخی اب بھی فضا میں نظر آ رہی ہے۔"
میں نے اول خان کی رائے کی تائید کی اور ہم سب مندر کی طرف بڑھ گئے۔
وہاں کی نیم روشن اور پُراسرار فضا میں پہنچنے سے قبل ہی ہم دبی دبی سسکیوں کی آواز سن کر چونکتے ہوئے۔ دو رویہ سنگی مجسموں کے درمیان سے گزر کر ہم اندر پہنچے تو وہاں بھگوان کی قد آدم مورتی کے سامنے ایک موٹا تازہ، جٹا دھاری مہنت سر کے بل گرا ہوا گھٹ گھٹ کر رو رہا تھا۔ اس کا گیروا لبادہ اس کے اوپری بدن سے ڈھلک گیا تھا لیکن وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر بھگوان سے رشتہ جوڑنے میں منہمک تھا۔
جب ہمارے وزنی قدموں کی دھمک بھی اس کے استغراق میں خلل انداز نہ ہو سکی تو ہم جوتے اتار کر اندر داخل ہو گئے کیوں کہ وہاں ہندوؤں کی کسی عبادت گاہ کی سی پُراسراریت پوری طرح موجود تھی اور ہم اپنی محدود کارروائی میں مقامی ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔
"اے پنڈت!" اول خان نے اس کے قریب پہنچ کر اپنی رائفل کی سرد، آہنی نال سے اس عابدِ نیم شب کے برہنہ شانے کو چھوا تو وہ یوں اچھل کر سجدے سے اٹھا جیسے اس کے شانے پر بچھو آ گرا ہو۔
پتھر کے بھگوان اپنی ابدی لاتعلقی کے ساتھ جوں کے توں کھڑے ہوئے تھے۔ وہ بے چارے اپنی تخلیق کے لئے خود اپنے بندوں کی سنگ تراشی کے محتاج تھے اس لئے وہ اپنے پجاری کے لئے کیا کر سکتے تھے؟ ان کی پتھریلی نگاہیں خلا میں کسی نادیدہ نقطے پر مرکوز تھیں۔
اس ادھیڑ عمر شخص کے چہرے سے کھوپڑی تک، کہیں بھی کسی بال کا وجود نہیں تھا۔ داڑھی، مونچھوں کے ساتھ ہی شاید وہ بھویں بھی روز منڈواتا تھا اس لئے اُس کے چہرے کی جلد پر عجیب سی روغنی چمک موجود تھی لیکن ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور چہرے پر خوف کی علامات تھیں جیسے وہ اپنے بھگوان کے سامنے سربسجود ہو کر اپنے اعمال کے انجام سے پناہ مانگتا رہا ہو۔
"تمہارے علاوہ یہاں اور کون کون ہے؟" اول خان نے اس سے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر درشت لہجے میں سوال کیا۔
"کوئی نہیں، مہاراج! اس سمے تو میں اکیلا ہی ہوں" وہ گڑگڑا کر بولا۔
"ویسے یہاں اور کون کون ہوتا ہے؟" اول خان کی آواز کرخت اور تحکم آمیز ہی رہی۔ گیروے لبادے والے کی نرمی، عاجزی اور انکسار سے وہ کوئی اثر قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔
"صحن کی طرف بنے ہوئے کمروں میں پانچ پنڈت رہتے ہیں۔" وہ اشارہ کرتا ہوا بولا۔
"وہ کہاں ہیں؟"
"وہ سکھر گئے ہوئے ہیں، مہاراج!" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر گھگیاتا ہوا بولا۔
"کیوں؟" اول خان نے پیر پٹخ کر تند لہجے میں سوال کیا۔ وہ اس شخص کے مختصر ترین جوابات پر مشتعل ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا مگر میں نے دخل انداز ہونا مناسب نہیں سمجھا۔
"قسمت سے آج وہ سب ہی بیمار ہو گئے تھے۔ دو کو بخار چڑھ آیا تھا۔ تیسرے کو ہیضہ ہونے والا تھا۔ باقی دو بھی اونگھ رہے تھے۔ وہی تینوں ساتھیوں کو علاج کے لئے سکھر لے گئے۔"
"اور تم کون ہو؟" اول خان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔
"میں یہاں کا بڑا سیوک ہوں۔" اول خان کی چبھتی ہوئی نظروں کی تاب نہ لا کر اُس نے اپنا سر جھکا لیا۔ "میرا نام بخشی لعل ہے۔ میں نے اسی آشرم میں ہوش سنبھالا تھا۔"
"تھوڑی دیر پہلے یہاں کون لوگ آئے ہوئے تھے؟" اس کی حیثیت کا تعین ہوتے ہی اول خان نے اپنے ترکش سے اہم ترین سوال کا تیر داغ دیا۔
"کچھ مُسلے تھے" اس نے قدرے سہمی ہوئی آواز میں کہا "وہ سب ہتھیار بند تھے۔ انہوں نے مجھے کمرے سے نکال کر یہاں گھسیٹر دیا۔ باہر کافی دیر تک انہوں نے سبھا جمائی۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ وہ یہاں کیا کرتے رہے۔ میں تو بری گھڑی کا اندازہ لگاتے ہی یہاں رام کے قدموں میں گر گیا تھا۔ تم نے ہی آ کر مجھے ہوش دلایا ہے ورنہ میں تو اتنی دیر تک اپنے آپے میں ہی نہیں تھا۔ من میں ڈوب کر بھگوان کی پرارتھنا کر رہا تھا۔"
"تم نے یہاں سے ابھرنے والی چیخ سنی تھی؟" اول خان کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔
اس نے پورے اعتماد کے ساتھ اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔
"بعد میں خوب گولیاں چلیں، لوگ مارے گئے، پورا جنگل چیخوں سے لرز رہا تھا۔ اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟" اول خان نے پوچھا۔
بھوؤں کے فطری سائے سے محروم اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ تحیّر زدہ معصومیت کے ساتھ بولا "تم مجھ سے سوگند لے لو جو میرے پاپی کانوں نے کچھ بھی سنا ہو۔ میرا تو خیال ہے کہ تم

مجھ سے مذاق کر رہے ہو یا میں اب بھی کوئی سپنا دیکھ رہا ہوں۔"

اس کے جواب پر اوّل خان غضب ناک ہو گیا "مندر کے پچھلے میدان میں آگ کس نے لگائی ہے؟"

"مجھے ذرا سی مہلت دے دو۔" وہ ہانپتا ہوا بولا "میں باہر نکل کر آشرم کا ایک چکر لگا لوں، تب ہی ان باتوں کا کوئی جواب دے سکوں گا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میری بے خبری میں یہاں کیا اَنیائے ہوا ہے۔ وہ ہتھیار بند مُسلے ابھی یہیں دندنا رہے ہیں یا جا چکے ہیں؟ مجھے بس مہلت دے دو۔"

چند ثانیوں قبل وہ کہہ چکا تھا کہ باہر صحن میں مسلّح مسلمانوں نے کافی دیر تک اپنی سبھا جمائی تھی۔ اس طرح اُس نے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی آمد اور روانگی کے وقت سے باخبر تھا جب کہ فوراً ہی، دوسرے سانس میں، وہ ہربات سے لاعلمی ظاہر کر رہا تھا۔ وہ بہت باریک نکتہ تھا جسے شاید اول خان نوٹ نہیں کر سکا لیکن میں ابتدا ہی سے اس گفتگو کا ایک ایک لفظ پوری توجہ سے سن رہا تھا۔

اس وقت تک بخشی لعل کی اداکاری بہت کامیاب اور ہر شک و شبے سے بالاتر تھی لیکن اس کی غلط بیانی کا احساس ہوتے ہی یک بیک میرے دماغ میں گرمی چڑھ گئی۔

میں نے پوری قوت سے اس کے پُرگوشت رخسار پر ایک تھپڑ رسید کیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا ایک مورتی سے جا ٹکرایا "ہائے رام! تم مجھ پر یہ اَنیائے کیوں ڈھا رہے ہو؟"

"میں تیری ہڈیاں توڑ دوں گا" میں نے اس کے گھٹنے پر پوری قوت کے ساتھ ٹھوکر رسید کی اور وہ اپنی بے ساختہ چیخ پر قابو نہ رکھ سکا "ہم صرف سچ سننے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ اگر تو نے ہمیں چکر دینے کی کوشش کی تو پیچھے جلتی ہوئی چتا میں تو بھی زندہ مرے گا اور کوئی تجھے بچانے کے لئے نہیں آئے گا۔"

وہ مضبوط اور جان دار آدمی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس نے جھوٹ بولنے کی تیاری کی ہوئی تھی اس لئے میرے پہلے وار کو جھیل گیا اور مزاحمت پر تل گیا۔

اس کا اصرار تھا کہ اس نے جو کچھ کہا اسے سچ مان لیا جائے اور میری چھٹی حس اس کے بیان میں سفید جھوٹ کے علاوہ کچھ اور دریافت نہیں کر سکی تھی۔

اول خان کو شاید اس کی معصومانہ گفتگو نے متاثر کیا تھا اس لئے وہ اس پر ہاتھ اٹھانے میں پہل نہ کر سکا لیکن جب میں نے بخشی لعل کے چہرے پر پہلا تھپڑ رسید کیا تو غنیمت یہ ہوا کہ اول خان نے حیرت کے باوجود زبان نہیں کھولی اور خاموشی کے ساتھ اس تماشے کا نیا انداز دیکھتا رہا۔

مجھے یقین ہو گیا تھا کہ بخشی لعل جھوٹ بول رہا تھا اس لئے میں نے اس پر بے رحمانہ تشدّد شروع کر دیا۔ مندر نما اس عمارت میں اس کی کریہہ چیخیں گونج رہی تھیں۔ اس کے گیروے لبادے کا اوپری پلو فرش پر گھسٹ رہا تھا، وہ میری مار سے بچنے کے لئے بار بار پہلو بدل رہا تھا لیکن اس وقت اسے کہیں امان نہیں تھی۔

ایک بار موقع پاتے ہی وہ بھونڈے انداز میں اچھل کر صحن کی طرف بھاگا لیکن اس بار اوّل خان کے ایک آدمی نے اس کے لبادے کا لہراتا ہوا پلو تھام کر اسے روکا، بخشی لعل نے پلو چھڑا کر اسی طرح آگے بھاگ نکلنے کے لئے جب پورا زور لگایا تو اس آدمی نے اچانک ہی لبادے کا سرا چھوڑ دیا اور بخشی لعل مُنہ کے بل فرش پر جا پڑا۔

"ہمارے نرغے میں" وہ کراہتا ہوا زمین سے اٹھا تو اس کے دہانے، ناک اور پیشانی کے زخموں سے خون کی دھاریں بہہ نکلی تھیں۔ مفت کے حلوے مانڈے پر پلا ہوا اس کا بدن ڈھیلا پڑ چکا تھا اور وہ بری طرح خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔

"بول، ورنہ اب میں فائر کر کے تیری پنڈلیاں چھلنی کر دوں گا۔" میں نے اس کی پنڈلیوں کا نشانہ لیتے ہوئے غرا کر کہا۔

"یہاں نہیں۔" وہ دونوں ہاتھ فضا میں لہرا کر گڑگڑایا۔ "مجھے کسی محفوظ جگہ پر لے چلو۔"

اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر میری طرف دیکھا اور میری معنی خیز نظروں کا سامنا کرتے ہی بوکھلا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہم تیرے باپ کے نوکر نہیں ہیں۔ بولنا ہے تو یہیں بول ورنہ مرنے کے لئے تیار ہو جا!" میں نے اسے گھورتے ہوئے قہربار لہجے میں پھنکارا۔

"میں مار دیا جاؤں گا۔" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی، خوف زدہ آواز برآمد ہوئی "تم اُسے نہیں جانتے، وہ ہزار آنکھیں رکھتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اب بھی یہیں کہیں چھپا ہوا ہو۔ زبان کھولتے ہی مجھے مار ڈالے گا۔"

"یہ خطرہ تجھے مول لینا پڑے گا۔" میں نے بڑھ کر اس کی گردن پر ایک زوردار ہاتھ رسید کرتے ہوئے کہا کیونکہ اس کا چہرہ اس دوران میں بری طرح خون آلود ہو چکا تھا اور میں اس کے گندے خون میں اپنے ہاتھ آلودہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"وہ ...... وہ مسلے نہیں تھے!" وہ رک رک کر سرگوشیانہ آواز میں بولا۔

"ابے! تو کیا تیرے باپ تھے؟" اس کی آڑ موڑ سے میرا پارہ پھر چڑھنے لگا۔

میرے بگڑتے ہوئے تیور دیکھ کر وہ فوراً ہی بول پڑا "ملّا سرکار اپنے آدمیوں کے ساتھ آیا تھا۔"

"تو نے اُس کا نام لیا ہے لیکن دیکھ لے کہ کہیں سے گولی چلی نہ کوئی پتھر آیا۔ اب خیریت چاہتا ہے تو رکے بغیر پوری کہانی سناتا چلا جا ورنہ ہم تیرے بیان کے محتاج نہیں ہیں۔"

اُس کا بیان بہت طویل اور پُرپیچ تھا۔ اپنی صفائی پیش کرنے کی

کوشش میں اُس نے کئی بار ضمنی کہانیاں بھی شروع کردیں۔ مگر میں نے دخل اندازی کر کے اسے اصل موضوع تک محدود رہنے پر مجبور کردیا۔

بخشی لعل بھی بلیک کیٹ ٹی کو ملاّ سرکار ہی کے نام سے جانتا تھا لیکن دوسروں کے برعکس اسے یہ معلوم تھا کہ ملاّ سرکار جعلی پیر ہے اور روپ بدل کر انڈین سیکرٹ سروس کے کسی بڑے مشن پر کام کررہا ہے۔ وہ ڈاکوؤں اور بدمعاشوں کی سرپرستی کرتا تھا۔ اس لئے اُس سے بخشی لعل کی روح فنا ہوتی تھی۔

ملاّ سرکار بخشی لعل کے بچپن کے ایک دوست کی چٹھی لے کر اُس سے ملا تھا۔ وہ دوست برصغیر کی تقسیم کے وقت سکھر سے بھارت چلا گیا تھا اور وہیں مقیم تھا۔ جب تک ملا سرکار کی پیری مریدی کا جعلی دھندا نہیں جما' وہ کبھی کبھار گنیش آشرم آیا کرتا تھا۔ وہاں وہ لوگوں سے ملتا ملاتا بھی تھا لیکن اپنی سرگرمیوں کا دائرہ بڑھانے کے ساتھ ہی اس نے بخشی لعل کو بلیک میل کرنا شروع کردیا۔ نچلے درجے کے سیاہ کار سادھوؤں اور پجاریوں کی طرح بخشی لعل بھی عورتوں کا رسیا تھا۔ اپنا شوق پورا کرنے کے لئے اس نے ٹونے ٹوٹکے اور جادو منتر کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا جس کی آڑ میں وہ توہّم پرست اور پریشان عورتوں کا شکار کھیلا کرتا تھا۔ آشرم میں رہنے والے دوسرے پنڈت بھی دامن بچا کر اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھولیا کرتے تھے اس لئے ست بیلہ کے سادہ لوح شہریوں کو ان مقدس کمینوں کی اصلیت کا علم ہی نہیں ہوسکا۔

ملاّ سرکار کسی پیشگی پروگرام کے بغیر ہی اچانک گنیش آشرم پہنچتا تھا اور براہ راست بخشی لعل کے سر پر مسلّط ہونے کی کوشش کرتا تھا اس لئے اس نے کئی بار بخشی لعل کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ بخشی لعل نے پنڈتوں کی طرح' ملاّ سرکار کو بھی سُندر ناریوں کی پیشکش کر کے اسے اپنے رنگ میں رنگنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ ملا سرکار پیدائشی اور گھاگ سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ شاید وہ جانتا تھا کہ ایک اچھے سیکرٹ ایجنٹ کو بھرپور کامیابی کے لئے شراب اور شباب سے دور رہنا چاہئے اس لئے اُس نے بخشی لعل کی ایسی ہر رشوت کو ہنس کر ٹال دیا لیکن جب اس کے پہلے مطالبے پر بخشی لعل نے گنیش آشرم میں تخلیہ فراہم کرنے سے انکار کیا تو ملاّ سرکار نے اسے دھمکی دی کہ وہ ست بیلہ والوں کو اس کے کالے کرتوتوں سے باخبر کردے گا اور بستی کی ان عورتوں کو پنچائیت میں کھڑا کردے گا جنہیں اس نے بچشم خود بخشی لعل کے ساتھ دیکھا تھا۔

بخشی لعل کی پرورش ہی حرام پر ہوئی تھی۔ وہ آشرم کے نذرانوں وغیرہ سے محروم ہونے کے بعد اپنے لئے دو وقت کی روٹی بھی نہیں کما سکتا تھا اس لئے اس نے ملا سرکار کے ہاتھوں بلیک میل ہونا قبول کرلیا۔

بخشی لعل کے ساتھ رہنے والے پنڈت پانڈے یہ سمجھ کر آشرم سے غائب ہوجاتے تھے کہ شاید بخشی لعل کے پاس ست بیلہ کی کوئی معزز عورت آنے والی ہوگی۔ ملا سرکار اپنے کسی آدمی کے ذریعے بخشی لعل کو پیغام بھجواتا تھا۔ پھر مقررہ وقت پر قریبی گھاٹ سے گنیش آشرم پہنچ جاتا تھا۔

آشرم میں دور دور کے نامی گرامی قاتل' ڈاکو اور رسّہ گیر ملاّ سرکار سے ملنے آتے تھے۔ بخشی لعل کو ان کی محفلوں میں بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ جب تک گنیش آشرم پر ملاّ سرکار' اس کے چیلوں اور ملاقاتیوں کا قبضہ رہتا' وہ کسی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح احاطے میں چکراتا رہتا اور ان سب کے رخصت ہونے کے بعد اپنے کمرے میں گھس کر سو جاتا۔

رفتہ رفتہ ملاّ سرکار کے ارادتمندوں کا حلقہ اتنا وسیع ہوگیا کہ اس کے ست بیلہ آنے سے پہلے دس بیس ہتھیار بند ڈاکو خاموشی کے ساتھ جزیرے کے مشرقی گھاٹ پر اتر کر اپنی خفیہ کمین گاہوں میں رینگ جاتے۔ وہ گھاٹ گنیش آشرم سے بہت قریب تھا اور ملاّ سرکار بھی اپنی آمد و رفت کے لئے اسی گھاٹ کو پسند کرتا تھا کیونکہ اس طرح وہ آبادی میں داخل ہوئے بغیر اور مختصر سا فاصلہ طے کر کے آشرم میں پہنچ جاتا تھا۔

اس رات ملاّ سرکار بہت مختصر سی مدت کے نوٹس پر ست بیلہ پہنچا تھا۔ اس کے قاصد کے آتے ہی بخشی لعل نے اپنے ساتھیوں کو سکھر روانہ کردیا تھا۔

بخشی لعل کے بیان کے مطابق وہ اس بھاری مسلّح نفری کی آمد سے بے خبر تھا جو دوسرے گھاٹوں سے جزیرے پر اتری تھی البتہ اس رات گنیش آشرم آنے والوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔

آٹھ دس خطرناک ڈاکو ملاّ سرکار کے ساتھ آئے تھے پھر آدھی رات گزرنے کے بعد' گنیش آشرم سے باہر پہرا دینے والے' چار افراد کو اپنے ہتھیاروں کی زد پر قیدی بنا کر لائے تھے۔ وہ چاروں ہی سادہ لباس میں ملبوس تھے۔ بخشی لعل سے میں نے ان کے جو حلئے سنے ان کے مطابق ان میں انسپکٹر اسد علی بھی تھا۔

ایک بجے کے بعد سردار رجب علی' غلام رسول کے ہمراہ ست بیلہ پہنچا تھا۔ ان کی گنیش آشرم میں آمد پر سردار رجب علی سے ملا سرکار کی خاصی تلخ کلامی ہوئی جس کے نتیجے میں ملا سرکار نے اپنے ہاتھ سے' بے آواز پستول کی ایک گولی رجب علی کے سینے میں اتار دی اور وہ بھیانک چیخ مار کر ختم ہوگیا۔

بخشی لعل کے لئے وہ تجربہ بہت ڈراؤنا تھا۔ ملاّ سرکار کے سارے ملاقاتی اس کے ہاتھ پیر چوم کر اس سے ادب و احترام سے ملتے تھے اور دھیمی' عاجزانہ آواز میں گفتگو کیا کرتے تھے جب کہ اس رات رجب علی نے اونچی اور غصیلی آواز میں ملاّ سرکار کو دل کھول کر گالیاں سنائی تھیں اور اس پر بہت سے الزامات بھی عائد کئے تھے۔

دوسری بڑی بات یہ تھی کہ ملاّ سرکار نے برسہا برس سے گنیش آشرم کو اپنا گڑھ بنایا ہوا تھا لیکن وہاں کبھی کسی کی نکسیر تک نہیں

ئی جا رہی تھی۔ دھیمی آوازوں میں ہدایات اور معلومات کا تبادلہ
ا اور صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے وہ سب گنیش آشرم سے نکل
تے لیکن اس رات ملاّ سرکار نے مشتعل ہو کر اپنے ہاتھوں سے
ب علی کا خون کیا تھا۔ غصے میں وہ اس حد تک دیوانہ ہو گیا تھا کہ
نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر سب پر گرجنا برسنا شروع
دیا جس کی وجہ سے بخشی لعل کو وہاں ہونے والے پورے کھیل
علم ہو گیا۔

غلام رسول، سردار رجب علی کو کچھ ضمانتیں دے کر ست بیلہ
تھا۔ ملاّ سرکار نے گرما گرمی میں اسے مار ڈالا تو غلام رسول نے
طراری طور پر احتجاج کیا اور اس وقت ملاّ سرکار نے غصے میں
ے چاروں سادہ پوش پولیس والوں سمیت گنیش آشرم کے تہ
نے میں بند کرا دیا جس کا راستہ مندر میں رام کی مورتی کے عقب
واقع تھا۔

اس کے بعد ملاّ سرکار کو ہوش آیا تو اسے سردار رجب علی کی
ں کی فکر ہوئی۔ اس کے ساتھ آنے والوں نے پیشکش کی کہ وہ
لاش کو دریا میں دبا دیں گے یا بیڑی میں اپنے ساتھ لے جا کر
ے جنگل میں کہیں بہا دیں گے مگر ملاّ سرکار نے ان میں سے کوئی
ز قبول نہیں کی۔ سردار رجب علی اس علاقے کا بڑا اور با اثر
تھا۔ اس کے قتل کی بھنک ملتے ہی اس کے حامی مشتعل ہو کر ملاّ
ار سے باغی ہو سکتے تھے۔ لیلیٰ دتی کے اغوا کے بعد سردار رجب
نے اپنے آدمیوں میں ملاّ سرکار پر الزام تراشیاں شروع کر دی
ں۔ اس موقع پر یک بیک اس کی لاش دریا یا جنگل سے برآمد
ی تو سردار رجب علی کا قتل براہِ راست ملاّ سرکار کے کھاتے میں
ہ دیا جاتا۔

سردار رجب علی کی لاش کا نام و نشان مٹانے کے لئے ملاّ
ار نے اپنے آدمیوں سے مندر کے عقب میں واقع آشرم کے
طے میں چتا تیار کرائی اور رجب علی کی لاش پر گیلنوں مٹی کا
چھڑک کر اسے آگ لگوا دی۔ وہ اپنے آدمیوں سمیت وہاں
ر' لاش کے راکھ ہو جانے کا انتظار کر رہا تھا کہ اچانک کسی
ب سے ایک بے آواز گولی آئی اور ان سب کے سروں پر سے
ر گئی۔

اس واقعے نے ملاّ سرکار کو بدحواس کر دیا۔ اسے گمان ہوا کہ
طرح مسلح آدمیوں نے جزیرے کو اپنے حفاظتی حصار میں لیا
تھا' اسی طرح سردار رجب علی کے کچھ حامی بھی جزیرے میں
ے میں کامیاب ہو گئے تھے اور ایک بے آواز فائر کرنے کے بعد
ی بھی لمحے گنیش آشرم پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔
اس وقت بخشی لعل کو پہلی بار علم ہوا کہ ملاّ سرکار کے ساتھ
رم میں داخل ہونے والوں کے علاوہ بھی بہت سے لوگ جزیرے
پھیلے ہوئے ہیں اور فضا پر خون ریز تصادم کا سنگین خطرہ منڈلا رہا

ابھی ملاّ سرکار کسی نتیجے پر پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ فضا آٹومیٹک رائفل کے ہولناک فائر سے لرز اٹھی۔ اسی کے ساتھ متعدد لرزہ خیز انسانی چیخیں بھی فضا میں ابھریں۔

سب لوگ سمجھے کہ سردار رجب علی کے آدمیوں نے دھاوا بول دیا ہے۔ ملاّ سرکار نے "بھاگو" کا نعرہ لگایا اور وہاں بدترین افرا تفری پھیل گئی کیونکہ چیخوں کے ساتھ ہی ست بیلہ پر ہر طرف گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں اور جزیرے کے خوابیدہ مکینوں نے بھی نیند سے اٹھ کر دہشت سے چیخنا چلّانا شروع کر دیا تھا۔

پل بھر میں میدان صاف ہو گیا اور بخشی لعل کھلے آسمان تلے تنہا کھڑا رہ گیا۔

اسے اندازہ تھا کہ وہ قیامت خیز فائرنگ اور ہلاک و زخمی ہونے والوں کی فلک شگاف چیخیں سکھر تک کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیں گی اور کسی بھی لمحے پولیس جزیرے پر قابض ہو جائے گی اس لئے وہ دوڑتا ہوا مندر میں گیا اور رام کی مورتی کے سامنے اپنا سر زمین پر ٹیک کر خوف سے رونے لگا۔

سب کچھ اتنی تیزی کے ساتھ اور اس قدر غیر متوقع طور پر ہوا کہ پانچوں قیدیوں کو تہ خانے سے نکال لے جانے یا مار ڈالنے کے بارے میں ملاّ سرکار کچھ سوچ ہی نہیں سکا۔

ایک لمحے کے لئے بخشی لعل نے بھی ملاّ سرکار کے پیچھے فرار ہونے کے بارے میں سوچا لیکن فوراً ہی وہ ارادہ ترک کر دیا۔ وہ بھاگ جاتا تو ان واقعات کی پوری ذمے داری اسی پر ڈال دی جاتی۔ اس کے ناقابلِ ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری ہو جاتے اور وہ زندگی بھر کسی شہر کا رخ کرنے کے قابل نہ رہتا۔

اس کے لئے جنگلوں میں محرومی اور بے بسی کی پُرصعوبت زندگی گزارنے سے بہتر تھا کہ پولیس کا سامنا کیا جاتا اور گیان دھیان کی اثر انگیز کہانی تراش کر اپنا دامن صاف رکھنے کی کوشش کی جاتی۔

○☆○

تہ خانے کا مقفل دروازہ کھلوا کر ان پانچوں کو باہر نکالا گیا تو انسپکٹر علی اسد ملاّ سرکار کے سامنے بے بس ہو جانے پر خفت کا شکار ضرور تھا مگر اسی کے ساتھ بہت زیادہ مشتعل بھی تھا کیونکہ اس نے ملاّ سرکار کی اس رات کی مجلس میں ابتدا سے ہی شرکت کی تھی اور وہ ہر بات کا چشم دید گواہ تھا۔

اس نے بھی کم و بیش وہی باتیں دہرائی تھیں جن کا اعتراف بخشی لعل کر چکا تھا۔ اگر اس میں کوئی اضافہ ہوا تھا تو وہ انسپکٹر اور اس کے آدمیوں کے پکڑے جانے کی کہانی تھی۔

انسپکٹر علی اسد ست بیلہ کے گرد پولیس کا محاصرہ قائم ہونے سے پہلے ہی اپنے تین سادہ پوش، مسلح ماتحتوں کے ہمراہ اس جزیرے پر پہنچے اور پھر گنیش آشرم کے قریب چھپنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے بیڑیوں میں سوار، مسلح ڈاکوؤں کے جتھوں

کوست بیلہ کی طرف آتے دیکھا تھا پھر اپنے قریبی کناروں پر ان کی
موجودگی بھی محسوس کی تھی۔
ملا سرکار کے جزیرے پر وارد ہونے کے بعد اس کے محافظ
بہت چوکنے ہو گئے تھے۔ انسپکٹر کو یقین تھا کہ وہ لوگ محفوظ اور
حریف کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے لیکن حقیقت یہ تھی کہ گھنے
جنگلات میں اپنے شب و روز گزارنے والے ڈاکوؤں اور قاتلوں
کے حواس خمسہ بہت صیقل ہو چکے تھے۔ ان کی آنکھیں کسی آلے
کی مدد کے بغیر' اندھیرے میں دور تک دیکھ سکتی تھیں اور ان کے
کان پتا کھڑکنے کی موہوم سی آواز بھی سن لینے پر قادر تھے۔
وہ لوگ انسپکٹر وغیرہ کو تاڑ چکے تھے۔ اندھیرا گہرا ہو جانے پر'
انہوں نے شکاری چیتوں کی طرح خاموشی اور مکاری کے ساتھ اس
چار نفری ٹیم پر دھاوا بولا اور آناً فاناً میں انہیں غیر مسلح کر کے اپنا
قیدی بنا لیا۔
انسپکٹر اور اس کے ماتحت ہتھیاروں کی زد پر گنیش آشرم میں
لائے گئے تو کئی ڈاکوؤں اور مجرموں نے ان نیک نام پولیس افسران
کو پہچان لیا۔
ملا سرکار بہت انا پرست آدمی تھا۔ اس نے انسپکٹر کو اس کی
مکمل بے بسی کا احساس دلانے کے لئے اپنے تین آدمیوں کی نگرانی
میں اپنے قریب ہی موجود رکھا۔ اس طرح ان چاروں سادہ پوشوں
کو غلام رسول کے ہمراہ' سردار رجب علی کی آمد دیکھنے اور جھگڑا
سننے کا موقع مل گیا۔
سردار رجب علی کے قتل پر غلام رسول نے لب کشائی کی
جرات کی تو ملا سرکار نے طیش کے عالم میں غلام رسول کے ساتھ
ان چاروں کو بھی تہ خانے میں ڈلوا دیا۔
انسپکٹر' غلام رسول جیسے دوغلے سیاسی رہنما کے گھناؤنے کردار
کے بارے میں فون پر میری گفتگو سن چکا تھا لیکن پھر بھی اسے سردار
رجب علی کے ہمراہ' ملا سرکار کے روبرو آتے دیکھ کر اسے شدید
ذہنی صدمہ پہنچا جس پر وہ آخری لمحات تک غالب آنے میں
کامیاب نہ ہو سکا۔
اسے قلق اس بات کا تھا کہ لاقانونیت' امن وامان کی بگڑتی
ہوئی صورتِ حال' اور ڈکیتی کی بڑھتی ہوئی وارداتوں میں وڈیروں
اور زمینداروں کے ساتھ ہی نام نہاد سیاسی رہنماؤں کے ملوث
ہونے کے بارے میں اسے نجی ذرائع سے کچھ معلومات حاصل ہوئی
تھیں جن کے سہارے اس نے متعدد مشتبہ افراد کی مستقل نگرانی
شروع کرائی ہوئی تھی لیکن پھر بھی غلام رسول اس کے چنگل سے صاف
بچا رہا تھا۔
تہ خانے کا دروازہ بند ہوتے ہی انسپکٹر' غلام رسول پر برس
پڑا۔ اس نے غلام رسول کو دل کھول کر ننگی ننگی گالیاں دیں۔ اسے
غدار اعظم اور اپنی ماں کا آشنا تک قرار دے ڈالا لیکن غلام رسول
نے اپنی مدافعت میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ وہ سر جھکائے اس کی

ساری الزام تراشیاں سنتا رہا۔
غلام رسول کی مسلسل خاموشی نے انسپکٹر علی اسد کو
مشتعل کر دیا اور وہ غصے میں بے قابو ہو کر اپنے شکار پر ٹو
غلام رسول ایک معزز گھرانے کا بگڑا ہوا آدمی تھا۔ دھول د
کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس نے اپنی مدافعت کرنے کی
کوششیں کیں لیکن بری طرح ناکام رہا۔
جب ہم نے اس کو تہ خانے سے باہر نکالا تو اس کا
شدید ضربات سے نیلا اور اودا ہو رہا تھا۔ نچلا ہونٹ پھٹا ہوا
داہنی آنکھ نیلی ہو کر اتنی سوج گئی تھی کہ اس کی وہ آنکھ تو
ہو کر رہ گئی تھی۔
تھوڑی دیر میں پولیس بھی ست بیلہ پہنچ گئی لیکن وہ لوگ
آشرم تک نہ پہنچ سکے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ
جیسی جگہ مجرموں کا اڈا بنی ہوئی تھی۔
یہ پولیس پارٹی اٹھارہ نفوس پر مشتمل تھی لیکن ان میں
انسپکٹر سے اونچے عہدے کا کوئی افسر نہیں تھا اس لئے
کمان انسپکٹر علی اسد کے ہاتھ میں ہی رہی۔
دریا عبور کرنے کے بعد ہم سب پولیس والوں کی پک اپ
لد کر سکھر کوتوالی پہنچے تو وہاں صبح صادق کا وقت ہونے کے
چہل پہل تھی اور نچلے درجے کے اہل کار پوری طرح چاق
نظر آ رہے تھے۔
"ڈی آئی جی صاحب بھی پہنچے ہوئے ہیں" انسپکٹر
میرے ہمراہ پک اپ سے اترتے ہوئے خود کلامی کے ا
بڑبڑایا "بس اب آئی جی صاحب کی کمی رہ گئی ہے۔"
سارے مجرم ست بیلہ پر ہی مارے گئے تھے۔ اس
مقابلے میں صرف دو قیدی ہمارے ہاتھ لگ سکے تھے جن
بخشی لعل اور دوسرا غلام رسول تھا۔
انسپکٹر علی اسد سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے
سلطان شاہ اول خان کے ساتھ چل رہے تھے۔ ہمارے پیچھے
کے سادہ پوش ماتحت دونوں قیدیوں کو ہتھکڑیوں میں لئے
تھے۔
ست بیلہ سے پولیس پارٹی کی واپسی کی خبر پوری کو
پھیل چکی تھی۔ اس پولیس آپریشن کی نوعیت اتنی اہم
ڈویژن کا اعلیٰ ترین پولیس افسر بھی بستر چھوڑ کر اپنے دفتر
مجبور ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں پولیس لائنز میں رہنے وا
افسران کو بھی منہ اندھیرے اپنی میٹھی نیند قربان کر کے دو
کوتوالی آنا پڑ گیا تھا۔
ہم لوگ سیڑھیاں طے کر کے برآمدے میں پہنچے ہی
ایک کمرے سے ڈی آئی جی' متعدد افسران کے جھرمٹ
بید ہلاتا ہوا نمودار ہوا۔
انسپکٹر علی اسد اس وقت یونیفارم میں نہیں تھا لیکن

نے کی وجہ سے اس نے اٹینشن ہو کر اپنے افسرِ اعلیٰ کو سیلوٹ کیا۔
"معلوم ہوتا ہے کہ آپریشن سے کامیاب لوٹے ہو" ڈی آئی
نے آگے بڑھ کر انسپکٹر کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مربیانہ
از میں کہا "تمہارے جوان تو خیریت سے لوٹے ہیں نا؟"
"یس سر! جزیرے پر ڈاکوؤں اور ان کے ساتھیوں کی ایک
تعداد ماری گئی ہے لیکن ہمارے کسی آدمی کی نکسیر تک نہیں
"البتہ زندہ صرف دو ہی آدمی ہمارے ہاتھ آسکے۔"
اس وقت پہلی بار ڈی آئی جی نے ہمارے پیچھے آنے والے
ں کو دیکھا۔
پہلے اس کے چہرے پر شدید حیرت اور بے یقینی کے آثار نظر
ے پھر اس نے بے اعتباری سے تقریباً ہکلاتے ہوئے انسپکٹر سے
ں کیا "کیا یہ غلام رسول صاحب ہیں؟"
"یس سر! آپ نے ٹھیک پہچانا۔ بدقسمتی سے یہ غلام رسول
ب ہی ہیں" انسپکٹر علی اسد نے مضبوط مگر سرد اور سپاٹ لہجے
کہا۔
"السلام علیکم سر!" ڈی آئی جی نے لپک کر غلام رسول کو سلام

میں نے مڑ کر دیکھا کہ غلام رسول کے مسخ شدہ چہرے پر سوجے
ئے ہونٹوں کے درمیان سے اس کے سفید دانتوں کی قطاریں
نکنے لگیں جیسے وہ مسکرا رہا ہو۔
غلام رسول کو تعظیم دیتے ہی ڈپٹی انسپکٹر جنرل غصیلے انداز میں
طر پر برس پڑا "تم نے ایسی معزز اور محترم ہستی کی یہ کیا درگت
ہوئی ہے؟ ان کے ہاتھ فوراً آزاد کرو۔"
"یہ معزز اور محترم ہستی رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہے سر۔"
طر کا لہجہ پُرعزم تھا "آپ دفتر میں میری کہانی سن لیں۔ پھر مجھے
م دیا جائے گا، قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے میں اس پر
کروں گا۔"
"انہیں ہتھکڑیوں سے آزاد کر کے عزت اور احترام کے ساتھ
ے دفتر میں لاؤ" ڈی آئی جی پیر پٹختے ہوئے دہاڑا اور اپنے ارد
د موجود لوگوں کو ڈس مس ہونے کی ہدایت دیتا ہوا تیزی کے
تھ اپنے دفتر میں داخل ہو گیا۔ انسپکٹر کے چہرے پر اپنی توہین کے
ماس سے غصے کی سرخی پھیلنے لگی۔
اس وقت تک انسپکٹر علی اسد کے ساتھیوں کو میری یا اوّل
ن کی اصلیت کی ہوا بھی نہ لگ سکی تھی۔ ڈی آئی جی کے غائب
تے ہی وہاں موجود لوگوں میں سنسنی خیز سرگوشیاں شروع ہو گئیں
کہ غلام رسول کو اس علاقے کا بچہ بچہ اچھی طرح جانتا تھا اور
ے اس کی خوبیوں کے گن گاتے نہیں تھکتے تھے۔
"غصہ تھوک دو اور وہی کرو جو ڈی آئی جی صاحب نے کہا ہے۔"
ا کے کسی شناسا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے
دہرایا "اس سے پہلے تمہاری کوئی بات نہیں سنیں گے۔"

"وہ بستر سے اٹھ کر دفتر میں آ بیٹھے ہیں، انہیں کچھ پتا نہیں کہ
ست بیلہ میں کیا ہوا ہے۔ انہیں میری رپورٹ لئے بغیر کوئی حکم
جاری کرنے کا حق کہاں سے مل گیا؟" علی اسد زخمی سانپ کی طرح
پھنکارا۔
"افسر افسر ہی ہوتا ہے" اسی مہربان نے مشورہ دیا "تم اس
سے بہت جونیئر ہو۔"
"میں کسی کا زر خرید غلام نہیں ہوں، تیمور خان" انسپکٹر علی
اسد دانت پیستے ہوئے دھیمی آواز میں بولا "میرا نام علی اسد ہے
اور میں صرف قانون کا غلام ہوں۔ میں اسے ہتھکڑی میں ہی ڈی
آئی جی صاحب کے کمرے میں لے جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ وہ میرا
کیا بگاڑ لیتے ہیں۔"
اس نے غصے میں دونوں قیدیوں کی ہتھکڑیوں کے کڑے اپنے
آدمیوں سے چھین لئے اور انہیں لے کر ڈی آئی جی کے دفتر کی
طرف چل پڑا۔
صورتِ حال غیر متوقع طور پر اچانک ہی مخدوش ہو گئی تھی۔
انسپکٹر دونوں قیدیوں کے ساتھ اکیلا ہی اپنے افسرِ اعلیٰ کے کمرے
میں جانے پر تُلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میں نے لپک کر دونوں زنجیروں کے
کڑے اس کے ہاتھ سے لے لئے اور ان میں سے ایک اول خان
کو تھما دیا۔ وہ میرے ساتھ ہی لگا ہوا تھا۔
"زنجیریں مجھے دو، میں اکیلا اندر جاؤں گا" وہ جھلائے ہوئے
لہجے میں مجھ پر غرایا "یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے۔ تم باہر کے آدمی
ہو، تمہیں درمیان میں آنے کی ضرورت نہیں۔"
"وہ ہمیں تمہارا سادہ پوش ماتحت سمجھتا رہے گا" میں نے
سرگوشیانہ لہجے میں کہا "یہ کسی کا نہیں، ملک و قوم کی سلامتی کا
معاملہ ہے۔ بات اتنی بڑھ گئی ہے کہ غلام رسول کو اس وقت کوتوالی
سے جانے کی اجازت مل گئی تو وہ سرحد پار کر کے ہمیشہ کے لئے
پڑوسی ملک میں روپوش ہو جائے گا اور ہمارے فرشتے بھی اس کی
گرد کو نہیں پا سکیں گے۔ ہمارا ساتھ رہنا ہر اعتبار سے سودمند
ثابت ہو گا۔"
اس رات انسپکٹر علی اسد بری طرح ناکام ہوا تھا۔ اس
آپریشن کا سارا کریڈٹ ہمیں جاتا تھا اس لئے وہ مجھ سے بحث
کرنے کی جرات نہ کر سکا، بس مجھے گھور کر رہ گیا۔
اس وقت تک خوف و دہشت سے بخشی لعل کی حالت بہت
ابتر ہو چکی تھی لیکن ڈی آئی جی کے احترام آمیز رویئے کی بنا پر غلام
رسول کا کھویا ہوا اعتماد قدرے بحال ہو چلا تھا۔
انسپکٹر کے پیچھے، ہم دونوں قیدیوں کو لے کر ڈی آئی جی کے
وسیع و عریض کمرے میں داخل ہوئے تو اپنے محبوب رہنما کو بدستور
آہنی زیور سے آراستہ دیکھ کر اس کی کھوپڑی سنک گئی۔
"انسپکٹر!" وہ غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں بولا "کامیابی کے
گھمنڈ میں تم گستاخی اور حکم عدولی کے مرتکب ہو رہے ہو۔ میں نے

تمہیں حکم دیا تھا کہ غلام رسول صاحب کی ہتھکڑی کھول دو۔"

"ابھی یہ خطرناک مجرم میری تحویل میں ہے' سر! روزنامچے میں اس کی گرفتاری کا اندراج ہونے پر' آپ جو چاہیں' فیصلہ کر سکتے ہیں۔ میں اسے رہا نہیں کروں گا۔"

"رہا نہیں کرو مگر یہ ہتھکڑی کھول دو" وہ غصے میں اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا "تم نہیں جانتے کہ غلام رسول صاحب ڈی آئی جی ہیں۔ ہم محکمۂ داخلہ کی اجازت کے بغیر ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ اپنی اس حرکت پر تم اپنی نوکری سے معزول کئے جا سکتے ہو۔"

"خواہ میں نے اسے قتل میں مدد دیتے ہوئے' رنگے ہاتھوں پکڑا ہو؟"

"یہ جھوٹ اور افسانہ طرازی ہے" غلام رسول نے پہلی بار پُرسکون لہجے میں اپنی زبان کھولی۔

ڈی آئی جی کو اس کی آواز سنتے ہی جھٹکا سا لگا اور وہ بوکھلا کر بولا "سر! میں اپنے اس گستاخ ماتحت کی حرکتوں پر آپ سے سخت شرمندہ ہوں۔ آپ تشریف رکھیں۔ یہ ابھی خود آپ کی ہتھکڑی کھولے گا ورنہ میں اسی وقت اسے معطل کر کے لاک اپ میں ڈلوا دوں گا۔"

غلام رسول ایک کرسی پر جا بیٹھا میں نے اس کی زنجیر ڈھیلی کر دی اور کڑا تھام کر فدویانہ انداز میں اس سے قدرے دور کھڑا ہو گیا۔

"اس پر بدنصیبی کا سایہ منڈلا رہا ہے" غلام رسول نے بیٹھتے ہی بولنا شروع کر دیا "مجھے رات کو کچھ نامعلوم لوگوں نے اغوا کر لیا تھا۔ وہ مجھے یرغمال بنا کر میرے گھر والوں سے بھاری تاوان وصول کرنا چاہتے تھے۔ اغوا کرنے کے بعد انہوں نے مجھے بے ہوش کر دیا۔ مجھے ہوش آیا تو میں ایک تہ خانے میں قید تھا۔ اب سے کچھ دیر پہلے تمہارے ان سادہ پوش آدمیوں نے مجھے اس تہ خانے سے نکالا اور مجھے مارنا شروع کر دیا۔ اس وقت مجھے پتا چلا کہ میں سکھر کے بجائے ست بیلہ پہنچ چکا تھا اور گنیش آشرم کے تہ خانے میں قید تھا۔ وہ آشرم شاید ڈاکوؤں اور مجرموں کا اڈا بنا ہوا ہے۔ وہی لوگ مجھے اپنا یرغمالی بنائے ہوئے تھے لیکن تمہارے آدمیوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے کہ میں یرغمالی نہیں تھا بلکہ ڈاکوؤں سے ملا ہوا ہوں۔ میں انہیں یہ موٹی سی بات بھی نہیں سمجھا سکا کہ میں اگر ان کا ساتھی ہوتا تو تہ خانے میں اکیلا قید نہ ہوتا۔"

غلام رسول کے اس سفید جھوٹ پر میں بھونچکا رہ گیا۔ دہانہ وغیرہ زخمی ہونے کی وجہ سے اس کی آواز بگڑ گئی تھی لیکن اس نے اپنی من گھڑت کہانی ایسی معصومانہ سادگی کے ساتھ سنائی تھی کہ ڈی آئی جی جیسا خرانٹ اور تجربے کار افسر بھی اپنی عقیدت کی وجہ سے اس پر من و عن ایمان لے آیا۔

"یہ جھوٹ بول رہا ہے" انسپکٹر علی اسد اپنی بے توقیری پر تلملا کر بولا "اس کی اصلیت کا صرف میں ہی نہیں' میرے ساتھی بھی گواہ ہیں۔ بخشی لعل بھی بتائے گا کہ سچ کیا ہے اور جو کیا ہے۔"

"شٹ اپ!" ڈی آئی جی نے اسے پھٹکارا "تم جھوٹے سازشی ہو' مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تم جھوٹے کیس بنا کر شہرت حا کرتے رہے ہو لیکن اب میں تمہیں سیدھا کر دوں گا۔"

"میں ابھی اور اسی وقت اس نوکری سے استعفا دیتا ہو" انسپکٹر بھی بھڑ گیا۔

"استعفا!" ڈی آئی جی زہریلے انداز میں ہنسا "تم خود والے ہو' انسپکٹر! محکمے کے طریقۂ کار کو اچھی طرح جانتے ہو تحویل میں آیا ہوا ملزم موت کی آرزو کرتا ہے مگر ہم اسے کے لئے سسکا سسکا کر زندہ رکھتے ہیں۔ وہ ہر روز دسیوں با ہے اور زندہ ہوتا ہے لیکن اسے موت نہیں آتی۔ تم استعفا اتنی آسانی سے اپنی جان نہیں چھڑا سکتے۔ ویسے بھی تمہارے ا کی منظوری کا اختیار آئی جی صاحب کو ہے۔ تمہارے استعفے پہلے میں تمہیں اسی وقت معطل کر رہا ہوں اور تم کو لاک ا ڈال رہا ہوں۔"

اس نے اپنے اردلی کو بلانے کے لئے گھنٹی کے بٹن پر ا دی اور اس وقت تک نہیں اٹھائی جب تک بوکھلایا ہوا ار کے سامنے آ موجود نہ ہوا۔

"اکبر خان کو بلاؤ" ڈی آئی جی نے تحقیر آمیز انداز دیا۔ اردلی پھرتی کے ساتھ باہر نکل گیا۔

"یہ ظلم' اندھیر اور ناانصافی ہے" انسپکٹر نے تلخ احتجاج کیا "تم اپنی مرضی کے مطابق قانون کی دھجیاں سکتے' تمہیں اپنا فیصلہ بہت مہنگا پڑے گا۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ حوالاتیوں کو مخصوص اوقات میں سل کی سیر کرائی جاتی ہے" ڈی آئی جی ظالمانہ ہنسی کے سا "دو چار بار برف کی سل پر لٹا کر جوتے لگائے جائیں گے تو تم دماغ کے سارے کیڑے خود بخود جھڑ جائیں گے۔ دو ٹکے کے افسروں کو معززین اور شرفا کی عزت سے کھیلنے کی آزادی جا سکتی۔"

پھر وہ گفتگو میں کوئی وقفہ دیئے بغیر عاجزانہ لہجے میں غلا سے مخاطب ہو گیا "ہتھکڑیاں کھلنے کے بعد آپ یہاں سے جا لئے آزاد ہوں گے۔ میں اپنے اس نالائق ماتحت کی حرکتوں پر' آپ سے تہِ دل سے معافی کا خواستگار ہوں دیکھ لیا کہ اس نے اپنی حماقت کی کتنی بڑی قیمت ادا کی میں یہ ایک بااختیار پولیس انسپکٹر کے اعلیٰ منصب سے ایک حوالاتی ملزم بن گیا ہے۔"

"لیکن روزنامچے والی بات کا کیا ہو گا؟" غلام ر سلامتی کے کسی پہلو سے غافل نہیں تھا۔

"اسے بھول جائیں۔ ایک ملزم کو سرکاری ریکارڈ تک رسائی حاصل نہیں ہوتی۔ میں سب کچھ ٹھیک کرلوں گا۔ اگر آپ محکمۂ داخلہ سے اس واقعے کی شکایت نہ کرنے پر رضامند ہوجائیں تو اس پورے واقعے میں سرے سے آپ کا ذکر ہی نہیں آنے پائے گا۔ ایسی معمولی باتیں ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے" غلام رسول نے قدرے توقف کے بعد فراخ دلانہ لہجے میں کہا "اسے سزا مل جانے کے بعد میرے لئے شکایت کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ لیکن اس محکمے کے افسروں کی تربیت پر توجہ دینی بہت ضروری ہے۔"

اس دوران میں میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ ڈی آئی جی، غلام رسول کی خوشامد میں لگا ہوا تھا اس لئے مجھے آنکھوں ہی آنکھوں میں اول خان سے تبادلۂ خیال کا موقع مل گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ میرا ذہن پڑھ چکا تھا اور میں کسی بھی فیصلہ کن اقدام کے لئے اس گھناؤنے کھیل کے اختتام کا منتظر تھا۔

لمحہ بھر بعد ہی بھاری بدن والا، ایک پستہ قامت ڈی ایس پی اپنی پتلون کی بیلٹ درست کرتا ہوا کمرے میں آیا اور ڈی آئی جی کو سیلوٹ کرکے اس کی میز کے سامنے منجمد ہوگیا۔

"علی اسد معطل ہوچکا ہے۔ تلاشی لے کر اسے غیر مسلح کردو اور اس کی جیب سے ہتھکڑیوں کی چابی نکال کر مجھے دے دو۔" ڈی آئی جی نے ڈی ایس پی کو حکم دیا۔

اول خان نے اپنی جگہ سے حرکت کرنی چاہی لیکن میں نے اسے گھور کر وہیں روک دیا۔

ڈی ایس پی اکبر خان نے علی اسد کی جیب سے چابیاں نکال کر اپنے افسرِ اعلیٰ کی خدمت میں پیش کردیں۔

"اسے لے جاؤ اور فی الحال لاک اپ میں ڈال دو" ڈی آئی جی نے اسے اگلا حکم دیا۔

اس کے چہرے پر لمحہ بھر کے لئے خفیف سی حیرت تیرتی ہوئی نظر آئی جو فوراً ہی معدوم ہوگئی۔ اس نے نہایت سرد مہری کے ساتھ علی اسد کو اپنے ساتھ آنے کی ہدایت کی تھی۔

اس لمحے مجھے اندازہ ہوا کہ ملازمتوں میں پیشہ ورانہ رقابت کیسے کیسے رنگ دکھاتی ہے۔ ہم لوگ اس وقت سکھر کی کوتوالی میں موجود تھے لیکن انسپکٹر علی اسد خیرپور تھانے کا افسر تھا جسے سردار رجب علی کے خطرے سے نمٹنے کے لئے خصوصی طور پر سکھر طلب کیا گیا تھا۔ وہ طلبی جہاں علی اسد کے لئے اعزاز کی بات تھی وہاں سکھر کے افسران کے لئے اس کی آمد شاید بغض وحسد کا باعث بن گئی تھی۔ اسی لئے علی اسد کے خلاف حکم سن کر اکبر خان نے کسی ہمدردانہ ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا اور مشینی انداز میں اسے وہاں سے حوالات کی طرف لے جانا چاہ رہا تھا۔

اس اثنا میں ڈی آئی جی نے بہت چابک دستی کے ساتھ غلام رسول کی ہتھکڑی کھول دی تھی۔

"میں تمہاری فرض شناسی اور اہلیت سے متاثر ہوا ہوں" غلام رسول نے گرمجوشی کے ساتھ ڈی آئی جی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "میں اپنے تلخ تجربے کی کوئی باقاعدہ رپورٹ تو نہیں کروں گا لیکن افسرانِ بالا سے تمہارے لئے انعام اور تعریفی سند کی سفارش ضرور کروں گا۔"

"یہ میرے لئے بہت بڑی عزت افزائی ہوگی" وہ کھیسیں پھیلا کر بولا۔

غلام رسول جانے کے لئے نکاسی کے راستے کی طرف مڑا لیکن میں نے للکار کر اسے وہیں روک دیا۔

"جو جہاں ہے، وہیں ٹھہرا رہے۔ یہ بازی اب ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

میری آواز سن کر انسپکٹر علی اسد اس کمرے سے باہر نکلتے نکلتے پلٹ پڑا۔ اس کے چہرے پر شادیٔ مرگ کی سی عجیب کیفیت طاری ہوگئی تھی کیونکہ اسے ناامیدی کے اندھے کنوئیں میں امید کی بھرپور ندا سنائی دی تھی۔

اکبر خان بھی حیران وپریشان کمرے میں لوٹ رہا تھا۔

میری آواز سنتے ہی ڈی آئی جی غصے میں آگ بگولا ہوگیا۔ اس کی دانست میں ایک سادہ پوش سپاہی کی وہ جرات ناقابلِ معافی تھی۔ اس کا ہاتھ فوراً ہی اپنے بیلٹ ہولسٹر کی طرف گیا تھا۔

"ہینڈز اپ!" اول خان نے نہایت پھرتی کے ساتھ اپنی جدید ترین، خودکار رائفل ڈی آئی جی پر تان لی۔

اس لمحے ان لوگوں کو پہلی بار کسی گڑبڑ کا ادراک ہوا کیونکہ اس جدید ترین ساخت کی رائفلیں پولیس کے اسلحہ خانے میں سرے سے موجود ہی نہیں تھیں۔

میں نے وقت ضائع کئے بغیر ڈی آئی جی اور اکبر خان کو غیر مسلح کردیا۔

"تم لوگ کون ہو اور یہاں کیسے آئے ہو؟" ڈی آئی جی نے پہلی بار پُرتشویش انداز میں ہم دونوں کی اہمیت کو سمجھنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ اسپیشل ٹاسک فورس کے اعلیٰ افسران ہیں" ہم سے پہلے ہی انسپکٹر علی اسد فخریہ لہجے میں بول پڑا "سادھو بیلہ میں پولیس فورس کی طرف سے ایک گولی بھی نہیں چلائی گئی۔ ڈاکوؤں کا سدباب ان ہی کے جوانوں نے کیا ہے اور یہ لوگ اول سے آخر تک سارے واقعات کے عینی شاہد ہیں۔"

"اسے دوبارہ ہتھکڑی لگادو" میں نے اکبر خان کو ہدایت کی اور غلام رسول کا متورم چہرہ یک بیک تاریک پڑگیا۔

"میں اباسین کا فرسٹ ان کمانڈ ہوں" اول خان نے رائفل اپنے شانے سے لٹکا کر اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالا اور ڈی آئی جی کی طرف بڑھا دیا۔

اس کاغذ پر نگاہ پڑتے ہی ڈی آئی جی کا چہرہ دھلے ہوئے کپڑے

کی طرح سفید پڑ گیا اور وہ عجیب سے انداز میں اپنی کرسی پر گر گیا۔
"میں آپ لوگوں کو اپنے محکمے کا سپاہی سمجھ رہا تھا" وہ نحیف آواز میں بولا۔
"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن ہم نے یہاں جو کچھ دیکھا اور سنا' وہ سب شرمناک ہے۔ انسپکٹر علی اسد کی معطلی اور غلام رسول کی رہائی کے احکام تم نے کس اختیار کے تحت دیے تھے؟" اول خان نے سخت اور تحکمانہ لہجے میں سوال کیا "کیا کسی بہروپیے کے چہرے سے نقاب ہٹا دینا اتنا ہی سنگین جرم ہے؟"
"مجھے قانون کی متعدد دفعات کے تحت صوابدیدی اختیارات حاصل ہیں" ڈی آئی جی نے کمزور مدافعانہ لہجے میں کہا "میرے دونوں احکام قانونی اعتبار سے بالکل درست اور جائز ہیں۔"
"مجھے قانون نہ پڑھاؤ آفیسر" اول خان اسے خشمناک نظروں سے گھورتے ہوئے بولا "صوابدیدی اختیارات صرف مفادِ عامہ میں اور قانون کی بالادستی کے لئے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ ذاتی پسند اور ناپسند یا انا کی خاطر نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ تم نے دونوں معاملات میں اپنے اختیاراتِ منصبی سے سنگین تجاوز کیا ہے۔"
"اگر آپ کی یہ رائے ہے تو میں نادم ہوں اور اسی وقت اپنے احکام واپس لیتا ہوں" اس کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔ اول خان کے باوقار رویئے نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔
غلام رسول ہتھکڑی لگنے کے بعد دوبارہ کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ میں نے بڑھ کر اس کی پنڈلی پر ٹھوکر رسید کی اور غرّا کر کہا "کھڑے ہو جاؤ اور فوراً سچ اگلنا شروع کر دو ورنہ تم ڈی آئی جی صاحب کی زبانی' ان کے محکمے کا طریقۂ کار سن ہی چکے ہو۔ وہ انسپکٹر پر نہیں' اب تم پر آزمایا جائے گا۔"
"مجھے کچھ نہیں معلوم کہ تم لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
"دروازہ بند کرکے اندر سے بولٹ کرلو" میں نے سرد لہجے میں اکبر خان سے کہا اور اس کا سروس آٹومیٹک اسے لوٹاتے ہوئے بولا۔ "ہم قانون کے پشت پناہ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم کوئی جذباتی حماقت نہیں کروگے۔ ہماری شناخت تمہارے ڈی آئی جی صاحب نے دیکھ لی ہے۔"
"لیس اکبر" ڈی آئی جی نے میری تائید کی "یہ فیڈرل اتھارٹی کے تحت کام کر رہے ہیں' ہمیں ان سے پورا پورا تعاون کرنا ہوگا۔ اس میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں رہی ہے۔"
اکبر خان نے دروازہ بند کرکے اندر سے بولٹ چڑھا دیا اور پستول ہولسٹر میں اڑس کر وہیں جم گیا۔
"ملّا سرکار کو تم نے کب سے اپنا باپ بنایا ہوا ہے؟" میں نے غلام رسول کو گھورتے ہوئے بے رحمی سے سوال کیا۔
"میں کسی ملّا سرکار کو نہیں جانتا" اس نے کسی ضدی بچے کی طرح اپنا سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

میرے اور اول خان کے علاوہ' اس وقت تک کسی کو غلام رسول کے گھناؤنے کرتوتوں کا پوری طرح علم نہیں تھا۔ انسپکٹر کو صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ غلام رسول کی ملّا سرکار کے ساتھ ملی بھگت ہے۔ یہ بات بھی میں نے اسے فون پر بتائی تھی اور قدرے تردّد کے بعد اس نے میرے الزامات کو قبول کرلیا تھا۔
"مجھے مجبور نہ کرو کہ اسے تمہارے رُوبرو لانا پڑے۔ ہم نے تم پر کچّا ہاتھ نہیں ڈالا ہے۔ تم سے پہلے وہ ہماری تحویل میں آچکا ہے اور اُس نے سب کچھ اگل دیا ہے۔ تمہیں سزا دلوانے کے لئے ہمارے پاس متعدد ٹھوس شہادتیں ہیں۔ اس وقت تو میں تمہاری زبان سے ڈی آئی جی کو تمہارے کرتوت سنوانے چاہتا ہوں۔"
میرے اس انکشاف نے غلام رسول پر بہت برا اثر ڈالا اور اس کے تنے ہوئے شانے یک بیک نیچے ڈھلک گئے۔ ملّا سرکار کی گرفتاری کی خبر اس کے لئے ذہنی صدمے سے کم نہیں تھی۔
"اس نے تمہیں ایک طاقتور ٹرانسیٹر دیا ہوا تھا جس پر تم دونوں' جب چاہتے ایک دوسرے سے رابطہ کرسکتے تھے۔ پچھلی رات بھی تم اس سے باتیں کرتے رہے۔ تمہیں اندازہ ہوچکا تھا کہ ملّا سرکار' سردار رجب علی کو قتل کرنے کا مصمم ارادہ کرچکا ہے لیکن پھر بھی تم اسے گھیر گھار کر ست بیلہ لے آئے کیونکہ ملّا سرکار تمہیں بلیک میل کرنے پر تُل گیا تھا اور تم اپنی عزت اور ساکھ کی بربادی کا صدمہ جھیلنے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ تمہارے دوسرے جرائم کی تفصیل الگ ہے لیکن سردار رجب علی کے قتل کی سازش تیار کرنے اور قتل میں اعانت کے جرائم بہت واضح ہیں۔ یہ تمہیں پھانسی کے پھندے تک نہ بھی لے جاسکے تو تمہیں لمبی مدت کی سزا ضرور ہو جائے گی۔"
"تم اتنا کچھ جان چکے ہو تو اب مجھ سے کیا سننا چاہتے ہو؟" غلام رسول نے تھکی ہوئی' شکست خوردہ آواز میں کہا۔
میرے تلے حملوں نے اس کی مدافعانہ صلاحیتوں کو تباہ کرکے رکھ دیا تھا۔ اسے ڈی آئی جی کی حمایت سے جو عارضی سہارا مل گیا تھا وہ بھی ختم ہوچکا تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اول خان کو ملی ہوئی فیڈرل اتھارٹی نے ڈی آئی جی کی انا کے غبارے سے ساری ہوا نکال کر اسے کیچوے کی طرح حقیر اور بے ضرر بنا دیا تھا۔ ڈی آئی جی کی شرمناک پسپائی کے بعد' غلام رسول میرے مقابلے میں تنہا رہ گیا تھا اور میں اس کے بارے میں اتنا کچھ جان چکا تھا کہ صرف باتوں ہی باتوں میں اسے لبِ گور پہنچانے میں کامیاب ہوسکتا تھا۔
لیکن ملّا سرکار کی عبرتناک موت کے بعد غلام رسول واحد اور بڑا مجرم تھا جو قانون کی تحویل میں آسکا تھا۔ جو کچھ ہونا رہا تھا وہ ماضی بن چکا تھا اصل اہمیت اس بات کی تھی کہ ماضی کے تجربوں سے کوئی سبق سیکھ کر آئندہ کے لئے ایسی منصوبہ بندی کی جائے کہ کوئی غلام رسول یا ملّا سرکار ملک کی بنیادوں میں

بھر سکے۔ اس کے لئے غلام رسول کا زندہ رہنا ضروری تھا۔ اس کے تفصیلی بیان کی بہتیری کڑیاں ہمارے کام آسکتی تھیں۔

"ہم شروع سے اب تک پوری کہانی سننی چاہتے ہیں" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"غلام رسول! تم پر لعنت ہو' میں مر کر بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ تم جیسا مثالی کردار کا حامل سیاست داں بھی ملک و قوم کا اتنا بڑا غدار ثابت ہو سکتا ہے" ڈی آئی جی نے غصیلے اور ملامت آمیز لہجے میں کہا "تم اچھی طرح جانتے ہو اور میرا خدا اس بات کا گواہ ہے کہ میں نے ان معزز افسروں کے سامنے تمہاری جو حمایت کی' اس میں میری ذات کے کسی مفاد کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس وقت تک میں تمہاری گھناؤنی اصلیت کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ میں صدقِ دل سے وہی کچھ کہہ رہا تھا جو سمجھتا تھا۔ تم نے اپنے ساتھ میرا بھی مُنہ کالا کردیا ہے۔"

"تو پھر تھوک دو میرے چہرے پر" غلام رسول نے سرد اور عجیب سی آواز میں کہا "مجھے ذبح کردو۔ مجھے تماشا بنانے کی کوشش کیوں کررہے ہو؟"

"تم زندہ رہو گے غلام رسول! تم کو قانون کی عدالت کا سامنا کرنا ہوگا۔ تم پر جرح ہوگی' بال کی کھال نکالی جائے گی۔ تمہارے دوست' رشتے دار' گھر والے اور بال بچے تمہیں کوڑھی سے زیادہ برا سمجھنے لگیں گے۔ ملاّ سرکار کا ساتھ دے کر تم نے بھری دنیا میں یکہ و تنہا رہ جانے کا پورا بندوبست کرلیا ہے۔ غداروں کے لئے عبرت کا نمونہ بن جانا تمہارے لئے نوشتۂ دیوار ہے۔ اس ہولناک انجام سے دنیا کی کوئی طاقت تمہیں نہیں بچاسکے گی" میں نے اسے اندر سے بالکل ہی توڑ پھوڑ دینے کی نیت سے نہایت سرد اور سفاکانہ لہجے میں امکانات کی منظر کشی کرتے ہوئے کہا۔

"میں تخلئے میں کچھ بات کرنی چاہتا ہوں" اس نے وحشت زدہ انداز میں اپنے چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے کہا "کیا تم میری خاطر اس بھیڑ میں کمی کرسکتے ہو؟" ڈی آئی جی اس کی بات سن کر استفہامیہ انداز میں میری طرف دیکھنے لگا۔

"یہاں جو کچھ ہوا یا اب ہو رہا ہے' اس کے بارے میں تم اپنی زبان سختی کے ساتھ بند رکھو گے" قدرے توقف کے بعد میں نے ڈی ایس پی اکبر خان سے کہا "بخشی لعل کو لے جاؤ اور اس حرامزادے کا بیان قلم بند کرو۔ گنیش آشرم کو اسی مردود نے ملاّ سرکار کی محل سرا بنایا ہوا تھا۔"

اکبر خان سمجھ گیا کہ اس کی وہاں موجودگی غیر ضروری ہو چکی تھی۔ وہ زنجیر تھام کر بخشی لعل کو اس کمرے سے لے گیا۔ بخشی لعل' کوئیں سے نکلے ہوئے کسی زخمی گدھے کی طرح نہایت خاموشی اور دل سوزی کے ساتھ مسلسل آنسو بہانے میں مصروف تھا۔ اس کے نکل جانے کے بعد انسپکٹر علی اسد نے دروازہ دوبارہ بولٹ کرلیا۔

اس وقت کمرے میں میرے اور اول خان کے علاوہ ڈی آئی جی تھا یا انسپکٹر علی اسد۔ سلطان شاہ پہلے ہی باہر رک گیا تھا۔

"یہ کم از کم افراد ہیں۔ کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" ڈی آئی جی اس وقت بری طرح سہا ہوا تھا۔ اس کا سارا دبدبہ اور طنطنہ ہماری ایک ہی ہچکی میں رخصت ہو چکا تھا۔ اس نے غلام رسول کو مخاطب کرتے ہوئے ہم دونوں کے چہروں پر نگاہ رکھی تھی۔ ہم ذرا بھی برافروختگی کا مظاہرہ کرتے تو وہ دہل کر وہیں خاموش ہو جاتا۔

"ہم ... میری تیس کروڑ سے اوپر کی دیہی اور شہری جائداد ہے" غلام رسول نے تھوک نگلتے ہوئے رک رک کر' نیچی آواز میں کہنا شروع کیا "اس میں زرعی زمینیں بھی ہیں اور تجارتی عمارات بھی۔ یہ میری کُل بساط ہے۔ اس حد کے اندر میں تمہیں زبان بند رکھنے کا مُنہ مانگا معاوضہ دینے کو تیار ہوں۔"

اس کی پیش کش پر اول خان کا بھڑکنا فطری امر تھا لیکن میں نے اسے آنکھ مارتے ہوئے بات سنبھال لی "کیا یہ تمام زرعی' تجارتی اور رہائشی جائدادیں اور جاگیریں تمہاری اپنی ہیں؟"

"سو فیصد' میں بلا شرکتِ غیرے ان کا مالک ہوں" میرا رویہ اس کے لئے حوصلہ افزا ثابت ہوا تھا "اس میں کسی دوسرے کی ایک دمڑی بھی نہیں ہے۔ میرے بعد یہ میرے بیوی بچوں کا ہوگا۔"

"پورے قانونی اختیار کے ساتھ تم ان اثاثوں کی کتنی مالیت ہمیں منتقل کرسکتے ہو؟"

لمحہ بھر کے لئے وہ گہری سوچ میں پڑ گیا پھر تفکر آمیز لہجے میں بولا۔

"قانونی طور پر تو میں ڈیڑھ دو لاکھ سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ میرے سارے اثاثے دوسروں کے یا فرضی ناموں پر ہیں۔ ہاں' قبضہ میرا ہے۔ میں دو چار دن میں تمہاری مرضی کے مطابق انتظامات کرا سکتا ہوں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں خدمتِ خلق کے جذبے سے ان کے پاس دوسروں کے کام لے کر آتا ہوں اس لئے کوئی دیر نہیں لگاتا حالانکہ وہ سب میرے اپنے کام ہوتے ہیں۔"

"تیس کروڑ اور دو لاکھ" میں نے دھیمے سے کہا پھر پوچھا "تم انکم ٹیکس وغیرہ دیتے ہو؟"

"نہیں..." وہ بولا "ڈیڑھ دو لاکھ کی جو آبائی زمین ہے اس سے زرعی آمدنی ہوتی ہے جس پر عشر اور ڈھل وغیرہ تو ہے لیکن انکم ٹیکس نہیں ہے......"

"اس کا مطلب ہوا کہ تیس کروڑ میں تقریباً سارا ہی کالا دھن ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا "انکم ٹیکس کی چھوٹ ہے تو تم کروڑوں کی زرعی جاگیریں بھی دکھا سکتے تھے۔"

"جو لوگ سیاست میں کما کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور نمود و نمائش پر اتر آتے ہیں' وہ عموماً مُنہ کے بل گرتے ہیں اور ساکھ کھو بیٹھتے ہیں۔ میں بچ نوائی سے چلتا ہوں۔ ڈھنڈورا پیٹوں یا نہ پیٹوں' یہ سب میرا ہی ہے۔ میں نے یہ اثاثے اپنے خون پسینے سے بنائے

ہیں۔یہ سب میرے اپنے مسائل ہیں۔ تمہاری دلچسپی کی بات صرف یہ ہے کہ میں اپنے ان خطیر اثاثوں میں مُنہ مانگا حصہ دینے کے لئے تیار ہوں۔ اپنی ساکھ اور نیک نامی کے سہارے میں یہ نقصان جلد ہی پورا کرلوں گا۔"

"تمہارے ان اثاثوں کی تشکیل میں مّلا سرکار کا کیا رول رہا ہے؟" میں نے بھیجتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

میرے سوال پر وہ چونک پڑا اور الجھے الجھے انداز میں بولا۔ "ہمیں اب اپنی توجہ لین دین کے معاملے تک محدود رکھنی چاہئے۔ تم مجھے غیر ضروری باتوں میں الجھا رہے ہو۔"

میں نے پوری قوت سے اس کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا اور وہ کراہتا ہوا' کرسی سمیت پیچھے الٹ گیا۔

"رشوت سے تم جیسے خود غرض کمینوں اور بے ضمیروں کو خریدا جاسکتا ہے' غلام رسول!" میں نے اس کی پیشانی پر ٹھوکر رسید کرتے ہوئے کہا "میں تو تجھے کرید رہا تھا' اب تجھے کروڑوں کے ان اثاثوں کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی۔ تیرے پاس یہ پیسہ کیسے اور کہاں سے آیا؟"

مجھے رشوت خوری پر آمادہ پاکر اس نے جو تھوڑی بہت ہمت پکڑی تھی' وہ پھر جواب دے گئی۔ اس بار میں نے اسے کرسی پر نہ بیٹھنے دیا بلکہ اس کے روبرو ہی کھڑا رہا۔

چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے کمزور آواز میں 'ایک بار پھر ہمیں لالچ دینا چاہا اور اس بار انسپکٹر علی اسد غضب ناک تیوروں کے ساتھ اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے غلام رسول کو پشت کے بل قالین پر گرایا اور اس کے سینے پر سوار ہوکر اس کے سر اور چہرے پر مکّوں کی برسات کردی۔

غلام رسول کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیوں کا جوڑا لگا ہوا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کے ہاتھ پشت پر لاکر نہیں باندھے گئے تھے ورنہ گرتے ہی اس کا کوئی بازو ٹوٹ سکتا تھا۔ اس وقت اُس کے دونوں ہاتھ سلامت تھے لیکن وہ ان سے کوئی کام نہیں لے سکتا تھا۔

اس نے انسپکٹر کی وحشیانہ ضربات کو تڑپ تڑپ کر بچانا چاہا لیکن انسپکٹر دن رات ضدی مجرموں کی سرکوبی کا تجربہ رکھتا تھا۔ اس کا کوئی بھی وار رائیگاں نہیں گیا لیکن اس نے اتنی احتیاط ضرور رکھی تھی کہ اس کی مار سے غلام رسول مرنے یا بے ہوش ہونے کی منزل تک نہ پہنچ سکے۔ وہ ہانپتا ہوا' غلام رسول کے سینے پر سے اترا تو غلام رسول کا خون میں ڈوبا ہوا' ورم آلود چہرہ کسی ایسے ہیوی ویٹ باکسر کی یاد دلا رہا تھا جو پورے پندرہ راؤنڈ تک رِنگ میں اپنے مضبوط حریف سے مار کھاتا رہا ہو۔

غلام رسول کے سارے کس بل نکل گئے تھے۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ وہ ہم لوگوں کو کسی بھی صورت میں اپنے فرائض سے انحراف پر آمادہ نہیں کرسکے گا بلکہ خود اپنی مشکلات میں اضافہ کرتا رہے گا اس لئے اُس نے ہتھیار ڈال دیئے اور مشینی انداز میں ہمارے ہر سوال کا جواب دیتا چلا گیا۔

اس کی زبان سے تیس کروڑ کے اثاثوں کا ذکر سن کر میں ششدر رہ گیا تھا۔ کسی نیک نام سیاست داں کے لئے اس قدر مال دار ہونا کوئی اچھا شگون نہیں تھا اور وہ میرے لئے ایک نئی بات بھی تھی اس لئے میں نے اپنی بازپُرس کی ابتدا اسی موضوع سے کی جس کے نتائج محیر العقول تھے۔

مّلا سرکار کے نمائندے کی حیثیت سے غلام رسول کے ڈاکوؤں سے کوئی مراسم نہیں تھے لیکن ایک جاگیردار کے طور پر اس کی صرف سردار رجب علی سے دوستی تھی۔ یہ دوستی ان دنوں سے چلی آرہی تھی جب رجب علی ڈاکو نہیں بنا تھا لیکن سکھر میں اپنی دلیری اور بے خوفی کی بنا پر خاصا نام پیدا کرچکا تھا۔

جب وقت بدلا اور رجب علی نے ڈاکے ڈالنے شروع کئے تو قانون کی گرفت سے بچنے کے لئے وہ اِدھر اُدھر چھپتا رہا۔ اسی دوران میں غلام رسول نے کئی بار اسے اپنی زمینوں پر پناہ دی کیونکہ اس ابتدائی دور میں سندھ کے گھنے جنگلات ڈاکوؤں کی باقاعدہ پناہ گاہوں میں تبدیل نہیں ہوئے تھے۔

ان احسانات کے بدلے میں' سردار رجب علی نے ایک انتخابی مہم کے موقع پر غلام رسول کو خطیر مالی امداد فراہم کی۔ غلام رسول کا حریف زبردست مالی حیثیت کا حامل تھا اور پیسے کے بل اسمبلی میں پہنچنے کا پختہ عزم لئے بیٹھا تھا۔ رجب علی کی مالی امداد اونٹ کے مُنہ میں زیرہ ثابت ہوئی۔ اس علاقے کی بڑی بڑی برادریوں کے سربراہ امیدواروں سے کھل کر سودے بازی کررہے تھے۔ غلام رسول اپنے حریف سے ہر اعتبار سے بہتر تھا لیکن دونوں کے مالی مطالبات کے نیلام میں بولی لگانا اس کے بس سے باہر تھا۔

ان دنوں سردار رجب علی نے غلام رسول کو مّلا سرکار سے ملوایا۔ وہ مّلا سرکار کے مشن کا درمیانی دور تھا۔ وہ ایک عالم با عمل کی حیثیت سے کوٹ مندو میں اپنے پنجے گاڑنے میں کامیابی حاصل کرچکا تھا اور دوسرے مرحلے میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کے لئے کوشاں تھا۔ اسے غلام رسول کی ذات میں سرمایہ کاری سود مند نظر آئی۔ اس نے غلام رسول کی انتخابی مہم کے لئے مُنہ مانگی رقم فراہم کی اور غلام رسول اس کے احسانات کی گٹھری اپنے سر پر لادے' اسمبلی میں پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔

غلام رسول کے مُنہ کو خون لگ گیا تھا۔ پیسے کی طاقت اس کے لئے کرسی کے انعام کی صورت میں سامنے آئی تھی اس لئے اس کی دبی دبی خواہشات کے اظہار پر مّلا سرکار نے اسے پیسہ بنانے کے گُر سکھانے شروع کردیئے جن میں اناج کی سرحد پار اسمگلنگ سب سے آسان تھی۔ دو مرتبہ غلام رسول کی وی آئی پی کار' ہیروئن کی کھیپ پولیس چوکیوں کے درمیان سے گزار کر مقامی خریداروں تک پہنچانے کے لئے استعمال کی گئی جس کے صلے میں اسے بھاری رقمیں ملیں۔

جوں جوں غلام رسول جرائم میں ملوث ہوتا چلا گیا' اسی طرح ملاّ سرکار بھی بتدریج اس کے سامنے کھلتا رہا اور جب غلام رسول کو علم ہوا کہ ملا سرکار مقامیوں کو سرحد پار لے جا کر تخریب کاری کی تربیت دلاتا ہے تو اس کے لئے واپسی کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا تھا۔

اسی دوران میں سرحدوں پر گڑبڑ کے آثار نمودار ہوئے تو مالدار ہندو سندھ سے فرار ہونے لگے۔ ملاّ سرکار کے ایما پر غلام رسول نے انھیں اپنا مال و اسباب اور نقدی سرحد پار لے جانے میں بھرپور مدد دی جس کے انعام میں وہ ہندو اپنی جائدادوں کے مختار نامے اس کے نام پر بنوا گئے۔ بعد میں ملا سرکار نے اسے بتایا کہ جانے والے ہندوؤں کو پڑوسی ملک میں' ان کی چھوڑی ہوئی زمینوں اور جائدادوں کا معاوضہ دے دیا گیا تھا اور پاکستان میں متروکہ' ایسی ساری املاک اس کی ہو چکی تھیں جن کے مختار نامے اس کے نام پر بنے ہوئے تھے۔

غلام رسول نے تجربے کی غرض سے چند سودے کئے اور جب کسی بھی مرحلے پر کوئی دشواری پیش نہ آئی تو اس نے مختار ناموں پر اکتفا نہ کرتے ہوئے ایسی تمام جائدادیں اپنے گھر والوں' غریب اور اَن پڑھ رشتے داروں اور فرضی ناموں پر منتقل کرالیں جن کا تخمینہ وہ ڈیڑھ لگاتا تھا۔

اپنی کامیاب انتخابی مہم کے کٹھن دنوں میں غلام رسول نے ملا سرکار کی بتائی ہوئی جس دلدل میں پہلا قدم رکھا تھا وہ روز بہ روز گہری ہوتی چلی گئی اور جب اس نے متروکہ جائدادوں کی رجسٹریاں مکمل کرائیں تو وہ گردن تک اس دلدل میں غرق ہو چکا تھا۔ ملا سرکار کی ذات سے خوف محسوس کرنے کے باوجود وہ اس سے ترکِ تعلق کی کوئی کوشش کرنے کی جرات نہیں کرسکا۔ اوّل تو وہ ملا سرکار کے یک طرفہ احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ دوم وہ یہ جانتا تھا کہ ملا سرکار اس سے ناراض ہوا تو اس کے گھپلوں کا راز فاش کر کے اسے دربدر ہونے پر مجبور کرسکتا تھا۔

پھر صوبے میں باحیثیت لوگوں کے اغوا اور تاوان کی وصولی کی کہانیاں چل پڑیں۔

اس وقت تک غلام رسول اسمبلی کے معزز رکن سے نیک نام سیاسی رہنما کے منصب پر آ چکا تھا۔

جب یکے بعد دیگرے اس کے کئی شناساؤں کو یرغمال بنا کر ان کی بساط کے عین مطابق زرِ تاوان کے مطالبے کئے گئے تو غلام رسول کے کان کھڑے ہوئے کیونکہ ملا سرکار اس سے اس کے ملنے جلنے والوں کے مالی حالات کے بارے میں کرید کرید کر معلومات حاصل کرتا تھا۔ غلام رسول کے استفسار پر اس نے اعتراف کرلیا کہ وہ غلام رسول کو اپنے مخبر کے طور پر استعمال کر رہا تھا۔

اپنے سیاسی منصب کی وجہ سے غلام رسول ذی حیثیت لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا تھا۔ مٹھی بند رہنے تک ملا سرکار اس سے اُن لوگوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا تھا جنہیں وہ ذاتی طور پر جانتا تھا لیکن بات کھل جانے کے بعد ملا سرکار اسے ان لوگوں کے نام فراہم کرنے لگا جن کے بارے میں اسے معلومات درکار ہوتی تھیں۔

غلام رسول کے لئے یہ احساس سوہان روح تھا کہ وہ ملا سرکار کے لئے جن لوگوں کے بارے میں معلومات فراہم کرتا' وہ بہت جلد کسی نہ کسی بڑی پریشانی کا شکار ہو جاتے تھے۔ کوئی قتل کردیا جاتا' کسی کے گھر ڈاکا پڑتا' کسی کو تاوان کے لئے یرغمال بنالیا جاتا یا کسی کا بچہ پُراسرار طور پر اٹھالیا جاتا۔

جب غلام رسول سے نہ رہا گیا تو اس نے ملاّ سرکار سے اس بارے میں شکوہ کیا۔

"میرے پاس قارون کا خزانہ نہیں ہے۔" برسوں گزر جانے کے باوجود غلام رسول کو ملا سرکار کا مکّارانہ جواب لفظ بہ لفظ یاد تھا۔ "میں تم جیسے دوستوں پر پانی کی طرح پیسہ بہاتا ہوں تو وہ کسی کان سے نہیں آتا۔ یہ پیسہ مجھے اسی سرزمین پر حاصل کرنا ہوتا ہے۔ پہلے صرف تم میرے دوست تھے جو سیاست میں کودے تھے۔ اب میرا حلقۂ احباب بہت وسیع ہو چکا ہے۔ میں ضرورت کے وقت اپنے دوستوں کے کام آنے کو عبادت کا درجہ دیتا ہوں۔"

اسی لمحے غلام رسول نے اندازہ لگالیا کہ ملاّ سرکار ملک نہ سہی' صوبے کی جڑوں تک میں اترنے کا تہیہ کرچکا ہے اور ایک دن ایسا آنے والا ہے جب وہ سندھ کا راسپوتین ثابت ہوگا جو کچھ نہ... ہوتے ہوئے بھی اپنے وقت کا بے تاج بادشاہ تھا۔

غلام رسول نے ملا سرکار کو ایسے نوجوان اور سرگرم سیاسی کارکنوں کے کوائف بھی فراہم کئے جو محرومیوں کے جہنم میں سلگنے کی وجہ سے سرکشی کی حدوں کو چھونے لگتے تھے۔ ملاّ سرکار کے کارندے ایسے نوجوانوں کے ذہنوں میں بغاوت کے جراثیم کی پرورش کرتے پھر مالی امداد کے بہانے ان کو اپنے مذموم عزائم کے لئے خرید لیا جاتا تھا۔ ایسے لڑکوں کو سرحد پار لے جا کر چار ہفتوں تک دہشت گردی اور گوریلا لڑائی کی تربیت دی جاتی تھی پھر دو ہفتوں تک سرکاری خرچ پر ہندوستان کے مشہور تاریخی اور تفریحی مقامات کی سیر کرائی جاتی تھی۔ اس سیر کے دوران میں سینئر اور تجربے کار انسٹرکٹر پاکستان اور نظریۂ پاکستان کے خلاف ان کچے ذہنوں کی برین واشنگ کرتے رہتے تھے۔

سرحد پار چھ ہفتے گزارنے کے بعد جب وہ لڑکے اپنے جسموں پر ہتھیار سجا کر اپنے ملک میں واپس آتے تھے تو پُرجوش سیاسی کارکن کے بجائے حد سے زیادہ خطرناک دہشت گرد اور گوریلے بن چکے ہوتے تھے۔

غلام رسول خاموش ہوا تو میں اسے سرد نگاہوں سے گھورنے لگا۔

"مجھے معلوم ہے کہ اب میں بچ نہیں سکتا۔" وہ بوکھلا کر بھرّائی ہوئی آواز میں بولا "میرے مقدر کا فیصلہ تم لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس لئے میں نے تمہیں بلا و کاست سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"سب کچھ نہیں بلکہ کچھ کہو۔ کام کی باتیں تم نے چھپائی ہیں جو تم سے اگلوائی جائیں گی۔"

"نہیں" وہ گھبرا کو بولا "میں نے دانستہ کچھ نہیں چھپایا۔ بھول چوک ہوگئی ہو تو اور بات ہے۔"

"تو ذرا سوچ کر بتاؤ کہ تم کبھی سرحد پار گئے ہو؟" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"گگ...... گیا ہوں!" وہ خوف زدہ لہجے میں بولا "ایک بار گیا ہوں۔ لیکن میرے اس سفر کا کہیں کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ میں نے وہ سفر ذاتی حیثیت میں خفیہ طور پر کیا تھا۔"

"غنیمت ہے کہ تمہارا حافظہ کام کر رہا ہے۔ تم وہاں کیوں گئے تھے؟"

"وہ سفر کر کے میں نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا لیکن ملا سرکار کا اصرار تھا کہ میرا وہاں جانا بہت ضروری ہے۔ سرحد پار تربیت حاصل کرنے والے لڑکوں کو جب یہ علم ہو گا کہ ان کے ہم وطن دانشور، معززین اور سیاست دان بھی ان کے سرپرستوں کے ساتھ ہیں تو ان کے حوصلے بلند ہوں گے۔ اس کا کہنا تھا کہ پاکستان سے کئی افراد ان تربیتی کیمپوں کے خفیہ دوروں پر آچکے ہیں۔ لیکن وہ اس کا بدترین فریب تھا۔ اپنے اُسی سفر کے نتیجے میں، مَیں آج اس حال کو پہنچا ہوں۔"

"اس سفر کا تمہاری حالت سے کیا تعلق نکل آیا؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"اس سفر سے پہلے میں ملا سرکار کی ہدایت پر جو کچھ کرتا رہا، وہ جرائم کے زمرے میں آنے کے باوجود سنگین نہیں تھا۔ کبھی بات کھل جاتی تو مجھے زیادہ سے زیادہ چند برس کی سزا کا سامنا کرنا پڑتا لیکن دہشت گردوں کے خفیہ تربیتی کیمپ کا دورہ مجھے غدار قرار دلوا سکتا تھا۔ میں نے جانے سے پہلے کہہ دیا تھا کہ جیسلمیر اور شاہ پور کے تربیتی اڈوں پر میری کوئی تصویر نہ اتاری جائے لیکن میری خواہش اور ملا سرکار کے وعدے کے برعکس، میری لاعلمی میں ٹیلی اسکوپک لینسوں کی مدد سے میری وڈیو فلم بنائی گئی جو ملا سرکار کے دعوے کے مطابق ساڑھے سات گھنٹے کی تین وڈیو کیسٹوں پر مشتمل ہے۔"

"تمہیں کب علم ہوا کہ تمہاری فلم تیار کی گئی ہے؟" انسپکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

"آج رات!" غلام رسول اپنے مصائب کے تسلسل میں یہ بھول گیا تھا کہ رات گزر چکی تھی اور تھوڑی دیر میں نئے دن کا سورج طلوع ہونے والا تھا۔

"سردار رجب علی کو ملا سرکار کی نیت پر شبہ ہو گیا تھا" غلام رسول کہہ رہا تھا "اس نے لیلیٰ وتی کی آواز سنے بغیر سادھو بیلہ آنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ میں نے ملا سرکار کو بتا دیا کہ اسے لانا میرے بس سے باہر ہے۔ اس نے مجھے ہر قیمت پر اسے لانے کا حکم دیا۔ اس کے لب و لہجے میں جھلاہٹ سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ اپنی طرف سے رجب علی کا دل صاف نہیں کر سکا تو اسے بے دریغ ہلاک کر دے گا۔ میں اپنے انکار پر اڑا رہا تو ملا سرکار نے پہلی بار میرے، وڈیو کیسٹوں کا ذکر کیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ میں رجب علی کو جزیرے پر نہ لایا تو وہ کیسٹوں کا راز فاش کر دے گا۔ اس دھمکی کے آگے میں بے بس ہو گیا۔ آج میں نے سادھو بیلہ کا رخ نہ کیا ہوتا تو اس وقت آرام سے اپنی ٹھنڈی خواب گاہ میں سو رہا ہوتا۔"

اس کا آخری بیان اس کی اور ملا سرکار کی اس لاسلکی گفتگو کے عین مطابق تھا جو ہم ہوٹل سے دریا کی طرف سفر کرتے ہوئے ایس ٹی ایف والوں کی جیپ میں سن چکے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ سچ ہی کہہ رہا تھا۔

"اسے بھی لاک اپ میں بھجوا دو۔" میں نے انسپکٹر سے کہا اور وہ غلام رسول کو اپنے ہمراہ لے کر چل دیا۔

غلام رسول انسپکٹر علی اسد سے بہت خوف زدہ تھا کیونکہ گنیش آشرم کے تہ خانے میں پہلی بار بھی وہ اسی کے ہاتھوں سے پٹا تھا اور اس کی آخری ٹھکائی بھی اسی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔

انسپکٹر کو ڈی آئی جی کے دفتر میں ہونے والی گفتگو سے زیادہ دلچسپی تھی کیونکہ وہ غلام رسول کو اپنے ماتحت عملے میں سے کسی کے حوالے کر کے چند ہی ثانیوں میں واپس لوٹ آیا۔ اس بار سلطان شاہ بھی اس کے ہمراہ تھا۔

"تم لوگ اپنے اس ساتھی کو بالکل ہی بھولے ہوئے ہو۔ بیچارہ باہر بیٹھا ہوا بور ہو رہا تھا۔" اس نے اندر آتے ہی سلطان شاہ کے بارے میں وضاحت کی اور دونوں ہمارے قریب کرسیوں پر براجمان ہو گئے۔

"اب تمہاری باری ہے۔" میں سنجیدگی کے ساتھ ڈی آئی جی سے مخاطب ہو گیا "اس وقت میں نے بڑے مجرم کی گوشمالی کے خیال سے تمہارا معاملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔"

"میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں نے جو کچھ کیا، اس میں میری بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ میں خلوص دل سے جو کچھ سمجھ رہا تھا، میں نے اسی پر عمل کرنے کی کوشش کی تھی۔" اس نے شکست خوردہ لہجے میں آہستہ سے کہا "اور میں اپنے اس رویے پر آپ سے معافی بھی مانگ چکا ہوں۔ آپ نے اس قصے کو طول دیا تو میرا کیریئر تباہ ہو سکتا ہے۔ معطلی اور کسی الزام کے تحت برطرفی عمل میں آئی تو مجھے باعزت ریٹائرمنٹ کے فوائد سے بھی محروم ہونا پڑے گا۔"

"میں تم جیسے تُند خو افسروں کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا" میں نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "جس کے دل میں قانون کی حرمت کا پاس نہ ہو اور جو قانون کو اپنی مرضی کا غلام سمجھتا ہو، اسے تمہاری کرسی پر بیٹھنے کا کوئی حق نہیں۔ تم نے انسپکٹر کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اس سے ذاتی عناد کی بو

"اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" اول خان اچانک ہی انسپکٹر سے پوچھ بیٹھا۔

"میرے دل میں اپنے افسر کی طرف سے بال آ گیا ہے اس لئے میں اپنی زبان بند ہی رکھوں گا۔" اس نے کہا "میں نے اپنی پسند و ناپسند کو کبھی اپنے فرائض پر حاوی نہیں ہونے دیا ہے۔"

"یہ تمہارا ایک ادنیٰ ماتحت ہے" میں نے طعن آمیز لہجے میں ڈی آئی جی سے کہا "لیکن اس کے خیالات تم سے کہیں زیادہ بلند اور پاکیزہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم دخل انداز نہ ہوتے تو آج تم نے اسے تباہ کر دیا ہوتا۔"

"البتہ میں ایک بات ضرور بتانا چاہوں گا۔" انسپکٹر نے کہا۔ "یہ ایک کھلا راز ہے اور اگر بات ہمارے آئی جی صاحب تک گئی تو بالکل ہی کھل جائے گی کہ ہمارے ڈی آئی جی صاحب کرپشن کے معاملے میں بُری شہرت کے مالک ہیں اور لین دین کر کے قانون کو اپنی صوابدید کے مطابق گھما لیتے ہیں۔ تم اس شہر میں نووارد ہو اس لئے تمہیں اس پہلو سے باخبر کرنا، میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ مجھ سے ان کی پرخاش کا سبب یہی ہے کہ میں بڑے بڑے معاملات میں بھی کبھی سودے بازی نہیں چلنے دیتا اسی وجہ سے مجھے ڈویژنل ہیڈ کوارٹر سے ہٹا کر خیرپور میں ڈال دیا گیا ہے۔"

"تم گھر جا کر آرام کرو!" اول خان نے کرسی چھوڑتے ہوئے، ڈی آئی جی سے کہا "تمہارے مستقبل کے بارے میں اگلے چند گھنٹوں میں کوئی فیصلہ کر کے تمہیں گھر پر باخبر کر دیا جائے گا۔"

"اس طرح روانگی میں میری سبکی ہوگی۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا "آپ لوگوں کے روانہ ہوتے ہی میں کوتوالی چھوڑ دوں گا۔ اس طرح عملے پر میرا کچھ بھرم رہ جائے گا۔"

"اس وقت تک تم میرے حکم کے تحت انسپکٹر علی اسد کی نگرانی میں رہو گے۔ تم نے میری ہدایت کے خلاف کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو نتائج کی ذمے داری تم پر ہوگی" اول خان نے سنگین لہجے میں کہا۔

"میں اپنے دفتر سے کچھ نامکمل فائلیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔"

"یہ نہیں ہو سکے گا، سر!" اس بار انسپکٹر بولا تھا "ادھوری فائلیں ہی متعلقہ کیسوں پر فریقین سے سودے بازی کے ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ ان میں ایک ایک گواہ کے کئی کئی بیان ہوتے ہیں جن پر تاریخ تک کا اندراج نہیں ہوتا۔ سودے بازی میں جو کچھ طے پاتا ہے اس کے مطابق فائل مکمل کر لی جاتی ہے اور فاضل کاغذات ضائع کر دیے جاتے ہیں۔ ریکارڈ سرکاری ملکیت ہے۔ اب اس کو کوئی نہیں چھیڑ سکے گا۔"

"انسپکٹر کی رائے حرفِ آخر ہے۔" میں یہ کہہ کر دفتر سے نکل گیا۔

ہم لوگوں کے ساتھ ست بیلہ سے پولیس کی ساری نفری واپس نہیں آئی تھی۔ دو پارٹیاں جزیرے پر لاشوں کی تلاش، گنتی اور اسپتال روانگی کے لئے رک گئی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ ست بیلہ اور اباسین پر ہمارا کام ختم ہو چکا تھا۔ جو کچھ باقی رہ گیا تھا، اسے سنبھالنے کے لئے پولیس کا عملہ کافی تھا۔

وہ ساری ہی جاگتے اور بھاگ دوڑ کرتے ہوئے گزر گئی تھی اس لئے فارغ ہوتے ہی مجھ پر کسل مندی طاری ہونے لگی اور ہم لوگ ایک پولیس جیپ میں ہوٹل مون لائٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

انسپکٹر نے جیپ کے باوردی ڈرائیور کو ہمارے ساتھ ہی رکنے کی ہدایت کر دی تھی۔

پچھلی شام کو ہم اسی ہوٹل سے عام اور بے ضرر مہمانوں کے روپ میں رخصت ہوئے تھے۔ صبح سویرے رائفلوں سے لیس ہو کر ایک باوردی سپاہی کے ساتھ دوبارہ وہاں پہنچے تو استقبالیہ کاؤنٹر پر اونگھتا ہوا کلرک ہمیں دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"اگر ہوٹل میں ٹھہرنا ہے تو، سر! یہاں اس سے اچھے ہوٹل بھی موجود ہیں" ہمارا ادعا سن کر سپاہی نے رضاکارانہ طور پر مشورہ دیا "اس کے علاوہ کئی سرکاری اور نیم سرکاری ریسٹ ہاؤس بھی ہیں۔"

کوتوالی میں میرے اونگھتے ہوئے ذہن میں کسی ریسٹ ہاؤس کا خیال ہی نہیں آیا تھا ورنہ علی اسد آناً فاناً میں ہمارے قیام کا بندوبست کرا سکتا تھا۔ اس وقت تکان سے میرا حال اتنا برا ہو رہا تھا کہ دو قدم بھی چلنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ جلد از جلد بستر میسر آئے اور اس پر جوتوں سمیت دراز ہو جاؤں اس لئے میں نے کانسٹیبل ڈرائیور کا شکریہ ادا کیا اور کلرک کے ساتھ کمروں کی طرف چل دیا۔

میں تو پہلے کمرے میں پہنچتے ہی بستر پر گر گیا۔ وہ دونوں کلرک کے ساتھ چلے گئے۔ میں خنک فضا میں نرم اور آرام دہ بستر سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ وہ دونوں اپنے کمرے دیکھ کر پھر میرے سر پر نازل ہو گئے۔

"اب کیا پریشانی ہے؟" سلطان شاہ کو ٹرانسیٹرز والا تھیلا کھولتے دیکھ کر میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا "اسے کیوں کھول رہے ہو؟"

"کوتوالی میں، میں نے جو کچھ کیا وہ میرے حقیقی اختیارات سے ماورا تھا۔" اول خان نے سمجھانے والے لہجے میں کہا "ڈی آئی جی ڈویژنل سطح کا سب سے بڑا اور بااختیار پولیس افسر ہوتا ہے۔ مجھے فوری طور پر اپنے کمانڈر سے بات کرنی ہوگی تاکہ وہ کراچی میں آئی جی سے مل کر بات کو سنبھال سکے۔"

"جو چاہے کرتے رہو، لیکن خدا کے لئے مجھے نہ چھیڑنا۔" میں نے کروٹ بدل کر ایک تکیہ اپنے سر پر رکھ لیا۔

مجھے علم تھا کہ سلطان شاہ کے تھیلے میں اس وقت کم از کم چار مختلف اپریٹس موجود تھے۔ ان میں سے دو کا تعلق ملا سرکار سے تھا۔ ایک ٹرانسیٹر وہ تھا جس پر ملا سرکار کراچی میں ویرا سے بات کیا کرتا تھا اور دوسرا ملا سرکار کی کوٹ منندو والی کمین گاہ سے ہمارے ہاتھ لگا تھا۔ اسی پر ہم نے ملا سرکار اور غلام رسول کی گفتگو سن کر ست بیلہ والے آپریشن کا پروگرام بتایا تھا۔ اس ساخت کا ٹرانسیٹر ملا سرکار کے زیر استعمال ہونے سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ اسے یہ علم نہیں تھا کہ اسی ساخت کا ایک اپریٹس میرے قبضے میں بھی آچکا ہے جس پر میں اس کی گفتگو سن سکتا ہوں۔ اسے اس امر کا شبہ بھی ہو جاتا تو وہ اسی لمحے اس مخصوص ساخت اور فریکوئنسی کا استعمال ترک کر دیتا کیونکہ رازداری اس کے پیشے کا پہلا اصول تھا۔

تیسرا اپریٹس محدود رینج کے لئے تھا۔ اس کے ذریعے اول خان اباسین اور اس کے عملے سے رابطہ کر سکتا تھا۔ چوتھا ٹرانسیٹر وہ اباسین سے ہی لایا تھا۔ اس کی رینج پانچ سو میل کے دائرے تک تھی جس کی مدد سے وہ کراچی اسٹیشن سے بھی بات کر سکتا تھا اور اس وقت وہ شاید اسی پر طبع آزمائی کرنے والا تھا۔

میں اس کی کارروائی میں بظاہر کوئی دلچسپی لئے بغیر اسی کروٹ سے بستر پر پڑا رہا۔ چند ثانیوں کے بعد کمرے کی فضا میں اول خان کی واضح لیکن ناقابلِ فہم آواز گونجنے لگی۔

"ڈی ڈی ڈیپل ڈیلٹا تھری، 'کیلے کاما'" وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہی نامانوس الفاظ دہراتا رہا جس کا مطلب تھا کہ وہ کال میسج بھی کوڈ ورڈز میں ہی نشر کر رہا تھا۔

اس وقت اندازاً صبح کے ساڑھے پانچ بج چکے تھے اور مجھے توقع نہیں تھی کہ اول خان کو دوسری طرف سے کال کا کوئی جواب مل سکے گا لیکن میرا وہ قیاس غلط ثابت ہوا۔

اسپیشل ٹاسک فورس کی پُراسرار تنظیم کی نوعیت سرکاری رہی ہو یا غیر سرکاری، یہ حقیقت ناقابلِ تردید تھی کہ اس کے اہل کار حد سے زیادہ فرض شناس تھے اور خود کو ہر وقت آن ڈیوٹی تصور کرتے تھے کیونکہ اول خان نے پانچویں بار انہی مہمل الفاظ کی تکرار کی تو دوسری طرف سے ایک خوابیدہ آواز میں جواب آگیا۔

نیند کے گہرے خمار میں ڈوبی ہوئی وہ مردانہ آواز میرے لئے اجنبی تھی۔ اس نے جو کچھ کہا وہ بھی میرے لئے ناقابلِ فہم تھا کیونکہ اس نے اول خان کے خفیہ پیغام کا جواب کوڈ ورڈز میں ہی دیا تھا۔

اول خان کئی منٹ تک اس شخص سے بات کرتا رہا۔ درمیان میں دوسری طرف سے بھی کچھ پوچھا یا بتایا جاتا رہا۔ اس تمام گفتگو میں صرف ڈی آئی جی کے الفاظ ایسے تھے جو میرے پلے پڑ سکے اور انہی کی بنیاد پر میں نے یہ اندازہ لگایا کہ اول خان اپنے ارادے کے عین مطابق اپنے اوپر والے کو سکھر کوتوالی کے واقعات سے آگاہ کر رہا تھا۔

گفتگو مکمل ہو جانے کے بعد اول خان نے ٹرانسیٹر کا سلسلہ منقطع کیا اور سلطان شاہ سے مخاطب ہو گیا۔ "تم کراچی سے روانہ ہوئے تو وہاں کے حالات کیسے تھے؟"

"سب ٹھیک ٹھاک تھا۔" سلطان شاہ کی قدرے تحیر زدہ آواز سنائی دی۔

"لیکن اب وہاں کی صورتِ حال مخدوش ہے۔ بغیر نمبر پلیٹ والی پُراسرار گاڑیوں میں کچھ نقاب پوش شہر کے گنجان آباد علاقوں میں گولیاں چلاتے ہوئے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ان منظم وارداتوں میں چار آدمی ہلاک اور سترہ زخمی ہو چکے ہیں۔ کوئی مجرم پکڑا نہیں گیا۔ شہر میں ہر طرف خوف و ہراس کی لہر پھیل گئی ہے۔"

وہ خبر پریشان کن اور تشویشناک تھی۔ میں اپنے چہرے پر سے تکیہ ایک طرف پھینک کر ان دونوں کی گفتگو میں شریک ہونے پر مجبور ہو گیا۔

"یہ واقعات شہر کے کن علاقوں میں ہوئے ہیں؟" سلطان شاہ نے سوال کیا تھا۔

"کیا تمہارے لئے اس بات کی بھی کوئی اہمیت ہے؟" میں نے اس کے لہجے میں غیر معمولی تشویش کی جھلک محسوس کرتے ہوئے تجسس آمیز انداز میں سوال کیا۔

"میں نے ویرا کے بدن سے برآمد ہونے والا چپ شربت خان آفریدی کو دیا تھا۔" اس نے پُر تفکر لہجے میں کہا "کل صبح مجھے پتا چلا کہ آخری لمحات پر ملیریا کا بدترین حملہ ہونے کی وجہ سے وہ سفر پر روانہ نہیں ہو سکا تھا۔"

غنیمت یہ تھا کہ میں اول خان کو پہلے ہی ملا سرکار کے معاملات میں آرنیٹ کے ملک اور مقامی سفارت خانے کی گہری دلچسپی سے آگاہ کرتے ہوئے چپ کے بارے میں بتا چکا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ میں نے اسے ٹی یا ویرا کی اصلیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ ویسے میرا اندازہ تھا کہ مجھ سے رجوع کرنے سے پہلے اسپیشل ٹاسک فورس والے میرے ماضی کے بارے میں اپنے طور پر معلومات حاصل کر چکے تھے اور ملکی سلامتی کے بارے میں میری لگن اور نیک نیتی سے مطمئن ہونے کے بعد ہی انہوں نے مجھ سے روابط بڑھانے کے سلسلے کا آغاز کیا تھا۔ یہ ان لوگوں کی اعلیٰ ظرفی تھی کہ میری کارکردگی سے واقف ہونے کے بعد انہوں نے مجھے کبھی میرے ماضی کے حوالے سے شرمندہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور ہمارے درمیان، ابتدا سے اس وقت تک اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔

لیکن سلطان شاہ کی زبان سے ویرا کا نام سنتے ہی اول خان بری طرح چونکا تھا "یہ تم کس ویرا کا ذکر کر رہے ہو؟" اس نے براہ راست سلطان شاہ سے ہی سوال کیا تھا۔

"تو کیا تم بھی کسی ویرا کو جانتے ہو؟" سلطان شاہ کے بولنے
پہلے ہی میں نے اول خان پر سوال داغ دیا۔
اس نے اپنے سر کو پُر اعتماد انداز میں اوپر سے نیچے کی طرف
بش دی اور بولا "میں صرف ویرا لائیڈ نامی ایک غیر ملکی لڑکی کے
ے میں جانتا ہوں جو آفت کی پرکالہ ہونے کے ساتھ ہی بلا کی
ین بھی ہے۔"
میں نے ایک گہرا سانس لے کر پوچھا "اس کے بارے میں تم
کیا جانتے ہو؟"
"میری معلومات کے مطابق وہ ہیروئن اور ہتھیاروں کے ایک
ت بڑے بین الاقوامی اسمگلر جمی لائیڈ کی ناجائز بیٹی ہے لیکن
رب کے زوال یافتہ معاشرے میں ولدیت کا تعین کرتے ہوئے
ز اور ناجائز کی کوئی تفریق نہیں کی جاتی۔ جمی لائیڈ وہ ارب پتی
م ہے جس نے امریکی صدر...... کی انتخابی مہم میں ستر کروڑ ڈالر کا
ابی فنڈ اپنے کالے دھن سے فراہم کیا تھا۔"
بین الاقوامی امور کے درونِ پردہ رازوں کے بارے میں اس
معلومات قابلِ رشک تھیں۔ "اس کا مطلب ہے کہ امریکی
ت اور معاشرے میں بھی مجرم اسی قدر اثر و نفوذ رکھتے ہیں؟"
"برائی ہمیشہ اوپر سے نیچے کی طرف سفر کرتی ہے۔ امریکا آج کی
یں خود کو تیسری دنیا کا ان داتا سمجھتا ہے۔ اس حقیقت سے کوئی
ر نہیں کر سکتا کہ امریکا اس دور کی واقعی ایک بڑی قوت اور
قوم ہے۔ ان کی اچھائیوں اور برائیوں کو دوسری ہر قوم قابلِ
ر سمجھتی ہے۔ جو خرابی ان کے یہاں جنم لیتی ہے' جلد یا بدیر وہ
ری قوموں میں بھی تیزی کے ساتھ سرایت کر جاتی ہے۔ سیاسی
ا کو سماج دشمن قوتوں کا سہارا لینے کی تربیت انہی لوگوں نے دی
۔"
"لیکن ہم اس کا تدارک کرنے سے قاصر ہیں؟" میں نے اس
سوال کیا۔
"یہ شطرنج کا سا کھیل ہے۔ جو مہرے سامنے لائے جاتے ہیں وہ
ی کے بکرے ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد کسی اور کو بچانا ہوتا ہے تم
لو کہ انسپکٹر علی اسد صحیح راستے پر چل رہا تھا۔ وہ بعض مشتبہ
ندانوں کی نگرانی بھی کر رہا تھا لیکن وہ سب قربانی کے بکرے
۔ ان کو مشکوک سرگرمیوں میں ملوث کرنے کا مقصد اس کے
کچھ اور نہیں رہا ہوگا کہ غلام رسول کو انسپکٹر جیسے افسروں کی
وں سے اوجھل رکھا جائے۔ اگر تمہارے پاس ملا سرکار کا زیرِ
ال اپریٹس نہ ہوتا تو ہمارے فرشتے بھی غلام رسول کی سدا بہار
تائی پر شبہ نہیں کر سکتے تھے۔"
"تمہارے روشن خیالات واقعی فکر انگیز ہیں۔ ابتدا میں میرا
زہ تھا کہ تم گردو پیش سے بے خبر رہ کر لڑنے بھڑنے والے
ٹلے ہو لیکن تم اپنی آنکھیں کھلی رکھنے کے عادی ہو۔"
"دوسری جنگِ عظیم کے بعد جاسوسی کا جو انتظام ... جنگ کی

کوکھ سے ابھرا ہے اس کی ایک بہت بڑی خرابی ہے کہ ہم اپنے
بارے میں اتنے باخبر نہیں ہوتے جتنا دوسروں کے بارے میں جانتے
ہیں۔ میں بذاتِ خود ملا سرکار اور غلام رسول کے گٹھ جوڑ سے بے خبر
تھا لیکن یہ جانتا ہوں کہ امریکا میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر اور
پینٹاگون چیف کے علاوہ جمی لائیڈ تیسرا فرد ہے جو دن یا رات میں'
کسی بھی وقت صدرِ امریکا تک فون پر یا بنفسِ نفیس رسائی حاصل
کر سکتا ہے۔"
"ان حالات میں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے چھوٹے بڑے
تمام ملکوں پر جرائم پیشہ افراد کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی
جا رہی ہے اور جلد یا بدیر دنیا پر انہی کی حکمرانی ہوگی" سلطان شاہ
بولا۔
"تم نے مجھے کہاں الجھا لیا؟" اول خان اپنا سر جھٹک کر
معصومانہ انداز میں ہنس پڑا "میں نے تم سے ویرا کے بارے میں
پوچھا تھا۔"
"بتاتا ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا "لیکن اس سے پہلے یہ
ضرور جاننا چاہوں گا کہ تمہاری قابلِ رشک معلومات کے مطابق
آج کل ویرا کہاں ہے؟"
وہ زور زور سے ہنستا ہوا بولا "پاکستان میں بلکہ شاید کراچی
میں" پھر وہ فوراً ہی سنجیدہ ہو گیا "یہ اندازہ تو میں نے تمہاری باتوں
سے لگایا ہے ورنہ وہ آخری بار انگلینڈ میں دیکھی گئی تھی اس کے بعد
سے لاپتا ہے۔ دراصل ہمارے ہوائی اڈوں پر امیگریشن والوں کا
ایگزٹ اور انٹری کنٹرول سسٹم اتنا ناقص ہے کہ ہمیں بین الاقوامی
مجرموں تک کی آمد و رفت کا پتا نہیں چلتا۔ کوئی بدنصیب اپنی کسی
حماقت کی وجہ سے خود ہی اپنی گردن شکنجے میں دے بیٹھے تو اور بات
ہے۔"
"تمہارا اندازہ صحیح ہے۔ ویرا کراچی میں ہے۔ میں نے چپ
کے ذریعے جس لڑکی کی نگرانی کا ذکر کیا تھا' وہ ویرا ہی ہے اور آج
کل میرے ہی ساتھ ہے۔" میں نے کہا۔
"اوہ خدا!" وہ اپنا سر تھام کر رہ گیا "تم نے اپنی آستین میں
سانپ پالا ہوا ہے۔ تم اپنے ساتھ مجھے بھی مروا دو گے۔ اسے پہلی
فرصت میں یہاں سے دفع کرنے کی کوشش کرو۔"
"کیوں نہ اسے تمہاری تحویل میں دے دیا جائے؟" میں نے
مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"بے سود ہوگا۔ ہماری الجھنیں بڑھ جائیں گی۔ اور ہم زیادہ
عرصے تک اسے اپنی قید میں نہیں رکھ سکیں گے۔ کسی نہ کسی بین
الاقوامی معاہدے کی آڑ لے کر امریکی سفارت کار ویرا کو یہاں سے
نکال لے جائیں گے۔ اپنے اہم مہروں کو وہ کبھی اور کہیں نہیں پٹنے
دیتے اسی لئے ان کے ایجنٹ کھل کر اپنے ملک کے لئے کام کرتے
ہیں۔"
"لیکن اس وقت ویرا ہماری اور پاکستان کی مدد کر رہی ہے۔ وہ

درمیان میں نہ ہوتی تو جمی لائیڈ کے گرگے اب سے بہت پہلے ملّا سرکار کو ہتھیاروں سے لدے ہوئے جہاز دے چکے ہوتے۔ وہ اپنے باپ کے اس منصوبے میں دیدہ و دانستہ رکاوٹیں ڈال رہی ہے۔ اسی وجہ سے آرنیٹ نے اسے اپنے کاؤنسلیٹ میں بلوا کر سیٹلائیٹ فون پر اس کی، جمی لائیڈ سے بات کرائی تھی۔ وہ لوگ اب فوری طور پر ملا سرکار کو ایکشن میں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"اس میں تمہارا کوئی ذاتی کمال ہو تو ہو ورنہ میرا تجربہ یہی بتاتا ہے کہ وہ تم سے مخلص نہیں ہو سکتی۔ اگر تمہاری باتیں درست ہیں تو پھر وہ کسی اور زیادہ بڑی کامیابی کی امید پر ملّا سرکار کو ڈبل کراس کر رہی ہے۔ یہ کٹ تھروٹ بزنس ہوتا ہے۔ اسے اپنے مقاصد حاصل ہونے کی امید ہوئی تو وہ تمہیں بھی بے دریغ داؤ پر لگا دے گی۔"

"چھوڑو خانا، تم کس سے الجھ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے چڑچڑے لہجے میں کہا "اس نے ڈپٹی کو الّو کا گوشت کھلا دیا ہے۔ ویسے بھی یہ خوبصورت عورتوں پر اندھا دھند بھروسا کرنے کا عادی ہے۔ جب تک کسی سے مار نہیں کھائے گا، یہ اپنے اصول نہیں بدلے گا .... تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ کراچی میں فائرنگ کن علاقوں میں ہوئی ہے؟"

"پہلے پٹھان کالونی اور بنارس چوک کے علاقوں میں خونریزی ہوئی پھر لانڈھی میں داؤد چورنگی کے علاقے میں اندھا دھند فائرنگ کی پے در پے کئی وارداتیں ہوئیں۔ ان سے شربت خان آفریدی کی بیماری کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" اول خان نے آخری سوال الجھن آمیز لہجے میں کیا تھا جیسے سلطان شاہ کی بات اس کے پلے نہ پڑ سکی ہو۔

"میں سمجھ گیا۔" سلطان شاہ پُرجوش لہجے میں بولا "میرا خیال ہے کہ میں ان وارداتوں کے بارے میں صحیح نتیجے پر پہنچا ہوں۔ اگر میرا خیال درست ہے تو شہر میں کہیں اور گولیاں نہیں چلی ہوں گی۔"

"یہ درست ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا۔ "کمانڈر نے انہی دو علاقوں میں گڑبڑ کی خبر دی ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اس بارے میں تم نے کیا رائے قائم کی ہے اور اس کا کیا سبب ہے؟"

"یہ سب شربت خان کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ وہ پٹھان کالونی میں کرائے کی ایک کوٹھری میں اکیلا رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ طبیعت بگڑ جانے کی وجہ سے وہ لانڈھی میں اپنے ماموں کے گھر منتقل ہو گیا ہو جو داؤد چورنگی پر ہی رہتا ہے۔"

"بات سے بات مل رہی ہے۔ کمانڈر نے یہی بتایا کہ پہلے پٹھان کالونی وغیرہ میں اور پھر داؤد چورنگی پر گولیاں چلائی گئی تھیں لیکن میں اب بھی پوری بات سمجھنے سے قاصر ہوں۔" اول خان بولا۔

"شاید میں اس کی پوری بات سمجھ گیا ہوں" میں نے دخل

دیتے ہوئے کہا "وہ چپ ویرا کے جسم میں پوشیدہ تھا۔ آرنیٹ
قاصد نے وہ فلیٹ دیکھ لیا تھا جہاں ویرا مقیم تھی۔ آرنیٹ نے
دفتر میں ویرا کو ہدایت کی تھی کہ وہ اسے مطلع کئے بغیر اپنا
تبدیل نہیں کرے گی لیکن چپ دریافت ہوتے ہی میں نے ویرا
وہاں سے ہٹا دیا اور فلیٹ مقفل کروا دیا۔"

میں نے قدرے توقف کے دوران میں سگریٹ سلگائی اور
بات جاری رکھتے ہوئے بولا "شاید آرنیٹ کو دوبارہ ویرا کی ضرو
پیش آئی ہوگی۔ اس وقت اسے پتا چلا کہ ویرا غائب اور فلیٹ مق
ہے۔ اس نے یقیناً اپنے وڈیو اسکینر کے ذریعے ویرا کا سراغ
چاہا ہوگا۔ اس دوران میں چپ ویرا کے جسم سے نکل کر ش
خان آفریدی کی تحویل میں چلا گیا تھا اس لئے اسکینر نے
کالونی کے اس مکان کی نشاندہی کی ہوگی جہاں شربت خان ملیر
بخار میں پھنک رہا تھا۔ اس گنجان آباد علاقے کی تنگ و تا
گلیوں میں کسی اجنبی کا مشکوک انداز میں داخل ہونا ناممکنا
سے ہے اس لئے آرنیٹ نے اپنی دانست میں ویرا لائیڈ کو خو
کرنے کے لئے اپنے کسی نمک خوار کے ذریعے کرائے کے
سے ان اطراف میں فائرنگ کرائی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ
وقت وہاں نگرانی کرنے والے ایسے افراد بھی موجود رہے ہو
جو ویرا پر نگاہ پڑتے ہی اسے اغوا کر کے آرنیٹ تک پہنچا
اس دوران میں شربت خان اپنی ذاتی وجوہ کی بنا پر پٹھان کالو
لانڈھی منتقل ہو گیا۔ آرنیٹ اپنے وڈیو مانیٹرنگ یونٹ پر
ویرا کی نگرانی کرا رہا ہوگا۔ جوں ہی چپ کی لانڈھی میں موج
تعین ہوا، اس کے پالتو افراد نے کرائے کے غنڈوں سے وہا
دہشت گردی کی کارروائی کرا ڈالی۔ سلطان شاہ کا اندازہ
معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت آرنیٹ کو کسی وجہ سے ویرا کی
ضرورت ہے اور وہ اس تک رسائی کے لئے کسی بھی حد تک
پر تلا ہوا ہے۔"

"لیکن جب شربت خان پٹھان کالونی سے نکل کر لانڈ
تھا تو نگرانی کرنے والوں نے اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش
نہیں کی؟" اول خان نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تم بھول رہے ہو کہ چپ اس قدر مختصر سا الیکٹرانک
کہ وہ ویرا کے ایک پرانے زخم میں چھپا دیا گیا تھا۔ نگرانی
والے چپ کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ چپ کی موجودگی کو تو
آرنیٹ کا وڈیو مانیٹرنگ یونٹ ہی دیکھ سکتا ہے۔ نگرانی
والے ان تنگ و تاریک گلیوں سے کسی سفید فام لڑکی
ہونے کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے ہو
چپ اس بیمار شخص کی تحویل میں ہے جو رکشا یا ٹیکسی میں د
جا رہا ہے۔"

"میں نے کمانڈر کو آرنیٹ کے بارے میں بریف کر دیا
اول خان انتقامی جذبے سے مغلوب لہجے میں بولا "مجھے اب

خلفہ معاملات کی دیکھ بھال کے لئے دو دن تک یہاں رکنا ہو گا۔
سکتا ہے کہ اس دوران میں ہی ایس ٹی ایف والے آرنیٹ پر
تھ ڈال دیں۔ تم دیکھ لینا کہ اس حرامزادے کا ایسا حشر کردیا جائے
کہ وہ بوکھلا کر پاکستان سے بھاگ جائے گا۔ ہم لوگ جس کی راہ پر
جائیں' اسے شکھ کی نیند تک نصیب نہیں ہوتی۔"
اس کے خلاف سرکاری سطح پر کارروائی کیوں نہیں کی جاتی؟"
سلطان شاہ نے پوچھا۔
"ثبوت۔ اس کے خلاف ثبوت کہاں سے فراہم کئے جائیں
؟ ثبوت مل جائیں تو اس کا سفارت خانہ اسے باعزت طور پر
ں سے واپس بلا لے گا۔ یہ نہ ہوا تو حکومتِ پاکستان اسے
ندیدہ شخصیت قرار دے کر مقررہ مدت میں ملک چھوڑ دینے کا
دے سکتی ہے۔ لیکن بڑی طاقتوں کے معاملے میں ہر حکومت
سفارتی محاذ آرائی سے گریز کرتی ہے۔ ہم لوگ تو جسمانی طور پر
ایسی سزا دیں گے کہ وہ کبھی نہیں بھول سکے گا۔"
"ملا سرکار کی موت کے بعد یہاں ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔"
نے کہا "اب ہمیں فوری طور پر کراچی پہنچنا ہے۔ ہم آج ہی کی
پرواز پکڑنے کی کوششیں کریں گے۔"
"دو روز بعد میں بھی کراچی میں تم سے آملوں گا۔ اگر ویرا
رے لئے واقعی کارآمد ہے تو تمہیں اس کو ہر قیمت پر آرنیٹ
چنگل سے بچائے رکھنا ہو گا۔"
"تم فکر نہ کرو' میں بھی اسے نچا کر رکھ دوں گا۔" میں نے
چتے ہوئے کہا اور بستر پر دراز ہو گیا۔

○☆☆○

ست بیلہ کے خون ریز آپریشن کا سہرا سرکاری طور پر انسپکٹر علی
کے سر باندھا گیا تھا کیونکہ ریکارڈ میں اسپیشل ٹاسک فورس کا
وجود تھا اور نہ ابا سین کے کسی غیر تحقیقی کردار کا۔ اس مہم
مارے جانے والے لوگوں میں جن لوگوں کی لاشیں شناخت ہو
تھیں وہ سب ہی مسلمہ قاتل' ڈاکو اور اغوا کرنے والے تھے جو
ونیت کی متعدد وارداتوں میں ملوث اور پولیس کو مطلوب تھے۔
مجرموں کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر بھاری انعامات بھی مقرر تھے۔
لیکن ان خبروں میں ملا سرکار' غلام رسول یا سردار رجب علی کا
ذکر نہیں تھا۔ ان تینوں میں سردار رجب علی کی اپنی جگہ کوئی
ت نہیں تھی لیکن مقتولین کی فہرست میں اس کا نام شامل ہوتا تو
دلی کے اغوا اور ملا سرکار کی طرف سے بھاری تاوان کے نام
مطالبے کے حوالے سے ملا سرکار کے کردار کا تعین بھی قیاس
ئیوں کی زد میں آجاتا اس لئے اس آپریشن کی بنیادی نوعیت
سیاسی اور خفیہ معاملات کو بالکل الگ کر کے ڈاکوؤں کی سرکوبی
ظاہر کیا گیا تھا۔
البتہ سکھر رینج کے ڈی آئی جی کی معطلی کی خبر اخباری
نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔ اس بارے میں قیاس

آرائی کی گئی تھی کہ ڈی آئی جی کو آپریشن ست بیلہ میں عدم تعاون
کے الزام کے تحت ملازمت سے عارضی طور پر معزول کردیا گیا تھا
تاکہ مذکورہ افسر کے کردار کے تعین کے لئے آزادانہ طور پر
تحقیقات ہو سکیں۔
ست بیلہ کے واقعات کے بارے میں افواہیں تو صبح سویرے
ہی کراچی میں گشت کرنے لگی تھیں جن میں سیکڑوں افراد کی ہلاکت
کی کہانیاں تھیں اور اس بارے میں شہر میں اتنی سنسنی پھیلی ہوئی
تھی کہ لوگ رات کو شہر کے دو علاقوں میں ہونے والی اندھا دھند
فائرنگ کو بالکل ہی بھلا بیٹھے تھے لیکن پھر شام کے اخبارات میں
شائع ہونے والی تفصیلات نے ان افواہوں کا زور توڑ دیا کہ ڈاکوؤں
کی بھاری نفری نے ست بیلہ کا محاصرہ کر کے پورے جزیرے کی
آبادی کو ہلاک یا زخمی کردیا اور خود معمولی سا جانی نقصان اٹھا کر
دریائی راستے سے گھنے جنگلات میں فرار ہونے میں کامیاب
ہو گئے۔
لیکن ویرا اور غزالہ کے لئے وہ کہانیاں قابلِ قبول نہیں
تھیں۔ انہیں پورا یقین تھا کہ اخبارات نے بھی اصل واقعات
شائع نہیں کئے ہیں جو کہیں زیادہ سنگین اور سنسنی خیز ہو سکتے تھے۔
شام کی پرواز سے سلطان شاہ کے ہمراہ کراچی پہنچ کر میں نے
گرینڈ ہوٹل کا رخ کیا جہاں ویرا مقیم تھی۔
آرنیٹ کے آدمیوں سے بچے رہنے کی کوشش میں وہ اپنا بیشتر
وقت ہوٹل کے کمرے میں گزارتی تھی اس لئے ہمیں وہیں مل گئی۔
اس کے کمرے کے خوبصورت ڈبل بیڈ پر شام کے کئی انگریزی
اخبارات بکھرے ہوئے تھے۔
"یہ سب کیا ہے؟ سکھر میں تم کیا کر رہے تھے؟" ہمیں دیکھتے
ہی اس نے بلا کسی تمہید کے اخبارات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
آنکھیں نکال کر سوال کیا۔
"ہم نے بھی راستے میں اخبارات ہی پڑھے ہیں" میں نے
اس کے بستر پر دراز ہوتے ہوئے بے پروائی سے کہا "مجھے حیرت ہے
کہ ہم سکھر میں ہوتے ہوئے بھی ان سنگین واقعات سے بے خبر
رہے۔"
"اور تم کیا کہتے ہو؟" وہ سلطان شاہ کی طرف گھوم کر غرائی۔
"میں تو معصوم شاہ کے مزار کے مینار پر چڑھ کر شہر کا نظارہ کر رہا
تھا" وہ معصومیت سے بولا۔
ویرا نے بے دردی سے دھکا دے کر اسے ایک صوفے پر گرا
دیا اور خود اس کے سر پر مسلط ہو گئی۔
ویسے تو ویرا بہت خوبصورت و سبک اندام لڑکی تھی لیکن اپنی
خصوصی تربیت کی وجہ سے وہ مار دھاڑ کے شعبوں میں ایسی طاق ہو
چکی تھی کہ اپنے اصل رنگ میں آتے ہی مردمار لڑکی نظر آنے لگتی
تھی۔ اس سے پیشتر بھی وہ بارہا سلطان شاہ سے لڑتی اور الجھتی رہی
تھی لیکن اس وقت اس کے رویئے میں کچھ ایسی لطیف سی تبدیلی

آئی کہ میں زیرِ لب مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

جب میں نے سکھر سے فون کیا تو غزالہ نے مجھ سے سلطان شاہ کی شکایت کی تھی کہ اس نے ہوٹل میں ویرا کی زندگی اجیرن کی ہوئی تھی لیکن جب میں نے ویرا اور سلطان شاہ سے بات کی تو ان دونوں نے الگ الگ بتایا کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہیں تھی بلکہ مکمل ذہنی ہم آہنگی کے ساتھ گزارہ کر رہے تھے۔

ویرا مغرب کے بگڑے ہوئے' مادر پدر آزاد معاشرے کی ایک نمائندہ لڑکی تھی۔ وقت گزارنے یا دل بہلانے کے لئے عارضی طور پر کسی کے ساتھ گھل مل جانا اور بات تھی لیکن میں بہت عرصے پہلے یہ محسوس کر چکا تھا کہ دنیا کی ہر مشرقی عورت کی طرح اُس کے دل کے نہاں خانوں میں بھی یہ خواہش شدت کے ساتھ پروان چڑھ رہی تھی کہ اس کا بھی کوئی اپنا مرد ہو جو اس کی ذاتی ہمت اور بے خوفی سے قطع نظر اس کی حفاظت اور کفالت کی ذمے داری اٹھانے کا دعوے دار ہو۔ کسی بھی حسین و جمیل کے نرم لطیف سراپا کو در حقیقت اس کے مرد کا وجود ہی دوسرے مرد کی بے باک اور ہتک آمیز نظروں سے محفوظ رکھ سکتا ہے اور ویرا اپنی آزاد روی کی وجہ سے حاصل ہونے والے وسیع تجربے کی بنا پر اس راز کو پا چکی تھی۔

اس کے لئے یہ صدمے کی بات تھی کہ روم میں ڈان مرسیانو نامی' عورتوں کے جس دلال نے اسے پیشہ ور کال گرل کی حیثیت سے ہمہ گیر تربیت دی' وہ خود اس کا سگا باپ' جمی لائیڈ تھا جو خوبصورت عورتوں کے ہجوم میں گھرا رہنے کے شوق میں روم کے ان رنگین مزاج امرا کی کاسہ لیسی کرتا رہتا تھا جنہیں وہ درجنوں کے حساب سے خرید کر اپنا درباری غلام بنانے کی استطاعت رکھتا تھا۔ اپنے باپ کی اس سنگ دلی اور خود غرضی کے انکشاف نے اسے مردوں کی صنف سے متنفر نہیں کیا بلکہ وہ ایک محبوب یا شوہر کی ضرورت کی اور زیادہ قائل ہو گئی کیونکہ ایک سچا محبوب یا شوہر ہی اپنی عورت کی عزت و آبرو کا مضبوط نگہبان ثابت ہو سکتا ہے ورنہ عورت زندگی بھر ایک آوارہ بلبل کی طرح نت نئے شکاریوں کے جال میں پھنستی اور چند پر کترواکر دوبارہ اڑتی رہتی ہے اور جب اس کے استخوانی ڈھانچے پر سے رنگ' روپ اور جوانی کے سارے حسین پر نوچ لئے جاتے ہیں تو وہ کسی خزاں رسیدہ درخت کی ننگی شاخ پر پناہ لے کر دنیا کو اپنے درد کے دوہے سناتے سناتے' ایک دن پٹ سے گر کر مر جاتی ہے۔

مغرب کے مَردوں کی بے راہ روی اور خود غرضی کو وہ پسند نہیں کرتی تھی۔ اس معاشرے میں اس نے خود کو مردوں کا شکاری سمجھ لیا تھا۔ اسے یہ زعم تھا کہ وہ جسے اور جب چاہتی ہے اپنے دام میں پھانس لیتی ہے اور اس سے دل بھر جانے پر اسے ٹھوکر لگا کر دوسرے شکار کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتی ہے۔

اپنے اسی زعم میں وہ میری طرف متوجہ ہوئی تھی۔ لاہور کے لائیڈز کاٹیج کے تجربات نے اسے مجھ سے قریب ہونے کا موقع فرا[ہم] کیا لیکن جب بات معاملے پر آئی تو اسے یہ جان کر حیرت ہوئی [کہ] میں حسن کے داموں اپنی قیمت لگوانے والا کھلاڑی نہیں تھا۔

ویرا کے لئے وہ ایک انوکھا تجربہ تھا۔ اسے گمان ہوا کہ غز[الہ] میرے پاس تھی اس لئے میں اسے نظر انداز کر رہا تھا۔ اس [illegible] غزالہ کی مجھ [illegible] میل دور کر کے بھی دیکھ لیا لیکن [illegible] دوستی ہونے کے باوجود' وہ میرے دل میں ان نرم و نازک جذبا[ت] تک نہ اتر سکی جو مضبوط رشتوں کی بنیاد ہوتے ہیں اور اب میر[ے] ساتھ غزالہ کے آملنے کے بعد شاید ویرا مجھ سے بالکل ہی ناا[مید] ہو چکی تھی۔

سلطان شاہ کے ساتھ اس کے رویّے میں لطیف سی تبد[یلی] دیکھ کر میں نے سوچا کہ ویرا "گندم اگر بہم نہ رسد' بھس غنیم[ت] است کے مصداق اس کی طرف مائل ہو چکی تھی۔ میں گندم [کے] منصب کا دعوے دار تھا نہ سلطان شاہ کو بھس سمجھتا تھا۔ مگر صرف' تو نہیں اور سہی والا نظر آتا تھا۔ اگر سلطان شاہ کو ا[س] واردات پر کوئی شکایت نہیں تھی تو یہ اس کے اور ویرا کے لئے [اچھا] ہی تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے کھونٹے پر اچھی طرح گزار[ا کر] سکتے تھے۔

اس وقت ویرا کا انداز کسی پر اعتماد بیوی کا سا تھا جو یہ جانتی [ہو] کہ شوہر اس کی باز پرس کے آگے نہیں ٹھہر سکے گا اور ہوا بھی [یہی] کہ سلطان شاہ نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیئے۔

"سر پر کیوں سوار ہو رہی ہو؟ الگ بیٹھو تو ابھی بتاتا ہوں [کہ] میں نے معصوم شاہ کے مینارے سے کیا دیکھا تھا۔"

سلطان شاہ نے سکھر میں آخری دن میرے ساتھ گزارا [تھا] لیکن آخری معرکے کے بارے میں اسے پوری پوری معلوما[ت] حاصل تھیں اس لئے میں اسے اور ویرا کو باتوں میں مصروف چھو[ڑ] کر فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

سلسلہ مل جانے پر دوسری طرف سے غزالہ نے ہی فون اٹھا[یا] تھا۔

"میں نے سوچا کہ کراچی آگیا ہوں تو اپنے پسماندگان [کی] خیریت بھی معلوم کر لوں۔" میں نے اس کی آواز پہچانتے ہی ا[س کا] کہا ہوا لفظ اسی پر لوٹا دیا۔

"میں نے غلط نہیں کہا تھا" وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے [بولی] "سب لوگ اس طرح اداس اور ایک دوسرے سے روٹھے ر[ہتے] تھے جیسے ان کا کوئی مربی یا سرپرست اس دنیا سے کو[چ کر] گیا ہو۔ جہانگیر تو اٹھتے بیٹھتے تمہیں ہی یاد کرتا رہتا تھا۔"

"مسز جیوانی کا کیا حال ہے؟" میں نے پوچھا حقیقت یہ [ہے کہ] میں نے اپنے خلاف حبیب جیوانی کی سازشوں کو ناکام بنا[نے کے] لئے اس کی حسین و جمیل بیوی کو اغوا تو کر لیا تھا لیکن اب [وہ] اپنے گلے کی چھچھوندر بنتی نظر آرہی تھی۔ اس بے گناہ عو[رت کو] قتل کرنے میں کوئی بے مقصد جرم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اے

کر دیتا تو وہ کسی بھی وقت اور کہیں بھی سامنا ہونے پر جہانگیر کو فوراً پہچان سکتی تھی جو اپنی دُھن میں اس کے ساتھ شیر و شکر ہو چکا تھا۔

"وہ جہانگیر سے پٹتی ہے اور خوش رہتی ہے۔ لیکن تم اپنے دوستوں کے لئے مصائب خریدنے میں بہت ماہر ہو۔"

"کیوں؟ اب کیا ہوا؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"سلمیٰ کل شام کو اسپتال سے گھر آگئی تھی۔ مسز جیوانی کو دیکھتے ہی اس کا پارہ چڑھ گیا۔ جہانگیر سے اس کی خوب لڑائی ہوئی۔ اس نے میری بھی کوئی بات سننے سے انکار کر دیا اور لڑ جھگڑ کر نائٹ کوچ سے لاہور چلی گئی۔"

"یہ اچھا ہوا" میں نے گہری سانس لے کر کہا "اب میں یکسوئی کے ساتھ، دو چار دن میں مسز جیوانی کے مسئلے کا کوئی حل نکال سکوں گا۔ سلمیٰ کی موجودگی ہم سب کے لئے عذاب ہو جاتی"

"غضب خدا کا!" غزالہ کی تحیر آمیز آواز ابھری "جہانگیر کا گھر بگڑنے کی نوبت آگئی ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ یہ اچھا ہوا! تمہیں جہانگیر سے ذرا بھی ہمدردی ہوتی تو تم ایسی بات نہ کہتے۔"

"میں ان دونوں میاں بیوی کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں" میں نے ہنستے ہوئے کہا "زیادہ دنوں تک ان کے درمیان کوئی کھٹ پٹ نہ ہو تو دونوں ہی کے پیٹ میں مروڑ ہونے لگتے ہیں۔ جہانگیر لاہور جا کر اس کی ذرا سی خوشامد در آمد کرے گا تو وہ خوشی خوشی گھر لوٹ آئے گی۔ وہ میکے جانے کا کوئی سنہرا موقع ضائع نہیں کرتی۔"

"یہ سب تمہارے سوچنے کی باتیں ہیں۔ میری ایماندارانہ رائے تو یہ ہے کہ تم بہت بے دردی سے اپنے مقاصد کے لئے جہانگیر کو استعمال کرتے ہو اور وہ چغد تمہارے جھانسے میں آجاتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کہاں ہو اور سکھر کے ست بیلہ کا کیا چکر ہے؟ ان خبروں نے تو مجھے پریشان کر دیا تھا۔"

"گرینڈ ہوٹل میں ہوں، چاہو تو یہیں آجاؤ۔ پھر کھل کر باتیں کریں گے۔"

"تمہاری رائے کے مطابق، سلمیٰ کے چلے جانے کے بعد جہانگیر کے گھر میں میدان صاف ہو چکا ہے تو تم ادھر ہی کیوں نہیں آجاتے؟ اب تو ویرا بھی دو چار دن کے لئے یہاں رہ سکتی ہے۔"

"تمہاری تجویز معقول ہے۔ ذرا جہانگیر سے میری بات کرا دو۔ اسے بھی اپنی آمد کے بارے میں بتا دوں۔"

"وہ ابھی فیکٹری سے واپس نہیں آیا۔" غزالہ نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ!" اس انکشاف پر میں اپنی حیرت پر قابو نہیں رکھ سکا۔ "تو اب وہ فیکٹری جانے لگا ہے؟"

"گھر سے تو یہی کہہ کر نکلتا ہے اور شام کو مغرب سے پہلے گھر واپس نہیں آتا۔"

"اس نے اپنے دفتر میں بہت خوبصورت اور سانولی سلونی اسٹینو رکھی ہوئی ہے۔ یہ بتاؤ کہ جہانگیر کی غیر حاضری میں مسز جیوانی کہاں ہوتی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ عقبی خواب گاہ میں مقفل رہتی ہے۔ جہانگیر نے اس کمرے میں ایک چھوٹا فریج رکھوا دیا ہے جس میں خورونوش کی اشیا بھری رہتی ہیں اس لئے دن میں کوئی اس کمرے کا قفل نہیں کھولتا۔ جہانگیر شام کو واپس آنے کے بعد خود ہی اس کی خاطر تواضع میں لگا رہتا ہے۔ ملازمین تک سے اس کا واسطہ نہیں پڑتا۔"

"لیکن تم سے تو اس کی ملاقات ضرور ہوئی ہوگی؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"نہیں!" غزالہ کے جواب نے مجھے خوش کر دیا "مجھے معلوم ہے کہ وہ تمہاری قیدی ہے۔ جلد یا بدیر تم اسے رہا کر ہی دو گے اس لئے میں اس کی نظروں سے بچتی رہی ہوں۔ اس نے گھر میں میری آوازیں سنی ہوں تو اور بات ہے۔"

"پھر تم نے کیسے دیکھ لیا کہ اس عورت کے چہرے اور بدن پر جا بجا نیل پڑے ہوئے ہیں؟"

"پہلی رات کو جب خوابگاہ سے دھما چوکڑی کی آوازیں آئیں تو میں پریشان ہو گئی۔" اس کی خفت آمیز آواز سنائی دی۔ "مار دھاڑ کا وہ سلسلہ تھوڑی دیر کے بعد موقوف ہو گیا لیکن میں ساری رات ایک پل کے لئے بھی سو نہ سکی۔ اگلے روز جہانگیر کی غیر حاضری میں میں نے ایک کھڑکی سے اس کی خوابگاہ میں جھانکا تو وہ بہت مختصر لباس میں اپنے جسم کے زخم خوردہ حصوں پر مرہم وغیرہ لگا رہی تھی۔ تیسرے دن جہانگیر کی پیشانی پر بھی ایک نیلا ابھار جگمگا رہا تھا اس لئے مجھے اندر کے حالات جاننے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔"

"ٹھیک ہے غزالہ! ہم تینوں ادھر ہی آ رہے ہیں اور اب وہیں ڈیرہ جمائیں گے۔" میں نے وہ پیغام دے کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

ویرا کو شاید یہ توقع تھی کہ میں فون پر ہی غزالہ کو ست بیلہ کی کہانی سنانے بیٹھ جاؤں گا اس لئے وہ سلطان شاہ سے اپنی جارحانہ باز پرس کا سلسلہ منقطع کر کے میری طرف کان لگائے بیٹھی تھی۔ میرے فارغ ہوتے ہی بول پڑی "میری رضامندی کے بغیر تم نے کیوں کہا کہ ہم تینوں ادھر جا رہے ہیں؟"

"تم نہیں جانا چاہتیں تو شوق سے نہ جاؤ!" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "شاید تم کو علم نہیں ہے کہ آرنیٹ کو شدت کے ساتھ تمہاری تلاش ہے۔ کل شام کو شہر میں گولیاں بھی تمہاری ہی وجہ سے چلی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم ہوٹل کے مقابلے میں جہانگیر کے گھر پر زیادہ محفوظ رہو گی۔"

"بکواس" وہ بے اعتباری سے بولی "تم سکھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تمہیں کیا پتا کہ آرنیٹ کیا کر رہا ہے؟"

"یقین نہ ہو تو آرنیٹ کو فون کر کے دیکھ لو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی وقت تم کو بلانے پر اصرار کرے۔"

ہمیں بھی جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچانا خوب جانتی ہوں۔" ویرا نے ریسیور اٹھاتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔

"یہ تو خود ہی گھر جا رہا ہے۔ تم اسے کہاں پہنچاؤ گی؟" سلطان شاہ نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے ریسیور چھین لیا۔ ہمیں تمہیں فون کرنے سے نہیں روکتا لیکن یہ کال جہانگیر کے گھر سے ہی ہونی چاہئے۔ وہاں اسپیکر فون پر ہم لوگ بھی آرنیٹ صاحب کے ارشادات عالیہ سن سکیں گے۔"

"اور اگر آرنیٹ کے بارے میں تمہاری رائے غلط ثابت ہوئی تو؟" ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تم دوبارہ اسی ہوٹل میں واپس لوٹ آنا۔" میں نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔

گرینڈ ہوٹل مہنگا تھا نہ ہمارے پاس رقم کی کمی تھی اس لئے وہاں سے چلتے ہوئے ہم نے کمرے کا حساب بے باق نہیں کیا' برے وقت کے لئے ایسا ایک آدھ ٹھکانا ہونا ضروری تھا۔

وہ سفر ٹیکسی میں طے کیا گیا۔ ڈرائیور کی موجودگی میں کوئی بات نہیں کی جا سکتی تھی اس لئے ویرا' سلطان شاہ کے ساتھ عقبی نشست پر خاموش بیٹھی رہی۔ میں اگلی نشست پر اکیلا بیٹھا مافیا' سیٹھ حبیب جیوانی' سپرڈان اور سینڈو کے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔

میری دانست میں ملا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کے نیست و نابود ہو جانے سے ہماری سرزمین پر دشمنوں کے تخریبی مشن کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا تھا جس کے ازالے کے لئے دنوں' ہفتوں یا مہینوں کی نہیں بلکہ برسوں کی محنت درکار تھی۔ ملا سرکار کے مر جانے کے بعد جمی لائیڈ بھی پاکستان میں کسی اور کو غیر قانونی ہتھیار فراہم کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ دوسری طرف اول خان کی اسپیشل ٹاسک فورس اس سازش کی بو سونگھ چکی تھی اس لئے مجھے قوی امید تھی کہ قانون شکن اور سرکش عناصر کے ذریعے سندھ میں بدامنی' خانہ جنگی اور پھر بغاوت کی صورت حال پیدا کرنے کی ساری کوششیں خاک میں مل جائیں گی۔

ان سارے مسائل اور خرابیوں کی جڑ مجھے نظر آ چکی تھی۔ وہ سارا کھیل ہیروئن سے حاصل ہونے والے بے دریغ کالے دھن سے پروان چڑھ رہا تھا اور جب تک پاکستان میں ہیروئن کی پیداوار اور اس کی مغرب کی طرف اسمگلنگ کا کاروبار جاری تھا' ہمارا ملک بین الاقوامی ریشہ دوانیوں سے محفوظ نہیں تھا۔ طاقت کے نشے میں چور' مغرب کے سیاسی ناخداؤں کے نزدیک ایٹمی ہتھیار بنانا جتنا سنگین جرم تھا اتنا ہی سنگین جرم یہ تھا کہ ان کے بلکتے ہوئے نوجوان خریداروں کو ان کی پسند کی جنس' ہیروئن مہیا کی جائے۔

ٹی جو ایک مشن کے تحت پاکستان کی مقامی آبادی میں ہیروئن کی کھپت بڑھانے کے لئے اس کے فروغ کے لئے کام رہی تھی' میری پے درپے چالوں کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی تھی۔ ہیروئن کی پیداوار اور تقسیم کے ذرائع ان کی گرفت سے نکل کر مافیا کی تحویل میں آ رہے تھے۔ میرے نزدیک مافیا ایک غیر سیاسی اور خالص مجرمانہ تنظیم تھی جو رنگ' نسل' مذہب اور علاقے کی کسی تفریق کے بغیر ہر طرف جرائم کے فروغ کے لئے کوشاں تھی۔ اس کے وسائل کا بڑا حصہ ہیروئن کی آمدنی پر مشتمل تھا۔ وہ بہترین ہیروئن مناسب ترین داموں پر خرید کر ان منڈیوں کی طرف روانہ کرتے تھے جہاں اس زہرناک سفوف کے سب سے زیادہ دام ملتے تھے اور ان دنوں ایسی منڈیوں میں امریکا سرِفہرست تھا۔

ٹی اور مافیا کا دھندا ایک ہی تھا لیکن دونوں کے مقاصد اور طریقۂ کار میں بنیادی فرق کی وجہ سے میں نے مافیا میں شمولیت اختیار کی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ میں مافیا میں رہ کر بھی ہیروئن کے انسداد کے لئے کام کر رہا تھا لیکن تشویش کی بات یہ تھی کہ جمی لائیڈ ہر قیمت پر مجھے پکڑنا چاہتا تھا اور شاید بعض شرائط پر مافیا کا سپرڈان مجھے اس کی تحویل میں دینے پر رضامند ہو چکا تھا۔ بلیک کیٹ ٹی کی سرکوبی سے فارغ ہوتے ہی وہ مسئلہ میرے سر پر سوار ہو گیا تھا۔

سفر کے اختتام پر ٹیکسی رکی تو میرے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی ویرا اور غزالہ نے یک زبان ہو کر ست بیلہ کے بارے میں سوالات کی یلغار کر دی اور میں نے مختصر ترین الفاظ میں انہیں وہاں پیش آنے والے حقیقی واقعات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

ان دونوں کے لئے وہ کہانی حیرت انگیز بلکہ نا قابل یقین تھی۔

ویرا ان دنوں میری ہمدرد اور غم گسار بنی ہوئی تھی لیکن اس کے مزاج کا کچھ پتا نہیں تھا وہ کسی بھی وقت مجھ سے بدظن ہو سکتی تھی۔ اس لئے میں نے اس کہانی میں سے غلام رسول کا کردار حذف کر دیا کیونکہ وہ قومی سلامتی اور خودداری کا ایک اہم موضوع بن سکتا تھا۔ اس کا تذکرہ حذف کر دینے کے بعد سکھر کوتوالی میں ڈی آئی جی سے ہونے والی زبانی جھڑپ کا ذکر بھی غیر ضروری ہو گیا تھا اس لئے جب ویرا نے سکھر رینج کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل کی معطلی کے بارے میں سوال کیا تو میں نے اسے مقامی انتظامیہ کا اندرونی معاملہ قرار دے کر اپنی جان چھڑا لی۔

"اور تم کہتے ہو کہ اتنے بڑے کشت و خون میں تمہارے کسی آدمی کو خراش تک نہیں آئی؟" میری کہانی مکمل ہونے پر ویرا نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"اسے اتفاق یا خوش قسمتی ہی کہہ سکتی ہو۔ اگر اول خان کے آدمی دریا میں موجود تحقیقی بوٹ پر قبضہ کر کے اپنا مورچا نہ قائم کرتے تو ہمیں بھی بھاری جانی نقصان پہنچ سکتا تھا۔" میں نے کہا۔

میں نے ان دونوں کو اول خان اور ان کے آدمیوں کے رول کے بارے میں سب کچھ بتا دیا لیکن اسپیشل ٹاسک فورس کی ماہیت' مقاصد' اختیارات اور وسائل کو نظر انداز کر دیا تھا کیونکہ اس کا بھی قومی سلامتی سے گہرا تعلق تھا۔

"یہ سوال جواب تو ہوتے ہی رہیں گے۔" سلطان شاہ نے ٹال دیتے ہوئے کہا "تم لوگوں کو سارے واقعات بلا کم و کاست سنا دیے ہیں۔ ان پر غور کر کے اپنا سوال نامہ مرتب کر لینا جس پر بعد میں بات ہوتی رہے گی۔ فی الحال آرنیٹ کی فکر کرو۔ اس وقت سات بج رہے ہیں' وہ اپنے دفتر سے نکل گیا تو بات کل پر ٹل جائے گی۔"

"وہ ٹھیک پانچ بجے اپنا دفتر چھوڑ دیتا ہے۔" ویرا اسے چڑانے والے انداز میں بولی "میرے پاس اس کے گھر کا فون نمبر بھی ہے میں اس سے وہیں بات کروں گی......"

"ہمیں یہ دھیان رہے کہ اس وقت تم لانڈھی میں مقیم ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"لانڈھی میں کیوں؟" ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"اس لئے کہ آرنیٹ کے وڈیو مانیٹرنگ یونٹ کے مطابق کل شام تم پٹھان کالونی سے لانڈھی منتقل ہوئی ہو۔" سلطان شاہ نے کہا "کل اس نے تمہیں خوف زدہ کرنے کے لئے انہی علاقوں میں اندھا دھند فائرنگ کرائی ہے۔"

"مجھے وضاحت سے سمجھاؤ!" ویرا سنجیدہ ہو کر بولی "اگر یہ محض تمہارے قیاسات ہیں تو مجھے اس سے گفتگو میں محتاط رہنا ہو گا ورنہ بات بگڑ بھی سکتی ہے۔"

سلطان شاہ اسے جیپ کی کراچی سے روانگی میں حائل ہونے والی اتفاقی رکاوٹ اور اس کے بعد کے واقعات پر روشنی ڈالنے لگا۔ ویرا بہت غور سے اس کی بات سن رہی تھی۔

اس دوران میں' میں جہانگیر کی خوابگاہ کھلوا کر اسپیکر فون نکال لایا اور اسے ڈرائنگ روم کے فون ساکٹ سے منسلک کر دیا۔

سلطان شاہ سے پورا پس منظر سمجھ لینے کے بعد ویرا اسپیکر فون کا سوئچ آن کر کے آرنیٹ کے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

ویرا کو پہلی ہی کوشش میں مطلوبہ نمبر مل گیا۔ دوسری طرف سے دو گھنٹیاں بجتے ہی ریسیور اٹھا لیا گیا اور اسپیکر فون پر کسی غیر ملکی کی طویل ہیلو سنائی دی۔

"میں ویرا لائیڈ بول رہی ہوں اور مسٹر آرنیٹ سے بات کرنا چاہتی ہوں" ویرا نے کہا۔

"میں آرنیٹ ہی بول رہا ہوں" دوسری طرف سے ابھرنے والی آواز کی شائستگی یکلخت کٹکھنے کتے کی سی غراہٹ میں تبدیل ہو گئی "تم اس وقت کہاں سے بول رہی ہو؟"

"میں لانڈھی میں ہوں اور بہت بری طرح خوفزدہ ہوں" ویرا نے ہم لوگوں کو آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں اس لمحے واقعی خوف و ہراس سمٹ آیا تھا۔

"ہونا چاہئے" آرنیٹ کی آواز سے بے رحمی مترشح تھی "تم فوراً اسی وقت میرے پاس آؤ۔"

"میں نہیں آسکتی" ویرا نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا "کچھ درندے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ لانڈھی سے پہلے میں ایک اور ٹھکانے پر تھی۔ ان درندوں کی دہشت گردی سے گھبرا کر وہاں سے لانڈھی آئی تو یہاں بھی میری کمین گاہ کے قرب و جوار میں خوں ریزی ہوئی۔ مجھے ڈر ہے کہ میں نے باہر قدم نکالا تو میں مار ڈالی جاؤں گی۔"

"لانڈھی سے پہلے تم کہاں تھیں؟" آرنیٹ کی آواز سے تحکم جھلک رہا تھا۔

"پٹھان کالونی میں تھی۔ کل شام ہی وہاں سے لانڈھی آئی ہوں۔ تم نے بھی اخبارات میں پڑھ لیا ہوگا کہ نامعلوم دہشت گردوں نے ان ہی دو مقامات پر اندھا دھند فائرنگ کر کے بہت سے لوگوں کو ہلاک اور زخمی کر ڈالا تھا' اس کے بعد سے میں کھڑکی سے باہر جھانکنے کی ہمت بھی نہیں کر سکی ہوں۔"

"میں نے تمہیں سختی سے ہدایت کی تھی کہ مجھ سے اجازت لئے بغیر تم اپنا ٹھکانا تبدیل نہیں کرو گی' پھر تم اپنے فلیٹ سے پٹھان کالونی کیوں گئیں؟" آرنیٹ کی آواز درشت ہو گئی۔

"میری بھی کچھ ترجیحات ہیں" ویرا نے قدرے برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "فلیٹ میں مجھے اپنی جان کا خطرہ تھا اور میرے پاس تم سے رابطہ کرنے کا وقت نہیں تھا۔"

"تمہیں وقت نکالنا چاہئے تھا!" اس نے زور دے کر کہا۔ "اب میں تمہاری حفاظت کا ذمے دار ہوں۔"

ویرا استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی "وہ مجھے ذبح کر کے چلے جاتے اور تمہارے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو پاتا کہ میں زندہ ہوں یا قتل کی جا چکی ہوں۔ تمہارا تو یہ حال ہے کہ تمہیں اب بھی معلوم نہیں کہ میں فلیٹ چھوڑ کر شہر کے کس حصے میں روپوش ہو گئی تھی۔ میں اپنی زندگی دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑنے کی عادی نہیں ہوں۔"

اسپیکر فون پر آرنیٹ کی خونخوار غراہٹ سنائی دی لیکن وہ ایک گھاگ سفارت کار تھا اور معاملات کی نزاکت کو فوراً ہی بھانپ لینے میں خاص ملکہ رکھتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس وقت ویرا اس کی دسترس سے نکلی ہوئی تھی اور زیادہ سختی دکھا کر وہ اسے اپنی گرفت میں نہیں لا سکتا تھا اس لئے اگلے ہی لمحے اس کا لہجہ نرم ہو گیا۔

"تم نے یہ غور نہیں کیا کہ شہر کے صرف ان دو علاقوں میں گولیاں کیوں چلیں جہاں تم موجود تھیں؟" جملے کی تکمیل تک اس کے لہجے کی نرمی مربیانہ انداز میں ڈھل چکی تھی۔ "گولیاں چلانے والے تمہارے محافظ تھے۔ تمہارے دشمنوں کو تم سے دور رکھنے کے لئے انہیں وہ تمام خطرات مول لینے پڑے اور تم دیکھ لو کہ ان کی نگہبانی کے نتیجے میں تم اب تک صحیح و سلامت ہو اور مجھ سے فون پر بات کر رہی ہو۔ تم باہر نکلتے ہی دیکھو گی کہ بہت سے لوگ

تمہیں اپنے حفاظتی حصار میں لے لیں گے اور عزت و احترام کے ساتھ تمہیں میرے پاس لے آئیں گے۔"

میرا دل چاہا کہ آرنیٹ کے اس مکارانہ سفید جھوٹ پر دل کھول کر قہقہے لگاؤں اور اسے بتادوں کہ وہ دونا سفارت کار ویرا کا سراغ کھو چکا تھا اور صرف چپ کے نشر کئے ہوئے اشارات کا تعاقب کر رہا تھا۔ پٹھان کالونی اور پھر لانڈھی کی داؤد چورنگی کے علاقے میں اندھا دھند گولیاں برسانے والے اس کے آدمی ویرا کے محافظ نہیں بلکہ اس کے شکاری تھے جو اُسے خوفزدہ کرکے اس کی کمین گاہ سے باہر ہانک کر اس پر جال پھینکنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔

لیکن ایسا کرنا قرین مصلحت نہیں تھا۔ اس وقت آرنیٹ اپنے کرتوتوں اور سفید جھوٹ کی بنا پر ویرا کے حلیف کے بجائے' ایک خطرناک حریف کا روپ دھار چکا تھا۔ وہ ویرا کو فریب دے کر اپنے جال میں پھانسنا چاہ رہا تھا اور دوسری طرف میری کوشش یہ تھی کہ اس کی خوش فہمیوں کو خاک میں ملائے بغیر اس کے عزائم سے آگاہی حاصل کروں کہ وہ ویرا سے کیوں ملنا چاہتا تھا؟ اس لئے میں نے اپنی اس بے ساختہ خواہش کو اپنے سینے ہی میں دفن کرلیا۔

لیکن ویرا بھی منطق لڑانے اور بال کی کھال نکالنے کے فن میں طاق تھی۔ اس نے فوراً ہی سوال داغ دیا "جب میں فلیٹ سے نکل کر پٹھان کالونی اور وہاں سے نکل کر لانڈھی آئی تو میرے یہ مردود محافظ کہاں مرے ہوئے تھے؟ ان مواقع پر انہوں نے میری حوصلہ افزائی کے لئے سامنے آنے کی ہمت کیوں نہیں کی؟"

کئی ثانیوں کے لئے اسپیکر فون پر سکوت چھایا رہا۔ ویرا نے اسے سوچ میں ڈال دیا تھا۔

"تم میری حیثیت اور مرتبے کو بھول کر مجھ سے الجھ رہی ہو!"

غیر معمولی سکوت کے بعد آرنیٹ کی گمبھیر آواز سنائی دی۔ اس بار وہ انگریزی الفاظ چبا چبا کر ادا کر رہا تھا "یہ سب باتیں میں تمہیں فون پر نہیں سمجھا سکتا۔ مجھ سے ملو گی تو بہت سی باتیں خود بخود تمہاری سمجھ میں آجائیں گی۔ تمہیں مجھ پر اعتماد کرنا چاہئے۔"

"عام حالات میں شاید میں ایسا ہی کرتی لیکن اس وقت میں خود کو اپنے نادیدہ دشمنوں میں گھرا ہوا محسوس کر رہی ہوں۔ میرے ارد گرد گولیاں برسائی گئی ہیں' خون بہایا گیا ہے۔ جب تک مجھے یقین نہیں ہو جاتا کہ خطرات سے نمٹنے کا مؤثر بندوبست کرلیا گیا ہے' میں کسی احمق کی طرح سڑک پر آکر مرنے کی حماقت نہیں کروں گی۔ مجھے یہ جاننے کا حق ہے کہ اگر تم میری حفاظت کروا رہے ہو تو اب تک تمہارے آدمی کہاں سوئے ہوئے ہیں؟"

"تم بلاوجہ جذباتی ہو رہی ہو' ویرا ڈارلنگ!" آرنیٹ کی مکارانہ آواز نرم اور شیریں ہوگئی "ان دونوں مواقع پر حالات مختلف تھے۔ میں نے انہیں تم سے دور رہ کر' تمہاری حفاظت کرنے کا حکم دیا تھا' لیکن اب حالات بدل چکے ہیں۔ وہ تم پر نظر پڑتے ہی تمہیں اپنے مضبوط حصار میں لے لیں گے۔"

"کیا تم یہ بتاؤ گے کہ تمہارے آدمیوں کی دی ہوئی اطلاعات کے مطابق میں دونوں مواقع پر کس لباس اور حلئے میں اپنے ٹھکانوں سے روانہ ہوئی تھی؟" ویرا کا لہجہ قدرے تلخ ہوگیا۔

"تم بھول رہی ہو کہ میں کوئی مقامی بدمعاش نہیں' بلکہ ایک سپر طاقت کا معزز سفارت کار ہوں" آرنیٹ کا لہجہ سخت اور تادیبی ہوگیا" براہِ راست نگرانی کرانے والوں میں سے کسی نہ کسی کو یہ بھی معلوم ہوگا مگر میں جزئیات میں الجھ کر اپنا قیمتی وقت برباد کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں صرف نتائج پر نظر رکھتا ہوں۔ میرے نزدیک اہمیت صرف اس بات کی ہے کہ تم آج بھی لانڈھی میں بخیر و عافیت موجود ہو۔"

"تو کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ تم پٹھان کالونی میں بھی میری موجودگی سے باخبر تھے؟"

"بے خبر رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" اس کی آواز میں برہمی عود کر آئی "میں نے تمہیں متنبہ کردیا تھا کہ تمہارے بدن میں خفیہ طور پر ایک چپ پیوست کردیا گیا ہے اور تم کہیں بھی میری نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکو گی۔"

"پھر تم نے ابتدا میں یہ سوال کیوں کیا تھا کہ لانڈھی سے پہلے میں کہاں تھی؟"

"اُس وقت مجھے تمہاری سرکشی کا اندازہ نہیں تھا۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ تم سچ بولتی ہو یا جھوٹ؟"

"تمہیں مجھ پر شبہ تھا تو میں بھی تم پر شبہ کرنے میں حق بجانب تھی" ویرا نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"تمہیں کیا شبہ تھا مجھ پر؟" آرنیٹ کی برہم آواز اس بار خاصی بلند تھی۔

"یہی کہ تمہارا کوئی آدمی میری حفاظت نہیں کر رہا اور میں پوری طرح اپنے دشمنوں کے رحم و کرم پر ہوں۔"

"اب کیا رائے ہے تمہاری؟" آرنیٹ کے صبر کا پیالہ لبریز ہو چلا تھا۔

"مجھے تمہاری باتوں پر یقین آگیا ہے۔" ویرا نے میری طرف دیکھ کر داہنی آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

"اوہ! خدا کا شکر ہے کہ میں نے تمہیں قائل کرلیا؟" گہرے سانس کے ساتھ آرنیٹ کی آواز آئی۔

"تم میرے پیشے سے واقف ہو۔ اگر میں محض کسی کے منہ سے مرعوب ہونے کی عادی ہوتی تو اب سے برسوں پہلے کہیں گم کی موت مر چکی ہوتی۔ جس طرح تم ایک نظام کے پابند ہو اُسی طرح میں اپنے اندر کی آواز کے سہارے فیصلے کرتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم نے میری گفتگو کا برا نہیں منایا ہوگا۔"

"پھر تم مجھ سے ملنے کب تک آرہی ہو؟" آرنیٹ کا اعتدال پر آچکا تھا۔

"میں وقت نہیں دے سکتی لیکن یہ میرا وعدہ ہے کہ میں جلد از جلد تمہارے گھر پہنچوں گی۔وہاں تمہاری حفاظت کرنے والوں کی تو خاصی نفری ہوگی؟" ویرا نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے پوچھا۔

آرنیٹ کی متکبرانہ ہنسی کی آواز ابھری، پھر وہ بولا "یہاں کی انتظامیہ اپنے سربراہوں سے زیادہ میری حفاظت کے لئے فکر مند رہتی ہے۔کیونکہ میرے کاؤنسلیٹ کی حفاظتی ترجیحات میں میرا نام سب سے اوپر ہے۔مقامی محافظ میرے احاطے کے گرد ہوتے ہیں لیکن اندر سی آئی اے کے ایجنٹ مامور ہیں۔میں انہیں ہدایت دے دوں گا۔ان میں سے کوئی تم سے تعرض نہیں کرے گا۔تم جب چاہو بے خوف و خطر میرے پاس آسکتی ہو۔"

"لیکن میرا پاس ورڈ کیا ہوگا؟" ویرا نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"یہ سب دقیانوسی باتیں ہیں۔وہ لوگ دستی اسکینر سے تمہاری جامہ تلاشی لیں گے۔تمہارے خفیہ چپ کے سگنل پر جوں ہی اسکینر پر آواز گونجے گی، تمہیں اندر آنے کی اجازت مل جائے گی۔"

ویرا نے معنی خیز نظروں سے ہماری طرف دیکھا پھر آرنیٹ سے بولی "میں آنے سے پہلے یہ جاننا چاہوں گی کہ ہماری ملاقات اس قدر ضروری کیوں ہوگئی ہے؟"

"بلیک کیٹ ٹی کے معاملے پر کچھ بات ہوگی۔پیش رفت رک جانے پر ہمیں سخت تشویش ہے۔"

"لیکن اس میں میری کسی کوتاہی کا دخل نہیں ...... وہ روپوش اور مفقود الخبر ہے۔"

"میری تشویش کا سبب بھی یہی ہے" آرنیٹ نے اعتراف کیا۔ "ایک شخص کی وجہ سے سارا منصوبہ خراب ہورہا ہے۔ہم زیادہ دیر تک اس کی واپسی کا انتظار نہیں کرسکتے۔"

"میں اس سلسلے میں کیا کرسکتی ہوں؟ مجھے دوسرا نام بتاؤ، میں اس سے معاملات طے کرلوں گی" ویرا نے رکھائی سے کہا "ایک طرف تو یہ حال ہے کہ تم چپ اور آدمیوں کے ذریعے میری پل پل کی نقل و حرکت کی خبر رکھتے ہو لیکن بلیک کیٹ ٹی کے بارے میں اس قدر مجبور اور بے خبر دکھائی دیتے ہو۔"

"تم ہمارے لئے بہت اہم ہو اس لئے تمہاری ہر لمحے حفاظت کی جارہی ہے" آرنیٹ کی مفاہمانہ آواز ابھری "بلیک کیٹ ٹی ہمارے لئے اتنا اہم نہیں ہے، بلکہ وہ تو سرے سے ہمارا آدمی ہی نہیں ہے۔"

"وہ کہیں پاتال میں تو نہیں اتر سکتا۔تمہاری بے خبری میرے لئے ناقابل فہم ہے۔"

اسپیکر فون پر آرنیٹ کے ایک گہرے سانس کی آواز ابھری پھر وہ بولا "تم فون پر بات کو غیر ضروری طور پر طول دے رہی ہو، تمہیں معلوم ہے کہ ان گھٹیا ایشیائی ملکوں میں ٹیلی فون پر گفتگو کرنا غیر محفوظ اور خطرناک ہوتا ہے۔کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس وقت اور کون ہماری باتیں سن رہا ہوگا۔"

"لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ٹیلی فونک گفتگو کی بنیاد پر کوئی مقامی افسر تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرات نہیں کرسکتا۔تمہاری قومیت نے تمہیں اس سرزمین پر سپرمین کا درجہ دلوایا ہوا ہے۔"

"تم بضد ہو تو سن لو کہ کل آدھی رات کے بعد سے میں بلیک کیٹ ٹی کی سلامتی کی طرف سے بہت فکر اور تشویش میں مبتلا ہوگیا ہوں" آرنیٹ کی آواز سے واقعی اس کی تشویش جھلک رہی تھی۔

"ظاہر ہے کہ اس تشویش کا سبب کوئی برا خواب ہوگا نہ تمہاری بے خوابی۔اس کا کوئی نہ کوئی مضبوط سبب بھی رہا ہوگا جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔"

"ہم اپنے ایجنٹوں کی سلامتی سے باخبر رہنے کے لئے ان کے جسموں میں ایسے سینسر نصب کردیتے ہیں جو علاقائی اسٹیشن کے لئے اُن کے دل کی دھڑکنیں نشر کرتے رہتے ہیں۔ملا سرکار کے سینسر کے سگنل کل رات سے موقوف ہوچکے ہیں۔"

آرنیٹ کے وہ فقرے میرے لئے چونکا دینے والے تھے، بین الاقوامی سراغ رسانی اور اسپائنگ میں جدید ترین ایجادات سے کام لینا، ہر دور میں ذمے داروں کا ایک محبوب مشغلہ رہا ہے لیکن آرنیٹ کے ذریعے بار بار ناقابلِ یقین سی باتیں سامنے آرہی تھیں۔نت نئی اور تیز ترین سفری سہولتوں کی وجہ سے جغرافیائی فاصلے اپنی اہمیت کھو بیٹھے تھے اور دنیا کا ہر علاقہ، ہر قوم کی دسترس میں تھا۔اپنے اپنے ملکی مفاد کے لئے خفیہ طور پر کام کرنے والے ہزاروں میل دور جاکر پُرخطر مہمات سر کرتے رہتے تھے اور اپنے بڑوں کو فیکس، سیٹلائیٹ فون یا طاقتور ٹرانسسٹرز پر اپنی سلامتی اور کارکردگی کی رپورٹیں دیتے رہتے تھے۔ان کی طرف سے رابطے میں طویل تعطل پیدا ہوتے ہی بڑوں کو ان کی سلامتی کی طرف سے فکر

لاحق ہوجاتی تھی اور دوبارہ رابطہ بحال نہ ہونے پر یہ تصور کرلیا جاتا تھا کہ وہ اپنے مشن میں کہیں کام آگئے ہوں گے۔

لیکن آرنیٹ کے ملک نے اس فن کے تمام پہلوؤں کو انتظار اور قیاس آرائیوں کے دائرے سے نکال کر سائنسی کلیوں سے منسلک کردیا تھا۔میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ لوگ اپنے ایجنٹوں کے دلوں کی دھڑکنیں' حساس اور جدید ترین سینسرز کے ذریعے سنتے ہوں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح صورتِ حال کے ادراک کے لئے' وہی سب سے بہتر' موثر اور منفرد بندوبست تھا۔وہ کسی بھی وقت یہ اندازہ لگا سکتے تھے کہ ان کا کوئی خاص آدمی نامساعد حالات میں پھنس کر قیدی بنایا جاچکا ہے یا اس کی زندگی کا چراغ ہی گُل ہوچکا ہے۔

آرنیٹ کے اس انکشاف پر ویرا نے چونک کر میری طرف دیکھا تھا لیکن اسپیکر فون آن ہونے کی وجہ سے ہم میں سے کوئی بھی زبان کھولنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"تم اپنے ایجنٹوں کو بے رحمی کے ساتھ مشینوں میں تبدیل کرنے کے عزائم رکھتے ہو" ویرا کہہ رہی تھی "آج اُن کے جسموں میں سینسرز اور چپ لگاتے ہو' کیا پتا کہ کل ان کے دل ودماغ کی جگہ بھی مائیکرو کمپیوٹر نصب کرانے لگو تاکہ وہ لوگ اپنی فہم وفراست سے کام لینے کے بجائے صرف تمہاری ہدایات کے تابع رہیں۔"

"تمہارے سائنس داں اپنی تجربہ گاہوں میں ایسے تجربات پر کام کررہے ہیں۔روبوٹ اب دقیانوسی ہوگیا ہے۔تم کسی بھی دن سن لوگی کہ بایونک آدمی وجود میں آچکا ہے۔جانوروں پر ہونے والے تجربات جس دن کامیابی سے ہم کنار ہوگئے' اسی دن دنیا میں انقلاب آجائے گا" وہ اپنی رَو میں بولے چلا گیا پھر اچانک ہی اسے دھیان آگیا کہ وہ اپنی پٹڑی سے اتر چکا تھا۔وہ چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "یہ تم نے مجھے کن فضول باتوں میں الجھالیا؟میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ ملا سرکار کی سلامتی کا سنگین معاملہ سامنے آجانے کے بعد تم کتنی دیر میں مجھ تک پہنچ سکتی ہو؟"

"جلد از جلد" وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے ویرا کے چہرے پر کرختگی عود کر آئی تھی "اگر ملا سرکار کے دل کی دھڑکنیں بند ہوچکی ہیں تو وہ اب اس جہاں میں نہیں ہوگا۔میرا تو خیال ہے کہ ایک مردے پر اپنا سر کھپانے اور وقت برباد کرنے کے بجائے اگر تم دہلی سے رابطہ کرو تو بہتر رہے گا اور وہ جلد از جلد ملا سرکار کا متبادل یہاں بھیج دیں گے۔اگر تم سینسر کے ذریعے اس کے دل کی دھڑکنیں سننے میں ناکام ہوچکے ہو تو اب میں اور تم تو کیا' ساری دنیا مل کر بھی بلیک کیٹ ٹی کو دوبارہ زندہ نہیں کرسکے گی۔ہمیں ہر حالت میں اُس کے متبادل کے بارے میں سوچنا ہوگا۔"

"میرے لئے یہی سب الجھنیں ہیں۔اتنی بات میں بھی جانتا ہوں کہ اب ہمیں جلد از جلد ملا سرکار کا متبادل میدان میں اتار دینا چاہئے۔یہ وقت گزر گیا تو شاید سندھ میں ایسے سازگار حالات برسوں پیدا نہیں ہوسکیں گے۔ہمارے لئے یہ ابھی یا پھر کبھی نہیں والا معاملہ بن چکا ہے۔لیکن میں اپنی معلومات دہلی کو منتقل نہیں کرسکتا۔"

"کیوں؟اس میں کیا مجبوری ہے؟آخر کو وہ دہلی ہی کا آدمی تھا اور تم سے مل کر اپنا کام سرانجام دے رہا تھا۔تمہارے ڈائریکٹر کو بھی معلومات کے اس تبادلے پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔"

"یہ باتیں تمہاری سمجھ سے بالا ہیں۔ہم نے بلیک کیٹ ٹی کے سینے میں جو سینسر چھپایا ہے' اس سے دہلی کے حکام بے خبر ہیں' اس حوالے سے بات کرتے ہی شدید سیاسی پیچیدگیاں پیدا ہوجائیں گی۔اس علاقے کے لوگ بہت تنگ نظر اور خود غرض ہوتے ہیں۔دہلی والے لامحالہ یہ سوچیں گے کہ ہم نے بلیک کیٹ ٹی کے ساتھ ہی' نہ جانے دوسرے کتنے لوگوں کے جسموں میں سینسر اور چپ لگائے ہوئے ہوں جو اُن کے تنخواہ دار ہوتے ہوئے ہمارے لئے کام کررہے ہوں۔دوستوں کے خلاف جاسوسی کرنے کے الزام سے ہم حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اس طرح ہمارے سارے دوست ہماری طرف سے بدگمانیوں کا شکار ہوسکتے ہیں۔ہم اپنی ساکھ بگاڑنے کا یہ خطرہ کسی بھی قیمت پر مول نہیں لے سکتے۔"

"اوکے ڈیئر!" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "یہ تم لوگوں کی رواداری ہے کہ ساکھ اور اعتماد کی فکر کرتے ہو ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا دوست بن جانے کے بعد کسی بھی ملک کے سامنے کوئی دوسری راہ باقی نہیں رہتی۔تمہاری ساری بے اعتدالیوں اور چیرہ دستیوں کے باوجود وہ تمہارے گُن گانے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ یہ بھیڑ کے بچے اور بھیڑیے کی دوستی ہوتی ہے۔اس دور میں مساویانہ دوستی کا تصور صرف غریب اور پسماندہ قوموں میں باقی رہ گیا ہے۔تم اس سے مستثنیٰ ہو۔"

"تم بہت بولتی ہو' ویرا!" اس کی آواز سے برہمی کے ساتھ ہی بے بسی بھی جھلک رہی تھی "میں اس وقت فون پر ہوں' تم آؤگی تو دیکھوگی کہ اس دوسری ملاقات میں' میں بھی خوش کلامی کا ریکارڈ قائم کردوں گا۔"

"اوکے' ڈیئر..... بائی" ویرا نے فوراً ہی سلسلہ منقطع کردیا۔

اسپیکر فون کے بند ہوتے ہی ہم سب نے بیک وقت بولنا شروع کیا پھر ایک دوسرے کو اپنی بات پوری کرنے کا اخلاقی موقع دینے کے لئے سب ہی یک بیک خاموش ہوگئے۔

مکمل سکوت کے عالم میں ہم چاروں احمقانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے پھر مضحکہ خیز صورتِ حال پر ہم سب ہی کی ہنسی چھوٹ گئی جو دیر تک جاری رہی۔

"تمہارا اندازہ سو فی صد درست تھا" سنجیدگی کی فضا بحال ہوتے ہی ویرا نے اعتراف کیا۔

"اور تم نے یہ بھی سن لیا کہ اسے اپنے سینسر کی وجہ سے ملا سرکار کی موت کا بھی علم ہوگیا ہے۔"

"یہ تو وہ شعبدے ہیں جو کسی نہ کسی مجبوری کی وجہ سے

ہمارے سامنے آ گئے۔ ان لوگوں نے نہ جانے کہاں کہاں اپنے جال بچھائے ہوئے ہوں گے' بڑی قومیں ہزار پا بلا سے کسی طرح کم نہیں ہوتیں۔ ان کا ایک پیر کاٹو تو دس دوسرے پیر اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ سائنسی ایجادات کو تخریبی راہوں پر ڈال کر انہوں نے خود کو ایک عفریت بنا لیا ہے" غزالہ بولی۔

"پھر تم کب جا رہی ہو' اپنے اس دوست سے ملنے؟" میں نے اسے سوال کیا۔

"تمہارے قیاسات کی تصدیق ہو جانے کے بعد میں فکر مند ہو گئی ہوں۔"

"فکر مندی سے کام نہیں بنے گا۔" میں نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا "اس نے تمہیں یہ تاثر دیا ہے کہ کسی اہم موضوع پر مشورہ کرنے کے لئے اُسے تمہاری ضرورت یا تلاش ہے لیکن اس کے کرائے کے غنڈے شہر میں جو حرکتیں کرتے پھر رہے ہیں ان کی بنا پر مجھے پورا یقین ہے کہ وہ خبیث تمہیں اٹھوانے کے چکر میں تھا۔ اس کے آدمیوں کو کہیں تمہاری جھلک بھی نظر آ جاتی تو وہ نہایت بے رحمی کے ساتھ تمہیں اغوا کر کے آرنیٹ کی تحویل میں پہنچا دیتے۔ اس کے مشتعل ہونے کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ تم نے اس کی اجازت کے بغیر اپنا ٹھکانا بدل لیا تھا۔"

"تمہارے کہنے کے مطابق اس کے آدمیوں نے کل جس وقت پٹھان کالونی اور لانڈھی میں اندھا دھند گولیاں چلائیں اس وقت ملا سرکار کا بال بھی بیکا نہیں ہوا تھا۔ اس کی موت رات دو بجے کے بعد واقع ہوئی تھی۔ ایسی صورت میں کیا یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ ملا سرکار کی موت کے بعد آرنیٹ کے عزائم میں تبدیلی رونما ہوئی ہے؟"

"تبدیلی تو اسی وقت زیر غور لائی جا سکتی ہے جب ہمیں یہ علم ہو کہ اس کے اصل عزائم کیا تھے؟ کل رات تک وہ تمہیں اٹھوانے کے لئے اتنا بے چین کیوں تھا کہ اس نے شہر کے امن و سکون کو درہم برہم کرنے کا خطرہ بھی مول لینے سے گریز نہیں کیا؟ اس کا جواب تلاش کرنے کے بعد ہی ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ویرا ملا سرکار کو اسلحہ اور ہتھیار فراہم کرنے میں تاخیری حربوں سے کام لے رہی ہے۔" اس بار سلطان شاہ نے اپنی رائے ظاہر کی تھی۔ "جب کہ ملا سرکار اور آرنیٹ کے اندازوں کے مطابق اندرونِ سندھ کی فضا شورش یا خانہ جنگی کے لئے سازگار ہو چکی ہے اس لئے وہ ویرا کو ہتھیاروں کی بلا تاخیر فراہمی پر مجبور کرنا چاہتا ہو گا۔"

"ہتھیاروں کے معاملے میں اس کی براہِ راست رسائی بھی ایک حد تک ہے۔ اسے ایسی کون سی مجبوری لاحق ہے کہ وہ میرے ہی شہر کے کنوؤں میں بانس ڈالوانے پر مجبور ہو جائے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"عمدہ سوال ہے" میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ "جمہوٗ لائیڈ ہتھیاروں کی کھیپ گودی یا پھر کسی خفیہ کھاڑی تک بھجوانے کا بندوبست کر سکتا ہے لیکن پاکستان میں اس کی ترسیل کی ذمے داری کون قبول کرے گا؟ آرنیٹ خود سامنے نہیں آ سکتا۔ اس کے آدمیوں کو ملا سرکار کی سازش کے سرپیر ہی کا کچھ پتا نہیں ہے۔ اس لئے اس قصے کی تکمیل کے لئے ویرا کا کردار بہت اہم اور ناگزیر بن چکا ہے۔ سازش کا درمیانی حصہ یہی پایۂ تکمیل کو پہنچا سکتی ہے۔"

"تو کیا وہ مجھے زبردستی مجبور کرنا چاہتا تھا؟" ویرا نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"قرائن سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔ "کم از کم کل رات تک اس کے عزائم یہی تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ملا سرکار کے دل کی دھڑکنوں کے سگنل غائب ہونے پر اس کے ارادوں میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہو۔ پھر تم ابھی تک اس کے لئے لاپتا تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری اس فون کال نے بھی اس کے دل میں تمہارے لئے کوئی نرم گوشہ پیدا کر دیا ہو۔"

"اس کے پاس تو اب بھی میرا کوئی سراغ نہیں ہے۔ اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اُس کی کسی ہمدردی کی بھی محتاج نہیں ہوں۔ دیکھا جائے تو میں اُس کی ایک اہم ضرورت بن چکی ہوں لیکن میرے لئے اس کی کوئی وقعت نہیں ہے بلکہ چپ سے چھٹکارا حاصل کر لینے کے بعد تو میں اس سے دور ہی رہنا چاہتی ہوں۔"

"اُس نے بھی تمہیں اپنے سینے سے لگانے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا ہے۔" سلطان شاہ کی زبان میں خارش ہونے لگی۔ "ملو گی تو وہ تمہیں دو چار فٹ دور ہی رکھے گا۔"

"تم نے پھر بکواس شروع کر دی؟" ویرا اس پر آنکھیں نکال کر غصیلے لہجے میں غرائی۔

"لیکن تم تو اس سے وعدہ کر چکی ہو کہ جلد از جلد وہاں پہنچو گی؟" میں نے کہا۔

"میرے سامنے اس وقت دو راستے ہیں۔ اول یہ کہ اس سے محاذ آرائی سے گریز کرتے ہوئے' اس سے دور رہوں۔ اسے پتا ہی نہ چلنے دوں کہ میں کہاں اور کس روپ میں ہوں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ سلطان شاہ کے پیارے دوست سے چپ لے کر جلد از جلد کہیں بھیج دیا جائے تاکہ آرنیٹ یہ سمجھتا رہے کہ میں شہر چھوڑ کر کہیں اور جا چکی ہوں۔ دوسرا راستہ کھلی محاذ آرائی کا ہے۔ میں اپنی جگہ کسی اور لڑکی کو چپ دے کر آرنیٹ کے گھر بھیج دوں۔ چپ کی وجہ سے حفاظت کرنے والے دھوکا کھا جائیں گے۔ لیکن جب آرنیٹ ایک اجنبی لڑکی کو اپنے سامنے دیکھے گا تو اپنا سر پیٹنے پر مجبور ہو جائے گا۔ لڑکی کی تلاشی لینے پر چپ برآمد ہو گا تو آرنیٹ سمجھ لے گا کہ میں اس کے حلقۂ اثر میں رہنے سے منکر ہو گئی ہوں....."

"لیکن تم نے یہ سوچا ہے کہ آرنیٹ' تمہارا آلۂ کار بننے والی لڑکی کا کیا حشر کرے گا؟" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔ "وہ تمہاری بغاوت کی ساری جھلاہٹ' اس معصوم

گناہ لڑکی پر اتار ڈالے گا اور اسی کے ساتھ شہر میں تمہاری تلاش کی مہم پوری شدومد کے ساتھ شروع کرا دے گا۔"

"اس کے پاس جانے والی لڑکی معصوم اور پارسا نہیں ہوگی۔" ویرا بے پروائی سے بولی۔

"گناہوں کی ایسی پوٹ تم نے کہاں پالی ہوئی ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"لی مارکیٹ کے سستے اقامتی ہوٹلوں میں سفید فام سیاح لڑکیاں خاصی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔"

"غضب خدا کا! تم لی مارکیٹ سے اس حد تک واقف ہو؟" سلطان شاہ بولا۔

"تم بھول رہے ہو کہ ہیروئن میری فیلڈ ہے۔" ویرا استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "اولڈ ٹاؤن کے وہ علاقے' ہر قسم کی تیز اور سستی منشیات کے سب سے بڑے خریدار ہیں۔ لمبی سیاحت پر نکلنے والے لڑکے لڑکیاں جب تنگ دستی اور مالی پریشانیوں کا شکار ہو کر چھوٹے موٹے جرائم اور جنسی ترغیبات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو لی مارکیٹ کے تنگ و تاریک مگر سستے اقامتی ہوٹل ہی ان کے لئے بہت زرخیز ثابت ہوتے ہیں۔ وہ چار دن کے لئے یہاں آتے ہیں لیکن سفید چمڑی پر مقامیوں کی وارفتگی اور پھر فیاضی کے سارے مہینوں بلکہ برسوں کے لئے یہیں جم جاتے ہیں۔ اخراجات کے لئے مناسب رقم اور خود فراموشی کے لئے من پسند نشہ ملتا رہے تو بھلا کس بشنی کا یہاں سے جانے کو دل چاہے گا؟ کراچی سے اکتا جانے کے بعد یہ لوگ پشاور میں ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔ ان لوگوں سے ذرا سے مالی لالچ کے سہارے کوئی بھی کام لیا جا سکتا ہے۔"

"تو گویا تم اپنی جگہ ایسی ہی کسی ضرورت مند مگر سفید فام لڑکی کو پھانس کر آرنیٹ کے پاس بھیجنے کا ارادہ رکھتی ہو۔" سلطان شاہ اس بار سنجیدہ تھا۔ "اگر آرنیٹ نے مشتعل ہو کر اسے قتل ہی کر ڈالا تو اس خود غرضی پر تمہارا ضمیر تمہیں ملامت نہیں کرے گا؟ وہ لڑکیاں لاکھ مجرم سہی لیکن قتل کی سزاوار تو ہرگز نہیں ہوں گی۔"

"وہ اس کا مقدر ہوگا۔ یہاں ٹھہرنے والا ہر مفلوک الحال سفید فام اتنی رقم جمع کرنے کے چکر میں رہتا ہے کہ اس کی مدد سے' یہاں سے واپسی پر ایک دو کلو ہیروئن اپنے ساتھ لے جا سکے اور پھر اس کے سہارے لکھ پتی بن سکے۔ تم ان باتوں سے بے خبر ہو مگر میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ پاکستان کی اعلیٰ اور سستی ہیروئن' مدفون خزانوں اور سونے کی کانوں کی طرح اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جن لوگوں کے بنیادی عزائم اس قدر حریصانہ ہوں' ان کا زندہ رہنا ان کے قتل ہو جانے سے زیادہ مہلک ہوتا ہے کیونکہ تمہارے نظام میں فرد کے بجائے قوم یا معاشرے کی [illegible] پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔"

"تم ہمارے مذہب پر اتھارٹی کب سے بن گئیں؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔ وہ [illegible] کے بارے میں ہدایات دے کر اسی وقت واپس آئی تھی۔

"میں جہاں بھی جاتی ہوں وہاں کی زبان اور کلچر سے واقفیت حاصل کئے بغیر نہیں جاتی۔ مجھے اسلام کے بارے میں تمہارے بہت سے شہریوں سے زیادہ معلومات ہیں۔ تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہونے کو کافی سمجھ لیا ہے اور اپنے مذہب کی مبادیات تک سے بے خبر ہیں۔ یہ پوری پوری عمریں اسی بے خبری کے عالم میں گزار دیتے ہیں لیکن ان کا من پسند مولوی جوں ہی یہ ہولناک انکشاف کرتا ہے کہ فلاں شخص نے ان کے دین کے فلاں اصول کی تردید' توہین یا سنگین خلاف ورزی کی ہے تو ایسے تمام پیدائشی مسلم' پتھر سے کلاشنکوف تک سنبھال کر سڑکوں اور گلیوں میں نکل آتے ہیں۔ میں تمہارے مذہب کے بارے میں ایسے بے خبروں سے کہیں زیادہ باخبر ہوں۔ مغربی معاشرہ اپنی بنیادی اکائی یعنی فرد کی اصلاح پر زور دیتا ہے۔ وہاں مجرم کو کڑی سزا دینے کے بجائے جیل میں اس کی اصلاح پر دھیان دینے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ مگر میں جانتی ہوں کہ یہ نظریہ بری طرح ناکام رہا ہے۔ جیل سے جو بھی باہر آتا ہے وہ پہلے سے زیادہ بڑا مجرم بن کر آتا ہے۔ جیلوں کی مراعات نے پیشہ ور مجرموں کے دلوں سے سزا کا خوف ختم کر دیا ہے۔ اس کے برعکس تمہارے یہاں مستند مجرم کو عبرت ناک سزائیں دینے کا حکم ہے۔ ایک چور کا ہاتھ کاٹا جائے تو ہزاروں دوسرے افراد ایسے فعل سے باز رہتے ہیں۔ انسانیت کے نام نہاد دعوے دار ان سزاؤں کو ظالمانہ قرار دیتے ہیں مگر میری رائے میں عالمی بہبود کا راز اسی نظریے میں ہے۔ اس کے تحت منشیات کی اسمگلنگ کرنے والے موت کے حقدار ہیں۔ اگر میری جگہ جانے والی لڑکی ماری گئی تو میں سمجھوں گی کہ اس کے خلاف تمہارا نظام فطرت حرکت میں آیا ہے۔"

"تمہاری یہ طویل تقریر اپنی جگہ' میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے ذہن میں اس صورتِ حال سے نمٹنے کا کوئی تیسرا راستہ بھی ہے یا تم اس سے آگے جانے پر آمادہ نہیں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"تیسرا راستہ اس کی ہدایت پر عمل کرنے کا ہے' جس سے میں خائف ہوں۔" اس نے کسی آڑ موڑ کے بغیر واضح الفاظ میں اعتراف کر لیا۔ "ایک طرف اُسے میرے باپ' جمی لائیڈ کا بھرپور تعاون حاصل ہے اور دوسری طرف اسے یہاں غیر معمولی سطح کی مراعات حاصل ہیں۔ ایسے مضبوط مخالف کا سامنا کرنے کا احساس ہی میرے لئے گھٹن کا سبب بن جائے گا۔"

"ملا سرکار کی موت کے بعد صورتِ حال میں ڈرامائی تبدیلی رونما ہوئی ہے۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اب [illegible] مخلص کارندوں کی ضرورت ہے۔ اگر تم چپ چاپ جیب میں ڈال کر اس کے پاس چلی جاؤ تو اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکے گا کہ تم نے پٹھان کالونی اور [illegible] میں اس کے [illegible] کو بھٹکایا تھا۔ اگر تم اس سے مل بیٹھنے پر آمادہ [illegible] جاؤ تو اس [illegible] پڑھنے اور اپنی حکمتِ عملی مرتب کرنے میں خاصی

مل سکے گی۔"
"میں اس سے مل کر واپس لوٹنے میں کامیاب ہو گئی تو ٹھیک ہے لیکن یہ سوچو کہ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو کیا ہوگا۔ تم لوگوں کو کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکے گا کہ مجھ پر کیا گزری ہے۔"
"اس کا تمام تر انحصار تمہارے اپنے رویّے پر ہوگا۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "تم نے شرف آباد والے فلیٹ سے پٹھان کالونی اور وہاں سے لانڈھی منتقلی کے بارے میں اسے جو کہانی سنائی' وہ خاصی اثر انگیز تھی۔ اس طرح تم نے اس کے ذہن میں اپنے فرضی دشمنوں کا ہوّا کھڑا کر دیا ہے۔ ان فرضی دشمنوں کی آڑ لے کر سلطان شاہ' آرنیٹ کی قیام گاہ سے قریب ترین' کسی محفوظ مقام تک تمہارا پیچھا کر سکتا ہے اور تم بھی آرنیٹ کو بتا سکتی ہو کہ تم اپنا تعاقب کرنے والے کو بڑی مشکل سے جُل دے کر اس کے گھر تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی ہو۔"
"اگر تمہارے لئے اس کے آئندہ عزائم سے آگاہ ہونا اسی قدر ضروری ہے تو میں اس مشن کی خاطر یہ خطرہ بھی مول لینے کے لئے تیار ہوں لیکن ان تمام کارروائیوں میں تمہیں یہ بات ذہن نشین رکھنی ہوگی کہ میں نہ پاکستانی ہوں اور نہ تمہارے ملک کی نمک خوار۔ میری اصل منزل اب شی پر قبضہ کرنا ہے۔ میں اپنے باپ کو اس کی زندگی ہی میں معزول کر کے اس کی مسند پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہی ہوں تاکہ ایک دن وہ مجبور ہو کر خود کو میرا باپ تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جائے۔"
"فی الحال شی ہمارے معاشرے کی رگوں میں ہیروئن کا زہر پھیلانے کی کوشش کر رہی ہے۔" میں نے گمبھیر سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "اگر تم وعدہ کرو کہ شی کے اقتدار پر قابض ہونے کے بعد تم شی کی ترجیحات کو بدل دو گی اور پاکستان سے حاصل ہونے والی سو فیصد ہیروئن ہمارے ملک سے باہر لے جاؤ گی تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے پورا پورا تعاون کیا جائے گا۔"
"تم خریداری اور باہر اسمگلنگ کے طویل المیعاد معاہدے کرنے پر آمادہ ہو جاؤ تو میں قبائلی مَلکوں اور خانوں سے بات کر کے آزاد علاقے میں ہیروئن سازی کی دس بیس نئی فیکٹریاں کھڑی کرادوں گا جو صرف تمہارے لئے کام کریں گی۔" سلطان شاہ نے اپنی بات پوری ہوتے ہی پیشکش کی۔
"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ اگر مجھے آرنیٹ کے پاس بھیجنا ہے تو تمہیں پہلے اپنے دوست سے چپ لانا ہوگا۔ اس کے بغیر میں آرنیٹ کا رخ نہیں کر سکتی۔" اس نے سلطان شاہ سے کہا۔
"لیکن تم خود شروت خان کے پاس نہیں جاؤ گے۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس علاقے کی نگرانی کرنے والے بدمعاشوں میں سے کوئی تمہیں بھی جانتا ہو۔ اپنے کسی [illegible] دوسرے کے ذریعے شروت خان سے چپ منگوا لو۔"
"چپ یہاں آئے گا تو یہ مکان بھی آرنیٹ کی نظروں میں آجائے گا۔" غزالہ کی آواز پُر تشویش تھی۔
"ہمیں چپ کے ذریعے نشان دہی کا طریقہ معلوم ہے اس لئے ہم آرنیٹ کی نگاہوں سے بچے رہیں گے۔ چپ آدھے گھنٹے سے زیادہ یہاں نہیں رہے گا۔ اس طرح آرنیٹ کو اتنا وقت ہی نہیں مل سکے گا کہ وہ اپنے اسکینر پر اس علاقے کا تعین کر کے اپنے کسی آدمی کو یہاں بھیج سکے اور وہ اپنے دستی آلے کی مدد سے ہم تک پہنچ سکے۔ اس سے پہلے ہی چپ یہاں سے کہیں اور منتقل کر دیا جائے گا اور آرنیٹ ہمارا سراغ نہیں پا سکے گا۔"
"وہ علاقے کا تعین بھی نہ کر سکے تو زیادہ بہتر ہوگا۔" غزالہ نے اپنی رائے پیش کی۔ "گرینڈ ہوٹل کے کمرے ابھی تک تمہارے پاس ہیں۔ یہ کام وہیں کیوں نہ انجام دیا جائے؟"
اس کی بات معقول تھی اس لئے ہم تینوں نے فوراً ہی اسے تسلیم کر لیا۔
طے یہ پایا کہ سلطان شاہ اسی وقت ویرا کے ساتھ گرینڈ ہوٹل چلا جائے۔ ویرا کو وہاں چھوڑ کر وہ چپ کی بازیابی کی مہم پر روانہ ہو جاتا۔ چپ حاصل کرنے کے بعد وہ دوبارہ گرینڈ ہوٹل واپس آتا۔ ویرا چپ لے کر ایک ٹیکسی میں آرنیٹ کے گھر کی طرف روانہ ہو جاتی اور سلطان شاہ جہانگیر کی اس چھوٹی کار میں اس کا تعاقب شروع کر دیتا جو میں اسی وقت اس کے حوالے کر رہا تھا۔ ان دونوں کی واپسی گرینڈ ہوٹل ہی میں ہونی تھی۔
"تو یہ کہو کہ ہم دونوں کو دھندے سے لگا کر تم کچھ وقت غزالہ کے ساتھ تخلیے میں گزارنا چاہتے ہو۔" ویرا نے وہ معاملات طے ہونے پر ایک بلند آہنگ قہقہہ لگا کر کہا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی۔ حیا سے اس کا چہرہ گلنار ہو گیا تھا۔
ویرا کا اگلا تبصرہ خاصا جارحانہ تھا جس کا جواب دینا غزالہ کے بس سے باہر تھا اس لئے وہ شرمسارانہ انداز میں ڈرائنگ روم سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔
شہر کی فضا پر رات کا اندھیرا گہرا ہو چلا تھا اور میری ایماندارانہ رائے یہ تھی کہ ویرا کو ڈھلتی ہوئی رات کا سناٹا پھیلنے سے پہلے اپنے مشن سے لوٹ آنا چاہئے۔ اس لئے میں نے اُس کی ہرزہ سرائی کی پروا کئے بغیر اسے فوری طور پر سلطان شاہ کے ساتھ وہاں سے روانہ کر دیا۔
حقیقت یہ تھی کہ اس وقت میرے ذہن پر سیٹھ حبیب جیوانی اور مسز جیوانی کا مسئلہ سوار تھا جس سے ویرا سرے سے بے خبر تھی اور میں تخلیہ میسر آنے پر اس مسئلے کا کوئی حل تلاش کرنا چاہتا تھا۔
اپنی غیر حاضری کے دوران میں سینڈو اور مافیا کے دوسرے اراکین سے میرا رابطہ سرے سے منقطع رہا تھا اور مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ اس محاذ پر کیا صورتِ حال تھی۔
میں ڈان تھری کی سفارش پر مافیا میں شامل ہو کر اتنی تیزی کے ساتھ اوپر آیا تھا کہ سیٹھ حبیب جیوانی کے برے دنوں میں مقامی مافیا کی سربراہی مجھے سونپ دی گئی تھی۔ میری وہ سرخروئی سیٹھ

حبیب جیوانی تو ایک آنکھ بھی نہیں بھائی تھی اور وہ میرے وجود کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھ کر میرے خلاف در پردہ ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ بظاہر وہ میرا خیر خواہ بنا ہوا تھا لیکن اس کے دل میں میری طرف سے کینہ پروان چڑھ رہا تھا۔
ایک طرف وہ مجھے ڈھیل دے رہا تھا اور میں کچھ اس کی نرمی کچھ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ٹریڈ لائن کے دفتر سے کافی عرصے سے غائب تھا۔ اور وہ میری اسی غیر حاضری کو سپر ڈان یا ڈان تھری کے سامنے میری غیر ذمے داری کے ثبوت کے طور پر پیش کرنا چاہتا تھا۔ اس کی ان ہی مکارانہ سرگرمیوں کی وجہ سے میں نے اس کی بیوی کو اغوا کیا تھا تاکہ وہ ذہنی پراگندگی کا شکار ہونے کی وجہ سے میرے خلاف سوچنے کے قابل نہ رہ سکے۔
اس طرف کی خبریں حاصل کرنے کے لئے میں نے ٹریڈ لائن کا نمبر ملایا لیکن دوسری طرف سے سینڈو کے بجائے کسی اور کی آواز سن کر مجھے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ بولنے والے نے بتایا کہ سینڈو کی واپسی کے بارے میں وہ وقت کا کوئی تعین کرنے سے قاصر تھا۔ میں نے سیٹھ حبیب جیوانی کو بتایا ہوا تھا کہ میں ملک کے شمالی علاقے میں اپنے ایک بزرگ رشتے دار کے گھر پر صاحب فراش تھا اس لئے میں نے سینڈو کے لئے کوئی پیغام چھوڑے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔
میری اگلی فون کال سیٹھ حبیب جیوانی کے لئے تھی۔ وہ گھر پر موجود تھا اور دوسری طرف سے اسی نے ریسیور اٹھایا تھا۔
"کیا حال ہے چیف؟" میں نے اس کی آواز پہچانتے ہی بے تکلفی کے ساتھ سوال کیا۔
"اوہ، ڈیئی؟" اس کی تحیر زدہ، اضطراری آواز ابھری۔ "تم کہاں سے بول رہے ہو؟"
"ملتان کے ایک ہوٹل سے بول رہا ہوں۔ کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان معلوم ہو رہے ہو؟"
"ہاں' پریشان تو ہوں۔ لیکن تم ملتان کیسے پہنچ گئے؟ تم تو شمالی علاقے میں اپنے کسی عزیز کے گھر پر بیمار پڑے ہوئے تھے اور سفر کرنے سے یکسر معذور تھے۔"
"غیر معینہ مدت کے لئے تو کسی کے گھر بیمار بھی نہیں پڑا جا سکتا۔ میں نے اب واپسی کا سفر قسطوں میں شروع کیا ہوا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ملتان میں میرا پہلا پڑاؤ ہے۔ اگلی منزل صادق آباد یا سکھر میں ہو گی۔ دو تین روز میں' میں کراچی واپس لوٹ آؤں گا۔ اپنے شہر سے دور رہ کر بیماری بھی زیادہ پریشان کرنے لگی ہے۔"
"تو کیا تم ٹرین سے سفر کر رہے ہو؟" اس نے حیرت کے ساتھ سوال کیا تھا۔
"مجبوری ہے۔" میں نے کمزور آواز میں کہا۔ "صحت کی خرابی کی بنا پر ڈاکٹروں نے فضائی سفر سے روکا ہوا ہے ورنہ میں تو کئی دن پہلے کراچی آ چکا ہوتا۔ تم نے ابھی تک اپنی پریشانی کے اسباب پر کوئی بات نہیں کی۔"
"میرے تمام آدمی الّو کے پٹھے ہیں۔ اس وقت میں بڑی شدت کے ساتھ تمہاری کمی محسوس کر رہا ہوں۔ کئی دن پہلے میری بیوی کو میرے گھر سے اغوا کر لیا گیا تھا۔ سینڈو اپنے آدمیوں کے ساتھ دن رات جھک مارنے کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہیں لگا سکا ہے۔ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ جو شخص اپنی بیوی کی حفاظت نہ کر سکے' اس کے بارے میں ڈان کی کیا رائے ہو گی۔"
"تو کیا کوئی ڈان کراچی میں آیا ہوا ہے؟" میں نے معصوم لہجے میں سوال کیا۔
"وہی پرانی کہانی ہے۔" اس کے لہجے سے بے زاری عیاں تھی۔ "ابھی تک تو کوئی نہیں آیا لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کب کون سا ڈان ہمارے سروں پر سوار ہو جائے۔ کسی کے آنے سے پہلے میں اپنی بیوی تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ڈان یہاں آ کر مدر مافیا کے کارندوں ہرکاروں کو بھی تمہاری بیوی کی تلاش پر مامور کر دے۔ وہ تمہاری بیوی ہونے کے ساتھ ہی ایک مافیا چیف کی بھی بیوی ہے۔ اس کا اغوا مقامی اور مرکزی تنظیم کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے۔ نقاہت کی وجہ سے میں ایک دو دن کے لئے ملتان میں آرام کرنا چاہ رہا تھا۔ تم حکم دو تو میں پہلی ٹرین سے کراچی کے لئے روانہ ہو سکتا ہوں۔ ویسے میں گنے چنے پیشہ ور لوگ ہیں جو اس واردات میں ملوث ہو سکتے ہیں۔ ان ہی سے چھیڑ چھاڑ کر کے کوئی کام کی بات اگلوائی جا سکتی ہے۔ تمہاری بیوی میں جرائم کی دنیا سے باہر کا کوئی آدمی دلچسپی نہیں لے سکتا۔"
"یہی چھوٹی سی بات سینڈو کی کھوپڑی میں نہیں سما رہی۔" میری ہمدردانہ قیاس آرائی سنتے ہی وہ مکارِ اعظم ایک دم پھٹ پڑا۔ "وہ ہر روز پُراعتماد یقین دہانیاں کراتا ہے اور رات کو منہ لٹکا کر ناکامی کا اعلان کر دیتا ہے۔"
"تم برا نہ مانو تو ایک امکان اور بھی ہے۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں ابتدا کی اور اس کی اجازت کا انتظار کئے بغیر زہریلا تبصرہ جاری رکھا۔ "اگر تمہاری بیوی کسی کے عشق میں مبتلا تھی اور اُس کے ساتھ بھاگ گئی ہے تو سینڈو کیا' میں خود بھی کچھ نہیں کر سکوں گا لیکن اس بارے میں تم ہی کچھ کہنے کی پوزیشن میں ہو۔"
مافیا کے مقامی بیورو کا چیف' اس وقت ایک پٹا ہوا مہرہ تھا۔ عام حالات میں وہ شاید مجھے اس موضوع پر لب کشائی کی اجازت بھی نہ دیتا لیکن اس وقت وہ میری دی ہوئی اس تنگی گالی کو بھی آسانی کے ساتھ نگل گیا۔
"کم از کم میں اُس کے کسی عاشق کے وجود سے واقف نہیں ہوں۔" ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز سنائی دی۔
"اس نے ہر برے وقت میں جس طرح میرا ساتھ دیا ہے اس پر میں نے کبھی بھی اس پر نظر رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے میری چشم پوشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اگر کسی کو دھوکا

محبت کی پینگیں بڑھالی ہوں تو میں اس سے لاعلم ہوں۔"
اس وقت اس موذی کی تھوتھنی میری جوتی تلے آگئی تھی اس لئے میں اس کے ساتھ کوئی رعایت کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں نے اس کی انا کو تہس نہس کرنے کی نیت سے کہا۔ "میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا لیکن تم بتاتے ہو کہ وہ حسین' جوان اور خوش بدن عورت ہے۔ جب تک تم جرمنی میں سزا بھگتتے رہے' وہ یہاں ایک فلیٹ میں تنہا رہتی رہی۔ جوان' حسین اور دلکش عورتوں کے لئے اتنی طویل تنہائیاں عذاب ثابت ہوتی ہیں اور وہ جلد ہی کہیں نہ کہیں' کسی نہ کسی آشنا کے سامنے سر ڈال دیتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہجر کے دنوں کا وہ گناہ' اب اس کے گلے پڑ گیا ہو اور وہ اسی کے ساتھ نکل گئی ہو۔"
میری بات مکمل ہو گئی تھی لیکن وہ سمجھا کہ میرے کچوکے شاید جاری رہیں گے اس لئے وہ بے ساختہ بول اٹھا۔ "بس ڈیٹی' اب چپ ہو جاؤ۔ تم تو یہ سب اس طرح بتا رہے ہو جیسے تم اس کے محرم راز رہے ہو۔ وہ بری یا بھلی' جیسی بھی تھی' میری بیوی تھی۔ اور میں اسے' زندہ یا مردہ' ہر حالت میں اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔"
"ٹھیک ہے' چیف!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں کراچی پہنچتا ہوں۔ پھر دیکھوں گا کہ تمہاری بیوی کی تلاش کے سلسلے میں' میں کیا رول ادا کر سکتا ہوں۔"
میرا ہاتھ اس کی دکھتی ہوئی رگ پر پڑ گیا تھا' وہ تلملا اور بلبلا کر اس موضوع سے بھاگنا چاہ رہا تھا لیکن میں اسے گھیر گھار کر اسی موضوع میں الجھا کر ذلیل کئے جا رہا تھا اس لئے ہماری گفتگو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی اور میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر کے ایک سگریٹ سلگائی اور صوفے پر پاؤں پسار کر دراز ہو گیا۔
"یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔" غزالہ کی ملامت آمیز آواز سن کر میں چونک پڑا۔ وہ میری لاعلمی میں نہ جانے کس وقت ڈرائنگ روم میں آکر ایک گوشے میں بیٹھ گئی تھی۔
"کس بارے میں رائے زنی کی کوشش کر رہی ہو؟" میں نے پہلو بدل کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے' تیکھے لہجے میں پوچھا۔
"تم نے حبیب جیوانی کے دل میں اس کی بیوی کی طرف سے بدگمانی کا بیج بو کر اچھا نہیں کیا۔"
"میں سوچے سمجھے بغیر کوئی لفظ اپنی زبان سے نہیں نکالتا۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر دھوئیں کے مرغولے اگلتے ہوئے کہا۔ "وہ پہلے گناہ گار ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو لیکن اب وہ جس شوق کے ساتھ جہانگیر کے ساتھ کھیل رہی ہے' اس کی بنا پر اسے ہر الزام دیا جا سکتا ہے۔ وہ کھل کر اپنے شوہر سے بے وفائی کی مرتکب ہو رہی ہے۔"
"لیکن وہ ہماری قیدی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حالات سے سمجھوتے کے تحت وہ جہانگیر کی چیرہ دستیاں برداشت کر رہی ہو تاکہ جلد از جلد رہائی حاصل کر سکے۔"

"مجھے چکر دینے کی کوشش نہ کرو۔ اس سے پہلے تم خود مجھے بتا چکی ہو کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مار دھاڑ کرنے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش رہتے ہیں۔" میں نے قدرے ترشی کے ساتھ کہا۔
"پھر اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" غزالہ نے بحث جاری رکھنے کے بجائے سوال کیا۔
"خانم سے ملاقات کروں گا۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس وقت تک میرے ذہن میں اس خاتون سے ہونے والی پوری گفتگو کا ایک خاکہ مرتب ہو چکا تھا اور میں اس کے سنگین نتائج سے بھی پوری طرح آگاہ تھا۔ ان نتائج کی بھنک مل جانے پر غزالہ کسی بھی قیمت پر مجھ سے اتفاق نہ کرتی لیکن میرے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا تھا۔
میں نے مسز جیوانی کی خواب گاہ کے ہضمی قفل میں چابی گھمائی تو میں اس کی طرف سے کسی بھی ناخوشگوار ردعمل کا مظاہرہ برداشت کرنے کے لئے تیار تھا لیکن دروازہ کھلنے تک کچھ بھی نہیں ہوا۔ دروازہ کھلا تو میں نے دیکھا کہ وہ سامنے ہی' پُرتکلف بستر پر پورے سنگھار کے ساتھ دراز تھی اور اس کی پُرشوق نگاہیں کھلتے ہوئے دروازے پر مرکوز تھیں۔ اس کے اطمینان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت دروازے پر کسی شناسا چہرے کی جھلک دیکھنے کی توقع کر رہی تھی جو میری دانست میں جہانگیر کے سوا اور کون ہو سکتا تھا؟
مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ ہڑبڑا کر بستر سے اتری اور اپنا لباس درست کرتے ہوئے غصے سے مجھے گھورنے لگی۔
اسے قدرت نے دلکش خدوخال کے ساتھ سرخ و سفید رنگت سے نوازا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی' اس کے بشرے پر غصے کی وجہ سے جو تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کی وجہ سے غزالہ کے قیاسات کی فوری تائید ہو گئی کیونکہ مسز جیوانی کے دہکتے ہوئے رخساروں پر نیل اور خراشوں کے نشانات بہت نمایاں تھے جن کی ایجاد میں جہانگیر کے علاوہ کسی اور کا دخل نہیں ہو سکتا تھا۔
میں نے اس شعلۂ بداماں خاتون سے نگاہیں چار ہوتے ہی' اپنے سر کو خم دے کر اسے تعظیم پیش کی۔
"تم پھر آگئے؟" اس نے مجھے قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔
"ہاں مادام!" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "جب تک تم یہاں گلچھرے اڑا رہی ہو' میں تمہاری نگرانی کرنے پر مجبور ہوں کیوں کہ اس وقت تم میری ہی تحویل میں ہو۔"
"لل۔۔۔ لیکن جہانگیر نے تو بتایا تھا کہ اب تم درمیان سے ہٹ چکے ہو اور میری دیکھ بھال کی ذمے داری اس پر آگئی ہے۔" میرے انکشاف پر اس نے قدرے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔
"وہ بہت ندیدا اور خود غرض آدمی ہے۔" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "اس نے تمہیں رام کرنے کے لئے یہ کہانی تراش لی

ہوگی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ابتدا سے اس لمحے تک تم میری ہی تحویل میں رہی ہو۔"

"لیکن اتنے طویل وقفے کے بعد تم کیوں آئے ہو؟ میں تمہاری منحوس صورت نہیں دیکھنا چاہتی۔ جہانگیر تم سے کہیں زیادہ شریف اور قابلِ اعتماد آدمی ہے۔" وہ جھلائے ہوئے، غصیلے لہجے میں غرائی۔

"میرا نام پیڈرو ہے مادام!" میں نے دانت نکال کر سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "جہانگیر عورتوں سے پٹ کر لطف اندوز ہوتا ہے اور میں ان کی بوٹیاں تل کر کھانے میں لطف محسوس کرتا ہوں۔ تم نے جہانگیر کے ساتھ خاصا وقت گزار لیا ہے۔ اس کی سعادت مندی کے سامنے تم اپنے سیاہ کار شوہر کو بھی بھول بیٹھی ہو اس لئے میں تمہیں یہ یاد دلانے آیا ہوں کہ اب تمہاری واپسی کا وقت قریب آگیا ہے تم کو یہاں سے اپنا بستر بوریا سمیٹ لینا چاہئے۔"

"تم جو کوئی بھی ہو، اول درجے کے خبیث اور بدمعاش ہو۔" وہ تنک کر بولی۔ "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم نے مجھے کیوں اغوا کرایا تھا اور اب کیوں رہا کرنے پر آمادہ ہوگئے ہو؟"

"سیدھی سی بات ہے کہ جہانگیر تمہیں دیکھ کر تمہارے سوکھے عشق میں مبتلا ہوگیا تھا۔ دوسری طرف مجھے سیٹھ حبیب جیوانی کی کسی دکھتی رگ کی تلاش تھی، اس لئے میں نے جہانگیر کے عشق کے سوکھے پودے کی جڑوں کو تمہارے دلکش وجود کی نمی سے سیراب کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اب جہانگیر کے ارمان بھی پورے ہوچکے ہیں اور میرا کام بھی بن گیا ہے۔"

وہ واقعی خاصی غصہ ور عورت تھی۔ اس نے سائیڈ ٹیبل سے پرفیوم کی ایک شیشی اٹھا کر میری طرف دے ماری۔ میں اس کی طرف سے پہلے سے ہوشیار تھا مگر پھر بھی اپنا سر بچالینے کے باوجود میں فضا میں اڑ کر آتی ہوئی اس شیشی کو لپکنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ شیشی دیوار سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہوگئی اور خوابگاہ تیز خوشبو میں نہاگئی۔

"تمہارا کیا کام بنا ہے؟" اس نے غراتے ہوئے سوال کیا۔

"جب تک میں تمہارے مکروہ عزائم نہیں جان لوں گی، میں اس گھر سے باہر قدم نہیں رکھوں گی۔ تم دیکھو گے کہ میرا اغوا تمہیں مہنگا پڑے گا۔"

"اس کا مجھے پورا اعتراف ہے۔" میں نے خلوص کے ساتھ کہا۔ "ان چند دنوں میں جہانگیر کی صحت گر گئی ہے۔ اس کی پیشانی پر ایک ابھار طلوع ہوچکا ہے۔ اس گھر کے اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں۔ مزید تشویش کی بات یہ ہے کہ تم اب آسانی کے ساتھ جہانگیر کا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو۔ اگر مجھے یقین ہو کہ میرے عزائم سے واقف ہونے کے بعد تم یہاں سے چلی جاؤ گی تو میں ابھی بلکہ اسی وقت تمہیں اپنا ہمراز بنانے پر آمادہ ہوں......"

"تم.... الو کے پٹھے....." غصے اور بے بسی کے ملے جلے جذبات سے اس کی آواز بھرا گئی۔ "تمہیں معلوم ہے کہ میں یہاں قیدی ہوں، اپنی مرضی سے نہیں رہ رہی ہوں۔ اور تم پھر بکواس کئے جارہے ہو۔ جس طرح تم مجھے میری مرضی کے بغیر یہاں لائے ہو، اسی طرح میری مرضی کے بغیر مجھے باہر پھنکوا بھی سکتے ہو۔"

"اس گھر کے کچھ اصول ہیں۔ یہاں مہمان اپنی مرضی سے آتا ہے اور ہماری مرضی سے واپس جاتا ہے۔ جب کہ قیدی ہماری مرضی سے آتا ہے اور اپنی مرضی سے واپس جاتا ہے۔ ہم دو طرفہ زبردستی کے قائل نہیں ہیں۔ تمہیں یہ جان کر خوشی ہوگی کہ تم نے یہاں جو وقت بھی گزارا ہے، وہ ویڈیو کے طلسماتی فیتے پر محفوظ کرلیا گیا ہے۔ یہاں سے جاتے ہوئے، چار ویڈیو کیسٹ یادگار کے طور پر تمہیں بھی دیے جائیں گے تاکہ تم اپنے فلیٹ کی کربناک تنہائی میں ان متحرک یادوں سے لطف اندوز ہوسکو۔ اگر سیٹھ حبیب جیوانی ہمارے کسی مطالبے سے منحرف ہونے کی کوشش کرے گا تو ہم تمہاری مدد اور تعاون کے خواستگار ہوں گے۔ جس دن تم اس سے اپنی بات منوانے میں کامیاب نہ ہوسکیں، اس دن ہم یہ تمام ویڈیو کیسٹ اس کی خدمت میں بھی ارسال کردیں گے۔ وہ ویسے بھی ان دنوں اس آدمی کی تلاش میں ہے جو اس کی جرمنی میں قید کے دوران میں تمہاری تنہائیوں کے زخم پر مرہم رکھتا رہا تھا۔"

اس عورت پر میرے الفاظ کا ردِعمل حیرت ناک حد تک شدید ثابت ہوا۔ ویڈیو کا ذکر آتے ہی اس کا چہرہ دھواں ہوگیا اور آنکھیں فرطِ حیرت سے کشادہ ہو کر پیشانی پر جا چڑھیں۔ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ نقاہت زدہ انداز میں ڈبل بیڈ کے ایک کنارے پر ٹک گئی۔ اپنے سولہ سنگھار کے باوجود، وہ پل بھر میں برسوں کی بیمار نظر آنے لگی تھی۔

"تت.... تو.... کیا جہانگیر بھی میرے ساتھ اداکاری کررہا تھا؟" اس کے دہانے سے نحیف و نزار سی آواز برآمد ہوئی۔ "اسے معلوم تھا کہ ہم دونوں کی ویڈیو فلم بنائی جارہی ہے؟"

"میں تو سیدھا سادہ، بدمعاش آدمی ہوں۔" میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لئے دانستہ وہ گنجلک فقرہ استعمال کیا۔ "میں تمہیں مار پیٹ کر راہِ راست پر لانا چاہتا تھا لیکن جہانگیر تمہیں دیکھتے ہی، تم پر فدا ہوگیا۔ یہ آئیڈیا اسی کا تھا کہ میں تمہیں اس کے حوالے کردوں اور پھر تیل کی دھار دیکھوں۔ میں نے ایک کیسٹ کے کچھ حصے دیکھے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس نے اپنا کام بحسن خوبی سرانجام دیا ہے۔ ان کی وجہ سے تم سیٹھ حبیب جیوانی کو ہمارا بے دام غلام بنانے میں پوری طرح تعاون کرتی رہو گی۔"

"یعنی تم مجھے بلیک میل کا مواد اکٹھا کرنے کے لئے اغوا کرکے یہاں لائے تھے؟" اس نے بے یقینی کے ساتھ نقاہت زدہ آواز میں کہا۔ "یہ گھناؤنا امکان تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔"

"ہر چھوٹا جرم ہمیشہ کسی بڑے جرم کی بنیاد بنتا ہے۔ تمہیں اغوا ہوتے ہی یہ سمجھ لینا چاہئے تھا کہ ہمارے مقاصد کچھ اور ہیں۔ تم سب کچھ بدل سکتی تھیں لیکن اپنی جبلت کو بدلنا تمہارے بس سے باہر تھا۔ حبیب جیوانی کے ساتھ تم ایک دلی مچھلی، سعادت مندی

تھیں۔ جہانگیر جیسے اور خوش رہنے والے فرماں بردار عاشق کے
روپ میں سامنے آیا تو تمہاری دبی ہوئی خواہشات کھل کر سامنے
آگئیں۔ بنیادی طور پر تم شوخ اور ڈھول دھمکے میں خوش رہنے والی
عورت تھیں اس لئے ہمیں اپنی ویڈیو فلم کے لئے ضرورت سے
زیادہ مواد مل گیا اس لئے اب تمہیں قید رکھنا بے سود ہے۔"

"نہیں... یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ دھیمی، ہذیانی آواز میں
بڑبڑائی۔ "میری ویڈیو حبیب کے سامنے نہیں آسکتی۔"

"ہرگز نہیں آئے گی۔" میں نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔
"اگر تم اپنا کام خوش اسلوبی کے ساتھ کرتی رہیں تو یہ فلم حبیب کے
وہم و گمان میں بھی نہیں آسکے گی۔ اس فلم کو اس کے علم میں لانا یا
نہ لانا تمہارے اختیار میں ہوگا۔"

"یہ بہت مشکل کام ہے۔" وہ بڑبڑائی۔ "میں اس سے جتنی
رقم مانگتی ہوں، وہ بلا کسی تعرض مجھے دے دیتا ہے۔ میں یہ ذمے
داری قبول نہیں کر سکتی۔ تم جتنی رقم چاہو، وہ مجھ سے لے سکتے ہو۔
اپنے معاملات میں وہ راز داری کا قائل ہے۔ بہت سی باتیں
میرے علم میں ہی نہیں آتیں اور آبھی جائیں تو وہ اپنے کاروباری
معاملات میں بہت ضدی طبیعت کا مالک ہے۔ جو من میں آتا ہے
وہی کرتا ہے۔ میری کسی بات پر کان نہیں دھرتا۔"

"وہ تمہارا شوہر ہے۔ اس سے نمٹنا تمہارا اپنا مسئلہ ہے۔"
میں نے سرد مہری اور بے رخی کے ساتھ کہا۔ "اگر وہ اتنا سرکش
ہے کہ اپنی بیوی کی بات بھی نہیں مانتا تو میں ان ویڈیو کیسٹوں کے
ذریعے اس کی خانگی زندگی کو جہنم بنا دوں گا۔ تذلیل اور بدترین
شکست کا احساس اسے آخر کار میرے قدموں میں ڈال دے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہ فلمیں بھی اس کے فیصلوں پر اثر انداز نہ
ہو سکیں؟" اس نے مستفسرانہ لہجے میں کہا۔ "تمہیں علم ہوگا کہ وہ
مافیا چیف ہے۔ اور مافیا کے عہدے دار جان دے کر بھی اپنے
رازوں کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔"

"اسی وقت تک جب تک ان کے شریک زندگی کا کردار بے
داغ ہو۔" میں نے اس کی بات مکمل ہوتے ہی ٹکڑا لگایا۔ "تمہاری
کمزوریوں کا علم ہوتے ہی وہ عفریت اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ
جائے گا۔ اگر ان ویڈیو فلموں کے ٹوٹے چند بدنام سینماؤں کو دے
دیئے گئے تو وہ کہیں بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ ہم اس
جیسے خود سر لوگوں کو اپنے قدموں میں جھکانا جانتے ہیں۔"

"یہ کن ٹوٹوں کی بات ہو رہی ہے؟" مجھے اپنے عقب میں
جہانگیر کی تحیر زدہ آواز سنائی دی۔ شاید وہ اسی وقت وہاں پہنچا تھا
اس لئے پوری گفتگو سے لاعلم تھا۔

"اوہ، جہانگیر،" اس کی آواز سن کر مسز جیوانی تڑپ کر بستر
سے اٹھی تھی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اس قدر ذلیل اور کمینے
ہو کر مجھ سے محبت کا سوانگ رچا کر چوری چھپے میری فلمیں بناؤ گے
اور پھر تمہارا یہ ساتھی ان فلموں کے سہارے مجھے بلیک میل کرنے
کی کوشش کرے گا۔ تم دونوں بہت گھٹیا اور ناقابلِ اعتماد آدمی
ہو۔"

اس کی بات سن کر جہانگیر بھونچکا رہ گیا۔ اس نے سٹپٹائے
ہوئے انداز میں میری طرف دیکھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ اس نے
مسز جیوانی کے ایک ہی مکالمے سے پوری بات سمجھ لی تھی۔

"میرا کام تم سے عشق لڑانا تھا۔ تم اس بات کی گواہ ہو کہ میں
جب بھی تم سے ملا، پورے ذوق و شوق سے اپنے کام میں مصروف
رہا۔" اس نے مسز جیوانی کا کوئی لحاظ کئے بغیر نہایت ڈھٹائی کے
ساتھ کہا۔ "اس سے آگے جو کچھ ہوا، اس میں میرا کوئی عمل دخل
نہیں تھا۔ فلم سازی جیسے گھٹیا کام پیڈرو کے ذمے تھے۔"

جہانگیر کا لاتعلقانہ رویہ دیکھ کر مسز جیوانی مایوسی کے ساتھ
دوبارہ بستر پر بیٹھ گئی اور اس کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو
ڈبڈبانے لگے۔ وہ اس وقت خود کو اپنے ہی بچھائے ہوئے جال میں
پھنسا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

"تم روانگی کی تیاری کر لو۔ آج رات تم اپنے شوہر کی چھت
کے نیچے بسر کرو گی۔" میں اسے آخری ہدایت دیتا ہوا کمرے سے
باہر نکل گیا۔ جہانگیر میرے ساتھ ہی اس کمرے سے باہر آیا تھا
لیکن پوری صورت حال کا ادراک ہوتے ہی اس کے چہرے پر
سراسیمگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"کیا تم نے واقعی کوئی ویڈیو فلم بھی بنائی ہے؟" اس نے
بوکھلائے ہوئے، راز دارانہ لہجے میں مجھ سے سوال کیا تھا۔

"وہ ایک بلف تھا جو چل گیا۔" میں نے آہستگی سے کہا۔
"دراصل میں اپنے حلق کی اس چھچھوندر سے چھٹکارا پانے کا فیصلہ
کر چکا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ فلم کی دھمکی کے بعد یہ اپنے شوہر
کے سامنے اپنی زبان نہیں کھولے گی۔"

"اس کی حالت بتا رہی تھی کہ تم اس کے ساتھ بہت سختی اور
بے دردی کے ساتھ پیش آئے ہو۔ وہ ایک معزز خاندان کی حساس
عورت ہے۔ اگر تمہاری اجازت ہو تو میں تھوڑی دیر کے لئے اس
کی دل جوئی کر لوں۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "اب تمہارا سایہ
بھی اس کے قریب نظر آیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تم پانچ
منٹ میں میرے سارے کئے دھرے پر پانی پھیر دو گے۔ عورتوں بلکہ
خوبصورت عورتوں کے آنسو تمہیں بہت تیزی کے ساتھ ہوش و
خرد سے بیگانہ کر دیتے ہیں۔ تم اس سے دور رہو گے۔"

"اس پر میرا امپریشن خراب ہو جائے گا۔" وہ مایوسی کے
ساتھ سر جھکا کر بولا۔ "میں اسے تخلئے میں صرف اتنی سی بات سمجھانا
چاہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ پیش آنے والے ناخوشگوار واقعات میں
میرا کوئی دخل نہیں ہے۔"

"وہ تمہاری منگیتر یا بیوی نہیں ہے جو تم اپنے بارے میں اس
کی رائے کی طرف سے اتنے فکر مند ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں
کہا۔ "یہاں سے گلو خلاصی ہونے کے بعد وہ شاید تمہیں پہچاننے
سے بھی انکار کر دے گی۔"

"میں بھی اسی بات کا خواہش مند ہوں۔" اس نے پھرتی کے ساتھ میری تائید کرتے ہوئے کہا۔ "اس کا میاں' مافیا کا چیف ہے۔ اگر اس نے میری نشان دہی کر دی تو وہ میری کھال کھینچ کر اس میں بھس بھروادے گا۔"

جہانگیر کا وہ تبصرہ اس قدر بے ساختہ تھا کہ میں' نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسنے پر مجبور ہو گیا۔

"میں نے تم دونوں کی ویڈیو فلم کا چکر اسی لئے چلایا ہے کہ مسز جیوانی کے ذہن پر اپنی بدنامی کا دباؤ رہے اور وہ ہم لوگوں کے بارے میں اپنی زبان کھولنے کی ہمت نہ کر سکے......"

"لیکن ویڈیو فلم سے اس کی صحت پر کیا اثر پڑے گا؟" جہانگیر نے دبے دبے الفاظ میں احتجاج کیا۔ "ان چند دنوں میں میرے اور اس کے تعلقات رسمی اور واجبی سے ہی رہے ہیں۔"

"بلاوجہ پارسائی جھاڑنے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے اسے پھٹکار دیا۔ "تم دونوں کے سارے کرتوت میرے علم میں ہیں۔ اگر تم دونوں کے تعلقات واجبی تھے تو پھر تمہاری پیشانی پر گومڑ کس نے ایجاد کیا ہے؟؟"

وہ غیر ارادی طور پر اپنی پیشانی سہلاتے ہوئے' خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا "اس نشان کا مسز جیوانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دفتر میں میرا سر دروازے سے ٹکرا گیا تھا۔"

میں نے بات بڑھانے سے گریز کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی۔ جہانگیر اپنی جھینپ مٹانے کے لئے اپنے کمرے کی طرف چل دیا اور میں غزالہ کی خواب گاہ کی طرف ہو لیا۔

سکھر کے واقعات کے بارے میں غزالہ کے ذہن میں بہت سے تشنہ سوالات موجود تھے جن کے بارے میں اس نے زبان نہیں کھولی تھی۔ اس وقت تخلیہ میسر آتے ہی اس نے یکے بعد دیگرے سوالات کرنے شروع کر دیے اور میں' بستر پر دراز ہو کر اس کی دلچسپ جرح سے لطف اندوز ہونے لگا۔

ہمیں باتیں کرتے ہوئے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ ایک دبی دبی سی نسوانی چیخ نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ وہ ادھوری چیخ سنتے ہی میرے ذہن میں مسز جیوانی کا خیال آیا تھا۔ میں ننگے پاؤں دوڑتا ہوا وہاں پہنچا تو جہانگیر میرے پہنچنے سے پہلے ہی اپنی چابی سے اس کمرے کا دروازہ کھول چکا تھا اور وحشت کے عالم میں دروازے سے باہر ہی رکا ہوا تھا۔

اس کے پیچھے پہنچتے ہی میں نے بھی وہ اندوہناک منظر دیکھ لیا۔ مسز جیوانی ماہی بے آب کی طرح بستر پر تڑپ رہی تھی۔ اس کے سینے سے خون کی دھاریں جاری تھیں اور مسہری کے نیچے قالین پر پڑی ہوئی' پھل کاٹنے والی چھری کا خون آلود پھل اس کی خودکشی کی کہانی سنا رہا تھا۔

جب تک وہ زندگی کی فسوں خیز رعنائیوں کا شاہکار تھی' جہانگیر کسی ندیدے بچے کی طرح' حیلے بہانوں سے اس کی طرف لپکتا رہا تھا لیکن اس وقت اسے اپنے خون میں غلطاں' موت کی دہلیز پر تڑپتا ہوا دیکھ کر اس نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی جیسے اسے خوف رہا ہو کہ قریب جانے پر قزاق اجل مسز جیوانی کو بھول کر اس پر ٹوٹ پڑے گا۔

میں جہانگیر کو ایک طرف دھکیل کر پھرتی کے ساتھ قریب المرگ مسز جیوانی کے قریب جا پہنچا' جو بستر پر پڑی' بری طرح تڑپ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کرب و اذیت کے ہولناک آثار نمایاں تھے۔ اس نے شاید چھری سے اپنے دل پر کاری زخم لگایا تھا کیونکہ اس کے بائیں پہلو سے زندہ اور گرم گرم خون بہت تیزی کے ساتھ ابل رہا تھا۔

اس کے زخم سے جریان خون کی رفتار اتنی زیادہ تھی کہ چند ہی لمحوں میں اس کے تر و تازہ اور سرخ و سفید چہرے پر موت کی بھیانک زردی نے ڈیرے ڈال دیے تھے اور وہ تھوڑی دیر کی مہمان نظر آ رہی تھی۔ وہ ایسی صورت حال تھی جس کا سدباب کرنا ہمارے بس سے باہر تھا۔ مسز جیوانی کی کربناک چیخ سن کر غزالہ بھی وہیں آ گئی تھی اور سہمے ہوئے انداز میں اس حسین و جمیل خاتون کے مرنے کا منظر دیکھ رہی تھی لیکن جہانگیر اپنی محبوبہ کے اس الم ناک انجام کو دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔ دروازے سے آگے آ کر اس نے مسز جیوانی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور پھر بوکھلا کر ایک دیوار کی طرف گھوم گیا۔ اس وقت سے وہ مسلسل بستر کی طرف پشت کیے کھڑا تھا اور مرتی ہوئی مسز جیوانی کے نرخرے سے برآ ہونے والی ہولناک آوازوں پر بار بار اس کا بدن بری طرح کانپ ر تھا۔

میں بے بسی کے ساتھ اس عورت کو مرتے ہوئے دیکھتا رہا اپنے شوہر سے بے وفائی کے ارتکاب کے بعد میری نگاہ میں مو کی سزا وار ہو چکی تھی۔ یہ غنیمت تھا کہ مجھے اس کے بارے م کوئی سنگین فیصلہ نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس نے اپنے لئے خود ہی وہ ر اختیار کر لی تھی جو میرے مقاصد کے لئے ہر اعتبار سے مناس تھی۔ مسز جیوانی کی خودکشی پر جہانگیر کے ہاتھ پیر پھول گئے کیونکہ اس کی چھت کے نیچے مری تھی لیکن غنیمت یہ تھا کہ اس۔ ملازمین میں سے کسی کو اس واقعے کی بھنک نہیں مل سکی تھی۔

اس کی لاش خون میں بری طرح لتھڑ گئی تھی اس لئے میں۔ بہت احتیاط کے ساتھ ردی میں سے ایسے اخبارات نکالے جن مدد سے کسی بھی قسم کا سراغ نہ مل سکے۔ متعدد اخبارات سے کے زخم اور بدن سے خون خشک کرنے کے بعد میں نے اس کے ز کے مقام پر کئی اخبارات کی موٹی سی تہ باندھ دی تاکہ نقل و حرک کے نتیجے میں زخم سے رسنے والا خون اس تہ میں جذب ہو سکے۔ لاش کو ایک غیر استعمال شدہ' نئی چادر میں باندھ کر میں نے جہا کی مدد سے کار کی ڈکی میں منتقل کر دیا۔

جہانگیر کو ایسے دھندوں سے کنارہ کشی اختیار کیے ایک ط مدت ہو چکی تھی اور پھر وہ مسز جیوانی سے اپنی رفاقت کے با بہت زیادہ بوکھلایا ہوا تھا اس لئے میں خود ہی لاش کو ٹھکانے لگا

چل دیا۔

بہترین صورت تو یہ ہوتی کہ حبیب جیوانی کو اپنی بیوی کی لاش اپنے گھر کے آس پاس ہی ملتی مگر میں کوئی بڑا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے ڈیفنس کے بلاک نمبر سات کے اس ویران علاقے کی طرف روانہ ہوگیا جہاں ملیر ندی کے ڈیلٹا کے کنارے میرینا کلب کی تعمیر کا کام اپنے ابتدائی مراحل سے گزر رہا تھا۔

تاریک اور ویران سڑکوں پر کار ڈرائیو کرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ اس سمندری خلیج کا کنارہ بے شک تاریک اور سنسان رہتا تھا لیکن ادھر جانے والے راستے پر دن رات چوکیدار ضرور موجود رہتا تھا' جو کچھ اور دیکھے یا نہ دیکھے لیکن جہانگیر کی کار کا نمبر ضرور نوٹ کر سکتا تھا اور جب اگلے دن وہاں سے ایک لاش برآمد ہوتی تو کار کے نمبروں کے سہارے پولیس جہانگیر کی فیکٹری پر بھی پہنچ جاتی کیونکہ وہ کار ایس جے گارمنٹ ہی کے نام پر رجسٹرڈ تھی۔

میں نے راستے ہی میں کار کچے راستے پر اتار دی اور ہیڈ لیمپس گل کر کے جھاڑیوں کے درمیان' انجن بند کر دیا۔ اپنی زندگی میں' مسز جیوانی بہت سبک اندام اور ہلکی پھلکی نظر آتی تھی لیکن مرنے کے بعد اس کی لاش کسی مردہ چٹان کی طرح وزنی ہوگئی تھی۔ تیسری کوشش میں' میں نے اس گٹھری کو ڈکی سے نکالا اور وہیں زمین پر ڈال دیا۔

چند منٹ بعد ہی میں ایک لمبا چکر لینے کے بعد جہانگیر کے گھر کی طرف واپس جا رہا تھا۔

جہانگیر کے گھر پر بظاہر کوئی بڑی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ وہ غزالہ کے ساتھ مل کر خون آلود چادر' گدے اور تکئے کے ٹکڑوں کو کچن باسکٹ میں نذرِ آتش کرنے میں مصروف تھا کہ ویرا واپس لوٹ آئی اور ان کے سروں پر مسلط ہوگئی۔ وہ دونوں اس کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ ویرا نے جب خون آلود اشیا کے بارے میں پے درپے سوالات کئے تو وہ دونوں اسے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکے جس کے نتیجے میں ویرا ان کا ہاتھ بٹانے کے بجائے منہ پھلا کر ڈرائنگ روم میں آبیٹھی اور بلیک ڈاگ کی بوتل کی مدد سے اپنا موڈ بحال رکھنے کی کوششوں میں مصروف ہوگئی۔

مجھے دیکھتے ہی وہ اسکاچ کے گلاس کو بھول کر مجھ پر برس پڑی۔ "میں تم لوگوں کے ساتھ خود کو گلے گلے دلدل میں غرق کر چکی ہوں مگر تم پھر بھی مجھ کو الگ سمجھتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ میری گاڑی تمہارے ساتھ نہیں چل سکے گی۔"

"تم آج تمہیں کیا سوجھ رہی ہے؟" میں نے اس کے گلاس سے ایک گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

"جہانگیر' غزالہ کے ساتھ مل کر کچن میں خون آلود چادر کے ٹکڑے اور گدا جلا رہا ہے اور مجھے بتا رہا ہے کہ سلمیٰ کے لیے فریج میں رکھی ہوئی خون کی تھیلی پھٹ جانے سے بستر خراب ہوگیا ہے۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"تمہیں اس کی بات پر یقین کیوں نہیں آیا؟" میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"اچھا!" وہ مجھے گھورتے ہوئے غرائی۔ "تم بھی اس کی طرف داری کر رہے ہو؟ اگر خون کی تھیلی ہی پھٹی تھی تو اسے بستر اور چادر کو دھو کر صاف کر لینا چاہئے تھا' جلانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور تم کہاں سے آرہے ہو؟"

"جس تھیلی میں سے خون بہا تھا' اسے ٹھکانے لگانے گیا تھا۔" میں نے اس کے تیور بھانپتے ہوئے' سچ بولنے ہی میں عافیت سمجھی۔ "جہانگیر اب حد سے زیادہ بے لگام ہوگیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے اس عورت کو خریدا تھا لیکن اسے رام کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ عورت نے اپنی عزت کو خطرے میں دیکھ کر خودکشی کر لی ہوگی۔ ابھی تک مجھے جہانگیر سے بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا ہے۔ عورت کے مرجانے کے بعد ہی مجھے اس کے وجود کا علم ہوا تھا۔"

"اور غزالہ' جو یہاں رہ رہی ہے' وہ بھی اس عورت کے وجود سے لاعلم تھی؟" ویرا نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"پتا نہیں' ابھی ان دونوں سے بات کرتا ہوں۔" میں نے ایک اور گھونٹ لے کر اس کا گلاس اسے لوٹا دیا اور کسی بے چینی کا مظاہرہ کئے بغیر' اطمینان سے گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

کچن میں وہ دونوں ہی بہت زیادہ متوحش اور پریشان تھے۔ مسز جیوانی کے معاملے کو نمٹاتے ہوئے ہم سب ہی یہ بات بھلا بیٹھے تھے کہ ویرا اس بدنصیب عورت کے وجود سے لاعلم تھی اور کسی بھی مرحلے پر ہنگامہ کھڑا کر سکتی تھی۔

"وہ ہماری جان کو آئی ہوئی ہے۔" مجھے دیکھتے ہی جہانگیر نے ہیجان آمیز' ہذیانی لہجے میں کہا۔ "کہہ رہی تھی کہ وہ پولیس کو فون کر رہی ہے۔ اگر ہم سے خون کی بوتل ضائع ہوئی ہے تو ہمیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں' ٹیسٹ رپورٹ تازہ اور باسی خون میں بہت آسانی کے ساتھ فرق دریافت کر سکتی ہے۔"

"مجھے بہلانے کی کوشش مت کرو۔" میں نے اسے آنکھ مارتے ہوئے اونچی اور درشت آواز میں کہا۔ "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے اس عورت کو کس سے اور کتنی رقم کے عوض خریدا تھا اور اس کی خودکشی کے کیا اسباب تھے؟ ہم اس کی لاش ٹھکانے لگا چکے ہیں اس لئے اب تمہیں ہر قیمت پر سچ بولنا ہوگا۔"

میرے لئے وہ اداکاری ناگزیر تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں ویرا چھپ کر ہماری گفتگو نہ سن رہی ہو۔ اس لئے میں نے ایسے نپے تلے الفاظ کا سہارا لیا تھا کہ جہانگیر میری مفروضہ کہانی کا تانا بانا سمجھ سکے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ میرے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ دیکھ کر وہ میرا مفہوم سمجھ گیا اور شرمسار لہجے میں بولا "بنگالی لڑکیوں کا ایک دلال اسے لایا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ پناہ کی متلاشی' ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جو غیرقانونی طور پر شہر میں مقیم ہیں۔ وہ کسی معزز

خاندان کی اغوا کی ہوئی عورت معلوم ہوتی تھی۔"

"تو اب تم زندہ انسانوں کی خرید و فروخت جیسے گھٹیا دھندے میں بھی ملوث ہو گئے ہو؟" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"وہ بہت حسین تھی۔ تم نے اسے مرنے سے پہلے دیکھا ہوتا تو شاید تم بھی اس کی بولی لگانے پر آمادہ ہو جاتے۔" جہانگیر کا لہجہ پُرسوز اور بہت زیادہ مدافعانہ تھا۔ "وہ کل ہی میرے یہاں لائی گئی تھی۔ متعدد کوششوں کے باوجود اس نے مجھے اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا لیکن میرے سر پر یہ جنون سوار تھا کہ وہ میری زر خرید ہے۔ آج دفتر سے آکر میں نے اسے وارننگ دی تھی کہ آج کی رات اسے اپنی قیمت چکانی ہوگی کیوں کہ میرے ساتھی مجھ سے آملے ہیں۔ شاید میری اسی دھمکی سے وہ دہشت زدہ ہو گئی اور چند منٹ بعد ہی اس نے اپنے دل میں پھل کاٹنے والی چھری گھونپ کر خود کشی کر لی۔"

"تم نے یہ کہانی ویرا کو کیوں نہیں سنائی؟" میں نے کرخت لہجے میں پوچھا۔ "کیا تم کو اندازہ ہے کہ تم اپنے غیر ذمے دارانہ رویے سے اس کے دل میں کیسی خطرناک غلط فہمیوں کو جنم دے رہے ہو؟"

"وہ تمہاری دوست ضرور ہے لیکن ہمیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس پر اس حد تک بھی اعتماد کیا جا سکتا ہے۔" اس بار جہانگیر کے بجائے غزالہ نے میری بات کا جواب دیا تھا۔ "اس نے بھی ہم سے افہام و تفہیم کی کوئی کوشش نہیں کی اور خون کی بوتل ضائع ہونے کی کہانی سن کر تنک کر یہاں سے چلی گئی۔ اس نے مجھے یہ تک نہیں بتایا کہ وہ سلطان شاہ کو کہاں چھوڑ آئی ہے۔"

غزالہ کے آخری فقرے پر میں بھی چونک پڑا۔ ویرا سلطان شاہ کے ہمراہ آرنیٹ سے ملنے گئی تھی۔ ویرا کو گرینڈ ہوٹل میں چھوڑ کر سلطان شاہ کو لانڈھی سے جیپ واپس لانا تھا جسے ساتھ لے کر ویرا، آرنیٹ کے گھر جاتی اور سلطان شاہ محفوظ فاصلے سے اس کا تعاقب کرتا رہتا۔ واپسی پر ان دونوں کو جیپ سمیت گرینڈ ہوٹل میں رک کر ہمیں فون کرنا تھا۔ ویرا کی وہاں موجودگی اس پروگرام میں گڑبڑ کی غمازی کر رہی تھی۔ سلطان شاہ لاپتا تھا اور اگر جیپ ویرا کی تحویل میں تھا تو اس کا زیادہ دیر تک جہانگیر کے گھر میں ٹھہرنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ آرنیٹ اپنے ویڈیو مانیٹرنگ یونٹ پر ویرا کی قیام گاہ کا سراغ لگا سکتا تھا۔

"ویرا اب ہم میں سے ہے۔" میں نے ان دونوں سے زیادہ ویرا کو سنانے کے لئے کہا۔ "وہ ہمارے ہر راز میں شریک ہے۔ اس سے کبھی بھی، کوئی بھی بات چھپائی نہیں جائے گی۔ اسے اور ہمیں ایک ساتھ جینا مرنا ہے۔ آئندہ کسی نے اس کے ساتھ بے اعتمادی کا مظاہرہ کیا تو وہ میری طرف سے بدترین سزا کا مستحق قرار پائے گا جس کا تعین ویرا کرے گی۔"

"یہ ہمارے درمیان پہلا اور آخری سمجھوتا ہے۔" ویرا نے میرے عقب سے نمودار ہو کر کچن میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "میں اس کے نفاذ پر کڑی نگاہ رکھوں گی، جس کسی نے اس سے انحرا
کیا، اسے میں اپنے ہاتھوں سے جوتے لگاؤں گی۔"

وہ میری توقع کے عین مطابق، کچن کے آس پاس چھپ
میری اور ان لوگوں کی گفتگو سن رہی تھی۔

"لیکن اس سمجھوتے کا اطلاق تم پر بھی ہوگا۔" غزالہ
اسے یاد دلایا "تم نے ہمیں ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ سلطان شا
تم کہاں چھوڑ آئی ہو۔ وہ بھی اس سمجھوتے کا ایک اہم فر
ہے۔"

"وہ میرا غیر ارادی ردعمل تھا۔" ویرا کا لہجہ نرم پڑ گیا۔ "
سلطان شاہ ہی یہاں اتار کر گیا ہے۔ جیپ اس کی تحویل میں
اس لئے وہ آرنیٹ کو چکر دینے کے لئے شہر کی سڑکیں ناپتا
ہے۔ وہ ایک گھنٹے کے بعد گرینڈ ہوٹل پہنچے گا تاکہ اس مدت میں
کوئی ٹھوس حکمت عملی طے کر سکیں لیکن اس وقت اس خون
بستر کو ٹھکانے لگانا سب سے اہم مسئلہ ہے جو اس چھت کے
ایک عورت کی خود کشی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"

اپنی بات مکمل کرنے سے پہلے ہی وہ بڑھ کر خون آلود ٹکڑ
جلتی ہوئی کچن باسکٹ میں ڈالنے لگی۔

"آرنیٹ کے ساتھ تمہاری ملاقات کیسی رہی؟ وہ تم سے
کے لئے اس قدر بے چین کیوں تھا؟" میں نے پوچھا۔

"اسلام آباد میں ان لوگوں کے سفارت خانے میں ایک
انٹرلائنوں والا ایک کارڈیو ریکارڈر ہے جو ایک ہزار میل کے فا
میں اپنے سینسر کے ذریعے ان لوگوں کے دلوں کی دھڑکنیں سنتا ر
ہے جن کے جسموں میں وہ سینسر نصب ہیں۔ ایسی ہی ایک جدید تر
لیکن چھوٹی مشین کراچی کاؤنسلیٹ میں بھی ہے۔ اس مشین
اصول یہ ہے کہ جب تک ان کے کارندوں کے دل کام کرتے ر
ہیں، مشین خاموش رہتی ہے۔ جوں ہی کسی کی موت واقع ہوتی
اور اس کے دل کی دھڑکنوں کے سگنل آنے موقوف ہو جاتے ہیں
مشین پر اس شخص کا نمبر سرخ ہندسوں میں روشن ہو جاتا ہے ا
الارم بجنے لگتا ہے جو اس امر کا اعلان ہوتا ہے کہ متعلقہ شخص
موت واقع ہو چکی ہے۔" اس نے اپنے ہاتھ روکے بغیر ا
محیر العقول کہانی سنانی شروع کر دی۔ "کل رات کو جس وق
ملا سرکار کی اسپیڈ بوٹ پل کی بنیادوں سے ٹکرا کر تباہ ہوئی ہو
آرنیٹ کو اسی وقت مشین پر الارم بجنے کی اطلاع مل گئی۔ ملا سر
اس کے لئے اتنا اہم آدمی تھا کہ فون پر خبر ملتے ہی، وہ بستر چھوڑ
اپنے دفتر پہنچ گیا اور اسے یقین کرنا پڑا کہ ملا سرکار زندہ نہیں تھا

"ملا سرکار کی موت سے پہلے اسے میری ضرورت اس
پیش آئی کہ اسے میرے باپ کی طرف سے پیغام ملا تھا کہ خلیج
ایک بندرگاہ میں گولا بارود اور ہتھیاروں سے لدی ہوئی ایک لا
تیار کھڑی ہوئی تھی جو میری ہدایت پر فوری طور پر کراچی کی طر
روانہ ہو سکتی تھی۔ آرنیٹ چاہتا تھا کہ میں ملا سرکار کا انتظار کی
کے بجائے خود اس تک رسائی حاصل کروں اور ڈلیوری

معاملات طے کر کے خلیج سے لانچ کو روانہ ہونے کی ہدایت دے دوں مگر اب صورتِ حال بالکل بدل گئی ہے۔"

"یہ برا ہوا کہ آرنیٹ کو ملا سرکار کی موت کا علم ہو گیا۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "میرا خیال تھا کہ اس کی موت کی خبر پوشیدہ رہے گی تو اس کے اوپر والے انتظار اور بے یقینی کے عالم میں اپنا خاصا وقت برباد کر لیں گے.....۔"

"اب بھی یہی ہو گا۔" ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "کیونکہ کارڈیو ریکارڈر سی آئی اے والوں کی جدید ترین ایجاد ہے۔ وہ لوگ انڈین حکام کو ملا سرکار کی موت کی اطلاع دے کر اپنی مشین کا راز فاش نہیں کریں گے۔"

"اگر وہ اس کی موت کو چھپائیں گے تو ہتھیاروں سے بھری ہوئی لانچ کہاں لے جائیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"اب پالیسی بدل گئی ہے۔ وہ لوگ انڈین حکام پر زور ڈالیں گے کہ ملا سرکار کی کارکردگی ناقص ہے اس لئے اس کا کوئی متبادل میدان میں اتارا جائے' اسی کے ساتھ وہ چاہتا ہے کہ میں ہتھیار کراچی منگوالوں۔"

"ہتھیاروں کی اتنی بڑی کھیپ کہاں کھپاؤ گی؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"اس نے مجھے دو بڑے تاجروں کے نام دیئے ہیں جو ہر سال کروڑوں کا مال امریکا سے درآمد کرتے ہیں۔ درآمدی ڈیوٹی بچانے کے لئے وہ ہر کھیپ کے کاغذات میں ہیر پھیر کرتے ہیں۔ کاغذات پر کچھ اور ظاہر کیا جاتا ہے لیکن پیٹیوں میں مال کچھ اور آتا ہے اور مقامی حکام کی ملی بھگت سے وہ سب بندرگاہ سے کلیئر ہو جاتا ہے۔"

"ہتھیاروں کے معاملے میں وہ تاجر تمہاری کیا مدد کر سکیں گے؟" میرا وہ سوال قطعی غیر فطری تھا۔

"مجھے ان کو بلیک میل کرنا ہو گا۔ اگر میں ان کے گھپلوں کے دستاویزی ثبوت سنٹرل بورڈ آف ریونیو کے کسی فرض شناس افسر تک پہنچادوں تو پچھلے کئی برس سے جاری گھپلوں کی بنیاد پر انہیں ڈیوٹی اور جرمانے کے طور پر تیس چالیس کروڑ روپیہ دینا پڑ جائے گا۔ اس دھمکی کے سہارے میں ان کا کوئی گودام حاصل کر سکتی ہوں۔ لانچ سے ہتھیاروں وغیرہ کی ساری پیٹیاں' ٹرکوں کے ذریعے گودام میں پہنچادی جائیں گی اور مناسب وقت آنے پر باغیوں تک پہنچادی جائیں گی۔"

"یہ کام آرنیٹ خود ہی کیوں نہیں کرتا؟" غزالہ نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"سرکاری طور پر وہ اس گندے کھیل میں سامنے نہیں آسکتا۔" میں نے کہا۔ "اس کے اعلیٰ منصب کے پیش نظر یہی بات بہت بڑی ہے کہ وہ اپنے ملک کی کسی کمپنی کے تجارتی جرائم کی دستاویزی شہادتیں ویرا کو دے رہا ہے۔ مقامی تاجروں کے ساتھ جو سلوک ہو گا' وہ اپنی جگہ پر ہے لیکن تجارتی دستاویزات میں غلط بیانی اور گمراہ کن ردوبدل کی بنیاد پر مقامی حکام ان امریکی کمپنیوں کو پاکستان کے ساتھ تجارت کے معاملے میں بلیک لسٹ بھی کر... ہیں۔ دیکھا جائے تو آرنیٹ ان سب کی تکمیل ویرا کے ہاتھ... دے رہا ہے۔ لوگوں کی سیاسی اور معاشی مجبوریوں سے فائدہ... انہیں اپنے مفادات کے لئے استعمال کرنا تو عام سی بات ہے... یہ میرے لئے ایک انکشاف ہے کہ بڑی طاقتیں ہر ملک میں... طبقے کو لالچ کی دلدل میں پھنسا کر اپنے مفادات کے لئے اہم... کرتی ہیں۔"

"پیسے کی حرص اس دور میں ایک ایسا روگ بن گئی ہے... شخص بڑی خوشی کے ساتھ پال لیتا ہے۔" جہانگیر نے آخری... نذرِ آتش کر کے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگوں کی باتیں میرے... نامانوس اور بڑی حد تک ناقابلِ فہم ہیں مگر میں اتنا ضرور جانتا... کہ آج کل کے سرمایہ دارانہ نظام میں ارتکازِ زر اور لالچ کی... زیادہ اہمیت ہے۔ علاقائی اور مقامی حکمرانوں سے لے کر... الاقوامی طاقتوں تک' ہر ایک اپنے کٹر مخالفین کو ناروا ذ... کرمائی بدعنوانیوں پر اکساتا ہے اور وقت پڑنے پر ان کمزوریوں... سہارے انہیں غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے یا زبان بندی پر... کر لیتا ہے۔"

غزالہ جلی ہوئی اشیا کی راکھ نالی میں بہانے میں مصروف... اور ہم تینوں ڈرائنگ روم میں آگئے۔

"ہماری باتوں پر تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔" میں... جہانگیر کو آگاہ کیا۔ "ہم ایک طویل مدت تک اس ملک اور قو... مفادات کے خلاف کام کرتے رہے لیکن اب شاید قدرت کو ہما... بے بسی اور بے چارگی پر رحم آگیا ہے۔ ہمارے ہاتھوں سے... ورپے چند ایسے کارنامے سرزد ہوئے ہیں جو اگر منظرِ عام پر آجا... تو ہمیں اعلیٰ ترین شہری اعزاز بھی مل سکتے تھے۔"

"غزالہ مجھے بتا چکی ہے کہ تم نے ملا سرکار یا بلیک کیٹ... موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔" اس نے مجھے آگاہ کیا۔ "کیا... واقعی اتنا خطرناک تھا کہ اس کے خاتمے پر حکومت تمہیں... اعزاز بھی دے سکتی ہے؟"

"یہ ٹیوشن تم بعد میں بھی لے سکتے ہو۔" ویرا نے اپ... بلیک ڈاگ کا نیا گلاس بناتے ہوئے ترش لہجے میں کہا۔ "وقت... سے گزر رہا ہے' ایک گھنٹا پورا ہوتے ہی سلطان شاہ کہ... پہنچ کر ہمیں فون کرے گا۔ اگر ہم اس وقت تک کسی فیصلے پر... سکے تو وہ بے چارہ' جیپ کے ساتھ' ساری رات شہر کی سڑکیں... ناپتا رہے گا۔"

"اس حماقت کی ضرورت ہی نہیں تھی۔" میں نے گھو...

"تم دونوں کو معلوم تھا کہ آرنیٹ کے زر خرید غنڈے پٹھان... کی گلیوں میں گھسنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے۔ اس علاقے... سلطان شاہ کے دوستوں اور رشتے داروں کی بہتات ہے... بھر کے لئے' جیپ کو ایک لفافے میں بند کر کے کسی کے... چھوڑ سکتا تھا۔ آرنیٹ سمجھتا کہ تم شب بسری کے لئے...

ا کے گھر رہ گئی ہو۔ ہم لوگ رات بھر میں کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ ج وہاں سے چپ دوبارہ حاصل کر لیتے۔"

میری بات نہایت معقول تھی لیکن ویرا میرے سامنے سیدھے ے انداز میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھی' اس لئے چڑ کر مشکل یہ ہے کہ ہماری کھوپڑیوں میں تمہارے فتنہ پرور بھیجے ب ذرّہ بھی نہیں ہے۔ ایک گھنٹا مکمل ہونے پر گرینڈ ہوٹل سے ن شاہ کا فون آئے تو اسے یہ راہ بھا دینا۔"

"یہ میرا مسئلہ ہے۔ میں اس سے نمٹ لوں گا۔ تم یہ بتاؤ کہ یٹ سے کیا وعدے وعید کر کے آئی ہو؟"

"مجھے یہ اندازہ تو ہو گیا ہے کہ آرنیٹ ایک سفارت کار " جہانگیر نے معذرت خواہانہ انداز میں دخل اندازی کرتے ے کہا۔ "لیکن اس ذاتِ شریف کا قدرے تفصیلی تعارف ے تو میں تم دونوں کے مذاکرات سے بہتر طور پر لطف اندوز وں گا اور تمہارے بال بچوں کو دعائیں دوں گا۔"

"بچے فی الحال لاہوت میں ہیں اور میرے بالوں کو تمہاری دعا ی حاجت نہیں۔ سارے پسندیدہ اور ناپسندیدہ بال اتنی تیزی ساتھ بڑھتے ہیں کہ ساری دعائیں ان کی بڑھوتری سے پیچھے رہ ہیں۔"

"ہرزہ سرائی کے فن میں تمہارا دوست اتنا طاق ہو گیا ہے کہ اسے ہجو گوئی کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے۔ بال بچوں کی ئیں دے کر شعروں پر داد اینٹھنے والے شاعروں کے مقابلے یہ بہت کامیاب رہے گا۔" ویرا نے سلطان شاہ کی خواری کے کا حل سامنے آجانے پر جہانگیر کو میرے خلاف اکساتے ۓ کہا۔

"اسے میری طرف سے سات خون معاف ہیں۔" جہانگیر نے ڈاک کے اپنے گلاس سے ایک ہی گھونٹ میں اسکاچ کی وافر ر اپنے معدے میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔ "یہ یاری کرے یا ا' جہاں بھی ہو' کامیاب و کامران رہے۔ اب یہ اس کی اہے کہ یہ مجھے آرنیٹ کے بارے میں کچھ بتاتا ہے یا نہیں۔"

"آرنیٹ ہمارے ملک میں امریکا کی سفارتی ٹیم کا ایک انتہائی ا رکن ہے۔ جو بدقسمتی سے کراچی کاؤنسلیٹ میں مامور ہے۔ ے سیاسی اور معاشرتی امور میں دل کھول کر لیکن دامن بچا ترین دخل اندازی کر رہا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ملا سرکار جیسے ل غیر ملکی ایجنٹ کو بھی اس کی پشت پناہی حاصل تھی۔"

ہ حکم دو تو میں کل ہی شہر کی کسی سڑک پر اس کی انتڑیاں باہر نکلیے۔" جہانگیر نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔

ہ اس گمان میں نہ رہنا۔" ویرا فضا میں ہاتھ لہرا کر چہکی۔ "وہ ہے تو اس کے آگے پیچھے اور دائیں' بائیں' نادیدہ محافظوں کی فوج ظفر موج سفر کرتی ہے۔ اس تک پہنچنے سے بہت پہلے تم ردیے جاؤ گے۔"

ممکن تم سے تمہارے اور آرنیٹ کے مذاکرات کے بارے۔

میں پوچھ رہا تھا۔" میں نے ویرا کو تند و ترش نگاہوں سے گھورتے ہوئے' سرد لہجے میں سوال کیا۔

"میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔" اس نے بلا تردّد جواب دیا۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے اور اس کے درمیان' آخری فیصلہ کیا ہوا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "اس نے تجویز پیش کی اور میں خاموشی سے سنتی رہی۔ اس کا خیال ہو گا کہ وہ کل جوں ہی مجھے خفیہ تجارتی دستاویزات کی نقول فراہم کرے گا' میں اس کے لئے کام کرنا شروع کر دوں گی جب کہ میں' خود کو ایسی کسی پابندی میں جکڑا ہوا محسوس نہیں کرتی۔"

"تمہارے عدم تعاون پر وہ براہِ راست یا شاید وہائٹ ہاؤس کے ذریعے' جی لائیڈ سے تمہاری شکایت کر سکتا ہے جس کے نتائج تمہارے حق میں سازگار نہیں ہوں گے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"حالات اب کون سے سازگار ہیں جو بگڑ جائیں گے۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "ویسے میں ان کھلے باز تاجروں سے چھیڑ چھاڑ ضرور کروں گی۔ یہ میرے لئے ایک نیا تجربہ ہو گا۔"

ویرا کے معاملے میں چپ ہمارے لئے ایک مسئلہ بنا ہوا تھا اگر ہم اسے ضائع کرتے تو آرنیٹ کو فوری طور پر اس کا علم ہو جاتا اور اگر اسے اپنی تحویل میں رکھا جاتا تو وہ ہر وقت ویرا تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔

ملا سرکار کے معاملات میں اول خان کی صوابدید نے مجھے کافی متاثر کیا تھا۔ اس نے چپ کی کہانی سن کر مجھے مشورہ دیا تھا کہ اگر ویرا میرے لئے ذرا بھی کار آمد ہے تو مجھے اس کو ہر قیمت پر آرنیٹ کے چنگل سے بچائے رکھنا چاہئے لیکن مجھے عارضی طور پر ویرا کو اس موذی سے دور رکھنا دشوار نظر آ رہا تھا اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ ویرا سلطان شاہ سے چپ لے کر گرینڈ ہوٹل ہی میں قیام کرے اور جب تک ہم چپ کو ٹھکانے لگانے کا فیصلہ نہ کر لیں' وہ ہم لوگوں سے دور رہے تاکہ آرنیٹ ہمارے اور ویرا کے قریبی روابط کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ جان سکے جس سے ہمیں نقصان پہنچ سکے۔

اس وقت تک ویرا کو آرنیٹ کی ہدایات اور مشوروں پر عمل کرنا تھا اور ضرورت پیش آجانے پر خلیج کی نامعلوم بندرگاہ سے ہتھیار لانے والی لانچ کو روانگی کا سگنل بھی دے دینا تھا۔

ایک گھنٹے کی مقررہ مدت گزرنے کے بعد گرینڈ ہوٹل سے سلطان شاہ کا فون آیا تو ویرا اس سے پہلے ہی گرینڈ ہوٹل کی طرف روانہ ہو چکی تھی۔ جہاں وہ ایک فرضی نام سے مقیم تھی۔

اگلی صبح کے اخبار میں مسز جیوانی کی لاش کی برآمدگی کی چھوٹی خبر موجود تھی۔ اس ابتدائی اطلاع میں اسے قتل قرار دیا گیا تھا لیکن خبر میں اس کے شوہر کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ میرے نقطۂ نظر سے یہ بہت اچھا ہوا تھا۔ اگر اخبار میں سیٹھ حبیب جیوانی کا نام بھی

آجاتا تو ویرا فوراً سمجھ لیتی کہ مقتولہ مافیا کے مقامی چیف کی بیوی تھی اور میرے لئے اس کے سامنے وضاحتیں پیش کرنا دشوار ہو جاتا۔
میرا خیال تھا کہ حبیب اپنے گھناؤنے کردار کی وجہ سے خود بھی پولیس کے سامنے آنے سے گریز کر رہا ہو گا اور لاش کے حصول کے لئے اس نے اپنے ناراض رشتے داروں کو آگے بڑھایا ہو گا۔
دو بجے کے قریب جہانگیر نے شہر سے فون کر کے انکشاف کیا کہ آرنیٹ ٹریفک کے ایک ہولناک حادثے میں بری طرح زخمی ہو گیا تھا اور اسپتال میں زیر علاج ہے۔
فون پر اس نے زیادہ تفصیلی بات نہیں کی لیکن یہ ضرور بتا دیا کہ صبح رونما ہونے والے اس حادثے کی تفصیلات شام کے تقریباً تمام ہی اخبارات نے شائع کی تھیں۔
میں نے سلطان شاہ کو بازار بھیج کر فوراً ہی اخبارات منگوا لئے ان کے پہلے صفحات کا جائزہ لیتے ہی میرا دل خوشی سے اچھل پڑا اور مجھے بے اختیار' اول خان کی دھمکی یاد آ گئی۔ اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ پاکستان میں قانونی طور پر آرنیٹ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن دوسرے طریقوں سے اس کی زندگی اتنی دوبھر کر دے گا کہ وہ پاکستان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو جائے گا۔
اخباری اطلاعات کے مطابق آرنیٹ صبح دس بجے اپنے کسی ساتھی کا استقبال کرنے کے لئے شہر سے ائرپورٹ جا رہا تھا کہ ڈرگ روڈ کے پل کی ڈھلان اترتے ہوئے ایک تیز رفتار ٹرک نے بے قابو ہو کر اس کی کار کو روند ڈالا۔ آرنیٹ کی کار پل کی ریلنگ توڑ کر نیچے جا گری تھی۔ ٹرک ڈرائیور جائے حادثہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔
اس حادثے کی تفصیلات بہت دلچسپ اور خیال انگیز تھیں جن کے مطابق وہ ایک مسروقہ ٹرک تھا جو دس دن قبل سائٹ کے علاقے سے چرایا گیا تھا۔ سائٹ تھانے میں ٹرک کی چوری کی ایف آئی آر درج تھی۔ حادثے کے بعد وہیکل اگزامنر نے ٹرک کا معائنہ کر کے رپورٹ دی تھی کہ حادثے کے وقت اس کے بریک فیل ہو چکے تھے۔
وہ دونوں ہی اہم اور بنیادی باتیں تھیں۔ ٹرک مسروقہ ہونے کی وجہ سے اس حادثے کی ذمے داری کسی پر بھی عائد نہیں کی جا سکتی تھی۔ ڈرائیور کے فرار ہو جانے کی وجہ سے حادثے کی تفتیش کے رہے سہے امکانات بھی ختم ہو گئے تھے۔ بریکوں کا فیل ہونا اس اعتبار سے اہم تھا کہ اس طرح آرنیٹ کا سفارت خانہ اس حادثے کو سازش کا نتیجہ قرار نہیں دے سکتا تھا۔ جو کچھ ہوا' اسے ایک سنگین اتفاق کے علاوہ کچھ اور قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔
ٹرک سے تصادم ہوتے ہی' آرنیٹ کی کار کے دونوں اگلے دروازے دھماکے کے ساتھ کھل گئے تھے اور جھٹکے کی شدت سے اس کا مقامی ڈرائیور اچھل کر کار سے باہر جا گرا تھا جس کی وجہ سے اسے کوئی شدید چوٹ نہیں آئی تھی۔ اس کا معاملہ چند خراشوں پر ٹل گیا تھا لیکن آرنیٹ بہت بری طرح زخمی ہوا تھا۔ سر پھٹنے کے علاوہ اس کا ایک بازو ٹوٹ گیا تھا۔ دو پسلیوں کے ٹوٹنے کا بھی خ[illegible] درپیش تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اول خان نے ا[illegible] عزائم کو عملی جامہ پہنا دیا ہو۔
اخبار پڑھتے ہی میں نے اس کے گھر فون کیا تو معلوم ہوا ک[illegible] پچھلی رات ہی کو اپنے گھر لوٹ آیا تھا اور اس وقت ڈیوٹی پر گیا ہ[illegible] تھا۔ میرے لئے وہ بہت بڑی خوش خبری تھی۔ میں نے فورا[illegible] دوسری کال' ویرا کے متروک گھر پر ملائی جہاں اول خان نے ا[illegible] آدمیوں کے ساتھ عارضی اسٹیشن قائم کیا ہوا تھا۔
رابطہ ہونے پر مجھے اپنے براہ راست سوال کا کوئی جوا[illegible] نہیں مل سکا۔ دوسری طرف سے اول خان کا نام سنتے ہی رانگ [illegible] کہہ کر فون بند کر دیا گیا لیکن اس سخت' مردانہ آواز سے م[illegible] اندازہ لگا لیا تھا کہ اول خان کے آدمی وہاں موجود تھے اس [illegible] دوسری بار نمبر ملاتے ہی میں نے اپنا کوڈ بتا کر اول خان کے بار[illegible] استفسار کیا تو چند ثانیوں تک لائن ہولڈ کرانے کے بعد اسے فو[illegible] بلا دیا گیا۔
"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں کراچی لوٹ آیا ہوں؟" میری [illegible] پہچان کر اس نے حیرت سے پوچھا۔
"اخبار میں تمہاری آمد کی اطلاع شائع ہوئی ہے۔" مم[illegible] گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔
"نہیں!" اس کی اضطراری آواز تحیر زدہ تھی۔ "یہ نا[illegible] ہے۔ اخبار والوں کے لئے تو ہم لوگ شجر ممنوعہ ہیں۔"
"شام کے اخبارات میں چھپنے والی' حادثے کی خبر میں تما[illegible] آمد کا اعلان بھی پوشیدہ تھا۔"
فون پر اس کا جان دار قہقہہ سنائی دیا۔ "تو یوں کہو کہ تم [illegible] اپنے طریقے سے حساب لگا لیا۔"
"یعنی اندازہ درست ہی ثابت ہوا۔" میں نے معنی خی[illegible] میں کہا۔
"میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں اس مردود کو [illegible] چھوڑوں گا۔"
"وہ خاصی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا ہے۔ اب اس کے ب[illegible] میں تمہارا کیا پروگرام ہے؟"
"ابھی میرا اور اس کا حساب برابر نہیں ہوا۔ میرا ایک [illegible] اس اسپتال میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہے' جہاں وہ زیر [illegible] ہے۔" ایک بار اس کا اسٹریچر سیڑھیوں سے نیچے بھی گرایا [illegible] گا۔"
"زندہ بچ گیا تو وہ فوراً ہی پاکستان سے بھاگ جائے گا۔" [illegible] نے اس صورت حال کے تصور سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ شاید تم بھی اسے اسی فیصلے پر مجبور کرنا چاہتے ہو؟"
"ظاہر ہے کہ میں ایسے کسی ملعون شخص کا وجود برداش[illegible] کر سکتا۔ یہ خبیث ہماری سرزمین کو اپنی شکار گاہ سمجھ کر [illegible] کھیل کھیلنے کے لئے یہاں آتے ہیں۔ نشانہ خطا نہ ہوتا تو یہاں

س کا تابوت ہی واپس جاتا۔"

شہر میں لوٹ آئے ہو تو کب مل رہے ہو؟" میں نے گفتگو کو
نصار دیتے ہوئے پوچھا۔

"چاہو تو ابھی آجاؤ۔ آج شاید دیر تک بیٹھنا پڑے گا۔" وہ
شگوار موڈ میں تھا۔ "بلکہ آہی جاؤ تو بہتر رہے گا۔ شام کی چائے
ہرے ساتھ پی لینا۔ آج میں غلام رسول پر محنت کر رہا ہوں۔"

"تو گیا اسے تم اپنے ساتھ ہی لے آئے ہو؟" میں نے حیرت
ے سوال کیا۔

"سکھر میں وہ غیر محفوظ تھا۔ اسے حوالات سے فرار کرا دیا جاتا
پھر وہیں قتل کر دیا جاتا۔ ان لوگوں کے ہاتھ میرے تصور سے کہیں
یادہ لمبے ہیں۔ اگر میں نے تمہارے اپرٹیس پر اس کی اور رملا سرکار
ی گفتگو نہ سنی ہوتی تو شاید میں بھی اس کے خطرناک اور گھناؤنے
کردار سے بے خبر رہتا اور یہ لوگ ہماری تباہی کے سامان کرتے
ہتے۔"

"تم نے یہ اندازے کس بنا پر لگا لئے؟" میں اس کے
نکشافات پر اپنی حیرت پر قابو نہ رکھ سکا۔

"سکھر کی کوتوالی میں جو کچھ ہوا، اس نے میری آنکھیں کھول
ی ہیں۔ میں نے اپنے کمانڈر کی سفارش پر ڈی آئی جی کی معطلی کے
حکام تو جاری کرا دیے لیکن میں انسپکٹر علی اسد کو انتقامی کارروائی
ے نہیں بچا سکا۔ اسے اپنے اختیارات سے تجاوز کرنے کے
زام میں نوکری سے معطل کر کے گھر بٹھا دیا گیا ہے اس لئے میں
صوصی احکام کے تحت غلام رسول کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔"

میرے لئے وہ خبر شرمناک تھی۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ
سپکٹر علی اسد پکا اور سچا محبِ وطن افسر تھا اور اگر اس نے کہیں
پنی حدود سے تجاوز کیا تھا تو وہ ملک و قوم کے مفاد ہی میں تھا لیکن
ن کے دشمنوں نے بے خوف و خطر ہو کر اس کی روزی پر وار کیا
ا۔ انہیں غالباً اپنے اس فعل پر کسی باز پرس یا جواب دہی کا کوئی
ف نہیں تھا۔ وہ میرے لئے لمحۂ فکریہ تھا کہ جس سرزمین پر قانون
فذ کرنے والے اداروں میں متعصب، بدعنوان اور خود غرض
امر کی گرفت اتنی مضبوط ہو، وہاں بارسوخ مجرموں پر کون ہاتھ
لنے کی جرات کر سکے گا؟ پھر اس وقت تو بات صرف غلام رسول
ک تھی، تفتیش آگے بڑھتی تو اس جیسے، نجانے کتنے نام اس کہانی
ملوث ہو جاتے۔

"اگر اسے حوالات میں بھی نہیں رکھا جا سکتا تو تم اسے کہاں
رکھوگے؟"

"اسے آرمی انٹیلی جنس کے سپرد کرنا پڑے گا۔ اس معاملے
کی غیر جانبدارانہ تفتیش وہی آگے کر سکتے ہیں۔"

"تم مجھے دہلائے دے رہے ہو۔ تمہاری باتوں سے تو ایسا
معلوم ہوتا ہے جیسے ہم ہر طرف سے غنڈوں، بدمعاشوں، غداروں
اور بے ایمانوں کے نرغے میں آ گئے ہیں جو کسی بھی وقت ہمارا سودا
کر سکتے ہیں۔"

"بدقسمتی سے کچھ ایسی ہی صورتِ حال ہے۔" اس کی
مایوسانہ آواز سنائی دی۔ "علی اسد جیسے، جو گنے چنے لوگ انتظامیہ
میں رہ گئے ہیں ان ہی کے دم سے مطلع کچھ صاف نظر آتا ہے ورنہ
ہر طرف دھواں ہی دھواں پھیلا ہوا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں تھوڑی دیر میں تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔"
میں نے فون بند کر دیا۔

"اب کہاں جا رہے ہو؟" فون پر گفتگو ختم ہوتے ہی غزالہ
میرے سر پر سوار ہو گئی۔

"سکھر والے معاملات چل رہے ہیں۔" میں نے متاسفانہ
لہجے میں کہا۔ "اول خان وہاں سے بہت تلخ تجربات کے ساتھ
واپس آیا ہے۔ مجھے اس کے ساتھ کام کرنا ہے۔ پھر ویرا والے
معاملے پر بھی اسے بریف کرنا ہو گا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم ان معاملات میں ضرورت سے زیادہ
الجھتے جا رہے ہو۔"

"اور میرا اندازہ ہے کہ میں ضرورت کے مطابق بھی اپنا کام
پورا نہیں کر رہا۔ یہ نہ بھولو کہ ہمیں سکھ چین، عزت اور آبرو، جو
کچھ بھی میسر ہے، اسی زمین کے ناتے سے میسر ہے۔ لوگوں نے
ہماری غفلت کی بنا پر اسے بیچ کھایا تو ہم ہزار زندگیاں پا کر بھی اس
مقام کو نہیں پہنچ سکیں گے۔ میں کسی عیاشی کے لئے نہیں، بلکہ
ضروری کام سے جا رہا ہوں۔"

"میں بھی تم سے کم محبِ وطن نہیں ہوں۔" غزالہ نے اداس
سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "لیکن طویل تنہائی کی وجہ سے میں
کبھی کبھی اکتا جاتی ہوں۔ تم لوگوں کے ساتھ بہت جلدی گھل مل
جاتے ہو لیکن میں فاصلوں کو اتنی تیزی کے ساتھ ختم نہیں کر سکتی
اسی لئے تمہارے بغیر میں خود کو تنہا تنہا محسوس کرتی ہوں۔"

اپنی جگہ پر اُس کی بات سو فیصد درست تھی۔ وہ بہت تیزی
کے ساتھ ماں باپ، اور پھر اکلوتے بھائی سے محروم ہوئی تھی۔
حالات نے اس گھریلو لڑکی کو ایک ایسی راہ پر دھکیل دیا تھا کہ اسے
کم عمری میں ہی، باعزت طریقے سے زندہ رہنے کے تلخ ترین تجربات
کی بھٹی سے گزرنا پڑا تھا اور مجھ سے مل بیٹھنے کے باوجود اسے آرام و
سکون کے وہ لمحات نہیں مل سکے تھے جن کا مزہ اس نے شمع اور
کرنل زوّار زیدی کی زندگی میں چکھ لیا تھا۔

ایمان داری کی بات یہ تھی کہ جہانگیر کا گھر، اس کے لئے ایک
طلائی قفس بنا ہوا تھا۔ جہاں اسے گھٹ گھٹ کر اپنا وقت گزارنا پڑ
رہا تھا۔ سلمٰی پہلے اسپتال میں تھی، وہاں سے آئی تو اپنے شوہر سے
لڑ کر لاہور چلی گئی۔ ویرا اپنے چکروں میں مصروف تھی پھر، اس گھر
میں، غزالہ کی ناک کے نیچے جہانگیر اور مسز جیوانی کی حیوانی دوستی
پروان چڑھتی رہی جس کا اختتام مسز جیوانی کی خودکشی پر ہوا تھا اس
لئے، جہانگیر کی طرف سے اس کا متنفر ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ ان
سب کے بعد لے دے کر ایک سلطان شاہ ہی رہ گیا تھا جو اسے اپنی
بہن کا درجہ دینے کا دعوے دار تھا لیکن مخلص اور چاہنے والے

بھائیوں کے میٹھے بولوں کے سہارے زندگی گزارنا اتنا ہی سہل ہوتا تو قوانینِ قدرت میں شوہر کا کہیں وجود نہیں ہوتا جو کبھی کبھار جوتے لگانے کے باوجود سرتاج کے منصب پر فائز رہتا ہے۔

ان دنوں میں غزالہ کے لئے سب کچھ تھا لیکن کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کے زمانۂ طالب علمی سے ہم دونوں کے درمیان بے پناہ ذہنی ہم آہنگی اور یگانگت پائی جاتی تھی اور اگر دلدار آغا ہم دونوں کے درمیان حائل نہ ہوا ہوتا تو ہم مدتوں پہلے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو چکے ہوتے۔ اس وقت میں نے پہلی بار سوچا کہ مجھے جوں ہی چند روز کی مہلت ملے گی، میں سلمٰی کے پاس امانت کے طور پر رکھی ہوئی خطیر رقم سے ایک مکان خرید کر، غزالہ کو قانونی طور پر اپنا لوں گا۔

"تم چاہو تو سلطان شاہ کے ساتھ بازار کا ایک چکر لگا آؤ۔" میں نے ملائمت سے کہا۔ "تھوڑا سا وقت بھی گزر جائے گا اور دل بھی بہلے گا۔ میرے پاس قمیصیں ختم ہو رہی ہیں۔ تمہیں بھی کپڑوں کی ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے، تم جاؤ، میں تمہارے مشوروں پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔" اس نے مغموم سی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے اول خان کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔

اول خان اس بنگلے کی ایک خوابگاہ میں اپنا دفتر جمائے، بے چینی کے ساتھ میرا انتظار کر رہا تھا۔

"آرنیٹ پروار کر کے تم نے بہت ثواب کمایا ہے۔" پُرجوش رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے اول خان سے کہا۔ "تمہاری تمام تر احتیاط اور رازداری کے باوجود اسے ملا سرکار کی موت کا علم ہو گیا تھا۔"

اس انکشاف پر اول خان حیرت اور بے اعتباری سے اچھل پڑا اور مجھے اس کی حیرت دور کرنے کے لئے سی آئی اے کے کارڈیو ریکارڈر کی کہانی سنانی پڑ گئی۔

"خلا میں قدم جمانے کے ساتھ ساتھ، یہ لوگ زمین پر بھی سائنسی ایجادات سے حیرتناک کام لے رہے ہیں۔" وہ پوری بات سن کر رشک آمیز لہجے میں بولا۔ "ان کے کارنامے سن کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم لوگ پتھر کے زمانے میں رہ رہے ہیں۔ دور دراز اور پُرخطر مہمات میں اپنے ایجنٹوں کی سلامتی پر نگاہ رکھنے کا اس سے زیادہ بے ضرر طریقہ ایجاد ہونا مشکل ہے۔"

"اور اب اس نے اپنی حکمتِ عملی بھی بدل دی ہے۔" میں نے اپنے لئے سگریٹ سلگا کر کہا۔ "خلیج کی کسی بندرگاہ پر ہتھیاروں اور گولہ بارود سے لدی ہوئی ایک لانچ تیار کھڑی ہے جسے وہ کراچی لانا چاہتا ہے۔"

"کراچی شہر میں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا اس کا دماغ چل گیا ہے؟"

میں نے اسے آرنیٹ کے نئے منصوبے کی تفصیل کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ اسے ملا سرکار کی موت سے انڈین حکام کو مطلع کرنے میں کیا مجبوری مانع تھی۔ اس نے میری پوری گفتگو کا ایک ایک لفظ پوری توجہ سے سنا تھا۔

"کراچی نہ صرف صوبے بلکہ پورے ملک کا بڑا اور حساس شہر ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ان لوگوں کی تخریب کاری اور سازشوں کے مراکز اندرونِ سندھ میں ہیں لیکن ہتھیاروں کی کراچی میں ذخیرہ اندوزی میرے لئے ناقابلِ فہم ہے۔ یہاں ہتھیار لا کر چھپانا جتنا مشکل کام ہے اس سے کہیں زیادہ مشکل ان ذخائر کو نکال لے جانا ہے۔ مجھے تو کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے وہ لوگ کراچی کے بارے میں بھی کچھ سوچ رہے ہوں۔ کراچی میں لائے جانے والے ہتھیار لازماً یہیں استعمال ہوں گے۔"

"لیکن مجھے کراچی میں ان کا کوئی مصرف نظر نہیں آتا۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"زیرِ زمین تیار ہونے والی سازشیں مقررہ وقت سے پہلے نگاہوں سے اوجھل ہی رہتی ہیں۔"

"لیکن وہ لوگ کراچی میں ملا سرکار کے اندھے پیرو کار، ڈاکو اور قاتل کہاں سے لائیں گے؟"

اندرونِ سندھ بغاوت کی آگ بھڑکانے کے لئے مسلح لشکر کی ضرورت پڑے گی لیکن کراچی جیسے کثیرالنسل اور گنجان آباد شہر میں کرائے کے دس پانچ آدمی امن و امان کی فضا کو تہ و بالا کر کے خونریز تصادم کا آغاز کرا سکتے ہیں۔ ماضی میں، اس شہر میں بارہا فسادات ہوتے رہے ہیں۔ میرے اس خیال کو اس بات سے تقویت ملتی ہے کہ جب تک کراچی میں امن و امان کا سنگین بحران کھڑا نہ کیا جائے، اندرونِ سندھ ہونے والی کارروائیاں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔"

"پھر اس مسئلے کا کیا توڑ ہو سکتا ہے؟" میں نے پُرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

"آرنیٹ کو حادثہ پیش آجانے کی وجہ سے شاید ان لوگوں کی رفتار سست پڑ جائے۔ ہمیں ان کے اگلے اقدام کا انتظار کرنا ہوگا۔ تمہیں جوں ہی اسلحہ بردار لانچ کے نام وغیرہ کا علم ہو، تم مجھے بتا دینا۔ میری کوشش ہوگی کہ کھلے، بین الاقوامی سمندر میں ہی بحریہ اس لانچ کو ہتھیاروں سمیت پکڑ لے اس طرح وہ سارا اسلحہ دشمنوں کے بجائے ہمارے کام آجائے گا۔ اس کوشش میں ناکامی ہوئی تو لانچ کو وہیں تباہ کر کے غرقاب کر دیا جائے گا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارے تعاون کے بغیر، میں ان لوگوں کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔" میں نے اعتراف کیا۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میرے پاس وسائل اور افرادی قوت کی کمی نہیں اور میں عرصۂ دراز سے ان سب لوگوں کی سرگرمیوں کے بارے میں سنتا آرہا تھا لیکن میرے پاس ٹھوس معلومات نہیں تھیں جب کہ تم ان کی جڑوں میں اترے ہوئے تھے۔ تمہاری ز

ہوئی معلومات ہی ان لوگوں کی موت کا پیغام ثابت ہوئی ہیں۔۔۔۔ تم یہ بتاؤ کہ ویرا اپنے چیپ کے ساتھ اب کہاں ہے؟"

"وہ شہر کے ایک ہوٹل میں مقیم ہے۔ اسے آج آرنیٹ کو فون کرکے اپنے پتے سے آگاہ کرنا تھا جس کے بعد وہ مقامی تاجروں کے بارے میں دستاویزی ثبوت اسے بھجوا دیتا۔"

"اس سے معلوم کرو کہ فون کرنے پر دوسری طرف سے کیا جواب ملا؟"

میں نے وہیں سے گرینڈ ہوٹل کا نمبر ملایا تو ویرا اپنے کمرے میں موجود تھی۔

میری آواز سنتے ہی اس نے چہکنا شروع کردیا جس کا مطلب تھا کہ وہ آرنیٹ کو پیش آنے والے حادثے سے اس وقت تک یکسر لاعلم تھی۔ نہ ہی کاؤنسلیٹ سے اسے کوئی غیر معمولی بات معلوم ہوئی تھی۔

"آرنیٹ ۔۔ تمہاری کیا گفتگو رہی؟" میں نے سنجیدگی کے ساتھ براہ راست وہ سوال پوچھ لیا۔

"گیارہ بجے آرنیٹ اپنے دفتر میں نہیں تھا۔ اس کے کسی ماتحت سے میری بات ہوئی تھی۔ اس نے مجھے کل کاؤنسلیٹ میں بلایا ہے۔" ویرا نے بتایا۔ "مجھے حیرت ہوئی کہ اس نئے آدمی نے میرا نام سنتے ہی مجھے پہچان لیا تھا۔"

"یعنی تم سے کسی کوڈ وغیرہ کے تبادلے کے بغیر اس نے بات شروع کردی تھی؟"

"ہاں' اب دیکھو کل بارہ بجے کیا رہتا ہے۔ ویسے میں نے اسے گرینڈ ہوٹل کا پتا بھی نوٹ کرادیا ہے۔"

"کل بھی تمہاری آرنیٹ سے ملاقات نہیں ہوسکے گی۔ وہ لمبی رخصت پر چلا گیا ہے۔"

"کیا مطلب" وہ میرے الفاظ پر بری طرح چونکی تھی۔ "تو کیا تم نے اس کا بھی صفایا کردیا؟"

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ وہ آج صبح خود ہی ایک حادثے کا شکار ہوکر زخمی ہوگیا اور اب اسپتال میں پڑا ہوا ہے۔ اگر تم شام کے اخبارات پڑھنے کی عادی ہوتیں تو تمہیں معلوم ہوتا کہ اس کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی مرمت کے لئے سادہ سرجری کے بجائے مائیکرو سرجری کی ضرورت پیش آجائے۔"

"بعض اوقات تم حد سے زیادہ تیزی دکھانے لگتے ہو۔" اس کی آواز ابھری۔

"تم یقین کرو کہ اس معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ یہ محض اتفاق ہے کہ ہماری بددعائیں حادثے کے وقت پر منطبق ہوگئیں۔ اس کے راہ سے ہٹ جانے کی وجہ سے کاؤنسلیٹ کے نئے اسرار تمہارے سامنے آجائیں گے۔"

وہ ہوٹل میں اکیلی تھی اس لئے گفتگو کو طول دینا چاہ رہی تھی مگر میں نے اس سے جلد ہی اپنا پیچھا چھڑا لیا۔

"ابھی تک تو سب کچھ ہماری توقعات کے عین مطابق ہو رہا ہے۔" ویرا کی گفتگو کا خلاصہ سن کر اول خان نے کہا۔ "اگر ہم ان کے مزید ایک آدھ اہم آدمی پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوگئے تو یہ سازشیں ہمیشہ کے لئے دم توڑ دیں گی۔"

"باہر والوں سے نمٹنا ہمیشہ آسان ہوتا ہے۔ آستین میں پلنے والے موذی ہمیں ناکوں چنے چبوا دیں گے۔"

"آؤ! ذرا اس صورت حرام سے بھی مل لو!" اول خان نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔ "اس کی رسی جل گئی ہے لیکن بل ابھی تک نہیں گئے۔ مجھے کئی بار منہ مانگی رشوت کی پیشکش کرچکا ہے اور آج تو دھمکیوں پر اتر آیا ہے۔"

"ٹھیک ہے' میں بھی ذرا اپنے ہاتھ پیر رواں کرلوں گا۔" میں نے اس کی تقلید کرتے ہوئے کہا۔

"بے سود ہے' اس پر محنت کرکے تم بلاوجہ خود کو تھکاؤ گے۔ میں نے بہت بری طرح اس کی مرمت کرائی ہے۔ اب تو وہ پٹ پٹ کر ڈھیٹ ہوگیا ہے۔ تم یقین نہیں کرو گے کہ اس کے لئے سیاست اور معاشرے کے کیسے کیسے نامی گرامی لوگوں کی سفارشیں آئی ہیں۔ محکمہ پولیس میں اس کے بہی خواہوں کی تعداد زیادہ ہے کہ ہم پوری کوشش کے باوجود اس کی گرفتاری کو صیغۂ راز میں نہیں رکھ سکے۔ اب وہ اسی بل پر شیر ہو رہا ہے کہ اس کے ہمدردوں کو اس کی گرفتاری کی خبر مل چکی ہے۔"

وہ حوالاتی نہیں رہا تھا بلکہ اول خان کی اسپیشل ٹاسک فورس کا اہم مجرم تھا اس لئے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا گیا تھا۔ اس کے پورے چہرے پر نیل اور کھلے ہوئے زخموں پر جمی ہوئی خون کی پپڑیوں کے علاوہ ورم آیا ہوا تھا۔ نیلے پپوٹوں کی سوجن میں اس کی دونوں آنکھیں تقریباً بند ہو کر رہ گئی تھیں۔

قالین اور فرنیچر سے محروم عقبی خوابگاہ سے ہر چیز ہٹا کر غلام رسول کو وہیں مقفل کردیا گیا تھا اور وہاں بیک وقت تین مسلح محافظوں کا پہرا تھا جن کی نظروں سے بچ کر غلام رسول تک پہنچنا ناممکنات میں سے تھا۔

مجھے دیکھتے ہی غلام رسول ہڑبڑا کر فرش سے اٹھا تھا اور لڑکھڑائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم لوگ زیادہ دیر تک میرے ساتھ من مانا سلوک نہیں کرسکو گے۔ بات صدر تک جائے گی اور اگر اس پر کان نہیں دھرا گیا تو میرے حامی حکومت ہلا کر رکھ دیں گے۔ میری گرفتاری تم لوگوں کو تصور سے زیادہ مہنگی پڑے گی۔"

میں نے پوری قوت سے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا۔ اس کا سر پُرشور آواز سے دیوار سے ٹکرایا اور وہ ایک دبی دبی سی چیخ کے ساتھ' تیورا کر فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کے چہرے کے کسی سوکھتے ہوئے زخم کے کھل جانے کی وجہ سے میری ہتھیلی اس کے گندے خون میں لتھڑ گئی تھی۔ جسے میں نے بڑھ کر اسی کی قمیص سے صاف کرلیا۔

"جب تک آدمی ملزم رہتا ہے لوگ' بے گناہی ثابت ہونے کی امید پر اس کی حمایت کرتے رہتے ہیں لیکن تم ملزم نہیں بلکہ

مسلّمہ مجرم ہو' غلام رسول! تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ ملا سرکار نے جیسلمیر اور شاہ پور والی ویڈیو کیسٹیں ہمیں دے دی ہیں۔ ان کی موجودگی میں تم اقبالِ جرم سے انحراف کر سکتے ہو' نہ کوئی تمہارا ساتھ دے سکتا ہے۔"

وہ اس کی دکھتی رگ تھی اور شاید اول خان اس کہانی کو بھرپور طریقے پر استعمال نہیں کر سکا تھا۔ اسی وجہ سے غلام رسول نے اس کی تحویل میں آکر قدرے حوصلہ پکڑ لیا تھا لیکن میرے جارحانہ سلوک نے آناً فاناً میں اس کے سارے کس بل نکال دیے۔

"تم سب جھوٹے اور بدمعاش معلوم ہوتے ہو۔" وہ سر اٹھائے بغیر' رندھی ہوئی آواز میں بولا "جو قومیں اپنے صفِ اول کے سیاستدانوں سے ایسا گھٹیا سلوک کرتی ہیں وہ بہت جلد صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں......"

"ابے' صفِ اول کے سیاستدان!" میں نے اس کے سر کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر' اسے اس کے قدموں پر کھڑا کر دیا۔ "تو اس وقت کسی عدالت میں نہیں ہے۔ جہاں دیا جانے والا بیان اخبارات اپنی شہ سرخیوں میں چھاپتے ہیں۔ ہم تجھے ذبح کر کے کسی گڑھے میں بھی بہا دیں تو کسی کو کانوں کان تیرے حشر کا علم نہیں ہو سکے گا' تیری لاش غائب کر کے ہم بڑی آسانی کے ساتھ تیرے پُراسرار فرار کی کہانی بنا سکتے ہیں۔ تیری زندگی اسی میں ہے کہ ہمیں اپنے سارے کالے کرتوتوں سے آگاہ کر دے۔"

"جب تک تم ملا سرکار کو میرے سامنے نہیں لاؤ گے' میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کروں گا۔" اس نے بگڑی ہوئی اور بوجھل آواز میں کہا۔ "پہلی بار تم نے مجھے دھونس میں لے کر میری زبان سے اپنی من پسند باتیں اگلوائی تھیں لیکن اب میرے اعصاب میرے قابو میں ہیں۔ مجھ سے سودا کر کے میری جان چھوڑ دو ورنہ تمہیں رسوائی کے سوا کچھ بھی نہیں مل سکے گا۔"

میرے اگلے تھپڑ سے وہ اچھل کر دور جا گرا اور ہذیانی انداز میں بڑبڑانے لگا۔ "اس بربریت اور درندگی سے تم مجھے خوف زدہ نہیں کر سکتے۔ میں تمہاری غلامی کے چند سانس لینے کے لئے اپنی آنے والی نسلوں کا مستقبل تباہ نہیں کروں گا۔"

"پوری قوت سے اس کی دونوں ٹانگیں چیر کر' ٹخنوں میں ڈنڈا باندھ دو۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں' اندر آئے ہوئے محافظوں کو حکم دیا۔ انہوں نے اول خان کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنے سر کی خفیف سی جنبش سے میرے حکم کی تائید کی اور اسی لمحے ایک محافظ کہیں سے رسی کے ساتھ ہی ڈنڈا بھی لے آیا اور دو آدمی غلام رسول پر پل پڑے۔

غلام رسول نے بہت زیادہ مزاحمت کرنے کی کوشش کی۔ جب اس کی ٹانگیں چیری جا رہی تھیں تو وہ اذیت سے بری طرح چلانے لگا تھا۔ لیکن ان دونوں افراد نے نہایت بے رحمی کے ساتھ اسے پیٹ اور سینے کے بل فرش پر اوندھا لٹا کر' اس کی چری ہوئی ٹانگوں میں ڈنڈے کے سرے باندھ دیے۔

مجھے اعتراف ہے کہ میں اس پر جو بھی تشدد کر رہا تھا' ن ناشائستہ اور غیر انسانی تھا لیکن اس وقت وہ بہروپیا میرے لئے انسان نہیں' ایک بھیڑیا تھا۔ اس ضمیر فروش' غدار سیاستدان کا کھلا کھلا اعتراف جرم' میں دو مواقع پر سن چکا تھا۔ پہلی بار جب اپریٹس پر ملا سرکار سے باتیں کر رہا تھا اور دوسری بار جب اس نے سکھر کوتوالی میں زبان کھولی تھی۔

اس کی غدارانہ سرگرمیوں سے آگاہ ہو جانے کے بعد' اس سے کوئی رعایت نہیں کی جا سکتی تھی۔ اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس نے خود کو انسانیت کے مقام سے گرا لیا تھا۔ وہ بظاہر جس ملک کی سیاسی جماعت کا اہم عہدے دار بنا ہوا تھا' وہ اگر ملک بھر میں بہت زیادہ نیک نام نہیں تھی تو ایسی بدنام بھی نہیں تھی کہ اس کے کسی عہدے دار کی' ملک سے وفاداری پر شبہ کیا جا سکتا لیکن غلام رسول نے خود غرضی اور لالچ کی وجہ سے اس جماعت کے قوی کردار کو ناقابلِ تلافی دھچکا لگایا تھا جس کی بنا پر' وہ میری نگاہ میں کسی رعایت یا رحم کا مستحق نہیں رہا تھا۔

میں نے بڑھ کر اس کی چری ہوئی ٹانگوں کے درمیان ٹھوکر لگائی اور وہ تکلیف سے تڑپ کر دوہرا ہو گیا۔ اس کے زخم سے بہنے والا تازہ اور گاڑھا خون اس کے لباس کے ساتھ فرش کو بھی داغ دار کرنے لگا۔

"کھولتا ہوا پانی لاؤ اور اس کے بدن پر انڈیل دو!" میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں ایک محافظ سے کہا۔ "اسی کے ساتھ ڈرنک کی دو خالی بوتلیں بھی لاؤ۔ میں اس حرمزادے کو ایسی عقوبتیں دوں گا کہ یہ موت کی آرزو کرنے لگے گا۔ میں ایسے مجرموں کی زبان کھلوانے کا فن اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"نہیں' نہیں۔" وہ کسی اندھے کی طرح اپنے دونوں ہا میں لہراتے ہوئے چیخا۔ "تم میرے ساتھ ایسا ظلم نہیں کر اندھیر نہیں ہو سکتا' تمہیں اپنی حرکتوں کے لئے جواب دہ ہونا گا۔"

"بیٹے! یہ سکھر کی کوتوالی نہیں ہے اور نہ تم عدالتی ر ہو۔ اسپیشل ٹاسک فورس اپنے افعال کے لئے کسی کو جوا نہیں ہے۔ ہم نے تمہاری بوٹی بوٹی بھی الگ کر دی تو کوئی نہیں پوچھے گا کہ غلام رسول کہاں گیا؟"

اس وقت اول خان کے آدمی اللہ دین کے چراغ کے ہوئے تھے۔ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ایک آدمی ہوئے پانی کی کیتلی لے کر' غلام رسول کے کان کو دانت ہوئے اس کی کنپٹی کی نرم و نازک کھال پر کھو۔ لیتے ہوئے پا قطرے ٹپکائے اور وہ چیخ مار کر بری طرح کانپ اٹھا۔

"اب میں اسی طرح تیرے وجود کو جہنم کا مزہ چکھا ابال کر رکھ دوں گا۔" دوسری مرتبہ میں نے اس کی ....گراتے ہوئے کہا اور وہ فرش پر' ماہیٔ بے آب کی طر کئی فٹ دور چلا گیا۔

"میرے خدا' یہ کیا ہو رہا ہے؟" وہ تقریباً روتے اور کراہتے ہوئے' ڈراؤنی آواز میں گڑگڑایا "یہ ظلم اور اندھیر ہے۔ میرے رتبے کے آدمی پر دو ٹکے کے لوگ ایسا ظلم ڈھا رہے ہیں اور کوئی سننے والا نہیں ہے۔"

"ہم سب سن بھی رہے ہیں اور دیکھ بھی رہے ہیں۔" میں نے ہنس کر ایک مرتبہ پھر اس کی گردن پر کھولتا ہوا پانی گرایا "خدا بھی سب کچھ دیکھتا ہے۔ اس کی رضا شامل حال نہ ہوتی تو' تو آج بھی ہمارے پھندے میں نہ آیا ہوتا۔ مُلا سرکار جیسے ملک دشمن ایجنٹ سے ساز باز کرکے تو نے خود کو ہر قسم کی ہمدردیوں سے محروم کر لیا ہے۔"

"تت...... تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" وہ بری طرح ہانپتے ہوئے بولا۔ بے بسی کے اتھاہ احساس نے اسے ذرا سی دیر میں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا یا پھر اس کی ڈھٹائی کھولتے پانی میں تحلیل ہو گئی تھی۔

"یہ پانی تیرے کانوں میں اتر کر تجھے بہرا کر دے گا۔ آنکھوں میں گرے گا تو تجھے اندھا کر دے گا۔" میں نے اسے مزید دہشت زدہ کرنے کے لئے کہنا شروع کیا "میں تجھے کھولتے ہوئے پانی میں ابالنے کے بعد تیرے بدن کے آبلوں پر مرچیں ڈلواؤں گا' کولڈ ڈرنک کی خالی بوتل کا منہ توڑ کر اس کی نکیلی دھاریں تیرے بدن میں اتاروں گا' پھر دیکھوں گا کہ تو اپنی ضد پر کتنی دیر تک قائم رہتا ہے۔"

اپنی بات پوری کرتے ہی میں نے کیتلی میں موجود کھولتا ہوا پانی فرش پر اس طرف پھینک دیا جہاں غلام رسول پڑا ہوا تھا۔ گرم پانی کے اس تالاب میں' وہ بری طرح تڑپا تھا۔ گرم پانی نے اس کے بدن کو جھلسا کر رکھ دیا تھا لیکن وہ ایک لمحاتی کیفیت تھی کیونکہ ٹھنڈے فرش پر گرنے کے چند لمحوں بعد ہی پانی نے اپنی حرارت کھو دی۔

"اور پانی لاؤ" میں نے بطورِ خاص کسی کو مخاطب کئے بغیر اونچی آواز میں کہا۔

"ٹھہرو' ٹھہرو!" وہ فضا میں ہاتھ لہرا کر' ہانپتے ہوئے بولا "مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو۔"

"مہلت ختم ہو چکی ہے۔" اول خان نے زہریلے لہجے میں کہا "میں تمہارے ساتھ نرمی سے کام لیتا رہا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم جوتے کھائے بغیر راہِ راست پر نہیں آؤ گے۔"

اس دوران میں میں کولڈ ڈرنک کی بوتل کا دہانہ' فرش پر مار کر توڑ چکا تھا۔ غلام رسول کا چہرہ پے در پے ضربات سے اس قدر مسخ ہو چکا تھا کہ اس کے کسی تاثر کا پتا چلانا دشوار تھا لیکن یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اس کے ورم زدہ پپوٹوں ۔۔۔ دھنسی ہوئی آنکھیں میری طرف مرکوز تھیں۔ کیونکہ اسے بیشتر خطرات میری ذات سے لاحق تھے۔

میرے ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی بوتل دیکھ کر وہ بری طرح اپنی ٹانگیں

چلانے لگا۔ لیکن ٹانگوں سے بندھے ہوئے ڈنڈے کی وجہ سے وہ بالکل بے بس تھا۔ اس کے قریب جاکر میں نے اس کی پسلیوں میں ایک ٹھوکر لگائی تو اس کی مزاحمت دم توڑ گئی۔

"بس! مجھ پر رحم کرو" وہ فرش پر اپنا سر پٹختے ہوئے گڑگڑایا۔ "تم جو چاہو' مجھ سے پوچھ سکتے ہو' میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں' لیکن اب میری بوڑھی ہڈیوں پر رحم کرو۔"

"تمہاری اور مُلا سرکار کی سازش میں اور کون لوگ شریک ہیں؟" میں نے اسے وقفہ دیئے بغیر اپنا پہلا سوال کیا۔

"مجھے اس موذی ڈنڈے اور کیچڑ سے نجات دلاؤ تاکہ میں سکون سے بات کر سکوں۔ اس پانی میں سے تیز اور عجیب سی بدبو آرہی ہے' جس سے میرا سر چکرا رہا ہے۔"

"اس پانی میں تمہارے گندے خون کے علاوہ کسی چیز کی ملاوٹ نہیں ہے۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "اگر اپنے خون کی بدبو تمہیں گوارا نہیں ہے تو اسے اس سرزمین پر اور کون برداشت کرے گا؟"

اول خان نے مجھے نگاہوں سے اشارہ کیا اور میں خاموشی کے ساتھ اس کمرے سے باہر نکل گیا۔

"اسے جلدی سے صاف ستھرا کر کے دو نمبر میں لاؤ" میرے کانوں میں اول خان کی آواز آئی "بڑا صاحب بہت غصے میں ہے۔ دیر ہوئی تو وہ دوبارہ یہیں آجائے گا اور کسی کی خیر نہیں ہوگی۔"

بڑے صاحب کا خطاب ملنے پر میں دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ جب سے میرا اول خان سے واسطہ پڑا تھا' اس کی بادشاہی میں مجھے ہر عزت اور رتبے سے نوازا جا رہا تھا جب کہ قانون کے محافظوں سے رجوع کرنے کی صورت میں میری تمام معلومات نظر انداز کر کے میرا داغدار ماضی کھنگالا جاتا اور پھر شاید مجھے غلام رسول سے زیادہ بے آبرو کیا جاتا۔

"ان لوگوں کو کون سے بڑے صاحب کی دھونس دے رہے تھے؟" اول خان کے آجانے پر میں نے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔ "یہاں تو مجھے تم سے زیادہ بڑا کوئی صاحب نظر نہیں آرہا۔"

"یہ اعزاز تمہارے لئے ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا "میں چاہتا ہوں کہ غلام رسول کے ذہن پر سے تمہارا خوف اور دباؤ کم نہ ہو سکے۔ اسی طرح ہم اسے راہِ راست پر رکھ سکتے ہیں۔"

ہم دونوں اطمینان سے ماسٹر بیڈ روم میں آبیٹھے جسے ان لوگوں کی اصطلاح میں دو نمبر کا نام دیا گیا تھا۔

"چاہو تو تمہارے پینے پلانے کا بھی انتظام ہو سکتا ہے۔" اول خان نے پیشکش کی "ہمارے آنے سے پہلے یہاں کے کئی کیبنٹ بھانت بھانت کی شرابوں سے بھرے ہوئے تھے۔"

"دن کے اجالے میں مجھے شراب کی طلب کبھی نہیں ستاتی۔ یہ سب دھند لکا پھیلنے کے بعد کے دھندے ہیں" میں نے ہنس کر کہا۔ "ویسے واپسی پر میں یہاں سے کچھ اسٹاک اپنے ساتھ لے جاؤں گا کیونکہ آج کل مجھے اپنی شاپنگ کا موقع نہیں مل رہا' بھاگ دوڑ کی

وجہ سے میرے رابطے بھی ٹوٹ گئے ہیں۔"
"ویرا بھی بلانوش ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہارا دوست، جہانگیر بھی پینے پلانے کا عادی ہوگا۔" اول خان نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ شراب نوشی کے عادی افراد، تم جیسے کارنامے کیسے انجام دے لیتے ہیں۔"
"نشے میں دُھت ہوجانے والے لوگ، زندگی سے اپنے تمام رابطے منقطع کرکے، اپنی ذات کے خول میں سٹ کر رہ جاتے ہیں اور عام زندگی میں بدترین ناکامیوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ ہم لوگ شراب نوشی کا گناہ ضرور کرتے ہیں لیکن ہوش وحواس سے بیگانہ نہیں ہوتے اسی لئے کچھ کر دکھانے کے قابل رہ جاتے ہیں۔"
"تم شادی شدہ ہو؟" اول خان اچانک ہی مجھ سے وہ بے تکا سوال کر بیٹھا۔
"اور تم؟" میں نے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے اس سے جوابی سوال کیا۔
"میری تین بیٹیاں اور ایک چھوٹا بیٹا ہے" اس نے فخریہ لہجے میں بتایا "بڑی بچی اس سال میٹرک کا امتحان دے گی۔ بیٹا تیسری جماعت میں پڑھ رہا ہے۔ ان کی ماں ایک خانہ دار اور ان پڑھ عورت ہے۔"
اس نے کسی عذر، بہانے یا وضاحت کے بغیر جس فخریہ انداز میں اپنی بیوی کے ان پڑھ ہونے کا اعتراف کیا، وہ میرے لئے حیرتناک بلکہ ناقابل یقین تھا۔ میرا تجربہ تھا کہ اعلیٰ معاشی اور معاشرتی منصب پر فائز افراد اپنے خاندانی پس منظر کے پسماندہ پہلوؤں کا ذکر کرنے سے عموماً گریز کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس دباؤ کو اتنی شدت سے قبول کرتے ہیں کہ اپنے ہم نشینوں میں سرخروئی حاصل کرنے کے لئے مہذب شہری اور تعلیم یافتہ خواتین سے دوسری یا تیسری شادی کر بیٹھتے ہیں تاکہ ایسی خواتین کے ساتھ معاشرے کے نام نہاد معزز حلقوں میں شامل ہو کر اپنے احساسِ کمتری پر قابو پا سکیں۔
لیکن اول خان، باحیثیت لوگوں کے غول میں شامل ہونے کے باوجود حقائق سے گریز کرنے کا عادی نہیں تھا۔ اس نے بڑی سادگی کے ساتھ اپنی بیوی کے ان پڑھ ہونے کا اعتراف کرلیا تھا اور یہ اس کے کردار کی عظمت تھی۔
"تمہارے ماضی کے حوالے سے میں نے کہیں پڑھا یا سنا تھا کہ کراچی کی ایک لڑکی سے تمہارا کوئی سلسلہ چل رہا تھا، پھر وہ کہیں غائب ہوگئی۔ وہ آج کل کہاں ہوتی ہے؟" اول خان کے اس سوال نے مجھے ششدر کردیا۔
کوٹ مندو اور جانو ماچھی کی موت اور منظور ماموں کی حویلی کے المناک انتقامی سانحے کے بعد اول خان مجھ سے یوں سرسری انداز میں ملا تھا جیسے میرے حال کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہ ہو۔ اس نے میرے ساتھ طویل رفاقت کے کسی بھی مرحلے پر مجھے یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ میرے بارے میں میری بتائی ہوئی باتوں سے زیادہ کچھ جانتا تھا۔
اس نے سکھر میں پہلی بار ویرا کے بارے میں زبان کھولی جب سلطان شاہ نے اس کا ذکر چھیڑا تھا اور میں یہ سن کر حیران گیا تھا کہ وہ ویرا کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں بھی جانتا تھا میرے لئے حیرت ناک ثابت ہوئی تھیں اور اب وہ میرے سا نجی گفتگو میں غزالہ کا نام لئے بغیر اس کا ذکر کر رہا تھا۔
"وہ میرے ساتھ ہی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا "ا بدنصیبیاں آڑے نہ آگئی ہوتیں تو آج وہ میری بیوی ہوتی۔ لیکن تمہیں اس کے بارے میں کہاں سے معلوم ہوا؟"
"ہم لوگ سر جھکا کر اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور غیر ضروری تفصیلات میں نہیں جاتے۔" اس نے سادگی اور سنجید کے ساتھ کہا "ہم جب کسی کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو اس بارے میں پوری معلومات جمع کرتے ہیں۔ تمہارے بارے میں اسی کلیئے پر عمل کیا گیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اپنے حلیفوں حریفوں سے غیر متعلقہ موضوعات پر بات نہیں کرتے۔ اگر تم میری دوستی نہ ہوگئی ہوتی تو میں تم سے اس لڑکی کا ذکر بھی نہ کر
"اچھا ہوا کہ تم نے اس کا ذکر چھیڑ دیا۔" میں نے آہستگی کہا "وہ تعلیم یافتہ ضرور ہے۔ لیکن آج کل کی عام لڑکیوں کی فیشن زدہ اور خود سر نہیں ہے۔ اسے تمہاری ان پڑھ بیوی سے کر خوشی ہوگی۔"
"اس کے منہ پر اسے ان پڑھ نہ کہہ دینا۔" وہ ہنستے ہوئے "میرا مطلب تھا کہ اس نے کسی اسکول میں نہیں پڑھا لیکن وہ اردو اور قرآن شریف پڑھ سکتی ہے۔"
"تم بے فکر رہو میں سیدھے سادے لوگوں کو عزت د دینا جانتا ہوں۔"
"کیا نام ہے اس لڑکی کا؟ اس کا باپ شاید آرمی کا ریٹائرڈ کمیشنڈ افسر تھا۔" اول خان نے اپنی پرانی یادداشتوں کرتے ہوئے سوال کیا۔
"غزالہ، کرنل زوار زیدی کی لڑکی تھی، پرانی باتوں کے میں تمہاری یادداشت قابل رشک ہے۔" میں نے اس کی صلا کا اعتراف کرتے ہوئے کہا "میری اور غزالہ کی زندگی میں سے نشیب وفراز آئے لیکن اب قسمت کو ہم پر کچھ رحم آگیا میرا خیال ہے کہ ہم جلد ہی شادی کرلیں گے پھر تمہاری بیو ملنے آئیں گے۔"
اول خان کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر قدموں کی دھمک سن کر خاموش ہوگیا۔
آنے والے غلام رسول کے محافظ تھے۔ ان کے درمیا غلام رسول لنگڑاتا ہوا چل رہا تھا۔
محافظوں نے اول خان کی ہدایت پر غلام رسول کو اس میں چھوڑا اور خود باہر چلے گئے۔
"ملا سرکار کے ساتھ ہونے والے کھیل میں تمہارے

"کون لوگ تھے؟" میں نے غلام رسول کو بیٹھنے کی اجازت دیئے بغیر
شناک لہجے میں سوال کیا۔

"مُلا سرکار سے صرف میرا رابطہ تھا۔ باقی لوگوں پر میرا اپنا
اثر و رسوخ تھا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "ان کی تعداد کل
پانچ ہے۔ وہ ضرورت پیش آنے پر میری ہدایات کے مطابق اپنا
کردار ادا کرنے کے لئے تیار کیئے گئے تھے۔"

"ان کے نام بتاؤ!" میں نے اول خان کو نوٹ لینے کا اشارہ
کرتے ہوئے کہا۔

غلام رسول اپنے نام اور رتبے کے لحاظ سے قومی سیاست میں
اعلیٰ مقام کا حامل تھا لیکن اس نے جو پانچ نام بتائے وہ بھی غیر
معروف اور اجنبی نہیں تھے۔ قومی اہمیت کے معاملات پر وہ اکثر و
بیشتر رائے زنی کرتے رہتے تھے۔

"نہیں معلوم تھا کہ تمہارے کسی غیر ملکی طاقت سے خفیہ
روابط ہیں؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔" تشدد کے آخری دور کے
بعد وہ راہِ راست پر آچکا تھا "یہ میرے لئے زندگی اور موت کا
مسئلہ تھا اس لئے میں نے گروپ کے کسی ممبر کو اپنی وفاداریوں کے
بارے میں نہیں بتایا تھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ پورے کھیل کے
بارے میں اپنی انفرادی رائے رکھتے ہیں۔"

"تم لوگوں کے درمیان اشتراکِ عمل کی کیا بنیاد تھی؟" میں
نے پوچھا۔

"اس علاقے کی جغرافیائی تقسیم میں ہونے والی ناانصافیوں
کے بارے میں ہم سب ہم خیال تھے لیکن قومی سطح پر ہم اپنی رائے
کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ خیالات کی اسی یکسانیت نے ہمیں ایک
دوسرے کے قریب ہونے میں مدد دی۔ وہ لوگ ایسے لڑکوں پر نگاہ
رکھتے جو وقت پڑنے پر ہمارے کام آسکتے ہیں۔"

"کسی بھی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے طاقت کی
ضرورت ہوتی ہے۔ کیا انہیں معلوم نہیں تھا کہ انہیں سندھ کے
قانون شکن اور روپوش عناصر کی پشت پناہی حاصل ہے؟"

"ہاں۔" اس نے اعتراف کیا "وہ ملا سرکار کے اور میرے
گہرے روابط سے بے خبر تھے لیکن یہ ضرور جانتے تھے کہ بعض
ڈاکوؤں سے میرے قریبی مراسم ہیں۔ سندھ میں وڈیروں،
جاگیرداروں اور دوسرے بڑے بزرگوں کا ایسے عناصر سے قریبی
میل جول، علاقے کی صدیوں پرانی روایات کا ایک حصہ ہے۔ اس
لئے میں نے کبھی ایسی قیاس آرائیوں کی تردید کرنے کی کوشش
نہیں کی کیونکہ اس طرح ملا سرکار کے ساتھ میرے مراسم پر پردہ پڑا
رہ سکتا تھا۔"

"ان قیاس آرائیوں کی وجہ کیا تھیں؟" میں اس کے کردار
کی تفصیلی واقفیت حاصل کرنے پر تُلا ہوا تھا۔

"جہاں ملا سرکار میرے ذریعے مال دار اسامیوں کے بارے
میں معلومات حاصل کر کے انہیں اغوا کراتا تھا، وہیں میں بھی اپنے
مخالفین کے بارے میں اس کی مدد لیتا تھا۔ ان پانچوں میں سے دو
کے دشمنوں کو بھی میں نے ملا سرکار کے ذریعے اغوا کرایا تھا۔ ان
دونوں کی زندہ سلامت واپسی کے لئے اتنا بھاری تاوان طلب کیا
گیا تھا کہ اب وہ ساری عمر اپنی پرانی مالی حیثیت بحال نہیں کر سکیں
گے۔ ان واقعات پر میرے دوستوں نے دبے الفاظ میں میرا شکریہ
بھی ادا کیا تھا۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ میری مخاصمت مول لینے
والوں کو جلد یا بدیر اغوا اور تاوان کے واقعات سے واسطہ پڑ سکتا
ہے۔"

"ان پانچوں نے کسی مناسب وقت کے لئے کیا تیاریاں کی
ہوئی تھیں؟"

"عملی طور پر کچھ نہیں کیا گیا تھا لیکن ہم سب نے مالی امداد
اور سفارشوں کے ذریعے اپنے معاشرتی حلقوں کو بہت زیادہ وسیع
کرنا شروع کر دیا تھا۔ ہمارے احسانات کے بوجھ تلے دبے
ہوئے یہی لوگ ضرورت پیش آنے پر ہمارے حامی اور مددگار
ثابت ہوتے۔ ان کے ذریعے ہمیں شہری علاقوں پر اپنا کنٹرول قائم
کرنا تھا۔"

"تمہاری رسائی گنے چنے علاقوں تک ہے۔ علاقے کے باقی
حصوں کے بارے میں کیا حکمتِ عملی طے کی گئی تھی؟"

"اس بارے میں میری معلومات ناقص یا ناکافی ہیں۔ اس
پوری اسکیم کا ماسٹر مائنڈ ملا سرکار ہے۔ میں اس کی طرف سے وقتاً
فوقتاً ملنے والی ہدایات کے مطابق اپنا کام آگے بڑھاتا رہتا ہوں۔
ویسے میرا اندازہ ہے کہ ملا سرکار قانون کے جن باغیوں کی پشت

پناہی کرتا ہے وہ انہی سے اپنی فوج کا کام لینا چاہتا ہے۔ وہ لوگ جس دن بھی ہتھیار سنبھال کر قصبوں اور دیہاتوں پر یلغار کریں گے تو کوئی ان کے مقابلے پر نہیں آئے گا۔"

"ان مقاصد کے لئے تمہارے پانچوں ساتھیوں کی مالی ضروریات کون پوری کرتا ہے؟"

"ان کا واسطہ صرف مجھ سے ہے' ان کی ساری ضروریات میں پوری کرتا ہوں۔ فنڈز کے بارے میں میری تمام ضروریات ملا سرکار بے چون وچرا پوری کرتا ہے۔"

"اسے کیا فرق پڑتا ہے۔" میں نے بھیتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اسے شکاروں کے کوائف تو تم ہی فراہم کرتے ہو۔ یرغمالیوں کے تاوان سے وصول ہونے والی آدھی پونی رقم وہ تمہیں دے دیتا ہے' باقی اس کا نفع ہوتا ہے۔"

"عام لوگوں نے کبھی یہ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کہ ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے تمہارے پاس بے حساب دولت کہاں سے آتی ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"ہم سرکاری اداروں اور افسروں کی طرح کھلی کچہریاں لگا کر سرعام امداد تقسیم نہیں کرتے۔ کام کے لوگوں کو خاموشی سے نقد رقم سونپ دیتے ہیں۔ اس طرح ہم سے مدد لینے والوں کی عزتِ نفس مجروح نہیں ہوتی اور لوگ ہمارے کاموں کی وسعت سے بھی بے خبر رہتے ہیں۔ ایسے حالت میں کسی کو ہمارے وسائل کے بارے میں دماغ سوزی کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لوگوں میں عام تاثر یہ ہے کہ ان کی مدد کے لئے ہم ملک بھر کے مخیر افراد سے مدد لیتے ہیں اور اسے پوری ایمان داری کے ساتھ متاثرین تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس طرح درپردہ ہمارے حامیوں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے۔"

"تمہارے بتائے ہوئے شکاروں کے تاوان کی رقم میں سے تمہیں کتنا حصہ ملتا ہے؟"

"تاوان کی ہر رقم میں ہمارا حصہ نہیں ہوتا۔" اس نے زور دے کر کہا "یہ کارروائیاں' ملا سرکار اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کرتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ میں جوں ہی اس سے رقم کا کوئی مطالبہ کرتا ہوں' اسی دن کوئی مال دار آدمی اٹھا لیا جاتا ہے۔ ایسے شکاروں سے حاصل ہونے والی رقم کا ایک بڑا حصہ میرے ذریعے سماجی اور فلاحی کاموں میں استعمال ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ دور دراز کے نادار مگر ذہین طالب علموں کو بھاری وظیفے تک باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں تاکہ علم کے زیور سے آراستہ ہونے کے بعد وہ جہاں بھی جائیں' ہمارے تابع رہیں۔"

"تمہارے ذریعے خرچ ہونے والی رقوم کا ماہانہ یا سالانہ تخمینہ کیا ہے؟"

"ہم نے کبھی حساب نہیں رکھا۔ لیکن میرا اندازہ ہے کہ پچھلے تین سالوں سے یہ رقم ڈیڑھ دو کروڑ روپے سالانہ سے متجاوز ہوتی ہے۔ آج کل یہ بجٹ غیر معمولی طور پر بڑھا ہوا ہے۔"

"فلاحی کاموں کے علاوہ' اس رقم میں تمہارا اور تمہارے ساتھیوں کا حصہ بھی ہوتا ہوگا؟"

"اس حد تک کہ ہم اپنے روزمرہ کے اخراجات بھی اسی رقم میں سے نکالتے ہیں۔ ملا سرکار مجھے دھمکی دے چکا ہے کہ جس رقم میں خرد برد کی خبریں اس تک پہنچیں' وہ ہمیں ہمارے گھروں ذبح کرا دے گا۔ ہماری نجی ضروریات کے لئے وہ الگ سے رقم فراہم کرتا رہتا ہے۔"

"اور اس نے کسی برے وقت کے لئے تمہیں ہتھیار بھی دے رکھے ہوئے ہیں؟"

اس کے حلق سے بے اختیار ایک کراہ آزاد ہو گئی اور اپنے قدموں پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولا "میری حالت بہت خراب اور خستہ ہے' اگر تم اجازت دو تو میں کرسی پر بیٹھ جاؤں؟"

"بیٹھو!" میں نے بے اعتنائی سے کہا "اور ہتھیاروں والے سوال کا جواب دو۔"

وہ کراہتا ہوا بدقت تمام ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا' پچاس ہتھیاروں کی قسم نہیں کھاتا لیکن اس سے آگے ہمارے کچھ نہیں ہے۔ ہمیں تھوڑے بہت ہتھیار بھی اپنی حفاظت کے لئے دیے گئے ہیں کیونکہ آج کل ہر طرف سیاست میں تشدد کا سرایت کرتا جا رہا ہے۔"

"یہ ہتھیار کن لوگوں کی تحویل میں ہیں؟" اول خان نے سوال کیا۔

"وہ ہم نے اپنی اپنی پسند کے لوگوں میں بانٹ دیے ہیں ضرورت پڑنے پر وہ لوگ ہتھیار سنبھال کر ہمارے گروہ کے حفاظتی حصار قائم کرلیں گے ..... لل ... لیکن مجھے اتنا تو بتا مجھ سے یہ سب کچھ اگلوا لینے کے بعد تم مجھ سے کیا سلوک کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ میں نے اس وقت کے لئے' اپنی آنکھوں میں سنہرے خواب بسائے ہوئے تھے۔ لیکن تمہاری تحویل میں آنے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے سارے خواب ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے والے ہوں۔ اپنی ساری عمر کی محنت اور ریاضت کی یہ تباہی مجھ سے برداشت نہ ہو سکے گی۔"

"تم کن سنہرے خوابوں کا ذکر کر رہے ہو؟" میں نے نرم انداز میں قدرے نرمی اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔ "ابھی تک تم نے جو کچھ بتایا ہے' مجھے تو اس میں تمہاری رُوسیاہی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا۔"

مجھے محسوس ہوا کہ وہ ورم آلود' نیلے پپوٹوں میں دھنسی آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہا ہے۔

"بولو بولو!" اول خان نے اکسایا "جب تم نے اپنے سارے جرائم کا اعتراف کر لیا ہے تو ان امیدوں کا ذکر بھی کر دو جن کے سہارے تم نے یہ ساری رسوائیاں مول لی تھیں۔"

"ملا سرکار نے ہمیں' بلکہ مجھے پورا پورا یقین دلا دیا تھا

تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔
ان لوگوں کا فلسفہ ہے کہ قومیں مذہب کی بنیاد پر نہیں' واضح
زافیائی تقسیم کی بنیاد پر وجود میں آتی ہیں۔ ایران اور انڈونیشیا کو
کر ایک ملک نہیں بنایا جا سکتا' اسی طرح برِ صغیر ایک جغرافیائی
ت ہے جسے دو قوموں کے درمیان نہیں بانٹا جا سکتا۔ مگر
لمانوں کی جذباتی دیوانگی اور ان کے لیڈروں کی چالاکی سے دنیا کی
یخ میں پہلی بار' دو مذہب' دو قوموں کا نظریہ برِ صغیر میں تسلیم کیا
یا اور اس سرزمین پر راتوں رات خون میں ڈوبی ہوئی سرحدی
یریں کھینچ دی گئیں۔ پاکستان کے مشرقی اور مغربی بازو کو ان لوگوں
نے ہمیشہ اپنی تنقید کا نشانہ بنائے رکھا اور مشرقی پاکستان ہی سے
پنے منصوبے کا آغاز کیا جس کے نتیجے میں وہاں بنگلہ دیش بن گیا۔
۔ دیش کے قیام کی تاریخ ان کی نظریاتی فتح کی داستان کہلاتی
۔ ایک بازو کو کاٹ دینے کے بعد یہ لوگ اب رہے سہے پاکستان
گھات میں ہیں۔ ملا سرکار اپنے کارندوں کے ساتھ برسا برس
، سندھ کے محروم اور پسماندہ علاقوں اور باشندوں میں کام کر رہا
، اور کسی دن اس صوبے میں بغاوت کی آگ بھڑکا کر یہاں مکمل
ادی کا اعلان کرا دے گا۔ اس آزاد سندھ میں مجھے اور میرے
تھیوں کو اہم منصب ملنے والے تھے۔"

"ابھی تم نے جو کچھ بتایا' وہ تمہارے اپنے خیالات ہیں؟"
نے حیرت سے پوچھا۔

"آج سے پہلے میں بھی ملا سرکار کا ہم نوا تھا اور اس کے
یات سے پوری طرح متفق تھا۔ اس کی باتیں منطقی اور دل کو
والی ہوتی ہیں۔ ہم خود بھی انہی خطوط پر سوچتے رہتے تھے۔
ن آج تم لوگوں کے دام میں آ کر میں نے محسوس کیا ہے کہ سندھ
شاید بنگلہ دیش والی کہانی کبھی نہیں دہرائی جا سکے گی۔ ملا سرکار
۔ طرف پاکستان کو کمزور کرنا چاہتا ہے اور دوسری طرف اکھنڈ
رت کی راہ ہموار کر رہا ہے۔ اگر وہ کبھی کامیاب ہو بھی گیا تو ہم
ں کو کبھی بھی ابھرنے کا موقع نہیں دے گا۔ اس نے ہمیں
کچھ بتا کر میرے ساتھ جو غداری کی ہے اس نے میری آنکھیں
ل دی ہیں۔ وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے مجھے قربانی کا
بنا رہا ہے۔ جس دن اسے کامیابی کی سو فی صد امید ہوئی' وہ
ت کے ہنگاموں میں مجھے اور میرے ساتھیوں کو مروا دے گا۔"
یک سرد آہ لے کر خاموش ہو گیا۔

"تمہیں یہ خیال کیوں ہوا کہ وہ اپنے مقصد کے لئے تمہیں
وقوف بنا رہا ہے؟"

"وہ ہمیشہ رازداری پر زور دیتا رہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ کوئی
پکڑا جائے تو سارا تشدد اپنی جان پر جھیل کر موت کو گلے سے لگا
لیکن اپنے ساتھیوں کے بارے میں زبان نہ کھولے اور خود اُس
اس کے برعکس کیا ہے۔ اگر وہ تمہیں میرے ویڈیو کیسٹوں کے
ے میں نہ بتاتا تو بخدا میں بھی اپنی زبان نہ کھولتا۔ جس شخص کے

قول اور فعل میں اتنا تضاد ہو' اس پر بھروسا کرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔"

"غنیمت ہے کہ اب تمہاری آنکھیں کھل گئیں۔ لیکن تمہیں دیر ہو چکی ہے۔ یہ پشیمانی تمہارے جرائم کی سنگینی کو کم نہیں کر سکتی۔ تم ملا سرکار کے شریکِ کار تھے اور تم سے اسی کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔"

"میں بہکا ہوا تھا" فرطِ ملامت سے اُس کی آواز رُندھنے لگی۔ "اس وقت اسے اپنی سازش نبھانے کے لئے اس سرزمین پر اپنے کارندوں اور ہمدردوں کی ضرورت ہے اس لئے وہ مجھے اور اور مجھ جیسے دوسرے بے وقوفوں کو ساتھ لے کر چل رہا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہم ملک کے وفادار رہوں یا نہ ہوں' اپنی دھرتی سے ضرور وفادار ہیں۔ ہم کسی قیمت پر بھی اپنی شناخت مٹنے نہیں دیں گے جب کہ وہ مجھے ایک دو بار اکھنڈ بھارت کی خوبیوں پر لیکچر بھی دے چکا ہے۔ بغاوت کامیاب ہوتے ہی وہ ایسے کسی شخص کو زندہ نہیں چھوڑے گا جس کی جڑیں یہاں کے لوگوں میں ہوں۔ میری مقبولیت اس کے لئے ہر وقت خطرہ بنی رہے گی۔ اس کا ساتھ دے کر میں تو خودکشی کے راستے پر بڑھ رہا تھا۔"

حالات کی چکی میں پسنے کے بعد اس نے وہ مدافعانہ قلابازی کھائی تھی یا وہ اس کی حقیقی سوچ تھی' میرے نزدیک ان دونوں صورتوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا۔

اس کے خلاف فردِ جرم خاصی طویل اور سنگین تھی مگر اپنے ذہن میں بھرے ہوئے زہر کی بنا پر وہ اس وقت بھی ملا سرکار کی سازش کی کامیابی کے امکانات کا ذکر کر رہا تھا۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ ایسے خیالات اس کے ذہن سے کھرچ کر بالکل دور کر دوں تاکہ وہ کھلے ذہن کے ساتھ ہم سے تعاون کر سکے۔

"تم بار بار ملا سرکار کے منصوبے کی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھول رہے ہو کہ اس وقت بھی وہ ہماری کڑی قید میں ہے۔ ہم لوگ پولیس والوں کی طرح روایتی انداز میں کام کرنے کے عادی نہیں ہیں بلکہ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ ہم نے تمہاری حمایت کرنے والے ڈی آئی جی کا کیا حشر کیا تھا۔ ملا سرکار کا انجام اب پھانسی گھاٹ کی سولی پر ہو گا اور اسی کے ساتھ اس علاقے میں بغاوت پھیلانے کا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔"

"خدا کرے تمہاری سوچ درست ہو۔" اس نے دعائیہ لہجے میں کہا۔ اس کی آواز میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو میرے دل میں چبھ گئی اور میں اسے مزید کریدنے پر تل گیا۔

"تو کیا تمہاری دانست میں' اس منصوبے کے اب بھی پنپنے کے امکانات باقی ہیں؟"

"ایسے منصوبے کسی ایک فرد کو سامنے رکھ کر نہیں بنائے جاتے۔ تم ملا سرکار کو پھانسی چڑھا دو گے' مجھے رسوا کر کے سزا یاب کرا دو گے لیکن اس منصوبے کی جڑیں پھر بھی ختم نہیں ہو سکیں

گی۔"

اس کا جواب مبہم لیکن بہت معنی خیز تھا جس پر میرے بدن میں کروڑوں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ اول خان بھی اس کے الفاظ پر متحیر نظر آنے لگا تھا۔

"اس علاقے میں ملا سرکار نے اپنی ساکھ بنائی ہوئی تھی۔ ڈاکوؤں اور رُوپوش مجرموں پر اس کا کافی اثر و رسوخ تھا۔ اس کا کوئی جانشین آیا تو اسے اپنے قدم جمانے میں برسوں نہیں تو مہینے ضرور لگ جائیں گے اور اس سے پہلے ہی ہم اس کی گردن میں طوق ڈال دیں گے۔"

"اگر میری زندگی رہی تو میں اس دن کا انتظار کروں گا۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"تمہیں کچھ معلوم ہے تو کھل کر بات کرو" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔

اس کے دہانے سے پہلی بار ایسی آوازیں برآمد ہوئیں جیسے اس نے ہنسنے کی کوشش کی ہو، پھر وہ بولا "میں تمہارا مجرم ہوں اور ملا سرکار قیدی۔ مجھ سے زیادہ معلومات تمہیں ہونی چاہئیں۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ اسے کوئی خاص بات ضرور معلوم تھی جو اس وقت تک ہمارے علم میں نہیں آسکی تھی۔

"پھر بھی تمہیں ہم سے کھل کر تعاون کرنا چاہیے!" اول خان نے نرمی سے کہا۔

"میرے بدن کا رُواں رُواں تمہارے تعاون کا گواہ ہے" ہماری بڑھتی ہوئی بے چینی کا احساس کرتے ہی اس کے لب و لہجے میں اعتماد آنے لگا۔ "تمہارے نزدیک میں اپنے اقبالی جرائم کی بنا پر واجب القتل ہو چکا ہوں، پھر میں کیوں اور کس امید پر بات آگے بڑھاؤں؟"

"تمہارے انکشافات سے ہمیں کوئی مدد ملی تو ہم تمہارے معاملے میں نرمی سے کام لیں گے۔"

"سزائے موت کی جگہ عمر قید دلوا دو گے یا عمر قید کی جگہ دس برس کی سزا ہو جائے گی لیکن میرے لئے ان میں کوئی فرق نہیں ہے سزا کیسی بھی ہو، وہ میری مکمل تباہی پر منتج ہو گی۔"

"پھر تم کس رعایت کی امید کر رہے ہو؟" اول خان نے ہی سوال کیا۔

"باعزت آزادی اور سارے الزامات کی واپسی!" وہ بولا۔ "میں دیکھ چکا ہوں کہ تم لوگ لامحدود اختیارات کے مالک ہو، جو چاہو، کر سکتے ہو۔ ابھی تک میرا کوئی بیان قلمبند نہیں کیا گیا۔ تم دونوں گزرے ہوئے واقعات کو بھول جانے پر آمادہ ہو جاؤ تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"اتنی بڑی بات تم کس بل بوتے پر کہہ رہے ہو؟" اول خان اس کے مطالبے پر حیران رہ گیا "آخر تمہیں ایسا کون سا راز معلوم ہے جس کے سہارے تم کھلی معافی مل جانے کی امید کر رہے ہو؟"

"اس وقت تک کی باتوں سے میں نے اندازہ لگا لیا ... تمہاری معلومات، میری ذات کے علاوہ ملا سرکار تک محدو... اگر یہ درست ہے تو پھر تم آنے والے طوفان کا اندازہ لگا... سکتے۔"

"تم معافی حاصل کرنے کے لئے اب سوانگ رچا... گئے ہو۔" میں نے غصے کے ساتھ کہا "ہم تمہیں ڈھیل نہ... سکتے۔ واپس جا کر تم پھر اپنی سازشوں کا جال پھیلانا شرو... گے۔ اسی مہلت کے حصول کے لئے اب تم نے کچھ نئے افسانہ تراش لیا ہے۔"

"میں نے موت کو بہت قریب سے دیکھ لیا ہے۔ اگر مجھے چھوڑ دیا تو میں تم سے حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ زندگی بھ... میں حصہ نہیں لوں گا۔ اس عہد سے انحراف کروں تو ... مار دینا۔ میں اب بیوی بچوں اور اپنے خاندان کی عزت کے ... زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ ابھی میں تمہاری قید میں ہوں۔ سودے ... ہو جانے کے بعد بھی مجھے رہا کرنا یا نہ کرنا تمہاری مرضی اور ... پر منحصر ہو گا لیکن تم لوگ بے ایمان اور راشی نہیں ہو۔ میرا ... گواہی دیتا ہے کہ تم اپنے وعدے سے نہیں پھرو گے اسی لئے ... نے یہ بات شروع کی ہے۔ تمہارا اول میری کہانی کی اہمیت کو ... لے تو مجھے چھوڑ دینا۔ اگر تم نے میری فراہم کی ہوئی معلومات ... فائدہ نہیں اٹھایا تو میں اپنی رہائی پر اصرار نہیں کروں گا اور ... کو اپنا مقدر سمجھ کر تسلیم کر لوں گا۔ یہ میرا عہد ہے اور اب ... تمہاری زبان چاہتا ہوں۔"

اس کی پیشکش بہت واضح اور دو ٹوک تھی۔ وہ آخری ... ہر اختیار ہمیں سونپ رہا تھا، پھر یہ بھی عہد کر رہا تھا کہ ... تعاون کے بدلے میں ہم نے اسے معاف کر دیا تو وہ زندگی ... لئے سیاست سے تائب ہو کر گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر ... اور اپنی پرانی روش کو بھول جائے گا۔

اس کی باتوں نے مجھے سوچ میں ڈال دیا۔ لمحہ بھر کے لئے میرے جی میں آئی کہ اس کو فریب د... اس کی شرائط کو تسلیم کر لوں تاکہ وہ بلا توقف اپنی کہانی ... دے، اس کے بعد اسے چھوڑنا یا نیست و نابود کرنا ہمارے ... ہوتا۔ لیکن اول خان نے شاید میری آنکھوں سے میر... بھانپ لئے اور ایک دم کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم باہر جاؤ" اس نے غلام رسول سے کہا "ہم ... تمہیں دوبارہ بلواتے ہیں۔"

"یہ یاد رکھنا کہ میں اس دھرتی کا غدار نہیں ہوں" ... گڑگڑاتے ہوئے فریادی لہجے میں کہا "میں جو کچھ کر... دانست میں اس دھرتی کی بھلائی اور شناخت برقرار رکھنے ... رہا تھا۔ میری عقل پر سے یہ پردہ آج ہی ہٹا ہے کہ میں ... سراب کے پیچھے بھاگ رہا ہوں، اس کے پیچھے اکثر...

یا ایک عفریت ہمیں نگلنے کی گھات لگائے بیٹھا ہے۔ ہم سب کچھ اشت کر سکتے ہیں لیکن ہندوؤں کی غلامی، ہمارا خون کبھی گوارا ں کرے گا۔"

اول خان کی آواز پر محافظ اندر آگئے اور غلام رسول نے ی سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کی زخمی ٹانگوں نے اس کے د کا بوجھ سہارنے سے انکار کردیا اور وہ لڑکھڑا کر دوبارہ نیچے گر یا۔

"سے سہارا دے کر لے جاؤ اور فرسٹ ایڈ دو۔" اول خان اپنے آدمیوں کو ہدایت دی۔" تھوڑی دیر کے بعد اس کی دوبارہ ں ہوگی۔"

دو محافظوں نے غلام رسول کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے ایا اور کشاں کشاں باہر لے گئے۔

"یہ فریبی ہے، اس سے جھوٹا وعدہ کرو، بعد میں اسے ہری ڈی دکھادیں گے۔" دروازہ بند ہوتے ہی میں نے اول خان کے فسار سے پہلے اسے اپنی رائے سے آگاہ کردیا۔

"نہیں!" اس کے سخت لہجے پر میں حیران رہ گیا "وہ جن ائط پر معافی کا طلبگار ہے، وہ قابلِ غور ہیں۔ اس مرحلے پر میں سے ایسا بے رحمانہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔"

"تو پھر اسے یہ بھی بتا دو کہ مُلا سرکار ہماری قید میں آنے سے ، ایک جانکاہ حادثے کا شکار ہو کر مرگیا تھا۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"جھوٹ اور عہد شکنی میں بہت فرق ہے اور وہ جھوٹ بھی لحت آمیز تھا۔ تم اسے ملا سرکار کے پکڑے جانے کا ڈراوا نہ ے تو ہماری گفتگو اس مرحلے تک نہیں پہنچتی۔" اس کی آواز نرم ئی۔

"تمہیں اس سے یکایک ہمدردی کیوں ہو گئی ہے؟" مجھے اول ن پر غصہ آرہا تھا۔

"اس کی باتیں دل گداز تھیں۔ تم نے سنا نہیں کہ موت کو ے قریب سے دیکھ لینے کے بعد وہ اب اپنے بال بچوں اور ران کی عزت کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہے؟ اسے یقیناً کوئی اہم معلوم ہے۔ اس نے ہمیں بہلانا چاہا تو میں ذرا بھی رُو رعایت کام نہیں لوں گا۔ اس کی کہانی میں جان ہوئی تو میں اپنا وعدہ ر پورا کروں گا۔"

"سچ بات یہ ہے کہ میں اس وقت خود کو ایک مضحکہ خیز صورتِ ے دوچار محسوس کر رہا ہوں۔ تمہارا موجودہ روپ ابا سین لے اول خان سے بالکل مختلف ہے" میں نے اپنا سر جھٹک کر ا۔

"ایک شخص اگر اپنی لغزشوں کی کوئی قیمت ادا کر کے تائب ا چاہتا ہے تو ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے۔" اس نے مجھے ماتے ہوئے کہا۔ "میری آنکھیں بہت دور تک دیکھ رہی ہیں۔ ر چلا کر غلام رسول کو سزا سنائی گئی تو اس کی اولادوں یا رشتے

داروں میں سے کوئی بھی ہمارے خلاف اٹھ سکتا ہے۔ غلام رسول کو ملا سرکار نے چال بازی سے گھیرا تھا لیکن جب اندر کا کوئی آدمی انتقاماً اور رضا کارانہ طور پر مخبری پر تل جائے تو وہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اسے معافی دے کر ہم آنے والے دنوں کے بہت سے دشمنوں کا سدِباب کرلیں گے۔ اس کا مقدمہ کھلی عدالت میں نہیں چل سکتا اس لئے اس کی سزا یابی بھی غلط فہمیوں اور کدورتوں کو جنم دے گی۔ اس سے فیضیاب ہونے والے ہر بات کو شک و شبے کی نگاہ سے دیکھیں گے۔"

"کیا تمہیں اس کو معاف کردینے کا اختیار حاصل ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"قومی مفاد کے لئے میں ہر فیصلہ کرنے کی آزادی اور اتھارٹی رکھتا ہوں۔" اس نے تحمل کے ساتھ جواب دیا "دشمن کے عزائم کے بارے میں معلومات خریدنا ایک باقاعدہ فن ہے جس کے لئے خطیر رقوم کی ادائیگی کے ساتھ بعض ناپسندیدہ رعایتیں بھی دینی پڑتی ہیں اور یہ معاملہ اسی ضمن میں آتا ہوا نظر آرہا ہے۔"

"تم بہتر سمجھ سکتے ہو۔ میں اس موذی کو کوئی رعایت دینے کے حق میں نہیں ہوں۔"

"رعایت دینے کی بات تو بعد میں آئے گی، پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ کیا کہانی سناتا ہے۔ اگر اس کی فراہم کی ہوئی معلومات میں ملک و قوم کا کوئی بڑا مفاد پوشیدہ ہوا، تب ہی میں اس کی شرائط تسلیم کروں گا ورنہ اسے اپنے اعمال کی سزا بھگتنی ہوگی۔ میں بلاوجہ اسے ڈھیل نہیں دوں گا۔ یہ بات میں تم سے بار بار دہرا رہا ہوں۔"

جواب میں، میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ اول خان نے میری خاموشی کو نیم رضامندی سمجھتے ہوئے اپنے کسی اردلی کو بلا کر قیدی کی طلبی کا حکم سنایا اور وہ الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

چند ہی ثانیوں کے بعد غلام رسول کا ایک محافظ بوکھلائے ہوئے انداز میں وہاں آموجود ہوا۔ اس نے بتایا کہ قید خانے میں پہنچتے ہی قیدی کو خون کی بڑی سی قے ہوئی تھی جس کے بعد اس کی دیکھ بھال کی جارہی ہے اس لئے اسے فوری طور پر یہاں لانا ممکن نہیں۔ اول خان نے اسے واپس لوٹا دیا۔

"اب اگر وہ اپنی کہانی سنانے سے پہلے مرجائے تو کیسا رہے گا؟" میں نے اول خان کو چھیڑا۔

"ہم اپنی تدبیر کر سکتے ہیں لیکن قدرت کے کاموں میں دخل انداز نہیں ہوسکتے۔ آؤ، وہیں چل کر اسے دیکھتے ہیں۔"

غلام رسول پہیوں والے ایک اسٹریچر پر پڑا ہوا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اول خان کو دیکھتے ہی فرش صاف کرنے والے کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔ غلام رسول کو فرسٹ ایڈ دینے والا اول خان کی طرف آگیا۔

"میں اس کے زخموں کی مرہم پٹی تو کرلوں گا مگر میرا خیال ہے

کہ اس کے پھیپھڑوں وغیرہ پر اندرونی زخم آئے ہیں۔ اجازت ہو تو ڈاکٹر کو بلا کر اس کی رائے لے لی جائے؟" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

اول خان نے سر کی جنبش سے اس کی تجویز پر صاد کردیا اور وہ وہاں سے چلا گیا۔

اسی لمحے غلام رسول نے آنکھیں کھول کر ہم دونوں کو دیکھا اور بھرائی ہوئی، کمزور آواز میں بولا "اچھا ہوا کہ تم آگئے۔ میری حالت اچھی نہیں ہے اور میں نے اپنا فیصلہ بدل دیا ہے۔"

"کس فیصلے کا ذکر کر رہے ہو؟" اول خان کا لہجہ شاید غیر ارادی طور پر ہمدردانہ ہوگیا۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ ایک سفاکانہ پیشے سے وابستہ ہونے کے باوجود اس قدر نرم دل تھا کہ غلام رسول پر مہربان ہوا جا رہا تھا۔

"پتا نہیں، میرے کتنے سانس باقی ہیں۔ میں وہ راز اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا۔ تم میرے ساتھ جو سلوک چاہو کرسکتے ہو مگر میں اپنا قرض اتار دینا چاہتا ہوں..... آج تاریخ کیا ہے؟"

"سترہ ستمبر۔" اول خان نے اس کے ہذیان کو غیر ضروری اہمیت دیتے ہوئے کہا۔

"صرف چار دن رہ گئے ہیں۔" وہ ہذیانی انداز میں بڑبڑایا۔ "طبل پر چوٹ پڑے گی اور وہ اندر گھس کر ہر طرف بربادی اور تباہی پھیلا دیں گے، انہیں نہ روکا گیا تو ہر طرف خون کے دریا بہنے لگیں گے۔"

وہ ہذیان نہیں ہوسکتا تھا، وہ عقل و شعور کی باتیں تھیں۔ اس لئے ہم دونوں ہی اس کے قریب ہوگئے۔

"فکر نہ کرو، ڈاکٹر آرہا ہے۔ تمہاری حالت بہت جلد سنبھل جائے گی۔" اول خان نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "ہمیں پوری بات بتاؤ تاکہ ہم ان کی مؤثر سرکوبی کا بندوبست کرسکیں۔"

"میں نے ملا سرکار اور کمانڈر کی گفتگو لفظ بہ لفظ سنی ہے۔" غلام رسول کہہ رہا تھا "ملا سرکار کو باہر سے اسلحہ ملنے میں دیر ہو رہی ہے، ور جنگل میں روپوش باغیوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے اس لئے ملا سرکار نے کمانڈر کو اکیس ستمبر کو حملے کی تاریخ دے دی ہے۔ یہ دس تاریخ کی بات ہے۔ کمانڈر کے سادہ پوش سپاہی، ہتھیاروں کے ٹرکوں سمیت گدرا کے اونچے اونچے ریتیلے ٹیلوں کے درمیان جمع ہو رہے ہوں گے۔ ہتھیار نہ ملنے کی وجہ سے اب بازی ملا سرکار کے ہاتھ میں نہیں رہی ہے۔ اس کا کام صرف اتنا ہے کہ اکیس ستمبر کو سارے باغیوں کو سمیٹ کر نیا چھور پہنچ جائے جہاں کمانڈر کی پارٹی ہتھیاروں اور گولہ بارود سے لدے ہوئے ٹرک ان کے حوالے کردے گی اور وہ لوگ ہر طرف پھیلنا شروع ہو جائیں گے۔"

"یہ تم کس کمانڈر کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اضطراری طور پر سوال کیا۔

"مجھے بس اس کا یہی نام معلوم ہے۔ ملا سرکار اسے کمانڈر کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔"

"ان دونوں کی ملاقات کہاں ہوئی تھی؟" غلام رسول کی ب نے اول خان کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

"کہیں نہیں..... میں نے ان دونوں کی باتیں اپریٹس پ تھیں۔" اس نے کروٹ بدل کر کہا۔

"تم نے کس اپریٹس پر ان کی باتیں سن لیں؟" ا ہولناک اور سنسنی خیز انکشافات مجھ پر بھی اثر انداز ہو رہے

"ملا سرکار نے رابطے کے لئے مجھے ایک ٹرانسیٹر دیا ہوا کچھ روز پہلے اس کے سیل بدلتے ہوئے، میری نظر اندر چھپ ایک بٹن پر پڑی اور میں نے اسے اس کی جگہ سے دوسری ج میں کھسکا دیا۔ میں ہر روز رات کے آٹھ بجے سے دس بجے اس اپریٹس کو تخلیے میں آن رکھتا ہوں تاکہ ملا سرکار کو مج بات کرنی ہو تو کال کرلے۔ اس رات جب میں نے نو ب قریب ملا سرکار کے لئے کمانڈر کی کال سنی تو چونک پڑا۔ وہ بہت دیر تک اکیس ستمبر کے حملے کی جزئیات پر باتیں کرتے ر میں دم سادھے سنتا رہا۔ اس روز مجھے پہلی بار علم ہوا کہ میرا دہری فری کوئنسی پر کام کرتا ہے۔ ایک فری کوئنسی میرے سرکار کے رابطے کے لئے مخصوص تھی اور خفیہ بٹن کو سر وہی اپریٹس دوسری فری کوئنسی پر کام کرنے لگتا تھا جس پر ملا سرکار اور کمانڈر کی بات چیت سنی تھی۔"

"تو کیا وہ اکیس ستمبر کو باقاعدہ حملے کی تیاری کر رہے ہیں" نے پوچھا۔

"ملا سرکار کے سارے کام بے قاعدہ ہوتے ہیں۔ فو سرحد عبور کی تو جنگ چھڑ سکتی ہے جب کہ وہ سندھ کی دکھ ضربات لگا کر ہمیں نڈھال کرنا چاہتے ہیں۔ کمانڈر کے سا لباس میں ڈیڑھ دو سو دہشت گرد گوریلے ہوں گے جو ا میں خطرناک ہتھیاروں سے بھرے ہوئے ٹرک باغیوں تک گے اور پھر انہی کے ساتھ پورے سندھ میں پھیل کر دہش خونریزی اور سول نافرمانی کی آگ بھڑکا دیں گے۔ ملا س باغیوں کو یکجا کرکے اپنی مٹھی میں لینا تھا۔ انہیں لڑانے کا کے ذمے ہے۔ ان کے ساتھ آنے والے ٹرکوں پر کئی توپیں بھی ہوں گی تاکہ باغیوں کے خلاف طیاروں یا سے کی جانے والی کارروائی کی مزاحمت کی جاسکے۔"

"مجھے اس گفتگو کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔" مضطربانہ لہجے میں بولا "اس کا ایک ایک لفظ ہمارے کا اپنے ذہن پر زور دے کر ہر بات یاد کرنے کی کوشش کرو"

"وہ دونوں ایک گھنٹے دس منٹ تک باتیں کرتے تربیت یافتہ گوریلے جنگلات کے گرد اور ای راستوں سرنگیں بچھا دیں گے تاکہ امن و امان نافذ کرنے وا کے اہلکاران کی کمین گاہوں تک نہ پہنچ سکیں۔ وہ آب

ٹیلی فون اور مرکزی مواصلات کی تنصیبات کو اپنا نشانہ بنائیں گے۔ ان کی ٹکڑیاں اکیس ستمبر کی شام تک تھرپارکر اور سانگھڑ کے علاوہ دریائے سندھ عبور کر کے دادو اور لاڑکانہ بھی پہنچ جائیں گی۔ ان کی حکمتِ عملی یہ ہو گی کہ وہ جلد از جلد پھیل کر چاروں طرف بکھر جائیں تاکہ ان سب کا سراغ لگانا ناممکن ہو جائے۔ ہر طرف بھڑک اٹھنے والی آگ "انتظامیہ کو دو ہی دن میں مفلوج اور معطل کر کے رکھ دے گی اور کمانڈر اپنے زیرِ اثر علاقوں میں اپنے آدمیوں کا راج نافذ کرنا شروع کر دے گا۔"

وہ بولتے بولتے خاموش ہو گیا۔ وہ تھک گیا تھا یا پھر اس کی یادداشت اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

صرف چار دن بعد آنے والی اس تباہی کا تصور کر کے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

غلام رسول نے اپنی ہر شرط سے دست بردار ہو کر جس انداز میں کمانڈر کی کہانی چھیڑی تھی' اس کی بنا پر میں بھی اسے معاف کرنے کے سلسلے میں اول خان کا ہم نوا بن چکا تھا۔ کیونکہ اس کی کہانی ہر اعتبار سے بہت جان دار' سنسنی خیز اور اہم تھی۔ بروقت ملنے والی اس اطلاع پر بھرپور پیش قدمی کر کے' آنے والے طوفان کو ٹالنا ممکن نظر آنے لگا تھا ورنہ اس سرزمین پر بسنے والا ہر ذی روح' خس و خاشاک کی طرح اس بھیانک گرداب کی زد میں آ سکتا تھا۔

"تمہارا اپریٹس کہاں ہے؟" غلام رسول سے یہ سوال کرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ میرے پاس موجود ٹرانسمیٹر میں فری کوئنسی تبدیل کرنے والا سوئچ موجود ہونے کا امکان تھا جسے سرکا کر میں کمانڈر کی لائن پکڑ سکتا تھا۔

"میری حویلی پر' خوابگاہ میں ہے۔" غلام رسول ناقابلِ فہم حد تک تعاون پر آمادہ تھا "چاہو گے تو آپریشن سمجھا کر وہ بھی تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

"تمہاری طبیعت سنبھل جائے تو اسے منگوانے کا کوئی بندوبست کرتا ہوں۔" اول خان نے کہا۔

"یہ گدرا کس طرف واقع ہے؟" میں نے کمانڈر کے آدمیوں کے اجتماع کے مقام کے بارے میں غلام رسول سے پوچھا۔

"میرے لئے یہ بالکل نیا اور اجنبی نام ہے" اس نے بے بسی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ کھوکھراپار کے قریب ایک غیر معروف گاؤں ہے جہاں بمشکل چند گھرانے آباد ہیں۔" اول خان نے پُرخیال لہجے میں کہا۔" اگر میرا اندازہ درست ہے تو کمانڈر کے لوگوں نے سب سے پہلے گاؤں کی آبادی کو تہِ تیغ کیا ہو گا۔ ہمیں جلد از جلد وہاں پہنچنا ہو گا۔"

"اور ہاں' میں نے یہ بھی سنا تھا کہ واخلے کے لئے وہ گدرا سے ٹاپھور اور میرپور خاص کی مضافاتی راہ لیں گے لیکن بعد میں اپنی ایمونیشن سپلائی لائن چھاچھرو اور عمرکوٹ کے راستے قائم کریں گے کیونکہ ان علاقوں کی آبادی میں ان کے ہمدردوں کی خاصی تعداد موجود ہے جو ضرورت پڑنے پر انہیں تحفظ بھی فراہم کرے گی۔" غلام رسول نے چونک کر کہا جیسے اسے وہ بات اسی لمحے یاد آئی ہو۔

"تو کیا وہ ہندو آبادی کی حمایت پر زیادہ انحصار کر رہے ہیں؟" اول خان نے پوچھا۔

"عام ہندوؤں سے وہ دونوں بہت مایوس اور نالاں ہیں۔ ان کی بڑی تعداد کو وہ ڈرپوک اور بزدل قرار دیتے ہیں اس لئے پہلے مرحلے پر ان کے کسی قول و فعل پر بھروسا نہیں کیا جائے گا البتہ چند ساہوکار بنئے کھل کر ان کی رہنمائی کریں گے۔ ملا سرکار نے ان میں سے ایک کا نام آسومل لیا تھا..... اب تم میرے ساتھ جو سلوک چاہو کرو لیکن خدا کے لئے اکیس ستمبر کے طوفان کا کوئی توڑ کرو۔ ایک بار وہ یہاں گھس آئے تو تم بھی ملا سرکار کو زیادہ دن تک اپنی قید میں نہیں رکھ سکو گے۔"

"ملا سرکار کو بھول جاؤ" میں نے غلام رسول پر ترس کھاتے ہوئے اس راز پر سے پردہ ہٹاتے ہوئے کہا "وہ جہنم واصل ہو کر اب ایک ڈراؤنا خواب بن چکا ہے جو کبھی حقیقت میں نہیں بدل سکے گا۔"

غلام رسول نے یہ خبر سنتے ہی اسٹریچر پکڑ کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن زور پڑتے ہی اسے پُرشور آواز سے ایک ابکائی آئی اور فرش پر دور دور تک خون بکھر گیا۔

ملا سرکار کی موت کی خبر غلام رسول کے لئے حیرت کا باعث بنی تھی یا صدمے کا۔ مجھے یہ اندازہ نہیں ہو سکا کیونکہ اس نے اسٹریچر پر پڑے پڑے تین مرتبہ خون کی الٹیاں کیں اور پھر نڈھال ہو کر رہ گیا۔

ہم دونوں ہی دور کھڑے' بے بسی کے ساتھ اس کی حالت دیکھتے رہے۔ اوّل تو اس کے گھناؤنے کردار کی وجہ سے ہمارے دل میں اس کے لئے ہمدردی کا ذرا بھی شائبہ باقی نہیں رہا تھا۔ دوم اس کی پھیلائی ہوئی' خون آلود غلاظت ہماری پیش قدمی میں مانع ہو رہی تھی۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہ نقاہت سے بے ہوش ہو گیا۔

"آؤ! اب یہاں رکنا دوبھر ہو رہا ہے۔" اول خان نے نرمی سے کہا اور اس کمرے سے نکل گیا۔

راستے میں اس نے اپنے آدمیوں کو دوبارہ کمرے کی صفائی کی ہدایت کی۔ اسی اثنا میں کسی نے اسے بتایا کہ غلام رسول کی دیکھ بھال کے لئے ڈاکٹر آ چکا تھا۔ ڈاکٹر کو براہِ راست قیدی تک لے جانے کی ہدایت کرتے ہوئے' وہ میرے ساتھ اس خوابگاہ میں داخل ہو گیا جسے ردوبدل کے بعد دو نمبر کا نام دے دیا گیا تھا۔

"مجھے شبہ ہے کہ یہ زندہ نہیں بچ سکے گا۔" کمرے میں پہنچ کر' میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"تم قدرت کے کاموں میں دخیل نہیں ہو سکتے۔" اس نے اپنی پرانی بات دہرائی "لیکن اس وقت اس کا زندہ رہنا [illegible] لئے

سود مند ہوگا۔ ان معاملات میں اسپیشل ٹاسک فورس کا نام ریکارڈ پر نہیں آیا لیکن سکھر پولیس کے بہتیرے اہل کاروں کو علم ہے کہ غلام رسول ہماری تحویل میں ہے۔ وہ مرگیا تو لوگ اس معاملے کو اچھال کر لوگوں کے جذبات کو مشتعل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ایسے عناصر کو ان بدعنوان سرکاری اہل کاروں کی پشت پناہی بھی حاصل ہوگی جو غلام رسول سے ہمدردیاں رکھنے کے باعث ہمارے ہاتھوں ذلیل ہوئے ہیں۔"

"تمہاری تحویل میں اس کی موت واقع ہونے سے واقعی دشواریاں کھڑی ہوجائیں گی۔"

"مجھے یا میرے بڑوں کو اس کی کوئی پروا نہیں ہوگی۔" اس نے بے نیازی کے ساتھ کہا "ہمارے ضمیر مطمئن ہیں۔ ہم نے اس پر بے جا تشدد نہیں کیا۔ ہم لوگ ستائش اور تنقید سے بے نیاز ہو کر اپنے ضمیر کی آواز پر عمل کرتے ہیں اور نتائج اللہ کی ذات پر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی ہمارا مشن اور موٹو ہے۔ ہم لوگ بھی ان بکھیڑوں میں الجھ جائیں تو ملا سرکار، غلام رسول اور آرنیٹ جیسے ملک دشمنوں سے کون نمٹ سکے گا؟"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ اس کے پاس جو کچھ ثبوت اور شواہد تھے، اُن کی بنیاد پر ملک کا کوئی بھی ادارہ ان لوگوں کے خلاف کوئی فوری اور مؤثر کارروائی نہیں کرسکتا تھا۔

"تمہیں ہماری کارکردگی پر شرم سار ہونے کی ضرورت نہیں۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اوّل خان دوبارہ بولنے لگا۔ "دنیا کے مہذب ترین ملکوں میں بھی ایسے ادارے دن رات کام کر رہے ہیں جو ہر قانون سے ماورا ہو کر، صرف اپنے ملکی مفاد کے لئے کام کرتے ہیں اور کبھی کبھار تو اپنے سربراہانِ مملکت کو بھی، اپنی راہ کا روڑا سمجھ کر، ہمیشہ کے لئے خاموش کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ ایسے ممالک میں تمام تر جمہوری قاعدوں اور حقوق کے رائج و نافذ ہونے کے باوجود، آج تک کوئی ایسی تحریک نہیں اٹھی، جس میں ان اداروں کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہو۔"

"شاید تم سی آئی اے کی بات کر رہے ہو۔" میں نے کہا۔

"اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ امریکی ادارہ بدترین قومی اور بین الاقوامی سازشوں میں ملوث رہا ہے لیکن امریکی آئین کے ڈھانچے میں اپنا قانونی وجود رکھتا ہے۔ جب کہ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کسی کے نجی ملازم ہو یا سرکار کے تنخواہ دار؟"

"دو اور دو کو تین یا پانچ ثابت کرنے کی کوشش منطق اور فلسفے میں چل سکتی ہیں، ہم کسی کے بتائے بغیر بھی دو اور دو کو چار ہی کہتے اور سمجھتے ہیں۔ سپر پاورز کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ہر قسم کے رسوائے زمانہ ادارے بنانے اور چلانے کا پورا پورا حق حاصل ہے لیکن چھوٹی قومیں اپنے مفادات کی نگہداشت کے لئے ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاسکتیں۔ ایسے ادارے بے ضابطہ ہوں یا باضابطہ، اہم بات یہ ہے کہ ان کے سربراہ مخلص، بے لوث اور نیک نیت ہونے چاہئیں۔" اپنے منصب اور فرائض کے بارے میں اُس کا ذہن بہت صاف اور واضح تھا۔ "یہ صرف سی آئی اے کی بات نہیں ہے۔ امریکا ہی میں ڈیفنس انٹیلی جنس نامی ادارے کے کئی شعبے پُراسرار اختیارات کے تحت خفیہ مقاصد کے لئے کام کرتے ہیں۔ اسرائیلی موساد، ہندوستانی را اور افغانی خاد میں بھی ایسے شعبے موجود ہیں۔ ملا سرکار بھی بلیک کیٹ ٹی کے نام سے ایسے ہی کسی کھاتے میں پل رہا تھا۔"

"بلیک کیٹس تو شاید انڈین کمانڈوز کے ایک خصوصی دستے کو کہا جاتا ہے۔" میں نے کہا۔

"لیکن تم جانتے ہو کہ ملا سرکار کمانڈو نہیں تھا۔ کمانڈو، تیز، مؤثر، فوری اور کاری وار کرنے کے لئے حرکت میں لائے جاتے ہیں۔ وہ مارتے ہی فرار ہوجانے کے اصول پر عمل کرتے ہیں۔ برسوں طویل سازشیں تیار کرنا، اُن کا کام نہیں ہوتا۔ ملا سرکار کو آڑ کے لئے جو نام بھی دے دیا گیا ہو، یہ امر طے شدہ ہے کہ وہ ایک گھاگ سیکرٹ ایجنٹ تھا۔"

"اکیس ستمبر کے بارے میں کیا سوچا ہے، تم نے؟" میں نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔

"ان لوگوں کے لئے اکیس ستمبر کا سورج کبھی طلوع نہیں ہوسکے گا۔" اوّل خان نے سرد اور مضبوط لہجے میں کہا۔ "اس سے پہلے ہی اُن کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔"

"ست بیلہ کے آپریشن میں، میں تمہاری حربی صلاحیتوں کا مظاہرہ دیکھ چکا ہوں۔ تمہاری فورس ایسے معاملات سے اپنے طور پر بھی نمٹ سکتی ہے۔" میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے کہا۔

"اپنی سرحدوں میں ہم کھل کر کام کرلیتے ہیں لیکن یہ بین الاقوامی سرحد کا معاملہ ہے۔ کمانڈر اور اس کے آدمیوں کی سرکوبی کے لئے ہمیں سرحد عبور کرنی ہوگی تاکہ ضرب لگانے سے پہلے انہیں گھیرے میں لیا جاسکے۔ اس لئے ہمیں ریگولر اداروں سے رجوع کرنا پڑے گا اور فیصلے اوپر سے آئیں گے۔"

"گدرا ہماری سرزمین پر واقع ہے یا سرحد کے پار؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے خود علم نہیں۔" اس نے سادگی سے اعتراف کرلیا۔ "لائبریری سے بڑے اسکیل والے ٹیکنیکل میپ پر دیکھ کر ہی میں کچھ بتا سکوں گا۔ ایسے نقشوں پر آبادیاں تو بڑی بات ہیں، نمایاں درخت، ٹیلے، کھاڑی اور پتھر تک کا ایک نام ہوتا ہے، جس سے اُسے شناخت کیا جاسکتا ہے....."

"تم فوجی نقشوں کی تو بات نہیں کر رہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"یہ نقشے فوج کے ساتھ ہی تیل اور معدنیات کی تلاش میں نکلنے والوں اور دوسروں کے کام بھی آتے ہیں۔ ہر ادارہ ان پر تمام تر ضروریات اور ترجیحات کے مطابق نشان دہی کرکے انہیں اپنے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔"

اسی لمحے میز پر رکھے ہوئے ایک ٹرانسمیٹر پر سگنل

دینے لگی اور اوّل خان نے پھرتی کے ساتھ وہ اپریٹس آن کر دیا جس پر فوراً ہی انسانی آواز ابھرنے لگی۔

"ڈیلٹا کالنگ ایس سی کے... اوور!" دوسری طرف سے آواز سنائی دی تھی۔

"ایس سی کے ریسیونگ، سر!.... اوور!" اوّل خان نے مستعدی کے ساتھ جواب دیا۔

"بندر کا کیا حال ہے؟ مجھے اس کے بارے میں تفصیلی رپورٹ درکار ہے.... اوور!"

دوسری طرف سے کیا جانے والا سوال سن کر میری جان میں جان آئی کہ وہ گفتگو میں بھی سن اور سمجھ سکتا تھا۔ اول خان نے جس انداز میں اس کال کا جواب دیا تھا' اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈیلٹا کے کوڈ سے بولنے والا' اوّل خان کا کوئی افسر تھا۔ اگر وہ دونوں ہی اپنی خفیہ زبان میں بات کرنے کا فیصلہ کر لیتے تو میں کسی احمق کی طرح' وہاں بیٹھا' اول خان کا چہرہ تکتا رہتا لیکن کوئی بھی بات میرے پلّے نہ پڑتی۔

"بندر بہت ڈھیٹ ثابت ہوا' سر!" اول خان کے پہلے ہی فقرے سے میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ گفتگو غلام رسول کے بارے میں تھی۔ اوّل خان اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "کافی تشدد کے بعد اس نے زبان کھولی ہے اور اس کے انکشافات لرزہ خیز ہیں۔ ایکس ستمبر کو گدرا کے علاقے سے ہماری سرزمین پر مسلح لشکر کشی ہونے والی ہے۔ کمانڈر نامی ایک بھارتی اس حملے کی قیادت کرے گا۔ وہ لوگ ہتھیاروں اور گولہ بارود سے لدے ہوئے ٹرک لے کر ہمارے علاقے میں پیش قدمی کریں گے اور نیا چھور اور میرپور خاص کے درمیان' کہیں پر یہ سارے ہتھیار وغیرہ ڈاکوؤں اور باغیوں کے حوالے کر دیے جائیں گے۔ کمانڈر کے ڈیڑھ' دو سو آدمی باغیوں کے ساتھ سندھ میں پھیل جائیں گے اور ہر طرف تباہی اور دہشت گردی کا بازار گرم کر دیں گے۔ بیلے کے علاقے میں اپنی پناہ گاہوں کے گرد' یہ لوگ بارودی سُرنگیں بچھادیں گے۔ سرحد پار سے ہتھیاروں اور گولہ بارود کی سپلائی' چھاچھرو اور عمر کوٹ کے راستے جاری رہے گی جہاں کی عام ہندو آبادی کے عدم تعاون کے باوجود چند بارسوخ ہندو سیٹھ اور بنئے کمانڈر کے آدمیوں کا کھل کر ساتھ دیں گے۔ ان غدّاروں میں سے ایک کا نام سیٹھ آسومل ہے۔ اس پوری مہم میں سرحد پار کا کوئی باوردی فوجی شامل نہیں ہوگا۔ یہ سب' سندھی بولنے والے' سادہ پوش کمانڈو ہوں گے جو مقامی آبادی میں اتنی تیزی کے ساتھ ضم ہوں گے کہ اُن کی علیحدہ شناخت ممکن نہیں رہے گی۔ اپنے مقامی ہمدردوں سے ملنے سے قبل ہمیں ان کو تہس نہس کرنا ہوگا ورنہ ہم کبھی بھی انہیں اپنی سرزمین سے باہر نہیں نکال سکیں گے.... اوور!"

"یہ ہولناک خبریں ہیں۔" دوسری طرف سے اضطراری آواز ابھری۔ "لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ میرا اور تمہارا مسئلہ ہو کیونکہ اب تک صرف ہم دونوں' ان باتوں سے باخبر ہیں۔ لیکن اوپر والوں میں غلام رسول کے بارے میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ مجھ پر ہر طرف سے بے پناہ دباؤ چلا آرہا ہے لیکن میں اس دباؤ کا ڈٹ کر مقابلہ کروں گا۔ تم اپنا کام جاری رکھو۔ تم نے ملک کی سلامتی کے خلاف ایک بھیانک سازش پکڑی ہے۔ اس کوشش کو ہم رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔ مجھے بس غلام رسول کی ذہنی اور جسمانی حالت کے بارے میں بریف کرو تاکہ میں اسلام آباد سے بات کرسکوں.... تمہیں آخری لمحے تک میری پوری حمایت اور پشت پناہی حاصل رہے گی۔ اگر مجھے ایس ٹی ایف کے بنیادی اصولوں سے انحراف کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی گئی تو' تم یقین رکھو کہ میں اپنی آزادی اور سلامتی کی پروا کئے بغیر' ایسے بے باک قانون شکنوں کو عوام کے سامنے ننگا کردوں گا.... اوور!"

"سر! آپ کے ارادے میرے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ غلام رسول زندہ ہے لیکن اُس کی حالت بہت خراب ہے۔ اسے خون کی کئی الٹیاں ہو چکی ہیں کیونکہ تھرڈ ڈگری کے حقیقی استعمال سے پہلے اس نے اپنی زبان سختی کے ساتھ بند رکھی ہوئی تھی۔ اب اسے اپنی موت سامنے نظر آنے لگی ہے اس لئے کچھ اعترافات کئے ہیں۔ اُس کی دیکھ بھال کے لئے میں نے ایک ڈاکٹر کو طلب کیا ہے لیکن مجھے امید نہیں ہے کہ غلام رسول اب زندہ بچ سکے گا۔ اس کھیل میں وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے پانچ ساتھی اور بھی ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ وہ پانچوں ملّا سرکار کے وجود سے بے خبر اور صرف غلام رسول کو جواب دہ ہیں جب کہ غلام رسول' ملّا سرکار کا غلام تھا.... اوور!"

"گڈ! تمہیں پریشان اور ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ اپنے کام سے کام رکھو!" دوسری طرف سے سپاٹ لہجے میں کہا گیا۔ "میں اسلام آباد میں ایکس ستمبر والے معاملے پر بھی بات کروں گا۔ یہ نازک سرحدی معاملات ہیں اس لئے اس بارے میں ہم' اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے۔ البتہ تم مجھے غلام رسول کے پانچوں ساتھیوں کے نام بتا دو تاکہ میں اسلام آباد والوں کو ان خبیثوں کے وجود سے بھی آگاہ کرسکوں۔ مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے جیسے غلام رسول کی گرفت پر' نیچے سے اوپر تک' سب لوگ ہماری کارکردگی کو شک کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ کسی کو اس نیک نام مگر غدّار رہنما کے کرتوتوں کا علم نہیں ہے۔ اوپر والوں کو اس کی اصلیت کا یقین دلانے کے لئے مجھے بہت محنت کرنی ہوگی.... اوور!"

وہ پانچوں نام بھی کم اہم نہیں تھے۔ ان میں سے کم از کم تین افراد کا ماضی بالکل بے داغ تھا۔ ان کے بارے میں کبھی' کوئی مالی' اخلاقی یا سیاسی اسکینڈل سننے میں نہیں آیا تھا۔ بقیہ دو افراد سیاسی رہنمائی کے دعوے دار ضرور تھے لیکن ان کے کردار' خاصی حد تک مشکوک تھے۔ کیونکہ وہ اپنے اثر و رسوخ والے علاقوں میں' بدمعاشوں اور قانون شکن عناصر کی سرپرستی میں بدنام ہو چکے تھے۔

"حیرت کی بات ہے!" اول خان کے خاموش ہوتے ہی' دوسری طرف سے کہا گیا تھا۔ اس وقت یہ پانچوں کراچی میں موجود ہیں اور شہر کے ایک ہی ہوٹل میں مقیم ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ تم

اسی وقت سے' ان کی مصروفیات پر نگاہ رکھنی شروع کردو۔ کسی بھی موذی کے حواری بھی موذی ہی ہوتے ہیں...... اوور!"

"یہ بہت اچھی خبر ہے کہ وہ پانچوں بھی کراچی آگئے ہیں۔" اوّل خان نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ "سکھر کی انتظامیہ کے ساتھ کام کرتے ہوئے' مجھے جو زک پہنچی ہے اس کی وجہ سے کراچی مجھے اپنا قلعہ محسوس ہونے لگا ہے۔ یہاں کے سرکاری اہل کار اس قدر کھلی دھاندلیاں اور بے ضابطگیاں کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اگر وہ پانچوں کسی بھی قسم کی غیر قانونی سرگرمیوں میں اب بھی دلچسپی لے رہے ہیں تو میں بہت جلد ان کو اپنے شکنجے میں کس لوں گا۔ اوور!"

"کراچی کے بارے میں تمہاری رائے حیرت انگیز ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "میرا خیال تھا کہ سیاست' ثقافت' معیشت اور تجارت کے معاملات میں کراچی میں جتنے گھپلے ہوتے ہیں اتنے پورے ملک میں بھی نہیں ہوتے۔ ہمارے حکمراں دارالحکومت کراچی سے اٹھا کر اسلام آباد ضرور لے گئے لیکن پاکستان کی شہ رگ' آج بھی کراچی ہی ہے۔ اوور!"

"اور ملا سرکار کے حواری اندرونِ سندھ میں بغاوت کی آگ بھڑکا کر اِسی شہ رگ کو باقی ملک سے جدا کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔" اوّل خان نے بلا تردد جواب دیا۔ "کراچی ملک کی واحد بندرگاہ اور شہ رگ ہے' اسی لئے یہاں سب لوگ ایک دوسرے کی کارکردگی پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔ گھپلے کرنے والے اندھادھند بے ایمانیوں سے قدرے گریز کرتے ہیں۔ ہر دھاندلی اور رشوت خوری کے لئے قانونی موشگافیوں کا سہارا لیا جاتا ہے جن کا شمار ممکن نہیں۔ لیکن سکھر والے تو اتنے دیدہ دلیر تھے کہ قانون کو اپنے گھر کی باندی سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے مفلوج' اور معطل کرکے رکھ دیا تھا۔ اوور!"

"مجھے خوشی ہے کہ تم غلام رسول کو اُن کے چنگل سے نکال لے آئے۔ میں نے تمہاری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی پوری پوری پاس داری کی ہے۔ ڈی آئی جی ابھی تک معطل ہے لیکن مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے قلق ہو رہا ہے کہ انسپکٹر علی اسد کی بحالی کے سلسلے میں میری کوششیں بار آور ثابت نہیں ہو سکیں۔ اسے اپنی ملازمت سے برطرفی کے سنگین خطرے کا سامنا ہے۔ اس پر اپنے اختیارات سے تجاوز کرنے کا الزام ثابت ہو چکا ہے۔ ملازمت سے برطرفی کے بعد ہم اسے اسپیشل ٹاسک فورس میں کسی اچھے منصب پر لے لیں گے۔ اوور۔"

"لیکن' سر!" اول خان نے احتجاج کیا۔ "انسپکٹر علی اسد نے جو کچھ کیا' وہ ملک کی بھلائی اور قانون کی بالادستی کے لئے کیا۔ اس میں اُس کا کوئی ذاتی مفاد نہیں تھا۔ اس کے اقدام کے نتائج کو پیشِ نظر رکھا جائے تو وہ سزا کے بجائے انعام کا حقدار قرار پائے گا۔ اوور!"

"قانون' اندھا' بہرا اور بے رحم ہوتا ہے۔ اسے نتائج سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ ہر جگہ ایک حدِ فاصل قائم کرکے جرم اور مجرم کی تعریف کرتا ہے اور جو اس لاٹھی کی زد میں آجائے' مارا جاتا ہے۔ یہ تم اس معمولی سی مثال سے سمجھ لو کہ اگر ایک افسر قاتلوں اور ڈاکوؤں کی کسی کار کے تعاقب میں ٹریفک سگنل توڑ کر انہیں پکڑ لیتا ہے تو اُس کا یہ قابلِ تعریف کارنامہ' اسے ٹریفک سگنل توڑنے کے جرم سے بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا۔ اگر چوراہے پر موجود' ٹریفک کا سپاہی اس افسر پر مقدمہ نہ بنائے تو وہ سکتا ہے لیکن وہی سپاہی اپنی من مانی پر اتر آئے تو قاتلوں اور ڈاکوؤں کو پکڑنے والے جری افسر کو ٹریفک سگنل توڑنے پر ماتحت عدالت سے سزایاب کرا سکتا ہے اور اس پر کوئی انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔ انسپکٹر علی اسد' بدقسمتی سے ایسی ہی پیشہ ورانہ رقابت کا بدترین شکار ہوا ہے۔ اوور!"

"لیکن سر!" اوّل خان نے احتجاج کیا۔ "ایسی رکاوٹیں تو ہر فرض شناس افسر کے پیروں کی بیڑیاں بن سکتی ہیں۔ انسپکٹر علی اس کا عبرت ناک انجام دیکھنے کے بعد' اس ریجن میں کون اپنے اعلیٰ افسران کو' ان کی غلطیوں پر ٹوکنے کی جرات کر سکے گا۔ بے روزگاری کا عذاب سہنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اوور!"

"ہمارے قوانین صاف' سیدھے اور سہل نہیں ہیں۔ ہر دفعہ میں اگر' مگر' چونکہ' چنانچہ اور ماسوائے کی ایسی ایسی پُرپیچ شرائط ہوئی ہیں کہ ہر افسرِ مجاز کے صوابدیدی اختیارات لامحدود نظر آتے ہیں۔ ہمارے سیاستداں آئین کا رونا روتے رہتے ہیں جس سے لوگوں کا بہت کم واسطہ پڑتا ہے۔ اگر ہر سطح کی عدالتوں میں' وکلاء گواہوں کے درمیان' دھکے کھاتے ہوئے لاکھوں انسانوں کی حالت زار پر غور کیا جائے تو پتا چلے گا کہ یہ سب قانون کے مارے ہو ہیں۔ جب تک ہمارے قوانین میں اصلاح کرکے' انہیں سہل عام فہم نہیں بنایا جائے گا' فرض شناس افسروں اور شہریوں کے سروں پر' ہر وقت بدعنوان اہل کاروں کے صوابدیدی اختیارات کی تلوار لٹکتی رہے گی۔ اوور!"

"جہاں میرے بڑے مجبور نظر آئیں' وہاں میں دم بھی نہ مار سکتا۔" اوّل خان کے لہجے میں مایوسی اُمڈ آئی۔ "معاملات ڈھب پر چلتے رہے تو کل کو مجھے بھی غلام رسول کو قتل کرنے کے جرم میں پھانسی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ بد دلی کی یہ لہر ہمارے معاشرے کو بری طرح تہس نہس کرکے رکھ دے گی۔ یہ میرا اپنا قیاس ہے۔ اس سے آگے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ یہ بتایئے کہ اب غلام رسول کے بارے میں' میرے لئے کیا حکم ہے؟ اوور!"

"تم سمجھ دار ہو' ایس سی کے!" دوسری طرف سے شکست خوردہ مگر معنی خیز لہجے میں کہا گیا "میری طرف سے تمہیں کھلی اجازت ہے کہ اُس کے بدن کا ریشہ ریشہ الگ کرادو لیکن یہ بہت اونچا کھیل ہے۔ کھلی اجازت کے ساتھ ہی میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ غلام رسول کو زندہ رکھنے کی کوشش کرو۔ ہمارے اختیارات لا محدود ضرور ہیں لیکن پھر بھی ہماری اعلیٰ قیادت کسی نہ کسی کو جواب دہ ہوگی۔ اگر اس سطح پر غلام رسول کے بارے میں فکر مندی پیدا ہو

تو اُس کا مردہ ہمارے لئے عذاب بن جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ تم میری بات کا پورا مفہوم سمجھ رہے ہو گے؟ اوور!"

"اگر اسپیشل ٹاسک فورس کے مربّی اور سرپرست بھی غلام رسول کے لئے فکر مند ہو سکتے ہیں تو پھر سب کچھ قابلِ نفرت و ملامت ہے۔" اوّل خان کی آواز زہریلی ہو گئی۔ "ہمیں ایکس حتمبر کو سرحد پار سے آنے والے کمانڈر اور اس کے آدمیوں کو ہار پہنانے چاہئیں۔ میری نظروں میں غلام رسول غدار ہے اور غدار رہے گا۔ اس کا ہر ہمدرد بھی اس دھرتی کا کھلا غدار ہو گا۔ مجھے افسوس ہے، سر! کہ میں آپ کا دوستانہ مشورہ قبول نہیں کر سکتا۔ میں ابھی ڈاکٹر کو لوٹا رہا ہوں۔ آپ اسلام آباد لے جائی جانے والی رپورٹ میں یہ اہم تصحیح کر لیں کہ غلام رسول مر چکا ہے۔ اس کال سے فارغ ہوتے ہی میں اس کے گلے میں ڈوری کا پھندا ڈال کر اس کا قصّہ تمام کر دوں گا اور پھر دیکھوں گا کہ کون میرا کیا بگاڑ لیتا ہے؟ اوور!"

"ایس سی کے!" دوسری طرف سے آنے والی آواز سرد اور نادہی ہو گئی "تم جذباتی ہو رہے ہو۔ یہ ردِّ عمل تمہارے حلف کے منافی ہے۔ ہمیں لامحدود اختیارات ضرور حاصل ہیں لیکن ہم سب' احکام کے دائرے میں رہ کر کام کرنے والے' انسان نما روبوٹ ہیں جو اپنے جذبات کو کہیں غالب نہیں آنے دیتے۔ تمہاری باز پُرس کے دوران میں غلام رسول مر جاتا تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوتا' لیکن اب وہ زندہ ہے اور تمہارے دل میں اُس کے لئے نفرت جاگ اٹھی ہے۔ اس لئے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میری اگلی کال تک اس پر تشدّد کا سلسلہ موقوف کر کے اُسے زندہ رکھنے کی حقیقی اور پُرخلوص کوششیں جاری رکھو۔ میری طرف سے دیا جانے والا یہ حکم' غلام رسول کے لئے کوئی رعایت نہیں ہے بلکہ اسپیشل ٹاسک فورس کے ضابطے کی ایک اہم آزمائش ہے۔ میں تمہیں اس آزمائش میں سُرخ رُو دیکھنے کا آرزو مند ہوں۔ اوور اینڈ آل۔"

اوّل خان نے قہربار نظروں سے اپریٹس کو گھورتے ہوئے اس کا سوئچ آف کر دیا۔

"یہ ہو سکتا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے؟" وہ اپنی انگلیاں مروڑتے ہوئے غصیلے لہجے میں غرایا "تم لاکھ لکھ لو' حلف بھی اٹھوا لو' لیکن ایک انسان روبوٹ کیسے بن سکتا ہے؟ نفرت' محبت اور ذہانت ہی تو انسان کو مشینوں سے ممتاز کرتی ہے ورنہ آج بہت سی مشینیں ایسے کام کر رہی ہیں جو انسان کی بساط سے باہر ہیں لیکن انسان ہی اُن کا خالق ہے۔۔۔۔ اب وہ کہتا ہے کہ میں غلام رسول کے معاملے میں روبوٹ بن جاؤں۔"

"تم عقل سے سوچ رہے ہو' وہ تجربے کی بات کر رہا ہے" میں نے اسے سمجھانا چاہا "نہ عقل تجربے کا بدل ہے نہ تجربہ عقل کا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ اس نے تمہیں اگلی کال تک کے لئے روکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی اگلی کال کل صبح ہی آ جائے۔ اور پھر تم پر جھوٹ بولنے کی بھی پابندی نہیں ہے۔ تم چاہو تو غلام رسول کو مار کر یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ خود ہی مر گیا تھا۔۔۔۔ لیکن یہ تمہارے ضمیر کا معاملہ ہے۔"

وہ مجھے پُرخار نظروں سے گھورنے لگا "کیا صرف میرا ہی ضمیر داؤ پر لگانے کے لئے رہ گیا ہے؟ مجھ سے اوپر والوں پر ایسی کوئی ذمّے داری کیوں عائد نہیں ہوتی؟"

"ہوتی ہے' ہوتی ہے" میں نے نرم اور ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "اس نے تم کو دھوکا نہیں دیا۔ جو کچھ محسوس کرتا تھا' وہ کہہ گزرا۔ اب اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کی ذمے داری تمہاری اپنی ہے۔ تم چاہو تو سچ بول کر اُس کے حکم کی تعمیل کرو اور نہ چاہو تو من مانی کرتے ہوئے' جھوٹ بول کر اسے فریب دے سکتے ہو۔ یہ تمہارے ضمیر کا معاملہ ہے۔"

"میرے ضمیر کی ایسی کی تیسی!" وہ جھلّا کر بولا "کیا تم نہیں جانتے کہ غلام رسول کس سلوک کا مستحق ہے؟"

"جانتا ہوں" میں نے تحمل سے کہا "مگر یہ بھی جانتا ہوں کہ بعض اوقات آخری فتح حاصل کرنے کے لئے بعض انتہائی ناپسندیدہ قیدیوں کو زندہ رکھ کر یرغمالی بنانا پڑ جاتا ہے۔۔۔۔"

"بس' اب تم چپ رہو!" وہ میری بات کاٹ کر غرّایا "ڈیلٹا کی بکواس نے تمہیں چغد بنا کر رکھ دیا ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "مجھے چغد نہ کہو' کچھ اور کہہ دو!"

"کیوں؟ میں تو یہی کہوں گا تمہیں!" وہ اپنی جھونک میں' غصیلے لہجے میں بولا۔

"ارشد بیگ نامی' میرے ایک دوست فیصل آباد میں رہتے ہیں۔ وہ خود کو چغدوں کا سربراہ تصور کرتے ہیں۔ ان کی اجازت کے بغیر مجھے چغد قرار دیا گیا تو وہ ناراض ہو جائیں گے۔"

"چغدوں کا سربراہ؟" اوّل خان نے چونک کر پوچھا "ایسا احمق کون ہو سکتا ہے۔"

"موقع ملا تو ملاقات کراؤں گا۔" میں نے روا روی میں کہا۔ مجھے خوشی تھی کہ میرے اس مبہم استعارے کے نتیجے میں اوّل خان اپنی پٹڑی سے اتر چکا تھا۔

اس موضوع کو وہیں ختم کرنے کی نیت سے میں اٹھ کر غلام رسول کی طرف چل دیا۔ اوّل خان بھی کچھ کہے بغیر خاموشی سے میرے ساتھ ہو لیا۔

وہ غالباً ایس ٹی ایف کا کوئی خاص ڈاکٹر تھا جسے غلام رسول کی دیکھ بھال کے لئے طلب کیا گیا تھا۔ اس نے آتے ہی غلام رسول کے قید خانے کے ایک گوشے کو میڈیکل یونٹ میں تبدیل کر دیا تھا۔

اس وقت وہ غلام رسول کے زخموں کو صاف کر کے' اُس کی مرہم پٹی کی تیاری کر رہا تھا اور غلام رسول دنیا و مافیہا سے بے خبر' بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

ڈاکٹر نے بڑے تپاک کے ساتھ اوّل خان کو خوش آمدید کہا اور بتایا کہ قیدی کے جسم سے خون کی بڑی مقدار ضائع ہو جانے کی

وجہ سے معاملہ نازک ہو گیا تھا اس لئے غلام رسول کے خون کی کچھ مقدار گروپ ٹسٹ کے لئے بھجوادی گئی تھی۔ گروپ ٹسٹ کرانے والا، کسی بلڈ بینک سے خون کی چار بوتلیں بھی لے کر آتا جو غلام رسول کے بدن میں چڑھایا جانا تھا۔

ہم وہیں کھڑے، باتوں میں مصروف تھے کہ ایک شخص نے اوّل خان کی فون کال کی اطلاع دی۔

اوّل خان فون کال سننے کے لئے چلا گیا اور میں وہیں ڈاکٹر سے باتیں کرتا رہا۔

ڈاکٹر مجھے بھی ایس ٹی ایف کا کوئی اہل کار سمجھ رہا تھا اس لئے وہ مجھے تفصیل کے ساتھ غلام رسول کی حالت سے آگاہ کرنے لگا۔ اُس کے بیشتر زخم سطحی اور عام نوعیت کے تھے جن کی وجہ سے اس کا حلیہ بدل کر رہ گیا تھا لیکن طبّی اعتبار سے وہ سب مرہم پٹی سے سنبھل جانے والی جلدی خراشیں تھیں۔ اس کے ساتھ اصل خرابی یہ تھی کہ اُس کے بدن سے کافی مقدار میں خون بہہ چکا تھا اور اگر اس کمی کو فوری طور پر پورا نہ کیا جاتا تو وہ جہنّم واصل ہو سکتا تھا۔

ڈاکٹر کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ وہ بہت اہم قیدی تھا اور اُس کا زندہ رہنا بہت ضروری تھا اس لئے، ڈاکٹر نے آتے ہی، غلام رسول کا معائنہ کرکے، ایک آدمی کو ان دواؤں کے حصول کے لئے دوڑا دیا تھا جن کے بغیر غلام رسول کا زندہ رہنا دشوار ہو سکتا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ دو دن میں غلام رسول کو اعتدال پر آجانا چاہئے تھا۔

میں ڈاکٹر سے گفتگو میں مصروف تھا کہ ایک شخص، میرے لئے اوّل خان کا بلاوا لے آیا۔

"آرنیٹ کا کام ہو گیا" میری صورت دیکھتے ہی اوّل خان نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"اب اُس کی تدفین کہاں ہو گی؟" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"تدفین تو امریکا میں ہی ہو گی لیکن یہاں اسے زندہ درگور کر دیا گیا ہے۔"

"زحمت نہ ہو تو ذرا کھل کر بتاؤ کہ کیا ہوا ہے؟" میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

"اسپتال کی سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے، اس کا اسٹریچر گرا دیا گیا، جس کے نتیجے میں اس کا ایک اور پاؤں ٹوٹ گیا۔ اس کے سر کے زخموں پر بھی مزید ضربات آئی ہیں اور اسے پہلی فرصت میں یہاں سے دوبئی لے جانے کی تیاریاں شروع کر دی گئی ہیں۔ اس کے اوپر والوں کا خیال ہے کہ یہاں کے اسپتال کا عملہ غیر ذمے دار اور بے پروا ہے۔ اگر آرنیٹ کو یہاں سے لے جانے میں تاخیر کی گئی تو وہ اپنی جان سے جاتا رہے گا۔"

"یہ سب تو تمہارے منصوبے کے عین مطابق ہو رہا ہے ..... اب، دیکھو کہ اُس کی جگہ کون سنبھالتا ہے؟ یہ بات طے ہے کہ آرنیٹ کے پس منظر میں چلے جانے سے ان لوگوں کی رفتار سست پڑ جائے گی۔"

"ان لوگوں کو اب خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا" اوّل خان اپنی کارکردگی پر بہت مطمئن نظر آرہا تھا "اس سازش کے تمام اہم مہرے پٹ چکے ہیں۔ ملا سرکار مارا گیا، غلام رسول ہماری تحویل میں ہے اور آرنیٹ معذور ہو چکا ہے۔ نئے لوگوں کو پیچیدہ معاملات سنبھالنے میں خاصا وقت لگ جائے گا۔"

"غلام رسول کے پانچوں حواریوں کے بارے میں کیا قدم اٹھانے کا ارادہ ہے؟"

"میں نے ابھی فون کیا ہے۔ ان لوگوں کو اسپیشل سیل والے سنبھالیں گے۔ غلام رسول تو اتفاقاً مجرم بن کر خود ہی ہمارے جال میں آ پھنسا تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سیاسی وفاداریاں رکھنے والے مجرموں پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں ہوتا۔ ٹھوس شہادتوں کے بغیر کارروائی کی جائے تو حکومت کے مخالفین سیاسی انتقام کے نعرے لگانے لگتے ہیں......"

"لیکن غلام رسول تو حکومت کے حامیوں میں شمار ہوتا ہے!" میں نے کہا۔

"کون، کدھر ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ گرفت میں آنے والے کے حامیوں کا سارا نزلہ، برسرِاقتدار طبقے پر ہی گرتا ہے۔ اسپیشل سیل والے ایسے معاملات سے نمٹنے میں ماہر ہیں۔"

پھر ہماری گفتگو کا رخ کمانڈر کی طرف ہو گیا جس کی سرکوبی کے لئے بڑی تیاریوں کی ضرورت تھی۔

○☆○

ویرا کو آرنیٹ یا اس کے دفتر سے رابطہ رکھنا تھا اس لئے سلطان شاہ سے چپ لے کر گرینڈ ہوٹل کے ایک کمرے میں منتقل ہو گئی تھی اور اس نے فون پر آرنیٹ کے آدمی کو اپنے نئے ... سے بھی آگاہ کر دیا تھا تاکہ شہر کے دو نامور تاجروں کے ... ور آدمی کھلونوں کے دستاویزی ثبوت اُس تک پہنچائے جا سکیں۔

ویرا کی دیکھ بھال کے لئے، سلطان شاہ اُس سے اجنبی بن کر اپنے فرضی نام سے گرینڈ ہوٹل ہی کے ایک کمرے میں مقیم تھا۔ ... لوگوں نے یہ بندوبست کافی سوچ بچار کے بعد کیا تھا۔ اس میں ... ایک ہی خرابی تھی کہ ویرا، آرنیٹ کے آدمیوں کی نظروں میں آجانے کے بعد ہم سے ملنے کا خطرہ مول لے نہیں سکتی تھی، ہمیں فون کر سکتی تھی۔

جو لوگ طاقتور چپ، سیٹلائٹ فون اور کار ڈیو ریکارڈر جیسی جدید ترین ایجادات کے استعمال پر دسترس رکھتے تھے، ان کے ... کسی لاسلکی ذریعے سے ویرا کے فون کو سننا یا ٹیپ کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہو سکتا تھا۔ جب کہ ہم لوگوں کے درمیان، ہر مرحلے پر ... خیال ضروری بلکہ ناگزیر تھا۔

اس معاملے میں ویرا کی کھوپڑی نے گُل کھلایا تھا۔ گر... ہوٹل جاتے ہوئے، وہ اپنے ساتھ وہ اریٹس لے گئی تھی جو ... ہیروئن فروشی کے ابتدائی ایام میں ہم لوگوں کی باہمی پیغام ...

کے لئے استعمال ہوتا تھا کیوں کہ اسی قسم کا دوسرا ایریئس جہانگیر کے گھر کے کباڑ خانے میں بھی پڑا ہوا تھا اور اس ٹرانسیسٹر کے ذریعے ہم لوگ ہر وقت باہمی رابطہ کر سکتے تھے۔

اس ایریئس کو زیر استعمال لانے کا فیصلہ خصوصی حالات میں ایک مجبوری کے تحت کیا گیا تھا لیکن اس وقت وہ مجبوری میرے گلے پڑی ہوئی تھی۔

میں نے اپنا ایریئس' اس خیال سے مسلسل آن رکھا تھا کہ ویرا کسی بھی وقت مجھ سے رابطہ کرنا چاہے تو اُسے کوئی دشواری نہ ہو۔ اس لئے میں صبح ہی صبح' اس ریڈیائی آلے پر ویرا کی آواز سن کر ہیجان کا شکار ہو گیا تھا لیکن جوں ہی میں نے تجسس آمیز لہجے میں اس کی کال کا جواب دیا تو وہ مجھ پر برس پڑی اور میری طبیعت صاف ہو گئی۔

فون کے برعکس' ٹرانسیسٹر پر گفتگو کرتے ہوئے دوسرے فریق کی بات کاٹ کر' اپنی کتھا سنانی ممکن نہیں ہوتی۔ اگر دونوں فریق بیک وقت بولنے لگیں تو کسی کی بھی آواز دوسرے کو نہیں پہنچتی۔ ایک شخص اپنی مرضی کے مطابق بات مکمل کر کے لائن خالی ہونے کا واضح اشارہ دے' تب ہی دوسرا فریق اپنا پیغام نشر کر سکتا ہے۔ اس وقت اس باریک سی فنی مجبوری نے مجھے ویرا کی پوری تقریر سننے پر مجبور کر دیا جو کسی بھی اعتبار سے خوشگوار نہیں تھی۔

اس وقت اگر میں ویرا کے روبرو موجود ہوتا تو وہ اخبارات کا پلندہ یقیناً میرے منہ پر دے مارتی کیوں کہ اُس کے بیان کے مطابق اخبارات میں اس عورت کے بارے میں تفصیلات شائع ہوئی تھیں جو دل میں چھری پیوست ہونے کی وجہ سے ہلاک ہوئی تھی اور جس کی لاش ڈیفنس کے ایک ویران اور غیر آباد علاقے سے برآمد ہوئی تھی۔

جہانگیر نے اپنے گھر میں مسز جیوانی کی خودکشی پر یہ کہہ کر پردہ ڈالنے کی کوشش کی تھی کہ سلمیٰ کے لئے خریدے ہوئے خون کی تھیلی پھٹ جانے کی وجہ سے پورا بستر داغ دار ہو گیا تھا ورنہ وہاں کوئی واردات نہیں ہوئی تھی۔ میں نے لاش کو ٹھکانے لگانے سے واپسی پر ویرا کے تیور خراب دیکھے تو اس چھت کے نیچے ایک بد نصیب عورت کی خودکشی کا اقرار تو کر لیا لیکن جہانگیر کی ملی بھگت سے ویرا کو یہ تاثر دیا کہ جہانگیر نے خطیر رقم دے کر اُس عورت کو کسی دلال سے حاصل کیا تھا لیکن وہ عورت ہر قیمت پر اپنی حفاظت کرنے پر تلی ہوئی تھی' جب اُسے اندازہ ہوا کہ وہ جہانگیر کے حیوانی عزائم سے خود کو نہ بچا سکے گی تو اس نے خودکشی کر لی اور مجھے مجبوراً اُس کی لاش ٹھکانے لگانی پڑ گئی۔

اُس وقت میری تراشی ہوئی وہ کہانی چل گئی تھی لیکن اخباری اطلاعات نے رنگ میں بھنگ ڈال دیا تھا۔

"تم جھوٹے' سازشی اور پکے سؤر ہو" میرے مدافعانہ فقروں کے جواب میں وہ مزید بھڑک اٹھی "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مجھے فریب دے کر تم کون سا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اوور۔"

"تم خود غور کرو کہ مجھے ایسا بے مقصد جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں ہتھیار ڈالنے کے بجائے' معصومانہ انداز میں اپنے مؤقف پر ڈٹا رہا "ہو سکتا ہے کہ تم دو مختلف واقعات کو ایک سمجھ رہی ہو۔۔۔۔۔ جہانگیر والی عورت کے بارے میں تو کل کے اخبارات میں خبر آچکی تھی۔ آج کوئی نئی واردات ہوئی ہوگی۔ شہر میں امن و امان کے بگڑے ہوئے حالات تم خود بھی دیکھ رہی ہو۔ یہ سب اسی کا شاخسانہ معلوم ہوتا ہے۔۔۔۔ اوور۔"

"دل میں چھری کے زخم کی دو یکساں وارداتیں؟" اس کی غراہٹ ابھری "ڈیئی! میں دودھ پیتی بچی نہیں ہوں۔ آج کی خبر اُسی لاش کے بارے میں ہے' جو پرسوں رات ڈیفنس سے ملی تھی۔ وہ کوئی لاوارث عورت نہیں تھی جسے شہر کے دلال فروخت کر ڈالتے۔ وہ ایک معزز گھرانے کی بیوہ تھی جس کا شوہر جرمنی کی ایک جیل میں' اپنی سزایابی کے دوران فوت ہو گیا تھا۔ اُس کا ایک بیٹا اسکول میں زیر تعلیم ہے۔ ایسی عورت اگر بے راہ رو بھی جائے تو اُسے اپنے شوق پورے کرنے کے لئے کسی دلال کی ضرورت نہیں رہتی۔۔۔۔ تم نے مجھ سے سچ نہ بولا تو میں اسی وقت تم سے اپنا تعلق توڑ لوں گی۔ اب تم مجھے مزید بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ اگر تم کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے تو مجھے بھی تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اوور۔"

اس وقت تک اخبارات میری نظر سے نہیں گزرے تھے لیکن ویرا نے اُن کے حوالے سے جو کچھ کہا تھا' وہ میرے لئے چونکا دینے والا تھا۔ شاید اُس نے دیدہ و دانستہ سیٹھ حبیب جیوانی کا نام نہیں لیا تھا کیونکہ جو وقائع نگار متوفیہ کے شوہر کی' جرمن قید میں وفات کی خبر کھود کر نکال سکتا تھا اُسے سیٹھ حبیب جیوانی کا نام بھی معلوم ہو جانا چاہئے تھا۔ یہ ایک الگ بات تھی کہ جرمنی کی جیل میں اپنے مردہ ہم شکل کو' سرکاری طور پر حبیب جیوانی تسلیم کئے جانے کے بعد وہ عورت بیوہ کہی جا سکتی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس کا مفرور شوہر کراچی میں زندہ و سلامت موجود تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے اپنی سلامتی کے لئے اپنا نام بدل لیا تھا تاکہ گڑے مُردے اکھاڑنے کی نوبت نہ آسکے۔

کراچی بلکہ پاکستان میں' ان دنوں شی کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا لیکن یہ بات طے تھی کہ زیرِ زمین دنیا کے بہتیرے بارسوخ افراد سے ویرا کی شناسائی تھی اور اگر وہ متوفیہ کے بارے میں پوری معلومات اکٹھی کرنے پر تُل جاتی تو یہ امر اُس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا کہ متوفیہ' مافیا کے مقامی بیورو چیف کی بیوی تھی۔

میں نے اپنے ذہن میں بہت تیزی کے ساتھ' ان تمام امکانات کا تجزیہ کیا اور فوری طور پر ویرا سے سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا کیوں کہ ہمارے درمیان باہمی اعتماد اور رواداری اسی طرح برقرار رہ سکتی تھی۔

"اب اپنی معلومات میں یہ بھی اضافہ کر لو کہ متوفیہ' سیٹھ حبیب جیوانی کی بیوہ نہیں' بلکہ بیوی تھی۔ وہ آج بھی کراچی میں موجود اور زندہ ہے۔ اوور" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"خوب!" ویرا کی زہریلی آواز ابھری "اس کا مطلب ہے کہ اب تمہاری کھوپڑی راہِ راست پر آرہی ہے۔ یہ بات مجھے پہلے سے معلوم ہے لیکن میں تمہاری زبان سے سننا چاہ رہی تھی۔ یہ وہی ملعون ہے جس نے یہاں مافیا کو منظم کیا ہے۔ اس کا شمار شی کے بدترین بدخواہوں میں ہوتا ہے.....اوور۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میرے ہاتھ سے اُسے گہرے زخم کھانے پڑے ہیں۔ اس کے قائم کئے ہوئے کی کلب کو میں نے ہی نیست و نابود کرایا تھا۔ اوور۔"

"لیکن اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" میرے سچ پر ویرا کا غصہ دھیما پڑ گیا اور اُس کے لہجے میں تجسس سمٹ آیا "اس کی بیوی جہانگیر کے گھر پر کیا کر رہی تھی؟ اوور۔"

"یہ ایک الگ کہانی ہے" میں نے گمبیر لہجے میں کہا۔ "تمہارے باپ کے دل میں میرا وجود' پھانسی بن کر چبھ رہا ہے۔ پاکستان سے یورپ تک' اسے ہر جگہ میرے ہاتھوں ہزیمت اٹھانی پڑی ہے۔ مجھے گھیرنے کے لئے اُس نے تمہیں بھی استعمال کیا ہے اور تمہاری کارکردگی سے مایوس ہونے کے بعد اس نے میرے معاملے میں اپنے روایتی حریفوں سے مدد طلب کرلی ہے۔ اٹلی کی مدر مافیا کے اشارے پر مقامی مافیا میرے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ میرے قتل اور اغوا کی دو کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ اس دوران میں' مَیں نے یہ سراغ لگالیا ہے کہ ان وارداتوں کی پشت پر سیٹھ حبیب جیوانی کی ذات کارفرما ہے۔ اس تک رسائی بہت مشکل ہے' اس کی بیوی میری نظروں میں آئی تو میں نے حبیب جیوانی کو زک پہنچانے کے لئے اُسے اغوا کرالیا۔ مسز جیوانی سے باز پُرس کے دوران میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اپنے شوہر کی مجرمانہ سرگرمیوں کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے لیکن وہ زبان کھولنے پر آمادہ نہیں تھی۔ جب اسے ہم لوگوں کی طرف سے تشدد کئے جانے کا خوف لاحق ہوا تو اس نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے خودکشی کرلی۔ اوور۔"

"تمہاری کہانی دلچسپ ہے۔" اس وقت تک ویرا کا غصہ سرد ہو چکا تھا "لیکن تم نے اس بارے میں مجھے ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ تمہاری اس نارواراز داری کو میں کیا نام دے سکتی ہوں' اوور۔"

"اس میں رازداری سے زیادہ' مجبوری اور بوکھلاہٹ کا دخل ہے" میں نے مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا "مسز جیوانی کو اغوا کرتے ہی' میں ملا سرکار کے تعاقب میں' اندرون سندھ روانہ ہو گیا۔ وہاں سے واپس آتے ہی مسز جیوانی سے باز پُرس شروع کی اور اس نے خودکشی کرلی۔ تم اس وقت ان معاملات میں ملوث ہوئیں جب لاش غائب کی جاچکی تھی اور خودکشی کے ثبوت ضائع کئے جارہے تھے۔ جہانگیر نے بوکھلاہٹ میں خون کی بوتل پھٹنے کی کہانی تراشی اور مجھے بھی' شرمندگی سے بچنے کے لئے' دلال کے ذریعے آئی ہوئی عورت کے سوا' کوئی اور کہانی نہیں سوجھ سکی......اوور۔"

"تمہاری غیر حاضری میں' مسز جیوانی کئی دن تک جہانگیر کے گھر میں قید رہی لیکن جہانگیر یا غزالہ نے مجھے اس کے بارے میں ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ اوور" ویرا نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

"ان دونوں کو اُس کی اصلیت کا علم نہیں تھا" میں نے ان دونوں کا دفاع کرتے ہوئے کہا "تمہیں جہانگیر کی فطرت کا علم ہے' وہ کسی بھی خوبصورت عورت کو اپنے قریب پاتے ہی ریشہ خطمی ہو جاتا ہے۔ اسے مسز جیوانی کی حیثیت سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ میری غیر حاضری میں' وہ مسز جیوانی کے وجود سے اپنی خوشیاں کشید کرنے میں کھویا رہا۔ وہ تو غنیمت ہے کہ جہانگیر کی رعایتوں سے فائدہ اٹھا کر' وہ فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوئی ورنہ اب تک حبیب جیوانی کے گرگے ہم سب کو تہس نہس کرنے کے لئے میدان میں اتر چکے ہوتے۔ اوور۔"

ویرا کے ایک گہرے سانس کی آواز سنائی دی' پھر وہ بولی "جھوٹ بول رہے ہو یا سچ' تمہارے پاس دلیلوں کا کال نہیں ہوتا جو کچھ تم بک رہے ہو' میرے پاس اسے ماننے کے سوا کوئی چا نہیں ہے۔ اوور۔"

"میرا خیال تھا کہ تم نے اپنی کہانی سنانے کے لئے رابطہ ہوگا لیکن تم یہ فضول باتیں لے بیٹھیں" میں نے اکتاہٹ کا اظ کرتے ہوئے اس موضوع کو وہیں ختم کرنے کی کوشش کی "تمہار لئے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ آرنیٹ کے صاحبِ فراش ہو جا کے بعد کاؤنسلیٹ والے کیا کر رہے ہیں؟ اوور۔"

"تم نے شاید ابھی تک اخبار نہیں دیکھا؟ اوور" اس سوال کیا۔

"ابھی میں بستر میں ہی دراز ہوں۔ کوئی خاص بات ہو تو سنا دو۔ اوور۔"

"کل رات آرنیٹ کا اسٹریچر' زینوں پر سے گر گیا جس نتیجے میں اس کے سر میں مزید ضربات آئی ہیں۔ اسٹریچر کے فریم میں دب کر اس کی ایک پنڈلی کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی۔ وہ ویسے اس ملک کے ماحول اور لوگوں سے متنفر تھا اس لئے علاج کے لئے اسے رات ہی کو' اُس کے سفیر کے خصوصی طیارے دوبئی منتقل کردیا گیا جہاں شاہی اسپتال میں امریکی ڈاکٹر اور اُس کی دیکھ بھال کریں گے۔ اوور۔"

"اس پر مٹی ڈالو!" میں نے بے پروائی سے کہا "وہ زخمی کھیل سے باہر ہو چکا ہے۔ جو لوگ کھیل میں رہ گئے ہیں تم ا بارے میں بتاؤ۔"

"کل رات کچھ درآمدی دستاویزات کی فوٹو کاپیاں پاس آئی ہیں۔ ایک پارٹی بیش قیمت' اسپیشل الائے اسٹ سلاخیں اور چادریں' اسکریپ کے طور پر درآمد کرنے م

ہے۔ داموں کا فرق' امریکی فرم کو' کالے دھن کے ذریعے ادا کیا جاتا ہے۔ بس واجبی سے دام ایل سی اور انوائس کے ذریعے ادا کیے جاتے ہیں۔ اوور۔"

تجارت وغیرہ سے میرا کوئی خاص واسطہ نہیں تھا لیکن مجھے مبہم سا شبہ تھا کہ اسکریپ وغیرہ پر مالیت سے قطعِ نظر' وزن کے لحاظ سے ڈیوٹی عائد تھی اس لئے انوائس وغیرہ میں ردوبدل کرنے سے ڈیوٹی وغیرہ میں قابلِ ذکر فرق نہیں پڑنا چاہئے تھا لیکن ویرا کو وہ کاغذات ایک اہم سفارتی مشن کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ اس لئے ان میں ہیر پھیر کی کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور رہی ہوگی جس کی بنا پر درآمد کنندگان کی گرفت ہو سکتی تھی' اس لئے میں نے اس بارے میں اپنی رائے کے اظہار سے گریز کرتے ہوئے کہا "وہ تمام کاغذات کس کی طرف سے آئے ہیں؟ اوور۔"

"کسی ہیری کیسنجر نے وہ لفافہ بھیجا تھا۔ اوور" ویرا کی بے پروایانہ آواز ابھری۔

"کہیں ہنری کیسنجر ہی تو' تمہیں رام کرنے کے لئے میدان میں نہیں آگیا ہے؟ اوور" میں نے ناموں کی گہری مماثلت پر' ازراہِ مذاق تبصرہ کیا۔

"ہنری نہیں' یہ ہیری ہے" اس نے ناموں پر زور دے کر کہا۔ "یہ اُس کا کوئی بھائی' بھتیجا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ کوئی بھی ہو' اس سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اوور۔"

"آج بارہ بجے تمہیں' اسی ہیری کیسنجر سے ملنا ہے؟ اوور؟" میں نے پوچھا۔

"لفافہ لانے والے نے آج دوپہر کی ملاقات کی منسوخی کی اطلاع دی تھی۔ اب مجھے ان دونوں' بے ایمان تاجروں پر جال ڈالنا ہے۔ ان میں سے کسی کو رضامند کرلینے کے بعد مجھے ہیری کیسنجر کو فون کرنا ہوگا۔ وہی مجھے ملنے یا نہ ملنے کے بارے میں بریف کرے گا۔ اس سے پہلے میں بالکل آزاد ہوں۔ اوور۔"

"یہ نہ سمجھنا کہ تم آزاد ہو" میں نے جلدی سے کہا "تمہارے پاس نہ صرف چپ موجود ہے بلکہ تمہارا ہوٹل بھی اُن کی نظروں میں آچکا ہے۔ تم نے اس وقت ایرئیس استعمال کرکے کسی عقل مندی کا ثبوت نہیں دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دستاویزات کی نقول لانے والا قاصد' تمہاری آنکھ بچا کر کمرے میں کوئی ننھا سا' حسّاس آلہ ڈال گیا ہو' جس کے ذریعے کاؤنسلیٹ میں تمہارے سانس لینے کی آوازیں بھی سنی جارہی ہوں! اوور۔"

"بھاڑ میں جائے! جو ہوگا' دیکھا جائے گا" اس کی جھنّائی ہوئی آواز ابھری "مرنے والی کے بارے میں اخباری اطلاعات پڑھ کر' میری کھوپڑی بری طرح کھولنے لگی تھی۔ میں تم سے بات نہ کرتی تو اب تک کوئی بہت بڑا قدم اٹھا چکی ہوتی...... ویسے میں بھی ان گیدڑوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ قاصد کو میری نظر بچا کر کچھ کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ کوئی مقامی تھا۔ میری سفید چمڑی دیکھتے ہی مرعوب ہوگیا تھا۔ اوور۔"

"ان تاجروں کے سلسلے میں' تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہو؟ اوور۔"

"ان میں سے قاسم نامی شخص میرا پہلا ٹارگٹ ہے۔ اُس کے گھپلے زیادہ بڑے اور خطرناک ہیں۔ میں امریکی کسٹم کی طرف سے آئی ہوئی تفتیشی انسپکٹریس کی حیثیت میں اس سے براہِ راست ملنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔" اس نے کہا "اگر میں خود کو اردو سے نابلد ظاہر کروں تو وہ میری رنگت اور انگریزی لب و لہجے سے فوراً دھوکا کھا جائے گا اور میرا کام آسان ہوجائے گا۔ بصورتِ دیگر وہ مجھ سے داؤ پیچ چلنے کی کوشش کرے گا۔ اوور۔"

"امریکا سے آئی ہوئی' ایک سرکاری افسر کی حیثیت میں تم اُس سے ہتھیاروں کی ذخیرہ اندوزی کا مطالبہ کیسے کرسکوگی؟ کیا وہ تمہاری اصلیت کی طرف سے شبے میں نہیں پڑجائے گا؟ اوور۔"

"وہ ایک بار اپنے جرائم کا اعتراف کرکے' ہتھیار ڈال دے گا تو میں خود اُسے سنبھال لوں گی۔ ابتدائی مرحلے پر میں اسے ہتھیاروں کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گی۔ ساری بات باہر سے آنے والے مال کے بارے میں ہوگی۔ اوور۔"

"میرا مشورہ ہے کہ ہتھیاروں کی بات ضرور کرو۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اس طرح یہ پتا چل سکے گا کہ وہ اپنے مفادات کے لئے کس حد تک جا سکتا ہے۔ اوور۔"

اس کی دبی دبی' معنی خیز ہنسی سنائی دی' پھر وہ بولی "جب سے تمہارے دل میں حب الوطنی کے جراثیم بیدار ہوئے ہیں' تم ہر ایک کی قومی وفاداریوں کو تولنے کی فکر میں رہنے لگے ہو۔ اوور۔"

"اسے تم میرا معاشرتی سروے بھی کہہ سکتی ہو۔ اپنے ماضی کی بنا پر مجھے یہ فائدہ ہے کہ میں دوہرے چہرے رکھنے والوں تک رسائی رکھتا ہوں۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ مجھے' ابھی تک ہر طبقے نے مایوس کیا ہے۔ سیاسی رہنماؤں سے بیشتر سرکاری اہل کاروں تک' جو بھی بے ایمان ہے وہ کھل کر بے ایمانی کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ اپنے مفاد اور مقاصد کے حصول کے لئے ہر حد کو عبور کرنے پر تلا رہتا ہے' خواہ وہ قوم فروشی ہو یا ملک فروشی۔ ہو سکتا ہے کہ تاجر مجھے اتنا مایوس نہ کریں۔ اوور۔"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے' ڈیئی! جن کے مُنہ کو حرام لگ جاتا ہے' وہ کسی اخلاقی' قانونی' سیاسی' مذہبی یا سماجی حد کی پروا نہیں کرتے۔ یہ رجحان پاکستان ہی میں نہیں پایا جاتا' یہ وبا عالم گیر ہے۔ اب تم خود ہی سوچو کہ اس قدر نامساعد حالات میں تم جیسا واحد ریال کس کس سے لڑ سکتا ہے۔ اوور۔"

"جس جس سے لڑنا ممکن ہے' لڑوں گا۔" میں نے' دل ہی دل میں روز مرّہ بولی جانے والی اردو کے جدید محاوروں پر اُس کی دسترس سے محظوظ ہوتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔ "ایسے عناصر کو ان کے حال پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ان کی بیخ کنی نہ کی جائے تو پیسہ

کمانے کے روگ میں مبتلا نئے لوگ ان راستوں پر چل پڑتے ہیں۔ اوور۔"

"تم ہر بار مجھے پٹڑی سے اتار دیتے ہو۔" اس کی چونکی ہوئی آواز ابھری' جیسے اسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی ہو۔ "میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ تم میرے ساتھ قاسم کے پاس چل سکو گے؟ اوور۔"

"کوئی نہ کوئی راہ نکالی جا سکتی ہے۔" میں نے بے پروایانہ انداز میں کہا "لیکن تمہیں' یک بیک میری ضرورت کیوں محسوس ہونے لگی؟ تمہیں اس سے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ اوور۔"

"خطرے یا پریشانی کی بات نہیں' یہ پروٹوکول کا معاملہ ہے۔" اس کی سنجیدہ آواز ابھری۔ "کسی غیر ملک سے کوئی افسر آتا ہے تو اسے اجنبی ملک میں تنہا نہیں چھوڑا جاتا۔ مقامی محکمے کا کوئی نہ کوئی ہم منصب' دفتری معاملات میں' اس کے ساتھ ضرور رہتا ہے۔ تم مقامی کسٹم آفیسر کے طور پر میرے ساتھ رہو گے تو وہ زیادہ مرعوب ہوگا۔ اوور۔"

اس کی بات معقول تھی اور میں خود بھی وہ تماشا دیکھنا چاہتا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ آرنیٹ کے جانشین' ہیری کیسنجر کی طرف سے ویرا کی نگرانی کئے جانے کا خوف تھا جب کہ میں ان لوگوں کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ اس بارے میں ویرا کے دو دلائل خاصے حوصلہ افزا ثابت ہوئے۔ اول یہ کہ وہ لوگ مجھے دیکھ بھی لیتے تو ذہنی کے طور پر شناخت نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ان کی کہانی میں میرا کوئی کردار نہیں تھا۔ دوم یہ کہ ان لوگوں کے ساتھ تعاون کی راہ استوار ہو جانے کے بعد' اس امر کا امکان کم ہی تھا کہ ویرا کا تعاقب کیا جاتا۔ وہ چپ کی وجہ سے' ویسے بھی ہر لمحے ان کی نظروں میں تھی۔ یہ اور بات تھی کہ چپ اُس کے جسم سے نکل کر اس کے پرس یا جیب میں منتقل ہو چکا تھا۔

بازار دس' ساڑھے دس بجے تک کھل جاتا تھا' اس لئے ویرا سے گیارہ بجے قاسم کے دفتر میں ملنے کا وقت طے ہوا اور میں نے اپنی تیاریوں کے لئے کسل مندانہ انداز میں بستر چھوڑ دیا۔

ناشتے کی میز پر میں نے جہانگیر اور غزالہ کو مسز جیوانی کے بارے میں' ویرا سے ہونے والی گفتگو کے متن سے آگاہ کر دیا تاکہ ہم تینوں کے بیانات میں کہیں کوئی تضاد نہ ابھرنے پائے۔

"تم ہمیشہ ہی میری مٹی پلید کرتے رہتے ہو۔" میری بات مکمل ہونے پر' جہانگیر کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے' بے ڈھنگے پن سے ہنستا ہوا بولا "مجھے مسز جیوانی پر لٹو ہونے کی کیا ضرورت تھی؟"

غزالہ ہم میں سے تھی لیکن وہ جہانگیر اور سلمیٰ کے ساتھ شیر و شکر ہونے کے باوجود' حجاب اور ایک خاص فاصلہ برقرار رکھتی چلی آ رہی تھی۔ جہانگیر کے حریصانہ کرتوتوں سے پوری طرح باخبر ہونے کے باوجود' اس نے جہانگیر کو اپنی معلومات کی ہوا تک نہیں لگنے دی تھی۔ اس لئے جہانگیر کا پہلا فقرہ مکمل ہوتے ہی' وہ اپنی چائے کی پیالی میز سے اٹھا کر تیز تیز قدموں سے کچن کی طرف چل دی تاکہ اس بے حجابانہ گفتگو میں فریق بننے سے بچی رہ سکے۔

"مسز جیوانی تو پھر قرینے کی عورت تھی' تم تو کسی خوش شکل بھنگن پر بھی فدا ہونے کے طبعی خواص رکھتے ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "ویرا تک کو دیکھ کر تمہیں پھریریاں آنے لگتی ہیں۔ تمہارے لاشعور میں اُس کا گہرا خوف جاگزیں نہ ہوتا تو تم اب سے بہت پہلے اس کے ہاتھوں سے جوتے کھا چکے ہوتے۔"

"دیکھو' تم حد سے بڑھ رہے ہو۔" وہ دھیمی آواز میں غرایا۔ "تم بھی پارسا نہیں ہو۔ تمہارے لچھنوں پر میں پوری انسائیکلوپیڈیا لکھ سکتا ہوں.... رہی یہ ویرا' تو اس کے بارے میں تم ہی بہت کچھ بتا چکے ہو۔"

"عزت اور وقار کے ساتھ مچان باندھ کر' اپنے پسندیدہ جانور کا شکار کھیلنے اور پاگلوں کی طرح ہر ایرے غیرے جانور کے پیچھے بھاگتے رہنے میں بہت فرق ہے۔" میں نے ملامت بھرے لہجے میں کہا "اپنے ساتھ میرا موازنہ کر کے مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ مسز جیوانی نے خود کشی کرنے سے پہلے جو کچھ بتایا تھا' وہ تمہارے ڈوب مرنے کے لئے کافی ہے۔ غضب خدا کا' کہ تم ایک عورت سے پٹ کر خوش ہوتے تھے۔"

"میں نے بھی اسے مار مار کر نیلا اور اودا کیا ہوا تھا۔" انا پر ضرب لگتے ہی' وہ غصے میں پھٹ پڑا۔ "تم نے اس 'الو کی پٹھی' کی کہانی سنی تھی تو اسی وقت مجھ سے بھی بات کی ہوتی پھر میں بتاتا کہ اصل قصہ کیا تھا...."

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے ازراہِ تمسخر اسے پچکارتے ہوئے کہا "پوت کے پاؤں' پالنے میں نظر آ جاتے ہیں۔ لاتیں' گھونسے اور جوتے کھانے کا عادی ہوئے بغیر' کوئی بھی معقول آدمی' ڈھیٹ اور پیشہ ور عاشق نہیں بن سکتا۔ مسز جیوانی کی برادری کا ڈھول ڈھمکا مرزا غالب کی شاعری میں بھی سند پا چکا ہے۔"

"اب بلاوجہ میرے منہ نہ لگو۔" وہ بدک کر بولا "شعر و شاعری اور مجروں والا ستِ رُوِ عشق تم ہی کو مبارک ہو۔ میں ایسے کھکھیڑ میں نہیں پڑتا۔" وہ منہ پھلا کر ناشتے میں مصروف ہو گیا۔

اس کی زبان سے کھکھیڑ جیسے ثقیل لفظ کا برمحل استعمال سن کر میں نے حیرت سے اسے گھورا' لیکن اسے اپنی طرف متوجہ نہ پا کر میں نے خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔ وہ میرا جگری دوست ضرور تھا لیکن بے انتہا تنگ نظر اور زود حس آدمی تھا۔ مجھ سے برہم ہو جاتا' تو اسی وقت مجھے اور غزالہ کو' بیک بینی و دو گوش دفتر سے رخصت کر دیتا جب کہ مجھے غزالہ کے لئے' اُس کی چھت کا سایہ درکار تھا۔

یہ اور بات ہے کہ اُس کی برہمی کبھی بھی دیرپا ثابت نہیں ہوئی۔ اشتعال کی لہر کافور ہوتے ہی اسے اپنی تنگ نظری اور زیاد

کا احساس ہو جاتا تھا اور وہ خود ملامتی سے پریشان ہو کر' مصالحت کا کوئی بہانہ تلاش کرنے پر تل جاتا تھا۔ یہ اُس کی اتنی بڑی خوبی تھی جو اُس کی ذات کی ہر کوتاہی کا ازالہ کر دیتی تھی۔

دس بجے میں گھر سے روانہ ہوا تو کار چلاتے ہوئے میرا ذہن اپنے مستقبل میں الجھا ہوا تھا۔

جب تک میں شی والوں کا بے دام غلام بنا رہا' میرے شب و روز اپنے بڑوں کی مرضی کے تابع رہے۔ وہ جب اور جہاں چاہتے' مجھے بلا لیتے تھے اور جب میں نے ان سے بغاوت کی راہ اختیار کی تو وہ اپنے پورے وسائل کے ساتھ میری بُو پر لگ گئے۔ ان کے ساتھ ملک ملک اور نگر نگر میری آنکھ مچولی ہوتی رہی' جس میں چند عارضی دھچکوں سے قطعِ نظر' ہمیشہ ہی میرے ستارے یاور رہے۔ حتیٰ کہ خود جی لائیڈ بھی میرے مقابلے میں آ کر ذلیل و خوار ہو کر' فرار ہونے پر مجبور ہو گیا۔ اور جب شی کی گن بوٹ کے اغوا سے لے کر' اُن کے گولہ بارود کے گودام کی ہولناک تباہی تک' زیرِ زمین دنیا میں میرے کارناموں کی دھوم مچی ہوئی تھی تو مدر مافیا والے' میری لاعلمی میں میرے پیچھے لگ گئے۔

ان کی کارکردگی اور وسائل کی نوعیت سے لاعلم ہونے کے باوجود' میں یہ جان چکا تھا کہ میری پاکستان واپسی سے مافیا والے نہ صرف پوری طرح باخبر تھے بلکہ انہوں نے مجھے' میرے خطرناک دشمنوں کے خلاف مسلح تحفظ بھی فراہم کیا اور آخر کار وہ مجھے ایسے مقام پر لے آئے جہاں میں نے ڈان تھری کے سامنے خود کو مافیا کے حوالے کر دیا۔

جب تک میں مافیا سے باہر کا آدمی تھا' وہ لوگ ہر وقت مجھ پر نگاہ رکھتے تھے لیکن ان سے وفاداری کا حلف اٹھانے کے بعد' جب میں بھی' مافیا کے مقامی بیورو چیف کے اقتدار میں شریک ہو گیا تو مجھے ہر نگرانی سے نجات مل گئی جس کے طفیل' میں آزادانہ نقل و حرکت کے قابل ہو گیا تھا۔

مافیا میں' مَیں نے بہت تیزی کے ساتھ اپنی ساکھ بنائی تھی جس میں میری کارکردگی کے ساتھ ہی ویرا کی حماقتوں کا بھی بہت دخل تھا۔ اسے جی لائیڈ نے مجھے رام کرنے یا نکیل ڈالنے کے لئے پاکستان بھیجا تھا اس لئے ویرا برتری کے دبدبے اور طنطنے کے ساتھ مجھے فتح کرنا چاہ رہی تھی۔ اسی زعم میں وہ میرے خلاف مسلح محاذ آرائی پر تل گئی' جس کے نتیجے میں نہ صرف اس کے متعدد حامی مارے گئے بلکہ وہ خود بھی شدید زخمی ہو گئی۔

میری وہ کارکردگی' مافیا والوں کے لئے قابلِ رشک تھی کیونکہ پاکستان کے آزاد قبائلی علاقوں کی فیکٹریوں سے اعلیٰ درجے کی ہیروئن کے حصول میں شی اور مافیا میں مسابقت تھی۔ شی اسے سستے داموں پاکستان میں پھیلانے کے پُراسرار مشن پر کام کر رہی تھی۔ جبکہ مافیا والے اس بیش قیمت سفوف کو ہزاروں گنا منافع پر یورپ اور امریکا کی حساس اور زرخیز منڈیوں میں اسمگل کر کے ڈالروں کے انبار کمانا چاہتے تھے۔

مفادات کے اس کھلے تصادم میں مافیا والے' پہلے مرحلے پر شی کے قدم اکھاڑنا چاہتے تھے تاکہ ان کے مقابلے میں' بہترین ہیروئن کا کوئی دوسرا خریدار پاکستانی منڈی میں باقی نہ رہے اور وہ اپنی شرائط پر ہیروئن بنوا اور خرید سکیں۔ اس وجہ سے' مافیا میں میری کارکردگی کو میری توقع سے زیادہ سراہا گیا۔ یہ میری کامیابی کی انتہا تھی کہ سیٹھ حبیب جیوانی کی مجبوراً روپوشی کے دوران میں مجھے مقامی مافیا کا قائم مقام چیف بنا دیا گیا۔

دوسری طرف' ویرا مجھ سے مصالحت بلکہ دوستی کر لینے کے بعد میری پس پردہ سرگرمیوں سے لاعلم تھی۔ اسے یہ جان کر یقیناً خوشی ہوئی ہو گی کہ مسز جیوانی نے میری پیش رفت کے نتیجے میں خودکشی کی تھی اور حبیب جیوانی کو وہ پاکستان میں اپنے باپ کے مفادات کا دوسرا بڑا دشمن تصور کرتی تھی۔

میری دو طرفہ کامیابیوں سے' اس وقت تک دونوں ہی فریق خوش تھے مگر میں جانتا تھا کہ وہ صورتِ حال زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ منظم عالمی جرائم کی بساط پر سیٹھ حبیب جیوانی اور ویرا لائیڈ' درمیانے درجے کے مہرے تھے۔ ان دونوں کے دل و دماغ کے آقا' جو اپنی عالمی سرگرمیوں اور مفادات پر گہری نظر رکھتے تھے' خوب سمجھ رہے تھے کہ میری ذات کی وجہ سے انہیں جنوب مشرقی ایشیا کی بہترین پیداواری منڈی میں نقصانات اٹھانے پڑ رہے تھے۔

ہیروئن کی عالمی تجارت میں سُپر ڈان اور جی لائیڈ دو' سب سے بڑے حریف تھے۔ وہ حالات کو پڑھ رہے تھے اور ہر ایک مجھے اپنی تحویل میں رکھنے پر تلا ہوا تھا۔ اس لئے وہ دونوں' میرے بارے میں اپنی اپنی معلومات کا فراخ دلانہ تبادلہ کئے بغیر مذاکرات کی میز پر' آمنے سامنے بیٹھنے کے لئے کوشاں تھے تاکہ وہاں' صورتِ حال کی نزاکت کے مطابق' اپنے اپنے کارڈ کھیل کر آخری فتح حاصل کر سکیں۔

میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ مرحلہ کیوں ملتوی ہوتا چلا جا رہا تھا لیکن ایک بات یقینی تھی کہ وہ مذاکرات جب بھی ہوتے' میری آزادی کے لئے مہلک ثابت ہوتے۔ میں بیک وقت دونوں فریقوں کو بے وقوف بنا کر' اُن کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی کارروائی جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔ مجھے ان دونوں عالمی تنظیموں میں سے کسی ایک کا پوری طرح وفادار ہونا پڑتا۔

مافیا یا شی میں سے کسی ایک کے قبضے میں چلے جانے کا مطلب میری انفرادی آزادیوں کا خاتمہ ہوتا جب کہ میں ملّا سرکار کے پھیلائے ہوئے فتنے کو جڑ سے ختم کرنے کے بعد غزالہ کے ساتھ امن و سکون کی گھریلو زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں کی ناآسودہ آرزوئیں اور زخمی خواہشات اب کسی دوسرے دلدار آغا کی متحمل نہیں ہو سکتی تھیں۔

شہر کے ٹریفک کے' بے پناہ سیلِ رواں میں پھنستے ہی میرے

خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ دفاتر میں کام کرنے والے ملازمین کا رش ختم ہوچکا تھا لیکن شہر کی سڑکیں، دیر سے نکلنے والے کاروباری افراد کے ہجوم سے بھری ہوئی تھیں۔ ہر طرف بھانت بھانت کی سواریوں کا ازدحام رواں تھا۔

میری گاڑی اس بے ہنگم ہجوم میں، رینگ رینگ کر، نیو چالی کے مصروف علاقے کی طرف بڑھتی رہی۔ اعصاب شکن اور سُست رفتار ڈرائیونگ کے بعد، میری گاڑی نیو چالی کے علاقے میں داخل ہوئی تو وہاں گاڑیوں، ٹرکوں اور ہاتھ گاڑیوں کا اتنا رش تھا کہ کار تو کجا، موٹر سائیکل کی پارکنگ کی بھی گنجائش نہیں تھی۔

میں نے حقانی چوک سے آئی آئی چندریگر روڈ پر ہوتے ہوئے دو مرتبہ نیو چالی کا چکر لگایا لیکن اس دوران میں کہیں بھی کار پارکنگ کی جگہ تلاش نہیں کرسکا۔

تیسری مرتبہ میں نے حبیب بینک پلازا کی عقبی سڑک کا رخ کیا اور وہاں ڈبل بلکہ ٹرپل پارکنگ کرانے والے پیشہ ور افراد سے بچتا ہوا، ایک پرائیویٹ پارکنگ لاٹ میں داخل ہوگیا۔ کسی پُر شکوہ عمارت کی تعمیر میں خالی پڑے ہوئے پلاٹ کا، اس مصروف ترین کاروباری ادارے میں، وہ بہترین مصرف تھا۔

نیو چالی کا چکر لگاتے ہوئے، وہ سالخوردہ سی دو منزلہ عمارت میری نظروں میں آچکی تھی جس پر قاسم برادرز کا بڑا سا بورڈ نصب تھا۔ عمارت ہی کی طرح، وہ بورڈ بھی بہت پرانا نظر آرہا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ نودولتیے نہیں تھے۔ فرم کے نام سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کاغذی طور پر، اس ادارے کے ایک سے زائد مالکان تھے جن میں قاسم، سب سے بڑا بھائی یا چند کاروباری لڑکوں کا باپ ہوسکتا تھا۔

میری رسٹ واچ میں اس وقت گیارہ بجنے میں تین منٹ باقی تھے اس لئے میں اپنے گردو پیش میں نظریں دوڑاتا ہوا، اس عمارت کی طرف بڑھا، اسی لمحے مجھے ویرا ایک پرائیویٹ ٹیکسی سے اترتی ہوئی نظر آئی۔ اپنے لباس اور وضع قطع سے، وہ اس وقت ایک باوقار افسر نظر آرہی تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ چرمی بیگ جھول رہا تھا۔

میں نے اپنی رفتار قدرے سست کرلی۔ اس اثنا میں ویرا بھی مجھے دیکھ چکی تھی اور پھر ہم دونوں ہی تقریباً ایک ساتھ زینوں میں داخل ہوئے۔ زینوں سے جب تک باہر کا منظر نظر آتا رہا ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے یکسر اجنبی بنے، لاتعلقانہ انداز میں پہلی لینڈنگ کی طرف بڑھتے رہے تاکہ کوئی ویرا کی نگرانی کررہا ہو تو اُسے یہ اندازہ نہ ہوسکے کہ میں اس کے ساتھیوں میں سے تھا۔

"تم تو پوری افسرانہ شان سے آئی ہو۔" میں نے اس کی آنکھوں پر موجود شفاف شیشوں اور سنہرے فریم سے منسلک، گلے میں جھولتی ہوئی سنہری زنجیر کا جائزہ لیتے ہوئے انگریزی میں کہا کیونکہ نئے ڈرامے میں اسے اردو زبان سے یکسر لاعلمی کا اظہار کرنا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میری بینائی ٹھیک ٹھاک ہے لیکن عینک سے بُردباری میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس لئے سادہ شیشوں والی یہ عینک پہن لی ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس عمارت کی زیریں منزل پر غالباً کوئی گودام تھا کیونکہ وہاں داخلے کا بڑا پھاٹک بند اور مقفل نظر آیا تھا۔ پہلی منزل پر زینے کا اختتام ایک وسیع ہال میں ہوا جسے لکڑی اور شیشے کے پارٹیشن لگا کر بہت سے چھوٹے، بڑے کیبنوں میں تقسیم کردیا گیا تھا۔ استقبالیہ والا حصہ مختصر لیکن صاف ستھرا تھا جہاں ایک سفید میز کے عقب میں ایک خوبرو لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ٹیلی فون ایکسچینج پڑا ہوا تھا اور وہ فون پر کسی سے بات کررہی تھی۔

اپنی گفتگو میں کوئی وقفہ دیے بغیر، اس لڑکی نے مسکراتے ہوئے، اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دے کر ویرا کا استقبال کیا۔ اس کی سفید چمڑی کو دیکھ کر، لڑکی نے مجھے بری طرح نظرانداز کردیا تھا۔

ہم لوگوں کو گوروں سے آزادی حاصل کئے ایک طویل مدت بیت چکی تھی۔ غلامی کے دور میں پروان چڑھنے اور پیدا ہونے والے افراد، اپنی عمر کے آخری حصے سے گزر رہے تھے اور نئی نسل آزادی کی فضا میں پلی بڑھی تھی لیکن مجھے یہ دیکھ کر، ہمیشہ دکھ ہوتا تھا کہ صرف انگریز ہی نہیں، بلکہ ہر گوری چمڑی والی مخلوق کے سامنے ہمارا اجتماعی رویّہ فدویانہ ہوتا تھا جس سے احساسِ کمتری کی ناگوار بو آتی تھی۔

"فرمایئے! میں آپ کی کیا خدمت کرسکتی ہوں؟" اپنی کال ختم کرکے، اس لڑکی نے انگریزی میں ویرا سے سوال کیا اور مجھے۔۔۔ اختیار، مشرقِ بعید سے مشرقِ وسطیٰ تک کی وہ ساری قومیں یاد آگئیں جو انگریزی سے آشنا ہونے کے باوجود، کسی بھی اجنبی کو اپنی زبان سے مخاطب کرنے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔

مشرقیوں کو تو خیر متعصب اور تنگ نظر کہا جاتا ہے، یورپ کے قلب، فرانس تک میں یہ عالم ہے کہ ہر فرنچ باشندہ، کسی بھی اجنبی کو پہلی بار فرنچ ہی میں مخاطب کرتا ہے اور جب تک اس کا مخاطب فرنچ سمجھنے سے اپنی معذوری کا اظہار نہ کرے، وہ کسی دوسری زبان کا سہارا لینا پسند نہیں کرتا لیکن پاکستانی قوم اپنے سابقہ آقاؤں کی زبان بولنے میں اس حد تک فخر محسوس کرتی ہے کہ علمیت اور ترقی پسندی کے اظہار کے لئے انگریزی بولنا ناگزیر بن کر رہ گیا ہے۔

"ہمیں قاسم صاحب سے ملنا ہے۔" میں نے اس لڑکی کو اپنے وجود کا احساس دلانے کے لئے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ ان کے ساتھ آئے ہیں؟" اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"میں ان کے ساتھ نہیں آیا، یہ میرے ساتھ آئی ہیں، میرا نام دلاور خان ہے اور میرا تعلق کسٹم انٹیلی جنس سے ہے۔" میرے لئے اس مرحلے پر، اس لڑکی کو مرعوب کرنا ضروری ہوگیا تھا۔

"اوہ!" وہ اضطراری طور پر اپنی کرسی سے اتر آئی۔ اس۔

بورڈ پر دو بٹن دبا کر اپنے "سر" کو میری آمد کی اطلاع دی اور پھر ہمیں فوراً ہی اندر جانے کی اجازت مل گئی۔
قالین سے آراستہ راہداری میں' چوبی کیبنوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ہم دونوں ایک کمرے کے قریب پہنچے تو ایک اُدھیڑ عمر اور خوش پوش شخص نے خود ہی دروازہ کھول کر ہمارا استقبال کیا۔
میرے سامنے اسے میرا نام بتایا گیا تھا لیکن ویرا کو دیکھتے ہی اس نے گڈ مارننگ کہا اور مجھ سے ہاتھ ملانے کے بعد ویرا کے گمبھیر چہرے کی طرف دیکھتے ہی اندر مڑ گیا۔
"کہئے دلاور صاحب' آپ نے کیسے زحمت کی؟" اس نے اپنی نشست سنبھال کر انگریزی میں کہا "آپ چائے پینا پسند کریں گے یا کافی لیں گے.... آپ نے ان خاتون کا تعارف نہیں کرایا.... مجھے قاسم علی کہتے ہیں۔"
"یہ مسز لیزلی فلہام ہیں۔ امریکی کسٹم ڈپارٹمنٹ کی سینئر آفیسر ہیں۔" میں نے ویرا کا تعارف کراتے ہوئے قاسم کے چہرے پر خوف کی زردی آکر گزرتے ہوئے دیکھی۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ویرا کے ساتھ رسمی فقروں کا تبادلہ کیا اور گھنٹی بجا کر' آفس بوائے کو چائے لانے کی ہدایت کر دی۔
"مسٹر قاسم! آپ امریکا سے کافی بزنس کرتے ہیں۔" ویرا نے چرمی بیگ میں سے چند فائلیں اور فرسودہ کاغذات کا ایک پلندہ نکالتے ہوئے خشک کاروباری لہجے میں کہا "اور اگر ہماری معلومات درست ہیں تو آپ کا یہ تمام کاروبار' بظاہر چار امریکی کمپنیوں سے ہے لیکن اصل میں یہ سب جان ملر ہی کے مختلف کاغذی روپ ہیں۔"
ویرا کا پہلا وار ہی براہِ راست اور کاری ثابت ہوا۔ قاسم کی آنکھیں حیرت اور پھر خوف سے پھیلتی چلی گئیں۔ اس بار اُس کے چہرے پر دوڑنے والی زردی' وہیں جم کر رہ گئی تھی۔ ویرا اُس کی طرف متوجہ نہیں تھی بلکہ بات کرتے ہوئے بھی وہ ان کاغذات کو سنبھالنے میں مصروف رہی تھی جو وہ نجانے کہاں سے اٹھا لائی تھی۔
مجھے پورا یقین تھا کہ وہ سب ہیری کیسنجر کی طرف سے نہیں آیا ہوگا کیونکہ اس نے صرف چند اہم کاغذات کی نقول فراہم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔
"یہ.... یہ میرے لئے.... اے.... ایک نئی اطلاع ہے۔" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔
"یقیناً ایسا نہیں ہے۔" ویرا نے عینک کے شفاف شیشوں کے عقب سے' اسے گھورتے ہوئے' سرد لہجے میں کہا۔ "جان ملر کے ساتھ تمہاری ذاتی خط و کتابت میں ایسا مواد موجود ہے جس کی بنا پر تمہیں اس حقیقت سے بے خبر نہیں سمجھا جا سکتا۔"
"اگر یہ بات درست بھی ہو تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟" اس بار قاسم نے بے بسی سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں بھی اگر ایک آدمی چاہے تو دس کمپنیاں کھول سکتا ہے۔ اس میں کوئی جرم نہیں ہے اور اگر جان ملر کوئی خلافِ قانون حرکت کر بھی رہا تھا تو یہ اس کا اور امریکی حکام کا معاملہ ہے۔ اس سے میرا کیا تعلق ہے؟"
"تمہارا تعلق نہ ہوتا تو مسز لیزلی فلہام کو تحقیقات کے لئے یہاں نہ آنا پڑتا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "تمہارے بارے میں ہم نے بھی خاصی چھان بین کی ہے۔ مسز لیزلی فلہام کے فارغ ہونے کے بعد ہم اپنے کھاتے کھولیں گے۔" میں نے انگریزی زبان کا استعمال جاری رکھا تاکہ ویرا کی اردو دانی کا راز نہ کھل سکے۔
"جان ملر سب سے پہلے انکم ٹیکس چوری کرنے کے الزام میں گرفت میں آیا تھا۔" ویرا نے پوری طرح قاسم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "ریکارڈ کی جانچ پڑتال سے ثابت ہوا کہ تم اس کے سب سے بڑے گاہک ہو اور وہ تمہیں بہت سی ممنوعہ اور غیر ممنوعہ دھاتیں دس سے ستر گنا کم داموں پر ایکسپورٹ کرتا رہا ہے۔ اس انڈر انوائسنگ پر تم یہاں خطیر درآمدی ڈیوٹی بچا کر بے اندازہ منافع کما رہے تھے اور مالیت کے فرق کی رقم جان ملر کو اپنے کالے دھن سے ادا کرتے تھے جس کا تمہارے خطوط میں ذکر ہوتا تھا لیکن جان ملر نے ان بھاری رقوم کی وصولیابی اپنے کھاتوں میں نہیں دکھائی تھی۔ یہ معاملہ میرے محکمے کے پاس اس وقت آیا جب یہ بات سامنے آئی کہ تم اور جان ملر غلط بیانی کے ذریعے ممنوعہ اشیا کی درآمد برآمد کا کام بھی کر رہے تھے۔"
"ڈیوٹی کی یہ چوری کروڑوں سے بھی متجاوز ہے۔" ویرا کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی میں نے لقمہ دیا۔
"آہستہ' آہستہ بولو!" وہ ہاتھ اٹھا کر' اضطراری لہجے میں بولا۔ مصیبت کے ان کٹھن لمحات میں اُس نے اردو ہی کا سہارا لیا تھا۔
"یہ کیا کہہ رہا ہے؟" ویرا نے معصومیت سے مجھ سے سوال کیا۔
"آہستہ بولنے کی التجا کر رہا ہے۔" میں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے آگاہ کیا۔
اسی وقت آفس بوائے چائے کی ٹرے لے آیا۔ جتنی دیر وہ چائے لگاتا رہا' ہم تینوں خاموش رہے۔
"میرے دفتر میں کوئی نہیں آئے گا۔" آفس بوائے کے فارغ ہونے پر قاسم نے اسے ہدایت دی۔ "شاہدہ کو کہہ دو کہ جب تک میرے پاس مہمان بیٹھے ہیں' میں فون بھی نہیں سنوں گا۔"
"میں نے بلیک میں کوئی ڈیل نہیں کی۔" قدرے توقف کے بعد قاسم کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔ "جان ملر' اگر گھپلے کر رہا تھا تو وہ اس کا فعل تھا۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے انڈر انوائسنگ یا مس ڈکلریشن کا کوئی جرم نہیں کیا۔ یہ میرے ساتھ زیادتی ہے۔"
"تم نے جرم کیا یا نہیں' یہ دیکھنا مقامی حکّام کا کام ہے۔" ویرا نے رکھائی سے کہا۔ "امریکی کسٹم کو جان ملر کے جرائم کے

خلاف ثبوت اور شواہد درکار ہیں۔ تمہاری نئی کھیپ جو ابھی کھلے سمندر میں ہے، میری نگرانی میں جہاز سے اترے گی۔ اس کی تجزیاتی رپورٹ کی روشنی میں میرا کام خاصا آسان ہو جائے گا۔"

قاسم کے حلق سے ایک خفیف سی کراہ برآمد ہوئی اور وہ بے اختیار اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹکتا چلا گیا۔

ہیری کیسنجر نے ویرا کو قاسم کی کمزوریوں سے اتنی اچھی طرح آگاہ کیا ہوا تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں اس کی ساری مدافعت دم توڑ گئی۔ اس کا چہرہ پسینوں میں ڈوب گیا اور وہ رحم طلب انداز میں گڑگڑانے پر اتر آیا۔

"میں تباہ ہو جاؤں گا۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر اردو میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ "میں تم دونوں کو مُنہ مانگی رقم دینے کے لئے تیار ہوں۔ یہاں لے لو، سوئٹزرلینڈ میں لے لو، جہاں اور جس کرنسی میں چاہو، میں رقم کا بندوبست کردوں گا لیکن مجھے اس چکر سے بچالو ورنہ یہ جان طرح مجھے لے ڈوبے گا۔"

"ممنوعہ اشیا اور دھاتیں تم کس لئے منگواتے ہو؟" میں نے اس خیال سے سوال کیا کہ کہیں وہ دفاعی اور ایٹمی مقاصد کے لئے در پردہ حکومت کی مدد نہ کر رہا ہو اور اسی وجہ سے ہیری کیسنجر نے اسے تاک کر نشانہ بنایا ہو تاکہ اس طرح ایک تیر سے دو شکار کھیل سکے جس میں جیت اُسی کی ہونی تھی۔

"وہ سب کھلی مارکیٹ کے آئٹم ہیں۔ جب اور جتنا مال چاہو، منگوالو اور مُنہ مانگے داموں پر نقد بیچ دو۔" اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس بزنس میں یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا۔"

"تم لوگ کس زبان میں اور کیا باتیں کر رہے ہو؟" ویرا نے خشک لہجے میں ہمیں ٹوکا۔

"یہ اردو میں سودے بازی کی پیشکش کر رہا تھا۔" میں نے ویرا کو بتایا۔ میرے انکشاف پر ویرا کا ابتدائی ردِعمل دیکھتے ہی، قاسم کا چہرہ یکلخت دھواں ہو گیا۔

"یہ کس کا سودا کرنا چاہ رہا ہے؟ میرا؟ تمہارا؟ یا اپنا؟" ویرا نے آنکھیں نکال کر درشت لہجے میں سوال کیا۔ "اور تم ایک ذمے دار افسر ہوتے ہوئے بھی یہ ہتک آمیز پیشکش سن رہے تھے۔"

"یہاں یہ سب چلتا رہتا ہے۔" میں نے نرمی سے کہا "پیسے کے غیر سرکاری لین دین کو کوئی اپنی ہتک نہیں سمجھتا، ہر علاقے کے رسوم و رواج الگ الگ ہوتے ہیں۔ تم برا سمجھتی ہو تو فرض کرلو کہ تم نے میری بات سنی ہی نہیں تھی۔"

"اس معاملے سے اپنا نام نکالنے کے لئے تم زیادہ سے زیادہ کتنی رشوت دے سکتے ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"کئی لاکھ..." قاسم نے ویرا کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے، ڈرتے ڈرتے کہا "پانچ چھ... آ... آٹھ... بلکہ دس لاکھ روپے تک بھی دے سکتا ہوں۔"

"دس لاکھ۔" ویرا حقارت سے ہنس پڑی۔ "دس لاکھ روپے کے بجائے ڈالر کہا ہوتا تو میں سوچ بھی سکتی تھی۔"

"نہیں۔" اس نے بے ساختہ احتجاج کیا۔ "اتنا تو میں نے خود بھی نہیں کمایا ہے۔"

"تم جھوٹے ہو۔" ویرا نے برجستہ کہا "کروڑوں تو تم نے ڈیوٹی اور دوسرے سرکاری محاصل کی مد میں بچالئے ہوں گے۔ نفع اس کے علاوہ ہے۔ کمانا اور پھر بھی ہر وقت روتے رہنا، تم جیسے لوگوں کا محبوب ترین مشغلہ ہوتا ہے۔"

"ایک ملین ڈالر کی رقم تو میں مر کر بھی نہیں دے سکتا۔" وہ رو دینے والی آواز میں بولا۔

"اسمگلنگ بھی کرتے ہو؟" ویرا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔" اس نے اپنے دونوں کانوں کو چھو کر کہا۔ "درآمد کے کاروبار میں دال روٹی مل جاتی ہے تو ایسے غلط کاموں میں ہاتھ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تمہاری گلو خلاصی کی بس ایک ہی صورت ہے۔" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "میں امریکا سے یہاں آئی ہوں تو کچھ کیس بنا کر واپس لوٹوں گی تاکہ اپنے محکمے میں سرخ رُو ہو سکوں یا پھر دو چار ملین ڈالر بنا کر جاؤں گی۔ یہ بتاؤ کہ تم ان میں سے کس صورت میں میری مدد کر سکتے ہو؟"

چند ثانیوں پہلے تک ویرا، اسے کھانے کو دوڑ رہی تھی اور وہ اس کے سامنے بولنے سے بھی ہچکچا رہا تھا یا ویرا اس سے، اُس کی ممکنہ مدد کے بارے میں رائے طلب کر رہی تھی۔ چند لمحوں کی اس تبدیلی نے قاسم کو بھونچکا کر دیا اور وہ مُنہ پھاڑ کر، حیرت اور بے یقینی کے عالم میں ویرا کا چہرہ تکنے لگا۔ "میں ہر مدد کے لئے تیار ہوں۔"

"میرے پاس تمہارے علاوہ، ایک کیس اور بھی ہے۔" ویرا نے اطمینان کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ "وہ تجارت کے ساتھ ہی اسمگلنگ بھی کرتا ہے۔ چند روز میں اُس کی ایک بڑی کھیپ باہر سے آنے والی ہے جو وہ میرے حوالے کرنے پر آمادہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ لانچ سے مال کو بحفاظت اتارنا، گوداموں میں لے جانا اور پھر ٹھکانے لگانا میرے ذمے ہوگا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ میں یہ بندوبست کرلوں تو ایک ہی ہلے میں کئی ملین ڈالر کمالوں گی۔"

"مال کیا ہے؟" قاسم نے اشتیاق اور تجسس کے ساتھ سوال کیا۔ اپنے سر سے مصیبت ٹلنے کی موہوم سی امید نے ہی اس کی پوری ذات پر بہت خوشگوار اثرات مرتب کئے تھے۔

"مال سے تمہیں کیا لینا؟ وہ میرا اور اگلی پارٹی کا معاملہ ہے۔" ویرا نے ترش روئی سے کہا۔

"میں بس ہیروئن سے بہت ڈرتا ہوں۔" وہ سہمی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں بولا۔

"تم بالکل ڈفر ہو۔" اس وقت تک ویرا، قاسم پر بری طرح حاوی ہو چکی تھی۔ "ہیروئن لانچوں میں بھر کر لائی جاتی ہے؟ گوداموں میں ذخیرہ کی جاتی ہے۔ یہ جنس تو بریف کیس اور تھوڑا

کی حدود میں رہ کر ہی وارے کے نیارے کر دیتی ہے۔ ویسے تم ہیروئن سے کیوں ڈرتے ہو؟ یہ تو تمہاری مقامی پیداوار ہے۔"

قاسم پہلی بار بے ڈھنگے پن سے ہنسا اور بولا "مجھے جان ملر نے بتایا تھا کہ پاکستان میں 'مقامی حکام کی لاعلمی میں' امریکی صدر کی شی نامی ایک بااختیار ایجنسی' ہیروئن کے انسداد کے لئے کام کر رہی ہے جو پاکستان کے آزاد قبائلی علاقوں میں پیدا ہونے والی ہیروئن کو پاکستان ہی میں کھپانے کے مشن پر کام کر رہی ہے۔ جو شخص بھی ہیروئن کی درآمد یا برآمد میں دلچسپی لیتا ہے' اسے شی والے نہایت بے رحمی کے ساتھ ذبح کر ڈالتے ہیں۔"

"ہیروئن کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رحم حد تک ناکافی ہیں۔" ویرا نے کہا "اول تو ہیروئن پیدا نہیں ہوتی بلکہ افیون سے کیمیاوی طریقے سے کشید کی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ اس کی درآمد ہوتی ہے نہ برآمد بلکہ اسمگلنگ ہوتی ہے جس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

قاسم کی زبان سے بالکل صحیح سیاق و سباق میں شی کا ذکر سن کر میں ششدر رہ گیا تھا۔ ہمارے ملک میں جو تنظیم ایک پُراسرار راز بنی ہوئی تھی' اپنی جنم بھومی میں وہ اتنی معروف تھی کہ جان ملر جیسا ایک بے ایمان تاجر بھی اس کے بارے میں بنیادی حقائق سے پوری طرح آگاہ تھا۔

"اگر اس کھیپ میں ہیروئن نہیں ہے تو پھر میں تمہیں اپنے پورے تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔ مال کی چوری چھپے' نقل و حرکت میں میرے آدمی بہت ماہر ہیں۔ پوری لانچ میرے کسی گودام میں سما جائے گی اور پھر تم جہاں چاہو گی' مال وہیں پہنچا دیا جائے گا۔ کسی کو کانوں کان بھی اس معاملے کی خبر نہیں ہو سکے گی۔"

"اس طرح تم اپنی کھال اور پوری رقم بچانے میں کامیاب ہو سکتے ہو۔" ویرا پہلی بار مسکرائی۔

"دس لاکھ روپے کی رقم پھر بھی تمہاری ہو گی۔" قاسم نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "لانچ والے مال کی ہینڈلنگ کے اخراجات اور دس لاکھ کی رقم کو میرا حقیر نذرانہ سمجھ لینا۔"

"چلو' وہ دس لاکھ دلاور خان کے کام آ جائیں گے۔" ویرا نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تم ہیروئن سے تو اس قدر ڈر رہے ہو' اگر اس لانچ میں ہتھیاروں اور گولہ بارود سے بھری ہوئی پیٹیاں آئیں تو کیا کرو گے؟" میں نے اس کی نیت اور عزائم کا اندازہ لگانے کے لئے سوال کیا۔

"گولہ بارود' بم اور راکٹ سے میں نہیں ڈرتا۔" ویرا سے مصالحت کی راہ پا کر اس کا حوصلہ بحال ہو گیا تھا "تم چاہو تو میں ایٹم بم بھی چھپانے اور ٹھکانے لگانے کا بندوبست کر سکتا ہوں لیکن ہیروئن سے ہزاروں میل دور بھاگتا ہوں۔ اول تو اس کام میں کھلی تباہی ہے۔ ہیروئن کے چکر میں پکڑے جانے والے کو ہر شخص نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ پھر شی والے ہیں۔ نادانستگی میں ان کے مقاصد سے کوئی ٹکراؤ ہو گیا تو سمجھ لو کہ گردن ہی کاٹ ڈالی جائے گی۔"

"تو کیا ہتھیاروں وغیرہ کی اسمگلنگ کرنے والے کو لوگ ملک اور سماج دشمن نہیں سمجھتے؟"

"ہتھیار وغیرہ چوروں' ڈاکوؤں اور قاتلوں کے لئے بھی اسمگل ہوتے ہیں اور ملک کی سرحدوں کی نگہبانی کرنے والوں کے لئے بھی لائے جا سکتے ہیں۔ ایسے معاملات کو آسانی کے ساتھ اپنے مفاد میں توڑا مروڑا جا سکتا ہے۔ اس سے آدمی کی عزت پر حرف نہیں آتا۔ اب یہی دیکھ لو کہ ہالینڈ کی عدالت سے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوئے' ان پر مقدمہ بھی چلایا گیا لیکن پاکستان میں ان کی عزت و احترام میں ذرا بھی فرق نہیں آیا کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ ملکی اور قومی مفاد میں تھا۔ اگر میں اپنے مالی اور سماجی وسائل کو حرکت میں لا کر لوگوں کو یہ باور کرا سکوں کہ میں ملک کی سلامتی اور بہتری کے لئے ہتھیار اسمگل کرا رہا ہوں تو یہ قوم مجھے سر آنکھوں پر بٹھائے گی۔"

"دوسری طرف' تم شی کے بارے میں اس طرح بات کر رہے ہو جیسے وہ سی آئی اے کی طرح کوئی مشہور امریکی ادارہ ہو' جب کہ میں نے یہ نام ہی پہلی بار سنا ہے۔ تم اس سے' اس قدر خوف زدہ کیوں ہو؟"

"تم ایک ذمے دار سرکاری افسر ہو اس لئے زیرِ زمین دنیا کے ان رازوں سے بے خبر ہو۔ ورنہ جو لوگ بھی امریکا کی زیرِ زمین دنیا سے روابط رکھتے ہیں' اچھی طرح جانتے ہیں کہ شی کیسی ہزار پا بلا ہے۔ ان لوگوں کی باخبری کا یہ عالم ہے کہ ارادوں تک کو پڑھ لیتے ہیں دو برس پہلے میرا ایک دوست صرف اس لئے مار ڈالا گیا کہ وہ پاکستان سے امریکا کے لئے ہیروئن اسمگل کرنے کے امکانات پر کام کر رہا تھا۔ شی والے جانتے ہیں کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں تیار کی جانے والی ہیروئن کی پہلی پسندیدہ منڈی امریکا ہوتی ہے جہاں اس کے سب سے زیادہ دام ملتے ہیں۔ وہاں داؤ نہ لگ سکے تو یہ ہیروئن کہیں اور کھپائی جاتی ہے جب کہ شی والے صدرِ امریکا کے حکم پر ہیروئن کے انسداد کے لئے کوشاں ہیں۔"

اس نے ایک بار پھر ویرا سے مال کی نوعیت کے بارے میں پوچھا لیکن ویرا نے اسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ جو کچھ بھی ہو مگر اس میں ہیروئن نہیں ہو گی جس سے وہ خوف زدہ تھا۔

وہ مُصر تھا کہ ہم دونوں دوپہر کا کھانا اسی کے ساتھ کھائیں لیکن اس کے ساتھ اتنی راہ و رسم بڑھانا ہمارے پروگرام میں نہیں تھا اس لئے ہم نے اسے کسی اور موقع کے لئے ٹال دیا۔

قاسم برادرز ایک شراکتی کمپنی تھی۔ اس کا چھوٹا بھائی ہاشم امریکا ہی میں رہتا تھا جب کہ کمپنی کے مقامی معاملات قاسم بلا شرکتِ غیرے چلاتا تھا۔

"ہم جا رہے ہیں۔ فی الحال تمہارا معاملہ التوا میں رکھا جائے گا۔" ویرا نے چلنے سے پہلے تادیبی لہجے میں اسے آگاہ کیا "مناسب

وقت پر میں لانچ کے بارے میں تم سے رجوع کروں گی۔ اس دوران میں اگر تم نے سفارش یا دباؤ کا کوئی حربہ آزمانے کی کوشش کی تو یہ یاد رکھنا کہ تم مکمل تباہی سے نہیں بچ سکو گے اور نہ ہی تم جان ملر سے کوئی رابطہ کرو گے۔"

"تم نے سب کچھ میری سہولت کے مطابق مان لیا ہے۔ تم یقین رکھو کہ میں بالکل خاموش رہوں گا مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ میرے خلاف تمہارے پاس کتنا خطرناک مواد ہے۔" اس نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

"اس دوران میں تم ملک ہی میں رہو گے۔" میں نے ایک اور امکان کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا "ہمارے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تم جہاں بھی جاؤ گے ہماری گرفت سے نہیں نکل سکو گے....."

"میں کوئی ننگ نتنگ آدمی نہیں ہوں جس کی کوئی شناخت اور حیثیت نہیں ہوتی۔" اس نے میری بات کاٹ کر احتجاجی لہجے میں کہا "یہاں میرے کروڑوں کے اثاثے اور جائیدادیں ہیں' بال بچے اور رشتے دار ہیں۔ میں یہاں سے بھاگنے کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتا۔ ایسے کام بے نام اور بے حیثیت لوگ کرتے ہیں جو زندگی بھر گمنام ہی رہتے ہیں۔"

"تم چاہو تو نکل جاؤ' میں اس سے کچھ ذاتی گفتگو کر کے جاؤں گا۔" میں نے باہر موجود کسی نگراں کے خدشے کے پیش نظر ویرا کو اشارہ دیا لیکن وہ بھی اوّل درجے کی کائیاں تھی۔ ہم دونوں کی الگ الگ روانگی کو قاسم کے کسی شبے سے بالاتر رکھنے کے لئے اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ فوراً ہی ایک اعتراض کر دیا۔

"تمہاری رقم کا معاملہ طے ہو چکا ہے' اس میں اضافہ تو نہیں کرانا چاہتے؟"

"دیکھو' یہ تمہاری نیت پر شبہ کر رہی ہے۔ گورے' ہم تمام رنگ دار لوگوں کو پیدائشی بے ایمان سمجھتے ہیں۔" قاسم نے موقع پاتے ہی میری ہمدردی جیتنے کے لئے اردو میں کہا۔

"تم فکر نہ کرو' میں ان سے اپنا حساب کرنا خوب جانتا ہوں۔" میں نے بھی اردو ہی میں کہا۔

"میری موجودگی میں تم دونوں انگریزی میں بات کرو تو زیادہ بہتر ہوگا۔" ویرا نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں بتا رہا تھا کہ اب رقم میں کوئی اضافہ کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہوگا" قاسم ہی نے ویرا کے اعتراض کا جواب دیا تھا۔

"میری ایسی کوئی نیت نہیں ہے۔ میں اپنے حصے کی کچھ رقم پیشگی لینا چاہتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "لانچ تو دو چار روز میں جب آئے گی سو آئے گی' نقد رقم کا معاملہ پکا ہو جانا چاہئے۔"

"مسز لیزلی فلہام کو اعتراض نہ ہو تو میں ایک ڈیڑھ لاکھ روپے کا بندوبست کر سکتا ہوں۔"

"نقد رقم دلا رہی کی ہے اور تمہیں اسی کو ادا کرنی ہے۔" ویرا نے کہا "میرا تمام تر مفاد لانچ کے مال سے وابستہ ہوگا۔"

"مجھے لانچ کی آمد سے کم از کم دو دن پہلے اطلاع ملنی چاہئے؟" قاسم چونک کر بولا "تاکہ میں کارگو ہینڈلنگ کا بندوبست کرا سکوں۔ مجھے ساحل کے محفوظ علاقے کی نشان دہی بھی کرنی ہوگی۔"

"یہ اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا۔ ویسے مجھے مشورہ دیا گیا ہے کہ اسمگلنگ کا مال اتارنے کے لئے آج کل سونمیانی کا علاقہ بہت محفوظ ہے۔ وہاں سے سڑک کے راستے مال لانے میں بس ایک چوکی سے معاملہ طے کرنا ہوتا ہے۔" ویرا بولی۔

"میں دیکھ لوں گا۔" قاسم نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دیتے ہوئے کہا اور ویرا اپنے کاغذات سمیٹ کر چرمی بیگ میں رکھنے لگی۔ اسی وقت ایک فائل پر میری نظر پڑی اور میں یہ دیکھ کر دل ہی دل میں ہنس دیا کہ وہ گرینڈ ہوٹل کی روزمرہ خریداریوں کی ایک پرانی فائل تھی جو ویرا نے غالباً اپنے ہوٹل کے کسی کباڑ خانے سے اڑائی ہوگی۔

قاسم نے ویرا کو بہت تپاک کے ساتھ رخصت کیا۔ اس نے ویرا کو اپنی گاڑی میں بھیجنے کی پیشکش بھی کی لیکن ویرا نے اپنی مصلحتوں کی بنا پر وہ پیشکش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

"میں بھی زیادہ دیر تک انتظار نہیں کر سکوں گا۔" قاسم ویرا کو الوداع کہہ کر واپس آیا تو میں نے اپنی بات شروع کر دی "ڈیڑھ لا لاکھ آج دے دو' باقی رقم پرسوں تک مل جانی چاہئے۔"

"پرسوں تک تو مشکل ہے۔" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا "ب ساری رقم مجھے کھاتوں سے باہر ہی سے دینی ہوگی اس کے لئے مجھے ایک ہفتے کی مہلت درکار ہوگی۔ تم مجھے اپنے دفتر کا پتا دے دو' م رقم خود ہی وہاں پہنچا دوں گا۔"

"میں دفتر میں ایسے لین دین نہیں کرتا۔" میں نے بے رخ سے کہا "وقت کا معاملہ اس لئے اہم ہے کہ مالیاتی معاملات فائلوں کے بارے میں اوپر سے احکام آئے ہوئے ہیں۔ ہم دس د سے زیادہ مدت تک فائل اپنے پاس روکنے کے مجاز نہیں ہیں۔ دن تحقیقات اور ریکارڈ کی جانچ پڑتال میں گزر گئے۔ مجھے دو تین میں مسز فلہام کی رپورٹ پر تمہارا کیس فائل کرنا ہے۔ مجھے قیمت پر اس سے پہلے پوری رقم مل جانی چاہئے۔ میں رشوت ادھار کا قائل نہیں ہوں۔"

"تم پرسوں صبح فون کر لینا۔" اس نے اپنا کارڈ دیتے ہوئے "میں رقم کا بندوبست کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔"

چند منٹ بعد قاسم کا آدمی ہزار ہزار اور پانچ سو روپے کے نوٹوں ایک ایک گڈی لے آیا۔ میں نے وہ دونوں گڈیاں اپنی جیبوں ڈالیں اور قاسم سے ہاتھ ملا کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

اس پورے معاملے میں دلچسپ ترین بات یہ تھی کہ قا میرے یا ویرا کے شناختی کاغذات دیکھے بغیر یہ یقین کر لیا تھا دونوں اپنے اپنے اداروں کے مجاز نمائندے تھے۔ میرے با میں تو وہ پھر بھی کسٹم انٹیلیجنس کے دفتر سے رجوع کر سکتا تھا ویرا کے ٹھکانے کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ ا

میں چور تھا اس لئے ویرا کی زبان سے جان ملر کا ذکر سنتے ہی اس
پوری کہانی کی صداقت پر یقین کرلیا تھا جس کے لئے بنیادی
ادہیری کیسنجر نے فراہم کیا تھا اور جزئیات ویرا کے زرخیز ذہن
ادار تھیں۔ غنیمت یہ تھا کہ ویرا نے قاسم کو جان ملر سے بھی
بطہ کرنے سے منع کردیا تھا ورنہ ٹیلکس اور فون کے ذریعہ قاسم کو
ن ملر سے بہت سی باتیں معلوم ہوسکتی تھیں جو ویرا کا منصوبہ تباہ
ردیتیں۔

لیکن پھر بھی ایک مثبت پہلو باقی تھا۔ جان ملر کی فراہم کی ہوئی
لومات کو ویرا یہ کہہ کر بہ آسانی رد کرسکتی تھی کہ اس کے خلاف
نے والی تفتیش اس وقت تک خفیہ رکھی گئی تھی اس لئے خود
ن ملر کو علم نہیں ہوسکا تھا کہ امریکا کے اہم مالیاتی اداروں میں
ں کے خلاف کیا کھچڑی پک رہی تھی۔

میرے نزدیک قاسم کے معاملے کی بہت زیادہ اہمیت نہیں
ی۔ ہماری اس تک رسائی ہیری کیسنجر کی ہدایات کی تعمیل میں
لمن ہوئی تھی لیکن ہیری ہتھیاروں کی جو کھیپ قاسم کے گودام میں
نیو کرانا چاہتا تھا اس کے پاکستان پہنچنے کے امکانات یکسر معدوم
تھے۔ یہ تمام بندوبست ہوجانے کے بعد اگر جمی لائیڈ کے ذریعے وہ
نچ دبئی سے روانہ کرادی جاتی تو ہیری اس کے کوائف سے ویرا
کو آگاہ کرتا تاکہ وہ قاسم اور اس کے آدمیوں کو تیار کرسکے۔ لیکن
س کی نوبت آنے سے پہلے ہی میں ساری تفصیلات اول خان تک
پہنچا دیتا اور ہتھیاروں سے بھری ہوئی وہ لانچ کھلے سمندر میں پکڑلی
جاتی یا غرق کردی جاتی۔ اس طرح اس پورے اسکینڈل میں عملاً
قاسم کا کوئی رول نہیں تھا بجز اس امر کے کہ اُس نے دھوکس میں
آکر ڈیڑھ لاکھ روپے میرے حوالے کردیے تھے اور اگلے دو روز
میں مزید ساڑھے آٹھ لاکھ روپے ادا کرنے کا پابند ہوگیا تھا۔

اس پوری تگ ودَو کا نچوڑ یہ تھا کہ بات صرف اندرونِ سندھ
میں پھیلے ہوئے ڈاکوؤں کی نہیں رہی تھی کیونکہ ان کی پشت پر بھی
غلام رسول جیسے منافق سیاست کار کام کررہے تھے لیکن ان کے
علاوہ بھی سیاست اور تجارت پر جو لوگ چھائے ہوئے تھے، چند
مستثنیات کو چھوڑ کر، وہ سب ہی ڈاکو اور لیٹرے بنے ہوئے تھے۔ ہر
کوئی پیسے کی دوڑ میں لگا ہوا تھا اور مختصر ترین مدت میں بڑے بڑے
خزانے بٹور لینا چاہتا تھا۔ ان لوگوں نے اس لوٹ مار میں ایسی
ہولناک آپا دھاپی مچائی ہوئی تھی جیسے لوٹ کا یہ میلہ چند دنوں بعد
ختم ہونے والا ہو اور جس کسی نے اپنا حصہ جھپٹ لینے میں سستی
یا کاہلی دکھائی تو وہ زندگی بھر محرومیوں کی آگ ہی میں جلتا رہے گا۔
اس خوف ناک اور غیر صحت مند مسابقت نے پورے معاشرے
کے تاروپود کو بکھیر کر رکھ دیا تھا اور یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے
کسی جنگل میں درندے راج کررہے ہوں اور چھوٹے جانور کونے
کھدروں میں دبکے، اپنی باری کے منتظر ہوں کہ کب کوئی درندہ ان
پر جھپٹ کر ان کے نرخروں کو چیر پھاڑ دیتا ہے۔
ایسے ماحول میں سلامتی سے گزرتا ہوا ہر لمحہ غنیمت معلوم

ہونے لگتا ہے لوگ اپنے حقوق و فرائض کو بھول جاتے ہیں اور
جب بھی کسی کو قزاق یا قزاقِ اجل دبوچ لیتا ہے تو مظلوم فریاد
کرنے کے بجائے اسے مقدر کا لکھا سمجھ کر یوں ہی تسلیم کرلیتے
ہیں۔

یہ سب حالات اکیلے ملاّ سرکار کے پیدا کئے ہوئے نہیں تھے۔
قاسم کو تجارتی کھیلوں کی راہ کسی غیر ملکی ایجنٹ نے نہیں دکھائی تھی۔
مقامی طور پر اندر ہی اندر گند گھل رہا تھا اور اس سے وہ کھاد وجود
میں آرہی تھی جو ہر قسم کے سماجی، معاشی اور معاشرتی جرائم کے
لئے زرخیز ثابت ہوتی ہے۔

میں ان ہی خیالات میں ڈوبا ہوا جہانگیر کے گھر کی طرف جارہا
تھا کہ اچانک ایک ویران سڑک پر مجھے چونکنا پڑا کیونکہ ایک موٹر
سائیکل کے انجن کا شور یکساں طور پر میرے کانوں میں کئی منٹ سے
گونج رہا تھا۔ میں نے نشست پر اپنی پوزیشن قدرے بدل کر بائیں
طرف کے عقب نما آئینے میں دیکھا کہ ایک موٹر سائیکل میری کار
کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ اس موٹر سائیکل پر دو منحنی سے نو عمر لڑکے
سوار تھے۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پاتے ہی ڈرائیو کرنے والے نے
خطرناک زاویے سے سڑک پر موٹر سائیکل لہرائی اور پلک جھپکتے میں
داہنی طرف میرے برابر میں آگیا۔

میری چھٹی حس خطرے کا اعلان کرچکی تھی پھر میں نے موٹر
سائیکل پر پیچھے بیٹھے ہوئے لڑکے کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کی
جھلک بھی دیکھ لی۔ پیچھے والے لڑکے نے وہ پستول اپنے پیٹ اور
اپنے ساتھی کی کمر کے درمیان میں چھپایا ہوا تھا۔ اس کی نال میری

طرف اٹھی ہوئی تھی اور دونوں لڑکوں کے چہروں پر دحشت ناک اضطراب چھایا ہوا تھا۔

"گاڑی کنارے سے لگا کر روک لو ورنہ گولی ماردوں گا۔" پیچھے والے لڑکے نے ہذیانی انداز میں مجھے حکم دیا۔

اس وقت میں بالکل غیر مسلح تھا۔ مسلح ہوتا تو بھی میں اس اچانک واردات کا توڑ کرنے پر قادر نہیں تھا۔ لڑکوں کی خوف زدہ گھبراہٹ اور دہشت آمیز مستعدی سے میں نے بھانپ لیا تھا کہ وہ دونوں بری طرح بھڑکے ہوئے تھے اور اپنی ہدایات کے انحراف کے جرم میں مجھے گولی مارنے کے لئے بالکل تیار تھے۔

انہیں مجھ پر ایک پستول اور اس کے بھرے ہوئے میگزین کی برتری حاصل تھی لیکن جسمانی طور پر وہ دونوں میرے ایک ایک تھپڑ کے بھی متحمل نہیں ہوسکتے تھے اس لئے کسی بہتر موقع کی امید پر میں نے اپنی کار سڑک کے کنارے روک دی۔ موٹر سائیکل میری کار کے آگے یوں آرکی کہ اسے کچلے بغیر آگے بڑھنا میرے لئے ناممکن تھا۔

میرے آس پاس سے ہلکا پھلکا ٹریفک گزر رہا تھا لیکن وہ سب اتنی سبک رفتاری کے ساتھ ہوا کہ کسی بھی گزرنے والے کو وہاں کسی واردات کے وقوع پزیر ہونے کا شبہ تک نہیں ہوسکا۔

ابتدائی ذہنی جھٹکے سے سنبھلنے کے بعد میں انہیں روند کر آگے بڑھنے یا اپنی کار کو نہایت تیزی کے ساتھ پیچھے لے جانے کے بارے میں پوری طرح سوچ بھی نہیں پایا تھا کہ پستول بردار لڑکا اپنے داہنے ہاتھ کو جیکٹ میں چھپائے حیرت ناک سرعت کے ساتھ پسنجر سیٹ کے دروازے پر پہنچا' دروازہ لاک تھا۔ اس نے مجھے اتنی بھی مہلت دیے بغیر کہ میں بٹن اوپر کرکے لاک کھول سکتا... پستول کا آہنی دستہ مار کر شیشہ توڑا' لاک کھولا اور دروازہ کھول کر سیٹ پر پڑی ہوئی شیشے کی کرچوں کی پروا کئے بغیر میرے برابر میں براجمان ہوگیا۔ اس پوری کارروائی میں وہ اس قدر مستعد اور پھرتیلا ثابت ہوا تھا کہ مجھے اس پر ہاتھ ڈالنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا۔

"گاڑی چلاؤ۔" وہ پستول کی نال ڈیش بورڈ پر مار کر دحشت زدہ حیوانی لہجے میں غرایا۔

موٹر سائیکل آہستگی کے ساتھ حرکت میں آچکی تھی۔ ناچار میں نے بھی گاڑی آگے بڑھادی۔

"بیٹے! تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے کن انکھیوں سے سترہ اٹھارہ برس کے اس ناتواں چھوکرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"بکومت!" اس نے بھڑک کر پستول کی نال میری کھوپڑی کی طرف گھمادی "جیبوں میں جو کچھ ہے' نکال کر پائیدان میں ڈالو اور کار سے اتر جاؤ ورنہ ابھی تڑپتے ہوئے نظر آؤ گے۔"

اس کے حکم میں ایک سقم تھا۔ مجھے چلتی کار سے اترنا تھا یا کار روک کر اترنا تھا؟ اس کے اعصاب کی اضطراری اور خوف زدہ کیفیت دیکھتے ہوئے میں اس سے کوئی سوال کرنے کی جرات نہیں کر سکا اور ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر دوسرے ہاتھ [سے] اپنی جیبیں خالی کرنے لگا۔ اس کے حکم کے بارے میں میں ا[...] ایک نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔

اس اثنا میں موٹر سائیکل ایک بار پھر میری کار کے پیچھے لگ [چکی] تھی اور مجھے پورا یقین تھا کہ موٹر سائیکل والا بھی اپنے ساتھی [کی] طرح غیر مسلح نہیں تھا۔

ہزار اور پانچ سو روپے کے نوٹوں کی گڈیاں دیکھتے ہی پس[تول] بردار لڑکے کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک عود کر آئی اور اس [نے] دونوں گڈیاں میرے ہاتھوں سے براہِ راست جھپٹ لیں۔

"بس گاڑی روکو اور دفع ہوجاؤ۔" میری جیبیں خالی کرانے کے بعد وہ قہر آلود پھٹی پھٹی آواز میں غرایا۔

میں نے کار کو بریک لگادیئے کار رکتے ہی میں نے دروازہ کھ[ولا] لیکن پستول بردار لڑکا اتنی بری طرح گھبرایا ہوا تھا کہ اس نے [خوف] زدہ انداز میں مجھے باہر دھکیل کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

میرے دونوں قدم زمین پر پوری طرح جمنے سے قبل [وہ] میری گاڑی لے کر ہوا ہوگیا۔ موٹر سائیکل کسی جونک کی طرح [اس] کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں آیا کہ میں [دن] دہاڑے ڈکیتی کا شکار ہوچکا تھا۔

اخبارات میں ایسے واقعات بہت معمولی' سرسری اور [مخت]صر سے نظر آتے ہیں لیکن زندگی اور موت کے درمیان معلق چند لمحات یا گھڑیوں کا مزہ وہی جان سکتا ہے جو کبھی ایسے مرحلے [سے] گزر چکا ہو۔

پیچھے سے آنے والی ایک دو گاڑیوں والوں نے شاید مجھے کار سے باہر دھکیلے جانے کا منظر دیکھ لیا تھا اس لئے انہوں [نے] میرے قریب اپنی گاڑیوں کی رفتار بہت کم کرکے میری خی[ریت] دریافت کی اور میں نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر انہیں [رخصت] کردیا۔ وہ لڑکے جس تیز رفتاری کے ساتھ فرار ہوئے تھے اس [کے] پیش نظر مجھے ان کے تعاقب میں کامیابی کی کوئی امید نظر [نہیں] آرہی تھی۔

اپنی اس درگت پر مجھے دل ہی دل میں غصے کے ساتھ ہنسی آرہی تھی۔ میں نے قاسم کو لوٹا تھا' ان دونوں لڑکوں نے مجھے [لوٹ] لیا۔ ہم میں سے بڑا ڈاکو کون تھا؟ اس کا فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا۔ ویسے بھی وہ قاسم کی رقم کہاں تھی؟ قاسم تو خود دونوں ہاتھوں سے حکومت کو لوٹ رہا تھا۔ اس وقت لوٹ کا وہ سرمایہ مال[...] بود بجائے حرام رفت کی عملی تفسیر بن گیا تھا۔

مروجہ قانون کی نظروں میں' میں خود ایک مجرم تھا۔ [میرے] جرائم کی فہرست بہت لمبی تھی جس سے صرف اسپیشل ٹاسک ف[ورس] والے ہی صرفِ نظر کرسکتے تھے اس لئے میں پولیس تھانے [...] کے بکھیڑوں میں الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ ڈیڑھ لاکھ روپے کی رقم ملازمت پیشہ افسر کے لئے خطیر ہوتو ہو' میرے لئے ہتھیلی کے [میل] سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی۔ رہی جہانگیر کی سیاہ شیراز[ی]

ا یقین تھا کہ قوم کے وہ دونوں ہونہار سپوت زیادہ دیر تک اس
ول کو اپنے گلے میں لٹکائے نہیں پھریں گے۔ کسی بھی محفوظ مقام
پہنچتے ہی پہلی فرصت میں اس سے اپنا پیچھا چھڑالیں گے۔ انہیں
مہم جوئی کے نتیجے میں ڈیڑھ لاکھ کی جو رقم مل گئی تھی اس کے
چھینی ہوئی کار میں گھومتے رہنے میں ان کے لئے کوئی لطف نہیں
تھا۔

تھوڑی سی چہل قدمی اور انتظار کے بعد میں نے ایک ٹیکسی
ڑی اور اسی علاقے کی گلیوں کی خاک چھاننی شروع کردی۔ ٹیکسی
ائیور کے لئے میری ہدایات ناقابل فہم تھیں لیکن میں نے اسے
نہیں بتایا تھا کہ میں ان سنسان گلیوں میں اپنی چھینی ہوئی کار
اش کرنے میں کوشاں تھا۔ ڈرائیور سیدھا سادہ اور مخلص سا
دی نظر آرہا تھا۔ اسے اصل واقعہ کی بھنک بھی مل جاتی تو وہ مجھے
الفور پولیس اسٹیشن کا رخ کرنے کا مشورہ دیتا۔ اس کا مشورہ
ول نہ کرنے کی صورت میں میں خود کو اس کی نگاہوں میں مشکوک
لیتا۔ غنیمت یہ ہوا کہ تقریباً دس منٹ بعد ہی میری کوشش بار
ور ثابت ہوئی اور جہانگیر کی سیاہ شیراڈ کار مجھے ایک سایہ دار
رخت کے نیچے کھڑی ہوئی نظر آگئی۔

شیراڈ کے پاس ٹیکسی روکتے ہی ڈرائیور چونکا تھا۔ جب اسے
را قصہ معلوم ہوا تو وہ میرے اطمینان اور طریقۂ کار پر حیران رہ
گیا۔ اسے زیادہ حیرانی اس بات کی تھی کہ کار کی بازیابی کے لئے
را پرسکون طریقۂ کار پوری طرح کامیاب ثابت ہوا تھا۔ شیراڈ کی
ابی پائیدان میں پڑی ہوئی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کرکے میں
نے شیراڈ اسٹارٹ کی اور گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ غنیمت یہ تھا کہ
مجھے لوٹنے والے ڈاکو نے ڈیڑھ لاکھ کے نوٹ دیکھنے کے بعد میری
جامہ تلاشی لینے پر اصرار نہیں کیا تھا ورنہ میری اندرونی جیب میں
چند سو روپے بھی باقی نہ بچتے جن سے میں نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا
تھا۔

اس ناگہانی افتاد میں میرا خاصا وقت برباد ہوگیا۔ میں گھر پہنچا تو
دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ جہانگیر اپنی فیکٹری جاچکا تھا اور غزالہ گھر
اکیلی تھی۔ اس سے پتا چلا کہ کچھ دیر پہلے سلطان شاہ میری تلاش
میں وہاں پہنچا تھا اور تھوڑی دیر تک انتظار کرنے کے بعد بازار کی
طرف چلا گیا تھا۔

غزالہ بھی میرے انتظار میں بھوکی بیٹھی ہوئی تھی اس لئے ہم
دونوں فوراً لنچ میں مصروف ہوگئے۔

ہم دونوں کھانے سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ سلطان شاہ
واپس لوٹ آیا۔

"گاڑی کہاں مار آئے؟" اس نے آتے ہی حیرت کے ساتھ
سوال کیا تھا "کھڑکی کا شیشہ چکنا چور ہوگیا لیکن باڈی پر خراش تک
نہیں آئی۔" وہ شیراڈ کا پوری طرح جائزہ لے کر اندر آیا تھا۔

غزالہ اس انکشاف پر بوکھلا گئی اور مجھ سے شکوہ کرنے لگی کہ
میں نے آتے ہی اسے کیوں نہیں بتایا تھا۔ ان دونوں کے اصرار پر

مجھے ڈکیتی کا وہ قصہ سنانا ہی پڑا جس میں میرے لئے خفت اور
شرمندگی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"میں ابھی صدقہ دوں گی۔" غزالہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے
کہا "آج خدا نے بڑا رحم کیا ہے۔ خوف یا گھبراہٹ میں اس لڑکے
سے گولی چل ہی جاتی تو کیا ہوتا؟"

"اب تو یہ باتیں تمہیں بھی زیب نہیں دیتیں۔" میں نے ہنستے
ہوئے کہا "ہم دونوں کے علاوہ تم بھی بڑے بڑے خطرات سے گزر
چکی ہو۔"

"وہ خطرات اہمیت نہیں رکھتے' ان کے ذریعے ہم اپنی روزی
کماتے رہے ہیں۔" سلطان شاہ نے کہا "سوچنے کی بات یہ ہے کہ
ایک دھان پان سے کم عمر لڑکے نے ڈپٹی صاحب کی جیبیں خالی
کرالیں اور یہ اس کا بال بھی بیکا نہ کرسکے۔"

وہ دونوں اسی موضوع پر کھینچا تانی میں اپنا دل خوش کرتے
رہے۔ کھانے سے فارغ ہوکر میں نے سلطان شاہ سے اس کی آمد کا
مدعا دریافت کیا تو اس نے ایک دلچسپ کہانی چھیڑ دی۔

اس کے بیان کے مطابق گرینڈ ہوٹل میں ویرا کی نگرانی نہیں
کی جارہی تھی۔ اسی طرح قاسم برادرز تک جانے اور وہاں سے
واپسی کے سفر میں بھی اس کا پیچھا نہیں کیا گیا جب کہ سلطان شاہ
مناسب فاصلے سے اس کے پیچھے لگا رہا تھا۔ ہوٹل آنے کے بعد ویرا
نے ہیری کیسنجر کو فون کرکے پہلی ہی کوشش میں کام بن جانے کی
خوش خبری سنائی تو ہیری نے اسے فوری طور پر اپنے دفتر میں طلب
کرلیا۔ ویرا چلی گئی تو سلطان شاہ اپنے کمرے میں ستانے کی نیت
سے لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کسی کام سے باہر نکلا تو اس نے ویرا
کے کمرے سے ایک ادھیڑ عمر مقامی جوڑے کو برآمد ہوتے دیکھا اور
اس کی کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔

اس نے بالا بالا معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ ویرا کا رقعہ
لے کر ایک شخص ہوٹل کے منیجر کے پاس آیا تھا۔ منیجر کے مطالبے پر
اس نے اپنی شناخت ہیری کے دفتر کے آدمی کے طور پر کرائی اور
ہوٹل کا حساب بے باق کرنے کے بعد ویرا کا سامان لے کر چلا گیا۔
وہ کمرا خالی ہوتے ہی ایک ادھیڑ عمر مقامی جوڑے کو دے دیا گیا۔

"اور تم یہ اہم خبر دبائے بیٹھے تھے!" میں نے غصیلے لہجے میں
اسے لتاڑا۔

"تھوڑی بہت دیر سویر سے کوئی فرق نہیں پڑا۔" اس نے
اطمینان سے کہا "تمہیں پندرہ منٹ پہلے یہ بات معلوم ہوجاتی تو تم

کیا کر سکتے تھے؟ میرا تو خیال ہے کہ اب ویرا ہمارے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔"

"اسے دھوکا دے کر کاؤنسلیٹ بلایا گیا ہے اور اب شاید وہ اپنی مرضی سے وہاں سے نہیں نکل سکے گی۔" غزالہ بولی۔

"بس یہی ایک امکان میری نظروں سے اوجھل تھا اور میں اسی میں مار کھا گیا" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"تمہاری دانست میں ہیری کی اس حرکت کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟" سلطان شاہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"لانچ سے ہتھیاروں کی بحفاظت آمد کا مسئلہ طے ہوتے ہی ویرا کو یوں یرغمال بنا لئے جانے سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ ہیری کو ویرا پر سو فیصد اعتماد نہیں ہے اور اب وہ کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہے۔"

"میں اب بھی پوری بات نہیں سمجھ سکا۔" سلطان شاہ کی آنکھوں سے الجھن مترشح تھی۔

"قاسم کے ذریعے ہتھیاروں کو کراچی میں رکھنے کا انتظام ویرا کے ذمے ہے اس لئے اس کا یہاں موجود رہنا ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہیری نے سیٹلائٹ فون پر ویرا کی جمی لائیڈ سے گفتگو کرائی ہو گی تاکہ جمی لائیڈ ویرا سے گرین سگنل ملنے پر ہتھیاروں سے لدی ہوئی لانچ کو دوبئی سے کراچی کے لئے روانہ کرا سکے۔ اس ضمن میں جمی لائیڈ ویرا کو لانچ کے نام، شناخت اور آمد کے متوقع دن سے بھی آگاہ کرے گا تاکہ ویرا مال سنبھالنے کا بندوبست کر سکے۔ آرنیٹ کے زخمی ہو جانے کے بعد ہیری ان معلومات کو سختی سے صیغۂ راز میں رکھنا چاہتا ہے اسی لئے ویرا کو کاؤنسلیٹ میں روک لیا گیا ہے تاکہ وہ لانچ کے بارے میں ملنے والی معلومات کسی اور کو نہ پہنچا سکے۔ جب تک سارے ہتھیار طے شدہ لوگوں تک نہیں پہنچ جاتے، ویرا کی گلو خلاصی مشکل نظر آتی ہے۔"

"پھر تو یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ لانچ دوبئی سے ہی آ رہی ہو۔ اگر وہ لوگ اس حساس معاملے میں اتنی رازداری سے کام لے رہے ہیں تو ویرا کو مغالطے میں رکھنے کے لئے دوبئی کا نام لے دیا گیا ہو گا تاکہ یہ بات کسی کے علم میں آ بھی جائے تو وہ ہتھیاروں سے لدی ہوئی لانچ کی تلاش میں دوبئی میں جھک مارتا رہے اور وہ لانچ اپنی خفیہ بندرگاہ سے خاموشی سے چل پڑے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

میں اس کے خیال سے سو فیصد متفق تھا۔ ابتدا میں آرنیٹ نے ویرا سے خلیج کی ایک بندرگاہ کا ذکر کیا تھا۔ بعد میں دوبئی کا نام سامنے آیا جو حریفوں کو گمراہ کرنے کی چال ہی ہو سکتی تھی۔

"اسے وہاں یرغمالی بنا لیا گیا تو وہ مشکل میں پڑ جائے گی۔" غزالہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"دیکھا جائے تو اسے بے خبری میں گھیرا گیا ہے۔ اس سے بڑی مشکل اور کیا ہو گی؟"

"میں چپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ انہوں نے چپ ویرا کے جسم کے ایک پرانے زخم میں نصب کیا تھا لیکن اب وہ ... کے پاس یا لباس میں سے برآمد ہو گا۔ اسی سے اس کی بدنیتی پکڑی جائے گی۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ وہ ... باضابطہ قیدی نہیں ہی بلکہ اسے حفظِ ماتقدم کے طور پر وہاں لایا گیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ ویرا کو خود اس کی سلامتی کے لئے وہاں رکنے کا مشورہ دیا جائے۔ صورتِ حال جو کچھ بھی ہو، ویرا کے ساتھ زبردستی یا تشدد کی نوبت نہیں آئے گی کیونکہ ہیری کو ابھی اس سے کام لینا ہے۔"

"ویرا کے پس منظر میں چلے جانے سے ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔" سلطان شاہ نے اپنی رائے ظاہر کی۔ "ہتھیار لانے والی لانچ کے بارے میں ہمارے فرشتوں کو بھی کچھ علم نہیں ہو سکے گا......"

"تم نے قاسم سے ڈیڑھ لاکھ روپے ہتھیانے اور پھر ڈاکوؤں کو سونپ دینے کی کہانی تو سن لی لیکن اس پر غور کرنے کی زحمت نہیں کی۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے ترش لہجے میں کہا "یہ ہی ہوا کہ میں مقامی کسٹم آفیسر کے طور پر ویرا کے ساتھ قاسم سے ملنے چلا گیا۔ ابھی تک قاسم میرے لئے ایک عضوِ معطل بنا ہوا ... لیکن اب وہی ہمارے کام آئے گا۔ ہیری کیسے بے خبر اس بات سے ... خبر ہے کہ میں بھی ویرا کے ساتھ قاسم سے ملا تھا۔ ٹرکوں ... آدمیوں وغیرہ کا بندوبست کرنے کے لئے ویرا اسے دو روز پہلے ... کا نام، مال کا وزن اور لنگر انداز ہونے کی جگہ بتائے گی جو میں ... سے اگلوا لوں گا۔"

"اور اگر ہیری نے قاسم کو بھی ویرا کی طرح اپنی حفا... تحویل میں لے لیا تو کیا ہو گا؟؟"

"ناممکن!" میں نے اس کا اندیشہ سختی سے مسترد کر دیا۔ "... کام پیغام رسانی اور اوپری دیکھ بھال تک محدود ہے اس لئے ... کی نقل و حرکت پر پابندی لگانا ناممکن ہے۔ قاسم کو فیلڈ میں ... کرنا ہو گا۔ اسے خاصی بھاگ دوڑ کرنی پڑے گی، اسے ویرا کی ... قیدی نہیں بنایا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ ہیری اس کی نگرانی کرا دے گا اور بس!"

"اور مجھے یہ پوری ہی کہانی بودی نظر آ رہی ہے۔" غزا... دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "جمی لائیڈ ویرا کو لانچ کا نا... بتانے لگا؟ وزن، پیٹیوں کی تعداد اور لنگر انداز ہونے کا مقام ... ہو جائے تو سارا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔ لانچ کا نام وہ بالکل ... مرحلے پر ظاہر کریں گے جب حالات پر ان کا پورا کنٹرول ہو گا۔"

"یہ بات قاسم کی حد تک تو درست ہے کیونکہ وہ باہر ... ہے۔" میں نے کہا "لیکن ویرا اور جمی لائیڈ کا معاملہ مختلف ... نہ صرف جمی لائیڈ کی بیٹی ہے بلکہ اس کی حالیہ ناقص کارکر... باوجود وہ اپنی بیٹی پر اعتماد کرتا ہے۔ یہ بات ہیری کے علم میں ... اسی لئے اس نے ویرا کا سامان اپنے آدمی سے منگوایا؟"

لائیڈ سے بات ہونے تک ویرا کو اپنے خلاف ہونے والی سازش کی بھنک نہ مل سکے۔ بصورتِ دیگر وہ اپنے باپ سے ہیری کی شکایت کرکے حالات بگاڑ سکتی ہے۔"

"اب ہماری معلومات کا واحد ذریعہ قاسم رہ جائے گا۔ اس لئے ہمیں آخری لمحات تک لانچ کا نام معلوم نہیں ہو سکے گا۔" غزالہ نے میری دلیل تسلیم کرتے ہوئے کہا "اس کی وجہ سے اسپیشل ٹاسک فورس والے کھلے سمندر میں لانچ کو پکڑنے یا غرق کرنے کے منصوبے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکیں گے۔"

"یہ ان کی صوابدید پر منحصر ہوگا۔" میں نے بے بسی سے کہا۔ "وہ چاہیں تو کھلے سمندر میں پاکستان آنے والے ہر روٹ پر لانچوں کو چیک کرکے مطلوبہ لانچ کو پکڑ سکتے ہیں۔"

"اول تو غیر قانونی لانچیں طے شدہ سمندری راستوں سے دور رہ کر سفر کرتی ہیں پھر پچھلے چند برسوں میں دوبئی سے لانچوں وغیرہ کے ذریعے سامان کی نقل و حمل اتنی بڑھ چکی ہے کہ ان راستوں پر ہر وقت بیس پچیس لانچیں محوِ سفر رہتی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک لانچ کو ڈھونڈ نکالنا آسان نہیں ہوگا۔" سلطان شاہ نے اس اہم موضوع پر اپنی آخری رائے کا اظہار ناگزیر سمجھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا اور میں اندر ہی اندر کباب ہو کر رہ گیا۔

"ہمیں کچھ فیصلے دوسروں کے لئے بھی چھوڑ دینے چاہئیں۔" میں نے بھنّا کر کہا "ایس ٹی ایف کی اہلیت اور کارکردگی کے بارے میں اول خان اور اس کے افسران ہم سے بہت زیادہ جانتے ہیں۔"

"پھر اب میرے لئے کیا حکم ہے؟" سلطان شاہ نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد سوال کیا۔

"اگلی ہدایات ملنے تک تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔" میں نے اسے خوش خبری سنائی۔

"میرا مطلب تھا کہ ویرا کے چلے جانے کے بعد میں گرینڈ ہوٹل میں رہ کر کیا کروں گا؟"

"پھر ہوٹل چھوڑ کر یہیں آجاؤ۔ دن میں غزالہ یہاں پڑے پڑے بور ہو جاتی ہے، تم اس کے ساتھ رہو گے تو اس کا دل بہلا رہے گا۔ تم لوگ ایک ساتھ باہر بھی جا سکو گے۔"

"میرا خیال تھا کہ میں شرف آباد والے فلیٹ میں چلا جاتا۔" اس نے کہا "وہ فلیٹ آرنیٹ اور اس کے آدمیوں کی نظروں میں ضرور آیا ہوا ہے لیکن ویرا کو اپنے پاس روک لینے کے بعد وہ ادھر توجہ نہیں دیں گے۔"

"تمہاری تجویز معقول ہے۔ اس فلیٹ کو بھی آباد رہنا چاہئے لیکن وہاں ایک خطرہ ہر وقت برقرار رہے گا۔ آج کل حبیب جیوانی میری دشمنی پر تلا ہوا ہے کیونکہ میں مافیا میں اس کی قیادت کے لئے خطرہ بنا ہوا ہوں۔ وہ فلیٹ اس کے آدمیوں کی نظروں میں بھی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میرے دھوکے میں تم مارے جاؤ۔"

"کیوں نہ میں بھی وہیں منتقل ہو جاؤں؟" غزالہ نے پوچھا۔ "وسکی لاہور گئی ہوئی ہے۔ میری وجہ سے جہانگیر کی بے لگام آزادیوں میں خلل پڑتا ہے۔ وہ بے چارہ بہت محتاط رہتا ہے لیکن اس کی بعض حرکتوں پر مجھے گھٹن ہونے لگتی ہے۔"

غزالہ کا اعتراض بہت وزنی تھا۔ وہ چند روز تو جیسے تیسے گزر ہی گئے تھے لیکن مجھے جہانگیر کی طرف سے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا۔ گھر میں اسے روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں رہا تھا اور وہ ذہنی پراگندگی کے عالم میں حلق تک وسکی پینے کی عادتِ بد میں مبتلا تھا۔ ایسے لمحات میں وہ ہوش و حواس سے بے گانہ ہو کر اچھے برے کی تمیز تک کھو دیتا تھا۔

"تم شیراڈ لے جاؤ، اس کی کھڑکی کا شیشہ بدلوا لینا۔ ہوٹل سے واپسی پر غزالہ کو بھی اپنے ساتھ فلیٹ لے جانا۔ وہاں شیراڈ تم دونوں کے استعمال میں رہے گی۔"

سیٹھ حبیب جیوانی کے لئے میں ملتان میں صاحبِ فراش تھا۔ اس سے ہونے والی آخری گفتگو میں، میں نے اسے واپس لوٹ آنے کی پیشکش کی تھی تاکہ اس کی بیوی کی تلاش میں اس کی مدد کرسکوں۔ مسز جیوانی مر چکی تھی اس لئے میرا خیال تھا کہ مجھے ملتان سے لوٹ آنا چاہئے۔ اس بار مافیا والوں کے سامنے آکر، میں فلیٹ کا رخ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا کیونکہ جب تک جمی لائیڈ اور سپرڈان والی پہیلی اپنے منطقی انجام تک نہ پہنچ جاتی، میں ٹمی اور مافیا میں سے کسی پر بھی اعتماد نہ کرسکتا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی اپنے بڑے فائدے کے لئے میری گردن کٹوا سکتا تھا۔

ایک طرف وہ سارے بکھیڑے تھے اور دوسری طرف اکیس ستمبر کی تاریخ، کسی تیز دھار تلوار کی طرح ہمارے سروں پر لٹک رہی تھی۔ یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ کمانڈر اپنے مسلح جتھوں کے ساتھ گدرا کے مقام پر کمین گاہ بنائے اکیس ستمبر کا منتظر تھا اور دوسری طرف ایک بڑی طاقت کے مقامی کاؤنسلیٹ کی طرف سے ہتھیاروں کی اسمگلنگ کی مہم یک بیک زور پکڑ گئی تھی۔

اس قلیل سی مہلت میں سے ایک دن گزر چکا تھا اور دوسرا گزر رہا تھا۔ صرف اگلے دو دن باقی رہ گئے تھے۔ اس کے بعد کمانڈر کسی بھی لمحے اپنی کارروائی شروع کر سکتا تھا۔ اول خان نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ کمانڈر کے خلاف کوئی فیصلہ ہوتے ہی وہ مجھے خبر دے گا۔ دن گزرا جا رہا تھا لیکن اس کی کال کا کوئی پتا نہیں تھا اس لئے میں نے سلطان شاہ کے جاتے ہی ویرا کے متروک گھر کا نمبر ملایا جہاں اول خان نے اپنا یونٹ بٹھایا ہوا تھا لیکن اول خان وہاں موجود نہیں تھا۔ اس کے آدمی اس کی کہیں اور موجودگی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتاتے تھے۔ اس لئے میں نے مجبوراً اس کے گھر کا نمبر ملایا اور خوش قسمتی سے اول خان وہاں موجود تھا۔

"ابھی میں تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا۔" میری آواز سنتے ہی وہ خوشی سے بولا۔

"اور میں پریشان ہو رہا تھا کہ تمہاری طرف سے اب تک کوئی پیغام کیوں نہیں ملا؟"

"ایسے معاملات میں وقت لگتا ہے۔" اس نے مجھے سمجھایا

چاہا "دشمن کی پوزیشن' نفری اور حربی استعداد کا اندازہ لگائے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ دفاع کے مقابلے میں حملہ ہمیشہ زیادہ مہنگا اور خطرناک ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ جس مورچے کا دفاع صرف دس جوان کررہے ہوں اسے فتح کرنے کے لئے روایتی طور پر چالیس سے زیادہ جوان درکار ہوتے ہیں۔ گدرا کی صحیح پوزیشن سامنے آئے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا....."

"لیکن اکیس تاریخ سر پر چلی آرہی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔" اس کی بزرگانہ آواز ابھری "یہ معاملہ اب جن لوگوں کے پاس ہے وہ تم سے کم محبِ وطن اور قوم پرست نہیں ہیں۔ ہماری پُرسکون راتوں کے لئے یہ لوگ صحراؤں' پہاڑوں' دریاؤں اور فضاؤں میں دن رات نگہبانی کرتے ہیں۔ اگر تم اس مشن پر چلنا چاہتے ہو تو نو بجے نرسری پر مل جاؤ۔"

"میں آجاؤں گا لیکن مجھے کچھ تو بتاؤ کہ کیا ہورہا ہے؟" میں نے اپنے وجود میں سنسنی کی لہریں محسوس کرتے ہوئے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا "ابھی وقت درکار تھا اور اب مجھے نو بجے بلا رہے ہو۔"

"بہت اونچی پرواز کرنے والے جاسوس طیاروں نے حیران کن معلومات فراہم کی ہیں۔ گدرا صحرائی چٹانوں میں ایک نہایت غیر اہم پاکٹ ہے جہاں دونوں طرف سے آج تک کوئی گولی نہیں چلائی گئی کیونکہ یہاں سیکنڈ لائن آف ڈیفنس کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ان لوگوں نے اپنی حدود میں کئی میل کے رقبے میں کم از کم دو ڈھائی سو بڑے ٹرک چھپائے ہوئے ہیں۔ یہ چٹانوں کی اوٹ میں ہیں یا کیمو فلاج کردیے گئے ہیں۔ ان ٹرکوں کے علاوہ ہلکے اور درمیانی اسلحے سے لیس دو ڈھائی سو لڑاکا فوجی ہیں۔ کنوائے کا عملہ اس کے علاوہ ہے۔ کئی ٹرکوں پر بڑی توپوں کے دہانے بھی دیکھے گئے ہیں۔ خبر رسانی کی یہ کارروائی انھیں ہوشیار کئے بغیر کی جانی تھی اس لئے کچھ وقت لگ گیا۔ سرحدوں پر ہمارے یونٹوں کی نقل و حرکت شروع ہوچکی ہے۔ ان کے گرد خاموشی سے گھیرا ڈالا جارہا ہے۔ ان کی بدقسمتی یہ ہے کہ ان کے سارے درمیانی اور بھاری ہتھیار حالتِ جنگ میں نہیں ہیں بلکہ اندرون سندھ پہنچائے جانے کے لئے ٹرکوں پر لدے ہوئے ہیں اور ہمارا ہر ہتھیار دشمن پر آتش و آہن کا جہنم برسانے کے لئے تیار ہے۔ پیٹرول انجن والی واٹر کولڈ گاڑیاں بھی اپنی کم آواز کی وجہ سے حرکت میں لائی جاچکی ہیں۔ اب اس مختصر سی مدت میں تم اس سے زیادہ کس کارروائی کی توقع کرسکتے ہو؟"

"شاندار!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "میں ان سب باتوں سے بے خبر تھا۔ یہی میرے اضطراب کی وجہ تھی لیکن یہ تو بتاؤ کہ کمانڈر کے جتھوں کے خلاف زمینی کارروائی ہوگی یا فضائی؟"

"یہ اب خالص جنگی معاملہ ہے اور میں ان تفصیلات سے بالکل لاعلم ہوں۔ مجھے ایک ماتحت کے ساتھ بطور مبصر اس مشن میں شرکت کی اجازت دی گئی ہے۔ اس میں میرا کوئی عملی رول نہیں ہوگا۔ ماتحت کے طور پر ابتدا ہی سے میں نے تمہارا نام اپنے ذہن میں رکھا ہوا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ بہت مہلک اور برق رفتار کارروائی ہوگی۔"

"ان لوگوں کو' ان کی سرزمین پر تباہ و برباد کرکے ہم کسی الجھن میں نہیں پڑجائیں گے؟"

"تم بھی خاصا فوجی اور سیاسی ذہن رکھتے ہو۔" خفیف سی ہنسی کے ساتھ اول خان کی آواز ابھری "اس الجھن کے حل کے لئے ایس ٹی ایف کا ایک کمانڈو یونٹ مستعار دیا گیا ہے۔ ہماری تیاریاں مکمل ہونے پر یہ کمانڈو' باغی ڈاکوؤں کے روپ میں کمانڈر کے آدمیوں سے ملّا سرکار کے پیغام بر کے طور پر ملیں گے اور اندرون سندھ کے حالات کی بھیانک تصویر کشی کرکے کمانڈو کو فوری پیش قدمی کی دعوت دیں گے......"

"تو کیا کمانڈر اس جھانسے میں آکر اپنی ہائی کمان کے فیصلوں سے انحراف کرگزرے گا؟"

"اسے مجبور کیا جائے گا۔" اول خان کی ذو معنی آواز ابھری "کمانڈو گروپ اسے بتائے گا کہ انتظامیہ نے اندرونِ سندھ میں پوری طاقت سے ملٹری آپریشن شروع کردیا ہے۔ اگر وہ سرحد پر بیٹھا اکیس ستمبر کا انتظار کرتا رہا تو اس دوران میں انتظامیہ باغیوں اور ڈاکوؤں کی کمر توڑ کر انہیں تہس نہس کردے گی اور جب وہ اکیس ستمبر کو سرحد عبور کرے گا تو اسے میل ہا میل تک اپنا ایک بھی مددگار نظر نہیں آئے گا بلکہ ہوسکتا ہے کہ انتظامیہ پوری قوت کے ساتھ اس کی راہ میں حائل ہو کر پورے منصوبے کو ہی ناکام بنادے۔ اس مضبوط کہانی کی بنیاد پر کمانڈر کو اپنے ہیڈ کوارٹرز سے فوری طور پر خود فیصلہ کرنے کا اختیار مل جائے گا اور وہ ہمارے پھیلائے ہوئے جال کی طرف چل پڑے گا۔ جب اس کی پوری مشینی اور پیدل نفری بین الاقوامی سرحد عبور کرکے ہماری سرزمین پر آجائے گی تو اس کے دونوں پہلوؤں سے ہمارے سریع الحرکت دستے بڑھ کر ان کی واپسی کا راستہ کاٹ دیں گے یوں ان کا عبرت ناک انجام ہماری سرزمین پر ہوگا۔"

"تمہارے کمانڈو ان کے ساتھ ہوں گے۔ ان کی جانیں بھی خطرے میں پڑجائیں گی۔"

"ہم خطرات سے کھیل کر ہی جلا پاتے ہیں۔" اول خان کی آواز پُرعزم تھی "حق کی راہ میں آنے والی موت سے جو شخص ڈرے وہ اچھا مسلمان ہوسکتا ہے اور نہ سپاہی۔ ان سب کو معلوم ہے کہ ان کا مشن کس قدر پُرخطر ہے پھر بھی چالیس رضاکار ہمارے سامنے موجود تھے جن میں سے صرف آٹھ کا انتخاب کیا گیا ہے۔"

"یہ تو خونریز ریگستانی معرکہ ہوگا' ہم لوگ کہاں سے مشاہدہ کرسکیں گے۔"

"جنھوں نے بلایا ہے وہی کچھ بندوبست کریں گے' اس پر اپنا دماغ نہ تھکاؤ!"

ہوور غلام رسول کا کیا حال ہے؟" مجھے اچانک ہی اس کا
خیال آگیا۔
"سرکاری اسپتال میں زیرِ حراست ہے۔ چند روز میں ٹھیک ہو جائے گا۔ آج اسپیشل سیل والوں نے اس کے پانچوں حواریوں کو بھی چھاپ لیا ہے۔ ان میں سے تین پہلے ہی اسپیشل سیل والوں کی نگاہوں میں تھے۔ تفتیش کے لئے زیرِ حراست لئے جانے کے فوراً بعد انہیں اسپتال میں غلام رسول کا دیدار کرایا گیا تھا تاکہ اپنے آقا کا عبرت ناک حشر دیکھ کر وہ ضد اور ہٹ دھری کی راہ اختیار کرنے سے باز رہیں۔"
"اس کا مطلب ہے کہ ہر طرف سے بازی سمٹ رہی ہے۔" میں نے اپنے وجود کی گہرائیوں میں اطمینان کی ٹھنڈک محسوس کرتے ہوئے آہستگی کے ساتھ کہا۔
"بازی تو سمٹی ہوئی ہی سمجھو۔ ہمارے نرغے میں آیا ہوا دشمن زیادہ دیر تک نہ پنپ سکے گا۔ بس یہ دعا کرو کہ ہمارا کوئی جانی نقصان نہ ہو۔ غازیوں سے گلے مل کر دل میں ایمان تازہ ہو جاتا ہے جب کہ ہمارا ہر شہید بے شمار آنکھوں کو اشک بار کر جاتا ہے۔ دعا کرو کہ موت کے جبڑوں میں اتر جانے والے سب لوگ سُرخروئی کے ساتھ واپس آئیں۔"
عملی طور پر میں مذہب اور اس کے احکام سے بہت دور تھا لیکن اول خان کے ان فقروں میں کچھ ایسا جلال تھا کہ غیر ارادی طور پر میری زبان سے آمین کا لفظ ادا ہو گیا۔
"کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ کمانڈر کے پاس جانے والے آٹھ کمانڈوز میں، مَیں بھی شامل ہو جاتا؟"
"نہیں ڈینی!" اول خان کی معذرت خواہانہ آواز ابھری "یہ خالص پیشہ ورانہ کام ہیں جن میں باہر کے آدمیوں کو ملوث نہیں کیا جا سکتا۔ پھر وہ آٹھوں، خوف ناک چہروں اور مضبوط جسموں کے مالک ہیں۔ وہ پگڑیاں باندھ کر اور جسموں پر میگزین سجا کر کمانڈر کے روبرو جائیں گے تو وہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ وہ ڈاکو نہیں، ہمارے کمانڈو ہیں۔"
"دوسری طرف اسلحے والا معاملہ بھی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔" ایک موضوع ختم ہونے کے بعد میں نے اسے اپنی کہانی سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتے ہوئے کہا "دو چار دن میں لانچ کراچی آنے والی ہے۔"
"آرنیٹ کے زخمی ہو جانے کے بعد یہ معاملہ کون دیکھ رہا ہے؟" میری اطلاع نے اسے چونکا دیا تھا۔
"کوئی ہیری کیسنجر ہے۔ مال کراچی ہی میں ایک تاجر کے گودام میں رکھا جائے گا۔ اس نے ویرا کو کاؤنسلیٹ میں روک لیا ہے۔ اب شاید ہمیں لانچ کے نام کا پیشگی علم نہیں ہو سکے گا۔"
اس کے لئے وہ تشنہ باتیں الجھن آمیز تھیں اس لئے اس کے استفسار پر مجھے اختصار کے ساتھ پوری کہانی دہرانی پڑ گئی جس میں میرے لوٹے جانے کا ذکر سرے سے شامل نہیں تھا۔

"اس کے لئے ابھی وقت ہے۔ کمانڈر والے معاملے سے نمٹ کر اس پر غور کریں گے۔"

"ٹھیک ہے' میں ٹھیک نو بجے نرسری کے بس اسٹاپ کے اگلے سرے پر تمہارا انتظار کروں گا۔"

"اب نو بجے کہاں چل دیے؟" میرے فون سے فارغ ہوتے ہی غزالہ میرے سر پر سوار ہو گئی۔

"ملا سرکار کی سازش کا آخری حصہ ابھی باقی ہے۔ جب تک کمانڈر کو ختم نہیں کیا جاتا' یہ معاملہ رہ رہ کر سر ابھارتا رہے گا۔ میں اسی سلسلے میں اول خان کے ساتھ جا رہا ہوں۔"

"یہ بھی بہت خونریز معرکہ ہوگا۔" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔ اس کی آنکھوں میں امید وبیم کے غیر یقینی سائے منڈلا رہے تھے "ان ہولناک خونریزیوں سے تمہیں کب تک نجات مل سکے گی؟"

"دشمنوں سے مقابلہ ہوتا ہے تو فریقین ایک دوسرے پر گل پاشی نہیں کرتے۔" میں نے کہا "ویسے تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ یہ پہلا معرکہ ہوگا جس میں ہم عملی حصہ نہیں لیں گے۔ میری اور اول خان کی حیثیت مبصرین کی ہوگی کیونکہ کمانڈر کے خلاف آرمی آپریشن کا منصوبہ بنایا جا چکا ہے۔"

غزالہ کو کمانڈر کے بارے میں' مَیں پہلے بھی بتا چکا تھا لیکن اس وقت اُس نے میری باتوں پر شاید دھیان نہیں دیا تھا۔ اس لئے میں نے اسے غلام رسول کی آخری انکشافات سے اول خان کی تازہ ترین فون کال تک' ساری تفصیلات سنانی شروع کردیں جو اس کے لئے طلسم ہوش ربا سے کم نہیں تھیں۔

ہمارے پاس کافی سے زیادہ وقت تھا اس لئے ہم دل کھول کر بحث وتمحیص کرتے رہے۔ چھ بجے کے قریب سلطان شاہ ہوٹل سے اپنا تھیلا اٹھا کر اور گاڑی کا شیشہ ڈلوا کر آیا تو میں نے وقت ضائع کئے بغیر غزالہ کو اس کے ساتھ شرف آباد والے فلیٹ کی طرف روانہ کردیا اور خود وقت گزاری کے لئے ڈرائنگ روم میں بلیک لیبل کی بوتل لے بیٹھا۔

ٹی وی پروگرام دیکھتے ہوئے میں نے دوسرا ہلکا پیگ ہی ختم کیا تھا کہ جہانگیر آپہنچا۔

"کیا بات ہے؟ آج کسی اداس الّو کی طرح اکیلے ہی بیٹھے ہوئے ہو۔ سب لوگ کہاں غائب ہیں؟"

اس کے طنز پر میں زیر لب مسکرا کر رہ گیا "ویرا کو ایک کاؤنسلیٹ والوں نے یرغمال بنا لیا' غزالہ فلیٹ چلی گئی۔" میں نے دانستہ صرف خواتین کے بارے میں بتانے پر اکتفا کیا جب کہ ویرا ویسے بھی گرینڈ ہوٹل میں مقیم تھی۔

"غزالہ کیوں چلی گئی؟ یہاں اسے کیا تکلیف تھی؟" اس نے میرے قریب ہی بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں' وہ بہت حساس لڑکی تھی۔ اسے اندازہ ہوا کہ اس کی وجہ سے تمہاری آزادیوں میں فرق آ رہا ہے۔" میں نے داہنی آنکھ دبا کر ہلکے پھلکے لہجے میں کہا "موقع میسر آتے ہی میں نے اسے یہاں سے ٹال دیا۔ سلمٰی تم سے لڑ کر اپنے میکے گئی ہوئی ہے اور غزالہ کی وجہ سے تم کسی کو گھر نہیں بلا سکتے تھے۔"

میری کہی ہوئی بات عزت افزا نہیں تھی لیکن وہ جس پیرائے میں کہی گئی تھی' اسے جہانگیر نے بہ آسانی ہضم کرلیا اور چونکتے ہوئے پوچھا "مسز جیوانی کی لاش کا کیا بنا؟ اس کا بوجھ میرے سر پر سوار ہو کر رہ گیا ہے۔"

"اسے پوسٹ مارٹم کے بعد دفن کردیا گیا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "تم بلاوجہ اس کا خیالی تابوت اپنی کھوپڑی پر لادے پھر رہے ہو۔ شریف آدمی پرائی عورتوں کے بارے میں اتنا نہیں سوچتے۔"

وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں مجھے گھورنے لگا "یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ اسے دفن ہی ہونا تھا۔ ہمارے یہاں ابھی مُردوں کی ممّی بنانے کا رواج شروع نہیں ہوا ہے۔ میں یہ پوچھ رہا تھا کہ پولیس کیا کر رہی ہے؟"

"صحیح اطلاع تو تم کو ڈیفنس تھانے سے ہی مل سکے گی جس کی حدود میں لاش دریافت ہوئی تھی۔ ویسے قیاس کہتا ہے کہ پولیس جھک مار رہی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ تم اب تک آزاد پھر رہے ہو...... ارے بھائی' اب مسز جیوانی کو بھول جاؤ۔ تم نے اس کی زندگی میں ہی اتنی خدمت کرلی تھی کہ اب تمہیں اس کے غم گساروں میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس کے لئے اس کے شوہر ہی کو رونے دو۔"

جہانگیر نے اپنے لئے بھی گلاس تیار کرلیا تھا۔ دو گھونٹ لینے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا "لاہور چلتے ہو؟"

"کیا مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے؟" میں نے غرّا کر کہا "میرے پاس اپنے ہی کئی کام پڑے ہیں۔"

"سلمٰی کو لینے جانا ہے۔ ایک لڑکے کی ماں بن جانے کے بعد اس کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا ہوا ہے۔ میرے مقابلے میں تمہاری بات زیادہ توجہ سے سنتی ہے۔ تم چلو تو مجھے سہارا رہے گا۔"

"میں آج رات گھر سے باہر گزاروں گا۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "گھر میں اکیلے رہنے سے بہتر ہے کہ تم آج رات کی فلائٹ سے ٹکٹ کٹوا لو۔ میاں بیوی کے جھگڑے آپس ہی میں طے ہوتے رہیں تو بہتر ہوتا ہے۔"

"تمہاری بات تو سولہ آنے درست ہے لیکن وہ اس بار مسز جیوانی کو دیکھ کر بری طرح بدک گئی تھی۔" بات کرتے کرتے اس نے اچانک خوف زدہ لہجے میں پوچھا "مسز جیوانی کی تصویر لاہور کے اخباروں میں بھی چھپی ہوگی؟"

"لاہور والے اپنے مُردوں کی تصویریں چھاپتے ہیں۔ جرائم کی شرح میں اضافہ ہونے سے یہی ایک فائدہ ہوا ہے کہ ہر شہر سے نکلنے والے اخبارات کو مقامی طور پر اتنا مواد مل جاتا ہے جو ہر اخبار کا پیٹ بھر دیتا ہے۔ کیا تمہیں خوف ہے کہ سلمٰی اس کی تصویر پہچان لے گی؟"

وہ بے بسی سے اثبات میں سرہلا کر رہ گیا "وہ اس کا قتل فوراً ہی میرے سر منڈھ دے گی۔"

"لیکن وہ تو صریحاً خودکشی تھی۔ بات بگڑنے لگے تو تم میری اور غزالہ کی گواہی دلوا سکتے ہو۔"

اس نے اپنے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لیا اور کسی سارس کی طرح گردن آگے لٹکا کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

****

اول خان کی سفید کرولا ٹھیک نو بجے میرے قریب آرکی اور میں کچھ کہے بغیر پسنجر سیٹ پر سوار ہو گیا۔

"تو کیا کار میں ہی سفر کرنے کا ارادہ ہے؟" گاڑی حرکت میں آنے کے بعد میں نے سوال کیا کیونکہ اول خان خود ہی کار چلا رہا تھا۔

"مجھے سوا نو بجے شارع فیصل کے ائر بیس پر پہنچنا ہے۔ اس سے آگے کے پروگرام سے میں خود لاعلم ہوں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہاں سے ہمیں ہیلی کاپٹر فراہم کیا جائے۔" میں نے قیاس آرائی کی۔

"ایسا ہوا تو میری کار ائر بیس پر ہی رہے گی۔ واپسی میں لے لیں گے۔"

روشن، سنسان اور صاف ستھری سڑک سے گزر کر ہماری کار پھاٹک پر پہنچی تو راستہ دینے کے بجائے ائرفورس کا باوردی گارڈ اول خان کی طرف والی کھڑکی پر آگیا۔

"ڈیزرٹ ٹریپ تھری اینڈ فور!" اول خان نے اس سے کہا اور وہ کسی بھی ردِعمل کا مظاہرہ کئے بغیر مشینی انداز میں اندر بنے ہوئے گارڈ روم کی طرف چلا گیا۔

"یہ یاد رکھنا کہ میرا کوڈ ڈیزرٹ ٹریپ تھری اور تمہارا فور ہے۔" تنہائی میسر آتے ہی اول خان نے مجھے مطلع کیا "یہ میری آرگنائزیشن نہیں ہے اس لئے یہاں تم کو قدم قدم پر محتاط رہنا ہوگا۔"

چند ثانیوں بعد گارڈ کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر نان کمیشنڈ افسر ہمیں اپنی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ میں ائرفورس کے عہدوں سے زیادہ واقف نہیں تھا اس لئے اس این سی او کے شانے پر لگے ہوئے نشانات سے اس کے عہدے کا تعین کرنے میں ناکام رہا۔

اس نے آتے ہی اول خان سے نامانوس سی زبان میں دو الفاظ کہے۔ اول خان نے ناقابلِ فہم زبان میں اس کا مختصر سا جواب دیا۔ تین لایعنی مکالموں کے بعد این سی او نے دوسرے گارڈ کو للکار کر اشارہ کیا اور ہمارے لئے راستہ کھول دیا گیا۔ لیکن ہماری کار کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی گارڈ پچھلی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔

اندر ائرفیلڈ پر پُراسرار سا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کہیں کہیں اکا دکا بلب روشن تھے جن کے انعکاس میں جا بجا متعدد فوجی طیارے کھڑے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ہمارا سفر گارڈ کی ہدایت کے مطابق جاری تھا۔ راستے میں مزید دو جگہ رکنے کی نوبت آئی لیکن وہاں گارڈ نے ہماری ترجمانی کے فرائض سنبھال لئے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہم کنٹرول روم اور ائر بیس کی اصل عمارات کو پیچھے چھوڑ آئے تھے اور ہمارا سفر تاریک رن ویز کے کسی دور افتادہ حصے کی سمت میں تھا۔

آخر کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ہمیں تاریکی میں کھڑی ہوئی ایک اکلوتی عمارت کا ہیولا نظر آنے لگا جو کنکریٹ کے رن وے سے تقریباً پچاس فٹ دور بنا ہوا تھا۔ وہ کوئی باقاعدہ عمارت نہیں بلکہ ایک ہال تھا جس کی بلندی بارہ فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ عمارت میں گھور تاریکی کا راج تھا۔ لیکن باہر موجود کئی فوجی گاڑیوں سے پتا چل رہا تھا کہ وہ عمارت درحقیقت اتنی ویران اور غیر آباد نہیں تھی جتنی نظر آرہی تھی۔

"بس یہیں گاڑی پارک کر کے لاک کر دیں۔" گارڈ نے فوجی گاڑیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اول خان اس وقت حکم کا بندہ بنا ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی ہدایت کی تعمیل کی۔ میں نے کار سے اترتے ہوئے دیکھا کہ رن وے کے سرے پر تاریکی میں دو ہیلی کاپٹر موجود تھے جن کے قریب چند انسانی ہیولے تاریکی کا جزو بنے، نقل و حرکت کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ائر بیس کے اس حصے میں تاریکی یا نیم تاریکی ہر شے کا جزوِ اعظم تھی۔

"آپ اندر چلے جائیں۔" ہمیں لانے والے گارڈ نے تاریک ہال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس اثنا میں میری عقابی نظریں کنکریٹ یا اینٹوں کی دیوار میں دروازے کا مستطیل تلاش کر چکی تھیں۔

"ہم تمہاری چیک پوسٹ سے بہت اندر ہیں، تم واپس کیسے جاؤ گے؟" اول خان نے جز بز ہو کر سوال کیا۔

"آپ جائیں سر! میں مارچ کروں گا۔" گارڈ کے لہجے میں تابعداری اور تحکم کا عجیب سا امتزاج تھا۔ ہم دونوں دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ وہاں دیوار کے ساتھ ہی ایک اور مسلح گارڈ موجود تھا۔

"کوڈ سر!" اس نے مستعدی کے ساتھ ہمارے اور دروازے کے درمیان حائل ہو کر سوال کیا۔ اس کی مستعدی، پھرتی اور جسمانی ساخت کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اگر ہم جواب دینے میں ذرا بھی تاخیر کرتے تو وہ بلا توقف ہمیں وہیں ڈھیر کر دیتا۔

"ڈیزرٹ ٹریپ تھری۔" اول خان نے کہا۔ میں نے ابتدائی الفاظ چھوڑ کر صرف فور کہنے پر اکتفا کیا۔

اس نے فوراً ہی سنگلاخ دیوار میں نصب دروازے کا پٹ کھول دیا اور باہر پھیلی ہوئی تیرگی میں، اندر سے آنے والی روشنی دور تک سرایت کر گئی۔ ہم دونوں یکے بعد دیگرے، اندر داخل ہوئے تو وہ ایک نیم روشن اور تنگ سا کمرا تھا جہاں ڈیسک کے پیچھے ایک نوجوان افسر بیٹھا ہوا تھا۔

اس اڈے میں کے ہینگرز‘ مرکزی عمارت اور کنٹرول روم سے کافی دور واقع‘ وہ ہال بادی النظر میں ایک اکائی کی صورت میں نظر آتا تھا لیکن اس کے اندر پہنچ کر اندازہ ہوا کہ اسے خاصے پیچیدہ انداز میں مختلف حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا اور اس کا ہر حصہ الگ کاموں کے لئے مخصوص تھا۔

نوجوان افسر کے مہذبانہ مطالبے پر ہمیں ایک بار پھر اپنے کوڈ دہرانے پڑے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم اپنا کوڈ یاد کرنے کے لئے وہاں پہنچے ہوں اور جب آخری افسر کو یقین ہو جائے گا کہ ہمیں اپنے کوڈ یاد ہو چکے ہیں تو اس کے ایما پر‘ دروازے سے نکلتے ہی ہم خود کو‘ شارع فیصل کے متوازی دوڑتی ہوئی‘ ریلوے لائن کے قریب‘ نشیبی سڑک پر کھڑا ہوا پائیں گے جہاں ہمارے اور گارڈ روم کے عملے کے سوا کوئی نہیں ہوگا۔

ہمارے کوڈ سن کر اس نوجوان نے اپنے سامنے رکھی ہوئی فہرست پر قلم سے کچھ نشانات لگائے اور مسکراتے ہوئے بولا ”آپ لوگوں کے آنے کے بعد‘ مہمانوں کی تعداد پوری ہو چکی ہے۔ میرے پیچھے آیئے!“

اس کی تقلید میں‘ خاصے پُرپیچ راستے سے گزرنے کے بعد ہم اسی ہال میں بنے ہوئے ایک مستطیل کمرے میں داخل ہوئے جس کی طوالت اس کے عرض سے کم از کم تین گنا زیادہ تھی۔

”اگلی رہنمائی تک آپ یہیں تشریف رکھیں۔“ نوجوان افسر نے اس مستطیل کمرے کا دروازہ کھول کر خوش اخلاقی سے کہا اور ہمارے اندر داخل ہوتے وہاں سے واپس لوٹ گیا۔

اس کمرے میں کرسیوں کی تعداد تیس سے زیادہ تھی لیکن اس وقت وہاں صرف چار افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے اوپری اور بے اعتماد انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ چاروں بھی ہماری طرح‘ پہلی بار ایسے کسی مقام پر لائے گئے تھے جہاں کے انداز ہماری روز مرہ عادات اور مزاج سے بہت مختلف تھے۔

کرسیوں کے رخ پر‘ واحد داخلی دروازے کے قریب ایک بڑا سا اسٹینڈ رکھا ہوا تھا جس پر نقشوں کا ایک خاصا ضخیم پلندہ لٹکا ہوا تھا لیکن اس کا اوپری ورق بالکل سادہ تھا۔ اس ترتیب سے میں نے فی الفور اندازہ لگایا کہ وہ مستطیل کمرا‘ دراصل بریفنگ روم تھا اور جلد ہی کوئی افسر ہماری بریفنگ کے لئے آنے والا تھا۔

شہری زندگی کی بے لگام آزادیوں اور بے راہ روی کے عادی افراد کے لئے اس کمرے کی فضا اتنی نامانوس تھی کہ ان چاروں نے ہی خلافِ توقع کرسیوں سے اٹھ کر‘ ہم دونوں کا استقبال کیا۔

ان میں سے ایک محکمۂ اطلاعات کا فوٹوگرافر‘ دوسرا اسی محکمے کا مبصر‘ تیسرا ایک آزاد نامہ نگار اور چوتھا ایک مقبول ترین روزنامے کا سینئر رپورٹر تھا۔ ہم دونوں اس بھرے مجمع میں رنگے ہاتھوں پھنسے تھے اس لئے میں نے اپنے تعارف کو ہکلاہٹ کی آڑ میں چھپا لیا۔ اس دوران میں اول خان ہم دونوں کو کیوبا کی ایک خبر رساں ایجنسی کا وقائع نگار ظاہر کر چکا تھا۔

”کیوبا کی خبر رساں ایجنسی؟“ آزاد نامہ نگار نے حیرت سے سوال کیا ”یہ میرے لئے ایک حیرت ناک خبر ہے۔ میری دانست میں تو کیوبا کی کوئی بین الاقوامی خبر رساں ایجنسی نہیں ہے۔“

”کسی ایک آدمی کی دانست سے کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ میں نے سنبھالا لے کر کہا ”اب یہ بھی دیکھ لیں کہ میری دانست میں آزاد نامہ نگار کی اصطلاح بالکل بودی اور بے معنی ہے۔“

”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟“ اس نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔ مشتعل ہوتے ہی وہ کیوبا کی خبر رساں ایجنسی کو بھول گیا تھا۔

”اگر آپ فی سبیل اللہ نامہ نگاری کرتے ہیں تو آزادی کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ تنخواہ یا معاوضہ لے کر نامہ نگاری کرنے والا تو اس شخص کا پابند ہوتا ہے جو اسے سکۂ رائج الوقت میں ادائیگی کرتا ہے۔“

میرے فقروں پر سینئر رپورٹر کے لبوں پر زہریلا تبسم ابھر آیا جو میری اور اس کی ہم خیالی کا مظہر تھا۔

”آپ عجیب آدمی ہیں۔“ آزاد نامہ نگار بھنّا کر بولا ”آتے ہی واہیات باتیں شروع کر دیں۔ آپ میرے پیشے کی توہین کر رہے ہیں۔ آپ کو علم ہونا چاہئے کہ میں ایک مقدس پیشے سے وابستہ ہوں۔“

اس کے ردِعمل میں تندی پیدا کرنے کے لئے میں ہنس پڑا۔ ”مزدور زمین کھود کر‘ ڈاکٹر علاج کر کے‘ کلرک فائلیں سیاہ کر کے‘ رقاصہ اپنے کوٹھے پر ناچ کر اور نامہ نگار خبریں تخلیق کر کے اپنی روزی کماتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ملک میں نامہ نگار اپنے پیشے کے لئے تقدس کا طلب گار کیوں ہوتا ہے؟“

”بس!“ وہ نامہ نگار غرایا ”آپ صحافی کو رقاصہ سے ملا کر میری پوری برادری کی توہین کر رہے ہیں؟“ اس نے تائید طلب نظروں سے سینئر رپورٹر کی طرف دیکھا جو دانستہ چھت کی کڑیاں گننے میں مصروف ہو گیا تھا۔

”بات صحافی کی نہیں‘ آپ کی ہو رہی تھی۔“ میں نے اسے پھر چھیڑا ”صحافت ایک پیشہ ہے تو پھر یہ بھی دوسرے پیشوں کی طرح ہے۔ آپ کو اس لئے مقدس قرار نہیں دیا جا سکتا کہ آپ کے ہاتھ میں قلم ہے اور مزدور کے ہاتھ میں پھاوڑا۔ صحافت اسی وقت تک مقدس تھی جب تک اسے روزی کمانے کا ذریعہ نہیں بنایا گیا تھا اور ایک مشن سمجھا جاتا تھا۔ آپ لوگوں کو خبریں نہ ملیں تو اپنی نوکری یا مزدوری رکھنے کے لئے آپ خبریں ایجاد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں‘ خواہ دوسرے دن اس کی تردید ہی شائع کرنی پڑ جائے۔ پتا نہیں‘ اس ملک کے لوگوں میں انا پسندی کا جذبہ اتنا شدید کیوں ہے؟“

”تو کیا آپ آسمان سے نازل ہوئے ہیں؟“ اس نے دانت پیستے ہوئے سوال کیا۔

”نہیں‘ ہم کیوبا سے آئے ہیں۔“ میں نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے‘ بے پروائی سے کہا۔

”پیدا بھی وہیں ہوئے تھے؟“ اس نے جلے بھنے لہجے میں سوال

بتا دے اور عرصے اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔
"پیدائش کے اعتبار سے ہم پاکستانی ہیں، لیکن اٹھارہ برس سے کینیا میں رہ رہے ہیں۔" اس بار اول خان نے اسے سلگایا تھا۔ "وہاں صحافی بھی معاشرے کا ایک عام فرد ہوتا ہے۔ جس طرح مزدور، کام چور اور ڈاکٹر نااہل ہو سکتا ہے اسی طرح صحافی بھی بددیانت یا خود غرض ہو سکتا ہے۔ وہاں ایسی باتوں پر کوئی تقدس کی دیوار نہیں ہوتا۔"
"یہ سب معاشرے کے ذہنی ارتقا کے مسائل ہیں۔" وہ جیب سے ایک موٹا سا سگار نکال کر، اپنے بائیں انگوٹھے کے ناخن پر ٹھونکتے ہوئے زہریلے لہجے میں بولا "پسماندہ معاشروں میں خودداری عنقا ہوتی ہے، لوگ عزتِ نفس سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ اس لئے وہاں ایک ہی آدمی، برسہا برس اپنے عوام پر مسلط رہتا ہے۔" پھر وہ اچانک ہی محکمۂ اطلاعات کے نمائندوں سے مخاطب ہو گیا۔ "آپ لوگ یہ ہتک آمیز گفتگو خاموشی سے سن رہے ہیں؟"
"اس عہدے پر تقرری ہونے سے پہلے، میں اسکول ٹیچر تھا۔" پھر نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "آج کل ایکسائز کے محکمے میں تبادلے کے لئے زور لگا رہا ہوں کیونکہ یہاں آمدنی بہت کم ہے۔ میں اس جھگڑے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"
"تم ہوا نا کا سگار سلگا کر، ان بے چاروں سے الجھ رہے ہو، اس لئے میرا خیال ہے کہ یہ درست کہہ رہے ہیں" سینئر رپورٹر نے اپنے مشاہدات سے فارغ ہو کر اچانک ہی بولنا شروع کر دیا۔ "سرخ، سبز اور زرد صحافت کی اصطلاحات، خود ہماری ہیں۔ جب ہم ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ سکتے ہیں تو دوسروں کو تنقید سے کیسے روک سکتے ہیں؟ ہمارے حالاتِ کار بہتر اور تنخواہیں معقول ہوں تو خود ہمیں بھی دوسروں کی پروا نہیں رہے گی۔ کسی بھی قسم کی محرومی، انسان کو بہت زیادہ حساس اور جذباتی بنا دیتی ہے۔ ویسے آج کل تمہاری خبریں اور کہانیاں کم ہی چھپ رہی ہیں......"
اس نے بالکل صحیح خطوط پر بولنا شروع کیا تھا۔ لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اسی لمحے، مستطیل کمرے کا دروازہ کھلا اور دو باوردی فوجی افسران اندر آ گئے۔ ان میں سے ایک کرنل اور دوسرا کپتان تھا۔ ایک فضائی اڈے پر، بری فوج کے ان دو افسران کی موجودگی معنی خیز تھی۔
کرنل نے اندر آتے ہی، ہم سب کو خوش دلی سے خوش آمدید کہا اور افسر مہمانداری کے طور اپنا تعارف کراتے ہوئے، سب سے فرداً فرداً ملاقات کی۔ کرنل ریاض کا ماتحت، کیپٹن الیاس بھی اس رسم میں پیش پیش تھا۔
"کیپٹن الیاس، بائیس بریگیڈ کے ساتھ اسکردو میں تھے۔" کرنل ریاض نے اپنے ماتحت کا تعارف کراتے ہوئے کہا "یہ ہارڈ ایریا سے، شاید آپ لوگوں کی مہمان داری کے لئے پچھلے ہفتے ہی بلائے گئے ہیں۔ یہاں سے ہم لاما نامی ہیلی کاپٹر میں، دو ٹولیوں میں آپریشن بیس کی طرف روانہ ہوں گے۔ مشن کے بارے میں بریفنگ راستے میں ہی ہو جائے گی۔ موٹی موٹی باتیں، میں چارٹس اور نقشوں کی مدد سے سمجھائے دیتا ہوں۔"
"آپریشن فیلڈ یہاں سے بہت دور ہے" آزاد نامہ نگار نے کہا "میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اس بیس پر باہر اتنا اندھیرا کیوں ہے؟"
"ہر آپریشن سے پہلے عملے کی ذہنی اور نفسیاتی تیاری بہت ضروری ہوتی ہے۔" کرنل نے پوری توجہ کے ساتھ کہا "یہاں کم و بیش وہی ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو صبح سویرے آپریشن بیس پر ہو گا۔"
"وہاں ہم لوگوں کے گولہ باری یا فائرنگ کی زد میں آنے کے کیا امکانات ہیں؟" محکمۂ اطلاعات کے مبصر کی آواز پُر تشویش تھی۔ شاید وہ اپنے تبادلے سے پہلے، مرنے کے امکان سے خوف زدہ تھا۔
کرنل نے کیپٹن الیاس کی طرف دیکھا اور وہ گلا صاف کر کے بولنے لگا "ایکشن پلان کے مطابق، حملے کے وقت دشمن ہماری سرزمین پر کم از کم دو میل اندر آ چکا ہو گا۔ حملے کے وقت وہ تین طرف سے ہمارے یونٹوں کے نرغے میں ہو گا اور اس کے لئے، ہمارے علاقے میں مزید اندر گھسنے کے سوا کوئی اور راہ باقی نہیں رہے گی۔ دشمن کی گراؤنڈ فارمیشن حرکت کر رہی ہو گی، اس لئے اس کا بھاری اسلحہ ڈیڈ ہو گا۔ جس وقت ہم ان پر فضائی حملہ کریں گے تو ہمارے آبزرور، درمیانی ہتھیاروں کی رینج سے باہر، کافی بلندی پر پرواز کر رہے ہوں گے۔ آپ لوگ اس محفوظ بلندی سے، دوربینوں کی مدد سے پوری لڑائی دیکھیں گے۔ ہماری کوشش تھی کہ ابتدا سے ہی، پوری کارروائی آپ لوگوں کو دکھائی جاتی لیکن حملہ ہونے سے پہلے، فضا میں لاما ہیلی کاپٹرز کی موجودگی دشمن کو ہوشیار کرنے کا سبب بن سکتی ہے اس لئے ہم حملہ شروع ہونے کے بعد آپریشن فیلڈ پر پرواز کر سکیں گے۔"
"اس طرح تو ہم پوری کارروائی کی کوریج نہیں کر سکیں گے۔" آزاد نامہ نگار نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔
"ابتدائی حصہ اپنی طرف سے پورا کر لینا۔" میں نے اس کے کان کے نیچے سرگوشی کی اور وہ کسی سانڈ کی طرح بھڑک کر، مجھے پچھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔
"مجھے افسوس ہے کہ یہ ایک فنی مجبوری ہے۔" کرنل نے اپنی بغل سے چھڑی نکال کر نقشوں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔
"تو کیا ہم یہاں سے براہِ راست محاذ پر جائیں گے؟" محکمۂ اطلاعات کے فوٹو گرافر نے پوچھا۔
"نہیں، یہاں سے ہم آپریشن بیس جائیں گے۔ وہاں ہمیں بگل کا انتظار کرنا ہو گا۔" کرنل نے کہا۔
"آپریشن بیس کہاں واقع ہے؟" آزاد نامہ نگار نے نوٹ لیتے ہوئے سوال کیا۔
"سوری! یہ نہیں بتایا جا سکتا۔" کرنل نے معذرت کرتے ہوئے کہا "ویسے یہ صحرا میں بنائی ہوئی، ایک ایمرجنسی ائیر اسٹرپ ہے جہاں ہم ٹریلروں پر لدے ہوئے چالیس فٹے کنٹینروں سے ذاکر

کا کام لیں گے۔ ان ہی میں آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ کا کمانڈ اینڈ کنٹرول ہیڈ کوارٹر ہوگا۔"

"تو کیا اس جنگ میں ہماری فضائیہ بھی شامل ہوگی؟" آزاد نامہ نگار کا سوال تھا۔

"دشمن کی تباہی کے لئے فضائیہ کے دو طیاروں سے مدد لینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔" کرنل نے کہا۔

"تمہاری اپنی سرزمین پر' محاصرے میں آئے ہوئے' دشمن کے پانچ سو نفوس کے لئے کیا فضائیہ کی مدد ناگزیر تھی؟" آزاد نامہ نگار نے وہ احمقانہ سوال کر کے کرنل کا موڈ آف کر دیا۔

"یہ جنگی فیصلے ہیں جن کو سمجھنا عام آدمی کے بس سے باہر ہے۔" کرنل نے اپنی برہمی پر قابو پاتے ہوئے نرمی سے کہا۔ "آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ہم دشمن کو زمینی کارروائی سے بھی نیست و نابود کر سکتے ہیں لیکن اس طرح' یہ قصہ طول پکڑ سکتا ہے۔ دشمن کو اپنے مارٹر' طیارہ شکن توپیں' مشین گنیں اور راکٹ لانچر زمادئنٹ کرنے کی مہلت مل گئی تو یہ مقابلہ کئی دن تک بھی چل سکتا ہے۔ ہم اپنے جوانوں کو بلاوجہ نہیں کٹوا سکتے۔ کارروائی کے طول پکڑنے کی صورت میں پڑوسی ملک کی طرف سے سیاسی اور سفارتی دباؤ ڈالا جا سکتا ہے جب کہ ہم سورج طلوع ہونے سے پہلے' اس کنوائے کے ہر فرد کو جہنم واصل کر دینا چاہتے ہیں تاکہ اس عبرت آموز تباہی کے بعد دشمن ایسی مہمات کا خیال ترک کر دے۔ ان نتائج کے حصول کے لئے فضائیہ کی مدد ناگزیر تھی۔ ہلکے بمبار طیاروں کی دو تین پروازیں دشمن کو تہس نہس کر دیں گی۔ بمباری سے بچ جانے والوں کو' ہمارے زمینی دستے صاف کر دیں گے۔ اجالا پھیلنے تک وہاں لاشوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا۔"

"تو کیا یہ ساری کارروائی رات کے اندھیرے میں ہوگی؟" آزاد نامہ نگار جزئیات کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔

"کوشش ہے کہ حملہ صبح کاذب کے وقت کیا جائے۔" قدرے سکوت کے بعد کیپٹن الیاس نے کہا کیونکہ کرنل' آزاد نامہ نگار کے بے تکے سوالات پر بھنا کر' ٹہلتا ہوا دیوار کی طرف چلا گیا تھا۔ "لیکن صحیح وقت کا انتخاب کرنا کمانڈ اینڈ کنٹرول ہیڈ کوارٹر کی صوابدید پر منحصر ہوگا۔" کیپٹن الیاس کہہ رہا تھا۔ "اس مشن میں ہماری فضائیہ کے دو ہلکے بمبار طیارے ضرور استعمال کئے جائیں گے لیکن وہ بھی کمانڈ اینڈ کنٹرول ہیڈ کوارٹر کی کمان میں ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ اب سوالات کا سلسلہ ختم ہونا چاہئے تاکہ کرنل' اصلی جنگی حکمت عملی پر آپ لوگوں کو بریف کر سکیں۔ ساڑھے دس بجے ہمیں یہاں سے روانہ ہونا ہے۔"

"بس ایک سوال اور؟" آزاد نامہ نگار اضطراری انداز میں کرسی سے اچکتے ہوئے بولا۔

"فرمایئے!" کیپٹن الیاس نے زہریلے لہجے میں کہا "لیکن یہ واقعی آخری سوال ہوگا۔"

"لاما کس قسم کا ہیلی کاپٹر ہے؟ اس میں کتنے آدمیوں کی گنجائش ہوتی ہے؟ یہ کتنی بلندی تک پرواز کر سکتا ہے؟ اور دشمن کی طیارہ شکن توپوں کی رینج کیا ہے؟" اس نے پوچھا اور صورت حال کی سنگینی کے باوجود سب لوگ ہی بیک آواز قہقہے لگانے پر مجبور ہو گئے۔ وہ ڈھٹائی کے ساتھ ہم لوگوں کو ایسی ترحم آمیز نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اسے ہم سب کی دماغی صحت پر شبہ ہو رہا ہو۔ بجز حقیقت اس کے برعکس نظر آ رہی تھی۔

"یہ چار سوال ہیں۔" ہمارے قہقہوں میں کیپٹن الیاس کی گونجیلی آواز ابھری۔ "اس لئے میں' حسب وعدہ صرف ایک سوال کا جواب دے رہا ہوں کہ لاما ایک پسنجر کار کو ہیلی کاپٹر ہے"

یہ کہتے ہی وہ ادب و احترام کے ساتھ کرنل کی طرف متوجہ ہو گیا "سر! آیئے' سوال و جواب کا سلسلہ ختم ہو گیا۔"

کرنل ریاض کے بشرے پر کبیدگی کے واضح آثار موجود تھے اس نے بے دلی اور قدرے غصے کے ساتھ نقشوں پر سے سادہ ورق پیچھے الٹا اور چھڑی کے سرے کی مدد سے ہمیں مختلف مقامات کے بارے میں سمجھانے لگا۔

"اب اپنی چونچ بند رکھنا ورنہ کرنل تمہیں اٹھا کر باہر پھنکوا دے گا۔" میں نے آزاد نامہ نگار کے کان میں کہا۔

کرنل کی بیشتر باتیں قابل فہم اور بعض ناقابل فہم تھیں کیونکہ تمام تر جنگی اصطلاحات کو سمجھنا' ہم جیسے غیر فوجیوں کے بس کا روگ نہیں تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ آزاد نامہ نگار نے بھی' کچھ نہ سمجھنے کے باوجود' کرنل سے مزید کوئی سوال کرنے کی جرات نہیں کی تھی اور پنسل کی نوک سے مسلسل اپنے کان کریدے جا رہا تھا۔ تعارفی لیکچر میں اس کی لاتعلقی دیکھتے ہوئے مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ کہیں وہ آپریشن بیس پر پہنچتے ہی مزید آگے جانے سے انکار نہ کر دے۔ وہ خالص پیشہ ورانہ بریفنگ تھی جس میں اول خان ابتدا سے ہی گہری دلچسپی لے رہا تھا۔ معاملے کی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر میں بھی اپنے ذہن پر حتی المقدور زور دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ سینئر رپورٹر' پیشہ ورانہ انداز میں تیزی کے ساتھ نوٹ لے رہا تھا۔ فوٹوگرافر ہر چارٹ اور نقشے کی تصویریں بنا رہا تھا اور مبصر اس امید پر دانتوں سے اپنی انگلیوں کے بڑھے ہوئے ناخن کترنے میں مصروف تھا کہ انٹر سروسز پبلک ریلیشنز ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے جاری کئے جانے والے' سائیکلو اسٹائلڈ پریس ریلیز کی بنیاد پر وہ اپنا ماہرانہ تبصرہ تخلیق کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

دشمن کی حربی استعداد' نفری اور فائر پاور کے سارے تجزیے کرنل کو ازبر تھے۔ اس کی تقریر سنتے ہوئے مجھے اندازہ ہوا کہ کسی ایک جنگی فیصلے کے پس پشت کیسے پیچیدہ عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ وہ بظاہر ایک فیصلہ ہوتا ہے لیکن اس میں بہت سے فیصلوں کا امتزاج ہوتا ہے۔ وار مؤثر حد تک کارگر نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ تدبیر ناکام ہو تو مدافعت کی کون کون سی امکانی راہیں ہو سکتی ہیں اور مخصوص حالات میں کس راہ کا اختیار کیا جانا زیادہ سود مند یا کم نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ سب اس قدر اہم' گنجلک اور بڑے مسائل تھے کہ ذہین و فطین افسران ہی صحیح فیصلے کر سکتے تھے۔ میری نگاہ میں ہمیشہ سے فوجی جوان کی سب سے زیادہ قدر رہی

نمی جو بڑھ کر، دشمن کی گولی اپنے سینے پر روک لیتا ہے یا اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ لیکن کرنل ریاض کی گفتگو سن کر مجھے احساس ہوا کہ ان جانباز سپاہیوں کو لڑانے والے بھی کم دلیر نہیں ہوتے۔ ایک افسر کا غلط فیصلہ سیکڑوں جوانوں کا خون کرا دیتا ہے تو دوسری طرف کسی افسر کا درست اور بروقت فیصلہ، مٹھی بھر جوانوں کو بھاری نفری پر فتح یاب کرا دیتا ہے۔ دونوں طرف لڑنے والے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑتے ہیں لیکن اس قتال و جدال سے وہی فریق فاتح بن کر ابھرتا ہے جس کے لڑانے والے بے مثال ہمت، شجاعت، ذہانت، حوصلے اور اعتماد کے مالک ہوں۔ ٹھیک سوا دس بجے کرنل نے آخری نقشے پر اپنی بریفنگ ختم کر دی۔ ان لوگوں کے اندازے تھے کہ آپریشن ڈیزرٹ ٹرپ صبح کے ساڑھے تین بجے شروع ہو کر صرف ایک گھنٹے میں مکمل ہو سکتا تھا۔ جانی نقصان میں تناسب کا تخمینہ ایک اور پچاس کا تھا۔ گویا دشمن کے پانچ سو افراد کی تباہی میں کل دس جوانوں کی شہادت کا اندازہ تھا۔

بریفنگ ختم ہوتے ہی، باوردی بیرے چائے اور دیگر لوازمات لے آئے اور کرنل کچھ دیر پہلے کی تلخیوں کو بھول کر نامہ نگار سے گفتگو میں مصروف ہو گیا۔ سفر کے آغاز سے پہلے وہ ہر بدمزگی کو ختم کرنے کے لئے کوشاں تھا۔

اسی دوران میں بائیس بریگیڈ کے، اسکردو سے آئے ہوئے کیپٹن الیاس نے ہمیں آگاہ کیا کہ لاما ہیلی کاپٹر میں، ایک وقت میں صرف پانچ مسافر سفر کر سکتے تھے۔ ہم کل چھ نفوس تھے۔ کرنل اور کیپٹن کو ملا کر، کل نفری آٹھ ہو جاتی تھی اس لئے ہمیں چار چار کی دو ٹولیوں میں تقسیم ہو کر سفر کرنا تھا۔ ایک ٹیم کے ساتھ کرنل کو سفر کرنا تھا۔ دوسری ٹیم کیپٹن کے ساتھ سفر کرتی، اس اعتبار سے ہماری تین تین کی دو ٹکڑیاں بنی تھیں۔

ہم دونوں کے لئے تیسرے ساتھی کا انتخاب زیادہ دشوار نہیں تھا کیونکہ فوٹو گرافر کا کام اور شعبہ بہت محدود تھا۔ مبصر کو اس مہم میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی مجبوری کے تحت، صرف ٹی اے، ڈی اے بنانے کے چکر میں وہاں آپھنسا تھا۔ نامہ نگار کے ذہنی فتور کے مظاہرے میں خود دیکھ چکا تھا اس لئے، میری دانست میں ان تینوں کی ایک نکمی ٹولی بن سکتی تھی جسے کرنل کے بھاری بھرکم وجود سے سہارا مل سکتا تھا۔ اس طرح میرے اور اول خان کے لئے سینئر رپورٹر ہی رہ جاتا تھا۔ ہمارے لئے کیپٹن الیاس ایک اچھا ساتھی ثابت ہو سکتا تھا۔

چائے ختم ہونے سے پہلے ہی میں نے اس تقسیم کا اعلان کیا جسے بے چون و چرا تسلیم کر لیا گیا۔

ٹھیک ساڑھے دس بجے ہم لوگ دو قطاروں میں وہاں سے چل پڑے۔ ہال سے باہر نکلتے ہی ہمارے کانوں میں ہیلی کاپٹروں کے انجنوں کے تیز شور کی آواز آئی تھی۔ نامہ نگار نے اندھیرے میں ہماری طرف دیکھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کی الوداعی نظروں میں نفرت ہی حسرت رہی ہوگی۔ میں اس سے کچھ کہے بغیر کپتان اور اول خان کے پیچھے چلتا رہا۔

سبز اور خاکی رنگ کے لہروں میں رنگے ہوئے، دونوں آرمی ہیلی کاپٹروں کے انجن بیدار تھے۔ اندھیرے میں ان مشینی پرندوں کو دیکھ کر دل پر ہیبت سی طاری ہوئی جا رہی تھی۔ کرنل اپنی ٹولی کو لے کر داہنی طرف ہو لیا اور ہم لوگ کیپٹن الیاس کی تقلید میں بائیں طرف والے، پُرہول لاما کی طرف بڑھ گئے۔

سر پر منڈلاتے ہوئے پنکھوں سے پیدا ہونے والے، ہوا کے تیز دباؤ میں لہراتے اور سنبھلتے ہوئے ہم چاروں یکے بعد دیگرے اس خوفناک پرندے کے پیٹ میں داخل ہو کر، دونوں طرف لگی ہوئی نشستوں پر براجمان ہو گئے جس میں ہوا باز پہلے سے اپنی نشست پر مستعد اور تیار بیٹھا ہوا تھا۔

ہم لوگوں کو حقیقی جنگی ماحول سے مانوس کرنے کے لئے ائرفیلڈ کے ساتھ ہی کیبن میں بھی اندھیرا رکھا گیا تھا البتہ کنٹرول پینل کی روشنیوں کے انعکاس میں ہم لوگ ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ اچانک ائربیس کے کنٹرول ٹاور پر روشن، سرخ بتی کی جگہ سبز روشنی نمودار ہوئی۔ ہمارے پائلٹ کے ریڈیائی ائرفیس پر خفیہ الفاظ میں کوئی پیغام سنائی دیا اور اسی لمحے کرنل ریاض والے لاما کے انجن کا شور تیز ہوا اور وہ ہیلی کاپٹر تیزی سے فضا میں بلند ہو کر شمال مشرق کی طرف اڑتا چلا گیا۔ ساتھ ہی ہمارے پائلٹ نے بھی انجن کو تھراٹل دیا اور ایک ہچکولے کے ساتھ ہمارا لاما بھی نہایت تیزی کے ساتھ فضا میں اٹھتا چلا گیا۔

وہ کوئی آرام دہ، مسافر بردار طیارہ نہیں تھا اس لئے کیبن میں انجن اور تیزی سے گردش کرتی ہوئی پنکھڑیوں کا خاصا شور گونج رہا تھا۔ کرنل ریاض کا لاما سبک رفتاری سے آگے پرواز کر رہا تھا اور ہمارا ہیلی کاپٹر اس کی تقلید کر رہا تھا۔

کچھ دیر تک ہمیں نیچے کراچی کی تیز روشنیاں ڈولتی ہوئی نظر آئیں، اس کے بعد اچانک ہی تاریک علاقہ شروع ہو گیا۔ دائیں اور بائیں طرف، البتہ رنگ و نور کا سیلاب نظر آرہا تھا۔ متعدد روشن اور تاریک دھبوں پر سفر کرنے کے بعد ہمارے ہر طرف اندھیرے کی اتھاہ چادر پھیلتی چلی گئی۔

کیپٹن الیاس نے اشاروں سے ہمیں وہ ہیڈ فون پہننے کی ہدایت کی جو ہماری نشستوں کے ساتھ ہی موجود تھے۔ ہیڈ فون لگانے کا یہ فائدہ ہوا کہ ہمیں لاما کے انجن کے شور سے نجات مل گئی اور ہم بہ آسانی ایک دوسرے کی آوازیں سننے کے قابل ہو گئے۔

اپنے سینے پر بڑھتے ہوئے دباؤ کی وجہ سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ لاما آگے بڑھنے کے ساتھ ہی بتدریج اوپر بھی اٹھتا جا رہا تھا۔ اس کی، زمین سے بڑھتی ہوئی بلندی کا دوسرا ثبوت کیبن کا گرتا ہوا درجۂ حرارت تھا۔

"لاما اسی رفتار سے اوپر جاتا رہا تو ہم ٹھٹھر کر مر جائیں گے۔" میں نے کسی کا نام لئے بغیر کہا لیکن میرا مخاطب کیپٹن الیاس ہی تھا جو ایسے سوالات پر ہماری کچھ اشک شوئی کرنے کی پوزیشن [illegible]

"فکر نہ کرو، ہم سب زندہ رہیں گے۔" کیپٹن الیاس [illegible]

اور زندگی سے بھرپور آواز ابھری۔ "بہت زیادہ بلندی پر لاما کا انجن بھی جواب دے جاتا ہے۔ انسانی بدن کے ساتھ ہی انجن کو بھی آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے۔ پائلٹ کو تم سے زیادہ آلٹی میٹر کی فکر ہوگی۔ آلٹی میٹر پر سرخ نشان آنے سے پہلے ہی ہماری افقی پرواز شروع ہو جائے گی۔"

"لیکن کیبن کا موجودہ درجۂ حرارت بھی کمزور مثانے والوں کے لئے ناقابلِ برداشت ہو چکا ہے۔" مجھے اپنے ہیڈ فون میں سینئر رپورٹر کی مضطرب آواز سنائی دی۔ شاید وہ اپنی کہانی سنا رہا تھا۔

"فوج میں ہر چیز کا فوجی معیار ہوتا ہے۔" کیپٹن الیاس کی آواز مزید شوخ و شنگ ہوگئی۔ "فوجی مثانوں کے لئے سردی صفر درجہ سنٹی گریڈ یا تمیس فارن ہائٹ سے شروع ہوتی ہے۔"

"چائے پلانے کے بعد اتنی بلندی پر اڑا کر ہمارا امتحان لیا جا رہا ہے۔" ایک احتجاج آمیز آواز ابھری اور میں نے پہچان لیا کہ وہ نامہ نگار ہی تھا جو شاید اپنے ہیڈ فون پر ہماری گفتگو سن رہا تھا۔

"اس وقت ہم ایک ہی ریڈیو فری کوئنسی پر ہیں۔" کیپٹن الیاس کہہ رہا تھا۔ "اس لئے ہم سب ایک دوسرے کی آوازیں سن سکتے ہیں۔ یہ امتحان والا سوال دوسرے لاما سے اٹھایا گیا ہے۔"

"اوپر سانس کھینچ کر دروازے سے باہر کُلّی کر دو، مثانہ ہلکا ہو جائے گا۔" نامہ نگار کی شکایت پر میں چپ نہ رہ سکا۔

"بکواس مت کرو۔" اس کی غراہٹ سنائی دی "میں اپنے کرنل سے بات کر رہا تھا۔"

"ہم مقررہ بلندی پر پہنچ چکے ہیں۔" اچانک دونوں میں سے کسی پائلٹ کی آواز سنائی دی۔ "اب لینڈنگ تک درجۂ حرارت کم بیش یہی رہے گا۔"

اس کے بعد سب لوگ اپنی اپنی سوچوں میں گم ہوگئے۔ دونوں ہیلی کاپٹرز، شور مچاتے ہوئے، تیز رفتاری کے ساتھ اس آپریشن بیس کی طرف پرواز کر رہے تھے جہاں ایک خوں ریز معرکے کی تیاریاں آخری مراحل میں تھیں۔

وہ پائلٹوں کی دیدہ و دانستہ حکمت عملی تھی یا محض اتفاق کہ کراچی سے نکلنے کے بعد ہمیں کہیں بھی قابلِ ذکر روشنیاں نہیں دکھائی دی تھیں جس کا مطلب تھا کہ ہم مسلسل ویران علاقوں پر پرواز کر رہے تھے۔ جب سر پر تیزی کے ساتھ گردش کرتے ہوئے پنکھوں کے یکساں اور مسلسل شور سے ہمارے کان تقریباً سن ہوگئے تو ہیڈ فون پر پائلٹوں اور زمینی کنٹرول کی گفتگو شروع ہوگئی۔

سب لوگ متجسسانہ انداز میں، زمین پر پھیلی ہوئی گھور تاریکی میں، کسی ایسے منور مقام کو تلاش کرنے لگے جہاں ہیلی کاپٹرز کے لینڈ کرنے کا امکان ہو سکتا تھا۔

چند منٹ بعد ہی اس تاریکی میں اچانک ایک حصہ متعدد روشنیوں سے جگمگا اٹھا۔ شاید ہیلی کاپٹر کی لینڈنگ میں رہنمائی کرنے کے لئے اس ہنگامی ائرسٹرپ پر روشنیاں جلائی گئی تھیں ورنہ وہاں بھی تربیتی حکمتِ عملی کے تحت، حقیقی جنگی محاذ جیسا مکمل بلیک آؤٹ طاری تھا۔

ریتیلے صحرا کے سینے پر چمکنے والی مسطح لینڈنگ اسٹرپ کی چ کا بلندی سے اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا لیکن وہ اتنی کافی تھی کہ اس کے ایک سرے پر کھڑے ہوئے دو چھوٹے جہاز، اس کے میں کھلونوں کی طرح نظر آرہے تھے۔ ائرسٹرپ سے قدرے کردو لمبے ٹرکوں پر لدے ہوئے کنٹینرز موجود تھے جن سے دفا لیا جا رہا تھا۔ ان سے آگے ایک بڑا آئل ٹینکر بھی موجود تھا۔

زمینی کنٹرول کی طرف سے کلیئرنس ملتے ہی دونوں ہیلی تیزی کے ساتھ زمین کے قریب اترنے لگے۔ پہلے کرنل والا کاپٹر مسطح رن وے کے ایک گوشے میں جا ٹکا۔ چند منٹ کے کے بعد ہمارا لاما بھی ہچکولے لیتا ہوا، اسی کے قریب اتر گیا، انجن ہوا اور ہم سب تیزی کے ساتھ ہیلی کاپٹر سے باہر آگئے۔

متوقع میدانِ کارزار سے اس قدر قریب ہونے کے احسا نے میرے وجود میں جوش اور سنسنی کی عجیب سی کیفیت پیدا کر تھی۔ قلیل سی مدت میں کئے جانے والے، ان جنگی اقدامات دیکھنے کے بعد مجھے پورا یقین ہوگیا تھا کہ وہ رات، سرکار کے ساتھی، کمانڈر اور اس کے سیکڑوں ہمراہیوں کے لئے قیامت رات ثابت ہونے والی تھی۔

ہم لوگ ہیلی کاپٹرز سے نیچے اترے ہی تھے کہ اچانک میں ہر طرف مہیب اندھیرا پھیل گیا۔ ہیلی کاپٹرز کے انجن یکلخت بند کر دیئے گئے تھے۔ میرے وجود کی گہرائیوں میں عجیب سنسنی، سر ابھارنے لگی۔

وہ کمانڈر کے مسلح جتھوں کے خلاف کی جانے والی جنگ کارروائی کا آپریشن بیس تھا اور وہاں رونما ہونے والا ہر فعل اور واقعہ کسی نہ کسی ضرورت کا محتاج تھا۔ محاذِ جنگ کے قریب روشنیاں ضرورت سے زیادہ دیر تک جلائے رکھنے کی عیاشی جا سکتی تھی اور نہ ہی انجنوں وغیرہ کا شور شرابا غیر ضروری طو پر جاری رکھا جا سکتا تھا۔

اندھیرا اور سکوت ہوتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یک بیک، کسی اندھے کنوئیں میں الٹا لٹکا دیا گیا ہو اور کسی بھی میری رسّی کاٹی جانے والی ہو۔

"ہالٹ!" ہمارے قریب ہی سے، اچانک ایک کرخت آوا ابھری اور سب ہی سہم کر رک گئے۔

یک بیک روشنیاں معدوم ہو جانے کی وجہ سے میری آنکھیں اندھیرے میں کچھ دیکھنے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ لیکن ہالٹ تحکمانہ نعرے کے ساتھ ہی، کنکریٹ کی ائرسٹرپ پر ہم سب قدموں کی آہٹیں یکلخت تھم گئی تھیں اور میں نے سمجھ لیا تھا شہروں کے عیش و نشاط میں پلنے بڑھنے والے، سب ہی لوگ پُراسرار فوجی ماحول میں خود کو بہت زیادہ پابند بلکہ غیر محفوظ تصور رہے تھے۔ اس لئے ہر ہدایت پر صدقِ دل سے عمل کرنے کے کوشاں تھے۔

"ایک ایک کر کے کوڈ بتاؤ اور قطار میں کمانڈ اینڈ کنٹرول

...رکی طرف جاؤ!"
ہمارے قریب ہی موجود' کسی نادیدہ سیکیورٹی افسر نے' حلق
کرخت لہجے میں کہا۔
فرصت کے لمحات میں کرنل محمد خان کی رنگین و سنگین کتابیں
پڑھ کر میں اتنا جان چکا تھا کہ فوج کے کمیشنڈ افسران' بالعموم
شائستہ اور خوش کلام ہوتے ہیں' حلق کی مار سے مخاطب کو
...ار کرنے والے دلیر اور گھاگ فوجیوں کا کمیشن سے خال خال
تعلق بنتا ہے۔
وہاں وقت یک بیک دوڑنے لگا تھا' اس لئے مجھے ان باریکیوں
...بارہ مغز زنی کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ہیلی کاپٹروں سے ہم
...بے ترتیبی اور افراتفری کے عالم میں اترے تھے۔ لیکن ہمیں
...لانے والے افسران اپنی ذمے داریوں سے کماحقہ' آگاہ تھے
...لئے کرنل صاحب پھرتی کے ساتھ' سب سے آگے ہو چکے
... آزاد نامہ نگار تھکے ہوئے انداز میں سب سے پیچھے تھا۔
...اپنے کسی حوالدار یا نائیک کا حکم سنتے ہی کرنل ریاض نے
...ف اپنا کوڈ دہرایا۔ اس کے کوڈ میں شاید اس کا عہدہ بھی پنہاں
کیونکہ اچانک ہی زمین فوجی سیلوٹ سے لرز اٹھی۔ اپنا کوڈ
...نے پر' کیپٹن الیاس کو بھی اسی انداز میں تعظیم دی گئی۔ باقی
...کا فوج یا اس کے کڑے نظم و نسق سے کوئی واسطہ نہیں تھا
...لئے ہم سب مشینی انداز میں اپنے اپنے کوڈ سناتے ہوئے اس
...ت وجاہت انسانی ہیولے کے قریب سے گزرتے چلے گئے جو
...بارے میں' کسی بت کی طرح ایستادہ تھا۔
...ہ ان لوگوں کا اپنا نظام تھا۔ اس وقت ہم جنگی محاذ کے قریب
...اہم اڈے پر موجود تھے اس لئے وہاں کوئی بھی بات فرض
...لینے کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی تھی۔ اس اڈے کے محافظوں
...لئے اتنا کافی نہیں تھا کہ ہم سب فوجی ہیلی کاپٹرز میں وہاں لائے
...تھے یا دو اہم فوجی افسر ہماری رہنمائی کر رہے تھے۔ ہر قسم کے
...دشیے سے بالاتر رہنے کے لئے' اس آخری مرحلے پر بھی' ہر
...کی جانچ پڑتال ضروری سمجھی گئی تھی۔
دوسری طرف یہ بھی سسٹم ہی کا کمال تھا کہ وہاں منصب اور
...ل میں کوئی تصادم نہیں تھا۔ روکنے والے کے عہدے اور
...ہ کی کوئی فکر کئے بغیر' کرنل ریاض نے اس کی اتھارٹی کو تسلیم
...ا تھا اور وہی کیا' جس کے لئے کہا گیا تھا۔ ورنہ شہری نظام میں
...بنا' ...کمل اپنی گاڑی روکنے کی جرات کرنے والے ڈی ایس پی
...و تھپڑ مار دیا کرتے ہیں۔
"تمہاری یہ چیکنگ کب تک ہوتی رہے گی؟" آزاد نامہ نگار کی
...بھاری آواز' خنک اور تاریک فضا کے دوش پر ابھری۔ شاید وہ
...دو فوجی افسران کے قریب پہنچ گیا تھا۔
"فکر نہ کریں' یہ آخری سیکیورٹی چیک تھا۔" کیپٹن الیاس کی
...لئے بھرپور آواز ابھری۔

"کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات کافی نہیں تھی کہ ہم لوگوں کو دو
ذمے دار افسران' فوجی ہیلی کاپٹرز پر لائے ہیں؟" آخری باز پرس'
آزاد نامہ نگار کے لئے شاید ہتک آمیز ثابت ہوئی تھی۔
"یہ زمانۂ امن کی ایک محدود اور بہت ہی خفیہ' فوجی کارروائی
ہے اس لئے ہم سب ضرورت سے زیادہ محتاط ہیں۔ ہمارا دشمن
بہت چالاک اور مکار ہے۔ راستے میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اس کے
برخلاف' کھلی جنگ کا سامنا ہو تو ہمیں اتنی فکر نہیں رہتی۔ ہمارا ہر
شہری دشمن کو پہچانتا اور اس سے ہوشیار رہتا ہے۔ اس لئے جنگ
کا ایک ردھم بن جاتا ہے۔ ہماری پشت پر قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار
بن جاتی ہے اور ہم غیر فوجی شعبے' ان کے طریقے پر قوم کو سونپ
دیتے ہیں۔ لیکن آج کی صورتِ حال بہت مختلف ہے۔ آپ لوگوں
اور اس مشن کے شرکا کے علاوہ کسی کے فرشتوں کو بھی علم نہیں
ہوگا کہ اس آپریشن میں سے کیسے بھیانک فتنے کا سدِّباب کیا جانے
والا ہے۔ مجھے امید ہے کہ رازداری کے ضمن میں پیش آنے والی
ان رکاوٹوں کو آپ خندہ پیشانی سے بھول جائیں گے۔"
"صحافی جو کچھ دیکھتا ہے' اسے بھول نہیں سکتا۔" آزاد نامہ
نگار کو اچانک پیشہ ورانہ طرارہ آ گیا۔ "میں اپنی کوریج میں ان تمام
جزئیات کا ذکر کروں گا تاکہ قوم کو معلوم ہو سکے کہ ہم کو اپنا فرض
پورا کرنے کے لئے کیسی کیسی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"
"یار' چپ رہو!" کرنل یا کیپٹن کے چراغ پا ہونے سے پہلے
سینئر رپورٹر بول پڑا "آف دی ریکارڈ گفتگو کے نام پر سیاستداں'
حکمراں اور بیوروکریٹس ہمیں کیا کچھ نہیں سنا دیتے اور ہم اس زہر
افشانی کے بارے میں ایک سطر بھی نہیں لکھ پاتے۔ ویسے بھی آج
کا قاری بہت مصروف ہے۔ اسے صرف خبر سے دلچسپی ہوتی ہے۔
وہ یہ نہیں جاننا چاہتا کہ خبر کس نے اور کیسے حاصل کی ہے۔ تم ان
ہی خرافات میں الجھ کر خود کو برباد کر رہے ہو۔ تمہاری خبروں میں خود
نمائی اور خود پرستی اتنی حاوی ہوتی ہے کہ چھوٹے موٹے اخبارات
نے بھی تم سے خبریں خریدنی بند کر دی ہیں۔ تمہیں اپنا انداز بدل
لینا چاہئے۔"
"تم مجھ سے جلتے ہو۔" آزاد نامہ نگار نے بلا تامل کہا "اس
جماعت میں میری شمولیت اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ میں آج
بھی ایک بڑا نامہ نگار ہوں۔ رہا میری خبریں نہ چھپنے کا معاملہ' تو یہ
کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بڑے لوگوں سے ہر دور میں منظم پیمانے پر
دغا کی گئی ہے۔ ہر بڑے آدمی کی قدر' اس کی موت کے بعد کی گئی
ہے۔"
"اوہ سمجھا!" فوٹوگرافر نے برجستہ کہا "شاید تم اپنی قدر کرانے
کے لئے آج ہمارے ساتھ شامل ہوئے ہو۔ مرنے سے پہلے' مجھے
اپنی مرضی کے دو چار پوز بنوا دینا۔ تم اپنا بھلا تو نہیں کر سکے۔ ہو سکتا
ہے میں ان تصویروں سے اپنا کچھ بھلا کر سکوں۔ تمہاری آخری
تصویریں ہٹ ہو گئیں تو مجھے محکمے میں بھی ترقی مل جائے گی۔"
"میرا خیال ہے کہ ہمیں اس مہم پر آئے ہوئے' دوسرا دن

شروع ہو چکا ہے۔" اپنی رسٹ واچ کے الارم پر' محکمۂ اطلاعات کے مبصر نے چونک کر کہا اور آزاد نامہ نگار' فوٹوگرافر کو جواب دینے کی سعادت سے محروم رہ گیا۔

"دوسرا دن؟" سینئر رپورٹر کی آواز تضحیک آمیز تھی۔ "ابھی تو پہلا دن پورا نہیں ہوا۔"

"تمہاری بات ٹھیک ہے۔" مبصر کی خفت آمیز آواز سنائی دی۔ "لیکن ٹی اے اور ڈی اے کے قواعد میں بارہ بجے شب کے بعد دوسرا دن لگ جاتا ہے۔ میری گھڑی نے ابھی ابھی بارہ بجائے ہیں۔"

وہ ان لوگوں کی اندر کی باتیں تھیں جو میرے لئے خفت کا باعث بن رہی تھیں لیکن اس ماحول میں' وہ سب کسی بناوٹ کا سہارا لئے بغیر' اپنی سوچ اور ذہنیت کا اظہار کئے جا رہے تھے۔ ان لوگوں کی یکجائی میں ان کے میزبانوں کا بہت زیادہ دخل نہیں تھا۔ وہ ایک خفیہ اور محدود کارروائی تھی جس کے لئے مبصر اور فوٹوگرافر کو ان کے محکمے کی طرف سے نامزد کیا گیا ہو گا۔ آزاد نامہ نگار کی موجودگی بھی کسی تنظیم کی مرہونِ منت نظر آ رہی تھی البتہ سینئر رپورٹر ان تینوں سے قطعی مختلف اور اپنے کام میں بہت زیادہ سنجیدہ تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک بہت بڑے' نجی روزنامے سے وابستہ تھا اور ایسے اداروں میں کسی کو بھی نام یا ساکھ کی وجہ سے برداشت نہیں کیا جاتا۔ ہر شخص کو اپنا وجود منوانے کے لئے شب و روز جاں سوزی کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے اور ادارے کی کارکردگی میں' ان کی افادیت ہی اُن کے مقام کا تعین کرتی ہے۔

کرنل ریاض اور کیپٹن الیاس نے اس نوک جھونک میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لی۔ وہ دونوں قدرے تیز قدموں سے چلتے ہوئے آگے نکل گئے تھے ورنہ ان دونوں کو یہ جان کر سخت کوفت ہوتی کہ اس اہم مشن پر آئے کسی فرد کو' اپنی ذمے داریوں سے زیادہ' اپنے سفری اور روز مرہ الاؤنس کی فکر تھی۔

اس وقت صحرا میں ہر طرف گھور اندھیرے کا راج تھا۔ ہواؤں کے جھکڑ نہ چلنے کے باوجود فضا میں خاصی خنکی اتری ہوئی تھی۔ تاروں بھرے آسمان کے ایک گوشے میں آخری راتوں کا' ڈھلتا ہوا' یرقان زدہ چاند اپنے ادھورے وجود کے اظہار کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ اس اندھیرے میں چند ثانیے گزار لینے کے بعد میری آنکھیں تاریکی میں کچھ دور تک دیکھنے کے قابل ہو گئی تھیں۔ اسی کے ساتھ میرے کان آہستگی سے گردش کرتے ہوئے کسی آلے کی آواز بھی سن رہے تھے۔

لمبے لمبے ٹریلروں پر لدے ہوئے' فوجی رنگ کے دونوں کنٹینر اس عارضی' صحرائی پٹی سے قدرے دور' ریت میں موجود تھے۔ ان ہی کے قریب ایک بڑا آئل ٹینکر موجود تھا جس سے منسلک موٹے موٹے پائپ' نیم جاں اژدھوں کی طرح' اندھیرے میں دور دور معدوم ہوتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ پھر مجھے ایک آہنی کنٹینر کی چھت پر گردش کرتا ہوا' ریڈار کا اینٹینا بھی نظر آ گیا۔ بظاہر اس کی گردش بے آواز تھی لیکن بیضوی تھالی سے مشابہ' اس بڑے [illegible] گھومنے سے ہوا کے کٹاؤ کی آواز موہوم سی گھوں گھوں [illegible] تھی جو سناٹے کے باعث نمایاں طور پر سنائی دے رہی تھی۔

دونوں فوجی افسران کی معیت میں ہم پہلے کنٹینر کے [illegible] پر پہنچے۔ وہاں اندھیرے میں چھپے ہوئے سپاہی نے [illegible] مار کر اپنے افسران کو سلیوٹ کیا اور کسی میکانزم کو حرکت [illegible] کنٹینر کا دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی' اندر سے ہلکی سی روشنی باہر رینگ [illegible] سب ٹریلر کے پائیدان کے ذریعے یکے بعد دیگرے' چا [illegible] لیے' اس آہنی صندوق میں داخل ہو گئے۔

باہر سے وہ کنٹینر مال برداری کے لئے استعمال ہو [illegible] آہنی صندوق سے ذرا بھی مختلف نہیں تھا لیکن اندر [illegible] ساخت بالکل ہی مختلف تھی۔ عقبی دروازے سے اند [illegible] ہوتے ہی' ہم نے خود کو ایک نیم روشن اور تنگ جگہ میں [illegible] سے آگے' بائیں طرف کی دیوار کے ساتھ پتلی سی راہدا [illegible] جس کے داہنی طرف تختوں کی مدد سے کیبن بنا کر' کنٹینر کو [illegible] دفتر کی صورت دے دی گئی تھی جہاں متعدد افراد پوری آزاد [illegible] یکسوئی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکتے تھے۔

اس وقت تک مجھے اس کنٹینر میں کوئی کھڑکی وغیرہ نظر [illegible] آئی تھی لیکن اس کے باوجود اندر گھٹن کا نام و نشان تک نہ [illegible] بلکہ باہر پھیلی ہوئی خنکی کے اثرات' اندر بھی محسوس ہو رہے [illegible] اس موبائل فوجی دفتر میں ہر کمرے کے باہر متعلقہ افسر [illegible] اور عہدے کی تختی لگی ہوئی تھی۔ مختصر دفاتر کے دروازے [illegible] کی تنگی کی وجہ سے کوئی پٹ یا پردہ نہیں تھا۔ اس لئے راہدار [illegible] گزرتے ہوئے' ہم نے داہنی جانب کے چار دفاتر کا جائزہ [illegible] جہاں باوردی افسران اور جوان اپنے اپنے کاموں میں [illegible] تھے۔

اس راہداری کا اختتام پٹ والے ایک دروازے پر [illegible] کنٹینر کی پوری چوڑائی پر محیط اور تقریباً دس فٹ طویل [illegible] میں کھلتا تھا۔ اس کمرے میں تین دیواروں کے ساتھ آرا [illegible] بینچیں نصب تھیں' ایک دیوار کے آگے رائفل اسٹینڈ [illegible] تھے۔ وہیں دیوار پر میگزین کی پیٹیاں لٹکی ہوئی تھیں۔

اس کمرے میں پہنچ کر مجھے اندر کی تازگی کا راز بھی [illegible] ہو گیا۔ کنٹینر کی چھت کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ وہاں نصب [illegible] پٹیوں کے درمیان' تازہ ہوا کی آمد اور گرم ہوا کے نکاس [illegible] خاصی جگہ موجود تھی مگر ان پٹیوں کے زاویئے ایسے رکھے [illegible] کہ اندر سے آسمان نظر آتا تھا' نہ اندر کی روشنی باہر [illegible] جا سکتی تھی۔

کیپٹن الیاس کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی تھی۔ [illegible] پر کوڈ پوچھے جانے کے بعد کسی نے ہمیں روکا ٹوکا نہیں تھا [illegible] فوجیوں کی وہ بے توجہی کھل رہی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا [illegible]

ہمیں اپنے لئے قطعی بے ضرر اور غیر اہم سمجھ رہے ہوں۔ نقشوں اور آلات پر مصروف افسروں اور جوانوں نے کرنل ریاض اور کیپٹن الیاس سے بھی کوئی رسمی سلام دعا نہیں کی تھی۔ وہ سب ہماری آمد اور متعدّد قدموں کے شور سے بے نیاز، اپنے کاموں میں منہمک رہے تھے۔

"اب ہمیں کچھ دیر یہاں انتظار کرنا ہوگا۔" کرنل ریاض نے بینچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کمانڈنگ آفیسر سے کب ملاقات ہو سکے گی؟" مبصّر نے شائستہ لہجے میں سوال کیا۔

"اس کا امکان نہیں ہے۔ سی او کا کیمپ آفس ریڈار والے کنٹینر میں ہے۔ وہ ہماری ٹیم کے لئے علاقہ ممنوعہ ہے۔" کرنل نے خوش دلی کے ساتھ کہا "اس وقت ہر شخص بے حد مصروف ہے۔ ان سب کے کاندھوں پر اپنے ان افسروں اور جوانوں کی حفاظت کی پوری پوری ذمے داری ہے جو کھلے صحرا میں، دشمن کی نفری کو گھیرنے کا خطرہ مول لیں گے۔ اس معرکے کے انجام کا انحصار ان کنٹینروں میں کئے جانے والے فیصلوں پر ہوگا۔ اپنے ساتھیوں کے تحفظ کی یہ ذمّے داری ہر سپاہی اور افسر کو وار ٹینشن میں مبتلا کر دیتی ہے اس لئے اب آپ لوگوں کو بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔"

"مجھے یہاں بجلی کے کھمبے نظر نہیں آئے؟" آزاد نامہ نگار نے پُرتشویش لہجے میں کہا اور سب چونک کر اسے گھورنے لگے کیونکہ اس وقت اس کا سوال بہت بے محل اور بے تکا محسوس ہوا تھا۔

"یہ علاقہ بجلی، پانی اور ایسی بہت سی نعمتوں سے محروم ہے۔" کیپٹن الیاس نے پوری سنجیدگی کے ساتھ کہا "تھر کے اس صحرا میں زندگی کیسے پنپتی ہے؟ اس کا اندازہ لگانا بھی محال ہے۔ مگر پھر بھی یہاں انسان رہتے ہیں۔ وہ نسل ہا نسل سے ان مصائب سے لڑتے چلے آ رہے ہیں لیکن اپنی زمین کو چھوڑ کر زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقوں میں کوچ کرنے کا تصور بھی نہیں رکھتے۔ ہم دل و جان کی گہرائیوں سے ان کی قدر کرتے ہیں لیکن ان کے مصائب دور کرنے سے قاصر ہیں۔"

"پھر یہ کنٹینرز کیسے روشن ہیں؟" نامہ نگار کو اس خطّے کے انسانی المیوں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔

"شمسی بیٹیاں یا سولر سیل یہ توانائی فراہم کر رہے ہیں۔ صحرا میں انجن اور جنریٹر کی آواز دور تک پھیلتی ہے۔ اس لئے اب خاص مہمات میں شمسی بیٹیاں استعمال کی جاتی ہیں۔" کیپٹن نے جواب دیا۔

"مجھے یہی حیرانی تھی۔" نامہ نگار نے اطمینان کا گہرا سانس لے کر کہا "نہ بجلی کے کھمبے، نہ جنریٹر کا شور مگر بجلی پھر بھی آ رہی ہے۔ کیا جابجا سولر سیل لگا کر اس علاقے کی کایا پلٹ نہیں کی جا سکتی؟ یہاں تو سال کے بارہ مہینے، سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمکتا رہتا ہے۔ ہم مفت کی اس توانائی کو برباد کر رہے ہیں۔"

"یہ حکومت کے مسائل ہیں۔ اس بارے میں وہی لوگ کچھ کر سکتے ہیں۔" کیپٹن بولا "ویسے میرا ذاتی خیال ہے کہ سولر انرجی استعمال میں بہت سستی ضرور پڑتی ہے لیکن سولر سیل لگانے کے اخراجات بہت زیادہ ہوتے ہیں جن کا بوجھ اٹھانا آسودہ حال ملکوں کے لئے بھی مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک دن ٹیکنالوجی کی ترقی سولر انرجی کو بھی اتنی کم لاگت پر لے آئے کہ ہر طرف روشنی پھیلائی جا سکے۔ فی الحال تو ہمارے پاس بھی گنے چنے یونٹ ہی ہیں۔"

اسی لمحے، باہر راہداری میں وزنی فوجی جوتوں کی دھمک سنائی دی، ہماری انتظار گاہ کا دروازہ کھلا اور ایک نوجوان میجر، بجلی وردی میں اندر آ گیا۔

اس نے کرنل کو دیکھتے ہی ایڑیاں ملا کر سیلوٹ کیا اور کرنل ریاض بھی اسے پہچانتے ہی مسرّت آمیز انداز میں بینچ سے اٹھ کر، اس کی طرف لپکا تھا۔

"اوہ! انصاری، تم یہاں!" کرنل ریاض نے مسرّت آمیز حیرت کے ساتھ اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔ "میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم سے یہاں ملاقات ہو سکے گی۔ تم تو توپخانہ چھوڑ کر اب جی ایچ کیو کے آدمی ہو گئے ہو۔"

"بس سر! اسپیشل اسائنمنٹ پر یہاں بھیجا گیا ہوں۔ اللہ نے سُرخرو کیا تو ایک دو روز میں واپس پنڈی چلا جاؤں گا۔ سگنلز کا ایک مختصر لیکن بہت سینئر یونٹ میری کمان میں آیا ہوا ہے۔ مجھے ابھی ابھی علم ہوا کہ آپ آئے ہوئے ہیں تو میں موقع نکال کر ملنے چلا آیا۔ اس وقت یہاں سب بے حد مصروف ہیں....."

بولتے بولتے، اس نے ہم لوگوں کا جائزہ لیا اور یکلخت خاموش ہو گیا۔

"تمہارا یونٹ کہاں ہے؟ مجھے کسی کیبن میں تمہاری جھلک نظر نہیں آئی۔" کرنل نے کہا۔

"ہم لوگ دوسرے کنٹینر میں ریڈار روم میں ہیں سر! آپ چاہیں تو ایک چکر اُدھر کا بھی لگا لیں۔"

"چلتے ہو خان؟" کرنل نے اوّل خان سے پوچھا۔ اسی لمحے میری اور اوّل خان کی نگاہیں چار ہوئیں۔ میں نے خاموش نظروں سے التجا کی کہ وہ مجھے ساتھ لے جانا نہ بھولے۔

"میرے ساتھ میرا ماتحت بھی چل سکتا ہے؟" اول خان نے آگے بڑھ کر، کرنل سے سوال کیا۔

"خان صاحب اسپیشل ٹاسک فورس کے سینئر افسر ہیں" کرنل نے میجر انصاری سے اول خان کا تعارف کرایا۔

ان دونوں نے گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کیا۔ تعارف دروازے کے قریب دھیمی آواز میں کرایا گیا تھا کیونکہ ایس ٹی ایف بہرحال ایک اہم اور خفیہ تنظیم تھی، جس کے وجود سے ذرائع ابلاغ بے خبر تھے۔

بقیہ چاروں افراد، کیپٹن الیاس کے ساتھ وہیں رہ گئے اور ہم تینوں میجر انصاری کے ساتھ کنٹینر سے باہر نکل گئے۔

دوسرے کنٹینر میں کوئی پارٹیشن نہیں تھا۔ وہاں جنگی تیاریوں کا رنگ نمایاں تھا۔ ہر شخص جوش اور ہیجان میں مبتلا تھا۔ اس مشن کا سی او' ایک کرنل ہی تھا جو اپنی عرق آلود پیشانی کے ساتھ' ایک نقشے پر سر کھپا رہا تھا۔ اجنبی قدموں کی آہٹ پر اس نے چونک کر' سر اوپر اٹھایا' خوابیدہ نظروں سے ہماری طرف دیکھا اور اپنے سر کو ایک خفیف سی جنبش دے کر دوبارہ نقشے پر مغز زنی میں مصروف ہو گیا۔

وہاں کسی نے کسی کا استقبال کیا نہ ہماری آمد پر کوئی خاص توجہ دی۔ ہر شخص کے چہرے پر گمبھیر سا تناؤ موجود تھا جو میدانِ جنگ سے ملحق' اس کمانڈ اینڈ کنٹرول ہیڈ کوارٹر کے کمانڈنگ افسر اور اس کے عملے کی اعصابی کیفیت کا مظہر تھا۔

"یہ بہت بڑی اور اہم ترین کارروائی ہے' سر!" میجر انصاری نے ہمیں ریڈار مانیٹرنگ یونٹ کی طرف لے جاتے ہوئے' کرنل سے سرگوشیانہ اور معذرت آمیز لہجے میں کہا "محدود وقت میں مقررہ مقاصد حاصل نہ کئے گئے تو بین الاقوامی جنگ کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ اس امکان نے ہر جوان اور افسر پر ذہنی دباؤ بڑھا دیا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" کرنل نے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے بزرگانہ انداز میں کہا۔

"سرا سگنل شروع ہو گئے۔" ریڈار مانیٹرنگ یونٹ کے قریب سے ایک افسر کی بلند اور ہیجان آمیز آواز ابھری۔ اس کے کانوں پر ہیڈ فون چڑھا ہوا تھا جس سے نکلنے والے متعدد باریک باریک تار' اس کے اردگرد رکھے ہوئے آلات سے منسلک تھے۔

اس افسر کی آواز نے کنٹینر میں موجود ہر شخص کو چونکا دیا۔ ہر چہرے پر امید و بیم کی ملی جلی کیفیات نظر آنے لگیں۔ کمانڈنگ افسر اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی کے ساتھ اس طرف آیا تھا۔

اس دوران میں ہیڈ فون والا افسر جلدی جلدی بہت سے آلات کی گھنڈیاں وغیرہ گھمانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ میجر انصاری نے اسے آڈیو سگنلز کو ایمپلی فائینگ یونٹ پر ٹیون کرنے کی ہدایت کی تھی۔

اسپیکر پر ریڈیائی ارتعاش اور گھر گھر کی ملی جلی آوازوں کے بعد آخر ایک یونٹ پر ملی جلی انسانی آوازیں ابھرنے لگیں۔ جو مدھم ہونے کے باوجود خاصی واضح تھیں۔

سی او' کرنل ریاض اور میجر انصاری پورے انہماک' اشتیاق اور اضطراب کے ساتھ ان ملی جلی آوازوں کو سن رہے تھے اور اول خان میرے ساتھ ایک گوشے میں سمٹ گیا تھا تاکہ ہم دونوں کی وہاں موجودگی' ان لوگوں کی پیشہ ورانہ مصروفیات میں کسی رکاوٹ کا سبب نہ بن سکے۔

ہم دونوں کو بطور خاص وہاں لایا گیا تھا' اس لئے ہمارے کان بھی ان آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔

چند ہی ثانیوں کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ وہ آوازیں اس کمانڈو گروپ کی تھیں جسے سرکش ڈاکوؤں کے روپ میں' سرحد پا کمانڈر سے ملنا تھا۔ وہ لوگ پروگرام کے مطابق پیش قدمی کرتے ہوئے' اپنی حکمتِ عملی پر آخری بار نظرِ ثانی کر رہے تھے تاکہ ان کے سامنے ان سے کسی مہلک لغزش کے امکانات باقی نہ رہیں۔

اول خان مجھے کراچی ہی میں بتا چکا تھا کہ دشمن کے کمانڈر کو بہلا پھسلا اور ورغلا کر' اپنی سرحد میں لانے کے لئے اسپیشل ٹاسک فورس کے آٹھ منتخب جوانوں کا ایک دستہ آرمی کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ وہ لوگ اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر' موت کے منہ میں جا رہے تھے' اس لئے یہ بات یقینی تھی کہ انہیں ایسا کوئی اپریٹس' آلہ یا ہتھیار نہیں دیا گیا ہو گا جس کی وجہ سے ان کا آرمی سے کوئی تعلق ثابت ہو سکے۔ لیکن اسپیکر پر آنے والی' ان کی ملی جلی آوازوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ان میں سے کسی کے لباس میں کوئی حساس' لاسلکی مائیکروفون پوشیدہ تھا' جس کے ذریعے ان کی ہر آواز کمانڈ اینڈ کنٹرول ہیڈ کوارٹر میں سنی جا رہی تھی۔ میرے لئے وہ ایک ناقابلِ فراموش تجربہ تھا کہ میں ایک بین الاقوامی سازش کا تانا بانا' بنفسِ نفیس بنتے اور بکھرتے دیکھ رہا تھا جس میں دونوں فریقوں کے بہترین اور زیرک افراد' اپنے اپنے قومی مفاد کے حصول کے لئے سردھڑ کی بازی لگانے پر آمادہ و تیار تھے اور ایس ٹی ایف کے کمانڈو اپنے حریف کا ہانکا کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تھے۔

کچھ دیر کے بعد کمانڈو گروپ کی افراد کی رازدارانہ گفتگو ختم ہو گئی۔

"اب ہم سرحد سے چند قدم کے فاصلے پر ہیں۔ بھول جاؤ کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں۔" اسپیکر پر اس کمانڈو گروپ کے سربراہ کی گمبھیر آواز ابھری۔ "اس لمحے کے بعد ہم حکومتِ پاکستان سے متصادم' سرکش نوجوانوں اور بے روزگاری سے تنگ آ کر لٹیرے اور ڈاکو بننے والے نوجوانوں کے علاوہ کچھ نہیں ہیں۔ ہمارے ایکشن پلان کا پہلا حصہ یہاں ختم ہوتا ہے۔ دوسرے حصے میں ترجمانی کا کام میرے ذمے ہو گا۔ اگر ہم کمانڈر کو اس کے ہتھیاروں سمیت' اس کی کمین گاہ سے ہانک کر اپنی سرزمین پر لانے میں کامیاب ہو گئے تو یہ ہمارے مشن کے تیسرے مرحلے کی کامیابی ہو گی۔ سرحد پار کر کے' اپنے علاقے میں دوبارہ داخل ہوتے ہی ہمارے مشن کا چوتھا مرحلہ روبہ کار آ جائے گا۔ اس مرحلے میں' ہم میں سے ہر شخص آزاد اور خود مختار ہو گا۔ ہماری سرزمین پر پیش قدمی کرتے ہوئے دشمن کو کسی بھی شبہے کا موقع دیے بغیر' ان سے الگ ہو جانا ہمارا فرض ہو گا تاکہ ہم دشمن پر کئے جانے والے تباہ کن حملوں میں اپنوں کا نشانہ بننے سے محفوظ رہ سکیں۔"

"غازی یا شہید!" اسی گروپ میں سے کسی کی آواز ابھری۔

"دونوں صورتوں میں ہمارے درجات بلند ہوں گے۔ ہم آنے والے ہر اچھے اور برے وقت کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔ اللہ ہماری نیتوں کا حال جانتا ہے اور وہی ہمارے پیچھے رہ جانے والوں کا مددگار اور نگہبان ہو گا۔"

پھر ان سب نے مل کر دھیمی مگر گونجیلی آواز میں کلمۂ اول پڑھ کر اپنے ایمان کی تجدید کی اور کلمۂ شہادت کی پُرہیبت قرات کے بعد اس طرف سکوت پھیل گیا۔

وہ سب اس قدر پُرشکوہ اور پُرجلال تھا کہ میں اپنے وجود میں اندر ہی اندر لرز کر رہ گیا۔

میں ایک انسان ہونے کے ناتے سے دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتا تھا لیکن مجھے یہ اعتراف کرلینا چاہئے کہ میری زندگی میں مذہب کا کبھی بھی بہت زیادہ دخل نہیں رہا لیکن اس لمحے اپنے کمانڈوز کے آخری ایمان افروز مکالموں کے بعد میں خود کو اپنی ہی نظروں میں حقیر سمجھنے لگا۔

ایک طرف اللہ کے وہ پُراسرار بندے اور غازی تھے جو رات کے ہولناک اندھیروں میں اپنے عزیزوں اور پیاروں کو بھول کر ایک بہت بڑے مقصد کے لئے سُوئے مقتل بڑھ رہے تھے۔ وہ وہاں مارے جاتے تو شہادت کے رتبے پر فائز ہو جاتے اور اپنا مشن پورا کرکے زندہ و سلامت لوٹ آتے تو غازی کہلاتے۔ ان کے ارادے واضح، عزم راسخ اور نیت صاف تھی اس لئے ہر حالت میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔

دوسری طرف، میں مدتوں سے شی، مافیا اور ان کے ہمدردوں سے ایک خونریز پیکار میں مصروف تھا۔ اس بھیانک محاذ آرائی میں، میں نے شاید ان کمانڈوز سے زیادہ خطرات مول لئے تھے لیکن میرے سامنے کوئی واضح نصب العین نہیں تھا، کوئی بہت بلند مقصد نہیں تھا اور نہ ہی میں کسی روحانی قوت سے مالا مال تھا اس لئے، اس لئے، مجھے اپنی ساری جدوجہد ہیچ نظر آنے لگی تھی اور میرا دل میرے اپنے وجود پر نفرین کر رہا تھا۔

ایک طرف وہ مطمئن کمانڈوز تھے اور دوسری طرف میں خود ملامتی میں مصروف تھا۔ لطف کی بات یہ تھی کہ کمانڈوز جو کچھ کر رہے تھے اور جس مقصد کے لئے بڑھ رہے تھے، اس کی بنیاد کی پہلی اینٹ میں نے ہی رکھی تھی۔ دیکھا جائے تو اس تابناک مشن کا معمار میں خود ہی تھا لیکن دکھ کی بات یہ تھی میرا دل لگن اور جذبے سے خالی تھا جب کہ معمار کے خوابوں کو عملی تفسیر دینے والے اپنے جوش، جذبے اور نیت کی وجہ سے ہر طرح سے خوش اور مطمئن تھے۔

اس کنٹینر کے بوجھل اور جنگی ماحول میں، وقت سسک سسک کر اور رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ اس دوران میں آڈیو یونٹ پر وقتاً فوقتاً کمانڈوز کے اکا دکا فقرے سنائی دیتے رہے جن میں کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن جب ہم سب نے اکھڑ لب و لہجے میں ہالٹ کا ایک لفظ سنا تو میرے بدن کے سارے مساموں سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ بہہ نکلا۔

ہالٹ کے کاشن کے ساتھ ہی، بیک وقت متعدد دھاکے سے سنائی دیئے۔ خطرہ سامنے دیکھ کر شاید وہ آٹھوں کمانڈوز تیزی کے ساتھ زمین پر گر گئے تھے۔

"تم کون ہو؟ سامنے آؤ!" کمانڈوز کے سربراہ کی بھڑکتی ہوئی، تیز آواز سنائی دی۔

"خدا خیر کرے، میرے بچے موت کے منہ میں ہیں" کمانڈنگ آفیسر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے، اضطراری لہجے میں بڑبڑایا۔

"اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاؤ ورنہ میں ایک ہی برسٹ میں تم آٹھوں کو ژرگباش کردوں گا۔" کمانڈوز کو ٹھہرنے کا حکم دینے والے کی بے رحمانہ آواز ابھری۔ "یہاں اندھیرا ضرور ہے۔ لیکن میں تم سب کو اچھی طرح دیکھ رہا ہوں۔ اسٹینڈ اپ اینڈ ہینڈز اپ۔ نو بلاڈی چالاکی، ورنہ سب کو چھلنی کردوں گا.....اس سرزمین پر آنے والوں کو نہیں بلکہ میزبانوں کو سوال کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے.... شاباش! تم لوگ بہت سعادت مند ہو۔ انگلیاں آپس میں پھنسا کر، دونوں ہاتھ اپنے اپنے سروں پر رکھ لو اور یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

"ہم تمہیں سب کچھ بتادیں گے لیکن خدا کے لئے تم ہمیں صرف اتنا بتا دو کہ اس وقت ہم کس ملک کی سرزمین پر ہیں؟" گروپ کے سربراہ کی خوفزدہ اور خوشامدانہ آواز سنائی دی جو اس صورتِ حال کے تقاضوں کے عین مطابق تھی۔ ان مکالمات کو سن کر میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو گئی تھیں۔

"یہ بندے ماترم اور ترنگے پرچم کی سرزمین ہے۔" للکارنے والے کی آواز نخوت آمیز ہو گئی۔ "اور میں اسی پوتر دھرتی کا ایک سچا سیوک ہوں۔ اب بھونکو کہ تم کون ہو؟"

"تم ہماری بے عزتی کر رہے ہو۔" کمانڈوز کے گروپ لیڈر کی زخمی آواز سراپا احتجاج بن گئی تھی۔ "ہم اپنی عزتِ نفس بچانے کے لئے اپنے حکمرانوں سے لڑ رہے ہیں۔ ان کی راتوں کی نیندیں حرام کرنے کے لئے ہم جنگلوں میں رُوپوش ہو کر بھانت بھانت کی وارداتیں کر رہے ہیں۔ ہم نے اپنے لگامیں سائیں سرکار کے ہاتھ میں دے دی ہیں۔ سائیں سرکار کے حکم پر، سرحد پار کرنے کے بعد بھی ہمیں عزت نہ مل سکے تو ہم ایسی زندگی پر لعنت بھیجتے ہیں۔ ہمیں عزت کی روزی نہیں مل سکی تو ہم نے مال داروں سے طاقت کے بل پر اپنا حصہ چھیننا شروع کر دیا۔ حکومت نے ہمیں ڈاکو اور دہشت گرد قرار دے کر ہماری تذلیل کی تو ہم نے سائیں ملا سرکار سے دوستی کرلی۔ ہم سب کچھ کرسکتے ہیں لیکن اپنی عزت اور انا پر کوئی سمجھوتا نہیں کرسکتے۔ اگر سرحد پار کرکے ترنگے کے زیرِ سایہ بھی ہم سے توہین آمیز سلوک کیا جاتا ہے تو ہم ملا سرکار سے اپنی عقیدت کو خیرباد کہتے ہیں۔ تم ہم کو معاف کر دو اور واپس جانے دو۔ وہاں ہم ملا سرکار سے خود اپنا حساب کرلیں گے۔"

"اوہ، تم ناراض ہو گئے۔" وہ کمانڈو لیڈر کی جذباتی تقریر سے بوکھلا گیا۔ "اگر تم ملا سرکار کے ہم نوا ہو تو ہمارے معزز مہمان ہو۔ ہم اپنی سرحدوں کے محافظ ہیں۔ دوسری جانب سے آنے والوں پر آنکھیں بند کرکے اعتماد نہیں کرسکتے۔ تم کو ہماری اس مجبوری کا اندازہ ہونا چاہئے۔ ویسے بھی ہمیں سرحد پار سے کسی کے

پیشگی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اس کے بغیر ہم تم کو کیسے پہچان سکتے تھے؟ تم تو بلا وجہ ہی جذباتی ہو رہے ہو۔"

"اب تم نے ہمیں پہچان لیا ہے تو کیا ہم اپنی پھنسی ہوئی انگلیاں کھول کر' اپنے ہاتھ نیچے گرا سکتے ہیں؟"

"پہچان کسی کوڈیا اشارے سے ہوتی ہے۔ تم بغیر کسی پروگرام کے آئے ہو اس لئے میں تمہارے دعوے پر اعتبار کئے لیتا ہوں۔ تم لوگ اپنے ہاتھ گرا لو اور یہ بتاؤ کہ اِدھر کیوں آئے ہو؟"

"ہم کمانڈر سے ملنا چاہتے ہیں۔" گروپ لیڈر کی سخت آواز سنائی دی۔

"اندھیرے میں' میں اکیلا نہیں ہوں۔ میرے ساتھ چار آدمی بھی ہیں جو شاید تمہاری نظروں سے اوجھل ہیں۔ ان کی نگرانی میں' تم یہیں ٹھہرو۔ میں کمانڈر سے بات کر کے آتا ہوں۔"

اس کے بعد کئی منٹ تک سکوت چھایا رہا جسے آخر کار گروپ لیڈر ہی کی آواز نے توڑا۔

"یہاں ہر طرف اندھیرا اور سناٹا ہے۔" وہ للکارنے والے کے نادیدہ آدمیوں سے کہہ رہا تھا۔ "ملا سرکار نے تو ہمیں بتایا تھا کہ گدرا کے نواح میں کمانڈر کی بھاری نفری تیار بیٹھی ہے۔"

"ملا سرکار جھوٹ نہیں بولتا۔" ان چاروں میں سے ایک بھک گیا۔ "ایسی کارروائیوں میں راتوں کو چراغاں نہیں کیا جاتا۔ رات کو ہم بلیک آؤٹ کئے رہتے ہیں تاکہ دشمن کے گشتی دستوں کو ہمارے وجود کی بھنک نہ مل سکے۔ ویسے بھی تم اس وقت ریت کے ٹیلوں کے درمیان میں ہو۔ ان سے نکلنے کے بعد ہی تم ہمارے چھپے ہوئے لوگوں میں پہنچ سکو گے۔"

"اور یہ سب ایکس ستمبر کو سرحد پار کر کے حملہ کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں؟"

"تم کیا جانو؟" اسی سپاہی کی تحیر زدہ آواز ابھری "ایکس ستمبر تو ایک ٹاپ سیکرٹ ہے۔"

"ملا سرکار کی ہر راز تک رسائی ہے۔ وہ تو ماں کے پیٹ کا حال تک بتانے پر قادر ہے۔"

"اس کے بارے میں سنا ہی سنا ہے۔ اسے کبھی دیکھا نہیں۔" وہی آواز حسرت آمیز ہو گئی۔

"اسے ضرور دیکھنا' اپنی زندگی میں نہ دیکھ سکے تو سرگباش ہونے کے بعد دیکھنا۔ ملا سرکار دیکھنے کی چیز ہے۔ ایسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔"

"اپنی زندگی میں اسے دیکھنا ایسا کیا مشکل ہے کہ تم میرے سرگباش ہونے کی بات کر رہے ہو؟" اس شخص کی آواز یک بیک متجسس اور اشتباہ آمیز ہو گئی تھی۔

"ملا سرکار اپنے گھر بار کو بیچ کر پچھلے پندرہ بیس برس سے ہماری دھرتی پر رہ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے دس پانچ برسوں میں وہ واپس نہ آ سکے۔ اس کے دیدار کے لئے اتنی مدت تک کون زندہ رہ سکتا ہے؟ تم اندھیرے میں ہو۔ مجھے تمہاری عمر کا کوئی اندازہ نہیں' اس لئے یہ بات کہہ بیٹھا تھا۔"

"وہ آئے یا نہ آئے' ایکس ستمبر کو ہم خود اس سے جا ملیں گے۔" بولنے والے کا لہجہ مضبوط اور پُراعتماد تھا۔ "اس نے اپنی دھرتی کے لئے بے مثال قربانیاں دے کر ہم سب کے لئے ایک نئی راہ متعین کی ہے۔"

"ہم اسی لئے آئے ہیں' دوستو! تم ایکس ستمبر کے آسرے میں یہاں دبکے بیٹھے رہے تو وہاں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا اور شاید تم کو ملا سرکار کی ٹھنڈی چتا کی راکھ اپنے سر میں ڈالنی پڑ جائے....."

کمانڈو گروپ کے سربراہ کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اسی لمحے پہلی آواز نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "میرے آدمیوں میں مایوسی کا زہر مت پھیلاؤ۔ کمانڈر صرف تمہارے ایک نمائندے سے بات کرنے کے لئے تیار ہے۔ باقی سات آدمی یہیں' میرے آدمیوں کی نگرانی میں رکے رہیں گے۔"

"ہم تمہارے رحم و کرم پر ہیں۔" کمانڈو گروپ کے سربراہ کی آواز مایوسانہ تھی۔ "ہم تو اس امید پر لمبی مسافت طے کر کے یہاں آئے تھے کہ تم ہماری زبانوں سے ملا سرکار کا حوالہ سنتے ہی' ہمیں اپنی چوڑی چکلی چھاتیوں سے لگا لو گے۔ اگر ہمارے مقدر میں ذلت ہی لکھ دی گئی ہے تو میرے ساتھی یہاں رکیں گے' میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ شاید تمہارے کمانڈر کو میں اپنی باتوں سے کچھ قائل کر سکوں۔"

"تم بلا وجہ جذباتی ہو رہے ہو۔" اس آواز میں معذرت اور تادیب کا عجیب سا امتزاج تھا۔ "یہ کوئی سرکس یا تفریحی میلہ نہیں ہے جہاں اندر آنے والے ہر شخص کو تماشا دیکھنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ ہم بہت حساس سرحد پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب تک ہم اپنی تسلی نہ کر لیں' تمہیں صبر کرنا ہو گا۔ ایک بار تمہاری شناخت ہو جائے تو تم دیکھو گے کہ ہم ملا سرکار کے کتوں سے بھی اپنے سروں پر پیشاب کرانے پر آمادہ ہو جائیں گے۔"

"تم پھر ہماری توہین کر رہے ہو۔ ہم اُس کے کتے نہیں' پیروکار ہیں۔" لیڈر نے احتجاج کیا۔

"تم میری بات کو غلط سمجھ رہے ہو۔ میری مراد یہی تھی کہ تم تو اس کے پیروکار ہونے کے دعوے دار ہو۔ تمہاری جگہ ملا سرکار کی ڈیوڑھی کے کتے بھی ہوتے تو ہم ان کو پوری پوری عزت دیتے۔"

چند ثانیوں کے لئے آلات پر بوجھل سکوت چھا گیا۔ شاید دونوں کمانڈر کی کمین گاہ کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے اور وہی اس مہم کا اہم ترین مرحلہ تھا۔

"یہ لوگ بہت چالاک اور مکار ہیں۔" سی او اضطراری لہجے میں بولا "یہ ہماری گھات میں گدرا کے نواح میں چھپے بیٹھے ہیں۔ کاش ہمیں اس منصوبے کی ذرا پہلے بھنک مل جاتی تو ہم....."

وہ یکلخت خاموش ہو گیا کیونکہ آڈیو مانیٹرنگ یونٹ پر ایک نئی اور کرخت آواز گونجنے لگی تھی۔ "ہوں' تو تم سرحد پار سے آئے ہو۔ کہو! مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟"

"ہم اپنی جانوں پر کھیل کر یہاں تک پہنچے ہیں۔" کمانڈو لیڈر کی دبی دبی آواز سنائی دی۔ اس کے لہجے سے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دشمن کے کمانڈر کے سامنے جاتے ہی، اس کی شخصیت سے مرعوب ہو گیا ہو اور وہ اس کی کامیاب ترین اداکاری تھی جو کمانڈر کو شیشے میں اتار سکتی تھی۔

"ہمیں ملا سرکار نے اس پیغام کے ساتھ یہاں بھیجا ہے کہ ایکس ستمبر کا انتظار کرنے کے بجائے، اسی وقت کارروائی کا آغاز ہو جانا چاہئے۔" کمانڈو لیڈر کہہ رہا تھا "حکومت نے روہڑی سے سکھر تک، پوری قوت کے ساتھ فوجی آپریشن شروع کر دیا ہے اور ہمارے ساتھی بہت تیزی کے ساتھ مارے جا رہے ہیں۔ کچے کے علاقے میں، ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بکھری ہوئی ہیں۔ وہ لوگ کم سے کم وقت میں ہمیں نیست و نابود کر دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس وقت ہمیں کمک نہ ملی تو ہم برباد ہو جائیں گے اور جب تم ایکس ستمبر کو پیش قدمی کرو گے تو تمہیں دور دور تک اپنا کوئی حامی یا مددگار نظر نہیں آئے گا۔ ہم تباہ ہو گئے تو ایکس ستمبر کو یہی تباہی تمہارا بھی مقدر بن جائے گی۔ اس لئے ملا سرکار کا پیغام ہے کہ تیز رفتاری کے ساتھ فوری پیش قدمی ہونی چاہئے۔"

"لیکن ملا سرکار نے ریڈیو سیٹ پر کوئی خبر نہیں دی؟" کمانڈر کی آواز الجھن آمیز تھی۔

"جنگلات اور ہماری کمین گاہوں پر جو قیامت ٹوٹی ہے، وہ تمہارے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں کے دستے ہر چیز کو روندتے ہوئے اندر گھس آئے ہیں۔ ملا سرکار اپنے ایک ٹھکانے سے زخمی ہو کر، بے سروسامانی کے عالم میں بیلے میں پہنچا ہے۔ وہ خود یہاں آتا لیکن وہ فوج کے گھیرے میں آیا ہوا ہے۔ میں بڑی مشکل سے، بھیس بدل کر باہر نکلا ہوں۔ ملا سرکار کے حکم پر میں نے باہر نکل کر کچھ آدمی ساتھ لئے اور یہاں آگیا۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ ایک ایک منٹ کی تاخیر ہمارے لئے تباہ کن ہو گی۔"

"تو کیا وہاں بڑے پیمانے پر کشت و خون ہو رہا ہے؟" کمانڈر کی آواز تفکر آمیز ہو گئی۔

"میں نے کہا نا کہ، جو کچھ ہو رہا ہے وہ تمہارے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ یہ خالص جنگی انداز کی کارروائی ہے اور ہر لمحے اُن کا محاصرہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔"

"تم لوگوں کی جوابی کارروائیاں بھی انہیں نہیں روک سکیں؟ میری معلومات کے مطابق تم لوگوں کی نفری ہزاروں میں ہے۔ محاصرے سے باہر رہ جانے والے لوگ، ان پر عقب سے حملہ کر کے محاصرہ ختم کرا سکتے تھے۔ وہ علاقہ ان لوگوں کے لئے نیا اور تمہارا دیکھا بھالا ہے، تم انہیں ناک چنے چبوا سکتے تھے۔"

"علاقے سے واقفیت ہی کی وجہ سے ہم لوگوں کی بڑی تعداد بچی ہوئی ہے۔ ابتدا میں ہم نے جم کر اُن کا مقابلہ کیا لیکن فوراً ہی ہمیں عقل آگئی۔ اب ہم ایک ایک گولی، سوچ سمجھ کر استعمال کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس بے شمار ہتھیار ہیں لیکن میگزین، فاضل گولیوں اور راکٹوں وغیرہ کی قلت ہے۔ جب تک ہمیں یہ چیزیں نہیں ملتیں، ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ہمیں معلوم تھا کہ جلد ہی ایسا برا دن آنے والا ہے۔ ہم نے ملا سرکار کو اپنی ضرورتوں سے آگاہ کر دیا تھا مگر وہ پندرہ بیس دن سے ہمیں وعدوں پر ٹالتا رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی کوئی بازی الٹ گئی ہے ورنہ وہ ہمیشہ ہی ہم پر مہربان اور کرم فرما رہا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تمہارے پاس کون سا جادو ہے لیکن ملا سرکار کا کہنا تھا کہ تم تک پیغام پہنچنے کے بعد ہی حالات اتنی تیزی کے ساتھ بدلیں گے کہ سب حیران رہ جائیں گے۔"

"تم یہاں تک کیسے پہنچے ہو؟ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم پیدل ہی آئے ہو؟"

"ہاں! ہماری جیپ کاریڈی ایٹر لیک ہونے کی وجہ سے، یہاں سے دو تین کلومیٹر پیچھے، اس کا انجن سیز ہو گیا اور ہمیں پیدل ہی یہاں پہنچنا پڑا۔"

"راستے میں فوجی نقل و حرکت کی کیا پوزیشن تھی؟" کمانڈر اس کی باتوں کے جال میں پھنستا ہوا نظر آرہا تھا۔

"ہر طرف ویرانی اور سناٹے کا راج ہے۔ ہمیں کہیں، کوئی فوجی نظر نہیں آیا۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" قدرے توقف کے بعد کمانڈر کی پُرتشویش آواز ابھری۔ "اتنی بڑی کارروائی کے بارے میں پاکستانی پریس اور ریڈیو پر کوئی خبر نہیں آئی۔ ہمارا ہیڈ کوارٹر ایسی خبروں پر کڑی نظر رکھتا ہے۔"

"ہمیں تو اخبار اور ریڈیو کا ہوش ہی نہیں رہا۔" اس نے کمانڈر کو کوئی دلیل دینے کے بجائے فطری جواب دیا "ہو سکتا ہے کہ یہ بھی اُن کی کوئی چال ہو۔ پہلے سے خبر پھیلنے کی صورت میں ہمارے ساتھی پورے صوبے میں امن و امان کو تہ و بالا کر کے، ان کے آپریشن کو ناکام بنا سکتے تھے..... اب وہ ہمارا کیا کرم کرنے کے بعد اپنی کامیابی کا اعلان کرنے کے خواب دیکھ رہے ہوں گے۔ لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ ان کے ہاتھوں زیادہ تر معصوم اور بے گناہ نوجوان مارے جائیں گے جو بے روزگاری یا پولیس اور وڈیروں کے مظالم سے تنگ آکر انتقاماً ہم سے آملے ہیں۔ ملا سرکار سے گنتی کے چند لوگوں کا رابطہ ہے اور تمہارے ان ہی نمک خواروں نے معاشرے کے باغی اور دلیر جوانوں کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں بدل دیا ہے۔ ہم جتنا وقت باتوں میں گزار رہے ہیں وہ برباد ہو رہا ہے۔ یہ باتیں راستے میں بھی ہو سکتی ہیں۔ اس وقت ہمیں تمہاری عملی امداد کی سخت ضرورت ہے۔"

"ہمارا ایکس ستمبر کی رات کا پروگرام طے تھا۔" کمانڈر کی کرخت آواز گمبھیر ہو گئی "مسلح لاؤ لشکر کے ساتھ بین الاقوامی سرحد کو عبور کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ میں ملا سرکار کا بہت

احترام کرتا ہوں۔ اس نے اکیس ستمبر کے منصوبے کے خواب دیکھتے دیکھتے' اپنی جوانی پرائی سرزمین پر گنوا دی ہے۔ اس کی ہدایت میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر میں لامحدود اختیارات کا مالک نہیں ہوں۔ تم سے بات کرنے کے بعد میں فوری کارروائی کی ضرورت اور اہمیت کا قائل ہو گیا ہوں لیکن اس کے لئے مجھے اپنے ہیڈ کوارٹر سے اجازت لینی ہو گی۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہاں خیمے وغیرہ نہیں ہیں۔ ہم فوجی ٹرکوں اور بکتر بند گاڑیوں میں ہی اپنے شب و روز گزار رہے ہیں۔ ان تمام تیاریوں کا مقصد یہ ہے کہ ہم دس منٹ کے نوٹس پر کوچ کر سکیں۔ تم جا کر' اپنے ساتھیوں سمیت کچھ کھا پی کر تازہ دم ہو لو تاکہ تمہارے تھکے ہوئے زرد چہرے پر کچھ رونق آ سکے۔ میں اپنے ہیڈ کوارٹر سے بات کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ مہا سرکار کی درخواست کو نہیں ٹال سکیں گے۔ ان سے اجازت ملتے ہی ہم چل پڑیں گے۔"

"جے کمانڈر مہاراج کی۔" کمانڈو لیڈر کی آواز ابھری "مجھے معلوم تھا کہ تم اس علاقے کا جغرافیہ بدلنے والوں کی تاریخ میں اپنا نام سنہرے لفظوں میں لکھوانے کے لئے ضرور ہمارا ساتھ دو گے۔"

پھر آڈیو مانیٹرنگ یونٹ پر سکوت چھا گیا۔ آس پاس موجود' ہر فرد کے بشرے سے اضطراب اور بے یقینی کا اظہار ہو رہا تھا۔ "ہم چلتے ہیں۔" اول خان نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے' میجر انصاری سے کہا۔

"ہاں' ہماری وجہ سے ان لوگوں کے کام میں خلل پڑ رہا ہے۔" کرنل ریاض نے چونکتے ہوئے کہا۔ "ہم دوسرے کنٹینر میں ہی چلتے ہیں۔ وہاں انتظار کرنا زیادہ بہتر رہے گا۔"

"تھینک یو کرنل!" سی او نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "یہ ٹرپل پلس الفالیول کا معاملہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ تمہارے ساتھی' ابھی یہاں سنے ہوئے ریڈیائی پیغام کو بھول جائیں گے۔"

"سوری سر!" میجر نے اپنی ندامت کا اظہار ضروری سمجھا۔ "میں کرنل ریاض کو یہاں کا سیٹ اَپ دکھانے لایا تھا۔ مجھے یہ امید نہیں تھی کہ ان کی موجودگی میں ہی ڈیزرٹ ٹریپ والوں کی کال آنے لگے گی.... ان کے ساتھ اسپیشل ٹاسک فورس کے اول خان اور ان کے ماتحت ہیں۔"

"نیور مائنڈ میجر!" سی او نے خشک لہجے میں کہا اور اپنی میز کی طرف مڑ گیا۔

وہاں سے نکلتے ہوئے' مجھے اول خان پر سخت تاؤ آ رہا تھا۔ آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ والوں کی رازداری کے بارے میں پیشہ ورانہ مجبوریاں اپنی جگہ پر تھیں لیکن انہوں نے ہمیں اپنے ہیڈ کوارٹر سے چلے جانے کے لئے نہیں کہا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ ان کی وہ چشم پوشی کرنل ریاض کے رینک اور شاید سینیارٹی کی وجہ سے تھی۔ اگر ہم اسی شرماشرمی میں وہاں مزید کچھ دیر رکے رہتے تو کمانڈر اور کمانڈو لیڈر کی مزید گفتگو سننے میں کامیاب ہو سکتے تھے۔ لیکن اول خان نے اپنی حساس طبیعت کی وجہ سے وہاں سے روانگی کا ذکر کر کے' نہ صرف اس امکان کو ختم کر دیا بلکہ ہمیں خفت سے بھی دوچار کر دیا۔

اس بار میجر انصاری نے ہمیں اپنے کنٹینر کے دروازے سے ہی خدا حافظ کہہ دیا۔ شاید وہ' وہیں رک کر اپنے کرنل اِن کمانڈ کے سامنے اپنی پوزیشن صاف کرنی چاہتا تھا۔

کمانڈ اینڈ کنٹرول ہیڈ کوارٹر کا دروازہ بند ہوتے ہی' جب ہم گھور تاریکی میں آ گئے تو میں اول خان پر برس پڑنے کی خواہش رکھنے کے باوجود خاموش رہنے پر مجبور ہو گیا کیونکہ اسی لمحے مجھے یاد آ گیا تھا کہ میں سرکاری طور پر اول خان کا دوست نہیں بلکہ ماتحت تھا اور اس وقت کرنل ریاض ہمارے ساتھ تھا۔

"مجھ سے سنگین غلطی ہوئی۔" اپنے کنٹینر کی طرف جاتے ہوئے' کرنل ریاض نے متاسفانہ لہجے میں کہا "پروفیشنل اور اخلاقی ذمے داریوں کا تقاضا تھا کہ میسج شروع ہوتے ہی ہمیں وہاں سے نکل آنا چاہئے تھا لیکن وہ گفتگو اس قدر سنسنی خیز تھی کہ اس میں منہمک ہو کر' میں سب کچھ بھول گیا۔ اب سی او' میجر انصاری سے جواب طلب کرے گا کیونکہ وہی ہم لوگوں کو ہیڈ کوارٹر میں لے گیا تھا۔ ٹرپل پلس الفا رازداری کا وہ لیول ہوتا ہے جہاں انسان اپنے سنے ہوئے الفاظ کو دہرانے کے تصور سے بھی لرز اٹھتا ہے۔"

"تو کیا ہماری یہاں موجودگی اس سیکرٹ کوڈ سے متصادم نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں" کرنل ریاض کا لہجہ پُراعتماد تھا "یہ انٹر سروسز پبلک ریلیشنز ڈپارٹمنٹ کا اعلیٰ سطحی فیصلہ ہے۔ آپ لوگ ہیلی کاپٹر میں پرواز کر کے وہی دیکھیں گے جو آپ کو دکھایا جائے گا' یعنی اپنی سرزمین پر گھس آنے والے دشمن کی عبرتناک تباہی کا منظر' یہ سب کیوں اور کیسے ہوتا ہے' اس پس منظر سے آپ لوگوں کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن میری غلطی سے یہ سب' آپ لوگوں کے سامنے آ گیا ہے۔"

"مکالمات کی حد تک تمہاری بات درست ہے۔" اول خان نے کہا "ہم بظاہر غیر متعلقہ لوگ ضرور ہیں لیکن اتنے بھی غیر متعلقہ نہیں۔ تم کو علم ہو گا کہ انڈین کمانڈر سے ملنے والے آٹھوں کمانڈوز میری فورس سے مستعار لئے گئے ہیں۔ بین الاقوامی پیچیدگیوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ اہم فیصلہ' اعلیٰ ترین سطح پر کیا گیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ کسی بھی وجہ سے بازی بگڑ جائے اور یہاں سے جانے والے آٹھوں کمانڈوز' سرحد پار پکڑ لئے جائیں تو ان کا تعلق پاکستان کی مسلح افواج سے ثابت نہ ہو سکے۔ وہ ڈاکوؤں کے نمائندے بن کر گئے ہیں اس لئے ان کا آرمی سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔"

"ہماری آرگنائزیشن بہت بڑی اور منظم ہے۔" اندھیرے میں کرنل ریاض کی آواز ابھری۔ "میرے بڑوں کو ان تمام باتوں کا علم ضرور ہو گا لیکن میرے لئے تمہاری باتیں حیران کن ہیں۔

ے آپریشن میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر شخص کو ہر بات معلوم ہو۔ ہر ایک کو صرف اُسی قدر بتایا جاتا ہے جو اس کے فرائض کی انجام دہی کے لئے ضروری ہو۔ جس طرح میری معلومات نامکمل ہیں، اسی طرح کمانڈنگ آفیسر کو اس مشن میں تمہارے اور ایس ٹی کے رول کے بارے میں تفصیلی معلومات نہیں ہوں گی۔ وہ آپریشن کو کمان کر رہا ہے۔ اس لئے اسے وہی باتیں بتائی گئی ہیں جن کا اس مشن کی کامیابی یا ناکامی سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔"

گفتگو آگے جاری نہیں رہ سکی کیونکہ ہم اپنے کنٹینر کے پاس پہنچ گئے تھے اور وہاں 'اندھیرے میں مامور' فوجی جوان نے ہمیں پہچان کر کنٹینر کا دروازہ کھول دیا تھا۔

میرے لئے یہ بات طمانیت کا باعث تھی کہ اس آپریشن میں آخری بار ہماری شناخت ہونے کے بعد 'کرنل ریاض کی یقین دہانی کے عین مطابق پاس ورڈز دہرانے کا سلسلہ' بالکل موقوف کر دیا گیا تھا۔ ایک بار زندہ و سلامت وہاں آجانے والے لوگوں کے بارے میں یہ یقین کرلیا جاتا تھا کہ وہ ملک کے وفادار اور اتھارٹی کے تحت مجاز افراد ہوں گے۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے ہم شناخت کے جن پے در پے اور کڑے مراحل سے گزر رہے تھے' ان کے پیش نظر ہیڈ کوارٹر والوں کا وہ اطمینان کچھ ایسا بے جا بھی نہیں تھا۔

انتظار گاہ میں کیپٹن الیاس' ایک طرف بیٹھا ہوا زیرِ لب مسکرا رہا تھا کیونکہ سینئر رپورٹر نے محکمۂ اطلاعات سے آئے ہوئے افسر کو ایک عجیب و غریب بحث میں الجھایا ہوا تھا۔

"میں واپس جاکر اپنے محکمے کے سروس رولز میں ترمیم کرواؤں گا۔" مبصر اپنے گردوپیش میں رُونما ہونے والی حسّاس تبدیلیوں سے بے خبر' پُرجوش لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "مجھے تو ایک فوجی آپریشن کی کوریج کی ہدایت دے کر روانہ کیا گیا تھا۔ مجھے معلوم ہوتا کہ یہ کسی میدانِ جنگ کی براہِ راست کوریج کا معاملہ ہے تو میں میڈیکل سرٹیفکیٹ بھیج کر چھٹی پر چلا جاتا۔ خدا کی پناہ! یہاں کا کمن لیل ہو سکتا ہے۔ وہ فائرنگ کی زد میں آسکتا ہے۔ دشمن کے لڑاکا طیارے اس پر حملہ کرسکتے ہیں۔ موت اور بھیانک تباہی کے بھی بہت امکانات سامنے ہیں لیکن ہمارے یہاں وار رسک الاؤنس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔"

"وار رسک الاؤنس اتنا اہم نہیں ہے۔" سینئر رپورٹر شاید اسے خوف زدہ کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ "یہ الاؤنس تو اس وقت مل سکتا ہے جب آدمی' کوریج کے بعد ہنستا کھیلتا ہوا اپنے گھر لوٹے۔ اصل مسئلہ انشورنس کی رقم کا ہے جو تم جیسے کسی فرض شناس' صحافی کی موت کی صورت میں اس کے پس ماندگان کو ملنی ہوتی ہے۔ یہ انشورنس محکمے کی جانب سے ہونا چاہئے۔ تم خود سوچو کہ تم مارے گئے تو تمہارے پراویڈنٹ فنڈ اور پنشن کی رقم سے تمہارے بچوں اور ایک بیوہ کا کب تک گزارہ ہو سکے گا؟ اعلیٰ افسر کسی خطرے میں مبتلا ہوئے بغیر اپنے ماتحتوں کو ایسی کٹھن مہمات میں جھونکتے رہتے ہیں۔ زندہ لوٹنے والوں کو کوئی انعام نہیں دیا جاتا۔ کوئی مرجائے تو خالی خولی لفاظی اور زبانی ہمدردیوں سے معاملہ نمٹادیا جاتا ہے۔"

کرنل ریاض ہمارے ساتھ انتظار گاہ میں واپس آنے کے بجائے ایک کیبن میں رک گیا تھا۔ اس لئے وہ دونوں بحث کرتے رہے۔ آخر کار کیپٹن الیاس کو ان کی گفتگو میں مداخلت کرنی پڑ گئی۔

"آپ لوگوں کے محکمے کے سیکڑوں ملازمین میں سے ایک آدھ کو' اپنی پوری مدتِ ملازمت میں دو چار دن کے لئے ایسے خطرات سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہم لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ہمارے تو افسر اور جوان' اپنے پورے کیریئر میں' دن رات بارود کے دہانے پر بیٹھے رہتے ہیں اور کوئی بھی کسی صلے یا ستائش کی تمنا نہیں کرتا۔"

"یہ پیشوں کا فرق ہے۔ فوج لڑنے کے لئے ہی تیار کی جاتی ہے۔ ہم تو شہری ملازمین ہیں جنہیں صحیح طریقے سے بندوق بھی چلانی نہیں آتی۔" مبصر نے قدرے بوکھلاہٹ کے بعد جواب ڈھونڈ ہی لیا۔

"وار کوریج میں بندوق نہیں چلانی پڑتی۔ قلم سے رپورٹ ہی لکھنی ہوتی ہے۔ عام شہریوں اور فوجیوں میں کیا فرق ہوتا ہے؟ سب ہی دو ہاتھ پیروں کے مالک ہوتے ہیں۔ اصل فرق تربیت کا ہوتا ہے۔ فوج میں ہر شخص کو بے خوفی کے ساتھ' اپنے بڑوں کے حکم کی تعمیل کرنے کا عادی بنایا جاتا ہے اور دوسرے اداروں میں کسی تربیت کے بغیر' ہر شخص کو میز کرسی الاٹ کردی جاتی ہے۔ اسی لئے ایک ادارے کے ملازمین بھی یک ذہن ہو کر نہیں سوچتے۔"

کرنل ریاض کے آنے پر وہ گفتگو وہیں منقطع ہوگئی۔ وہ مشغلہ ختم ہوتے ہی سینئر رپورٹر اپنے پیشہ ورانہ تجسس کے تحت میری اور اول خان کی طرف آگیا۔ "تمہاری ان فوجی افسران سے گہری شناسائی معلوم ہوتی ہے۔" اس نے دوستانہ انداز میں' نہایت چالاکی کے ساتھ اول خان سے سوال کیا تھا۔

"بالکل نہیں۔" اول خان میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ "ریڈار روم کا تو بہانہ تھا' ہم باہر تازہ صحرائی ہوا میں ٹہل رہے تھے۔ ان لوگوں کی کوئی بات کوڈ ورڈز سے خالی نہیں ہوتی۔"

"کیا تم اب بھی اس امر پر مُصر ہو کہ تمہارا تعلق کیوبا کی خبر رساں ایجنسی سے ہے؟"

"اس میں کیا شبہ ہے؟" اول خان نے گردن تان کر چُبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا "معلوم ہوتا ہے کہ ہماری چند منٹ کی غیر حاضری میں مبصر نے پھر تم کو ہمارے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی ہے۔"

"پچھلے سال رومانیہ میں بائیں بازو کے ممالک کے صحافیوں کی ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئی تھی۔ وہاں بھی میں نے کیوبا کی کسی ایسی خبر رساں ایجنسی کا ذکر نہیں سنا تھا جو عالمی پیمانے پر کام کرتی ہو۔"

"جہاں پڑھے لکھے اور مہذب افراد رہتے ہیں وہاں ذرائع ابلاغ کا وجود ناگزیر ہوتا ہے۔" اول خان ناصحانہ لہجے میں کہنے لگا۔ "کیوبا میں اخبارات نکلتے ہیں اس لئے وہاں خبررساں ادارے بھی ہیں۔"

"تم کیوبا سے ہزاروں میل دور' یہاں کیا کررہے ہو؟" سینئر رپورٹر مطمئن نہیں ہوسکا تھا۔

"تم دیکھ ہی رہے ہو کہ ہم کیا کررہے ہیں۔" اول خان نے بے پروائی سے جواب دیا۔

اسی لمحے کنٹینرز کے پوشیدہ حصوں میں نصب اسپیکرز پر ایک سخت اور تحکمانہ آواز ابھری۔ "ریڈ الرٹ.... کاؤنٹ ڈاؤن زیرو۔ دشمن حرکت میں آچکا ہے۔ ہر شخص اپنی پوزیشن پر پوری طرح تیار رہے۔ آئی ایس پی آر کی پارٹی اپنے ہیلی کاپٹرز میں پہنچے۔ انہیں اگلی ہدایات ریڈیو اپریٹس پر ملیں گی۔"

میرے وجود میں سنسنی کی لہریں دوڑنے لگیں۔ اس اعلان کا مطلب تھا کہ سرحد پار گئے ہوئے کمانڈوز اپنے مشن میں کامیاب رہے تھے۔ انہوں نے کمانڈر کو تو قائل کرہی لیا تھا لیکن اُن کی سنائی ہوئی کہانی کی بنیاد پر کمانڈر کو اپنے ہیڈ کوارٹر سے فوری کارروائی کرنے کی اجازت مل گئی تھی اور وہ لوگ اپنی کمین گاہوں سے کوچ کرچکے تھے۔

ہم لوگ کرنل اور کیپٹن کی قیادت میں فوراً ہی وہاں سے اٹھ گئے۔ کیبنوں میں سناٹا کچھ اور گہرا ہوگیا تھا۔ لوگوں کی بے آواز نقل وحرکت میں خاصی تیزی آگئی تھی۔ ہم کنٹینرز سے باہر آئے تو رن وے کے دونوں کناروں پر مدھم سی سرخ روشنیاں' جگنوؤں کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہاں موجود ہلکے بمبار طیارے کسی بھی لمحے فضا میں بلند ہوسکتے تھے۔

ہمارے ساتھ آئے ہوئے ہوا باز اپنی اپنی نشستوں پر موجود تھے۔ اس وقت بھی ہماری وہی تقسیم برقرار رہی جو آتے ہوئے تھی۔ کیپٹن الیاس کے ساتھ ہم تینوں اپنے لاما میں سوار ہوگئے تو ہوا باز نے ہمیں بتایا کہ پروگرام میں کچھ تبدیلی کردی گئی تھی۔ سابقہ پروگرام کے مطابق' ہمیں حملہ شروع ہونے کے بعد فضا میں بلند ہونا تھا لیکن اب طے کیا گیا تھا کہ سب سے پہلے دونوں لاما وہاں سے روانہ ہوں گے اور دشمن کے کانوائے سے بہت دور رہ کر بلندی سے ان کا جائزہ لے کر ہیڈ کوارٹر کو رپورٹ دیتے رہیں گے اور فضائی حملے کا آغاز ہونے کے بعد دشمن کی پوزیشنوں کے اوپر پہنچ جائیں گے۔

پچھلے تجربے کی روشنی میں اس بار ہم لوگوں کی ضروریات کی خاصی چیزیں ہیلی کاپٹرز میں پہنچادی گئی تھیں جن میں طاقتور دوربینیں' بھاری' اونی جرسیاں اور اونی استر والے ہیلمٹ تھے جنہیں اوڑھ لینے کے بعد سر سے گردن تک پورا چہرہ سردی سے محفوظ ہوسکتا تھا۔

زمین پر موسم قدرے خنک ضرور تھا لیکن خوشگوار بھی تھا۔ صحرا میں تاحدِ نظر پھیلی ہوئی تاریکی میں عجیب سا سحر اور سکون پوشیدہ تھا۔ گھور تاریکی میں' پتلی سی عارضی ائراسٹرپ کے دونوں طرف جلتی ہوئی روشنیاں بھی خوب بہار دکھا رہی تھیں لیکن اس ماحول میں بیٹھ کر بلندی پر پیش آنے والے منفی درجۂ حرارت کا تصور کرنا بھی محال تھا۔

"انجن اسٹارٹ ہونے سے پہلے سب لوگ جرسیاں پہن لیں تو بہتر رہے گا۔" پائلٹ نے ہم لوگوں کو مشورہ دیا۔ "زمین چھوڑتے ہی ہم تیزی کے ساتھ اوپر جائیں گے۔ وہاں آکسیجن کی کمی اور گرے ہوئے درجۂ حرارت کی وجہ سے ذرا سی نقل وحرکت بھی تھکا دینے والی ہوگی۔ ہیلمٹ ضرورت کے وقت پہن لیں۔"

"چھوٹے ہتھیار کہاں ہیں؟" کیپٹن الیاس نے پائلٹ سے سوال کیا۔

"کیبن کے پچھلے حصے میں موجود ہیں لیکن ہمیں متاثرہ علاقے میں لینڈنگ کے لئے گراؤنڈ کلیئرنس نہیں ملی ہے۔ دشمن کا کوئی بھی بھٹکا ہوا زندہ فوجی گولی مار کر ہمیں گرا سکتا ہے۔ بظاہر خاموشی چھانے کے بعد بھی ہم ڈھائی ہزار فٹ سے کم بلندی پر نہیں آسکیں گے۔ یہ تازہ ترین ہدایات ہیں۔"

"لیکن کراچی سے یہاں تک آنے میں تیل تو ختم ہوچکا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں ایندھن لے لینا چاہئے۔" سینئر رپورٹر نے اپنی دانست میں ایک بنیادی نکتے کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں کی غیر حاضری میں ہیلی کاپٹر کی پوری چیکنگ کر کے ایندھن وغیرہ بھر دیا گیا ہے۔ اس چھوٹے سے ہنگامی رن وے پر بھی ایک ائیروڈروم نیس انسپکٹر موجود ہے جس کی کلیئرنس کے بغیر کوئی جہاز یا ہیلی کاپٹر گراؤنڈ نہیں چھوڑ سکتا۔ ہم لوگ اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ تم ان باتوں کی فکر نہ کرو۔"

کراچی سے وہاں آتے ہوئے ہمیں کسی زمینی حملے وغیرہ کا خطرہ نہیں تھا اس لئے ہیلی کاپٹر کم بلندی پر پرواز کرتا ہوا آیا تھا۔ سردی ہونے کے باوجود درجۂ حرارت تکلیف دہ حد تک گرا ہوا نہیں تھا اور ہوا میں آکسیجن کی مقدار بھی اتنی تھی کہ کسی دشواری کے بغیر سانس لیا جاسکتا لیکن میرا خیال تھا کہ نئی پرواز میں ہمیں آکسیجن ماسک ضرور استعمال کرنے پڑیں گے جو ایک سلنڈر سے منسلک تھے۔

"لاما ون اینڈ ٹو!" ہیلی کاپٹر کے ریڈیو سسٹم پر اچانک ایک آواز ابھری۔ اسی کے ساتھ ریڈار والے کنٹینر پر ایک سرخ بلب روشن ہوگیا۔ "انجن اسٹارٹ کردو اور ہیڈ کوارٹر پر سرخ بلب کی جگہ سبز بلب روشن ہوتے ہی ائراسٹرپ چھوڑ دو۔ یہ یاد رہے کہ پرواز کے دوران میں ہر روشنی گل رکھی جائے گی۔"

لاما کا انجن بیدار ہوا اور ہمارے سروں پر پنکھڑیوں کا شور بتدریج زور پکڑنے لگا۔ دوسرے لاما کا انجن بھی چل پڑا تھا۔ فوجی ہیلی کاپٹرز کے انجن اتنے طاقتور تھے کہ پنکھڑیاں چند ہی ثانیوں

…پوری طاقت سے گردش کرنے لگیں۔ میں نے شور سے بچنے کے لئے اپنے سر پر ہیلمٹ چڑھالیا۔ جس میں ہیڈ فون بھی نصب …

اچانک ریڈار والی چھت پر جلتا ہوا سرخ بلب بجھ گیا اور فوراً سبز روشنی جل اٹھی۔ پہلے کرنل ریاض والا لاما زمین سے بلند ہوا ہمارے ہیلی کاپٹر نے بھی زمین چھوڑ دی۔ فوراً ہی اس چھت پر روشن ہونے والا سبز بلب بھی بجھ گیا اور دونوں ہیلی کاپٹر' شکاری پرندوں کی طرح فضا میں تیزی کے ساتھ بلند ہونے لگے۔ ان کی پیش قدمی کی رفتار سست تھی لیکن ان کی عمودی رفتار خاصی تیز تھی۔

جوں جوں ہم بلند ہوتے جا رہے تھے' صحرا کا بڑا حصہ ہماری نظروں کے سامنے آتا جا رہا تھا جہاں ہر طرف ریت کے ٹیلے ہی ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔ دونوں کنٹینرز اور ان کے ساتھ کھڑا ہوا ٹینکر ریت کے سمندر میں تاریک دھبوں کی طرح معدوم ہوتے جا رہے تھے لیکن رن وے کے کناروں پر جلنے والی مدھم' سرخ روشنیاں فاصلہ اور بلندی بڑھ جانے کے باوجود نمایاں نظر آ رہی تھیں۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دوربین لگالی۔ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے' اس کا فوکس درست کرنے پر میں حیران رہ گیا کہ ریت کا سمندر مجھے اپنی آنکھوں سے چند فٹ کے فاصلے پر نظر آنے لگا تھا۔

"اب ہم بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر آ چکے ہیں۔" مجھے اپنے ہیڈ فون پر کسی پائلٹ کی آواز سنائی دی۔ "نیچے سے ہمارے دیکھ لئے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے لیکن انجنوں کی گونج صحرا میں دور دور تک پھیلے گی اس لئے دشمن کے متوقع روٹ سے شمال میں پرواز جاری رکھی جائے گی۔"

نیچے کا جائزہ لینے میں اندھیرا بہت بڑی رکاوٹ تھا لیکن پھر بھی میں نے ملگجی ریت پر کئی جگہ تاریک لکیریں سی دیکھیں اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ دشمن کی گھات میں بیٹھے ہوئے ہمارے اپنے فوجی ہو سکتے تھے۔

کافی لمبا چکر کاٹ کر دونوں ہیلی کاپٹرز دشمن کے متوقع راستے کے جنوب میں اترنے لگے۔ اس طرف مجھے متعدد کالے کالے متحرک دھبے نظر آئے اور میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو گئیں۔

"وہ دیکھو' وہ دیکھو!" اچانک اول خان کی اضطراری آواز نے ہم سب کو چونکا دیا۔ وہ دوسری طرف کی کھڑکی سے دوربین لگائے بیٹھے تقریباً اٹھ کر باہر دیکھ رہا تھا۔ "یہ یقیناً سرحد پار سے آنے والوں کا کارواں ہے۔ بہت سی گاڑیاں ایک قطار میں بڑھتی ہوئی نظر آ رہی ہیں اور ان کی تمام بتیاں روشن ہیں۔"

سب اسی طرف کی کھڑکیوں پر لپکے' لمحے بھر کے لئے ہیلی کاپٹر کا توازن بری طرح بگڑا لیکن پائلٹ نے مہارت کے ساتھ اسے سنبھال لیا لیکن اس دوران میں لاما ایک جھٹکے سے کئی سو فٹ نیچے آ گیا تھا۔

"سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔" ہیڈ فون پر پائلٹ کی آواز ابھری۔ "دوران پرواز ایسی نقل و حرکت خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ میں نے دشمن کے کانوائے کو دیکھ لیا ہے۔ میں ہیلی کاپٹر کو ایسی پوزیشن میں لے آؤں گا کہ دوسری طرف والے بھی اپنی جگہوں پر بیٹھے بیٹھے یہ نظارہ دیکھ سکیں گے۔"

چند منٹ بعد وہ منظر میری دوربین کی بھی گرفت میں آ گیا۔ تاریک صحرا کے سینے پر بے شمار چھوٹی اور بڑی گاڑیوں کا ایک روشن کارواں خاصی تیز رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا۔ بیشتر گاڑیوں پر وزنی سازو سامان لدا ہوا تھا۔ جو پوری طرح ترپالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ میں نے اپنی دوربین کا فوکس مزید درست کیا اور دیکھا کہ اس طویل کارواں میں بغیر چھت کی کوئی گاڑی نہیں تھی۔ کمانڈر کے ساتھ آنے والے سادہ پوش دہشت گرد بھی بند ٹرکوں میں سفر کر رہے تھے۔ اس لئے ان کی تعداد کا اندازہ لگانا دشوار تھا لیکن قافلے کی طوالت کو دیکھتے ہوئے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ڈیڑھ سو سے زائد' عام اور بڑے سائز کے فوجی ٹرک تھے۔ فی گاڑی ایک ڈرائیور اور ایک مددگار کے حساب سے تین سو کی نفری تو اسی عملے کی تھی۔ اگر دو ڈھائی سو کمانڈو بھی سفر کر رہے تھے تو دشمن کی کل نفری پانچ سو سے کسی طرح کم نہیں تھی۔

"یہ آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہمیں چکر کاٹ کر ان کے عقب میں دیکھنا چاہئے کہ ہمارے دستوں نے ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیا ہے یا ابھی اس میں دیر ہے؟" ہیڈ فون میں کرنل ریاض کی آواز ابھری۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنے دونوں پائلٹوں کو پرواز کے راستے کے بارے میں ہدایات دے رہا تھا۔

فوری طور پر دونوں ہیلی کاپٹرز نے ایک طویل چکر لیا اور وہ کارواں ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ واپس سرحد کی طرف مڑتے ہی ہمیں ملگجی ریت پر سیاہ متحرک دھبے نظر آنے لگے جو اسی سمت میں سفر کر رہے تھے جدھر دشمن کا کارواں جا رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ دشمن کے دوسرے پہلو پر بھی صورتِ حال اس سے مختلف نہیں ہو گی۔

تاریک صحرا کے سینے پر نظر آنے والے وہ مناظر بہت بھیانک اور روح فرسا تھے۔ مہلک اور جدید ترین اسلحے اور ہتھیاروں سے لیس تین لشکر ایک دوسرے کے متوازی آگے بڑھ رہے تھے۔ درمیان میں دشمن کا کارواں اجل کی راہ پر بڑھ رہا تھا لیکن فکر انگیز بات یہ تھی کہ ان کے ساتھ ایس ٹی ایف کے وہ آٹھ جیالے کمانڈو بھی پھنسے ہوئے تھے جو ڈاکوؤں کے بہروپ میں سرحد پار کر کے کمانڈر اور اس کے قافلے کو اس راہ پر ہانک کر لے آئے تھے۔

پائلٹوں نے ہیلی کاپٹرز کی بلندی قدرے کم کر دی تھی۔ سرحد سے کئی کلومیٹر پہلے' جب انہوں نے رخ گھمایا تو دشمن کے عقب میں بھی تاریک گاڑیوں کا قافلہ رواں نظر آیا جس کا مطلب تھا کہ آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ کے منصوبے کے عین مطابق' دشمن کی مسلح نفری کو اپنی سرزمین پر تین اطراف سے گھیر لیا گیا تھا۔ اس

یو فارمیشن میں پھنس جانے کے بعد دشمن کے ایک سپاہی کے بھی بچ نکلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

اس منصوبہ بندی کی خاص بات یہ تھی کہ ہتھیاروں کے لحاظ سے دشمن کے عقب میں بڑھنے والی فارمیشن بہت مہلک اور مضبوط نظر آ رہی تھی کیونکہ متعدد گاڑیوں پر مارٹر اور چھوٹے دہانے کی توپیں بھی نظر آ رہی تھیں جو گولہ باری کر کے دشمن کو تیزی سے ہلاک کر سکتی تھیں۔

"اس مہم کے لحاظ سے پچھلی لائن کی تیاریاں کچھ زیادہ ہیں۔"

کیپٹن الیاس بتانے لگا۔ "مارٹر اور توپوں کے استعمال سے پہلے ہی دشمن کا کام تمام ہو جائے گا۔ ری کوائل لیس رائفلیں اور ملٹی بیرل راکٹ لانچر ہی ان کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔ آج کی رات واقعی خون کو گرمانے والی رات ہو گی۔"

"ملٹی بیرل راکٹ لانچر وہی تو نہیں تھا جو ایک ٹرک پر شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح نظر آ رہا تھا؟" میں نے سوال کیا کیونکہ فوجی ہتھیاروں کے بارے میں میری معلومات خاصی ناقص تھیں۔

"ہاں، ایم بی آر ایل بتیس یا چھتیس راکٹ لانچرز کی ایک بیٹری ہوتی ہے۔ ان تمام راکٹوں کو ایک ایک کر کے یا بیک وقت فائر کیا جا سکتا ہے۔ انہیں بیک وقت فائر کیا جائے تو یہ ایک وسیع علاقے میں تباہی پھیلا دیتے ہیں۔"

"رائفلوں سے اس مقابلے میں کیا کام لیا جا سکے گا؟" سینئر رپورٹر نے مرعوب لہجے میں سوال کیا۔

"میں نے رائفل نہیں، ری کوائل لیس رائفل یا آر آر کا ذکر کیا تھا۔ اسے ہم اصطلاحاً رائفل کہتے ہیں ورنہ یہ ٹرائی پاڈ سے فائر کرنے والی ہلکی توپ ہی ہوتی ہے جو تین انچ کا گولا فائر کرتی ہے۔ یہ پچھلی فارمیشن کا اسلحہ ہے کیونکہ یہ فائر آگے بھی نکل گیا تو اپنے آدمیوں کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ پہلوؤں سے اس کا استعمال کرنا ناممکن ہے۔ دشمن درمیان میں ہے اور ہمارے آدمی دونوں اطراف میں ہیں۔ زاویے کی ذرا سی غلطی سے گولا دشمن کو نقصان پہنچائے بغیر دوسری طرف بیٹھے ہوئے اپنے یونٹوں پر گر سکتا ہے اس لئے پہلوؤں پر موجود فوجی لائٹ مشین گنوں اور جی تھری رائفلوں کے استعمال پر اکتفا کریں گے تاکہ بھڑک کر کارواں سے فرار ہونے والے بھگوڑوں کا خاتمہ کر سکیں۔"

میرا دل دشمن کے کارواں میں پھنسے ہوئے ان آٹھ جیالوں میں اٹکا ہوا تھا جو ہر صورت میں غازی بننے کے حق دار تھے لیکن وہاں دونوں ہیلی کاپٹرز میں، سب لوگ ایک دوسرے کی گفتگو سن رہے تھے۔ اس لئے میں مہم کے اس خفیہ پہلو کے بارے میں لب کشائی کی ہمت نہیں کر سکا۔

"عقبی محاذ کو اتنا مضبوط کرنے میں کیا مصلحت پوشیدہ ہے؟"

وہ سوال آزاد نامہ نگار کا تھا۔

اس کا مخاطب کرنل ہی رہا ہو گا لیکن جواب دینے کی ذمے داری کیپٹن الیاس نے سنبھالی ہوئی تھی اس لئے وہ بولا "پہلے حملے کے ساتھ جوں ہی دشمن کو سنگین خطرے کا احساس ہو گا تو وہ اس بے رحم صحرا میں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے اپنی سرحدوں کی طرف واپس لوٹنے کے لئے پلٹے گا۔ اس کی بچی کھچی نفری یہی راہ لے گی اس لئے وہاں ان کی تواضع کا معقول بندوبست کیا گیا ہے۔ ایسی مہمات میں بہتیرے فیصلے انسانی فطرت اور نفسیات کو مدِنظر رکھ کر کئے جاتے ہیں۔"

"انہیں دو میل اندر لانے کے بعد حملہ کرنا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ تو آٹھ دس کلومیٹر اندر آ چکے ہیں۔ ان کی رفتار خاصی تیز ہے۔" سینئر رپورٹر نے ایک اچھا سوال کیا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آخری لمحات میں حکمتِ عملی میں کوئی تبدیلی کی گئی ہو۔ ویران صحرا میں بمباری کے دھماکوں اور فائرنگ کی آوازیں دور تک گونجیں گی۔ مقابلہ سرحد سے جتنی دور ہو، اتنا ہی بہتر رہے گا اور ان کے 'سرحد پر رہ جانے والے ساتھیوں کو کچھ علم نہیں ہو سکے گا۔ ایسے علاقوں میں درمیانے اسلحے کی آواز، دو میل کے فاصلے سے بھی بہ آسانی سنی اور پہچانی جا سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی لئے انہیں مزید ڈھیل دی جا رہی ہو۔"

اس وقت ہیلی کاپٹرز تاریک اور ویران صحرا پر پرواز کر رہے تھے کہ اچانک فضا میں ایک جیٹ انجن کا شور سنائی دیا۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے 'ائربیس پر کھڑا ہوا ایک ہلکا بمبار طیارہ ہم سے بہت نیچے سے گزرا۔ ہیلی کاپٹرز کی طرح اس کی بھی تمام روشنیاں گل تھیں اور اس کا رخ اسی سمت میں تھا جہاں ہم نے دشمن کا کارواں دیکھا تھا۔

پائلٹوں نے پھرتی کے ساتھ ہیلی کاپٹرز کا رخ اسی طرف موڑ لیا کیونکہ حملہ شروع ہو جانے کے بعد ہمیں دشمن کے قافلے پر پرواز کرنے کی اجازت ملی ہوئی تھی۔

وہ ہلکا بمبار طیارہ کسی بلائے ناگہانی کی طرح کمانڈر کے قافلے پر حملہ آور ہوا۔ پے در پے تین ہولناک دھماکے ہوئے۔ دھماکوں کے ساتھ ہی شاید اس کارواں کے متعدد ٹرکوں میں آگ لگ گئی اور ان میں موجود اسلحے کے ذخائر دھماکوں سے تباہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ وہاں فائرنگ کا ہولناک شور گونجنے لگا۔

اسی اثنا میں وہ منظر ہماری نظروں کے سامنے آ گیا۔ وہ کارواں چلتے چلتے رک گیا تھا۔ ان میں سوار عملہ اور تمام فوجی بوکھلا کر اپنی گاڑیاں چھوڑ کر ریت میں کود چکے تھے۔ ان کی خوف کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے بہت سی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس بھی بجھائے تھے۔ وہ گاڑیوں سے کود کر دونوں طرف بیٹھنے کے لئے ہوئے اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس وار میں ان کے متعدد ٹرک بری طرح تباہ ہو چکے تھے۔ ان کے بکھرے ہوئے ملبے سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ دو ٹرک کسی چتا کی طرح دھڑا دھڑ جل رہے تھے۔ اور ایک ٹرک بارود کے دھوئیں میں گھرا ہوا تھا اور اس پر بڑے تواتر کے ساتھ

دھماکے ہو رہے تھے۔ ہر دھماکے کے ساتھ دھات اور لوہے کے سیکڑوں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے فضا میں ہر طرف تیرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

ہیلی کاپٹرز کی بلندی خاصی کم ہو گئی تھی۔ دھوئیں کے بادلوں کے باوجود وہاں لگی ہوئی آگ سے اتنی روشنی پھیل گئی تھی کہ ہمیں اپنی دوربینوں سے ساری جزئیات بالکل صاف نظر آرہی تھیں۔

ہمارے ہیلی کاپٹرز نے نہایت سست رفتاری کے ساتھ اس کارواں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پرواز کی۔ اس دوران میں ہمیں وہاں متعدد جھلسی ہوئی' مسخ شدہ اور خون آلود لاشیں بھی نظر آئیں۔ نیچے ریت' پر پڑے ہوئے فوجیوں نے ہیلی کاپٹرز کے انجنوں کے شور سے خوف زدہ ہو کر ہماری طرف بے تحاشا گولیاں چلائیں لیکن ہم ڈھائی ہزار فٹ کی محفوظ بلندی پر پرواز کر رہے تھے۔ اس لئے تمام گولیاں بہت نیچے سے ہی کششِ ثقل کا ایندھن بن گئیں۔

بمبار طیارے کے ہوا باز نے کمال مہارت کے ساتھ دشمن کی فارمیشن کے اگلے حصے کو نشانہ بنایا تھا جس کے نتیجے میں سب ہی نے تباہی کا وہ منظر دیکھا اور جو گاڑی جہاں تھی' وہیں چھوڑ دی گئی۔ وہ طیارہ اپنا مشن پورا کر کے ایندھن اور بم لینے کے لئے ائربیس کی طرف واپس جا چکا تھا۔ مجھے تشویش ہو رہی تھی کہ دوسرا بمبار کہاں ہو گیا تھا۔

آخر کار ہمارے دونوں لاما' اس کاروان کے وسطی حصے پر فضا میں معلق ہو گئے۔

ہمارے سروں پر پنکھوں کا شور تھا اور نیچے آگ' دھوئیں' دھماکوں اور فائرنگ کے شور کا بازار گرم تھا۔ دشمن کے لئے وہ سب اس قدر غیر متوقع اور ہولناک ثابت ہوا تھا کہ وہ اس حملے کی دہشت پر قابو پا کر کوئی دفاعی حکمتِ عملی اختیار کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکے تھے۔

ایک مرتبہ پھر فضا طیارے کے انجن کے شور سے گونجنے لگی۔ ہمارے پائلٹوں نے لاما فوراً فضا میں اوپر اٹھا لئے۔ آنے والے طیارے نے ہم سے نیچے ایک طویل چکر کاٹ کر محاذ کا جائزہ لیا۔ جہاز کو دیکھتے ہی وہاں موجود فوجیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ پائلٹ نے سامنے کے رخ سے پوزیشن لی اور وہ طیارہ اس قطار پر تیزی کے ساتھ بم گراتا ہوا' کارواں کے عقبی حصے سے فضا میں اوپر اٹھتا چلا گیا۔ طیارے کے پیٹ سے نکلنے والے ساتوں بم ہمیں بالکل صاف نظر آئے تھے۔ اس بار چار ٹرک اڑ گئے۔ دو بم طیارے کے لوٹنے کی وجہ سے بھٹک کر ریت میں جا گرے اور بھاگنے والے پچھلے فوجیوں کے جسموں کے چیتھڑے اڑ گئے۔ فضا میں ریت اور دھوئیں کے بادل دور دور تک پھیل گئے تھے۔

اسی اثنا میں کارواں کے عقب میں موجود فوجی دستے حرکت میں آ گئے۔ جلتی ہوئی گاڑیوں کی وجہ سے ان لوگوں کو اپنے نشانے کے تعین کی سہولت حاصل ہو چکی تھی اس لئے پیچھے سے آر آر کا فائر آیا اور گولہ عین کارواں کے وسط میں گر کر پھٹ گیا۔ اس بار لوہے کے ٹکڑے فضا میں کافی اوپر تک اڑے تھے۔

اس بار بمبار طیارہ اپنا وزن ہلکا کرنے کے بعد واپس نہیں گیا بلکہ ایک چکر کاٹ کر میدان پر آیا اور بھاگتے ہوئے فوجیوں پر مشین گن سے تباہ کن فائر کھول دیا۔ ہر طرف خون ہی خون اور لاشیں ہی لاشیں نظر آنے لگی تھیں۔

فضا میں اڑتی ہوئی گرد کچھ صاف ہوئی تو میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس بار طیارہ شکن توپوں سے لدے ہوئے دو بھاری ٹرک بھی بمباری کی زد میں آئے تھے۔ ان پر بندھی ہوئی ترپالیں راکھ ہو گئی تھیں اور ٹیڑھی میڑھی توپوں کے مہیب آہنی ڈھانچے ٹرکوں میں لگی ہوئی آگ میں سلگ رہے تھے۔

کچھ حواس باختہ فوجی بمبار طیارے کی فائرنگ سے بوکھلا کر پھر کارواں کی طرف پلٹ پڑے۔ اس وقت وہ اپنے ٹرکوں میں محفوظ تھے اور نہ انہیں کھلے صحرا میں امان تھی۔ ان کے تیزی سے بھاگنے والے ساتھی' اندھیرے میں روپوش پاکستانی فوجیوں کے ہاتھوں لقمۂ اجل بننے شروع ہو گئے تھے۔ اندھیرے سے نازل ہونے والی اس ناگہانی افتاد نے انہیں پاگل کر دیا تھا۔

اس بلندی سے میں نے دوربین کی مدد سے دیکھ لیا تھا کہ معرکے کا آغاز ہوتے ہی ہمارے فوجی دستوں نے کارواں کے اگلے حصے کو بھی گھیر لیا تھا اور اب وہ لوگ مکمل محاصرے کی حالت میں تھے۔ کارواں کی طرف لوٹنے والے فوجیوں نے قطار میں سے' دو صحیح سالم ٹرک تیزی کے ساتھ باہر نکالے۔ قرب و جوار میں موجود اور اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے فوجی کچھ سوچے سمجھے بغیر' اندھا دھند ان ٹرکوں میں گھسنے لگے اور وہ دونوں ٹرک چکر کاٹ کر تیزی کے ساتھ اپنی سرحد کی طرف روانہ ہو گئے۔

"انہیں فالو کرو!" کرنل ریاض کی گمبھیر آواز سنائی دی اور دونوں ہیلی کاپٹر ریت میں دوڑتے ہوئے ان ٹرکوں پر پرواز کرنے لگے۔ اس بلا کو اپنے سروں پر مسلط پا کر' چند فوجیوں نے ایک ٹرک کے پچھلے حصے سے باہر جھول کر ہم پر گولیاں برسانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ ٹرک تیز رفتاری کے باعث بری طرح اچھل رہے تھے اس لئے ان میں ایک شدید جھٹکے کی وجہ سے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گردن کے بل ریتیلی چٹان پر گر گیا۔ اس وقت کسی کو کسی سے کوئی ہمدردی نہیں رہی تھی۔ وہ سب ہانکے میں آئے ہوئے وحشت زدہ درندوں کی طرح اپنی اپنی فکر میں مبتلا تھے اس لئے کسی نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ٹرک سے گرنے والا زخمی ہوا تھا یا گردن تڑوا کر جہنم واصل ہو چکا تھا۔

وہ سب اپنی دانست میں آزادی' سلامتی اور زندگی پالینے کی راہ پر فرار ہو رہے تھے اور دوسری طرف اجل ان کی تدبیروں پر بے رحمی سے مسکرا رہی تھی۔

پیچھے موجود فوجیوں نے تیزی کے ساتھ بڑھتے ہوئے ان ٹرکوں کو دیکھ لیا تھا۔ اِدھر سے یکے بعد دیگرے دو راکٹ فائر کئے گئے اور

وہ دونوں ٹرک اپنے سواروں سمیت ٹکڑوں میں بکھر کر آگ کے شعلوں میں گھر گئے۔ ان ٹرکوں کی ایندھن کی بڑی بڑی ٹنکیاں اس وقت عذاب بنی ہوئی تھیں اور ہر طرف آگ بھڑکانے کا باعث بن رہی تھیں۔

ہم اُدھر سے واپس ہوئے تو پھر ایک بمبار فضا میں منڈلا رہا تھا۔ اس بار گولہ بارود سے بھرا ہوا ایک ایسا ٹرک ہٹ ہوا جس پر لدا ہوا گولہ بارود پھٹنے سے، آدھے سے زیادہ کارواں تباہی اور آگ کی زد میں آگیا۔ ان ہی خود کار دھماکوں میں بارود سے لدے ہوئے ایک اور ٹرک نے آگ پکڑلی اور وہاں ہولناک دھماکوں کا ایک نہ ختم ہونے والا بھیانک سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس وقت تک دشمن کے سارے فوجی کارواں کو اس کے حال پر چھوڑ کر فرار ہوچکے تھے۔ ان پر جہاز سے بھی گولیاں برسائی جارہی تھیں اور فوجی دستے بھی انہیں مارنے میں مصروف تھے۔

آپریشن بیس کے ہنگامی ہوائی اڈے پر موجود بمبار طیاروں کی جنگی حکمتِ عملی کافی دیر بعد میری سمجھ میں آسکی۔ سی او نے دونوں جہازوں کو ایک ساتھ روانہ کرنے کے بجائے انہیں الگ الگ بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا اس لئے ان کے حملوں میں ری فیولنگ اور لوڈنگ کی وجہ سے، کسی بھی وقت زیادہ وقفہ نہیں آنے پایا۔ تھا ایک جہاز ائربیس پر لینڈ کرتا تھا تو دوسرا دشمن کے کارواں پر جہنم کے دہانے کھولنے میں مصروف ہوجاتا تھا۔

دشمن کے فوجیوں کی بھاری تعداد ہلاک اور زخمی ہوئی تھی۔ آگ اور دھوئیں کے بادلوں کی اوٹ میں جابجا معذور زخمی، زندگی کی آرزو میں سسک رہے تھے لیکن اس خون آشام معرکے میں کوئی اُن کا پُرسانِ حال نہیں تھا۔ اس معرکۂ بلاخیز میں جو فوجی مرنے یا زخمی ہونے سے بچے ہوئے تھے، وہ اپنی ساری پیشہ ورانہ شان و شوکت کو بھول کر، خوف زدہ چوہوں کی طرح صحرا میں اِدھر اُدھر بلبلاتے پھر رہے تھے۔

وہ کسی بھی طرح کوئی دل خوش کن منظر نہیں تھا۔ مارنے والے بھی انتقام اور دشمنی کے جذبات کے تحت، ولولے کے ساتھ انہیں مار رہے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس ماحول کا ایک کردار بن جانے کے بعد وہ مشینی انداز میں اپنے فرائض انجام دے رہے تھے اور یقیناً ان کے دلوں میں خوشی کا کوئی جذبہ نہیں رہا ہوگا۔ دراصل وہ سب مکافاتِ عمل کے ایک بھیانک دور سے گزر رہے تھے جو اماوس کی تاریک راتوں میں نظر آنے والے کسی ڈراؤنے خواب سے کم نہیں تھا۔

سرحد پار سے کمانڈر کی سربراہی میں آنے والوں کو قبل از وقت گھیر گھار کر وہاں لایا گیا تھا لیکن حقیقت یہ تھی وہ اپنی کمین گاہوں میں دبک کر اکیس ستمبر کی رات کو ہمارے علاقے میں کہیں زیادہ بڑی وحشت اور بربریت پھیلانے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ ان کے عزائم ہماری جنگی مشین کے خلاف نہیں تھے بلکہ وہ سب، ہزار پا طاغوتی بلاؤں کی طرح معصوم اور بے گناہ شہریوں میں گھس کر وہاں ناقابلِ تصور تباہی اور بربادی کے منصوبے بنا رہے تھے۔ وہ ہمارے فوجیوں سے بچ کر شہروں اور قصبوں میں اپنے ہمدردوں تک پہنچنا چاہتے تھے لیکن کاتبِ تقدیر ان کی تدابیر پر خندہ زن تھا۔ جو کچھ وہ ہماری آبادیوں کے ساتھ کرنا چاہ رہے تھے، وہی اُن پر لوٹا دیا گیا تھا۔

اس لمحے ہمارے ہتھیار ان سے دور تھے، رائفلیں کافی فاصلہ پر گونج رہی تھیں لیکن یہ ان کی بدبختی تھی کہ وہ اپنے ساتھ لائے ہوئے ہولناک بارودی ذخائر کی آگ میں جل مر رہے تھے۔ دوسروں کے لئے ہلاکت اور تباہی کا کنواں کھودنے والے، خود ذلت کے اسی کنوئیں میں تہ نشین ہوتے چلے جارہے تھے۔

اس وقت دونوں بمبار واپس لوٹ چکے تھے۔ ہمارا ہیلی کاپٹر ہلکے ہلکے ہچکولے لیتا ہوا، فضا میں بہت زیادہ سست روی کے ساتھ آگے پیچھے ہو رہا تھا کہ نیچے کسی طاقتور لاؤڈ اسپیکر پر کسی کی آواز گونجتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بارود کے بھڑکتے ہوئے ذخائر میں ہونے والے ہولناک دھماکوں میں وہ آواز کچھ اس طرح ابھر اور ڈوب رہی تھی کہ ابتدا میں وہ مجھے اپنا وہم محسوس ہوا لیکن اوّل خان نے مجھے چونکا دیا۔

"نیچے فیلڈ میں کوئی اعلان ہو رہا ہے۔" اس نے رائے ظاہر کی تھی۔

وہ میرا ہم خیال تھا اس لئے میرا شبہ یقین میں بدل گیا اور میں نے اپنے کان اسی آواز پر مرکوز کردیئے۔

چند ثانیوں تک توجہ مرکوز کرنے کے بعد دھماکوں وغیرہ کی آوازیں مجھے مغلوب محسوس ہونے لگیں اور وہ انسانی آواز ہر شور پر غالب آنے لگی۔

"میں پھر بتا رہا ہوں کہ تم لوگ چاروں طرف سے گھیرے جاچکے ہو۔" وہ دبنگ آواز سرحد پار سے آئے ہوئے دہشت گردوں اور تخریب کاروں سے مخاطب تھی۔ "مقابلہ کروگے تو ہر طرف موت تمہارا مقابلہ کرے گی۔ لیکن ہمارا مقصد انسانی خون کی ہولی کھیلنا نہیں ہے۔ ہماری کارروائی محدود مقاصد کے لئے تھی۔ ہم تمہاری قوت کا شیرازہ بکھیر کر تمہارے منصوبہ سازوں کا غرور خاک میں ملانا چاہتے تھے اور ہم نے یہ مقصد حاصل کرلیا ہے۔ تم میں سے جو لوگ اپنے ہتھیار پھینک کر دونوں ہاتھ اپنے سروں پر رکھ کر ہماری طرف آئیں گے انہیں ہر طرح امان دی جائے گی۔ ان پر گولی نہیں چلائی جائے گی لیکن جو شخص بھی ہتھیار بند نظر آیا اسے بے رحمی سے بھون کر رکھ دیا جائے گا۔ جن لوگوں کو اپنی جانیں پیاری ہیں وہ اپنے سروں پر ہاتھ باندھ کر کسی بھی طرف دوڑ لگادیں۔ ہمارے جوان ہر طرف موجود ہیں۔ میں بیس تک گنتی گنوں گا۔ اس کے بعد ہی ہم پیش قدمی شروع کردیں گے۔ پھر جو نظر آیا وہ مارا جائے گا... ون... ٹو..."

اس طرف سے رک رک کر گننا شروع کردیا گیا۔ اس آواز میں عجیب سا جلال اور دبدبہ پنہاں تھا۔

میں نے دوربین کو میدان پر گھمانا شروع کر دیا۔ گنتی کا آغاز ہوتے ہی دو فوجی اپنی رائفلیں پھینک کر، دونوں ہاتھ اپنے سروں پر باندھ کر تیزی سے ایک طرف دوڑے تھے لیکن ان کا انجام بہت دردناک ہوا۔

جنگ کے خوفناک اور لرزہ خیز ماحول میں بدترین شکست سے دوچار ہونے کے احساس نے ان میں سے بہتیرے فوجیوں کے دماغ الٹ دیے تھے۔ دشمن کے کسی اعلیٰ افسر کی آواز پر لبیک کہنے والے ان دو ہوش مندوں کا ردِ عمل ایسے پاگلوں کو پسند نہیں آیا۔

ہتھیار ڈالنے کے اس منظر پر انہوں نے بیک وقت کئی خود کار رائفلیں چلائیں۔ جگنوؤں کے غول کی طرح اڑتی ہوئی، بے شمار گولیاں پشت سے ان دونوں کے جسموں میں پیوست ہو گئیں اور وہ تڑپے بغیر وہیں گر کر ڈھیر ہو گئے۔ اس واقعے کے ساتھ ہی وہاں دھادھند گولیاں چلنے لگیں۔

چند ہی ثانیوں میں صورتِ حال واضح ہو گئی۔ گنتی گننے والے افسر کی پیشکش کا اعلان ہوتے ہی ہزیمت خوردہ لشکر کے بچے ہوئے سپاہی ذہنی طور پر دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک گروہ ہتھیار ڈال کر اپنی جانیں بچانے پر آمادہ تھا لیکن بہت سے جنونی آخری سانس تک لڑنے مرنے پر تلے ہوئے تھے۔

"ہر شکست میں صدیوں سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔" ان کی باہمی خوں ریزی پر اول خان نے دل گداز لہجے میں کہا "جنگ کے شرکا کا زندگی پر سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ خاص طور پر ہارنے والے بہت حساس اور مغلوب الغضب ہو جاتے ہیں۔ اب دیکھنا کہ یہ اپنا کتنا جانی نقصان کرتے ہیں۔"

ہمارے اور دشمن کے ہتھیاروں کی آوازوں میں نمایاں فرق تھا۔ ہماری فوج کے ایک افسر نے دشمن کو مشروط معافی کی پیشکش کی ہوئی تھی اور اس کی گنتی جاری تھی اس لئے ہماری طرف سے کوئی فائر نہیں ہو رہا تھا۔ بس وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کو چھلنی کیے جا رہے تھے۔

"ہیلی کاپٹرز میں انجن اور پنکھڑیوں کے شور میں فائرنگ کی آواز بالکل نہیں سنائی دیتی لیکن حیرت ہے کہ ہم دشمن کی جی ٹو رائفلوں کی آوازیں پہچان سکتے ہیں۔" اول خان نے میری طرف جھک کر کہا۔

"یہ ارتکاز کی بات ہے۔" سینئر رپورٹر نے کہا "میں نے تو اس فوجی افسر کے اعلان کا ایک ایک لفظ صاف سنا تھا جو وہ کسی لاؤڈ اسپیکر پر کر رہا تھا۔"

"یہ ہیلی کاپٹر کی ساخت یا ارتکازِ توجہ کا معاملہ نہیں ہے بلکہ تم لوگوں کو نیچے رونما ہونے والے واقعات کی زیادہ سے زیادہ تفصیلات فراہم کرنے کے لئے لاما ون کے نچلے حصے میں ایک بہت حساس اور خصوصی مائیکرو فون لگایا گیا ہے جو ہیلی کاپٹر کے مواصلاتی نظام کے ذریعے ہر آواز کو ہیڈ فونز تک پہنچا رہا ہے ورنہ چھ سات سو فٹ کی بلندی سے بھی رائفلوں کی آواز کو سننا ناممکنات میں سے ہے۔" کیپٹن الیاس نے کہا۔

اس کے انکشاف پر میں دل ہی دل میں شرمندہ ہو کر رہ گیا کیونکہ سینئر رپورٹر کی طرح مجھے بھی اپنی قوتِ ارتکاز اور سماعت پر کچھ ناز ہو چلا تھا۔

آپس کی اس جنگ میں، آناً فاناً میں دشمن کے بچے ہوئے بیشتر سپاہی ملوث ہو گئے کیونکہ صرف اپنی رائفلوں کے شور اور شاید چھلنی ہو جانے والوں کی دلدوز چیخوں سے، ان میں سے ہر ایک نے آپس کی پھوٹ کا اندازہ لگا لیا تھا۔ شکست کے آخری مراحل پر ایسے تصادم کے اسباب بھی بہت واضح ہوتے ہیں اس لیے وہ لڑائی زور پکڑ گئی تھی لیکن اس میدانِ کارزار سے باہر رہ جانے والے متعدد فوجی اپنے ہاتھ سروں پر باندھ کر مختلف سمتوں میں بھاگ نکلے تھے گنتی گیارہ تک پہنچتے ہی نیچے فائرنگ دم توڑ گئی۔ ان لوگوں کے پاس وہی میگزین تھے جو ان کی رائفلوں میں چڑھے ہوئے تھے۔ فراخ دلانہ فائرنگ کے نتیجے میں ان کے سارے ہی میگزین آناً فاناً میں خالی ہو گئے اور پھر دوربین کے عدسوں میں بہت سے انسانی ہیولے، اپنے سروں پر ہاتھ باندھے، جلتے ہوئے باوردی کارواں سے دور بھاگتے ہوئے نظر آنے لگے۔ وہ سب پوری قوت کے ساتھ مختلف سمتوں میں دوڑ رہے تھے۔ جس کا جدھر منہ سمایا، وہ اسی طرف بھاگ نکلا تھا۔ اپنے گرد و پیش میں موت کی بھیانک ارزانی دیکھ لینے کے بعد وہ کسی جائے امان کی تلاش میں تھے۔

"فیول جواب دینے والا ہے سر!" ہیڈ فون پر ہمارے لاما کے پائلٹ کی آواز ابھری۔ "یہ پرواز ہماری توقع سے کہیں زیادہ طویل ثابت ہوئی ہے۔"

"اِدھر بھی یہی پوزیشن ہے۔" لاما ون کے پائلٹ کی آواز سنائی دی۔ "ہم نے فوراً واپسی کی راہ اختیار نہ کی تو ائیر بیس پہنچنے سے پہلے ہی کہیں لینڈ کرنا پڑے گا۔"

"بیک ٹو ائیر بیس۔" کرنل ریاض کی تحکمانہ آواز ابھری۔

"یہ ٹنکیاں اتنی چھوٹی ہیں تو ہم اتنے کم ایندھن کے ساتھ کراچی سے ہیڈ کوارٹرز تک کیسے پہنچ گئے تھے؟" مبصر کی حیرت اور خوف میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

اس اثنا میں دونوں ہیلی کاپٹرز ایک پہلو پر جھک کر، تیزی کے ساتھ واپسی کے سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ دشمن کے وحشت گرد کارواں کی جلتی ہوئی چتا پیچھے ہوتی جا رہی تھی۔

"پہلی بات تو یہ کہ وزن ہلکا رکھنے کے لئے لاماز کی صرف ایک ٹنکی بھری گئی تھی۔ وزن کی کمی بیشی ہیلی کاپٹرز کی استعداد پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔" کیپٹن الیاس نے ایسے پُراعتماد انداز میں اس موضوع پر بریفنگ شروع کر دی جیسے وہ ایوی ایشن سے منسلک رہا ہو۔ مائع فیول کا وزن ڈیڈ نہیں بلکہ ڈائنامک ہوتا ہے اور اس کی زیادتی ہیلی کاپٹر کی سبک رفتاری سے پہلو بدلنے کی صلاحیت پر منفی اثرات ڈالتی ہے۔ کراچی کی طرف واپسی کے سفر میں ہماری دونوں ٹنکیاں بھری جائیں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یکساں رفتار سے سیدھی

پرواز میں ایندھن کم جلتا ہے۔ جب کہ تیزی سے سمتیں بدلنے، بلندی میں تبدیلیاں لانے، رفتار گھٹانے بڑھانے اور ہووَرنگ میں ایندھن کا خرچ کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ آپریشن بیس پر فیولنگ کرانے کے بعد ہم جلد ہی بخیریت اور خوش و خرم کراچی پہنچ جائیں گے۔"

"بمبار جہازوں کی پروازوں کا سلسلہ اب موقوف نظر آرہا ہے۔" میں نے دوربین سے گردوپیش کی فضا کا گہرا جائزہ لیتے ہوئے تبصرہ کیا۔ "کیا ہیڈ کوارٹرز اور فیلڈ کمان کے درمیان کوئی مواصلاتی رابطہ بھی ہے؟"

"جلتے ہوئے ملبے اور شکست خوردہ فوجیوں کے علاوہ وہاں اب کیا رہ گیا ہے جس پر بم برسائے جائیں؟" اس بار بھی کیپٹن الیاس نے جواب دینا اپنا فرض تصور کیا تھا۔ "اسلحے کے استعمال میں کفایت ہماری تربیت کا جزو ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہیڈ کوارٹر اور یونٹوں میں مضبوط مواصلاتی رابطے کے بغیر کوئی فوجی مشن کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کڑی رازداری کی ضرورت کے پیش نظر، آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ والے خاص فری کوئنسی والے ایسے آلات استعمال کر رہے ہیں جن پر نشر کئے جانے والے پیغامات دشمن نہ سن سکے۔ فیلڈ یونٹ اور بمبار طیارے اسی فری کوئنسی پر ہیڈ کوارٹر سے ہدایات لے رہے تھے لیکن ہمارے دونوں ہیلی کاپٹرز کی..... فریکوئنسی مختلف تھی اس لئے ہم ان کی گفتگو سننے سے قاصر تھے۔"

"لیکن لینڈنگ اور ٹیک آف کے وقت تو ہمارے پائلٹوں کی ہیڈ کوارٹر سے بات ہوئی تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"حساس مواصلاتی آلات بہت وسیع بینڈ پر کام کرتے ہیں جنہیں ایک ریڈیو سیٹ کے اصول پر کسی بھی فری کوئنسی پر ٹیون کیا جاسکتا ہے۔ ہماری بحفاظت واپسی تک ایک چینل ہمارے لئے مخصوص رہے گا۔"

اس کے بعد ہیڈ فونز پر خاموشی چھائی اور ہیلی کاپٹر اندھیری فضا میں چنگھاڑتے ہوئے اپنی منزل کی طرف پرواز کرتے رہے۔

اعصاب کو چٹخا دینے والی، وہ سنسنی خیز پرواز ایک گھنٹے سے زیادہ مدت سے جاری تھی جس نے عیش و عشرت کے عادی مسافروں پر تکان طاری کر دی تھی۔

****

صبح سات بجنے سے ذرا پہلے ہم شاہراہِ فیصل ائیر بیس سے باہر نکلے تو تکان سے میرا برا حال تھا لیکن اول خان اس طرح تازہ دم اور مسرور نظر آرہا تھا جیسے بستر سے اٹھ کر تروتازہ ہونے کے بعد کار چلا رہا ہو۔

اس کی خوشی بھی بے سبب نہیں تھی۔ آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچتے ہی اسے پتا چل گیا تھا کہ کمانڈر کو اس بھٹ سے نکال کر موت کے چنگل میں پھنسانے والے، الیس ٹی ایف کے آٹھوں کمانڈو کارواں پر ائیر ریڈ شروع ہونے سے پہلے ہی اس کارواں سے صحیح وسلامت نکل جانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

اس کہانی میں ان کی خوش تدبیری کے ساتھ ہی ان کی خوش قسمتی کا بھی بہت دخل تھا کیونکہ اس گروپ کا سربراہ، بنگلات میں ہونے والی کارروائی کے حوالے سے کمانڈر کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ وہ اور اس کے ساتھی مسلسل بے خوابی کا شکار ہونے کی وجہ سے بری طرح تھکے ہوئے تھے۔ رہی سہی کسر کہر سے وہاں تک کے مسلسل اور صبر آزما سفر نے پوری کر دی تھی اس لئے وہ واپسی کے سفر میں کچھ دیر کے لئے سونا چاہتے تھے۔

کمانڈر نے ازراہِ مروت انہیں ایک ایسے ٹرک کے پچھلے حصے میں سونے کی اجازت دے دی جس سے اس کارواں کے میڈیکل یونٹ کا کام لیا جا رہا تھا۔ اس ٹرک کے عقبی حصے میں باقاعدہ بستر لگے ہوئے تھے اور وہاں تیز بخار میں پھنکتے ہوئے دو مریض غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ ایسے بدنصیبوں کی ہنگامی دیکھ بھال کے لئے اس کارواں کے ساتھ ایک ڈاکٹر بھی سفر کر رہا تھا جو سائے کی طرح ہر وقت کمانڈر کے ساتھ لگا رہتا تھا۔

وہ ٹرک مل جانے کے بعد کمانڈوز کے سربراہ نے یہ بندوبست بھی کر لیا کہ ان کے ٹرک کو کارواں کے آخر میں سفر کرنے کی اجازت دے دی جائے تاکہ پیچھے آنے والے ٹرکوں کے ہیڈ لیمپ کی تیز روشنی ان کی نیند میں خلل ڈالنے کا باعث نہ بن سکے۔ ویران اور بے رحم صحرا میں، غیر ملکی سرزمین پر پیش قدمی کر والے کمانڈر کے فرشتوں کو بھی شبہ نہیں ہوسکا کہ وہ لوگ ا رعایتوں سے کوئی فائدہ اٹھا سکیں گے۔

ہیڈ کوارٹر سے اجازت ملتے ہی ان لوگوں نے نہایت تیزی ساتھ سفر شروع کیا تھا۔ اندھیرے میں چٹانوں اور ٹیلوں کی ا سے لدی پھندی گاڑیاں برآمد ہونی شروع ہوئیں تو ان کی تعدا تیاریاں دیکھ کر کمانڈوز حیران رہ گئے۔ بے شمار بھاری گاڑیوں انجنوں کے شور نے اس سنسان صحرائی علاقے میں عجیب سماں باندھ دیا تھا۔

وہاں کسی سڑک کا وجود نہیں تھا اس لئے ریتیلے راستے پر آغاز ہوا اور پاکستانی سرحد میں کئی سو گز اندر آجانے کے بعد کمانڈوز نے یکے بعد دیگرے چلتے ہوئے ٹرک سے نیچے کودنا کر دیا۔

ان آٹھوں کا، آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ کے ہیڈ کوارٹر دو طرفہ مواصلاتی رابطہ نہیں تھا مگر پھر بھی ان آٹھوں کے ہو جانے کے بعد ان کے لیڈر نے اپنے خفیہ مائیکروفون کے ذ ہیڈ کوارٹر کو یہ پیغام دے دیا کہ وہ لوگ بخیر و خوبی کارواں سے ہو جانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

ان کا وہ اعلان ہیڈ کوارٹر کے لئے گرین سگنل کی علامت اپنے جانبازوں کے نکل آنے کے بعد کارواں پر کسی بھی وق کن حملہ کیا جا سکتا تھا۔

چند منٹ بعد ہی، دشمن کے عقب میں وہ سریع الحرکت

ان آنکھوں سے آملے' جو منصوبے کے مطابق دشمن کے فرار کی راہ مسدود کرنے کے لئے دونوں اطراف سے پیچھے بڑھ آئے تھے۔

وہ سب پروگرام کے مطابق ہوا تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ اول خان کو' ایس ٹی ایف کے کمانڈوز کی حفاظت کے اس منصوبے کا علم نہیں تھا اس لئے وہ حملے کے آغاز سے ہیڈ کوارٹر واپسی تک مضطرب رہا تھا۔

میں ان تمام واقعات کا عینی شاہد تھا لیکن شاہراہِ فیصل کے روشنیوں میں نہائے ہوئے راستے پر' اول خان کے ساتھ سفر کرتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں ایک بھیانک خواب دیکھتے دیکھتے' اسی وقت ہڑبڑا کر بیدار ہوا ہوں۔

"تاریکی اور کوچ کی افراتفری کی وجہ سے دشمن کی نفری کی گنتی تو ناممکن تھی لیکن ہمارے کمانڈوز نے' یونٹ کے آملنے کے بعد ہیڈ کوارٹرز کو آگاہ کیا تھا کہ ان کی تعداد پانچ سو سے بھی متجاوز تھی" اول خان کہہ رہا تھا۔

ہم ہیلی کاپٹرز میں ایندھن پورا ہوتے ہی ہیڈ کوارٹر[illegible] سے پرواز کر گئے تھے۔ دشمن کے اس طویل کارواں کی عبرتناک تباہی پر وہاں خوشی کی لہر دوڑی ہوئی تھی لیکن ہلاک و زخمی ہونے والوں اور قیدی بنائے جانے والوں کے بارے میں فیلڈ سے' اس وقت تک اطلاعات آنی شروع نہیں ہوئی تھیں۔

مگر میرا اندازہ تھا کہ اس مہم میں دشمن کے دو سو سے زیادہ فوجی مارے گئے تھے۔ زخمی ہونے والوں کی تعداد بھی خاصی رہی ہوگی کیونکہ بمباری کے نتیجے میں ان کے اپنے ذخائر کی تباہی نے بھی انہیں بہت نقصان پہنچایا تھا۔

ہم دونوں کے لئے وہ تھکا دینے والی' ایک طویل رات ثابت ہوئی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اول خان جلد از جلد اپنے گھر لوٹ کر آرام کرنا چاہ رہا ہوگا اس لئے واپسی پر بھی میں نے نرسری سے ذرا آگے شاہراہِ قائدین کے نکڑ پر اترنا چاہا لیکن اول خان مجھے گھر تک پہنچانے پر اڑ گیا۔

"اب ہماری ملاقات کب ہوگی؟" میں نے شرف آباد کے چوراہے پر اترنے سے پہلے اول خان سے سوال کیا۔

"تمہارے سروں پر مسلط' اکیس ستمبر کا خوف دور ہو چکا ہے۔ اب ایک آدھ روز آرام کرنے کا ارادہ ہے" اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا "ویسے ابھی غلام رسول اور اس کے ساتھیوں کا معاملہ بھی چل رہا تھا۔ پھر ہتھیاروں سے لدی ہوئی لانچ بھی آنے والی ہے' جب چاہو مجھے فون کر لینا۔ کیا پتا کہ یہ معاملات نمٹنے سے پہلے ہی کوئی دوسرا چکر چل پڑے۔"

میں گرم جوشی کے ساتھ اسے الوداع کہہ کر فلیٹ والی عمارت کی طرف چل دیا۔

جہانگیر کے گھر سے غزالہ اور سلطان شاہ کی وہاں منتقلی کا فیصلہ کرتے ہی میں نے فلیٹ کی ایک چابی اپنی تحویل میں لے لی تھی تاکہ فلیٹ میں میری آزادانہ آمدورفت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ میں داخلی دروازے کے کی ہول میں چابی گھما کر اندر داخل ہوا تو' صبح ہو جانے کے باوجود فلیٹ میں سناٹا پڑا ہوا تھا۔ دروازہ دوبارہ مقفل کر کے میں نے دبے قدموں خواب گاہ کا جائزہ لیا تو وہ دونوں اپنے اپنے کمروں میں دنیا و مافیہا سے بے خبر سو رہے تھے۔

اس وقت تکان اور نیند نے میرے اعصاب پر بھرپور حملہ کیا ہوا تھا اس لئے میں خاموشی کے ساتھ ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر دراز ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ کئی روز تک متروک رہنے کی وجہ سے صوفہ گرد آلود ہوگا لیکن اسے صاف ستھرا پا کر مجھے ماننا پڑا کہ عورت' عورت ہی ہوتی ہے اور ہر جگہ کھل کر اپنے وجود کا اظہار کرتی ہے۔

میں صوفے پر گر کر سویا تو پھر شام ہی کی خبر لایا۔ مشین گن کی فائرنگ کی پُرہول تڑاتڑ سے میں گھبرا کر بیدار ہوا تو سب سے پہلے سلطان شاہ کے مسکراتے ہوئے چہرے پر نظر پڑی اور پھر میری نگاہیں خود بخود فائرنگ کی آوازوں کے مخرج کی طرف مبذول ہو گئیں جو ڈرائنگ روم ہی میں موجود تھا۔

ٹیلی وژن اسکرین پر چلتے ہوئے انگریزی فلموں کے اشتہارات کو دیکھتے ہی میری کھوپڑی سنک گئی اور میں جھلا کر سلطان شاہ پر برس پڑا "یہ کیا بے ہودگی ہے کہ ایک سوئے ہوئے شخص کے سر پر اتنی اونچی آواز میں ٹی وی چلا رہے ہو۔ گھٹیا فلموں کے اشتہارات دیکھنے کا ایسا ہی شوق تھا تو ٹی وی اٹھا کر اپنے کمرے میں لے جاتے۔"

"سوری!" اس کے ہونٹوں پر بدستور سُلگا دینے والی مسکراہٹ رقصاں رہی "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں تمہاری کچی نیند میں خلل انداز ہو رہا ہوں۔ میں ساڑھے آٹھ بجے سو کر اٹھا تو تم گہری نیند سو رہے تھے۔ گیارہ گھنٹے کی نیند کے بعد تمہیں مسکراتے ہوئے اٹھنا چاہئے تھا۔ اتنی طویل نیند کے بعد تو مُردے بھی چہل قدمی کے لئے سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"

وقت کا احساس ہونے پر میں اسے خاموشی کے ساتھ گھور کر رہ گیا۔ اس نے میرے ساتھ تعلقات کی ابتدا' ایک سوکھے سہمے ..... اور انتہائی فرمانبردار ملازم کی حیثیت سے کی تھی لیکن اپنی بے شمار جبلی خوبیوں کی وجہ سے اس نے مجھے بہت جلد اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ مجھے کچھ یاد نہیں کہ یہ کب اور کیسے ہوا لیکن امر واقعہ یہی تھا کہ عرصۂ دراز سے میں نے اسے تنخواہ دینے کی کوئی وجہ اور ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ہمارا جو کچھ تھا' وہ مشترک ہی تھا۔ پیسے دھیلے کے معاملے میں وہ بے ایمان تھا نہ میں نے کبھی حساب کتاب کی ضرورت محسوس کی تھی۔ اسی کے ساتھ' وہ بہت جلد ملازم کے مقام سے ایک دوست کے رتبے پر آ گیا تھا۔ وہ اکثر بے تکلفی میں مجھے بہت کچھ کہہ جاتا تھا لیکن عملاً اس نے کبھی بھی میری کسی سنجیدہ بات کو رد نہیں کیا تھا۔

اس وقت سلطان شاہ پر خوش کلامی کا سنگین دورہ پڑا ہوا تھا۔ پچھلے سانس میں وہ مُردوں کی چہل قدمی کا ذکر کر چکا تھا اس لئے میں

آ سے اس کے حال پر چھوڑ کر باتھ روم کی طرف چل دیا۔
ٹھنڈے اور گرم پانی کی تیز دھاروں میں کافی دیر تک نہانے کے بعد جب میرے بدن کا ایک ایک مسام کھل گیا تو میں لباس بدل کر ڈرائنگ روم میں آیا جہاں ٹرالی پر چائے اور اس کے پُر تکلف لوازم موجود تھے۔
"تم رات کس وقت واپس لوٹے تھے؟" میرے بیٹھتے ہی سلطان شاہ نے سوال داغ دیا۔
"رات بھر جھک مارنے کے بعد میں صبح آٹھ بجے' تھکا ہارا واپس آیا تھا" میں نے غراتے ہوئے کہا۔
"یہ میرا نہیں غزالہ کا خیال تھا" اس نے جلدی سے مدافعانہ لہجے میں کہا "تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تو گیارہ گھنٹے کی نیند کا حوالہ دیا تھا۔ اگر تم جھک مارنے کے لئے ہی اول خان کے ساتھ گئے تھے تو یہ شوق یہاں بھی پورا ہو سکتا تھا۔"
"بس' اب تم چپ رہو" غزالہ کھولتی ہوئی چائے پیالیوں میں انڈیلتی ہوئی بولی "جب تک میری آنکھ نہیں لگی' میں پل پل خیر کی دعائیں مانگتی رہی تھی۔ رات کی کہانی خاصی ہولناک اور دلچسپ ہو گی۔"
"وہم' قیاس اور اندیشے میرے ذہن میں بھی تھے؟" سلطان شاہ نے ایک بسکٹ اٹھا کر کہا "یہ پریشانیاں اسی وقت تک ہوتی ہیں جب تک اپنا آدمی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ ڈپٹی کو زندہ سلامت دیکھنے کے بعد' آسانی کے ساتھ یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ رات کو سب ٹھیک ٹھاک رہا ہو گا۔"
وہ مجھے چڑانے کے لئے بکواس کرنے پر تلا ہوا تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ وہ خود بھی میرے تجربات کی تفصیلات جاننے کے لئے مضطرب رہا ہو گا۔
غزالہ نے ریموٹ کنٹرول یونٹ کے ذریعے ٹیلی وژن کی آواز بند کر دی کیونکہ زمین پر خلائی مخلوق کے حملے پر مبنی ہوئی ایک کارٹون فلم کا شور یک بیک بہت تیز اور ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔
ان دونوں کو یہ تو معلوم تھا کہ میں پچھلی رات ایک اہم مشن پر اول خان کے ساتھ کہیں گیا تھا اور اس مشن کا مقصد ملا سرکار کے ہمنوا کمانڈر کی سرکوبی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پچھلی رات نرسری کے بس اسٹاپ کے آخری سرے پر اول خان کا انتظار کرتے ہوئے وہ تمام باتیں میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں جن سے بعد میں دوچار ہونا پڑا۔
ان کے سوالات شروع ہوتے ہی مجھے سلطان شاہ کی خوش کلامیوں کا جواب دینے کا موقع مل گیا۔ میں انہیں سسکا سسکا کر' بہت اختصار کے ساتھ ان کے سوالات کے جواب دیتا رہا لیکن ایک رات کے بھیانک جنگی تجربات پر مشتمل وہ کہانی اتنی جاندار تھی کہ میرے غیر مسلسل بیان کے باوجود' حیرت سے ان دونوں کی آنکھوں کے ڈھیلے کشادہ ہوتے چلے گئے۔
میں دن بھر سوتا رہا تھا۔ اس دوران میں ان دونوں نے خاصی خریداری کر کے ضرورت کی ہر چیز فلیٹ میں جمع کر لی تھی۔ غزالہ میری شراب نوشی سے نالاں تھی لیکن جانتی تھی کہ میں اس عادتِ بد میں مبتلا ہوں اس لئے اس نے سلطان شاہ سے بلیک ڈاگ کی تین بوتلیں بھی منگوالی تھیں۔
اس روز میرے وجود پر ایسی کسلمندی طاری تھی جیسے میں کوئی بڑی مہم سر کر کے آیا ہوں۔ حالانکہ میں نے' اپنی جماعت کے دوسرے لوگوں کے ساتھ' بیٹھنے اور دیکھنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ میری فرمائش پر سلطان شاہ باہر سے گرما گرم کھانے لینے کے لئے چلا گیا اور میں نے پیمانہ و شراب کی محفل سجا کر غزالہ کے پیکرِ شباب کو اپنے رُوبرو بٹھا لیا۔
اگلی صبح کے اخبارات میں گدرا کے مقام پر ہونے والی خوں ریز فوجی کارروائی کے بارے میں کوئی موہوم سا اشارہ بھی نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے رات ہی کو بتا دیا تھا کہ شام کے اخبارات میں بھی اس بارے میں کوئی خبر نہیں چھپی تھی۔
بڑی سرخیوں میں کچھ نہ پا کر جب میں نے چھوٹی چھوٹی' ایک کالمی خبروں کا جائزہ لینا شروع کیا تو پہلے ہی صفحے پر میری نظریں ایک خبر میں الجھ کر رہ گئیں۔
وہ' ہمارے ساتھ محاذ پر پرواز کرنے والے سینئر رپورٹر کا روزنامہ تھا۔ خبر کی سرخی تھی "کیوبا کے نامہ نگار یا غیر ملکی جاسوس؟" پہلے صفحے پر خبر کا مختصر سا متن تھا بقیہ تفصیلات آخری صفحے پر تھیں۔
پورے اخبار میں آپریشن ڈیزرٹ ٹرپ کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں چھپا تھا۔ شاید آخری لمحات میں اس کارروائی کو صیغۂ راز میں رکھنے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ اس لئے سینئر رپورٹر نے اپنا سارا زورِ قلم میرے اور اول خان کے خلاف آزما ڈالا تھا۔
اس کا استدلال یہ تھا کہ پاکستان میں دو ایسے پُراسرار مقامی لوگ موجود ہیں جو خود کو کیوبا کی کسی خبر رساں ایجنسی کا نمائندہ بتاتے ہیں اور حساس ترین قومی ادارے ان دونوں کے دعوؤں کو من و عن تسلیم کر رہے ہیں جب کہ اخبار کے ذرائع کے مطابق وہ دونوں مشتبہ افراد ہیں اور کسی بھی وقت قومی سلامتی کے لئے کوئی بڑا خطرہ پیدا کر سکتے ہیں۔
اس خبر کی وجہ اور نوعیت کچھ بھی رہی ہو لیکن مجھے یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ذمے دار صحافی جو کچھ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے' اسے اپنے قارئین تک پہنچانے میں کسی بخل یا کوتاہی کا مرتکب نہیں ہوتا۔ میں نے اول خان کے ساتھ' کیوبا کے خبری ادارے کی نمائندگی کا دعویٰ ضرور کیا تھا لیکن سینئر رپورٹر آخر تک ہمارے اس دعوے پر یقین نہیں کر سکا تھا۔ اس نے اپنی تجربہ کار نگاہوں سے ہمارا جھوٹ بھانپ لیا تھا اور اخبار میں خبر لکھوا کر اپنا فرض پورا کر لیا تھا۔ اخبار میں اس ایک کالمی خبر کی موجودگی اور اصل فوجی آپریشن کے بارے میں مکمل خاموشی سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ ہماری حکومت اس واقعے کے اخفا یا اظہار کے بارے میں تذبذب کا شکار تھی۔ گدرا میں آئی ایس پی آر کی نگرانی میں جانے والی ٹیم کی

دگی اس بات کی مظہر تھی کہ حکومت اخبارات میں نہایت
دھام سے اس معرکے کی کوریج چاہتی تھی تاکہ دوسرے ملک
عناصر کی شدت کے ساتھ حوصلہ شکنی ہو لیکن اخبارات کی
ن خاموشی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ قومی مقاصد میں بھرپور
رار حاصل کر لینے کے باوجود کچھ لوگ آپریشن ڈیزرٹ ٹرپ پر
ہالی والے عالمی ردعمل سے خائف تھے۔

درا، ہیری کیسنجر کے دفتر جانے کے بعد سے یکسر مفقود الخبر
اور اس کی طرف سے کوئی رابطہ ہونے کی امید بھی نظر نہیں
تھی۔ لے دے کر قاسم ہی ایسا آدمی رہ گیا تھا، جس سے وہ لانچ
کے بارے میں بات کر سکتی تھی اور ہیری نے وہ سارا کھیل
لیے پھیلایا تھا کہ اس کا مطلوبہ اسلحہ بخیر و خوبی کراچی پہنچ سکے
سے وہ تمام ہتھیار، ملا سرکار کے ذریعے شورش پر آمادہ افراد
پھیلائے جانے تھے۔

میری دانست میں اسپیشل ٹاسک فورس اور آرمی آپریشن کی
راہوں کے بارے میں رازدارانہ رویّہ ہمارے حق میں ہر اعتبار
سودمند ثابت ہو رہا تھا۔

اگر ملا سرکار کی عبرت ناک ہلاکت کی تشہیر کر دی جاتی تو اس
پشت پناہی پر پروان چڑھنے والے چند ڈاکوؤں کے حوصلے ضرور
ہو سکتے تھے لیکن پھر ایس ٹی ایف کے آٹھ کمانڈو، سرحد پار
کے کمانڈر کے سامنے ملا سرکار کے قاصد کا روپ اختیار نہیں
سکتے تھے۔ جب کہ چند ڈاکوؤں کے حوصلے پست ہونے کے
لے میں آپریشن ڈیزرٹ ٹرپ کی کامیابی کہیں زیادہ اہم اور دور
رس نتائج کی حامل تھی۔

دوسری طرف ہیری کیسنجر اور اس کا کاؤنسلیٹ بھی ملا سرکار
اور کمانڈر کے یونٹوں کی تباہی سے بے خبر اپنی ریشہ دوانیوں میں
مصروف تھا۔ دوبئی یا خلیج کی کسی اور نامعلوم بندرگاہ سے ہتھیاروں
اور گولہ بارود سے لدی ہوئی لانچ کراچی کے مضافاتی ساحل پر
لانے کی بنیاد ہی اس مفروضہ پر تھی کہ ملا سرکار اپنے جملہ اثر و
رسوخ سمیت زندہ تھا اور بے چینی کے ساتھ ہتھیاروں وغیرہ کی
کھیپ کا منتظر تھا تاکہ اپنے پیروکاروں کے ذریعے، مظالم اور
بے روزگاری کے ستائے ہوئے سرکش نوجوانوں کے لشکروں کو
ظالم کے خلاف صف آرا کر کے صوبہ میں شورش اور بدامنی
پیدا کر سکے۔

یہ ایک بہت بڑی اور منظم سازش تھی۔ اندرون ملک،
ملا سرکار نے اپنا اسٹیج تیار کیا ہوا تھا۔ دوسری طرف سرحد پار سے
کمانڈر، چوری چھپے مسلح دہشت گردوں اور ہتھیاروں کی بڑی تعداد
کے ساتھ ملا سرکار سے آملنے کے لئے تیار تھا۔ تیسری سمت سے
ہیری کیسنجر اپنی سفارتی مراعات کی آڑ لے کر خلیج کے علاقہ سے
غیر قانونی اسلحہ کی بھاری مقدار کراچی لانے کی منصوبہ بندی کر رہا
تھا تاکہ شورش اور بغاوت کرنے والوں کو مقامی طور پر ہتھیاروں
وغیرہ کی رسد ملتی رہے اور جب یہ تینوں عوامل، حالات کو بہت زیادہ
بگاڑ کی سمت میں لے جانے میں کامیاب ہو جاتے تو کسی نہ کسی حیلے
بہانے سے 'پڑوسی ملک کی مسلح افواج' ڈنکے کی چوٹ پر بین
الاقوامی سرحد عبور کر کے ان عناصر کے ساتھ شامل ہو کر، متوازی
حکومت قائم کرا دیتیں۔ وہ ملک کی بقا اور سلامتی کے خلاف ایک
بھیانک بین الاقوامی سازش تھی جس میں کینہ پرور، پڑوسی کے
ساتھ ہی ایک سپر پاور بھی پوری طرح ملوث تھی۔

وہ سنگین صورتِ حال ہر اعتبار سے ہمارے خلاف تھی لیکن قدرت اس سرزمین اور اس کے سادہ لوح باسیوں پر مہربان تھی اسی وجہ سے بازی ہمارے حق میں پلٹ گئی تھی۔

ملا سرکار اس سازش کا کلیدی کردار تھا۔ اس کے جہنم واصل ہوتے ہی مقامی سازشیوں اور ان کے غیر ملکی ہمدردوں کے درمیان قائم' دو طرفہ روابط یکلخت ختم ہو کر رہ گئے۔ اس افراتفری اور بے خبری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کمانڈر کے ہیبت ناک لشکر کا سر کچل دیا گیا اور مجھے پوری امید تھی کہ ان دونوں کے انجام سے بے خبر' ہیری کیسنجر کو بھی منہ کی کھانی پڑے گی۔ اس کے گرد ہمارا حصار قدرے کمزور ضرور پڑ چکا تھا لیکن امید یہی تھی کہ وہ ہمارے چنگل سے بچ کر اپنی سازش میں کسی بھی طرح کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

اگر ہیری کیسنجر مکاری سے کام لیتے ہوئے' ویرا کو اپنے کاؤنسلیٹ میں قیدی نہ بناتا تو ہمارا کام کافی سہل اور سیدھا سادہ ثابت ہوتا۔ اس کے پکڑے جانے کے بعد میرا کام خاصا بڑھ گیا تھا۔

میں نے قاسم برادرز کا کارڈ دیکھ کر قاسم علی کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔

وہ شہر کے مصروف ترین کاروباری اور تجارتی علاقے کا فون نمبر تھا اس لیے تیسری کوشش میں لائن مل سکی۔ آپریٹر نے نرم اور سریلی آواز میں' خاصی تہذیب کے ساتھ میرا مدعا دریافت کیا اور دلاور خان فرام کسٹم انٹیلی جنس جیسا مرعوب کن جواب سنتے ہی بوکھلا گئی۔

اس کے "ہولڈ آن' پلیز" کہتے ہی ریسیور میں موسیقی کی آواز سنائی دینے لگی اور چند لمحوں بعد ہی قاسم علی لائن پر آ گیا۔ اس نے نہایت تپاک سے سلام کر کے میری مزاج پرسی کی تھی۔

فون پر ہیلو کے بجائے سلام سے گفتگو کی ابتدا کا وہ انداز مجھے پسند آیا لیکن وہ عادت صرف اسی وقت قابل تعریف کہی جا سکتی تھی جب چھوٹے بڑے اور غریب امیر کا امتیاز کیے بغیر' ہر ایک سے اسی انداز میں خطاب کیا جائے۔ مقتدر اور اپنے سے زیادہ با حیثیت لوگوں کے سامنے تو ہر ایک ہی سراپا انکسار بننے کی کوششوں میں جتلا ہو جاتا ہے۔

"آج تمہیں مال دینا ہے۔ میں نے اسی کی یاد دہانی کے لیے فون کیا ہے۔" رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں فوراً ہی مطلب کی بات پر آ گیا۔

"مجھے دو دن کی مہلت دے دو تو میرا کافی فائدہ ہو سکتا ہے۔" اس کی خوشامدانہ آواز ابھری۔

"دو دن بعد تو تمہاری فائل تیار ہو کر' اوپر والوں کے پاس جا چکی ہو گی اور میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں ایسے معاملات میں ادھار کرنے کا قائل نہیں ہوں....."

"میرا پیسہ ایف ای بی سی میں لگا ہوا ہے۔" وہ گڑگڑاتے ہوئے وضاحت کرنے لگا۔ "پچھلے دو روز میں اس کا بھاؤ سوا سات سے نو چلا گیا ہے۔ دھندے میں تیزی آئی ہوئی ہے۔ لوگ [illegible] اپنا پیسہ باہر بھیج رہے ہیں۔ دو دن میں یہ بھاؤ گیارہ سے [illegible] جائے گا اور میرا دو پیسے کا فائدہ ہو جائے گا۔"

"تم میرے مقروض ہو۔ قرض کی رقم سے [illegible] اچھی بات نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ مسز فلا[illegible] بندوبست کر ہی چکی ہے۔ میرا اس معاملے میں یہی تھوڑا سا [illegible] ہے جسے میں گنوانا پسند نہیں کروں گا۔"

"تم بالکل فکر نہ کرو۔ قاسم علی زبان کا پکا ہے۔ دو دن [illegible] کے بعد تمہاری پوری رقم' ہاتھ جوڑ کر تمہارے حوالے کر[illegible] اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔"

"اس خیال میں نہ رہنا کہ فائل پر نوٹنگ کر کے میں [illegible] کٹوا لوں گا۔" میں نے اس لالچی شخص کے ساتھ نرمی [illegible] فیصلہ کرتے ہوئے کہا "سرکار کا نقصان ہو رہا ہو تو پرانے [illegible] واپس لینے مشکل ہو جاتے ہیں۔ خزانے کو پیسہ ملنے کا امکا[illegible] دس سال پرانی فائل بھی ری اوپن کر سکتے ہیں اور تمہارا [illegible] قسم کا ہے۔ ایک بار میں نے کیس بگاڑ دیا تو تم اپنے تن [illegible] بیچ کر بھی کروڑوں روپے کے واجبات ادا نہیں کر سکو گے۔"

"بابا.... مجھے یہ سب معلوم ہے۔ ان باتوں کو دہرا کر کیوں خنک کر رہے ہو؟" وہ خوف زدہ لہجے میں کراہا [illegible] بعد میں تمہارا حساب صاف کر دوں گا۔ پر میں تمہیں یہ بھی [illegible] کہ کیس بننے سے بدنامی ضرور ہو گی لیکن میرا زیادہ نقصان [illegible] ہو گا۔ میری کمپنی کے سارے اثاثے چالیس' پینتالیس لا[illegible] زیادہ نہیں ہیں۔ اپیل اور کورٹس کے چکر میں دو چار سال [illegible] میں اسے آدھا اور نچوڑ لوں گا۔ سرکار بیس' پچیس لاکھ ر[illegible] میں وصول کر کے کمپنی کو دیوالیہ کر دے گی اور بس میں [illegible] سے دھندا چالو کر لوں گا۔ یہ پیسے کی نہیں' عزت اور ساکھ [illegible] ہے جو مجھے ڈرا رہی ہے۔ ہم لوگ ادھر پارٹیشن سے پہلے [illegible] رہے ہیں۔ قاسم برادرز کی بنیاد' ستر سال پہلے میرے باپ [illegible] تھی۔ اس پرانی کمپنی کی ساکھ بچانے اور بدنامی سے بچنے [illegible] میں نے تم سے سودا کیا ہے ورنہ تم خود اندازہ لگا سکتے ہو ک[illegible] دس لاکھ اپنی مرضی سے انعام میں دے سکتا ہے۔ اس [illegible] بیس پچیس لاکھ کی کمپنی ڈوبنے سے کیا فرق پڑ سکتا ہے؟"

"اس کا مطلب ہے کہ تم واقعی موٹی اسامی ہو۔ [illegible] زیادہ رقم کا مطالبہ کرنا چاہیے تھا۔"

"غلط بات۔" اس کی خودی یک بیک بلند ہو گئی۔ [illegible] مطالبہ نہیں تھا۔ مسز لیزلی سے لانچ پر بات طے ہو گئی تھی [illegible] میں نے اپنی مرضی سے آفر کی تھی جو مسز لیزلی نے تم کو [illegible] ہاں' تم مجھ کو کھلے کے دوسرے دھندے بتا دو [illegible] دیکھتے ہو گے کہ اپنے امپورٹ بھائی' کس کس آ[illegible] ہیں۔ مجھے آئٹم اور اس سے مال پانی بنانے کا طریقہ [illegible] چار آنے کی پتی تمہاری ہو گی۔ تم بھی خوش رہو گے [illegible]

بچے خوش حال ہوں گے اور میں بھی کچھ کمالوں گا۔ ہم لوگوں کو پارلیمنٹ میں ساجھی مل جاتے تو ہم کروڑوں کا بلائنڈ کھیل سکتے ہیں۔"

"میں نے ڈیڑھ دولاکھ روپیہ ضرور جوڑا ہوا ہے۔" میں نے ایک رشوت خور مگر مظلوم بنے ہوئے سرکاری ملازم کی منظر کشی کرتے ہوئے پر خیال لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "مگر یہ ناکافی تھا۔ میرے بیوی بچے دو کمروں والے ایک سرکاری کوارٹر میں رہتے ہیں جن کی ٹین کی چھتیں گرمیوں میں تنور کی طرح تپتی ہیں اور برسات میں چھلنی کی طرح ٹپکتی ہیں۔ اپنی تنخواہ میں، میں اپنے گھر کا چولہا دو وقت روشن رکھنے کا بندوبست بھی نہیں کرسکتا۔ ہم سرکار کو کروڑوں کا ریونیو کما کر دیتے ہیں۔ ہمارے اختیارات لامحدود ہیں۔ ہم جب اور جسے چاہیں، کسی اسکینڈل میں ملوث کرسکتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ تاجر اور خاص طور پر امپورٹرز کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی گھپلا ضرور کرتے ہیں تاکہ بھاری شرح سے عائد ڈیوٹیاں بچا کر اپنی تجوریوں کی شکم پروری کرسکیں۔ ہم جوں ہی ان کی دم پر پاؤں رکھتے ہیں تو وہ تلملا کر خود ہی رقموں کے لفافے لے آتے ہیں۔ وہ لاکھوں کی چوری کرتے ہیں اور ساہو کار بنے رہتے ہیں۔ سرکاری ملازم ہونے کے ناتے، ہم کہیں بھی سامنے آکر اپنا دفاع نہیں کرسکتے۔ تم پہلے امپورٹر ہو جس نے فراخ دلی کے ساتھ مجھے ایک بڑی رقم دینے کا وعدہ کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ لیزلی فلہام کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔ تم نے اپنی کمائی کا ایک حقیر ترین حصہ مجھے دیا ہے لیکن یہ رقم واقعی میرے بال بچوں کا مستقبل بدل دے گی۔ میں بال بچوں کے لئے انہیں ایک ایسی چھت فراہم کرسکوں گا جو گرمیوں میں تپتی ہو نہ برسات میں ٹپکتی ہو۔ ہماری حکومت ہماری ضرورتوں سے غافل ہے اور مسلسل خسارے میں جارہی ہے۔ تم جیسے لوگ چھوٹے اور بڑے سرکاری ملازمین کی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہیں اور دن دونی، رات چوگنی ترقی کررہے ہیں۔ موجودہ حساب بیباق ہونے کے بعد بھی میں ضرور تم سے رابطہ رکھوں گا کیونکہ اسی میں میری اور تمہاری بھلائی ہے۔"

"بالکل، ہمیں اپنے اپنے فائدے کے لئے سوچنا چاہئے۔ اس ملک میں اصل ایمان داروں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ زیادہ تر ایمان دار ایسے ہیں جو کہیں ہاتھ نہ پڑنے کی وجہ سے کھسیا کر ملک و قوم کے فائدے کی بات کرتے ہیں۔ انہیں بڑے افسروں کی کرسیاں مل جائیں تو دس برس کی لوٹ کھسوٹ کا ٹارگٹ بلکہ دس مہینوں میں پوری کرلیں گے۔ جب حکومت کو تنگ دستی کا سامنا ہو اور حالات اتنے خراب ہوں تو ہر ایک کو بس اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔ تمہارے بال بچے بھی اسی معاشرے کا ایک حصہ ہیں۔ ان کے حالات سدھریں گے تو معاشرہ خود بخود سدھر جائے گا۔"

"تمہاری باتیں سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ لیزلی فلہام یہاں آکر حیران ہے کہ قدرے معقول قومی آمدنی کا تناسب رکھنے کے باوجود، ہمارے یہاں گندے نالوں کے کنارے، جھونپڑیوں میں بسنے والے مفلوک الحال لوگ ننگے اور بھوکے کیوں نظر آتے ہیں۔ اسے نہیں معلوم کہ ایک آدمی کی آمدنی صفر ہو اور دوسرے کی ایک لاکھ روپے روزانہ ہو تو ہندسوں کے گورکھ دھندے میں ان کی اوسط روزانہ آمدنی پچاس ہزار روپے کملائے گی....."

"وہ بہت اچھی اور خوبصورت عورت ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر حریصانہ لہجے میں بولا "تم کسی وقت اسے کھانے پر لاسکو اور اس سے میری دوستی کرادو تو میں تمہیں خاصا بڑا انعام دوں گا۔"

"تم سے سودے بازی کرکے دوستی کی راہ تو خود اس نے ہموار کرلی ہے۔ فون کرے تو کھانے پر مدعو کرلینا۔ کہیں تم اس کے عشق میں تو مبتلا نہیں ہوگئے ہو؟"

"عشق اس سے کیا جاتا ہے جو اپنی دسترس میں ہو۔ وہ ہزاروں میل دور، دوسرے براعظم میں رہتی ہے اور رس نہیں بلکہ مس ہے۔ اس سے تو وقتی طور پر ہی دل بستگی کا سامان کیا جاسکتا ہے اور بس۔"

"وہ فون کرے تو اسے کسی اچھے ہوٹل میں کھانے پر مدعو کرلینا۔" میں نے اسے اکسایا۔

"ایسے خوبرو مہمانوں کے لئے میں پورے سال، شہر کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں کمرا بک رکھتا ہوں۔ موت اور خوبصورت عورت کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا کہ کب اور کہاں آٹکرائے لیکن تمہاری یہ لیزلی تو راستہ ہی نہیں دیتی۔ کل اس نے فون کیا تھا لیکن مجھے لانچ سے آگے کوئی بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔"

"وہ لالچی عورت ہے۔ ویسے بھی ان امریکیوں میں عزت و حرمت کا وہ تصور نہیں ہوتا جو ہمارے یہاں رائج ہے۔ منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے برگر کھا لینے اور دل بہلانے کے لئے کسی اجنبی کے ساتھ شب بسری میں، یہ لوگ زیادہ فرق نہیں سمجھتے۔ اسے قیمتی تحائف کا لالچ دوں گا تو وہ تمہاری طرف ضرور مائل ہوجائے گی۔ ویسے لانچ کی آمد کا کیا پروگرام طے ہوا ہے؟"

"تو کیا تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں معلوم؟" اس نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"تمہارے کیس کی فائل میرے پاس تھی۔ دوسرے کیس کے سلسلے میں وہ آج کل ویلیوایشن والوں کے ساتھ وقت گزار رہی ہے۔ اس لئے میری اور اس کی ملاقات نہیں ہوسکی۔" میں نے نفاست کے ساتھ جھوٹ بولا۔

"ملاقات ہو تو اسے پھانسنے کی کوشش ضرور کرنا۔" وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا "تفریح اور دل بستگی کے لئے بگڑی ہوئی ولایتی میم سے بہتر مخلوق روئے زمین پر کہیں نہیں ملتی۔"

"یہ بتاؤ کہ لانچ کا کیا پروگرام طے ہوا ہے؟" میں نے پر خیال لہجے میں پوچھا۔

"میں اپنی بات کررہا ہوں اور تم پھر لانچ کا ذکر لے بیٹھے۔" وہ

چڑچڑے لہجے میں بولا تھا۔ اتنی دیر تک گفتگو کرنے کے بعد، وہ مجھ سے خاصی حد تک بے تکلف ہو گیا تھا۔

"جب تک لانچ کا معاملہ اس کے سر سے نہیں اترے گا وہ کسی سیرو تفریح کی طرف مائل نہیں ہوگی۔ اس کے بقول، یہ اس کی زندگی کی پہلی رشوت ہے جو اس نے میرے ایما پر قبول کی ہے۔۔۔۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" اس بار پھر اس نے میری بات کاٹ دی۔ "لانچ پرسوں رات سون میانی بیچ پر گھوڑا کریک میں لنگر انداز ہوگی۔ لانچ رات کو ایک بجے آئے گی۔ میرا خیال ہے کہ صبح چھ بجے تک، اس پر لدا ہوا ڈھائی سو ٹن مال میرے گودام میں پہنچ جائے گا۔ کیونکہ اس پر کوئی بھی پیٹی دو ٹن سے زیادہ وزنی نہیں ہے۔"

"تم تو اس طرح بات کر رہے ہو جیسے دو ٹن کوئی وزن ہی نہ ہو۔" میں نے اسے لیزلی فلہام کے موضوع سے ہٹانے کے لئے حیرت سے کہا "تمہیں کرین وغیرہ کا بندوبست بھی کرنا ہوگا۔"

اس کی ہلکی سی پُر غرور ہنسی کی آواز سنائی دی پھر وہ بولا "قلیوں اور خلاصیوں سے نرمی سے کام لو تو وہ دس کلو وزن کے لئے بھی کرین مانگتے ہیں۔ ان سے سخت گیری سے پیش آؤ تو یہ کوہِ ہمالیہ کو بھی اپنے زورِ بازو سے دس پندرہ فٹ دور کھسکا دیں گے۔ سارا کام چین کپی اور مزدوروں کے ذریعے ہوگا۔"

"اور پھر بھی تم منہ اندھیرے نمٹ جاؤ گے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تم نے گودی پر تنخواہ والی سرکاری اور نیم سرکاری لیبر کا کام دیکھا ہے۔ اسی لئے حیران ہو رہے ہو۔ ٹھیکے پر کام کرنے والے جن ہوتے ہیں۔ ان میں ساٹھ ستر سال کے بوڑھے بھی اتنی پھرتی سے کام کرتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ یہ سب میرا کام ہے۔ بس یہ سمجھو کہ آج سے تیسری صبح ہماری بلبل کے ذہن سے لانچ کا بوجھ اتر چکا ہوگا۔"

"اس لانچ کا نام سفینہ تو نہیں ہے؟" میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے پوچھا بھی تھا لیکن اس نے لانچ کا نام نہیں بتایا۔" اس کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔ "پرسوں رات ایک بجے، جو بھی لانچ گھوڑا کریک میں لنگر انداز ہوگی، میں اسے خالی کرا دوں گا۔"

"شناخت کرائے بغیر، لانچ کا عملہ تمہیں اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دے گا۔"

"وہ سب طے ہو گیا ہے۔ لانچ سے سوال کیا جائے گا، ہو کز دیئر؟ اور ہم کہیں گے، شی از ہیٹر! بڑا سیدھا سا کوڈ ہے لیکن وہ ہمارے ساتھ نہیں ہوگی۔" اس کی آواز حسرت آمیز ہو گئی۔ "اگر وہ بھی وہاں آجائے تو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے ساحل پر، پتھریلی چٹانوں میں گزاری ہوئی رات وہ کبھی نہیں بھول سکے گی۔ لیزلی شراب تو پیتی ہے نا؟"

"پتا نہیں۔" میں نے سادگی سے کہا "میں سیدھا سادا مسلمان ہوں۔ کبھی ایسا موقع نہیں آیا کہ اس کی شراب نوشی کے بارے میں جاننے کا موقع ملتا۔ میں اس حرام خوری سے دور بھاگتا ہوں۔"

"ماشاءاللہ!" اس کی زہر میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔ باتوں باتوں میں اس کی بے تکلفی خاصی بڑھتی جا رہی تھی۔ "شراب کو حرام سمجھ کر اس سے دور بھاگتے ہو تو رشوت کو کس نقطہ کی رو سے حلال سمجھتے ہو؟"

"دیکھو یار، قاسم بھائی!" میں نے بے تکلفانہ انداز میں کہا "رشوت اسی وقت حرام ہو سکتی ہے جب ہم جیسے، بااختیار اہل کاروں کو جیب بھر روزی اور پیٹ بھر روٹی مل رہی ہو۔ اس معاملے میں ہمارے مولوی ملاؤں کو اجتہاد کے امکانات پر غور کرنا چاہئے۔ یہ خاصا اہم اور سنگین معاملہ ہے۔۔۔۔"

میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اس نے فوراً ہی، پرجوش لہجے میں بولنا شروع کر دیا تھا۔ "خدا کا خوف کرو، دلاور خان! گناہ کرنے ہو تو کرو لیکن مذہب کو اس کا جواز نہ بناؤ۔ اگر تمہارے استدلال کو مان لیا جائے تو کم تنخواہ والوں کو رشوت کی اجازت ملنے کے ساتھ ہی، بے روزگاروں کو چوری اور ڈکیتی کا حق مل جانا چاہئے۔ یہ بالکل وہی بکواس ہے جو آئے دن ڈاکوؤں کی طرف سے شام کے اخبارات میں شائع کرائی جاتی ہے۔"

"اور تم لیزلی کو کس شرعی اختیار کے تحت پھانسنا چاہ رہے ہو میرے نیک مسلمان!" میں نے کھسیا کر زہریلے لہجے میں سوال کیا۔ "یہ بھی تو گناہوں کی بدترین اقسام میں سے ایک ہے۔"

"میں نے اس کا کوئی جواز دینے کی کوشش نہیں کی۔" وہ بھڑک کر بولا "گناہ کرنا انسان کی سرشت میں شامل ہے۔ نازنینوں کی دلجوئی میری کمزوری ضرور ہے مگر میں اس پر نادم بھی ہوتا ہوں۔ نادم ہوتا ہوں تو گڑگڑا کر توبہ بھی کرتا ہوں لیکن میں نے کبھی ڈھٹائی کے ساتھ اپنی اس کمزوری کا کوئی جواز تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"تم بہت چالاک ہو۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا "میرا مقصد بھانپتے ہی تم نے اپنی چال بدل دی۔ کیا تم اب بھی لیزلی کو ساحلِ سمندر پر بلانا اور سنگلاخ چٹانوں پر شراب پلانا چاہتے ہو؟"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ یہ میری کمزوری ہے۔ وہ پرسوں رات کو گھوڑا کریک پر آجائے تو یہ میری خوش نصیبی ہوگی۔ تم بھی اسے وہاں لے آؤ، باقی کام میں خود کر لوں گا۔"

"میں کوشش کروں گا۔ اس سے آگے تمہارا مقدر ہے۔" میں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

اس سے مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا، وہ میں معلوم کر چکا تھا۔ لیزلی کی باتوں کے علاوہ، اس کے ساتھ خاصی غیر ضروری باتیں بھی ہو چکی تھیں اس لئے میں نے گفتگو کو طول دینے کی کوشش نہیں کی۔

چند رسمی فقروں کے بعد' دو روز بعد پوری رقم کی ادائیگی کی یاد
کرا کے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔
"یہ اتنی لمبی باتیں کس سے ہو رہی تھیں؟" میرے فارغ
تے ہی غزالہ نے سوال داغ دیا۔ وہ کافی دیر سے اضطراب اور
ں کے ساتھ میرا جائزہ لے رہی تھی۔
"ہیری کیسنجر کا مددگار کہہ لو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
ں کا منگوایا ہوا اسلحہ یہی شخص اپنے گودام میں ذخیرہ کرے گا۔
نے اسے فون کیا تھا۔ لانچ پرسوں رات آرہی ہے۔"
"پھر اب کیا ہو گا؟" سلطان شاہ نے بے ساختہ انداز میں
ں کیا۔
"سپیشل ٹاسک فورس کا تعاون مل جانے کے بعد ہمیں ایسے
ت میں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسے لانچ
م کا علم نہیں ہو سکا۔ ایس ٹی ایف والوں کو کھلے سمندر میں
ی شناخت میں دشواری ہوئی تو پھر پرسوں رات کو گھوڑا کریک
ریب ایک معرکہ ہو گا۔"
"تمہارا کیا خیال ہے؟ ویرا اس کی قید سے کب تک آزاد
ے گی؟" غزالہ اچانک پوچھ بیٹھی۔
"لانچ آجانے کے بعد اسے رہائی مل جانی چاہیئے۔" میں نے
ے اعتماد کے ساتھ کہا۔
"لیکن لانچ کی کھلے سمندر میں یا ساحل پر تباہی کی صورت میں
وگا؟"
غزالہ کے اس سوال نے مجھے چونکا دیا۔ وہ ایک ایسا مسئلہ تھا
پر میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ ہیری کیسنجر نے ویرا کو صرف
لئے قید کیا تھا کہ لانچ کی آمد کا راز' اس کے ذریعے کسی اور
تک نہ پہنچ سکے۔ وہ ہر قیمت پر اس راز کی حفاظت کرنا چاہتا
لیکن اس کی تمام تدابیر کے باوجود لانچ تباہ ہو جاتی تو اس کا ردِ
غیر یقینی ہو سکتا تھا۔
لانچ کی تباہی یا مال پکڑے جانے کی صورت میں وہ ویرا کی
سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو سکتا تھا کیونکہ اس راز میں
س کی شریک تھی۔ قاسم کی ذات ہر قسم کے شبہ سے بالا تر
کیونکہ لانچ کے معاملے میں کوئی بھی خرابی رونما ہونے کی
ت میں وہ خود بھی گرفت میں آسکتا تھا۔ اس کی اپنی سلامتی'
ل سلامتی سے وابستہ ہوتی۔
ایسی صورت میں ہیری کیسنجر یہ سوچ سکتا تھا کہ ویرا اکیلی
تھی۔ اسے یرغمال بنالینے کے باوجود اس کے ساتھی آزاد اور
کے مفادات کے خلاف سرگرم عمل تھے۔ ایک بدترین زک
نے کے بعد وہ ان خطوط پر کام شروع کرتا تو اسے لامحالہ دلاور
کے کردار کا علم ہو جاتا۔ قاسم علی کے پاس اس امر کو پوشیدہ
کا کوئی جواز نہیں تھا کہ مسز لیزلی فلہام اس کے پاس تنہا نہیں
تھی بلکہ دلاور خان نامی ایک مقامی کسٹم انسپکٹر بھی اس کے
تھا۔

اس نتیجے پر پہنچتے ہی' ہیری کیسنجر' ویرا کے معاملے میں سنگ دلی کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔
میرے لئے تشویش کی بات یہ تھی کہ ہیری کیسنجر کو ایک غیر ملکی سفارت خانے کی پشت پناہی حاصل تھی اور شاید ویرا کو اسی ملک کے کاؤنسلیٹ میں قید میں رکھا گیا تھا۔
اگر معاملہ ہیری کیسنجر کی نجی رہائش گاہ کا ہوتا تو وہاں دھاوا بول کر بھی ویرا کو آزاد کرنے کی کوشش کی جاسکتی تھی لیکن ایک اہم ملک کے کاؤنسلیٹ سے کسی قیدی کا نکال لانا آسان نہیں تھا۔
"کیوں نہ ویرا کے اغوا کی رپورٹ درج کرا کے پولیس کو ہیری کے پیچھے لگا دیا جائے؟" سلطان شاہ نے رائے دی۔
"مشکل ہے۔" میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا "پہلی بات تو یہ ہے کہ ویرا کے وارث کے طور پر تم کسے سامنے لاؤ گے۔ اس حیثیت میں جو بھی منظر عام پر آیا' اسے ہیری کے کرائے کے غنڈے بے دردی سے ہلاک کر دیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پولیس سو فیصد پکے ثبوت کے بغیر کبھی اس کاؤنسلیٹ کا رخ نہیں کرے گی اور نہ ہیری کو تفتیش میں ملوث کر سکے گی۔ اپنے موقف پر زیادہ اصرار کیا گیا تو انتظامیہ کاؤنسلیٹ سے ویرا کے بارے میں دریافت کرے گی اور وہ لوگ ویرا سے واقفیت تک سے منکر ہو جائیں گے اور معاملہ ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔"
ہم لوگ اس معاملے کے مختلف پہلوؤں پر کافی دیر تک بحث کرتے رہے لیکن لانچ پر آنے والے اسلحے کی تباہی کے ساتھ ویرا کی سلامتی کا کوئی امکان دریافت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔
اپنی جگہ وہ مسئلہ بہت اہم تھا لیکن اس کا حل ڈھونڈنے کے لئے ہمارے پاس دو دن کی مدت باقی تھی۔ لیکن وہ خبر اول خان تک فوری طور پر پہنچانی بہت ضروری تھی کیونکہ اس کا کام صرف سوچ بچار کرنے کا نہیں تھا بلکہ اسے کھلے سمندر میں لانچ کی چیکنگ اور اس میں ناکامی کی صورت میں گھوڑا کریک میں' اس پر کامیاب چھاپے کے انتظامات کرنے تھے۔ جن کے لئے وقت درکار ہوتا۔ وقت کی کمی کی وجہ سے ان دونوں کارروائیوں میں ذرا بھی خامی رہ جاتی تو ہتھیاروں وغیرہ کی وہ بڑی کھیپ ہمارے ہاتھوں سے نکل کر ملا سرکار یا اس کے حامیوں تک نہ سہی تو دوسرے ملک دشمن عناصر کے ہاتھوں میں پہنچ سکتی تھی۔
میں نے فوری طور پر ویرا کی متروکہ رہائش گاہ کا نمبر ملایا جہاں اول خان کے آدمی مقیم تھے۔
اول خان نے میری فراہم کی ہوئی اطلاعات تحمل کے ساتھ سنیں اور میری بات پوری ہونے پر بولا "میں تیاریاں شروع کرا دیتا ہوں لیکن تم قاسم سے رابطہ رکھو۔"
"کیوں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ اس کے لہجے سے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اسے میری فراہم کی ہوئی اطلاعات کی صحت پر شبہ رہا ہو۔
"ایسے معاملات میں ہیر پھیر ضروری ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ

ویرا کے ذریعے' قاسم کو گھوڑا کریک کا نام دے کر چکر دیا گیا ہو۔ اب وہ نفری اور ٹرکوں وغیرہ کا بندوبست تو کر ہی لے گا۔ آخری لمحات پر مقام کا نام تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس سے قاسم کے انتظامات میں کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔"

اس کی بات ٹھیک ہی تھی۔ بیری اپنے طور طریقوں سے بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا تھا اور اپنے معاملات میں کسی بھی قسم کا خطرہ مول لینے کا عادی نہیں تھا۔

"تو کیا سمندر میں لانچ پکڑے جانے کی کوئی امید نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"لانچ کا نام معلوم ہوئے بغیر یہ بہت مشکل ہوگا۔ کھلے سمندر میں آنے والی ہر لانچ کو روک کر' اس کی تلاشی لینا ناممکن ہوگا۔ ویسے میرے بڑوں نے بحریہ کے ذمے داروں سے بات کی ہے۔ صرف ہماری طرف سے دی جانے والی اطلاعات کی روشنی میں نہ صرف ان کی پٹرولنگ بوٹس الرٹ رہیں گی بلکہ لانچ کے لنگر انداز ہونے کے مقام کے قرب و جوار میں بھی بحری محاصرہ کا خفیہ بندوبست کیا جائے گا تاکہ خطرہ بھانپ کر لانچ کا عملہ اسے دوبارہ کھلے سمندر میں نہ لے جا سکے۔"

"گھوڑا کریک پر تو تمہاری فورس ہی کارروائی کرے گی؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں' ابھی تک تو یہ ہمارا ہی کیس ہے۔ حالات قابو سے باہر ہوتے نظر آئے تو کسی اور ایجنسی سے بھی مدد لی جا سکتی ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ اس آپریشن میں پولیس ڈپارٹمنٹ کو اعتماد میں نہیں لیا جائے گا۔"

"وہ کیوں؟"

"اس محکمے میں کالی بھیڑیں گھسی ہوئی ہیں' جن کے ڈاکوؤں سے گہرے روابط ہیں۔ محکمے سے ہونے والی مخبری کے نتیجے میں' آج تک ان کا کوئی آپریشن کامیاب نہیں ہو سکا۔ جہاں چھاپا مارا جاتا ہے' میدان صاف ملتا ہے۔ جب کہ ہم اپنے معاملات میں مخبری کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے' میں قاسم سے رابطہ رکھوں گا اور جوں ہی کوئی نئی بات معلوم ہوئی تو تم کو باخبر کر دوں گا۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اخبارات میں گدبرا کے واقعات کا بلیک آؤٹ کیوں کیا گیا ہے؟"

"یہ نفسیاتی وار ہے۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔

"آپریشن ڈیزرٹ ریپ مکمل ہونے کے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد چپ سادھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ مجھے فون پر زبان بندی کا حکم ملا تھا جو میں نے تم تک پہنچانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ دو چار دن تک ان کے منصوبہ ساز تجسس میں مبتلا رہیں گے۔ میرا خیال ہے کہ جب وہ ادھر سے کوئی اچھی خبر نہ پا کر زچ آ جائیں گے تو کسی مضحکہ خیز کہانی کے ساتھ واویلا مچانا شروع کر دیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اخبارات میں سب کچھ شائع ہو جائے۔"

"اس مکمل اور عبرتناک تباہی پر اس پلان کے خالقوں کا کورٹ مارشل ضرور ہوگا۔"

"مطلوبہ نتائج کے حصول میں ناکامی پر کورٹ مارشل نہیں کیا جاتا۔ ان میں سے کسی نے کمانڈر اور اس کے یونٹس کو دیدہ و دانستہ مروا دیا ہو تو وہ سزا سے نہیں بچ سکے گا۔"

"ویسے ان کی کل تعداد کتنی تھی؟" میں نے پر تجسس لہجے میں پوچھا۔

"تم تو اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے میں جی ایچ کیو کا آدمی ہوں۔ گدبرا سے میری واپسی کے بعد ان لوگوں سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ اب تو اخباروں سے ہی کچھ معلوم ہو سکے گا۔"

"تمہارے آٹھ کمانڈو بھی تو اندر کی خبریں لائے ہوں گے؟" مینا نے کہا۔

"ان آٹھوں کو آپریشن کی تکمیل اور لاشوں کی گنتی مکمل ہونے سے پہلے ہی واپس بھیج دیا گیا تھا۔ ویسے بھی وہ میرے پاس نہیں تھے۔ ان آٹھوں کو ایس ایس جی کے پنڈی یونٹ سے لیا گیا تھا۔"

اس سے میں کافی دیر تک باتیں کرتا رہا۔ مختصر سی رفاقت اس سے ایسی اپنائیت محسوس ہونے لگی تھی جیسے وہ برسوں سے دوست اور ساتھی رہا ہو۔

میں نے اگلا فون جہانگیر کے گھر کیا۔ وہاں کسی ملازم نے اٹھایا۔ اس سے پتا چلا کہ جہانگیر بدستور لاہور میں مقیم تھا۔ جا… سلسلے کو لینے گیا ہوا تھا۔

ملک دشمنوں کے ساتھ ہونے والی ہولناک پیکار میں اتنا بری طرح الجھا ہوا تھا کہ مافیا سے بالکل کٹ کر رہ گیا تھا۔ در… حقیقت یہ تھی کہ میں ان کا تنخواہ دار ملازم تھا اور سیٹھ جیوانی کے بعد مقامی مافیا دوسرا اہم ترین عہدے دار تصور… تھا۔ میرے بارے میں حبیب کے عزائم کچھ اچھے نہیں تھے… مجھے بتا چکا تھا کہ حبیب میری غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اٹھا… مافیا کے بڑوں کو میرے خلاف بھڑکانے کے منصوبے پر عمل… تاکہ ہمیشہ کے لیے اپنی راہ صاف کر سکے۔

مجھے اپنی نیت اور ارادوں کے برعکس مافیا میں شامل… تھا۔ انکار کرتا تو ڈان تھری کے ہاتھوں مارا جاتا۔ اور اب… صورت حال برقرار تھی۔

اگر حبیب مافیا کے بڑوں کو میرے خلاف بدگمان… میں کامیاب ہو جاتا تو وہ لوگ میری بے خبری میں' مجھے… دے کر میرے قتل کی ہدایات جاری کر سکتے تھے۔

اس وقت میرے پاس فوری نوعیت کا کوئی کام نہیں… لیے میں نے ٹریڈ لائن کے دفتر کا رخ کرنے کا فیصلہ کر لیا… زندگی کا ایک ایسا کمزور پہلو تھا' جس سے نجات دلا… اول خان بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ٹریڈ لائن کا دفتر… حبیب اور اس کے آدمیوں کو تہ تیغ بھی کرا دیتا تو مافیا کے… جان نہ چھوڑتے۔ وہ پاکستان کی ہیروئن کی پیداوار…

پرقیت پر چھا جانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ پھر میری ذات میں تو ان کی دلچسپی دوہری نوعیت کی تھی۔ ایک طرف وہ مافیا کے مقامی معاملات میں میری صلاحیتوں سے استفادہ کرنا چاہتے تھے تو دوسری طرف جمی لانچیا سے کسی بڑی سودے بازی میں مجھے اس کے حوالے کر دینے کے امکانات پر غور کر رہے تھے۔

طویل غیر حاضری کے بعد دفتر میں جس نے بھی مجھے دیکھا' اس نے نہایت تپاک سے میرا استقبال کیا کیونکہ سیٹھ حبیب جیوانی اگر مافیا چیف تھا تو میں بھی ان کا باس تھا۔

اس وقت حبیب جیوانی کا دفتر خالی پڑا ہوا تھا لیکن میں نے اپنے ہی کمرے میں بیٹھنا پسند کیا کیونکہ اس کے کمرے میں چھپے ہوئے الیکٹرانک آلات سے میں مخالف ہی رہتا تھا۔ کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ کب گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے اور کب خفیہ تصاویر بھی کھینچ ہو جائیں گی۔

میرے بیٹھتے ہی' سینڈو فوری طور پر میرے کمرے میں آ پہنچا۔

اسی وقت مجھے یاد آیا کہ میری سینڈو اور حبیب جیوانی سے آخری بار گفتگو ہوئی تو اس وقت تک مسز جیوانی میری قید میں تھی۔ اس کی خودکشی کے بعد ان دونوں سے میری بات نہیں ہو سکی تھی۔

"چیف کی بیوی کا کیا بنا' سینڈو؟" میں نے چھوٹتے ہی اس سے سوال کیا۔

میں نے مافیا میں شہر سے اپنی غیر حاضری کا عذر پیش کیا ہوا تھا اس لیے مجھے مقامی خبروں سے لاعلمی کا اظہار کرنا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ مسز جیوانی کی لاش برآمد ہونے کے بعد مقامی اخبارات میں بھی اسے بیوہ قرار دیا گیا تھا۔ اس لیے میں یہ ظاہر کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا کہ میں اس کی موت سے باخبر تھا۔

"ہم سب کچھ نہیں کر سکے' باس!" اس نے سر جھکا کر مایوسانہ لہجے میں کہا "اگلی دن کے بعد اس کی لاش جھاڑیوں میں پڑی ہوئی ملی۔ اس کے سینے میں خنجر کا زخم موجود تھا۔ اس صدمے نے چیف نڈھال کر کے رکھ دیا ہے۔ وہ بہت مضبوط اور دلیر آدمی ہے۔ جیوانی کی ذلت آمیز موت پر میں نے اسے کسی بچے کی طرح بلک بلک کر روتے ہوئے دیکھا۔ ان دنوں وہ تمہیں بہت یاد کرتا رہا۔ ابھی تک پتا نہیں چلا سکے کہ اسے لے جانے والے کون لوگ ہیں۔"

حبیب جیوانی نے اپنے سازشی رویے سے خود ہی میرے اندر کے جذبے کو بھڑکایا تھا۔ میں نے اسے ذلت اور کمتری کے احساس میں مبتلا کرنے کے لیے اس کی بیوی کو اغوا کیا تھا۔ میرا ارادہ اسے چند روز کے بعد رہا کر دینے کا تھا لیکن یہ اس کے مقدر میں لکھا ہوا تھا کہ جس روز میں نے اسے رہا کرنے سے قبل ذرا خوفزدہ کر کے زبان بند رکھنے پر مجبور کرنا چاہا تو اس نے بدنامی کے خدشات سے خوفزدہ ہو کر' میرے کچھ سمجھنے سے پہلے خودکشی کر لی۔

اب کھیل جیل سے حبیب جیوانی کی موت کا صداقت نامہ جاری ہونا تھا اور اب کوئی قانون اسے مفرور قیدی کی حیثیت سے نہیں

پکڑ سکتا تھا لیکن اس کے نام کے ساتھ اس کا بدنام ماضی پیوست ہو کر رہ گیا تھا' اس لیے وہ گوشہ نشینی کی زندگی سے نجات پا لینے کے باوجود اپنے نام کے ساتھ منظر عام پر نہیں آ سکتا تھا۔ اپنی اصلی صورت کے ساتھ وہ میرے سامنے آیا تھا یا سینڈو اسے پہچانتا تھا ورنہ مافیا کے ہر فرد کے لیے وہ گمنام تھا۔ لوگ اس کی آواز پہچان کر اس کے احکام کی تعمیل کیا کرتے تھے۔ اس قدر مقتدر ہونے کے باوجود' وہ بالکل اکیلا تھا اور بیوی کی موت پر اس کا سوگ قابلِ فہم تھا۔

وہ میرا دوست نما دشمن تھا لیکن اس سے' اس کی بیوی کی موت پر تعزیت کرنا میرے لیے ضروری تھا۔

میں نے اس کے گھر فون کیا تو اس کی آواز بھاری اور دل گرفتہ تھی۔

"مجھے تمہاری بیوی کی ہلاکت پر دلی صدمہ ہوا ہے' چیف!" میں نے سوگوار آواز میں کہا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" میری براہِ راست تعزیت پر وہ بری طرح چونکا تھا۔

"مجھے سینڈو سے علم ہوا ہے۔ میں آج صبح ہی کراچی واپس آیا ہوں۔"

"اوہ' میں سمجھا تم باہر ہی کے کسی شہر سے بول رہے ہو۔ ہاں ڈیئی! موت تو ہر ایک کو آنی ہے لیکن وہ جس طرح مری ہے اس نے میرے دل میں گھاؤ ڈال دیے ہیں.... کاش.... کاش میں جان سکتا کہ اسے اغوا کرنے والا کون تھا تو میں اسے بتاتا کہ عبرت ناک موت کیا ہوتی ہے۔ میں اس کے بدن سے ایک ایک پسلی کاٹ کر الگ کرتا اور....."

بولتے بولتے وہ اشتعال میں آگیا تھا اس لیے میں نے نرمی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "صبر اور حوصلے سے کام لو' چیف۔ تم اکیلے نہیں ہو۔ ہم سب تمہارے دست و بازو ہیں۔ لاش یہاں سے ملی

ہے تو اس کے قاتل بھی اسی شہر میں ہوں گے۔ جلد یا بدیر' ہمارے
ہاتھ ان کی شہ رگ تک ضرور پہنچیں گے۔"
"مجھے سب سے زیادہ دکھ تو اسی بات کا ہے' ڈیڈی!" وہ تڑپ کر
بولا "اسے اغوا کرنے والے اسی شہر میں تھے اور میری بیوی ان کی
قیدی تھی لیکن میں اس کے لئے کچھ نہ کر سکا۔ سینڈو نجانے کہاں
جھک مارتا رہا کہ اسے میری بیوی کی پرچھائیں تک نظر نہیں آ سکی۔
میرے آدمیوں نے مجھے ذلیل کرایا ہے۔"
"اس نے اپنی کوششوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہوگی۔ اپنی
ناکامی پر وہ بھی شرمسار اور رنجیدہ ہے۔ بس مقدر کی بات ہے کہ وہ
تمہارے دشمن تک نہیں پہنچ سکا۔"
"اب تم لوٹ آئے ہو تو تم ہی اس مہم کی نگرانی کرو۔ مجھے
سینڈو کی کہانیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں اپنے دشمن کو ہر
قیمت پر اپنے قدموں میں دیکھنا چاہتا ہوں...... یہ بتاؤ کہ تمہاری
صحت اب کیسی ہے؟"
"ٹھیک ٹھاک ہوں۔ ذرا کمزوری باقی ہے جو رفتہ رفتہ ہی ختم
ہوگی۔"
"مسپرڈان بھی اگلے ہفتے آ رہا ہے۔ کل قبائلی علاقے سے وہ
ملک آ رہے ہیں۔ ان سے سینڈو کو ملنا تھا لیکن اب تم انہیں دیکھ
لینا۔ وہ اپنی لیبارٹریز کو وسعت دینے کے لئے کچھ قرض لینا چاہتے
ہیں۔ اس کے بدلے پانچ سال تک اپنی ساری پیداوار ہم ہی کو
دیتے رہیں گے۔ یہ معاملہ اوپر والوں نے چھیڑا ہے۔"
"تم بے فکر رہو اور گھر پر آرام کرو۔ اس اندوہناک سانحہ کے
بعد تمہیں ذہنی سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔ دفتری معاملات
کو میں اچھی طرح سنبھال لوں گا۔"
"یہ یاد رکھنا کہ میرے مجرموں کی تلاش' دفتری معاملات میں
سب سے اہم ہے۔"
"اس معاملے میں پولیس کو تو ملوث نہیں کیا گیا؟" میں نے
چونک کر سوال کیا۔
اس کی تلخ ہنسی ابھری' پھر وہ بھینچے ہوئے لہجے میں بولا "طویل
غیر حاضری کی وجہ سے تم اپنی اصل کو بھول گئے ہو اور شاید اپنا
حلف بھی بھلا بیٹھے ہو۔ ہم اپنے کسی بھی معاملے میں پولیس سے مدد
نہ لینے کے پابند ہیں۔"
مجھے بے اختیار رانیا کے حلف نامے کے الفاظ یاد آ گئے۔ جب
ہر جگہ' ہر حال میں اور ہر قیمت پر جرائم کے فروغ کے لئے کام کرنا'
ان کا مشن تھا تو پھر انہیں کسی جرم کا نشانہ بننے پر سینہ کوبی کا بھی
حق نہیں تھا۔ کیونکہ شکار کوئی بھی ہو' مجرم حرکت میں آتا ہے تو
جرم وجود میں آتا ہے اور یہی ان کا مشن تھا۔
لیکن انسان ایسی خود غرض مخلوق ہے کہ اپنے بنائے ہوئے' ہر
اچھے اور برے قانون کو دوسروں پر پوری قوت سے نافذ کرنا چاہتا
ہے لیکن اپنی باری آتی ہے تو قلابازی لگا کر ان تمام پھندوں سے
نکل جاتا ہے۔
"کل دوپہر میلان فون کر لینا۔" وہ میلان کا ایک نمبر بتاتے
ہوئے کہہ رہا تھا۔ "تمہارے اور ان کے وقت میں' آج کل شاید
تین گھنٹے کا فرق چل رہا ہے۔ تمہیں ایک بجے اس نمبر پر ڈبل ڈی
ڈبل کے الفاظ ادا کرنے ہوں گے۔ ادھر سے جو کچھ کہا جائے' اسے
کال ریکارڈر پر ریکارڈ کر لینا۔ بولنے والا بات پوری کرکے ریسیور رکھ
دے گا اور تم بھی لائن منقطع کر دینا۔ یہ یاد رکھنا کہ ڈبل ڈی ڈبل
کے علاوہ تم ہیلو تک نہیں کہو گے۔"
"جیسا کہہ رہے ہو' ویسا ہی ہوگا۔" میں نے اسے یقین دلایا
"جب ملو گے تو خود ہی بتا دو گے کہ یہ کیا چکر ہے۔"
"چیف مجھ سے بہت ناراض ہے۔" میرے فون بند کرتے ہی
سینڈو بھرائی ہوئی آواز میں بول پڑا۔ "اس کا خیال ہے کہ میں نے
اپنے کام میں کوتاہی کی ہے۔"
"ناراض نہیں بلکہ وہ برہم ہے۔ تم خود سوچو کہ جو شخص خود کو
اس شہر کے مجرموں کا ان داتا سمجھتا ہو' اس کی بیوی کو کوئی گھر سے
اٹھا کر لے جائے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی؟"
میرے الفاظ پر وہ چونک کر میری آنکھوں میں جھانکنے لگا لیکن
منہ سے کچھ نہیں بولا۔
جب چند ثانیوں تک وہی صورت حال برقرار رہی تو میں جھلا
گیا۔ "کیا بات ہے؟ مجھے اس طرح دیدے پھاڑ پھاڑ کر کیوں دیکھ
رہے ہو؟ کیا میرے ماتھے پر سینگ نکل آئے ہیں؟"
"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ چیف کی بیوی کو اس کے گھر سے
اغوا کیا گیا تھا؟" اس نے میرے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر
دھیمے اور رازدارانہ لہجے میں سوال کیا۔
"وہ خانہ دار عورت تھی۔ اسے گھر سے نہیں تو اور کہاں سے
اٹھایا جاتا؟" میں نے جارحانہ تیوروں کے ساتھ کہا۔ اس معاملے
میں مجھے دوسری بار سینڈو کے شکوک و شبہات کا سامنا کرنا پڑا
تھا۔
"اسے سڑک پر گاڑی چلاتے ہوئے یا بازار میں خریداری
کرتے ہوئے بھی اغوا کیا جا سکتا تھا۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا "
اہم بات تمہیں کیسے معلوم ہوئی کہ اسے گھر سے اٹھایا گیا تھا؟"
"اصل بات یہ ہے کہ اسے اغوا کیا گیا تھا۔ اس میں گھر
بازار کا معاملہ قطعی غیر اہم ہے۔ اور یہ بھی میں نے تم سے یا چیف
کی زبان سے ہی سنا ہوگا ورنہ مجھے الہام تو ہونے سے رہا۔"
"دیکھو باس' میرے اور تمہارے درمیان کوئی تکلف نہیں
ہے۔" وہ گمبھیر سنجیدگی کے ساتھ بولا "مجھے محسوس ہو رہا ہے
چیف کی بیوی کے معاملے میں تم کچھ چھپا رہے ہو......"
"بکواس بند کرو' سینڈو!" میں نے غصے سے آنکھیں نکالتے
ہوئے اسے دھتکار دیا "میری نرمی سے فائدہ اٹھا کر حد سے تجاوز
کرنے کی کوشش نہ کرو۔ میں نے ملتان سے فون کیا تھا تو چیف

مجھے بتایا تھا کہ اس کی بیوی کو گھر سے اغوا کیا گیا ہے۔ تم باتوں
ہیر پھیر سے ہمارے درمیان موجود بدگمانیوں کو بڑھانے کی
شش نہ کرو۔ چیف ویسے ہی میری جان کا دشمن ہو رہا ہے۔ تم
خود اس کے خوفناک عزائم سے مجھے ہوشیار کیا تھا...."

"باس' میری نیت میں فتور نہیں ہے۔" وہ گڑگڑا کر خوشامدانہ
میں بولا "میں کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب میں
ں کیا بتاؤں کہ میرے ذہن پر کیا بوجھ مسلط ہے۔"

"جب ہمارے درمیان کوئی تکلف نہیں ہے تو تم کو سب سے
اپنے ذہن کا بوجھ ہلکا کرنا چاہئے تھا۔" میں نے برا سا منہ بناتے
ئے کہا "سیدھا طریقہ اختیار کرتے تو ان حماقتوں کی ضرورت باقی
رہتی جو تم کر رہے ہو۔ واقعات یا مشاہدات کی کڑیوں کو ملا کر
نتیجہ اخذ کرنے میں دماغ کی چولیں ہل جاتی ہیں۔"

وہ سر جھکائے قالین کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے سے
ید اندرونی تذبذب کا اظہار ہو رہا تھا۔ جیسے وہ مجھے کچھ بتانے یا
انے کے بارے میں فیصلہ نہ کر پا رہا ہو۔

میں نے گرم لوہے پر فوراً ہی چوٹ لگانے کا فیصلہ کر لیا اور کہا۔
ب گونگے کیوں بن گئے ہو؟ کچھ بکو' تاکہ یہ میٹنگ ختم ہو۔ میں
رادن تو تمہیں سامنے بٹھا کر تمہاری صورت نہیں دیکھتا رہوں
"

"چیف کی بیوی کے معاملے سے ٹریڈ لائن کا اسٹاف بالکل
خبر ہے۔ کیونکہ اس خبر کے پھیلنے سے چیف کی شخصیت بے
ہو جاتی۔" اس نے دھیمی اور قدرے سہمی ہوئی آواز میں
شروع کیا۔ "اس لئے ساری بھاگ دوڑ میں اکیلا ہی کر رہا تھا۔
بتائے بغیر' اپنے آدمیوں کو اِدھر اُدھر دوڑایا تو شہر میں چار
عورتوں کا سراغ ملا جنہیں ان کی مرضی کے خلاف' حبسِ بے
میں رکھا ہوا تھا لیکن ان میں چیف کی بیوی نہیں تھی۔ میری
بی کا احساس کرتے ہوئے چیف بھی ہاتھ پیر مار رہا تھا اور میرا
ل ہے کہ اس بارے میں اسے تم پر بھی شبہ ہوا تھا...."

میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا "تم نے یہ رائے کس بنا پر
کی؟"

"چیف نے مجھ سے تمہارے شرف آباد والے فلیٹ کا پتا لیا
۔" اس کا وہ فقرہ سنتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک
ہو گئیں۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اسی وقت
خیال آیا کہ کیوں نہ میں بھی تمہارے فلیٹ کا چکر لگاؤں۔ شاید
سے ملاقات ہی ہو جائے۔ میں اس رات تمہارے فلیٹ کی
ں گیا تو چیف کی گاڑی پہلے سے وہاں موجود تھی۔ میں چھپ کر
کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے
اس پاس سے معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ تمہارا فلیٹ کافی
سے مقفل پڑا ہوا تھا...."

"لیکن تم دونوں میرے خلاف شہادتیں جمع کرتے پھر رہے
تھے؟" میں نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"میں نہیں' صرف چیف۔" اس نے جلدی سے اپنی صفائی
پیش کی۔ "میں تو اس خیال سے ادھر گیا تھا کہ تم سے ملاقات
ہو جائے تو تمہیں اصل بات بتائے بغیر' چیف کی طرف سے ہوشیار
کر دوں گا۔"

"پھر ابھی تک یہ بات اپنے دل میں کیوں دبائے بیٹھے ہوئے
تھے؟"

"ایک بار میری پوری بات سن لو' پھر جو چاہو کہہ لینا۔" میرے
بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر وہ گھبرا گیا تھا۔

"چکر دینے کے بجائے اختصار سے اپنی بات ختم کرو تاکہ
دوسرے کام بھی نمٹائے جا سکیں۔"

"تمہارا فلیٹ چیک کرنے کے بعد چیف کا ذہن تمہاری طرف
گیا تھا۔ ڈیفنس کے علاقے سے لاش ملنے تک اس کے ذہن میں یہ
امکان جاگزیں تھا کہ تم اس کی بیوی کو لے بھاگے ہو اور اس کے
ساتھ کسی دور افتادہ مقام پر روپوش ہو گئے ہو۔ تمہاری بیماری کا
افسانہ اسے فریب معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے ایک موقع پر اپنے ان
خیالات کا میرے سامنے اظہار بھی کیا تھا۔ میں نے اس سے' تم پر
شبہ کرنے کے سبب کے بارے میں پوچھا تو وہ میری بات ٹال گیا۔
لیکن کراچی ہی کے ایک علاقے سے اس کی لاش ملنے کے بعد
تمہاری طرف سے اس کا ذہن صاف ہو گیا ہے اور اب اس کے
غصے کا رخ میری طرف ہو گیا ہے۔ چیف کا ذہن صاف ہو چکا ہے
اس لئے میرے نزدیک اس کے شبہات کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی
ہے۔"

"پھر تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کر لیا کہ میں چیف کی بیوی کے
بارے میں کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" میں نے اس کا
خوف دور کرنے کے لئے نرم لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے سوال
کیا۔

"بات دراصل یہ ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہنا شروع
کیا۔ "کہ جس روز ڈیفنس کے ایک ویران علاقے سے چیف کی
بیوی کی لاش برآمد ہوئی' اس سے پچھلی رات کو میں نے تمہیں
ڈیفنس کے 'میرینا کلب' کی طرف جانے والی سنسان سڑک پر تیزی
کے ساتھ کار ڈرائیو کرتے ہوئے دیکھا تھا۔"

اس کے انکشاف پر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کا
دعویٰ اپنی جگہ پر سو فیصد درست تھا کیونکہ مسز جیوانی کی لاش کو میں
نے ہی ٹھکانے لگایا تھا۔ میں نے اس معاملے میں رازداری برقرار
رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی تھی لیکن سینڈو نہ صرف شہر میں
میری موجودگی سے باخبر ہو چکا تھا بلکہ اس نے مجھے لاش پھینکنے جانے
والے مقام کے قریب بھی دیکھ لیا تھا اور اس کی وہ معلومات میرے
حق میں مہلک ثابت ہو سکتی تھیں۔

"ان دنوں مجھ پر چیف کا بے پناہ دباؤ تھا اور میں کسی پاگل کتے

کی طرح شہر بھر کے کونوں کھدروں میں جھانکتا پھرتا تھا۔ اس رات کو میں' سڑک کے آغاز پر واقع ایک اسٹیٹ ایجنسی میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ شراب نوشی کر رہا تھا کہ شیشے کی دیوار میں سے میں نے ایک سفید کار' تیزی کے ساتھ میریٹا کلب والی سڑک پر جاتی دیکھی جسے تم چلا رہے تھے۔ میری معلومات کے مطابق تم ان دنوں شہر سے باہر' بیمار پڑے ہوئے تھے۔ تمہیں دیکھ کر مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ میں نے تمہارا تعاقب کرنے کا ارادہ کیا لیکن فوراً ہی ترک کر دیا۔ اگر تم شہر میں اپنی موجودگی کو مجھ سے چھپا رہے تھے تو میرا سامنا ہوتے ہی مشتعل ہو کر کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد تمہاری کار اسی راستے سے واپس گئی تھی۔ اگلی صبح اسی سڑک کے ایک تاریک اور ویران علاقے کی جھاڑیوں میں سے مسز جیوانی کی لاش برآمد ہوئی تھی جو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق پندرہ گھنٹے پرانی تھی۔ یعنی مسز جیوانی کی موت اور تمہارے دیکھے جانے کے درمیان' کم و بیش ایک گھنٹے کا وقفہ تھا۔"

اس کے ٹھوس اور ناقابلِ تردید انکشافات پر میری اعصابی حالت تیزی کے ساتھ متغیر ہوتی جا رہی تھی لیکن ظاہری طور پر میں نے پُرسکون اور مطمئن نظر آنے کی کوشش کی تھی۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے بے پروایانہ انداز میں ہنسنے کی کوشش کی لیکن میری ہنسی کچھ ایسی بھیانک اور بے رحمانہ تھی کہ میں خود ہی خاموش ہو گیا۔

سینڈو نے وہ سب میرے سامنے اگل تو دیا تھا مگر میری سفاکانہ ہنسی سے وہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔ میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ مدافعانہ لہجے میں کہنے لگا "میں نے تمہیں سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ میں نے تم پر اعتماد کر کے غلطی نہیں کی ہے۔ تمہارے علاوہ' میں نے کسی اور سے ان واقعات کا ذکر نہیں کیا ہے۔"

"بتانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' سینڈو!" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ملائمت سے کہا "مجھے تمہاری کھوپڑی کے فتور پر حیرت ہو رہی ہے کہ تم نے مجھے کراچی میں کیسے دیکھ لیا جب کہ میں تو آج صبح ہی صادق آباد سے یہاں پہنچا ہوں۔ دراصل زیادہ شراب پی لی جائے تو کھوپڑیاں ایسے ہی گل کھلانے لگتی ہیں اور ذہن میں دبے ہوئے واہمے حقیقت بن کر نظر آنے لگتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہیں ابتدا ہی سے مجھ پر شبہ تھا' اس لئے مسز جیوانی کے قتل کی رات تم نے مجھے ڈیفنس کے علاقہ میں کار چلاتے ہوئے دیکھ لیا' مغربی ادب میں ایسی کہانیوں کو فینٹاسی میں شمار کیا جاتا ہے۔"

"میں تمہیں جھٹلانے کی جرات نہیں کر سکتا' باس! لیکن یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ اس رات میں نشے میں نہیں تھا۔ میرے ساتھ بیٹھے ہوئے دوست اس بات کی گواہی دے سکتے ہیں کہ خوب کھانے کے بعد ہم وہاں سے اٹھے تو اس وقت بھی میں پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔ یہ میرے بہکے ہوئے ذہن کی تخلیق کی کہانی نہیں ہے۔"

"تم ہوش و حواس میں تھے' تم نے مجھے وہاں دیکھ لیا جب میں سرے سے یہاں موجود ہی نہیں تھا۔ یہ کیا بکواس ہے سینڈو" میں نے قدرے برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "یہ تو سیدھی بات ہے' کہ تمہیں میری بات پر اس وقت بھی اعتبار نہیں آ... دنیا کے ہر شرابی کو یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ زیادہ پی کر نہیں بہکتا۔ ... زعم میں ہر رات لاکھوں شرابی نشے میں آپے سے باہر ہو کر گھروں میں سوتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔"

"نہیں باس!" وہ کسی سدھے ہوئے غلام کی طرح بولا "بات بھی درست ہو سکتی ہے اور تمہاری سچائی تو ہر شک و شبہ بالاتر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اندھیرے کی وجہ سے مجھے دھوکا ہو... کار کی رفتار خاصی تیز تھی۔ ایسی صورت میں شکل و صورت ... زیادہ جسامت اور انداز کی مشابہت کی بنا پر آدمی دھوکا کھا... ہے۔ میں اپنی اس سنگین غلطی پر تم سے ہاتھ جوڑ کر معافی ... ہوں۔ زبان کھولنے سے پہلے مجھے ہر امکان پر غور کر لینا ... تھا۔"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر' مجرمانہ انداز میں کرسی سے اٹھ ... ہوا۔

"بیٹھ جاؤ!" میں نے اپنی کرسی چھوڑ کر' بے تکلفی کے ... اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے' ہنس کر کہا "پہلے تولو ... بولو' ایسے ہی مواقع کے لئے کہا جاتا ہے۔ تم نے بلاوجہ میرا .... وقت برباد کیا ہے۔ اب رونی صورت پر لعنت بھیجو ... کے بچے کی طرح اپنی کرسی پر بیٹھو!"

"تم بہت گریٹ ہو' باس۔" وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے' ... ہوئی آواز میں بولا "مجھے تمہاری ذات میں ایک باپ جیسی ... اور محبت محسوس ہوتی ہے۔"

"مجھے بڑھاپے کا احساس نہ دلاؤ' میں عمر میں تم ... چھوٹا ہوں۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے بے پروائی ... "اب تمہاری سزا یہ ہے کہ آج شام تم میرے ساتھ بیٹھ کر ... تاکہ میں یہ بھی دیکھ سکوں کہ کتنے پیگ لینے کے بعد' تمہارے معدے میں اترنے کے بجائے کھوپڑی میں چڑھنے ... ہو جاتی ہے۔"

"یہ مجھ ناہنجار کے لئے بہت زیادہ عزت افزائی ہوگی' ..." میری دعوت پر اس کے روئیں روئیں سے مسرت ابل پڑی ... ناہنجار کے لئے اپنے دل کے کسی دور افتادہ گوشے میں ہم... موہوم سی لہر محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

ویرا کا متروک گھر ان دنوں اوّل خان اور اس کی اسپیشل فورس کی تحویل میں تھا۔ اس اعتبار سے مجھے بھی اس وسیع و عریض مکان میں پوری طرح رسائی حاصل تھی۔ اوّل خان سے خصوصی تعلقات کی بنا پر میں کسی بھی قانونی یا غیر قانونی کام کے لئے اس مکان کو ایک ٹھکانے کے طور پر استعمال کرسکتا تھا لیکن میری طبیعت غیر ضروری خطرات سے دور ہی رہنے کی عادی تھی۔

جو کام رازداری کے ساتھ سرانجام دینا ممکن ہو' اس کے گواہ پیدا کرلینا' میرے نزدیک سراسر حماقت اور فاش غلطی کے مترادف تھا۔ ایسا کام وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے ہر لمحہ اس زعم میں مبتلا رہتے ہیں کہ وقت ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گا اور ان کے غیر قانونی کارناموں پر کوئی ان سے بازپرس کرنے کی جرات نہیں کرسکے گا۔ اسی زعم میں وہ ان کی قیاس آرائیوں کی تردید کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے جو انہیں ناکردہ جرائم میں ملوث کرنے کے لئے گھڑلی جاتی ہیں اور یوں وہ ان ناکردہ جرائم کی خاموش ذمے داری قبول کرلیتے ہیں لیکن وقت کا بے رحم دھارا ایسے بے پروا لوگوں کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے تو بھلے وقتوں میں لکھی گئی فرد جرم کو دیکھ کر ان کے دل بیٹھنے لگتے ہیں اور انہیں ایک ایک کرکے اپنی ساری بے اعتدالیاں یاد آنے لگتی ہیں۔

ایسے روح فرسا لمحات میں' ماضی کے شہ زور انسان اپنی بے احتیاطی کا ماتم کرتے ہیں۔ ایک لمحے کا غلط فیصلہ' وقت بدلتے ہی جرم بن جاتا ہے اور اس جرم کی تعزیر سامنے آنے تک' ان کا ہر لمحہ خود ملامتی میں بسر ہوتا ہے کہ اپنے اچھے وقتوں میں زمانے تقدیر کی ستم ظریفیوں کا بھی دھیان رکھا ہوتا تو اس بری ساعت سے بچ رہے ہوتے جو ان کے دل و دماغ کے لئے ایک مستقل آزار بنی ہوئی ہے۔

میں عمل کرکے پچھتانے والوں میں شامل نہیں تھا۔ دوسروں کی بے اعتدالیوں سے اپنا راستہ بنانے کا عادی تھا اس لئے میں نے فوری طور پر اوّل خان کے اس محفوظ و مامون مسکن کا خیال ترک کردیا۔

دوسرا اڈا' وہی فلیٹ تھا جو جہانگیر نے عملاً میرے حوالے کیا تھا۔ رازونیاز' منصوبہ بندی اور روپوشی وغیرہ کے لئے وہ ایک اچھا ٹھکانا تھا لیکن دھاچوکڑی' ہنگامہ آرائی اور مشتبہ وزنی سامان کے نقل و حرکت کے لئے وہ فلیٹ بہت مخدوش تھا۔ پھر تو وہاں آنے جانے والے' بالعموم چوکیدار کی نظروں میں رہتے پھر فرش پر ہونے والی کوئی بھی دھمک نیچے والوں کو چوکنا کرسکتی تھی۔ سب سے بڑھ کر خرابی یہ تھی کہ وہاں سے کسی سالم آدمی کو بوری میں بند کرکے بے خوف و خطر نکال کر غائب کردینا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔

اس طرح لے دے کر جہانگیر کا گھر ہی ایسا محفوظ ٹھکانا تھا جہاں کسی بھی قسم کی کارروائی میں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوسکتا تھا۔ سلمیٰ' مسز جیوانی والے قصے میں جہانگیر سے لڑکر اپنے میکے جا بیٹھی تھی اور جہانگیر جورو کے سعادت مند غلام کی طرح' اسے منانے کے لئے لاہور گیا ہوا تھا۔ ان دونوں کی غیر حاضری میں وہاں گنتی کے چند ملازمین موجود تھے جو خانگی ملازمین کی انتہائی نایاب اور وفادار نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے مالک اور مالکن کی رضا پانے میں مگن رہنے کے علاوہ دنیا ومافیہا سے ان کو کوئی غرض نہیں ہوتی تھی۔ اپنے مالکان کے مفاد میں ہر بات کو بھول جانے کے عادی تھے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میں' ان میں سے کسی کی مدد سے وزنی بوری کو اپنی کار کی ڈکی میں منتقل کراتا تو وہ بہت کچھ سمجھ لینے کے باوجود مجھ سے کوئی سوال کرنے کی جرات نہیں کرپاتا۔ ان لوگوں کی ان ہی خوبیوں کی وجہ سے جہانگیر ان پر اندھا اعتماد کرتا تھا اور سلمیٰ ذرا بھی اِدھر اُدھر ہوتی تو اپنی شناسا لڑکیوں کو گھر لانے سے نہیں چوکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے نمک حلال ملازمین انعام وغیرہ پانے کے لالچ میں' سلمیٰ سے اس کی چغل خوری نہیں کریں گے۔ اس کا یہ اعتماد اور ملازمین کی بے مثالی وفاداری یک طرفہ نہیں تھی۔ جہانگیر ان کے ساتھ محبت اور نرمی سے پیش آتا تھا اور لگی بندھی تنخواہ کے علاوہ ان کی ہر ذاتی ضرورت کا بھی پورا پورا خیال رکھتا تھا۔

وہ پودے جہانگیر کے سینچے ہوئے تھے اور اس سے اپنی گہری دوستی کے حوالے سے مجھے بھی ان سے استفادہ کرنے کا پورا پورا حق حاصل تھا' اس لئے میں نے وہ شام وہیں گزارنے کا فیصلہ کرلیا۔

ٹریڈ لائن کے دفتر میں' میں نے سینڈو کو سمجھادیا تھا کہ دفتر کے لوگوں میں سیٹھ حبیب جیوانی کے مخبر بھی ہوسکتے تھے' جن سے وہ پس پردہ رہتے ہوئے بھی دفتر کی' اندر کی خبریں معلوم کرسکتا تھا۔ نچلے درجے کے ملازمین اپنے آقا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے آسانی کے ساتھ ایسے جال میں پھنس جایا کرتے تھے۔ دوسری طرف' چیف کے ذہن میں میری طرف سے شبہات پروان چڑھ رہے تھے۔ پہلے اس نے مجھے رخصت پر جانے پر اکساکر میری غیر حاضری کو میری غیر ذمے داری قرار دینے کی سازش کی۔ وہ تو میرے ستارے ہی اچھے تھے کہ سپر ڈان یا ڈان تھری کی آمد کا پروگرام ملتوی ہوگیا اور چیف کے ارمانوں پر اوس پڑگئی۔ دوسری بار اس نے اپنی بیوی کے اغوا کے معاملے میں مجھ پر اس حد تک شبہ کیا کہ براہ راست میرے فلیٹ پر جا پہنچا۔ اس مرتبہ بھی اسے منہ کی کھانی پڑی کیونکہ ہم لوگ فلیٹ کو خیرباد کہہ کر کئی دنوں سے جہانگیر کے گھر مقیم تھے۔

چیف میرے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہیں کرسکا تھا لیکن میری طرف سے اس کے دل میں کینہ پرورش پارہا تھا۔ ان حالات

میں وہ میرے اور سینڈو کے غیر معمولی میل جول کو کسی بھی طرح نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔

سینڈو نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوا تھا۔ وہ ایک تجربہ کار مجرم تھا لیکن میری مدلّل گفتگو کے سامنے وہ آسانی سے قائل ہو جاتا تھا اور اتفاقِ رائے ظاہر کرنے کے جوش میں بعض ایسے پوشیدہ پہلوؤں کی بھی نشان دہی کر جاتا تھا جو میرے وہم وخیال میں بھی نہیں آسکتے تھے۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو' باس!" میری بات ختم ہوتے ہی' وہ خوف زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولا "پورے بیورو میں سب سے خطرناک پوزیشن ہم دونوں کی ہے۔ تم اس کی نظروں میں آگئے ہو اور کسی بھی وقت میری بھی باری آسکتی ہے۔"

"یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آئی" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا تھا۔

خوف سے اس کی آنکھوں کے ڈھیلے کشادہ ہو گئے اور وہ مزید دھیمی آواز میں بولا "باس! تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ مافیا میں صرف ہم دونوں ہی چیف کی اصل شخصیت سے واقف ہیں۔ جب تک اسے خطرہ تھا تو وہ ہم دونوں کی یا ہم میں سے کسی ایک کی مدد لینے پر مجبور تھا۔ جرمنی کی جیل میں اپنے ہم شکل کی موت اور اس حوالے سے حبیب جیوانی نامی پاکستانی قیدی کی موت اور تدفین کی سرکاری تصدیق جاری ہونے کے بعد' اس کے سر پر لٹکتی ہوئی تلوار غائب ہو چکی ہے۔ وہ آزادانہ اور من مانے انداز میں کام کرنے کے لئے کسی بھی وقت' کسی بہانے سے ہم دونوں کے خون کا پیاسا ہو سکتا ہے۔"

"تم بہت چالاک ہو سینڈو!" میں نے داہنی آنکھ دبا کر' مسکراتے ہوئے کہا "فوراً میرا ذہن پڑھ لیتے ہو' ان ہی خطرات کی وجہ سے میں شام کو تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا۔ تم سات بجے نیو ٹاؤن ولاز کے قریب پہنچ جانا۔ وہاں سے میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

اس نے دعوت کی تجدید پر فخرمندانہ انداز میں کرسی پر پہلو بدلا اور بولا "اور میری گاڑی کا کیا ہوگا؟"

"اسے وہیں کہیں پارک کر کے لاک کر دینا" میں نے بے پروائی سے کہا "واپسی پر تم ہوش میں رہے تو میں تمہیں وہاں چھوڑ دوں گا۔ شرط ہار گئے تو رات کو وہیں رہ لینا۔ صبح اپنی گاڑی اٹھا لینا۔"

اس بندوبست پر وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ اس کے نزدیک یہ بہت زیادہ عزت افزائی تھی کہ مافیا کے مقامی بیورو کا نائب سربراہ اسے اپنے ساتھ مے نوشی پر مدعو کر رہا تھا۔

اس وقت تک میرے ذہن میں کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ ٹریڈ لائن کے دفتر سے واپسی پر میں نے مختلف مقامات کے بارے میں اپنا ذہنی تجزیہ مکمل کیا اور فلیٹ پہنچنے سے پہلے اپنا فیصلہ کر لیا۔

اس وقت سینڈو کی ذہنی حالت بہت خطرناک تھی۔ ا طرف اُس کا برسوں پرانا سیٹھ اور آقا تھا جو مافیا کا چیف تھا دوسری طرف میں اس کا نیا نیا باس تھا۔ مقامی مافیا میں 'مَیں' جیوانی سے بہت جونیئر تھا لیکن مافیا میں ہر شخص یہ جانتا تھا کہ ان میں شامل ہوتے ہی بہت اونچے مرتبے پر فائز ہو گیا تھا۔ میرے تیور دیکھ کر یہ بھانپ چکا تھا کہ میں اس منصب پر قنا کرنے والا نہیں تھا بلکہ میری نظریں کہیں اور مرکوز تھیں۔

وہ وقتی طور پر ہم دونوں سے بہت قریب تھا اور شدید تذ میں مبتلا تھا۔ وہ میرے ساتھ ہوتا تو میرے گن گاتا تھا۔ میرے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ حبیب جیوانی کے ساتھ' اس کی میں ہاں ملاتا ہوگا۔ وہ مافیا کا ایک مخلص اور سرگرم کارکن تھا تنظیم میں اپنے لئے بہترین مستقبل کا خواہاں تھا۔ وہ یہ فیصلہ کرپا رہا تھا کہ بہتر مستقبل کے لئے اسے میری ذات سے سہارا سکے گا یا حبیب جیوانی اسے بلندیوں کی طرف لے جاسکے گا۔

اس بے یقینی کے عالم میں' حبیب جیوانی کے چند محبت بھ بول' اسے میرے خلاف زہر فشانی پر اکسا سکتے تھے اور ایسا نازک مرحلہ آنے سے پہلے ہی میں اس عینی گواہ کا کوئی بندوبست کرنا چاہتا تھا' جس نے مسز جیوانی کے قتل کی رات ا کی موجودگی کے مقام کی طرف مجھے جاتے اور واپس آتے د تھا۔

میں اپنی چابی سے دروازہ کھول کر فلیٹ میں داخل سلطان شاہ کو کچن سے برآمد ہوتا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ قمیص شلو وہ عام طور پر پہنتا ہی تھا لیکن اس وقت' اس نے اپنے بڑے بالوں پر' کسی پنج وقتہ نمازی کی طرح' بُنی ہوئی سفید ٹوپی جما تھی۔

"یا مظہرالعجائب!" میں نے اس پر نگاہ پڑتے ہی حیرت کہا "یہ تم نمازی کب سے ہو گئے؟"

وہ میری طرف مڑ کر شرمساری کے ساتھ مسکرایا سر جھکا کر بولا "کاش' تمہارا اندازہ درست ہوتا' میں نے نہا بعد گیلے بالوں پر ٹوپی اوڑھی ہے۔ غزالہ کا خیال ہے کہ اس بال آسانی کے ساتھ سیٹ ہو جاتے ہیں....."

ہم دونوں کی آوازیں سن کر غزالہ بھی اپنے کمرے سے نکل آئی اور آنکھیں نکال کر بولی "مجھے تو بعد میں پتا چلا کہ لائن کی طرف گئے ہو۔ جب اتنے دنوں سے تم انہیں اور وہ بھولے ہوئے تھے تو اب اس سوتی ہوئی ڈار کو جگانے کی ضرورت تھی؟"

"چور چوری سے جاتا ہے' ہیرا پھیری سے نہیں جاتا" شاہ اپنے دیدے نچاتے ہوئے بولا "ڈیڈی کو جب تک ٹی والوں کی صورت نظر نہ آئے' اس کا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔"

غزالہ کی آنکھوں میں شکایتیں اُمڈ آئیں اور اس نے
ندانہ لہجے میں کہا "تم کیوں ان بکھیڑوں کی طرف جاتے ہو؟ وہ
ں تم سے رجوع کرتے تو انہیں دیکھ لیا جاتا۔"
میں کچھ کہے بغیر' ڈرائنگ روم کے ایک نرم اور بڑے
ے میں دھنس گیا۔
"بعض لوگوں کو سکھ کی چادر چھوڑ کر دکھ دینے والی دھوپ
یں میں زیادہ مزہ آتا ہے....."
"بے' چپ بنتِ ذوق!" میں نے سلطان شاہ کو جھاڑ دیا "تم
کرتے ہوئے بہت بے رحم ہو جاتے ہو۔ تمہیں اندازہ ہے کہ
ایسی باتوں کو اپنے دل پر لے لیتی ہے؟"
"ایسی باتیں کرنے کا موقع تم خود فراہم کرتے ہو" وہ میرے
نے بیٹھتے ہوئے بولا۔
اس کی بات پوری ہوتے ہی غزالہ بول پڑی "یہ مذاق نہیں
سکھ کی چادر' دکھ کا پوڈر بظاہر پیروڈی محسوس ہوتی ہے لیکن
میں بھی گہرائی ہے۔ ہر بات میں گہرائی اُن لوگوں کے لئے ہوتی
جو اس میں اترنا جانتے ہیں۔ تم نے خدا خدا کر کے شی سے
حاصل کی ہے تو اب مافیا تمہارے ذہن پر سوار ہے۔ آخر وہ
دن کب آئے گا جب ہم آزادی اور خود مختاری کے ساتھ
ندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں گے؟"
"وہ دن زیادہ دور نہیں ہے غزالہ" میں نے آنکھیں موند کر
لہجے میں کہا "شی ایک تنظیم ہے جو ہر جائز اور ناجائز طریقے
پاکستان میں ہیروئن کے فروغ کے لئے کوشاں تھی۔ مغرب کے
یافتہ مادی معاشروں میں اس کا مشن ہیروئن کا انسداد
شی کا خمیر ہی تضاد سے اٹھایا گیا ہے' اس لئے جمی لائیڈ کی
ذات بھی اسے زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رکھ سکتی۔ جس
کارکنوں نے ان کے مذموم مقاصد سے آگاہ ہوتے ہی' ان سے
کر انہیں مٹا دینے یا خود فنا ہو جانے کا فیصلہ کر لیا' اسی طرح رفتہ
شی کے سارے سمجھدار کارکن اس سے باغی ہو جائیں گے اور
ہو جائے گی لیکن مافیا اس سے کہیں زیادہ منظم اور خوفناک
ہے۔ شی کا وجود' جمی لائیڈ کی ذات سے وابستہ ہے۔ جس دن
مافیا' شی کا شیرازہ بکھر جائے گا لیکن مافیا کو کسی بڑے نام کی
سربراہی حاصل نہیں ہے۔ سسلی میں قائم ہونے والی یہ تنظیم
ئے سے قائم ہے۔ شاہی اور جاگیردارانہ معاشرے کے کچلے
باغیوں نے حکومت اور قانون سے باغی ہو کر جرائم کے فروغ
لئے مافیا کی داغ بیل ڈالی تھی۔ سیکڑوں ڈان آئے اور مرکھپ
اپنے دور میں ہر ڈان' جاہ و جلال' اختیار و عظمت اور ہیبت و
کا ایک لیجنڈ ہوتا ہے لیکن مرجانے کے بعد کسی کو کسی
کا نام یاد نہیں رہتا۔ ہاں' مافیا کا ڈراؤنا خواب صدیوں کے
کے ساتھ جاری ہے۔ جرائم کے فروغ کی اس عالمی تحریک
کر خود کو بچائے رکھنا اتنا آسان نہیں ہے....."

"تم بھول رہے ہو کہ خوش قسمتی سے اس وقت مقدر بھی تمہاری یاوری کر رہا ہے۔ اول خان تمہارا جگری دوست بن چکا ہے اور اس کی اسپیشل ٹاسک فورس مجرموں کو خس و خاشاک کی طرح روند ڈالنے کی قوت رکھتی ہے" غزالہ نے میری بات کاٹ کر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"میں اسی طرف آرہا تھا" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "شی میں ہر بہروپ کے پیچھے صرف ایک چہرہ ہے جو جمی لائیڈ کا ہے لیکن مافیا خود ایک نام ہے جس کے پیچھے ہزاروں خوفناک اور دہشت گرد چہروں کی ایک پوری فوج صف آرا ہے۔ ہم مافیا کے مقامی بیورو کے تمام اراکین کو نیست و نابود کر کے بھی اس آسیب سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ مرگئے تو دوسرا مافیا حرکت میں آجائے گی۔ یہ نہ بھولو کہ ان لوگوں کے وسائل بے پناہ ہیں۔ دنیا کے کئی ممالک میں' اپنے اثر و رسوخ اور دولت کے بل پر' مافیا کے عہدے دار اسمبلیوں اور حکومتوں پر قابض ہو چکے ہیں۔ جو لوگ پورے پورے ملکوں کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے یرغمال بنا سکتے ہیں' ان کے لئے اپنے ایک آدھ' ضدی مخالف کو ڈھونڈ کر ٹھکانے لگانا ذرا بھی دشوار نہیں ہوگا...."

"اگر مافیا اسی قدر ناقابلِ شکست ہے تو ابھی تم آنے والے کس دن کی بات کر رہے تھے؟" اس بار سلطان شاہ نے اضطراری انداز میں میری بات کاٹ دی۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر مختصر سے ڈرائنگ روم میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نے کسی سوچے سمجھے اور آزادانہ فیصلہ کے تحت مافیا میں شمولیت نہیں کی تھی۔ اس وقت میرے سامنے کوئی انتخاب ہی باقی نہیں رہا تھا۔ شی والوں سے مجھے بچائے رکھنے کے لئے مافیا خود بخود میری مدد کو آئی تھی اور پھر جب مجھے پُراسرار انداز میں ڈان تھری کا سامنا کرنا پڑا تو پتا چلا کہ زندہ رہنے کے لئے میری مافیا میں شمولیت ناگزیر ہو چکی تھی۔ ان کے اندر کے چند رازوں سے واقف ہونے کے بعد میں ان میں شامل ہونے سے انکار کرتا تو اسی لمحے میرے شانوں کو گردن کے بوجھ سے ابدی آزادی دے دی جاتی جس کے لئے میں آمادہ نہیں تھا۔

مجبوری کے ان لمحات میں بھی میرا مصمم ارادہ تھا کہ پہلا موقع میسر آتے ہی مافیا سے نجات حاصل کر لوں گا۔ شی کی طرح' مافیا کو بھی میں نے بھاری نقصانات پہنچائے تھے لیکن اس سے گلوخلاصی کے بارے میں کب' کیوں اور کیسے کا جواب مجھے خود نہیں مل سکا تھا' اس لئے میں سلطان شاہ کے سوال کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"وہ دن جلد ہی آئے گا۔" میں نے پُریقین لہجے میں کہا "شی کے بارے میں میرا خیال تھا کہ جمی لائیڈ کو ختم کئے بغیر شی کا شیرازہ بکھیرنا ممکن نہیں ہو سکے گا لیکن تم نے دیکھ لیا کہ جمی لائیڈ کو مارے

بغیر بھی ہم نے پاکستان سے شی کا صفایا کردیا ہے اور یہاں ان کی طرف سے کوئی بڑا خطرہ بھی باقی نہیں رہا ہے۔ اسی طرح فی الحال مافیا کا تصور ڈراؤنا ہے۔ ان کا ایک بڑا آدمی مارا جاتا ہے تو اس کی جگہ لینے کے لئے دس آدمی موجود ہوتے ہیں لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی ایسی راہ ضرور نکلے گی کہ میں مافیا کے چنگل سے آزاد ہو جاؤں گا۔ میں وقت کا تعین نہیں کرسکتا لیکن مجھے اپنی نجات کا پورا یقین ہے۔"

"میں بھی اسی دن کے انتظار میں جی رہی ہوں جب ہمارے شب و روز پر کسی کا کوئی جبر اور اختیار نہیں ہوگا اور ہم اپنی مرضی سے اپنے فیصلے کرسکیں گے۔" غزالہ نے سنجیدہ اور تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"مافیا کی تباہی کا سلسلہ چل پڑا ہے۔" میں نے اپنے اضطراب پر قابو پا کر بیٹھتے ہوئے کہا "میرے شامل ہوتے ہی ان کا کی کلب تباہ ہوگیا۔ وہ ایک ایسا ٹھکانا تھا جہاں وہ حکومت اور انتظامیہ کے بدکردار اور اوباش افسروں کو گھیر کر، انہیں بلیک میل ہونے پر مجبور کرتے تھے۔ اس ایک اڈے کی تباہی سے مافیا کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ اور اب انہیں بدعنوان افسروں کی سرپرستی حاصل کرنے کے سنہری مواقع حاصل نہیں ہوسکتے۔ اسی کے ساتھ ہیروئن کی ایک دو کھیپیں بھی پکڑی گئی ہیں۔ جس دن سے میں ان کی صفوں میں داخل ہوا ہوں ان کا سارا کام عملاً چوپٹ ہو کر رہ گیا ہے۔"

"آج ادھر کیوں گئے تھے؟" غزالہ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"خیر خبر لینے۔" میں نے ٹانگیں پسار کر اطمینان سے کہا "اور یہ اچھا ہی ہوا۔ آج مجھے پتا چلا کہ سینڈو نے مجھے ڈیفنس کے اس علاقے میں آتے جاتے دیکھ لیا تھا، جہاں سے بعد میں مسز جیوانی کی لاش ملی تھی...."

"اوہ!" سلطا شاہ کے دہانے سے تحیرزدہ آواز برآمد ہوئی "پھر تو وہ تمہیں مروا دے گا۔"

"پھر اس کا کیا حل ہونا چاہئے؟" میں نے تشویش زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"مسز جیوانی کی طرح اسے بھی خودکشی کرنے پر مجبور کردو!" اس نے داہنی آنکھ دبا کر معنی خیز انداز میں کہا۔

"وہ عزت دار اور گھریلو عورت تھی اس لئے اپنی رسوائی کے خوف سے اپنی جان پر کھیل گئی۔ سینڈو سخت جان اور بے حیا مرد ہے۔ اسے کوئی بھی دھمکی خودکشی کرنے پر مجبور نہیں کرسکتی۔ اس کے وجود میں زندہ رہنے کی ایسی زبردست، حیوانی خواہش موجود ہے کہ وہ کوئی بھی خطرہ محسوس کرتے ہی، ہر ایک کو فنا کرنے پر تل جائے گا۔"

غزالہ نے سرد نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ اس وقت وہ مجھے ذری سہمی سی گھریلو لڑکی سے یکسر مختلف اور سفاک نظر آئی
اس کا وہی روپ ہو سکتا تھا جو اس نے انگلستان میں ویرا کی قید
فرار ہونے کے بعد، اپنی بقا کے لئے اپنا لیا تھا۔ ورنہ میں نے تو
بھی اسے معصوم اور سادہ سی لڑکی کے علاوہ کسی اور انداز میں
دیکھا تھا۔

"اگر وہ زندہ رہنے کی اتنی شدید آرزو رکھتا ہے تو م
تمہیں زندہ و سلامت دیکھنا چاہتی ہوں۔" غزالہ کی زبان سے
اور سفاکانہ الفاظ برآمد ہوئے "وہ پرانا پاپی ہے، تمہاری زند
سلامتی کے لئے اسے مرنا ہی ہوگا۔ اس نے خودکشی نہ کی
اسے اپنے ہاتھوں سے مار دوں گی۔"

اس کا ردِ عمل اتنا بے ساختہ اور والہانہ تھا کہ میں فور
ایک لفظ بھی ادا نہ کرسکا۔ میں نے اٹھ کر محبت آمیز انداز م
دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیے۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر، کسی آہنی پیکر کی طرح میری
میں دیکھتی رہی۔

چند ثانیوں بعد میری زبان کی جذباتی لکنت دور ہوئی تو
مسرت سے سرشار لہجے میں کہا "مجھے خوشی ہے کہ تمہارا فیص
رائے سے مختلف نہیں ہے۔"

"تمہاری کیا رائے تھی؟" سلطان شاہ نے متجسسانہ
دریافت کیا۔

"یہی کہ اب سینڈو کا زندہ رہنا میرے حق میں مہلک
ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"لیکن اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کی کیا صورت
سلطان شاہ نے پوچھا۔

"بہت آسان۔ آج شام کو میں نے اسے بے نوش
ہوا ہے۔"

"کچھ طے کر چکے ہو تو کھل کر بات کیوں نہیں کر
نے چڑچڑے لہجے میں کہا "کوئی محفوظ راستہ دریافت ک
ہمیں ذہنی مشقت میں کیوں الجھا رہے ہو؟"

"وہ شام کے سات بجے نیو ٹاؤن ولاز کے قریب
کرے گا۔ وہاں سے میں اسے اپنی گاڑی میں جہانگیر
جاؤں گا۔ اسے علم نہیں ہے کہ ہم کہاں بیٹھ کر پئیں گے

"جب اسے ختم ہی کرنا ہے تو اس کی اتنی ناز برد
ضرورت ہے؟"

"وہ تندرست و توانا آدمی ہے۔ دھوکا دیے بغیر ق
آئے گا۔" میں نے آہستہ سے کہا "شراب ہی کے گلا
دوں گا اور وہ چپ چپاتے مر جائے گا۔"

"اور پھر اس کی لاش کار میں لاد کر لے جائی
سلطان شاہ نے کہا "جہانگیر کے ملازمین بھی دیکھیں
آدمی جو اپنے قدموں پر چل کر آیا تھا، اٹھا کر لے جایا

ہو تم چاہتے ہو کہ میں اسے شہر ہی میں کہیں گولی مار کر ڈھیر
وں؟"

"چاہو تو مجھے ساتھ لے چلو۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤں
سی بھی ویران راستے پر اس کی گردن میں ڈوری کا پھندا ڈال
س کا جھٹکا کر دوں گا۔ بات بگڑتی نظر آئی تو اس کی کنپٹی میں ایک
گولی بھی اتاری جا سکتی ہے۔ اس زخم سے زیادہ خون بہے بغیر وہ
ے سے مر جائے گا اور دروازہ کھول کر، اس کی لاش باہر لڑھکا
جائے گی۔"

اس کی تجویز معقول اور قابلِ عمل تھی اس لئے میں نے بِلا
و پیش اس کی بات مان لی۔

اس دوران میں ویرا بالکل ہی مفقود الخبر تھی۔ ہیری کیسنجر نے
دھوکے سے بلا کر، مضبوطی کے ساتھ اپنے چنگل میں جکڑ لیا تھا
مجھے پورا یقین تھا کہ لانچ کی آمد تک اسے آزادی مل سکے گی
نہ ہی آزادانہ طور پر فون استعمال کرنے کی اجازت ملے گی۔
ں نے ویرا کو یرغمال بنا کر، اپنی دانست میں ہر خطرے کا سدِ باب
یا تھا لیکن میں نے قاسم سے لانچ کے بارے میں معلومات
ل کر لی تھیں اور اول خان ان معلومات کی روشنی میں، اپی
یاں شروع کر چکا تھا۔

لانچ کے ذریعے، غیر قانونی طور پر آنے والا اسلحہ پکڑے جانے
ویرا کے ساتھ ہیری کا سلوک کیا ہوتا۔ اس بارے میں کوئی
ازہ لگانا بہت دشوار تھا۔ وہ لوگ ویرا کی طرف سے پوری طرح
مئن نہیں تھے۔ وہ کوئی عام سی لڑکی ہوتی تو اس سے اپنا کام
لنے کے بعد، وہ لوگ بے رحمی کے ساتھ اسے ٹھکانے لگا سکتے
۔ لیکن وہ ویرا لائیڈ تھی۔ ٹی کا سربراہ جمی لائیڈ اس کا باپ تھا
ں کے اثر و رسوخ کی پُر اسرار کہانیاں ہوش ربا تھیں۔ ہر قسم کے
اور معاشرتی پس منظر سے محروم، کوئی مجرم بے خبری میں ویرا کو
رکے تو شاید بچ بھی سکتا تھا لیکن امریکا کی خفیہ ایجنسیوں کے
لوگ اس کو ہمیشہ کی نیند سلانے کی جرات نہیں کر سکتے
ان لوگوں نے چپ کے ذریعے ویرا کی نقل و حرکت پر کڑی
کھنے کی کوشش کی اور جب ہم نے ویرا کے جسم سے چپ نکال
ت خان کے حوالے کر دیا اور ویرا ان لوگوں کی نظروں سے
ب ہو گئی تو انہوں نے بوکھلا کر شہر میں مہم جوئی شروع
کہ چپ سے ملنے والے سگنلز کے سہارے شہر کے ان گنجان
علاقوں کے نواح میں اندھا دھند گولیاں چلائی گئیں جہاں
ت خان، اپنی علالت کی وجہ سے، چپ سمیت آرام کر رہا تھا۔
ان ہنگامہ آرائیوں میں کاؤنسلیٹ کا ملازم، آرنیٹ، اول
ن کے پلان کئے ہوئے ٹریفک کے ایک ہولناک حادثے میں بری
زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ اول خان نے اس ملک دشمن
کو اسپتال میں بھی سکھ سے نہیں رہنے دیا اور اسپتال کے
ری موجود، اس کے آدمی نے آرنیٹ کا اسٹریچر سیڑھیوں پر

سے پھینک کر، اسے مزید لہولہان کر دیا۔ ان پے در پے مصائب سے بوکھلا کر، آرنیٹ نے بسترِ علاج معالجے کی امید میں پاکستان کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کر لیا، وہ ایک ایسے ملک میں اپنی مٹی پلید نہیں کرانا چاہتا تھا جہاں ٹوٹی ہوئی ہڈیوں والے مریض کو اسٹریچر سمیت سیڑھیوں پر لڑھکا دیا جاتا ہو۔ اسے پاکستان سے بھاگنے پر مجبور کرنا ہی اول خان کا مشن تھا۔ ہم لوگ اس کی مکروہ اور ملک دشمن سرگرمیوں کے عینی شاہد تھے۔ لیکن ہمارے پاس، اس کے خلاف ٹھوس ثبوت نہیں تھے۔ اس لئے سرکاری سطح پر اس اہم سفارتی اہل کار کو ملک بدر کرانا ممکن نہیں تھا لیکن اول خان نے اپنی اسپیشل ٹاسک فورس کے جیالوں کے ذریعے آرنیٹ کے گرد ایسا جال بُن دیا کہ وہ خود ہی گھبرا کر پاکستان سے فرار ہو گیا۔

آرنیٹ، مُلاّ سرکار اور صوبے کے دوسرے سرکش عناصر کے لئے اپنے ملک کی بھرپور تائید و حمایت کا علم بردار بنا ہوا تھا، اس کے روابط بہت گہرے اور دور رس تھے۔ ہمارا اندازہ تھا کہ آرنیٹ کے ہٹ جانے سے کاؤنسلیٹ کی ملک دشمن سرگرمیوں میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی کیونکہ اس کی جگہ آنے والا معاملات کو سمجھنے اور اپنے روابط استوار کرنے میں خاصا وقت لے لے گا لیکن ہیری کیسنجر ہماری توقعات کے برعکس بہت تیز اور پھرتیلا ثابت ہوا۔ اس نے اپنے پیش رو کی جگہ سنبھالتے ہی زقندیں لگانی شروع کر دی تھیں۔

صوبے میں امن و امان کی بحالی کے لئے اعلیٰ ترین سطحوں پر کئے جانے والے خفیہ اقدامات کے بارے میں حکومت نے مکمل اور سخت ترین رازداری برقرار رکھی ہوئی تھی۔ سادھو بیلہ اور اس کے گرد بہنے والے دریائے سندھ کے گدلے پانیوں میں ایک ہولناک خونی کھیل کھیلا گیا تھا۔ مُلاّ سرکار کی اطاعت کرنے والے چور، ڈاکو، دہشت گرد اور ان کے مجبور و مظلوم حواری، رات کے بھیانک اندھیرے میں اندھی بٹیروں کی طرح پٹا پٹ مارے گئے تھے۔ قیامت کی اس زہرہ گداز رات کے اندھیروں میں، فرار ہوتا ہوا مُلاّ سرکار، لارڈ لینس ڈاؤن برج کی سنگلاخ بنیادوں سے ٹکرا کر چیتھڑوں کی صورت میں دریا کے پانی میں بہہ گیا تھا یا پل کے آہنی ڈھانچے سے لوتھڑوں کی صورت میں چپک کر رہ گیا تھا لیکن اس کی موت کے بارے میں مکمل خاموشی اختیار کر لی گئی تھی۔ اخبارات اور ذرائع ابلاغ میں سماج دشمن عناصر کی بربادی کی حقیقی کہانیاں شائع ہوئی تھیں لیکن ان میں ملا سرکار کے بارے میں کوئی موہوم سا اشارہ بھی نہیں تھا۔ لیکن مُلاّ سرکار کو آرنیٹ کے ملک کی سرپرستی اور حمایت حاصل تھی۔ وہ دنیا کا طاقتور ترین ملک تھا۔ خلاؤں میں اس کے سیارے اور سیٹلائیٹ راج کر رہے تھے۔ حریفوں اور حلیفوں کے خلاف جاسوسی کرنے والے ان خلائی اسٹیشنوں پر ایسے ایسے حساس اور حیران کن آلات اور کیمرے موجود تھے جو ریت کے وسیع و عریض سمندر میں گر جانے والی ایک

سوئی کی واضح تصویر لے کر فوری طور پر ناسا کے زمینی اسٹیشن کو ارسال کرسکتے تھے۔ان کے آلات دنیا کے ہر ریڈیائی مواصلاتی رابطے کو مانیٹر کرسکتے تھے۔یہ آلات ٹیلی فون لائنوں پر ابھرنے والی انسانی آوازوں میں قذافی اور صدام کی آوازوں کو پہچان کر' ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ناسا اور پینٹاگون کو ان دونوں کی جائے پناہ سے آگاہ کرسکتے تھے۔ان کے خلائی تجزیہ کار' مصنوعی سیاروں کے مدار میں کششِ ثقل کی کمی و بیشی سے رونما ہونے والی خفیف سی تبدیلیوں اور زمین کی سطح سے چالیس پچاس میٹر نیچے تک کی تصویریں بنانے والے کیمروں کی مدد سے کرۂ ارض پر ہونے والی ہر قابلِ ذکر تبدیلی اور نقل و حرکت کا صحیح صحیح سراغ لگا سکتے تھے اس لئے ان کے نزدیک اپنے کارکنوں اور بہی خواہوں پر نگاہ رکھنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

انہوں نے ویرا کی نقل و حرکت کی حکمرانی کے لئے' اس کی جلد کے نیچے ایک ایسا طاقتور چپ چھپا دیا تھا جو اُن کے سسٹم کے لئے ہر آن سگنل نشر کرتا رہتا تھا۔اسی طرح انہوں نے اپنے تمام سیکرٹ ایجنٹوں کے جسموں میں ایسے حسّاس سینسر نصب کئے ہوئے تھے جو ان ایجنٹوں کے دل کی دھڑکنیں ایک مانیٹرنگ یونٹ کے لئے نشر کرتے رہتے تھے۔ان لوگوں کو جب تک دل کی دھڑکنوں کے سگنل موصول ہوتے رہتے تھے انہیں اپنے سیکرٹ ایجنٹ کی خیریت کی اطلاع رہتی تھی اور جوں ہی کسی ایجنٹ کے دل کی دھڑکنوں کے اشارے ملنے موقوف ہوتے' ان کے نظام پر اس ایجنٹ کی ہلاکت کی خبر' سرخ روشنی کی صورت میں ظاہر ہوجاتی تھی۔ان دنوں ملا سرکار' ان کے لئے بہت اہم تھا اس لئے انڈین سیکرٹ سروس' فارن آفس یا دوسرے حکام کو اعتماد میں لئے بغیر انہوں نے ملا سرکار کے جسم میں بھی سینسر نصب کیا ہوا تھا۔

پاکستانی حکام نے سادھوبیلہ کے واقعات میں ملا سرکار کے ملوّث ہونے اور مارے جانے کا ذکر سرے سے حذف کردیا تھا لیکن اس کے دل کی دھڑکنوں کے سگنل موقوف ہونے سے آرنیٹ کو گڑبڑ ہونے کا شبہ ہوگیا تھا۔اس کے باوجود ہیری کیسنجر ملا سرکار اور اس کے ہمدردوں کے لئے ہتھیاروں کی فراہمی کے منصوبے پر کام کررہا تھا۔

کاؤنسلیٹ والوں نے ملّا سرکار کی سلامتی سے باخبر رہنے کے لئے جو بندوبست کیا تھا وہ انڈین حکام کے علم میں نہیں تھا اس لئے انہوں نے ملا سرکار کی سلامتی کے بارے میں اپنے شبہات سے انڈین حکام کو آگاہ نہیں کیا تھا اس وجہ سے تمام سازشیں اس انداز میں آگے بڑھ رہی تھیں جیسے ملا سرکار بذاتِ خود انڈین مفادات کی دیکھ بھال کررہا ہو۔

وہ اباسین سے کی جانے والی کارروائیوں کے نتیجے میں دریائے سندھ کی موجوں کی نذر ہوچکا تھا لیکن اس کے نام کی آڑ لے کر بھارتی کمانڈر کو اپنے ہتھیاروں اور دہشت گردوں سمیت سرحد پار کرنے پر آمادہ کرلیا گیا تھا۔یہ اور بات تھی کہ اپنی سرحد [illegible] پرائی سرزمین پر کافی اندر تک گھس آنے کے بعد وہ سب خون اور بارود کی بھیانک برسات میں نہلا دیے گئے تھے۔

بھارتیوں کے لئے ملا سرکار زندہ تھا۔امریکیوں کی طرف سے ناامیدی تھی۔پاکستانیوں کے لئے وہ فتنہ ہمیشہ [illegible] جہنم واصل ہوچکا تھا لیکن آرنیٹ کی جگہ آنے والے ہیری کیسنجر کو پورا یقین تھا کہ ملا سرکار زندہ ہو یا نہ ہو' اس کا مشن پوری طرح چل رہا تھا اور اگر اس کے حامیوں کو ہتھیاروں کی کمک مل جاتی تو اس علاقے کا جغرافیائی نقشہ بدل سکتے تھے۔

ہیری کیسنجر کی ریشہ دوانیاں اپنے عروج پر تھیں۔وہ دوسری قوموں کے سربراہوں کو نافرمانی کی عبرت آموز مثال بنانے [illegible] دھمکیاں دینے والے ہنری کیسنجر کا رشتہ دار رہا ہو یا نہ رہا ہو لیکن وہ اسی ملعون کی بنائی ہوئی عالمی سلطنت کی پالیسیوں پر چل رہا تھا [illegible] میں امریکا کے کسی حریف کا تصور موجود نہیں تھا' ہر وہ قوت جو [illegible] دنوں ذرا بھی ممتاز اور ابھرتی ہوئی نظر آرہی تھی' اسے سازشوں اور تخریب کاریوں کے ذریعے تہس نہس کردینے کا فیصلہ کیا جا [illegible] تھا۔میں اسی اُدھیڑبُن میں مبتلا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی پوری قوت کے ساتھ چیخ اٹھی۔

میں نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تھا کہ میری آواز پہچان کر دوسری طرف سے اول خان بولنے لگا۔

"تمہاری وجہ سے آج کل خون میں گرمی آئی ہوئی ہے۔" [illegible] کہہ رہا تھا "پہلے سادھوبیلہ کے گردونواح میں گھمسان کا رن [illegible] پھر گدرا کے علاقے میں ایک مختصر لیکن موثر فضائی اور بری [illegible] ہوئی اور اب گھوڑا کریک پر بحری معرکے کے آثار نظر آرہے [illegible] سب سے بڑی خوش خبری یہ ہے کہ ہمیں مشتبہ لانچ کا نام [illegible] ہوگیا ہے....."

"وہ کیسے؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا "اس بار میں تو ہیری بہت رازداری سے کام لے رہا ہے۔"

"گندی علاقائی سیاست کی وجہ سے یہ کام آسان ہوتا جا رہا ہے۔ایران اور عراق کے بگڑے ہوئے تعلقات کی وجہ سے دونوں ملک خلیج میں جہازوں اور لانچوں کی آمدورفت پر کڑی نظر رکھتے ہیں کیونکہ اسلحہ اور ہتھیاروں سے لدا ہوا ایک غیر [illegible] جہاز ان دونوں کے درمیان طاقت کا توازن خراب کرسکتا ہے۔"

"تو کیا ہماری متوقع لانچ ان میں سے کسی کی نظروں میں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"امکان یہی ہے۔ایرانی انٹیلی جنس کی اطلاع ہے کہ دس روز سے' آبنائے ہرمز سے خلیج کی طرف ابوموسیٰ مبارک جزیرے پر الحدید نامی ایک لانچ لنگر انداز تھی۔اس لانچ کو چارٹر کیا گیا تو وہ بالکل خالی تھی لیکن ابوموسیٰ مبارک سے [illegible] ہوئے' الحدید پانی میں کافی اندر جاچکی تھی جس کا مطلب تھا

پر ابوموسیٰ مبارک کے گھاٹ پر ٹنوں وزنی مال لادا گیا تھا۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ الحدید ہتھیاروں کی کمک شط العرب کے راستے 'عراق کو پہنچائے گی لیکن الحدید' آبنائے ہرمز سے گزر کر بحیرۂ عرب یا بحرِ ہند کی طرف سفر کر رہی ہے اس لئے ایرانی خفیہ اداروں نے اپنے خدشات ہماری نیول کمان تک پہنچا دیے ہیں اور اب الحدید کھلے سمندر میں ہماری گشتی کشتیوں کی نگرانی میں ہے۔"

"یعنی اسے گھوڑا کریک پر لنگر انداز ہونے کی مہلت نہیں مل سکے گی۔" میں نے خوشی سے مغلوب لہجے میں کہا۔

"اگر وہ لانچ باہر ہی باہر بحرِ ہند کی طرف سفر کرتی رہی تو اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا لیکن بحیرۂ عرب کا رخ کرتے ہی اس کی راہ روک لی جائے گی۔"

"آبنائے ہرمز سے گزرتے ہی یہ اندازہ ہو جانا چاہئے کہ الحدید کدھر جا رہی ہے۔" میں نے کہا "کیونکہ وہاں سے نکلتے ہی بحیرۂ عرب شروع ہو جاتا ہے۔ یہ خبر کب کی ہے؟"

"یہ تازہ ترین خبر ہے۔ شاید تمہیں علم نہیں ہے کہ بیشتر جہاز گہرے اور کھلے سمندر میں سفر کرنے کے بجائے' موقع ملنے پر' ساحل سے دس بیس میل کی پٹی میں سفر کرنا پسند کرتے ہیں۔ لانچیں تو خاص طور پر حتی الامکان طور پر ساحلی پٹیوں سے لگ کر چلتی ہیں اس لئے ظاہری روٹ کی بنا پر کوئی فوری فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔"

"ہماری نیول کمان سے تمہارا براہِ راست رابطہ ہے یا یہ خبر گھوم پھر کر تم تک آئی ہے؟"

"آپریشن گھوڑا کریک کے لئے ہمارے درمیانی قریبی تعاون ناگزیر تھا۔ لیفٹیننٹ کمانڈر رضی مرزا نامی ایک افسر سے میرا براہِ راست رابطہ ہے۔ الحدید کے تعاقب کے باوجود ہم لوگ کوئی خطرہ مول نہیں لیں گے اور مقررہ وقت پر گھوڑا کریک پر خفیہ گھیرا ڈالا جائے گا۔ الحدید پکڑی بھی گئی تو اسمگل کئے جانے والے ہتھیاروں کی نقل و حمل کی ذمے داری قبول کرنے والوں کو گرفت میں لینا ہوگا تاکہ آئندہ کوئی شخص اپنے ذاتی مفاد کے لئے ملک دشمنوں کا آلۂ کار نہ بن سکے۔"

"یعنی قاسم بھائی اور اس کے آدمی بھی رگڑے جائیں؟" میں نے کہا۔

"وہ عقل مند ہوا تو آدمیوں کو کریک پر بھیج دے گا خود نہیں آئے گا۔ موقع پر رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والوں کو بہت بے رحمی کے ساتھ کچل دیا جائے گا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ وہ ویرا پر اس بری طرح لٹو ہوا ہے کہ اس کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں اور وہ ویرا کو گھوڑا کریک کے گرد و نواح میں کی چٹانوں پر دعوتِ شیراز دینے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"تو کیا ویرا بھی وہاں پہنچے گی؟" اول خان کی قدرے حیرت زدہ آواز ابھری۔

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا "اس نے مجھ سے ویرا کو وہاں لانے کی فرمائش کی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ وہاں آگئی تو وہ خود ہی اسے پھانس کر تخلیہ میں لے جائے گا۔ لیکن تمہیں معلوم ہی ہے کہ ویرا سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ ہیری کیسنجر نے اسے آہنی پردے کے پیچھے چھپایا ہوا ہے۔"

"میں اتنا بتائے دے رہا ہوں کہ جو بھی وہاں آیا' بڑی بے رحمی کے ساتھ بے دست و پا کیا جائے گا۔ اگر تم کسی کے لئے کوئی نرم گوشہ رکھتے ہو تو اسے ادھر کا رخ کرنے سے روک دو۔ وہاں پکڑے جانے والوں کو نیول فورس اپنی تحویل میں لے لے گی اور میں بھی کسی کے لئے کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

"میں تو خود ان سماج دشمنوں کے لہو کا پیاسا ہوں لیکن وہاں آنے والوں کے بارے میں تمہیں کچھ نہ کچھ امتیاز ضرور برقرار رکھنا ہوگا۔ وہاں آنے والے غریب اور مفلوک الحال مزدوروں کو اندھا دھند رگیدنا نامناسب ہوگا۔ ممکن ہو سکے تو ان بے چاروں کو فرار ہونے کا موقع دے دینا چاہئے۔"

"شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے' ڈینی!" اس کی تلخ آواز ابھری "گھوڑا کریک کوئی قانونی بندرگاہ نہیں ہے۔ ان مزدوروں کو الحدید کے ذریعے لائے جانے والے ہتھیاروں کی تفصیل کا علم ہو یا نہ ہو لیکن انہیں یہ ضرور معلوم ہوگا کہ اس ویران کھاڑی میں اتارا جانے والا مال غیر قانونی ذرائع سے لایا گیا ہے جس کی نقل و حمل کے لئے انہیں غیر معمولی معاوضے دیے جا رہے ہیں۔ اتنا کچھ جان لینے کے بعد وہ بھی ہیری کیسنجر اور قاسم بھائی کے جرم میں برابر کے شریک ہو جاتے ہیں۔ خرابی یہی ہے کہ ہمارے ملک میں دو انتہا پسند طبقے بستے ہیں۔ ایک طبقہ نچلے درجے کے مجرموں کو پیس کر رکھ دینا چاہتا ہے لیکن بڑے لوگوں کے جرائم کو بھول یا خوش فعلی قرار دے کر ان کی سلیٹ صاف رکھنا چاہتا ہے۔ دوسرا طبقہ بڑے مجرموں کے خون کا پیاسا ہے لیکن یہ بھی انتہا پسندی میں مبتلا ہیں۔ چھوٹے اور غریب مجرموں کے بڑے سے بڑے جرم کو بھی ان کی معاشی مجبوریوں کی آڑ میں نظر انداز کر دینا چاہتے ہیں' یہ دونوں ہی رجحان بہت خطرناک ہیں۔ ہر جرم صرف جرم ہوتا ہے۔ اس کی تعزیر ہر ایک کے لئے یکساں ہونی چاہئے۔ مجرم کی حیثیت' قابلیت' معاشی رتبہ اور اثر و رسوخ اس کے جرم پر اثر انداز ہونے لگے تو یہ سمجھ لو کہ اس معاشرے میں ایک بدبودار ناسور پیدا ہو چکا ہے جو جلد یا بدیر' اس معاشرے کو نیست و نابود کر دے گا۔ ہیری کیسنجر یا قاسم بھائی مر کر بھی لانچ سے ہتھیاروں کے بھاری کریٹ نہیں اتار سکتے۔ اس کھیل کی بنیاد یہ ہے کہ ہمارے غریب مزدور کی ایک قیمت مقرر ہے۔ انہیں ان مقررہ داموں پر ہر جائز اور ناجائز کام کے لئے خریدا جاسکتا ہے۔ اسی امید کے سہارے پوری بساط بچھائی گئی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ایک رات کی مزدوری ان لوگوں کے شب و روز میں کوئی انقلاب نہیں لا سکے گی۔ لیکن ان کی مدد سے ہیری

کیمبر کا منصوبہ کارگر ہوگیا تو ہمارے وطن کی بنیادیں شکست و ریخت کے عمل سے دوچار ہوجائیں گی۔ اس لئے قاسم بھائی کے ساتھ ان بے مایہ مزدوروں کا پکڑا جانا اور سزایاب ہونا بہت ضروری ہے۔ ان کی ضروریات ایسی ہی ناگزیر ہیں تو انہیں اپنی قیمت اس سطح پر لے جانی چاہئے جہاں قاسم بھائی جیسے بے ضمیر تاجر انہیں خریدنے کا تصور بھی نہ کرسکیں۔ سستے داموں نیلام ہونے والے غریبوں کی کثرت ہی معاشرے کے خونی گھڑیالوں کو ہولناک مہم جوئیوں پر اکسانے کا سبب بنتی ہے۔"

"ناداروں کی ضروریات شدید اور ناگزیر ہوتی ہیں۔" میں نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں کہا "اسی لئے وہ سستے داموں بک جاتے ہیں۔ اس میں اُن کے ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔"

"سوری ڈیئی" اس کی مضبوط اور پُرعزم آواز ابھری "ان معاملات میں میری اپنی رائے ہے۔ میں اسی کے مطابق عمل کروں گا۔ میں تمہارے مشوروں پر عمل نہیں کرسکتا۔"

"میں بھی تمہیں مجبور نہیں کررہا۔ بس اپنے خیالات سے آگاہ کررہا تھا۔" میں نے کہا۔

"الحدید کے بارے میں کوئی خبر ملی تو میں تمہیں فون کرلوں گا۔ ورنہ تم کل دس بجے اسٹیشن فور آجانا۔ میں وہیں سے گھوڑا کریک کی طرف جاؤں گا۔" اس کی آواز ابھری "میرا خیال ہے کہ تم بھی میرے ساتھ چلنا چاہو گے۔"

"گھر میں بیٹھ کر انتظار کی گھڑیاں گننے سے بہتر ہے کہ آدمی میدان میں خود بھی شریک ہوجائے۔ اس طرح نہ صرف سارے سوالوں کے جواب مل جاتے ہیں بلکہ انتظار کی کوفت سے بھی نہیں گزرنا پڑتا۔"

مزید کچھ دیر کی گفتگو کے بعد اس نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

وقت کافی گزر چکا تھا اور شام ہوچلی تھی۔ اس لئے میں روانگی کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا۔

ساڑھے چھ بجے میں سلطان شاہ کو ساتھ لے کر سینڈو کی طرف روانہ ہوگیا۔

سلطان شاہ کے ہتھیاروں میں نائیلون کی مضبوط ڈوری اور بھرے ہوئے پستول کے علاوہ بیم گن بھی شامل تھی کیونکہ کسی سڑک پر سفر کرتے ہوئے اپنے شکار پر اوچھا وار کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا تھا۔ ویسے بھی بیم گن کو بہت عرصے سے استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے اس کے استعمال کی نوبت آہی جاتی تو اس کی کارکردگی کا بھی اندازہ ہوسکتا تھا۔ اس بے آواز، مہلک اور محفوظ ہتھیار کے بارے میں کافی دنوں سے مجھے یہ خوف لاحق تھا کہ اچانک ہی چارج ختم ہوجانے کی بنا پر بیم گن لوہے کے ایک ناکارہ ٹکڑے میں تبدیل ہوسکتی تھی۔

ٹھیک سات بجے ہم نیو ٹاؤن وِلاز کے قریب پہنچے تو سینڈو وہاں موجود تھا اور اپنی کار کے دروازے لاک کئے، باہر کھڑا ہوا میرا انتظار کررہا تھا۔

میرے ساتھ سلطان شاہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں حیرت کے سائے لہرائے لیکن اس نے زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ ان دونوں میں باہمی تعارف تھا اس لئے کار رکتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ سلطان شاہ نے پروگرام کے مطابق، فوری طور پر پسنجر سیٹ خالی کی اور عقبی نشست میں جا گھسا۔

"ارے، ارے! تم یہیں بیٹھے رہتے۔ میں پیچھے بیٹھ جاتا۔" سینڈو نے میرے برابر والی نشست پر براجمان ہوتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا۔

"ہم دونوں تو کافی وقت ایک ساتھ گزارتے ہیں۔ تم دونوں کو یکجا ہونے کے کم مواقع ملتے ہیں۔ آگے بیٹھ کر تمہیں باتیں کرنے میں آسانی رہے گی۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا۔

سینڈو کے سوار ہوتے ہی میں گاڑی چلا چکا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس مرحلے پر لوگ سینڈو کو میرے ساتھ دیکھ کر غیر ارادی طور پر ہمارے چہرے یاد رکھ سکیں۔

"چیف کو ایک نیا کام مل گیا ہے، باس!" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد سینڈو نے دھیمی آواز میں کہا۔

میں نے چونک کر لمحہ بھر کے لئے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا "نئے کام سے کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"اپنی لائن سے ہٹا ہوا کام ہے اور شاید تمہارے ہی گلے پڑے گا۔"

"کام کیا ہے؟ کوئی تفصیل تو بتاؤ۔" میں نے کار کو کلفٹن کے راستے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"سکھر کا کوئی نامی کامی سیاست داں پولیس والوں کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر بولنا شروع کیا اور اس کی زبان سے سکھر کا ذکر سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"غلام رسول نامی اس سیاستداں کی شہرت اور ساکھ بہت اچھی ہے۔ لیکن اپنی بدبختی کی وجہ سے وہ کسی چکر میں آگیا ہے۔" سینڈو کہہ رہا تھا "مافیا ہمیشہ معاشرے کے اہم لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر چلتی ہے۔ غلام رسول کے بارے میں مدر مافیا کے مقامی ایجنٹ نے ڈان تھری کو اطلاع دی تھی۔ ڈان تھری کا خیال ہے کہ ہم نے اس برے وقت میں غلام رسول کا ساتھ دیا تو آگے چل کر وہ مافیا کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوگا۔"

سینڈو کا وہ انکشاف حیران کن اور ناقابل یقین تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دنیا اتنی مختصر ثابت ہوسکتی ہے۔ زیر زمین دنیا کی ساری خبریں ہر متعلقہ آدمی کی علم میں تھیں۔ خبروں کا مواد ہر ایک کی سوچ کے مطابق مختلف تھا لیکن خبروں کے کردار وہی تھے۔ شی ہمارے ملک میں ہیروئن اور غیر قانونی ہتھیار پھیلانے کے

ناپاک مشن پر کام کر رہی تھی اور تمام ملک دشمن عناصر کو بھرپور مدد دینے پر تلی ہوئی تھی۔ انڈین سیکرٹ سروس کے ملا سرکار کے منصوبے کو بھی شی کی حمایت حاصل تھی۔ اسی کے ساتھ ہیری کیسنجر کا ملک بھی اس سازش میں پوری طرح ملوث تھا۔ ملا سرکار نے اپنی سازش کو بروئے کار لانے کے لئے جو مہرے تیار کئے تھے، ان میں غلام رسول بھی کلیدی حیثیت کا مالک تھا۔ وہ نہ صرف ملا سرکار کا مخبر تھا بلکہ اسے سرکش لڑکوں پر مشتمل افرادی قوت بھی مہیا کرتا تھا۔ اپنی نام نہاد ساکھ کے باوجود وہ ملا سرکار کی سازش میں اس حد تک ملوث تھا کہ دہشت گردوں کی تربیت کے لئے سرحد پار قائم کئے گئے نیم فوجی اڈوں کے خفیہ دورے بھی کر چکا تھا۔ مافیا والوں کو غلام رسول کے اس پس منظر سے آگاہی نہیں تھی لیکن پھر بھی انہوں نے اپنے طویل المدتی مفادات کے لئے اسی کھوٹے سکے کا انتخاب کیا تھا۔

"ابھی ہم لوگ زیادہ ہاتھ پیر پھیلانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔" میں نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا "جب تک ہم اپنی صفوں کو مستحکم کر کے آمدنی کے ذرائع تلاش نہیں کرتے، ہمیں باہر والوں سے دور ہی رہنا ہوگا۔ ابھی تو چیف نے کھلے دل سے میرا وجود بھی تسلیم نہیں کیا ہے۔ حالانکہ ڈان تھری بذاتِ خود مجھے مافیا میں لایا تھا۔ اس کے ایما پر غلام رسول سے پیش رفت کی گئی تو چیف بہت جلد اس کے بھی خلاف ہو جائے گا۔"

"چیف میں کئی چیزوں کی کمی ہے۔ وہ دوسروں کی مدد کے بغیر ہارون بھی اپنا کام نہیں چلا سکتا لیکن اسی کے ساتھ اس میں یہ کمزوری بھی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنی برابری کی سطح پر برداشت نہیں کر سکتا۔"

"غلام رسول کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے بے ساختہ کہا "چند دن پہلے اخباروں میں اس کا ذکر آیا تھا۔ اس پر ڈاکوؤں اور رسہ گیروں وغیرہ کی سرپرستی کرنے کے الزامات عائد کئے گئے تھے۔"

میں نے کیبن کی نیم تاریکی میں کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ پورے اطمینان کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ آنے والے بدترین لمحات کے بارے میں اس کے دل میں شائبہ تک نہیں تھا۔

کار پل سے اتر کر کلفٹن جانے والی خوب صورت شاہراہ پر مڑنے لگی تب بھی سینڈو کے اطمینان میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔ وہ سمجھ رہا ہوگا کہ بے نوشی کا پروگرام کلفٹن ہی کی آبادی کے کسی حصے میں منعقد ہوگا لیکن جب سڑک کے اختتام پر میں نے کار کو بائیں طرف موڑی تو سینڈو نے پہلی بار اپنی نشست میں پہلو بدلا۔

"کیا ساحلِ سمندر پر پینے پلانے کا پروگرام ہے؟" اس نے کھسیانی ہنسی کے ساتھ پوچھا۔

"ہمیں ڈیفنس کے علاقے میں جانا ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "مطلوبہ مکان تک پہنچنے کے لئے مجھے ساحل کی طرف سے اندر جانا ہوگا۔ دوسری سمت سے میں ہمیشہ راستہ بھول جاتا ہوں۔"

"وہ اپنا کی کلب والا علاقہ تو نہیں ہے؟" اس نے خوش دلی کے ساتھ پوچھا۔

"نہیں، بس دیکھتے رہو۔ ہم چند منٹ میں وہاں پہنچ جائیں گے۔" میں نے کہا۔

اس وقت ہر طرف اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اسٹریٹ لیمپ روشن ہو چکے تھے۔ سلطان شاہ پچھلی نشست پر بے چینی کے ساتھ ایک ایک لمحہ گن رہا تھا اور میری نظریں اس علاقے کی ویران ترین سڑک کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔ میرے بائیں ہاتھ پر ڈیفنس کا آباد علاقہ تھا لیکن داہنی طرف تاریک سڑکوں کے درمیان پھیلے ہوئے بڑے بڑے، ریتیلے قطعاتِ اراضی نظر آ رہے تھے۔ ان ہی میں کہیں کہیں کسی حوصلہ مند شخص نے جنگل میں منگل منانے کے عزم کے ساتھ مکان کی تعمیر کی داغ بیل ڈالی ہوئی تھی لیکن گھور اندھیرے میں وہ نامکمل ڈھانچے آسیب گھر نظر آ رہے تھے۔

آگے پیچھے میدان صاف پا کر میں نے جوں ہی اپنی کار داہنی جانب ایک ویران سڑک پر موڑی، سینڈو کی چھٹی حس نے پہلی بار خطرے کا ادراک کر لیا۔

اس نے بھڑکے ہوئے انداز میں کچھ بولنا چاہا لیکن اس کے الفاظ حلق میں گھٹ کر رہ گئے۔ کیونکہ سلطان شاہ نے بنارس کے روایتی ٹھگوں کی سی مہارت سے اس کی گردن میں ڈوری ڈال کر

پیچھے سے پھندا کسنا شروع کردیا تھا۔

سینڈو دیو ہیکل اور مضبوط جسم کا مالک تھا۔وہ کار کی اگلی نشست پر تھا اور سلطان شاہ نے پیچھے سے پھندا ڈال کر اسے اس کی سیٹ کی پشت گاہ سے لگا کر رکھ دیا تھا لیکن اس کی ٹانگیں پائیدان میں بری طرح بل کھا رہی تھیں۔

اس واردات کی ابتدا ہوتے ہی میں نے اپنی کار کے ہیڈ لیمپس گل کردیے تھے اس کے باوجود سفید ریتیلے ٹیلوں کے درمیان پھیلی ہوئی سیاہ سڑک مجھے صاف نظر آرہی تھی۔

سینڈو کا جسم بری طرح تڑپا۔اس کے دونوں ہاتھ اضطراری طور پر' اپنے حلقوم کے گرد کستی ہوئی رسی کی طرف گئے لیکن اسے تاخیر ہوچکی تھی۔سلطان شاہ نے پہلے ہی لمحے میں ڈوری کے دونوں سروں کو اتنی طاقت سے کھینچا تھا کہ رسی سینڈو کی گردن کی نرم و نازک جلد میں بری طرح پیوست ہوگئی تھی۔

سینڈو کے دونوں ہاتھ بے بسی کے ساتھ جلد میں اترتی ہوئی ڈوری کو پکڑنے کی ناکام کوششیں کرتے رہے۔اس کے نرخرے سے کوئی آواز برآمد نہیں ہوسکی۔اس کی گردن ڈوری کے سہارے سیٹ کی پشت گاہ اور سلطان شاہ کے ہاتھوں کے درمیان جکڑی ہوئی تھی اور بقیہ جسم بری طرح تڑپ رہا تھا۔

کسی کے قتل کا وہ انداز میرے لئے بالکل نامانوس اور نیا تھا امیر علی ٹھگ کی کہانیاں پڑھتے ہوئے میں نے ڈوری کے ذریعے آناً فاناً میں بھولے بھالے مسافروں کا جھٹکا ہونے کے واقعات پڑھے تھے لیکن اس وقت میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ موت کیسی بھیانک اور ہولناک ہوتی ہوگی۔

چند ثانیوں میں سینڈو کا بدن بے جان اور بے حس و حرکت ہوگیا۔

سلطان شاہ نے آگے جھک کر سینڈو کی سمت کا دروازہ کھولا۔میں نے لمحہ بھر کے لئے گاڑی روکی اور ہم دونوں نے بے دردی کے ساتھ اسے کار سے نیچے دھکیل دیا۔

وہ سب چند لمحوں میں ہوگیا لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت ایک جگہ تھم کر رہ گیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد ہماری کار ساحل کے ساتھ بنی ہوئی سڑک پر واپسی کے سفر پر رواں تھی۔

○☆○

سیکڑوں افراد پر مشتمل نفری اور کروڑوں کے ہتھیار اور گولہ بارود داؤ پر لگائے جب دو دن گزر گئے اور بھارتی منصوبہ سازوں کو صوبے میں کسی بہت بڑی تباہی' دہشت گردی یا بغاوت کی خبر نہیں ملی تو ان کے دل اپنے سینوں میں خوف و دہشت سے لرزنے لگے۔

یہ درست تھا کہ اس تباہ کن اور آہن پوش لشکر کو تھر کے عظیم اور بے رحم صحرا سے گزر کر سندھ کے شہروں میں داخل ہونا تھا لیکن وہ کوئی ایسا بے بساط کارواں نہیں تھا جو ریت کے اس تپتے ہوئے صحرا میں کسی سوئی کی طرح گم ہوجاتا اور کسی کو کانوں کان بھی اس کی ہوا نہ لگتی۔

انسانوں' گاڑیوں' ہتھیاروں اور مہلک بارود پر مشتمل وہ لشکر اپنے پروگرام کے مطابق پیش قدمی کرتا ہوا' اپنے ہمدردوں اور حامیوں سے جا ملتا تو اس سرزمین پر ایسی تباہی نازل ہوتی جس کی نظیر نہ ملتی۔آزادی یا موت کے عنوان سے ہتھیار اٹھانے والے باغی ہر اس شخص کو چن چن کر ہلاک کردیتے جو ان کے عزائم کو من و عن قبول کرنے میں ذرا بھی تردّد کرتا۔خون کی نہریں بہادی جاتیں' انسانی لاشوں کے مینار وجود میں آجاتے اور دہشت و بربریت کی اس ارزانی میں' سنگینوں کے سائے میں ایک آزاد دیش کے قیام کا اعلان کردیا جاتا۔اس منصوبے کا خالق ملا سرکار تھا جو جہنم واصل ہوچکا تھا۔آزاد دیش کی حکومت قائم کرانا اسی کا منصب تھا۔وہ نہ ملتا تو کمانڈر یہ فرض اپنے ذمے لے لیتا۔نئے دیش کی حکومت میں نام باغی کٹھ پتلیوں کے ہوتے لیکن قوت اور اختیار کا ہر منبع سرحد پار سے آنے والے' کمانڈر اور اس کے مشیروں کے قابو میں ہوتا۔

وہ تمام حالات ایسے ہوتے کہ چھپائے نہ چھپتے اور آناً فاناً پوری دنیا کو معلوم ہوجاتا کہ روئے زمین پر ایک اور نئی سلطنت وجود میں آچکی ہے۔لیکن اس بارے میں کہیں سے کوئی خبر نہیں تھی۔آکاش وانی' ریڈیو کابل' بی بی سی اور وائس آف امریکا کے نمائندے کسی بھی کامیابی کا سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔سندھ اور اندرونِ سندھ کے شہروں کے حوالوں سے پاکستانی اور غیر ملکی پریس میں روز خبریں شائع ہورہی تھیں جن میں بھارتی لشکرِ جرار کا ذکر تو کیا کوئی اشارہ تک نہیں تھا۔دہلی سرکار کے ایما مغربی دنیا کا سب سے فطین نامہ نگار مارک ٹیلی اسلام آباد میں ڈیرا ڈالے بیٹھا تھا۔کبھی وہ اسلام آباد میں محکمۂ داخلہ کے سیکریٹری لے کر سیکشن افسروں اور کلرکوں کے گرد گھومتا ہوا نظر آتا اور کبھی جی ایچ کیو میں حیلے بہانوں سے رسائی حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتا لیکن کہیں سے اسے مطلب کی کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔کامیابی کا خمار دماغ سے اترنے میں کچھ وقت ضرور لگا لیکن دن بعد انہیں پورا یقین ہوگیا کہ کمانڈر کا ہیبت ناک لشکر اپنے مقاصد کے حصول میں بری طرح ناکام ہوا ہے۔اس سے آگے متعدد سوالیہ نشان تھے۔

کمانڈر کے آدمی لڑتے ہوئے ناکام ہوتے تو پاکستان نہ صرف شور مچاتا بلکہ اپنی سرزمین پر بھارتی دہشت گردوں اور بھارتی ساخت کے ہلکے' درمیانی اور بھاری ہتھیاروں کی موجودگی پر شدید احتجاج کرتا اور اپنے الزامات کے ثبوت میں پکڑے ہوئے بھارتیوں کو ان کے ہتھیاروں سمیت ذرائع ابلاغ پر پیش کرتا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔پاکستان پوری طرح پُرسکون تھا۔تجارتی معاملات پر دہلی میں ہونے والے مذاکرات معمول کے مطابق جاری تھے۔پاکستانی وفد کا رویہ دوستانہ اور مفاہمانہ تھا۔ان حالات

بھارت کی فوجی قیادت کے سامنے دو ہی امکانات رہ گئے تھے۔

وہ لوگ ریت کے کسی ہولناک طوفان کی زد میں آکر ٹنوں وزنی ریت میں زندہ دفن ہوچکے تھے یا پھر پاکستانیوں نے نہایت خاموشی اور چالاکی کے ساتھ ان سب کو، ان کے سازوسامان سمیت پکڑلیا تھا۔

طوفان والی بات آسانی کے ساتھ رد کردی گئی کیونکہ جدید سہولتوں کی وجہ سے اس علاقے کے موسمی حالات پر ہروقت نظر رکھی جاتی تھی اور ریکارڈ کے مطابق پچھلے پندرہ دن سے اس علاقے میں کوئی طوفان تو کجا، کوئی بڑا بگولا بھی نہیں اٹھا تھا۔اس لئے لے دے کر ایک ہی بات باقی رہ جاتی تھی کہ پاکستانیوں نے ان سب کو مار لیا تھا یا پکڑلیا تھا۔بھارت کی طرف سے وہ بین الاقوامی سرحدوں کی خاموش خلاف ورزی تھی اور اس کی بھیجی ہوئی نفری فوجی وردیوں کے بجائے گوریلوں کے لباس میں تھی اس لئے پاکستان پر قیدیوں وغیرہ کے بارے میں کوئی اطلاع فراہم کرنے کی کوئی اخلاقی پابندی بھی نہیں تھی۔

بھارتی فوجی حکام کے لئے ایک طرف اپنی مہم جوئی کی بدترین ناکامی کا صدمہ تھا تو دوسری طرف انہیں متاثرہ فوجیوں کے خاندانوں کا خوف مارے ڈال رہا تھا۔بھارتی پریس کو اپنے حکام کے کرتوتوں کا پورا پورا علم تھا لیکن وہ قومی مفاد کی خاطر خاموش تھا۔پریس کو جس دن بھی مہم کی ناکامی کا پورا یقین ہوجاتا، پورے بھارت میں بھونچال آجاتا۔سونے پر سہاگا یہ ہوتا کہ ایک طرف مہم کی ناکامی کی خبر ہوتی اور دوسری طرف فوجی حکام کی بے خبری کا ماتم ہوتا کہ انہیں سرحد پار مرنے اور قیدی بنائے جانے والوں کی تعداد کا بھی علم نہیں ہے اور کئی دن گزر جانے کے باوجود وہ چین کی بنسری بجارہے ہیں۔

دو دن کے اعصاب شکن انتظار کے بعد بھارتی افواج کے اعلیٰ حکام کی طرف سے ایک مضحکہ خیز کہانی جاری کی گئی تھی جس میں پانچ سو بتیس افسران اور جوانوں پر مشتمل ایک مشینی کارواں کے گم ہوجانے کا ذکر تھا۔بیان میں کہا گیا تھا کہ سرحدی علاقوں میں مشقوں کے لئے سفر کرنے والا وہ کارواں یک بیک مفقود الخبر ہوگیا تھا۔شبہ ظاہر کیا گیا تھا کہ موسم یا سمت نما آلات کی خرابی کی وجہ سے وہ کارواں راستہ بھٹک کر پڑوسی ملک کی سرحدوں میں داخل ہوگیا تھا اور وہاں نامساعد حالات میں پھنس کر رہ گیا تھا۔

انہوں نے ذلت آمیز انداز میں پاکستانی افواج اور حکومت سے اس گم شدہ کارواں کے بارے میں مدد فراہم کرنے کی درخواست کی تھی۔

وہ کہانی اس قدر ناقص اور بودی تھی کہ خود بھارتی پریس نے اس کے چیتھڑے اڑا کر رکھ دیے تھے۔

اگر گدررا کے علاقے میں موسم واقعی اس قدر ناقص اور حوصلہ شکن تھا تو فوج کی اعلیٰ کمان کا فرض تھا کہ اس حساس سرحدی علاقے میں اپنے دستوں کی نقل و حرکت کو یکلخت موقوف کرادیتی کیونکہ علاقے کے حالات کے پیش نظر یہ بات یقینی تھی کہ راستہ بھٹک کر ایک دوسرے کے علاقے میں نکل جانے والے فوجیوں کا پھولوں اور ہاروں سے استقبال نہیں کیا جاتا بلکہ انہیں للکارتے ہی، ان پر جہنم کے دہانے کھول دیے جاتے۔دشمن کی قیامت خیز فائرنگ سے جو فوجی زندہ بچتے، وہ کارروائی کے اختتام پر قیدی بنا لئے جاتے۔اس لئے خراب موسم میں مشقوں یا کسی بھی دوسرے مقصد کے لئے نازک سرحدی علاقے میں فوجیوں کی نقل و حرکت کا جاری رہنا، علاقائی کمان کی نااہلی کا ثبوت تھا۔

سمت نما آلات کی خرابی کے مفروضے کو مضحکہ خیز قرار دے کر بے دردی سے مسترد کردیا گیا تھا۔اس قافلے میں کم و بیش ڈھائی سو چھوٹی بڑی گاڑیاں شامل بتائی گئی تھیں۔اس جدید دور میں ریڈیائی رابطے کے علاوہ ہر فوجی گاڑی میں سمت کا بالکل صحیح تعین کرنے والے ایک سے زائد آلات موجود ہوتے ہیں۔کسی ایک آدھ گاڑی کے آلات کا خراب ہوجانا تو قابل فہم تھا لیکن کوئی بھی ہوش مند شخص یہ نہیں مان سکتا تھا کہ بھارتی فوجی قافلے کی ڈھائی سو گاڑیوں کے تمام سمت نما آلات بیک وقت ناکارہ ہوگئے تھے جس کی وجہ سے بھارت کو وہ شرمناک دن دیکھنا پڑا۔

پاکستانی حکام نے بھارت کی اس افسانہ طرازی کا فوری اور مسکت جواب دیا تھا۔انہوں نے راہ بھٹکے ہوئے کسی ہندوستانی فوجی کارواں کے وجود سے سراسر لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے ذرائع ابلاغ کو پہلی بار بتایا تھا کہ گدررا سے چند میل اندر پاکستانی سرزمین پر بغیر نمبرپلیٹ اور فوجی علامات والی ڈھائی سو بھاری گاڑیوں پر مشتمل ایک مسلح کارواں تیزی کے ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا پایا گیا تھا۔ان گاڑیوں پر بھاری گولہ بارود سے لے کر مشین گنیں اور طیارہ شکن توپیں تک لدی ہوئی تھیں جنہیں موثر اور مختصر سی فوجی کارروائی کے ذریعے جزوی طور پر تباہ کردیا گیا۔پاکستانی افواج کے اچانک حملے سے بوکھلا کر اس ناقابل شناخت لشکر کے جن ارکان نے ہتھیار ڈالنے چاہے ان کی بڑی تعداد اپنے ہی جنونی ساتھیوں کا نشانہ بن گئی۔اس آپریشن میں دو سو سات مسلح دہشت گرد پکڑے گئے تھے۔ان میں سے کوئی بھی اپنی کوئی باقاعدہ فوجی شناخت پیش کرنے سے قاصر رہا تھا۔قابل ذکر بات یہ تھی کہ ٹرکوں پر لدا ہوا سارا گولہ بارود اور بیشتر ہتھیار بھارتی ساخت کے تھے۔طیارہ شکن توپیں اور مشین گنیں مغربی ساخت کی تھیں مگر ان پر بھی بھارتی افواج کے کوڈ کندہ تھے۔

پاکستانی ترجمان نے واضح طور پر ابہام سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ان دنوں کوئی جنگی آویزش نہیں تھی، نہ دونوں میں سے کسی نے ایک دوسرے کی بین الاقوامی سرحدوں کی پامالی کا اعلان کیا تھا اسی کے ساتھ پکڑے جانے والے دہشت گردوں نے بھارتی مسلح

افواج سے اپنے کسی تعلق کا اعتراف نہیں کیا تھا' اس لئے حکومتِ پاکستان ان سب کو غیر جنگی اور غیر فوجی قیدی سمجھنے پر مجبور تھی اور ان کے بارے میں جنیوا کنونشن کے اصولوں کی پابندی کرنے سے بالکل بری الذمہ تھی۔ ان قیدیوں پر دہشت گردوں کے خلاف سرسری سماعت کی خصوصی عدالتوں میں مقدمہ چلانے کے ارادے کا اظہار کیا گیا تھا جس نے نئی دہلی کے ایوانوں میں یقیناً زلزلہ برپا کر دیا ہوگا۔

اصل قصہ نہایت خاموشی کی ساتھ نمٹ گیا تھا۔ گدرا سے جانے والے' کچے ریگستانی راستے پر جلی ہوئی ہندوستانی گاڑیوں' ہتھیاروں اور انسانی لاشوں کا شمشان بن گیا تھا۔ زندہ بچنے والے قیدی بنا لئے گئے تھے۔ اس واقعے میں ہندوستانی افواج کے جوانوں اور افسروں کی اتنی بڑی تعداد ملوث تھی کہ بھارتی حکومت ان سے لاتعلقی اختیار کر کے 'ان کو پاکستانی حکام کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اپنی رائے عامہ کے شدید دباؤ کے تحت اس کی پوزیشن بہت کمزور ہو گئی تھی۔ وہ مجبور تھے کہ مردہ سپاہیوں کی لاشوں اور قیدیوں کی واپسی کے لئے ان کی اصلیت کا اعتراف کرتے ہوئے پاکستانی حکام سے مذاکرات کی ابتدا کریں۔

بھارتی حکومت اور جرنیلوں کی گھناؤنے عزائم کے خلاف وہ ایک بہت واضح ثبوت تھا۔ تہذیب و ترقی کے اس دور میں کسی ملک کی بین الاقوامی سرحدوں کی پامالی ایک سنگین جرم تصور کی جاتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اخباری اطلاعات کے بعد گدرا کے مضافات کا ویران ریگزار آناً فاناً میں عالمی خبر رساں اداروں اور ٹیلی ویژن ایجنسیوں کے نمائندوں کی آماجگاہ بن جائے گا اور ہندوستان کی ناکام ترین فوجی مہم جوئی کی شرمناک کہانی عالمی شہ سرخیوں میں گالی بن کر چمکنے لگے گی۔

بظاہر وہ ایک ناکام فوجی آپریشن تھا لیکن اس کے محرکات سو فیصد سیاسی تھے۔ ہندوستان کے صفِ اول کے رہنماؤں نے پاکستان کی تخلیق اور اس کے آزادانہ وجود کو کبھی بھی کھلے دل سے تسلیم نہیں کیا تھا۔ وہ برصغیر میں جنم لینے والے دو قومی نظریے کے بدترین دشمن تھے اور پاکستان کی نظریاتی اساس کو تباہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ مشرقی پاکستان میں ننگی فوجی جارحیت کر کے اسے سونار بنگلہ دیش اور پھر اپنا تابعِ مہمل بنانے کی ریشہ دوانیاں سب کے سامنے تھیں۔ اور اب ہندوستانی نیتا سندھ کی سرزمین پر مہربان ہوئے جا رہے تھے۔

عظیم صوفی شاعروں' مسلمان مبلغین' پیروں' فقیروں اور درویشوں کی مہمان نواز سرزمین کے چند سرپھرے اور سرکش باسیوں کی حمایت کے زعم میں بھارتیوں کی سیکرٹ سروس 'را کے ایک اہم دماغ نے ملا سرکار کے روپ میں اپنی ساری جوانی کوٹ مندو کے دور افتادہ گاؤں میں گزار دی۔ جب اس کی دانست میں اس کی آرزوؤں کی تعبیر کا وقت قریب آیا تو وہ خبیث' مکافاتِ عمل کے ازلی اور آفاقی کلیہ کا شکار ہو کر' خون اور لوتھڑوں کی صورت میں اباسین کے آبِ رواں کی جھلملاتی لہروں میں ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو گیا۔

ملا سرکار جہنم واصل ہو چکا تھا۔ ہندوستان جرنیلوں کی ترتیب دی ہوئی بھیانک فوجی مہم عبرت ناک بربادی سے دوچار ہو چکی تھی اور سارے کارڈز پاکستان کے ہاتھ میں آ چکے تھے۔ وہ صورتِ حال ایسی تھی کہ حقائق اور شواہد کی روشنی میں ہندوستانی سرکار کو عالمی سطح پر ننگی کا ناچ نچایا جا سکتا تھا۔

جو کچھ اخبارات میں شائع ہوا' وہ اپنے متن کے اعتبار سے درست تھا لیکن میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ ان خبروں میں آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ کے اثرات کی بھرپور عکاسی سے گریز کیا گیا تھا۔ کھلے عام جو کچھ لکھا اور کہا جا رہا تھا' اس سے ہٹ کر درونِ خانہ بھی بہت کچھ ہو رہا تھا جس کے بارے میں خبروں میں کوئی اشارہ نہیں تھا۔ اس دن کے اخبارات میں آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والی سیاسی باریکیوں کی کہانیاں شہ سرخیوں میں شائع کی گئی تھیں۔ عام قارئین کے لئے اس دن کے اخبارات میں آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ کے علاوہ کوئی اور خبر نہیں تھی لیکن میرے لئے سینڈو کے قتل کا معاملہ بھی کم اہم نہیں تھا۔

تلاش بسیار کے بعد مجھے اندرونی صفحے پر ایک کالمی خبر میں ایک لاوارث لاش ملنے کی اطلاع نظر آ گئی۔ متوفی کو گلے میں پھندا ڈال کر نہایت بے رحمی سے ہلاک کیا گیا تھا۔ اس سے متعلقہ سارے کوائف وہی تھے جو سینڈو پر لاگو ہوتے تھے۔ لیکن اخباری اطلاعات کے مطابق اس لاش کا کوئی وارث سامنے آیا تھا نہ اس کی جیبوں وغیرہ سے کوئی ایسی چیز برآمد ہو سکی تھی جس کی مدد سے اس کی کوئی شناخت ممکن ہوتی۔

شہریوں سے کوئی مدد ملنے کی امید میں' پولیس کے ذرائع نے خبر کے ساتھ ہی متوفی کے چہرے کا ایک کلوز اپ جاری کر دیا تھا جو خبر کی ساتھ ہی ایک کالم کی چوڑائی میں شائع کیا گیا تھا۔

اس روز مجھے تین بجے' حبیب جیوانی کے دیے ہوئے ایک نمبر پر میلان ٹیلی فون کرنا تھا اس لئے میں ایک بجے کے قریب ٹریڈ لائن کے دفتر پہنچ گیا تھا۔ وہاں آپریٹر سے معلوم ہوا کہ میرے پہنچنے سے پہلے' دو مرتبہ چیف کا فون آ چکا تھا۔

سینڈو خلافِ معمول دفتر سے غائب تھا پھر دفتر کے چوکیدار نے شہر میں ہونے والے ایک پراسرار قتل کی خبر پڑھ کر' تصویر سمیت اخبار کی تشہیر کر دی تھی اس لئے دفتر میں سنسنی اور خوف و ہراس کی فضا پائی جا رہی تھی۔ ٹریڈ لائن کے عملہ کو سینڈو کی بگڑی ہوئی تصویر شناخت کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔

میں دفتر میں اخبارات کے مطالعہ میں مصروف تھا کہ اچانک ہی انٹر کام کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف سے ٹریڈ لائن کا ایک سینئر ملازم شیر شاہ بول رہا تھا۔

سینڈو کے ماتحتوں میں شیر شاہ ہمیشہ ہی سب سے منفرد اور نمایاں رہتا تھا۔ ٹریڈ لائن میں کام کرنے والے لوگوں میں سینڈو کے بعد وہی اس کا جانشین نظر آتا تھا۔

"باس! تم نے اخبارات تو دیکھ ہی لئے ہوں گے؟" اس کی آزردہ آواز سنائی دی۔

"ہوں، تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے غرّاتے ہوئے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

"کک... کچھ نہیں۔" وہ میرے لب و لہجے سے بوکھلا گیا۔ پولیس والوں نے اسے لاوارث قرار دیا ہوا ہے۔ کہیں وہ اسے ایدھی فاؤنڈیشن کی مدد سے چپ چپاتے دفن نہ کر دیں۔ اجازت ہو تو ہم لوگ پولیس سے رجوع کرکے سینڈو کی لاش حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس کا ایسا برا انجام نہیں ہونا چاہئے۔"

"بکومت!" میں نے انٹر کام پر ہی اسے ڈانٹ دیا "کیا تم نے یہ نہیں پڑھا کہ وہ پُراسرار حالت میں مارا گیا ہے۔ تم اس کی لاش لینے جاؤ گے اور پولیس تفتیش کے لئے اس دفتر میں ڈیرے ڈال لے گی۔"

"سوری باس!" اس کی خجالت آمیز آواز ابھری "میں کچھ جذباتی ہو رہا تھا، اتنے دن تک کسی کتے کو بھی اپنی ڈیوڑھی پر پالا جائے تو اس سے بھی اُنسیت ہو جاتی ہے۔ لیکن تمہارا مشورہ درست ہے۔"

اسی لمحہ فون پر کال آنے لگی اور میں نے انٹر کام کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

دوسری طرف حبیب جیوانی تھا۔ اس کی آواز سے پریشانی مترشح تھی "سینڈو کے بارے میں تم نے اخبار میں پڑھ لیا ہوگا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کون ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"تمہاری بیوی کے بعد سینڈو کا مارا جانا بہت تشویش ناک ہے۔" میں نے دل ہی دل میں اس کی تشویش سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "اور اب وہ لاوارثوں کی طرح مردہ خانے میں پڑا ہوا ہے۔"

"اسے وہیں پڑا رہنے دو۔" اس کی خوف زدہ آواز ابھری۔ "ایک دو روز بعد کوئی نہ کوئی خیراتی ادارہ اس کے کفن دفن کا بندوبست کر دے گا۔ جو بھی ادھر گیا، پولیس اسی کے پیچھے لگ جائے گی۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا "یہ بتاؤ کہ اب کام کاج کی کیا صورت ہوگی؟"

"ظاہر ہے کہ سینڈو کے بعد سارا بوجھ تم ہی کو اٹھانا ہوگا لیکن اسی کے ساتھ یہ دیکھنا بھی ضروری ہو گیا ہے کہ کون ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اسے ڈھیل دی گئی تو کل میری یا تمہاری باری بھی آسکتی ہے۔"

"میں کام کا بوجھ تو سنبھال لوں گا لیکن نچلی سطح پر ہونے والے بہت سے کاموں کے بارے میں صرف سینڈو ہی جانتا تھا۔ تمہاری بریفنگ کے بغیر مجھ سے غلطیاں ہونے کا امکان رہے گا۔"

"میں تمہیں بلیو فائل دے دوں گا۔ اس کے مطالعے کے بعد تم کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

"لیکن سینڈو کی جگہ تو کسی نہ کسی کو لانا ہی پڑے گا۔" میں نے کہا۔

"اپنی صوابدید کے مطابق، موجودہ عملے میں سے جسے چاہو، اوپر لے آؤ۔ یہ سب تمہارے اپنے معاملات ہیں لیکن میں اپنے دشمن کو جلد از جلد اپنے رُوبرُو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میرا شبہ کی کلب کے اراکین کی طرف جا رہا ہے۔" میں نے اسے گمراہ کرنے کی نیت سے پُرخیال لہجے میں کہا "کلب بند ہونے سے وہ سب ہی بے روزگار ہو گئے ہیں۔ یہ ان میں سے کسی کی انتقامی کارروائی بھی ہو سکتی ہے۔"

"ان میں سے کسی کی یہ جرات نہیں ہو سکتی۔ شوچان نے کی کلب میں ملازم ساتوں لڑکیوں کے ساتھ ایک اسٹیٹ ایجنسی کھول لی ہے۔ کلب میں چوکیداری کرنے والے گوریلا نما مرد کو بھی اس نے اپنے ساتھ ہی رکھا ہے۔ اسٹیٹ ایجنسی کی آڑ میں وہ سب دونوں ہاتھوں سے دولت بٹور رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اس خون خرابے میں ملوث نہیں ہو سکتا۔ یہ تو کسی ایسے دشمن کا کام ہے جو ہمارے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔"

"کی کلب کے انتیس ارکان کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اس میں شبہ نہیں کہ وہ سب اہم اور طاقتور سرکاری اہل کار تھے لیکن وہ جانتے ہیں کہ ان کی فلمیں وغیرہ ابھی تک کی کلب چلانے والوں کی تحویل میں ہوں گی۔ اس لئے وہ کسی ردِعمل کا مظاہرہ کرکے اپنی سماجی حیثیت تباہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ کی کلب ہمارا ذیلی ادارہ ہوتے ہوئے بھی بظاہر ہم سے بالکل الگ تھلگ نظر آتا ہے۔ وہاں آنے والوں کے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ مافیا کے اڈے پر آتے ہیں۔"

"خیر، میں دیکھوں گا کہ ان واقعات کی پشت پر کون ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "یہ بتاؤ کہ تم بلیو فائل کب دے رہے ہو۔ آج آنے والے قبائلی ملکوں کے بارے میں بھی مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔"

"چاہو تو بلیو فائل ابھی لے سکتے ہو، میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

"تم کہاں سے بات کر رہے ہو؟" میں نے چونک کر پُرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

"اپنے کمرے میں ہوں۔ مناسب سمجھو تو یہیں چلے آؤ۔"

اس نے وہ انکشاف کرکے مجھے بوکھلا دیا "تمہیں تین بجے میلان

فون بھی کرنا ہے' میں اس موقع پر موجود رہنا چاہتا ہوں۔"
"میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم اپنے گھر سے بول رہے ہو۔" میں نے کہا۔
"گھر میں کیا رکھا ہے؟" اس کی تلخ آواز ابھری "مریم کی موت کے بعد تو مجھے اس گھر کی ہر چیز کاٹنے کو دوڑتی ہے۔ میں گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہا تو چند ہی روز میں ذہنی خلل میں مبتلا ہو جاؤں گا۔"
"بس میں آ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے ریسیور کریڈل پر پٹخا اور چند ثانیوں تک اسے یوں ہی ہاتھ سے دبوچے بیٹھا رہا کہ کہیں ریسیور دوبارہ اپنی جگہ سے اچھل کر میرے کان سے نہ آ لگے۔
اپنے اس احمقانہ خیال پر سر جھٹک کر چند گہرے گہرے سانس لینے کے بعد میں نے ریسیور کو چھوڑا اور تیزی کے ساتھ اپنے دفتر سے باہر نکلتا چلا گیا۔
چیف کے دفتر کے دروازے پر' اس وقت سبز بلب روشن تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ مجھے اندر جانے کی اجازت تھی۔ میں نے دروازے پر نصب چمکتی ہوئی الکٹرونک پلیٹ پر ہاتھ رکھا اور حبیب جیوانی نے' اندر فنگر پرنٹس اینالائزر پر میرے ہاتھ کی لکیریں پہچان کر دروازہ کھولنے والا بٹن دبا دیا۔
میں کافی دنوں بعد نیچی چھت والی اس پُراسرار کمرے میں داخل ہوا تھا جو پوری طرح ساؤنڈ پروف ہونے کے ساتھ ہی بہت سی نت نئی حفاظتی سہولتوں سے آراستہ تھا۔
چھت کے فریموں میں مستور تیز روشنی والے قمقموں نے چیف کی میز کے سامنے والے حصہ کو منور کیا ہوا تھا لیکن اس کی وزنی میز کا بیشتر حصہ اور وہ خود مکمل تاریکی میں تھا۔
وہ جس پُراسرار انداز میں اپنے دفتر میں دریافت ہوا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی کے علم میں لائے بغیر' زیرِ زمین کیبل ٹرینچ کے ذریعے اپنے دفتر میں پہنچا تھا۔ وہ کب سے وہاں بیٹھا ہوا تھا' اس بارے میں کوئی قیاس آرائی ممکن نہیں تھی۔ اس کی میز پر ایکسچینج سے منسلک دو ٹیلی فونوں کے علاوہ ایک ڈائریکٹ فون بھی موجود رہتا تھا جس کے ذریعے وہ آپریٹر کو میرے لئے کال کر سکتا تھا اور یقیناً وہ یہی کر رہا تھا۔
"آؤ ڈینی! تم سے اس ملاقات کے لئے میں نے بہت محنت کی ہے۔" اندھیرے میں سے سیٹھ حبیب جیوانی کی بھاری اور سحر آلود آواز ابھری "میرا خیال ہے کہ ہماری یہ ملاقات ناگزیر ہو چکی تھی۔"
اس کے الفاظ اور لب و لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے مجھے چوکنا کر دیا۔ اس کے لہجے میں طنز یا استہزا کا شائبہ نہیں تھا لیکن وہ الفاظ بہت نپے تلے تھے جن کا کوئی بھی مقصد ہو سکتا تھا۔
"ملاقات کے لئے تم نے بہت پیچیدہ طریقہ اختیار کیا ہے'

چیف!" میں نے خود کو پُرسکون رکھتے ہوئے' سرد لہجے میں کہا "تم مجھے حکم دیتے تو میں خود تمہارے گھر حاضر ہو سکتا تھا۔"
"گھر' گھر والی سے ہوتا ہے' ڈینی!" اندھیرے میں سے ابھرنے والی آواز اس بار تلخ ہو گئی تھی "جس کی گھر والی نہ ہو' اور اگر ہو تو بے وفا ہو۔ اس کے لئے گھر ایک سرائے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ سرائے' جس میں دو چار راتیں تو بسر کی جا سکتی ہیں لیکن پہاڑ جیسی زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ میری بیوی کو اغوا اور پھر ہلاک کر کے کسی درندے نے مجھ سے میرے گھر کا تصور چھین لیا ہے۔ اس کے اغوا اور قتل کے درمیان جو کچھ ہوتا رہا' اس کے بارے میں میڈیکل ایگزامنر کی رپورٹ میں سخت اور بے رحمانہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ جو کوئی بھی ہے مجھے ہر طرف سے گھیر کر بے بس اور تنہا کر دینا چاہتا ہے۔ پہلے اس نے مریم کو اغوا کر کے ہلاک کیا۔ وہ اپنی ساری خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ میری زندگی کے لئے ایک بہت بڑا سہارا تھی۔ مریم پر وار کر کے اس نے میرے گھر کو تباہ کیا اور سینڈو کو قتل کر کے اس نے میرے کاروبار کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ سینڈو میرا دستِ راست تھا۔ مافیا میں میرے بعد تم سب سے سینئر ہو لیکن سینڈو کی افادیت سے تم بھی انکار نہیں کر سکتے۔"
اس نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی تھی مگر میں نے اس کے مقابل ایک کرسی سنبھال لی اور کہا "تمہاری ساری باتیں درست ہیں چیف! لیکن تمہارا انداز کچھ ذو معنی ہے۔ تم کھل کر بات کرو' ہماری یہ ملاقات زیادہ نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ تمہاری باتوں سے مجھے عدم اعتماد کی بو آ رہی ہے۔"
"یہ عدم اعتماد فطری ہے' ڈینی۔ جو آدمی اپنی بیوی کو اپنے دشمنوں یا دشمنوں سے نہ بچا سکا ہو' اپنے دستِ راست کی زندگی کی حفاظت نہ کر سکا ہو' اسے تو اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں رہتا۔"
"تم اس بارے میں کس پر شبہ کر رہے ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔
"میں نے تم سے سائے کی بات کی جو اجالوں میں ہر دم میرے ساتھ رہتا ہے لیکن اندھیرے میں میرا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ میرے سائے کے بعد تین افراد میری ذات سے بہت قریب تھے۔ مریم ماری ڈالی گئی' سینڈو جسے قتل کر دیا گیا۔ ان کے بعد تم تیسرے آدمی جاتے ہو۔ اپنے سائے کے بعد میں کسی اور پر شبہ کر سکتا ہوں تو تم ہو۔"
"میں؟" میرے حلق سے اضطراری آواز برآمد ہوئی اور میں کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا "تم مجھ پر شبہ کر رہے ہو؟... تم جانتے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو' چیف؟"
"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں' ڈینی!" اس نے سرد لہجے میں کہا "میں نے تمہاری فرمائش پر کھلے ذہن کے ساتھ بات شروع کی ہے۔ اپنا ذہن کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیا۔

میرے شبہات کو دور کرنا تمہارا فرض ہے۔"

وہ اندھیرے میں چھپا بیٹھا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس نے زبان کھولنے سے پہلے' اپنے ہاتھ میں کوئی ہتھیار سنبھال لیا ہوگا تاکہ میرے کسی غیر متوقع ردعمل سے خود کو بچا سکے۔ میں تھکے ہوئے انداز میں آہستہ آہستہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آخر تمہارے اس شبہ کا جواز کیا ہے؟" میں نے اندھیرے میں اس کے ہیولے پر نظریں جما کر پوچھا۔

"اگر تم مافیا والوں کو یہ یقین دلا دو کہ میں بالکل ہی نااہل اور کمزور ہوں' اپنے گھر اور کاروبار کی صحیح دیکھ بھال نہیں کرسکتا تو وہ مجھے معزول کردیں گے۔ تم مافیا میں میرے نمبر دو ہو۔ میرے بعد مافیا کی سربراہی' پکے ہوئے پھل کی طرح تمہاری جھولی میں آگرے گی اور تم جانتے ہی ہو کہ مافیا سے معزولی کا مطلب صرف اور صرف موت ہوتا ہے۔ تم میری لاش پر اپنی سربراہی کا محل تعمیر کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو۔"

"تم نے بات سے بات ضرور ملائی ہے۔ لیکن تمہارے اس نظریے میں جان نہیں ہے۔" میں نے اپنے دل کی تیز دھڑکنوں کے باوجود' پرسکون رہتے ہوئے کہا "جب تمہاری بیوی کو اغوا کیا گیا تو میں یہاں سے سیکڑوں میل دور' بیمار پڑا ہوا تھا۔ اس بے چاری کی موت کو مجھ سے منسوب کرنا زیادتی ہے۔ اور جب مجھ پر سے وہ الزام ہٹ جاتا ہے تو سینڈو کے قتل کا الزام خود بخود کمزور پڑ جاتا ہے۔ اس کے مکمل استرداد کے لئے یہ ایک حقیقت کافی ہے کہ مافیا کے سربراہ تم رہو یا تمہارے مفروضے کی بنا پر میں تمہاری جگہ لے لوں' سینڈو کی موت کے بعد مافیا کے ہر سربراہ کو بے شمار عملی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جن کا حل بلیو فائل میں بھی نہیں مل سکے گا۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ سینڈو' تم سے زیادہ میرا وفادار تھا۔ اپنے ایک ہمدرد اور وفادار ساتھی کو ہلاک کرکے میں کون سا مقصد حاصل کرسکتا تھا؟"

میرے آخری دعوے نے اسے حیرت میں مبتلا کردیا۔ چند ثانیوں کے لئے وہ حیرت سے گنگ ہو کر رہ گیا پھر اس نے اسی ایک نکتے کو اپنی بحث کا محور بنا لیا "میں نہیں مان سکتا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے ہوٹل کے نامکمل اور منحوس پروجیکٹ کے زمانے سے وہ میرا منہ چڑھا فورمین تھا اور اسی کے مشورے پر میں نے ہیروئن کی ایک کھیپ ملک سے باہر اسمگل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میری کوشش کامیاب ہونے کی صورت میں' مجھے اتنا سرمایہ مل سکتا تھا کہ ہوٹل کا سڑتا ہوا' فلک بوس ڈھانچا مکمل ہو کر شہر کے ایک کامیاب اور بارونق تفریحی مقام میں تبدیل ہوسکتا تھا۔ وہ میرے اچھے اور برے دنوں کا ساتھی اور میرا برسوں پرانا نمک خوار تھا۔ میں مان ہی نہیں سکتا کہ جمعہ جمعہ آٹھ دن کی رفاقت میں وہ مجھے بھول کر تمہارا دوست بن گیا ہو۔"

وہ میرا بہت مضبوط نکتہ تھا' اس لئے تفصیل میں جانے سے پہلے میں حبیب جیوانی کی زبان سے یہ وعدہ سننا چاہتا تھا کہ اگر میں نے اپنا موقف درست ثابت کردیا تو وہ مجھ پر شبہ کرنا ترک کردے گا۔ "میری بات کا غلط مطلب اخذ نہ کرو۔" میں نے ہاتھ فضا میں بلند کرکے احتجاج کیا "میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ تمہیں بھول کر میرا دوست بن گیا تھا۔ میں صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اپنی موت سے پہلے' سینڈو ذہنی طور پر مجھ سے بہت قریب ہوگیا تھا' اتنا قریب کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"بکواس!" اس کا لہجہ اشتعال آمیز ہوگیا "میں مان ہی نہیں سکتا۔"

"لیکن میں اپنے اس دعوے کا ثبوت رکھتا ہوں۔" میں نے اس کے اعصاب سے کھیلتے ہوئے' پرسکون لہجے میں کہا "اور تم خود کو میرے دعوے کی تصدیق کرنے پر مجبور پاؤ گے۔"

"تم اپنی بات ثابت کردو گے تو میرا ذہن تمہاری طرف سے صاف ہوجائے گا۔" وہ ضد میں آکر بولا۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری بات پر ذرا بھی یقین نہیں آیا تھا۔

"مریم کے اغوا کے سلسلے میں تمہیں شروع ہی سے مجھ پر شبہ تھا۔ تم نے اپنے اس شبہ کا اظہار سینڈو سے بھی کیا تھا۔" میں نے سینڈو سے ملی ہوئی معلومات میں تھوڑی سی حاشیہ آرائی کرتے ہوئے کہنا شروع کیا "سینڈو کے نزدیک تمہاری وہ سوچ غلط اور مہلک تھی لیکن وہ تم سے اختلافِ رائے کی جرات نہیں کرسکا لیکن اس نے فوری طور پر تمہاری نگرانی شروع کردی۔ یہ نگرانی اب بھی جاری ہوگی کیونکہ ٹریڈ لائن کے دفتری اوقات میں سینڈو اپنی ڈیوٹی ادا کرتا تھا اور کرائے کا ایک آدمی تمہارے پیچھے لگا رہتا تھا۔ شام میں سینڈو خود تمہاری نگرانی کرتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ مریم کے بارے میں تمہارا شبہ اتنا قوی تھا کہ تم نے میری غیر حاضری کا یقین کرنے کے لئے میرے فلیٹ کا بذاتِ خود جائزہ لیا اور اسے مقفل پا کر چوکیدار وغیرہ سے میرے بارے میں سوالات بھی کئے تھے۔ اب تم خود ہی بتا سکتے ہو کہ وہ سچا تھا یا جھوٹا' کیونکہ میں تو شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔"

حبیب جیوانی کی خاموشی سے مجھے اندازہ ہوا کہ میرے انکشاف سے اسے ذہنی صدمہ پہنچا تھا۔ وہ بولا تو اس کی آواز قدرے بوجھل سی تھی "اس کا مطلب ہے کہ میں اپنی آستین میں سانپ پال رہا تھا۔ یہ بتاؤ کہ میری نگرانی کرانے کے لئے اس حرامی نے کس کو خریدا ہوا تھا؟ میں پہلی فرصت میں اسے شوٹ کردوں گا۔"

"میرے اصرار کے باوجود سینڈو نے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔" میں نے معصومیت سے کہا "یہاں آتے جاتے ہوئے تمہیں اپنے گرد و پیش سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ اگر وہ جاہل قسم کا کوئی بدمعاش ہے تو اخبارات میں سینڈو کے قتل کی خبر اور تصویر نہیں دیکھ سکا ہوگا اور اس وقت تک تمہاری نگرانی کرتا رہے

گا جب تک سینڈو کی مسلسل رُوپوشی اور معاوضہ نہ ملنے کے سبب وہ مایوس نہیں ہو جائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ کتے کا پلا مرتے مرتے بھی میرے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی کر گیا ہے۔" حبیب جیوانی غصے میں غالباً دانت پیستے ہوئے بولا تھا۔

وہ ایسا مغلوب الغضب آدمی تھا کہ پل بھر میں میری دشمنی اور سینڈو کی ہمدردی کو بھول بھال کر اس کی طرف سے مشتعل ہو گیا تھا۔ اس کے بدلے ہوئے طرزِ عمل سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میں نے سینڈو کے حوالے سے اسے جو کچھ بتایا تھا' اس نے اس کی صداقت کو من و عن تسلیم کر لیا تھا۔

"اب تم ہی بتاؤ کہ میں ایسے کار آمد آدمی کو کیسے مار سکتا تھا؟"

"لعنت بھیجو اس نمک حرام پر۔" اس کی غصیلی آواز ابھری۔ "میرا خیال ہے کہ وہ مافیا کو ڈبل کراس کر رہا تھا۔ اس کے مشتبہ قسم کے لوگوں سے مراسم رہے ہوں گے۔ اس کی طرف سے میری آنکھوں پر تو پردہ پڑا ہوا تھا لیکن وہ مُدر مافیا والوں کی عقابی نظروں سے نہیں بچ سکا ہو گا۔ ان ہی میں سے کسی نے اسے مار کر پھینک دیا ہو گا۔"

"پھر اب میرے لئے کیا حکم ہے؟" میں نے اپنی پوزیشن صاف ہو جانے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے ادب کے ساتھ سوال کیا۔

"یہ پڑھ لینا۔" حبیب جیوانی کے ان الفاظ کے ساتھ ہی اندھیرے میں سے ایک نیلی فائل اڑتی ہوئی میز پر میرے آگے آگری "اس کے علاوہ تمہارا ایک کام اور بڑھ گیا ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے فائل کو اپنی کہنیوں کے نیچے دباتے ہوئے پوچھا۔

"جب تک میرا پیچھا کرنے والا ہاتھ نہیں آ جاتا' تمہیں میری حفاظت کرنی ہو گی۔ تم میرا تعاقب کر کے اس کو پکڑنے کی کوشش کرو گے۔ سینڈو کی طرف سے معاوضہ نہ ملنے پر وہ مردود مایوس ہو کر مجھے کوئی نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔" حبیب جیوانی کی آواز سے اس کی گہری فکر مندی کا اظہار ہو رہا تھا۔

میرے لئے وہ فرمان ایک سزا سے کم نہیں تھا۔ میں نے اپنی گلو خلاصی کے لئے کہا "ایسے کاموں میں پیشگی معاوضہ دینا پڑتا ہے۔ لمبا کام ہو تو ماہانہ ادائیگی ہوتی ہے ورنہ ہفتہ وار حساب چلتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم چار چھ روز کے لئے اپنے گھر تک ہی محدود ہو جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔ میرے مسلسل تعاقب سے تمہاری ساکھ خراب ہو سکتی ہے۔ مریم اور سینڈو کے قتل کے بعد مُدر مافیا والوں کو اس اسکینڈل کی بھنک بھی مل گئی تو یہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔ ہاں' تم خود ہی اس شخص کو تاڑ کر پکڑ لو تو اور بات ہو گی۔ ہفتہ ختم ہونے پر اس آدمی کو اگلے ہفتہ کا پیشگی معاوضہ نہ ملا تو خود ہی اپنا منہ کالا کر لے گا۔"

"تم واقعی بہت ذہین بدمعاش ہو۔" اندھیرے میں سے پہلی بار ہنسی کی خفیف سی آواز ابھری" بات سنتے ہی پل بھر میں اس کا پورا پوسٹ مارٹم کر ڈالتے ہو۔ کل سے تو میں کوئی نہ کوئی راہ نکالوں گا یا گھر میں قید ہو کر بیٹھ رہوں گا لیکن آج میری واپسی پر تمہیں میرے گھر تک میرے پیچھے پیچھے آنا ہو گا۔"

"اس طرح تمہارا گھر میری نظروں میں آ جائے گا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"لعنت بھیجو ان ڈھکوسلوں پر۔ جب میں نے تمہیں گھر کا فون نمبر دیا ہے تو گھر کو چھپائے رکھنا بے سود ہے۔ تم چاہو تو فون نمبر کے سہارے بھی میرے گھر کا سراغ لگا سکتے ہو۔"

"ٹیلی فون کے محکمے نے کئی سال سے نئی نمبر ڈائریکٹری نہیں چھاپی ہے۔ اس دوران میں نمبر اتنی کثرت سے تبدیل کئے گئے ہیں کہ پرانی نمبر ڈائریکٹری کی مدد سے کسی کے گھر کا سراغ لگانا ناممکن ہو کر رہ گیا ہے۔"

"مجھے ان کتابی چکروں میں نہ الجھاؤ' ڈیئی!" اس کی مزاحیہ آواز گونجی "دس بیس روپے خرچ کر کے ایسی فضول باتیں ایکسچینج سے بھی معلوم کی جا سکتی ہے۔ بہرحال یہ یاد رکھنا کہ آج تمہیں میرے پیچھے چلنا ہے۔ سینڈو کے سیاہ کرتوتوں کا ذکر کر کے تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔"

اسی وقت اوپر سے آپریٹر نے سینڈو کے لئے دو مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی اور حبیب جیوانی نے پیغام سنتے ہی ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"ریسیور ان دونوں میں سے کسی کو دے دو۔" میں نے خشک لہجے میں آپریٹر سے کہا۔

"ہیلو برادر! اَم پہاڑوں سے گوبھی کا پھول لے کر ادر آیا ہے۔" لمحہ بھر بعد ریسیور میں ایک کڑک مردانہ آواز ابھری۔ اس نے اپنے قبائلی لب و لہجے میں گوبھی کے پھول کا ذکر کر کے اپنی آمد کا مدّعا ظاہر کر دیا تھا۔

"کالے گلاب کھلنے والے ہیں۔ تھوڑی دیر انتظار کر لو۔" میں نے کوڈ کا جواب کوڈ میں دیا اور ریسیور اندھیرے میں حبیب جیوانی کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے ریسیور رکھنے کے ساتھ ہی اپنی نشست پر لگی ہوئی بتیاں بھی روشن کر دی۔

وہ اپنی گھومنے والی' بڑی سی کرسی میں دھنسا ہوا مسکرا رہا تھا لیکن اس کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں نمایاں تھیں۔ اس کے سامنے میز پر پستول رکھا ہوا تھا جس میں میگزین چڑھا ہوا تھا۔

"شکریہ' مجھے اندھیرے سے شدید الجھن ہو رہی تھی۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "اور ہمارے درمیان' یہ بھرا ہوا پستول کیوں رکھا ہوا ہے؟"

"یہ تمہارے لئے تھا۔" اس نے ہنستے ہوئے پستول اٹھا کر

دراز میں ڈال لیا" آج میں تم سے دوٹوک بات کرنے کی نیت سے آیا تھا۔ تم سینڈو کو بے نقاب کرکے اپنی پوزیشن صاف نہ کرتے تو میں اندھیرے میں سے گولی چلا کر تمہاری پیشانی کے وسط میں ایک کھڑکی کھول دیتا۔"

"مجھے امید ہے کہ آئندہ ایسی صورتِ حال پیش نہیں آئے گی۔" میں نے توقع ظاہر کی۔

"ایسی ہی بہتر امیدوں کے سہارے ہم سب زندہ رہتے ہیں۔" اس نے کہا اور پھر لہجہ بدل کر جلدی سے بولا "تم جا کر اپنے مہمانوں کی خبر لو۔ یہ لوگ مہمان کو انتظار کرانا' اس کی توہین سمجھتے ہیں۔ دیر ہونے پر ان دونوں میں سے کسی کی کھوپڑی سنک گئی تو پورا دفتر تماشا بن جائے گا۔"

"لیکن ان سے کیا بات کرنی ہے؟" میں نے اٹھتے اٹھتے حیرت سے سوال کیا۔

"انہیں کم سے کم رقم دے کر انہیں پانچ سال کے لئے اپنا پابند کرنا ہے۔"

ان دونوں کو کچھ دیر کے لئے انتظار کرنا پڑا تھا اس لئے ان کی خفگی دور کرنے کی نیت سے سیدھا انتظار گاہ کی طرف ہی چلا گیا جہاں وہ دونوں خاصے اضطراب کے عالم میں براجمان تھے۔

ان کے ڈھیلے ڈھالے اور گہرے رنگوں کے لباس شکن آلود تھے جن پر واسکٹیں چڑھی ہوئی تھیں۔ سرخ و سفید چہروں کے اوپر ان کے سروں پر بڑی بڑی پگڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔ میرے مخاطب کرنے پر انہوں نے اپنی جگہ چھوڑی تو ان کے دیو ہیکل اجسام کے سامنے دفتر کے لوگ حقیر نظر آنے لگے۔

"تلاطم خان۔" ان میں سے باریش شخص نے کھردری آواز میں اپنا تعارف کرایا پھر اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "یہ امارا عم زاد محبت خان ہے۔"

میں نے ان دونوں سے نہایت گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کیا اور انہیں اپنے دفتر میں لے آیا۔

"خان برادر! آپ لوگ کیا کھانا پینا پسند کریں گے؟" میں نے ان کے رسوم و رواج کے مطابق کاروباری گفتگو شروع کرنے سے پہلے رسوم میزبانی ادا کرنے کی نیت سے پوچھا۔

"خوبرادر! ام نے ہوٹل میں روٹی کھالیا۔" باریش شخص نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آسودہ لہجے میں کہا "ابی ام کو ولایتی شراب مل جائے تو ملاقات کا مزہ آجائے گا۔"

باشرع نظر آنے والے اس شخص کی زبان سے ولایتی شراب کی بے حجابانہ فرمائش سن کر میں بھونچکا رہ گیا لیکن وہ حیرت کے اظہار کا کوئی موقع نہیں تھا۔ ہیروئن کی سودے بازی کے لئے ولایتی شراب سے بہتر کوئی اور مشروب نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے تحسین آمیز مسکراہٹ کے ساتھ تلاطم خان سے پوچھا "وھسکی' جن یا پھر واڈکا چلے گی؟"

"او خدا!" تلاطم خان الم زدہ آواز میں کراہا "افغانستان کے پہاڑوں سے کراچی آکر بھی تلاطم خان ووڈکا پئے تو لعنت ہے اس کے شوق پر۔" پھر وہ میز پر قدرے آگے جھک کر بولا "الحمدللہ کہ روسی سؤر افغانستان سے چلا گیا لیکن اب وہاں صرف ووڈکا ہی ملتی ہے۔ وہ اماری سرسبز فصلیں سمیٹ کر اپنی سرحدوں میں لے جاتے ہیں اور اپنے فالتو آلوؤں سے ووڈکا کشید کرکے ام لوگوں کو پلاتے ہیں۔ ابی تم ام کو وھسکی پلاؤ' کیوں خان برادر؟" آخری سوال اس نے محبت خان سے کیا تھا جو کسی مسکین کی طرح سرہلا کر رہ گیا۔

گورا' جو دنیا بھر کی شرابیوں کا باوا آدم سمجھا جاتا ہے وہ بھی دن کی اجالے میں وھسکی کے استعمال کو معیوب اور عادی شرابی کی نشانی قرار دیتا ہے لیکن افغانستان کی کنار ویلی کے مشرقی پہاڑوں سے آئے ہوئے وہ دونوں ندیدے مہمان دن دہاڑے وھسکی ہی پینے پر مُصر تھے۔

میں نے انٹرکام پر آپریٹر کو وھسکی اور سوڈے کے ساتھ تین گلاس بھجوانے کی ہدایت کی اور ان دونوں دلچسپ ملاقاتیوں سے غیررسمی گفتگو میں مصروف ہو گیا۔

ان دونوں کا تعلق جلال آباد کے مضافات میں دریائے سرخاب کے کنارے پر واقع بالا باغ کی بستی سے تھا لیکن افغانستان میں روس کی فوجی مداخلت کے خلاف عوامی تحریک مزاحمت شروع ہوتے ہی ان کی تمام عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ سرحد عبور کرکے پاکستانی علاقے میں پناہ گزین ہو گئیں اور سارے مرد ہتھیار سنبھال کر مجاہدین کے ساتھ جا ملے۔

اسی دوران میں تلاطم خان کی ملاقات کچھ ایسے لوگوں سے ہوئی جو زرخیز پہاڑی علاقوں میں محض افیون کاشت کر رہے تھے۔ وہ قناعت پسند لوگ تھے جو صرف قدرتی فصلوں سے اپنی روزی کما کر سکھ کی نیند سوتے تھے لیکن ان کے خریدار چھوٹی چھوٹی جگہوں میں کچھ آلات نصب کرکے افیون سے ہیروئن کشید کرنے میں مصروف تھے اور اس دھندے میں اندھا دھند پیسہ کما رہے تھے۔ ایسے لوگوں کی کمائیوں نے تلاطم خان کے دل میں بھی تلاطم پیدا کردیا اور وہ جہاد کی صعوبتوں کو خیرباد کہہ کر محبت خان کے ساتھ کنار ویلی کے کنارے کھڑے ہوئے پہاڑوں پر جا چڑھا۔

کچھ دنوں تک ہیروئن اور ہتھیاروں کے سودوں کی دلالی کرنے کے بعد ان دونوں نے اتنی رقم جوڑ لی کہ ہیروئن بنانے کا اپنا کارخانہ لگا سکیں۔ دلالی کے دنوں میں انہوں نے اس کاروبار کی اونچ نیچ کے بارے میں بہت کچھ سیکھ لیا تھا اس لئے ہیروئن سازی شروع کرتے ہی ان پر ہُن برسنے لگا۔

دوسری طرف ان کے گروپ کے رضا کار' ان دونوں بھگوڑوں کی تلاش میں تھے۔ جب تک تلاطم خان اور محبت خان گمنام دلالوں کے روپ میں پہاڑوں کے آر پار سرگرم عمل رہے'

کوئی ان کا سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکا لیکن ہیروئن کے ذریعہ دولت کمانے کے ساتھ ہی ان کی شہرت پھیلنے لگی اور ایک دن ان کے گروپ کے رضا کاران کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے' پہاڑوں میں ان کے ٹھکانے تک پہنچ گئے۔

وہ رضا کاران دونوں کو پکڑ کر دوبارہ محاذ پر لے جانے کے ارادے سے آئے تھے لیکن جب تلاطم خان نے آنے والوں کو جنگی مقاصد کے لئے ہزاروں ڈالر کی امداد کی پیشکش کی تو ان کی نیتیں ڈانواں ڈول ہو گئیں۔ افغانستان کے گلی کوچوں میں جاری تحریک مزاحمت کی طرف سے لڑنے والے پُرجوش مگر بے مایہ مردوں اور جوانوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ انہیں ایک آواز پر ہر علاقے سے مطلوبہ لڑاکا نفری مل جاتی تھی لیکن اس نفری کو ہتھیار' میزائل اور گولا بارود فراہم کرنے میں بے شمار دقتوں کا سامنا تھا۔ روسی فوجیوں سے چھینا ہوا اسلحہ ناکافی ہوتا تھا۔ وہ کہیں سے بھی پسپا ہوتے ہوئے اپنی ہر چیز چھوڑ کر چلے جاتے تھے لیکن گولا بارود اور ہتھیاروں کے ذخائر کو تباہ کرنا نہیں بھولتے تھے۔ سرحد پار سے آنے والی امدادی کھیپیں بھی' ہتھیاروں وغیرہ کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر رہتی تھیں۔

ان حالات میں مجاہدین کے سب سے بڑے محسن' جوش و جذبے سے عاری روسی فوجیوں کے وہ دستے تھے جو ڈالروں کی صورت میں بھاری رشوت کی پیشکش ملنے پر اپنے تمام ہتھیار اور اسلحے کے ذخائر جوں کے توں چھوڑ کر کسی طرف کوچ کر جاتے تھے اور پھر اپنے افسران کو اپنی شکست کی کوئی فرضی کہانی سنا کر مجاہدین کی دہشت میں اضافہ کر دیتے تھے۔ ان کے چھوڑے ہوئے ذخائر پر بعد میں مجاہدین کا قبضہ ہو جاتا تھا اور وہی ان کی سب سے بڑی سپلائی لائن تھی۔

لیکن ایسے بے ضمیر روسی فوجیوں کو خریدنے کے لئے ہر وقت ڈالروں کی ضرورت رہتی تھی جو مجاہدین کے لئے نایاب تھے۔ اس پس منظر میں تلاطم خان اور محبت خان کو اپنے عطیہ کی وجہ سے محاذِ جنگ پر واپس لوٹنے سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ جنگ کے مصائب سے تو ان کی گلو خلاصی ہو گئی لیکن مجاہدین نے ڈالروں کے لئے ان کا گھر دیکھ لیا تھا۔ مہینے' پندرہ دن میں مجاہدین کی کوئی نہ کوئی ٹولی کسی پیشگی اطلاع کے بغیر ان کے سروں پر نازل ہوتی اور ان کی ساری جمع پونجی سمیٹ کر لے جاتی۔

کمانے اور پھر کنگال ہو جانے کے اس کھیل میں وہ کافی دن پستے رہے۔ افغان علاقے میں مجاہدین کی دسترس سے بچنا ناممکن تھا۔ انہوں نے پاکستان کے قبائلی علاقوں کا رخ کرنا چاہا تو وہاں افیون کی فصلوں کے اجارہ دار نئے لوگوں کا وجود برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے۔ اس لئے وہ مجبوراً کنار ویلی ہی میں پڑاؤ ڈالے رہے۔

لیکن تلاطم خان کا خیال تھا کہ ان دنوں جنگ کا زور ٹوٹ جانے کی وجہ سے حالات سازگار ہو رہے تھے اور باہر سے کچھ مالی تعاون مل جانے پر وہ اپنی پیداوار میں کئی گنا اضافہ کر سکتا تھا۔

اس سلسلے میں جمرود کے قبائلی علاقے میں ایک سفید فام اطالوی اس سے ٹکرایا تھا۔ اس نے تلاطم خان کو کراچی پہنچ کر گوبھی کے پھول کے حوالے سے ٹریڈ لائن سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ صحیح رابطے کی پہچان کے لئے اسی اطالوی نے تلاطم خان کو کالے گلاب کے جوابی کوڈ سے آگاہ کیا تھا۔ جس کے نتیجے میں ہم تینوں اس وقت یکجا ہو کر شراب نوشی کر رہے تھے۔

وہ دونوں غیر ملکی وسکی سے اس بری طرح ترسے ہوئے تھے کہ سب سے پہلے انہوں نے نیٹ وسکی کے آدھے آدھے گلاس... غٹاغٹ اپنے معدوں میں اتار لئے۔

گلاس خالی کر کے تلاطم خان نے اپنی جھلملاتی ہوئی نمناک آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے میرا شکریہ ادا کیا تھا۔ میں ان کے ساتھ دوسرے پیگ میں شریک ہو سکا تھا جو مقدار اور ولایتی قاعدے کے مطابق ان کا پانچواں پیگ تھا۔ ان بلا نوشوں کے سامنے بوتل کا حال ابتر تھا کیونکہ وہ پہلے ہی ہلّے میں آدھی سے بھی کم رہ گئی تھی۔

"برادر! تلاطم خان دس لاکھ روپیہ خیرات میں نہیں مانگتا۔ پانچ سال تک اُم اپنا نخالص ہیروئن کا ایک گرام بی کسی اور کوئی دے تو ہم خنزیر کا بچہ۔ سارا مال تم لوگ کو دے گا۔ پانچ سال پورا ہو گا تو تمہارا پانچ لاکھ تم کو واپس کر دے گا۔ یہ امارا زبان ہے اور مسلمان کا زبان پکا ہوتا ہے۔"

"تم دس لاکھ کے پانچ لاکھ لوٹاؤ گے اور باقی پانچ لاکھ؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اوئے خانا! تم بات نہیں سمجھتا۔" تلاطم خان ہلکے سے مخمور کے عالم میں لہک کر بولا "یہ ایک لاکھ روپیہ سال اُم لوگ کا پرافٹ ہو گا۔ مال پر تم سے کون کافر کا بچہ پرافٹ کمائے گا؟"

"اور مال کے دام کیا ہوں گے؟" مجھے وہ شخص بہت دلچسپ نظر آ رہا تھا۔

"جو بازار کا دام ہو گا وہ ام تم سے لے گا۔" اس نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

"لیکن بازار کے دام میں تو دلّال اور دکاندار کا نفع بھی شامل ہوتا ہے' تلاطم خان!" میں نے احتجاج کیا۔

"ہوتا ہے' ہوتا ہے۔" وہ اپنی پگڑی کے نیچے انگلیاں ڈال کر سر کھجاتا ہوا بولا "مگر اس مال میں ملاوٹ ہوتا ہے۔ ام تم کو بالکل نخالص مال دے گا۔ بازار کا دام میں نخالص مال کوئی مائی کا لال نہیں دے گا۔"

وہ میری اور ان دونوں کی پہلی نشست تھی۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ سارے معاملات اسی پہلی ملاقات میں طے کر لئے جاتے۔ مجھے ان دونوں کی طرف سے خطرہ بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ اتنے ندید

ن سے پی رہے تھے کہ ان کی بڑی بڑی آنکھیں خونِ کبوتر کی طرح سرخ ہو چکی تھیں اور پپوٹے پتلیوں پر ڈھلکے جا رہے تھے۔

محبت خان اپنی خاموش طبعی کی وجہ سے پھر بھی محفوظ نظر آرہا تھا لیکن تلاطم خان کاروباری گفتگو کے اتار چڑھاؤ میں الجھا ہوا تھا۔ اس کے ہیجان آمیز' اضطراری ردِعمل سے مجھے یہ خوف لاحق ہونے لگا تھا کہ کہیں میری کسی بات پر وہ ہتھے سے ہی نہ اکھڑ جائے۔ وہ ایک بار بپھر جاتا تو اسے سنبھالنا خاصا دشوار ہو سکتا تھا۔

وہ دونوں نہایت مردانہ وار پی رہے تھے۔ اپنے تن و توش سے وہ دونوں ہی نہایت خوش خوراک بھی نظر آرہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی اعلان کیا تھا کہ وہ کھانا کھا کر آئے ہیں۔ حلق تک بھرے ہوئے معدوں میں وہ اتنی بے دردی کے ساتھ وھسکی انڈیل رہے تھے کہ میرے حساب سے 'ان کے معدوں میں کافی دیر پہلے ابال آجانا چاہئے تھا لیکن ان کے بشروں پر مستی یا بے چینی کا دور دور تک شائبہ بھی نہیں تھا۔ ان دونوں آتش فشانوں کے بیدار ہونے سے پہلے میں ان سے گلو خلاصی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے خوب صورتی کے ساتھ گفتگو کا رخ موڑ دیا۔

تلاطم خان نے میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد اسے مخاطب کیا۔ "تمہاری آج کی باتیں بہت کار آمد اور معلومات افزا ثابت ہوئیں۔ کم از کم مجھے یہ علم ہو گیا کہ تم ہمارے ساتھ کن شرائط پر کاروبار کرنا چاہتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ اگلی ملاقات میں ہم اپنا سودا طے کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ اتنی زیادہ پی لینے کے باوجود تلاطم خان کا ذہن پوری طرح چاق و چوبند تھا۔ میری بات سنتے ہی وہ ہتھیلیوں سے میز کا سہارا لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"برادر! ام جاتا ہے۔ تم بہت اچھا میزبان ہے۔ ام لوگ کل شام چار بجے ادر آئے گا۔"

"کل رات کا کھانا بھی تم میرے ساتھ کھاؤ گے۔" میں نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں آج ہی روکتا لیکن میرے پاس کچھ اور مہمان آنے والے ہیں۔"

اس دوران میں محبت خان کئی بار بوتل کو ندیدی نگاہوں سے دیکھ چکا تھا جس میں بہت تھوڑی سی اسکاچ باقی رہ گئی تھی۔ میں نے فوری طور پر اوپر سے ایک اور سربمہر بوتل منگوالی۔

"یہ میری طرف سے حقیر سا تحفہ ہے۔" میں نے پلاسٹک کے تھیلے میں پڑی ہوئی بوتل تلاطم خان کے حوالے کرتے ہوئے خوش اخلاقی کے ساتھ کہا۔

میں ان دونوں کو چھوڑنے اوپر تک آیا۔ وہ صدر کے کسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور ٹیکسی کے ذریعے وہاں تک آئے تھے۔ اس وقت وہ دونوں کیف و سرور کے ایسے عالم میں تھے کہ انہیں کسی ٹیکسی ڈرائیور کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا اس لئے میں نے ٹریڈ لائن کے ایک ڈرائیور کو انہیں اُن کے ہوٹل تک پہنچانے پر مامور کر دیا۔

انہیں روانہ کر کے میں نیچے آیا تو حبیب جیوانی کے دروازے پر روشن سرخ بلب میرا منہ چڑا رہا تھا۔ میں نے اپنے کمرے میں آکر ہاٹ لائن کا ریسیور اٹھایا اور کافی دیر تک اسے اپنے کان سے لگائے بیٹھا رہا لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر مایوس ہو کر ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔

غالباً حبیب جیوانی دفتر چھوڑ کر خفیہ راستے سے اپنے گھر روانہ ہو چکا تھا۔

مجھے ان دونوں کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے کافی وقت گزر گیا تھا اس لئے وہ شاید تنہائی سے اکتا کر واپس چلا گیا تھا لیکن میرے لئے اُس کی روانگی حیران کن تھی کیونکہ وہ کئی بار اپنی بحفاظت واپسی کے لئے میرے تعاقب کرنے پر اصرار کر چکا تھا۔

اس پیہم اصرار کے بعد حبیب جیوانی کا یوں اچانک اور اکیلے ہی گھر روانہ ہو جانا میرے لئے ناقابلِ فہم تھا۔ مجھے یہ بھی پتا نہیں تھا کہ وہ دفتر سے کس وقت نکلا تھا اور براہِ راست اپنے بحفاظت پہنچنے یا اس نے اپنے تعاقب کا اندازہ لگانے کے لئے کسی اور راستے کا رخ کیا تھا... دوسری بات یہ تھی کہ اس نے میلان سے گفتگو کرتے وقت دفتر میں موجود رہنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن تین بجنے سے پہلے ہی دفتر چھوڑ کر کہیں نکل کھڑا ہوا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ اس کی آمد و رفت کے بارے میں' میں دفتر کے کسی رکن سے کوئی پوچھ گچھ بھی نہیں کر سکتا تھا ورنہ اس کی رازدارانہ آمد و رفت سے میری واقفیت کا راز فاش ہو سکتا تھا۔

جھلاہٹ اور غصے کے عالم میں مَیں نے اپنے ڈائریکٹ فون پر حبیب جیوانی کے گھر کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے اس نے خود ہی کال وصول کی تو میری کھوپڑی بھنا کر رہ گئی۔

"تمہیں تو میرے ساتھ دفتر سے نکلنا تھا۔ تم گھر کب پہنچ گئے؟"

"تمہاری میٹنگ لمبی ہو گئی تھی اس لئے میں نے اپنا ارادہ بدل لیا۔" اس کی بے پروایانہ آواز ابھری۔ "میں نے سوچا کہ تعاقب کرنے والے نے پچھلے دنوں میں میرا کیا بگاڑ لیا ہے جو وہ مجھے اب نقصان پہنچا سکے گا۔ اسی خیال کے تحت میں نے دفتر سے نکل کر گھر کی سیدھ باندھی اور یہاں آگیا۔ لیکن سارے راستے غور کرنے کے باوجود میں اپنے پیچھے کسی مشتبہ کار' ٹیکسی یا موٹر سائیکل کا وجود دریافت نہیں کر سکا۔"

"چلو اچھا ہوا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر چہرے رخی سے کہا "اب تین بجنے والے ہیں۔ میلان والی فون کال کا کیا بنے گا؟ تم اس وقت موجود رہنا چاہ رہے تھے۔"

"اس پروگرام کو بھی منسوخ سمجھو۔ وہ اس وقت کی باتیں تھیں جب تم میرے بدترین شبہات کی زد میں آئے ہوئے تھے۔ اب تم خود ہی رنگ کر کے پیغام ریکارڈ کر لینا۔ اور ہاں وقت کے

بارے میں ذرا تصحیح کرلو۔ جس وقت میلان میں دن کا ایک بجا ہوگا تو یہاں ... رہے ہوں گے۔ تمہیں میلان کے وقت کے مطابق ایک بجے کال کرنی ہے۔"

"... سے خدا سمجھے۔" میں نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں کہا اور بے بسی کا ایک گہرا سانس لے کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

وہ برا بھلا، جیسا بھی تھا، بہر حال مافیا کا چیف تھا اور اپنے فیصلوں کے لئے کسی سے اجازت لینے کا پابند نہیں تھا۔ میرے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ میں اس کے دل میں جاگزیں شبہات زائل کر کے اس کی نگاہوں میں اپنی پوزیشن بحال کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

اس کے سامنے میری رام کہانی صرف اس لئے چل گئی تھی کہ اس وقت سینڈو حقائق کی تصحیح یا اپنی صفائی کے لئے اس دنیا میں موجود نہیں تھا اور میں نے حقائق کو توڑ مروڑ کر حبیب جیوانی پر اپنی بے گناہی ثابت کردی تھی ورنہ سچی بات یہ تھی کہ اس نے مریم اور سینڈو کے بارے میں براہِ راست میری دُکھتی رگ پر ہاتھ ڈالا تھا اور اگر مجھ سے ذرا بھی کوتاہی ہوئی ہوتی تو وہ ... دفتر ہی میں میرا خاتمہ کردیتا۔

اس وقت چار بجنے میں کافی دیر باقی تھی، اس لئے میں۔ نے فون پر آول خان سے تبادلۂ خیال کرنے کا فیصلہ کر کے اس کا نمبر ملا لیا۔

"ہندوستانی اپنے بچھائے ہوئے جال میں خود ہی بری طرح پھنس گئے ہیں۔" رسمی سلام دعا کے بعد وہ خوشی سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا "ان کی مثال نگلے تو اندھا اور اگلے تو کوڑھی والی ہوگئی ہے۔ وہ فوجی مہم جوئی کا اعتراف کرتے ہیں تو عالمی نفرت و تنقید کا نشانہ بن کر رہ جائیں گے جس سے ان کی سیاسی ساکھ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔ انکار پر اڑے رہتے ہیں تو انہیں اپنے قیدیوں کی واپسی کے مطالبے سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ یہاں کی سرسری سماعت کی عدالتیں واضح ترین شہادتوں کی بنا پر دو چار ہی روز میں ان سب کو سولی لگوادیں گی اور سزایاب ہونے والوں کے لواحقین ہندوستان میں ایک قیامت برپا کردیں گے۔"

اس کی بات بالکل درست تھی کیونکہ پاک و ہند کے روایتی معاشروں میں مشترکہ خاندان کے مضبوط بندھن کی وجہ سے غریب اور متوسط طبقے میں ہر کمانے والے کے براہِ راست لواحقین کا تناسب آٹھ سے دس افراد کا تھا جن میں خواتین اور اولادوں کے ساتھ ہی بوڑھے والدین کا بھی شمار ہوتا تھا۔ اس طرح پاکستان کی سرزمین پر ہلاک اور گرفتار ہونے والے بھارتی فوجیوں کے لواحقین کی تعداد کسی طرح بھی چار پانچ ہزار سے کم نہیں بنتی تھی۔ اپنے کسی عزیز کی موت کے سوگ میں بے حال افراد کی اتنی بڑی تعداد کسی بھی مہذب حکومت کے لئے ایک سنگین خطرہ بن سکتی تھی اور ہندوستانی حکومت نئی دہلی میں ان کے مظاہرے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

"پھر اخباری اطلاعات سے آگے کیا ہو رہا ہے؟" میں نے اشتیاق آمیز لہجے میں پوچھا۔

"ہندوستان کے ابتدائی اعلان کے ساتھ ہی زبردست سیاسی اور سفارتی سرگرمیوں کا آغاز ہوگیا ہے۔ عالمی رسوائی سے بچنے کے لئے وہ اس موضوع پر کسی بھی سطح کے مذاکرات منعقد کرانے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں تاکہ اس معاملے کی زیادہ تشہیر کئے بغیر اسے یہیں دبا دیا جائے جب کہ حکومتِ پاکستان ہر غیر ملکی نامہ نگار اور فوٹو گرافر کو گدر اپہنچانے میں پوری فراخ دلی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ کیوبا کی خبر رساں ایجنسی کے نمائندے ایک بار پھر اُدھر جا سکتے ہیں۔"

میری بات پر آول خان نے خلافِ عادت بڑا جاندار قہقہہ لگایا تھا۔

"معاملہ کھل جانے کے بعد، ہمارے ساتھ جانے والی ٹیم پر سے بھی اس موضوع پر قلم بندی کی پابندیاں اٹھالی گئی ہیں۔ کل کے بڑے اخبارات دھماکا خیز خبروں اور فیچرز سے بھرے ہوئے ہوں گے۔"

"ہندوستانی جرنیل اور سیاسی رہنما بہت چالاک ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لڑائی کے میدان میں ہاری ہوئی جنگ کو مذاکرات کی میز پر جیتنے کی کوئی راہ نکال لیں۔" میں نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔

"ہم لوگ قومی مسائل پر جذباتی انداز میں سوچتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ جو لوگ ہمارے قومی مفادات کے نگہبان ہیں وہ ہم سے زیادہ نہ سہی تو ہمارے جتنے محبِ وطن ضرور ہیں۔ اس معاملے کی تشہیر ہندوستانی مفادات کے خلاف سب سے بڑی زک ہے اور حکومتِ پاکستان کے تمام ادارے، اس واقعے کی عالمی تشہیر کے لئے مؤثر ترین کارروائیاں کر رہے ہیں۔ تم کو یہ بھی بتا تا چلوں کہ پاکستان کو رام کرنے کے لئے ہندوستانی ہوم ڈیپارٹمنٹ نے یک طرفہ طور پر، ہندوستان کی مختلف جیلوں میں قید ان سیکڑوں پاکستانیوں کو فوری طور پر رہا کرنے کا اعلان کردیا ہے جو ویزا ختم ہوجانے کے باوجود وہاں قیام کرنے کے جرم میں سزایاب ہوئے ہیں یا ویزا کے بغیر مختلف شہروں کی سیاحت کرتے ہوئے پکڑے گئے تھے لیکن ان کی یہ چھوٹی موٹی چالیں کامیاب نہیں ہوسکیں گی۔"

"تم کیوبا کے اخبارات کو اپنی رپورٹ کب بھیج رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"تم فکر نہ کرو، اب اخبارات میں کیوبا کے نامہ نگاروں کے بارے میں کچھ نہیں لکھا جائے گا۔ آئی ایس پی آر نے سینئر رپورٹروں کو ... کے بارے میں مؤثر طریقے پر بریف کردیا ہے۔"

"اور آج رات گھوڑا گریک پر دوسرا آپریشن ... والا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"اسے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ مجھے اڑتی اڑتی ...

خبریں ملی ہیں کہ گہرے پانیوں میں الحدید پر کوئی کارروائی کی گئی ہے جس کے نتیجے میں اس کے ریڈیو روم اور نیوی گیشن کنٹرول پر بحریہ کے افسران قابض ہو چکے ہیں اور الحدید کو گن بوٹس کے محاصرے میں ساحل کی طرف لایا جا رہا ہے۔"

"پھر تو گھوڑا کریک کی طرف دوڑ لگانا بے سود ہی ثابت ہوگا۔" اس خبر پر میرا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔

"اول تو یہ خبر غیر مصدقہ ہے۔ پھر اگر یہ درست بھی ہو تو ساری کارروائی الحدید کے عملہ تک محدود ہے۔ ساحل پر اس کی آمد کا انتظار کرنے والوں کو اس کے مقدر کا علم نہیں ہو سکا ہوگا۔ ان لوگوں سے جھڑپ ہونی ناگزیر ہے۔ قاسم اور اس کے مزدوروں کے علاوہ ہیری کیسنجر نے مال کی حفاظت کے لئے مسلح نفری کا بندوبست ضرور کیا ہوگا۔ ان سے ٹکرائے بغیر الحدید پر قبضہ کی کارروائی مکمل نہیں ہو سکے گی۔"

"ٹھیک ہے' پھر دس بجے میں اسٹیشن فور پر تمہارا انتظار کروں گا۔ آج رات وہاں راز داری کے تحفظ کے لئے سخت حفاظتی انتظام کیا ہے لیکن تم گیٹ پر بلیک ہاک کا کوڈ ادا کر کے بلا روک ٹوک اندر داخل ہو سکو گے۔ میرا خیال ہے کہ سلطان شاہ بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔"

"وہ تو آج کل میرا ہمزاد بنا ہوا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

اس سے باتیں کرتے ہوئے میری نگاہیں بار بار وال کلاک کا جائزہ لے رہی تھیں۔ چار بجنے میں دس منٹ پر میں نے اس سے اپنی گفتگو ختم کر دی۔

وہ ایک عجیب و غریب فون کال تھی۔ حبیب جیوانی کی ہدایت کے مطابق' سلسلہ مل جانے پر مجھے صرف ایک سہ لفظی فقرہ ادا کرنا تھا۔ ڈبل ڈی ڈیل کے الفاظ میں دوسری طرف والے کے لئے غالباً کوئی شناخت پوشیدہ تھی اس لئے مجھے پہچانتے ہی وہ بولنا شروع کر دیتا۔ اس کا پورا پیغام مجھے حبیب جیوانی کے لئے مقناطیسی فیتے پر ریکارڈ کر لینا تھا۔ میرے کمرے میں فون کال ریکارڈر منسلک تھا۔ میں نے اس کے تار ٹیلی فون لائن سے جوڑے۔ آن آف کر کے اس کی کارکردگی چیک کی اور اطمینان سے ایک سگریٹ ختم کرنے کے بعد میلان کے نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

اپنے فون سے ڈبل زیرو ڈائل کر کے بین الاقوامی سرکٹ پر لینے کے لئے مجھے تین بار کوشش کرنی پڑی لیکن ایک بار بین الاقوامی رابطہ ہوتے ہی اٹلی اور میلان کے کوڈ کے ساتھ ہی میرا مطلوبہ نمبر پہلی کوشش میں مل گیا اور دوسری طرف گھنٹی بجنا شروع ہو گئی۔

تیسری گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا اور میرے کانوں میں غرّاتی ہوئی ہیلو گونج اٹھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا نہایت خود سر اور بد دماغ آدمی تھا۔ اس کی غراہٹ سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس کی فطری آواز نہیں تھی بلکہ اس نے دانستہ بد تمیزی کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ مُدر مافیا کے کسی بڑے آدمی یا اس کے کسی حواری کا فون نمبر تھا اس لئے میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"ڈبل ڈی ڈیل!" میں نے جذبات سے عاری لہجے میں مقررہ کوڈ ادا کیا اور اسی کے ساتھ ٹیلی فون کال ریکارڈر کا سوئچ آن کر دیا۔

مقناطیسی فیتہ چل پڑا۔ میں نے ریکارڈر سے منسلک اسپیکر آن کر کے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ کال ریکارڈ ہونے کے ساتھ ہی اسپیکر پر ایک ناقابلِ فہم' جناتی زبان میں تقریر شروع ہو گئی جس کا کوئی بھی لفظ میرے لئے قابلِ فہم نہیں تھا۔ میں جرمن' اطالوی اور فرنچ زبانوں سے واقف نہیں تھا لیکن ان کے بعض الفاظ کی انگریزی سے صوتی مماثلت کی بنا پر یہ اندازہ ضرور لگا سکتا تھا کہ کون سی زبان بولی جا رہی تھی۔

لیکن میلان سے دیئے جانے والے پیغام کا کوئی لفظ یا صوتی آہنگ ایسا نہیں تھا جس کی بنا پر میں بولی جانے والی زبان کا اندازہ لگانے میں کامیاب ہو سکتا۔

وہ پیغام بلا کسی توقف' کئی منٹ تک جاری رہا پھر دوسری طرف سے یکلخت سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ میں نے مشین آف کر کے اس میں سے کیسٹ نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

میری نگاہ میں وہ پیغام یقیناً کسی خاص اہمیت کا حامل تھا۔ غلام رسول کی ذات میں مافیا والوں کی غیر معمولی دلچسپی کی وجہ سے وہ پیغام میرے لئے اور زیادہ اہمیت حاصل کر گیا تھا۔

وہ کوئی معمول کی بات ہوتی تو اشاراتی زبان کے بجائے عام فقروں کی صورت میں براہِ راست مجھے یا حبیب جیوانی کو بتائی جا سکتی تھی۔ اس پیغام میں کوڈ ورڈز کا استعمال اس حقیقت کا غماز تھا کہ اس کی ترسیل کے لئے مجھے اور حبیب جیوانی کو نادانستگی میں آلۂ کار بنایا جا رہا تھا۔

اس مسئلے پر میں نے جتنا غور کیا اسی قدر میرا یہ خیال راسخ ہوتا چلا گیا کہ وہ پیغام درحقیقت میرے یا حبیب جیوانی کے لئے نہیں تھا بلکہ ہمارے ذریعے کسی تیسرے فرد تک پہنچانا مقصود تھا۔ اور وہ تیسرا شخص نہ صرف اس اشاراتی زبان سے واقف تھا بلکہ اس پیغام کے مضمرات کو بھی بخوبی سمجھ سکتا تھا۔

دنیا کے مختلف ممالک اور تنظیموں میں رائج زبانوں کے بارے میں میری معلومات ناکافی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ موقع ملنے پر اول خان خود یا اپنے فوجی دوستوں کی مدد سے اس راز کی عقدہ کشائی کر سکتا تھا۔ اسی خیال کے تحت میں نے وہ کیسٹ دفتر میں چھوڑنے کے بجائے اپنے ساتھ لیا تھا۔ ویسے بھی حبیب جیوانی نے کیسٹ ساتھ لے جانے یا دفتر میں چھوڑنے کے بارے میں مجھے کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔

وہ پیغام ریکارڈ کرنے کے بعد میرے لئے دفتر میں کوئی کام باقی

نہیں رہا تھا اور مجھے ویسے بھی رات کو درپیش الحدید والے معاملے کی تیاری کرنی تھی اس لئے میں نے دفتر سے روانہ ہونے کا فیصلہ کرلیا۔

دفتر سے اٹھتے اٹھتے مجھے یاد آیا کہ سینڈو کی موت کے بعد میرے اور مافیا کے ماتحت عملے کے درمیان ایک سنگین انتظامی خلا پیدا ہوچکا تھا جس کو فوری طور پر پُر کرنا ناگزیر تھا۔ میں نے اس معاملے پر حبیب جیوانی سے بھی بات کی اور اس نے وہ معاملہ مکمل طور پر میری صوابدید پر چھوڑ دیا تھا۔

سینڈو کی زندگی میں میں نے کبھی بھی ناقدانہ انداز میں اس کے عملے کی کارکردگی کا جائزہ نہیں لیا تھا اس لئے نئی تقرری کے بارے میں میرے پاس صلاحیت اور کارکردگی کا کوئی پیمانہ نہیں تھا۔ میرے سامنے لے دے کر شیر شاہ کا ہی نام تھا جو سینڈو کے بعد سب سے سینئر تھا۔

میں نے فوری طور پر اسی کو اپنے دفتر میں طلب کیا۔ وہ شاید پہلے ہی سے اس طلبی کی توقع کئے بیٹھا تھا اس لئے فوراً وہ میرے دفتر میں آموجود ہوا۔

وہ چھریرے بدن کا ایک دراز قامت آدمی تھا۔ اس کے بشرے اور چمک دار آنکھوں سے ذہانت جھلک رہی تھی۔ اس کا چہرہ زخموں کے نشانات سے بالکل صاف تھا جب کہ اس قماش کے لوگوں میں پرانے زخموں کے نشانات سے سجا ہوا چہرہ ایک اضافی صلاحیت شمار کیا جاتا ہے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ سرحد کے بجائے یوپی کے پٹھانوں میں سے تھا۔

وہ آیا اور میرے مقابل دونوں ہاتھ اپنے سینے پر باندھ کر کھڑا ہوگیا۔

اس کی بڑی بڑی چمک دار آنکھیں میرے بجائے میز کی سطح پر مرکوز تھیں۔ اس کے چہرے پر چھائے ہوئے حزن وملال کا اندازہ لگانے کے لئے کسی خاص مہارت کی ضرورت نہیں تھی۔ شاید اسے سینڈو کے سفاکانہ قتل سے گہرا دلی صدمہ پہنچا تھا۔ اپنے ساتھی کی موت پر اس کا وہ ردعمل قطعی فطری تھا۔

وہ سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے تھے۔ جب تک سینڈو زندہ تھا تو چیف کی ناک کا بال بنا ہوا تھا۔ مافیا کے ہر کام میں اس کا کلیدی کردار ہوا کرتا تھا لیکن اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس کے برسوں پرانے رفقا اس سے آنکھیں پھیر کر اس کے مردے کو لاوارث چھوڑ دینے پر مجبور ہوگئے تھے۔ ایسے ہر واقعے پر ان لوگوں کو اپنا ہولناک مستقبل نظر آنے لگتا تھا۔ زیر زمین دنیا میں صرف فطری موت ہی لوگوں کو باعزت تجہیز و تکفین سے ہم کنار کرتی تھی اور دوست، رشتہ دار جنازے کو کندھا دے کر قبر پر تین مشت مٹی بھی ڈال دیتے تھے لیکن ایسا کم ہی ہوتا تھا۔ زیادہ تر جرائم پیشہ افراد باہمی رقابتوں میں ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے جاتے تھے یا کسی سنگین جرم میں سزایاب ہوکر پھانسی کے پھندے پر لٹک جاتے تھے یا پوری عمر جیل کے عقوبت خانوں میں سڑتے رہتے تھے۔

ان لوگوں کی دانست میں سینڈو نے اپنی تنظیم کے مفادات کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی لیکن اس کے مرتے وہ مافیا اس سے کنارہ کش ہوگئی تھی۔ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ان پر بھی ایسا برا وقت آسکتا تھا جب ان کے لئے ہر ایک بیگانہ بن سکتا تھا۔ زندگی میں انسان ہر ایک کی بے رخی اور بے اعتنائی کو مردانہ وار جھیل جاتا ہے لیکن موت کے بعد بے یار و مددگار رہ جانے کا ہولناک احساس انسان کو زہریلے ناگوں کی طرح ڈسنے لگتا ہے۔

مجھے اس کے بڑھتے ہوئے ذہنی انتشار کا بخوبی اندازہ تھا اس لئے میں نے نرمی کے ساتھ اسے بیٹھنے کی پیشکش کی جو اس نے ممنون نگاہوں کے ساتھ قبول کرلی۔

"سینڈو کے بارے میں تم لوگوں نے کیا سوچا ہے شیر شاہ خان؟" میں نے اس کے تاثرات کا بغور جائزہ لیتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں سوال کیا۔

یک بیک اس کی اداس آنکھوں میں نمی سی تیر گئی اور وہ دل گرفتہ آواز میں گویا ہوا "وہ ہمارا دوست، باپ اور سب کچھ تھا باس۔ ہماری ذرا ذرا سی تکلیف کو اپنا دکھ سمجھ کر، ہمارے لئے بے چین ہوجاتا تھا۔ آج کسی درندہ صفت دشمن نے اسے مار دیا ہے تو ہم اس کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتے، اسے اپنے ہاتھوں سے مٹی بھی نہیں دے سکتے۔ جب بھی ایسا کوئی سانحہ ہوتا ہے تو ہمارے دلوں پر ایسی ہی قیامت گزر جاتی ہے۔" اس کے الفاظ اس کی اردو دانی کے مظہر تھے۔

"لیکن تمہیں اندازہ ہوگا کہ ہماری اور تمہاری کیا مجبوریاں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"سب معلوم ہے باس۔ اسی لئے ہم اپنے دلوں پر صبر کی سل رکھ کر بیٹھ گئے ہیں۔ مرنے والے کے ساتھ سارے زندہ لوگ دفن نہیں ہوجایا کرتے۔ ہماری خود غرضی اور سلامتی کا تقاضا ہے کہ ہم سینڈو کو ایک خواب سمجھ کر اپنے ذہنوں سے کھرچ کر پھینک دیں۔ تم حکم دو۔ مجھے کیوں طلب کیا ہے؟"

"سینڈو کی موت سے اس کا سارا بوجھ تمہارے شانوں پر آپڑا ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "تمہیں حوصلے سے کام لے کر نہ صرف اپنے ساتھیوں کو سنبھالنا ہے بلکہ کام کا بوجھ بھی اٹھانا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میری ذات سے کسی کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ہم سینڈو کے لئے کچھ نہیں کرسکتے لیکن کل تم اس کے ایصال ثواب کے لئے فاتحہ خوانی کرا دینا۔ اخراجات کی ساری رقم دفتر سے ادا کی جائے گی۔ اس کے بال بچے ہوتے تو میں ان کی اشک سوئی کی بھی کوشش کرتا لیکن قدرت نے اسے سدا اکیلا رکھا تھا۔ مرنے کے بعد بھی وہ بالکل تنہا ہے۔"

مرے چند بے تکلے جذباتی فقروں نے شیر شاہ خان کو بچوں کی
پھوٹ پھوٹ کر رونے پر مجبور کر دیا اور میں اسے تسلی دینے
لئے اپنی کرسی چھوڑ کر اس کے برابر میں جا بیٹھا

یدہ ہوا شیر شاہ خان، وہ انسانوں کے اس سفاک اور بے
قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے مقاصد اور مفادات کے
کے لئے، کسی بھی جیتے جاگتے انسان کو سرد مہری کے ساتھ
ی بھیانک اور سرد وادیوں میں دھکیل دیتا ہے۔ ان کے لئے
دیفوں یا باغی حلیفوں کا خون بہانا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔
بھر دو سروں کو خاک و خون میں نہلانے والے ان بھیڑیوں کو
بالادست زندگی ایک سراب کی طرح حسین اور پرکشش نظر
رہتی ہے لیکن جب قزاقِ اجل دبے قدموں پیش قدمی کر کے
ی منوں پر شب خون مارتا ہے تو اپنے ساتھیوں کے چہروں پر
ہوئی موت کی بھیانک زردی اس سراب کی حقیقت، کو ننگا
ے ان کی نظروں کے سامنے کھلا اشتہار بنا دیتی ہے۔ بے بسی
ان لمحات میں یہ خون خوار بھیڑیے، الم رسیدہ بھیڑوں کی طرح
ڑ کر رونے اور ممیانے لگتے ہیں۔ لیکن بہت جلد وقت ان کے
وں کو دھندلا دیتا ہے اور یہ ایک بار پھر حقیقت کو بھول کر
ب کے پیچھے بھاگنے لگتے ہیں۔

مجھے معلوم تھا کہ شیر شاہ پر طاری ہونے والی رقتِ قلب کی وہ
ت عارضی تھی۔ دو چار روز میں ہی اسے وہ سب بھول کر اپنی
ماحول میں آ جانا تھا مگر میں پھر بھی اس کی دل جوئی کرتا اور
، سمجھاتا رہا۔ جب اس کے دل کا غبار ذرا ہلکا ہوا تو وہ اپنی
میں ٹھنک کرتا ہوا باہر چلا گیا۔

میں نے بھی فوری طور پر دفتر چھوڑ کر گھر کا راستہ لیا جہاں
ا میری منتظر تھی۔

ن دنوں میں غزالہ کے ساتھ موجود ہوتا تھا، اس زمانے میں
، معمولات میں خاصی بے اعتدالی سرایت کر جاتی تھی۔
ما دیر سویرے سونا اور بیدار ہونا سرِ فہرست تھا۔ اس روز
ہوا کہ وہ دیر تک سوتی رہی۔ میں خود ہی ناشتے وغیرہ سے
ر کر بازار سے اخبارات خرید تا ہوا ٹریڈ لائن کے دفتر پہنچ

ار افلیٹ مستقل طور پر آباد نہیں رہتا تھا اس لئے وہاں اخبار
ں آتا تھا اس فرض کی ادائیگی کے لئے سلطان شاہ کو ہر
ٹ سے اتر کر چوراہے تک چہل قدمی کرنی پڑتی تھی۔ اس
طان شاہ بھی اپنے کمرے میں سوتا رہا تھا اس لئے ان لوگوں
باری اطلاعات پر سرے سے بات ہی نہیں ہو سکی تھی۔
لیٹ میں داخل ہوتے ہی وہ دونوں پرتجسس انداز میں مجھ پر
ٹ پڑے تھے۔

اب تو سب کچھ اخبارات میں آگیا اب کیا ہو گا؟" غزالہ
رتے ہی سوال کیا تھا۔ ہیجان اور تجسس کے باعث اس کی

حالت غیر ہوئی جا رہی تھی، جیسے کسی بھی لمحے کھلی جنگ کا آغاز
ہونے والا ہو۔

"رام اپنی مُرلی پر سنگیت کی دھرتانیں اڑائیں گے اور سیتا
دیوی ان تانوں پر بے سُدھ ہو کر رام کے چرنوں میں ناچیں گی۔
سیتا دیوی کی پائل کی جھنکار رکنے پر دلیپ ہڑبڑا کر اپنی مُندی ہوئی
آنکھیں کھولیں گے تو انہیں پتا چلے گا کہ ان کی خود فراموشی سے
فائدہ اٹھا کر راون، سیتا دیوی کو اٹھا لے بھاگا ہے۔" میں نے کپڑے
اور جوتے اتار کر کمرے میں اِدھر اُدھر پھینکتے ہوئے کہا

"خدا کی پناہ!" حیرت سے غزالہ کی آنکھیں اس کی پیشانی پر
جا چڑھیں۔ "تم کس قدر روانی کے ساتھ بے سروپا باتیں کر لیتے
ہو؟ اگر کسی متعصب ہندو نے تمہاری یہ بکواس سن لی تو تمہاری
کھال کھینچ لے گا۔"

"بکواس نہیں، یہ سب دیومالائی تاریخ کی باتیں ہیں۔ رام بن
بن میں مُرلی بجاتے گھوما کرتے تھے۔ سیتا دیوی اپنے حسن و جمال
سے پوری دنیا کو مسحور کرنے کے لئے رقص کرنے کی شوقین تھیں
اور راون سدا کا راون ہی تھا۔" میں نے غسل خانے کے
دروازے پر رک کر کہا "غصہ دیوی دیوتاؤں کی توہین پر آتا ہے۔
کھری اور سچی باتیں کہہ کر تو کنور مہندر سنگھ بیدی بھی لاکھوں
مسلمانوں سے داد لے کر چلے جاتے ہیں۔"

سلطان شاہ نے اونچی آواز میں کچھ بولنا شروع کر دیا تھا مگر میں
نے دروازہ بند کر کے لباس اتارا اور فوری ہی شاور کی تیز دھار میں

کھول دیں۔

میں نہانے دھونے اور تیار ہونے کے بعد اپنے کمرے سے باہر نکلا تو ٹی کوزی کے نیچے رکھی ہوئی چائے دانی سے اشتہا انگیز بھاپ اپنا راستہ بنا کر ڈرائنگ روم کو مہکا رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ دونوں مجھ پر اپنے نکیلے سوالات کی چاند ماری کا آغاز کرتے، میں نے پہلے ہی اپنی پوزیشن صاف کر دی۔ "میری معلومات اخباری اطلاعات سے ذرا بھی زیادہ نہیں ہیں۔ گدرا کے مضافات میں جو کچھ ہوا یا ہم نے دیکھا، اس کے بارے میں سلطان شاہ مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔"

"میں نہیں مان سکتی۔" غزالہ نے ٹی کوزی ہٹا کر پیالیوں میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا "تم نے اس بارے میں اول خان سے ضرور بات کی ہوگی۔ اس نے تمہیں ان خبروں کے علاوہ بھی بہت کچھ بتایا ہوگا۔"

"اوہ!" میں نے اسے چڑانے کے لئے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے حیرت سے کہا "آج چائے کی خوشبو بہت عمدہ اور اشتہا انگیز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کوئی نیا برانڈ استعمال کیا ہے۔"

وہ امورِ خانہ داری میں اس کی بالواسطہ تعریف تھی اس لئے وہ لحہ بھر کے لئے گدرا اور اول خان کو فراموش کر بیٹھی اور ہنستے ہوئے بولی "آج بازار سے سلطان شاہ کی فرمائش پر ایک نئے برانڈ کی چائے لی ہے۔ شاید اسے چائے کے اشتہار میں آنے والی ناچتی اور گنگناتی ہوئی لڑکی پسند آگئی ہے۔"

میں نے ایک فراخ دلانہ قہقہہ لگایا "شاعر تو رخسار کے ایک تل کے لئے پوری محبوبہ کو برداشت کر لیتے ہیں لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہے۔ سالم لڑکی پسند کر کے صرف چائے پر گزارہ کرنا کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ اب جلد ہی سلطان شاہ کو بھی اپنا گھر آباد کرنا ہے۔ تم اسے سمجھاؤ کہ اب نابالغوں والی حرکتیں اسے زیب نہیں دیتیں۔ عورتوں کے زیرِ جاموں سے غلیلیں بنانے والے ساری عمر لنڈورے ہی پھرتے رہتے ہیں۔"

"بعض اوقات تم بہت گھٹیا زبان استعمال کرنے لگتے ہو۔" سلطان شاہ نے تلخ لہجے میں کہا "پہلے اول خان کی بات کو چائے کی خوشبو پر لے اڑے اور اب واہیات غلیلیں یاد آ رہی ہیں۔"

ان دونوں کو اچھی طرح زچ کر لینے کے بعد میں نے انہیں اول خان سے حاصل ہونے والی معلومات سے آگاہ کیا تو قومی سرخروئی کے احساس سے ان کے چہرے دمک اٹھے۔

"کامیابی پر تمہاری طرح خوش ہونے والے لاکھوں بلکہ کروڑوں محب وطنوں کی طرح چند ایسے غدار بھی ہیں جو چمکتے دمکتے ہوئے چہروں پر ناامیدی کی کالک مل دیتے ہیں۔ اور ان ہی میں غلام رسول کا بھی شمار ہوتا ہے۔" میں نے مایوسانہ اور تلخ لہجے میں کہا "وہ ہمارے ہر دشمن کا دوست بنا ہوا ہے اور وہ اس کی ہم... میں کھلے جا رہے ہیں۔"

"لیکن غلام رسول تو اب اسپیشل سیل کی تحویل میں ہے۔ اس وقت وہ تمہیں کیسے یاد آ گیا؟" غزالہ نے معصومانہ ... کے ساتھ سوال کیا "دنیا کی کوئی طاقت اسے اسپیشل سیل سے ... نہیں کرا سکتی۔"

"وہ بات اپنی جگہ پر ہے لیکن یہ بات کتنی شرمناک ہے ... اب مافیا بھی ملا سرکار کے اس گرگے کو اپنا ٹاؤٹ بنا... میں سوچ رہی ہے۔ قومی سطح کے ایک بگلا بھگت لیڈر ... کا یہ تصور ہی میرے لئے سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔ مزے کی بات ہے کہ مافیا کی طرف سے غلام رسول کی مدد کرنے کا کام بھی مجھ... سونپا گیا ہے۔"

"اسے بھول جاؤ دوست!" سلطان شاہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "اپنے دل کو اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کے روگ لگاتے رہو گے تو تمہارے لئے زندہ رہنا دشوار ہو جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ سینڈو کے قتل کا مافیا کے ہاضمہ پر کیا اثر پڑا ہے؟ میں آج اس بارے میں بہت زیادہ فکرمند رہا ہوں۔"

"مافیا چیف نے واقعات کی کڑیاں ملالی تھیں۔" میں نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا "اس نے سینڈو کے ساتھ ہی اپنی ... مریم کے قتل کا الزام بھی مجھ پر عائد کر دیا تھا اور بھرے ہوئے پستول کی زد پر مجھ سے اعترافِ جرم کرانا چاہ رہا تھا۔ وہ تو میرے ستارے یاوری کر رہے تھے کہ میں نے اپنے دفاع میں فی الفور ایک کہانی تراش لی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی میری بے گناہی ... کرنے پر مجبور ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ اب ایک طویل عرصہ ... مجھے اس کی طرف سے کسی مخاصمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"چلو، یہ اچھا ہوا کہ یہ معاملہ بھی ہاتھوں ہاتھ صاف ہو گیا ... وہ اپنے شبہات اپنے دل میں لئے بیٹھا رہتا تو تم دونوں کے درمیان سرد جنگ کا ایک اعصاب شکن سلسلہ چل پڑتا۔"

سینڈو کے بارے میں میری کہانی ان کے لئے خاصی دلچسپ ثابت ہوئی۔ خود میرے لئے بھی یہ احساس باعثِ مسرت تھا کہ ... نے اپنی حاضر دماغی سے نہ صرف اپنی گردن بچالی تھی بلکہ ... تعاقب کنندہ کا ہوا کھڑا کر کے حبیب جیوانی کو کم از کم چار ... کے لئے اپنے گھر میں محبوس ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

لیکن میلان سے خفیہ زبان میں ملے ہوئے پیغام کے بار... میں وہ دونوں بھی میری کوئی مدد نہیں کر سکے۔ میں نے کیسٹ ... اس ٹیپ کا تھوڑا سا حصہ ہی چلایا تھا کہ ان دونوں نے ہتھیار ... کر اپنی بے بسی کا اعتراف کر لیا۔ وہ دونوں میرے اس خیال ... متفق تھے کہ وہ پیغام مافیا والوں کے لئے نہیں تھا بلکہ ان کے ذ... کسی اور کو پہنچایا جانا تھا۔ پیغام وصول کرنے والا کون تھا؟ ... بارے میں صرف حبیب جیوانی ہی کچھ بتا سکتا تھا۔

اس رات ہم نے بہادر آباد کے ایک چینی ریستوران میں ... آتشِ شکم سرد کی۔ دس بجے اول خان کے پاس پہنچنے کی فکر ...

ہول سے کچھ پہلے ہی ڈنر لے لیا تھا۔
وہاں سے واپسی پر میں نے قاسم بھائی کے دفتر فون کیا۔ مجھے تھا کہ دفتر بند ہو چکا ہوگا۔ دفتر کے بعد میں اسے اس کے گھر نے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن دوسری ہی گھنٹی پر جب اس کی سنائی دی تو میں اتنی دیر تک دفتر میں اس کی موجودگی پر حیران بنا نہ رہ سکا۔

"خیر ت تو ہے قاسم سیٹھ؟ آج آپریٹر کے بجائے تم خود ہی بیٹھے ہوئے ہو؟"

"چھوکریوں میں یہی خرابی ہے۔" وہ میری آواز پہچان کر بولا۔ رمی ہو یا طوفان' یہ پانچ بجتے ہی بن سنور کر کھٹ کھٹ کرتی گھر رف چل پڑتی ہیں۔ انھیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی ن کی تنخواہیں بروقت ادا کرنے کے لئے ان کے مالکان رات ک دفتروں میں جھک مارتے رہتے ہیں۔"

"سارا بوجھ اپنے ملازمین پر نہ ڈالو۔ اپنے دفتر کے وسائل تم ان کی تنخواہوں کے علاوہ بھی بہت کچھ کماتے ہو۔ دوسروں لئے کمانے والے درویش تو صدیوں سے ناپید ہو چکے ہیں۔"

"چھوڑ یار۔ یہ بھی سالی کوئی زندگی ہے کہ میرے سارے ین اپنی بیوی بچوں کے ساتھ ہنس کھیل رہے ہوں گے اور میں یں اکیلا بیٹھا سلگ رہا ہوں۔ آپریٹر کے جانے کے بعد فون ہی ں میری میز پر آجاتی ہیں اس لئے غلط ملنے والی اول فول کالز بھی ہی کو سننی پڑ رہی ہیں۔"

"ایسے ہی بے زار ہو تو اپنے دفتر میں دوسری قسم کی ایک آدھ بھی رکھ لو!" میں نے خوش دلی کے ساتھ مشورہ دیا "ایسی لیں' جب تک مالکان دھکے دے کر گھر نہ بھیجیں' وہ دفتر سے باہر بھی رسیں۔ تھوڑی سی زیادہ تنخواہ میں کام کرنے کے وہ تمہارے ناز نخرے بھی اٹھائے گی۔"

"چھوڑ چھوڑو' یہ بیکار باتیں رہنے دو۔ چھری خربوزے پر ے یا خربوزہ چھری پر' کٹتا خربوزہ ہی ہے۔ جب مرد اور عورت ات آتی ہے تو ناز نخرے اٹھانے کا ٹھیکا مرد کے نام چھوٹ جاتا ۔ اب لعنت بھیجو ان باتوں پر۔ یہ بتاؤ کہ تم آج کیوں نہیں آئے؟ ہانے صبح سے تمہاری رقم تیار رکھی ہوئی تھی۔"

"اوہ!" میں نے انجان بننے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ را خیال تھا کہ تمہارا وعدہ آنے والی کل کا ہے۔"

"چلو' پھر کل ہی لے لینا۔ اور وہ مس لیزلی کا کیا بنا؟ وہ گھوڑا یک پر آرہی ہے نا؟"

مجھے خیال آیا کہ قاسم سے رقم نہ لے کر میں نے اپنے اوپر ا کیا تھا۔ وہ الحدید کو خالی کرانے کے منصوبے کے ساتھ اسی ۔ کو گھوڑا کریک جا رہا تھا جہاں سے اس کی واپسی کی ساری سلسلہ ہو چکی تھیں۔ اس کی گرفتاری کے بعد اس سے رقم وصولی کا کوئی امکان نہیں تھا۔

"لیزلی وہاں آئے گی۔ لیکن سیٹھ' یہ رقم والا معاملہ گڑبڑ ہے۔ میں ابھی تمہاری طرف آرہا ہوں۔ لیزلی کی نیت خراب ہو گئی ہے۔ اب پانچ لاکھ اسے دینے پڑیں گے۔ وہ گھوڑا کریک جاتے ہوئے مجھ سے رقم لیتی ہوئی جائے گی۔ میں نے اسے کل پر ٹالا تو وہ بھڑک جائے گی۔ رشوت کے معاملوں میں کوئی کسی پر بھروسا نہیں کرتا۔"

اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ میرا خیال تھا کہ قاسم سے رقم وصول کر کے ہم بہ آسانی دس بجے اول خان کے پاس پہنچ سکتے تھے۔ اس وقت قاسم کو فون کرنے کا مدعا کچھ اور تھا لیکن اس کی یاددہانی پر مجھے رقم بھی یاد آگئی تھی۔ میں اس کی حیلہ جو طبیعت سے واقف ہو چکا تھا اسی لئے میں نے رقم کے معاملے میں لیزلی کا نام بھی شامل کر لیا تھا جو قاسم کی کمزوری بنی ہوئی تھی۔ وہ اوباش سرمایہ داروں کی اس قسم سے تعلق رکھتا تھا جو عورت سمیت' پسند آنے والی ہر چیز کو ہر قیمت پر حاصل کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھتے اور اس مقصد کے لئے ہر جوا کھیلنے پر تل جاتے ہیں۔

"لیزلی والا معاملہ ٹیڑھا ہے۔" قاسم کی پُرخیال آواز ابھری۔ "تم سے آدھا حصہ نہ ملنے پر اس کا موڈ خراب ہو گیا تو میرا پروگرام بھی چوپٹ ہو جائے گا۔ تم بس فوراً ہی آجاؤ۔ میں فون پر آج رات کے انتظامات میں مصروف ہوں۔ کسی بھی لمحہ کوئی اہم کال آگئی تو مجھے فوراً جانا پڑے گا۔"

"میں بس ابھی آرہا ہوں۔ یہ تو بتاؤ کہ لانچ کے بارے میں کوئی نئی بات معلوم ہوئی یا بس ابتدائی معلومات ہی کی بنیاد پر سارے انتظامات کر رہے ہو؟" میں نے جلدی سے پوچھا مگر وہ ریسیور رکھ چکا تھا۔

سلطان شاہ شام سے ہی میرے ساتھ جانے کے لئے پر تولے بیٹھا تھا اور کان لگا کر میری گفتگو سن رہا تھا۔ میرے فارغ ہوتے ہی اس نے پھرتی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم دونوں تیز رفتاری کے ساتھ نیو چالی کی طرف روانہ ہو گئے۔

"تمہارے آخری سوال کے جواب میں اس نے کیا کہا تھا؟" راستے میں سلطان شاہ نے پوچھا۔

"اس وقت وہ خاصا بولایا ہوا تھا۔ میری پوری بات ہونے سے پہلے ہی اس نے ریسیور رکھ دیا تھا۔"

"اور یہ لیزلی کے پانچ لاکھ کا قصہ کہاں سے نکل آیا؟" اپنا تجسس دور کرنے کے بارے میں وہ خاصا ڈھیٹ واقع ہوا تھا۔

"میں صبح اس سے رقم لینا بھول گیا تھا۔ آج رات وہ کسی لاک اپ میں پہنچ جائے گا اس لئے میں نے اسی وقت رقم وصول کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ میں سیدھی بات کرتا تو وہ خزانچی یا تجوری کی چابی نہ ہونے کا بہانہ کر کے مجھے ٹال سکتا تھا۔ اس لئے لیزلی کو بھی اپنا حصہ دار بنا لیا میرا یہ داؤ چل گیا۔ سم بھائی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچنے والا ہے۔ میں مفت میں ہاتھ آئی دولت کیوں چھوڑوں؟"

"تمہیں بھی حرص ہوگئی ہے۔ ابھی تو گن بوٹ کی فروخت سے بچے ہوئے لاکھوں ڈالر سلطی کی تجوری میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے سہارے ہم سب عیش و عشرت کی زندگی گزار سکتے ہیں۔"

"میں بیٹھ کر کھانے کا عادی نہیں ہوں۔ مال کی اتنی ہی فراوانی ہو تو اپنے ہاتھ سے کسی مستحق اور ضرورت مند کو دے دینا زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔ چوری کے مال سے کروڑ پتی بننے والے تو گداگروں کو بھی چھوٹے سکوں سے زیادہ کچھ نہیں دیتے۔ ان کی تجوریوں سے مال نکالنا ایک افضل کام ہے۔"

"پھر کیوں نہ ہم نقب زنی کا پیشہ اپنا لیں؟" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

میں کار میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں اسے خشمگیں نگاہوں سے گھور کر رہ گیا۔

میں قاسم برادرز کے دفتر میں پہنچا تو وہاں واقعی عملے کا کوئی فرد نہیں تھا۔ دفتر کے دروازے پر عمارت کا چوکیدار اپنی رائفل سمیت مستعد کھڑا ہوا تھا۔ قاسم نے شاید اسے میرے بارے میں بتادیا تھا اس لئے مجھے بلا کسی تعرض اندر جانے کی اجازت مل گئی لیکن اندر قاسم بھائی کے دفتر میں بھاری بدن والا ایک مکرانی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دونوں نیچی آواز میں نہایت توجہ سے باتیں کر رہے تھے۔

شیشے کے دروازے میں سے مجھے دیکھتے ہی قاسم بھائی خاموش ہوگیا۔ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں مکرانی نے بھی مڑ کر میری طرف دیکھا۔ اس اثنا میں میں اندر پہنچ چکا تھا۔

ایک لمحہ کے لئے اس مکرانی کی آنکھوں میں میرے لئے شناسائی کی جھلک نظر آئی لیکن میرے سنگلاخ چہرے پر ذرا سی بھی نراہٹ نہ پاکر وہ جھلک فوراً ہی معدوم ہوگئی۔ جن لمحات میں یہ ڈرامائی تبدیلیاں ہوئیں اس مکرانی کا چہرہ میری جانب اور پشت قاسم بھائی کی طرف تھی۔ دوم یہ کہ قاسم بھائی اپنی دراز کی طرف متوجہ تھا۔

ان دونوں کے درمیان یقیناً اہم مذاکرات ہو رہے تھے اور قاسم بھائی ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے وہاں روکنا نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے فوراً ایک پھولا ہوا خاکی لفافہ میری طرف بڑھا دیا۔

"اسے ناراض نہ کرنا۔ میں ہر صورت میں اسے وہاں دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے ہاتھ ہلا کر الوداعی لہجے میں کہا۔

اتنی کھلی تاکید کے بعد میرا وہاں رکنا بے سود تھا اس لئے میں اس سے مزید کچھ کہے بغیر اس کے دفتر سے باہر نکل آیا۔ یہ غنیمت تھا کہ میں نے سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لانے کی حماقت نہیں کی تھی۔ میری غیر حاضری میں سلطان شاہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا اس لئے میرے سوار ہوتے ہی اس نے انجن اسٹارٹ کر کے کار واپسی کے راستے پر ڈال دی۔ میں نے رقم کا لفافہ ڈیش بورڈ میں ڈال دیا۔

"کیا بات ہے؟ تم اس کے دفتر سے فوراً ہی واپس لوٹ آئے۔"

رقم ہی تو لینی تھی۔ ویسے وہاں موجود ایک مکرانی نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں شناسائی کا تاثر پیدا ہوا تھا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے بھی اسے کہیں دیکھا ہوا ہے۔ اگر میرے چلے آنے کے بعد اس نے قاسم سے میرے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات کی تو کھیل بگڑ سکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ کھیل بگڑنے کا وقت گزر چکا ہے۔ اب قاسم اپنے وعدے سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ رات کے ساڑھے ... وہ مکرانی کے بیان کی کہاں سے تصدیق کراتا پھرے گا۔ مکرانی زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتا ہے کہ وہ تم کو ایک برے آدمی کے روپ میں جانتا ہے۔ اس سے زیادہ وہ اور کیا کہہ سکتا ہے؟"

"میں قاسم سے انسپکٹر دلاور کے روپ میں ملا تھا۔ اگر ... آفیسر کے طور پر میری حیثیت مشتبہ ہو جاتی ہے تو لیزلی فلہام کا کردار بھی اپنا اثر کھو دے گا۔ قاسم بھائی ہم لوگوں کی دھونس دھمکی ... ڈھکوسلا سمجھ کر گھوڑا کریک جانے کا ارادہ منسوخ کر سکتا ہے۔ ... طرح آج کی کارروائی ادھوری رہ جائے گی۔"

"اول تو چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ وہ ایک شبہ کی بنا پر مکمل تباہی کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ دوم یہ کہ ماضی کا ایک آدمی آج کا ایک ذمے دار افسر ہو سکتا ہے۔ رشوت خوری کے بدنام بہتیرے سرکاری محکموں میں بیسیوں ایسی مثالیں سامنے ہیں۔ تم اس حیوانی کو غیر ضروری اہمیت دے رہے ہو۔"

سلطان شاہ کے دلائل بالکل ہی بودے نہیں تھے ... میرے ذہن کی خلش دور نہیں ہو سکی۔ مجھے صرف ایک ہی بات کی تسلی تھی کہ قاسم بھائی کے گھوڑا کریک جانے یا نہ جانے سے ... کے آنے کا پروگرام متاثر نہیں ہو سکتا تھا اور اس روز کا ٹارگٹ قاسم بھائی نہیں بلکہ ہتھیاروں سے لدی ہوئی لانچ تھی۔

اس وسیع و عریض بنگلے کا پھاٹک بند تھا۔ دستک دینے پر باوردی محافظ نے پھاٹک کے اوپر سے سر ابھار کر ہمیں دیکھا میری زبان سے بلیک ہاک کا پاس ورڈ سنتے ہی آہنی پھاٹک کی کھڑکی کھول دی گئی اور ہم دونوں اندر داخل ہوگئے۔

اس روز اسٹیشن فور پر واقعی غیر معمولی سرگرمیاں دیکھی ... آئیں۔ احاطے کی دیوار کے ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے ... محافظ موجود تھے اور پورچ میں شہری نمبر پلیٹ والی دو جیپیں ... تھیں۔

اول خان اپنے کمرے میں خاصا مصروف تھا۔ ... خلاف معمول عام قمیص پتلون اور جیکٹ میں ملبوس تھا۔ ... ساتھ نقشوں پر جھکے ہوئے اسپیشل ٹاسک فورس کے دیگر ... بھی سادہ ملبوسات میں تھے۔

ہم سے سلام دعا کے بعد اول خان نے ہمیں ... کے لئے کہا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

یہ غالباً کسی طرح کی بریفنگ تھی جس میں فوجی اصطلاحات
مطابق ہر مقام کے لئے ایک مخصوص نام یا نمبر استعمال کیا
تھا۔ میں ان لوگوں کی پیشہ ورانہ گفتگو سے لاتعلق بن کر
نوشی میں مصروف ہوگیا تھا مگر میں نے پھر بھی سنا کہ ٹی ٹو پر
ایف کے جوان دو مشین گنوں کے ساتھ چار بجے پوزیشن
چکے تھے۔ ایس ون کے گرد ٹیلوں میں ستر مسلح افراد چھپ چکے
سیون پر بھی ایک مورچا قائم کیا جاچکا تھا۔

فوری طور پر مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ گھوڑا کریک کے
دراج میں چار بجے سے پہلے سے تیاریاں شروع کردی گئی تھیں
پھر یہ رمز سمجھ میں آگیا کہ کامیاب آپریشن کے لئے باربرداری
ٹرکوں، مزدوروں اور خلاصیوں کے آنے سے قبل ہی ساری
ں مکمل ہونی ضروری تھیں ورنہ عین وقت پر خطرہ بھانپ کر
گ گھوڑا کریک کا رخ کرنے کا ارادہ ترک کرکے آپریشن کو
سکتے تھے۔

ان لوگوں کی بریفنگ کا آخری مرحلہ تھا جس ۔۔۔ وہ پندرہ
میں فارغ ہوگئے۔ اس دوران میں ہم دونوں گرم گرم کافی کی
خالی کرچکے تھے جو ہمارے بیٹھنے کے چند منٹ بعد ہی سرو
ئی تھیں۔

نے ساتھیوں کے جاتے ہی اول خان نے کسل مندانہ انداز
ڑائی لیتے ہوئے اپنی کرسی چھوڑدی اور بولا "اگر تم تیار ہو تو
ب ہم نکلتے ہیں۔"

"شاید تم ان لوگوں کی آمدورفت شروع ہونے سے پیشتر اپنے
ں پر پہنچنا چاہتے ہو؟"

"ان کی آمد شروع ہوچکی ہے۔ وہ لوگ ایک کارواں کی
ت میں ادھر آنے کی جرات نہیں کرسکتے اس لئے مزدوروں
اتھ اکا دکا ٹرک پہنچ رہے ہیں۔ پہلا ٹرک سوا سات بجے وہاں
انا۔"

"تو پھر ہم یہ دیکھ لئے جائیں گے؟" سلطان شاہ نے خطرے کا
رکیا۔

"نو مائی بوائے!" اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا "ہم
کو بہت پیچھے چھوڑ کر اس کی شمالی سمت میں واقع چٹانوں ، کے
ہ جائیں گے اور ان پر چڑھ کر اپنی اوپی بنائیں گے۔"

"اوپی؟" سلطان شاہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے قدرے
کے ساتھ دہرایا

"آبزرویشن پوسٹ۔" اول خان نے میری مشکل آسان
تے ہوئے کہا "وہاں۔ ہم دوربینوں کی مدد سے سارا کھیل دیکھ
سکے۔ ہمارا فیلڈ کمانڈ پوسٹ بھی ان ہی چٹانوں میں قائم کیا گیا

"فیلڈ کمانڈ پوسٹ کریک میں بہتر نہ رہتا؟" سلطان شاہ نے
باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

"نو!" اول خان نے ناصحانہ لہجے میں کہا "کمانڈ پوسٹ ہمیشہ
محاذ سے دور اور قدرے محفوظ علاقے میں قائم کیا جاتا ہے۔ لڑاکا
فورس جوش اور جذبات میں ڈوب کر مقابلہ کرتی ہے، کمانڈ پوسٹ
صرف عقل کو استعمال کرکے ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ محاذ کی
افراتفری میں ارتکاز کے ساتھ درست فیصلے کرنا مشکل ہوجاتا
ہے۔"

ابتدا میں میرا خیال تھا کہ اول خان دس بجے پورے لاؤ لشکر
کے ساتھ گھوڑا کریک کی طرف کوچ کرے گا لیکن وہاں تو سب
لوگ اپنی اپنی جگہوں پر پہنچے ہوئے تھے اور اول خان کی لینڈ کروزر
میں ہم تینوں کے علاوہ ڈرائیور یا صرف ایک مسلح گارڈ موجود تھا۔

ساڑھے دس بجے اسٹیشن فور سے نکلنے والی لینڈ کروزر اس
مشن کی اکلوتی اور غالباً آخری گاڑی تھی۔

"ویرا کی کوئی خیر خبر؟" جیپ چل پڑنے کے چند ثانیوں بعد
اول خان نے پوچھا۔

"وہ بدستور ہیری کیسنجر کی قید میں ہے اور ہم سے اس کا کوئی
رابطہ نہیں ہے۔"

"کاش آج ہیری کیسنجر بھی ہاتھ آجائے" اول خان نے
حسرت آمیز آواز میں کہا "وہ لانچ کے قریب سے رنگے ہاتھوں پکڑا
گیا تو اس کے سفارت خانہ کو اپنی پوزیشن کی وضاحت کرنا مشکل
ہوجائے گا۔"

"کامیابی کا سو فیصد یقین ہونے کے باوجود وہ ادھر کا رخ
کرنے کی غلطی نہیں کرے گا۔ سفارت کاری مل جانے کے بعد ہر
سیکرٹ ایجنٹ متنازعہ مقامات سے میلوں دور رہنے کی کوشش کرتا
ہے۔ بس یہ دعا کرو کہ وہ حرام زادہ کامیابی کے گھمنڈ میں آج ویرا کو
اپنے چنگل سے آزاد کردے۔ وہ بہت بری طرح پھنسی ہوئی ہے۔"

لینڈ کروزر شہر کے مصروف اور گنجان علاقوں سے رینگتی ہوئی
جب ر... ڈ پر آئی تو اس کی رفتار قدرے تیز ہوگئی شہر کا موسم
خنک ...ونے کے باوجود خوشگوار تھا لیکن مجھے ا... کہ کھلے
سمندر کی بھیگی ہوئی ہوائیں گھوڑا کریک پر ہم سب کے نام پوچھ
لیں گی۔

رفتہ رفتہ آبادیاں پیچھے رہ گئیں اور ویران سڑک پر سفر کا آغاز
ہوگیا۔ موچکو پولیس چوکی عبور کر... کے بعد ہم ایک آبادی سے
گزرے اور پھر حب انڈسٹریل اسٹیٹس تک سناٹا ہی سناٹا ہمارا
ساتھی تھا۔ راستے میں جیپ... دو تین ٹرکوں کو بھی اوورٹیک کیا
جن کے پیچھے چادروں م... ہوئے مزدور خود کو سرد ہواؤں سے
بچانے کی کوشش کررہے تھے۔ ان دنوں گڈانی میں جہازوں کو
توڑنے کی صنعت زبردست بحران سے دوچار ہوکر جمود کا شکار تھی
اس لئے ہم نے اندازہ لگایا کہ وہ خا... ٹرک گھوڑا کریک ہی کی طرف
جارہے تھے۔

حب کے صنعتی علاقے سے نکلتے ہی سامنے سے ایک مسافر
بس آتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی تمام روشنیاں جل رہی تھیں اور تیز
ہارن نے فضا کا سکوت درہم برہم کیا ہوا تھا۔ وہ بس اپنی ...

کر، سڑک کے عین وسط میں دوڑ رہی تھی۔ جیپ کے ڈرائیور نے
تیزی سے کم ہوتے ہوئے درمیانی فاصلے کے پیش نظر ڈپر دے کر
بس والے کو سڑک کا کنارا پکڑنے کا خیال دلانا چاہا لیکن دیو ہیکل
بس کے اسٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے ڈرائیور کے لئے وہ سڑک صرف
اس کی جاگیر تھی جس پر کسی دوسرے کو چلنے کا حق نہیں تھا۔

آخری لمحات پر ہمارے ڈرائیور نے جیپ کو ریت میں نہ اتارا
ہوتا تو بس نے ایک دھماکے کے ساتھ جیپ کے پرخچے اڑا دیے
ہوتے۔ بس گولی کی سی رفتار سے ہمارے برابر سے گزر گئی اور جیپ
کچھ دور تک اچھلنے کے بعد نرم اور گہری ریت میں پھنس گئی۔

اس وقت اول خان جیپ میں سوار نہ ہوتا تو ہمارا ڈرائیور،
بس والے کو بے تحاشا گالیاں دے کر اپنے دل کی بھڑاس ضرور نکالتا
لیکن اس وقت اس نے بڑبڑاتے ہوئے انجن کو فور وھیل
ڈرائیونگ گیئر میں ڈال کر انجن کو ریس دی اور کلچ پر سے پاؤں کا
دباؤ ہلکا ہوتے ہی لینڈ کروزر کسی چیتے کی طرح اچھل کر ریتیلے گڑھوں
سے نکل کر دوبارہ سڑک پر آگئی اور سفر دوبارہ جاری ہو گیا۔

ہمارے بائیں ہاتھ پر بحیرۂ عرب کا نیلگوں پانی ٹھاٹھیں مار رہا
تھا۔ ساحلی چٹانوں سے ٹکرا کر دم توڑتی ہوئی سرکش سمندری لہروں
کا شور رات کے سناٹے میں عجیب سی پُرہول گونج پیدا کر رہا تھا اور
داہنی طرف بے آب و گیاہ ریتیلے ٹیلوں کا لامتناہی سلسلہ پھیلا ہوا
[illegible] موڑ سے آگے گزرنے کے بعد سڑک یک بیک پتلی
اور بہت خطرناک ہو گئی۔ وہاں سڑک کے اطراف میں، ریتیلے
میدان کے بجائے پتلی سی سڑک کے دونوں طرف کئی کئی فٹ اونچے
ریتیلے ٹیلے بنے ہوئے تھے جن میں جابجا خشک جھاڑیوں کے جھنڈ
اُگے ہوئے تھے۔ اس سڑک کے وسط میں اگر کوئی بس دندناتی ہوئی
نمودار ہو جاتی تو ہمارے پاس بس یا ریتیلے ٹیلوں میں سے کسی ایک
کے ساتھ تصادم کے علاوہ کوئی تیسری راہ نہیں تھی۔

"یہ ... کے لئے آنے جانے والی ایکسپریس بسوں کے ڈرائیور
صرف ہارن کے سہارے سڑک پر راج کرتے ہیں۔ ان کی دہشت
سے ٹرک ڈرائیوروں کی بھی روح فنا ہوتی ہے۔" سلطان شاہ نے
میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا "بریکوں کے استعمال کو
یہ لوگ اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ کچی اور پکی سڑکوں پر یہ یوں ہی اندھا
دھند ڈرائیونگ کرتے ہیں اور کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

اچانک اول خان اندھیرے میں، بائیں جانب ہاتھ اٹھا کر بولا۔
"یہ گھوڑا کریک کا راستہ ہے۔ ان کی ساری گاڑیاں اسی راستے
سے کریک کی طرف گئی ہوں گی۔"

وہ بالکل ہی اندھیری رات نہیں تھی، مطلع بھی صاف تھا اس
لئے ہمیں اول خان کی بتائی ہوئی سمت میں اونچی اونچی چٹانوں کے
تاریک ہیولے نظر آ رہے تھے، جن کے درمیان کبھی کبھار دم توڑتی
ہوئی وحشی لہروں کے سفید سفید جھاگوں کا انعکاس بھی ... آجاتا
تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ان تاریکیوں میں چھپے ہوئے بڑے
بڑے مگرمچھ وقفہ وقفہ سے اپنے دہانے کھول کر سفید سفید دانتوں کی
نمائش کر رہے ہوں۔

"یہ ایس ون ہے۔" اول خان کہہ رہا تھا "گھوڑا کریک
والے موڑ سے پہلے اس کے دونوں اطراف میں میرے سپاہی
ریتیلے ٹیلوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ الحدید کے لنگر انداز ہونے کے بعد
ادھر سے چڑیا کا بچہ بھی نہیں نکل سکے گا۔ کریک سے نکلنے والا ہر
ٹرک یہاں گرفتار کر لیا جائے گا۔"

"یہ ایس ون سے کیا مراد ہے؟" میں نے سرسری انداز میں
سوال کیا۔

"سڑک نمبر ایک، یعنی کراچی کوئٹہ شاہراہ۔" اول خان
آواز ابھری۔

"خوب۔ ایس یعنی سڑک تو پھر ٹی ٹیلے کے لئے استعمال
ہوگا۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔" اس نے میری تائید کی "دشمن کو دھوکا دینے
لئے بعض اوقات ایسی ہی سہل کوڈنگ اختیار کی جاتی ہے تاکہ
سامنے کی باتوں کو چھوڑ کر باریکیوں میں سر کھپاتا رہ جائے۔"

"یہاں فوجی گاڑیوں وغیرہ کا نام و نشان بھی نظر نہیں آ
سلطان شاہ نے مایوسانہ انداز میں شکوہ کیا۔

"میرے آدمی بھی سویلین گاڑیوں میں آئے ہیں۔ ا
سڑک سے اتار کر کیموفلاج کر دیا گیا ہے۔ وقت آنے پر یہ در
انسانوں اور گاڑیوں کے شور سے جاگ اٹھیں گے۔ سڑک
راستے سے فوج کا کوئی آدمی نہیں آیا ہے۔ ان کی نفری سم
راستے سے کریک کے قرب و جوار میں اتاری گئی ہے۔ اس
ہم ہر طرف سے اپنے دوستوں میں گھرے ہوئے ...
خاموشی کے ساتھ اپنی کمین گاہوں میں دبک کر ہمیں د
ہوں گے لیکن ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے اور یہی ان کی کام
پہلی سیڑھی ہے۔"

گھوڑا کریک والے راستے سے تقریباً دو ڈھائی کلو
جانے کے بعد لینڈ کروزر بائیں طرف کچے میں اتر گئی۔ ڈرا
رفتار کم کر کے ہیڈ لیمپس گل کر دیے تھے اور جیپ پارکنگ
کے سہارے اپنا سفر طے کرنے لگی تھی۔

اس راستے پر سفر کرتے ہوئے اول خان نے مجھے گھو
کے بارے میں بتایا کہ جنوب سے آنے والی کھلی سمندری
اس کھاڑی میں تین سمت سے چٹانوں نے گھیرا ہوا تھا۔
لہروں کی ... شکست و ریخت کی وجہ سے وہاں پانی کی گہرائی
تھی جس کی وجہ سے ساحل کے ساتھ بھنور بھی پیدا ہو
تھے۔ ان ہی چٹانوں کے درمیان میں قدرے ... مشرق
ایسا ... ان حصہ تھا جسے اسمگلر سمندری گھاٹ کے طور
کر ... رہے تھے تیز اور کھاری سمندری ہواؤں کی
اس کھاڑی کی شمالی چٹانوں کے ایک حصہ ... بڑے
سرکش، گھوڑے کے دہانے کی صورت اختیار کر لی تھی ا
دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ چٹانی گھوڑا سمندر م

یے زور مار رہا ہو۔ اسی کی وجہ سے مقامی باشندوں میں اس
گماڑی کا نام گھوڑا کریک پڑ گیا تھا۔ جو صدیوں سے اسی طرح
ایا تھا۔

لمبے راستے پر سفر کرتی ہوئی جیپ، آخر کار ایک چٹان کے
ن میں رک گئی۔ انجن بند ہونے کے بعد میں نے جوں ہی اپنی
کا دروازہ کھولا تو یخ بستہ ہواؤں کا پہلا تھپیڑا کھاتے ہی میری
ت صاف ہو گئی۔ جیپ کے انجن کا شور ختم ہوتے ہی سمندری
ں کے طوفانی شور نے ایک مہیب گونج کی صورت اختیار کر لی
ہم سب گاڑیوں سے نیچے اترے ہی تھے کہ کسی نامعلوم سمت
ایک دراز قامت نسانی سایہ کسی آسیب کی ما [illegible] ے
ب آموجود ہوا۔

"کیا خبر ہے، رحیم بخش؟" اول خان کے اس سے مخاطب
ے پر ہمیں اس کے وجود کا احساس ہو سکا تھا۔

"سب خیر ہے سائیں!" خالص سندھی لب و لہجے میں جواب
یا "سترہ چھوٹے ٹرک، پانچ بڑے ٹریلر اور تقریباً پچاس
ہ آ چکے ہیں۔ وہ سب بے فکری کے ساتھ ٹرکوں کے نیچے ستا
ہے ہیں۔ ٹرکوں کی بیٹری سے تار جوڑ کر انہوں نے دو چار بلب بھی
ئے ہوئے ہیں۔ ابھی بھی اکا دکا ٹرک آ رہے ہیں۔"

رحیم بخش کی رہنمائی میں ہم نے اوپر چڑھنا شروع کیا تو مجھے
اندازہ ہوا کہ ٹھوس رتیلی سلوں کی وہ چٹان بہت خطرناک اور دھار
تھی۔ اندھیرے میں ذرا سی لغزش ہمارے جسموں پر گہری
یں ڈال سکتی تھی۔ میں نے اپنی رسٹ واچ کے روشن ڈائل
ڈالی تو وہاں پونے بارہ بج رہے تھے۔

سمندر کی طرف سے آنے والی یخ بستہ ہواؤں کی ز... پھسلتے
سنبھلتے ہوئے ہم چٹان کے اوپری حصہ پر پہنچے تو رحیم بخش کی
پر ہمیں اکڑوں ہو کر بیٹھنا پڑا کیونکہ کھڑا ہونے کی صورت
نیچے مزدوروں کو ہمارے ہیولے نظر آ سکتے تھے۔

وہاں ہم سے پہلے تین افراد موجود تھے جن کے سامنے ٹرائی پوڈ
طاقتور دوربین نصب تھی۔ وہ تینوں پوری طرح مسلح تھے اور
پشت پر میگزین اور وائرلیس کے تھیلے لدے ہوئے تھے۔

اول خان کو دیکھتے ہی وہ تینوں اکڑوں سرکتے ہوئے قدرے
ہٹ آئے اور اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر اول خان کو
ں اور مواصلاتی رابطوں کے بارے میں رپورٹ دینے لگے۔

سلطان شاہ کھلونے کے لئے ترسے ہوئے کسی حریص بچے کی
دوربین سے چپک گیا تھا۔ رحیم بخش ہم لوگوں کو وہاں چھوڑ کر
ے میں کہیں غائب ہو چکا تھا اور میں اکیلا بیٹھا رہ گیا تھا۔

اول خان اور اس کے ماتحتوں کی گفتگو میں اپنی دخل اندازی
سمجھتے ہوئے میں رینگتا ہوا سلطان شاہ کے قریب پہنچ
دوربین سے نیچے کا نظارہ کرنے میں منہمک تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اپنی زندگی میں پہلی بار دوربین
دیکھی ہے" میں نے غصیلے لہجے میں سرگوشی کرتے ہوئے اسے
ڈانٹا۔

"یہ لوگ تو بہت خوش و خرم نظر آ رہے ہیں۔ سلطان شاہ نے میری
معذرت سنی ان سنی کر کے دوربین سے نظریں ہٹائے بغیر کہا.....
معلوم ہو رہا ہے کہ یہ پکنک منانے آئے ہوئے ہیں۔"

اس دوران میں، میں دیکھ چکا تھا کہ نیچے میدانی گھاٹ پر
کھڑے ہوئے ٹرکوں کے سمندر والے رخ پر باڈی سے چادریں
باندھ کر ان لوگوں نے خود کو ہواؤں سے بچایا ہوا تھا اور چند بلبوں
کی روشنی میں ٹرکوں کے نیچے گھس کر ٹولیوں کی صورت میں بیٹھے
ہوئے تھے۔ ان سے ذرا ہی دور ایک شخص آئل اسٹوو جلانے کی
کوشش کر رہا تھا۔ طویل انتظار کے لمحات گزارنے کے لئے شاید وہ
لوگ چائے وغیرہ بنانے کے ساز و سامان سے لیس ہو کر آئے تھے۔

اچانک کسی کار کے ہیڈ لیمپس کی اچھلتی ہوئی بیم سے نیچے کا
علاقہ دور تک منور ہو گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ ٹرکوں سے ذرا
دور ایک سیاہ کار پہلے سے موجود تھی۔ چند ثانیوں بعد روشن ہیڈ
لیمپس والی کار بھی وہیں آ کر رک گئی اور میں نے سلطان شاہ کو
زبردستی ایک طرف دھکیل کر دوربین سنبھال لی۔

اس کار کی اگلی نشستوں سے دو ہیولے برآمد ہوئے تھے۔ پسنجر
سیٹ سے اترنے والے نسوانی ہیولے کو دوربین کی زد میں لیتے ہی
میں نے پہچان لیا۔ وہ ویرا تھی اس کے ساتھ آنے والے کی پشت
دوربین کی طرف تھی۔

ویرا کو پہچانتے ہی میرے وجود کی گہرائیوں سے اطمینان کا ایک
سانس آزاد ہو گیا۔ اگر اس کے ساتھ آنے والا ہیری کیسنجر
تھا تو وہ اس کی زندگی کی آخری رات ثابت ہونے والی تھی۔

وہاں آنے والی کار میں سے اترنے والے دو انسانی ہیولوں
میں سے ویرا کو پہچانتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔
اسے امریکی کاؤنسلیٹ کے ہیری کیسنجر نے، کئی روز پہلے، دھوکا
دے کر ہوٹل سے اغوا کرایا تھا۔ اس کے بعد سے ویرا، اس قدر
کڑی نگرانی میں رکھی گئی تھی کہ اسے ہم سے فون پر رابطہ کرنے کا
موقع تک نہیں مل سکا تھا۔

ویرا، ٹی کے سربراہ، جی لائیڈ کی بیٹی تھی اور ٹی کے تنظیمی
ڈھانچے میں اسے ایک اہم مقام حاصل تھا۔ اس وقت تک ہمیں
ٹی کے بارے میں جو معلومات حاصل ہو سکی تھیں، ان کی روشنی
میں اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ ہیروئن کے انسداد کے نام
پر قائم کی جانے والی اس مجرم اور دہشت گرد تنظیم کو امریکی
حکومت بلکہ صدر کی بھرپور پشت پناہی حاصل تھی۔ وہ لوگ امریکی
معاشرے کو ہیروئن کے مضر اثرات کے بارے میں قائل کرنے
میں ناکام ہو چکے تھے کیونکہ ان کی آزاد معیشت میں ہر طرف تضاد
اور ناہمواریوں کا دور دورہ تھا۔ ایک طرف قلاش نوجوان اپنے
عیارانہ تجارتی منصوبوں کے ذریعے کروڑ پتی بن رہے تھے تو دوسری
طرف لاکھوں بچے اور بڑے فاقوں میں بھی مبتلا رہتے تھے۔ امریکا
کے کروڑوں شہری محتاج خانوں کی خوراک کے محتاج تھے، وہاں

لاکھوں افراد پسماندہ ممالک کے عوام کی سطح پر زندگی گزار رہے
تھے۔ ڈسکو ناچ گھروں اور نائٹ کلبوں کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں کے
پس منظر میں، صرف نیویارک سٹی جیسے ترقی یافتہ شہر میں ستر ہزار
افراد فٹ پاتھوں پر راتیں بسر کرتے ہیں۔ سردیوں میں رگوں میں
خون اور ہڈیوں میں گودا منجمد کردینے والی کاٹ دار ہواؤں سے
بچاؤ کے لئے ان بے خانماں افراد کو کچرا گھروں پر پڑے ہوئے گتے
کے ڈبوں کے سوا کوئی جائے پناہ میسر نہیں ہوتی۔ ایک طرف دولت
اور مادر پدر آزادی کے نشے میں سرشار، جوان لڑکے اور لڑکیوں کے
انبوہ تفریح گاہوں میں عیش و عشرت کے ہوش ربا افسانے تخلیق
کرتے ہیں تو دوسرے رخ پر روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے بلیوں
اور چوہوں سے لڑتے ہوئے وہ سیاہ فام بچے نظر آتے ہیں جو اپنے
والدین کی عسرت سے تنگ آکر خود ہی اپنے لئے نانِ جویں کی
تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ہوش اڑادینے والے، ان
تضادات سے بھرپور امریکی معاشرے میں ہر شخص مادی، اخلاقی اور
روحانی آسودگی سے محروم زندگی گزار رہا ہے۔ وہاں رشتوں کا
تقدس باقی رہا ہے نہ جذبوں کا احترام پایا جارہا ہے۔ وہ سب کبھی ختم
نہ ہونے والے ایک کرب اور ذہنی عذاب میں مبتلا ہیں اور
ہر شخص اپنے ان دکھوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے خود
فراموشی کے سنہرے سپنوں کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ لکھ
پتی اور کروڑ پتی شہزادے اپنی اداس شاموں کے روگ، رائل
سلیوٹ اور شیواز ریگل کی طلائی دھنک میں گھول کر اپنے معدوں
میں نگل جاتے ہیں تو کوئی بھنگ اور چرس کا رسیا نظر آتا ہے اور کوئی
ہیروئن، کوکین، مارفین اور پیتھیڈرین کا متلاشی۔

خلا میں ستاروں اور سیاروں پر کمندیں ڈالنے والی اس قوم کے
اندرونی تضادات جتنی تیزی کے ساتھ بڑھ رہے ہیں، اسی تیزی کے
ساتھ وہاں منشیات بلکہ تیز ترین منشیات کی مانگ اور کھپت بڑھ
رہی ہے۔ جن میں ہیروئن پہلے نمبر پر ہے اور جنوبی امریکا کی
ریاستوں سے بری اور فضائی راستوں سے اسمگل ہو کر آنے والی
کوکین دوسرے نمبر پر ہے۔ امریکی حکام کوکین سے مقامی سطح پر
نمٹتے رہتے ہیں لیکن سات سمندر پار سے آنے والی ہیروئن ان کے
گلے کی چھچھوندر بنی ہوئی ہے۔ کسی بھی جنس کو منڈی سے نیست و
نابود کرنے کے صرف دو ہی معروف راستے ہیں۔ اس کی طلب
سرے سے ختم کرادی جائے یا پھر اس کی پیداوار روک دی جائے۔

امریکی حکام بہت اچھی طرح دیکھ اور سمجھ چکے تھے کہ ان کے
ترقی یافتہ اور مادیت پرست معاشرے کی کوکھ سے جنم لینے والے
ناسور روز بروز بڑھتے ہی رہیں گے۔ ان کی تہذیب اپنے خنجر سے
آپ ہی خودکشی کرنے کے راستے پر گامزن تھی۔ ان کے حکمراں،
جس نظام کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھے اس سے پیدا ہونے
والے آلام و مصائب پر قابو پانا دشوار تھا۔ قوم بظاہر ترقی کر رہی
تھی لیکن فرد بدترین ذہنی ٹوٹ پھوٹ میں مبتلا ہو چکا تھا، وہ حالات
ہیروئن اور اسی قبیل کے دوسرے نشوں کے فروغ کے لئے بہت
سازگار تھے۔

اپنی ان ہولناک مجبوریوں کے پیشِ نظر، امریکیوں نے اس
جنس کی تباہی کی دوسری راہ اختیار کی اور افیون کی ان لہلہاتی
فصلوں کو راکھ کردینے کی کوششوں کا آغاز کردیا جو ہیروئن تیار
کرنے والوں کو قدرتی خام مال مہیا کرتی تھیں۔ ترکی، پاکستان،
بھارت، نیپال، بھوٹان، برما اور سیام کی حکومتوں کو بھاری مشروط
امداد مہیا کی گئی تاکہ وہ اپنی اپنی جغرافیائی حدود سے افیون کو نیست
نابود کردیں۔ افیون کی کاشت کرنے والے علاقوں کے لئے
خصوصی ترقیاتی پروگرام شروع کیے گئے۔ کاشتکاروں کو بھاری
امدادی رقوم فراہم کی گئیں۔ اور پھر تیار فصلوں پر فضا سے زہریلی
ادویات کی بوچھاڑ کرکے ان فصلوں کو ختم کردیا گیا، بعد میں ان
مرجھائے ہوئے پودوں کے سوکھے ڈنٹھلوں تک کو نذرِ آتش کردیا
گیا لیکن امدادی رقوم کھاپی لینے کے بعد، کاشتکاروں نے پھر سے
اپنی زمین میں وہی بیج بودیے جن کا خمار، ابراہام لنکن کے ہم وطنوں
کو کسی راکٹ یا خلائی شٹل کے بغیر انجانے جہانوں کی سیر کرانے کی
قدرت رکھتا ہے۔

امریکیوں کو حسبِ منشا کامیابی صرف ترکی میں حاصل
ہو سکی۔ ورنہ ہر ملک میں اس کی کامیابیاں عارضی ثابت ہوئیں
ایک فصل کے تعطل کے بعد افیون کی کاشت کا سلسلہ دوبارہ چل
پڑا۔ اس مرحلے پر امریکی پالیسی سازوں کے دماغ میں ٹی کے
منصوبے نے جنم لیا۔ بظاہر ٹی کا مقصد ہیروئن کا انسداد تھا لیکن
مقصد صرف امریکی معاشرے تک محدود تھا۔ ورنہ ٹی کا اصل
مقصد اپنی سرپرست حکومت کے خفیہ فنڈز اور اسلحے کی اسمگلنگ
سے سرمایہ حاصل کرکے ہیروئن پیدا کرنے والے ممالک ان
علاقوں سے ساری پیداوار خرید کر سستے داموں ان ہی ممالک ان
علاقوں میں پھیلانا تھا۔ ان منصوبہ سازوں کا خیال تھا کہ ٹی
سے پانچ سال تک جدوجہد کے بعد ان خطوں میں ہیروئن کی
بھاری کھپت پیدا کرنے میں کامیاب ہوجائے گی کہ ہیروئن
پیداوار مقامی ضروریات کے لئے ناکافی ثابت ہونے لگے گی
یوں، ان علاقوں سے امریکا اسمگل کیے جانے کے لئے کچھ باقی
رہے گا۔ اس طرح امریکی معاشرے کو ہیروئن کے تباہ کن اثر
سے بچانے کا آخری مقصد خود بخود حاصل ہوجائے گا۔

ٹی، قومی مقاصد کے حصول کے خود غرضانہ نظریے کے
قائم کی گئی ایک نیم سرکاری تنظیم تھی۔ ویرا اس تنظیم میں کل
اہمیت رکھتی تھی اور اس کا اغواکنندہ، ہیری کیسنجر اسی حکو
ایک تنخواہ دار ملازم تھا، جو ٹی کی پشت پناہ تھی۔ اس لئے یہ
بھی نہیں جاسکتا تھا کہ ہیری کیسنجر اسے کوئی ناقابلِ تلافی نق
پہنچانے کی جرات کرسکے گا۔ البتہ اس نے جس دیدہ دلیر
ساتھ ویرا کو اغوا کرکے اپنی کڑی قید میں رکھا تھا اس سے یہ
ضرور ہوتا تھا کہ ہیری کیسنجر کو ویرا کی وفاداریوں پر شبہ ہو گیا
یہ اور بات تھی کہ اسے اپنے شبہات کی تصدیق میں ایسے

واہد نہیں مل سکے تھے جن کی بنا پر جمی لائیڈ یا اس کے پُشت
ں کو ویرا کے خلاف کسی بڑی تادیبی کارروائی پر آمادہ کرنا ممکن
۔ اسی وجہ سے ہیری کیسنجر نے اسلحے کی کھیپ آنے کے آخری
تک ویرا کو اپنے چنگل سے آزاد نہیں کیا تھا لیکن لانچ کے
نداز ہونے کے موقع پر ویرا 'گھوڑا کریک پہنچ چکی تھی۔

وہ دونوں اپنی اپنی سمت کے دروازوں سے باہر آکر' کار کی
پرے ایک دوسرے کی طرف متوجہ تھے اور شاید آپس میں
بات کر رہے تھے۔ میں نے دوربین میں' اپنی نگاہیں ان ہی پر
رکی ہوئی تھیں۔ ویرا کا چہرہ میری طرف تھا اور اس کے چہرے کی
ایک شکن مجھے واضح طور پر نظر آرہی تھی۔ وقفے وقفے سے
کے یاقوتی لبوں میں بھی جنبش ہو رہی تھی لیکن اس کے ساتھ
ہوئے مرد کی پشت میری طرف تھی۔ میں نے اس وقت تک
کیسنجر کو نہیں دیکھا تھا لیکن ان دونوں کو اس کار سے
ہوا دیکھ کر میرے ذہن میں یہ مفروضہ جاگزیں ہو گیا تھا کہ اگر
کا ساتھی سفید فام تھا تو یقینی طور پر وہ ہیری کیسنجر ہی
ناتھا۔

چند ثانیوں بعد' سیاہ سوٹ میں ملبوس' وہ شخص گھوما تو مجھے یہ
ر سخت مایوسی ہوئی کہ وہ سفید فام نہیں بلکہ ایک تنومند اور
قامت مقامی تھا جس کے کوٹ کے اڑتے ہوئے لیپل کے
شولڈر ہولسٹر کی چرمی بیلٹ واضح طور پر نظر آرہی تھی۔
ویرا کار کے آگے سے گھوم کر اس کے قریب پہنچی ہی تھی کہ
طرف سے قاسم بھائی تیزی کے ساتھ اس کی طرف آیا۔ اس
بدن پر بھی سوٹ موجود تھا۔

وہ حریص اور رنگین مزاج تاجر تھا۔ اسے شیشے میں اتارنے
لئے میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ میں لانچ کی آمد کے وقت
کو بھی گھوڑا کریک پر لانے کی کوشش کروں گا حالانکہ اس
تک خود میرے فرشتوں کو بھی ویرا کے آنے یا نہ آنے کے
ے میں کچھ علم نہیں تھا۔ مگر قاسم بھائی نے میرے الفاظ پر
ماکر کے' اس رات کے لئے پوری تیاری کی ہوئی تھی۔ وہ اپنی
ت میں ویرا پر ڈورے ڈالنے کی پوری تیاریاں کر کے آیا تھا۔
پر نگاہ پڑتے ہی مجھے خیال آیا کہ نیچے ساحل پر پہلے سے موجود
کار اسی کی ہو سکتی ہے۔ قاسم بھائی کے اصل پروگرام کے
ت اس کی گاڑی میں قیمتی اسکاچ اور شیمپین کی بوتلیں ہونی
ری تھیں کیونکہ وہ اپنے دل میں' یہ ارمان لئے بیٹھا تھا کہ وہ
رات سمندر کی جھاگ اڑاتی موجوں کی پھوار میں' گھوڑا
یک کی سنگلاخ چٹانوں پر شراب سے شباب کی میزبانی کرے گا۔
وقفے وقفے سے ان تینوں کے چہرے میری طرف گھوم رہے
لیکن نیچے روشنی کا بندوبست اس قدر ناکافی اور منتشر تھا کہ میں
ے' ان کے چہروں کے بدلتے ہوئے تاثرات کا جائزہ لینے میں
یاب نہیں ہو سکا۔ ویسے بھی ان تینوں کے گرد مزدوروں وغیرہ کی
جمع ہونے لگی تھی۔ انہیں وہاں لانے والا قاسم بھائی تھا لیکن

شاید وہ سب ہی اس حقیقت سے واقف تھے کہ وہ خود کسی اور کے
لئے کام کر رہا تھا۔

وہ تینوں ایک ایسی جگہ رک گئے جہاں پڑنے والی' بلبوں کی
روشنی کے زاویے نہایت مناسب تھے۔ اپنی مجلس کے لئے' اس
مقام کے انتخاب میں غالباً قاسم بھائی کا دخل تھا۔ وہ مسلسل ویرا
کے قریب رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ روشنی میں ٹھہرنے سے اسے
یہ امید رہی ہو گی کہ وہ رات کے خوابناک ماحول میں اس رخ زیبا
کے شربت دیدار سے مسلسل سیراب ہوتا رہے گا جس نے پہلی
ملاقات کے بعد سے اس کی نیندیں حرام کی ہوئی تھیں۔

رفتہ رفتہ' ان تینوں کے گرد مزدوروں اور خلاصیوں کی بھیڑ میں
خاصا اضافہ ہو گیا لیکن میں کافی بلندی سے ان کا جائزہ لے رہا تھا
اس لئے مجھے ان کو اپنی دوربین کے عدسوں کی گرفت میں لینے میں
کوئی دشواری نہیں ہو رہی تھی۔ قاسم بھائی کے چہرے پر برسنے والی
خباثت اتنی واضح ہو چکی تھی کہ ویرا بھی اس کے عزائم سے آگاہ
نظر آنے لگی تھی۔ اس وقت قاسم بھائی کی کیفیت' رسّی سے بندھے
ہوئے کسی خونخوار بلے سے مشابہ تھی جس کی رسی کی پوری لمبائی
سے چند انچ آگے چند حسین اور صحت مند کبوتر چہلیں کر رہے
ہوں اور وہ انہیں اپنے تیز دانتوں میں دبوچنے سے قاصر ہو۔

کچھ دیر کی گفتگو کے بعد اس ہجوم میں سے مزدوروں کی چند
ٹولیاں الگ ہو گئیں۔ کھلی ہوئی باڈیوں والے چند ٹرکوں کے انجن
بیدار ہوئے اور وہاں لوہے کی جھنکار میں' لمبے لمبے پائپوں کے ٹرائی
پوڈ ایستادہ کر کے' ان میں بھاری چین بلاک لٹکانے کا کام شروع
کر دیا گیا۔

خلاصیوں کی ان ہی کارروائیوں کے دوران میں قاسم بھائی کی
کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور وہ ویرا کے ساتھ' اس بھیڑ سے
الگ ہو کر' اس چٹانی سلسلے کی طرف آنے لگا جس کے ایک حصے پر
ہم لوگ قابض تھے۔

اس رات سمندر پُرسکون تھا اور مطلع صاف تھا' اس لئے
جوں ہی سمندر کی جانب سے کسی لانچ کے ہوٹر کی دبی دبی آواز کسی
وقفے کے بغیر دوبار سنائی دی تو سب ہی سمندر کی طرف متوجہ
ہو گئے۔

نیچے موجود مزدوروں اور خلاصیوں کے جوش و خروش میں
ایک دم اضافہ ہو گیا۔ ہوٹر کی دوسری آواز کے معدوم ہوتے ہی
ویرا کے ساتھ آئے ہوئے تنومند مقامی نے اپنے شولڈر ہولسٹر سے
پستول نکال کر دو ہوائی فائر کئے۔ شاید وہ لانچ کے عملے کے ساتھ
اشاروں کے تبادلے کا کوئی طے شدہ طریقہ تھا۔

پھر مجھے سمندر کے سینے پر ایک تاریک لانچ کا آسیبی ہیولا بھی
نظر آنے لگا جو رفتہ رفتہ اس سمندری کھاڑی کی طرف آرہا تھا جہاں
سب لوگ اس کے منتظر تھے۔

دو ہوائی فائروں کے بعد اس تاریک لانچ کے اگلے حصے میں
نصب تیز روشنیاں جل اٹھیں اور ہماری کمین گاہ کے نیچے پھیلی

ہوئی گھوڑا کریک دور دور تک منور ہوگئی۔

میں نے ٹرائی پوڈ پر نصب اپنی دوربین کا رخ تیزی کے ساتھ مزدوروں اور خلاصیوں کے بجائے کھلے سمندر کی طرف گھما دیا تاکہ سمندری کھاڑی میں پڑنے والی روشنی کے منبع کا جائزہ لے سکوں۔

مروّجہ مفہوم کے مطابق وہ کوئی بحری جہاز کہا جا سکتا تھا نہ ہی اسے کوئی کشتی کہا جا سکتا تھا۔ وہ ان دونوں کے درمیان میں ایک بڑی سی کشتی تھی جسے اسٹیم یا ڈیزل کے انجن کے ذریعے چلایا جا رہا تھا۔ اس لانچ کی تمام اندرونی روشنیاں گل تھیں۔ شاید اندھیرا پھیل جانے کے بعد سے اُس کا سفر ہی اندھیرے میں گزرا تھا اور ساحل کی جھلک دیکھ لینے کے بعد اس لانچ کے ناخدا نے اس وقت لانچ کے اگلے حصے کی تیز روشنیاں جلائی تھیں جب ساحل سے دیے جانے والے جوابی سگنل کے ذریعے اسے اطمینان دلا دیا گیا تھا۔ اول خان سے ملنے والی ابتدائی معلومات کے مطابق اس لانچ کا نام الحدید تھا اور بحریہ کے جوانوں نے گہرے پانیوں میں کارروائی کرکے اس کے نیوی گیشن اور ریڈیو روم پر قبضہ کرلیا تھا۔

اگر اول خان کی فراہم کی ہوئی وہ اطلاعات درست تھیں تو الحدید کا اصل عملہ اس وقت بحریہ کی حراست میں تھا اور بحریہ کا عملہ ہی لانچ کو ساحل کی طرف لا رہا تھا۔

لانچ کی پیش قدمی کی رفتار بہت سُست تھی۔ میں نے چند ثانیوں تک اس کا جائزہ لینے کے بعد دوربین کا رخ دوبارہ نیچے، ساحل کی طرف گھمایا تو وہاں رونق اور چہل پہل شروع ہو چکی تھی، مزدور اپنی مخصوص اور اونچی آوازوں میں ایک دوسرے کو ہدایات اور مشورے دے رہے تھے۔ اس گہما گہمی میں زندگی کا حقیقی رنگ جھلک رہا تھا اور کسی طرح بھی یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ سب کسی جرم کے اجتماعی ارتکاب کے لئے وہاں جمع ہوئے ہیں۔ ان کی ولولہ انگیز بھاگ دوڑ ہر قسم کے احساسِ جرم سے عاری تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ اس واردات کا بڑا اور اصل مجرم ہیری کیسنجر تھا جس کے ایما پر الحدید، ابو موسیٰ مبارک نامی جزیرے سے غیر قانونی ہتھیاروں کی بڑی کھیپ لے کر پاکستان آئی تھی لیکن وہ خود اس تمام ہنگامے سے دور، اپنے گھر میں بیٹھا چین کی بنسری بجا رہا تھا۔ الحدید کا عملہ دوسرے نمبر کا مجرم تھا جو جانتے بوجھتے ہوئے اس بھیانک جرم میں ہیری کیسنجر کا آلۂ کار بننے پر آمادہ ہوا تھا۔ قاسم بھائی کو اس کی مالی بدعنوانیوں کی بنا پر بلیک میل کرکے اس جرم میں شریک کیا گیا تھا۔ ہیری کیسنجر نے ویرا کے ذریعے اسے خوف زدہ کیا تھا کہ اگر اس نے تعاون نہ کیا تو درآمدی کاروبار میں، ملکی خزانے کو کروڑوں روپے کا دھچکا پہنچانے کے بارے میں موجود ٹھوس کاغذی شہادتوں کی بنا پر اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی اور وہ اپنے تن کے کپڑے بیچ کر بھی درآمدی محصولات میں گھپلوں کی اصل رقم اور جرمانے ادا نہیں کرسکے گا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ امریکی انتظامیہ دنیا کے ہر گوشے میں، جائز اور ناجائز ذرائع سے اپنے مفادات حاصل کرنے کے لئے جہاں اپنے منظم اداروں کے تنخواہ دار اداروں کے ملازمین سے بھرپور کام لیتی تھی، وہیں وہ حساس ممالک کے اہم سرکاری اور نجی اداروں کے بااختیار اور بارسوخ اراکین کے خلاف ثبوت بھی جمع کرتی رہتی تھی تاکہ ضرورت پڑنے پر ان سے کام لیا جا سکے۔

ان لوگوں نے قاسم بھائی کے سنگین تجارتی جرائم کے خلاف ناقابلِ تردید ثبوت جمع کئے ہوئے تھے جن کا ذکر آتے ہی قاسم بھائی کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا نے امریکی کسٹم کے تحقیقاتی افسر کا روپ دھارا ہوا تھا اس لئے قاسم بھائی پر پڑنے والا دباؤ بدترین صورت اختیار کر گیا تھا لیکن پھر بھی میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ کے لئے آدمی کس حد تک گر سکتا ہے۔

یہ درست تھا کہ اس دور میں مادی فائدوں کے حصول کے لئے اندھا دھند مقابلہ جاری تھا، پیسے کا ہولناک عفریت ساری اخلاقی، سماجی اور معاشرتی قدروں کو نگل گیا تھا لیکن پھر بھی کچھ ایسے مقام باقی تھے جہاں انسان ہر فائدے سے دست بردار ہو کر مقابلے پر تل جاتا ہے۔

قاسم بھائی لاکھ حریص، خودغرض، لالچی اور بدعنوان تاجر تھا مگر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ بڑے سے بڑے فائدے کے لئے بھی اپنے بیوی بچوں کو فروخت کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوتا۔ اس کے لئے ہتھیاروں کی اسمگلنگ بھی اسی ذیل میں آنی چاہئے تھی کیونکہ غیر قانونی ہتھیار ہر معاشرے میں قانون شکن عناصر کے کام آتے ہیں۔ گو ویرا نے اسے کھل کر، آنے والے مال کی نوعیت سے آگاہ نہیں کیا تھا لیکن میں نے باتوں باتوں ہی میں اس کے ذہن کو پڑھ لینے میں کامیابی حاصل کرلی تھی۔ اسے مہلک گولا بارود اور ہتھیاروں کی اسمگلنگ میں مدد دینے میں کوئی عذر نہیں تھا۔ وہ صرف ہیروئن کی اسمگلنگ میں کسی بھی طرح ملوث ہونا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر قانونی اور غیر قانونی کام اس کے لئے روا تھا۔ اس کی وہ سوچ، اس کے عملی تعاون سے مل کر اسے بھی بڑا مجرم بنا دیتی تھی۔ رہے مزدور، تو وہ بڑی حد تک مجبور و محروم تھے۔ وہ اپنے زورِ بازو سے اپنی روز کی روزی کماتے تھے۔ قاسم بھائی مجھے بتا چکا تھا کہ وہ کسی کے تنخواہ دار نہیں تھے بلکہ ٹھیکے پر کام کرتے تھے۔ ایسے لوگ ہر روز کنواں کھود کر پانی پیتے ہیں۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ انہیں کئی کئی دن تک کام نہیں ملتا۔ اس دوران میں وہ اپنے پس انداز کئے ہوئے قلیل اثاثوں پر انحصار کرتے ہیں اور اگر ان پر پہلے ہی زوال آ چکا ہو تو فقر و فاقہ میں بھی اپنے ربِ ذوالجلال کا شکر ادا کرتے ہیں۔

مجھے اندازہ تھا کہ انہیں کئی گنا زیادہ معاوضے کا لالچ دے کر وہاں لایا گیا ہوگا۔ رات کے اندھیرے میں گھوڑا کریک پر آنے والی لانچ پر باربرداری کا کام لینے سے قبل انہیں اندازہ ہو چکا ہوگا کہ وہ جو کوئی کام کریں گے، وہ غیر قانونی ہوگا، لیکن وہ سب معاشی بدحالی

کی اُس صورتِ حال سے دوچار رہنے والے لوگ تھے جہاں حرام بھی کبھی کبھی حلال کی سرحدوں کو چھونے لگتا ہے اس لئے اُن پر امانت جرم کا کوئی بڑا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہ سب سوچتے ہوئے' میں آہستہ آہستہ دوربین کا زاویہ بدلتا رہا لیکن مجھے ویرا انہیں نظر نہ آسکی۔ اسی کے ساتھ قاسم بھائی بھی غائب تھا۔ البتہ ویرا کے ساتھ آنے والا دراز قامت شخص مطمئن اور تحکمانہ انداز میں وہیں گھوم رہا تھا۔ لانچ کا جائزہ لینے کے شوق میں ان دونوں کا سراغ کھودینے کا مجھے افسوس ہوا کیونکہ وہ ایسا تاریک ساحلی علاقہ تھا جہاں سیکڑوں کونوں کھانچوں میں کسی کو تلاش کرنا آسان نہیں تھا۔

مایوس ہو کر میں دوبارہ سمندر کے سینے پر آگے بڑھتی ہوئی لانچ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وہاں مجھے لانچ کی تیز روشنی میں ایک چھوٹی سی موٹر بوٹ تیزی کے ساتھ ساحل کی طرف آتی ہوئی نظر آئی۔ اس پر دو افراد سوار تھے اور شاید وہ بوٹ لانچ سے ہی پانی میں اتاری گئی تھی۔

اس لانچ پر نظر پڑتے ہی میں بری طرح چونکا تھا کیونکہ میرے لئے وہ خطرے کی علامت تھی۔

اسی لمحے مجھے اپنے عقب میں اول خان کی سرگوشیانہ آواز سنائی دی۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

لانچ کی طرف سے ایک تیز رفتار موٹر بوٹ میں دو افراد اِدھر ہیں" میں نے دوربین چھوڑ کر اُس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے ہیجان آمیز آواز میں کہا۔

"موٹر بوٹ!" وہ بڑبڑایا "ہو سکتا ہے کہ وہ پائلٹ بوٹ ہو۔"

یہ کہہ کر وہ خود دوربین سے اس سمت کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔

"نہیں' یہ پائلٹ بوٹ نہیں ہو سکتی۔ وہ تو ساحل پر آگئے ہیں اور اب اپنی بوٹ بھی پانی میں سے باہر نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں" وہ ایک طویل "اوہ" کے ساتھ دوربین سے ہٹ گیا۔

میں نے اندھیرے میں اپنی استفسار طلب نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کردیں۔

"باقاعدہ بندرگاہوں پر پائلٹ بوٹ کی رہنمائی میں جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں تاکہ جہاز کو بندرگاہ کے اطراف میں واقع زیرِ آب رکاوٹوں سے نقصان نہ پہنچ سکے لیکن یہاں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسے کام کرنے والے ملاح ہر گھاٹ وکھاڑی سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔" اول خان بولا۔

"تو پھر وہ کون ہیں اور ساحل پر کیوں آئے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"یہ پتھروں اور مونگے کی چٹانوں سے گھری ہوئی ایک خطرناک سمندری کھاڑی ہے" اول خان قدرے توقف کے بعد بولا "یہاں سمندر کی سرکش لہریں کھلے ساحل پر دور تک جا کر دم توڑنے کے لئے آزاد نہیں ہیں۔ سنگین چٹانیں صدیوں سے ان کا

مقابلہ کر رہی ہیں' یہی وجہ ہے کہ یہاں لانچ کا لنگر انداز ہونا ممکن ہے۔ یہ بھی کلفٹن وغیرہ کی طرح کھلا ساحل ہوتا تو یہاں ٹنوں وزنی لانچ تو کیا' بھاری موٹر بوٹ بھی کنارے تک نہیں آسکتی تھی۔ اس کھاڑی میں پانی کی گہرائی نے ہی اسے خفیہ سمندری گھاٹ میں تبدیل کیا ہوا ہے اور یہاں کنارے تک آکر کسی بھاری لانچ کو لنگر انداز کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اندازے کی ذرا سی غلطی یا غفلت کی صورت میں لانچ کا مضبوط ڈھانچا خوفناک ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر' لانچ کے غرقاب ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔ شاید یہ دونوں ساحل سے لانچ کے ناخدا کی رہنمائی کرنے کے لئے ساحل پر آئے ہیں۔"

"تاکہ لانچ بحفاظت گھوڑا کریک پر لنگر انداز ہو سکے" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

تاروں کی ٹھنڈی اور ناکافی روشنی میں' میں نے اس لال بھکڑ کو غصیلی نگاہوں سے گھورا لیکن وہ میرے ردِ عمل کی پروا کئے بغیر دوربین کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"تو پھر ان دونوں کا تعلق الحدید کے عملے سے ہی ہوگا؟" میں نے اول خان سے سوال کیا۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نیوی والے اپنے ساحل سے بہت اچھی طرح واقف ہیں لیکن مجرمانہ مقاصد کے لئے کار آمد کھاڑیوں کی ساخت وغیرہ سے واقف ہونا اُن کے نصاب سے باہر کی بات ہے۔ اس لئے الحدید کو بحفاظت کنارے لگانے کے لئے انہیں الحدید کے عملے پر ہی انحصار کرنا پڑا ہوگا۔ یہ اُن کی مجبوری ہے' فوجی اصطلاح کے مطابق ایک جنگی قیدی ہی دشمن کی سرزمین اور عزائم کے بارے میں بہترین مخبری کر سکتا ہے۔"

"اور اگر انہوں نے ساحل پر قدم رکھتے ہی' لوگوں کو متوقع خطرات سے آگاہ کر دیا تو کیا ہوگا؟" وہ ایک نہایت ذلت آمیز امکان تھا مگر میں نے اول خان پر اپنی لاشعوری برتری برقرار رکھنے کے لئے ان خدشات کو الفاظ کا روپ دے ہی دیا۔

"وہ سب سر پر پیر رکھ کر بھاگ نکلیں گے" سلطان شاہ نے دوربین سے اپنی نگاہیں ہٹائے بغیر بے پروایانہ انداز میں اپنی سطحی رائے کا اظہار کیا۔

"یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مقابلے پر تُل جائیں" میں نے دانت پیستے ہوئے' غصیلے لہجے میں کہا "یہ اُن کی روزی کا معاملہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لانچ کے عملے کی رہائی کی کوششوں میں مصروف ہو جائیں اور بحریہ کے افسروں اور جوانوں کو ان پر فائر کھولنا پڑ جائے۔"

"یہ سب نہیں ہوگا" اول خان کی پُراعتماد آواز نے ہم دونوں کو خاموش کر دیا "بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم لوگ فوجیوں کو اکھڑ اور عقل سے پیدل تصور کرتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ پالیسی ساز افسران ہر نشیب و فراز پر غور کر کے فیصلے کرتے ہیں اور ان کے ماتحت' ان کے احکام پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتے ہیں۔ اس نظم و ضبط کو عام لوگ ہضم نہیں کر پاتے۔ ان کے نزدیک دوسری منزل کی چھت پر سے مارچ کرتے ہوئے سڑک پر گر جانا اور لہولہان ہو جانے کے باوجود پھر مارچ میں مصروف ہو جانا' نری حماقت ہے۔ جب کہ جرمن قوم میں ڈسپلن کے اسی لرزہ خیز مظاہرے نے ونسٹن چرچل کے اوسان خطا کر دیئے تھے اور وہ ہٹلر سے اس ... خراش مارچ کو روک دینے کی التجا کرنے پر مجبور ہو گئے تھے' جس ... شکار اسکول کے بچے بن رہے تھے۔ جس دن فوج سے یہ ڈسپلن ختم ہوا تو وہ بھی شہری پولیس کی طرح کرپٹ اور بدعنوان ہو جائے گی۔ آج ہماری پولیس کے اہل کار' ڈاکوؤں' قاتلوں اور دہشت گردوں کے لئے مخبری کرتے ہیں۔ ان کی بے رحمانہ سرکوبی کرنے کے لئے مامور کئے جانے والے یہ لوگ ان مجرموں کے دست و بازو بن گئے ہیں۔ اسی لئے ہر طرف تباہی و بربادی اور لاقانونیت کا دَور دورہ نظر آتا ہے۔ فوج کا ادارہ ان بدعنوانیوں سے محض اپنے ڈسپلن کی بنا پر بچا ہوا ہے۔ اس ڈسپلن کی خاطر فوج کا ایک چھ نٹا جوان' اپنی جان کی پروا کئے بغیر صرف اس لئے بیس فٹ گہری دلدل میں اتر جاتا ہے کہ یہ اُس کے افسر کا حکم ہے......"

"میرا خیال ہے کہ تم جذباتی ہو گئے ہو" میں نے اُس کی بات کاٹ کر دھیمے لہجے میں کہا "یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے اور نہ ہی میں نے فوج کی کارکردگی پر کوئی تنقید کی تھی۔"

"تم نے براہِ راست کوئی کڑوی بات نہیں کی تھی لیکن تم ایمان داری کے ساتھ اپنے دل کو ٹٹولو تو تمہیں احساس ہوگا کہ تمہارے سوال کی بنیاد اس مفروضے پر تھی کہ الحدید اور اس کے عملے پر قابض ہونے والا بحری کمانڈر اس سوجھ بوجھ سے محروم ہے جس سے ہم لوگ بہرہ ور ہیں۔ لیکن مائی ڈیئر ڈینی! تم یقین رکھو کہ ... افسر ہم جیسے سیکڑوں ہوشیاروں کو سرِ عام بیچ ڈالنے کی صلاحیت رکھتا ہوگا۔ موٹر بوٹ کے ذریعے' ساحل پر بھیجے گئے دو افراد میں سے اگر ایک کا تعلق الحدید کے عملے سے ہوگا تو دوسرا یقیناً بحریہ کا کوئی سادہ پوش افسر یا جوان ہوگا جو اسے مجوزہ لائحہ عمل سے سرِ مو انحراف کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔"

"یہ امکان میرے ذہن میں نہیں آسکا تھا" میں نے فراخ ... کے ساتھ اعتراف کرتے ہوئے کہا "آج کی رات تو حقیقی معنوں میں بحریہ والوں کی رات ہے۔ اس پوری مہم میں ہماری حیثیت براتیوں سے زیادہ نہیں ہے جو رات گئے تک اپنا دل اور ... جلانے کے باوجود دلہا اور اس کے لواحقین کے رت جگے ... پروگرام سے فرار حاصل کرنے کی کوئی راہ تلاش نہیں کر پاتے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا "تم تو کراچی کے مقامی باشندے ... لیکن ہمیں اپنی پوسٹنگ کے ساتھ نگر نگر کی خاک چھاننی پڑتی ... ہم رات کو جلد سو جانے اور سحر خیزی کے عادی ہیں لیکن کراچی ... شادیوں نے ہمیں شب بیدار بنا دیا ہے۔ لڑکیوں کی شادی میں رخصتی کے بعد اس وقت سونا نصیب ہوتا ہے جو دراصل ہمارے بیدار ہونے کا وقت ہوتا ہے......"

لمحے ایک سادہ پوش مگر مستعد شخص ہمارے قریب آیا اور کی طرف ہیڈ گیئر بڑھاتے ہوئے بولا "سر! آپ کے لئے نے شروع ہو گئے ہیں۔"

خان نے اُس کے ہاتھ سے ہیڈ گیئر لے کر اپنے سر اور چڑھالیا۔ چند ثانیوں تک وہ خاموشی اور توجہ سے دوسری ے آنے والا پیغام سنتا رہا پھر اس نے معاً کسی نامانوس زبان کے ساتھ کچھ بولنا شروع کر دیا۔

کی ناقابلِ فہم تقریر پر میں برا سا منہ بنا کر سلطان شاہ کی جہ ہو گیا جو کسی جونک کی طرح دوربین سے چپکا ہوا تھا۔

مجھے بالکل نہ چھیڑنا" اس نے میری آہٹ پہچانتے ہی لہجے میں کہا "نیچے وہی ہو رہا ہے جو اول بھائی نے کہا تھا۔ میں سے ایک، رنگ بدلنے والی ٹارچ کی تیز روشنی سے ہنمائی کر رہا ہے اور دوسرا کسی بُت کی طرح اس کے پہلو ہوا ہے۔"

یرا نظر آ رہی ہے؟" میں نے اسے چھیڑنے بغیر سوال کیا۔

یرا تو نہیں، البتہ دوسرا آلو نظر آیا تھا جو ویرا کے ساتھ ہی گیا تھا" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "وہ لوگوں کو ینے کے لئے آیا تھا اور پھر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔"

دھر گیا ہے وہ؟" میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا اور وہ ے ہنس پڑا۔

ایک طرف غزالہ کا دم بھرتے ہو۔ دن رات اس کی وفاؤں کھانے سے نہیں تھکتے اور دوسری طرف ویرا کو بھی کسی تکلف ہوتے نہیں دیکھ سکتے۔ اگر وہ کسی کے ساتھ اپنی بے رچیکی رات کو رنگین بنانا چاہ رہی ہے تو تم کیوں اس کی فکر ہو رہے ہو؟"

کھلی فضا میں تمہاری عقل عموماً چوپٹ ہو کر رہ جاتی ہے۔" دانت پیستے ہوئے کہا "تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ آج ویرا کے بعد نظر آئی ہے۔ اگر ہیری کیسنجر کا آدمی اسے لے کر نے میں کامیاب ہو گیا تو ہمارے فرشتے بھی اس کی گرد نہیں گے"

تمہارے فرشتے شاید کچھ سست ہو گئے ہیں۔ لیکن فکر نہ کرو۔ ں کے اطراف میں اول خان کے ستر مسلح جیالے چھپے ہوئے چڑیا کے بچے کو بھی واپس نہیں جانے دیں گے۔"

میں اس کی فضول گوئی پر بھنا کر وہاں سے دور ہٹ گیا۔ اول ہیڈ گیئر سے منسلک ٹرانسیٹر پر اپنے آدمیوں سے بات کرتا ہوا ہیں نکل گیا تھا۔

اس وقت صورتِ حال کچھ یوں تھی کہ گھوڑا کریک میں شمال سے شمال مشرق سے سمندری لہریں داخل ہو کر دم توڑ رہی سمندر سے ملحق، اسی شمال مشرقی حصے میں وہ مسطح زمین واقع تھا، ٹرک اور مزدور وغیرہ بکھرے ہوئے تھے اور اسی مقام پر نظر انداز ہوتا تھا۔ وہ کھاڑی اپنے مغربی دہانے سے جنوب مشرق تک چٹانوں سے گھری ہوئی تھی اور ہم عین جنوب میں سب سے اونچی چٹان پر موجود تھے۔ ہماری داہنی طرف گھاٹ تھا اور بائیں طرف صدیوں پرانی وہ چٹانیں ایستادہ تھیں جن کی بنیادیں گہرے سمندر میں اتری ہوئی تھیں۔ ہم چٹان کے بالکل آخری سرے پر نہیں تھے اس لئے عملاً ہمارے دونوں جانب ہی چٹانی سلسلہ تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ داہنی طرف کی چٹانیں قدرے دور جا کر میدانی گھاٹ میں معدوم ہو گئی تھیں جبکہ بائیں طرف والی چٹانیں سمندر میں کافی دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کھاڑی میں چٹانوں سے ٹکرا کر دم توڑنے والی سمندری لہروں کی وجہ سے ایک مہیب گونج پیدا ہو رہی تھی جو اس وقت ڈراؤنی پسِ منظر موسیقی کا کام کر رہی تھی۔

وہ کوئی ننھی سی کھاڑی نہیں تھی۔ نیچے... سمندر کا جھاگ اڑاتا ہوا پانی اتنے وسیع رقبے میں پھیلا ہوا تھا کہ اندر آ جانے والی لانچ، گھوڑا کریک میں کسی کھلونے کی طرح نظر آ رہی تھی۔

"ویرا کا ساتھی، ہدایات دینے کے بعد چٹانوں ہی کی طرف آیا تھا" اچانک مجھے اپنے قریب سلطان شاہ کی مصالحانہ آواز سنائی دی۔ میرے ساتھ اپنے عدم تعاون پر وہ زیادہ دیر تک مطمئن نہیں رہ سکا تھا۔ اُس کی طرف گھومتے ہوئے میں نے یہ بھی دیکھا کہ اس کی دوربین پر کوئی اور قابض ہو چکا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ بے آبرو کر کے دوربین سے محروم کئے گئے ہو؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میری عزت اتنی نازک نہیں ہے کہ دوربین چھن جانے سے اس کا کریا کرم ہو جائے۔ ویسے بھی وہ ان کی آبزرویشن پوسٹ ہے۔ دوربین تماشا دیکھنے کے لئے نہیں لگائی گئی ہے۔"

"شکر ہے کہ تمہیں عقل آ گئی" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "ہم یہاں ٹھنڈی ہوا کھانے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ مجرموں کی گرفتاری اور ہتھیاروں کی ضبطی کے لئے بحریہ اور اول خان کے جوان کافی ہیں۔ ہمیں ویرا کی فکر کرنی چاہئے۔ یہاں تصادم کا آغاز ہونے سے پہلے وہ ہماری تحویل میں آ جائے تو محفوظ رہے گی ورنہ افراتفری میں ہمارے آدمیوں کی گولیاں ہی اسے چاٹ سکتی ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اوپر سے وہ لوگ تاک تاک کر نشانے لینے کی پوزیشن میں ہیں" وہ یک بیک بہت زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔ "لیکن ہم اسے کہاں تلاش کریں گے؟"

"دوربین پر انحصار کرنے کے بجائے ہمیں نیچے جانا ہوگا" میں نے اس سے کہا اور پھر تیزی سے اس شخص کی طرف بڑھ گیا جو دوربین سے نظریں لگائے، اپنے اپریٹس پر رپورٹ دے رہا تھا۔

خاموشی اور رازداری کی بنا پر وہاں موجود ہر شخص کی نقل و حرکت اور سرگرمیاں پراسرار سی تھیں۔ کچھ دیر پہلے اول خان سمیت متعدد افراد ہمارے گردوپیش میں موجود تھے لیکن پل بھر میں وہ سب، اندھیرے میں کہیں معدوم ہو چکے تھے اور صرف دوربین والا شخص وہاں موجود رہ گیا تھا۔

میں نے ہولے سے اس شخص کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ
بھڑک کر تیزی کے ساتھ میری طرف پلٹا تھا۔ اس نے اپنے لاسلکی
آلے کا ترسیلی بٹن چھوڑ دیا تھا اور اس کے داہنے ہاتھ میں پستول دبا
ہوا تھا جس کا دہانہ میری طرف اٹھا ہوا تھا۔ اس کی حیرت ناک
پھرتی نے مجھے ششدر کر دیا۔

مجھے پہچانتے ہی اس کے پستول کی نال جھکتی چلی گئی۔ شاید اس
نے مجھے اول خان کے ساتھ وہاں آتے ہوئے دیکھا تھا اس لئے
مجھے اپنا تعارف کرانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

"میرا نام ڈیبی ہے" میں نے اسے اپنے نام سے آگاہ کرنا
ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے، سر!" اس کے برجستہ جواب نے دوبارہ مجھے
حیران کر دیا "ہمیں پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ آپ کے ساتھ سلطان
شاہ صاحب بھی یہاں آئے ہوئے ہیں۔ مجھ سے پہلے دوربین پر وہی
بیٹھے ہوئے تھے۔"

"گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "ہم دونوں چٹان سے
نیچے جا رہے ہیں۔ اول خان صاحب ادھر آنکلیں تو انہیں بتا دینا
تاکہ وہ ہمارے لئے پریشان نہ ہوں۔"

"او کے، سر!" اس نے نہایت ادب اور احترام سے کہا پھر
بائیں ہاتھ پر پھیلی ہوئی تاریک چٹانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
بولا "ویسے سر ادھر کی پوزیشنوں کا جائزہ لینے گئے ہوئے ہیں۔ آپ
لوگوں کو میرا مشورہ ہے کہ دشمن سے دور رہنے کی پوری کوشش
کریں۔ ایک بار فائر کھولنے کی نوبت آگئی تو ہم دوست اور دشمن
میں تمیز نہیں کر سکیں گے۔"

ہمارے لئے اس کے خیر خواہانہ جذبات قابل قدر تھے۔ میں
نے پُراخلاق لہجے میں اس خوش گفتار جوان کا شکریہ ادا کیا اور
سلطان شاہ کی طرف چل دیا۔

ستاروں کی ناکافی روشنی میں اس ساحلی چٹان سے نیچے اترنا
ایک تلخ اور دشوار تجربہ تھا۔ چٹان میں تہ در تہ جمی ہوئی بڑی بڑی
پتھریلی سلوں کی کاٹ دار دھاروں سے خود کو بچائے رکھنا بہت کٹھن
کام تھا۔ کئی جگہ ہم ایک دوسرے کی تقلید میں پھسلنے سے بار بار
بچے اور آخر کار نیچے پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔

"ہالٹ!" اول خان کی دمکتی ہوئی ٹویوٹا لینڈ کروزر کے عقب
میں سے ابھرنے والی ایک سرد اور تحکمانہ آواز نے ہم دونوں کو
اپنی جگہوں پر منجمد کر کے رکھ دیا۔

اپنے لب و لہجے سے وہ آواز نا آشنا معلوم ہوتی تھی۔ میں نے
اضطراری طور پر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔ سلطان شاہ نے
بھی میری تقلید میں تاخیر نہیں کی تھی۔

"آئی ڈن ٹی دیو سائیں!" اندھیرے میں سے وہی تحکمانہ
آواز ابھری۔

اس بار میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ یقینی طور پر رحیم بخش کی
آواز تھی۔

"میں ڈیبی ہوں، سائیں رحیم بخش!" میں نے کہا "اور میرے
ساتھ سلطان شاہ ہے۔"

اندھیرے میں رحیم بخش کا ہلکا سا قہقہہ گونجا اور پھر جیپ کی
اوٹ سے ایک انسانی ہیولا باہر نکل آیا۔ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا
"مجھے پہلے ہی معلوم تھا، وڈی سائیں کہ یہ تم ہو۔ مگر ڈسپلن بھی تو
برقرار رکھنا پڑتا ہے نا!"

"تم یہاں اندھیرے میں چھپ کر کیا کر رہے ہو، رحیم بخش؟"
میں نے اس کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے سوال کیا۔

"چوکی داری، سائیں! ہمارے صاب کی گاڑی ادھر کھڑی
ہے۔ اسے ہم کیسے لاوارث چھوڑ سکتے ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ دشمن
کوئی آدمی ہی ادھر آنکلے تو مفت میں اس کا شکار بھی ہو جائے گا۔"

ویسے تو میں قدم قدم پر محب وطن سندھیوں سے ملتا رہا تھا
پولیس کے محکمے میں بھی میں نے بہت سے شیریں سخن اور ایماندار
سندھی دیکھے تھے لیکن اول خان کی اسپیشل ٹاسک فورس میں
آنے والا، وہ پہلا سندھی تھا اور میں اس سے گفتگو آگے بڑھانے
کی خواہش کو کسی طرح نہ دبا سکا۔

"سائیں، تمہارا گاؤں کہاں ہے؟" میں نے دھیمی آواز میں
نازک سا سوال کیا۔

"ڈسٹرکٹ دادو میں خیرپور ناتھن شاہ سے تھوڑا آگے گوٹھ
مولا داد میں میرے بچے رہتے ہیں۔"

اس کے جواب نے میرا کام بہت آسان کر دیا اور میں نے
لہجے میں کہا "اس علاقے سے تو عام طور پر دہشت گرد اور ڈاکو
ہوتے رہے ہیں۔ تم اسپیشل ٹاسک فورس میں کیسے آگئے؟"

"سائیں، یہ جھوٹی کہانیاں ہیں" وہ کسی زخمی شیر کی
تڑپ کر بولا "پیر، فقیر اور صوفی بھی ہماری مٹی سے ہی ابھرے
لیکن لوگ اُن کو بھول کر، آج کے چند سر پھرے اور پاگل لڑ
مثال بنا لیتے ہیں۔ ماں کی کوکھ سے کوئی چور، ڈاکو پیدا نہیں
سارے بچے معصوم اور ایک جیسے ہوتے ہیں۔ جسے دو وقت
ملتی رہے وہ زندگی بھر سیدھے راستہ پر چلتا رہتا ہے لیکن جب
سے وڈیرے اور پولیس والے زندہ رہنے کا ہر حق چھین لیں
کی فصلوں کو اجاڑ دیں، اُس کے مویشی ہانک کر لے جائیں
روزی کمانے کا ہر دروازہ بند کر دیں، اُس کی جوان بہن بیٹی
حویلی کی بے رحم فصیل یا حوالات کی سفاک دیواروں کے
جائیں، تم خود بتاؤ کہ وہ زندہ رہنے کے لئے کیا کرے گا؟
مجبور اور محروم بستیوں میں ظلم کی ایسی اندھیری رات چل
جس میں امید کا کوئی جگنو پر نہیں مارتا۔ مقابلے پر آنے وا
کے چند جوان ہوتے ہیں۔ جو لوگ اس ظلم کا مقابلہ کر
سسک سسک کر مر جاتے ہیں اُن کی دردناک کہانیاں ان
ساتھ دفن ہو جاتی ہیں۔ سندھ صدیوں سے جاگیرداری
ظالمانہ چکی میں پس رہا ہے لیکن کوئی اس کے خلاف
سکتا۔ سندھ دیکھنا ہے تو کراچی، حیدر آباد، ٹھٹھہ، ہالہ اور

ر گوٹھوں اور گاؤں میں دیکھو۔ وہاں تمہیں آدمی'
ے زیادہ گونگے' بہرے اور بدحال نظر آئیں گے۔ وہاں
کے اور چھیلے نوجوان ظلم کی اس چکی کا ایندھن بنتے ہیں تو
باغی ان ظالموں کے سامنے ٹھہرنے میں کامیاب ہو جاتا
ڈیرہ شاہی اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے چور' ڈاکو'
دیا رستا گیر بنا دیتی ہے۔ یہ آج کی نہیں' بہت پرانی ریت
صرف اتنا ہے کہ آج اُن کے ہاتھ میں کلاشن کوف اور
آگئے ہیں۔"
ئیں' مجھے معاف کرنا! میرا مقصد تمہاری دل آزاری کرنا
گوٹھوں کے سادہ لوح باسیوں کی توہین کرنا نہیں تھا۔
کیا ہوتا تھا اور اب کیا ہو رہا ہے' میں اس سے بھی بالکل
نہیں ہوں۔ میرا سوال یہ تھا کہ تمہارے لوگ' تمہاری
س' فوج' ایس ٹی ایف اور ایسی ہی دوسری نوکریوں کی
ں نہیں آتے؟ وڈیرے اور پولیس کے ظلم کا توڑ تو اسی
باسکتا ہے۔"
ئی سائیں' یہ ہم لوگ بھی جانتے ہیں!" اس نے مجھے
م سے مخاطب کرکے مجھے چونکا دیا "لیکن تم نہیں جانتے'
نہیں جانتے۔ کسی گوٹھ میں بس کر دیکھو تو تمہیں معلوم
ڈیرہ اپنی جاگیر کا' نعوذ باللہ خدا ہوتا ہے۔ اس کی مرضی
ہاں پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا۔ گاؤں کے جوان سرکاری
پڑھ جائیں تو ان کی زمینوں کو کون ہرا بھرا رکھے گا؟ وہ
ؤں میں اسکول چلنے دیتے ہیں نہ سڑکیں بننے دیتے ہیں۔
ول میں کوئی سرپھرا استاد آجائے تو اُن کے پالتو غنڈے
کے اندھیرے میں اس کی خواب گاہ میں گیدڑ چھوڑ کر اسے
پر مجبور کر دیتے ہیں۔ بھرتی کے لئے دورہ کرنے والی سرکاری
معائنہ کرتی ہیں تو وہ وڈیرے کی مہمان ہوتی ہیں۔ وہی ان کی
ل اور دعوتیں کرتا ہے۔ انٹرویو اسی کی حویلی میں ہوتے ہیں۔
مرضی کے بغیر کوئی ان جماعتوں کے رُوبرو حاضر نہیں
بیکڑوں جوانوں کو ڈانٹ پھٹکار کر حویلی کے دروازے سے
ا ہے اور اخباروں میں یہ خبر آتی ہے کہ ہمارے لوگ
سے دور بھاگتے ہیں' میں خوش نصیب ہوں کہ میرا باپ
یرے کے درباریوں میں شامل تھا۔ میرے گاؤں کے بہت
ان اس نوکری کو حاصل کرنے کے متمنی تھے لیکن وڈیرے
صرف مجھے کمیٹی کے سامنے پیش ہونے کی اجازت دی گئی
فخر سے تمہارے سامنے سینہ تانے کھڑا ہوں۔ میرے
پر زمیندار یا وڈیرے کی خوشنودی کا سایہ نہ ہوتا تو آج
کی زمینوں پر ہل چلا رہا ہوتا اور اپنی ماں بہنوں کی عزت
پنے گاؤں کے وڈیرے کی مدد کا محتاج ہوتا۔ سائیں! ہم
تا ہے۔ ہم اس دھرتی سے اپنی ماں جیسا پیار کرتے ہیں۔
لئے اپنی گردنیں کٹوانے کے لئے تیار ہیں لیکن وڈی

سائیں! تم ہم کو موقع بھی تو دو۔ تم بھرتی کرنے آتے ہو تو گاؤں کے
چوک پر کچہری جمانے کے بجائے وڈیرے کی حویلی میں کیوں
سو جاتے ہو؟ ہم پر یہ ظلم تو گورے نے بھی نہیں کیا تھا جو آپ کالے
کر رہے ہیں۔"

"تم بھی ان ہی حالات اور اسی زمین سے ابھر کر ایس ٹی ایف
میں آئے ہو۔ دوسروں کے بڑوں کو وہ راز کیوں معلوم نہیں ہو سکا
جس کے سہارے تمہارے باپ نے تمہیں ایس ٹی ایف میں
پہنچا دیا ہے؟"

"سائیں' یہ مقدر کا کھیل ہوتا ہے" رحیم بخش دکھی بلکہ تلخ
آواز میں بولا "یہ سب وڈیرے کے موڈ اور مرضی کا کھیل ہوتا
ہے۔ عاشق بلوچ کا باپ میرے باپ سے زیادہ' زمیندار کا منہ چڑھا
تھا لیکن اسے اپنے بیٹے کو بورڈ کے سامنے پیش کرنے کی اجازت
نہیں ملی کیونکہ اس نے انٹرویو سے ایک دن پہلے زمیندار کی چلم
گرم کرنے میں دیر کر دی تھی اور وڈیرہ سائیں اپنے اس غلام سے
ناراض ہو گیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم لوگوں نے خود ہی اپنے وڈیروں کو
ضرورت سے زیادہ اہمیت دی ہوئی ہے۔"

"نہیں سائیں!" میری اس بے لاگ رائے نے رحیم بخش کو
مضطرب کر دیا "وڈیرہ ہر وقت اور ہر جگہ اپنے وجود کا احساس دلاتا
رہتا ہے۔ ہم اسے بھولنا چاہیں تو بھی نہیں بھلا سکتے۔ وہ ہمارے
سانسوں میں رچ بس جاتا ہے۔ ہمارے لئے وہی گاؤں کا مکھیا'
پٹواری' تھانے دار' ڈپٹی کمشنر اور کمشنر ہوتا ہے۔ اُس کی مرضی کے
بغیر' اس کی جاگیر میں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ اس کے باغی ساری
عمر حوالات اور جیلوں میں سڑتے رہتے ہیں جن کا کوئی پُرسانِ حال
نہیں ہوتا۔ تم خود بتاؤ کہ فرعون اور نمرود سے کون لڑا تھا جو ہم
اپنے وڈیروں سے لڑ سکیں؟"

"یہ نیا زمانہ ہے' وڈیرے شہروں میں رہتے ہیں۔ ان کی
اولادیں ذاتی خرچ اور سرکاری وظیفوں پر باہر تعلیم حاصل کر رہی
ہیں۔ کیا علم کی یہ روشنی بھی ان روایات میں دراڑیں ڈالنے میں
کامیاب نہیں ہو سکی؟"

"جاگیرداری کا نشہ تعلیم، ترقی اور سائنس کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ پھر شہروں میں رہ کر نرم خو، مہذب اور نرم دل بن جانے والے پشتینی جاگیرداروں نے بھی اپنی جائداد اور زمینوں کی دیکھ بھال کے لئے، اپنی اولادوں میں سے ایک آدھ کو نئی روشنی سے دور رکھ کر خونی خوار، وحشی اور درندہ بنانے کی رسم اپنالی ہے۔ ان کا اصل وارث وہی ہوتا ہے جو دھونس، جبر اور دھاندلی سے اپنی بات منوا سکے۔ ایسے ڈراؤنے ماحول میں کون کسی سے بغاوت کرنے کی جرات کرسکتا ہے؟ جو سر اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، اسے دوسرے ہی دن منوں مٹی کے نیچے دبا دیا جاتا ہے۔"

"میرے لئے یہ ساری باتیں ناقابلِ یقین اور حیران کن ہیں، سائیں!" میں نے کہا "تم ایس ٹی ایف میں آگئے ہو، تم اپنے علاقے کی بہبود کے لئے بہت کچھ کرسکتے ہو۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے، سائیں!" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "مشکل یہی ہے کہ میں چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرسکتا۔ گاؤں میں میرے ماں باپ کے ساتھ میری دو جوان بہنیں اور تین چھوٹے بھائی رہتے ہیں۔ سرکاری نظام کچھ ایسا ہے کہ میری شکایت پر کوئی کارروائی ہونے سے پہلے میرے وڈیرہ کو اس کی خبر مل جائے گی۔ وہ میرے گھربار کو تباہ کردے گا، میری بہنوں کو اٹھا کر لے جائے گا اور جب کارروائی ہوگی تو وہاں لٹی ہوئی عزتوں پر ماتم کرنے کے سوا کچھ باقی نہیں رہ جائے گا۔ میں خود کو ایسے کسی بھیانک امتحان میں ڈالنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔"

"تمہاری بے بسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ قانون بھی ان ہتھکنڈوں کے سامنے بے بس ہے" مجھ سے پہلے سلطان شاہ نے رحیم بخش کے خیالات پر اپنی رائے کا اظہار کرڈالا۔

"قانون!" رحیم بخش کی استہزائیہ آواز ابھری "کاش ہماری دھرتی پر بھی کوئی قانون ہوتا۔ قانون وڈیرہ ہے اور اس کی بکی ہوئی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہے۔ جس دن سندھ کے وڈیروں کو لگام لگادی گئی، اسی دن سے سندھ میں امن و امان بحال ہونا شروع ہوجائے گا لیکن موجودہ حالات میں ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ ہمارا وڈیرہ خود یا اپنے زرخریدوں کے ذریعے اسمبلی سے تھانے تک، ہر جگہ موجود ہے۔ ہر معاملے میں اُس کا سکّہ چلتا ہے۔ جب تک سندھ کے اس سومناتھ کو نہیں توڑا جائے گا کوئی انقلاب رُونما نہیں ہوسکے گا۔"

"تم نے دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے" میں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا "یہ خوشی کی بات ہے کہ تم اپنے لئے باعزت روزگار حاصل کرنے کے باوجود اپنے بھائیوں کے دکھ درد نہیں بھولے ہو۔"

"سائیں، یہ ہم سب کی دھرتی ہے۔ اپنی دھرتی سے جان بوجھ کر دغا کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ جس دن سب کو عزت کی روٹی ملنی شروع ہوگئی، سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

میں نے اس کی پیٹھ تھپکی اور سلطان شاہ کے ساتھ شمال مشرقی سمت میں چل دیا۔

چٹانوں کے عقب میں جگہ جگہ خاردار جھاڑیاں اور خودرو پودے اُگے ہوئے تھے جن سے بچ کر ہم آگے بڑھتے رہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ٹرک اور مزدور وغیرہ جمع تھے لیکن چٹانوں کا بے ترتیب پھیلاؤ ہمارے اور ان کے درمیان آڑ بنا ہوا تھا۔

ابھی ہم تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ زمین پر کسی کے بھاگتے ہوئے قدموں کی دھمک نے ہمیں چوکنا کردیا۔ اندھیرے میں دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور ہم تیزی کے ساتھ ایک قریبی چٹان میں دبک گئے۔

وہ آہٹیں تیزی کے ساتھ قریب آتی جارہی تھیں۔ آنے والا جو کوئی بھی تھا، ہماری طرف ہی آرہا تھا۔

جوں ہی وہ بھاگتا ہوا سایہ ہمارے قریب سے گزرا، میں نے پہلی ہی نظر میں اسے پہچان لیا۔ وہ ویرا تھی جو شاید ننگے پیر دوڑ لگارہی تھی۔

میں نے اضطراری طور پر اُس کا نام پکارا، وہ بھاگتے بھاگتے یکلخت رک گئی، ایک جھٹکے کے ساتھ ہماری طرف گھومی اور مجھ کو دیکھ کر اس کے حلق سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہوگیا۔

"مجھے پورا یقین تھا کہ چٹانوں کے پیچھے کچھ نہ کچھ ہورہا ہے" اس نے چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان، رک رک کر کہا اور بغل میں دبے ہوئے سینڈل زمین پر ڈال کر پہننے لگی۔

"تم اس طرح سر پر پیر رکھ کیوں بھاگ رہی تھیں؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"قاسم ساحلی چٹانوں میں بیٹھ کر شیمپین پی رہا تھا اور میں اس کے ساتھ تھی۔ وہ شروع ہی سے ندیدے پن کے ساتھ میری خوشامد میں لگا ہوا تھا" اس نے ہم دونوں کے ساتھ اپنے ٹھکانے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "میں بالکل غیر مسلح ہوں۔ حرامزادے ہیری نے مجھے ایک خونخوار محافظ کی نگرانی میں بھیجا تھا۔ اس لئے میں نے قاسم کو لفٹ دینی شروع کردی۔ میرے محافظ سے اجازت لے کر مجھے چٹانوں میں لے گیا۔ کی بوتل کھولتے ہی اس نے میرے بارے میں گھٹیا قسم کی باتیں شروع کردی جو میں، کسی مناسب موقع کی تلاش میں برداشت کرتی رہی۔ دوسری بوتل کی باری آنے پر جب وہ ہاتھا پائی کی طرف مائل ہونے لگا تو میں نے خالی بوتل سے اس کی کنپٹی پر ایک بھرپور ضرب لگائی اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہوگیا اور میں اسی وقت بھاگ نکلی۔"

"تو کیا قاسم کی جامہ تلاشی میں بھی تمہیں کوئی ہتھیار نہیں مل سکا؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ غیر مسلح تھا۔ مجھے اس کو ہاتھ لگاتے ہوئے بھی گھن آرہی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس جیسا بردبار نظر آنے والا آدمی اتنا گھٹیا عاشق بننے کی کوشش کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس گھر سے ہی مجھ پر ڈورے ڈالنے کا ارادہ کرکے آیا تھا۔

وگمان میں بھی نہیں تھا کہ یہاں کوئی گڑبڑ ہو سکتی ہے۔ دوسرے لوگ بھی بالکل بے خوف اور مطمئن نظر آرہے ہیں۔"

"ساری تیاریاں بہت خفیہ رکھی گئی ہیں" میں نے کہا "سر پر ناگہانی افتاد نازل ہونے تک اُن کو خطرہ کی بھنک تک نہیں مل سکے گی۔"

"مجھے کچھ تو بتاؤ کہ کیا تیاریاں ہیں؟ تم دونوں کے علاوہ یہاں اور کون لوگ ہیں۔"

"پورا علاقہ مسلح افراد کے نرغے میں ہے" میں نے مختصراً کہا۔ "وہ لوگ اپنے کام میں ماہر ہیں۔ ہم دونوں تو صرف تمہاری فکر میں آئے تھے اور غنیمت ہے کہ تم تصادم کا آغاز ہونے سے پہلے ہی ان کے چنگل سے نکل آنے میں کامیاب ہو گئیں۔ اب یہاں جو کچھ ہونے والا ہے اس سے میں خود بھی لاعلم ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ آج خبیث اور بدمعاش ہیری کیسنجر کے سارے خواب خاک میں مل جائیں گے۔"

ویرا ذہنی اذیت اور تناؤ کے ماحول سے فرار ہو کر ہم تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ وہ کتنے ہی مضبوط اعصاب کی مالک سہی لیکن میں جانتا تھا کہ اندر سے وہ ایک بے دھڑک مگر نرم و نازک سی عورت تھی جو قاسم بھائی جیسے گھاگ شکاری کے پھیلائے ہوئے جال کے پھندے کتر کر فرار ہوئی تھی اور اسے اپنے ہوش و حواس معمول پر لانے کے لئے ایک معقول مہلت کی ضرورت تھی اس لئے اُس سے کوئی پُر پیچ سوال کئے بغیر ہم تینوں ہلکی پھلکی باتیں کرتے ہوئے اول خان کی لینڈ کروزر جیپ تک پہنچ گئے۔

وہاں رحیم بخش اپنی جگہ مستعد تھا۔ اس نے ہم دونوں کے ساتھ ایک سفید فام عورت کی موجودگی کو شدید حیرت اور بے اعتباری کے عالم میں قبول کیا تھا۔ ہم لوگ اس وقت بحیرۂ عرب کے جھاگ اڑاتے ہوئے، غضب ناک پانیوں کے کنارے پر موجود تھے جہاں سرکش سمندری لہریں کسی جل پری کو تو ساحل پر پٹخ سکتی تھیں لیکن ان سفاک اور بے رحم موجوں سے کسی اجلی اجلی، سفید فام حسینہ کا برآمد ہونا قرینِ قیاس نہیں تھا۔

"سلام میم صاب!" رحیم بخش نے ویرا کو دیکھتے ہی ادب و احترام سے کہا پھر اچانک ہی مجھ سے مخاطب ہو گیا "سائیں! یہ بیگم صاب کون ہے؟ اس کو کدھر سے لائے ہو؟"

"یہ ہماری دوست ہے، رحیم بخش!" میں نے نرمی سے کہا۔ "دُشمن کی قید سے فرار ہو کر آئی ہے۔"

"سائیں! تم اسے اوپر لے جاؤ گے یا ادھر جیپ میں ہی آرام کرو گے؟" رحیم بخش نے عجیب اور متجسسانہ لہجے میں سوال کیا۔

اول خان اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کی بنا پر ویرا کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا لیکن ویرا اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ اسپیشل ٹاسک فورس عام لوگوں کے لئے شجرِ ممنوعہ تھی۔ اول خان کی ذاتی مہربانیوں کی وجہ سے میں اس پُراسرار تنظیم کے بارے میں بہت کچھ جان چکا تھا لیکن ویرا کو ان رازوں میں اپنا شریک نہیں بنانا چاہتا تھا اس لئے میں نے فی الفور ویرا کو اوپر لے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"بیگم صاحب تھکی ہوئی آئی ہے۔ چٹان خراب اور خطرناک ہے اس لئے ہم تینوں یہیں جیپ میں آرام کریں گے" میں نے رحیم بخش کو آگاہ کیا۔

"تو سائیں، تم جیپ کی دیکھ بھال کرو، میں اوپر جاتا ہوں۔" اس نے تقریباً گڑگڑاتے ہوئے کہا "میں سر کو تمہارا پیغام بھی پہنچا دوں گا اور دشمن کی خبر بھی لے لوں گا۔"

میں نے مسکراتے ہوئے، اسے اوپر جانے کی اجازت دے دی اور وہ تیزی کے ساتھ چٹان کی طرف ہو لیا۔

جیپ مقفل نہیں کی گئی تھی۔ چابی بھی اگنیشن سوئچ میں لگی ہوئی تھی۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر قبضہ کر لیا۔ ویرا میرے برابر والی نشست پر آ گئی اور سلطان شاہ کو عقبی نشست پر براجمان ہونا پڑا۔

"یہ گاڑی کس کی ہے؟" ویرا نے دروازہ کھلنے کے ساتھ روشن ہونے والی کیبنٹ لائٹ کی روشنی میں جیپ کے اندرونی حصے کا جائزہ لینے کے بعد سوال کیا۔

"میرے ایک ہمدرد کی گاڑی ہے، آج کے کھیل کا ہیرو وہی ہے" میں نے کہا۔

شاید ویرا میرے جواب کے ابہام سے الجھ کر کچھ اور پوچھتی لیکن اسی لمحے سلطان شاہ کی زبان میں خارش ہوئی اور وہ بول پڑا۔ "قاسم کی گھٹیا شاعری کے دو چار شعر تو سناؤ!"

"مسز لیزلی فل ہام کے روپ میں، مَیں خود کو اردو سے بالکل نابلد ظاہر کر رہی تھی اس لئے اُس بے چارے کو اپنی ہر بات کا انگریزی میں ترجمہ کرنے میں شدید دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس کی شاعری میں میرے رنگ، روپ اور جسمانی اعضا کی مبالغہ آمیز تعریف کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔"

"تنہائی میں کھلے گریبان والے بلاؤز اور گھٹنوں سے اونچے اسکرٹ میں ملبوس ایک سفید فام دوشیزہ کو سامنے دیکھ کر وہ بے چارہ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا تھا۔ محبوبہ تو بہت بڑی چیز ہوتی ہے محبوب کو سامنے دیکھ کر میرؔ اور غالبؔ بھی اپنی چوکڑیاں بھول کر، لب و رخسار کی بھول بھلیوں میں گم ہو جایا کرتے تھے۔"

"یہ میرؔ اور غالبؔ کون تھے؟" ویرا نے اس کی خرافات پر دھیان دیئے بغیر پوچھا۔

"کمال ہے کہ اتنی اچھی اردو جاننے کے باوجود تم میرؔ اور غالبؔ سے ناواقف ہو۔ ارے بابا! انہیں تو اردو کے والدین میں شمار کیا جاتا ہے۔ اردو شاعری ان ہی کی گودوں میں پروان چڑھی ہے۔"

وہ دونوں حسبِ معمول آپس میں الجھ رہے تھے اور میرا ذہن گھوڑا کریک کی مجموعی صورتِ حال کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔ وہاں خشکی پر، اول خان کے جوان اندھیرے میں اپنی کمین

گاہوں میں چھپے ہوئے تھے اور موقع ملنے پر آناً فاناً میں دشمن کو نیست ونابود کرسکتے تھے' الحدید اور اس کے عملے پر بحریہ کے جوان قابض تھے' سمندر کی طرف سے بحریہ کی جنگی کشتیوں نے ناکہ بندی کرکے فرار کی راہیں مسدود کی ہوئی تھیں اور گھوڑا کریک آنے والی سڑک کے اطراف میں ایس ٹی ایف کے ستر مسلح جوان ٹیلوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں اپنے مورچے جمائے بیٹھے تھے۔ ہر اعتبار سے صورتِ حال کنٹرول میں نظر آرہی تھی لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ مزدوروں اور خلاصیوں وغیرہ کی بھاری نفری کو خوں ریزی کے بغیر کس طرح پکڑا جاسکے گا۔ اگر وہاں تصادم کی کوئی بھی صورت رُونما ہوتی تو بہت سے بے گناہوں کا مرنا اور زخمی ہونا ناگزیر نظر آرہا تھا۔

"یہ بتاؤ' تم گرینڈ ہوٹل چھوڑ کر ہیری کیسنجر کے کاؤنسلیٹ کیوں چل دی تھیں؟" سلطان شاہ کے اس بامعنی سوال نے مجھے ان دونوں کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کردیا۔

"اس خبیث نے کسی اہم معاملے پر تبادلۂ خیال کے لئے مجھے بلایا تھا اور میں اس کا فون سنتے ہی نیک نیتی کے ساتھ اس کے دفتر کی طرف روانہ ہوگئی...."

"لیکن وہ تمہیں اپنے رُوبرو دیکھتے ہی بدنیتی پر تُل گیا" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا۔

"سنتا ہے تو شرافت سے پوری بات سنو ورنہ میں تمہارا مُنہ توڑ دوں گی" ویرا غرائی۔

"میرا کوئی غلط مطلب نہیں تھا" سلطان شاہ نے مدافعانہ انداز میں کہا "پتا نہیں تم میری باتوں پر اتنی جلدی مشتعل کیوں ہوجاتی ہو؟"

"ٹھیک ہے' ویرا! اب یہ تمہیں نہیں ٹوکے گا" میں نے اسے یقین دہانی کرائی۔

"اس نے بہت عزت اور احترام کے ساتھ اپنے دفتر میں میرا استقبال کیا" ویرا بتانے لگی "باتوں باتوں میں اس نے مجھے جتانا چاہا کہ شہر میں میں غیر محفوظ تھی۔ مجھے اپنے نامعلوم دشمنوں کی طرف سے ہلاک بھی کیا جاسکتا تھا اس لئے چند دنوں کے لئے مجھے کاؤنسلیٹ میں پناہ حاصل کرلینی چاہئے تھی۔ لانچ کی بحفاظت آمد کے بعد' جب سارے خطرات ٹل جاتے تو میں اپنی مرضی سے کہیں بھی جاسکتی تھی۔ میں اُس کا اصل مقصد بھانپ گئی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں کوئی عام اور نرم ونازک لڑکی نہیں ہوں۔ میں دشمنوں کے حصار میں بھی زندہ رہنے کے فن سے خوب واقف ہوں اس لئے اُسے میری سلامتی کے بارے میں فکر مند نہیں ہونا چاہئے۔ اس پر اُس مردود نے مجھ سے مزید کچھ کہے سنے بغیر سیٹلائٹ فون پر جمی لائیڈ کا نمبر ملایا۔ اسپیکر فون.... استعمال ہونے کی وجہ سے میں دونوں طرف سے کی جانے والی گفتگو سن رہی تھی اور ضرورت پیش آنے پر اس میں شریک بھی ہوسکتی تھی۔ ہیری کیسنجر نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا' وہی سب اس نے جمی لائیڈ سے دہرادیا اور اسے میرے خیالات سے آگاہ کرتے ہوئے' ان خطرات اور متنازعہ حالات میں اس کی رائے طلب کی اور اس نے میری طرف سے ہیری کیسنجر کو سارے اختیارات سونپ دیئے۔ اس کا کہنا تھا کہ میں ناسمجھ اور لاابالی لڑکی ہوں اس لئے ہیری کو میری بہتری کے لئے ہر وہ قدم اٹھانا چاہئے' جو وہ ضروری سمجھتا ہو۔ میں نے اپنے باپ سے شدید احتجاج کیا۔ اُس سے یہ بھی کہا کہ ہیری بہانے سے مجھے یرغمال بنانا چاہ رہا ہے لیکن جمی لائیڈ نے سردمہری کے ساتھ میری ہر دلیل کو مسترد کرکے مجھے ہیری کی ہدایات پر عمل کرنے کا حکم دے دیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہیری بہت مکار اور گھاگ دشمن ہے۔" میں نے پُرخیال آواز میں کہا "اپنی مان مانی کرتے ہوئے بھی اس نے تم سے تصادم مول نہیں لیا بلکہ آخر تک تمہارا خیر خواہ ہی بنا رہا۔"

"اس کے بعد بھی میرے اور ہیری کے درمیان خاصی بحث ہوئی۔ میں نے تلخ لہجے میں بدکلامی کرکے اسے مشتعل کرنے کی کوششیں بھی کیں لیکن وہ تحمل اور خوش مزاجی کے ساتھ اپنی بات پر اڑا رہا کہ میری شہر واپسی کو وہ میری سلامتی کے خلاف سمجھتا ہے اور اگر میں نے اس کا مشورہ قبول نہ کیا تو گہرے دلی افسوس اور صدمہ کے ساتھ وہ مجھے بزور محبوس کرلے گا۔ اس دھمکی کے بعد میں نے ہتھیار ڈال دیئے اور مجھے فوری طور پر کاؤنسلیٹ کے ایک ایسے رہائشی حصے میں پہنچا دیا گیا جہاں دو کمروں اور ملحقہ باتھ روم کے ساتھ آسائش کی ہر سہولت موجود تھی۔ وہاں ایک ملازم بھی تھا جو کمروں کی صفائی ستھرائی کے ساتھ باورچی کا کام بھی کرتا تھا۔ وہاں سب کچھ تھا لیکن فون میسر نہیں تھا۔ اپنے بستر کے سرہانے پڑے ہوئے انسٹرومنٹ کو میں نے آزمایا تو وہ انٹرکام ثابت ہوا اور میں نے اسے دیوار پر دے مارا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہیری' آرنیٹ سے زیادہ چالاک اور خطرناک ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "ہوسکتا ہے کہ اسے بھی سیدھا کرنے کی ضرورت پڑجائے۔"

"تمہاری اطلاع کے لئے یہ بھی بتادوں کہ بگڑے ہوئے زخموں سے بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے آرنیٹ کئی دن کی اذیت ناک کشمکش کے بعد جہنم واصل ہوگیا۔ کاؤنسلیٹ میں مجھے ایک معزز مہمان کی طرح تمام سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں۔ ریڈیو' ڈیک' ٹی وی اور وی سی آر کے علاوہ کئی ملکی اور غیر ملکی اخبارات بھی دیئے جاتے تھے۔ بس بیرونی دنیا سے رابطے پر پابندی عائد تھی۔"

"گرینڈ ہوٹل سے اپنا سامان تم ہی نے منگوایا تھا یا وہ ہیری کی جعل سازی تھی؟"

"اُس کے عزائم اور پوزیشن کا بھرپور ادراک ہوجانے کے بعد مجھے حالات سے سمجھوتا کرنا پڑگیا۔ سامان میری رضامندی سے منگوایا گیا تھا۔"

"اس نے تمہیں اپنے چنگل میں جکڑلیا لیکن یہ بھول گیا کہ

تمہارے ہمدردوں میں سے کوئی قاسم بھائی کے کردار سے بھی واقف ہو سکتا ہے۔ میں نے اُس سے نہ صرف لانچ کا پروگرام گلوالیا بلکہ پورے دس لاکھ روپے بھی وصول کرلئے۔ تم چاہو تو اس رقم میں سے اپنا حصہ لے سکتی ہو۔"

"رقم کے بارے میں مجھے سنجیدگی سے سوچنا ہوگا" وہ بولی "تم نے شی کا شیرازہ بکھیر کر میری ذاتی آمدنی کے ذرائع بھی مسدود کردیے ہیں۔ تم نے حصہ نہیں دیا تو شی کے چارٹر کے مطابق مجھے اپنی ضروریات کے لئے ہیری کے کاؤنسلیٹ سے رجوع کرنا پڑے گا۔ وہ لوگ طے شدہ طریقۂ کار کے مطابق' دنیا کے ہر خطے میں شی کی تمام تر ہنگامی مالی ضروریات پوری کرنے کے پابند ہیں۔"

"آج تمہیں باہر آنے کی اجازت کیسے مل گئی؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"ہیری کو پورا یقین ہے کہ لانچ سے سارے ہتھیار وغیرہ بحفاظت گوداموں میں منتقل کردیے جائیں گے۔ اس نے اپنی دانست میں مکمل فول پروف انتظام کیا ہے۔ اس مشن کی ناکامی اس کے اعصاب کو ہلا کر رکھ دے گی۔ کامیابی کا سو فیصد یقین ہونے کے باوجود وہ خود ادھر نہیں آیا۔ اُس نے اپنی جگہ مجھے بھیجا ہے تاکہ آخری لمحات پر پیدا ہونے والے کسی بھی مسئلے کو آن دی سپاٹ حل کرسکوں لیکن آج بھی اُس نے مجھ پر مکمل اعتماد نہیں کیا بلکہ سویلین نمبر پلیٹ والی ایک کار میں کاؤنسلیٹ کے ایک مسلح محافظ کو میرے ساتھ بھیجا ہے تاکہ میں اصل مشن سے انحراف کرکے کسی غیر متعلقہ فرد سے رابطہ نہ کرسکوں۔"

اس کے انکشاف پر میں چونک پڑا "اگر تمہارا مسلح ساتھی کاؤنسلیٹ کا تنخواہ دار ملازم ہے تو اس کا زندہ یا مردہ پکڑا جانا بہت ضروری ہے۔"

ویرا فوراً ہی میرا مقصد سمجھ گئی اور بولی "میرا خیال ہے کہ وہ کار بھی کاؤنسلیٹ ہی کی ہے۔"

اسی وقت مجھے چٹان سے ایک انسانی ہیولا سنبھل سنبھل کر نیچے اترتا ہوا نظر آیا اور ہم تینوں اپنی گفتگو بھول کر اُس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

اس کے قریب آنے پر پتا چلا کہ وہ ہمیں شہر سے وہاں تک لانے والا ڈرائیور تھا۔ اس وقت اُس کے شانے سے ایک سب مشین گن جھول رہی تھی جس میں بڑا میگزین چڑھا ہوا تھا۔

"سر! آپ سے علیحدگی میں کچھ بات کرنی ہے" اس نے براہِ راست ڈرائیونگ سیٹ کی کھڑکی پر آکر' دھیمے لہجے میں مجھ سے کہا۔ میرے لئے اُس کی آمد بہت اہم تھی اس لئے میں فوراً ہی دروازہ کھول کر نیچے آگیا۔

"سر نے آپ کو اوپر بلایا ہے" جیپ سے چند قدم دور ہٹ آنے کے بعد اُس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "وہ آپ سے تخلئے میں کچھ بات کرنی چاہتے ہیں۔"

میں فوراً ہی اُس کے ساتھ چٹان کی طرف ہولیا کیونکہ اس

مرحلے پر میں خود اُس سے بات کرنے کے لئے بے چین تھا۔ ویرا کی واپسی کے بعد صورتِ حال اچانک ہی بالکل مختلف ہوگئی تھی۔

ویرا اور سلطان شاہ نے میری اچانک روانگی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ڈرائیور میرے ساتھ اوپر جانے کے بجائے، چٹان کے دامن میں ایک پتھر پر بیٹھ گیا تھا۔

میں اوپر پہنچا تو اول خان سرے پر ہی میرا منتظر تھا۔

"سنا ہے کہ ویرا اس بھیڑ سے الگ ہوکر تم سے آملی ہے؟" اس نے چھوٹتے ہی مجھ سے سوال کیا۔

"تم نے ٹھیک سنا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب کیا پوزیشن ہے؟" میں نے کہا۔

"لانچ لنگر انداز ہو چکی ہے۔ پیٹیاں اتاری جارہی ہیں۔ ایک نظر تم خود دیکھ لو۔"

میں فوراً دوربین کی طرف بڑھا، وہاں جمے ہوئے شخص کو ہٹایا اور طاقتور عدسوں کے ذریعے نیچے، گھاٹ کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا۔

وہ کوئی دقیانوسی وضع کی لانچ نہیں تھی۔ اس پر سامان کی تیز رفتار لوڈنگ اور ان لوڈنگ کے لئے اوورہیڈ کرین نصب تھی جو بجلی کی قوت سے بڑے بڑے چوبی کریٹ، نیچے کھڑے ہوئے ٹرکوں پر منتقل کر رہی تھی۔ اس کرین کے اوورہیڈ برج میں لگے ہوئے آؤٹ بورڈ اسپنڈ باہر کی طرف بڑھے ہوئے تھے جن کی مدد سے لانچ پر لدا ہوا سامان، براہِ راست گودی یا کسی ٹرک پر اتارنا ممکن تھا۔

الحدید کے دیوہیکل وجود نے اپنے پیچھے واقع ساحل کے وسیع وعریض حصے کو اپنی آڑ میں لے لیا تھا جس کی وجہ سے میں مزدوروں اور ٹرکوں کی مصروفیات کا جائزہ لینے سے قاصر تھا لیکن مجموعی صورتِ حال سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں تھا کہ سارا کام بہت تیزی کے ساتھ سرانجام دیا جارہا تھا۔

"ہم نے حکمتِ عملی بدل دی ہے۔" میرے فارغ ہونے پر اول خان نے پُرسکون لہجے میں مجھے آگاہ کیا "ہمیں دشمن پر ہر طرف بالادستی حاصل ہے۔ ابھی ابھی بحریہ کی طرف سے پیغام ملا ہے کہ لانچ پر سے مال اتارنے کا کام الحدید کا مشاق عملہ ہی سر انجام دے رہا ہے لیکن وہ سب پوری طرح کڑی نگرانی میں ہیں۔ یہاں کریک پر کی جانے والی کسی بھی کارروائی میں بہت سے بے گناہ مزدوروں کے ہلاک اور زخمی ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ہم نے اس مرحلے پر دخل انداز ہونے کا ارادہ ترک کردیا ہے۔ ہم الحدید کو ان لوڈ ہونے دیں گے۔ یہاں سے جو ٹرک ہتھیاروں کی کھیپ لے کر شہر کی طرف روانہ ہوں گے انہیں ایس ون پر مامور ہمارا عملہ گرفتار کرلے گا اور جدید ترین، مہلک ہتھیاروں سے لدے ہوئے سارے ٹرک کڑی نگرانی میں ملیر چھاؤنی پہنچا دیے جائیں گے۔ اس نظرِ ثانی شدہ منصوبہ کے مطابق ہم کسی کی نکسیر بہائے بغیر دشمن کی سازش کو ناکام بنا دیں گے۔ اب ہمیں یہاں انتظار اور صرف انتظار کے علاوہ کچھ بھی نہیں کرنا ہے۔"

"تو کیا تم نے یہی بتانے کے لئے مجھے اوپر بلایا تھا؟" میں نے اُس سے سوال کیا۔

"ہاں!" اس نے کہا "دراصل میں ویرا کے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا۔ ملکی سلامتی کے انتظامات میں میرا اپنا مقام ہے۔ تم میرے دوست ہو اور آج ویرا تمہاری حلیف ہے۔ لیکن کل کلاں کو وہ تمہاری حریف بھی بن سکتی ہے۔ اس نازک مرحلے پر میں اس کی نظروں میں آگیا تو آگے چل کر یہ لغزش میرے لئے مہلک بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ تمہیں یہاں بلانے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں تمہیں بتا دوں کہ اب یہاں کوئی گولی نہیں چلے گی۔ صورتِ حال پوری طرح ہمارے قابو میں ہے۔ ہم صرف انتظار کریں گے۔ اور مناسب وقت آنے پر ان غداروں کو چھاپ لیں گے۔ ایسے حالات میں تمہارا یہاں رکنا بے سود ہوگا۔ اگر ویرا ان درندوں کی قید سے آزاد ہوکر تمہارے پاس آگئی ہے تو تمہیں شہر کی طرف روانہ ہوجانا چاہئے۔"

"لیکن ایس ون پر تمہارے گوریلوں سے گلوخلاصی کی کیا صورت ہوگی؟"

"تمہیں جیپ میں وہی ڈرائیور لے جائے گا جو تمہیں یہاں تک لایا ہے۔ ان لوگوں سے وہ خود ہی نمٹ لے گا۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں ویرا کو لے کر یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

"تمہارا مشورہ بہت مناسب ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ ویرا کو یہاں لانے والی کار، غالباً ہیری کیسنجر کے کاؤنسلیٹ کی ملکیت ہے اور ویرا کا نگراں وہاں کا تنخواہ دار محافظ ہے۔ ان دونوں پر قابض ہوکر تم کاؤنسلیٹ والوں کے لئے کئی دشواریاں پیدا کرسکتے ہو جن کی جواب دہی میں انہیں دانتوں پسینہ آجائے گا۔"

"تم مطمئن رہو۔" وہ پُراعتماد انداز میں بولا "آج جو کوئی بھی گھوڑا کریک میں آگیا ہے وہ جان دار ہو یا بے جان، اپنی مرضی سے واپس نہیں جاسکے گا۔"

نیچے لانچ کے عقب میں بہت تیز رفتاری کے ساتھ کام جاری تھا میں اس منظر پر الوداعی نظریں ڈالتا ہوا، اول خان سے رخصت ہوگیا۔

اول خان نے اپنے ڈرائیور کو شاید پہلے ہی روانگی کے پروگرام سے آگاہ کردیا تھا کیونکہ وہ مجھے واپس آتا ہوا دیکھ کر جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ چکا تھا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ جیپ کی عقبی نشست پر سوار ہوگیا۔ ویرا بدستور آگے ہی بیٹھی رہی اور جیپ سبک رفتاری کے ساتھ حرکت میں آگئی۔

کچے اور ناہموار راستے پر اچھلتی کودتی ہوئی جیپ سڑک پر آئی تو ایک مقام پر اچانک ہی ایک شخص نے ٹارچ کی سرخ روشنی کا اشارہ دیا۔ وہ روشنی لمحہ بھر میں ہی معدوم ہوگئی لیکن اس دوران میں، میں یہ دیکھ چکا تھا کہ تقریباً اسی مقام پر سڑک کے وسط میں عارضی رکاوٹیں کھڑی ہوئی تھیں۔ جن سے بچ کر آگے فرار ہونا

مکانات میں سے تھا۔ ڈرائیور نے ان رکاوٹوں کے قریب لینڈ روزر روکی تو تاریکی میں سے دو افراد تیز ٹارچیں چمکاتے ہوئے جیپ کی طرف آئے۔ وہ دونوں ہیڈ کیمپس سے پیچھے تھے۔ پھر ان کے ہاتھوں میں روشن ٹارچیں بھی دبی ہوئی تھیں اس لئے ہم لوگوں کے لئے ان کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

"اومیگا فور!" ہمارے ڈرائیور نے اونچی آواز میں کہا۔

ہماری طرف بڑھتی ہوئی روشنیاں یک بیک اپنی جگہ پر رک گئیں۔ سڑک کی دوسری سمت سے ایک سادہ پوش شخص نمودار ہوا اور اس نے رکاوٹ ہٹا کر جیپ کے گزرنے کے لئے راستہ بنا دیا۔ اسی شخص کے اشارے پر ہماری جیپ سڑک پر تیرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

اول خان کا ڈرائیور ہم سب کے لئے اجنبی تھا اس لئے سفر خاموشی کے ساتھ جاری رہا۔

گڈانی موڑ سے آگے نکلتے ہی ویرا یک بیک بہت زیادہ مضطرب نظر آنے لگی۔ اس نے کئی بار پیچھے مڑ کر ہم سے مخاطب ہونے کا ارادہ کیا مگر پھر کچھ سوچ کر اُس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے اس کی بے چینی محسوس کرتے ہوئے کہا "تم کچھ کہنا چاہ رہی ہو یا گاڑی رکوانے کی ضرورت محسوس کر رہی ہو؟"

"ہیری اپنے مانیٹرنگ یونٹ پر اس وقت بھی میری ٹریکنگ کر رہا ہوگا۔" اس نے مڑ کر کہا۔

"اوہ!" میں نے اضطراری طور پر ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "تو چپ اس وقت بھی تمہاری ہی تحویل میں ہے!"

"وہ شروع ہی سے میرے پاس رہا ہے۔ ہیری نے اس کے بارے میں مجھ سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ چپ ابھی تک میرے جسم میں پوشیدہ ہے۔"

"کیوں نہ اسے یہیں کہیں پھینک دیا جائے۔ یہ بھی ہمارے لئے بلاوجہ کا ایک روگ بن گیا ہے۔" سلطان شاہ نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں!" میں نے اس کا مشورہ مسترد کر دیا "چپ کے ذریعے ہم انہیں غلط راہ پر ڈال سکتے ہیں۔ اس کا ہماری تحویل میں رہنا بہت ضروری ہے۔ جس دن چپ کا معاملہ ختم ہو گیا اسی دن سے کچھ آدمی ویرا کے پیچھے لگا دیئے جائیں گے اور اس کی مشکلات ناقابلِ یقین حد تک بڑھ جائیں گی۔"

"میں نے بھی یہی سوچ کر اسے اب تک سنبھالے رکھا ہے۔" ویرا بولی۔

"وہ ہے کہاں؟"

"ایک ڈوری کے ذریعے میں نے لباس کے نیچے، اپنی کمر سے باندھا ہوا ہے۔"

"اسے اپنی کمر سے کھول لو۔ شہر پہنچنے کے بعد اس کا بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کرلیں گے۔"

جیپ کچے میں اتار کر روک لی گئی۔ ہم دونوں ڈرائیور کے ساتھ جیپ سے اتر کر ٹہلتے ہوئے آگے نکل گئے۔ چند ثانیوں کے بعد ویرا نے ہمیں آواز دے کر واپس بلایا تو پتلی سی نائیلون کی ڈوری سے بندھی ہوئی تھیلی میں محفوظ کیا ہوا چپ اُس کے ہاتھ میں موجود تھا۔

پہلے میرا ارادہ براہِ راست گھر واپسی کا تھا لیکن چپ سے چھٹکارا حاصل کئے بغیر ادھر کا رخ کرنا خطرناک ہو سکتا تھا اُس لئے میں نے پٹھان کالونی کا رخ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ویرا کے جسم سے نکالے جانے کے بعد وہ چپ سلطان شاہ کے ایک دوست کے ذریعے پہلے پٹھان کالونی اور پھر لانڈھی کی سیر کر چکا تھا۔ اُس وقت آرنیٹ اس مشن پر کام کر رہا تھا۔ اپنے مانیٹرنگ یونٹ کی رپورٹ پر اس نے یہ سمجھا کہ ویرا خوف زدہ ہو کر شہر کی ان گنجان بستیوں میں چھپتی پھر رہی تھی۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد ہی اُس نے کرائے کے غنڈوں سے ان علاقوں میں اندھا دھند فائرنگ کروا کے دہشت پھیلانے کی کوشش کی تھی۔ اب اگر چپ دوبارہ اسی علاقے میں پہنچ جاتا تو ہیری یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا کہ پٹھان کالونی میں ویرا کا کوئی سچا ہمدرد رہتا ہے۔ جب ہی وہ ہر برے وقت میں وہاں پہنچ جاتی ہے۔

پٹھان کالونی شہر کا گنجان آباد اور بہت حساس علاقہ تھا لیکن وہاں سلطان شاہ کے کئی جاننے والے رہتے تھے۔ اتنی رات گئے ہمارا اس بستی میں داخل ہونا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لیکن سلطان شاہ بے خوف و خطر اس علاقے کی تنگ گلیوں میں گھس سکتا تھا۔ چپ اپنے کسی دوست کی تحویل میں دینے کے بعد سلطان شاہ ہمارے ساتھ فلیٹ چل سکتا تھا۔

اس طرح ہیری کیسنجر کی ساری توجہ پٹھان کالونی کے علاقے پر مرکوز ہو جاتی اور ہم سکون کے ساتھ، آنے والے دنوں کے لئے منصوبہ بندی کر سکتے تھے۔

الحدید، اس کے عملے اور اس پر لائے جانے والے غیر قانونی ہتھیاروں کا عبرتناک انجام ہیری کیسنجر کو پاگل کر دینے کے لئے کافی تھا اپنے بے داغ منصوبے کی تباہی کے بعد اُس کے سامنے صرف ویرا کی ذات رہ جاتی تھی جو اس تباہی کے جملہ اسباب پر روشنی ڈال سکتی تھی۔

○☆○

ہم لوگ گھوڑا کریک سے رات کے دو بجے کے قریب واپس روانہ ہوئے تھے۔ کام کتنی بھی تیزی کے ساتھ کیا جاتا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ اجالا پھیلنے سے قبل سیکڑوں ٹن وزنی ہتھیاروں کے چوبی کریٹ الحدید سے نہیں اتارے جا سکیں گے۔ وہ آپریشن بھی خفیہ رکھا گیا تھا اس لئے صبح کے اخبارات میں، اس بارے میں کسی خبر کا آنا ممکن نہیں تھا۔ جب تک سارے ٹرک اور قیدی بحریہ کے جوانوں کی نگرانی میں 'ملیر کی چھاؤنی میں نہ پہنچا دیے جاتے' بحری یا بری فوج کا کوئی افسران کے بارے میں زبان نہیں کھول سکتا تھا۔

ہم لوگ ویرا کا چپ پٹھان کالونی میں چھوڑنے کے بعد، صبح کے چار بجے اپنے بستروں پر دراز ہو سکے تھے۔ میں تو صبح آٹھ بجے ہی بیدار ہو گیا۔ غزالہ مجھ سے پہلے کچن میں گھسی ہوئی تھی۔ البتہ ویرا اور سلطان شاہ گدھے گھوڑے بیچ کر ایسی گہری نیند سوئے ہوئے تھے جیسے وہ پچھلی رات پہاڑ کھودتے رہے ہوں۔

میں نہا دھو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تو غزالہ ناشتا تیار کئے، میرا انتظار کر رہی تھی۔ وقت گزاری کے لئے اُس نے اپنی گود میں تازہ اخبار پھیلایا ہوا تھا۔ اس نے فلیٹ کو دوبارہ آباد کرتے ہی دو کام بہت اچھے کئے تھے۔ اس نے فلیٹ کے فون کے ساتھ ہی ایک اسپیکر فون بھی لگالیا تھا جسے آن کرکے، وہاں موجود ہر شخص دونوں طرف سے ہونے والی باتیں سن سکتا تھا۔ دوم یہ کہ علاقے کا ایک ہاکر صبح اور شام کے چیدہ چیدہ اخبارات مقررہ اوقات پر فلیٹ میں ڈالنے لگا تھا۔ اس طرح فلیٹ میں باقاعدگی کے آثار نمودار ہونے شروع ہو گئے تھے۔

"اخبار میں کوئی بھی ایسی خبر نہیں ہے جو تمہاری رات کی غیر حاضری کا کوئی جواز دے سکے۔" غزالہ نے اخبار ایک طرف ڈالتے ہوئے، مسکرا کر کہا "ویرا کی واپسی سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا مشن کامیاب رہا ہوگا۔"

"رات کا قصہ تو بالکل ہی بودا ثابت ہوا۔ یوں سمجھو کہ دشمن کے لئے چوہے دان لگایا گیا اور وہ بڑی فرماں برداری کے ساتھ اس میں دبک کر بیٹھ گیا۔ وہ قصہ شاید ابھی تک نہیں نمٹ سکا ہوگا۔ لانچ کے لنگر انداز ہونے کے بعد ہم لوگ وہاں سے واپس لوٹ آئے۔"

"ویرا اوّل خان سے مل کر خاصی بری طرح چونکی ہوگی؟" اس نے چائے بناتے ہوئے پوچھا۔

"میں اسی کی وجہ سے لوٹ آیا۔ اول خان خود بھی اس کے سامنے نہیں آیا۔ ویرا ہمارے ساتھ ضرور ہے لیکن اسے اوّل خان اور اس کی فورس کی ہوا بھی نہیں لگنی چاہئے۔"

"پتا نہیں تم اس پر بھروسا کیوں نہیں کرتے۔ اس نے عملاً ثی کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور تمہارے کیمپ میں آملی ہے۔ اس کے ساتھ یہ امتیازی سلوک کسی وقت دشواریاں کھڑی کر دے گا۔"

"تم اسے نہیں جانتیں۔ وہ پرلے درجے کی تلوّن پسند ہے، ہو سکتا ہے کہ کل کلاں کو کسی بات پر بھڑک کر ایک بار پھر ہمارے مقابلے پر آجائے۔ ہم نے اس پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کرنا شروع کر دیا تو بعد میں کسی وقت سر پر ہاتھ رکھ کر رونا ہوگا۔ جو عورت اپنے باپ اور اپنی تنظیم کی وفادار نہیں رہ سکی، وہ ہمارے ساتھ کتنے دن تک دوستی برقرار رکھ سکے گی۔ اُس کے ساتھ ہمیں مصلحت سے کام لینا پڑے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ میرا پیمانہ تم سے خاصا مختلف ہے" غزالہ نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ویرا ساری زندگی ایک لاابالی لڑکی کے روپ میں نہیں گزار سکتی۔ اسے کہیں نہ کہیں اور کبھی نہ کبھی کوئی سمجھوتا کرنا ہی پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اب سمجھوتے کی منزل پر آگئی ہے۔ اس کے عمل اور ردِعمل کا صحیح تجزیہ کر کے اسے اپنی راہ پر لگایا جائے تو میرا خیال ہے کہ وہ بہت جلد ہتھیار ڈال دے گی۔"

"اس پر یہ ریسرچ تم ہی کر سکتی ہو۔ میں ایک من موجی اور آزاد خیال عورت کو اتنا زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔ شاید تمہیں علم نہیں ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے جب ہم ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہو گئے تھے۔ وہ اپنے مسلح لشکر کے ساتھ جہانگیر کے گھر پر حملہ آور ہوئی تھی، جہاں میں نے پناہ لی ہوئی تھی اور میری مزاحمت کے نتیجے میں وہ گولیوں سے بری طرح زخمی ہو گئی تھی۔"

"تم نے اپنے رویّے سے اسے مشتعل کیا ہوگا؟" غزالہ چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے بےاعتباری کے ساتھ بولی۔ "ورنہ وہ تو تمہارے لئے اپنے دل میں ہزاروں نرم گوشے رکھتی ہے۔"

"یہی نرم گوشے کبھی کبھی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو جاتے ہیں۔ وہ یک طرفہ طور پر مجھ سے یہ توقع کرنے لگتی ہے کہ میں بس اسی کا غلام ہو کر رہ جاؤں گا۔"

"لیکن میرے آجانے کے بعد اس کے رویّے میں نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ وہ تم سے ذہنی قربت کا مظاہرہ ضرور کرتی ہے لیکن اب اسے تم سے بہت زیادہ توقعات نہیں رہی ہیں۔"

"لیکن اس کے بارے میں وثوق سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اس کی انا پرستی اسے کسی بھی وقت میرے خلاف اکسا سکتی ہے۔ اس پر جب بھی ایسا کوئی دورہ پڑتا ہے تو وہ میرے قریب تمہارا تو کیا، سلطان شاہ کا وجود بھی برداشت نہیں کر پاتی۔"

"اس سے تو کبھی کبھی میں بھی رقابت محسوس کرنے لگتی ہوں" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "تم دونوں ایک دوسرے کے بہت زیادہ عادی ہو گئے ہو۔ تم نے میرے بغیر تو ایک طویل مدت گزار لی لیکن سلطان شاہ چند روز کے لئے بھی غائب ہو جائے تو تم پریشان ہو جاؤ گے۔"

"یہ سراسر تمہاری الزام تراشی ہے۔" میں نے احتجاج کیا۔ "چند روز پہلے میں اکیلا سندھ کے جنگلات کی خاک چھانتا رہا تھا۔ سارھو بیلہ کے قریب ہونے والے خون ریز مقابلوں کے وقت سلطان شاہ یہاں چین کی بنسری بجا رہا تھا۔ وہ میرا مزاج آشنا ضرور ہے۔ اس سے مجھے ہر کام میں قابلِ ذکر مدد بھی ملتی ہے لیکن تمہارا یہ سوچنا کہ وہ میری کمزوری بن گیا ہے، تمہاری کھلی زیادتی ہے۔"

"کچھ دنوں سے میں دیکھ رہی ہوں کہ ویرا بھی کسی حد تک اسے پسند کرنے لگی ہے۔"

"پھر وہی بات آجاتی ہے کہ ویرا کے مزاج میں ٹھہراؤ نہیں ہے۔ آج وہ سلطان شاہ کو پسند کرنے لگی ہے تو کل اس کی صورت سے بھی نفرت کر سکتی ہے۔ میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ہر شخص کے لئے اس کی پسند اسی وقت تک برقرار رہتی ہے

جب تک وہ اسے اپنے قدموں پر نہیں جھکا لیتی۔ یہ مرحلہ سر کرتے ہی اس شخص کی ذات میں اپنی ساری دلچسپی یک بیک کھو بیٹھتی اور پھر وہ اپنے لئے کوئی نیا چیلنج تلاش کرنے لگتی ہے۔ ان میں اس کی کسی کوشش یا ارادے کا دخل نہیں ہوتا۔ ایک ہے یہ اس کی فطرت بن گئی ہے۔ اسے تو شاید احساس بھی ہوگا کہ اپنے ملنے جلنے والے مردوں کے بارے میں وہ کیسے احساسات میں مبتلا رہتی ہے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم خود بھی اس کی ذات میں دلچسپی رہے ہو اور اسے موضوع بنا کر اس کی ذات کے تمام پہلوؤں پر فکر کرتے رہے ہو۔" وہ ہنس کر بولی۔

"یہ سب سامنے کی بات ہے۔ ان کے لئے کسی غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آدمی کی قوتِ مشاہدہ ذرا سی بھی مضبوط ہو تو نتائج چلتے پھرتے ہوئے بھی اخذ کر لیتا ہے۔ تم نے نہیں دیکھا ویرا کسی بھی سلسلے میں اپنی پسند یا ناپسند کو چھپانے کی کوشش کرتی۔"

"اس سے پیشتر کہ ویرا سلطان شاہ کی ذات میں اپنی دلچسپی کھو تمہیں ان کے مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ وہ سفید ضرور ہے لیکن اردو پر اتنی قدرت رکھتی ہے کہ سلطان شاہ کے اس کا گزارہ ہو سکتا ہے۔ شاید اسی طرح ویرا کا لاابالی پن ختم ہے!"

"لیکن تم ویرا کے لئے سلطان شاہ کو قربانی کا بکرا بنانے پر کیوں ئی ہو؟"

"تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔ میں ان دونوں کی بہتری سوچ رہی ہے۔ ویرا نے اپنی ساری زندگی محرومیوں کی آگ میں سلگتے ہوئے اری ہے۔ اسے زندگی کی اونچ نیچ کا پورا پورا ادراک ہے۔ ری طرف سلطان شاہ نے اپنی زندگی میں بہت کچھ دیکھا اور ما ہے لیکن پھر بھی اسے مزید تربیت کی ضرورت ہے۔ جس دن دونوں کے درمیان کوئی خاص تعلق پیدا ہو گیا تو ویرا سب کچھ ڑ چھاڑ کر اس کے اوپر محنت کرنے لگے گی اور سلطان شاہ جیسے راشیدہ پتھر کو کاٹ چھانٹ کر ہیرے میں تبدیل کر دے گی۔"

اس لمحے میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی پوری ت سے چیخ پڑی۔

غزالہ خود بھی ایک لڑکی یا عورت ہی تھی اور وہ بھی محرومیوں جہنم میں سلگ رہی تھی۔ تابناک اور پُرسکون مستقبل کے لئے اس نے اپنی تمام امیدیں میری ذات سے وابستہ کی ہوئی تھیں لیکن یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ کسی نہ کسی وجہ سے ویرا بھی میری توجہات مرکز بنی رہتی تھی۔

جب تک ویرا آزاد اور خود مختار تھی، وہ کسی کے لئے بھی خطرہ نہ بن سکتی تھی۔ میری اور اس کی ذہنی ہم آہنگی دیکھتے ہوئے غزالہ کو اپنے مستقبل کے لئے خطرے کی علامات محسوس ہونے لگی تھیں۔

وہ ایک ایسا حساس اور نازک موضوع تھا جس پر وہ مجھ سے کھل کر بات نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی مجھے ویرا سے میل جول سے روک سکتی تھی۔ اس گنجلک صورتِ حال کا اسے ایک ہی حل سوجھا تھا کہ ویرا جیسے رنگین، آزاد اور بے قرار پنچھی کو، پر قینچ کر کے کسی کی جھولی میں ڈال دیا جائے۔ جب تک وہ آزاد اور خود مختار تھی، مجھے غزالہ سے دور لے جا سکتی تھی لیکن سلطان شاہ کی بیوی بن جانے کے بعد، نہ صرف اسے محتاط ہو جانا پڑتا بلکہ سلطان شاہ بھی اس کے بے حجابانہ میل جول پر قدغن عائد کر دیتا۔

غزالہ کی وہ ساری سوچ بچار ویرا کی بہتری سے زیادہ اپنے دفاع کے لئے تھی۔

وہ خیال ذہن میں آتے ہی میں بے اختیار ہنس پڑا اور غزالہ حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے مجھے دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے؟ تمہیں ایک دم ہنسی کیوں آگئی؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں، بس یہ خیال آگیا تھا کہ شادی کے بعد اگر سلطان شاہ نے کسی بات پر جوتا ہاتھ میں لے لیا تو ویرا اسے گھر تو کیا، بازار میں بھی نچاتی پھرے گی مگر اس کے ہاتھ نہیں آئے گی۔"

"میں مذاق نہیں کر رہی، میں نے اس موضوع پر بہت غور و فکر کے بعد زبان کھولی ہے۔"

"میں بھی غیر سنجیدہ نہیں ہوں۔ لڑکا لڑکی دونوں ہی اپنے ہیں۔ ان کے ستارے آپس میں مل جائیں تو اس سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی ہے لیکن مجھے یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔"

"کیوں؟ ایسی کیا بات ہے؟" وہ حیرت سے بھویں چڑھا کر بولی "تم مجھے اجازت دو تو میں خود، سلطان شاہ سے اس کی رائے معلوم کراؤں گی۔"

"ضرور معلوم کرو۔ میری طرف سے تمہیں کھلی اجازت ہے۔ ویسے بھی وہ تمہارا منہ بولا بھائی بنا ہوا ہے لیکن اس کی صرف رائے ہی معلوم کرنا۔ اسے مجبور کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"تو کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ انکار کر دے گا؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"مجھے شبہ ہے" میں نے سنجیدگی سے اقرار کیا۔ "مشرق میں عام **طور پر اور** پٹھانوں میں خاص طور پر عزت و عفت اور شرم و حیا کا جو تصور موجود ہے، ویرا اس سے بالکل نا آشنا ہے۔ پھر اس نے اپنی نجی زندگی کے ان کمزور پہلوؤں کو کبھی بھی چھپانے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ وہ فخریہ اقرار کرتی ہے کہ پسند آجانے والے مردوں کو مسخر کرنا اور دل بھر جانے پر انہیں حرفِ غلط کی طرح بھول جانا، اس کی ہابی ہے۔ سلطان شاہ ان تمام باتوں سے واقف ہے۔ داغ دار ماضی رکھنے والی عورت سے دوستی تو کی جا سکتی ہے، شادی کرنا بہت بڑے دل گردے کا کام ہے۔ ہمارے ساتھ رہ کر سلطان شاہ بہت بدل گیا ہے۔ اس میں روشن خیالی پیدا ہو گئی ہے لیکن ذاتی معاملات کے

بارے میں، اُس کی کھوپڑی میں، صدیوں پرانا اور روایت پرست پٹھان چھپا ہوا ہے جو ایسی باتوں پر کوئی سمجھوتا نہیں کر سکتا۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے مجھے بتا دیا۔ اس قسم کے موضوعات پر اس سے میری کبھی کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔ اب میں بھی اس سے سوچ سمجھ کر بات کروں گی۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی اور میں ناشتا ادھورا چھوڑ کر فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

دوسری طرف سے سیٹھ حبیب جیوانی کی آواز سن کر میں چونک پڑا۔ مجھے یاد نہیں تھا کہ میں نے اسے کبھی فلیٹ کا نمبر دیا ہو۔

"دفتر کب تک آ رہے ہو؟" سلام دعا کے بعد اس نے براہِ راست سوال کیا۔

"تم کہو تو ابھی آ جاتا ہوں۔" میں نے ایک سعادت مند ماتحت کی طرح کہا "کیا کوئی ایمرجنسی پیش آ گئی ہے؟ اور ہاں، میرے گھر کا فون نمبر تم نے کہاں سے لیا؟"

اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ بولا "شکوک و شبہات میں نہ پڑو۔ کل کی باتوں کے بعد، تمہاری طرف سے میرا دل صاف ہو گیا ہے۔ میں جب مریم کی تلاش میں تمہارے فلیٹ میں داخل ہوا تھا تو انسٹرومنٹ پر لگی ہوئی چٹ پر سے تمہارا فون نمبر لے گیا تھا۔ ایمان داری کی بات یہ ہے کہ تمہارا سراغ حاصل کرنے کے لئے، میں کئی دن تک وقفہ وقفہ سے اس نمبر پر رنگ بھی کرتا رہا تھا لیکن کوئی جواب نہیں مل سکا۔"

"میرے خدا! تو تم نقب زنی کر کے میرے فلیٹ میں گھس آئے تھے؟"

"کنڈے میں پرانی وضع کا تالا جھول رہا ہو تو اسے دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مکین کہیں باہر گئے ہوئے ہیں لیکن ہضمی قفل میں یہ بہت بڑی خرابی ہے کہ باہر سے، مکان کے آباد یا غیر آباد ہونے کا پتا نہیں چلتا۔ اگر تم اندر سے لیور گھما کر دروازہ مقفل کر دو اور اندر بستر میں دبک کر سو جاؤ تو باہر والے کو کچھ پتا ہی نہیں چل سکتا۔ اسی وجہ سے مجھے تالا کھول کر اندر داخل ہونا پڑا تھا لیکن تم اطمینان رکھو کہ میں نے کسی چیز کو نہیں چھیڑا۔ مجھے صرف مریم کی تلاش تھی، جو تمہارے گندے فلیٹ میں موجود نہیں تھی۔"

"تم تلاشی بے شک لیتے تو میں تمہارا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ یہ بتاؤ کہ اب کیا حکم ہے؟"

"کچھ کام کی باتیں کرنی ہیں۔ آج شام کو تم نے تلاطم خان کو کھانے پینے پر مدعو کیا ہوا ہے۔ تم چاہو گے تو اسے میں سنبھال لوں گا۔ اس وقت غلام رسول والا معاملہ زور پکڑ گیا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی فوری اہمیت کا حامل بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے میں نے تم سے اُس کا سرسری ذکر کیا تھا۔"

"میں ایک گھنٹے کے اندر اندر دفتر پہنچتا ہوں۔ میلان والا ٹیپ بھی میرے پاس موجود ہے۔ میں وہ بھی اپنے ساتھ ہی لیتا آؤں گا۔" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"تم چاہو تو کچھ اور بھی وقت لے سکتے ہو۔ میرے پاس ایک معزز خاتون مہمان آئی ہوئی ہے۔ میں اس کے ساتھ اپنے دفتر ہی میں موجود ہوں۔ اس کی میزبانی سے فارغ ہونے کے بعد میں تمہیں وقت دے سکوں گا۔"

میرے لئے وہ انکشاف حیران کن اور چونکا دینے والا تھا۔ ٹریڈ لائن کا دفتر تو بہرحال ایک تجارتی ادارہ تھا جہاں کام کاج کے سلسلے میں عام لوگ بھی آتے جاتے رہتے تھے لیکن حبیب جیوانی کا زیرِ زمین کمرا ممنوعہ علاقے میں شمار کیا جاتا تھا جہاں مافیا کے چند گنے چنے کارکنوں کے علاوہ، کسی کو پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی۔ اگر حبیب جیوانی اپنے اس دفتر میں کسی خاتون کی میزبانی کر رہا تھا تو یہ بات اس عورت کے اعلیٰ رتبے کی غماز تھی۔

"اب ہم لوگوں کو ذرا محتاط رہنا ہو گا۔" فون بند کرنے کے بعد میں نے دھیمی آواز میں غزالہ سے کہا "مافیا کے چیف نے اس فلیٹ کا فون نمبر حاصل کر لیا ہے۔ ہر آنے والی کال کا سوچ سمجھ کر جواب دینا ہو گا۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ تم اور ویرا کوئی کال ریسیو ہی نہ کرو۔ سلطان شاہ موجود ہو تو فون دیکھ لیا کرے۔ اسے علم ہو گیا کہ اس نمبر پر خواتین بھی موجود ہوتی ہیں تو وہ میری طرف سے تجسس میں مبتلا ہو جائے گا اور ویرا کے ساتھ میری مفاہمت کا راز فاش ہو جائے گا۔"

"اس وقت اُس نے یہاں فون کیوں کیا تھا؟" غزالہ نے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا۔

"ایک کام تھا۔ میں تھوڑی دیر میں دفتر جاؤں گا۔ وہاں کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔"

"ٹریڈ لائن آمد و رفت کا یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟" اُس نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"جب تک گلو خلاصی نہیں ہوتی۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں ان لوگوں سے جان چھڑانے کے لئے بہت ہاتھ پیر مار رہا ہوں۔ میں نے اپنی مرضی سے مافیا میں شمولیت اختیار نہیں کی تھی۔ اس دن

ے پاس کوئی اور راہ باقی نہیں رہی تھی۔ شروع سے اب تک
رتِ حال یہ رہی ہے کہ میں جس دن ان سے الگ ہوا' اسی دن
یا والے میرے خون کی بو پر لگ جائیں گے اور میں ایک بار پھر بلی
رچوہے کے کھیل میں مبتلا ہوجاؤں گا۔"

چیف نے دفتر پہنچنے کے لئے مجھے خاصا وقت دے دیا تھا اس
ئے میں نے ہیری کیسنجر سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ جب
ِ اخبارات میں کچھ شائع نہیں ہوتا تھا' میں اس کی جھلاہٹ
ے لطف اندوز ہوسکتا تھا۔

ہیری کیسنجر کاؤنسلیٹ میں نیا نیا آیا تھا اس لئے میں نے
رنیٹ کے نام کے سامنے دیئے ہوئے نمبروں پر رابطہ کرنے کا
رادہ کرلیا۔ اس دن مجھے پہلی بار علم ہوا کہ آرنیٹ اپنے
کاؤنسلیٹ میں فوجی اتاشی کے اہم عہدے پر مامور تھا اسی وجہ سے
ے نیم فوجی اور فوجی مہم جوئیوں پر مامور کیا گیا تھا۔

پہلی ہی کوشش میں وہ نمبر مل گیا۔ فون اٹھانے والا ہیری
کیسنجر ہی تھا۔

ویرا مجھے بتا چکی تھی کہ وہ اردو یا کسی اور مقامی زبان سے
واقف نہیں تھا' اس لئے میں نے انگریزی ہی میں اُس سے بات
شروع کی۔

"سنا ہے کہ تم امریکا کے سابق سیکریٹری آف اسٹیٹ ہنری
کیسنجر سے خون کا کوئی رشتہ رکھتے ہو؟"

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ میرا خیال ہے تم میرے لئے ایک اجنبی
ہو۔" اس کی غصیلی آواز ابھری۔

"میرا خیال تھا کہ تعارف وغیرہ کی رسم صرف انگریزوں میں
رہ گئی ہے۔ وہ لوگ تعارف کے بغیر ایک دوسرے کو ہیلو کہنا بھی بد
اخلاقی بلکہ گناہ سمجھتے ہیں لیکن تم تو امریکی ہو۔ تمہاری قوم موڈ اور
مزاج کی پابند ہوتی ہے۔ اکثر امریکی لڑکے لڑکیوں کو اپنے بوائے
فرینڈ یا گرل فرینڈ سے اس وقت تعارف حاصل کرنے کا خیال آتا
ہے جب وہ مشترکہ طور پر کسی حرامی بچے کے والدین بن چکے ہوتے
ہیں اور تم ابھی سے تعارف کے متمنی ہو۔"

"شٹ اپ!" اس کی سرد اور غصیلی آواز میں درشتی عود کر
آئی "شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ تمہیں اس بے ہودہ کال کا کیا
خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ میں اپنا سوال دہراتا ہوں کہ تم کون ہو؟"

"اپنی تسلی کے لئے فرض کرلو کہ میرا نام بلیک کیٹ ہے....."
میں نے کہنا چاہا لیکن اُس نے بوکھلا کر وہیں میری بات کاٹ دی اور
بدلے ہوئے' متجسسانہ لہجے میں بولا۔

"بلیک کیٹ!..... جلدی سے اپنا پورا کوڈ بتاؤ۔ میں خود تم سے
رابطہ کرنے کے لئے بے چین تھا۔"

میں نے بغیر سوچے سمجھے ہی بلیک کیٹ کا نام استعمال کیا تھا اور
میرا ارادہ..... اسے اشتعال دلانے کا تھا لیکن ان دو الفاظ میں اُس
کی گہری دلچسپی دیکھتے ہوئے' میں نے فوری طور پر اپنی حکمتِ عملی
بدلنے کا فیصلہ کرلیا۔

"بلیک کیٹ ٹی" میں نے پُروقار لہجے میں کہا۔

"اوہ! تو تم ہی ملّا سرکار' دی گریٹ ہو" اس کی آواز مسرت
آمیز ہوگئی۔ "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم نے اس وقت خود ہی مجھ
سے رابطہ کرلیا۔ لیکن تمہیں اس قدر تلخ اور غیر مہذب انداز میں
بات شروع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے تو تمہاری بے سروپا
باتوں سے تنگ آکر فون بند کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا" آخر میں اُس کا
لہجہ شکایتی ہوگیا۔

"تمہارے پاس وہ راستہ اب بھی باقی ہے۔" میں نے سرد اور
سنجیدہ لہجے میں کہا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہاری حکومت کی پالیسی
میں تبدیلی آگئی ہے اور اب تم نے یک بیک ہمیں تنہا چھوڑ دینے کا
فیصلہ کرلیا ہے۔ اسی وجہ سے آرنیٹ کو یہاں سے ہٹا کر تمہیں لایا
گیا ہے تاکہ تم سرد مہری اختیار کرکے ہمیں نئی پوزیشن کا اشارہ
دے سکو۔"

"یہ سب غلط اور بے بنیاد باتیں ہیں۔" اس نے مضبوط اور
مدافعانہ لہجے میں کہا "ہم اپنے دوستوں کو بیچ منجدھار میں کبھی بھی
بے یار و مددگار نہیں چھوڑتے۔ میں بھی آرنیٹ کی پالیسی کو آگے
بڑھا رہا ہوں۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ آرنیٹ ٹریفک کے ایک
حادثے میں زخمی ہوگیا تھا۔ بعد میں اس نے زخموں کی تاب نہ
لاتے ہوئے دم توڑ دیا۔ چہروں کی تبدیلی سے پالیسی میں کوئی تبدیلی
نہیں آئی۔ یہ سب مجبوراً کیا گیا ہے۔ میں فون پر زیادہ تفصیل میں
نہیں جاسکتا۔ تم فوری طور پر میرے دفتر یا گھر آجاؤ۔ مجھے تم سے
بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

"سوری ہیری!" میں نے خشک لہجے میں کہا "تم لوگوں نے مجھے
ایک بند گلی میں گھسیٹ دیا ہے جہاں میں بہت بے بس اور مجبور ہوچکا
ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی خود کو اتنا حقیر اور جکڑا ہوا
محسوس نہیں کیا تھا۔ تھر کے صحرا میں ہمارے جوانوں اور ہتھیاروں
وغیرہ کی ہولناک تباہی کے بارے میں سوچ سوچ کر میرا خون کھولنے
لگتا ہے۔ اندرونِ سندھ کے گھنے جنگلات میں محصور تربیت یافتہ
مقامی جوانوں کو چن چن کر پکڑا یا مارا جارہا ہے۔ یہ سب میری
طاقت تھے۔ ان ہی کے بل پر میں نے سندھ کا جغرافیہ بدل کر ایک
نئی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن ہمارے دوستوں کی بیوفائی کی وجہ
سے میرے یہ سنہرے خواب' تیزی کے ساتھ بکھر رہے ہیں۔ فوج
اور پولیس کے خفیہ ادارے' دن رات میری تلاش میں لگے ہوئے
ہیں اور میں اپنی جان بچانے کے لئے ایک مکان کے تنگ اور بدبو
دار تہ خانے میں رُوپوش ہوں۔ اس غیر آباد مکان میں مجھے قحط اور
فاقوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے لیکن اپنی جان کے خوف سے میں یہاں
سے باہر نہیں نکل سکتا۔"

"تم مجھے اپنی کمین گاہ کا پتا بتاؤ۔ میں بھیس بدل کر خود وہاں
آجاتا ہوں۔"

"انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ میں کراچی میں ہوں۔ شہر کے چپے چپے پر کمانڈوز، کھوجی اور جاسوس پھیلے ہوئے ہیں۔ انہیں تم پر شبہ بھی ہو گیا تو وہ بے رحمی سے تمہیں مار ڈالیں گے اور تمہارا سفیر بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ان کے پاس بہانہ ہو گا کہ کسی بھی سفارتی شناخت یا مخصوص نمبروں والی گاڑی کے بغیر وہ کیسے سمجھ سکتے تھے کہ ان کا شکار کوئی اہم سفارتی افسر ہو سکتا ہے۔ یہ ویران مکان بھی ان کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔ وہ دو بار اسے کھنگال چکے ہیں۔ شاید قدرت کو مجھ سے کوئی بڑا کام لینا ہے کہ وہ تہ خانے کی طرف نہیں آئے اور میں کاٹھ کباڑ کے بوروں کے نیچے زندہ بچ گیا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مکان اس وقت بھی خفیہ محاصرے میں ہو گا۔"

"پھر تو وہ تمہارا فون بھی ٹیپ کر رہے ہوں گے۔" ہیری ایک دم گھبرا گیا۔

"میں خودکشی نہیں کر سکتا، مسٹر ہیری!" میں نے تلخ لہجے میں کہا "اس مضافاتی مکان میں فون نہیں ہے جس سے تار جوڑ کر وہ میری گفتگو سن سکیں۔ یہ میرا موبائل فون ہے جو اس برے وقت میں میرا واحد سہارا رہ گیا ہے ورنہ میں عملاً پوری دنیا سے کٹ کر رہ گیا ہوں۔"

"تم تو مجھ سے بھی زیادہ برے اور سنگین حالات کا سامنا کر رہے ہو، بلیک کیٹ ٹی!" اس کی متاسفانہ آواز ابھری۔ "میرا خیال تھا کہ میں ہی بدترین دور سے گزر رہا ہوں۔"

"غیر ضروری طور پر میرا نام نہ لو، دوست!" میں نے تلخ لہجے میں اسے تنبیہہ کی "اور جو کچھ کہنا ہے، جلدی کہہ ڈالو کیونکہ مجھے یہ فون بھی کفایت سے استعمال کرنا ہے۔ اس بار اس کی بیٹری کمزور ہو گئی تو میں اسے چارج بھی نہیں کر سکوں گا۔ یہ مکان بجلی کی نعمت سے بھی محروم ہے۔ اندھیرا پھیلتے ہی لاغر اور بھوکے چوہے ہر طرف دوڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ آدم خور نہیں ہیں اس لئے میرے بدن کو سونگھ کر بھاگ جاتے ہیں مگر میں اس برے وقت سے ڈرتا ہوں جب یہ میرے بے جان جسم سے ریشے نوچ نوچ کر کھانے لگیں گے۔"

"اور اس خوفناک صورتِ حال میں بھی تم مجھے طنز و ملامت کا نشانہ بنا رہے تھے؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"کیونکہ میں تم ہی کو اس صورتِ حال کا ذمے دار سمجھتا ہوں" میں نے سرد لہجے میں کہا "ویرا نے ہمارا ساتھ دیا نہ ہی تم لوگ اُس کے بڑوں سے اپنی بات منوا سکے، جس کے نتیجے میں آج ہمیں یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے۔"

"یہ صرف تمہارا مشن ہی نہیں تھا۔ تمہاری کامیابی سے ہمارے بھی دوررس مفادات وابستہ ہیں۔ مشرقی اور مغربی بازو کی وحدت کو سنجیدہ فکر پاکستانی بھی ایک جذباتی غلطی قرار دیتے ہیں، جس کا ازالہ سن اکہتر میں ہو گیا۔ ان کی دلیل ہے کہ جس طرح ایران اور انڈونیشیا کا الحاق غیر فطری نظر آتا ہے اسی طرح مشرقی بنگال کا پاکستان میں شامل کیا جانا نامناسب تھا۔ ایسے حالات میں طاقتور خطے کے لوگ اپنے کمزور بازو کو عملاً نو آبادی بنا کر اُس کا استحصال شروع کر دیتے ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر یہاں کے لوگوں میں نظریۂ پاکستان کمزور نہیں ہونے پایا لیکن سندھ ٹوٹ جاتا ہے تو اس قوم کا مورال تباہ ہو جائے گا۔ گھاس کھا کر ایٹم بم بنانے اور ہزاروں سال لڑنے کا دعویٰ کرنے والے، ان مسلمان فسادیوں کے دماغ درست ہو جائیں گے۔ پھر کشمیر، گلگت، سوات، چترال اور دیر پر مشتمل ایک کوہستانی ریاست کو وجود میں آنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ ان پہاڑوں سے چین پر نہ صرف کڑی نظر رکھی جاسکے گی بلکہ ضرورت پڑنے پر اسے سبق بھی سکھایا جاسکے گا۔ مجھے امید ہے کہ میری یہ وضاحتیں تمہیں مطمئن کرنے کے لئے کافی ہوں گی۔ ہم نے ہمیشہ تمہارے مشن کو اپنا مشن تصور کیا ہے۔"

"لیکن اس کا عملی ثبوت دینے کا وقت آیا تو ہم بالکل بے یار و مددگار چھوڑ دیے گئے۔"

"اس پورے کھیل میں ویرا کا رول بہت مشکوک رہا ہے۔ میں نے اسے بھی جھانسا دے کر پکڑ لیا تھا۔ کل رات جدید ترین ہتھیاروں اور بارود سے لدی ہوئی لانچ بھی آگئی لیکن اس کے بعد کیا ہوا، یہ ابھی تک ایک معما بنا ہوا ہے۔ اڑتی اڑتی سی خبریں ملی ہیں کہ فوج نے ایک بڑی کارروائی کر کے لانچ اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا اور اس کیمپ کی اَن لوڈنگ میں مصروف مزدوروں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ اس ناکامی نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

"یہ تو بہت بری اور شرمناک خبر ہے۔" میں نے اس کے زخموں کو کریدتے ہوئے کہا "تو کیا ویرا نے ان اڈوں کے مخبر کا کردار ادا کیا ہے؟ وہ کہاں ہے؟"

"ویرا چاہتی بھی تو کوئی بدمعاشی نہیں کر سکتی تھی۔" اس کی آواز میں زہریلی تلخی عود کر آئی۔ "اسے تو میں نے کئی دن پہلے چوہے دان میں بند کر دیا تھا۔ یہ تو کوئی اور ہی چکر چلایا گیا ہے۔ تشویش کی بات یہ ہے کہ اس آپریشن کی ناکامی کے ساتھ ہی ویرا فرار ہو گئی۔"

"تو کیا تمہارا چوہے دان اسی قدر ناقص اور ناکارہ تھا کہ وہ نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئی؟" میں نے انجان بنتے ہوئے چبھتا ہوا سوال کیا جو اس کے لئے نشتر ثابت ہوا ہو گا۔

"اسے میں نے لانچ آنے سے دو گھنٹے قبل اپنے ایک محافظ کی نگرانی میں گھوڑا کریک بھیجا تھا۔ بس وہ وہیں سے موقع [illegible] کہیں فرار ہو گئی۔" اپنی ناکامی پر وہ تلملایا ہوا تھا۔

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ فرار ہو گئی۔ ہو سکتا ہے کہ اسے [illegible] فوجی لے گئے ہوں۔"

"ہماری بہت عرصے سے اس پر نگاہ تھی۔ ہم نے اس کے [illegible]

میں ایک چپ چھپایا ہوا ہے جس سے خارج ہونے والے الیکٹرانک سگنلز ہمیں اس کی پوزیشن کا......" بات ادھوری چھوڑ کر وہ یکلخت ہی خاموش ہو گیا۔

جب وہ سکوت کئی ثانیوں پر محیط ہو گیا تو میں نے اسے ٹوکا۔ "تم خاموش کیوں ہو گئے' ہیری؟ میں تمہاری بات مکمل ہونے کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ ناکامی نے میرا دماغ الٹ دیا ہے اور میں بہک گیا ہوں۔" اس کی بھرائی ہوئی اور شکست خوردہ آواز ابھری۔ "ڈوبتے ہوئے آدمی کو معلوم ہوتا ہے کہ بپھری ہوئی موجوں پر بہتا ہوا تنکا اسے کوئی سہارا نہیں دے سکے گا۔ لیکن پھر بھی وہ اضطراری طور پر اسے تھام لیتا ہے۔ میں نے بھی وہی غلطی کی ہے۔ تم ہرگز ملا سرکار نہیں ہو۔ مجھے دکھ ہو رہا ہے کہ مجھے ابتدا ہی میں یہ بات کیوں یاد نہیں آئی کہ ملا سرکار بھی مستقل طور پر ہمارے نیٹ ورک سسٹم کے آبزرویشن میں تھا اور سسٹم رپورٹ کے مطابق آج سے کئی دن پہلے اس کی حرکتِ قلب بند ہو چکی ہے......"

وہ اہم ترین نکتہ میں بھی بھولا ہوا تھا۔ ویسے بھی' میرا اس سے ملا سرکار بن کر بات کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں نے صرف اس کے ردِعمل کا اندازہ لگانے کے لئے اسے فون کیا تھا اس لئے سوچے سمجھے بغیر بلیک کیٹ ٹی کا نام لے دیا تھا۔ اس کے مسرت آمیز ردِعمل پر' میں نے اسی حیثیت میں بات آگے بڑھائی تھی۔

وہ ذہنی پریشانی اور شدید ترین دباؤ میں مبتلا تھا' اس لئے وہ ملا سرکار کی موت کو یکسر فراموش کر بیٹھا' لیکن ویرا کے جسم میں پوشیدہ چپ کا ذکر کرتے ہوئے' اسے اچانک ہی ملا سرکار کے جسم میں چھپایا ہوا کارڈیو سینسر یاد آ گیا جو اسلام آباد کے سفارت خانے اور کراچی کے کاؤنسلیٹ میں موجود کارڈیو ریکارڈز مشینوں کے لئے ملا سرکار کے دل کی دھڑکنوں کے اشارے نشر کرتا رہتا تھا۔ ملا سرکار کی موت واقع ہوتے ہی سگنل موصول ہونے بند ہوئے اور مشین پر اس نمبر کی سرخ بتی روشن ہونے کے ساتھ ہی الارم بج اٹھا تھا جو ان لوگوں کے لئے ملا سرکار کی ناگہانی موت کا پیغام تھا' وہ تمام باتیں آرنیٹ نے بہ ذات خود ویرا کو بتائی تھیں اور ان کی صحت میں کوئی کلام نہیں تھا۔ وہ واقعہ آرنیٹ کے دور میں پیش آیا تھا جب ہیری کیسنجر وہاں موجود نہیں تھا اسی وجہ سے وہ اہم بات اس کے پراگندہ ذہن سے اتر گئی تھی جس سے میں نے فائدہ اٹھا لیا تھا۔

"ملا سرکار نہ سہی تو تم مجھے اس کا بھوت ہی سمجھ لو!" میں نے اس کے جواب میں مسخرانہ لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں منہ لگانا پسند نہیں کرتا۔" اس کی غراہٹ سنائی دی "اگر تم ویرا کے ساتھ ہو تو اسے یہ پیغام ضرور پہنچا دینا کہ میں اپنے پیش رو سے بہت مختلف اور خود مختار ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ دوبارہ ان ہی لوگوں میں جا گھسی ہے جہاں وہ پہلے بھی ایک مرتبہ روپوش ہو گئی تھی۔ اگر اس نے فوراً ہی مجھ سے رابطہ نہ کیا تو میں اس کی ممیائی نکال دوں گا۔ اس کے فرار سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ لانچ کے خلاف سازش میں وہ بھی شامل تھی۔"

"تم بالکل ایڈیٹ ہو' ہیری!" ویرا کی غصیلی آواز سن کر میں حیرت سے اچھل پڑا۔ بات اسپیکر فون پر ہو رہی تھی۔ اس لئے ویرا کے کہے ہوئے جملے ہیری تک پہنچ گئے۔

"وہ میری بے خبری میں نہ جانے کب میرے عقب میں آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کے بال قدرے منتشر تھے اور جسم پر شب خوابی کا لباس موجود تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بستر چھوڑ کر سیدھی اسی طرف آئی تھی۔

"میں تمہارے اوپر والوں سے شکایت کروں گی کہ تم سٹھیا گئے ہو۔ تمہیں فوری طور پر ریٹائر کر کے کسی محتاج خانے میں داخل کرا دینا چاہئے کیونکہ تم کافی دیر تک ملا سرکار سے باتیں کرتے رہے جب کہ تمہارے اپنے ریکارڈ کے مطابق اسے مرے ہوئے دس دن سے زیادہ مدت گزر چکی ہے۔"

"خوب! تو میرا اندازہ درست ہی نکلا۔" اس کی زہریلی آواز سنائی دی "کسی قریب المرگ چیونٹی کی طرح اب تمہارے بھی پر نکل آئے ہیں۔ تم اپنی اس شکایت کو ثابت نہیں کر سکو گی۔"

ویرا نے اضطراری طور پر بڑھ کر' غصے میں اسپیکر فون اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا اور غرائی "اگر تم کارڈیو ریکارڈر اور لوکیشن چپ جیسے جدید ترین آلات استعمال کر سکتے ہو تو فون کال ریکارڈر میری بھی دسترس میں ہے۔ اس کال کا مقصد یہی تھا کہ دھوکا دے کر تمہارا سارا ہذیان مقناطیسی فیتے پر محفوظ کر لیا جائے۔ تمہارا سفیر' خفیہ منصوبوں کے بارے میں تمہاری بیباکانہ تقریر سن کر تمہیں پاگل خانے بھجوانے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو' تم ایسا نہیں کر سکتیں!" ہیری کیسنجر کی آواز میں پہلی بار خوف اور تشویش کی ہلکی آمیزش محسوس ہونے لگی تھی۔ ویرا نے کمان سنبھالتے ہی اس گیدڑ کو خوف زدہ کر دیا تھا۔

"تم لائن ہولڈ کرو تو میں ابھی ٹیپ ریوائنڈ کر کے چلائے دیتی

ہوں۔" ویرا نے بے دھڑک پیشکش کی اور میں اس سفید جھوٹ پر اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ وہ مجھے آنکھ مار کر مسکرانے لگی۔

"مجھے یقین ہے کہ تم نے گفتگو ریکارڈ کر لی ہوگی۔" ہیری کی مصالحانہ آواز ابھری۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ تم یہ ٹیپ اسلام آباد نہیں بھیجو گی۔ میں نے تمہارے ساتھ اتنا برا سلوک نہیں کیا ہے۔"

"اس سے برا سلوک اور کیا ہوگا کہ میری خیر خواہی کا بہانہ کر کے تم نے چار دن سے مجھے حبس بے جا میں رکھا ہوا تھا۔ اپنے بارے میں تمہاری اصل رائے سے تو میں اب آگاہ ہوئی ہوں۔"

ویرا کے دیئے ہوئے ان حوالوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے میرے پیچھے کھڑی ہوئی ساری گفتگو سن رہی تھی اور ہیری کی کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھانے پر تلی ہوئی تھی۔

"وہ میری حقیقی رائے نہیں تھی۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ اس وقت میں اپنی دانست میں ملا سرکار سے بات کر رہا تھا۔ اس کی خوشنودی کے لئے مجھے وہی کچھ کہنا تھا جو وہ سننا چاہتا تھا۔ ہمارے پیشے میں یہ دوغلا پن ناگزیر ہوتا ہے۔ اسے اختیار کئے بغیر مطلوبہ مقاصد حاصل کرنا دشوار ہوتا ہے۔"

"تم نے مجھ سے کون سا ایسا سلوک کیا ہے جس کے نتیجے میں تم مجھ سے توقعات باندھ رہے ہو؟" ویرا نے زچ آجانے کی صداکاری کرتے ہوئے چڑچڑے لہجے میں سوال کیا۔

"کاؤنسلیٹ میں قیام کے دوران میں نے تمہیں عزت و احترام کے ساتھ ہر سہولت مہیا کی تھی۔ اب اگر تم اپنی مرضی سے باہر رہنا چاہتی ہو تو میں تم سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔ میرے کسی آدمی کا سایہ بھی تمہارے نزدیک نظر آجائے تو تمہارا جو جی چاہے سلوک کرنا۔ میں تم سے کوئی شکوہ نہیں کروں گا۔"

"ابھی ٹیپ آن ہے۔ یہ سمجھ لو کہ تم مجھے سمجھوتے کی پیشکش کر کے اپنی پوزیشن مزید خراب کر رہے ہو۔"

"مجھے معلوم ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ روسیاہی میرے مقدر میں تھی، جب ہی میں ملا سرکار کی موت بھلا بیٹھا تھا۔ اب میرا کیریئر تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ ہزہائی نس کو میری اس سنگین غلطی کا علم ہوگیا تو میرا مستقبل واقعی تباہ ہو جائے گا۔" اتنی سی دیر میں ہیری کے اعصاب جواب دے گئے اور اس نے کھلے لفظوں میں شکست تسلیم کر لی۔

"ایسے حالات میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ میرے علم میں ہے۔" ویرا میرے برابر بیٹھتے ہوئے بولی "اس وقت تم پہاڑ تلے آگئے ہو اسی لئے میری شرائط ماننے پر آمادہ ہو۔ لیکن تم زندگی بھر کے لئے میری بالادستی برداشت نہیں کر سکتے۔ میں جانتی ہوں کہ تم میرا تعاقب تو نہیں کراؤ گے لیکن کرائے کے کسی قاتل کو میرے پیچھے ضرور لگا دو گے۔ اس لئے یہ واضح کردوں کہ میں اس ٹیپ کی کئی نقلیں، سیل کر کے اپنے ہمدردوں کے حوالے کردوں گی۔ اگر مجھ پر حملہ ہوا یا میری موت غیر فطری حالات میں واقع ہوئی تو یہ ٹیپ اسلام آباد یا واشنگٹن روانہ کردیئے جائیں گے۔

"یہ سراسر ظلم اور زیادتی ہے۔" ہیری نے احتجاج کیا۔ "تمہارے دس دوست، دس دشمن ہیں۔ تمہاری اپنی حرکتوں کی وجہ سے ان میں سے کوئی بھی تمہارے خون کا پیاسا بن سکتا ہے۔ اس طرح تو تم ان کے اعمال کی ذمے داری بھی مجھ پر ڈال رہی ہو۔ میں کہاں کہاں تمہاری حفاظت کراتا پھروں گا؟"

میں کوشش کروں گی کہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو لیکن ایسا ہو ہی گیا تو یہ سراسر تمہاری بدقسمتی ہوگی، اس میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوگا۔" ویرا کا لہجہ سپاٹ اور تحکمانہ تھا "بدقسمتی یہ ہے کہ میرے پاس تمہاری شرائط قبول کرنے کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں ہے۔" اس کی آواز پر تکان غالب آگئی تھی۔ "لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ ہمارے پلان میں تم کس طرح تعاون جاری رکھو گی؟"

"اب میں تم سے خود رابطہ رکھوں گی۔ جو کام میرے بس سے باہر ہوگا، اس کے لئے میں کوئی دباؤ قبول نہیں کروں گی۔ اپنے اوپر والوں کے سامنے اپنی پوزیشن صاف رکھنے کے لئے، تم جو بہانہ چاہو، تراشنے کے لئے آزاد ہوگے۔" ویرا اپنی کھوکھلی بلکہ بے بنیاد دھمکی سے پورا پورا فائدہ اٹھانے پر تلی ہوئی تھی۔

"ویسے تم اس وقت کہاں سے بول رہی ہو؟" قدرے سکوت کے بعد ہیری کی آواز ابھری۔

"منہ سے!" ویرا نے بے ساختہ کہا "مزید کچھ جاننا چاہو تو اپنے لوکیشن فائنڈر پر دیکھ لو۔ میں کئی بار تمہارے اس منحوس چپ کو اپنے جسم سے نکلوانے کے بارے میں سوچ چکی ہوں تاکہ ہر وقت کی اس نادیدہ نگرانی سے چھٹکارا حاصل کرسکوں لیکن میں نے اسے اس لئے برقرار رہنے دیا ہے کہ یہ کارروائی میرے یہاں آنے سے برسوں پہلے کی گئی ہوگی، جب تمہارے کسی بھی سفارتی مشن سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں نے اسے اپنے لئے اپنے باپ کی فکرمندی کی نشانی سمجھ کر اپنی جان سے لگا رکھا ہے۔"

"تم اسے نکلوا دو تو میرا کام آسان ہو جائے گا۔ میں کہہ سکوں گا کہ میں تمہارا سراغ کھو چکا ہوں۔ اب تو اصولی طور پر تم ہر وقت میری دسترس میں رہتی ہو۔"

"سوچوں گی۔ یہ بتاؤ کہ میرے ساتھ جانے والے محافظ اور کار کا کیا بنا؟"

"پتا نہیں۔ اب تو اخبارات ہی سے اس کے بارے میں کوئی خبر مل سکے گی۔"

"تو کیا تم نے اس کے جسم میں چپ نصب نہیں کروایا تھا؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ بہت معمولی آدمی ہے۔ چپ ہر ایرے غیرے کے لئے

استعمال نہیں کیا جاتا۔ ایک چپ کی تنصیب اور پھر دنیا بھر میں موجود لوکیشن فائنڈر سے اس کے منسلک کئے جانے پر تین چار ہزار ڈالر لاگت آجاتی ہے۔ اس اعتبار سے تم خود کو امریکا کی وی آئی پی سمجھ سکتی ہو۔ ان چپس کی خوبی یہ ہے کہ یہ دنیا کے حساس اور اہم شہروں میں موجود ہر لوکیشن فائنڈر سے مل کر کام کرتے ہیں۔ میری مشین بیس میل نصف قطر کے دائرے میں کام کرتی ہے۔ تم اس حد سے نکل جاؤ تو تمہارے بارے میں میرا مانیٹر اندھا ہو جائے گا لیکن اسلام آباد والا مانیٹر تم پر نگاہ رکھے گا کیونکہ اس کی حد ہزار میل ہے۔ پاکستان سے نکل جاؤ گی تو ایران، ترکی یا مشرقِ وسطیٰ کا کوئی نہ کوئی مانیٹر تمہارے سگنل وصول کرنے لگے گا۔"

"یہ معلومات بہم پہنچانے کا شکریہ۔" ویرا استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "معاہدہ ہوتے ہی تم بہت سعادت مند ہو گئے ہو۔ اب ذرا یہ بھی بتا دو کہ مانیٹر پر ہر چپ کی علیٰحدہ علیٰحدہ شناخت کیسے ہوتی ہے؟"

"ہر چپ کا اپنا مخصوص سگنل ہوتا ہے جسے فیکٹری میں ایک مخصوص نمبر دیا جاتا ہے۔ جب کوئی چپ کسی شخص کے بدن میں نصب کر دیا جاتا ہے تو فہرست میں اس نمبر کے سامنے اس شخص کے مکمل کوائف درج کر دیے جاتے ہیں۔ اس طرح ہمارے ہر اسٹیشن کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دنیا میں کون کون آبزرویشن میں ہے۔ جوں ہی کسی مانیٹر پر کسی نئے نمبر کا پہلا سگنل آتا ہے تو وہ لوگ زیرِ نگرانی شخص کے وطن یا مرکزی ٹھکانے میں واقع مانیٹرنگ اسٹیشن کو اس کی موجودگی سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ وہاں سے ملنے والی ہدایات کی روشنی میں اس پر نظر رکھی جاتی ہے یا اسے آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ان میں سے بیشتر لوگ اپنے جسموں میں چپ کی موجودگی سے بے خبر ہوتے ہیں۔"

"اور ملا سرکار کے سینے میں جو آلہ نصب تھا، اسے تمہاری اصطلاح میں کیا کہتے ہیں؟"

"یہ صرف دل کی دھڑکنیں نشر کرتا ہے اس لئے اسے کارڈیو پلسر کہتے ہیں۔"

"یہ کس طرح کام کرتا ہے، ڈیئر ہیری؟" یہ سوال میں نے اپنے تجسس سے مجبور ہو کر پوچھا تھا۔

"اس کا بھی بالکل وہی اصول ہے۔" اس نے میری مداخلت پر کوئی احتجاج کئے بغیر جواب دیا۔ "فرق صرف اتنا ہے کہ مانیٹر کسی بھی نئے کارڈیو پلسر کو براہِ راست نہیں پہچان سکتا کیونکہ اس کا سگنل صرف دل کی دھڑکنوں پر مشتمل ہوتا ہے جنہیں پہچاننا ناممکن ہوتا ہے۔ اس خامی پر قابو پانے کے لئے ہر کارڈیو پلسر مشین سے باہر آنے کے ہر چوبیس گھنٹے بعد ایک خاص سگنیچر ٹون نشر کرتا ہے جو پہلے سے مانیٹر میں محفوظ ہوتی ہے۔ وہ مختصری دھن یا ٹون سنتے ہی مانیٹر اسے پہچان لیتا ہے اور یوں اسٹیشن والوں کو اپنی حدود میں آنے والے نئے ایجنٹ کا علم ہو جاتا ہے۔"

"لیکن مانیٹر کے دائرۂ کار سے نکل جانے والوں کے بارے میں غلط فہمی کا امکان تو رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"قطب شمالی کے برفانی علاقوں کے علاوہ دنیا کا ہر خطہ مانیٹرز کی زد میں رہتا ہے کیونکہ ہر مانیٹر ڈھائی ہزار میل دور تک کام کرتا ہے۔ بعض علاقوں میں تو اتنے فاصلے پر مانیٹروں کی تعداد چار سے بھی زیادہ ہے البتہ فاصلہ گھٹنے بڑھنے سے سگنل طاقتور یا کمزور ہونے لگتے ہیں۔"

"ان معاملات میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔" ویرا نے اس کی تعریف کی۔

"یہ فوج کا شعبہ ہے اس لئے ہر جگہ ملٹری اتاشی ہی اس کے نگراں ہوتے ہیں۔ سسٹم کو جانے بغیر ہم لوگ اس سے کام نہیں لے سکتے اس لئے یہ ہماری تربیت کے نصاب میں شامل ہوتا ہے۔"

"میری بات ادھوری رہ گئی تھی۔ فوج تمہارے محافظ کو گاڑی سمیت گرفتار کر لے گی تو تم ہتھیاروں کے اسکینڈل سے خود کو کیسے بچا سکو گے؟" ویرا نے پوچھا۔ میری دانست میں یہ ایک اہم سوال تھا۔

کافی دیر بعد، پہلی بار اس کی پُراعتماد ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "کسی کام میں ہاتھ ڈالنے کے بعد ہمیں ہر طرف نگاہ رکھنی پڑتی ہے۔ ادھر سے گڑبڑ کی بھنک ملتے ہی ہم نے علاقے کے تھانے میں محافظ کے گاڑی سمیت غائب ہو جانے کی ایف آئی آر درج کرا دی تھی۔ ہماری رپورٹ کے مطابق وہ کل رات کے بارہ بجے سے گاڑی سمیت غائب ہے۔ صبح سویرے رپورٹ درج کرانے کے بارے میں یہ جواز بہت مضبوط ہے کہ رات کو ہمارے دفاتر بند تھے، پھر عملے کے اراکین، اس کی واپسی کا انتظار کرنے کے ساتھ ہی اپنے طور پر اس کی تلاش میں مصروف تھے۔"

"لیکن اُس کے بیان کا کیا بنے گا؟ اسے تمہارے موقف کا علم ہی نہیں ہو سکے گا۔"

"ایک ادنیٰ ملازم کے مقابلے میں کاؤنسلیٹ کے موقف کو تسلیم نہ کرنا، سفارتی آداب کی سنگین خلاف ورزی میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایک بار تم خود کہہ چکی ہو کہ میری سفارتی حیثیت نے میری قومیت کی وجہ سے مجھے اس سرزمین پر سپرمین بنایا ہوا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ آج تم نے مجھے مات دے دی ہے۔"

"ٹھیک ہے ہیری! اپنا دھیان رکھو۔ خدا کرے کہ تمہارا دن خوشگوار گزرے۔" ان اختتامی کلمات کے ساتھ ہی ویرا نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

فون بند کرتے ہی ویرا نے اپنا مکا فضا میں اچھال کر اضطراری طور پر فتح کا نعرہ لگایا تھا۔

"بے وقوفوں جیسی حرکتیں نہ کرو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "تمہیں چوروں کی طرح ہر ایک کی باتوں کی سن گن لینے کی عادت پڑ گئی ہے؟"

"ارے!" وہ مجھ پر آنکھیں نکال کر غرائی "ایک تو میں نے

عین وقت پر دخل اندازی کر کے تمہاری بگڑی ہوئی بات سنبھال لی اور تم مجھ پر ہی گرم ہو رہے ہو۔ تم زندگی بھر بھی ہیری کیسنجر جیسے خرانٹ دشمن کو اس طرح مفلوج نہیں کر سکتے تھے۔ میں تو اپنی بیڈ ٹی بنانے کے ارادے سے نکلی تھی لیکن تمہاری آواز سن کر کچن میں جانے کے بجائے ادھر آ گئی۔"

"تمہیں مذاق کا برا نہیں منانا چاہئے" غزالہ نے دخل دیتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ تم نے بہت بروقت مداخلت کی تھی۔ لانچ والے واقعے نے ہیری کو ذہنی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔

جب اس نے تمہیں ملّا سرکار تسلیم کر لیا تھا تو میں خود حیران رہ گئی تھی۔ میں سمجھی تھی کہ یہ اُس کی کوئی چال ہے لیکن وہ بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔ اسی حالت میں ویرا کی تابڑ توڑ باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جس نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔"

"وہ تو جو کچھ ہوا' درست ہی ہوا۔ لیکن غبی لڑکیوں کی طرح اچھلنے اور چلّانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے کہا۔ "ہم کسی حویلی میں نہیں بلکہ ایک فلیٹ میں رہتے ہیں۔"

"تم جلتے رہو۔ مجھے جو کرنا تھا' وہ میں نے کر لیا۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے اپنی کمر پر ٹکائے اور رقص کرنے والے انداز میں لہراتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔

"بلاوجہ اسے نہ چڑایا کرو۔" غزالہ نے مجھے ناصحانہ لہجے میں سمجھایا۔

میں نے اس کی بات کاٹ دی "تم سلطان شاہ کو اس سے شادی پر آمادہ کر لو تو یہ ساری باتیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ ان کی شادی رُونما ہو گئی' تو سلطان شاہ اسے خیمے والے برقع میں لپیٹ کر گھر میں محصور کر کے رکھ دے گا۔"

"اب تم ہر وقت اسی بات کا ریکارڈ لگاتے رہو گے۔" وہ چڑ کر بولی۔ "ان دونوں کے سامنے اس موضوع کو نہ لے بیٹھنا ورنہ وہ دونوں ہی بھڑک جائیں گے......"

میں اُس کی پوری بات سنے بغیر' ہنستا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔ باتوں ہی باتوں میں خاصا وقت گزر چکا تھا' اس لئے میں نے عجلت میں لباس تبدیل کیا اور ویرا کا دوبارہ سامنا ہونے سے پہلے فلیٹ سے روانہ ہو گیا۔

کراچی کے ساحل سے غیر قانونی ہتھیاروں سے لدی ہوئی لانچ کے پکڑے جانے کی خبر بہت بڑی اور سنسنی خیز تھی۔ اس لئے شام کو شائع ہونے والے کئی اخبارات قبل از وقت بازار میں آ گئے تھے۔ بندر روڈ پر آتے ہی پہلے ٹریفک سگنل پر میں نے ایک ہاکر سے تمام اخبارات خرید لئے۔

ہر اخبار کی سرخی گھوڑا کریک کے واقعات کے بارے میں تھی' لیکن سرخیوں کا انداز جداگانہ تھا۔ ایک اخبار نے کروڑوں کی مالیت کے جدید ترین جنگی ہتھیاروں اور مواصلاتی آلات کے بارے میں سرخی جمائی تھی۔ دوسری سرخی ہتھیاروں سے لدے ہوئے سیکڑوں ٹرکوں کی گرفتاری کے بارے میں تھی۔ ایک ذیلی سرخی میں قاسم کا نام بھی نمایاں تھا۔ سگنل سبز ہونے سے پہلے میں نے سرسری طور پر تینوں اخبارات دیکھ ڈالے لیکن ان میں کہیں بھی امریکی کاؤنسلیٹ کی کار اور محافظ کا ذکر نہیں تھا۔ معاملے کی نازک نوعیت اور شدید عوامی ردِعمل کے خطرے کے پیشِ نظر حکام نے اس پہلو کو صیغۂ راز ہی میں رکھا تھا یا کاؤنسلیٹ سے رجوع کرنے تک' اس کا افشا ملتوی کر دیا تھا۔

جب تک سینڈو زندہ تھا' وہی ادپر استقبالیہ پر مجھے خوش آمدید کہتا تھا۔ سینڈو کی موت کے بعد میں نے شیر شاہ کو اُس کا جانشین نامزد کر دیا تھا اس لئے اُس نے بھی پرانی روایات کو برقرار رکھا۔

"چیف کافی دیر سے آیا ہوا ہے۔" اس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس نے آتے ہی تمہارے بارے میں دریافت کیا تھا۔"

"اس کی مہمان موجود ہے یا چلی گئی؟" میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں سوال کیا۔

"اُس کے بارے میں تم کیا جانو؟" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اپنے دفتر اور لوگوں کے بارے میں باخبر نہ رہوں تو مجھے تمہارا باس کہلانے کا کوئی حق نہیں رہے گا۔"

"وہ اس وقت بھی موجود ہے۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ "چیف کے آنے کے دس منٹ بعد آئی تھی۔ اس وقت سے اندر ہی بیٹھی ہوئی ہے۔ کمرے کے باہر مسلسل سرخ بلب جل رہا ہے۔"

میں شیر شاہ کو باہر ہی چھوڑ کر اپنے دفتر میں داخل ہو گیا جہاں پچھلے دن کی مے نوشی کی بو اس وقت بھی فضا میں رچی ہوئی تھی۔ سیٹھ حبیب جیوانی کی طرح میرے کمرے میں بھی ٹیلی فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر موجود تھا۔ میں نے میلان سے آیا ہوا پیغام سیٹھ حبیب جیوانی کے حوالے کرنے سے پہلے ایک بار پھر کیسٹ لگا کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔ اس بار بھی وہ آوازیں ناقابلِ فہم اور سماعت پر بوجھ ثابت ہوئیں۔

جب تک میں باہر اور دوسری مصروفیات [illegible] رہا' اس پُراسرار بھوتی پروگرام کو بھولا رہا لیکن دفتر میں آتے ہی ایک بار پھر یہ مسئلہ میرے ذہن پر سوار ہو گیا۔ میں مافیا چیف کے نائب کی حیثیت سے اچھی طرح جانتا تھا کہ مافیا میں' پاکستان کی حد تک کوئی بھی خفیہ زبان رائج نہیں تھی اس لئے اس پیغام سے حبیب جیوانی کوئی مفہوم اخذ کرنے سے قاصر رہتا۔ ایسی صورت میں وہ پیغام کیوں دیا گیا تھا؟ اس کا مخاطب کون تھا؟ یہ معاملات ایسے تھے جن پر حبیب جیوانی ہی کوئی روشنی ڈال سکتا تھا۔ میں نے انٹرکام کی ہاٹ لائن اٹھا لی جو میرے اور جیوانی کے کمروں کو ملاتی تھی۔

"وہ چلی گئی۔ اب تم آ سکتے ہو۔" حبیب جیوانی [illegible]

ہدایات دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔
میں اس کے کمرے میں داخل ہوا تو فضا بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہی تھی اور حبیب جیوانی اندھیرے کے بجائے روشنی میں اپنی میز کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ میں اُس سے نگاہیں چار کر کے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ بیٹھنے سے پہلے ریکارڈ کیا ہوا کیسٹ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔
"بہت سوچ بچار کی ضرورت نہیں' وہ میرے پاس کام کے سلسلے میں آئی تھی۔ دفتر کو میں دفتر ہی سمجھتا ہوں اور تم سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں۔" اس نے کیسٹ پر کوئی توجہ دیے بغیر کہا۔
"اس میں میلان والا پیغام محفوظ ہے۔" میں نے موضوع بدلنے کے لئے کیسٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ زور سے ہنسا اور بولا۔ "اسے کتنی بار سنا ہے' تم نے؟"
"دو بار۔" میں نے ایمانداری کے ساتھ اعتراف کرتے ہوئے کہا کیونکہ اس بارے میں میرا انکار قطعی غیر فطری ہوتا۔
"لیکن میں اس کا ایک لفظ بھی سمجھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔"
"ابھی نہیں سکتا۔ یہ پیغام وہی سمجھ سکتا ہے جس کے لئے بھیجا گیا ہے۔"
"تو کیا مافیا میں تمہارے علاوہ بھی کوئی ایسا ہے جو ایسی باتیں' چیزیں یا زبان جانتا ہے جو تم نہیں جانتے۔"
"مافیا میں نہیں' وہ مافیا سے باہر ہے۔" اس نے جلدی سے میری تصحیح کی۔
"اور تم اسے جانتے ہو۔ تمہیں پہلے سے معلوم تھا کہ پیغام تمہارے لئے ناقابلِ فہم ہو گا۔"
"ابھی آنے والی خاتون مجھے اس شخص کا نام بتا کر گئی ہے۔ پیغام کے کوڈ میں ہونے کے بارے میں میرا اندازہ تھا جس کی تم نے تصدیق کر دی۔ اب یہ کیسٹ تم ہی کو اس شخص تک لے جانا ہو گا۔ وہ پولیس کے محکمے کا ایک بڑا افسر ہے۔ کیسٹ سن کر وہ تمہیں کچھ بریفنگ بھی دے گا۔"
"اس پولیس افسر کا مافیا سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"تم ایک پولیس افسر کی بات کر رہے ہو؟ جنوبی امریکا کے جن ملکوں میں مافیا کے ڈان ذہین اور باصلاحیت ہیں وہاں پوری پوری حکومتیں مافیا کی زر خرید ہیں۔ شی والے ہزاروں میل دور آ کر یہاں کامیابیاں حاصل کر لیتے ہیں لیکن مافیا کے گڑھ کا رخ کرتے ہوئے اُن کے پر جلتے ہیں۔"
"اس پولیس افسر کے لئے ایسا کیا پیغام ہو سکتا ہے جس سے تمہیں بے خبر رکھا جا رہا ہے۔" میرے لئے حبیب جیوانی کا یہ اطمینان حیرت کا سبب بن رہا تھا۔
"مافیا کے بارے میں تمہاری سوچ کچی ہے اس لئے تم اس طرح سوچ رہے ہو ورنہ یہ پیغام اس افسر کو براہِ راست بھی بھجوایا جا سکتا تھا۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ہمارے گرد و پیش میں مڈر مافیا کے کارندے بھی منڈلاتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ان ہی میں سے ایک ہو۔"
"اور وہ غلام رسول والا قصہ کیا ہے؟" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد' بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔
"غلام رسول کے خلاف ملکی مفادات کے خلاف سازش اور بغاوت کرنے کے الزام میں مضبوط مقدمہ قائم کر لیا گیا ہے۔ وہ اپنے علاقے' بلکہ ملک بھر میں بہت اچھی ساکھ رکھنے والا جدّی پشتی سیاستداں ہے۔ اس مقدمے اور گرفتاری کے باوجود اُس کے ووٹروں کا خیال ہے کہ اسے بدنام کرنے کے لئے مخالفین نے اسے اس مقدمے میں پھنسایا ہے۔ اس لئے اس وقت اُس کی مدد کرنی ضروری ہو گئی ہے۔"
"تمہیں پولیس افسر کے نام سے آگاہ کرنے والی خاتون کن لوگوں سے تعلق رکھتی ہے؟" اس وقت حبیب جیوانی نے اپنی باتوں سے مجھے بری طرح الجھا دیا تھا۔
"وہ صرف ایک مخبر ہے۔" اس نے مجھے بتایا "وہ میرے لئے مڈر مافیا والوں کے پیغامات لاتی ہے۔ اسی طرح مجھے کوئی اہم بات ان تک پہنچانی ہو تو میں اسے مطلع کرتا ہوں۔ اسے مہینے' دو مہینے میں ایک آدھ بار ہی پیغام رسانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس خدمت کے لئے اسے مستقل طور پر' بھاری تنخواہ ادا کی جاتی ہے۔"
"کوئی معزز خاتون ہے؟" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور کہا "بازارِ حسن میں ناچنے گانے کا دھندا کرتی ہے۔ ایسی جگہوں پر آدمی کسی کی نظروں میں آئے بغیر' ہر وقت رسائی حاصل کر سکتا ہے۔"
"لیکن اس طرح وہ مافیا کے اندرونی رازوں سے واقف نہیں ہو جاتی؟"
"اس کے لئے وہ پیغام ادھورے اور مہمل ہوتے ہیں۔ مثلاً آج وہ اس افسر کے نام کے علاوہ یہ خبر لائی تھی کہ پولیس بازارِ حسن سے بھاری بھتا وصول کر رہی ہے۔ اس کے لئے یہ ایک خبر تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید میں پولیس والوں کی زیادتی کی کوئی روک تھام کروں گا لیکن اشارہ یہ تھا کہ اس شخص کا پولیس کے محکمے سے تعلق ہے۔ پیغام سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ کیسٹ کس کو پہنچانا ہے۔"
"اور اگر ہم نامی کی وجہ سے کیسٹ غلط ہاتھوں میں پہنچ گیا تو کیا ہو گا؟"
"کچھ بھی نہیں کیونکہ غیر متعلقہ آدمی کے لئے ریکارڈ کیا ہوا

پیغام مہمل ثابت ہوگا۔"

"لیکن وہ شبے میں مجھے تو روک سکتا ہے۔ پولیس والے تو دور دور جاکر شکار کھیلتے ہیں۔ گھر آئے ہوئے شکار کو کون آسانی کے ساتھ جانے دے گا؟"

"جو لوگ اس طرح بال کی کھال نکالنے کے عادی ہوتے ہیں، انہیں ہر ٹیڑھے کام سے دور رہنا چاہئے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "بلکہ انہیں تو کسی مزار کا مجاور یا متولی بن جانا چاہئے۔"

"میرے لئے کیا حکم ہے؟" میں نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"پہلا کام یہ کیسٹ، اس پولیس افسر تک پہنچانا ہے۔ رسمی گفتگو کے علاوہ تم اس سے مزید کچھ نہیں کہو گے اور اس کی ہدایت کے بغیر وہاں سے نہیں لوٹو گے۔ اس کے بعد ہم سوچیں گے کہ غلام رسول کی مدد کے لئے کیا کیا جاسکتا ہے۔ رہا تلاطم خان کا معاملہ تو میں اسے فون کردوں گا اور اپنی اصلیت ظاہر کئے بغیر، مافیا کے اہم کارندے کی حیثیت سے، کسی بڑے ہوٹل کے کمرے میں ان دونوں کی دعوت کردوں گا۔"

"بس یہ خیال رکھنا کہ آج کل پولیس کے ساتھ ساتھ فوج بھی بہت چوکس نظر آنے لگی ہے۔"

"ہاں!" وہ چونک کر بولا "ہر دوسرے تیسرے دن کوئی نہ کوئی بڑی خبر چلی آرہی ہے۔ پہلے سکھر کے خونیں واقعات رونما ہوئے جس میں غلام رسول کو بھی ملوث کیا گیا ہے۔ پھر صحرائے تھر سے آپریشن ڈیزرٹ ٹریپ کی خبر آئی اور اب غیر قانونی ہتھیاروں کی برآمدگی کی افواہیں گردش کررہی ہیں۔"

"یہ افواہیں نہیں ہیں۔ شام کے اخبارات نے اس واقعے پر شہ سرخیاں لگائی ہیں۔"

"شام کے اخبارات ابھی سے بازار میں آگئے؟" اس نے چونک کر اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"خبر چھاپنے میں سبقت کا معاملہ تھا نا۔" میں نے کہا "تین اخبار میری گاڑی میں بھی پڑے ہوئے ہیں۔"

"منگوادو!" اس نے مجھے ہدایت دیتے ہوئے کسی بے آواز سوئچ کو چھیڑا۔ اس کی کرسی پر یک بیک اتنی گہری تاریکی چھاگئی کہ اسے دیکھنا ناممکن ہوگیا۔ میری سمت میں پڑنے والی روشنی میں اضافہ ہوگیا تھا۔ اس تضاد کا مطلب یہی تھا کہ روشنی میں موجود کوئی بھی شخص یہ نہ دیکھ سکے کہ میز کے پیچھے کون بیٹھا ہوا ہے اور کیا کررہا ہے۔

انٹرکام پر ہدایت دینے کے چند ہی منٹ میں شیر شاہ، ادب اور احترام کے ساتھ تینوں اخبارات لے آیا۔ اس کے لوٹ جانے پر حبیب جیوانی نے دوبارہ روشنیاں جلادیں اور اخبارات دیکھنے لگا۔ اخباری اطلاعات پڑھتے ہوئے، اس کے بشرے پر حیرت اور بے یقینی کا تاثر لمحہ بہ لمحہ گہرا ہوتا جارہا تھا۔

"یہ تو شرم کی بات ہے کہ ہماری ناک کے نیچے، قاسم علی جیسی موٹی موٹی کاروباری اسامیاں پل رہی ہیں اور ہم ان سے کوئی سودا کرنے کے قابل نہیں ہوسکے۔" چند منٹ کے بعد اُس نے زبان کھولی تو میں دل ہی دل میں، اس کی ذہنی استعداد پر لعنت بھیجے بغیر نہ رہ سکا۔

وہ سمجھ رہا تھا کہ مذکورہ کھیپ قاسم برادرز والوں نے اسمگل کرائی تھی۔ اگر وہ اس کھیپ میں شامل ہتھیاروں کی نوعیت پر ذرا بھی غور کرلیتا تو سمجھ لیتا کہ اس قدر مہنگے، جدید ترین اور خصوصی ہتھیاروں کی، کھلی منڈی میں بالکل بھی مانگ نہیں تھی۔ مختلف علاقوں میں سرگرم عمل ڈاکو اور دہشت گرد بھی، بڑے میگزین والی خود کار رائفلوں اور کندھے سے فائر کئے جانے والے، ہلکے پھلکے راکٹ لانچروں کے علاوہ، بھاری ہتھیاروں پر ہاتھ نہیں رکھتے تھے اس لئے خالص فوجی نوعیت کے ہتھیاروں پر مشتمل وہ کھیپ کسی خاص مقصد کے لئے منگوائی گئی تھی۔

"قاسم علی اس چکر سے نکل گیا تو ضرور اس سے ملوں گا۔" میں نے بحث سے بچنے کے لئے، پُرخلوص لہجے میں کہا "جب سے میرا اور تمہارا ساتھ ہوا ہے، ہمیں سر جوڑ کر بیٹھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا ہے۔ بزنس پالیسیوں پر تم سے بریفنگ مل جائے تو میں اپنے طور پر بھی بہت کچھ کرسکتا ہوں۔"

"اخبار میرے پاس چھوڑ دو اور تم نکل جاؤ!" اس نے، اپنے آگے پڑا ہوا کیسٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں بلاوجہ تمہارا وقت برباد نہیں کرنا چاہتا۔"

"اس سے ملنے کے لئے کوئی پاس ورڈ ہو تو بتادو۔" میں نے کیسٹ جیب میں ڈال کر، اٹھتے ہوئے کہا "ایسا نہ ہو کہ کوئی حوالہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجھے وقت دینے سے ہی انکار کردے۔ پولیس والے جب تک اپنی سیٹ پر ہوتے ہیں، عموماً فرعون بنے رہتے ہیں۔"

"سوری، اس کا حل تم ہی کو سوچنا چاہئے۔ میرے پاس کوئی پاس ورڈ نہیں ہے۔"

میں اُس کے دفتر سے نکلا اور پھر سیدھا باہر ہی نکلتا چلا گیا۔ پولیس ہیڈ کوارٹر میں سادہ پوش اور باوردی پولیس والوں کے ساتھ ہی، نچلے درجے کے بھانت بھانت کے لوگ بھرے ہوئے تھے۔ ان میں لباس کی حد تک صاف ستھرے اور معزز نظر آنے والے خال خال تھے۔ اس بڑے افسر کے دفتر تک پہنچنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی لیکن بند دروازے پر کھڑے ہوئے سپاہی نے مجھے براہ راست اندر جانے سے روکتے ہوئے، برابر والے

زے کی طرف ہانک دیا۔

اس دروازے سے داخل ہوتے ہی' میں نے خود کو دریدہ
ناپڑے ہوئے میلے اور بوسیدہ صوفوں کے درمیان پایا جہاں
ضرورت مند' شرفِ باریابی کے لئے اپنی باری کے انتظار میں
ہوئے تھے۔ اگلے اور اندرونی کمرے میں ایک اسٹینو' پی اے
ساتھ براجمان تھا۔ اسی کمرے میں مزید تین سپاہی موجود تھے۔
کمرے سے ایک بغلی دروازہ' افسرِ اعلیٰ کے کمرے میں کھلتا تھا
اسے صرف ان کا عملہ ہی آجا سکتا تھا۔

میں نے ایک رقعہ پر اپنا نام لکھ کر' سپاہی کو دیا تو اس نے پُر
لیکن اشتباہ آمیز نظروں سے میرے سراپا کا جائزہ لیا اور بغلی
زے سے اندر چلا گیا' میں بیرونی کمرے میں' میل کچیل سے
بالتھڑے ہوئے ایک صوفے پر آبیٹھا۔

وہاں بیٹھے بیٹھے تقریباً آدھا گھنٹا گزر گیا لیکن کسی کی باری
آئی۔ سپاہیوں کی سرگرمیوں اور باتوں سے اندازہ ہوا کہ
ب اپنے چند مہمانوں کی میزبانی میں مصروف تھے۔

خدا خدا کر کے انتظار کی وہ کٹھن گھڑیاں ختم ہوئیں اور پرچی'
یا تخلیئے کی ضرورت کا کوئی احساس کئے بغیر تمام افراد کو بیک
اندر جانے کی چھوٹ دے دی گئی۔ میرے علاوہ سب لوگ
سکڑے مجرموں کی طرح بیرونی دروازہ سے اس شاندار دفتر میں
ہوئے جہاں قالین سے لے کر فرنیچر تک' سب کچھ نیا نہ سہی
لخوردہ بھی نہیں تھا۔ باوردی افسرِ اعلیٰ بڑی شان سے اکڑا ہوا'
میز کے پیچھے براجمان تھا۔ اس کی عقبی دیوار پر قائدِ اعظم کی
ی تصویر دیوار پر آویزاں تھی۔ قائدِ اعظم کی تصویر کا وہ انداز'
نے پہلے بھی بہتیرے دفتروں میں دیکھا ہوگا لیکن اس کا رمز
ا بجھ سکا تھا۔ اس روز مجھے معلوم تھا کہ میں جس افسر سے ملنے
ہوں' اس کے مفادات مافیا کے ساتھ مشترک ہیں اس لئے مجھے

ل ہوا کہ افسران قائدِ اعظم کی تصویر کو اپنی پشت پر اس لئے
یزاں کرتے ہیں کہ اپنے معاملات میں قائدِ اعظم کی نظروں کا
نا کرنے سے بچے رہیں۔ جب کہ ان کے مخاطب کو ہر لمحے یہ
ہارے کہ اس کے ساتھ' برا یا بھلا جو کچھ بھی ہو رہا ہے' قائدِ
م کی تصویر کے زیرِ سایہ ہو رہا ہے۔ اس لئے وہی اس کا مقدر

ے بڑی میز کے سامنے ملاقاتیوں کے لئے تین کرسیاں رکھی ہوئی
نہ بقیہ افراد' دیوار کے ساتھ قطار میں لگی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ
ئے میں نے دانستہ آخری نشست سنبھالی کیونکہ میں تخلیئے میں
نے کا خواہاں تھا۔ وہ صاحب اپنے محکمے کے گھاگ افسر نظر
تے تھے۔ انہوں نے نرمی اور اپنی پیشہ ورانہ ڈانٹ پھٹکار سے
یتے ہوئے' ملاقاتیوں کو تیزی سے نمٹانا شروع کر دیا۔ لوگ ان
رتبے اور وردی سے پہلے ہی مرعوب تھے اور اپنے شانوں پر
پنے کسی عزیز کے کسی جرم کا بوجھ لئے پھر رہے تھے' اس
ں بھی اس افسر کی گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا۔

اگلی کرسیاں خالی ہوتے ہی لوگ نشستیں بدل کر پیش قدمی
کرتے جا رہے تھے۔ مجھے نظر آ رہا تھا کہ جتنا وقت میں نے انتظار
میں گزارا تھا' اس سے کہیں کم وقت میں مجھے تخلیہ میسر آنے والا
تھا لیکن میری باری آنے سے پہلے ہی' میرے بعد بھی کئی افراد اندر
آکر' کرسیوں پر براجمان ہو گئے اور میں تخلیئے کی امید پر اپنے وقت
کے دانستہ زیاں پر افسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ میرا دل چاہا کہ میں
اٹھ کر واپس چل دوں لیکن ایسا کرنا آدابِ افسری کی توہین کے
مترادف ہوتا۔ وہاں کوتوال اور کوتوالی' دونوں ہی موجود تھیں۔
اس لئے کسی قسم کا کوئی خطرہ مول لینا قرینِ عقل نہیں تھا۔

میری باری آئی تو میری بائیں جانب والی کرسی پر' ایک مظلوم
سا شخص' افسرِ اعلیٰ کے مقابل موجود تھا۔ وہ افسر میری داہنی جانب
والے کو نمٹا کر جوں ہی میری طرف متوجہ ہوا' میں نے سیٹھ حبیب
جیوانی کی ہدایت پر حرف بہ حرف عمل کرتے ہوئے' اپنی زبان سے
کچھ کہے بغیر کیسٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

کیسٹ پر نگاہ پڑتے ہی' وہ عینک کی اوٹ سے مجھے گھورنے لگا۔
کیسٹ لیتے ہوئے' اس کے حلق سے ایک ہنکارا برآمد ہوا اور اس
نے فوراً ہی اپنی میز کے نیچے لگے ہوئے' گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ
دی۔ باہر گھنٹی کی مترنم آواز گونجی اور اس وقت تک گونجتی ہی رہی

جب تک ایک بوکھلایا ہوا سپاہی، بغلی دروازے سے اندر نہیں آگیا۔ افسر نے فوری طور پر نیم خمیدہ سپاہی پر کوئی توجہ نہیں دی بلکہ مجھے بھی بھول کر یوں غور سے کیسٹ کو دیکھنے لگا جیسے اسے بجائے بغیر، زبانی طور پر پڑھ لینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"تراب علی!" افسر نے اپنے اردلی کو مخاطب کر کے کہا "ان لوگوں کو باہر لے جاؤ، میں ایک ڈیڑھ گھنٹے تک کسی سے نہیں مل سکوں گا۔"

افسر کا وہ رویّہ مجھے بہت ناشائستہ بلکہ بھونڈا محسوس ہوا۔ اگر وہ ملاقات کے منتظر افراد سے ذرا سی معذرت کر کے انہیں باہر جانے کے لئے کہتا تو کوئی بھی اس کی بات ماننے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن بات وہی آداب افسری والی تھی۔ شاید وہ غیر ضروری طور پر اس ارزل اور بدنصیب مخلوق کو منہ لگانا اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا۔ وہ اس کی بادشاہی تھی اور وہ وہی کچھ کر رہا تھا جو اس کی، اپنی رضا تھی۔

اردلی کے متوجہ ہونے سے پہلے ہی، میرے علاوہ سب لوگوں نے، کملائے ہوئے چہروں کے ساتھ، اپنی کرسیاں چھوڑ دیں۔ مجھے ٹس سے مس ہوتا نہ دیکھ کر اردلی بگڑے ہوئے لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوا "تم نے سنا نہیں کہ صاحب نے ابھی ابھی کیا حکم دیا ہے؟" اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میں نے اس کا سوال ختم ہوتے ہی کرسی نہ چھوڑی تو وہ میرا بازو جکڑ کر، مجھے کرسی سے اٹھا دے گا۔

وہ مذاکرات صاحب کے عین سر پر ہوئے تھے لیکن وہ تغافل اختیار کئے، ہمہ تن کیسٹ کے مشاہدے میں منہمک رہا۔ اپنی ذات میں اُس کی عدم دلچسپی محسوس کرتے ہوئے میں نے اندازہ لگایا کہ شاید وہ اکیلے میں کیسٹ سننا چاہتا ہے۔ اس لئے میں نے، بے آبروئی ہونے سے پہلے، کرسی چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت تک بیشتر افراد اس کمرے سے باہر جا چکے تھے۔ جو رہ گئے تھے وہ بھی واپسی کی راہ پر گامزن تھے۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" میرے اٹھتے ہی، افسر نے چونک کر درشت لہجے میں پوچھا۔

"آ... آپ کا اردلی...." اس ناگہانی سوال پر میں ہکلا کر رہ گیا۔

"تراب علی، تم جاؤ مجھے ان سے بات کرنی ہے۔" اس نے اپنے سپاہی سے کہا پھر مجھ سے بولا "بیٹھو!"

"اس میں کیا ہے؟" اس نے کیسٹ کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ اس کی عقابی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔

"مجھے علم نہیں۔" میں نے بے بسی سے کہا۔ ویسے بھی وہ سوال میرے لئے غیر متوقع تھا۔

"کہاں سے آئے ہو؟" اس بار بھی اس نے ٹیڑھا سوال کیا تھا۔

"ٹریڈ لائن سے۔" میں اس براہِ راست سوال کا جواب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

اس نے اپنی میز کی دراز سے ایک چھوٹا لیکن حسّاس پلیئر نکالا، اس میں لگا ہوا کیسٹ نکال کر دراز میں ڈالا اور ہوا کیسٹ لگا کر پلیئر آن کر دیا۔

کمرے کی فضا میں وہی نامانوس اور بے مقصد آوازیں لگیں جو میں پہلے بھی کئی بار سن چکا تھا لیکن آوازوں پر اس بدلتا ہوا ردِ عمل بہت حیرتناک تھا۔ ابتدا میں وہ بری طرح پھر حیران نظر آیا اس کے بعد تشویش کی علامات اس کے لحظہ بہ لحظہ گہری ہوتی چلی گئیں۔

کیسٹ ختم ہونے پر اس نے پُر تفکر انداز میں پلیئر آف دوبارہ دراز میں ڈال دیا۔

"کیا سمجھے؟" اس نے دونوں ہاتھ، میز کی شفاف سطح مجھ سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ یہ تو عجیب سی، بے مقصد آوازیں تھی یہ کوئی زبان تھی تو میں بدقسمتی سے، اس سے بالکل بے خبر ہوا

"تم غلام رسول کے نام سے واقف ہو؟" اس کی آنکھ یک بیک فکر آمیز اداسی جھلکنے لگی تھی جیسے اس پر کوئی ناپسندیدہ اور وزنی بوجھ آ پڑا ہو۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ جانتے ہو کہ وہ آج کل کہاں ہے؟" اس کا لہجہ سرگوشیانہ ہو گیا۔

میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "م معلوم ہے کہ وہ پکڑا گیا ہے۔ وہ کہاں اور کس ادارے کی ہے، میں اس سے ناواقف ہوں۔"

"تو کان کھول کر سن لو کہ وہ آج کل کراچی سینٹرل خطرناک قیدیوں کے وارڈ میں بند ہے۔" اس بار اُس کی آ دھیمی اور سنسنی خیز ہو گئی تھی اور نگاہیں بے چینی کے سا دونوں دروازوں کا طواف کر رہی تھیں۔

"بہت بہتر!" میں نے تھوک نگلنے کی کوشش کرتے وقت تمام کہا۔ میرے لئے وہ صورتِ حال بالکل غیر متوقع فرسا تھی۔ حبیب جیوانی نے مجھے بسیار گوئی سے باز رہ کر بات سننے کا حکم دیا تھا لیکن وہ قوی الاعصاب افسر کیسٹ پریشان ہو گیا تھا کہ مجھے ہدایات دینے کے بجائے، مجھ کر کے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے میں غلام رسول کے بارے میں بات چھیڑی تھی اس سے تھا کہ خفیہ پیغام میں اُسی کے بارے میں کچھ احکام او موجود تھیں۔ وہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ حبیب جیوانی جو

رکھا رہا تھا‘ وہی یہاں بھی درپیش تھا۔

"اور تمہیں‘ اس کو وہاں سے اغوا کر کے جلد از جلد سرحد پار
ہے۔" اس نے کہا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اُس نے پوری قوت کے ساتھ
، سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا اور
ادر شاہی حکم پر میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔
یانہ آواز میں دیے ہوئے‘ اس حکم کے آخری الفاظ مجھے
ور افتادہ کنوئیں کی تہ سے ابھرتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

مجھے علم تھا کہ وہ میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اور اس
رمیان میں تین چار فٹ کی ایک چوبی میز حائل تھی لیکن اس
بان سے نکلے ہوئے‘ نادر شاہی احکام سن کر میرے اوسان اس
طرح خطا ہوئے کہ میرے دل و دماغ اور فکر و نظر نے میرا ساتھ
ے انکار کر دیا۔ اس کی آواز مجھے کسی دور افتادہ کنوئیں کی
نہ سے آتی ہوئی سنائی دے رہی تھی اور اس کا چہرہ مجھے
لائی ہوئی کسی خلائی شبیہہ کی طرح نظر آرہا تھا۔ حبیب جیوانی
مجھے اس کے سامنے جتنی کم گوئی کا مظاہرہ کرنے کی ہدایت کی
وہ مجھے اُسی قدر بسیار گوئی پر مجبور کر رہا تھا۔ اس نے صرف
راکتفا نہیں کیا تھا‘ بلکہ وہ مجھے ہدایات دے کر شاید میری تائید
طالب تھا۔

اس کیفیت میں جو چند ثانیے گزرے‘ وہ میرے لئے ایک
ت سے کم نہیں تھے۔ میں اپنے ایک بالا دست اور بارسوخ
کے سامنے‘ ایک میمنے کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ بھیڑ کے ایک
بچے کی طرح‘ جو نہ اپنا مافی الضمیر واضح کر سکتا تھا اور نہ اپنے
کی پُر پیچ چالوں کو سمجھنے پر قادر تھا۔

وہ میری لاشعوری کیفیات تھیں لیکن شعور پر یہ بھاری وزن
ہوا تھا کہ میں مافیا کے ایک ذمے دار نمائندے کی حیثیت سے
پولیس کے ایک سینئر اور بااختیار افسر کے روبرو موجود تھا۔
کے دربار میں میری ذرا سی کوتاہی بھی میرے لئے مکمل تباہی
بربادی کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔ وہ نہ صرف پولیس کا ایک اعلیٰ
تھا بلکہ مافیا یا بُدر مافیا کا کوئی اہم رکن بھی تھا۔ اس کے ایک
اسے پر میرے مقدر کا کوئی مثبت یا منفی فیصلہ کیا جا سکتا تھا۔

کمپیوٹر پر جب کی بورڈ کے ذریعے دو جمع دو لکھا جاتا ہے تو مانیٹر
رائی جواب چار کی صورت میں نمودار ہو جاتا ہے۔ اس مختصر
سادہ سے عمل میں کمپیوٹر کے دماغ‘ یعنی سی پی یو یا سینٹرل
سنگ یونٹ پر کیا قیامت گزرتی ہے‘ کتنے برقی اشاروں کا
ئع اور انجذاب ہوتا ہے‘ اس کا احاطہ کرنا ایک عام آدمی کے
سے باہر ہے۔ بالکل اسی طرح‘ اس افسر کے سامنے میرا
ب ہو جاتا ایک بہت سادہ اور فطری سا عمل تھا لیکن ان چند
نیوں میں جس ذہنی قیامت سے دوچار ہوا تھا‘ اس کا ادراک
میرے علاوہ کسی کے بس میں نہیں تھا۔

ذہن کی سطح پر رونما ہونے والی‘ ان ہوش ربا تبدیلیوں کے
نتیجے میں‘ سب سے پہلے میری بصارت کی دھند صاف ہوئی اور مجھے
اس کا موہوم سا ملاقاتی چہرہ‘ اپنے پورے خدوخال کے ساتھ نظر
آنے لگا۔ پھر میرے کان بھی اس کی آواز سننے پر مجبور ہوتے چلے
گئے۔

"اگر تم ذہین اور بہادر ہو تو یہ کام تمہارے لئے مشکل نہیں
ہونا چاہئے؟" وہ میرے چہرے پر نظریں گاڑے پُریقین لہجے میں کہہ
رہا تھا "بزدل اور کند ذہن ہو تو تم بے موت مارے جاؤ گے۔"

"بہت بہتر" میں نے احمقانہ لہجے میں کہا "میں یہ پیغام ان
لوگوں تک پہنچا دوں گا جنہوں نے مجھے یہاں بھیجا ہے‘ مجھے تو یہ بتایا
گیا تھا کہ مجھے بولنے کے بجائے‘ صرف سننا ہے لیکن یہاں
صورت حال بالکل ہی مختلف ہے۔ آپ مجھ سے تبادلۂ خیال کر رہے
ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ میری زبان سے کوئی غلط لفظ یا فقرہ نکل گیا تو میں
بے موت مارا جاؤں گا۔ میرا چیف‘ مجھے عضو ناکارہ سمجھ کر اُس
رخصت پر بھیج دے گا جہاں سے آج تک کوئی واپس نہیں آیا
ہے۔"

"بہت بزدل ہو" وہ ملامت آمیز لہجے میں بولا "مجھے تو بتایا گیا
تھا کہ پیغام لانے والا مقامی مافیا کا نمبر دو ہو گا۔ اگر تمہاری ذہنی سطح
کا یہ عالم ہے تو پھر یہاں مافیا کا خدا ہی حافظ ہے۔"

اس کے طنزیہ تبصرے پر میں تلملا کر رہ گیا لیکن میں نے کوئی
سخت جواب دینا مناسب نہ سمجھتے ہوئے کہا "میں اپنے باس کا نمبر دو
ہوں اس لئے اُس کے احکام کی پابندی کرنے پر مجبور ہوں۔ اس
نے مجھے بتایا تھا کہ مجھے کچھ کہے بغیر بہت کچھ سن کر آنا ہو گا اس لئے
میں اسی تیاری کے ساتھ آیا تھا۔"

"نمبر دو اسی کو بنایا جاتا ہے جو مختصر ترین نوٹس پر کسی بھی وقت
نمبر ایک پوزیشن پر آنے کے لئے تیار ہو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میں
کہاں اور کس پوزیشن پر بیٹھا ہوا ہوں" اس کا لہجہ یک بیک بہت
نرم‘ دھیما اور خواب ناک ہو گیا "میں نے یہ مقام حاصل کرنے
کے لئے بہت محنت کی ہے۔ پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں
ہزاروں ذہین اور تعلیم یافتہ لڑکے شریک ہوتے ہیں لیکن ان میں
سے بہت قلیل تعداد سرخروئی حاصل کرتی ہے۔ پھر اکیڈمی کی کڑی
تربیت سے گزرنا ہوتا ہے۔ اس کرسی تک پہنچنے کا کوئی شارٹ کٹ
نہیں ہے۔ میں پولیس سروس میں اے ایس پی کی حیثیت سے
داخل ہوا تھا اور آج میں ایک اہم شعبے کا مالک و مختار ہوں" میں
نے اس مرحلے پر محسوس کیا کہ اس کے انداز میں تکبر یا رعونت کا
شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ ساری باتیں دھیمے اور ہموار لہجے میں یوں
بتا رہا تھا جیسے مجھے حقائق سے آگاہ کرنا چاہ رہا ہو۔

اس کی بات جاری تھی اور وہ کہہ رہا تھا "لیکن کیسٹ والا
معاملہ بہت نازک ہے۔ غلام رسول کو ایک خفیہ‘ وفاقی ادارے
نے پکڑا ہے۔ اس پر فرد جرم بھی انہوں نے ہی عائد کی ہے۔ مسئلہ
یہ ہے کہ غلام رسول کی شہریت سندھ کی ہے اور اس کی گرفتاری
بھی ہمارے صوبے میں عمل میں آئی ہے۔ اس لئے اس مقدمے کی
سماعت ہمارے صوبے کی خصوصی عدالت میں ہو گی۔ اسے مقرر

وقت پر عدالت میں لے جانا اور پھر اگلی پیشی تک سرکاری تحویل
میں محفوظ رکھنا ہماری ذمے داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کراچی
سینٹرل جیل میں بند ہے۔ ہم ان معزز اور بارسوخ لوگوں کے لئے
ہمیشہ اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے ہیں جو اپنے علاقوں میں اپنی بات
منوانے پر قادر ہوتے ہیں۔ لوگ عموماً ان کی بات مان لیتے ہیں
کیونکہ ان کے تجربات شاہد ہوتے ہیں کہ ان معزز اور نرم خو لوگوں
کے مشوروں سے انحراف کرنے والے، ناگہانی طور پر کسی نہ کسی
پُراسرار بدبختی کا شکار ہو کر مرجاتے ہیں یا ڈاکو وغیرہ انہیں اٹھا لے
جاتے ہیں۔ ایسے واقعات لوگوں کے دلوں پر ان کی بزرگی اور
طاقت کی دھاک بٹھادیتے ہیں۔ ان کے نام سے ماؤں کی کوکھ میں
بچے مضطرب ہوجاتے ہیں۔ ایسے لوگ ہماری برادری میں بہت
مقبول ہیں کیونکہ ہمارے موجودہ مسٹر ڈان یا گاڈ فادر کا تعلق بھی ایسے
ہی جاگیردار گھرانے سے ہے۔ روایتی طور پر مافیا جاگیرداروں ہی کی
تخلیق ہے جنہوں نے باغی نوجوانوں کی پشت پناہی کرکے سسلی کی
سرزمین سے فرانسیسیوں کی تباہی کا نعرہ بلند کیا تھا اور آخر کار
پورے اٹلی کو فرانس کی غلامی سے آزاد کرالیا تھا۔ تمہارے لئے یہ
سب جاننا ضروری ہے کیونکہ تم اس سرزمین پر مافیا کے نمبردو ہو۔
یہاں ہم ابھی تک شہری کاروبار میں الجھے ہوئے ہیں لیکن یہاں کے
دیہی علاقوں کے حالات ہمارے لئے دن بہ دن حوصلہ افزا ہوتے
جارہے ہیں۔ حالات تیزی کے ساتھ اسی رخ پر جارہے ہیں جہاں
سسلی کے چند زمین بڑوں کو مافیا کی داغ بیل ڈالنے کا خیال آیا تھا۔
ہمیں غلام رسول اور اس جیسے چند اور لوگوں کا تعاون حاصل
ہوجائے تو قانون ہمارا بال بھی بیکا نہیں کرسکے گا اور ہم اپنی آمدنی
کروڑوں تک لے جاسکیں گے۔ مفلوک الحال ہاری اور دہقان
سہمی ہوئی بھیڑوں کی طرح ہماری غلامی کریں گے۔ ہم جب اور جسے
چاہیں گے بھینٹ کے طور پر انتظامیہ کے قدموں میں ڈال سکیں
گے کیونکہ کوئی مردہ اپنے دفاع میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پولیس کی
گولیوں سے مرے ہوئے شخص کی سرکاری شناخت صرف وہی
ہوتی ہے، جو پولیس اپنے ریکارڈ میں درج کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
ہمارے ریکارڈ میں سیکڑوں قاتلوں اور ڈاکوؤں کی موت کے باوجود
ان کی تعداد میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ بعض ڈاکو دو دو مرتبہ
مارے جانے کے بعد بھی زندہ دیکھے گئے ہیں۔"

وہ عجیب ہولناک باتیں تھیں۔ میں اپنی جگہ پر جھرجھری لے کر رہ
گیا۔

وہ مجھ سے بہت سینئر تھا، اس لئے میں نے کہیں بھی اس کی
بات کاٹنے کی کوشش نہیں کی لیکن جب وہ رک کر سگریٹ سلگانے
میں مصروف ہوگیا تو میں نے پوچھا "لیکن اسے اغوا کرکے ہم اس
سے کیا کام لے سکیں گے؟"

"تمہارا سوال درست اور فطری ہے" اس نے سگریٹ
سلگانے کے بعد سرہلاتے ہوئے اقرار کیا "ہمیشہ دشمنوں کو اغوا کیا
جاتا ہے۔ کسی دوست کا اغوا سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے مگر غلام
رسول کا معاملہ بہت مختلف ہے۔ اس پر سنگین الزامات عائد
کیے گئے ہیں۔ اس کے خلاف اتنے واضح اور ناقابلِ تردید ثبوت
کیے جاچکے ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوچکا ہے۔ حقیقت
یہی ہے کہ اس پر مقدمہ چلایا گیا تو اسے سات سنگین جرائم میں
ہر ایک پر سزائے موت سنادی جائے گی۔ اس لئے ہم اسے عدا
کا سامنا کرنے سے بچائیں گے۔ آدمی کو زندہ رہنے کی امید ہو
عزت و آبرو اور نیک نامی یا بدنامی کے بارے میں سوچتا ہے
مایوسی کی گہری دلدل میں دھنسا ہوا ہے۔ اس وقت اسے صرف
صرف زندہ رہنے کی آرزو ہوگی۔ وہ کہاں اور کیسے زندہ رہتا
بعد کی باتیں ہیں۔ اس کی اسی ذہنی حالت کی وجہ سے ہم نے ا
سرکاری تحویل سے نکالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کارروائی میں
کا مشورہ شامل ہے، نہ مرضی۔ اسی لئے میں نے اغوا کا لفظ ا
کیا ہے۔ تمہاری ناگہانی کارروائی پر اس کے محافظ ہی نہیں،
بھی بھونچکا رہ جائے گا۔ شاید وہ مزاحمت پر بھی آمادہ ہوجائے
تمہیں، اس کو پوری احتیاط کے ساتھ نکال لے جانا ہے۔ د
طرف کے سرحدی محافظوں سے بچاکر تم اسے پڑوسی ملک میں
بھی چھوڑ سکتے ہو۔ اس سے آگے تمہارا کام ختم ہوجائے گا۔
اس کی ذمے داری دوسروں پر ہوگی۔"

وہ منصوبہ میرے لئے ناقابلِ فہم تھا۔ اس نے میرے بشر
تردد کے آثار بھانپ لئے اور مفاہمانہ لہجے میں بولا "تمہار
اپنے حصے کی ہدایات پر عمل کرنا ہے لیکن میں اس وقت ا
میں ہوں۔ تم کچھ پوچھنا چاہتے ہو تو بلاتکلف مجھ سے سوال ک
ہو۔"

"اس علاقے کا مجرم پڑوسی ملک میں زندہ تو رہ سکتا ہے
ایسی جلاوطنی کی حالت میں وہ یہاں ہماری کیا مدد کرسکے گا؟
نے پوچھا۔

"وہ ساری عمر کے لئے نہیں جائے گا۔ آج حالات نا
ہیں تو اسے یہ سرزمین چھوڑنی ہوگی۔ حالات بہتر ہونے پر وہ
یہاں لوٹ آئے گا۔ سازگار حالات پیدا کرنے کے لئے ہ
علاوہ وہ خود بھی اپنے سارے وسائل کام میں لائے گا جس
میں مقدمات ختم بھی ہوسکتے ہیں" اس نے براہِ راست
آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میرے لئے صرف اسی قدر حکم ہے کہ ہم لوگوں کو
رسول کو اغوا کرکے سرحد پار پہنچانا ہے؟" میں نے استفسار
لہجے میں کہا۔

"شاید تم اسے بہت آسان کام سمجھ رہے ہو!" اس
گھورتے ہوئے کہا۔

"آسان نہیں تو ناممکن بھی نہیں ہوگا، جبھی تم نے ا
بارے میں زبان کھولی ہے" میں نے پہلی بار قدرے بے
اختیار کرنے کی ہمت کرتے ہوئے اسے ترکی بہ ترکی جواب د

وہ پھنسی پھنسی اور غراتی ہوئی آواز میں ہنس پڑا "یہ اچھی بات کہی ہے تم نے۔"

میرے لئے یہ بات بہت اہم تھی کہ اس نے میری بے تکلفی کا ذرا بھی اثر نہیں لیا تھا۔

"تم نے جو کچھ کہا ہے اس پر ہر قیمت پر عمل کیا جائے گا لیکن اس سے آگے بھی اگر کچھ رہنمائی کرسکو تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔"

"میری ہدایت کے تین حصے ہیں۔ اغوا' سرحد پار منتقلی اور جلد از جلد" وہ میری طرف نگراں تھا۔

"ابتدائی دو نکات پر میں اپنا ارادہ ظاہر کرچکا ہوں۔ تیسرے نکتے کا تعلق موقع محل سے ہے' جس کے بارے میں' میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

"کل تک وہ تفتیش میں شامل تھا" اس نے قدرے سکوت کے بعد کہنا شروع کیا "تفتیشی اداروں کے خصوصی طریقوں نے اسے بری طرح دہشت زدہ کیا ہوا ہے۔ آج وہ جیل میں ہے۔ اس کے جسم پر تشدد کی کوئی علامت نہیں ہے لیکن وہ اعصاب زدہ ہوچکا ہے۔ پرسوں اسے باقاعدہ ریمانڈ کے لئے عدالت میں پیش کیا جانے والا ہے....."

"ریمانڈ کے لئے پہلی پیشی ہونے سے قبل اسے جیل بھیجنا ضروری تو نہیں تھا؟" بے تکلفی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"عام حالات میں قیدی کو لاک اپ سے کورٹ میں پیش کیا جاتا ہے۔ جسمانی ریمانڈ مل جائے تو قیدی دوبارہ حوالات میں آجاتا ہے۔ اجازت نہ ملے تو اسے جیل بھیج دیا جاتا ہے لیکن یہ معاملہ بعض حساس وفاقی اداروں سے تعلق رکھتا ہے جو ناگزیر وجوہ کی بنا پر سامنے آنا نہیں چاہتے۔ انہوں نے فرد جرم کی ابتدائی مثل ہمارے ایڈووکیٹ جنرل کو بھجوادی ہے اس لئے غلام رسول کو ایک ابتدائی حکم کے ذریعے براہِ راست جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔ سب سے اہم بات یہی ہے کہ اس معاملے میں پولیس کی براہِ راست ذمے داری نہیں ہے۔ اس لئے جیل سے عدالت جاتے ہوئے یا واپسی میں اسے اغوا کرلیا جائے تو پولیس پر زیادہ نکتہ چینی نہیں ہوگی۔"

"لیکن قیدیوں کو جیل سے لانے' لے جانے کی ذمے داری تو پولیس ہی کی ہوتی ہے؟"

"قیدیوں کو لانے' لے جانے والی لاریوں کا سارا عملہ جیل سپرنٹنڈنٹ کا ماتحت ہوتا ہے اور اسی کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ خطرناک یا اہم قیدیوں کی خصوصی حفاظت کے لئے وہ اپنی صوابدید پر پولیس کا اضافی عملہ طلب کرسکتا ہے لیکن غلام رسول کے بارے میں ابھی تک کوئی خاص بندوبست نہیں کیا گیا ہے۔ اسے پرسوں صبح عدالت میں پیش کرنے کے لئے لایا جائے گا۔ جیل سے گاڑی ساڑھے آٹھ بجے روانہ ہوگی۔ گاڑی کے اگلے حصے میں پولیس کے غیر مسلح ڈرائیور کے علاوہ' عقبی حصے میں غلام رسول کے ساتھ دو مسلح محافظ ہوں گے۔ ایسی گاڑیاں جیل روڈ کا چوراہا گھوم کر قائداعظم کے مزار کے عقب میں نکلنے والی سڑک کی راہ اختیار کرتی ہیں۔ اس چوراہے سے شاہراہِ قائدین تک تم آسانی کے ساتھ اپنا کام کرسکتے ہو۔ تم ذرا سی بھی ذہانت سے کام لو تو کوئی مشکل پیش نہیں آنی چاہئے۔ اس کے بارے میں مزید معلومات تم اپنے ذرائع سے حاصل کرسکتے ہو۔ تمہارا مطلوبہ آدمی ایک بار تمہاری تحویل میں آجائے تو اسے یہاں سے نکال لے جانا دشوار نہیں ہونا چاہئے۔ تمہاری ہمدردی کا یقین ہوجانے کے بعد وہ خود تم سے تعاون کرنے پر آمادہ ہوجائے گا۔"

وہ پوری طرح مافیا کا ہمدرد' منصوبہ ساز اور نمک خوار نظر آرہا تھا۔ پاکستان میں مافیا کی تنظیم اپنے ابتدائی مراحل میں تھی۔ کی کلب کی گھناؤنی سرگرمیوں کے ذریعے سیٹھ حبیب جیوانی نے بہت سے اہم سرکاری اہل کاروں کو بلیک میل کرکے مافیا کو طاقت فراہم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کی کلب کی تباہی کے نتیجے میں اثر و رسوخ اور طاقت کا وہ منبع ختم ہوگیا تھا اور مافیا اپنی نشوونما کے ابتدائی دور ہی میں مفلوج ہوکر رہ گئی تھی۔

میرے لئے یہ بات حیران کن تھی کہ مافیا کے کمزور مقامی بیورو کو بھی ایک سینئر اور باوردی افسر کی مکمل ترین حمایت حاصل تھی۔

لیکن پھر مجھے خود ہی اس حمایت کا جواز بھی نظر آنے لگا۔

مقامی بیورو کتنا ہی حقیر اور بے بس رہا ہو لیکن اس کی بنیادیں عالمی مافیا کے ساتھ مشترک تھیں۔ مدر مافیا کے ڈان تھری سے میں خود مل چکا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ سپر ڈان پاکستانی مافیا کے معاملات میں گہری دلچسپی لے رہا ہے۔ یہی وہ عوامل تھے جو مدر مافیا کے ہمدردوں اور نمک خواروں کو مقامی بیورو کی اعانت پر مجبور کررہے تھے۔ وہ اپنے سارے وسائل مجتمع کرکے مقامی بیورو کو اس منزل پر لے جانے کی کوشش کررہے تھے جہاں ان کا کولمبیا بیورو فائز تھا تاکہ حکومت اور بیورو کریسی کے اہم فیصلوں پر اثرانداز ہونا ممکن ہوسکے۔ وہ لوگ جرائم اور معاشرتی تخریب کے پیغام بر ضرور تھے لیکن ان کی نظریں ہمیشہ علاقائی اقتدار پر مرکوز رہتی تھیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ مافیا کے عملی فلسفے میں بھی نمایاں تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ اب وہ حکومت اور قانون کے حریف نہیں' بلکہ حلیف بن کر اپنے حلف کی خفیہ شقوں کو پوری قوت اور شدت کے ساتھ نافذ کرنا چاہتے تھے۔

اس پولیس افسر نے جو کچھ کہا وہ میری آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی تھا لیکن جب تک میں مافیا میں شامل رہنے پر مجبور تھا' اس وقت تک مجھے ہر قیمت پر ان کے اشاروں پر ناچنا تھا۔ انہیں میرے دل و دماغ کی گہرائیوں میں پروان چڑھنے والے بغض و عناد کی بو بھی مل جاتی تو وہ اپنی ساری مصلحتوں اور مفادات کو بھول کر بلا تامل میری زندگی کا چراغ گل کردینے سے گریز نہ کرتے۔

وہ چند ثانیوں تک، خاموشی کے ساتھ سگریٹ کے گہرے گہرے کش لیتا رہا پھر آہستگی سے بولا "مجھے اومرتا کے بارے میں یاددہانی کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔"

میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "یہ نام یا لفظ میرے لئے بالکل اجنبی ہے۔"

"مافیا کے روایتی حلف کو اومرتا کہتے ہیں" اس نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا "برے وقت میں بدترین تشدد سہہ کر مرجانا لیکن اپنے کام اور ساتھیوں کے بارے میں زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالنا، اومرتا ہے۔ تم مجھ سے مل لئے ہو، یہ تمہارے لئے ایک اعزاز ہے لیکن واضح اجازت یا طلبی کے بغیر تم کبھی میرے قریب آنے کی کوشش نہیں کروگے۔ کہیں مجھ سے آمنا سامنا ہو بھی جائے تو ایک اجنبی کی طرح گزر جاؤ گے۔"

"میں جانتا ہوں" میں نے سہلا کر اقرار کیا "یہ میرے لئے ایک بڑا اعزاز ہے۔"

"یہ پہلا موقع ہے کہ چیف کے بجائے، اس کے نمبر دو کی عزت افزائی کی گئی ہے۔"

"میں ہر قیمت پر خود کو اس اعزاز کا اہل ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"اب تم جاسکتے ہو" یہ کہتے ہوئے، اس نے اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھادیا۔

میں اس سے مصافحہ کرکے اس کے خوب صورت دفتر سے باہر نکلتا چلا آیا۔

وہاں سے واپس لوٹتے ہوئے میرا ذہن بوجھل تھا اور دل ودماغ میں عجیب سے آندھیاں چل رہی تھیں۔

کہنے کو میں ایک آزاد اور خودمختار قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ بظاہر اس قوم کے عزائم نیک اور بلند تھے۔ قانون اور اس کا نفاذ کرنے والے طاقتور ادارے، شب و روز سرگرم عمل نظر آتے تھے لیکن اس کے باوجود جڑوں ہی جڑوں تک ہر طرف جرائم پروان چڑھتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

مجھے اس بات کی بے انتہا خوشی تھی کہ میں نے پاکستان میں ثی کے وجود پر کاری ضرب لگا کر عملاً اس کو مفلوج کرکے رکھ دیا تھا۔ اس کے سربراہ جمی لائیڈ کی بیٹی اپنے باپ سے خاموش بغاوت کرکے مجھ سے آملی تھی۔ اس نے ماما سرکار کے تباہ کن منصوبے میں امانت کے لئے ذرا بھی پیش رفت نہیں ہونے دی تھی۔ اس کی ذات سے مایوس ہوکر ماما سرکار کے امریکی سرپرستوں نے الحدید کے ذریعے جو مہلک اور بیش قیمت ہتھیار منگوائے تھے، وہ سب سرکاری تحویل میں لے لئے گئے تھے لیکن حالات اتنے دل خوش کن نہیں تھے جتنے میں سمجھ رہا تھا۔

میں نے اسی روز کے اخبار میں امریکی سفیر کی ایک تقریر دل پذیر کے حوالے سے ہولناک اعداد و شمار دیکھے تھے جو ہیروئن کے بارے میں ثی کے مشن کی کامیابی کی بھرپور اور ناقابلِ تردید غمازی کررہے تھے۔

ثی اپنی سازشوں کے ذریعے پاکستان میں پندرہ لاکھ سے زائد افراد کو ہیروئن کے موذی نشے کا عادی بناچکی ہے اور یہ وبا شہروں سے دور افتادہ قصبوں اور دیہاتوں میں بھی زور پکڑ چکی ہے۔ ان پندرہ لاکھ ہیروئنچیوں کے علاوہ، دس لاکھ افراد ایسے بھی ہیں جو براہ راست افیم کا نشہ کرتے ہیں۔ ان نشہ بازوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہر سال ۵۵ ٹن ہیروئن کی ضرورت ہوتی ہے جس کی تیاری کے لئے کم وبیش ۵۷۰ ٹن افیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ خالص افیم کے عادیوں کے لئے مزید ۱۰۰ ٹن افیم کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس طرح ۶۷۰ ٹن افیم کی مقامی طلب پیدا ہوچکی ہے جب کہ افیم کے انسداد کی کوششوں کے نتیجے میں اس کی مقامی پیداوار ۹۰۰ سے گھٹ کر صرف ۱۹۵ ٹن رہ گئی ہے، جس سے صرف ۲۹ ٹن یعنی مقامی ضروریات کی صرف ۲۹ اعشاریہ ایک فیصد ہیروئن کشید کی جاسکتی ہے۔ مقامی طلب اور پیداوار کے اس خلا کو پورا کرنے کے لئے افغانستان سے افیم کی دو تہائی پیداوار پاکستان اسمگل کردی جاتی ہے۔ مقامی کھپت میں بے پناہ اضافہ اور افیم کی پیداوار میں قابلِ ذکر کمی کی وجہ سے پاکستان اس قابل ہی نہیں رہا ہے کہ ہیروئن امریکا یا مغرب کی زرخیز منڈیوں میں اسمگل کرسکے۔ افغانستان سے اسمگل ہونے والی افیم کی وجہ سے دس پانچ ٹن اضافی مال بن جائے تو وہ چھوٹی موٹی کھیپوں میں باہر بھیجا جاتا ہے۔ اس میں سے نصف سے زیادہ پکڑا جاتا ہے اور جو مقدار منڈی میں پہنچتی ہے اس کی مقدار سمندر میں قطرے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اس طرح ہیروئن کے پاکستانی اسمگلر، امریکا کی زرخیز منڈی سے زبردست مالی فائدہ حاصل کرنے کے سنہرے مواقع سے محروم کئے جاچکے ہیں۔

صبح میں نے وہ وحشت ناک خبر سپاٹ انداز میں پڑھ لی تھی لیکن اس پولیس افسر کے دفتر سے واپسی کے سفر میں مجھے ان اعداد و شمار میں اپنی واضح شکست نظر آرہی تھی۔

پاکستان کی منڈی سے چرس کو واپس لے کر، سستے داموں ہیروئن پھیلانے کا منصوبہ سامنے آتے ہی، ثی کے عزائم میرے سامنے بے نقاب ہوگئے تھے۔ امریکی انتظامیہ مادی آسودگیوں سے جنم لینے والے کرب اور ذہنی انتشار کے جہنم میں سلگتے ہوئے امریکی معاشرے کو ہیروئن کے استعمال سے روکنے پر قادر نہیں تھی۔ دوسری طرف وہ لوگ اس زہر کی ہولناک تباہ کاریوں سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ اس لئے ان کے منصوبہ سازوں نے صدارتی نگرانی میں ثی کی داغ بیل ڈالی جو ہیروئن تیار کرنے والے ملکوں میں اس کی مقامی کھپت پیدا کرنے پر مامور کردی گئی۔

وہ ثی کا اولین اور بنیادی ٹارگٹ تھا۔ یہ ایک اہم معاشی اصول ہے کہ ہر پیداواری منڈی سے وہی جنس باہر بھیجی جاتی ہے جو مقامی ضروریات سے فاضل ہو۔ اس اصول کا اطلاق

رت کے ساتھ ہی اسمگلنگ پر بھی ہوتا ہے۔ جب تک پاکستان
ں ہیروئن کی وبا عام نہیں ہوئی تھی' یہ کوڑیوں کے دام مل جاتی
ں۔ ان مقامی داموں کے مقابلے میں عالمی کھلی منڈی میں اس
، نرخ ہزاروں گنا زیادہ تھے اس لئے ہر شخص اس جادوئی سفوف
، ہیر پھیر میں دلچسپی لینے لگا۔ پیسے کی فراوانی نے نت نئے طریقوں
ر راستوں کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا لیکن شی کی کوششوں
ے مقامی کھپت میں اضافہ ہونے کے ساتھ ہی ہیروئن کے دام
ھنے لگے جبکہ بیرونی منڈیوں میں مسابقت کی وجہ سے ہیروئن کے
م گرنے کا رجحان پیدا ہوگیا۔

اور اب صورتِ حال یہ ہوچکی تھی کہ پاکستانی ہیرو پنچی اپنی
روریات پوری کرنے کے لئے افغانی افیم یا ہیروئن کا محتاج ہوچکا
اور امریکی معاشرہ کم از کم پاکستانی ہیروئن کی ہولناک یلغار سے
نوظ ہوچکا تھا۔ پاکستان میں شی کا وہ بنیادی کام خسارے کا سودا
۔ وہ لوگ بھاری قیمت پر ہیروئن خرید کر اسے چرس سے بھی
تے داموں پر زیر زمین دنیا میں پھیلاتے تھے۔ وہ لوگ اس وقت
۔ اس میدان میں ڈٹے رہے جب تک انہیں مطلوبہ مقاصد
صل نہیں ہوئے' یہ ایک اتفاق تھا کہ میں نے ان کے خلاف کم
بش اسی وقت علم بغاوت بلند کیا جب وہ پاکستانی معاشرے کو حقیقی
نوں میں تباہی کی راہ پر ڈال دینے میں کامیاب ہوچکے تھے۔

ہیروئن کی منڈی سے شی کی دستبرداری ان کے اپنے ارادوں
، تابع تھی جس میں میرے جبر کا کوئی دخل نہیں تھا۔ انہوں نے
ں محاذ کو کھلا چھوڑ دیا تھا اور بین الاقوامی سازشوں کے ذریعے
ستان میں متوازی قوتوں کی آبیاری میں مصروف ہوگئے تھے۔
روئن کے معاملے کو اپنی مرضی کے دھارے پر ڈالنے کے بعد' ان
ا ترجیحات بدل گئی تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ اب مافیا ہیروئن میں دلچسپی لے رہی تھی۔
یہ مافیا کے بڑوں کو اندازہ ہوچکا تھا کہ اب پاکستان کی منڈی میں
ان کی حریف نہیں رہی تھی۔

شی دہشت گردوں' سازشیوں اور غداروں کی سرپرست و مربی
ا گئی تھی۔ انہیں ہتھیار اور منصوبے فراہم کررہی تھی جب کہ
یا جرائم کے میدان میں سر ابھارنے کی ٹھوس تیاریاں کررہی
ی لیکن قابلِ غور بات یہ تھی کہ غلام رسول ان دونوں ہی کے
ے اہم تھا کیونکہ مقامیوں کی مدد اور بھرپور حمایت کے بغیر کوئی بھی
رانہ منصوبہ پروان نہیں چڑھ سکتا تھا۔ ہر سازش کے لئے غلام
سول جیسے مہرے ناگزیر تھے۔

غلام سرکار کے مذموم منصوبے میں غلام رسول ایک بارسوخ
رئیک نام لیکن خودغرض سیاست داں کے طور پر فٹ بیٹھا تھا۔
سری طرف مافیا والوں کے لئے وہ ایک نرم گفتار مگر تند خو وڈیرہ
ا جس کے کمی اور ہاری اس کے احکام سے منہ پھیرنے کی جرات
یں کرسکتے تھے۔ اس طرح مافیا والے اپنے مخالفین کی سرکوبی کے

لئے دیہی علاقوں میں اپنی مضبوط فوج کھڑی کرسکتے تھے۔

اس وقت میرے ذہن نے صورتِ حال کا جو تجزیہ کیا' اس کی روشنی میں مجھے پاکستان میں شی کا کوئی مستقبل نظر نہیں آرہا تھا۔ ہیروئن کے انسداد کے نام پر قائم کی گئی اس بھیانک تنظیم نے پاکستان کے نگر نگر میں اس موذی نشے کو رواج دے کر اپنے ملک میں ہیروئن لانے والی ایک شہ رگ کاٹ دی تھی۔ انہوں نے مجھ جیسے غافل اور حریص پاکستانیوں کے ذریعے نہایت غیر محسوس طریقہ پر اپنے مقاصد حاصل کئے تھے اور اسی کے ساتھ شی نے پاکستان سے اپنی بساط لپیٹ لی تھی۔ اب اگر وہ باہر سے اسلحہ وغیرہ اسمگل کررہے تھے تو وہ ایک بالکل مختلف رخ تھا۔ نقد اور بھاری رقوم لے کر باہر کا کوئی بھی گروہ ہتھیاروں کی اسمگلنگ کا کام کرسکتا تھا لیکن شی نے ہیروئن کے بارے میں جس طویل المدت منصوبے پر کام کیا تھا' اسے بھرپور کامیابی سے ہم کنار کرنا کسی جرائم پیشہ گروہ کے بس میں نہیں تھا۔ دنیا بھر میں ہر مجرم مختصر ترین مدت میں بڑی بڑی رقوم کمانے کی فکر میں لگا رہتا ہے جب کہ شی نے پاکستان میں برسوں تک خسارے کی سرمایہ کاری کرنے کے بعد اپنی سرکار کا ہدف حاصل کیا تھا۔

میرے لئے شی بڑی حد تک ختم ہوچکی تھی اور مافیا دن بہ دن زور پکڑ رہی تھی۔ دھیمے دھیمے معصوم چہروں پر سے نقاب سرک رہی تھی اور کریہہ صورتیں سامنے آرہی تھیں۔ ان کے منصوبے نرالے اور گھاتیں انوکھی تھیں۔ تسلی کی بات صرف اتنی تھی کہ وہ بنیادی طور پر کسی ملک' قوم' مذہب یا فلسفے کے خلاف نہیں تھے بلکہ ان عوامل سے قطع نظر پوری دنیا میں جرائم کے فروغ کے لئے زیر زمین کام کررہے تھے۔ انہیں پاکستان میں اپنی دال گلتی نظر نہ آتی تو وہ کسی ملال کے بغیر اپنا بوریا بستر سمیٹ کر قرب و جوار کے کسی اور ملک میں ڈیرے ڈال سکتے تھے۔

میں ٹریڈ لائن کے دفتر میں پہنچا تو شیر شاہ' الہ دین کے چراغ کے جن کی طرح راستے ہی میں میرے ساتھ ہولیا۔ اس کے چہرے پر اداسی برس رہی تھی۔

"چیف کے بارے میں کیا خبر ہے؟" میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ کب آتا ہے اور کب چلا جاتا ہے..... ہم لوگوں کو پتا ہی نہیں چلتا۔ اس کے دروازے پر سبز بلب جل رہا ہو تو مجھے اندر جانے کی اجازت ہوتی ہے' سرخ بلب جل رہا ہو تو کوئی اندر نہیں جاسکتا۔ دونوں بلب بند ہوں تو وہ اندر نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں دروازہ اندر سے مقفل ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ چیف اپنی آمدورفت کے لئے کوئی خفیہ راستہ استعمال کرتا ہے جو کمرے میں ہی کھلتا ہے۔"

جب تک سینڈو زندہ تھا' شیر شاہ سمیت اس کے کسی ماتحت کو چیف کے قریب پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی اس لئے وہ سب ہی

چیف کے پُراسرار معمولات کی طرف سے بے خبر تھے۔ سینڈو کی موت کے بعد شیر شاہ کے منصب میں نئی نئی ترقی ہوئی تھی اس لئے اسے ہربات عجیب اور ناقابلِ یقین نظر آرہی تھی۔

"جو کچھ خود بخود سامنے آجاتا ہے ' اسی پر قناعت کرنے کی عادت ڈالو" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "اپنے بڑوں کے بارے میں تجسس پسندی ' سرکشی کے زمرے میں شمار ہونے لگتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں" وہ اضطراری لہجے میں بولا "میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا...."

"نہ ہو" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "مگر پھر بھی محتاط رہا کرو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے پیشے میں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔"

میں اسے اپنے ساتھ اپنے دفتر میں لے آیا تھا تاکہ اس سے بات کرسکوں۔

مافیا میں شیر شاہ کا نام میرے لئے اجنبی نہیں تھا لیکن کبھی بھی اس سے میرا براہِ راست واسطہ نہیں پڑا تھا جس کی وجہ سے میں اس کے مزاج سے ناآشنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اس سے کھلے دل کے ساتھ گفتگو کرنے سے گریز کررہا تھا جو قطعی فطری رویہ تھا۔

"آج تم کچھ اداس نظر آرہے ہو؟" دفتر میں کرسیاں سنبھالنے کے بعد میں نے پوچھا۔

"رہ رہ کر سینڈو کا انجام یاد آرہا ہے" اس نے غم زدہ لہجے میں کہا "سنا ہے کہ سرکاری اسپتال والے پوسٹ مارٹم کے بہانے لاوارث لاشوں میں سے دل ' گردے ' کلیجی ' پھیپھڑے اور دوسرے کار آمد اعضا نکال کر اندر برف بھردیتے ہیں۔ پھر ان کھوکھلے ڈھانچوں کو دفنا دیا جاتا ہے۔ بے چارے سینڈو پر بھی یہی گزری ہوگی۔"

"تمہاری دانست میں ان کار آمد اعضا کا کیا مصرف ہوتا ہوگا؟" میں نے مضحکانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ ضرورت مند مریضوں کو بیچ دیئے جاتے ہیں" اس نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔

"ایسے اعضا موت سے ایک مقررہ وقت کے اندر اندر نکال کر محفوظ نہ کئے جائیں تو ناکارہ ہوجاتے ہیں" میں نے سنجیدگی کے ساتھ اسے آگاہ کیا "آج سینڈو ہلاک ہوچکا ہے تو درد سے ہمارے دل بھرے چلے آرہے ہیں لیکن ہم نے اپنے ان لاتعداد حریفوں کے بارے میں کبھی نہیں سوچا ' جو ہمارے اور سینڈو کے ہتھیاروں کا نشانہ بنے تھے۔"

"اپنا دکھ ' پرائے دکھ سے ہزار گنا زیادہ ہوتا ہے باس! یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"میں تم سے پوری طرح اتفاق کرتا ہوں" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ مجھے یک بیک ہی دھیان آگیا تھا کہ سینڈو کے معاملے میں مجھے ان لوگوں کے جذبات کا ساتھ دینا تھا۔

"وہ جیسا اور جو کچھ بھی تھا ' بہت صاف ستھرا اور کھرا آدمی تھا۔ کسی کے ساتھ منافقت نہیں کرتا تھا۔ کسی کو دوست کہہ کر بغل سے اس پر وار کرنے کو نہایت گھٹیا اور بزدلانہ حرکت سمجھتا تھا۔"

میرے لئے خاموش ہوکر اس موضوع کو وہیں ختم کردینے کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار نہیں تھا۔ میرے چند ثانیوں کے سکوت سے اس نے فوراً ہی میرا منشا بھانپ لیا۔

"تمہیں جیل سے سماعت کے لئے لے جائے جانے والے کسی قیدی کے اغوا کا تجربہ ہے؟"

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور مجھے سنجیدہ پاکر انکار میں اپنا سر ہلا دیا "نہیں۔"

"تمہارے لئے یہ تجربہ حاصل کرنے کا سنہرا موقع آگیا ہے۔ مجھے اس پر تمہارا پلان چاہئے۔"

"پولیس کی نفری ' ان کے ہتھیاروں کی ساخت اور تعداد قیدیوں کی نفری اور مقام کا علم ہو تو منصوبہ بنانے میں زیادہ دیر نہیں لگنی چاہئے۔"

میں نے پولیس افسر سے ملنے والی معلومات ' اس کے کانوں میں انڈیلنے کے بعد کہا "گاڑی میں صرف دو مسلح محافظ ہوں گے آج کل پولیس والوں کے جدید ترین ہتھیاروں میں سب مشین گن یا کلاشنکوف سب سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے ' جس کے بڑے میگزین میں ۷ اعشاریہ چھ دو ملی میٹر قطر کی کُل بیس گولیاں آتی ہیں۔ سنگل شاٹ پوزیشن پر ہر گولی اپنی مرضی کے مطابق چلائی جاسکتی ہے لیکن خود کار پوزیشن پر ٹرائیگر دبتے ہی ڈھائی سے تین سیکنڈ میں پورا میگزین خالی ہوجاتا ہے۔ چلانے والا بہت ماہر ہو تو خود کار پوزیشن پر کئی کئی گولیوں کے مختصر برسٹ مار کر مقابلے کی مدت کو اپنی مرضی کے مطابق طول دے سکتا ہے۔ میں بوکھلائے ہوئے سپاہیوں سے ایسی مہارت اور چالاکی کی امید نہیں کرتا اس لئے ہمیں ایک وین ' تین سپاہیوں ' دو ایس ایم جی اور چالیس گولیوں کو ذہن میں رکھ کر اپنا منصوبہ بنانا ہوگا۔ جیل کے چوراہے سے کئی کلومیٹر تک کا راستہ اس مشن کے لئے بہت سازگار ہوگا۔"

"قائدِ اعظم کے مزار کے عقب والی سڑک سب سے بہتر رہے گی" وہ پُرخیال انداز میں بولا "وہاں آبادی کی طرف سے مزاحمت یا مداخلت کا خطرہ نہیں ہوگا۔"

"لیکن تم دو سب مشین گنوں اور ان کے میگزین میں بھری ہوئی چالیس گولیوں کو بھول رہے ہو" میں نے اسے یاد دلاتے ہوئے اپنی بات کا اعادہ کیا۔

وہ میرے سامنے پہلی بار ہنسا۔ اس کی ہنسی پُر اعتماد اور رحمانہ تھی۔

"پولیس کی پلاننگ اتنی ناقص اور بجٹ اتنا محدود ہو...

سپاہی ' سرکاری گولیوں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ ہرے سپاہی تو زندگی بھر کوئی فائر کئے بغیر ہی ریٹائر ہو جاتے ہیں" وہ یہ رہا تھا "نشانہ بازی اور مشق سے عاری اناڑیوں کے ہاتھوں ہتھیار' ڈنڈے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ یہ اور بات ہے کہ ہی کا براوقت آگیا ہو اور وہ خود ہی اپنا سینہ کھول کر کسی بھٹکی ہوئی ولی کے سامنے آجائے۔"

"یعنی تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ بن رہا ہے؟" میں نے صلہ افزا لہجے میں سوال کیا۔ اس وقت تک میرے ذہن میں غلام سول کے اغوا کے بارے میں ایک خاکہ بننا شروع ہو گیا تھا لیکن ں اپنی کسی رائے کا اظہار کرنے کے بجائے شیر شاہ کو ٹٹولنا چاہتا ا۔

"اس واردات کے لئے قائداعظم کے مزار کے پیچھے والی ڑک ہر اعتبار سے موزوں ہے" اس نے اپنی بات دہراتے ہوئے نا شروع کیا "کوئی گاڑی پولیس وین سے ٹکرا جائے تو پولیس لے آپے سے باہر ہو کر' اس گاڑی کے ڈرائیور سے لڑنے مرنے ر اگر وہ مسکین سا آدمی ہو تو اسے مارنے پر تل جائیں گے۔ کمزور یف کے سامنے وہ اپنے دست دبازو اور زبان پر قابو رکھ ہی نہیں تے۔ اس موقع پر بیچ بچاؤ کے بہانے دو تین آدمی ' انہیں مزید ھالیں تو ان ہی کا کوئی ساتھی بڑی آسانی کے ساتھ غلام رسول کو لیس وین سے اپنے ساتھ لے کر فرار ہو سکتا ہے۔ اپنی گاڑی کے ہی حصے کو خالی پا کر جب انہیں ہوش آئے گا تو غلام رسول ان کی تریں سے بہت دور جا چکا ہو گا۔ بعد میں بیچ بچاؤ کرانے والے بھی ں سے کھسک سکتے ہیں۔"

اس کے منصوبے کی جزئیات قدرے مختلف تھیں لیکن یادی طور پر اس نے وہی کچھ سوچا تھا جو میرے ذہن میں تھا۔ میں پنے دل ہی دل میں اس کی فکر رسا کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

"گاڑی ٹکرانے والا کرائے کا آدمی ہو گا؟" میں نے پُرتجسس ہجے میں اسے کریدا۔

"میں کرائے کے آدمیوں پر زیادہ بھروسا نہیں کرتا۔ ہمارے دمیوں میں سے ہی کوئی یہ کام سرانجام دے گا اور موقع پا کر وہ بھی رار نکلے گا۔"

"لیکن گاڑی؟" میں نے سوال کیا "واردات کے بعد وہی ماری توجہ کا مرکز بن جائے گی۔"

"اب تو کراچی میں بارہ چودہ برس کے چھوکرے بھی گاڑیاں چرانے لگے ہیں' باس!" وہ اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر بولا۔ "ہوں صبح کے لئے کل رات ہی کوئی کار چرالی جائے گی۔ چوری کی ہاتھ لگنے کے بعد پولیس ہمارا کیا بگاڑ سکے گی؟"

"یعنی اس واردات میں تین گاڑیاں استعمال کی جائیں گی؟" ں نے پوچھا۔

اس نے سوچتے ہوئے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور بولا۔

"ہاں' ایک تو چوری کی کار ہو گی جو ون وے کی خلاف ورزی کر کے سامنے سے پولیس وین سے ٹکرائے گی تاکہ ہر ایک کی ساری توجہ اسی طرف مرکوز ہو جائے اور وین کا عقبی حصہ عدم توجہی کا شکار ہو جائے۔ دوسری کار سے چار پانچ آدمی وہاں پہنچیں گے۔ دو تین آدمی صلح صفائی یا بیچ بچاؤ کے بہانے سے پولیس والوں کو مزید اشتعال دلا کر اسی طرف الجھائے رہیں گے۔ اس اثنا میں بقیہ دو آدمی خاموشی کے ساتھ ' غلام رسول کو وین کے عقبی دروازے سے اتار کر' اپنی گاڑی میں بٹھالے جائیں گے۔ اس دوران میں تیسری گاڑی بھی وہاں پہنچ چکی ہو گی۔ جب پولیس والوں پر غلام رسول کے فرار کا انکشاف ہو گا تو وہ بوکھلا جائیں گے۔ ہمارے ساتھی انہیں گمراہ کر کے اِدھر اُدھر بھاگنے پر مجبور کر دیں گے اور موقع پاتے ہی تیسری کار میں جائے واردات سے فرار ہو جائیں گے۔"

وہ خاموش ہوا تو میں معنی خیز انداز میں ہنس پڑا اور وہ بری طرح سٹپٹا گیا۔

"کک..... کیا میرے اس پلان میں کوئی خامی ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کوئی نہیں" میں نے اسے تسلی دی "تمہاری زبان سے یہ سارا کام بہت سہل اور قابل عمل نظر آرہا ہے۔ خدا کرے کہ سب کچھ اسی ترتیب سے رونما ہو سکے!"

"ہم لوگوں کا پولیس والوں سے اکثر واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ ہیڈ کانسٹیبل اور اس سے اوپر والے افسر' تعلیم یا تجربے کی بنا پر بہت چالاک اور ہوشیار ہوتے ہیں لیکن نیم خواندہ یا تقریباً ناخواندہ سپاہی بہت جلد مشتعل ہو جاتے ہیں۔ قانون کی بالادستی کو وہ اپنی بالادستی میں مضمر سمجھتے ہیں۔ اسی لئے وہ ہر وقت ہر ملزم کی ٹھکائی کر کے قانون کا بول بالا کرنے پر تلے رہتے ہیں۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ پولیس وین کی ٹکر ہوتے ہی وہ غلام رسول کو بھول بھال کر گاڑی چلانے والے پر ٹوٹ پڑیں گے...."

"اور یہی تمہارے منصوبے کا کلیدی موڑ ہو گا" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے' تم اس بارے میں مزید غور و فکر کر کے اپنے ساتھیوں کا انتخاب کر لو' بقیہ ہدایات میں بعد میں دوں گا۔"

"یہ کام کب ہونا ہے؟" اس نے کرسی سے اٹھتے ہوئے پُراشتیاق انداز میں پوچھا۔

"تم اپنی تیاریاں مکمل کر لو' میں تمہیں کم از کم چوبیس گھنٹے کا وقت ضرور دوں گا۔"

میری یقین دہانی پر اس کا چہرہ کھل اٹھا "بس' میں یہی جاننا چاہتا تھا۔ ایک اچھا باس اپنے ماتحتوں کی ضروریات اور مجبوریوں سے ہر وقت اور ہر حال میں باخبر رہتا ہے۔"

اس کے جاتے ہی میں نے فون کا ریسیور اٹھا کر حبیب جیوانی

کے گھر کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔

میں نے شیر شاہ سے غلام رسول کے اغوا کے منصوبے پر بات تو کرلی تھی لیکن حبیب جیوانی نے اس بارے میں مجھے کسی کارروائی کا اختیار نہیں دیا تھا۔ اس کی ہدایت صرف اتنی تھی کہ میں میانان سے آنے والے فون پر ملے ہوئے ناقابلِ فہم پیغام پر مشتمل کیسٹ ایک اعلیٰ افسر کو پہنچادوں اور وہ مجھے جو کچھ ہدایات دے، وہ خاموشی کے ساتھ من وعن حبیب جیوانی تک پہنچادوں۔

دوسری طرف میں یہ بھی جانتا تھا کہ اپنی جبری رُوپوشی کی بنا پر سیٹھ حبیب جیوانی مافیا کے عملی کام اور مار دھاڑ سے بالکل ہی کٹ کر رہ گیا تھا۔ وہ فیصلے ضرور کرتا تھا لیکن ان کے نفاذ کے لئے سینڈو کا یا پھر میرا محتاج تھا۔ عملی محاذ سے اس دوری نے مافیا چیف کو بروقت اور بالکل صحیح فیصلے کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دیا تھا۔ وہ بہت سوچ بچار کے بعد ... دی کے ساتھ اپنے احکام جاری کرنے کا عادی ہو ... مافیا کی صلاحیتوں اور کارکردگی کے لئے کوئی اچھی علامت نہیں تھی اور میں اس صورتِ حال سے دل ہی دل میں خوش تھا کیونکہ مافیا کا ایک اہم رکن بن جانے کے باوجود میں شب وروز اس تنظیم کی تباہی کے لئے کوشاں تھا۔

فون کی دوسری گھنٹی پر ہی حبیب جیوانی نے دوسری طرف سے ریسیور اٹھالیا۔

"وہ پیغام اسی معاملے کے بارے میں تھا جس نے تمہیں ذہنی دباؤ میں مبتلا کیا ہوا ہے" میں نے بلا کسی تمہید کے براہِ راست اصل بات شروع کر دی۔

"غلام رسول؟" ریسیور میں اس کی تحیر زدہ آواز سے بے اعتباری جھلک رہی تھی۔

"ہاں، وہ معاملہ شاید تمہاری توقع سے زیادہ اہم اور سنگین ہے" میں نے اسے بتایا "اس نے میری موجودگی ہی میں کیسٹ سن کر پرسوں صبح غلام رسول کو اغوا کر کے سرحد پار پہنچانے کا حکم دیا ہے۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے؟" میرے کانوں میں اس کی اضطراری غراہٹ گونجی۔

"اس کی بات سن کر مجھے بھی شبہ ہوا تھا کہ شاید میری سماعت میں خلل واقع ہو گیا ہے لیکن حقیقت وہی ہے جو میں تم کو بتا چکا ہوں۔"

"تمہارے جانے کے بعد میں خالی نہیں بیٹھا رہا تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ غلام رسول آج کل کہاں ہے؟"

"اسی نے بتایا تھا کہ غلام رسول کراچی سینٹرل جیل کے خطرناک وارڈ میں بند ہے۔"

"تو کیا تم جیل توڑ کر اسے باہر نکالو گے؟" اس کی آواز پریشان اور وحشت زدہ ہو گئی "تمہیں اندازہ نہیں تھا کہ یہ کام بچوں کا کھیل نہیں ہے؟"

"مجھے خوب اندازہ تھا لیکن تم نے مجھے صرف سننے اور ... بولنے کی ہدایت کی تھی۔ میں اُس سے بحث تو نہیں کر سکتا تھا" میں نے اس کی پریشانی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "تم ہمارے ... چیف ہو، چاہو تو اسے فون کرلو!"

"وہ مجھے کچا چبا جائے گا" حبیب جیوانی بہت زیادہ پریشان ہو گیا تھا "اگر اس نے ہدایت جاری کر دی ہے تو یہ کام ہر حال میں ہو جانا چاہئے۔ شیڈول میں ذرا سی بھی تاخیر، اس کے عتاب کا سبب بن سکتی ہے۔"

میں نے اس پولیس افسر سے ملی ہوئی معلومات، سرسری انداز میں چیف کے گوش گزار کر دیں۔

"یہ سب ٹھیک ہے، تمہیں ان کی نفری اور روٹ کے بارے میں بتا دیا گیا ہے لیکن بھرے پُرے شہر میں پولیس پارٹی پر حملہ کر... کھیل نہیں ہے۔ شہروں میں ہونے والے پولیس مقابلوں میں حریف کو عموماً بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ دیہی علاقوں میں پھر بھی ندی، نالے، جنگل اور کھڑی فصلیں پناہ فراہم کر دیتی ہیں ... شہر کی کھلی سڑکوں پر پولیس والے اپنے مقابلے پر آنے والوں کو ہلاک نہ کریں تو انہیں بے رحمی کے ساتھ بھون دیا جاتا ہے۔"

"تم مجھے اس طرح سمجھا رہے ہو جیسے میں نے ہی اس ... مشورہ دیا ہو!"

"لوگ، خود پھولوں کی سیج پر بیٹھ کر، دوسروں کو بھڑکتے ہوئے جہنم میں جھونک دیتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ آگ ان ... جسموں کو کوئی گزند نہیں پہنچائے گی" اس کی بڑبڑاہٹ سے بیزار... مترشح تھی "تم اس خیال میں نہ رہنا کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو تمہاری چمڑی بچ جائے گی۔ ڈان تھری نے تمہیں اسی امید پر میرا نائب مقرر کیا تھا کہ تم مشکل حالات میں میرا ہاتھ بٹا... رہو گے۔"

"مجھے معلوم تھا کہ اس نے اپنا بوجھ تم پر ڈال دیا ہے تو تم ... طوق میرے گلے میں ڈال دو گے۔ اس لئے میں نے فوراً ہی ا... معاملے پر ذہنی ورزش شروع کر دی تھی....."

"کیا سوچا ہے تم نے؟ بکتے کیوں نہیں ہو؟" اس کی جھنجھلائی ہوئی اضطراری آواز ابھری۔

میں نے شیر شاہ کے ساتھ طے کیا ہوا منصوبہ اختصار کے ساتھ اسے سناتے ہوئے کہا "یہ سارا کام شیر شاہ اور اس کے ساتھی سرانجام دیں گے۔ اگر کوئی خلافِ توقع واقعہ رونما نہ ہوا تو پرسوں وہ لوگ کامیاب و کامران لوٹیں گے۔ میں قرب و جوار میں موجود رہ کر ان کی دیکھ بھال کرتا رہوں گا تاکہ انہیں حوصلہ رہے۔"

"موجودہ حالات میں اس سے بہتر منصوبہ بنانا ناممکن ہے" اس کی آواز سے اطمینان جھلک رہا تھا "یہ تمہارے لئے اپنے ... والوں پر اپنی اہلیت ثابت کرنے کا بہترین موقع ہے جسے ضائع نہیں ہونا چاہئے۔"

"تم جن لوگوں کی بات کررہے ہو' وہ تمہارے اوپر والے
میرے اوپر تو بس تم ہی تم ہو اور تمہیں میں ہر اعتبار سے
ن کرنے میں کامیاب ہوچکا ہوں۔"

"بڑے معاملات پر ہر ایک نگاہ رکھتا ہے اور ایک ایک آدمی
کارکردگی کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ اگر ہمارے
یان میں سینیارٹی کا تصور راسخ نہ ہوتا تو ایک دن تم میرے لئے
ہن سکتے تھے۔ اطمینان کی بات یہ ہے کہ میرے اوپر باہر سے
آدمی تو لایا جاسکتا ہے لیکن میرے کسی ماتحت کو میرے اوپر
نہیں کیا جاسکتا۔ تم آسمان کے تارے بھی توڑ لاؤ تو تمام تر
ب اور تحسین کے باوجود میرے ہی چارج میں رہو گے۔ اچھے
نیک نام ماتحتوں والے یونٹوں کے سربراہ قابلِ تعظیم سمجھے
تے ہیں۔"

"میں بھی ضرورت سے زیادہ تیز دوڑنے کا قائل نہیں ہوں۔
کوششیں کرنے والے عموماً مُنہ کے بل گر کر خود کو لہولہان
تے ہیں' جب کہ مجھے اپنے دانت بہت عزیز ہیں۔"

"تم نے اس وقت فون کیوں کیا تھا؟" شاید اس نے چونک کر
سے سوال کیا تھا۔

"وقت کم تھا اس لئے پیغام تم تک پہنچانا ضروری تھا۔ اب
یہ کام مجھے سونپ دینے کا ارادہ کرچکے ہو تو میں پرسوں صبح کے
پنی تیاریاں شروع کرنا چاہتا ہوں۔"

"میری طرف سے تمہیں پوری پوری اجازت ہے" اس کی
ی آواز ابھری۔

"آج شام تلاطم خان کی میزبانی تم کرہی لوگے؟" میں نے
ی کرانے کی نیت سے پوچھا۔

"وہ دونوں آج شیراٹن میں میرے مہمان ہوں گے۔ تم ان کی
سے بے فکر ہوکر اپنی تیاریاں کرو...... اور ہاں' یہ تو بتاؤ کہ
جلد از جلد سرحد پار لے جانے کے بارے میں تم نے کیا سوچا
؟"

"فی الحال میری پوری توجہ اس کی رہائی پر مرکوز ہے۔ ایک
نمٹ جائے تو دوسرے مرحلے کے بارے میں بھی کوئی نہ کوئی
ن ہی جائے گا" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"میں ایک رفتار گھوڑے کو ایڑ لگانے کا قائل نہیں ہوں۔"

"فکر نہ کرو۔ تمہاری طرف سے اجازت مل جانے کے بعد
ب کوئی پہلو نظرانداز نہیں کروں گا" میں نے کہا "پوزیشن
ہونے کے بعد کام کرنے میں آسانی ہوجاتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ سینڈو کی موجودگی میں کوئی نہ کوئی ایسی بات
تی جس کی وجہ سے میں تمہاری طرف سے خدشات میں مبتلا
تا لیکن اب حیرت ناک طور پر تمہاری ہر بات پر یقین کرنے کو
ہتا ہے۔"

"یہ تمہاری قدردانی ہے ورنہ میں کیا ہوں' یہ میں اچھی طرح
جانتا ہوں" میں نے اس احمق کی خوش فہمی پر دل ہی دل میں ہنستے
ہوئے جواب دیا۔

"کنکر میں ملا ہوا ہیرا بے وقعت پتھر ہوتا ہے۔ اس کی صحیح قدر
جوہری ہی جانتا ہے" اس وقت وہ میری غیر معمولی عزت افزائی پر
تلا ہوا تھا "میرا خیال ہے کہ سینڈو کے بغیر ہم ایک دوسرے کو زیادہ
بہتر طریقے پر سمجھ سکیں گے۔ وہ میرا پرانا ساتھی' بلکہ ایک طرح
سے اتالیق تھا اور میں بھی اسے مُنہ لگانے کا عادی ہوگیا تھا۔ اس
نے میرے سامنے کبھی تمہاری غیبت یا برائی نہیں کی لیکن وہ غیر
محسوس طریقے پر مجھے تم سے دور لے جارہا تھا۔"

"پھر تو یہ بھی ممکن ہے کہ تم نے خود ہی اپنے گلے سے وہ طوق
اتار پھینکا ہو" میں نے ہنستے ہوئے ذو معنی لہجے میں کہا "بعض مُنہ
چڑھے لوگ کسی مرحلے پر بوجھ بھی بن جاتے ہیں اور ان سے
چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ اس کام میں تاخیر کی جائے
تو کبھی کبھی شکاری خود شکار ہوجاتا ہے۔"

"غیر ضروری باتوں کی ضرورت نہیں" اس کی آواز خشک
ہوگئی "اپنے کسی ناپسندیدہ آدمی کو راہ سے ہٹانے کا بہترین طریقہ یہ
ہوتا ہے کہ اسے تمہارے یا اپنے ہی کسی آدمی کے ذریعے سزایاب
کیا جاتا تاکہ اس کے انجام سے دوسرے عبرت پکڑ سکیں۔ آئندہ
ایسی بات مُنہ سے نہ نکالنا۔"

"میں مذاق کررہا تھا چیف!" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے
ہوئے وضاحت کی۔

"مجھے معلوم ہے" اس کا لہجہ جذبات سے یکسر عاری ہوگیا تھا۔
"اور میں تم کو یہی بتانا چاہ رہا ہوں کہ مذاق میں بھی ایسی غیر ذمے
دارانہ باتیں برداشت نہیں کی جاسکتیں۔"

"ٹھیک ہے چیف!" میں نے بھی اپنی آواز گمبھیر بنالی "آئندہ
میں محتاط رہوں گا۔ میں بھول گیا تھا کہ ذہنی فاصلہ کم ہونے کے
باوجود میں تمہارا ایک ادنیٰ سا ماتحت ہوں۔"

"ماتحتوں کی درجہ بندی میرا کام ہے۔ اس میں دخل انداز
ہوئے بغیر اپنا کام کرتے رہو۔ میرا مقصد تمہاری تحقیر یا توہین کرنا
نہیں تھا۔ بس یہ یاد دلانا تھا کہ ہمارے درمیان میں ڈسپلن کا بھی
ایک ہلکا سا پردہ حائل ہے' جسے ہر حال میں برقرار رہنا چاہئے۔ اس
سے زیادہ میں کچھ نہیں چاہتا۔"

○☆○

گھوڑا کریک کے واقعات نے پورے شہر میں تہلکہ مچادیا تھا۔
انتظامیہ لرزہ براندام تھی کہ اس کی ناک کے نیچے ایسی ہولناک
سازش پروان چڑھتی رہی اور اسے بھنک بھی نہیں مل سکی۔ میرا
اور ویرا کا کردار پسِ پردہ تھا۔ اپنی ناگزیر مجبوریوں کی وجہ سے ہم
دونوں میں سے کوئی بھی سامنے آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا
تھا۔ یہی معاملہ اسپیشل ٹاسک فورس اور راول خان کے ساتھ تھا۔
اسپیشل ٹاسک فورس ایک قطعاً غیر سرکاری' خودمختار اور [illegible]

اصطلاح میں 'زیرِ زمین تنظیم تھی جس کے معاملات سے حکومت کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس دعوے کی صداقت کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے تھے جب کہ میں بہ ذاتِ خود ایس ٹی ایف اور سرکاری ایجنسیوں کے درمیان گہرے اور قریبی تعاون کا مشاہدہ کرچکا تھا۔ ان گنجلک پیچیدگیوں کی وجہ سے 'خبروں میں ایس ٹی ایف کا ذکر تھا اور نہ ہی اول خان کا نام آسکا تھا۔

مہلک ہتھیاروں 'گولا بارود اور حساس ترین مواصلاتی آلات پر مشتمل اس بڑی کھیپ کے بارے میں عوام کو یہ باور کرانا ناممکن تھا کہ مجرموں نے الحدید کے لنگر انداز ہوتے ہی اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے 'از خود وہ غیر قانونی کھیپ حکام کے حوالے کردی۔ اس بڑے آپریشن کی کامیابی کا سہرا کسی نہ کسی فرد یا تنظیم یا ادارے کے سر باندھنا ضروری تھا۔ اس لئے گھوڑا کریک میں پیش آنے والے جملہ واقعات کو بحریہ کی کاوشوں کا نتیجہ قرار دے دیا گیا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ 'خبروں میں اس بات کو کافی اچھالا گیا تھا کہ ہتھیاروں کی اس بڑی کھیپ پر کامیاب چھاپے کی بنیاد 'ایرانی سیکرٹ سروس نے رکھی تھی 'جس نے آبنائے ہرمز کی بحری گزرگاہ پر واقع 'نیم آباد جزیرہ ابو موسیٰ مبارک کے ساحل پر الحدید کی دن بہ دن گھٹتی ہوئی بلندی کو دیکھ کر یہ بھانپ لیا تھا کہ اس پُراسرار لانچ پر ابو موسیٰ مبارک سے کوئی بہت بڑی کھیپ لادی جارہی تھی۔

آبنائے ہرمز کے دہانے پر ابو موسیٰ مبارک کی فوجی اہمیت مسلّمہ تھی۔ اس پر قابض اور متصرف فرد یا افراد 'جب چاہتے پوری خلیج کا بحری ٹریفک روک سکتے تھے۔ اس کے باوجود وہ سمندری جزیرہ نیم آباد تھا۔ وہاں صرف اسی قدر افراد بستے تھے جو وہاں مامور عملے کی روز مرّہ ضروریات میں مدد فراہم کرنے کے لئے ضروری تھے۔ ایرانی ساحلی شہر بندر لنگہ اور دوبئی کے وسط میں واقع ابو موسیٰ مبارک سے الحدید کے روانہ ہوتے ہی ایرانی سیکرٹ سروس نے اس لانچ کو مشتبہ قرار دے دیا۔ خلیج سے نکلنے کے بعد بحیرۂ عرب میں ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب مشرق کی طرف بڑھنے لگی تو ایرانی حکومت نے اس راستے میں پڑنے والے دوست ملکوں کو الحدید کے بارے میں اپنی سیکرٹ سروس کے سنگین شبہات سے آگاہ کردیا۔ مسقط سے آگے 'کھلے پانیوں میں پاک بحریہ کی گشتی کشتیوں نے الحدید کو روک کر اس پر اپنا عملہ اتارنا چاہا تو لانچ کے عملے کی طرف سے مزاحمت کی بھرپور مگر مختصر سی کوشش کی گئی اور لانچ نے رخ تبدیل کرکے صلالہ کی بندرگاہ کی طرف فرار ہونے کی کوشش کی لیکن بحریہ کی گن بوٹس کی ہول ناک فائرنگ نے ان لوگوں کو خوف زدہ کردیا۔

بحریہ نے الحدید کو نشانہ بنائے بغیر اس کے قرب وجوار میں بھاری گولہ باری کی تو الحدید کے عملے کو موت سر پر نظر آنے لگی۔ وہ لوگ ٹنوں وزنی گولا بارود کے ساتھ گویا ایک آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھے ہوئے تھے اور کھلے سمندر میں دور دور تک ان کا کوئی

حامی یا مددگار نہیں تھا۔ گن بوٹس کا ایک بھی گولا صحیح نشانے پر لگتا تو پوری لانچ 'اپنے ہی بارود کی آگ میں بھسم ہو کر سمندری لہروں میں غرق ہوسکتی تھی۔

الحدید کے عیسائی ملاح نے لانچ پر صلح کا سفید پرچم لہرا کر لنگر ڈال دیا اور بحریہ کے جوان الحدید پر چڑھ گئے اور اس کے ریڈیو روم پر قابض ہوگئے۔

بعد میں گھوڑا کریک تک کا سفر 'نیوی کے افسروں اور جوانوں کی نگرانی میں طے کیا گیا۔ الحدید کا پورا عملہ حراست میں لے لیا گیا۔ گھوڑا کریک میں لانچ کے استقبال کی خفیہ تیاریاں مکمل تھیں۔ لانچ سے وزنی چوبی کریٹ ٹرکوں پر منتقل ہونے لگے اور پھر سڑک پر پہنچتے ہی ان ٹرکوں کو ہتھیاروں اور عملہ سمیت پکڑ لیا گیا۔

اس تفصیل نے پورے آپریشن کو معذرت خواہانہ بنادیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان وضاحتوں کے ذریعے کسی نادیدہ طاقت کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی تھی کہ ایرانی سیکرٹ سروس کی بروقت مخبری کی وجہ سے مجبوراً کھلے سمندر میں الحدید کو روکا گیا۔ اگر ایرانیوں کی طرف سے اتنا زور نہ دیا جاتا تو الحدید پاکستانی سواحل سے دور رہتے ہوئے کہیں بھی جاسکتی تھی۔ لانچ کی گرفتاری کے بعد یہ ضروری ہوگیا تھا کہ اس کا سفر پروگرام کے مطابق جاری رکھا جاتا۔ الحدید گھوڑا کریک پہنچی تو اس کی بدقسمتی کا سایہ ان بدنصیب مزدوروں اور قلیوں کو بھی لے ڈوبا جنہوں نے بھاری معاوضوں کے لالچ میں اپنی وہ رات وہاں کالی کی تھی۔ ان خلاصیوں وغیرہ کی تعداد ڈیڑھ سو سے دو سو کے درمیان ظاہر کی گئی تھی۔ عام لوگوں کے لئے وہ ایک بہت بڑا اور کامیاب آپریشن تھا۔ خبروں میں اس گھناؤنے جرم کی ساری ذمے داری قاسم پر ڈالی گئی تھی جو اپنے درآمدی کاروبار کے گھپلوں کی وجہ سے بلیک میل کیا گیا تھا۔ خبر کی وہ جزئیات عام قاری محسوس نہیں کرسکتا تھا جو عینی شاہد ہونے کی وجہ سے میری نگاہ میں آگئی تھیں۔

میں جانتا تھا کہ اس معاملے میں قاسم بھائی کو قربانی کا بکرا بنایا گیا تھا ورنہ اصل مفادات ہیری کیسنجر اور اس کے ملک کے تھے۔ ہیری نے براہِ راست جمی لائیڈ کا تعاون حاصل کرکے اپنی دانست میں ایسا بندوبست کیا تھا کہ ہتھیاروں کی وہ بھاری کھیپ پکڑی ہی نہیں جانی چاہئے تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہیری نے پورے اطمینان کے ساتھ ویرا کو ایک محافظ کی نگرانی میں گھوڑا کریک ... دیا تھا۔

اگر اسے اپنی مہم کی ناکامی کا ذرا بھی خدشہ ہوتا تو وہ ... ٹھکانے لگنے سے پہلے ویرا کو کاؤنسلیٹ کے اقامتی حصے سے ... باہر نکلنے کی اجازت نہ دیتا۔

ان لوگوں نے جائے واردات پر اپنی کار کی موجودگی سے ... دامن صاف بچالیا تھا۔ ہیری کیسنجر کے بیان کے مطابق اس ... کاؤنسلیٹ نے صبح سویرے ہی اپنے ایک ملازم کی کار ...

کی رپورٹ درج کرادی تھی اس لئے محافظ کی گھوڑا کریک
گی کو اس کا ذاتی فعل قرار دیا گیا تھا اور اس پر دوہری فردِ
مد کی گئی تھی۔
ام کو قدرے تاخیر سے آنے والے اخبارات میں ابتدائی
ت سے کہیں زیادہ مواد موجود تھا اور میرا اندازہ تھا کہ الحدید
ہتھیاروں کی ساخت اور اس کے گرفتار شدہ عملے کے
نے اس پورے قصے میں امریکی مفادات کا راز فاش کردیا
ہے بھی میرے اور اول خان کے ذریعے یہ خبریں اعلیٰ حکام
نچ چکی تھیں کہ اسمگلنگ کے اس منصوبے کو ایک غیر ملکی
ٹ کی سرپرستی حاصل تھی۔
ہا جاتا ہے کہ زبردست کی دوستی اچھی ہوتی ہے، نہ دشمنی۔
پھنے لگے تو زبردست اپنے حلیفوں کے کندھوں پر سواری
بتا ہے اور یہی دوستی، دشمنی میں بدل جائے تو ایسے ایسے
لگاتا ہے کہ چھٹی کا دودھ یاد دلا دیتا ہے۔ وہ مارتا ہے تو
یتا ہے، نہ فریاد کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اس امر سے قطع
ہیری کیسنجر کا ملک پاکستان کا دوست تھا یا دشمن، یہ ایک
قیقت تھی کہ اسے ایک بڑی اور ناقابلِ شکست طاقت کا
صل تھا اور اسی طاقت کے گھمنڈ میں وہ خدا کی ہر زمین کو
زمین تصور کرتے ہوئے وہاں من مانی کرنا اپنا حق تصور کرنے
مجھے اندازہ تھا کہ ہیری کیسنجر کے بڑوں کو الحدید پر چھاپے
ردائی پر شدید غصہ آیا ہوگا۔ پسماندہ، ترقی پذیر اور غریب
کے اہلکاروں کے مقابلے میں اپنے کسی بڑے منصوبے کی
التصور ہی ان کے لئے ناقابلِ قبول تھا اور اگر ایسی انہونی
ے تو وہ برہمی کا اظہار اپنا دوسرا حق سمجھتے تھے۔
ناید ایسی ہی کسی برہمی کے ازالے کے لئے خبروں میں
آمیز زبان استعمال کی گئی تھی۔
دی ملک کی سیکرٹ سروس اور ایک سپر پاور کے گٹھ جوڑ
سالمیت کے خلاف جو بھیانک سازش تیار کی گئی تھی اس کا
کر دیا تھا۔ اس سازش کا ماسٹر مائنڈ ملا سرکار چیتھڑوں میں
ہو کر دریائے سندھ کی موجوں میں نیست و نابود ہو چکا تھا۔
ھندواں سے ملک میں گھس کر بغاوت اور شورش برپا کرنے
پر مامور بھارتی فوج کے کمانڈوز کی بھاری تعداد صحرائے
آتش و آہن کی ہولناک برسات میں بھون ڈالی گئی تھی۔
کوہساروں پر مشتمل ان مشینی دستوں کو خاک و خون میں
دیا تھا۔ بیشتر مارے گئے تھے۔ جو زندہ بچے وہ قیدی بنا لئے گئے
دونوں محاذوں پر دندان شکن شکست کے بعد گھوڑا کریک
کے ساحل پر ان سازشیوں کے تابوت میں آخری کیل
دی گئی تھی۔
ملکی سلامتی کے اہم معاملات تھے جن میں، میں نے کبھی
تہ دانستہ دلچسپی نہیں لی تھی۔ میں کوئی مصلح نہیں تھا جو
درد اپنے جگر سے لگائے رکھتا۔ میرا اصل مشن شی اور

ہیروئن کے فروغ کے خلاف تھا لیکن بدقسمتی سے موت کے وہی
سوداگر ہر سازش کے سرخیل بنے ہوئے تھے۔
شی پاکستان میں ہیروئن کے فروغ کی ذمے دار تھی۔ وہی
ملا سرکار کو غیر قانونی ہتھیار فراہم کرکے صوبے میں بغاوت برپا
کرانے کے منصوبے پر کام کر رہی تھی۔ اسی کے وعدوں کی روشنی
میں ملا سرکار اپنے ملک کے چیدہ چیدہ فوجیوں کو گدرا کی سرحد پر لے
آیا تھا اور پھر ہیری کیسنجر کے ایما پر شی کے سربراہ جمی لائیڈ نے ہی
مہلک ہتھیاروں سے لدی ہوئی لانچ، گھوڑا کریک بھجوانے کا
بندوبست کیا تھا۔
ان تمام واقعات میں موت کے سوداگروں کا کردار اس قدر ممتاز
اور حاوی تھا کہ میں اپنا دامن نہیں بچا سکتا تھا۔
غزالہ کا خیال تھا کہ میں اپنے بنیادی مشن سے بھٹک کر خود ہی
مصائب مول لیتا پھر رہا تھا۔ ہیروئن فروشوں کی منظم اور مضبوط
تنظیم کے خلاف جنگ کرنے کے بجائے جوابی جنگ لڑنے میں
مصروف ہوگیا تھا جیسے ملک اور قوم کی مکمل اصلاح کا ٹھیکہ میرے
نام چھوڑ دیا گیا ہو لیکن دلدار آغا کے بھیانک چنگل سے گلوخلاصی
کے بعد وہ ایک خانہ دار لڑکی بن کر رہ گئی تھی۔ اسے باہر کے پیچیدہ
حالات کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔
وہ اس وقت بھی مجھ سے اسی موضوع پر بحث کئے جا رہی تھی۔
اس کا اصل شکوہ یہ تھا کہ میں اپنی پُر مصائب زندگی کو دانستہ طول
دے رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ میری توجہ سے یکسر محروم ہو چکی
تھی۔ اس وقت ویرا فلیٹ پر نہیں تھی۔ وہاں پہنچتے ہی جب مجھے
اس کی غیر حاضری کا علم ہوا تو میں حیران رہ گیا تھا۔ ہم نے یہ طے
کرلیا تھا کہ جب تک ہیری کیسنجر اور اس کے گرگوں سے لاحق
خطرات کا مکمل سدباب نہیں کرلیا جاتا ویرا فلیٹ سے باہر قدم
نہیں نکالے گی لیکن اس نے پہلے ہی دن اس ہدایت کو نظر انداز
کردیا تھا۔
غزالہ نے بتایا کہ ویرا کو اچانک ہی کوئی اہم بات یاد آگئی تھی
جس کی وجہ سے وہ باہر جانے کے لئے بے چین ہوگئی۔ ان دونوں
نے ویرا کو لاکھ سمجھانا چاہا، سلطان شاہ نے اپنی خدمات پیش کیں
لیکن وہ خود باہر جانے پر بضد رہی۔ آخر کار باہمی مشورہ کے بعد
سلطان شاہ نے اسے بازار سے ایک تیار برقع لا دیا جو ویرا کے لئے
ایک عجوبہ سے کم نہیں تھا۔ مقامی موسم اور اپنے جذبۂ خود نمائی کی
تسکین کے لئے وہ لباس کے معاملے میں حتی الامکان اختصار سے
کام لیتی تھی اس لئے سر سے پیر تک، جسم کو ڈھانپ لینے والا برقع
اس کے لئے الجھن کا باعث بن گیا لیکن فلیٹ ہی میں کچھ دیر کی
مشق اور غزالہ کی ہدایات کے بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ برقع
پہن کر کسی کی نظروں میں آئے بغیر باہر جا سکتی ہے۔ یہ اطمینان
ہونے کے بعد وہ ان دونوں کو کچھ بتائے بغیر فلیٹ سے نکل کھڑی
ہوئی تھی۔
ویرا کی موجودگی میں غزالہ مجھ سے اپنے دل کی بات کہنے سے

عموماً گریز ہی کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میری اور اس کی محاذ آرائی سے ویرا بہت زیادہ لطف اندوز ہوتی ہے جب کہ وہ اسے ایسا کوئی موقع فراہم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت ویرا باہر گئی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ سارے اخبارات سمیٹ کر عالمانہ انداز میں ڈرائنگ روم میں جم کر بیٹھ گیا تھا اس لئے غزالہ کو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا سنہرا موقع میسر آگیا تھا۔

"واقعات تیزی کے ساتھ سمٹ رہے ہیں" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "پاکستان میں ٹی کا وجود عملاً ختم ہو چکا ہے۔ ایک طرف انہوں نے ہیروئن کی مقامی پیداوار اور کھپت کے بارے میں اپنے ہدف حاصل کر لئے ہیں اور دوسری طرف انہیں میری مخاصمت کا سامنا تھا' اس لئے انہوں نے یہ میدان خالی چھوڑ دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ الحدید کے پکڑے جانے کے بعد اب طویل مدت تک یہاں ٹی کا نام نہیں سنا جائے گا....."

"پھر ویرا یہاں کیا کر رہی ہے؟" اس نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

میں دھیمے سے ہنس دیا "وہ جو کچھ کر رہی ہے' تمہارے سامنے ہے۔ الحدید کے معاملے میں اس نے ہماری جو مدد کی ہے اسے کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔"

"وہ بھی لائیڈ کی بیٹی ہونے کی دعوے دار ہے۔ اب اسے یہاں سے واپس چلا جانا چاہئے۔ ٹی میں رہ کر وہ ہر طرح فائدے میں رہے گی۔ یہاں رہ کر وہ بہت جلد اپنی مٹی پلید کرا لے گی" وہ شاکی انداز میں بولی۔

"تم تو اس طرح بات کر رہی ہو جیسے میں نے ہی اسے یہاں روکا ہوا ہے" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "اس بارے میں تم خود ہی اسے اعتماد میں لے کر بات کیوں نہیں کرتیں؟"

"اس کے بارے میں تمہارا رویہ ہمیشہ حوصلہ افزا رہتا ہے۔ تم اس سے آنکھیں پھیر لو تو وہ دل برداشتہ ہو کر چند ہی روز میں واپسی کی راہ اختیار کر لے گی۔"

"تو یوں کہو کہ تم میری اور اس کی دوستی سے جلتی ہو" میں نے قہقہہ لگا کر کہا "وہ چلی گئی تو تمہارے ان منصوبوں کا کیا بنے گا جو تم اس کے اور سلطان شاہ کے بارے میں بنا رہی ہو؟ وہ راہِ راست پر آجائے تو سلطان شاہ کے لئے بہت اچھی اور سگھڑ بیوی ثابت ہو سکتی ہے۔"

"وہ مان بھی جائے تو سلطان شاہ قابو میں نہیں آئے گا" وہ مایوسانہ لہجے میں بولی "وہ ویرا سے شادی کا ذکر آتے ہی بری طرح بدک گیا تھا۔ اس نے غصیلے انداز میں پٹھانوں کے رسوم و رواج پر جو تقریر کی اس کے بعد میں اس کی طرف سے مایوس ہو چکی ہوں۔ اس کی دانست میں عورت سمندر کی سطح پر تیرتے ہوئے ایک نازک سے بلبلے کی طرح ہوتی ہے جو ذرا سی ٹھیس لگنے پر فنا ہو جاتا ہے۔ ٹھوکر کھانے کے بعد وہ سب کچھ بن سکتی ہے مگر عورت نہیں سمجھی

جا سکتی۔ پھر ویرا بہت منہ پھٹ ہے۔ وہ خود بتاتی رہتی ہے کہ اس نے خلوت اور جلوت میں مردوں کو کس بے رحمی سے روند کر اپنی کامیابی کی راہیں استوار کی ہیں۔ اس کے اعترافات سننے کے بعد کوئی شریف آدمی اس پر اعتبار نہیں کر سکتا۔"

"اچھا ہوا کہ تمہاری یہ خوش فہمی بھی جلد ہی دور ہو گئی ورنہ حجلۂ عروسی ہی میں ان دونوں میں سے ایک کے ہاتھوں کسی دوسرے کا خون ہو جاتا جس کا بوجھ تمہاری گردن پر ہوتا۔"

"وہ میرے خیالات سے باخبر نہیں تھی۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اسے کس چیز نے یہاں روکا ہوا ہے۔ یہاں ٹی اور اس کے مفادات ختم ہو چکے ہیں تو اب اسے یورپ چلا جانا چاہئے جہاں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔"

"اس بارے میں تم ایسی کوئی بات منہ سے نہ نکالنا جس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کر لے کہ اپنا کام نکال لینے کے بعد ہم اسے بوجھ سمجھ رہے ہیں" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "اگر وہ تمہارے ذہن پر اسی قدر بوجھ بن گئی ہے تو میں خود موقع محل دیکھ کر اسے ٹٹولنے کی کوشش کروں گا۔"

"آج کل وہ اداس اور اکیلی ہے" سلطان شاہ ڈرائنگ روم سے باہر نکلتے ہوئے چہکا "وہ تو دل سے چاہتی ہے کہ کوئی مرد اسے ٹٹولنے کی کوشش کرے۔ ہو سکتا ہے کہ آج وہ اسی شوق میں باہر نکلی ہو" شاید اس نے میرا آخری فقرہ سن لیا تھا۔

"فضول باتیں نہ کرو" میں نے اس پر آنکھیں نکالتے ہوئے کہا "تمہیں یہ لحاظ بھی نہیں رہا کہ میں اکیلا نہیں بلکہ غزالہ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں؟ مجھے تم سے ایسی ناشائستگی کی توقع نہیں تھی۔"

"ویرا کے بارے میں غزالہ بھابی نے میرے ساتھ سر کھپایا ہے" وہ میری سرزنش پر دھیان دئے بغیر بولا "ہم نے اس موضوع پر بہت کھل کر باتیں کی ہیں۔ غلاظت کو کریدنے سے بدبو ہی پیدا ہوتی ہے' خوشبو نہیں۔ ویرا جیسی مادر پدر آزاد عورت کے بارے میں بات کرتے ہوئے شائستگی سے کام لینا صرف اور صرف تمہارا ہی کام ہے۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے" غزالہ نے بلا توقف اس کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "ویرا اس قدر گھٹیا عورت ہے کہ میرے اور تمہارے رشتے سے واقف ہونے کے باوجود میری موجودگی میں بھی تمہیں ایسی والہانہ نظروں سے دیکھنے لگتی ہے جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں تمہیں گھول کر پی جائے گی۔ اس کی ان ہی حرکتوں کی وجہ سے مجھے اس کا وجود ناگوار گزرتا ہے۔ پانی کی بوند بوند چٹان پر ٹپکتی رہے تو اس میں گڑھا ڈال دیتی ہے۔ تم یا کوئی اور اسے کب تک نظر انداز کر سکے گا؟"

"میرا خیال ہے کہ ویرا کے بغض میں تم دونوں نے اسے خواہ مخواہ محاذ بنا لیا ہے لہٰذا میں اس بحث سے دستبردار ہوتا ہوں۔ ویرا کو بھگانے کے لئے تم لوگ جو چاہو کر سکتے ہو۔ مجھے

نہیں ہوگا۔"

"تم برا مان گئے" سلطان شاہ بوجھل آواز میں بولا "پتا نہیں کے بارے میں اتنے حساس کیوں ہو۔ وہ بہت سیماب فطرت ہے۔ اس پر کسی بھی وقت بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ صبح مجھ نے مرنے پر تلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد غصے کا بھوت ہمارے ساتھ تصویریں بنانے میں مصروف ہوگئی۔ اس کا بدلا دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ صبح وہ کسی چڑیل کی لڑتی رہی ہوگی۔"

تصویروں کے ذکر پر میں چونک پڑا "کیسی تصویریں؟ کیمرا کہاں تھا؟"

"کیمرا ویرا کا ہی تھا" سلطان شاہ نے میری حیرت پر توجہ دیئے سرسری انداز میں کہا "اس نے ہم دونوں کی اکٹھی اور الگ کئی تصویریں اتاریں پھر کیمرا مجھے تھما دیا۔ میں نے غزالہ کے اس کی تصاویر بنا کر پورا رول ختم کر دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا وہ صبح کے واقعات کو ایک سرے سے فراموش کر بیٹھی ہو۔"

"خاص طور پر میری تصاویر پر اس نے بہت محنت کی تھی۔" مسکراتے ہوئے بولی۔

"اب وہ فلم رول اور کیمرا کہاں ہے؟" میں نے باری باری دونوں کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اسی کے کمرے میں ہوگا" غزالہ لہرا کر بولی "اس بارے میں پریشان کیوں ہو رہے ہو؟"

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ اپنے ذہن میں سر ابھارنے والے موہوم سے خدشات کو زبان دے کر میں خود کو ان کے مزید تمسخر کا نشانہ نہیں بنوانا چاہتا تھا' اس لئے مضبوطی کے ساتھ اپنی زبان بند کرلی۔

غزالہ سمجھی کہ میں نے اس کے اعتراض کا وزن تسلیم کرتے ہوئے خاموشی اختیار کی ہے لہٰذا اس نے موضوع بدل کر مافیا کا ذکر چھیڑا۔ ویرا کی دوستی کے بعد میری دوسری مجبوری بنی ہوئی تھی۔

"تم جانتی ہو کہ میں نے اپنی مرضی سے مافیا میں شمولیت اختیار نہیں کی تھی" میں نے کہا "ان دنوں ویرا میرے خون کی پیاسی ہو رہی تھی اور ڈشی والوں نے مسلح قاتلوں کے جتھے میرے پیچھے لگائے ہوئے تھے۔ اس فلیٹ پر بھی دھاوا بولنے کی کوشش کی گئی۔ اگر ان دنوں مافیا والے میری خواہش اور مرضی کے بغیر میرے بچاؤ کے لئے میدان میں نہ آتے تو ڈشی والوں نے مجھے پیس کر رکھ دیا ہوتا۔ اس وقت تک میں خود اپنے نادیدہ ہمدردوں کی شناخت سے بے خبر تھا۔ پھر جب ڈان تھری نے مجھے طلب کر کے مافیا میں شامل ہونے کی پیش کش کی تو میرے سامنے ایک ہی راستہ تھا۔ اس کی دعوت قبول کر کے زندہ رہتا یا انکار کر کے موت کو گلے لگا لیتا۔ میں نے زندہ رہنے کے لئے پہلا راستہ اختیار کیا اور آج میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ مافیا کوئی معمولی گروہ نہیں ہے' ان کی جڑیں بہت مضبوط ہیں۔ افراد کے آنے جانے سے ان کی ڈراؤنی طاقت میں زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ ان سے گلوخلاصی کے لئے مجھے مناسب وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"ہمارے پاس تسلی بخش نقد اثاثے ہیں۔ ہم خاموشی کے ساتھ کسی گمنام اور دور افتادہ ملک میں ہجرت کر کے سکون سے اپنی زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہمیں اس عذاب سے نکلنے کے لئے جلد ہی کچھ کرنا ہوگا۔"

"تم نہیں جانتیں غزالہ!" میں نے پہلو بدل کر مضطربانہ لہجے میں کہا "یہ کام اس طرح نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں نہیں ہو سکتا؟" غزالہ برہم ہوگئی "اس دنیا میں ہم دونوں کا ایک دوسرے کے علاوہ اور کون ہے؟ میں اپنی ماں' باپ اور بھائی کو کھو دینے کے بعد بالکل تنہا ہوں۔ تمہارا بھی کوئی رشتے دار نظر نہیں آتا۔ لے دے کر جہانگیر اور سلطان شاہ نظر آتے ہیں۔ وقتی بدمزگیوں سے قطع نظر' جہانگیر اپنے بال بچوں اور کاروبار میں مگن ہے۔ تمہیں اس کی ضرورت ہو تو ہو' اسے تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ رہا سلطان شاہ تو اسے ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

"تمہاری یہ سب باتیں درست ہیں لیکن مافیا میں حلف شکنی ناقابلِ معافی جرم ہے' جس کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔ اندر کے رازوں کو دوسروں پر ظاہر کر دینا اور بغاوت' دونوں اسی زمرے میں آتے ہیں۔ کسی باغی کے زندہ بچ نکلنے کو مافیا کے بڑے اپنے لئے ایک گندی گالی تصور کرتے ہیں۔ مافیا کی تاریخ ہے کہ اس سے انحراف کرنے والا سات پردوں میں بھی سزا سے نہیں بچ سکا۔ وعدہ معاف گواہ بننے والوں کو بھاری پہروں کے باوجود محفوظ ترین جیلوں میں بے دردی سے ذبح کر ڈالا گیا۔ جلاوطن ہو جانے والوں کو برسوں کی تلاش کے بعد زندہ مصلوب کروا دیا گیا۔ مری گلیانو نامی ایک باغی کو برازیل میں اس کے عظیم الشان مکان کے عقبی باغ میں بڑی بڑی کیلوں سے ایک درخت کے تنے اور شاخوں سے ٹھونک دیا گیا تھا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر' دہانے پر ٹیپ چپکا دیا گیا تھا۔ اگلی صبح اس کے مالی نے اپنے آقا کو اس عالم میں دیکھا تو دہشت سے اسی وقت مر گیا۔ اس وقت تک مری گلیانو زندہ تھا۔ اس کا لباس خون میں نہایا ہوا تھا' موت کی دہشت سے چہرہ تاریک پڑا ہوا تھا اور خوف زدہ آنکھوں کی پتلیاں متحرک تھیں۔ مالی کی آخری چیخ سن کر وہاں پہنچنے والے دوسرے ملازمین نے کیلیں نکال کر مری گلیانو کو اتارا تو وہ زندہ تھا لیکن چند ثانیوں بعد ہی اس نے دم توڑ دیا۔ مافیا ایک عالمگیر تنظیم ہے۔ اس کے سرغنوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا انجام مری گلیانو جیسا ہو۔ ان کا فلسفہ ہے کہ ان کے ایک مجرم کے کامیاب طور پر زندہ رہنے سے مافیا کے ہزاروں کارندوں میں بغاوت اور سرکشی کے جراثیم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اسی لئے روپوش منحرفین کا معاملہ مقامی مافیا فوری طور پر مدر مافیا کے علم میں لانے کی ذمے دار ہوتی ہے۔ مدر مافیا فوری طور پر ساری دنیا میں اپنے ...

حرکت میں لے آتی ہے۔ اس جال سے آج تک کوئی نہیں بچ سکا۔"

"ایسی بھیانک باتیں نہ کرو" غزالہ لرز کر بولی "ملکوں اور قوموں سے بغاوت کرنے والے بھی دشمن ملکوں میں پناہ لے کر اپنی باقی ماندہ زندگی سکون سے گزار لیتے ہیں۔ کیا مافیا ملکوں سے بھی بڑھ گئی ہے؟"

"ملکوں کی سرحدیں ہوتی ہیں۔ دوست اور دشمن ہوتے ہیں لیکن مافیا کی زیرِ زمین سلطنت پورے کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی ہے، جہاں انسان بستے ہیں وہاں لالچ اور حرص ناگزیر ہے۔ مافیا اسی بیج کی آبیاری کرکے اپنے ہمدرد، خیر خواہ اور ارکان پیدا کرتی ہے۔ یہ سب ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ یہ اپنے اور اپنی تنظیم کے مفادات کے لئے کسی بھی حد تک جانے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ ہر ضابطۂ اخلاق اور قانون کے نفاذ سے منکر، یہ بھیڑیے اپنے ہی غول کے کمزور اور بھٹکے ہوئے ساتھی کو ہنسی خوشی اپنے تیز دانتوں سے ادھیڑ ڈالتے ہیں۔"

"اول خان تمہارا جگری دوست بن چکا ہے" سلطان شاہ نے قدرے توقف کے بعد کہا "اس کی مدد سے تم مافیا کے اہم افراد کا صفایا کرا سکتے ہو۔ ان کی موت کے بعد مافیا خود بخود مفلوج ہو جائے گی۔"

"یہ تم کہہ سکتے ہو" میں نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا "دوسرے لوگ مرتے رہے اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچی تو در مافیا والے میری راہ پر لگ جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ میرے اور اول خان کے مراسم سے وہ اس وقت بھی باخبر ہوں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مقامی مافیا میں سربراہ کے بعد میں دو نمبر ہوں۔ سربراہ مارا گیا تو مافیا کی تنظیم اور کارکردگی کی ساری ذمے داری میرے شانوں پر آپڑے گی۔ کبھی ایسا مرحلہ آگیا تو میں عمر بھر اس چنگل سے نہیں نکل سکوں گا۔"

"سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے" اس وقت وہ دونوں ہی یک زبان ہو گئے تھے "تم اول خان کو اعتماد میں لے کر اس سے مشورہ تو کر سکتے ہو۔ وہ خود بھی قانون کی پابندیوں سے آزاد رہ کر مجرموں کی سرکوبی کرتا رہتا ہے۔"

خاصی دیر تک میرا انکار اور ان دونوں کا اصرار جاری رہا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اگر اول خان میری گلوخلاصی کی کوئی راہ نہ بتا سکا تو کم از کم میرا راز اپنے سینے میں ہی محفوظ رکھے گا۔

ناچار میں نے اسٹیشن فور کا نمبر ملایا، جہاں اول خان کا یونٹ براجمان تھا۔

دوسری طرف سے ایک اجنبی اور تحکمانہ آواز سنائی دی۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ اول خان دفتر نہیں آیا تھا۔ اس نے میرے کوائف جاننے چاہے لیکن میں نے کوئی جواب دیئے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اسی وقت مجھے خیال آیا کہ اول خان نے پچھلی پوری رات، گھوڑا کریک کے ساحل پر سمندری ہوائیں پھانکتے ہوئے گزاری تھی۔ اخباری اطلاعات کے مطابق گھوڑا کریک پر آپریشن صبح

گیارہ بجے تک جاری رہا تھا۔ اتنی مشقت کے بعد کسی سے یہ ا
رکھنا کہ وہ آپریشن سے فارغ ہوتے ہی، دفتر دوڑا چلا آئے
زیادتی تھی۔

ان دونوں کے لئے وہ ایک نادر موقع تھا۔ اول خان
عدیم الفرصت آدمی اگر گھر پر موجود تھا تو رات کے کھانے پر ا
کہیں بھی مدعو کرکے سکون اور اطمینان سے بات کی جا سکتی تھ
دفتر میں ممکن نہیں تھی۔

میں نے اس کے گھر فون کیا تو اس کی بیوی کی اداس
سنائی دی۔

اس خاتون سے میری ایک مرتبہ ہی بات ہوئی تھی لیکن
خان نے شاید اسے میرے بارے میں بہت کچھ بتایا ہوا تھا ا
وہ میرا نام سنتے ہی مجھے پہچان گئی اور بتایا کہ اول خان
راولپنڈی بھیج دیا گیا ہے۔

"وہ کب تک واپس آجائیں گے؟" میں نے قدرے
کے ساتھ سوال کیا۔ میرے لئے یہ بات ناقابلِ فہم تھی ک
چوبیس گھنٹوں میں مسلسل مصروف رہنے والے شخص کو آ
کوئی موقع دیئے بغیر لمبے سفر پر بھیج دیا جائے۔

"کچھ معلوم نہیں، بھائی صاحب" اس خاتون کی آو
ملال مترشح تھا "چھٹی ملے گی تو گھر آئیں گے۔"

"کیا کوئی لمبا کام ہے؟" میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئ
آمیز لہجے میں پوچھا۔

"اب انہیں وہیں رہنا ہوگا، ان کی پنڈی بدلی ہو گئی
کا جواب سن کر میرے دل کو شدید دھچکا لگا۔

ایک محنتی، فرض شناس اور محب وطن آدمی کا یو
گھاٹ تبادلہ ہو جانا میری سمجھ سے بالاتر تھا اور شاید وہ
خان کے تبادلے پر میری ہی طرح پریشان تھی۔

اس سے میری آخری ملاقات پچھلی رات گئے گھوڑا
ایک چٹان پر ہوئی تھی۔ وہ پورے انہماک اور جوش و خر
آپریشن میں حصہ لے رہا تھا۔ اس وقت تک اسے اپن
کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ اسے معلوم ہوتا تو وہ مجھ
امر کا ذکر ضرور کرتا۔ وہ دن کا اجالا پھیلنے کے بعد بھی گھو
اور اس کے مضافات میں مصروفِ کار رہا تھا۔ جس کا مط
اس آپریشن سے واپسی پر اسے تبادلے کا پروانہ تھمایا گیا

"انہوں نے پچھلی رات تک مجھ سے تبادلے کے با
کوئی ذکر نہیں کیا تھا" اپنے تجزیئے کے باوجود میں نے اول
بیوی کو ٹٹولنے کی نیت سے سوال کیا۔

"وہ بارہ بجے آئے تو اس حکم پر خود حیران تھے
اچانک ہی ہوا ہے۔ چار بجے کی پرواز کا ٹکٹ ان کے
تھا اس لئے وہ عجلت میں نہا دھو کر فوراً ہی ائیرپورٹ روا
میں خود فکر مند ہوں کہ ایسا کیوں ہوا۔ تبادلے کے وقت
دو چار دن کی مہلت ملتی رہی ہے لیکن اس بار ایسا نہیں

"ہو سکتا ہے کہ اچانک ہی کوئی بہت اہم کام پیش آ گیا ہو۔"
میں نے بلاوجہ اسے تسلی دینی چاہی۔
"خدا کرے کہ ایسا ہی ہوا ہو۔ لیکن ان کا خیال تھا کہ ان کے بڑوں کو کسی وجہ سے ان سے شکایت نہ ہو گئی ہو۔ وہ اس تبادلے کو کسی کی برہمی کا شاخسانہ قرار دے رہے تھے۔ اسی وجہ سے میں بھی پریشان ہوں۔"
میں نے تشویش کم کرنے کے لئے اول خان کی کارکردگی کی تعریف کی جو جھوٹی نہیں تھی۔ اس سے کہا کہ میں خود بھی دیکھوں گا کہ میں اول خان کی کیا مدد کر سکتا ہوں جو سراسر جھوٹ تھا اور ان دلاسوں کے ساتھ ہی میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔
غزالہ اور سلطان شاہ کو گفتگو کے سر پیر کا علم نہیں تھا کیونکہ اس وقت میں نے اسپیکر فون استعمال نہیں کیا تھا لیکن میرے یک طرفہ مکالمات سن کر انہوں نے کسی سنگین گڑبڑ کا اندازہ لگا لیا تھا۔
ان دونوں کی جرح خاصی سنجیدہ اور صبر آزما تھی لیکن میں اول خان کی پیشہ ورانہ مجبوریوں کا راز فاش کرنے سے قاصر تھا اس لئے میں نے فی الفور ایک مفروضہ کہانی تراش کر انہیں خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔
"سورج غروب ہو چکا ہے اور مجھے باقاعدہ محفل جمائے کئی دن ہو گئے ہیں" میں نے مسکراتے ہوئے غزالہ کو یاد دلایا "آج میری طبیعت مچل رہی ہے۔ تم کو ناگوار نہ گزرے تو ڈرائنگ روم میں بوتل اور اس کے لوازم رکھ دو۔"
میری توقع کے عین مطابق غزالہ نے برا سا منہ بنا کر کہا "میں نے سنا ہے کہ شراب نوشی کا لطف اسی وقت آتا ہے جب دو چار ہم ذوق مل کر بیٹھتے ہیں۔ پتا نہیں تم کو اکیلے میں کیا لطف آتا ہے؟"
"مجھے معلوم ہے کہ تم میری ہم ذوق ہو مگر میرے ساتھ نہیں بیٹھو گی" میں نے اسے چھیڑا "یہ کمی سلطان شاہ کی موجودگی سے پوری ہو جائے گی۔ اس کے لئے ٹھنڈے جوس کے دو کین رکھ دینا۔"
"سلطان شاہ جوس پیے گا اور تم وسکی پی کر سرور میں آ جاؤ گے۔ یہ تمہاری تفریح لینی شروع کر دے گا۔ بات تو جب ہی بنتی ہے کہ اس حمام میں سب ایک جیسے ہوں" اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور قدرے توقف کے بعد بولی "خیر کوئی بات نہیں۔ ویرا بھی واپس آتی ہی ہو گی۔ اس نے تو شاید اپنی ماں کی گود میں بھی دودھ کے بجائے برانڈی پی تھی۔"
میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسے گھورا اور کہا "خدا کی پناہ! تم تو چھپی رستم ہو۔ شراب اور شرابیوں کے بارے میں یہ سب باتیں تمہیں کہاں سے معلوم ہو گئیں؟ یہ تو پیشہ ور رندوں کی باتیں ہیں۔"
"ویرا کی قید سے نجات حاصل کرنے کے بعد برطانیہ میں، میں نے بہت کچھ دیکھا اور سیکھا تھا" وہ ہنستے ہوئے بولی "میں نے اپنی گزر اوقات کے لئے دو ہفتے تک ایک پب میں بھی کام کیا تھا....."
"انگریز غیر روایتی شراب خانوں کو پب کیوں کہتے ہیں؟" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا "میری دیسی انگریزی کے مطابق پب کے کچھ اور معنی ہیں۔"
"پب دراصل پبلک ہاؤس کا مخفف ہے جہاں ہر خاص و عام بلا روک ٹوک جا سکے" غزالہ نے سنجیدگی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں کی دیہی زندگی میں پب کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ پینا پلانا تو وقت گزاری کا ایک بہانہ ہوتا ہے ورنہ لوگ وہاں مل بیٹھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ وہاں دن بھر کی سیاست اور معاشرت کا جائزہ لے کر آراء قائم کی جاتی ہیں۔ وہیں سے افواہیں بھی جنم لیتی ہیں۔ پرتکلف اور بڑے شراب خانے بعد کی پیداوار ہیں۔ اصل روایت پب ہی کی ہے جو مدتوں سے چلی آ رہی ہے۔ وہاں آنے والے لوگ، ایک دوسرے کے رشتے دار ہوں یا نہ ہوں، شناسا ضرور ہوتے ہیں۔ جب وہ جاڑوں کی سرد راتوں میں آتش دان میں پتھر کے کوئلے اور لکڑی کے کندے دہکا کر، ایک دوسرے کو واقعات اور حکایتیں سناتے ہیں تو غیر محسوس طریقے پر ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ وہاں لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے اور اپنی خوشیاں بانٹنے آتے ہیں۔ جو باتیں گھروں کے پرتکلف ماحول میں بیٹھ کر نہیں کی جا سکتیں وہ پب کے بے تکلفانہ ماحول میں شراب کے ایک جام پر آسانی سے کر لی جاتی ہیں۔ ایک طرح سے پب دیہی زندگی کا مرکز اور محور بلکہ بیرومیٹر ہوتا ہے۔"
"مجھے معلوم ہے کہ تم انگلینڈ میں رہ چکی ہو" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں اس کی گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا "بات تمہارے تجربے کی ہو رہی تھی اور تم پب کی تاریخ لے بیٹھیں جیسے تم نے اس موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہو۔"
"میں نے اس زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ تم سلطان شاہ جیسے پارسا کے ساتھ پینے بیٹھ رہے ہو لیکن میرے پب میں بلانوشوں اور کم نوشوں کے گروپ الگ الگ بیٹھتے تھے۔ آدابِ مے نوشی کا اتنا خیال رکھا جاتا تھا کہ ہر گروپ کے میرِ محفل کا پیمانہ خالی ہوتے ہی سب اپنے گلاس خالی کر لیتے تھے اور پھر پورے گروپ کو ایک ساتھ ڈرنک لینا پڑتا تھا۔ بغیر ساتھ دئے کوئی گروپ میں نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ جس کا کوٹا پورا ہو جاتا تھا وہ دوسروں سے معذرت کر کے پب سے روانہ ہو جاتا تھا۔ اس طرح آخر میں وہی اِکّا دُکّا بیٹھے رہ جاتے تھے جو بری طرح بہکنے سے پہلے اپنے گھروں کو واپس لوٹنا کسرِ شان سمجھتے تھے۔"
"بہکے ہوئے شرابی کا اپنے گھر پہنچنا بھی عذاب سے کم نہیں ہوتا ہو گا؟" سلطان شاہ نے کہا۔
"اول تو ان قصبوں میں سب ایک دوسرے سے واقف ہوتے ہیں۔ کوئی بہکا ہوا شرابی اپنے گھر کا راستہ بھول جائے تو دوسرے لوگ اسے اس کے گھر تک پہنچانا اپنا اخلاقی فرض سمجھتے ہیں لیکن عام طور پر عادی شرابی اپنا گھر نہیں بھولتے۔ جس طرح لمبی مسافت سے آیا ہوا گھوڑا، سیدھا اپنے تھان پر پہنچتا ہے، اسی طرح

بھی حیرت ناک طور پر اپنے گھر پہنچ جاتے ہیں بلکہ میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ شراب پی کر دھت ہو جانے والے لوگ عموماً اپنے گھر، بیوی اور محبوبہ کے بارے میں زیادہ حساس ہو جاتے ہیں۔"

"ہر بگڑے ہوئے شرابی کے پیچھے عورت ہوتی ہے" میں نے اسے چڑانے کی نیت سے کہا "ایک مرد کے لئے بدمزاج بیوی اور ہرجائی محبوبہ سے بڑا عذاب کوئی نہیں ہوتا۔ ان کی جفاؤں کو بھلانے کے لئے انسان خود کو پیمانے میں غرق کر دیتا ہے لیکن ان کا تصور مدہوشی کے عالم میں بھی ان بے چاروں کے ذہنوں پر کچوکے لگاتا رہتا ہے۔"

"پھر تم کیوں پیتے ہو؟" اس نے چیخ کر سوال کیا "تمہاری بیوی کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ میں تمہاری محبوبہ نہ سہی، منگیتر ضرور ہوں لیکن بے وفا نہیں ہوں۔"

بے اختیار میرے لبوں سے ایک آہ نکل گئی۔ وہ بے وفا نہیں تھی لیکن اس نے ایک ٹھوکر ضرور کھائی تھی۔

میری طویل گمشدگی اور اپنی ہولناک تنہائی سے گھبرا کر وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ عزت و آبرو کے ساتھ زندہ رہنے کے لئے اسے ایک مضبوط اور قابل اعتماد سہارے کی ضرورت تھی۔ وہ بات خاصی پرانی ہو گئی تھی لیکن میرے دل کا وہ زخم ہرا تھا۔ میں یہ بات فراموش نہیں کر سکتا تھا کہ غزالہ نے حالات کے چنگل میں بے بس ہونے کے بعد اپنی تقدیر دلدار آغا کی جھولی میں ڈال دی تھی۔ دلدار آغا جو ڈی ڈی کے نام سے شی پر حکمرانی کر رہا تھا، نہایت خود غرض اور کمینہ شخص تھا لیکن اس نے غزالہ کے سامنے ایک پارسا مرد کا سوانگ رچا کر اسے مجھ سے چھین لیا۔ وہ کاغذ کی ناؤ تھی اس لئے زیادہ دن نہیں چل سکی۔ بہت جلد غزالہ کو اس کے گھناؤنے کردار کا اندازہ ہو گیا۔ غزالہ کے بدلے ہوئے تیور بھانپ کر دلدار آغا نے اسے اپنے حویلی نما مکان کا قیدی بنا لیا مگر میرے ستارے یاور تھے اس لئے جلد ہی میں نے دلدار آغا کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا اور غزالہ کو اس کے نمک خواروں کے چنگل سے نکال کر اپنی تحویل میں لے لیا۔

دلدار آغا مر چکا تھا مگر میرے دل سے وہ پھانس نکالے نہیں نکلتی تھی کہ غزالہ میری ہونے سے پہلے بھی کسی کی خلوت کو اپنے وجود کی خوشبو سے معطر کر چکی تھی لیکن پھر بھی میں نے غزالہ کو کبھی اپنی اس خلش سے آگاہ ہونے کا موقع فراہم نہیں کیا تھا۔ وہ میرا دکھ تھا اور میں اکیلا ہی اس کرب کو جھیل رہا تھا۔

میرے لبوں سے اضطراری طور پر نکلنے والی آواز سن کر غزالہ بری طرح چونک پڑی "کیوں؟ کیا بات ہے؟"

"بس ذرا اپنی مجبوریوں کا خیال آ گیا تھا" میں نے فوراً ہی بات سنبھالتے ہوئے کہا "نہ جانے تم کب تک منگیتر رہو گی۔ دل چاہتا ہے کہ آج اور اسی گھڑی ہم اپنی تقدیریں ایک دوسرے سے وابستہ کر لیں۔ لیکن یہ خیال مارے ڈالتا ہے کہ وصل کے بعد کہیں ہجر کی مجبوریاں آڑے آنے لگیں تو زندہ رہنا محال ہو جائے گا۔"

وہ پلٹ کر جانے کے لئے مڑی تھی کہ سلطان شاہ نے لپک کر اسے روک لیا "تم نے پب کی بڑی خواب ناک منظر کشی کی ہے۔ جانے سے پہلے اتنا تو بتاتی جاؤ کہ رات ڈھلے تک بیٹھے رہنے والے اکا دکا شرابیوں کا کیا ہوتا تھا۔"

"پیتے گئے تھے چل کے 'لائے گئے اٹھا کے' والا معاملہ ہوتا تھا" وہ ہنستے ہوئے بولی "بارہ بجے آخری گشت پر آنے والے دو سپاہی انہیں بغلوں میں ہاتھ دے کر پب سے اٹھا لے جاتے تھے۔ ان دونوں، تینوں کو روزانہ ان کے گھروں تک پہنچانا ان کا معمول بن گیا تھا۔"

"ایک دو راتوں کے لئے انہیں لاک اپ میں کیوں نہیں ڈالا گیا؟" اس نے پوچھا۔

"وہ پاکستان نہیں، انگلینڈ ہے۔ وہاں شخصی آزادیوں کا پورا نہیں تو بہت زیادہ احترام کیا جاتا ہے۔ ان کے قانون میں شراب پینا جرم نہیں ہے لیکن شراب پی کر ڈرائیونگ کرنا یا غل غپاڑہ مچانا سنگین جرم ہے۔ پب میں آنے والے پی کر کوئی ہنگامہ نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی میزوں پر یا کاؤنٹر پر اونگھنا یا بڑبڑانا شروع کر دیتے تھے۔ خود کلامی کا وہ مرحلہ آتے ہی، بارٹینڈر ان کے گلاسوں میں اچل سنڈرا ڈال کر اس میں سوڈا ملانا شروع کر دیتا تھا جسے وہ وسکی سمجھ کر گھونٹ گھونٹ پیتے رہتے تھے۔"

"تمہارا پب بہکے ہوئے لوگوں کو لوٹتا تھا" سلطان شاہ نے اعتراض کیا۔

"مجبوری تھی" غزالہ کندھے اچکا کر بولی "وہ لوگ بھی جانتے تھے کہ ان کے آؤٹ ہو جانے کے بعد ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ ان سے وصول کی جانے والی فاضل رقم الگ جمع کی جاتی تھی اور سنڈے چرچ میں فادر کے حوالے کر دی جاتی تھی۔ ہمارے پب میں ملاوٹ اور بے ایمانی کو گناہ تصور کیا جاتا تھا۔"

"یہ تمہاری اُسی تربیت کا اثر ہے کہ میری بوتلوں میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہوتا" میں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "ورنہ دیسی عورتیں عموماً آدھی شراب نالی میں بہا کر، پانی کی مدد سے مقدار پوری کر دیتی ہیں تاکہ مرد اُن کے قابو سے باہر ہو کر بنتِ عنب کے دام میں نہ پھنسنے پائے۔ اب تم جاؤ اور شیواز کی خالص بوتل لے آؤ۔"

"اب کسی بحث میں نہ الجھنا!" غزالہ کے جاتے ہی میں نے سلطان شاہ پر آنکھیں نکالتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"ضروری باتیں؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے حیرت سے دہرایا "کیا پھر کوئی گڑبڑ ہے؟"

"فی الحال چپ چاپ بیٹھے رہو۔ اسے بھنک بھی مل گئی تو وہ میرے سر پر سوار ہو جائے گی۔"

ہم دونوں اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ چند منٹ بعد غزالہ نے ٹرالی پر سارے لوازم سجا کر وہیں پہنچا دیئے اور واپس جاتے ہوئے بولی "کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو ابھی بتا دو۔ میں تھوڑی دیر کے لئے آرام کرنے جا رہی ہوں۔"

”تم آرام کرو‘ کوئی ضرورت پیش آ گئی تو تھوڑی بہت زحمت میں بھی کراوں گا۔“

اپنے آرام کا ذکر کر کے اس نے خود ہی تخلیے کا موقع فراہم کر دیا تھا اس لئے میں نے اس کی خواب گاہ کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنتے ہی‘ سلطان شاہ سے کام کی بات کا سلسلہ چھیڑ دیا۔

”مافیا چیف نہایت چالاکی کے ساتھ تم سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔“ میری مختصر روداد سن کر اس نے بے ساختہ لہجے میں تبصرہ کیا۔ میں نے اعلیٰ پولیس افسر کا ذکر کئے بغیر اسے یہی بتایا تھا کہ مافیا چیف نے مجھے غلام رسول کو اغوا کرنے کے کام پر مامور کیا ہے۔ اسی کے ساتھ میں نے جائے واردات پر پیش آنے والے متوقع واقعات کا بھی ذکر کر دیا تھا۔

”یہ احمقانہ رائے قائم کرنے کی وجوہ کیا ہیں؟“ میں نے اپنے گلاس میں برف کے ڈلے ڈالتے ہوئے پوچھا۔

”تمہاری کامیابی ناممکن ہے۔ پولیس مقابلہ ہوگا اور تم چوہے کی طرح مار لئے جاؤ گے۔“

”میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں دور رہوں گا۔ سارا کام میرے ماتحت سرانجام دیں گے۔ اگر اس کارروائی نے پولیس مقابلہ کا روپ دھارا تو مرنے یا زخمی ہونے والے بھی وہی لوگ ہوں گے۔ مطلع ابر آلود ہوا تو میں وہاں سے کھسکنے میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں کروں گا۔“

”یہ کارروائی اسی قدر سہل ہے تو تمہیں مجھے اعتماد میں لینے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟“

”حفظِ ماتقدم!“ میں نے گلاس سے پہلا گھونٹ لے کر کہا ”یہ بہت اہم واردات ہوگی۔ اس میں ملوث سارے مجرم میرے واقف کار ہوں گے۔ وہ مجھے اور میں انہیں پہچانتا ہوں۔ اگر کسی وجہ سے بازی الٹ گئی تو میرے لئے بھی خطرہ پیدا ہو سکتا ہے جب کہ تم ہر ایک کے لئے اجنبی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم وہاں موجود رہ کر حالات پر کڑی نظر رکھو اور اگر کھیل بگڑنے کا اندیشہ نظر آئے تو وہاں افراتفری پھیلا دو تاکہ بھگدڑ کے نتیجے میں مجھے فرار ہونے کا موقع مل جائے۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم مافیا کے بھی خلاف ہو تو ان کی مجرمانہ سرگرمیوں میں ان کا ساتھ کیوں دیتے ہو؟“ اس نے حیرت کے ساتھ سوال کیا ”تم چاہو تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر انہیں گہری زک پہنچا سکتے ہو۔“

”بات وہی آ جاتی ہے کہ اس آپریشن کی تکمیل مجھے سونپ دی گئی ہے۔ یہ واردات ناکام ہوئی تو میں مافیا کے بڑوں کے عتاب کا نشانہ بن جاؤں گا۔ وہ غلام رسول کے اغوا کو بہت اہمیت دے رہے ہیں۔ اس بارے میں ساری ہدایات براہِ راست اٹلی سے جاری کی گئی ہیں۔“

”یعنی یہ تمہاری کارکردگی کا امتحان ہے جس میں تم سرخرو ہونا چاہتے ہو۔“

”امتحان نو واردوں کا لیا جاتا ہے۔ مجھے مشاق اور ماہر سمجھ کر اس کام پر مامور کیا گیا ہے۔“

”تمہارا معاملہ نہ ہوتا تو پولیس والوں کو فون پر ہوشیار کیا جا سکتا تھا۔ پولیس وین بھاری نفری کے ساتھ اپنا راستہ تبدیل کر لے تو تمہارے آدمی جھک مارتے رہ جائیں گے۔“

”ایسی کوششوں کی کامیابی کے ساتھ ناکامی کا بھی امکان ہے۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ محکمۂ پولیس کا ایک اعلیٰ افسر نہ صرف ان لوگوں کی پشت پناہی کر رہا ہے بلکہ ان ہی میں سے ہے۔“

”اسے اغوا کرنے کے بعد کس راستے سے سرحد پار روانہ کیا جائے گا؟“ سلطان شاہ نے پوچھا۔

”فی الحال اسے ٹریڈ لائن کے دفتر کے زیرِ زمین رہائشی حصے میں رکھا جائے گا۔ سرحد پار بھیجنے کا معاملہ اسی وقت زیرِ غور آئے گا جب اس کے اغوا کا معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس کے اغوا کے بعد تقریباً سارے ہی حساس وفاقی اور صوبائی ادارے حرکت میں آ جائیں گے اور کارکردگی میں ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کی کوشش کریں گے۔“

”لیکن تم بتا رہے تھے کہ اسے فوری طور پر سرحد پار پہنچانے کی ہدایات دی گئی ہیں۔“

”ہدایات وہی ہیں لیکن خطرات کا اندازہ کئے بغیر کوئی اندھا دھند کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ ایسے حالات میں فوری کا مطلب جلد از جلد ہوتا ہے۔ ویسے بھی اصل مقصد یہ ہے کہ غلام رسول کو مقامی حکام سے تحفظ فراہم کیا جائے۔ یہ کام ٹریڈ لائن کی کمین گاہ میں بھی ہو سکتا ہے۔ میری دانست میں صرف اتنا فرق پڑے گا کہ یہاں غلام رسول کو خاموشی کے ساتھ روپوش رہنا ہوگا۔ سرحد پار جاتے ہی وہ ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا اور کھل کر ہمارے ملک کے خلاف زہر افشانی کر سکے گا۔“

”میں نہیں مان سکتا کہ غلام رسول جیسا آدمی اس حد تک گر جائے گا“ سلطان شاہ نے بے اعتنائی سے کہا ”ملا سرکار اور سردار رجب علی کے معاملے میں وہ اس قدر بدنامی اٹھا چکا ہے کہ اب مزید کوئی حماقت نہیں کرے گا۔“

”ساری بات یہی ہے کہ سکھر کے معاملات میں اس کے خلاف ٹھوس شہادتیں موجود ہیں۔ وہ کتنا ہی نیک نام اور بااثر سیاست داں کیوں نہ رہا ہو‘ ایک باغی کی حیثیت میں سزائے موت کا حقدار ٹھہرایا جائے گا اور کوئی اس کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار نہیں کر سکے گا۔ پاکستان میں رہتے ہوئے اسے ذلت اور بدنامی کے ساتھ سولی پر چڑھنا ہوگا۔ اس پر یہاں زندہ رہنے کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں۔ سرحد پار اسے زندہ رہنے کی امید ہوگی تو وہ اپنے محافظوں کے اشاروں پر ناچے گا۔ وہ وہی کچھ سمجھے اور کرے گا جو مافیا والے چاہیں گے۔ مافیا صرف کمانے کی فکر میں رہتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بھارتی حکومت سے بھاری

معاوضہ لے کر غلام رسول سے ایسے بیانات دلوانا شروع کر دیں جو ان کے مفادات سے میل کھاتے ہوں۔ اس طرح وہ ایک پنتھ دو کاج کریں گے۔ غلام رسول ان کی تحویل میں رہتے ہوئے پیسہ کمانے کی مشین بن جائے گا۔ ملکی اور علاقائی سیاست کے حوالے سے بین الاقوامی پریس بھی اس کی بات پر توجہ دیتا رہتا ہے۔"

"کیا اس طرح وہ اپنے بال بچوں اور خاندان کا مستقبل تباہ نہیں کرلے گا؟" سلطان شاہ نے حیرت سے کہا "غلام رسول سرحد پار چلا جائے گا لیکن اس کے خاندان کی جڑیں اس دھرتی میں ہیں۔ یہاں ان سب کے بھاری اثاثے ہیں۔ وہ لوگ تو ملک چھوڑ کر کہیں بھی نہیں جاسکتے۔ غلام رسول کی گھٹیا حرکتوں کی وجہ سے وہ یہاں منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہیں گے۔"

"محبت اور جنگ کی طرح سیاست میں بھی سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ اس کے بیٹے اور رشتے دار بھی نوشتۂ دیوار پڑھ چکے ہوں گے۔ جب وہ سمجھ لیں گے کہ غلام رسول کے پاس زندہ رہنے کے لئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہے تو وہ بھی حالات سے سمجھوتا کرلیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سب خود کو غلام رسول کے قول و فعل سے بری الذمہ قرار دیتے ہوئے اس سے لاتعلقی اختیار کرنے کا اعلان کردیں۔ ایسے کسی بھی اعلان سے ان کے پیروکار بے وقوف بن جائیں گے اور ان کا اپنے باپ سے خفیہ میل جول برقرار رہے گا۔"

"میں تمہارے اندازوں سے اختلاف نہیں کرتا" اس نے سر ڈالتے ہوئے کہا "سیاست تمہارا میدان ہے نہ میرا۔ جو ہوتا ہے' وہ ہوا کرے۔ مجھ سے تم جو کچھ چاہتے ہو میں وہی کروں گا۔"

اسی لمحے داخلی دروازے کے ہفضی قفل میں چابی گھومنے کی آواز آئی اور لحہ بھر بعد ہی ویرا ہانپتی ہوئی اندر گھس آئی۔ اس کے تیز نتھنوں نے شاید الکحل کی بو محسوس کرلی تھی۔ اس لئے وہ دروازہ بند کرکے عجیب و غریب ہیئت کذائی میں ڈرائنگ روم میں آئی اور اوپر والا برقع ایک طرف اچھال کر میرا پورا گلاس پی گئی۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں پوچھا "وہ میرا جھوٹا گلاس تھا۔"

"ہوا کرے' میں کون سی بچی ہوں؟" اس نے بے پروایانہ انداز میں کہا اور بٹن کھول کر برقع کا نچلا حصہ اپنے جسم سے الگ کرنے میں مصروف ہوگئی۔ اس دن ویرا نے خلافِ معمول قمیص شلوار پہنی ہوئی تھی جس کے بغیر برقع ایک ڈھونگ بن کر رہ جاتا۔ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے وہ اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کی عادی تھی جو ایک اچھی بات تھی۔

"کون سا پہاڑ ڈھا کر آرہی ہو؟" میں نے اپنے لئے دوبارہ گلاس بناتے ہوئے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"کاؤنسلیٹ کے بعد تم نے یہاں قید کرنے کا حکم صادر کردیا تھا۔ میں کھلی فضا میں سانس لینے کے لئے ترس رہی تھی اس لئے برقع اوڑھ کر باہر نکل کھڑی ہوئی۔ آج شہر میں آوارہ گردی کرنے میں عجیب ہی لطف آیا ہے۔"

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تمہیں بہت ضروری کام ہے۔" سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔

وہ اپنی آنکھیں نشیلی بنا کر ہنس پڑی "یہ نہ کہتی تو تمہیں برنی لانے پر کیسے آمادہ کرتی؟"

سلطان شاہ کی کھوپڑی چیخ اٹھی "لعنت ہے تم پر اور تمہاری باتوں پر اعتبار کرنے والے پر۔"

"اپنے اوپر تم ہزار بار بھی لعنت بھیجو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا" ویرا کے لبوں پر ہڈیوں تک کو سلگا دینے والی مسکراہٹ رقصاں تھی "ویسے برقع بھی خوب چیز ہے۔ آج کے تجربات میں عمر بھر نہیں بھول سکوں گی۔"

ہم میں سے کسی نے اس کی گفتگو میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی تو قدرے توقف کے بعد وہ خود ہی بولنے لگی "بے پردہ لڑکیوں اور عورتوں کو شاید لوگ مردمار سمجھتے ہیں۔ اس لئے کوئی ان سے سرعام چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا لیکن برقع پوشوں کو بے زبان میاں سمجھ کر کوئی انہیں کندھا مارتا ہے اور کوئی پیچھا کرنے لگتا ہے۔ صدر کے علاقے رنگل اور ایمپریس مارکیٹ میں تو چلنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ اٹھارہ بیس برس کا ایک نوجوان لڑکا مجھ سے دانستہ ٹکرایا اور پھر میرے پیچھے لگ گیا۔ اس نے بھیڑ سے فائدہ اٹھا کر کئی بار مجھ سے چھیڑ چھاڑ کی۔ ایک بار اس نے چٹکی لی تو میرا دل چاہا کہ پلٹ کر اس کو ادھیڑ ڈالوں لیکن میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی کیونکہ میں خود کو تماشا نہیں بنانا چاہتی تھی۔ برقع میں ملبوس ایک سفید فام عورت کو مار دھاڑ میں مصروف دیکھ کر وہاں اس کے بے شمار ہمدردوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے۔ خود کو اپنے دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے میں نے اپنے چہرے پر باریک نقاب دہری کی ہوئی تھی جب کہ آنکھوں پر دہی نقاب اکہری تھی اس لئے وہ بیوقوف مجھے اپنی ہم سن لڑکی سمجھ کر ایک ڈیڑھ گھنٹے تک میرے پیچھے اپنا وقت برباد کرتا رہا۔ میں کسی دکان وغیرہ میں جاتی تو وہ باہر رک کر میرا انتظار کرتا رہتا۔ آخر کار ایک جگہ سناٹا دیکھ کر میں پلٹی اور میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا تو وہ اس بری طرح ڈرا کہ ہکلانے لگا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ وہ نہ صرف میرے تعاقب سے منکر ہو گیا بلکہ میرے بہلانے پھسلانے کے باوجود میرے ساتھ آنے پر آمادہ نہیں ہوا اور میری طرف سے موقع فراہم ہوتے ہی دم دبا کر وہاں سے فرار ہو گیا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جب وہ میرے ساتھ چلنے پر آمادہ نہیں ہوا تو میرے پیچھے اپنا وقت کیوں برباد کرتا پھر رہا تھا؟"

"تمہاری صورت سے ڈر گیا ہوگا" سلطان شاہ بولا "آج کل خاصی بھیانک ہو گئی ہو۔"

"بکواس مت کرو" وہ غصیلی آواز میں بولی "سارا معاملہ آنکھوں پر ہی چلتا رہا۔ میرا چہرہ اس نے پہلے دیکھا تھا نہ بعد میں میں نے اپنی رونمائی کی ضرورت سمجھی۔"

"وہ اٹھارہ بیس سال کا بچہ تھا۔ تم اپنی آواز ہی سے اس سے ہوگی معلوم ہوتی ہو۔ تمہاری آواز سنتے ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہوگا۔ برقع میں یہ اچھائی ضرور ہے کہ عمر پر دبیز پردہ پڑا رہتا ہے" سلطان شاہ نے فوری طور پر پینترا بدل کر بے پروایانہ لہجے میں کہا۔

"تم بکے جاؤ لیکن میری اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ عورت کو شجر ممنوعہ بنا کر تم نے اپنی قوم کے لڑکوں میں ذہنی اور نفسیاتی پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔ وہ استقامت کے ساتھ کسی ایک لڑکی پر طبع آزمائی کرنے کے بجائے ہر روز شوخ دشنگ لڑکیوں کا پیچھا کرتے ہیں اور ان سے بے ہودہ چھیڑ چھاڑ کے بعد شاید رنگین خوابوں میں رات بسر کرنے کو اپنی آوارگی کی معراج سمجھتے ہیں۔ اس بارے میں میرا آج کا تجربہ بہت انوکھا اور سنسنی خیز تھا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو" میں نے اپنے نئے گلاس سے ایک گھونٹ لینے کے بعد کہا "عورت کو بازاری جنس بنا کر ہم اپنے نوجوانوں کو ترقی یافتہ مغربی معاشرے کے مقام پر لے جا سکتے ہیں جہاں لڑکے اچھی نوکری اور ترقی کے لئے اپنی گرل فرینڈز کو سیڑھی کے طور پر استعمال کرنے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں۔"

"تم لوگ حد سے زیادہ تنگ نظر اور قدامت پسند ہو" وہ جل کر بولی "اگر مرد کو اپنا دل خوش رکھنے کی آزادی ہے تو عورت کو قید میں کیوں رکھتے ہو؟ مردانہ بالادستی کا یہ تصور اب ختم ہونا چاہئے۔"

"یہ تصور تو اب زور پکڑے گا" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا "ابھی تک ہم لوگ عورت پر مرد کی برتری کا دعویٰ کرتے تھے جس پر ہمارا مذاق اڑا کر مغرب میں دونوں کی مساوات کا نعرہ لگایا جاتا تھا لیکن اب جدید ترین تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ایک عام مرد کے مقابلے میں ایک عام عورت میں دماغ کی مقدار کم ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس میں ذہنی تخلیق کی صلاحیتوں کی کمی ہوتی ہے۔ میری بات کا یقین نہ ہو تو ماؤنٹ ہول یوک کالج کے جریدہ میں کرٹس جی اسمتھ کا تحقیقی مضمون پڑھ لو۔"

"ویرا بیگم سے تحقیق اور تعلیم جیسے خشک موضوع پر باتیں نہ کرو" سلطان شاہ بولا "اور یہ مان لو کہ عورت گھٹیا پن پر اتر آئے تو اپنے ناز و انداز سے بڑے بڑے سورما مردوں کے چھکے چھڑا سکتی ہے۔"

"یہ بحث ختم کرو!" میں نے سلطان شاہ کی بات کاٹ دی اور ویرا سے مخاطب ہو کر بولا "کچن سے اپنے لئے ایک گلاس اٹھا لاؤ اور یہ بتاؤ کہ آج تم کس اہم مشن پر فلیٹ سے باہر نکلی تھیں؟"

"کوئی مشن نہیں تھا، بس بند پڑے پڑے اکتا گئی تھی" اس نے بلا پس و پیش جواب دیا۔

"اور آج تم نے یہاں خاصی تصویر کشی بھی کی تھی؟" میں نے اپنے اندیشے کا کوئی اظہار کئے بغیر اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں!" وہ کھلکھلا کر ایک دم ہنس پڑی "وہ بھی بے زاری دور کرنے کی ایک کوشش تھی۔"

"شہر نوردی کے دوران میں تم نے فلم کے پرنٹ بھی بنوا لئے

ہوں گے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے اپنا بیگ ٹٹول کر تصاویر کا لفافہ میرے آگے ڈال دیا اور خود کچن کی طرف چل دی۔

میں نے لفافے میں موجود ساری تصاویر میز پر الٹ دیں اور سرسری جائزے سے دو باتیں فوری طور پر نوٹ کر لیں۔ اول یہ کہ اس لفافے میں نیگیٹو موجود نہیں تھے۔ دوم یہ کہ میرے اندازے کے برعکس ان تصاویر میں کسی کا کوئی کلوز اپ نہیں تھا۔ سارے گروپ فوٹوز اور انفرادی تصاویر کا انداز سو فیصد گھریلو تھا۔

ویرا کی کچن سے واپسی سے پہلے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے جہانگیر بول رہا تھا۔

"کیا اپنی سسرال سے بول رہے ہو؟" میں نے اس کی آواز پہچان کر پوچھا۔

"میں صبح کی فلائٹ سے واپس آیا ہوں۔ سلمٰی بھی میرے ساتھ آئی ہے۔" اس کے لب و لہجے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی جیسے اپنی بیوی کو اپنے ساتھ واپس لا کر اس نے کوئی بہت بڑا معرکہ سر کر لیا ہو۔

"بہت خوشی کی بات ہے۔ مجھے تو شبہ ہونے لگا تھا کہ تمہارے سالے نے کہیں تمہیں گھر داماد ہی نہ بنا لیا ہو؟"

"میں گھر داماد بننے والوں میں سے نہیں ہوں" اس کی بھنبھناتی ہوئی آواز ابھری "مریم کے معاملے نے سلمٰی کو بالکل ہی پاگل کر دیا تھا۔ اس نے اپنے میکے میں پہنچتے ہی میرے خلاف ایک بھرپور اسکینڈل کھڑا کر دیا تھا۔ اگر میں نے برداشت اور رواداری سے کام نہ لیا ہوتا تو اس نے اپنے ساتھ مجھے بھی برباد کر دیا ہوتا۔"

"گھر میں ایسی ٹیڑھی بیوی پالنے کے باوجود تم سیدھے نہیں چل سکتے" میں نے [illegible] کہا۔

"[illegible] بار کچھ بھی نہیں ہوا تھا" اس نے شکوہ کیا "مریم کو ایک کمرے میں قید دیکھتے ہی وہ اپنے آپے سے باہر ہو گئی تھی۔ میں نے اسے لاکھ سمجھانا چاہا کہ مریم تمہاری قیدی تھی لیکن اس نے میری ایک نہ سنی....."

"اب اس قصے پر لعنت بھیجو، مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ اپنی بیوی کی نظروں میں تمہاری کتنی وقعت ہے۔ میں بھی تمہارے بارے میں احتیاط سے کام لوں گا۔ خرابی دراصل یہ ہے کہ سلمٰی تمہاری فطرت سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ وہ جانتی ہے کہ شکم سیر ہونے کے باوجود تم اپنی گرفت میں آئے ہوئے شکار پر منہ مارنے سے باز نہیں آتے......"

اس نے میری بات کاٹ دی "اپنی صلح کی خوشی میں آج رات کو ہم، تم تینوں کو ڈنر پر مدعو کرنا چاہ رہے ہیں۔ آؤ گے تو وہ لفافہ بھی لے لینا جو میری غیر حاضری میں تمہارے لئے آیا تھا۔"

"لفافہ!" میں اس اطلاع پر بری طرح چونک پڑا "تمہارے پتے پر میرے لئے کس کا لفافہ آ گیا؟"

"لفافہ بند ہے، کوئی مفلوک الحال شخص میرے چوکیدار کو دے گیا تھا۔"

"آج ہم ڈنر پر نہیں آ سکیں گے کیونکہ آج رات کو مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ میں سلطان شاہ کو بھیج رہا ہوں، یہ لفافہ اسی کو دے دینا۔ یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے کہ کسی کو میرے اور تمہارے مراسم کا علم ہو گیا ہے۔"

"سلطان شاہ کو بھیجنے کے بجائے، جاتے ہوئے خود ہی لفافہ لے لینا۔ سلمٰی سے تمہاری سلام دعا بھی ہو جائے گی۔ وہ کئی بار تمہارے اور غزالہ کے بارے میں پوچھ چکی ہے۔"

"میں آیا تو مجھے وہاں بیٹھنا پڑے گا۔ تمہاری خانگی خوشیوں کے لئے مجھے بھی سلمٰی کی دھونس سہنی پڑتی ہے۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ لفافے والی بات میرے لئے بہت زیادہ پریشان کن تھی۔ وہ پیغام جس طرح بھیجا گیا تھا، اس کے پیش نظر یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ اس کا متن غیر دوستانہ رہا ہو گا۔

سلطان شاہ میری ہدایت پر بے چون و چرا گئے، جہانگیر کے گھر کے لئے روانہ ہو گیا۔

"تمہیں پیغام بھیجنے والا کون ہو سکتا ہے؟" ویرا نے فکر مندانہ لہجے میں پوچھا، میری اور جہانگیر کی جزوی گفتگو سن کر وہ بھی خاصی پریشان نظر آنے لگی تھی۔ اس کے ردعمل پر میری گہری نظر تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی پریشانی میں اداکاری کا کوئی شائبہ نہیں تھا، وہ حقیقی طور پر اس واقعہ پر فکر مندی کا شکار ہو گئی تھی۔

"تمہارے ہمدردوں میں سے بھی کوئی ہو سکتا ہے" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"ہر خراب موقع پر تمہاری توپوں کا رخ سب سے پہلے میری جانب ہوتا ہے" وہ چڑچڑے انداز میں بولی "کراچی میں میرے کون سے ایسے ہمدرد پیدا ہو گئے جن کے وجود سے میں خود بے خبر ہوں"

"تم معراج دین عرف ماجے کے ساتھیوں کو بھول رہی ہو" میں نے اسے یاد دلایا "ان لوگوں نے تمہاری کمان میں جہانگیر کے گھر پر لشکر کشی کی تھی اور خاصے کاری زخم کھائے تھے۔ تم نے انہیں ضرور بتایا ہو گا کہ اس مکان میں تمہارا اصل ٹارگٹ کون تھا، ہو سکتا ہے کہ انہی میں سے کسی نے سر اٹھانے کی کوشش کی ہو۔"

"یہ بہت کمزور مفروضہ ہے۔ تم جانتے ہو کہ پیشہ ور بدمعاش کینہ پرور نہیں ہوتے۔ فائدے کی امید نہ ہو تو وہ ایک گولی بھی نہیں چلاتے۔ وہ ایک وقتی تصادم تھا جس کے نتائج کو اسی وقت مان لیا گیا تھا۔ جب ان سے میرا واسطہ ختم ہو چکا ہے تو اب وہ اس گڑے مردے کو کیوں اکھاڑیں گے؟"

"یہ خیال غلط بھی ہو سکتا ہے" میں نے اعتراف کیا "جب تک اس خط کا متن سامنے نہ آئے، رائے زنی بے سود ہے۔"

"میرے شب و روز کسی کھلی ہوئی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہیں لیکن تمہاری بہت سی مصروفیات کے بارے میں، میں اندھیرے میں ہوں" اس نے شکوہ کیا "کبھی کبھی مجھے یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ دوستی ہو جانے کے باوجود تم میرے بارے میں بہت سے ذہنی تحفظات کا شکار ہو اور تم نے مجھے پوری طرح [illegible]

گروپ میں قبول نہیں کیا ہے۔"

اس کا وہ مشاہدہ بالکل درست تھا لیکن میں اسے تسلیم نہیں کرسکتا تھا۔ میرے انکار پر ویرا بحث پر تل گئی۔

سلطان شاہ لفافہ لے کر واپس آیا تو ہماری بحث بدستور جاری تھی۔ نہ میں جھکنے کے لئے آمادہ تھا نہ وہ اپنے دعوے سے دستبردار ہونے کے لئے آمادہ تھی۔ اس دوران میں غزالہ بھی مختصر سی نیند لینے کے بعد ہمارے ساتھ شریک ہو چکی تھی اور فطری طور پر میرا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔

خاکی رنگ کے اس ہلکے سے لفافے پر انگریزی میں صرف ڈی تحریر تھا۔ لفافہ قدرے پھولا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے لفافہ بند کرتے ہوئے اس میں ہوا قید رہ گئی ہو۔ میں نے اشتیاق اور تجسس کے ساتھ جوں ہی وہ لفافہ کھولا ' اچانک ایک تیز بو میرے نتھنوں سے ٹکرائی اور اس سے قبل کہ میں لفافے سے خارج ہونے والی اس پُراسرار گیس کے بارے میں کچھ سوچتا ' میرے اعصاب نے میرا ساتھ دینے سے انکار کردیا اور میں بیٹھے بیٹھے ایک طرف لڑھک گیا۔

میری آنکھوں نے جو آخری منظر دیکھا وہ ان تینوں کے میری طرف لپکنے کا تھا۔

○☆○

اگلا دن سنسنی اور بے چینی کے عالم میں گزر گیا۔ خاکی لفافے میں ' بے ہوش کردینے والی زوداثر گیس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ گیس کے اثرات اتنے شدید تھے کہ میں تین گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں لایا جاسکا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد میرے سر اور بدن میں ناقابلِ برداشت اینٹھن رچ کر رہ گئی تھی۔

ہم سب ہی مل کر اس لفافے پر سر کھپاتے رہے لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ ویرا بدترین دشمنی کے مراحل سے گزرنے کے بعد میری دوست بن چکی تھی۔ اس کی ذات سے ہٹ کر پاکستان میں شی کا وجود ختم ہو چکا تھا۔ مافیا میں میری پوزیشن بہت مستحکم تھی۔ حبیب جیوانی کے دل ودماغ میں پروان چڑھنے والے وسوسوں کا مؤثر سدِباب کرنے کے بعد مجھے مافیا والوں سے کوئی خوف نہیں تھا۔ شہر کے غنڈوں 'بدمعاشوں اور قاتلوں سے ترکِ تعلق کئے ایک مدت گزر چکی تھی۔ ملا سرکار مر چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سردار رجب علی بھی مارا گیا تھا۔ ان کے پسماندگان میں کوئی بھی اتنا ہوشیار اور اہل نہیں تھا کہ کراچی جیسے شہر خرابات میں میرا سراغ لگا کر مجھے زہریلی گیس کا تحفہ بھجوانے کا بندوبست کرتا۔ لے دے کر میرے دو حریف نظر آتے تھے۔ ان میں سے ایک انڈین ہائی کمیشن تھا جو ملا سرکار کے معاملات میں کھل کر سامنے آیا تھا۔ انہوں نے اسلام آباد کے سفارت خانے میں متعین کرنل مینش پال کے ذریعے ہتھیاروں کے سودے کی ضمانت فراہم کرنے کا بندوبست کیا تھا لیکن ہم نے کرنل مینش پال کو اغوا کر کے جہنم واصل کردیا اور یوں ہتھیاروں کا وہ سودا خراب ہو گیا۔ پھر میں نے کراچی میں انڈین ہائی کمیشن کی خوبرو اور سبک اندام پبلک ریلیشنز آفیسر ' شانتی نرائن پر ڈورے ڈالے تاکہ ان لوگوں کی گندی حرکات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ مواد جمع کرسکوں لیکن شانتی بہت عیار اور شاطر تھی۔ اس نے میرے عزائم کو بھانپ کر مجھے دھوکے سے اپنے ہائی کمیشن کی عمارت میں لے جانا چاہا لیکن ناکام رہی۔ میں نہ صرف اس کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا بلکہ وہ فرار ہوتے ہوئے ماری گئی۔ لیکن وہ تلخ واقعات بہت پرانے ہو چکے تھے۔ ایسی بساطوں پر بہتیرے چھوٹے بڑے مہرے پٹتے رہتے ہیں جن کا کوئی حساب کتاب نہیں ہوتا۔ میری دانست میں یہ امکان بعید از قیاس تھا کہ طویل تعطل کے بعد انڈین ہائی کمیشن کو یک بیک میرا خیال آگیا ہو۔ اس کے بعد لے دے کر ہیری کیسنر اور اس کا قونصلیٹ ہی رہ جاتا تھا مگر مجھ سے ان کی کوئی براہِ راست پرخاش نہیں تھی۔ ان کا سارا جوڑ توڑ ویرا کے ساتھ چل رہا تھا اور پھر جس روز وہ لفافہ جہانگیر کے گھر پہنچایا گیا ' اس دن ویرا ان لوگوں کی تحویل میں تھی۔ ایسی مضبوط پوزیشن میں ہیری لفافہ بھجوانے جیسی اضطراری کارروائی نہیں کرسکتا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد سے میرا ذہن مسلسل اسی پہیلی میں الجھا ہوا تھا۔ اس وقت بھی صبح کے پونے آٹھ بج رہے تھے۔ عقب نما آئینے میں میری نگاہیں اس راستے پر جمی ہوئی تھیں جدھر سے غلام رسول والی وین کو آنا تھا۔ لیکن دماغ اسی گتھی میں الجھا ہوا تھا جس کا دور دور تک کوئی سرا نظر نہیں آرہا تھا۔

اگر میرے پاس فیصلہ کرنے کا اختیار ہوتا تو میں غلام رسول کے اغوا کا معاملہ کسی اچھے وقت کے لئے ملتوی کردیتا لیکن مجبوری یہ تھی کہ اس کارروائی کے لئے وقت کا تعین اس شخص نے کیا تھا جو اپنے رُتبے اور اختیار کے اعتبار سے حبیب جیوانی سے بہت برتر تھا۔ اس سے ملی ہوئی معلومات کی روشنی میں سارا بندوبست مکمل ہو چکا تھا۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر مستعد اور تیار ' اس پولیس وین کے نمودار ہونے کے منتظر تھے جس کے ذریعے غلام رسول کو سینٹرل جیل سے کسی مجسٹریٹ کی عدالت میں پہنچایا جاتا تھا۔ آخری جائزے کے بعد واردات کے لئے قائدِاعظم کے مزار کی عقبی سڑک کا انتخاب کیا گیا تھا جہاں سڑک کے ایک طرف اونچے آہنی جنگلے کے پیچھے مزار کا عقبی ویران احاطہ تھا جہاں درختوں، خودرَو جھاڑیوں اور ناہموار ٹیلوں کی وجہ سے کوئی نہیں آتا تھا۔ دوسری طرف بھی اونچی دیوار کے پیچھے ایک ویران میدان پھیلا ہوا تھا۔ اس سڑک کی کُل آبادی ' پہلے چوراہے کے قریب بنے ہوئے ان بڑے بڑے دفاتر پر مشتمل تھی جن میں سے ایک کا تعلق مزار کی دیکھ بھال اور انتظام سے تھا۔ ان دفاتر میں عملے کی تعداد اتنی قلیل تھی کہ باہر سے وہ بھی تقریباً غیر آباد ہی نظر آتے تھے۔

آٹھ بج کر چند منٹ بعد مجھے عقب نما آئینے میں ایک پولیس وین چوراہا گھوم کر اپنی طرف آتی ہوئی نظر آئی۔ شہر میں ہر وقت سیکڑوں پولیس کاریں متحرک رہتی ہیں مگر میرے لئے اس وین کی پہچان یہ تھی کہ اس سے قدرے فاصلے پر شیر شاہ کی سیاہ لا

بھی چلی آرہی تھی۔

آناً فاناً میں پولیس وین میرے قریب سے گزر گئی۔ اس کے کیبن میں ڈرائیور کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ عقبی حصے پر پڑ ہونے کی وجہ سے میں صرف ایک سپاہی کی جھلک دیکھ سکا۔ اس کے پیچھے سیاہ لانسر شیر شاہ چلا رہا تھا۔ اس کے ساتھ، گاڑی میں مزید تین افراد موجود تھے۔ وین اور لانسر کا درمیانی فاصلہ قدرے زیادہ تھا لیکن لانسر کے بالکل پیچھے ایک سفید شیراڈ دوڑ رہی تھی جس میں شیر شاہ کے ماتحت 'اعظم کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اسی برق رفتار کار میں غلام رسول کو اغوا کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا تاکہ تعاقب کی نوبت آجائے تب بھی شیراڈ نہ پکڑی جاسکے۔

ان تینوں گاڑیوں کے گزرتے ہی میں نے بھی اپنی کار اسی راہ پر ڈال دی۔ وہ صبح کا وقت تھا۔ سڑکوں پر دفاتر اور کارخانوں کی طرف جانے والوں کی بھیڑ بھاڑ شروع نہیں ہوئی تھی اس لئے سفر تیز رفتاری کے ساتھ جاری رہا۔ نئی اور پرانی کاروں کے شورومز کے بعد چند دکانیں آئیں پھر دو رویہ رہائشی مکانات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ جس وقت میں داؤد انجینئرنگ کالج اور اسلامیہ کالج کے سامنے والے چوراہے سے گزر رہا تھا تو سیاہ لانسر اگلا چوراہا گھوم رہی تھی میں نے اپنی کار کی رفتار یک بیک بڑھا دی۔

میں اگلے چوراہے سے مزار کے عقب میں واقع سڑک کی طرف گھوم ہی رہا تھا کہ فضا بریکوں کے شور اور آہنی دھماکے سے لرز اٹھی۔ غالباً طے شدہ حادثہ رونما ہو چکا تھا۔ میں نے اپنی کار کی رفتار مزید بڑھا دی۔

جائے حادثہ پر پہنچتے ہی میری طبیعت باغ باغ ہوگئی۔ مستی خان نے اس دو رویہ سڑک پر مخالف سمت سے آتے ہوئے آئی لینڈز کی درمیانی جگہ سے اتنی مہارت اور تیزی کے ساتھ یوٹرن لینے کی کوشش کی تھی کہ پولیس وین اس کشادہ سڑک کے انتہائی بائیں سرے پر جانے کے باوجود، داہنے فینڈر کو شدید تصادم سے نہیں بچا سکی تھی۔

میرے اترنے تک سب کچھ اسی طرح رونما ہو چکا تھا جیسے سوچا گیا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہم سب وہاں کسی ڈرامے کی ریہرسل کر رہے ہوں اور پولیس والے ہماری ہدایات پر کام کر رہے ہوں۔

سیاہ لانسر ایک دوسرے سے جڑی ہوئی گاڑیوں کے قریب رکی تھی۔ سفید شیراڈ عین پولیس وین کے پیچھے رکی تھی۔ جس کے عقبی حصے میں غلام رسول ہتھکڑی میں ڈرا سہا بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اپنی کار سیاہ لانسر کے برابر میں ترچھی کر کے سڑک بند کر دی تھی۔

میں نے اتر کر صرف ایک نظر میں وہاں کا جائزہ لیا۔ مستی خان کی سوزوکی ایف ایکس یوٹرن لیتے ہوئے اس طرح وین سے ٹکرائی تھی کہ اس کا داہنا ہیڈلیمپ وغیرہ چکنا چور ہوگیا تھا اور آہنی چادر اندر تک گھس کر ٹائر میں تقریباً پیوست ہو گئی تھی۔ سوزوکی کی پوزیشن بتا رہی تھی کہ غلطی مستی خان کی تھی لیکن قانونی نکتہ یہ تھا کہ اس کار کا بایاں حصہ وین کے داہنے حصہ سے ٹکرایا تھا جب کہ اپنی گاڑی کے داہنے حصے کا دھیان رکھنا، ڈرائیور کی پہلی ذمے داری ہوتی ہے۔

اس کام کے لئے مستی خان کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ وہ کیم شحیم ہونے کے ساتھ ہی خوفناک چہرے کا مالک تھا اس لئے اس پر ہاتھ اٹھانا آسان کام نہیں تھا۔ وہ اپنی مسروقہ سوزوکی سے اتر کر پولیس وین کے آگے کھڑا ہوا تھا۔ پولیس وین کا ڈرائیور اپنے ساتھیوں سمیت اسے مغلظات بک رہا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک مشتعل سپاہی نے اپنی بندوق کا کندہ مستی خان کی پنڈلی پر رسید کیا اور مستی خان نے غراتے ہوئے، اس کا گریبان پکڑ کر اسے زمین سے اٹھا لیا۔ دوسرے سپاہی نے ہذیانی انداز میں چلاتے ہوئے اس پر بندوق تان لی اور اسے گولی مارنے کی دھمکی دینے لگا۔

مداخلت کر کے الجھاؤ پیدا کرنے کا وہ سنہرا موقع تھا۔ شیر شاہ کے تینوں ساتھیوں نے بڑھ کر سپاہیوں کو سمجھانے بجھانے میں الجھا لیا۔ مستی خان سنگین بھاڑی گالیاں دے کر سپاہیوں کا خون کھولاتا رہا۔ جس کے نتیجے میں سپاہی وین اور اس میں موجود قیدی کو بھول کر اچھل اچھل کر چلاتے رہے۔

اسی اثنا میں اعظم اپنی شیراڈ کو واپس گھما چکا تھا اور شیر شاہ دبے قدموں پولیس وین کے عقبی حصے میں جا گھسا تھا۔ وہ تمام جھگڑا پولیس وین کے سامنے ہو رہا تھا جب کہ سفید شیراڈ وین کے بالکل عقب میں تھی اس لئے لڑنے والوں کو علم ہی نہ ہو سکا کہ وین میں کیا ہو رہا ہے۔ اس طرح شیر شاہ کو مکمل آزادی میسر آگئی تھی۔

چند ہی ثانیوں بعد شیر شاہ وین سے نکل آیا۔ اس کے پیچھے غلام رسول ہتھکڑی کی آہنی زنجیر اپنے دونوں ہاتھوں میں سنبھالے خوفزدہ انداز میں ادھر ادھر دیکھتا ہوا نیچے اترا۔ وہ دونوں شیراڈ کے عقبی حصے میں سوار ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے سفید شیراڈ غلام رسول کو لے کر مخالف سمت میں جدھر سے وہ آئی تھی، روانہ ہو گئی۔

میں نے اپنی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور اسٹیئرنگ کاٹ کر متصادم گاڑیوں کو اوورٹیک کرتا ہوا آگے روانہ ہو گیا۔ اس وقت مستی خان اور اس کے تین ساتھیوں نے پولیس والوں کو اتنی چالاکی کے ساتھ الجھایا ہوا تھا کہ دونوں سپاہیوں اور ان کے ڈرائیور کی پشت وین کی جانب تھی۔ وہ ہاتھ چلا چلا کر مستی خان کو قصور وار ٹھہرا رہے تھے۔ قدرے آگے نکل کر میں نے عقب نما آئینے میں مستی خان کو سپاہیوں پر حملہ آور ہوتے دیکھا۔ اس کے ساتھ وہاں عجیب ہڑبونگ پھیل گئی جس کا مطلب تھا کہ وہ چاروں سپاہیوں کے ہتھیار چھین کر بھاگنے کی تیاری کر رہے تھے۔

سفید شیراڈ کو مزار کا طواف کر کے ایم اے جناح روڈ سے ٹریڈ لائن کے دفتر پہنچنا تھا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق جھگڑا کر کے مستی خان کو سپاہیوں کو غیر مسلح کرنا تھا جس کے بعد وہ چاروں سیاہ لانسر سے فرار ہو جاتے۔ مسروقہ سوزوکی وہیں چھوڑ دی جاتی۔ لانسر کے چلتے ہی پولیس والوں کی رائفلیں بھی سڑک پر پھینک دی جاتیں۔ انہیں فائر کرنے کی سخت ممانعت کی گئی تھی کیونکہ نازک

آواز سنتے ہی قرب وجوار میں منڈلاتی ہوئی پولیس کی گاڑیاں اس طرف متوجہ ہو سکتی تھیں جب کہ اس منصوبے کو بے داغ بنانے کے لئے پولیس کی دوسری گشتی پارٹیوں سے محفوظ رہنا بے حد ضروری بلکہ ناگزیر تھا۔ حادثے میں ملوث ہونے والی سوزوکی کار کو جائے واردات پر چھوڑنے میں کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ وہ پچھلی رات کو چرائی گئی تھی اور اس کے ذریعے پولیس کو مافیا کے کارندوں کا کوئی سراغ ملنا ناممکن تھا۔ یہی معاملہ سیاہ لانسر کا تھا۔ واردات کے ارتکاب کے دوران میں وہ کار پولیس والوں کی نظروں میں آئی تھی اس لئے وہ بھی رات گئے برنس روڈ کے علاقے سے اٹھائی گئی تھی۔ اس کی نمبر پلیٹ سوزوکی کی نمبر پلیٹ سے تبدیل کردی گئی تھی اور توقع یہ تھی کہ صبح آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک کہیں بھی اسے چیک نہیں کیا جاسکے گا۔ رہا سلطان شاہ تو اسے میں خود بھی کہیں دریافت نہیں کرسکا تھا۔

جائے واردات سے فرار ہونے کے بعد وہ چاروں سیاہ لانسر شہید ملت روڈ پر کہیں چھوڑ کر ٹیکسی سے دفتر پہنچ جاتے۔ اس معاملے میں شیراڈ سب سے اہم گاڑی تھی کیونکہ اسی کے ذریعے مغوی کو ٹریڈ لائن کے دفتر تک لے جانا تھا اس لئے وہ کرائے پر حاصل کی گئی تھی۔ اس کار کے بارے میں یہ طے کرلیا گیا تھا کہ اسے پولیس والوں کی نظروں میں آنے سے بچایا جائے گا' پھر بھی اس کی دونوں نمبر پلیٹوں پر مٹی لتھیڑ کر نمبروں کو مسخ کردیا گیا تھا۔ میں نے جائے واردات پر جو منظر دیکھا تھا اس کی بنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ کسی پولیس والے نے سفید شیراڈ کی جھلک بھی نہیں دیکھی ہوگی۔

میرا اس معاملے میں کوئی عملی کردار نہیں تھا اس لئے میں نے ڈنکے کی چوٹ پر اپنی کار استعمال کی تھی البتہ احتیاطاً اس کی بھی نمبر پلیٹ کو دھول مٹی میں پوشیدہ کردیا تھا تاکہ کسی بھی مرحلے پر نمبر نوٹ کرنے کی نوبت نہ آسکے۔

میں دفتر پہنچا تو شیر شاہ اپنی کامیابی پر بہت خوش تھا۔ سینڈو کی موت کے بعد وہ پہلا کام تھا جو اس نے براہِ راست اپنی نگرانی میں پایۂ تکمیل کو پہنچوایا تھا۔ اس نے عقل مندی یہ کی تھی کہ غلام رسول کو براہِ راست میرے دفتر میں لانے کے بجائے رہائشی حصے میں پہنچادیا تھا۔ شیر شاہ قفل شکنی میں خاصی مہارت رکھتا تھا اس لئے اُس نے دفتر پہنچنے سے پہلے راستے میں ہی غلام رسول کو ہتھکڑی اور اس سے منسلک آہنی زنجیر سے نجات دلادی تھی۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر پہلی بار مجھے خیال آیا کہ میرا چہرہ غلام رسول کے لئے اجنبی نہیں تھا۔

اس کے اغوا کی ہدایت ملنے سے اس لمحے تک صورتِ حال کچھ ایسی رہی تھی کہ مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ پھر رہی سہی کسر زہریلی گیس والے پُراسرار لفافے نے پوری کردی۔ وہ گیس اس قدر تیز اور اثرانگیز تھی کہ کم و بیش چھتیس گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی میں اس کے مضر اثرات سے پوری طرح نہیں سنبھل سکا تھا۔

اس وقت مجھے ہوش آیا کہ غلام رسول سے میرا سامنا ہونا میرے حق میں کس قدر خطرناک ہوسکتا تھا۔ سکھر کی کوتوالی میں اس کی گرفتاری کے موقع پر میں اول خان کے ہمراہ ڈی آئی جی کے دفتر میں موجود تھا پھر کراچی میں ایس ٹی ایف کے عارضی دفتر میں اول خان نے میری موجودگی میں غلام رسول سے پُرتشدد بازپُرس کی تھی جس کے نتیجے میں اس نے صحرائی سرحدوں کی جانب سے بھارتی چھاپا ماروں کے منظم حملے کی سازش کا انکشاف کیا تھا۔ ہمارے بعد کے تجربات نے ثابت کردیا تھا کہ اکیس ستمبر کو حملے کے بارے میں دی ہوئی غلام رسول کی اطلاعات درست تھیں اور اس نے ہمیں بروقت ہوشیار کردیا تھا۔

ان ملاقاتوں کے نتیجے میں غلام رسول مجھے اپنے بدترین دشمن کے طور پر پہچانتا تھا۔ اگر اغوا کے بعد وہ مجھے اپنے روبرو دیکھ لیتا تو شیر شاہ کے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا۔ غلام رسول مر کر بھی یقین نہیں کرسکتا تھا کہ مجھ جیسا شخص اس کا ہمدرد اور خیر خواہ ہوسکتا ہے اور وہیں سے میرا سارا کھیل بگڑ جاتا۔

"اجازت ہو تو غلام رسول کو حاضر کردوں؟" چند ثانیوں بعد شیر شاہ نے ادب سے دریافت کیا۔

"بالکل نہیں" میں نے سختی سے اسے منع کردیا "اسے مجبوراً یہاں لایا گیا ہے ورنہ اصل پروگرام میں اسے یہاں لانا شامل نہیں تھا۔ ہمارے کسی آدمی کو غیر ضروری طور پر اس کے سامنے آنے کی ضرورت نہیں۔ تم اور اعظم اس کی نظروں میں آگئے ہو تو اب تم ہی دونوں کو اس کی ضروریات کا خیال رکھنا ہوگا۔ اس سے کوئی غیر ضروری بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس یہ جتاتے رہنا کہ اب وہ اپنے دوستوں کی تحویل میں ہے جہاں اس کی جان یا آزادی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"اگر یہ کوئی خطرناک دوست ہے تو پھر میں اس کا دوسرا بندوبست بھی کرسکتا ہوں" شیر شاہ نے کہا "وہ جاگتا رہے گا تو سب کچھ دیکھے اور سنے گا۔ اجازت ہو تو میں کھلانے پلانے کے بعد اسے خواب آور دوا دے دوں۔ ہر ڈوز چھ سات گھنٹے کے لئے کافی ہوگا۔ وہ ہوش میں آکر اپنی شکم پُری کرے گا اور پھر سو جائے گا۔"

"کم از کم آج کے لئے ایسا ہی کرو' کل کے بارے میں سوچ کر بتاؤں گا.... اور ہاں' اس نے تمہارے بارے میں جاننے کی کوشش تو ضرور کی ہوگی؟ تم نے اپنے بارے میں اسے کیا بتایا ہے؟"

"ایک لفظ بھی نہیں بتایا" اس نے پورے اعتماد سے جواب دیا "بس یہی دلاسا دیتا رہا کہ بہت جلد اسے سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔ آخر میں تو وہ اتنا متجسس ہوگیا تھا کہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ ہمارا تعلق یہیں سے ہے یا ہم سرحد پار سے یہاں بھیجے گئے ہیں۔ میں نے خاموشی سے مسکرا کر اُس کے سوال ٹال دیئے تھے۔ وہ ابھی تک ہماری اصلیت کے بارے میں فکرمند ہے۔"

شیر شاہ کے چلے جانے کے بعد میں نے حبیب جیوانی کے گھر کا

نمبر ملایا تاکہ اسے فون پر اپنی کامیابی کی اطلاع دے دوں۔ وہ مافیا کا سربراہ ہوتے ہوئے بھی اپنے دوسرے ماتحتوں سے اس قدر الگ تھلگ رہنے کا عادی تھا کہ بہت سی ضروری باتوں تک سے لاعلم رہتا تھا۔ جب تک سینڈو زندہ تھا تو وہ حبیب جیوانی کا مخبر بنا ہوا تھا۔ اس کی موت کے بعد حبیب جیوانی کی چابی میرے قبضے میں آگئی تھی جس سے مجھے خاطر خواہ فائدہ ہو سکتا تھا۔

غلام رسول بظاہر ایک نیک نام اور نرم دل سیاست داں کے روپ میں اپنے علاقے کے لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کر رہا تھا۔ لیکن میں نے اسے گرگٹ کی طرح پل پل رنگ بدلتے ہوئے سنا اور دیکھا تھا۔ سب سے پہلے میں نے ٹرانسیٹر پر اس کی اور ملا سرکار کی گفتگو سنی تھی۔ ملا سرکار اس کے ذریعے رجب علی نامی ڈاکو کو دھوکے سے سادھو بیلہ بلا کر قتل کرنا چاہتا تھا۔ غلام رسول نے اس گھٹیا کام میں ملا سرکار کا آلۂ کار بننے سے سختی سے انکار کیا تو ملا سرکار نے اس کی سرحد پار کی خفیہ اور باغیانہ سرگرمیوں کے ویڈیو کیسٹوں کا ذکر کرکے بھونچکا کر دیا اور غلام رسول کو ملا سرکار کی اس کھلی بلیک میلنگ کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑ گئے۔ پھر اس نے سکھر کوتوالی میں انسپکٹر علی اسد کو اپنے اثر و رسوخ سے ڈرانا چاہا' اس حربے کی ناکامی پر بھاری رشوت کی پیشکش بھی کی جسے حقارت سے ٹھکرا دیا گیا۔ وہ بہت ڈھیٹ اور خود سر مجرم تھا۔ اول خان کی تحویل میں اس نے بدترین تشدد کے سامنے بھی اعترافِ جرم نہیں کیا لیکن اس کے دل کے کسی گوشے میں اپنے وطن سے لگاؤ کا موہوم سا جذبہ آخری سانسیں لے رہا تھا جس سے مجبور ہو کر اُس نے الیکس ستمبر کے آپریشن کا راز فاش کر دیا۔ وہ غلام رسول کا آخری روپ تھا۔

مگر میں اس کی پُرپیچ شخصیت کے بارے میں مزید جاننے کا خواہش مند تھا۔ اپنی شناخت کے خوف سے میں اپنے اصل روپ میں اس کے سامنے نہیں جا سکتا تھا۔ نقاب استعمال کرتا تو شیر شاہ کو میری طرف سے شبہ ہو سکتا تھا اس لئے آخر کار میرا دھیان حبیب جیوانی کے دفتر کی طرف گیا جہاں میں خود کو مکمل تاریکی میں رکھ کر غلام رسول سے کھلی گفتگو کر سکتا تھا اور اس کے تاثرات پر کڑی نظر بھی رکھ سکتا تھا۔

حبیب جیوانی نے مجھے اپنے دفتر کے استعمال کی کھلی چھوٹ دی ہوئی تھی۔ وہ اس وقت اپنے گھر پر موجود نہیں تھا جب کہ میں اُس سے بات کئے بغیر دفتر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس لئے میں نے اس فرصت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور شیر شاہ کو ہدایات دیتا ہوا اپنے دفتر سے نکل کر حبیب جیوانی کے دفتر میں پہنچ گیا۔ وہ دفتر میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ میں نے حبیب جیوانی کی کرسی سنبھال کر روشنیوں کو اس انداز میں جلایا کہ میں خود گھور اندھیرے میں چھپا رہا اور میز کے دوسری جانب کا حصہ روشنی میں نما گیا۔

چند منٹ بعد فنگر پرنٹ اسکینر پر شیر شاہ کی انگلیوں کے نشانات ابھرے۔ میں نے یکے بعد دیگرے دو بٹن دبائے اور اس مشین نے شیر شاہ کے نشاناتِ انگشت کو پہچان کر دروازے کا قفل کھول دیا۔

شیر شاہ کے آگے غلام رسول سہمے ہوئے انداز میں دفتر میں داخل ہوا۔ میری ہدایت کے مطابق اس کی آنکھوں پر سیاہ پٹی بندھی ہوئی تھی اور شیر شاہ بازو تھام کر اُس کی رہنمائی کر رہا تھا۔

مجھے یہ دیکھ کر ذہنی جھٹکا لگا کہ غلام رسول اس قلیل سی مدت میں ہڈیوں کے ڈھانچے میں.... تبدیل ہو گیا تھا اور چہرے سے وہ مدقوق نظر آنے لگا تھا۔ غالباً آنے والے دنوں کی دہشت نے اسے دہشت زدہ کر رکھا تھا۔

"اس کی آنکھوں سے پٹی کھول کر تم باہر انتظار کرو" میں نے بھاری آواز میں شیر شاہ کو حکم دیا' جس نے فوراً ہی غلام رسول کی آنکھوں سے سیاہ پٹی اتاری اور خود دفتر سے باہر نکل گیا۔ میں نے میز کے نچلے حصے میں لگا ہوا سوئچ دبا کر دفتر کے باہر سرخ بلب روشن کر دیا جس کا مطلب تھا کہ کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔

غلام رسول کی بڑی بڑی' سیاہ آنکھیں حلقوں میں اندر دھنسی ہوئی تھیں۔ پٹی کھلنے کے بعد وہ تیز روشنی سے بوکھلا گیا۔ کئی ثانیوں تک کسی ایسے الّو کی طرح جسے اندھیرے سے اچانک روشنی میں پھینک دیا گیا ہو' وہ اپنی پلکیں تیزی کے ساتھ جھپکاتا رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا "خدا کے لئے یہ روشنی کم کر دو ورنہ میری بینائی جاتی رہے گی۔ میں اندھیرے یا زیادہ سے زیادہ ملگجی روشنی میں پُرسکون رہتا ہوں۔"

"تم ہمارے معزز دوست ہو لیکن مجھے افسوس ہے کہ دوستوں کے لئے بھی اس دفتر کے طور طریقے نہیں بدلے جا سکتے۔ تم چاہو تو اپنی آنکھیں بند کر سکتے ہو" میں نے بدلی ہوئی بھاری آواز میں کہا۔

"میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے مجھے اپنا دوست کہا" اس نے نقاہت سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "ورنہ میں نے تو سمجھ لیا تھا کہ مجھے زندگی بھر جیل سے باہر قدم رکھنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ تم نے مجھے قید خانے کی عقوبت سے بچا کر میرے اوپر بہت بڑا احسان کیا ہے لیکن میں ابھی تک اپنے محسنوں سے تعارف حاصل نہیں کر سکا۔"

"غیر ضروری باتیں سوچ کر اپنی توانائیاں ضائع نہ کرو۔ ہم درمیانی کڑیاں ہیں۔ جب تم اپنی اصل منزل پر پہنچو گے تو تمہیں ہر ایک کو جاننے کا موقع مل جائے گا...... فی الحال یہ بتاؤ کہ تمہیں کس جرم میں پکڑا گیا تھا؟"

"پکڑے جانے کے لئے مجرم ہونا ضروری نہیں ہوتا" وہ کرب آلود آہ لے کر بولا "اس ملک میں مجرم دندناتے پھرتے ہیں اور عزت دار گرفتار کر لئے جاتے ہیں۔ یہاں کچھ لوگوں کو وہم ہو گیا ہے کہ میں ملک کے دشمنوں سے ملا ہوا ہوں مگر یہ سب سفید جھوٹ ہے۔ میری پگڑی اچھالنے والوں کو مر کر بھی چین نہیں مل سکے گا' میں بالکل بے گناہ ہوں۔"

"لیکن ہم نے تو تمہاری ویڈیو فلموں کی کہانیاں سنی ہیں۔ وہ شاید سرحد پار بنائی گئی تھیں۔"

"یہ اس ملک کی بد قسمتی ہے کہ یہاں نااہل حکمران ہو گئے ہیں۔ جو کچھ ہمارے لئے اچھا ہے' اسے وہ بہت برا سمجھتے ہیں۔ وہ ہم سب کو تصادم اور تباہی کی راہ پر لے جا رہے ہیں۔ میرا قصور **صرف اتنا ہے** کہ میں نے ان کی راہ روکنے کی کوشش کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس ملک میں میری زندگی خطرہ میں ہے۔ اس ملک میں تم بھی مجھے زیادہ دنوں تک نہیں بچا سکو گے۔ ان کے راشی اور نمک حرام کتے مجھے سولی پر چڑھائے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔"

"پھر تم کہاں جانا چاہتے ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر نرمی سے سوال کیا۔

لمحہ بھر کے لئے اس کی آنکھوں میں امید کی چمک کوندا اٹھی مگر پھر بے رونقی نے ڈیرے ڈال دئے اور وہ مرجھائی ہوئی آواز میں بولا "مجھے معلوم ہے کہ میری خواہش بہت مشکل ہے۔ آج کل سرحدوں پر کہرام برپا ہوگا۔ تم مجھے اس ملک سے نہیں نکال سکتے۔ کاش ایسی کوئی صورت بن جائے کہ میں سرحد پار کر سکوں! نئی دہلی میں بیٹھ کر میں اپنے لوگوں کی زیادہ خدمت کر سکوں گا۔ زندہ اور آزاد رہنے کے لئے مجھے سرحدوں کی زنجیر توڑنی ہوگی۔"

میں نے بھانپ لیا کہ جیل میں اسے بیرونی حالات سے بے خبر رکھا جا رہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس کی سازشوں کے نتیجے میں اگر جنگ نہیں چھڑی تھی تو سرحدوں پر بدترین کشیدگی ضرور پیدا ہو چکی تھی۔ "تو کیا تم واقعی اپنے لوگوں کی خدمت کرنی چاہتے ہو؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"آج کے دور میں کوئی کسی کی خدمت نہیں کرتا" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "ہر ایک کرسی پر چڑھنے کی فکر میں رہتا ہے لیکن سیاست میں خدمت ہی کی بات کرنی پڑتی ہے۔ کرسی مل جائے تو پھر اپنوں کی خدمت کا پورا پورا موقع ملتا ہے۔ میں بھی اسی فکر میں تھا لیکن میرے مقدر کی سیاہی میرے آڑے آ گئی۔"

"ہم کوشش کریں گے کہ تمہیں سرحد پار پہنچا سکیں" میرے ان الفاظ پر اس کا استخوانی چہرہ ناقابلِ بیان مسرت سے دمک اٹھا' اس کی دھندلائی ہوئی اور بے نور آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی اور وہ فرطِ جذبات سے کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا "تمہاری کوششیں کامیاب ہو گئیں تو میری سات پشتیں بھی تمہارا احسان نہیں بھولیں گی۔ میرا بچہ بچہ تمہارا غلام ہو جائے گا۔ مجھے اس زمین پر کبھی حکومت مل گئی تو میں تمہیں اپنے سر کا تاج بنا لوں گا۔"

"تمہارے جذبات قابلِ قدر ہیں' غلام رسول!" میرے پیچھے سے ایک نئی آواز ابھری اور میں حیرت اور خوف سے اپنی کرسی میں بری طرح اچھل پڑا۔

"سکون سے بیٹھو!" اندھیرے میں سے وہی آواز دوبارہ ابھری اور اس بار میں نے پہچان لیا کہ بولنے والا' حبیب جیوانی تھا جو یقینی طور پر خفیہ راستے سے اپنے دفتر میں پہنچا تھا۔ میں اس کی آمدورفت میں کام آنے والی سرنگ اور اس کا میکانزم دیکھ چکا تھا مجھے حیرت تھی کہ کوئی خفیف سی سرسراہٹ بھی پیدا ہوئے بغیر وہ وزنی راستہ کھلا اور بند ہو گیا تھا جب کہ مجھے چند فٹ کے فاصلے پر کچھ بھی نہیں سنائی دیا تھا اور حبیب جیوانی خاموشی سے میرے پیچھے آموجود ہوا تھا۔ اس کی آواز پہچانتے ہی میں نے اس کی نشست چھوڑ دی اور سرگوشیانہ لہجے میں کہا "تم نے تو میرا دم ہی نکال دیا تھا۔"

"تم لوگ مجھے بیٹھنے کے لئے نہیں کہو گے؟" غلام رسول کی سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔ وہ اصل صورتِ حال کا ادراک نہیں کر سکا تھا لیکن اس نے یہ ضرور بھانپ لیا تھا کہ اندھیرے میں ایک سے زیادہ افراد موجود تھے۔

"جیل میں کنکر ملی ہوئی' پتلی دال اور اکڑی ہوئی روٹیاں کھا کھا کر میری صحت جواب دے چکی ہے" وہ فریادی لہجے میں کہہ رہا تھا "میری پنڈلیاں زیادہ دیر تک میرا بوجھ نہیں سہار سکیں گی۔"

"ہمت سے کام لو!" حبیب جیوانی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر غلام رسول سے کہا "تمہیں ہمت سے کام لے کر خود کو لمبے سفر کے لئے تیار کرنا ہے۔ چند منٹ میں تمہاری پنڈلیاں جواب دے گئیں تو تمہیں کون پشت پر لادے پھرے گا؟ تمہیں اپنی ہمت اور حوصلے سے یہ ثابت کرنا ہے کہ ابھی تم معذور اور مفلوج نہیں ہوئے ہو۔"

اس کی بات نشانے پر بیٹھی اور غلام رسول نے جلدی سے کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم چاہو تو میں سارا دن ایک ٹانگ پر کھڑا رہ سکتا ہوں۔ یہاں کرسی ملنے کی امید تھی اس لئے وہ بات زبان پر آ گئی......"

حبیب جیوانی زور سے ہنس پڑا "اس کرسی کو چھوڑو اور بڑی کرسی پر نگاہ رکھو کیونکہ وہی تمہاری منزل ہے اور ہاں' یہ تو بتاؤ کہ ہم لوگوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"تم لوگ بہت نرم دل اور عظیم ہو" اس کی آواز ممنونیت کے جذبات سے لبریز ہو گئی "تم جیسے ہمدرد اور نیک لوگوں کے دم سے ہی یہ دنیا قائم ہے۔ میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھول سکوں گا۔"

"لیکن اگر ہم اسمگلر اور منشیات فروش ثابت ہوئے تو کیا تم ہمارے احسانات بھلا دو گے؟" حبیب جیوانی نے میرا شانہ دبا کر چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"ہرگز نہیں!" غلام رسول نے مضبوطی کے ساتھ کہا "محسن صرف محسن ہوتا ہے۔ جس کے احسان کا بدلہ اس کے پسندیدہ انداز میں اتارا جاتا ہے۔ تم اسمگلر ہو تو میں تمہارے لئے سرحدیں کھول دوں گا۔ ڈاکو ہو تو تمہیں مال و دولت سے لاد دوں گا۔ دراصل میں کسی کے فعل پر نہیں جاتا' اس کی نیت کو دیکھتا ہوں۔ مجھ پر ایک الزام ڈاکوؤں اور قاتلوں کی سرپرستی کا بھی ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ سب مظلوم ہیں اور ظلم کے خلاف لڑنے کے

ارادہ کر کے اٹھے ہیں۔ ظالموں کا صفایا کرنے کے لئے وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں سب جائز اور ٹھیک ہے۔ میں اقتدار سے باہر ہوتے ہوئے ان لوگوں کا ساتھ دے رہا ہوں تو کرسی پر بیٹھنے کے بعد مجھے کون اپنے دوستوں کی حمایت سے روک سکے گا؟"

میرے لئے اس کی وہ گفتگو گھناؤنی اور کراہت آمیز تھی۔ اقتدار اس کے خواب و خیال سے بھی دور تھا اور وہ خود اس دھرتی کا ناقابلِ معافی مجرم تھا جس دھرتی پر وہ کھڑا ہوا تھا لیکن اقتدار کے بارے میں اس کی بددیانتی ابھی سے عیاں ہو رہی تھی۔ اسی ایک تضاد سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ بے وقعت اور بے نوا غلام رسول کے مقابلے مقتدر و معتبر غلام رسول کس قدر بھیانک درندہ ثابت ہو سکتا تھا۔

حبیب جیوانی نے میری چھوڑی ہوئی کرسی اس وقت تک نہیں سنبھالی تھی۔ اس نے کھڑے کھڑے سرخ بلب بجھا کر باہر لگا ہوا سبز بلب روشن کیا۔ پھر اسکینر کے بٹن دبائے اور اگلے ہی لمحے شیر شاہ دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

"اسے واپس لے جاؤ" حبیب جیوانی نے حکم دیا۔ اس کی آواز سن کر شیر شاہ بھی بوکھلا گیا۔

"لے جانے سے پہلے اسے بلائنڈ فولڈ کر دو" میں نے اضافہ کیا کیونکہ چیف شاید اس احتیاط سے بے خبر تھا۔

شیر شاہ نے پھرتی کے ساتھ، غلام رسول کی آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھی اور اس کا بازو تھام کر اسے باہر لیتا چلا گیا۔

حبیب جیوانی نے ایک مرتبہ پھر بیرونی سرخ بلب کا سوئچ آن کیا اور مسکراتے ہوئے اپنی کرسی پر براجمان ہو گیا کیونکہ میں نے غلام رسول کے جاتے ہی کمرے کے تاریک حصے کو بھی روشن کر دیا تھا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد میں نے اس کے سامنے دوسری کرسی سنبھال لی۔

"یہ کیا ڈراما ہو رہا تھا؟" اس نے خوش دلی کے ساتھ مجھ سے سوال کیا۔

"میں اس کے درشن کرنے جا رہا تھا اور غیر ضروری طور پر اس کے سامنے بھی نہیں آنا چاہتا تھا۔ اعظم اور شیر شاہ کے علاوہ میں نے ہر ایک کو اس سے دور رہنے کی ہدایت کی ہے تاکہ وہ ہمارے آدمیوں کو نہ پہچان سکے۔ اسی وجہ سے میں نے تمہارے دفتر کا اندھیرا اجالا استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ تم میری بے خبری میں کب اور کیسے وہاں آ کھڑے ہوئے؟ اگر تم پیچھے سے میرے سر میں پگھلا ہوا سیسہ بھی اتار دیتے تو مجھے علم نہ ہوتا۔"

"اس راستے کی یہی خوبی ہے کہ ہر چیز آواز پیدا کئے بغیر حرکت کرتی ہے۔ میں اس وقت پہنچا تھا جب وہ روشنی کم کرنے کی التجا کر رہا تھا۔ یہ تم نے بہت اچھا کیا کہ اپنے آدمیوں کو اس سے غیر ضروری میل جول سے روک دیا ہے۔"

"جب تک یہ سرحد پار نہیں پہنچ جاتا، مجھے اس کی طرف سے خطرہ ہی رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ راستے میں ہی یہ ہماری تحویل سے نکل کر فوج یا رینجرز کی گرفت میں آ جائے۔ بے خبر رہے گا تو ایسی صورتِ حال میں ہماری نشاندہی نہیں کر سکے گا ورنہ یہ شخص اپنے مفاد کے لئے اپنی اولاد کی بھی گردن کٹوانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔"

"تمہیں مبارک ہو کہ تم نے اس اہم کام کا پہلا مرحلہ سر کر لیا۔ اب یہ بتاؤ کہ اسے باہر بھجوانے کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟ اسے زیادہ دن تک یہاں روکے رکھنا ہمارے بڑوں کی پالیسی کے خلاف ہو گا۔"

"اونٹ یا گدھے کی پشت پر بیٹھ کر صحرائی باشندوں کے بھیس میں سرحد عبور کرنے کا خیال مجھے فرسودہ اور خطرناک لگتا ہے۔ اس کے لئے میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں جس میں ہمارے لئے کم سے کم خطرات ہوں۔"

"ذرا مجھے بھی تو معلوم ہو کہ تم کن خطوط پر سوچ رہے ہو؟" اس نے اپنی کرسی پر جھولتے ہوئے کہا۔

"آج کل ریکروٹنگ کے کاروبار میں چند گندی مچھلیوں نے بڑا اودھم مچایا ہوا ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "ان لوگوں کی بنائی ہوئی جعلی سفری دستاویزات اور ویزوں کی شناخت میں بڑے بڑے ملکوں کے حکام دھوکا کھا رہے ہیں۔ ان ہی میں سے کسی کے ذریعے غلام رسول کو ہوائی جہاز پر چڑھانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔"

"ایسا نہ ہو کہ وہ جہاز پر قدم رکھنے سے پہلے ہی دھر لیا جائے۔ حکام نے اس کا نام اور تصاویر ہر ایگزٹ پوائنٹ پر پہنچا دی ہوں گی۔ اس کی بو پاتے ہی خفیہ ادارے اس پر بری طرح ٹوٹ پڑیں گے۔"

"یہ فرضی نام پر حلیہ بدل کر سفر کرے گا۔ امیگریشن والے اکیلے مسافروں کی زیادہ دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ریکروٹنگ ایجنٹوں کے ذریعے گروپوں میں سفر کرنے والے، ان کے باقاعدہ **بھتوں** کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی، ایسے ہی کسی گروپ کے ساتھ غلام رسول بھی چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکل جائے گا۔"

"تم شاید پنک میں ہو" حبیب جیوانی استہزائیہ ہنسی کے ساتھ بولا "ریکروٹنگ ایجنٹ لوگوں کو بھارت جیسے مفلس ملک میں نہیں بلکہ مشرقِ وسطیٰ کی امیر منڈیوں میں بھیجتے ہیں، وہاں غلام رسول کیا جھک مارے گا؟"

"وہ دودھ پیتا بچہ نہیں، گرگِ باراں دیدہ ہے۔ اس کے پاسپورٹ پر دوبئی وغیرہ کے علاوہ بھارت کا ویزا بھی موجود ہو گا۔ مشرقِ وسطیٰ کی منزل سے وہ حسبِ مرضی بھارت یا کہیں اور جا سکے گا۔ میری دانست میں اس کا اصل مسئلہ بھارت پہنچنا نہیں بلکہ پاکستان سے نکلنا ہے۔ ایک بار وہ پاکستانی حکام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا تو دنیا کی کوئی طاقت اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گی۔"

میرے اس جواب نے حبیب جیوانی کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ اس کی سب سے بڑی خرابی یہی تھی کہ وہ اپنے بڑوں کے احکام میں عقل کے استعمال کو حرام اور گناہ تصور کرتا تھا۔

چند ثانیوں کے غور و فکر کے بعد اس نے میری تجویز پر ایک اعتراض جڑ ہی دیا "میاں ان والے اس کو بھارتی سرزمین پر اپنے آدمیوں کی تحویل میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ پاکستان سے نکلنے کے بعد غلام رسول نے کسی اور ملک میں سیاسی پناہ حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا تو تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔"

"یہ رسک لینا ہوگا" میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا "اس وقت وہ ذہنی طور پر بالکل مفلوج ہو کر رہ گیا ہے اور ہمارے ذہنوں سے سوچنے پر مجبور ہے۔ وہ ہماری ہدایات سے سرِمو بھی انحراف کرنے کی جرات نہیں کرسکے گا۔ احتیاطاً ہم اسے ڈرا بھی دیں گے کہ اس نے ہمارے دیئے ہوئے پروگرام کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو اس کی نگرانی کرنے والے خاموشی کے ساتھ اس کا نرخرا کاٹ ڈالیں گے۔ اس نے جیل کی کوٹھری میں موت کو بہت قریب سے دیکھا ہوا ہے۔ اس دھمکی کے بعد وہ بے چون وچرا نئی دہلی کا ہی رخ کرے گا۔ پھر کچھ اور ہوا تو وہ ہماری بدقسمتی کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔"

"یہ کام میں نے تمہیں سونپ دیا ہے۔ اس کی اونچ نیچ تم ہی کو دیکھنی ہے۔ پھر بھی میں نے اپنے خدشات تمہارے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ ان کا سدِباب بھی تم ہی کرو گے۔ میں صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ کسی گڑبڑ کی صورت میں 'میں کوئی ذمے داری قبول کئے بغیر تمہارا سر اوکھلی میں دے دوں گا۔ پھر تم جانو اور تمہارا کام۔"

"تمہاری پیشگی وارننگ کا شکریہ!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ اس بار تمہارے یونٹ کو سرخروئی اور نیک نامی ہی حاصل ہوگی جس میں بیشتر حصہ تمہارا ہوگا کیونکہ تم مجھے کام کرنے کی پوری آزادی دے رہے ہو۔"

"تم واقعی بہت بدمعاش ہو" وہ خفت آمیز انداز میں ہنس پڑا۔ "ہر بات میں اپنی مرضی کے معنی نکال لیتے ہو۔ جب میں سزا میں تمہارا حصہ دار بننے کو تیار نہیں تو جزا میں کیسے شریک ہوسکوں گا؟ اگر تم مجھ پر طنز کرنا چاہ رہے تھے تو میں اعتراف کرتا ہوں کہ اس کوشش میں تم پوری طرح کامیاب رہے ہو۔"

میں اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوا کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا "اب تم مجھے کانوں میں گھسیٹنے پر تل گئے ہو اس لئے مجھے یہاں سے رخصت ہو جانا چاہئے۔ میں غلام رسول کے بارے میں اپنی کارکردگی سے تمہیں باخبر کرتا رہوں گا۔"

وہ فراخ دلی کے ساتھ ہنسنے لگا لیکن اس نے مجھے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

اپنے دفتر آکر میں نے شیر شاہ کو غلام رسول کے بارے میں مزید کچھ ہدایات دیں پھر دفتر سے نکل کھڑا ہوا۔

اس وقت شہر میں ٹریفک کا ہجوم بہت زیادہ ہو چکا تھا اور فضا گاڑیوں کے کثیف دھوئیں سے بوجھل ہونی شروع ہو گئی تھی اس لئے میں اس بھیڑ میں پھنسنے کے بجائے نادر سے سیدھا آگے نکلتا چلا گیا اور ریلوے برج کو عبور کرنے کے بعد بائیں جانب مولوی تمیز الدین خان روڈ پر گھوم گیا جہاں کسی بھی وقت ٹریفک کا ازدحام نہیں ہوتا۔

اس صاف ستھری سڑک پر میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سلطان شاہ جہانگیر سے ملی ہوئی کار دوڑاتا ہوا میرے برابر میں آیا اور کچھ آگے جاکر اس نے کار روک دی۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔

میرے اترنے سے پہلے ہی سلطان شاہ اپنی کار چھوڑ کر تیر کی طرح میری طرف آیا تھا۔ اس وقت اسے دیکھ کر میری کھوپڑی بھنا کر رہ گئی تھی۔ میں نے اسے اغوا کی واردات کے دوران میں اپنی دیکھ بھال پر مامور کیا تھا۔ وہاں کی کارروائی نمٹنے کے بعد اسے گھر لوٹ جانا چاہئے تھا مگر وہ مستقل میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔

"تم یہاں کیا بھک مار رہے ہو؟" میں اس کے بولنے سے پہلے ہی برس پڑا "تمہیں تو اس وقت فلیٹ پر ہونا چاہئے تھا۔"

"مم..... میں وہیں سے آرہا ہوں" اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہنا چاہا لیکن میں نے مشتعل ہو کر اس کی بات کاٹ دی۔

"فلیٹ سے آرہے ہو اور میں اتفاقاً یہاں نظر آگیا' یہی کہنا چاہتے ہو تم؟" میں نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"میں تمہیں ٹریڈ لائن تک پہنچا کر فلیٹ چلا گیا تھا لیکن وہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ ویرا اور غزالہ دونوں غائب ہیں۔ میں گھبرا کر ٹریڈ لائن واپس آیا تو تمہاری کار پارکنگ لاٹ میں موجود تھی۔ میں دور رہ کر تمہارے نکلنے کا انتظار کرتا رہا اور پھر تمہارا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آگیا۔"

"ویرا اور غزالہ غائب ہیں تو ایسی کیا قیامت آگئی کہ تم یہاں تک دوڑے چلے آئے؟" اس کی وضاحت سن کر میرا پارہ اور چڑھ گیا "وہ دونوں اکثر باہر جاتی رہتی ہیں۔ تمہیں وہیں رک کر ان کی واپسی کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔"

"تم پوری بات تو سن لو" اس نے تھکی ہوئی آواز میں بے چارگی سے کہا "پھر جو چاہو' کہہ لینا۔"

میں خاموش ہو کر اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔

"وہاں ڈریسنگ ٹیبل پر کولڈ کریم کی شیشی کے نیچے ایک رقعہ رکھا ہوا تھا جس پر ویرا کی تحریر میں ایک پیغام تھا۔ یہ تم خود ہی پڑھ لو!" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ایک رقعہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے اس کی تہ کھول کر پڑھنا شروع کیا تو یک بیک میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

وہ ویرا کا الوداعی پیغام تھا اور اس کا لب ولہجہ ضرورت سے زیادہ تلخ تھا۔

ویرا کا وہ الوداعی پیغام نہ صرف تلخ بلکہ بہت زیادہ ہولناک بھی تھا۔

اس خط میں غصے کے بجائے افسوس اور صدمے کا عنصر حاوی تھا۔ اس کی ایک ایک سطر سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں نے عملی زندگی کے میدان میں ویرا بیگم کا ساتھ دینے کے بہت سے عہد و پیمان کئے ہوں اور ان میں سے کسی کو بھی نباہنے کی ضرورت محسوس نہ کی ہو۔

اس کا سب سے بڑا اور بھرپور شکوہ یہ تھا کہ اس نے اپنی تمام کشتیوں کو آگ لگا کر' ہمیشہ کے لئے میرا ساتھ دینے کا ارادہ کرلیا تھا۔ یہاں اس نے وضاحت کردی تھی کہ اس ارادے کے ذریعے وہ میری زندگی کے نجی گوشوں میں دخیل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی بلکہ میرے مشن اور عزائم کی تکمیل میں صدقِ دل کے ساتھ میری مدد کرنے کا عزم کرچکی تھی۔ وہ اپنی دانست میں اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ اس نے' آخر کار شی اور جمی لائیڈ سے قطع تعلق کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اس کشیدگی کی بنیاد اسی وقت پڑ گئی تھی جب اس نے ملا سرکار کے باغیانہ منصوبوں کی تکمیل کے لئے ہتھیاروں کی بھاری مقدار کی اسمگلنگ میں رخنہ اندازی کی تھی۔

کہنے کو وہ ایک رقعہ تھا لیکن اس پر ویرا کی باریک انگریزی تحریر میں پوری کہانی مرقوم تھی۔ اسے شکوہ تھا کہ میں نے اس کی قربانیوں کی کوئی قدر کی اور نہ ہی اس کے تعاون کو کوئی اہمیت دی۔ اس کے برعکس' میں اسے ہمیشہ اپنا دشمن یا حریف تصور کرتا رہا۔

میں اسے اہم معاملات سے بے خبر رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ کوئی خفیہ بات اتفاقاً ویرا کے علم میں آجاتی تو میں اسے پیچ دے کر ویرا کو مفروضات میں الجھا دیا کرتا تھا جس کی وجہ سے ویرا کی بددلی بڑھتی چلی گئی۔ اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ مجھے اس پر ذرا بھی اعتماد نہیں تھا لیکن میں اس کی مدد سے شی کو کمزور تر بنانے کے لئے' مسلسل اسے بے وقوف بنائے جارہا تھا اور میرے غیر دوستانہ رویے میں تبدیلی کے کوئی آثار نہ دیکھ کر' اس نے ہمیشہ کے لئے مجھ سے دوستی کا رشتہ ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

اسی کے ساتھ ویرا نے مجھے یہ بھی جتایا تھا کہ شی اتنی حقیر اور کمزور نہیں تھی جتنی میں سمجھتا تھا۔ شی والوں نے اپنی مصلحتوں اور ترجیحات کی بنا پر پاکستان میں خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ جس میں میرے دباؤ یا کوششوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ پاکستان میں نچلی سطح پر شی کی تنظیم ضرور ختم کردی گئی تھی لیکن بے پناہ اختیارات کے ساتھ' ان کا آئی مین پاکستان میں موجود تھا جو جمی لائیڈ کے ایک اشارے پر شی کی تنظیمِ نو کرنے کا پوری طرح اہل تھا۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ جس دن بھی شی کا آئی مین میدانِ عمل میں کود پڑا' اس دن جہانگیر مجھ سے گہری دوستی کے تمام تر دعووں کے باوجود' کسی بھیگی بلی کی طرح شی کے لئے کام کرنے پر مجبور ہوجائے گا۔

یہاں تک اس کی تحریر قابلِ فہم اور اس کی بڑھتی ہوئی مایوسیوں کی آئینہ دار تھی لیکن اس سے آگے ویرا کے الفاظ نے میرے وجود کو سن کرکے رکھ دیا۔

اس نے لکھا تھا "میں نے انتقاماً غزالہ کو ایک بار پھر اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اسی نیت سے میں نے اس کی تصاویر بھی بنائی تھیں۔ لیکن اب میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ اس کی جعلی سفری دستاویزات تیار ہیں مگر میں اسے پاکستان سے باہر نہیں لے جاؤں گی کیونکہ وہ تمہیں دل وجان سے چاہتی ہے اور تم سے دور رہ کر زندہ نہیں رہ سکے گی۔ اس نے مایوس ہوکر خودکشی وغیرہ کرلی تو میرا ضمیر زندگی بھر مجھے ملامت کرتا رہے گا' اس لئے اب وہ پاکستان میں ہی رہے گی اور کچھ عرصے کے بعد خود بخود تم تک پہنچ جائے گی۔ تم نے مجھ سے کئی بار کہا تھا کہ تم غزالہ کے خوب صورت اور گداز بدن پر نہیں مرتے بلکہ اس کے اندر چھپی ہوئی مشرقی عورت سے پیار کرتے ہو۔ شاید تم سچ ہی کہتے ہو۔ کیونکہ میرا بدن' غزالہ کے جسم سے کہیں زیادہ حسین' متناسب' گداز اور کشش انگیز ہے لیکن تمہارے دل ودماغ پر نہیں چھا سکا۔ اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ میں کسی بھیڑ بکری کی طرح بے زبان اور غلام نہیں بن سکتی۔ یہ مشرقی عورت کا زیور سمجھا جاتا ہے جب کہ مغرب میں عورت محبت اور شادی کے بعد بھی آزاد اور خود مختار ہوتی ہے۔ میں تمہاری اس بات پر پورے خلوص کے ساتھ یقین کرتی ہوں کہ تمہیں غزالہ کے جسم سے نہیں' بلکہ اس کی روح اور سوچ سے پیار ہے۔ وہ جب تمہارے پاس لوٹے گی تو اس کا ذہن وہی ہوگا' اس کی آبرو بے داغ ہوگی' اس کی روح اور سوچ میں بھی کوئی تبدیلی لانے کی کوشش نہیں کی جائے گی لیکن یہ یاد رکھنا کہ اس کا جسم اور اس کے دلفریب نشیب وفراز وہ نہیں رہیں گے جو اب ہیں۔ تم اس کے جسم کے بھوکے نہیں ہو' اس لئے اس تبدیلی سے' غزالہ کے لئے تمہاری محبت میں کوئی کمی نہیں آنی چاہئے۔ وقت ملا تو میں یہ سرزمین چھوڑنے سے پہلے تم کو فون ضرور کروں گی۔ یہ یاد دلانے کے لئے کہ تم نئے بدن اور پرانی روح والی غزالہ کو مایوس نہیں کرو گے۔ تمہاری ٹھکرائی ہوئی ایک حسین ودلفریب مغربی عورت

-------ویرا۔"

"اور ویرا کے ساتھ غزالہ بھی گھر سے غائب ہے؟" میں نے پیغام پڑھنے کے بعد' تھکی ہوئی اور مایوسانہ آواز ایک ایسا سوال کیا جس کا جواب وہ پہلے ہی دے چکا تھا۔

وہ سہلا کر رہ گیا۔ اس کی نظریں یوں جھکی ہوئی تھیں جیسے وہ خود کو غزالہ کے غائب ہونے کا مجرم سمجھ رہا ہو اور میرے ردِعمل سے خائف ہو۔

"گھر میں زبردستی یا تشدد کے کوئی آثار تو موجود نہیں تھے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں!" اس کی آواز' اس کے حلق میں پھنس رہی تھی۔

"خط میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ویرا کے ذہن کا زہر ہے۔ غزالہ کو تو شاید علم ہی نہیں ہوسکا ہوگا کہ ویرا کے ذہن میں کیا لاوا پک رہا ہے۔ ویرا' کوئی بہانہ کرکے نہایت اطمینان سے اسے اپنے ساتھ

لے جانے میں کامیاب ہوگئی ہوگی۔"

"چلو! فلیٹ کی طرف ہی چلو!" میں نے ویرا کا خط اپنی جیب میں اڑستے ہوئے اس سے کہا اور انجن اسٹارٹ کرکے کار تیزی کے ساتھ آگے بڑھادی۔

غزالہ کے بارے میں ویرا کے ہولناک عزائم سے آگاہ ہوتے ہی میرے ہاتھ پیروں میں دہشت اور مایوسی کی وجہ سے بائٹے آنے شروع ہوگئے تھے' ریڑھ کی ہڈی کے نچلے حصے میں درد کی لہریں سرایت کرنے لگی تھیں اور پیٹ میں آنتیں اینٹھنی شروع ہوگئی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ تمام اضطراری کیفیات غصہ اور بے بسی کے ملے جلے ردِ عمل کا اعصابی اظہار تھا جس پر قابو پانا میرے بس سے باہر تھا۔

ویرا نے میرے یا اپنے بارے میں کچھ ہرزہ سرائی کی تھی' اس کی مجھے ذرا سی بھی پروا نہیں تھی لیکن غزالہ کے بارے میں' اس کے منتقمانہ ارادے بہت بھیانک اور پریشان کن تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ ویرا نے کئی بار اپنا اور غزالہ کا موازنہ کرتے ہوئے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ حسن وجمال' ناز و ادا اور جسمانی ساخت و تناسب میں وہ غزالہ سے ہر اعتبار سے بہت بہتر اور کشش انگیز تھی پھر کیا وجہ تھی کہ میں غزالہ کو بھول کر اس کی ذات میں گم ہونے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تھا؟

ایسی ہر بحث میں' میں نے ویرا کو سمجھانا چاہا کہ محبت صرف جسم سے نہیں کی جاتی۔ سچی محبت میں جسم بے معنی ہوتا ہے اور اصل اہمیت روح اور جذبوں کی ہوتی ہے۔ غزالہ کے خیالات میں جتنی پاکیزگی تھی' ویرا اسی قدر حیوانی جذبوں کی یلغار میں مبتلا رہتی تھی۔ شاید میری وہی بات اس کے دل میں چبھ گئی تھی اور وقت آنے پر وہ مجھ سے' میرے الفاظ کا ناقابلِ تصور انتقام لینا چاہتی تھی۔

اس کی تحریر سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ تشدد یا جبری سرجری کے ذریعے غزالہ کے جسمانی حسن کو تباہ کرکے اسے ایک کھوکھلے مجسّمے کے روپ میں واپس لوٹانا چاہتی تھی۔ میرے لئے وہ تصور ہی دل گداز اور روح فرسا تھا۔ دنیا میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی نے پتھر کی حسین ترین مگر ٹھنڈی مورتوں سے ٹوٹ کر محبت کی ہو یا پھر کسی نے اچھے خیالات اور رومان پرور جذبوں سے سرشار کسی استخوانی ڈھانچے کو اپنی محبوبہ قرار دیا ہو۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں' ویرا کو لاجواب کرنے کے چکر میں اعتدال کی حد سے گزر گیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حسن اور جذبوں کا ایک لطیف سا امتزاج ہی انسان کو محبت پر مائل کرسکتا ہے جبکہ ویرا نے میرے الفاظ پکڑ لئے تھے اور مجھے ایک ناقابلِ فراموش دکھ دینے پر تل گئی تھی۔

کار چلاتے ہوئے' میں نے چشمِ تصور سے اعضا بریدہ غزالہ کو دیکھا جس کے بدن کا ہر فراز جراحت کے نشتر سے کاٹ ڈالا گیا تھا اور میں نے جھرجھری لے کر فوراً ہی' اضطراری طور پر اپنی دونوں آنکھیں بھینچ لیں۔ اس عمل کے دوران میں شاید غیر ارادی طور پر' اسٹیئرنگ پر میرا ہاتھ بہک گیا کیونکہ معاً دو تیز ہارن بج اٹھے اور میں نے ہڑبڑا کر اپنی آنکھیں کھولیں تو میری کار داہنی سمت والی گاڑی کو دباتی ہوئی' سڑک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے والی گھاس کی پٹی پر چڑھنے والی تھی۔ میں نے بوکھلاہٹ کے عالم میں بدقت تمام کار کو اپنے قابو میں کیا اور دل ہی دل میں ویرا کو گالیاں دینے لگا جس نے مجھے بے اندازہ ذہنی اذیت میں مبتلا کردیا تھا۔

میں نے اپنی کار کی رفتار کم کرلی تاکہ کسی حادثے سے بچ سکوں۔ میرے لئے اس وقت امید کی صرف ایک ہی کرن روشن تھی کہ ویرا نے پاکستان چھوڑنے سے قبل مجھ سے فون پر بات کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس رذیل اور کمینی عورت سے بات ہوجاتی تو یہ امکان تھا کہ میں اسے غزالہ پر کوئی ظلم کرنے سے روک دیتا۔

وہ بس ایک موہوم سی امید ہی تھی کیونکہ ویرا اپنے تمام تر جسمانی ہتھیاروں اور بروقت ذہنی قلابازیوں کے باوجود ایک عام سی لڑکی یا عورت ثابت ہوئی تھی جو غزالہ کے بارے میں رقابت کے بدترین جذبات کا شکار ہوچکی تھی۔ اس نے مجھے اپنے جال میں پھانسنا چاہا اور ناکام ہونے کے بعد اس ہستی سے انتقام لینے پر تل گئی جو میرے سانسوں میں بسی ہوئی تھی۔ ویرا بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ غزالہ کو بھول جانا میرے بس سے باہر تھا۔ یہ دوسری بار ہوا تھا کہ مجھے دکھ پہنچانے کے لئے ویرا نے غزالہ پر ہاتھ ڈالا تھا۔

پچھلی بار ویرا نے اسے صرف اغوا کیا تھا۔ وہ غزالہ کو غیر معیّنہ مدت تک مجھ سے دور رکھ کر مجھے بلیک میل کرنا چاہتی تھی لیکن اس بار ویرا کے تیور مختلف اور بہت خوفناک تھے جس سے میں بہت زیادہ پریشان ہوگیا تھا۔

میں سست رفتاری سے کار چلا رہا تھا اس لئے سلطان شاہ مجھ سے بہت پہلے فلیٹ پر پہنچ گیا۔ اسے میری ذہنی ابتری کا اندازہ نہ ہوسکا تھا' نہ میری بگڑی ہوئی ڈرائیونگ کا خیال آسکا تھا' اس لئے وہ کافی دیر سے میرے فلیٹ کا داخلی دروازہ کھولے ہوئے میری واپسی کا منتظر تھا۔

"بڑی دیر لگادی۔" مجھے دیکھتے ہی اس نے خوش دلانہ لہجے میں کہا "میں تو سوچنے لگا تھا کہ تم کہیں راستے میں سے ہی ویرا کی تلاش میں نہ نکل پڑے ہو۔"

"تمہیں خرمستیاں سوجھ رہی ہیں؟" میں اسے گھورتے ہوئے' غصیلی آواز میں غرایا۔

"برا مان گئے؟" میرے ردِ عمل پر وہ یک بیک ہی بہت زیادہ سنجیدہ ہوگیا۔

"میں راستے میں کئی جگہ حادثے سے۔ دوچار ہونے سے بال بال بچا ہوں اور تم کو مذاق سوجھ رہا ہے۔" میں نے ڈرائنگ روم کی راہ اختیار کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"جو کچھ ہوچکا' اسے واپس لوٹانا میرے اور تمہارے بس سے

…ے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا "اگر ہم دل گرفتہ بیٹھے رہے تو
…پیش رفت نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے کیوں نہ ہنس کھیل کر
…رے وقت کو ٹالنے کی کوشش کی جائے جو ویرا نے ہم پر مسلط
…رہا ہے۔"

"ہنس کھیل کر ہم وقت برباد کریں گے۔" میں نے بے چینی
…ٹہلتے ہوئے کہا "ابھی تک ویرا کو پاکستان سے باہر نکلنے کا موقع
…ں مل سکا ہوگا۔ ہم جتنا وقت ضائع کریں گے وہ ویرا کے لئے
…ت کا سبب بنے گا۔ ہمیں ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اس کو
…رنے کی فکر کرنی چاہئے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ ویرا اس بار غزالہ کو اپنے ساتھ نہیں
…لے جارہی۔" اس نے کہا "وہ غزالہ کو یہیں چھوڑ کر جائے گی اور
…چند روز بعد تم سے آملے گی۔ میرا اندازہ ہے کہ اس وقت تک
…کراچی ہی میں رکی رہے گی۔"

"لیکن وہ کہاں ہو سکتی ہے؟" میں نے اس کی طرف پلٹ کر
…رانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ ملین ڈالر کا سوال ہے۔ ہماری دانست میں تو اس کے
…ے رابطے ٹوٹے ہوئے تھے۔ ان حالات میں وہ کہیں بھی
…تی ہے لیکن اس نے اپنے خط میں کسی آئی مین کی کہانی چھیڑی
…۔ وہ کون ہو سکتا ہے؟"

"پہلے جو لوگ بڑے کہلاتے تھے' ان سب کا تیا پانچا ہو گیا تھا۔ ان کے بعد' میں اکبر نامی ایک شخص سے واقف تھا جو شی کے معاملات میں گہری دلچسپی لیتا تھا اور شاید آئی مین ہی تھا۔"

"کیوں نہ اسی سے اپنے کام کی ابتدا کی جائے!" اس نے برجستہ کہا۔ "اس وقت ہمارے پاس وہی ایک سراغ ہے جس کے سہارے ویرا' بلکہ غزالہ تک پہنچا جا سکتا ہے اور ہم ویرا کے منصوبے کو خاک میں ملا سکتے ہیں۔ اگر اکبر کا تعلق کراچی ہی سے ہے تو ہم بہ آسانی اس کو دبوچ سکتے ہیں۔"

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے تو اکبر ایک خطرناک آدمی ہے۔ وہ کراچی میں رہتا ہے لیکن جوئے اور عورتوں کا بہت بڑا شوقین ہے اس لئے سال کے دس مہینوں میں وہ لندن یا پیرس میں مقیم رہتا ہے۔ جوئے میں حسین و جمیل اور کمسن دوشیزاؤں کو جیت کر' لمبی رقمیں ہارنا اس کی ہابی ہے۔ اگر وہ آج کل کراچی ہی میں مقیم ہے تو یہ ہماری خوش نصیبی ہوگی۔ ویرا نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے اسی سے رابطہ کیا ہوگا۔"

"تو کیوں نہ اسے ٹٹول کر دیکھا جائے؟" سلطان شاہ نے رائے ظاہر کی۔

ایک اور ایک گیارہ والی مثال اس وقت صادق آئی تھی کیونکہ مسئلہ میرے سامنے تھا' شی اور اکبر کے روابط سے بھی میں

ہی باخبر تھا۔ ان تمام حقائق سے سلطان شاہ کا دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ لیکن پریشانی کے ان لمحات میں مجھے اس سے ٹکرانے کا خیال تک نہیں آسکا تھا۔ لیکن سلطان شاہ نے اپنی چھیڑ چھاڑ کے دوران میں ہی، میرے ذہن کو صحیح راستے پر ڈالنے کی کامیاب کوشش کی تھی۔ مشکل لمحات میں اکیلے آدمی کو سامنے کی چیز بھی نہیں سجھائی دیتی لیکن اسے بروقت کوئی دوست، ہمدرد یا مشیر میسر آجائے تو اس کی مدد سے بہت سی گتھیاں خود بخود سلجھنے لگتی ہیں۔

میں اکبر کے نام اور وجود سے باخبر تھا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ کراچی ہی میں مقیم تھا لیکن میں نے کبھی اس کا گھر نہیں دیکھا تھا۔ میرے پاس اس کا فون نمبر ضرور موجود تھا لیکن وہ بہت پرانی بات تھی اور مجھے یہ یاد نہیں تھا کہ اس کا نمبر میں نے کب اور کہاں لکھا تھا۔ وہ ان دنوں کی بات تھی جب میں خود شی میں سرگرم عمل تھا۔ میرے ذہن میں شی سے بغاوت کے جراثیم ضرور پرورش پانے لگے تھے لیکن میں نے عملی طور پر، شی سے براہِ راست تصادم کی راہ اختیار نہیں کی تھی۔

اس کے بعد بہت کچھ ہو چکا تھا۔ شی والوں کے ایما پر میری پلاسٹک فیکٹری کو آگ لگادی گئی تھی۔ میرے گھر میں نقب زنی کی گئی اور میں اپنا گھر چھوڑنے پر مجبور ہوگیا جہاں میرا تمام اسباب اور کاغذات وغیرہ تھے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اکبر کا فون نمبر کہاں تھا لیکن میں نے امید کا دامن نہیں چھوڑا اور اپنی جیبوں میں موجود کاغذات کا جائزہ لینا شروع کردیا۔

سلطان شاہ ان کوششوں میں میری مدد کر رہا تھا۔

کافی دیر کے بعد، جب میں اپنی ڈائری وغیرہ کی تلاشی کے بعد مایوس ہوچکا تھا، تو سلطان شاہ اچانک ہی نعرہ مار کر اچھل پڑا۔

اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک رقعہ دبا ہوا تھا جو اس نے ڈائری کی جلد پر چڑھے ہوئے پلاسٹک کور میں سے برآمد کیا تھا۔ اس کاغذ پر اکبر کے نام کے ساتھ فون نمبر بھی لکھا ہوا تھا۔

اس وقت غزالہ کے بارے میں ہمارے پاس کوئی سراغ نہیں تھا اس لئے اکبر کا فون نمبر ملتے ہی سلطان شاہ یک بیک جوش میں آگیا اور فوری طور پر فون کی طرف بڑھ گیا۔ میں خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ پر بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ اس وقت میں ذہنی طور پر بالکل مفلوج ہوچکا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ غزالہ کی بحفاظت بازیابی کے لئے ہم کیا کرسکیں گے۔ اکبر کا فون نمبر ضرور مل گیا تھا لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ ویرا نے غزالہ کو اسی کے سپرد کیا ہو۔ بالفرض غزالہ اسی کی تحویل میں تھی تو وہ اتنا شریف نہیں ہوسکتا تھا کہ ہماری طرف سے فون پر غزالہ کی واپسی کا مطالبہ ہوتے ہی دست بستہ اسے ہماری خدمت میں پیش کردیتا۔

سلطان شاہ نے ریسیور اٹھا کر اکبر کا فون نمبر ڈائل کیا مگر پھر درمیان میں ہی کریڈل دبا کر لائن منقطع کی اور ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔

"نمبر تو مل گیا ہے لیکن میں اس سے کیا کہوں گا؟" اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے ریکل ڈائرکٹری نکالو۔" میں نے بوجھل انداز میں کہا۔ "اس میں ترتیب وار نمبروں کے ساتھ ہر صارف کا پتا درج ہوتا ہے۔ ہمیں براہِ راست اکبر کے گھر پر چھاپا مارنا ہوگا۔"

بات سلطان شاہ کی سمجھ میں آگئی اور وہ فوراً ہی درازوں میں مطلوبہ ڈائرکٹری تلاش کرنے لگا۔

ڈائرکٹری میں مطلوبہ پتا نہایت آسانی کے ساتھ مل گیا۔ وہ فون نمبر، پی ای سی ایچ سوسائٹی میں رازی روڈ پر واقع ایک مکان سے تعلق رکھتا تھا اور غالباً اکبر وہیں رہتا تھا۔

ہمارے فلیٹ سے اس مقام تک کی مسافت چند منٹ سے زیادہ نہیں تھی اس لئے میں نے فوراً ہی اکبر کے مکان پر دھاوا بولنے کا ارادہ کرلیا تاکہ اسے غزالہ کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی مہلت نہ مل سکے۔

سلطان شاہ دو منٹ کی مہلت لے کر باتھ روم میں گیا تو میں نے وقت گزاری کے لئے اضطراری طور پر سگریٹ سلگائی اور وہیں ٹہلنے میں مصروف ہوگیا۔

اسی اثنا میں اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی اور میں بری طرح چونک پڑا۔

ریسیور اٹھانے پر دوسری طرف سے ویرا کی چہکتی ہوئی آواز سن کر میرا خون کھول اٹھا لیکن میں نے مصلحتاً اپنے اشتعال پر قابو پاتے ہوئے نرم لہجے میں کہا "تمہارا نیا مذاق میری سمجھ سے بالا ہے، ویرا!"

"اب اتنے بھولے بھی نہ بنو!" اس کی استہزائیہ آواز ابھری۔ "یہ مذاق نہیں، سوفیصد حقیقت ہے اور میں اپنے ارادوں پر پوری طرح عمل کرنے کا مصمم عزم کرچکی ہوں۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی سفاک بھی ہوسکتی ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"یہی تمہاری سب سے بڑی غلطی تھی کہ تم میری نرمی سے دھوکا کھا کر میری اصلیت کو یکسر فراموش کر بیٹھے تھے۔ تمہیں یہ بات ہر وقت یاد رکھنی چاہئے تھی کہ میرا نام ویرا لائیڈ ہے اور میں اپنی انا کی خاطر کسی بھی حد تک جاسکتی ہوں۔ یہ یاد رکھتے تو تم کبھی میرے جذبوں کی توہین اور تحقیر نہ کرتے......"

"میں نے کیا زیادتی کی ہے تمہارے ساتھ؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"محبت کے نشے میں چُور عورت کو دھتکار کر بھی تم کو اپنی زیادتی کا احساس نہیں ہے؟" اس کی آواز کاٹ دار ہوگئی۔ "میرے بس میں ہوتا تو میں زہریلی ناگن کا روپ بدل کر تم کو اسی لمحے ڈس لیتی جب تم نے پہلی بار میرے ارمانوں اور پندار کا خون کیا تھا مگر میں پھر بھی تمہیں ڈھیل دیتی رہی۔ صرف اس امید پر کہ شاید تم کبھی وقت اپنی غلطی کا احساس کرکے اس کا ازالہ کرنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔ لیکن اپنی غلطی کو ماننا تمہاری سرشت ہی میں نہیں

یہ محبت اور نفرت کی نہیں، بلکہ شاید میری اور تمہاری انا کی جنگ تھی جس میں سارا خسارہ غزالہ کو اٹھانا پڑے گا۔"
"تمہیں معلوم ہے کہ غزالہ بہت مظلوم اور دکھی لڑکی ہے۔ اپنے ستم کا نشانہ بنا کر تمہیں کچھ بھی نہیں مل سکے گا۔ تم نے یرغمال بنا ہی لیا ہے تو اس کے سہارے مجھ سے اپنی کچھ شرائط سکتی ہو۔"

ریسیور پر اس کی پُرغرور ہنسی کی آواز سنائی دی، پھر وہ بولی۔ رے لئے وہ مظلوم اور دکھی لڑکی نہیں بلکہ تمہاری محبوبہ ہے۔ یہ تو بتاؤ کہ تم مجھ سے کن شرائط کی توقع کر رہے ہو؟"
"مجھے معلوم ہے کہ تم آج بھی ٹی کی ہمدرد اور ہم نوا ہو۔ وقتی ں وعناد کے باوجود تم اپنے باپ کی تنظیم سے نفرت نہیں سکتیں۔ تم مجھے ٹی کے خلاف محاذ آرائی جاری رکھنے سے روک ہو۔"

"یہ تمہاری بہت بڑی بھول بلکہ خام خیالی ہے۔ ہاتھی چلتا ہے بے خبری میں ہزاروں چیونٹیوں اور کیڑے مکوڑوں کو اپنے بھاری ں تلے روندتا چلا جاتا ہے لیکن کوئی چیونٹا یا کیڑا، اپنی پوری شش کے باوجود ہاتھی کو اپنے وجود کا احساس دلانے میں کامیاب ں ہوتا۔ تم ٹی کے مقابلے میں بہت حقیر اور بے بس ہو۔ تم نے ں کی سونڈ میں گھسنے کی کوشش ضرور کی تھی لیکن بری طرح ناکام ہے۔ ویسے بھی اب پاکستان میں ٹی کا مشن پورا ہو چکا ہے۔ اسے ری حمایت یا مخالفت سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ تمہارا ملک ئن برآمد کرنے والوں کی صف سے نکل کر خود افیم اور ہیروئن آمد کرنے کا محتاج ہو چکا ہے۔ اب تم لوگ امریکی نوجوانوں کو ئن کی لت میں مبتلا کرنے کے اہل نہیں رہے ہو اس لئے ٹی کو ارے ملک سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ تم چاہو تو شوق سے ایک لی دشمن سے لڑ کر خود کو ہلکان کرتے رہو۔ میں تمہیں ہرگز نہیں وں گی۔"

"لیکن یہاں تمہارا آئی مین موجود ہے...." میں نے بے بسی کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔
"آئی مین اپنی ذات میں صرف ایک خاموش نگراں ہوتا ہے اپنے نیچے والوں کی کارکردگی جانچ کر فیصلے صادر کرتا رہتا ہے۔ ہماری تنظیم ختم ہو جانے کے بعد آئی مین ان معاہدوں پر عمل در کی خفیہ اور غیر سرکاری نگرانی کرے گا جن کی رُو سے ارے حکمرانوں نے افیم کی پیداوار سے تائب ہو کر کروڑوں ڈالر امداد وصول کی ہے۔ جس دن ان وعدوں سے انحراف کی وتیں ملیں گی، اسی دن کچھ ڈوریاں ہلائی جائیں گی اور عہد شکنی نے والے، دوسروں کے لئے عبرت کا نمونہ بنا دیے جائیں اب ٹی کو گلیوں اور بازاروں میں دھکے کھانے کی ضرورت ں رہی۔ اس کا ہدف اقتدار کے وہ ایوان ہیں جہاں تم لوگوں کی وں کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ تم جو چاہو کرتے رہو، ٹی کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔"
"تم جانتی ہو کہ میرے پاس دو سلور آئیز موجود ہیں...." میں نے زبان کھولی مگر اُس نے پھر میری بات کاٹ دی۔
"کاش تمہیں وہ بیش قیمت طلائی سکے آزمانے کا موقع مل سکے جن پر خوابناک نقرئی آنکھ ابھری ہوئی ہے۔" اس کی آواز تلخ اور بہت زیادہ استہزائیہ ہو گئی۔ "تم دیکھو گے کہ اب وہ سکے موت کا پیغام ثابت ہوں گے۔ تمہاری پے در پے بدمعاشیوں کی وجہ سے ہمارے بڑوں کی شناخت کے طریقے بدل دیے گئے ہیں۔ تم ہر اعتبار سے پٹ چکے ہو۔ درحقیقت میں تمہیں مار ڈالنے کا ارادہ کر چکی تھی۔ تمہیں ملنے والے خالی لفافے میں اعصاب زدہ کرنے والی گیس کی جگہ زہریلی گیس بھی ہو سکتی تھی۔ مگر آخری لمحات پر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ تم مکمل شکست کھا کر، زندگی بھر اپنے زخموں کو چاٹتے رہو گے تو مجھے زیادہ سکون ملے گا۔ اپنے حریفوں کو بدترین کرب اور اذیت میں مبتلا دیکھ کر مجھے ناقابلِ بیان تسکین ملتی ہے...."
"تو وہ لفافہ بھی تم ہی نے بھیجا تھا؟" میں نے حیرت اور غصے سے پوچھا "تم تو اس وقت ہیری کیسنجر کی قید میں تھیں جہاں تمہارا کسی سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔"
"ہیری کیسنجر کے مُنہ سے ابھی تک شیرِ مادر کی بو آتی ہے۔" اس کی تحقیر آمیز آواز ابھری۔ "اس نے چالاکی سے کام لے کر مجھے روک ضرور لیا تھا لیکن میرا نام بھی ویرا ہے۔ بدترین حالات بھی کبھی میری راہ نہیں روک سکے۔ ہیری جیسے جوشیلے مردوں کو تو میں آج بھی اپنی ٹانگوں میں دبوچ کر لوریاں سنا سکتی ہوں۔"
"اگر تم نے یک بیک ہی مجھ سے اتنی دشمنی پیدا کر لی ہے تو پھر اس فون کال کا کیا مقصد ہے؟"
"میں نے یہ فیصلہ یک بیک نہیں کیا، مسٹر ڈینی!" اس کی آواز سرد اور گمبھیر ہو گئی۔ "میں شب و روز تمہارے رویّے کا تجزیہ کرتی رہی ہوں۔ یہ میرا بہت سوچا سمجھا فیصلہ ہے۔ رہی اس فون کی بات تو میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ اپنے حریفوں کو کرب اور اذیت میں مبتلا دیکھ کر مجھے ناقابلِ بیان خوشی ملتی ہے۔ تمہارے ایک ایک لفظ سے اذیت اور مایوسی ٹپک رہی ہے جو میرے لئے بے اندازہ خوشی کا باعث بن رہی ہے۔"
"اور غزالہ کہاں ہے؟" میں نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سوال کرنے پر مجبور ہو گیا۔
"میرے قدموں میں بے ہوش پڑی ہے۔" اس کی فاتحانہ آواز ابھری۔ "میرے پیر اس کی چھاتی پر رکھے ہوئے ہیں۔ تمہاری پسند کو اپنے قدموں تلے روند کر میں دل ہی دل میں خوش ہو رہی ہوں۔ کل یا زیادہ سے زیادہ پرسوں تک اس کے بدن سے وہ تمام لوتھڑے کاٹ لئے جائیں گے جن پر اسے یا تمہیں ناز ہے۔ تمہارے ملک میں انسانوں کے ساتھ ہی بہتیرے جانور بھی بھوکے

پیاسے رہتے ہیں۔ یہ لوتھڑے یقیناً کئی آوارہ کتوں کی آتش شکم سرد کرسکیں گے۔ میرا خیال ہے کہ تم میری اس نیکی کو کبھی نہیں بھول سکو گے۔"

"ویرا!" میرے حلق سے بے اختیار ایک غضبناک غراہٹ آزاد ہوگئی۔ اس کی ہرزہ سرائی پر میرے لئے خود پر قابو پانا دشوار ہوگیا تھا۔

ریسیور پر اس کی قلقاری سنائی دی۔ "ٹوٹ گیا نا صبر کا بندھن؟" اس کی آواز طنزیہ تھی۔ "میں یہی تو سننا چاہتی تھی۔ کمزور اور بے بس انسان کا سب سے بڑا ہتھیار اس کا غصہ ہوتا ہے۔۔۔ ابھی تم مشتعل ہو کر گالیوں پر اتر آؤ گے تو مجھے زیادہ لطف آئے گا۔"

"اس میں تمہارا نہیں، تمہارے نطفے کا قصور ہے ویرا!" میں نے فی الفور اپنی کھوپڑی پر قابو پاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "مغرب میں حرامی بچوں کو معصوم اور بے قصور سمجھ کر معاشرے میں قبول کرلیا جاتا ہے لیکن تمہارے انسانیت دوست مفکر یہ نکتہ بھول جاتے ہیں کہ جس وجود نے گناہ کی کوکھ سے جنم لیا ہو، وہ سراپا معصوم کیسے ہوسکتا ہے؟ ان حرامیوں کی ریل پیل نے ہی مغربی معاشرے کو غلاظت کے ڈھیر میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ تم خود بھی ایسے ہی حالات کی پیداوار ہو۔ جمی لائیڈ نے تمہاری ماں سے شادی نہیں کی تھی مگر تم پیدا ہوگئیں۔ تم جیسی بنت الحرام سے وہی کچھ توقع کی جاسکتی ہے جو تم کررہی ہو۔"

"کھل کر مجھے بھی گالیاں دو۔۔۔۔ عربی میں تو بنت الحرام بڑا معزز لفظ معلوم ہوتا ہے۔" وہ اس وقت گفتگو کو طول دے کر مجھے چڑانے پر تلی ہوئی تھی اور میں خود بھی اس سے گفتگو جاری رکھنے پہ مجبور تھا کیونکہ وہ اس سے شاید میری آخری گفتگو تھی اور میری کوشش تھی کہ اس کی زبان سے کوئی ایسی بات یا فقرہ اگلوا سکوں جس سے اس کی کمین گاہ کی کوئی نشان دہی ہوسکے۔

"تم بالکل الو کی پٹھی ہو ویرا!" میں نے سنجیدگی سے کہا "تم سمجھ رہی ہو کہ غزالہ کو اپنے ساتھ لے جاکر تم نے مجھے اذیت پہنچائی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم خود بھی محرومی کے جہنم میں سلگ رہی ہو۔ اس کا ثبوت تمہاری یہ فون کال ہے۔ تم غزالہ کے ساتھ جو سلوک چاہو کرسکتی ہو لیکن پھر بھی ناکام اور محروم رہو گی۔ عورت اور مرد کی سوچ میں یہی بنیادی فرق ہوتا ہے۔ مرد اپنی محبوبہ کو بہ زور اغوا کرکے لے جاتا ہے اور اپنے وجود میں بھڑکتی ہوئی حیوانی آگ کو ٹھنڈا کرلیتا ہے لیکن تم کو معلوم ہے کہ تم مجھے اٹھا کر نہیں لے جاسکتیں، نہ تم مجھ کو زبردستی خود سے محبت کرنے پر آمادہ کرسکتی ہو اس لئے تم نے آسان ترین راستہ اختیار کیا اور اپنے محبوب کے بجائے اس کی محبوبہ کو دھوکے سے لے گئیں۔ غزالہ کے ساتھ ظلم کرکے تم مجھے نہیں جھکا سکو گی۔ تم یہ بھول رہی ہو کہ مرد بہت ہرجائی اور طوطا چشم مخلوق ہے۔ غزالہ کا حسن اجڑ گیا تو

مجھے وقتی طور پر صدمہ ضرور ہوگا لیکن وقت بہت بڑا مرہم [illegible] غزالہ اپنی بدبختی سے سمجھوتا کرلے گی اور میں اسے بھول کر [illegible] اور نازک اندام کے تعاقب میں لگ جاؤں گا۔ زندگی صرف ا[illegible] بار ملتی ہے، اسے کسی ایک عورت کے پیچھے تباہ نہیں کیا جاسک[illegible] غزالہ خود جانتی ہے کہ میں نے اسے اپنانے کے لئے کتنی قربان[illegible] دی ہیں۔ وہ خود بھی نہیں چاہے گی کہ میری زندگی پر اپنے بد[illegible] اور بھونڈے وجود کا سایہ ڈالے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ خود کش[illegible] کرلے۔ میں آزاد ہو جاؤں گا لیکن یہ میری جیت ہوگی کہ تم [illegible] اپنے قدموں میں نہیں جھکا سکو گی۔"

"ہمیشہ کی طرح، تم اب پھر مجھے بہکانے کی کوشش کر [illegible] ہو۔" اس کی غصیلی آواز ابھری۔ "کاش اس وقت غزالہ ہ[illegible] میں ہوتی اور میرے پاس اسپیکر فون ہوتا تو میں اسے سنواتی کہ [illegible] کے بارے میں تمہارے خیالات کس قدر سطحی اور عامیانہ ہیں [illegible] حد سے زیادہ خود غرض اور مکار ہو۔"

مجھے اپنا داؤ چلتا ہوا نظر آرہا تھا، اس لئے میں نے برجست[illegible] "وہ ہوش میں آئے تو تم نمک مرچ لگا کر پوری کہانی دہرا دینا۔ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیلیٰ کے فراق میں گریبان چاک کر[illegible] صحرا کی خاک پھانکنے کا زمانہ صدیوں پیچھے رہ گیا ہے۔ اب قا[illegible] دور ہے اور سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ غزالہ اب کنوا[illegible] نہیں ہے بلکہ تمہارے دلدار آغا کی بیوہ ہے جب کہ میں اپنی [illegible] بے اعتدالیوں کے باوجود کنوارا ہوں۔ جب تک غزالہ نے ڈ[illegible] سے شادی نہیں کی تھی تو میں اخلاقی طور پر اس کا پابند بلکہ [illegible] لیکن ڈی ڈی کی جواں سال بیوہ کا مجھ پر کوئی حق نہیں رہا۔ تم[illegible] بدمعاشیوں کے بعد اس کا وجود میرے خوابوں میں رنگ بھرنے [illegible] قابل رہا تو میں اسے اپنے سر کا تاج بنالوں گا ورنہ اسے بھول کر [illegible] پری چہرہ اور نازک اندام دوشیزہ کی تلاش میں چل دوں گا جس [illegible] دامن پر کسی ڈی ڈی کے آلودہ ہاتھوں کے گھناؤنے نشانات [illegible] ہوں۔ یہ میں تم سے بھی کہہ رہا ہوں اور قدرے نرم الفاظ [illegible] غزالہ کو بھی سنا سکتا ہوں۔"

"تم بالکل بلاڈی باسٹرڈ ہو۔" فون پر اس کی زخم خوردہ غ[illegible] سنائی دی۔ "اور جھوٹ بول رہے ہو۔ میرا دعویٰ ہے کہ تم [illegible] بھی غزالہ ہی کے خواب دیکھتے رہو گے۔۔۔۔"

"خوابوں کی اور بات ہے ویرا ڈارلنگ!" میں نے اس کی [illegible] کاٹ کر خوش دلانہ لہجے میں کہا "خواب میں آدمی وہی کچھ دی[illegible] جو وہ چاہتا اور پسند کرتا ہے۔ خواب میں تو برطانیہ کی ملکہ [illegible] لباس اپنے پرستاروں میں اچھال کر، میری بانہوں میں آسکتی [illegible] میں خوبرو اور خوش بدن غزالہ کے خواب دیکھنا ضرور پسند کر[illegible] لیکن جیتی جاگتی زندگی میں ایک معذور اور مکروہ پیکر کو اپنے [illegible] ہار نہیں بنا سکوں گا۔ یہ زندگی کی بہت تلخ اور سنگین حقیقت [illegible] جسے غزالہ بہت آسانی کے ساتھ ہضم کرلے گی۔ میں تم [illegible]

ی کہہ چکا ہوں کہ زندگی بار بار نہیں، صرف ایک بار ملتی ہے۔ میں
نی اس اکلوتی زندگی کو غزالہ کی بدنصیبیوں کی بھینٹ نہیں چڑھا
تا۔"
"شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ اپنے اچھے مستقبل کا ذکر کرکے
میرے زخموں پر نمک چھڑک رہے ہو۔" ویرا کی قہربار آواز
بھری۔ "اگر تمہارے یہی عزائم ہیں تو میں تمہیں جوتے مار مار کر
پنے قدموں میں جھکاؤں گی۔"
"میرے لئے یہ سزا زیادہ ناخوشگوار نہیں ہوگی۔ پہلے بھی میں
ئی بار یہ شرف حاصل کرچکا ہوں۔ اگر تم مجھے مستقل طور پر اپنے
ملوں میں نہ باندھ لو تو میں کئی دن تک یہ سزا، ہنسی خوشی جھیل
سکتا ہوں۔ رہا میرا مستقبل، تو وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ میں نے تو
یمان داری کے ساتھ وہ کھری کھری باتیں کہہ ڈالی ہیں جو میرے
ل میں ہیں۔ ان کا ہونا یا نہ ہونا میرے اختیار سے بالکل باہر
ہے۔"
"تم بہت کمینے اور خودغرض حیوان ہو۔" اس کی بھنّائی ہوئی
ہریلی آواز ابھری۔ "تم غزالہ کے ہوسکتے ہو نہ میرے۔ لیکن میں
جیسے قابلِ نفرت آدمی کو زندگی بھر گھٹنوں اور ہتھیلیوں کے بل چلنے
ضرور مجبور کرسکتی ہوں۔ میں تم کو بار بار، اپنا ہی تھوکا ہوا چاٹنے پر
بور کردوں گی۔"
"یہ ایک اچھی خبر ہے۔" میں نے اسے مزید اشتعال دلانے کی
یت سے پُرسرور لہجے میں کہا "کبھی کبھی میں بھی گھٹنوں اور
تھیلیوں کے بل چل کر خوش ہوتا ہوں۔ ویسے یہ تھوکنے اور
چاٹنے والی بات ناقابلِ فہم ہے۔ اس پر آمادہ کرنے کے لئے تمہیں
انتوں پسینہ آجائے گا۔ کامیاب ہوگئیں تو تم کو منہ مانگا انعام دوں
گا۔"
"شٹ اپ!" اس کی غضبناک غرّاہٹ سنائی دی۔ "تم مجھے
حرامی ہونے کا طعنہ دے رہے ہو لیکن میں کرائسٹ کو گواہ کرکے
کہتی ہوں کہ میں نے زندگی میں تم سے بڑا حرامی نہیں دیکھا۔ مجھے
ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہوسکا کہ تم مجھے سلگانے کے لئے یہ بکواس
کررہے ہو یا یہ تمہارے حقیقی خیالات ہیں؟"
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" اس کی بے چینی محسوس کرکے
میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا "سامنا ہوگا تو سب کچھ معلوم
ہوجائے گا۔ یہ بتاؤ تم کراچی ہی میں ہو یا کہیں اور...؟"
"یہ نہ سمجھنا کہ تمہیں زیادہ مہلت مل جائے گی۔" اس کی
بھڑکی ہوئی آواز ابھری "میں کراچی میں تمہارے سر پر سوار ہوں
اور جب تک تمہاری ایسی کی تیسی نہیں کرلوں گی، یہاں سے نہیں
جاؤں گی۔"
"اس عزت افزائی کے لئے شکرگزار ہوں لیکن خدا کے لئے
اس دوران غزالہ کو رہا نہ کردینا۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں
گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ مجھے خوشی تھی کہ میرے سوال پر اُس نے
اضطراری طور پر کراچی میں اپنی موجودگی کا اعتراف کرلیا تھا۔
"بکواس مت کرو۔ غزالہ کا اس معاملے سے کوئی تعلق
نہیں۔ اس کے ساتھ وہی ہوگا جو میں نے سوچا ہوا ہے لیکن اب
میرا کام بڑھ چکا ہے۔ مجھے تمہارے اغوا پر بھی کام کرنا ہوگا۔"
"بس، بس، میں بھی یہی چاہتا تھا کہ غزالہ کو میرے
اور تمہارے معاہدے کا علم نہ ہو۔ وہ تھوڑی سی حسّاس طبیعت کی
مالک ہے اور ذرا ذرا سی بات پر ہفتوں سوچ بچار کرتی رہتی ہے۔
تمہیں یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ میں نے کبھی پارسائی کا دعویٰ نہیں
کیا لیکن غزالہ کے سامنے ضرور پارسا بنتا رہا ہوں۔"
اس نے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور بولی۔ "مجھے ایک
پوائنٹ اور مل گیا۔ اب تو سب کچھ اسی کے سامنے ہوگا تاکہ وہ
بھی تمہارے اصل روپ سے واقف ہوجائے۔ اس کی کاٹ
چھانٹ دو روز بعد بھی ہوسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ پے در پے
شکستوں کی وجہ سے تمہارا دماغ چل گیا ہے اور تم یہ بات بھول
بیٹھے ہو کہ اب میں تمہاری دوست نہیں رہی بلکہ اول درجہ کی
دشمن ہوگئی ہوں۔"
"دوستوں کی دشمنی بھی نیاری ہوتی ہے۔" میں نے دھیمی
آواز میں کہا "مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے مار تو سکتی ہو لیکن حد سے
زیادہ اذیت نہیں پہنچا سکتیں۔"
"یہ تمہاری خام خیالی ہے، ڈیئی!" اس کی سفاکانہ آواز
ابھری۔ "میں وہ شاخ ہی نہیں رہنے دوں گی جس پر غزالہ یا اس
جیسی دوسری بلبلیں اپنا آشیانہ بنانے کے بارے میں سوچ سکتی
ہیں۔"
"اور غزالہ کو بھی اعصاب بریدگی کے عذاب میں ضرور مبتلا
کروگی؟" میں نے پوچھا۔
"وہ تو میرے انتقام کی پہلی اور بنیادی کڑی ہے۔ یہ اور بات
ہے کہ وہ کارروائی تمہاری تذلیل سے پہلے کی جائے یا بعد میں۔ اس
بارے میں میرے مشیر زیادہ بہتر رائے دے سکیں گے۔"
"کون ہیں تمہارے مشیر؟" میں نے پُرتجسس لہجے میں وہ چبھتا
ہوا سوال کیا۔
"وقت آنے پر تم ان کو دیکھ لوگے۔" وہ غرائی ہوئی آواز میں
بولی "وہ دوستوں کے بہترین دوست اور دشمنوں کے بدترین دشمن
ثابت ہوتے ہیں......"
"ٹھیک ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں
دیکھوں گا کہ تم میرا کیا بگاڑ لیتی ہو۔" دوسری طرف سے مزید کچھ
کہے بغیر، فون کا سلسلہ یکلخت منقطع کردیا گیا۔
"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم اس کم ظرف عورت کو
کیوں مشتعل کررہے تھے؟" میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ مجھ
سے الجھ پڑا۔
"تم صرف میری گفتگو سن رہے تھے اس لئے ایسا سوچ رہے ہو۔"

میں نے نرمی سے کہا "وہ غزالہ کے ساتھ جو کچھ کرنے والی ہے۔ میں اسے ٹالنا چاہتا تھا۔ اس گفتگو کے بعد وہ میری بھی دشمن ہوگئی ہے اور غزالہ کی اعضا بریدگی کو فی الحال ملتوی کرکے میرے پیچھے پڑ گئی ہے۔"

"وہ تمہارے سارے معاملات سے باخبر ہے اور بہت آسانی کے ساتھ تم پر ہاتھ ڈال سکتی ہے۔" سلطان شاہ فکرمند نظر آنے لگا۔ "یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ کیا اچھا تھا اور کیا برا۔ تم قطعی فکر نہ کرو۔ اب ویرا سے ٹھن گئی ہے تو میں بھی مافیا والوں کو میدان میں لے آؤں گا۔ اس بار ویرا کے فتنے کا سدِباب کرنا ہوگا۔"

میں سلطان شاہ کو اپنی اور ویرا کی گفتگو کا خلاصہ سنانے لگا جو زیادہ طویل نہیں تھا۔

"اگر وہ کراچی ہی میں ہے تو ہمیں سرعت کے ساتھ پیش قدمی کرنی ہوگی۔ جسے پہل کرنے کا موقع مل گیا' وہی فائدے میں رہے گا۔" سلطان شاہ نے اضطراری طور پر کہا۔

اس کے خدشات اپنی جگہ پر درست تھے۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ ویرا ہمارے ٹھکانے سے پوری طرح باخبر تھی جبکہ ہمیں اس کی کمین گاہ کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ کام کی ابتدا کے لئے فوری طور پر اکبر کا نام ہمارے سامنے تھا لیکن یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ویرا اسی کے ساتھ مقیم ہوگی۔

میں نے سلطان شاہ کو ضروری سامان سمیٹنے کی ہدایت کرتے ہوئے فون سنبھال لیا۔

میری پہلی کال اکبر کے نمبر پر تھی۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہاں کون رہ رہا ہے۔

دوسری گھنٹی پر ہی فون اٹھالیا گیا اور ایک بھاری مردانہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

وہ آواز میرے لئے یکسر اجنبی تھی اور میری آواز پہچان لئے جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا مگر میں نے پھر بھی آواز بدل کر سوال کیا۔ "فرزانہ صاحبہ سے بات ہوسکتی ہے۔"

"یہاں کوئی فرزانہ نہیں رہتی۔ تم نے کس نمبر پر فون کیا ہے؟" خشک۔ لہجہ میں پوچھا گیا۔

میں نے بلا تامل اسی کا نمبر دہرادیا "یہ نمبر مجھے فرزانہ نے دیا تھا۔"

"نمبر یہی ہے لیکن یہاں کوئی فرزانہ نہیں رہتی۔ تمہارے ساتھ مذاق کیا گیا ہے۔" اس نے یہ کہہ کر فون بند کردیا۔

میرا خیال تھا کہ فون اٹھانے والا اکبر ہی تھا۔ میں نے صرف اس توقع پر وہ نمبر ملایا تھا کہ شاید ویرا وہیں موجود ہو اور غلطی سے خود ہی ریسیور اٹھالے۔ ایسی صورت میں میرا کام بہت آسان ہوسکتا تھا۔

اس سے فارغ ہوکر میں نے سیٹھ حبیب جیوانی سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"کیا پھر تمہارے ذہن میں کسی نئے خیال نے سر ابھارا ہے؟" مجھ سے سلام دعا ہونے کے بعد حبیب جیوانی نے ہلکے پھلکے لہجے میں سوال کیا "غلام رسول تو خیریت سے ہے نا؟"

"وہ دفتر میں شیر شاہ کی تحویل میں ہے۔" میں نے اسے بتایا۔ "لیکن اب ایک نئی مشکل سامنے آگئی ہے۔ ٹی والے ایک مرتبہ پھر میری راہ پر لگ گئے ہیں اور مجھے ان سے دو دو ہاتھ کرنے ہی پڑیں گے۔"

"لیکن وہ لوگ تو غالباً میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں' مارکیٹ سے ان کے بارے میں کوئی خبر نہیں آرہی۔ ان سے تمہارا ٹکراؤ کہاں اور کیسے ہوگیا؟" میری اطلاع نے اسے حیران کردیا تھا۔

"ویرا شہر میں موجود ہے۔ میں نے ابھی اس کی کال وصول کی ہے۔ وہ اس بار پھر شرارت کے موڈ میں ہے۔" میں نے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ اب مجھے اس کا قصہ ختم ہی کردینا چاہئے۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے ابھی تک اسے دانستہ ڈھیل دیتے رہے ہو۔" اس کی آواز تحیر زدہ سی ہوگئی۔ "ارے بھائی' اس جیسی موذی عورت کو تو پہلا موقع ملتے ہی مار ڈالنا چاہئے تھا۔۔۔ لیکن تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہو؟ اس کا سراغ نکالو اور اس کی گردن کاٹ ڈالو۔"

"بتانے کا مقصد یہی تھا کہ میں چند آدمیوں کو اس کام پر مامور کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"میرے سارے آدمی تمہاری تحویل میں ہیں۔ انہیں جہاں چاہو لگا سکتے ہو۔ اگر تم مجھے صرف مطلع کررہے تھے تو بہت شکریہ لیکن اجازت لینا چاہ رہے تھے تو یہ نری حماقت ہے۔ میں اپنے اور تمہارے فیصلوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ تم جو کچھ کرو گے' ہمارے مفاد میں ہی کروگے۔"

"بس میں تمہیں باخبر رکھنا چاہ رہا تھا۔" میں نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

اس دوران میں سلطان شاہ روز مرہ کے کپڑوں کے ساتھ وہ ہتھیار وغیرہ بھی جمع کرچکا تھا جو فلیٹ میں موجود تھے۔ اس نے سارا سامان قرینے کے ساتھ ایک سوٹ کیس میں جمالیا تھا۔

ہمارا مقابلہ ویرا جیسی سفاک عورت سے تھا جو ہم پر کسی وقت بھی وار کرسکتی تھی اس لئے ہمارا مسلح ہونا بہت ضروری تھا بلکہ [illegible] ہوچکا تھا۔ دوسری طرف ہمیں یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ ایک بار فلیٹ سے نکل پڑنے کے بعد ہم دوبارہ کب ادھر کا رخ کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔ اس لئے ہتھیار وہاں چھوڑنا بے سود تھا۔

ویرا حیرت ناک پیش قدمی کرکے اپنے حریفوں کو ہمیشہ [illegible] میں ملکہ رکھتی تھی اس لئے میں نے فلیٹ میں ٹھہر کر شیر شاہ [illegible]

...ینے کے بجائے فوراً ہی وہاں سے چل دینے کا فیصلہ کرلیا۔
سلطان شاہ نے باہر جانے کے لئے فلیٹ کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ ایک اچھل کر پیچھے آگیا۔ اس کی حیرت اور خوف سے پھٹی آنکھیں، کھلے ہوئے دروازے سے باہر فرش پر جمی ہوئی...

وہ دروازے کے سامنے سے ہٹا تھا نہ ہی اس نے کہیں آڑ کی کوشش کی تھی اس لئے میں نے اندازہ لگایا کہ باہر جو کچھ بھی ہے فوری نوعیت کا کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔

میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھا تو سلطان شاہ کی حیرت کا سبب سامنے آگیا۔ دروازہ کے باہر ایک بے جان بلی پڑی ہوئی تھی کے سر میں موجود تازہ زخم سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے مرے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہم دونوں آگے فلیٹ میں واپس آئے تو بیرونی راہداری صاف پڑی تھی اس کا مطلب تھا کہ بلی کی لاش ہماری واپسی کے بعد وہاں ڈالی گئی تھی۔

"چلو، جلدی نکلو یہاں سے۔" میں نے ایک فوری خیال کے سلطان شاہ کا بازو تھام کر اسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا "کھیل میری توقع سے پہلے شروع ہو چکا ہے۔"

"لل... لیکن دروازہ پر سے بلی کی لاش تو ہٹانے دو۔ دوسرے ...وں میں سے کسی کی نظر پڑ گئی تو پوری بلڈنگ میں سنسنی پھیل جائے گی اور نت نئی کہانیاں جنم لینے لگیں گی۔"

"لعنت بھیجو... یہ مری ہوئی بلی ہے، کوئی ایٹم بم نہیں جس سے خوف وہراس پھیل جائے۔ اسے کوئی اور بھی اٹھا کر پھینک سکتا ہے۔ اس کے ڈالے جانے کا مقصد یہی ہے کہ ہمیں الجھایا جائے۔ ہم رک گئے تو تھوڑی ہی دیر میں کوئی اور ناگہانی افتاد ہمارے سروں پر نازل ہو جائے گی۔"

غنیمت ہوا کہ میری بات اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ سوٹ کیس سنبھالے کر باہر نکل گیا میں نے بھی اس کی تقلید کی اور دروازہ لاک کر کے مردہ بلی پر سے ہوتا ہوا، زینوں پر بڑھ گیا۔

کار پارکنگ والے وسطی طور پر ایک نئی الجھن ہماری منتظر تھی۔ دونوں ہمارے تصرف میں دو گاڑیاں ہوا کرتی تھیں ان میں ایک کرائے سے مستعار لی ہوئی تھی جب کہ دوسری کا تعلق مافیا سے تھا۔ دونوں گاڑیوں کے اگلے دونوں ٹائروں کی ہوا غائب تھی اگر ایک ٹائر ناکارہ کیا گیا ہوتا تو اسے فوری طور پر فاضل ٹائر سے ... گاڑیوں کو حرکت میں لایا جا سکتا تھا لیکن ہر کار کے دو ٹائر ... کر کے یہ کوشش کی گئی تھی کہ ہم کہیں جانا چاہیں تو ٹائر کھول کر ... پمپ سے ہوا ڈلوائے بغیر وہاں سے حرکت نہ کر سکیں۔

لیکن ان گاڑیوں کو استعمال کرنا میرے پروگرام میں شامل ... تھا۔ جس طرح ویرا ہمارے فلیٹ سے واقف تھی، اسی طرح ان دونوں گاڑیوں کو بھی اچھی طرح پہچانتی تھی۔ ان چلتے پھرتے ... کے ساتھ ہم کہیں بھی پہچانے اور پکڑے جا سکتے تھے اس لئے ان گاڑیوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر ہم نیچے آئے اور وقت ضائع کئے بغیر، قریب ہی کھڑے رکشا میں صدر کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس وقت مجھے احساس ہوا کہ ویرا نے میری مخالفت کا فیصلہ عاجلانہ طور پر نہیں کیا تھا بلکہ وہ کئی دنوں سے اس فیصلہ پر عمل کرنے کی تیاریاں کر رہی ہو گی اسی وجہ سے اس نے مجھے فون کرنے کے لئے ایسے وقت کا انتخاب کیا جب اس کا کوئی گرگا میرے فلیٹ کے باہر مردہ بلی ڈالنے کے بعد گاڑیوں کے ٹائروں سے ہوا خارج کر چکا تھا۔

فلیٹ کے قرب وجوار میں ملنے والی ان تخریبی شہادتوں کی بنا پر مجھے شبہ ہوا تھا کہ کہیں کوئی شخص فلیٹ کی نگرانی نہ کر رہا ہو لیکن ہمارا رکشا روانہ ہونے کے بعد جب کافی دور تک کوئی تعاقب کرنے والا نظر نہیں آیا تو مجھے اطمینان ہو گیا اور میں نے سمجھ لیا کہ ویرا نے وہ حرکتیں مجھے خائف کرنے کے لئے کی تھیں جو میری دانست میں نہایت طفلانہ اور کتابی تھیں ویرا اچھی طرح جانتی تھی کہ میں گیدڑ بھبکیوں میں آنے والا نہیں تھا لیکن مجھ سے مخاصمت مول لینے کے بعد وہ شاید.... احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گئی تھی اور اوچھی حرکات کے ذریعے مجھے یہ جتانا چاہتی تھی کہ وہ جب اور جہاں چاہتی، مجھ پر ہاتھ ڈال سکتی تھی لیکن اس احمق عورت کو یہ معلوم نہیں کہ کسی ویران راہداری کے بند دروازہ کے باہر مردہ بلی ڈال کر فرار ہو جانا مردانگی کا کام نہیں تھا بلی پھینکنے والا شخص اگر ہمارے فلیٹ میں گھسنے کی کوشش کرتا تو نہ صرف اسے چھٹی کا دودھ یاد آجاتا بلکہ اسے قیدی بنا کر ہلاک بھی کیا جا سکتا تھا۔

صدر کے پُرہجوم اور بارونق علاقہ میں ایک جگہ ہم نے رکشا چھوڑ دیا اور متوسط درجہ کے ایک صاف ستھرے ہوٹل میں پہنچ گئے جہاں دہرے بستر والا کمرا مناسب دام پر مل گیا۔

کمرے میں سوٹ کیس رکھ کر ہم دونوں نے بھرے ہوئے پستول اپنے لباس میں چھپائے اور چند منٹ بعد ہی ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔

کچھ فاصلہ سے ٹیکسی پکڑ کر میں ٹریڈ لائن کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا جہاں غلام رسول، شیر شاہ اور اس کے ساتھیوں کی قید میں تھا۔ سلطان شاہ مافیا والوں کے لئے کوئی نیا آدمی نہیں تھا۔ سینڈو کی زندگی ہی میں، میں اسے مافیا والوں سے متعارف کرا چکا تھا۔ میں نے صاف طور پر سینڈو کو بتا دیا تھا کہ سلطان شاہ میرا معتمدِ خاص تھا اور مافیا کے اہم معاملات میں میرا دستِ راست بنا رہے گا، شاید وہ خبر حبیب جیوانی کو بھی مل چکی تھی لیکن اس کا سلطان شاہ سے سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

میں ٹریڈ لائن کے دفتر سے تھوڑی دیر پہلے ہی گیا تھا اس لئے مجھے دوبارہ وہاں موجود دیکھ کر عملہ میں کھلبلی سی مچ گئی اور راستہ ہی میں شیر شاہ مجھ سے آملا وہ میری آمد کی اطلاع پا کر غالباً دوڑتا ہوا آیا

تھا کیونکہ اس کا سانس، میری طرح پھولا ہوا تھا۔ اس نے ادب سے سلام کیا لیکن سلطان شاہ کو پہچان کر اس سے باقاعدہ مصافحہ کیا جس سے مجھے خوشی ہوئی اور میں ان دونوں کے ساتھ اپنے دفتر میں داخل ہو گیا۔

"تم نے کبھی شی کا نام سنا ہے؟" میں نے دفتر میں اپنی جگہ سنبھالتے ہوئے شیر شاہ سے پوچھا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بولا "کچھ عرصہ پہلے تک شی ہی ہماری سب سے بڑی حریف تھی۔"

"وہ لوگ اب دوبارہ سر اٹھا رہے ہیں اور ان کی سربراہی ویرا نامی عورت کر رہی ہے۔"

"ویرا!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "سینڈو اس عورت کی دلیری اور بے خوفی کی بہت سی کہانیاں سناتا رہتا تھا لیکن ہم سب نے اس کا نام ہی نام سنا ہے۔ کبھی اسے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ سنا تھا کہ ایک مقابلہ میں وہ تمہارے ہاتھوں زخمی بھی ہو گئی تھی۔"

"دشمن کی خوبیاں گنوا کر تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو، شیر شاہ؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے، قدرے ناخوشگوار لہجہ میں سوال کیا۔

"سوری باس۔" وہ فوراً ہی سنبھل گیا "میں اپنے بہکنے پر معافی چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس بار ہمارا مقابلہ ویرا سے ہے اس لئے تمہیں بہت ہوشیار رہنا ہو گا۔ فی الحال تم کو رازی روڈ کے ایک مکان کے بارے میں معلوم کرنا ہے کہ وہاں کتنے افراد مقیم ہیں اور ان کے کیا معمولات ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ خود ویرا بھی وہیں پائی جاتی ہو۔"

"بہت بہتر باس!" اس نے اپنے سر کو خم دے کر کہا "میں کل تک ساری معلومات جمع کر لوں گا۔"

"کل نہیں، یہ کام آج ہی اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہو جانا چاہئے۔" میں نے سپاٹ لہجہ میں کہا "ابھی تو پورا دن پڑا ہوا ہے اور تم کل کی بات کر رہے ہو۔"

"میں ابھی نکلتا ہوں اور جلد از جلد واپس لوٹنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ کام سلطان شاہ بھی بحسن و خوبی کر سکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ اسے دشمن کی صفوں میں پہچان لیا جائے گا۔ اس وجہ سے یہ بوجھ تم پر ڈالا گیا ہے۔ کوئی خاص بات معلوم ہو تو مجھے فون پر اطلاع دے دینا میں تمہاری واپسی تک یہیں انتظار کروں گا۔"

"تم یہاں کیوں آ بیٹھے ہو؟" اس کے چلے جانے پر سلطان شاہ نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہوٹل کے فون سے کھل کر بات نہیں کی جا سکتی تھی۔" میں نے کہا "یہاں نہ صرف فون کی سہولت موجود ہے بلکہ میں ان لوگوں سے بھی کام لے سکتا ہوں۔ اس بار میں ویرا کے ساتھ ذرا بھی رعایت نہیں کروں گا۔"

معاً مجھے خیال آیا کہ میں ٹریڈ لائن میں اپنے ماتحت عملہ سے بہت زیادہ مانوس نہیں تھا۔ لوگوں سے میرا تعارف ضرور تھا۔ ان میں سے بعض کی کارکردگی بھی میرے سامنے تھی لیکن میری براہ راست بات چیت، پہلے سینڈو اور اب شیر شاہ تک محدود تھی۔ یہ کوئی اچھی صورتحال نہیں تھی جسے ختم ہونا چاہئے تھا۔

ایک سگریٹ ختم کرنے کے بعد میں نے انٹرکام پر آپریٹر سے چائے کی فرمائش کرنے کے بعد شیر شاہ کے بارے میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ ایک آدمی کو ساتھ لے کر نکل چکا تھا۔ میں نے آپریٹر ہی سے کہا کہ وہ فوری طور پر امیر خان کو میرے دفتر میں بھیج دے۔

امیر خان پستہ قد اور گٹھے ہوئے جسم والا ایک طاقتور شخص تھا۔ اپنی اس غیر معمولی طلبی پر وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے آتے ہی فوجی انداز میں ایڑیاں بجا کر مجھے سلام کیا اور دونوں ہاتھ سینہ پر باندھ کر احترام سے کھڑا ہو گیا۔ اُس کا انداز ایسا تھا جیسے مجھ سے اشارہ ملتے ہیں وہ ایک دم ہوا میں تیرنا شروع کر دے گا۔

"اندر کی کیا خیر خبر ہے، امیر خان؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"اکٹھے کلو چھ سو گرام مال آیا ہے، باس!" اس نے مشینی انداز میں جواب دیا "اس کے پیکٹ بنائے جا رہے ہیں، باقی مال رات تک آئے گا۔"

وہ اُس سو کلو گرام ہیروئن کا ذکر کر رہا تھا جو حبیب جیوانی نے دونوں افغانوں سے پہلی کھیپ کے طور پر خریدی تھی۔ اِس کھیپ کو فوری طور پر لاس اینجلز روانہ کیا جانا تھا جہاں اس میں دگنی ملاوٹ کر کے مختلف بازاروں میں پھیلانے کا منصوبہ تیار تھا۔

"اور قیدی کا کیا حال ہے؟" میں نے اگلا سوال غلام رسول کے بارے میں کیا۔

"ناشتا پانی کرانے کے بعد اسے سلا دیا گیا تھا۔ وہ تین بجے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔ وہ بہکی بہکی باتیں کر رہا تھا اور کے ساتھ یہ بھی جاننا چاہ رہا تھا کہ ہم لوگ کون ہیں۔"

"وہ جب بھی ہوش میں آئے، اس کی دو چار تصویریں بنا لی جائیں تاکہ اس کے سفری کاغذات تیار کرائے جا سکیں۔ اسے چند روز میں ایک لمبے سفر پر روانہ ہوتا ہے۔"

"باس کا حکم سر آنکھوں پر۔" اس نے اپنا سر جھکا کر خالص غلامانہ انداز میں کہا۔

اسی وقت ایک نازک اندام سی لڑکی چائے کی ٹرے لے آئی اور امیر خان میرا اشارہ پا کر واپس لوٹ گیا۔ اس لڑکی نے دل ہی میں رک کر ہمارے لئے چائے بنانی چاہی لیکن میں نے اسے ٹرے سلطان شاہ کے سامنے چھوڑ کر واپس جانے کی ہدایت کی اور خود ٹیلی فون ڈائرکٹری میں امریکن کاؤنسلیٹ کے نمبر تلاش کرنے لگا۔

ڈائرکٹری پرانی تھی اور ہیری کیتھر نیا آدمی تھا۔ اس

ڈائرکٹری میں اس کے بجائے آرینٹ کا نام موجود تھا۔ میں نے فوری طور پر اسی نمبر کو آزمانے کا فیصلہ کرلیا۔

"کیا مسٹر ہیری کیسنجر سے بات کرسکتا ہوں؟" دوسری طرف سے غیر ملکی لب ولہجے میں ایک مردانہ ہیلو سن کر میں نے انتہائی شائستہ لہجے میں سوال کیا۔

"ایک منٹ!" آواز آئی اور اگلے ہی لمحے میں ہیری کیسنجر فون پر موجود تھا۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر کیسنجر کہ اپنوں کے دغا کی وجہ سے تمہارا ایک اہم مشن ناکام ہوگیا۔" میں نے ہمدردانہ لہجے میں براہِ راست بات چھیڑ دی کیونکہ وہ میری ایک سوچی سمجھی کوشش تھی جس کا مقصد اس اہم سفارت کار کو ویرا کی جانب سے بدظن کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

"تم کون ہو اور کس مشن کی بات کر رہے ہو؟ کیا میں تمہیں جانتا ہوں؟" اس کی سرد آواز ابھری۔

"تم مجھے نہیں جانتے لیکن میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں اور تمہارا ہمدرد ہوں۔"

"میں اجنبی لوگوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا' گفتگو کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنا تعارف کراؤ ورنہ میں فوری طور پر فون بند کردوں گا۔" وہ بہت زیادہ محتاط معلوم ہو رہا تھا۔

"تم امریکن ہو کر بھی ان واہیات باتوں میں یقین رکھتے ہو؟" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا "امریکن تو ہیلو کہہ کر کسی سے بھی بغل گیر ہوجانے کی شہرت رکھتے ہیں۔ میں تمہیں اتنا کٹر اور دقیانوسی آدمی نہیں سمجھتا تھا۔"

"اگلے فقرہ میں تم نے اپنا تعارف نہ کرایا تو میں فون بند کردوں گا۔" اس کا لہجہ سرد ہوگیا۔

"میرا نام جان اسمتھ ہے' میرا تعارف اس لئے بے سود ہے کہ تم نام سے مجھے نہیں پہچان سکتے۔ میں اس شہر میں ٹی کے لئے کام کرتا تھا۔ تنظیم کی سرگرمیاں موقوف ہونے کے بعد سے مفت کی روٹیاں توڑ رہا ہوں لیکن اپنی آنکھیں ہر وقت کھلی رکھتا ہوں۔ اس لئے بہت سی ایسی باتوں سے بھی واقف ہوجاتا ہوں جو دوسروں کے لئے بہت اہم اور خفیہ ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ویرا لائیڈ آج کل کراچی میں ہے اور تم شدت کے ساتھ اس کی تلاش میں ہو کیونکہ اس نے حال ہی میں تمہیں ایک گہری زک پہنچائی ہے۔"

"تمہیں کوئی شدید غلط فہمی ہوئی ہے' مسٹر اسمتھ!" اس کی آواز جذبات سے یکسر عاری ہوگئی۔ "اگر تم دوست ہی ہو تو میرے دفتر میں آکر مجھ سے مل سکتے ہو۔ میں تمہاری غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"میں اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے تمہارے سامنے آنے سے قاصر ہوں لیکن تمہیں یہ ضرور بتانا چاہتا ہوں کہ ویرا تم سے ہونے والی گفتگو کا ایک لفظ بھی ریکارڈ نہیں کرسکی تھی۔ اس کی دھمکی بالکل کھوکھلی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ الحدید والے مشن کی تباہی میں اسی کا دماغ کارفرما تھا۔"

اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی .... پھر وہ بولا۔

"تمہاری باتیں دلچسپ ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری ویرا نامی عورت سے کوئی کھٹ پٹ ہوگئی ہے اور تم اس سے بدلہ لینے کے لئے مجھے استعمال کرنا چاہ رہے ہو۔" اس نے ویرا سے اپنی کسی بھی شناسائی کے اظہار سے بچتے ہوئے محتاط الفاظ میں کہا "لیکن میں دوسروں کے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کا قائل نہیں ہوں۔ ہماری سفارتی ذمہ داریاں ہمیں ایک حد سے آگے جانے کی اجازت نہیں دیتیں۔"

وہ اپنی پوزیشن صاف کرتا جارہا تھا لیکن اسی کے ساتھ اُس نے فون بھی بند نہیں کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ میری زبان سے انکشافات سننا چاہتا تھا۔

"تمہیں اس سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کرسکتی۔ اس نے تمہاری دسترس سے خوف زدہ ہوکر اپنے جسم سے چپ نکلوادیا ہے لیکن وہ ابھی تک اسی شہر میں ہے۔ تم کوشش کرو تو تمہارے شکاری کتے اب بھی اس کو تلاش کرسکتے ہیں۔"

"میں سوچوں گا کہ تمہاری ان باتوں کا میری ذات اور ہمارے سرکاری مفادات سے کیا تعلق ہے۔ اگر تم اپنے دل کی بھڑاس نکال چکے ہو تو میں اب ریسیور رکھ دوں؟" اس بار وہ کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ میری اس فون کال کو بھی ویرا کی کوئی چال سمجھ رہا ہو۔

پچھلی بار ذہنی دباؤ کے عالم میں' مجھے ملّا سرکار سمجھ کر وہ ایک سنگین غلطی کرچکا تھا۔ اس نے مجھ سے ایسی ایسی باتیں کی تھیں جن کا انکشاف اس کی زندگی تباہ کرسکتا تھا پھر اُس کی اسی غیر محتاط گفتگو کے حوالے سے ویرا نے اسے بلیک میل کرکے خود سے دور رہنے پر مجبور کردیا تھا۔ وہ یہ سمجھنے میں حق بجانب تھا کہ کہیں ویرا کسی اور کے ذریعے اس پر جال ڈال کر اس کی نیت کا اندازہ لگانے کی کوشش نہ کررہی ہو۔

"میری باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنا' میں خود ہی فون بند کررہا ہوں۔" میں نے لائن منقطع کردی۔

ویرا کے لئے ہیری کیسنجر بہت بڑا خطرہ ثابت ہوسکتا تھا۔ اسے نہ صرف سرکاری مفادات کے لئے ویرا کی تلاش رہی تھی بلکہ اس تلاش میں ذاتی عناد کا عنصر بھی شامل ہوگیا تھا۔ وہ ایک عالمی طاقت کی نمائندگی کررہا تھا اور ہمارے مقابلے میں اس کے وسائل بھی بہت زیادہ اور حسّاس تھے۔ اگر وہ اپنی تمام تر توجہ ویرا کی طرف مرکوز کردیتا تو ویرا کے لئے اس شہر کی وسعت تنگ پڑ سکتی تھی۔

"اس بار تمہارے عزائم واقعی خطرناک نظر آرہے ہیں۔"

میرے فارغ ہو جانے کے بعد سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن ہمارے لئے وقت سب سے زیادہ اہم ہے۔ وہ پاگل عورت کسی بھی وقت غزالہ پر اپنے بے رحمانہ تشدد کا آغاز کر سکتی ہے۔ ہمیں اس سے پہلے ہی اس پر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔"

"میں جو کچھ کر رہا ہوں' اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہوں؟" میں نے بے بسی سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے ابھی ہم ایک محاذ کو بھولے ہوئے ہیں۔" اس نے پُرخیال آواز میں کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ "تمہیں کوئی بات سوجھ رہی ہے تو کھل کر بات کرو۔"

"ہم نے فلیٹ چھوڑ دیا ہے لیکن ویرا سب سے پہلے ہمارے اُسی ٹھکانے کا رخ کرے گی۔ تم اپنے دس پانچ مسلح آدمی فلیٹ کے گرد پھیلا دو تو اسے وہاں بھی گھیرا جا سکتا ہے۔ وہ فلیٹ کو خالی پا کر صحیح سلامت واپس نکل گئی تو اشتعال کے عالم میں غزالہ کے لئے زیادہ خطرناک ثابت ہوگی۔"

اس کا خیال بالکل درست اور منطقی تھا۔ میں نے مزید ایک لفظ بھی کہے بغیر' فوری طور پر امیر خان کو اپنے دفتر میں طلب کر لیا تاکہ اسے بریفنگ دے کر فوراً روانہ کر سکوں۔

میرا فلیٹ شاید ان میں سے کسی کے لئے بھی اجنبی نہیں تھا۔ جن دنوں میں مافیا میں شامل نہیں ہوا تھا لیکن ڈان تھری کی ہدایت پر سیٹھ حبیب جیوانی کے ماتحت خفیہ طور پر' ویرا اور اس کے خون آشام ساتھیوں سے میرا دفاع کر رہے تھے ان دنوں فلیٹ کے قرب و جوار میں ان لوگوں میں ہولناک فائرنگ کا تبادلہ ہوا تھا جس کے نتیجے میں ویرا اور اس کے ساتھی ہمارے فلیٹ پر حملہ آور ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ اس یادگار مقابلے میں شریک کوئی بھی فرد اس فلیٹ کو نہیں بھول سکتا تھا۔

"بالکل واقف ہوں' باس!" امیر خان نے میرے سوال کے جواب میں بلا تردد کہا "یہ وہی مقام ہے نا جہاں ہم لوگوں نے کچھ بدمعاشوں کو روکا تھا؟"

"تم ٹھیک سمجھے۔ یہ بالکل وہی جگہ ہے۔ تمہیں ایک بار پھر اسی فلیٹ کی نگرانی کرنی ہے لیکن اس بار تم کسی کو وہاں گھسنے سے روکنے کی کوشش نہیں کرو گے بلکہ جو بھی وہاں گھسے' اسے زندہ یا مردہ پکڑنے کی کوشش کرو گے۔ تم چاہو تو اپنے ساتھ دو چار آدمی لے جا سکتے ہو جو باری باری' دن رات اس فلیٹ کی نگرانی کریں گے۔ اس بارے میں ایک لمحہ کی غفلت بھی مہنگی پڑ سکتی ہے۔"

"تم بالکل بے فکر رہو باس۔" وہ خوش ہو کر بولا "خالی بیٹھے بیٹھے ہم لوگوں کے ہاتھ پیروں میں زنگ لگ رہا تھا۔ میں اپنے آدمیوں کو پوری تیاری کے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"خوش قسمتی سے اس بار بھی دشمن وہی ہے جس سے پچھلی بار مقابلہ ہوا تھا۔ ویرا اُن لوگوں کے ساتھ شامل ہو یا نہ ہو لیکن مقابلہ اسی سے ہے۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا۔ میں آدھے گھنٹے میں روانہ ہو جاتا ہوں۔ تمہارا قیدی مستی خان کی تحویل میں رہے گا۔ شیر شاہ لہر میرے بعد وہی سب سے سینئر ہے۔"

"یہاں کے معاملات میرے اوپر چھوڑ دو اور اپنا پورا دھیان اس کام پر مرکوز رکھو جو میں نے تمہیں سونپا ہے۔ کامیابی کی صورت میں قیدیوں کو بے ہوش کر کے یہیں لانا ہے۔"

"اور اگر اُن میں سے کوئی مارا گیا؟" اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"خارش زدہ کتوں کی لاشوں کو کوئی لادے نہیں پھرتا۔" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا "ان کی لاشیں جہاں گریں' وہیں چھوڑ آنا۔ البتہ مرنے والوں کے کان کاٹ سکو تو ان کے ساتھی دہشت زدہ ہو جائیں گے۔"

"کیا یہ ہماری کوئی نئی پہچان ہے کہ ہم اپنے مردہ دشمنوں کے کان کاٹ لیا کرتے ہیں؟"

"امیر خان تم بہت زیادہ بولتے ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا "معلوم ہوتا ہے کہ آدھا گھنٹہ تو تم یہیں باتوں میں گزار دو گے۔"

"معافی چاہتا ہوں' باس" وہ بوکھلا کر معافی مانگتا ہوا میرے دفتر سے باہر چلا گیا۔

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔" اس کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے تعریفی لہجے میں کہا "میرا خیال ہے کہ اب ویرا کے گرد تمہارا گھیرا خاصا تنگ ہو گیا ہے۔"

"تم بھی ضرورت سے زیادہ بولنے لگے ہو۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "ہو سکتا ہے کہ ہماری یہ کارروائی پس مرگ واویلا ثابت ہو اور وہ فلیٹ کو تہس نہس کر کے واپس جا چکی ہو۔ تمہیں یہ تجویز پہلے کیوں نہیں سوجھی تھی؟"

"تمہارا مطلب ہے کہ دیر سے ذہن میں آنے والی اچھی بات کو پی جانا چاہئے؟" وہ تیوریاں چڑھا کر بولا۔

میں بے اختیار مسکرا دیا کیونکہ میرا مقصد اسے پھٹکارنا نہیں تھا بلکہ میں اسے چھیڑ کر اپنے اعصاب کا بوجھل پن دور کرنے کی کوشش کرنی چاہ رہا تھا۔

"ہمیں دیر نہیں ہوئی ہے۔" قدرے توقف کے بعد سلطان شاہ سنجیدگی سے بولا "پیشہ ور مجرم ایسی وارداتوں کے لئے رات کے اندھیرے کا سہارا لیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ویرا سورج غروب ہونے سے پہلے کوئی خطرہ مول نہیں لے گی۔ وہ ایسے معاملات میں وقت اور موقع کی اہمیت کو خوب سمجھتی ہے۔"

میں سگریٹیں پھونکتا اور سلطان شاہ کے ساتھ باتوں میں وقت گزارتا رہا۔ اسی دوران میں مجھے اول خان کا خیال آیا اور میں نے اس کی خیریت معلوم کرنے کے لئے اس کے گھر فون کیا تو اس کی

بیوی خاصی دل گرفتہ تھی۔ اس کی اول خان سے بات ہو چکی تھی اور اسے شکوہ تھا کہ اس کے ایماندار اور فرض شناس شوہر کو کسی ناکردہ گناہ کی پاداش میں کراچی سے کھڑے گھاٹ بدل دیا گیا۔

اس سیدھی سادی، خانہ دار عورت کی نگاہ میں وہ تبادلہ کسی ناکردہ گناہ کا خمیازہ تھا لیکن مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ وہ گھوڑا کریک پر الحدید کی رنگے ہاتھوں گرفتاری کا شاخسانہ تھا۔ ملک میں مہلک اور جدید ترین ہتھیاروں کی اس بڑی کھیپ کی اسمگلنگ میں جن عالمی طاقتوں کے مفادات ملوّث تھے وہ یہ برداشت کرہی نہیں سکتی تھیں کہ کمزور اور چھوٹے ملک کے اہل کار، اپنی سرزمین پر انہیں من مانی کرنے کی اجازت نہ دیں۔ وہ دنیا کے ہر خطے میں عسکری، معاشی، معاشرتی اور مجرمانہ جوڑتوڑ کو اپنا حق سمجھتی تھیں اور اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والے کو ایک لمحے کے لئے بھی برداشت نہیں کرسکتی تھیں۔ الحدید والے منصوبہ کی ناکامی سے ان کے یہاں یقیناً صف ماتم بچھ گئی ہوگی اور انہوں نے غضب ناک ہوکر ان .... عناصر کے سروں کا مطالبہ کردیا ہوگا جو اُن کے عزائم کو ملیامیٹ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

قابلِ غور بات یہ تھی کہ ایسا شدید سیاسی دباؤ سرکاری سطح پر ہی ڈالا جانا ممکن تھا جب کہ دوسری طرف الحدید والا قصہ ہر اعتبار سے غیر قانونی اور غیر اخلاقی تھا۔ اس حوالے سے کسی بھی برہمی کے اظہار کا مطلب یہ ہوتا کہ متعلقہ ملک اس گھناؤنے جرم کے سلسلے میں پوری پوری ذمے داری قبول کرلیتا۔ جو ہر اعتبار سے ایک مشکل اور ناقابلِ فہم بات تھی مگر حالات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کوئی درمیانی راہ نکال کر، متعلقہ بڑی طاقت نے کھل کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کردیا تھا اور حکام کو ایسی مشکل میں ڈال دیا تھا کہ ان کے لئے اس شکایت کا ازالہ کرنے کے علاوہ کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔ انہوں نے اپنے قوی ترین دوست کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اول خان کو قربانی کا بکرا بنایا تھا اور اس آپریشن کی کامیابی کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا تھا۔

اس طرح عام حالات میں سرخروئی اور فخر کا باعث بننے والی اس کارکردگی کو ملامت میں تبدیل کردیا گیا تھا۔ مجھے حیرت یہ تھی کہ کسی گمنام اور نکھٹو افسر کو کامیابی کا بکرا بنا کر غیر ملکی دوستوں کو خوش کرنے کی کوشش کے بجائے اسپیشل ٹاسک فورس جیسے اہم ترین اور خفیہ ادارے کے اس قابل اہل کار ہی کو نشانہ بنایا گیا تھا جو الحدید کے معاملے میں واقعی پیش پیش رہا تھا۔ جبکہ سرکاری طور پر کبھی بھی یہ تسلیم نہیں کیا گیا تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کا کسی سرکاری، نیم سرکاری یا سرکاری سرپرستی میں چلنے والے کسی ادارے سے کوئی تعلق تھا۔ اسے ہمیشہ ایک ایسے گروپ کے طور پر پیش کیا گیا تھا جو سرکاری اثر و نفوذ سے ماورا رہ کر کٹر قوم پرستانہ کردار ادا کر رہا تھا اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مجرمانہ کارروائیوں سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ یہ بات بھی مجھے اپنے طور پر معلوم ہوئی تھی ورنہ مقامی پریس میں کبھی ایس ٹی ایف کا نام سامنے نہیں آیا تھا۔

اول خان جیسے اہم کردار کی سزایابی سے صرف ایک ہی بات سامنے آتی تھی کہ ہیری کیسنجر کے آقا نہ صرف اسپیشل ٹاسک فورس کے وجود کے بارے میں پُریقین تھے بلکہ اس تنظیم کے اہم ارکان کی انفرادی کارکردگی سے بھی باخبر رہتے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ جب تک ان کے مفادات کو بڑی زک نہیں پہنچی تھی وہ اپنی زبان بند کئے بیٹھے رہے لیکن الحدید کا بھیانک مشن ناکام ہوتے ہی بلبلا کر پوری قوت سے چیخ پڑے۔

ان حالات کا ادراک کرنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ تبادلے کی صورت میں اول خان کو سزا نہیں بلکہ بہت بڑی رعایت دی گئی تھی ورنہ وہ کسی ناگہانی حادثے کا شکار ہو کر اس طرح غائب ہو سکتا تھا کہ روئے زمین پر اس کا نام و نشان بھی نہ ملتا۔

وہ لوگ عالمی سطح پر اتنے طاقتور اور بااثر تھے کہ اپنی ہدایات سے انحراف کرنے والے خود مختار حکمرانوں کو عبرتناک انجام سے دوچار کرنے کی کھلی دھمکیاں دیتے رہتے تھے اور اکثر و بیشتر اپنے رسوائے زمانہ، خفیہ اداروں کے ذریعے ایسے سرکش حکمرانوں کا تختہ الٹوا کر انہیں اپنے ہم وطنوں ہی کے ذریعے عبرت کا دلدوز نمونہ بنا دیتے تھے اور کسی کو ان پر انگشت نمائی کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔

ہیبت اور دبدبے کے مالک شہنشاہوں کو جلاوطنی کی موت نصیب ہوئی، مقبول حکمرانوں کی لاشوں کو ان ہی کے وطن کی گلیوں اور بازاروں میں گھسیٹا گیا، کئی گستاخ اور سرکش کج کلاہوں کو سولی پر سجا دیا گیا...... ایسے میں اول خان کی کیا بساط اور گنتی تھی؟

سوچا جائے تو اس کے لئے یہ بہت بڑا انعام تھا کہ کروڑوں ڈالر کے مہلک ہتھیاروں کی کھیپ کی اسمگلنگ کو ناکام بنانے کے باوجود وہ زندہ تھا۔ بھیڑیے یقیناً اس کا لہو مانگتے ہوں گے لیکن ان سے معاملہ کرنے والے بہت زیرک اور ہوش مند تھے کہ انہوں نے اول خان کے لہو سے کم پر سودا کرلیا تھا اور اول خان زندہ تھا۔

اس دن وقت کی رفتار کچھ دھیمی ہوگئی تھی۔ میں نے سلطان شاہ سے دنیا بھر کے موضوعات پر تبادلۂ خیال کر ڈالا اور جب ہمارے درمیان الفاظ اور موضوعات کا ذخیرہ ختم ہوگیا تو ہم دونوں بے زاری کے ساتھ ایک دوسرے کو گھورنے میں مصروف ہوگئے۔

آخر کار فون کی گھنٹی بجی اور میں نے بے تابی سے ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے شیر شاہ دھیمی آواز میں بول رہا تھا۔

”زور سے بولو۔ تمہاری آواز سمجھنے میں دقت ہو رہی ہے۔“ میں نے اسے جھاڑا۔

”میں ایک پبلک کال آفس سے بول رہا ہوں، باس۔ آواز اونچی نہیں کرسکتا۔“

"آواز پر لعنت بھیجو اور خبر سناؤ!" میں نے اضطراری طور پر کہا اور فوراً ہی محسوس کیا کہ اس کے ساتھ میرا وہ انداز گفتگو نامناسب اور ناشائستہ تھا۔ اگر میں غزالہ کی وجہ سے پریشان اور دل گرفتہ تھا تو اس میں شیر شاہ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ اپنا کام پوری ایمانداری سے انجام دے رہا تھا۔ تندہی سے کام کرنے والوں سے بلاوجہ ڈانٹ پھٹکار کی جائے تو وہ عموماً بددل ہو کر ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

لیکن شیر شاہ کچھ زیادہ ہی پُرجوش تھا۔ اس لئے وہ میری برہمی کا کوئی اثر لئے بغیر بولا "پڑوسیوں سے پتا چلا ہے کہ وہاں میر اکبر خان نامی کوئی شخص پچھلے دس بارہ سال سے رہتا چلا آرہا ہے۔ وہ مجرّد اور علیحدگی پسند ہے۔ پڑوسیوں سے اس کا میل جول رسمی سلام دعا سے زیادہ نہیں ہے۔ اس طرح اُس کے یہاں آنے جانے والوں کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ خاص طور پر اس کے گھر میں کبھی بھی کسی عورت کو آتے جاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ وہ ایک ملازم کے ساتھ رہتا ہے......."

اکبر کا نام سنتے ہی میرا دل زور سے دھڑکا تھا۔ شیر شاہ کی حاصل کی ہوئی وہ معلومات قابلِ قدر تھیں۔ یہ یقین ہو جانے کے بعد کہ ٹی کا آئی مین اسی مکان میں مقیم تھا' میرے لئے اپنی بے چینی پر قابو پانا دشوار ہو گیا اور میں نے اُس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"یہ بتاؤ کہ اس مکان میں داخل ہونے کے کیا امکانات ہیں؟"

"وہ ایک ہزار گز کے رقبے پر چار دیواری سے گھرا ہوا ایک بنگلا ہے جس کے ایک طرف خالی پلاٹ پر غلاظت اور ملبے کا ڈھیر مدّتوں سے پڑا ہوا ہے..... لیکن تم نے ابھی میری پوری بات نہیں سنی۔"

"بات جلدی پوری کرو!" میں نے اضطراری طور پر لقمہ دیا۔

"عورتوں کے بارے میں پڑوسیوں سے ملنے والی معلومات کے باوجود یہ بات حیرت ناک ہے کہ میر اکبر خان کے مکان میں کم از کم ایک عورت موجود ہے۔" اس کی دھیمی آواز سنسنی خیز ہو گئی۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" میرے دل میں شیر شاہ کے لئے یک بیک عزت کے جذبات اُمڈ آئے۔

"روشنیاں جلنے کے بعد میں نے پہلی منزل کی کھڑکیوں پر پڑے ہوئے پردوں کے پیچھے دوبار ایک عورت کا متحرک سایہ دیکھا ہے......"

"قیدی معلوم ہوتی ہے؟" اس کے پے در پے انکشافات میرا دورانِ خون تیز کرتے جا رہے تھے۔

"دونوں بار وہ اکیلی ہی تھی اور اس کی چال میں کوئی لغزش تھی نہ لڑکھڑاہٹ۔ اس کے ساتھ کوئی دوسرا تھا تو کم از کم پردے پر اُس کا سایہ نظر نہیں آرہا تھا۔ مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میرے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہے' شیر شاہ!" میں نے اپنے الفاظ پر زور دے کر کہا۔ "تم فوراً وہیں واپس جاؤ' ایسا نہ ہو کہ تمہاری لاعلمی میں عورت کو وہاں سے نکال دیا جائے۔"

"میں تاجے کو ساتھ لے آیا تھا۔ میری غیر حاضری میں وہ چیل کی طرح اس گھر پر آنکھ لگائے بیٹھا ہوا ہو گا۔ اب ہمارے لئے کیا حکم ہے' باہر رکیں یا رات کو اندر گھس جائیں؟"

"فی الحال باہر رکو۔ میں جلد از جلد وہاں پہنچ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"شارع فیصل والی سروس لائن پر تاجا تمہارا انتظار کرے گا۔ وہی تمہیں بتا دے گا کہ میں کہاں بیٹھا ہوا ملوں گا۔ شاید تم کو اپنی گاڑی دور ہی چھوڑنی پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ بس میں نکل رہا ہوں۔" میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کیا ہوا؟ کیا غزالہ نظر آگئی؟" میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ نے سوال داغ دیا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" میں نے ہیجان آمیز لہجے میں کہا "اس مکان میں اکبر خان ہی رہ رہا ہے جو شاید اب پاکستان میں ٹی کا واحد آئی مین ہے۔ وہ لوگوں اور خصوصاً عورتوں سے دور رہنے کی شہرت رکھتا ہے۔ لیکن شیر شاہ نے پہلی منزل کی ایک کھڑکی کے پردے پر کسی عورت کا متحرک سایہ دیکھا ہے۔ وہ ویرا بھی ہو سکتی ہے اور غزالہ بھی۔ ہمیں وہاں چل کر خود ہی صورتِ حال کا جائزہ لینا ہو گا۔"

"غزالہ ان کی قیدی ہے۔ وہ اسے آزاد نہیں چھوڑ سکتے۔" سلطان شاہ سوچتے ہوئے بولا "وہ کھڑکی کا پردہ ہٹا کر اچانک ہی مدد کے لئے چلّانا شروع کر دے تو وہ لوگ کیا کر سکیں گے؟ میرا خیال ہے کہ ویرا ہی ہو سکتی ہے۔ فلیٹ سے بھاگ کر اُس نے وہیں پناہ لی ہو گی۔"

"لیکن غزالہ بھی اسی کے ساتھ تھی۔ اگر وہ اکبر کے گھر پر مقیم ہے تو غزالہ کو بھی وہیں ہونا چاہئے۔ یہ اور بات ہے کہ انہوں نے غزالہ کو آزاد رکھنے کے بجائے کسی کمرے میں باندھ کر ڈالا ہوا ہے۔"

"چلو' پھر ہمیں یہاں رک کر سوچ بچار میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔"

ٹریڈ لائن کے دفتر میں گاڑیوں کی کمی نہیں تھی اس لئے میں نے وہاں سے ایک کار لی اور ہم شہر کے قلب سے روانہ ہو گئے جہاں ٹریفک کا ہجوم اپنے عروج پر تھا۔

شیر شاہ سے جو خبریں ملی تھیں ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ہمارے اصل معرکہ کا مرکز رازی روڈ ہی بنے گا۔ ہمیں وہاں اکبر کے مکان کے محاصرہ کے لئے نفری کی ضرورت بھی پیش آسکتی تھی اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ شرف آباد میں ہمارے فلیٹ کی نگرانی پر مامور' امیر خان کی جماعت کو بھی وہاں سے ساتھ لے لینا چاہئے اس طرح ان کا وقت برباد ہونے کے بجائے ہماری مہم میں کام

تھا۔
ہم دونوں آنے والے کٹھن لمحات کے بارے میں تبادلۂ خیال
ئے ہوئے' کشاں کشاں شہید ملت روڈ پر نکلے تو اس کشادہ
پر کار چلاتے ہوئے میں نے اطمینان کا سانس لیا۔
چوراہے سے بائیں طرف گھومنے کے بعد ہم جوں ہی شرف
بانے والے راستے پر نکلے تو وہاں لوگوں کی ٹولیوں کو جابجا
دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ آگے بڑھنے کے بعد دکانیں وغیرہ بھی
رآئیں۔ اسی کے ساتھ فضا میں خوف وہراس کی علامات بھی
ں ہونے لگیں۔
اگلے چوراہے پر جہاں سے ہمارے فلیٹ والی گلی میں داخل
سکتا تھا' راستہ بند تھا کیونکہ لوگوں کے ٹھٹ ٹھٹ لگے ہوئے

"دال میں کچھ کالا نظر آرہا ہے۔" سلطان شاہ پر تشویش آواز
بڑایا۔
وہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر میرا بھی ماتھا ٹھنک چکا تھا۔ میں نے اس
یں کار آگے بڑھانے کے بجائے وہیں فٹ پاتھ کے ساتھ لگا
ک کردی اور اگنیشن آف کر کے نیچے اتر آیا۔
وہ بھیڑ بھاڑ اور افراتفری دیکھ کر مجھے فلیٹ کا دھیان ضرور آتا
ن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اگر ویرا' میرا اکبر خان کے
میں پناہ گزین تھی تو وہاں کون آسکتا تھا؟ ویسے بھی ویرا ان
پنے جھنڈ سے بچھڑی ہوئی تھی۔ اس کے لئے یہ ناممکن تھا کہ
سی مدت میں اپنے حامیوں کی بھیڑ جمع کر لیتی۔
نیچے اترتے ہی جلے بارود کی تیز بو میرے نتھنوں میں گھسی اور
ندازہ ہو گیا کہ ہمارے پہنچنے سے قبل وہاں خاصی دھواں دھار
ہوئی ہے۔ شاید اسی وجہ سے دکانیں وغیرہ بھی بند کردی گئی
۔

آگے بڑھے تو لوگوں کی چہ میگوئیوں سے میرے اندازے کی
ق ہو گئی۔ ہمارے فلیٹ والی گلی میں کچھ دیر قبل ایک گولی چلی
س کے بعد وہاں قیامت کا سماں بندھ گیا اور کافی دیر تک
دھند فائرنگ ہوتی رہی جس کی زد میں آکر وہاں سے گزرنے
کئی افراد زخمی ہوئے تھے۔ تماشائیوں میں دو تین اموات کی
ں بھی اڑی ہوئی تھیں۔ لوگوں میں اس سوال پر شدید تشویش
ئی تھی کہ اس علاقے میں ایسے کون سے لوگ آگئے تھے جن
سے وہ گلی آئے دن کی قتل وغارت گری کی آماجگاہ بن گئی

میں لوگوں کے تبصرے سنتا اور بھیڑ میں اپنا راستہ بناتا ہوا
لی کی طرف بڑھتا رہا جدھر تمام متجسس نگاہیں مرکوز تھیں۔
ن شاہ کو میں نے وہیں رک کر اپنا انتظار کرنے کی ہدایت کی
کہ کسی ہنگامی صورتِ حال میں ہمیں وہاں سے بھاگنا پڑے تو
دوسرے کی تلاش میں دقت نہ ہو۔

اس وقت گلی میں پولیس کی بھاری نفری موجود تھی اور انہوں
نے ہر طرف سے گلی میں آمدورفت کا راستہ بند کیا ہوا تھا۔ گلی میں
ایک خاص حد سے آگے بڑھنے والے' زیادہ متجسس لوگوں کو ایک سپاہی
بید کی مدد سے دور رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہاں پتا چلا کہ اس
واردات میں چار افراد زخمی ہوئے تھے جنہیں فائرنگ رکتے ہی
پرائیویٹ گاڑیوں میں اسپتال منتقل کردیا گیا تھا۔ پولیس اس کے
بعد جائے واردات پر پہنچی تھی۔
دو سپاہی آس پاس کی کچھ زمین اور سڑک پر سے' چلی ہوئی
گولیوں کے ناکارہ خول جمع کر رہے تھے۔ بقیہ ٹولیاں جائے واردات
کا معائنہ کرنے اور دکانوں وغیرہ میں پھنسے ہوئے لوگوں سے
معلومات حاصل کرنے میں مصروف تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ اس
مقابلے میں دوسرا فریق جو بھی رہا ہو' ایک فریق امیر خان ضرور تھا
اور وہ لوگ اتنے کچے نہیں تھے کہ فائرنگ روک دینے کے بعد خود
بھی وہیں رک کر پولیس کی آمد کا انتظار کرتے۔
میرے لئے وہ معما ناقابل فہم تھا۔ ویرا' میرا اکبر خان سے
مکان کے روشن پردوں کے پیچھے ٹہل رہی تھی تو اس علاقے میں
تصادم کا آغاز کس نے کیا تھا؟ زیادہ امکان یہی تھا کہ زخمی ہونے
والوں میں دونوں فریقوں میں سے کسی کا کوئی آدمی شامل نہیں رہا
ہوگا۔ پیشہ ور بدمعاشوں کے باہمی تصادم میں ایک یہی خرابی ہوتی
ہے کہ وہ خود کم مرتے ہیں اور غیر متعلق لوگوں کو زیادہ نقصان
پہنچاتے ہیں۔
وہاں کی صورتِ حال ناسازگار تھی امیر خان اور اس کے مسلح
آدمیوں کو اپنے ساتھ رازی روڈ لے جانے کا منصوبہ خاک میں مل
چکا تھا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں شہر کی پُرہجوم سڑکوں
سے گزر کر بولٹن مارکیٹ تک جاتا اور وہاں سے کمک لے کر دوبارہ
رازی روڈ کا رخ کرتا۔
واپسی سے پہلے' میں نے ٹولیوں میں گھرے ہوئے' دہشت زدہ
چشم دید گواہوں کی کہانیاں سن کر یہ یقین ضرور کر لیا کہ وہاں آخری
گولی چلے ہوئے دس منٹ سے زیادہ مدت گزر چکی تھی۔
اس علاقے میں افراتفری اور خوف وہراس کی وجہ سے کسی کو
کسی کا ہوش نہیں تھا۔ اس لئے میں سلطان شاہ کے ساتھ کار میں
گلیوں سے گزرتا ہوا' بہادر آباد کے چوراہے کی طرف چل دیا۔
"اپنے آدمیوں میں سے کوئی نظر آیا؟" کار کے حرکت میں
آتے ہی سلطان شاہ نے سوال کیا۔
"ان میں سے کوئی بھی یہاں ہوتا تو پولیس کی تحویل میں نظر
آتا' برخوردار!" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا "اتنی زیادہ فائرنگ کے
بعد ہاتھوں اور لباس پر سے جلے ہوئے بارود کے ذرّات صاف کرنا
آسان کام نہیں ہوتا اور پولیس والے اس مخصوص بُو کو دور ہی
سے پہچان کر اپنے شکار پر کسی عقاب کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔ مجھے
بس یہ ڈر ہے کہ ان کا کوئی آدمی زخمی ہو کر اسپتال نہ پہنچ گیا ہو

جہاں جسے پولیس اس پر ہاتھ ڈال سکتی ہے۔"

"تو کیا تم اسپتال جا رہے ہو؟" اس نے بے ساختہ لہجے میں پوچھا۔

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔" میں نے مُنہ بنا کر کہا۔ "زخمی ملزموں کی ضمانت اور عیادت کے لئے آنے والوں کو بھی ہماری پولیس ملزم بلکہ مجرم تصور کرتی ہے۔ میں ٹریڈ لائن فون کرنے کے ارادے سے نکلا ہوں۔"

... ملنے پر مستی خان نے فون اٹھایا۔ کیونکہ پانچ بجے دفتری عملے کی چھٹی ہو جاتی تھی۔ ان لوگوں کو مقررہ وقت کے بعد کسی بھی حال میں دفتر کی عمارت میں رکنے کی اجازت نہیں تھی۔ پانچ بجے کے بعد ہر فون کال براہِ راست شیر شاہ کے نمبر پر منتقل ہو جاتی تھی۔ لیکن اس کی اور امیر خان کی غیر حاضری میں وہ کام مستی خان نے سنبھال لیا تھا کیونکہ وہی مافیا کا تیسرا سینئر رکن تھا۔

"کہیں سے کوئی خیر خبر؟" میں نے مبہم لہجے میں اس سے پوچھا۔

"کچھ نہیں..... لیکن اوپر سے کچھ آہٹیں سنائی دے رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی پارٹی واپس لوٹ آئی ہو۔" اس نے پوری فرض شناسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اصل صورتِ حال بیان کر دی۔

"میں آنے والوں میں سے کسی سے بات کرنی چاہتا ہوں۔" میں نے کن انکھیوں سے اپنے قرب و جوار کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "وہ جو بھی ہو' اسے اتنا ضرور بتا دینا کہ میں پبلک کال آفس سے بول رہا ہوں۔"

"میں ابھی ایک سیکنڈ میں واپس آتا ہوں" وہ شاید ریسیور رکھ کر اوپر دوڑ گیا۔

چند ثانیوں بعد مجھے ریسیور میں امیر خان کی ہانپتی ہوئی آواز سنائی دی "آج سب کچھ چوپٹ ہوتے ہوتے رہ گیا' باس! ہمیں بہت بڑی چوٹ دی گئی ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہم سب کسی ٹوٹ پھوٹ کے بغیر واپس لوٹ آنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال ہے کہ وہ مرا نہیں تو بری طرح زخمی ضرور ہو گیا ہے۔"

"کس کی بات کر رہے ہو؟" میں نے غراتے ہوئے پوچھا "مختصر الفاظ میں کھل کر بات کرو۔ میں ایک پی سی او سے بول رہا ہوں جہاں کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں۔"

"وہ شاید ایک ہی آدمی تھا۔ اس نے کسی کا نشانہ لئے بغیر ایک ستون کی آڑ سے فائر کیا تھا اور میرے تمام آدمیوں نے بیک وقت گولیاں چلانی شروع کر دیں" وہ شاید اوپر سے بھاگتا ہوا فون تک آیا تھا کیونکہ اس کا سانس چڑھا ہوا تھا "کافی دیر تک ہمیں اندازہ ہی نہیں ہو سکا کہ ہم سب ایک دوسرے کی فائرنگ سے بدک کر گولیاں چلا رہے تھے اور ہمارے سامنے کوئی حریف نہیں تھا۔ پہلی گولی چلانے والا اگلے ہی لمحے میں چیخ مار کر سڑک پر آگرا تھا۔ کافی راؤنڈ ضائع کرنے کے بعد مجھے ہوش آیا کہ ہم لوگ بلاوجہ اپنا میگزین برباد کر رہے تھے۔ اگر ہمیں فرار کا فیصلہ کرنے میں ذرا بھی تاخیر ہو جاتی تو آج ہم اسی گلی میں پھنس کر رہ جاتے کیونکہ علاقے کے لوگوں نے ہمت کر کے میزیں' کرسیاں' ڈرم اور بوتلوں کے خالی کریٹ پھینک کر فرار کے سارے راستے مسدود کرنے شروع کر دیئے تھے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم سب کو آرام کی ضرورت ہے" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا "اپنا کام میں خود ہی دیکھ لوں گا" میں نے غصے سے فون بند کیا اور کال کے پیسے ادا کر کے باہر آگیا۔

"حرامزادے!" کار چلاتے ہوئے میں غصے میں غیر ارادی طور پر بڑبڑایا تو سلطان شاہ چونک پڑا۔

"کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟" اس نے بمشکل سنبھل کر پوچھا تھا۔

میں نے اسے امیر خان والی جماعت کی احمقانہ حرکت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "ان الو کے پٹھوں نے سارا کام بگاڑ دیا۔ ویرا ہمیں چوٹ دینے میں کامیاب ہو گئی۔"

"امیر خان اور اس کے آدمیوں کی حماقت سے قطع نظر' اس واقعہ میں ویرا کی کامیابی کا کون سا پہلو ہے۔"

"میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں اور وہ میری رگ رگ سے واقف ہے۔ اس نے فون کر کے چیک کر لیا ہو گا کہ فلیٹ ویران پڑا ہوا ہے اور وہ سمجھ گئی ہو گی کہ میں نے مردہ بلی اور چپکے ہوئے ٹائر دیکھنے کے بعد وہاں سے نکل کر اس کے لئے جال پھیلانے کی کوشش کی ہو گی۔ اس جال کا سراغ لگانے کے لئے اس نے کسی لفنگے کو تھوڑی سی رقم کا لالچ دے کر اس علاقے میں ہوائی فائر کرنے پر مامور کیا ہو گا اور امیر خان کے آدمی اسے حملے کا آغاز سمجھ کر اندھا دھند گولیاں چلانے لگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کی کھوپڑیوں پر برف جمی ہوئی تھی۔"

"تمہارے خیال میں انہیں اگلے فائر کا انتظار کرنا چاہئے تھا؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"یہ سب ناقص منصوبہ بندی کا فتور ہے' سلطان صاحب!" میں نے تاؤ میں آکر کہا "پہلے فائر کے جواب میں صرف ایک فائر ہونا چاہئے تھا۔ ان میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ پہلا فائر کون کرے گا اور دوسروں کو کس مرحلے پر اس کا ساتھ دینا ہو گا [illegible] لئے سب ہی بیک وقت شروع ہو گئے۔"

"وہ کوئی نشہ باز بھی ہو سکتا ہے جس نے بہک کر ایک گو[illegible] چلا دی ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم ویرا کو بعض اوقات غیر ضرور[illegible] کریڈٹ دینے لگتے ہو۔ وہ خود تو امیر خان کے بنگلے میں تھی [illegible] ہے۔ اس نے فائر کرنے والے کو رقم کیسے پہنچائی ہو گی؟ یہ لو[illegible] پیشگی رقم لئے بغیر تو فرمائشی انگڑائی بھی نہیں لیتے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ ویرا کوئی نیک پروین نہیں بلکہ چھٹی ہوئی غنڈی ہے" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "وہ فون پر بھی کسی [illegible] دو چار ہزار کی رقم دلا سکتی ہے۔ اس دن وہ برقع پہن کر کسی چھچ[illegible]

ت کرنے نہیں گئی تھی۔ اس کے باہر بھی رابطے ہیں جنہیں وہ
ت حرکت میں لاسکتی ہے۔"

"تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہوگے لیکن اب اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو۔
نہ ہو کہ جھلاہٹ میں رازی روڈ والے پلان میں کوئی گڑبڑ کر
۔ اگر تمہارا قیاس درست ہے تو اب تک ویرا کو اپنے ذرائع
یہ اطلاع مل چکی ہوگی کہ اس کا شبہ درست تھا اور تم نے اس
لئے چوہے دان تیار کیا ہوا تھا۔"

میں نے بحث سے بچنے کے لئے سگریٹ سلگالی تاکہ اپنے ذہن
نے والے حالات پر مرکوز کرسکوں۔

شیر شاہ نے مجھے شارع فیصل کی سروس لین میں تاجے تک
ی ہدایت کی تھی اس لئے میں طارق روڈ کے عقبی حصے سے
ی روڈ پر جانے کے بجائے نرسری پر نکلا اور وہیں سے گاڑی
س روڈ پر ڈال دی۔

اس راستے پر رازی روڈ کے کراسنگ سے ذرا پہلے شیر شاہ کی
ی دیکھ کر مجھے ذہنی جھٹکا لگا۔ میری کار کی رفتار سست تھی اس
ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے' شیر شاہ نے مجھے پہچان کر گاڑی
، نکال لے جانے کا اشارہ کیا اور اسی کے ساتھ اُس کی کار بھی
ت میں آگئی۔

رازی روڈ کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے لمحہ بھر میں
س کی موبائل وین کی چھت پر گردش کرنے والی نیلی روشنی دیکھ
س کے انعکاس میں رازی روڈ کے اندرونی حصے میں خاصے لوگ
رہے تھے۔

پٹرول پمپ سے آگے جاکر میں نے گاڑی روکی تو شیر شاہ اپنی
ی میرے برابر میں لایا اور بولا "یہاں رکنا مخدوش ہے' سیدھے
ازی کی طرف نکل چلو۔ وہیں رک کر بات کروں گا۔"

امیر خان کی ناکامی کے بعد شیر شاہ کے پُرتشویش لب و لہجے نے
خلجان میں مبتلا کردیا۔ اس وقت غزالہ کی سلامتی کے لئے ایک
لمحہ بیش قیمت تھا لیکن وہ لوگ وقت کی لگامیں ڈھیلی کئے دے
ے تھے۔

"ٹھہرو" میں نے غرا کر شیر شاہ کو حکم دیا پھر سلطان شاہ سے
ب ہوگیا "تم اس کی گاڑی لے کر میرے پیچھے آؤ اور اسے اپنی
یچ دو۔ میں زیادہ دیر انتظار نہیں کرسکتا۔"

میری ہدایات پر بہت پھرتی کے ساتھ عمل کیا گیا۔ لمحہ بھر بعد
شاہ خوف زدہ انداز میں میرے برابر والی نشست پر براجمان تھا
سلطان شاہ اس کی گاڑی کا اسٹیئرنگ وہیل سنبھال چکا تھا۔

"منہ لٹکا کر بیٹھنے کے بجائے بلا تمہید اصل بات پر آجاؤ" میں
نار آگے بڑھاتے ہوئے تند لہجے میں کہا۔

"اس مکان کے سامنے کسی نے تاجے کی کھوپڑی میں پگھلا ہوا
اتار دیا" شیر شاہ نے مجھے مضمحل آواز میں آگاہ کیا "اس کی
پولیس کے قبضے میں ہے۔"

"اس نے تمہیں کیوں زندہ چھوڑ دیا؟" میں نے اسٹیئرنگ وہیل پر مکا مار کر غصے سے پوچھا "معلوم ہوتا ہے کہ آج کی رات تم سب نے ناکام ہونے کا عہد کیا ہوا ہے.... وہ کون تھا اور کیسے بچ نکلا؟"

"میں بالکل بے قصور ہوں باس!" وہ تقریباً رندھی ہوئی آواز میں بولا "میں نرسری سے تمہیں فون کرکے واپس آیا تو تاجا سڑک پر تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہوچکا تھا۔ اس کے گرد قرب وجوار کے مکین اور ان کے ملازمین موجود تھے لیکن وہ سب بھی اس کے لئے کچھ نہیں کرسکے کیونکہ گولی داہنی کنپٹی سے اندر داخل ہوکر اس کے چہرے کا بایاں حصہ اور کھوپڑی اُڑاتی ہوئی پار نکل گئی تھی۔ پولیس کے آنے سے پہلے ہی میں وہاں سے کھسک لیا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس پر کسی چلتی ہوئی کار سے بہت قریب سے فائر کیا گیا تھا۔"

"بکواس" میں نے بے اعتباری سے کہا "سڑک پر چلتے ہوئے آدمی کی کھوپڑی کار کی کھڑکی سے بہت بلند ہوتی ہے۔ ایسے فائر کے نتیجے میں گولی کنپٹی سے گھس کر سر کے اوپری حصے سے نکلنی چاہئے تھی' دوسری طرف سے نہیں۔ تمہاری بتائی ہوئی صورت اسی وقت پیش آسکتی ہے جب فائر کسی اونچی کار کی کھڑکی سے یا کہیں اور سے کیا گیا ہو' اتنی بنیادی بات تو تمہیں لاش دیکھتے ہی سمجھ لینی چاہئے تھی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن لوگوں کی اس رائے کا سبب یہ تھا کہ گولی بہت قوت سے آرپار گزری تھی۔ اگر وہ دور کا فائر ہوتا تو گولی کی رفتار کم ہوچکی ہوتی اور وہ اندر ہی رہ جاتی۔ گولی کے دوسری جانب سے نکل جانے کی وجہ سے قریب سے فائر کی بات کی گئی تھی پھر وہاں کوئی موجود بھی نہیں تھا اس لئے چلتی ہوئی کار سے فائر کی کہانی بن گئی۔ میں نے تمہاری طرح اس کی جزئیات پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔"

"اور لاش میر اکبر خان کے مکان کے سامنے ہی پڑی ہوئی تھی؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔

"ہاں' مکان کے بالکل مقابل' سڑک کی دوسری جانب پڑی ہوئی تھی۔"

"لاش کا اس مکان سے فاصلہ کتنا رہا ہوگا؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"احاطہ کی دیوار سے سوفٹ اور اصل عمارت سے کم از کم دوسوفٹ ضرور رہا ہوگا۔"

"اسی وجہ سے تم نے اس مکان سے فائر کو خارج ازامکان سمجھ لیا۔"

"شاید یہ بھی ایک وجہ تھی" اس نے اعتراف کیا "اتنی دور سے رائفل کی گولی ہی کاری زخم لگاسکتی ہے لیکن وہ رائفل کے فائر کا زخم نہیں تھا۔ رائفل اس کا پورا چہرہ مسخ کردیتی۔ عجیب بات یہ ہے کہ فائر کی آواز کسی نے نہیں سنی۔ سب لوگ اُس کی چیخ سن کر

ہی وہاں پہنچے تھے۔"

"ہلاکت کا سبب بننے والی گولی ملے گی تو پولیس اس مکان کی طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس کرے گی۔ مجھے یقین ہے کہ تاجا خود کو ان لوگوں کی نظروں سے چھپائے رکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اُس پر لمبی نال اور زیادہ رینج والے کسی بے آواز پستول سے فائر کرکے موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔ تم یہ نہ بھولو کہ ہمارا مدِمقابل کوئی معمولی حریف نہیں بلکہ ویرا ہے جو جدید ترین ہتھیاروں کے استعمال پر پوری پوری مہارت اور دسترس رکھتی ہے۔ اس کے سامنے غفلت دکھانے کی سزا صرف اور صرف موت ہوتی ہے۔"

"میں تم سے پوری طرح متفق ہوں" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا "پولیس کے آجانے کے بعد وہ جگہ ہمارے لئے مخدوش ہوچکی ہے ورنہ تم تاجے کی لاش دیکھ کر زیادہ بہتر رائے قائم کرسکتے تھے۔"

"یہ قلیل سی مدت میں ہماری دوسری بدترین ناکامی ہے" میں نے تلخ لہجے میں کہا "تم نے نہ صرف تاجے کو کھودیا بلکہ ویرا کو بھی ہوشیار کردیا۔ اگر تم لوگوں کی یہی کارکردگی رہی تو ہمیں ویرا کو بھول جانا ہوگا۔ ہم اس پر اوچھے وار کرتے رہے تو وہ تم سب کی دُموں میں نمدہ باندھ کر، تمہیں اپنی ڈگڈگی پر نچانا شروع کردے گی۔ ایک چالاک عورت کے مقابلے میں اپنی یہ تحقیر میری برداشت سے باہر ہوگی۔"

"تو کیا ہم نے کہیں اور بھی چوٹ کھائی ہے؟" اس نے میرے خاموش ہونے پر سوال کیا۔

"امیر خان نے بھی آج مُنہ کالا کرایا ہے" میں نے بدمزگی سے کہا "ویرا نے ایک معمولی سی چال چل کر اسے اور اس کے آدمیوں کو الّو کو پٹھا بنادیا۔ اس میں منصوبہ بندی کی ذرا سی بھی اہلیت نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آج کی رات ہمارے ستارے گردش میں ہیں ورنہ وہ اتنا بے وقوف نہیں ہے۔"

میں نے جلے کٹے لہجے میں اسے شرف آباد کے واقعات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم لوگوں پر انحصار کرکے میں اپنا سر پیٹتا رہ جاؤں گا اس لئے اب خود ہی ویرا کو دیکھوں گا۔"

"ایک لغزش کی اتنی بڑی سزا نہ دو، باس!" وہ دکھی آواز میں منمنایا "ہم لوگوں کے سامنے بڑے بڑے سورماؤں کا پتا پانی ہوتا ہے۔ سینڈو کا زخم تازہ تھا کہ آج تاجا ہمارا ساتھ چھوڑ گیا۔ اس کی روح کی سرخروئی اسی طرح ہوسکتی ہے کہ ہم اس کی قاتلہ کی گردن میں رسّی کا پھندا ڈال دیں۔ تم ہمیں چند روز کی مہلت اور آزادی دے دو پھر دیکھنا کہ ہم ویرا کو کس حال میں تمہارے روبرو پیش کرتے ہیں۔"

"نہیں، شیر شاہ!" میں نے سختی سے کہا "تمہاری انا کی تسکین کی خاطر میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ ویرا ہماری ایک نمبر دشمن ہے۔ اب اس کا سر کچلا جانا چاہئے۔ جب تک تمہاری مہلت پوری ہوگی، وہ ہمیں دو چار نئے چرکے لگا کر ہماری گرفت سے بہت دور جاچکی ہوگی۔"

شیر شاہ کو چپ لگ گئی۔ اس نے اپنی التجا پر اصرار ترک کر اور میں خاموشی کے ساتھ ٹریڈ لائن کی طرف کار چلاتا رہا۔ سلطا شاہ اس کی کار میں میرے پیچھے آرہا تھا۔

ٹریڈ لائن کے دفتر کے قریب پہنچ کر کار پارک کرنے کے بجا میں نے فٹ پاتھ کے کنارے روکی تو شیر شاہ انجن بند ہونے انتظار میں اپنی سیٹ پر ہی بیٹھا رہا۔

"تم اترو اور دفتر میں جاؤ" میں نے انجن بند کئے بغیر ا ہدایت کی "سلطان شاہ پہنچ جائے تو اس سے اپنی گاڑی کی چابی لینا؟"

"کک .... کیا تم کسی مشن پر جارہے ہو؟" اس نے ہچکچا ہوئے سوال کیا۔

"مجھے کچھ نہ کچھ سوچنا ہوگا، شیر شاہ!" میں نے زور د کر کہا "دشمن چاق وچوبند اور زندہ وسلامت ہو تو عقل مند لو کبھی گہری نیند نہیں سوتے، دشمن کو سُلانے کے بعد ہی سونے لطف آتا ہے۔"

"تمہارے منصوبے میں میری کوئی گنجائش نکل سکے تو تمہیں پورا یقین دلاتا ہوں کہ اس بار تمہیں مجھ سے مایوسی ہوگی" وہ میرے سرد مہرانہ رویّے سے بہت زیادہ دل گیر نظر تھا۔

میں نے ایک بار غور سے اس کی طرف دیکھا اور ایک سانس لے کر کہا "تمہیں اپنے ساتھیوں کی بھی بہت فکر ہے۔ تمہیں تاجے کی لاش کے حصول کے لئے بھی بھاگ دو ہوگی...."

"نہیں، باس!" وہ تڑپ کر بولا "سینڈو کی بات اور تھی۔ سب کا استاد اور باپ تھا۔ اس کی موت پُراسرار حالات میں تھی۔ تاجے بے چارے نے تو اپنی ہی کسی غلطی کی بھاری قیمت کی ہے۔ اس کی بیوی اسی شہر میں رہتی ہے۔ میرا کوئی بھی آدمی خانے سے لاش وصول کرنے میں اس کی مدد کردے گا۔ تم ویرا کی بیخ کنی تک میں دن رات تمہارے پیچھے دم ہلاتا رہوں

وہ واقعی ایک ذمے دار اور فرض شناس کارکن تھا احساس ندامت سے زمین میں گڑا جارہا تھا۔ مجھے ویسے بھی قوت کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔ اس لئے میں نے اپنے رویّے میں لچک پیدا کرنے کا فیصلہ کرلیا اور کہا "ٹھیک ہے رہنا۔ ضرورت پیش آئی تو میں تمہیں طلب کرلوں گا۔ لیکن رکھنا کہ اس بار امیر خان یا تاجے جیسی غلطیوں کے ارتکا برداشت نہیں کیا جائے گا۔"

"تم گریٹ ہو' باس" وہ یک بیک کِھل اٹھا "میں تم کو کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ مجھ سے ذرا سی بھی لغزش ہو جائے تو تم اپنے ہاتھوں سے میری کھال میں بھس بھر دینا۔ میں اف بھی کر جاؤں تو میرے مُنہ پر پیشاب کر دینا۔ میں نے اپنا مقام بہت محنت سے بنایا ہے جسے کھو کر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"اب جاؤ' سلطان شاہ آگیا ہے" میں نے عقب نما آئینہ میں دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجہ میں کہا "تمہیں مختصر نوٹس پر تیار رہنا ہوگا۔ کوئی خاکہ بنتے ہی میں تمہیں فون کروں گا۔"

وہ بار بار میرا شکریہ ادا کرتا ہوا کار سے اتر گیا اور میں نے کھڑکی سے ہاتھ ہلا کر سلطان شاہ کو اپنی طرف بلالیا۔ کیونکہ میں فوری طور پر ہوٹل واپس جاکر مزید کچھ تیاری کرنا چاہتا تھا۔

سلطان شاہ کے سوار ہوتے ہی میں تیز رفتاری کے ساتھ ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔

تاجے کی موت سلطان شاہ کے لئے حیرت اور صدمہ کا باعث ثابت ہوئی۔ اس کی رائے تھی کہ اس بار ویرا اپنے معمول سے کچھ زیادہ ہی مستعد اور پھرتیلی نظر آرہی تھی۔

"اس نے تمہاری دونوں چالیں ناکام بنادیں" وہ متاسفانہ لہجے میں بولا "اب جب بات کھل ہی گئی ہے تو تم اس سے میرا اکبر خان کے فون پر بات کیوں نہیں کرلیتے۔"

"ہرگز نہیں" میں نے اس کی تجویز سختی کے ساتھ رد کردی۔ "ان کامیابیوں نے اس کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا دیا ہوگا اور وہ دل سے چاہ رہی ہوگی کہ میں فون پر اس سے رابطہ کروں تاکہ وہ مجھے میری بے بسی کا احساس دلا سکے۔ اب تو اس پر اچانک ہی ہاتھ ڈالنا ہوگا۔"

"تو کیا تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ بن چکا ہے؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"ہمارے لئے وقت کی سب سے زیادہ اہمیت ہے" میں نے اپنی نشست میں بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا "ایک بار غزالہ کے بدن پر نشتر چل گئے تو سب کچھ بیکار ثابت ہوگا۔"

"لیکن تم کس راہ پر سوچ رہے ہو؟" وہ بھی خاصا مضطرب تھا۔

"آج اس نے دو مرتبہ کامیابی حاصل کی ہے اس لئے وہ سوچ بھی نہیں سکے گی کہ میں تیسری مرتبہ ادھر کا رخ کروں گا۔ میں آج رات ہی کارروائی کرکے اسے متحیر کردینا چاہتا ہوں۔"

"اس بار پھر مافیا کے آدمیوں سے کام لوگے؟ مجھے تو آج ان کے ستارے ہی گردش میں نظر آتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ پھر زخم کھا کر بھاگ نکلنے پر مجبور ہوجائیں۔"

"اس مکان میں گھسنے کے لئے ہم دونوں کو کسی نہ کسی کو ساتھ لینا پڑے گا" میں نے پُرخیال انداز میں کہا "ایسا نہ ہو کہ ہم اندر گھسنے کے بعد پیچھے سے گھیر لئے جائیں۔ کسی نہ کسی کو باہر رہ کر پیچھے کا دھیان بھی رکھنا پڑے گا۔ اصل کارروائی ہم خود کریں گے لیکن احتیاطاً شیر شاہ کو بھی شامل کرلیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔"

"اسے تمہاری اور ویرا کی باتیں سننے کا موقع مل گیا تو مافیا والوں کو پتا چل جائے گا کہ پہلے وہ تم سے ملی ہوئی تھی اور اب تم دونوں ذاتی اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے دشمن ہوئے ہو۔"

"تم بھول رہے ہو کہ ہم ویرا سے مذاکرات کرنے نہیں بلکہ مقابلہ کرنے جا رہے ہیں۔ مذاکرات اور نوک جھونک کا زمانہ اب خواب و خیال ہو چکا ہے۔ اس نے غزالہ پر دوسری مرتبہ ہاتھ ڈال کر کمینگی کا ثبوت دیا ہے۔ اب میرے دل میں اس کے لئے کوئی گنجائش پیدا نہیں ہوسکتی۔"

"لیکن اس کے دل کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں اپنے روبرو دیکھ کر اس کے دل میں دبی ہوئی چنگاریاں ایک بار پھر بھڑک اٹھیں۔ غزالہ کے دوبارہ اغوا سے یہ بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ ویرا اس کے مقابلے میں حسد اور رقابت کے جذبات میں مبتلا ہو چکی ہے۔"

میری دانست میں وہ بحث برائے بحث تھی جس کا کوئی اختتام نہیں ہوسکتا تھا اس لئے میں نے بالکل ہی چپ سادھ لی اور میرا اکبر خان کے مکان میں داخلے کے امکانات پر غور کرنے لگا۔ شیر شاہ کی فراہم کی ہوئی معلومات کے مطابق یہ بات حوصلہ افزا تھی کہ وہاں صرف ایک ملازم رہتا تھا۔ اس اعتبار سے اس چھت کے نیچے حریف کی سہ نفری جماعت کے مقابلے میں ہم بھی تین ہی ہوتے اور ہمیں پہل کا فائدہ ہوتا جس کے نتیجے میں ہم ان پر غالب آنے کی قوی امید کرسکتے تھے۔

اپنے ہوٹل میں پہنچ کر میں نے سب سے پہلے نہا دھو کر تکان سے نجات حاصل کی پھر ایک بیرے کو طلب کرکے اس سے معنی خیز لہجے میں وہاں دستیاب تفریحی سہولتوں کے بارے میں دریافت کیا تو یہ خوشگوار انکشاف ہوا کہ اس چھوٹے سے ہوٹل میں مناسب اخراجات پر تفریح کے سارے لوازم فراہم ہوسکتے تھے۔ میں نے اپنے منتشر خیالات کو یکجا کرنے کے لئے ڈیلکس اسکاچ کی ایک بوتل منگوانے پر اکتفا کیا۔ ویٹر تھوڑی ہی دیر میں برف کے ڈلوں سے بھرے ہوئے آئس پاٹ اور سوڈے کے ساتھ ہی' اخباری کاغذ میں لپٹی ہوئی بلیک ڈاگ کی بوتل بھی لے آیا اور ٹپ میں بیس روپے وصول کرکے خوشی خوشی رخصت ہوگیا۔

سلطان شاہ غسل خانے میں گھسا ہوا تھا' میں کسی اہتمام کے بغیر اپنے شغل میں مصروف ہوگیا۔

پہلی بار ہم ہوٹل سے نکلے تھے تو ہم نے بھرے ہوئے پستول اپنے ساتھ لے جانے پر اکتفا کیا تھا۔ لیکن نئے منصوبے میں زیادہ شور شرابے کی گنجائش نہیں تھی۔ رات کے سناٹے میں ویسے بھی پستول کی آواز دور تک گونج کر' دوسروں کو جائے واردات کی طرف

متوجہ کر سکتی تھی۔ اس لئے میں بیم گن ساتھ لے جانے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا جس کی مدد سے حریف کو خاموشی کے ساتھ ختم کیا جا سکتا تھا۔

دس بجے تک میں ذہنی طور پر خاصا پُرسکون ہو چکا تھا۔ اس لئے ہم نے کمرے ہی میں کھانا طلب کیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ہوٹل ہی کے فون پر ٹریڈ لائن فون کیا۔ وہاں شیر شاہ شاید فون کے قریب ہی میری کال کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس لئے پہلی گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے ہی ریسیور اٹھا لیا گیا۔

"ٹھیک بارہ بجے نرسری کے بس اسٹاپ پر آ جاؤ" میں نے کسی تمہید کے بغیر اسے ہدایت دی۔

"کوئی تیاری وغیرہ؟" اس نے مبہم لہجے میں سوال کیا اور میں چڑ گیا۔

"اگر تم پنگ پانگ کھیلنے آ رہے ہو تو ریکٹ وغیرہ لیتے آنا" میں نے غراتے ہوئے کہا "کان کھول کر یہ بھی سن لو کہ تم کار سے نہیں بلکہ کسی رکشا یا ٹیکسی سے آؤ گے۔"

"م.... میں بالکل سمجھ گیا" فون پر اس کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری۔

میں نے اس سے مزید کوئی بات کئے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

ہم نے اپنی تیاریاں مکمل کر کے پونے بارہ بجے ہوٹل چھوڑ دیا۔ ہر لحاظ سے وہ مناسب وقت تھا لیکن صدر کی سڑکوں پر اتنی رونق تھی جیسے ہم قبل از وقت ہی اپنے مسکن سے نکل آئے ہوں۔ وہ کراچی کا ایسا غریب پرور علاقہ تھا جو شہر میں وقتاً فوقتاً بھڑک اٹھنے والی نفرت کی آگ سے اکثر و بیشتر محفوظ ہی رہا کرتا تھا۔ شہر کے مختلف علاقوں میں محنت مزدوری کر کے اپنی روزی کمانے والے مزدوروں اور کلرکوں وغیرہ کے لئے، رات کے ان اوقات میں ایمپریس مارکیٹ کا علاقہ جنکشن کا کام کرتا تھا جہاں وہ اپنے گھروں کے لئے بس یا منی بس بدلنے سے قبل کسی سستے ہوٹل میں سستا کھانا کھا کر چائے کی ایک پیالی پینے کے لئے ضرور رکتے تھے۔

اس علاقے میں رائج ون وے سسٹم کی عنایت سے اس علاقے کا چکر کاٹ کر ہم فلیٹ کلب سے آگے بڑھے تو رات کا اصل روپ نمایاں ہونے لگا۔ ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ دن بھر پُرہجوم رہنے والی سڑکوں پر برائے نام ٹریفک رواں تھا اور آبادیوں کے کناروں پر آوارہ کتے جمع ہو کر اجتماعی طور پر اپنی رات بھر کی حکمتِ عملیوں پر بلند آوازوں میں غور و خوض کر رہے تھے۔

صدر سے نرسری تک کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا اس لئے سلطان شاہ نہایت اطمینان سے کار چلا رہا تھا۔ جس کے نتیجے میں ہم ٹھیک بارہ بجے نرسری کے بس اسٹاپ پر پہنچ گئے جہاں شیر شاہ خان ایک تاریک گوشے میں کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔

ہماری رینگتی ہوئی کار کو پہچان کر اس نے فوراً ہی سلگتی ہوئی سگریٹ ایک طرف اچھال دی اور کار رکنے سے لمحہ بھر پہلے ہی عقبی دروازہ کھول کر عقبی نشست پر سوار ہو گیا۔ سلطان شاہ نے پچھلا دروازہ بند ہونے کی آواز سننے سے پہلے ہی کار کی رفتار بڑھا دی۔

"تم سب ہی احمق اور عقل سے پیدل ہو یا میرے ساتھ اداکاری کرنے کی کوشش کرتے ہو؟" میں نے مڑ کر شیر شاہ سے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"کیوں، باس؟" اس کی آواز سے حیرت جھلک رہی تھی "کیا مجھ سے پھر کوئی غلطی ہو گئی؟"

"تیاری کے بارے میں کوئی سوال پوچھے بغیر تم کو سمجھ لینا چاہئے تھا کہ ایسی مہمات میں کن چیزوں کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ اس قسم کے غیر ضروری سوالات سے مجھے سخت کوفت ہوتی ہے۔"

"میرا مطلب تھا کہ پستول، بے ہوشی کی دوا اور قفل شکنی کے آلات کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت ہوتی تو میں وہ بھی ساتھ لے آتا۔ بعض اوقات عین موقعے پر کسی چیز کی کمی پریشان کر دیتی ہے۔"

"بے ہوشی کی کون سی دوا لائے ہو؟" اس کی معاملہ فہمی کا اندازہ ہوتے میرا لہجہ نرم پڑ گیا۔

"خالص کلوروفارم اسپرے ہے۔ ناک پر پہلی پھوار پڑتے ہی شکار اُلٹا غفیل ہو جاتا ہے۔"

"وہ مجھے دے دو!" میں نے شیشی اس سے لے کر اپنی جیب میں ڈال لی۔

رازی روڈ پر سے گزرتے ہوئے شیر شاہ نے میر اکبر خان کے مکان کی نشان دہی کی تو وہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے مکان کے مقابل اس مقام کی طرف بھی اشارہ کیا جہاں تاجے کی لاش گری تھی۔

میں نے شیر شاہ سے اس مکان کی جزئیات سن کر اپنے ذہن میں جو نقشہ بنایا تھا، اصل مکان اس سے سرِمو بھی مختلف نہیں تھا۔ وہاں مکمل اندھیرے کا راج ہونا ہمارے حق میں بہتر تھا لیکن اس تاریکی کی وجہ سے مجھے یہ نیا خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں مکان کے احاطے میں رکھوالی کرنے والے خوف ناک کتوں کا راج نہ ہو کیونکہ ہم میں سے کسی نے بھی کتوں کو بے بس کرنے کی ضرورت کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔

اس وقت اس سڑک پر ایسا سکون اور سناٹا تھا کہ یہ کہنا دشوار تھا کہ چند گھنٹے قبل وہاں قتل کی کوئی واردات ہوئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں سب کچھ ٹھیک اور نارمل نظر آ رہا تھا۔

"میں نے اس بات پر دھیان نہیں دیا تھا مگر میرا خیال ہے کہ اس مکان میں کتے نہیں ہیں" میرے سوال پر شیر شاہ نے خفت آمیز لہجے میں کہا "میں کئی بار اس مکان کے سامنے سے گزرا تھا لیکن مجھے ایک بار بھی پھاٹک کے پیچھے کسی حرکت کے آثار نظر نہیں آئے۔"

"کتے رات گئے' اسی وقت کھولے جاتے ہیں جب مکین سونے کی تیاریاں کرنے لگتے ہیں" سلطان شاہ نے پہلی مرتبہ میری اور اس کی گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔

"کراچی اب بہت بدل چکا ہے" اس نے قدرے جارحانہ لہجے میں کہا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے اندازے سے زیادہ تیز وطرار آدمی تھا۔ شاید وہ میرے سامنے دانستہ ہی بھیگی بلی بنا رہتا تھا۔

"یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب چور اور ڈاکو رات ڈھلنے سے پہلے اپنے دھندے پر نہیں نکلتے تھے۔ اب تو یہاں ہتھیاروں کے زور پر دن دہاڑے ڈاکے ڈالے جاتے ہیں۔ لوگ اپنے حفاظتی انتظامات ہر وقت ہی تیار رکھتے ہیں" وہ کہہ رہا تھا "کسی تقریب یا متوقع مہمان کی آمد کے موقع پر کتوں وغیرہ کو بند کردیا جائے تو اور بات ہے ورنہ اب یہ دس برس پہلے والا کراچی نہیں رہا ہے۔"

"کیا تم ابتدا ہی سے کراچی کے باشندے ہو؟" وقت گزاری کے لئے میں نے پوچھا۔

"میری پیدائش ہی یہیں کی ہے۔ شیر شاہ کے علاقے میں پیدا ہوا تھا۔"

سلطان شاہ بے ساختہ ہنس پڑا "اچھا ہی ہوا کہ تم گیدڑ یا مچھر کالونی میں پیدا نہیں ہوئے ورنہ تمہارا وہی نام ہوتا۔"

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا" اس نے اپنی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا "تین باتوں پر کسی کا کوئی اختیار نہیں ہوتا کہ کون' کب' کس جگہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا کیا نام رکھا جاتا ہے۔ میں نے سرخ وسفید لوگوں کے نام کالے خان سنے ہیں اور ڈراؤنے چہرے والے تازہ گل کہلاتے ہیں۔"

"ان فضولیات پر بحث کرنے کے بجائے خاموش رہ کر اپنی صلاحیتیں مجتمع کرنے کی کوشش کرو" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ سلطان شاہ پر حاوی ہونے کی کوشش کررہا تھا جب کہ میں اسے اپنی موجودگی میں ذرا سی بھی ڈھیل دینے پر آمادہ نہیں تھا۔

ویران اور روشن سڑکوں کا ایک لمبا چکر لگانے کے بعد ہم جائزہ لینے کی نیت سے دوبارہ اس مکان کے سامنے سے گزرے اور اس بار میں نے فیصلہ کرلیا کہ ہمیں کیا کرنا تھا۔

تیسرے چکر میں سلطان شاہ نے میر اکبر خان کے مکان سے ملحق خالی پلاٹ کے قریب کار روک کر ہمیں اتارا اور پھر فوراً ہی کار ایک گنجان درخت کے نیچے پارک کرکے لاک کردی۔

اس خالی پلاٹ پر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے خاصا تعفن اٹھ رہا تھا۔ میرے لئے یہ سمجھنا دشوار تھا کہ اکبر اپنے پڑوس میں ایسی ناگوار بدبو کیونکر برداشت کرتا تھا۔ وہاں کوڑے کے ساتھ ہی بہت سا تعمیراتی ملبہ بھی بکھرا پڑا تھا جس نے جابجا ٹیلوں کی صورت اختیار کی ہوئی تھی۔ اکبر کے مکان کے احاطے کی دیوار کے ساتھ بعض جگہ یہ ٹیلے اتنے اونچے تھے کہ ان پر کھڑے ہوکر اکبر کے لان وغیرہ کا جائزہ لیا جاسکتا تھا۔

میں ایسے ٹیلوں پر سے اکبر کے مکان پر نظریں ڈالتا ہوا ایک تاریک تر عقبی حصے میں جاکر رک گیا جہاں اکبر کے مکان میں اگے ہوئے' برگد کے ایک تناور درخت کی گھنی شاخوں نے سایہ کیا ہوا تھا۔ سڑک سے گزرنے والا کوئی بھی شخص اس مقام پر ہماری موجودگی کا احساس نہیں کرسکتا تھا۔

سلطان شاہ' اس دوران میں ہم دونوں سے آملا تھا' چند ثانیوں تک ہم تینوں سانس روک کر اندر کی کوئی سن گن لینے کی کوشش کرتے رہے لیکن وہاں مکمل سناٹے کا راج تھا' کوئی آہٹ تھی اور نہ ہی کسی وحشی کتے کی تیز سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

پھر سلطان شاہ نے طے شدہ پروگرام کے مطابق' یکے بعد دیگرے تین ہلکے کنکر' اکبر کے مکان کے احاطے میں اچھالے۔ اس کا مقصد صرف اتنا کہ کتے کہیں دور بیٹھے ہوں تو کنکروں کی آواز سن کر غراتے ہوئے اس طرف آئیں اور ہم ان کی موجودگی کا اندازہ لگاسکیں۔

مجھے کتوں سے ڈر نہیں لگتا تھا۔ ان سے سامنا ہو ہی جاتا تو میں بڑی آسانی کے ساتھ دوچار کتوں کے جبڑے چیر سکتا تھا۔ لیکن ان کے دانتوں اور پھر کتے کے کاٹ لینے کے بعد' پیٹ میں گھونپے جانے والے متعدد انجکشنوں کے تصور سے مجھے خوف آتا تھا اس لئے میں اندر کودنے سے پہلے' ہر طرح سے اپنا اطمینان کرنا چاہتا تھا۔

کئی منٹ گزر گئے لیکن اکبر کے مکان پر چھائے ہوئے پرُہول سناٹے کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں آیا تو میں نے شیر شاہ کے پہلو میں ہاتھ مار کر اسے پیش قدمی کرنے کا اشارہ کیا۔ وہ کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ احاطے کی دیوار پر چڑھا اور پلک جھپکتے میں اندر کود گیا۔

دھم کی ہلکی سی آواز کے بعد وہاں پھر اسی بے [illegible] سناٹے کا راج ہوگیا۔

اندر کتے ہوتے تو غراتے ہوئے شیر شاہ سے لپٹ جاتے' اندر

کچھ بھی نہیں ہوا اس لئے میں نہایت اطمینان کے ساتھ دیوار سے دوسری طرف کود گیا۔ میرے پیچھے سلطان شاہ بھی نرم زمین پر آرہا۔

"تم آگے جا کر کونے پر ٹھہرو تاکہ مکان کی دونوں سمتوں پر نظر رکھ سکو" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں شیر شاہ سے کہا "جب تک جان کا خطرہ نہ ہو گولی چلانے سے گریز کرنا۔ سلطان شاہ تمہارے مخالف کونے پر رک کر مکان کے بقیہ دو پہلوؤں پر نظر رکھے گا اور میں اندر جاؤں گا۔ قفل شکنی کے اوزار مجھے دے دو۔"

شیر شاہ نے ایک چھوٹا سا چرمی پاؤچ میرے حوالے کیا جو آہنی اوزاروں کی وجہ سے خاصا وزنی تھا۔ پھر وہ تیزی کے ساتھ میری بتائی ہوئی پوزیشن کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ مکان کے عقبی حصے کی طرف ہولیا۔

اکبر کے مکان کی ساخت بہت مضبوط اور مستحکم نظر آرہی تھی۔ تمام کھڑکیوں پر اندر سے پردے پڑے ہوئے تھے اور باہر مضبوط آہنی گرل نصب تھی جسے کاٹے بغیر اندر تک رسائی ممکن نہیں تھی۔ مکان کے عقبی حصے میں پہلی منزل پر تعمیر کی کوئی علامت نظر نہیں آرہی تھی جس کی بنا پر میں نے اندازہ لگایا کہ اوپری منزل پر شاید سامنے کی سمت میں ہی کمرے بنانے پر اکتفا کرکے بقیہ چھت کو کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔

سلطان شاہ کو مکان کے عقبی نکڑ پر چھوڑ کر، میں بغلی دیوار کے ساتھ ساتھ مکان کے اگلے حصے کی طرف آگیا۔ میری تیز نظروں نے اندھیرے میں شیر شاہ کے مدھم ہیولے کو دیوار سے چپکا ہوا دیکھ لیا۔

وہ ذی حیثیت لوگوں کا علاقہ تھا مگر مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اکبر کے مکان میں کوئی کار نہیں تھی۔ بغلی گیراج کے ساتھ ہی

پورچ بھی خالی پڑا ہوا تھا لیکن وہ وقت ان باتوں میں الجھنے کا نہیں تھا اس لئے میں مختصر سا برآمدہ عبور کرکے مکان کے داخلی دروازے پر پہنچ گیا۔

میرا تجربہ تھا کہ جہاں چھوٹے مکانات میں رہنے والے بڑے کنبوں کے افراد، گھر کے کمروں سے لے کر صحن اور چھت، حتیٰ کہ اسٹور تک کو ہر وقت آباد رکھتے ہیں وہاں بڑے مکانات کا اگلا حصہ

عموماً ویران اور غیر آباد رہتا ہے کیونکہ ایسے گھروں میں سب سے آگے ڈرائنگ اور ڈائننگ روم ہوتے ہیں۔ جو صرف مہمانداری کے اوقات میں استعمال کئے جاتے ہیں ورنہ مکین عام طور پر اپنا وقت لابی، کچن یا خواب گاہوں میں گزارنے کے عادی ہوتے ہیں اور جدید طرز تعمیر میں مکان کے یہ حصے وسط سے شروع ہو کر عقبی حصے میں ختم ہوتے ہیں۔ اس لئے عام تصور کے برعکس بڑے مکانات میں نقب زنی کے لئے اگلا حصہ ہی سب سے محفوظ اور موثر

ثابت ہوتا ہے۔

میری معلومات کے مطابق اکبر کا مکان بہت کم آباد تھا۔ وہاں کل چار نفوس ہو سکتے تھے جن میں غزالہ قیدی تھی اور ویرا مہمان۔ شیر شاہ کے مشاہدے کے مطابق ویرا کو اوپری منزل پر ہونا چاہئے تھا اس لئے نچلی منزل پر شی کے آئی مین، میرا اکبر خان کے علاوہ صرف اس کے ملازم کو موجود ہونا چاہئے تھا۔

اپنے اس ذہنی حساب کتاب کے تحت میں نے دروازے کے قریب، فرش پر بیٹھ کر چرمی پاؤچ میں سے ٹٹول کر تین مڑے تڑے اوزار نکالے اور پوری احتیاط کے ساتھ دروازے کے بند قفل پر طبع آزمائی شروع کر دی۔

مجھے پہلی کوشش میں اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی مضبوط غیر ملکی تالا تھا جس کے لیوروں کو آسانی کے ساتھ حرکت میں لانا ممکن نہیں تھا۔ میں نے فوری طور پر اپنا پہلا اوزار بدل لیا۔

اس وقت صورت حال پر ہماری گرفت بہت مضبوط تھی، کہیں سے کسی مداخلت کا کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن میرے ذہن پر یہ احساس مسلط تھا کہ میں ایک بہت خطرناک اور غیر قانونی کام کر رہا تھا اس لئے قفل کے میکانزم سے لڑتے ہوئے، چند ہی لمحوں میں میری ہتھیلیاں پسینوں میں بھیگ گئیں اور خم دار اوزار بار بار میری گرفت سے پھسلنے لگا جس کی وجہ سے ایک بار خفیف سا کھٹکا بھی ہوا اور میں اپنی جگہ پر دہل کر ساکت ہو گیا۔ کسی جوابی نقل و حرکت کے انتظار میں گزارے ہوئے وہ چند لمحے میرے لئے صدیوں طویل ثابت ہوئے۔ اطمینان ہو جانے کے بعد میں نے رومال سے ہاتھ صاف کرکے دوبارہ کام شروع کر دیا اور دوبارہ ہتھیلیاں بھیگنے سے پہلے تالا کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ مرحلہ سر کرنے کے بعد میں نے چند ثانیوں تک اپنا سانس درست کیا پھر ناب گھما کر پٹ پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ اندر کی طرف سرکنے پر آمادہ نظر آیا اور میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ دروازہ اندر سے بولٹ نہیں کیا گیا تھا ورنہ ہمیں کسی پائپ کے سہارے چھت پر پہنچ کر، کمروں کے ذریعے مکان میں اترنے کی راہ تلاش کرنی پڑتی۔ میں نے بہت احتیاط اور آہستگی کے ساتھ دروازہ بند کرکے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

کونے پر پہنچ کر میں نے فضا میں ہاتھ لہرایا تو عقبی حصے میں تاریکی میں دبکا ہوا سلطان شاہ جو میری ہدایت کے مطابق میرے اشارے کا منتظر تھا... فوراً ہی اپنی کمین گاہ سے نکل کر میری طرف بڑھتا چلا آیا۔

اس کے آتے ہی ہم دونوں داخلی دروازے کی طرف گئے اور دروازہ کھول کر پنجوں کے بل ایک تاریک راہداری میں داخل ہو گئے۔ اپنے عقب میں دروازہ بند کرتے ہوئے مجھے اکبر کے ذوق کی داد دینی پڑی کہ برسوں قبل بنے ہوئے اس مکان کے دروازوں کے قبضوں کو باقاعدگی سے تیل وغیرہ دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے وہ

بالکل بے آواز تھے۔ ورنہ عام طور سے لوگ قبضوں کے شور پر توجہ نہیں دیتے بلکہ مکان کے دور افتادہ حصوں میں بیٹھ کر انہی آوازوں کے ذریعے لوگوں کی آمدورفت کا اندازہ لگانے کے عادی ہو جاتے ہیں۔

دروازہ بند ہونے کے بعد ہم اندھیرے کی گھور چادر میں گھر گئے۔ ہم دونوں کئی سیکنڈ تک وہیں کھڑے' ایک دوسرے کے چڑھے ہوئے سانسوں کی آوازیں سنتے رہے پھر میں نے اپنی جیب سے پنسل ٹارچ نکال لی۔ مجھے احساس ہو چکا تھا کہ بھرا ہوا پستول سلطان شاہ کے ہاتھ میں موجود تھا اور وہ کسی بھی ناگہانی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔

اندھیرے کی چادر میں روشنی کی پُراسرار لکیر ہمارے قدموں سے شروع ہو کر آہستہ آہستہ گردش کرنے لگی اور مجھے اندازہ ہوا کہ ہم ایک سجی ہوئی پُرتکلف لابی میں کھڑے ہوئے تھے جس کے فرش پر دبیز قالین پڑا ہوا تھا۔ داہنی طرف غالباً ڈرائنگ روم کا دروازہ تھا۔ اس سے ملحق کھانے کا کمرا اور پھر کچن تھا۔ آخری سرے سے ایک خوبصورت زینہ اوپری منزل کی طرف جارہا تھا اور بائیں طرف دو بند دروازے تھے جو شاید خوابگاہوں میں کھلتے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ میر اکبر خان انہی میں سے کسی کمرے میں سو رہا تھا۔

"تم آگے بڑھ کر اوپر والے زینے پر نگاہ رکھو!" میں نے سلطان شاہ کے کان میں سرگوشی کی۔ "میں ان کمروں کو دیکھتا ہوں۔ زینے کے نیچے والے کمرے سے ہوشیار رہنا۔ وہ سرونٹ روم معلوم ہوتا ہے۔"

سلطان شاہ نے خاموشی سے سر ہلا دیا اور بائیں طرف کے پہلے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میرے لئے وہ تصور ہی نہایت ہیجان انگیز تھا کہ میں اس وقت اپنی بدترین دشمن کی کمین گاہ میں گھسا ہوا تھا جہاں غزالہ بھی قید تھی اور میں کسی بھی لمحے اپنے دشمنوں سے دو دو ہاتھ کر سکتا تھا۔

پہلا دروازہ مقفل نہیں تھا۔ میں نے آہستگی سے اسے کھول کر اندر جھانکا لیکن وہاں رچی ہوئی خنکی میں کسی انسانی وجود کے سانسوں کی بو نہیں تھی۔ میں نے بے دھڑک اندر داخل ہو کر پنسل ٹارچ روشن کی تو ایک بے داغ اور خالی ڈبل بیڈ' دیگر لوازمات کے ساتھ میرے سامنے تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میرا پہلا شکار برابر والے کمرے میں تھا۔

اس آراستہ لیکن خالی خوابگاہ سے نکل کر میں نے اس سے متصل کمرے کا رخ کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نشان دہی ہوتی جارہی تھی کہ کون کہاں تھا اس لئے میرا اعصابی تناؤ بڑھتا جارہا تھا۔ دوسرے دروازے پر طبع آزمائی کرنے سے پہلے میں نے اپنے داہنے ہاتھ میں بیم گن سنبھال لی جو چشم زدن میں کسی بھی وجود کو اُس کی اصل سے محروم کر کے بھسم کر سکتی تھی۔

دوسرا دروازہ کھولتے ہی' میں اضطراری طور پر بھڑک کر پیچھے ہٹ گیا کیونکہ وہ خوابگاہ بالکل تاریک نہیں تھی بلکہ وہاں ڈبل بیڈ کے سرہانے ایک لیمپ میں زیرو واٹ کا سبز بلب روشن تھا اور بستر پر ایک دیوہیکل وجود' شب خوابی کے لباس میں سویا ہوا تھا۔ لمحہ بھر بعد میں سنبھالا لے کر اندر داخل ہو گیا۔

وہ یقینی طور پر میر اکبر خان ہی ہو سکتا تھا۔ اس کے بھرے بھرے چہرے پر چڑھی ہوئی' گھنی مونچھیں موجود تھیں۔ اس کے قدو قامت کے لحاظ سے وہ کنگ سائز مسہری بھی اس کے لئے بس کافی ہی نظر آرہی تھی۔ اس سوئے ہوئے دشمن کو چھیڑنے سے پہلے' حفظ ماتقدم کے طور پر میں نے اس کے قرب و جوار کی تلاشی لینے کا فیصلہ کرلیا۔

اس کی نیند میں خلل ڈالے بغیر میں بستر کے قریب پہنچا تو مجھے اس کے تکئے کے نیچے سے ایک پستول کا سیاہ دستہ جھانکتا ہوا نظر آگیا۔ اکبر کے سر کا سارا بوجھ تکئے کے اس حصے پر نہیں تھا پھر بھی میں نے پوری احتیاط سے کام لیتے ہوئے خود کو مسہری کے برابر میں' قالین پر گرا کر آہستہ آہستہ وہ پستول باہر کھینچ لیا۔

پستول کا میگزین بھرا ہوا تھا اور سیفٹی کیچ ہٹا کر اُس سے پے درپے سات فائر کئے جا سکتے تھے۔

میں پستول اپنی جیب میں اڑس ہی رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ ایک لفافے پر پڑی جو سائیڈ ٹیبل پر سگریٹ کے پیکٹ کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ میں نے کسی خاص ارادے کے بغیر وہ لفافہ اٹھالیا لیکن اسے پلٹتے ہی میں چونک پڑا کیونکہ اس پر ویرا کی مانوس تحریر میں ڈینی دی ڈیم فول لکھا ہوا تھا۔

اس سفید لفافے میں یقیناً کوئی پیغام بند تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ واقعی ویرا کا دن تھا اور وہ بار بار مجھے حیران کئے دے رہی تھی۔ آخر اسے کیسے یقین تھا کہ میں اکبر تک پہنچ سکوں گا اور پھر وہ خود کہاں تھی؟ غزالہ کہاں تھی؟ اس خط میں کیا پیغام تھا؟ اب وہ مجھ سے کیا چاہتی تھی؟

میرے ذہن میں یک بیک ہزاروں سوالات جنم لینے لگے اور میں میر اکبر خان کو چھیڑے بغیر' تیزی کے ساتھ اس خوابگاہ سے باہر نکل آیا۔ اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ میں اس لفافے میں بند پیغام کے متن سے آگاہی حاصل کرتا تاکہ اکبر کو مجھے کوئی فریب دینے کا موقع نہیں ملتا۔

مجھے باہر نکلتا دیکھ کر سلطان شاہ چونکا لیکن میں اسے اشارہ کرتا ہوا تیزی کے ساتھ خالی خوابگاہ کی طرف بڑھتا چلا گیا جہاں میں اطمینان سے لفافے کا پوسٹ مارٹم کر سکتا تھا۔

لفافے پر میرا پتا نہیں تھا اس لئے یہ بات تو طے تھی کہ ویرا کا پیغام مجھے دستی طور پر ملنا تھا۔ وہ کتنا ہی کامیاب قیاس کیوں نہ کرتی' اس کے لئے یہ اندازہ لگانا ناممکن ہی تھا کہ میں سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر' سوئے ہوئے آئی مین کے سرہانے پہنچنے میں

کامیاب ہو جاؤں گا اور پھر وہ لفافہ کھول کر اس کا پیغام پڑھ لوں گا۔ اس لفافے کو مجھ تک پہنچانے کی ذمے داری اس نے یقیناً میرا اکبر خان کے سپرد کی تھی اس لئے یہ ضروری تھا کہ میں لفافے کو احتیاط سے کھولتا تاکہ دوبارہ بند کئے جانے پر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اسے پہلے بھی کھولا جا چکا ہے۔

میں نے بہت احتیاط سے لفافے کے چپکے ہوئے حصے کو لب کی نمی کے سہارے کھولا اور پنسل ٹارچ کی روشنی میں عجلت میں لکھی گئی۔ اس قلمی تحریر کا مطالعہ کرنے لگا جس کی ابتدا لفافے پر لکھے ہوئے خطاب سے کی گئی تھی۔ خطاب کے فوراً بعد ہی شروع ہونے والے پیغام کا متن کچھ یوں تھا۔

"یہ بند لفافہ اکبر نے تمہیں دیا ہے اس کا مطلب ہے کہ تم میری توقعات کے عین مطابق اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔ مجھے پہلے ہی شبہ ہوا تھا کہ تم اکبر کے وجود سے باخبر ہو اور آج یہ شبہ درست ثابت ہو گیا۔ تم بہت چالاک' مکار اور خود غرض ہو لیکن تم نے دیکھ لیا کہ میں بھی اپنی ہٹ پر اتر آؤں تو اپنے باپ کا نام اونچا رکھتی ہوں۔ کرائے پر حاصل کئے گئے دو ٹکے کے ایک لوفر نے تمہیں بہلا چکما دیا اور پھر میں نے تمہارے اس آدمی کو جہنم واصل کر دیا جو اکبر کے مکان کے گرد منڈلا رہا تھا۔ کاش میں نے کسی بے گناہ آوارہ گرد کو نہ مارا ہو اور وہ تمہارا ہی آدمی رہا ہو۔ میری آرزو تھی کہ میں کچھ دن اور یہاں رہ کر تمہیں ایسے ایسے کچوکے لگاتی کہ تم اپنا سر پیٹنے پر مجبور ہو جاتے لیکن ایک اہم کام سے فوری طور پر تمہارا ملک چھوڑنا پڑ رہا ہے۔ غزالہ میرے ساتھ ہے اور اپنی مرضی سے تعاون کر رہی ہے کیونکہ اسے یہ معلوم ہے کہ تم بھی میرے آدمیوں کی قید میں ہو۔ اس نے فرار ہونے یا کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میں تمہیں اذیت دے کر مروا دوں گی۔ میرے وعدے کے مطابق وہ تمہارے پاس ضرور آئے گی لیکن اس میں ذرا سی تاخیر ہو جائے گی۔ مجنوں نے زندگی بھر لیلیٰ کا انتظار کیا لیکن وہ اسے پھر بھی نہیں مل سکی تھی۔ تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں کئی چھٹی محبوبہ تو مل ہی جائے گی۔ میرے بارے میں زبان کھلوانے کے لئے اکبر کو بالکل نہ چھیڑنا۔ یہ شی کا عظیم آئی مین ہے۔ جس نے برے دنوں میں بھی شی کو مایوس نہیں کیا۔ تم نے اس کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تو میں اس کی سزا غزالہ کو دوں گی۔ یہ نہ سمجھنا کہ دور جا رہی ہوں۔ میں روز فون پر اکبر سے اس کی خیریت معلوم کرتی رہوں گی اور جس دن مجھے تمہاری کوئی شکایت ملی اس دن میں غزالہ کو تڑپا کر رکھ دوں گی۔ تم جانتے ہو کہ میرے الفاظ وزن رکھتے ہیں اور میں جتنی مہربان ہوں' اس سے کہیں زیادہ سفاک بھی ہوں۔

"تمہاری سابقہ دوست......ویرا۔"

وہ خط پڑھ کر میں سن ہو کر رہ گیا۔ شام کو ویرا' غزالہ سمیت اسی مکان میں موجود تھی لیکن اب لاپتا ہو چکی تھی جس کا مطلب تھا کہ میری ساری بھاگ دوڑ رائیگاں گئی تھی۔ اس صورت حال کا ادراک ہوتے ہی میرے بدن میں یک بیک کروڑوں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔

میں خاصی دیر تک اسی حالت میں گم صم کھڑا رہا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ویرا نے جو لکھا تھا وہی کر گزرنے پر قادر تھی اور میرے لئے یکے بعد دیگرے تمام راستے بند ہو چکے تھے۔

آخر کار میں نے ایک خوفناک فیصلہ کر لیا۔ وہ ایک جوا تھا جو کامیاب بھی ہو سکتا تھا اور ناکام بھی۔

میں نے اس لفافے کو دوبارہ اسی طرح بند کیا اور اس کمرے سے باہر نکل آیا۔

"سرونٹ روم میں سے اس کے ملازم کو بھی اسی کی خوابگاہ میں گھسیٹ لاؤ!" میں نے لابی میں آ کر دھیمی آواز میں سلطان شاہ سے کہا' میری آواز دھیمی ضرور تھی مگر سرگوشی سے بہت بلند تھی جس پر سلطان شاہ نے مضطرب ہو کر پوری قوت سے میرا بازو تھام لیا۔

"آہستہ بولو!" وہ ہذیانی انداز میں میرے کان کے نیچے غرایا۔ "وہ اٹھ گیا تو ابھی ہمارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"بگڑنے کے لئے اب کچھ باقی نہیں رہا۔" میں نے تلخ اور شکست خوردہ لہجہ میں کہا "اس وقت یہاں اکبر اور اس کے ملازم کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ وہ غزالہ کو لے کر جا چکی ہے۔"

میرے اس انکشاف پر سلطان شاہ بھونچکا رہ گیا۔ میں اسے حیران و پریشان چھوڑ کر دوبارہ میرا اکبر خان کی خوابگاہ میں داخل ہوا اور لفافہ پوری احتیاط کے ساتھ' اصل پوزیشن میں سائیڈ ٹیبل پر سگریٹ کے پیکٹ کے نیچے دبانے کے بعد میں نے بیڈ سائیڈ سوئچ دبا کر سرہانے لگی ہوئی تیز بتیاں روشن کر دیں۔

سوئے ہوئے شکار نے نیند ہی کے عالم میں لاشعوری طور پر ایک جھرجھری لی اور اپنا چہرہ ایک نرم تکیے میں چھپا لیا جو اس کے سرہانے ہی پڑا ہوا تھا۔

میں چند ثانیوں تک اسے خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر میں نے اس کے چہرے پر سے تکیہ گھسیٹ کر' پوری قوت کے ساتھ اس کے چہرہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کر دیا۔

چٹاخ کی آواز کے ساتھ ہی' خوابیدہ شکار کے حلق سے گھگھیانے کی عجیب و غریب آوازیں برآمد ہوئیں اور وہ ہڑبڑا کر بستر سے اٹھ بیٹھا۔

اس کی نیند کے خمار سے بوجھل نگاہیں ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد لحہ بھر میں ہی میرے چہرہ پر آ جمیں اور خوف یا حیرت سے پیشانی پر چڑھتی چلی گئیں۔ وہ اس سے میری پہلی ملاقات تھی لیکن میں ان پھٹی پھٹی آنکھوں میں' جو میرے چہرہ سے پھسل کر بیم گن پر مرکوز ہو چکی تھیں' اپنے لئے شناسائی کی جھلک دیکھ رہا تھا۔

وہ اس وقت پوری طرح میری زد میں تھا لیکن اس کے ذہن

ے شاید نیند کی دھند پوری طرح صاف نہیں ہوئی تھی اس لئے
س کا ہاتھ شاید غیر ارادی طور پر تکیہ کی طرف رینگا لیکن میں نے
سے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ پستول پہلے ہی وہاں سے نکل کر
یری جیب میں منتقل ہو چکا تھا۔

پستول کو اس کی جگہ پر نہ محسوس کر کے اس نے ایک شدید
ھرجھری لی پھر تکیہ الٹ ڈالا۔ وہاں بستر کی سفید چادر اس کا منہ چڑا
رہی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا اور میرے لبوں پر زہرناک
سکراہٹ دیکھ کر نظریں جھکالیں۔

"تم کون ہو؟" آخر اس نے بوجھل اور ننداسی آواز میں پہلا
سوال کیا۔

میں نے جواب میں بیم گن کا رخ بلور کے ایک اونچے گلدان
کی طرف کیا اور ٹریگر پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ بیم گن کی نال سے لیزر
شعاعوں کی باریک سی نیلگوں دھار نکلی اور گلدان راکھ میں بدل کر
قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ راکھ میں بدلنے سے قبل بلور کے تڑخنے کی
آوازیں خاصی اعصاب شکن تھیں۔

"یہ میرا جواب تھا۔" میں نے سفاکانہ لہجہ میں کہا۔ "پہچانے
اب بھی کوئی شبہ ہے؟"

"تم ذینی ہو۔" وہ بستر سے نیچے اتر آیا۔ میں نے محفوظ فاصلہ پر
سرک کر اسے کھڑا ہونے کی جگہ دے دی۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں
بولا "مجھے معلوم تھا کہ تم جلد یا بدیر' یہاں تک ضرور پہنچو گے لیکن
یہ توقع نہیں تھی کہ تم اتنی پھرتی دکھاؤ گے۔ تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھا کر
اپنے حق میں کانٹے بولئے ہیں جن کا خمیازہ تمہیں جلد ہی بھگتنا
پڑے گا۔"

اسی وقت اندر سے ایسی گھٹی گھٹی غراہٹیں سنائی دیں جیسے کسی
زندہ انسان کا گلا دبایا جا رہا ہو۔ وہ بری طرح چونکا مگر میں اسی طرح
پرسکون انداز میں کھڑا' اسے گھورتا رہا۔ پھر ان غراہٹوں میں ایسی
آوازیں بھی شامل ہو گئیں جیسے کوئی توانا شکار خود کو کسی درندہ کی
گرفت سے نکالنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہو۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اکبر میرے شانوں پر سے کھلے ہوئے
دروازہ کی طرف دیکھتا ہوا' بے چینی سے بولا "میں قسم کھا رہا ہوں
کہ تمہیں یہ حرکتیں بہت مہنگی پڑیں گی اور تم اپنا سر پکڑ کر روؤ
گے۔"

میں اس کی دھمکی کا جواب بھی نہیں دینے پایا تھا کہ سلطان
شاہ اس کے موٹے تازے ملازم کو گریبان سے گھسیٹتا ہوا وہیں لے
آیا اور اسے خوابگاہ کے ایک گوشے میں دھکیل دیا۔ سلطان شاہ نے
شاید اس کے منہ پر کچھ ضربات بھی لگائی تھیں کیونکہ اس کے
دہانے سے خون بہہ رہا تھا۔

میر اکبر خان غور سے اپنے ملازم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے
اس کے چہرے پر پہلی بار تشویش کی علامات نمودار ہوتی ہوئی نظر
آئیں پھر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟"

"تم سے میرا کوئی جھگڑا نہیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں
آنکھیں ڈال کر کہا "مجھے ویرا یا اس کا سراغ چاہئے۔ تم نے اس
بارے میں تعاون نہیں کیا تو میں ویرا کو بھول کر تمہیں کچا چبا جاؤں
گا۔"

"تو کیا تمہیں غزالہ کی بازیابی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟"
اس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ویرا کا ایک خود ساختہ مفروضہ ہے۔" میں نے سوچے
سمجھے منصوبہ کے تحت کہا "میری زندگی میں سیکڑوں لڑکیاں آتی اور
جاتی رہی ہیں۔ خود ویرا بھی کسی زمانہ میں اسی گنتی میں شامل تھی۔
میرے لئے غزالہ اور کسی اور لڑکی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ویرا
نے شی سے غداری کی ہے اور اگر تم اپنی زبان نہیں کھولو گے تو میں
تمہیں بھی سازشی اور اس کا ساتھی سمجھوں گا۔"

"کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے یہ پڑھ لو!" اس نے اپنی سائیڈ
ٹیبل پر سے سفید لفافہ اٹھا کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ تم
کو صحیح فیصلے پر پہنچنے میں بہت زیادہ مدد دے سکتا ہے۔"

"یہ کیا ہے؟" میں نے کسی تجسس کا مظاہرہ کئے بغیر سرد اور
سپاٹ لہجہ میں پوچھا۔

"یہ تمہارے لئے ویرا کا نجی اور خفیہ پیغام ہے جس کے
مندرجات سے میں خود بھی لاعلم ہوں۔"

اس کا لفافہ والا ہاتھ بدستور میری طرف بڑھا ہوا تھا۔ میری
نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں اور میں نے اس کے بشرے کے
تاثرات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اپنی چمڑی بچانے کے لئے سفید
جھوٹ بول رہا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ویرا نے اس
لفافے میں کیا پیغام بند کیا تھا۔

پہلے میں چاہ رہا تھا کہ اس لفافہ کو ہاتھ ہی نہ لگاؤں لیکن مجھے
اندیشہ ہوا کہ کہیں میر اکبر خان کو دوبارہ چپکائے ہوئے حصہ کی وجہ
سے میری حرکت کا علم نہ ہو جائے اس لئے میں نے اس کے ہاتھ
سے لفافہ چھینا اور اشتعال کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے پھاڑ ڈالا۔

میرے دونوں ہاتھوں کے مصروف ہوتے ہی اس کے قدم
حرکت میں آئے تھے لیکن سلطان شاہ چوکنا تھا۔ اس کی للکار پر' اکبر
جہاں تھا' دوبارہ وہیں منجمد ہو کر رہ گیا۔

اس لفافے کو پرزہ پرزہ کر کے میں نے قالین پر پھینک دیا اور
حقارت سے کہا "مجھے معلوم ہے کہ ویرا نے مجھے پھر کسی سمجھوتے
کی پیشکش کی ہوگی لیکن اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ پلوں کے نیچے سے
بہت سا پانی بہہ چکا ہے۔ اب اسے خود کو میرے حوالے کرنا ہوگا۔
ورنہ میں خود اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔"

"تم نے بہت برا کیا کہ یہ لفافہ پھاڑ دیا۔ اس کا پیغام بہت اہم
تھا۔" اکبر کی نیند کافور ہو چکی تھی۔

اس کا زخمی ملازم سکڑا سہما ہوا وہیں بیٹھا ہوا تھا جہاں سلطان
شاہ نے اسے لا پھینکا تھا اور خوف زدہ نظروں سے وہاں رونما ہونے

والے ناقابل فہم واقعات کو دیکھ رہا تھا۔

"ایک غدار کا کوئی بھی پیغام اہم نہیں ہو سکتا۔ تم بتاؤ کہ زبان کھولو گے یا مجھے دوسرا راستہ اختیار کرنا ہوگا؟"

"اس پر الزام تراشی تمہیں زیب نہیں دیتی۔ تم خود شی کے غدار ہو۔" وہ میرے آخری سوال کا جواب دیئے بغیر' میری توقع کے مطابق بولا "تمہیں کب سے شی کے مفادات کی فکر ہوگئی ہے؟"

"ہوش میں رہ کر بات کرو' اکبر۔" میں نے درشت لہجے میں کہا "وہ پرانی باتیں تھیں۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ میں شی میں واپس آچکا ہوں اور اب یہاں تمہارا اہم منصب ہوں۔"

"شی میں آج تک کسی غدار کو واپس نہیں لیا گیا۔ میں تمہارا یہ دعویٰ کیسے مان لوں؟"

"شی کا کوئی باغی خود کو اتنے عرصہ تک بڑوں کے انتقام سے بچا بھی نہ سکا تھا۔ انہوں نے تسلیم کرلیا ہے کہ جہاں میری بہت سی غلطیاں تھیں وہاں ان کا دامن بھی صاف نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں بھی ایک عظیم آئی مین ہوں۔"

"ثبوت اور شناخت کے بغیر میں نہیں مان سکتا۔" اس نے بے اعتباری سے کہا۔

میں نے خاموشی کے ساتھ اپنی جیب سے سلور آئی نکال کر اُس کی طرف بڑھادی۔

ویرا' غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر وہاں سے نکل چکی تھی اور میری دسترس سے باہر تھی۔ اس نے مجھے بلیک میل کرنے کے لئے جو پیغام چھوڑا تھا' وہ بہت خوفناک اور روح فرسا تھا۔ اس پیغام میں ویرا نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے میر اکبر خان کے ساتھ کوئی زیادتی کی تو وہ میری اس حرکت کا انتقام غزالہ سے لے گی۔ میری موہوم سی جیت یہ تھی کہ میں نے میر اکبر خان کی لاعلمی میں وہ پیغام پڑھ کر' لفافہ اسی جگہ رکھ دیا تھا جہاں سے اسے اٹھایا تھا اور جب میر اکبر خان نے خوف و ہراس کے عالم میں وہ لفافہ مجھے دینا چاہا تو میں نے اس پر نگاہ ڈالے بغیر' لفافے کے پرزے اڑادیئے۔ میری اس غیر متوقع حرکت نے میر اکبر خان کے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

میر اکبر خان نہ صرف شی کا ایک طاقتور آئی مین تھا بلکہ ویرا کا خیر خواہ بھی تھا۔ اسی لئے ویرا نے' اشرف آباد والے فلیٹ سے فرار ہو کر' رازی روڈ کے اس مکان میں پناہ لی تھی جہاں میر اکبر خان ایک طویل مدت سے اپنے واحد ملازم کے ساتھ رہ رہا تھا۔

میں جانتا تھا کہ میرے بارے میں ویرا کی کہانی حقائق پر مبنی رہی ہوگی۔ اس نے میر اکبر خان کو وہی کچھ بتایا ہوگا جو اس کو معلوم تھا اور اس کہانی میں غزالہ کا کردار کلیدی نوعیت کا ہوگا جو ویرا کی قید میں تھی۔ اس بنا پر میر اکبر خان کو بھی یہ امید ہوگی کہ میں غزالہ کی سلامتی کے لئے ان لوگوں کی ہر شرط بے چون و چرا منظور کروں گا اور کوئی جارحانہ حرکت کرنے کی ہمت نہیں کرسکوں گا۔

مگر میں نے ویرا کے چھوڑے ہوئے لفافے کی بات آنے سے قبل ہی' میر اکبر خان کو یہ کہہ کر حیران کردیا تھا کہ میرے نزدیک غزالہ کی اہمیت ایک عام لڑکی سے کسی بھی طرح زیادہ نہیں تھی۔ جہاں میں نے سیکڑوں دوسری لڑکیوں سے دوستی کرکے رفتہ رفتہ انہیں بھلا دیا' وہیں غزالہ کو بھی آسانی کے ساتھ بھلایا جاسکتا تھا۔ لفافے میں بند پیغام کو پڑھے بغیر پرزوں میں تبدیل کرکے میں نے اس پر یہ ظاہر کردیا تھا کہ مجھے ویرا کی کسی خفیہ پیشکش سے کوئی دلچسپی نہیں تھی جس کا ایک ہی مطلب تھا کہ غزالہ میرے لئے یکسر غیر اہم تھی۔ اس نتیجے پر پہنچتے ہی' میر اکبر خان کے ذہن میں اس سوال کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا کہ جب غزالہ کے بارے میں ویرا کی کہانی بودی بلکہ بے بنیاد تھی تو پھر میری اور اس کی دشمنی کی وجہ کیا تھی اور وہ غزالہ کو اپنے ساتھ کیوں لئے پھر رہی تھی؟

پہلے سوال کا جواب میں نے خود ہی فراہم کردیا تھا کہ ویرا' شی کی غدار تھی اس لئے میں اُس کے لہو کا پیاسا بن چکا تھا کیونکہ ایک ذمے دار آئی مین اپنے ماتحتوں میں کسی غدار کے وجود کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کرسکتا۔ اس تمام کھیل میں وہ شخص یہی نتیجہ اخذ کرسکتا تھا کہ میرے اور غزالہ کے تعلق کے بارے میں ویرا کو کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی تھی جب ہی وہ غزالہ کو یرغمال بنائے پھر رہی تھی۔

میر اکبر خان سے اپنی گفتگو کو میں نے ایک سوچے سمجھے ڈھب پر رکھا تھا۔ اس کی زبان کھلوانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ میں اسے یہ یقین دلا سکوں کہ میں ذاتی مفادات سے بالا تر ہو کر صرف شی کے مقاصد کی بالادستی کے لئے ویرا کے پیچھے لگا ہوا تھا۔

اس تسلسل میں میر اکبر خان کا یہ سوال قطعی منطقی تھا کہ شی میں میرے متنازعہ کردار کے بعد' میرے پاس اس امر کا کیا ثبوت تھا کہ میں اپنے ماضی سے تائب ہو کر دوبارہ شی سے وفاداری کا دم بھرنے لگا تھا اور شی کے بڑوں نے بھی میری اس نئی پوزیشن کو تسلیم کرلیا تھا؟

یہی وہ نازک اور سنگین موڑ تھا جہاں میں نے اندھا جوا کھیلنے کا فیصلہ کرلیا۔

فلیٹ سے فرار ہونے کے بعد ویرا نے فون پر گفتگو کرتے ہوئے' مجھ پر یہ واضح کرنا چاہا تھا کہ شی میں سلور آئی کا کوئی مصرف باقی نہیں تھا۔ اس کے بیان کے مطابق' وہ اہم ترین سکے میری تحویل میں آنے کے بعد شی میں آئی مین کی شناخت کا نظام بدل دیا گیا تھا۔

لیکن میر اکبر خان کی لاعلمی میں' ویرا کا پیغام پڑھتے ہوئے مجھے خیال آیا تھا کہ شی مختلف براعظموں میں پھیلی ہوئی ایک بین الاقوامی تنظیم تھی جس میں ہر سطح کے ہزاروں کارکن شامل تھے۔ ان لوگوں کے لئے یہ بات ناقابل عمل تھی کہ تنظیم میں برسوں سے

ائج ایک مقدس شناختی علامت کو بیک جنبشِ قلم منسوخ کرکے،
س کی جگہ کوئی دوسرا سلسلہ شروع کرسکیں۔ اس موضوع پر غور
رنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ سلور آئی کے بارے میں ویرا کے
غاظ ایک کھوکھلے فریب سے زیادہ نہیں تھے۔

میں اس بے جان سکے کی طلسماتی طاقت، میراکبر خان پر آزما
سکتا تھا۔

زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ وہ سلور آئی کو تسلیم کرنے سے
نکار کردیتا۔ میری دانست میں اس کا وہ انکار صورتِ حال کو مزید
زاب نہیں کرسکتا تھا۔ سلور آئی کے درمیان میں آئے بغیر بھی وہ
برادشمن اور حریف تھا، جسے میں نے بیم گن کی ہلاکت خیز دھار پر
کھا ہوا تھا۔ سلور آئی مسترد ہونے کے بعد بھی وہ صورتِ حال
ں کی توں برقرار رہتی تھی۔

دوسری طرف اگر میراکبر خان سلور آئی کے جھانسے میں
جاتا تو صورتِ حال میرے حق میں ایک ڈرامائی موڑ لے سکتی تھی
س کے نتیجے میں وہ میرا حلیف بن جاتا اور ویرا ہم دونوں کے
قابلہ میں کچھ عرصے کے لئے تنہا رہ جاتی۔ میں جانتا تھا کہ وہ
ورتِ حال زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکتی تھی۔ میری طویل
موشی کے بعد، منظرِ عام پر آمد کی خبریں جمی لائیڈ جیسے گھاگ اور
ہر شخص سے زیادہ دنوں تک پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ وہ اصل
ورتِ حال کا علم ہوتے ہی، میرے بارے میں نئے احکام جاری
رکے میراکبر خان کو خبردار کرسکتا تھا لیکن اس وقت میرے لئے وہ
ب غیر اہم تھا۔ میراکبر خان کی چند گھنٹوں کی غلط فہمی ہی میری
امیابی کی کلید بن سکتی تھی۔ اس سے سب کچھ اگلوانے کے بعد،
ں اسے ذبح کرکے واپس لوٹ سکتا تھا، اس طرح کسی کو کانوں کان
ی علم نہیں ہوسکتا تھا کہ اسے کس نے اور کیوں مارا ہے؟ جب
تک اس کی لاش سے تعفن اٹھنا شروع نہ ہوجاتا، اس کی دریافت
کے امکانات بھی کم ہی تھے۔ اس دوران میں، میں ویرا پر ہاتھ ڈال
سکتا تھا۔

وہ ایک خاصا طویل تجزیہ تھا مگر میں نے پل بھر میں ان تمام
مکانات پر غور کرنے کے بعد، ڈرامائی انداز میں سلور آئی،
یراکبر خان کی طرف بڑھائی تو اس کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی
کے ساتھ پھیلتی چلی گئیں۔

"نہیں، یہ نہیں ہوسکتا۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی
وئی آواز برآمد ہوئی۔ "تم آئی مین نہیں ہوسکتے۔ میں نے سنا تھا کہ
وئی سلور آئی تمہارے قبضے میں چلی گئی تھی۔ شاید یہ وہی مسروقہ
سلور آئی ہے۔ اس کے ذریعے تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے..."

"گڑے مردے اکھیڑنے کی کوشش نہ کرو اکبر خان!" میں نے
نکھیں نکال کر درشت لہجے میں کہا۔ "یہ نہ بھولو کہ ان واقعات کا
الہ دے کر تم میری تحویل میں موجود سلور آئی کا تقدس پامال
کرنے کی کوشش کررہے ہو جس کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔"
سلور آئی، شی کی برسوں پرانی روایات کا ایک مقدس حصہ
تھی۔ اس کا احترام اور اس کے مالک کی تابعداری شی کے ہر
چھوٹے اور بڑے پر لازم تھی۔ اس لئے میری تنبیہہ پر
میراکبر خان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا اور اس نے جھکتے ہوئے،
اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر سر جھکا دیا۔

"شاباش!" میں نے اس پر اپنی نفسیاتی بالادستی برقرار رکھنے کی
نیت سے بزرگانہ انداز میں کہا۔ "سلور آئی کے سامنے اپنا سر جھکا
کر تم نے ثابت کردیا ہے کہ تمہیں اپنا عہد یاد ہے۔ سلور آئی کی
تحقیر کے لئے جتنی بھی افسانہ طرازیاں کی جائیں، یہ ایک اٹل
حقیقت ہے کہ اس کی عظمت کو سلام نہ کرنے والوں کو روئے زمین
پر کہیں امان نہیں ملتی اور وہ جنگلی بھیڑیوں کی طرح اپنے بھٹ سے
باہر نکال کر روند ڈالے جاتے ہیں۔ اب تم نے سر جھکا ہی دیا ہے تو
سنو کہ میں نے ایک نہیں بلکہ دو سلور آئیز حاصل کرلی تھیں لیکن
میں ان کا بوجھ نہیں سنبھال سکا۔ مجھ پر پے در پے ایسے ایسے
مصائب نازل ہوئے کہ میں بوکھلا کر جمی لائیڈ سے باعزت صلح کی
راہیں تلاش کرنے پر مجبور ہوگیا۔ دوسری طرف وہ خود میری ڈھٹائی
اور سخت جانی سے متحیر بلکہ خوف زدہ تھا، اس لئے ہمارے درمیان
میں آخر کار صلح ہو ہی گئی جو ویرا کو ایک آنکھ بھی نہ بھائی۔ جمی لائیڈ
نے صلح ہوتے ہی مجھے آئی مین کا منصب عطا کردیا جسے ویرا نے اپنی
تذلیل سمجھتے ہوئے، میرے خلاف درپردہ ریشہ دوانیاں شروع
کردیں۔ اس کی گھٹیا حرکتوں کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ آج تم نے اپنی
زندگی میں شاید پہلی بار سلور آئی کو شبہ کی نگاہ سے دیکھا ہے۔"

وہ مجھ سے نگاہیں ملائے بغیر، بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ویرا
نے اپنی لچھے دار باتوں سے میری عقل پر پردہ ڈال دیا تھا۔ تمہارے
بارے میں اس کی کہانیاں بہت ہولناک اور لرزہ خیز تھیں۔ اس کا
کہنا تھا کہ تم غزالہ نامی لڑکی کو دل و جان سے چاہتے ہو۔ اسی لئے
ویرا نے اسے یرغمال بنایا ہوا ہے تاکہ اس کی موت کی دھمکی دے
کر تمہیں شی کے خلاف گھناؤنی اور مکروہ سازشوں سے باز رکھ
سکے۔ میں نے سلور آئی کے بارے میں ناپاک الفاظ زبان سے
نکالنے سے قبل یہ حقیقت فراموش کردی تھی کہ تمہارے پاس آئی
مین والی دونوں نشانیاں موجود ہیں۔ ایک ہاتھ میں سلور آئی اور
دوسرے میں بیم گن ہو تو شی کا کوئی اندھا کارکن بھی ایسے شخص کی
عظمت کو سلام کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دوسری سب سے بڑی بات یہ
ہے کہ تم نے آتے ہی غزالہ نامی لڑکی سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کردیا
تھا جب کہ ویرا کا خیال تھا کہ تم غزالہ کی حفاظت کے لئے
ہر سودے بازی پر آمادہ ہوجاؤ گے۔"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "ویرا ایک خود سر اور رنگین
مزاج عورت ہے۔ اپنے پسندیدہ مردوں کے حصول کے لئے، اس
نے بارہا شی کے ضابطوں کی دھجیاں اڑائی ہیں اس لئے وہ مجھے بھی
اسی پیمانے سے دیکھ رہی ہے۔ آج کل اس کا مشن صرف اتنا رہ گیا
ہے کہ مجھے ایک ناکام آئی مین ثابت کرسکے جب کہ میں اس کے
خلاف ٹھوس شہادتیں جمع کرلینے کے بعد اب اُس کے [illegible] پایا سا

بن چکا ہوں۔"

"دو بڑوں کی لڑائی میں، مَیں بلاوجہ پس جاؤں گا۔" وہ مظلومانہ آواز میں بولا۔ "میں اصولاً تمہارا ساتھ دینے کا پابند ہوں لیکن ویرا کو میری اس حمایت کا علم ہوگیا تو وہ میری دشمن ہو جائے گی۔ تم جانتے ہی ہوگے کہ وہ اپنی کینہ پروری کے لئے پوری تنظیم میں بدنام ہے۔"

مجھے اچانک ایک اور پہلو سوجھ گیا اور میں نے برجستہ کہا۔ "تم نے میرے الفاظ پر شاید غور نہیں کیا کہ آئی مین کے منصب پر میرے تقرر کو ویرا نے اپنی تذلیل تصور کیا تھا۔"

"ہاں، تم نے یہ بات کہی تو تھی۔" وہ اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"اس بات سے تم نے کیا نتیجہ اخذ کیا؟" میں نے پرکھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"سامنے کی بات ہے کہ تمہیں اس کی مرضی کے خلاف آئی مین بنا دیا گیا۔"

"اتنی ہی بات نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس بار ویرا تم سے ملی تو اس نے تمہیں اپنی سلور آئی دکھائی تھی یا اس کے بغیر ہی تمہیں الو بنا کر چلی گئی؟"

اس کا جواب میری توقع کے عین مطابق تھا۔

وہ خفت آمیز لہجے میں بولا "اس نے سلور آئی دکھائی نہ میں نے اس کی ضرورت محسوس کی۔ ہم سب ہی جانتے ہیں کہ وہ برسوں سے سلور آئی کی مالک ہے۔"

"بس اس بار اُس نے اسی ساکھ کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔" اپنے شبہ کی تصدیق ہوتے ہی میں نے بے دھڑک ہو کر نئی چال چل دی۔ "اس کی تذلیل کا سبب یہ ہے کہ اُس سے سلور آئی واپس لے کر مجھے سونپی گئی ہے۔ آج وہ عملاً بے اختیار ہو چکی ہے لیکن اپنی پچھلی ساکھ کے سہارے، تم جیسے وفادار لوگوں کو الو بناتی پھر رہی ہے۔ کاش تم نے اس سے سلور آئی دیکھنے کا مطالبہ کیا ہوتا تو تمہیں اسی وقت اندازہ ہو جاتا کہ وہ اپنے منصب سے معزول ہو چکی ہے۔"

میری بات سن کر میر اکبر خان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "اب وہ آئی وومن نہ سہی، ہماری کارکن تو ہے نا؟"

"جب تک اوپر والوں سے کوئی نئی خبر نہیں ملتی، وہ ہماری صفوں میں شامل رہے گی۔" میں نے متانت کے ساتھ جواب دیا۔ "لیکن اب وہ میری یا تمہاری برابری نہیں کر سکتی۔ اسے ہم لوگوں کے احکام کے سامنے اپنا سر جھکانا پڑے گا۔ اس نے ایسا نہ کیا تو وہ بدترین خسارے میں رہے گی۔"

"خدا میرے حال پر رحم کرے!" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ "میں نے اس کی صورت دیکھ کر تنظیم کے اس اصول سے انحراف کیا کہ کوئی بھی آئی مین یا آئی وومن سلور آئی دکھائے بغیر اپنا حکم منوانے پر اصرار نہیں کر سکتی مگر میں نے اسے پہچان کر اُس کی ہر بات مان لی۔"

"تم فکر نہ کرو!" میں نے بڑھ کر اُس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو وہ نجانے کس کس کو چرکے لگائے گی۔ بہرحال تم کو آئندہ محتاط رہنا ہوگا۔ میں دوسری لغزش برداشت نہیں کروں گا۔"

"وہ ایک بے ہوش لڑکی کے ساتھ یہاں آئی تھی۔" میرے بڑھتے ہوئے دباؤ کے سامنے وہ خود بخود زبان کھولنے پر مجبور ہوگیا۔ "اس کا کہنا تھا کہ غزالہ نامی وہ لڑکی، تمہاری چہیتی محبوبہ ہے جسے اپنی قید میں رکھ کر وہ تمہیں اپنی شرائط ماننے پر مجبور کرنا چاہتی تھی۔ ویرا میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ خود کو جمی لائیڈ کی ناجائز اولاد کہنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ اُس کے اس دعوے پر جمی لائیڈ نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اسے بھی سلور آئی کا مالک بنایا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے ویرا سے کوئی شناخت طلب کئے بغیر، اس کی ہر بات پر یقین کرلیا اور اسے یہاں پناہ دے دی۔ وہ یرغمالی لڑکی کے ساتھ اوپر کی منزل پر چلی گئی۔" اس مرحلہ پر اس نے خاموش ہو کر بے بسی کے ساتھ اپنے زخمی ملازم کی طرف دیکھا اور ترحم آمیز لہجے میں بولا۔ "اس بے چارے کو تم نے خاصا زخمی کر ڈالا ہے۔ میرے خیال میں اس کی یہاں موجودگی غیر ضروری ہے۔ غلط فہمیاں دور ہو جانے کے بعد اس کی گلوخلاصی ہو جانی چاہئے تاکہ یہ اپنا حلیہ درست کر سکے۔"

رازدارانہ گفتگو کے آغاز سے قبل وہ تخلیہ کا خواہاں تھا اس لئے میں نے اپنی جیب سے کلوروفارم کی اسپرے والی شیشی نکال کر سلطان شاہ کے حوالہ کرتے ہوئے کہا۔ "اسے عزت اور احترام کے ساتھ اس کے کمرے میں پہنچا کر واپس آجاؤ۔"

اسے ہدایت دیتے ہوئے، میں نے آنکھ سے مخصوص اشارہ بھی کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس اشارے کی بنا پر سلطان شاہ کلوروفارم کی شیشی کا مصرف سمجھ لے گا۔

میرے الفاظ مکمل ہونے سے پہلے ہی، میر اکبر خان کا سہما ہوا اور زخمی ملازم پھرتی کے ساتھ اپنے قدموں پر کھڑا ہو چکا تھا۔

وہ جس قدر توانا اور صحت مند نظر آرہا تھا، اس سے کہیں زیادہ بزدل بھی نظر آرہا تھا ورنہ سلطان شاہ جیسے سبک اندام شخص کے لئے، اسے زیر کرنا اتنا آسان ثابت نہ ہوتا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ سلطان شاہ اسے کسی شرارتی بچے کی طرح مارتا اور رگیدتا ہوا اس کمرے میں لایا تھا۔

وہ دونوں میر اکبر خان کی خوابگاہ سے چلے گئے تو میں دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمارے درمیان شکوک و شبہات کی فضا برقرار نہیں رہی ہے۔" میر اکبر خان نے میرے ہاتھ میں دبی ہوئی بیم گن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس لئے بیم گن کی ضرورت ختم ہو چکی ہے۔ تم اجازت دو تو ہم دونوں بیٹھ کر سکون سے گفتگو جاری رکھ سکتے ہیں۔"

میں نے محض ایک تائیدی ہنکارا بھر کر' بے پروایانہ انداز میں ہیم گن اپنی جیب میں ڈال لی۔ میں اس کی طرف سے پوری طرح مطمئن نہیں تھا مگر میں اسے یہ تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ میرے ذہن میں اس کی طرف سے کچھ اندیشے بدستور موجود تھے۔ میں خوابگاہ میں پڑے ہوئے صوفے پر جا بیٹھا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے مقابل آبیٹھا۔ آتے ہوئے' وہ سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھانا نہیں بھولا تھا۔

ہم دونوں نے بیک وقت اپنی اپنی سگریٹیں سلگائیں پھر اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولنا شروع کردیا "شام کو ویرا نیچے آئی تو بہت مضطرب اور متفکر تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ایک مشکوک شخص اس مکان کی نگرانی کررہا تھا۔ میں نے باہر جاکر اسے چیک کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ویرا مجھ سے متفق نہیں تھی۔ اس کو پورا یقین تھا کہ وہ آدمی تمہارا اگر گا تھا۔ اس نے مجھ سے کسی بے آواز ہتھیار کے بارے میں استفسار کیا تو میں نے اپنا ایک خاص پستول پیش کردیا جو سائیلنسر سے لیس ہے۔ اس کی نال کو ضرورت کے وقت لمبا کر کے' اس کی رینج میں کئی گنا اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت ویرا نے مجھے بتایا کہ تم نے اس کے لئے کسی فلیٹ کے قرب وجوار میں آدمی چھپائے ہوئے تھے لیکن اس نے فون پر اپنے کسی ہمدرد کو ہدایات دیں اور پھر کرائے کے ایک معمولی سے آدمی کے ایک فائر نے تمہارے آدمیوں کو بری طرح بوکھلا دیا اور وہ سب اندھا دھند فائرنگ کرنے لگے۔ اپنی دانست میں تمہارے ایک منصوبے کو ناکام بنانے کے بعد وہ خوں ریزی پر تل گئی تھی اور اس مکان کی نگرانی کرنے والے کو' فوری طور پر موت کے گھاٹ اتارنا چاہتی تھی تاکہ تم اس کی جمع کی ہوئی معلومات سے کوئی استفادہ نہ کرسکو۔ نشانہ خطا ہونے کے خوف سے میں ویرا کے اس اقدام سے مخالفت کرتا رہا لیکن اسے اپنی نشانہ بازی پر بلا کا اعتماد تھا۔ جب اس کے سر پر خون سوار تھا تو میں اس کے ہمراہ اوپر ہی تھا۔ غزالہ ایک کمرے میں مقفل تھی۔ مشتبہ آدمی' چہل قدمی کے انداز میں ٹہلتا ہوا' جوں ہی میرے مکان کے سامنے آیا' ویرا نے ایک کھلی ہوئی کھڑکی میں سے نشانہ لے کر اس کی متحرک کھوپڑی پر فائر کردیا اور وہ شخص ایک بھیانک چیخ مار کر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ بے آواز فائر کی وجہ سے کسی کو شبہ تک نہیں ہوسکا کہ گولی میرے مکان کی اوپری منزل سے چلائی گئی ہے۔"

"اسے میرا فوبیا ہوگیا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "میرا کوئی آدمی یہاں نہیں تھا۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ جب میں یہاں آیا تو کوئی مجھے تمہاری اس خوابگاہ میں داخل ہونے سے نہیں روک سکا۔"

"خود میرا بھی یہی خیال تھا۔" اس نے میری ہاں میں ہاں ملائی۔ "میرا اندازہ تھا کہ وہ کوئی بدقسمت چور' آوارہ گرد یا نشہ باز تھا جو ویرا کی درندگی کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت میں نے سمجھ لیا تھا کہ ویرا کے دل و دماغ میں تمہاری دہشت بیٹھی ہوئی تھی اور وہ اپنے سائے سے بھی بری طرح بھڑک رہی تھی۔"

"لیکن وہ یہاں سے اچانک کہاں چلی گئی؟" میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

اس دوران میں سلطان شاہ واپس آکر ایک صوفہ پر براجمان ہوچکا تھا۔

"اس کی منزل کے بارے میں' مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اس نے کہا۔ "میرے ٹیلی فون کی ایک لائن میری خوابگاہ میں ہے اور دوسری لائن اوپری منزل پر ہے۔ ویرا کے آنے کے بعد سے میں اپنے انسٹرومنٹ پر مسلسل ڈائلنگ کی آوازیں سنتا رہا جس کا مطلب تھا کہ وہ ملک میں اور بیرون ملک فون کررہی تھی..."

"بیرون ملک؟" میں نے چونک کر اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ اندازہ کیسے لگالیا تم نے؟"

"ڈائلنگ کی آوازوں سے۔" اس نے جواب دیا۔ "کئی نمبر ایسے تھے جن کے لئے اس نے سب سے پہلے ڈبل زیرو ڈائل کیا تھا جو پاکستان سے باہر رابطہ کے لئے ملانا پڑتا ہے۔ کئی بار اس نے پہلا ہندسہ زیرو کا ڈائل کیا تھا جس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ پاکستان کے دوسرے شہروں میں بات کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ میرا خیال ہے کہ بیرونِ شہر اور بیرونِ ملک ہونے والی کالز ہی میں اسے کوئی پیغام ملا ہوگا جس کے نتیجے میں وہ بہ عجلت یہاں سے روانہ ہوگئی۔"

"باہر تمہارے پورچ یا گیراج میں تمہاری کار نظر نہیں آرہی؟" میں نے بغور اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ میری گاڑی ہی لے گئی ہے۔" اس نے بلا تردد اعتراف کرلیا۔ میں نے اس کے لب و لہجے سے اندازہ لگایا کہ وہ دیدہ و دانستہ کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کررہا تھا۔ "اس نے کہا تھا کہ وہ فون پر مجھے بتادے گی کہ اس نے میری گاڑی کہاں چھوڑی ہے۔ اس کے پیغام کی روشنی میں' مَیں اپنی گاڑی واپس منگوالوں گا۔"

"گاڑی کے بارے میں وہ تمہیں کب فون کرے گی؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

وہ ایک گہرا سانس لے کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ وہ آزاد منش عورت ہے۔ وہ کب فون کرتی ہے' یہ اس کی سہولت اور طبیعت پر منحصر ہے۔"

"بے ہوش لڑکی کو وہ اپنے ساتھ لادے [illegible] رہی ہوگی؟" میں نے دانستہ غزالہ کا نام لئے بغیر بے پروایانہ اند[illegible] میں سوال کیا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ غزالہ بے ہوشی [illegible] حالت میں

یہاں لائی گئی تھی لیکن پھر اسے ہوش آگیا تھا' ویرا نے اسے کوئی ایسی پٹی پڑھائی تھی کہ ہوش میں آنے کے بعد اس نے یہاں کوئی اودھم یا ہنگامہ نہیں کیا بلکہ رضاکارانہ طور پر ویرا کے اشاروں پر ناچتی رہی۔ پھر بھی ویرا نے اسے تنہا چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لیا۔ وہ دو مرتبہ مجھ سے بات کرنے کے لئے نیچے آئی تو اس نے غزالہ کو ایک محفوظ کمرے میں مقفل کردیا تھا۔ یہاں سے جاتے ہوئے' غزالہ پوری طرح ہوش وحواس میں تھی اور اپنے قدموں سے چل کر میری کار میں سوار ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ اُس کی وجہ سے ویرا کو کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہوگا۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ تمہاری ہی کار میں' سرحد عبور کرکے کسی پڑوسی ملک میں نکل جائے۔" میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد اس سے استفسار کیا۔

"وہ لاابالی طبیعت کی مالک ہے۔ اس سے ہروقت' ہرحرکت کی توقع کی جاسکتی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے اس بار وہ کسی طے شدہ پروگرام کے تحت سفر پر نکلی ہے اس لئے وہ اپنی مقررہ سمت میں ہی سفر کرے گی۔ میرا اندازہ ہے کہ میری کار ائرپورٹ پر پائی جائے گی۔"

"روانگی سے پہلے اس نے تمہارے سامنے اپنی سفری دستاویزات وغیرہ کا ذکر بھی کیا ہوگا؟"

"بالکل نہیں۔ وہ ہروقت دو چار متبادل ناموں پر سفر کرنے کے لئے تیار رہتی ہے۔ ان ہی کاغذات میں سے کسی ایک سیٹ میں ردوبدل کرکے اس نے غزالہ کے سفر کا بندوبست بھی کرلیا ہوگا۔"

میں مزید کچھ کہے بغیر' چند ثانیوں تک اسے تیز نگاہوں سے گھورتا رہا اور اس نے سٹپٹا کر اپنے لئے ایک نئی سگریٹ روشن کرلی تاکہ میری طرف سے اپنا دھیان بٹا سکے۔

"اس نے تمہاری چھت کے نیچے کتنا وقت گزارا تھا؟" آخر کار میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔ سیدھی انگلیوں سے جو گھی نکل سکتا تھا وہ میں نے نکال لیا تھا اور میری دانست میں ٹیڑھی انگلیاں استعمال کرنے کا وقت آچکا تھا۔ اس مرحلہ پر میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ مزید کچھ اور بھی جانتا تھا ورنہ وہ کوئی ایسی بات تھی جو میرے سوالات کی گرفت میں نہیں آسکی تھی اس لئے وہ سچ بول کر بھی ویرا کا حقِ نمک ادا کررہا تھا۔

اس نے میرے بدلے ہوئے لہجے پر' چونک کر میری طرف دیکھا اور صوفے میں پہلو بدلتے ہوئے اضطراری لہجہ میں بولا۔ "آٹھ دس گھنٹے.... مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

میرے نزدیک یہ بات قابلِ قبول نہیں ہے کہ آٹھ دس گھنٹے ایک ہی مکان میں گزارنے کے باوجود اس نے تم سے ایسی کوئی بات نہ کہی ہو جس سے اس کے اگلے پروگرام پر روشنی پڑتی ہو۔"

"میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں کہ میں نے تمہارے ہر سوال کا درست جواب دیا ہے۔"

"تمہارے ان محتاط فقروں سے ظاہر ہورہا ہے کہ میرے سوالات کے علاوہ بھی تم بہت کچھ جانتے ہو جو ابھی تک تمہاری زبان پر نہیں آیا ہے۔ شی کے مفاد میں' میں سب کچھ سننا چاہتا ہوں۔"

"تم مجھ پر الزام لگارہے ہو!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں احتجاج کیا۔

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میری طرف سے مطمئن ہونے کے باوجود تمہارے دل میں ویرا جیسی خود سر اور غدار عورت کے لئے نرم گوشہ کیوں موجود ہے؟" میں نے اُس کے احتجاج کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "تم ایک آئی مین ہو۔ تمہیں میری طرح ویرا کا دشمن ہونا چاہئے۔ وہ ہماری صفوں میں شامل رہ کر ہماری بنیادیں کھوکھلی کررہی ہے۔ اس سے سلور آئی واپس لی جاچکی ہے لیکن وہ خود کو آئی دو من ظاہر کرکے ایک بہت بڑے جرم کا ارتکاب کررہی ہے اور تم اس جرم میں اُس کے شریک بنتے جارہے ہو۔ یہ نہ بھولو کہ ہم دونوں ایک ہی منصب پر ضرور فائز ہیں لیکن اس وقت بالادستی مجھے ہی حاصل ہے۔"

"تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ اب تم مجھے دھمکیاں دینے پر تل گئے ہو؟"

"تم نے اس حقیقت کا ادراک نہ کیا تو ہمیں تمہاری کم عقلی پر ماتم کرنا پڑے گا۔" میں نے بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "شی کا مفاد میری یا تمہاری زندگی سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔"

اس دوران میں' مَیں نے اپنی جیب سے بیم گن دوبارہ نکال لی تھی اور اسے انگلیوں میں اس طرح گھمانا شروع کردیا تھا کہ میرا اکبر خان اس ہولناک ہتھیار کی دہشت سے مرعوب ہوتا رہے۔

"یہ میری بدقسمتی ہے کہ اس وقت ہم برابری کے ساتھ مذاکرات نہیں کررہے۔" چند ثانیوں کے گمبھیر سکوت کے بعد اس نے پژمردہ آواز میں کہا "تم طاقت کے زور پر مجھ پر مسلط ہوگئے ہو لیکن تم یقین کرو کہ میں بھی شی کا اتنا ہی وفادار ہوں جتنا تم خود کو سمجھتے ہو۔ اس لئے میں وہی کچھ کررہا ہوں جو شی کے حق میں بہتر سمجھتا ہوں' اگر تم کو میرے رویّے سے کوئی شکایت ہے تو مجھ پر دھونس اور دھاندلی آزمانے کے بجائے تم کو بڑوں سے رجوع کرنا چاہئے جو آخر کار سچائی تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔"

"میں اپنے بڑوں سے کٹا ہوا ہوں۔ اگر تم کو ان میں سے کسی کا فون نمبر معلوم ہے تو ابھی سلسلہ ملاؤ۔ میں تم کو ان کا فیصلہ بھی سنوادوں گا۔ تم اپنے موٹے ملازم کے ساتھ اس مکان کی بندیواروں میں محصور ہوکر چین کی بانسری بجاتے رہے ہو۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ یہ ملک شی کی عالمی حکمتِ عملی میں یک بیک کیا اہمیت اختیار کرچکا ہے۔ ہیروئن کے بارے میں ہم نے اس ملک کے عوام اور حکمرانوں کے غرور کو خاک میں ملا دیا ہے۔ یہ لوگ اب باہر کی منڈیوں میں پہنچنے کی صلاحیت سے محروم ہوچکے ہیں'

یہاں کے گلی کوچوں میں کمسن بچے غول در غول ہیروئن کے نشے میں دھت نظر آتے ہیں....."

میر اکبر خان، جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے میری تقریر سن رہا تھا، اس مرحلہ پر قطع کلامی سے باز نہ رہ سکا اور ملامت آمیز لہجہ میں بولا۔"تو کیا معصوم پاکستانی بچوں کو ہیروئن کا عادی بنا کر تم بھی فخر اور خوشی محسوس کرتے ہو؟ میرا تو خیال تھا کہ تمہارے اندر کہیں نہ کہیں ملک و قوم کا درد موجود ہوگا۔"

میں اس وقت ٹی کے فدائی کی اداکاری کر رہا تھا اس لئے میں نے نہایت بے رحمی کے ساتھ اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔"ملک و قوم کا درد بانٹنے کے لئے وہ سیاسی مداری کافی ہیں جو مگرمچھ کے آنسو بہا کر پہلے ووٹ لوٹتے ہیں پھر مسند ہاتھ لگتے ہی بھوکے درندوں کی طرح نحیف ونزار قوم پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ جس قوم کے حکمراں قوم کے کپڑے اتروا کر اپنی تجوریاں بھرنے میں لگے رہتے ہوں، اس قوم سے ہمدردی جتا کر تمہیں کیا مل سکتا ہے؟ میں صرف اور صرف ٹی کا آئی مین ہوں اور اس کے مقاصد کا حصول میری منزل ہے۔ تم منافق اور ریاکار ہو۔ ایک طرف ٹی کے آئی مین بنے پھرتے ہو۔ چوری چھپے یہاں ہیروئن کو فروغ دیتے رہے ہو اور اب معصوم بچوں کے لئے اپنے درد کے نوحے سنا رہے ہو۔ ویرا کی ذات ہو یا ٹی کے مفادات، تم ہر جگہ دوغلے ثابت ہو رہے ہو۔ ہمیں ایسے لوگوں کی گردن ماردینی چاہئے جو ہماری آستین کے سانپ بنے ہوئے ہیں۔"

"تم حد سے بڑھ رہے ہو۔" وہ پہلی بار غرایا۔"میں نے خود پاکستانیوں اور ان کے بچوں کو ہیروئن کے جہنم میں جھونکا ہے۔ میں تو یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ میری باتوں پر تمہارا ردِعمل کیا ہوتا ہے۔"

"مائی ڈارلنگ، اکبر خان! اس ملک میں ہیروئن کا مسئلہ دس بیس برس کے لئے حل ہو چکا ہے۔ اپنے شہروں اور دیہاتوں کو اس موذی وبا سے بچانے کے لئے یہ خود باؤلے ہو جائیں گے۔ اب ٹی کا ہدف بدل چکا ہے۔ یہاں ایٹمی ہتھیار بنانے کی باتیں شروع ہو گئی ہیں اس لئے اب ہمیں نئی سمتوں میں کام کرنا ہوگا۔ اس مشن کے آغاز سے پہلے ہمیں ویرا جیسے فتنوں کا بھرپور سدباب کرنا ہوگا۔ میں نے تمہیں کہا ہے کہ تم کو کسی بڑے کا نمبر معلوم ہو تو اس سے سلسلہ ملاؤ، باقی باتیں میں خود کرلوں گا۔"

"کاش میں اس پوزیشن میں ہوتا!" اس نے حسرت آمیز لہجہ میں کہا۔"بات دراصل یہ ہے کہ میں نے تمہیں آئی مین تسلیم کرلیا ہے اور تم سے تعاون کر رہا ہوں لیکن ویرا کو میں شک کا فائدہ دینے پر مجبور ہوں۔ میں نے تمہارے الزامات سن لئے ہیں لیکن ویرا کو ان کی وضاحت کا موقع ضرور ملنا چاہئے۔ اسی کے بعد میں ویرا کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کرسکوں گا۔ فی الحال میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ آئی وومن رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن وہ ٹی کے عظیم تر مفادات کے لئے کام کر رہی ہے اور میں اس کی راہ میں روڑے اٹکانا پسند نہیں کروں گا۔"

وہ کھل کر سامنے آگیا تھا۔ میری باتوں کے ہیر پھیر میں آکر اس نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی تھی اس لئے وہ میری ہر بدسلوکی کا مستحق بن چکا تھا۔ میں نے بیم گن بائیں ہاتھ میں لے کر بیٹھے ہی بیٹھے اپنا داہنا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ غضبناک غراہٹ کے ساتھ ایک پہلو پر جھکا تو میں نے بے اختیار، اس کی چڑھی ہوئی مونچھوں کا ایک سرا نوچ لیا۔

موٹے اور لمبے لمبے بالوں کا ایک گچھا اس کے اوپری لب کے بائیں سرے سے اکھڑ کر میری چٹکی میں آگیا۔ اس بار میر اکبر خان کی اضطراری چیخ بہت کریہہ اور تیز تھی۔

سلطان شاہ نہ صرف ہم دونوں کی پوری گفتگو سن رہا تھا بلکہ گفتگو کے رخ کو بھی بخوبی سمجھ رہا تھا اس لئے میرا ہاتھ چلتے ہی اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور جب میر اکبر خان اپنے اوپری ہونٹ کے اذیت ناک زخم کو سہلاتا ہوا صوفے سے اٹھا تو سلطان شاہ نے فضا میں اڑ کر اس کے سینہ پر اپنی دونوں لاتوں سے ایسی شدید ضرب لگائی کہ وہ صوفے کو الٹتا ہوا، کسی وزنی لاش کی طرح دور جاگرا۔

"اس کی حرام مونچھ کا ایک ایک بال اکھاڑ لو!" میں نے تحکمانہ لہجے میں سلطان شاہ کو ہدایت کی اور وہ غراتا ہوا، میر اکبر خان کی چوڑی چکلی چھاتی پر سوار ہوگیا۔

جسمانی طور پر، میر اکبر خان ہم میں سے ہر ایک پر بھاری تھا لیکن اس وقت اس کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے۔ سلطان شاہ اس کی مونچھیں نوچنے کے لئے کوشاں تھا اور وہ خبیث لڑنا بھول کر، دونوں ہاتھوں سے اپنے دہانہ اور اس پر چھائی ہوئی گھنی مونچھوں کو سلطان شاہ کی دسترس سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

میرے لئے وہ کھیل خاصا انوکھا اور دلچسپ ثابت ہوا۔ جب بھی سلطان شاہ اس کی مونچھوں کے دو چار بال نوچنے میں کامیاب ہوتا تو اکبر خان کی بے ساختہ چیخیں نکل پڑتیں۔

میں اس تماشے میں منہمک تھا کہ اچانک میرے پیچھے سے ایک سہمی ہوئی، سرگوشیانہ آواز ابھری۔"باس! خیریت تو ہے نا؟ یا میں بھی آجاؤں؟"

وہ شیر شاہ تھا جسے میں بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا۔ شاید وہ میر اکبر خان کی بلند آہنگ چیخیں سن کر، اندر کی صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے وہاں آپہنچا تھا۔

میرے نئے کھیل میں شیر شاہ کا کوئی کردار نہیں تھا بلکہ اس کی موجودگی میرے لئے خطرناک ثابت ہوسکتی تھی کیونکہ وہ مافیا کا آدمی تھا جب کہ میں ایک ذاتی معاملے میں ٹی کے آئی مین سے لڑ رہا تھا۔ میری ساری لڑائی صرف اور صرف غزالہ کے لئے تھی جب کہ سیٹھ حبیب جیوانی یہ جانتا تھا کہ میں مافیا کی بالادستی قائم کرنے کے لئے ویرا کی راہ پر لگا ہوا تھا۔ اگر شیر شاہ اس مار دھاڑ

میں موجود رہتا تو اسے اصل معاملہ کی بھنک مل سکتی تھی جو میرے حق میں ہرگز مفید ثابت نہ ہوتی۔

اس کی صورت دیکھتے ہی میں اُس پر برس پڑا۔ "تمہیں جہاں چھوڑا گیا تھا' وہیں واپس جاؤ اور ہر طرف نگاہ رکھو۔ یہاں کچھ بھی ہوجائے' تمہیں اپنی جگہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ زلزلہ بھی آجائے تو تم میری ہدایت ملنے تک اپنی جگہ پر جمے رہوگے۔"

"ٹھیک ہے باس!" اس نے سر جھکا کر ادب سے کہا۔ "لیکن رات کے سناٹے میں اس کی بے ساختہ چیخیں دور تک سنی جا سکتی ہیں' اس کا منہ باندھ دیا جائے تو بہتر رہے گا۔"

اپنی بات پوری کرنے کے بعد وہ میرا جواب سننے کے لئے نہیں رکا تھا اور فوراً ہی باہر چلا گیا تھا مگر میں اس کی بات کی معقولیت پر غور کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔

سلطان شاہ اور میرا اکبر خان اتنے انہماک کے ساتھ ایک دوسرے سے لڑنے میں مصروف تھے کہ انہوں نے شاید شیر شاہ کی آمد کا نوٹس ہی نہیں لیا تھا اور اگر ان میں سے کسی نے اسے دیکھا بھی تھا تو مجھے پورا یقین تھا کہ ان میں سے کسی نے شیر شاہ کی کہی ہوئی کوئی بات نہیں سنی تھی اس لئے میں نے فوراً ہی سلطان شاہ کو للکارا۔ "یہ مردود اس طرح قابو میں نہیں آئے گا۔ اچھی طرح جبڑے سہلانے کے بعد اسے باندھ ڈالو۔"

سلطان شاہ بھی شاید مونچھیں نوچنے کے کھیل سے اکتا گیا تھا کیونکہ اس نے فوراً ہی میرا اکبر خان کے جبڑے پر زوردار مکّوں کی یلغار کردی اور اکبر اسے اپنے سینہ پر سے اچھال پھینکنے کے لئے زور لگانے لگا۔ اس دوران میں' مَیں نے کمرے میں کسی ڈوری کی تلاش شروع کردی جس کی مدد سے اکبر خان کو بے دست وپا کیا جا سکے۔ آخر کار مجھے ایک تپائی کے نیچے سے ریشم کی مضبوط ڈوری کا لچھا مل ہی گیا جس کا سرا کھولتے ہوئے' میں بھی سلطان شاہ کی مدد کو پہنچ گیا۔

اکبر خان لاکھ جسیم اور قد آور سہی لیکن ہم اس کے مقابلہ میں دو تھے۔ پھر وہ مدافعانہ جنگ کر رہا تھا جب کہ ہم دونوں کے تیور نہایت جارحانہ تھے اس لئے تھوڑی سی مار دھاڑ کے بعد ہم نے اس کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے بالکل بے بس کردیا۔

یہ اچھا ہی ہوا کہ اس نے شیر شاہ کا تبصرہ نہیں سنا تھا ورنہ وہ آخری لمحات میں شور وغل مچا کر ہمیں فرار کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ اس علاقے کے مکین ایک دوسرے سے لاتعلق رہنے کے عادی ضرور تھے لیکن کسی شخص کی بے پناہ چیخ وپکار انہیں اس حد تک دخل اندازی پر مجبور کر سکتی تھی کہ وہ فون پر پولیس کو اپنے قرب وجوار میں کسی واردات کے ارتکاب کی اطلاع دے سکتے تھے۔

اس دوران میں اکبر خان کا چہرہ بری طرح بگڑ چکا تھا۔ سلطان شاہ کے مکّوں کی بے رحمانہ ضربات نے اس کے ہموار چہرے پر جا بجا نیلے اودے جزیرے ابھار دیے تھے۔ اس کی تقریباً نصف مونچھیں غائب ہو چکی تھیں اور اکھڑے ہوئے بالوں کی جڑوں سے کافی خون رِس رہا تھا جس کی وجہ سے اس کا اوپری ہونٹ سوج کر تقریباً ناک سے جا ملا تھا مگر اتنی درگت بننے کے باوجود وہ خائف نظر نہیں آرہا تھا۔

"تم اپنے حق میں بہت برا کررہے ہو" ہم دونوں کے الگ ہوجانے کے بعد وہ غصے اور بے بسی کے عالم میں بولا۔ "تم میرے اوپر اپنی مرضی مسلّط نہیں کر سکتے۔ اپنے ستاروں کی یاوری سے تم آئی مین ضرور بن گئے ہو لیکن یہ نہ بھولو کہ میں تم سے بہت سینئر ہوں۔"

"تم فکر نہ کرو۔ وقت آیا تو اپنی جواب دہی میں خود کرلوں گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا پھر سلطان شاہ کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ دراصل میں اکبر خان کو اپنے عزائم سے آگاہ کرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے مجبوراً اشارے کا سہارا لینا پڑا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اشارہ سلطان شاہ کے لئے ناکافی ثابت ہوگا لیکن مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ فوراً ہی میرا مدعا بھانپ گیا۔

اس نے میرا اکبر خان کی طرف پشت کرکے' مسہری کے ایک تکیے پر سے سوتی غلاف اتارا اور پلٹ کر دوبارہ اس کے سینے پر سوار ہوگیا۔ اکبر کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے اس لئے وہ زیادہ مزاحمت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اس لئے غلاف دیکھتے ہی وہ سلطان شاہ کا مقصد سمجھ کر خوف زدہ نظر آنے لگا۔

اکبر نے قالین پر اپنا سر ادھر اُدھر پٹک کر' خود کو سلطان شاہ کے چنگل سے بچانے کی سرتوڑ کوششیں کیں لیکن وہ کسی جونک کی طرح اکبر سے لپٹ گیا اور چند ثانیوں میں ہی اس کے دہانے میں حلق تک غلاف ٹھونس دیا۔ غلاف کا کپڑا اتنا زیادہ تھا کہ اکبر خان کا منہ بند کرنے کے باوجود باہر لٹکتا رہا۔ سلطان شاہ مزید احتیاط کے طور پر اس کے منہ پر ڈوری بھی باندھنا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اسے روک دیا۔ بے دست وپا ہونے کی وجہ سے میرا اکبر خان اپنے دہانے سے کپڑا نکالنے پر قادر نہیں رہا تھا۔

"اب بتاؤ کہ ویرا کے بارے میں تم اور کیا جانتے ہو؟ میرے سوالات کا جواب تم اپنے سر کی جنبش سے بہ آسانی دے سکتے ہو۔" میں نے صوفہ اس کی طرف گھما کر' بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

اس کا سر تیزی کے ساتھ نفی میں ہلنے لگا۔ اس وقت اُس کی آنکھوں میں نفرت' خوف اور دہشت کی ملی جلی علامات نظر آرہی تھیں جن سے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ویرا غصے میں اندھی ہو چکی ہے اور اس کے اقدامات ٹی کو کسی بھی وقت ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں اس لئے اُس کو لگام دینی ضروری ہوگئی ہے۔ اگر اتنی پیش رفت کے بعد بھی تم نے اپنی زبان نہ کھولی تو میں یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہوجاؤں گا کہ درپردہ تم بھی اس سے ملے ہوئے ہو اور پھر تم سے

وہی سلوک کیا جائے گا جو شی کے غداروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔"

وہ خاموشی کے ساتھ قہربار نظروں سے مجھے گھورتا رہا۔ اس کی نگاہوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی بھی قیمت پر اپنے موقف سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہیں تھا۔

میں یک بیک سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اپنا بایاں پاؤں میرا اکبر خان کے بستر پر رکھے اسے کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبی اور لچک دار بید دبی ہوئی تھی۔

"اس کے موٹے ملازم کا کیا حال ہے؟" میں نے سلطان شاہ سے دریافت کیا۔

"وہ اپنے کمرے میں بے خبر پڑا ہوا ہے۔ کہو تو اس کا نرخرا کاٹ آؤں۔"

"فی الحال اس کی ضرورت نہیں۔ ابھی ہمیں اکبر کے کس بل نکالنے ہیں۔ تم کچن سے ایک تیز دھار چھری لے آؤ۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ کتنی دیر تک ویرا کا دم بھر سکے گا۔"

سلطان شاہ کسی سعادت مند ماتحت کی طرح اس خواب گاہ سے نکلتا چلا گیا۔

میں دانستہ اکبر خان کی طرف پشت کیے بیٹھا رہا لیکن چند ثانیوں بعد ہی، اس کے حلق سے نکلنے والی چند گھٹی گھٹی اور بے معنی آوازوں نے مجھے اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا۔

وہ میری طرف دیکھتے ہوئے اپنے سر اور جسم کو بہت تیزی کے ساتھ ہلا رہا تھا۔ اس کے سر کی جنبشوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنے حلق میں ٹھنسے ہوئے کپڑے سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

میں اس کا مقصد سمجھتے ہوئے بھی انجان بنا رہا اور پرسکون آواز میں بولا۔ "اب تم اسی طرح پڑے رہو۔ میرا ساتھی تمہارے دونوں کان کاٹ لے گا۔ تمہیں پھر بھی عقل نہ آئی تو تمہاری ناک جڑ سے کاٹ لی جائے گی اور ہم تمہیں اسی حالت میں یہاں بند کر کے چلے جائیں گے۔ اگر تمہارے خون میں تیزی کے ساتھ جمنے کی صلاحیت ہے تو بہت زیادہ خون نہیں بہے گا اور تم بھوک اور پیاس کے باوجود کئی دن بلکہ ہفتوں تک زندہ رہ سکو گے لیکن یہ یاد رکھنا کہ ویرا کے علاوہ یہاں کوئی تمہاری مدد کے لیے نہیں آئے گا۔ میرے ساتھی باہر رہ کر تمہارے گھر کی نگرانی کرتے رہیں گے۔ ویرا یہاں آئی تو اس چوہے دان میں گھیر لی جائے گی اور وہ نہ آئی تو تم اسی حالت میں سسک سسک کر مر جاؤ گے۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکے گا کہ شی کے ایک سینئر آئی مین کو کس نے اس حال میں پہنچایا۔ تمہارا موٹا ملازم بھی اسی حالت میں اپنی کوٹھری میں بند پڑا رہے گا۔ تم زمین پر گھسٹتے ہوئے بھی اس تک نہیں پہنچ سکو گے کیونکہ ہم جاتے ہوئے، تمہاری خوابگاہ کا دروازہ مقفل کر دیں گے۔ تم دونوں اس چھت کے نیچے اپنی موت کا انتظار کرتے رہو گے لیکن ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر سکو گے۔"

اس کے سر کی جنبش تیز ہوتی چلی گئی۔ میرے عزائم کی تفصیلات سن کر وہ بری طرح مضطرب ہو گیا تھا مگر میں اس کے ہر ردِ عمل کو نظر انداز کر کے یکسوئی کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا جہاں بے بسی یا سپردگی کے بجائے بدستور نفرت کے الاؤ سلگ رہے تھے۔

میرا اکبر خان کے اضطراب میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا رہا۔ رفتہ رفتہ اس کی نگاہوں میں رقصاں نفرت میں بھی قابلِ ذکر کمی آچکی تھی مگر میں سلطان شاہ کی طرف سے مضطرب تھا جسے کچن میں گئے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ آخر کار وہ واپس لوٹا تو اسے دیکھتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

اس کے ہاتھ میں لمبے پھل والی ایک تیز دھار چھری دبی ہوئی تھی لیکن جو بات تشویشناک تھی، وہ یہ تھی کہ چھری کے پھل کے ساتھ ہی سلطان شاہ کے دونوں ہاتھ تازہ تازہ خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔

"یہ کیا ہے؟ کیا کر کے آرہے ہو، تم؟" اس پر نگاہ پڑتے ہی میں نے اضطراری طور پر اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"اس سے پہلے اس کے حرام خور ملازم کے دونوں کان کاٹ آیا ہوں۔" سلطان شاہ نے میرا اکبر خان کی طرف دیکھتے ہوئے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "اس چھری کی دھار واقعی بہت تیز ہے۔ تم چاہو تو میں آناً فاناً اس کے گھٹنوں کے جوڑ کھول کر، پنڈلیاں باہر پھینک سکتا ہوں۔"

اس بار میرا اکبر خان کا چہرہ خوف اور دہشت سے تاریک پڑ گیا۔ اس کی نگاہوں میں بھی یک بیک دہشت سمٹ آئی اور وہ رحم طلب نظروں سے ہم دونوں کو دیکھتے ہوئے اپنا سر تیزی سے پٹکنے لگا۔

مجھے حیرت تھی کہ اس بار سلطان شاہ نے میری ہدایت کے بغیر ہی ایک احمقانہ حرکت کا ارتکاب کر ڈالا تھا۔ میرا اکبر خان شی کا خاص کارندہ سہی، لیکن اس کا موٹا ملازم میری نظروں میں بالکل بے گناہ تھا۔ اس کے بارے میں، میں نے جو کچھ کہا، اس کا مقصد اکبر کو خوف زدہ کر کے راہِ راست پر لانا تھا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ میں اسے ذرا بھی گزند پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

مجھے سلطان شاہ کی اس کارروائی سے صدمہ پہنچا تھا لیکن وہ ایسا موقع نہیں تھا کہ میں میرا اکبر خان کے سامنے اسے لعن طعن کر کے اس کے اقدام کے دہشت ناک اثرات کو زائل کرنے کی کوشش کرتا۔

سلطان شاہ خون آلود چھری کو لہراتا ہوا، میرا اکبر خان کے قریب پہنچا پھر یک بیک میری طرف مڑ گیا۔ "میں نے اس موٹے کے کان ڈسٹ بن میں پھینک دیے ہیں۔" اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر آنکھ ماری اور میں نے دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ سفید جھوٹ تھا۔ چھری کے پھل اور اس کے ہاتھوں پر لگا ہوا تازہ خون اس کے کسی کرتب کا نتیجہ تھا اور اکبر

کا ملازم بالکل محفوظ تھا۔

"یہ بہت زیادہ اچھل کود کر رہا ہے۔ ذرا اس کے مُنہ سے کپڑا تو نکالو تاکہ پتا چل سکے کہ یہ اب کیا کہنا چاہتا ہے۔" میں نے سرسری اور بڑا اطمینان لہجے میں سلطان شاہ سے کہا۔

سلطان شاہ نے اس کے دہانے سے باہر نکلا ہوا حصہ پکڑ کر ایک ہی جھٹکے میں غلاف باہر کھینچ لیا۔ مُنہ کے حساس اندرونی حصوں پر سوتی کپڑے کی تیز رگڑ سے میر اکبر خان بلبلا اٹھا اور اس کی آنکھوں میں پانی آگیا۔ اس نے فوری طور پر کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی اینٹھی ہوئی، خشک زبان نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ سوتی کپڑے کے غلاف نے اس کے مُنہ کی ساری رطوبت جذب کر کے اس کے حلق میں کانٹے ڈال دیئے تھے۔

وہ کئی سیکنڈ تک خالی مُنہ چلا کر اپنے عضلات کو معمول پر لانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کی وہ حرکات مجھے کسی ایسے کتّے کی یاد دلا رہی تھیں جو پورا زور لگا کر، اپنے حلق میں پھنسی ہوئی ہڈی کو اُگلنے یا نگلنے کی سرتوڑ جدّوجہد کر رہا ہو اور ناکام ہو۔

"پپ... پانی!" آخر کار، بدقت تمام اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی۔

اس کے سرہانے تھرماس رکھا ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے اس کا ڈھکن کھول کر، یخ بستہ پانی کئی فٹ کی بلندی سے اس کے مُنہ پر انڈیل دیا۔ میر اکبر خان نے بلبلا کر اپنا مُنہ ٹھنڈے پانی کی دھار کی سیدھ میں کیا لیکن پہلا بڑا گھونٹ لینے کی کوشش میں اسے اُچھو لگ گیا اور سلطان شاہ نے تھرماس خالی کر کے بے دردی کے ساتھ اس کے بستر پر پھینک دیا۔

"جلدی بولنا شروع کرو۔" میں نے ترش لہجے میں میر اکبر خان کو پھٹکارا۔ "تمہارے نخروں میں ہم اپنی ساری رات یہاں کالی نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس ویرا تک رسائی کی دوسری راہیں بھی ہیں۔"

"وی... ویرا ایران گئی ہے۔" وہ تقریباً ہانپتے ہوئے، جلدی سے بولا۔ "میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک آئی مین دوسرے آئی مین کے ساتھ ایسا بے رحمانہ سلوک کر سکتا ہے۔"

"غنیمت ہے کہ تمہیں اپنے کانوں سے محروم ہوئے بغیر اس حقیقت کا اندازہ ہو گیا۔" میں نے تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ آئی مین کا نہیں بلکہ ایک غدّار تک رسائی کا معاملہ ہے۔ شاید تم بھول گئے ہو کہ شی اپنے غداروں کے بارے میں کس قدر سخت اور سفاکانہ رویّہ اختیار کرتی ہے۔ اگر اس بار بھی ویرا بچ نکلی تو سارا الزام تمہارے عدم تعاون پر آئے گا اور تم اپنی چمڑی نہیں بچا سکو گے۔"

"مجھے کچھ نہیں معلوم... میرا دماغ ماؤف ہو رہا ہے۔" وہ آنکھیں موند کر کراہا۔ تھوڑے سے تشدّد اور سلطان شاہ کے نفسیاتی حربے نے واقعی اس کے اعصاب کو ناکارہ کر دیا تھا۔

"وقت برباد مت کرو اور یہ بتاؤ کہ ویرا کس روٹ سے گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم راستے میں ہی اسے پکڑ سکیں۔ اس کی سازشوں کی وجہ سے ہمارا گھوڑا کریک آپریشن بری طرح ناکام ہوا ہے۔ اس ناکامی سے ہم پر ہمارے دوستوں کا اعتماد تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔ ویرا نے دشمنوں کے ساتھ مل کر ہمیں ناقابلِ تلافی مالی اور سیاسی نقصان پہنچایا ہے۔ جس پر اسے معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

میرے ان الفاظ پر اس نے چونک کر اپنی آنکھیں کھولیں اور تحیرزدہ آواز میں پوچھا "تو کیا گھوڑا کریک پر پکڑا جانے والا اسلحہ اور گولا بارود ہمارا ہی تھا؟"

"تم برے وقتوں کے آئی مین ہو اس لئے ان نئی نزاکتوں سے لاعلم ہو۔ وہ ہمارا بہت اہم آپریشن تھا۔ اس کے ذریعے ہم اس ملک میں بدترین خانہ جنگی کی کیفیت پیدا کر کے موجودہ حکومت کا تختہ الٹوانا چاہتے تھے تاکہ افراتفری کے خلا میں اپنے پسندیدہ لوگوں کو برسراقتدار لا سکیں۔"

"لل.... لیکن اس کی ضرورت کیا ہے؟" اس نے کہا مگر میں نے بھانپ لیا کہ وہ محض ایک سوال نہیں تھا بلکہ میر اکبر خان کے ذہن میں بھی کچھ نہ کچھ لاوا پک رہا تھا اور وہ میرے جواب کی روشنی میں اپنے الفاظ کا وزن جانچنا چاہتا تھا۔

میرے نزدیک یہ بات کسی بھی شک و شبے سے بالاتر ثابت ہو چکی تھی کہ شی درحقیقت امریکی مفادات کی پروردہ ایک تنظیم تھی جس کے تمام معاشی اور معاشرتی جرائم کا مقصد امریکا کے سیاسی مفادات کا تحفظ کرنا تھا۔ اس کے وجود کی ضرورت شاید اس لئے پیش آئی تھی کہ امریکا کا رسوائے زمانہ خفیہ ادارہ، سی آئی اے عالمی پیمانے پر بدنام ہو چکا تھا اور بیشتر عالمی جرائم میں اس کے ملوّث ہونے کے ثبوت خود امریکی پریس میں منظرِعام پر لائے جا چکے تھے۔ ایک پرانے اور بدنام ادارے کے مقابلے میں کسی نئی اور نسبتاً گمنام تنظیم کی تشکیل امریکا کی ہر حکومت کی ایک ناگزیر ضرورت تھی تاکہ اس کے ذریعے امریکی حکمراں کرۂ ارض پر اپنی ان بڑھتی ہوئی خواہشات کو حاصل کر سکیں جن کا حصول اخلاقی اور قانونی ذرائع سے کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔ اس پس منظر میں، میں نے فوراً ایک کہانی تراش لی۔

"شاید تم شی کی ہیئت سے پوری طرح واقف نہیں ہو" میں نے کہنا شروع کیا "جمہوری حکومت کسی ایک جماعت کی ہو یا دوسری کی، اس کی پشت پر عوامی حمایت ہوتی ہے اور ذرا سی بھی عوامی حمایت رکھنے والی کوئی حکومت اپنے عوام کی امنگوں کے برعکس کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی اسی لئے مضبوط آمرانہ حکومتیں ہمیں راس آتی ہیں۔ اس ملک میں کسی نہ کسی حد تک جمہوریت ہے اس لئے یہ لوگ گھاس کھا کر بھی ایٹمی ہتھیار بنانے کا عزم رکھتے ہیں مگر یہ سب زبانی باتیں ہیں۔ جب گھاس کھانے کا وقت آئے گا تو یہ گوشت خور، چار دن میں بلبلا اٹھیں گے مگر ہم اُس وقت تک

ار نہیں کرسکتے۔ یہاں ہماری مرضی کی حکومت آگئی تو ہم مرے ہی دن اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں ے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے آپریشن گھوڑا کریک کلیدی ت کا حامل تھا مگر ویرا کی غداری نے ہمارے پورے منصوبے کو یٹ کرکے رکھ دیا۔“

”میں یہ سب جانتا ہوں“ اس بار میر اکبر خان کی تھکی ہوئی از نے مجھے چونکا دیا۔

میں خود کو اس سے بالادست اور باخبر ظاہر کرنے کے لئے اپنے ز مرہ تجربوں کی بنیاد پر وہ من گھڑت کہانی چھیڑ بیٹھا تھا جس میں ری دانست میں حقیقت کم اور افسانہ زیادہ تھا لیکن میر اکبر خان یر مشروط تائید نے مجھے ہکا بکا کردیا۔

”میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم کس حد تک باخبر ہو“ وہ ہ رہا تھا ”ویرا نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ گھوڑا کریک پر پکڑا جانے لا اسلحہ ہمارا ہی تھا لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ ایٹمی نٹ کے حساس آلات اور اہم مشینوں کی ترسیل رکوانے کے لئے ران گئی ہے۔ جو مقصد تم بتا رہے ہو‘ وہی مشن اس کا بھی ہے۔ ری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تم دونوں میں سے کسے صحیح اور کسے ط سمجھوں؟“

”تمہارے لئے اب انتخاب کا وقت باقی نہیں رہا“ میں نے گن کی نال کو جنبش دیتے ہوئے کہا ”تم ویرا کی پوری کہانی سنا لو اور فیصلہ مجھ پر چھوڑ دو۔ یہ یقین رکھو کہ اگر وہ بدنیت نہیں ہے اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ میں خود اس کی حفاظت کا فرض ر انجام دوں گا۔“

”وہ فضائی راستے سے گئی ہے۔ اب تک اتنی دور نکل چکی وگی کہ تم اس کی گرد کو بھی نہیں پاسکوگے۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ایران گئی ہے لیکن ایران بہت بڑا ہے۔ پتا نہیں اس نے کس شہر کی راہ اختیار کی ہوگی۔ اس کا پیچھا کرکے تم اپنا وقت برباد کروگے۔“

”میرا وقت تم برباد کررہے ہو“ میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ں سے صرف تہران کے لئے پروازیں چلتی ہیں۔ وہ جہاں بھی نا چاہے‘ پہلے اسے تہران میں اترنا ہوگا۔ اب اگر تم نے براہِ ست اپنی کہانی شروع نہیں کی تو میں دوبارہ تمہارے حلق میں کپڑا ں کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

”مجھے کچھ نہیں معلوم کہ اُس کی کس سے بات ہوئی تھی“ وہ ب گہرا سانس لے کر آہستہ آہستہ بولنے لگا ”مگر میں یہ ضرور جانتا ں کہ اس کی منزل ایران ہے۔ شہنشاہ کے دورِ حکومت میں تا حکومت نے ایران میں ایک جدید ایٹمی پلانٹ کی تنصیب ے لئے حساس ترین آلات اور سازو سامان کی ایک بہت بڑی پ بھیجی تھی لیکن ایران میں انقلاب رُونما ہونے کی وجہ سے ا منصوبے پر کام کا آغاز نہیں ہوسکا۔ ابتدائی دنوں میں نئے ایرانی حکمراں اپنے اندرونی معاملات میں الجھے رہے۔ بعد میں اس منصوبے کی تیاریوں کی جانچ پڑتال کی گئی تو پتا چلا کہ ایران میں موجود ایٹمی سازو سامان اہم ہونے کے باوجود ادھورا تھا جس کی مدد سے پلانٹ کی تعمیر ناممکن تھی۔ ان لوگوں نے درپردہ پاکستان سے رجوع کرکے کھلی عالمی منڈیوں سے بقیہ آلات وغیرہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن امریکا کی بدترین اور کھلی مخالفت کی وجہ سے انہیں کہیں کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔ ان لوگوں نے ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد چھ سو ٹن وزنی آلات اور ایٹمی سازو سامان کی وہ کھیپ پاکستان کو دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ یہ کھیپ نئے پلانٹ کی تعمیر کے لئے غیر اہم ہے لیکن پاکستان میں موجود ایٹمی سہولتوں کی مرمّت‘ تجدید اور توسیع میں نہایت اہم ثابت ہوسکتی ہے۔ سفارتی دباؤ کے ذریعے ایرانی حکومت کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کرنے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد اب یہ مشن شی کو سونپ دیا گیا ہے‘ ہم لوگوں کو یہ کھیپ ایران ہی کی سرزمین پر تباہ کرنی ہے تاکہ پاکستان کی بڑھتی ہوئی ایٹمی صلاحیتوں میں کوئی بہت بڑا ‘ڈرامائی اضافہ نہ ہوسکے۔“

میں دل ہی دل میں اس ملعون کی ضمیر فروشی پر لعن طعن کرکے رہ گیا۔ تھوڑی دیر قبل وہ معصوم پاکستانی بچوں کی ہیروئن نوشی پر کڑھنے کی اداکاری کررہا تھا اور اب پاکستان ہی کی بیخ کنی پر تلا ہوا نظر آرہا تھا۔ وہ بھول چکا تھا کہ وہ خود بھی اپنی پیدائش اور زندگی کے لئے اسی سرزمین کا مرہونِ احسان تھا جس کے مفادات کو وہ دوسروں کے ہاتھ بیچ چکا تھا۔

”وہ سازو سامان ایران کے کس شہر میں ہے؟“ میں نے اس پر پیچ و تاب کھاتے ہوئے پُرسکون آواز میں پوچھا مگر میرے دلی جذبات‘ میرے لب و لہجے پر غالب آہی گئے۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بے ساختہ پوچھا۔ ”اب تم مجھ پر برہم کیوں ہو؟“

”یہی باتیں تم مجھے پہلے بھی بتاسکتے تھے‘ تم نے میرا خاصا وقت برباد کیا ہے۔“

”میں بتاچکا ہوں کہ وہ ہوائی جہاز سے گئی ہے۔ تم آتے ہی چلے جاتے‘ پھر بھی اسے نہیں پکڑ سکتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ پہلے تہران ہی گئی ہو لیکن میں اس کی اگلی منزل سے لاعلم ہوں۔“

”تمہیں بھی ویرا کی بے گناہی کا یقین ہے؟“ میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”پوری کہانی سن لینے کے بعد تمہیں بھی اس کی نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہئے“ اس نے سنجیدگی سے کہا ”اگر اسے شی کو نقصان پہنچانا ہوتا تو وہ عجلت میں تہران کے لئے روانہ نہ ہوئی ہوتی۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایٹمی سازو سامان کی کھیپ اپنی حفاظت اور نگرانی میں پاکستان لانے کے لئے ایران گئی ہوگی۔ وہاں جاکر وہ اپنے کسی شعبدے کے ذریعے گوداموں یا مال بردار کاررواں

کو تباہ تو کر سکتی ہے لیکن ایرانی یا پاکستانی حکام کی کوئی مدد نہیں
کر سکتی۔ بے سروسامانی کے عالم میں اس کی یہاں سے روانگی ہی
اس کی بے گناہی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"
میرا دل چاہ رہا تھا کہ اسے بلا توقف موت کے گھاٹ اتار دوں
لیکن وہ میرے حریف کا ہم راز تھا۔ میری خواہش تھی کہ اسے
مارنے سے پہلے، میں اس کے دل میں پوشیدہ ہر بات اگلوالوں۔
"وہ ثمی کو زک پہنچانا چاہتی تو ایران جانے کے بجائے خاموشی
کے ساتھ یہیں رُوپوشی اختیار کر لیتی" وہ کہہ رہا تھا "اور چند روز
بعد منظرِ عام پر آکر اپنے بڑوں کو اپنی ناکامی کی کوئی اثر انگیز کہانی
سنا دیتی۔"
"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ فضائی راستے سے ہی سفر پر روانہ
ہوئی ہے؟"
"میں نے اسے بتا دیا تھا کہ میری کار کسی طویل سفر کے قابل
نہیں ہے" وہ بولا "اس کے بعد ہی اس نے کئی ائرلائنز کو فون کئے
تھے۔ دفاتر کا وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے اس نے ائرپورٹ کے
دفاتر سے رابطہ کیا تھا۔ نمبروں کی تلاش میں خود میں نے اس کی مدد
کی تھی۔"
"تو کیا پہلے وہ کار سے جانا چاہتی تھی؟" میں نے چونکے بغیر
سوال کیا۔
"میرا یہی اندازہ تھا کیونکہ اس نے میری پرانی فورڈ کے انجن
اور بریکوں وغیرہ کے بارے میں تفصیل سے معلومات حاصل کرنے
کی کوشش کی تھی۔ میں نے اسی وقت ویرا کو بتا دیا تھا کہ میری دس
برس پرانی کار طویل اور اجنبی راستوں پر زیادہ دور تک اس کا
ساتھ نہیں دے سکے گی۔"
"اس کا مطلب ہے کہ تمہاری کار ائرپورٹ کی پارکنگ لاٹ
میں ہونی چاہئے؟"
"اس نے غلط جگہ پر پارکنگ کی ہوگی تو اسے لفٹر بھی لے
جا سکتا ہے۔"
"ائرپورٹ پر لفٹر سے اٹھائی جانے والی گاڑیاں بھی پارکنگ
لاٹ ہی کے ایک حصے میں اتاری جاتی ہیں۔ وہاں تمہاری کار کی
تلاش میں کوئی قابلِ ذکر دقت نہیں ہونی چاہئے۔ تمہاری فورڈ کا
رنگ اور رجسٹریشن نمبر کیا ہے؟ میں پہلے اسی کا سراغ لگاؤں گا۔"
اس نے بلا تردد اپنی سیاہ فورڈ کا رجسٹریشن نمبر بتا دیا جو سلطان
شاہ نے فوراً نوٹ کر لیا۔
"تمہاری خیریت معلوم کرنے کے لئے اس کی پہلی فون کال
کس وقت متوقع ہے؟"
"اپنی پہلی منزل پر پہنچنے کے بعد وہ کسی بھی وقت فون کر سکتی
ہے۔ اسے میری طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو وہ غزالہ پر تشدد
شروع کر دے گی۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ تم نے اس کا پیغام
پڑھے بغیر پھاڑ دیا۔ اسے امید تھی کہ تم جلد یا بدیر مجھ تک پہنچ
جاؤ گے۔ اپنے خط میں اس نے اسی بات پر زور دیا تھا کہ اگر اسے
فون پر میری طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو وہ انتقاماً غزالہ کو بدترین
سزا دے گی۔ اسے تمہارے اور غزالہ کے تعلق کے بارے میں
شدید غلط فہمی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اس کی فون کال آنے تک تم
یہیں ٹھہرے رہو۔ میرے بعد تم بھی اس سے بات کر لینا۔ ہو سکتا
ہے کہ اس مرحلے پر تم دونوں کے درمیان صلح کی کوئی راہ نکل
آئے۔ میری اب بھی یہی رائے ہے کہ وہ سب کچھ ہو سکتی ہے مگر
ثمی کی غدار نہیں ہو سکتی۔"
"اور میرے بارے میں اب تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے
چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
لمحہ بھر کے لئے وہ گڑبڑا گیا پھر سنبھل کر بولا "تم بہت زیادہ
مغلوب الغضب اور جذباتی ہو اس لئے غلطی بھی کر سکتے ہو۔
ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ واقعات کی کڑیاں ملاؤ گے تو تمہیں
اندازہ ہوگا کہ ویرا ثمی سے وفاداری کے معاملے میں تم سے کم نہیں
ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپریشن گھوڑا کریک کے سلسلے میں تمہیں کوئی
سنگین غلط فہمی ہوئی ہو۔ یہ بات میں اُس کی طرف داری میں نہیں
کہہ رہا بلکہ میں دو مخلص اور سینئر کارکنوں کے درمیان صلح صفائی
کرانی چاہتا ہوں۔"
"اب تم نے اس موضوع پر مزید سمع خراشی کی تو میں واقعی
تمہارے کان کٹوا دوں گا۔"
"تم پھر مشتعل ہو گئے" وہ آزردگی کے ساتھ بولا "تمہارا
ساتھی پہلے ہی میرے بے گناہ ملازم کو کانوں سے محروم کر چکا ہے۔
پتا نہیں وہ بے چارہ زندہ ہے یا جریانِ خون سے مر چکا ہے؟"
"تم مکار اور فریبی ہو" میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے
میں کہا "جب سے میں یہاں آیا ہوں، تم نے گرگٹ کی طرح کئی
رنگ بدلے ہیں لیکن یہ بات اٹل ہے کہ تمہاری نس نس میں ثمی
سے وفاداری رچی ہوئی ہے اور میں ثمی والوں کے لہو کا پیاسا ہوں
میرا نام ڈینی ہے۔"
اس کی آنکھوں میں دہشت سمٹ آئی۔ اپنے دفاع کے لئے
اس نے اپنے بندھے ہوئے ہاتھ فضا میں بلند کئے، چیخنے کے لئے
اس کا بگڑا ہوا اور خون آلود دہانہ حرکت میں آیا لیکن اس کے حلق
سے کوئی نحیف سی آواز بھی نکلنے سے پہلے سب کچھ ختم ہو گیا۔
میرے ہاتھ میں دبی ہوئی بیم گن کے ہولناک آہنی دہانے سے
ہر شے کو خاکستر کر دینے والی نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی دھار خارج
ہو کر میر اکبر خان کے چہرے پر پھیلی اور پھر وہاں صرف راکھ کا ڈھیر
پڑا رہ گیا۔ اس کا بغیر سر کا جسم دو تین بار بری طرح تڑپا اور
اُچھل اُچھل کر بے جان ہو گیا۔
میری اس اچانک کارروائی پر سلطان شاہ حیران رہ گیا اور
"یہ تم نے برا کیا؟"
"کیوں؟" میں نے اس کی طرف گھوم کر سوال کیا تو میر

از سے درشتگی مترشح تھی۔
"بیم گن جیب میں رکھو!" سلطان شاہ اس مہلک ہتھیار کی زد
ے بچتے ہوئے بوکھلا کر بولا "اس وقت تم پر خون سوار ہو گیا ہے'
ہیں مجھ پر ہی فائر نہ کر دینا۔"
میں نے بیم گن اپنی جیب میں رکھ لی اور پوچھا "اس کے
رنے میں کیا خرابی ہے؟"
"ویرا کا پہلا فون آنے تک یہ زندہ رہتا تو غزالہ بہت سی
یشانیوں سے محفوظ رہ سکتی تھی۔"
"پہلے میں بھی یہی سوچ رہا تھا لیکن بعد میں میں نے اپنا ارادہ
ل دیا" میں نے کہا "ہم ویرا کے فون کے انتظار میں یہاں بیٹھے رہ
ر اپنا وقت برباد نہیں کر سکتے تھے۔ دوسری طرف مجھے اکبر پر اعتماد
ہیں تھا۔ اگر ہم اسے زندہ چھوڑ کر چلے جاتے تو تنہائی میں وہ ویرا کو
ری کہانی سے آگاہ کر دیتا۔"
"لیکن اب غزالہ کا کیا بنے گا؟" اس نے پُرتشویش لہجے میں
ال کیا۔
میں نے بڑھ کر فون کا ہینڈ سیٹ کریڈل سے اتار کر نیچے رکھ دیا
ر کہا "پاکستان میں ٹیلی فونوں کا کئی کئی دن کے لئے خراب رہنا
ے معمول کی بات ہے۔ جب ویرا کو یہ نمبر انگیج ملے گا تو وہ یہ
چنے پر مجبور ہو جائے گی کہ اکبر کا نمبر خراب ہو چکا ہے۔ دوسری
ر زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ویرا پاکستانی زبان اور رسوم و رواج سے
قف ہونے کی وجہ سے یہاں ہر طرح سے آزادی محسوس کرتی
ا لیکن ایران اس کے لئے ایک اجنبی ملک ہوگا۔ وہاں وہ محفوظ
کانوں کی سہولت سے محروم ہوگی اس لئے غزالہ کو زیادہ پریشان
ہیں کر سکے گی۔ اب ہمیں جلد از جلد اس تک پہنچنا ہوگا کیونکہ
زالہ کے اغوا کے ساتھ ہی اب ہمیں ویرا کے نئے مشن کے
رے میں بھی معلوم ہو چکا ہے۔"
"ہاں! اگر میر اکبر خان سچ بول رہا تھا تو ویرا کو ناکام بنانا
روری ہو گیا ہے" وہ تشویش سے بولا۔
"اس کی گوشمالی کر لی جائے گی لیکن تم یہ بتاؤ کہ وہ خون والا
عمہ کیا تھا؟" میں ابتدا ہی سے چھری اور سلطان شاہ کے ہاتھوں پر
ے جانے والے خون کے بارے میں خلش کا شکار تھا۔
میرے استفسار پر اس نے اپنی عادت کے برعکس ہنسنے سے
ریز کیا اور سنجیدگی سے بولا "میں نے سمجھ لیا تھا کہ تم اکبر خان کو
ف زدہ کرنا چاہ رہے تھے۔ اس کے ملازم کو اس کے کمرے میں
ے ہوش کرنے کے بعد میں کچن میں پہنچا تو چھری سے پہلے ہی مجھے
لب پنجرے میں پالتو طوطا نظر آ گیا۔ وہ پالتو پرندہ بہت مسکین اور
ے زبان ثابت ہوا اور کوئی آواز نکالے بغیر میری گرفت میں آ گیا۔
اسنے میرے ہاتھوں وغیرہ پر اسی کا خونِ ناحق دیکھا تھا۔ میرا اندازہ
ا کہ اکبر خون دیکھتے ہی سراسیمہ ہو جائے گا اور وہی ہوا۔ میں اتنا
ق نہیں تھا کہ تمہاری مرضی کے بغیر اس کے ملازم کو زخمی
کر دیتا۔"
"اب اسی کا مسئلہ سب سے ٹیڑھا نظر آ رہا ہے۔ وہ ہمیں
پہچان چکا ہے۔ اس کا زندہ رہنا ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا
ہے اور کسی بے گناہ کو ہلاک کرنا میرے اصولوں کے خلاف ہے۔"
"تم فکر نہ کرو" وہ چند ثانیوں بعد اپنے کندھے اچکا کر بولا۔
"اسے ہوش میں آنے دو۔ میں اسے اس بری طرح دہشت زدہ
کروں گا کہ وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔"
مجھے خیال آیا کہ باحیثیت لوگ عموماً اپنے گھریلو ملازمین کے
کوائف مقامی تھانے میں درج کرا دیتے ہیں تاکہ کسی بدنیت ملازم
کے خلاف انہیں تحفظ حاصل رہے لیکن میر اکبر خان کے بارے
میں وہ نظریہ قابلِ ذکر نہیں تھا۔ وہ خود مجرموں کا سردار تھا اور ایسے
لوگ ہر حال میں پولیس تھانے سے دور ہی رہنا پسند کرتے ہیں تاکہ
کسی ناگہانی اتفاق کی وجہ سے ان کی سیاہ کاریوں کا پردہ چاک ہونے
کا امکان باقی نہ رہے۔
"اب ہمیں اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا پڑے گا"
میں نے کہا۔
"مجبوری ہے' مجھے کلوروفارم کا کوئی توڑ نہیں معلوم ورنہ
اسے ابھی کھڑا کر دیتا۔"
میرے سامنے فوری کام' میر اکبر خان کی سیاہ فورڈ کی تلاش کا
تھا۔ اگر وہ ائرپورٹ پر یا شہر کے کسی حصے میں مل جاتی تو یہ بات پایۂ
ثبوت کو پہنچ جاتی کہ ویرا فضائی راستے سے روانہ ہوئی تھی جس کا
امکان کم ہی نظر آتا تھا۔
میر اکبر خان نے دفتری اوقات گزر جانے کی وجہ سے مختلف
فضائی کمپنیوں کے ائرپورٹ پر واقع دفاتر کو فون کرنے کی کہانی سنائی
تھی جس پر میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ
اس نے کبھی کوئی قابلِ ذکر فضائی سفر کیا ہی نہیں تھا یا پھر اس نے
ائرپورٹ پر واقع سہولتوں کا تفصیلی جائزہ لینے کی ضرورت محسوس
نہیں کی تھی۔
مجھے علم تھا کہ ائرپورٹ پر چیدہ چیدہ فضائی کمپنیوں کے دفاتر
اور چیک اِن کاؤنٹر موجود تھے جو ان کی اپنی پروازوں کی آمدورفت
کے اوقات میں کھلتے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی ٹکٹوں کی
فروخت یا اجرا کا مجاز نہیں تھا۔ ائرپورٹ پر صرف پی آئی اے کا
سیلز آفس قائم تھا جو عموماً اندرونِ ملک پروازوں کے ٹکٹ فروخت
کرتا تھا۔ وہاں سے کسی بین الاقوامی روٹ کا ٹکٹ خریدنا ممکن
نہیں تھا۔
ویرا سورج غروب ہونے کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر اکبر کے
بیان کے مطابق ائرپورٹ کی طرف گئی تھی اور یہ ممکن ہی نہیں تھا
کہ وہ وہاں سے تہران کے لئے ٹکٹ خرید کر کسی قریب ترین پرواز
پر نشست حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی۔ اگر اسے طیارے
سے تہران جانا تھا تو وہ رات کراچی ہی میں گزارنے پر مجبور تھی اور

اکبر کی سیاہ فورڈ اس کی کمین گاہ کی نشاندہی کر سکتی تھی۔

اصل صورتِ حال سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہم میں سے کسی ایک کا ائرپورٹ جانا ناگزیر بن چکا تھا۔ خاصے غور کے بعد میں نے وہ کام خود سرانجام دینے کا فیصلہ کرلیا۔

"تم یہیں رک کر اکبر کے ملازم کے ہوش میں آنے کا انتظار کرو اور پھر اسے یہاں سے دوڑا دو۔ میں اکبر کی کار کی تلاش میں ائرپورٹ جارہا ہوں۔ شیر شاہ میرے ساتھ جائے گا۔ وہ یہاں رکا رہا تو تمہارے بارے میں اپنا تجسس دور کرنے کی کوشش کرے گا۔"

شاید غزالہ کے دوبارہ اغوا کی وجہ سے سلطان شاہ کے مزاج پر افسردگی غالب تھی اس لئے اس نے کسی نوک جھونک کے بغیر مجھے روانگی کی اجازت دے دی۔ اتنی رات گئے ایک وسیع و عریض مکان میں بغیر سر کی ایک لاش اور ایک تنومند حریف کے ساتھ یکہ و تنہا ٹھہرنا بہت زیادہ دلیری نہ سہی تو ہمت کا کام ضرور تھا اور سلطان شاہ نے میرا فیصلہ قبول کرکے عالی ہمتی کا ثبوت دیا تھا۔

"یہ یاد رکھنا کہ ہم اکبر کے ملازم کو مزید کوئی گزند نہیں پہنچانا چاہتے لیکن اگر وہ وبال ثابت ہونے لگے تو اس کے مستقبل کا فیصلہ تمہاری مرضی پر منحصر ہوگا" میں نے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "ایک امکان یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ بھی شی کا کوئی پرانا گرگا ہو جسے اکبر نے اپنی خدمت پر مامور کرلیا ہو۔ ہم حق اور انصاف کے علم بردار نہیں ہیں بلکہ حتی الامکان اپنی حدود میں رہ کر اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس جنگ میں اگر کوئی ہماری راہ میں رکاوٹ بنتا ہے تو اسے نیست و نابود کرنا ضروری ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ تمہارے ساتھ رہ کر اب میں بھی بہت چالاک ہوگیا ہوں۔"

میرے باہر نکلتے ہی اس نے داخلی دروازہ بند کرلیا اور میں اندھیرے میں احاطے کی دیوار سے چپکے ہوئے شیر شاہ کی طرف بڑھ گیا۔ گھور اندھیرے میں اس کی روشن آنکھیں بلور کی گولیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ مجھے پہچانتے ہی وہ اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی سے میری طرف آیا تھا۔

"میرے ساتھ چلے آؤ" میں نے رکے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا۔ "ہمیں باہر نکلنا ہے۔"

"سلطان شاہ کہاں رہ گیا" چند قدم خاموشی سے طے کرنے کے بعد اس نے دبی دبی آواز میں پوچھا۔

"وہ قیدیوں کی نگرانی کر رہا ہے۔ واپسی پر ہمیں یہیں آنا ہے۔"

ہم دونوں تیزی کے ساتھ مکان کے تاریک عقبی حصے کی طرف بڑھنے لگے جہاں برگد کے تناور درخت کی مضبوط شاخیں برابر کے خالی پلاٹ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ فضا پر بیکراں سناٹا محیط تھا۔ کبھی کبھار اکا دکا جھینگروں کا شور سنائی دے جاتا تھا یا پھر ہمارے جوتوں سے نیچے آنے والی بجری اور روڑیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

○☆○

مجھے معلوم تھا کہ تمام بین الاقوامی پروازیں ائرپورٹ کے ٹرمینل نمبر دو اور تین سے روانہ ہوتی تھیں لیکن پھر بھی میں نے اپنی تلاش کی ابتدا پہلے ٹرمینل کے اطراف میں پھیلے ہوئے اس وسیع رقبے سے کی جہاں کسی بھی کار کے پارک کئے جانے کا امکان ہوسکتا تھا۔

کراچی میرا اپنا شہر تھا۔ جوانی کے بے لگام دنوں میں لاہور کو خیرباد کہنے کے بعد میں نے اسی شہر میں اپنا بیشتر وقت گزارا تھا لیکن مجھے کبھی بھی یہ شعوری احساس نہیں ہوسکا کہ لاگت، کفایت اور کارکردگی کے اعتبار سے جاپانی کاروں نے ہر مغربی کار کو کراچی کی سڑکوں سے نکال پھینکا تھا۔ اس روز مجھے میر اکبر خان کی دس برس پرانی سیاہ فورڈ کی تلاش تھی اس لئے میں ہر سیاہ کار کے نام اور نمبروں کو دیکھتا جارہا تھا۔ میں نے وسیع و عریض پارکنگ لاٹ کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن وہاں سرے سے ایک بھی فورڈ کار دریافت کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

"شہر میں اس ماڈل کی شاید دو چار ہی گاڑیاں باقی رہی ہوں ورنہ بقیہ سب شیر شاہ پہنچ کر دم توڑ چکی ہیں" شیر شاہ نے میری ہدایت پر ٹرمینل نمبر دو اور تین کا رخ کرتے ہوئے مایوسانہ لہجے میں کہا "تمہاری مطلوبہ کار یہاں موجود ہوئی تو دور ہی سے نظر آجائے گی۔"

"اپنی جنم بھومی کے بارے میں تمہارا تجزیہ خاصا حقیقت پسندانہ ہے" میں نے کہا۔

"دراصل لوگوں نے شیر شاہ کو صرف کباڑی بازار سمجھا ہے ورنہ اس وسیع آبادی میں لاکھوں انسان بھی آباد ہیں۔ کباڑی بازار والوں کی مہارت کا یہ عالم ہے کہ صرف دو گھنٹے میں بڑی سے بڑی کار کے انجن سے لے کر دروازوں اور ٹائروں تک ہر چیز الگ کر ڈالتے ہیں۔ کھوکھلے آہنی ڈھانچے خود اپنے مالکوں کی شناخت تک سے محروم ہوجاتے ہیں۔ ان کے برعکس وہاں کے باشندے بہت ملنسار اور خوش اخلاق ہیں۔ ان کی ایمانداری کے بارے میں یہ ضرب المثل مشہور ہے کہ وہ اپنے گھر میں اپنے مہمان کے سر کی جوئیں تک مرنے نہیں دیتے۔ مقدر کی بات ہے کہ میں اپنی بھیڑ سے الگ ہوگیا ہوں۔"

میں وقت گزاری کے لئے اس کے ساتھ باتوں میں مصروف رہا۔ اس دوران میں ہماری کار نے سواریاں اتارنے والی پتلی گاہوں سے لے کر ہر پارکنگ لاٹ کا چکر بھی لگالیا لیکن میر اکبر کی سیاہ فورڈ کہیں نظر نہیں آسکی۔ مجھے پہلے ہی توقع تھی کہ اس سے وقت میں ویرا کا فضائی سفر پر روانہ ہونا ممکن نہیں تھا مگر پھر بھی میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

میر اکبر خان مارا جاچکا تھا مگر مارے جانے سے پہلے وہ کہ

تھا کہ ویرا طیارے سے تہران گئی تھی اس لئے اس امکان پر حتی الامکان محنت کرنا ضروری تھا۔ میں نے شیر شاہ کو ہدایت کی کہ وہ کار کو پارکنگ لاٹ میں چھوڑ دے تاکہ میں ٹرمینل کی عمارت میں جا کر مزید چھان بین کرسکوں۔

چند منٹ کے مختصر سے وقفے میں دوسری بار پارکنگ لاٹ میں داخل ہوتے ہوئے مجھے یک بیک فکر ہوگئی کہ پارکنگ فیس وصول کرنے والوں کے ساتھ موجود ائرپورٹ سیکیورٹی فورس کے مسلح اہلکار ہماری کار پہچان کر کسی شبہ کا شکار نہ ہوجائیں۔ کار کی تلاشی کی حد تک مجھے کوئی فکر نہیں تھی لیکن جامہ تلاشی کی نوبت آجاتی تو ہم دونوں ہی مسلح حالت میں دھر لئے جاتے۔

ائرپورٹ سیکیورٹی کے نوجوان عام طور پر شہری پولیس سے زیادہ مستعد اور چاق وچوبند نظر آتے ہیں لیکن اس وقت جو لوگ ڈیوٹی پر تھے ان کا مشاہدہ تیز نہیں تھا۔ ہم دوسری بار بھی صرف پارکنگ ٹوکن خرید کر لاٹ میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے۔

"تم یہیں میرا انتظار کرو' میں تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے' میں کار سے اتر کر ٹرمینل نمبر تین کی عمارت کی طرف چل دیا جو برسوں سے احمقانہ طور پر ٹرمینل نمبر ایک اور دو کے درمیان میں واقع ہے۔

تنہائی میسر آتے ہی میرا ذہن تیزی کے ساتھ صورتِ حال کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا۔

سب سے پہلے مجھے اسپیشل ٹاسک فورس کا اول خان یاد آیا جس نے سندھ میں شی کے ناپاک عزائم کو ناکام بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ یہ اسی کی محنت کا ثمر تھا کہ بحرِ ہند اور بحیرۂ عرب کے اتھاہ پانیوں میں پاکستانی بحریہ نے ہتھیاروں کی بہت بڑی کھیپ لانے والی لانچ کی تلاش کی مہم شروع کی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ بعد میں ایرانی انٹیلی جنس نے انہیں خلیج کے دہانے پر واقع ابو موسیٰ البارک نامی جزیرے پر ایک مشتبہ لانچ کی موجودگی کی اطلاع دی۔ بعد میں الحدید نامی اسی لانچ پر جدید ترین اور مہلک ہتھیاروں کے ساتھ گولا بارود کی بہت بھاری غیر قانونی کھیپ لدی ہوئی پائی گئی اور بحریہ کے فرض شناس افسروں اور جوانوں نے خون خرابے کے بغیر کھلے سمندر میں الحدید اور اس کے عملے پر قابو پالیا جسے بعد میں گھوڑا کریک لا کر فوجی حراست میں لے لیا گیا۔ وہ ایک بہت بڑا اور دور رس واقعہ تھا جس نے اس گھناؤنی سازش کے باخبر ذمے داروں کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ لوگ بالا دست اور سیاسی محاذ پر ضرورت سے زیادہ بارسوخ تھے اس لئے اس کامیابی کا محرک ان کی انتقامی کارروائی کا پہلا نشانہ بنا اور اسے کھڑے کھڑے کراچی سے اندرون ملک تبدیل کردیا گیا۔

ان لوگوں کو اس خطے میں اپنی من مانی کرنے سے روکنے میں تی سطح پر دو ملک ملوث تھے' پہلا ایران کا انٹیلی جنس کا محکمہ تھا مانے سب سے پہلے الحدید کی نشان دہی کی اور دوسرا پاکستان تھا جس کی بحریہ نے الحدید کے مشن کو عبرت ناک ناکامی کا ایک شاہکار بنا دیا۔ اور وہ دونوں ہی ملک بیک وقت شی کی ہٹ لسٹ پر آگئے تھے۔ اس کا کھلا ثبوت تھا کہ پاکستان میں درمیانی اور بھاری جنگی ہتھیاروں کی غیر قانونی ترسیل میں ناکام ہوتے ہی شی نے ویرا کو اس ایٹمی سازو سامان کی تباہی پر مامور کردیا تھا جو آخر کار پاکستان اور ایران کے باہمی مفاد اور استحکام کے لئے ایک سنگِ میل ثابت ہوسکتا تھا۔

وہ لوگ اپنے مفادات کے تحفظ اور حصول کے لئے حد سے زیادہ مستعد اور خطرناک حد تک باخبر ثابت ہو رہے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ مجھ جیسا بے بساط شخص ان کی دستبرد سے کیسے بچا ہوا تھا؟

بظاہر اس کا ایک ہی سبب نظر آتا تھا کہ جہاں جہاں ان کے مفادات وابستہ تھے وہاں ان کے مخبر اور گرگے پھیلے ہوئے تھے جو اپنے آقاؤں کو پل پل کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے جب کہ میں فردِ واحد تھا اور اپنی مرضی سے نقل وحرکت کرنے کے لئے آزاد تھا۔ ان کے لئے یہ ممکن ہی نہیں رہا تھا کہ وہ میرے عزائم سے پیشگی آگاہی حاصل کرسکیں۔ اس لئے میں اپنی مرضی سے ان پر وار کرکے 'کوئی کاری گھاؤ لگاتا ہوا' صاف بچ نکلتا تھا اور وہ اپنا سر پیٹتے ہوئے مدافعانہ انداز اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔

لیکن یہ بہت برا ہوا تھا کہ غزالہ ویرا کی تحویل میں چلی گئی تھی۔ اگر ویرا اس پر اپنی گرفت مضبوط کرنے میں کامیاب ہوجاتی تو وہ میرے لئے سنگین مسائل پیدا کرسکتی تھی۔ میری سرکشی کی صورت میں وہ غزالہ کی اعضا بریدگی کے بارے میں اپنے عزائم پہلے ہی ظاہر کرچکی تھی۔

ان خیالات میں غلطاں وپیچاں' میں نے معلومات والے کاؤنٹر سے رجوع کیا جہاں شفاف شیشے کے عقب میں ایک خوبرو خاتون اپنے نوجوان ساتھی کے ساتھ کسی نرم ونازک بحث میں الجھی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھ لینے کے بعد بھی ان کے انہماک میں کوئی فرق نہیں آیا تو میں نے بہ آوازِ بلند ان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ چند ثانیوں بعد ہی شکن آلود پیشانی اور تنی ہوئی بھوؤں کے نیچے سے دو خشمناک مردانہ آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔

میں نے محسوس کیا کہ سیدھے سادے انداز میں بات کرکے میں اس شخص سے کوئی مدد حاصل نہیں کرسکوں گا اس لئے میں نے جیب میں سے سلور آئی نکال کر دور سے دکھاتے ہوئے' دھیمی آواز میں کہا۔ "میرا تعلق ملٹری سیکرٹ سروس سے ہے اور مجھے کچھ معلومات درکار ہیں۔ یہ میرا خفیہ شناختی نشان ہے۔"

سلور آئی کی جھلک دیکھ کر وہ متجسسانہ انداز میں کاؤنٹر پر میری طرف جھکا مگر میں نے اسی اثنا میں سلور آئی دوبارہ اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔ "آج یہاں سے تہران کے لئے کتنی پروازیں گئی ہیں؟"

اس نے اپنے سامنے پڑے ہوئے کلپ بورڈ میں لگے ہوئے کاغذات کی ورق گردانی کرنے کے بعد ایک جگہ رکتے ہوئے بتایا۔ "آج ٹرکش ائرلائنز کی ایک پرواز سوا دو بجے گئی ہے۔"

"اس سے پہلے یا بعد میں کوئی اور پرواز؟" میں نے زور دے کر سوال کیا۔

اس نے احتیاطاً ایک مرتبہ پھر، اپنے سامنے کھلے ہوئے کاغذ پر نگاہ دوڑائی اور مایوسانہ انداز میں سرہلاتا ہوا بولا۔ "آج صرف یہی ایک پرواز گئی ہے ..." پھر جھجکتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔ "کیا کوئی جاسوسی معاملہ ہے؟"

"اس پرواز کے مسافروں کی لسٹ مل سکے گی؟" میں نے آواز دھیمی ہی رکھی۔ "دراصل بلیک لسٹ پر موجود دو افراد ملک سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ ان کی اگلی منزل کا سراغ لگانے کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔"

"ٹرکش ائرلائنز یا پھر ائرپورٹ منیجر کے دفتر ہی سے کچھ مدد مل سکتی ہے۔ مسافروں کی آمدورفت سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ سب ٹریفک ڈپارٹمنٹ کا کام ہے۔"

"میں اس کام میں زیادہ لوگوں کو ملوث کرنا نہیں چاہتا ہوں، نہ اس کی تشہیر پسند کروں گا۔" میں نے خالص افسرانہ لہجے میں کہا۔ "یہاں مفروروں کے ہمدرد بھی ہوسکتے ہیں۔ وہ دونوں بہت بارسوخ تھے۔ تمہارے تعاون سے وہ ہاتھ آگئے تو تمہیں انعام واکرام کے ساتھ شہرت بھی مل سکتی ہے۔"

اس کی آنکھوں میں چمک عود کر آئی۔ "کوئی بھی پرواز روانہ ہونے کے بعد، طیارے پر سوار مسافروں کی فہرست خفیہ رکھی جاتی ہے۔ فہرست لانا مشکل ہے۔ تم مجھے ان کے نام دے دو تو میں چیک کرنے کی کوشش کرسکتا ہوں۔"

"ہوسکتا ہے کہ انہوں نے مفروضہ ناموں پر سفر کیا ہو۔ ایسی صورت میں تمہاری کوشش رائیگاں جائے گی۔"

"پھر تو تمہیں بھی فہرست سے کیا معلوم ہوسکے گا؟" اس نے معقول اعتراض جڑ دیا۔

"وہ دونوں عورتیں ہیں۔" اسے معقولیت پر آمادہ پاکر مجھے مجبوراً بتانا پڑا۔ "انہیں ایک ساتھ بورڈنگ کارڈ جاری کئے گئے ہوں گے۔ ان کی نشستیں بھی ساتھ ساتھ ہوں گی۔ یہ باتیں لسٹ سے ہی معلوم ہوسکتی ہیں۔"

"دیکھو، میں کوشش کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے فون پر سے ریسیور اٹھایا اور چار ہندسے ڈائل کرکے غالباً فون سے انٹرکام کا کام لیتے ہوئے اپنے کسی ساتھی سے باتیں کرنے لگا۔ دورانِ گفتگو میں اس کے چہرے پر شوخی ابھر آئی۔ ایک بار وہ زور سے ہنسا اور چند ثانیوں بعد اس نے سلسلہ منقطع کردیا۔

"تمہارا مسئلہ حل ہوگیا۔ ان دونوں نے کم از کم تہران کا رخ نہیں کیا ہے۔" وہ میری طرف متوجہ ہوکر بولا۔ "اس پرواز پر کراچی سے صرف ایک حاملہ خاتون سوار ہوئی تھی۔ طیارے کے ٹیک آف سے قبل درد شروع ہوجانے کی وجہ سے اسے بھی ایمرجنسی میں آف لوڈ کردیا گیا۔ اس طرح آج کراچی سے کوئی عورت تہران کے سفر پر روانہ نہیں ہوئی۔ تم ان دونوں کو کراچی ہی میں تلاش کرنے کی کوشش کرو۔"

میں گرمجوشی کے ساتھ اس کا شکریہ ادا کرتا ہوا واپس کار کی طرف چل دیا۔

ویرا اور غزالہ کے فضائی سفر کا امکان ختم ہوجانے کے بعد جہاں مجھے یہ خوشی ہوئی کہ ان دونوں کو کراچی ہی میں تلاش کیا جاسکتا ہے وہاں یہ فکر بھی لاحق ہوگئی کہ کہیں ویرا شہر بھر میں بھٹکنے کے بعد شب بسری کے لئے دوبارہ میر اکبر خان کے گھر نہ جائے جہاں سلطان شاہ اس کی لاش کی رکھوالی کررہا تھا۔

"واپس رازی روڈ چلو!" میں نے کار میں سوار ہوکر شیر شاہ سے کہا۔ میرا موڈ دیکھ کر اسے مجھ سے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ اس نے انجن اسٹارٹ کرکے، تیزی کے ساتھ کار باہر نکال لی۔

میں راستے میں سگریٹ نوشی کے درمیان اسی چیستان میں الجھا رہا لیکن ٹیپو سلطان روڈ اور شارع فیصل والے سگنل عبور کرتے ہی میری نگاہ کافی آگے، داہنی طرف مکانوں کے درمیان سے اٹھتے ہوئے کثیف دھوئیں اور شعلوں پر پڑی اور میں مضطرب ہوگیا۔

"رفتار بڑھاؤ!" میں نے اضطراری طور پر شیر شاہ سے کہا اور اسی لمحے کار ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

کثیف دھوئیں کے بادلوں میں لپٹے ہوئے لہو رنگ شعلوں سے فاصلہ کم ہونے کے ساتھ ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں کیوں کہ آتشیں دھوئیں کا مخرج کم وبیش وہی علاقہ نظر آرہا تھا جہاں میر اکبر خان کا آسیبی مکان واقع تھا۔ میرا دل سلطان شاہ کی سلامتی کے لئے دہلنے لگا۔

میں اس وقت ائرپورٹ سے شہر آنے والی راہ پر تھا اس لئے رازی روڈ پر داخل ہونے کے لئے پہلے مجھے آگے جانا پڑا جہاں سے یوٹرن لے کر، میں رازی روڈ پر جاسکتا تھا۔ آگے جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ رازی روڈ پر لوگوں کا ہجوم اور متعدد گاڑیاں موجود تھیں اور آگ بھی وہیں لگی ہوئی تھی۔

میرے لئے وہ خیال، کہ سلطان شاہ کو اس مکان میں بند کرکے زندہ جلا دیا گیا ہوگا، سوہانِ روح تھا۔ رازی روڈ کی صورتحال دیکھ کر، شیر شاہ بھی مجھ سے کچھ پوچھے بغیر میرے اندیشوں کی تہہ تک پہنچ چکا تھا اس لئے اس نے رازی روڈ پر پہنچنے میں بہت پھرتی سے کام لیا تھا۔

اس وقت رات ڈھل چکی تھی اور صبح بہت قریب تھی۔ وہ ایسا وقت تھا جب بے خوابی کے دائمی مریضوں کو بھی نیند آلیتی ہے۔

لیکن دن بھر نسبتاً غیر معروف اور ویران رہنے والی اس سڑک پر لوگوں کا بہت بڑا ہجوم جمع تھا جس کی وجہ سے کار آگے لے جانا مشکل نظر آرہا تھا۔ اس بھیڑ سے آگے دو د مکلوں کا وردی پوش عملہ پانی کی تیز دھاروں سے آگ بجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس رات ہوائیں چل رہی تھیں اس لئے کثیف دھوئیں کی چادر میں لپٹے ہوئے شعلے فضا میں رخ بدل بدل کر بھڑک رہے تھے۔

میرے ایما پر شیر شاہ نے کار ایک کنارے پارک کردی اور ہم دونوں اس کے دروازے لاک کر کے تیزی کے ساتھ ہجوم کی طرف بڑھ گئے۔ وہاں اس قدر شدید آگ لگی ہوئی تھی کہ اس کی تپش دور تک محسوس کی جارہی تھی۔ میر اکبر خان کے قرب و جوار میں رہنے والوں پر خوف و دہشت کی ہولناک لہر مسلط تھی۔ بستروں سے نکلنے والے مرد، عورتیں اور بچے اپنے ہاتھوں میں زیورات کے ڈبے اور قیمتی مال و متاع کی گٹھریاں ہاتھوں میں سنبھالے، ناامیدی کے عالم میں فلک بوس شعلوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہ خوف ان کے چہروں پر کندہ تھا کہ اگر اس آگ پر قابو نہ پایا جاسکا تو بھڑکتے ہوئے شعلے ان کے گھروں کو بھی چاٹ جائیں گے۔

کچھ مکانوں میں چیخ و پکار سے قیامت کا سماں بندھا ہوا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے معلوم ہوتے تھے جو مرتے دم تک دنیا کی آسائشوں اور مال و متاع کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ وہ آگ کے پھیلنے سے قبل اپنے گھروں کا سارا مال و اسباب سمیٹ لینا چاہتے تھے تاکہ ان کے گھر کے در و دیوار کے علاوہ کوئی فاضل تنکا بھی شعلوں کی زد میں آکر راکھ میں تبدیل نہ ہوسکے۔

وہ میرا سرسری سا مشاہدہ تھا۔ زندگی کی ان تلخ حقیقتوں سے روشناس ہونے کے لئے میں ایک لمحے کے لئے بھی کہیں نہیں رکا بلکہ بھیڑ کو چیر کر، اپنی راہ بناتا ہوا مسلسل آگے بڑھتا رہا۔

آخر کار میں نے کافی فاصلے سے وہ دلخراش منظر دیکھ ہی لیا۔ میر اکبر خان کا پورا مکان بھیانک شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ پہلی ہی نظر میں اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ آگ مکان کے اندر سے شروع نہیں ہوئی تھی۔ ایسا ہوا ہوتا تو وہاں آگ کے شعلے کھڑکیوں اور روشندانوں سے باہر لپکتے ہوئے نظر آتے لیکن وہاں آگ باہر سے اندر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میں نے لوگوں سے سنا کہ آگ لگتے ہی وہاں ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ فضا میں پٹرول کی تیز بو محسوس ہوئی تھی۔ اس بنا پر تماشائیوں میں قیاس کیا جارہا تھا کہ وہاں اتفاقیہ آگ نہیں لگی تھی بلکہ دیدہ و دانستہ پٹرول چھڑک کر آگ لگائی گئی تھی۔

آگ بجھانے والی گاڑیوں کا عملہ اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر، نہایت کم فاصلے سے آگ سے لڑ رہا تھا لیکن آثار بتا رہے تھے کہ وہ کافی دیر تک ان شعلوں کو سرد کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ پھر آگ بجھ جانے کے بعد بھی میر اکبر خان کے مکان کے جلے ہوئے ڈھانچے میں فوری طور پر داخل ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہ مکان آگ کی حدت سے بھٹی کی طرح دہک رہا ہوتا پھر یہ خطرہ بھی لاحق ہوتا کہ آگ اور پانی کی پیکار میں مجروح ہونے والی چھتیں اور دیواریں چیخ کر کہیں یک بیک نیچے نہ آرہیں۔ یعنی دن طلوع ہونے سے پہلے مکان کے اندر پھنسے ہوئے افراد کے مقدر کے بارے میں کچھ بھی جاننا ممکن نہیں تھا۔

میں وہاں جو حالات چھوڑ کر ائرپورٹ کے لئے روانہ ہوا تھا وہ ہر طرح سے اطمینان بخش اور سلطان شاہ کے قابو میں تھے۔ میر اکبر خان بیم گن کا نشانہ بن کر جہنم واصل ہو چکا تھا۔ اس کا تنومند نازم کلوروفارم کے زیر اثر پڑا ہوا تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ ملازم، سلطان شاہ کے لئے کسی خطرے کا باعث بنتا اس لئے میرے ذہن میں بس ویرا کا نام جم کر رہ گیا۔

اس وقت پورے شہر میں صرف وہی ہمارے لہو کی پیاسی تھی۔ میر اکبر خان نے میرے تشدد کے تحت ویرا کی حمایت اور مخالفت میں بہت سی باتیں کی تھیں جن سے اس کی صحیح نیت کا اندازہ لگانا بہت دشوار کام تھا۔ اس کے بیان کے مطابق، ویرا فضائی راستے سے تہران جاچکی تھی لیکن میر اکبر خان کی سیاہ فورڈ کے ائرپورٹ پر نہ پائے جانے سے وہ مفروضہ غلط ثابت ہوچکا تھا۔

مجھے یہ سوچ کر وحشت ہورہی تھی کہ تہران روانگی کا پروگرام ملتوی ہوجانے کی وجہ سے ویرا شب بسری کے لئے وہاں آئی ہوگی اور اندر کسی سنگین گڑبڑ کا اندازہ لگانے کے بعد اس نے نہایت محتاط طریقے پر اندر کی صورت حال کا کھوج لگایا ہوگا جس کے نتیجے میں اسے مکان کے اندر سلطان شاہ کی موجودگی اور اکبر کی ہلاکت کا علم ہوگا۔ اکبر کی لاش سامنے آتے ہی اسے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ سلطان شاہ بیم گن سے مسلح تھا۔ دوسری طرف وہ خود غزالہ کو ساتھ لئے پھر رہی تھی جسے اندر کے حالات کا کوئی علم نہیں تھا۔ ان حالات میں ویرا کے لئے بہترین راہ یہی تھی کہ سلطان شاہ سے ٹکرا کر غزالہ کے فرار کا خطرہ مول لینے سے گریز کرتے ہوئے مکان کے گرد پٹرول چھڑک کر آگ لگادے تاکہ سلطان شاہ اندر ہی جل کر بھسم ہوجائے۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات دسویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں

سپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

وت کے سوداگر

10

سواں حصہ

سسپنس کا تعمیری سلسلہ۔ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں

ایک نوجوان کی خود نوشت۔ ... ت کے عالمی اسمگلروں کے خلاف
ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن ... کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔
شہر شہر، شک شک، در بدر ... کی تکمیل کے لیے خاک اُڑانا اُس
نوجوان کا شغل ہو گیا مگر ... کے دشمن بن گئے۔ اُنہوں نے
بھی اپنی طرف سے کوئی ... جو ابھی تک جاری ہے۔

میں نے جتنا غور کیا' وہ نظریہ اسی قدر راسخ ہوتا چلا گیا۔

اس دوران میں شیر شاہ بغور میرا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اسے بھی سلطان شاہ کی وہاں موجودگی کا علم تھا۔ پھر وہاں موجود بھیڑ بھاڑ میں سلطان شاہ کا دور دور تک پتا نہیں تھا اس لئے وہ میری ذہنی اذیت اور دلی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ تھاما اور ہجوم میں واپسی کا راستہ بنانے لگا۔

میں کوئی مزاحمت کئے بغیر' کسی سحر زدہ معمول کی طرح اس کے ساتھ ہولیا۔

"ضروری نہیں کہ یہاں وہی کچھ ہوا ہو جو تم سوچ رہے ہو۔" دوبارہ کار میں بیٹھنے کے بعد شیر شاہ نے جھجکتے ہوئے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "جب تک فائر مین ملبے اور مکان کے آتش زدہ ڈھانچے کو ٹھنڈا کر کے اندر نہیں پہنچ جاتے اس وقت تک اندر کی صورت حال کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"لیکن یہ تو تمہیں بھی معلوم ہے کہ ہم اسے مکان میں چھوڑ کر گئے تھے۔"

"ہاں! تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن وہ دودھ پیتا بچہ نہیں بلکہ ایک جوان مرد ہے۔" وہ ادب اور احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بولا۔ "ویسے آج ہمارے ستارے ہی کچھ گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ تم بھی پے در پے بری خبریں سن کر تھک چکے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم واپس چل کر تازہ دم ہولو۔ اس وقت تک یہاں آگ بھی ٹھنڈی ہو چکی ہوگی۔ اس دوران میں ہم واپس لوٹ آئیں گے۔"

اس کی بات خاصی حد تک درست تھی۔ ایک طرف بری خبریں میرا تعاقب کر رہی تھیں تو دوسری طرف بے نتیجہ بھاگ دوڑ نے مجھے تھکا ڈالا تھا۔ میں نے اس کی تجویز پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور اس نے میری خاموشی کو رضامندی سمجھتے ہوئے کار چلا دی۔

وہ مجھے ٹریڈ لائن کے دفتر لے جانا چاہ رہا تھا جہاں مافیا کے کل وقتی کارکنوں کے لئے مکمل رہائشی سہولتیں موجود تھیں مگر میں اس وقت بھیڑ بھاڑ کا سامنا کرنے کے موڈ میں نہیں تھا اس لئے میں نے گورا قبرستان کے چوراہے سے آگے نکلنے کے بعد اپنے ہوٹل چلنے کی ہدایت کی اور سگریٹ سلگا کر خیالوں کی دنیا میں کھو گیا جہاں اس وقت صرف اور صرف سلطان شاہ کا راج تھا' غزالہ بھی پس پردہ چلی گئی تھی۔

ہم دونوں نے اس ہوٹل میں دوہرے بستر والا ایک ہی کمرا حاصل کیا تھا۔ جب میں نے کاؤنٹر کے عقب میں اونگھتے ہوئے استقبالیہ کلرک سے اپنے کمرے کی چابی طلب کی تو اس نے کی بورڈ کا جائزہ لینے کے بعد مجھے بتایا کہ کمرے کی چابی وہاں موجود نہیں تھی۔

میرے لئے وہ پہلی خوش خبری تھی۔ کاؤنٹر پر چابی نہ ہونے کا یہ مطلب تھا کہ میرے کمرے میں پہلے سے کوئی موجود تھا اور وہ سلطان شاہ کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ خبر سن کر میں اس قدر مسرور ہوا کہ شیر شاہ کو حیران و پریشان چھوڑ کر' پوری قوت سے دوڑتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھا

اور کشادہ زینے پھلانگتا ہوا آناً فاناً میں اپنے کمرے کے بند دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ چند ثانیوں تک مبہوت رہنے کے بعد شیر شاہ بھی لپکتا ہوا میرے پیچھے آ گیا تھا۔

میری مضطربانہ دستک کے جواب میں اندر سے سلطان شاہ کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "کون ہے؟ دروازہ مت توڑو۔ میں آرہا ہوں" اس نے اندر سے دروازہ مقفل کیا ہوا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی میں نے بے اختیار ہو کر' والہانہ انداز میں اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر سینے سے لگا لیا۔ سلطان شاہ سمجھ ہی نہ سکا کہ میں اتنا جذباتی کیوں ہو رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم صحیح سلامت ہو۔" میں اس کے ساتھ اسی حالت میں کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا "ورنہ میں تو فکرمند ہو گیا تھا کہ کہیں تم آگ میں نہ گھر گئے ہو۔"

"ہم نے تمہیں اس مکان میں چھوڑا تھا۔ تم یہاں کب اور کیسے پہنچ گئے؟" شیر شاہ نے میرے تبصرے کو ناکافی سمجھتے ہوئے ایک ہی فقرے میں پوری صورت حال کی وضاحت کر ڈالی۔

"ویرا وہاں کس وقت پہنچی تھی؟" شیر شاہ کے خاموش ہوتے ہی میں نے سوال کر دیا۔

سلطان شاہ بے ساختہ ہنس پڑا اور بولا "تم دونوں پے در پے سوالات کئے جارہے ہو۔ کم از کم مجھے جواب دینے کا موقع تو دو۔ اب بوکھلانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں زندہ و سلامت تمہارے سامنے موجود ہوں۔ دراصل وہاں جو کچھ ہوا' اس بیشتر ذمے داری مجھ پر ہی آتی ہے۔"

"وہی تو میں بھی جاننا چاہتا ہوں کہ صورت حال یک بیک تمہارے قابو سے باہر کیسے ہو گئی؟" میں نے آرام سے صوفے پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ میرے اشارے پر شیر شاہ بھی بیٹھ چکا تھا۔

"ویرا کا سایہ بھی نظر نہیں آیا۔ یہ سارا کیا دھرا اسی بدنصیب ملازم کا تھا جو اپنے کمرے میں بندھا ہوا بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ وہ بہت بری موت مرا ہے۔ خود مصیبت اور آگ میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود' اس کا حشر دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔"

"اب تجسس بڑھانے کے بجائے پوری کہانی ہی سنا ڈالو تو زیادہ بہتر رہے گا۔" شیر شاہ نے کہا۔ "باس کو تمہاری طرف سے ناقابلِ بیان پریشانی لاحق ہو گئی تھی جو کہانی سن کر ہی دور ہو سکتی ہے۔"

سلطان شاہ بستر پر بیٹھتے ہوئے بولا "دراصل میں نے میر اکبر خان کے پالتو طوطے کا گلا کاٹ کر اس کا خون' احتیاط سے ایک پیالے میں جمع کر لیا تھا جو کچن ہی میں موجود تھا....."

"یہ کس طوطے کا ذکر ہے؟" شیر شاہ نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

میں نے برا سا منہ بنا کر اسے گھورا اور کہا "پہلے اسے اپنی بات پوری کرنے دو۔ یہ جرح بعد میں کر لینا۔ وہ بتا چکا ہے کہ وہ میر اکبر خان کا پالتو طوطا تھا اور تم اس کا شجرہ جاننا چاہ رہے ہو۔"

وہ شرمسار ہو کر خاموش بیٹھا رہا اور سلطان شاہ پھر بولنے لگا۔

"میرے نزدیک اہم نکتہ یہ تھا کہ میر اکبر خان کے بے گناہ ملازم کو ہلاک نہ کیا جائے بلکہ اسے ہوش میں آتے ہی اس قدر خوفزدہ کیا جائے کہ وہ فرار ہونے کے بعد دوبارہ ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ تمہارے چلے جانے کے بعد' غیر متوقع طور پر وہ جلد ہی ہلنے جلنے لگا۔ اس کے ہوش میں آنے کے آثار دیکھتے ہی میرے ذہن میں ایک نئی تدبیر آ گئی۔ میں نے کچن میں جا کر طوطے کا خون اپنے دہانے کے اردگرد لگا لیا اور دوبارہ اس کے سر پر سوار ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہوش میں آیا تو مجھے دیکھتے ہی خوفزدہ ہو گیا۔ میں نے کسی جنونی کے سے انداز میں اس کی کھوپڑی کو بار بار چومتے ہوئے اسے آزاد کیا اور اسے بتایا کہ مجھے انسانی مغز اور کھوپڑیاں' غذا کے طور پر بہت پسند ہیں۔ میں نے جب اسے اپنے ساتھ لے جا کر میر اکبر خان کی بغیر سر کی لاش دکھائی تو وہ بدحواس ہو گیا۔ میں نے اسے ڈرانے کے لئے مزید کہا کہ اس کے مالک کا مغز چھوٹا تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ صبح ہونے تک اس کی بھی باری آ جائے۔ میرے چہرے اور اکبر کی جلی ہوئی گردن پر لگے ہوئے خون کی بنا پر شاید اسے یقین ہو گیا کہ وہ کسی آدم خور کے ہتھے چڑھ چکا ہے۔ اس سے فضول باتیں کرتے ہوئے میں نہ صرف نشے میں ہونے کی اداکاری کرتا رہا بلکہ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ انسانی مغز اور سری میں زبردست خمار ہوتا ہے۔ اگر مجھے اس کا خیال نہ ہوتا تو میں اس کے مالک کو ٹھکانے لگانے کے بعد گھنٹوں سوتا رہتا۔ میں دانستہ اس کی طرف سے بے پروائی اختیار کر کے اسے ڈھیل دیتا رہا جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور وہ موقع ملتے ہی دروازہ کھول کر فرار ہو گیا' میں دروازہ مقفل کر کے منہ ہاتھ دھونے میں مصروف ہو گیا تاکہ باہر نکلنے کے قابل ہو سکوں۔ لیکن اسی اثنا میں میرے نتھنوں میں پٹرول کی بو آئی جسے میں نے نظر انداز کر دیا۔"

"تھوڑی دیر بعد پٹرول کی بو تیز ہو گئی تو مجھے تشویش ہونے لگی۔" قدرے توقف کے بعد اس نے دوبارہ بتانا شروع کیا۔

"میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ باہر کوئی کارروائی ہو رہی ہو گی۔ میں مختلف کمروں میں جھانکتا پھر رہا تھا کہ اچانک باہر سے بھک کی ایک زوردار آواز آئی' جیسے آتش گیر مادے کے کسی ذخیرے نے آگ پکڑ لی ہو۔ اسی کے ساتھ کھڑکیوں پر پڑے ہوئے دبیز پردوں کے پیچھے سے تیز روشنی اندر پڑنے لگی۔ اس وقت مجھے ہوش آیا اور میں تیزی سے عقبی دروازے کی طرف دوڑا۔ دروازہ کھولتے ہی ہوا کے زور سے شعلے اندر آنے لگے اور فضا میں دلخراش انسانی چیخیں سنائی دیں۔ گھر میں دیوانہ وار چکرانے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ مکان کے چاروں طرف پٹرول ڈال کر آگ لگائی گئی تھی۔ کئی مقامات پر وہ آگ مکان کے اندر داخل ہو چکی تھی۔ پردوں کے ساتھ ہی قالین اور خشک فرنیچر بھی دھڑا دھڑ جلنا شروع ہو گیا تھا۔ میں بمشکل تمام ایک ایسے مقام تک پہنچنے میں کامیاب

ہوا جہاں آگ کا زور کم تھا۔ میں شعلوں کو عبور کر کے باہر نکلا تو اکبر خان کا ملازم ایک طرف پڑا ہوا بری طرح بلبلا رہا تھا۔ اس کے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی تھی اور احاطے میں جا بجا پیٹرول کے خالی کین بکھرے ہوئے تھے۔ میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اکبر کے مکان میں اتنا زیادہ پیٹرول کیوں موجود تھا مگر ایک بات یقینی نظر آرہی تھی کہ مکان کے گرد پیٹرول ڈالتے ہوئے' غالباً اس کا لباس بھی پیٹرول میں بھیگ گیا تھا اور جب اس نے مکان کو نذر آتش کرنے کی کوشش کی تو اس کے لباس نے بھی آگ پکڑلی۔ جب میں نے اسے دیکھا تو وہ آگ میں جھلس کر ناقابلِ شناخت ہو چکا تھا اور چند ہی لمحوں کا مہمان تھا۔"

"وہاں سے نکلتے ہی تم سیدھے ہوٹل بھاگ آئے؟" میں نے پوچھا۔

"اس وقت میرے اوسان خطا ہو چکے تھے۔ ہولناک شعلوں میں زندہ جل جانے کا تصور ہی لرزہ خیز تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ تم ائرپورٹ کا چکر لگا کر وہیں واپس آؤ گے لیکن اس ڈراؤنے تجربے سے گزرنے کے بعد مجھ میں وہاں رکنے کی ہمت نہیں تھی۔ آگ بھڑکتے ہی وہاں بھیڑ لگنی شروع ہو گئی تھی۔ میرے وہاں رکنے میں کچھ خطرات بھی مضمر تھے اس لئے میں نرسری سے ٹیکسی پکڑ کر ہوٹل چلا آیا۔ میرا خیال ہے کہ کلوروفارم کے اثرات سے نجات پانے کے بعد وہ گزرے ہوئے واقعات کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ میرے خون آلود چہرے اور ہاتھوں کے ساتھ ہی اپنے مالک کا بے جان دھڑ دیکھ کر وہ سمجھا ہو گا کہ میں کوئی آدم خور جناتی مخلوق ہوں جسے آگ ہی سے فنا کیا جا سکتا ہے اور وہ آتش زنی کی کارروائی میں ملوث ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے نیم مفلوج ذہن میں محیرالعقول طلسماتی کہانیوں کا وہ تصور جاگ اٹھا ہو کہ میرے جلتے ہی اس کا آقا اپنے سر سمیت دوبارہ زندہ ہو سکتا تھا۔"

"یہ سب فضول باتیں ہیں۔ اگر وہ کوئی عام گھریلو ملازم ہوتا تو اپنی جان بچنے پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا اور اپنی ساری وفاداریوں کے باوجود بگٹٹ کسی محفوظ جائے پناہ کی طرف بھاگ لیتا۔ اس نے وہاں رک کر جو خوفناک حرکت کی' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شی کا کوئی کارندہ تھا۔ وہ اپنی حماقت اور کم فہمی کی وجہ سے مارا گیا ورنہ وہ اکبر کی موت کا انتقام لے کر اپنے بڑوں کے سامنے سرخرو ہو سکتا تھا۔"

"تم نے ویرا کے بارے میں کیوں سوال کیا تھا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"اس کا کہیں سراغ نہیں مل سکا۔ میرا اکبر خان کی سیاہ فورڈ بھی لاپتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ ہم جہاں تھے' وہیں کھڑے ہوئے ہیں۔" میرے جواب سے اسے مایوسی ہوئی تھی۔

جب تک سلطان شاہ سامنے نہیں آیا تھا' مجھے اس کی طرف سے شدید تشویش اور فکر لاحق تھی لیکن اس سے ملاقات ہونے کے بعد مجھے غزالہ کی فکر دامن گیر ہو گئی تھی۔ وہ ویرا کی سفاکانہ قید میں تھی۔ اس بار ویرا کے عزائم بھی بہت سنگین تھے۔ وہ شہر ہی میں موجود تھی یا سڑک کے راستے وہاں سے ایران کے لئے روانہ ہو چکی تھی' یہ امر یقینی تھا کہ وہ اپنے پیغام کے مطابق' میرا اکبر خان کی خیریت معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرتی اور جب اسے معلوم ہوتا کہ میرا اکبر خان بدقسمتی کی زد میں آچکا ہے تو وہ لازماً ساری ذمہ داری مجھ سے منسوب کر کے غزالہ کے ساتھ بدسلوکی پر تل جاتی۔ ان امکانات کی وجہ سے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ ہم جلد از جلد ویرا تک پہنچیں۔

اس وقت مجھے اول خان کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی اگر وہ کراچی میں موجود ہوتا تو اس کی مدد سے ویرا کے گرد گھیرا تنگ کیا جا سکتا تھا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہوتی کہ اول خان اپنے رسوخ سے کام لے کر کسی سرکاری یا نیم سرکاری ادارے سے کسی ہیلی کاپٹر کا بندوبست کر سکتا تھا جس کے ذریعے کراچی سے' حب کے راستے کوئٹہ جانے والی نیم پختہ اور ناپختہ سڑک پر ایک طویل پرواز کر کے چند گھنٹوں میں یہ پتا چلایا جا سکتا تھا کہ سیاہ کار اس راستے پر گئی تھی یا نہیں۔

سیاہ فورڈ کے دیکھ لئے جانے کی صورت میں سارا کھیل وہیں ختم ہو سکتا تھا۔ اونچے اونچے ریتیلے ٹیلوں اور چٹانی سلسلوں کے درمیان سے گزرنے والی نام نہاد سڑک پر سفر کرنے والے لوگ' کسی بھی فضائی مشن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ فضا سے کارروائی کر کے' غزالہ کو اس کی تحویل سے آزاد کرایا جا سکتا تھا۔

دوسری طرف اول خان کی نفری شہر میں پھیل کر سیاہ فورڈ کی تلاش کی بھرپور مہم شروع کر سکتی تھی۔ لیکن یہ بدقسمتی ہی تھی کہ وہ کسی ناکردہ جرم کی پاداش میں شہربدر کیا جا چکا تھا۔

میں نے اس امکان پر بھی غور کیا کہ اول خان میرا ذاتی دوست نہیں تھا۔ اس سے میری ملاقات ایک اہم افسر کے ایما پر ہوئی تھی جسے جانز ماچھی کے آدمیوں کے ہاتھوں' محفوظ ماموں اور ان کے لواحقین کے انتقامی قتل کی تفتیش پر مامور کیا گیا تھا۔ بعد میں اول خان کے خلوص اور ذاتی خوبیوں کی بنا پر میرے اور اس کے تعارف نے گہرے ذاتی مراسم کی صورت اختیار کر لی۔ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی تھی کہ میں اسپیشل ٹاسک فورس میں اول خان کے عہدے پر آنے والے نئے شخص سے پرانے حوالوں سے ملاقات کر کے اس کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرتا لیکن وہ کوئی سہل کام نہیں تھا۔ اول خان کے جانشین سے تعارف حاصل کرنے کے بعد میں اسے مطمئن کرنے کا پابند ہو جاتا جس کی وجہ سے میری آزادی متاثر ہوتی جب تک وہ مطمئن ہوتا' ویرا میرے ہاتھ سے نکل سکتی تھی۔

دوسری طرف اول خان بہت ہوشیار اور فراخدل آدمی تھا۔

اس نے میری کمزوریوں سے واقف ہونے کے باوجود کبھی ان جرائم کے حوالے سے مجھ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش نہیں کی جو ملکی قوانین کے تحت سنگین جرائم میں شمار کئے جاتے تھے۔ وہ سمجھتا تھا کہ مجھ سے ایسے جرائم حالات کے ناقابلِ برداشت دباؤ کے تحت سرزد ہوئے تھے اور ان کے ارتکاب میں کسی ذاتی منفعت کے حصول سے زیادہ ملکی مفاد کے تحفظ کا جذبہ کارفرما تھا۔ اگر اس کا جانشین اس سے مختلف ذہنی ساخت کا مالک ہوتا تو ان ہی جرائم کی بنیاد پر مجھے نہ صرف خود رگید سکتا تھا بلکہ اس کے بعد پولیس کے حوالے بھی کرسکتا تھا۔ اس لئے میں نے اس خیال کو اپنے سر سے جھٹک دیا۔

یہ غنیمت تھا کہ اس بار ویرا کی تلاش کی مہم پر نکلنے سے پہلے میں نے سیٹھ حبیب جیوانی کو ایک حد تک اعتماد میں لے لیا تھا۔ اسے غزالہ کے معاملے کی بھنک بھی نہیں ملنے دی تھی۔ لیکن یہ ضرور بتا دیا تھا کہ میں ویرا کا فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے شیر شاہ کو اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ میرا اکبر خان سے ہونے والی گفتگو سے اسے دور رکھ کر میں نے غزالہ کا معاملہ صیغۂ راز ہی میں رکھا تھا۔ اس کے نزدیک سارا معاملہ صرف اتنا تھا کہ ویرا خطرہ بھانپ کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ لیکن ہم نے اس کے ایک اہم مہرے کو جہنم واصل کردیا تھا جبکہ دوسرا اپنی ہی غلطی کی وجہ سے آگ میں جل مرا تھا۔

لیکن درحقیقت بات صرف اتنی ہی نہیں تھی۔ میں سلطان شاہ سے ایٹمی سازوسامان کی چھ سو ٹن وزنی اس کھیپ کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا جو ایران سے پاکستان منتقل کی جانے والی تھی۔ میرے لئے جہاں غزالہ کی ذات اہم تھی وہیں یہ بھی ضروری ہوگیا تھا کہ ویرا کا تخریبی مشن کامیاب نہ ہوسکے۔

"تم نے بھی ساری رات جاگتے ہوئے گزاری ہے۔" اپنا ذہن بنالینے کے بعد میں نے مکاری اختیار کرتے ہوئے شیر شاہ سے کہا۔ "سلطان شاہ کی خیریت مل جانے کے بعد ویرا کی تلاش کی مہم رہ جاتی ہے جو کسی بھی وقت شروع کی جاسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم جاکر آرام کرو، ضرورت ہوئی تو میں تمہیں طلب کرلوں گا۔ چیف سے بات ہو تو اسے اب تک کے حالات سے آگاہ کردینا۔"

"اور اگر اس نے یہ جاننا چاہا کہ ویرا ایران کی طرف کیوں فرار ہوئی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اول تو ہمیں اب تک یقین ہی نہیں ہوسکا کہ وہ یہیں ہے یا بھاگ گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے آدمی نے مرنے سے پہلے ہمیں غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کی ہو اور اگر وہ فرار ہو بھی گئی ہے تو چیف یہ احمقانہ سوال ہرگز نہیں کرے گا۔ یہ سوال ہر اس منزل کے بارے میں کیا جاسکتا ہے جدھر ویرا گئی ہو۔ بالفرض یہ سوال کر ہی لیا جائے تو میں یہی کہہ سکوں گا کہ اس نے اپنی منزل کے انتخاب میں مجھ سے کوئی مشورہ لینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ مجھ سے بات کرتی تو میں ضرور اسے ہنالولو جانے کا مشورہ دیتا۔"

وہ کھسیائے ہوئے انداز میں ہنس کر رہ گیا۔ کیونکہ میری وضاحت نے اسے لاجواب کردیا تھا۔

سینڈو کی موت بلکہ قتل کے بعد اسے مافیا میں ابھرنے کا نیا نیا موقع ملا تھا۔ مقامی مافیا میں چیف کے بعد میری دوسری پوزیشن تھی۔ اس لئے شیر شاہ میرے ساتھ رہ کر اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا وہ سنہری موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ شرف آباد والے فلیٹ کے احمقانہ واقعے اور پھر راضی روڈ پر تاجے کی بدترین ناکامی نے بھی اسے خفت سے دوچار کیا ہوا تھا۔ اس لئے اس نے میرے ساتھ رکے رہنے پر خاصا اصرار کیا لیکن اس کی موجودگی میری سرگرمیوں سے میل نہیں کھاتی تھی۔ اس لئے میں نے سختی کے ساتھ اسے روانہ کر ہی دیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد میں نے سلطان شاہ کے ساتھ کھل کر تبادلۂ خیال شروع کردیا۔

ایران سے اہم ایٹمی آلات اور سازوسامان کی پاکستان منتقلی کے ذکر پر اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس کے لئے یہ بات تشویش ناک تھی کہ اس قدر اہم کارروائیوں کی خبریں دشمنوں تک کیسے پہنچ جاتی ہیں۔ وہ یہ بات بھول رہا تھا کہ پاکستان کے خلاف ایک سپرپاور کی پروردہ' ثی میدان میں اتری ہوئی تھی جسے جدید ترین ایجادات اور سہولتوں تک رسائی حاصل تھی۔ سیٹلائٹ فون' چپ کے ذریعے نقل و حرکت کی نگرانی اور کارڈیو مانیٹرنگ یونٹ کی کارکردگی کی کہانیاں وہ خود سن چکا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ کہوٹہ کے لئے درآمد کئے جانے والے سازوسامان کو کڑی دیکھ بھال کے بعد موقعے پر پہنچایا جاتا ہے کیونکہ ان میں ایسے خفیہ سینسر چھپائے جانے کے امکانات دن بہ دن قوی ہوتے جارہے تھے جو ہزاروں میل دور سے فائر کئے جانے والے میزائلوں کی رہنمائی کرسکیں اور ان تمام کارروائیوں میں ثی کسی نہ کسی طرح اور کہیں نہ کہیں ضرور ملوث تھی۔

کافی دیر کی بحث کے بعد مجھے اس نکتے پر قائل ہونا پڑا کہ غزالہ کا تحفظ بے شک میرا ذاتی معاملہ تھا لیکن ایران اور پاکستان کے درمیان اہم ترین نوعیت کے سازوسامان کا تبادلہ ایک بہت بڑا قومی مسئلہ تھا۔ جسے اپنی ذات تک محدود رکھنا مجرمانہ غفلت کے مترادف تھا۔ وہ معاملہ فوری طور پر ملکی سلامتی کے ذمے داروں کے علم لایا جانا ضروری تھا تاکہ اس محاذ پر تمام تر ریاستی وسائل کو بروئے کار لاکر سازش کو ناکام بنایا جاسکتا۔

ثی کے مقابلے میں' مَیں ہمیشہ انفرادی جنگ لڑتا رہا اور اسے بھاری نقصانات پہنچا کر کامیابی کے ساتھ اپنا دفاع کرتا رہا۔ البتہ اول خان سے ملاقات ہونے کے بعد صورت حال یکسر بدل گئی۔ اسی کے ساتھ ساتھ ثی کی ناکامیوں کے تناسب میں بھی اضافہ ہوگیا جس میں ملا سرکار کی موت اور گھوڑا کریک کے واقعات سرفہرست

تھے۔ اس اعتبار سے میرے سامنے اسپیشل ٹاسک فورس کے علاوہ کوئی ایسا ادارہ نہیں تھا جس کی مدد سے ویرا کے عزائم کو ناکام بنانے میں مدد مل سکتی۔

ان دنوں صوبے میں امن و امان کی صورتِ حال بہت زیادہ بگڑی ہوئی تھی۔ سنگین جرائم میں پولیس کے محکمے کی کالی بھیڑوں کے ملوث ہونے کی خبریں آئے دن چلی آ رہی تھیں۔ جن کی وجہ سے نیک نام پولیس افسران دل برداشتہ ہو کر بہت زیادہ جھلائے ہوئے تھے۔ ان قانونی اداروں کا اپنا طریقۂ کار تھا۔ وہ لوگ گمنام ذرائع سے ملنے والی بڑی سے بڑی خبر کو نظرانداز کر دینے کے لئے آزاد تھے۔ انہیں اعتماد میں لینے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ میں خود ان کے سامنے آتا اور جب اطلاع دہندہ سامنے آجائے تو وہ لوگ اس کی لائی ہوئی خبر سننے سے پہلے اس کا ماضی کرید کر اس کی اہلیت' ذمے داری اور حب الوطنی کے بارے میں اپنے اندازے قائم کرتے ہیں۔ اس کے بعد کہیں خبر سننے اور اس پر کوئی کارروائی کرنے کی نوبت آتی۔ جبکہ میں ان کے ابتدائی معیار پر ہی پورا نہیں اترتا تھا۔ میرے جن جرائم کو اول خان نے نظرانداز کردیا تھا وہی میری نااہلی بلکہ گرفتاری تک کا جواز بن سکتے تھے۔

خاصی سوچ بچار کے بعد میں نے ایس ٹی ایف کے اسٹیشن فون کرنے کا ارادہ کرلیا۔ جو ویرا کے متروکہ مکان میں قائم تھا۔ اول خان اپنے تبادلے تک وہیں مامور تھا اور اس کے ماتحت عملے کے کچھ افراد بھی مجھ سے بخوبی واقف تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ ان ماتحت افراد ہی کے ذریعے اول خان کے جانشین سے غائبانہ تعارف حاصل کیا جائے تاکہ وہ میری باتوں پر فوری توجہ دے کر بھرپور کارروائی کا آغاز کرسکے۔

اس وقت صبح کے چار بجے کا عمل تھا۔ میں نے ہوٹل کے سوئچ بورڈ آپریٹر سے درخواست کرکے لائن اپنے کمرے ہی میں لے لی۔ اس کی آواز نیند کے خمار سے بوجھل ہو رہی تھی اس لئے اس نے آسانی کے ساتھ میری درخواست قبول کرلی تاکہ دوبارہ خوابِ خرگوش کے مزے لے سکے۔

میرا اندازہ تھا کہ مجھے دوسری طرف سے جواب کے لئے کافی دیر تک انتظار کرنا ہوگا۔ لیکن ادھر سے دوسری ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا گیا۔ بولنے والے کی دبنگ آواز اور شائستہ لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی تعلیم یافتہ اور سلجھا ہوا شخص تھا جو پوری رات گزر جانے کے باوجود' اتنی صبح فون سے لگا ہوا بیٹھا تھا۔

"میں مجید سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے اول خان کے ایک ماتحت کا نام لیتے ہوئے کہا۔

"مجید اس وقت گہری نیند سویا ہوا ہے۔ کوئی ضروری کام ہو تو اسے جگا دیا جائے۔" وہی بھاری آواز ابھری۔ "تم کون بول رہے ہو اور اتنی صبح مجید سے کیا کام ہے؟؟"

"میں اول خان کا ایک گہرا دوست ہوں۔ مجید مجھے جانتا ہے۔" میں نے کہا۔

"تمہارا کوئی نہ کوئی نام بھی ہوگا؟" اس کی آواز سپاٹ اور طنز سے عاری تھی۔

"بہتر ہوتا کہ میری بات براہِ راست اسی سے ہوتی۔ اب تم مُصر ہو تو بتائے دیتا ہوں کہ میرا نام ڈپٹی ہے۔"

"ڈپٹی!" دوسری طرف سے اس کی تحیرزدہ آواز ابھری۔ "تم کہاں ہو؟ تم سے تو میں بھی ملنے کا متمنی ہوں۔ میرا نام ظفر ہے اور اول خان کی جگہ میرا ہی تقرر ہوا ہے۔"

اس کی حوصلہ افزا گفتگو سن کر میرا دل خوش ہوگیا۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ میں اس سے تعارف حاصل کرنے کے لئے معتبر حوالوں کی تلاش میں تھا جبکہ وہ خود ہی میری تلاش میں تھا۔

"میں اسی شہر میں ہوں اور تم ہی سے بات کرنا چاہ رہا تھا لیکن تعارف نہ ہونے کی وجہ سے مجید کا سہارا لینا چاہ رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اب اس کی نیند خراب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔"

"اگر تم جاگ ہی رہے ہو تو یہاں کیوں نہیں آجاتے گرما گرم کافی پیتے ہوئے باتیں کرنے میں بڑا لطف آئے گا۔"

"اس وقت جاگنا میری مجبوری ہے لیکن تم اپنے اسٹیشن کے سب سے سینئر افسر ہونے کے باوجود' اپنے ماتحتوں کو سلا کر خود کیوں جاگ رہے ہو؟ میرا اندازہ تھا کہ مجھے تم تک رسائی میں خاصی دشواری ہوگی۔"

ریسیور پر اس کا جاندار قہقہہ سنائی دیا۔ "اول خان کی رپورٹوں میں تمہاری بہت تعریف کی گئی ہے لیکن تم اتنے سمجھدار معلوم نہیں ہوتے۔ ارے بھائی' ہمارا ڈسپلن سویلین اداروں سے بہت زیادہ مختلف ہے۔ وہاں ماتحتوں پر سارا بوجھ رہتا ہے اور افسر عیش کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ دیر سے آتے ہیں' جلدی چلے جاتے ہیں' دفتر میں دوستوں کی محفلیں سجاتے ہیں لیکن ہم لوگ اپنے ماتحتوں کے لئے ہر وقت مثالیں قائم کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اس وقت میں باہر سے آنے والی کچھ رپورٹوں کا انتظار کر رہا ہوں کیونکہ رپورٹیں لینے کے بعد مجھے اگلی ہدایات بھی دینی ہیں۔"

"لیکن تم مجھ سے کیوں ملنا چاہ رہے تھے؟" میں نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔

"دلیر اور محبِ وطن لوگوں سے مل کر مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے۔ ویسے مجھے اس وقت ایک اہم معاملہ بھی درپیش ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم اس سلسلے میں میری کوئی مدد کرسکو۔ اگر تم آسکتے ہو تو اب فون پر وقت ضائع نہ کرو۔ میرے پاس صرف دو لائنیں ہیں جن پر کسی بھی لمحے اہم پیغامات آنے کی توقع ہے۔"

"ٹھیک ہے' میں آرہا ہوں۔ مگر میرا ایک دوست میرے ساتھ ہوگا۔" میں نے کہا۔

"اگر میری یادداشت دھوکا نہیں دے رہی تو شاید اس کا نام سلطان شاہ ہے؟" اس کی قیاس آرائی سنائی دی۔

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "تم میری توقع سے زیادہ ذہین اور حاضر دماغ ہو۔" میں فون کا سلسلہ منقطع کر کے گھوما تو سلطان شاہ کے چہرے سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ تمہارا ایس ٹی ایف سے پھر رابطہ استوار ہو گیا۔ اول خان کے چلے جانے کے بعد ہم بالکل بے آسرا اور یتیم ہو کر رہ گئے۔ اب دوبارہ ہمارے ہاتھ سے نہیں بچ سکے گی۔"

ہم دونوں نے پھرتی کے ساتھ اپنا حلیہ درست کیا اور ظفر سے ملنے کے لئے روانہ ہو گئے۔

اسٹیشن فور میں اول خان موجود نہیں تھا۔ لیکن اس مکان کے گیٹ پر پہنچنے کے بعد ہمیں اس کی کمی کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ محافظ انہی میں سے تھا جو ہمارے پرانے شناسا تھے۔ شاید ظفر اسے پہلے ہی ہدایت دے چکا تھا اس لئے جوں ہی میں نے ہیڈ لیمپس بجھائے اور اس نے ہمیں پہچانا' آہنی گیٹ کھول دیا گیا اور میں بلا روک ٹوک کار اندر لیتا چلا گیا جہاں ایس ٹی ایف کی تین گاڑیاں پہلے سے موجود تھیں۔

ہمارے کار سے اترتے ہی پہلے ایک صحت مند اور متوسط قامت شخص برآمدے میں آ چکا تھا۔ اس نے نہایت تپاک کے ساتھ ہم دونوں کا استقبال کیا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس نے محض تحریری رپورٹوں کی بنیاد پر ہم دونوں کو فرداً فرداً پہچان کر ہمارے ناموں سے مخاطب کیا تھا۔

اول خان ہی کی طرح وہ بھی فراخ دل اور خوش اخلاق تھا۔ اس سے مل کر یہ احساس ہوا کہ ہماری بہت پرانی شناسائی ہو۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ اسپیشل ٹاسک فورس جیسے مایہ ناز خفیہ ادارے کو اول خان کی ذات سے وابستہ سمجھ کر ہم نے ایک سنگین غلطی کی تھی۔ اچھے اور مستحکم اداروں کی خوبی ہی یہی ہوتی ہے کہ اعلیٰ ترین عہدوں تک بہترین افراد کے آنے جانے سے اداروں کے استحکام اور کارکردگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سارے کام طے شدہ ضابطوں کے مطابق اپنی نہج پر چلتے رہتے ہیں جبکہ ہمارے ملک میں اداروں کو بھول کر افراد کو ہیرو بنانے کی ریت چلی ہوئی ہے۔ جو جہاں ہوتا ہے خود کو ناگزیر بنائے رکھنے کی بیماری میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کے حواری اور خوشامدی ڈھول پیٹ پیٹ کر اس کی ناگزیریت کے افسانوی قصے تراشتے ہیں لیکن جب وہ اچانک ہی چلا جاتا ہے تو یہ عقدہ کھلتا ہے کہ اچھائیاں تو اب شروع ہوئی ہیں اس سے پہلے ہر طرف گول مال اور گھپلوں کی اندھیر نگری چل رہی تھی۔ ہم دونوں اسی نظام کے پروردہ تھے۔ اس لئے اول خان کے تبادلے یا سزایابی پر یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اس کے جاتے ہی اسپیشل ٹاسک فورس کا مقامی ڈھانچہ منہدم ہو گیا تھا اور ہمارے لئے وہاں کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو چکے ہوں گے لیکن وہاں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ ایک فرد کے علاوہ وہاں کا مجموعی مزاج اور ماحول تک وہی تھا جو ہم پہلے دیکھ چکے تھے۔

اس کے دفتر میں دونوں فون قالین پر رکھے ہوئے تھے۔ وہ صوفے پر دراز ہو گیا اور ہم نے بھی اس کے قریب ہی صوفوں پر نشستیں سنبھال لیں۔ ہمارے بیٹھتے ہی ایک شخص بھاپ اڑاتی کافی کی پیالیوں کے ساتھ دیگر لوازمات بھی لے آیا اور ہمارے سامنے میز پر چننے لگا۔

"بات صرف کافی کی ہوئی تھی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "لیکن تم نے بہت زیادہ تکلف کر لیا۔"

"تھوڑی دیر میں ناشتے کا وقت ہونے والا ہے۔ تم آ گئے ہو تو تمہارے بہانے میں بھی ناشتا کر لوں گا ورنہ صبح ہونے تک خالی کافی ہی پر گزارہ ہوتا رہتا۔" اس نے بے تکلفانہ لہجے میں کہا۔

کافی نوشی بلکہ ناشتے کے دوران میں وہ ماضی کے ان واقعات کا ذکر لے بیٹھا جن میں اول خان نے قابلِ رشک کارکردگی کا مظاہرہ کر کے ایس ٹی ایف کو سرخروئی دلانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

"لیکن اس کا تبادلہ عجیب و غریب انداز میں ہوا۔" ایک بار موقع ملتے ہی میں اپنے دل کی بات زبان پر لے آیا۔ "یہ محسوس ہوا جیسے اسے کسی بد عملی کے الزام میں سزا دی گئی ہو۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" اس نے حیرت سے پوچھا پھر کہا۔ "اس نے اپنی بساط سے بڑھ کر کام کیا تھا۔ آپریشن گھوڑا کریک نے سفارتی حلقوں میں کھلبلی مچا رکھی ہے۔ پریس کو دانستہ اندھیرے میں رکھا جا رہا ہے۔ اگر اول خان کو فوری طور پر یہاں سے نہ ہٹایا جاتا تو دشمن اس کی جان لینے میں کامیاب ہو جاتے۔ اسے تو ترقی کے ساتھ ہی بھاری نقد انعام دیا گیا ہے۔"

"یہ میرے لئے نئی خبر ہے۔" میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا "اس کے یہاں سے تبادلے پر اس کی بیوی بہت پریشان تھی اور یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ اسے آرام یا تیاری کا کوئی وقفہ دیئے بغیر اچانک باہر کیوں بھیج دیا گیا۔"

"میں نے سنا ہے کہ یہاں سے جاتے ہوئے اول خان بھی اداس تھا لیکن نیا چارج لینے کے ساتھ ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کی کتنی عزت افزائی کی گئی ہے۔ اس نے اپنی فیملی بھی اپنے پاس بلا لی ہے اور میں اس کے چھوڑے ہوئے معاملات میں سر کھپا رہا ہوں جن کا کوئی سرا نہیں ملتا۔"

"میرا خیال ہے کہ گھوڑا کریک اس کا آخری کیس تھا جسے وہ مکمل کر کے گیا ہے۔"

"غلام رسول کے اغوا کا معاملہ ابھی تک لاینحل ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے مجرموں کے کسی منظم گروہ نے پولیس کی تحویل سے آزاد کرایا ہے لیکن وہ کہاں ہے یہ کوئی نہیں جانتا نہ ہی اس کے اغوا کا کوئی مقصد سامنے آیا ہے۔ اب ہم بھی اس کیس پر کام کر رہے ہیں مگر کامیابی کی امید نہیں ہے۔"

"اگر اگلے چند روز تک کراچی ایئرپورٹ کی کڑی نگرانی کی

جائے تو کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ادھر ادھر وقت ضائع کرنے سے پتہ حاصل نہیں ہوگا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اس بارے میں تم بہت کچھ جانتے ہو۔" وہ صوفے میں پہلو بدل کر بولا۔

"صرف اتنا کہ وہ کراچی ہی میں رکھا گیا ہے اور کسی بھی وقت اسے ملک سے باہر بھیجنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ اس کا معاملہ اس قدر پیچیدہ ہے کہ میری دانست میں اسے گرفتار کر کے عدالت میں لے جانے کے بجائے گولی مار دینا ہی بہتر رہے گا۔ وہ یک بیک بہت سے ناپسندیدہ لوگوں کا منظور نظر بن گیا ہے۔"

"بھارتی حکومت بھی درپردہ اس کی تلاش میں ہے۔" اس نے انکشاف کیا۔ "وہ لوگ اسے سندھ میں بدامنی پھیلانے کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں ماسرکار کی موت کا علم نہیں ہے۔ لیکن اس کی طویل گمشدگی نے ان کی صفوں میں تشویش کی لہر دوڑا دی ہے۔ ہمیں ان پر کڑی نگاہ رکھنی پڑ رہی ہے۔"

"تو کیا آج کل انڈین کاؤنسلیٹ کی نگرانی ہو رہی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں" اس وقت بھی میں ان ہی لوگوں کی رپورٹوں کا انتظار کر رہا ہوں جو ان خبیثوں کی بو پر لگے ہوئے ہیں۔" وہ بولا۔ "انہوں نے یہاں ضرورت سے زیادہ عملہ رکھا ہوا ہے جس میں جوان، خوبرو اور بے باک لڑکیوں کی بہتات ہے جو بارسوخ مقامیوں کو بہت آسانی کے ساتھ شیشے میں اتار لیتی ہیں۔ یہ فاضل عملہ دن رات لوگوں سے دوستیاں بنانے اور اپنا کام نکالنے میں لگا رہتا ہے۔"

"دوسری طرف ویرا بھی بھڑک اٹھی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "آپریشن گھوڑا کریک کی کامیابی میں اس نے بہت اہم اور قابل تعریف کردار ادا کیا تھا۔ لیکن اس کے بعد ہی سے وہ پھر اپنی اصل کی طرف لوٹ گئی ہے۔ اس بار وہ ایران میں ایٹمی سازوسامان کی چھ سو ٹن وزنی ایک کھیپ کو تباہ کرنے کے درپے ہے جو ایران کی حکومت خیرسگالی کے طور پر پاکستان کو دینے کا فیصلہ کر چکی ہے۔"

"اوہ!" میرے انکشاف پر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تو ان لوگوں کو بلو کراس ڈیل کے بارے میں بھی علم ہو چکا ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کتنے محاذوں پر اپنے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے!"

"میرا خیال ہے کہ محاذ ایک ہی ہے۔" میں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ "شانتی کا پورا سفارتی عملہ، ہیری کیسنجر اور اس کا سفارت خانہ اور ویرا ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور ہماری سرزمین کے خلاف ان کے مفادات یکساں اور مشترک ہیں۔ وہ ایک جگہ مار کھاتے ہیں تو دوسری طرف پورا زور لگا دیتے ہیں۔"

"ویرا اب کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے؟" اس نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ تو وہی جانتی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ سڑک کے راستے ایران کی طرف روانہ ہو چکی ہے۔"

"تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"حالات!" میں نے کہا۔ اور پھر اسے ان واقعات کا خلاصہ سنانے لگا جو میر اکبر خان سے باز پرس کے بعد سے رونما ہوتے چلے آئے تھے۔ وہ حیرت سے منہ کھولے میری کہانی سن رہا تھا۔

"وہ کار ائرپورٹ پر نہیں ملی اس لئے تم سمجھ رہے ہو کہ ویرا سڑک کے راستے ایران کی طرف روانہ ہو گئی ہو گی؟" میری کہانی ختم ہونے پر اس نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔ کیونکہ ویرا کے بارے میں میرے پاس اور کوئی سراغ نہیں تھا۔

"تم مجھے اس کار کا میک، ماڈل، رنگ اور نمبر بتاؤ میں ابھی وائرلیس پر سارے یونٹوں کے لئے پیغام نشر کرا دیتا ہوں۔ وہ راستہ بہت خراب ہے۔ اگر ویرا ادھر ہی سے گئی ہے تو دن چڑھنے سے پہلے کوئٹہ نہیں پہنچ سکے گی۔ وہ راستے میں جہاں بھی ہوگی، وہیں دھر لی جائے گی۔ ہتھیاروں وغیرہ کی اسمگلنگ کے سدباب کے لئے اس روٹ پر ہمارے کئی یونٹ تعینات ہیں۔ وہ کہیں نہ کہیں سے گھیر لیں گے۔ بلو کراس ڈیل کا معاملہ ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے۔ ہمیں سب کچھ بھول بھال کر ویرا کو روکنا ہوگا۔ وہ کامیاب ہو گئی تو ہمیں شدید جھٹکا لگے گا۔"

"وہ تقریباً دس سال پرانی سیاہ فورڈ ہے۔" میں نے بتانا شروع کیا، مگر میری بات ادھوری رہ گئی۔

"پرانی سیاہ فورڈ!" اس نے اپنی ران پر زور سے ہاتھ مار کر مضطربانہ انداز میں دہرایا اور اضطراری طور پر صوفہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ "یہ اتنی اہم بات ہے اور تم مجھے اب بتا رہے ہو۔"

میں اسے حیرت سے گھورتے ہوئے بولا۔ "یہ تم نے پوچھا ہی کب تھا جو یوں بگڑ رہے ہو؟"

"نمبر...... مجھے نمبر بتاؤ اس کار کا!" وہ مجھے جھنجھوڑتے ہوئے بولا "ایسی ایک کار تو کل رات سے انڈین کاؤنسلیٹ میں گئی ہوئی ہے اور اب تک واپس نہیں لوٹی۔ وہ کار پہلی بار وہاں گئی ہے اسی لئے مجھے تشویش تھی۔"

میں نے میر اکبر خان کا دیا ہوا نمبر دہرایا تو وہ مسرت سے اچھل پڑا۔ "یہ بالکل وہی کار ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ویرا ابھی ہماری دسترس میں ہے۔ اب میں دیکھوں گا کہ وہ وہاں سے نکل کر کیسے بھاگتی ہے۔"

"تمہارا یہ جوش اور جذبہ قابل رشک ہے مگر ایک امکان اور بھی ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"بولو، بولو! جو دل میں آ رہا ہے وہ کہہ ڈالو۔ پتا نہیں تم اور لیا

کیا جانتے ہو۔"

"میری منگیتر کو اس نے یرغمال بنایا ہوا ہے اور اسے اپنے ساتھ لئے پھر رہی ہے۔ ایران کے سفر میں غزالہ اس کے لئے کئی دشواریاں کھڑی کر سکتی ہے۔ اس لئے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ویرا اسے انڈین کاؤ نسلیٹ میں چھوڑنے کی نیت سے وہاں گئی ہو اور اس سے جان چھڑانے کے بعد کسی اور کار میں وہاں سے نکل گئی ہو۔"

میری بات سن کر ظفر کو شدید ذہنی جھٹکا لگا اور وہ فوراً ہی اپنی میز کی طرف بڑھ گیا۔ میرا نکتہ اپنی جگہ پر تھا لیکن یہ حقیقت تھی کہ میر اکبر خان کی کار کا سراغ ملنے سے مجھے دلی مسرت ہوئی تھی۔ ویرا اور غزالہ میں سے کوئی بھی وہاں ہوتی یا نہ ہوتی لیکن یہ امید ضرور بندھ چلی تھی کہ اس کاؤ نسلیٹ پر محنت کر کے ان کا سراغ لگایا جا سکتا تھا۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق تھا ہیری کیسنجر اور اس کے دفاتر سے ویرا کے گہرے مراسم تھے۔ لیکن گھوڑا کریک پر الحدید کے پکڑے جانے کے بعد ان مراسم میں یکلخت سرد مہری سرایت کر گئی تھی۔ لیکن بھارتی کاؤ نسلیٹ سے ویرا کا کوئی رابطہ نہیں تھا یا کم از کم اس نے مجھے اپنے کسی رابطے کی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔ جن دنوں ملا سرکار کے لئے ہتھیاروں کی کھیپ کی فراہمی کا معاملہ نیا نیا اٹھا تھا تو ویرا نے اسلام آباد میں واقع بھارتی سفارت خانے کے ایک افسر کا ذکر ضرور کیا تھا جس کا نام کرنل میش پال تھا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا تھا کہ اس کی ضمانت پر "شی" ملا سرکار کو لاکھوں ڈالر کے ہتھیار دینے پر آمادہ تھی۔

لیکن میش پال کو سلطان شاہ نے اسلام آباد سے اغوا کر لیا تھا اور آخر کار وہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ اس کے بعد ویرا ہمیشہ یہی ظاہر کرتی رہی تھی کہ بھارتی سفارت خانے یا کاؤ نسلیٹ میں اس کا کوئی شناسا نہیں تھا۔ لیکن وہ غزالہ کے ساتھ جس بے دھڑک انداز میں کاؤ نسلیٹ پہنچی تھی اس سے پتا چلتا تھا کہ اس نے وہاں درپردہ اپنے تعلقات قائم کئے ہوئے تھے۔ لیکن کسی برے وقت کی پیش بینی میں اس نے وہ راز مجھ سے چھپایا ہوا تھا۔

"اس کار کے اندر جانے کے بعد اس عمارت سے دو گاڑیاں روانہ ہوئی ہیں' ایک میں ڈرائیور کے ساتھ عملے کے تین ارکان تھے' دوسری گاڑی میں تین مرد تھے اور ایک ہندوستانی عورت۔ اس کا مطلب ہے کہ ویرا یا غزالہ میں سے کوئی بھی واپس نہیں گیا۔" ظفر نے میز پر پڑے ہوئے ایک کاغذ کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں آگاہ کیا۔

"اگر تمہیں اتنی تفصیلی اطلاعات ملتی رہی ہیں تو یہ بھی بتایا گیا ہوگا کہ کاؤ نسلیٹ میں داخل ہوتے وقت سیاہ فورڈ میں کتنے لوگ سوار تھے۔" میں نے تحسین آمیز انداز میں سرہلاتے ہوئے کہا۔

"میری اطلاعات تمہارے بیان کی تائید کرتی ہیں۔ ایک خوبرو' سفید فام عورت کار چلا رہی تھی۔ اس کے برابر میں ایک نوجوان مقامی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔" اس نے آگاہ کیا اور فوراً ہی فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

فون پر اس نے کسی کو ہدایت دی کہ ٹرانسمیٹر پر زیبرا فور اور جے سی ون کو بتا دیا جائے کہ سیاہ فورڈ بہت اہم ہے۔ کار یا اس کے مسافروں کے نظر آتے ہی اسے باخبر کیا جائے۔

"پھر اب کیا پروگرام ہے؟" اس کے قدرے نارمل ہو جانے کے بعد میں نے پوچھا۔

"یہ بات تو طے ہے کہ ویرا یہاں سے نکل کر ایران کی طرف نہیں جا سکے گی۔" ظفر نے مضبوط اور پرعزم لہجے میں کہا "البتہ غزالہ کی رہائی کا معاملہ ذرا نازک نظر آتا ہے۔"

"میر اکبر خان پراسرار حالات میں مر چکا ہے۔ اس کی بغیر سر کی لاش جل چکی ہے۔ اس کا گھریلو ملازم بھی جل کر مر گیا ہے اور اس کی کار بھارتی کاؤ نسلیٹ میں موجود ہے۔ کیا اس بنیاد پر اپنے خصوصی اختیارات کے تحت وہاں کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر سنجیدگی سے کہا۔

وہ دھیمے سے ہنس دیا۔ "تم بھول رہے ہو کہ ہم کوئی سرکاری ملازم نہیں ہیں۔ اس لئے ہمارے کوئی اختیارات نہیں ہیں۔ ہم جس کی لاٹھی' اس کی بھینس کے اصول پر عمل کرتے ہیں اور اپنے حریفوں کو پوری طاقت سے کچل کر غائب ہو جاتے ہیں۔ وار اوچھا پڑے تو ہمیں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ جو کچھ تم نے تجویز کیا ہے اس پر پولیس عمل کر سکتی ہے لیکن سفارتی معاملات میں بہت سی پیچیدگیاں ہوتی ہیں انہیں دور کئے بغیر ضابطے کی کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ اس وقت تک وہاں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔"

"نامعلوم افراد پر مشتمل کوئی مسلح گروہ وہاں حملہ آور ہو کر اپنا کام دکھا سکتا ہے۔" سلطان شاہ کا ذہن بھی اسی مسئلے میں الجھا ہوا تھا اور اس کی تجویز قابل عمل بھی نظر آتی تھی۔

"سفارتی عمارات کا تحفظ' میزبان حکومت کی پوری ذمے داری ہوتی ہے۔ وہاں کوئی حملہ ہوا تو نہ صرف ہماری حکومت کی بدنامی ہوگی بلکہ اس واقعے سے زبردست سیاسی اسکینڈل کھڑا ہو جائے گا۔ دوسری طرف ہم اس عمارت کی ساخت سے ناواقف ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی گوریلا کارروائی کی افراتفری میں غزالہ ہی ہماری یا کسی اور کی گولیوں کا نشانہ بن جائے۔ اور اسے اٹھالانے کا مقصد فوت ہو کر رہ جائے۔" ظفر نے اس تجویز کے ہر پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ "بہترین صورت یہی ہوگی کہ صبر اور خاموشی کے ساتھ ان کے باہر نکلنے کا انتظار کیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ ویرا زیادہ دیر تک وہاں نہیں رکے گی۔ اگر اسے بلوکراس ذیل تباہ کرنے پر مامور کیا گیا ہے تو اسے بہت جلد اور بہت تیزی کے ساتھ حرکت

میں آنا ہوگا۔"

وہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ ظفر سے ملاقات ہوتے ہی میری خاصی الجھنیں دور ہوگئی تھیں ورنہ میں سڑک کے راستے کوئٹہ کی طرف روانگی کا ارادہ ترک کرکے بھارتی کاؤنسلیٹ پر اپنی توجہ مرکوز کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ جہاں پورے وثوق کے ساتھ غزالہ کی موجودگی کی نشاندہی کی گئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ ہماری عاجلانہ اور جذباتی تجویز کے مقابلے میں ظفر کی رائے صائب اور قابلِ عمل تھی۔

ایک نکتے پر متفق ہونے کے بعد ہم نے ویرا کو گھیر کر، غزالہ کو نکالنے کے منصوبے کے عملی پہلوؤں پر جوش و خروش سے تبادلۂ خیال شروع کردیا۔

پھر اچانک ہی فون کی تیز گھنٹی نے ہم تینوں کو بری طرح چونکا دیا۔ پہلی گھنٹی بند ہونے سے پہلے ہی اس کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔ کیونکہ ظفر نے فوراً ہی ریسیور اٹھا لیا تھا۔

وہ خاموشی سے دوسری طرف کی رپورٹ لے رہا تھا اور اس کے چہرے کے تیزی سے بدلتے ہوئے تاثرات دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا تھا۔

وہ فوجی تھا، نہ نیم فوجی لیکن آدمی بہت کھرا تھا۔ اس کا گفتگو کرنے کا انداز بھی، ادل خان کی طرح دل کو موہ لینے والا تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے ساتھ چند ہی لمحوں کی رفاقت کے بعد کم از کم مجھے یہ محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ برسوں سے میرا دوست اور شناسا رہا ہو۔ اس کے بارے میں سلطان شاہ کے دلی جذبات ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں تھا لیکن اس کے انداز سے بھی یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی ظفر سے مانوس ہو چکا تھا۔

ظفر کئی منٹ تک ریسیور کان سے لگائے، دوسری طرف کی گفتگو سنتا رہا۔ اس دوران اس نے انتسار کے ساتھ ہوں ہاں کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کہا اور پھر خاموشی کے ساتھ ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے، آنکھوں میں فکر و تشویش کے سائے لہرا رہے تھے اور چہرے پر سختی کی علامات نمایاں تھیں۔ اس فون کال پر ظفر کا تردد آمیز ردِعمل دیکھتے ہوئے میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور اس کے خود ہی بولنے کے انتظار میں، وقت گزاری کے لئے ماچس کی تیلیوں سے کھیلنے لگا۔

"تمہارے آتے ہی واقعات میں تیزی پیدا ہوگئی ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد ظفر نے اونچی آواز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ وہ خبیث میری اور تمہاری ملاقات کے انتظار میں خاموش بیٹھے ہوئے تھے ورنہ اتنی صبح حرکت میں آنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟"

میں خاموشی کے ساتھ کچھ دیر تک اس کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ کسی زخم خوردہ شیر کی طرح خاموشی اور تیزی کے ساتھ کمرے میں ٹہلتا رہا۔ اس کے انداز سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے دفتر میں ہماری موجودگی کو یکسر فراموش کر بیٹھا ہو۔

آخر کار مجھے اس کو ٹوکنا پڑ گیا۔ "میں سمجھ نہیں سکا، کون لوگ حرکت میں آگئے ہیں؟"

وہ چونک کر میری طرف گھوما اور پھیکی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اسی کاؤنسلیٹ کے عملے کا ذکر ہے جہاں ویرا گھسی ہوئی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے ایک ڈرائیور سیاہ فورڈ لے کر وہاں سے نکلا تھا۔ اس کے پیچھے عمارت سے ایک اسکوٹر سوار روانہ ہوا تھا، جس کا چہرہ ہیلمٹ میں پوشیدہ تھا۔ میرے آدمیوں نے دونوں کا تعاقب کیا تو وہ لوگ میٹرو پول اور پرل کانٹی نینٹل سے ہو کر پولو گراؤنڈ کی طرف چلے گئے اور سیاہ فورڈ میدان کے کنارے چھوڑ کر، دونوں آدمی اسی اسکوٹر پر واپس کاؤنسلیٹ کی طرف چلے گئے۔ میرا ایک آدمی فورڈ کے پاس رک گیا۔ دوسرا اسکوٹر کا پیچھا کرتا رہا جب کہ تین افراد پیشہ ور اور نشہ باز بھکاریوں کے روپ میں کاؤنسلیٹ کے آس پاس کی فٹ پاتھوں پر جمے ہوئے تھے۔ میرے آدمی نے میدان صاف ہونے پر سیاہ فورڈ کی تلاشی لینے کی کوشش کی تو ایک دھماکے کے ساتھ کار کی ڈکی میں آگ لگ گئی جس نے پٹرول کی ٹنکی کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ کار آگ کی نذر ہو گئی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ویرا کو میر اکبر خان اور اس کے مکان کے انجام کا علم ہوگیا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اس کے بعد ہی ان لوگوں نے سیاہ فورڈ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی ہوگی کیونکہ اس کی وجہ سے ان کا اور میر اکبر خان کا تعلق ثابت ہو سکتا تھا۔"

"ویرا کے گٹھ جوڑ سے وہ لوگ کوئی بڑا ہی کھیل کھیلنے کے چکر میں نظر آرہے ہیں۔ ان کی ریشہ دوانیوں کا سدِباب کرنے کے لئے ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔"

اس معاملے میں ظفر کی فکر مندی بالکل بجا تھی۔ وہ کوئی سرکاری اہل کار نہیں تھا۔ قانونی طور پر اس کی بھی وہی پوزیشن تھی جو میری تھی۔ اگر قانون سے ماورا کسی کارروائی کے دوران میں وہ خود یا اس کا کوئی ماتحت گرفت میں آجاتا تو اس کے ساتھ بالکل وہی سلوک کیا جاتا جو عام قانون شکنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اسپیشل ٹاسک فورس سے وابستگی کا وہ اظہار کر سکتا تھا اور نہ اس بنا پر کسی قانونی رعایت کا حقدار بن سکتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ ایس ٹی ایف کی در پردہ سرپرستی کرنے والے بارسوخ افراد نادیدہ ڈوریں ہلا کر مقدمہ کمزور کرا دیتے اور ان لوگوں کو قانون کے چنگل سے نجات مل جاتی لیکن اس کمزور قانونی پوزیشن کے باوجود ظفر کی ذہنی ساخت کچھ ایسی تھی کہ وہ ملک کے خلاف ہونے والی

کسی بھی سازش پر مضطرب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لئے نزدیک ویرا اور انڈین کاؤنسلیٹ کا گٹھ جوڑ بہت خطرناک ہو سکتا تھا۔

لیکن میرا خیال ظفر سے مختلف تھا۔ میری دانست میں اس وقت اصل اہمیت صرف ویرا کی تھی۔ انڈین کاؤنسلیٹ سے اس کے پرانے مراسم جیسے بھی رہے ہوں لیکن یہ بات یقینی تھی کہ اس نے ان لوگوں کو ملا سرکار جیسے اہم سیکرٹ ایجنٹ کی موت کی خبر نہیں پہنچائی تھی۔ دوسری طرف ہیری کیسنجر کے دفتر کی اپنی مجبوریاں تھیں۔ وہ لوگ ملا سرکار کی موت کے سب سے بڑے گواہ تھے لیکن اعتماد شکنی کے بھارتی الزام سے بچنے کے لئے انہوں نے ملا سرکار کے بارے میں چپ سادھ رکھی تھی جس کے نتیجے میں بھارتی سیکرٹ سروس اور اس کے سفارتی گرگے پوری تندہی کے ساتھ ملا سرکار کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔

میری طرف سے مایوس اور دل برداشتہ ہونے کے بعد ویرا' ہیری کیسنجر کی طرف نہیں گئی تو اس کے اسباب بہت واضح تھے۔ وہ لوگ سیاسی' مالی اور معلوماتی اعتبار سے بہت مضبوط تھے۔ ان کا خفیہ سراغرسانی کا نظام جدید ترین اور ناقابل شکست تھا' اس لئے وہ ویرا پر بالادستی قائم کرنے کی پوزیشن میں تھے۔ ویرا ایک بار وہاں جا کر بہت بری طرح پھنس چکی تھی۔ اسے اہم مہمان قرار دے کر' مسلح پہرے میں عملاً قیدی بنا لیا گیا تھا اور اگر ہیری کیسنجر نے اسے گھوڑا کریک بھیجنے کی حماقت نہ کی ہوتی تو ویرا کے لئے ان لوگوں کی قید سے نکلنا محال ہو جاتا۔ الحدید سے آنے والے ہتھیاروں کے پکڑے جانے کی ساری ذمہ داری ویرا پر ڈال کر جی لائیڈ سے شکایت کی جاتی اور ویرا کا مستقبل بے یقینی کا شکار ہو جاتا۔ یہ اور بات تھی کہ گھوڑا کریک سے میرے ساتھ نکل آنے کے بعد اس نے فون پر نہایت چالاکی و مکاری کے ساتھ ہیری کیسنجر کو خوفزدہ کر کے زبان بند رکھنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن وہ اچھی طرح جانتی ہو گی کہ وہ دوبارہ ہیری کیسنجر کے ہاتھ لگ گئی تو وہ اسے بے قابو کر کے اپنے اگلے پچھلے حساب بے باق کرنے سے نہیں چوکے گا۔

مجھ سے دوبارہ جدائی ہو کر اس نے غزالہ کو ایک بار اغوا کرا لیا تھا لیکن اسی کے ساتھ اس کو بلو کر اس ڈیل تباہ کرنے کا مشن سونپا گیا تھا جس کے لئے ویرا کو ایران کے اجنبی ماحول میں کام کرنا تھا۔ اس لئے اس مرحلہ پر غزالہ اس کے گلے کی چھچھوندر بن گئی۔

اس نے دوستی کی آڑ اور اعتماد میں غزالہ کو اغوا تو کرا لیا تھا لیکن غزالہ سے یہ بات زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکتی ہو گی کہ وہ ویرا کی قیدی بن چکی تھی۔ اگر ویرا اسے اپنے ساتھ ایران لے جانے کی حماقت کرتی تو غزالہ پہلا موقع ملتے ہی اس کی عیاریوں کا بھانڈا پھوڑ کر اسے پکڑوا سکتی تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ غزالہ' ویرا کی نجی قید میں تھی۔ اس بارشی کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا' اس لئے ویرا چاہ رہی ہو گی کہ غزالہ کو کراچی ہی میں کسی کی تحویل میں دے کر خود ایران کی طرف نکل جائے اور وہاں اپنا مشن پورا کرنے کے بعد دوبارہ غزالہ کو اپنے قبضے میں لے لے۔

اس مقصد کے لئے ہیری کیسنجر یا اس کے سفارتی دفاتر ویرا کے لئے شجر ممنوعہ بنے ہوئے تھے۔ میر اکبر خان کی ساری قوت اس کے اکلوتے ملازم تک محدود تھی جسے ویرا نے غزالہ کی قید کے لئے ناکافی تصور کیا ہو گا۔ ان حالات میں لے دے کر انڈین کاؤنسلیٹ ہی رہ جاتا تھا جہاں ویرا کی پذیرائی کی جا سکتی تھی۔ ماضی کے خفیہ یا کمزور مراسم کو تقویت دینے کے لئے اس نے ان لوگوں کو ملا سرکار کی دردناک موت سے بھی آگاہ کر دیا ہو گا۔ وہ ایک ترقی پذیر ملک کے سفارت کار تھے جنہیں ویرا آسانی کے ساتھ شیشے میں اتار سکتی تھی۔ چند گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں اس کی کامیابی کے ثبوت سامنے آ چکے تھے۔ ان لوگوں نے ویرا کو غزالہ سمیت قبول کر لیا تھا اور آخری خبریں آنے تک وہ دونوں اسی سفارتی عمارت میں مقیم تھیں۔ ان دونوں کے باہر نکلے بغیر ویرا کو میر اکبر خان کے گھر پر آگ لگنے کا علم ہو چکا تھا اور وہ معلومات یقینی طور پر کاؤنسلیٹ کے کسی ملازم ہی نے فراہم کی تھیں جس کے جواب میں ویرا نے میر اکبر خان کی سیاہ فورڈ سے نجات حاصل کرنے کے لئے آتش زنی کا ہی سہارا لیا تھا۔ کار کو جلانے سے اسے دو فائدے حاصل ہوئے تھے۔ اول یہ کہ پولیس کی تفتیش غلط راہ پر جا سکتی تھی۔ مکان اور کار کو یکساں طور پر نذر آتش کئے جانے کو کسی ایک ہی دشمن کی کارروائی قرار دینا بہت سہل ہوتا۔ دوسری طرف جلی ہوئی کار میں سے ویرا وغیرہ کے نشاناتِ انگشت تلاش نہیں کئے جا سکتے تھے۔

خاصی دیر کی بحث و تکرار کے بعد ظفر کو میرے اندازوں سے اتفاق کرنا پڑا لیکن وہ ویرا اور ہیری کیسنجر کے درمیان کشیدگی کا نظریہ قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

ہیری کیسنجر نے میری آواز ویرا کے ایک دوست کے طور پر سنی ہوئی تھی لیکن وہ میرے نام سے لاعلم تھا۔ اس لئے میں نے اسی وقت اسے نیند سے بیدار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

چوتھی گھنٹی بجنے پر مجھے دوسری جانب سے ہیری کیسنجر کی نیند سے بوجھل آواز سنائی دی۔

"مجھے تمہاری نیند خراب کرنے پر افسوس ہے۔" میں نے بھاری اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "لیکن ایسا کرنا ناگزیر تھا کیونکہ ویرا صبح سات بجے تم سے ملنا چاہتی ہے۔"

ویرا کا نام سنتے ہی اس کی نیند کافور ہو گئی کیونکہ اس بار اس کی آواز صاف اور واضح ہو گئی تھی۔ "ویرا؟ مگر تم کون بول رہے ہو؟ کیا میں کسی ویرا کو جانتا ہوں؟"

"انجان بننے کی کوشش نہ کرو!" میں نے سخت آواز میں کہا۔

"ویرا اپنی موجودگی میں تم سے فون پر بات کرتی رہی ہے۔ میری آواز بھی تمہارے لئے اجنبی نہیں ہے۔ اب بھی تمہارے حافظے نے کام کرنا چھوڑا ہوا ہے۔ تو تمہیں وہ گفتگو ضرور یاد ہو گی

جو ویرا نے ٹیپ کرلی تھی۔"

"خاموش رہو!" اس کی اضطراری آواز ابھری۔ "احمقانہ باتوں کی ضرورت نہیں' یہ بتاؤ وہ مجھ سے کب اور کہاں ملنا چاہتی ہے؟ میں تو اس کے بارے میں یہ رپورٹ دیتا رہا ہوں کہ ہم اچانک اس کا سراغ کھو بیٹھے ہیں۔ اس طرح ملنا ہم دونوں کے حق میں نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ مجھ سے دور رہنا خود اس کے مفاد میں ہے۔ ایسی ہی کوئی ضروری بات تھی تو تمہارے بجائے وہ خود مجھ سے فون پر بات کر سکتی تھی۔ ملاقات کا مقام طے کرنے کے بجائے تم میرا پیغام اس تک پہنچا سکتے ہو؟"

"میں حکم کا بندہ ہوں مسٹر کیسنجر!" میں نے ظفر کو آنکھ مارتے ہوئے کہا "ویرا نے حکم دیا تو اس کا پیغام تم تک پہنچا دیا' اب تم جو کہو گے وہ اسے سنا دوں گا۔ مجھے تمہارا جواب درکار ہے۔ اس وقت میں تمہیں کوئی مشورہ دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"تو پھر اس سے کہو مجھ سے فون پر بات کرے۔ یہ صرف میری نوکری ہی کا نہیں بلکہ میری اور اس کی زندگی کا بھی معاملہ ہے۔ اوپر والوں کی نظروں میں ویرا کی پوزیشن بہت مشکوک ہو چکی ہے۔ خود اس کا باپ بھی ان ہی لوگوں میں شامل ہے۔"

"بہت بہتر۔" میں نے کہا کیونکہ میں اپنے مطلب کی بات معلوم کر چکا تھا۔

"ویسے وہ آج کل کہاں ہوتی ہے؟" اس نے جلدی سے پوچھا تھا۔ شاید اسے ڈر تھا کہ میں اپنی بات پوری کرتے ہی فون کا سلسلہ منقطع نہ کر دوں۔

اس کے سوال پر معاً مجھے یاد آیا کہ ویرا کو بوکھلانے کے لئے کیوں نہ ہیری کیسنجر کو اُس سے بھڑا دوں۔ پھر میں نے پل بھر میں فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں تم سے سمجھوتا ہو جانے کے بعد رازداری کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ کل وہ کہاں ہوگی' اس بارے میں' مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن وہ اس وقت انڈین کاؤنسلیٹ میں آرام کر رہی ہے۔ چاہو تو تم خود ہی اسے فون کر لو۔"

"اوہ!" ایک بار پھر اس کی اضطراری آواز سنائی دی۔ "یہ شری مان سنگھ بھی پکا بلاڈی باسٹرڈ ہے۔ ہر وقت فون کر کے بلیک کیٹ ٹی اور اگلے پلان کے بارے میں پوچھتا رہتا ہے لیکن اس نے مجھے ہوا بھی نہیں لگنے دی کہ ویرا اس کی گود میں چڑھی بیٹھی ہے۔"

میں نے ترش لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "زبان سنبھال کر بات کرو! یہ نہ بھولو کہ میں اُس کا خیر خواہ ہوں۔ شاید میں نے اس کا پتا بتا کر غلطی کی ہے کیونکہ تمہارے لب و لہجے سے عناد کی بو آرہی ہے۔ شری مان سنگھ کی آڑ لے کر تم نے ویرا کی مزید کوئی توہین کی تو میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔" وہ فوراً ہی سنبھل کر مصالحانہ لہجے میں بولا۔ "یہ سارے ہی انڈین ڈپلومیٹ' مکّار' سازشی اور کینہ پرور ہوتے ہیں۔ شری مان کل دیر تک ہماری کاک ٹیل پارٹی میں پیتا پلاتا رہا لیکن اس نے بھول کر بھی ویرا کے بارے میں ایک لفظ نہیں بتایا۔ یہ میرا اور اُس کا معاملہ ہے۔ میں اس سے اچھی طرح نمٹ لوں گا۔ وہ صبح اپنے گھر سے ناشتا لینے کے لئے بیکری جاتا ہے۔ میں آج ہی اپنے آدمیوں سے اس کی مرمت کروا ڈالوں گا۔ اس معاملے کا ویرا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شری مان نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔"

"میں ان جھمیلوں میں نہیں پڑتا۔" میں نے بے زاری کا اظہار کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

ظفر اس دوران آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے مجھے گھورے جا رہا تھا۔ میرے فارغ ہوتے ہی وہ ایک دم پھٹ پڑا۔

"یہ تم نے کیا کیا کہ اسے ویرا کی کمین گاہ کا پتا بتا دیا۔ اب وہاں کسی بھی لمحہ' کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ تم ان امریکنوں کی خود غرضی سے بے خبر ہو۔ کوئی بڑا مفاد سامنے آجائے تو یہ دشمن کے ساتھ اپنوں کو بھی بے رحمی کے ساتھ پیس ڈالتے ہیں۔ اب کوئی گڑ بڑ ہوئی تو اس کی ذمے داری تم پر ہوگی۔"

"تم نے یکطرفہ گفتگو سنی ہے اس لئے بگڑ رہے ہو۔" میں نے تحمل کے ساتھ کہا۔ "پوری بات سنو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ویرا نے امریکنوں سے لاتعلقی اختیار کی ہوئی ہے۔"

"اچھی بات ہے کہ تمہارا ایک اندازہ درست ثابت ہو گیا' اب دوسری بات بتاؤ۔"

اس کے تیور خراب تھے' چہرے پر بھی برہمی کے آثار تھے لیکن اس کے ایک ایک لفظ اور انداز میں کوٹ کوٹ کر اپنائیت بھری ہوئی تھی اس لئے میں نے برا مانے بغیر بات شروع کر دی۔

دو طرفہ گفتگو کا خلاصہ سن کر ان دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ میری ایک سرسری سی فون کال کے نتائج اتنے سنسنی خیز اور حیرت ناک ثابت ہوں گے۔

"مجھے اچانک ہی ان دونوں کو لڑا دینے کا خیال آیا تھا۔ اب وہ آپس میں ایک دوسرے کا خون چوسنے کی فکر میں لگے رہیں گے اور ہم چین سے بیٹھ کر ان کا تماشا دیکھیں گے۔" میں نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے آخر میں ایک قہقہے کے ساتھ کہا۔

"ہیری کیسنجر نے شری مان سنگھ کے معمولات کے بارے میں جو کچھ کہا وہ سو فیصد درست ہے۔" ظفر نے میرے قہقہے کا اثر لئے بغیر فکر آمیز سنجیدگی کے ساتھ کہا "وہ ڈیفنس اتھارٹی کے فیز ٹو میں رہتا ہے اور روز صبح سات بجے اپنا ناشتا لینے ڈیفنس مارکیٹ آتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ یہ لوگ آپس میں گہری دوستیاں رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کے معاملات کی اتنی کڑی نگرانی کراتے ہیں۔"

"دشمنوں کے ساتھ ساتھ دوستوں کے سیاہ کرتوتوں کا ریکارڈ رکھنے کا رواج بھی امریکا ہی نے دنیا کو سکھایا ہے تاکہ سنگین اختلافِ رائے کی صورت میں دوستوں کو بھی بلیک میل کیا جا سکے۔" میں نے کہا "اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ہیری کیسنجر پکا امریکی نظر آتا ہے۔"

"لیکن اس وقت تم نے سنگین غلطی کی ہے۔ یہ وقت بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے لئے سازگار نہیں تھا۔ اگر ہیری اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے پر تل گیا تو ہمارے لئے دشواریاں کھڑی ہو جائیں گی۔"

"ہیری اور شری مان کے جھگڑے میں ہمارا کیا بگڑے گا؟" ظفر کی تاویل میرے لئے ناقابلِ فہم تھی۔

اس کی تنفر آمیز نظریں میرے چہرے پر جم گئیں۔ "تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ہیری کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہ خود شری مان سنگھ کی ٹھکائی نہیں کرے گا۔ یہ کام کرائے کے مقامی غنڈوں کو سونپا جائے گا۔" وہ ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوا پھر گہرا سانس لے کر بولا۔ "بھارتی حکومت اس واقعہ کی ساری ذمے داری ہماری حکومت پر ڈال کر عالمی سطح پر واویلا مچائے گی اور سستی انتقامی کارروائی کے طور پر بھارت میں ہمارے کسی سفارت کار کے ساتھ سرکاری غنڈے کوئی بڑی زیادتی کر سکتے ہیں۔"

اس کی بات میری سمجھ میں آنے لگی۔ میں نے رائے دی۔ "ہمیں ہیری کے عزائم کا پیشگی علم ہو چکا ہے۔ ہم شری مان کی نگرانی کر کے ان غنڈوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ سکتے ہیں۔ اس طرح ہیری خود ہی بے نقاب ہو جائے گا۔ بلکہ یہی راستہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس طرح بھارتی اور امریکی سفارتکاروں میں غلط فہمیاں پھیل جائیں گی جن کے نتیجے میں ان کا گٹھ جوڑ ٹوٹ سکتا ہے۔"

ظفر کے ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ حسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "کاش یہ سب اسی قدر آسان ہوتا! ہم ایسے کئی واقعات سے دوچار ہو چکے ہیں۔ تم ان کی پیچیدگیوں سے لاعلم ہو۔ ایسے واقعات میں اصل مجرم کبھی سامنے نہیں آتا۔ تشدد اور مار پیٹ کے نتیجے میں وہ غنڈے کسی اور مقامی کی نشاندہی کریں گے اور دو تین ناموں کے بعد یہ سلسلہ کسی ایسے مقامی بدمعاش پر جا کر ختم ہو جائے گا جسے کسی نے فون پر اس کام کے لئے تیار کیا ہو گا۔ فون پر کام اور معاوضہ طے ہو جانے کے بعد اسے کسی مقررہ مقام پر معاوضے کا لفافہ رکھا ہوا ملا ہو گا اور اس نے اپنا کمیشن رکھ کر وہ کام کسی اور کو سونپ دیا ہو گا۔ ہیری کیسنجر جیسے گھاگ ایجنٹ کچے کاموں میں کبھی ہاتھ نہیں ڈالتے۔ غنڈوں کو پکڑ کر بھی اس کے خلاف کچھ ثابت نہیں کیا جا سکے گا۔ تم نے میرے لئے ایک نیا کام پیدا کر دیا ہے۔ اب دو چار آدمی شری مان سنگھ کی حفاظت پر بھی مامور کرنے پڑیں گے۔ اس کو اپنی نگرانی کا شبہ ہو گیا تو نیکی برباد گناہ لازم والی مثل صادق آئے گی۔ وہ شور مچا دے گا کہ چند مسلح اور مشتبہ آدمی سائے کی طرح اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔"

اس کی باتوں میں بہت وزن تھا۔ ہیری کو بھگاتے ہوئے میں نے ان باریکیوں کا تصور تک نہیں کیا تھا لیکن وہ تیر میری کمان سے نکل چکا تھا جسے واپس لانا محال تھا۔

"اس نے جس طرح کل کی کاک ٹیل پارٹی کا ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ویرا کی نقل و حرکت کے بارے میں لاعلم ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "وہ سمجھ رہا ہے کہ ویرا کل سے انڈیا کاؤنسلیٹ میں ہے جبکہ وہ پچھلی رات ہی وہاں پہنچی ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ظفر نے آہستگی سے کہا۔ "اصل بات یہ ہے کہ ڈینی نے سوچے سمجھے انداز میں ہیری کے دل میں شری مان سنگھ کے لئے شبہات پیدا کر دیے ہیں۔ اور اب ہمیں شری مان سنگھ کی حفاظت کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔ ہمارے ملکوں کے تعلقات ایسی سطح پر چل رہے ہیں کہ مان سنگھ کو کوئی کتا بھی کاٹ لے تو شور مچا دیا جائے گا کہ پاکستانی حکومت نے بھارتی سفارت کار پر کتے چھوڑ دیے۔ ایسی ناسازگار فضا میں ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"کیوں نہ مان سنگھ کو فون کر کے ہوشیار کر دیا جائے تاکہ وہ اگلے دو چار روز کے لئے اپنے معمولات تبدیل کر لے۔ گمنام فون کال کے ذریعے یہ کام بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔" میں نے خفت آمیز لہجے میں کہا۔ اپنی حرکت کے پیچیدہ مضمرات سامنے آنے پر میں دل ہی دل میں نادم ہوا جا رہا تھا۔

"ہونے کو بہت کچھ ہو سکتا ہے مگر اسی وقت جب دونوں طرف کشیدگی کی فضا نہ پائی جاتی ہو۔ موجودہ حالت میں گمنام فون کالز کو بھی غلط معنی پہنا دیے جائیں گے۔ یہ تک کہا جا سکتا ہے کہ کسی سرکاری ایجنسی نے مان سنگھ کی تذلیل اور تحقیر کا پروگرام بنایا ہو گا مگر اس ایجنسی میں موجود کسی ڈرپوک ہمدرد نے خود سامنے آئے بغیر مان سنگھ کو ہوشیار کر دیا۔ اس طرح وہ پٹے بغیر ہمیں بدنام کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے....."

"تو اب تم بھی اسے پٹوانے کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"جب ہر طرح سے بدنامی اپنے سر آنے کا خطرہ ہے تو گناہِ بے لذت کیوں کیا جائے؟ ویسے بھی محض شبے کی بنا پر راہ چلتے لوگوں کو نہیں پکڑا جا سکتا۔ ہیری کے آدمی جب شری مان سنگھ کی مرمت کریں گے تو ان پر ہاتھ ڈال دیا جائے گا تاکہ اس کی زیادہ ٹوٹ پھوٹ نہ ہو سکے۔"

"جب تمہیں کوئی اختیار ہی حاصل نہیں ہے تو تم ان لوگوں کو کیسے پکڑ سکو گے؟"

"فسادی اور شرپسند افراد کو ہر امن پرور شہری پکڑ سکتا ہے۔" ظفر نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"تم بھول رہے ہو کہ ہم کراچی میں ہیں۔" میں نے نتیجے

ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہاں آج کل بیشتر پولیس والے ملزموں کو چھوڑ کر دخل در معقولات کرنے والے امن پرور شہریوں کو ہوتے لگاتے ہیں۔ ان کی دانست میں شر کو روکنا صرف ان ہی کے فرائض میں داخل ہے۔ ان کے علاوہ جو بھی امن وامان قائم رکھنے کی ذمے داری سنبھالنے کی کوشش کرتا ہے وہ سرکاری کام میں مداخلتِ بے جا کے سنگین جرم کا ارتکاب کرتا ہے....."

"تم بلاوجہ میرا دماغ خراب کر رہے ہو۔" وہ جھلاہٹ آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "جو کچھ تم کہنا چاہ رہے ہو وہ میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ شری مان سنگھ کی حفاظت پر میرے آدمی مامور نہیں کئے جائیں گے۔ البتہ ہم کسی متعلقہ ایجنسی کو اس طرف متوجہ کر دیں گے۔"

اس نے فوری طور پر فون اٹھالیا اور سلسلہ مل جانے پر کسی نامانوس زبان میں بولنا شروع کر دیا۔

"تمہاری کھوپڑی ہر وقت کوئی نہ کوئی گل کھلاتی رہتی ہے۔" سلطان شاہ نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کرتے ہوئے کہا "آخر تمہیں ان دونوں کو لڑانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"بکواس مت کرو!" میں اس پر آنکھیں نکال کر دھیمی آواز میں غرایا۔ "یہ سب باتیں تمہاری عقل سے بالا ہیں۔ اپنی زبان بند رکھو اور بدلتے ہوئے حالات پر غور کرتے رہو۔"

میری پُراعتماد پھٹکار نے اسے خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

ظفر فون پر اپنی پُراسرار گفتگو میں مصروف تھا کہ اچانک دوسرے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ شاید ظفر کی خاصی گفتگو باقی تھی کیونکہ دوسری بار گھنٹی بجتے ہی اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ میں ریسیور اٹھا کر وہ کال سن لوں۔ میں نے تجسس آمیز انداز میں ریسیور اٹھا کر اپنے کان سے لگالیا۔

"اوئی گرین لگون!" ریسیور اٹھاتے ہی میرے کانوں میں ہیجان آمیز آواز آئی اور میں چونک پڑا۔ میرے لئے وہ الفاظ مہمل نہیں تھے تو قابلِ فہم بھی نہیں تھے۔

"ہولڈ کرو، کمانڈر دوسرے فون پر مصروف ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"کیا بکتا ہے؟ تم کدھر سے بول رہا ہے؟" میری ہدایت سن کر دوسری طرف والے کا پارہ یک بیک چڑھ گیا۔

"اسٹیشن فور سے..... تم ذرا صبر سے کام لو!" میں نے اس کے اضطراب کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ "میں کمانڈر کا مہمان ہوں۔ اس نے مجھے فون اٹھانے کا اشارہ کیا تھا۔"

"سوری مہمان!" اس کی معذرت خواہانہ آواز سنائی دی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی جیتا جاگتا انسان کسی بت سے ٹکرانے کے بعد اس سے معذرت کرنی شروع کر دے۔

ظفر فون پر اپنی بات تیزی سے نمٹا رہا تھا لیکن اس کے کان میری طرف ہی لگے ہوئے تھے۔ شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ میرا معاملہ نازک صورت اختیار کرتے کرتے رہ گیا تھا۔ اس لئے اس نے جلدی سے اپنی بات مکمل کر کے پہلے فون کا سلسلہ منقطع کیا اور جھپٹ کر میرے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

"اوئی گرین لگون!" میں نے ظفر کی مستفسرانہ نگاہوں کے جواب میں احمقانہ انداز میں کہا۔

"بولو، میں سن رہا ہوں۔" ظفر نے اپنا کوئی کوڈ دہرائے بغیر تحکمانہ لہجے میں کہا۔ اس کے ماتحت شاید اس کی آواز پہچانتے تھے کیونکہ ظفر کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہوا کہ اس کے مخاطب نے اس کی آواز سنتے ہی اپنی کتھا سنانی شروع کر دی تھی۔

وہ گفتگو میری توقع سے کہیں زیادہ مختصر ثابت ہوئی۔ ظفر ریسیور رکھ کر پلٹا تو اس کا چہرہ جوش سے دمک رہا تھا اور آنکھوں میں وحشیانہ چمک پیدا ہو چکی تھی۔

"تم نے اچانک ہی افراتفری پھیلادی ہے۔" اس نے میرا شانہ مضبوطی سے تھام کر کہا۔

"میں نے کیا کیا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معصومیت سے پوچھا۔

"تم نے ہیری کیسنجر کی دم پر پیر رکھ دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم سے بات کرنے کے بعد وہ چند گھنٹے تک صبر نہ کر سکا۔ غالباً اس نے ویرا کے لئے انڈین کاؤنسلیٹ فون کیا ہوگا اور وہ بوکھلا کر وہاں سے نکل بھاگی ہے۔ میرا آدمی اسی کے بارے میں اطلاع دے رہا تھا۔"

"غالباً ہم سب بھی اسے جلد از جلد انڈین کاؤنسلیٹ سے نکالنا چاہ رہے تھے۔ ہیری نے طیش میں آکر ہمارا کام آسان کر دیا ہے ورنہ ہم نہ جانے کب تک اس کے نکلنے کا انتظار کرتے رہتے؟"

"آؤ۔ وہ گاڑی لے کر تیزی کے ساتھ کلفٹن کی طرف گئی۔ میری دو گاڑیاں اس کے پیچھے لگی ہوئی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اجالا پھیلنے سے پہلے ہی یہ قصہ بھی نمٹ جائے گا۔" اس نے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے جوشیلی آواز میں کہا۔

"وہ اکیلی ہے یا اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"اکیلی ہے، خود ہی کار چلا رہی ہے۔" ظفر نے جواب دیا۔ "وہ بتا رہا تھا کہ وہ بے پروائی کے ساتھ بہت تیز اور رف ڈرائیونگ کر رہی ہے۔"

"فون کرتے ہوئے اس نے یہ سب کیسے دیکھ لیا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔ بڑے شہروں میں اہم مہمات پر ہمارا عملہ وائرلیس ٹرانسمیٹرز کے علاوہ موبائیل فون سے بھی لیس رہتا ہے۔ تھوڑے

دنوں کی بات ہے، پھر پاکستان میں بھی لوگ عرب شیوخ کی طرح چلتے پھرتے فون پر باتیں کرتے نظر آئیں گے۔"

ان لوگوں کا ڈسپلن اتنا سخت اور مکمل تھا کہ اپنے دفتر سے نکلتے ہوئے ظفر کو کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اسے دیکھتے ہی اس کے تین آدمی لینڈ روور جیپ میں جا بیٹھے تھے۔ ان تینوں نے ہی اگلی نشست پر قبضہ کیا تھا۔ ان میں سے ایک نے جیپ کا طاقتور انجن اسٹارٹ کیا اور پھر ہم اس کشادہ جیپ کی درمیانی نشست پر براجمان ہو گئے۔

جیپ کے حرکت میں آتے ہی پھاٹک کھلا اور ہم سبک رفتاری سے باہر نکل گئے۔

اس اثنا میں ظفر کے ماتحتوں میں سے ایک نے کار میں موجود موبائل فون پر کوئی نمبر ملا کر انسٹرومنٹ اس کے حوالے کر دیا تھا۔

دوسری طرف سے رابطہ ہونے پر ظفر بولنے لگا۔ "ہم چل پڑے ہیں، اب کیا پوزیشن ہے؟"

"اس طرف زیادہ آبادی نہیں ہے۔" چند ثانیوں تک خاموش رہ کر دوسری طرف کی رپورٹ سننے کے بعد وہ بولا۔ "اپنے ہیڈ لیمپس گل رکھو اور اس گاڑی کو کسی قیمت پر اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دو۔ ضرورت ہو تو اپنی رفتار بڑھا کر تم اسے ٹکر بھی مار سکتے ہو لیکن یہ خیال رہے کہ وہ عورت دہشت گرد ہے۔ اس کے پاس جدید ہتھیاروں کے علاوہ بم بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ اس طرف مڑی ہے تو یقینی طور پر کسی کمین گاہ کا رخ کر رہی ہے۔ اسے وہاں سے نکلنے کا موقع نہیں ملنا چاہئے۔"

وہ ایئر پیس کان سے لگائے سنتا رہا۔ پھر بولا "اسی طرح مجھے پوزیشن دیتے رہو۔ میں سن رہا ہوں۔ ضرورت ہوئی تو ہدایات بھی دیتا رہوں گا۔"

"پل سے اترنے کے بعد وہ تین تلواروں سے داہنی طرف مڑی ہے۔" ظفر نے ایئر پیس کان سے ہٹائے بغیر ہمیں اور اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا۔ اس کی آواز یقینی طور پر دوسری طرف بھی سنی جا رہی ہوگی لیکن ظفر کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "رفتار تیز کرو۔ اس سے پہلے کہ اسے کہیں گھس کر سنبھلنے کا موقع ملے، ہمیں اس پر ہلّہ بول دینا چاہئے۔"

لینڈ روور غراتی اور اچھلتی ہوئی شہر کی ناہموار شاہراہوں پر دوڑتی رہی۔

ہم کلفٹن کے علاقے سے دور تھے کہ اطلاع ملی، ویرا کار سمیت ایک وسیع و عریض مکان کے احاطے میں داخل ہو چکی ہے۔ اس مکان کے مکینوں کو شاید پہلے سے ویرا کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی کیونکہ وہاں پھاٹک کی روشنیاں جلی ہوئی تھیں اور پھاٹک بھی کھلا ہوا تھا لیکن ویرا کی کار اندر داخل ہوتے ہی پھاٹک بند کر کے لیٹ لیمپس بجھا دیے گئے اور چند منٹ بعد پوری عمارت یوں اندھیرے میں ڈوب گئی جیسے اس کے مکین اول شب سے ہی گہری نیند سو رہے ہوں۔

اس وقت رات ڈھل چکی تھی اور وقت کا پہیہ صبح کے اولین لمحات میں داخل ہوا چاہتا تھا۔ اتنی صبح سویرے اگر کچھ لوگ ویرا کی پذیرائی کے لئے مستعد اور چاق و چوبند بیٹھے ہوئے تھے تو صاف ظاہر تھا کہ وہ ویرا اور انڈین کاؤنسلیٹ کے حامیوں اور ہمدردوں میں سے تھے، جن کے ساتھ کوئی رُو رعایت نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس لئے ظفر نے فوراً ہی اپنے جوانوں کو اس عمارت کے گرد پھیل کر اس کی کڑی ناکہ بندی کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ اس کی ہدایت تھی کہ وہاں سے چڑیا کا بچہ بھی نہ نکلنے پائے۔

میں نے ویرا کے ساتھ گہری دوستی سے لے کر عاشقی تک کا ایک طویل عرصہ گزارا تھا لیکن میں کبھی اس عورت کی گہرائیوں کا ادراک نہیں کر سکا تھا۔ جب جب میرے اور اس کے مراسم اچھے رہے، میں اس خوش فہمی میں مبتلا رہا کہ میں اس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں لیکن ظفر کے ساتھ لینڈ رووور میں سفر کرتے ہوئے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ویرا نے مجھے کبھی اپنی تھاہ کی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔

کراچی میں واقع انڈین کاؤنسلیٹ سے اس کے تعلق نے مجھے پہلا ذہنی جھٹکا لگایا تھا۔ وہ ان سے اس قدر قریب تھی کہ اب برا وقت آنے پر غزالہ کو ان کی تحویل میں چھوڑ کر آ گئی تھی۔ اور دوسرا معاملہ اس مکان کا تھا جہاں اس نے اب پناہ لی تھی۔ وہ کون لوگ تھے؟ ویرا سے ان کا کیا تعلق تھا؟ اور ان کو کس طرح زیر کیا جا سکتا تھا۔ یہ سب ایسے سوال تھے جن کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

ظفر نے شاید میرا ذہن پڑھ لیا کیونکہ وہ اسی لمحے بولا "ان اطراف میں لے دے کر ایک موتن لال ہی کا مکان ایسا ہے جہاں وہ جا سکتی ہے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو یہ ہمارے حق میں بہت بہتر ہوگا۔"

"کیوں؟ یہ موتن لال کون ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"موتن لال ایک زمانے میں شراب بنانے والی کئی مشہور عالم کمپنیوں کا مقامی ایجنٹ رہ چکا ہے۔ اس کا نام ہماری لسٹ پر ہے۔ کئی بار اس کی نگرانی بھی کرائی گئی لیکن وہ بہت محتاط معلوم ہوتا ہے۔ کبھی بھی ہماری گرفت میں نہیں آ سکا۔ وہ اسی علاقے میں رہتا ہے جدھر ویرا گئی ہے۔"

"موتن لال پر کس قسم کا شبہ کیا جاتا رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ پس پردہ ملک دشمن اور دہشت گرد افراد کی مالی اور اخلاقی اعانت کرتا رہا ہے۔" ظفر نے کہا۔ "مگر یہ ابھی تک ایک خیال ہے جس کو ثابت نہیں کیا جا سکا۔ اسی لئے وہ آج تک آزاد اور زندہ ہے۔"

"لیکن اس شبے کی کوئی بنیاد بھی تو رہی ہوگی؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔ "جب تک یہاں شراب ممنوع نہیں ہوئی تھی تو اس کی ایجنسی بھی قابلِ اعتراض نہیں تھی۔ پھر موتن لال تو ویسے بھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ صرف اس بنا پر اسے مشتبہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔"

"چند برس پہلے شہر میں آتش زنی اور قاتلانہ حملوں کی لہر چلی ہوئی تھی۔ ان وارداتوں میں سات دہشت گرد پکڑے گئے تھے جن کی عدالتوں سے ضمانت ہو گئی۔ بعد میں کمزور اور ناکافی شہادتوں کی وجہ سے وہ بری ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ بعد میں ان کی ضمانت کے کاغذات کی جانچ پڑتال کی گئی تو یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ جن جائیدادوں کے کاغذات زرِ ضمانت کے بدلے جمع کرائے گئے تھے وہ تمام جائیدادیں کسی نہ کسی وقت موتن لال کی ملکیت رہ چکی تھیں۔ بس وہیں سے وہ ہماری نظروں میں آیا تھا۔"

"اس کے بعد اس کے خلاف کیا شواہد سامنے آئے؟" میں نے پُرتجسس لہجے میں پوچھا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ بہت محتاط آدمی ہے' اس لئے ہمیں کوئی ثبوت نہیں مل سکا لیکن بعد میں یہ حیرت ناک بات سامنے آئی کہ جس دن وہ کسی پروگرام میں جلترنگ بجاتا ہے اس کے اگلے ہی دن شہر یا صوبے میں دہشت گردی کی کوئی بڑی واردات رُونما ہو جاتی ہے۔"

"جلترنگ؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔ "یہ جلترنگ کا کیا قصہ ہے؟"

"موتن لال جلترنگ بجانے کا شوقین ہے۔ چاندی' پیتل اور کانسی کی پیالیوں میں مختلف سطحوں تک پانی بھر کر جب وہ چوبی ڈنڈیوں سے ان پر ضرب لگاتا ہے تو سماں باندھ دیتا ہے۔ اس کے جاننے والوں میں اس کی بجائی ہوئی دھنیں بے حد مقبول ہیں۔ اس کے کسی دوست یا شناسا کے ہاں کوئی تقریب ہو تو راگ ورنگ کی محفل سجے یا نہ سجے لیکن موتن لال کا فرمائشی پروگرام ضرور ہوتا ہے۔"

"حیرت ہے کہ ایسے بے ضرر شوق کا بھی دہشت گردی سے کوئی تعلق ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔ لینڈ روور میں اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے تینوں افراد نے ہماری گفتگو سے لاتعلقی اختیار کی ہوئی تھی۔ جیسے وہ بالکل ہی گونگے اور بہرے ہوں۔

"ہم نے ہر طرح دیکھ لیا لیکن ایسی تقریبات میں اس کے قریب کسی مشتبہ شخص کی پرچھائیں تک نظر نہیں آتی لیکن اگلے دن کوئی نہ کوئی بڑی واردات ضرور ہو جاتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس مسئلے پر زیادہ مغز زنی نہیں کی گئی ورنہ اس کا حل زیادہ مشکل نہیں ہونا چاہئے تھا۔" میں نے پُرفکر انداز میں کہا۔

"تمہارے ذہن میں کوئی بات آئی ہو تو مجھے ضرور بتاؤ۔ بظاہر کوئی ثبوت نہ ہونے کے باوجود میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ مجرم ہے اور کسی مجرم کو کیفرِ کردار تک پہنچائے بغیر میں چین سے نہیں رہ سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم مورس کوڈ کو بھول رہے ہو۔" میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ظفر اچھل پڑا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس طرف کسی کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ جلترنگ بجاتے ہوئے وہ مورس کوڈ کے انداز میں اپنا پیغام کھلے بندوں سنا سکتا ہے۔ متعلقہ آدمی اس سے رابطہ کئے بغیر سمجھ جاتے ہوں گے کہ انہیں کہاں کیا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہو سکتی۔"

"یہ مورس کوڈ کیا بلا ہے؟" سلطان شاہ نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

میں اسے سمجھانے لگا کہ مورس کوڈ ٹیلی گراف کی بنیاد کی پہلی اینٹ ہے جس میں ایک مشین کے ذریعے حروفِ تہجی کو صوتی اشاروں میں تبدیل کیا جاتا ہے اور دوسری جانب والی مشین ٹک ٹک' ٹکا ٹک کی ان بے معنی آوازوں کو وصول کرکے ایک کاغذ پر حروف اور الفاظ کی صورت میں ٹائپ کر دیتی ہے۔ اگر موتن لال جلترنگ بجاتے ہوئے ایسے اشارے بھی دینے لگے تو مورس کوڈ سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص اس کی دُھن میں پوشیدہ پیغام سمجھ کر اپنا کام شروع کر سکتا ہے۔ وہ مورس کوڈ کی قدرے بدلی ہوئی صورت بھی ہو سکتی تھی کیونکہ اصل مورس کوڈ میں ہر صوتی اشارے کو نقطے اور مختصری لکیر یا ڈوٹ اور ڈیش کی مختلف ترتیبوں سے ظاہر کرنے کا کلیہ ایجاد کیا گیا جو آگے چل کر ٹیلی گراف کی بنیاد بن گیا۔

جب تک ویرا بھارتی کاؤنسلیٹ میں پناہ گزین یا کراچی کی سڑکوں پر رواں تھی تو وہی ہماری گفتگو کا محور بنی ہوئی تھی لیکن اس کے نئے ٹھکانے پر چلے جانے کے بعد ہماری گفتگو کا رخ یک بیک موتن لال کی طرف ہو گیا تھا جو کراچی کی شہری زندگی میں ایک معزز اور مقبول سرمایہ دار ہونے کے ساتھ مشتبہ افراد کی فہرست میں بھی شامل تھا اور کسی حد تک اسپیشل ٹاسک فورس اور ظفر کی کمزوری بنا ہوا تھا۔

ہالی ڈے اِن کے سامنے سے گزرتے ہوئے ہمیں خیال آیا کہ ہماری منزل تیزی کے ساتھ قریب آتی جا رہی تھی لیکن ہم نے وہاں کے لئے اپنی حکمتِ عملی کے بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔

میرے خیال دلانے پر ظفر بولا "اگر وہ موتن لال کے مکان ہی میں گئی ہے تو وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا وہ مکان میرا دیکھا ہوا ہے۔ بظاہر وہاں کوئی غیر معمولی حفاظتی نظام نہیں ہے۔ صرف گیٹ پر ایک دو چوکیدار رہتے ہوں گے۔ وہاں غیر معمولی بات صرف یہ ہے کہ اس مکان کے احاطے کی دیواریں نو دس فٹ اونچی ہیں جنہیں عبور کرکے اندر داخل ہونا قدرے دشوار ثابت ہوگا۔"

"تو کیا تم اس عمارت میں گھسنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بالکل! اس ڈیل کو تباہی سے بچانے کے لئے ویرا کو بے بس کرنا ضروری ہے۔ ہمیں اس کی کمین گاہ میں داخل ہونا ہی پڑے گا۔ وہ شرافت سے ہتھیار نہیں ڈالے گی۔" ظفر نے جواب دیا۔

"میرے ذہن میں تمہارے اختیارات کا معاملہ تھا۔ اگر وہاں مزاحمت کی گئی تو خاصی خون ریزی ہو سکتی ہے۔ اگر ہمارے پاس پولیس کی نفری بھی ہو تو ہم قانون کے نام پر بہ آسانی اندر داخل ہو سکیں گے۔ صرف ویرا کو بچانے کے لئے موتی لال اپنی ساکھ اور عزت داؤ پر لگانے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔"

"پولیس کو ساتھ لینے سے معاملہ بگڑ جائے گا۔ آج کل یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہو گیا ہے کہ کس وردی میں کون چھپا بیٹھا ہے۔ ایسی ہی مجبوری پیش آجائے تو ہم پولیس کے بجائے رینجرز یا فوج سے رجوع کر لیتے ہیں لیکن اس کارروائی میں کافی وقت صرف ہوتا ہے۔ جبکہ ہمارے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔"

اسی لمحے ظفر کے موبائل فون پر باہر سے کال آنے کا اشارہ موصول ہوا۔ ویرا کے غائب ہونے کے بعد اس نے اپنے آدمیوں سے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

ظفر نے سوئچ سرکا کر وہ کال وصول کی پھر دھیمی آواز میں یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ "اسے ایک آدمی گاڑی میں اسٹیشن فور لے جائے، ہم بس پہنچنے ہی والے ہیں۔"

"کیا ہوا؟" پے در پے بدلتی ہوئی صورتِ حال کی وجہ سے میں تجسس میں مبتلا تھا۔

"جس کار میں ویرا وہاں پہنچی تھی، اسے لے کر ایک آدمی وہاں سے بہت تیزی کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ میرے آدمی اسے روکنے میں ناکام رہے تو انہوں نے ایک موڑ پر اپنی بھاری پک اپ سے سائیڈ مار کر کار کو الٹ دیا۔ ڈرائیور کافی زخمی ہوا ہے۔ میں نے اسے اسٹیشن فور روانہ کر دیا ہے۔ تصادم اور کار الٹنے کا شور کافی زیادہ تھا جو یقینی طور پر اس مکان میں بھی سنا گیا ہو گا کیونکہ حادثے کے بعد اس مکان کی چھت پر تاریک اور ناقابلِ شناخت ہیولوں کی نقل و حرکت نوٹ کی گئی ہے۔"

ہم کانشن کا پل عبور کر کے داہنی طرف مڑے۔ پھر فرنچ کاؤنسلیٹ کے سامنے سے گزرے تو پرائیوٹ نمبر پلیٹ والی ایک براؤن ٹیوٹا کراؤن سڑک کے کنارے الٹی ہوئی نظر آئی۔ فرنچ کاؤنسلیٹ کے سلاخوں والے آہنی گیٹ کے عقب سے مسلح محافظ اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ ڈیوٹی کے بارے میں سخت ہدایات کی وجہ سے ان میں سے کسی نے باہر آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

چند منٹ بعد لینڈ روور ایک نیلی پک اپ کے قریب جا رکی جہاں دو مضبوط مگر سادہ پوش افراد مستعد کھڑے ہوئے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی مجھے اونچی دیواروں والے اس مکان کو پہچاننے میں کوئی وقت نہیں ہوئی جہاں ویرا نے پناہ لی ہوئی تھی۔

لینڈ روور کا ڈرائیور اپنی نشست پر جما رہا۔ بقیہ دو افراد نیچے اتر آئے۔

"یہ موتی لال ہی کا مکان ہے۔" ظفر نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ پھر وہاں پہلے سے موجود آدمیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "اندر کی کیا خیر خبر ہے۔ آدمی کہاں کہاں ہیں؟"

وہ ظفر کو تفصیلی رپورٹ دینے لگا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کار کے حادثے کے بعد چھت پر نظر آنے والی پراسرار نقل و حرکت کے علاوہ اندر کے حالات معمول پر تھے۔ بظاہر ان لوگوں کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ویرا کے وہاں پہنچتے ہی اس عمارت کا محاصرہ کیا جا چکا تھا۔

ظفر اس مکان میں کبھی داخل نہیں ہوا تھا لیکن اپنے شبہات کی تصدیق یا تردید کے لئے متعدد بار اس کا طواف کر چکا تھا اس لئے اس نے وہیں کھڑے کھڑے اپنی کارروائی کے بارے میں حکمتِ عملی ترتیب دینی شروع کر دی اور اسی کے ساتھ ہم مکان کی بغلی گلی کی طرف ہو لئے جو اسٹریٹ لائٹس نہ ہونے کی وجہ سے تاریک پڑی ہوئی تھی۔ ظفر کے ایما پر دونوں گاڑیاں ادھر ہی چل پڑی تھیں۔

اس وقت رات دم توڑ چکی تھی اور فضا پر چھائی ہوئی گھور تاریکی دھندلائے ہوئے، مدھم سے اجالے میں مدغم ہوتی جا رہی تھی اس لئے ظفر اور اس کے آدمیوں کے پاس وقت کم تھا۔ وہ لوگ قانون کا کوئی سہارا لئے بغیر ویرا کے فتنے کا سدِباب کرنا چاہ رہے تھے اس لئے یہ ضروری تھا کہ اجالا پھیلنے اور اس علاقے کے مکینوں کے بیدار ہونے سے پہلے پوری کارروائی مکمل کر لی جائے تاکہ کسی غیر متعلقہ فریق کی طرف سے مداخلت کا کوئی اندیشہ نہ رہے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ لوگ ویرا کے معاملے سے فارغ ہوں تو پھر غزالہ کی بازیابی کی فکر کی جائے۔ وہ اس وقت انڈین کاؤنسلیٹ میں قید تھی لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ظفر کے آدمی بدستور اس سفارتی عمارت کی نگرانی پر مامور تھے یا ویرا کے فرار کے بعد اس کے تعاقب میں چل دیئے تھے۔ مجھے یہ فکر لاحق تھی کہ نگرانی نہ ہونے کی صورت میں غزالہ کو وہاں سے ہٹا دیا جاتا تو ہمیں ہوا بھی نہ لگتی اور ہم خلا میں ہاتھ پیر مارتے رہ جاتے لیکن پوری گفتگو میں ایسا کوئی موقع نہیں آسکا تھا کہ میں انڈین کاؤنسلیٹ کی نگرانی کے بارے میں ظفر سے کوئی سوال پوچھ سکتا۔

اس وقت ظفر نے اپنی پوری توجہ ویرا کو گھیرنے پر مرکوز کی ہوئی تھی وہ اسے بے خبری میں اپنے آہنی چنگل میں دبوچ لینا چاہتا تھا۔ پھاٹک سے عمارت میں داخل ہونے کی صورت میں تصادم اور وہاں رہنے والوں کے ہوشیار ہو جانے کا خطرہ مضمر تھا۔ اس لئے ظفر نے احاطے کی دیوار سے اپنے آدمی اندر پہنچانے کا منصوبہ بنایا تھا اس کو ریا! کارروائی میں وہ لوگ سرعت اور خاموشی کے ساتھ

اپنا ہدف حاصل کر سکتے تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ طے کیا گیا تھا کہ اس کا ایک آدمی کسی محفوظ مقام سے احاطے کی دیوار پر چڑھ کر اندر کا جائزہ لے اور اس کے اشارے پر بقیہ تین افراد بھی پھرتی سے اندر کود جائیں۔ دیگر افراد جو موتی لال کے مکان کے گرد اہم مقامات سے نگرانی کر رہے تھے، انہیں چھیڑنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔

وہ شخص نہایت اطمینان کے ساتھ احاطے کی دیوار کے نیچے پہنچ گیا۔ دیوار کا اوپری سرا اس کے ہاتھوں کی رسائی سے باہر تھا۔ اس نے دو تین بار اچھل کر اپنے ہاتھ کنارے پر ٹکانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر ہمارے پاس موجود افراد میں سے ایک تیزی کے ساتھ اس کی طرف لپکا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر دیوار کے اوپری کنارے تک پہنچانے کا ارادہ رکھتا تھا مگر اس کے حرکت میں آتے ہی پہلے شخص کو ایک بڑا سا پتھر نظر آ گیا جو دیوار کے قریب ہی پڑا ہوا تھا۔ وہ تیزی کے ساتھ اس پتھر کی طرف گیا، اس پر چڑھ کر اوپر کی طرف اچھلا، اس کے دونوں ہاتھ احاطے کی دیوار کے کناروں کی طرف گئے پھر بیک وقت کئی باتیں رونما ہوئیں۔ جنہوں نے ہم سب کو مضطرب کر دیا۔

دیوار کے اس حصے پر آواز کے ساتھ ایک نیلا دوں شعلہ لپک کر معدوم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ دیوار پکڑنے کی کوشش کرنے والے کے حلق سے ایک دردناک چیخ بلند ہوئی اور وہ یوں اچھل کر نیچے آ رہا جیسے کسی نادیدہ وجود نے اسے پکڑ کر دور اچھال دیا ہو۔

احاطے کی اس دیوار پر دور سے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن وہاں لازمی طور پر نہایت مہارت کے ساتھ ننگے برقی تار پھیلائے گئے تھے جن میں درمیانی درجے کی برقی رَو دوڑ رہی تھی۔ اگر وہ طاقتور برقی رَو ہوتی تو اس کا نشانہ بننے والا فوراً ہی ہلاک ہو جاتا لیکن اس نے گرتے ہی زمین سے اٹھنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں جو اس کی زندگی کی مظہر تھیں۔

جو کچھ ہوا، وہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا کہ سب کو اپنی جگہ تھم کر رہ جانا چاہئے تھا۔ ... میری ... تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس ناگہانی حادثے کے بعد ہمیں کیا کرنا چاہئے تھا۔ مگر وہ واقعہ ایس ٹی ایف والوں کے اعصاب پر اتنی شدت کے ساتھ اثر انداز نہیں ہو سکا۔ مشینی انداز میں دونوں گاڑیوں کے انجن بیدار ہوئے، دو آدمی برق زدہ شخص کی طرف لپکے۔ ظفر مجھے کھینچتا ہوا لینڈ روور میں سوار ہو گیا۔ سلطان شاہ کو میری تقلید کرنی پڑی۔

آناً فاناً میں وہ شخص لینڈ روور کے عقبی حصے میں پہنچایا جا چکا تھا اور دونوں گاڑیاں میدان صاف چھوڑ کر آگے بڑھ چکی تھیں۔

"کیا حال ہے، رحیم داد!" ظفر نے پیچھے مڑ کر اس شخص کی مزاج پرسی کی۔

"میں ٹھیک ہوں، سر!" اس کی قدرے نحیف سی آواز سنائی دی۔ "بجلی کا جھٹکا کھا کر بس میں اپنی چیخ پر قابو نہیں پا سکا۔ چند منٹ کے بعد میں ربر کے دستانے پہن کر دوبارہ کوشش کروں گا۔"

"تم آرام کرو، کام کرنے والے اور لوگ بھی موجود ہیں۔ تم میں ہمت ہو تو میں ذرا سی چھیڑ چھاڑ کرنی چاہتا ہوں۔ طبی امداد کی ضرورت محسوس کر رہے ہو تو فوراً واپس چلتے ہیں۔"

"نہیں، سر!" وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "مجھے کچھ نہیں ہوا۔ اس وقت ڈیوٹی زیادہ اہم ہے۔ تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو، کرو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

ظفر نے اس کے لئے بھرپور تعریفی کلمات ادا کئے اور اس کے حکم پر لینڈ روور واپس گھمالی گئی۔ پیچھے آنے والی پک اپ نے بھی اس کی تقلید کی اور ہمارا رخ موتی لال کے آہنی پھاٹک کی طرف ہو گیا۔

"کیا ارادہ ہے؟" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں ظفر سے پوچھا۔

"چیخ سن کر پھاٹک والوں کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کوئی شخص برقی رو کا شکار ہوا ہے۔ وہ لوگ صورتِ حال کا اندازہ لگانے کے لئے اِدھر اُدھر بکھر گئے ہوں گے۔ اس وقت ہم آسانی کے ساتھ پھاٹک پر قابض ہو کر اندر داخل ہو سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"اگر آہنی پھاٹک میں بھی برقی رَو موجود ہوئی؟" میں نے

سوال کیا۔
"انہوں نے یہ حماقت نہیں کی ہوگی۔ پھاٹک پر چوکیداروں کی موجودگی کافی ہوتی ہے۔ اتنے وسیع احاطے کی دیوار کی حفاظت کرنا مشکل کام ہے۔ اس لئے دیواروں پر خفیہ برقی باڑھ لگائی گئی ہوگی۔"
اس بار ایک واضح پروگرام بن چکا تھا اس لئے دونوں گاڑیاں بہت تیزی کے ساتھ بند آہنی پھاٹک کے سامنے پہنچ گئیں۔ ان کا رخ پھاٹک کی طرف گھماتے ہی ہیڈ لیمپس وغیرہ گل کر دیے گئے پھر ایک آدمی باہر نکلا اس نے بہت احتیاط اور پھرتی سے پھاٹک کو چھو کر اس کے محفوظ ہونے کا اندازہ لگایا اور پھر پھاٹک کی ڈیزائن والی سلاخوں میں پیر پھنساتا ہوا' کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ اوپر چڑھتا چلا گیا۔
اس بار ظفر کا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا کیونکہ اندر غائب ہونے کے بعد بھی وہاں سے کوئی احتجاج آمیز آواز نہیں سنائی دی اور چند ثانیوں بعد ہی پھاٹک اندر سے کھول دیا گیا۔
اس وقت تک سب لوگ غیر مسلح تھے لیکن پھاٹک کھلتے ہی ہر ایک نے نشستوں کے نیچے سے بھرے ہوئے خود کار ہتھیار نکال لئے۔ لمبے میگزین والی ایک سب مشین گن اس شخص کو تھما دی گئی جو پھاٹک پر چڑھ کر اس احاطے میں داخل ہوا تھا۔
"تم دونوں کے لئے بھی کلاشنکوفیں اور ان کے فاضل میگزین موجود ہیں۔" ظفر نے ہمیں آگاہ کیا اور اگلے ہی لمحے میں ہم دونوں بھی مسلح ہو چکے تھے۔ میں نے ایک بھرا ہوا فالتو میگزین بھی ساتھ لے لیا تھا۔
بجلی کا جھٹکا کھانے والے شخص کو لینڈ روور سے اتار کر پک اپ میں منتقل کر دیا گیا اور وہ جیپ ہم تینوں سمیت' پھاٹک سے دور واقع رہائشی عمارت کی طرف بڑھ گئی۔
اچانک کہیں سے "کون ہے؟" کی تیز آواز بلند ہوئی۔ شاید احاطے میں بھٹکتے' بوکھلائے کسی چوکیدار نے پھاٹک کے ذریعے رونما ہونے والی تبدیلیاں دیکھ لی تھیں۔ مگر لینڈ روور کا ڈرائیور اس للکار کی پروا کئے بغیر جیپ کو آگے لیتا چلا گیا۔
رہائشی عمارت کی تمام کھڑکیاں تاریک پڑی ہوئی تھیں۔ عمارت کے مکین ساری روشنیاں گل کر کے گہری نیند کے مزے لے رہے تھے یا پھر ان کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے جن سے روشنی کی کوئی کرن باہر نہیں آسکتی تھی۔
اچانک عمارت کے تاریک برآمدے سے پرہول دھماکے کے ساتھ ایک شعلہ فضا میں بلندیوں کی طرف تیر گیا اور اس بار لینڈ روور کے ڈرائیور نے بوکھلا کر پوری قوت سے بریک لگا دیے۔
وہ رائفل کا فائر تھا جو ہمیں روکنے کے لئے فضا میں داغا گیا تھا۔
عمارت کے مکین بالکل ہی غافل اور بے خبر نہیں تھے بلکہ اندھیرے میں ہتھیاروں سے لیس ہو کر کسی بھی بری گھڑی کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ رائفل کے ذریعے وہ لوگ کافی دور سے ہمیں نشانہ بنا سکتے تھے لیکن ہمارے ہتھیاروں کی مار اتنی لمبی نہیں تھی۔
ظفر کسی کو کچھ کہنے سننے کا موقع دیے بغیر' اپنی سب مشین گن لے کر جیپ سے اتر گیا اور لمحہ بھر بعد ہی فضا اس کی بارعب اور تحکمانہ آواز سے گونجنے لگی۔
"ہم قانون کے نام پر آئے ہیں۔ اگر دوسری بار گولی چلائی گئی تو ہم سمجھیں گے کہ تم بدنیتی کے ساتھ ہم سے مقابلے پر آمادہ ہو اور اس عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔ خیریت چاہتے ہو تو اپنے ہتھیار گرا کر روشنی کر دو ورنہ برے انجام کے لئے تیار ہو جاؤ۔"
اچانک جیپ کے ڈرائیور نے ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔ روشنی کی اس چادر میں عمارت کا برآمدہ بھی منور ہو گیا جہاں دو مسلح افراد کھڑے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ان میں سے ایک صحت مند نوجوان تھا اور دوسرا ادھیڑ عمر وجیہہ شخص تھا جو شب خوابی کے لباس یا گاؤن پہنے کھڑا تھا۔ وہ دونوں ہی بڑے بور کی شکاری رائفلوں سے مسلح تھے۔
روشنی کی زد میں آتے ہی' ان کی رائفلوں کی اٹھی ہوئی نالیں جھکتی چلی گئیں۔ نوجوان اچھل کر ایک ستون کی اوٹ میں چھپ گیا لیکن ادھیڑ عمر شخص جہاں تھا' وہیں کھڑا رہا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہی موتن لال ہو سکتا تھا۔
فضا میں ظفر کی مشین گن کا ہلکا سا برسٹ گونجا اور اس نے غصیلی آواز میں کہا "تم دونوں اپنی رائفلیں گرا کر روشنی میں نہ آئے تو چھلنی کر دیے جاؤ گے۔"
برآمدے سے ہمارا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا اور لینڈ روور کے ہیڈ لیمپس کی روشنی اتنی تیز تھی کہ ہم نے موتن لال کے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھے پھر اس نے جھک کر اپنی رائفل آہستگی سے فرش پر ڈال دی۔ اس کی وہ رائفل غالباً بہت قیمتی تھی جسے وہ ہاتھ سے نیچے پھینکنے کی ہمت نہ کر سکا۔ پھر اس نے ایک طرف سر گھما کر کسی سے کچھ کہا اور ستون کی آڑ سے اس کا ساتھی نوجوان بھی باہر آگیا۔ اس بار اس کے ہاتھوں میں رائفل موجود نہیں تھی۔
ہم لوگ جیپ میں تیزی کے ساتھ برآمدے کی طرف بڑھ گئے۔ ظفر ہمارے پیچھے اندھیرے میں پیدل آتا رہا۔ ہمیں پہلے بھیج کر وہ ان دونوں کا ردعمل دیکھنا چاہ رہا تھا۔
جیپ رکتے ہی میں سلطان شاہ کے ساتھ نیچے اتر گیا۔ ہم نے اپنی سب مشین گنیں شولڈر اسٹریپ کے ذریعے شانوں سے لٹکا لی تھیں۔
وہ دونوں ہماری پیشوائی کے لئے برآمدے کے کنارے تک آگئے تھے۔ دونوں کے چہروں سے سراسیمگی اور تشویش ہویدا تھی۔

ادھیڑ عمر شخص کے مقابلے میں نوجوان زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔
"ہم موتن لال سے ملنے آئے ہیں۔" میں نے نیچے آتے ہی تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "برآمدے میں روشنی کرو اور فوری طور پر اسے بلانے کا بندوبست کرو۔"
نوجوان برآمدے کی روشنی کرنے کے لئے واپس مڑ گیا۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے گیا اور اس نے فرش پر پڑی ہوئی دونوں رائفلیں اپنی تحویل میں لیں۔
اس اثنا میں ادھیڑ عمر شخص دبتے مگر احتجاج آمیز لہجے میں مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "میرا ہی نام موتن لال ہے اور وہ میرا لڑکا موہن لال ہے۔ اگر تمہارا تعلق پولیس کے محکمے سے ہے تو میں حیران ہوں کہ تمہاری وردیاں کہاں ہیں؟ میرے چوکیدار کہاں مرے ہوئے ہیں اور تم کسی اطلاع کے بغیر زبردستی اندر کیوں آئے ہو؟ ان باتوں کا جواب ملے بغیر میں تم کو خوش آمدید نہیں کہہ سکوں گا۔"
"ہمارا تعلق اسپیشل برانچ سے ہے۔" میرے عقب سے ظفر کی آواز ابھری۔ "ہمارا عملہ وردی استعمال نہیں کرتا۔ اپنے چوکیداروں کے بارے میں تم کو باخبر ہونا چاہئے۔ ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر ہی ہم پھاٹک کھول کر اندر آئے ہیں....."
"اور چند منٹ پہلے ابھرنے والی چیخ کیسی تھی؟" موتن لال نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔
"اس کا جواب تم دو گے۔" ظفر نے آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ "کچھ دیر پہلے ایک سفید فام مجرمہ یہاں پہنچی ہے۔ تمہارے گھر سے ذرا آگے ایک کار حادثے میں تباہ ہوئی ہے جس کا زخمی ڈرائیور تمہارے نام کی مالا جپ رہا ہے پھر یہاں سے کسی کی چیخیں سنائی دی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ تم نے چھت کے نیچے مجرموں کو پناہ دی ہے اور وہ کسی قیدی پر تشدد کر رہے ہیں۔ ہم حقائق جاننے کے ساتھ ہی ان مجرموں کو اپنی تحویل میں لینا چاہتے ہیں۔ اگر تم نے ہمارے ساتھ تعاون کرنے میں حیل وحجت سے کام لیا تو ہم تمہیں بھی باندھ کر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"
ان دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر موتن لال اپنے لڑکے سے بولا "تم اندر جاؤ' میں ان سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"
"میں یہیں رکوں گا بابا!" لڑکے نے اصرار کیا۔ "پتا نہیں تنہائی میں یہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں! مجھے ان کے تیور خراب نظر آ رہے ہیں۔"
"انہیں اپنے سوالات کے تسلی بخش جوابات مل گئے تو یہ کسی کو نہیں ستائیں گے۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ابھی میں اپنی حفاظت آپ کر سکتا ہوں۔" موتن لال نے سختی سے کہا۔ جوان بیٹے پر اس کا اتنا رعب تھا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی زیر لب بڑبڑاتا ہوا اندر چلا گیا۔
موتن لال چند ثانیوں تک خاموش کھڑا' اس کے قدموں کی آواز سنتا رہا۔ جب وہ دروازہ کھول کر اندر چلا گیا تو موتن لال ایک گہرا سانس لے کر بولا "میں ایک معزز آدمی ہوں' میرا خیال ہے کہ تمہیں بھیج کر کسی نے میرے ساتھ سنگین مذاق کرنے کی کوشش کی ہے....."
"وقت برباد مت کرو!" ظفر نے بات کاٹ کر اسے ڈانٹا۔ "حقائق کی بات کرو یا پھر نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہم یہاں تمہاری کہانیاں سننے نہیں آئے ہیں۔"
موتن لال کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ ہکلاتے ہوئے خفت آمیز لہجے میں بولا "وہ..... وہ میری خواب گاہ میں ہے۔ میرے چوکیدار کے علاوہ کسی کو اس کی موجودگی کا علم نہیں ہے۔"
اس کے لب ولہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ رنگیلا بڈھا تھا اور ویرا کو ایک تحفے کے طور پر اس کے پاس بھیجا گیا تھا لیکن قابل ذکر بات یہ تھی کہ انڈین کاؤنسلیٹ میں اس کا کوئی ایسا بے تکلف دوست موجود تھا جو اس کے خفیہ مشاغل کی تسکین کے لئے ویرا کو وہاں بھیج سکتا تھا۔
"اس کا نام کیا ہے؟" ظفر نے اسے پیچھے دھکیل کر برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔
"میری..... میری سلائیٹ!" وہ رازدارانہ لہجے میں بولا "اگر تمہیں اس پر کوئی شبہ ہے تو تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ لیکن موہن کو ان معاملات کی ہوا نہیں لگنی چاہئے۔"
"اپنی خواب گاہ کی طرف چلو!" ظفر نے اس کی بات نظر انداز کر کے حقارت سے کہا "جوان اولاد کی موجودگی میں جو باپ رنگ رلیاں مناتا ہو وہ کسی رحم یا ہمدردی کا مستحق نہیں ہوتا۔"
موتن لال نہایت چالاک اور مکار آدمی تھا۔ اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس نے اپنی خواب گاہ کے لئے اس مکان کا ایسا کمرا منتخب کیا ہوا تھا جو راہداری کے سرے پر ہی واقع تھا تاکہ ملازموں کی لاعلمی میں وہاں آمد و رفت جاری رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔
لیکن اس ائرکنڈیشنڈ خواب گاہ میں داخل ہوتے ہی وہ خود بھی بھونچکا رہ گیا کیونکہ شکن آلود بستر خالی پڑا ہوا تھا اور ایک کھڑکی کا ٹوٹا ہوا شیشہ ویرا کے فرار کی کہانی سنا رہا تھا۔
ویرا وہاں خطرے کے بادل منڈلاتے ہوئے محسوس کر کے بھاگ نکلی تھی لیکن ظفر کو شاید یہ خیال تھا کہ اس کے باہر پھیلے ہوئے آدمی ویرا کے فرار کو ناکام بنا دیں گے اس لئے وہ کسی بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کئے بغیر موتن لال کے ساتھ درشت رویے پر اتر آیا۔
"وہ کوئی عام اور آوارہ لڑکی نہیں بلکہ بہت بڑی مجرمہ تھی۔ اگر وہ نکلنے میں کامیاب ہو گئی تو میں تمہاری کھال میں بھس بھروا دوں گا۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”لل.... لیکن مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔“ وہ خوف زدہ لہجے میں بولا ”مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ وہ ایک کھلنڈری لڑکی ہے جو ہر وقت نت نئے تجربات کے لئے آمادہ و تیار رہتی ہے۔ اسے میرے پاس بھیجنے والے نے مجھے اس سے آگے ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔“

”اسے بھیجنے والا کون تھا؟“ ظفر نے سوال کیا پھر موتن لال کے چہرے پر پس وپیش کے آثار دیکھ کر غرایا۔ ”اب تم نے وقت برباد کیا تو قانونی کارروائی سے پہلے میں تمہارے تمام گھر والوں کو یہاں جمع کرکے انہیں تمہارے سیاہ کرتوتوں سے آگاہ کردوں گا اور وہ سب تمہارے منہ پر تھوکیں گے۔“

”وہ لڑکی شاید انڈین کاؤنسلیٹ سے آئی تھی مگر مجھے شری مان سنگھ نے اپنے گھر سے فون کیا تھا‘ اس سے بات ہونے کے بعد ہی وہ یہاں آئی تھی۔“

”شری مان سنگھ کون ہے اور انڈین کاؤنسلیٹ سے تمہارا کیا تعلق ہے؟“

”شری مان سنگھ میرا گہرا دوست اور کاؤنسلیٹ کا سینئر پروٹوکول آفیسر ہے۔ وہ آکسفورڈ میں میرا کلاس فیلو تھا۔ اس کے علاوہ کاؤنسلیٹ سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔“

”میری سلائیٹ کی کار یہاں سے کون لے گیا تھا؟“ ظفر اس سے باقاعدہ جرح پر اتر آیا تھا۔

”وہ...وہ میرا ڈرائیور تھا‘ صبح میری کار یہاں موجود ہوتی تو گھر میں اس کے بارے میں قیاس آرائیاں شروع ہو سکتی تھیں اس لئے میں نے وہ کار سڑک کے کنارے چھوڑ دینے کی ہدایت کی تھی۔ بعد میں میری وہاں سے اپنی کار لے سکتی تھی۔“

”تم جھوٹے ہو۔ اگر اب بھی تم راہِ راست پر نہ آئے تو مارے جاؤ گے۔“ وہ بولا۔

”میں حلفیہ کہہ رہا ہوں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل درست اور سچ ہے۔“

”اور جو کچھ نہیں کہا اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ ظفر نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

”پتا نہیں تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔“ وہ بے بسی سے بولا۔ ”تم اگر میری سلائیٹ کو مجرمہ سمجھتے ہو تو تمہیں اس کا تعاقب کرنا چاہئے تھا۔ وہ دور نکل گئی تو پھر تمہارے ہاتھ نہیں آسکے گی اور تم مجھے پریشان کرتے رہو گے۔“

”میں اپنے کام سے اچھی طرح واقف ہوں‘ تم بے فکر رہو‘ اس مکان سے چڑیا کا بچہ بھی فرار نہیں ہو سکے گا۔ باہر میرے آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔ تم بتاؤ کہ جل ترنگ کا کیا قصہ ہے؟“

وہ بری طرح چونکا پھر سنبھل کر بولا۔ ”کچھ بھی نہیں‘ وہ میرا بے ضرر شوق ہے۔“

”ہمارے پاس تمہاری زہریلی دھنوں کے ٹیپ موجود ہیں اور ہم نے ان میں موجود کوڈ حل کرکے وہ پیغام پکڑ لئے ہیں جو تم اپنے آدمیوں کو پہنچاتے تھے۔“ ظفر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”یہ غلط ہے۔“ موتن لال کے دہانے سے نحیف سی آواز برآمد ہوئی۔ ”تم مجھے کسی نہ کسی چکر میں پھانسنے پر تلے ہوئے ہو۔ یہ میرے اوپر سراسر بہتان ہے۔“ وہ اپنا سر تھام کر مسہری پر بیٹھ گیا۔

اس دوران میں اس کے بیٹے‘ موہن لال نے دو مرتبہ خوابگاہ کی طرف آنے کی کوشش کی مگر اسے سختی کے ساتھ واپس لوٹنے پر مجبور کردیا گیا۔

جل ترنگ کی دھنوں میں پوشیدہ پیغامات کا ذکر آتے ہی موتن لال نے سمجھ لیا تھا کہ اس کا برا وقت آگیا ہے۔ اس کے اعصاب کشیدہ ہو گئے تھے‘ چہرہ یرقان کے کسی مریض کی طرح زرد ہوگیا تھا مگر پھر بھی اس نے اپنی زبان سے کوئی اعتراف نہیں کیا‘ جب ظفر نے اسے گرفتاری کی دھمکی دی تو اس نے تعاون کرنے سے صاف انکار کرتے ہوئے کہہ دیا کہ وہ وارنٹ اور باوردی افسران کی موجودگی کے بغیر‘ جان دے دے گا لیکن اپنی دہلیز سے پیر باہر نہیں نکالے گا۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کا کن لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔ اس کی شرائط سن کر ظفر نے بظاہر اسے ڈھیل دے دی لیکن موقع ملتے ہی اس کی کنپٹی پر اپنی داہنی ہتھیلی کی ایسی نپی تلی ضرب لگائی کہ وہ منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر مسہری پر ہی ڈھیر ہوگیا۔

میں نے سلطان شاہ کے ساتھ اندرونی راستے کی نگرانی سنبھالی تاکہ موہن لال اچانک ہی اس طرف نہ آنکلے۔ اس دوران میں ظفر نے بے ہوش موتن لال کو اپنے کندھے پر لاد کر لینڈ روور میں پہنچا دیا۔

اسی لمحہ اچانک فضا میں پستول کی فائر کی آواز گونجی پھر بہت سی سب مشین گنیں چلنے [illegible] ب بوکھلا کر مکان سے باہر نکل آئے۔

غور کرنے پر اندازہ ہوا کہ فائرنگ کا سارا جوش و خروش اس عمارت کے عقبی حصے میں مرکوز تھا‘ ہم تینوں جیپ میں سوار ہوئے تو ٹرانسمیٹر آن تھا۔ ڈرائیور نے بتایا کہ چند لمحہ پہلے اطلاع آئی تھی کہ مکان کے عقبی احاطہ میں پستول سے ایک فائر سنائی دیا تھا جس کے نتیجے میں ایس ٹی ایف والوں نے نامعلوم افراد کو خوف زدہ کرنے کے لئے احاطہ کی دیوار پر فائرنگ شروع کردی تاکہ کوئی اس سمت سے فرار ہونے کی ہمت نہ کرسکے۔ ظفر نے وہ پیغام سن کر برا سا منہ بنایا اور ٹرانسمیٹر پر فائرنگ روک دینے کا حکم جاری کردیا جس کے چند ثانیوں کے بعد ہی فضا پر سکون ہوگئی۔

اس کے بعد مکان اور احاطہ میں ویرا کی تلاش کی مہم کا آغاز ہوا لیکن میری توقع کے عین مطابق اس کا سایہ تک دریافت نہیں ہوسکا۔

ویرا بہت چالاک اور مکار عورت تھی۔ شاید اسے ابتدا ہی سے خدشہ رہا تھا کہ وہ موتن لال کے مکان میں پھنس سکتی ہے اس

لئے کار کے الٹنے کے شور اور پھر ایک انسانی چیخ نے اسے پوری طرح چوکنا کر دیا اور جب موتن لال اسے خواب گاہ میں تنہا چھوڑ کر باہر نکلا تو ویرا خاموشی سے ایک شیشہ توڑ کر کھلی فضا میں نکل گئی جہاں وہ اپنی مرضی کی راہ کا انتخاب کر سکتی تھی۔

اسے اندازہ رہا ہوگا کہ مکان محاصرہ کی حالت میں ہے اس لئے اس نے اپنے بلاؤز میں چوبیس گھنٹے موجود رہنے والے پستول سے ایک ہوائی فائر کیا جس کے نتیجے میں فطری طور پر ہر ایک کی توجہ اسی طرف مبذول ہو گئی اور ویرا کسی اور سمت سے نکل کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔

لیکن میرے اس نظریہ میں ایک بہت بڑا جھول تھا۔ پھاٹک پر ایس ٹی ایف والے موجود تھے اس لئے اس سمت سے ویرا کا باہر نکلنا خارج از امکان تھا۔ دوسری طرف احاطہ کی دیوار پر چھپے ہوئے ننگے تاروں میں برقی رَو دوڑ رہی تھی۔ اگر ویرا دیوار پھاند کر باہر نکلی تو اس نے برقی باڑھ کا کیا توڑ کیا تھا؟

اس سوال کا ایک ہی جواب ہو سکتا تھا کہ موتن لال نے تحفہ میں ملی ہوئی' اپنی من موہنی محبوبہ کی دلجوئی کے لئے اسے بتا دیا ہو کہ دیواروں پر برقی باڑھ موجود تھی جسے عبور کر کے کوئی اندر نہیں آسکتا اور ویرا نے فرار کے وقت اس خطرے کے سدِباب کے لئے ربر کے دستانے استعمال کئے ہوں یا کسی تدبیر سے برقی باڑھ کو ناکارہ بنا دیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد اس سوال کا جواب بھی سامنے آ گیا' احاطہ کی دیوار پر ایک موٹے تار کا لنگر لٹکتا ہوا پایا گیا تھا۔ اس نرم اور موٹے تار کے دونوں سروں پر پتھر بندھے ہوئے تھے جن کے سہارے وہ لنگر دیوار کی دونوں جانب جھول رہا تھا۔ اس ننگے تار نے باڑھ کی لائنوں کو شارٹ کر کے پوری باڑھ کا فیوز اڑا دیا تھا جس کے نتیجے میں دیواریں بے ضرر ہو چکی تھیں۔ اس لنگر کی دریافت یہ ثابت کرنے کے لئے کافی تھی کہ ویرا کو موتن لال کے احاطہ کی دیواروں پر برقی باڑھ کی موجودگی کا علم تھا۔

وہ لنگر دریافت ہونے کے بعد ظفر نے اس سمت میں موجود اپنے ماتحت سے سختی کے ساتھ پوچھ گچھ کی تو اس نے اعتراف کر لیا کہ پستول کے پہلے فائر کی آواز سنتے ہی اس نے اضطراری طور پر اپنی جگہ چھوڑ کر جائے واردات پر پہنچنے کی کوشش کی تھی لیکن جوں ہی اسے احکام یاد آئے' وہ فوری طور پر اپنی جگہ پر واپس پہنچ گیا تھا۔ اس دوران میں بمشکل چند منٹ کے لئے احاطہ کا وہ مخصوص حصہ اس کی نظروں سے اوجھل رہا تھا جہاں سے ویرا دیوار پھاند کر فرار ہوئی تھی۔

موتن لال کے گھر کے چوکیدار اور سامنے آنے والے اِکا دُکا ملازم اسپیشل ٹاسک فورس والوں کے طاقت کے ننگے مظاہرے سے بری طرح خوفزدہ تھے اس لئے ان میں سے کسی نے بھی مزاحمت نہیں کی۔ گھر کے دیگر مکین گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ لے دے کر موتن لال کا لڑکا موہن لال تھا جو اِن کارروائیوں پر رہ رہ کر احتجاج کر رہا تھا۔ اس نے اپنے باپ کے بارے میں جاننے کی کوشش کی لیکن اس کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا گیا' جب وہ کام میں رکاوٹ کا سبب بننے لگا تو ظفر نے اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو اس سے پہلے اس کے باپ کے ساتھ کر چکا تھا اور اسے موتن لال کی خوابگاہ میں بند کر کے نکاسی کا دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا تھا۔ اس طرح ظفر اور اس کے آدمیوں نے سورج طلوع ہونے تک اس مکان میں اپنی کارروائی مکمل کر لی اور جب آسمان کے مشرقی گوشوں سے سورج سر ابھار رہا تھا تو تین گاڑیوں پر مشتمل کارواں موتن لال سمیت واپس روانہ ہو چکا تھا۔ تیسری گاڑی ٹویوٹا کراؤن کے زخمی ڈرائیور کو اسٹیشن فورٹ چھوڑ کر واپس لوٹ آئی تھی۔

ہماری روانگی کے وقت موتن لال کے ملازمین خاموش ضرور تھے لیکن ان کے بشروں سے ناقابلِ بیان حیرانی و پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ انہوں نے تینوں گاڑیوں کے نمبر ضرور نوٹ کر لئے ہوں گے اور موہن لال ہوش میں آتے ہی ان نمبروں کے حوالے سے ایس ٹی ایف والوں کے لئے دشواریاں کھڑی کر دے گا۔ مگر ظفر نے مجھے یہ بتا کر مطمئن کر دیا کہ اس کا عملہ ہر قسم کی مہمات کے لئے اعلیٰ ترین تربیت کا حامل تھا اس لئے ان گاڑیوں پر دوہرے نمبروں والی پلیٹیں لگی ہوئی تھیں جنہیں ذرا سے اشارے پر الٹ پلٹ کر حسبِ مرضی اصلی یا نقلی نمبر سامنے لائے جا سکتے تھے اور اس مہم میں ہر گاڑی کے نمبر جعلی تھے۔

"یہ سب باتیں اپنی جگہ پر درست اور حوصلہ افزا ہیں لیکن اس بات کا افسوس رہے گا کہ ویرا ہمیں جل دے کر نکل جانے میں کامیاب ہو گئی۔" میں نے راستے میں اس سے کہا۔

"ہاں!" اس کے لہجے سے بھی مایوسی مترشح تھی "اور اس بار ہم اس کا سراغ بھی کھو بیٹھے ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہ اس نے موتن لال کے گھر سے نکل کر کہاں کا رخ کیا ہوگا؟"

"یہ بتاؤ کہ اس وقت انڈین کاؤنسلیٹ کی نگرانی ہو رہی ہے یا تمہارے سب آدمی ویرا کے پیچھے دوڑ پڑے تھے؟" اس مرحلہ پر مجھے وہ سوال کرنے کا موقع مل گیا جو بہت دیر سے میرے دل میں خلش پیدا کرنے کا سبب بنا ہوا تھا۔

"پیشہ ور گداگروں کے روپ میں دو آدمی اب بھی وہیں موجود ہیں۔" اس کے جواب سے مجھے اپنے دل و دماغ پر سے ایک بڑا بوجھ ہٹتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا "تمہیں معلوم ہے کہ ہم تمہارے آنے سے پہلے ان کی نگرانی کر رہے تھے۔ تمہاری کہانی سننے کے بعد میں نے انہیں ویرا اور غزالہ پر بھی نگاہ رکھنے کے لئے کہا تھا۔ ویرا باہر آ گئی لیکن غزالہ ابھی اندر ہے۔ اس لئے وہ وہاں سے نہیں ہٹ سکتے۔ اس کے علاوہ جب تک انہیں کلیئرنس نہ ہو جائے وہ چوبیس گھنٹے زیرِ نگرانی رہیں گے۔"

"غزالہ کی سلامتی کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ویرا اب

دوبارہ انڈین کاؤنسلیٹ میں نہ گھسنے پائے۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"تو کیا وہ دوبارہ ادھر کا رخ کرنے کی حماقت بھی کر سکتی ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تم اسے نہیں جانتے اس لئے یہ سوال کر رہے ہو۔" میں نے پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "وہ ضدی اور مشتعل مزاج ہے۔ اس ... کی انا مجروح ہو جائے تو وہ اندھا ہو کر کھیل کھیلتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہر مرتبہ اس کے ستارے یاوری کر جاتے ہیں اور وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔"

"کھل کر بات کرو تاکہ میں بھی کچھ سمجھ سکوں۔ پوری بات سمجھ لینے کے بعد میں اس کے خلاف بہتر حکمتِ عملی ترتیب دے سکوں گا۔ ویرا کے بارے میں میں وہی کچھ جانتا ہوں جو فائلوں میں لکھا ہوا ہے لیکن تم جانتے ہی ہو کہ کسی شخصیت کے بارے میں کتابی معلومات مکمل نہیں ہوتیں۔"

مجھ سے دل برداشتہ ہو کر ویرا نے غزالہ کو فریب دے کر اغوا کیا تو وہ سیدھی میر اکبر خان کی طرف گئی تھی۔ وہاں ملنے والے اس کے خط کے مندرجات سے ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ جلد یا بدیر میرے وہاں پہنچنے کی توقع رکھتی تھی۔ اس لئے اکبر کے مکان کے سامنے ایک مشتبہ آدمی کو دیکھتے ہی اس نے نہ صرف اسے بلاک کر دیا بلکہ فوراً ہی وہاں سے نکل کھڑی ہوئی۔ اکبر سے اس نے دانستہ ایسی گفتگو کی کہ اگر میں اپنے کسی حربے کے ذریعے اس کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو جاؤں تو مجھے ویرا کے اصل پروگرام کی بھنک نہ مل سکے بلکہ میں گمراہ ہو جاؤں۔

ہوا بھی یہی کہ میں ویرا کو شہر میں تلاش کرنے کے بجائے ائرپورٹ وغیرہ کی خاک چھانتا رہا۔ اگر میں اتفاقاً ہی ظفر سے ملنے کا فیصلہ نہ کر لیتا تو میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو پاتا کہ میں میر اکبر خان کی جس سیاہ فورڈ کو ڈھونڈتا پھر رہا ہوں وہ کمینوں سے انڈین کاؤنسلیٹ میں کھڑی ہوئی ہے۔

میری چھیڑ چھاڑ کے نتیجے میں امریکی کاؤنسلیٹ کے سیکرٹ ایجنٹ، ہیری کیسنجر نے لازمی طور پر ویرا سے بات کرنے کے لئے انڈین کاؤنسلیٹ فون کیا ہو گا۔ ویرا نے اس سے بات کی یا نہیں کی، وہ اس کا ذاتی معاملہ تھا لیکن ہیری کے فون پر وہ بھڑک اٹھی ہو گی، ہیری کے بارے میں اس کے تجربات بہت تلخ تھے۔ وہ ویرا کی حیثیت کو خاطر میں لائے بغیر اس سے بالادستی کے ساتھ پیش آتا تھا۔

پھر شاید ویرا کو یہ بھی معلوم تھا کہ ہیری اور شری مان سنگھ میں گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ اگر ہیری اس کے لئے انڈین کاؤنسلیٹ فون کر سکتا تھا تو اس سے ملنے کے لئے بہ ذاتِ خود وہاں آ بھی سکتا تھا اس لئے ویرا نے اپنی خودمختاری برقرار رکھنے کے لئے فوری طور پر انڈین کاؤنسلیٹ سے موتن لال کے گھر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ موتن لال ویرا کے لئے اجنبی رہا ہو گا۔ ویرا کے لئے اس کا نام انڈین کاؤنسلیٹ ہی کے کسی ملازم نے تجویز کیا ہو گا اور ویرا، رنگینیوں کی دلدادہ ایک مغربی لڑکی کے روپ میں وہاں پہنچ گئی۔

اس کے لئے واقعات کی کڑیاں یکجا کر کے یہ سمجھنا دشوار نہیں رہا ہو گا کہ ہیری کو اکسانے والا کون ہو سکتا ہے۔ سفارتی حلقوں میں ویرا کی رسائی سے میرے اور سلطان شاہ کے علاوہ کوئی تیسرا فرد واقف نہیں تھا اس لئے ویرا کو خطرہ محسوس ہوا ہو گا کہ ہیری کے ساتھ ہی ہم لوگ بھی اس امر سے واقف ہو چکے تھے کہ وہ انڈین کاؤنسلیٹ میں چھپی ہوئی تھی۔ ان حالات میں وہ خود تو وہاں سے نکل کر کہیں بھی جا سکتی تھی لیکن غزالہ جیسی لڑکی کو ساتھ لئے پھرنا محال تھا۔ غزالہ کسی بھی وقت اس کے لئے بدترین مسائل پیدا کر سکتی تھی۔ اس وجہ سے ویرا اکیلی ہی موتن لال کے مکان کی طرف چل پڑی۔ غزالہ کو اس نے امانتاً انڈین کونسلیٹ میں چھوڑ دیا تاکہ بہتر وقت آنے پر اسے دوبارہ اپنی تحویل میں لے سکے۔

واقعات کے تسلسل میں میرا نام ہر جگہ سامنے آتا رہا تھا اس لئے موتن لال کے گھر بلکہ خواب گاہ میں قدم رکھتے ہی، جب وہاں بھی مسائل نے سر اٹھانا شروع کیا ہو گا تو ویرا یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہو گی کہ میں کسی نادیدہ جونک کی طرح اس کے پیچھے لگا ہوا تھا اور کسی بھی وقت اس پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔

میرے بارے میں اس کے وہ قیاسات اسے آپے سے باہر کر دینے کے لئے کافی تھے اور جب وہ کسی بات پر مشتعل ہو جاتی تھی تو دنیا و مافیہا کو بھول کر اسی ایک بات کے پیچھے لگ جاتی تھی۔

اس بار بھی مجھے یہ نظر آ رہا تھا کہ غصہ اور جھلاہٹ میں وہ ایران سے آنے والے چھ سو ٹن وزنی سازو سامان کی تباہی کے مشن کو پس پشت ڈال کر اپنی پوری توجہ میری ذات پر مرکوز کر دے گی تاکہ مجھ سے میری بڑھتی ہوئی گستاخیوں کا انتقام لے سکے۔

مگر میں اس کی دسترس سے باہر تھا۔ جب تک مجھے ایس آئی ایف کی غیر مشروط حمایت حاصل تھی، ویرا کے فرشتے بھی میرے قریب نہیں پھٹک سکتے تھے۔ دوسری طرف وہ اس امر سے واقف ہو چکی تھی کہ میں اس کی نقل و حرکت کے بارے میں پوری طرح باخبر رہنے کی کوشش کر رہا تھا اس لئے اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ فوری طور پر غزالہ کو انڈین کاؤنسلیٹ کی تحویل سے نکال کر اس پر مجرمانہ تشدد کا آغاز کر دیتی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس کا بنفسِ نفیس اس سفارتی عمارت میں جانا ناگزیر تھا جہاں غزالہ قید تھی۔

اس پوری کہانی اور اس کے تجزیئے سے ظفر نے پوری طرح اتفاق کیا۔ اس کا ویرا سے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا لیکن اس جیسی ذہنیت رکھنے والے مجرموں کو وہ بارہا زیر کر چکا تھا اس لئے پوری بات نہایت آسانی کے ساتھ اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے

راستے ہی میں اپنے نئے اقدامات پر غور کرنا شروع کر دیا۔

اسٹیشن فوراً پر موتن لال کا ڈرائیور بری طرح سہما ہوا تھا۔ اس ... پہنچائے جانے کے بعد نہ صرف اسے بہتر طبی امداد دی گئی تھی بلکہ اس کی خورونوش کی ضروریات بھی فی الفور پوری کی گئی تھیں۔ وہ یہ سوچ سوچ کر ہی دہشت زدہ ہوا جارہا تھا کہ کھلانے پلانے کے بعد اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔

موتن لال کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک عود کر آئی۔ غالباً اس کے لئے یہ احساس طمانیت کا باعث تھا کہ انجان لوگوں میں وہ اکیلا نہیں رہا تھا بلکہ اس کا مالک بھی اسی کشتی میں سوار تھا۔

بے ہوش موتن لال کو پھر ایک دوسرے کمرے میں لے گئے تاکہ اسے ہوش میں لایا جاسکے اور ظفر اپنے ہاتھ میں بید سنبھال کر خونخوار تیوروں کے ساتھ اس کے ڈرائیور کے سر پر مسلط ہوگیا۔

"تمہارا نام؟" ظفر نے اسے گھورتے ہوئے درشت لہجہ میں پہلا سوال کیا۔

"امرکمار" اس نے ایک قدم پیچھے سرکتے ہوئے، سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"موتن لال کے کن کن کرتوتوں سے واقف ہو؟ شہر کی کن عورتوں سے اس کا میل جول ہے؟ آج اس کے پاس آنے والی کون تھی؟ جو کچھ جانتے ہو فوری طور پر اگلنا شروع کردو ورنہ ادھیڑ ڈالے جاؤ گے اور یہاں کوئی تمہیں بچانے کے لئے نہیں آئے گا۔"

"تم لوگ مالک کو بھی لے آئے ہو۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر رودینے والی آواز میں بولا "میں تو ان ہی کے حکم کا غلام ہوں۔ بہت سی باتوں پر سوچے سمجھے بنا عمل کر بیٹھتا ہوں۔ یہ باتیں تم ان ہی سے پوچھ لو تو زیادہ اچھا رہے گا ورنہ وہ ہماری چمڑی گرا دیں گے....."

وہ کچھ اور بھی کہنا چاہ رہا تھا لیکن ظفر نے مجنونانہ انداز میں اس پر حملہ کر دیا۔

میرے لئے یہ سمجھنا دشوار تھا کہ ظفر یک لخت اتنا برہم کیونکہ ہوگیا۔ اس کا بید والا ہاتھ بے رحمانہ انداز میں بہت تیزی کے ساتھ حرکت کر رہا تھا اور بید شائیں شائیں کی آوازوں کے ساتھ امرکمار کی جلد ادھیڑ رہی تھی۔ ابتدا میں اس نے اِدھر اُدھر اچھل کر خود کو بید کی زد سے بچانا چاہا لیکن چند ہی شدید ضربات نے اسے کسی ذبح ہوتے ہوئے درندے کی طرح گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنے پر مجبور کر دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے امرکمار کا لباس تار تار ہوکر اس کے زخموں سے رستے ہوئے لہو سے رنگین ہونے لگا۔ اس نے کئی بار بید کو اپنی گرفت میں بھی لیا لیکن ہر بار چکنی اور اس کے اپنے خون میں تربید پھسل کر اس کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ ظفر اس کے چہرے، گردن یا جسم کے دوسرے حصوں کا کوئی لحاظ کئے بغیر اسے بے تحاشا ادھیڑے جارہا تھا۔ امرکمار کی دلدوز چیخیں اور پھر اس کی آہ و بکا بھی ظفر پر اثر انداز نہیں ہوسکی۔

وہ وحشت زدہ انداز میں اس مار سے بچنے کی ناکام کوشش کرتا رہا پھر اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ زخموں کی تاب نہ لاکر فرش پر گر جائے۔ اس کے گرنے کے بعد ظفر نے اسے دو تین انتہائی ٹھوکریں لگائیں اور پھر مار دھاڑ کا وہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔

"جلدی سے بولنا شروع کردو ورنہ اسی طرح تمہاری پوری کھال اتار لی جائے گی۔" میں نے کہا "ہمارے پاس عدالت، مجسٹریٹ یا ریمانڈ کا کوئی سلسلہ نہیں ہوتا اس لئے تمہیں کہیں پناہ نہیں مل سکے گی۔ اپنی زبان کھول کر ہی تم سکھ سے رہ سکو گے۔"

"سیٹھ موتن لال حرامی کا بچہ ہے....." وہ ہانپتے اور کراہتے ہوئے بولا۔ ظفر کی زبردست مار نے اس کے دماغ سے نمک حلالی اور وفاداری کا ہر تصور نچوڑ لیا تھا۔

"بڑے لوگ پاپ اور بدمعاشیاں کرتے ہیں لیکن مصیبت چھوٹے لوگوں کو اٹھانی پڑتی ہے۔ شراب اس کے گھر کی کھیتی ہے اور شہر میں درجنوں عورتوں سے اس کی دوستیاں ہیں۔" وہ گہرے گہرے سانسوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔" وہ اپنی شامیں ان ہی کے ٹھکانوں پر گزارتا ہے۔ جب چھوٹا بابو شہر یا ملک سے باہر ہوتا ہے تو وہ میرے ذریعے عورتوں کو اپنی خوابگاہ میں بھی بلا لیتا ہے لیکن وہ چند گنی چنی عورتیں ہیں۔ اس کے گھر والوں کو پتا بھی نہیں چلتا کہ وہ باہر والے کمرے میں کیا گل کھلاتا رہتا ہے۔ صبح سویرے میں ان عورتوں کو ان کے گھر چھوڑ آتا ہوں۔ گوری لڑکی آج پہلی بار وہاں آئی تھی۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون تھی اور کہاں سے آئی تھی۔ ہاں، میں دوسری تمام عورتوں کے نام اور پتے بتا سکتا ہوں۔ میم کے آنے کے بعد سیٹھ نے مجھے اس کی کار باہر پارک کرنے کے لئے کہا تھا کہ تم لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔"

"موتن لال بڑے سرکاری افسروں سے بھی ملتا ہوگا؟" ظفر نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"پارٹیوں میں تو سب ہی لوگ جمع ہوتے ہیں لیکن وہ خاص طور پر کسی سے نہیں ملتا۔ جب تک وہ گھر سے باہر رہتا ہے تو میں اس کی ڈیوٹی میں رہتا ہوں۔ پچیس برس سے مجھے ایک گھنٹے کی بھی چھٹی نہیں ملی۔ جب چھٹی کی بات کرتا ہوں وہ دو چار سو روپے دے کر میرا منہ بند کردیتا ہے۔ حد یہ ہے کہ بخار اور بیماری تک میں اس کی ڈیوٹی سے جان نہیں چھوٹتی۔"

"اس کے خاص دوستوں میں کون لوگ شامل ہیں؟" ظفر نے اگلا سوال کیا۔

امرکمار نے یکے بعد دیگرے متعدد نام لئے جن میں شری مان سنگھ کے علاوہ کسی کا نام میرے لئے شناسا نہیں تھا۔ شاید ظفر کا بھی ویسا ہی معاملہ تھا کیونکہ اس نے ان سب میں سے صرف شری مان

سنگھ ہی کے بارے میں سوال کیا تھا۔ "مان سنگھ کون ہے؟"

"وہ ہندی سفارت خانے کا بہت بڑا افسر ہے۔ دونوں اکثر ساتھ رہتے اور کھاتے پیتے ہیں۔" اس کی تمام مزاحمت دم توڑ چکی تھی اور وہ خود کو ہر طرف سے بے دست و پا محسوس کرنے کے بعد اپنے مالک کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنے کے موڈ میں آ چکا تھا۔

"موتن اس کے دفتر بھی جاتا ہوگا؟" ظفر نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں، وہ دوستوں کے گھروں پر ملتے ہیں۔ وہاں شراب کے ساتھ عورتیں بھی ہوتی ہیں مگر مان سنگھ بڑا افسر ہونے کے باوجود پکا دلّال ہے۔ اس کی بیوی چھپ چھپ کر ہوٹلوں کے کمروں میں موتن لال سے ملتی رہتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ مان سنگھ اس کی حرکتوں سے بے خبر ہے مگر اس کو سب کچھ معلوم ہے۔ اس کے باوجود اس کی اور سیٹھ کی دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا۔"

"موتن شہر کے بدمعاشوں سے بھی میل جول رکھتا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اس کے پاس ولایتی شراب کے ساتھ ہی دیسی شراب کی ایجنسی بھی ہے۔ وہاں ہر طرح کے لوگ آتے رہتے ہیں۔ وہ ان میں سے کسی سے ملتا جلتا ہو تو مجھے نہیں معلوم۔"

"شری مان سنگھ کی بیوی کا نام کیا ہے؟" اس بار میں نے سوال کیا تھا۔

"دبلی پتلی اور بہت خوب صورت عورت ہے۔ اس کا نام رجنی ہے۔ دیکھو گے تو سیکڑوں میں الگ نظر آئے گی۔ پتا نہیں وہ سیٹھ موتن کی کس ادا کو پسند کرتی ہے!"

وہ جس رتبے کا آدمی تھا اس سے اسی سطح کے متعدد سوالات کئے گئے اور جب اس کی گفتگو میں موضوع کی تکرار ہونے لگی تو ظفر بے پروایانہ انداز میں اس کمرے میں سے نکلتا چلا گیا۔ میں نے اس کی تقلید کی۔

"تم نے غیر ضروری طور پر اس کے ساتھ نہایت بے رحمانہ سلوک کیا ہے" ظفر کے دفتر میں آنے کے بعد میں نے حیرت آمیز لہجے میں کہا "وہ اس سے کہیں کم تشدد میں راہِ راست پر آ سکتا تھا۔"

"میں غیر ضروری حرکتوں سے عام طور پر دور رہتا ہوں" وہ مسکراتے ہوئے پُرسکون لہجے میں بولا "اس کی ٹھیک ٹھاک مرمت کے بعد موتن لال آسانی سے ہتھیار ڈال دے گا۔ یہ تمام محنت میں نے اسی کے لئے کی ہے ورنہ امر کمار تو دو چار ہی تھپڑوں میں سیدھا ہو سکتا تھا۔"

اچانک ایک شخص ایک رقعہ لے کر دفتر میں داخل ہوا اور ہم دونوں خاموش ہو گئے۔

اس کے چلے جانے کے بعد ظفر نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے وہ رقعہ میری طرف بڑھا دیا۔

ڈیفنس کے رہائشی علاقے میں انڈین فارن آفس کے شری مان سنگھ کی کار کے انجن میں دھماکا ہوا۔ شیشے ٹوٹنے کی وجہ سے وہ زخمی بھی ہوا لیکن پولیس اسٹیشن جانے کے بجائے وہ ٹیکسی میں اپنے دفتر چلا گیا۔ بعد میں اُس کے عملے کے افراد اس کی کار ایک کرین سے کھینچ کر لے گئے۔ ان لوگوں نے اس واقعہ پر پُراسرار خاموشی اختیار کی ہوئی ہے اور ایف آئی آر درج کرانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔

وہ غالباً کوئی پیغام تھا جو شاید ٹرانسیٹر پر وصول کیا گیا تھا۔ میں نے وہ کاغذ ظفر کو لوٹا دیا۔

"ہیری اپنی بات کا پکا ہے۔ اس نے جو کہا، کر دکھایا۔ پولیس والے ہوا میں مُنہ اٹھائے رہ گئے ہوں گے۔" میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ہم لوگ بھی غنڈوں اور حملہ آوروں تک سوچ کر رہ گئے تھے جب کہ ہیری بروقت جدید سے جدید تر ذرائع استعمال کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔"

"معاملات بہت تیزی کے ساتھ الجھتے جا رہے ہیں" ظفر پُرتشویش لہجے میں بولا "دھماکا ہوا، وہ خود بھی زخمی ہوا لیکن رپورٹ درج نہیں کرائی گئی۔ مجھے تو یہ اچھی خاصی پہیلی معلوم ہوتی ہے۔ جب کہ وہ لوگ ہماری حکومت اور انتظامیہ کے خلاف پروپیگنڈے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔"

"یہ معاملہ سلجھنے کی نشانی ہے۔ رات کو مان سنگھ کو اس کے گھر پر اطلاع دی جا چکی تھی کہ ہیری نے ویرا کے لئے کاؤنسلیٹ میں فون کیا تھا۔ اس کے بعد ہی مان سنگھ نے موتن لال کو میری سلائٹ کی کہانی سنا کر ویرا کو میری بنا کر وہاں بھیجا ہوگا۔ ویرا کی ذات میں ہیری کی گہری دلچسپی سامنے آنے کے بعد مان سنگھ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ویرا کی سرپرستی کر کے اس نے غلط معاملہ میں ہاتھ ڈالا ہے۔ جنگل کے قانون میں شیر کے شکار پر مُنہ مارنے والے کو کڑی سزا ملتی ہے۔ مان سنگھ سمجھ گیا ہوگا کہ وہ دھماکا اس کے لئے ایک تادیبی درجہ رکھتا ہے۔ دوسری مرتبہ کوئی طاقتور دھماکا، کار کے ساتھ اس کے بھی ٹکڑے اڑا سکتا ہے۔ وہ اب تک ہیری سے بات بھی کر چکا ہوگا۔"

"آپس میں گہری دوستی ہونے کے باوجود، اس نے ہیری کی انتقامی کارروائی کا برا نہیں منایا ہوگا؟ دھماکا بے شک ہلکا رہا ہے لیکن پیٹرول کی لائن آگ پکڑ لیتی تو بہت کچھ ہو سکتا تھا۔"

"کھل کر ہیری اعتراف کرے گا نہ مان سنگھ اس پر الزام لگائے گا۔ یہ سب سفارتی کنائے ہوتے ہیں اور پیشہ ورانہ رقابت ہر تعلق یا دوستی پر حاوی رہتی ہے۔ اگر میرے قیاسات درست ہیں تو اب انڈین کاؤنسلیٹ والے ویرا کی مدد اور حمایت سے ہاتھ کھینچ لیں گے۔ ان کے لئے ہیری کی خوشنودی ویرا سے زیادہ اہم ہوگی کیونکہ سندھ میں گڑبڑ پھیلانے کے معاملے میں ان دونوں کے

مفادات یکساں ہیں۔ وہ دونوں اپنی اپنی حکومتوں کی نمائندگی کرتے ہیں جب کہ ویرا فردِ واحد ہے۔"

"اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اب ویرا ان لوگوں کی تحویل سے غزالہ کو حاصل نہیں کر سکے گی؟" ظفر نے چونک کر سوال کیا۔

"ایسا ہونا تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔"

"ہیری کو غزالہ کی اہمیت کا علم ہے نہ اُس کا اس سازش میں کوئی کردار ہے اس لئے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ اس کے انجام کا دارومدار انڈین کاؤنسلیٹ کے رویّے پر ہے۔ ان لوگوں نے ویرا کو ایک بار بھی قریب آنے کا موقع دیا تو وہ غزالہ کو نکال لے جائے گی۔"

"وہ لوگ غزالہ کو چارے کے طور پر بھی استعمال کر سکتے ہیں۔" ظفر بولا "ویرا کو بلائیں اور پکڑ کر ہیری کے حوالے کر دیں۔ اس طرح ان کے درمیان تیزی سے مفاہمت بڑھ سکتی ہے۔"

"پھر تو غزالہ بھی ماری جائے گی۔ اس کے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ اب ویرا خطرہ بھانپ کر خود ہی انڈین کاؤنسلیٹ سے دور رہنے کا فیصلہ کر لے۔ مگر یہ سب قیاسات ہیں۔ میں وقت کھونا نہیں چاہتا اس لئے تمہاری رضامندی سے ایک جوا کھیلنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا؟" ظفر صوفے پر آگے جھک کر ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"تمہیں یاد ہو گا کہ تم غلام رسول کے بارے میں فکر مند تھے تو میں نے تمہیں ہوائی اڈوں کی طرف توجہ دینے کا مشورہ دیا تھا؟" میں نے سنجیدگی کے ساتھ ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"ہاں، ہاں، اچھی طرح یاد ہے" اس نے پہلو بدل کر اضطراری لہجے میں کہا "لیکن اس وقت غلام رسول کا ذکر کہاں سے آ گیا؟ کیا تم اس کے بارے میں کچھ اور بھی جانتے ہو؟"

"خوش قسمتی سے میں ان لوگوں سے واقف ہوں جو اسے پولیس کی تحویل سے نکال کر لے گئے تھے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا اور ظفر فرطِ جوش میں اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"اتنی اہم بات تم اب تک اپنے دل میں لئے بیٹھے ہو؟ مجھے ان لوگوں کے بارے میں بتاؤ اور پھر دیکھو کہ میری فورس ان کا کیا حشر کرتی ہے۔ غلام رسول کا معاملہ تمہارے اندازوں سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔"

"سب کچھ درست ہے لیکن تم بھول رہے ہو کہ میں نے پہلے بھی تمہیں مشورہ دیا تھا کہ غلام رسول کو دیکھتے ہی گولی مار دینا، اس فتنے کا یہی انجام سب سے بہتر اور سودمند رہے گا۔ اس کے خلاف جرائم کی فہرست بہت سنگین اور لمبی ہے لیکن عدالتوں میں بعض جرائم ثابت نہیں کئے جا سکیں گے اور وہ ان الزامات سے بری ہو جائے گا۔ اسی کے ساتھ اس کے کیس میں ایسے ایسے نیک ناموں اور پردہ نشینوں کے کرتوت سامنے آئیں گے کہ ملک کا پورا سماجی اور سیاسی شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔ اس کے لئے واحد اور سب سے موثر سزا صرف موت ہو سکتی ہے اور تم ابھی تک اسے اور اس کے حواریوں کو زندہ پکڑنے کے خواب دیکھ رہے ہو۔"

"تم مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ اس کے اور اس کے ہمدردوں کے بارے میں تم کیا جانتے ہو اور تمہارے جوئے کا اس کی ذات سے کیا تعلق ہے؟" اس نے چڑ کر قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"میری ان لوگوں تک رسائی ہے۔ وہ غیر سیاسی عزائم رکھنے والے عام مجرم ہیں۔ انہوں نے بھاری معاوضہ کے لالچ میں غلام رسول کو پولیس کی تحویل سے اغوا کر کے اپنے قبضہ میں رکھا ہوا ہے اور موقع ملتے ہی کسی بھی پرواز سے اسے باہر روانہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ اسے بھارتیوں کی تحویل میں دے کر اپنا باقی معاوضہ وصول کر سکیں" میں نے مافیا کی کہانی میں حسبِ ضرورت ترمیم کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اور اگر تم چاہو تو ان کے ٹھکانے تک ہماری رہنمائی بھی کر سکتے ہو؟" اس نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔ وہ میری گفتگو سے آگے ہی چھلانگیں لگا رہا تھا۔

"ہاں، یہ درست ہے" میں نے اپنی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا "اس کے اغوا کا مقصد میں نے تمہیں بتا دیا لیکن بھارتیوں کو غلام رسول سے محبت نہیں ہے۔ وہ اسے ایک طاقت ور مہرہ کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا کاؤنسلیٹ اس کے لئے ہر قیمت ادا کرنے پر تیار ہو جائے گا۔"

"کھل کر بات کرو" وہ مضطربانہ انداز میں بولا "تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

"اگر میں مان سنگھ سے قیدیوں کے تبادلے پر بات کروں تو وہ فوراً میرے جال میں پھنس جائے گا" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر آہستگی سے کہا۔

وہ مٹھیاں بھینچ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور میری طرف پشت کر کے بولا "تم نے سب کچھ تباہ کر دیا، ڈینی مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم جیسا شخص بھی محبت کے معاملہ میں اتنا خود غرض ہو سکتا ہے۔ میرے دل میں تمہارا مقام بہت بلند تھا لیکن غلام رسول سے غزالہ کے تبادلے کی بات کر کے تم نے خود کو بہت سکیڑ لیا ہے۔ اب میں کچھ نہیں سنوں گا۔ مجھے ان لوگوں کے نام پتے بتاؤ جنہوں نے غلام رسول کو اپنی حفاظت میں رکھا ہوا ہے۔ میں ان سب کے ٹکڑے اڑا دوں گا، ان کو فنا کر دوں گا۔"

"کوئی آخری رائے قائم کرنے سے پہلے، سکون سے بیٹھ کر میری پوری بات سنو!" میں نے اکھڑے ہوئے، سرد لہجے میں کہا، وہ تیزی سے میری طرف پلٹا تو اس کی آنکھوں میں برہمی کے آثار تھے۔

"اپنے تیور درست کرو!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "میں موت سے پہلے کبھی ڈرا ہوں نہ اب ڈرتا ہوں۔ اگر تم نے اپنا توہین آمیز رویّہ نہ بدلا تو یہیں خون خرابا

شروع ہو جائے گا۔ میں ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دیتا ہوں۔"

اس نے اتنی قوت کے ساتھ اپنے دانت بھینچے کہ اس کے جبڑوں پر وریدیں ابھر آئیں پھر وہ ایک جھٹکے سے یوں صوفے پر بیٹھ گیا جیسے وہ کوئی ناپسندیدہ فعل کر رہا ہو۔ پھر بولا "کہو!"

"میں خود غرض ہوتا تو یہ تبادلہ تم کو اعتماد میں لئے بغیر بھی کر سکتا تھا" میں نے برہمی سے کہا "اس کے لئے مجھے کسی سورما کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں تھی" میں کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہ مسلسل فرش کی طرف نگراں تھا اور اپنے داہنے جوتے کی نوک سے پختہ فرش پر یوں ٹھوکریں لگا رہا تھا جیسے یوں ہی اسے ادھیڑ ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ میرے تلخ و ترش الفاظ پر اس نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ بالکل خاموشی اور تواتر کے ساتھ اسی شغل میں مصروف رہا تھا۔

"غزالہ میرے لئے سب کچھ نہیں تو بہت کچھ ضرور ہے" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میں اسے بے یارومددگار نہیں چھوڑ سکتا اسی وجہ سے میرے ذہن میں غلام رسول کا خیال آیا تھا۔ وہ لوگ غزالہ کو لائیں گے اور میں غلام رسول کو لے جاؤں گا۔ تمہاری نفری انتظار کرے گی اور جوں ہی تبادلہ مکمل ہوگا تو تمہارے آدمی چھاپا مار کر بھارتی سفارت کاروں کو غلام رسول سمیت پکڑ لیں گے۔"

اس نے پہلی بار سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور کافی دیر تک پلکیں جھپکائے بغیر یوں ہی دیکھتا رہا۔ اس کے ایک دوسرے میں پیوست لب جدا ہو گئے تھے، دانتوں کی مشقت ختم ہو گئی تھی، جبڑوں کی وریدیں جلد میں معدوم ہو چکی تھیں اور چہرے کے تنے ہوئے عضلات ڈھیلے پڑ گئے تھے پھر یکایک اس کی دونوں آنکھوں میں نمی اٹد آئی، اس کے حلق سے ہچکی جیسی ایک خفیف سی آواز برآمد ہوئی اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر پوری قوت کے ساتھ مجھ پر آ پڑا۔

میں بیٹھا ہوا تھا، وہ کھڑا ہوا تھا۔ اس لئے پوری طرح بغل گیر ہونا ممکن نہیں تھا لیکن اس نے اپنا پورا وزن میرے شانوں پر ڈالا ہوا تھا اور اس کا بدن طوفان کی زد میں آئے ہوئے کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح تیزی سے لرز رہا تھا "مجھے معاف کر دو، مجھے معاف کر دو، ڈیی! میں تمہاری عظمت کو لاکھوں سلام کرتا ہوں۔ میری جلد بازی نے تمہارا دل دکھایا ہے، مجھے معاف کر دو!"

وہ ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان میں بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

میرا سینہ غرور سے پھول گیا۔ میری انا کو بڑی مدتوں کے بعد بھرپور خوراک میسر آ رہی تھی۔ میں نے دانستہ جواب دینے میں تاخیر کی۔ بس ہاتھ سے اس کی پشت سہلاتا رہا۔ سلطان شاہ بھی ہمارے قریب آ کھڑا ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس ڈرامائی صورت حال میں کیا کرے۔

"اپنی جگہ پر بیٹھو!" آخر کار میں نے زبان کھولی "غنیمت ہے کہ تم کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ورنہ آج واقعی ... باقی نہ رہتا۔ دشمنوں کے بدترین الزامات بھی انسان ... ہے لیکن دوستوں کے برے تیور بھی دلوں میں گھاؤ ڈال دیتے ہیں۔ غنیمت یہ ہے کہ تم کو فوراً ہی اپنی غلطی کا اندازہ ہو گیا ورنہ ہماری دوستی ایک دن بھی برقرار نہ رہ پاتی۔"

سلطان شاہ نے اسے سہارا دیا اور مجھ سے الگ کر کے اس کی جگہ پر بٹھا دیا۔

ان چند ہی منٹوں میں ظفر کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور چہرے سے ہی دل گرفتہ نظر آ رہا تھا۔ خاصی دیر تک ہم اس ناخوشگوار واقعے کے اثرات کو زائل کرنے کی کوششوں میں مصروف رہے اور آخر کار ظفر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لانے میں کامیاب ہو گئے۔

"مجھ میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ میں منافقانہ انداز میں بھی دشمن کی تعریف برداشت نہیں کر سکتا اور اس وقت میری یہ خرابی میری شرمندگی کا باعث بن گئی۔"

"خدا کسی پر ایسا برا وقت نہ لائے لیکن کبھی کبھار دشمن کی ... میں رہ کر وہ سب سننا اور برداشت کرنا پڑتا ہے جس کا تصور بھی محال ہے" سلطان شاہ نے کہا "ہم لوگوں نے بارہا دشمنوں کی صفوں میں رہ کر کام کیا ہے اس لئے ایسے معاملات میں جذبات کے بجائے عقل سے کام لینے کے عادی ہو گئے ہیں۔ ایسے ہر موقع پر خود پر قابو نہ رکھا جائے تو زندگی بہت مختصر ہو سکتی ہے۔"

"میری خوش قسمتی یہی ہے کہ میں نے آج تک کسی دشمن کی قید کا مزا نہیں چکھا" وہ پہلی بار پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "لیکن آج تمہارے ساتھ مجھے جو ذہنی جھٹکا ملا ہے، اسے میں زندگی بھر فراموش نہیں کر سکوں گا۔ مجھے خوشی ہے کہ اس ناخوشگوار واقعے کے بعد بھی ہماری دوستی قائم ہے"

"پھر اب یہ بتاؤ کہ غلام رسول کے تبادلے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا "اس مشن کی کامیابی کا تمام تر انحصار تمہاری کارکردگی پر ہوگا۔"

"اپنے معاملات کو تم بہتر طور پر سمجھتے ہو لیکن میرا اندازہ ہے کہ غلام رسول کو اغوا کرنے والے اتنی آسانی کے ساتھ اسے تمہارے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔" اس نے کہا۔

میں اسے کیا بتاتا کہ غلام رسول کسی اور کی نہیں بلکہ مقامی مافیا کی قید میں تھا جہاں سارے عملی اختیارات میرے پاس تھے میں سیٹھ حبیب جیوانی کو کوئی بھی پٹی پڑھا کر غلام رسول کو ... اپنے ساتھ باہر لا سکتا تھا۔ اس سے آگے، اس کی اور ... گرفتاری کا اسکینڈل بنتا تو میں بہ آسانی ساری ذمہ داری ... ڈال کر اپنی گردن بچا سکتا تھا۔

"وہ ایک الگ مسئلہ ہے" میں نے کہا "اگر غلام رسول ...

میں آگیا تو پروگرام پر عمل ہوگا ورنہ اسے وہیں ٹھپ کر دیا جائے گا۔ اگر تم راضی ہو تو میں کم از کم شری مان سنگھ سے مذاکرات کی داغ بیل ڈال سکتا ہوں۔ اس طرح ہم ویرا کے لئے ہر راہ مسدود کردیں گے۔"

"میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ اس شکار کے لئے غلام رسول ضرورت سے زیادہ بڑا چارہ ہے۔ ہم تشہیر اور ابلاغ کے معاملے میں بھارتیوں سے بہت پیچھے ہیں۔ وہ اس واقعے کو ہمارا بنایا ہوا اسکینڈل ثابت کردیں گے اور ہمارے لئے دشواریاں کھڑی ہوجائیں گی۔"

"یہ تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ ہم یہاں بیٹھ کر منصوبہ بنا رہے ہیں۔ باہر کے آدمی کی نگاہ سے دیکھو گے تو تمہیں اس منصوبے میں کوئی نقص نظر نہیں آئے گا۔"

"سب سے بڑا اور بنیادی نقص تو یہ ہے کہ اس واقعے کے بعد غزالہ کا نام بھی اخبارات میں آئے گا" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "شری مان سنگھ اس موضوع پر اپنی زبان بند نہیں رکھے گا اور اگر ویرا بھی اس آگ پر تیل چھڑکنے پر تل گئی تو تمہارا نام بھی اس کہانی سے نتھی ہوجائے گا اور تم پاکستان میں آزادانہ زندگی بسر کرنے کے حق سے ایک طویل مدت کے لئے محروم ہوجاؤ گے۔"

اس کی وہ دلیل بہت وزنی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ اس بارے میں ہم میں سے کسی نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ قومی سطح کے اس واقعے کے ہر کردار کے بارے میں مقامی اخبارات اپنے ذرائع سے معلومات حاصل کرتے اور میرا ماضی ایک مرتبہ پھر ڈراؤنا خواب بن کر میرے سامنے آجاتا۔

"اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت ہمارے پاس ایک مہرہ اور بھی ہے" ظفر نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد کہا "اپنی ذہانت سے تم اسے بھی استعمال کرسکتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ مان سنگھ بھی اس واقعے کو خاموشی کے ساتھ نمٹانا چاہے گا اور غزالہ بہ آسانی تمہاری تحویل میں آجائے گی۔"

"وہ کیا؟" ہم دونوں نے بیک وقت متجسسانہ لہجے میں سوال کیا۔

"موتن لال ہماری مضبوط گرفت میں ہے۔ اس کا ڈرائیور ہمیں بتا چکا ہے کہ شری مان سنگھ کی بیوی 'رجنی' موتن لال کے عشق میں مبتلا ہے۔ ہم موتن لال کو مجبور کریں گے کہ وہ فون کرکے رجنی کو ملاقات کے لئے طلب کرے۔ مان سنگھ اس وقت دفتر میں ہے۔ رجنی فوراً دوڑی چلی آئے گی اور اسے اغوا کرکے یہاں لے آیا جائے گا۔ تم مان سنگھ سے غزالہ کے بدلے میں رجنی کی واپسی کا سودا طے کرسکتے ہو۔"

ظفر کی وہ تجویز سن کر میں مسرت سے اچھل پڑا۔ وہ واقعی بالکل سامنے کی اور سہل تجویز تھی جس پر کسی کا دھیان نہیں جاسکتا تھا۔ مان سنگھ کو بھرپور انداز میں بلیک میل کرنے کے لئے یہ بتایا جاسکتا تھا کہ اس کی بیوی موتن لال سے خفیہ ملاقات کے لئے جاتے ہوئے اغوا کی گئی ہے۔ اس طرح اس واقعے میں اس کی عزتِ نفس بھی داؤ پر لگ جاتی اور وہ جلد از جلد' خفیہ انداز میں اس معاملے کو نمٹانے کی کوششوں میں مصروف ہوجاتا۔

ظفر کا خیال تھا کہ شاید ہم اس کی تجویز سے اتفاق نہیں کریں گے لیکن جب ہم نے کھل کر اس کی تجویز کی داد دی تو اس کے

چہرے سے وہ تمام اداسی دھل گئی جو غلام رسول والی تلخ بحث کے بعد سے اس کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھی۔

ظفر کے استفسار پر پتا چلا کہ موتن لال کافی دیر پہلے ہوش میں آچکا تھا اور اپنی نگرانی پر مامور افراد کو بار بار دھمکیاں دے رہا تھا۔

ظفر کے ایما پر امرکمار کے زخموں کی کوئی دیکھ بھال نہیں کی گئی تھی۔ ویسے بھی اسے کوئی شدید اندرونی ضرب نہیں لگائی گئی تھی بلکہ سارے ہی جلدی زخم تھے جو کوئی علاج نہ ہونے کے باوجود بھی چند روز میں بھر سکتے تھے۔ اس لئے وہ خون آلود' تار تار لباس میں اسی حالت میں فرش پر پڑا ہوا تھا۔

موتن لال کو دو کڑیل جوانوں نے زبردستی اس کمرے میں پہنچایا تو وہاں قدم رکھتے ہی موتن لال اپنی ساری چوکڑی بھول گیا۔ اس کی خوف سے پھٹی ہوئی نگاہیں امرکمار کے زخموں پر جم کر رہ گئی تھیں۔

اسے دیکھ کر امرکمار کے ورم آلود' زخمی ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر آئی اور وہ زہریلے لہجے میں بولا "سیٹھ' دیکھ لو کہ تمہاری حرکتوں کی وجہ سے میں کس حال کو پہنچا ہوا ہوں۔ میں نے کسی شریف آدمی کی نوکری کی ہوتی تو اس انجام سے دوچار نہ ہوا ہوتا۔ ویسے تم فکر نہ کرو۔ یہ لوگ تمہارے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں کریں گے۔ تمہیں مجھ سے زیادہ حصہ ملے گا۔"

"تو پاگل ہوگیا ہے' امرکمار؟" موتن لال اس پر آنکھیں نکال کر غرایا "میں نے کون سی بدمعاشی کی ہے جس کا تو مجھے طعنہ دے رہا ہے۔"

اچانک ظفر نے موتن لال کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے چلا گیا۔ اس غیر متوقع تھپڑ نے اس کے اوسان خطا کر دیے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس سے کسی بازپرس کے بغیر ابتدا ہی زوردار تھپڑوں سے ہوگی۔

امرکمار اپنے سیٹھ کی اس تواضع پر زور سے ہنسا اور بولا "میری بید سے پٹائی ہوئی تھی۔ غنیمت ہے کہ انہوں نے تمہیں چمار نہیں سمجھا اور ہاتھ سے مارا ہے......"

"یہاں آواز نیچی رکھو' سیٹھ موتن لال!" ظفر نے امرکمار کی بکواس کی پروا کئے بغیر ہڈیوں میں پیوست ہوجانے والی کاٹ دار آواز میں کہا "یہاں امرکمار تمہارا نوکر نہیں بلکہ تمہاری ہی طرح ہمارا ایک قیدی ہے اور قیدیوں کو ڈانٹنا پھٹکارنا ہمارا حق ہے۔"

"تم کون لوگ ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" وہ اپنا رخسار سہلاتے ہوئے' کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ ایک معزز شہری بنا ہوا تھا اس لئے ظفر کے بے رحمانہ سلوک نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"دوسری بات یہ بھی یاد رکھنا کہ ہم اپنے کسی قیدی کو سوال کرنے کا کوئی حق نہیں دیتے۔" ظفر نے یہ کہتے ہوئے' آگے بڑھ کر پھر ایک تھپڑ رسید کیا جو اس کے ہاتھوں پر پڑے کیوں کہ اس نے اپنے دونوں رخسار ہاتھوں سے چھپائے ہوئے تھے۔

ظفر کہہ رہا تھا "ویسے تم نے پوچھ ہی لیا ہے تو سنو کہ ہم لوگ تمہاری دھنوں پر رجنی بائی کا مجرا دیکھنا چاہتے ہیں اس لئے فوری طور پر فون کرکے اسے لال کوٹھی پر بلالو' ہمارے آدمی اسے عزت اور احترام کے ساتھ یہاں لے آئیں گے۔"

اس نے خوف' دہشت اور بے بسی سے امرکمار کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر زخموں کے باوجود شیطانی چمک نظر آرہی تھی لیکن موتن لال زبان سے ایک لفظ بھی نکالنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

سلطان شاہ کمرے سے باہر رکھا ہوا اسپیکر فون اٹھا کر اندر لے آیا۔

"فون کرو!" ظفر نے غرا کر موتن لال کو حکم دیا۔

"مم...... مگر میں اس سے کیا کہوں گا؟" موتن لال رو دینے والی آواز میں کراہا۔

"وہی جو آج سے پہلے' بار بار کہتے رہے ہو" ظفر نے زہریلے لہجے میں کہا "لیکن یہ یاد رکھنا کہ وہ لال کوٹھی آئے گی اس فون پر اس کی آواز بھی ہمیں سنائی دے گی۔ تم نے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں فوراً ہی تمہارا نرخرا دبادوں گا۔"

"لل...... لیکن ابھی بہت سویرا ہے۔ اس کا پتی گھر پر ہوگا۔ میں ہمیشہ دوپہر کے قریب اس سے بات کرتا رہا ہوں۔ جب وہ گھر میں اکیلی ہوتی ہے" وہ رک رک کر بے چارگی کے ساتھ بولا۔ ظفر نے اس پر پس و پیش کے تمام دروازے سے پہلے ہی بند کر دیے تھے۔

"مان سنگھ دفتر میں ہے' وہ گھر پر اکیلی ہی ہوگی۔ تم نے اس سے روتی ہوئی آواز میں بات کی تو میں تمہاری زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔ وہ خوش ہوگی کہ آج تم اس کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"پہلے مجھے پانی چاہیے۔ میرا گلا خشک ہو رہا ہے" اس کی آواز واقعی حلق میں پھنس رہی تھی۔

پانی پینے کے بعد وہ ایک ڈیڑھ منٹ تک اپنے اوسان بحال کرتا رہا۔ جب وہ فون کی طرف بڑھا تو ظفر امرکمار کی طرف گھوم گیا "اب تم اپنی زبان بند رکھو گے۔ بولے تو بری طرح جوتے کھاؤ گے۔"

امرکمار اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا اور ظفر نے بٹن دبا کر اسپیکر فون آن کر دیا۔

دوسری گھنٹی کے بعد وہ کمرے کی فضا ایک مترنم نسوانی ہیلو سے گونج اٹھی۔

"ہائے موتی ڈارلنگ! تم کہاں ہو؟" بولنے والی اس کا نام سنتے ہی ایک دم سرور میں آگئی "میں دس بار تمہارے گھر فون کر چکی ہوں لیکن تمہارے دونوں نمبر ڈیڈ پڑے ہوئے ہیں۔ مان سنگھ بھی

آج مارکیٹ سے سیدھا دفتر چلا گیا۔ اس نے فون کیا تھا کہ اس کی کار بیکری سے پہلے خراب ہو گئی تو وہ ٹیکسی سے سیدھا دفتر چلا گیا۔ تاکہ وہاں سے مستری بھیج سکے۔ وہ آواز سے پریشان لگ رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کے ساتھ آج کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ میں نے اسی لئے تمہیں فون کیا تھا۔"

"تمہیں اس کی اتنی فکر کب سے ہو گئی؟ اسے چھوڑو اور لال کوٹھی آجاؤ۔ میرا پرانا ڈرائیور بیمار ہے۔ میں کسی اور کو بھیجوں گا۔ ملو گی تو پھر باتیں ہوں گی" اس نے کہا "میں ہوٹل میں تمہارا منتظر رہوں گا۔"

"ہاؤ سویٹ ڈارلنگ! میں ابھی نکلتی ہوں۔ مجھے مان سنگھ کی طرف سے بہت فکر ہے۔ تم سے ملوں گی تو ذہن پر سے بوجھ کچھ کم ہو جائے گا۔ تم میرا کتنا خیال رکھتے ہو!"

ان دونوں میں مزید چند بے ہودہ اور لچر مکالمات کا تبادلہ ہوا اور پھر موتن لال ہی نے بات مختصر کر کے فون منقطع کر دیا اور اپنی عرق آلود پیشانی کو آستین سے خشک کرنے لگا۔ گفتگو ختم ہونے کے بعد بھی وہ ندامت کی وجہ سے کسی سے نظریں چار نہیں کر رہا تھا۔

اس کے اضطراری ردعمل سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ عیاش اور رنگین مزاج ضرور تھا لیکن اس میں شرم و حیا کا عنصر بالکل ہی ختم نہیں ہوا تھا۔

رجنی کو لینے کے لئے میں نے جانا چاہا لیکن ظفر نے مجھے روک دیا۔ موتن لال کی بتائی ہوئی نشانیوں کی بنا پر کوئی اجنبی بھی اسے بہ آسانی پہچان سکتا تھا اس لئے ظفر نے اپنے عملے کے ایک آدمی کو سمجھا بجھا کر رجنی کو لانے کے لئے بھیج دیا اور خود اسی کمرے میں لوٹ آیا جہاں ہم لوگ موجود تھے۔

"تم دیکھ چکے ہو کہ ہم سیدھے سادے لوگ ہیں" اس نے آتے ہی موتن لال سے گفتگو شروع کر دی "جس کے دشمن ہوتے ہیں اس سے ذرا سی بھی رعایت نہیں کرتے اور تم بدقسمتی سے ہمارے دشمن ہی ہو اس لئے میں تم سے صرف دو سوالات کے جواب سننا چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ ضمانت پر رہا ہونے اور پھر بری ہونے والے سات دہشت گردوں سے تمہارا کیا تعلق تھا اور دوئم یہ کہ تم اپنی دُھنوں میں کس کے لئے پیغام مرتب کرتے ہو؟ وہ کون لوگ ہیں اور ان سے تمہارے دیگر روابط کیا ہیں؟"

"میں کسی کو نہیں جانتا۔ میں یہاں کا شہری ہوں اور قانون کا پورا پورا احترام کرتا ہوں" وہ خوف زدہ آواز میں بولا مگر ظفر کے سوالات پر اس کا چہرہ دھواں ہو چکا تھا۔

"پھر مجھے تمہاری یادداشت واپس لانے کا بندوبست کرنا پڑے گا" ظفر نے اسے گھورتے ہوئے ترحم آمیز لہجے میں کہا "رجنی کو تمہیں اس حال میں دیکھ کر صدمہ ہو گا۔ میں تمہاری دونوں ٹانگیں چیر کر ٹخنوں پر ایک ڈنڈا بندھواؤں گا اور تمہارے جسم پر سرخ چیونٹے چھوڑ دیے جائیں گے جو انسانی گوشت کے رسیا بہت

رغبت سے کھاتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ علاج دس پندرہ منٹ میں ہی اثر دکھانے لگتا ہے۔"

"ان دہشت گردوں سے میرا دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں تھا۔ میرا قصور صرف اتنا تھا کہ میں اپنی برادری کے بڑے کی ہدایت پر اپنی چھوٹی موٹی جائدادیں برائے نام قیمت پر ایسے ضرورت مندوں کو دیتا رہا جنہیں میں خود نہیں جانتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری وہ بھلائی ایک دن میرے گلے پڑ جائے گی۔"

"حالاں کہ تمہارے بیشتر خریدار مسلمان تھے۔ صرف ایک مکان تم نے کسی ہندو کو بیچا تھا۔"

"وہ مذہب' ذات اور برادری کی بات نہیں تھی۔ چوہدری نے جس کا نام دیا میں نے اسی کو مالک بنا دیا۔ شاید اسے پہلے سے سب کچھ معلوم تھا اور وہ آنے والے دنوں کی لئے انہیں پال رہا تھا۔"

"وہ کون ہے؟" ظفر نے برف کی طرح سرد اور پُرسکون لہجے میں پوچھا۔

"چوہدری رام دیو۔ لیکن وہ پچھلے برس ایک حادثے میں مر چکا ہے۔ اس کی جگہ لینے والے نے آج تک مجھ سے ایسا کوئی کام نہیں لیا جو کچھ لیتا ہے' برادری اور کنبہ کے لئے لیتا ہے۔"

"اور جل ترنگ کا کیا ڈھونگ ہے؟" ظفر کا بازپُرس کا انداز موتن لال کو دہلائے دے رہا تھا۔

"مجھے کچھ علم نہیں کہ ان دُھنوں میں کیا ہوتا ہے۔ رجنی خود بھی جل ترنگ بجانے میں بہت ماہر ہے۔ پروگرام سے ایک دو دن پہلے وہی مجھ کو مشق کراتی ہے۔ دُھنیں اس کی ہوتی ہیں میں صرف بجا دیتا ہوں۔ میں ہاتھ جوڑ کر کہہ رہا ہوں کہ میرے بارے میں تمہیں بہکایا گیا ہے۔ میں شراب اور عورتوں کا شوقین ضرور ہوں لیکن یہ سب پیسے والوں کے فیشن ہیں میں تم کو بیسیوں نیک نام اور پارسا مسلمان رؤسا کے نام گنوا سکتا ہوں جن کے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا لگا رہتا ہے۔ تم نے بلاوجہ مجھ اکیلے کو پکڑ لیا ہے۔"

"ٹھیک ہے موتی ڈارلنگ!" ظفر نے خشک لہجے میں کہا "اس وقت تم آرام کرو۔ تمہاری مسئلے پر ہم بعد میں غور کریں گے۔ تم بے گناہ ہوئے تو تمہاری گلو خلاصی ہو جائے گی۔"

موتن لال اظہار ممنونیت میں دونوں ہاتھ جوڑ کر رکوع کی حالت میں جھک گیا اور ہم تینوں اس کمرے سے نکل آئے جہاں دونوں قیدی موجود تھے۔

"موتن لال تم کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے" ظفر کے دفتر میں آنے کے بعد میں نے کہا۔

"ہرگز نہیں!" اس نے مکّارانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھے اس کی ایک بات پر بھی یقین نہیں ہے۔ غزالہ کا معاملہ نمٹ جائے پھر اس کی لگامیں کھینچوں گا۔ اس وقت میں اس پہ مزید تشدد سے گریز کر رہا ہوں۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ جب تک غزالہ بخیروعافیت ہماری

تحویل میں نہ آجاتی، کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کہاں موتن لال کی ضرورت پیش آجاتی۔ جب تک اس کی چمڑی بچی ہوئی تھی، وہ ہم سے بے چوں و چرا تعاون کرتا رہتا لیکن جس دن جوتم پیزار کی کھلی ابتدا ہوجاتی، وہ ہٹ دھرمی پر آمادہ ہوسکتا تھا۔

ظفر نے مجھے مان سنگھ کو فون کرنے کا مشورہ دیا لیکن میں رجنی کے آنے سے پہلے ایسا کوئی قدم اٹھانے کے حق میں نہیں تھا۔ حالات نے مجھے یہ تلخ سبق سکھایا تھا کہ بعض اوقات جیتی ہوئی بازی بھی آخری چند لمحات میں الٹی ہوجاتی ہے اس لئے تاش کی اصطلاح میں جب تک آخری پتہ نہ کھیل لیا جائے، جیت کا گمان اچھا نہیں ہوتا۔

تھوڑی دیر بعد ایس ٹی ایف کا ایک لمبا تڑنگا جوان اپنے شانے پر ایک سبک اندام بے ہوش لڑکی کو لادے راہداری میں سے گزرا تو میں اس حسین چہرے کی ایک جھلک دیکھتے ہی بھونچکا رہ گیا۔

"یہ تو بے ہوش معلوم ہورہی تھی!" سلطان شاہ نے احمقانہ انداز میں تبصرہ کیا۔

"جنہیں واپس جانا ہو، انہیں بے ہوشی کی حالت میں ہی یہاں لایا جاتا ہے۔ اس کے سامنے جانے سے پہلے ہم لوگ اپنے چہروں پر نقابیں بھی چڑھالیں گے تاکہ رہا ہونے کے بعد وہ ہماری نشان دہی نہ کرسکے۔ دنیا بہت چھوٹی ہوچکی ہے پتا نہیں اس سے کہاں آمنا سامنا ہوجائے۔"

"ابھی تو وہ بے ہوش ہے۔ میں اسے ایک نظر دیکھ کر آتا ہوں" میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

ایس ٹی ایف کے آدمی نے بے ہوش رجنی کو احتیاط کے ساتھ اس کمرے کے فرش پر لٹا دیا تھا جہاں موتن لال امر کمار کے ساتھ قید تھا۔ میں نے رجنی کو دیکھا اور اس کے حسن سے مرعوب و مبہوت ہو کر رہ گیا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے موم سے تراشی ہوئی ایک معصوم اور قدِ آدم گڑیا فرش پر لیٹی ہوئی ہو۔

موتن لال والہانہ انداز میں اس کے قریب آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور اس نے رجنی کا سر ننگے فرش سے اٹھا کر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ اسے میری موجودگی کا لحاظ نہ ہوتا تو وہ رجنی کو اسی وقت اپنی بانہوں میں سمیٹ لیتا اور دنیا ومافیہا سے لاتعلق ہوجاتا۔

میں کئی سکنڈ تک اسی حالت میں کھڑا رجنی کا چہرہ تکتا رہا۔ معاً میرے ذہن میں اس کی اور موتن لال کی فون پر ہونے والی گفتگو گونجنے لگی اور رجنی کا رنگ روپ یکلخت اپنی کشش کھو بیٹھا۔ وہ ایک معزز شخص کی بیوی تھی لیکن بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے شوہر کو فریب دے کر، اس کے جگری دوست سے دوستی نبھا رہی تھی۔ میں ایک جھٹکے کے ساتھ فوراً ہی واپس چل دیا۔

اس دوران میں ظفر نے اپنے آدمی کے ذریعے شری مان سنگھ کا فون نمبر تلاش کرلیا تھا۔ میں فون اپنی گود میں لے کر، دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

پہلی بار غلط نمبر ملا، دو مرتبہ مان سنگھ کی لائن مصروف تھی۔ چوتھی کوشش بار آور ہوئی اور دوسری طرف سے "ہیلو! مان سنگھ اسپیکنگ" کی آواز سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"میں تمہارا ایک ہمدرد بول رہا ہوں" میں نے بھاری اور سپاٹ آواز میں کہنا شروع کیا "اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری بیوی اس وقت میری تحویل میں ہے۔"

"رک کیوں گئے؟ بات پوری کرو!" اس کا لہجہ چڑانے والا تھا۔

"شاید تمہیں رجنی کی زندگی عزیز نہیں ہے جو اس لہجے میں بات کررہے ہو" میں غرایا۔

"رجنی کے نام سے تمہارا واقف ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ واقعی تمہارے قبضے میں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اس وقت شہر کے کسی بڑے ہوٹل میں میرے گہرے دوست کے ساتھ ہوگی۔ پھر میں تمہاری بات پر کیسے یقین کرسکتا ہوں۔ تم گھٹیا سسپنس پیدا کرکے بلاوجہ میرا اور اپنا وقت برباد کررہے ہو۔"

اس کے الفاظ سے مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا "اگر تم اس قدر خبیث اور بے غیرت انسان ہو کہ اپنی بیوی کی ٹوہ میں لگے رہنے کے باوجود اس پر کوئی روک ٹوک عائد نہیں کرتے تو......"

"بس!" اس نے فوراً میری بات کاٹ دی "میں اس کی ٹوہ میں رہتا ہوں یا وہ میرے مشورے سے ہر جگہ آتی جاتی ہے، یہ ہمارے ذاتی معاملات ہیں۔ تم اس میں دخل دینے والے کون ہوتے ہو؟"

"میں تمہیں یہ بتا رہا تھا کہ تمہارا موتن لال نامی جگری دوست بھی ہمارے پاس ہے اور رجنی اس سے ملنے ملانے کے لئے یہیں لائی گئی ہے" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اوہ! تو تم اس کا نام بھی جانتے ہو!" اس بار شری مان سنگھ کی آواز قدرے پُرتشویش تھی "اگر تم رجنی سے میری بات کروا سکو تو میں تمہاری کہانی پر اعتبار کرلوں گا۔"

"فی الحال موتن لال سے بات ہوسکتی ہے" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"شاید وہ مجھ سے بات نہ کرنا چاہے.... چلو، تم فی الحال اسی سے بات کرادو!"

اسے لائن ہولڈ کرانے کے بعد موتن کو فوری طور پر وہاں طلب کیا گیا لیکن جوں ہی اسے بتایا گیا کہ اسے فون پر مان سنگھ سے بات کرکے رجنی کے وہاں موجود ہونے کا یقین دلانا ہے تو وہ بتے سے اکھڑ گیا اور بدک کر فون سے دور ہٹ گیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ مان سنگھ اس کے اور رجنی کے تعلق سے بے خبر تھا۔ وہ رجنی کے حوالے سے گفتگو کرکے اپنی برسوں پرانی دوستی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ جب ظفر نے زہریلے لہجے میں اسے بتایا کہ مان سنگھ نہ صرف ان کے میل جول بلکہ تازہ ترین ملاقات کے تفصیلی پروگرام سے بھی واقف ہے تو موتن لال کا چہرہ زرد پڑ گیا اور اس

نے ظفر کی خونخوار نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے ریسیور لے لیا۔
"مانی! یہ لوگ درست کہہ رہے ہیں' رجنی ان کی تحویل میں ہے اور میں بھی ان ہی کا قیدی ہوں" اس نے ریسیور لیتے ہی مشینی انداز میں کہنا شروع کیا اور میں نے فوراً ریسیور اس کے ہاتھ سے واپس لے لیا۔
"یار تم بلاوجہ شرمندہ ہو رہے ہو" میرے کانوں میں مان سنگھ کی آواز آئی۔ وہ اپنی دانست میں موتن لال سے گفتگو کر رہا تھا۔ میں دانستہ خاموش رہا۔
"عورتیں کسی کی جاگیر نہیں ہوتیں" وہ کہہ رہا تھا "ہم دن رات نجانے کہاں کہاں منہ مارتے پھرتے ہیں۔ اگر رجنی نے دل بہلانے کے لئے تم سے یا کسی اور سے دوستی کرلی تو کیا برا کیا؟ میرے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ مجھے سچے دل سے اپنا پتی مانتی ہے اور جب تک میں زندہ ہوں وہ کسی اور سے شادی نہیں کرے گی۔ اونچے طبقے میں سب کچھ چلتا ہے۔ یہ تمام نخرے اب نچلی اور متوسط کلاس تک رہ گئے ہیں۔ ہم اور تم تو ان پابندیوں سے بہت آگے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ یہ لوگ اب کیا چاہتے ہیں؟؟"
"تمہارے کاؤنسلیٹ میں ایک مقامی عورت قید ہے۔ ہم اس کے بدلے......"
اس نے میری بات درمیان ہی سے اڑادی اور تحیر زدہ آواز میں بولا "اگر تم غزالہ سے رجنی کے تبادلے کی بات کر رہے ہو تو تم ذہنی ہی ہو سکتے ہو۔"
"فضول قیاس آرائیوں کے بجائے کام کی بات کرو۔ اس نے مجھ جیسے بہت سے لوگوں کو برے وقتوں کے لئے پالا ہوا ہے۔ اس کی ہدایت ہے کہ تمہاری طرف سے مثبت جواب نہ ملنے کی صورت میں کل دوسری کارروائی کا آغاز کیا جائے اور وہ تمہارے لئے تباہ کن ہوگی۔"
"میں رجنی سے بات کئے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا" لمحہ بھر کے سکوت کے بعد اس کی آواز سنائی دی "مجھے اس سے بے انتہا محبت ہے لیکن میں کچھ اصولوں پر زندگی گزارنے کا قائل ہوں۔ اس سے بات کرنے کے بعد ہی میں اندازہ کرسکوں گا کہ میں آج کس مقام پر ہوں۔"
"وہ ہوش میں آئے گی تو تمہاری بات کروادی جائے گی" میں نے فون بند کردیا۔
اس وقت ساری گفتگو عام انسٹرومنٹ پر کی گئی تھی اس لئے جب میں نے انہیں پوری گفتگو سے آگاہ کیا تو رجنی اور مان سنگھ کے بارے میں وہ دونوں ہی حیران رہ گئے وہ ایک ایسا نازک موضوع تھا جس پر ان کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا اس لئے بات شری مان سنگھ کی قیاس آرائی کی طرف مڑگئی یوں کہ اس نے غزالہ کا ذکر آتے ہی مجھے ذہنی قرار دے دیا تھا جس کا مطلب تھا کہ ویرانے انڈین کاؤنسلیٹ میں اپنے مختصر سے قیام کے دوران' ان لوگوں کو میرے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کردی تھیں تاکہ میرے خلاف وہ محاذ بھی سرگرم عمل ہوجائے۔
"میرا خیال تھا کہ وہ اپنی بیوی کے اغوا کی خبر سنتے ہی تبادلے پر رضامند ہوجائے گا لیکن اس نے رجنی سے بات کرنے کی جو شرط عائد کی ہے اس سے معاملہ مشکوک ہوگیا ہے" کچھ دیر خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔
"اگر اس نے تبادلے سے انکار کردیا تو ہم رجنی کو کہاں لے جائیں گے؟" ظفر نے پوچھا۔
"اس کی نوبت نہیں آئے گی" میں نے مضبوط لہجے میں کہا "وہ ایک سفارت کار ہے اور ہر سفارت کار مذاکرات میں اس قسم کے تاخیری حربے استعمال کرکے اپنے حریف پر نفسیاتی دباؤ بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ بس اپنے کانوں سے رجنی کی آواز سننا چاہتا ہے۔"
"لیکن تم خود کہہ رہے تھے کہ اس کے آخری فقرے بہت معنی خیز تھے" سلطان شاہ بولا۔
"ضرور تھے۔ لیکن پھر وہی بات آجاتی ہے کہ اس کا پیشہ ہی ایسا ہے۔ بیوی تو پھر بیوی ہے۔ انسان اپنی چوکھٹ پر پلے ہوئے کتے سے بھی اس طرح دست بردار نہیں ہوسکتا۔ اب رجنی سے اس کی گفتگو کراتے ہوئے ہم اسپیکر فون استعمال کریں گے تاکہ ہم سب ہی پوری گفتگو لفظ بہ لفظ سن سکیں۔"
اسی وقت اطلاع ملی کہ رجنی ہوش میں آچکی ہے۔ اس کمرے میں اسپیکر فون کی تنصیب کے بعد رجنی کو وہیں بلالیا گیا۔ اس کے بشرے سے فکرمندی کے ساتھ برہمی بھی عیاں تھی۔
"یہ کون سی جگہ ہے اور یہاں کا سربراہ کون ہے؟" اس نے دفتر میں داخل ہوتے ہی غصیلی آواز میں سوال کیا۔ غصہ میں اس کے حسن کو چار چاند لگ گئے تھے۔
"شاید تمہیں علم نہیں کہ تم اغوا کی جاچکی ہو اور اب ہماری یرغمالی ہو" ظفر نے اس سے ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر درشت لہجے میں کہا "یہ نہ سمجھنا کہ تم ہم لوگوں کو اپنی اداؤں یا آنسوؤں سے رام کرسکوگی۔ یہاں عورتوں پر تشدد کے ماہرین بھی موجود ہیں جو پل بھر میں تمہارے تیوروں کو درست کرسکتے ہیں۔"
"یہ سراسر غیر قانونی حرکت ہے جس کے لئے میرا سفارت خانہ بھرپور احتجاج کرے گا۔"
"ضرور کرتا رہے لیکن پہلے شری مان سنگھ کو فون کرلو" سلطان شاہ چڑ کر بولا "وہ تمہاری فکر میں گھلا جارہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ صدمے سے اس کا ہارٹ فیل ہوجائے۔"
رجنی حسین ہونے کے ساتھ ہی چالاک بھی تھی۔ اس نے اسپیکر فون آن کرنے کے بجائے ریسیور اٹھاکر بات کرنے پر اصرار کیا لیکن اس کی ایک نہ چل سکی۔ ظفر تو ویسے ہی دل کی جگہ پتھر لئے پھرتا تھا مگر سلطان شاہ بھی ناز و ادا دکھانے والی عورتوں سے

بری طرح چڑتا تھا جب کہ رجنی کی نجی زندگی ہم تینوں کے سامنے کھلی کتاب کی طرح آچکی تھی۔
سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے مان سنگھ ہی نے ریسیور اٹھایا اور صرف ہیلو کہا۔
"مائی ڈارلنگ! یہ میں کس مصیبت میں گرفتار ہوگئی ہوں؟" اپنے شوہر کی آواز سنتے ہی وہ روہانسی آواز میں بولی "موتن لال بھی ان کی قید میں پھنسا ہوا ہے۔"
"شاید تم اسپیکر فون استعمال کر رہی ہو؟" خفیف سے توقف کے بعد مان سنگھ کی آواز ابھری۔
"ہاں!" لمحہ بھر کے لئے رجنی حیران ہوگئی "تمہیں کیسے پتا چلا؟"
"تمہارے سر پر گردش کرنے والے پنکھے کی آواز میرے کانوں تک پہنچ رہی ہے۔" مان سنگھ کی آواز سپاٹ اور جوش و خروش سے عاری تھی۔ اس نے پوچھا "تم واپس آنا چاہتی ہو یا اس زندگی سے اکتا گئی ہو؟"
"کیسی باتیں کر رہے ہو تم؟ اب تو یہی میری زندگی ہے۔ یہاں میں غنڈوں میں پھنسی ہوئی ہوں اور تم کو سوال سوجھ رہے ہیں۔ یہاں میرا دم گھٹ جائے گا۔"
"تمہارے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں ہوئی؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔
"بے ہوش کئے جانے کے علاوہ اب تک کوئی اور زیادتی نہیں کی گئی لیکن یہ لوگ وحشی درندے ہیں۔ انہوں نے موتن لال کے ڈرائیور کو ادھیڑ کر خون میں نہلایا ہوا ہے۔ مجھے تو اس کی طرف دیکھنے سے ہی جھرجھریاں آرہی ہیں۔"
"موتن لال کو پولکا یاد دلا دینا۔ میں ان لوگوں سے بات کرتا ہوں۔"
ظفر نے ہاتھ سے اشارا کیا اور ایک جوان رجنی کو زبردستی وہاں سے باہر لے گیا۔ اس نے دفتر میں موجود رہنے کے لئے زور آزمائی کی لیکن اس کی آوازیں سن کر مان سنگھ نے اسپیکر فون پر ہی اسے ہدایت کی کہ وہ جب تک قیدی ہے' قید کرنے والوں کی ہدایات پر عمل کرے۔
"اب کہو' تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے رجنی کے چلے جانے کے بعد پوچھا۔
"تم لوگ بہت بے رحم ہو۔ اسے خوف زدہ کرنے کے لئے ایک زخمی قیدی کے ساتھ رکھا ہوا ہے جب کہ غزالہ کو یہاں ہر طرح کا آرام میسر ہے۔ وہ وی آئی پی کی طرح رہ رہی ہے۔"
"مجھے افسوس ہے' مائی!" میں نے اس کی بات کا اثر لیتے ہوئے سنجیدگی سے کہا "ہمارے پاس جگہ کی کمی ہے۔ پھر وہ آئی تو بے ہوش تھی۔ ہم زخمی قیدی کو وہاں سے ہٹا دیں گے۔"
"تمہیں موتن لال کو بھی وہاں سے ہٹانا ہوگا" اس کی آواز دھیمی ہوگئی۔
"کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا "تم تو ہر بات سے واقف ہو پھر اب یہ مطالبہ کیوں؟"
اسپیکر فون پر اس کا مدھم سا ہذیانی قہقہہ سنائی دیا پھر وہ عجیب سی آواز میں بولا "وہ اور بات تھی۔ اور یہ اور بات ہے۔ تم جلد ہی ان دونوں کا فرق سمجھ لوگے۔ اب یہ بتاؤ کہ تبادلے کا کیا ارادہ ہے؟"
"یہ باہمی سہولت کی بات ہے۔ دونوں عورتیں جتنی جلد اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں اتنا ہی بہتر ہوگا۔"
"لیکن میں ویرا کو کیا جواب دوں گا؟ غزالہ اس کی امانت ہے۔"
"یہ تمہارا اپنا مسئلہ ہے۔ اس کا حل تم ہی کو سوچنا ہوگا۔ ویسے وہ میری سلائیٹ بن کر ایسی فرار ہوئی ہے کہ اب شاید ہی تمہاری طرف کا رخ کرسکے۔"
"اوہ! تو اس کا مطلب ہے کہ موتن لال کے مکان کے ٹیلی فونوں کی لائنیں تم ہی لوگوں نے کاٹی تھیں اور شاید اسے گھر ہی سے اٹھایا گیا ہے۔"
"تمہارے اندازے درست ہیں لیکن اب کام کی بات کرو!"
"آج شام چھ بجے فریئر ہال کے لان میں آجاؤ' میں غزالہ کو لے آؤں گا۔ تم رجنی کو لے آنا۔ اگر تم نے وعدہ خلافی کی تو یہ یاد رکھنا کہ میں نتائج کی پروا کئے بغیر غزالہ کے سینے میں وہیں گولی اتار دوں گا۔ اگر ڈینی آسکے تو زیادہ بہتر رہے گا۔ میں اس سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"
"ٹھیک ہے' تمہارا پیغام اس تک پہنچا دیا جائے گا۔" میں نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔
اسی وقت مکان کے کسی حصے سے موت کے درد میں ڈوبی ہوئی ایک دلدوز چیخ بلند ہوئی اور ہم تینوں ہڑبڑا کر باہر کی طرف دوڑ پڑے۔
وہ دردناک چیخ سنتے ہی میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا تھا کہ کہیں رجنی نے واپس پہنچتے ہی کوئی کام نہ دکھادیا ہو۔ جب وہ اسپیکر فون پر اپنے شوہر' شری مان سنگھ سے بات کر رہی تھی تو میں نے اس بات پر دھیان نہیں دیا تھا کہ شری مان سنگھ نے رجنی کو اس امر کی ہدایت کی تھی کہ وہ موتن لال کو پولکا یاد دلا دے لیکن موت کے کرب میں ڈوبی ہوئی چیخ سنتے ہی مجھے خیال آیا کہ پولکا یقینی طور پر کوئی اہم کوڈ ورڈ تھا۔ اس کا تعلق واقعی موتن لال سے تھا یا اس لفظ میں خود رجنی کے لئے کوئی پیغام پوشیدہ تھا' اس کا اندازہ قیدیوں والے کمرے میں پہنچ کر ہی ہوسکتا تھا۔
ہم تینوں راستے ہی میں تھے کہ اچانک فضا میں دبی دبی انسانی چیخیں اور غراہٹیں گونجنے لگیں جیسے کسی کو بے رحمانہ تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہو۔ اور اس بار وہ آوازیں نمایاں طور پر موتن لال کی

تھیں۔

بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اگر موتن لال زندہ تھا اور تشدد کا نشانہ بنا ہوا تھا تو وہ دردناک چیخ کسی اور کی تھی۔ میں نے وہ چیخ سنتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ جو کوئی بھی رہا ہو' اسے چیخنے کے بعد اگلا سانس لینے کی ذرا سی بھی مہلت نہیں مل سکی ہوگی۔

میرے ساتھ ہی' شاید ظفر بھی اسی نتیجہ پر پہنچا اور اس نے یک لخت مضطرب ہو کر اپنی رفتار تیز کر دی۔ میری طرح اسے بھی شک ہوا ہوگا کہ اگر موتن لال زندہ تھا تو پھر مرنے والا ایس ٹی ایف کا کوئی جوان ہی ہو سکتا تھا جو موتن لال کی کسی منتقمانہ کارروائی کا شکار ہوا ہو۔

اس وقت ہم تینوں کے چہروں پر نقاب چڑھے ہوئے تھے۔ خود کو رجنی کی شناخت سے محفوظ رکھنے کے لئے وہ احتیاطی تدابیر ناگزیر تھی۔ ظفر کے قول کے مطابق ایسے قیدیوں کے ساتھ بہت احتیاط سے کام لیا جاتا تھا جنہیں وہاں سے زندہ واپس لوٹانا مقصود ہوتا تھا۔ چہروں پر منڈھی ہوئی چست نقابوں کی وجہ سے ہمارے لئے ایک دوسرے کے تاثرات کا اندازہ لگانا محال تھا لیکن میں دل ہی دل میں ظفر کی دلی کیفیت کو خوب سمجھ رہا تھا۔ اس سے میری جان پہچان زیادہ طویل نہیں تھی لیکن اس کے پیشرو' اول خان کے ساتھ میری شناسائی خاصی طویل رہی تھی اور میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنے جوانوں سے اولاد جیسی محبت کرتا تھا۔ اپنے کسی بھی ماتحت کی تکلیف پر اوّل خان یوں تڑپ اٹھتا تھا جیسے وہ خود کسی کرب سے گزر رہا ہو۔ ظفر اسی کا جانشین تھا اس لئے اپنے ایک کڑیل جوان کی موت کے خدشے پر اس کا مضطرب ہونا بعید از قیاس نہیں تھا۔

لیکن ہم قیدیوں والے کمرے میں پہنچے تو وہاں کا منظر ہماری توقعات کے برعکس تھا۔ وہاں امر کمار فرش پر غیر فطری حالت میں بالکل بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

اس کا اوپری دھڑ چت پڑا ہوا تھا لیکن داہنی ٹانگ مڑ کر' جسم کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ داہنا بازو فرش پر پھیلا ہوا تھا جب کہ بایاں بازو پشت کے نیچے دب گیا تھا۔ اس کی حالت سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کھڑے کھڑے اچانک ہی فرش پر گرا اور گرتے ہی مر گیا تھا۔ اس کی موت اس قدر اچانک اور تیزی کے ساتھ رونما ہوئی تھی کہ اسے تڑپنے یا اگلا سانس لینے کی مہلت نہیں ملی تھی اور وہ یقینی طور پر کسی سریع الاثر زہر کے استعمال کی علامات تھیں۔

رجنی قدرے حیرت اور خوف کے عالم میں ایک گوشے میں سہمی ہوئی کھڑی تھی جب کہ ایس ٹی ایف کے دو جوانوں نے موتن لال کو فرش پر اوندھا گرا کر اس پر مکوں اور ٹھوکروں کی برسات کی ہوئی تھی۔

میں نے اس پورے منظر پر ایک نگاہ ڈالتے ہی کچھ نتائج اخذ کر لئے

رجنی کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ امر کمار کے قتل کی واردات میں اس کا ہاتھ نہیں تھا۔ دوسری طرف ایس ٹی ایف کے جوانوں نے موتن لال کو جس بے دردی کے ساتھ اپنا نشانہ بنایا ہوا تھا۔ اس سے پتا چلتا تھا کہ انہوں نے موتن لال کی کوئی نہ کوئی ایسی حرکت دیکھ لی تھی جس کی بنا پر وہ رجنی کو بھول کر موتن لال پر ٹوٹ پڑے تھے مگر اسی کے ساتھ یہ حقیقت فراموش کر بیٹھے تھے کہ اگر موتن لال ہی امر کمار کا قاتل تھا تو اس کے پاس کوئی ایسا خفیہ ہتھیار موجود تھا جس کی مدد سے وہ اپنے حریف کو آناً فاناً میں موت کی نیند سلا سکتا تھا۔ ہاتھا پائی کے دوران میں ذرا سا بھی موقع ملتے ہی وہ اُن دونوں یا ان میں سے کسی کو زہریلے ہتھیار کا مزہ چکھا سکتا تھا۔

"چھوڑ دو' اسے فوراً چھوڑ دو!" میں نے اندر گھستے ہی پل بھر میں صورتِ حال کی سنگینی کا ادراک کرنے کے بعد تقریباً ہذیانی انداز میں تیزی سے کہا۔

میری آواز میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ وہ دونوں ہی اچھل کر موتن لال سے دور ہٹ گئے۔

موتن لال گلو خلاصی ہوتے ہی' اپنے چاروں ہاتھ پیروں کے بل پر کسی چوپائے کی طرح فرش سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا اور رجنی دوڑ کر ہم تینوں کی طرف آ گئی۔

"اسے کس نے مارا ہے؟" میں نے رجنی کو گھورنے کی کوشش کرتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا مگر اچانک مجھے یاد آیا کہ میرے چہرے پر نقاب منڈھا ہوا تھا اس لئے میرے چہرے کے تاثرات رجنی کے لئے غیر اہم تھے۔

"کیا یہ مر گیا؟" رجنی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے امر کمار کے بے حس و حرکت جسم کی طرف دیکھتے ہوئے سہمی ہوئی آواز میں بے ساختہ سوال کیا۔

"زندہ ہوتا تو ہڑبونگ سے فائدہ اٹھا کر اب تک بھاگ نکلا ہوتا" میں نے اسی لہجے میں کہا۔

"مجھے کچھ پتا نہیں" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی "یہ کھڑے کھڑے چیخ مار کر گرا اور پھر ایک دم چپ سادھ لی۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ یہ صرف بے ہوش ہوا ہے ...... یہاں کیا ہو رہا ہے؟..... تم لوگ اپنے چہرے نقابوں میں کیوں چھپائے ہوئے ہو؟ سامنے آ کر بات کیوں نہیں کرتے؟؟"

اس وقت تک موتن لال لڑکھڑاتا ہوا' اپنے قدموں پر کھڑا ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا اور اسی مقام پر کھڑا ہوا جھوم رہا تھا۔ اس میں اپنی جگہ سے قدم ہلانے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔

"عورت بھی بدمعاش ہے' سر!" ایس ٹی ایف کے نقاب پوش جوانوں میں سے ایک نے اکھڑ لہجے میں کہا "اس کے آنے سے پہلے امر کمار اور موتن لال ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ اس عورت نے اندر آتے ہی پولکا کہا۔ ہم چونک کر

اس کی طرف مڑے اور اسی لمحے امرکمار چیخ مار کر فضا میں اچھلا اور فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ یہ سب پل بھر میں ہو گیا۔ ہمیں پتا بھی نہیں چل سکا کہ موتن لال نے اس کے ساتھ کیا حرکت کی تھی۔"

"میں بے قصور ہوں" رجنی رو دینے والی آواز میں بولی "مجھے شبہ بھی ہوتا کہ پولکا کے پاس ورڈ سے یہاں ایسا وحشیانہ کشت و خون شروع ہو جائے گا تو میں اپنی زبان ہی نہ کھولتی۔ تمہارے سامنے شری مان سنگھ نے اسپیکر فون پر مجھے ہدایت کی تھی کہ میں موتن لال کو پولکا یاد دلا دوں ..... اس سے آگے مجھے کچھ معلوم نہیں۔ یہ لوگ بلاوجہ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں" ظفر نے زہریلی آواز میں کہا "تم جیسی آوارہ اور بد چلن عورتیں عشق و محبت کی رنگینیوں میں ڈوب کر یہ بھول جاتی ہیں کہ ایسے معاملات کی انتہا ہمیشہ سنگین اور ناقابلِ فہم ہوتی ہے۔ تمہیں اپنے لائے ہوئے کوڈ کے ردِ عمل کا علم رہا ہو یا نہ رہا ہو لیکن یہ ایک برہنہ حقیقت ہے کہ تم اس چھت کے نیچے ایک قتل کے ارتکاب میں شرکت کر چکی ہو اور تم کو اس کی سزا بھگتنی ہو گی۔"

ظفر کے الفاظ پر رجنی نے باقاعدگی کے ساتھ رونا شروع کر دیا لیکن ظفر کی ڈانٹ پھٹکار پر اس نے مشینی انداز میں یکلخت خاموشی اختیار کر لی لیکن اس کے سینے کے زیر و بم سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر سسکیاں لے رہی تھی۔

"اس کی جامہ تلاشی لی گئی تھی؟" ظفر نے اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہو کر، موتن لال کے بارے میں سوال کیا۔

"نہیں، سر" ان میں سے ایک نے مختصراً جواب دیا۔

"اسے ہینڈز اپ کرا کے، گن پوائنٹ پر تفصیلی جامہ تلاشی لو" ظفر نے حکم دیا "یہ ذرا سی بھی گڑبڑ کرے تو اسے بے دریغ گولی مار دینا۔"

"خبردار، جو کوئی میرے قریب آیا" موتن لال [illegible] لہجے میں بولا۔ تشدد کی وجہ سے شاید اس کی زبان کٹ گئی تھی جس کی وجہ سے اس کی آواز میں لکنت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ پر قدرے لہراتے ہوئے کہہ رہا تھا "جو بھی میرے قریب آیا، میں اسے امرکمار کے پیچھے روانہ کر دوں گا۔"

"ہم قریب آئے بغیر ہی تمہارا بدن گولیوں سے چھلنی کر سکتے ہیں" ظفر نے غصے سے کہا۔

موتن لال کے زخمی چہرے اور متورم آنکھوں کی کیفیت ایک دم بدل گئی جیسے وہاں مایوسیوں نے ڈیرے ڈال دیئے ہوں۔ میں نے وہ تبدیلی فوراً ہی بھانپ لی۔ وہ جوان بیٹے کا باپ اور ایک بڑے گھرانے کا معزز سربراہ ضرور بنا ہوا تھا لیکن اول درجے کا مکار اور عیاش بھی تھا۔ دنیا کے ہر بے کردار اور عیاش آدمی کی طرح اسے بھی زندگی بہت عزیز تھی، خواہ اس کے لئے اسے کوئی بھی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔

"لیکن ہم تم پر گولی نہیں چلائیں گے" ظفر کا فقرہ پورا ہوتے ہی میں نے بولنا شروع کر دیا "تمہیں مارنا ہوتا تو ہمیں اپنے چہروں پر نقاب چڑھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ سب ہم نے اس وجہ سے کیا ہے کہ تم رہا ہونے کے بعد ہم کو شناخت نہ کر سکو....."

"تم جھوٹ بول رہے ہو" اس نے بے اعتباری سے میری بات کاٹ دی "اس سے پہلے میں تمہارے چہرے دیکھ چکا ہوں۔ اس وقت تم نے یہ احتیاط کیوں نہیں کی تھی؟"

"خیال آنے پر ہم نے اپنی اس غلطی کا ازالہ کر لیا" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن زندگی کی امید دلا کر بھی تم مجھ سے کچھ نہیں اگلوا سکو گے" وہ اپنا ہاتھ فضا میں لہرا کر بولا "مجھے معلوم ہے کہ جلترنگ کا راز فاش ہو جانے کے بعد میں عزت کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ پولکا ہمارے ہر ساتھی کے لئے زندگی کا آخری پیغام ہوتا ہے۔ میں جس کے بل پر اچھلتا تھا، آج اس نے بھی پولکا کہلوا کر اپنے ہاتھ اٹھا دیئے ہیں۔ میں نے اپنی ساری عمر اپنی مرضی سے گزاری ہے۔ میں نے زندگی کے ہر ہر دن کو اچھی طرح نچوڑا ہے۔ اب اگر میں مر بھی جاؤں تو میرے دل میں کوئی حسرت میرے ساتھ نہیں جائے گی۔"

کہتے ہیں کہ گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ اسی طرح آدمی کی موت آتی ہے تو سب سے پہلے اس کی عقل ماؤف ہوتی ہے۔ اس وقت موتن لال پر کچھ ایسا جذباتی دورہ پڑا کہ وہ اپنے برے بھلے کی تمیز کھو کر بہکنے لگا۔ وہ اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "رجنی کبھی میرے لئے ایک خواب تھی۔ اسے میں دیکھ لیتا تھا لیکن یہ میری دسترس سے باہر تھی۔ یہ مدتوں مجھے دور دور سے لبھاتی اور رجھاتی رہی لیکن پھر یہ پکے ہوئے پھل کی طرح میری گود میں آگری۔ میرا خیال تھا کہ میں نے اسے اپنی کوششوں سے جیتا ہے اور شری مان سنگھ بے خبری کے بازار میں رہ رہا ہے لیکن آج مجھے پتا چلا کہ یہ سب رجنی اور اس کے پتی کی ملی بھگت تھی۔ اس نے رجنی کو میرے حوالے کر کے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا اور میں اس راستے پر اتنی دور تک جا چکا ہوں کہ اب میری واپسی ممکن نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم آج مجھے چھوڑ دو گے تو صرف اور صرف اس اُمید پر کہ میرا پیچھا کر کے میرے ساتھیوں کا پتا ٹھکانا معلوم کر سکو۔ میں دوسری بار تمہارے ہاتھ آیا تو میرا حشر اور برا ہو گا۔ میرے بارے میں امرکمار بہت کچھ جانتا تھا۔ اسے میں نے پہلے ہی چلتا کر دیا۔ اب میرے پاس میری یہ انگوٹھی رہ گئی ہے" اس نے اپنی بائیں مٹھی بند کر کے فضا میں لہرائی جس کی دوسری انگلی میں سرخ نگینے والی ایک طلائی انگوٹھی جھلملا رہی تھی۔

"یہ یاقوت نہیں زہر کا کیپسول ہے" وہ کہہ رہا تھا "یہ زہر ایک سوئی سے بدن میں داخل ہوتا ہے۔ سوئی کیپسول کے اندر پوشیدہ ہے۔ میں نے یہ انگوٹھی امرکمار کی ران پر ماری تو کیپسول دبا اور باریک سوئی باہر آ کر اس کی ران کی جلد میں چبھ گئی۔

کیپسول پر پڑنے والے دباؤ کی وجہ سے زہر کھوکھلی سوئی میں سے اس کی شریانوں میں اتر گیا اور وہ پلک جھپکتے میں آرام سے مرگیا۔ تم میں سے جو بھی میرے قریب آیا' وہ اس انگوٹھی کا شکار ہوجائے گا۔ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ میرا راستہ چھوڑ دو تاکہ میں اپنے گھر والوں کے درمیان مرسکوں۔ میں تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گا۔ اگر تم نے میرے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی تو میں یہ زہر اپنے بدن میں اتار لوں گا۔ پولکا کا مطلب ہی یہ تھا کہ میں خودکشی کرلوں مگر میرے لئے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ امرکمار مارا جائے۔ اس کی طرف سے سکون ہوجانے کے بعد میں تو جب چاہوں' جاسکتا ہوں۔"

"تم ہمارے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا معلوم ہوتے ہو" میں نے اسے رام کرنے کی نیت سے کہا "ہم سرکاری آدمی نہیں ہیں جو عمر بھر تمہارا پیچھا کرتے رہیں۔ ہمارے تصادم کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مفادات یکساں اور مشترک ہیں۔ ہم بھی اسی راہ پر چل رہے ہیں جس پر تم گامزن ہو...."

"تم مجھے پھسلانے کی کوشش کررہے ہو" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔ "تمہاری وردیاں اتری ہوئی ہیں لیکن میں تمہارا ڈسپلن دیکھ چکا ہوں۔ تمہاری بازپرس کا محور ہی یہ سرزمین اور اس کی سلامتی رہی ہے۔ میں کیسے مان لوں کہ تم ملٹری سیکرٹ سروس کے آدمی نہیں ہو؟"

"ہم تمہارے ذریعے رجنی پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے۔ اس کھیل میں تمہارا اس سے زیادہ کوئی مصرف نہیں تھا۔ رجنی ہمارے قبضے میں آئی اور ہم شری مان سنگھ کو اپنے سامنے جھکانے میں کامیاب ہوگئے۔ اس سے ہماری مصالحت ہوچکی ہے۔ اس نے رجنی کو ہماری ہدایات پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ تم چاہو تو خود رجنی سے اس بات کی تصدیق کرسکتے ہو۔ اب شری مان سنگھ ہمارے دوستوں میں سے ہے اور اس کے دوست ہمارے دوست ہیں۔ خودکشی کرکے تم بلاوجہ خود کو ضائع کروگے اور تمہارا خاندان الگ بدنام ہوگا۔"

"لیکن جب تم میری سلائٹ کا پیچھا کرتے ہوئے میرے گھر آئے تھے تو اسپیشل برانچ والے بنے ہوئے تھے" اس کا انداز استہزائیہ ہوگیا "اور میری سلائٹ ایک خطرناک بین الاقوامی مجرمہ تھی جو تم لوگوں سے بچنے کے لئے' شری مان سنگھ کے ذریعے میری خوابگاہ میں آگھسی تھی...."

"ضرورت کے تحت سب کچھ کرنا پڑتا ہے" میں نے اپنی گفتگو میں زیادہ دلچسپی پیدا کرنے کے لئے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ میری اور موتن لال کی گفتگو کے درمیان میں' ظفر موقع پاکر اپنے ایک جوان کو اشارہ کرچکا تھا اور وہ اپنے قدم فرش سے اٹھائے بغیر ایڑیوں اور پنجوں کے بل پر غیر محسوس انداز میں پشت سے موتن لال کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اگر میں موتن لال کو اپنی باتوں میں الجھا کر' اس جوان کو مزید چند منٹ کی مہلت دے دیتا تو وہ عقب سے حملہ کرکے نہایت آسانی کے ساتھ موتن لال کو بے بس کرسکتا تھا۔

"لیکن اصلیت وہی ہے جو میں تم کو بتا چکا ہوں" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "آج سے پہلے شری مان سنگھ ہمارے خلاف محاذ آرا تھا لیکن آج اس کی غلط فہمی دور ہوگئی ہے کیونکہ اسے معلوم ہوگیا ہے کہ غلام رسول ہمارے قبضے میں ہے اور وہ ہر قیمت پر غلام رسول کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

"غلام رسول!" موتن لال کے دہانے سے تحیّرزدہ آواز برآمد ہوئی "وہ تمہارے قبضے میں ہے؟"

میں نے اپنے سر کو پُرغرور انداز میں' اثبات میں جنبش دی۔

"تم لوگ جھوٹے اور مکّار ہو" وہ لمحہ بھر بعد ہی اپنے سر کو زور سے جھٹکتے ہوئے بولا "میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کرسکتا۔ اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے تم کوئی بھی کہانی سناسکتے ہو۔"

"تم غلام رسول کو پہچانتے ہو تو ہم تمہیں اس سے ملواسکتے ہیں۔"

"اسے تو ہر پڑھا لکھا آدمی پہچانتا ہے۔ سکھر کے واقعات سے پہلے قومی اخبارات میں ہر روز ہی اس کی تصویریں اور بیان چھپا کرتے تھے لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس سے تمہارا کیا تعلق ہے اور وہ تمہارے قبضے میں کیسے آگیا؟ اس کے لئے تو بڑے بڑے لوگ ہر طرف جال ڈالتے پھر رہے ہیں۔"

"خوب! یہ اچھی بات ہے کہ تم غلام رسول کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہو۔ پورا قصّہ یہ ہے کہ غلام رسول کے بارے میں ہم نے شری مان سنگھ سے پچاس لاکھ میں سودا طے کیا تھا لیکن جب ہم نے غلام رسول کو پولیس کی تحویل سے اُڑالیا تو مان سنگھ اپنے وعدے سے مکر گیا۔ اب وہ ہمیں دس لاکھ میں ٹرخانا چاہ رہا ہے۔ وہ

حیلے بہانے سے وقت گزار رہا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ پولیس وغیرہ کے خوف سے ہم زیادہ دنوں تک غلام رسول کو اپنی قید میں نہیں رکھ سکیں گے اور اس کی نئی پیشکش قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس نے ہم سے سنگین وعدہ خلافی کی ہے جس کی سزا دینے کے لئے ہم نے تمہارے ذریعے رجنی کو اغوا کرلیا ہے اب وہ ناک رگڑ کر ہمیں ساٹھ لاکھ روپے دینے پر آمادہ ہوگیا ہے۔ اس میں پچاس لاکھ غلام رسول کے اور دس لاکھ رجنی کی واپسی کے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ وہ آج شام تک پوری رقم ہمارے حوالے کر دے گا اور......"

میرے دل ودماغ میں جو کچھ بھی جھوٹ سچ آتا رہا، میں مسلسل اور فی البدیہہ بولتا چلا گیا کیونکہ موتن لال کے عقب میں دبے قدموں پیش قدمی کرنے والا اس سے خطرناک حد تک قریب ہوتا جارہا تھا اور اگر ایک لمحے کے لئے بھی موتن لال کی توجہ میری طرف سے ہٹتی تو وہ اپنے پیچھے نمودار ہونے والے خطرے سے آگاہ ہو سکتا تھا۔ غنیمت یہ ہوا کہ ان کٹھن لمحات میں میرے ذہن نے تیزی سے کام کرنا شروع کردیا جس کے نتیجے میں، میں ایک جھوٹی مگر مربوط کہانی سنانے میں کامیاب ہوگیا جو موتن لال کے لئے تحیر خیز ثابت ہوئی۔

پھر جوں ہی ایس ٹی ایف کے نقاب پوش جوان نے موتن لال پر جھپٹنے کے لئے پوزیشن لی تو میں کوشش کے باوجود اپنی بات جاری رکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

عین اسی وقت موتن لال نے کچھ کہنے کے لئے اپنا بایاں ہاتھ فضا میں لہرایا اور اس کا وہ ہاتھ ایس ٹی ایف کے جوان کی گرفت میں آنے سے رہ گیا۔ وہ موتن لال کے بدن سے کسی جونک کی طرح لپٹا اور اسے اپنے ساتھ لیتے ہوئے فرش پر گر گیا۔

موتن لال اس ناگہانی وار کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس نے فوری طور پر اندازہ لگالیا کہ اس کے لئے اپنے حریف کی مضبوط گرفت سے نکلنا آسان نہیں تھا۔ اس نتیجے پر پہنچتے ہی اس نے اپنی بائیں مٹھی بند کرکے اپنی کنپٹی پر زہریلی انگوٹھی سے ضرب لگائی اور ایک تیز چیخ کے ساتھ اس کا بدن ساکت ہوگیا۔

اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہو چکی تھیں۔ اس کے بدن سے لپٹے ہوئے ایس ٹی ایف کے جوان نے بھی اندازہ لگالیا کہ اس کا شکار زندگی کے بندھن سے نجات حاصل کرچکا تھا۔ اس لئے وہ موتن لال کو چھوڑ کر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔

"ایسی انگوٹھی تمہارے پاس بھی ہے؟" ظفر نے رجنی کی طرف مڑ کر سوال کیا۔

"نہیں، میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ روتے ہوئے بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ مجھے شبہ بھی ہوتا کہ پولکا کا مطلب خودکشی کرنا ہے تو میں شری مان سنگھ کا پیغام ہرگز موتن لال تک نہ پہنچاتی۔ یہاں تو ہر ایک کے سر پر خون سوار ہے۔ وہ مرنے پر تلا ہوا تھا اور تم لوگ ہر ایک کو مار ڈالنے پر تلے ہوئے نظر آرہے ہو۔ یہ سب میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔"

"اس کی تلاشی لو!" ظفر نے رجنی کی باتوں پر دھیان دیئے بغیر اپنے ایک آدمی سے کہا "ایسا نہ ہو کہ ہمیں اپنی مظلومانہ باتوں میں الجھا کر یہ بھی جہنم واصل ہو جائے۔"

"دیکھ لو، اچھی طرح دیکھ لو۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے،" رجنی نے روتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلا دیئے "مجھے موت کے تصور ہی سے نفرت ہے۔"

اس کی جامہ تلاشی واقعی بے سود ثابت ہوئی۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار تھا نہ کوئی خفیہ زہریلا نگینہ۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ درست ہی تھا۔

"مجھے ان لاشوں سے وحشت ہو رہی ہے۔" ہمیں واپسی پر آمادہ پاکر وہ ہماری راہ میں حائل ہوگئی۔ "مجھے ان کے ساتھ ایک گھنٹے بھی رہنا پڑا تو میری حالت کسی مردے سے بھی بدتر ہو جائے گی۔ ان لاشوں کو یہاں سے ہٹاؤ یا میرے لئے کسی اور کمرے کا بندوبست کرو!"

"یہ تمہارے باوا جان کی حویلی نہیں ہے جہاں ہر کام تمہاری مرضی کے مطابق ہوتا رہے۔" سلطان شاہ نے پہلی بار زبان کھولتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔ "زندگی میں موتن لال کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی تھیں تو اب اپنے موتی ڈارلنگ کی لاش کے ساتھ بھی تھوڑی دیر آنسو بہالو۔"

ہم تینوں وہاں سے واپسی کے لئے مڑ گئے۔ رجنی نے ہمارے پیچھے آنے کے لئے بہت زور لگایا لیکن ظفر کے دونوں نقاب پوش ماتحتوں نے سختی کے ساتھ اسے کمرے میں دھکیل کر، دروازہ باہر سے بولٹ کردیا اور خود وہیں جم کر کھڑے ہوگئے۔ وہ رجنی کی داد فریاد سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئے تھے۔

راستے ہی میں ہم تینوں نے نقابوں سے چھٹکارا حاصل کرلیا اور میں نے اپنے چہرے سے پسینہ خشک کرتے ہوئے ظفر سے کہا۔ "موتن لال سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔ وہ زندہ رہتا تو اپنی سرزمین کے ان غداروں کے ناموں سے واقف ہو سکتے تھے جو موتن لال کے خفیہ پیغام سن کر انہیں عملی جامہ پہنایا کرتے تھے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ان لوگوں سے بے خبر تھا۔" ظفر نے سنجیدگی سے کہا۔ "اسی وجہ سے پیغام رسانی کے لئے وہ انوکھا اور پیچیدہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ ایسی ہر سازش میں کلیدی اہمیت اس آخری فرد کی ہوتی ہے جو عملی طور پر منصوبے یا اس کے کسی حصے کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ شری مان سنگھ نے ایسے ہی کسی برے وقت کے لئے اپنے اہم کرگوں کو موتن لال کی نظروں سے بچایا ہوا تھا۔"

"لیکن پھر بھی وہ غلام رسول کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا، اور کچھ نہ سہی تو ہم اسی کے بارے میں موتن لال کی زبانی

ٹھکوا سکتے تھے۔"

"ہاں، یہ امکان ضرور نظر آیا تھا۔" ظفر نے اعتراف کیا پھر چونک کر پوچھا۔ "لیکن تم غلام رسول کے بارے میں اسے جو کہانی سنا رہے تھے وہ میرے سر پر سے گزر گئی۔ اس وقت میں خود کو اول درجے کا احمق محسوس کر رہا تھا۔ تم نے مجھ سے تو کوئی ذکر نہیں کیا تھا کہ شری مان سے تمہارا کوئی سودا ہوا تھا۔"

اس کے اشتباہ آمیز انداز پر میں بے اختیار ہنس پڑا مگر میری ہنسی بوجھل تھی۔

"وہ ایک بلف تھا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اسے باتوں میں الجھائے رکھنے کے لئے میں الٹی سیدھی بکواس کر رہا تھا تاکہ تمہارے آدمی کو اس پر آسانی کے ساتھ ہاتھ ڈالنے کا موقع مل جائے لیکن بدقسمتی سے آخری لمحات میں اس کا بایاں ہاتھ آزاد رہ گیا اور اسے خودکشی کرنے کا موقع مل گیا۔"

"یہ سب درست ہے لیکن تم نے جتنی روانی کے ساتھ غلام رسول کا نام اپنی کہانی سے نتھی کیا تھا اس کی بنا پر میرا اندازہ ہے کہ تم اس بہروپیے سیاستداں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو۔"

"اسے اول خان نے ہی گرفتار کیا تھا۔ اس کے بارے میں سب کچھ تمہاری فائلوں میں موجود ہوگا۔"

"ہمارے یہاں کوئی روایتی فائل نہیں ہوتی۔ جو کچھ اول خان کو معلوم تھا وہ میرے علم میں آچکا ہے لیکن میں اس کی موجودہ کمین گاہ کا ذکر کر رہا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ تم اس کی پناہ گاہ سے واقف ہو۔ تم خود بھی کہہ چکے ہو کہ تم چاہو تو ہمیں وہاں تک لے جانے کی کوشش کر سکتے ہو۔ میں تمہارے اس مشورے کی افادیت کا قائل ہو چکا ہوں کہ ہم لوگوں کو غلام رسول کو گرفتار کر کے قانون کے حوالے کرنے سے گریز کرنا چاہئے کیونکہ اس کو بچانے کے لئے وہ تمام ذی اثر لوگ حرکت میں آجائیں گے جو غلام رسول کے زبان کھولنے پر بے نقاب ہو سکتے ہیں۔ سیاست اور اقتدار کی جنگ میں بعض لوگ بھوکے درندوں کی طرح سفاک اور بے رحم ہو جاتے ہیں اور غلام رسول کے ہمدردوں کا تعلق ایسے ہی لوگوں سے ہوگا۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ اس معاملے کو زیادہ طول نہ دیا جائے۔ غلام رسول ایک زہریلا اور موذی سانپ ہے۔ اگر ہم اس تک پہنچ کر اس کا سر کچل سکتے ہیں تو ہمیں اس نیک کام میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے....."

"میں خود بھی اس بوجھ کو اپنے سر سے اتار دینا چاہتا ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "لیکن تم یہ بات بار بار بھول رہے ہو کہ میں اسے لے جانے والوں سے ضرور واقف ہوں مگر وہ میری تحویل میں نہیں ہے۔ میری یہ تم سے پہلی ملاقات ہے اور اس وقت تم نے تیسری مرتبہ غلام رسول کا ذکر چھیڑا ہے۔ مجھے کم از کم اتنی مہلت تو دو کہ میں واپس جا کر ان لوگوں کو مزید کرید سکوں۔ وہ میرے پابند نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی مناسب موقع ملتے ہی انہوں نے غلام رسول کو اِدھر اُدھر کر دیا ہو۔ عجلت میں کی گئی ہماری کوئی بھی اندھا دھند کارروائی نہ صرف ناکام ہوگی بلکہ وہ لوگ بھی بھڑک کر ہوشیار ہو جائیں گے۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"بس، بس!" وہ جلدی سے بولا "تم میری بات سمجھ گئے۔ مجھے بھی یہی ڈر ہے کہ تاخیر کی صورت میں وہ ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ تم لوگوں نے اسے پولیس کے حوالے کر کے بہت بڑی غلطی کی۔ اگر وہ اسی قدر خطرناک مجرم تھا تو تمہیں اسی وقت اسے مار دینا چاہئے تھا۔"

"اس وقت تک ہمیں یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ کون کون سی قوتیں اس کی پشت پناہ اور مددگار ہیں اور اس کی مدد کے لئے کہاں تک جا سکتی ہیں۔ یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ بہرحال اب میری یہی کوشش ہوگی کہ ہم جلد از جلد اس فتنے کا سدِباب کر دیں۔"

"تمہیں یہ جان کر خوشی ہونی چاہئے کہ میں نے تمہارے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنے بڑوں کو ہوشیار کر دیا ہے اور اس وقت تک ملک کا ہر ایگزٹ کنٹرول پوائنٹ ہمارے آدمیوں کی نگرانی میں آچکا ہوگا۔ اس کی روز مرّہ کی اخباری بیان بازیوں کی وجہ سے اس کی تصاویر کی فراہمی بھی آسان ثابت ہوئی ہوگی۔"

"مجھے امید ہے کہ اب میری روانگی تک تم چوتھی بار یہ ذکر نہیں چھیڑو گے!" میں نے ظفر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا اور وہ خفت آمیز انداز میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

"اور شام چھ بجے والے پروگرام کا کیا رہے گا؟" سلطان شاہ نے میرے ذہن کی بات چرا لی۔

"میرا خیال ہے کہ عورتوں کے تبادلے کا مرحلہ کسی الجھن کے بغیر نمٹ جانا چاہئے۔" ظفر نے پُرخیال لہجے میں کہا "تمہاری اور شری مان کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے وہ دھوکا دینے کی کوشش نہیں کر سکے گا۔ لیکن پھر بھی میں پورا معاملہ تمہاری صوابدید پر چھوڑتا ہوں کیونکہ تمہارا غزالہ سے بہت نازک جذباتی رشتہ ہے۔ اس معاملے میں ذرا سی بھی لغزش ہوئی تو کھیل بگڑ سکتا ہے اس لئے جو تم چاہو گے، وہی ہوگا۔"

"میرا خیال تم سے مختلف ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے تردّد آمیز لہجے میں کہا۔ "شری مان سنگھ ایک گھاگ اور بدمعاش ڈپلومیٹ ہے۔ وہ اپنے مفاد کے حصول کے لئے رجنی کو جس طرح استعمال کرتا رہا ہے وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس نے اپنے پیشہ ورانہ مقاصد کے حصول کے لئے اپنی بیوی کو موتن لال کے حوالے کیا ہوا تھا تو اس کے نزدیک غزالہ کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے؟ پھر اس کی یہ خواہش بھی میرے ذہن میں کھٹک رہی ہے کہ غزالہ اور رجنی کے تبادلے کے موقع پر وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کھل کر بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے ہو؟" ظفر میری گفتگو سے

پریشان ہو گیا۔

"شری مان سنگھ میرے ساتھ کئے گئے وعدے پر پورا نہیں اترے گا۔" میں نے کہا۔

"لیکن کیوں؟ تمہارے اس شبہ کی کچھ وجوہ بھی ضرور رہی ہوں گی!" وہ بولا۔

"میرا تجربہ بتاتا ہے کہ اس جیسے لوگ اپنے قول و فعل کے کھلے تضاد سے دوسروں کو متحیر کردینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان پر بھروسا کرنے والے مُنہ کی کھاتے ہیں۔"

"پھر تم۔۔" ظفر کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اچانک اسپیکر فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

ظفر نے دوسری گھنٹی بجنے پر ہاتھ بڑھا کر اسپیکر فون آن کر دیا۔

"ہیلو!" کمرے میں گونجنے والی عصیلی نسوانی آواز سن کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ "کیا یہ اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی یونٹ ہے؟" اس نے برہمی کے عالم میں پوچھا۔

سلطان شاہ نے حیرت سے دیدے نچائے۔ اس طرزِ تخاطب پر ظفر پریشان نظر آنے لگا تھا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تم کو کس سے بات کرنی ہے؟" میں نے آواز بدل کر کھردرے انداز میں سوال کیا۔

"اول خان کہاں ہے؟" میرے سوال پر اس کا غصہ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔

"وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ پیغام بتادو۔ وہ آئیں گے تو انہیں بتادیا جائے گا۔" میں نے سپاٹ اور روکھے لہجے میں جواب دیتے ہوئے ظفر کو آنکھ ماری جو کسی ہونق کی طرح مُنہ کھولے بیٹھا تھا۔

"اوہ! تو میرا خیال درست ہی نکلا کہ تم لوگ ابھی تک میرے ہی گھر پر قبضہ جمائے بیٹھے ہو!" وہ شاید دانت پیس کر بڑبڑائی تھی۔

"اگر یہ تمہارا گھر ہے تو تم بھی یہاں رہ سکتی ہو۔" میں نے اسے چڑانے کی نیت سے کہا۔ "یہاں کمروں اور بستروں کی خاصی کمی ہے لیکن میں تمہیں اپنے دل میں جگہ دے سکوں گا۔ مجھے خوبصورت اور مُنہ پھٹ عورتیں بہت پسند ہیں۔ اول خان سے تمہارا کوئی جھگڑا ہے تو میں انہیں بھی سمجھالوں گا۔"

"اُلو کا پٹھا!" فون پر اس کی اضطراری بڑبڑاہٹ ابھری۔

"کیا کہا؟" میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"اوہ' ڈیئر!" وہ سنبھل کر نرمی سے بولی۔ "میں نے تمہیں نہیں' اول خان کو کچھ کہا تھا۔ اس سے واقعی میرا جھگڑا ہے مگر تم اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو اس لئے میں تمہیں اپنے اور اس کے درمیان نہیں ڈالنا چاہتی۔ اکھڑ اور مضبوط مرد میری کمزوری ہیں اسی لئے میں اول خان کو برداشت کرتی چلی آرہی ہوں۔ ویسے تم چاہو تو میں تم سے بھی دوستی کر سکتی ہوں۔"

اس کی برجستہ قلابازی پر ہم تینوں ہی حیران رہ گئے۔ ظفر کی حیرت قابلِ دید تھی۔ وہ عورت واضح طور پر' اپنی دانست میں اول خان کے کسی ماتحت پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہم سب ہی مضبوط بندے ہوتے ہیں۔" میں نے احمقانہ لہجے میں کہا۔ "مضبوط نہ ہوں تو اس فورس میں آ ہی نہیں سکتے اور گھربار سے برسہا برس دور رہ کر ہم اکھڑ بھی ہو جاتے ہیں۔ تم سے مل کر مجھے دلی خوشی ہوگی۔ ویسے نام کیا ہے تمہارا؟"

فون پر اس کی مخصوص اور کھنکتی ہوئی ہنسی کی آواز ابھری۔

"مجھے دیکھ کر تم جو نام رکھو گے وہ میں قبول کرلوں گی ویسے مجھے سوزی کہتے ہیں۔ تم چاہو تو ہم آج ہی مل سکتے ہیں۔"

"کب اور کہاں؟" میں نے تجسس اور بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ایک بجے سروسز کلب کے قریب میں تمہارا انتظار کروں گی۔" اس کی آواز میں لگاوٹ کی چاشنی عود کر آئی تھی کیونکہ اسے شکار جال میں پھنستا ہوا نظر آرہا تھا۔

"مگر میں تمہیں کیسے پہچانوں گا؟" میں نے پُراشتیاق لہجے میں سوال کیا۔

"سروسز کلب کے عقبی پھاٹک کے قریب میں رنگین چھتری لگائے رکھوں گی۔ وہاں سے ہم لنچ کے لئے کہیں چلیں گے۔ مگر تمہاری شناخت کیا ہوگی؟"

"تم کہو تو میں بھی رنگین چھتری لگا کر آجاؤں۔" میں نے والہانہ انداز میں کہا۔

"کراچی میں چھتریوں کا رواج نہیں ہے اس لئے دو چھتریاں مضحکہ خیز نظر آئیں گی۔ لوگ بلاوجہ ہماری طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ تم میرے قریب آکر بلیک پینی کہنا' میں تمہیں پہچان لوں گی۔"

"وری گڈ! یہ ترکیب زیادہ آسان اور قابلِ عمل ہے۔ میں ایک بجے پہنچ جاؤں گا۔"

"اچھا' یہ بتاؤ کہ ڈیڈی کہاں ہے؟" وعدۂ وصال کے فوراً بعد اس نے وہ سنگین سوال داغ دیا۔

"کون ڈیڈی؟" میں نے معصومانہ حیرت کے ساتھ بے ساختگی سے جوابی سوال کر ڈالا۔

"اول خان کا ایک حواری بلکہ خوشامدی ہے جو ہزاروں جرائم کرنے کے باوجود تم لوگوں کے سینوں پر مونگ دل رہا ہے۔" شاید اضطراری طور پر اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"تم شاید تنویر صاحب کی بات کر رہی ہو جو لمبے تڑنگے اور بہت خوبصورت ہیں؟"

"ہاں ہاں' وہی۔" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بے جا تعریف اسے گراں گزری تھی۔

"وہ کبھی کبھی آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔" میں نے لاپروایانہ لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی اندر کہیں

اول خان کا انتظار کر رہے ہوں۔"
"اگر وہ موجود ہے تو ذرا اس سے میری بات کرا دو لیکن یہ خیال رکھنا کہ وہ مجھ سے جلتا ہے۔ اس کی الٹی سیدھی باتوں میں آکر مجھ سے ملنے کا پروگرام نہ بدل دینا۔"
"تم فکر نہ کرو۔ میں اسے اپنی اور تمہاری باتوں کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گا۔ کسی کی باتوں میں آکر میں اتنی اچھی دوستی کی پیشکش کو نہیں ٹھکرا سکتا۔"
"ویری گڈ۔ تم میری توقع سے زیادہ ذہین اور ہوشیار ہو۔ ہم دونوں کو مل بیٹھنے کا موقع مل گیا تو میں تمہیں ایسے جہانوں کی سیر کراؤں گی جو تمہارے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوں گے۔"
"تمہاری باتیں سن کر میرے روئیں روئیں میں سنسنی کی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ تم لائن ہولڈ کرو' میں تنویر صاحب کو دیکھ کر آتا ہوں۔"
ظفر نے ہاتھ کے اشارے سے دریافت کیا کہ وہ فون کس کا تھا اور میں نے ایک کاغذ پر ویرا کا نام لکھ دیا۔ نام پڑھتے ہی ظفر کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہوتی چلی گئیں۔
خاصے وقفے کے بعد میں نے کرسی میں اپنی پوزیشن درست کی اور اسپیکر فون کے سامنے اپنی اصلی آواز میں ہیلو کہا۔ دوسری طرف ویرا نے فوراً ہی میری آواز پہچان لی۔
"اب میں تمہاری زندگی جہنم بنا دوں گی۔" وہ بلا کسی تمہید' غصیلی آواز میں غرائی۔ "تم نے دیکھ لیا کہ میں یہاں بھی تمہارا کھوج نکالنے میں کامیاب ہو گئی۔"
"ناکامیوں نے شاید تمہارا دماغ الٹ دیا ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میری اور اول خان کی دوستی سے واقف ہونے کے بعد کوئی خارش زدہ کتیا بھی دم ہلاتی ہوئی یہاں تک پہنچ سکتی تھی۔ تم نے فون کر کے کون سا تیر مارا ہے؟ میں نے پہلے ہی تمہیں بتا دیا تھا کہ اول خان کا یونٹ اس گھر میں براجمان ہے۔"
"میں اب بھی تمہیں وارننگ دے رہی ہوں کہ میرا پیچھا چھوڑ دو ورنہ میں تمہارا حشر خراب کروں گی۔" وہ مجھ پر بہت زیادہ برہم محسوس ہو رہی تھی۔
"تمہارے ستارے اچھے تھے جو تم موتن لال کی خواب گاہ سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئیں ورنہ میں وارننگ دیئے بغیر تمہارا مستقبل تاریک کر سکتا تھا۔ تم میرے لئے آستین کا سانپ بنی ہوئی ہو۔ اگر تم نے غزالہ کو اغوا کرنے کی حماقت نہ کی ہوتی تو ہم خوش اسلوبی کے ساتھ ایک دوسرے سے الگ ہو سکتے تھے۔"
"تم نے دیدہ و دانستہ مجھے ہیری کیسنجر سے تصادم کی راہ پر ڈالا تھا تاکہ میں کبھی اس کی مدد حاصل نہ کر سکوں۔ تمہاری پے در پے بد نیتیوں کی وجہ سے تم سے کسی بھلائی کی امید نہیں کی جا سکتی تھی اور تم ابھی تک اپنی اوچھی حرکتوں سے باز نہیں آئے ہو۔ تم نے ایک مرتبہ پھر ہیری کیسنجر کے کان بھرے ہیں اور اسے ہندوستانی کاؤنسلیٹ میں میری موجودگی سے آگاہ کر کے ان دونوں سفارتی مشنوں کو آپس میں لڑوانے کی کوشش کی ہے۔"
"غزالہ بخیر و خوبی مجھے واپس مل جائے تو یہ محاذ آرائی اب بھی ختم ہو سکتی ہے ورنہ میں پاتال میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ تم دیکھ ہی چکی ہو کہ ابھی تک تمہارا کوئی بہی خواہ میری گرفت سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ تم ہوش کے ناخن لیتیں تو میر اکبر خان کی موت کے بعد ہی تمہیں ہتھیار ڈال دینے چاہئے تھے۔"
"لیکن اب تم میرے سائے کو بھی نہیں پہنچ سکو گے۔" اس کی جھلائی ہوئی آواز ابھری۔
"تم نام بدل کر مجھ سے بچ سکی ہو نہ ملک بدل کر محفوظ رہ سکو گی۔" میں نے ایران کا ذکر کئے بغیر دانستہ چٹکی لیتے ہوئے کہا "میں تمہاری بو پر لگا ہوا ہوں....."
"اتنے ہی باخبر بن رہے ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ غزالہ اب کہاں ہے؟"
"وہ کہیں بھی ہو' اسے مجھ تک پہنچانا تمہاری ذمے داری ہے۔ اس کا بال بھی بیکا ہوا تو میں تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔"
"ملک بدلنے والی کس بات کا ذکر کر رہے تھے؟" قدرے توقف کے بعد اس نے پوچھا۔
"یہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کیونکہ وہ پروگرام تمہارا ہی ہے۔" میں نے سرد مہری سے کہا۔
"اس کا مطلب ہے کہ میر اکبر خان اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکا۔"
"اس کا جواب وہی دے سکے گا اور وہ غالباً جہنم میں آگ تاپ رہا ہو گا۔"
"تمہاری حرکتوں کی وجہ سے غزالہ اب میری گرفت سے نکل چکی ہے۔" ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز ابھری۔ "اسے تم تک پہنچانا بعد کی بات ہے' اس وقت تو میں خود بھی اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی لیکن میں اتنا ضرور کہنا چاہوں گی کہ میں نے غزالہ کے اعضا کاٹنے کی جو دھمکی دی تھی وہ میرے وقتی اشتعال کا نتیجہ تھی ورنہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"
"اور تم چاہتی ہو کہ میں تمہارے اس مضحکہ خیز دعوے پر یقین کر لوں؟"
"تمہیں یقین کرنا چاہئے کیونکہ اتنے دن گزر جانے کے باوجود میں نے غزالہ کا کچھ نہیں بگاڑا۔"
"وہ تمہاری مجبوری تھی۔ اسے لے جانے کے بعد تم ایک دن کے لئے بھی سکھ چین کے ساتھ کہیں نہیں رک سکیں کیونکہ میں تمہارا پیچھا کر رہا ہوں۔ تم کو اتنی مہلت ہی نہیں مل سکی کہ تم اس کے وجود پر نشتر زنی کے قابلِ نفرت ارادے کو' عملی جامہ پہنانے

کے بارے میں سوچ سکتیں اور اب تم بالکل ہی بے بس ہوگئی ہو کیونکہ بقول تمہارے' اب غزالہ تمہارے ہاتھوں سے نکل چکی ہے اس لئے تم مجھے اپنی نیک نیتی کا جھوٹا یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اب میں تمہارے کسی فریب میں آنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

"اپنی نیک نیتی کا یقین دلانے کے لئے میں یہ بھی بتانے کو تیار ہوں کہ اس وقت غزالہ کہاں ہے۔"

"تم ایک لمحے کے لئے بھی میری نظروں سے اوجھل نہیں رہی ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرا اکبر خان کی سیاہ فورڈ کس نے' کب اور کہاں تباہ کی تھی۔ تم جس چوہے دان سے تنہا فرار ہوئی ہو' غزالہ اب بھی وہیں ہوگی لیکن میری ان اطلاعات کی بنا پر تم اپنی ذمے داریوں سے بری نہیں ہو سکتیں۔"

"تم اتنے ہی باخبر ہو تو اب تک مجھے ڈھیل کیوں دے رہے ہو؟" وہ شاید جل کر بولی تھی۔

"تمہیں بھگا بھگا کر تھکانا چاہتا ہوں۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم غزالہ کو اس کی مرضی کے خلاف کسی دوسرے ملک میں نہیں لے جاسکو گی۔ اپنا نیا مشن پورا کرنے کے لئے تم خود غزالہ کو یہاں چھوڑنا چاہ رہی تھیں لیکن نئے حالات کے تحت تمہارا کام خود بخود آسان ہوگیا۔ یہ اور بات ہے کہ اب تم چاہو بھی تو غزالہ کو دوبارہ بلکہ سہ بارہ اپنی تحویل میں نہیں لے سکو گی۔"

"میرے نئے مشن کے بارے میں تم کیا جانو؟" اس نے تیزی کے ساتھ پوچھا۔

"چھ سوٹن وزنی ایٹمی سازو سامان کے بارے میں خبروں کو چھپانا آسان نہیں ہوتا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ تمہارے لئے' تئی میں اپنی ساکھ بحال کرنے کا آخری موقع ہوگا۔ تم نے یہ موقع گنوادیا تو تمہیں دودھ میں پڑی ہوئی مکھی کی طرح نکال پھینکا جائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم میری راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرو گے۔"

"فلیٹ سے غزالہ کے ساتھ فرار ہو کر تم نے مجھے جو چیلنج دیا ہے اس کے بعد ایسا نہ کرنا بزدلی اور کم ہمتی کے مترادف ہوگا۔ مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔"

"تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔" اس کی سخت آواز ابھری۔ "بدقسمتی یا خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ آج کل امریکا والے دنیا بھر کی بھکاری قوموں کے اَن داتا بن بیٹھے ہیں اور کشکول اٹھائے پھرنے والی کوئی قوم ان کے حکم کی خلاف ورزی کر کے نہیں پنپ سکتی۔ ہیری کیسنجر کی ناراضی کے خوف سے انڈین کاؤنسلیٹ والے میری حمایت سے فوری طور پر دست بردار ہوگئے۔ اسی طرح تمہارا ملک بھی امریکنوں کی مرضی کے خلاف اپنی ایٹمی صلاحیتوں میں کوئی قابلِ قدر اضافہ کرنے میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ میرا مشن کامیاب ہو یا ناکام لیکن چھ سوٹن وزنی آلات کی کھیپ کو دنیا کی کوئی طاقت تباہی سے نہیں بچا سکے گی۔"

"مجھے عالمی مفادات یا سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تو صرف تمہاری ٹانگ گھسیٹوں گا۔ اس کے بعد جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔"

"حالانکہ تم میرے سامنے حب الوطنی کے بڑے دعوے کرتے رہے ہو۔" اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"دعووں کے باوجود یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ میں ایک عام آدمی سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہوں۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ قانون میرے ساتھ ہی تمہارا بھی دشمن ہے لیکن ہم دونوں کے لئے آج تک قانون کے محافظوں سے کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوا۔ وقت' حالات اور تجربات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ہم دونوں کو سب سے زیادہ نقصان ایک دوسرے سے پہنچا ہے۔ ہم جب بھی آپس کی محاذ آرائی میں الجھتے ہیں تو ہمیں بھاری نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے میری رائے ہے کہ ہمیں دشمنی اور محاذ آرائی کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دینا چاہئے۔ اگر ہم ایک دوسرے کے دوست اور خیر خواہ نہیں رہ سکتے تو ہمیں اجنبیوں کی طرح زندہ رہنے کا سلیقہ سیکھنا ہوگا۔ دشمنی اور بدخواہی ہم دونوں کو ہی ایک دن لے ڈوبے گی۔"

"ہر بار ابتدا تمہاری طرف سے ہوئی ہے۔ اب میں تمہاری زبان پر اعتبار نہیں کرسکتا۔"

"میں تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ میری بات مان لو۔" اس کا لہجہ ناصحانہ ہوگیا۔ "مجھ سے لڑ کر تم خسارے میں رہو گے۔ چیونٹی بھی پیر کے نیچے دبتی ہے تو کاٹ لیتی ہے' میں تو پھر ویرا ہوں۔ تم نے میرا وہ دور بھی دیکھا ہے جب میں بلیک کوئین کے نام سے ایک ہوّا بنی ہوئی تھی اور بڑے بڑے بدمعاش میرے نام سے کانپتے تھے۔"

"میں اس وقت بھی تم سے خائف نہیں تھا۔ ہمارے جھوٹے عشق کی ابتدا شاید ان ہی دنوں میں ہوئی تھی۔" میں نے طنزیہ لہجے میں اسے یاد دلایا۔ "دنیا جہان کو دہشت زدہ کرنے والی بلیک کوئین میری بانہوں میں آتے ہی سردی کھائے ہوئے کسی بے ضرر پلے کی طرح کانپنے اور لرزنے لگتی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم میری مصالحت کی پیشکش ٹھکرا رہے ہو؟"

"مصالحت برابری کی سطح پر کی جاتی ہے۔ تم تو اب کسی بھی لمحے ڈھیر ہونے والی ہو۔"

"یہ تمہاری بھول ہے' ڈیئر!" وہ یکبارگی بھڑک اٹھی۔ "مجھے تمہارا ٹھکانا معلوم ہوگیا ہے۔ اب میں تمہاری زندگی اجیرن کردوں گی۔ تمہارا سایہ بھی تمہیں کاٹنے کو دوڑنے لگے گا۔"

"اس بھول میں نہ رہنا کہ میں نے ایس ٹی ایف ۔ الا ۔ کے

پاس پناہ لی ہوئی ہے۔ میں یہاں آتا ضرور ہوں لیکن رہتا اپنے ٹھکانے پر ہوں۔ تم نے ادھر کا رخ کیا تو یہ تمہارے ساتھ بہت بے وردی کے ساتھ پیش آئیں گے۔ ان کے مارے ہوئے لوگوں کی لاشوں تک کا پتا نہیں چلتا۔"

"میں تو اب تماشا دیکھوں گی۔" ہلکی سی ہذیانی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ "اب تمہارا جگری دوست' جہانگیر ہی تمہارا سر اتار کر میرے سامنے لائے گا۔"

"جہانگیر!" اس کا نام سنتے ہی میرے ذہن کو ایک بدترین جھٹکا لگا۔ وہ شی کے عروج کے زمانے میں اس کے مقامی بڑوں میں شمار کیا جاتا تھا لیکن شی کی سرگرمیاں موہوم اور پھر معدوم ہونے کے بعد سے وہ ہر کام سے الگ تھلگ ہو کر رہ گیا تھا۔ ویرا پہلے بھی ایک بار کہہ چکی تھی کہ جہانگیر کام سے ضرور لاتعلق تھا لیکن عملی طور پر بدستور شی کا حلف یافتہ وفادار تھا اور وقت پڑنے پر وہ تنظیم کے کسی کام سے انکار نہیں کرسکتا تھا۔ اب ویرا نے اتنے وثوق کے ساتھ جہانگیر کا ذکر کر کے مجھے بری طرح چونکا دیا تھا۔

"ہاں جہانگیر!" میری اضطراری تکرار پر اس کی تکبر آمیز آواز ابھری۔ "ایک وقت تھا کہ وہ میرے نام بلکہ سائے تک سے دہشت زدہ رہتا تھا لیکن تمہاری وجہ سے جب میں اس سے بھی بے تکلف ہوگئی تو اب وہ مجھے مانتا ہے نہ شی میں میری اتھارٹی کو تسلیم کرتا ہے لیکن میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اپنی بات کس طرح منوائی جاتی ہے۔ تم دیکھ لینا کہ اب وہی تمہیں ٹھکانے لگائے گا۔"

"تو کیا تم نے صرف اتنی سی بات بتانے کے لئے مجھے فون کیا تھا؟" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"میں تم سے آخری بار بات کرنی چاہ رہی تھی۔ اب مجھے اطمینان رہے گا کہ میں نے تمہیں آخری موقع فراہم کیا تھا جسے تم نے خود ٹھکرا دیا۔"

"تم دوغلی اور قابلِ نفرت ہو ویرا!" میں نے غصے میں کہا "تم جہانگیر کو پہلے ہی میرے خلاف اکسا چکی ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ تم چند منٹ پہلے نیک نیتی' دوستی اور مصالحت کی جو باتیں کر رہی تھیں وہ سب فریب پر مبنی تھیں۔ اگر تمہارے دل میں ذرا سا بھی خلوص ہوتا تو تم جہانگیر کو میرے خلاف بھڑکانے سے پہلے مجھ سے بات کرتیں۔ میرے انکار کے بعد تمہیں اپنا ہر حربہ آزمانے کی کھلی چھوٹ ہوتی....."

"میرے پاس تمہارا کوئی سراغ نہیں تھا۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "میں نے میر اکبر خان کی موت کے بعد ہی تم سے سمجھوتے کی ضرورت محسوس کرلی تھی لیکن تم روپوش تھے۔ آج میں نے آخری کوشش کے طور پر اپنے پرانے گھر کے نمبر پر فون کیا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ ادل خان اب بھی یہیں جما بیٹھا ہوگا۔"

"تمہاری یہ وضاحتیں بے سود ہیں۔ ہوسکے تو مجھے اپنا پتا ٹھکانا بتادو۔ اگر میرے خیالات میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی تو میں تم سے رابطہ کرلوں گا۔" میں نے سلطان شاہ کو آنکھ مار کر فون میں کہا۔

اس کی تیز ہنسی کی آواز سنائی دی پھر وہ بولی "جس طرح میں نے تمہیں تلاش کیا ہے اسی طرح تم بھی مجھے ڈھونڈ لینا۔ اور ہاں' ذرا اس آدمی سے تو بات کرادو جس نے میری کال وصول کی تھی۔"

"میں اس وقت اکیلا ہوں۔" میں نے زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "وہ باہر کہیں بھٹک رہا ہوگا۔ کیا اب اس پر بھی ڈورے ڈالنے کا ارادہ کر رہی ہو؟"

"تمہاری ذہنیت بہت پست اور گھٹیا ہے۔" اس کی چڑچڑی آواز سنائی دی۔ "تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ہر گرے پڑے مرد کے پیچھے نہیں بھاگتی۔ مردوں کا شکار کھیلنے کے میرے اپنے اصول ہیں۔ جنہیں میں ہر حال میں ملحوظ رکھتی ہوں۔ اور اب تو تم بھی میرے معیار سے بہت نیچے گر چکے ہو۔"

اُس کے ان بلند بانگ دعووں پر میرا دل چاہا کہ اسے بتادوں کہ پہلے بھی میں نے ہی آواز بدل کر اس سے بات کی تھی لیکن میں نے فوراً ہی وہ ارادہ ترک کردیا۔ اول تو ویرا شرمندہ ہونے والی مخلوق نہیں تھی دوم یہ کہ ابتدائی گفتگو کے حوالے سے یہ امکان موجود تھا کہ شاید ایک بجے سروسز کلب کے قریب سے اسے پکڑا جاسکے اس لئے میں نے بات کو مذاق میں ٹال دینا مناسب سمجھا اور ویرا نے جھلا کر فون بند کردیا۔

"یہ تو بہت خطرناک او[illegible]صفت عورت معلوم ہوتی ہے۔ فون بند ہوتے ہی ظفر ایک گہرا سانس لے کر بولا "تم کو اس سے بات آگے بڑھانی چاہئے تھی تاکہ یہ معلوم ہوسکتا کہ بلیو کراس ڈیل کے سلسلے میں ان لوگوں کے کیا عزائم ہیں؟"

"میں جس بات میں دلچسپی لیتا وہ اسی کو الجھانا شروع کردیتی۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ تمہاری نوک جھونک سے چڑ کر بہت کچھ اگلتی جارہی تھی۔"

"تمہارے لئے وہ باتیں اہم رہی ہوں گی مگر وہ ہمارے مشترکہ راز تھے۔ اس نے کوئی بھی ایسی بات نہیں کی جو پہلے سے میرے علم میں نہ رہی ہو۔" میں نے اسے بتایا۔

"کیا یہ درست ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کے عشق میں مبتلا رہ چکے ہو؟" ظفر نے جھجکتے ہوئے پُراشتیاق لہجے میں سوال کیا اور میں بے اختیار ہنس پڑا۔

"اُس کے بارے میں' مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے کہا۔ "البتہ جہاں تک میرا تعلق ہے' وہ عشق نہیں بلکہ سرکش جذبوں کی آوارگی تھی۔ کیونکہ ویرا بہت زیادہ حسین ہونے کے ساتھ ہی جواں سال بھی ہے۔ ایک ایسی لڑکی سپردگی پر آمادہ ہو تو بڑے بڑے زاہدوں کی بھی رال ٹپک سکتی ہے۔ بظاہر وہ خود کو لئے دیئے رکھتی ہے اور اس کی مرضی کے بغیر کوئی اس کی طرف پیش قدمی کی

جرات نہیں کر سکتا لیکن اندر سے وہ بہت دل پھینک اور رنگین مزاج ہے۔ اس کا کردار کسی سیکرٹ ایجنٹ کی طرح ہے اور وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اپنی ذہانت سے لے کر جسمانی حسن و جمال تک، ہر چیز کو داؤ پر لگا دیتی ہے۔"

"تو تم ایک بجے اس سے ملنے جاؤ گے؟" ظفر نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"مجھے اُس سے ایسی کسی حماقت کی امید کم ہی ہے لیکن میں وہاں ضرور جاؤں گا۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ ہم لوگوں کا ایسے رنگین جرائم سے واسطہ نہیں پڑتا۔"

"ساتھ نہیں چلو گے بلکہ اصل رول تم ہی کو ادا کرنا ہوگا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "اگر ویرا ایک بجے سروسز کلب کی طرف آنے کی غلطی کر بیٹھی تو تم ہی اسے گھیر گھار کر پکڑو گے۔ میں سامنے گیا تو وہ بدک کر مقابلے پر اتر آئے گی اور ہو سکتا ہے کہ فرار ہونے میں کامیاب ہو جائے۔"

"میرا خیال ہے کہ اسے یہیں لانا ہوگا؟" ظفر نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"فی الحال ہمارے پاس کوئی اور ٹھکانا نہیں ہے اس لئے مجبوری ہے۔"

"لیکن میں نے اند[illegible] ہے کہ ایک دوسرے کے خلاف اپنے دلوں میں بغض و عناد [illegible] باوجود تم دونوں ایک دوسرے کو دیدہ و دانستہ قتل نہیں کر سکو گے۔ کھلے مقابلے میں کوئی مارا جائے تو اور بات ہوگی ایسی صورت میں ویرا کو پکڑ کر یہاں لانے کا کیا فائدہ ہوگا؟"

"سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ وہ ایران کا رخ نہیں کر سکے گی اور بلیو کراس ڈیل کسی دخل اندازی کے بغیر مکمل ہو جائے گی۔ دوم یہ کہ وہ یہاں میری نہیں بلکہ تم لوگوں کی قیدی ہوگی اور اس کے مستقبل کا انحصار تمہارے فیصلے پر ہوگا۔ اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہوگا۔"

"لیکن جہانگیر والی بات ناقابلِ فہم ہے۔" سلطان شاہ بولا۔ "ویرا نے اسے کس طرح شیشے میں اتارا ہوگا؟"

"یہ ابھی دیکھے لیتے ہیں۔" میں نے اسپیکر فون اٹھا کر اپنی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف سے جہانگیر نے پہلی گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھا لیا۔

"تم کہاں ہو؟ میں دو دن سے سخت اذیت کے عالم میں ہوں۔" میری آواز سنتے ہی جہانگیر پھٹ پڑا۔ اس کی وحشت زدہ آواز سے پریشانی جھلک رہی تھی۔

"میں کراچی میں ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تم میرے سر کے طلبگار ہو گئے ہو؟"

"خدا کے لئے تم تو ایسی باتیں نہ کرو!" اس کی آواز روہانسی ہوگئی۔ "ویرا بہت حرام زادی ثابت ہوئی ہے۔ وہ میرا اکلوتا بچہ لے گئی ہے۔ اس کی جدائی کے غم میں سلمٰی کا ذہنی توازن خراب ہوگیا ہے۔ وہ اسپتال میں ہے اور میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں۔ ویرا نے فون پر مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قتل کر کے ہی اس سے اپنا بچہ واپس لے سکتا ہوں ورنہ وہ اسے مار دے گی۔"

جہانگیر کی کہانی سن کر میں سکتے میں رہ گیا۔ ویرا نے اس کے معصوم اور شیر خوار بچے کو اغوا کر کے اپنی کمینگیوں کے سارے اگلے پچھلے ریکارڈ توڑ دیے تھے۔

"لیکن یہ سب ہوا کیسے؟" میں نے سرسراتی ہوئی، الم زدہ آواز میں پوچھا۔

میرے جواب میں اس نے روتے اور سسکتے ہوئے جو کچھ بتایا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ویرا پچھلے روز اس کے گھر پہنچی اور ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد جہانگیر کے شیر خوار بچے کے لئے کچھ تحفے وغیرہ خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ قدرے پس و پیش کے بعد سلمٰی اس کے ساتھ جانے پر تیار ہوگئی اور وہ دونوں عورتیں بچے سمیت بازار کے لئے روانہ ہوگئیں۔ شہر کے ایک مشہور اسٹور میں ویرا نے بچے کے لئے بہت سی چیزیں خریدیں۔ بچہ اسی کی گود میں تھا۔ اسی اثنا میں سلمٰی زنانہ کپڑوں کے شعبے میں اپنی خریداری میں منہمک ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ فارغ ہوئی تو ویرا بچے سمیت غائب تھی۔ وہ سمجھی کہ ویرا باہر چلی گئی ہوگی۔ اس نے دیوانہ وار ہر طرف تلاش کیا پھر مایوس ہو کر جہانگیر کو فون کیا تو اسے وہ بری خبر پہلے ہی مل چکی تھی۔ ویرا نے اس اسٹور سے غائب ہوتے ہی کسی پبلک بوتھ سے جہانگیر کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ بچہ اس کی تحویل میں تھا۔ ان لوگوں کو پولیس تھانے سے رجوع کرنے کے بجائے اس کی اگلی فون کال کا انتظار کرنا چاہئے۔ جہانگیر کو فوراً ہی گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا لیکن اس نے سلمٰی کو تسلی دی کہ ویرا بچے کو لے کر کہیں چلی گئی ہے اس لئے وہ خاموشی سے گھر لوٹ آئے۔

وہ دونوں ہی بہت مضطرب اور بے چین رہے۔ سلمٰی کی چھٹی حس نے اسے بھی خطرے کا احساس دلا دیا لیکن اصل معاملے سے وہ دونوں لاعلم تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ویرا نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے ان کے اکلوتے بیٹے کو دھوکے سے اغوا کر لیا ہوگا۔

ان پر اصل صورتِ حال اس وقت واضح ہوئی جب ڈیڑھ گھنٹے بعد ویرا کا دوسرا فون آیا۔

اس بار ویرا کا لب و لہجہ یکسر بدلا ہوا تھا۔ اس نے ان کے جذبات کی پروا کئے بغیر دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ ان کا بچہ اس کے پاس بطور یرغمال محفوظ تھا۔ اس کی واپسی کی ایک ہی صورت تھی کہ جہانگیر مجھے تلاش کر کے خود ہلاک کرے یا کرائے کے کسی قاتل سے مجھے ختم کرا دے۔

ویرا کی شرط سن کر جہانگیر کے صبر و ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ اس نے ویرا کو بتایا کہ اس کے لئے وہ شرط قابلِ قبول نہیں تھی کیونکہ وہ ماضی سے اپنے سارے رشتے توڑ چکا تھا۔ اس نے ویرا کو بھاری رقم اور پھر اپنے تمام اثاثوں کی پیشکش کی۔ وہ دنیا کی ہر نعمت سے دست بردار ہو کر صرف اور صرف اپنے بچے کو زندہ وسلامت حاصل کرنا چاہتا تھا مگر ویرا اپنی اسی شرط پر اڑی رہی اور آخر کار جہانگیر کو ہتھیار ڈالنے پڑ گئے۔

ویرا نے اسے دھمکی دی تھی کہ بچے کی بازیابی کے لئے پولیس سے رجوع کیا گیا یا اس کا پیچھا کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ بلا تاخیر بچے کو ہلاک کر کے اس کی لاش کسی کوڑے دان میں پھکوا دے گی۔

جہانگیر کی زبانی اصل صورتِ حال سے واقف ہوتے ہی سلمٰی پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ ہسٹریائی انداز میں چیختے چیختے بے ہوش ہو گئی۔ وہ ہوش میں آئی تو اس کی آنکھوں میں روح کو لرزا دینے والی ویرانی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ وہ اپنے گم شدہ بچے کو یاد کر کے کبھی رونے لگتی تھی اور کبھی اچھل اچھل کر قہقہے لگاتی تھی کہ اس کا بیٹا جنت کی کھڑکی سے ہمک ہمک کر اسے بلا رہا ہے۔

جہانگیر نے اسے ایک نفسیاتی اسپتال میں داخل کرا دیا تھا اور خود پریشان تھا کہ کیا کرے۔

"تم ٹھنڈے دل کے ساتھ سوچ کر مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟" اس کی پوری کہانی سن کر اسے دلاسا دینے کے بعد میں نے سوال کیا "میں پوری طرح تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"اپنے بچے کی واپسی کے علاوہ میں کچھ نہیں چاہتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ خدا نے ہمیں کتنی منتوں اور آرزوؤں کے بعد اس نعمت سے نوازا تھا۔ پتا نہیں ویرا اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہو گی۔ اولاد کا دکھ درد اولاد والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ وہ تو نری فاحشہ اور بدکار عورت ہے۔"

"ویرا کی شرط تم قبول کر چکے ہو۔ چاہو تو میں خود تمہارے گھر آ سکتا ہوں۔"

"خدا کے لئے بس کرو" وہ بے اختیار چیخ پڑا اور رُندھی ہوئی آواز میں بولا "میں نے کوئی شرط قبول نہیں کی۔ اس حرام زادی نے وہ شرط میرے اوپر تھوپی ہے۔ اپنی اولاد کے لئے میں تم جیسے دوست کا تو کیا، کسی کا بھی خون اپنے سر نہیں لے سکتا۔ بچے کی زندگی ہے تو وہ ہر حال میں مجھے مل جائے گا۔ اگر اس کی موت ویرا کے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے تو تم بھی دعا کرنا کہ پروردگار مجھے اس کا بدل عطا کر دے۔ یہ مجھے باپ بننے کے بعد معلوم ہوا کہ اولاد کے بغیر زندگی کتنی پھیکی، سونی اور بھیانک ہوتی ہے۔"

"آج کل میں رُوپوش ہوں" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "ویرا کا فون آ جائے تو اس سے یہی کہنا کہ تم میری تلاش میں لگے ہوئے ہو۔ ویسے میں خود اس کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ وہ بچے کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ اس سے پہلے ہی ہم اسے اپنی تحویل میں لینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"میں بہت اداس اور تنہا ہوں، ڈیڈی!" اس کی کرب آلود آواز ابھری "کیا یہ ممکن نہیں کہ تم کچھ دیر کے لئے میرے پاس آ جاؤ، تمہاری ذات سے مجھے بہت ڈھارس ملتی ہے۔"

"میرا وہاں آنا بچے کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا "ویرا کو میری وہاں آمد اور خیریت کے ساتھ واپسی کی بھنک بھی مل گئی تو وہ کوئی غلط حرکت کر گزرے گی۔"

"اس نے مجھے بالکل ہی بے بس اور تنہا کر دیا ہے" وہ بلک کر رو پڑا۔

اس سے مزید چند منٹ کی گفتگو کے بعد میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"یہ عورت تو آفت کی پرکالہ معلوم ہوتی ہے" ظفر تشویش آمیز لہجے میں بولا "اپنے کسی شناسا کے ساتھ ایسی گھٹیا حرکت کرنے کے لئے پتھر کا دل ہونا ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہاری دشمنی نے اس کا دماغ ہی الٹ کر رکھ دیا ہے جب ہی وہ ان حربوں پر اتر آئی ہے۔"

"وہ جنونی طبیعت کی مالک ہے" میں نے مضمحل لہجے میں کہا۔ "جس چیز یا کام کے پیچھے پڑ جاتی ہے، دن رات اسی کی دھن میں لگی رہتی ہے۔ آج کل اس کے سر پر [illegible] ار ہے۔"

"جہانگیر کے بیٹے کا معاملہ سنگین ہے۔ اب غزالہ کے ساتھ ادھر کی بھی فکر کرنی ہو گی" سلطان شاہ پُر تشویش لہجے میں بولا۔ "اسے کچھ ہوا تو میں ویرا کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔"

"فی الحال میں اس معاملے پر سوچنا چاہتا ہوں۔ مجھے تنہا چھوڑ دو!" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا "شاید میں اس کا کوئی حل تلاش کر سکوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں سلمٰی اس صدمے سے مر ہی نہ جائے۔"

سلطان شاہ خاموش ہو گیا۔ ظفر نے مجھے ایک علیحدہ کمرے میں، جہاں سونے کا بندوبست تھا، آرام کرنے کی پیشکش کی جو میں نے فوراً ہی قبول کر لی کیوں کہ اس وقت صبح کے دس بج چکے تھے۔ بارہ بجے میرا ارادہ سرورز کلب کی طرف جانے کا تھا تاکہ ویرا کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی میں اپنا مورچا جما سکوں۔ اس کے بعد چھ بجے رجنی کا غزالہ سے تبادلہ کرنے کا مرحلہ آ جاتا۔ ان مصروفیات کے درمیان میں کہیں بھی اتنا وقفہ نہیں تھا کہ میں وہاں سے جا کر واپس آنے کی گنجائش نکال سکتا۔

"موتن لال اور امرکمار کی لاشوں کا کیا کیا جائے؟" مجھے اٹھتے دیکھ کر ظفر نے سوال کیا۔

"میں کسی سبب کے بغیر مُردوں کی مٹی پلید کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ پھر یہ تو سیدھا سادہ قتل اور خودکشی کا کیس ہے۔ موتن لال کی انگوٹھی کے نگینے کا راز فاش ہوتے ہی پولیس کا کام آسان

ہو جائے گا اس لئے لاشیں کسی ایسی جگہ پر ڈلوادو جہاں پولیس آسانی سے پہنچ سکے۔"

"لیکن امر کمار کی ادھڑی ہوئی جلد پر بید کے بے شمار نشانات واضح ہوں گے" سلطان شاہ نے ہمیں یاد دلایا "پولیس کے لئے ان کا بھی کوئی جواز ہونا چاہئے تاکہ یہ معاملہ یہیں ختم ہوجائے۔"

"میں اپنی خون آلود بید بھی وہاں ڈلوادوں گا" ظفر مسکراتے ہوئے بولا "ویسے تم فکر نہ کرو۔ یہ قصہ آگے بڑھایا بھی گیا تو کوئی ہماری طرف رخ نہیں کر سکے گا۔"

میرے لئے وہ گھر اجنبی تھا۔ ویرا کے قیام کے دوران میں' میں وہاں بکثرت آیا کرتا تھا۔ پھر بلیک کیٹ ٹی یا ملاّ سرکار نے اسی گھر کے ڈرائنگ روم میں لاسلکی مواصلاتی نظام سے منسلک اسپیکر اور مائیکرو فون چھپا کر ویرا کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے بلیک میل کرنا شروع کیا تھا۔ اس وجہ سے مجھے ظفر کے بتائے ہوئے کمرے تک پہنچنے کے لئے کسی کی رہنمائی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

وہ کمرا ویرا اپنی خواب گاہ کے طور پر استعمال کرتی تھی۔ فرش پر دبیز اور بیش قیمت قالین موجود تھا۔ کھڑکیوں پر اتنے دبیز ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے کہ دن دہاڑے بھی اس کمرے میں رات کا سماں بندھا ہوا تھا۔ کنگ سائز بیڈ پر بہ آسانی تین بلکہ چار افراد بھی بیک وقت آرام سے رہ سکتے تھے۔ اس خواب ناک ماحول میں ائرکنڈیشنر کے پنکھے کی مدھم سی گھوں گھوں کے علاوہ کوئی آواز نہیں تھی۔ خنک اور آرام دہ ماحول میسر آتے ہی میں جوتے اتارے بغیر بستر پر گر گیا اور تقریباً فوراً ہی غنودگی کی لہر نے مجھے آلیا۔

****

ٹھیک سوا بارہ بجے ہم تینوں ویرا سے ملاقات پر جانے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔

میں گدھے گھوڑے بیچ کر ایسی گہری نیند سویا تھا کہ اگر سلطان شاہ بارہ بجے مجھے جھنجوڑ جھنجوڑ کر بیدار نہ کرتا تو میں شاید رات ہی کی خبر لاتا۔ اتنی گہری نیند کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ مجھے اپنے سونے کا اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا۔ نیند کے عالم میں بھی میں ویرا اور غزالہ کے پیچھے بھاگتا رہا۔ کبھی جہانگیر کے شیر خوار بچے کی بازیابی کی فکر میں الجھا رہا۔ جب میں بیدار ہوا تو میرے ذہن میں وہ سارے خواب تازہ تھے جن میں بہت سے کارآمد اشارے بھی موجود تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ عالمِ خواب میں بھی میرا لاشعور پوری تندہی کے ساتھ کام کرتا رہا تھا۔

لیکن اس وقت ان نکات پر تبادلۂ خیال کا موقع نہیں تھا اس لئے میں تیار ہو کر فوراً ہی ان لوگوں کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ اس مہم کے لئے ظفر نے جیپ کے بجائے ایک کار نکلوائی تھی۔ میرے ایما پر اس نے اپنے ڈرائیور کو وہیں چھوڑ دیا اور سلطان شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"تمہارا یہ خیال کیوں تھا کہ ویرا سروسز کلب آنے کی حماقت نہیں کرے گی؟" راستے میں ظفر نے مجھ سے پوچھا۔

"بس میرا خیال ہی تھا کیوں کہ میں اسے جانتا ہوں۔ وہ اتنی آسانی کے ساتھ گرفت میں آنے والوں میں سے نہیں ہے۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ آج وہ میرے اندازے کو غلط ثابت کر بیٹھے۔"

"لیکن اسے تو آخر تک اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ اس نے دونوں بار تم ہی سے بات کی تھی۔ تم نے بہت کامیابی کے ساتھ اپنی آواز کے ساتھ لب و لہجہ تک بدل لیا تھا۔ وہ تو یہی سمجھ کر آئے گی کہ ایس ٹی ایف کا کوئی مہم جو جوان اس کے حسن کے چنگل میں پھنسنے والا ہے۔"

"میرے پاس اپنے اندازے کی تائید میں کچھ بھی نہیں ہے۔ خود میری دعا ہے کہ خدا کرے میرا اندازہ غلط ثابت ہو۔ ایسا ہوا تو جہانگیر کے بیٹے کے ساتھ ہی بلیو کراس ڈیل کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔"

"سروسز کلب کا عقبی گیٹ کون سا ہوگا؟" اچانک سلطان شاہ پوچھ بیٹھا۔

"کلب انیکسی کی پارکنگ لاٹ والا گیٹ جو میٹروپول کے پیچھے اور ایم بینز کے برابر میں ہے" میں نے کہا۔

"اگر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ویرا کہیں نظر آجائے تو ہم کیا کریں گے؟" سلطان شاہ نے پھر پوچھا۔

"تم دُم دبا کر بھاگ لینا' ہم اسے پکڑنے کی کوشش کریں گے۔" میں نے ہنستا کر کہا۔

"تو پھر اسے پکڑنے کی تیاری کرو۔ وہ ہمارے پیچھے تیسری گاڑی ڈرائیو کر رہی ہے" سلطان شاہ کے وہ الفاظ میرے اعصاب کے لئے دھماکا خیز ثابت ہوئے لیکن میں نے فوری طور پر پیچھے مڑنے کی حماقت نہیں کی۔ ظفر بھی یک بیک پُرجوش نظر آنے لگا تھا۔

"کیا وہ ہمارا پیچھا کر رہی ہے؟" میں نے ہیجان آمیز آواز میں پوچھا۔

"فی الحال تو شاید اس نے ہمیں دیکھا بھی نہیں ہے۔ میں عقب نما آئینوں میں خود کو اس سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن راستہ ملنے پر وہ کسی بھی وقت اچانک ہمارے برابر میں آسکتی ہے۔"

وہ بہت سنسنی خیز لمحات تھے۔ لمحہ بھر کے لئے میرے دل میں خیال آیا کہ ہم وہیں اچانک بریک لگا کر ٹریفک جام کرا دیں اور اپنی گاڑی سے نیچے اتر کر ویرا کو اس کی کار سے باہر گھسیٹ لیں۔ ان لوگوں کے پاس ہتھیار بھی موجود تھے لیکن ایک بھری پری سڑک پر ہماری کامیابی کے امکانات کم تھے۔ ویرا ہمارے تیوروں کی جھلک دیکھتے ہی خطرہ بھانپ لیتی اور اپنی کار سے اتر کر سڑک پر دوڑ لگانی شروع کر دیتی تو وہاں اچھا خاصا تماشا بن سکتا تھا اور بعد ہونے والا

ہجوم لازمی طور پر اسی کا حمایتی ہو جاتا۔ دوسرا خطرہ یہ تھا کہ آگے ہماری گاڑی کے نکلنے کا راستہ دانستہ مسدود کر دیا جاتا کیوں کہ عام لوگوں کے لئے وہ اغوا کی واردات ہی ہوتی جس میں تین قوی ہیکل غنڈے، اردو بولنے والی ایک سفید فام حسینہ کو اٹھا لے جانے کی کوشش کر رہے ہوتے۔

یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ وہ بھی اسی سمت میں جا رہی تھی جدھر ہم سفر کر رہے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ بھی مقررہ وقت پر سروسز کلب کے پھاٹک پر پہنچنے کا ارادہ رکھتی ہے اس لئے بہتر یہی ہو گا کہ بھری پُری سڑک پر اس سے الجھنے کے بجائے اسے اسی کے جال میں پھانسا جائے۔ ظفر اسے مقررہ مقام سے بہلا پھسلا کر بہ آسانی کہیں بھی لے جا سکتا تھا۔ اور اگر ہم سڑک پر اس سے الجھ بیٹھتے اور وہ ہمیں جل دے کر نکل جانے میں کامیاب ہو جاتی تو پھر وہ کسی بھی قیمت پر سروسز کلب والی فٹ پاتھ کا رخ نہ کرتی اور ہم ہاتھ ملتے رہ جاتے۔

"اپنی گاڑی موقع ملتے ہی بائیں طرف گھما لو" میں نے چند ہی ثانیوں میں پوری صورتِ حال کا تجزیہ کرنے کے بعد فوری طور پر سلطان شاہ کو ہدایت کی "اس وقت ہمیں ہر قیمت پر اس کی نظروں سے بچنا ہے۔ اس نے ہمیں دیکھ لیا تو وہ ہوشیار ہو جائے گی۔"

"شاید تم اس کالی کار کی بات کر رہے ہو جسے ایک سفید فام لڑکی چلا رہی ہے؟" ظفر نے سلطان شاہ سے سوال کیا۔ شاید اس اثنا میں وہ پیچھے کا جائزہ لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"ہاں، پتا نہیں وہ کب سے ہمارے پیچھے چلی آ رہی ہے؟ میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی اسے دیکھا ہے" اپنی بات مکمل کرتے ہوئے سلطان شاہ نے کار بائیں سمت کی بغلی سڑک پر گھما دی۔ ظفر مڑ کر پیچھے دیکھ رہا تھا۔ لمحہ بھر بعد ہی اس نے اعلان کیا کہ ویرا کی کار شاہراہ پر سیدھی نکلتی چلی گئی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ وہ بھی ہماری طرح سروسز کلب کی طرف جا رہی ہے" ظفر نے جوشیلی آواز میں کہا "آج اگر ہمارے مقدر نے یاوری کی تو وہ ضرور پکڑی جائے گی۔"

"اب میرے لئے کیا حکم ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا "اسی سڑک پر چلتا رہوں یا یوٹرن لے کر واپس شاہراہ کا رخ کرنا ہے؟"

"واپس پرانے راستے پر چلو۔ مجھے خوشی ہے کہ تم آنکھیں کھول کر ڈرائیونگ کر رہے ہو۔"

"تو کیا آنکھیں بند کر کے بھی ڈرائیونگ کی جا سکتی ہے؟" سلطان نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

"خدا کا شکر ادا کرو کہ تم اس وقت چھینکنے کے قابل ہو۔ اگر وہ ہمیں اوورٹیک کرتی تو سب سے پہلے تم ہی اس کی نظروں میں آتے اور وہ خاموشی سے تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کر دیتی" میں نے کہا۔

"واقعی بہت حسین عورت ہے وہ" ظفر نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "اور کمال کی بات یہ ہے کہ مغرب نژاد ہونے کے باوجود ہم لوگوں سے بہتر اردو بولتی ہے۔ اگر ہم راستے ہی میں اس سے الجھنے کی کوشش کرتے تو اس کے ایک اشارے پر اس کے سیکڑوں حمایتی پیدا ہو جاتے اور ہماری گلو خلاصی مشکل ہو جاتی۔"

"میں نے یہی سوچ کر اپنا راستہ بدلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا گل کھلاتی ہے۔"

ہم نے دو مرتبہ ہوٹل میٹروپول کا طواف کیا لیکن ویرا یا اس کی سیاہ کار کا کہیں پتا نہیں تھا۔ سروسز کلب کے وسیع احاطے کی دیوار کے ساتھ بنی ہوئی فٹ پاتھ پر معمول کے مطابق لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی لیکن اس بھیڑ میں دور دور تک رنگین تو کیا، کوئی سیاہ چھتری بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

میری رسٹ واچ میں اس وقت ایک بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ میں نے اپنی کار ہوٹل میٹروپول کے عقبی فٹ پاتھ کے کنارے ایسی جگہ رکوائی جہاں سے سروسز کلب انیکسی کا پھاٹک صاف نظر آ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم جاؤ، رام بھلی کرے گا" میں نے ظفر کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا "وہ پٹڑی پر آ جائے تو اسے ٹیکسی میں لے جانا ہم لوگ تمہارا پیچھا کریں گے۔"

وہ گاڑی سے اتر کر، سڑک پار کرنے کے لئے آگے، ہوٹل کے عقبی راستے کی طرف بڑھ گیا۔

"وہ آئے گی یا نہیں آئے گی [illegible] چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے پوچھا۔

"چند منٹ بعد صورتِ حال خود بخود واضح ہو جائے گی" میں نے گول مول جواب دے کر اسے ٹال دیا۔

وقت گزاری کے لئے میں نے سیٹ کی پشت گاہ ڈھلکا کر سگریٹ سلگائی۔ سلطان شاہ نے کیسٹ پلیئر کے لئے سوئچ آن کر کے عطاءاللہ عیسیٰ خیلوی کا ایک کیسٹ لگا دیا جس کی ابتدا ہی ایک دردناک نغمے سے ہوئی تھی۔ گلوکار کے پُرسوز انداز نے گیت کے بولوں میں درد کے سمندر بھر دئے تھے۔

ایک بجنے میں پانچ منٹ پر ایک موٹر سائیکل سروسز کلب کے گیٹ سے ذرا آگے رکی اور اس پر سوار مرد، اپنے پیچھے بیٹھی ہوئی دوغلی نسل کی ایک اسمارٹ سی لڑکی کو وہاں اتار کر چلا گیا۔

یک بیک سرمئی نسل کی وہ لڑکی میری توجہ کا مرکز بن گئی۔ اس کے بدن پر چست اسکرٹ اور بلاؤز میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ وہ اس کے ہاتھ میں موجود کسی چیز کو چھپا سکے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اس کے داہنے ہاتھ میں ایک پرس تھا اور اسی بغل میں ایک بند چھتری دبی ہوئی تھی۔ اس لڑکی نے فٹ پاتھ پر قدم رکھتے ہی چھتری کھول کر اپنے سر پر تانی تو وہ رنگین تھی۔

میں نے معنی خیز نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا تو وہ زیرِ لب کچھ بدبدا کر رہ گیا۔

وہ سروسز کلب انیکسی کے گیٹ کے سامنے سے گزر کر' چند قدم کے فاصلے پر فٹ پاتھ پر رک گئی۔ لحظہ بھر بعد اس نے اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ اس کی ایک ایک حرکت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ وہاں کسی کا انتظار کر رہی تھی۔

"یا مظہرا لعجائب!" سلطان شاہ کی تحیر زدہ آواز ابھری "یہ ویرا کی کایا پلٹ کیسی ہوگئی؟"

"ہوش میں رہنا" میں نے کہا "اپنے رچائے ہوئے ڈرامے کا انجام دیکھنے کے لئے وہ خود بھی یہاں منڈلا رہی ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ ہم حیرت اور بے خبری میں اس کا نشانہ بن جائیں۔"

اسے تنبیہہ کرنے سے پہلے میں خود بھی گرد و پیش کا جائزہ لیتا رہا تھا لیکن اس وقت تک مجھے کہیں بھی ویرا یا اس کی کار کا کوئی نشان نظر نہیں آیا تھا۔ رنگین چھتری والی نے جب اچھی طرح پوزیشن سنبھال لی تو میں نے ظفر کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔

وہ پھاٹک کی دوسری طرف والی فٹ پاتھ پر بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑا تھا۔ بدقسمتی یہ تھی کہ وہ راستے میں ویرا کی ایک جھلک دیکھ چکا تھا اس لئے رنگین چھتری کے نیچے موجود سرمئی لڑکی کی طرف بڑھنے میں جھجک رہا تھا۔ اگر اُس نے ویرا کو نہ دیکھا ہوتا تو شاید دھوکا کھا جاتا اور جلد کی رنگت کے نمایاں فرق کو ہماری بدذوقی سے منسوب کر کے رہ جاتا۔

میں اتنی دور سے [illegible] سکتا تھا کہ وہ تذبذب میں مبتلا تھا لیکن وہ ایک تجربہ کار شخص [illegible] اُس نے رہنمائی یا کسی اشارے کی امید میں ہماری طرف دیکھنے کی حماقت نہیں کی مگر میں اس کی پیچیدہ ذہنی حالت کا بخوبی اندازہ لگا رہا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ وہ ویرا نہیں بلکہ اس کی طرف سے بھیجی گئی کوئی اور لڑکی تھی۔ اگر ویرا کو اس معاملے میں میری مداخلت کا خطرہ ہوتا تو اسے وہ ڈراما کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میں دور ہی سے ویرا کی چال سمجھ کر اس لڑکی کو نظر انداز کر دیتا۔ ویرا جانتی تھی کہ جو شخص اس سے ملنے آ رہا تھا وہ اسے نہیں پہچانتا تھا۔ ایسی صورت میں اسے رنگین چھتری کے نیچے موجود لڑکی سے مل کر بلیک پنی کے دو الفاظ کہنے ہوتے اور یہ سمجھ لیا جاتا کہ وہی ویرا کا مطلوبہ شخص ہے اس کے بعد دو میں سے کوئی بھی واقعہ رُونما ہو سکتا تھا۔

رنگین چھتری والی اسے پہچان لینے کے بعد کسی ایسے مقام پر لے جاتی جہاں ویرا اپنے نئے عاشق کے انتظار میں بیٹھی ہوتی۔

دوسرا امکان یہ بھی تھا کہ ویرا وہاں آس پاس ہی موجود ہوتی اور جب رنگین چھتری والی 'بلیک پنی' کے الفاظ سن کر کوئی مخصوص اشارہ کرتی تو ویرا دور ہی سے فائر کر کے اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیتی۔ اس کی دانست میں اسپیشل ٹاسک فورس کے ایک آدمی کو مار کر وہ مجھے خوف زدہ کر سکتی تھی۔ اس معاملے میں چھتری والی لڑکی کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ویرا کا منصوبہ جو کچھ بھی رہا ہو لیکن یہ بات یقینی تھی کہ اس نے کسی مذاق وغیرہ کا بہانہ کر کے بھاری معاوضے پر اس لڑکی کی خدمات حاصل کی تھیں اور وہ ویرا کا بگڑا ہوا حلیہ بتانے کے علاوہ کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔

ظفر مردانگی اور حوصلے کا پیکر تھا۔ اسے طاقت' ذہانت اور دلیری کے ذریعے دشمن پر غلبہ پا لینے میں خصوصی مہارت حاصل تھی لیکن وہ جس جرم کو رنگین سمجھ کر' اس میں کودا تھا وہ جرم سنگین اور پیچیدہ تر ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ اپنی پیشانی ملتا ہوا' چند ثانیوں تک اسی ایک مقام پر ٹہلتا رہا۔ اُس کی ان اضطراری حرکات کا مشاہدہ کرنے والا کوئی بھی شخص یہ سمجھ سکتا تھا کہ رنگین چھتری والی کی طرح وہ بھی کسی کا انتظار کر رہا تھا۔

لیکن ظفر نے فیصلہ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ ٹھیک ایک بجے وہ رنگین چھتری والی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس کی پشت اور لڑکی کا چہرہ ہماری طرف تھا۔ چند ثانیوں تک لڑکی کے چہرے پر شوخ مسکراہٹ لہراتی رہی۔ اس نے اپنے پرس میں سے کوئی کاغذ یا لفافہ نکال کر ظفر کی طرف بڑھایا۔ چند ثانئے گزر گئے۔ شاید ظفر اس پیغام کا مطالعہ کر رہا تھا پھر شاید اس نے کوئی خطرناک بات کہی کیوں کہ یکلخت لڑکی کا تنا ہوا بدن ڈھیلا پڑ گیا' اس کا چہرہ دھواں ہو گیا' ساتھ ہی اس نے اپنے سر پر تنی ہوئی رنگین چھتری بھی سمیٹ لی۔

ان دونوں نے ایک ساتھ ایم بیئرز کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ لڑکی کی چال میں بھی مردنی پیدا ہو گئی تھی۔ بس وہ ظفر کے ساتھ گھسٹے جا رہی تھی۔ اس دوران میں ان دونوں میں مذاکرات جاری تھے۔ ایک بار ظفر نے سر اٹھا کر سڑک کے اس پار' ہوٹل میٹروپول کی کئی منزلہ عمارت کی طرف بھی دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اس لڑکی کو چائے پلانے لے جا رہا تھا لیکن کافی دور نکل جانے کے بعد وہ دونوں واپس پلٹ پڑے۔

آخر کار ظفر واپس آنے لگا۔ لڑکی اس سے فارغ ہوتے ہی تیزی کے ساتھ آواری ٹاورز کی طرف چل پڑی جیسے جلد از جلد ظفر سے دور نکل جانا چاہتی ہو۔

ظفر نے ہم سے کافی فاصلے پر سڑک عبور کی پھر اچانک دوڑتا ہوا ہماری طرف آیا اور بہت تیزی کے ساتھ پچھلی سیٹ پر گرتے ہوئے بولا "یہاں سے پوری رفتار سے نکل چلو۔"

سلطان شاہ نے گاڑی حرکت میں لاتے ہوئے کیسٹ پلیئر آف کر دیا۔

"کیا بات ہے؟ تم بہت عجلت میں واپس آئے ہو" میں نے سوال کیا۔ اس وقت شارع فیصل کی طرف سگنل سرخ تھا اس لئے سلطان شاہ نے کار داہنی طرف گھمالی۔

"تم نے دیکھ لیا کہ وہ آج پھر جل دے گئی" وہ مایوسی اور غصے کے عالم میں بولا۔

"مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ وہ اتنی آسانی کے ساتھ قابو میں آنے والی نہیں ہے۔ تم اپنی کہانی سناؤ کہ رنگین چھتری والی سے کیا باتیں ہوئیں اور تم اتنی تیزی سے واپس کیوں لوٹے تھے؟"

"اسے ایک مذاق کے نام پر مجھ تک لفافہ پہنچانے کے پانچ سو روپے دیئے گئے تھے"۔ رقم دینے والی ایک سفید فام عورت تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ہوٹل میٹروپول کے کسی کمرے میں بیٹھی دوربین سے ہم لوگوں کو دیکھ رہی ہوگی۔ مجھے ڈر تھا کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہوئے دیکھ لینے کے بعد وہ مجھے گھیرنے کے لئے تیزی سے نیچے نہ آجائے۔ وہ آجاتی تو تم دونوں کی یہاں موجودگی کا راز بھی فاش ہوسکتا تھا۔"

"لفافے میں کیا پیغام تھا؟" میں نے تجسس کے ساتھ پوچھا اور اس نے اپنی جیب سے ایک رنگین لفافہ نکال کر میری گود میں ڈال دیا۔

"اس کے سر پر تمہارا ہی بھوت سوار ہے۔ اب وہ کل دو بجے فون کرے گی" وہ منہ بنا کر بولا۔

میں نے لفافہ کھول کر سفید کاغذ نکالا تو اس پر انگریزی میں تین سطریں ٹائپ کی ہوئی تھیں۔

"تم یہاں تک آگئے ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ تم واقعی مجھے چاہنے لگے ہو۔ میرے لئے ڈینی کی قیام گاہ کا پتا معلوم کرو۔ ملاقات کے لئے میں کل دو بجے فون کروں گی۔ سوزی۔"

"لیکن چھتری والی تم سے گفتگو کے بعد کچھ دیر کے لئے خوف زدہ بھی نظر آئی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"بلیک چینی کے الفاظ سنتے ہی اس نے لفافہ میرے حوالے کر دیا۔ اس سے آگے وہ کچھ بتانے پر آمادہ نہیں تھی جس پر میں نے اس سے کہا کہ وہ بد قسمتی سے لمبے تاوان کے ایک معاملے میں ملوّث ہوگئی ہے جس کا مطالبہ اس کی خدمات حاصل کرنے والی سفید فام عورت کر رہی ہے۔ میرے اس انکشاف پر وہ واقعی لرز کر رہ گئی تھی لیکن وہ زیادہ باتیں نہیں جانتی تھی۔ اس نے سفید فام عورت اور ہوٹل کے اقامتی حصے میں اس کی موجودگی کے علاوہ کچھ نہیں بتایا۔ اس کی بے گناہی کا اندازہ کرتے ہوئے میں نے اسے چھوڑ دیا۔"

"تمہیں یہ نیا عشق مبارک ہو۔ اب کل تم ہی اس سے بات کر لینا" میں نے ہنستے ہوئے کہا "میری آواز تم نے سن ہی لی تھی۔ اس کی نقل اتارنی زیادہ دشوار نہیں ہوگی۔"

"وہ عورت نہیں کوئی چڑیل معلوم ہوتی ہے" ظفر بھنّا کر بولا۔ "کسی کے بارے میں اتنی ٹھوس اور جامع منصوبہ بندی کرنا کسی عام عورت کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"فرق صرف اتنا ہے کہ وہ عام چڑیلوں کے برعکس بہت زیادہ خوب صورت ہے۔ اس کی ایک جھلک تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔"

"ایک بار دیکھا اور دوسری بار دیکھنے کی ہوس نہیں ہے" وہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر پرپیچ شخصیت کی مالک ہوگی۔"

"یہ بھاگ دوڑ تو رائگاں گئی' اب دیکھو چھ بجے والی مہم کا کیا رہتا ہے؟" سلطان شاہ بولا۔

"یہ مہم رائگاں نہیں گئی" میں نے کہا "اگر ویرا واقعی ہوٹل میں موجود تھی اور دوربین سے سب کچھ دیکھ رہی تھی تو وہ کل ضرور پھنس جائے گی۔"

"تو کیا تمہیں یقین ہے کہ ویرا اوپر موجود رہی ہوگی؟" اس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ کلارا نے وہی کچھ بتایا ہے جو اسے ویرا سے معلوم ہوا تھا" ظفر بولا "اگر ویرا ہی نے اس سے جھوٹ بولا ہو تو بات مختلف ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ ویرا موجود رہی ہوگی۔ اس نے سروسز کلب کے عقبی گیٹ کا انتخاب اسی لئے کیا ہوگا کہ وہ کوئی خطرہ مول لئے بغیر اطمینان سے پوری کارروائی دیکھ سکتی تھی" میں نے کہا۔

"جب ویرا رپورٹ لینے کے لئے کلارا سے ملے گی تو وہ اسے بتا دے گی کہ آنے والے نے تاوان کا حوالہ دے کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی" سلطان شاہ کے پاس اگلا اعتراض تیار تھا۔

"میں اس کا سدّباب کر آیا ہوں" ظفر تیزی سے بولا "میں نے اسے بتا دیا ہے کہ سوزی خطرناک عورت ہے اگر اسے علم ہوگیا کہ کلارا اس کے اصل دھندے سے واقف ہوگئی ہے تو وہ نہایت خاموشی سے اسے ذبح کروا دے گی۔ میں نے تو اس خطرے کا بھی سدّباب کر لیا ہے کہ ویرا اس کے [illegible] نے کا سبب دریافت کر بیٹھے تو اسے کیا کرنا ہوگا۔ وہ ویرا کو بتائے گی کہ اس سے ملاقات کے بجائے محض رقعہ ملنے پر میں اس قدر مایوس ہوا کہ کلارا ہی پر ڈورے ڈالنے لگا۔ میری اس بےباکی اور دیدہ دلیری نے اسے خوف زدہ کر دیا کہ کہیں میں اس کے ساتھ زبردستی ہی شروع نہ کر دوں۔ اس طرف سے تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اور چھ بجے والے پروگرام کے بارے میں کیا طے کیا گیا ہے؟" سلطان شاہ بجا طور پر اس ملاقات کے بارے میں زیادہ فکر مند تھا جو سب سے اہم تھی۔

"وہاں جانا پڑے گا" میں نے سوچتے ہوئے کہا "اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"اور اگر وہاں بھی دھوکا ہوا اور شری مان سنگھ 'غزالہ کو نہ لایا تو کیا ہوگا؟"

"ہم تیاری کے ساتھ جائیں گے۔ رجنی کسی بند گاڑی میں ظفر کے مسلح آدمیوں کی تحویل میں ہوگی۔ غزالہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد ہی ہم اسے سامنے لائیں گے ورنہ وہ واپس یہیں پہنچا دی جائے گی۔"

"رجنی ساتھ نہ ہوئی تو شری مان سنگھ تمہیں کیسے پہچانے گا؟" اس نے پوچھا۔

"اس سے بات بھی کی جا سکتی ہے۔ ویسے میں اسے اچھی

طرح پہچانتا ہوں" ظفر نے کہا "ہم لوگ کافی دنوں سے ان کی نگرانی کررہے ہیں۔"

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ سروسز کلب کے پھاٹک سے بے نیل مرام واپسی نے تکان کے ساتھ ہی بھوک کا احساس بھی جگادیا تھا اس لئے ہم تینوں نے راستے ہی میں ایک ہوٹل سے کھانا کھایا اور پھر واپس ایس ٹی ایف کے اسٹیشن فور پہنچ گئے۔

وہاں پہنچنے پر پتا چلا کہ ٹھیک سوا بجے سوزی نامی کسی عورت کا فون آیا تھا جو تنویر عرف ڈینی کے بارے میں دریافت کررہی تھی لیکن ظفر کا عملہ اپنے فون پر باہر کے کسی آدمی کی کال وصول کرنے کا مجاز نہیں تھا لہٰذا اس کے اصرار کے باوجود اسے یہی بتایا گیا کہ وہاں اس نام کا کوئی آدمی ہے نہ وہ لوگ اس نام سے واقف ہیں۔ ویرا نے سوزی کے روپ میں شور مچایا کہ وہ چند گھنٹے قبل اسی فون نمبر پر ڈینی سے بات کرچکی ہے لیکن آپریٹر نے سرد مہری کے ساتھ اس کا دعویٰ تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

میرے لئے ویرا کی دوسری فون کال کا وقت خاصا اہم تھا۔ ٹھیک سوا بجے ہم لوگ سروسز کلب کے عقبی گیٹ کے سامنے سے روانہ ہوئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ ویرا نے ظفر اور کلارا کی ملاقات کے فوراً بعد فون کیا تھا لیکن میں کافی مغزنی کے باوجود اس فون کال کا کوئی مقصد دریافت نہیں کرسکا۔

ظفر کے پاس صرف ہمارا ہی کام نہیں تھا اس لئے ہم دونوں اسے دفتر میں چھوڑ کر [illegible] خواب گاہ میں آگئے۔ سلطان شاہ کی پیشانی پر لکیریں تھیں اور اس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ میں اسے چھیڑے بغیر سونے پر دراز ہوگیا۔

نیند کے دوران میں میرے ذہن نے جو کچھ کارگزاریاں دکھائی تھیں' ان پر غور کرتے ہوئے اچانک ہی میرے ذہن میں ایک نئے خیال نے سر ابھارا جس کا تعلق جہانگیر کے بیٹے کی بازیابی سے تھا۔ میں نے اپنے اس نظریئے پر بار بار غور کیا اور وہ خیال میرے ذہن میں راسخ ہوتا چلا گیا۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق تھا' شہر میں ویرا کا کوئی مضبوط ٹھکانا باقی نہیں رہا تھا۔ ہیری کینسنجر اس کی آزادی کا دشمن ہوچکا تھا۔ انڈین کاؤنسلیٹ والے ہیری کینسنجر سے خوف زدہ ہو کر نہ صرف اس کی حمایت سے دست بردار ہوگئے تھے بلکہ خیر سگالی کی فضا بحال کرنے کی فکر میں اس سے دشمنی بھی نکال سکتے تھے۔ میر اکبر خان مارا جاچکا تھا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اس سے اپنا کام نکالنے کے لئے اس نے پانچ سو روپے کے عوض کلارا کی خدمات حاصل کی تھیں جب کہ وہ خود ہوٹل کے ایک کمرے میں چھپی ہوئی تھی۔

پہلا کام تو یہ تھا کہ ہوٹل کے عقبی حصے کی تمام منزلوں پر مقیم سفید فام خواتین کی فہرست کی مدد سے ویرا کا کھوج نکالنے کی کوشش کی جاتی۔ اگر وہ فرضی نام اور جعلی دستاویزات کے سہارے مستقل طور پر وہیں مقیم ہوگئی تھی تو اسے ڈھونڈ نکالنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔

دوسری اہم تر بات یہ تھی کہ ویرا فیشن پرست اور لاابالی عورت تھی۔ اس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ جہانگیر کے بیٹے کو ہروقت اپنے سینے سے لگائے پھرتی۔ اس قدر کم سن بچے کے ساتھ نہ صرف اس کی آزادی متاثر ہوتی تھی بلکہ وہ غیر ضروری طور پر لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہتی۔

کراچی اس کے لئے جانا پہچانا شہر تھا۔ وہ یہاں کی تیزی سے بدلتی ہوئی سماجی اور معاشرتی روایات کا بھی گہرا ادراک رکھتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ افراط زر اور معاشی دباؤ کی وجہ سے تعلیم یافتہ خواتین میں ملازمت کرنے کا رجحان تیزی سے بڑھتا جارہا ہے۔ ایسی شادی شدہ خواتین کی سہولت کے لئے شہر میں جا بجا ایسے اسکول اور ادارے کھلتے جارہے تھے جو مناسب فیس کے عوض چند گھنٹوں سے لے کر دن رات تک کے لئے' ہر عمر کے بچوں کو داخل کرلیتے تھے۔ ویرا کے لئے سب سے آسان راہ یہ تھی کہ وہ اس لڑکے کو اپنی اولاد ظاہر کرتے ہوئے' اپنے کسی طویل غیر ملکی سفر کا بہانا کرتی اور پیشگی فیس ادا کرکے ایک دو مہینوں کے لئے اس بچے کو کسی معقول بورڈنگ ہاؤس میں ڈال دیتی جہاں شیر خوار بچوں کی مناسب دیکھ بھال کا بندوبست ہوتا۔ فیس مل جانے کے بعد بے بی کیئر سینٹر والوں کو شبہ تک نہ ہونے پاتا کہ وہ اغوا شدہ بچے کی پرورش کی ذمے داری قبول کررہے ہیں اور ویرا بڑی آسانی کے ساتھ اس ناخوش گوار فرض سے اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوجاتی اور جب بھی چاہتی' واپس نمودار ہو کر اس ادارے سے بچے کو واپس حاصل کرسکتی تھی۔

میں اس نظریئے پر جتنا غور کرتا رہا' میرا وہ خیال اسی قدر پختہ ہوتا چلا گیا۔ اس وقت ویرا کے سامنے ایران روانگی کا معاملہ سب سے اہم تھا۔ بچے سے گلوخلاصی حاصل کئے بغیر وہ اس سفر پر نہیں جاسکتی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس نے بچے کو اغوا کرنے سے پہلے اسے کہیں چھپانے کا بندوبست کیا ہوگا اور اگر ویرا کی تصاویر کی مدد سے ایسے اداروں میں چھان بین کی جاتی تو بچے کا سراغ لگایا جاسکتا تھا۔

یہ ویرا کی بدقسمتی تھی کہ اس نے غزالہ کو اغوا کرنے سے پہلے فلیٹ میں خاصی فوٹوگرافی کی تھی۔ اس کا مقصد صرف اتنا معلوم ہوتا تھا کہ وہ جعلی سفری دستاویزات کی تیاری کے لئے غزالہ کی تصاویر بناسکے لیکن اپنے مقصد کو پوشیدہ رکھنے کے لئے اسے بہت سی تصاویر بنانی پڑی تھیں جن میں غزالہ اور سلطان شاہ کی اتاری ہوئی' اس کی اپنی تصاویر بھی شامل تھیں جو میری تحویل میں تھیں۔ ان تصاویر کی مدد سے ظفر کے آدمی دو تین دن میں کوئی نہ کوئی نتیجہ اخذ کرسکتے تھے۔

میں نے سلطان شاہ کو اپنے اس خیال سے آگاہ کیا تو وہ حیرت

اور خوشی سے اچھل پڑا اور ہم دونوں نے فوراً ہی ظفر سے بات کرنے کا ارادہ کرلیا تاکہ ہمارے سامان میں سے تصاویر لانے کا بندوبست کیا جاسکے۔

ہم دونوں اپنے کمرے سے باہر نکلے ہی تھے کہ فضا کم از کم تین سب مشین گنوں کی مسلسل فائرنگ کے شور سے لرز اٹھی۔ ہم ظفر کے دفتر کے بجائے نکاسی کے راستے کی طرف بھاگے تو پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ پھر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے 'ایس ٹی ایف کی دو گاڑیاں برق رفتاری کے ساتھ باہر نکل کر داہنی طرف غائب ہوگئیں۔

حفاظت پر مامور عملے میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ دو تین سینئر افراد مشتعل نظر آرہے تھے۔ اسی اثنا میں ظفر بھی وہیں آپہنچا اور پھاٹک پر ہی اپنے آدمیوں کے درمیان جا کھڑا ہوا۔ گاڑیاں روانہ ہونے کے بعد آہنی پھاٹک دوبارہ بند کیا جاچکا تھا اور دو محافظ فوری طور پر چھت پر بھیج دیئے گئے تھے۔

محافظوں سے پتا چلا کہ سیاہ رنگ کی چلتی ہوئی گاڑی سے اس مکان پر فائرنگ کی گئی تھی۔ گیٹ بند ہونے کی وجہ سے وہ لوگ گاڑی کا میک اور ماڈل نہیں دیکھ سکے لیکن آہنی پھاٹک کی جھریوں میں سے یہ ضرور دیکھا گیا کہ وہ شیراڈ یا سوزوکی کی قسم کی کوئی چھوٹی اور سیاہ کار تھی۔

"دوپہر کو ویرا ابھی سیاہ شیراڈ ہی چلارہی تھی" سلطان شاہ نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔

اس حملے کو دہشت گردی کے علاوہ کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا تھا کیوں کہ ساری گولیاں دیواروں میں گھسی تھیں یا پھاٹک سے ٹکرائی تھیں۔ ایس ٹی ایف کے کسی آدمی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔

تیز رفتاری کے ساتھ کار چلانے والے ماہر سے ماہر ڈرائیور کے لئے بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ کسی سب مشین گن سے مقررہ سمت میں پورا راؤنڈ خالی کرسکے اس لئے یہ طے تھا کہ اس واردات میں ویرا کے ساتھ کم از کم تین آدمی شریک تھے اور وہ لامحالہ کرائے کے آدمی رہے ہوں گے۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں گاڑیاں' جو حملہ آوروں کی تلاش میں روانہ ہوئی تھیں' واپس آگئیں۔ انہیں اپنی برق رفتاری کے باوجود مفرور حملہ آوروں کا سراغ پانے میں ناکامی ہوئی تھی۔ ظفر نے اپنے عملے کو چوکنا رہنے کی ہدایت کی' چھت پر موجود محافظوں کا جائزہ لیا اور اپنے دفتر میں لوٹ آیا جہاں ہم دونوں اس سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے اور اس نئی واردات پر تبادلہ خیالات کررہے تھے۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ ویرا کیا چاہ رہی ہے؟" وہ آتے ہی الجھن آمیز لہجے میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں فکرمندی کی علامات نمایاں تھیں۔

"وہ خود کو ہر طرف سے بے دست و پا محسوس کررہی ہے۔ یہ سب اس کی جھلاہٹ اور مایوسی کی علامات ہیں۔ اب وہ کسی بھی وقت کوئی ایسی غلطی کر بیٹھے گی کہ ماری جائے" میں نے آہستگی سے کہا "وہ میرا سراغ لگانے کے لئے تمہاری ٹاسک فورس کو اپنے مقابلے میں اترنے پر مجبور کرنا چاہتی ہے۔ تم خاموش رہوگے تو اس کی جھلاہٹ اور بڑھے گی اور وہ ایسی ہی بے سروپا حرکتیں کرتی رہے گی۔"

اس نے چند ثانیوں کے لئے میری آنکھوں میں جھانکا پھر بولا "لیکن تم ایمان داری سے بتاؤ کہ ہمارے پاس خاموش رہنے کے علاوہ اور کیا راستہ ہے۔ ہم اس کے خلاف کب اور کہاں کارروائی کرسکتے ہیں؟"

"پولیس والے ایسے مواقع پر بوکھلا کر' عموماً اندھا دھند گرفتاریوں اور چھاپوں کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں۔ شاید وہ ایس ٹی ایف سے بھی ایسے ہی کسی رد عمل کی توقع کررہی ہو!"

"میں چاہوں بھی تو کہاں چھاپا ماروں؟" وہ واقعی شدید الجھن کا شکار تھا "وہ ہمارا گھر دیکھ چکی ہے۔ آج گولیاں برسا کر چلی گئی' کل بم لے کر آسکتی ہے۔ ایسی چھلاوے کے خلاف ہم کیا کرسکتے ہیں؟"

"فی الحال حفاظتی انتظامات ضروری ہیں۔ سڑک کے دونوں سروں پر اپنے آدمی مامور کرو" میں نے سنجیدگی کے ساتھ اسے مشورہ دیا "مجھے موہوم سا شبہ ہے کہ کہیں وہ اسی کمرے میں نہ چھپی بیٹھی ہو جہاں سے اس نے تمہاری اور کلارا کی ملاقات کا نظارہ کیا تھا۔ ہمیں اس ہوٹل کو بھی چیک کرلینا چاہئے۔"

"یہ بہت آسان کام ہے لیکن وہاں اپنے اصل نام سے تو نہیں ٹھہری ہوگی۔"

میں نے اسے ویرا کی تصاویر کے بارے میں آگاہ کیا اور اس نے فوراً ہی اپنے ایک آدمی کو ہمارے ہوٹل کی طرف روانہ کردیا۔ گھور اندھیرے میں وہ اس کے لئے امید کی سب سے مضبوط کرن تھی۔ تصاویر کے سہارے وہ پورے شہر کی پولیس کو اس کی تلاش پر مامور کرانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

موقع پا کر میں نے جہانگیر کے بیٹے کے بارے میں اپنی کہانی چھیڑدی۔ وہ پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ ایک ایک لفظ سنتا رہا اور جب میں خاموش ہوا تو وہ میرے اندازے کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

"اس قدر پریشان کن حالات میں یہ سب سوچنا تمہارا ہی کام ہے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ بچے کے صدمے میں کہیں اس کی ماں مر ہی نہ جائے۔ تمہارے دوست کے علاوہ یہ انسانی مسئلہ بھی ہے۔ ویرا کی تصاویر آجائیں تو میں اس سمت میں بھی کام کا آغاز کرائے دیتا ہوں۔ کل تک نتائج سامنے آجائیں گے۔"

پانچ بجے تک وہ شخص نہیں لوٹا جسے ہوٹل سے ہمارا سازو سامان لینے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ظفر' شری مان سنگھ کی طرف روانہ ہونے سے پہلے ویرا کی تصاویر پر کام شروع کرادینے کا ارادہ

رکھتا تھا تاکہ ہماری واپسی تک ان کوششوں کے نتائج سامنے آنے شروع ہو جائیں لیکن ہم اس کے انتظار میں ضرورت سے زیادہ وقت بھی نہیں گنوا سکتے تھے کیونکہ مان سنگھ سے فریئر ہال میں ہماری ملاقات کا وقت مقرر تھا۔

ہم دونوں سمیت ' ایس ٹی ایف کے سارے اراکین رجنی سے اپنے چہرے چھپانے کی کوششوں میں کامیاب رہے تھے اور وہ ہمارے ساتھ خاصا وقت گزارنے کے باوجود ' ہم میں سے کسی کی صورت دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی جس کی بناء پر بعد میں شناخت کا کوئی خطرہ درپیش رہتا لیکن اسے اپنے ساتھ لے کر فریئر ہال جانے کا معاملہ بہت پیچیدہ تھا جس میں ایسی کسی احتیاط کی کوئی گنجائش نہیں تھی کیونکہ وہاں شری مان سنگھ سے دوبدو ملاقات ہونی تھی اور اسے صرف ظفر ہی پہچانتا تھا۔

بہر حال وہاں جانا ہی تھا اس لئے یہ فرض کر لیا گیا کہ شری مان سنگھ حسب وعدہ غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر وہاں پہنچے گا اور وہاں غزالہ کے ساتھ جو بھی مرد نظر آیا ' اسی سے مذاکرات شروع کر دیئے جائیں گے۔ ایسی صورت میں ظفر کو سامنے نہیں آنا پڑتا اور میں خود ہی وہ قصہ نمٹا سکتا تھا کیونکہ شری مان سنگھ خود ہی مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کر چکا تھا۔

رجنی کے مسئلے کا حل یہ سوچا گیا کہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر ' ایک بند وین میں ایس ٹی ایف کے مسلح جوانوں کی نگرانی میں لے جایا جائے۔ حالت سازگار ہوتے تو پوری احتیاطی تدابیر کے ساتھ ' اسے وین سے باہر نکال کر شری مان سنگھ کے حوالے کیا جا سکتا تھا ورنہ اسے اسی حالت میں واپس اسٹیشن فور پہنچا دیا جاتا۔ یہ بالکل وہی حل تھا جو میں کچھ دیر پہلے اپنے طور پر سوچ چکا تھا۔ اس میں ترمیم یہ کی گئی تھی کہ ظفر اسی وین میں ڈرائیور کے برابر والی نشست پر سفر کرتا ' سلطان شاہ وین کے بند حصے میں رجنی اور تین افراد کے ساتھ موجود ہوتا جبکہ مجھے ایک کار میں اکیلے روانہ ہونا تھا۔

موتن لال اور رام کمار کی موت کے اسباب کی طرف پولیس کی رہنمائی کے خیال سے ہم نے موتن لال کی انگلی سے زہریلے نگینے والی انگوٹھی نہیں اتاری تھی۔ عین آخری لمحات پر مجھے خیال آیا کہ میں شری مان سنگھ سے ملنے والا تھا اور وہ خطرناک انگوٹھی شاید اسی کی طرف سے موتن لال کو فراہم کی گئی تھی اسی لئے اس نازک موقعے پر اس انگوٹھی کی میری انگلی میں موجودگی ' شری مان سنگھ کے لئے سخت خطرے اور تشویش کا باعث بن سکتی تھی۔

ظفر میرے اس خیال سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے فوری طور پر اس سے ملتی جلتی انگوٹھی کی تلاش شروع کرا دی اور آخر کار اپنے ایک آدمی کے ہاتھ سے کم و بیش اسی ساخت کی انگوٹھی اتروانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس انگوٹھی کا نگ مختلف تھا لیکن میرے پاس اس کا علاج موجود تھا۔ فیروزے کو ہتھیلی کی جانب گھما کر میں شری مان سنگھ کو بہ آسانی دھوکا دے سکتا تھا۔

بظاہر ہمارا مقابلہ ایک گھسے ہوئے سفارت کار سے تھا اور مجھے پوری امید تھی کہ شری مان سنگھ سے سارے معاملات مذاکرات کے ذریعے ہی طے پا جائیں گے لیکن ہم نے کسی بھی متشددانہ صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری تیاری کر لی تھی اور پوری طرح ہتھیار بند ہو کر فریئر ہال کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ میرے ہاتھ میں نقلی انگوٹھی اور جیب میں بھرا ہوا پستول تھا جو شری مان سنگھ کو خوفزدہ کرنے کے لئے کافی تھا۔

میں خاصی تیز رفتاری کے ساتھ اسٹیشن فور سے روانہ ہوا۔ بند وین میرے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ طویل اور پُر ہجوم راستوں سے ہوتے ہوئے ہم ایک مرتبہ پھر ہوٹل میٹرو پول کے سامنے سے گزرے اور پھر کلفٹن کی طرف جانے والی سڑک پر بائیں طرف مڑ گئے۔

اس وقت معاً مجھے خیال آیا کہ شری مان سنگھ کے لئے فریئر ہال کا محل وقوع بہت مثالی تھا۔ اس کے سامنے امریکی قونصل خانے کی پُر شکوہ عمارت تھی اور عقبی سڑک پر فریئر ہال ہی کی قطار میں بھارتی قونصل خانہ تھا اور وہ دونوں سفارتی عمارات اس کے ہمدردوں سے پُر تھیں۔

امریکی کاؤنسلیٹ کے بعد میں ہالی ڈے ان سے بھی قدرے آگے نکل گیا پھر میں نے اپنی کار اس مختصر سی بند سڑک پر موڑلی جس کے اختتام پر میوزیم جانے والی سڑک کا بند آہنی پھاٹک موجود تھا۔ اس بند گلی نما محفوظ سڑک پر پہلے سے کئی گاڑیاں موجود تھیں میں اپنی کار کا انجن بند کر کے نیچے اترا تو میں نے فریئر ہال کے وسیع و عریض سبزہ زار پر سنسنی اور افراتفری کے آثار دیکھے۔

گھاس پر سے بہت سے لوگ چیختے چلاتے ہوئے عقبی حصے کی طرف بھاگ رہے تھے۔ جو اس دوڑ میں شریک نہیں تھے وہ بھی اپنی جگہوں پر کھڑے ہوئے تھے اور اچک اچک کر اسی سمت میں کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے جدھر بقیہ لوگ دوڑے جا رہے تھے۔

فریئر ہال جیسے پُرسکون تفریحی مقام پر وہ بھاگ دوڑ میرے لئے ناقابل فہم تھی۔ میں غیر ارادی طور پر پیچھے کی طرف مڑا اور پھر فوراً ہی متجسانہ انداز میں سبزہ زار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کیونکہ پہلے طے شدہ پروگرام کے مطابق وین میرے ساتھ ساتھ وہاں تک نہیں آئی تھی بلکہ اسے فریئر ہال کے ابتدائی سرے پر روک دیا گیا تھا۔ ظفر کو اس طرف سے سبزہ زار میں داخل ہونا تھا جبکہ مجھے میوزیم والی سڑک کی سمت سے پیش قدمی کرنی تھی۔ میں غزالہ کی مدد سے شری مان سنگھ کو پہچان کر اس تک پہنچ جاتا اور ظفر دور سے صورت حال پر گہری نظر رکھنے کی کوشش کرتا تاکہ شری مان سنگھ مجھے کوئی چوٹ نہ دے سکے۔

اندر داخل ہوتے ہی میں نے بھانپ لیا کہ وہاں پھیلی ہوئی افراتفری بے سبب نہیں تھی۔ میں فوری طور پر اس معمّالی کی

طرف بڑھ گیا جو گرد و پیش سے بے نیاز' پھولدار پودوں کی ایک بڑی کیاری کی گدائی کر رہا تھا۔ میرے قدموں کی آہٹ بھی اس کے انہماک پر اثر انداز نہیں ہو سکی تھی۔

"بابا! آج یہ افراتفری کیوں پھیلی ہوئی ہے؟" میں نے اس کی شانے کو چھو کر سوال کیا۔ اس نے اپنا ہاتھ روک کر سرد نظروں سے میری طرف دیکھا پھر اداسی کی ساتھ بولا۔ "ایک لڑکی بھاگ گئی ہے اور ان لوگوں کو ایک تماشا مل گیا ہے۔ اب تو شہر میں کوئی جگہ اس قابل نہیں رہی جہاں شریف آدمی اپنے بال بچوں کے ساتھ دو تین گھنٹے بیٹھ سکے۔ میں پچاس سال سے اس باغ کے ایک ایک پودے اور کونپل کی دیکھ بھال کر رہا ہوں لیکن پچھلے چند برسوں سے یہاں سب کچھ بدل گیا ہے جواری' شرابی' چرسی اور آوارہ گرد سب یہیں مرے رہتے ہیں انہیں دوسروں کے سکھ چین کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہوتا۔ آج کل کی لڑکیاں لچھے دار باتوں میں بہک کر گھر سے قدم نکال لیتی ہیں اور آوارہ گرد کونے کھدروں کی تلاش میں تفریح گاہ میں دھکے کھاتے پھرتے ہیں پھر جب ان کے اندر کا حیوان جاگتا ہے تو لڑکیاں خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلتی ہیں وہ بھی ایسی ہی کوئی لڑکی ہو گی۔ اب تو میں نے ان کھیل تماشوں پر چونکنا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

انسانوں کے سمندر میں وہ ایک کمزور اور بے بساط سا فرد تھا لیکن اس کے حساس دل میں انسان زندہ تھا۔ میں نے اس کی دلجوئی کے لئے اسے آنے والے بھلے وقتوں کی آس دلائی اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ لڑکی کے فرار کی خبر سن کر میرا دل پریشان ہو گیا تھا۔

فریئر ہال کے وسیع و عریض سبزہ زار پر بچوں سے عمر رسیدہ عورتوں تک' سب ہی سنسنی اور ہیجان میں مبتلا تھے۔ پھر مجھے وہ کلین شیو اور منحنی سا شخص بھی نظر آ گیا جو مین روڈ سے قریبی حصے میں اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے' بے چینی کے ساتھ ٹہلے جا رہا تھا۔ اس کا ردعمل وہاں موجود' تمام لوگوں سے مختلف اور منفرد تھا اس لئے میری توجہ اسی کی طرف مبذول ہو کر رہ گئی۔

اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے سیر تفریح یا وہاں پھیلے ہوئے مخملیں سبزہ زار سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ دور ہی سے اس کے چہرے پر اضطراب کے آثار پڑھے جا سکتے تھے جیسے .... وہ وہاں سے جانا چاہتا ہو لیکن کسی وجہ سے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر ہو۔ مجھے شبہ ہوا کہ وہی میرا مطلوبہ شخص تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اس کے آس پاس غزالہ کا سرے سے وجود نہیں تھا۔

مجھے شبہ ہوا کہ کہیں بھاگ نکلنے والی لڑکی غزالہ ہی نہ رہی ہو۔ لیکن غزالہ بھاگ گئی تھی تو اس کا پیچھا کرنے کے بجائے وہاں کیوں ٹہلے جا رہا تھا؟

میں نے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا جو چھ بج کر پانچ منٹ کا اعلان کر رہی تھی۔ وقت کا اندازہ ہوتے ہی میرے ذہن نے اس کی وہاں موجودگی کا جواز تلاش کر لیا۔

وہ غزالہ کے ساتھ یقیناً تنہا نہیں رہا ہو گا۔ اس کے آس پاس اس کے ساتھی موجود رہے ہوں گے جو غزالہ کے تعاقب میں چلے گئے لیکن وہ مقررہ وقت ہو جانے کی وجہ سے اپنے ملاقاتی کے انتظار میں وہیں رکا رہا۔

میں نے ایک بار پھر قرب و جوار میں موجود لوگوں کا جائزہ لیا اور میرا شبہ یقین میں بدل گیا کہ اس کے علاوہ کوئی اور شری مان سنگھ نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس کے ساتھ غزالہ کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے میں احتیاط سے کام لینا چاہتا تھا اس لئے اس سے رجوع کئے بغیر اس سے چند گز کے فاصلے پر گھاس پر ایسے زاویے سے بیٹھ گیا کہ کن انکھیوں سے اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھ سکوں۔

چند ثانیوں بعد مجھے ظفر بھی نظر آ گیا جو کسی کٹی پتنگ کی طرح ادھر ادھر بھٹکتا ہوا سبزہ زار کے اس حصے میں آ نکلا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس کی متجسس نگاہوں نے دور ہی سے مجھے دیکھ لیا۔ اس وقت وہ منحنی سا آدمی میری طرف پشت کئے ہوئے تھا۔ اس موقع کو غنیمت جان کر ظفر نے دور ہی سے مجھے اشارہ کر کے اس امر کی تصدیق کر دی کہ وہی میرا مطلوبہ آدمی تھا۔

ظفر کو دیکھ لینے کے بعد یک بیک میرا حوصلہ بڑھ گیا۔ اس کے ساتھ میں نے یہ بھی سوچا کہ میں خالی بیٹھ کر اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہا ہوں۔ اس وقت شری مان سنگھ بالکل اکیلا تھا اور میں اسے ذرا دھمکا کر اس سے سچ اگلوا سکتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ساتھی لوٹ آتے تو پوزیشن بالکل ہی الٹ ہو سکتی تھی خطرناک بات یہ تھی کہ ہم دونوں اکیلے تھے۔ اس کے ساتھ غزالہ نہ تھی میرے ساتھ رجنی۔ یہی بات ہم دونوں میں تکرار کا باعث بن سکتی تھی۔

اس قلیل سی مدت میں شری مان سنگھ نے پانچویں بار اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا پھر کسی غم زدہ اونٹ کی طرح گردن اٹھا کر مین روڈ کا جائزہ لیا اور ٹہلنے میں مصروف ہو گیا۔

میں نے اپنی انگلی میں موجود انگوٹھی کا نگ اپنی ہتھیلی کی طرف گھما کر مٹھی بند کی اور اپنی جگہ چھوڑ دی اس بار شری مان سنگھ مخالف سمت میں مڑا تو میں نے تیزی سے پیش قدمی کی اور نرم گھاس پر تیز قدموں سے بڑھتے ہوئے اچانک اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

میرے مضبوط ہاتھ کا دباؤ پڑتے ہی وہ وحشت زدہ انداز میں بھڑک کر پلٹا لیکن اپنے شانے پر سے میرا ہاتھ ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

"میری انگلی میں وہ انگوٹھی موجود ہے جو جیتے جاگتے انسان کو پل بھر میں پوٹلا بنا دیتی ہے" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں کہا۔ "غزالہ کہاں ہے؟"

"وہ موقع پا کر بھاگ گئی۔ میرے دو آدمی اس کے پیچھے گئے

ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ اسے پکڑ کر واپس لے آئیں گے۔" اس نے میرے تعارف کی ضرورت محسوس کئے بغیر مشینی انداز میں کہا پھر قدرے خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "اپنا ہاتھ ہٹاؤ وہ بہت خطرناک انگوٹھی ہے تمہاری ذرا سی بھی بے احتیاطی میری جان لینے کا سبب بن سکتی ہے۔"

"اگر تمہارے آدمی غزالہ کو واپس لانے میں ناکام ہوئے تو مجھے دانستہ اس مہلک بے احتیاطی کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔ میں یہ نہیں مان سکتا کہ غزالہ ایسے کھلے لان پر تمہارے دو آدمیوں کو جُل دے کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ مجھے یہ کوئی نیا ڈراما معلوم ہوتا ہے۔"

"یہاں اس واقعہ کے سیکڑوں عینی شاہدین موجود ہیں۔ تم جس سے چاہو' پوچھ سکتے ہو۔ وہ اچانک ہی کسی چھلاوے کی طرح دوڑتی ہوئی غائب ہو گئی... لیکن میں بلاوجہ ہی یہ ساری وضاحتیں کر رہا ہوں۔ تم رجنی کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے؟؟"

"تم غزالہ کو لے آؤ' رجنی خود بخود آ جائے گی۔" بات کرتے ہوئے' میں نے اس کے شانے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھا دیا۔ "آؤ! یہاں سے کسی ویران گوشے میں نکل چلیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے مذاکرات بہت جلد ختم نہیں ہو سکیں گے۔ یہاں لوگ تمہاری طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔"

"میرے آدمی غزالہ کو پکڑ کر یہاں لائیں گے۔ تم میرا شانہ چھوڑ کر آرام سے بات کرو۔ کوئی ہماری طرف متوجہ نہیں ہو سکے گا۔ لوگ یہاں تھکن اتارنے اور تفریح کرنے کے لئے آتے ہیں دوسروں کی سن گن لینے کے لئے نہیں آتے۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ اپنے شانے پر زہریلی انگوٹھی کے نگینے کی موجودگی کے احساس سے وہ واضح طور پر خائف نظر آ رہا تھا۔

"یہ خیال رکھنا کہ تم نے ذرا سی بھی گڑبڑ کی تو تمہارا پولکا ہو جائے گا۔"

"تم بلاوجہ میری نیت پر شبہ کئے جا رہے ہو۔" وہ قدرے برہمی کے ساتھ بولا "میں اسے یہاں لایا تھا۔ اب اگر وہ بھاگ نکلی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟ اس میں میری طرف سے کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی' یہاں موجود سب ہی لوگوں نے اسے عجائب گھر کی عمارت کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا ہو گا۔"

میں نے اس کے شانے پر سے ہاتھ ہٹا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور بے رحمی کے ساتھ کہا "تم نے غزالہ کے بجائے کسی دوسری لڑکی کو ساتھ لا کر اسے خود ہی بھگایا ہے تاکہ مجھ پر اپنی بے گناہی اور نیک نیتی ثابت کر سکو حالانکہ غزالہ کے معاملے میں تمہاری نیت بدل چکی ہے۔"

اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے زردی سی پھیل کر معدوم ہو گئی۔ میرے مضبوط لہجے اور کاٹ دار الفاظ نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

"تم بلاوجہ مجھ پر الزام تراشی کئے جا رہے ہو۔" وہ اچانک ہی مجھ پر آنکھیں نکال کر بولا "پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ میں نے ایک خاص آدمی کو یہاں بلایا تھا۔"

"آواز نیچی رکھو' مان سنگھ!" میں نے نیچی آواز میں غراتے ہوئے کہا "میں وہی خاص آدمی ہوں' میرا نام ڈیلی ہے۔" لمحہ بھر قبل میں اس کے چہرے پر زردی کا سایہ آ کر گزرتے ہوئے دیکھ چکا تھا پھر میں نے اپنے نام پر اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھرتی دیکھی تو میں نے سچ اگلوانے کے لئے اس پر اپنا دباؤ بڑھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تمہاری اطلاع کے لئے میں یہ بتا دوں کہ میں تین بجے سے یہاں آیا ہوا ہوں اور میں نے پورے واقعے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ تم بار بار جن سیکڑوں گواہوں کا حوالہ دے رہے ہو انہوں نے ایک لڑکی کو ضرور بھاگتے ہوئے دیکھا ہو گا۔ مگر ان میں سے کوئی نہیں جانتا کہ وہ غزالہ تھی یا کوئی اور لڑکی۔ جب کہ میں غزالہ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہارے ساتھ آنے والی غزالہ نہیں تھی۔"

"یہ تمہاری ذہنی قلابازی ہے۔" اس بار وہ کسی اضطراری ردِ عمل کا مظاہرہ کئے بغیر چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "تم نے آتے ہی غزالہ کی بات کی تھی اور اب کسی دوسری لڑکی کا قصہ لے بیٹھے ہو۔ میں اس کی حفاظت کے خیال سے اسے سر سے پیر تک برقع پوش کر کے لایا تھا۔ تم نے کیسے دیکھ لیا کہ وہ غزالہ نہیں تھی؟"

چالاکی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش میں وہ خود ہی میرے جال میں پھنس رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی اس سیانے کوّے کو گھیر لیا۔ "تم یہ بھول رہے ہو کہ میں اسے ہزاروں پردوں میں بھی پہچان سکتا ہوں۔ وہ لڑکی قد و قامت اور جسامت میں غزالہ سے مشابہ ضرور تھی لیکن اس کی چال ڈھال کو بدلنا تمہارے بس سے باہر تھا۔ اب اگر تم نے مجھ سے کھل کر بات نہیں کی تو میں واپس چلا جاؤں گا اور رجنی تمہاری دسترس سے بہت دور نکل جائے گی۔"

"تمہارے باقی ساتھی کہاں ہیں؟" وہ اچانک ہی بے تکا سوال کر بیٹھا۔

"میں اپنے ساتھ زیادہ بھیڑ بھاڑ لے کر چلنے کا عادی نہیں ہوں لیکن پھر بھی میرے کچھ بہی خواہ آس پاس ہی موجود ہیں تمہارے بہکنے کی صورت میں وہ خود ہی سامنے آ جائیں گے۔"

"میں بھی اکیلا نہیں ہوں۔" اس کا وہ اعلان دھمکی آمیز تھا۔ میں برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

"کیا تم نے صرف یہی بتانے کے لئے مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا؟" چند ثانیوں تک اسے گھورنے کے بعد میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"میں تم سے غزالہ کے بارے میں بات کرنی چاہتا تھا۔" وہ بولا۔

"غزالہ کا معاملہ تو خارج از بحث تھا۔ تمہیں اس کے بدلے میں رجنی کو حاصل کرنا تھا۔"

"رجنی میری قانونی بیوی ضرور ہے لیکن مجھے اس کی واپسی سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر حیرت سے کہا "لیکن تم دونوں میں تو مثالی ہم آہنگی ہے۔ وہ تمہاری مرضی سے موتن لال اور دوسرے دوستوں سے ملتی رہی ہے!"

"مجبوری اور مرضی میں بہت فرق ہوتا ہے۔" وہ زہریلے لہجے میں بولا "تم خود سمجھ سکتے ہو کہ ایک مرد اپنی بیوی کو دوسروں سے کس حد تک میل جول بڑھانے کی آزادی دے سکتا ہے۔ رجنی پچھلے کچھ عرصے سے ان حدود سے تجاوز کرتی رہی ہے اور میں جگ ہنسائی کے خوف سے اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور ہوں۔"

"یہ تمہارے ذاتی مسائل ہیں۔ میں صرف غزالہ کی بازیابی چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ رجنی اب میرے لئے اتنی غیر اہم ہو چکی ہے کہ میں اس کی خاطر اپنے پالتو کتّے سے بھی دستبردار ہونا پسند نہیں کروں گا....."

"پھر تم نے مجھے یہاں بلا کر میرا وقت کیوں ضائع کیا ہے؟" مجھے واقعی غصہ آگیا۔

"میرا خیال تھا کہ رجنی تمہارے ساتھ ہوگی اور میں تمہیں اشتعال دلا کر اس حد تک لے جانے میں کامیاب ہو جاؤں گا کہ تم اسے ہلاک کر دو گے۔ اب میں باعزت طور پر اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔"

"تم اسے طلاق کیوں نہیں دے دیتے؟" میں نے بے زاری کے ساتھ کہا۔

"ایسے معاملات خاندان کی ساکھ کے لئے کلنک کا داغ ثابت ہوتے ہیں۔ میری تم سے التجا ہے کہ اسے واپس کرنے کے بجائے قتل کر دو تاکہ میں جیتے جی نرگ میں سلگنے سے بچ سکوں۔"

"سب کچھ ممکن ہے لیکن تم نے غزالہ کے بارے میں ابھی تک کوئی بات نہیں کی۔"

"رجنی کا غزالہ سے کوئی تعلق نہیں ہی۔" وہ جلدی سے بولا "اس کے قتل کے لئے تم کو منہ مانگا انعام یا معاوضہ دینے کو تیار ہوں۔ غزالہ کے لئے الگ سے بات ہوگی۔"

اس کے ان الفاظ سے ظاہر ہو گیا کہ وہ غزالہ کو سرے سے اپنے ساتھ نہیں لایا تھا اور وہاں جس لڑکی کے فرار کا ڈھونگ رچایا گیا تھا' وہ کوئی اور تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم اپنی وعدہ خلافی کا اعتراف کر رہے ہو۔" میں نے اسے گھورا۔

"میں اپنی حیثیت میں خود مختار نہیں ہوں۔ مجھے اوپر والوں کی پالیسی اور فیصلے کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔ میں اس سے سرِمو انحراف نہیں کر سکتا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔

"تمہارے اوپر والوں میں سفیر کے علاوہ نئی دہلی کے لوگ ہی ہو سکتے ہیں؟"

"ان باتوں سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔" وہ رکھائی کے ساتھ بولا "تمہارے لئے اہم بات یہ ہے کہ ہم لوگ تمہاری خدمات حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں لیکن اس موضوع پر بات کرنے سے پہلے ہم کو رجنی کا معاملہ طے کر لینا چاہئے۔"

"اگر رجنی تمہارے لئے اتنی ہی ناقابل برداشت ہوگئی ہے تو وہ ماردی جائے گی۔" میں نے بے پروائی سے کہا "تمہاری وعدہ خلافی کے بعد میرے لئے اسے زندہ رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔"

"اور اس کا معاوضہ کیا ہوگا؟" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

"کچھ بھی نہیں کیونکہ میں اسے تمہاری خواہش پر نہیں بلکہ اپنے انفرادی فیصلے کے تحت ہلاک کروں گا۔"

"لیکن اس کی لاش کہیں نہ کہیں سے دستیاب ہونی چاہئے۔" وہ بولا۔

"اب تم غیر ضروری طور پر اس معاملے کو نہ کریدو۔" میں نے ترشی سے کہا "تمہیں رجنی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اس لئے تم اسے بھول جاؤ۔ اب اس کے مستقبل کا انحصار میری مرضی پر ہو گا....."

"تم مجھے بلیک میل کرنے کے لئے اسے زندہ رکھ کر اپنی قید میں رکھ سکتے ہو۔" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔

"یہ بھی قابل قدر آئیڈیا ہے لیکن تمہیں رجنی کو نفی کر کے بات کرنی چاہئے۔"

"میں اس سے متنفر ضرور ہوں لیکن اسے تمہاری تحویل میں نہیں چھوڑ سکتا۔"

"تو پھر غزالہ کے ساتھ اس کا تبادلہ کر لو!" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"شاید میں تم پر اپنی بات واضح نہیں کر پا رہا" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "مجھے اس سے ذرا سی بھی محبت نہیں ہے لیکن جب تک وہ زندہ رہے گی' میرے لئے عذاب بنی رہے گی۔ وہ میرے پاس ہوتی ہے تو میرے لئے یہ تصوّر بڑا کربناک ہوتا ہے کہ وہ خلوت میں دوسروں کے ساتھ کس طرح پیش آتی ہوگی اور جب وہ میری نظروں سے دور ہوتی ہے تو مجھے بھروسا نہیں ہوتا کہ وہ کہاں اور کس کے ساتھ وقت گزار رہی ہوگی۔ اس جیسی بے وفا عورت کے ساتھ وصال میں لطف ملتا ہے نہ ہجر میں کوئی لذّت ہوتی ہے۔ اس عذاب کا اندازہ تو صرف وہی شوہر کر سکتا ہے جو ایسی کسی عورت کے ساتھ زندگی گزار رہا ہو۔ رجنی کی صورت میں میں نجانے کس کس کے گناہوں کی پوٹ پال رہا ہوں۔"

"لیکن تم نے موتی لال سے بات کرتے ہوئے تو بہت فراخدلانہ باتیں کی تھیں اور عورتوں کی وفاداری کو متوسط اور نچلے طبقوں کا فخر قرار دیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

اس کے چہرے پر ایک کرب آلود مسکراہٹ ابھر آئی "زندہ رہنے کے لئے انسان کو ڈھٹائی کے ساتھ بہت سے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔وہ بھی ایسا ہی ایک جھوٹ تھا۔ میں کس منہ سے یہ اعتراف کر سکتا تھا کہ رجنی میرے اور اپنے مقدس رشتے کو بے رحمی سے روند کر اس سے پینگیں بڑھا رہی تھی۔ دوسروں کی نظروں میں مہذب اور فراخ دل بننے کے لئے ہمیں اکثر اپنے ہی ناسوروں پر نمک پاشی کرنی پڑتی ہے..."

میں نے اکتائے ہوئے انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔ "تم مسلسل اپنی ہی کہے جا رہے ہو۔ میں نے تمہیں اپنا آخری فیصلہ سنا دیا ہے اور اب میں غزالہ کے بارے میں تمہارے عزائم جاننا چاہتا ہوں۔"

"تم چاہو تو میرے دفتر چل سکتے ہو۔ ہم وہاں اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "اب تم مجھے چوہے دان میں لے جانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"تمہارے آدمیوں کی موجودگی میں ایسی کوئی حرکت خودکشی کے مترادف ہوگی۔ وہاں ہم سکون سے باتیں کر سکیں گے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو پھر تم میرے ساتھ چلو!" میں نے اسے جوابی پیشکش کر ڈالی۔

پھر یہی جگہ مناسب ہے۔" اس نے اندازہ لگا لیا کہ میں اس کے فریب میں آنے والا نہیں تھا۔

"ہم کچھ معاملات میں بری طرح الجھے ہوئے ہیں۔" ایک نسبتاً پرسکون گوشے میں پہنچنے کے بعد وہ بولا "ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تم سے ہمارا شدید تصادم رہا ہے۔ اس چکر میں ہم اپنے بہترین ایجنٹوں سے بھی محروم ہوئے ہیں ان میں شانتی اور کرنل مہیش کے نام سرفہرست ہیں لیکن ہم ماضی کی کشیدگی کو بھول کر اب تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتے ہیں۔"

وہ کام کی باتوں کی طرف آ رہا تھا اس لئے میں نے بولنے کا ارادہ ترک کرکے اس کی کہانی سننے پر اکتفا کرنے کا فیصلہ کر لیا ورنہ میرے لئے یہ خیال ہی سوہان روح تھا کہ میں ملک میں بڑے پیمانے پر تخریب اور دہشت گردی کے منصوبے بنانے والے ملک کے ایک اہم سفارتکار کی زہر فشانی پر کان دھروں۔

"میں اس تبدیلی کا سبب بھی جاننا چاہوں گا۔" میں نے اسے خاموش پا کر لقمہ دیا۔

"ملا سرکار کے ذریعے ہمیں جو خبریں ملتی رہیں، ان کی بنا پر ہمارا خیال ہے کہ تمہارے اور اس کے تصادم میں تمہاری حب الوطنی سے زیادہ تمہاری انا پرستی کا دخل تھا۔ آج کے دور میں ویسے بھی قوم اور وطن جیسے نظریات دم توڑتے جا رہے ہیں اور عالمی انسانی برادری کا نظریہ زور پکڑتا جا رہا ہے۔ ان حالات میں ہر سمجھدار آدمی خود کو ان عامیانہ نعروں سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور ہمیں امید ہے کہ تم خود بھی ماضی کو بھلا کر ہمارے ساتھ تعاون کرنے پر رضامند ہو جاؤ گے کیونکہ اسی میں تمہاری اور ہم سب کی بہتری مضمر ہے۔"

"تم بولتے رہو۔ میں تمہارا ایک ایک لفظ سن رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اس وقت اتفاق سے غزالہ ہماری تحویل میں ہے اور کچھ نہ سہی تو تم اس کی سلامتی کے لئے ہی ہم سے تعاون کرنے کی ضرورت محسوس کرو گے کیونکہ وہ لڑکی تمہارے لئے بہت اہم ہے۔"

"یہ تعاون اور دوستی کی پیش کش نہیں بلکہ کھلی ہوئی بلیک میلنگ ہے۔" میں نے اپنے وجود کی گہرائیوں میں سے ابھرنے والی قہر و نفرت کی سرکش لہروں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔" اس نے سرہلاتے ہوئے کہا "تم اپنی سہولت کے لئے جو چاہو کہہ سکتے ہو۔ اصل بات دوستی اور تعاون کی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔"

"تعاون کی نوعیت کیا ہوگی؟" میں نے بھی بحث سے گریز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"بہت محدود اور عارضی!" وہ سوچے سمجھے انداز میں بولا "ہم جانتے ہیں کہ تم جیسے افراد کو طویل مدت کے لئے اپنا پابند نہیں کیا جا سکتا۔ تمہارا حریف ملا سرکار کافی دنوں سے لاپتا ہے۔ وہ زندہ ہے، مر گیا یا زخمی ہونے کے بعد کہیں چھپا ہوا ہے...... اس بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ ہم اپنے مروجہ وسائل سے اس کا سراغ حاصل کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں اور اب اس سلسلے میں تمہاری مدد چاہتے ہیں۔"

میرا دل چاہا اس کی بات پر زوردار قہقہہ لگاؤں اور اسے آگاہ کر دوں کہ ملا سرکار کے چیتھڑے، بہت دن قبل دریائے سندھ کی مچھلیوں کی خوراک بن چکے ہیں اور اسے کچھ شبہ ہو تو وہ اپنے باپ، ہیری کیسنجر سے اس امر کی تصدیق کر سکتا ہے۔

لیکن میں خاموش ہی رہا۔ جو بات اس کے لئے شدید الجھن اور پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی اسے اتنی آسانی کے ساتھ حل کرنا مناسب نہیں تھا۔ پھر ہیری کیسنجر کے ملک نے بھارتیوں کو اس امر کی ہوا بھی لگنے نہیں دی کہ انہوں نے ملا سرکار سمیت متعدد اہم انڈین سیکرٹ ایجنٹوں کے جسموں میں دل کی دھڑکنیں نشر کرنے والے ایسے ننھے آلات چھپائے ہوئے تھے جن کی مدد سے وہ اپنے کارڈیو مانیٹرنگ یونٹ پر ان کی زندگی یا موت کے بارے میں پل پل کی خبر رکھتے تھے۔ میں اسے ضرور بتانا چاہتا تھا کہ ملا سرکار کی موت

واقع ہوتے ہی ہیری کیسنجر کو اس کی خبر ہو گئی تھی جسے اس نے دیدہ ودانستہ اتنے دن سے چھپایا ہوا تھا لیکن اس خبر کے انکشاف کے لئے مجھے کسی مناسب موقع کا انتظار کرنا تھا جو اس وقت میسر نہیں تھا۔

"یہ تو صرف تحقیق و تفتیش میں دماغ سوزی کا معاملہ ہے۔ اس میں مجھے کوئی عذر نہیں ہو گا۔" میں نے سنجیدگی کی ساتھ کہا "آج کل میں عملی بھاگ دوڑ سے خود بھی دور رہتا ہوں۔"

"لیکن ایک کام اور بھی ہے۔ اس میں تمہارا اہم رول ہو گا۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"اس کے بعد کوئی تیسرا کام تو پیدا نہیں ہو جائے گا؟" میں نے تیوریاں چڑھا کر پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے پُر وثوق لہجے میں کہا "اس کے بعد تم آزاد ہو جاؤ گے۔"

اس کے سفید جھوٹ پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ جب تک میرا دامن صاف تھا' وہ اپنا کام لینے کے لئے مجھے دیرا کے نام پر بلیک میل کر رہا تھا لیکن جب اس کے پاس میری ملک دشمن سرگرمیوں کے بارے میں ٹھوس ثبوت آجاتے تو وہ جب چاہتا' میرے اوپر کوئی کام مسلط کر دیتا اور میں ساری عمر کے لئے اس کا غلام ہو کر رہ جاتا۔ میں اس کے احکام ماننے سے انکار کرتا تو وہ میرے خلاف موجود شہادتیں حکام کے حوالے کرنے کی دھمکی دے کر میرے انتخاب کی راہیں مسدود کر دیتا۔

وہ میرے شبہات نہیں تھے بلکہ سارے ہی سیکرٹ ایجنٹ دشمن ممالک کی سرزمین پر چھوٹے چھوٹے اور بظاہر بے ضرر کاموں سے ابتدا کر کے سادہ لوح افراد اور خاص طور پر نوجوانوں کو پھانستے ہیں۔ ان کا شکار بننے والے مقامی افراد غدار یا ملک دشمن نہیں ہوتے بلکہ غیر ملکیوں' خصوصاً لڑکیوں سے بے تکلفانہ دوستی کے شوق میں بعض ایسے کام کر گزرتے ہیں جو ان کی نظروں میں فضول اور بے ضرر ہوتے ہیں لیکن درحقیقت دوررس اثرات کے حامل ہوتے ہیں پھر یہ سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور نوبت کھلے کھلے غدارانہ کاموں کے مطالبے تک پہنچتی ہے تو انہیں ہوش آتا ہے۔ ان کی قومی غیرت و حمیت جوش میں آجاتی ہے اور وہ اپنے ضمیر کی آواز پر ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے صاف انکار کر دیتے ہیں اور اس مرحلے پر آئینہ ان کے سامنے سرکا دیا جاتا ہے۔ انہیں بتایا جاتا ہے کہ ضمیر کی بیداری سے قبل وہ جو کچھ کرتے رہے وہ بھی اپنے نتائج کے اعتبار سے غداری اور ملک فروشی سے کم نہیں تھا اور اگر ان کے حکام کو ان کی ایسی سرگرمیوں کے بارے میں خبریں اور شہادتیں فراہم کر دی جائیں تو وہ وطن فروشی کے الزام میں فوراً دھر لئے جائیں گے اور انہیں اپنی خواہشات کے برعکس ان مکار ایجنٹوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑ جاتے ہیں۔

وہ حربے نو آموز لوگوں کے لئے بہت کارگر ثابت ہوتے تھے۔ شہر کی بڑی اور سماجی تقریبات میں بن سنور کر شریک ہونے کا شوق اور غیر ملکی نازنینوں کی ہم نشینی کا خمار بہتیرے نوجوانوں کو بہکانے کا سبب بن جاتا تھا لیکن شری مان سنگھ مجھ جیسے پرانے کھلاڑی پر بھی وہی حربہ آزمانے کا ارادہ رکھتا تھا جس کی کامیابی کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا۔

مگر اس کے دل کی بات اگلوانے کے لئے اس سے اتفاق رائے ظاہر کرنا ضروری تھا اس لئے میں نے قدرے توقف کے بعد کہا "غزالہ کی سلامتی کے لئے مجھے سمجھوتا کرنا ہی پڑے گا۔"

"غلام رسول نامی صف اول کا نامور سیاستدان آج کل مافیا کی تحویل میں ہے۔" اس کے الفاظ سنتے ہی میرا ذہن بھک سے اڑ گیا۔ وہ بہت اندر کی اور ایسی خبر تھی کہ جس کے بارے میں ظفر جیسا باخبر آدمی بھی کچھ نہیں جان سکا تھا۔ اگر میں نے اسے اعتماد میں نہ لیا ہوتا تو اس وقت بھی غلام رسول کے بارے میں بے خبر ہی ہوتا لیکن شری مان سنگھ اس معاملے سے پوری طرح باخبر معلوم ہوتا تھا۔

"مافیا والے اسے پاکستان سے نکال کر بھارت پہنچانا چاہتے ہیں لیکن ہر طرف کڑی نگرانی ہونے کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو پا رہے۔" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "ہماری اور پاکستانی حکومتوں کے درمیان کشیدگی ہونے کی وجہ سے اکثر و بیشتر ہماری نگرانی ہوتی رہتی ہے اس لئے ہم تسلسل کے ساتھ مافیا والوں سے رابطہ نہیں رکھ سکتے اور ہمارا کام ایک آدھ ملاقات سے نہیں چلے گا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم ہماری طرف سے ان سے ملو اور غلام رسول کو ہمارے قونصل خانے تک لے آؤ۔ اس سے آگے کا سارا کام ہم خود سنبھال لیں گے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ مافیا ہی کی تحویل میں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا "پولیس کے قبضے میں سے اسے اغوا کئے جانے کی خبر تو میں نے اخباروں میں بھی پڑھی تھی لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اسے اٹھا لے جانے والے کون لوگ تھے۔"

"ہمارے پیشے میں خبروں کے ذرائع کبھی ظاہر نہیں کئے جاتے۔ تمہیں اتنی ہی بات بتائی جائے گی جس کا تعلق تمہارے کام سے ہو گا۔ تمہیں اس سے آگے کی فکر نہیں ہونا چاہئے۔"

"یہاں مافیا کو کون لوگ چلا رہے ہیں؟" میں نے تذبذب اور فکرمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بھی بتا دیا جائے گا لیکن پہلے تمہاری طرف سے رضامندی کا اظہار ہونا چاہئے۔"

"اس معاملے میں غزالہ کی رہائی کا کوئی ذکر شامل نہیں ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تمہاری پچاس فی صد کامیابی پر' یعنی دو میں سے ایک کام پورا ہونے پر غزالہ تمہارے سپرد کر دی جائے گی۔" اس نے متانت کے ساتھ کہا۔ "اس وقت تک وہ ہمارے پاس رہے گی۔"

اس کی دوسری شرط نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ جدید ترین مواصلاتی ترقیوں کی وجہ سے دنیا بہت وسیع نہیں رہی تھی لیکن مجھے یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ دنیا اتنی مختصر ہو چکی ہو گی کہ ہر شخص ہر بات سے باخبر نظر آنے لگے گا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سب موت کے سوداگر ہوں کیونکہ سیاست 'غداری' سازشوں کی منصوبہ سازی اور ہوس ملک گیری کے اس گھناؤنے کھیل میں ہیروئن کا پیسہ چڑھ کر بول رہا تھا۔ اسی سے ہتھیار خریدے جا رہے تھے اور وہی سازشیوں کو ایندھن فراہم کر رہا تھا۔

واقعات کے حقیقی تناظر میں ہیری کیسنجر اور شری مان سنگھ کے سفارت خانوں سے لے کر مقامی مافیا اور شی تک' سب ہی ایک تھیلی کے چٹے بٹے نظر آ رہے تھے۔ ان کے روپ' چہرے اور محاذ مختلف تھے لیکن ان سب کا مقصد ایک ہی تھا۔ ان تمام شیطانی قوتوں میں ایک امر پر کوئی مقدس سمجھوتا ہو چکا تھا جس کا نچوڑ یہ تھا کہ پاکستان کو سیاسی' معاشی' معاشرتی اور جغرافیائی اعتبار سے اس قدر مجہول اور ناکارہ بنا دیا جائے کہ نظریئے کے نام پر وجود میں آنے والا یہ واحد ملک عالمی نقشے پر اپنی شناخت کھو بیٹھے۔

اس ضمن میں شی اپنی ناپاک سازش کا پہلا مرحلہ کسی قابل ذکر مزاحمت کے بغیر مکمل کر چکی تھی۔ اس کی تائید کچھ عرصہ پہلے امریکی سفیر کی ایک اہم تقریر سے ہو گئی تھی۔ اس نے طمانیت کے بھرپور احساس کے ساتھ بتایا تھا کہ دنیا بھر کی زیر زمین منڈیوں کو کنٹرول کرنے والے ملک میں افیم کی پیداوار اس حد تک گھٹا دی گئی تھی کہ وہ ملک اپنے ملک میں ہیروئن کے عادی افراد کی تیزی سے بڑھتی ہوئی تعداد اور ضروریات کو پورا کرنے کے لئے خود افغان قبائل سے آنے والی خام افیم اور ہیروئن کا محتاج ہو کر رہ گیا تھا۔ شی نے ایک منظم سازش کے ذریعے میرے وطن میں ہیروئن کو متعارف اور مقبول کرایا تھا اور اس کاری ضرب کے بعد وہ اس ملک کے وجود پر وار کرنے کی آخری تیاریوں میں مصروف تھی۔

مقامی مافیا ہیروئن کی عالمی منڈی میں اپنا حصہ بڑھانے کے لئے کوشاں تھی مگر مدر مافیا کے زیر اثر اس کا جھکاؤ بھی ان ہی عناصر کی طرف ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا جو پاکستان کے خیر خواہ نہیں تھے۔ ہیری کیسنجر اور شری مان سنگھ کے بارے میں کچھ سوچنا ہی بے سود تھا کیونکہ وہ پاکستان کے ہر دشمن کے گہرے اور قابل اعتماد دوست تھے۔

اور میں اپنی بدقسمتی کے طفیل ان شیطانی قوتوں کے ہجوم میں اس بری طرح سے گھر کر رہ گیا تھا کہ ان میں سے ایک سے اپنا گریبان چھڑاتا تو دوسرا میرا دامن جکڑ لیتا تھا۔

"تمہاری شرائط مجھے قبول ہیں۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "میں فوری طور پر کام شروع کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"گڈ! مجھے پوری امید تھی کہ مجھے تم سے براہ راست بات کرنے کا موقع ملا تو تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔" وہ مسکراتے ہوئے گرمجوشی کے ساتھ بولا۔ "اب سنو کہ مقامی مافیا کا ر
سیٹھ حبیب جیوانی نام کا مقامی سرمایہ دار ہے جو جرمنی میں ہی
اسمگل کرنے کے جرم میں گرفتار ہو کر وہیں کی ایک جیل میں انتقا
کر چکا ہے۔" مافیا اور اس کے سربراہ کے بارے میں شری مان
کی معلومات قابل رشک تھیں۔

"تو کیا وہ مردہ ہونے کے باوجود مافیا کی سربراہی کر رہا ہے؟"
میں نے حیرت سے پوچھا۔

وہ معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔ "یہ قانونی پوزیشن ہے
وہ جیل سے نکل کر پاکستان آ گیا تھا۔ اس کے نام سے مرنے وا
شخص تھا جسے بھاری معاوضہ دے کر اصل مجرم کے بدلے میں
میں پہنچایا گیا تھا۔ غلام رسول کے بارے میں تم کو اسی سے معاملا
طے کرنے ہوں گے۔"

"تم اس سے ذاتی طور پر واقف ہو؟" میں نے متجسس لہجے
پوچھا۔

"نہیں ....!" اس نے سہلاتے ہوئے کہا اور اس کے
الفاظ ایک چیخ میں ڈھل گئے۔

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے ہوئے 'منہ کے بل گھا
پر آ رہا۔ اس کی چیخ سے پہلے کھٹ کی ایک سخت آواز آئی تھی
ٹکرا تو اس کے سر کے عقبی حصے سے تیزی کے ساتھ خون جار
تھا۔

قرب و جوار سے متعدد افراد ہم دونوں کی طرف لپکے تھے لیک
میری نگاہیں ان دو تنومند افراد پر جم کر رہ گئی تھیں جو اپنے ہاتھو
میں کلاشنکوفیں سنبھالے' دوڑتے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے۔

وہ دونوں شری مان سنگھ کے مسلح محافظ تھے جو اس سے
رہ کر اس کی حفاظت کا فرض سرانجام دے رہے تھے۔ ان دونوں
کی کلاشنکوفوں میں میگزین چڑھے تھے اور وہ ضرورت پیش آنے
کسی بھی لمحے گولیاں برسانے کے لئے پوری طرح تیار تھے۔ ان کی
مستعدی اور فرض شناسی کا یہ عالم تھا کہ وہ میرے کچھ سوچنے
سے پہلے ہی میرے سر پر مسلط ہو چکے تھے اور ہم تینوں نے تقر
بیک وقت ہی سہارا دے کر زخمی شری مان سنگھ کو گھاس پر
اٹھانے کی کوشش کی تھی۔

"پتا نہیں یہ کس بدمعاش کی شرارت تھی؟" شری مان
ہمارے سہارے اٹھتے ہوئے جھلائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ "
سر چکرا کر رہ گیا۔"

اس کے سر کے عقبی حصے سے خون نکل رہا تھا اور اس

انگلیاں، اسی کے اپنے لہو سے رنگین ہو رہی تھیں۔ اس دوران میں دونوں مسلح آدمیوں نے گہری اور اشتباہ آمیز نظروں سے مجھے گھورا تھا لیکن ان میں سے کسی نے مجھ سے کوئی لفظ نہیں کہا تھا۔

شاید ان کی خاموشی کی وجہ یہ رہی ہو کہ شری مان زخمی ضرور ہو گیا تھا مگر وہ واضح طور پر کسی آتشیں ہتھیار کا وار نہیں تھا۔ اس کے سر کے پچھلے حصے میں گولی لگی ہوتی تو وہاں نہ صرف خون کا تالاب بن جاتا بلکہ شری مان سنگھ بھی بڑبڑانے کے لئے زندہ نہیں رہا ہوتا۔

فریئرہال کے سبزہ زار پر تفریح یا وقت گزاری کے لئے آنے والوں میں سے کسی کے پاس اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ دوسروں کی مصروفیات پر نظر رکھنے کی کوشش کرتا اس لئے ہمارے ارد گرد جمع ہونے والوں میں سے کسی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں پہلے سے شری مان سنگھ کے ساتھ وہاں موجود تھا۔

لوگوں نے دبے دبے، تجسس آمیز لہجے میں اس صورتِ حال کے بارے میں جاننے کی کوشش کی لیکن ان دونوں نے تحکم آمیز لہجے میں لوگوں کو ڈانٹ پھٹکار کر وہاں سے منتشر ہونے کے لئے کہا۔ اس وقت وہ اپنے لب و لہجے سے کسی اہم سرکاری محکمے کے سادہ پوش اہل کار معلوم ہو رہے تھے اس لئے کسی نے بھی ان سے الجھنے کی کوشش نہیں کی اور وہ انہماک سے شری مان سنگھ کی کھوپڑی کے عقبی حصے کا معائنہ کرنے لگے۔

"کیا ہوا تھا؟" میں نے ہمدردانہ لہجے میں شری مان سنگھ سے سوال کیا۔

اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں اور اس نے عجیب سے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔ "تو کیا تمہیں واقعی علم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے؟"

"فکر نہ کرو، دس منٹ میں اس سے ہر بات اگلوا لیں گے۔" مسلح افراد کی جوڑی میں سے دبلے پتلے شخص نے دھیمی غراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میرے سامنے۔۔۔"

لیکن شری مان سنگھ نے نرمی کے ساتھ اس کی بات وہیں کاٹ دی اور جلدی سے بولا۔ "اس سے بدتمیزی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ میرے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی پتھر بہت تیزی کے ساتھ میرے سر پر لگا ہو۔ میرا نیچے گرنا، ضرب کی شدت سے زیادہ بوکھلاہٹ کا نتیجہ تھا۔ چند ثانیوں تک تو مجھے بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ میں پتھر سے زخمی ہوا ہوں یا میرے سر میں گولی پیوست ہو چکی ہے۔"

"یہ اس کے کسی ساتھی کی حرکت بھی ہو سکتی ہے۔" وہی شخص مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہاں سیکڑوں افراد موجود ہیں۔ ان سب کو چھوڑ کر پتھر تمہاری ہی طرف کیوں آیا؟"

"یہ پتھر کسی اور کے لگا ہوتا تو اس کے بارے میں بھی یہی کہی جا سکتی تھی۔" میں نے اپنی برہمی کا اظہار کرنے کے لئے ترشی سے کہا۔

"بس اب بات نہ بڑھاؤ!" شری مان سنگھ نے دخل دیتے ہوئے اپنے آدمی کو روکا۔ "تم لوگوں کو آپس میں الجھنے کے بجائے کسی مشتبہ آدمی کی تلاش پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت تھی۔"

"میں اسے بے آواز پستول کا فائر سمجھا تھا اور میں نے فوراً ہی تمہاری پشت پر نظریں دوڑائی تھیں لیکن وہاں کوئی مشتبہ آدمی موجود نہیں تھا۔" میں نے کہا۔

شری مان سنگھ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے میں نے وہ بات کہہ دی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس کے گرتے ہی میں نے ظفر کو درختوں کے ایک کنج کے پاس دیکھا تھا اور اس وقت بھی وہ بے پروایانہ انداز میں ہمارے قرب و جوار میں ہی منڈلا رہا تھا۔

"باتوں میں وقت ضائع نہ کرو!" اسی دبلے پتلے محافظ نے مربیانہ انداز میں شری مان سنگھ کی پشت پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "خون کم ضائع ہوا ہے مگر زخم پھول گیا ہے، تمہیں فوری امداد کی ضرورت ہے۔ یہ باتیں بعد میں بھی کی جا سکتی ہیں۔"

"ہوش میں رہو ڈپٹی!" شری مان سنگھ نے غصے سے اس کا ہاتھ دور جھٹک دیا۔ "تم میرے باپ یا افسر نہیں ہو۔ میں اپنی ضروریات سے بخوبی واقف ہوں۔ جا کر گاڑی میں میرا انتظار کرو! میں فارغ ہو کر واپس آتا ہوں۔" اسے پھٹکارنے کے بعد شری مان سنگھ نے اس کا ردعمل دیکھنے کی کوشش کئے بغیر اپنا رخ گھما لیا۔ وہ دونوں مجھے خشمناک نگاہوں سے گھورتے ہوئے واپس چل دیئے۔

"تم نے کہا تھا کہ یہاں تمہارے کچھ خیر خواہ بھی موجود ہیں؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد شری مان سنگھ نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔

"کہا تو تھا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا یہ ان میں سے کسی کی حرکت نہیں ہو سکتی؟" اس نے مرعوب ہوئے بغیر سوال کیا۔

"ہوش کے ناخن لو!" میں نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے تیوریاں چڑھا کر کہا۔ "میرا نام ڈیبی ہے۔ میرے آدمی پتھر نہیں گولیاں چلاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی تم پر مہربان ہو گیا ہوتا تو تم اس وقت زندہ نہ ہوتے۔ یہ ایک اتفاق بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی بچے کا پھینکا ہوا پتھر تمہارے سر پر آ لگا ہو۔"

"کاش وہ پتھر تمہارے لگا ہوتا!" وہ غصے اور بے بسی کے ساتھ بولا۔ "میں اتنا ناتجربے کار نہیں ہوں کہ بچے کے پھینکے ہوئے بے ضرر پتھر اور پوری قوت سے مارے جانے والے پتھر میں فرق محسوس نہ کر سکوں۔ مجھے واضح طور پر نشانہ بنایا گیا تھا۔"

"فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے بے پروائی اختیار کرلی۔ "اپنے آدمیوں سے ملنے کے بعد ہی میں اس پُراسرار واردات کے بارے میں کوئی رائے قائم کرسکوں گا۔"

"میں نے دونوں کام تمہیں بتادئے ہیں۔" وہ بولا "میرا فون نمبر تمہارے پاس ہے۔ جیسے ہی کوئی خبر ملے مجھ سے فون پر رابطہ کرلینا۔ میں انتظار کروں گا۔"

"لیکن غزالہ کے بارے میں اپنا وعدہ یاد رکھنا۔" میں نے اسے یاددہانی کراتے ہوئے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ رجنی کا معاملہ اگلی ملاقات میں طے کیا جائے گا۔" رجنی کا ذکر کرتے ہوئے اس کا دہانہ بگڑ گیا تھا۔

ڈپٹی کے نام سے مخاطب کیا جانے والا شخص اپنے ساتھی سمیت واپس جاچکا تھا اس لئے ہم دونوں بے فکری سے بات کرسکتے تھے۔ اس تخلیئے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "یہ یاد رکھنا کہ ہمارے آج کے معاہدے کا رجنی کی ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"مجھے یاد ہے۔" اس کی آواز میں تلخی عود کر آئی۔ "لیکن تم بھی یاد رکھنا کہ میں نے اس کے قتل کے لئے تم کو مُنہ مانگا معاوضہ دینے کی پیشکش کی ہے۔ میری شرط صرف اتنی ہے کہ اس کی لاش دستیاب ہونی چاہئے یا اس کے قتل کا ناقابلِ تردید ثبوت موجود ہونا چاہئے۔"

وہ اپنی بے وفا بیوی رجنی سے حد سے زیادہ بدظن تھا۔ میرے دل میں یہ آرزو مچل رہی تھی کہ میں رجنی کے حسن و جمال اور دوسروں کے ساتھ اس کی فیاضیوں کے حوالے سے شری مان سنگھ کے زخموں پر نمک پاشی کروں لیکن میں اپنی اس آرزو کو عملی جامہ پہنانے کی جرات نہ کرسکا کیونکہ اس وقت تک غزالہ، شری مان سنگھ کی تحویل میں تھی اور میری زبان کے چوکے کھانے کے بعد وہ غزالہ کے ساتھ کوئی بھی ناروا سلوک کرنے پر مائل ہوسکتا تھا۔

کسی بھی انسان کے کردار اور گفتار کی ساری خوبیاں اسی وقت تک برقرار رہتی ہیں جب تک اس کی انا پر کوئی کاری ضرب نہ آئی ہو اور اس کے دل و دماغ میں اپنی عزت نفس کا احساس پوری طرح زندہ ہو۔ اپنی یا اپنے قریبی لواحقین کی کسی لغزش کے نتیجے میں یہ عزتِ نفس ایک بار مجروح ہوجائے تو انسان یک بیک اپنے بلند مقام سے گر کر ایک گھٹیا وحشی درندہ بن جاتا ہے۔ گزری ہوئی لغزش کو لوٹانا اور پھر اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنا اس کے بس اور اختیار سے باہر ہوتا ہے اس لئے تضحیک اور تذلیل سے بچنے کے لئے اس کے سامنے واحد راہ یہی رہ جاتی ہے کہ وہ اپنے گردوپیش میں موجود تمام لوگوں کے چہروں پر غلاظت کی سیاہی مل کر انہیں ان کے بلند تر مقام سے ایک ایسے نچلے درجے پر گھسیٹ لائے جہاں وہ خود کو ان سب سے برتر نہ سہی تو کم از کم برابر ضرور سمجھ سکے۔

رجنی، شری مان سنگھ کی بیوی تھی لیکن وہ اپنے شوہر کی پر
ورانہ کمزوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے آزادی اور بے
روی کی تمام حدوں کو عبور کرچکی تھی۔ خاندان کی عزت اور ر
کو بچانے کے لئے شری مان سنگھ اس سے علیحدگی اختیار نہ
کرسکتا تھا۔ وہ دونوں میاں بیوی اپنے وطن سے دور، پردیس
مقیم تھے اس لئے اُن کے خاندانوں کو اندر کی گھناؤنی کہانیوں کا
نہیں ہوگا۔ ان کے لئے بس یہی جاننا کافی تھا کہ وہ دونوں
دھرم کے رشتے میں بندھے ہوئے زندگی گزار رہے تھے لیکن ر
اپنی بے وفائیوں کی وجہ سے شری مان کے لئے ایک گالی بن چ
تھی۔ موتن لال کے ساتھ اس کے معاشقے کی پوری کہانی میر
علم میں آچکی تھی۔ اس کے لئے یہ بات برداشت سے باہر تھی
اس کی بیوی اس کے دوستوں، شناساؤں اور اجنبیوں کی خلوتیں
کرتی پھرے۔ اس کی آوارہ منش بیوی نے اسے خود اپنی ہی نگاہ
میں گرادیا تھا۔ ایسی سنگین اور حساس صورتِ حال میں اگر مان
کو زیادہ ذلیل و خوار کیا جاتا تو اس کے وجود میں انتقام کی وہی وحشیا
آگ بھڑک سکتی تھی جو انسان کو درندہ بنادیتی ہے۔ ایسی صور
میں وہ مجھے ذلت، مایوسی اور بے بسی سے دوچار کرنے کے لئے
قید میں موجود غزالہ کے بارے میں کچھ بھی کر گزرنے پر قادر تھا
اس بارے میں اٹھا ہوا اس کا ایک قدم بھی میرے لئے زندگی بھر
روگ بن سکتا تھا اس لئے میں نے اس کے وجود میں سوئے ہوئے
بھیڑیے پر لعن طعن کے تیر برسانے کا ارادہ فوراً ہی ترک کردیا۔

"یہ ایک علیحدہ پیشکش ہے میں اس پر غور کروں گا۔" میں
نے قدرے توقف کے بعد گہری سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا اور وہ
میری طرف ہاتھ لہرانے کے بعد آگے بڑھتا چلا گیا۔

میں اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، بے پروایانہ انداز میں وہ
ٹہلتا رہا۔ اس وقت ظفر مجھ سے زیادہ دور نہیں تھا اور ہم دونوں
ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ سکتے تھے مگر اس نے بھی شری مان سنگھ
کے جاتے ہی میری طرف آنے کی حماقت نہیں کی بلکہ ٹہلتا ہوا اُ
طرف چل دیا جہاں اس کی بندوین کھڑی ہوئی تھی۔

شری مان سنگھ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ وہ ایک اہم سفا
مشن کا اعلیٰ عہدیدار تھا اور اپنی اس پوزیشن کی آڑ میں سنگین نو
سازشی سرگرمیوں میں معروف تھا اس لئے اُس کے بارے میں
گمان نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ اہم معاملات میں کسی بھی قسم کی
پروائی یا غفلت کا مرتکب ہوسکتا ہے۔ وہ فریئرہال کے سبزہ زار
آگے بنی ہوئی سرخ سیڑھیاں اتر کے غائب ہوچکا تھا۔ اس
انتظار میں کھڑی ہوئی گاڑی بھی روانہ ہوچکی تھی لیکن مجھے
یقین تھا کہ اس گھاگ سفارت کار نے میری نگرانی کے لئے
کسی نہ کسی آدمی کو وہاں ضرور چھوڑا ہوگا۔ جو میرے ساتھیوں
پہچاننے کے علاوہ میرا پیچھا کرنے کی کوشش بھی کرے گا۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد میں بھی فریئرہال کے اس بند

کی طرف چل دیا جہاں پنتے سڑک پر میری کار کھڑی ہوئی تھی۔
ظفر یا اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے میری طرف آنے کی کوشش نہیں کی اور میں اپنی گاڑی وہاں سے نکال کر روانہ ہو گیا۔ آگے سے یوٹرن لینے کے بعد میں نے عقب نما آئینے میں ایک سفید کار دیکھی۔ وہ کار میرے نکلنے کے بعد ہی فریئر ہال کے سامنے والے حصے کے نزدیک سے حرکت میں آئی تھی۔ اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی بند وین اس سفید کار کے پیچھے تھی۔
ٹریفک سگنل پر پہنچنے تک میں اپنا لائحہ عمل طے کر چکا تھا۔
ٹریفک سگنل کی سرخ روشنی سبز ہوتے ہی میں نے اپنی کار آگے بڑھادی اور ہوٹل میٹروپول کے عقبی حصے سے آگے جانے کے بجائے اسی سڑک پر سیدھا بڑھتا چلا گیا۔ بیشتر ٹریفک شارع فیصل جانے کے لئے داہنی طرف مڑ گیا تھا مگر سفید کار میرے پیچھے لگی ہوئی تھی۔
اگلے چوراہے سے میں نے گاڑی دوبارہ اسی سمت میں گھمالی جدھر سے میں وہاں تک پہنچا تھا۔ میں اس حرکت سے سفید کار والے کو یہ جتادینا چاہتا تھا کہ مجھے اس پر شبہ ہو چکا تھا۔
لیکن اس کے پاس کوئی راہ نہیں تھی۔ وہ شری مان سنگھ کو جواب دہ تھا۔ اگر وہ میرا تعاقب ترک کر دیتا تو اس کے لئے جواب دہی مشکل ہو سکتی تھی اس لئے بات کھل جانے کے بعد اس نے زیادہ ڈھٹائی کے ساتھ میرا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔
لیکن یہ سلسلہ زیادہ دراز نہیں ہو سکا۔ سروسز کلب کے آہنی پھاٹک کے سامنے سے گزرتے ہوئے میرے کانوں میں یکے بعد دیگرے دو ہلکے دھماکوں کی آوازیں آئیں اور عقب نما آئینے میں سفید کار ڈگمگاتی ہوئی الٹے ہاتھ کی طرف بڑھتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی رفتار یک بیک بہت دھیمی ہو گئی تھی۔ اس صورتِ حال کی بنا پر میرے لئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ ظفر کی بند وین کی اگلی نشست سے بے آواز فائر کر کے سفید کار کے کم از کم دو ٹائرز ناکارہ کر دیئے گئے تھے۔
اگلے موڑ پر یک طرفہ راستہ لیتے ہوئے میں نے دیکھا کہ سفید کار سڑک کے کنارے رک چکی تھی اور بند وین میرے بالکل پیچھے چلی آرہی تھی۔
بقیہ سفر کسی قابلِ ذکر واقعے کے بغیر نہایت تیز رفتاری کے ساتھ طے ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں دونوں گاڑیاں آگے پیچھے اس مکان کے احاطے میں داخل ہو گئیں جہاں اسپیشل ٹاسک فورس کا ٹھکانا تھا۔
ظفر وین کی اگلی نشست سے اترتے ہی تیزی کے ساتھ میری طرف آیا تھا۔ اس کے پیچھے سلطان شاہ تھا جب کہ ایس ٹی ایف کے بقیہ آدمی وہیں رک گئے تھے کیونکہ انہیں رجنی کو پوری احتیاط کے ساتھ اندر لے جانا تھا تاکہ وہ اس مکان یا اس کے مکینوں میں سے کسی کو شناخت نہ کر سکے۔

"وہ بھاگنے والی لڑکی کا کیا چکر تھا؟" ظفر نے چھوٹتے ہی مجھ سے سوال کیا۔
اس ذکر پر میرا منہ بن گیا۔ "کچھ بھی نہیں، وہ شری مان سنگھ کا فراڈ تھا۔"
"لیکن لوگ تو بتا رہے تھے کہ تھوڑی دیر پہلے کوئی جواں سال لڑکی بھاگ نکلی تھی جس کے پیچھے کئی آدمی بھی بھاگے تھے؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "آخر وہ کون تھی؟"
سلطان شاہ پورے وقت وین میں بند رہا تھا اس لئے اُسے اس معاملے کے سر پیر ہی کا کچھ پتا نہیں تھا اس لئے وہ ہم دونوں کی گفتگو پوری توجہ سے سن رہا تھا۔
"کسی نامعلوم لڑکی کو وہ اپنے ساتھ لایا تھا جس نے آتے ہی دوڑ لگادی تھی۔"
"اس کا مطلب ہے کہ وہ شروع ہی سے بدنیتی پر آمادہ تھا؟"
"لیکن اس نے رجنی کی واپسی کا مطالبہ تو کیا ہوگا؟" سلطان شاہ نے بات سمجھ جانے کے بعد پہلی بار ہماری گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے سوال کیا۔
"اسے رجنی سے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔
"کیا مطلب؟" ظفر بری طرح چونک کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔
اس اثنا میں ہم ظفر کے دفتر تک پہنچ چکے تھے اس لئے نشستیں سنبھالنے تک میں خاموش رہا۔
"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" بیٹھ جانے کے بعد ظفر نے مجھے ٹوکا۔
"وہ رجنی سے ہمیشہ کے لئے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔
میرے اس انکشاف پر وہ دونوں ہی حیران رہ گئے جیسے میں نے کوئی اَن ہونی بات کہہ دی ہو۔
"لیکن یہ ملاقات تو رجنی اور غزالہ کے تبادلے کے لئے ہی طے ہوئی تھی؟" سلطان شاہ بولا۔
"وہ ایک بہانہ تھا۔" میں نے کہا اور پھر انہیں پوری کہانی سناتا چلا گیا۔
اس کہانی کا ایک ایک لفظ ان کے لئے حیران کن تھا۔ میرے خاموش ہوتے ہی ان دونوں نے مجھ پر اپنے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔
"مزید کچھ جاننے سے پہلے مجھے دو چار سوالات کے جوابات دیتے چلو!" میں نے ہاتھ اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ شری مان سنگھ کی کھوپڑی پر کیا گزری تھی۔"
میرے سوال پر ظفر بے ساختہ ہنس پڑا۔ "وہ میری حرکت تھی۔" اس نے اعتراف کیا۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے اس کی کھوپڑی تاک کر کوئی پتھر مارا تھا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں نے غلیل سے اس کے سر کا نشانہ لیا تھا۔" وہ بدستور ہنستے ہوئے بولا۔

"تو کیا تم غلیل بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ایک اتفاق تھا۔ میں وہاں ٹہل رہا تھا تو میں نے ایک نوعمر لڑکے کو غلیل سے پرندوں پر نشانے بازی کرتے دیکھ کر دوبار منع کیا لیکن وہ باز نہیں آیا تو میں نے اس سے غلیل چھین لی۔ جب وہ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا تو میں نے غلیل جھاڑیوں میں پھینک دی۔" ظفر نے کہنا شروع کیا۔ "جب شری مان سنگھ کو تم سے بات کرتے ہوئے کافی دیر ہوگئی تو مجھے بے چینی محسوس ہونے لگی۔ میں قریب آکر تم دونوں کے مذاکرات کے بارے میں جاننا چاہتا تھا لیکن وہاں تک پہنچنے کے لئے کوئی بہانہ نہیں تھا۔ آخر کار مجھے غلیل کا خیال آیا اور میں نے لوگوں کی نظروں سے بچ کر ایک کنج میں سے غلیل چلادی۔ میرا نشانہ ٹھیک رہا لیکن میرا مقصد پورا نہیں ہوسکا۔ مسلح آدمیوں کو دیکھتے ہی مجھے تمہاری طرف آنے کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ مجھے الجھن تھی کہ غزالہ یا رجنی کے سامنے آئے بغیر تمہارے مذاکرات طول کیوں پکڑ رہے تھے؟"

"اس کا مطلب ہے کہ شری مان نے صحیح اندازہ لگایا تھا!" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"اس کا کیا اندازہ تھا؟" ظفر نے متجسس لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"ٹھوس اور کند چیز کی ضرب پڑتے ہی اس نے سمجھ لیا تھا کہ وہ کوئی پتھر تھا۔" میں نے کہا پھر پوچھا۔ "اور سفید کار کے ٹائروں کو کیا ہوا تھا؟"

"مجھے پہلے ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ شری مان سنگھ کا آدمی ہے۔ ہم اسے اپنے پیچھے لگا کر یہاں تک لانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے اس لئے میں نے اس کے ٹائروں کو ناکارہ کردیا۔" وہ بولا۔

"میں نے ٹائر پھٹنے کی آواز سنتے ہی بے آواز فائروں کے بارے میں سوچا تھا۔" سلطان شاہ بولا۔

"اب تم بتاؤ کہ یہ کیا چکر ہے؟" ظفر پھر میرے پیچھے پڑ گیا۔

"اب وہ لوگ تمہیں اپنا آلۂ کار بنانا چاہتے ہیں۔"

"ان کی کوششیں بارآور نہیں ہوسکیں گی۔" میں نے کہا۔ "یہ ایک حقیقت ہے کہ ملّا سرکار دردناک موت کا شکار ہوچکا ہے۔ اس بار تم لوگوں کی خاموشی میرے کام آئے گی۔ میں انہیں ملّا سرکار کی موت سے آگاہ کرکے غزالہ کو ان کے چنگل سے نکالنے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔"

"وہ تمہارے انکشاف پر آسانی سے یقین نہیں کرے گا۔"

ظفر نے کہا۔

"وہ میری بات رد کرسکتا ہے لیکن میری کیسنجر کی تصدیق کو نظرانداز نہیں کرسکے گا۔"

"میری کیسنجر کو کیا پڑی ہے کہ وہ تمہارے معاملے میں ٹانگ اڑاتا پھرے؟"

"اسے ٹانگ اڑانی پڑے گی کیونکہ ان کی ایک دُکھتی رگ میرے قبضے میں ہے۔"

"وہ کیا؟" ظفر نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔ وہ اول خان کے مقابلے میں خاصا بے صبر تھا۔

"میرے پاس کچھ بھی نہیں لیکن ویرا کے ساتھ مل کر میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہوچکا ہوں کہ میرے پاس اس کی غیرذمے دارانہ گفتگو کا ایسا ٹیپ موجود ہے جو اس کے سفیر تک پہنچا دیا جائے تو... ملازمت سے برطرفی کے ساتھ ہی اسے سرکاری رازوں کے افشا کرنے کے سنگین الزام کا سامنا کرنے پڑے گا۔"

"یعنی تمہارا خیال ہے کہ وہ اپنی نوکری بچانے کے لئے تمہارے اشاروں پر ناچنے لگے گا۔"

"ایک حد تک اسے جھکنا ہی پڑے گا۔ میرے مطالبات بڑھ گئے تو شاید وہ بدک بھی جائے لیکن فی الحال مجھے اپنی کامیابی کا پورا یقین ہے۔"

"پھر غلام رسول اور مافیا والے معاملے کا کیا بنے گا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"کیا شری مان سنگھ کا یہ دعویٰ درست ہے کہ غلام رسول مافیا والوں کی قید میں ہے؟" سلطان شاہ کا سوال مکمل ہوتے ہی ظفر سوال کر بیٹھا۔

"یہ درست ہے۔" میں نے سرہلا کر اقرار کیا۔ "یہ ایک ایسا راز ہے جس سے نہ صرف سرکاری ادارے بلکہ تم خود بھی بے خبر ہو۔ میرا خیال ہے کہ پاکستان میں گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں کہ غلام رسول آج کل کہاں اور کس کی تحویل میں ہے لیکن شری مان سنگھ حیرتناک طور پر ہر بات سے باخبر ہے۔ ایک بار غزالہ میرے قبضے میں آجائے تو پھر میں دیکھوں گا کہ شری مان سنگھ کیا شے ہے اور اس کی پرواز کہاں تک ہے؟"

"تم نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی کہ غلام رسول مافیا کی قید میں ہے؟" ظفر نے شکوہ کیا۔

"مجھے صرف شبہ تھا' شری مان سنگھ نے میرے دل کی بات کہہ کر اس کی تصدیق کردی ہے" میں نے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا۔

"مجھے تمہارے شبہات میں بھی شریک ہونے کا حق حاصل ہے" ظفر بولا "غلام رسول ان کے قبضے میں ہو یا نہ ہو' مافیا والے سماج دشمن عناصر کے زمرے میں آتے ہیں اور ان کی سرکوبی کرنا ضروری ہے پھر تمہیں تو یہ بھی معلوم ہے کہ یہاں ان کا سرغنہ سیٹھ حبیب جیوانی نامی شخص ہے۔"

"خدا کے لئے ان باتوں کی بنا پر کوئی کارروائی شروع نہ کرا دینا!" میں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "ٹھوس معلومات اور بھرپور تیاری کے بغیر ایسے اقدامات نہیں کئے جاتے۔"

"ملا سرکار کے بارے میں معلومات فراہم کرنا تمہاری اور شری مان سنگھ کی ڈیل کا پہلا حصہ ہے۔ جب تک تم غلام رسول کو اس کے حوالے نہیں کرو گے یا سیٹھ حبیب جیوانی سے مل کر ٹھوس معلومات فراہم نہیں کرو گے، شری مان سنگھ تمہارے پیچھے لگا رہے گا۔"

"میں اسے نچاتا رہوں گا" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ایک بار غزالہ کا معاملہ صاف ہو جائے تو میں اسے ناکوں چنے چبوا دوں گا۔"

"مافیا والوں سے تمہارے مراسم کیسے ہیں؟" ظفر کے اس غیر متوقع سوال نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

"مراسم؟" میں نے قدرے بھڑک کر کہا "میرے ان سے مراسم کیوں ہونے لگے؟"

"مراسم دوستانہ ہی نہیں بلکہ ناخوشگوار بھی ہو سکتے ہیں۔ تمہاری اُن سے ایسی کیا دشمنی ہے کہ تم ان کی بھی کھوج میں لگے رہے ہو؟" ظفر مسکرانے لگا۔

"جب زیر زمین دنیا سے رابطہ رکھنا پڑتا ہو تو پھر ہر ایک کے بارے میں خیر خبر رکھنی پڑتی ہے۔ ہمارے یہاں مافیا ابھی بہت زیادہ طاقتور نہیں ہو سکی ہے لیکن اس کے باوجود عام جرائم پیشہ افراد اُس کی راہ سے بچ کر ہی چلتے ہیں۔ شی کی بھرپور سرگرمیاں، یہاں مافیا کی ترقی میں رکاوٹ بنی رہی ہیں لیکن اب شاید حالات میں تبدیلی رونما ہونے لگی ہے۔"

"یہ تم کس بنا پر کہہ سکتے ہو؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"سامنے کی بات ہے۔ انہوں نے پولیس کی تحویل سے غلام رسول کو حلوہ کھلانے کے لئے اغوا نہیں کیا ہوگا۔ ان کے کچھ نہ کچھ پوشیدہ عزائم رہے ہوں گے۔ اب شری مان سنگھ نے ان کا قصہ چھیڑ کر بات واضح کر دی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان دونوں فریقوں کے درمیان پہلے سے براہ راست یا بالواسطہ خفیہ مراسم رہے ہیں اور ان ہی کی بنا پر شری مان سنگھ غلام رسول کی ذات میں دلچسپی لے رہا ہے۔"

وہ موضوع بہت حساس اور سنگین تھا اس لئے ظفر کے ذہن میں بھانت بھانت کے سوالات پیدا ہو رہے تھے۔ وہ سارے معاملات بظاہر ایک دوسرے سے مختلف تھے لیکن اندرون خانہ ان سب کا محور ایک ہی تھا۔ پیشہ ورانہ رقابتوں اور دشمنیوں سے قطع نظر ان سب کا مقصد ایک ہی نظر آ رہا تھا۔

شی بظاہر امریکی معاشرے کو ہیروئن کی یلغار سے بچانے کے لئے وجود میں لائی گئی تھی اور اس کا سربراہ براہ راست امریکی صدر کو جواب دہ تھا۔ ان لوگوں نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے یہ اچھوتی راہ نکالی تھی کہ ایک طرف ریاستی دباؤ کے ذریعے پاکستان میں افیم کی پیداوار کو ناقابل ذکر سطح تک گرانے کا بندوبست کر لیا گیا تھا اور دوسری طرف پاکستان میں ہیروئن کی طلب بڑھانے کے منصوبے پر کام شروع کر دیا گیا جس کے نتیجے میں یہاں پیدا ہونے والی افیم مقامی منڈی کی ضروریات کے لئے ہی کم پڑنے لگی۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لئے افغانستان سے دساور اسمگل ہونے والی ہیروئن کی بھاری مقدار پاکستان ہی میں کھپنے لگی۔ اس مقصد کے حصول کے دوران شی کو اتنا اثر و رسوخ اور سرمایہ حاصل ہو گیا کہ وہ دوسرے معاشرتی اور سیاسی جرائم میں بھی دخیل ہونے لگی۔ مہلک ہتھیاروں کی غیر قانونی تجارت میں اس نے ایک اہم مقام حاصل کر لیا۔ ایک طرف اس کے ملک کے سفارت کار پاکستان میں سازشوں کی آبیاری کرنے میں لگے ہوئے تھے اور بھارتیوں کے ہاتھ مضبوط کر رہے تھے تو دوسری طرف شی ناجائز ذرائع سے ان کے لئے ہتھیار وغیرہ فراہم کرنے کی ذمے داری قبول کر چکی تھی۔

ہیری کیسنجر اور شری مان سنگھ کے سفارت خانوں نے شی کے ساتھ مل کر ایک خوفناک تکون بنالی تھی اور اگر اسپیشل ٹاسک فورس کے ذریعے الحدید پر ہاتھ نہ ڈالا جاتا تو ملک میں ایک بہت بڑی تباہی پھیل سکتی تھی۔

اس پورے کھیل میں مافیا ابتدا ہی سے شی کی ایک کمزور حریف ثابت ہوتی چلی آئی تھی۔ ان دونوں مجرمانہ تنظیموں کے مقاصد میں دور دور تک کوئی ہم آہنگی نہیں تھی لیکن غلام رسول کا معاملہ سامنے آتے ہی مافیا بھی پہلے سے قائم اس تکون میں شامل ہو گئی۔

بظاہر وہ سب ایک دوسرے سے الگ اور مختلف اکائیاں تھیں لیکن پاکستان کو ہر اعتبار سے نقصان پہنچانے کے معاملے پر ان میں مکمل اتفاقِ رائے پایا جاتا تھا۔

ظفر کے ذہن میں ان حوالوں سے متعدد سوالات جنم لے رہے تھے اور میں ان کے جوابات بھی دے رہا تھا لیکن میرا ذہن اس سے آگے تک الجھا ہوا تھا۔

ظفر کی معلومات مجھ سے کہیں کم تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ بُدر مافیا کی ہدایت پر غلام رسول کو پولیس کی تحویل سے نکالا گیا تھا اور اسے جلد از جلد پاکستان سے نکال کر بھارت پہنچانے کا پروگرام طے ہو چکا تھا۔ سیٹھ حبیب جیوانی نے وہ کام میرے ذمے ڈالا ہوا تھا اور میں اس کی انجام دہی میں بے پروائی برت رہا تھا لیکن شری مان سنگھ کی تازہ ترین گفتگو سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کو ہر بات کا پیشگی علم تھا۔

اسے معلوم تھا کہ غلام رسول مافیا کے قبضے میں تھا۔ اس موذی سیاست داں کی منتقلی میں تاخیر ہونے کی وجہ سے بھارتی حکام اضطراب کا شکار ہو رہے تھے۔ اسی دوران میں ویرا کی بدنیتی کی وجہ سے غزالہ کی بازیابی کا مسئلہ کھڑا ہو گیا اور یوں شری مان سنگھ کو مجھ سے غلام رسول اور مافیا کے معاملات پر بات کرنے کا موقع مل گیا۔

اس کی گفتگو سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ مافیا سے میرے تعلق سے بے خبر تھا لیکن جو لوگ بُدر مافیا تک رسائی رکھتے تھے ان کے لئے ایسی باتیں جان لینا مشکل نہیں تھا۔

غلام رسول کو حاصل کرنے کے لئے بھارتیوں کے اضطراب کی وجہ سے اس امر کا امکان بھی پایا جاتا تھا کہ اگر میں شری مان سنگھ کو کوئی تسلی بخش جواب نہ دیتا تو وہ لوگ اپنے ذرائع سے دوسرے مؤثر روابط تلاش کر سکتے تھے جو میری بے خبری میں اپنا ہدف حاصل کر سکتے تھے۔

"تم مجھے سیٹھ حبیب جیوانی کا ٹھکانا بتاؤ!" آخر کار ظفر نے بحث کو ختم کرتے ہوئے کہا "میں اس کے حلق میں ہاتھ ڈال کر سب کچھ اگلوالوں گا۔"

"یہ نام مجھے شری مان سنگھ نے ہی بتایا تھا۔ اس کا ٹھکانا مجھے نہیں معلوم۔"

"شری مان سنگھ نے تمہیں اس سے رابطہ کرنے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ تو بتایا ہوگا؟"

"سیٹھ حبیب جیوانی کا نام بتاتے ہی وہ تمہاری غلیل کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ بہت اہم بات تھی لیکن بدقسمتی سے مجھے یاد رہی نہ اسے دھیان آیا" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ شری مان سنگھ کی حد تک میرا وہ بیان سو فیصد سچائی پر مبنی تھا۔

"پھر تم اس سے فون پر بات کرو" ظفر کی آنکھوں سے فکر مندی جھانکنے لگی "باقی معاملات تو چلتے ہی رہیں گے لیکن جو شکار سامنے ہے اسے مار لینے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔"

"اگر تم مُصر ہو تو میں شری مان سنگھ سے حبیب جیوانی کا کوئی سراغ حاصل کر کے تمہیں مطلع کر دوں گا لیکن میں پھر کہہ رہا ہوں کہ بھرپور تیاری کے بغیر ہمارا کوئی بھی اقدام ناکامی سے دوچار ہو سکتا ہے اور مافیا والے ایک بار ہمارے ہاتھوں سے پھسل کر نکل گئے تو ان پر دوبارہ ہاتھ ڈالنا مشکل ہو جائے گا۔"

اسی لمحے اطلاع ملی کہ ہمارے ہوٹل کی طرف بھیجا جانے والا شخص واپس آ چکا ہے۔

ویرا اور جہانگیر کے بیٹے کی تلاش کے سلسلے میں ویرا کی تصاویر بہت اہم تھیں اور شاید ہم تینوں ہی ان کے منتظر تھے کیونکہ ہم نے فوراً ہی اپنی گفتگو ختم کر دی اور آنے والے کو وہیں طلب کر لیا۔

وہ میری نشان دہی کے مطابق میرے ہوٹل سے وہ بریف کیس تو لے آیا تھا جس میں دوسری تصاویر کے لفافے میں ہی ویرا کی متعدّد تصاویر موجود تھیں لیکن اسی کے ساتھ اس نے ایک ایسے آدمی کے بارے میں بھی خبر سنائی جو پچھلے بیس گھنٹوں سے ہوٹل میں میرا انتظار کر رہا تھا۔

"بیس گھنٹوں سے انتظار کر رہا ہے؟" ظفر نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

"ہاں' اس کی حالت خاصی ابتر تھی۔ بے خوابی کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ اور متورّم تھیں۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ جب اسے پتا چلا کہ میں اس کمرے سے کچھ لینے آیا ہوں تو وہ میرے پیچھے پڑ گیا۔ اس نے بہت خوشامدیں کیں کہ میں اسے ان کا پتا بتا دوں یا ان تک پہنچا دوں" اس شخص نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "میں بہت مشکل سے اپنا پیچھا چھڑا کر آیا ہوں۔"

"لیکن وہ کون ہے اور اسے ڈینی سے ایسا کون سا کام درپیش ہے؟" ظفر نے پوچھا۔

"اپنا نام شیر شاہ خان بتا رہا تھا۔ کام کے بارے میں اس نے ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔ کہہ رہا تھا کہ کام کے بارے میں وہ تنویر صاحب ہی سے بات کرے گا۔"

اس کی باتوں نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ میں اس ہوٹل میں تنویر کے نام سے ہی ٹھہرا تھا اور شیر شاہ اس ہوٹل سے واقف تھا۔ میرے لئے فکر کی دو باتیں تھیں۔ اول تو ظفر مجھ سے شیر شاہ کے بارے میں استفسار کرتا' دوم مجھے یہ تشویش لاحق تھی کہ شیر شاہ کو مجھ سے ایسا کون سا کام آ پڑا تھا جو وہ بیس گھنٹے سے وہاں بیٹھا میرے انتظار کی کڑی مشقت جھیل رہا تھا۔

سلطان شاہ' شیر شاہ کا نام سنتے ہی معاملے کی سنگینی کو بھانپ گیا تھا اس لئے اس نے گفتگو میں حصہ لینے کے بجائے تصاویر کے لفافے میں سے ویرا کی واضح تصاویر چھانٹنی شروع کر دیں۔

"یہ شیر شاہ کون ہے؟" اپنے آدمی کی کہانی سننے کے بعد ظفر میری طرف متوجہ ہو گیا۔

میں نے آنکھ کے اشارے سے اسے اپنے آدمی کی روانگی

تک خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کہا "ایک جرائم پیشہ شخص ہے لیکن مجھے حیرت ہے کہ اسے مجھ سے کیا کام آپڑا ہے۔"

ظفر مجھے گھور کر رہ گیا اور میں بے پروایانہ انداز میں تصاویر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس ڈھیر میں سے تین تصاویر منتخب کر کے ظفر نے اپنے مزید آدمیوں کو طلب کیا اور دو نفری دو ٹولیاں بنانے کے بعد وہ تصاویر ان کے حوالے کر دیں۔

ان میں سے ایک جماعت کو ہوٹل میٹروپول میں ویرا کی موجودگی کا سراغ لگانا تھا جب کہ دوسری ٹولی کو شہر کے معروف چائلڈ کیئر سینٹرز میں جا کر یہ معلوم کرنا تھا کہ ویرا نے جہانگیر کے بیٹے کو ان میں سے کسی ادارے میں داخل نہ کرایا ہو۔ ظفر سے ہدایات لیتے ہی وہ چاروں افراد فوراً چلے گئے۔

"ہاں، اب بتاؤ کہ یہ شیر شاہ کا کیا چکر ہے؟" ان کے جاتے ہی ظفر نے سوال کیا۔

میں نے ایک گہرا سانس لے کر بے بسی سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور کہا "میرا خیال ہے کہ شیر شاہ مافیا کے لئے کام کرتا ہے۔ آج کل میں اسے دانہ ڈال رہا ہوں۔"

"پھر تو اس کی آمد بہت اہم ہو سکتی ہے۔ تمہیں فوری طور پر اُس سے رابطہ کرنا چاہئے" وہ بولا۔

"میری کوشش یہی ہو گی۔ تمہارے آدمی کے بیان کے مطابق وہ اب بھی ہوٹل ہی میں جما ہوا ہے۔ میں وہیں جا کر اُس سے بات کروں گا" میں نے کہا۔

"تم اسے فون بھی کر سکتے ہو" ظفر نے تجویز پیش کی "تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو اسے اٹھا کر یہاں بھی لایا جا سکتا ہے۔ میرا آدمی اسے دیکھ ہی چکا ہے۔"

"بات میرے اعتراض کی نہیں، اس کی سلامتی کی ہے" میں نے قدرے چڑ کر کہا "اسے آنا ہی ہوتا تو وہ تمہارے آدمی کے ساتھ ہی آسکتا ہے۔ مافیا والوں کو بھنک بھی مل گئی کہ وہ ان کے خلاف کسی جوڑ توڑ میں شریک ہے تو وہ اس کی کھال کھینچ ڈالیں گے۔ اس کا مافیا میں رہنا خود ہمارے مفاد میں ہے۔ اسے کھو دینے کے بعد ہم معلومات حاصل کرنے کے ایک با اعتماد ذریعے سے محروم ہو جائیں گے۔"

"لیکن اس سے حبیب جیوانی کے بارے میں ضرور معلوم کرنا" ظفر نے تاکید کی "اس کے بارے میں ہمیں کھوج نکالنا ہو گا۔ موذیوں کی ٹولی میں سے کوئی ایک بھی بچ نکلا تو ہم چین سے نہیں بیٹھ سکیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ان لوگوں کے بارے میں، میں اپنی ذمے داریوں کو پوری طرح سمجھتا ہوں۔ شری مان سنگھ کے مطالبے کے بعد میں شیر شاہ سے کھل کر بات کر سکوں گا۔"

شیر شاہ سے ملاقات کے لئے جانے میں میرے لئے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ مافیا میں براہِ راست ماتحت تھا لیکن ظفر کی نظروں میں میرے لئے خطرات پیدا ہونے کا امکان تھا کیونکہ وہ اندر کی باتوں سے بے خبر تھا اور شیر شاہ کو میرا مخبر سمجھ رہا تھا۔

ظفر میں خرابی یہ تھی کہ اپنے پیشے کی وجہ سے وہ نکیلے اور کاٹ دار انداز میں بات کرنے کا عادی تھا اور اپنے نپے تلے سوالات سے مخاطب کو چونکا دینے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا تھا لیکن کم از کم میری حد تک اس میں ایک بڑی خوبی بھی تھی کہ میں اس سے جو کچھ کہہ دیتا تھا وہ اس پر پوری طرح اعتبار کر لیتا تھا۔ اس وقت شیر شاہ کے بارے میں بھی بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔

وہ مُصر تھا کہ مجھے حفاظتی تدابیر کے ساتھ ہوٹل کا رخ کرنا چاہئے۔ شیر شاہ وہاں تک پہنچ چکا تھا تو اس کے دیگر ساتھی بھی اس کے پیچھے لگ کر وہاں آسکتے تھے۔ میرے نمودار ہونے پر ان کی طرف سے کوئی جارحانہ پیش قدمی ہوتی تو میرے لئے گلوخلاصی کے راستے بند ہو جاتے۔ میں دل ہی دل میں سمجھ رہا تھا کہ اس کے اندیشے بے بنیاد تھے لیکن اس کی دلجوئی کے لئے مجھے اس کا مشورہ قبول کرنا پڑا۔

سلطان شاہ کو بہرحال میرے ساتھ جانا تھا۔ وہ پہلے سے مسلح تھا اس لئے میں نے اسپیشل ٹاسک فورس کے صرف ایک آدمی کو اپنے ساتھ لینے پر اکتفا کیا۔ اسے جیپ کے ڈرائیور کے طور پر میرے ساتھ جانا تھا۔ ظفر کے دعوے کے مطابق ضرورت پڑنے پر وہ ڈرائیور ایک بے جگر لڑاکا اور سچا نشانے باز ثابت ہو سکتا تھا مگر میرے لئے اس کے وہ خواص غیر اہم تھے۔

ظفر کے آدمی کے بیان کے مطابق شیر شاہ وحشت زدہ حالت میں ہوٹل ہی میں موجود تھا۔ میری اور سلطان شاہ کی جھلک دیکھتے ہی وہ بے تابانہ انداز میں ہماری طرف لپکا تھا۔ ایس ٹی ایف کے آدمی کو باہر کی نگرانی کے بہانے ہم نے جیپ ہی میں چھوڑ دیا تھا۔

شیر شاہ بہت زیادہ پریشان اور گھبرایا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس نے ہم سے ملتے ہی رازدارانہ لہجے میں اپنی کتھا شروع کرنی چاہی لیکن میں نے اشارے سے اسے روک دیا۔

"بابو! اپنے بندوں کو کیوں تڑپاتے ہو؟" ہوٹل کے مُنہ پھٹ استقبالیہ کلرک نے وہ منظر دیکھ کر مسکراتے ہوئے فقرہ کسا۔ "ایسی بے قراری تو لیلیٰ کو مجنوں کے لئے بھی نہیں ہوتی ہو گی۔"

"اُن دونوں کے درمیان تمہارے جیسا کوئی الو کا پٹھا موجود ہوتا تو وہ اس سے زیادہ حماقتیں بھی کر سکتے تھے" میں نے خشک اور درشت لہجے میں اسے پھنکار دیا اور اس کا مُنہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"آؤ!" میں شیر شاہ کے شانے پر ہاتھ مارتا ہوا تیزی سے زینوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"چیف پاگل ہوا جارہا ہے، باس!" اس نے کمرے میں پہنچتے ہی اپنی کہانی شروع کر دی "میں تمہارا سراغ لگائے بغیر اس کے پاس

واپس جاتا تو وہ بے دریغ مجھے گولی ماردیتا۔۔۔"

"میرے بارے میں اسے یک بیک کیا تکلیف لاحق ہوگئی ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

وہ اضطراری طور پر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور ٹہلتے ہوئے بولا "شاید غلام رسول کے بارے میں اس پر اوپر والوں کا شدید دباؤ ہے۔ وہ باربار تمہارے اور اس کے بارے میں پوچھتا رہا ہے۔ دوسری طرف غلام رسول کی حالت خراب ہے۔ میرے سامنے اسے خون کی دو الٹیاں ہو چکی تھیں۔"

"کیا تم لوگوں نے اس پر کوئی تشدد کیا تھا؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"ہم نے تو اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ ہمارے لئے وہ اپنا ہی آدمی ہے۔"

"پھر اسے خون کی الٹیاں کیوں ہو رہی ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"چیف کی ہدایت پر میں ڈاکٹر باری نامی ایک شخص کو ٹریڈ لائن کے دفتر لے گیا تھا۔ اس نے بتایا ہے کہ غلام رسول کے پھیپھڑوں پر زخم آئے ہوئے ہیں۔ شاید پولیس والوں نے اسے بے رحمی سے مارا پیٹا ہوگا۔ وہ لوگ قیدیوں پر اس طرح تشدد کرتے ہیں کہ ان کے جسم پر کوئی ضرب' زخم یا نشان نظر نہ آئے لیکن اندر سے ان کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر باری نے جب سے یہ بتایا ہے کہ غلام رسول کسی بھی وقت مر سکتا ہے' اسی وقت سے چیف کا دماغ الٹا ہوا ہے اور وہ تم سے بات کرنی چاہ رہا ہے۔"

"اسے معلوم ہونا چاہئے کہ میں بھی کام میں مصروف ہوں' عیش نہیں کر رہا۔"

"میں نے اسے بتایا تھا لیکن وہ کہتا ہے کہ ویرا جہنم میں جائے۔ اس سے ہم کسی بھی وقت نمٹ سکتے ہیں۔ اس وقت غلام رسول کی روانگی سب سے اہم ہے۔ اگر وہ ہماری تحویل میں مرگیا تو اوپر والے ہم میں سے کسی کو معاف نہیں کریں گے۔ ہمارے پاس سے جانے کے بعد وہ زندہ رہے یا مرے' کم از کم ہم پر کوئی ذمے داری نہیں آئے گی۔ اس نے یہ کام تمہارے حوالے کیا ہوا ہے اس لئے وہ تم ہی پر برس رہا ہے۔"

"وہ ہر کام میرے حوالے کر دیتا ہے اور خود عیش کرتا رہتا ہے" میں نے تلخ لہجے میں کہا "غلام رسول کی موت آہی گئی تو کوئی بھی اسے مرنے سے نہیں روک سکے گا۔ پتا نہیں چیف کیوں اتنا الجھ رہا ہے۔"

"شاید تم ہی اس سے کچھ پوچھ سکتے ہو۔ ہمیں تو وہ بات بات پر کھانے کو دوڑ رہا ہے۔"

"جاؤ' تم نیچے جا کر دھیان رکھو کہ ہوٹل کا آپریٹر ہماری گفتگو سننے کی کوشش نہ کرنے پائے' میں ابھی چیف سے فون پر بات کرتا ہوں" میں نے کہا۔

"بڑی عجیب اور ناقابلِ فہم خواہش ہے چیف کی!" شیر شاہ خان کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"بالکل نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "وہ بالکل صحیح خطوط پر سوچ رہا ہے۔"

"لیکن ابھی تو تم اسی بات پر برہم ہو رہے تھے" وہ تنک کر بولا۔

"شیر شاہ کو کنفیوز کرنا ضروری تھا" میں نے اسے چڑانے کی نیت سے کہا۔

"اور اب تم شاید مجھے کنفیوز کر رہے ہو۔ اس بات کی کیا اہمیت ہے کہ غلام رسول کس کی تحویل میں مرتا ہے؟ موت تو کہیں بھی آسکتی ہے۔"

"وہ ہماری تحویل میں مرا تو خاموشی سے اس کی تدفین عمل میں آجائے گی اور یہ ثابت کرنا دشوار ہوگا کہ واقعی مافیا ہی نے اسے سرکاری تحویل سے نکالا ہے۔ وہ دورانِ سفر مرا تو یہ ایک بڑی خبر ہوگی۔ بھارتیوں کو یہ بتایا جا سکے گا کہ مافیا نے اسے پاکستان سے نکالا تھا لیکن اس کی زندگی نے اس کے ساتھ وفا نہیں کی اور وہ دورانِ پرواز ہی مرگیا۔ ایسی صورت میں مافیا کو کچھ رعایتیں مل سکیں گی اور بھارتیوں کے ساتھ تعلقات میں بھی خاصی پیش رفت ہو سکے گی۔"

"پھر اب تم کیا سوچ رہے ہو؟" اس نے اپنی کھوپڑی پر قابو رکھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت کچھ" میں نے کہا "لیکن اس پر عمل کرنے کا انحصار حبیب جیوانی کے ساتھ ہونے والی گفتگو پر ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب کھیل جلد ہی سمٹ جائے گا۔"

"تو پھر انتظار کس کا ہے؟ اسے فون کیوں نہیں کرتے؟" وہ غرایا۔

میں نے بستر کے سرہانے رکھے ہوئے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ معاً مجھے ایس ٹی ایف کی جیپ میں موجود موبائل فون کا خیال آیا اور میں نے ہوٹل کے فون پر بات کرنے کا خطرہ مول لینے کا ارادہ ترک کر کے سلطان شاہ کو جیپ کی طرف دوڑا دیا۔

"شیر شاہ کو اوپر نہ بلانا!" میں نے اسے دروازے پر روک کر کہا۔ "اسے نیچے بیٹھا رہنے دو۔ میں اس کی عدم حاضری میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

چند ثانیوں میں ہی سلطان شاہ موبائل فون لے آیا۔ ان دنوں موبائل فون کی سہولت عام نہیں ہوئی تھی اور وہ عوام و خواص میں عجوبہ تصور کیا جاتا تھا لیکن ایس ٹی ایف نے اپنے ذرائع سے اس سہولت پر دسترس حاصل کی ہوئی تھی۔

فون پر میری آواز سنتے ہی سیٹھ حبیب جیوانی ایک دم پھٹ پڑا۔ میں نے چند ثانیوں تک خاموش رہ کر' اسے اپنے دل کا غبار

ہلکا کرنے کا موقع دیا۔ جس سے اس نے پوری طرح استفادہ کیا۔
کچھ دیر تک یک طرفہ بکواس کرنے کے بعد وہ آخر کار میری مسلسل خاموشی سے بھنّا گیا۔
"آخر تم بولتے کیوں نہیں؟ کیا میں بلاوجہ بھونکے جا رہا ہوں؟" اس کی برہم آواز ابھری۔
"میں کیا کہہ سکتا ہوں' چیف!" میں نے معصومیت سے کہا۔ "تم مجھے بولنے کا موقع ہی کب دے رہے ہو؟ تمہارا غصہ کچھ کم ہو تو میں اپنی کتھا شروع کروں۔"
"اب چپ کیوں ہو گئے؟" اس کی غراہٹ ابھری "کیا مجھے اپنی خاموشی کا اعلان کرنا پڑے گا۔"
"میں ویرا کے ساتھ غلام رسول والے معاملے پر بھی کام کرتا رہا ہوں" میں نے کہا "اسے ملک سے باہر نکالنا بہت مشکل نظر آرہا ہے کیونکہ اس کی تصاویر ملک کی تمام سرحدوں اور بین الاقوامی ہوائی اڈوں پر پہنچادی گئی ہیں۔ وہ جدھر بھی گیا' فوراً ہی دھرلیا جائے گا....."
"اور اتنی سی بات تک پہنچنے کے لئے تم جھک مارتے پھر رہے تھے؟" میری بات کاٹ کر اس کی زہریلی آواز گونجی۔
"تم سے بات کرنے کے بعد مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ میں اب تک واقعی جھک مارتا رہا ہوں' اس لئے اب میری بات چھوڑو اور مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں' کیونکہ یورو چیف تم ہی ہو" میں نے قدرے توقف کے بعد سرد لیکن مہذب لہجے میں کہا۔ اس کی تلخ کلامی سے میرا دماغ واقعی سنک گیا تھا۔
میری بات سے شاید اسے ذہنی جھٹکا لگا اور اس نے بھانپ لیا کہ اس کا لب ولہجہ مجھے پسند نہیں آیا تھا کیونکہ اس نے فوراً ہی نرمی اختیار کرتے ہوئے کہا تھا "تم بات سمجھنے کی کوشش کرو! سوچنے سمجھنے کا وقت ہم گنوا چکے ہیں اور اب عمل کا وقت آچکا ہے۔ غلام رسول کسی بھی وقت جہنم واصل ہو سکتا ہے۔ ہمارے بڑوں کو ہمارے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ غلام رسول کو فوری طور پر یہاں سے چلا جانا چاہئے۔ اس کے بعد وہ زندہ رہے یا مرے' یہ اُن کا مسئلہ ہو گا۔"
"شاید انہوں نے تمہارے ساتھ خاصا درشت رویّہ اختیار کیا ہوا ہے۔ کیونکہ تم ذہنی یکسوئی سے محروم معلوم ہو رہے ہو اسی وجہ سے بار بار بھڑک رہے ہو" اسے مصالحت اور نرمی پر آمادہ پا کر' میں نے کریدنا ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اوقات مل جانے کے بعد وہ راہِ راست پر آگیا "آج میرے پاس دو مرتبہ ڈان تھری کی کال آچکی ہے۔ میری کال آنے سے پہلے میں غلام رسول سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ صرف میرا نہیں' ہم سب کا مشترکہ مسئلہ ہے۔"
"مجھے اندازہ تھا کہ حراست میں غلام رسول کے ساتھ بہت زیادہ بدسلوکی کی گئی ہے اور اس کی حالت کسی بھی وقت بگڑ سکتی ہے جب کہ ہمارے گرد مجبوریاں پھیلتی جا رہی ہیں اسی لئے میں نے ایک اور لائن پر کام شروع کر دیا تھا جس کے کچھ نتائج سامنے آچکے ہیں۔"
"مجھے معلوم تھا کہ تم کچھ نہ کچھ کر رہے ہو گے" اس کی اضطراری آواز ابھری "لیکن تم سے کوئی رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے میں بالکل اندھیرے میں ہوں۔ میرے پاس ڈان تھری کو سنانے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی اس لئے میں اس کی جھاڑ کھانے اور معذرت کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکا۔ تم کس لائن پر کام کر رہے ہو؟ اس کے نتائج کیا ہیں؟"
"نتائج تسلی بخش بلکہ حوصلہ افزا کہے جا سکتے ہیں" میں نے اس مردود کے اعصاب سے کھیلنے کی نیت سے بات کو طول دیتے ہوئے کہا "ڈان تھری کو سمجھنا چاہئے کہ ہم یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اپنی پوری صلاحیت سے کام لے رہے ہیں....."
"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو!" اس نے بے صبری کے ساتھ ایک مرتبہ پھر میری بات کاٹ دی "اوپر والے سب ہی پکے حرامی اور اول درجے کے کام چور ہوتے ہیں۔ اپنے ماتحتوں کی مجبوریوں کا کوئی خیال کئے بغیر مشکل سے مشکل کام ان پر لاد دیتے ہیں اور پھر سر پر سوار ہو جاتے ہیں....."
اس بار میں نے ہنستے ہوئے اس کی بات کاٹ دی اور معنی خیز لہجے میں کہا "یہ نہ بھولو' چیف کہ تم بھی میرے اوپر والے ہو۔ شاید سب اوپر والے ایسے نہیں ہوتے!"
"یہ مذاق کا وقت نہیں ہے ڈینی!" اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میری نوک جھونک سے زچ آگیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے جلد از جلد کام کی بات بتاؤ۔ مذاق بعد میں ہوتا رہے گا۔"
"بھارتی حکومت غلام رسول کی ذات میں گہری دلچسپی لے رہی ہے اسی لئے میں نے ان کے سفارتی عملے سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی جو بار آور ثابت ہوئی اور وہ غلام رسول کو اپنی تحویل میں لینے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ انہیں ہماری مشکلات کا بخوبی اندازہ ہے۔"
"تمہاری ملاقات کس سے ہوئی ہے؟" اس کی آواز سے بے تابی جھلک رہی تھی۔
"میں خود اس کے نام اور چہرے سے لاعلم ہوں" میں نے جھوٹ بولا۔
"لیکن اس کا کوئی نہ کوئی عہدہ تو ہو گا۔ تمہاری کس سے اور کس حوالے سے بات ہوئی تھی؟" وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ جان لینے کے لئے بے چین ہوا جا رہا تھا۔
"یہ لمبی کہانی ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں ان سے ابھی بات کروں تو وہ اسی وقت غلام رسول کو لینے کے لئے آجائیں گے" میں

نے جزئیات میں الجھنے سے گریز کرتے ہوئے کہا۔
"لیکن واضح شناخت کے بغیر اتنے اہم معاملے میں اندھا جوا نہیں کھیلا جاتا۔"
"یہ اندھا جوا نہیں ہے۔ میں جو کچھ کروں گا' یقین ہونے کے بعد ہی کروں گا۔"
"وہی تو میں بھی جاننا چاہتا ہوں۔ تمہارے اعتماد کی بنیاد کیا ہے؟"
"کراچی میں ان کے کونسلیٹ کا ایک سینئر افسر درمیان میں ہوگا۔ اس کا نام شری مان سنگھ ہے اور میں اسے ذاتی طور پر پہچانتا ہوں" میں نے کہا۔
"اس معاملے میں مجھے دخل دینے کی ضرورت تو نہیں پڑے گی؟"
"میرا خیال ہے کہ میں خود ہی یہ معاملہ نمٹا لوں گا۔ مجھے بس تمہاری اجازت کی ضرورت ہے" میں نے کہا "تمہارے دخل انداز ہونے کی صورت میں یہ معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔"
"ٹھیک ہے!" اس کی آواز سے اطمینان مترشح تھا "اب ڈان تھری کا فون آیا تو میں اس سے کم از کم یہ تو کہہ سکوں گا کہ ہماری شری مان سنگھ سے بات چل رہی ہے' ابھی تک تو خود میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ تم شہر میں کیا کرتے پھر رہے ہو۔"
"میرا خیال ہے کہ ڈان کا تیسرا فون آنے سے پہلے یہ قصہ نمٹ چکا ہوگا۔"
"اچھی خبر سنانے کے لئے تم مجھے گہری نیند سے بھی جگا سکتے ہو۔ رات کو میں فون اپنی خواب گاہ میں ہی رکھتا ہوں' میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔"
"نیند میں دعا نہ کرنا" میں نے جلدی سے کہا "خمار آلود دعائیں راستے سے ہی لوٹ آتی ہیں۔"
"تم کسی بھی وقت بدمعاشی سے باز نہیں آتے" حبیب جیوانی کا فقرہ مکمل ہوتے ہی لائن پر سناٹا چھا گیا اور میں نے بھی موبائل فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔
"تو کیا تم واقعی غلام رسول کو شری مان سنگھ کے حوالے کرنے کے بارے میں سنجیدہ ہو؟" میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ جھاڑ کے کسی کانٹے کی طرح مجھ سے الجھ پڑا۔
"مجبوری ہے۔ اب اس کے علاوہ کوئی راستہ باقی نہیں رہا۔"
"میرا خیال تھا کہ تم غزالہ بھابی کے لئے اس حد تک ہرگز نہیں جاؤ گے" وہ ملامت آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
"ابے' یہ غزالہ کی وجہ سے نہیں ہوگا" میں دانت پیس کر بولا۔ "میں بتا چکا ہوں کہ صرف ملا سرکار کی موت کی اطلاع دے کر بھی شری مان سنگھ کو غزالہ کی واپسی پر آمادہ کر سکتا ہوں۔"
"پھر اب غلام رسول کو ان کے حوالے کرنے کی کیوں سوجھ رہی ہے؟"
"اس لئے کہ یہ مافیا بلکہ سیٹھ حبیب جیوانی کی مجبوری ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ غلام رسول خود قریب الرگ ہے۔ وہ ہماری تحویل کے بجائے بھارتیوں کے قبضے میں مر گیا تو کون سی قیامت آ جائے گی؟ اپنی موجودہ حالت میں وہ ان کے کسی بھی کام نہیں آ سکے گا۔"
"یہ تمہاری خوش خیالی ہے۔ کووں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے" اس نے کہا۔
"ہائیں' ہائیں!" میں نے حیرت سے آنکھیں نکال کر کہا "تم اتنی بامحاورہ اردو کب سے بولنے لگے؟"
"کہیں سنی ہوئی کہاوت یاد آ گئی تھی" وہ بے پروائی سے بولا۔ "لیکن یہ یاد رکھو کہ کوئی بھی ڈاکٹر زندگی اور موت کے معاملے پر اتھارٹی نہیں ہو سکتا۔ میں ایسے کئی لوگوں کو جانتا ہوں جنہیں ڈاکٹروں نے چند روز کا مہمان قرار دے دیا تھا لیکن وہ برسوں گزر جانے کے باوجود زندہ اور صحت مند ہیں۔"
"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" میں نے اس کی بحث سے زچ ہو کر پوچھا۔
"میری لغت میں قریب الرگ کا لفظ سرے سے نہیں ہے۔ آدمی زندہ ہوتا ہے یا مردہ اور جب تک اس کے جسم سے آخری سانس بھی نہ نکل جائے وہ زندہ ہی رہتا ہے اور کہلاتا ہے۔ تم غلام رسول کو شری مان سنگھ کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر کے ایک سنگین غلطی کر رہے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ایک دو روز میں ہی اس کی حالت سنبھلنی شروع ہو جائے اور بھارتیوں کو اس کے ذریعے اپنا گندہ کھیل آگے بڑھانے کا موقع مل جائے۔ اس وقت تم اپنے غلط فیصلے پر پچھتانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکو گے۔"
"اگر اندرونی ضربات کی وجہ سے اس کے پھیپھڑے زخمی ہو گئے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکے گی" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا "ایسا ہی ہے تو ہم بھی اسے شری مان سنگھ کے حوالے کرنے سے پہلے اچھی طرح ٹھونک بجا لیں گے۔ اس وقت ہمیں مافیا میں اپنا وجود برقرار رکھنا ہے۔ اگر ہم نے یہ وقت گنوا دیا تو ڈان تھری مجھ سے بدظن ہو جائے گا۔ آج میں نے یہ معاملہ دبا لیا ہے لیکن کسی نہ کسی وقت مافیا والوں پر یہ بات کھل سکتی ہے کہ شری مان سنگھ نے غلام رسول کے حصول کے لئے خود مجھ سے رابطہ کیا تھا۔ اس وقت میرے پاس اپنے بچاؤ کے لئے کوئی عذر نہیں ہوگا اور مافیا والے مجھے بری طرح رگید کر رکھ دیں گے۔"
"اس کا سب سے آسان راستہ یہ ہے کہ تم ظفر کو اعتماد میں لے کر اسے مافیا کے بارے میں سب کچھ بتا دو۔ اس کی اسپیشل ٹاسک فورس ٹریڈ لائن پر چھاپا مار کر نہ صرف غلام رسول کو برآمد کر لے گی بلکہ حبیب جیوانی اور اس کے تمام گرگے بھی پکڑے جائیں گے۔"

"تم یہ بات بھول رہے ہو کہ شری مان سنگھ نے غزالہ کی رہائی کے لئے دو شرائط عائد کی ہیں۔ اگر غلام رسول کو ایس ٹی ایف والے پکڑ لیتے ہیں تو یہ باب بند ہو جائے گا اور شری مان سنگھ صرف ملا سرکار کے بارے میں خبر ملنے کے بعد غزالہ کو آزاد نہیں کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی نئی شرط زیادہ کڑی اور ناقابل قبول ہو۔ جب تک غزالہ اس کے قبضے میں ہے ہم اندھادھند کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

مایوسی سے سلطان شاہ کا منہ لٹک گیا اور وہ بحث وہیں ختم ہو گئی۔

میں نے فوراً ہی شیر شاہ کو اوپر بلا کر ٹریڈ لائن جانے کی ہدایت کی۔ میں نے اسے بتا دیا کہ میری چیف سے بات ہو گئی تھی اور غلام رسول کے بارے میں کسی بھی وقت کوئی پیش رفت ہو سکتی تھی۔ اس لئے اسے اپنے آدمیوں کو ہر وقت تیار رکھنا تھا۔

"میرے سر سے بہت بڑا بوجھ ٹل گیا۔" اس نے جاتے ہوئے کہا "جب تک تم سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، اس وقت تک مجھے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔"

میں نے اس کے جاتے ہی سلطان شاہ کو بھی اس کے پیچھے روانہ کر دیا تاکہ وہ اس امر کا اطمینان کر لے کہ شیر شاہ واقعی وہاں سے چلا گیا ہے۔ اگر وہ باہر چھپ کر ہماری روانگی کا جائزہ لینے کی کوشش کرتا تو اس کے ذہن میں شبہات جنم لے سکتے تھے۔ ایس ٹی ایف کی چمکتی دمکتی ہوئی جیپ پر عام شہری نمبر پلیٹ تھی لیکن وہ ہارڈ ٹاپ جیپ اپنی سج دھج کے اعتبار سے بادی النظر میں کسی دفاعی ادارے سے وابستہ معلوم ہوتی تھی۔ ہمیں اس میں سوار ہوتا دیکھ کر، شیر شاہ اس وہم کا شکار ہو سکتا تھا کہ آخر کار ہم نے فوجی حکام سے تعاون کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کی یہ غلط فہمی میرے لئے بہت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اس سے پہلے مجھے اپنی ذرا سی بے احتیاطی کی وجہ سے سینڈو جیسے دلیر اور جاں نثار ماتحت کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنا پڑ گیا تھا۔ وجہ صرف اتنی سی تھی کہ اس نے مجھے ڈیفنس کے اس غیر آباد علاقے میں جہاں سے بعد میں حبیب جیوانی کی بیوی، مریم کی لاش دریافت ہوئی تھی، جاتے اور پھر تیزی سے واپس لوٹتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنی کسی لغزش کی وجہ سے مجھے سینڈو کے بعد شیر شاہ کے ساتھ بھی وہی سفاکانہ کہانی دہرانے کی ضرورت پیش آئے۔

سلطان شاہ کے چلے جانے کے چند ثانیوں بعد میں بھی اپنا کمرا خالی کر کے نیچے آ گیا۔ ایک بار منہ توڑ جواب مل جانے کے بعد اس بار منہ پھٹ استقبالیہ کلرک نے نہایت ادب اور خاموشی کے ساتھ میرا حساب بنا کر میرے سامنے رکھ دیا تھا۔

○☆○

میں نے غلام رسول کے بارے میں سیٹھ حبیب جیوانی سے مکمل اجازت لے لی تھی لیکن شری مان سنگھ سے بات کرنے سے پہلے میں ظفر سے مشورہ کرنا چاہتا تھا اس لئے میں نے اپنی دوسری فون کال کو اسٹیشن فورواپسی تک مؤخر کر دیا تھا۔

جس طرح میں نے اپنی اور شری مان سنگھ کی ملاقات کے اصل پس منظر کو حبیب جیوانی سے پوشیدہ رکھتے ہوئے اسے صرف کلیدی باتوں سے آگاہ کیا تھا اسی طرح میں نے ظفر کو بھی اپنی اور حبیب جیوانی کی اصل گفتگو سے بے خبر رکھتے ہوئے صرف اتنا بتایا کہ شیر شاہ کے ذریعے مافیا والے اس امر پر آمادہ ہو گئے تھے کہ میں ان کی طرف سے غلام رسول کو بھارتیوں کے حوالے کر دوں۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ مافیا والوں کی فوری آمادگی کا سبب یہ تھا کہ وہ خود بھی غلام رسول کو سرحد پار پہنچانے کے لئے کوشاں تھے لیکن بگڑے ہوئے حالات کی وجہ سے مجبور تھے۔ میری تجویز نے ان کا کام آسان کر دیا تھا۔ سرحد پار نہ سہی، سرحد میں ہی غلام رسول کو بھارتیوں کے حوالے کرنا ان کے مقاصد کے عین مطابق تھا۔

میں ہوٹل میں سلطان شاہ کی کٹھ حجتی بھگت چکا تھا اس لئے میں نے پیش بندی کے طور پر ظفر کو یہ بھی بتا دیا کہ غلام رسول کی حالت بہت ابتر تھی اور وہ چند گھنٹوں یا زیادہ سے زیادہ چند دنوں کا مہمان تھا اس لئے ہم کوئی خطرہ مول لئے بغیر اسے شری مان سنگھ کے حوالے کر سکتے تھے۔ لیکن ظفر اس معاملے میں سلطان شاہ سے زیادہ سخت ثابت ہوا۔

وہ غلام رسول کو کسی بھی قیمت پر شری مان سنگھ کے حوالے کرنے کے خلاف تھا۔ میں نے ایک بار پھر اپنے وہی دلائل دہرائے جن کے سہارے میں سلطان شاہ کو لاجواب کر چکا تھا لیکن ظفر کے بشرے پر پھیلی ہوئی سختی میں ذرا سی بھی نرماہٹ پیدا نہیں ہو سکی۔

"میں تمہاری ہر بات مانتا ہوں۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "غلام رسول کے پھیپھڑے ہی نہیں بلکہ دوسرے اعضائے رئیسہ بھی زخمی ہو سکتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تھرڈ ڈگری کا نشانہ بننے والے بہت کم زندہ بچتے ہیں۔ زندہ بچ بھی جائیں تو عمر بھر کے روگی بن جاتے ہیں مگر ہمیں پھر بھی کسی قسم کا رسک نہیں لینا چاہئے۔ ایسے نازک اور پیچیدہ معاملات میں غلط فیصلے مہلک ثابت ہوتے ہیں۔"

"ایک بار غلام رسول کی موت واقع ہو گئی تو بھارتی کیا کر سکیں گے؟"

"تم زندہ غلام رسول کی بات کر رہے ہو، میں تو اس کی لاش بھی بھارتیوں کے حوالے نہیں کرنا چاہوں گا۔ تم را کو نہیں جانتے۔ اس میں ایک سے ایک سؤر دماغ پل رہا ہے۔ وہ لوگ رائی کا پہاڑ بنا لینے میں مہارت رکھتے ہیں اور میں انہیں رائی فراہم نہیں کرنا چاہتا۔"

"آخر کچھ تو پتا چلے کہ تمہارے ذہنی تحفظات کیا ہیں؟" میں نے تنگ آ کر کہا۔

"غلام رسول زندہ رہے یا مرجائے' وہ اسے ایک بار اپنی سرزمین پر ضرور لے جائیں گے اور عالمی اخبارات اور نشریاتی اداروں کے گھاگ نمائندوں کی بھیڑ میں اس کی نمائش کریں گے۔ وہ زندہ رہا تو اس سے کوئی زہریلا بیان دلوائیں گے۔ اور وہ مرگیا تو اسے شدید بیمار ظاہر کرکے اس کی لاش دکھائیں گے۔ پھر لاش غائب کردی جائے گی۔ اس پر بہیمانہ اور غیر انسانی تشدد کی کہانیاں تراش کر اس کی بدترین علالت کا ڈھنڈورا پیٹا جائے گا اور وہ لوگ اس کی موت کا راز چھپا کر' اس کے نام سے ایک گھناؤنی مہم کا آغاز کردیں گے جس کا کوئی توڑ نہیں کیا جاسکے گا۔ ہمارے ملک میں موجود عناصر غلام رسول کے نام سے چلائی جانے والی اس مہم کو خوب اچھالیں گے جس کے نتیجے میں حالات کوئی بھی خطرناک موڑ لے سکتے ہیں۔"

ظفر کی باتیں سن کر میرا دماغ چند لمحوں کے لئے سن ہو کر رہ گیا۔

سلطان شاہ کی سطحی بحث کے برعکس' ظفر نے بالکل ہی نئی اور چونکا دینے والی بات کی تھی جو بہت زیادہ قرین قیاس تھی اور میرے پاس اس کا کوئی توڑ نہیں تھا۔

"مردہ باغیوں کو زندہ قرار دے کر ان کے نام سے مہم جوئی کا امکان تمہارا قیاس ہے یا کبھی ایسا ہو بھی چکا ہے؟" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں ظفر سے سوال کیا۔

"دنیا کے مہذب ملکوں میں ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ تیسری دنیا کے کئی ممالک میں مقبول عام سربراہان حکومت کی ناگہانی موت کو لوگوں سے کئی کئی دن تک پوشیدہ رکھنے کی کوششیں کی جاچکی ہیں تاکہ ملک کو بدامنی اور خانہ جنگی سے بچا کر متبادل حکومتیں بنائی جاسکیں۔ لیکن بھارتی حکومت بدنیتی کے ساتھ کئی بار ایسے ڈرامے کرچکی ہے۔ ناگا اور میزو قبائل کے علاوہ سکھوں کو اس بارے میں تلخ تجربات ہوچکے ہیں۔ بھارتی حکومت اپنے ہاتھ آئے ہوئے ہر کارڈ کو کھیلنے پر تلی رہتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس معاملے میں وہ ہم سے ذرا سی بھی رعایت سے کام نہیں لیں گے اور سندھ میں جلتی پر تیل چھڑکنے کی پوری کوشش کریں گے۔"

"پھر کیا کیا جائے؟ اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل تو ہونا ہی چاہئے۔"

"یہ بہت الجھی ہوئی صورت حال ہے لیکن ہم سر جوڑ کر کوئی راہ نکال سکتے ہیں۔ اگر شری مان سنگھ نے غلام رسول کا معاملہ تمہارے سپرد نہ کیا ہوتا تو اس کا سیدھا سا حل یہ تھا کہ ہم مافیا والوں کو دھوکا دے کر غلام رسول کو ان کی تحویل سے نکال کر اپنے قبضے میں لے لیتے لیکن اب ایسا نہیں کیا جاسکتا۔"

اس معاملے میں غزالہ کی ذات ملوث تھی اس لئے میں بہت کمزور پوزیشن میں تھا۔ دوم یہ کہ ظفر کے دلائل نے مجھے بھارتیوں کی بدنیتی کے بارے میں قائل کردیا تھا اس لئے میں اس معاملے کا کوئی ایسا حل سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا جس میں غلام رسول زندہ [یا] مردہ ہماری ہی تحویل میں رہتا۔

"اس الجھن کا صرف ایک ہی حل ہے۔" خاصے طویل سکوت کے بعد سلطان شاہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "غلام رسول کو شری مان سنگھ کے حوالے کردیا جائے۔ اس طرح دو کام ہوجائیں گے وہ مافیا والوں کے خفیہ قید خانے سے باہر آجائے گا اور شری مان سنگھ کی بھی ایک شرط پوری ہوجائے گی۔ اسی کے ساتھ اسپیشل ٹاسک فورس کو حرکت میں لانا ہوگا۔ جوں ہی غلام رسول' شری مان سنگھ یا اس کے آدمیوں کے قبضے میں چلا جائے' فورس کے جوان چھاپا مار کر انہیں پکڑلیں۔ غلام رسول کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد وہ لوگ الزامات کے خلاف زیادہ مزاحمت نہیں کرسکیں گے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" ظفر پُرخیال لہجے میں بولا۔ "اس طریقۂ کار کے پیچیدہ سیاسی اور سفارتی مضمرات بھی ہوسکتے ہیں اور عام طور پر ایسی کارروائیاں حکومت اور فارن آفس کی کلیئرنس کے بعد ہی کی جاتی ہیں لیکن ہم مقامی پولیس کو ساتھ لے کر یہ رسک لے سکتے ہیں۔"

"بنیادی طور پر یہ کارروائی شری مان سنگھ یا اس کے سفارتی عملے کے خلاف نہیں ہوگی۔" میں نے کہا۔ "غلام رسول ایک روپوش اشتہاری مجرم ہے۔ اگر اس کی بازیابی کی مہم میں کچھ اور لوگ بھی پکڑے جاتے ہیں تو اس پر حکومت یا فارن آفس کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔"

"لیکن شری مان سنگھ نے غلام رسول کو اپنے دفتر پہنچانے کے لئے کہا تو بات بگڑ جائے گی۔" ظفر کارروائی کرنے سے پہلے کسی بھی پہلو کو نظرانداز کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ "سفارتی عمارات میں مداخلت پولیس تو کیا فوج کے بھی بس سے باہر ہوتی ہے۔ سفارت خانے یا کونسلیٹ سے باہر ہم ہر کارروائی کرسکتے ہیں۔"

"یہ تو شری مان سنگھ سے بات کرنے کے بعد ہی معلوم ہوسکے گا کہ وہ کس مقام کا تعین کرتا ہے۔" میں نے کہا۔ "اس میں ہماری مرضی نہیں چل سکے گی۔"

مزید کافی بحث و تمحیص کے بعد ہم نے فیصلہ کیا کہ شری مان سنگھ سے بات ضرور کرنی چاہئے۔ اس سے کوئی پروگرام طے کرلینے کے بعد ہی ہم اپنا لائحہ عمل تیار کرسکتے تھے۔

شری مان سنگھ کی بیوی ہماری قید میں تھی۔ وہ اپنی بیوی کی حد سے بڑھی ہوئی آزاد روی کی وجہ سے شدید ذہنی انتشار میں مبتلا تھا اس لئے غالب امکان یہی تھا کہ وہ اپنے مسائل سے نجات پانے کے لئے اپنا زیادہ وقت اپنی دفتری مصروفیات میں گزارتا ہوگا۔

میں نے اس کے دفتر فون کیا تو وہ دوسری ہی گھنٹی پر لائن پر آگیا۔

"مبارک ہو' میں نے تمہارا آدھا کام سرانجام دے کر خود کو غزالہ کی واپسی کا حق دار بنا لیا ہے۔" اس کی آواز پہچانتے ہی میں نے گرمجوشی کے ساتھ کہا۔

"کس آدھے کام کی بات کر رہے ہو؟ ملا سرکار یا غلام رسول؟" اس نے سوال کیا تو اس کی آواز میں خوشگوار حیرت رچی ہوئی تھی۔

"غلام رسول۔" میں نے کہا "وہ ابھی اور اسی وقت اسے میرے سپرد کرنے کے لئے تیار ہیں۔"

"ویری گڈ!" اس کی تحسین آمیز آواز ابھری۔ "اس کا مطلب ہے کہ تمہارے بارے میں' میں نے جو کچھ سنا ہوا ہے وہ بے بنیاد نہیں ہے۔ تم واقعی کام کے آدمی ہو۔"

"کہو تو میں ابھی غلام رسول کو تمہارے دفتر پہنچا دوں؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔

"ہرگز نہیں!" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری "بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرنا۔ اس طرح سارا کھیل چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ تم اس وقت شہر کے کس حصے میں ہو؟"

"میں بہادر آباد سے بول رہا ہوں۔" میں نے معنی خیز نظروں سے ظفر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور غلام رسول کہاں ہے؟" اس نے متجسس لہجے میں اگلا سوال کیا۔

"وہ جہاں بھی ہے' مختصر ترین نوٹس پر شہر کے کسی بھی حصے میں پہنچایا جا سکتا ہے۔"

"پھر تم اسے سپرہائی وے پر گلشن معمار والے موڑ پر پہنچا دو۔" چند ثانیوں کی پرخیال خاموشی کے بعد شری مان سنگھ کی آواز ابھری۔

"اسے لینے کے لئے تم خود آؤ گے؟" میں نے سوال کیا۔

"کوئی بھی آ سکتا ہے۔ اس وقت نو بجے ہیں۔ تم ٹھیک گیارہ بجے اسے مقررہ مقام پر اتار کر لوٹ آنا۔"

"اس ویرانے میں؟" میں نے حیرت سے پوچھا "وہ بیمار اور زخمی ہے۔ وہ تھوڑی دیر تک بھی بے یار و مددگار پڑا رہا تو اس کی حالت بگڑ سکتی ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ اس کی سلامتی ہمیں تم سے زیادہ عزیز ہے۔"

"شاید تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے جو اتنی راز داری برت رہے ہو۔"

"اعتماد نہیں بلکہ یہ ہمارا طریقۂ کار ہے۔ ہم غیر ضروری خطرات مول لینے سے گریز کرتے ہیں۔"

"پھر غزالہ مجھ تک کیسے پہنچے گی؟" میں نے بے تابی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ اس شہر میں اجنبی نہیں ہے۔ ہم اسے رہا کر دیں گے۔ وہ خود ہی تم تک پہنچ جائے گی۔"

"لیکن میرے بھی کچھ مسائل ہیں جن کی وجہ سے میں زیرِ زمین چلا گیا ہوں۔ وہ مجھ تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ تمہیں اس کو میرے حوالے ہی کرنا ہوگا۔"

"اپنا فون نمبر دے دو۔ اس بارے میں صبح بات کر لیں گے۔" وہ بولا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں زیرِ زمین ہوں اس لئے میرے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں۔ میں تمہیں اپنا کوئی فون نمبر نہیں دے سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر تم صبح نو بجے فون کر لینا۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ غلام رسول کو مقررہ مقام پر اتارنے کے بعد تم ایک لمحے کے لئے بھی وہاں نہیں رکو گے۔"

"تم بے فکر رہو۔ میں بلاوجہ کسی جگہ ٹانگ نہیں اڑاتا۔ اور ہاں' تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہارے سر کے زخم کا کیا حال ہے؟"

"وہ معمولی سی ضرب تھی۔ تم نے اپنے آدمیوں سے اس بارے میں باز پرس کی تھی؟"

"ہاں' انہیں تم سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ تم پر سنگ زنی کرنے والا کوئی اور ہی تھا۔"

اس سے گفتگو اسپیکر فون پر ہوئی تھی اس لئے ظفر اور سلطان شاہ نے دونوں طرف کے مکالمات سنے تھے اور ان دونوں ہی کی رائے تھی کہ شری مان سنگھ اول درجے کا عیار اور ہوشیار آدمی تھا جو خود کو کسی غیر ضروری خطرے میں الجھانے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔

غلام رسول کو سپرہائی وے کے مقررہ مقام تک پہنچانے میں میرا کوئی کردار نہیں تھا۔ شری مان سنگھ کی ہدایت کے مطابق غلام رسول کو ٹھیک گیارہ بجے گلشن معمار والے موڑ پر چھوڑ دینا تھا۔ شری مان سنگھ کے آدمی مقررہ وقت پر وہیں کہیں قرب و جوار میں موجود رہتے اور میدان صاف دیکھ کر اسے وہاں سے لے جاتے۔ میرا کام صرف اتنا تھا کہ شیر شاہ کو فون کر کے ہدایت دیتا اور وہ گیارہ بجے غلام رسول کو سپرہائی وے پر چھوڑ دیتا لیکن ظفر کا کام خاصا پیچیدہ تھا۔

اگر اس کے آدمی مقررہ وقت پر جائے واردات پر پہنچتے تو یہ ممکن تھا کہ شری مان سنگھ کے آدمیوں کی نظروں میں آ جاتے اور وہ لوگ خطرہ بھانپ کر غلام رسول کے قریب بھی نہ پھٹکتے اس لئے یہ ضروری تھا کہ وہ فوری طور پر موقع پر پہنچ کر اپنی کمین گاہیں قائم کر لیتے تاکہ انہیں مقررہ وقت پر مجرموں پر دھاوا بولنے میں آسانی رہتی اور ان کا حریف بے خبری میں مارا جاتا۔

ظفر اس پروگرام سے اتفاقِ رائے ظاہر کرنے کے بعد مقررہ مقام کی پیشگی ناکہ بندی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا اور میں نے شیر شاہ سے فون کا سلسلہ ملا لیا۔

"مبارک ہو۔ تمہارے مصائب ختم ہونے کی باری آ گئی

ہے۔" میں نے رابطہ ہوتے ہی کہا۔

"میں ہر حال میں خوش رہنے کا عادی ہوں' باس۔" اس کی سعادت مندانہ آواز ابھری۔ "مجھے تو قیدی پر آج کی رات بہت بھاری نظر آرہی ہے۔ اس کا سانس رک رک کر چل رہا ہے۔ اس پر غشی کی حالت طاری ہے لیکن وہ ہر سانس کے ساتھ دردناک آوازوں میں کراہ رہا ہے۔ ایک بار اس کی آنکھوں کی پتلیاں بھی پھر گئی تھیں۔ میں پریشان ہوگیا تھا لیکن استاد قادر نے بتایا کہ موت آنے سے پہلے آدمی کی ناک کا بانسا ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ کسی کو اپنے سامنے سسک سسک کر مرتے ہوئے دیکھنا واقعی بہت دل گردے کا کام ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جان کسی خاص چیز میں اٹکی ہوئی ہے ورنہ اسے اب سے بہت پہلے مرجانا چاہئے تھا۔"

"وہ ہمارے پاس نہیں مرنا چاہتا۔" میں نے بے رحمانہ لہجے میں کہا "اس طرح چیف کی مشکل آسان ہوجائے گی۔ اور تم بھی سکھ کی نیند سوسکو گے۔"

"تو کیا اس کے بارے میں کوئی فیصلہ ہوگیا ہے؟" اس کی آواز سے حیرت عیاں تھی۔

"اسے گیارہ بجے گلشنِ معمار والے موڑ پر چھوڑ دو۔ تمہارا کام ختم ہوجائے گا۔"

"وہاں آبادی میں رات گئے تک رونق رہتی ہے لیکن سپرہائی وے کے اس حصے میں تو گیارہ بجے ہولناک سناٹا پھیل جاتا ہے۔ قیدی اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے بھی قابل نہیں ہے۔ ہم اسے وہاں ڈال آئے تو آوارہ کتے ہی اس کے لاغر بدن کو بھنبھوڑ ڈالیں گے....."

"ہوسکتا ہے کہ وہاں سے گزرنے والے کسی مال بردار ٹرک کا عملہ اسے دیکھ لے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "یہ سب سوچنا ان لوگوں کا کام ہے جو ہمارے بعد اس کی سلامتی کے ذمے دار ہوں گے۔ تمہیں صرف اتنا ہی کرنا ہے جس کی ہدایت کی گئی ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ جو کچھ تم نے کہا ہے اس پر حرف بحرف عمل ہوگا لیکن میرے خیال میں اسے موجودہ حالت میں وہاں پھینکنے سے بہتر ہوتا کہ ہم اس کی پیشانی میں بارود کی کھڑکی کھول کر اس کی لاش وہاں ڈال دیتے۔ اس طرح اس کی مشکل آسان ہوجاتی۔"

"تم بہک رہے ہو شیر شاہ!" میں نے خشک لہجے میں اسے وارننگ دی۔ "کیا تم بھول گئے کہ پچھلے چھتیس گھنٹوں سے چیف کی کیا حالت تھی؟ اس کی حالت جیسی بھی ہو' اہم ترین بات یہ ہے کہ اسے ہمارے قبضے میں نہیں مرنا چاہئے۔ اسی وجہ سے میں نے تگ و دو کرکے یہ بندوبست کیا ہے۔"

"سوری' باس!" اس کی آواز یک بیک معذرت خواہانہ ہوگئی۔ "غلام رسول کی ہمدردی میں چیف کی ضرورت میرے ذہن سے معدوم ہوگئی تھی۔"

"اپنی حدود کا خیال رکھو گے تو ایسی لغزش نہیں کرو گے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا "بس یہ یاد رکھنا کہ تمہارا آج رات کا مشن بہت اہم اور ضروری ہے۔ اس میں ذرا سی بھی کوتاہی کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کام پر ہم سب کے مستقبل کا بھی دارومدار ہے۔"

میں اس سے گفتگو کرکے فارغ ہوا تو سلطان شاہ نے خبر دی کہ ویرا کی تلاش میں گئے ہوئے دونوں افراد کچھ سنسنی خیز خبروں کے ساتھ لوٹ آئے تھے لیکن ظفر نے اس وقت غلام رسول والے قصے کو ہر بات پر مقدم رکھا ہوا تھا اس لئے اس نے ان خبروں پر زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔

ان دونوں کو تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ وہ لان پر لگی ہوئی پھولداری کے باہر ایک بنچ پر بیٹھے اپنے ساتھیوں سے گپ شپ میں مصروف تھے۔ ایس ٹی ایف کا بیشتر عملہ ہم دونوں کو اول خان کے معتمد دوست اور ساتھی کی حیثیت سے جانتا تھا۔ جو لوگ نئے تھے وہ بھی یہ جان چکے تھے کہ ظفر ہماری ضرورت سے زیادہ ناز برداری کر رہا تھا اس لئے ہمارے پہنچتے ہی وہ سب اپنی باتیں ادھوری چھوڑ کر خاموش ہوگئے۔

میں ان دونوں میں سے ایک کو اپنے ساتھ لے کر ظفر کے دفتر میں آگیا۔ ظفر اس وقت بھی عمارت کے کسی اور حصے میں مصروف تھا اس لئے مجھے اس شخص سے کھل کر بات کرنے کی آزادی میسر تھی اور میں حقائق کی بنا پر اپنی بے لاگ رائے قائم کرسکتا تھا۔

ہوٹل کے رہائشی رجسٹر میں ویرا لائیڈ کے نام سے کسی مہمان کی آمد کا اندراج نہیں مل سکا تھا' نہ ہی ان اوراق میں سوزی کا نام تھا البتہ ویرا کی تصاویر دکھانے پر پتا چلا کہ وہ ہوٹل کی عقبی سمت کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں مقیم تھی۔

وہ کمرا حاصل کرنے کے لئے ویرا نے مسز تھیلما کنگ کا نام استعمال کیا تھا۔ اس ہوٹل کے کلرک کو شاید ویرا کا چہرہ مہرہ بھی یاد نہ رہتا لیکن اس نے عقبی حصے میں کمرے کا مطالبہ کرکے اسے خاصا تنگ کیا تھا جس کی وجہ سے کلرک کو ویرا کی شکل یاد رہ گئی تھی۔

ویرا نے وہ کمرا اسی صبح حاصل کیا تھا لیکن جب ایس ٹی ایف کے افراد نے خود کو خفیہ پولیس کے کارندے ظاہر کرکے وہ مقفل کمرا کھلوایا تو وہاں ویرا کی موجودگی کی کوئی علامت باقی نہیں تھی۔ شاید وہ دوپہر کو ظفر اور کلارا کی ملاقات کا منظر دیکھنے کے بعد ہی وہاں سے کوچ کر گئی تھی۔ ہوٹل والوں کو وہ کرائے کی مد میں ایک یوم سے زیادہ کی رقم پیشگی دے چکی تھی اس لئے اس نے اپنی روانگی کا اندراج کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ کلرک کا خیال تھا کہ شاید ویرا رات گئے ہوٹل میں لوٹ آئے گی لیکن ایس ٹی ایف والے جانتے تھے کہ انہیں جس کسی کے پیچھے لگایا جاتا ہے وہ چھلاوے سے کم نہیں ہوتا۔

ویرا نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنے پاسپورٹ کے کوائف درج

کرانے کے بجائے ایک مقامی پتا درج کرا دیا تھا اور کلرک کو بتایا تھا کہ اس کے جملہ سفری کاغذات مسٹر اور مسز ڈی میلو کی تحویل میں تھے اور وہ دونوں بدقسمتی سے بیرونِ شہر گئے ہوئے تھے۔

اس کا وہ عذر اس قدر معصومانہ اور بے ساختہ تھا کہ کلرک نے اس پر اعتبار کرلیا۔ ویسے بھی وہ ہوٹلوں کے لئے مندے کا زمانہ تھا اور ہر انتظامیہ کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان کے ہوٹل کی حدود میں قدم رنجہ فرمانے والا مسافر ان ہی کا مہمان ہو جائے اس لئے ویرا کو وہاں کمرا حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

اس سے آگے کی کہانی زیادہ دلچسپ اور سنسنی خیز تھی۔ ڈی میلو فیملی کا پتا ڈیفنس کے متمول رہائشی علاقے کا تھا۔ وہ سراغ ملنے پر ایس ٹی ایف والوں نے ادھر کا بھی چکر لگانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ گیس کمپنی کے کارکنوں کے روپ میں گیس لیک ہونے کی شکایت کی دیکھ بھال کے بہانے وہاں پہنچے تو مسٹر ڈی میلو اپنے سرسبز لان پر ایک سفید فام عورت کے ساتھ کچھ لکھنے پڑھنے میں مصروف تھے۔ حیرتناک بات یہ تھی کہ وہ عورت ویرا لائیڈ کے علاوہ کوئی اور نہیں تھی۔

وہ دونوں گیٹ کے ساتھ، احاطے کی دیوار پر لگے ہوئے گیس میٹر کی دیکھ بھال کے بعد واپس لوٹ آئے۔ ان کی ڈی میلو یا ویرا سے کوئی بات چیت نہیں ہوئی لیکن اس احاطے میں چند منٹ گزارنے کے بعد ان دونوں کو فرداً فرداً یقینِ کامل تھا کہ انہوں نے وہاں ویرا ہی کو دیکھا تھا۔

ان کی لائی ہوئی وہ اطلاع اس امر کی متقاضی تھی کہ ڈی میلو فیملی کی قیامگاہ پر فوراً ہی دھاوا بولا جاتا۔ اس طرح نہ صرف ویرا گرفت میں آسکتی تھی بلکہ اس سے جہانگیر کے مغوی بیٹے کی بازیابی کے بارے میں بیش بہا معلومات حاصل کی جاسکتی تھیں۔

لیکن دوسری طرف غلام رسول، شری مان سنگھ اور غزالہ کی بازیابی کا معاملہ تھا جو بہت اہم اور فوری نوعیت کا تھا۔ اگر میں غلام رسول والے معاملے کو چھوڑ کر اپنی توجہ ویرا کے مکان کی طرف مرکوز کرنا چاہتا تو پوری ذہنی یکسوئی کے ساتھ کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا جبکہ ویرا ایک معزز شہری کے مکان میں پناہ گزین تھی جہاں سے اسے برآمد کرنے کے لئے باقاعدہ منصوبہ بندی اور ایس ٹی ایف کی بھرپور مدد کی ضرورت تھی۔

جہاں تک جہانگیر کے بیٹے کی بازیابی کا تعلق تھا تو اس کی اہمیت اپنی جگہ پر مسلم تھی لیکن اطمینان کی بات یہ تھی کہ ایس ٹی ایف کی دو نفری جماعت اس کے بارے میں کھوج لگانے کی مہم پر نکلی ہوئی تھی۔ ان کی کامیابی کا سو فیصد امکان نہ ہونے کے باوجود یہ امید ضرور تھی کہ وہ کچھ نہ کچھ معلومات ضرور لے آئیں گے اور شاید ویرا کے تعاون کے بغیر ہی اس بچے کا سراغ لگایا جاسکے۔

میں ویرا اور اس کی فطرت سے بخوبی واقف تھا۔ میرے ذہن میں یہ بات بری طرح کھٹک رہی تھی کہ اس نے ہوٹل کے ریکارڈ میں اپنا ایسا پتا کیوں چھوڑا جس پر اس کے پائے جانے کے قوی امکانات تھے۔ اس کے لئے سہل راستہ یہ ہوتا کہ وہ ہوٹل میں اپنا کوئی فرضی پتا درج کراتی اور پھر انسانوں کے بے کراں سمندر میں کہیں بھی غائب ہو جاتی اور ہم اس کے لئے اپنا سر پیٹتے رہ جاتے۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے اس مخبر سے تبادلۂ خیال کے بعد مجھے ظفر سے بھی مختصراً تبادلۂ خیال کرنے کا موقع ملا اور مجھ پر اس کی سوچ واضح ہو گئی۔

اس کا خیال تھا کہ اگر ویرا اس وقت ڈی میلو فیملی کے ساتھ موجود تھی تو کسی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہونے تک اسے وہیں رہنا چاہئے تھا اس لئے وہاں بعد میں بھی کارروائی کی جاسکتی تھی۔ دوسری مجبوری یہ تھی کہ ظفر ویرا کے خلاف کی جانے والی کارروائی کی نگرانی بذاتِ خود کرنی چاہتا تھا اور اس کے لئے بیک وقت دو مقامات پر موجود رہنا ناممکن تھا اس لئے اس نے ویرا کے خلاف کارروائی کو اپنے فارغ ہونے تک مؤخر کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ ویسے بھی ویرا نے کلارا کی معرفت دیئے گئے تحریری پیغام میں اگلے دن دو بجے فون کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس وقت تک صورتِ حال میں کوئی نمایاں تبدیلی متوقع نہیں تھی اور وہ کام بعد میں کیا جاسکتا تھا۔

شری مان سنگھ نے غلام رسول کو سپر ہائی وے پر پہنچانے کے لئے دو گھنٹے کا وقت دیا تھا جو تیزی سے گزرتا جارہا تھا اس لئے ظفر نے تیاریوں کی رفتار بھی تیز کی ہوئی تھی۔

آخر کار دو گاڑیوں پر مشتمل ایک چھ نفری کارواں سہراب گوٹھ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس قافلے میں میرے اور ظفر کے علاوہ اسپیشل ٹاسک فورس کے چار کمانڈوز شامل تھے جو کسی بھی کارروائی کو برق رفتاری سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان ہی میں سے دو نے گاڑیوں کو چلانے کی ذمے داری سنبھالی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ کو اس مہم میں شریک نہیں کیا گیا تھا۔

دو گاڑیوں میں کُل چھ نفوس سوار ہونے کی وجہ سے خاصی جگہ موجود تھی لیکن ظفر نے وہ جگہ غلام رسول اور متوقع قیدیوں کے لئے خالی رکھی تھی۔

شہر کی سڑکوں پر برق رفتاری سے سفر کرتے ہوئے، ہم لوگ جلد ہی سہراب گوٹھ کے علاقے سے گزر گئے اور پھر سپر ہائی وے کا وہ مقام بھی آگیا جہاں بائیں طرف سے ایک پختہ سڑک گلشنِ معمار کی طرف جاتی تھی اس سڑک پر بجلی کے کھمبے لگے ہوئے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں اسٹریٹ لائٹس بھی موجود رہی ہوں لیکن اس وقت وہاں اندھیرے کا راج تھا۔ اسی راستے پر کچھ فاصلے پر کثیرالمنزلہ رہائشی عمارات کے فلیٹوں میں جلنے والی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔

وہ سب اپنے کام میں بہت ماہر تھے۔ دونوں گاڑیاں رکنے تک

ان کی تجربہ کار نگاہوں نے اپنے لئے کمین گاہیں تلاش کرلی تھیں۔ اُن دنوں وہاں بڑے قطر والی لائنیں ڈالنے کے لئے کام ہو رہا تھا اس لئے گہری نالیوں کے ساتھ ہی مٹی کے بے ہنگم انبار لگے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ بڑے قطر والے' کنکریٹ سے بنے ہوئے ایسے پائپ جن میں آدمی آرام سے بیٹھ سکے' موجود تھے۔

ان چاروں کے کودتے ہی ایک گاڑی ظفر نے سنبھالی اور دوسری میرے حوالے کردی گئی اور ہم دونوں وہ گاڑیاں قدرے آگے نکال لے گئے جہاں ان کا دیکھا جانا آسان نہیں تھا۔

گاڑیوں کی اوٹ میں پوزیشن لینے کے بعد میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہاں دس بجنے میں صرف چند منٹ رہ گئے تھے۔

میرا خیال تھا کہ شری مان سنگھ یا اس کے آدمی مقررہ وقت سے پہلے وہاں آجائیں گے تاکہ تمام کارروائی اپنی نظروں سے دیکھ سکیں لیکن وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور وہاں بدستور سناٹا چھایا رہا۔ اس دوران میں اندر جانے والی اِکاّدُکاّ گاڑیوں کے علاوہ ذیلی سڑک پر کوئی ٹریفک نہیں تھا۔ سپرہائی وے پر دو طرفہ بھاری ٹریفک رواں تھا لیکن ہم ایسی جگہ پر چھپے ہوئے تھے جہاں شہر سے جانے والے ٹرکوں وغیرہ کی تیز روشنیوں کی رسائی نہیں تھی۔

"آج کل شہر میں گاڑیوں کی چیکنگ ہو رہی ہے۔ اگر غلام رسول کو لانے والی پارٹی راستے میں دھرلی گئی تو ہماری یہ رات یہیں برباد ہو جائے گی۔" تھوڑی دیر بعد ظفر بڑبڑایا۔

"وہ لوگ چالاک ہیں۔ غلام رسول کو بیمار ظاہر کرکے نکال آئیں گے۔ شہر میں گشت کرنے والی پولیس پارٹیوں کو اس کی تصاویر فراہم نہیں کی گئی ہوں گی۔" میں نے کہا۔

"اخبارات میں اس کی اتنی تصاویر چھپتی رہی ہیں کہ شہری پولیس کو تو اس کے خدوخال یاد ہو جانے چاہئیں لیکن یہاں لوگوں کو فرض نبھانے سے زیادہ پیسے بٹورنے سے دلچسپی ہوتی ہے۔"

"پولیس ہی نہیں' ہر محکمے کا کم وبیش یہی حال ہے" میں نے تلخی سے کہا "جس کا بس چلتا ہے وہ بھوکے گدھ کی طرح لوگوں کو نوچنے کھسوٹنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ پولیس والوں کا دن رات لوگوں سے واسطہ رہتا ہے اس لئے وہ زیادہ ہی بدنام ہو رہے ہیں۔ خدا کرے کہ آج کوئی گڑبڑ نہ ہو۔"

"یہاں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی تو مجھے افسوس رہے گا کہ میں نے ویرا کے معاملے پر توجہ کیوں نہیں دی" وہ بولا "اس کی سرکوبی بھی کچھ کم اہم نہیں ہے۔"

"فکر نہ کرو' وہ تمہارے عشق میں گرفتار ہو گئی ہے" میں نے ہنستے ہوئے کہا "تم کل دو بجے والی فون کال پر اسے متاثر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ خود ہی تمہارے پاس چلی آئے گی۔"

"عشق اسے مجھ سے نہیں' تم سے ہے" وہ کھسیائے ہوئے لہجے میں بولا "اوّل تو وہ تمہیں مارنے سے گریز کرتی رہی ہے۔ اگر اس نے غلطی سے تمہیں مار بھی دیا تو وہ تمہاری ممّی بنا کر دن رات اسی کو چومتی رہے گی۔ اس لئے مجھے اس بحث سے الگ ہی رکھو تو بہتر رہے گا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ آج اس نے تمہیں رنگین چھتری کے سائے میں کلارا سے ملتے دیکھ لیا ہے۔ تم شرافت سے راہِ راست پر نہ آئے تو وہ تمہیں اغوا بھی کرا سکتی ہے۔"

ہم اسی نوک جھونک میں وقت گزارتے رہے۔ جب ساڑھے دس بجے تک بھی وہاں کوئی مشتبہ نقل وحرکت نظر نہیں آئی تو مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں شری مان سنگھ نے آخری لمحات پر اپنا پروگرام ہی نہ بدل دیا ہو یا پھر اس کے آدمی ہم سے بھی پہلے وہاں آپہنچے ہوں اور اپنے مورچوں میں چھپے' ابتدا ہی سے ہماری نقل وحرکت کی نگرانی کر رہے ہوں۔

شہر کی طرف سے آنے والی ہر گاڑی کی تیز روشنی کی وجہ سے یہ اندازہ لگانا دشوار ہوتا تھا کہ وہ کس ساخت اور رنگ کی گاڑی ہے۔ ان کے آگے نکلنے کے بعد ہی ان کو تفصیلی طور پر دیکھا جا سکتا تھا اس لئے ٹھیک گیارہ بجے وہاں جو گاڑی آئی اس کے ہیڈ لیمپس کے درمیانی فاصلے اور ان کی زمین سے بلندی کی بنا پر صرف یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کوئی کار ہے۔

وہ کار سپرہائی وے سے اتر کر ناہموار راستے پر بائیں طرف گھومی تو میں نے پہچان لیا کہ یہ وہ ٹریڈ لائن کی گاڑی تھی۔ گلشنِ معمار جانے والی ذیلی سڑک کے نکڑ پر وہ کار چند ثانیوں کے لئے رکی اور اندھیرے میں چند ہیولوں نے سہارا دے کر کسی وزنی شے کو باہر نکالا۔ تمام سائے ایک بار نیچے جھکے پھر سیدھے ہو کر کار کی نشستوں میں غائب ہو گئے۔

لمحہ بھر بعد ہی وہ نیلی کار تیز رفتاری کے ساتھ شہر کی طرف واپس چلی گئی۔

غیر ارادی طور پر میری نگاہ اپنی رسٹ واچ کے ریڈیم ڈائل کی طرف گئی تو وہاں سوئیاں گیارہ بجنے کا اعلان کر رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ شیر شاہ نے اپنی ذمے داری نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ مقررہ وقت پر پوری کردی تھی۔

شاید اس وقت غلام رسول کی حالت بہت ابتر تھی کیونکہ نیلی کار کے چلے جانے کے بعد وہاں کوئی حرکت نظر آرہی تھی اور نہ ہی کوئی آواز تھی۔ وہ شاید زمین پر پڑا ہوا تھا کیونکہ اندھیرے میں سطح زمین پر کسی ہیولے کا وجود بھی مفقود تھا۔

جال میں چارا لگایا جا چکا تھا اور شکار چارے کے لالچ میں کسی بھی لمحے جال پر گر سکتا تھا۔ وقت دھیمے دھیمے گزر رہا تھا لیکن وہاں ہر طرف یکسانیت کا راج تھا۔

اس اعصاب شکن ماحول میں مزید پندرہ منٹ گزر گئے تو ظفر کے لئے وہاں بیٹھے رہنا محال ہونے لگا "پتا نہیں کیا ہو رہا ہے۔ میں پیٹ کے بل آگے بڑھ کر دیکھتا ہوں کہ غلام رسول زندہ ہے یا مر چکا ہے۔ ابھی تک اس کی کوئی کراہ بھی نہیں سنائی دی ہے۔"

"بیٹھے رہو!" میں نے اس کا بازو دبا کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا "اور اندھیرے پر نظریں جمانے کی کوشش کرو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی زمین سے چپک کر پیش قدمی کر رہے ہوں۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے آدمی کیا کر رہے ہیں؟" ظفر اضطراری لہجے میں بڑبڑایا۔

چند ثانیے اور گزر گئے پھر اچانک ہی فضا میں کسی مینڈک کے ٹرانے کی آواز تین مرتبہ ابھری اس کے بعد پھر وہی سکوت چھا گیا جس میں صرف انجنوں کا ابھرتا اور ڈوبتا ہوا شور گونج رہا تھا۔

"ادھر بھی مکمل خاموشی ہے" ظفر نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"کیا وہ تمہارے آدمیوں کا سگنل تھا؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"مینڈک کی تین آوازیں خیریت کے لئے ہیں۔ دو آوازوں کا مطلب خطرناک ہوگا۔"

میری نگاہیں شہر کی طرف سے آنے والے راستے پر جمی ہوئی تھیں۔ اچانک میں نے سڑک سے ہٹ کر کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس روشن ہوتے دیکھے جس کا مطلب تھا کہ وہ گاڑی اپنی روشنیاں گل کر کے پہلے سے اندھیرے میں کھڑی ہوئی تھی۔

ہیڈ لیمپس جلتے ہی وہ گاڑی حرکت میں آگئی اور ناہموار، کچے راستے پر اچھلتی ہوئی، شاہراہ کے اس حصے پر آگئی جو آگے زیر تعمیر ہونے کی وجہ سے مسدود تھا۔ اس گاڑی کی رفتار اتنی تیز تھی کہ آناً فاناً میں ہمارے قریب آگئی۔ گلشن معمار والا موڑ آتے ہی اس کار کی رفتار کم ہوئی اور وہ اس طرف گھوم گئی جہاں پروگرام کے مطابق غلام رسول کو موجود ہونا چاہئے تھا۔

تیز روشنی کی چادر کا رخ بدلنے پر میں نے دیکھا کہ وہ کوئی عام کار نہیں تھی بلکہ سفید رنگ کی سوزوکی ہائی روف ایمبولینس تھی جس کی چھت پر ایمرجنسی لائٹ اور غالباً سائرن بھی نصب تھا۔

ایمبولینس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ہم نے پہلی بار اس شخص کو دیکھا جو زمین پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ ایمبولینس کے رکتے ہی اس میں سے دو آدمی اتر کر آگے بڑھے۔ اسی لمحے کسی جانب سے یک بیک تین دیو ہیکل سائے نمودار ہوئے اور ایمبولینس کے پہلوؤں پر پھیلے ہوئے اندھیرے کی آڑ لے کر خاموشی سے ان دونوں پر ٹوٹ پڑے اور پلک جھپکتے میں ان دونوں کو رگیدتے ہوئے روشنی سے دور لے گئے۔ غلام رسول کا بے حس و حرکت بدن جہاں پڑا تھا، وہیں پڑا رہا۔

پھر اچانک ہی ایک ریپیٹر گن چلی، یکے بعد دیگرے تین مسلسل فائر ہوئے لیکن کسی کا بال بھی بیکا نہ ہو سکا کیونکہ فائروں کے جواب میں کوئی بے ساختہ چیخ نہیں ابھری تھی۔ البتہ اندھیرے میں لڑنے والوں کی غراہٹوں اور چڑھتے ہوئے سانسوں کی آوازیں واضح طور پر سنائی دے رہی تھیں۔

ہمارے ساتھ آئے ہوئے کمانڈوز کے پاس متعدد مہلک ہتھیار موجود تھے لیکن ان میں کوئی ریپیٹر گن نہیں تھی اس لئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ فائر ایمبولینس سے کئے گئے تھے لمحہ بھر بعد یکے بعد دیگرے دو گولیاں چلیں۔ وہ دونوں بڑے بور کے پستول کے فائر تھے۔ اس بار ایمبولینس کے ہیڈ لیمپس کو نشانہ بنایا گیا تھا کیونکہ چھناکے کی آوازوں کے ساتھ ہی وہ بتیاں ناکارہ ہو گئیں۔

اندھیرا ہوتے ہی شاید کسی کو بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا اور زمین پر کئی افراد کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک گونجنے لگی۔ ساتھ ہی کوئی کسی کو للکار بھی رہا تھا۔

اسی لمحے ایمبولینس اچانک حرکت میں آگئی۔ اس کا انجن ابتدا ہی سے جاگ رہا تھا۔ اس بار ایمبولینس کی دھیمی پارکنگ لائٹس کے انعکاس میں ایک سایہ نظر آیا۔ وہ ہماری بے خبری میں نہ جانے کس وقت ایمبولینس سے رینگ کر باہر نکلا تھا اور وہاں پھیلی ہوئی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر غلام رسول کو اپنے کندھے پر لادے سفید گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ تمام واقعات اس قدر تیزی اور تواتر کے ساتھ رونما ہوئے کہ ہم دونوں ہی اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گئے۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ وہاں حقیقی صورت حال کیا تھی اور کس کا پلہ بھاری تھا۔

ان دنوں شہر میں اغوا اور ڈکیتی کی وارداتوں کا خاصا زور تھا اس لئے قریب ہی سپرہائی وے سے گزرتے ٹریفک میں پے در پے فائروں سے کوئی رکاوٹ نہیں پڑی تھی بلکہ وہاں سے گزرنے والی گاڑیوں کی رفتار یک بیک تیز تر ہو گئی تھی۔ مخدوش اور غیر یقینی صورت حال میں کوئی بھی شریف ڈرائیور وہاں رک کر خود کو ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کے حوالے کرنے کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا تھا۔

ایمبولینس کو حرکت میں آتا دیکھ کر یکلخت ہی میری کھوپڑی پر جمی ہوئی برف پگھلنے لگی۔

ایس ٹی ایف کے تین کمانڈوز اپنے دو حریفوں کے ساتھ خوں ریز مقابلے میں الجھے ہوئے تھے۔ چوتھا نہ جانے کہاں غائب تھا۔ سوزوکی ایمبولینس والے اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر غلام رسول سمیت بھاگ نکلنے کے موڈ میں نظر آرہے تھے۔

میں نے بجلی کی سی سرعت سے اپنی جگہ چھوڑ کر ایمبولینس کی طرف دوڑ لگا دی اور پھر غلام رسول کو کندھے پر لادے ہوئے قوی الجثہ شخص کو ایمبولینس کے کھلے ہوئے دروازے تک پہنچنا نصیب نہیں ہو سکا۔ میری چلائی ہوئی گولی اسے چاٹ گئی اور وہ ایک کریہہ چیخ کے ساتھ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

حالات کا پانسا یکا یک ہی پلٹ گیا۔ ایمبولینس میں سوار افراد نے بھانپ لیا کہ انہوں نے وہاں رکے رہنے کی حماقت کی تو وہ مارے یا پکڑے جائیں گے۔ انہوں نے ایمبولینس کو تیزی سے مین روڈ پر بھگا لے جانے کی کوشش کی لیکن ان کا وقت پورا ہو چکا تھا۔

شاید چوتھا کمانڈو ایسے ہی کسی وقت کے انتظار میں اپنی کمین گاہ میں چھپا بیٹھا تھا کیونکہ ایمبولینس کی رفتار تیز ہوتے ہی ایک گھنا گھنا لیکن ہولناک دھماکا ہوا اور ایمبولینس کے پرخچے اڑنے کے ساتھ ہی اس کے ملبے نے آگ پکڑلی۔

اس واقعے نے مجھے بری طرح بوکھلا کر رکھ دیا اور میں نے واپس ظفر کی طرف دوڑ لگادی۔

ظفر ایک گاڑی میں سوار ہوکر اُس کا انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اپنے حلق سے الّو کی تیز آواز نکالی اور میری طرف متوجہ ہوگیا۔

"تیزی کے ساتھ گاڑی باہر نکالو! اب یہاں رکنا خطرناک ہوسکتا ہے۔"

دونوں گاڑیاں باہر نکلیں تو مختلف سمتوں سے چاروں کمانڈوز دوڑتے ہوئے ہماری طرف آگئے۔ شاید الّو کی چیخ ان کے لئے واپسی کا اشارہ تھی۔

لڑنے والے تین میں سے ایک کمانڈو بری طرح زخمی اور خون میں نہایا ہوا نظر آرہا تھا۔ وہ تینوں ہی ظفر کی گاڑی میں گھس گئے۔ چوتھا کمانڈو غلام رسول کے بے حس بدن کو اپنے کندھے پر لادلایا تھا۔ وہ میری کار میں سوار ہوگیا۔

ہماری دونوں گاڑیاں وہاں سے شہر کی طرف روانہ ہوئیں تو ایمبولینس کے جلتے ہوئے ڈھانچے کو دیکھ کر ٹریفک رکنا شروع ہوگیا تھا اور لوگ گاڑیوں سے اتر کر اسی طرف دوڑ رہے تھے۔

ایمبولینس میں سوار افراد کے لرزہ خیز انجام کا تصور کرکے میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔

"اس کا کیا حال ہے؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے کمانڈو سے بھرّائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"میں نے اسے اٹھایا تو شاید یہ نزع کے عالم میں تھا" اس کا لہجہ بالکل سرد اور بے جان تھا "اس نے میرے کندھے پر ہی دم توڑا ہے۔ اس کا بدن تیزی سے ٹھنڈا ہوتا جارہا ہے۔"

"ایمبولینس پر بم تم نے ہی پھینکا تھا؟" میں نے آہستگی سے پوچھا۔

"ہاں!" اس کا لہجہ پہلے کی طرح سرد اور مشینی تھا "ہمیں ہدایت دی گئی تھی کہ آنے والوں میں سے کوئی بھی بچ کر نکلنے نہ پائے۔ میں ذرا سی بھی سستی دکھاتا تو وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوجاتے۔ بم مارنے سے پہلے میں نے انہیں رکنے کی وارننگ دی تھی لیکن ان کی موت آچکی تھی۔ انہوں نے میری وارننگ کی پروا کئے بغیر وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔"

"وین میں کتنے آدمی رہے ہوں گے؟" چند ثانیوں کے بعد میں نے پوچھا۔

"آخر میں کُل دو آدمی نظر آرہے تھے۔ دو پہلے ہی اتر گئے تھے۔ پانچواں بے ہوش آدمی کو اٹھا کر لے جارہا تھا کہ اسے کسی کی گولی چاٹ گئی۔"

"تو کیا پانچواں مرگیا تھا؟" میں نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"گولی شاید اس کے جسم کے کسی نازک حصے میں لگی تھی" وہ بولا۔

اس کے بعد گاڑی میں خاموشی چھاگئی مگر میرا ذہن ان ہی واقعات میں الجھا رہا۔

ان کے پانچ میں سے تین آدمی یقیناً مارے گئے تھے۔ بقیہ دو کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ بھی اپنے بقیہ ساتھیوں کی طرح جہنم واصل کردئے گئے تھے یا بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

غلام رسول جیسے قریب المرگ بلکہ نیم مردہ شخص کی خاطر اتنے افراد کی بھینٹ غیر معمولی بات تھی لیکن مجھے ان کی موت سے زیادہ فکر اس امر کی تھی کہ ان میں شری مان سنگھ شامل تھا یا نہیں؟

وہ جس قدو قامت کا مالک تھا اس کی بنا پر میرا خیال تھا کہ وہ جسمانی مشقت اور دھول دھپّے کا عادی نہیں تھا۔ اگر وہ ایمبولینس ہی میں موجود رہا ہو تو بات دیگر تھی۔

وہ لوگ شری مان سنگھ کے سفارت خانے کے ملازمین تھے یا اس نے غلام رسول کے حصول کے لئے شہر کے پیشہ ور بدمعاشوں کی خدمات حاصل کی تھیں؟ یہ بھی ایک اہم سوال تھا کیونکہ اسی کے جواب پر آنے والے واقعات کا دارومدار تھا۔

اس پورے قصے میں اسپیشل ٹاسک فورس کا ذکر ہی نہیں آنا تھا بلکہ ظفر نے پیشگی یہ بندوبست کرلیا تھا کہ ساڑھے گیارہ بجے پولیس کی ایک مسلح گشتی جماعت جائے واردات پر پہنچ کر کنٹرول سنبھال لے اور وہاں سے زخمی یا مردہ حالت میں ہاتھ لگنے والے قیدیوں کے حوالے سے ایک کہانی بنالے۔ کہانی میں غلام رسول کا گول مول ذکر ضرور ہوتا اور یہ بتایا جاتا کہ مجرم سپرہائی وے کے ویرانے میں مشتبہ انداز میں جمع تھے جنہوں نے پولیس کے للکارنے پر فائر کھول دیا۔ خونریز تصادم کے بعد پولیس نے حالات پر قابو پایا تو ان لوگوں کے قبضے میں بدنام سیاست داں، غلام رسول بھی موجود تھا جسے پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا۔

وہ پولیس والوں کی ابتدائی کہانی ہوتی جس میں بقیہ رنگ ظفر کی ہدایات کے مطابق بھرے جاسکتے تھے۔

پولیس رپورٹ کی مرحلے وار اجرائی کی ضرورت اس لئے سمجھی گئی کہ پوری صورتِ حال واضح ہونے میں تاخیر ہونے کے سبب سے وہ کہانی صبح کے اخبارات میں شائع نہیں ہوسکتی تھی لیکن ساڑھے گیارہ بارہ بجے تک جاری ہونے والی ابتدائی کہانی سنسنی خیز سرخیوں کے ساتھ اخبارات کی زینت بن سکتی تھی۔

ویسے تو شری مان سنگھ کے افسران کو رات کو [illegible] جاتا کہ

ان کا مشن ناکامی سے دوچار ہوچکا تھا۔ ان کے بھیجے ہوئے آدمیوں کی گمشدگی ناکامی کا کھلا اعلان ہوتی۔ شری مان سنگھ بذاتِ خود مہم میں شریک ہوتا تو اسے کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن وہ اپنے دفتر میں موجود ہوتا تو اس کا اضطراب اپنے اوپر والوں سے کم نہ ہوتا۔ ان لوگوں کو اخبارات ہی سے یہ علم ہوسکتا کہ حکومت یا مقامی انتظامیہ نے اس واقعے پر کیا مؤقف اختیار کیا ہے اور اسی کی روشنی میں وہ اپنا ردِعمل ظاہر کرنے کا فیصلہ کرتے۔

اسٹیشن فور پہنچنے کے بعد پتا چلا کہ ہڑبونگ سے فائدہ اٹھا کر بھاگ نکلنے والے دو حریفوں میں سے ایک کمانڈوز کے ہاتھوں مارا گیا تھا جب کہ دوسرا بہت چالاک ثابت ہوا اور زخمی ہونے کے باوجود بڑے بڑے پائپوں میں گھس کر کسی ایسی سمت میں نکل گیا جہاں اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا اور روانگی کا سگنل ملنے کی وجہ سے کمانڈوز کو اس کی تلاش ادھوری چھوڑ کر واپس آنا پڑا۔

دست بدست جنگ میں ملوث ہونے والے تینوں کمانڈوز زخمی ہوئے تھے۔ دو کے چہروں اور جسموں وغیرہ پر معمولی خراشیں آئی تھیں جبکہ تیسرے کے زخم گہرے تھے۔ اس کی نہ صرف ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی بلکہ اس کے شانے پر کسی تیز دھار آلے کا لمبا زخم بھی آیا تھا۔

ان تینوں کی متفقہ رائے تھی کہ ان کے حریف اناڑی یا ناتجربے کار نہیں تھے بلکہ لڑنے بھڑنے کے فن میں قابلِ رشک مہارت رکھتے تھے جس کا توڑ آسان نہیں تھا۔

غلام رسول واقعی مرچکا تھا۔ اس کے زرد کاغذ اور بے نور چہرے پر روح کو لرزا دینے والی پھٹکار برس رہی تھی۔ اس نے اپنے مُلک اور صوبے کے اَن گنت خاندانوں کو دوسروں کی غلامی کا طوق پہنانے کی منصوبہ بندی کی تھی لیکن وہ خود اپنی آزادی کے لئے ترستا ہوا ایک تاریک ویرانے میں بے بسی کی موت مرا۔ اس کی عزت اور ذلت کے درمیان ایک بہت باریک سی حدِ فاصل تھی۔ وہ مر کر ہمارے قبضے میں آیا تو غداری کا کلنک اس کے ماتھے کی سیاہی بنا ہوا تھا اور رسوائی اس کا مقدر بن گئی تھی۔ اگر وہ آخری لمحات پر فریقِ ثانی کی تحویل میں چلا جاتا تو مرنے کے بعد بھی اس کا نام چمکتا رہتا۔ اسے ہر عزت اور اعزاز سے نوازا جاتا لیکن قدرت کے فیصلے ہمیشہ اٹل اور درست ہوتے ہیں' قزاقِ اجل کے بے رحم ہاتھوں نے غلام رسول کو وہ موہوم سی حدِ فاصل عبور کرنے کی مہلت نہیں دی اور وہ عبرت کا نشان بن کر ہمارے قدموں میں آگرا۔

وہ بہت حسّاس اور سنگین نوعیت کا معاملہ تھا اس لئے ظفر واپس آتے ہی مصروف ہوگیا۔ اسے ہوم آفس کے ذمے داروں سے مل کر جزئیات طے کرنی تھیں اور غلام رسول کے جسدِ خاکی کو کہیں نہ کہیں ٹھکانے لگانے کا بندوبست کرنا تھا اس لئے میں اسے اس کے دفتر میں چھوڑ کر ریٹائرنگ روم کی طرف چل دیا۔

وہاں سلطان شاہ منہ پھلائے آرام دہ بستر پر دراز تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اپنی ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے دوسری طرف کروٹ لے لی۔

وہ دلیر اور قابلِ اعتماد دوست تھا۔ ہر برے وقت میں آنکھیں بند کرکے میرا ساتھ دیتا تھا۔ اس کے سہارے کی وجہ سے میں نے بڑی دشوار مہمات سر کی تھیں لیکن یہ بھی ایک طے شدہ بات تھی کہ بعض اوقات وہ اپنی عقل کے استعمال میں بخل کرجاتا تھا۔ ایسے مواقع پر میرے ساتھ اس کا رویّہ زود حس بوڑھوں جیسا ہوجاتا تھا۔

وہ مجھ سے اس بات پر ناراض تھا کہ میں نے ظفر سے اسے ساتھ لے جانے کے لئے اصرار کیوں نہیں کیا۔ خاصی دیر کی مغز زنی کے بعد میں اسے یہ بات ذہن نشین کرانے میں کامیاب ہوسکا کہ ظفر' اوّل خان کی طرح بہت زیادہ سادہ لوح نہیں تھا۔ وہ ہر مسئلے پر اپنی جداگانہ رائے رکھتا تھا اور ترجیحی طور پر اس کے مطابق کارروائی کرنے میں یقین رکھتا تھا۔ ایسے آدمی سے ذرا ذرا سی بات پر تکرار عموماً بدمزگی کا سبب بن جاتی ہے۔ جب کہ ہم اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے اُس سے بگاڑ مول لینے کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔

اس موضوع پر مصالحت ہونے کے بعد تازہ مہم کے بارے میں گفتگو چھڑ گئی۔

مجھے ابتدا ہی سے اس امر کا ادراک تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس نے شری مان سنگھ کا منصوبہ ناکام بنا کر غلام رسول کو اپنے قبضے میں لے لیا تو شری مان سنگھ اس ناکامی کو میری ہی کسی شرارت سے منسوب کرکے غزالہ کی واپسی کے وعدے سے مکر جائے گا۔

اس بارے میں اگر اور مگر کے ساتھ بہت سی خوش فہمیاں بھی تھیں لیکن میں سلطان شاہ کے اس خیال سے پوری طرح متفق تھا کہ سپرہائی وے پر آنے والے پانچ افراد میں سے ایک کا زندہ بچ نکلنا میرے حق میں زہر ثابت ہوسکتا تھا۔ اگر وہ پانچواں شخص بھی مارا جاتا تو شری مان سنگھ کبھی بھی یہ نہیں جان سکتا تھا کہ جائے واردات پر درحقیقت کیا ہوا تھا۔ ایسی صورت میں اسے ان ہی کہانیوں پر اعتبار کرنا پڑتا جو اخبارات کی زینت بنتیں۔ شری مان سنگھ ایمبولینس میں مارا گیا ہو یا دفتر میں رہا ہو' دونوں صورتوں میں بچ نکلنے والا پانچواں آدمی بہت خطرناک تھا۔ وہ شری مان سنگھ یا اس کی ہلاکت کی صورت میں اس کے کسی معتمد کو اصل کہانی سے آگاہ کرسکتا تھا۔ وہاں پیش آنے والے اصل واقعات میں پولیس کا کوئی رول نہیں تھا۔ جائے واردات پر پولیس کی کوئی گاڑی تھی نہ اس کا کوئی باوردی اہل کار۔ جو کچھ بھی ہوا' وہ ایس ٹی ایف کے سادہ پوش کمانڈوز کا کارنامہ تھا۔ وہ راز کھل جانے کے بعد میرے لئے واقعی دشواریاں کھڑی ہوسکتی تھیں۔

اسی اثنا میں مجھے خبر ملی کہ میری غیر حاضری میں وہ دور کی جماعت بھی واپس آچکی تھی جسے جہانگیر کے بیٹے کی تلاش میں شہر

کے چائلڈ کیئر سینٹرز بھیجا گیا تھا۔
ہماری واپسی کے بعد اسٹیشن فور پر بیک وقت متعدد سرگرمیاں شروع ہوگئی تھیں اور ہر شخص ضرورت سے زیادہ مصروف نظر آنے لگا تھا۔ ان سرگرمیوں میں ظفر سب سے پیش پیش تھا کیونکہ کلیدی کردار اسی کا تھا اور اسے فورس سے باہر کے لوگوں سے بھی رابطہ کرنا تھا اس لئے کسی نے بھی اس دورکنی جماعت سے اس کی کارکردگی کی رپورٹ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔
میں ان لوگوں کی تلاش میں آرام گاہ سے نکلا تو ایک راہداری میں ظفر سے مڈبھیڑ ہوگئی۔
"معاف کرنا میں ذرا مصروف ہوں۔" اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر عجلت آمیز لہجے میں کہا۔ "کچھ دیر میں اعلیٰ سرکاری عہدے دار یہاں آنے والے ہیں۔ اس لئے میں شاید صبح سے پہلے فارغ نہ ہوسکوں۔ ارشد اور اکبر بچّے کے بارے میں تحقیقات کرکے واپس لوٹ آئے ہیں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو ان سے رپورٹ لے لو۔ فارغ ہونے کے بعد ہم آپس میں تبادلۂ خیال کرلیں گے۔"
"تم عجلت میں ہو۔ تھوڑی دیر بعد شاید تم سے بات بھی نہ ہوسکے اس لئے یہ بتاتے جاؤ کہ اگر میں کسی فوری کارروائی کی ضرورت محسوس کروں تو کون میرے کام آسکے گا۔"
"ارشد میرا بہت سینئر آدمی ہے۔" اس نے کہا۔ "وہ تمہارے ساتھ ہر طرح سے تعاون کرے گا۔"
وہ ایک دفعہ پھر معذرت کرکے آگے نکل گیا اور میں ارشد کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔
ارشد اپنے خدّوخال سے واقعی ایک خرّانٹ آدی نظر آرہا تھا۔ اس نے نہایت خوش دلی کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا اور میری فرمائش پر بے چون وچرا میرے ساتھ چلا آیا۔
اس نے چند گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں شہر کے بیس سے زائد ادارے کھنگال ڈالے تھے۔ اپنی تفتیش کے لئے اس نے ان اداروں کے مالکان یا منتظمین کے بجائے نچلے درجے کے ملازمین پر انحصار کیا تھا اور اس کی بھاگ دوڑ کا نچوڑ یہ تھا کہ ویرا پچھلے روز ایک سرخ وسفید بچے کے ساتھ وہاں دیکھی گئی تھی۔
ہر طرف پھیلے ہوئے ناکامیوں کے گھور اندھیرے میں وہ امید کی پہلی کرن تھی۔
"اس سینٹر کا نام کیا ہے اور وہ کہاں واقع ہے؟" مجھ سے پہلے سلطان نے سوال داغ دیا۔
"لٹل اینجل کے نام سے سوسائٹی کے علاقے میں چلایا جارہا ہے۔" ارشد نے کہا۔
"تم اس بچے کو دیکھ چکے ہو؟" میں نے پُرتجسس لہجے میں دریافت کیا۔

اُس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "والدین کے علاوہ کسی کو بچوں تک جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ میں نے اس ادارے کے ایک کلرک سے بات کی تھی۔ اس نے ویرا کی تصویر دیکھتے ہی پہچان لی تھی جس کا مطلب ہے کہ وہ بچہ وہیں موجود ہونا چاہیے۔"
"اس نے تمہیں کچھ اور بھی بتایا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔
"وہ تو بات کرنے پر ہی آمادہ نہیں تھا۔ پانچ سو روپے کا نوٹ مٹھی میں لینے کے بعد وہ تصویر دیکھنے پر آمادہ ہوا تھا مگر ڈر رہا تھا کہ مالکان کو اس بات کا علم ہوگیا تو وہ اسے بیک بنی و دوگوش ملازمت سے نکال دیں گے۔ ان لوگوں کو غیر متعلقہ لوگوں سے بچوں کے بارے میں بات چیت کرنے کی ممانعت ہے۔"
"تم نے اُس سے کس بہانے سے بات کی تھی؟" میں نے اگلا سوال کیا۔
"میں نے اسے بتایا تھا کہ میں ایک گھر میں ملازم ہوں اور ہماری غیر ملکی مالکن اپنے شوہر سے لڑنے کے بعد اپنے شیر خوار بچّے کو ساتھ لے کر گھر سے بھاگ گئی ہے۔ ہمارے مالک کا خیال ہے کہ اس کی بیوی، بچے کو کسی فل ٹائم کیئر سینٹر میں ڈال کر خود کسی ہوٹل میں عیش کررہی ہوگی۔"
میں دل ہی دل میں اس کی حیلہ سازی کی داد دئے بغیر نہ رہ سکا۔
"اگر بچہ وہیں ہے تو ہمیں اس کی بازیابی کے لئے فوراً حرکت میں آنا ہوگا۔" میں نے کہا۔
"میں تیار ہوں۔ لیکن وہ بچہ ہم کیسے سنبھال سکیں گے؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔
"بچے کا باپ ہمارے ساتھ ہوگا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "وہ بچے کو اس کی ماں تک پہنچاوے گا۔ بچے کی جدائی میں وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔"
"لیکن اتنی رات گئے وہاں ملازمین کے علاوہ کون بیٹھا ہوگا؟ وہ لوگ اتنی آسانی کے ساتھ بچے کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے۔" سلطان شاہ بولا۔
"پہلی بار میں وہاں ایک مسکین گھریلو ملازم کے روپ میں گیا تھا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ ہمارے مالک نے مالکن کا سراغ لگانے پر پانچ ہزار روپے انعام رکھا ہے اسی وجہ سے اسے بھی پانچ سو روپے مل گئے لیکن اب میں کرائم برانچ کے انسپکٹر کے روپ میں جاؤں گا۔ مالکان کو سر کے بل چل کر وہاں آنا ہوگا۔"
"پڑھے لکھے لوگ عموماً نام اور عہدوں کے رعب میں نہیں آتے۔ اگر وہاں کسی نے تم سے تمہاری شناخت طلب کرلی تو کیا کروگے؟" سلطان شاہ ہر منفی پہلو کو ٹھونک بجا کر دیکھنے پر تلا ہوا تھا۔
ارشد کے لبوں پر خفیف سی بزرگانہ مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ

بولا "ہم لوگ پکے کام کرتے ہیں۔ میرے پاس شناختی کارڈ کے علاوہ انسپکٹری کی پوری وردی بھی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ ہمیں وردی کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اور جہاں تک پڑھے لکھے لوگوں کی بات ہے تو اسے رہنے ہی دو۔ وہ جاہلوں سے زیادہ بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں اور ہر وقت اپنی خود ساختہ عزت بچانے کی فکر میں مبتلا رہتے ہیں۔"

"پھر تم تیاری کرو۔ میں ایک فون کر کے آتا ہوں۔" میں نے اس ناخوشگوار بحث کو وہیں ختم کرتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "تم چاہو تو ایک آدھ آدمی کو اپنے ساتھ لے لینا۔"

"اکبر میرے ساتھ ہوگا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا "انسپکٹر کے ساتھ جب تک کوئی جھاڑ کھانے والا ماتحت نہ ہو' انسپکٹری چل نہیں سکتی۔ پہلے بھی وہ میرے ساتھ گیا تھا۔ ہم پانچ منٹ بعد باہر تیار ملیں گے۔"

اس کے چلے جانے کے بعد میں نے جہانگیر کا نمبر ملایا تو فون پر فوراً ہی اس کی مخمور مگر دل گرفتہ آواز سنائی دی۔

"تمہارا بچہ اغوا ہوگیا اور تم گھر میں گھسے شراب پی رہے ہو؟" میں نے ملامت آمیز حیرت کے ساتھ کہا۔

"پھر کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟" اس کی رُندھی ہوئی آواز ابھری۔ "رو رو کر تھک گیا تو پینے بیٹھ گیا۔ سالی سلمیٰ بھی اسپتال میں پڑی ہوئی ہے۔ گھر کے در و دیوار مجھے کھانے کو آرہے ہیں۔ تم بھی یہیں آجاؤ۔ میں نے ابھی ابھی شیواز کی نئی بوتل کھولی ہے۔ یہ پہلے ہی گھونٹ میں دل و دماغ کو روشن کر دیتی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اس وقت شراب کے سامنے تمہیں اپنے بچے کی کوئی فکر نہیں ہے؟" میں نے غصے سے پوچھا۔

"وہ تو بہت ہے لیکن میں کیا کروں؟ آدمی کی مشین ٹھیک ہو تو دوسرا بچہ پیدا کرنے کی کوشش تو کی جاسکتی ہے لیکن کھوئے ہوئے بچے کو ڈھونڈنا بہت مشکل کام ہے....."

"اگر تمہارے ہوش و حواس ذرا بھی بحال ہیں تو کان کھول کر سن لو کہ ہم تمہارے بچے کی بازیابی کے لئے جارہے ہیں۔" میں نے دانت پیستے ہوئے' اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "تم حلق تک شراب پی کر کسی گٹر میں غرق ہو جاؤ!"

"اوہ! میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔" بچے کی بازیابی کا ذکر آتے ہی اس کا نشہ ہرن ہوگیا۔ "مجھے نشہ نہیں ہوا۔ بس ذرا سا سرور آرہا تھا۔ تم یقین کرو کہ میں بالکل سوبر ہوں۔ میرا بچہ کہاں ہے؟"

"میں رسک نہیں لے سکتا۔" میں نے سختی سے کہا "تم نے ذرا سی بھی بدمستی کا مظاہرہ کیا تو سارا معاملہ بگڑ جائے گا۔ اب میں خود ہی دیکھوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں۔"

"خدا کے لئے ڈینی!" اس کی گڑگڑاتی ہوئی آواز ابھری۔ "مجھ پر رحم کرو۔ میری آنکھیں اسے دیکھنے کے لئے ترس رہی ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری اجازت کے بغیر اپنی زبان بھی نہیں ہلاؤں گا۔ خلاف ورزی کروں تو مجھے جوتے مار کر وہیں دفن کر دینا۔"

"اگر تمہارے حواس واقعی بحال ہیں تو مجھے پچاس تک گنتی سناؤ۔ اس کے بعد تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے معاملے پر غور کرسکوں گا۔" میں نے درشت لہجے میں کہا۔

جہانگیر نے بے چون و چرا فون پر گنتی سنانی شروع کردی۔

اس چیسے مُنہ پھٹ اور سرکش دوست کی اس بے بسی نے میرا دل گداز کر دیا۔ وہ پندرہ تک پہنچا تھا کہ مجھے اپنی آنکھوں کے گوشوں میں نمی اترتی ہوئی محسوس ہوئی اور میں نے اسے روک دیا۔

"بس کرو اور مُنہ دھو کر تیار رہو' میں تمہیں لینے آرہا ہوں۔" مجھے اپنی آواز بھاری محسوس ہوئی اور میں نے فوراً ہی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کیا بات ہے؟ آج اس نے تمہیں دل گرفتہ کیسے کر دیا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ آج وہ خود بہت دل گرفتہ اور اداس ہے۔ زندگی میں بعض مقامات ایسے بھی آتے ہیں جہاں انسان خود کو بہت حقیر اور بے بس محسوس کرنے لگتا ہے۔ جہانگیر پر آج یہی کیفیت طاری ہے۔ میری ہدایت پر اس نے کسی کند ذہن اور غبی بچے کی طرح رک رک کر گنتی سنانی شروع کردی تھی۔"

فون سے فارغ ہوتے ہی ہم دونوں اٹھ گئے۔ باہر رونق اور چہل پہل تھی۔ ہم دونوں اس بھاگ دوڑ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے باہر پہنچے تو ارشد اپنے ساتھی سمیت اسی جیپ کے پاس موجود تھا جس میں ہم اپنے ہوٹل گئے تھے۔

ہم نے راستے میں جہانگیر کے مکان کے پھاٹک پر رک کر ہارن بجایا تو وہ فوراً ہی ذیلی کھڑکی کھول کر باہر آگیا۔ میری متوقع ناراضی کے خوف سے وہ شاید تیار ہو کر چوکیدار کے کیبن میں ہی آبیٹھا تھا۔

ارشد اور اکبر جیپ کی اگلی نشستوں پر براجمان تھے۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ جہانگیر دروازہ کھول کر میرے برابر میں بیٹھا تو اس کے بدن سے پھوٹنے والی سینٹ کی تیز بو نے میرا دماغ بھک سے اڑا دیا۔ شاید وہ وسکی کی تیز بو دبانے کے لئے ضرورت سے زیادہ سینٹ لگا آیا تھا۔

"یہ فوجی جیپ کہاں سے تمہارے ہاتھ لگ گئی؟" اس نے میرے کان کے نیچے متحیّرانہ سرگوشی کی۔

"یہ فوجی جیپ نہیں ہے۔ اس وقت ہم انسپکٹر ارشد اور سب انسپکٹر اکبر کے ساتھ سفر کر رہے ہیں۔" میں نے اونچی آواز میں اسے آگاہ کیا اور وہ اوہ کر کے رہ گیا۔

"میرا بچہ خیریت سے تو ہے نا؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس نے پہلو بدلتے ہوئے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ لٹل اینجل نامی چائلڈ کیئر سینٹر میں ہے۔" میں نے کہا۔
"میرا خیال ہے کہ وہ تمہارے گھر کے بجائے مستقل طور پر وہیں مقیم رہے تو اس کی بہتر تربیت ہوسکے گی۔"
"اسے وہاں کس نے پہنچادیا؟" اس نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔
"ویرا بچوں کی پرورش کے فن سے نابلد ہے۔ یہ کارِ خیر اسی نے سرانجام دیا ہے۔ اب تم زیادہ نہ بولو۔ زیادہ بولنے سے کوا اُترکر حلق میں پھنس جاتا ہے۔" میں نے اس کا بازو دبا کر کہا اور وہ خاموش ہوگیا۔ اس کے لئے یہی خوش خبری کافی تھی کہ اس کے بچے کا سراغ لگالیا گیا تھا اور وہ خیریت سے تھا۔
تھوڑی دیر بعد ہمارے سفر کا اختتام لٹل اینجل کے سیاہ پھاٹک کے سامنے ہوا۔ جیپ اکبر ڈرائیو کررہا تھا۔ اس نے پولیس والوں کی شان سے کام لیتے ہوئے نیچے اترے بغیر جیپ کا ہارن بجایا۔ پھاٹک کی جھرّیوں سے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی پہلے ہی اندر تک پہنچ رہی تھی۔ اس لئے چند ثانیوں بعد ہی پھاٹک سے اُدھیڑ عمر چوکیدار نمودار ہوا۔ اپنے سامنے ایک چمچماتی ہوئی بارعب گاڑی دیکھ کر وہ فوراً ہی آہنی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی میں غائب ہوگیا۔ اس کے فوراً بعد پھاٹک کھول دیا گیا۔
اس وقت عمارت میں شیر خوار بچوں کے علاوہ صرف چوکیدار اور تین خواتین موجود تھیں۔ ان میں سے اُدھیڑ عمر عورت رات کی شفٹ کی نگراں تھی بقیہ دو عورتیں اس کی معاون تھیں۔
دریافت کرنے پر پتا چلا کہ ارشد اور اکبر سے ملنے والا کلرک اپنی شفٹ ختم کرکے گیارہ بجے چھٹی کرچکا تھا۔
پولیس کا ذکر سنتے ہی وہ تینوں عورتیں بری طرح بدحواس ہوگئیں۔ ارشد نے بارعب لہجے میں انہیں بتایا کہ وہ ایک مغوی بچے کی تلاش میں وہاں پہنچا تھا۔ اس پر نگراں کے اوسان مزید خطا ہوگئے۔ ایک عورت دونوں ہاتھوں میں مُنہ چھپا کر دبی دبی آواز میں رونے لگی تھی۔
"یہ کس بچے کا قصہ ہے؟" نگراں نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔
"اسے یہاں فرضی نام سے لایا گیا ہوگا۔ لانے والی یہ عورت تھی۔" ارشد نے ڈرامائی انداز میں ویرا کی ایک تصویر اپنی جیب سے نکال کر اُس کی طرف بڑھادی۔
تینوں عورتیں متجسّانہ انداز میں اس تصویر پر جھکی تھیں۔ لمحے بھر کے لئے انہوں نے اس تصویر کو غور سے دیکھا پھر ان کے چہروں پر مایوسی نے ڈیرے ڈال دیئے۔
"ہم نے اسے نہیں دیکھا۔" نگراں نے سب کی نمائندگی کا فرض اپنے ذمے لیتے ہوئے کہا "ہم سب کی ڈیوٹی رات کے دس بجے سے صبح دس بجے تک ہوتی ہے۔ یہ عورت ہمارے سامنے یہاں نہیں آئی تھی۔"
"بچے کہاں ہیں؟ ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ بچے کا باپ ہمارے ساتھ ہے' یہ اپنے بچے کو پہچان لے گا۔" ارشد نے عورت کو گھورتے ہوئے سختی سے کہا "اس کے بعد تمہیں مالکان کو بلانا ہوگا۔"
نگراں عورت کے چہرے پر تذبذب کے آثار نظر آئے لیکن وہ انکار کرنے کی جرات نہ کرسکی۔
لٹل اینجل کی عمارت اندر سے بہت صاف ستھری اور آراستہ تھی۔ اگلے حصے میں بچوں کے لئے تدریسی اور کھیل کود کے کمرے تھے۔ ان کے پیچھے دو کمرے بچوں کی خوابگاہ کے طور پر زیرِ استعمال تھے جہاں چند ماہ سے تین سال تک کی عمر کے متعدد بچے دھیمی سبز روشنی میں اپنے صاف ستھرے بستروں میں سو رہے تھے۔ ان کمروں میں دیواروں پر رنگ برنگی تصاویر آویزاں تھیں۔ چھت میں لگے ہوئے ہُکوں سے متعدّد مشینی کھلونے جھول رہے تھے۔ فرش پر دبیز قالین تھا اور ائرکنڈیشنر کی وجہ سے کمروں کی فضا میں خوشگوار خنکی رچی ہوئی تھی۔
دونوں کمروں میں ایک ایک بستر نگراں کی معاون عورتوں کے لئے مخصوص تھا تاکہ وہ نیند سے بے آرام ہونے والے بچوں کی ضروریات پر فوری توجہ دے سکیں۔
پہلے کمرے میں جہانگیر کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں معصومانہ انداز میں سوئے ہوئے آٹھوں بچوں میں کوئی اس کا لختِ جگر نہیں تھا لیکن دوسرے کمرے کے چوتھے بستر پر نگاہ پڑتے ہی وہ تڑپ کر والہانہ انداز میں اُدھر بڑھ گیا۔ اگر سلطان شاہ مضبوطی سے اس کا بازو نہ تھام لیتا تو وہ فرطِ محبت سے' سوئے ہوئے بچے سے لپٹ کر اُس کی نیند خراب کردیتا۔
"وہ کہیں نہیں جارہا۔ تھوڑی دیر کے لئے صبر سے کام لو۔ اس کی نیند خراب کی گئی تو وہ رو رو کر آسمان سر پر اٹھالے گا اور سارے بچے جاگ جائیں گے۔" میں نے اسے سمجھایا اور وہ اپنے بچے کے بستر کے قریب فرشی قالین پر بیٹھ کر دبی دبی آواز میں رونے لگا۔
اس کا شیر خوار بچہ اپنے باپ کی حالت سے بے خبر' اپنا بایاں انگوٹھا مُنہ میں لئے بے خبر سو رہا تھا۔
جہانگیر کے ساتھ ایک آیا کو وہیں چھوڑ کر بقیہ لوگ دفتر میں آگئے۔
ارشد نے وہیں سے ادارے کے مالک کو فون کیا۔ شاید وہ اتنی رات گئے نیند سے اٹھائے جانے پر برہم ہوتا لیکن ارشد نے فوری طور پر اپنا تعارف کرا کے وہ امکان ختم کردیا۔
"میں انسپکٹر ارشد بول رہا ہوں۔ تمہارے یہاں ایک ایسا بچہ موجود ہے جسے اغوا کیا گیا ہے۔ ضابطے کی کارروائی کے لئے تمہاری فوری موجودگی ضروری ہے۔"
پھر شاید اس نے دوسری طرف کی پوری بات سنے بغیر ریسیور

رکھ دیا۔
پھر بعد ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ارشد نے ریسیور اٹھایا اور اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ "انسپکٹر ارشد۔ میں نے کہا تھا کہ فوراً آؤ اور تم ابھی تک فون پر میرا وقت برباد کر رہے ہو۔" وہ غصیلی آواز میں دہاڑا۔ "میں اغوا کے جرم میں شرکت کے الزام میں اسی وقت تمہیں بند کرا دوں گا۔"

"پتا نہیں پولیس کو اپنے باپ کا نوکر سمجھتے ہیں' سالے۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ "فون کر کے چیک کر رہا تھا کہ کسی نے مذاق تو نہیں کیا۔ ابھی تھانے میں رات کالی کراؤں گا تو پتا چلے گا کہ مذاق کیا ہوتا ہے... الو کا پٹھا۔"

بچے کی شناخت ہونے کے بعد نگراں خاتون نے متعلقہ ریکارڈ ارشد کے سامنے رکھ دیا۔ اس کی بددماغی کے مظاہرے نے اس عورت کو غیر مشروط اور بھرپور تعاون پر مجبور کر دیا تھا۔

ریکارڈ میں بچے کا نام جارج کنگ درج کرایا گیا تھا۔ اسے لانے والی خاتون کا نام تھیلما کنگ تھا جس نے خود کو راڈنی کنگ کی بیوی ظاہر کیا تھا۔ تھیلما کنگ کا نام پڑھتے ہی میں چونک پڑا۔ ویرا نے ہوٹل میں کمرا حاصل کرنے کے لئے بھی وہی نام استعمال کیا تھا۔ نام کے اس تسلسل نے مجھے چکرا کر رکھ دیا مگر میں اس کا کوئی سبب نہیں جان سکا۔ وہ ویرا کی حرکت تھی اور وہی اس کا جواب دے سکتی تھی۔

شیر خوار بچوں کی شب و روز نگہداشت اور تربیت کے لئے ٹل اینجل کی ماہانہ فیس پانچ ہزار روپے تھی جب کہ جارج کنگ کے داخلے کے وقت ویرا نے تھیلما کنگ کے نام سے دس ہزار روپے پیشگی جمع کرا دیے تھے۔ داخلے کے لئے تین ہزار روپے الگ سے ادا کئے گئے تھے۔

اس کا مطلب تھا کہ ویرا نے جہانگیر کو دو ماہ تک پریشان کرنے کا معقول بندوبست کیا ہوا تھا۔ جب تک پیشگی فیس چلتی رہتی' ٹل اینجل کی انتظامیہ بے فکر رہتی۔ دو ماہ کی مدت گزرنے کے بعد بچے کا کوئی ولی وارث سامنے نہ آتا تو وہ اس پتے پر رجوع کرتے جو ویرا نے درج کرایا تھا۔

وہ پتا ڈیفنس کے علاقے کا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی فون نمبر نہیں تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ تھیلما کنگ کی طرح ویرا کا وہ پتا بھی فرضی رہا ہو گا۔

ٹل اینجل کا مالک وہیں کہیں قرب و جوار میں رہتا ہو گا کیونکہ وہ دس منٹ کے اندر اندر ہانپتا کانپتا ہوا اپنے دفتر پہنچ [illegible]
اس وقت ارشد اس کی کرسی پر قابض تھا اس لئے اسے مجبوراً ہمارے ساتھ بیٹھ کر ارشد کی زہریلی تقریر سننی پڑی۔

ارشد نے اس سے کچھ بھی پوچھے گچھے بغیر اس پر اپنی بے رحمانہ فرد جرم عائد کر دی۔ اس کا کہنا تھا کہ بچوں کی پیشہ ورانہ دیکھ بھال اور تربیت کے نام پر وہ لوگ ایک ایسا اڈا چلا رہے تھے جہاں متمول گھرانوں کے چھوٹے بچوں کو اغوا کر کے تاوان وصول کرنے کے ارادے سے یرغمال کے طور پر رکھا جاتا تھا۔

اس ننگی الزام تراشی پر اس شخص کا چہرہ پسینوں میں ڈوب گیا اور جب اس نے اپنی صفائی پیش کرنی چاہی تو اس کی زبان بری طرح لڑکھڑا رہی تھی۔

اس نے بتایا کہ مسز تھیلما کنگ ایک دردناک کہانی لے کر ٹل اینجل آئی تھی۔ اس نے بتایا کہ اس کا شوہر' راڈنی کنگ اپنی ملازمت کے سلسلے میں عراق میں مقیم تھا جہاں وہ ہیضے کا شکار ہو کر قریب المرگ پہنچ چکا تھا۔ وہ اپنے شوہر کی تیمارداری کے لئے فوری طور پر بغداد روانہ ہونا چاہتی تھی لیکن شیر خوار بچے کا ساتھ ہونے کی وجہ سے شوہر کی دیکھ بھال نہیں کر سکتی تھی۔ اسے دوسرا ڈر یہ تھا کہ کسی بے احتیاطی کی وجہ سے اُس کے شوہر کا مرض اس کے بچے کو لگ گیا تو وہ زندگی بھر خود کو معاف نہیں کر سکے گی۔ اس وجہ سے وہ بغداد جانے سے پہلے اپنے بچے کو ٹل اینجل میں داخل کرانا چاہتی تھی۔

اس ادارے کے ضوابط کے مطابق کسی بھی بچے کو برتھ سرٹیفکیٹ اور ماں' باپ کے شناختی کاغذات کے بغیر داخل نہیں کیا جاتا تھا لیکن تھیلما کنگ کی کہانی اس قدر اثر انگیز اور اس کی حالت اتنی قابل رحم تھی کہ تھیلما سے صرف فارم بھروانے کے بعد جارج کنگ کو داخل کر دیا گیا۔ ان لوگوں کے اطمینان کے لئے یہ کافی تھا کہ وہ دو ماہ کے اخراجات پیشگی ادا کرنے پر آمادہ تھی۔

اس شخص کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تھیلما اغوا کئے ہوئے کسی بچے کو ٹل اینجل میں داخل کرانے کے لئے لائی ہو گی۔

اس نے بہت ادب اور خوشامد کے ساتھ ارشد سے التجا کی کہ وہ پوری طرح تصدیق کئے بغیر اس کے نیک نام ادارے پر کوئی الزام تراشی نہ کرے لیکن ارشد بالکل ہی ہتھے سے اکھڑا ہوا تھا۔

"ہر مجرم اسی طرح معصوم اور پارسا بنتا ہے۔" وہ آنکھیں نکال کر غرایا "تم لوگوں کی بکواس پر کان دھرتے رہیں تو ہم لوگ مہینے میں دو کیس بھی نہیں نمٹا سکتے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس معاملے میں کہیں کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی......" اس نے کہنا چاہا مگر ارشد نے ڈپٹ کر اُس کی بات کاٹ دی۔

"غلط فہمی کے بچے! تیرا مطلب ہے کہ اندر جو آدمی اپنے بچے کے پاس بیٹھا رو رہا ہے وہ پاگل یا دیوانہ ہے۔ بس گوری چمڑی اور

تیرہ ہزار کے کرارے نوٹ دیکھے تو اس کو اپنی اماں بنالیا اور اب بھی اسی کا بچاؤ کئے جارہا ہے۔"

"آپ ایک بار میری التجا سن لیں۔" وہ رو دینے والی آواز میں بولا "میں مانتا ہوں کہ مجھ سے پے در پے کئی غلطیاں ہوئیں لیکن ہمارے رجسٹر میں مسٹر راڈنی کنگ کے گھر کا پتا موجود ہے۔ اگر وہ عراق میں بیمار ہے اور تھیلما اس کی دیکھ بھال کے لئے گئی ہوئی ہے تو بھی گھر پر کوئی نہ کوئی تو موجود ہوگا۔ اس سے مل کر ہمیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔"

"اور اگر یہ پتا ہی غلط ثابت ہوا تو؟" ارشد نے اونچی آواز میں پوچھا۔

"پھر میں آپ سے کوئی شکوہ کئے بغیر اپنی قسمت کا لکھا پورا کروں گا یا آپ کے پیر پکڑ لوں گا۔"

میری اور ارشد کی نگاہیں چار ہوئیں اور میں نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی بات مان لینے کا اشارہ کیا۔ ارشد فوراً ہی میز پر مکا مارتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو' یہ بھی دیکھ لیتے ہیں۔ اس میں گڑبڑ نکلی تو پھر تمہاری خیر نہیں!" وہ دہاڑا۔

جہانگیر اندر اپنے بچے کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے اس لئے ہم اسے چھیڑے بغیر تھیلما کنگ کے دیئے ہوئے پتے پر روانہ ہوگئے۔ لٹل اینجل کے مالک کی کار وہیں چھوڑ دی گئی تھی اور وہ خود جیپ میں جہانگیر کی جگہ سوار ہو چکا تھا کیونکہ اس پتے پر چھان بین کرنے کے بعد ہمیں آخر کار وہیں واپس آنا تھا۔

دس منٹ کی مسافت کے بعد ہم ڈیفنس کے فیز فائیو میں پہنچ گئے۔ اس دوران میں ارشد بار بار بڑبڑاتا اور گالیاں بکتا رہا تھا۔

شاید اس کی دانست میں رعب قائم رکھنے کے لئے وہ سب کرنا ضروری تھا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ اس کے جارحانہ بلکہ بے رحمانہ رویے کی وجہ سے کسی کو بھی اُس سے اس کی شناخت طلب کرنے کا خیال نہیں آیا تھا اور وہ اپنے سادہ لباس کے باوجود انسپکٹر تسلیم کر لیا گیا تھا۔

کچھ دیر تک قرب و جوار کی گلیوں میں بھٹکنے کے بعد ایک لڑکے کے ایما پر اکبر نے مطلوبہ مکان کے سامنے جیپ روکی تو نیم پلیٹ پر نظر پڑتے ہی میں سناٹے میں رہ گیا۔ گیٹ لیمپ کے نیچے اسٹیل کی تختی پر پیٹرک ڈی میلو کا نام کندہ تھا اور ویرا کی تلاش میں جانے والی' ایس ٹی ایف کی دو نفری جماعت کے بیان کے مطابق ویرا آخری بار ڈیفنس ہی کے علاقے میں کسی مسٹر ڈی میلو کے ساتھ اُن کے لان پر دیکھی گئی تھی۔

وہ صورتِ حال بہت پیچیدہ اور چکرا دینے والی تھی۔ ایک طرف ویرا ہمیں جل دینے پر تلی ہوئی تھی اور اپنا کوئی بھی سراغ چھوڑے بغیر نہ صرف تیزی سے اپنے ٹھکانے بدلتی جارہی تھی بلکہ اسی کے ساتھ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی فکر میں بھی لگی ہوئی تھی اور دوسری طرف یہ حال تھا کہ اس نے ہوٹل میں کمرا حاصل کرنے کے لئے اپنا جو عارضی پتا درج کرایا' وہ ڈیفنس میں رہنے والے اسی ڈی میلو کا تھا' جس کے گھر کے سامنے ہم اس وقت موجود تھے۔ ویرا کی تلاش میں نکلنے والے اسپیشل ٹاسک فورس کے دو اراکین چند گھنٹے قبل' ویرا کو اسی مکان کے لان پر ڈی میلو کے ساتھ لکھائی پڑھائی میں مصروف دیکھ چکے تھے۔ ویرا نے ہوٹل میں تھیلما کنگ کے نام سے قیام کیا تھا اور اس نے وہی نام استعمال کرتے ہوئے' جہانگیر کے شیرخوار بیٹے کو لٹل اینجل میں داخل کرایا تھا۔ ہوٹل کے ساتھ لٹل اینجل والے معاملے میں تھیلما کنگ کے ایک ہی نام اور پتے کے استعمال سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا ہم لوگوں سے ذرا بھی خائف نہیں تھی' اسی لئے اُس نے اپنا نام بدل کر تھیلما کنگ کا مستقل روپ دھار لیا تھا۔

فرق صرف اتنا تھا کہ ہوٹل کے رجسٹر میں اس نے کسی آڑ موڑ کے بغیر مسٹر ڈی میلو کے نام سے ان ہی کا پتا درج کرایا تھا جب کہ لٹل اینجل کے ریکارڈ کے مطابق وہ پتا مسٹر راڈنی کنگ کا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود میرے لئے یہ امر پریشان کن تھا کہ ویرا اس مکان میں دیکھی جا چکی تھی۔

ویرا کوئی عمر رسیدہ عورت نہیں تھی لیکن اس کے باپ نے ڈان مرینانو کا روپ دھار کر اسے کم سنی ہی سے جس انداز میں زندگی کے نشیب و فراز سکھائے تھے' اس کے نتیجے میں وہ بلا کی چالاک اور مکار ہو چکی تھی۔ اُس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ کٹھن حالات میں ساری احتیاطی تدابیر کو بالائے طاق رکھ کر ہر جگہ اپنا سراغ چھوڑتی چلی جائے گی۔

حالات و واقعات سے ثابت ہو رہا تھا کہ ویرا' تھیلما کنگ کے نام سے مسٹر ڈی میلو کے مکان میں چھپی ہوئی تھی لیکن اس قدر واضح شہادتوں کے باوجود مجھے دال میں کچھ کالا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ شرفا بلکہ صحیح الفاظ میں مالدار اور باحیثیت لوگوں کی آبادی تھی اس لئے ڈی میلو کے مکان کے پھاٹک پر' ارشد وہ جارحانہ رویّہ اختیار کرنے کی ہمت نہیں کر سکا جس کے سہارے اس نے لٹل اینجل کی عمارت میں موجود ملازمین کو حواس باختہ کر دیا تھا۔

اس کے ایما پر' اکبر نے جیپ پھاٹک پر لگانے کے بجائے احاطے کی دیوار کے ساتھ کچے میں اتار کر روک دی اور ہیڈ لیمپس کے ساتھ ہی انجن بھی بند کر دیا۔

"یہ کیا ہے؟" ارشد' لٹل اینجل کے مسکین سے مالک کی طرف مڑ کر غرایا۔

"کک... کیا؟" اندھیرے میں اس کی آواز ... اور خوف

زدہ آواز ابھری۔
"راڈنی کنگ کہاں گیا؟ یہ تو پیٹرک ڈی میلو کا گھر ہے؟" ارشد کی آواز سے برہمی ترشح تھی۔
"ہم۔۔۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ فارم میں تو یہی پتا درج کیا گیا تھا جو میں نے ریکارڈ پر منتقل کرلیا" اس کی رو دینے والی آواز ابھری "یا خدا۔۔۔ میں کس مصیبت میں پڑ گیا۔"
ارشد کو تصویر کا صرف ایک رخ معلوم تھا۔ شاید اسے یہ علم نہیں تھا کہ ویرا کی تلاش میں ہوٹل میٹروپول کی طرف جانے والے اس کے ساتھی کیا خبریں لے کر آئے تھے۔ اس لئے اُس کی دانست میں وہ معاملہ بہت صاف اور سیدھا تھا کہ تھیلما کنگ کا فرضی نام اختیار کرکے، بچے کو لٹل اینجل میں داخل کرانے والی عورت نے غلط پتا درج کرایا تھا۔ اس پتے پر راڈنی کنگ کے بجائے پیٹرک ڈی میلو کے نام کی تختی دیکھ لینے کے بعد وہاں وقت برباد کرنا بے سود تھا۔ اس وجہ سے وہ شاید وہاں کوئی کارروائی کئے بغیر واپسی پر مائل نظر آرہا تھا۔

"اب ہم یہاں تک آہی گئے ہیں تو اتمام حجت کے لئے ڈی میلو سے مل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے" قدرے سکوت کے بعد میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ یہ سب فراڈ ہے" ارشد کی غصیلی آواز ابھری "یہ سالا، فرحت خان جو لٹل اینجل کا مالک بنا پھر رہا ہے، جوتے کھائے گا تو صبح تک خود ہی سچ اگلنے کی مشین بن جائے گا۔"
"دد۔۔۔۔ دیکھو۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ میں ایک عزت دار آدمی ہوں۔ تمہارا اور قانون کا پورا پورا احترام کرتا ہوں۔ مجھے ایسی ہولناک اور ڈراؤنی دھمکیاں نہ دو ورنہ میرا ہارٹ فیل ہوجائے گا۔۔۔۔"
"مرنے سے ڈرتا ہے؟" ارشد شاید دانت پیس کر غرّایا تھا۔ "ابے، ہم نے دل کے سیکڑوں مریض بھگتا دئے ہیں۔ ہم اپنے ہتھے چڑھنے والوں کو اتنی آسانی سے نہیں مرنے دیتے۔۔۔۔ اور ہاں، مرزاجی، تم کو ڈی میلو سے مل لینے میں کون سا فائدہ نظر آرہا ہے؟ وہ بے چارہ کیا کرسکے گا؟"

اندھیرے کی وجہ سے یہ دیکھنا ممکن نہیں تھا کہ ارشد کس کی طرف متوجہ تھا لیکن یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ اس نے آخری دو فقرے مجھ ہی سے کہے تھے کیونکہ ڈی میلو سے مل لینے کی تجویز میری تھی۔
"میرا خیال اب بدل گیا ہے" میں نے اپنے خیالات کی رَو سے چونک کر کہا "ہمیں واپس لٹل اینجل چل کر بچے کو فرحت خان کے حبسِ بے جا سے برآمد کرنا چاہئے تاکہ وہ اپنی ماں تک پہنچایا جاسکے۔ وہ غریب عورت اپنے شیر خوار بچے کے غم میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔"
حقیقت یہ تھی کہ میرے ارادے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ میں جلد از جلد اس مکان میں داخل ہونے کے لئے بے چین

تھا۔ ویرا وہاں دیکھی گئی تھی۔ اگر وہ ہاتھ آجاتی تو بہتیرے مسائل آناً فاناً میں حل ہوجاتے اور اگر وہ ہاتھ نہ بھی آتی تو اس کے بارے میں ڈی میلو سے قیمتی معلومات حاصل ہوسکتی تھیں لیکن اندر جانے سے پہلے ارشد اور اکبر کو پوری پوزیشن سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ جب تک فرحت خان ہمارے ساتھ تھا، ہم اس موضوع پر کھل کر بات نہیں کرسکتے تھے۔
دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ ہم لوگوں سمیت وہ جیپ زیادہ دیر تک وہاں کھڑی رہتی تو شہر کے مخدوش حالات کی بنا پر قرب وجوار کے مکانات کے چوکیداروں میں سے کوئی ہماری طرف متوجہ ہوسکتا تھا۔ ایسے ہی کسی فرض شناس چوکیدار کے ایما پر اس کے مالکان پولیس کو اپنے علاقے میں کسی مشتبہ جیپ کی موجودگی کی خبر دے دیتے تو ہمارا پورا کھیل بگڑ سکتا تھا۔
میں جانتا تھا کہ کوئی قانونی تحفظ حاصل نہ ہونے کے باوجود، اسپیشل ٹاسک فورس والے پولیس والوں سے معاملات سلجھانے میں خصوصی مہارت رکھتے تھے لیکن ایک بار پولیس ملوّث ہوجاتی تو نہ صرف ہماری رازداری ختم ہوجاتی بلکہ جہانگیر کے بچے کی بازیابی کا معاملہ بھی طویل کاغذی کارروائیوں کی وجہ سے غیر ضروری تاخیر کا شکار ہوجاتا۔
ان حالات میں، مَیں نے یہی بہتر سمجھا کہ ارشد کو شیر خوار بچوں کے بورڈنگ ہاؤس لوٹنے کا مشورہ دے ڈالوں۔ وہاں ہم فرحت خان کو سلطان شاہ کی تحویل میں دے کر پوری آزادی کے ساتھ تبادلۂ خیال کرکے، ڈی میلو کے مکان میں گھسنے کا منصوبہ بناسکتے تھے۔
"عورت کو تو اپنا بچہ مل ہی جائے گا" ارشد استہزائیہ لہجے میں بولا "تم نے حبسِ بے جا کا خوب یاد رکھا۔ اب اس پر حدود کے تحت دو مقدمے بنیں گے۔ اغوا اور پھر حبسِ بے جا جیسے جرائم کے بعد اس فرحت خان کی چمڑی کا مشکیزہ ہی بنے گا۔"
اس اثنا میں اکبر جیپ کا انجن اسٹارٹ کرکے اسے سڑک پر لا چکا تھا۔
"میں قرآن پاک کی قسم کھاتا ہوں کہ اس جرم میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے" فرحت خان کی روہانسی آواز ابھری "میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ تھیلما فراڈ ہوگی، مجھے۔۔۔۔"
"بس!" ارشد نے ڈانٹ کر اسے خاموش کرادیا "ہر مجرم، جرم کو کھیل، مذاق یا کاروبار سمجھ کر ہی کرتا ہے۔ تارے اس وقت نظر آتے ہیں جب قانون کا بے رحم شکنجہ گردن جکڑتا ہے۔"
جیپ کے تاریک کیبن میں کچھ دیر تک خاموشی رہی مگر میں فرحت خان کے چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان ابھرنے والی، دھیمی دھیمی اضطراری آہوں کی آواز بخوبی سن رہا تھا۔
میں جانتا تھا کہ وہ بالکل بے گناہ تھا۔ ویرا اس قدر عیّار اور مکّار عورت تھی کہ اس کے سامنے بڑے بڑے بدمعاش اپنے

کانوں کو ہاتھ لگاتے تھے۔ اگر فرحت خان لاعلمی میں اس کا آلۂ کار بن گیا تھا تو اس میں اُس کا کوئی قصور نہیں تھا لیکن ہمارے لئے ضروری تھا کہ اسے اس قدر خوف زدہ کردیا جاتا کہ بچے کو اس کی تحویل سے نکال لئے جانے کے بعد، وہ سزا اور بدنامی کے خوف سے ہمیشہ اپنی زبان بند رکھتا۔

اس خاموشی کو فرحت خان کی منمناہٹ نے ہی توڑا، وہ کہہ رہا تھا "مرزاجی! تم مجھے بھلے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تم ہی میری کچھ مدد کرو۔ میں بے موت مارا جاؤں گا۔"

"غلط دھندوں کا انجام بھی برا ہی ہوتا ہے" میں نے بے رخی سے کہا۔

"مرزاجی، تم یقین کرو کہ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا" وہ اضطراری طور پر خوشامدانہ انداز میں میرا بازو دباتے ہوئے، سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"غلط کام نہیں کیا ہے تو عدالت سے باعزت بری ہو جاؤ گے!"

"عدالت کا فیصلہ آنے تک میں بری طرح تباہ و برباد ہو جاؤں گا۔"

"یہ تمہیں اس وقت سوچنا چاہئے تھا جب تم تمیلا سے پینگیں بڑھا رہے تھے۔"

"میری عزت خاک میں مل جائے گی، کاروبار تباہ ہو جائے گا۔" وہ میری بات سنی ان سنی کر کے اپنی ہی دھن میں کہتا رہا "مجھے اس شیطانی چکر سے بچالو، مرزاجی، ورنہ میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم مجھ سے ایسی امیدیں کیوں باندھ رہے ہو؟"

"تمہاری نرمی اور شرافت نے مجھے زبان کھولنے کا حوصلہ دیا ہے۔"

"نرمی اور شرافت کی خاطر میں اپنی نوکری کو داؤ پر نہیں لگا سکتا۔"

"نہیں، نہیں، ایسا مت کہو۔۔۔۔ خدا نہ کرے کہ تمہاری نوکری پر کوئی آنچ آئے۔۔۔۔ تم مجھے بچانے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں نہال کردوں گا۔"

"کیا نہال کرو گے؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں جواب دیا۔

"میں تمہیں بیس ہزار روپے دوں گا" اس نے میرے کان سے مُنہ لگا کر سرگوشی کی۔

"اتنے تو معمولی چور اچکے دے جاتے ہیں۔ تم بھول رہے ہو کہ یہ حدود آرڈی ننس کا کیس ہے اور بچہ تمہاری تحویل سے برآمد ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ تیرہ ہزار کی رقم تم تمیلا سے وصول کرچکے ہو۔ اب اپنے پلے سے صرف سات ہزار ڈال کر ہمیں ٹرخانے کی کوشش نہ کرو۔"

میری حوصلہ افزا گفتگو سے اسے اپنی بات آگے بڑھانے کا موقع مل گیا اور وہ بولا "میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔ تم ہی کچھ بتاؤ کہ معاملہ کہاں تک پٹ سکے گا؟"

"ٹل اسپتال کی ماہانہ آمدنی کتنی ہے؟" میں نے دل ہی دل میں حساب جوڑتے ہوئے پوچھا۔

"سوا دو لاکھ کے قریب فیسیں آتی ہیں مگر ان کا بڑا حصہ بچوں کی دیکھ بھال، خوراک، تنخواہوں اور کرائے وغیرہ میں خرچ ہو جاتا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ مجھے تیس، چالیس ہزار بچتے ہیں" وہ سہمی ہوئی آواز میں بلا رک کے اپنا پورا حساب بتاتا چلا گیا۔

"ٹل اسپتال باقی رہا تو تم ساری عمر اس سے کماتے رہو گے۔ ہمارے پھندے میں آگئے ہو تو اب ہمارا پورا حصہ دئے بغیر گلوخلاصی نہیں ہوگی، ہر چیز خاک میں مل جائے گی۔"

"تم بتاؤ، میرے بس میں ہوا تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گا" وہ خوف سے مرا جا رہا تھا۔

"صرف ایک مہینے کی فیسوں کا خرچا ہے۔ اگلے مہینے سے پھر تمہاری کمائی شروع ہو جائے گی۔ ہم رپورٹ سے تمہارا اور تمہارے ادارے کا نام ہی غائب کردیں گے۔"

"ٹل۔۔۔۔ لیکن بچے کی برآمدگی کہاں سے دکھاؤ گے؟" چند ثانیوں کے بعد اس کی نقاہت زدہ آواز ابھری۔ اس نے رقم پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا

"وہ ہمارا کام ہے۔ بچہ کسی پارک میں لاوارث پڑا ہوا بھی مل سکتا ہے۔"

"لیکن اس کا باپ اپنی زبان بند نہیں رکھے گا" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ ہم اسے ڈراویں گے کہ اس نے اصل واقعات کے بارے میں زبان کھولی تو خطرناک مجرم بچے کے ساتھ ہی اس کی بیوی کو بھی اٹھا لے جائیں گے اور ان کی لاشیں تک نہیں مل سکیں گی۔ ہم لوگ جب سودا کرتے ہیں تو اونچ نیچ بھی سنبھالتے ہیں۔ بچے کے باپ کی زبان بندی کا بندوبست نہ ہوا تو تمہارے ساتھ ہم سب بھی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔"

"مرزاجی، تم میرے محسن ہو!" اس نے ایک مرتبہ پھر میرا بازو دباتے ہوئے جذباتی لہجے میں کہا "میں تمہیں پورے دو لاکھ دے دوں گا۔ بس اس سے آگے مجھے نہ دبانا۔"

میں نے اس کا نخ بستہ ہاتھ اپنے بازو پر سے ہٹا دیا۔

ہم دونوں دھیمی آوازوں میں باتیں کر رہے تھے۔ انجن کے شور اور جیپ کی کھلی ہوئی کھڑکیوں میں سے آنے والی تیز ہواؤں کی وجہ سے ارشد اور اکبر غالباً ہماری گفتگو نہیں سن سکے تھے۔ سلطان شاہ کو بھی پورے قصے کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ اس لئے میں نے اونچی آواز میں ان تینوں کو اپنی کارروائی سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "دو لاکھ میں سودا ہو گیا ہے۔ اب رپورٹ میں فرحت خان کا نام نہیں آئے گا۔"

ہم لوگ پولیس والوں کے روپ میں ٹل اسپتال پہنچے تھے اور اگر فرحت خان سے سودے بازی نہ ہوتی تو وہ معاملہ پولیس کے علم

میں لانا ناگزیر ہو جاتا۔ ہم خاموشی کے ساتھ بچے کو لے کر نکل جاتے تو فرحت خان بعد میں اپنے طور پر علاقے کے تھانے سے رجوع کر سکتا تھا۔ جب اسے پتا چلتا کہ بچے کو لے جانے والوں کا پولیس سے کوئی تعلق نہیں تھا تو وہ شیر ہو جاتا اور اخبار والوں کو ایک سنسنی خیز کہانی مل جاتی۔ وہ سب ہمارے مفاد میں نہیں تھا' اس لئے دو لاکھ پر بات بنتے ہی میرے سر سے ایک بڑا بوجھ ٹل گیا تھا۔

مگر ارشد اس وقت واقعی ایک حریص پولیس انسپکٹر بنا ہوا تھا۔ میری بات سنتے ہی وہ بگڑ گیا "مرزا جی' یہ کیا کیا تم نے؟ ایسے کیس روز روز نہیں ملتے۔ اسے تھانے پہنچنے دیتے" اس کے بعد یہ خوشی خوشی دس لاکھ بھی دینے پر تیار ہو جاتا۔ تھانے کی تفتیش بڑے بڑوں کے چھکے چھڑا دیتی ہے۔"

"میں نے تو قصہ ختم کر دیا۔ تم چاہو تو اسے تھانے لے جا سکتے ہو۔ مجھے اس کی یتیمی پر ترس آگیا۔ قسمیں کھا رہا ہے کہ یہ بالکل بے قصور ہے۔"

"مار پڑنے سے پہلے ہر ماں کا خصم ایسی ہی قسمیں کھاتا ہے۔ سوٹا چلتا ہے تو ایسے لوگوں کو ساری بھولی بسری باتیں یاد آنے لگتی ہیں۔ غضب خدا کا' یہ تو سوچا ہوتا کہ اوپر والوں کا حصہ نکالنے کے بعد ہم چاروں کے پلے کیا پڑے گا؟ تم تو اس کی ہمدردی میں اپنے پیٹ پر لات مار رہے ہو۔"

"میں اپنا سب کچھ سمیٹ کر' تمہیں تین لاکھ دے سکتا ہوں۔" فرحت خان یوں ہانپ رہا تھا جیسے کوئی کڑی ڈھلان چڑھ کر آیا ہو۔ "میں نے پچھلے مہینے اپنی ایک بیٹی کی شادی کی تھی۔ میری جمع پونجی اسی کی نذر ہو گئی۔ آج کل کے پڑھے لکھے لڑکے کھلے بازار میں اپنی بولی لگواتے ہیں۔ تم چاہو تو تصدیق کر سکتے ہو کہ میں نے اپنی بیٹی کو چار لاکھ کا فلیٹ اور داماد کو سلامی میں ساڑھے تین لاکھ کی کار دی تھی۔ ایک بچی کے بیاہ پر اتنا کچھ لٹا دینے کے بعد مجھ جیسے سفید پوش کے پاس کیا بچ سکتا ہے؟"

اپنی بات پوری کرتے ہی فرحت خان کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح بلک کر رو پڑا۔

میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی کے جذبات امڈ آئے۔ اسی کے ساتھ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ فرحت خان نے اپنی بیٹی کی شادی پر فلیٹ اور کار کے ساتھ دس بیس تولے سونا بھی دیا ہوگا۔ اس اعتبار سے اس شادی کا تخمینہ بارہ' پندرہ لاکھ کے لگ بھگ بنتا تھا اور وہ اس پر بھی خود کو سفید پوش قرار دے رہا تھا۔ اس نے ارشد کی ایک ہی دھمکی پر رشوت کی رقم میں یک بیک ایک لاکھ کا اضافہ کر دیا تھا۔

بیس ہزار سے شروع ہو کر وہ بولی جس طرح تین لاکھ تک پہنچی تھی' اس کی بنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ اس کے ساتھ تھوڑا بہت تشدد کیا جاتا تو وہ رقم بڑھانے پر آمادہ ہو جاتا لیکن ہم میں سے کوئی بھی اسے اسامی بنانے کے موڈ میں نہیں تھا ہم جو کچھ کر رہے تھے' اس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اسے ہماری اصلیت پر شبہ نہ ہو سکے ورنہ اس سے وصول ہونے والی ساری رقم بالآخر ظفری کی تحویل میں جانی تھی۔

اس مہم کا ایک فکر انگیز پہلو یہ تھا کہ فرحت خان کا "کاروبار" بہت منفعت بخش تھا جبھی اس نے اپنے داماد کو منہ مانگے داموں پر خرید لیا تھا ورنہ عام گھرانوں میں تو لاکھ' پچاس ہزار کے اثاثے جوڑنے میں بھی اتنی مدتیں لگ جاتی ہیں کہ اپنے بابل کے آنگن میں نفیریوں اور شہنائیوں کی راہ تکنے والی کنواریوں کی مانگ میں چاندی کے تار جھلملانے لگتے ہیں۔

وہ ٹنل اسٹیبل کا مالک تھا۔ بظاہر وہ ایک تعلیمی اور تربیتی ادارہ تھا لیکن اس دکان کے خریدار وہ سہل پسند امراء تھے جو اپنے ہی بچوں کی پرورش کو اپنی جان کا جنجال سمجھتے ہیں۔ انہیں نوکروں اور آیاؤں کے سپرد کر دیتے ہیں یا ٹنل اسٹیبل جیسے اداروں میں "ڈال" دیتے ہیں۔ مائیں اپنا حسن و شباب بچانے کے لئے اپنے جگر گوشوں کو اپنی ممتا بھری چھاتی سے دور دھکیل دیتی ہیں اور باپ اپنی پرکیف نیندوں کو بچوں کے نالۂ نیم شب سے محفوظ رکھنے کے لئے ان پناہ گاہوں کا رخ کرتے ہیں۔ ان کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہوتا ہے۔ وہ ماں اور باپ کہلانے کے حق سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں نہ بچوں کی پرورش کی صعوبتیں جھیلنے کا یارا رکھتے ہیں اس لئے ٹنل اسٹیبل جیسے ادارے ان کی مجبوری بن جاتے ہیں۔ فرحت خان ان کی مجبوریوں کے دام وصول کر رہا تھا اور اس کے لئے اپنے نرخوں میں اضافہ کرنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔

وہ اپنی بیٹی اور داماد کو جو کچھ دے چکا تھا یا ہمیں دینے والا تھا' اسے وہ سب ان ہی مجبوروں سے وصول کرنا تھا جو اس کی خدمات کے محتاج تھے۔

کچھ دیر بعد فرحت خان کا زورِ گریہ ختم ہوا تو میں نے باتوں ہی باتوں میں اس سے اپنے قیاس کی تصدیق کرالی۔ اس نے اعتراف کیا کہ وہ فوری طور پر فیس میں دو چار سو روپے ماہانہ کا اضافہ کر کے اپنا بھاری خسارہ پورا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

ہوش ربا گرانی کے حوالے سے کیا جانے والا وہ اضافہ بچوں کے والدین کو بہر صورت قبول کرنا پڑتا کیونکہ ان کے بچے ٹنل اسٹیبل میں خاصی مدت گزار لینے کی وجہ سے وہاں کے ماحول اور آیاؤں کے بدن کی مخصوص بو کے عادی ہو چکے تھے۔ پیسے بچانے کے لئے انہیں ٹنل اسٹیبل سے نکال کر کسی دوسرے ادارے میں ڈالا جاتا تو اجنبی ماحول' نئے چہروں اور جسموں کی نامانوس مہک کی وجہ سے بچے اضطراب اور بے آرامی کا شکار ہو کر آسمان سر پر اٹھا لیتے۔ فرحت خان کے لئے بچوں کی معصومانہ نفسیات کی وہ کمزوری ایک کاروباری گُر سے کم نہیں تھی اور وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

ٹل اسٹیل میں عملے کے سامنے فرحت خان کی ساکھ کی بحالی ضروری تھی اس لئے ارشد نے دوبارہ وہاں پہنچتے ہی فرحت کے ساتھ مہذب رویّہ اختیار کرلیا اور ایسی گفتگو شروع کردی جس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس معاملے میں وہ بالکل بے قصور تھا' ساری شرارت اور بدمعاشی مسز تھیلما کنگ کی تھی جو بچے کو دھوکے سے اس کے سر ڈال گئی تھی۔

"تھیلما کی گرفتاری کے لئے تم لوگوں کی خاموشی ضروری ہے" ارشد' فرحت سے مخاطب ہو کر اس کے ملازمین کو سنا رہا تھا۔ "اسے شبہ بھی ہو گیا کہ ہم لوگ بچے کو یہاں سے نکال لے گئے ہیں تو وہ اپنی گرفتاری کے خوف سے ادھر کا رخ بھی نہیں کرے گی۔ وہ بے خبری میں یہاں آجائے تو تم بچے کی علالت کا بہانہ کرکے اسے یہاں روک لینا۔ تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ بچے کو علاج کے لئے شہر کے کسی اسپتال میں داخل کرا دیا گیا ہے۔ اس اثنا میں تم مجھے اطلاع دو گے اور ہم اسے پکڑ لیں گے۔"

فرحت خان ممنونیت سے لبریز نگاہوں سے ارشد کو دیکھتا رہا۔ اپنی عمومی تقریر کرکے' ارشد نے عملے کے تمام اراکین کو دفتر سے رخصت کردیا۔

"رقم کا کیا بندوبست ہے؟" میدان صاف ہوتے ہی ارشد نے اس سے پوچھا۔

"مجھے گھر جانا ہوگا" فرحت نے نیچی آواز میں کہا "رقم میرے گھر پر ہی رہتی ہے۔"

"پھر تم یہاں وقت کیوں برباد کر رہے ہو؟" ارشد نے قدرے تیزی سے کہا "اپنی گاڑی میں جاؤ اور رقم لے کر جلد از جلد لوٹ آؤ۔"

فرحت فوراً ہی چلا گیا اور ارشد میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"جہانگیر کا گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "جتنی دیر میں فرحت خان واپس آئے گا' اکبر اسے چھوڑ کر واپس آسکتا ہے۔"

"بچہ بھی اسی کے ساتھ جائے گا؟" ارشد نے سوال کیا۔

"یہ ضروری ہے۔ ہم دوبارہ یہاں واپس نہیں آئیں گے" میں نے کہا۔

ارشد نے میرے مشورے کے مطابق اکبر کو فوراً ہی جہانگیر اور اس کے شیر خوار بیٹے کو اس کے گھر پہنچانے کا کام سونپ دیا۔ اس طرح دفتر میں مجھ سمیت کل تین نفوس رہ گئے۔

"اب بتاؤ کہ تم ڈی میلو سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟" ارشد نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے میز کے سامنے پڑی ہوئی ایک کرسی سنبھالتے ہوئے وہ کہانی چھیڑ دی جو ویرا کی تلاش میں جانے والے اسپیشل ٹاسک فورس کے دو جوانوں کے ذریعے مجھ تک پہنچی تھی۔

ارشد حیرت اور بے یقینی کے ساتھ منہ کھولے میری وہ دلچسپ کہانی سنتا رہا جو اس کے لئے شاید سنسنی خیز بھی ثابت ہوئی تھی کیونکہ دو مختلف مہمات بالکل ایک ہی سمت کی نشاندہی کر رہی تھیں۔

"اس کا مطلب ہے کہ ڈی میلو بھی ویرا سے ملا ہوا ہے؟" میری کہانی مکمل ہونے پر ارشد نے اضطراری انداز میں پہلو بدلتے ہوئے کہا "ہمیں سب سے پہلے اسی پر ہاتھ ڈالنا چاہئے۔"

"اس معاملے میں فرحت خان کو ملوث کرنا مناسب نہیں تھا اس لئے میں نے اس کی موجودگی میں بات کرنے کا ارادہ ترک کردیا تھا" میں نے کہا "ورنہ میں تو اسی وقت ڈی میلو کے گھر میں گھسنے کے لئے بے چین تھا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اب ویرا کی عقل پر پردہ پڑ چکا ہے جبھی وہ اس قدر خود اعتمادی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ آج اس کی یہی خوش فہمی اسے لے ڈوبے گی۔" سلطان شاہ بولا۔

"پھر ہم یہاں وقت کیوں ضائع کر رہے ہیں؟" ارشد کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

میں اس کے سیمابی ردِ عمل پر زیر لب مسکرانے لگا "جیپ اکبر لے جا رہا ہے۔ ہمیں اس کی واپسی کا انتظار کرنا ہوگا۔ پھر فرحت خان بھی رقم لینے گیا ہے۔ یہاں سے نمٹ کر ہی ہم ڈی میلو کی طرف جائیں گے اگر ویرا اس کے گھر میں پناہ گزین ہے تو یقین رکھو کہ صبح کا اجالا پھیلنے تک وہ وہیں رہے گی۔ عجلت میں ہم نے یہاں کے کام ادھورے چھوڑے تو دشواریاں کھڑی ہو جائیں گی۔"

"یہ سب تو ہو رہا ہے لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ہم فرحت خان سے تین لاکھ کی رقم کس مد میں اینٹھ رہے ہیں؟" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا "اس معاملے میں اس کے ہاتھ بالکل صاف نظر آتے ہیں۔ ہم یہ رقم کہاں لے جائیں گے؟"

"یہ ایس ٹی ایف کے لئے غیر سرکاری گرانٹ ہوگی" میں نے بائیں آنکھ دبا کر کہا "یہ رقم ظفر کو سونپ دینے کے بعد ہم اس بوجھ سے بری الذمہ ہو جائیں گے۔"

"یا پھر بہرام ڈاکو کی سخاوت دکھا ڈالو!" سلطان شاہ نے ٹہلتے ہوئے کہا "چلتے وقت تم نے اسے پوری رقم لوٹا دی تو وہ بھونچکا رہ جائے گا۔ میں نے سنا ہے کہ بہرام ڈاکو مظلوموں کے ساتھ ایسا ہی محیّر العقول رویّہ اختیار کیا کرتا تھا۔ ایس ٹی ایف والے تو وسائل سے مالا مال نظر آتے ہیں۔"

"یہ بھی ایک صورت ہو سکتی تھی" میں نے اس کی مذاق میں کہی ہوئی بات پر گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا "لیکن ہمارے پولیس والے آیا ہوا مال لوٹانے کے عادی نہیں ہیں۔ ہماری نیکی ہمارے گلے پڑ جائے گی۔ فرحت خان سمجھ جائے گا کہ ہمارا مقامی پولیس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

اسی وقت کسی قریبی راہداری سے کسی شیر خوار بچے کے رونے کی آواز آئی اور میں نے سمجھ لیا کہ جہانگیر اپنے بچے کے ساتھ

واپس روانہ ہو رہا تھا۔

○☆○

اس وقت رات کے تقریباً دو بجے کا عمل تھا اور اس علاقے میں ہر طرف سناٹے کی حکمرانی تھی۔ وہ شہر کی مصروف شاہراہوں سے دور' ایک خالص رہائشی علاقہ تھا اس لئے اتنی رات گئے وہاں انجنوں وغیرہ کی گونج بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔

علاقے کے مکین میٹھی نیند میں ڈوبے ہوئے تھے' مکانوں کی کھڑکیاں تاریک تھیں۔ جن مکانوں میں شب بیدار پرندوں کا بسیرا تھا' ان کی کھڑکیوں پر بھی رازداری کے خیال سے شاید دبیز پردے کھینچ دیئے گئے تھے۔ بجلی کے کھمبوں پر ٹمٹماتے ہوئے اِکا دُکا قمقموں کی روشنی اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ وسیع و عریض مکانات کے پھاٹکوں پر اکثر و بیشتر اجالا تھا کیونکہ تقریباً ہر گیٹ پر لیمپ روشن تھے البتہ چوکیدار اپنے اپنے احاطوں میں محصور تھے کیونکہ ڈی میلو کے مکان والی سڑک پر دور دور تک کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ ماحول ہمارے مقاصد کے لئے بہت موزوں اور سازگار نظر آ رہا تھا۔

ہماری نفری چار افراد پر مشتمل تھی۔ مہم میں میری اور سلطان کی شرکت اہم اور ضروری تھی کیونکہ ہم دونوں ڈی را کو بہت قریب سے جانتے تھے اور اسے ہر بہروپ میں پہچان سکتے تھے۔ ارشد سینئر تھا اس لئے اُس کی شرکت بھی ضروری تھی اس لئے جب جیپ ایک نیم تاریک مقام پر روکی گئی تو ہم تینوں اکبر کو اسٹیئرنگ وہیل پر چھوڑ کر' خاموشی سے نیچے اتر گئے۔

فرحت خان سے وصول کئے ہوئے تین لاکھ روپے جو نقد رقم اور پرائز بانڈز پر مشتمل تھے' جیپ ہی میں چھوڑ دیئے گئے البتہ ہم تینوں نے جیپ سے اترنے سے پہلے خود کو مسلح کر لیا تھا۔ ہم تینوں کے پاس بھرے ہوئے پستول اور فاضل میگزین موجود تھے۔ میرے پاس ہیم گن بھی موجود تھی۔ اس کے علاوہ ارشد نے جیپ کے گلوو کمپارٹمنٹ میں سے ایک عدد طاقتور جیبی ٹارچ بھی لے لی تھی۔

نیچے اترتے ہی ارشد ہم دونوں سے کئی قدم آگے ہو لیا۔ وہ تیزی کے ساتھ ڈی میلو کے مکان کے پھاٹک پر پہنچا تو ہم اس سے محفوظ فاصلے پر' احاطے کی دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ ہمارا مدّعا صرف اتنا تھا کہ گیٹ کھولنے والے کو فوری طور پر یہ اندازہ نہ ہو سکے کہ اس کے سامنے تین افراد ہیں۔

ایک اور تین کا تناسب دیکھتے ہی گیٹ یا اس کی ذیلی کھڑکی فوری طور پر بند کی جا سکتی تھی اور یوں ہماری مہم ابتدا ہی سے تشدّد کا شکار ہو جاتی جب کہ ہم پُرسکون انداز میں احاطہ عبور کر کے' خاموشی کے ساتھ اصل عمارت تک پہنچنے کا منصوبہ لے کر آئے تھے۔

پہلے چکر میں' مَیں نے دیکھ لیا تھا کہ اس پھاٹک کے سنگین ستون پر کال بیل کا بٹن نصب تھا لیکن ارشد نے وہ بٹن دبانے کے بجائے آہنی پھاٹک پر ہولے سے دستک دی۔

چوکیدار غالباً اپنے کیبن میں یا پھاٹک کے نزدیک ہی سویا ہوا تھا لیکن اپنے فرض سے غافل نہیں تھا۔ دستک کے جواب میں اندر سے فوراً ہی ایک بھاری اور خوابناک آواز ابھری' بولنے والے کا لب و لہجہ اس کے پٹھان ہونے کا غماز تھا کیونکہ کراچی میں چوکیداری کے فرائض کے لئے بالعموم پٹھانوں کی دلیری' جبلی مہارت اور نمک حلالی کو مثالی تصور کیا جاتا ہے۔

ارشد نے فوراً ہی پشتو میں کچھ کہا اور لمحہ بھر بعد ہی آہنی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھل گئی۔

اس پھاٹک پر جلتے ہوئے گیٹ لیمپس کی روشنی میں مَیں نے ارشد کو کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف جھکتے ہوئے دیکھا۔ اس کے ساتھ فضا میں اوغ کی ایک گھٹی گھٹی سی آواز ابھری اور ارشد فوراً ہی کھلی ہوئی کھڑکی کے خلا میں معدوم ہو گیا۔

اس آواز کا معاملہ بالکل واضح تھا۔ ارشد نے نیند سے اٹھے ہوئے چوکیدار کو کوئی مہلت دیئے بغیر اس کا نرخرا دبوچ لیا تھا تاکہ وہ کوئی اونچی آواز نکال کر اپنے مالکان کو ہوشیار نہ کر سکے۔

لمحہ بھر بعد ہی ہلکی سی سیٹی کی آواز سنائی دی اور ہم دونوں اپنی جگہ چھوڑ کر' تیزی کے ساتھ کھلی ہوئی ذیلی کھڑکی سے ڈی میلو کے مکان کے احاطے میں داخل ہو گئے۔

وہ پوری مدّت چند ثانیوں سے زیادہ نہیں تھی لیکن ہم اندر پہنچے تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ارشد اس قلیل سی مدت میں اپنی پہلی ذمے داری سے بخوبی سبکدوش ہو چکا تھا۔ چوکیدار کا تنومند اور دراز قامت جسم اس کے قدموں میں بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

پھاٹک کے قریب دیوار سے ملحق پختہ کیبن میں بستر خالی پڑا ہوا تھا اور عملاً میدان صاف تھا۔ سلطان شاہ نے آہستگی کے ساتھ ذیلی کھڑکی بند کر کے بولٹ لگا دیا۔

پھاٹک سے تاریک عمارت تک پختہ روش بنی ہوئی تھی جس کے دونوں جانب وسیع و عریض اور سرسبز لان پھیلا ہوا تھا۔ لان کو روشن رکھنے کے لئے کھمبوں پر جابجا آرائشی روشنیاں لگی ہوئی تھیں جو اس وقت گُل تھیں۔ پورے مکان میں گیٹ لیمپس کے علاوہ صرف برآمدے میں روشنی نظر آ رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ رات کے ان لمحات میں اس مکان کے مکین بے خبری کی نیند سو رہے تھے۔

ہم تینوں نے لمحہ بھر کے لئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر بیک وقت' پنجوں کے بل برآمدے کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہاں بید کی بنی ہوئی خوب صورت اور ہلکی میز کے ساتھ ہی متعدّد کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ جس کا مطلب تھا کہ ڈی میلو اور اس کے اہلِ خانہ' اگر اُن کا وجود تھا' بند کمروں سے باہر نکل کر کھلی فضا سے بھی

لطف اندوز ہونے کے عادی تھے۔ میرے لئے اس نکتے کی خاصی اہمیت تھی کیونکہ بند دیواروں کے حصار میں قیدیوں کی طرح زندگی بسر کرنے والے صاحبِ حیثیت افراد عموماً ان جانے اوہام اور ان دیکھے خطرات سے خوف زدہ پائے جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ لاشعوری طور پر اپنی خواب گاہوں کو قلعہ بند کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کمروں کی کھڑکیاں بند کردی جاتی ہیں یا صرف شیشوں کے آرپار دیکھنے کے کام آتی ہیں۔ تازہ ہوا کا گزر صرف اور صرف ائرکنڈیشنرز تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے جس کے نتیجے میں اجنبیوں کو ان تک رسائی میں خاصی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ڈی ملو ہوا خوری کا عادی تھا اس لئے مجھے قوی امید تھی کہ اس کی خواب گاہ کا دروازہ بند بھی ہوا تو اس خوشگوار موسم میں ہمیں اندر پہنچنے کے لئے کوئی نہ کوئی کھلی ہوئی کھڑکی مل جائے گی۔

ارشد نے برآمدے کے اختتام پر واقع چوبی دروازے پر بے آواز زور آزمائی کی اور پلٹ آیا۔

"تم یہیں چھپ جاؤ!" میں نے سلطان شاہ کے قریب جاکر سرگوشی کی "ہم پچھلی سمت سے اندر گھسنے کا کوئی راستہ تلاش کرتے ہیں۔"

میری ہدایت پر سلطان شاہ کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ شاید اس کی دانست میں اسے ایک مرتبہ پھر محاذ آرائی سے دور رکھنے کی کوشش کی جارہی تھی لیکن میں مجبور تھا۔ ہم تین میں سے ایک نہ ایک کو فرار کے اس راستے پر جمے رہنا تھا ورنہ ہمارا شکار اُدھر سے غائب ہوسکتا تھا۔

سلطان شاہ کو وہاں چھوڑ کر ہم دونوں تیزی کے ساتھ برآمدے سے نیچے اترے۔ میرا خیال تھا کہ ہم دونوں مختلف سمتوں سے مکان کا طواف کریں تاکہ وقت کی بچت ہوسکے لیکن ارشد میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے ساتھ لیتا چلا گیا جس پر میں نے کوئی تعرض نہیں کیا۔

میرے اندازے کے عین مطابق، پچھلی سمت میں ایک کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اندر گھور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہم نے پوری احتیاط کے ساتھ جائزہ لیا تو باہر سے اندر کا منظر نظر نہیں آیا کیونکہ کھلی ہوئی کھڑکی پر ہلکی سی آہنی گرل کے ساتھ ہی فلائی پروف جالی کے پٹ بند تھے۔

ہم نے چند ثانیوں تک اندر کی سن گن لینے کی کوشش کی لیکن وہاں پھیلے ہوئے گھپ اندھیرے میں زندگی کی کوئی رمق دریافت کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ وہاں اگر کوئی سو رہا تھا تو وہ نہایت سکون اور آرام سے سویا ہوا تھا اور خراٹے وغیرہ لینے کی عادت سے عاری تھا۔

اندر سے فی الفور کسی مداخلت کا امکان نہ پا کر ارشد نے اپنی جیب سے کوئی تیز دھار چیز برآمد کی اور پلک جھپکتے میں، ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ نائلون کی فلائی پروف جالی کاٹ ڈالی۔ کٹی ہوئی جالی میں ہاتھ ڈال کر اس نے وہ ٹکڑے الگ کئے اور آہنی گرل پر زور آزمائی شروع کردی۔

بادی النظر میں گرل خاصی کمزور نظر آتی تھی لیکن پھر بھی وہ ٹھوس لوہا تھا۔ شدید زور آزمائی کی وجہ سے چند ہی ثانیوں میں ارشد کے تنفس کی رفتار تیز ہوگئی۔ اس کی تکان کا اندازہ کرکے میں نے اس کی جگہ لی تو مجھے خوشی ہوئی کہ اس فریم کے انجر پنجر ہل چکے تھے۔

تھوڑی دیر کی محنت کے بعد، خفیف سی آوازوں کے ساتھ فریم میرے ہاتھ میں آگیا۔ ارشد وقت ضائع کئے بغیر اس خلا میں سے گزر کر اندر پہنچ گیا۔ اس کے ایماء پر میں بھی پل بھر میں اندر پہنچ گیا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ بند کمرے کے مقابلے میں تاروں بھرے کھلے آسمان کے نیچے قدرے روشنی تھی جس کی وجہ سے اندر سے باہر کا بہت دھندلا سا منظر دیکھا جاسکتا تھا۔

کمرے میں چھت پر لگا ہوا پنکھا دھیمی رفتار سے بے آواز چل رہا تھا اور ڈبل بیڈ پر صرف ایک شخص قرینے سے سویا ہوا تھا۔ ارشد نے پھرتی کے ساتھ اس کے سرہانے پوزیشن سنبھال لی اور میں نے باہر کھلنے والی کھڑکی پر تیزی سے پردہ کھینچ دیا۔

اتفاق سے ان پردوں کی رینگ پلاسٹک کی بنی ہوئی نہیں تھی۔ شاید آہنی پائپ میں دھاتی چھلوں کے سہارے پردے لٹکائے گئے تھے اس لئے پردے سرکاتے ہوئے چھلوں سے خاصی آواز پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں کمرے میں سوئے ہوئے شخص کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے فوراً ہی گھبرائی ہوئی آواز میں کچھ استفسار کرنا چاہا تھا لیکن ارشد پوری تیاری کے ساتھ اس کے سر پر سوار تھا اس لئے اس شخص کے حلق سے پہلا لفظ بھی پوری طرح ادا نہیں ہونے پایا اور ارشد نے شاید پوری قوت سے اس کا منہ دبوچ لیا۔

"خاموشی کے ساتھ تعاون کروگے تو ہم تمہارے دوست ثابت ہوں گے" اندھیرے کمرے میں ارشد کی دھمکی آمیز سرگوشی ابھری "ورنہ تمہارا گلا کاٹ ڈالا جائے گا۔"

ایسے معاملات میرے لئے نئے تھے نہ ارشد کے لئے۔ میں نے اس سے کسی مشورے کی ضرورت محسوس کئے بغیر مخالف سمت کی دیوار پر، بند دروازے کے قریب سوئچ بورڈ ٹٹول کر کمرا روشن کردیا۔

فربہی مائل جسم والا، پستہ قامت اور ادھیڑ عمر شخص اپنے بستر پر دہشت کے عالم میں بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ خوف کے باعث اس کی خمار آلود آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر ابلی پڑرہی تھیں اور اس کے دہانے پر ارشد کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔

میں نے پھرتی کے ساتھ اپنا بھرا ہوا پستول نکال کر اُس کا دہانہ فربہی مائل شخص کی کھوپڑی کی طرف کردیا اور ارشد کو بات کی

ہ اس کے منہ پر سے ہاتھ ہٹالو۔ اس نے کوئی اونچی آواز نکالی تو اس کی کھوپڑی میں روشندان کھول دوں گا۔"

ارشد کے آہنی ہاتھوں کی گرفت سے آزادی ملتے ہی اس نے پے درپے کئی بار اس طرح منہ چلایا جیسے اپنے حلق میں پھنسی ہوئی کوئی شے نکلنے کی کوشش کر رہا ہو پھر باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے خوف زدہ آواز میں بولا "تم لوگ کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس کی آواز کسی قریب المرگ مریض کی سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔

"ہم چور یا ڈاکو نہیں ہیں بلکہ ایک عورت کی تلاش میں یہاں آئے ہیں" میں نے اسے پُرخار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "اگر تم نے سچ نہ بولا تو ہم تمہیں ماردیں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ وہ اسی گھر میں ہے اور تم اس کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو..... نام کیا ہے تمہارا؟"

"پیٹرک ... پیٹرک ڈی میلو" وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ہکلایا پھر کہنیوں کے سہارے بستر سے اٹھتے ہوئے بولا "مجھے نہیں معلوم کہ تم کس عورت کی بات کر رہے ہو؟"

"ابھی پتا چل جاتا ہے" میں بھی اس کے قریب پہنچ گیا تاکہ اس تک اپنی بات پہنچانے میں کوئی دشواری نہ ہو "پہلے یہ بتاؤ کہ اس وقت اس گھر میں کل کتنے نفوس ہیں اور وہ مکان کے کس حصے میں سو رہے ہیں؟ اس کے بعد آگے بات ہو سکے گی۔"

"میرے بھائی بھتیجے اور ان کے بال بچے اوپر والی منزل پر رہتے ہیں۔ ان سے میری بول چال بند ہے۔ تم مجھے ذبح بھی کردو گے تو ان میں سے کوئی نیچے نہیں آئے گا" وہ بھرّائی ہوئی دھیمی آواز میں بولا "نچلی منزل پر میرے ساتھ دو ملازم رہتے ہیں۔ وہ برابر والے کمرے میں سو رہے ہوں گے۔"

"اور وہ عورت کہاں ہے جس سے تم شام کو اپنے لان پر گپ شپ کر رہے تھے؟"

اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ حیرت بھی تیرنے لگی "تو تمہیں مس تھیلما کنگ کی تلاش ہے؟"

اس کی زبان سے مس تھیلما کنگ کا نام سنتے ہی ایک بے ساختہ گالی میرے لبوں تک آکر ٹھہر گئی۔ پچھلے اٹھارہ گھنٹوں میں وہ ویرا کا چوتھا روپ تھا جو سامنے آیا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں نہ جانے کتنے پیاسوں کو اپنی سخاوتوں سے سیراب کیا تھا لیکن پھر بھی اس نے ڈی میلو کے لئے ناکتخدا رہنا پسند کیا تھا۔ شاید اس لئے کہ ڈھلتی ہوئی عمر کے ندیدے مرد ہر حسین اور کم عمر لڑکی پر مرمٹنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ لڑکی اگر کنواری ہو تو اس کی عمر کم کم ہی تصور کی جاتی ہے۔

پہلے ویرا نے سوزی بن کر اول خان کے جانشین پر ڈورے ڈالنے کی کوششیں کیں۔ پھر ہوٹل میٹرو پول میں وہ تھیلما کنگ رہ کر اس نے اپنے مس یا مسز ہونے کا ذکر نہیں کیا تھا لیکن ہوٹل کے بکنگ کلرک نے اس کے پُرشباب وجود کی رعایت سے روایتی انگریزی انداز اختیار کرتے ہوئے خود بخود اس کے نام کے ساتھ مس لگا دیا تھا۔ نٹل اسپتال میں وہ مسز تھیلما کنگ بن گئی جو راڈنی کنگ کی بیوی تھی لیکن ڈی میلو کے پاس پہنچتے تک وہ ایک بار پھر مس تھیلما کنگ رہ گئی تھی۔

اس پر شدید غصے کے ساتھ ساتھ مجھے اس امر پر حیرت تھی کہ ویرا نے بار بار نام بدلنے کی احتیاط ترک کرکے ہر جگہ تھیلما کنگ کے نام کا تسلسل برقرار رکھا تھا جس کی بظاہر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ویرا میری طرف سے لاحق خطرات کو یکسر نظرانداز کرچکی ہو۔

"کہاں ہے وہ؟" میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے اس کے چہرے پر اپنی خونخوار نظریں گاڑدیں "تم نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی تو اس کے ساتھ تم بھی عتاب میں آجاؤ گے۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ وہ اب کہاں ہوگی" اس کے چہرے پر خوف کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے "وہ شام کو میرے پاس ضرور آئی تھی لیکن نو بجے واپس چلی گئی تھی۔"

"کہاں چلی گئی تھی؟" میں نے پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم" اس نے بے بسی سے کہا "وہ میرا انٹرویو لینے آئی تھی۔"

"وہ کس خوشی میں؟" انٹرویو کے ذکر نے مجھے چونکا دیا۔

"بدقسمتی سے میں ایک جیالوجسٹ ہوں اور ستائیس سال تک بلوچستان کے مختلف علاقوں میں شیل کمپنی کے لئے تیل کی تلاش کے منصوبوں پر کام کرتا رہا ہوں۔ وہ آسٹریلیا کے ایک ٹیکنیکل جریدے کے لئے میرا انٹرویو ریکارڈ کرنے آئی تھی۔"

"تمہاری اس سے کتنی پرانی شناسائی ہے؟" میں نے پوچھا۔ اس کی گفتگو میرے لئے لحہ بہ لحہ حیران کن ثابت ہو رہی تھی۔

"آج سے پہلے میں نے اسے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا" اس نے کہا۔

"تو وہ آسمان سے اچانک ہی یہاں اتر آئی تھی؟" مجھے اس پر غصہ آنے لگا۔

"اپنے بیان کے مطابق وہ کل ہی کینبرا سے کراچی پہنچی تھی۔ آج صبح اس نے مجھے فون کیا تھا۔ میرے لئے یہ ایک اعزاز ہوتا کہ کسی معیاری اور غیر ملکی جریدے میں میرا انٹرویو شائع ہو۔ اس لئے مس تھیلما نے جب آج ہی مل بیٹھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو میں انکار نہیں کرسکا۔ تمہیں میری بات پر یقین نہ آئے تو میرے ملازمین سے پوچھ لو... وہ پہلے کبھی یہاں نہیں آئی۔ اس نے لان پر بیٹھ کر تین گھنٹے تک میرا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ وہ مجھ سے ان افواہوں کی تصدیق کرانا چاہ رہی تھی کہ ستّر کے عشرے میں بلوچستان کے

متعدد آزمائشی کنووں سے تیل کے بھاری زیر زمین ذخائر کا سراغ ملا تھا لیکن شاہ ایران کے ایما پر پاکستانی حکمرانوں نے مزید پیش رفت کے بغیر ان کنووں کو سیل کرا دیا۔ شاہ کا خیال تھا کہ مشترکہ سرحد کے قریب پاکستانیوں نے کنوئیں کھودنے کی داغ بیل ڈال دی تو ایرانی تیل کے ذخائر بری طرح متاثر ہوں گے۔ میں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ وہ اسی بارے میں کوئی سراغ حاصل کرنے آئی تھی۔"

اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا لیکن اس کی بچی باتوں نے صورتِ حال کو بری طرح الجھا کر رکھ دیا تھا۔

بلیو کراس ڈیل کے حوالے سے مجھے پہلے ہی علم ہو چکا تھا کہ شی ان دنوں یک بیک ایران پر مہربان ہو گئی تھی۔ شی بظاہر منظم مجرموں کی ایک بین الاقوامی تنظیم تھی جو ہیروئن کے کاروبار پر اپنی اجارہ داری کے لئے کوشاں تھی لیکن دنیا کے ہر بڑے جرائم پیشہ گروہ کی طرح اسے بھی ایک طاقتور ملک کی پشت پناہی حاصل تھی بلکہ میں تو یہاں تک سن چکا تھا کہ شی امریکا ہی کی پروردہ تھی اور اس کا سربراہ، جمی لائیڈ براہِ راست صدرِ امریکا کو جواب دہ ہونے کی وجہ سے بے پناہ طاقت اور اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ یہ ایک طے شدہ آفاقی حقیقت ہے کہ مقتدر حلقوں کی سرپرستی کے بغیر دنیا کے کسی خطے میں جرائم پھل پھول نہیں سکتے۔ چھوٹے مجرموں کو بااثر افراد کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے اور بڑے گروہوں کو حکومتیں اپنے مفادات کے لئے پالتی ہیں تاکہ جو کام قانون کی کند دھار سے سرانجام نہ دیا جاسکے، وہ ان شوریدہ پشتوں کے حوالے کر دیا جائے جو ہر قیمت پر اپنا مقصد حاصل کرنے کے فن سے واقف ہوتے ہیں۔

ہمارے خطے میں امریکا کے طویل المدت مفادات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ جب تک ایران میں شاہ کا اقتدار مستحکم تھا تو امریکا والوں کو بے فکری تھی کہ علاقے میں ان کا سب سے بڑا حلیف موجود تھا لیکن شاہ کے عبرت ناک زوال کے بعد نقشے میں تبدیلیاں رونما ہوئیں اور ان لوگوں نے ایران سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ان کا خیال تھا کہ آزادی اور مغربی بے راہ روی کے دلدادہ شہری معاشرے اس مذہبی رجحان کو قبول نہیں کریں گے جس کا نعرہ لے کر ایران کی انقلابی قیادت میدان میں اتری تھی۔

لیکن اب اندازہ ہو رہا تھا کہ امریکی قیادت نے ایران کا مشاہدہ کرنے کی پالیسی ترک کرکے کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ یہ برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ ایران کو پاکستان جیسے ملک کے ساتھ پینگیں بڑھانے کا موقع ملے جسے ایٹمی توانائی کے میدان میں سنسنی خیز پیش رفت حاصل ہو چکی تھی۔

سیاسی محاذ پر ایسے منافقانہ منصوبوں کی کامیابی کا امکان کم تھا جن کی وجہ سے دونوں حکومتوں کو ایک دوسرے سے بدظن کیا جاسکے اس لئے فوری نتائج کے حصول کے لئے شی کو میدان میں اتار دیا گیا تھا۔

ان لوگوں کو بلیو کراس ڈیل کی خبر مل چکی تھی۔ جو سو... حساس ایٹمی آلات اور ساز و سامان پر مشتمل کھیپ ایران... بندر عباس سے پاکستان کے لئے روانہ ہو چکی تھی یا روانہ ہو... والی تھی۔ پاکستان جس نے کسی بھی بیرونی امداد کے بغیر... ایٹمی استعداد حاصل کر لی تھی، ایرانی آلات و سامان مل جانے... بعد قلیل سی مدت میں پوری دنیا کو چونکا دینے کی صلاحیت... تھا اس لئے ویرا کو اس کھیپ کی تباہی پر مامور کیا جا چکا تھا۔

بلیو کراس ڈیل والے معاملے کی روشنی میں ویرا کی اس... سے ملاقات بہت اہم اور معنی خیز نظر آ رہی تھی۔ ویرا نے اس انٹرویو کرتے ہوئے، جس طرح گڑے مردے اکھیڑنے کی کوشش... تھی اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ شی کو ایسا مواد جمع کرنے کی ذمہ... داری بھی سونپ دی گئی تھی جس کی تشہیر کے ذریعے پاکستانی... ایرانیوں کے خلاف بھڑکایا جاسکے۔ وہ ایک مذموم اور قابل... سازش تھی لیکن شی والے اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل تھے... کے لہو میں مالِ حلال کی کوئی آمیزش تھی۔ ان کا کام ہی... اخلاقی اور معاشرتی اقدار کی دھجیاں اڑانا تھا اور وہ پوری... کے ساتھ اپنے ان فرائضِ منصبی کی انجام دہی میں مصروف... ہم ان کی ایک راہ روکتے تھے تو وہ دوسرے راستے پر چل... تھے۔

انہوں نے پاکستان کے گھر گھر اور کوچے کوچے میں ہیروئن... دیا پھیلا دی تھی۔ اپنے بے راہ رو نوجوانوں کو اس موذی نشے... بچانے کے لئے انہوں نے معصوم پاکستانی بچوں تک کو اس جہنم... جھونک دیا تھا۔ وہ کام انہوں نے ضمیر فروش پاکستانیوں سے... تھا لیکن منصوبہ ساز وہ خود تھے۔ جن دنوں طلب کے مقابلے ہیروئن کی تیاری اور رسد بہت کم تھی، ان دنوں اس جنس کے آسمان کو چھو رہے تھے۔ شی والوں نے چرس جیسے سستے نشے سارے، تقسیم کنندگان کا ایک منظم جال بچھا کر اچانک منڈی... چرس کا بحران پیدا کیا اور اس خلا سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہ... بیس روپے مالیت والی ہیروئن کی پڑیا دو دو روپے میں ہر نشئی... پہنچا دی۔ نئے نشے میں تیزی کے ساتھ سرور بھی زیادہ تھا... دنوں میں سیکڑوں، پھر ہزاروں بلکہ لاکھوں کے انبوہ اس... سفوف کے غلام ہوتے چلے گئے۔ مقصد حاصل ہوتے ہی... خسارے کی سرمایہ کاری بتدریج ختم کر دی۔ ہیروئن مہنگی... لگی لیکن جو لوگ اس کے غلام تھے وہ اپنے بیوی بچوں کا... کر اور چوری کر کے بھی اسے خریدنے پر مجبور تھے۔

رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ شہروں کے بازار... چوراہوں سے لے کر دیہاتوں کے ندی نالوں تک میں ذمہ... نظر آنے لگیں۔

گھسٹتے ہوئے یرقان زدہ چہرے، زندگی کی ہر رمق سے محروم بے نور آنکھیں، الجھے ہوئے گندے بال، بڑھے ہوئے کراہت انگیز ناخن اور میل کی تہوں میں لپٹے ہوئے جسم پھٹے پرانے کپڑوں میں ہر طرف رینگتے ہوئے نظر آنے لگے۔ ان کی ظاہری حالت عبرت ناک نظر آتی ہے ان کے اپنے ان سے نفرت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن وہ اپنے گردوپیش سے بے خبر، اپنے تصورات کی رنگین دنیا میں کھوئے رہتے ہیں۔ ہیروئن کے چند کش ان زردو سیاہ غلاموں کو ایسے جہانوں میں لے جاتے ہیں جہاں وہ حسینوں کے جھرمٹ میں گھرے، ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز ہوتے ہیں "ان کے ہر انداز سے امارت ٹپکتی ہے، وہ دولت کے انبار لٹاتے ہیں، لمبی لمبی گاڑیوں میں سیر کرتے ہیں اور جب ان کا نشہ ٹوٹتا ہے تو ان کے سنہرے خواب بکھر جاتے ہیں۔ وہ اپنے غلیظ سراپے کو پہچاننے سے منکر ہو جاتے ہیں، ان کے پیٹ میں درد کے گولے چکرانے لگتے ہیں، ہاتھ پیر ٹوٹنے لگتے ہیں، اعصاب چٹخنے کی حد تک کشیدہ ہو جاتے ہیں، بصارت دھندلانے لگتی ہے اور دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب وہ نیم وا آنکھوں کے ساتھ کرب کے عالم میں تڑپتے اور چلّاتے ہیں۔ وہ موت کے طلب گار ہوتے ہیں لیکن قزاقِ اجل ہیروئن کے چھوت کو پہچانتا ہے۔ وہ ان سے دور بھاگتا ہے اور پھر ان کے بڑوں میں سے کوئی لپک کر بازار سے خود زہر کی پڑیا خرید کر لاتا ہے اور سر موڑ کر، نمناک آنکھوں کے ساتھ پڑیا انہیں تھما کر اپنے بستر میں جا گرتا ہے۔ بے بسی کے ساتھ تکیوں میں اپنا سر پٹک پٹک کر روتا اور بلکتا ہے لیکن سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی وہ اگلے روز اپنے اسی ہیروئن زدہ لختِ جگر کے لئے زہر کی پڑیا خریدنے پر مجبور ہوتا ہے۔

شی کا وہی ایک جرم ناقابلِ معافی تھا لیکن وہ ان کا آخری جرم نہیں تھا۔ انہوں نے ملّا سرکار کی سرپرستی میں سندھ میں بغاوت اور خوں ریزی کی ایک بھیانک سازش کو پروان چڑھایا۔ کمانڈر کے دستوں کو شب خون مارنے کے لئے سرحد پر لا کھڑا کیا، الحدید میں جدید ترین اسلحے کی بہت بڑی کھیپ ملک میں اسمگل کر کے غداروں کے ہاتھ مضبوط کرنے کی کوشش کی اور اب وہ بلیو کراس ڈیل کو تباہ کرنے کے درپے تھے۔

مجھے خلش یہ تھی کہ ویرا اب جو کچھ کر رہی تھی، کھل کر کر رہی تھی۔ ایرانی سرزمین پر ایٹمی آلات اور سامان کی تباہی کے اس مشن کے بارے میں مجھے شی کے ایک پرانے آئی مین، اکبر سے معلوم ہوا تھا لیکن ڈی میلو کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ اگر ویرا ہوٹل میٹروپول اور پھر ٹل اسنجل میں ڈی میلو کے گھر کا بنا وجہ نہ کراتی تو ہمارے فرشتے بھی اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ویرا مجھے چڑانے اور شکست کے احساس سے دوچار کرانے کے لئے دانستہ ہر جگہ اپنا کوئی نہ کوئی سراغ چھوڑتی جا رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ جب تک وہ اس خطے میں منڈلاتی رہے گی، میں ہر قیمت پر اُس کا پیچھا کروں گا اور بالآخر ان دونوں مقامات تک پہنچ جاؤں گا جہاں وہ تمیلا گک... نام سے پہنچی تھی اور اس کے صاف نکل جانے پر میں جھلاہٹ... جھلا ہو جاؤں گا۔

وہ خیالات کا ایک بہت طویل سلسلہ تھا لیکن عمل... خیالات میں سب سے بڑا فرق یہی ہوتا ہے کہ عمل ہر قیمت پر... وقت لیتا ہے۔ اس وقت کو ایک حد تک مختصر تو کیا جا سکتا ہے... آگے رکاوٹ آجاتی ہے جب کہ تصورات اور خیالات پر وقت... کوئی پابندی نہیں ہوتی انسان لمحوں ہی لمحوں بلکہ پلک جھپکتے... صدیوں کے فاصلے طے کرنے کی استطاعت رکھتا ہے۔

"تو تم نے اسے کیا بتایا؟ ان افواہوں میں کتنا وزن ہے؟"... نے چند ثانیوں کی تفکر آمیز خاموشی کے بعد اس سے تیکھے لہجے... سوال کیا۔

"میں جھوٹ سے نفرت کرتا ہوں" اس نے گمبیر سنجیدگی... کہا "ان افواہوں میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ ان کی بنیاد خوا... فہمیوں یا غلط فہمیوں سے پڑی تھی۔"

"میں وہ بھی سننا چاہوں گا" میں نے کہا "یہ وضاحت تم... تمیلا کو بھی دی ہوگی؟"

"وضاحت ناگزیر تھی۔ ایک پیشہ ور فنی ماہر اور عام آدمی... یہی تو ذرا سا فرق ہوتا ہے" وہ خوف اور وحشت کے ابتدائی... سے خاصی حد تک سنبھل چکا تھا "تیل کی تلاش میں کنوئیں... تحقیق اور عرق ریزی کے بعد کھودے جاتے ہیں کیونکہ ان پر... وقت اور سرمایہ صرف ہوتا ہے۔ اس لئے ہر کنوئیں کی تہ میں... تیل کا سراغ مل جاتا ہے لیکن اصل بات منافع بخش پیداوار... ہوتی ہے۔ بلوچستان کے کنوؤں میں تیل ضرور دریافت ہوا تھا لیکن... اس کی مقدار اتنی ناکافی تھی کہ اس سے مشینوں کی لاگت بھی نہ... نکل سکتی تھی۔ اس لئے وہ کنوئیں بند کر دیئے گئے۔ ان پڑھ لوگوں... نے ڈرلنگ کے آلات پر تیل کی چکنائی دیکھ کر یہ فرض کر لیا کہ... کی زمین.... تیل سے مالا مال ہے مگر حکومت نے اپنی مصلحتوں... وجہ سے کام روک دیا۔"

"اور اسے تمہاری وضاحتوں پر یقین آگیا؟" میں نے... ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"وہ خاصی ذہین تھی۔ فنّی باریکیوں کو بھی کسی حد تک... رہی تھی اس لئے اُس نے مجھ سے بحث نہیں کی۔ میرا خیال ہے... وہ یہاں سے مطمئن ہو کر گئی ہے۔"

"اس نے یہ نہیں پوچھا کہ پے در پے ناکامیوں کے باوجود... پچیس سال تک وہاں کیا کرتے رہے؟"

"اس سنگلاخ آئل بیلٹ میں ڈرلنگ آسان کام نہیں تھا... رسل و رسائل کی دشواریوں کی وجہ سے بھاری آلات اور... لے جانے میں بہت وقت صرف ہوا۔ اس علاقے کی قدرتی ساخت...

کی ہو یہ مدت کچھ بھی نہیں تھی بلکہ وہاں تو اب بھی تیل کی تلاش کا کام جاری ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ آسٹریلیا جیسے دور دراز برّاعظم سے آئی ہوئی نامہ نگار سے تم نے اس کی قیام گاہ کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی!"

"پوچھا تھا۔ وہ کسی دوست کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے۔ میں نے واپسی کے لئے اسے اپنی کار ڈرائیور سمیت دی تھی لیکن وہ مزری سے ٹیکسی میں چلی گئی۔ میرا ڈرائیور اسے وہاں اتار کر لوٹ آیا تھا۔"

"اب اگر تم اس سے رابطہ کرنا چاہو تو کیا صورت ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم مجھ پر شبہ کر رہے ہو" اس نے کسی ناگواری کے بغیر کہا "میرے بار بار کے اصرار پر بھی اس نے مجھے اپنا کوئی فون نمبر نہیں دیا البتہ چلتے چلتے وہ مجھے ایک ڈبل فری کوئنسی ٹرانس میٹر دے گئی تھی جس پر اُس سے وقتِ ضرورت رابطہ کیا جاسکتا ہے۔۔۔۔ تم چاہو تو خود اُس سے بات کر سکتے ہو۔"

اتنی اہم بات اُس نے اس قدر تاخیر کے ساتھ اور اتنے سرسری انداز میں بتائی تھی کہ میری کھوپڑی چیخ اٹھی "تو میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو، وہ ٹرانس میٹر کہاں ہے؟"

"اس بارے میں تم نے پوچھا ہی نہیں تھا" اس نے سادگی سے کہا اور اپنی بیڈ سائڈ ٹیبل کی دراز سے چوکور اور مختصر سا اپریٹس نکال کر میرے حوالے کر دیا۔

میرے لئے وہ اپریٹس نیا تھا مگر میں اُس کی کارکردگی کے بارے میں سن چکا تھا۔ اس آلے میں دونوں فریقوں کے لئے الگ الگ فری کوئنسی والے دو ٹرانسیسٹر یکجا کر دئے جاتے تھے۔ جس کے نتیجے میں اسے فون کی طرح استعمال کیا جاسکتا تھا۔ دونوں طرف سے بیک وقت گفتگو شروع کئے جانے کی صورت میں آلے کے صوتی نظام پر ریڈیائی سکوت طاری نہیں ہوتا تھا بلکہ دونوں ہی بیک وقت ایک دوسرے کی بات سن سکتے تھے۔ اسی کے ساتھ گفتگو نشر کرنے کے لئے کسی بٹن وغیرہ کو دبانے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی تھی کیونکہ سوئچ آن کرتے ہی، دونوں سرکٹ ایک ساتھ آن ہو جاتے تھے۔

"یہ خاصا قیمتی آلہ ہے جو وہ تمہارے حوالے کر گئی ہے" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اس کی رینج کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ نہ مجھے یہ اندازہ تھا کہ یہ کتنی مالیت کا ہے۔"

"سو کلومیٹر!" میں نے اپریٹس کی نیم پلیٹ پر سے پڑھتے ہوئے کہا "اس کا مطلب ہوا کہ تھیلما کے آسٹریلیا روانہ ہونے کے بعد یہ بیکار ہو جائے گا۔"

"روانگی سے پہلے وہ ٹرانسیسٹر واپس لے لے گی۔ اگر تم یہ شبہ کر رہے ہو کہ اُس کا اور میرا پرانا ساتھ ہے تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے جسے تم اس سے بات کر کے دور کر سکتے ہو۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اُس کے لئے تم سے مسلسل رابطہ رکھنا اس قدر ضروری کیوں ہے؟ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ خصوصی اجازت نامے کے بغیر ایسے آلات کا رکھنا سنگین جرم ہے۔"

"اس کے مقابلے میں کسی بے ضرر شہری پر بھرا ہوا پستول تان کر اسے گہری نیند سے بیدار کر دینا زیادہ بڑا جرم ہے۔" وہ رفتہ رفتہ اپنے اوپر قابو پاتا جا رہا تھا۔

"یہ فیصلہ ہونا باقی ہے کہ تم بے ضرر شہری ہو یا کسی مجرمانہ سازش کے شریک ہو۔۔۔"

"تم کون ہو اور تھیلما کو کیوں تلاش کر رہے ہو؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"وہ ایک بڑی مجرمہ ہے۔ وہ قانون کے ہاتھوں سے کسی چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکل جاتی ہے۔ اس لئے ہم اسے دوسرے طریقوں سے گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں" اس سے بات کرتے ہوئے، میں نے اپریٹس کا سوئچ آن کر دیا جس کے ساتھ ہی اس کے ایک حصے میں ننھا سا سرخ بلب روشن ہو گیا۔

"ہیلو، تھیلما! میں پیٹرک ڈی میلو کے گھر سے بول رہا ہوں۔" چند ثانیوں بعد میں نے کہا۔

"کون بول رہا ہے؟" چند ثانیوں کے بعد اپریٹس پر ویرا کی غنودہ آواز ابھری۔ وہ شاید آواز سن کر نیند سے بیدار ہوئی تھی اور انگریزی بول رہی تھی۔

"میں تمہارے شوہر راڈنی کنگ کی تلاش میں ہوں" میں نے اردو میں کہا۔

"اوہ!" اس کی تحیّر زدہ آواز ابھری "تو بالآخر تم وہاں بھی پہنچ ہی گئے؟"

اس بار وہ اردو میں مخاطب ہوئی تھی جس پر ڈی میلو کا منہ حیرت سے کھل گیا اور وہ بے ساختہ بولا "یہ تو اردو بھی بول لیتی ہے!"

"ہاں، پیٹرک!" ڈی میلو کے تبصرے پر ویرا کی آواز ابھری۔ "اردو ہی نہیں، میں پشتو بھی خاصی روانی سے بول لیتی ہوں۔ تم نے انگریزی میں کئے گئے سوالات کے جوابات انگریزی ہی میں دئے اس لئے مجھے اپنی اردو دانی کا اظہار کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔"

"اب اسے یہ بھی بتادو کہ تم نے آسٹریلیا میں اردو کس سے سیکھی تھی؟" میں نے کہا۔

"سوری، پیٹرک!" ویرا کی آواز ابھری "مجھے افسوس ہے کہ تم نادانستگی میں میرے آلۂ کار بن گئے۔ تم بہت شریف اور نیک

شخص آدمی ہو۔ تمہارا قصور صرف اتنا ہے کہ تمہارے گیٹ پر تمہاری نیم پلیٹ بہت نمایاں ہے۔ مجھے اپنا جال بچھانے کے لئے ایک حقیقی پتے کی ضرورت تھی اس لئے میں نے اتفاقاً تمہاری طرف سے گزرتے ہوئے تمہارا پتا نوٹ کرلیا۔ جو شخص تمہارے روبرو موجود ہے' میں اسی کو گھیرنا چاہتی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ یہ میرا پیچھا کرتا ہوا' ہر اس جگہ پر پہنچے گا جہاں سے اسے میرا سراغ ملنے کی امید ہوگی یہ اور بات ہے کہ یہ میری توقع سے کہیں پہلے تم تک پہنچ گیا۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے خود ہی اس کی غلط فہمی دور کردی ورنہ یہ اپنا انٹرویو شائع ہونے کی حسرت اپنے دل میں لئے بیٹھا رہتا۔" میں نے کہا۔

"میرا تم تک پہنچنا ضروری تھا' پیٹرک!" ویرا کی آواز آئی۔ "کیونکہ میں تمہارے پاس اپنا اپریٹس چھوڑنا چاہتی تھی تاکہ یہ تمہارے ذریعے ڈیبی کے ہاتھوں میں پہنچ جائے اور میں اس سے بات کرسکوں۔ تم تک غیر مشتبہ انداز میں رسائی کے لئے میں نے تمہارے بارے میں معلومات جمع کیں اور پھر تمہارے پیشے کے حوالے سے تم تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ میں کسی بہانے کے بغیر آتی تو شاید تم مجھ سے ملنے سے ہی انکار کردیتے۔ مجھے امید ہے کہ تم میری اس حرکت کو معاف کردوگے۔"

"اجنبی مردوں کو پھنسانے میں تمہیں ہمیشہ لطف آتا ہے' ویرا ڈارلنگ!" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ اس نے میرا نام لے کر مجھے بھی ہر بھرم ختم کرنے کا موقع فراہم کردیا تھا۔

"تمہیں اس بات سے خاصی مایوسی ہوئی ہوگی کہ ڈی میلو نے انٹرویو کے اختتام پر تمہیں اپنی خواب گاہ میں شب بسری کی دعوت نہیں دی" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری موت آگئی ہے" یک بیک ویرا کی آواز میں برہمی عود کر آئی "تم اپریٹس لے کر یہاں سے نکلو تاکہ میں تم سے کچھ کھلی کھلی باتیں کرسکوں۔"

اس دوران میں ارشد کسی احمق کی طرح منہ پھاڑے سب کچھ سن رہا تھا۔

"زیادہ کھلی کھلی باتوں سے مجھے شرم آنے لگتی ہے" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا "بہتر یہی ہوگا کہ مجھ سے باتیں کرنے کے بجائے تم اپنے کام سے کام رکھو اور میں اپنا کام کرتا رہوں۔"

"تم کسی حقیر سی چیونٹی کی طرح پیس کر رکھ دیئے جاؤ گے۔ میری یہ پیش گوئی یاد رکھنا کیونکہ اب میں نے تمہاری حمایت سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔۔۔"

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں' ڈارلنگ!" میں نے پرخلوص لہجے میں کہا "میں جانتا ہوں کہ میری حمایت سے دستبردار ہوکر تم نے دوسروں کے شیر خوار بچوں کی سرپرستی شروع کردی ہے۔ تم چاہو تو اب بھی سلطان شاہ سے بات کی جاسکتی ہے۔ تم دونوں مل کر دو چار سال ہی میں بچوں کے ڈھیر لگا سکتے ہو۔ اپنے بچوں کو پالنے کی بات اور ہی ہوتی۔۔۔"

"شٹ اپ!" وہ میری بات کاٹ کر اونچی آواز میں دہاڑی "معلوم ہوتا ہے کہ پے درپے چوٹ کے کھانے کے بعد تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ میں تمہارا۔۔۔"

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں' ویرا بے بی! میں یہاں سے نمٹنے کے بعد تم سے بات کروں گا" میں نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا اور سلسلہ منقطع کردیا۔

"تم نے سن لیا کہ میں بالکل بے قصور ہوں" ڈی میلو گھبرائی ہوئی آواز میں بولا "پتا نہیں مجھے میرے کس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔ میں اسے نامہ نگار ہی سمجھا تھا۔"

"تم نے سن ہی لیا ہے کہ اس کا نام تھیلا کنگ نہیں' بلکہ ویرا ہے۔ یہ خوبرو عورت بدمعاشوں کی بدمعاش ہے۔" میں نے کہا "اب اگر تم نے اس سے واسطہ رکھا یا اس بارے میں اپنی زبان بند نہ رکھی تو تم بے موت مارے جاؤ گے۔ ویرا کے تمام دشمن ہماری طرح نیک نفس اور شریف نہیں ہیں۔"

پستول کی نال پر بستر سے اٹھائے جانے پر پیٹرک ڈی میلو بری طرح خوف زدہ ہوگیا تھا' لیکن اس کا ضمیر صاف تھا اس لئے اس نے جلد ہی اپنے اوسان پر قابو پالیا تھا لیکن اپریٹس پر ویرا سے ہونے والی گفتگو کے بعد وہ واضح طور پر تشویش میں مبتلا ہوگیا تھا اور اسے میری اس بات میں کہ ہمارا تعلق ساج دشمن عناصر کی سرکوبی کرنے والوں سے تھا' وزن نظر آنے لگا تھا۔

اس صورت حال کا ادراک ہوتے ہی وہ ہماری خوشامد پر اتر آیا اور ہم اسے اچھی طرح خوف زدہ کرنے کے بعد اسی راستے سے اس کی خواب گاہ سے نکل گئے' جدھر سے اندر داخل ہوئے تھے۔ جانے سے پہلے میں نے اسے یہ بتادیا تھا کہ اسے اپنے چوکیدار کو بھی زبان بند رکھنے پر آمادہ کرنا ہوگا۔ اگر وہ نامعلوم مہمانوں کے ہاتھوں اپنی درگت بنائی جانے کی کہانی عام کردیتا تو ڈی میلو بھی مشکلات سے دوچار ہوسکتا تھا۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا" جیپ روانہ ہونے کے بعد ارشد نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"اور کچھ ہوا یا نہ ہوا لیکن اس سے رابطے کا ایک ذریعہ ہمارے ہاتھ آگیا ہے۔"

سلطان شاہ کے استفسار پر میں نے اسے ڈی میلو کی خواب گاہ میں پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کردیا۔ اسپیشل ٹاسک فورس میں ہونے کی وجہ سے ارشد اور اکبر کو یہ اندازہ تو ہوچکا تھا کہ ویرا کوئی بین الاقوامی مجرمہ تھی جو پاکستان میں چوری چھپے ملک دشمن کارروائیوں میں مصروف تھی لیکن انہیں ویرا کی ذات سے لاحق سنگین خطرات کا پورا ادراک نہیں تھا اسی وجہ سے وہ ڈی میلو کے مکان پر چھاپے کی مہم کو پھسپھسا اور بے ربط قرار دے رہے تھے

ان کی دانست میں مار دھاڑ اور پکڑ دھکڑ کے بغیر ہونے والی کوئی بھی کارروائی پوری طرح کامیاب نہیں کہی جا سکتی تھی۔

غلام رسول کے سلسلے میں ظفر کی حد سے بڑھی ہوئی مصروفیات کی وجہ سے مجھے براہ راست ان دونوں سے کام لینا پڑا تھا ورنہ اصولاً طور پر ایس ٹی ایف کے ماتحت عملے سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا اس لئے میں نے اس مہم کے بارے میں ان دونوں سے کوئی اختلاف رائے نہیں کیا۔

سلطان شاہ کا مشورہ تھا کہ میں راستے ہی میں دوبارہ ایریش آن کرکے یہ دیکھوں کہ ویرا مجھ سے کیا بات کرنی چاہ رہی تھی لیکن میں نے اپنی غیر حاضر دماغی اور پراگندگی کا بہانہ کرکے اسے خوب صورتی کے ساتھ ٹال دیا۔ دراصل میں ارشد اور اکبر کے سامنے ویرا سے بات کرنے سے کترا رہا تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ منہ پھٹ اور بے شرم تھی۔ گفتگو کے دوران میں اس کی زبان سے کوئی ہلکی ہماری بات نکل جاتی تو میرے اور اس کے مراسم کے بارے میں ایس ٹی ایف میں کہانیاں جنم لے سکتی تھیں۔

ہماری جیپ اسٹیشن فور پہنچی تو وہاں گاڑیوں کا خاصا ہجوم تھا۔ سرکاری نمبر پلیٹ والی متعدد گاڑیوں میں ایک سیاہ ہنڈا اکارڈ ایسی بھی تھی جس کے اگلے بمپر اور فینڈر کے ساتھ لگے ہوئے فلیگ پول پر چرمی غلاف چڑھا ہوا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ مرکزی یا صوبائی وزیر کی سطح کا بھی کوئی اہل کار اس اجلاس میں شریک تھا جس کی تیاریوں نے ظفر کو مصروف رکھا ہوا تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ غلام رسول کو ملک کے نیک نام سیاست دانوں میں خاصی اہمیت حاصل تھی۔ اپنے موروثی علاقے بلکہ صوبے سے باہر بھی اُس کی بات کو غور سے سنا جاتا تھا کیونکہ اس کا ماضی صاف ستھرا اور کردار بالکل بے داغ تھا۔ ظلّ سرکار کے معاملے میں وہ جس طرح ملوث تھا، وہ ناقابلِ یقین تھا۔ دوسری طرف حکام کی مجبوری یہ تھی کہ اس پورے قضیئے میں ظلّ سرکار کا نام ریکارڈ پر نہیں لایا گیا تھا اس لئے غلام رسول جیسے مقبول لیڈر کی گرفتاری کا مناسب جواز پیدا کرنا دشوار ہو گیا تھا لیکن پھر اس کا نام مغل ڈاکو سوار رجب علی کی بے رحمانہ کارروائیوں سے منسلک کیا گیا تو لوگ ہکا بکا رہ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اقتدار کی ہوس میں روشن چہروں والے رہنما ایسی سیاہ کاریوں میں بھی مبتلا ہو سکتے ہیں۔

وہ ایک بہت اہم واقعہ تھا جس نے ملک کے طول و عرض میں تہلکہ مچا دیا لیکن پھر سیاست اور جرائم کے ایک نئے جوڑ توڑ نے جنم لیا اور ڈان تھری کی سخت ہدایات پر پولیس کے محکمے میں پلنے والی کالی بھیڑوں کی مدد سے مافیا نے غلام رسول کو پولیس کی تحویل سے اغوا کر لیا۔ ملک بھر میں کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہو سکی کہ غلام رسول کو اغوا کرنے والے کون تھے اور ان کے کیا مقاصد تھے۔

ان سنسنی خیز اور لرزہ خیز واقعات کے تسلسل نے غلام رسول کی کہانی کو بہت پُراسرار بنا دیا تھا اور لوگ اس کے بارے میں بہت کچھ قیاسات لئے بیٹھے تھے مگر میری اور ظفر کی مشترکہ کاوشوں کے نتیجے میں اپنی زمین کے اس غدار کو عبرتناک انجام کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

وہ اپنی فطری موت مرا تھا لیکن اس کی لاش جن حالات میں ہمارے ہاتھ لگی تھی، وہ بہت فکر انگیز تھے اور حکام کو سر جوڑ کر یہ سوچنے پر مجبور ہونا پڑا تھا کہ اس ملک دشمن سازشی کے بارے میں عوام کو کن تفصیلات سے آگاہ کیا جائے؟ اس کے حامیوں کے کسی بھی پُرتشدد ردعمل کا توڑ کرنے کے لئے اس بارے میں گہرے غور و خوض کی ضرورت تھی جس کے لئے سب متعلقہ فریق اسٹیشن فور پر جمع تھے۔

ان حالات میں ظفر سے فوری طور پر ملاقات ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ ویسے بھی میں غلام رسول کے معاملے میں اپنا کلیدی کردار بخوبی ادا کر چکا تھا جس کے بعد میری وہاں موجودگی کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ جہانگیر کا بیٹا ظل اصطبل سے برآمد کیا جا چکا تھا۔ ویرا کے بارے میں کم از کم اتنا سراغ مل چکا تھا کہ وہ کم از کم اس رات شہر ہی میں مقیم تھی۔ ان حالات میں، میں نے اسٹیشن فور پر رک کر اپنی اور سلطان شاہ کی رات کالی کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور ہم دونوں اپنا مختصر سا سامان لے کر ایک ڈرائیور کے ساتھ اپنے اُس فلیٹ کی طرف روانہ ہو گئے جو چند دنوں سے متروک تھا۔

جہانگیر کے شرف آباد والے فلیٹ سے ہمارے فرار کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ویرا کے لئے وہ فلیٹ اجنبی نہیں تھا۔ وہاں رہنے اور کام کرنے والے جن لوگوں نے اسے دیکھا تھا، وہ بھی اسے ہماری دوست کی حیثیت سے جانتے تھے اس لئے وہ انتقام لینے کے لئے ہماری بے خبری میں وہاں کوئی بھی مہلک وار کر سکتی تھی۔ فوری طور پر اس فلیٹ کو خیرباد کہہ کر میں نے یہ بندوبست کر لیا تھا کہ ویرا ہماری تلاش میں ادھر کا رخ کرے تو فلیٹ کو غیر آباد دیکھ کر مایوس ہو جائے۔ وہاں ایک بار منہ کی کھانے کے بعد وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہم وقفے وقفے سے دوبارہ وہیں آ بیٹھیں گے۔ اس اعتبار سے وہ فلیٹ اس وقت ہمارے لئے مخدوش نہیں رہا تھا۔

ہوٹل اور اسٹیشن فور کے مقابلے میں فلیٹ ہمیں ایک نعمت محسوس ہوا۔ آزادی کا ایک عجیب سا احساس تھا جسے کوئی نام دینا ممکن نہیں تھا۔ البتہ میں نے یہ احتیاط ضرور کی کہ کمروں کے بلب روشن کرتے ہی، باہر کی طرف کھلنے والی کھڑکیوں اور گیلری کے دروازوں پر دبیز پردے کھینچ دیئے تاکہ اگلی سڑک پر سے فلیٹ میں روشنی یا کسی کی موجودگی کا اندازہ لگانے کا امکان باقی نہ رہے۔

اس کام سے نمٹ کر میں ڈرائنگ روم میں آیا اور ایریش سنبھال لیا۔

مجھے پہلی بار ویرا سے بات کئے کافی دیر ہو چکی تھی لیکن اس نے جس پھرتی سے میری کال کا جواب دیا اُس سے میں نے اندازہ لگالیا کہ ڈی میلو تک میری رسائی نے اسے الجھن میں مبتلا کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ دوبارہ سو نہیں سکی تھی۔

"تمہارے دماغ اور بدن میں واقعی کوئی خبیث روح بسی ہوئی ہے۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا۔ "مجھے یہ اندازہ تو تھا کہ تم ڈی میلو تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤ گے لیکن یہ وہم و گمان میں بھی نہیں تھا تم اتنی قلیل مدت میں اُس کے سر پر سوار ہو جاؤ گے۔"

"اگر میرے قصیدے پڑھنے کا ارادہ ہے تو مجھے سو جانا چاہئے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "ہم مخالفت اور مخاصمت کی ان راہوں پر چل پڑے ہیں جہاں حریف کی خوبیاں بھی خرابیاں بن کر نظر آنے لگتی ہیں۔ ایسے میں تمہاری زبان سے نکلنے والے تعریفی کلمات عجیب معلوم ہو رہے ہیں۔"

"دشمن کی خوبیوں کا اعتراف نہ کرنا کم ظرفی سمجھتی ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری کامیابی سے خوف زدہ ہو گئی ہوں۔ میں تو صرف اپنی حیرت کا اظہار کر رہی تھی۔"

"پھر میں بھی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حیرت ظاہر کرنے پر تمہارا شکریہ ادا کئے دیتا ہوں۔ اب اس سے آگے کی بات کرو۔" میں نے اپنے لہجے میں کوئی تبدیلی لائے بغیر کہا۔

"تمہیں یاد ہو گا کہ یورپ میں سلور آئیز کی تقسیم کے معاملے پر ہمارے درمیان ایک شریفانہ سمجھوتا ہوا تھا۔ جس کی رُو سے وہ سلور آئیز میری ہیں۔"

"جب سے تم بدمعاشی پر اتر آئی ہو' شریفانہ معاہدوں کے بارے میں میری یادداشت نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اب تو جو چیز جس کے قبضے میں ہے' وہی اس کا مالک ہے۔"

"تمہارے لئے وہ تینوں سکے بیکار ہیں جب کہ مجھے ان کی ضرورت ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم ان سے محروم ہو۔ اس سے پہلے تم خود کہہ چکی ہو کہ اب ٹی میں ہر آئی مین کی شناخت کا طریقہ بدل دیا گیا ہے اور سلور آئیز بیکار ہو چکی ہیں۔"

"وہ میرا بلف تھا۔" اس نے شاید بے بسی کے ساتھ اعتراف کیا۔

"لیکن میں بلف نہیں چلتا۔ وہ تینوں سکے میری محفوظ تحویل میں ہیں۔ تم نے غزالہ کے ساتھ جو گھٹیا ترین حرکت دہرائی ہے اس کے بعد تمہیں مجھ سے تعاون کی توقع کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔ اس وقت میری اور تمہاری کھلی جنگ چل رہی ہے جس میں رُو رعایت کی امید بے سود ہے۔"

"میری کیسنجر کو میرے خلاف بھڑکا کر تم نے خود ہی غزالہ کی بہ حفاظت واپسی کی راہ میں روڑے اٹکائے ہیں۔ ورنہ میں غصہ اترنے پر خود ہی اسے تم تک واپس پہنچا دیتی۔ تم نے مجھے مسلسل نظر انداز کر کے بے اعتمادی کی ایسی فضا پیدا کر دی کہ میں شدید جھلاہٹ کے عالم میں غزالہ کو لے گئی۔ دو چار روز میں میرا دماغ ٹھنڈا ہوتا تو میں خود ہی اسے چھوڑ دیتی۔"

"یہ تمہارا سفید جھوٹ ہے۔ تم اسے شری مان سنگھ کے حوالے کر کے ایران جانے کا منصوبہ بنا چکی تھیں۔ تمہاری واپسی تک غزالہ اُسی کی قید میں پھنسی رہتی۔"

"ایران میں میرا کام بہت مختصر سا ہے....." اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کچھ سوٹن آلات اور مشینوں کی تباہی اتنی آسان ثابت نہیں ہو سکتی۔"

"یہ تمام خام خیالی ہے۔ آج کل کے زمانے میں بڑے بڑے کام پلک جھپکتے میں ہو جاتے ہیں۔"

"بہرحال میں تمہاری بدترین ناکامی کے لئے دعائیں کرتا رہوں گا۔"

پہلی بار اس کی ہنسی کی آواز ابھری اور وہ بولی۔ "کوّوں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔ میں جانتی ہوں کہ تم پر آج کل اپنے وطن سے محبت کا دورہ پڑا ہوا ہے۔"

"میں اس طعنے پر شرمندہ نہیں ہوں۔ میں اپنے کسی کام سے ماضی کے گناہوں کی سیاہی دھو سکا تو مجھے اپنے ضمیر کی خلش سے نجات مل جائے گی....."

میری قطع کلامی کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر ہنس پڑی۔ "نو سو چوہے پورے کر لینے کے بعد ہر بلی اسی طرح حج پر نکلنے کا قصد کرتی ہے۔ تم کوئی نئی بات نہیں کہہ رہے۔"

"تم ہزاروں کی تعداد پوری کر لینے کے باوجود تائب ہونے پر آمادہ نہیں ہو۔"

"میری بات مانو اور سلور آئیز میرے حوالے کر دو تو فائدے میں رہو گے۔ یہ فائدہ ایسا ہی ہو گا کہ تم اپنی بقیہ زندگی سر اٹھا کر گزار سکو گے۔ یہ سودا تمہارے ملک کے مفاد میں ہو گا۔"

"تم پر سے میرا اعتبار اٹھ چکا ہے لیکن پھر بھی میں یہ جاننا پسند کروں گا کہ تمہاری شیطانی کھوپڑی میں اب کون سا منصوبہ پروان چڑھ رہا ہے؟"

"جب تک تم نیک نیتی سے سوچنے کا وعدہ نہیں کرو گے' میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ تم مجھے سودے بازی کی پیشکش کر رہی ہو؟"

"جو چاہے سمجھ لو مگر اصل بات وہی رہتی ہے کہ تم مجھے وہ سلور آئیز دے دو تو میں تمہارے ملک کو ایک بہت بڑے خسارے سے بچا سکتی ہوں۔"

"تم بولتی رہو' میں سنجیدگی سے سن رہا ہوں۔" میں نے اسے لقمہ دیا۔

میں چھ سوٹن کی پوری کھیپ کے بجائے بارہ ٹن وزنی ایک
حصے کی تباہی پر اکتفا کروں گی۔ بقیہ سامان بحفاظت تمہاری سرزمین
پر پہنچ جائے گا۔"
اس کی پیشکش واقعی اہم اور قابلِ غور تھی مگر میں نے فوری
طور پر کہا "یہ حصہ یقیناً کلیدی اہمیت رکھتا ہوگا۔ کیا یہ ممکن نہیں
کہ تم اپنے مشن کی تکمیل کا ارادہ ترک کردو؟"
"اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ میں نہیں جاؤں گی
تو وہ لوگ اس مشن پر کسی اور کو بھیج دیں گے جو اپنا کام کرگزرے
گا۔۔۔ تم کو اپنی بات سمجھانے کے لئے مجھے ذرا تفصیل میں جانا
ہوگا۔ اس کے بعد تمہیں میری پیشکش کی صحیح قدروقیمت کا اندازہ
ہوسکے گا۔۔۔"
"فکر نہ کرو، رات اپنی ہی ہے۔ میں عجلت میں کوئی فیصلہ نہیں
کروں گا۔"
"چھ سوٹن وزنی اس کھیپ میں بارہ ٹن کا ایک ایٹمی ہیٹ
ایکس چینجر بھی ہے جس کے بیرونی آہنی خول کے ایک حصے میں
لوہے کی دہری دیوار میں خوفناک طاقت والا ایک ڈائنامائٹ موجود
ہے۔ عام حالات میں یہ ڈائنامائٹ بالکل بے ضرر ہے۔ ایران میں
ان آلات کی تنصیب ہوجاتی تو ڈائنامائیٹ کی موجودگی سے پلانٹ
کی کارکردگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس ڈائنامائیٹ کو اڑانے
والے برقی سرکٹ کے لئے ایک کیڈ میٹم کی بیٹری لگی ہوئی ہے۔
بیٹری کو تاروں سے منسلک کرنے کے لئے، آہنی خول سے باہر نکلے
ہوئے ایک خاص لیور کو اندر دبا کر اوپر اٹھانا ضروری ہے۔ اس کے
بعد بیٹری سے سوئچ تک برقی رَو دوڑ جائے گی اور وہ کام کرنے کی
پوزیشن میں آجائے گا۔ وہ حساس سوئچ خلا میں موجود اسٹیشن سے
ایک سگنل کے ذریعے حرکت میں لایا جاسکتا ہے۔ لیور کو صحیح
پوزیشن میں لائے جانے کے بعد ڈائنامائیٹ کو کسی بھی لمحے ایک
خلائی اشارے سے اڑایا جاسکتا ہے۔ مجھے اس لیور کے بارے میں
مکمل بریفنگ دے دی گئی ہے۔ میرا کام صرف اتنا ہوگا کہ اس
لیور کو دبا کر اوپر اٹھادوں اور واپس لوٹ آؤں۔ میری بحفاظت
واپسی کے بعد، اس ڈائنامائیٹ کو کسی بھی وقت اڑایا جاسکتا ہے۔
اس کا دھماکا اس قدر ہولناک اور شدید ہوگا کہ وہ ایک میل کے
دائرے میں موجود ہر چیز کو فنا کردے گا اور چھ سوٹن مشینیں لے
جانے والا پورا کارواں بھسم ہو کر رہ جائے گا۔"
"یہ تو واقعی بہت خطرناک اور فول پروف منصوبہ ہے۔ میری
سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ہماری کیا مدد کرسکوگی۔ اگر تم نے یہ کام
نہیں کیا تو پاکستان پہنچنے کے بعد بھی وہ سارا سازوسامان جہنم کے
دہانے پر رکھا رہے گا۔ کوئی دوسرا ایجنٹ لیور بدلنے کے کام پر مامور
کردیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس چھ سوٹن کے ساتھ پاکستان کی
دوسری اہم تنصیبات بھی تباہی سے دوچار ہوجائیں۔"
"مجھے سلور آئیز مل جائیں تو میں ایسے امکانات کو سرے سے
ختم کردوں گی۔"
"لیکن کس طرح؟" میں نے پوچھا۔ "کوئی معاہدہ کرنے سے
پہلے مجھے اس سوال کا جواب جاننے کا پورا پورا حق حاصل ہے جسے
تم مسترد نہیں کرسکتیں۔"
"ڈائنامائیٹ کا حلقۂ اثر صرف ایک میل تک محدود ہے۔"
چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس کی آواز ابھری۔ "میں کسی طرح
ہیٹ ایکس چینجر لے جانے والے ٹرک میں خرابی پیدا کردوں گی
تاکہ وہ کسی ویرانے میں کھڑا ہوجائے۔ ٹرک میں بڑی خرابی ہوگی تو
بقیہ کارواں اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جائے گا۔ اس لق ودق
ویرانے میں بارہ ٹن وزنی آلے کو اتار کر دوسرے ٹرک پر منتقل کرنا
ناممکن ہوگا اس لئے ٹرک کی مرمّت کی کوشش کی جائے گی۔ اس
دوران میں میرا کام مکمل ہوچکا ہوگا۔ میرا اشارہ ملتے ہی خلائی
اشارے کے ذریعے اس ٹرک پر موجود ڈائنامائیٹ اڑادیا جائے گا۔
اس طرح صرف ایک آلے کی قربانی دے کر باقی پلانٹ اور آلات
کو بچالیا جائے گا۔"
اس کی باتیں سن کر میری پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھر آئے۔
"اس طرح تو ٹرک کا عملہ بے موت مارا جائے گا۔" میں نے
مضمحل لہجے میں کہا۔
"انہیں کوئی نہیں بچا سکے گا۔ بڑے مقاصد کے حصول کے
لئے ایسی چھوٹی موٹی قربانیاں دینی ہی پڑتی ہیں۔ ویسے میں تمہیں یہ
بھی بتائے دیتی ہوں کہ مکمل معلومات حاصل کئے بغیر کوئی اجنبی اس
خفیہ لیور تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔ میرا منصوبہ مکمل اور بے
داغ ہے۔ دھماکے کے بعد مجھے سرخروئی حاصل ہوجائے گی۔ کوئی
سوچ بھی نہیں سکے گا کہ ٹرک کی خرابی میری سازش کا نتیجہ ہوگی۔
اسے ایک اتفاق قرار دے کر تمہارے ملک کے دشمن اپنے مقدر
کی خرابی کا ماتم کرتے رہ جائیں گے۔"
"اس ناکامی پر جھلّا کر تمہارے آقا اس کارواں پر دوسرا حملہ
بھی کراسکتے ہیں۔"
"آج کل کے حالات میں وہ اس علاقے میں کسی کھلی ہوئی
بربریّت کا ارتکاب نہیں کرسکیں گے اور چھپ چھپا کر اتنی بڑی
کھیپ کو نقصان پہنچانا ناممکن ہے۔ ڈائنامائیٹ تو برسوں سے اس
ہیٹ ایکس چینجر میں لگا ہوا ہے۔ وہ چولی کریٹ شاہ کے زمانے سے
بندر عباس پر پڑے ہوئے تھے۔ دھماکے کو اتفاق قرار دیا جاتا۔ اسی
لئے انہوں نے ڈائنامائیٹ کو کام میں لانے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ کوئی
ایسی حرکت کرنے کی حماقت نہیں کریں گے جس کے نتیجے میں ان
کے عزائم اور حربے بے نقاب ہوجائیں۔"
"لیکن اس کھیپ کی پاکستان منتقلی آج کا واقعہ ہے۔ ہوسکتا
ہے کہ اس کی داغ بیل آٹھ دس ماہ پہلے ڈالی گئی ہو۔۔۔ یہ ایٹمی
آلات اور مشینیں دراصل شاہ ایران کو دی گئی تھیں جو امریکا کا
سب سے بڑا اور قریبی حلیف تھا۔ پھر اس کھیپ میں ایسا ڈائنامائیٹ

کیوں نصب کیا گیا جو ذرا سے اشارے پر پورے پلانٹ کو تباہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟"

"اونچے کھیل میں کوئی کسی کا حلیف یا دوست نہیں ہوتا۔ ہر ایک موقع ملنے پر دوسروں کا گلا کاٹ دینے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ڈائنا مائیٹ حفظِ ماتقدم کے طور پر نصب کیا گیا ہو۔ شاہ ایک بوڑھا انسان ہی تھا۔ وہ مسلسل اقتدار میں رہتا' تب بھی اسے ایک نہ ایک دن مرنا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کے جانشین اسی کی طرح معاملہ فہم ثابت ہوتے۔ ان کی لگامیں قابو میں رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان کے سر پر چلتے ہوئے ایٹمی پلانٹ کی پُراسرار تباہی کا خطرہ مسلّط کر دیا جاتا۔ یہ نہ بھولو کہ چلتے ہوئے پلانٹ کی تباہی میں صرف مشینوں ہی کا نقصان نہیں ہوتا بلکہ پورے ایران میں انسانی اور نباتاتی زندگی کی مکمل تباہی کا خطرہ پیدا ہو جاتا۔ اس دھمکی کے سہارے بڑے سے بڑے سرکش حکمراں کو بھی اپنی مرضی کے مطابق قدموں پر جھکایا جا سکتا تھا۔"

"یعنی بدترین سیاسی بلیک میلنگ کا امکان شروع ہی سے موجود تھا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"سیاسی بلیک میلنگ!" اس کی ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے تمہارے بہت سے لوگ جناح کیپ ٹوپی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں جب کہ کیپ کے معنی ہی ٹوپی کے ہیں۔ میکاولی کی کتاب لکھی جانے سے پہلے سے ہی سیاست اور بلیک میلنگ کے ایک ہی معنی ہیں۔ اپنے ساتھیوں اور مخالفوں کو بیک وقت بلیک میل کئے بغیر کوئی شخص کامیاب سیاست داں نہیں بن سکتا۔ عالمی سیاست میں بھی اسی اصول سے دل کھول کر استفادہ کیا جاتا ہے۔"

"آج تم مجھے مسلسل حیران کئے جا رہی ہو۔" میں نے پوری نیک نیتی کے ساتھ اعتراف کیا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایران میں 'ایک مشین میں نصب کئے ہوئے ڈائنا مائیٹ کو اڑانے کے لئے کسی خلائی اسٹیشن سے کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ سب خلا کے پُرامن استعمال کے وعدوں اور معاہدوں کے خلاف ہے۔ خلا کے پُرامن استعمال پر ہر ایک کا حق تسلیم کیا جا چکا ہے۔ پھر وہاں سے ایسی غنڈا گردی کیونکر اور کیسے کی جا سکتی ہے؟ یہ کھلی دہشت گردی اور بدمعاشی ہے۔"

"تم غیر ضروری طور پر مجھے ایسی بحث میں الجھا رہے ہو جس پر میں کئی دن تک تقریر کر سکتی ہوں۔ خلائی دوڑ کا اصل مقصد ہی ایک دوسرے پر فوجی اور جنگی برتری حاصل کرنا ہے۔ خلائی اسٹیشن زمین کے اہم حصوں میں ہونے والی سرگرمیوں پر دن رات نظر رکھتے ہیں۔ ڈی ڈی سے چوکنڈی کے مقبروں کے قریب مقابلہ کرتے ہوئے تمہیں خود تجربہ ہو چکا ہے کہ شی کو بھی سیٹلائیٹ اسٹیشنوں کی مدد حاصل رہتی ہے۔ بیشتر خلائی مہمات کا مقصد صرف اور صرف جاسوسی کرنا اور خفیہ تصاویر لینا ہوتا ہے اور تم یقین رکھو کہ کسی بھی وقت تیسری جنگِ عظیم شروع ہوئی تو اس میں ساری فیصلہ کن کارروائیاں خلا سے ہی کی جائیں گی۔ خلا کے پُرامن استعمال کے دل فریب نعرے اور معاہدے دنیا کی چھوٹی قوموں کو بے وقوف بنانے کے لئے اپنائے گئے ہیں اور ان ضابطوں پر عمل درآمد کے ذمے دار وہی لوگ ہیں جو بیکراں خلاؤں پر قابض اور حکمراں ہیں۔ ان کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں کر سکتا۔ اس لئے تمہاری یہ تمام بحث بے سود ہے۔ تمہارے اعتراضات اور احتجاج سے صورتِ حال میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اٹل حقیقت یہ ہے کہ خلائی ٹکنالوجی اور زمینی سازشوں کی وجہ سے تمہاری بلیو کراس ڈیل تباہی کے خطرے سے دوچار ہے۔ اس خطرے کو ٹالنے کا دارومدار تم پر ہے۔ تم نقرئی آنکھ والے دو طلائی سکّے میرے حوالے کر دو تو وہ تباہی چھ سو ٹن کی پوری کھیپ کے بجائے صرف بارہ ٹن کے ایک حصے تک محدود رہ جائے گی۔ بصورتِ دیگر کوئی اسے نہیں بچا سکے گا۔"

"تمہارے نظریات اور اعمال بہت ڈراؤنے ہیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "طاقت' اختیار اور بلیک میلنگ پر اندھا اعتقاد رکھنے کی وجہ سے تم بھی قابلِ اعتماد نہیں ہو۔ تمہاری باتیں متاثر کرنے والی ہیں۔ تمہاری تجویز بھی قابلِ قبول نظر آرہی ہے لیکن تم پر بھروسا کیسے....."

"ایک اور بات سن لو!" اس کے بولنے کی وجہ سے میری بات ادھوری رہ گئی۔ "دوستیاں' معاہدے اور سمجھوتے وہی پائدار ہوتے ہیں جو برابری کی حقیقی سطح پر کئے جائیں۔ خرگوش اور ہاتھی میں کبھی بھی پائدار دوستی نہیں ہو سکتی۔ ہاتھی کی اپنی مصلحتوں کی وجہ سے خرگوش کو وقتی طور پر کوئی بالادستی حاصل ہو جائے تو اور بات ہے ورنہ ہمیشہ موجود رہنے والی اٹل حقیقت یہ ہوتی ہے کہ خرگوش کی سلامتی کا تمام تر دارومدار ہاتھی کے موڈ پر ہوتا ہے اس کی جبین پر آنے والی' ہلکی سی ایک شکن بھی خرگوش کو تس نہس کر سکتی ہے جب کہ خرگوش بری طرح برہم اور مشتعل ہونے کے باوجود ہاتھی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہم دونوں میں ایسا کوئی نمایاں تضاد نہیں ہے۔ آج میں تمہیں دھوکا دوں گی تو کل تم مجھے کوئی بڑا نقصان پہنچانے کی پوزیشن میں آسکتے ہو۔ آج کل دنیا بہت سمٹ گئی ہے۔ کچھ پتا نہیں کہ کل زندگی کے کس موڑ پر تم میری راہ روکنے میں کامیاب ہو جاؤ۔ اس لئے تمہیں میری باتوں پر یقین کر لینا چاہئے کہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں' اس پر نیک نیتی سے عمل کرنے کا ارادہ بھی رکھتی ہوں۔"

"میں اس موضوع پر تھوڑی دیر بعد تم سے بات کر سکوں گا۔" میں نے کہا۔

"میں انتظار کروں گی.... لیکن یہ ضرور بتائے دیتی ہوں کہ تم نے اس مہلت کا فائدہ اٹھا کر ادل خان کو میرے پیچھے لگانے کی کوشش کی تو تم بدترین خسارے سے دوچار ہو جاؤ گے۔ اگر میں

اُس کی کسی سازش یا رخنہ اندازی کی وجہ سے بارہ ٹن وزنی ایک شے کو تباہ کرانے میں ناکام ہو گئی تو میری جگہ کسی اور کو بھیج دیا جائے گا۔ اس کے ذریعے آنے والی تباہی کا اندازہ صرف اسی وقت ہو سکے گا جب سب کچھ راکھ اور ملبے کے ڈھیر میں بدل چکا ہو گا۔"

"مجھے اندازہ ہے تم بلیک میلنگ کے مواد سے بہترین استفادہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہو۔ تم سے کوئی معاہدہ ہوا تو پوری نیک نیتی سے ہو گا۔۔۔ لیکن غزالہ کے بارے میں تم نے کچھ نہیں کہا۔"

"میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ اب وہ میری دسترس سے باہر ہے۔ تم نے ہیری گیسنجر کے کان اس طرح بھرے ہیں کہ وہ میری جان کا دشمن بن گیا ہے۔ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے شری مان سنگھ بھی مجھ سے بھڑک گیا ہے۔ میں اُدھر کا رخ کر کے اپنی سلامتی کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ جہانگیر کے بیٹے کو تم برآمد کر ہی چکے ہو اس لئے میرا اور تمہارا حساب صاف ہے۔"

اُس سے ہونے والی وہ گفتگو بہت اہم اور معنی خیز تھی۔ اس کے نتیجے میں مجھے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ٹی اور اس کے آقاؤں سے ہمیں فوری طور پر کس قسم کے خطرات لاحق تھے۔

ویرا کو یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ اوّل خان اپنی جگہ پر موجود نہیں تھا اور میں اس کے بجائے ظفر سے مدد لے رہا تھا لیکن اُس نے اس حد تک میرا ذہن بالکل صاف پڑھ لیا تھا کہ میں اس سے وقت حاصل کر کے ایٹمی ساز و سامان کی کھیپ کے بارے میں ظفر سے مشورہ کرنا چاہ رہا تھا کیونکہ وہ میرا ذاتی نہیں بلکہ اہم ترین نوعیت کا ایک قومی معاملہ تھا جس میں اندازے یا فیصلے کی ذرا سی لغزش 'ناقابلِ تلافی نقصان کا سبب بن سکتی تھی۔

سلطان شاہ جو ایکسٹینشن پر ہونے والی دو طرفہ گفتگو لفظ بہ لفظ سن رہا تھا، سلسلہ منقطع ہونے پر خاموش نہ رہ سکا اور بولا "وہ ہمیشہ اپنے حریف کو چاروں طرف سے باندھ کر چلتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہارے پاس اُس کی پیشکش قبول کرنے کے علاوہ کوئی راہ نہیں ہے۔"

"میں ظفر سے مشورہ کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"اور ظفر غلام رسول کے معاملے میں ہونے والی میٹنگوں میں الجھا ہوا ہے۔ اسے شاید صبح سے پہلے فرصت ہی نہ مل سکے۔ میری رائے میں تم کو اس سے کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔"

"اتنی بات میں بھی سمجھ رہا ہوں کہ ہمیں ویرا کو آزادی کے ساتھ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا موقع دینا پڑے گا۔ اس کے بعد ہم اس پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔"

"اس کے بعد بھی ایسی حرکت خطرناک ثابت ہو گی۔" اس نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ "تم یہ بات بھول رہے ہو کہ ویرا ڈائنا مائیٹ اڑانے نہیں بلکہ اسے اڑائے جانے کی پوزیشن میں لانے کے لئے کام کر رہی ہے۔ اس کے آقا خلائی اشارے سے اپنا کام اسی وقت سرانجام دیں گے جب انہیں ویرا کی طرف سے کلیئرنس مل جائے گی۔ ہم نے اسے پکڑ لیا تو کلیئرنس کا معاملہ معلق رہ جائے گا۔"

"ہولناک صورتِ حال ہے۔" میں نے انگڑائی لیتے ہوئے، تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم ٹرانسپورٹ کمپنی میں ٹرکوں کی مرمّت کا کام سیکھ رہے تھے اور میں کراچی کی فٹ پاتھوں پر فاقہ مستی کے دن گزار رہا تھا۔ ہمیں ذرا سی بھی فکر نہیں تھی۔ جب مجھے چرس کی تقسیم کے کام کی پیشکش ہوئی تو مجھے اور میرے دوستوں کو شبہ تک نہیں ہو سکا تھا کہ ہم ایسے حقیر سے مجرمانہ کام میں شریک ہو کر کسی بین الاقوامی گروہ کے چنگل میں پھنس رہے ہیں۔ چرس کے بعد جب سے ہم نے ہیروئن میں ہاتھ ڈالا ہے، سب کچھ ہی بدل کر رہ گیا ہے۔ ہیروئن کے کام میں اس قدر پیسہ ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے برائیاں جنم لینے لگتی ہیں۔ کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے امریکی صدر کی آڑ میں ٹی کا سربراہ، جمی لائیڈ ہی طاقت کے عالمی توازن پر قابض و حکمراں ہے۔"

"شریفوں پر ہمیشہ سے بدمعاش حکمرانی کرتے آئے ہیں۔ جو خود بدمعاش نہیں ہوتے، وہ ان کے سہارے طاقت حاصل کرتے ہیں۔ بھینس ہمیشہ اسی کی رہی ہے جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی ہے۔ ان باتوں پر سر کھپانا فضول ہے۔ میری مانو تو ویرا سے رابطہ کر کے اس کی پیشکش قبول کر لو۔"

"میں ابھی تک یہ سمجھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا کہ ویرا کو سلور آئی کی ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی ہے کہ وہ مجھ سے ایک محدود سمجھوتا کرنا چاہ رہی ہے۔ تم غور کرو تو بلیو کراس ڈیل کے مقابلے میں یہ بہت حقیر سودے بازی ہے۔ ویرا کے لئے اس کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے؟"

"وہ تم سے خود اعتراف کر چکی ہے کہ سلور آئیز کی اہمیت گھٹانے کے لئے اُس نے جو کچھ کیا وہ بلف تھا۔ اب وہ ٹی میں واپس جانے کا فیصلہ کر چکی ہے تو اس کے لئے سلور آئیز بھی یک بیک اہم ہو گئی ہیں کیوں کہ وہ ان کی مدد سے اپنی حیثیت منوا سکتی ہے۔"

"تمہارے پاس آئی ہوئی سلور آئیز ٹی کے بڑوں کو قتل کر کے چھینی گئی ہیں۔ ان کے ذریعے کسی کو وقتی طور پر دھوکا تو دیا جا سکتا ہے، ٹی میں کوئی مستقل مقام حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ ویرا کے لئے ان طلائی سکوں کی اہمیت اور افادیت اسی وقت ہو سکتی ہے جب وہ ٹی کے لئے مخلص نہ ہو اور ٹی کی پالیسی سے ہٹ کر اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنا چاہتی ہو۔"

" سرا رخ یہ بھی ہے کہ وہ دو سکّے جمی لائیڈ کو لوٹا کر سُرخرو ہونا چاہتی ہو۔" سلطان شاہ نے صوفے پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ "جب تک ٹی میں بڑوں کی عالمی شناخت کا وہ طریقہ رائج ہے، ان لوگوں کے لئے ہر سلور آئی بے اندازہ قدر و قیمت رکھتی ہے۔۔۔"

"پھر اسے دو کے بجائے تینوں سکّوں کی واپسی کا مطالبہ کرنا چاہئے تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارے پاس تین سلور آئیز موجود ہیں۔"

دو اور تین کے مسئلے پر سلطان شاہ بھی سوچ میں پڑ گیا۔ ویرا کا وہ مطالبہ اس کے کسی خاص مقصد کی نشان دہی کر رہا تھا اور اس گتھی کو سیدھے سادے قیاسات کی بنا پر حل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

دن بھر کی بھاگ دوڑ کی وجہ سے میں تکان اور نیند کے شدید غلبے کے اثرات محسوس کر رہا تھا اس لئے میں نے ویرا سے آخری بات کر کے بستر پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

"مجھے صرف ایک سوال کا جواب درکار ہے۔" اس سے رابطہ ہوتے ہی، میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "تمہارے لئے ان دو سکّوں کی کیا اہمیت ہے جو تم ان کے حصول کے لئے اتنی بڑی پیشکش کر رہی ہو۔"

"وہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے۔ تم تو یہ دیکھو کہ تمہیں ان بے کار سکّوں کے عوض کیا مل رہا ہے......"

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے اُس کی بات کاٹ کر فوراً ہی ذہنی قلابازی کھائی۔ "اس سودے میں میرا کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہے۔ سارا فائدہ قومی سطح کا ہے۔ میں نے پوری قوم کے مفادات کا ٹھیکہ نہیں لیا ہوا۔ یہاں مجھ سے بڑے محبِ وطن پڑے ہوئے ہیں۔"

"یہ شاید تمہارا کوئی نیا پینترا ہے۔ اب سے پہلے تو تم پورے ملک کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے۔"

ویرا نے میرے اس سوال کا جواب ٹالنے کی لاکھ کوششیں کر ڈالیں مگر میں اپنی جگہ اڑا رہا اور آخر کار اس نے اپنے مطالبے کا پورا پس منظر بیان کر ڈالا۔

میرے ساتھ مل کر، شی کے مفادات کے خلاف کام کرتے ہوئے بھی ویرا، نے کبھی شی سے کھل کر بغاوت نہیں کی تھی۔ وہ ہمیشہ سے ان میں شامل رہی تھی۔ اسے شی میں سب سے بڑا تحفظ یہ حاصل تھا کہ وہ جمی لائیڈ کی غیر قانونی اولاد ہونے کی دعوے دار تھی۔ شاید اس کے دعوے میں صداقت تھی کیونکہ جمی لائیڈ نے اس کا اعتراف نہ کرنے کے باوجود' ویرا کے خلاف کبھی کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی تھی۔ اس وجہ سے شی کے دیگر بڑے ویرا کی بہت سی کوتاہیوں سے صرفِ نظر کرتے رہتے تھے۔

ابتدا میں میرے ساتھ ویرا کے مراسم بہت خراب تھے۔ اسی دوران میں، مَیں نے تین سلور آئیز حاصل کر لی تھیں لیکن ویرا نے مجھ سے مصالحت کرنے کے بعد اوپر والوں کو یہ بتا دیا تھا کہ ان تین میں دو سلور آئیز اس کی تحویل میں آ گئی تھیں۔ اس طرح شی میں دوبارہ مؤثر شمولیت کے وقت یہ ضروری تھا کہ ویرا دو سلور آئیز جمی لائیڈ کو واپس لوٹاتی۔ اگر وہ اس امر میں ناکام رہتی تو اس پر سلور آئیز کے تحفظ میں غفلت برتنے کا سنگین الزام عائد ہو سکتا تھا جس کی سزا صرف اور صرف موت تھی۔

شی کے ضوابط میں سلور آئی کو تقدس کا درجہ حاصل تھا۔ ہر آئی مین کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ سلور آئی کی اپنی جان سے زیادہ حفاظت کرے۔ میں نے جن لوگوں سے سلور آئیز چھینی تھیں، وہ اس معیار پر پورے اترے تھے اور سلور آئی کھو دینے کے بعد میرے ہی ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے تھے اس لئے شی والے ان پر اپنی سزا کا اطلاق نہیں کر سکے تھے۔

سلور آئی کے تحفظ میں ناکام رہنے والوں کے لئے موت کی سزا کی روایت اتنی مستحکم تھی کہ پچھلے ایک عشرے میں تین دیگر افراد کے علاوہ، جمی لائیڈ کے بل ہیگرڈ نامی ایک دست راست کو بھی گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا تھا۔ ان چاروں کا جرم یکساں تھا کہ وہ سلور آئی کی حفاظت کرنے میں ناکام رہے تھے۔

اس پس منظر میں جمی لائیڈ بھی ویرا کو سزائے موت سے نہیں بچا سکتا تھا۔ بل ہیگرڈ اور دوسرے تین مقتولین کے ورثا شی میں خاصے اثر و نفوذ اور طاقت کے مالک تھے۔ جمی لائیڈ کے لئے، ان لوگوں کے جذبات کو نظر انداز کر کے اپنی ناجائز بیٹی کو سزائے موت سے بچانا ناممکن ہو جاتا۔ وہ کوئی ایسا کمزور فیصلہ کرنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا جس کے نتیجے میں شی کا سخت ڈسپلن تباہ ہو جاتا۔ ان حالات میں ویرا کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ پہلی فرصت میں دو سلور آئیز جمی لائیڈ کو لوٹا دے۔

اس کے مطالبے کی بنیاد وہی تھی کیونکہ اس نے اپنی کہانی کی ابتدا اسی ایک پہلو سے کی تھی لیکن دورانِ گفتگو ہی اس کو اندازہ ہو گیا کہ اس کی کہانی میں میری دلچسپی کا کوئی عنصر نہیں تھا بلکہ اس سے خود ویرا کی کمزور پوزیشن کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس لئے آخر میں اس نے ایک اور قصہ چھیڑ دیا۔

"ان سب باتوں کا تعلق میری ذات سے ہے۔ مجھے دو سلور آئیز واپس نہ ملیں تو مجھے شی میں واپسی کا خیال اپنے دل سے نکال دینا ہو گا لیکن تمہارے نقطۂ نظر سے جو بات اہم ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ سلور آئی کے بغیر میں اس ٹرک تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی جس پر ڈائنا مائیٹ والا ہیٹ ایکس چینجر لدا ہوا ہو گا۔ میری اس ناکامی کے نتائج بہت تباہ کن ہو سکتے ہیں۔" وہ بولی۔

"یہ شاید تمہاری ذہنی اختراع ہے لیکن پھر بھی تمہاری کہانی سن لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تمہارے سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنا میرے لئے زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔" میں نے نکیلے لہجے میں کہا۔

"میری نیت میں فتور ہوتا تو میں اصل قصہ گول کر کے تمہیں صرف وہی کہانی بھی سنا سکتی تھی جس کا تعلق میرے کام اور سلور آئی سے ہے۔"

"پہلے تم خالی الذّہن تھیں۔ اب تم نے ایک پلاٹ سوچ لیا

بہرحال میں تمہاری نئی کہانی بھی سننے پر آمادہ ہوں۔ اس سے میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔" میں نے کہا۔

اس بار ویرا نے جو کچھ بتایا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ایران میں افرادی قوت اور بے روزگاری کی کثرت کی وجہ سے لمبے سفر پر جانے والے نیم فوجی قافلوں میں، ہر ٹرک پر چار اور ٹریلر پر چھ آدمیوں کا عملہ مامور ہوتا ہے جو دو دو یا تین تین کی ٹولی میں باری باری اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتا ہے تاکہ سفر کے تسلسل میں کوئی فرق نہ آئے۔ ویرا کا کہنا تھا کہ ایران میں شی کے اراکین کسی ایسے شخص کو خریدنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے جو چھ سو ٹن وزنی کیمپ منتقل کرنے والے کارواں میں شامل ہو۔ ویرا اس کارواں کے ذرائع میں ان لوگوں تک پہنچنے کی کوشش کرتی۔ سلور آئی نمایاں طور پر اس کے گلے میں جھول رہی ہوتی تاکہ شی کا زرخرید ایجنٹ سلور آئی دیکھ کر اسے دور ہی سے پہچان لے۔

ویرا کو شناخت کر لینے کے بعد وہی شخص ویرا کے لئے موقع فراہم کرتا کہ وہ کارواں میں شریک ہو جائے یا اسے چند گھنٹوں کے لئے ان کے ساتھ رہنے کا موقع مل جائے تاکہ وہ اپنا کام کر سکے۔

ویرا کے کہنے کے مطابق زرخرید ایجنٹ کو یہ معلوم نہیں ہونے دیا گیا تھا کہ ویرا پورے کارواں کی تباہی کا بندوبست کرنے کے لئے وہاں پہنچ رہی تھی۔ اسے ویرا کو حسبِ ضرورت لفٹ فراہم کرنے کے لئے بھاری معاوضہ دیا جاتا تھا۔ اگر ویرا کے پاس سلور آئی کی شناخت نہ ہوتی تو اس کا پہچانا جانا ممکن نہ رہتا جس کے نتیجے میں اس کا پورا مشن بدترین ناکامی سے دوچار ہو جاتا۔

"تمہاری یہ کہانی خاصی کمزور ہے۔" اس کی بات ختم ہو جانے کے بعد میں نے کہا۔ "تم وہاں کسی کو قتل کرنے نہیں جا رہی ہو۔ ایک لیور کی پوزیشن تبدیل کرنا، بادی النظر میں بہت معمولی اور بے ضرر سا کام ہے۔ یہ کام تو اس شخص سے بھی لیا جا سکتا تھا جو کارواں میں تمہارے لئے جگہ پیدا کرے گا۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے منظم گروہوں کی طرح شی کا بھی طریقۂ کار یہی ہے کہ ہمارا کام تنظیم کے اراکین سے لیا جائے۔ کرائے کے آدمیوں سے صرف اسی وقت کام لیا جاتا ہے جب ایسا کرنا ناگزیر ہو جائے۔ اس صورت میں بھی باہر کے آدمیوں پر مکمل بھروسا نہیں کیا جاتا۔ کوشش یہ کی جاتی ہے کہ اہم کام ہمارے آدمی ہی سرانجام دیں۔ پورا کام اس کے حوالے کر دیا جاتا تو ہمارا وہ رابطہ بھی اس کی نظروں میں آ جاتا جسے وہ کام کی تکمیل کی رپورٹ دیتا۔"

اس کی وہ وضاحت قابلِ فہم ہونے کے باوجود بہت مضبوط نہیں تھی لیکن میں نے بات آگے بڑھائے بغیر، اسے اگلی شام تک سلور آئیز کی وصولی کے لئے تیار رہنے کی ہدایت کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔

بستر پر دراز ہونے کے بعد بھی میرا ذہن اسی پُرہول صورتحال میں الجھا رہا۔

بہرحال، بعد کی گفتگو سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ غزالہ کے ساتھ فرار ہونے کے بعد ویرا، بلیو کراس ڈیل تباہ کرنے کے مشن پر روانہ ہونے کے بجائے، کراچی ہی میں کیوں رکی ہوئی تھی؟

اس پر جنون طاری ہوا تھا نہ وہ غصے کے عالم میں بے تکی حرکتیں کرتی پھر رہی تھی۔ بلکہ اُس نے ہر قدم سوچ سمجھ کر اور نپے تلے انداز میں اٹھایا تھا۔ جہانگیر کے شیرخوار بچے کے اغوا سے لے کر تھیلاکنگ کا نام اختیار کرنے تک، اس کی ہر حرکت میں ایک تسلسل تھا۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ وہ کسی طرح میری ذات تک رسائی حاصل کر لے تاکہ مجھ سے سلور آئیز کی واپسی کے بارے میں بات کر سکے۔ غزالہ کے اغوا کے بعد اس نے، اسی چکر میں اسٹیشن پر فون کر کے مجھ سے بات کی تھی اور اپنی نیک نیتی کا یقین دلاتے ہوئے مصالحت کی پیشکش کی تھی جسے میں نے حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ دراصل اس وقت تک ویرا نے، سلور آئی کا ذکر نہیں کیا تھا اس لئے میں اُس کی چال کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ بس غصے اور اشتعال کے عالم میں اُس کے ہر دعوے کو رد کرتا چلا گیا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے ذہن کے دریچے بھی کھلنے لگے تھے۔ اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ سلور آئی کا ذکر کرنے سے پہلے ویرا، نے مصالحت کی کوشش کیوں کی تھی۔ یقینی طور پر اُس کا مقصد یہ رہا ہوگا کہ اپنے کئے پر پشیمانی ظاہر کر کے کسی نہ کسی طرح فلیٹ میں اپنی واپسی کی راہ ہموار کر لے اور پھر پہلی فرصت میں تینوں سلور آئیز پر ہاتھ صاف کر کے، اپنے نئے مشن پر ایران روانہ ہو جائے۔

ویرا ایک فتنے سے کم نہیں تھی۔ اس نے کم عمری ہی میں زندگی کے بارے میں ایسے ایسے تجربات حاصل کر لئے تھے جن سے عمر رسیدہ مرد اور عورتیں بھی محروم رہتی ہیں اسی وجہ سے اسے اپنے دل و دماغ پر قابو رکھنے کا سلیقہ آ گیا تھا۔ بدترین حالات میں بھی اس کا ذہن کسی کمپیوٹر کی طرح، پوری صورتِ حال کا گہرا تجزیہ کر کے اپنے فیصلے صادر کرتا رہتا تھا۔ یہ اس کی مکاری اور چالاکی کی انتہا تھی کہ میں اس کے ساتھ ایک طویل مدت گزارنے کے باوجود اس کی سوچی سمجھی چالوں کو اس کی جھلاہٹ اور بوکھلاہٹ کا اضطراری ردِعمل سمجھ کر نظرانداز کرتا رہا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ جمی لائیڈ ہر طرف پھیلے ہوئے موت کے سوداگروں کا سرغنہ تھا تو ویرا موت کے اس بڑے سوداگر کی بیٹی تھی جس سے کسی بھی صورت میں بے لوثی اور ہمدردی کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ ہر لمحے اپنا مفاد پیشِ نظر رکھتی تھی۔ وہ سوچ اس کی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ اپنے مفادات سے متصادم قوتوں کو وہ ایک ثانئے کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ یہ ایک عجیب بات تھی کہ مجھ سے کئی بار اس کا ٹکراؤ ہو چکا تھا لیکن ہر مرتبہ حالات نے ہمیں پھر یکجا ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا اور اس بار پھر تاریخ خود کو دہراتی نظر

آ رہی تھی۔ ان ہی خیالات میں الجھے ہوئے میری آنکھ لگ گئی۔
دوبارہ ہوش آیا تو خاصا دن چڑھ چکا تھا۔
سلطان شاہ مجھ سے پہلے بیدار ہو چکا تھا اور باہر سے اخبارات لے آیا تھا۔
میں نے مُنہ ہاتھ دھونے سے پہلے' اس کے لائے ہوئے تینوں اردو اور انگریزی اخبارات کی سرخیاں دیکھ ڈالیں جن میں غلام رسول کی پُراسرار بازیابی کی سنسنی خیز کہانی نمایاں تھی۔
"اس بار قسمت ہم پر مہربان رہی ہے۔" سلطان شاہ نے مجھے آگاہ کیا۔ شاید وہ میرے بیدار ہونے سے پہلے ہی ناشتے سے فارغ ہو کر اردو اخبارات چاٹ چکا تھا۔ "سپرہائی وے والے واقعے میں شری مان سنگھ کے سارے ہی آدمی کام آ گئے لیکن ان میں وہ خود نہیں تھا۔"
"سارے آدمی؟" میں نے چونک کر حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "لیکن پانچواں تو کمانڈوز کے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر بڑے پائپوں میں غائب ہو گیا تھا۔"
"پولیس والوں کو ایک گڑھے سے اُس کی لاش مل گئی تھی۔ وہ اندھیرے میں بھاگتے ہوئے' پائپوں سے نکلتے ہی ایک گہری خندق میں گرا ہو گا کیونکہ اس کی گردن ٹوٹی ہوئی تھی۔ اب ایسا کوئی آدمی زندہ نہیں رہا تھا جو شری مان سنگھ کو وہاں پیش آنے والے اصل واقعات سے آگاہ کر سکے۔"
میرے لیے اصل اور سب سے اہم خبر یہی تھی اس لیے میں اخبار میز پر ڈال کر غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔ میرے لیے منہ ہاتھ دھوئے بغیر اخبار بینی جیسے دلچسپ مشغلے سے بھی لطف اندوز ہونا ممکن نہیں تھا۔
میں واپس آیا تو سلطان شاہ میرے لیے ناشتے کی تیاری میں مصروف تھا۔ میں تفصیلی خبر کے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔
پچھلی رات جو کچھ ہوا' اس کے بارے میں وہی رپورٹ شائع ہوئی تھی جس کا بندوبست ظفر نے پہلے سے کیا ہوا تھا۔ خبر میں سپرہائی وے سے نیچے' گلشن معمار والے موڑ کے قریب' اندھیرے میں کچھ مشتبہ افراد کی پُراسرار اجتماع کی خبر تھی۔ ان لوگوں کی رازدارانہ سرگرمیوں کی وجہ سے پولیس کو ان پر اسمگلر ہونے کا شبہ ہوا۔ پولیس پارٹی نے انہیں للکارا تو انہوں نے اندھادھند فائرنگ شروع کر دی۔ پولیس کی طرف سے بھی جوابی کارروائی کی گئی۔ اسی اثنا میں وہاں موجود ہائی روف ایمبولنس میں دھماکے کے ساتھ آگ لگ گئی اور مزاحمت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ پولیس والوں کو وہاں سے کل چھ لاشیں ملی تھیں جن میں سے ایک گردن ٹوٹنے سے ہلاک ہوا' دو کی موت پستولوں کی گولیوں سے واقع ہوئی تھی جبکہ دو افراد ایمبولنس میں جل کر ہلاک ہوئے تھے۔ البتہ غلام رسول کے بارے میں ڈاکٹروں نے تصدیق کی تھی کہ اس کی موت کسی خارجی زخم کی وجہ سے نہیں بلکہ کمزوری اور پھر حرکتِ قلب بند ہونے سے فطری انداز میں واقع ہوئی تھی۔
ان اطلاعات کی بنا پر یہ نظریہ قائم کیا گیا تھا کہ اس نا... غلام رسول کی منتقلی کے لیے مجرموں کے دو گروہ جمع ہوئے تھے ... دوران میں پولیس آ گئی تو دونوں گروپ پولیس کی مداخلت کو ا... دوسرے کی غفلت کا شاخسانہ سمجھ کر آپس میں لڑ پڑے ... نظریے کو اس امر سے بھی تقویت ملتی تھی کہ مرنے والوں ک... قسم کے ہتھیاروں کے زخم آئے تھے' وہ جائے واردات سے ... نہیں ہو سکے تھے۔ قیاس کیا گیا تھا کہ اندھیرے اور ہڑبونگ کا ... اٹھا کر کچھ لوگ فرار ہونے میں بھی کامیاب ہو گئے تھے۔
ان لاشوں میں سے ایک شخص کو شہر کے بدنام بدمعاش ... طور پر شناخت کر لیا گیا تھا جبکہ دیگر لاشوں کی شناخت کا معاملہ باقی ... پولیس کی طرح اخباری نامہ نگار یہ اندازہ لگانے سے ... رہے تھے کہ غلام رسول مردہ حالت میں وہاں لایا گیا تھا یا ... ہونے والی فائرنگ سے دہشت زدہ ہو کر چل بسا تھا۔ اس بارے ... پوسٹ مارٹم کی تفصیلی رپورٹ کا انتظار کیا جا رہا تھا کیونکہ ... کے وقت کا تعین اسی رپورٹ میں کیا جانا تھا۔
اس معاملے میں ہم لوگوں سے اندازے کی غلطی یہ ہو... اتنے کشت وخون کو اخبارات میں نمایاں جگہ نہیں مل سکی۔ اخبار کا زور غلام رسول کی بازیابی پر رہا تھا جب کہ ہم اسے ... درجے کی بات قرار دلوانے کے لیے کوشاں رہے تھے۔
"سب کچھ اسی طرح شائع ہوا ہے جیسے رونما ہوا تھا۔" ... فارغ ہونے پر سلطان شاہ بولا "بس اتنا فرق پڑا ہے کہ تم لوگوں ... بجائے کسی نامعلوم پارٹی کا ذکر کیا گیا ہے۔"
"اب اندازہ ہوا کہ اخبار والے لکیر کے فقیر نہیں ہو... خبریں بنانے میں اپنا بھی سر کھپاتے ہیں۔" میں نے کہا ... یہ ہے کہ ایمبولنس پر بم مارے جانے کے بارے میں کوئی ... نہیں ہے ورنہ شری مان سنگھ کو سنبھالنا دشوار ہو جاتا۔ وہ ... مشکل ہی سے قابو میں آئے گا۔"
"کار یا ایمبولنس میں آسانی سے آگ لگ سکتی ہے۔ ... ٹنکی پر لگنے والی ایک گولی بھی یہ کام دکھا سکتی ہے۔ تم کو یہ ... ہو گا کہ دوسرے فریق تم نہیں تھے۔"
میں نے اپنی رِسٹ واچ میں وقت دیکھا اور فون پر ... نمبر ملانے لگا۔
آپریٹر کے ذریعے میں نے شیر شاہ سے سلسلہ ملوایا تو ... آواز سے اضمحلال مترشح تھا۔
"کیا بات ہے؟ تم بہت اُداس معلوم ہو رہے ہو؟" ... اس کی ہیلو کے جواب میں کہا۔
"اوہ' باس!" اس کی آواز میں ایک دم جان پڑ گئی ... سے بات کرلو۔ اخبار دیکھنے کے بعد اس کا موڈ بہت خراب ... اس کا خیال ہے کہ ہم اپنا عدو غلط پارٹی کے حوالے کر آئے ...

"سب کچھ ٹھیک ہوا ہے۔ ایسے مواقع پر اصل پارٹیاں سامنے نہیں آتیں۔" میں نے تختی سے کہا پھر پوچھا "اس وقت چیف کہاں ہے؟"

"وہ اپنے گھر پر ہی آرام کررہا ہے۔ یہاں سب ٹھیک ٹھاک ہے۔"

میں کریڈل دبانے کے بعد حبیب جیوانی کے گھر کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

"کل رات سے تم کہاں تھے؟" میری آواز سنتے ہی وہ مجھ پر برس پڑا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم بھی وہیں کسی گڑھے میں پڑے ہوئے ڈھونے والوں کا انتظار کررہے ہوگے۔"

"میں پھنس گیا تھا۔ کل اس علاقے میں پولیس کا گشت بہت بڑھا ہوا تھا۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "جاتے ہوئے تو میں کنی کترا کر کے پولیس پارٹی کے سامنے سے نکل گیا لیکن واپسی میں ہمت نہیں کرسکا اور وہیں آصف اسکوائر میں پناہ لینے پر مجبور ہوگیا۔"

"جب اسے شیر شاہ چھوڑ کر آیا تو تمہیں وہاں جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟"

"وقت اور مقام میں نے طے کیا تھا۔ دوسری پارٹی کو وہاں تک لے جانا میرے ذمے تھا۔"

"لیکن وہاں تو خاصی گڑبڑ ہوئی تھی۔ تم بچ نکلنے میں کیسے کامیاب ہوگئے؟"

"قسمت یاور تھی یا شاید تمہاری دعائیں کام کررہی تھیں۔" میں نے زیرِلب مسکراتے ہوئے کہا "جاتے ہوئے میں ان کی گاڑی میں تھا۔ واپسی پیدل ہوئی کیونکہ پورا علاقہ بہت تیزی سے گھیر لیا گیا تھا۔ اگر میں اندھیرے سے نکل کر کسی سواری کی تلاش میں سڑک پر آنے کی کوشش کرتا تو مشکلات سے دوچار ہوسکتا تھا۔ اسی لئے میں نے رات ان ہی اطراف میں گزارنے کا فیصلہ کرلیا۔"

"لیکن تم مجھے فون پر اطلاع تو دے سکتے تھے؟" وہ بدستور جھلاہٹ میں مبتلا تھا۔

"اول تو ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا پھر وہاں فون بھی نہیں تھا۔ تم مطمئن رہو۔ تمہارے سر پر سے بوجھ ہٹ گیا ہے۔ پولیس کے آنے تک اس کا سانس باقی تھا......"

"اس پر لعنت بھیجو اور یہ بتاؤ کہ وہ وہی لوگ تھے یا تمہارے ساتھ کوئی چال چلی گئی ہے۔"

"بالکل وہی تھے۔ تم فکر نہ کرو۔ ایسے مواقع پر اصل چہرے کبھی سامنے نہیں آتے۔ وہ آئے ہوتے تو ان کا جو حشر ہوتا وہ تمہارے سامنے ہے......"

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے۔" اس نے اضطراری انداز میں میری بات کاٹ دی۔ "پھر میں ڈان کو فون کئے دیتا ہوں۔ ویسے تم کب آرہے ہو؟"

"کوئی ضروری کام ہو تو ابھی آسکتا ہوں۔ بس شیو ذرا بڑھا ہوا ہے۔"

"دفتر آؤ تو مجھے اطلاع کردینا۔ میں بھی دو تین روز گھر پر رہوں گا۔" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"اور شاید اب شری مان سنگھ کی باری ہے۔" سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم ایک مشکل سے نکلتے ہی دوسری دشواری میں کیوں گھر جاتے ہیں؟"

"مدافعانہ حکمتِ عملی میں یوں ہی ہوتا ہے۔ دلدل سے نکلنے کے لئے جتنے ہاتھ پیر مارو گے' اسی قدر دھنستے چلے جاؤ گے۔ آج اگر شری مان سنگھ نے گڑبڑ کی تو میں کھل کر میدان میں آجاؤں گا اور ان کی کمزوریاں ڈھونڈ کر اُن کا جینا محال کردوں گا۔"

"اس کی سب سے بڑی کمزوری رجنی کی صورت میں تمہارے پاس ہے۔"

"پہلی بات یہ ہے کہ رجنی ایک عورت ہے اور دوسری بات یہ ہے شری مان سنگھ کو اب رجنی سے محبت نہیں رہی۔ وہ خود رجنی سے چھٹکارا پانے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔"

"چھٹکارا پانے کی بات اپنی جگہ پر ہے۔ تم یہ دیکھو کہ وہ اس کی لاش تک اپنی تحویل میں لینا چاہتا ہے۔"

"میں دیکھوں گا کہ اس معاملے میں کیا کرسکتا ہوں۔" میں یہ کہہ کر دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

دوسری گھنٹی پر آپریٹر کی مترنم نسوانی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے میرا نام دریافت کیا اور چند ثانیوں کے وقفے کے بعد لائن شری مان سنگھ سے ملادی۔

ریسیور پر دورانِ انتظار گونجنے والی موسیقی ختم ہوتے ہی میرے کانوں میں شری مان سنگھ کی سخت اور سرد آواز آئی۔ "میں فون پر بالکل بات نہیں کروں گا۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے بلا تمہید کہا۔

"میں تمہاری مجبوریوں کو سمجھتا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے تمہاری شرط پوری کردی ہے۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ فون پر بالکل بات نہیں ہوگی۔ تم سے اسی وقت ملاقات ضروری ہے۔"

"تو پھر ہالیڈے اِن کی کافی شاپ میں آجاؤ۔ وہ تمہارے دفتر سے قریب ہے میں بھی وہاں پہنچتا ہوں۔"

"یہ بھی ناممکن ہے۔ تمہیں میرے دفتر میں آنا ہوگا۔ تم پر میرا اعتماد متزلزل ہوچکا ہے۔"

اس کا دفتر میرے لئے چوہے دان بھی ثابت ہوسکتا تھا کیونکہ وہ ایک غیرملکی سفارتی عمارت میں واقع تھا لیکن میں اس پر اپنا کوئی خوف ظاہر کرکے اپنی پوزیشن خراب نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے میں نے بلاتوقف جواب دیا۔ "میں وہاں بھی آسکتا ہوں لیکن یہ

یاد رکھنا کہ میرے آدمی ہزار آنکھیں رکھتے ہیں۔ تم نے ذرا سی بھی بدنیتی کا مظاہرہ کیا تو تمہارے لئے بے اندازہ مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔"

"مجھے اپنی مجبوریوں کا بخوبی علم ہے۔ میں گیٹ پر کہے دیتا ہوں۔ تم جلد از جلد پہنچو!"

اس سے گفتگو وہیں ختم ہو گئی جب سلطان شاہ کو علم ہوا کہ شری مان سنگھ نے مجھے اپنے کونسلیٹ میں بلایا ہے جس پر میں اپنی آمادگی ظاہر کر چکا ہوں تو وہ مجھ پر خاصا برہم ہوا کہ میں دیدہ و دانستہ ایک اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے جا رہا تھا۔

"مجھے جانا پڑے گا۔ سپرہائی وے کے واقعات کے بعد شری مان سنگھ مجھ سے باہر ملنے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ وہ اپنے ملک کا ایک اہم سفارتی افسر ہے۔ اس کے ساتھ ذرا سی بھی اونچ نیچ ہوئی تو وہ بے موت مارا جائے گا۔ باہمی تعلقات نازک ہوں تو سفارتی افسر دیکھ بھال کر قدم اٹھاتا ہے۔ اس میں اُس کا قصور نہیں ہے۔" میں نے سلطان شاہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"جرائم پیشہ لوگوں سے لڑ بھڑ کر اپنا راستہ بنانا آسان ہوتا ہے۔ اس نے بہانے سے تمہیں وہاں بلا کر قید کر لیا تو میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔" میرے رویّے پر اس کا مُنہ بنا ہوا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ ایسی نوبت نہیں آئے گی۔ پھر بھی مجھے دیر ہو جائے تو تم دو گھنٹے بعد شری مان سنگھ کو فون کر کے مجھ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کرنا۔ اس کے دماغ میں کوئی فتور ہوا تو وہ تمہارے فون سے رفع ہو جائے۔ بدترین حالات میں تم ظفر سے مدد لے سکو گے۔"

"ظفر تمہارا منتظر ہو گا۔" وہ چونک کر بولا "وہ سپرہائی وے سے واپسی کے بعد کے واقعات جاننے کے لئے بے چین ہو گا۔ وہ سب سے پہلے یہی اعتراض کرے گا کہ تمہیں اس سے مشورہ کئے بغیر کونسلیٹ کا رخ کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ وہ طرار آدمی ہے۔ اسے سمجھانا میرے بس سے باہر ہو گا۔"

مجھے اندازہ تھا کہ وہ سب سلطان شاہ کے حیلے بہانے تھے جن کے سہارے وہ مجھے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے روکنا چاہ رہا تھا لیکن میں خوش اسلوبی کے ساتھ اسے اس کا کردار سمجھا کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ سلطان شاہ نے پھر بھی دل گرفتہ انداز میں مجھے رخصت کیا تھا۔

کونسلیٹ کی عمارت اچھے خاصے جیل خانے سے مشابہ تھی۔ احاطے کی دیوار پر کم از کم آٹھ فٹ اونچی مضبوط آہنی باڑھ نصب تھی جس کی سلاخوں کے درمیان سے اندر احاطے میں ہونے والی نقل و حرکت نظر آ رہی تھی۔ دیوہیکل آہنی پھاٹک کے پیچھے ان لوگوں کے اپنے باوردی مسلح محافظ موجود تھے۔ پھاٹک سے باہر مقامی پولیس کا مسلح دستہ موجود تھا اور ویزا کے لئے آنے والے سلاخوں سے باہر بھیڑ بکریوں کی طرح ٹہل رہے تھے جیسے وہ منز[illegible] کوئی رعایت لینے کی گھات میں لگے ہوں۔

میں ٹیکسی سے اتر کر براہِ راست پھاٹک کی طرف بڑھا تو [illegible] سپاہی میری اس جسارت پر چونکے۔ اندر والوں کی نگاہیں بھی [illegible] سے مجھ پر مرکوز ہو گئیں لیکن جب میں نے پھاٹک پر پہنچ کر [illegible] باڑھ کے پیچھے سے اپنا نام بتایا تو فوراً ہی پھاٹک سے ملحق [illegible] کھول کر مجھے اندر بلا لیا گیا۔

اندر گھستے ہی ماحول کی تبدیلی یک بیک واضح ہو گئی۔ [illegible] ہوئی داڑھیوں اور پگڑیوں والے سکھوں کے علاوہ تلک [illegible] ساڑیوں کے آنچل ہر طرف سرسرا رہے تھے۔ جس شخص [illegible] بھارت کے بارے میں ذرا سی شُدبد ہو وہ ان لوگوں کو دیکھ[illegible] اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ کس ملک کی سفارتی عمارت میں موجود [illegible] وہ دفتر ایک وسیع و عریض رہائشی عمارت میں قائم تھا۔ [illegible] وغیرہ کو معمولی تبدیلیوں کے ساتھ باضابطہ دفاتر کا روپ دے [illegible] تھا۔ میں ایک اردلی کی رہنمائی میں متعدد پیچ در پیچ راہداریوں [illegible] بڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ مجھے کسی پیشگی بندوبست [illegible] تحت عمارت کے عقبی اور نسبتاً غیر معروف حصے میں لے جایا [illegible] تھا۔ میرے لئے وہ کوئی اچھا آغاز نہیں تھا۔ اس وقت مجھے اختیار اپنی بیم گن یاد آئی جو میں دانستہ اپنے ساتھ نہیں لایا [illegible] میرا خیال تھا کہ عمارت میں داخل ہونے سے پہلے میری با[illegible] تلاشی لی جائے گی لیکن خلافِ توقع کسی نے میرے بدن کو ہا[illegible] نہیں لگایا۔

آخر کار اردلی نے مجھے ایک وسیع نشست گاہ میں پہنچا [illegible] بیک وقت تیس چالیس افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ کمر[illegible] مصنوعی ریشے سے بنے ہوئے نئے قالین پر ونئی چوبی صوفے [illegible] ہوئے تھے اور اونچی چھت سے لٹکے ہوئے کئی پنکھے دھیمی رفتا[illegible] گردش کر رہے تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ اردلی مجھے وہاں چھوڑ کر واپس [illegible] تھا بلکہ برآمدے میں رک گیا تھا۔

میں نے ایک صوفے پر دراز ہو کر وقت گزاری [illegible] سگریٹ سلگا لی۔

چند منٹ بعد اردلی نے کمرے میں آ کر ایس ایس صاح[illegible] آمد کا اعلان کیا۔ اس کا انداز اس قدر چونکا دینے والا تھا [illegible] فوراً ہی غیر ارادی طور پر اپنی جگہ سے اٹھ گیا لیکن اپنی [illegible] احساس ہوتے ہی جھلّا کر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس وقت [illegible] اندازہ ہوا کہ بڑے لوگوں کے اردلی کن طور طریقوں [illegible] صاحبوں کی شان میں چار چاند لگا کر انہیں اس نشے کا عادی [illegible] ہیں۔

شری مان سنگھ آدھی آستین کی سفید بش شرٹ اور [illegible] پتلون میں ملبوس کمرے میں داخل ہوا تو اس کے [illegible]

عجیب سی توانائی انگڑائیاں لے رہی تھی۔ وہ آیا اور مجھ سے کوئی سلام دعا کئے بغیر خشک انداز میں میرے قریب بیٹھ گیا۔ چشمے کے سفید عدسوں کے پیچھے سے اس کی چمکتی ہوئی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئی تھیں، جن سے مجھے قدرے بے آرامی محسوس ہونے لگی۔

"مجھے اخبار سے پتا چلا ہے کہ رات کو وہاں گڑبڑ ہوگئی۔" میں نے صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے خود ہی جمود توڑا۔

"اخبار سے؟" اس کی تیوریوں پر کئی بل آگئے۔ "تو کیا رات کو تم وہاں نہیں تھے؟"

"تم نے مجھے گیارہ بجے اسے وہاں پہنچانے کے لئے کہا تھا۔ اس کے بعد مجھے لوٹ آنا تھا۔ میرے آنے کے بعد وہاں کیا ہوا؟ اس کا میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں......"

"میرے سب آدمی مارے گئے۔" اس کی آواز سے گہرا صدمہ ظاہر ہورہا تھا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کس کی سازش کی بنا پر پولیس وہاں پہنچنے میں کامیاب ہوئی؟ میرے لیے وہ ایک اہم بازی تھی جو میں ہار گیا۔ مجھے شبہ ہے کہ اس میں تمہاری بدنیتی کارفرما تھی۔ ایک طرف تم نے مجھ سے پروگرام طے کیا اور دوسری طرف پولیس والوں سے مخبری کردی۔ تم سے مجھے ایسی امید نہیں تھی۔"

"اگر میں تمہاری چھت کے نیچے موجود ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مجھ پر الزام تراشی کرکے میری توہین کرنی شروع کردو!" میں نے غصیلے لہجے میں کہا "تم نے میرا نام سنا تھا تو یہ بھی سنا ہوگا کہ میرا ماضی کیا رہا ہے۔ میں اپنے معاملات کو خود سلجھانے کی طاقت رکھتا ہوں۔ جو لوگ پولیس کی چھتری میں پناہ ڈھونڈتے ہیں، وہ بدمعاش نہیں ہیجڑے ہوتے ہیں۔ اگر مخبری ہوئی ہے تو وہ تمہارے ہی کسی نمک حرام نے کی ہوگی۔"

اس دوران میں وہ پلکیں جھپکائے بغیر، مسلسل مجھے گھورے جارہا تھا۔ میری بات پوری ہونے پر وہ بولا "اور شاید تم کو یہ بھی معلوم تھا کہ جب تم نے اسے وہاں ڈالا تو وہ زندہ نہیں تھا۔"

"یہ سراسر بکواس ہے۔" میں نے درشت لہجے میں کہا "میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ بیمار اور زخمی ہے مگر میں نے اسے زندہ چھوڑا تھا۔ وہ بعد میں دہشت سے مرگیا ہو تو اور بات ہے۔ ویسے بھی میرے اور تمہارے معاہدے میں اس کے زندہ ہونے کی کوئی شرط نہیں تھی۔ تمہیں وہ آدمی چاہئے تھا، میں نے اسے پہنچا دیا۔ اب تم اپنے وعدے سے مکرنے کے بہانے تلاش کررہے ہو تو یہ دوسری بات ہے۔"

"دھیمی آواز میں، تہذیب سے بات کرو ڈینی!" وہ اچانک ہی ترش ہوگیا۔ "تمہاری پوزیشن مشتبہ ہے۔ اپنی صفائی پیش کرنے کی ذمے داری بھی تم ہی کو قبول کرنی ہوگی۔"

"میں نے حقائق بتادیئے ہیں۔" میں نے اسے پُرخار نظروں سے گھورتے ہوئے نسبتاً دھیمی آواز میں کہا۔ "ان پر یقین کرنا یا نہ کرنا تمہارا فعل ہے۔ میرا ضمیر بالکل مطمئن اور صاف ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ تمہاری کہانی پر یقین نہ کرنے کی صورت میں، میں تمہیں قید میں ڈال کر سزا بھی دے سکتا ہوں۔ میرے سفیر سے پیشگی اجازت لئے بغیر تمہارے ملک کا بڑے سے بڑا افسر بھی اس عمارت میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ تم اپنی مرضی سے آئے ہو لیکن میری اجازت کے بغیر یہاں سے واپس نہیں جاسکو گے۔ میں اپنے حریفوں سے حقائق اگلوانے کے بہت سے گُر جانتا ہوں۔"

میں تضحیک آمیز انداز میں آہستگی سے ہنس دیا اور بولا۔ "افسروں کی بات افسروں تک رہنے دو۔ تم اپنی حکومت کے ملازم ہو اس لئے اس سے آگے نہیں سوچ سکتے۔ مجھے اپنی مرضی سے واپسی کا یقین نہ ہوتا تو تمہاری دعوت پر یوں بے چون وچرا یہاں نہ چلا آتا۔ تم نے میرے ساتھ زبردستی کی تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ میرے جاں نثار اس عمارت کے درودیوار کو خون میں نہلا دیں گے۔"

"تم شی سے ٹوٹ چکے ہو، ورا تمہارے خون کی پیاسی ہوکر غزالہ تک کو اغواء کرچکی ہے۔ اب تمہارے جاں نثار کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں؟" اس نے ابتدا سے اس وقت تک اپنی نگاہیں میرے چہرے پر جمائی ہوئی تھیں۔

"اگر تم کچھ جانتے ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ شی سے ٹوٹ کر زندہ رہنا ایک بڑی بات ہے اور میں زندہ ہوں۔ میری زندگی اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ میرے دوست اور ہمدرد یہاں شی سے زیادہ طاقتور ہیں۔ تم دیکھ ہی چکے ہو کہ تمہاری کھوپڑی کو تاک کر غلیل کا نشانہ بنایا گیا لیکن تمہارے مسلح آدمی کچھ بھی نہیں کرسکے۔ میں نہ روکتا تو اس پتھر کی جگہ تمہاری کھوپڑی میں پگھلا ہوا سیسہ بھی اتر سکتا تھا۔"

"تت...... تو وہ تمہارے کسی آدمی کی حرکت تھی؟" میرے انکشاف پر وہ بری طرح سٹپٹا گیا۔

میں اعتراف میں سرہلا کر رہ گیا۔ میں اُس کے مقابلے میں پوری ہمت اور جواں مردی کا مظاہرہ کررہا تھا لیکن میری چھٹی حس مجھے کسی نادیدہ خطرے سے آگاہ کررہی تھی۔ میری پوری کوشش تھی کہ غزالہ کی واپسی کی بات بنے یا نہ بنے، مجھے وہ ملاقات ختم کرکے جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہئے۔

"جب ہم وہاں دوستانہ ماحول میں باتیں کررہے تھے تو اس کمینگی کی کیا ضرورت تھی؟" اس نے بھنّا کر پوچھا۔

"وہ کمینگی نہ کی گئی ہوتی تو آج میرے پاس تمہیں بتانے کے لئے کچھ نہ ہوتا۔"

"میں تمہیں تہ خانے میں بند کرکے اپنے اردلی سے تمہارے سر پر جوتے لگواؤں گا۔" اپنی بے عزتی یاد آتے ہی وہ غصے میں

اپنے آپے سے باہر ہونے لگا۔
میں ایک جھٹکے سے صوفے سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور اسے گھورتے ہوئے دھیمے مگر خوفناک لہجے میں بولا "میں اپنے قریب آنے والوں کے چیتھڑے اڑا ڈالوں گا۔ ہمت ہے تو یہ بھی کر کے دیکھ لو۔"
معاً اس عمارت کے دو باوردی محافظ اس کمرے میں گھس آئے اور آتے ہی انہوں نے اپنی سب مشین گنیں میری طرف تان لیں۔ "ہاتھ بلند کرلو!" ان میں سے ایک نے کہا۔
میرے لئے وہ ایک فیصلہ کن لمحہ تھا اگر میں بزدلی کے ساتھ خود کو اُن کے حوالے کردیتا تب بھی قیدی میرا مقدر بنتی جبکہ ویسے بھی شری مان سنگھ کے تیور اچھے نظر نہیں آرہے تھے۔
وہ دونوں مسلح محافظ جس انداز میں کمرے میں داخل ہوئے، اس سے پتا چل رہا تھا کہ وہ چھپ کر کمرے کی صورتحال پر نظر رکھے ہوئے تھے اور میرے جارحانہ تیوروں کا اندازہ لگاتے ہی اپنے صاحب کی مدد کے لئے اندر گھس آئے تھے حالانکہ اس وقت میرا مارو دھاڑ کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔
میں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے لمحے بھر کے لئے سوچا۔ وہ تینوں پورے انہماک سے میری طرف متوجہ تھے۔ محافظ ایک ساتھ کھڑے تھے، شری مان سنگھ ان سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔
میں نے اچانک آنکھیں پھاڑ کر اُن کے عقب میں دیکھتے ہوئے، تیز اضطراری لہجے میں کہا "ٹھہرو! نہیں ابھی نہ مارنا!"
وہ تینوں ہی بجلی کی سی سُرعت سے اپنے پیچھے پلٹے۔ وہ ان کا بے ساختہ ردِعمل تھا جس پر قابو پانا ان کے بس سے باہر تھا۔ میرے لیے پل بھر کی وہی مہلت کافی تھی۔ میں فضا میں اڑتا ہوا ان دونوں محافظوں پر ٹوٹ پڑا اور ان کی مشین گنیں چھینتا ہوا، ان سے آگے نکل گیا۔ وہ دونوں بوکھلائی ہوئی آوازیں نکالتے ہوئے قالین پر ڈھیر ہو گئے۔
میں اپنی جھونک پر قابو پانے کے بعد دونوں مشین گنیں سنبھالتے ہوئے پلٹا تو شری مان سنگھ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ بدحواسی کے عالم میں کسی ایسے الو کی طرح آنکھیں جھپکائے جارہا تھا جسے گھور تاریکی سے اٹھا کر اچانک ہی چمکتی ہوئی دھوپ میں پھینک دیا گیا ہو۔
اس وقت تک باہر سے کوئی مداخلت نہیں ہوئی تھی۔ میں نے تیزی سے اس کمرے کا جائزہ لیا تو وہاں سے نکاسی کا وہی ایک دروازہ تھا جس سے سب لوگ اندر داخل ہوئے تھے۔ میں نے صورتِ حال میں کوئی خرابی یا پیچیدگی رُونما ہونے سے پہلے ہی اس دروازے کو اندر سے بولٹ کرلینے کا فیصلہ کرلیا۔
دونوں سپاہی نرم قالین پر لوٹ لگانے کے بعد اپنے قدموں پر اٹھ کھڑے ہوئے تھے لیکن اس آسانی کے ساتھ مار لئے جانے پر بہت زیادہ نروس اور خوف زدہ نظر آرہے تھے۔
میں نے ان پر سے نظریں ہٹائے بغیر دروازے کے پٹ بند کر کے تمام بولٹ چڑھا دیے۔
وقتی طور پر میں ان تینوں کو چکمہ دے کر اُن پر حاوی ہوچکا تھا لیکن میرے لئے وہ صورتِ حال نہایت دھماکا خیز تھی۔ میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کرنے میں مصروف تھا۔ اس وقت میرے فیصلے کی ذرا سی غلطی بھی مجھ پر زندہ رہنے کے راستے مسدود کرسکتی تھی۔
اس سنسنی خیز ماحول میں، میں اپنی سلامتی کے بارے میں فکرمند تھا اور وہ تینوں، میری ذہنی کیفیت سے بے خبر اپنی دردناک موت کی دہشت میں مبتلا ہوچکے تھے کیونکہ میری تحویل میں موجود دونوں سب مشین گنوں کے بھرے ہوئے میگزین چڑھے ہوئے تھے اور میری انگلیوں کی ذرا سی جنبش ان تینوں پر بارودی جہنم کے دہانے کھول سکتی تھی۔
شری مان سنگھ نے ناخوشگوار تصادم کی وہ صورتِ حال میری مرضی یا ارادے کے بغیر میرے اوپر مسلط کی تھی۔ اس کے آدمیوں سے ہتھیار چھین لینے کے بعد میں نے ان پر بالادستی حاصل کرلی تھی اور اس کمرے میں داخلے کے واحد راستے کو اندر سے بولٹ کر کے میں نے اپنی اس برتری کو فیصلہ کن بنالیا تھا۔
اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک غیر ملکی کونسلیٹ کی وسیع و عریض عمارت تھی جہاں مسلح محافظوں کے علاوہ، عملے کی بھاری نفری بھی موجود رہی ہوگی۔ پھر اس حساس عمارت کی حفاظت کے لیے باہر مقامی پولیس کا مسلح دستہ موجود تھا جسے وہ لوگ وقتِ ضرورت اندر طلب کرسکتے تھے لیکن اس بھاری نفری کے باوجود وہ اس وقت تک بے بس تھے جب تک میں نے ہتھیاروں کے بَل پر شری مان سنگھ اور اس کے دو آدمیوں کو اس وسیع و عریض کمرے میں یرغمال بنایا ہوا تھا۔
اس وقت میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کررہا تھا۔
ان تینوں کو ہلاک کرنے کی دھمکی دے کر میں باہر والوں کو مداخلت کرنے سے باز رکھ سکتا تھا۔ دونوں محافظوں کی جانوں کی کوئی اہمیت رہی ہو یا نہ رہی ہو مگر میں اتنا ضرور جانتا تھا کہ شری مان سنگھ ان لوگوں کے لیے حد سے زیادہ اہم تھا۔ وہ اس کی زندگی کو ایک محصور دشمن کے کسی اضطراری ردِعمل کا ایندھن بنانے کا کوئی موہوم ترین خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے تھے۔
ان حالات میں شری مان سنگھ بھی میرے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہوجاتا۔ میرے لیے یہ ممکن تھا کہ میں اس کے ذریعے غزالہ کو اس کمرے میں بلانے سے وہ انکار نہیں کرسکتا تھا۔ ایک بار غزالہ وہاں آجاتی تو میں ایک سب مشین گن کی نال شری مان سنگھ کی کھوپڑی سے لگا کر، اس کے اور غزالہ کے ساتھ وہاں سے نکل سکتا تھا۔ کونسلیٹ سے فرار ہونے کے لیے میں ان ہی لوگوں کی گاڑی لے جاسکتا تھا۔ جب تک

شری مان سنگھ میرے نشانے کی زد میں، میری تحویل میں رہتا' اس کے آدمی میرے ساتھ کوئی شرارت کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن مشکل یہ تھی کہ اس پوری کارروائی کی تکمیل میں باہر والوں کو اتنا وقت مل جاتا کہ وہ میرے متوقع فرار کے پیشِ نظر مقامی پولیس اور انتظامیہ سے بھرپور مدد حاصل کر لیتے اور اس عمارت سے باہر نکلتے ہی خونخوار بھیڑیے میرے پیچھے لگ جاتے۔

اس اعتبار سے اس عمارت کا محلِ وقوع بہت خراب تھا۔ عمارت کے تین اطراف میں سڑکیں تھیں۔ اس کی بغلی اور عقبی سڑک عموماً ویران ہی رہتی تھی مگر سامنے والی' فاطمہ جناح روڈ کافی معروف سڑک تھی۔ میں پھاٹک سے نکل کر جاتا تو داہنی طرف پولیس سے مڈبھیڑ ہونے اور ٹریفک کے ہجوم میں پھنسنے کے قوی امکانات تھے کیونکہ ادھر کینٹ اسٹیشن سے آنے والا بھاری اور پُر ہجوم ٹریفک بائیں طرف گھوم کر کلفٹن برج سے پہلے والے ٹریفک سگنل کی طرف جاتا تھا۔ اسی راستے پر ٹریفک پولیس کے علاوہ پولیس کی گشتی گاڑیوں کی بھی کثرت رہتی تھی جو میرے حق میں مضر ثابت ہو سکتی تھی۔

پھاٹک سے نکلنے کے بعد بائیں طرف فرار ہونا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا کیونکہ فریئر ہال کی پشت سے گزرتے ہی شارع فیصل والا مصروف ترین چوراہا آجاتا تھا جہاں کسی زمانے میں پیلس سنیما واقع ہوا کرتا تھا۔ شارع فیصل اور اواری ٹاورز کی طرف سے آنے والے تیز رفتار ٹریفک میں شامل ہونا آسان کام نہیں تھا۔ بائیں طرف جانے کے لیے' چوراہے پر رکنا ناگزیر ہو جاتا اور وہی میری شامت کا سبب بن جاتا کیونکہ وہاں [illegible] ٹریفک چیک پوسٹ جدید ترین مواصلاتی سہولتوں سے لیس تھی۔ وہاں طاقتور انجنوں والی متعدد موٹر سائیکلوں کے ساتھ ہی برق رفتار گاڑیوں کا بیڑہ بھی موجود رہتا تھا۔ پھر موبائل فورس کی اِکّادُکّا گاڑیاں بھی وہاں ستاتی رہتی تھیں۔ میرا تعاقب کرنے والوں کے ذرا سے اشارے پر وہ مشینی جمگھٹ آناً فاناً میں میرے فرار کی ہر راہ مسدود کر کے مجھے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر سکتا تھا کیونکہ اس معرکے میں پسپائی کی کوئی راہ ہی باقی نہیں رہتی تھی۔

غزالہ کو بزور بازو وہاں سے نکال لے جانے کا تصور بہت حسین اور رومان انگیز تھا لیکن کو نسلیٹ کے احاطے سے باہر جو سنگین خطرات پیش آ سکتے تھے' وہ اس منصوبے کے حُسن اور رومان پر بُری طرح حاوی تھے۔ خرابی یہ تھی کہ میں اس وقت غزالہ کو بھول کر اکیلا بھی وہاں سے فرار ہو جاتا اور اپنے تحفظ کے لیے شری

مان سنگھ کو بھی ساتھ لیتا جاتا تب بھی صورتِ حال میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوتی اور میرے سوچے ہوئے تمام خطرات میرے استقبال کے منتظر ہوتے۔

وہاں سے فرار کا ارادہ ترک کردینے کے بعد ایک ہی صورت باقی رہ جاتی تھی کہ میں اپنے اضطراری ردِّعمل کا ازالہ کرتے ہوئے' ہتھیار ڈال کر خود کو شری مان سنگھ کے حوالے کردوں۔

لیکن وہ راستہ ہتک آمیز تھا۔ شری مان سنگھ کے سامنے اپنی کمزوری کا اعتراف کرلینے کے بعد میں اس سازشی سفارت کار سے کبھی بھی نہیں جیت سکتا تھا۔

میں اس وقت زندگی اور موت کے دوراہے پر ایک ہولناک صورتِ حال سے دوچار تھا اس لیے میرے ذہن نے چند ہی لمحوں میں وہ سارا تجزیہ مکمل کرکے اپنا آخری فیصلہ صادر کردیا۔

میں نے ان تینوں پر نگاہ رکھتے ہوئے' کیے بعد دیگرے دونوں سب مشین گنوں کے میگزین نکالے اور ان ناکارہ ہتھیاروں کو ایک دور اُفتادہ صوفے پر پھینک دیا۔

میری اس غیر متوقع حرکت پر شری مان سنگھ بھونچکا رہ گیا۔

میرا خیال تھا مجھے نہتا پاتے ہی' غیر مسلح محافظ اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لیے مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے لیکن وہ بھی اپنی جگہوں پر جم کر رہ گئے تھے اور ان کے دہانے احمقوں کی طرح کھل گئے تھے۔

دونوں بھرے ہوئے آہنی میگزین میرے ہاتھوں میں تھے۔

بظاہر میں بے پروایانہ انداز میں ان سے کھیل رہا تھا لیکن میں ان سے بھرپور کام لینے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ ان میں سے کوئی بھی مجھ پر حملہ آور ہونے کی حماقت کرتا تو میں کسی بھی تکلف کے بغیر آہنی ضرب سے اس کا سر کھول دیتا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میری ایسی کوئی دفاعی کارروائی شری مان سنگھ کے لیے قابلِ فہم ثابت ہوگی۔

غنیمت یہ ہوا کہ ان میں سے کسی نے کسی غیر معمولی ردِّعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔

"اب تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" آخر کار شری مان سنگھ نے ہی تحیرزدہ آواز میں سکوت توڑا۔

"کچھ بھی نہیں" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر شاطرانہ لہجے میں کہا "تم نے دیکھ لیا کہ اوچھی حرکتوں سے مجھے مرعوب نہیں کیا جاسکتا۔ میں تمہارا بن بلایا مہمان نہیں ہوں' تمہاری دعوت پر یہاں آیا ہوں۔ ہتھیار پھینک کر میں نے اپنی نیک نیتی اور خیر سگالی کا ثبوت دے دیا ہے۔ اس سے آگے جو کچھ ہوگا' اس کا انحصار تمہاری نیت اور ارادوں پر ہوگا۔"

"تو کیا تمہاری جیبیں خالی ہیں؟" اس کی حیرت دوچند ہوچکی تھی۔

"اتنے بھولے نہ بنو' شری مان سنگھ!" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا "یہ درست ہے کہ پھاٹک سے یہاں تک میری جامہ تلاشی نہیں لی گئی لیکن مجھے معلوم ہے کہ رہنمائی کے بہانے مجھے کم از کم دو مقامات پر حساس میٹل ڈی ٹیکٹرز سے گزارا گیا ہے۔ میری جیب میں کوئی ہتھیار ہوتا تو وہاں الارم چیخ اٹھے ہوتے۔"

"بیٹھ جاؤ!" مجھے اشارہ کرنے کے بعد وہ اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہوکر خشک لہجے میں بولا "دروازہ کھول کر باہر جاؤ اور سکون سے بیٹھو' میرے طلب کیے بغیر کسی کو اندر آنے کی ضرورت نہیں۔ دوبارہ ایسی غیر ضروری مستعدی دکھانے کی کوشش کی تو میں تمہاری گردنیں توڑ دوں گا۔"

وہ بیک وقت اپنی خالی سب مشین گنوں کی طرف بڑھے تھے لیکن شری مان سنگھ نے خشمناک آواز میں انہیں روک دیا "باہر جاؤ۔ تمہارے ہاتھوں میں ان کی وقعت آہنی ڈنڈوں سے زیادہ نہیں ہوگی۔ ایسے ہتھیار صرف بہادروں کا زیور ہوتے ہیں' بزدلوں کے لیے گالی بن جاتے ہیں۔"

وہ دونوں ندامت کے ساتھ سر جھکائے دروازے کی طرف گئے اور کچھ کہے بغیر بولٹ گرا کر باہر نکل گئے۔ شری مان سنگھ بجا طور پر ان سے بہت زیادہ برگشتہ نظر آرہا تھا۔

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ہتھیار قبضے میں آجانے کے باوجود تم نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" چند ثانیوں کے بعد شری مان سنگھ بولا۔

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ مجھے اپنی واپسی کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ میری مرضی کے خلاف تم مجھے ایک منٹ بھی یہاں نہیں روک سکتے۔"

"تمہارے اس زعم کا کوئی نہ کوئی معقول سبب بھی ضرور ہوگا!" اس نے کہا۔

"میرا ہر ساتھی میرے اس اعتماد کا سبب ہے اور ان کی تعداد خاصی زیادہ ہے" میں نے تلخی کم کرنے کی کوشش میں خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تمہارے ساتھی!" اس نے اضطراری لہجے میں دُہرایا' پھر کہا "تم نے مجھے پہلے نہیں بتایا کہ تمہارے کچھ جاں نثار ساتھی بھی ہیں؟"

"اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ میں تمہیں بتا بھی دیتا تو کیا فرق پڑ سکتا تھا؟"

"خیر!" وہ بولا تو میں نے محسوس کیا کہ اس کے دل میں کسی بات کی کوئی خلش موجود تھی "یہ قصہ تو نمٹ گیا۔ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم نے اپنا کام پورا کردیا جب کہ غلام رسول میرے قبضے میں نہیں آیا۔ زندہ یا مردہ' میرے لیے وہ ہر حالت میں بہت زیادہ اہم تھا۔"

"اس بارے میں تم اپنی ناکامی کی ذمّے داری میرے سر نہیں ڈال سکتے" میں نے سختی سے کہا "میں اسے یہاں لانے پر آمادہ تھا لیکن تم نے اپنی مصلحتوں کی وجہ سے مجھے روک دیا۔ سراب

موقع پر جو کچھ ہوا' اس کی منصوبہ بندی تم نے کی تھی۔ گیارہ بجے غلام رسول کو وہاں پہنچانے کے بعد میرا کام ختم ہوگیا تھا۔ اس سے آگے جو کچھ ہوا' اس کی پوری پوری ذمّے داری تمہاری اور تمہارے آدمیوں کی ہے۔"

"مجھ سے بہت بڑی چُوک ہوئی جو اس وقت تمہیں زبان کھولنے کا موقع مل رہا ہے" اس نے قدرے تُرش مگر متاسفانہ لہجے میں کہا "وہ میرے ملازمین نہیں بلکہ کرائے کے آدمی تھے۔ باہر کے آدمیوں کو ملوث کیے بغیر' مجھے پورا کام تم ہی کو سونپ دینا چاہیے تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے مکّارانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اب آئندہ احتیاط کرنا' عقل مند لوگ ٹھوکر کھا کر ہی سبق سیکھتے ہیں۔ میں نے اپنی رضاکارانہ خدمات پیش کرنے پر دانستہ زور نہیں دیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم کو میری نیّت پر شبہ نہ ہونے لگے...."

"میرے پاس اس صورتِ حال کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے" اس کے چہرے پر غصے کا ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ "لیکن سچی بات یہ ہے کہ میرا دل تمہاری طرف سے صاف نہیں ہے۔"

"تمہارے دل کی اس خرابی کو دور کرنا میرے بس سے باہر ہے" میں نے خشک لہجے میں کہا "میں نے تمہاری شرط پوری کردی' اب تمہیں بلاتردد اپنا وعدہ پورا کردینا چاہیے۔"

اس کے چہرے پر برہمی کے آثار نمودار ہوئے لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور پُرسکون انداز میں بولا "میں تمہاری طرح مطلق العنان یا خود مختار نہیں ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے تم خود مجھ کو ملازم ہونے کا طعنہ دے چکے ہو۔ میں اپنے ہر فعل کے لیے ان لوگوں کو جواب دہ ہوں جو مجھ سے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ میں غلام رسول کو سامنے لاکر غزالہ کی واپسی کا بندوبست...!"

"غزالہ کی واپسی!" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے دہرایا "وہ گئی کہاں تھی جو اَب تم اس کی واپسی کا افسانہ تراش رہے ہو؟"

"سرحدیں بند اور سیل کرنے کی ساری باتیں سادہ لوح عوام کو جذباتی فریب دینے کی کوششیں ہوتی ہیں۔" وہ دھیما اور ناصحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے بولا "تہذیب' ثقافت اور جغرافیے کے اعتبار سے یہ پورا علاقہ ایک ہی ہے۔ کاغذی نقشوں پر لکیریں کھینچ دینے سے ملک نہیں بنا کرتے۔ سندھ کے علاقے میں تو ہر سرحدی نگرانی بس چند چوکیوں تک محدود ہوتی ہے۔ باقی سرحدیں کھلی رہتی ہیں۔ یہ صورتِ حال دونوں طرف پائی جاتی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاکر دلیر اور مہم جُو افراد آزادی کے ساتھ اپنی نقل و حرکت جاری رکھتے ہیں۔ ان میں ہمارے ایجنٹ اور کارندے بھی ہوتے ہیں۔ وہ لوگ غزالہ کو راجستھان پہنچا چکے ہیں۔"

مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے شری مان سنگھ نے میرے دل پر گھونسا رسید کردیا ہو۔ میں مٹھیاں بھینچ کر اضطراری طور پر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے سامنے پہنچ گیا۔

"سنو' دوست!" میں نے مضبوطی کے ساتھ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر' اسے اپنی جگہ چھوڑنے سے روک دیا "اس وقت میں تمہاری چھت کے نیچے موجود ہوں' تمہارے آدمیوں کی کھلی اشتعال انگیزی کے باوجود' میں نے تحمل اور بردباری سے کام لے کر کسی خوں ریز تصادم سے گریز کیا ہے لیکن تم اس کے باوجود مجھے چونا لگانے پر آمادہ نظر آرہے ہو۔ شاید اس وقت تم اپنی مکّاری سے کام لے کر مجھے بے نیل و مرام لوٹانے میں کامیاب ہوجاؤ لیکن یہ یاد رکھنا کہ دنیا بہت چھوٹی سی جگہ ہے۔ تم دوبارہ میری کسی غلیل کی زد میں آسکتے ہو اور میں اتنا بتادوں کہ اگلی بار غلیل کے پتھر کی جگہ پگھلا ہوا سیسہ ہوگا....."

"میری مجبوری سے فائدہ اٹھا کر مجھے دھمکیاں نہ دو!" وہ بُرا سا مُنہ بناکر بولا "غلام رسول والی بازی الٹ جانے سے کوئی قیامت نہیں آئی ہے۔ تم ملّا سرکار کے بارے میں کھوج نکال کر غزالہ کو حاصل کرسکتے ہو۔ وہ بھی ہمارے لیے بہت اہم آدمی ہے۔"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا اور بولا "تم نے ایک ٹھوس انسانی وجود کی وصولی سے انکار کیا ہے حالانکہ وہ میرے قبضے سے نکل کر تمہارے آدمیوں کی ذمّے داری بن چکا تھا۔ ملّا سرکار کے بارے میں تو باتیں ہی باتیں ہوں گی۔ اگر میرے ذرائع نے یہ اطلاع دی کہ تمہارا ملا سرکار' کے ٹو کی چوٹی پر' ایک خیمے میں رام نام کی مالا جپ رہا ہے تو تم اسے تسلیم کرنے سے انکار کردوگے۔ میں اپنے دعوے کے ثبوت کہاں سے اور کیسے فراہم کرسکوں گا؟ اصل بات یہ ہے کہ تم میری کمزوری سے فائدہ اٹھاکر مجھے رگیدنے پر تُل گئے ہو۔"

"رگیدنے والی بات ہوتی تو غزالہ کو یہیں رکھا جاتا۔ درمیان میں کوئی سنگین رکاوٹ حائل کرکے تمہاری اور اس کی ملاقات کرائی جاتی تاکہ تمہارے ماند پڑتے ہوئے جذبات کو مہمیز دی جاسکے لیکن اس جذباتی استحصال سے فائدہ حاصل کرنے کے بجائے غزالہ کو سرحد پار بھیجا جاچکا ہے۔ اگر غزالہ تمہاری محبت ہے تو رجنی میری محبوب بیوی ہے اور وہ تمہاری تحویل میں ہے...."

"ان دونوں کا موازنہ مت کرو" میں نے پلٹ کر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "غزالہ وفا کی دھیمی آنچ میں سُلگ سُلگ کر پگھل رہی ہے اور رجنی سدا بہار رہنے کے لیے اپنے وجود کو ہر اس چشمے سے جو اس کی دسترس میں ہو' سیراب کرتی پھر رہی ہے۔ میں غزالہ کی زندگی کے لیے دعاگو ہوں جب کہ تمہارے وجود کا رُواں رُواں رجنی کی موت کا آرزومند ہے۔"

"وہ کل کی بات تھی۔" اس کی آواز پر افسردگی کا پرتو نمایاں تھا "آج رجنی کے بارے میں میرے خیالات بدل چکے ہیں' میں آدھا سفارت کار اور آدھا سیکرٹ ایجنٹ ہوں۔ میری زندگی کے ان دو پاٹوں میں پس کر ہر عورت وہی بن جائے گی جو رجنی بن چکی

ہے۔ عمر کے اس مرحلے پر نئے دھان کوٹنے سے بہتر ہے کہ جو کچھ کوٹا اور پیسا جا چکا ہے' اسی پر محنت کی جائے۔ شاید آخری عمر میں وہ صرف میری ہو کر رہ سکے۔ میں اسے اپنے گھر میں شاد اور آباد دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اگر یہ تمہاری کوئی قلابازی نہیں ہے تو پھر ملا سرکار کو بیچ سے نکال دو۔ غزالہ اور رجنی کا تبادلہ کر کے ہم چار زندگیوں کو سہل بنا سکتے ہیں۔"

"کاش' یہ میرے بس میں ہوتا!" اس کی اداسی یک بیک کچھ اور بڑھ گئی "تم خود مختار ہو اور رجنی تمہاری قیدی ہے مگر میں کچھ لوگوں کا تابع ہوں اور غزالہ اُن ہی کی ہدایت پر واپس لائی جا سکتی ہے۔ وہ اس تبادلے پر راضی نہیں ہوں گے۔"

"پھر میں تمہاری کسی بات پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ ان لوگوں کی توثیق کے بغیر تمہاری ہر بات بے وزن اور بے توقیر ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ تم ان ہی سے میری ملاقات کا بندوبست کرا دو۔"

اس کے ہونٹوں پر تھکی تھکی سی مسکراہٹ پھیل گئی "تمہارا مطالبہ بجا ہے لیکن ایسی کسی ملاقات کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ فیصلہ کرنے والے یہاں نہیں' نئی دہلی میں رہتے ہیں۔ میں اس بار وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کوئی چال بازی نہیں ہوگی....."

"بات وہی آجاتی ہے کہ تمہارے وعدوں میں کتنا وزن ہے۔ کل کو تم پھر اپنی مجبوریوں کا دکھڑا لے کر بیٹھ جاؤ گے اور میں تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکوں گا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ اب رجنی میرے لیے اہمیت اختیار کر چکی ہے۔ میں خوب سوچ سمجھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسے کھو دینے کے بعد میں ادھورا رہ جاؤں گا۔ اگر وہ آوارگی اور رنگینیوں کی طرف بہکی ہے تو اس میں اُس کے میلانِ طبع کے ساتھ ہی میری چشم پوشیوں' بلکہ ناروا حوصلہ افزائیوں کا بھی بڑا دخل ہے۔"

"میں کچھ بھی نہیں بھولا شری مان جی!" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا "ایک سیکرٹ ایجنٹ صرف اپنی پیشہ ورانہ کامیابیوں کے لیے جیتا ہے۔ اس کے لیے مشن کی کامیابی اور اپنی سلامتی کے علاوہ کسی چیز' کسی رشتے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ تم نے اپنے گہرے دوست' موتن لال کو اپنی بیوی کے حُسن کے جال میں پھنسا کر اپنا الو سیدھا کیا۔ تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنے رہے۔ تمہیں ہلکا سا ذہنی جھٹکا اس وقت محسوس ہوا جب میں نے آئینہ تمہارے سامنے رکھ دیا۔ ایسا نہ ہوا ہوتا شاید موتن لال.... جلترنگ کی دھنوں میں تباہی و بربادی کے نغمے الاپ کر' زندگی بھر رجنی کی کونپلوں سے عرقِ نشاط کشید کرتا رہتا اور تم ان رنگ رلیوں سے صرفِ نظر کر کے ان تخریب کاریوں اور دہشت گردیوں پر فخر کرتے رہتے جو موتن لال کے جل ترنگی پیغامات کی کوکھ سے جنم لیا کرتیں۔"

"بس' ڈیئی!" شری مان سنگھ نے بے تابانہ انداز میں ٹہلتے ہوئے مجھے خاموش کرا دیا "تم بہت بے درد اور سفاک ہو۔ شاید اس لیے کہ تم ابھی تک شادی کے بندھن سے آزاد ہو اور یہ نہیں جانتے کہ بیوی کی بے وفائی کے زخم ایک انسان کو کس طرح کچوکے لگاتے ہیں۔ عورت غدار اور بے وفا ہو جائے تو اسے نہ اپنی بانہوں میں لے کر سکون ملتا ہے نہ اسے چھوڑ دینے کو دل چاہتا ہے۔ بیاہی عورت کو چھوڑنے کا مطلب ہے کہ اسے کھُل کھیلنے کی آزادی دے دی جائے۔ جو کچھ وہ سوچتی رہے اسے وہ سب کرنے کی آزادی دے دی جائے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک مرد اپنی چھوڑی ہوئی عورت کو ہر روز ایک نئی سیج پر اپنے من پسند دوستوں کے ساتھ داد عیش دیتے ہوئے دیکھ کر بھی نرگ کی بھیانک آگ سے بچا رہے؟ تم عورت کی شناخت ہوتے ہو اور عورت تمہاری پہچان بن جاتی ہے۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ پل بھر میں ایک لکیر کھینچ کر اس شناخت اور پہچان کو مٹا دیا جائے؟ آدمی سب سے پہلے آدمی ہوتا ہے' اس کے بعد سیکرٹ ایجنٹ' چور' اُچکا' اٹھائی گیرا یا سیاست داں ہوتا ہے۔ مجھے اس بکواس کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن ایک طرف میرے دل میں اپنی محرومی کا گہرا اور غلیظ غبار بھرا ہوا ہے تو دوسری طرف تم کو یہ یقین دلانا بھی ضروری ہو گیا ہے کہ رجنی سے میری نفرت کی وجوہ سطحی' عارضی اور خود غرضانہ جذباتیت پر مبنی تھیں۔ وہ لاکھ حرامن اور بے وفا سہی لیکن میں اسے چاہتا ہوں۔ وہ میری لاکھوں خلوتوں کی شریک رہی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس پر کہاں بھروسا کیا جا سکتا ہے اور کہاں وہ دغا دے بیٹھے گی۔ شاید تم کو غزالہ سے بہت محبت ہو لیکن میرا خیال ہے کہ وہ آج تک تمہارے لیے شجرِ ممنوعہ بنی ہوئی ہے۔ جس پھل کو تم نے چکھا ہی نہ ہو' اس کی لذت کا کوئی پیمانہ یا معیار مقرر نہیں کیا جا سکتا ہے جب کہ میرے لیے رجنی ایک نشہ بن چکی ہے۔ تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ میرے لیے رجنی کتنی اہم ہے۔ اس کی بازیابی کے لیے میں ہر جُوا کھیل سکتا ہوں۔ غزالہ تمہاری کمزوری ہے اور رجنی میری۔ جب دونوں طرف یکساں مجبوریاں درپیش ہوں تو عام طور پر معاہدے کامیاب رہتے ہیں۔"

"رجنی تو کل بھی میری تحویل میں تھی جب میں نے رات کے گیارہ بجے غلام رسول کو تمہارے بتائے ہوئے مقام پر پہنچایا تھا اور آج بھی وہی صورتِ حال برقرار ہے تو پھر......"

"یہ انسان کی کھوپڑی کا کمال ہے" اس نے میری بات کاٹ کر پلٹتے ہوئے کہا "تھوڑی دیر پہلے تک وہ ایک ہرجائی عورت تھی جو میرے اعتماد کو سرِ بازار نیلام کر کے موتن لال کی گود میں جا بیٹھی تھی لیکن جب تم نے میرے دو مسلح محافظوں کو یکلخت زیر کر کے ان کی گنیں سنبھالیں تو کایا پلٹ ہو گئی۔ میرا اندازہ تھا کہ تم بے رحمی اور سفاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہم تینوں کو برسٹ مار کر ہلاک کر دو گے۔ اس لمحے میں نے سوچا اور اندازہ لگایا کہ رجنی کی سُندر

تصویر اور اس کا حیات آفریں گداز سراپا میرے پیاروں میں سب سے نمایاں تھا۔ تم گولی مارنے سے پہلے مجھ سے میری آخری خواہش دریافت کرتے تو میں رجنی سے مل بیٹھنے کے سوا کسی بات کا کوئی ذکر نہ کرتا۔ اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ اب وہ صورتِ حال باقی نہیں رہی جو اب سے ذرا دیر پہلے تھی۔ میں نے تم سے کوئی وعدہ یا معاہدہ کیا تو میری پوری کوشش ہوگی کہ اس پر نیک نیتی سے عمل کیا جائے تاکہ میری رجنی میرے گھر میں واپس لوٹ سکے۔"

"تم اپنے دَور کے مکارِ اعظم معلوم ہوتے ہو، شری مان جی!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں کیسے مان لوں کہ ہمیشہ کی طرح تم اب بھی جھوٹ نہیں بول رہے ہو؟"

"تمہاری زبان سے مکارِ اعظم کا خطاب، خوب صورت اور قابلِ فخر معلوم ہوتا ہے کیونکہ تم بھی مانے ہوئے شاطر، چالباز اور دھوکے باز ہو" اس نے کسی ندامت کے بغیر کہا "میری دست بستہ التجا ہے کہ اس بار یقین کرلو۔ رجنی میری دیکھی بھالی ہے۔ میں اس کی اچھائیوں اور کمزوریوں سے بخوبی واقف ہوں۔ کوئی نئی عورت میرے لیے بالکل نئی اور بے اعتبار ہوگی۔ عورتوں کے بارے میں شاید تم بہت گھاگ ہو لیکن بیوی کے معاملے میں صفر ہو، اس لیے میں تمہیں ایک عام سی بات سمجھاتا ہوں کہ بُرے وقت میں آدمی دیکھے بھالے راستوں سے فرار ہوتا ہے، انجان کھائیوں میں چھلانگ نہیں لگاتا۔ میں موجودہ حالات میں رجنی کے بغیر گزارہ نہیں کرسکتا اس لیے تمہیں میری اس مجبوری کو تسلیم کرکے میری زبان پر اعتبار کرلینا چاہیے۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ اس بار میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔"

"تم بُرے وقت کی بات کررہے ہو، میں کیسے مان لوں کہ تم پر واقعی کوئی اتنا بُرا وقت آیا ہوا ہے؟"

"اس کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ میں اس وقت تم سے مصالحانہ گفتگو کررہا ہوں" اس نے بلاتوقف جواب دیا "تم نہ صرف نہتے ہو بلکہ اکیلے بھی ہو۔ اپنی برتری کھو کر تم نے جو حماقت کی ہے وہ تمہیں مہنگی بھی پڑسکتی ہے۔ میرے دو چار آدمی آسانی کے ساتھ تمہیں تہ باذبح کرسکتے ہیں لیکن میں اس راستے سے گریز کررہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہی ایک بات میرے دعوے کی تائید کے لیے کافی ہو گی۔"

"غلام رسول کے معاملے میں مجھے ایک ٹھوس وجود تمہارے حوالے کرنا تھا، جو میں نے کردیا لیکن اس کے باوجود میری نیت پر شبہ کیا جارہا ہے۔ جب کہ ملّا سرکار کے بارے میں، میں کوئی بری یا بھلی خبری دے سکوں گا۔ اس تک رسائی میرے بس سے باہر ہوگی۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم ٹھوس ثبوت کے بغیر میری کہانی پر کیسے یقین کرلوگے۔ ایسے کاموں میں ثبوت فراہم کرنا ناممکن ہوتا ہے۔"

"میں ان باتوں کو سمجھتا ہوں" میری متواتر جرح نے اُسے پریشان کردیا تھا اور وہ مجھے مطمئن کرنے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "اس معاملے میں سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے غزالہ کو سرحد پار طلب کرلیا۔ اس وقت مجھے اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ اس طرح کھیل پر میری گرفت بالکل ختم ہوکر رہ جائے گی لیکن اب میں اس کا کوئی نہ کوئی توڑ کرلوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ میں دو چار روز میں غزالہ کو یہاں واپس بلوانے میں کامیاب ہوجاؤں۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ میں تم سے کوئی وعدہ کررہا ہوں۔ یہ میری کوشش ہوگی۔ اس میں مجھے کامیابی بھی ہوسکتی ہے اور ناکامی بھی۔ لیکن میں تم کو اتنی یقین دہانی کراسکتا ہوں کہ ملّا سرکار کے بارے میں اپنے کام کی تکمیل ہوجانے کے بعد تمہارے ساتھ کوئی زیادتی یا وعدہ خلافی نہیں ہوگی۔ غزالہ تمہیں واپس مل جائے گی۔"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا "شاید ہم دونوں ہی اپنی اپنی مجبوریوں کا شکار ہوگئے ہیں۔ تم مجھے رام کرنے کے لیے ایسے بلند بانگ دعوے کررہے ہو، جن کے تم شاید مجاز بھی نہیں ہو اور میں تمہاری باتوں کے کھوکھلے پن کو سمجھنے کے باوجود تم پر بھروسا کرنے پر مجبور ہوں کیونکہ میرے سامنے کوئی متبادل راہ نہیں ہے۔ میں سرکاری اناج پر پروان چڑھنے والے حرام خوروں کے کھیل کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ وہ مجھے زِچ کرنے پر تُل گئے تو کسی بھی نازک موڑ پر تمہارا تبادلہ کرکے تمہیں کسی دور دراز مقام پر بھیج دیا جائے گا۔ تمہارے جاتے ہی میرا اور تمہارا معاہدہ کالعدم ہوجائے گا اور مجھے

تمہارے بعد آنے والے سے نئی شرائط پر کوئی سمجھوتا کرنا ہوگا کیونکہ اس وقت میرے ہاتھ میں کوئی کارڈ باقی نہیں رہے گا۔ تم ملا سرکار کے بارے میں میری رپورٹ لینے کے بعد کہیں کوچ کر چکے ہوگے۔"

"میں مانتا ہوں کہ بیوروکریسی کے روایتی حربوں کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں" اس نے میری دلیل کا وزن تسلیم کرتے ہوئے، مصالحانہ لہجے میں کہا "میں تمہیں صرف اتنا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ تمہارے مفاد کے خلاف ہونے والی سازشوں میں، میں فریق نہیں بنوں گا۔"

"چلو، میں یہ سب مانے لیتا ہوں مگر مجھے ایمانداری کے ساتھ یہ تو بتادو کہ غزالہ اسی شہر میں ہے یا تم اسے واقعی سرحد پار بھیج چکے ہو؟"

شری مان سنگھ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور تقریباً کراہتے ہوئے بولا "تم مجھ پر مسلسل چوٹیں کیے جا رہے ہو۔ تم یقین کرو کہ غزالہ سرحد پار جا چکی ہے...."

"بشرطیکہ اسے راستے میں رینجرز یا فوجیوں نے دوسروں کے ساتھ گولی نہ ماردی ہو" میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اپنا اندیشہ ظاہر کردیا۔

"رینجرز اور فوجی اپنی چوکیوں اور ان کے گردوپیش کی حفاظت میں مصروف رہتے ہیں۔ شہروں بلکہ صوبے کی انتظامیہ نے ابھی تک 'امن وامان کے قیام کے لیے ان سے کوئی مدد نہیں لی ہے اس لیے کھلے راستوں پر ان لوگوں کی حکمرانی ہے جو ہمارے دوست اور ہمدرد ہیں، ان کے لیے غزالہ کو سرحد پر پہنچانا کوئی بڑا کام نہیں تھا۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ الحدید نامی بحری جہاز پکڑا گیا۔ تم نے اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ اس پر کس قدر خطرناک ہتھیار موجود تھے۔ الحدید کا مشن ناکام نہ ہوا ہوتا تو آج سرحدی زنجیریں حیدر آباد، نواب شاہ اور سکھر تک منتقل ہوگئی ہوتیں۔ ہمارے دوستوں کو ذرا سی کمک مل جائے تو تاریخ کے صفحات میں ایک نیا جغرافیہ جنم لے سکتا ہے۔"

"تم حیدر آباد، نواب شاہ اور سکھر کی بات کیوں کر رہے ہو؟ کیا اس لیے کہ وہاں....."

اس نے مجھے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیے بغیر پُرزور لہجے میں کہنا شروع کیا "میری بات کو نسلی اور لسانی چکر میں نہ الجھاؤ۔ میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ کاغذی نقشوں پر لکیریں لگانے سے ملک اور قومیں وجود میں نہیں آسکتیں۔ یہ ایک تاریخی عمل ہوتا ہے۔ تقسیم ہونی ہی تھی تو دریائے سندھ کو سرحد بنانا چاہیے تھا۔ روہڑی ہند میں ہوتی اور سکھر تمہارے سندھ کا حصہ ہوتا۔ دریا کے ایک کنارے ہمارا بھارت ہوتا اور دریا پار تمہاری مسلم نگری ہوتی۔ یہ کام ہمارے پُرکھے نہ کرسکے تو اسے اب درست کرلینا چاہیے۔ اچھا کام جب بھی کیا جائے، اچھا ہی کہلاتا ہے لیکن وہ ایک الگ کہانی ہے۔ اس کا غزالہ یا رجنی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

ہیروئن بلکہ موت کے بین الاقوامی سوداگروں سے ملنے والی ہولناک بارودی کمک کے حوالے سے اس نے جو کہانی چھیڑی تھی وہ میرے لیے اس اعتبار سے شرمناک تھی کہ الحدید سے آنے والے ہتھیاروں کی محفوظ ذخیرہ اندوزی اور تقسیم کے کام میں قاسم بھائی جیسا مقامی تاجر کلیدی کردار ادا کررہا تھا۔ جب کہ اس واقعے کا دوسرا پہلو میرے لیے باعثِ فخر تھا کیونکہ میں نے اپنی کوششوں سے اس خطرناک مشن کو بدترین ناکامی سے دوچار کرایا تھا اور باہر سے ابوموسیٰ المبارک نامی خلیجی جزیرے کے راستے آنے والے ہتھیاروں اور گولا بارود کا سایہ بھی ان تخریب کار غداروں تک نہیں پہنچ سکا تھا جو اس مدد کی آس لگائے آگ اور خون کی ہولی کھیلنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔

میں اس حساس اور نازک موضوع پر شری مان سنگھ سے کسی نئی بحث میں الجھنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ اس لیے میں نے الحدید والے مشن سے مکمل بے خبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ تاریخ ہو یا جغرافیہ، اس کا انحصار ان لوگوں کے عزم اور حوصلے پر ہوتا ہے جو تاریخی یا جغرافیائی منصوبوں پر کام کرتے ہیں۔ اس فلسفے کی روشن ترین مثال یہ تھی کہ مسلمانوں کا اقلیتی طبقہ صدیوں تک ایک ایسے علاقے پر حکمرانی کرتا رہا جہاں ہندوؤں کی بھاری اکثریت بستی تھی۔ اگر شری مان سنگھ کٹر اور متعصب ہندو تھا تو میری بات اس کے لیے زہر سے کم نہیں تھی لیکن وہ ہندو یا سکھ ہونے کے ساتھ ہی ایک تجربے کار سفارت کار بھی تھا اس لیے وہ میرے تبصرے کو خاموشی سے پی گیا۔

"ہم پیشہ ور لوگ ہیں" وہ اپنا گلا صاف کرتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا "ہمیں ان سطحی باتوں میں نہیں الجھنا چاہیے۔ تاریخ یا جغرافیے کے ساتھ کوئی آمرانہ زبردستی کی جائے تو حالات کروٹ مار کر خود بخود ساری انسانی غلطیوں کا ازالہ کرلیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں کچھ ملک فنا ہوجاتے ہیں یا چند نئے ملک جنم لے لیتے ہیں مگر یہ میرا اور تمہارا شعبہ نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو" میں نے اس کے زہریلے تبصرے کو نظرانداز کرتے ہوئے مفاہمانہ انداز میں کہا "یہ بتاؤ کہ اب میری واپسی کی کیا صورت ہوگی؟"

"کچھ بھی نہیں" اس نے بے ساختگی سے کہا "تم اپنی مرضی سے یہاں آئے ہو اور جب چاہو، کسی کی اجازت کے بغیر واپس جاسکتے ہو، میں تم سے غلام رسول کے بارے میں بات کرنا چاہتا

وہ میں کر چکا ہوں۔"

"یہ ایک اہم خوش خبری ہے" میں نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"جانے سے پہلے ایک بات اور بتاتے جاؤ!" اس نے بھی اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

میں رک کر اُس کی چمکدار اور تجسس آمیز نگاہوں میں جھانکنے لگا۔

"یہ اسپیشل ٹاسک فورس کیا بلا ہے؟" اس نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا "پچھلے کچھ عرصے سے اس کا نام خاصے تواتر کے ساتھ سامنے آرہا ہے۔"

"اخبارات تو اس بارے میں خاموش ہیں' میری نگاہ سے ایسی کوئی خبر نہیں گزری۔"

"اخبارات نہیں' میں زیرزمین دنیا کی بات کررہا ہوں۔ میری کینبرا اور اس کے افسران بھی ایس ٹی ایف کے بارے میں فکر مند نظر آتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ کہوٹہ کی ایٹمی تنصیبات کے علاوہ دوسرے اہم اور حساس مقامات کی دیکھ بھال کی ذمے داری بھی اس نئی فورس کو سونپ دی گئی ہے۔۔۔۔"

گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا کیونکہ وہاں موجود فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

دوسری طرف شاید کونسلیٹ کا ٹیلی فون آپریٹر تھا کیونکہ چند ثانیوں تک اس کی بات سننے کے بعد' شری مان سنگھ اسے لائن ہولڈ کرنے کی ہدایت کر کے میری طرف متوجہ ہوگیا۔

"تمہارے لیے کوئی شخص بار بار فون کررہا ہے" اس نے کہا۔ "آپریٹر نے اسے ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے فون بند کردیا تھا لیکن وہ بار بار اسے تنگ کررہا ہے' تم بات کرو گے؟"

"ضرور!" میں لپک کر اُس کی طرف بڑھا اور اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا "اگر میں نے بات کر کے اسے مطمئن نہ کیا تو صرف سات منٹ بعد اس عمارت میں قیامت آجائے گی۔"

"لائن دے دو!" شری مان سنگھ نے ماؤتھ پیس پر آپریٹر کو ہدایت دے کر فون کا ریسیور میرے حوالے کردیا۔

"حالات سازگار ہیں" میں نے کن انکھیوں سے شری مان سنگھ کا جائزہ لیتے ہوئے' سلطان شاہ کی آواز پہچان کر کہا۔ "آپریشن ڈیتھ اسکواڈ کو معطل سمجھو۔ میں چند منٹ بعد یہاں سے روانہ ہوجاؤں گا۔"

"تم بے فکری سے باہر آؤ" سلطان شاہ کی آواز اُبھری۔ "پوری عمارت ہماری محاصرے میں ہے۔ تمہارے ساتھ ذرا سی بھی گڑبڑ کی گئی تو یہ عمارت آگ اور خون میں نہلا دی جائے گی" وہ میری توقع سے زیادہ چالاک ہوگیا تھا اور اس خیال سے ایسی باتیں کررہا تھا کہ اگر آپریٹر کوئی چابی گھما کر ہماری گفتگو سن رہا ہو تو اپنے آقاؤں کو بتادے کہ میری پشت پر کیسے نڈر ساتھی صف آرا تھے۔

"کچھ نہیں ہوگا!" میں نے سختی کے ساتھ کہا "تم لوگوں کے سروں پر خون سوار ہورہا ہے" اسی لمحے میرے ذہن میں ایک اچھوتا خیال آیا اور میں نے پینترا بدل کر کہا "کوئی گولی نہیں چلے گی' کوئی تصادم نہیں ہوگا۔ میں یہاں سے اپنے میزبان کے ساتھ باہر نکلوں گا اور میرا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔"

میں ریسیور کریڈل پر رکھ کر شری مان سنگھ کی طرف گھوما تو وہ الجھن آمیز انداز میں میری طرف نگراں تھا "یہ کیا چکر ہے؟ میں تو تمہارے ساتھ باہر نہیں جاسکتا۔"

"میرے ساتھی میری سلامتی کی طرف سے فکرمند ہورہے ہیں" میں نے ملائمت سے کہا "وہ سب وحشی اور خونخوار لیکن وفادار آدمی ہیں۔ اس وقت یہ عمارت کم از کم تین راکٹ لانچرز کی زد میں ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے تمہاری نیت پر اعتماد نہیں تھا اس لیے میں اپنی جبری آزادی کا بندوبست کرنے کے بعد یہاں آیا تھا۔ طویل انتظار کے بعد اب ان کے اعصاب چٹخنے شروع ہوگئے ہیں۔ تم کو ذرا سی زحمت کرنی ہوگی ورنہ وہ بدستور بھڑکے رہیں گے۔ مجھے نرسری پر چھوڑ کر تم لوٹ آنا' میں وہاں سے ٹیکسی لے لوں گا۔"

"میں تمہیں یہیں ٹیکسی منگائے دیتا ہوں' میرا جانا کیا ضروری ہے؟"

"تمہاری مرضی!" میں نے بے پروائی سے شانے اُچکا کر کہا۔ "مجھے بس اس عمارت کی سلامتی عزیز ہے۔ میں اکیلا باہر نکلا تو ایسا نہ ہو کہ وہ اس عمارت پر چاندماری کر کے فرار ہوجائیں۔ میں اپنے آدمی سے کہہ چکا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ باہر نکلوں گا۔ اب ایسا نہ ہوا تو اُن کی کھوپڑیاں پھر جائیں گی۔"

"تم بلاوجہ مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش کررہے ہو۔ تمہیں اُس سے ایسی بات کہنے کی کیا ضرورت تھی؟" شری مان سنگھ نے چیخ کر کہا مگر میں محسوس کررہا تھا کہ وہ میری پوشیدہ دھمکیوں سے خاصا خائف ہوگیا تھا' اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اب انہیں بتاؤ کہ تم اکیلے ہی یہاں سے جاؤ گے۔"

"کیسے بتاؤں؟" میں نے معصومیت سے پوچھا "اب تو جو ہونا تھا' وہ ہوگیا۔"

"اپنے کسی ساتھی کو فون کرو!" شری مان سنگھ نے جھلا کر کہا۔

"اس نے کسی پبلک کال آفس سے فون کیا ہوگا۔ میں اس سے کہاں رابطہ کروں؟ ویسے تو ان سب کے پاس ٹرانسمیٹرز بھی ہیں

لیکن میں اپنا انسٹرومنٹ اس وجہ سے نہیں لایا کہ تم اس کی وجہ سے مشکوک اور شبہات میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

"تم نے مجھے بلاوجہ مصیبت میں ڈال دیا" وہ بے زاری کے عالم میں بڑبڑایا "اب مجھے تم کو لاد کر گھر بھی پہنچانا ہوگا۔ پتا نہیں تمہیں ایسی احمقانہ بات کہنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟"

"بس، غلطی ہو ہی گئی۔ گھر کے بجائے تم مجھے نرسری پر چھوڑ دینا۔ وہاں سے میں خود چلا جاؤں گا۔"

میری وہ حرکت شری مان سنگھ کے مزاج پر واقعی گراں گزری تھی۔ میری بھیانک منظر کشی کی وجہ سے وہ میری خود ساختہ شرط سے انحراف کرنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا اس لیے وہ بکتا جھکتا ہوا میرے ساتھ ہولیا۔ اس کے محافظ دور دور سے ہمیں دیکھتے رہے۔

"مناسب سمجھو تو کوئی ہتھیار ساتھ لے لینا" عمارت کے وسطی حصے سے گزرتے ہوئے' میں نے اس کے کان کے نیچے سرگوشی کی۔

"کیوں؟" اس نے آنکھیں نکال کر سوال کیا اور بھڑک کر وہیں رک گیا۔

"احتیاطاً مشورہ دے رہا ہوں کیونکہ میں بھی نہتّا ہوں" میں نے مکّارانہ نرمی سے کہا "ایک اچھا سیکرٹ ایجنٹ کبھی بھی ہتھیاروں سے خالی نہیں ہوتا۔ مشورہ ماننا یا نہ ماننا تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔"

وہ مجھے گھور کر رہ گیا۔ اس کی نگاہوں سے ایسی بے بسی ہویدا تھی جیسے اس کا بس چلے تو وہ مجھے کچا ہی چبا جائے گا لیکن مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ راستے میں اس نے مجھے چلتے رہنے کی ہدایت کرکے اپنا رخ تبدیل کرلیا۔ بعد میں جب وہ برآمدے میں مجھ سے ملا تو اس کی ایک جیب خاصی وزنی ہو چکی تھی۔

شری مان سنگھ نے ایک عام شہری نمبروں والی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تو مجھے اس کی جیب سے پستول نکلوانے کی فکر لاحق ہوگئی۔ اس کی جیب میں رہتے ہوئے وہ ہتھیار میرے لیے بالکل بے مصرف تھا۔

"اسپیشل ٹاسک فورس والی بات ادھوری رہ گئی تھی" گاڑی سڑک پر لانے کے بعد اس نے معتدل لب ولہجے میں مجھے یاد دلاتے ہوئے کہا "اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"میں فوج، پولیس اور ایسے ہی دوسرے سرکاری اداروں سے دور رہ کر کام کرنے کا عادی ہوں' اسی لیے مجھے اس بارے میں کچھ علم نہیں" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔

"اس کے بارے میں ہیری کیسنجر بھی پریشان ہے" وہ بولا۔ "پاکستانی حکام ایس ٹی ایف کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتے لیکن ہمارے ذرائع بتاتے ہیں کہ یہ بہت منظم' مؤثر اور طاقتور فورس ہے۔ اس کی ہارڈ کور' اسپیشل سروسز گروپ کے ریٹائرڈ فوجی افسران اور جوانوں پر مشتمل ہے۔ اس کی کمان تمہارے صدر کے چنے ہوئے ایک افسر کے ذمے ہے۔ اس کی شخصیت بہت پراسرار اور پوشیدہ ہے۔"

میں دھیمے سے ہنس پڑا "میرا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ ساتھ ہیری کیسنجر بھی پاکستان کے بارے میں ضرورت سے زیادہ سوچنے لگا ہے' جبھی تم دونوں کو ایسے ڈراؤنے خواب آنے لگے ہیں۔ پاکستان جیسے مسکین ملک میں ایسی کسی رازدارانہ سرگرمی کا امکان ہی نہیں ہے۔ میں نے تو سنا ہے کہ خلا میں گردش کرنے والے جاسوس امریکی سیارے' دن میں اٹھارہ مرتبہ پاکستان پر سے گزرتے ہیں اور یہاں رونما ہونے والی زیرزمین تبدیلیوں تک کو ریکارڈ کرلیتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ایس ٹی ایف کا وجود زیادہ دنوں تک نہیں چھپایا جا سکتا۔"

"لیکن فی الحال یہ ایک راز بلکہ معمّا ہی بنا ہوا ہے' ہو سکے تو اس بارے میں بھی سن گن لینے کی کوشش کرنا" اس نے بولتے بولتے لمحہ بھر کے لیے میری طرف دیکھا اور میرے چہرے پر ناگواری کے اثرات محسوس کرکے فوراً ہی بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا "مگر اس کا ہماری باہمی شرط سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔"

میں دل ہی دل میں اسے گالی دے کر رہ گیا۔ فون پر سلطان شاہ سے بات کرتے ہوئے میرے ذہن میں یہ اچھوتا خیال آیا تھا کہ کسی حیلے سے شری مان سنگھ کو کونسلیٹ کی عمارت سے باہر نکال کر اغوا کرلیا جائے تو غزالہ کی واپسی کا معاملہ کسی پس وپیش کے بغیر طے پا جائے گا۔ محض اسی وجہ سے میں نے اسے کوئی ہتھیار ساتھ لینے پر اکسایا تھا۔

میرا ارادہ تھا کہ دورانِ سفر میں اس کا پستول کسی بہانے سے باہر نکلوا کر اس پر قابض ہو جاؤں گا اور اسی کے زور پر اسے اغوا کرکے ایس ٹی ایف والوں کی تحویل میں پہنچادوں گا جہاں غزالہ پہلے ہی سے موجود تھی۔ اسے شری مان سنگھ کو اپنے روبرو دیکھ کر یقیناً خوشی ہوتی۔

شری مان سنگھ نے سلطان شاہ کا فون آنے سے پہلے ایس ٹی ایف کا ذکر چھیڑا تھا۔ اس نے بعد میں اس ذکر کی ابتدا کی ہوتی تو مجھے شبہ ہوتا کہ کہیں اس نے میرا دماغ نہ پڑھ لیا ہو۔ وہ میرے ساتھ باتوں میں مگن ہوگیا تھا لیکن میں اپنی بدنیتی کی وجہ سے ابتدا ہی سے محتاط اور چوکنا تھا۔ میں نے یہ بات بطور خاص نوٹ کی تھی کہ وہ گاڑی چلاتے ہوئے بار بار عقب نما آئینے پر نظریں دوڑا رہا تھا۔

ابتدا میں مجھے خیال ہوا کہ وہ عادتاً ایسا کررہا تھا۔ سفارت کے نقاب کی آڑ میں وہ درحقیقت ایک خطرناک پیشے سے منسلک تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ چلنے سے پہلے' میں نے اسے مسلح ہونے کا مشورہ دے کر' اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجادی تھی۔ جس کی بنا پر وہ اپنے گرد وپیش اور عقب سے پوری طرح باخبر رہنے

کوشش کر رہا تھا۔

لیکن اس کے اضطراری رویّے میں کوئی ایسی بات مضمر تھی کہ میری چھٹی حس نے مجھے اغوا کی کارروائی پر عمل پیرا ہونے سے روک دیا۔ میری دانست میں وہ الجھن دور ہونے سے پہلے کوئی اور پیش رفت خطرناک نتائج کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔

آخر کار میری بے چینی اتنی بڑھ گئی کہ میں شری مان سنگھ سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"کیا بات ہے؟ کیا کوئی تمہارا پیچھا کر رہا ہے جو تم بار بار عقب نما آئینے میں دیکھ رہے ہو؟" تاج محل ہوٹل والے چوراہے سے گزرنے کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"اپنے محافظوں کی گاڑی کا دھیان رکھنا پڑ رہا ہے" اس نے میرے سوال پر کسی تجسس کا مظاہرہ کیے بغیر' بے پروائی سے کہا۔ "ٹریفک کی بے ہنگم بھیڑ بھاڑ میں وہ اِدھر اُدھر نکل گئے تو مجھے واپس لوٹنا پڑ جائے گا۔"

"کیوں؟" میں نے اس کے آخری فقرے پر چونک کر سوال کیا۔

"آج کل کے مخدوش حالات میں' میں محافظوں کے بغیر شہر کی سڑکوں پر نہیں نکلتا۔ آپس کی دشمنیاں تو چلتی ہی رہتی ہیں لیکن دونوں ملکوں کے سفارتی تعلقات میں جب بھی کوئی خرابی جنم لیتی ہے تو سب سے پہلے ایک دوسرے کا سفارتی عملہ مخالف ملک کے عتاب کا نشانہ بنتا ہے۔ محافظ موجود ہوں تو کم از کم میرے سفارت خانے کو بروقت یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ مجھے چلتی سڑک سے کسی سرکاری ایجنسی نے اٹھایا ہے۔ واردات ہوتے ہی شور مچا دیا جائے تو بدترین تشدد کی نوبت نہیں آتی۔"

اس کی وہ تقریر سن کر میرا سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ ایک گرگِ باراں دیدہ تھا اور اسے عام حربوں سے زیر کرنا کسی بھی صورت میں ممکن نہیں تھا۔

میں فلیٹ پر واپس پہنچا تو سلطان شاہ بے چینی کے ساتھ میرا منتظر تھا۔

اس نے میری کتھا سُن کر بُرا سا منہ بنایا اور جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا "اس کا مطلب ہوا کہ وہاں جانے کا خطرہ مول لے کر بھی کوئی فائدہ نہیں ہو سکا۔ بات وہیں ہے جہاں پہلے تھی۔"

"تمہارا تجزیہ بہت سطحی ہے" میں نے کہا "اگر اس کے پیچھے محافظوں کا لشکر نہ ہوتا تو میں تمہیں تماشا دکھاتا۔ شری مان سنگھ کو بے ہوش کر کے اسٹیشن فور پر پہنچا دیا جاتا اور اس کی گاڑی ہیری کیلر کے قونصلیٹ کے باہر پارک کرا دی جاتی۔ اس طرح ان دونوں سفارتی مشنوں میں جس سرد جنگ کا آغاز ہوتا' اس کا سارا فائدہ ہم ہی کو پہنچتا۔ ان کا گٹھ جوڑ ہمارے لیے بہت بڑا خطرہ بنا ہوا ہے۔"

"یہ سب ملکی اور قومی سطح کی باتیں ہیں۔ تم اتنے بڑے آدمی نہیں ہو کہ ایسی باتوں پر اپنے ذاتی مفادات قربان کرتے پھرو۔ آج کل تو بڑے بڑے لوگ بھی سب کچھ بیچ باچ کر اپنا گھر بھرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ غزالہ کے بارے میں کیا پیش رفت ہوئی؟ اسے کس جرم کی سزا مل رہی ہے؟"

"انسان بس کوشش ہی کر سکتا ہے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تقدیر کو بدلنا اس کے بس سے باہر کی بات ہے۔ وہاں جا کر میں نے شری مان سنگھ کو یہ جتا دیا ہے کہ میں بدترین حالات سے بھی لڑنا جانتا ہوں۔ جب میں نے مشین گنوں کے میگزین نکال کر وہ دونوں ہتھیار ایک طرف پھینکے تو تم تصور نہیں کر سکتے کہ حیرت سے اس کا کیا حال ہوا تھا۔ میرے اس دلیرانہ رویّے کی وجہ سے وہ یہ بھی بھول بیٹھا کہ غلام رسول والے معاملے میں میری پوزیشن مشکوک ہے۔ اس کے ذہن سے شبہات زائل ہو جانے کے بعد مجھے کامیابی کی امید نظر آنے لگی ہے۔ وہ یقیناً غزالہ کو واپس بلوا لے گا۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اکثر اوقات تمہاری بے بنیاد قیاس آرائیاں بھی درست ثابت ہوتی ہیں" اس نے مضمحل سی ہنسی کے ساتھ کہا "لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس اس امر کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ شری مان سنگھ اگلی بار بھی ایسی ہی وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔"

"موجودہ حالات میں ہم رجنی کو اس کی نیک نیتی کی ضمانت سمجھنے پر مجبور ہیں' کل تک وہ اس کی موت کا خواہاں تھا اور آج اس کے فراق میں مرا جا رہا ہے۔"

"ایسی ناقابلِ فہم باتیں اور ان کا جواز تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ یہ رام لیلائیں میری سمجھ سے باہر ہوتی ہیں۔ پتا نہیں لوگوں کو عورت کا اتنا گہرا نشہ کیوں چڑھ جاتا ہے؟"

"وقت آئے گا تو کسی کے بتائے بغیر یہ سارے فلسفے سمجھ لو گے" میں ہنس کر رہ گیا۔

میرے لیے وہ الجھن آمیز مرحلہ تھا۔ ملا سرکار کے بارے میں سب کچھ میرے علم میں تھا۔ میں پوری تفصیل میں جائے بغیر شری مان سنگھ کو صرف اتنا بتا سکتا تھا کہ وہ ایک مقابلے میں دردناک حادثے کا شکار ہو کر مارا گیا' لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ غزالہ کو فوری طور پر سرحد پار سے نہیں بلا سکتا تھا۔ اس کے عزائم کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانے کے لیے میں اسے اتنا وقت دینا چاہتا تھا کہ وہ میرے کچھ بتانے سے پہلے' حسبِ وعدہ غزالہ کو واپس لانے کی کوششیں کر سکے۔

اس کے لیے ضروری تھا کہ میں چند روز کے لیے اپنے دل پر صبر کی سِل رکھ کر حالات سے سمجھوتا کر لوں اور غزالہ کو یکسر بھولا رہوں۔ اس دوران میں ویرا کا معاملہ نمٹایا جا سکتا تھا۔

"اور اب تم ویرا کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو گے؟" مجھے خیالات میں کھویا ہوا دیکھ کر سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"غزالہ سے بھٹک کر تمہارا ذہن لامحالہ اسی کی طرف جاتا ہے۔"

"تم گدھے ہو" میں نے خفت آمیز لہجے میں کہا "بات غزالہ اور ویرا کی نہیں، بلکہ ترجیحات کی ہوتی ہے۔ کیا تم بلیو کراس ڈیل کی اہمیت سے انکار کرسکتے ہو؟"

"ہرگز نہیں!" اس نے اپنا سر سہلاتے ہوئے پُرزور انداز میں کہا "میں تو یہ دیکھتا چلا آرہا ہوں کہ جب بھی تمہاری اور اس کی ٹھن جاتی ہے تو وہ کسی نہ کسی ایسے معاملے میں ہاتھ ڈال دیتی ہے کہ ہم اپنی خونریز دشمنی کو بھول کر، اس کے ساتھ مصالحت پر مجبور ہوجاتے ہیں۔"

"غنیمت ہے کہ اس بار تم نے ویرا سے مصالحت کا الزام مجھ پر نہیں ڈالا۔"

"اسے تم الزام نہیں کہہ سکتے۔ ظفر نے تمہاری اور ویرا کی گفتگو سننے کے بعد تمہارے منہ پر کہہ دیا تھا کہ تم دونوں کبھی ایک دوسرے پر ہتھیار نہیں اٹھاسکو گے۔ میرا اندازہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ فرق اتنا ہے کہ میں اپنے قیاسات کو الفاظ میں نہیں ڈھال سکا اور ظفر نے فوراً ہی تبصرہ کرڈالا۔ میں اس کے خیالات سے سوفیصد متفق ہوں۔"

"وقت آیا تو تم دیکھو گے کہ وہ میرے ہی ہاتھوں ماری جائے گی۔"

"وہ بھی یہی دعویٰ کرتی ہے لیکن اس کا عمل کچھ اور ہوتا ہے۔ ابھی تم شری مان سنگھ اور رجنی کا ذکر کررہے تھے۔ وہاں بھی محبت اور نفرت کا کچھ ایسا ہی کھیل کارفرما نظر آتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ دونوں میاں بیوی کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں لیکن تمہارا اور ویرا کا معاملہ تو کسی بھی خانے میں فٹ نہیں بیٹھتا۔ وہ اچھی طرح جانتی ہے کہ جب تک غزالہ زندہ ہے، وہ تمہاری توجہ حاصل نہیں کرسکتی لیکن پھر بھی وہ تمہارے پیچھے بھاگتی پھر رہی ہے۔"

"تم مبالغہ آرائی کررہے ہو۔ اس کے لیے آسان راستہ یہ ہوتا کہ وہ غزالہ کو ٹھکانے لگادیتی لیکن اس نے آج تک غزالہ کو کوئی بڑا نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔"

"اس میں تمہارا قصور نہیں لیکن تم کو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ تمہیں چاہتی ہے۔ اس کی حالت مجنوں جیسی ہے، جسے لیلیٰ کے ساتھ ہی اس کا کتا بھی عزیز تھا۔ حالانکہ وہ اس پر لپکتا اور بھونکتا بھی تھا۔ وہ غزالہ کو نقصان نہیں پہنچاتی کیونکہ اسے معلوم ہے کہ ایسے کسی واقعے سے تمہیں دکھ ہوگا اور تم اس سے ہمیشہ کے لیے متنفر ہوجاؤ گے۔"

"وقت ہی تمہاری ان کہانیوں کا جواب دے سکے گا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اب میں اسے سلور آئیز دینے کے بہانے بلاکر ہلاک کرسکتا ہوں۔ وہ نقرئی سکّے اس کی مجبوری بنے ہوئے ہیں۔ وہ میرے ایک اشارے پر کہیں بھی دوڑی چلی آئے گی

لیکن پھر بلیو کراس ڈیل کا کیا بنے گا؟"

"بہت نازک معاملہ ہے" وہ جلدی سے بولا "اس بار ویرا سے الجھنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ ایران سے آنے والی چھ سو وزنی کھیپ کو وہی بچاسکتی ہے۔ بارہ ٹن وزنی ہیٹ ایکس چینجر قربانی دے کر اگر بقیہ سامان خیریت سے یہاں پہنچ گیا تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔ اس کی جگہ کسی دوسرے کو اس مشن پر مامور کیا گیا تو سب کچھ تباہ ہوجائے گا۔"

"تمہارے بتائے بغیر بھی میں یہ باتیں جانتا ہوں۔ اس خطّے کے حالات اس قدر نازک اور دھماکا خیز ہیں کہ ایران بھی ایٹمی طاقت بننے کی خواہش رکھ سکتا ہے لیکن اس کھیپ میں یقیناً ایسا سازو سامان موجود نہیں ہوگا جسے جوڑ کر ایک ایٹمی پلانٹ کھڑا کیا جائے۔ ایران والے خفیہ منڈیوں کے دلالوں کے ذریعے یہ کھیپ بھاری داموں کے عوض کسی بھی ملک کو بیچ سکتے تھے لیکن انہوں نے پاکستان کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو اس مشن کو مکمل ہونا چاہیے۔"

"ہوسکتا ہے کہ بلیو کراس ڈیل کے ذریعے ان دونوں ممالک میں طویل مدت پر پھیلا ہوا، تعاون کا کوئی خاص منصوبہ پروان چڑھانے کی کوششیں کی جارہی ہوں۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "ایٹمی میدان میں پاکستان کی طلسماتی کامیابیوں کا ہر طرف شہرہ ہے۔ ایران کی طرف سے ملنے والی مدد کے سہارے پاکستان کے پروگرام میں سرعت پیدا ہوسکتی ہے۔ کل وہ اس پوزیشن میں آسکتا ہے کہ ایران سمیت اپنے دوسرے دوستوں کو مدد دینی شروع کردے۔"

"یہ سب دوردراز امکانات اور قیاسات ہیں" میں نے کہا "سوچنے والی بات یہ ہے کہ شی کے آقاؤں کی پیش بینی کا کیا عالم ہے! انہوں نے ایران کو ایٹمی سازوسامان کی وہ کھیپ اس زمانے میں دی تھی جب وہاں ان کا بہترین اور روایتی دوست حکمران تھا۔ وہ خلائی ترقی کے عروج کا زمانہ نہیں تھا لیکن انہوں نے اس وقت بھی اس کھیپ میں ایسے خفیہ آلات نصب کرنے سے گریز نہیں کیا جن کی مدد سے وہ کسی بھی وقت، پوری کھیپ کو جلے اور پگھلے ہوئے ملبے میں تبدیل کرسکتے ہیں۔"

"اپنے مفادات کے حصول کے لیے اپنے بہترین دوستوں کی بھی خواہشوں کو قربانی کا بکرا بنائے بغیر کوئی بھی ملک پوری دنیا پر حکمرانی کرنے کے خواب نہیں دیکھ سکتا۔ میں تمہیں ایک اور بات بھی بتاتا چلوں۔ مجھے تو یوں محسوس ہورہا ہے کہ وہ لوگ اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے پاکستان کی ایٹمی کامیابیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کررہے ہیں۔۔۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ کہوٹہ کی کہانیاں افسانوی ہیں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تم میری بات نہیں سمجھے۔ میں پاکستان کی کامیابی

اہمیت نہیں گھٹا رہا۔ جو کچھ ہوا ہے وہ واقعی قابلِ فخر اور قابلِ ذکر ہے لیکن عالمی پیمانے پر اسے بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر کچھ اس انداز میں پیش کیا جارہا ہے جیسے پاکستان اس علاقے میں ایک بے لگام ایٹمی عفریت بننے والا ہے۔ وہ عالمی رائے عامہ کو یہ باور کرانے کی مسلسل کوششیں کررہے ہیں کہ پاکستان کے ایٹمی بلیک میل کی وجہ سے پوری دنیا ہولناک تباہی کے کنارے پہنچ جائے گی۔"

"کیا اس طرح وہ پاکستانی عوام اور سائنس دانوں کی غیر ضروری حوصلہ افزائی نہیں کررہے؟"

"یہ ہماری احمقانہ بھول ہوگی کہ ہم ایسی مبالغہ آمیز خبروں پر فخر سے اپنی گردنیں اکڑانے لگیں۔ عالمی غنڈے ہمارے خلاف مضبوط فرد جرم کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں تاکہ کل کو وہ ہمارے خلاف کسی لشکر کشی کا فیصلہ کریں تو دنیا ان کا ساتھ دے اور ہم بھری چوپال میں اکیلے کھڑے رہ جائیں۔ ایک چھوٹے سے ملک کے خلاف کسی عالمی طاقت کی جارحیت کی مذمت کرنے کے بجائے ہر ملک اس کی تعریف کرے گا کہ اس نے عالمی امن کے لیے خطرہ بننے والے عناصر کی سرکوبی کا دلیرانہ فیصلہ کیا۔ حالات بہت سنگین رخ پر جارہے ہیں۔"

"تمہاری ان باتوں سے تو ایسا محسوس ہورہا ہے جیسے ویرا ہماری محسن بننے والی ہے۔"

"اس کے مفادات کچھ اور ہیں اس لیے اس کی سوچ بھی ہم سے مختلف ہوگی۔ البتہ اسے یہ اندازہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ اہم تعاون کی پیشکش کررہی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اس سے ابھی بات کرو" سلطان شاہ اس گفتگو سے بہت زیادہ متاثر نظر آرہا تھا "وہ بہت زیادہ سیماب صفت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی رَو میں آکر اپنا ارادہ ہی بدل دے۔"

سلطان شاہ کا وہ خدشہ بے بنیاد تھا۔ ویرا کھل کر اعتراف کرچکی تھی کہ سلور آئی کے بغیر وہ مشینیں لانے والے کارواں تک رسائی حاصل کرسکتی تھی نہ شی کے بربوں میں لوٹ سکتی تھی۔ اس کے نزدیک وہ باہمی مفادات کا ایک اہم سودا تھا اسی وجہ سے وہ کوچ کرنے کے بجائے 'شہر میں ڈیرے ڈالے' مجھ سے رابطے کے لیے کوشاں تھی۔

سلور آئیز پر قابض ہونے کے بعد وہ اپنے وعدوں سے منحرف ہوجاتی تو اور بات تھی لیکن میں اس کا مزاج شناس تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ مجھے متاثر اور مرعوب کرنے کے لیے وہ آخر تک اپنے الفاظ پر ڈٹی رہے گی۔

میں نے سگریٹ سلگا کر اپریٹس سنبھالا اور صوفے پر دراز ہوکر اس کا سوئچ آن کردیا۔ اس اپریٹس کے ایک حصے میں فوراً ننھا سا سرخ بلب روشن ہوگیا۔

"ہیلو' مسز تھیلما کنگ! ڈینی کالنگ" قدرے توقف کے بعد میں نے اپریٹس پر پیغام دیا۔

"اب میں تھیلما کنگ نہیں رہی ہوں" دوسری طرف سے فوراً ہی ویرا کی آواز سنائی دی "اب تم مجھ سے شرافت سے بات کروگے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں مسز نہیں مِس ہوں۔"

"تم نے مسز نہ ہونے کے باوجود جوانی کی راتوں اور مرادوں کے دنوں کے مزے لوٹے ہیں۔ تمہیں اس خطاب سے اتنا الرجک تو نہیں ہونا چاہیے" میں نے استہزا کے ساتھ کہا۔

"شام کے بجائے تم نے اس وقت کیوں رابطہ کیا ہے؟" اس نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا مشن مکمل ہونے تک ہماری دشمنی کا سلسلہ موقوف ہوچکا ہے" میں نے بھی اس سے الجھنے کے بجائے معنی خیز لہجے میں کہا "اور اب ہمیں....."

"اس کا مطلب ہے کہ تم سلور آئیز سے دستبردار ہونے کے لیے آمادہ ہوچکے ہو؟" اس نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے مسرت آمیز انداز میں کہا "پھر کب اور کہاں آرہے ہو؟"

"جب اور جہاں تم چاہو" ایک بنیادی فیصلہ کرلینے کے بعد میں نے غیر ضروری بحث سے گریز کرتے ہوئے کہا۔

"شہر کے کسی ہوٹل میں مل لیتے ہیں؟" قدرے توقف کے بعد اس کی تفکر آمیز آواز ابھری۔

"اپنا گھر نہیں دکھانا چاہتیں تو ادھر آجاؤ۔ یہ غریب اور اس کا غریب خانہ تمہارا دیکھا بھالا ہے۔"

"کیا تم واقعی سنجیدہ ہو اور کھلے دل سے بات کررہے ہو؟" اس کی آواز تحیر آمیز تھی۔

"تم مجھ پر پوری طرح اعتماد کرسکتی ہو۔ میں جب بھی ماروں گا' تمہیں للکار کر ماروں گا۔ تم جیسی نرم و نازک عورت کو دھوکے سے پکڑنا میرے جمالیاتی ذوق کے خلاف ہوگا۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم نے میرے 'غزالہ کے دوسرے اغوا کے جرم کو اتنی جلدی معاف کردیا ہے۔"

"اس بھول میں نہ رہنا" میں نے فوراً ہی اس کی تصحیح کی "فی الحال میں نے کھاتے بند کرکے دشمنی کا حساب معطل کردیا ہے۔ جس دن ایران سے تمہاری کامیابی کی خبر آئی' یہ کتابیں دوبارہ کھل جائیں گی۔ تم نے بلیو کراس ڈیل کے بارے میں جو کچھ سوچا ہے وہ قابلِ قدر ہے۔"

"فی الحال یہ بھی غنیمت ہے..... لیکن میں ایک فوری مشکل سے دوچار ہوگئی ہوں۔"

"میں مل بیٹھنے کی بات کررہا ہوں اور تم مشکل لے بیٹھیں!" میں نے جھلا کر کہا۔

"مشکل یہی ہے کہ میں اپنے ٹھکانے سے باہر نکل سکتی ہوں نہ تمہیں بلاسکتی ہوں۔"

"یعنی گلے کی ہڈی کی طرح' کہیں بیچ میں پھنس کر رہ گئی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں بابر اسکوائر کے فلیٹ نمبر بارہ میں مقیم ہوں، پچھلے کئی گھنٹوں سے ایک مشتبہ آدمی اس عمارت کے آس پاس منڈلا رہا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ ہیری کیسنجر کا کوئی ٹاؤٹ ہے اور اس نے میری کسی بے پروائی کی وجہ سے میری جھلک دیکھ لی ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ وہ تمہارے فلیٹ کی نگرانی کر رہا ہے جس کی وجہ سے تم وہاں محصور ہو کر رہ گئی ہو؟"

"غالباً میں یہی کہہ رہی ہوں" اس کی جلی بھنی آواز ابھری۔

"برقع اوڑھ کر نیچے اترو اور اس کے سر پر پہنچ کر، کراٹے کا ایک ہاتھ مار کر اس کا منکا توڑ دو۔ اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟" مجھ سے پہلے سلطان شاہ بول پڑا۔

"اس سے کہو کہ اپنی ننھی سی عقل پر زیادہ زور نہ ڈالے۔" ویرا کی غصیلی آواز سنائی دی "میں کسی بھی صورت میں اس کے سامنے آنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی۔ وہ کافی دیر سے یہاں منڈلا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے کچھ ساتھیوں کو بھی یہاں بلا لیا ہو۔"

"میں پوری صورت حال سمجھ چکا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"تم چھیڑ چھاڑ کر کے ان کا دھیان بٹاؤ۔ میں اس افراتفری کا فائدہ اٹھا کر یہاں سے نکل جاؤں گی۔ بعد میں تم بھی اپنی راہ لینا۔"

"وہ فلیٹ ان کی نظروں میں آ گیا ہے تو تم دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کر سکو گی۔"

"ضرورت ہی کیا ہے؟ میں یہاں کرائے پر رہ رہی ہوں۔ کہیں اور چلی جاؤں گی.... بلکہ اب تو میں تمہارے ساتھ بھی رہ سکتی ہوں۔ تمہارے ملک میں اکیلی عورت لوگوں کی غیر ضروری توجہ کا مرکز بن جاتی ہے۔ ساتھ رہنے میں مجھے خاصی سہولت رہے گی۔"

"تم بلاوجہ ہمارے گلے پڑنے کی کوشش کر رہی ہو" اس بار بھی سلطان شاہ خاموش نہ رہ سکا۔ "دشمنی معطل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ تم چاروں ہاتھ پیروں سے ہمارے سر پر سوار ہو جاؤ۔ یہ فلیٹ ہمارا نہیں بلکہ جہانگیر کا ہے۔ اسے پتا چل گیا کہ ہم نے اس کے بیٹے کو اغوا کرنے والی کو یہاں رکھا ہوا ہے تو وہ ہمیں بھی نکال باہر کرے گا۔"

"وہ ڈیلی کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا۔ بچے کی تلاش میں ڈیلی نے دلچسپی نہ لی ہوتی تو پورے شہر کی پولیس مہینوں اس کا سراغ نہیں لگا سکتی تھی اور پھر میں نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اسے شہر کے بہترین کیئر سینٹر میں داخل کرایا تھا۔"

"بچے کا کچھ بگڑا یا نہیں بگڑا لیکن اس کی ماں تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔"

"میں اس سے ملی تو اسے ضرور منالوں گی لیکن تم دونوں کو سمجھانا میرے بس سے باہر ہے" اس کی چڑچڑی آواز سنائی دی "تم دونوں بوڑھی عورتوں کی طرح لٹھ لے کر ہر بات کے پیچھے پڑ جاتے ہو۔"

"انجام بخیر ہونے کی وجہ سے ہم فرض کیے لیتے ہیں کہ سب کچھ ٹھیک رہا ہو گا....."

اس نے تحیّر زدہ انداز میں میری بات کاٹ دی "اخاہ! آج تو تم انگریزی محاورے کا اردو ترجمہ کر رہے ہو۔ غنیمت ہے کہ تم اس مقبول محاورے سے واقف ہو ورنہ....."

"ورنہ کی بات چھوڑو!" اس بار سلطان شاہ نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں دخل اندازی کی تھی "ورنہ کچھ بھی نہ ہوتا۔ چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر، نتیجہ خربوزے کی تباہی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ تمہارا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔"

"میں کہہ چکی ہوں کہ تم اپنی زبان بند رکھو، میں ڈیلی سے بات کر رہی ہوں" ایرپیس پر ویرا کی غصیلی آواز ابھری "وہی میری باتوں کا جواب دے سکتا ہے۔"

"میں تمہاری مرضی کا پابند نہیں ہوں۔ ڈیلی نے منع کیا تو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دوں گا۔ ورنہ میں عام طور پر بے سروپا باتیں سننی پسند نہیں کرتا۔"

"میں وہاں آ کر تمہارا دماغ درست کر دوں گی۔ تم نے خود کو کیا سمجھ رکھا ہے؟"

میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سلطان شاہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ایرپیس میں کہا "تم بلاوجہ گرمی دکھا رہی ہو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ سلطان شاہ تم سے ہار مانے بغیر کئی دن تک بے معنی بحث میں مصروف رہ سکتا ہے۔"

"پھر تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" قدرے توقف کے بعد ویرا نے سوال کیا۔

"میں ابھی نکلتا ہوں۔ تمہیں یقین ہے کہ وہ اکیلا ہی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں فلیٹ میں محصور ہوں اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میں نے صرف اسی کو دیکھا ہے مگر میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ وہ اکیلا نہیں ہو گا۔ تمہیں دیکھ بھال کر اس پر ہاتھ ڈالنا ہو گا۔"

میں نے اس مشتبہ آدمی کا حلیہ دریافت کیا اور ویرا مجھے تفصیل بتانے لگی۔

○☆○

ایک مرتبہ پھر ویرا کا قصہ درپیش تھا اور وہ مافیا کے ناپسندیدہ افراد کی فہرست میں شامل تھی اس لیے میں ڈنکے کی چوٹ پر شیر شاہ سے کام لے سکتا تھا۔

اسی صبح میری حبیب جیوانی سے بات ہو چکی تھی۔ وہ ذاتی وجوہ کی بنا پر چند روز کے لیے اپنے گھر ہی میں مقیم تھا۔ اس لیے عملاً مجھے ٹریڈ لائن کے معاملات اور عملے پر پوری بالادستی حاصل تھی۔ میں چاہتا تو وہاں سے بھاری لاؤ لشکر بھی طلب کر سکتا تھا لیکن میں

نے صرف شیر شاہ کو پوری رازداری کے ساتھ بابر اسکوائر پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ اسے متوقع شکار کا حلیہ بھی بتادیا گیا تھا تاکہ وہ نادانستگی میں اس کے سامنے آنے کی حماقت نہ کر بیٹھے۔

اس کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ میں فلیٹ کو ویرا کے لیے خالی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ موقع پاتے ہی' بابر اسکوائر سے فرار ہو کر سیدھی ادھر ہی آتی اور میدان صاف پا کر' سلور آئیز کی تلاش میں پورے فلیٹ کو تہ وبالا کرسکتی تھی۔ اپنی دیگر مجرمانہ خوبیوں کے ساتھ ہی اسے یہ مہارت بھی حاصل تھی کہ مضبوط اور محفوظ ترین قفل بھی اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس کرکے پگھل جایا کرتے تھے۔ جب کہ سلور آئیز اسی فلیٹ کی ایک مقفل دیوار گیر الماری کے چور خانے میں پوشیدہ تھیں۔ سلطان شاہ کی موجودگی میں وہ فلیٹ میں زیادہ چھیڑ چھاڑ کی جرأت نہیں کرسکتی تھی۔ اس لیے سلطان شاہ کا وہاں موجود رہنا ضروری تھا۔ دوسری طرف دشمن کی تعداد کا مجھے کوئی اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ اگر وہ ایک سے زیادہ ہوتے تو ان سے نمٹنے یا انہیں الجھانے کے لیے ضروری تھا کہ میرے ساتھ کوئی مددگار یا سہل الفاظ میں' قربانی کا بکرا ہوتا جو مشتبہ آدمی سے براہِ راست جا ٹکراتا اور میں دور رہ کر اس کے متوقع حامیوں پر نگاہ رکھنے کی کوشش کرتا۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے میں نے شیر شاہ کی دوڑ تو لگوادی تھی لیکن تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ اسے اصل واقعات سے آگاہ کردیا تھا تاکہ وہ بے خبری میں نہ مارا جائے۔

مجھے معلوم تھا کہ بابر اسکوائر سے فرار ہونے کے بعد ویرا کو دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کرنا تھا اس لیے میں نے شیر شاہ کو بتادیا تھا کہ مجھے بابر اسکوائر میں ویرا کی روپوشی کا شبہ تھا۔ وہ ایک ایسا نکتہ تھا جس کی تصدیق بعد میں بھی کی جاسکتی تھی۔ ویرا کی تصویر دیکھ کر' اس عمارت کے بہتیرے مکین یہ بتاسکتے تھے کہ وہ ایک دو روز سے اسی عمارت میں مقیم تھی۔

میں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اصل کہانی میں صرف اتنی ترمیم کی تھی کہ ویرا کے فلیٹ کی نگرانی کرنے والے کو اس کا محافظ بنادیا تھا اور شیر شاہ کو یہ پٹی پڑھائی تھی کہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو زیر کرنے کے بعد ہم ویرا کو آسانی کے ساتھ اپنا قیدی بناسکیں گے۔"

بابر اسکوائر شہر کے گنجان آباد اور بارونق علاقے کے عقبی حصے میں واقع تھا۔ میں نے وہاں پہنچتے ہی اس دراز قامت کو دیکھ لیا جس کی طرف سے ویرا فکرمند تھی۔ وہ اپنے حلیے اور وضع قطع سے ہی اوباش فطرت معلوم ہو رہا تھا۔ اس کا لباس تیسرے درجے کے عامیانہ بدمعاشوں کی طرح شوخ اور بہت زیادہ بے ڈھنگا تھا جس کی بنا پر اسے دور سے بھی پہچانا جاسکتا تھا۔

ان دنوں مجھے شہر میں کئی دشمنوں کی طرف سے خطرات درپیش تھے اس لیے میں نے کار کے بجائے ٹیکسی میں سفر کرنے کو ترجیح دی تھی۔ میں ٹیکسی چھوڑ کر آگے بڑھا تو مخالف فٹ پاتھ پر وہ بدمعاش نظر آگیا۔ میں رک کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔

میں دیا سلائی بجھانے بھی نہ پایا تھا کہ یک بیک ابھرنے والے شور نے مجھے چونکادیا۔

لمحہ بھر بعد ہی پوری صورتِ حال واضح ہوگئی اور میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

شاید شیر شاہ کہیں چھپ کر اپنے شکار کی نگرانی کررہا تھا اسی وجہ سے اس نے مجھے دیکھ لیا مگر میں اسے دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ مجھے دیکھ لینے کے بعد اس کے لیے خود پر قابو پائے رکھنا دشوار ہوگیا اور وہ باہر نکل کر کسی بہانے سے اپنے شکار سے الجھ پڑا۔

شیر شاہ کا حریف بہت مضبوط اور توانا تھا لیکن وہ اپنی بے خبری کی وجہ سے بُری طرح شیر شاہ کے عتاب میں آگیا۔ میرے متوجہ ہونے سے پہلے انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ کیا سلوک کیا' وہ میرے علم میں نہیں تھا لیکن جب میں تماشائیوں کے تحیر زدہ شور پر اس طرف متوجہ ہوا تو شیر شاہ اپنے حریف کو پختہ فٹ پاتھ پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہوچکا تھا اور مشینی انداز میں اس کے جبڑوں پر گھونسے برسا رہا تھا۔

میرے لیے وہ صورتِ حال خاصی اطمینان بخش تھی۔ شیر شاہ نے ضرورت سے زیادہ عجلت دکھائی تھی لیکن اس نے اپنے حریف کو زمین بوس کرکے اپنا مقصد حاصل کرلیا تھا۔

میں نے اس طرف پیش قدمی کرتے ہوئے' عقابی نظروں سے گردوپیش کا جائزہ لیا لیکن دراز قامت کی مرمت پر کہیں بھی کوئی تشویش انگیز ردِعمل دیکھنے میں نہیں آیا۔

دراز قامت جسمانی اعتبار سے شیر شاہ پر برتری رکھتا تھا۔ اچانک گھیر لیے جانے کے صدمے سے نجات ملتے ہی اس نے پینترے بدلنے شروع کردیے میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی شیر شاہ کو وہ اپنے سینے پر سے اچھال پھینکنے میں کامیاب ہوگیا۔ میرا خیال تھا کہ اب شیر شاہ کو بھی خاصی بے رحمانہ مار سہنی ہوگی لیکن دراز قامت نے اپنے قدموں پر کھڑے ہوتے ہی ایک حیرت ناک حرکت کی اور شیر شاہ پر جوابی حملہ کرنے کے بجائے پلٹ کر بھاگ لیا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے' وہ فٹ پاتھ کے کنارے کھڑی ہوئی ایک سیاہ کار کی اگلی نشست پر گھسا۔ شاید اس کار کا انجن پہلے سے بیدار تھا کیونکہ اس کا دروازہ بند ہونے سے پہلے ہی کار تیزی کے ساتھ حرکت میں آئی اور آناً فاناً میں وہاں سے بہت دور نکل گئی۔

"سالا جیب کترا تھا۔" میں قریب پہنچا تو شیر شاہ تماشائیوں کے سامنے اپنے جھگڑے کی وضاحت کررہا تھا۔ "مقابلے پر ٹھہرتا تو مار مار کر اس کا چہرہ بگاڑ دیتا۔"

شوقین اور پیشہ ور تماشائیوں کے لیے وہ انکشاف سنسنی خیز ثابت ہوا۔ مجمع میں بیک وقت کئی تحیر زدہ اضطراری آوازیں ابھریں۔ ہر ایک کو یہی قلق تھا کہ شیر شاہ نے بھگوڑے جیب کترے

کی اصلیت کا اظہار کرنے میں تاخیر سے کام لیا ورنہ وہ بھی اسے دو چار تھپڑ گھونسے اور لاتیں رسید کر لیتا۔

مجھے دیکھ کر شیر شاہ اس بھیڑ سے نکل آیا۔ کچھ دور تک ہم ایک دوسرے سے لاتعلقی اختیار کیے، آگے پیچھے چلتے رہے پھر ایک موڑ پر وہ میرے برابر میں آگیا۔

"شاباش، تم نے خاصی دلیری کا مظاہرہ کیا۔ اب میدان صاف ہے۔" میں نے اس کی تعریف کی۔

"میرا خیال ہے کہ کار والے کے علاوہ اس کا کوئی اور ساتھی نہیں تھا۔"

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور اسے ساتھ لے کر سڑک عبور کرلی کیونکہ بابر اسکوائر کی عمارت اسی طرف واقع تھی اور میں اس بار شیر شاہ کو ویرا کے مسکن تک لے جانے کے موڈ میں تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ویرا فساد سے فائدہ اٹھا کر فرار ہو چکی ہوگی اور جب ہم اس کے فلیٹ پر پہنچیں گے تو وہاں کچھ بھی باقی نہ رہا ہوگا۔ اس طریقۂ کار کا واحد فائدہ یہ تھا کہ شیر شاہ میری طرف سے سیٹھ حبیب جیوانی کو یہ یقین دلا سکتا تھا کہ میں واقعی ویرا کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔

"تمہاری جیب میں کوئی ہتھیار موجود ہے؟" میں نے اس ڈرامے میں جان ڈالنے کے لیے سرگوشیانہ لہجے میں اس سے پوچھا۔

"بتیس بور کا بھرا ہوا آٹومیٹک ہے" اس نے اپنی داہنی جیب تھپتھپاتے ہوئے کہا "کہو تو اس کا سیفٹی کیچ ہٹالوں؟"

"ہمیں پہلی منزل کے فلیٹ نمبر بارہ پر دھاوا بولنا ہے۔ ویرا بہت چالاک اور مکار عورت ہے۔ اسے ذرا سا بھی موقع مل گیا تو وہ کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو جائے گی۔ اس کے فرار ہونے کا خطرہ نظر آئے تو بے دریغ فائر کر دینا۔ اب ہم اسے ڈھیل نہیں دے سکتے۔"

"تم فکر نہ کرو" وہ فخریہ لہجے میں بولا "آج میرے سر پر بھی خون سوار ہے۔ وہ بچ کر نہیں جا سکے گی۔"

میں اس ڈرامے کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا تھا اس لیے میں نے وقفے وقفے سے بارہ نمبر فلیٹ پر کئی بار ڈور بیل بجائی مگر اندر سناٹا چھایا رہا۔ شیر شاہ نے دھیمی اور ہیجان آمیز آواز میں دروازہ توڑ کر اندر گھسنے کا مشورہ دیا مگر میں اسے گھور کر رہ گیا۔

چوتھی طویل گھنٹی پر وہی ہوا جو میں چاہ رہا تھا۔ پڑوس کے فلیٹ کا دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر مگر صحت مند عورت ہمارے سامنے آگئی۔

"خالی فلیٹ میں مسلسل گھنٹیاں بجا کر تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" اس نے ہم دونوں کو سر سے پیر تک گھورتے ہوئے چڑچڑے لہجے میں پوچھا "کیا در و دیوار سے جواب لینا چاہتے ہو؟"

"خالی فلیٹ؟" میں نے بوکھلاہٹ کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"مگر ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ یہاں مسز تھیلما کنگ رہتی ہے، ہم اسی سے ملنے آئے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس کا نام یہی ہو لیکن میں نے اس سفید فام عورت کو چند منٹ پہلے باہر جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے لیے کوئی پیغام ہو تو مجھے بتا دو لیکن اس بے ہودہ گھنٹی پر محنت نہ کرو۔ اس کی کرخت آواز سے مجھے خلجان ہونے لگتا ہے۔"

میں نے بے بسی سے شیر شاہ کی طرف دیکھا اور کہا "ہم دوبارہ آئیں گے۔ ہمارا اس سے ملنا ضروری ہے۔ آپ کو جو زحمت ہوئی، اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔"

چڑچڑی بڑھیا نے اس وقت تک اپنے فلیٹ کا دروازہ بند نہیں کیا جب تک ہم نے زینے اترنے شروع نہ کر دیے۔ شیر شاہ اس بڑھیا کی مداخلت پر بری طرح بھنایا ہوا تھا مگر میرے لحاظ میں خاموش تھا۔

شیر شاہ کے لیے وہ ایک اہم مشن تھا۔ جس کی کامیابی اس کا مستقبل بنا سکتی تھی اس لیے وہ یکے بعد دیگرے متعدد متبادل تجاویز پیش کرتا رہا اور میں اس کے ہر منصوبے میں کوئی نہ کوئی خامی نکال کر اسے مسترد کرتا رہا۔ آخر کار میں نے اسے ویرا کے فلیٹ کی نگرانی پر مامور کرتے ہوئے اپنا فون نمبر دیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ رات کے دس بجے تک فلیٹ پر گہری نگاہ رکھے اور ویرا کے نظر آتے ہی مجھے فون پر مطلع کر دے۔

"اور اگر وہ دس بجے تک واپس نہ آئی؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"میں اس معاملے میں تمہارے علاوہ کسی اور کو اعتماد میں نہیں لینا چاہتا۔ میرا بس چلے تو میں ویرا کی واپسی تک تمہیں یہیں روکے رکھوں لیکن تم بھی انسان ہو۔ تمہاری قوت برداشت کی ایک حد ہے۔ اس کے بعد تمہیں آرام کی ضرورت محسوس ہونے لگے گی۔ اسی وجہ سے میں نے دس بجے کی حد مقرر کی ہے۔"

"تم اپنے ماتحتوں کا بہت خیال رکھتے ہو، باس!" وہ ممنونیت سے لبریز آواز میں بولا "جب تک میرے اعصاب میں دم خم ہے، میں یہیں ڈٹا رہوں گا۔ آخر کار وہ یہیں واپس آئے گی۔"

"گڈ! یہ بہت اچھی بات ہے۔ اس دوران میں تم اس کے بارے میں معلومات بھی جمع کر سکتے ہو۔ جب بھی تم واپس لوٹنا چاہو، چلے جانا مگر مجھے فون کرنا نہ بھولنا تاکہ میں کوئی متبادل بندوبست کر سکوں" میرے ان فقروں پر اس کا سینہ پھول گیا۔ اس کے لیے یہ احساس باعثِ فخر تھا کہ میں نے اسے ایک اہم مشن پر مامور کیا ہے۔

اسے بیگار سے لگا کر میں نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اوّل تو مافیا والوں کو اس امر کا ٹھوس ثبوت فراہم کر دیا تھا کہ میں پورے خلوص سے ویرا کی گھات میں لگا ہوا تھا تاکہ ہیروئن کی مقامی منڈی پر سے شی کا رہا سہا رسوخ ختم کر کے مافیا کی

بالادستی قائم کی جاسکے۔ دوم یہ کہ میں مفرور ویرا کی تلاش کے بہانے غیر معینہ مدت کے لیے ٹریڈ لائن سے غائب رہ سکتا تھا۔

میں واپس فلیٹ پہنچا تو ویرا وہاں موجود تھی۔ وہ مجھ سے بڑی گرمجوشی سے ملی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے وہ مطلب پر آگئی۔ "معاہدے کے مطابق سلور آئیز میرے حوالے کرو تاکہ قصہ ختم ہو اور میں اپنے مشن پر روانہ ہو جاؤں۔"

"آپ ایسی بھی کیا عجلت ہے؟" میں نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے ملائمت سے کہا۔ "اپنے فلیٹ سے فرار ہو کر آئی ہو تو اب تھوڑی دیر کے لیے اطمینان سے ہمارے پاس بھی بیٹھو!"

"بیٹھوں گی نہیں' اصرار کرو گے تو لیٹ بھی جاؤں گی۔" اس نے استہزائیہ لہجے میں کہا "لیکن پہلے سلور آئیز میرے حوالے کر دو۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔"

میں اسے سلطان شاہ کے ساتھ وہیں چھوڑ کر' کمرے سے باہر نکل گیا'

میرے خفیہ اور مقفل ٹھکانے پر سلور آئیز جوں کی توں موجود تھیں۔ میں نے وہاں سے دو طلائی سکّے نکالے جن پر چاندی میں حسین اور خوابناک آنکھ' اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ ڈھلی ہوئی تھی۔

میں نے واپس آتے ہی وہ دونوں سکّے ویرا کے سامنے پھینک دیے۔

"یہ کیا؟" اس نے حیرت سے کہا "یہ تو صرف دو سلور آئیز ہیں۔"

"تمہاری گنتی واقعی قابلِ رشک ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "یہ دو ہی ہیں۔"

"تیسری کہاں ہے؟" ویرا نے اضطراری انداز میں سوال کیا۔ دونوں سکّے اس نے اٹھا لیے تھے۔

"شاید میرے ماتھے پر اُگ آئی ہو۔" میں نے تمسخر آمیز انداز میں کہا۔

"تم اس کا کیا کرو گے؟ وہ بھی مجھے دے دو!" اس نے حریصانہ لہجے میں کہا۔

"جو کچھ طے ہو چکا ہے' اس سے تجاوز کرنے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے کہا۔ "کل کیا صورتِ حال ہو گی' اس کے بارے میں نہ تم کچھ جانتی ہو' نہ مجھے کوئی علم ہے۔ اس لیے فی الحال دو پر ہی گزارہ کرو۔ ان کی مدد سے تم نہ صرف بلیو کراس ڈیل والا کام سر انجام دے سکتی ہو بلکہ جمی لائیڈ کو بھی خوش کر سکتی ہو۔"

"یہ عورت آفت کی پرکالہ بلکہ شیطان کی خالہ ہے۔" سلطان شاہ نے کسی بھی قسم کی نفرت یا برہمی کا اظہار کیے بغیر مجھ سے کہا۔ "اس کی ذات سے تمہیں فائدہ ضرور پہنچتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہونے پاتا کہ وہ فائدہ کس وقت خسارے میں تبدیل ہو جائے گا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی سی ورزش کے بعد تمہاری عقل بھی کھل گئی ہے۔" ویرا نے اپنی روایتی خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "پرکالہ اور خالہ کا قافیہ ملاتے ہوئے تم یہ بھول گئے کہ سلطان اور شیطان ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ اس حوالے سے تم مجھے اپنی خالہ مان لو تو ہمارے سارے جھگڑے طے ہو سکتے ہیں۔"

اس سے بات ختم کرتے ہی ویرا میری طرف متوجہ ہو گئی۔ "تم ثی سے ہمیشہ کے لیے اپنا تعلق ختم کر چکے ہو' سلور آئی تمہارے کسی کام نہیں آئے گی کیونکہ اب ثی نے تمہارا پیچھا ہی چھوڑ دیا ہے۔ اس ایک سلور آئی سے تم کسے اور کس لیے دھوکا دو گے؟"

"بُرے وقت میں کھوٹا سکہ بھی کام آجاتا ہے۔ پھر یہ تو ثی کا بیش قیمت طلائی سکہ ہے۔ نہ جانے کب اور کہاں کام آجائے۔ اس بارے میں ضد کر کے بد مزگی پیدا نہ کرو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے بولی۔ "پھر مجھے نکلنا چاہیے۔ تمہارے چکر کی وجہ سے میں نے ابھی تک ایران جانے کا کوئی بندوبست نہیں کیا ہے۔"

"تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تم میرے اصرار پر انکار کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ ویسے بھی تمہارا کام میری نگاہ میں بہت اہم ہے۔"

"ایرپش پر بات کرتے ہوئے تو تم نے ہمارے ساتھ رہنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا؟" سلطان شاہ بولا۔

"تم جیسے بے مصرف اور ناکارہ آدمی کے ساتھ رہ کر میں کیا کروں گی؟" ویرا کو اس پر فقرہ کسنے کا موقع مل گیا۔ "یہی بات ڈینی نے کہی ہوتی تو اس پر غور بھی کیا جا سکتا تھا.... آج تو تمہارے چکر کی وجہ سے ڈینی نے بھی پینے پلانے کی بات نہیں کی۔ اتنے دنوں بعد ملاقات ہوئی ہے اور یہ مجھے سوکھا ٹرخا رہا ہے۔"

"فکر نہ کرو' ہم لوگ مہمان نوازی کے آداب سے واقف ہیں۔ تم آرام سے بیٹھو' میں ابھی تم کو گیلا کرنے کا بندوبست کرتا ہوں۔" میں نے اسے رکنے پر آمادہ پا کر جلدی سے کہا۔

"خدا کی پناہ!" سلطان شاہ حیرت سے آنکھیں نکال کر بولا "تو تم لوگ دن دہاڑے شراب نوشی کرو گے۔ میں نے تو سنا ہے کہ باقاعدہ شرابی بھی سورج ڈھلنے کے بعد ہی اپنی محفل سجاتے ہیں۔"

"شرم کی بات ہے کہ ڈینی جیسے آدمی کے ساتھ رہ کر بھی تم کچھ نہیں سیکھ سکے۔" ویرا ہاتھ آیا ہوا کوئی موقع ضائع کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ "دن کو سفید شراب پی جاتی ہے' دُھندلکا پھیلنے پر سنہرے رنگ کی شراب چلنے لگتی ہے۔ تمہیں آج تک یہ بھی پتا نہیں چل سکا کہ جن اور وسکی میں کیا فرق ہے؟ میں نے تو تمہارے کسی بڑے شاعر کے بارے میں سنا تھا کہ کسی نے اسے وقت کے بارے میں ٹوک دیا تھا تو اس نے فوراً ہی منہ توڑ جواب دیا تھا کہ شراب گھڑی نہیں بلکہ گھڑے سے پی جانے والی شے ہے....."

"بس، بس!" میں نے ہاتھ اٹھا کر ویرا کو خاموش کر دیا۔ "تم بلا وجہ بات نہ بڑھاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں بھی سلطان شاہ سے اُلجھنے میں لطف آتا ہے۔" پھر میں فوراً ہی سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "ہم لوگ ایک دو گھنٹے تک بیٹھیں گے۔ اگر تم چاہو تو اس دوران میں اپنا بازار کا کام نمٹا سکتے ہو۔"

سلطان شاہ میرا اشارہ سمجھ کر فوراً ہی اٹھ گیا۔ "بازار نہ گیا تو رات کو ہوٹلوں کے باسی کھانے پر گزارا کرنا پڑے گا۔ میری واپسی چار بجے تک ہو گی۔" میں نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا اور وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

تخلیہ ہوتے ہی ویرا کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی اور وہ خطرناک نگاہوں سے مجھے گھورنے لگی۔

"یہ نہ بھولو کہ سلطان شاہ راستے میں سے بھی واپس آسکتا ہے۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

"اتنا میں بھی جانتی ہوں۔ شہر میں زلزلہ بھی آگیا تو وہ چار بجے سے پہلے اس عمارت میں قدم نہیں رکھے گا۔ تم دونوں کے ساتھ رہ کر میں بھی اتنی بات سمجھنے لگی ہوں۔"

فلیٹ کے کیبنٹ میں میرا پرانا ذخیرہ موجود تھا۔ گلاس، آئس پاٹ، ٹانک واٹر اور لندن ڈرائی جن کی بوتل لے کر میں ڈرائنگ روم میں آیا تو ویرا اپنے وینٹی بیگ میں سے آئینہ نکال کر اپنا میک اَپ درست کر رہی تھی۔ اس کے کھلے ہوئے وینٹی بیگ میں اس کا خود کار پستول چمک رہا تھا۔

دونوں گلاس ویرا نے اپنے مرمریں ہاتھوں سے بنائے پھر اپنا گلاس میری طرف لہراتے ہوئے کہا "چیئرز۔ تمہاری غزالہ کی خیریت اور سلامتی کے نام۔"

میں نے چیئرز کہہ کر اپنا گلاس ہولے سے اس کے گلاس سے ٹکرایا۔ کمرے کی فضا میں شیشے کا ہلکا سا ترنم گونجا اور میں نے ایک بڑا گھونٹ اپنے معدے میں اتار لیا۔ اس لمحے میں نے محسوس کیا کہ ویرا کے تنفس کی رفتار قدرے بڑھی ہوئی تھی اور کمرے کی پُرسکوت فضا میں اس کے گرم گرم سانسوں کی ہلکی سی آواز گونج رہی تھی۔

"میں دو چار دن رہنے کے ارادے سے یہاں آئی تھی۔" اس نے سگریٹ کے چند گہرے گہرے کش لینے کے بعد دھیمی آواز میں کہا "مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو یا نہ ہو لیکن ہم ایک طویل عرصے تک ایک دوسرے سے نہیں مل سکیں گے۔ شاید مجھے ایران سے ہی آگے جانا پڑ جائے۔"

"میرے اور تمہارے راستے مختلف ہیں۔" میں نے اس کے موڈ کا اندازہ لگاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "تم اب بھی شی سے وابستہ ہو کیونکہ وہ تمہارے باپ کی تنظیم ہے۔ اسے بُرا بھلا کہنے کے باوجود تم لاشعوری طور پر اسی کی نادیدہ پناہ میں اپنی زندگی گزارنی چاہتی ہو مگر میں جی لائیڈ اور شی کا بدترین دشمن ہوں۔ اس کے باوجود میں تمہاری ترقی اور کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔ شرط صرف اتنی ہو گی کہ آئندہ میرا راستہ کاٹنے کی کوشش اور نہ ہی میرے ملک کے خلاف کسی سازش میں شریک۔ دو باتوں سے بچتی رہو گی تو ہم اچھے دوستوں کی طرح رہیں گے ورنہ محاذ آرائی چلتی رہے گی۔"

"دوست!" اس نے گلاس سے ایک اور گھونٹ حسرت بھری آواز میں کہا۔ "اسی ایک رشتے کے لیے ترس رہی ہوں۔ کاش تم نے بھی مجھے دوست سمجھا ہوتا۔۔۔"

"یہ دوستی نہیں تو اور کیا ہے کہ ہم دونوں اس وقت بیٹھے ہوئے ہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"یہ دوستی نہیں، بس ایک آشنائی سی ہے۔ آشنائی ایک کی بھی ہوتی ہے اور برسوں کی بھی۔ دوستی اس سے بہت بہت بڑا رشتہ ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں نے عمر بھر مردوں کو قدموں میں جھکایا ہے۔ میں اپنی پسند کے کھلونوں سے کھیلتی انہیں توڑتی رہی ہوں لیکن تمہیں میں نے اپنے دل میں ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ تم غزالہ کو ٹوٹ کر چاہتے ہو اور وہ زندہ رہے گی، تم میرے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچ میں نے اپنا سب کچھ تمہیں سونپ دیا۔ تمہیں حاصل کرنے لیے میں نے بھی غزالہ پر کوئی مہلک وار نہیں کیا۔ میری عجیب ہے۔ میں تمہیں چاہتی ہوں تو کسی ایسی شخصیت کو جو بہت عزیز ہو، دکھ پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ میں مانتی کہ میں تمہیں تنگ کرنے کے لیے ایک مرتبہ پھر غزالہ کو مشکلات سے دوچار کر چکی ہوں لیکن میں نے اسے کوئی جسمانی نقصان نہیں پہنچایا۔"

"تو تم یہ سمجھ رہی ہو کہ بھارتی کونسلیٹ والے اسے طرح رکھ رہے ہوں گے؟" میں نے اس کی غیر معمولی جذباتی نظر انداز کرتے ہوئے، وہ چبھتا ہوا سوال کر ڈالا۔

"انہیں غزالہ سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ وہ لوگ تو میں رکھ کر مجھے گھیرنا چاہ رہے ہیں تاکہ مجھے پکڑ کر ہیری حوالے کر سکیں۔ جب وہ میری طرف سے ناامید ہو جائیں غزالہ کو بے ہوش کر کے شہر کے کسی ویرانے میں ڈال دیں گے۔"

"کاش ایسا ہوتا!" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ بد قسمتی سے ایسا نہیں ہے۔ شری مان سنگھ غزالہ کے ساتھ میرے بارے میں بھی بہت کچھ جانتا ہے اور اب وہ غزالہ ذریعے مجھے پھانسنے کے چکر میں ہے۔ واقعات پر گرفت جائے تو انہونی باتیں ہونے لگتی ہیں۔"

"تمہارے بارے میں، میں نے اس سے بہت سرسری کیا تھا جو صرف تمہارے نام تک محدود تھا۔ اسے اس کے بھی کچھ معلوم ہے تو اس کا ذریعہ بھی کچھ اور ہو گا۔"

"ذرائع کچھ بھی رہے ہوں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ

معاملہ الجھ گیا ہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "غزالہ' شری مان سنگھ کی تحویل میں ہے اور اس کی بازیابی کا معاملہ اُلجھتا ہوا نظر آرہا ہے کیوں کہ شری مان سنگھ مجھے کسی کام میں الجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"کیا اس نے تم سے رابطہ کیا ہے؟" ویرا نے چونک کر سوال کیا۔

"رابطہ کیا ہو یا نہ کیا ہو' مجھے میرے ذرائع ہر وقت صورتِ حال سے باخبر رکھتے ہیں۔ تمہارے قیاسات جو کچھ بھی رہے ہوں لیکن ہونا وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں کیونکہ میرے آدمی شری مان سنگھ کے ذہن تک رسائی رکھتے ہیں۔"

"اوہ!" اس کے دہانے سے غیر ارادی طور پر آواز برآمد ہوئی پھر اس نے پوچھا۔ "وہ غلام رسول کا کیا قصہ تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ شری مان سنگھ اس میں بھی ملوث رہا ہو؟"

"وہ میری بساط سے زیادہ اونچا معاملہ ہے۔" میں نے سادگی سے کہا۔ "اس میں کون ملوث ہے اور کون نہیں؟ میں اس بارے میں کوئی رائے زنی نہیں کر سکتا۔ میرے لیے اہم ترین بات یہ ہے کہ تم غزالہ کو ورغلا کر یہاں سے لے گئیں اور اب وہ شری مان سنگھ کی قید میں ہے۔"

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "ہمارے درمیان دشمنی معطل ہوجانے کے بعد دوستی کا دور شروع ہوچکا ہے۔ اب اگر تم واقعی مجھ سے کسی قسم کی مدد لینی چاہتے ہو تو کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر مجھے ہر وہ بات بتا ڈالو جو تمہارے ذہن میں ہے۔ شاید میں کچھ کرسکوں!"

اس کی بات معقول مگر معنی خیز تھی۔ وہ اس قدر متلون طبیعت کی مالک تھی کہ میں آنکھیں بند کرکے اس پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کسی وقت بھی' ذرا سی بات پر مشتعل ہو کر' ایک بار پھر میرے خلاف صف آرا ہو سکتی تھی۔ جب کہ میرے لیے بلیو کراس ڈیل کو ہولناک تباہی سے بچانا سب سے اہم تھا۔ وہ کام مکمل ہونے سے پہلے میں ویرا کو برہم یا ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

اس سے تھوڑی بہت گفتگو کرنے کے بعد میں یہ نتیجہ اخذ کر چکا تھا کہ شری مان سنگھ کے بارے میں ویرا کی معلومات ان ہی نکات تک محدود تھیں' جن سے اس کا براہِ راست تعلق تھا۔ میرے اور شری مان سنگھ کے درمیان پیش آنے والے' بعد کے واقعات سے وہ یکسر لاعلم تھی۔

اس تجزیے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے ویرا کی معلومات میں کوئی قابلِ قدر اضافہ کیے بغیر' اسے ایک فرضی کہانی سنا دینی چاہیے تاکہ وہ کچھ کرنے کا ارادہ رکھتی ہو تو اسے پیش رفت کا سہارا مل سکے۔

تمام تم سے کچھ بھی نہیں چھپا رہا۔" لمحہ بھر کے توقف اور تیز رفتار ذہنی تجزیے کے بعد میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہنا شروع کیا۔ "اپنے اشتعال اور غصے کی وجہ سے تم نے غزالہ کو شری مان سنگھ کے چنگل میں دے دیا اور خود میرے خلاف ایک محاذ کھول کر بیٹھ گئیں۔ میرے لیے وہ پیچیدہ صورتِ حال ناقابلِ قبول تھی۔ ایک طرف میں تمہارا کھوج نکالنے کی کوشش کرتا رہا اور دوسری طرف شری مان سنگھ کے بارے میں بھی سوچتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ میں اسے ذرا دھمکا کر' غزالہ کی واپسی پر مجبور کرسکا تو یہ میری بہت بڑی کامیابی ہوگی۔"

"ایک منٹ!" ویرا نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "شری مان سنگھ جیسے گھاگ آدمی کو ڈرانے دھمکانے کے لیے کسی ٹھوس بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمہارے اس فیصلے کی کیا بنیاد تھی؟"

اس کے سوال سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پوری توجہ اور ذہنی ارتکاز کے ساتھ میری کہانی سن رہی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری نقل و حرکت میری نگاہ میں تھی۔ تم جس گاڑی میں اپارٹمنٹ کو نسلیٹ سے فرار ہوئیں' اس کا میک' ماڈل اور رنگ بھی میرے علم میں تھا۔ بعد میں وہ کار ایک پُراسرار دھماکے میں تباہ ہوگئی تھی۔ میں نے ان حوالوں کی بنا پر شری مان سنگھ کو فون کیا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں ایک فری لانسر ہوں۔ اگر اس نے میرا منہ بند رکھنے کے لیے میری شرائط تسلیم نہ کیں تو میں معقول انعام کے بدلے میں وہ ساری معلومات کسی اہم سرکاری ادارے کو فراہم کردوں گا۔ فوری طور پر وہ میرے انکشافات سے خوف زدہ ہوگیا تھا۔ فون پر اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پریشان اور متفکر ہوگیا ہے۔ میں نے اسے یہ بھی جتا دیا تھا کہ مشتبہ کار میں کو نسلیٹ سے فرار ہونے والی ویرا لائیڈ تھی جو ایک بین الاقوامی مجرمہ ہے اور نہایت شدت کے ساتھ مقامی پولیس کو مطلوب ہے۔ اس نے بظاہر ہتھیار ڈالتے ہوئے مجھ سے میری شرائط کے بارے میں دریافت کیا۔ یہاں مجھ سے ایک چوک ہوگئی کہ میں نے غزالہ کی رہائی کا معاملہ براہِ راست چھیڑ دیا۔ اگر وہ کئی شرائط میں سے ایک مطالبہ ہوتا تو شری مان سنگھ کو کسی قسم کا شبہ نہ ہوتا لیکن غزالہ کی بات سنتے ہی وہ شاید چوکنا ہوگیا۔ اس نے مجھ سے مزید چند سوالات کیے اور آخر میں کھل کر سامنے آگیا۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ اسے میری کہانی پر یقین نہیں ہے۔ میں ڈینی کے لیے کام کر رہا ہوں کیونکہ روئے زمین پر ایک وہی شخص غزالہ کے بارے میں فکرمند ہوسکتا ہے۔ اس نے مجھ سے مزید گفتگو کرنے سے گریز کرتے ہوئے' سختی کے ساتھ اصرار کیا کہ وہ صرف اور صرف ڈینی ہی سے بات کرسکتا ہے اور ڈینی کو غزالہ کے حصول کے لیے اس کی چند شرائط قبول کرنی ہوں گی۔ میں نے سلسلہ منقطع کردیا۔"

"پھر کیا ہوا؟" مجھے خاموش پاکر ویرا نے سوال کیا۔ "تم نے بعد میں اسے اپنی اصل حیثیت میں فون تو کیا ہوگا؟ وہ تم سے کیا چاہ

رہا تھا؟"

"میں نے اسے فون نہیں کیا۔ میں ابھی تک تذبذب میں مبتلا ہوں۔" میں نے تفکر آمیز سنجیدگی کے ساتھ جھوٹ بولا۔ "اس کے بجائے میں نے تمہاری تلاش میں زیادہ دلچسپی لی کیونکہ میرا خیال تھا کہ تمہارے ذریعے کامیابی کا امکان زیادہ ہو سکتا ہے اور آج تم میرے ساتھ بیٹھی ہوئی ہو۔"

"تم نے غلطی کی۔" وہ متاسفانہ انداز میں بولی۔ "تمہیں اس کو فون ضرور کرنا چاہیے تھا تاکہ تمہیں اس کا ذہن پڑھنے میں مدد ملتی۔ اس کی بات کو ماننا یا نہ ماننا پھر بھی تمہاری مرضی پر منحصر ہوتا۔"

"یہاں تم اندازے کی غلطی کر رہی ہو۔ اگر میں اس کے مطالبے تسلیم کر لیتا تو وہ مجھ پر حاوی ہو جاتا اور کسی نہ کسی شرط کی تکمیل کو غزالہ کی واپسی سے منسلک کر دیتا۔ میرے انکار کی صورت میں وہ غزالہ پر تشدد یا پھر اس کے قتل کی دھمکی بھی دے سکتا تھا۔ اس خوف نے مجھے اس سے رابطے سے روکے رکھا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم ابھی، میری موجودگی میں اس سے بات کرو۔ وہ تمہارے قابو میں نہیں آیا تو پھر میں کوئی راہ نکالوں گی۔ میں پورے خلوص سے تمہاری مدد کرنی چاہتی ہوں۔"

"میں ہمیشہ سے تمہارے خلوص کا قدردان رہا ہوں۔" میں نے اس کے قریب سرکتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھے معلوم ہے کہ میرے ساتھ شری مان سنگھ کی مصالحت نہیں ہو سکے گی۔ میرے ناکام ہونے کے بعد تم نے اس سے بات کی تو معاملہ الجھ جائے گا۔ وہ سمجھ لے گا کہ غزالہ میرے ساتھ ہی تمہارے لیے بھی بہت اہم ہے۔ اس چکر میں وہ تم پر بھی ہاتھ ڈالنے کی کوشش کر سکتا ہے۔"

"پھر میں ہی اس سے پوچھتی ہوں کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے؟" ویرا نے اپنا گلاس خالی کرنے کے بعد نئی سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ اس معاملے میں اس کا ذہن شاید بہت زیادہ صاف اور واضح نہیں تھا۔

"میں نے اپنی کہانی اس لیے سنائی کہ تمہیں صورت حال کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ تم میرا نام لیے بغیر اپنے طور پر اس سے بات کرو۔ تمہارے ذہن میں جو تجویز ہے اس پر عمل کرو۔ بلکہ شری مان سنگھ میرا کوئی ذکر کرے تو تم میری طرف سے برہمی کا اظہار کر کے اس قصے کو وہیں ختم کر دینا۔ کسی بھی کامیابی کے لیے اسے یہ تاثر دینا ضروری ہے کہ میری اور تمہاری ملی بھگت نہیں ہے۔"

میرے لیے ویرا کو اس راہ پر ڈالنا بہت ضروری اور اہم تھا تاکہ شری مان سنگھ اسے میرے اور اپنے سمجھوتے کے بارے میں کوئی بات نہ بتا سکے۔ غنیمت یہ تھا کہ ویرا میری چال کو سمجھے بغیر میری تجاویز پر دھیان دے رہی تھی کیونکہ میں نے کسی بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کیے بغیر معقولیت کا راستہ اختیار کیا تھا۔

ویرا نے دونوں کے لیے نئے گلاس تیار کیے پھر بولی۔ "تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ غزالہ کی ذات میں بیک وقت دو... دلچسپی بھانپ کر، شری مان سنگھ سخت رویّہ اختیار کرے گا... میں نے ہی اس کی تحویل میں چھوڑا تھا۔ اس کے بعد... مخدوش حالات کی بنا پر خود ہی اس سے رابطہ نہیں کیا... زیادہ بہتر اور منطقی بات یہی ہوگی کہ میں اس سے اپنی ا... واپسی کا مطالبہ کروں۔"

"اہم بات یہ ہے کہ وہ میرا ذکر لے بھی بیٹھے تو تم مجھ... بدترین اختلافات کا ذکر کر کے اسے یہ بھی بتا سکتی ہو کہ... انتقام لینے کے لیے ہی تم نے غزالہ کو اغوا کر کے یرغمال... ہے۔ اس طرح اسے یقین ہو جائے گا کہ اس نے غزالہ کو... لوٹا دیا تو وہ میرے قبضے میں نہیں آ سکے گی۔"

"اور ظاہر ہے کہ تم خود بھی یہ ساری گفتگو سننی چاہو..." اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے... سے اپنا گلاس خالی کیا تھا، اس کی بنا پر اس کی آنکھوں میں... لہرئیے تیرنے لگے تھے۔

"سنا دوگی تو تمہاری مہربانی ہوگی۔" میں نے صوفے... سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے؟ آج مجھ پر مہربان کیوں ہو رہے ہو؟"... میرے جسم سے چپکتے ہوئے بولی۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں ہمیشہ تمہیں اپنا بہترین... سمجھتا رہا ہوں۔" میں نے اس پر اپنی گرفت مضبوط کرتے... کہا۔ "لیکن تمہیں سلطان شاہ کی طرف جھکتا ہوا دیکھ کر... پسپائی کی راہ اختیار کر لی۔ میں دل و جان سے تمہیں ایک... عورت کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے۔" وہ تھکی ہوئی آواز میں... "مشرق میں عورت کو بہت سی زیادتیوں کے باوجود سر کا تاج... رکھا جاتا ہے جب کہ مغرب میں عورت کو بازار کی ایک... جنس بنا دیا گیا ہے۔ وہاں عورت ہر روپ میں بہروپ دھار... مجبور ہوتی ہے۔ اس کے بغیر وہ ہر جگہ نظر انداز کر دی جا... مجھے سلطان شاہ کی ذات میں ایک تندخو اور غیور مرد نظر آ... اپنی عورت کی حفاظت کے لیے ہر وقت خونخوار بھیڑیا بنا... ہے۔ لیکن اس کے قریب جا کر مجھے شدید مایوسی کا سامنا کر... اس میں جہاں بہت سی خوبیاں ہیں وہاں ایک بہت بڑی... ہے کہ وہ عورت کو خلوت میں پہل کرنے کا حق نہیں د... شاید اس کے قبائلی معاشرے نے بچپن میں اسے یہ کچھ... سکھایا ہو۔ یہ بات اس کے ذہن میں اس بری طرح... کہ وہ اس اصول سے انحراف کو براہِ راست اپنی مردانگی... سمجھتا ہے۔ اس نے مجھے بری طرح مایوس کیا ہے اور اب... بھی اس کے خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا ہے۔"

اس دوران میں اس نے اپنا سر میرے بائیں شانے سے ٹکا لیا تھا۔

"مجھے اپنی زندگی میں ہزاروں مرد ملے ہیں۔" وہ اپنے گلاس سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے' مجروح لہجے میں کہہ رہی تھی "لیکن کسی میں ایسی انفرادیت نہیں مل سکی جو مجھے متاثر کرسکے۔ میں نے بہت سے وجیہہ اور بانکے مردوں کو اپنے سامنے ممیاتے اور ہکلاتے ہوئے دیکھا۔ مجھ جیسی عورت کو اپنی دسترس میں پاکر وہ یک بیک یوں پگھلتے ہیں کہ ان سے گھن آنے لگتی ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے اسے رسمی کارروائی تو کہا جاسکتا ہے لیکن محبت کا نام ہرگز نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے برعکس سلطان شاہ ایک باوقار مرد ہے۔ اس کا مردانہ احساس برتری حد سے بڑھا ہوا ہونے کی وجہ سے مجھے ناگوار گزرا لیکن میں اس کی عزت کرتی ہوں۔ اور پھر تم ہو" اس نے رک کر ایک گہرا سانس لیا اور اپنا رخسار میرے شانے سے رگڑتے ہوئے بولی "میرا ماضی تمہارے سامنے کسی کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہے۔ تم جانتے ہو کہ میری زندگی میں بہت سے مرد کھلونوں کی طرح آئے اور ایک سائے کی طرح گزرتے چلے گئے۔ اس کے ساتھ ہی دوسری ستم ظریفی یہ ہوئی کہ جب تم سے میری راہ و رسم بڑھی تو مجھے غزالہ کے ساتھ تمہارے تعلق کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ میں نے تم سے توقعات باندھ لیں اور تم مجھ سے ایک دوست یا شاید کھلونا سمجھ کر اپنا وقت من مانے انداز میں گزارتے رہے۔ وہ میرا پہلا تجربہ تھا کہ میں من مانی کرنے کے بجائے کسی کی تابع ہوئی تھی۔ آخر کار میرا یہ خواب بھی بکھر گیا لیکن اس کی یادیں حسین ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آج کی اس ملاقات میں تم پرانی یادوں کو ضرور تازہ کرنا چاہو گے۔ یہ میری امید ہی نہیں' التجا بھی ہے۔"

میں نے اس کے نرم بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر آہستگی سے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا کہ اس کی مخمور نگاہیں میری چبھتی ہوئی نظروں کے سامنے آگئیں۔ "تم پاگل ہو رہی ہو۔" میں نے کہا۔

"کبھی کبھی عقل اور ہوش مندی کا ساتھ چھوڑ کر ہی سرور ملتا ہے۔" وہ بولی۔

"اور چار بجے وہ واپس آرہا ہے جو میری عقل کا پاسبان بنا پھرتا ہے۔"

"آنے دو' اب مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔" اس نے میری قمیص اپنی دونوں مٹھیوں میں جکڑ لی۔ "آج کی رات تو میں ویسے بھی اسی فلیٹ میں گزارنے کا فیصلہ کرچکی ہوں۔"

"اور بلیو کراس ڈیل کا کیا بنے گا؟" میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ایک دن کی تاخیر سے کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔" وہ اٹھلاتے ہوئے بولی۔ "اگر میں آج نہ آتی تو کیا ہوتا؟ سمجھ لینا کہ ہم آج ملے ہی نہیں تھے۔"

"نہیں' ویرا" میں نے قدرے سختی کے ساتھ کہا۔ "تمہیں آج ہی ایران کے لیے روانہ ہوجانا چاہیے۔ ہماری کسی بھی لغزش سے کام بگڑ گیا تو میرا ضمیر زندگی بھر مجھے ملامت کرتا رہے گا۔"

"کچھ نہیں ہوتا۔" وہ ضدی لہجے میں بولی۔ "میں ان ایرانیوں کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ شور زیادہ مچاتے ہیں اور کام کم کرتے ہیں۔ اُن کا کارواں رک رک کر سفر کرے گا۔ ہمارے پاس ابھی بہت وقت ہے۔"

اس کا موڈ دیکھتے ہوئے مجھے اس بارے میں ہتھیار ڈالنے پڑ گئے لیکن اس کے ساتھ ہی غزالہ کا معاملہ بھی الجھا ہوا تھا اس لیے میں نے بے بسی سے کہا۔ "ایرانی کاہل الوجود ہیں لیکن شری مان سنگھ کسی شارک کی طرح تیز اور پھرتیلا ہے۔ اس سے ابھی چھیڑ چھاڑ کرو گی تو صبح تمہاری روانگی تک کوئی نہ کوئی بات واضح ہوجائے گی۔ خدا کے لیے' اس بارے میں کوئی بہانہ نہ تراش لینا۔"

وہ عجیب سے انداز میں ہنس پڑی۔ "تو پھر اسپیکر فون لاؤ' میں اس سے بات کرتی ہوں۔"

ویرا نے غالباً شری مان سنگھ کا ذاتی نمبر ملایا تھا کیونکہ پہلی گھنٹی پر ہی' اسپیکر فون پر اس کی آواز سنائی دی تھی "ہیلو' سنگھ اسپیکنگ"

"میں ویرا بول رہی ہوں' اپنی امانت کی واپسی کے سلسلے میں۔" ویرا نے کہا۔ غنیمت تھا کہ اس وقت اس کے لب و لہجے پر سے رومانوی اثرات ختم ہوچکے تھے۔

"اوہ' تم کہاں ہو؟" شری مان سنگھ کی تحیر زدہ آواز ابھری۔ "میں تو اس دن سے تمہاری واپسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ تمہاری امانت پوری احتیاط اور حفاظت کے ساتھ میری تحویل میں ہے۔"

شری مان سنگھ کا وہ جواب سنتے ہی میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ غزالہ اس کی تحویل سے نکال کر سرحد پار پہنچادی گئی تھی اور ویرا کو وہ کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔

"تمہیں معلوم ہوچکا ہوگا کہ کچھ لوگ اچانک ہی میرے خلاف ہوگئے ہیں اور مجھے پہلی فرصت میں بے دست و پا کردینا چاہتے ہیں۔ اس بارے میں تم پر بھی ان کا خاصا دباؤ ہے۔ میں تمہاری مجبوریوں سے واقف ہوں اور یہ جانتی ہوں کہ ان کے آمرانہ دباؤ کے سامنے تمہیں اپنی مرضی کے خلاف مجھ سے ہیر پھیر کرنا پڑے گا۔"

"تم خاصی باخبر ہو۔ میں تمہاری کسی بات کی تردید نہیں کروں گا۔ اوپر سے آئے ہوئے خفیہ احکام کے تحت ہم بری طرح بندھے ہوئے ہیں۔ ہیری کیسنجر سے بگاڑ پیدا کرکے ہم خسارے میں رہیں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے خود ہی صورتِ حال کا اندازہ کرکے ہمیں ہر امتحان سے بچا رکھا ہے۔ تم سامنے آجاتیں تو ہمارے تعلقات میں ہمیشہ کے لیے ایک ناگوار سی تلخی پیدا ہوسکتی تھی۔ ہم لوگ شی کے بہت بڑے قدر دان ہیں مگر مجبوریاں..."

"بار بار اپنی مجبوریوں کا ذکر کرکے مجھے شرمندہ نہ کرو!" ویرا

نے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے کہا۔ "بااثر لوگوں کی زبان سے بے بسی اور مجبوری کا ذکر سنتے ہی مجھے وہ اونٹنی یاد آجاتی ہے جو جلتی ہوئی ریت پر ایک بچے کو جنم دینے کے بعد اپنے پیٹ میں اُڑے ہوئے دوسرے بچے کی ولادت کے انتظار میں تڑپ رہی تھی۔"

"واہ! کیا مثال دی ہے تم نے!" شری مان سنگھ کی آواز تحیر زدہ اور خوشامدانہ تھی۔ "ایسا اچھوتا اور نادر منظر تم نے کہاں دیکھ لیا تھا؟"

مجھے خوشی ہوئی کہ ویرا کی خوشنودی اس کے لیے اس قدر اہمیت رکھتی تھی۔

"تھر کے علاقے کا قصہ ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ وہ لڑکی مجھ تک کیسے پہنچے گی؟" ویرا مطلب کی بات پر آگئی۔

"لڑکی کے بارے میں تمہیں شاید علم نہ ہو کہ ڈیبی نامی ایک بدمعاش اس میں دلچسپی لے رہا ہے۔" شری مان سنگھ نے غالباً جھجکتے ہوئے وہ ذکر چھیڑا تھا کیونکہ اس کی آواز سے تردّد جھلک رہا تھا۔

"ڈیبی!" ویرا نے برہمی کے انداز میں دُہرایا۔ "اسے لڑکی کی ہوا بھی نہیں لگ سکے گی۔ میں نے اسی کو زک پہنچانے کے لیے اس لڑکی کو اغوا کیا ہے۔ لیکن تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟"

"میری اس سے بات چیت چل رہی ہے۔" شری مان سنگھ کے اس جواب کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس کی وہ کہانی ویرا کو میری طرف سے ایک بار پھر بدگمان کر سکتی تھی۔

"وہ ہر قیمت پر اس لڑکی کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب میری..." شری مان سنگھ نے اپنی کہانی جاری رکھنی چاہی لیکن ویرا نے میری آنکھ کا اشارہ سمجھ کر فوراً ہی اس کی بات کاٹ دی۔

"اس سے تمہاری کیا بات چیت چل رہی ہے' اس سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔ وہ لڑکی میری مرضی کے بغیر ڈیبی کی تحویل میں نہیں جا سکتی۔ میں اسے فوری طور پر اپنے قبضے میں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"فوری طور پر؟" شری مان سنگھ کی متردّد آواز ابھری۔ "اس میں ذرا سی دقت ہوگی۔"

"وہ کیا؟" ویرا نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں سوال کیا۔ وہ شری مان سنگھ پر حاوی ہو چکی تھی۔

"ڈیبی کے خطرے کے سدّباب کے لیے اس لڑکی کو نئی دہلی کے حکام کی ہدایت پر سرحد پار منتقل کیا جا چکا ہے۔ تم چاہو تو اسے دوبارہ پاکستان لایا جا سکتا ہے لیکن میری رائے میں اسے پاکستان سے باہر رکھنا ہی بہتر ہوگا۔ وہاں ڈیبی اور اس کے ساتھی کوئی گڑبڑ نہیں کر سکیں گے۔"

"تم لوگ یہاں اتنے بے بس نہیں ہو کہ ایک نازک اندام سی لڑکی کو چند روز کے لیے قید نہ رکھ سکو۔ اسے یہاں سے بھیج کر تم امانت میں خیانت کے مرتکب ہوئے ہو۔" ویرا اسے غصہ دکھا رہی تھی۔

"تمہاری بات درست ہے لیکن میرے پاس اُڑتی اڑتی خبریں موجود ہیں کہ ڈیبی اب پاکستانی حکام کے ساتھ تعاون کرنے لگا ہے۔ اگر اس کے ہمدرد دن رات نگرانی شروع کرا دیتے تو ہمارے لیے لڑکی کو یہاں سے ہٹانا ناممکن ہو جاتا۔ ہم نے جو کچھ کیا' اس میں ضرورت کے ساتھ ہی ہماری مجبوری کا بھی دخل ہے۔ ہم لڑکی کو تمہارے مطالبے پر فی الفور تمہارے حوالے کرنے کے پابند ہیں......"

"فی الفور والی بات مت کرو!" ویرا نے تیزی کے ساتھ اس کی بات کاٹ دی۔ "تم اسے فوری طور پر پاکستان کیسے لا سکتے ہو؟ میں اس کی واپسی کراچی میں چاہتی ہوں۔"

میں نے آنکھوں اور ہاتھوں کے اشاروں سے ویرا کو سمجھایا کہ وہ کراچی ہی میں واپسی کی بات پر اصرار نہ کرے۔ مجھے شبہ تھا کہ اس طرح شری مان سنگھ کو بات ٹالنے کا بہانہ مل جائے گا اور ویرا وہ قصہ نمٹنے سے پہلے ہی بلیو کراس ڈیل کے تعاقب میں ایران چلی جائے گی۔

"تم جس طرح چاہو' ہم عمل کرنے کو تیار ہیں۔" شری مان سنگھ کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

"لڑکی کو کراچی لانے میں کتنا وقت صَرف ہوگا؟" ویرا نے مجھے آنکھ سے تفہیمی اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کم از کم تین دن.... اس مدت میں ایک آدھ دن کا اضافہ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ ہماری مشترکہ سرحدوں پر غیر یقینی صورت حال رہی ہے جو کسی بھی وقت بگڑ سکتی ہے۔"

"فضائی بلکہ خلائی سفر کے اس دور میں تم تین دن کی بات کر رہے ہو؟" ویرا نے تلخ لہجے میں کہا۔ "کیا اسے گدھا گاڑی پر لاد کر کراچی لاؤ گے؟"

"فضائی سفر کے لیے دستاویزات تیار کی جا سکتی ہیں لیکن وہ لڑکی بہت بدمعاش ہے۔ اسے علم ہو گیا کہ اسے پاکستان لایا جا رہا ہے تو وہ یہاں پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کر دے گی اور ہمارے کیے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔ اسے زمینی راستے سے ہی یہاں لانا ہوگا۔ اس میں وقت لگ جائے گا۔"

"میرے لیے وقت بہت اہم ہے۔" ویرا نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد سخت اور فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں آج رات سے پہلے اس لڑکی کی واپسی چاہتی ہوں۔ تم دنیا کے کس حصے میں اسے ہمارے آدمیوں کے حوالے کر سکتے ہو؟" ویرا کے لب و لہجے میں پیشہ ورانہ اعتماد جھلک رہا تھا۔ میں حیرت سے اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ چند منٹ قبل' وہ میرے بدن سے چمٹی' اپنے کھولتے ہوئے جذبات کے ہمراہ میں بھی سردی کھائے ہوئے کسی بچے کی طرح کانپ رہی تھی اور اس وقت بلیک کوئن بن کر اس طرح بول رہی تھی جیسے دنیا کے کسی بھی خطے سے خطوں میں اس کے باج گزار رہتے ہوں۔

"دہلی میں یہ کارروائی میرے ایک فون پر عمل میں آسکتی ہے۔ تھوڑی ہی دیر پہلے مجھے خبر ملی تھی کہ لڑکی کو راجستھان سے نئی دہلی پہنچایا جا چکا ہے۔" شری مان سنگھ نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد کہا۔

"پاکستان تمہارے لیے مشکل ہے اور بھارت میں میرے رابطے نہیں ہیں۔ کسی اور ملک کی بات کرو!"

"پھر مشرقِ وسطیٰ یا مشرقِ بعید کا کوئی شہر طے کرلو۔ میں پہلی پرواز سے اسے روانہ کرنے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

"وہاں کے لیے ہوائی سفر مشکل نہیں ہوگا؟" ویرا نے مجھے آنکھ مار کر پوچھا۔

"پاکستان میں آنے والے ہر بھارتی شہری، خصوصاً غیر مسلم کو شبے کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جب کہ دوسرے ملکوں میں یہ صورتِ حال نہیں ہے۔ ہمارا کوئی بھی آدمی اسے ایک مریضہ کے طور پر ساتھ لے جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ پورے سفر اور منتقلی کی کارروائی کے دوران میں وہ ہوش ہی میں نہ آنے پائے۔"

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مشرقِ وسطیٰ کے بیشتر ممالک میں اغوا کے جرم کی سزا موت ہے اس لیے میں ادھر کا خطرہ مول نہیں لوں گی۔ تم اس لڑکی کو ہانگ کانگ پہنچانے کا بندوبست کرو۔"

"ٹھیک ہے۔" شری مان سنگھ نے بلا تامل کہا۔ "مجھے وہاں کا رابطہ دے دو۔ ہانگ کانگ حالانکہ یہاں سے چار گھنٹے آگے ہے لیکن میرے آدمی اسے بارہ بجے سے پہلے وہاں پہنچادیں گے۔"

"ہانگ کانگ کے بارہ بجے؟" ویرا نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"نہیں، میں کراچی کے وقت کی بات کر رہا ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "اس وقت ہانگ کانگ میں صبح کے چار بجے ہوں گے۔ نئی دہلی سے وہاں تک کی پرواز خاصی طویل ہے۔ اسے بھی نظر میں رکھنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ بندوبست مجھے منظور ہے۔ اب کان کھول کر سنو بلکہ نوٹ کرلو کہ تمہارے آدمیوں کو ائرپورٹ پہنچنے کے بعد شنگریلا کے کمرا نمبر آٹھ سو بیس میں ٹھہرنا ہے۔ یہ ہوٹل کولون کے علاقے شم ساچوئی ایسٹ میں واقع اور بہت مشہور ہے۔ ان کی بکنگ مس ترپاٹھی کے نام پر کرائی جائے گی۔ ان کے پہنچنے پر کوانگ فونامی ایک چینی رابطہ کرے گا۔ یہ خیال رہے کہ کوانگ فو کے نام سے آنے والا 'مکاؤ' کا بہت خوفناک گروہ بند ہوگا۔ وہ ذرا سا شبہ ہونے پر اپنے ننھے سے چاقو کی نوک سے اپنے حریف کی شہ رگ کاٹ دینے میں ملکہ رکھتا ہے۔ تمہارا آدمی لڑکی کو ساتھ لے کر، کوانگ فو کے ہمراہ کولون کی سمت پر واقع ایک گھاٹ پر جائے گا۔ وہاں سے وہ تینوں ایک تیز رفتار ہوور کرافٹ پر 'دوسری جانب' ہانگ کانگ کے علاقے وان چائی پہنچیں گے۔ وہاں سے ایک اسپیڈ بوٹ ان تینوں کو لے کر مکاؤ کے لیے روانہ ہوجائے گی۔ مکاؤ پہنچنے کے بعد تمہارا آدمی اپنی مرضی سے کہیں بھی جانے کے لیے آزاد ہوگا۔" ویرا رک رک کر سوچتی اور بولتی رہی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پورا منظر اس کی نظروں میں گھوم رہا ہو۔

"میرے آدمی کو مکاؤ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ شنگریلا ہی میں لڑکی کو کوانگ فو کے حوالے کردے گا۔"

"یہ بہت ضروری ہے۔" ویرا نے سختی سے کہا۔ "ہانگ کانگ اور مکاؤ میں رہنے والے جرائم پیشہ چینیوں سے ہانگ کانگ کی برطانوی انتظامیہ بہت خائف رہتی ہے۔ سمندر میں پولیس کی پیٹرولنگ بھی بہت سخت ہوتی ہے۔ اکثر وہ لانچوں کو سمندر میں گھیر لیتے ہیں تاکہ منشیات اور انسانوں کی اسمگلنگ کا سدِّباب کیا جاسکے۔ ایسے ہی کسی برے وقت کے لیے تمہارے آدمی کی موجودگی ضروری ہے تاکہ وہ اپنے کاغذات وغیرہ کی مدد سے ہانگ کانگ پولیس کو مطمئن کرسکے۔ مکاؤ ان لوگوں کی دسترس سے باہر ہے۔ وہاں کوانگ فو خود حالات سنبھال لے گا۔"

"تم مجھے اپنا نمبر دے دو تاکہ میں اپنا بندوبست کرنے کے بعد تمہیں اطلاع دے سکوں۔"

"فکر نہ کرو۔ ایک گھنٹے بعد میں خود معلوم کرلوں گی۔" ویرا نے یہ کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"تم نے اسے فی البدیہہ ایسا پروگرام بتادیا جیسے تم نے سب کچھ پہلے سے طے کیا ہوا تھا۔" فون بند ہونے کے بعد میں نے حیرت سے کہا۔ "ان باتوں میں ردوبدل ہوسکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کوانگ فو ہانگ کانگ یا کولون میں نہ ہو بلکہ مین لینڈ چلا گیا ہوا ہو۔ چین ایک وسیع و عریض ملک ہے۔ تم اسے کہاں تلاش کرو گی؟"

"آخاہ!" وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔ "تم بھی ہانگ کانگ کے رہنے والوں کی طرح چین کو مین لینڈ کہتے ہو۔ تم وہاں کب گئے تھے؟ مجھے تو یاد نہیں کہ تم نے کبھی ادھر کا رخ کیا ہو۔"

"میں تمہاری طرح پیدائشی مجرم نہیں ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم سے پہلے میں کاروبار میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ اسی زمانے میں ہانگ کانگ کے پھیرے لگائے تھے۔ اب تو وہ سب ایک بھولا ہوا خواب محسوس ہوتا ہے۔ کنکریٹ، اسٹین لیس اسٹیل اور شیشوں سے بجے ہوئے اس ننھے سے ملک کی بھی اپنی ایک پُراسرار کائنات ہوا کرتی تھی۔ اونچے پہاڑوں کے دامن میں اونچی اونچی عمارتیں بھی کھلونوں کی طرح نظر آتی تھیں۔ پھر وہاں کے تند خو اور غصیلے چینی دُکاندار، جن کی آنکھ میں سُور کا بال ہوتا ہے۔ اپنی مرضی سے دس بیس فیصد ڈسکاؤنٹ دے دیں گے، گاہک داموں میں کمی کی بات کرے تو برہم ہو کر اسے دُکان سے اتار دیتے ہیں۔"

"ان چینیوں نے ہانگ کانگ میں بڑے مصائب جھیلنے کے بعد اپنی حیثیت بنائی ہے۔ دوسروں کے ساتھ برا سلوک کرکے وہ اپنے

خراب ماضی کا لاشعوری انتقام لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا یہ سلوک چھوٹی اور درمیانی دُکانوں میں اجنبی چہروں کے ساتھ ہوتا ہے ورنہ وہ بھی اتنے برے نہیں ہیں...“

”لعنت بھیجو ہانگ کانگ پر!“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”میں نے کچھ اور سوال کیا تھا اور تم نے جواب دینے کے بجائے مجھے کہیں اور الجھالیا۔ میں تمہاری حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کا سبب جاننا چاہتا ہوں۔“

”ہانگ کانگ میں ' میں نے طویل عرصہ گزارا ہے۔ ایک زمانے میں افیم اور چرس کی تجارت کے لیے وہ علاقہ بھی بہت زرخیز تھا۔ اردگرد کی ساری پیداواری منڈیوں کا مال وہیں آتا تھا اور وہاں کوانگ فو میرا سرپرست ہوا کرتا تھا۔ وہ دن رات اپنے محل نما مکان میں حسین لڑکیوں اور اپنے پالتو غنڈوں میں گھرا رہتا ہے۔ دنیا بھر کی قیمتی شرابیں ' اس مکان میں دن رات پانی کی طرح بہائی جاتی ہیں۔ وہ کسی اہم ترین ضرورت کے بغیر اپنی اس سلطنت سے باہر نہیں نکلتا۔ وہیں پڑا ' اپنے کارندوں کو ہدایات دیتا رہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مکاؤ میں ہی ہوگا۔“

”وہ اتنا ہی بڑا آدمی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہارے ایک فون پر کولون کی طرف دوڑ لگادے اور اپنی ساری رات برباد کرے؟ پھر اسے بھی آگے کچھ نہ کچھ بندوبست کرنا ہوگا۔“ وہ کہانی میرے حلق سے نہیں اتر رہی تھی۔

”تم اپنی چونچ بند رکھو اور دیکھتے رہو کہ سارا کام کس طرح ہوتا ہے۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ وہ ہانگ کانگ میں میرا سرپرست بنا ہوا تھا۔ وہ مجھے اپنی اولاد کی طرح چاہتا ہے۔“

”پتا نہیں اپنی ضرورتوں کے تحت تم نے کس کس کو اپنا باپ بنایا ہوا ہے۔“ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ”جو تمہارا اصل باپ ہے وہ تمہیں اپنی بیٹی نہیں مانتا اور ایرے غیرے آسانی کے ساتھ تمہارے باپ بن بیٹھتے ہیں۔ ویسے یہ کوانگ فو کس چکر میں تم سے ٹکرایا تھا؟“

”چکر؟“ ویرا نے مجھ پر آنکھیں نکالیں۔ ”خدا کا خوف کرو ' ڈینی! وہ شی کا بہت پرانا آئی مین ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ تو روایتی طور پر مافیا کا علاقہ رہا ہے جہاں زمین ' سمندر اور فضا میں صرف مقامی ڈان کی مرضی چلتی ہے۔ وہاں شی کب سے اتنی فعال اور طاقت ور ہوگئی؟“

”مافیا کا اثر و رسوخ اٹلی سے نکل کر دوسرے علاقوں میں پہنچنے تک مدتیں گزر گئی تھیں لیکن شی وجود میں آتے ہی ہزار پابلا کی طرح ہر طرف پھیل گئی تھی۔ اچانک نمودار ہونے کی وجہ سے مقامی گروہ بند بہت جلد اس سے خائف ہو کر کترانے لگے تھے۔ ان کامیابیوں کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ شی نے ہر علاقے کے بہترین اور بے خوف لوگوں کو اپنے دامن میں سمیٹا تھا۔ ایسا نہ ہوا ہوتا تو مافیا سلسلے ' شی کے ابھرنے سے پہلے ہی اسے کچل ڈالتے۔

اور جمی لائیڈ کے سارے خواب ادھورے رہ جاتے۔“

”اب یہ ہرزہ سرائی ختم کرو اور کوانگ فو کو تلاش کرنے کی کوشش کرو!“ میں نے اسے پچکارتے ہوئے کہا اور وہ بے ہودہ عورت اس بار کسی جونک کی طرح میرے وجود سے چمٹ گئی۔

”تمہاری ان ہی اداؤں پر پیار آتا ہے۔“ وہ چند ثانیوں بعد اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔ ”اب جلدی سے ایک پیگ تیار کرو اور اچھے بچے کی طرح بیٹھ کر تماشا دیکھو کہ میں کس طرح بندوبست کرتی ہوں۔“

اس وقت ویرا کو خوش رکھنا میرے لیے ایک ناگزیر ضرورت کا درجہ حاصل کرچکا تھا۔ اس کی دلچسپی کے طفیل ' غزالہ کی بازیابی کا ناک ترین مرحلہ یک بیک آسان ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اگر میں اپنے طور پر شری مان سنگھ کے ساتھ مغز زنی کرتا رہتا تو وہ مجھے ایک کے بعد دوسرے کام میں الجھا کر مختلف حیلے بہانوں سے غزالہ کی واپسی کے معاملے کو ٹالتا رہتا اور آخر کار ایک ایسا مرحلہ آجاتا جب میں اپنی کسی لغزش کی بنا پر ہمیشہ کے لیے اس کے ملک دشمن چنگل میں پھنس کر رہ جاتا جس سے شاید مر کر بھی نجات نہ ملتی کیوں کہ میرے ساتھ ساتھ وہ ویرا کے ذریعے پھنسی ہوئی غزالہ کو بھی اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کر سکتا تھا۔

میں نے غلام رسول والے معاملے میں اس پر اعتماد کرکے دیکھ لیا تھا کہ بظاہر ایمان دار اور ساہوکار نظر آنے کے باوجود وہ بنیادی طور پر ایک بدنیت آدمی تھا جس سے جیتنا آسان کام نہیں تھا۔

مجھ سے مذاکرات کے دوران میں اس پدر الحرام نے رحنی۔ ساتھ اپنی محبت کا ڈراما رچا کر ' پورے خلوص کے ساتھ مجھے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ وہ نئی دہلی میں بیٹھے ہوئے اپنے اعلیٰ افسران کی مداخلت کی وجہ سے غزالہ کے معاملے پر اپنی گرفت کھو بیٹھا تھا اور اس کی واپسی کے لیے ان لوگوں کی منظوری یا رضا مندی کا محتاج ہو کر رہ گیا تھا۔ جب کہ ویرا کے ساتھ اسی موضوع پر بات کرتے ہوئے ' اس خبیث نے کہیں بھی اپنی بے بسی یا مجبوری کا کوئی اشارہ نہیں دیا تھا بلکہ ویرا کی ہر بات کو بلا کسی پس و پیش قبول کرتا چلا گیا تھا۔

اب اگر ویرا خانم کی مداخلت کی وجہ سے غزالہ کی بازیابی کا مرحلہ اس قدر آسان ہوتا نظر آرہا تھا تو میں اپنی انا پسندی یا غلطی کی وجہ سے اس موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ویرا کسی آوارہ مزاج شہزادی کی طرح ' ٹانگ پر ٹانگ رکھے مجھے دیکھتی رہی۔ میں نے توجہ اور التزام کے ساتھ نئے گلاس تیار کیے۔ جب میں نے ایک گلاس اس کے سامنے رکھا تو اس نے ایک بے ہودہ سا مطالبہ کر دیا۔

عام حالات میں کسی حسین و جمیل دوشیزہ کے ایسے مطالبے پورا کرنا ایک مرد کی تشنہ آرزوؤں کی فہرست میں شامل ہوتا

لیکن اسی کام کو کسی نادر شاہی حکم کے ذریعے ایک فرض بنا دیا جائے تو وہ خاصا ناخوشگوار بلکہ کسی حد تک مشینی عمل بن جاتا ہے۔ میرے لیے وہ اس وقت حکم حاکم مرگِ مفاجات بن گیا تھا۔ میں نے اپنی دانست میں پوری نزاکت، لطافت اور گرمجوشی سے کام لیتے ہوئے اس ہدایت کی تعمیل کی اور ویرا کھلکھلاتی ہوئی اسپیکر فون کی طرف متوجہ ہوئی۔

جہانگیر کو قدرت نے جہاں ہر قسم کے مالی وسائل سے نوازا تھا وہیں اسے ان وسائل سے مستفید ہونے کے ذوقِ سلیم سے بھی نوازا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے گھر کے دونوں نمبروں کے ساتھ ہی اس کے اس عشرت کدے کا فون بھی براہِ راست بین الاقوامی رابطوں کی سہولت سے مزین تھا۔

پہلی ہی کوشش میں ویرا کو اپنا مطلوبہ نمبر مل گیا اور اسپیکر فون پر ایک بھاری مردانہ آواز میں عجیب سی چوں چاں سنائی دینے لگی جو میرے لیے بالکل ہی ناقابل فہم تھی۔

ان آوازوں سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی [illegible] چوہے کی دُم کو گنّا پیلنے کی مشین سے دھیمے دھیمے گزارا جا رہا ہو اور چوہا اپنی دُم پر پڑنے والے دباؤ سے بلبلا کر اونچی اور نیچی آوازوں میں چلا رہا ہو۔

میرے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ویرا کے لیے اپنی ہنسی پر قابو پانا مشکل ہو گیا اور اس نے فوراً ہی فون بند کر دیا۔

"یہ کیا کیا تم نے؟" میں نے غصیلے لہجے میں اس سے پوچھا۔ فون بند کرنے کے بعد وہ [illegible] کر ہنس رہی تھی۔

"اور کیا کرتی؟" اس نے ہنسی کے دوران میں بہ دقت تمام کہا۔ "تمہارے چہرے کے تاثرات سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے تمہیں زبردستی کیسٹر آئل پلا دیا گیا ہو۔ ان آوازوں میں کیا خرابی تھی؟"

"کچھ بھی نہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی چوہے کی دُم موڑی جا رہی ہو اور وہ درد و اذیت سے بلبلا کر بری طرح چلا رہا ہو۔ وہ میرا اپنا ردِ عمل تھا جسے تم نظرانداز کر سکتی تھیں۔"

اس کی ہنسی یک بیک تیز ہو گئی۔ میں حیرانی اور خاموشی کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ اس کا دورہ قدرے کم ہوا تو وہ بولی۔ "تمہارا اندازہ حیرتناک حد تک درست تھا۔ وہ چوہے کی ہی آواز تھی۔ یہ کوانگ فو کا سیکیورٹی سسٹم ہے۔ اس سے بے خبر لوگ اسے کسی قسم کا استفسار سمجھ کر الٹے سیدھے جواب دینے شروع کر دیتے ہیں اور ان کے بولتے ہی وہ کال خود بخود منقطع ہو جاتی ہے۔ ان بے مقصد آوازوں کے جواب میں خاموش رہا جائے تو کال خود بخود کوانگ فو کی سیکریٹری کو منتقل ہو جاتی ہے۔"

"لیکن تم نے فون کیوں بند کر دیا جب کہ تم بالکل خاموش تھیں؟" میں نے پوچھا۔

"میں خاموش ضرور تھی لیکن تمہارا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ کر میرے لیے اپنی ہنسی روکنی مشکل ہو رہی تھی۔ میں فون بند نہ کرتی تو میری ہنسی کی آواز ابھرتے ہی دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جاتا۔ خدا کے لیے اب اپنے تاثرات پر قابو رکھنا ورنہ میں کوانگ فو سے بات نہیں کر سکوں گی۔"

"ٹھیک ہے!" میں نے غراتے ہوئے کہا۔ "اگر کوانگ فو نے اتنا احمقانہ [illegible] بنایا ہوا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ بظاہر تو وہ کوئی مردانہ آواز ہی معلوم [illegible] ہے۔"

"بس اب بحث نہ کرو!" ویرا نے [illegible] بارہ اپنا مطلوبہ نمبر ملانے میں مصروف [illegible]۔

سلسلہ ملنے پر اسپیکر فون پر ایک بار پھر وہی مضحکہ خیز آواز ابھرنے لگی۔ تقریباً تیس سیکنڈ بعد وہ آواز موقوف ہو گئی اور اس بار ایک نرم نسوانی آواز ابھری لیکن تلفظ اور لب و لہجے میں حیرتناک طور پر کوئی نمایاں فرق نہیں تھا یا شاید میرے متعصب کان کوئی فرق محسوس نہیں کر سکتے تھے۔

"میرا نام ویرا ہے۔ میں فادر کوانگ فو سے بات کرنی چاہتی ہے۔" ویرا نے اس کے خاموش ہو جانے پر انگریزی میں اپنا مُدعا ظاہر کیا۔

"ہولڈ آن فور آ نیت!" اس بار وہ آواز بہت نرم اور شیریں محسوس ہوئی۔

چند ثانیوں کے توقف کے بعد ہی اسپیکر فون پر خاصی گھن گرج کے ساتھ ایک پُرجوش مردانہ آواز ابھری۔ "نی ہاؤ، مائی بے بی!" شاید اس نے اپنے روایتی انداز میں اسے خوش آمدید کہا تھا۔ اس سے آگے اس نے انگریزی زبان استعمال کی تھی جس کا لب و لہجہ بہرحال چینی ہی تھا۔

"تم کہاں ہو اور آج اتنی مدت کے بعد مجھے کیسے یاد کیا ہے؟ میں اکثر تمہیں یاد کرتا رہتا ہوں، میری بچی! کہو، تمہارا غافل باپ تمہارے کس کام آسکتا ہے؟" بولنے والے کی آواز بلاشبہ شراب کے نشے سے بوجھل تھی لیکن اس کے لہجے سے ویرا کے لیے بے پناہ پیار جھلک رہا تھا۔

اس کے بارے میں سنائی ہوئی ویرا کی کہانی اگر درست تھی تو میں حیران تھا کہ کوانگ فو جیسا جاہ و جلال والا آدمی ویرا پر اس قدر مہربان کیسے ہو سکتا ہے۔

"میں بھی اکثر تمہیں یاد کر کے روتی ہوں، فادر!" ویرا نے بھرّائی ہوئی مکارانہ آواز میں کہا۔ "دل چاہتا ہے کہ اُڑ کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں لیکن تم جانتے ہی ہو کہ میرا اصل باپ کتنا ظالم ہے۔ وہ مجھے میری پسند کے ہر کام سے روک دیتا ہے۔ میں برسوں سے ادھر نہیں آسکی ہوں..."

"بُری بات، میری بچی!" کوانگ فو کی آواز بزرگانہ ہو گئی۔ "وہ بہت عظیم آدمی ہے۔ سپر آئی مین کے قدموں کی خاک سے ہم سب کی آنکھوں کو نور اور معدوں کو خوراک ملتی ہے۔ اس کے بارے

میں بُرا نہ سوچو۔ وہ ہم سب کا باپ ہے۔ وہ تمہیں اپنے سے دور رکھ کر پال رہا ہے تو اس میں تمہاری بہتری ہے۔ تم میں ہمت اور خود اعتمادی پیدا ہو رہی ہے۔ اس کے سائے میں رہ کر شاید تم اتنا آگے نہیں بڑھ سکتی تھیں۔"

ویرا کئی منٹ تک اس سے ٹھنکتی اور الجھتی رہی۔ کوانگ فو کا رویہ کسی مشفق اور خیر خواہ بزرگ کا تھا۔ وہ مسلسل اسے سمجھاتا رہا اور دلاسا دیتا رہا۔ جب وہ مشقِ سخن خاصی طویل ہو گئی تو آخر کار کوانگ فو کو ہی پوچھنا پڑ گیا کہ ویرا نے اسے کیوں یاد کیا تھا۔

"فادر! میری ایک سہیلی کا معاملہ ہے۔" ویرا اس وقت لاڈ پیار میں بگڑی ہوئی کسی بچی کا انداز اختیار کر چکی تھی۔ "وہ کچھ غلط لوگوں کے قبضے میں چلی گئی ہے۔ آج کسی بھی وقت ایک ہندی اسے اپنے ساتھ لے کر ہانگ کانگ پہنچنے والا ہے۔ میں چاہتی ہوں....."

"میں سمجھ گیا۔" کوانگ فو نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے بس لڑکی کا نام اور حلیہ بتا دو۔ اگلے ایک مہینے تک اس نام اور حلیے کی لڑکی کولون ائرپورٹ سے نہیں نکل سکے گی۔ میرے آدمی اسے وہیں اپنی تحویل میں لے لیں گے اور اسے لانے والے کی لاش کا قیمہ بنا کر سمندر میں پھینک دیں گے۔"

"نہیں فادر، یہ اتنا لمبا کام نہیں ہے۔" ویرا نے فخر آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "وہ آدمی دوستوں میں سے ہے۔ وہ دونوں آج رات کسی بھی وقت آئیں گے۔ تم کولون کے شنگریلا کا آٹھ سو بیس نمبر کمرا مس ترپاٹھی کے نام بک کرا دو۔ وہ دونوں ائرپورٹ سے وہیں آئیں گے۔ تمہارا کوئی بھی آدمی تمہارے نام سے ان سے ملے گا تو وہ تمہارے ساتھ ہو لیں گے۔ تم ساچوئی کے گھاٹ سے تم انہیں دوسری طرف وان چائی کے گھاٹ پر لے جانا جہاں تمہاری اسپیڈ بوٹس ہر وقت موجود رہتی ہیں۔ ہانگ کانگ کی بحری پولیس کے خطرے کی وجہ سے وہ آدمی مکاؤ تک تمہارے ساتھ آئے گا۔ اپنی سلطنت میں پہنچنے کے بعد تم لڑکی کو روک کر مرد کو آزاد کر دینا۔ وہ اپنی راہ خود تلاش کر لے گا۔"

اسپیکر فون پر کوانگ فو کی بلند آہنگ ہنسی گونجنے لگی۔ اسی بے ہنگم ہنسی کے دوران وہ بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تو ابھی تک ہانگ کانگ کو نہیں بھولی۔ تجھے یہاں کا ہر گھر گھاٹ اچھی طرح یاد ہے۔ وان چائی میں میرا گھاٹ اب بھی برقرار ہے۔ لنگڑا ہاؤ اسے چلاتا ہے۔ بظاہر وہ سیاحوں کو سمندری تفریح کے لیے کرائے پر بوٹس فراہم کرتا ہے لیکن اندر خانے اصل کام بھی چلتا رہتا ہے۔ لوک ہارٹ روڈ پر دونوں نائٹ کلب بھی پرانی سج دھج سے چل رہے ہیں۔ وہاں ارک موک دیکھ بھال کرتا ہے کیونکہ مس چوائے کو دو سال پہلے فالج نے معذور کر دیا تھا۔ لیکن تیرے کام کے لیے مجھے خود ہی شنگریلا جانا ہوگا۔

ان دونوں کی لحہ بہ لحہ رنگ بدلتی ہوئی' وہ گفتگو سن کر میری آنکھیں فرطِ حیرت سے پیشانی پر چڑھی جا رہی تھیں۔ ویرا نے کوانگ فو جیسے گرگِ باراں دیدہ کو حیرتناک طور پر شیشے میں اتار لیا تھا۔

"نہیں فادر!" ویرا نے ٹھنک کر اصرار کیا۔ "پچھلے چند برسوں میں تم اور بھی موٹے ہو گئے ہوگے۔ تمہارے لیے چلنا پھرنا مشکل ہے۔ یہ کام تو تمہارا کوئی پالتو کتا بھی کر سکتا ہے۔"

"تو ٹھیک کہتی ہے' میری بچی! آج کل میرا وزن پونے تین سو پونڈ ہو رہا ہے۔ جب کرنے کے لیے کوئی کام ہی نہ ہو تو آدمی شراب پی پی کر موٹا ہوتا رہتا ہے..."

"ایسا نہ کہو' فادر!" ویرا نے کسی مخلص خیر خواہ کی طرح تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی۔ "میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اس علاقے میں سارا کام تم ہی چلا رہے ہو۔"

"ایک زمانہ تھا کہ کوانگ فو جوان تھا۔" اس کی آواز میں حسرتیں سمٹ آئیں۔ "اس زمانے میں میں کینٹن کے گرد و نواح میں پھیلے ہوئے ویران گھاٹوں سے اپنی اکلوتی موٹر بوٹ میں سیکڑوں چینیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح بھر کر ہانگ کانگ پہنچاتا تھا۔ ان ہزاروں مفلس بھگوڑوں میں سے آج بہت سے لوگ کروڑ پتی ہو چکے ہیں مگر وہ میرا احسان مانتے ہیں کہ سخت ترین حفاظتی انتظامات کے باوجود میں نے انہیں چین کی گھٹن سے نکال کر ہانگ کانگ کی فضاؤں میں پہنچایا تھا۔ میرا اصل دَور وہی تھا۔ اب تو بس میرا ذہن کام کرتا ہے جسم پڑے پڑے فربہ ہو رہا ہے۔ اچھے کارکن مل جانے سے یہی ایک نقصان ہوتا ہے کہ آدمی نکما ہونے لگتا ہے۔ اچھی ٹیم نہ ہو تو آدمی بھاگ بھاگ کر کانٹا ہو جاتا ہے لیکن اس کے دماغ کو زنگ لگ جاتا ہے۔"

"تم بہک رہے ہو' فادر!" ویرا اس خونخوار آدمی سے گستاخی کی حد تک بے تکلف تھی۔ "میں کہہ رہی تھی کہ تمہیں شنگریلا جانے کی ضرورت نہیں۔ مکاؤ سے کولون تک خاصی لمبی مسافت ہے۔ اس ایک گھنٹے میں تم شراب کی آدھی بوتل پی سکتے ہو۔ یہ کام تمہارا کوئی آدمی بھی کر سکتا ہے۔"

"نہیں!" اس بار کوانگ فو کا لہجہ بوڑھے بلڈاگ کی غراہٹ سے مشابہ تھا۔ "میں نے تیری باتوں سے اندازہ لگا لیا ہے کہ تو آنے والوں کو میرا نام دے بیٹھی ہے۔ میں اپنے کسی آدمی کو اپنا نام استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس عمر میں بس نام ہی تو چلتا ہے۔ انہوں نے میرے نام کو بھی بٹا لگا دیا تو میں کہاں جاؤں گا؟ تیری مس ترپاٹھی کو میں خود مکاؤ لاؤں گا۔ تو نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں بھیجی جائے گی؟"

"اسے بھیجنے کی بات تو بعد میں آئے گی' پہلا مسئلہ تمہارا ہے۔" ویرا نے مکارانہ انداز میں مجھے آنکھ مار کر اسپیکر فون میں

کہا۔ "میں انہیں فون کر کے نام تبدیل کیے دیتی ہوں تاکہ تمہیں مکاؤ سے نہ نکلنا پڑے۔"

"مجھے غصہ مت دلا میری بچی!" کوانگ فو کی غصیلی آواز بھی محبت آمیز تھی۔ "تو جو کچھ کہہ چکی ہے' وہ اٹل ہے۔ تجھے میری بوڑھی ہوتی ہوئی ہڈیوں پر بھروسا نہ ہو تو اور بات ہے ورنہ میں یہ کام خود کروں گا۔ باپ اپنی بیٹیوں کے کام نہ آئیں تو گِدھ بھی ان کی لاشوں کو نوچنے سے شرماتے ہیں۔"

"فادر!" اس بار ویرا کی زبان سے اضطراری نعرہ ابھرا تھا۔ "کاش تم اپنی یہ بات میرے اصل باپ کو بھی سنانے کی ہمت کرسکو۔ میری پوری عمر ایسے ہی کسی سائے اور سائبان کی تلاش میں گزری ہے۔ میرے لیے تمہاری ذات ایک مقدس سائے اور سہارے کی طرح ہے۔"

"میری باتوں میں سُپر آئی مین کا عکس دیکھنے کی کوشش نہ کرو۔" کوانگ فو کی آواز یک بیک سخت اور بے رحمانہ ہوگئی۔ "برفانی چٹانوں پر سورج کی کرنوں کا پُرجلال رقص دیکھنے والی آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں۔ مجھے اس برتر ذات سے نہ ملاؤ۔ میں تمہاری عزت صرف اس لیے کرتا ہوں کہ تم نے اُسی کے نطفے سے جنم لیا ہے۔ ورنہ تم سے بھی کم عمر کی لڑکیاں دن رات میری خدمت کرتی ہیں۔"

کوانگ فو کا وہ تبصرہ بہت خوفناک اور زہرہ گداز تھا۔ ویرا سے کئی ثانیوں تک اس کا کوئی جواب نہیں بن پڑا اور وہ حیرت سے دیدے پھاڑے مجھے دیکھتی رہ گئی۔

"ٹھیک ہے فادر!" طویل سکوت کے بعد ویرا نے کہا۔ "جو تم چاہتے ہو' اب وہی ہوگا۔ مکاؤ سے مس ترپاٹھی کو جلد از جلد پاکستان پہنچانا ہے۔"

"پاکستان؟" کوانگ فو کی آواز تحیر آمیز تھی۔ "یہ وہی ملک تو نہیں جو بھارت کی جڑ میں سے ذرا مشرقِ وسطیٰ کی طرف نکلا ہوا ہے؟"

"تم ٹھیک سمجھے ہو۔" ویرا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "لڑکی کو اسی ملک کے ساحلی شہر کراچی میں پہنچانا ہے۔"

"اسے وہاں کس کے حوالے کیا جائے گا؟ وہاں میرا اکبر خان ہمارا آدمی ہے۔"

"میرا اکبر کو بھول جاؤ۔ وہ مارا جاچکا ہے۔" ویرا نے مجھ پر ملامت آمیز نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "وہ لڑکی ایک بار کراچی پہنچ جائے تو اپنی راہ خود تلاش کرلے گی۔"

"شاید میری کوئی بات تمہیں بری لگ گئی ہے۔" ویرا کے لہجے کی بے مہری کو محسوس کرتے ہوئے خرانٹ کوانگ فو نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔

"نہیں' فادر! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" ویرا کا لہجہ بدستور مضمحل تھا۔ "میری حالت تو راہ میں پڑے ہوئے ایک ایسے شرابی کی سی ہے جو پوری دنیا کو اپنے باپ کی جاگیر سمجھتا ہے۔ اسے اپنی اصلیت اور حقیقت کا اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی بہکا ہوا راہ گیر اس کی پسلیوں میں پوری قوت سے ٹھوکر رسید کرتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آج یہ کام تم نے کیا ہے۔ تمہاری لگائی ہوئی ٹھوکر مجھے مدّتوں تک اپنی اصلیت کی یاد دلاتی رہے گی۔ میں اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ جو کچھ ہوں' وہ اپنے باپ کے طفیل ہوں۔"

"اپنی اصل کو کبھی نہیں بھولنا چاہئے۔" اس بار کوانگ فو کا ردِّعمل جذباتی نہیں تھا۔ "تم حرامی ہو یا حلالی۔ یہ میرا اور تمہارا معاملہ نہیں کیونکہ اس پر ہم دونوں کا کوئی بس نہیں تھا۔ یہ معاملہ تمہارے ماں باپ کے درمیان تھا۔ میرے لئے ساری اہمیت اس بات کی ہے کہ تم سُپر آئی مین کی بیٹی ہونے کی دعوے دار ہو اور وہ تمہارے اس دعوے کی تائید کرتا ہے' نہ تصدیق۔ اس کا مطلب ہے کہ بظاہر تم بچی ہو۔ اسی اعتبار کی بنا پر میں نے تم کو اپنی بیٹی بنایا اور سمجھا ہے۔ یہ میرا کوئی احسان نہیں ہے۔ اس میں میری اپنی غرض مندی بھی شامل ہے۔ سُپر آئی مین ہمیشہ زندہ نہیں رہے گا۔ اسے بھی اپنے عقیدے کے مطابق دفن ہونا ہے یا اس کی لاش پر مردار خوروں کی ضیافت ہوگی۔ پھر اس کی جگہ تم سنبھالوگی۔ اگر تم سے میری اچھی رسم و راہ رہی تو میں اپنے آخری وقت تک عزت اور وقار کے ساتھ زندہ رہوں گا۔ تم سے نہ بن سکی تو آخری عمر میں مجھے ہزاروں حسرتوں اور محرومیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"ایسا نہیں ہوگا' فادر!" ویرا نے اس بار جذبات سے عاری اور سخت لہجے میں کہا۔ "تم نے مجھے مشروط طور پر بیٹی بنایا ہے لیکن میں نے اپنی کسی غرض کے بغیر تمہیں اپنا فادر تسلیم کیا تھا۔ تمہیں اپنے الفاظ پر قائم رہنے یا نہ رہنے کی پوری آزادی ہے لیکن مجھے تم ہمیشہ اپنی بیٹی ہی پاؤ گے۔"

"تم عقل سے یکسر عاری ہو۔" اسپیکر فون پر کوانگ فو کی غصیلی آواز ابھری۔ "تم بات کا بتنگڑ بنا رہی ہو۔ سیدھی سادی رشتوں کی بات تھی جسے تم الجھا رہی ہو۔ بہرحال اب کچھ بھی ہو' تمہاری مس ترپاٹھی کل تک کراچی پہنچادی جائے گی۔"

"فادر!" ویرا نے مجروح اور مضمحل لہجے میں کہا۔ "یہ بھی میری کوئی ہدایت نہیں' ایک التجا ہے۔ تم چاہو تو میری اس فرمائش کو اب بھی ٹھکرا سکتے ہو۔"

"تم شاید پاگل ہوگئی ہو۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس لڑکی کو مکاؤ لانے کے لئے' میں خود کولون جاؤں گا۔ تمہاری یہ خواہش میرے لئے ایک امانت بن چکی ہے۔"

"میں اس تعاون پر تہِ دل سے تمہاری شکرگزار ہوں۔" ویرا نے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لینے کے بعد بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر میری کسی بات سے تمہاری دل آزاری ہوئی ہو تو میں پورے خلوص کے ساتھ معافی چاہتی ہوں۔ دراصل قصور میرا ہی تھا کہ میں اپنی خوبیوں اور صلاحیتوں پر ناز کرتی رہی۔ میں بھول گئی

تھی کہ میرے اوپر تمہاری تمام مہربانیاں میرے باپ کی وجہ سے تھیں۔ تمہارے محل میں اپنے سے کم خوبصورت لڑکیوں کو تمہارے پہلو میں دیکھ کر ہی مجھے سمجھ لینا چاہئے تھا کہ تم مجھے اس فوج میں شامل کرنے کے بجائے بیٹی بنا رہے ہو تو اس کا کوئی گہرا اور خفیہ سبب ہوگا۔ وہ سبب مانع نہ ہوتا تو تمہارا ذوق مجھے بیٹی کے بجائے نئی محبوبہ ہی قرار دیتا۔"

"بس، اب خاموش ہو جاؤ۔" کوانگ فو کی آواز میں قدرے درشتی عود کر آئی۔ "تم نوجوان لڑکیوں میں سب سے بڑی خرابی یہی ہوتی ہے کہ تم اپنے خوابوں کے جزیروں میں رہنا چاہتی ہو اور اگر کوئی ہمدرد تمہیں حقیقت کا آئینہ دکھائے تو اس سے ناراض ہو جاتی ہو۔ میں اگر مگر اور قیاس آرائیوں پر یقین نہیں رکھتا، اٹل حقیقتوں پر چلتا ہوں۔ مجھے تم ہمیشہ ایک باپ کی طرح نرم اور مہربان پاؤ گی کیونکہ کوانگ فو اپنے قول سے کبھی نہیں پھرتا۔"

"ٹھیک ہے فادر! پھر میں کراچی میں لڑکی کا انتظار کروں گی۔" ویرا نے کہا۔ میں نے اسے گھور کر اس قضیئے کو مزید طول دینے سے روک دیا تھا۔

"میں ابھی کولون کے لئے نکلتا ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ اس وقت کوئی نرم گرم بات تمہارے کام پر اثر انداز ہوگی۔ میں نے کھلے دل سے تم سے بات کی ہے اور میرے دل میں کوئی رنجش نہیں ہے؟"

"شکریہ فادر۔" ویرا نے آہستہ سے کہا۔ "ذہنی جھٹکے سے سنبھلنے کے بعد میں بھی سب کچھ بھول بھال کر نارمل ہو جاؤں گی۔ تم میرے مزاج سے بہت اچھی طرح واقف ہو۔"

گفتگو کا سلسلہ منقطع ہونے پر ویرا میری طرف متوجہ ہوگئی۔ "تم نے دیکھ لیا کہ جمی لائیڈ کیسے جاں نثاروں کے ذریعے دنیا پر حکمرانی کر رہا ہے۔ یہ لوگ سوتے ہوئے بھی اس کی برتری اور عظمت کے خواب دیکھتے ہوں گے۔"

"اس کی ہر بات درست اور سچ تھی۔ وہ جس کا کھاتا ہے، اسی کے گن گاتا ہے۔ تمہیں اس کی کسی بات کا برا نہیں ماننا چاہئے تھا۔ اس جیسا حریص اور ندیدا بد معاش اگر تم جیسی حسین و جمیل دوشیزہ کو پھانسنے سے گریز کرتا ہے تو اس کے بہت قوی محرکات ہونے ضروری ہیں..."

ویرا زور سے ہنس پڑی۔ "اب تم مجھے لیکچر دو گے۔ میں پہلے دن سے ہر بات جانتی ہوں۔ میں تو اس سے یوں ہی کھیل رہی تھی۔ بس اس کی ایک بات ہی میرے دل کو لگی تھی جس پر میں لمحہ بھر کے لئے جذباتی ہوگئی تھی ورنہ یہ سب میری نپی تلی اداکاری تھی..."

"اس کی کس بات کا ذکر کر رہی ہو؟" میں نے اس کا فقرہ درمیان سے اچک کر سوال کیا۔

"وہی جو بیٹیوں کے کام نہ آنے والے باپوں کے بارے میں تھی۔ کوانگ فو کے الفاظ نے مجھے اندر تک سے جھنجوڑ کر بے قابو کر دیا تھا۔ اب تم سمجھ لو کہ میں نے کس طرح خود کو سنبھالا ہوگا۔"

"تمہیں اس سے اتنی زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں تھی..." میں نے کہنا چاہا لیکن ویرا نے مجھے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیئے بغیر بولنا شروع کر دیا۔

"میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ طویل تعطل کے بعد مزید کام کی بات نامناسب ہوتی۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ میں نے اسے بہت چالاکی کے ساتھ گھیرا ہے۔ غزالہ کا معاملہ وہ اپنے کسی آدمی کے حوالے کر دیتا تو وہ سب ہی ہانگ کانگ کی بحری پولیس کے ہتھے چڑھ سکتے تھے۔ کوانگ فو بہت چالاک اور بارسوخ آدمی ہے۔ اسے ہر ایک افسر اچھی طرح جانتا ہے اور اس کا لحاظ بھی کیا جاتا ہے۔ بعض بزدل افسران تو اپنی جان کے خوف سے اس کی راہ میں حائل ہونے سے بھی کتراتے ہیں۔"

"تمہاری یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تم نے اسے کیسے گھیرا ہے؟" میں نے سوال کیا۔ "اس نے تو خود ہی کولون جانے کی پیشکش کی تھی۔ اس میں تمہاری کون سی چالاکی پنہاں تھی؟"

"میں نے شری مان سنگھ کو دانستہ کوانگ فو کا نام دیا تھا۔ میں اس وقت بھی جانتی تھی کہ کوانگ فو اپنے نام سے کسی اور کو نہیں جانے دے گا۔ وہ اپنی ساکھ کا بہت خیال رکھتا ہے۔ اس کے آدمی بلیک ڈریگن کے نام سے آپریٹ کرتے ہیں اور ان کا ایک مخصوص شناختی نشان ہوتا ہے۔ میں نے ابتدا ہی سے یہ خیال رکھا تھا کہ وہ خود غزالہ کا معاملہ سنبھالے۔ تمہارے لئے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔"

"میں اس تعاون پر تمہارا احسان مند رہوں گا لیکن یہ بات بھی یاد رہنی چاہئے کہ غزالہ کا مسئلہ تمہارا ہی پیدا کیا ہوا ہے جسے تم خود ہی سلجھا رہی ہو۔ سب سے زیادہ اطمینان اور خوشی کی بات یہ ہے کہ شری مان سنگھ نے تمہارے ساتھ کوئی چال بازی کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ شرافت کے ساتھ تمہاری ہر بات کو مانتا چلا گیا۔ اس نے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ تمہارے بارے میں اس پر خاصا دباؤ تھا۔"

"سفارتی جرائم میں صورتِ حال اور ترجیحات بہت تیزی کے ساتھ بدلتی ہیں۔" ویرا بولی۔ "اس کے مفاہمانہ رویئے سے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے انہیں ایک بار پھر شی سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شری مان سنگھ نے اسی وجہ سے شرافت کا مظاہرہ کیا ہو۔"

"ایک بار غزالہ کراچی آجائے تو پھر میں ایک ایک کر کے ان سب کو دیکھ لوں گا۔" میں نے اپنے گلاس سے آخری گھونٹ اپنے معدے میں منتقل کرتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

"وہ بعد کی بات ہے۔" اس نے میری کمر کے گرد ہاتھ ڈالتے ہوئے نرمی سے کہا۔ "اگلے چوبیس گھنٹوں میں غزالہ واپس آنے والی ہے۔ کچھ اس کے استقبال کی مشق بھی کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ عین

وقت پر تمہیں بھولا ہوا کوئی بھی سبق یاد نہ آئے اور وہ تمہیں کوس کر رہ جائے۔"

"تم ٹین ایجرز جیسی بے تابی اور بے قراری کا مظاہرہ کر رہی ہو۔" میں نے خاصی قوت سے مزاحمت کرتے ہوئے کہا۔ "جب تم رات کو یہاں ٹھہرنے کا فیصلہ ہی کر چکی ہو تو صبر سے کام لو۔ ابھی شری مان سنگھ کو فون کرنا ہے۔ تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ بھی لوٹ آئے گا۔ ہمیں اس کے سامنے مہذب رہنا ہو گا ورنہ اسے مذاق اڑانے کا موقع مل جائے گا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم کسی بہانے سے آج رات کے لئے اسے باہر ٹال دو۔ ایک ہی چھت کے نیچے اس کی موجودگی کا احساس میرے موڈ کو غارت کر کے رکھ دے گا۔ میرا خیال ہے کہ ایسے معاملات میں تم بھی اس سے دبتے ہو۔"

"مشرق میں اسے باہمی لحاظ اور مروّت کہا جاتا ہے ورنہ کوئی کسی کو ہاتھ تھام کر نہیں روک سکتا۔"

"لحاظ اور مروّت کی باتیں مجھے نہ سناؤ۔ میں نے زندگی کو بہت قریب سے اور اس کے گھناؤنے روپ میں دیکھا ہے۔ شاید تم یقین نہ کرو لیکن میں نے تمہارے ہی ملک کے ایک باپ اور اس کے بیٹے کو وینس کے ایک ہوٹل میں عجیب حال میں دیکھا تھا۔ پیسے بچانے کے لئے وہ دونوں ایک ہی کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ باپ کمرے میں ایک عورت کے ساتھ دادِ عیش دے رہا تھا اور بیٹا نیچے بار میں وسکی پی کر بے تابی سے اپنے باپ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔"

"تو اس میں کون سی خرابی ہے؟ وہ کمرے میں کروٹ لے کر تو نہیں سو سکتا تھا۔ اسے لامحالہ اپنے باپ کے واپس لوٹنے کا انتظار کرنا تھا۔ تم بعض اوقات بے سروپا باتوں کے افسانے بنا لیتی ہو۔"

"تم دانستہ میری بات کو سمجھنے سے گریز کر رہے ہو۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے تیزی سے بولی۔ "بات عورت کی واپسی کی نہیں بلکہ باپ کی واپسی کی تھی کیونکہ باپ کے بعد بیٹے کو اس خاتون سے ملاقات کرنی تھی۔ کمرے کی طرح عورت میں بھی حصے داری کر کے وہ بچت کر رہے تھے تاکہ زیادہ دنوں تک عیش کر سکیں۔"

"اور انہوں نے خود ہی تمہیں یہ سب بتا دیا؟" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے پوچھا۔

"انہوں نے نہیں بلکہ صرف لڑکے نے۔" اس نے غصے میں کہا۔ "میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ لڑکا انتظار اور اضطراب کے عالم میں بار میں بیٹھا وسکی پی رہا تھا۔ الکحل میں ہزاروں خرابیاں ہوں تو ہوں مگر ایک اچھائی یہ ہے کہ یہ انسان کو سچ بولنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ وہ لڑکا اپنے اعتراف پر ذرا بھی شرمسار نہیں تھا۔ اسے فخر تھا کہ اس کے 'اپنے باپ سے دوستانہ مراسم ہیں۔ اب بتاؤ کہ اسے مشرق میں کیا کہتے ہیں؟"

"یہ کھلی ہوئی بے شرمی اور بے حیائی ہے۔ ایسے مستثنیات ہر علاقے میں ہوتے ہیں۔ ان کو معیار نہیں بنایا جا سکتا۔ ... شبہ ہے کہ تم سے اس لڑکے کی کتھا سننے یا سمجھنے میں کوئی ... غلطی ہوئی ہو گی۔"

"بات سننے اور سمجھنے سے آگے تک گئی تھی۔ مجھے ... میں دلچسپی اور سنسنی محسوس ہوئی اور میں وہاں بیٹھی رہی۔ ... بار اپنی رسٹ واچ اور بار کے دروازے پر نظریں ... جوں ہی اسے بار کے دروازے پر اپنے باپ کی شکل نظر ... تقریباً دوڑتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ بار میں ہر جگہ بکھرے ہوئے ... براجمان تھے لہٰذا وہ شخص اپنے بیٹے کے خالی کیے ہوئے اسٹول ... میرے قریب آ بیٹھا۔ اس کے چہرے پر سکون اور آسودگی ... تھا۔ تم چاہو تو میں تمہیں ان دونوں کے نام بھی بتا سکتی ہوں ... چمڑے یا چمڑے کے ملبوسات کی صنعت میں ایک نمایاں مقام ... ہیں۔ وہ کوئی گرے پڑے اور مفلوک الحال سیاح نہیں تھے۔"

اس کے باتوں میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے میں اس ... جارحانہ حرکتوں سے بچا ہوا تھا جب کہ شری مان سنگھ کو فون کر ... میں تھوڑی سی دیر تھی' اس لیے میں نے بے یقینی سے کہا "یہ ... لیے تمہاری باتیں ناقابلِ فہم ہیں' ویسے تم خود جانتی ہو کہ مشرق ... مغرب کی سماجی اور معاشرتی اقدار میں زمین اور آسمان کا ... ہے۔"

"میں فرق کو تسلیم کرتی ہوں لیکن تمہیں ماننا پڑے گا ... مغرب کے مقابلے میں مشرق میں دوغلا پن زیادہ پایا جاتا ہے۔ ... کو چھپا کر کیا جاتا ہے ورنہ ہر ایک پارسا بنا پھرتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارا تجزیہ درست ہو' میں اس بارے ... کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"اب آگے سنو!" اس نے نئی سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا ... "باپ نے اسٹول سنبھالتے ہی ٹماٹر کا جوس طلب کیا تو میں ... حیرت سے اسے دیکھا اور پوچھا کہ وہ جوس پر اکتفا کیوں کر رہا ... اس نے بتایا کہ الکحل اس کے مذہب میں حرام ہے اور میں ... منہ دیکھتی رہ گئی۔"

"تم نے دنیا جہان کے سارے تضادات ان ہی دونوں ... منسوب کر دیے ہیں۔ پتا نہیں اپنی ان بے سروپا باتوں سے ... ثابت کرنا چاہ رہی ہو؟" میں نے قدرے چڑچڑے پن کی ادا کا ... کرتے ہوئے کہا۔

خاصی طویل بحث اور تکرار چھڑ گئی۔ جب ویرا نے ان دو ... کے نام لیے تو مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا کیونکہ صنعت اور تجارت ... وابستہ نہ ہونے کے باوجود' میں ان ناموں سے آشنا تھا۔

اسی دوران میں ایک گھنٹے کا مقررہ وقت پورا ہو گیا اور ... شری مان سنگھ کا نمبر ملانے لگی۔

"سارا بندوبست ہو گیا ہے۔" ویرا کی آواز پہچانتے ہی ... مان سنگھ نے حوصلہ افزا لہجے میں کہا "وہ دونوں مسٹر اور ...

ترکھی کے ناموں سے سفر کریں گے۔ نئی دہلی سے وہ بنکاک اور وہاں سے ہانگ کانگ جائیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ انہیں کچھ زیادہ وقت لگ جائے گا۔“

”یہ تبدیلی مجھے پسند نہیں آئی۔“ ویرا نے خشک لہجے میں کہا۔ ”میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میرے لیے وقت کا معاملہ بہت اہم ہے۔ اب مجھے آگے تک تبدیلیاں کرنی پڑیں گی۔ ان دونوں کی منتقلی کے لیے شیڈول پروازوں پر انحصار کرنے کے بجائے تم کوئی چھوٹا جہاز چارٹر بھی کرسکتے تھے۔“

”ہمارے یہاں جہاز چارٹر کرنے کی سہولتیں موجود نہیں ہیں۔“ اس کی معذرت خواہانہ آواز ابھری ”کسی سرکاری ادارے سے جہاز مستعار لینے میں بھی خاصا وقت صرف ہوتا اس لیے میں مجبور تھا۔ میرے لیے وقت کو مزید کم کرنا ممکن نہیں تھا۔ وقت بچانے کے لیے ان دونوں کو بنکاک کے راستے بھیجا جا رہا ہے کیونکہ ہانگ کانگ کے لیے براہِ راست پرواز علی الصبح سے پہلے دستیاب نہیں ہے۔ میں زحمت کے لیے معذرت خواہ ہوں۔“

”ٹھیک ہے‘ ہمارے آئندہ کے تعلقات کا انحصار اس ڈیل کی کامیاب تکمیل پر ہوگا۔“

”تم مجھے اپنا نمبر دے سکو تو میں تمہیں ڈیل مکمل ہوتے ہی اطلاع دے دوں گا۔“

”میں چند مجبوریوں کی وجہ سے اپنا فون نمبر نہیں دے سکتی۔ تمہارے آدمی کی کارکردگی کی اطلاع مجھے براہِ راست ہانگ کانگ سے مل جائے گی۔ وہاں میرے بہت مضبوط روابط ہیں۔“

”دراصل اس کے علاوہ بھی کچھ ضروریات ہیں۔ یہاں ہمارا ایک سیکرٹ ایجنٹ کافی دنوں سے لاپتا ہے۔ نئی دہلی سے بھی کچھ کاغذات آرہے ہیں۔ ان معاملات میں‘ میں تم سے مدد لینا چاہتا ہوں۔“

ویرا کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم پھیل گیا ”لڑکی واپس آجائے تو میں دو چار روز میں خود تم کو فون کرلوں گی لیکن تم میرے بارے میں پڑنے والے دباؤ کا سامنا کیسے کرسکو گے؟“

”ہماری ہر ڈیل اب خفیہ رہے گی۔ تفصیل میں بعد میں بتاؤں گا۔“ اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے‘ پھر اب چند دنوں بعد بات ہوگی۔“ ویرا نے کہا اور بٹن دبا کر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

آخر کار بلی تھیلے سے باہر آہی گئی تھی۔ ان لوگوں کو ملا سرکار کے لاپتا ہونے سے بدترین تشویش اور پریشانی لاحق ہوچکی تھی اور وہ اس کی تلاش کے سلسلے میں ہر ممکن ذریعے سے مدد لینے پر تل گئے تھے۔ اسی فہرست میں ویرا کا نام بھی تھا۔ اس نے نئی دہلی سے جن کاغذات کی آمد کا ذکر کیا تھا‘ ان کی نوعیت کے بارے میں بھی میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ ان میں کیا ہوگا۔

سندھ میں ملا سرکار کا مشن بدترین ناکامی سے دوچار ہوچکا تھا۔ ہتھیاروں وغیرہ کی بھاری کھیپ لانے والی لانچ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی جب کہ وہ لوگ سندھ میں مکمل تباہی پھیلانے کی تیاریاں مکمل کرچکے تھے‘ ان کی دانست میں چتا تیار تھی اور اس پر تیل چھڑک کر دیا سلائی دکھانے کی دیر تھی۔ اس لیے وہ لوگ کسی متبادل منصوبے پر اپنے کام کا آغاز کرسکتے تھے تاکہ ملا سرکار کے حامیوں کے بکھرنے سے پہلے ہی ان کی موثر قوت سے بھرپور فائدہ اٹھا کر سندھ میں آگ اور خون کی ہولی شروع کرائی جاسکے۔

وہ معاملات کا ایک ایسا رخ تھا جس پر بعد میں بھی غور کیا جاسکتا تھا۔ فوری اہمیت غزالہ کی آزادی کی تھی۔ بظاہر ہمارے پاس کافی وقت تھا اور مجھے پوری امید تھی کہ ویرا کے روانہ ہونے سے پہلے ہی غزالہ ہانگ کانگ میں کوانگ فو کی تحویل میں آچکی ہوگی جب کہ کوانگ فو اپنے قول کا دھنی معلوم ہوتا تھا۔ مجھے اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ غزالہ ایک بار اس کے قبضے میں آگئی تو وہ اسے پاکستان بھیجنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرے گا۔

وہ سارے معاملات ویرا نے طے کیے تھے۔ شری مان سنگھ اس سے دبا ہوا تھا۔ کوانگ فو اس سے بھرپور تعاون پر آمادہ تھا اس لیے میری دلی خواہش تھی کہ غزالہ سے متعلقہ مسائل ویرا کی موجودگی ہی میں حل ہوجائیں تاکہ کسی دیر سویر کی صورت میں وہ ان دونوں سے رابطہ کرسکے۔ اس کے چلے جانے کے بعد وہ سہولت ختم ہوجاتی۔ میری طرف سے کی جانے والی کوئی بھی پیش قدمی حالات کو خطرناک حد تک بگاڑ سکتی تھی اس لیے میرے پاس انتظار کرنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔ جب کہ دوسری طرف بلیو کراس ڈیل کا معاملہ ایک تیز دھار تلوار کی طرح ہمارے سروں پر معلق تھا۔ میری خواہش تھی کہ ویرا وقت ضائع کیے بغیر ایران کی طرف روانہ ہوجائے لیکن اس نے اپنی ضد کی وجہ سے میرے پاس شب بسری کا فیصلہ کرلیا تھا۔ ابتدا میں مجھے اس کا وہ فیصلہ گراں گزرا تھا لیکن بعد میں جس طرح ویرا کی مداخلت سے غزالہ کی بازیابی کے آثار پیدا ہوئے‘ اس کی بنا پر مجھے اس کا رک جانا بہتر نظر آنے لگا تھا۔

”سلطان شاہ کو بھگانے کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟“ مجھے اپنے خیالات کی رو میں مستغرق پاکر ویرا نے مجھے ٹھوکا دیتے ہوئے سوال کیا۔

”اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔“ میں نے فوری بہانہ بنایا۔ ”میں اسے سمجھا بجھا کر کسی نہ کسی طرح ٹال سکتا ہوں لیکن تمہاری موجودگی میں اس کا رویّہ خاصا جارحانہ ہوجاتا ہے۔ اس کے ذہن میں پہلا خیال یہی آئے گا کہ تمہارے آجانے کی وجہ سے میں اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

”پھر تم کیا چاہتے ہو؟“ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں یک بیک شکوک و شبہات کے سائے لہرانے لگے تھے۔

"اس وقت ساڑھے تین بجے ہیں۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "تم سلطان شاہ کی واپسی سے پہلے بازار وغیرہ کی طرف نکل جاؤ۔ میں سلطان شاہ کو یہ بتاؤں گا کہ تم واپس جاچکی ہو لیکن کوئی بندوبست نہ ہونے کی صورت میں تمہاری واپسی کا امکان بھی ہے۔ میں اسے سمجھادوں گا کہ تمہاری واپسی کی صورت میں، میں تم پر ڈورے ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس لیے تمہیں دیکھتے ہی وہ فلیٹ سے ٹل جائے۔ صبح وہ واپس آئے گا تو میں اسے تمہارے ذریعے غزالہ کی واپسی کی خوش خبری سنادوں گا اور وہ خوش ہوجائے گا۔"

"خدا کی پناہ، ڈیئی!" وہ آنکھیں پھیلا کر حیرت سے بولی "تم کس قدر چالاک اور مکار ہو کہ اپنے جگری دوست کے لیے ایک ایسی کہانی سوچ بیٹھے ہو کہ وہ بھول کر بھی تمہاری نیت پر شبہ نہیں کرسکے گا۔"

"اس وقت میری لگام تمہارے ہاتھ میں ہے۔" میں نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ کہا "تمہارے سائے میں آکر ہر شخص شیطان کا چیلا بن سکتا ہے۔"

"اچھا، تو میں چلی!" وہ وینٹی بیگ سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ساتھ ہی اس نے اپنا گلاس بھی خالی کرلیا۔

اسے رخصت کرتے ہی میں بے تابانہ انداز میں فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ویرا کے آجانے کی وجہ سے میرا ہر ایک سے رابطہ منقطع ہو کر رہ گیا تھا۔ غلام رسول والا معاملہ شروع ہونے کے بعد ہم دونوں ظفر سے ملے بغیر واپس آگئے تھے اور اس کے پاس ہمارا پتا ٹھکانا تک نہیں تھا۔ اس کے علاوہ مجھے سیٹھ حبیب جیوانی یا پھر شیر شاہ سے ضرور بات کرنی تھی تاکہ مافیا والوں کو اپنی کارگزاری سے باخبر کرسکوں، مجھے امید تھی کہ شیر شاہ ویرا کے فلیٹ پر وقت برباد کرنے کے بجائے معلومات حاصل کرکے لوٹ آیا ہوگا۔

ظفر میری آواز پہچانتے ہی خوش ہوگیا "خدا کا شکر ہے کہ تمہاری آواز سننے کی نوبت آئی۔ میں پریشان تھا کہ تم نہ جانے کہاں رُوپوش ہوگئے ہو۔"

"کہیں نہیں، بس ایک دوست کے گھر پر ڈیرا ڈالا ہوا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "تمہارے مصروف ہوجانے کے بعد ہمارے لیے وہاں رکے رہنا دشوار ہوگیا تھا۔"

"کیا کسی نے کوئی بدتمیزی یا حکم عدولی کی تھی؟" اس کی چونکی ہوئی آواز ابھری۔

"نہیں" میں نے جلدی سے کہا "تمہارے آدمیوں نے بھرپور طریقے سے ہمارا ساتھ نہ دیا ہوتا تو ہمیں ذرا سی بھی کامیابی نہ ہوتی۔ بچے کی بازیابی کے ساتھ ہی ہم سٹرنگ تک بھی پہنچ گئے تھے۔"

"مجھے وہ سب خبریں مل چکی ہیں۔ تمہیں بچے کی بازیابی مبارک ہو۔ جنونی مجرموں سے کوئی بات بعید نہیں ہوتی۔ مجھے ... کہ کہیں بچے کو ہلاک نہ کردیا گیا ہو۔"

"بچہ اپنی ماں کے پاس ہے اور حیرت ناک سرعت سے اس کا ذہنی توازن سنبھل رہا ہے۔" میں نے اس کی دلجوئی ... اندھیرے میں تیر پھینکا حالانکہ مجھے جہانگیر یا سلمیٰ سے ... فرصت ہی نہیں مل سکی تھی۔

"اور اس تھیلا کنگ کا کیا بنا؟" اس وقت ظفر بہت اچھے ... میں معلوم ہو رہا تھا۔

"اسی کے سلسلے میں بھاگ دوڑ جاری ہے۔ شاید جلدی ہی ... میرا ہاتھ آجائے۔" میں نے اس قلیل سی مدت میں اس سے ... جھوٹ بولا۔

"اب تم فوری طور پر یہاں آجاؤ۔ میرے پاس تمہارے ... ایک بہت بڑی خبر ہے۔"

"کس بارے میں؟" میں نے متجسس لہجے میں دریافت کیا۔

"غلام رسول کے سلسلے میں سرکاری طور پر تمہیں دس لا... روپے کا نقد انعام دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اسی سلسلے میں مجھے ... کاغذات تیار کرنے ہیں جو تمہارے آئے بغیر مکمل نہیں ہوسکتے۔"

"تم میری پوزیشن اور مجبوریوں سے اچھی طرح واقف ہو۔" میں نے معذرت آمیز لہجے میں کہا "میں کسی بھی صورت میں انعام نہیں لے سکوں گا۔ میں نے جو کچھ کیا، انعام کے لیے نہیں بلکہ اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ تمہارا ماضی کریدا جائے گا، نہ تمہاری تشہیر ہوگی۔ یہ بہت بڑا کام ہوا ہے۔ ہر طرف اس کارنامے کی دھوم ہوئی ہے مگر تمہارا نام ابھی تک صیغۂ راز میں ہے۔ اخبارات ... وہی کچھ چھپا ہے جو ہم نے انہیں فراہم کیا ہے، اس سے آگے قیاسات چل رہے ہیں۔"

"ان کاغذات میں میری جگہ اپنے کسی اچھے ماتحت کا نام دو!" میں نے لجاجت کے ساتھ کہا "تمہیں اندازہ نہیں کہ میں ... لوگوں میں گھرا ہوا ہوں۔ کسی کو اس بات کی بھنک بھی ... غلام رسول کی تباہی میں میرا ہاتھ تھا تو ہر طرف میرے دشمن ... ہوجائیں گے۔"

"انہیں ہم دیکھ لیں گے۔" اس نے پُراعتماد لہجے میں ... کی۔

"تمہارے آدمی شب و روز میری حفاظت نہیں کرسکتے۔ ... لوگ نادیدہ سایوں کی طرح اپنے شکار کا پیچھا کرتے ہیں ... ساتھ کسی مناسب موقع کا انتظار کرتے ہیں اور پھر اچانک مہلک وار کرکے روپوش ہوجاتے ہیں۔"

"اچھا، تم یہاں آجاؤ، پھر ہم دیکھیں گے کہ کیا کرنا چاہیے۔" اس کی آواز تفکر آمیز ہوگئی۔

"شاید میں آج نہ آسکوں۔ اس کے لیے میں معذرت ...

ہوں۔" میں نے بے چارگی سے کہا۔

"تو کیا یہاں آنے میں بھی تم کوئی خطرہ محسوس کر رہے ہو؟" اس مرتبہ اُس کا لہجہ قدرے ترش تھا۔

"دد... دراصل آج میرے دوست نے بچے کی بازیابی کی خوشی میں ایک محدود سی دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ میں وہاں نہ گیا تو وہ بہت برا منائے گا۔ میں کل کسی وقت آجاؤں گا۔" میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ایک معقول ترین بہانہ سوچتے ہوئے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"وہ دعوت واقعی بہت اہم اور ضروری ہے۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری "پھر میں کل شدت کے ساتھ تمہارا انتظار کروں گا۔ میرے پاس بلیو کراس ڈیل کے بارے میں بھی اہم خبریں ہیں۔"

"ٹھیک ہے' ویسے رجنی کا کیا حال ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"اس نے بہت اچھل کود مچائی لیکن اب اس کے اعصاب جواب دے گئے ہیں۔"

"بس تم دعا کرو کہ مجھے تیلما کا سراغ مل جائے تو ہمارا سب سے بڑا مسئلہ حل ہو جائے۔"

"تم ویرا کو بار بار تیلما کیوں کہہ رہے ہو؟ تمہارے لیے تو وہ نہ جانے کب سے ویرا ہی چلی آ رہی ہے۔"

"اس کا نیا نام بھی خاصا اچھا ہے۔ کل ملیں گے تو اس بارے میں بھی بات ہوگی۔"

"شاید نام بدلنے سے تمہیں عورت میں کسی نئے پن کا احساس ہوتا ہوگا؟"

"نام بدلنے کے بعد ابھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ملوں گا تو اس نکتے پر بھی غور کرنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے ایک جاندار قہقہے کے ساتھ کہا اور اس نے جوابی قہقہے کے ساتھ فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اگلی باری ٹریڈ لائن کی تھی۔ سیٹھ حبیب جیوانی مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ وہ چند دنوں تک دفتر نہیں آئے گا مگر مجھے امید تھی کہ شیر شاہ سے میری بات ہو سکے گی۔

فون کا سلسلہ ملنے پر آپریٹر نے مجھے بتایا کہ شیر شاہ دفتر میں واپس نہیں لوٹا تھا البتہ چیف اپنے دفتر میں موجود تھا۔ میرے لیے وہ اطلاع حیرتناک ہی نہیں' غیر متوقع بھی تھی۔

"لائن چیف کو دے دو!" میں نے خشک لہجے میں اسے ہدایت کی۔

لمحہ بھر میں حبیب جیوانی لائن پر آگیا اور خاصے پرجوش لہجے میں بولا "یہ بہت اچھا ہوا کہ تمہارا فون آگیا۔ میں نے شیر شاہ سے بھی کہہ دیا تھا کہ اس کا تم سے رابطہ ہو تو تمہیں میری طرف بھیج دے۔"

"میں اس بار لمبے ہی چکر میں ہوں اور کامیابی بہت قریب نظر آ رہی ہے......"

"مجھے معلوم ہے۔" اس نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے کہنا شروع کر دیا "تم بہت اچھے جا رہے ہو۔ شیر شاہ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے فون پر مجھے رپورٹ دی ہے۔"

شیر شاہ کے فون کی بات میرے ذہن میں چبھ رہی تھی کیونکہ میں نے اسے خاص طور پر فلیٹ کا فون نمبر دیا تھا تاکہ وہ مجھ سے رابطہ برقرار رکھ سکے لیکن اس وقت مجھے خیال آیا کہ شری مان سنگھ اور کوانگ فو سے ویرا کی گفتگو کے دوران میں میرا فون کافی دیر تک مسلسل مصروف رہا تھا۔ رابطہ قائم کرنے میں مسلسل ناکامی کی بنا پر شیر شاہ یہی سمجھا ہوگا کہ میرا فون خراب ہو گیا ہے۔ وہ اپنی دانست میں ویرا کی کمین گاہ کی نگرانی کے اہم مشن پر مامور تھا اور زیادہ دیر تک اپنی ڈیوٹی کے مقام سے دور نہیں رہ سکتا تھا اس لیے اس نے ٹریڈ لائن فون کر کے پیغام دینے کی کوشش کی ہوگی لیکن وہاں اتفاق سے چیف بذاتِ خود موجود تھا' اس لیے شیر شاہ کو اپنی کہانی اسی کو سنانے کا موقع مل گیا۔ وہ اتفاق میرے حق میں بہت اچھا تھا کیونکہ میرے کہے بغیر چیف کو ہر بات معلوم ہو چکی تھی۔

"اس کی رپورٹ کیا رہی؟" میں نے تجسس کا مظاہرہ کرتے ہوئے چیف سے پوچھا۔

"وہ فلیٹ ویرا کا ہی ہے۔ وہ تین دن پہلے وہاں پہنچی تھی۔ اس نے اپنے کسی پڑوسی سے ملنے جلنے کی کوشش نہیں کی۔ آج اس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ تم دونوں کے پہنچنے سے چند منٹ قبل نکل گئی ورنہ آج وہ اپنے پورے دام میں پکڑی گئی ہوتی۔ شیر شاہ پوری ہوشیاری سے اس فلیٹ کی نگرانی کر رہا ہے۔"

"وہ بہت محنتی اور فرض شناس آدمی ہے۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں تبصرہ کیا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ میں چند دن کے لیے گھر پر رہوں گا۔ تم نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ مجھے غیر متوقع طور پر دفتر آنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"میں یہ جسارت کیسے کر سکتا ہوں۔" میں نے اُس کی کمزوری سے کھیلتے ہوئے کہا "تم چیف ہونے کی وجہ سے اپنی مرضی کے مالک ہو۔ گھر میں رہو یا دفتر میں' تم سے کون سوال کر سکتا ہے؟"

"دراصل یہاں ریکارڈر پر میرے لیے ایک اہم پیغام موجود تھا۔ آپریٹر نے اپنے کی بورڈ پر سگنل دیکھ کر مجھے اطلاع دی اور میں یہاں دوڑا چلا آیا۔"

"وہ کیا پیغام تھا؟" اس کے خاموش ہو جانے پر میں نے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ طویل عرصے سے ملتوی ہونے والی میٹنگ کا وقت آ گیا ہے۔ مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ آج سے تیسرے دن میں دوپہر دو بجے اپنے دفتر میں موجود رہوں۔"

"یہ ڈان کا پیغام تھا؟" میں نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔
"ڈان تھری کا پیغام تھا۔" اس کی آواز میں سنجیدگی عود کر آئی
"لیکن یہ وہ ڈان نہیں ہے جو تم سے ملا تھا۔ اسے باغیوں کے خلاف ایک موثر کارروائی کے نتیجے میں ترقی مل گئی ہے۔ اس کی جگہ کوئی نیا آدمی آیا ہے جو اپنی آواز سے بہت ذہین اور سخت معلوم ہوتا ہے۔"

"پھر میرے لیے کیا حکم ہے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ وہ سوال کیا۔

"فی الحال عیش کرو!" اس کے جواب سے میرے سر پر سے ایک بہت بڑا بوجھ ٹل گیا۔ وہ کہہ رہا تھا "لیکن آج سے تیسرے دن مقررّہ وقت پر دفتر میں موجود رہنا نہ بھولنا۔ نہ جانے مجھے کب تمہاری ضرورت پیش آجائے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں صبح ہی سے دفتر میں جم کر بیٹھ جاؤں گا' لیکن یہ یاد دلادوں کہ میں عیش نہیں کررہا۔ میں نے ویرا کو نیست و نابود کرنے کے لیے اپنی زندگی عذاب بنالی ہے۔"

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ کوشش کرو کہ میں مقررہ وقت پر ڈان تھری کو اس بارے میں کوئی بڑی خوش خبری سناسکوں۔"

"لیکن ابھی تو تم التوا میں پڑے ہوئے اجلاس کا ذکر کررہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ اس اجلاس میں مافیا اور شی میں کسی قابلِ عمل سمجھوتے پر غور کیا جانا تھا۔ میری کامیابی اس مقصد پر برا اثر نہیں ڈالے گی؟"

"ہرگز نہیں" اس نے پُرزور لہجے میں کہا "جنگ بندی ہونے سے پہلے ہر فریق کے حملوں میں تیزی اور شدت پیدا ہوجاتی ہے تاکہ آخری لمحات پر حاصل کی جانے والی کامیابیوں کے سہارے جنگ بندی کے معاہدے میں مراعات حاصل کی جاسکیں۔ ہم کو ہر وقت اپنے بڑوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔" میں نے دل ہی دل میں اس پر ہنستے ہوئے کہا۔

"کوئی کام کی بات ہو تو مجھے گھر پر فون کرلینا۔" یہ کہہ کر اُس نے فون بند کردیا۔

ان دونوں فون کالز کے بعد میرا ذہن بہت ہلکا ہوچکا تھا۔ ظفر نے میری حیلہ جوئی پر تھوڑی سی ناراضی کا مظاہرہ کیا تھا مگر میں اس سے بھی اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ میرا مدعا صرف اتنا تھا کہ غزالہ کی بحفاظت واپسی تک میں پوری ذہنی یکسوئی کے ساتھ اپنی منصوبہ بندی کرسکوں۔

معاً میری نگاہ اپنی رسٹ واچ پر پڑی تو میں چونک پڑا کیونکہ وہاں چار بج کر گیارہ منٹ ہورہے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ سلطان شاہ نے فلیٹ سے جانے سے پہلے چار بجے تک اپنی واپسی کا عندیہ دیا تھا۔ میں اس کی خُو بُو سے اچھی طرح واقف تھا اور یہ جانتا تھا کہ وقت کے معاملے میں وہ میرے ساتھ انگریز بننے کی کوشش کرتا تھا' اگر اس نے واپسی کے لیے چار بجے کا وقت دیا تھا تو اسے نارمل حالات میں اس وقت تک فلیٹ میں ہونا چاہیے تھا۔

وقت دھیمے دھیمے آگے سرکتا رہا اور اسی کے ساتھ میرے اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا۔ سلطان شاہ کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ اگر وہ غیر متوقع طور پر کہیں پھنس ہی گیا تھا تو اسے فون کرکے مجھے آگاہ کردینا چاہیے تھا۔ میرے ذہن میں اس کی سلامتی کے بارے میں وسوسے سر ابھارنے لگے۔

شہر میں جن لوگوں سے میرا واسطہ تھا' ان سب ہی سے ہمارے تعلقات خوشگوار ہوچکے تھے۔ ایک ویرا مقابلے پر رہ گئی تھی تو آخر کار اس سے بھی مصالحت ہوگئی تھی۔ ان حالات میں' میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ سلطان شاہ کی سلامتی کو کن لوگوں کی طرف سے خطرات لاحق ہوسکتے تھے۔

تنہائی اور انتظار کے ان کٹھن لمحات میں جب میرے لیے اعصابی تناؤ ناقابلِ برداشت ہونے لگا تو میں نے وقت گزارنے یا خود کو بہلانے کے لیے جہانگیر کے گھر کا نمبر ملالیا۔

"تم کہاں غائب ہو؟" میری آواز سنتے ہی جہانگیر اپنی روایتی خوش دلی کے ساتھ چہکا "میں تو بچے کو دیکھتے ہی جذبات سے ایسا مغلوب ہوا کہ تمہارا شکریہ بھی ادا کرنا بھول گیا۔ اس بار تم نے واقعی مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ بچہ ایک دو دن اور نہ ملتا تو سلمٰی ہمیشہ کے لیے پاگل ہوجاتی۔"

"پاگل بیویوں کے عقل مند شوہروں کو ہمیشہ کے لیے من مانی کرنے کی چھوٹ مل جاتی ہے۔" میں نے اس کے موڈ کا ساتھ دینے کے لیے مضمحل مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"یار' ایسا نہ کہو!" اس کی سہمی ہوئی آواز ابھری "ذہنی فتور کے عالم میں وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ یوں پھاڑ کھانے کو دوڑتی تھی کہ میرا سیروں خون خشک ہوجاتا تھا۔ وہ مجھ سے اس طرح بچے کی واپسی کا مطالبہ کرتی تھی جیسے میں نے ہی اسے کہیں غائب کرایا ہو۔"

"اب سلمٰی کا کیا حال ہے؟" میں نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ بچے کی گم شدگی کی خبر سنتے ہی' لاہور سے اس کا بڑا بھائی آگیا تھا۔ وہ ماں بیٹے کو آج صبح کی پرواز سے لاہور لے گیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ وہاں رہ کر سلمٰی تیزی سے نارمل ہوسکے گی۔ ویسے بچہ واپس ملنے کے بعد اس کی حالت میں نمایاں تبدیلی رُونما ہوئی تھی اور وہ ہر ایک کو پہچاننے لگی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آج سے تم پھر لنڈورے رہ گئے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"تم بھی یہیں آجاؤ' مل بیٹھ کر اپنے دلوں کا بوجھ ہلکا کریں گے۔" اس نے پیشکش کی۔

"آج نہیں آسکتا' میں تمہارے فلیٹ ہی میں ہوں لیکن اکیلا اور بہت پریشان ہوں۔ آج سلطان شاہ کہیں غائب ہوگیا ہے۔ میں اس کی طرف سے فکر مند ہوں۔"

"اوہ! پھر تو میں خود ہی تمہارے پاس آتا ہوں۔ وہ کب سے لاپتا ہے؟"

"وہ صبح سے نکلا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کہیں پھنس گیا ہو اور تھوڑی دیر میں لوٹ آئے۔ لیکن عام طور پر وہ ایسا نہیں کرتا' اس لیے میں پریشان ہوں۔ تم ادھر نہ آنا۔ میرے پاس کچھ ایسے لوگ آنے والے ہیں جن سے تمہارا سامنا ہونا مناسب نہیں ہوگا۔ وہ جیسے ہی آئے گا تو میں فون کر کے تمہیں مطلع کردوں گا۔"

پانچ' ساڑھے پانچ اور پھر چھ بھی بج گئے' باہر اندھیرا پھیلنے لگا لیکن سلطان شاہ کی واپسی کے کوئی آثار نمودار نہ ہوئے البتہ ساڑھے چھ بجے ویرا واپس لوٹ آئی۔

دروازے پر میرے پریشان چہرے پر نگاہ پڑتے ہی وہ حیران رہ گئی۔

"کیا ہوا؟ تمہارا چہرہ اس قدر بے رونق اور اترا ہوا کیوں ہے؟" اندر داخل ہونے کے بعد اس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا پھر میرے کچھ بولنے سے قبل ہی اس نے اگلا اور اہم ترین سوال بھی کر ڈالا "سلطان شاہ کہاں ہے؟ کہیں وہ تم سے ناراض ہو کر تو نہیں چلا گیا؟"

"وہ سرے سے واپس ہی نہیں آیا اور یہی میری پریشانی کا اصل سبب ہے۔"

"اوہ!" وہ ایک گہرا سانس لے کر صوفے پر گر گئی "تم نے تو مجھے دہلا کر رکھ دیا تھا۔ ایسے منہ لٹکائے بیٹھے ہو جیسے تمہارے سر پر آسمان گرا ہو۔ وہ کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے۔ دیر سویر سے واپس لوٹ ہی آئے گا۔ اتنی سی بات پر تمہیں اتنا فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟"

"دس پندرہ منٹ کی تاخیر ہوسکتی ہے لیکن اب ساڑھے چھ بج رہے ہیں۔ وہ میرے ساتھ اتنی غیر ذمے داری کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے لیے کیا کیا جائے؟"

"کچھ بھی نہ کرو اور میرے ساتھ بیٹھ کر ایک آدھ پیگ چڑھا ڈالو۔ تھوڑی دیر میں ذہن بالکل صاف اور ہلکا ہوجائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اتنی دیر میں وہ بھی لوٹ آئے۔" اس نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے بھی اپنے برابر میں صوفے پر کھینچتے ہوئے کہا "اب میں تمہارے لیے جن نہیں' وسکی تیار کرتی ہوں۔"

ویرا گلاس میں وسکی انڈیلنے لگی اور میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگالی۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور ویرا اپنی باتوں سے میرا دھیان ہٹانے کی کامیاب کوشش کرتی رہی۔ ابتدا میں مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسنا پڑ رہا تھا لیکن رفتہ رفتہ میری کھوپڑی پر سے بھی کہر چھٹنے لگی۔

سلطان شاہ کے ساتھ اگر کوئی ناگہانی مصیبت پیش ہی آگئی تھی تو میں اس کے لیے فوری طور پر کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ شہر بہت وسیع تھا' اس میں کسی ایک شخص کا کھوج نکالنا ناممکنات میں سے تھا۔ شہر کے اسپتالوں اور تھانوں سے رجوع کرنا خود اپنے لیے مشکلات کو دعوت دینے کے مترادف تھا کیونکہ کھل کر سامنے آنے کی صورت میں' میں خود دشواریوں میں گھر سکتا تھا۔

بہرحال اتنا ضرور ہوا کہ میری پریشانی کی وجہ سے ویرا کے سر سے رومان کا وہ بھوت اتر گیا جو شام کو اس کے سر پر چڑھ کر ناچ رہا تھا۔

"کہو تو شری مان ہی کو چھیڑا جائے کہ نئی دہلی میں کیا ہو رہا ہے۔" ویرا نے کہا۔

"بے سود ہے' فوری طور پر شاید وہ کچھ بھی نہیں بتاسکے گا۔ اس طرح اسے معاملے کو غیر ضروری اہمیت دینے کا موقع بھی مل جائے گا۔ اب تو اس سے صبح ہی بات کرنا۔"

"یہاں سے نکل کر میں اپنی روانگی کا بندوبست بھی کر آئی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "کل دوپہر کی پرواز سے میں کوئٹہ جارہی ہوں۔ وہاں سے سرحد پار کر کے ایران میں داخل ہوجاؤں گی۔"

"اس طرح تو ہمارے پاس کافی وقت ہے۔ جانے سے پہلے تم

کوانگ فوسے ہی براہِ راست معلومات حاصل کرسکوں گی۔" مجھے اس کا پروگرام امید افزا نظر آرہا تھا۔

دس بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو میرے ریسیور اٹھانے سے پہلے ہی ویرا نے اسپیکر فون آن کردیا اور اس پر جہانگیر کی آواز سن کر زیرلب مسکرانے لگی۔

اس کی آواز پر گہرا نشہ غالب تھا مگر پھر بھی اسے سلطان شاہ کی فکر تھی۔ جب میں نے اسے بتایا کہ سلطان شاہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا تو اس کی آواز میں اداسی رچ گئی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر میری پریشانی بانٹنے کے لیے فلیٹ کی طرف آنے کا ارادہ کیا مگر میں نے بوکھلا کر اسے منع کردیا۔

"اسے سلطان شاہ کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟" فون بند ہونے کے بعد ویرا نے پوچھا۔

"میں نے ہی فون پر اسے بتایا تھا۔ میں یہ چیک کرنا چاہ رہا تھا کہ کہیں سلطان شاہ اسی کی طرف نہ نکل گیا ہو۔" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔

"اس کی بیوی کا اب کیا حال ہے؟" ویرا نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"اس کی حالت ابھی بھی خراب ہے۔" میں نے اسے شرمندہ کرنے کی نیت سے کہا "اس کا بھائی بہتر علاج اور ماحول کی تبدیلی کے لیے اسے بچے سمیت لاہور لے گیا ہے۔"

"اشتعال کے عالم میں مجھ سے بعض اوقات خاصی سنگین حماقتیں سرزد ہوجاتی ہیں۔" اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا "بعد میں مجھے خود بھی اپنے ایسے اقدامات پر افسوس ہوتا ہے۔"

"کم از کم مجھ سے بلاوجہ کی باتیں نہ کیا کرو۔ تمہارے ضمیر یا ذہن پر ذرا سا بھی بوجھ ہوتا تو تم بچے کو کہیں بھی ڈال سکتی تھیں۔ کوئی نہ کوئی بچے کو اس کے ورثا تک پہنچا دیتا۔"

"بعد میں سے میری یہ مراد نہیں کہ اغوا کے فوراً بعد ہی مجھ پر شرمندگی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ تو ایک مسلسل ذہنی کیفیت تھی جو مجھے تمہارے ساتھ ہی تمہارے متعلقین کے خلاف بھی اکسا رہی تھی۔ اس کا خاتمہ اس وقت ہوا ہے جب میری تم سے مصالحت ہوگئی۔ وہ انتقامی جنون ختم ہونے کے بعد میں اب سوچتی ہوں تو اس معصوم بچے کا اغوا ایک ظلم محسوس ہوتا ہے۔"

"یہ بھی غنیمت ہے کہ دیر سے ہی سہی، تم اپنا احتساب تو کرتی ہو۔"

"تمہارے ساتھ اب مجھے بھی سلطان شاہ کے بارے میں تشویش ہونے لگی ہے۔" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد اس نے کہا "میرا خیال ہے کہ اب مجھے بھی کچھ کرنا چاہیے۔"

"اس فلیٹ میں بیٹھ کر تم کیا کرسکو گی؟" میں نے بے یقینی کے ساتھ کہا۔

"بس دیکھتے رہو۔" ویرا نے کہا اور پھر وہ فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔

اس نے یکے بعد دیگرے متعدد فون نمبر ملائے۔ بعض نمبروں پر اس کا مطلوبہ آدمی موجود نہیں تھا البتہ اس نے تین مختلف افراد کو سلطان شاہ کا حلیہ بتا کر اس کا سراغ لگانے کی ہدایت کی۔ ان تینوں کو رپورٹ دینے کے لیے ویرا نے اسی فلیٹ کا فون نمبر دیا تھا۔

دو بجے تک فون پر مصروفیات کا سلسلہ جاری رہا۔ باہر سے رپورٹیں بھی آرہی تھیں لیکن کہیں سے کوئی حوصلہ افزا بات سامنے نہیں آرہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ آج میں نے اسے یہاں سے بھگانے کی بات کرکے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔" آخرکار ویرا نے تھکے ہوئے انداز میں کہا "قدرت نے میری بات سن لی اور خود ہی اسے یہاں سے غائب کرنے کا بندوبست کردیا۔ بعض خیالات حیرت ناک طور پر حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں۔"

"میں تمہاری زبان سے آج پہلی بار قدرت کا ذکر سن رہا ہوں۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"بے بسی اور مجبوری کے لمحات میں ہی آدمی کو کسی ایسی قوت کا خیال آتا ہے جو اس کے خواب و خیال اور ارادوں سے بھی زیادہ قوی ہے۔ آج میرے اور تمہارے ساتھ کچھ ایسی ہی صورت درپیش ہے۔"

اسی لمحے فلیٹ کی ڈور بیل گونجی اور ساتھ ہی کسی نے بے تابانہ انداز میں دروازے پر دستک دی اور میں غیرارادی طور پر دروازے کی طرف دوڑ پڑا۔

میرے وہاں پہنچنے تک دروازہ خاصی شدت سے پیٹ کر رکھ دیا گیا تھا۔

میرا ہاتھ اضطراری طور پر ہونٹ کی طرف بڑھا لیکن میں یہ سوچ کر ٹھٹک کر رہ گیا کہ سلطان شاہ کے پاس فلیٹ کی چابی ہوتی ہے۔ اگر وہ آیا ہے تو اسے دستک دینے یا ڈور بیل بجانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ یقینی طور پر کوئی اور ہی تھا۔ مجھے محتاط ہوکر دروازہ کھولنا چاہیے تھا۔

"کھول چکو نا!" چوبی دروازے کے اس پار سے درد میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری اس کے ساتھ ہی باہر والے نے شاید مایوسی کے عالم میں اپنا سر دروازے پر مارا تھا۔

اس بار میں نے وہ بگڑی ہوئی آواز واضح طور پر پہچان لی۔ وہ یقینی طور پر سلطان شاہ ہی تھا۔ میں نے جونہی دروازہ کھولا وہ اپنی جھونک میں لڑکھڑاتا ہوا میری آغوش میں آرہا۔

اس کی حالت بہت ابتر تھی۔ سارا چہرہ خون اور زخموں سے ڈھکا ہوا تھا، لباس تار تار تھا اور بال بکھرے ہوئے تھے اس کے پیچھے ہی بلڈنگ کا ادھیڑ عمر چوکیدار حیرت اور خوف کے عالم میں کھڑا ہوا تھا۔ وہ شاید سلطان شاہ کو سہارا دے کر اوپر تک لایا تھا۔

میں نے شکریہ ادا کرکے چوکیدار کو رخصت کیا۔ اس وقت تک ویرا بھی میری مدد کو پہنچ چکی تھی۔ اس نے دروازہ بند کیا اور ہم دونوں سلطان شاہ کو خواب گاہ میں لے گئے۔

سلطان شاہ نڈھال ہو کر بستر پر گر گیا۔ اس نے آنکھیں موند لی تھیں اور بند پپوٹوں کے نیچے اس کی آنکھوں کی پتلیاں تیزی کے ساتھ یوں گھوم رہی تھیں جیسے وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہو۔

ویرا کسی ماہر نرس کی طرح اس کے زخموں کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگئی۔

"سلطان، سلطان شاہ!" میں نے اس کے الجھے ہوئے بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے پکارا "یہ سب کیا ہے اور کیسے ہوگیا؟"

اس نے داہنا ہاتھ قدرے بلند کر کے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ وہ اپنی کہانی سنانے سے پہلے اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ابھی اسے نہ چھیڑو!" ویرا نے دھیمی آواز میں مجھے مشورہ دیا۔ "اس کی حالت بہت ابتر ہے۔ ہونٹ بھی کٹے پھٹے ہوئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی زبان بھی زخمی ہو، ہمت ہوگی تو یہ خود ہی بولے گا۔"

سلطان شاہ نے پھولی ہوئی آنکھیں کھول کر، غنودگی کے سے عالم میں باری باری ہم دونوں کو دیکھا، اس کے سوجے ہوئے ہونٹوں پر خفیف سا کھچاؤ پیدا ہوا۔ شاید اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی لیکن اس میں ناکام رہا پھر اس نے تھکے ہوئے انداز میں دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔

مجھے جہانگیر کے فلیٹ میں موجود سہولتوں کا سرے سے کوئی علم ہی نہیں تھا لیکن ویرا نے ادھر ادھر ہاتھ پیر مار کر سلطان شاہ کی طبی امداد کے لوازم فراہم کرلیے اور ڈیٹول ملے ہوئے گرم پانی کی مدد سے ہولے ہولے زخموں کو صاف کرنے میں مصروف ہوگئی۔

"ہوشیار رہو!" چند منٹ بعد سلطان شاہ نے سنبھالا لے کر گھٹی ہوئی آواز میں پہلی بار زبان کھولی تو مجھے ویرا کے قیاس کی داد دینا پڑی کیونکہ سلطان شاہ کی زبان متورم محسوس ہو رہی تھی۔

"وہ لوگ کسی بھی وقت یہاں دھاوا بول سکتے ہیں۔" وہ رک رک کر کہہ رہا تھا "وہ بہت سفاک اور خونخوار درندے معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں تمہاری تلاش ہے۔"

اس کا وہ انکشاف سن کر میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی سرایت کرگئی۔

"کچھ تو بتاؤ کہ وہ کون ہیں اور تم سے کہاں ٹکرا گئے؟" ویرا نے اس کے چہرے کے زخموں کی صفائی کرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔ "ہمیں تفصیلات کا علم نہیں ہوا تو ہم بے خبری میں مارے جائیں گے۔"

"میں کشمیر روڈ کے ایک لان سے نکل رہا تھا۔" اس نے رک رک کر بولنا شروع کیا "کہ اچانک ہی ایک کار میرے قریب آکر رکی اور تین آدمی نکل کر مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے بہت مزاحمت کی لیکن وہ تینوں بہت جسیم اور قد آور تھے۔ ان میں سے کسی نے میری کنپٹی پر ایک زوردار ضرب لگائی اور میں بے ہوش ہوگیا۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکا۔ ویرا اس کے زخموں کی دیکھ بھال کے ساتھ ہی اس کی کہانی بھی سن رہی تھی جب کہ میں نے آنے والے برے وقت کا مقابلہ کرنے کے لیے اسی کمرے میں چھپے ہوئے ہتھیار یکجا کرنے شروع کردیے تھے۔

"بعد میں ہوش آیا تو میں کسی عمارت کے ایک کمرے میں بند تھا اور وہی تینوں، خونخوار تیوروں کے ساتھ میرے سامنے موجود تھے۔" سلطان شاہ نے دوبارہ بولنا شروع کردیا تھا "میرے لیے ان کے چہرے اجنبی تھے لیکن وہ میرے ساتھ تمہارے نام سے بھی واقف تھے۔ مجھ سے وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ تم کو کہاں گھیرا جاسکتا ہے۔ میرے انکار پر وہ میرے ساتھ تشدد پر اتر آئے۔ وقفوں وقفوں سے یہ سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔ ان کا خیال تھا کہ بے تحاشا مار کھانے کے بعد میری قوت برداشت جواب دے جائے گی اور میں سب کچھ اگلتا چلا جاؤں گا لیکن ایسا نہیں ہوسکا اور آخر کار وہ تینوں ہی بری طرح مجھ پر پل پڑے۔ مکوں، لاتوں اور ٹھوکروں سے انہوں نے میرے جسم کے ہر حصے کو نشانہ بنایا اور آخر کار میرے حواس جواب دیتے چلے گئے۔"

"اس پوری کارروائی میں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی تمہارے سامنے نہیں آیا؟"

"شروع سے آخر تک وہی تینوں رہے۔ ان میں سے ایک آدمی وقفے وقفے سے باہر جاتا آتا رہا، وہ شاید فون پر کسی کو رپورٹ دے کر نئی ہدایات لے رہا تھا۔ اگر انہوں نے مجھے ایک کرسی سے نہ باندھا ہوتا تو میں موقع پاکر دو آدمیوں کو زیر کرنے کی کوشش کرسکتا تھا........"

"یہ سب فضول باتیں ہیں، پہلے تم اپنی اصل کہانی مکمل کرو!" ویرا نے اسے ٹوکا۔

"اس کے بعد تھوڑی دیر پہلے مجھے ہوش آیا تو میں کھلے آسمان کے نیچے ٹھنڈی اور نرم گھاس پر پڑا ہوا تھا اور میرا پورا بدن کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ میرے قرب و جوار میں بالکل سناٹا تھا۔ اس وقت میرا ذہن ماؤف تھا لیکن آزادی کے احساس نے مجھے حوصلہ دیا اور میں گرتا پڑتا ہوا، وہاں سے چل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پہچان لیا کہ مجھے کشمیر روڈ کے قرب و جوار ہی میں ڈالا گیا تھا۔ رات خاصی گزر چکی تھی اور میری حالت بہت خراب تھی مگر میں اکا دکا راہ گیروں سے بچتا بچاتا کسی نہ کسی طرح یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔"

سلطان شاہ نے پانی مانگا۔ ویرا نے لاکھ کوشش کی کہ وہ تقویت کے لیے تھوڑی سی برانڈی پی لے لیکن سلطان شاہ نے اس حالت میں بھی برانڈی قبول کرنے سے سختی سے انکار کردیا۔

چند منٹ کے تعطل کے بعد ویرا نے اس سے پوچھا "تمہیں یہ

خیال کیسے آیا کہ وہ یہاں دھاوا بول دیں گے؟"
"ان کا اصل مقصد ہی ڈیلی تک پہنچنا ہے۔ انہوں نے مجھے ادھ مُوا کر کے اسی لیے آزاد کیا کہ میں ہوش میں آتے ہی اپنے ٹھکانے کا رخ کروں گا۔ یہ بات اسی وقت میرے ذہن میں آجاتی تو میں ہرگز بھی ادھر کا رخ نہ کرتا بلکہ کہیں اور نکل جاتا لیکن اس وقت میرا ذہن دھندلایا ہوا تھا اور میرے حواس باختہ تھے اس لیے میں سیدھ باندھ کر اسی طرف چل دیا۔ بظاہر دور دور تک کوئی نہیں تھا لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ انہوں نے یہاں تک میرا پیچھا کیا ہوگا۔ فلیٹ میں پہلا قدم رکھتے ہی مجھے اس بات کا دھیان آیا تھا۔ انہوں نے یہ گھر دیکھ لیا ہے اور اب بھرپور تیاری کے ساتھ کسی بھی وقت یہاں آجائیں گے۔"
"تمہیں ان کی کسی بات سے یہ اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ کون لوگ تھے یا کس کے لیے کام کر رہے تھے؟" ویرا نے تفکر آمیز لہجے میں سوال کیا۔
"نہیں!" سلطان شاہ نے مایوسی سے کہا "جب تک میرے ہوش و حواس ساتھ دیتے رہے میں ان کی باتوں پر پوری طرح دھیان دیتا رہا لیکن وہ بہت محتاط تھے۔ مجھے کوئی سرا نہیں مل سکا۔"
"یہاں رہ کر تو ہم بری طرح گھیر لیے جائیں گے۔" ویرا نے چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد پُرتشویش لہجے میں کہا "ہمیں کوئی نہ کوئی راہ تلاش کرنی ہوگی۔"
اس دوران میں وہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی سلطان شاہ کی مرہم پٹی سے غافل نہیں ہوئی تھی۔ وہ اتنی احتیاط اور نرمی سے کام لے رہی تھی کہ سلطان شاہ کو ایک مرتبہ بھی احتجاج کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ بے چون و چرا ویرا کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔
"میرا خیال قدرے مختلف ہے۔" میں نے کہا "یہ رہائشی عمارت ایک گنجان آبادی میں واقع ہے۔ وہ یہاں کسی بھی کارروائی کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔ وہ گولیاں برساتے ہوئے بلڈنگ میں گھس بھی آئے تو ان کے لیے یہاں سے نکلنا دشوار ہو جائے گا ایسی کسی کامیاب کارروائی کے لیے انہیں بھاری نفری کی ضرورت ہوگی جو بیک وقت اندر اور باہر کے محاذ سنبھال سکے۔"
"تم بھول رہے ہو کہ میں ایک بار یہاں دھاوا بول چکی ہوں۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔
"لیکن تمہیں اس کا انجام بھی معلوم ہے۔" میں نے ترکی بہ ترکی کہا "تمہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔"
"اس وقت تمہارے مسلح آدمی باہر بھی پھیلے ہوئے تھے لیکن آج صورتِ حال مختلف ہے۔"
"پھر کیا کیا جائے؟" اس نئی صورتِ حال نے مجھے خاصا پریشان کر دیا تھا۔

"تم اول خان سے بات کیوں نہیں کرتے؟" اس نے ...
کر کہا "اس کے مسلح آدمی باہر رہ کر اس عمارت کی نگرانی کرتے رہیں تو نہ صرف خطرہ ٹل جائے گا بلکہ ہم دن کے اجالے میں بحفاظت یہاں سے نکل سکیں گے۔ میری رائے میں اس وقت یہ حل سب سے مناسب رہے گا۔"
"یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "یہ کام اسی وقت ہو جانا چاہیے۔"
ان دونوں کی بات معقول تھی لیکن میرے سامنے یہ الجھن درپیش تھی کہ میں نے ویرا کے معاملے میں ظفر کو اندھیرے میں رکھا ہوا تھا کیونکہ اس میں میرا اپنا مفاد تھا۔ دوسری طرف ویرا کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اول خان کا تبادلہ ہو جانے کے بعد اس کی جگہ ظفر آچکا تھا۔ اگر میری فون کال کے نتیجے میں ظفر جوش میں آکر خود ہی فلیٹ پر آجاتا تو میرے لیے صورتِ حال کو سنبھالنا دشوار ہو سکتا تھا۔
لیکن یہ بات طے تھی کہ اس وقت ہمارے سامنے اس سے بہتر کوئی راہ موجود نہیں تھی اس لیے میں نے تمہید باندھنے کی نیت سے ویرا سے کہا "مشکل یہ ہے کہ اول خان آج کل چھٹی پر چلا گیا ہے۔ اس کی جگہ جو شخص کام کر رہا ہے اس سے میری زیادہ بے تکلفی نہیں ہے۔"
"پھر بھی کوشش کر لینے میں کیا ہرج ہے؟" ویرا نے کہا "زیادہ سے زیادہ وہ انکار کر دے گا۔ ہمیں حسرت تو نہیں رہے گی کہ ہم نے کوشش نہیں کی تھی۔"
"ٹھیک ہے۔" میں نے سوچنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "میں اسے تمہارے بارے میں بھی ایک کہانی سناؤں گا اور تم اس کا خیال رکھنا ہوگا۔ تمہارا نام شامل ہونے سے میری بات میں زور پیدا ہو جائے گا اور اول خان کا جانشین فوری کارروائی پر آمادہ ہو جائے گا۔"
"ٹھیک ہے میں ہمیشہ تمہارے سیاہ و سفید میں گلے گلے ساتھ دیتی رہی ہوں۔"
ڈریسنگ ہو جانے اور تھوڑی دیر آرام کرنے کی وجہ سے سلطان شاہ کی حالت خاصی بہتر ہوگئی تھی غنیمت یہ تھا کہ اس کے سارے زخم سطحی نوعیت کے تھے۔ اس کے جسم کی کسی ہڈی وغیرہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس لیے وہ بستر سے اتر آیا تاکہ باتھ روم میں جا کر لباس وغیرہ تبدیل کر سکے۔
میں ویرا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آگیا تاکہ ظفر سے بات کی جا سکے۔
"اول خان کے جانشین کا نام تم نے ابھی تک نہیں بتایا" ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔
"ظفر!" میں اس کے شکایتی انداز پر بے ساختہ ہنس پڑا "اس میں برا ماننے کی کیا بات تھی؟"

"خدا کا شکر ہے کہ تمہارے ہونٹوں پر ہنسی تو نظر آئی۔" وہ میرے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑبڑائی "ورنہ شام سے کسی جواں سال بیوہ کی طرح منہ لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے۔"

اسٹیشن فور کا نمبر ملانے پر دوسری طرف سے فوراً ہی آپریٹر کی آواز سنائی دی تھی۔

"میں ڈیی بول رہا ہوں، مجھے ظفر صاحب سے بات کرنی ہے۔" میں نے کہا۔

"صاحب سو رہے ہیں، ضروری کام ہو تو میں جگا دوں؟" آپریٹر نے ادب کے ساتھ کہا۔

"ضروری کام نہ ہوتا تو میں صبح کے تین بجے ہرگز فون نہ کرتا۔" میں نے نرمی کے ساتھ جواب دیا۔

آپریٹر مجھے لائن ہولڈ کرا کے غائب ہو گیا لیکن ایک منٹ بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ ظفر لائن پر آگیا۔ اس کی آواز نیند کے خمار سے بوجھل ہو رہی تھی۔

"ہیلو، ڈیی! کیا بات ہے؟ اتنی صبح فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

میں نے معنی خیز نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا اور کہا "میں ویرا سے مل بیٹھنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ وہ اس وقت میرے ساتھ ہی موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمارے ستارے بھی چل پڑے ہیں لیکن اسی کے ساتھ کچھ نامعلوم لوگ ہمارے لہو کے پیاسے ہو گئے ہیں۔"

"کون لوگ ہیں وہ؟" اس کی آواز سے نیند کا نشہ ہرن ہو گیا۔ وہ میرے ساتھ ویرا کی موجودگی کے بارے میں میرا اشارہ بھانپ گیا تھا اس لیے اس نے خلافِ عادت ویرا کے بارے میں کسی بھی تجسس کا مظاہرہ کیے بغیر، براہِ راست مطلب کی بات شروع کر دی۔

"کچھ نہیں معلوم، سلطان شاہ کسی کام سے باہر گیا تھا تو انہوں نے اس پر بہت زیادہ تشدد کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ اس وقت بھی باہر منڈلا رہے ہوں گے۔"

"تم فلیٹ مقفل کر کے اندر ہی بیٹھے رہو۔ میں اپنے آدمیوں کے ساتھ فوراً آرہا ہوں۔" اس نے مزید چھان بین میں ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر کہا۔

میں نے اسے فلیٹ کا پتا اور کل وقوع بتایا۔ میری بات سمجھتے ہی اس نے ریسیور شاید کریڈل پر رکھ دیا۔

"تم بلاوجہ ہی پریشان تھے، وہ تو بہت شریف آدمی معلوم ہوتا ہے۔" ویرا بولی۔

"وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ شاید یہ تمہارے نام کا اثر تھا کہ وہ فوراً حرکت میں آنے پر آمادہ ہو گیا۔" میں نے اس کی پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے بے تکلفی کے ساتھ کہا۔

بے یقینی کی دھند صاف ہونے کے بعد، جوں جوں صورتِ حال واضح ہوتی جا رہی تھی میرا موڈ نارمل ہوتا جا رہا تھا کیونکہ سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی حالات سنسنی خیز رخ اختیار کر جا رہے تھے۔

"وہ میرے بارے میں کیا جانتا ہے؟" ویرا نے بڑا اشتیاق میں سوال کیا۔

"وہ جوان اور پرجوش افسر ہے۔ اس کے لیے یہ بات حیرت ناک ثابت ہوگی کہ تم جیسی خوب صورت، جواں سال عورت جرائم کی دنیا میں کیوں بھٹک رہی ہے۔"

"مرد بلکہ بچے جرائم کر سکتے ہیں تو ایک عورت کے لیے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے؟"

"کچھ بھی نہیں، بس ہمارے یہاں یہ ذرا نئی اور اچھوتی بات لگتی ہے۔ ورنہ مجرم عورتیں تو اپنے پیشے میں زیادہ کامیاب ہوتی ہیں۔ جدید ہتھیاروں سے بڑھ کر ان کے روایتی ہتھیار خطرناک ہوتے ہیں۔"

"ہر طرف سے مطمئن ہوتے ہی تم نے اب پھر چہکنا شروع کر دیا؟" وہ منہ بنا کر بولی۔

"انسان چہکنے والا پرندہ ہے۔ اگلے پچھلے غموں کو روگ بنا پالتا رہے تو تمہیں ہر طرف آہوں اور سسکیوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں سنائی دے گا۔"

"اس وقت ہانگ کانگ میں صبح کے سوا سات بجے ہوں گے کیا ارادہ ہے۔" اس نے میری کلائی تھام کر رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"اوہ، ضرور!" میں نے چونک کر کہا "اب تک تو کوانگ مکاؤ لوٹ آیا ہوگا۔"

"دیکھ لو کہ میں تمہاری غزالہ کا کتنا خیال رکھتی ہوں۔" اس نے دیدے نچا کر کہا اور فون سنبھال لیا۔

سلسلہ ملنے پر کوانگ فو کے نمبر سے وہی چوہے کی مضحکہ خیز چوں چاں سنائی دینے لگی اور ٹھیک تیس سیکنڈ بعد آپریٹر لائن پر آگئی۔

"مجھے فادر کوانگ فو سے بات کرنی ہے، میرا نام ویرا ہے۔" ویرا نے اس کی چینی زبان کے جواب میں ٹھہری ہوئی انگریزی میں اپنا مدعا بیان کیا۔

"ڈون تو کل رات سے کولون گئے ہوئے ہیں۔" آپریٹر نے شکستہ انگریزی میں رک رک کر کہا "شنگریلا سے رات کے دو بجے ان کا فون آیا تھا کہ وہ واپس مکاؤ آرہے ہیں۔ انہیں اب سے پہلے یہاں آجانا چاہیے تھا لیکن ابھی تک سناٹا ہے۔ ہم لوگ ڈون کی طرف سے فکرمند ہیں۔"

"میں فادر کی منہ بولی بیٹی ہوں..." ویرا نے آپریٹر سے اپنا تفصیلی تعارف کرانا چاہا لیکن اس لڑکی نے فوراً ہی اس کی بات کاٹ دی۔

"میرے کمپیوٹر کے ساؤنڈ اسکینر نے تمہاری آواز پہچان لی ہے۔" وہ پُراعتماد لہجے میں کہہ رہی تھی "اسی لیے میں نے تمہیں یہ سب بتایا ہے۔ ڈون نے ہدایت کی تھی کہ اس کی غیر حاضری میں تمہارا فون آجائے تو تمہیں ہر بات بلاکم و کاست بتادی جائے شاید وہ تمہاری کسی دوست کو لینے ہی گئے ہیں۔"

میرے لیے وہ خبر بہت وحشت انگیز تھی۔ کوانگ فو کا یوں غائب ہونا کسی گڑبڑ کی غمازی کر رہا تھا۔

"پھر تم لوگ فادر کی تلاش کے لیے کیا کر رہے ہو؟" ویرا نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"ہمارے دو ہیلی کاپٹر مسلسل سمندر پر نیچی پرواز کر رہے ہیں لیکن ڈون کی اسپیڈ بوٹ کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں مل سکا بہرحال سب اپنی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔"

"ایسا تو نہیں کہ ہیلی کاپٹر دیر سے فضا میں بلند ہوئے ہوں اور اس سے پہلے ہی فادر کے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ رُونما ہوچکا ہو؟" ویرا نے لحظہ بھر کے توقف کے بعد سوال کیا۔

"یہاں بھی یہی خیال ظاہر کیا جارہا ہے۔" آپریٹر نے اعتراف کیا "ڈون کی واپسی کے لیے ہمیں ان کی کال کے بعد مقررہ وقت تک تو انتظار کرنا ہی تھا۔ اس میں کسی کا قصور نہیں ہے۔ ڈون کی تلاش کی مہم کا آغاز صبح پانچ بجے ہوا ہے۔ ہمیں سمندر میں کئی مقامات پر بھاری فائرنگ کی آوازوں کے تبادلے کی خبریں بھی ملی ہیں لیکن ان سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ ان اطراف کے گہرے پانیوں میں ایسے واقعات روزمرہ کا معمول ہیں۔"

"ٹھیک ہے بے بی!" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"اگر میرے کام کی وجہ سے فادر کوانگ فو کو کوئی نقصان پہنچا تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کرسکوں گی۔ ہوسکتا ہے کہ میں خودکشی ہی کرلوں مگر فی الحال میں تمہاری کامیابی اور فادر کی واپسی کے لیے دعا کرتے ہوئے کسی اچھی خبر کی منتظر رہوں گی۔"

"میرے پاس تمہارا فون نمبر نہیں ہے۔ وہ لکھوادو تو اچھی خبر آتے ہی میں تمہیں فون کروں گی۔"

"اگلے آٹھ دس گھنٹوں تک میں اسی نمبر پر رہوں گی۔" ویرا نے فلیٹ کا فون نمبر بتانے کے بعد کہا "میری خواہش ہوگی کہ میری فادر ہی سے براہِ راست بات ہوسکے۔"

"تم ڈون کی بیٹی ہو۔ حوصلہ رکھو۔ تمہاری باتیں سن کر مجھے مایوسی ہوئی ہے۔" آپریٹر کا لہجہ ناصحانہ ہوگیا "دلیر لوگ برے سے برے حالات کا بھی مقابلہ کرتے ہوئے زندہ رہتے ہیں۔ جو بزدل ہوتے ہیں وہ زندگی کے تقاضوں سے گھبرا کر موت کی آغوش میں پناہ ڈھونڈنے لگتے ہیں۔"

"میں تمہاری باتیں یاد کرنے کی کوشش کروں گی' نائی بے بی!" ویرا نے بڑے خلوص سے کہا "اتنی کم سنی میں تم نے ایسی باتیں کہاں سے سیکھ لیں؟"

"ڈون ہمارا باپ اور استاد ہے۔ وہی ہم کو سب کچھ سکھاتا ہے۔" ہلکی سی ترنم ریز ہنسی کے ساتھ آپریٹر کی آواز ابھری "ویسے میں بے بی نہیں ہوں۔ میری عمر سینتالیس سال ہے۔"

اس کے آخری فقرے پر ویرا نے ایسا برا سا منہ بنایا تھا جیسے اس نے شہد کے دھوکے میں کونین مکسچر پی لیا ہو۔

چند رسمی فقروں کے بعد ویرا نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"یہ ایک نئی اور غیر متوقع صورتِ حال ہے۔" اس نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"خدا کرے کہ خیر ہی ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ کوانگ فو اتنی آسانی سے زیر ہونے والوں میں سے نہیں ہے۔"

"اب تو ہم انتظار کے علاوہ کچھ بھی نہیں کرسکتے۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"کیوں نہ شری مان سنگھ سے کھوج نکالنے کی کوشش کی جائے؟" میں نے تجویز پیش کی۔

"بے سود ہے۔" وہ بولی "اسے دہلی سے آگے کی کوئی خبر نہیں ہوگی۔ آپریٹر بتا چکی ہے کہ کوانگ فو نے آخری فون شنگریلا سے کیا تھا اس کا مطلب ہے کہ وہ غزالہ تک پہنچ چکا تھا۔"

"یہ تم میں ڈون کب سے ہونے لگے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔" وہ مضمحل مسکراہٹ کے ساتھ بولی "یہ لفظ ڈونگ ہے اور چینی زبان میں بڑوں کے لیے احتراماً استعمال ہوتا ہے اور اس سے مخاطب کی انتہائی بڑائی کا اظہار ہوتا ہے۔ تلفظ کی وجہ سے تمہیں یہ لفظ ڈون سنائی دے رہا تھا۔"

"اور وہ تمہاری خودکشی والا ڈراما کیا تھا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"دوسروں کو متاثر کرنے کے لیے مجبوراً ایسے ڈرامے کرنے ہی پڑتے ہیں۔"

اسی وقت سلطان شاہ لباس وغیرہ تبدیل کرکے ڈرائنگ روم میں آیا ہی تھا کہ اچانک ڈوربیل چیخ اٹھی۔

میں نے لپک کر دروازہ کھولا تو ظفر کا گمبھیر چہرہ میرے سامنے تھا۔

وہ میرے ہمراہ فلیٹ میں پوری طرح داخل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اچانک کہیں قریب ہی سے کسی بے آواز رائفل کے فائر کی مخصوص آواز ابھری اور فضا میں ایک دم توڑتی ہوئی انسانی چیخ گونجتی چلی گئی۔

میں نے اضطراری طور پر ظفر کو ایک طرف دھکیل کر فلیٹ سے باہر نکلنا چاہا لیکن اس نے میرے بازو تھام کر مجھے سختی کے ساتھ اندر ہی روک کر دروازہ بند کردیا۔

"سکون سے اندر بیٹھو!" اس نے سخت اور سرد لہجے میں کہا۔

میں باہر کا رنگ دیکھ آیا ہوں۔ وہاں کھیل شروع ہو چکا ہے اور ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں لوٹ سکے گا۔"

ویرا میرے پیچھے کھڑی حیرت اور بے یقینی سے ظفر کو گھورے جا رہی تھی۔

رائفل کے پہلے فائر اور دم توڑتی ہوئی انسانی چیخ کے ساتھ ہی باہر کی پُرسکون فضا میں ایک قیامت خیز ہنگامہ برپا ہو گیا۔ قریب اور قدرے دور سے، بھانت بھانت کے آتشیں ہتھیاروں کے مہلک نغمے گونجنے شروع ہو گئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے رات کے پُرہول اندھیرے میں دو طاغوتی حریف، ایک دوسرے کی گھات لگائے، اپنی کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے ہوں اور پہلی گولی چلتے ہی خونخوار تیوروں کے ساتھ ایک دوسرے کو جہنم رسید کرنے کے لیے میدان میں کود پڑے ہوں۔

چند ماہ کی قلیل سی مدت میں، اس گنجان آباد اور صاف ستھرے رہائشی علاقے میں، وحشیانہ تصادم کی وہ تیسری واردات تھی اس لیے علاقے کے مکین بیدار ہونے کے باوجود اپنے مکانوں سے باہر آکر اپنی زندگیاں داؤ پر لگانے کا خطرہ ہرگز مول نہ لیتے اور دونوں حریفوں کو دل کھول کر اپنی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جاتا۔ ایسے گمبھیر مقابلوں میں پولیس فورس کے تجربے کار افسران بھی اندھادھند مداخلت سے گریز کرتے ہیں کیونکہ اس طرح انہیں بھاری جانی نقصان سے دوچار ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ صورتِ حال کی بھرپور سنگینی کا اندازہ لگا لینے کے باوجود وہ اپنے جوانوں کے ساتھ اس وقت تک محاذ سے دور ہی رہتے ہیں جب تک دو میں سے ایک فریق کسی وجہ سے کمزور نہ پڑنے لگے۔ محاذ آرائی کی شدت میں کمی آتے ہی وہ سائرن اور سیٹیاں بجاتے اور ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے، مقابلے میں شریک ہو جاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر دو چار بدنصیب یا زخمی مجرم ہی ان کے ہاتھ لگتے ہیں ورنہ ہر مجرم پولیس کی آمد کی بُو سونگھتے ہی کسی محفوظ راستے سے فرار ہو لیتا ہے اور آخر میں صرف پولیس فورس میدان میں رہ جاتی ہے۔

وہ اس معاملے کا ایک پہلو تھا لیکن دوسرا پہلو جو میرے لیے زیادہ اطمینان بخش تھا، وہ یہ تھا کہ اس وقت صبح کے چار بجے کا عمل تھا۔ اس وقت سڑکیں اور گلیاں سنسان پڑی ہوئی ہونی چاہیے تھیں۔ اس طرح فائرنگ کی زد میں آکر بے گناہ راہ گیروں کے ہلاک یا زخمی ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہی تصادم تین چار گھنٹے پہلے ہوا ہوتا تو نہ جانے کتنے بے گناہ اس خونریزی کا شکار ہو جاتے۔

ہولناک فائرنگ کی گونج میں اِکّا دُکّا، دردناک انسانی چیخیں بھی گونج رہی تھیں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ گولیوں کا نشانہ بننے والے مقابلے میں شریک تھے۔

ظفر کی آمد کے ساتھ ہی بھرپور تصادم کا آغاز میرے لیے حیرت ناک تھا لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت ناک بات یہ تھی کہ ویرا مسلسل حیرت اور بے یقینی کے ساتھ ظفر کو گھورے جا رہی تھی اور بھڑکی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ پھر جب ظفر دروازہ بولٹ کر کے ویرا کی طرف گھوما تو اس کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ ان دونوں کی آنکھوں میں، ایک دوسرے کے لیے واضح طور پر شناسائی کی علامات نظر آ رہی تھیں۔

"تم...... تم یہاں!" ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں بولنے میں پہل کی تھی "تم تو کرنل جیسی جونز کے آدمی ہو۔ تمہیں اس وقت بوگوٹا یا کولمبیا کے کسی اور شہر میں ہونا چاہیے تھا۔"

ظفر کے ہونٹوں پر سرد اور سفاکانہ مسکراہٹ رینگ آئی اور وہ اپنے سر کو قدرے خم دیتے ہوئے زہریلے لہجے میں بولا "اگر میری یادداشت مجھے دھوکا نہیں دے رہی تو تم مس ویرونیکا ہو۔ مجھے یاد ہے کہ بوگوٹا کی سماجی تقریبات میں تم کرنل جیسی جونز کے دستِ راست کی منظورِ نظر ہوا کرتی تھیں۔"

ویرا کے تنے ہوئے اعصاب یک بیک ڈھیلے پڑ گئے اور اس کے چہرے پر معصومانہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ چند ثانیوں قبل وہ ایک چالاک، عیّار اور زمانہ شناس عورت کی طرح مستعد اور چوکنا نظر آ رہی تھی، اور کسی بھی غیر متوقع صورتِ حالت سے شاطرانہ انداز میں نمٹنے کے لیے تیار تھی۔

"تمہاری یادداشت قابلِ رشک ہے" ویرا نے کھنکتی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا "تم سے صرف ایک بار ہی میری سرسری سی ملاقات ہوئی تھی، مجھے امید نہیں تھی کہ تم مجھے اتنی آسانی کے ساتھ پہچان لو گے۔"

"تم انجان بنی رہتیں تو شاید مجھے بھی وہ سرسری سی ملاقات یاد نہ آتی لیکن تمہارے چونکا دینے والے ردِعمل نے یک بیک میرے ذہن کے سارے دریچے کھول دیے ہیں۔ شاید تم نے یہاں ویرا کا نام اختیار کیا ہوا ہے۔ مجھے تمہارے دیدار کا بہت اشتیاق تھا مگر مجھے یہ جان کر شدید ذہنی جھٹکا لگا ہے کہ ویرا لائیڈ کے نام سے جانی جانے والی عورت کرنل جیسی جونز کے ایک ماتحت کی داشتہ رہ چکی ہے۔"

میں حیرت سے گنگ ہو کر رہ گیا تھا اور بند دروازے کے قریب کھڑا ان دونوں کی ناقابلِ فہم گفتگو سن رہا تھا۔ وہ دونوں باہر برسنے والی بارودی آگ اور خونی برسات سے بے پروا، اتنے اطمینان کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ مذاکرات کر رہے تھے جیسے ان کی نگاہوں میں اس خونریزی کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

"ویرا اور ویرونیکا میں کوئی فرق نہیں" ظفر کے تضحیک آمیز تبصرے پر ویرا سنجیدہ ہو گئی "تم ڈینی کو دھوکا دے سکتے ہو لیکن میں تمہاری اصلیت سے واقف ہوں۔" بات کرتے کرتے، اس نے اچانک ہی اپنے بلاؤز سے ننھا سا خودکار پستول نکال کر اتنی پھرتی کے ساتھ ظفر پر تان لیا کہ اسے کسی جوابی کارروائی کا موقع ہی نہیں مل سکا اور وہ ہکا بکا ہو کر اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"کرنل جیسی جونز کے آدمی صرف اور صرف پیسے کے غلام ہوتے ہیں" ویرا سرد لہجے میں کہہ رہی تھی "پیسے کے بل پر انہیں کوئی بھی خرید سکتا ہے۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ گے کہ تم اول خان جیسے محبِ وطن آدمی کو فریب دے کر کس طرح اسپیشل ٹاسک فورس میں داخل ہوئے اور تمہارا مقصد کیا ہے؟"

ویرا کا وہ انداز بہت جارحانہ اور اس کے سوالات جان دار تھے۔ چند لمحوں کے لیے ظفر کی ذات پر سے میرا اعتماد متزلزل ہوگیا۔

"اس کے ہاتھ سے پستول چھین کر دور پھینک دو!" ظفر نے پورے اعتماد کے ساتھ مجھ سے کہا لیکن میں تذبذب اور بے یقینی کے انداز میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

"خبردار!" اسی لمحے ویرا نے اپنے پستول والے ہاتھ کو ہلکی سی جنبش دے کر کہا "کسی نے بھی اپنی جگہ چھوڑنے کی حماقت کی تو میں بلا تامل ظفر کی کھوپڑی میں پگھلا ہوا سیسہ اتار دوں گی۔"

غیر ارادی طور پر زمین پر میرے قدموں کی گرفت اور مضبوط ہوگئی۔

میرے ذہن میں ان حالات وواقعات نے سر ابھارنا شروع کردیا جن کے تحت ظفر نے اول خان کی جگہ سنبھالی تھی۔ الحدید نامی لانچ کی گرفتاری' اول خان کا بہت بڑا کارنامہ تھا لیکن اسے اتنی عجلت میں شہر سے روانہ کیا گیا کہ وہ کارروائی صریحاً تذلیل اور سزا کے زمرے میں نظر آتی تھی۔ پھر ان ہی پُراسرار حالات میں ظفر نے اول خان کی جگہ سنبھال لی۔ اس دوران میں میرا اول خان سے کوئی رابطہ نہیں ہوسکا تھا لیکن میرے استفسار پر ظفر نے مجھے بتایا کہ اول خان کو الحدید والے کارنامے پر اتنے انعام اور اعزاز سے نوازا گیا تھا کہ وہ اپنے تبادلے پر بہت خوش تھا۔ ویرا کے انکشافات پر مجھے شبہ ہونے لگا کہ ظفر نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ شاید اسپیشل ٹاسک فورس میں بھی کرائے کے کچھ آدمی گھس آئے تھے اور ان ہی کی سازش کے نتیجے میں اول خان کو معزول یا معتوب کرکے ظفر کو سامنے لایا گیا تھا تاکہ اس کے ذریعے محبِ وطن عناصر کی بیخ کنی کرکے' دشمنوں کے مذموم مقاصد کی تکمیل کے مشن کو آگے بڑھایا جاسکے۔

اگر میں کرنل جیسی جونز کے کردار سے پوری طرح باخبر نہیں تھا تو بالکل ہی بے خبر بھی نہیں تھا۔ سیاسی جرائم اور عالمی دہشت گردی کے معاملات میں کارلوس کے ساتھ ہی اس کا نام بھی بار بار دنیا بھر کے اخبارات کی شہ سرخیوں میں آتا رہا تھا۔ ویرا نے ظفر کو واضح طور پر کرنل جیسی جونز کے آدمی کی حیثیت سے پہچانا تھا اور ظفر نے بوگوٹا کی سماجی تقریبات کا ذکر کرکے اس الزام کو تسلیم کرلیا تھا۔

میری نظروں میں وہ بہت خوف ناک اور دھماکا خیز صورتِ حال تھی جس کے نتیجے میں میرا پورا مشن تباہی سے دوچار ہوسکتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ عالمی سیاست کی بساط پر پاکستان کے لہو کے پیاسوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ شری مان سنگھ اپنے ملک کی بھرپور پشت پناہی سے سندھ میں خونریزی اور شورش پھیلانا چاہتا تھا۔ اس کے اہم ترین سیکرٹ ایجنٹ' ملا سرکار کو جہنم واصل کیا جاچکا تھا لیکن اس کی جگہ دوسرے مہرے میدان میں اتارنے کی تیاریاں جاری تھیں' جمی لائیڈ کسی بھی مضبوط ضمانت کے بغیر پاکستان کے دشمنوں کو مہلک ترین ہتھیاروں سے لیس کرکے مسلح افواج کے سامنے کھڑا کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ ہیری کیسنجر اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لاکر ان بکھری ہوئی کڑیوں کو یکجا کرنے میں مصروف تھا' پاکستان کی ایٹمی استعداد پر کاری ضرب لگانے کی سازشیں درونِ خانہ پروان چڑھ رہی تھیں۔ برادرانہ تعاون کے نام پر بلیو کراس ڈیل کے تحت' ایران سے حساس ایٹمی آلات اور سازوسامان کی چھ سوٹن وزنی جو کھیپ پاکستان کو دی گئی تھی' اسے راستے ہی میں تباہ کرنے کی تیاریاں کرلی گئی تھیں۔ اگر وہ کھیپ کسی طرح پاکستان پہنچ بھی جاتی تو خلا میں گردش کرتے ہوئے کسی جاسوس سیارے سے مخصوص ریڈیائی اشارے نشر کرکے اس کھیپ کے ساتھ دوسری ایٹمی تنصیبات کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا جاسکتا تھا۔ ایران پاکستان کے ساتھ بھرپور اور قریبی تعاون کررہا تھا اس لیے بھرپور پروپیگنڈے کے ذریعے اس کے خلاف بھی ایک مربوط اور مضبوط فرد جرم تیار کی جارہی تھی تاکہ مناسب وقت آنے پر اسے بھی سرکشی اور نافرمانی کی عبرت ناک سزا دی جاسکے۔ بظاہر ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے پاکستان اور اس کے ہمدردوں کے لیے پنپنے اور زندہ رہنے کی ساری راہیں مسدود کرنے کا فیصلہ کرکے آخری انتظامات کیے جارہے ہوں۔

ویرا بذاتِ خود پارسا نہیں تھی' اس کا داغ داغ ماضی میرے سامنے بے نقاب تھا لیکن اس وقت وہ اپنے دل وجان کی گہرائیوں سے میرے ساتھ تھی۔ میں اس کے ظاہر وباطن سے بخوبی واقف تھا جبکہ ظفر کی ذات سے میری شناسائی بہت محدود اور صرف ظاہری تھی۔

اس کٹھن موڑ پر میں نے پوری طرح غیر جانب دار رہ کر خود کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا تاکہ ویرا اور ظفر خود ہی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرسکیں۔

"تت..... تو کیا تم بھی..... تم بھی اس کے ساتھ مل گئے؟" میرے قدموں میں کوئی جنبش نہ پاکر ظفر پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ' حیرت سے ہکلاتے ہوئے بولا۔

"میں کسی سے نہیں ملا" میں نے کسی غیر متوقع اور ڈرامائی موڑ کے لیے اپنی پوزیشن بچاتے ہوئے' دھیمی آواز میں کہا "تاہم جہنم کے دہانے کھلے ہوئے ہیں' یہاں ویرا کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول ہے۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑی تو وہ کسی جھجک یا ملال کے بغیر تمہیں گولی ماردے گی۔ میں اس کی سرد مہری اور سفاکی سے واقف

ہوں اسی لیے اپنی جگہ سے ہلنے سے مجبور ہوں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ ہمارے ساتھ مل چکی ہے۔ تم اسے مطمئن کر دو گے تو یہ خود تم سے معافی مانگ لے گی.....“

”یہ میرا وعدہ ہے؟“ ویرا استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی جیسے اسے پورا یقین ہو کہ ظفر اس کے سوالات کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکے گا۔

ظفر کے چہرے پر اشتعال، غصے اور بے بسی کے ملے جلے تاثرات پھیل گئے اور وہ ملامت آمیز لہجے میں مجھ سے مخاطب ہو کر بولا ”تم نے مجھے اپنے گھر بلا کر ذلیل کیا ہے، میرے آدمیوں نے تمہارے دفاع میں اپنے سر دھڑ کی بازی لگائی ہوئی ہے، وہ اپنے خون میں نہا رہے ہیں اور تم نے مجھے ایک آوارہ عورت کا یرغمال بنوا دیا ہے۔“

”آوارہ عورت!“ ویرا سلگانے والے انداز میں ہنسی ”مجھے یہ خطاب پسند آیا۔ آوارہ مرد، عورتوں کی زندگیاں خراب کرتے ہیں اور آوارہ عورت، مردوں کی زندگیاں عذاب بنا دیتی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم مجھے ایسا سمجھتے ہو کیونکہ میں ایسا ہی بننا چاہتی تھی.....“

”غلاظت کے کیڑے گندی نالیوں میں ہی خوش رہتے ہیں۔“ ظفر اس کی بات کاٹ کر تلخ لہجے میں بولا ”اس لیے اپنی خوشی کے اسباب بیان کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟“

”میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ کرنل جیسی جونز جیسے ضمیر فروش مجرم کا آدمی اسپیشل ٹاسک فورس میں کیا کر رہا ہے؟“ ویرا نے سخت لہجے میں اپنا سوال دہرایا۔

ظفر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں بھینچے، چند ثانیوں تک ویرا کو گھورتا رہا پھر سپاٹ لہجے میں بولا ”یہ تین برس پرانی بات ہے۔ اب میرا جیسی جونز سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”یہ تمہارا بیان ہے۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم سچ بول رہے ہو؟“

ویرا کی جرح پر ظفر کی کھوپڑی چیخ گئی اور وہ تیز لہجے میں بولا۔ ”تمہارے بارے میں بھی سب کچھ تمہارا یا ڈینی کا بیان ہے۔ میں کیسے مان لوں کہ جیسی جونز کے دستِ راست، ایلشئن سے اب تمہارا کوئی جائز یا ناجائز تعلق نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم دونوں اسی کے لیے کام کر رہے ہو۔“

”مجھے اپنی تنظیم کے لیے جیسی جونز سے ایک اہم کام لینا تھا اس لیے میں نے دانستہ ایلشئن سے رسم و راہ بڑھائی تھی ورنہ سب جانتے ہیں کہ ویرا لائیڈ صرف اور صرف شی کے لیے کام کرتی ہے۔“

”شی کی لغت میں پاکستان سے ہمدردی کا خانہ کب سے پیدا ہو گیا؟“ ظفر بدستور بھنایا ہوا تھا۔

”اس کا شی سے کوئی تعلق نہیں۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں، ڈینی سے دوستی کی خاطر کر رہی ہوں۔“

اچانک ظفر، ویرا کے عقب میں دیکھتے ہوئے پُراعتماد انداز میں مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ سے مجھے شبہ ہوا کہ شاید سلطان شاہ اس کی مدد کے لیے ویرا کو بے بس کرنے والا تھا۔ میں نے اُدھر سر گھمایا اور یہی غلطی ویرا سے بھی سرزد ہوئی اور اسی لمحے اس کا بھرا ہوا پستول اس کی گرفت سے نکل کر ظفر کے قبضے میں پہنچ گیا۔

سلطان شاہ جہاں تھا بدستور وہیں کھڑا ہوا تھا۔

"اور اب" ظفر پستول کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے غصیلے لہجے میں بولا "جی چاہتا ہے کہ میں تم تینوں کے بھیجے پاش پاش کردوں۔"

"کرنل جیسی جونز کے آدمی سے اس کے علاوہ کوئی اور توقع کی بھی نہیں جاسکتی" ویرا اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ "موت باربار نہیں صرف ایک بار آتی ہے اور اگر میری موت تمہارے ہاتھوں آنی ہے تو اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔"

باہر ہونے والی فائرنگ میں تواتر کے ساتھ ہی شدت بھی آگئی تھی۔ ابتدا میں پے درپے متعدد انسانی چیخیں سنائی دی تھیں لیکن بعد میں کسی مرنے یا زخمی ہونے والے کی چیخ نہیں ابھری تھی جس کا مطلب تھا کہ ابتدائی افراتفری یا بے خبری میں مار کھانے کے بعد دونوں حریفوں نے محفوظ مورچے سنبھال لیے تھے اور نہایت دل جمعی کے ساتھ ایک دوسرے کو میدان سے مار بھگانے کے لیے چاندماری میں مصروف تھے۔

"میں اب بھی غیر جانب دار رہوں گا" میں نے کہا "پہلے ویرا مسلح تھی اور اب تم ہتھیار بند ہو۔ اصل فیصلہ تم دونوں ہی کے درمیان ہونا ہے۔ مجھے دونوں پر پورا پورا اعتماد ہے۔"

ظفر ایک جھٹکے سے ویرا کی طرف متوجہ ہوگیا اور اچانک ہی پستول اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے بولا "تین برس پہلے میں نے کرنل کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کے ساتھ میں نے جو کچھ سیکھا وہ اب میرے کام آرہا ہے۔ میں تمہیں اتنا ضرور بتادوں کہ میں نے کرنل کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اپنے وطن کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ مجھے ڈھونڈ کر آفر دی گئی تھی اور میں فوراً ہی جیسی جونز کو چھوڑ کر پاکستان آگیا۔ شدید مشقت، ذہنی جمناسٹک اور مہم جوئی سے بھرپور زندگی کے بعد ریٹائرمنٹ کے بھیانک اور لامتناہی سناٹے سے تنگ آکر میں ملک سے باہر نکلا تھا۔ وہاں میں ان لوگوں سے ٹکرا گیا، بظاہر وہ کرائے کے فوجیوں کی تنظیم تھی۔ میں یہی سمجھ کر ان کے ساتھ شامل ہوا لیکن بعد میں پتا چلا کہ جیسی جونز ہزاروں جرائم میں بھی ملوث ہے۔ اس کے آدمی ڈرگ مافیا کو مسلح تحفظ فراہم کرتے تھے۔ ان کاموں میں میری مہم جویانہ طبیعت کو تسکین ملتی تھی اس لیے میں ان کے ساتھ لگا رہا پھر جوں ہی مجھے ایس ٹی ایف کی آفر ملی، میں اس بے نام ونشان زندگی کو خیرباد کہہ کر یہاں آگیا۔"

"لیکن تم یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟" ویرا نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا "اب تو تم مجھے غیر مسلح کرچکے تھے اور ہم تینوں پر حاوی تھے۔"

"ہم لوگ اپنی انا کو فنا کرکے اپنے مشن کے لیے زندہ رہتے ہیں" ظفر سنجیدگی سے بولا "مجھے پہچاننے کے بعد تم نے وہی کیا جو تمہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن اب ہمیں ساتھ کام کرنا ہے۔ باہمی اعتماد کی فضا پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ تمہارے ذہن سے شبہات زائل کردیے جائیں ورنہ رہی سہی بے اعتمادی کسی نازک موڑ پر ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاسکتی ہے۔"

"تمہاری سوچ قابلِ قدر ہے" ویرا نے مصالحانہ انداز میں کہا "مگر میں یہ سوچ رہی ہوں کہ دنیا اس قدر وسیع ہونے کے باوجود کتنی مختصر سی ہے کہ بوگوتا جیسے دور دراز شہر میں بچھڑنے کے بعد ہم آج پھر کراچی میں اتفاقاً ایک دوسرے کے سامنے آگئے؟"

"اس پر بیٹھ کر بھی غور کیا جاسکتا ہے" میں نے کہا اور ہم چاروں ہنستے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئے۔ چند ثانیوں قبل پیدا ہونے والی تلخی اور کشیدگی حیرت ناک سرعت کے ساتھ تحلیل ہوچکی تھی۔ بظاہر اس کا صرف ایک ہی سبب تھا کہ ہم سب ایک اہم اور بڑے مشن کے لیے کام کررہے تھے اور ہر ایک نے پوری بے لوثی کے ساتھ اپنی انا کو نظرانداز کرنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔

باہر پوری گھن گرج کے ساتھ فائرنگ کا تبادلہ جاری تھا اور اندر ظفر نہایت اطمینان کے ساتھ سلطان شاہ کی مزاج پُرسی کررہا تھا۔ اس نے اپنے مخصوص تفتیشی انداز میں سلطان شاہ سے متعدد سوالات کیے لیکن حملہ آوروں کی شناخت سامنے نہیں آسکی۔

اسی دوران میں ویرا باتھ روم کی جانب گئی تو میں نے باہر ہونے والی محاذ آرائی میں پولیس کی متوقع مداخلت کے بارے میں اپنے اندیشے کا اظہار کیا لیکن ظفر نے مجھے یہ بتا کر مطمئن کردیا کہ پولیس کے عملے کو صبح کا سورج طلوع ہونے تک اس علاقے سے دور رکھنے کا بندوبست کیا جاچکا تھا۔

"ابتدائی نقصانات اٹھانے کے بعد دونوں فریق ہوشیار ہوگئے ہیں" سلطان شاہ نے کہا "بظاہر یہ مقابلہ بے مقصد نشانے بازی میں تبدیل ہوتا جارہا ہے۔"

"فائر کی گونج سے اس کی سمت اور فاصلے کا اندازہ ہوجاتا ہے" ظفر مسکراتے ہوئے بولا "میرے کان اپنے آدمیوں کے فائر بخوبی پہچان رہے ہیں۔ وہ لوگ چاروں طرف پھیل کر حملہ آوروں کو گھیرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ میں نے ان کو ہدایت کی تھی کہ زیادہ سے زیادہ حملہ آوروں کو زندہ پکڑنے کی کوشش کی جائے تاکہ اُن کی زبانیں کھلوا کر اُن کی اصلیت کا سراغ لگایا جاسکے۔"

"لاشیں ہاتھ لگ جائیں تو بھی بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا ہے؟" ویرا گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے بولی "میری اور ڈینی کی شہر کے بیشتر شورہ پشتوں سے واقفیت رہ چکی ہے۔ ہاتھ آنے والوں میں سے کوئی نہ کوئی یقیناً پہچان لیا جائے گا۔"

"ان لوگوں کے بارے میں تمہارا قیاس کیا کہتا ہے؟" ظفر نے مجھ سے سوال کیا۔

"عقل کام نہیں کرتی" میرا ذہن اس بارے میں بُری طرح

الجھا ہوا تھا "بظاہر یہ حرکت ہیری کیسنجر کے آدمیوں کی ہو سکتی ہے کیونکہ اس وقت وہ ہمارا ایسا حریف ہے جس سے ہمارا کوئی رابطہ نہیں ہے لیکن وہ ہم تک پہنچنے کی کوشش ضرور کر رہا ہو گا۔ وہ لوگ یقینی طور پر سلطان شاہ کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں اور انہوں نے ہی سلطان شاہ پر تشدد کیا ہو گا۔"

اچانک ہی باہر گونجتا ہوا بارودی شور ماند پڑنے لگا۔ پھر چند ہی لمحوں میں فائرنگ کا تبادلہ یکلخت موقوف ہو گیا اور ظفر اضطراری طور پر اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

ہم تینوں نے بھی اس کی تقلید کی "تم یک بیک کچھ پریشان ہو گئے ہو؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔

ظفر مسکراتے ہوئے بولا "مجھے پریشانی اس بات کی ہے کہ یہ مقابلہ میری توقع کے برعکس صرف پچیس منٹ میں ختم ہو گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ میرے آدمی ایک ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے انہیں زیر نہیں کر سکیں گے۔"

"پھر اب کیا ہو گا؟" سلطان شاہ نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں" ظفر اس کی طرف گھوم کر بولا "میرے آدمی قیدیوں اور لاشوں سمیت اسٹیشن فور پہنچیں گے اور پھر میرا کام شروع ہو جائے گا۔"

"شاید تمہیں علم نہ ہو کہ اسٹیشن فور میں پہلے میری رہائش تھی" ویرا بولی۔

"مجھے سب کچھ معلوم ہے اور شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہو کہ ہمارے طویل قبضے کے باوجود ابھی تک اس مکان کا کوئی دعوے دار سامنے نہیں آیا ہے....."

"وہ بھی کوئی جرائم پیشہ ہی رہا ہو گا" ویرا قہقہہ مار کر بولی "تم لوگوں کے نکلنے کے بعد اپنے مکان کا رخ کرے گا۔ موجودہ حالات میں تو اسے اپنا مکان ہاتھ سے نکلتا ہوا نظر آ رہا ہو گا۔"

"ہم بالکل عام سے شہری ہیں' وردی تک استعمال نہیں کرتے۔ پھر کسی کو ہم سے اس قدر خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟" ظفر نے ویرا سے کہا اور میں نے اس کی آنکھوں کی چمک سے محسوس کیا کہ ابتدائی تلخی کے باوجود' وہ ویرا کے حسن و جمال سے بہت زیادہ مرعوب ہو چکا تھا۔

ویرا نے بھی ظفر کی اس کمزوری کو بھانپ لیا تھا اس لیے وہ شوخی کے ساتھ بولی "تم لوگوں کی بھاری گاڑیوں اور لڑاکا جسموں کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے جیسے تم لوگوں نے ابھی ابھی محاذ سے لوٹ کر وردیاں اتاری ہیں۔ بعض باتیں چھپانے کے باوجود ضرورت سے زیادہ نمایاں ہو جاتی ہیں اور شاید اسی وجہ سے شہر کے غنڈے تم لوگوں سے دور بھاگتے ہیں ورنہ اسٹیشن فور پر کئی بار دھاوا بولا جا چکا ہوتا۔"

"میں چل رہا ہوں" ظفر نے ہم تینوں میں سے کسی سے بھی خصوصی طور پر مخاطب ہوئے بغیر کہا لیکن اس کے اگلے فقرے سے واضح ہو گیا کہ اس کا پیغام ویرا کے لیے تھا۔

وہ کہہ رہا تھا "مجھے دیکھنا ہے کہ یہ لوگ کون ہیں اور کس کے لیے کام کر رہے ہیں۔ تم میں سے کوئی میرے ساتھ چلنا چاہے تو وہ میرا مہمان ہو گا۔"

ویرا سے اپنی بے نیازی ظاہر کرنے کے لیے' ظفر اس وقت کسی اور طرف متوجہ تھا اس لیے ویرا نے سیٹی بجانے والے انداز میں اپنے ہونٹ سکیڑ کر مجھے آنکھ ماری اور تیزی سے ظفر کی طرف جھپٹتے ہوئے بولی "آج میں تمہاری میزبانی سے لطف اندوز ہونے کے موڈ میں ہوں۔"

"پھر میرے پیچھے چلی آؤ" اس نے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"اجازت ہو تو ہم بھی آ جائیں؟" میں نے ظفر کو اس کی حماقت کا احساس دلانے کی نیت سے پوچھا۔

"بالکل آ جاؤ" ظفر خوش دلی کے ساتھ بولا "میری تھرڈ ڈگری دیکھ کر تمہارے دل بھی تھوڑا بہت دہل جائیں گے۔ میں پہلے ہی وار میں ان لوگوں کے اوسان خطا کر دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"پھر میں نہیں جاؤں گی۔ میرا دل تشدد کے معاملے میں خاصا کمزور ہے۔ انسان کے دل میں گولی اتارنے کے مقابلے میں اسے معذور کرنا میرے لیے بہت مشکل کام ہے" ویرا نے موقع پاتے ہی اپنا ارادہ بدل دیا۔

بظاہر اس نے اپنی کمزوری کا اعتراف کیا تھا لیکن میں سمجھ گیا تھا کہ اسے کوانگ فو یا اس کی سیکریٹری کی طرف سے آنے والی فون کال کا دھیان آ گیا تھا۔ وہ اس اہم ترین فون کال کے انتظار میں بذات خود فلیٹ میں موجود رہنا چاہتی تھی۔ اس کی جگہ کوئی اور فون وصول کرتا تو کوانگ فو کا ساؤنڈ اسکینر اس اجنبی آواز کو پہچاننے سے انکار کر دیتا اور کال خود بخود منقطع ہو جاتی۔

ویرا کے ارادے میں رونما ہونے والی وہ غیر متوقع تبدیلی ظفر کے لیے انتہائی مایوس کن ثابت ہوئی۔ اس نے ویرا کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے بہتیرا زور لگایا لیکن وہ خوش خلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معذرت کرتی رہی۔ سلطان شاہ زخمی تھا اور اسے آرام کی ضرورت بھی تھی اس لیے میں اکیلا ہی ظفر کے ساتھ فلیٹ سے نکل آیا۔ میری مداخلت کی وجہ سے ظفر کا خوشگوار موڈ اچانک ہی چوپٹ ہو گیا تھا۔

فلیٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہی میرے نتھنوں میں جلے ہوئے بارود کی تیز بُو گھس آئی جس کا مطلب تھا کہ ہماری عمارت کے سامنے فائرنگ کا خاصا زور رہا تھا۔

زینوں میں گہری تاریکی کا راج تھا اور میرے دل میں یہ خوف سر ابھار رہا تھا کہ کہیں ہم اندھیرے میں چھپے ہوئے کسی دشمن کی گولیوں کا نشانہ نہ بن جائیں لیکن ظفر اس معاملے میں پوری طرح

محتاط تھا۔

اس نے پہلی لینڈنگ ختم کرتے ہی اپنے دہانے سے ایک مخصوص حیوانی آواز نکالی۔ وہ شاید کوئی اشارہ تھا کیونکہ جواب میں زینوں کے اختتام سے اسی قسم کی ایک اور آواز سنائی دی اور ظفر میرے شانے پر تھپکی دیتا ہوا' بے فکری سے آگے بڑھ گیا۔

آخری زینوں پر سے باہر کا منظر بہت ڈراؤنا نظر آرہا تھا۔ سڑک پر ہر طرف گہری تاریکی اور سناٹے کا راج تھا اور فضا پر موت کا سا سکوت چھایا ہوا تھا۔

عمارت سے نکاسی کے راستے پر پہنچتے ہی' تاریکی میں سے اچانک دو سائے رینگ کر ہمارے دائیں بائیں آگئے' وہ داخلی راستے سے باہر' اندھیرے میں چھپے ہوئے تھے اور پوری طرح مسلح تھے۔

"کیا پوزیشن ہے؟" ظفر نے اُن سے نرم لیکن تحکمانہ لہجے میں سوال کیا۔

"دشمن پسپا ہوگیا۔ ایک لاش ہمارے قبضے میں بھی ہے" اُن دونوں میں سے ایک نے کہا۔

"تو کیا وہ لوگ یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تھے؟" ظفر نے حیرت سے پوچھا۔

"سب نہیں' بس آپ کے پیچھے ایک آدمی نے عمارت میں گھسنے کی کوشش کی تھی۔ پہلا فائر اسی پر کیا گیا تھا' وہ گولیاں لگتے ہی راستے میں ڈھیر ہوگیا تھا۔ ہم نے اس کی لاش راستے سے گھسیٹ کر باہر دیوار کے ساتھ ڈال دی ہے؟" اسی شخص نے کہا۔

اس کے اشارے پر ہم دونوں دیوار کے ساتھ پڑی ہوئی لاش کی طرف متوجہ ہوئے پھر ظفر بولا "تین آدمی یہاں رک کر عمارت کی حفاظت کریں گے۔ بقیہ لوگ لاشوں اور قیدیوں کو لے کر کیمپ آفس روانہ ہوجائیں۔ میں اسی طرف جارہا ہوں۔"

ظفر اُن دونوں کو ہدایات دے کر سڑک کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت میں نے دیکھا کہ اس طرف دور دور تک روشنی کی کوئی کرن نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ لڑنے والوں نے شاید سب سے پہلے اسٹریٹ لیمپس کو چھلنی کیا تھا تاکہ اندھیرے کی آڑ لے کر وہ اپنی نقل و حرکت کو اپنے حریف کی نظروں سے محفوظ رکھ سکیں۔"

اسی کے ساتھ تمام عمارتیں بھی اندھیرے میں نہائی ہوئی تھیں۔ کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی فائرنگ کے شور سے علاقے کے جو مکین بیدار ہوگئے تھے وہ بھی اپنی جانوں کے خوف سے روشنیاں گل کیے' اندھیرے میں دُبکے ہوئے تھے اور وہ پورا علاقہ ایسی گھور تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔

ایک اوٹ میں ظفر کی جیپ موجود تھی۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر سوار ہوکر خود ہی انجن اسٹارٹ کیا۔ اس اثنا میں' میں اس کے برابر والی نشست پر سوار ہوچکا تھا۔ جیپ تیزی سے اچھل کر پختہ سڑک پر آئی پھر اس کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی ایک وسیع چادر کی طرح تیرہ و تار ماحول میں پھیل گئی۔

"تمہارے چلے جانے کے بعد تمہارے آدمیوں کی کمان کون کرے گا؟" چند ثانیوں کی خاموشی کی بعد میں نے پوچھا۔

"میرے ہر آدمی کو معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔ یہاں تو میرے بہت سے آدمی نظر آرہے تھے۔ اگر کسی جاں گسل معرکے میں صرف دو آدمی بھی رہ جائیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کس کو کمان کرنی ہے اور کون صرف حکم کی تعمیل کرنے کا پابند ہوگا۔"

"اور پھر بھی تم کہتے ہو کہ تمہارا فوج سے کوئی تعلق نہیں ہے!" میں نے اس پر لطیف سا طنز کیا۔

"ہرگز نہیں" اس کا لہجہ دوٹوک تھا "میں نے فوج سے اپنے تعلق سے کبھی انکار نہیں کیا۔"

"ہائیں!" میں اس کے جواب پر بھونچکا رہ گیا "اس کا مطلب ہے کہ ایس ٹی ایف فوج ہی کی ایک ذیلی اور شاید خفیہ تنظیم ہے۔"

"یہ دعویٰ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے" اس نے سختی کے ساتھ میری بات کی تردید کی۔

"پہیلیاں بجھوا رہے ہو" میں نے قدرے چڑ کر کہا "فوج سے تعلق سے انکار بھی نہیں کرتے اور پھر بھی ایس ٹی ایف کا فوج سے کوئی تعلق تسلیم نہیں کرتے۔ یہ تو بہت عجیب سی بات ہے۔ اس کے دونوں پہلو خود ہی ایک دوسرے کی تردید کررہے ہیں۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو" اُس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "میں ایک فرد ہوں' میں نے اپنی ذاتی حیثیت میں تیس برس فوج میں ملازمت کی ہے۔ آرٹلری کے کرنل کے عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد میں کولمبیا چلا گیا جہاں کرنل جیسی جونز ٹکرا گیا۔ اب میں جو کچھ کررہا ہوں' اس کا فوج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مجھے ابتدا ہی میں بتادیا گیا تھا کہ میری ملازمت سرکاری یا نیم سرکاری نہیں بلکہ نجی ہوگی اور خراب کارکردگی پر مجھے کسی بھی وقت ملازمت سے برطرف کردیا جائے گا۔"

"اگر یہ واقعی نجی ملازمت ہے تو تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ تمہارا آجر کون ہے اور تم اپنے فرائض کے سلسلے میں کس کو جواب دہ ہو؟" مجھے ایس ٹی ایف کے بارے میں کریدنے کا موقع مل گیا۔

"واجبات بروقت ملتے رہیں تو کسی کو فکر نہیں ہوتی کہ اس کا آجر کون ہے۔ جہاں تک جواب دہی کا تعلق ہے تو میں اپنے اوپر والے کے بعد کسی کو نہیں جانتا۔ اسپیشل ٹاسک فورس میں ہر شخص اپنے کام سے کام رکھتا ہے' دوسروں کے بارے میں غیر ضروری تجسس میں مبتلا نہیں ہوتا۔"

"پھر اہم سرکاری اہل کاروں اور پولیس کے محکمے میں تم لوگوں

کے اثر و رسوخ کا کیا سبب ہے؟"

"ہماری نیک نامی" ظفر کے پاس جواب تیار تھا "سارے محکمے اور سرکاری ادارے جانتے ہیں کہ ہم لوگ ملک اور قوم سے مخلص ہیں اور کام کرتے ہیں اس لیے ہمارے ساتھ تعاون کیا جاتا ہے۔"

"پولیس والے نیک ناموں کو رگیدنے کے بارے میں خاصی شہرت رکھتے ہیں" میں نے اسے یاد دلایا۔

"یہ سب نچلے درجے کے غیر تعلیم یافتہ لوگوں کی حرکتیں ہوتی ہیں اور پولیس کے ساتھ ساتھ دوسرے محکموں میں شاید اس سے زیادہ ہوتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پولیس کا دن رات عوام سے واسطہ پڑتا ہے اس لیے ان کی بُری حرکتیں بہت تیزی کے ساتھ شہرت پاتی ہیں اور وہ زیادہ بدنام ہیں۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ سارے ہی ان پڑھ اور نیم خواندہ پولیس والے برے ہوتے ہیں۔ ان میں بھی بہت سے لوگ مثالی کردار رکھتے ہیں لیکن اوپری سطح پر سروسز کے ذریعے جو سلجھے ہوئے لوگ آتے ہیں' ان میں برائیوں کا تناسب بہت کم ہے' پڑھے لکھے افسر بگڑ بھی جائیں تو ہر کس و ناکس کو تنگ نہیں کرتے۔ دیکھ بھال کر ایسا کاری لمبا ہاتھ مارتے ہیں جس کی قطعی تشہیر نہیں ہوتی۔"

"پولیس کے بارے میں بڑھتی ہوئی شکایتوں کا کوئی حل بھی ہے؟" گفتگو کا رخ غیر ارادی طور پر بدل گیا۔

"میری دانست میں تو اس کا حل بہت سیدھا اور آسان سا ہے" اس نے کہا "ہر تھانے دار لازمی طور پر سول سروس کے ذریعے آیا ہوا افسر ہو اور اس کا ماتحت عملہ مقامی تھانے کی حدود سے تعلق رکھتا ہو تاکہ ان لوگوں پر ڈسپلن کے ساتھ ہی اخلاقی اور معاشرتی دباؤ بھی پیدا ہو۔ ایک شہر یا صوبے میں دوسرے شہر اور صوبے کی پولیس لگانے کی پالیسی گوروں نے اپنائی تھی تاکہ ہر سپاہی اخلاقی و معاشرتی قیود سے آزاد رہ کر صرف ان کا وفادار رہے۔ ہم بدقسمتی سے آج تک اسی لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ پولیس کے موجودہ عملے میں سے بیشتر کو گھر بٹھانا پڑ جائے گا۔"

"قطعی نہیں۔ عمر یا سروس کی حد پوری کرکے انہیں ایک نہ ایک دن ریٹائر ہونا ہے۔ صرف نئی بھرتیوں کے لیے اصول بنا لیے جائیں تو پانچ سات برس میں ہی پورا ڈھانچا بدل جائے گا۔ مجھے اس محکمے پر اختیار مل جائے تو میں اس سے بھی کم مدت میں نقشہ بدل سکتا ہوں۔"

"مشکل یہ ہے کہ اچھی باتیں لوگ ریٹائر ہونے کے بعد سوچتے ہیں۔ جب تک سروس میں رہتے ہیں' دل و جان سے اسی ناکارہ اور فرسودہ نظام سے جونک کی طرح چمٹے رہتے ہیں..."

"کیا مجھ پر طنز کر رہے ہو؟" اس نے میری بات کاٹ کر تیزی سے پوچھا۔

میں بے اختیار ہنس پڑا "پانی اتفاقاً نشیب کی طرف چلا گیا ورنہ

میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ تم تو ویسے بھی پولیس سے نہیں بلکہ فوج سے ریٹائر ہوئے ہو۔"

اسی لمحے ایک لمبی سی گاڑی برق رفتاری کے ساتھ ظفر کی جیپ کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے نکل گئی' اس کی رفتار اتنی تیزی تھی کہ میں چونک کر تبصرہ کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

"یہ میرے عملے کی گاڑی تھی" ظفر نے میری بڑبڑاہٹ سن کر کہا "اس مہم میں میری جیپ کے علاوہ دو گاڑیاں گئی تھیں۔ دوسری بھی واپس آتی ہی ہوگی۔"

"مجھے امید نہیں تھی کہ تمہارے آدمی اتنی جلدی واپس لوٹ سکیں گے....."

"انہیں کرنا ہی کیا تھا؟ لاشوں اور قیدیوں کو سمیٹ کر روانہ ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے۔"

"وہاں رکنے والے آدمیوں کا کیا بنے گا؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"جب تک مطلع صاف نہیں ہوجاتا' وہاں کی نگرانی برقرار رہے گی۔ دن میں کسی وقت دوسری ٹیم ان کی جگہ سنبھال کر انہیں آرام کرنے کے لیے بھیج دے گی۔"

باتیں کرتے ہوئے' ہم جلد ہی اسٹیشن فور پہنچ گئے۔ جہاں ایس ٹی ایف کے عملے کی دونوں گاڑیاں ہم سے پہلے ہی پہنچ چکی تھیں اور سب لوگ باہر جمع تھے۔

ظفر کے جیپ سے اترتے ہی' اس بھیڑ میں سے ایک تجربے کار اور گٹھیلے جسم والا شخص تیزی سے اس کی طرف آیا اور نیم فوجی انداز میں ایڑیاں بجاتے ہی مشینی انداز میں بولنے لگا "دس پرپزنٹ' دو انجرڈ' ریسٹ آل کریکٹ۔ دشمن کے چار قیدی اور تین لاشیں قبضے میں ہیں۔"

مخصوص لب و لہجے میں دی جانے والی اس رپورٹ کا مفہوم بہت واضح تھا۔ مشن میں ایس ٹی ایف کے دس افراد نے شرکت کی تھی۔ ان میں سے صرف دو زخمی ہوئے اور بقیہ افراد خیریت سے تھے۔ اس کے مقابلے میں فریق ثانی کا نقصان بہت عبرتناک تھا۔

"قیدیوں کو یہاں فال اِن کراؤ" ظفر نے لان کی طرف نظریں اٹھا کر سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔

قیدی لان پر موجود تھے۔ ان کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے اور دہانوں میں کپڑا ٹھونسنے کے بعد ان کے ہونٹوں پر ٹیپ چپکا دیے گئے تھے جس کی وجہ سے ان کے چہرے سرخ اور متورم نظر آرہے تھے۔ ظفر کے آدمی ان کو دھکیلتے ہوئے پختہ ڈرائیو روے کی طرف لا رہے تھے۔

میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک بُری طرح زخمی تھا اور چلتے ہوئے لنگڑا رہا تھا۔ اگر اس کے منہ میں کپڑا نہ ٹھنسا ہوا ہوتا تو ہر قدم پر اس کی چیخیں نکل رہی ہوتیں۔

ظفر نے صرف ایک نظر ان چاروں کو دیکھا۔ اس اثنا میں' میں ان میں سے ایک قیدی کو پہچان چکا تھا۔ وہ شہر کا ایک چھٹا ہوا بدمعاش تھا جو اپنے شکار کو ثبوت چھوڑے بغیر قتل کرنے میں خاص شہرت رکھتا تھا' کہا جاتا تھا کہ وہ اٹھارہ بیس افراد کو ہلاک کرنے کے باوجود کبھی قانون کی گرفت میں نہیں آسکا تھا۔

پتا نہیں وہ محض اتفاق تھا یا ظفر نے استاد صدرو کو پہچان لیا تھا کہ اس نے اچانک ہی صدرو کے داہنے گھٹنے پر ٹھوکر سے ضرب لگائی اور صدرو ہوا میں اچھل کر پختہ فرش پر گر گیا۔

"اس کی ایک ٹانگ اس درخت کے تنے سے اور دوسری میری جیپ کے بمپر ہک سے باندھ دو" ظفر نے بالکل سپاٹ اور دھیمے لہجے میں اپنے آدمیوں کو ہدایت کی۔

دو آدمی بھوکے عقابوں کی طرح استاد صدرو پر ٹوٹ پڑے جس کے ہاتھ بدستور پشت پر بندھے ہوئے تھے پھر آناً فاناً میں صدرو کی ٹانگیں ایک لمبی رسی کے دونوں سروں کی مدد سے ظفر کی ہدایت کے مطابق باندھ دی گئیں' بقیہ تینوں قیدی دہشت زدہ نظروں سے وہ منظر دیکھ رہے تھے۔

ظفر اُن میں سے کسی پر بھی نگاہ ڈالے بغیر اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

انجن اسٹارٹ کرکے اس نے اس قدر بے رحمی کے ساتھ جیپ کو ریورس کیا کہ رسّی میں بندھے ہوئے قیدی کا دلخراش انجام دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ ایس ٹی ایف کے کئی افراد بھی اپنی دبی دبی' اضطراری چیخوں پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ دو قیدی' اپنے ساتھی کا جسم چرنے اور اس سے خون کے تیز فوارے ابلنے کا منظر دیکھتے ہی گر کر بے ہوش ہوگئے۔ تیسرا اپنی جگہ کھڑا بید مجنوں کی طرح لرز رہا تھا۔ دہشت سے اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا اور آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر ابلتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

چاروں قیدیوں کے دہانوں میں حلق تک کپڑا ٹھنسا ہوا تھا اور ہونٹوں پر ٹیپ چپکا ہوا تھا' اس لیے ان میں سے کسی کی کوئی آواز نہیں نکل سکی۔ انہیں آزادی حاصل ہوتی تو شاید ان کی دہشت زدہ چیخیں زمین و آسمان تک کو لرزا کر رکھ دیتیں۔

ظفر کے شکار کا جسم بہت بُری طرح دو حصوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔ اُدھڑے ہوئے ریشوں اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں سے زندہ خون کے فوارے ابل رہے تھے۔ ایک ٹانگ چند پسلیوں سمیت درخت کے تنے سے بندھی ہوئی تڑپ رہی تھی۔ بقیہ جسم اور چہرہ دوسری ٹانگ کے ساتھ فرش پر دور تک گھسٹتا چلا گیا تھا اور پانی سے باہر آئی ہوئی کسی بڑی مچھلی طرح فرش پر تڑپ کر مہیب آوازیں پیدا کررہا تھا۔ اس کا بھی دہانہ مقفل تھا لیکن اس سفاکانہ عمل میں شاید اس کے نرخرے کو بھی کھنچاؤ کے سبب نقصان پہنچا تھا کیونکہ اس کے چرے ہوئے سینے کے کسی حصے سے ذبح کیے ہوئے سانڈ جیسی خوفناک خرخراہٹ پیدا ہورہی تھی۔

ظفر اپنی جیپ کا انجن وہیں بند کر کے، اپنے شکار کے قریب
کی زحمت کیے بغیر تیر کی طرح اس قیدی کی طرف آیا جو اپنے
تھی کا دلدوز انجام دیکھ لینے کے باوجود ہوش میں تھا۔
"میں وقت برباد کرنے کا قائل نہیں" ظفر اُس کی آنکھوں
آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں بولا "اگر مجھے اپنے تمام سوالات
کے جواب نہ ملے تو کچھ دیر بعد دیگرے تم تینوں کا بھی یہی حشر ہو گا۔ یہ
رکھنا کہ میں اپنا سوال دُہرانے کا عادی نہیں ہوں۔"
وہ شخص زور زور سے اثبات میں سر ہلانے لگا۔ فضا میں خاصی
خنکی ہونے کے باوجود، اس کا چہرہ پسینے میں نہا گیا تھا اور آنکھیں
دہشت سے پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔
ظفر کے ایما پر ایک آدمی اس قیدی کا دہانہ آزاد کرنے میں
مصروف ہو گیا۔
اس وقت ظفر کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے
پر درندگی ناچ رہی تھی، آنکھوں میں قاتلوں جیسا ٹھہراؤ پیدا
ہو گیا تھا جس کا سامنا کرنا آسان نہیں تھا۔ وہ بہت زیادہ سنجیدہ تھا
لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ اس کے
ہونٹوں پر جم کر رہ گئی ہو۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے مجھے پورا یقین
تھا کہ بقیہ قیدیوں نے اس کے سوالات کے جواب دینے میں ذرا سی
بھی ہچکچاہٹ کی تو وہ انہیں بھی اسی وحشیانہ موت سے ہم کنار کرنے
میں کوئی تامل نہیں کرے گا۔
دہانہ آزاد ہوتے ہی قیدی، آسیب سے ڈرے ہوئے کسی بچے
کی طرح بلک کر رو پڑا۔
اس وقت تک درخت سے بندھی ہوئی خون آلود ٹانگ بے
جان ہو چکی تھی۔ پختہ فرش پر خون کی پچکاریاں دور تک پھیلی ہوئی
تھیں۔ کئی جگہ سرخ اور گاڑھا خون بہہ رہا تھا اور جیپ سے بندھا
دھڑ آہستہ آہستہ تڑپ کر آخری منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔
"خاموش!" ظفر نے چٹاخ کی پُرشور آواز کے ساتھ، روتے
ہوئے قیدی کے بائیں رخسار پر تھپڑ رسید کرتے ہوئے غصیلی آواز
میں کہا "اور یہ بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو، کہاں سے آئے ہو اور کیا کرنا
چاہتے ہو؟"
"ہم لوگ معاوضے پر ہر قسم کے کام کرتے ہیں" اس نے سہم
کر رونا ترک کر دیا اور اضطراری ہچکیوں کے درمیان بولنے لگا
"ہمیں صدرو نے آج رات کے لئے اپنے ساتھ شامل کیا تھا۔ اس
کے ساتھ گیارہ آدمی آئے تھے۔ ہم لوگوں کو ایک فلیٹ پر حملہ
کر کے، وہاں رہنے والوں کو اپنے ساتھ لے جانا تھا۔ اس کام کے
لئے صدرو نے مجھے چھ ہزار روپے دیئے تھے۔ دوسروں کے بارے
میں مجھے پتا نہیں چل سکا۔"
"صدرو کس کے لئے کام کر رہا تھا؟" ظفر نے اسے گھورتے
ہوئے سوال کیا۔
"ایسے دھندوں میں ہمیں اصل آدمی کے بارے میں کچھ بھی
معلوم نہیں ہوتا لیکن اڑتی اُڑتی خبریں سنی ہیں کہ صدرو آج کل
کسی غیر ملکی کے لئے کام کر رہا تھا۔ پچھلے کئی ہفتوں سے اس کے
پاس پیسے کی ریل پیل نظر آنے لگی ہے۔ وہ قیمتی کپڑے پہننے لگا تھا۔
شرابیں بھی ولایتی ہوتی تھیں۔"
"یہ کیسے پتا چلا کہ وہ کسی غیر ملکی کے لئے کام کر رہا تھا؟" ظفر
نے تُرشی کے ساتھ پوچھا۔
"صدرو کے شہر میں کئی ٹھکانے ہیں۔ اس کی غیر حاضری میں
کئی مرتبہ کوئی غیر ملکی فون پر اس کے بارے میں دریافت کرتا
رہا تھا۔ وہیں سے خبریں پھیلنی شروع ہو گئیں لیکن صدرو نے اپنے
موجودہ باس کے بارے میں سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھی ہوئی
تھی۔ تم نے اسے زندہ رکھا ہوتا تو بہت کچھ بتا سکتا تھا۔"
"صدرو کا اڈہ کہاں ہے؟" ظفر نے چند ثانیوں کی خاموشی کی
بعد سوال کیا۔
"ویسے تو وہ شہر کے شراب، جوئے اور قحبہ گری کے اڈوں میں
ہی منڈلاتا رہتا تھا لیکن آج کل وہ ڈیفنس کے ایک بنگلے میں رہ رہا
تھا۔ ہم لوگوں کو اس نے وہیں جمع کیا تھا۔"
"شام یا دوپہر کو لائے جانے والے آدمی کو کہاں رکھا گیا تھا؟"
ظفر نے سلطان شاہ کا مسئلہ چھیڑ دیا۔
"صدرو نے خود ہی اسے پہچانا تھا اور اٹھا کر اپنے بنگلے پر لے
آیا تھا۔ ہم لوگ وہاں پہنچے تو قیدی کو خاصی مار پڑ چکی تھی لیکن اس
نے زبان نہیں کھولی تھی۔ پھر صدرو نے اسے بے ہوش کر کے
کہیں پھنکوا دیا اور اپنے دو آدمیوں کو قیدی کے تعاقب پر لگا دیا۔
ان دونوں کی طرف سے اطلاع ملنے کے بعد ہی حملے کی تیاری کی گئی
تھی... میں سچ کہہ رہا ہوں کہ اس قیدی پر تشدد میں میرا کوئی ہاتھ
نہیں تھا۔"
ظفر نے اس سے تفصیل کے ساتھ صدرو کے ڈیفنس والے
بنگلے کا پتا معلوم کیا اور وہاں سے ہٹ گیا۔ قیدی نے اسے بتا دیا
تھا کہ ان دنوں شہر کی ایک مشہور اور جواں سال طوائف کے علاوہ
ایک شوقیہ ماڈل گرل بھی صدرو کے ساتھ رہ رہی تھی۔ پُراسرار
ذرائع سے حاصل ہونے والی خطیر دولت کے سہارے، صدرو ان
دنوں اپنی ساری ہی حسرتیں پوری کر رہا تھا۔
اپنے دفتر میں پہنچ کر ظفر نے فوری طور پر ایک دو نفری جماعت
صدرو کے مکان کی طرف روانہ کر دی تاکہ وہاں کی تلاشی لے کر
اس کے روابط کا سراغ لگایا جا سکے۔ اس کا خیال تھا کہ صدرو کے
ساتھ رہنے والی پیشہ ور لڑکیاں بھی اس معاملے میں مددگار ثابت
ہو سکتی تھیں۔
"اور ان تینوں قیدیوں کا کیا بنے گا؟" تخلیہ ہونے پر میں نے
ظفر سے سوال کیا۔
"یہ لوگ یقینی طور پر ہیری کیسنجر کے لئے کام کر رہے تھے اور
وہ بلیو کراس ڈیل کا بہت بڑا دشمن ہے۔ ایسے لوگوں کا بہترین انجام

تو وہی ہونا چاہئے جو صدر رو کا ہوا۔ میرا بس چلے تو ایسے غداروں کو زمین میں' دھڑ تک زندہ دفن کرا کے ان پر بھوکے بھیڑیے چھڑوادوں۔"

"تمہارا غصہ اپنی جگہ بالکل بجا ہے لیکن کیا وہ سلوک بہت زیادہ بے رحمانہ نہیں تھا؟" میں نے اس کے ردِ عمل پر نگاہ رکھتے ہوئے دھیرے دھیرے اپنی بات مکمل کی۔

"غیر جذباتی تماشائی بن کر سوچو گے تو وہ سزا وحشیانہ ہی نہیں' غیر انسانی بھی نظر آئے گی لیکن ایک محبِ وطن کی طرح اس کے سنگین جرائم کو پیشِ نظر رکھو گے تو وہ سزا ناکافی محسوس ہوگی۔ ان لوگوں کو دیکھتے ہی میری آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ میری نظروں میں اپنی زمین سے غداری سے بڑا جرم کوئی اور نہیں ہے۔"

میں نے اس سے بحث کرنے کا ارادہ ترک کردیا کیونکہ عام تعزیری قوانین کے تحت بھی قتلِ عمد میں اشتعال کے عالم میں کئے ہوئے اضطراری قتل میں نمایاں امتیاز برتا جاتا ہے۔ جبکہ وہاں قانون کا معاملہ درپیش نہیں تھا۔ اگر میں ظفر کی جگہ ہوتا تو شاید میرا ردِ عمل اس سے کہیں زیادہ شدید اور لرزہ خیز ہوتا۔

میری دانست میں بلی تھیلے سے باہر آچکی تھی اور یہ ثابت ہوچکا تھا کہ ہیری کیسنجر ہی ہمارے پیچھے لگا ہوا تھا۔ حقیقت میں استاد صدر رو کے مکان کی تلاشی اور اس کی داشتاؤں سے بازپرس محض رسمی کارروائی تھی اس لئے وہاں رک کر مجھے کچھ حاصل نہ ہوتا جب کہ میرے فلیٹ میں کسی بھی لمحے کوانگ فو اور غزالہ کے بارے میں کوئی اہم خبر آسکتی تھی اس لئے میں نے ظفر سے اجازت طلب کی اور اس نے اپنے ایک ڈرائیور کو مجھے فلیٹ تک لے جانے پر مامور کردیا۔ اس وقت تک صدر رو کے بے ہوش ساتھی بھی ہوش میں آچکے تھے اور دہشت اور بے یقینی کے عالم میں کھلے آسمان تلے اپنی قسمت کے فیصلے کا انتظار کررہے تھے۔ ان کے مردہ ساتھیوں کی لاشیں غالباً گاڑیوں سے نکالی ہی نہیں گئی تھیں جب کہ استاد صدر رو کی چری ہوئی لاش کے دونوں حصے سمیٹنے کے بعد' اس کے گندے خون کی صفائی کا عمل شروع ہوچکا تھا۔ ان لوگوں کے زندہ اور مردہ افراد کو اپنی تحویل میں لے کر' ایس ٹی ایف والوں نے میرے رہائشی فلیٹ کے قرب وجوار میں متصادم فریقوں کی اصلیت کے بارے میں کوئی ثبوت باقی نہیں رہنے دیا تھا۔ ان میں سے جو بچ رہے تھے وہ یقینی طور پر فرار کی راہ اختیار کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

میں ایس ٹی ایف کی گاڑی میں شرف آباد کے علاقے میں پہنچا تو وہاں کا رنگ خاصا بدلا ہوا تھا۔

ہماری عمارت کے عقبی حصے میں تمام اسٹریٹ لیمپس بدستور تاریک پڑے ہوئے تھے لیکن تمام رہائشی فلیٹ کسی استثنیٰ کے بغیر روشن نظر آرہے تھے۔ اس وقت تک فائرنگ کو ختم ہوئے کافی دیر گزر چکی تھی اس لئے بے شمار افراد اصل صورتِ حال کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔ ان حالات میں گاڑی کو ہجوم میں سے گزارنا مناسب نہیں تھا۔ تجسس میں مبتلا لوگوں کی ساری توجہ ہماری گاڑی کی طرف ہوجاتی اور کوئی سرکش گروہ گاڑی کا راستہ روک کر یہ جاننے کی کوشش کرسکتا تھا کہ میں اتنے منہ اندھیرے کہاں سے آرہا ہوں اور اس علاقے میں میرا کیا کام تھا۔

بات کو اتنی دور تک بڑھانے کے بجائے' میں نے گاڑی وہیں رکوائی اور اس کے روانہ ہوجانے کے بعد بے پروایانہ انداز میں فلیٹ کی طرف چل دیا۔

وہاں ہونے والی فائرنگ بہت شدید تھی۔ اس کے نتیجے میں فضا میں متعدد لرزہ خیز انسانی چیخیں بھی ابھری تھیں' کئی جگہ خون کے بڑے بڑے دھبے بھی پائے گئے تھے لیکن ٹکڑیوں کی صورت میں بٹے ہوئے لوگوں کو اس امر پر حیرت تھی کہ ان کے نکلنے پر ہر طرف میدان صاف پڑا ہوا تھا۔ ان کی حیرت کا دوسرا سبب یہ تھا کہ قیامت کی فائرنگ ہونے کے باوجود پولیس کے کسی نے ادھر کا رخ کرنے کی زحمت نہیں کی تھی جب کہ وہاں سے تھوڑے فاصلے پر بہادر آباد کا مشہور چوراہا واقع تھا جہاں دن رات پولیس کے گشتی دستے مامور رہتے تھے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ جب لوگوں نے علاقے کے تھانے سے فون پر رابطہ کرنا چاہا تو ناکامی ہوئی کیونکہ تھانے کا ٹیلی فون مسلسل انگیج ٹون سنا رہا تھا۔

میں راستے میں جگہ جگہ رکتا اور لوگوں کے ہیجان آمیز تبصرے سنتا ہوا اپنے فلیٹ کی عمارت میں داخل ہوا تو مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ایس ٹی ایف کے سادہ پوش اہل کار اپنی جگہوں پر ڈٹے رہنے کے بجائے لوگوں کی توجہ کا نشانہ بننے کے بجائے قرب وجوار میں جمع ہونے والی بھیڑ میں شامل ہوگئے تھے۔

فلیٹ میں پہنچا تو وہاں سب کے چہروں پر مایوسی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

"سب کچھ ٹھیک ہوگیا۔ ان کے تین آدمی مارے گئے' دو پکڑے گئے۔ وہ ہیری کیسنجر کے لئے کام کررہے تھے۔ ان کا سرغنہ پکڑے جانے کے بعد ظفر کے ہاتھوں مارا گیا' لیکن تم لوگوں کے منہ کیوں لٹکے ہوئے ہیں؟" ان کے یک زبان استفسار پر میں نے چار فقروں میں اپنی کتھا مکمل کرتے ہوئے پوچھا۔

"مکاؤ سے کوانگ فو کی سیکریٹری کا فون آیا تھا۔ وہاں کی صورتِ حال حوصلہ افزا نہیں ہے" ویرا نے مجھ سے نگاہیں چار کئے بغیر پژمردہ آواز میں کہا "ہمارے ساتھ کوانگ فو کے ستارے بھی گردش میں آگئے ہیں۔"

"کیا؟ وہاں کی کیا خبریں ہیں؟" میں نے صوفے پر گرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"لمبی کہانی ہے۔ یوں سمجھو کہ دھونس اور ہیبت کی وجہ سے ہانگ کانگ پولیس نے ڈان کو چھوڑ دیا ہے لیکن اس کی اسپیڈبوٹ

موجود ہر شخص کو گرفتار کرلیا ہے۔ ان میں غزالہ کے ساتھ ہی وہ بھارتی افسر بھی شامل ہے جو مسٹر ترپاٹھی کے نام سے اس کے ساتھ کولون پہنچا تھا۔"

"لیکن کیوں؟" ویرا کے انکشاف نے میرے ذہن کو الجھا کر رکھ دیا "پولیس والے کسی کو بلاوجہ گرفتار نہیں کرسکتے۔ ان لوگوں کا کوئی نہ کوئی جرم بھی بتایا گیا ہوگا؟"

"ابھی کسی کو کچھ پتا نہیں چل رہا" ویرا خود بھی اس نئی صورت حال پر پریشان نظر آرہی تھی "کوانگ فو کو گرفتار نہیں کیا گیا لیکن وہ سخت مشتعل ہے اور ہانگ کانگ میں ڈیرہ ڈالے بیٹھا ہوا ہے۔ وہی نہیں بلکہ بلیک ڈریگن کے ارکان بھی اس واقعے کو ڈان کی توہین و تذلیل قرار دے رہے ہیں۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہانگ کانگ پولیس نے ایک ایسی اسپیڈ بوٹ پر چھاپا مارنے کی جرات کیسے کی' جس میں ڈان سفر کررہا تھا۔ جیسے ہی صورت حال واضح ہوگی' مکاؤ سے دوبارہ فون آئے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ غزالہ کے بارے میں' ہانگ کانگ میں کسی نے مخبری کی ہے" میں نے بے چینی کے ساتھ صوفے میں پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"جب تک مکاؤ والوں پر کوئی صورت حال واضح نہ ہو' یہ تمام قیاس آرائیاں قبل از وقت بلکہ بے سود ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس چھاپے کا غزالہ کی ذات سے کوئی تعلق ہی نہ ہو اور وہ ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہوگئی ہو" ویرا نے سختی کے ساتھ جواب دیا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ ہم سب کچھ مکاؤ والوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر' ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں؟" میں نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"اس کے علاوہ تمہارے پاس اور کون سا چارہ کار ہے؟" ویرا نے فوراً ہی ایک جوابی سوال داغ دیا "یہاں رہ کر تم ہانگ کانگ میں کسی کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے۔ ایسی صورت میں تم غزالہ یا ڈان کوانگ فو کے دوسرے آدمیوں کے لئے کیا کرسکوگے؟"

"ہم نے اس سے رجوع کرکے بنیادی غلطی کی ہے۔" سلطان شاہ نے رائے ظاہر کی "اتنے وقت میں تو ذیبی ہانگ کانگ جاکر غزالہ کو واپس لاسکتا تھا۔"

"تم نے میرے دل کی بات کہہ دی" میں نے اسے شاباش دی۔ "میں اس وقت یہی سوچ رہا تھا کہ ہم نے کوانگ فو سے رجوع کرکے خود ہی معاملہ الجھالیا ہے۔"

"الجھانا یا سلجھنا' جو کچھ ہونا تھا' وہ ہوچکا" ویرا تنک کر بولی۔ "اسے واپس نہیں لوٹایا جاسکتا' اس لئے اب اس لکیر کو پیٹنا بے سود ہے۔ تم دونوں مل کر بلاوجہ میرا دماغ خراب کررہے ہو۔"

"ابھی تم نے ایک مفروضے کی بات کی تھی کہ شاید چھاپے کا تعلق غزالہ کی ذات سے نہ ہو' مجھے اس سے شدید اختلاف ہے۔" میں نے کہا "تم خود بتاچکی ہو کہ ڈان کوانگ فو اپنے علاقے میں بے پناہ اثر ورسوخ کا مالک ہے اور مدتوں سے کسی روک ٹوک کے بغیر اپنا کاروبار چلا رہا ہے۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" ویرا آنکھیں نکال کر بولی "کوانگ فو کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو' قانون کی نظروں میں اول و آخر ایک مجرم ہے اور اسے کبھی نہ کبھی پکڑے جانا تھا۔"

"اب تم کٹ حجتی کررہی ہو!" اس کی تاویل پر میرا منہ بن گیا "اگر اس کے آدمیوں کی آئے دن پکڑ دھکڑ ہوتی رہتی' اس کے ٹھکانوں پر چھاپے پڑتے رہتے یا وہ خود کئی بار حوالات کی ہوا کھاچکا ہوتا تو اس چھاپے کو اسی کی کسی بے اعتدالی کا نتیجہ سمجھ لیتا۔ اس جیسا شاندار ماضی رکھنے والا شخص اچانک ہی محدود عتاب کا نشانہ بنتا ہے تو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کارروائی کے لئے ایسے وقت کا انتخاب کیوں کیا گیا جب وہ غزالہ کو ہانگ کانگ سے نکال کر مکاؤ کی طرف لارہا تھا۔"

"میں تمہیں یہ بھی بتاچکی ہوں کہ کوانگ فو دن رات مکاؤ میں' اپنے محل نما مکان میں پرانی بیش قیمت شرابوں میں نہاتا رہتا ہے۔ وہ عیش و عشرت کا دلدادہ ہے' اس لئے باہر نہیں نکلتا" ویرا جلے بھنے لہجے میں کہنے لگی "ہوسکتا ہے کہ ہانگ کانگ کی پولیس کافی دنوں سے اس کی گھات میں لگی ہوئی ہو' آج وہ ہمارے کام سے اپنا حصار چھوڑ کر باہر نکلا اور پولیس کو....."

بولتے بولتے وہ اچانک ہی خاموش ہوگئی اور میں بے اختیار ہنس پڑا "ہاں' ہاں کہو کہ پولیس کو اسے پکڑنے کا موقع مل گیا۔ پریشانی کی بات یہی ہے کہ تمہارے کوانگ فو پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اسے بھی بند کردیا گیا ہوتا تو مجھے اتنی پریشانی نہ ہوتی۔"

"تم لوگوں کے دماغ میں ہر طرف منطق اور حجت گھسی رہتی ہے" وہ چڑچڑے لہجے میں بولی "تم سے بات کرکے کبھی کبھی ذہن بہت بوجھل ہوجاتا ہے۔"

"فی الحال ہمیں مقامی پولیس کے لئے بھی کوئی کہانی سوچنے کی ضرورت ہے" سلطان شاہ نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا "وہ لوگ کسی بھی وقت نازل ہوسکتے ہیں۔"

"ان کے بارے میں ہمیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں' اس علاقے کے ہزاروں مکینوں کی طرح ہم بھی اپنے فلیٹ میں تھے اور فائرنگ کی آوازیں سننے کے باوجود باہر نکلنے کی ہمت نہیں کرسکے تھے۔ کسی کے فرشتے بھی یہ بات نہیں سمجھ سکتے کہ یہ سارا ہنگامہ ہمارے لئے ہی ہوا تھا" میں نے کہا۔

"ہمیں ان واقعات میں الجھانا اتنا مشکل نہیں ہے" سلطان شاہ پرخیال انداز میں بولا "کچھ عرصے پہلے ہی ہمارے پڑوس کا دروازہ اکھاڑ کر ایک عورت کو قتل کردیا گیا تھا' اس کے [illegible] اور ویرا کے آدمیوں نے یہاں دل کھول کر اپنا میگزین برباد کیا تھا...."

"بلاوجہ کی باتیں مت بناؤ!" میں نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا "ان میں سے کسی بھی واقعے کو ہم لوگوں سے وابستہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اگر ہم اعتماد اور سختی کے ساتھ اپنی کہانی پر اڑے رہے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نہیں الجھا سکے گی۔"

"ظاہر ہے!" ویرا نے تبصرہ کیا "اس بار تو ظفر بھی پوری طرح تمہاری پشت پناہی کر رہا ہے۔"

"ہمارے ساتھ ہی وہ تم پر بھی مہربان نظر آرہا تھا" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "اگر تم اس کے ساتھ چلی جاتیں تو شاید تم دونوں کے مراسم دوستی کی حد سے آگے بھی بڑھ جاتے۔"

"ایس ٹی ایف کے ایک فرض شناس افسر کے بارے میں ایسی رائے رکھتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے" ویرا نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"حسن پرستی سے فرض شناسی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر فرض شناس آدمی جمالیاتی حس سے سرے سے محروم ہو۔ میں تم دونوں کی نگاہیں بھانپ رہا تھا۔ اب ایسی بھولی نہ بنو جیسے تمہیں ظفر کے دلی احساسات کے بارے میں کچھ علم ہی نہ رہا ہو۔"

"اوہ!" سلطان شاہ کی تحیر زدہ آواز ابھری "جب ہی تم ظفر کے ساتھ جانے پر تیار ہوگئی تھیں۔"

"شاید پولیس کی گاڑیاں آرہی ہیں" میں نے دور سے آنے والی موہوم سی آوازوں پر کان جماتے ہوئے چونک کر کہا۔

"ہاں، یہ تو پولیس کی گاڑیوں کے سائرن ہی معلوم ہوتے ہیں" سلطان شاہ بھی ان آوازوں پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے بڑبڑایا۔ "لیکن یہ لوگ سورج طلوع ہونے سے پہلے کیوں آرہے ہیں؟"

"تو کیا انہیں صبح تک دور رہنے کی ہدایت کی گئی تھی؟" ویرا نے چونک کر سوال کیا۔ اس بارے میں ظفر سے ہماری گفتگو اس وقت ہوئی تھی جب وہ باتھ روم میں گئی ہوئی تھی۔ لیکن اس وقت سلطان شاہ کی حماقت کی وجہ سے وہ بات ویرا کے علم میں بھی آگئی۔

"حکم یا ہدایت کا علم نہیں" میں نے بات سنبھالنے کی نیت سے کہا "لیکن ایسا بندوبست ضرور کیا گیا تھا کہ پولیس بروقت یہاں نہ پہنچ سکے۔"

"پولیس والوں پر ایس ٹی ایف کا اتنا زور چلتا ہے اور تم پھر بھی انہیں غیر سرکاری افراد قرار دیتے ہو۔ یہ بات میری سمجھ سے بالا ہے۔"

"میں جو کچھ کہتا ہوں، اس کی بنیاد سنی سنائی باتوں پر ہوتی ہے" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا "درحقیقت میرے لئے بھی بہت سی باتیں [illegible] سے کم نہیں ہیں۔ میں بس اسی قدر رعایت کافی [illegible] کہ وہ لوگ ہر معاملے میں میرا ساتھ دیتے چلے آرہے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میرا کھوج لگانے کے لئے بھی تم نے ان سے مدد حاصل کی ہوگی؟"

"اب تم نے پھر اونچی پرواز شروع کردی" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا "وہ سب میرا اپنا کام تھا۔ میں تو ان لوگوں کو سرے سے بھولا ہوا تھا۔ سلطان شاہ کے خدشات سے آگاہ ہونے کے بعد [illegible] نے ہی مجھے اول خان کا نام یاد دلایا تھا۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی "تم میں خوبی یہی ہے کہ تم ہر وقت حاضر دماغ رہتے ہو۔"

میرا ذہن پولیس والوں کی آمد میں الجھا ہوا تھا۔ میں نے جھوٹ سچ بول کر ویرا کو تو خاموش کرا دیا تھا لیکن میں اچھی طرح جانتا تھا کہ پولیس والوں کے لئے ایس ٹی ایف کی اہم ہدایات سے انحراف کرنا ممکن نہیں تھا۔ اور ظفر نے انہیں صبح طلوع ہونے تک اسے علاقے سے دور رہنے کے لئے کہا ہوا تھا۔

پھر مجھے وہ منظر یاد آیا جو میں نے فلیٹ واپسی پر دیکھا تھا۔ علاقے کے لوگ دہشت، سنسنی اور تشویش میں مبتلا تھے پھر وہاں مقابلہ ختم ہوئے کافی دیر گزر چکی تھی اس لئے علاقے کے لوگوں کے رابطے اور دباؤ سے مجبور ہو کر پولیس والوں کو وہاں آنا پڑ گیا تھا۔ یہ امکان بھی موجود تھا کہ جائے واردات کی طرف پولیس پارٹی کی روانگی، ایس ٹی ایف کے کسی ذمے دار سے کلیرنس لینے کے بعد عمل میں لائی گئی ہو۔

پولیس والوں کے بارے میں ہم تینوں ہی شدید تجسس میں مبتلا تھے اور یہ جاننے کے آرزومند تھے کہ وہ لوگ آنے کے بعد کس رخ پر کام کر رہے تھے لیکن اسی کے ساتھ ہم فلیٹ سے باہر نکل کر کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ فلیٹ میں خورد و نوش کے لوازم سمیت ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ سلطان شاہ چائے کا آخری کپ پینے کے بعد آرام کرنے کی نیت سے خواب گاہ میں چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ویرا ایک بار پھر ڈرائی جن کی بوتل وغیرہ نکال لائی اور دو گلاس بنانے کی تیاری میں مصروف ہوگئی۔

"خدا کا خوف کرو، ویرا!" میں نے اسے چڑانے کی نیت سے کہا "سلطان شاہ کے جاتے ہی تم تو اس طرح اٹھی ہو جیسے کسی خرانٹ واعظ سے نجات ملی ہو۔"

"وہ ہمیں شراب پیتے دیکھ کر ایسے برے برے منہ بناتا ہے کہ پینے کا سارا لطف غارت ہو جاتا ہے۔ مجھے نشے کے لئے نہیں بلکہ اپنے اعصاب کو سکون پہنچانے کے لئے، اس وقت تھوڑی سی الکحل کی ضرورت ہے۔"

"اتنی صبح، سورج طلوع ہونے سے پہلے تم بوتل لے بیٹھیں پھر کچھ بھی نہیں کر سکو گی۔"

"اب تو ویسے بھی کچھ نہیں کیا جاسکتا" وہ ایک ٹھنڈا سانس لے کر حسرت آمیز لہجے میں بولی "تمہیں معلوم ہے کہ میں آج رات کا ہر لمحہ اپنی مرضی کے مطابق گزارنا چاہ رہی تھی [illegible] صورت حال نے ایسا پلٹا کھایا کہ سارا موڈ ہی تباہ ہو کر رہ گیا۔"

اتفاق سے یہ سب سلطان شاہ کی وجہ سے ہی ہوا ہے۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ سلطان شاہ تمہیں راہِ راست پر رکھنے کے ارادے سے مار کھا کر آیا ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

وہ ہنس پڑی "میں محتاط تھی۔ میں نے اس کے ارادے کا نہیں، اتفاق کا ذکر کیا تھا۔ پتا نہیں تم اس کے بارے میں اتنے حساس کیوں ہو؟ میری تو اور بات ہے لیکن میں اتنا بتائے دیتی ہوں کہ غزالہ، تمہاری اور سلطان شاہ کی حد سے بڑھی ہوئی محبت سے بہت جلد حسد میں مبتلا ہو جائے گی۔"

"وہ میرا اور غزالہ کا معاملہ ہے۔ تمہیں اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"سلور آئیز کی منتقلی کا معاہدہ کر کے ہم ایک بار پھر دوستی کا رشتہ قائم کر چکے ہیں" اس نے میرے قریب بیٹھتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اور دوستی میں ہر فریق کو دوسرے کے مفادات کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ بُری بھلی باتوں پر مشورہ دینا میرا فرض بنتا ہے۔"

"ضرور بنتا ہوگا، لیکن میرے اوپر کیوں چڑھی چلی آ رہی ہو۔ سلطان شاہ کوئی روبوٹ نہیں ہے کہ بستر پر لیٹتے ہی گہری نیند سو گیا ہوگا۔ ہمارے پاس بہت وقت ہے۔ ہم آرام سے بھی باتیں کر سکتے ہیں۔"

ہم دونوں نے اپنے اپنے گلاس سے جن کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ اپنے معدوں میں منتقل کیے ہی تھے کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی اور ویرا نے بٹن دبا کر اسپیکر فون آن کر دیا۔

دوسری طرف کوانگ فو کی سیکریٹری لائن پر موجود تھی۔

ویرا کا جواب سنتے ہی اس نے شاید اپنے ساؤنڈ اسکینر پر تجزیاتی رپورٹ دیکھ کر اس کی اصلیت پر یقین کر لیا اور بولی "اس بار ڈان کے ساتھ بہت بڑا فریب ہوا ہے۔ ہانگ کانگ سے آنے والی خبریں بہت تشویش انگیز ہیں اور ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ڈان کا اگلا قدم کیا ہوگا؟"

"فریب؟ تو کیا اسی کے کسی آدمی کی مخبری پر یہ ساری کارروائی کی گئی ہے؟"

"نہیں!" اس لڑکی کی پُراعتماد آواز ابھری "مخبروں کا انجام بہت برا اور عبرت ناک ہوتا ہے۔ ڈان کے نمک خوار اتنی بڑی حماقت کر کے اپنی زندگیاں عذاب نہیں بنا سکتے۔"

"تو پھر کیا ہوا ہے؟" ویرا اس کے انداز سے چڑ کر قدرے تیزی کے ساتھ بولی۔

"بس یہ سمجھو کہ معاملہ بہت بری طرح الجھ گیا ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ انہوں نے ڈان کو اس معاملے میں ملوث نہیں کیا ورنہ وہ چاہتے تو اس واقعے کی آڑ لے کر ڈان کی عزت اور وقار کی دھجیاں اڑا سکتے تھے اور ہم سب خون کے آنسو پی کر رہ جاتے۔"

"تم میرے اور ڈان کے مراسم سے واقف ہو" ویرا نے تحمل سے کام لیتے ہوئے اس سینتالیس سالہ "لڑکی" کو سمجھانا چاہا "اس لیے مجھ سے پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ میں ڈان کی ہم سری کی دعوے دار تو نہیں ہوں مگر میرے ہاتھ بھی بہت لمبے ہیں۔ لیکن جب تک مجھے پوری صورتِ حال کا علم نہیں ہوگا، میں ڈان کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکوں گی۔ ازراہِ کرم مجھے پوری کہانی سنا ڈالو۔"

"ساری خرابی یہ ہے کہ ڈان نے خود کو مکاؤ والے پیلس میں محصور کر کے سارا کام اپنے ماتحتوں پر چھوڑ دیا ہے" دوسری طرف سے ایک گہری سانس کے بعد کہا گیا "اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر بعض کم ظرفوں نے اپنے دھندے بھی شروع کر لیے ہیں۔ ڈان کی اسپیڈ بوٹ کے انجن روم سے ایک کروڑ پتی اور روپوش چینی کو برآمد کیا گیا ہے۔ وہ شخص بھی چین میں ہیروئن اسمگل کرنے کا مجرم ہے اور چین میں اس جرم کی سزا موت ہے۔ وہ کسی طرح چینی پولیس کی تحویل سے فرار ہو کر ہانگ کانگ آ گیا اور یہاں ڈان کی اسپیڈ بوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ اسے یقینی طور پر ایرک نے بھاری معاوضہ لے کر پناہ دی ہوگی۔ ڈان کے فرشتوں کو بھی اس واقعے کا علم نہیں ہوگا کیونکہ ڈان، چینی پولیس اور حکام کی دشمنی مول لینے سے ہمیشہ بچتا رہا ہے۔ یہ لوگ پاتال تک اپنے شکاروں کا پیچھا کرتے ہیں اور ان کو کیفرِ کردار تک پہنچائے بغیر چین سے نہیں بیٹھتے۔"

"اگر ہم اپنی گفتگو اصل معاملے تک محدود رکھیں تو بہتر ہوگا" ویرا نے اسے ٹوکا۔

"میں خود ضروری باتوں سے بچ رہی ہوں۔ وہ روپوش چینی ہاربر میں لنگر انداز اسپیڈ بوٹ میں چھپا رہا۔ پھر جب ڈان نے اچانک اسپیڈ بوٹ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تو ایرک نے اس موقعے کو استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ڈان اپنی مہمان کو لے کر مکاؤ کے لیے روانہ ہوا تو اسپیڈ بوٹ کے انجن روم میں وہ چینی بھی موجود تھا۔ دوسری طرف حکام کو کسی طرح خبر مل گئی کہ مین لینڈ چائنا کے ایک مفرور مجرم کو اسپیڈ بوٹ کے ذریعے لے جایا جا رہا ہے۔ لہٰذا راستے میں اسپیڈ بوٹ کو روک لیا گیا۔ ہانگ کانگ پولیس ڈان اور اس کے اٹل اصولوں سے بہت اچھی طرح واقف ہے اس لیے انہیں یقین ہے کہ مفرور چینی کو ہانگ کانگ کے راستے اسمگل کرنے میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں ہے لیکن اسپیڈ بوٹ کا عملہ مارا گیا ہے ان ہی کے ساتھ تمہاری مہمان اور اسے لانے والا بھی روک لیا گیا ہے اور ہانگ کانگ پولیس تفصیلی تفتیش کے بغیر ان میں سے کسی کو رہا نہیں کرے گی۔"

"پھر اب فادر کوانگ فو کہاں ہے؟" ویرا نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"وہ ہانگ کانگ ہی میں بیٹھا ہوا ہے۔ تمہاری مہمان کو حاصل کیے بغیر وہ وہاں سے نہیں نکلے گا۔"

"جب وہ کچھ کر ہی نہیں سکتا تو پھر وہاں کیوں ٹھہرا ہوا ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"تم جانتی ہو کہ ڈان اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اس سے کوئی کچھ نہیں پوچھ سکتا۔ یہ تمام معلومات بھی ان لوگوں نے فراہم کی ہیں جو ڈان کا کھوج لگانے کے لیے ہر طرف پھیلائے گئے تھے۔ ابھی تک ڈان سے ہمارا براہ راست رابطہ نہیں ہو سکا۔ اس کے ذہن میں کیا منصوبہ ہے' یہ صرف وہی جانتا ہے۔"

"وہ ہانگ کانگ میں کہاں ٹھہرا ہوا ہے؟" ویرا نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد پوچھا۔

"وہ ہانگ کانگ ہلٹن کے رائل سوئیٹ میں مقیم ہے لیکن میرا مشورہ ہے کہ اس سے فون پر بات نہ کرنا۔ ڈان ہوٹل کے فون پر اپنے آدمیوں سے دعا سلام کرنا بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ اسے کال ٹیپ کیے جانے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ وہ تمہاری آواز پہچانتے ہی فون بند کر دے گا۔"

"لیکن اس سے رابطہ بہت ضروری ہے۔ میں اس سے کس طرح بات کر سکتی ہوں۔"

"فی الحال ناممکن ہے۔ ڈان نے ہوٹل میں ٹھہرنے کا فیصلہ کر کے ہم سب پر یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ فی الحال کسی سے ملنے یا بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔ اسے اپنے آدمیوں سے رابطہ برقرار رکھنا ہوتا تو وہ ہوٹل کے بجائے اپنے ہی کسی ٹھکانے کا رخ کرتا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اسپیڈ بوٹ والے سنگین واقعے نے اسے اپنے آدمیوں سے بدگمان کر دیا ہے۔ اسی لیے وہ ان سے دور رہنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"وہ دور ضرور ہے لیکن اپنے کام سے غافل نہیں ہے۔ وان چائی والے گھاٹ سے بوٹس کے آپریشن کی ذمے داری لنگڑے ہاؤ پر ہے مگر وہ نائٹ کلبس کے چیف منیجر' ایرک موک کو جواب دہ ہے۔ جو کچھ ہوا ہے' وہ ایرک اور ہاؤ کی ملی بھگت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس سے پہلے کہ ہانگ کانگ پولیس ان دونوں پر ہاتھ ڈالتی اور وہ تشدد سے مجبور ہو کر زبان کھولتے' ان کی موت واقع ہو چکی ہے......"

"اوہ!" ویرا مضطربانہ لہجے میں بولی "اس طرح تو ڈان خود ہی اپنا گردن پھنسالے گا اور یہ پورا معاملہ بھی سنگین رخ اختیار کر لے گا' اس وقت تو اسے ہر انتقامی کارروائی موقوف رکھنی چاہیے تھی۔"

"تم فکر نہ کرو" اس کا لہجہ بے پروایانہ تھا "میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ ڈان ہم سب کا باپ اور استاد ہے۔ وہ مشکل کے بدترین حالات میں بھی چاق و چوبند رہتا ہے۔ دیسی جڑی بوٹیوں اور زہروں کے بارے میں اس کا علم کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ ان دونوں کی لاشوں کی طبی رپورٹیں ہارٹ فیلور کی ہی کہانی سنائیں گی اور ان کی اتفاقی موت پر کسی کو شبہ کرنے کی نوبت نہیں آسکے گی۔"

"میرے لیے ہر راستہ بند ہے' پھر میں کیا کروں؟" ویرا خاصی پریشان ہو گئی تھی۔

"صبر اور انتظار کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ تمہارا کام ڈان کے لیے ایک چیلنج بن گیا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں اسے پایۂ تکمیل کو پہنچانے کی کوشش کرے گا۔"

"ٹھیک ہے...... لیکن کوئی خبر ہو تو مجھے فون ضرور کر دینا" ویرا نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"تم نے کہا تھا کہ تم آٹھ دس گھنٹوں تک اس نمبر پر رہو گی۔ اس کے بعد کا نمبر بھی دے دو تاکہ میں تم سے فوری رابطہ کر سکوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"اس نمبر کے علاوہ میرا کوئی اور رابطہ نہیں ہے" ویرا نے میری طرف دیکھتے ہوئے فون پر کہا "اس نمبر پر میں نہ ہوں تو میرے ساتھی کو پیغام دے دینا' وہ مجھے باخبر کر دے گا۔"

"اس کی آواز سنوا دو تو یہ بھی کر لیا جائے گا۔ ساؤنڈ اسکیننگ کے بغیر ہم کسی سے کھل کر بات نہیں کر سکتے کیونکہ نام اور آواز بدلنا زیادہ دشوار نہیں ہوتا۔"

"اس کا نام تنویر ہے' میں فون اسے دے رہی ہوں" ویرا نے مجھے آنکھ سے اشارہ کر کے کہا۔

"ہیلو! میرا نام تنویر ہے" لمحہ بھر کے سکوت کے بعد میں نے اسپیکر فون پر کہا۔

"دو جملے اور ریکارڈ کرا دو تاکہ اسکیننگ رینج میں اضافہ ہو جائے" کوانگ فو کی سیکریٹری کی آواز ابھری۔

"ویرا کی غیر موجودگی میں' میں شدت کے ساتھ تمہارے پیغام کا انتظار کروں گا۔ دیر ہوئی تو شاید میں خود تم سے رابطہ کر لوں۔" میں نے مہمل فقرے ریکارڈ کرانے کے بجائے بامعنی پیغام دیا۔

"گڈ! میں تم سے رابطہ رکھوں گی" اس فقرے کے ساتھ ہی دوسری طرف سے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور میں نے اپنا گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔

"تم چاہو تو غزالہ کا مسئلہ حل ہونے تک میں یہاں رک سکتی ہوں" ویرا کہہ رہی تھی "ورنہ آج مجھے روانہ ہونا ہے۔ یہاں رکنے کی صورت میں بلیو کراس ڈیل کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔"

"تم نے عقل مندی کا کام کیا کہ مکاؤ والوں سے میرا رابطہ کرا دیا۔ میں خود ہی معلومات حاصل کرتا رہوں گا۔ تم بھی یہاں رہ کر اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکو گی۔ تمہارے لیے ایران والا کام زیادہ ضروری ہے۔"

ویرا کے پاس کراچی سے کوئٹہ جانے کے لیے ہوائی ٹکٹ موجود تھا جو وہ شام کو لے آئی تھی۔ اس کے مطابق ویرا کو زیادہ سے زیادہ ایک بجے تک ایئرپورٹ پہنچنا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ جانے سے پہلے کم از کم ایک بار مکاؤ سے رابطہ کر سکتی تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں خود اپنے معاملات کی دیکھ بھال کر سکتا

ھا۔ باہر پولیس والوں کی کارروائی جاری تھی۔ میں فلیٹ سے نیچے نہیں گیا لیکن مجھے اندازہ تھا کہ وہ محض رسمی کارروائی تھی۔ پتا نہیں، دوسرے فلیٹوں کے مکینوں سے باز پُرس کی گئی تھی یا نہیں لیکن کسی نے ہمارے فلیٹ کا رخ نہیں کیا تھا۔ دوسری طرف سلطان شاہ بھی کھڑکیوں کے دبیز پردے کھینچ کر، تھوڑی دیر بعد گہری نیند سوگیا تھا اس لیے ویرا کو کھلی چھوٹ مل گئی تھی۔ میری رفتار سست تھی مگر وہ تیزی کے ساتھ پی رہی تھی اور اسی کے ساتھ اس کے دماغ پر رنگینی سوار ہوتی جارہی تھی۔ میں نے اس کی ابتدائی چھیڑ چھاڑ کو سنجیدگی سے روکنے کی کوشش کی لیکن مجھے جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ اس کے لاشعور میں دبی ہوئی، کچھ نا آسودہ خواہشات، نشے کے ساتھ اس کے حواس پر مسلط ہوتی جارہی تھیں اس لیے مجبور ہوکر، میں نے بھی اسے ڈھیل دے دی۔

اس وقت وہ شی کی بھیانک آئی وومن کے بجائے ایک حسین وشوخ لڑکی بن کر رہ گئی تھی جو آزادی ملنے کے بعد دنیا بھر کی خوشیوں کو بیک وقت اپنے دامن میں سمیٹ لینے کی کوشش کررہی ہو۔ اس کی آنکھیں شراب کے خمار سے بوجھل ہورہی تھیں، لب ورخسار اپنی ہی آنچ میں پگھلے جارہے تھے اور وہ لمحہ بہ لمحہ بے حجابی کی طرف بڑھتی جارہی تھی، میں خاموشی اور سکون سے اپنی جگہ بیٹھا اس کی چیرہ دستیوں سے لطف اندوز ہورہا تھا کیونکہ اس وقت میرے پاس وقت گزاری کے لیے کوئی معقول مشغل نہیں تھا۔

○☆○

میرے ایما پر ویرا نے نو بجے شری مان سنگھ کو فون کیا۔ بظاہر اس کا کام بہت سیدھا تھا۔ غزالہ کی واپسی کے بارے میں، اس نے مجھ سے سودے بازی کرکے اپنے کام میں الجھانا چاہا تھا لیکن ویرا کے پہلے ہی مطالبے پر اس نے غزالہ کو واپس کرنے پر رضامندی ظاہر کردی تھی۔

مکاؤ سے آنے والی خبروں سے ظاہر ہورہا تھا کہ شری مان سنگھ نے ویرا سے طے کیے ہوئے پروگرام کے مطابق، غزالہ کو اپنے ایک آدمی کے ساتھ ہانگ کانگ بھیج دیا تھا اور وہ دونوں شنگریلا سے کوانگ فو کے ساتھ بھی ہولیے تھے۔ اس سے آگے جو کچھ ہوا، اس کا شری مان سنگھ سے کوئی تعلق نہیں تھا پھر بھی میں ذہنی طور پر اس بدمعاش کی طرف سے ایک بے نام سی خلش میں مبتلا تھا۔

سلسلہ ملتے ہی شری مان سنگھ نے ویرا کی آواز پہچان لی اور خوشگوار حیرت کے ساتھ بولا "اوہ! صبح ہی صبح تم نے مجھے کیسے یاد کرلیا؟ مجھے امید ہے کہ دوسری طرف سب خیریت ہوگی۔"

"میرا اپنے آدمیوں سے رابطہ نہیں ہوپارہا" ویرا مکارانہ انداز میں بولی "اسی لیے میں نے سوچا کہ تم سے معلوم کرلوں، تمہارے آدمی نے بھی ہانگ کانگ پہنچنے کے بعد کسی نہ کسی کو رپورٹ دی ہوگی۔"

"ہاں، اس نے شنگریلا سے نئی دہلی فون کرکے اپنی خیریت کی اطلاع دی تھی۔ اس کے بعد اس نے کسی سے کوئی بات کی ہو تو وہ میرے علم میں نہیں ہے۔ میرے حساب سے اب تک ان کی واپسی کا سفر شروع ہوچکا ہوگا..... لیکن تمہارا اپنے آدمیوں سے رابطہ کیوں منقطع ہے؟"

"ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے ٹھکانوں سے نکلے ہوئے ہوں" ویرا بے پروایانہ لہجے میں بولی "دیر سویر سے رابطہ ہوتا جائے گا۔ اگر وہ دونوں شنگریلا پہنچ گئے تھے تو آگے کا پروگرام بھی ٹھیک ٹھاک ہوگا۔"

"پھر اب کب ملاقات ہوگی؟ میرے پاس نئی دہلی سے اہم کاغذات آگئے ہیں۔ ہم لوگوں پر روز بروز دباؤ بڑھتا جارہا ہے۔ نئے پلان پر کام شروع کرنے سے پہلے میں تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ آخری مرحلے کے لیے سب کچھ تم ہی کو فراہم کرنا ہوگا۔"

اس نے گول مول بات کی تھی لیکن میں نے سمجھ لیا تھا کہ اس کا اشارہ ہتھیاروں وغیرہ کی کھیپ کے بارے میں تھا جس کے بغیر کوئی بھی خونریز شورش کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔

"میں چند روز کے لیے اپنے معاملات میں مصروف رہوں گی۔ ان سے نمٹنے کے بعد تم سے ملاقات کا کوئی پروگرام بن سکے گا۔ فی الحال میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا" شری مان سنگھ کی بات سن کر ویرا نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا اور اپنے لیے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگئی۔

"تم چند روز کے لیے جا ہی رہی ہو تو روانگی سے پہلے ہیری کو بھی کھڑکاتی جاؤ۔"

"تم بلاوجہ ہر ایک سے چھیڑ چھاڑ کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہو؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تم سے چھیڑ چھاڑ ہونے کے بعد کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا" میں نے ہنستے ہوئے کہا "کم ازکم یہ معلوم ہوجائے گا کہ وہ ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے یا ہمارے ذریعے تم پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کررہا ہے؟"

چند منٹ کے بحث مباحثے کے بعد ویرا، ہیری کیسنجر کو فون کرنے پر آمادہ ہوگئی۔

ویرا کی کال کسی غیر ملکی عورت نے وصول کی اور ویرا نے اپنا نام ڈیزی بتاتے ہوئے ہیری کیسنجر سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا جس پر فوراً ہی ہیری لائن پر آگیا۔

"بڈھے طوطے! آج کل کیا کررہے ہو؟" ہیری کیسنجر کی آواز سنتے ہی ویرا نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"اوہ!" ایک گہرے سانس کے ساتھ ہیری کیسنجر کی آواز ابھری "تو تم کو ابھی تک ہرزہ سرائی کرنے کی چھوٹ ملی ہوئی ہے؟ لیکن کان کھول کر سن لو کہ اب تمہارے دن گنے جاچکے ہیں۔"

"بوڑھے گدھ بھی ایک خاص مدت سے زیادہ زندہ نہیں رہتے۔ اس اعتبار سے تمہاری باری جلد ہی آنے والی ہے۔ میں نے تمہاری وطن واپسی کے لیے صندل کے ایک خوب صورت

تابوت کا آرڈر دے دیا ہے۔"

"میرے پاس تمہارے خلاف اتنا مواد اکٹھا ہو چکا ہے کہ اب جمی لائیڈ بھی تمہیں معاف نہیں کر سکے گا۔ تم نے اس علاقے میں ہمارے مفادات کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ خفیہ سرکاری پالیسیوں کے بارے میں تمہاری غیر ذمے دارانہ گفتگو کا کیسٹ میرے قبضے میں ہے۔ اس کی چند نقول تمہیں جہنم واصل کرنے کے لیے کافی ثابت ہوں گی۔"

ہیری کیسنجر کی تلخ ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ بولا "مجھے تمہاری اس گیدڑ بھبکی کی اصلیت معلوم ہو چکی ہے۔ تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکو گی۔"

ہیری کے ان الفاظ پر میں پریشان ہو گیا کیونکہ فرضی کیسٹ کے بارے میں، مَیں نے ہی اس کی تشویش رفع کی تھی۔ ان دنوں میری ویرا سے ٹھنی ہوئی تھی اور میں ہر طرف سے اسے پریشان کرنا چاہ رہا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے ہیری کیسنجر کے ذہن سے خیالی کیسٹ کا خوف دور کر دیا تھا تاکہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ ویرا کی گھات میں لگا رہے اور ویرا کی زندگی اجیرن بناتا رہے۔ لیکن غنیمت یہ ہوا کہ ہیری کیسنجر نے اس بارے میں تفصیل سے بات نہیں کی بلکہ حوالہ دینے پر ہی اکتفا کیا۔

"اور اب ایک نئی شرمناک بات سامنے آئی ہے" ویرا اس سے کہہ رہی تھی "تم اپنی سینئر سفارت کار کی حیثیت کو فراموش کر کے شہر کے تیسرے درجے کے قاتلوں اور بدمعاشوں سے دوستیاں گانٹھتے پھر رہے ہو اور وہ شراب کے نشے میں دھت ہو کر تمہارے ساتھ اپنی دانت کاٹی دوستی کی کہانیاں سناتے پھر رہے ہیں۔ یہ بے اعتدالیاں بہت جلد تمہیں غرق کر دیں گی۔"

"میں تمہاری ان من گھڑت کہانیوں سے ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں...."

"پھر شاید استاد صدرو تمہاری ماں کا خصم رہا ہوگا جو تمہیں اچھی طرح جانتا ہے۔"

ویرا کا وہ وار نشانے پر بیٹھا اور ہیری کیسنجر بوکھلا گیا "تت.... تم کس استاد صدرو کی بات کر رہی ہو؟ میں اس نام کے کسی آدمی سے واقف نہیں ہوں۔"

"یہ وہی صدرو ہے جسے پی سی نائین کے خفیہ فنڈز کے سہارے تم نے راتوں رات، لکھ پتی بنا دیا تھا اور وہ شہر کے سارے نامی گرامی بدمعاشوں کو خریدنے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔"

"تم غلط بیانی سے کام لے رہی ہو۔ وہ میرے لیے کام ضرور کرتا ہے لیکن میرے نام سے ناواقف ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اس نے مجھے دیکھا بھی نہیں ہے۔ پھر وہ میرے بارے میں کہانیاں کیسے بنا سکتا ہے؟" ویرا کے پے درپے حملوں سے بوکھلا کر ہیری کیسنجر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔

"اس سے ملاقات ہو تو اس بارے میں پوچھ لینا" ویرا نے بے پروائی سے کہا "میں تو چند روز کے لیے باہر جا رہی ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم کہاں جا رہی ہو" اس کی آواز میں حسرت اور بے بسی سمٹ آئی "تم ہمارے ساتھ مخلص نہیں ہو اور اس کام میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور کرو گی لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمہارا آخری مشن ثابت ہوگا۔ ایران سے ... کے بعد تمہیں ایک سنگین فردِ جرم کا سامنا کرنا ہوگا۔"

"میں ایسی دھمکیوں کو ٹھوکر پر رکھتی ہوں" ویرا نے حقیر آمیز لہجے میں کہا "اور اپنے بل بوتے پر زندہ رہتی ہوں۔ تم جیسے ہزار دشمن مل کر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"صدرو کے بارے میں تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" ہیری اپنے اس تجسس آمیز سوال پر قابو نہ پا سکا۔

"مجھے کسی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے" ویرا نے تلخی کے ساتھ کہا "چاہو تو جہنم جا کر اُس سے ملاقات کر سکتے ہو۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوگا۔"

اپنی بات مکمل کر کے، ہیری کا جواب سنے بغیر، ویرا نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"تم نے اسے صدرو کا حوالہ دے کر اچھا نہیں کیا" فون بند ہو جانے کے بعد میں نے کہا۔

"کیوں؟ اس میں کیا خرابی تھی؟" اس نے آنکھیں نکال کر غصے سے سوال کیا۔

"ابھی تک وہ مجھے اور تمہیں الگ الگ گن رہا ہے۔ اگر اسے پتا چلا کہ صدرو، سلطان شاہ کا تعاقب کرتے ہوئے مارا گیا ہے تو وہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ صدرو کی ہلاکت کی خبر میرے یا سلطان شاہ کے ذریعے تم تک پہنچی ہے اور ہم آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ اس طرح اسے ایک طرف توجہ مرکوز کرنے کا موقع مل جائے گا۔"

"یہ بے کار بات ہے" اس نے لاابالی انداز میں کہا "اسے کون بتائے گا کہ صدرو کس کے پیچھے تھا؟"

"تم بھول رہی ہو کہ صدرو کے کئی ساتھی اپنی جانیں بچا کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے" میں نے طنزیہ لہجے میں اسے یاد دلاتے ہوئے کہا "وہ بالکل ہی بے خبر نہیں رہے ہوں گے۔"

"لیکن ان کا ہیری کیسنجر سے رابطہ ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے" ویرا چٹکی بجا کر بولی "اس سے صدرو کا براہِ راست رابطہ رہتا تھا۔ اس کے آدمیوں کو تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کس کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ان غیر ضروری باتوں پر اپنا دماغ لڑانے کی کوشش نہ کرو۔"

ساڑھے دس بجے کے قریب ظفر فلیٹ پر آپہنچا۔ اسے بلیک کراس ڈبل کو بچانے کے لیے ویرا کی روانگی کے پروگرام کا علم تھا اس لیے مجھے امید تھی کہ وہ اپنی نگاہیں سینکنے کے لیے ویرا کے پاس ضرور آئے گا۔

اس نے آتے ہی اطلاع دی کہ صدرو کے مکان کی تلاشی نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ وہاں ٹیلی فون سے ایک ٹیپ ریکارڈ منسلک تھا

کانپ آدھا بھرا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ایک تجوری میں سے
تین بھرے ہوئے آڈیو کیسٹ برآمد ہوئے تھے۔ ان سب میں
صدرو اور ایک غیر ملکی کے درمیان ہونے والی گفتگو موجود
گفتگو کے متن اور صورت حال کی بنا پر ظفر کو پورا یقین تھا کہ
غیر ملکی ہیری کیسنجر ہی تھا۔
غالباً صدرو اپنے گھر آنے والی ہیری کی ہر کال کو کسی خاص
کے لیے ریکارڈ کرتا رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی برے وقت
صدر کیسنجر کو بلیک میل کرنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو لیکن حقیقت
ہیری تھی کہ صدرو کی اس چالاکی نے ہیری کی مذموم سرگرمیوں کے
بارے میں ناقابل تردید ثبوت فراہم کر دیے تھے جن پر کارروائی
محکمۂ خارجہ کا کام تھا۔ مقامی قانون کے تحت اس اہم سفارت
کار کا کچھ بھی نہیں بگاڑا جا سکتا تھا۔

ان کیسٹوں میں موجود آوازوں پر ہماری رائے لینے کے لیے
ظفر ایک کیسٹ بھی اپنے ساتھ لیتا آیا تھا۔ میری دانست میں وہ
اس طرح ویرا کو مرعوب یا متاثر کرنے کے چکر میں تھا۔

صدرو ہم تینوں کے لیے اس اعتبار سے اجنبی تھا کہ ہم میں
سے کسی نے اس کی آواز نہیں سنی تھی لیکن دوسری آواز، بلا مبالغہ
ہیری کیسنجر ہی کی تھی۔ ظفر نے گفتگو کا جو حصہ ہمیں سنایا وہ میرے
ہی بارے میں تھا۔ ہیری کی ہدایت تھی کہ ڈیبی کو ہر قیمت پر جلد
از جلد تلاش کیا جائے۔

"نیچے کی کیا صورت حال ہے؟" کیسٹ سے فارغ ہونے کے
بعد ویرا نے بے تکلفانہ انداز میں ظفر سے پوچھا۔

"ایسے واقعات کے بعد کشیدگی اور خوف و ہراس کی لہر پھیل
ہی جاتی ہے" ظفر نے مسکراتے ہوئے کہا "پورا بازار بھی بند پڑا
ہوا ہے اور لوگ ٹولیوں کی صورت میں جا بجا جمع ہیں۔"

"اور پولیس کیا کر رہی ہے؟" ویرا نے متجسس لہجے میں سوال
کیا۔

"انہیں کچھ کرنا ہی نہیں تھا" ظفر سے پہلے میں بول پڑا "وہ
رسماً خانہ پری کر کے چلے گئے ہوں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" ظفر نے میری تائید کی "البتہ میرے
کمانڈو اب بھی نیچے موجود ہیں۔ ان کے سادہ لباسوں میں مہلک
اور دور مار ہتھیار چھپے ہوئے ہیں۔"

ویرا خوب صورت اور متناسب الاعضا ہونے کے ساتھ ہی
اپنے نسوانی ہتھیاروں کے بھرپور استعمال پر ملکہ رکھتی تھی اس لیے
تجاہل عارفانہ سے کام لے کر اپنی ادائیں دکھاتی رہی۔ اس کی
ترنم اور رسیلی ہنسی ظفر کو بھی خوش مزاجی کا مظاہرہ کرنے پر مجبور
کر رہی تھی۔ جب ان دونوں کے درمیان بے تکلفی کی فضا قائم
ہو گئی تو میں خاموشی کے ساتھ وہاں سے اٹھ گیا۔

سلطان شاہ بیدار ہو چکا تھا اور کسی کو بھی اپنی طرف متوجہ کیے
بغیر کچن میں گھس کر اپنے لیے ناشتا تیار کر رہا تھا، میں بھی اس کی مدد
کے بہانے وہیں پہنچ گیا۔

ڈرائنگ روم میں وہ دونوں اپنی باتوں میں اتنے منہمک تھے کہ
کچن سے اٹھنے والی، چائے کی اشتہا انگیز خوشبو بھی ان کے
اعصاب پر اثر انداز نہیں ہو سکی اور میں انہیں چھیڑے بغیر، اپنی
چائے کی پیالی لے کر سلطان شاہ کے ساتھ اس کی خواب گاہ میں
گھس گیا۔

"کیا بات ہے؟ تم نے ظفر کو ویرا کے ساتھ اکیلا کیوں چھوڑا
ہوا ہے؟" میرے بیٹھتے ہی سلطان شاہ نے مجھے اشتباہ آمیز نظروں
سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"ان دونوں میں سے کوئی بھی نابالغ یا بے وقوف نہیں ہے
اس لیے میں نے کباب میں ہڈی بننے کے بجائے وہاں سے اٹھ جانا
ہی مناسب سمجھا۔ جب باتوں سے دل بھر جائے گا تو ان میں سے
کوئی خود ہی ہمیں آواز دے لے گا" میں نے اس کے بستر پر پاؤں
پسار کر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"عمر کے اعتبار سے شاید ظفر، ویرا سے بڑا ہو لیکن وہ بہت
شاطر اور مکار عورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ظفر کو کوئی الٹی پٹی
پڑھا دے۔ تمہیں وہاں سے نہیں اٹھنا چاہیے تھا" سلطان شاہ کا
لہجہ ملامت آمیز تھا۔

"اگر کوئی خود ہی الٹی پٹی پڑھنا چاہے تو اسے کون روک سکتا
ہے؟" میں نے کہا۔

"وہ ایس ٹی ایف کا ایک اہم افسر ہے۔ اسے کسی جال سے
بچائے رکھنا ہمارا فرض بنتا ہے۔"

"صرف اسی وقت جب وہ بے خبر ہو۔ ویرا کے بارے میں وہ
ہر بات سے باخبر ہے۔"

"وہ کم بخت مردوں کو رجھانے کے فن میں یکتا ہے۔ ہونٹوں،
آنکھوں اور اشاروں تک سے کام لینا جانتی ہے" سلطان شاہ
بڑبڑاتے ہوئے بولا "ایسا نہ ہو کہ وہ ظفر سے کوئی اہم راز
اگلوا لے۔"

میں دھیمے سے ہنس دیا "بہت ریسرچ کی ہے تم نے ویرا پر.....
ویسے تم فکر نہ کرو۔ وہ آج واپس جا رہی ہے اس لیے ظفر کو کوئی
شدید نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ باتوں سے اس کا اخلاق زیادہ نہیں
بگڑے گا۔"

تھوڑی دیر بعد ویرا نے ہی مجھے آواز دینے میں پہل کی اور میں
ہنستا ہوا وہاں پہنچ گیا۔

"ابتدا میں پیدا ہونے والی بدترین غلط فہمیوں اور تلخیوں کے
بعد یہ دوستی بڑی مبارک ہے" میں نے ان دونوں کے درمیان پائی
جانے والی دوستانہ گرم جوشی پر کہا "امید ہے کہ اب کرنل جیسی
جونز اور اس کے دست راست سے آشنائی کے مسائل طے ہو چکے
ہوں گے۔"

"ہم اس تلخی کو بھول چکے ہیں" ظفر نے خوش دلی کے ساتھ
کہا "ابھی تم ذکر نہ کرتے تو مجھے یاد بھی نہ آتا کہ ویرا سے میری کوئی
جھڑپ ہوئی تھی۔ اپنی پیشہ ورانہ مجبوریوں سے قطع نظر یہ اندر سے

بہت سیدھی، سادی اور معصوم لڑکی ہے جسے آج تک کوئی سچا ہمدرد نہیں مل سکا۔"

ظفر کی سنجیدگی پر میرا دل چاہا کہ میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ لوں۔ آخر کار وہی ہوا تھا جس کا سلطان شاہ کو اندیشہ تھا۔ ویرا مجھ سے نگاہیں چرائے زیرلب مسکرا رہی تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ اس سنگین دوراہے پر ویرا سے تمہاری ملاقات ہوگئی" میں نے جلے بھنے لہجے میں کہا "اب اپنا سوئمبر کب رچا رہے ہو؟"

"ویرا کا یہی خیال تھا کہ تم اس بدلی ہوئی صورت حال کو آسانی کے ساتھ قبول نہیں کر سکو گے" ظفر نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا "ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر ہماری دوستی کوئی اور رخ اختیار کر لے لیکن ہماری پہلی ملاقات پر ایسی جلی کٹی باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ تم ویسے بھی غزالہ سے محبت کا دم بھرتے ہو۔ تمہیں کسی اور عورت کو اپنا دست نگر بنائے رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

وہ صورت حال اس قدر مضحکہ خیز تھی کہ خود ویرا پر بری طرح ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ جسے وہ مسلسل کھانسی میں چھپانے کی کوشش کرتی ہوئی غسل خانے کی طرف بھاگ گئی۔

"تمہیں کیا ہوگیا ہے؟" ویرا کے دفع ہوجانے پر میں نے سرگوشیانہ لہجے میں ظفر کو ڈانٹا "تمہیں معلوم ہے کہ وہ ایک آوارہ اور بدچلن عورت ہے۔ تم تو اس کی بوگوٹا کی کہانیوں سے بھی واقف ہو۔ پھر اس کے دام میں آگئے؟ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔"

"پتا نہیں تم کیا سمجھ رہے ہو" ظفر بدستور سنجیدہ تھا۔ "میری اور ویرا کی ذرا سی دوستی کو تم افسانہ کیوں بنا رہے ہو؟ میں کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں جسے تمہاری رہنمائی کی ضرورت ہو۔"

"ٹھیک ہے!" سلطان شاہ بگڑ کر مجھ سے بولا "بلاوجہ بدمزگی پیدا نہ کرو۔ ظفر کو بھی اپنے برے بھلے کا اندازہ ہے۔ ہم کو اپنی حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔"

"سب بھاڑ میں جائیں" میں نے دل ہی دل میں کہا پھر ظفر سے بولا "معاف کرنا، میں ضرورت سے زیادہ حساس ہوگیا تھا۔ جس میں شاید میری تنگ نظری کا دخل تھا۔"

"کوئی بات نہیں" ظفر نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے صوفے پر اپنے قریب ہی بٹھا لیا اور نرمی سے بولا "میں نے کبھی ویرا سے پینگیں بڑھانے کا فیصلہ کیا تو تم سے ضرور مشورہ کروں گا۔ فی الحال مجھے کسی مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے ذاتی معاملات کو ویسے بھی خود ہی طے کرنے کا عادی ہوں۔"

اسی وقت ویرا غسل خانے سے واپس آگئی۔ ہنسی روکنے کی کوششوں کی وجہ سے اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے مگر وہ بدستور کھانسنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولی "کھانسی کی وجہ سے بہت برا پھندا لگا تھا۔ ابھی تک گلے میں خراشیں پڑی ہوئی ہیں۔"

"کچھ دیر خاموش رہو گی تو خراشیں دور ہوجائیں گی" سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اب تو ویسے بھی میری روانگی کا وقت ہو رہا ہے" ویرا نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے شرارت آمیز لہجے میں بولی "راستے میں کوئی ڈراپس لے لوں گی۔"

"پھر تیاری کر لو۔ میں ہی تمہیں ائرپورٹ پر چھوڑ دوں گا" ظفر نے پیش کش کی "سلطان شاہ زخمی ہے۔ ڈینی کے لیے بھی آج رات نہ نکلنا مناسب ہوگا۔"

سلطان شاہ نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے اپنا سر جھکا لیا۔

"مجھے کیا تیاری کرنی ہے؟ پرس اٹھاؤں گی اور چل دوں گی" ویرا ظفر سے نظریں بچا کر مجھے آنکھ مارتے ہوئے بولی "ہاں کراچی سے آگے کے سفر کے لیے تیاریوں کی ضرورت پیش آئے گی۔"

"یہ خیال رکھنا کہ تم اپنا پستول جہاز پر نہیں لے جا سکو گی" ظفر نے اسے یاد دلایا۔

ویرا نے اپنا ننھا سا پستول اپنے پرس سے نکال کر میری طرف اچھال دیا۔

ظفر اپنی جگہ سے اٹھا تو سب ہی سنجیدہ ہوگئے۔ ویرا ہم سب سے رخصت ہو کر ایک بہت بڑے مشن پر جا رہی تھی۔ وہ کوئی سرکاری مشن نہیں تھا، بس ہم سب کی مخلصانہ کوششوں کا ثمر تھا۔ ہمیں اپنے ملک کی بڑھتی ہوئی ایٹمی استعداد کے خلاف ایک بھیانک بین الاقوامی سازش کا سراغ مل گیا تھا۔ جس کے تحت ایران سے سڑک کے راستے آنے والے ایٹمی سازوسامان اور حساس ترین آلات کی چھ سو ٹن وزنی کھیپ کو ایک خلائی اشارے کے ذریعے تباہ کیا جانا تھا۔ ویرا کا مشن اتنا تھا کہ خلائی اشارے حرکت میں آنے والے ہولناک بارودی ذخیرے پر مشتمل ہیٹ ایکس چینجر کو پوری کھیپ سے الگ کر کے تباہ کرا دے تاکہ بھیانک تباہی کا سرچشمہ ختم ہونے کے ساتھ ہی بقیہ سازوسامان کسی خطرے کے بغیر پاکستان پہنچ جائے۔

ویرا نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا کہ اسے ایران سے پاکستان واپس لوٹنے کا موقع ملا تو وہ ایک بار پھر ہم سے ملے گی۔ غزالہ کے بارے میں وہ اداس اور شرمندہ تھی لیکن جو کچھ ہو رہا تھا، وہ اس کے اختیار سے باہر تھا مگر میں دل ہی دل میں جانتا تھا کہ اگر ویرا نے غزالہ کی واپسی کے معاملے میں گہری دلچسپی نہ لی ہوتی تو اسے نئی دہلی میں، شری مان سنگھ کے آقاؤں کے چنگل سے نکلنا دشوار نہیں ناممکن تھا۔ اور اب بھی کوانگ فو کی دلچسپی کی وجہ سے امید کی روشنی برقرار تھی۔

وہ سلطان شاہ کی طرف بڑھی تو وہ بوکھلا کر "ارے ارے" کرتا ہی رہ گیا اور ویرا پوری قوت سے اس کے ساتھ بغل گیر ہوگئی۔

دونوں کا باہمی مذاق تھا لیکن میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ ویرا
بے تکلفی ظفر کو اچھی نہیں لگی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا
سلطان شاہ کے تازہ زخموں کے حوالے سے ویرا کو فوراً ہی اُس
سے الگ کر دیا۔ سلطان شاہ ہانپتا ہوا صوفے پر گر گیا اور ویرا
کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

چند منٹ کی جذباتی گفتگو کے بعد ویرا' ظفر کے ساتھ فلیٹ سے
روانہ ہو گئی۔ اس کے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے' مجھے اپنا وجود
بے حد خالی خالی سا محسوس ہو رہا تھا۔

ویرا لاکھ آوارہ' بدمعاش' عیار' مکار اور چالباز سہی لیکن یہ
اس کے اخلاق کا ایک بھرپور پہلو تھا کہ وہ جس سے بھی خلوص سے
ملتی تھی' اسے اپنا گرویدہ بنا لیتی تھی۔ وہ میری کچھ بھی نہیں لگتی تھی
بلکہ کئی بار ایسا بھی ہو چکا تھا کہ وہ میرے خون کی پیاسی ہو گئی تھی اور
شب و روز اس کی گھات میں رہنے لگا تھا لیکن ہر بار جب بھی
اس نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو سچے دل کے ساتھ پرانی رنجشوں کو
بھلا کر دوستی کا حق ادا کر دیا۔

ویرا کے بارے میں ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ جب بھی مجھ
سے مل بیٹھنے میں کامیاب ہوئی' اس نے مجھ پر پوری طرح اعتماد
کرتے ہوئے اپنے تفصیلی حالات سے باخبر رکھا جب کہ میں نے
کبھی بھی اسے ضرورت سے زیادہ اعتماد میں نہیں لیا۔ اس میں بھی
چاہوں گا کہ میں نے اپنی مصلحتوں کی بنا پر اصل واقعات کو توڑ
جوڑ کر پیش کیا اور ویرا اپنے قیاسات کے باوجود میری ہر بات پر
اظہار یقین کرتی رہی۔

آخری مرحلے پر شری مان سنگھ کے بارے میں بھی ایسی ہی
صورت حال درپیش تھی۔ غزالہ کی واپسی کے بارے میں اس سے
پہلے میرے مذاکرات چل رہے تھے۔ میں غلام رسول کی واپسی
کی شرط بھی پوری کر چکا تھا مگر وہ مجھے پوری طرح پھانسنے پر تلا ہوا تھا
اسی لیے اس نے ملّا سرکار کے بارے میں سراغ لگانے کا کام بھی
مجھے سونپ دیا تھا اور مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے بعد وہ غزالہ کو
میرے حوالے کر دے گا۔ میں نے اس بارے میں کچھ بتائے بغیر
ویرا کو شری مان سنگھ کے پیچھے لگایا تو اس کے نتیجے میں غزالہ ان
لوگوں کے چنگل سے تو رہا ہو گئی مگر ہانگ کانگ میں جا پھنسی تھی
اور ہانگ کانگ فوراً اس کی رہائی کے لیے کوشاں تھا۔

ویرا نے شری مان سنگھ پر یہ تاثر برقرار رکھا تھا کہ وہ میری
جانی دشمن ہے اور مجھے زک پہنچانے کے لیے ہی غزالہ کو اپنے
قبضے میں لینا چاہتی ہے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ اب میں اپنی شرط
منوانے کے حوالے سے شری مان سنگھ کو کرید کر دیکھوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔

"یہ واقعی بہت دلچسپ صورتِ حال ہے" سلطان شاہ نے
میری تجویز سن کر کہا "دیکھنا چاہیے کہ شری مان سنگھ اب غزالہ
کے بارے میں کیا قلابازی کھاتا ہے؟"

ویرا سے شری مان سنگھ کا ڈائریکٹ نمبر لے چکا تھا لیکن
اسے کوئی شبہ کا موقع نہ دینے کے خیال سے میں نے پرانے نمبر پر
ہی فون ملایا اور آپریٹر نے فوری طور پر میری کال شری مان سنگھ کی
سیکریٹری کو منتقل کر دی۔ اس نے مجھے بتایا کہ شری مان اس وقت
مصروفیت کی وجہ سے فون پر بات کرنے سے قاصر تھا۔

"یہ ایک اہم کال ہے۔ میرا نام ڈینی ہے' ہو سکتا ہے کہ مجھے
دوسری کال کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ اس وقت میری بات ہونی
بہت ضروری ہے" میں نے اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے کہا۔

وہ مجھے لائن ہولڈ کرا کے غائب ہو گئی اور میں نے وقت گزاری
کے لیے سگریٹ سلگا لی۔

خاصے طویل تعطل کے بعد شری مان سنگھ کی آواز سنائی دی تو
وہ خاصی خشمناک تھی "کہو! ایسی کیا مصیبت آپڑی ہے کہ اس
وقت بات کرنی ضروری تھی۔"

"لہجہ سنبھال کر بات کرو' شری مان سنگھ جی!" میں نے خشک
لہجے میں کہا "میں تمہارا کوئی ادنیٰ ماتحت یا ذاتی ملازم نہیں ہوں جو تم
اس قدر تحقیر آمیز لہجے میں بات کر رہے ہو۔"

"اوہ! معاف کیجئے مہاراج! مجھے شما کیجئے اور یہ فرمایئے کہ اس
وقت کیسے زحمت کی ہے؟" اس کی بھنائی ہوئی آواز ابھری "تم سمجھ
ہی نہیں سکتے کہ ایک ذمے دار افسر کی مصروفیات کتنی پیچیدہ اور
الجھی ہوئی ہوتی ہیں۔ تمہارے دماغ پر بس اپنی اہمیت منوانے کا
بھوت سوار ہے۔ اب جلدی بتاؤ کہ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں نے اپنا کام پورا کر لیا ہے" اسے ذہنی جھٹکا دینے کے
لیے میں نے اپنے پروگرام سے انحراف کرتے ہوئے سپاٹ لہجے
میں کہا "وقت ہو تو بات کر لو ورنہ اگلے ہفتے کا کوئی وقت دے دو۔"

"او ہو" اس کی بھونڈی سی ہنسی گونجی "تو یوں کہو نا کہ اصلی
معاملے کی بات ہے۔ اس کے لیے تو میں اپنے ہزار کام بھی پیچھے
چھوڑ سکتا ہوں' کہو' کیا خبریں ہیں۔"

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا تھا کہ میں نے اپنا اور تمہارا وقت برباد
کرنے کے لیے فون کیا ہوگا؟" میں نے اس کے سوال کو یکسر
نظرانداز کرتے ہوئے چنچلی کے ساتھ سوال کیا "آدمی جن لوگوں
کے ساتھ کام کرتا ہے ان کے تھوڑے بہت نخرے بھی اٹھاتا ہے
لیکن تم تو افلاطون سے بھی کئی قدم آگے بڑھ گئے ہو۔"

"چلو' میں مانے لیتا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میرا خیال تھا
کہ تم نے غزالہ کی واپسی کا پروگرام جاننے کے لیے فون کیا ہوگا؟"
اس نے اپنی صفائی کی کوشش میں مجھے خود ہی ایک سنہرا موقع فراہم
کر دیا۔

"غزالہ کی واپسی تمہارے لیے غیر اہم ہو سکتی ہے لیکن میرے
لیے وہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ بہتر ہوگا کہ ہم پہلے اسی کے
بارے میں بات کر لیں۔ وہ اس وقت کہاں اور کس حال میں ہے؟"

"وہ ابھی تک واپس نہیں آسکی۔ تم مجھے اپنے کام کے بارے
میں بتاؤ' غزالہ کے بارے میں ہم شام کو بات کر سکتے ہیں۔"

"اب یہ نہیں ہو سکے گا' شری مان جی!" میں نے چبھتے ہوئے
لہجے میں کہا "پچھلے معاملے میں تمہاری زبان پر بھروسا کر کے میں

مار کھا چکا ہوں۔ اب میں ہوشیار ہو گیا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ وہ اب تک واپس کیوں نہیں آسکی؟"

"اس کی واپسی سے تمہارا ہی نہیں، میرا مستقبل بھی وابستہ ہے" اس کا لہجہ قدرے تیز ہو گیا "اگر غزالہ ہمارے پاس ہے تو رجنی تمہاری تحویل میں ہے۔ ان دونوں کا تبادلہ ایک ساتھ ہی ہو گا۔ دیکھا جائے تو اب تمہارے کام کا غزالہ کی واپسی سے اتنا گہرا تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ تم نے اپنی رپورٹ مجھے دے دی تب بھی میں جلد از جلد غزالہ کو تمہارے حوالے کرنے کی کوشش کروں گا تاکہ رجنی میرے گھر واپس آسکے۔"

"رجنی سے تمہاری محبت باسی کڑھی کا ابال ہے" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "پہلے تمہیں اس سے اتنی نفرت تھی کہ تم اسے قتل کروانا چاہتے تھے اور اب اس کی محبت کا دم بھر رہے ہو۔ تمہارے ان متضاد جذبات میں سے سچ کو ڈھونڈ نکالنا آسان کام نہیں ہے جبکہ میرے لیے غزالہ ہمیشہ سے سب کچھ ہے۔ تم اپنے پیشہ ورانہ مفادات کے لیے رجنی کی بھینٹ دے سکتے ہو مگر میں ایک لمحے کے لیے بھی غزالہ کو نہیں بھول سکتا اس لیے تمہارے کام کی بات اسی وقت ہو سکے گی جب مجھے غزالہ کی واپسی کا سو فیصد یقین ہو۔"

"میں تمہیں اپنی مجبوریوں سے پہلے ہی آگاہ کر چکا ہوں۔" میرے لہجے کی تختی پر وہ یک بیک نرم پڑ گیا۔ "اب وہ دہلی والوں کے رحم و کرم پر ہے۔ وہ لوگ ہماری مجبوریاں نہیں سمجھتے۔ ہر وقت سرخ فیتے کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ غزالہ کو ایک آدھ روز میں بیکانیر پہنچا دیا جائے گا۔ میدان صاف ملتے ہی اسے کسی بھی وقت سرحد پار کرا کے یہاں لے آیا جائے گا۔ اس بارے میں تم کو میری یقین دہانی پر اعتماد کرنا چاہیے۔"

وہ خبیث نہایت ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ بولے جا رہا تھا۔ میرے سامنے کی بات تھی کہ اس نے ورما کے مطالبے پر غزالہ کو ہانگ کانگ بھجوا دیا تھا لیکن وہ مجھے یہی یقین دلانے کی کوششیں کر رہا تھا کہ غزالہ بدستور نئی دہلی میں قید تھی۔ میرا دل چاہا کہ اسی وقت اس کے جھوٹ کا بھانڈا پھوڑ دوں لیکن میں نے ضبط سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے پوری طرح گھیرنے سے پہلے میں بات کھول دیتا تو وہ مکار کوئی قلابازی کھا سکتا تھا۔

"تو کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ غزالہ ابھی تک نئی دہلی میں پھنسی ہوئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں اس وقت کی بات تو نہیں کرتا لیکن پچھلی رات میری فون پر بات ہوئی تھی۔ ایک بجے رات کو وہ نئی دہلی ہی میں تھی۔ بعد کی خبر آج کسی وقت فون کر کے لوں گا۔" اس نے سفید جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

وہ اس کے گرد پھیلائے جانے والے جال کا پہلا مضبوط پھندا تھا۔ وہ رات کے ایک بجے غزالہ کی نئی دہلی میں موجودگی کی اطلاع دے رہا تھا جب کہ وہ اس سے بہت پہلے ہانگ کانگ پہنچا... تھی۔

"تم غزالہ کے بارے میں خبریں لیتے رہو۔ میں کل ک... تمہیں فون کروں گا۔"

"آخر تم میری نیت پر بھروسا کیوں نہیں کرتے؟" اس... زچ آکر بے بسی سے کہا۔

"بات تمہاری نیت کی نہیں، میرے اپنے حالات کی... میں چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہوں اور ہر ایک... معلوم ہے کہ غزالہ میری بہت بڑی کمزوری ہے۔ اگر وہ تمہارے ہاتھوں سے نکل کر کسی اور کی تحویل میں چلی گئی تو میں کہیں کا... رہوں گا۔ تمہیں مستعدی کے ساتھ غزالہ کی واپسی کے... لگائے رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ میں تمہیں آخر تک... تحقیقات کی ہوا نہ لگنے دوں۔"

"تم مجھ پر مسلسل رکیک حملے کیے جا رہے ہو!" اس... احتجاج کیا۔ "پہلے رجنی کے ساتھ میری دلی محبت پر شبہ ظاہر کیا... اب ہمیں بالکل ہی بزدل اور بودا کہہ رہے ہو۔"

"میں نے تمہیں کب بزدل یا بودا کہا؟" میں نے انجان... حیرت سے سوال کیا۔

"تمہارا مقصد یہی تھا۔" اس نے اصرار کیا۔ "تم ہمیں... قابل بھی نہیں سمجھتے کہ ہم اپنے ایک قیدی کو حفاظت کے... اپنی تحویل میں رکھ سکیں۔ ہمارے قبضے سے کسی کو نکال لے... بچوں کا کھیل نہیں ہے۔"

"مجھے اپنے ذرائع سے ملنے والی خبروں پر اعتماد کرنا پڑتا ہے... وہ خبریں تشویشناک ہیں۔"

"تمہارے آدمی تمہیں گمراہ کرتے ہیں۔ تمہاری نظروں... اپنی وقعت بڑھانے کے لیے وہ پہلے ایسی حوصلہ شکن خبریں د... پھر تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے ساری رکاوٹوں کو دور کر... غزالہ کی طرف پیش قدمی کرنے والوں کو مار بھگایا ہے۔ جب... درحقیقت کچھ بھی نہیں ہو گا۔ ایسی کہانیاں بیمار ماتحتوں کے... کی پیداوار ہوتی ہیں۔ ایسے بھیانک آسیب ان ہی کی کھوپڑیوں... پیدا اور دفن ہوتے رہتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ غزالہ کو کوئی... نہیں ہے اور وہ بہت زیادہ محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ ہم دنیا کی... اس خطے کی سپر پاور ضرور ہیں اور اپنے مفادات کی حفاظت جانتے ہیں۔ تمہیں اس بارے میں ذرا بھی فکر نہیں... چاہیے۔۔۔۔"

"تمہارا دل رکھنے کے لیے میں ان باتوں کو مان لیتا ہوں... اپنی رپورٹ اسی وقت دے سکوں گا جب میں اپنی نظروں... غزالہ کو تمہارے ساتھ دیکھ لوں گا۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"تم پرلے درجے کے ضدی اور ہٹ دھرم معلوم... ہو۔" شری مان سنگھ کی آواز سے بے بسی عیاں تھی۔ "تمہارا...

تو مجھے صرف اتنا ہی بتا دو کہ وہ زندہ ہے یا سورگ باش ہو چکا ہے؟"
"یہی تو اصل نکتہ ہے۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "اب تم مجھے زیادہ مجبور نہ کرو ورنہ میں اپنے شبہات کھول کر بیان کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ اس مرحلے پر میں کسی تلخی کو ہوا نہیں دینا چاہتا۔"

"بار بار ڈھکے چھپے اشارے کرنے سے تو بہتر ہے کہ تم ایک بار کھل کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لو۔" اس بار شری مان سنگھ نے غالباً تنگ کر کہا تھا۔ "تاکہ میں بھی ایک بار ہی جواب دے سکوں۔"

"تم مجھ سے مسلسل جھوٹ بول رہے ہو!" میں نے تیز اور غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم کسی اور سے سودا کر کے غزالہ کو ہانگ کانگ بھیج چکے ہو۔ میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔"

میرے الفاظ پر دوسری جانب کئی سیکنڈ تک سناٹا چھایا رہا۔ ریسیور میں بس شری مان سنگھ کے تیز تیز سانسوں کی آوازیں آتی رہیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے میرے بے لاگ الفاظ نے اس کے سینے پر کسی مضبوط مکے جیسی ضرب لگا کر اسے بالکل نڈھال کر دیا ہو۔

"یہ بالکل بے بنیاد اور شرمناک الزام ہے۔" آخر کار لائن پر اس کی تھکی ہوئی احتجاجی آواز ابھری۔

"تم اب مجھے مزید دھوکا نہیں دے سکتے۔" غصے میں اضطراری طور پر میری آواز خاصی بلند ہو گئی۔ "کہو تو میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ مس ترپاٹھی اور مسٹر ترپاٹھی نے ہانگ کانگ کے کس ہوٹل میں قیام کیا تھا..."

فون پر گونجنے والے، اس کے نیم ہذیانی قہقہے نے مجھے اپنی بات ادھوری چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ میں حیران تھا کہ میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی کہ وہ اپنی شرمناک شکست کو بھول کر قہقہے لگانے پر مجبور ہو گیا ہے۔

آخر اس کی ہنسی کچھ کم ہوئی تو اس نے اسی دوران میں رک رک کر کہا۔ "ہانگ کانگ کا ذکر کر کے تم نے تو میرا دم ہی نکال دیا تھا۔ اب میں سمجھا کہ تم مسٹر اور مس ترپاٹھی والے مذاق کا نشانہ بن گئے ہو۔"

"مذاق؟ تم ہوش میں تو ہو؟ یہ مذاق نہیں، مصدقہ اطلاعات ہیں۔" میں نے غراتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں، مجھے معلوم ہے!" شری مان سنگھ کا لب و لہجہ ایک بار پھر پُراعتماد اور بے پروایانہ ہو گیا۔ "اب تم ذکر چھیڑ ہی بیٹھے ہو تو سنو کہ تمہارے بعض دشمن واقعی منہ مانگے داموں پر غزالہ کو خریدنا چاہتے ہیں۔ ہم نے ایک ایسی ہی پارٹی کے بڑھتے ہوئے دباؤ سے تنگ آ کر ایک ہندوستانی لڑکی کو غزالہ کی جگہ ہانگ کانگ بھیج دیا ہے۔ مس ترپاٹھی کے نام سے سفر کرنے والی لڑکی غزالہ نہیں، لکھنؤ کی شکنتلا دیوی ہے۔ ان لوگوں نے غزالہ کو کبھی دیکھا نہیں

اس لیے وہ دھوکا کھا جائیں گے۔ اصل غزالہ بدستور نئی دہلی میں آرام کر رہی ہے۔"

میں نے اپنی دانست میں اس پر کاری وار کیا تھا لیکن اس کے جوابی انکشاف نے میرے اوسان خطا کر دیے۔ میرے معدے کے دہانے میں یک بیک اینٹھن شروع ہو گئی۔ پیٹ میں درد انگیز گرہیں پڑنے لگیں اور پشت میں پسلیوں سے سرایت کرتا ہوا اعصابی درد پیٹھ کو پھاڑنے لگا۔

میرے لیے وہ ایک مہیب صورت حال تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کھڑی ڈھلان پر پوری رفتار سے کسی نشیبی دریا کی طرف دوڑتے دوڑتے اچانک ہی آگ کا دریا سامنے آ گیا ہو جہاں رکنا آسان تھا نہ آگ میں کود پڑنا ممکن تھا۔ میرا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ شری مان سنگھ فون پر مسلسل بولے جا رہا تھا لیکن اس کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ آخر میں نے اضطراری طور پر فون بند ہی کر دیا۔

پتا نہیں وہ شری مان سنگھ کی کوئی چال تھی یا وہ واقعی سچ بول رہا تھا لیکن اس نے مجھے ذہنی انتشار کے ہولناک جہنم میں ضرور جھونک دیا تھا۔ حقیقت اور فریب ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو کر اس قدر دھندلا گئے تھے کہ کسی ایک پر یقین کرنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ویرا سے لے کر کوانگ فو تک، سب ہی ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ ویرا کا منہ بولا باپ جس لڑکی کی آزادی کو اپنی انا کا مسئلہ بنائے ہانگ کانگ کے ایک ہوٹل میں ڈیرے ڈالے بیٹھا تھا، وہ لڑکی دھوکے کی ٹٹی کی سوا کچھ بھی نہیں تھی۔

ہانگ کانگ میں کوانگ فو جھک مار رہا تھا، ویرا ایک اہم ترین مشن پر روانہ ہو چکی تھی اور میں ویرا کی سودے بازی پر حد سے بڑھے ہوئے اعتماد کی وجہ سے شری مان سنگھ سے خاصا بگاڑ پیدا کر چکا تھا۔ جب کہ غزالہ اسی مردود کے ساتھیوں کی قید میں تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ پر پیچ گتھی کیسے سلجھ سکے گی۔

سلطان شاہ کچھ دیر تک دور بیٹھا میری حرکات و سکنات کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ پھر جب میں نے اپنے جسم کے مختلف حصوں میں اٹھنے والی درد کی ٹیسوں سے بوکھلا کر صوفے پر نیم دراز ہوا تو وہ نرمی سے میرے قریب آ بیٹھا۔

"تم اپنے دل پر اثر نہ لو!" اس نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "شری مان سنگھ ایک سیکرٹ ایجنٹ ہی نہیں، منجھا ہوا سفارت کار بھی ہے۔ تمہاری زبان سے ہانگ کانگ کا حوالہ سن کر اسے چپ لگ گئی تھی۔ ترپاٹھی کے نام پر اسے ایک راہ سوجھ گئی اور اس نے پینترا بدل دیا.... تم خود غور کرو کہ اگر اس کی کہانی میں ذرا سی بھی حقیقت ہوتی تو ترپاٹھیوں سے پہلے ہانگ کانگ کا ذکر کرتے

ہی اسے کھل جانا چاہیے تھا۔ اس نے ہاری ہوئی بازی جیتنے لی ایک چال چلی اور تم اس کے داؤ میں پھنس گئے۔ اگر تم اضطراری رد عمل کا شکار نہ ہو گئے ہوتے تو وہ تمہاری جرح کے جواب میں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا تھا۔"

"لیکن اس کی باتیں بہت اہم تھیں۔ اس نے کھل کر کہا تھا کہ ان لوگوں نے غزالہ کو نہیں دیکھا اس لیے وہ دھوکا کھا جائیں گے۔ ویرا کراچی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ہانگ کانگ میں جو لوگ غزالہ کی دیکھ بھال کے ذمے دار تھے انہیں تو بس شنگریلا کے کمرا نمبر آٹھ سو بیس میں ٹھہری ہوئی مس ترپاٹھی تک پہنچنا تھا۔ اس سے آگے وہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے کبھی غزالہ کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ یہ بات شری مان سنگھ اچھی طرح جانتا تھا۔"

"یہ ایک اتفاق بھی ہو سکتا ہے کہ شری مان سنگھ کا تکا لگ گیا ہو۔ تم نے سنا نہیں تھا کہ ویرا سے بات کرتے ہوئے اس کے لب و لہجے سے کس قدر خوشامد اور غرض مندی جھلک رہی تھی۔ وہ ویرا کے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کرنے کی جرأت ہی نہیں کر سکتا تھا۔ ویرا نے اسے بتا دیا تھا کہ اس کے آدمی غزالہ کو بلا تاخیر کراچی لائیں گے۔ اگر وہ کوئی اور لڑکی نکلتی تو چند ہی گھنٹوں میں شری مان سنگھ کے فریب کا پردہ چاک ہو جاتا اور ویرا ہمیشہ کے لیے اس کی دشمن ہو جاتی۔"

"اس کی باتوں سے میرا اعتماد پاش پاش ہو گیا ہے۔ اب میں اس وقت جھوٹ اور سچ میں تمیز کرنے کی صلاحیت سے یکسر محروم ہو چکا ہوں۔ وہ غزالہ بھی ہو سکتی ہے اور شکنتلا بھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اگر وہ شکنتلا ہی ہے تو کوانگ فو کو اسے اس کے حال پر چھوڑ کر مکاؤ لوٹ جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لڑکی رہا ہوتے ہی کوانگ فو کے خلاف کوئی ہنگامہ کھڑا کر دے۔" میں نے کہا۔

"تم چاہو تو میں ابھی ایئرپورٹ جا کر ویرا کو واپس لا سکتا ہوں۔" سلطان شاہ نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "فلائٹ کے چکر میں وہ جلدی چلی گئی ہے ورنہ اس کی پرواز میں ابھی کافی وقت باقی ہے۔ یہ گتھی سلجھانے کے بعد وہ کل صبح بھی کوئٹہ کے لیے روانہ ہو سکتی ہے۔"

"نہیں!" میں نے سختی سے اسے منع کر دیا۔ "بلیو کراس ڈیل اس وقت سب سے اہم ہے۔ ویرا نے پہلی بار کسی بڑے کام کا بیڑا اٹھایا ہے، اسے وقت پر ہو جانا چاہیے۔ اگر مال بردار کارواں خلائی سیارے کی رینج سے باہر نکل گیا تو دنیا کی کوئی طاقت بعد میں آنے والی بڑی تباہی کو نہیں ٹال سکے گی۔ ویرا کے مشن سے چھ سو ٹن کی کھیپ ہی نہیں، موجود ایٹمی تنصیبات کا مستقبل بھی وابستہ ہے۔"

"پھر تم ہی کوئی راہ نکالو۔ الجھے ہوئے معاملات میں میرا ذہن کام نہیں کرتا۔ اتنے معمولی سے جھٹکے پر تم یوں پڑ گئے تو ہم چند روز بھی اپنی مرضی سے زندہ نہیں رہ سکیں گے۔"

"اس کے الفاظ سنتے ہی میرے جسم کے مختلف حصوں میں خود بخود اینٹھن اور درد کی لہریں پیدا ہونے لگی تھیں۔"

میں نے بے چارگی کے ساتھ کہا۔ "اس میں میری سوچ یا ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "ہمت سے کام لو اور اٹھنے کی کوشش کرو۔ تم نے جس طرح فون بند کیا ہے اس پر شری مان سنگھ کو دلی مسرت ہوئی ہو گی۔"

"میرے لیے ایک کپ کافی تیار کرو پھر دیکھتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے۔" میں نے لیٹے لیٹے سگریٹ سلگانے کے بعد کہا اور وہ نہایت سعادت مندانہ انداز میں سر جھکا کر کچن کی طرف چلا گیا۔

آہستہ آہستہ میرا ذہن سوچنے کے قابل ہوا تو میں نے اس معاملے پر از سر نو غور شروع کیا۔

شری مان سنگھ کو جو زہر افشانی کرنی تھی، وہ کر چکا تھا۔ اس کے بارے میں اس سے کسی بھی بھلائی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی البتہ ہانگ کانگ یا مکاؤ والے اس معاملے میں مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔

میں نے اس بارے میں سلطان شاہ سے بھی مشورہ کیا اور پھر مکاؤ کے نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

کوانگ فو کے نمبر پر ابتدا میں وہی چوں چوں کی آواز سنائی دی اور ہم دونوں سانس روکے اس سگنیچر ٹون کے خاتمے کا انتظار کرتے رہے۔ اس کے خاتمے پر فوراً وہی مانوس چینی آواز سنائی دی جو ہم اس سے پہلے بھی اس نمبر سے سن چکے تھے۔

"میں تنویر بول رہا ہوں اور انگریزی میں کچھ اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ضرور بات کرو!" عورت نے انگریزی میں کہا۔ "لیکن میں اتنا ضرور بتا دوں کہ ہانگ کانگ میں صورتِ حال ابھی تک جوں کی توں ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔"

"تم نے تو کہا تھا کہ دوسروں کے ساتھ وہ لڑکی بھی پولیس کی تحویل میں ہے؟"

"وہ پولیس کی تحویل میں نہ ہوتی تو کب کی مکاؤ لائی جا چکی ہوتی۔"

"ہمارے لیے ایک بڑی الجھن پیدا ہو گئی ہے جسے تمہاری ذرا سی توجہ سے دور کیا جا سکتا ہے۔" اصل بات کرنے سے پہلے میں نے تمہید کا سہارا لینا ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔

"ہم ہر طرح تعاون کے لیے تیار ہیں۔ تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہمیں فوری طور پر مس ترپاٹھی کی ایک تازہ تصویر کی ضرورت ہے۔ اگر تم کسی طرح اس کی بلیک اینڈ وہائٹ تصویر حاصل

کر کے مجھے کراچی فیکس کرا سکو تو یہ مجھ پر بہت بڑا احسان ہو گا۔"

"کیوں؟" وہ میری اس عجیب و غریب فرمائش پر چونک پڑی۔ "اس مرحلے پر تمہیں اس کی تصویر کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔ کیا تمہیں اس کی اصلیت پر شبہ ہو رہا ہے؟"

وہ فوراً ہی معاملے کی تہ تک پہنچ گئی تھی اس لیے میں نے اپنی بات میں زور پیدا کرنے کی نیت سے کہا۔ "وہاں ڈان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس نے ہمیں پریشان کر دیا ہے۔ ہم نے اپنے اپنے طور پر چھان بین کی تو یہ امکان بھی سامنے آیا کہ کہیں نئی دہلی والوں نے لڑکی کو بدل نہ دیا ہو۔ یہ اُن کی کھلی بے ایمانی ہوتی جسے چھپانے کے لیے انہوں نے ہانگ کانگ سے لڑکی کی واپسی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کر دیں..."

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" دوسری طرف سے میری بات کاٹ کر کہا گیا۔ "لڑکی کا معاملہ ہوتا تو اسی کو ہر کارروائی کا ہدف بنایا جاتا لیکن ابھی تک ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی ہے۔ اسپیڈ بوٹ سے واقعی ایک چینی مجرم برآمد ہوا تھا اور اس کی وجہ سے سارا فتور پیدا ہوا ہے۔"

"پھر بھی ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مس ترپاٹھی وہی لڑکی ہے جس کا ہمیں انتظار ہے یا اسے بدل دیا گیا ہے۔ ہمیں فوری طور پر اس کی تصویر درکار ہے۔" میں نے اپنے مطالبے پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اس بارے میں اپنا وقت ضائع مت کرو۔" اس نے نرم لہجے میں مشورہ دیا۔ "اس مرحلے پر لڑکی کی تصویر بلاوجہ حاصل کرنی مشکل ہے۔ تم صبر اور سکون کے ساتھ ہماری طرف سے کسی اچھی خبر کے منتظر رہو۔ فون پر تم بلاوجہ اپنا وقت اور پیسہ برباد کر رہے ہو۔"

"تمہارے ہمدردانہ مشورے کا بہت بہت شکریہ۔ لیکن ہمارے لیے یہ کام بہت اہم ہے۔"

"ڈان کی منہ بولی بیٹی کہاں ہے؟ تم اس سے مشورہ کرو تو وہ تمہیں سمجھا سکے گی... کہیں ایسا تو نہیں کہ ویرا کی سہیلی تمہاری منگیتر یا محبوبہ ہو؟"

میں دل ہی دل میں اس کے قیاس کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا لیکن فون پر خشک لہجے میں بولا۔ "یہ لیلیٰ مجنوں کی کہانی نہیں بلکہ ایک نازک معاملہ ہے۔ میں اس وقت جو کچھ کر رہا ہوں، ویرا ہی کے ایما پر کر رہا ہوں۔ وہ اس وقت کسی کام سے دور گئی ہوئی ہے ورنہ وہ خود ہی تم کو فون کرتی۔"

"اسے بتا دو کہ ہانگ کانگ کی پولیس کا نظام بہت سخت ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو چین کی جڑ میں انگریز دس برس بھی سکون سے نہیں رہ سکتے تھے۔ جب تک وہ لڑکی پولیس کی تحویل میں ہے، پرندہ بھی اس کے لاک اپ میں پر نہیں مار سکتا۔ اس کی تصویر حاصل کرنے کے لیے تمہیں اس کی رہائی یا پھر عدالت میں پیشی کا انتظار کرنا ہو گا۔ اس سے پہلے لڑکی کی تصویر ملنی مشکل ہے۔"

"لڑکی تک رسائی ناممکن ہے تو پولیس ریکارڈ سے اس کا کوئی کلوز اپ اُڑایا جا سکتا ہے۔" میں نے ایک اور امکان کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا۔ "پولیس والے مجرموں کو گرفتار کرنے کے بعد اپنے ریکارڈ کے لیے ان کے فنگر پرنٹس کے ساتھ متعدد زاویوں سے تصاویر بھی بناتے ہیں..."

"ہم ان سب باتوں سے واقف ہیں۔" وہ میرے مسلسل اصرار سے چڑ سی گئی اور تنگ کر بولی۔ "میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ ڈان قانون سے لڑ کر نہیں بلکہ بچ کر چلنے کا عادی ہے۔ تمہاری فرمائش پر میں یا کوئی بھی اپنے کسی آدمی کو خطرے میں نہیں ڈالے گا، اس لیے تم لڑکی کی تصویر کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔ اگر تم اتنے ہی بے چین ہو تو میں تمہاری خواہش نوٹ کیے لیتی ہوں۔ ڈان سے رابطہ ہو گا تو اسے تمہاری خواہش سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ ویسے میں تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ ڈان نے خود مکاؤ سے باہر قدم نکال کر اپنی منہ بولی بیٹی کو بے پناہ عزت دی ہے ورنہ وہ کسی سے زیادہ بات کرنی بھی پسند نہیں کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری فرمائش پر کان نہیں دھرے گا۔"

"لیکن میں ویرا کی مرضی سے بلکہ اسی کی ہدایت پر تم سے بات کر رہا ہوں۔"

"میری حد تک یہ ٹھیک ہے لیکن ڈان بہت سختی کے ساتھ پروٹوکول پر چلتا ہے۔ ویرا کا کام پھنسا ہوا ہے تو اسے خود وقت نکال کر بات کرنی ہو گی۔ وہ مصروف ہے تو ڈان اس سے کہیں زیادہ مصروف رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی ایک بات پر مشتعل ہو کر ویرا سے ناراض ہو جائے۔ اب تم بتاؤ کہ کیا چاہتے ہو؟ جیسا تم کہو گے میں اسی کے مطابق عمل کروں گی۔"

"پھر بھول جاؤ کہ میں نے تمہیں فون کیا ہے۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "ویرا آئے گی تو وہ خود ہی اپنے معاملے کو سنبھال لے گی۔ مجھے دلالی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"یہ نشانہ بھی خطا ہو گیا۔" فون بند ہونے پر سلطان شاہ نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے مایوسی سے شانے اُچکا کر کہا۔ "اس کی باتوں میں وزن تھا۔ انگریز جہاں اپنے قدم جماتا ہے وہاں سب سے پہلے رشوت اور بدعنوانی کو ختم کرتا ہے تاکہ اپنے اقتدار کو طول دے سکے، جب وہ جانے لگتا ہے تو ان خرابیوں کو پروان چڑھانے لگتا ہے۔ وہ بلاوجہ ہی ہانگ کانگ پولیس کی شان میں قصیدے نہیں پڑھ رہی تھی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس صبر آزما انتظار کے علاوہ کوئی اور چارہ کار باقی نہیں رہا؟"

"بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے۔ کوانگ فو کی سیکریٹری نے بھی نرمی کے ساتھ یہ جتا دیا ہے کہ ویرا کے حوالے سے ڈان ہمیں زیادہ

نہیں دے گا اس لیے اب ہانگ کانگ سے کسی غیر معمولی تعاون کی امید بے سود ہے۔ ہمیں یہیں کوئی راہ نکالنی ہوگی۔"

"اسی وقت شری مان سنگھ نے ڈرامائی انداز میں ایک دھماکا کرکے تمہیں پریشان کر دیا تھا۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد سلطان شاہ نے کہا۔ "اب تم اس ذہنی صدمے سے بڑی حد تک سنبھل چکے ہو۔ کیوں نہ اسے ایک بار پھر فون کرکے کریدا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی کہانی میں زیادہ جان نہیں ہے۔ تم اسے تھوڑا سا بھی ہلاؤ جلاؤ گے تو اس کا جھوٹ کھل کر سامنے آجائے گا۔"

"میں بھی اسے فون کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "لیکن میری حکمتِ عملی کچھ اور ہی ہوگی۔ زہر کا توڑ زہر سے کیا جائے تو مؤثر رہتا ہے ورنہ کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔"

"کیا حکمتِ عملی سوچی ہے تم نے؟" سلطان شاہ نے اشتیاق آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"بس دیکھتے جاؤ' وہ اپنی باتوں سے خود ہی میری راہ بنائے گا۔" میں نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا اور کافی کی پیالی آخری گھونٹ میں خالی کرنے کے بعد فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

اس بار ماتحت عملے کے کسی حیلے بہانے کے بغیر شری مان سنگھ فون پر آگیا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم جلد ہی مجھ سے رابطہ کرو گے۔" اس کے لہجے میں دور دور تک طنز یا تلخی کا شائبہ نہیں تھا۔ "اس وقت تم نے میری پوری بات سنے بغیر فون کیوں بند کر دیا تھا۔"

"ہانگ کانگ میں موجود شکنتلا دیوی کو غزالہ سمجھ کر میں نے ایک بھاری جوا کھیلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں اس مد میں ایک خطیر رقم پیشگی دے بیٹھا ہوں۔ تم نے اس لڑکی کی اصلیت بتا کر مجھے بھونچکا کر دیا تھا۔ اب مجھے پیشگی رقم واپس ملنے کی کوئی امید نہیں ہے لیکن میں مزید نقصان سے ضرور بچ گیا ہوں۔"

"غیر متوقع باتیں سامنے آنے سے صدمہ تو ہوتا ہے۔" اس مکار کی آواز میں دوستانہ ہمدردی سمٹ آئی۔ "ساری خرابی یہ ہے کہ تم کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔ اگر تم ترپاٹھیوں والی کہانی کو اپنے دل میں پالنے کے بجائے براہِ راست مجھ سے پوچھ لیتے تو میں اسی وقت تمہیں اصلیت بتا دیتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں نے غزالہ کے بارے میں تم سے سودے بازی مکمل کر لی ہو اور اسے کسی اور کے حوالے کر دوں؟ آخر مجھے رجنی کی زندگی بھی عزیز ہے۔ تم میری طرف سے کتنے بھی بدگمان ہو جاؤ لیکن یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ میں رجنی کو واپس اپنی بانہوں میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہارے جذبات کو سمجھتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "موتی لال جیسے دوست نما بھیڑیے' رشتوں کی پروا کیے بغیر ہر عورت پر دانت رکھتے ہیں۔ ان کی چالبازیوں سے پارسا عورتیں بھی بہک جاتی ہیں لیکن میں تو یہ جانتا ہوں کہ چلتی ہوئی ندی کا پانی ہمیشہ پاک ہوتا ہے۔ اس میں دو چار مردار ڈھور ڈنگر گرنے سے پانی کی صفائی میں فرق نہیں پڑتا..."

"اب اس ذکر کو چھوڑو!" وہ میری میٹھی چٹکیوں پر تلملا کر بولا۔ "اصل بات پر آؤ۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ غزالہ نئی دہلی میں محفوظ ہے اور جلد از جلد کراچی آنے والی ہے لیکن میں اس کے انتظار میں بے کار نہیں بیٹھنا چاہتا۔ تم نے اگر کوئی کام کیا ہے تو مجھے اس کو آگے بڑھانا ہے۔"

"اس بارے میں ضد نہ کرو!" میں نے لجاجت سے کہا۔ "غزالہ آنے ہی والی ہے تو ایک دو روز صبر کر لو۔ یہ سمجھ لو کہ میں ابھی تک جھک مار رہا ہوں..."

"میرے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "ایسا ہی تھا تو تم مجھے کچھ نہ بتاتے اور میں تم پر بھروسا کیے بیٹھا رہتا۔ جان بوجھ کر انجان بنے رہنا میرے لیے ناممکن ہے۔ ہم لوگ تو انجان ہونے کے باوجود اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں اور کچھ نہ کچھ مار لیتے ہیں۔ تم مجھے الٹی پٹی پڑھا رہے ہو۔"

"تم مجھے حد سے زیادہ مجبور کر رہے ہو۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"یہ تمہارا خیال ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ وہ آدمی میرے لیے کتنا اہم ہے۔ تم نے کوئی اچھی خبر سنائی تو میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔ تمہارے اور غزالہ کے دن پھر جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "پھر شام کو کہیں مل لو۔"

"میرے دفتر کیوں نہیں آجاتے؟" اس نے نہایت معصومانہ انداز میں مجھے چوہے دان میں داخل ہونے کی دعوت دی۔

"تمہارے دفتر میں میرا پچھلا تجربہ بہت تلخ تھا۔ کسی سنتری کی کھوپڑی سنک گئی تو وہ مجھے ٹھنڈا ہی کر دے گا۔ میں باہر رہ کر ہی سکون سے بات کر سکوں گا۔"

"وہ زندہ تو ہے نا؟" شری مان سنگھ کی اضطراری آواز ابھری۔ مجھے تعاون پر آمادہ پا کر' اس کے ذہن میں سویا ہوا تجسس ایک مرتبہ پھر بیدار ہو گیا۔

"غزالہ جب تک گھر نہ لوٹ آئے' میں اسے زندہ نہیں سمجھتا۔ یہ سب باتیں بہت سے اگر اور مگر سے وابستہ ہوتی ہیں۔ آؤ گے تو اس بارے میں کھل کر بات ہوگی۔" میں نے اسے چکر دیتے ہوئے کہا۔

وہ میری حیلہ جوئی کو یقیناً بھانپ گیا تھا لیکن اس نے اپنی بات پر اصرار نہیں کیا۔ اس وقت ہم دونوں کے مابین سرد جنگ چھڑی ہوئی تھی جس میں ہم دونوں ہی بہت سی باتیں سمجھ لینے کے باوجود' انجان بنے رہنے پر مجبور تھے کیونکہ دونوں ہی بیک وقت ایک دوسرے پر اپنے داؤ آزمانے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔

"میں ٹھیک سات بجے ماری پور کے لیول کراسنگ کو عبور کر کے تمہارا انتظار کروں گیا۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد شری مان سنگھ کی آواز ابھری۔ "وہاں سے ہم ہاکس بے کی طرف نکل جائیں گے۔"

"ہاکس بے؟" میں نے حیرت سے دُہرایا۔ "رات کے اندھیرے میں ہاکس بے پر کیا ملے گا؟"

"وہاں ہم سکون اور بے فکری سے بات کر سکیں گے۔" اس کی آواز میں عجیب سا بوجھل پن سمٹ آیا۔ "آج جمعرات ہے اور چودھویں کی رات بھی۔ سمندر کے جوبن کے نظارے دیکھنے کے لیے بہت سے لوگ وہاں پہنچے ہوئے ہوں گے۔ وہیں ہمارا ہٹ بھی ہے۔ باتوں باتوں میں زیادہ پی گئے تو رات وہیں گزار لیں گے۔ ویسے بھی ویک اینڈ پر تفریح کی دلدادہ لڑکیوں کی کئی ٹولیاں کٹی ہوئی پتنگوں کی طرح چکراتی رہتی ہیں۔ چاہو تو ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ شامل کر لیں گے۔"

"ٹھیک ہے میں سات بجے لیول کراسنگ پر پہنچ جاؤں گا۔" میں نے اس کے دیے ہوئے پروگرام سے اتفاق کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس سے میری گفتگو کے دوران میں سلطان شاہ کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آ رہے تھے اور وہ بہت زیادہ حیران و پریشان نظر آ رہا تھا۔ فون بند ہوتے ہی وہ جھلّا کر مجھ پر برس پڑا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آج تمہاری کھوپڑی پر برف کیوں جم گئی ہے؟ پروگرام یہ طے ہوا تھا کہ اسے ہلا جلا کر اس کے جھوٹ کا پول کھولو گے' بات ہوئی تو اس سے ملنے کا پروگرام بنا بیٹھے!"

"میرا ذہن ابھی تک یقین اور بے یقینی کی دُھند سے باہر نہیں نکل سکا ہے۔ اگر غزالہ واقعی ان لوگوں کے قبضے میں ہے تو شری مان سنگھ سے محاذ آرائی مول لے کر میں اس کی مشکلات میں اضافہ کروں گا۔ اسی احتیاط کی وجہ سے میں نے مصالحت کی راہ اختیار کی ہے۔"

"وہ رات کے اندھیرے میں تمہیں ہاکس بے لے جا رہا ہے۔" سلطان شاہ غصے اور بے بسی سے دانت پیستے ہوئے بولا۔ "اس خطرناک راستے پر بعض جگہ دن میں بھی ڈرائیونگ مشکل ہوتی ہے پھر رات کے اندھیرے میں روشنیاں گُل کر کے اس کا پیچھا کرنا تو بالکل ناممکن ہو گا۔ وہاں ہٹ میں پہلے سے اس کے پالتو غنڈے موجود ہوں گے جو بے رحمی کے ساتھ مار مار کر تمہاری ہڈیاں پسلیاں توڑ دیں گے اور پھر تمہیں چڑھتے ہوئے سمندر میں پھینک کر لوٹ آئیں گے۔ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا۔ یہ ساری باتیں تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آ رہیں؟"

"ویک اینڈ پر وہ ساحل اتنا ویران نہیں ہوتا ہو گا۔۔۔"

"اور آج چاندنی رات بھی ہے؟" سلطان شاہ غرّایا۔ "تمہاری عقل بالکل ماؤف ہو گئی ہے۔ وہ تو ساحل پر منڈلانے والی خوبصورت لڑکیوں کا بھی ذکر کر رہا تھا۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کر ہم یورپ کے کسی ساحلی شہر میں نہیں' بلکہ کراچی میں ہیں جہاں شریف لوگ راتوں کو آوارہ گردی کرنے کے بجائے نرم بستروں میں آرام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ غزالہ کو وہ ہانگ کانگ بھیج چکا ہے۔ تم سے ملا سرکار کے بارے میں ساری معلومات اگلوانے کے بعد وہ تمہیں بے دردی سے ہلاک کر دے گا۔"

"گڈ!" اس کی تقریر ختم ہو جانے پر میں نے بھرپور ہنسی کے ساتھ کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ جو امکانات میرے سامنے ہیں وہ تمہاری نظروں میں بھی ہیں۔ میری کھوپڑی ہر طرح ترو تازہ ہے اور اب میں اسے اسی کے حربوں سے زیر کروں گا۔ شری مان سنگھ اگر چالاک بننے کی کوششیں کر رہا ہے تو اسے اپنا تھوکا ہوا چاٹنا پڑے گا۔"

"لیکن تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ تو ہو گا؟ ہاکس بے پہنچنے کے بعد تم اسے کس طرح زیر کرو گے؟" میری وضاحت پر سلطان شاہ کے لب و لہجے میں نمایاں نرمی پیدا ہو گئی۔

"اب ظفر کے آدمیوں کو میدان میں لانا پڑے گا۔" میں نے اسپیکر فون آن کرتے ہوئے کہا۔ "شری مان سنگھ کے آدمیوں پر آج کی رات بھاری پڑنے والی ہے۔"

فون کا سلسلہ ملنے پر تیسری گھنٹی بجی تو مجھے تشویش ہونے لگی کیونکہ ایس ٹی ایف کا آپریٹر ہمیشہ پہلی گھنٹی پر فون اٹھانے کا عادی تھا۔ چوتھی گھنٹی معدوم ہونے سے پہلے ہی وہ لائن پر آ گیا۔

"کیا بات ہے؟ کیا آج بورڈ خالی پڑا ہوا ہے؟" میں نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"اوہ نو سر!" وہ میری آواز پہچان کر جلدی سے بولا۔ "آج یہاں ذرا ایمرجنسی ہو گئی ہے۔ ظفر صاحب ابھی ابھی زخمی حالت میں واپس آئے ہیں۔ ان کے کپڑے خون میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ سب لوگ اسی طرف چلے گئے تھے۔"

وہ خبر سنتے ہی میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ ویرا کو ائرپورٹ چھوڑنے گیا تھا۔ اگر وہ واپسی پر زخمی تھا تو معاملہ گڑبڑ تھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ کہیں وہ ویرا کی کوئی حرکت نہ ہو لیکن وہ زیادہ سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ پیروں میں جوتے ڈالے اور روانگی کے لیے تیار ہو گیا۔

شری مان سنگھ کا اہم اور نازک ترین معاملہ وقتی طور پر میرے ذہن سے معدوم ہو گیا تھا۔

اس روز شاید ہر طرف سے ہمارے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے۔

وہ گفتگو اسپیکر فون پر ہوئی تھی اس لیے سلطان شاہ نے بھی وہی کچھ سنا تھا جو دوسری جانب سے میرے علم میں لایا گیا تھا۔ مجھے روانگی کی تیاری پکڑتے دیکھ کر وہ بھی مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم اتنی عجلت اور گھبراہٹ میں کہاں جارہے ہو؟" اس نے میرے سامنے آکر لجی آواز میں سوال کیا۔

"تم نے سنا نہیں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں کہا "یہاں سے وہ ویرا کے ساتھ ائرپورٹ گیا تھا اور اب زخمی حالت میں اپنے ٹھکانے پر پہنچا ہے۔"

میرے لہجے پر لمحے بھر کے لیے سلطان شاہ کا چہرہ سرخ ہوگیا لیکن اس نے فوراً ہی اپنے ردِعمل پر قابو پالیا اور بے تابانہ انداز میں ٹہلتے ہوئے بولا "وہ جس حالت میں بھی ہے لیکن اس قابل ضرور ہے کہ گاڑی چلا کر اپنے اپارٹمنٹ میں واپس پہنچ گیا ہے۔ یہ پریشانی کی بات ضرور ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ ہم سر پر پیر رکھ کر اس کی طرف دوڑ لگادیں۔ وہ تیس برس تک فوج میں افسری کرچکا ہے، اس کے بعد اُس نے کرنل جیسی جونز جیسے بین الاقوامی مجرم اور دہشت گرد کے ساتھ کولمبیا میں خاصی مدت گزارنے کے بعد ایس ٹی ایف میں شمولیت اختیار کی ہے۔ صورت سے وہ کتنا بھی جوان اور کھلنڈرا نظر آتا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ پچاس کے لپیٹے میں ہے۔ اس جیسے گھاگ آدمی کے لیے تم اس طرح پریشان ہورہے ہو جیسے وہ میلے کی بھیڑ میں اپنے ماں باپ سے بچھڑا ہوا کوئی نوعمر لڑکا ہو۔ وہ اپنی حفاظت کے ہر گُر سے واقف ہے....."

"تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟" اس کی طول پکڑتی ہوئی تمہید سے اکتا کر میں نے خشک لہجے میں پوچھا "کیا ہم اس کے بارے میں ہر اخلاقی ذمے داری سے یکسر آزاد ہیں؟"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہم اسے بھول جائیں لیکن تم اس کے بارے میں ضرورت سے زیادہ اثر لے رہے ہو۔ اس وقت تمہارے سامنے اپنے مسائل بھی ہیں جن کا حل سوچنا ضروری ہوگیا ہے۔"

"ویرا کے چلے جانے کے بعد ہمارے لیے تھوڑی سی دشواریاں پیدا ہوچکی ہیں" میں نے ملائمت کے ساتھ اسے سمجھاتے ہوئے کہا "وہ کوانگ فو سے بہت زیادہ بے تکلف ہے اور اس پر حاوی ہو کر بات کرتی ہے جب کہ ہمیں ہانگ کانگ میں سرد مہری کے رویّے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کوانگ فو کی سیکریٹری بتاہی چکی ہے کہ وہ ہم کو منہ نہیں لگائے گا، البتہ وہ غزالہ کو رہائی دلانے میں کامیاب ہوگیا تو اسے براہِ راست کراچی ہی روانہ کرے گا۔ ایسی صورت میں ہمیں اس سے چھیڑ چھاڑ کرکے کچھ حاصل نہیں ہوگا، لہٰذا وہ ہم سے مشتعل ہوسکتا ہے۔ موجودہ حالات میں ہم صرف انتظار ہی کرسکتے ہیں یا پھر براہِ راست ہانگ کانگ جانا پڑے گا۔ یہاں رہتے ہوئے ہم صرف شری مان سنگھ پر کام کرسکتے ہیں، ہمیں یہ یقین کرنا ہے کہ غزالہ ہانگ کانگ بھیجی جاچکی ہے یا اس کی جگہ کسی اور لڑکی کو بھیج کر اسے نئی دہلی ہی میں رکھا گیا ہے۔ اس سوال کا جواب صرف شری مان سنگھ کے پاس ہے۔ اس سے پنجہ آزمائی کے لیے ہمیں افرادی قوت درکار ہے جو فوری طور پر ظفر ہی سے مل سکتی ہے۔"

"لیکن تم سن چکے ہو کہ ظفر بری طرح زخمی ہے" سلطان شاہ نے ٹہلتے ہوئے کہا۔

"اسی لیے میں اس کی عیادت یا خبرگیری کے لیے جانا چاہتا ہوں" میں نے زور دے کر کہا۔

"تم عیادت کے لیے جاؤ گے اور وہیں گھر جاؤ گے" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بولا "وہ اپنے یونٹ کا سربراہ ہے۔ اسے خون میں نہایا ہوا دیکھ کر، وہاں ہر شخص بوکھلاہٹ کا شکار ہوچکا ہوگا۔ اس ہڑبونگ میں تم کو اپنی بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکے گا۔"

"یہ تمہارے مفروضات ہیں" میں نے اکتا کر کہا "ظفر ایک ذمے دار افسر ہے۔ وہ اپنی وجہ سے پورا نظم و ضبط تباہ نہیں ہونے دے گا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی بھانپ لے گا کہ میں کسی ضرورت کے تحت وہاں پہنچا ہوں۔ اگر اس کی حالت خطرے سے باہر ہوئی تو میں خود ہی اپنے مطلب کی بات چھیڑ دوں گا۔"

"میری دانست میں وہاں جانے کے بجائے کوئی اور بندوبست کرنا زیادہ بہتر رہے گا" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پُرخیال انداز میں کہا۔

"کھل کر بکو کہ کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" میں نے جل کر کہا "منہ میں گھونگھنیاں کیا چبا رہے ہو؟"

"تم اسپیشل ٹاسک فورس سے مدد لینے کے بجائے کرائے کے آدمی بھی اکٹھے کرسکتے ہو۔"

"زیرِ زمین دنیا کے لوگوں سے ہمارے رابطے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ہمیں اس وقت بے جگر آدمیوں کی ضرورت ہے جو وقت پڑنے پر آنکھیں بند کرکے ہماری لڑائی میں کود سکیں۔ اگر شری مان سنگھ کی نیت میں فتور پیدا ہوگیا ہے تو وہ آج شام پوری تیاری کے ساتھ میدان میں اترے گا اور ہماری کسی بھی لغزش کو نظرانداز نہیں کرے گا۔ ناقابلِ اعتماد اور نکمے آدمیوں کی وجہ سے ہم بری طرح مار کھا جائیں گے۔ اتنے مختصر وقت میں منہ مانگا معاوضہ دینے پر بھی بھروسے کے آدمی نہیں مل سکیں گے۔"

"تمہارے رابطے ضرور ٹوٹے ہوئے ہیں لیکن میرے کئی قریبی دوست اور رشتے دار، برے بھلے لوگوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ میں ان کی معرفت اپنے کام کے دس پانچ آدمی پیدا کرا لوں گا۔ رہی معاوضے کی بات تو اس وقت بھی تمہارے پاس پیسے کی کمی نہیں ہے۔ ٹی والوں کی گن بوٹ کی فروخت سے تم نے جو لاکھوں ڈالر کمائے تھے، وہ ابھی تک سلمٰی کی تجوری میں پڑے زنگ کھارہے ہیں۔"

میں حیرت سے اسے گھورتا رہ گیا۔ یہ حقیقت تھی کہ ہماری ایک خطیر رقم سلمٰی کی تحویل میں تھی لیکن میرے روز مرّہ اخراجات مافیا اور دوسرے ذرائع سے پورے ہو رہے تھے اس لیے میں نے ایک طویل مدت سے اس محفوظ رقم کو چھیڑنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی بلکہ ایک اعتبار سے میں عملاً اسے بھولا ہوا تھا لیکن سلطان شاہ نے اس وقت اس رقم کا حوالہ دے کر مجھے چونکا دیا تھا۔

لمحہ بھر کے لیے میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں وہ اس رقم کا حوالہ دے کر بالواسطہ طور پر اپنے حصے کا مطالبہ نہ کر رہا ہو لیکن اس کی آنکھوں میں معصومانہ چمک دیکھ کر مجھے اپنا وہ گندہ خیال فوراً ہی ترک کردینا پڑا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو محض پیسے کے لیے اپنی اصل کو بھول کر' اپنے محسنوں پر بھوکے درندوں کی طرح غرانے لگتے ہیں یا برا وقت آنے پر آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔

"تم بلاوجہ اپنے ذہن کو تھکا رہے ہو" قدرے توقف کے بعد میں نے نرمی سے کہا "یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے مجھے ظفر سے مل لینے دو۔ اگر وہاں کے حالات سازگار نہ ہوئے تو میں وقت ضائع کیے بغیر واپس لوٹ آؤں گا۔ اس کے بعد تمہاری تجویز پر عمل کر لیا جائے گا۔"

"پھر جانے آنے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے بے پروائی کے ساتھ کہا "میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں۔ وہاں کام نہ بنا تو ادھر سے ہی لانڈھی کی طرف نکل جائیں گے۔"

سلطان شاہ کی وہ تجویز معقول تھی اس لیے میں خاموش رہا اور پھر ہم دونوں یکے بعد دیگرے فلیٹ سے نکل کر سیڑھیاں طے کرنے لگے۔

باہر بازار بدستور بند تھا اور ہر طرف خوف و ہراس کے سائے لہرا رہے تھے۔ کئی جگہ متعدد افراد پر مشتمل ٹکڑیاں جمع تھیں اور شاید منہ اندھیرے ہونے والی خوں ریزی پر اظہارِ رائے کا سلسلہ جاری تھا۔ ہم دونوں وہاں رکے بغیر اس علاقے سے نکلتے چلے گئے۔

اس وقت ہم دونوں' جہانگیر سے مستعار لی ہوئی کالی شیراڈ میں سفر کر رہے تھے۔ اس سے پیشتر میں اس گاڑی کے استعمال سے گریز ہی کرتا رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہیری کیسنجر کے لیے کام کرنے والے لوگ اس گاڑی کو پہچانتے تھے اور اس کی وجہ سے کہیں بھی مجھے گھیرنے کی کوشش کر سکتے تھے لیکن اس وقت صورتِ حال خاصی تنگ تھی۔ اگر میں گاڑی چھوڑ کر ٹیکسی وغیرہ سے سفر کرتا تو خاصا وقت برباد ہونے کا اندیشہ تھا۔ دوسرا اہم نکتہ یہ تھا کہ استاد صدرو مارا جا چکا تھا۔ ان دنوں وہی ہیری کیسنجر کے لیے کام کر رہا تھا اور یقینی طور پر خود ہی ہیری کیسنجر سے رابطہ برقرار رکھتا تھا۔ اس کے آدمیوں کو کچھ علم نہیں تھا کہ استاد صدرو کس کے لیے کام کر رہا تھا اور اس کے کیا مقاصد تھے۔ وہ تو بس وقتاً فوقتاً ملنے والی ہدایات پر عمل کرنے کے پابند تھے۔ ان کی طرف سے یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہ مستقل بنیادوں پر کسی شکار کا تعاقب کرتے رہیں اور گھات لگا کر اس پر وار کر گزریں۔

کسی بھی برے وقت سے نمٹنے کے لیے اس گاڑی میں چند مہلک آتشیں ہتھیار اور کچھ شعبدے ہر وقت پڑے رہتے تھے جن کی مدد سے ہم کسی ناگہانی خطرے کو بہ آسانی ٹال سکتے تھے لیکن میری توقع کے عین مطابق وہ سفر سکون سے طے ہو گیا۔ ہم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر محتاط تھے لیکن پورے راستے ہمیں ایسی کوئی گاڑی نظر نہیں آئی جس پر ہمیں تعاقب کرنے والوں کی سواری ہونے کا اندیشہ ہوتا۔

اسٹیشن فور پر کسی باز پرس کے بغیر ہمیں گاڑی اندر لے جانے کی اجازت مل گئی لیکن میں نے اندر گھستے ہی بھانپ لیا کہ وہاں کسی قسم کی افراتفری نہ ہونے کے باوجود فضا پر سوگواری سی خاموشی طاری تھی۔ ہمیں بتایا گیا کہ ظفر اپنے دفتر کے بجائے ریٹائرنگ روم میں تھا جہاں ڈاکٹر اس کے معائنے اور مرہم پٹی کرنے میں مصروف تھا۔ ظفر زخمی ضرور تھا لیکن اس کی حالت خطرے سے باہر بتائی جا رہی تھی۔ ہم دونوں ظفر کے دفتر سے ملحق انتظار گاہ میں جا بیٹھے جہاں فوراً ہی چائے بھی پہنچا دی گئی۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" سلطان شاہ نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"تم نے بلاوجہ ہی بات کا بتنگڑ بنایا ہوا تھا۔ یہاں ذرا سی بھی افراتفری نہیں ہے۔ ظفر تھوڑی دیر میں مرہم پٹی سے فارغ ہو کر آئے گا تو اس سے بات کر لی جائے گی۔"

سلطان شاہ نے قدرے بے آرامی کے ساتھ صوفے پر پہلو بدلا پھر کہا "یہاں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے کے بجائے رجنی سے ملاقات کیوں نہ کر لی جائے؟ دیکھتے ہیں کہ اب وہ شری مان سنگھ کے بارے میں کیا کہتی ہے۔"

"وقت گزارنے کے لیے اچھا خیال ہے لیکن اس سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ وہ دونوں ہی بے شرم اور بے غیرت ہیں۔ ان کے لیے شادی جیسے مقدس رشتے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ دونوں ہی اپنی اپنی خوشیوں اور مقاصد کے حصول کے لیے اپنے من مانے راستوں پر چل رہے ہیں۔ شری مان سنگھ نے اپنا کام نکالنے کے لیے رجنی کو دیدہ و دانستہ موتن لعل جیسے بھوکے شکاری کی کچھار میں ہانک دیا اور وہ اس موقع کو غنیمت جان کر موتن لعل کی آغوش میں جا بیٹھی۔ ایسی عورت سے مل کر تمہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" وہ چند ثانیوں بعد پُرخیال انداز میں بولا "میرا خیال تھا کہ اب تک اسے موتن لعل کی موت اور بعد

کے واقعات پر بہت کچھ سوچنے کا موقع مل چکا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ بدلے ہوئے حالات نے اس کی سوچ پر کوئی قابل ذکر اثر ڈالا ہو۔"

"مجھے امید نہیں۔ پھر بھی اس سے مل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے" میں نے کہا۔

چائے ختم کرنے کے بعد ہم نے ظفر کے ان آدمیوں سے رابطہ کرنے کا ارادہ کیا جو جہانگیر کے شیر خوار بیٹے کی تلاش اور بازیابی کی مہم میں ہمارے ساتھ شریک رہے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ظفر کی غیر حاضری میں ہمیں ان دونوں سے خاصی مدد مل سکے گی۔

میرے ایما پر چند ہی منٹ میں ارشد اور اکبر نہایت مؤدبانہ انداز میں وہیں آپہنچے۔

رجنی سے ملاقات کا ذکر سنتے ہی وہ دونوں پریشان نظر آنے لگے۔ پھر اکبر نے مجھے آگاہ کیا کہ وہ لوگ ہماری حیثیت سے پوری طرح واقف تھے لیکن رجنی ایک اہم ترین قیدی تھی جسے ظفر کی خصوصی ہدایت پر قید تنہائی میں رکھا گیا تھا۔ جہاں ایس ٹی ایف کے عملے کے کسی رکن کو بھی نقاب لگائے بغیر اس کے سامنے جانے کی اجازت نہیں تھی اس لیے ظفر سے خصوصی ہدایت لیے بغیر اس سے ہماری ملاقات کا انتظام نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا خصوصی ڈسپلن تھا جس پر ذاتی مراسم کسی بھی صورت میں اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے اس لیے ہمارے پاس انتظار گاہ میں وقت گزارنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہم نے شکریہ ادا کر کے ارشد اور اکبر کو رخصت کر دیا۔ جاتے ہوئے ان کا انداز بہت زیادہ معذرت خواہانہ تھا۔

تھوڑی دیر بعد ظفر ڈریسنگ سے فارغ ہو کر اپنے قدموں پر چلتا ہوا وہیں آگیا۔

اس کے جسم پر ڈھیلا ڈھالا سفید لباس تھا جو سینے پر خاصا پھولا ہوا تھا۔ ظفر کے چہرے وغیرہ کی اچھی طرح صفائی کی گئی تھی لیکن پھر بھی اس کی گردن اور چہرے پر جا بجا خون کے دھبے موجود تھے اور ٹھوڑی کے گرد بھاری ڈریسنگ نظر آ رہی تھی۔

ہمیں دیکھتے ہی ظفر نے دوستانہ انداز میں مسکرانے کی کوشش کی لیکن ڈریسنگ کی وجہ سے اس کے ہونٹ عجیب انداز میں پھیل کر رہ گئے۔ ہم دونوں اسے دیکھتے ہی اضطراری طور پر اپنی جگہوں سے اٹھ گئے تھے۔

ہم نے اسے سہارا دے کر احتیاط سے صوفے پر بٹھا لیا تو اس نے اشارے سے اپنے ان دو آدمیوں کو واپس لوٹا دیا جو اس کے ساتھ آئے تھے۔

"یہ کیا ہوا؟" میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے حیرت سے پوچھا "تھوڑی ہی دیر پہلے تم ویرا کو ائرپورٹ چھوڑنے کے لیے گئے تو اچھے خاصے تھے پھر یہ حادثہ کہاں اور کیسے رونما ہوا؟"

"بس، میری حماقت کہہ لو!" ڈریسنگ کی وجہ سے وہ منہ کھول کر بولنے سے قاصر تھا اس لیے اس کے لب و لہجے کے ساتھ ہی تلفظ بھی بدل کر رہ گیا تھا "اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"پھر بھی کچھ نہ کچھ تو ہوا ہی ہوگا۔ ویرا نے تو تمہارے ساتھ کوئی بدمعاشی نہیں کی؟"

"وہ اول درجے کی مکّار اور حرّافہ ہے" اس کے لہجے سے شرمندگی ظاہر ہو رہی تھی "مجھے افسوس ہے کہ میں نے اس کی وجہ سے تم سے تلخ کلامی کی۔ تم دونوں کا اندازہ صحیح تھا کہ وہ اپنی معصومانہ کہانی سے مجھے بہت زیادہ متاثر کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی اور وہی میری سب سے بڑی غلطی تھی۔"

"تو کیا اسی نے تم کو زخمی کیا ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"اس کا جواب اثبات میں بھی دیا جا سکتا ہے اور نفی میں بھی" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "اصل قصور میرا ہے کہ میں تم لوگوں کی بریفنگ نظر انداز کر کے اس پر بھروسا کر بیٹھا۔ وہ شکل و صورت سے جتنی حسین اور دلکش نظر آتی ہے، فطرتاً اس سے کہیں زیادہ خبیث ہے۔"

"پکی ساحرہ ہے، ساحرہ!" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بولا "اپنے حسن کے جادو سے اب تک نہ جانے کتنے مردوں کی زندگیاں تباہ کر چکی ہوگی۔ جابر تنگی میں ہوتی تو وہاں کے بڑے بوڑھے اس کے کرتوتوں کی بنا پر اسے زمین میں آدھا گاڑ کر اس پر خونخوار کتے چھڑوا دیتے۔ وہاں خراب عورتوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جو جادوگرنیوں اور چڑیلوں کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔"

سلطان شاہ کی اس توہم پرستانہ وضاحت پر میں دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ روشن خیال اور جدید تر دنیا میں ایک طویل مدت گزارنے کے باوجود اس کے ذہن سے بچپن کی سنی ہوئی کہانیاں محو نہیں ہو سکی تھیں۔ جابر تنگی اور اس جیسے دوسرے پسماندہ علاقوں میں ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لیے عورتوں کو بھی مردوں کے شانہ بشانہ بہت سے کام کرنے پڑتے ہوں گے۔ بڑی حد تک آزادانہ نقل و حرکت کے اس ماحول میں کھیتوں اور پہاڑوں میں منہ زور جذبوں کے بے لگام ہونے کے خاصے امکانات ہو سکتے تھے کیونکہ تنہائی ہی ہر بڑے گناہ کا پہلا مرحلہ ہوتی ہے۔ ہزاروں گناہوں کا ارتکاب صرف اس وجہ سے نہیں ہو پاتا کہ شیطانی جذبوں کے بھنور میں پھنسے ہوئے سرکشوں کو کہیں خلوت یا تنہائی میسر نہیں آتی۔ دیہی علاقوں کے بڑے بوڑھے گمراہی کے ان امکانات سے پوری طرح باخبر ہوتے ہیں اسی لیے اپنے جوان ہوتے ہوئے بچوں کو علاقائی کہانیوں اور روایتی قصوں کے ذریعے چڑیلوں اور جادوگرنیوں کے وجود سے ڈراتے رہتے ہیں۔ ہر کہانی کا محور یہ ہوتا ہے کہ وہ شیطانی قوتیں، حسین و جمیل لڑکیوں کا روپ دھار کر جوان مردوں کو اپنی اداؤں کا اسیر بناتی ہیں اور ان کے وجود سے جوہرِ حیات کشید کر کے انہیں سسکنے اور مرنے کے لیے چھوڑ کر

غائب ہو جاتی ہیں۔ مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ ان کے بچے حسین عورتوں اور لڑکیوں سے دور رہیں۔ یہ گُر صدیوں سے دنیا کے ہر دیہی علاقے میں کامیابی سے رائج ہے۔ لیکن سلطان شاہ عاقل و بالغ ہونے کے باوجود بچپن کے اس تصور کو اپنے ذہن سے کھرچ کر صاف کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

"تمہارے فلیٹ سے نکل کر میں ویرا کو ایک بڑے ہوٹل میں لے گیا تھا" ظفر خفت آمیز لہجے میں اپنی حماقت کی داستان سنانے لگا۔ "وہاں کھانا کھاتے ہوئے اس نے کولمبیا کا قصہ چھیڑ دیا اور بتایا کہ کرنل جیسی جونز کا دستِ راست' ایلسٹن کس قدر درندہ صفت آدمی تھا۔ اس کی کہانی کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ اپنی مرضی سے بوگوٹا میں ایلسٹن کے ساتھ نہیں رہ رہی تھی بلکہ جان کے خوف سے اس کی یرغمالی بنی ہوئی تھی۔ اس کے بدن کے ہر حساس حصے پر ایلسٹن کی درندگی کے نشانات بھرے ہوئے زخموں کی صورت میں موجود تھے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ میں ایک اکیلا آدمی ہوں لیکن اپنی خوشیوں کے لیے کسی شریف اور خانہ دار عورت کی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتا۔ ہم لوگ صحرا میں بھڑکتے ہوئے چراغ کی طرح جیتے ہیں۔ جب تک زندہ رہتے ہیں تو پوری دھوم دھام کے ساتھ ہر طرف اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر اچانک ہی کوئی حادثہ' تصادم یا ہنگامہ' آندھی کے بے رحم تھپیڑے کی طرح ہماری زندگی کا چراغ گل کر دیتا ہے۔ گھر اور بستر کی موت بہت کم لوگوں کا مقدر بنتی ہے۔ اسی لیے میں نے سوچا کہ شاید میرے لیے ویرا کا ساتھ بہتر رہے گا۔ وہ ہر حال میں اپنی گزر بسر کا بندوبست کر سکتی ہے۔ وہ ہر بات میں میری ہاں میں ہاں ملاتی رہی لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ وہ مکاری سے کام لے کر میرے ساتھ کھیل رہی تھی۔ اس نے مجھ سے الگ ہونے سے پہلے مجھ سے قسم لے کر ایک بند لفافہ میرے حوالے کیا۔ مجھے وہ لفافہ دفتر پہنچ کر ہی کھولنا تھا۔ اسی کے ساتھ اس نے اپنے بیگ میں سے ریشمی کپڑے سے بنا ہوا ایک نازک اور خوشبودار پھول نکال کر مجھے تحفے میں دیا۔ وہ بالکل کسی اصلی پھول کی طرح مہک رہا تھا۔ میں نے بعد میں وہ پھول اپنے کالر میں لگا لیا۔ واپسی کے سفر میں' میں نے ویرا کا تصور کرتے ہوئے کئی بار اس پھول کو سونگھا لیکن وہ ویرا کا کوئی خطرناک شعبدہ تھا۔ ڈرگ روڈ اسٹیشن سے آگے نکلتے ہی' میرے کالر میں لگا ہوا وہ پھول ایک خفیف سے دھماکے سے پھٹ گیا اور میری جلد جگہ جگہ سے پھٹ گئی۔ میری ٹھوڑی پر ذرا گہرا زخم آیا ہے ورنہ جبڑے' گردن اور سینے پر صرف خراشیں ہیں جن سے بہہ نکلنے والے خون نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ واقعہ رُونما ہوتے ہی مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ جو کچھ ہوا' ویرا کے دیئے ہوئے پھول کی وجہ سے ہوا تھا اس لیے میں نے راستے ہی میں اس کا دیا ہوا لفافہ چاک کیا تو اس میں سے ایک سادہ کاغذ برآمد ہوا جس پر ایک مختصری تحریر تھی۔"

"وہ کیا تھی؟" اس بار ظفر کی خاموشی پر میں اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا۔

"عورت کو بڑی سے بڑی گالی دے لینا لیکن آئندہ کسی کو آوارہ نہ کہنا" ظفر نے تلخ لہجے میں کہا "وہ بہت بد معاش اور حرامزادی ہے۔ اسے معلوم تھا کہ میرے دفتر پہنچنے سے پہلے وہ پھول اپنا کام دکھا جائے گا۔ اس نے اپنی دانست میں مجھے ہلکی سی سزا دی ہے کیونکہ میں نے اسے آوارہ قرار دیا تھا....."

"غنیمت ہے کہ اب تم اس کی اصلیت سمجھ گئے" سلطان شاہ نے گہرا سانس لے کر کہا "وہ ڈبی کے علاوہ دنیا کے کسی بھی مرد کو کھلونے سے زیادہ وقعت نہیں دیتی۔ اب یہی دیکھو کہ زیادہ خون بہنے سے تمہاری حالت بگڑ بھی سکتی تھی لیکن اسے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ بس وہ تم پر اپنی بالادستی جتانا چاہتی تھی۔ وہ پیدائشی حرام زادی ہے کیونکہ اس کی پیدائش کے وقت اس کی ماں شادی شدہ نہیں تھی۔ وہ ویرا کی پیدائش کا الزام جمی لائیڈ کے کھاتے میں ڈالتی تھی اور وہ اس الزام کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔"

"لیکن تم ائرپورٹ واپس کیوں نہیں گئے؟" میں نے پوچھا۔ "تم اسے بالوں سے گھسیٹتے ہوئے واپس لا سکتے تھے تاکہ اسے اس گھٹیا حرکت کا مزہ چکھایا جا سکتا۔"

"بات سمجھ میں آتے ہی میرا یہی ردِعمل تھا۔ گاڑی گھما کر میں اسٹار گیٹ تک واپس بھی گیا تھا۔ اس وقت تک ویرا کی پرواز کی روانگی میں اتنا وقت تھا کہ میں اسے لاؤنج ہی سے واپس بلوا سکتا تھا لیکن پھر مجھے بلیو کراس ڈیل کا خیال آ گیا۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے ملک کا ایک وسیع تر مفاد اس عیار لڑکی کے مشن سے وابستہ ہو گیا ہے۔ بس اسی وجہ سے میں اپنا غصہ پی کر واپس لوٹ آیا۔"

"میرا خیال ہے کہ اب تم آرام کرو۔ ہو سکتا ہے کہ اس دوران میں ایران سے کوئی اچھی خبر آ جائے" میں نے کہا "تم نے آرام نہ کیا تو یہ معمولی سے زخم خراب بھی ہو سکتے ہیں۔"

"آرام کی بس ایک ہی منزل آتی ہے" اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا "جب دو گز زمین ہمیشہ کے لیے انسان کا مسکن بن جاتی ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ غزالہ کے بارے میں کیا ہو رہا ہے۔ سلطان شاہ پہلے ہی صدرو کے آدمیوں سے مار کھا کر زخمی تھا' اب میں بھی پڑ گیا تو سارا بوجھ تم پر آ جائے گا۔"

بات میرے مطلب کی تھی لیکن پہل اس نے کی تھی اس لیے مجھے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا "ویرا کی وجہ سے غزالہ کی بازیابی کے آثار پیدا ہو گئے تھے لیکن اس کے جاتے ہی بات یکایک الجھ گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اب کون سی راہ اختیار کی جائے؟"

"مجھے پوری بات بتاؤ۔ شاید میں کوئی حل سوچ سکوں" اس نے آہستگی سے اپنی پوزیشن بدلتے ہوئے کہا۔

"ہماری اطلاع کے مطابق غزالہ کو ہانگ کانگ پہنچایا جا چکا

ہے' جہاں سے کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش اسے پاکستان روانہ کروتا لیکن کوانگ فو کے آدمیوں کی خود غرضی کی وجہ سے غزالہ ہانگ کانگ کی پولیس کی تحویل میں چلی گئی ہے....."

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا" ظفر نے اضطراری انداز میں میری بات کاٹ دی "وہاں برطانوی راج ہے اور ان کے زیر اثر پولیس کا محکمہ بہت سخت اور فعال ہے جس سے کسی رُو رعایت کی امید نہیں کی جاسکتی۔"

"لیکن میرے لیے یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے" اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی میں نے بات اچک لی "اصل پریشانی یہ ہے کہ شری مان سنگھ نے مجھے مخمصے میں ڈال دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ہانگ کانگ جانے والی لڑکی غزالہ نہیں' بلکہ کوئی اور ہے۔ غزالہ بدستور نئی دہلی میں ہے۔"

"یہ کب کا قصہ ہے؟" میرے انکشاف نے ظفر کو بری طرح چونکا دیا۔

"تمہارے ائرپورٹ جانے کے بعد میں نے شری مان سنگھ کو فون کیا تھا" یہ کہہ کر میں نے اسے اختصار کے ساتھ اول سے آخر تک پوری کہانی سنا دی۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ بے چاری غزالہ کیوں پس رہی ہے؟" میرے خاموش ہونے پر وہ تفکر آمیز لہجے میں بولا "تم نے جی لائیڈ یا شی کو ہیروئن فروشوں کی عالمی تنظیم سمجھ کر ان سے ٹکرلی تھی لیکن اب رفتہ رفتہ بات ذاتی مخاصمت پر آگئی ہے۔ تم ان کے پیچھے لگے ہوئے ہو اور وہ ہر جگہ تمہیں زک پہنچانے کے درپے ہیں۔ جی لائیڈ ہو یا ہیری کیسنجر اور شری مان سنگھ' تمہارے خلاف ان کے مفادات مشترک ہیں۔"

غنیمت یہ تھا کہ ظفر کو میرے اور مافیا کے خفیہ روابط کا علم نہیں تھا ورنہ بات اور زیادہ الجھ جاتی۔

بات بہت سیدھی سی تھی کہ میری اصل دشمنی صرف جی لائیڈ سے تھی جو شی کا سربراہ تھا اور اس دشمنی کی بنیاد یہ تھی کہ وہ بظاہر پاکستان سے بیش قیمت ہیروئن کی اسمگلنگ میں دلچسپی ظاہر کرتا تھا لیکن اس کا حقیقی مشن یہ تھا کہ بھاری داموں پر سرحدی علاقوں سے خریدی گئی ہیروئن کی بھاری مقدار کو سستے داموں پاکستان کے ہر شہر اور قصبے میں پھیلا دیا جائے تاکہ پاکستان میں ہیروئن کی اس قدر کھپت پیدا ہوجائے کہ پاکستان اور افغانستان میں کاشت ہونے والی ساری افیم اسی طلب میں کھپ جائے اور مغربی دنیا میں بھیجنے کے لیے فاضل پیداوار باقی نہ رہے۔ مغرب اور امریکا کو ہیروئن کی ہولناک یلغار سے بچانے کے لیے وہ ایک منفی منصوبہ تھا' جس کے تحت پاکستان کی نئی نسل کو منظم پیمانے پر ہیروئن کا عادی بنایا جارہا تھا۔

جب تک شی کا وہ مقصد میری نظروں سے اوجھل رہا میں تن' من' دھن سے ان کے لیے کام کرتا رہا لیکن ان کے اصل عزائم کا اوراک ہوتے ہی میں نے اپنی راہ بدل لی اور شی کو ہر جگہ زک پہنچانے پر تل گیا۔ اس اعتبار سے' میری لڑائی ہیروئن فروشوں کے خلاف تھی۔ اس بھیڑ میں غیر ملکی مجرموں کے ساتھ ان کے مقامی کارندے بھی میرے مقابل صف آرا تھے اور میں بہت کامیابی کے ساتھ ان کو زیر کرتا چلا آرہا تھا۔

پھر شی کے غنڈوں سے تحفظ حاصل کرنے کے لیے' مجھے مخصوص حالات میں مافیا کے ڈان تھری کی پیش کش قبول کرنی پڑی۔ اس میں شبہ نہیں کہ میں نے ان کی صفوں میں رہتے ہوئے بھی ان کو بھاری نقصان پہنچایا تھا لیکن ظاہری طور پر میں ان کا شریک کار تھا۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شی کا مکروہ چہرہ میرے سامنے بے نقاب ہوتا جارہا تھا۔ ہیروئن کے انسداد کے نام پرا سے صدر امریکا سے خطیر رقوم مل رہی تھیں۔ امریکا کے ریاستی ذرائع بھرپور طریقے سے اس کی پشت پناہی کرتے تھے۔ پھر وہ لوگ زیر زمین دنیا سے وابستہ نامور لوگوں میں اپنا بھرم رکھنے کے لیے ہیروئن کی تھوڑی بہت غیر قانونی تجارت بھی کرتے تھے۔ کرائے کے آدمیوں کے ذریعے ہیروئن کی کھیپیں پاکستان سے یورپ بھیجی جاتی تھیں جن سے مزید کالا دھن حاصل ہوتا تھا۔ اس اسمگلنگ کے ذریعے بھی فاضل پیداوار کا رخ امریکا کے بجائے یورپ کی زرخیز منڈی کی طرف موڑ دیا گیا تھا۔ مال لے جانے والے عموماً پاکستانی نوجوان یا طالب علم ہوتے تھے اس لیے ان کے پکڑے جانے کی صورت میں شی' امریکا یا صدر امریکا پر کوئی حرف گیری نہیں ہوتی تھی بلکہ پاکستان ہی عالمی ملامت کا نشانہ بنتا تھا اور کامیابی کی صورت میں شی کے مالی وسائل میں کروڑوں ڈالر کا اضافہ ہوجاتا تھا۔

ہیروئن کے اس بھیانک کھیل میں شی نے پاکستان کے جرائم پیشہ لوگوں سے گہرے روابط استوار کرلیے تھے اس وجہ سے اسے سیاسی نقشہ گری میں بھی پیش قدمی کرنے کا موقع مل گیا۔ اس خطے کے بارے میں امریکا کے مخصوص نظریات اور مفادات تھے جن کے حصول کے لیے سازشوں کا سہارا لینا ناگزیر ہوگیا تھا اس لیے شی کے مالی وسائل پاکستان کے باغیوں اور غداروں کی پرورش کے لیے استعمال ہونے لگے۔ اسی ضمن میں ملّا سرکار کا نام سامنے آتا تھا۔ وہ پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجادینے کے عزائم رکھنے والے انتہا پسندوں کا آلۂ کار تھا اور اس نے ملک کے محروم و مایوس طبقوں میں اپنے پیروکاروں کا ایک مضبوط گروہ بنالیا تھا۔ اس لیے شی کی مہربانیاں اس کی نامہربان ذات پر مرکوز ہوتی چلی گئیں۔ شروع سے آخر تک' شی کے کردار میں ایک قابلِ نفرت تسلسل پایا جاتا تھا۔ وہ ہر جگہ اور ہر اعتبار سے پاکستان اور اس کے مفادات کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ الحدید نامی لانچ کی گرفتاری کے بعد دیرا کا تازہ ترین مشن شی کی بدنیتی کا کھلا ثبوت تھا۔

ایران سے بذریعہ سڑک آنے والے چھ سو ٹن وزنی ایٹمی آلات اور سازوسامان کا ہیروئن سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن وہ کیپ پاکستان کے ایٹمی وسائل اور استعداد میں قابلِ ذکر اضافے کا سبب بن سکتی تھی۔ اس لیے شی اسے تباہ کرنے پر تل گئی تھی۔ دوسری طرف شی کے آقا، پاکستان میں موجود ایٹمی سہولتوں کے خلاف ایک منظم مہم چلارہے تھے اور مغربی دنیا کو نام نہاد اسلامی ایٹم بم کا ہوا دکھا کر ایک خاص ذہنی ماحول تیار کررہے تھے تاکہ مفادات کے تصادم کے کسی مرحلے پر انہیں طاقت و بربریت کا کوئی گھناؤنا کھیل اختیار کرنا پڑے تو انہیں ہر طرف سے تائید و حمایت مل سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہیروئن کے نام پر جو بھی حکومتی اور زیرِ زمین تنظیمیں پروان چڑھ رہی تھیں، مالی وسائل کی بے اندازہ فراوانی کی وجہ سے پچھلے چند برسوں میں ان کے اثر و نفوذ میں ناقابلِ تصور اضافہ ہوا تھا اور زندگی کے ہر شعبے میں ان کے اثرات خودرو جنگلی جڑوں کی طرح تیزی کے ساتھ پھیلتے جارہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میری مہم کا رخ بھی ہمہ گیر ہوتا جارہا تھا حالانکہ میرا اصل مشن صرف شی کی تباہی تک محدود تھا۔

جس طرح میں شی کے ہر مفاد پر وار کررہا تھا اسی طرح شی اور اس کے ہم نوا مجھے ہر طرح زک پہنچانے پر تلے ہوئے تھے۔ میری کوئی جائداد تھی، نہ لمبا چوڑا خاندان، جس پر وہ کوئی کاری ضرب لگاتے البتہ ویرا کے جنون اور انتہاپسندی کی وجہ سے یہ بات میرے ہر دشمن کے علم میں آچکی تھی کہ میں غزالہ کو حد سے زیادہ چاہتا تھا، اس وجہ سے غزالہ شری مان سنگھ کی نظروں میں بھی آگئی تھی اور اسے اس چکر سے بچانا بھی ہیروئن کے خلاف، میری مہم کا ایک ناگزیر حصہ بن چکا تھا۔

"پھر اب تم نے کیا سوچا ہے؟" کچھ دیر کے مباحثے کے بعد آخر کار ظفر نے پوچھا۔

"میرے سامنے کوئی راستہ نہیں ہے۔ وعدے کے مطابق مجھے سات بجے ماری پور کے لیول کراسنگ پر پہنچنا ہوگا۔ اس کے بعد جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا" میں نے بے پروائی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس کی نیت خراب نظر آتی ہے" ظفر نے پُرتشویش لہجے میں کہا "تھوڑی دیر پہلے تم نے بتایا تھا کہ ماری پور سے وہ ہاکس بے جائے گا جہاں اس کی کوئی ہٹ بھی ہے۔ اگر وہاں اس کے آدمی موجود ہوئے تو تم بہت آسانی کے ساتھ بے بس کرلیے جاؤگے۔ یہ نہ بھولو کہ شری مان سنگھ کا اصل شکار تم خود ہو۔ تم کو پھانسنے کے لیے اس نے غزالہ کو نئی دہلی منتقل کرایا ہے۔"

"پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟" میں نے اپنی طرف سے کوئی تجویز پیش کرنے کے بجائے اسی سے سوال کیا "میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر انتظار کی آگ میں نہیں سلگنا چاہتا۔"

"میرے آدمی تمہاری حفاظت کرسکتے ہیں۔ میں یہ بھی معلوم کرسکتا ہوں کہ ہاکس بے پرائیڈین کونسلیٹ والوں کے ہٹ کا کیا نمبر ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ شری مان سنگھ اسی ہٹ پر جائے۔ کسی بھی غلط کام کے لیے وہ ایسی جگہ کا انتخاب کرے گا کہ بعد میں اس کے دفتر کے ملوث ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ غزلوں، گانوں اور شراب کی محفلوں کے ذریعے ان لوگوں نے شہر کے متموّل طبقے میں بہتیرے دوست پیدا کرلیے ہیں۔ وہ ان میں سے کسی سے بھی اس کا ہٹ مستعار لے سکتا ہے۔ ایسا ہوا تو میرے آدمی اس کے سرکاری ہٹ پر انتظار میں ساری رات سوکھتے رہیں گے اور وہ کہیں اور تمہارا بھرکس نکال رہا ہوگا۔"

"تمہارے آدمیوں کو ہی میدان میں اتارنا ہے تو وہ تعاقب بھی کرسکتے ہیں" میں نے کہا۔

"وہ چوکنا ہوجائے گا۔ شام کو اور خاص طور پر اندھیرا پھیلنے کے بعد شہر سے ادھر جانے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ پیچھے آنے والی کوئی بھی کار اسے ہوشیار کرنے کے لیے کافی ہوگی۔"

"ضروری نہیں کہ تعاقب شہر ہی سے شروع کیا جائے" میں نے اپنے ذہن میں تشکیل پانے والے خاکے کو الفاظ میں ڈھالتے ہوئے کہا "آبادی سے نکلنے کے بعد، ہٹس کی ابتدا تک ویرانہ ہی ویرانہ ہے۔ راستے میں پڑنے والے مچھیروں کے گوٹھ اس کی منزل نہیں ہوسکتے۔ اس مہم میں گاڑیوں یا جیپوں کے بجائے عام باربرداری والا کوئی ٹرک استعمال کرنا ہوگا تاکہ تمہارے مسلح آدمی اس کے پچھلے حصے میں دبکے رہیں۔ کار میں گزرنے والے کو اندازہ ہی نہیں ہوسکے گا کہ ٹرک میں بوجھ لدا ہوا ہے یا آدمی چھپے ہوئے ہیں۔ وہ ٹرک ہٹس کے آغاز پر اس طرح کھڑا رہے جیسے اس میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہو۔ میں کالی شیراڈ میں سفر کروں گا۔ میری کار دیکھتے ہی ٹرک حرکت میں آجائے اور ہماری منزل دیکھتا ہوا آگے نکل جائے۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ واپس آکر ہمارے ہٹ کو گھیرے میں لے سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس تھوڑے سے وقت میں مَیں حالات کو قابو سے باہر نہیں ہونے دوں گا۔"

"اور اگر شری مان سنگھ نے اصرار کیا کہ تم شیراڈ چھوڑ کر ماری پور سے اسی کی کار میں سفر کرو، تو کیا ہوگا؟" سلطان شاہ کو ایک نیا نکتہ سوجھ گیا "ٹرک والے کالی شیراڈ کا انتظار کرتے رہ جائیں گے۔ انہیں پتا بھی نہیں چل سکے گا کہ تم اندھیرے میں کس کار میں نکل گئے ہو۔"

"ماری پور لیول کراسنگ پر حالات مختلف ہوں گے۔ میں سختی کے ساتھ اس کی ایسی کوئی بھی تجویز رد کردوں گا اور واپس لوٹ جانے کی دھمکی تک دے سکوں گا۔ اتنی بات تم مجھ پر چھوڑ دو۔"

"احتیاطاً دو چار آدمی وہاں بھی بھیج دیے جائیں گے تاکہ وہ زبردستی نہ کرسکے" ظفر نے کہا "ویسے میرا اندازہ ہے کہ وہ ایک تجربے کار آدمی ہے۔ شہری حدود میں ایسا کوئی سنگین خطرہ مول

نہیں لے گا جس کی بنا پر اس کے پھنس جانے کا امکان پیدا ہو جائے۔"

اس نے اپنے خدشے پر خود ہی رائے دے دی تھی اس لیے میں خاموش رہا۔

شام کے لیے ایک منصوبہ طے ہو چکا تھا اس لیے ہم تینوں تندہی کے ساتھ اس کی جزئیات پر تبادلۂ خیال کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ظفر نے خود ہی اعتراف کر لیا کہ اس کی حالت اس قابل نہیں تھی کہ وہ خنک رات میں پوری مستعدی کے ساتھ اس مہم کی دیکھ بھال کر سکے۔ دوسری طرف وہ سلطان شاہ کی شرکت کا بھی مخالف تھا کیونکہ وہ بھی زخمی تھا جب کہ کھلے ساحل پر ہونے والے مقابلے میں کسی بھی شخص کی ذرا سی مجبوری یا مجبوری کی وجہ سے پیدا ہونے والی سستی اس کے لیے موت کا پیغام بن سکتی تھی۔

سلطان شاہ نے وہ فیصلہ آسانی کے ساتھ قبول نہیں کیا لیکن جب ظفر نے اسے یہ بتایا کہ اس کی دلی تمنا رہی ہے کہ وہ اپنے ازلی حریف کے کسی اہم سفارت کار پر رنگے ہاتھوں چھاپا مار سکے لیکن صورتِ حال کی نزاکت کی بنا پر وہ اپنے دل پر جبر کر کے مہم میں شرکت سے گریز کر رہا ہے' تو اسے بھی ہتھیار ڈالنے پڑے اور وہ منہ لٹکا کر بیٹھ گیا۔

اپنی غیر حاضری میں ظفر نے اشرف خان نامی' اپنے ایک ماتحت کو اس مہم کی نگرانی سونپنے کا فیصلہ کیا اس لیے اسے بھی وہیں طلب کر لیا گیا اور پھر نئی مہم کے واضح خدوخال بننے شروع ہو گئے۔

ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو سلطان شاہ کا منہ پھولا ہوا تھا۔ میں اسے ذرا بھی چھیڑتا تو وہ مجھ پر برس کر اپنے دل کا سارا غبار نکال لیتا۔ اس لیے میں خاموشی سے کار چلاتا رہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری شرکت سے ظفر کو کیا تکلیف تھی؟" طویل خاموشی سے بے زار ہو کر' آخر کار سلطان شاہ بول ہی پڑا "مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم دونوں نے مل کر مجھے ہر معاملے سے بالکل الگ تھلگ رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ کبھی تم مجھے گھر بٹھا دیتے ہو اور اب اس نے مجھے دور رہنے کا نادر شاہی مشورہ دیا ہے۔ اگر میں اسی قدر ناکارہ ہوں تو....."

"بس اب زیادہ نہ بولو!" میں نے اس کے تلخ ہونے سے پہلے ہی اس کی بات کاٹ دی "ہم میں سے کسی کو تمہاری اہمیت یا افادیت پر شبہ نہیں ہے۔ آج کی مہم میں جسمانی فٹنس بہت ضروری ہے۔ کھلی فضا میں ہونے والے امکانی مقابلے میں چاق و چوبند رہ کر ہی اپنا بچاؤ کیا جا سکے گا۔ وہاں سستی دکھانے والے کو امان نہیں مل سکے گی۔ اسی وجہ سے ظفر خود بھی رکنے پر مجبور ہو گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میرے بدن میں اترنے والی گولی مجھے ہی نقصان پہنچائے گی اس لیے میری سلامتی کے بارے میں اسے اتنا زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ جلے بھنے انداز میں بڑبڑایا "بعض اوقات دوسروں کی حد سے بڑھی ہوئی فکر مندی کوفت کا سبب بن جاتی ہے۔"

میرے نزدیک وہ اس کی خود کلامی تھی اس لیے میں نے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور وہ چند ثانیوں تک اول فول تبصرے کرنے کے بعد خود ہی خاموش ہو گیا۔

فلیٹ پر واپس پہنچنے کے بعد میرے پاس کافی وقت تھا اس لیے میں تازہ دم ہونے کی نیت سے باتھ روب سنبھال کر غسل خانے میں گھس گیا۔ شاور کے نیچے' اپنے بدن پر نیم گرم پانی کی تیز دھاریں ڈالتے ہوئے بھی میرا ذہن پوری صورتِ حال میں الجھا ہوا تھا۔

اس وقت میں کئی محاذوں پر الجھا ہوا تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ غزالہ والے معاملے کے علاوہ ہر طرف صورتِ حال پوری طرح قابو میں نظر آ رہی تھی۔

سب سے اہم معاملے کا تعلق بلیو کراس ڈیل کی سلامتی سے تھا اور اس بیش قیمت ایٹمی کھیپ کو مکمل تباہی سے بچانے کے لیے ویرا کوئٹہ کے راستے ایران کے لیے روانہ ہو چکی تھی۔ اس کے بعد ہیری کیسنجر کی باری آتی تھی جو ایک سپر پاور کا طاقت ور سیاسی اہل کار تھا اور ان دنوں میرے اور میرے ہمدردوں کے لہو کا پیاسا ہو رہا تھا لیکن اس کے پالتو غنڈے ایس ٹی ایف کے ہاتھوں بدترین شکست اور تباہی سے دوچار ہو چکے تھے۔ ان کا سرغنہ' استاد صدرو دردناک انداز میں جہنم کا ایندھن بن چکا تھا۔ اس کے بھاگ نکلنے والے ساتھی شہر کی انجان کمین گاہوں میں کہیں دبکے ہوئے اپنے زخم چاٹ رہے تھے۔ انہیں صدرو کے انجام کا علم نہیں ہو سکا تھا لیکن صدرو کے راہ سے ہٹ جانے کے بعد انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کس کے لیے کام کر رہے تھے۔ اس لیے ہیری کیسنجر کے ان خونخوار غنڈوں کا شیرازہ بھی بکھر کر رہ گیا تھا اور مجھے فوری طور پر ان کی طرف سے کسی جوابی کارروائی کا کوئی خدشہ نہیں تھا۔ اگلی کسی مہم کے لیے ہیری کیسنجر کو از سر نو کچھ لوگوں کو منظم اور یکجا کر کے میدان میں اتارنا پڑتا جس کے لیے وقت درکار ہوتا اور وہی وقت میرا سرمایہ تھا۔ تیسرے معاملے کا تعلق مافیا سے تھا۔ گو میں سیٹھ حبیب جیوانی اور اس کے منشیات فروشوں کے لیے اپنے دل میں نرمی کا کوئی گوشہ نہیں رکھتا تھا لیکن پھر بھی میں ان لوگوں کی صفوں میں ایک ذمے دار منصب پر فائز تھا۔ ان دنوں میں ویرا کی بیخ کنی کے بہانے ان لوگوں سے اپنی جان چھڑائے ہوئے تھا البتہ وہ میری نجات کا آخری دن تھا کیونکہ حبیب جیوانی کے آخری پیغام کے مطابق' مجھے اگلے روز دوپہر کے دو بجے سے پہلے ٹریڈ لائن کے دفتر پہنچنا تھا۔ وہ حبیب جیوانی کا حکم نہیں تھا بلکہ اسے بھی ڈان تھری کی جانب سے وہ ہدایت ملی تھی اور اس کے مطابق اگلا سورج طلوع ہونے تک میں مافیا کے بندھنوں سے پوری طرح آزاد اور خود مختار تھا۔

میرا آخری اور اہم معرکہ شری مان سنگھ کے ساتھ چل رہا

تھا۔ غزالہ کی ہانگ کانگ روانگی کے بارے میں مجھے اس نے بدترین الجھن میں ڈالا ہوا تھا۔ ایک طرف مکاؤ سے فون پر ملنے والی خبریں تھیں جن کے مطابق غزالہ ہانگ کانگ پولیس کی قید میں تھی اور دوسری طرف شری مان سنگھ نے مجھے یہ خبر سنائی ہوئی تھی کہ غزالہ سرے سے ہانگ کانگ گئی ہی نہیں تھی۔ البتہ اس کے کچھ طلب گاروں کو فریب دینے کے لیے' اس کی جگہ لکھنؤ کی شکنتلا دیوی کو بھیج دیا گیا تھا۔ وہ غزالہ تھی یا شکنتلا دیوی۔ اس کا انکشاف تو وقت آنے پر ہی ہو سکتا تھا لیکن میرے لیے تسلی کی بات یہ تھی کہ ہم نے کوئی بگاڑ پیدا کیے بغیر معاملے کے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا ہوا تھا۔

ہانگ کانگ میں شی کے آئی مین' کوانگ فو نے غزالہ کی بازیابی کے لیے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے اور کراچی میں' مَیں شری مان سنگھ کے ساتھ پُرپیچ مذاکرات میں مصروف تھا جس کا فیصلہ کن مرحلہ تیزی کے ساتھ قریب آتا جا رہا تھا۔

شری مان سنگھ سے اس وقت تک ہونے والی ملاقاتوں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ چکی تھی کہ ان لوگوں کی سازشوں کے منظرنامے سے ملاّ سرکار کے اچانک غائب ہو جانے کی وجہ سے وہ لوگ شدید بے چینی اور بے یقینی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ جب تک ملاّ سرکار سرگرم عمل تھا تو ہتھیاروں کی بھاری کھیپ کا بندوبست نہیں ہو سکا تھا۔ بعد میں الحدید کے ذریعے جدید ترین اور تباہ کن ہتھیاروں کی کھیپ آئی اور ساحل پر اترنے سے پہلے پکڑی گئی تو ملاّ سرکار گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو چکا تھا۔ اس کے بعد شاید وہ لوگ دوسرے ذرائع سے ہتھیاروں وغیرہ کی نئی کھیپ منگوانے کا بندوبست کر چکے تھے لیکن سندھ کے دیہی علاقوں میں ان کے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جو ان ہتھیاروں کو پوری ذمے داری کے ساتھ ان لوگوں تک پہنچا سکے جو قانون کی حکمرانی کو للکارتے ہوئے' جنگلوں میں روپوش ہو چکے تھے۔

اپنے روابط کی گم شدہ کڑیوں کو یکجا کرنے کے لیے شری مان سنگھ کو ایک قابلِ اعتماد آدمی کی شدید ضرورت تھی۔ ویرا نے اپنی حماقت کے زیرِ اثر' غزالہ کو اس کے حوالے کر کے گویا میری نکیل اس کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ وہ میرے ماضی سے خاصی حد تک واقف تھا اور اچھی طرح جانتا تھا کہ مجھے رام کر کے وہ اپنے مسائل پر بڑی حد تک قابو پا لے گا۔ اس نے غزالہ کی واپسی کے بدلے غلام رسول کو لانے کا مطالبہ کیا۔ میں نے اس بارے میں اپنے ضمیر پر کوئی بوجھ لیے بغیر غلام رسول کی سرد لاش اس کے آدمیوں کے حوالے کر کے ان پر حملہ کرا دیا۔ میں نے تکنیکی اعتبار سے اپنی ذمے داری پوری کر دی تھی لیکن شری مان سنگھ اپنے وعدے سے پھر گیا۔ اس نے ملاّ سرکار کا کھوج لگانے کی ذمے داری کے ساتھ ہی مجھ سے ایس ٹی ایف کی سرگرمیوں کا پتا چلانے کا بھی مطالبہ کر دیا۔

ملاّ سرکار را کا ایجنٹ تھا اور عام آبادی میں اپنی جگہ بنانے کے بعد اپنے ملک کے مفادات کے لیے درپردہ کام کر رہا تھا۔ اسی کی طرح شری مان سنگھ بھی اپنے ملک کی سیکرٹ سروس کا کارندہ تھا اور سفارتی نقاب کی اوٹ میں اپنی تخریبی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھا۔ اس نے مجھے اپنی راہ پر لانے کے لیے پیشہ ورانہ حربوں کا استعمال شروع کیا ہوا تھا اور گھیر گھار کر مجھے اپنی ہی سرزمین کے خلاف میدان میں لانا چاہتا تھا۔ مجھے اپنے چنگل میں پھانسنے کے لیے اس نے ایک ایسا دلدلی میدان تیار کیا تھا جہاں قدم رکھتے ہی میں اندر ہی اندر دھنستا چلا جاتا۔ میں ایک بار اس کے لیے کام کرنا شروع کر دیتا تو قلیل سی مدت میں' وہ میرے خلاف اتنا مواد اکٹھا کر سکتا تھا کہ میرے لیے اس کی بلیک میلنگ سے جان چھڑانا محال ہو جاتی اور میں ہمیشہ کے لیے اس متعفن دلدل میں دھنس کر رہ جاتا۔

میرے لیے یہ امر خوشی اور اطمینان کا باعث تھا کہ شری مان سنگھ سے فیصلہ کن اور اعصاب شکن ملاقات کے لیے میرے پاس خاصا وقت موجود تھا اور میں اپنی ذہنی توانائیاں دوسرے مسائل میں ضائع کیے بغیر اس مردود کی سازش کو ناکام بنا سکتا تھا۔

میں مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے ہی سیاہ شیراڈ کار میں ماری پور والے لیول کراسنگ پر پہنچ گیا اور ریلوے لائن عبور کر کے اپنی گاڑی ایک کنارے سے لگا دی۔

اس وقت تک وہاں ٹریفک کا دباؤ نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ مسافروں کے انتظار میں کھڑی ہوئی اکا دکا منی بسوں کے علاوہ وہاں ایسی کوئی گاڑی موجود نہیں تھی جس پر شری مان سنگھ کی کار ہونے کا شبہ کیا جا سکتا۔ میں نے نہایت غور سے قرب و جوار کا جائزہ لیا لیکن ایسے لوگوں کی نشاندہی سے قاصر رہا جن پر ایس ٹی ایف سے تعلق رکھنے کا شبہ کیا جا سکتا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ ظفر عملی طور پر اس مہم میں شریک نہیں ہو سکا تھا لیکن اس نے پس پردہ رہتے ہوئے اس امر کا پورا پورا بندوبست کر لیا ہو گا کہ حفاظتی تدابیر میں کوئی کمی نہ رہ سکے۔ اس نے میری موجودگی میں اشرف خان کو اپنا پورا پلان سمجھا دیا تھا جس کی رو سے ایس ٹی ایف کے کم از کم تین مسلح افراد کو ایسی جگہوں پر موجود ہونا چاہیے تھا جہاں سے وہ بوقتِ ضرورت میری مدد کے لیے آ سکیں۔

ٹھیک سات بجے مجھے اپنی کار کے عقب نما آئینے میں ایک کار کے روشن ہیڈ لیمپس نظر آئے۔ وہ کار ریلوے لائن عبور کر کے میری ہی طرف آ رہی تھی۔ اس کی رفتار بہت سست تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کار چلانے والے کو اپنے آس پاس کسی کی تلاش ہو۔ میں اپنی ڈرائیونگ سیٹ پر چوکنا ہو گیا۔

اسے کسی کی تلاش تھی جب کہ وہاں قرب و جوار میں میری گاڑی کے علاوہ کوئی کار موجود نہیں تھی اس لیے وہ کار سیدھی

...برابر میں آرکی۔
وہ نئے ماڈل کی سفید ٹویوٹا کرولا تھی۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ ...ایک تنومند اور جھگڑالو تیوروں والا شخص براجمان تھا جب کہ ...پچھلی سیٹ پر شری مان سنگھ دھنسا ہوا تھا۔
کرولا کے رکنے سے پہلے شری مان سنگھ نے بھی مجھے دیکھ لیا اور ...وہ گاڑی رکی تو شری مان سنگھ اپنے بائیں طرف سرک کر کھڑکی کے قریب آچکا تھا۔
"اپنی گاڑی یہیں کہیں پارک کر کے لاک کر دو۔" اس نے ...شیشہ اتار کر مجھ سے کہا "ایک ہی کار میں باتیں کرتے ہوئے آرام سے چلیں گے۔ واپسی پر اپنی گاڑی لے لینا۔"
اس کی وہ تجویز ہمارے طے شدہ منصوبے سے متصادم تھی۔ ...اس بے کے ہٹس کے آغاز پر' ٹرک میں چھپے ہوئے ایس ٹی ایف کے آدمی میری کالی شیراڈ ہی پہچان کر اپنی پیش قدمی کا آغاز کرتے۔ اگر میں اپنی کار چھوڑ کر سفید کرولا میں سفر کرتا تو میں ان کے قریب سے گزر جاتا اور رات کے اندھیرے میں انہیں پتا بھی نہ چلتا کہ شری مان سنگھ مجھے کب اپنے چوہے دان کی طرف لے گیا ہے۔
"خدا کا خوف کرو' شری!" میں نے اس کی تجویز سنتے ہی کہا۔ "آج کل شہر کے بھرے پرے بازاروں میں لوگوں سے گاڑیاں چھینی جا رہی ہیں اور تم مجھے اس ویرانے میں گاڑی چھوڑنے کا مشورہ دے رہے ہو۔ یہاں تھوڑی ہی دیر میں اُلّو بولنے لگیں گے اور پھر گاڑی تو کیا اس کے سائے کا بھی پتا نہیں چلے گا۔"
"پھر گاڑی واپس گھما لو۔ ٹرک اسٹینڈ کے علاقے میں ساری رات' دن کا سماں رہتا ہے۔ گاڑی وہیں کسی دکان یا پیٹرول پمپ پر چھوڑ دینا' وہاں کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔"
"بلاوجہ وقت برباد ہو گا۔" میں نے اس کے اصرار کا توڑ کرنے کے لیے سختی سے کہا "ہم اپنی اپنی گاڑیوں میں ہی چلیں گے۔ تمہارا موڈ ہو تو رات ساحل پر گزار لینا۔ میں فارغ ہو کر واپس شہر لوٹنا چاہتا ہوں۔ میری گاڑی موجود ہو گی تو تمہیں کوئی زحمت نہیں ہو گی۔"
"پھر تم میرے ساتھ آجاؤ!" اس نے آخری حربہ آزماتے ہوئے کہا "تمہاری کار میرا ڈرائیور چلا لے گا۔" اس کی بات پوری ہوتے ہی اس کا ڈرائیور اپنی سیٹ چھوڑ کر نیچے اتر گیا۔
اس کی وہ تجویز میرے لیے غیر متوقع تھی۔ اپنا منصوبہ طے کرتے ہوئے' میں نے یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ کسی ڈرائیور کے ساتھ آئے گا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اکیلا ہو گا اور میں آسانی کے ساتھ اپنی گاڑی میں سفر جاری رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا مگر وہ میری جان کا جنجال بننے پر تلا ہوا تھا۔
"اگر مجھے اپنی کار میں اغوا کر کے کہیں اور لے جانے کا پروگرام ہے تو کھل کر بات کرو۔" میں نے تنگ آکر جھنجھلاتے ہوئے کہا "ورنہ اپنی اپنی گاڑی میں چلو۔ میں تمہارے پیچھے آتا رہوں گا۔"
"میری نیت خراب ہو تو آگے چل کر بھی گڑبڑ کر سکتا ہوں۔ تم بلاوجہ بات کا بتنگڑ بنا رہے ہو۔ جب تم یہیں سے میری نیت پر شبہ کر رہے ہو تو ہٹ میں پہنچنے کے بعد کیا ہو گا؟ وہاں تم پوری طرح میرے رحم و کرم پر ہو گے۔"
"وہ بعد کی بات ہے۔" میں نے جھلا کر کہا "اس وقت تو وہی ہو گا جو میں کہہ رہا ہوں ورنہ آج کی ملاقات کو ختم سمجھو۔ بعد میں ہم کسی اچھے وقت پر دوبارہ مل سکتے ہیں۔"
"تم بہت ضدی ہو۔" وہ بے بسی کے ساتھ ہنستے ہوئے بولا۔ "جس بات پر اڑ جاتے ہو' اس پر سے تمہیں ہلانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ملاقات میری نہیں بلکہ تمہاری مرضی سے ہو رہی ہے۔ میں نے بہت مشکل سے وقت نکال کر تمہارے لیے ایک خوب صورت دعوت کا اہتمام کیا ہے اور تم میرے سارے بندوبست کو خاک میں ملانے پر تلے ہوئے ہو۔ خیر' تم جس طرح چاہو میرے پیچھے چلے آؤ۔ باقی باتیں ہٹ پر ہی ہو جائیں گی۔"
اس کا جسیم ڈرائیور پھرتی کے ساتھ اپنی نشست سنبھال کر آگے روانہ ہو گیا اور میں بھی شیراڈ کا انجن اسٹارٹ کر کے تیزی کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔
میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ بات چبھ رہی تھی کہ شری مان سنگھ مجھے اپنی ہی گاڑی میں لے جانے پر کیوں مُصر تھا حالانکہ ہٹ پر پہنچنے کے بعد میں بظاہر پوری طرح اس کے رحم و کرم پر ہوتا اور اگر وہ میرے ساتھ کوئی چال ہی چلنی چاہ رہا تھا تو اسے اس کے لیے ہٹ پر بہتر مواقع میسر ہوتے۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ شاید اس نے ہٹ کا سرے سے کوئی بندوبست ہی نہیں کیا تھا اور مجھے بہلا پھسلا کر راستے ہی سے اغوا کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا تھا۔ میں ایک بار اس کی کار میں سوار ہو جاتا تو وہ راستے میں موقع پا کر مجھے بے ہوش کر سکتا تھا اور ایسی حالت میں اپنے کسی بھی محفوظ ٹھکانے پر قید کر سکتا تھا لیکن مجھے فوراً ہی وہ خیال اپنے سر سے جھٹک دینا پڑا کیونکہ وہ خود ہی ہٹ پر کسی پُرتکلف ضیافت کا ذکر کر چکا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس کے پروگرام میں ہٹ کا انتظام شامل تھا۔
سفید کرولا کے پیچھے سفر کرتے ہوئے میں نے یہ بات بھی نوٹ کی کہ اس کار پر سفارتی نمبر پلیٹ کے بجائے کراچی کی عام نمبر پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ عام حالات میں وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوتی کیونکہ بیشتر سفارت کار اپنی نجی مصروفیات اور خاص طور پر تفریحی سرگرمیوں کے دوران میں لوگوں کی توجہ سے بچے رہنے کے لیے اپنی ہر سفارتی شناخت کو خیرباد کہنے کو ترجیح دیتے ہیں لیکن وہاں معاملہ شری مان سنگھ جیسے چالاک سیکرٹ ایجنٹ کا تھا اس لیے میں خود کو ہر معمولی سے معمولی بات پر توجہ دینے کے لیے مجبور پا رہا تھا۔
کراچی کے ساحلی تفریحی مقامات پر شہری سہولیات اور تحفظ کی عدم فراہمی کی وجہ سے رات میں آمدورفت کا رجحان نہیں پایا

جاتا۔ سمندری تفریحات کے دلدادہ لوگوں کی دوڑ عموماً کلفٹن تک محدود رہتی ہے۔ رات میں ہاکس بے اور سینڈز پٹ کے دور افتادہ اور تاریک سواحل کا رخ کرنے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ ان میں وہی غیر ملکی نظر آتے ہیں جو رات کے سناٹے میں، ساحلی ریت پر کچھوؤں اور کیکڑوں کی مست خرامی کے نظارے دیکھنے کے شوق میں اپنے مقامی میزبانوں کے ساتھ مہم جوئی پر نکل پڑتے ہیں اور پھر سمندر کے بپھرے ہوئے پانیوں میں بھی پاؤں تر کرلیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ٹول ٹیکس پوسٹ کے دو نفری عملے نے قدرے حیرت کے ساتھ پیسے وصول کرکے دونوں گاڑیوں کو ٹیکس ٹوکن دیے اور ہمارا ویرانے کا سفر شروع ہوگیا۔

طویل مسافت طے کرنے کے بعد جب رات کے لامتناہی سناٹے میں سمندر کی سرکش موجوں کا دھیما دھیما شور سنائی دینے لگا تو اندھیرے میں دور تک پھیلتی ہوئی، ہیڈ لیمپس کی روشنی میں، کہیں کہیں ہٹس کے آثار بھی نظر آنے لگے۔ پھر اسی انعکاس میں سڑک کے کنارے ایک خستہ حال ٹرک کا ہیولا بھی نظر آیا جو ایک ہی جگہ ٹھہرا ہوا تھا۔ ٹرک نظر آتے ہی مجھے اپنے سر پر سے ایک بڑا بوجھ اترتا ہوا محسوس ہوا۔

دونوں گاڑیوں کی رفتار خاصی تیز تھی لیکن اس وقت ہم ٹرک سے خاصی دور تھے کہ اچانک ٹرک کے سائلنسر سے دھوئیں کا ایک مرغولہ خارج ہوا، اس کی عقبی بتیاں روشن ہوئیں اور ٹرک آہستگی کے ساتھ حرکت میں آتا ہوا نظر آیا۔ شاید وہ لوگ اپنی ذات کو ہر شک وشبے سے بالاتر رکھنے کے لیے، ہر گاڑی کی آمد پر اسی طرح ٹرک اسٹارٹ کرکے پیش قدمی کررہے تھے اور شاید کالی شیراڈ نظر نہ آنے پر دوبارہ رک کر انجن بند کرلیتے تھے۔

آناً فاناً میں، میں کچے سے رینگ کر سڑک پر آتے ہوئے، نصف باڈی والے ٹرک سے آگے نکل گیا۔ اندھیرے اور تیز رفتاری کی وجہ سے میں ٹرک کے کیبن کا جائزہ نہیں لے سکا لیکن آگے نکل جانے کے بعد، میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا کہ میری کار دیکھتے ہی، ان لوگوں کے ٹرک نے رفتار پکڑلی تھی۔

چند ہی منٹ بعد ہم ساحل کے متوازی بنی ہوئی سڑک پر آگئے جہاں داہنے ہاتھ پر شورزدہ ویرانہ پھیلا ہوا تھا اور بائیں طرف ہٹس کی قطار سے آگے سمندر کا کنارا تھا۔

کاروں کے مقابلے میں ٹرک کی رفتار بہت زیادہ سست نہیں تھی۔ خاک دھول میں اٹا ہوا ہونے کی وجہ سے وہ خستہ حال ضرور نظر آیا تھا لیکن میری گاڑی سے اس کا فاصلہ بتارہا تھا کہ ٹرک کا انجن بہت مضبوط اور جان دار تھا۔ جس کے سہارے وہ گھنٹوں ہمارا کامیاب تعاقب کرسکتے تھے۔

لیکن وہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہا۔ اچانک شری مان سنگھ کی کار کی رفتار کم ہوئی اور وہ بائیں طرف ایک پختہ راستے پر گھوم گئی جو ایک وسیع دو منزلہ ہٹ کی طرف جارہا تھا۔ میں نے اس کی تقلید کی اور چند ثانیوں بعد ٹرک غراتا ہوا آگے نکلتا چلا گیا۔

ہمارے پہنچنے سے پہلے اس ہٹ پر ایک سیاہ مرسڈیز پہلے سے موجود تھی اور ہٹ کے بعض حصوں سے جھانکنے والی روشنی سے پتا چل رہا تھا کہ وہ ہٹ اس وقت بھی آباد تھا۔ میں اپنی کار کا انجن بند کرکے نیچے اترا تو میرے کانوں میں جنریٹر کا ہلکا سا شور گونجنے لگا۔ ہٹ میں روشنی کے بارے میں میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ ان لوگوں نے اپنی ضروریات کے لیے وہاں کسی طاقت ور جنریٹر کا بندوبست کیا ہوا تھا۔

ہماری گاڑیاں رکتے ہی ہٹ کی دیوار کے سائے سے ایک دراز قامت سایہ نکل کر ہمارے سامنے آگیا۔ تاروں بھرے آسمان کے نیچے، میلے کپڑوں میں ملبوس اس دراز قامت شخص کی آنکھوں میں پُراسرار اور معنی خیز چمک کوند رہی تھی۔ خنک ہواؤں سے اپنے بچاؤ کے لیے اس نے ایک پرانا اونی کوٹ پہنا ہوا تھا اور سر پر بھی اونی ٹوپی اوڑھ رکھی تھی۔ اپنی وضع قطع سے ملازمین کے کسی جاں نثار اور وفادار قبیلے کا فرد معلوم ہورہا تھا۔

اس نے سب سے پہلے شری مان سنگھ کو سلام کیا جس کا مطلب تھا کہ شری مان سنگھ اس ہٹ پر اجنبی نہیں بلکہ اکثر وہاں آتا جاتا رہتا تھا۔

"کیا حال ہے، احمد؟" شری مان سنگھ نے اپنائیت کے ساتھ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"بس صاحب، کرم ہے مولا کا۔" اس نے رسمی سا جواب دیا پھر قدرے رازدارانہ لہجے میں بولا "مس لوگ اندر ہے۔ وہسکی اور سوڈا فریج میں ہے۔ اوپر پانی کی ٹنکی فل ہے۔ جنریٹر میں بھی صبح تک کے لیے پیٹرول کا بندوبست ہے اور کوئی کام ہو تو میں ادھر ہی رہے گا۔"

"یہاں ٹھنڈ اور اوس میں بیمار پڑجاؤ گے۔" شری مان سنگھ نے ہمدردی سے کہا "ادھر آگے برآمدے میں چلے جاؤ۔ ہم لوگ زیادہ وقت اندر ہی گزاریں گے۔"

وہ عارفانہ انداز میں دھیمے سے ہنسا اور بولا "صاحب، ہم لوگ سمندر کے کیڑے ہیں۔ سردی اور گرمی میں اسی پانی سے لڑکر زندہ رہتے ہیں۔ ٹھنڈ اور اوس ہمارا کچھ نہیں بگاڑتی۔ ہاں ریت سے نکلنے والے زہریلے کیڑوں سے ڈر لگتا ہے۔ تم بھی باہر نکلو تو ذرا خیال رکھنا۔ یہ کیڑے چاندنی راتوں میں زیادہ نظر آتے ہیں۔"

احمد کے تعارف کے لیے وہ گفتگو کافی تھی۔ وہ مچھیروں کے قبیلے کا کوئی مقامی تھا جو اپنی سہل پسندی کی وجہ سے آبائی پیشے کو خیرباد کہہ کر ان ہٹس کی چوکیداری پر گزارہ کررہا تھا۔ ہاکس بے اور سینڈز پٹ کے علاقے میں ایسا ہر چوکیدار، دس پانچ ہٹس کی نگہبانی کرتا تھا۔ انہیں ہٹس کے مالکان سے ملنے والی قلیل تنخواہ سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ چھٹی کے دنوں میں تفریح کے لیے ادھر آنکلنے والے لوگوں کو سو پچاس روپے لے کر، اپنے ہٹس کے سایہ دار برآمدے

لیوا استعمال کرنے کی چھوٹ دے دیتے تھے۔ کوئی پارٹی مٹھی زیادہ
گرم کرنے کی توفیق رکھتی ہو تو اسے غیر آباد ہٹس کے کمروں اور
زنجیر وغیرہ سے بھی فیضیاب ہونے کا موقع مل جاتا تھا۔

احمد کی آنکھوں میں کوندنے والی مخصوص چمک اور لب و لہجے
کی سرگرمی سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ہیجان کے عالم میں تھا۔
مجھے معلوم تھا کہ سوڈے کے کریٹ بلاوجہ ٹھنڈے نہیں کرائے
گئے تھے۔ اس کا میل لال پری سے ہی ملتا تھا۔ ویران ساحل پر
شراب پینے والوں کے ساتھ مس لوگ بھی ہوں تو ان راتوں کا
نشا احمد کو نہ جانے کتنی راتوں تک سونے نہ دیتا ہوگا اور وہ موسم
کی پروا کیے بغیر جولائی کے ان ہی لمحوں کے انتظار میں وہاں رات
گزارنے پر آمادہ تھا۔

شری مان سنگھ کو لانے والا ڈرائیور' احمد کے پاس ہی رک گیا۔
میں نے شری مان سنگھ کے ساتھ برآمدے کی دوسری ہی سیڑھی پر
قدم رکھا تھا کہ ہٹ کا دروازہ کھلا اور میری آنکھوں کے سامنے
بجلی سی کوند گئی۔

ہاکس بے کے ساحل پر رات گزارنے کا ذکر کرتے ہوئے
شری مان سنگھ نے خاصی رنگ آمیزی سے کام لیا تھا اور میں اس
علاقے کی بے برگ و بار فضا سے واقف ہوتے ہوئے بھی خاموش
ہی رہا تھا لیکن اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ شری مان سنگھ نے وہاں
اپنا دل بہلانے کا ہر سامان جمع کیا ہوا تھا۔

کھلے ہوئے دروازے میں سے دھیمے اور مدھر سُروں میں کسی
مغنیہ کی رسیلی آواز آرہی تھی۔ شاید اندر غزلوں کا کوئی کیسٹ چل
رہا تھا اور رنگے ہوئے سنہرے بالوں والی ایک سراپا غزل دروازے
پر کھڑی ہمیں خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ وہ کسی بھی معیار اور انداز
سے حسین کہے جانے کے قابل نہیں تھی۔ خدوخال واجبی سے
تھے' ہونٹ نزاکت سے عاری مگر آنکھیں چمک سے بھرپور تھیں۔
لیکن اس نے اپنے بھرے بھرے بدن پر ایسا چست اور خوش رنگ
لباس پہنا ہوا تھا کہ نگاہیں اس کے بدن کے ارمان انگیز نشیب و
فراز میں الجھ کر حسن کی ہر روایتی تعریف کو بھول جاتی تھیں۔ اس
نے اپنے شہابی رنگ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت ہلکے میک اپ
کا سہارا لیا ہوا تھا۔ اس پر ترشے ہوئے سنہری بالوں نے اسے بے
حد جاذب نظر بنا دیا تھا۔

"آؤ یار شری!" اس نے بڑھ کر شری مان سنگھ سے ہاتھ ملاتے
ہوئے بے تکلفی سے کہا "تمہاری بس یہی ادا ہمیں مار دیتی ہے کہ
تم ہمیشہ وقت کا دھیان رکھتے ہو لیکن یہ دیکھ لو کہ آج بھی ہم تم سے
پہلے پہنچے ہوئے ہیں۔"

"مبارک ہو... یہ مرسڈیز کب خریدی تم نے؟" شری مان
سنگھ نے اس کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا "معلوم ہوتا
ہے کہ آج کل بہت اونچی اڑ رہی ہو۔"

"یار' ہماری سوچ تو ہمیشہ ہی اونچی رہی ہے۔ بس قسمت ذرا
دیر سے یاوری کرتی ہے۔ آج کل محکمۂ تجارت کا ایک کھوسٹ افسر
ہم پر مہربان ہو رہا ہے۔ ہمیں اس کی صورت اور بیمار عادتوں سے چڑ
ہے۔ ہم اسے دھتکارتے ہیں تو وہ بڈھا سمجھتا ہے کہ ہم نخرے دکھا
رہے ہیں۔ ہماری ناز برداری میں اس نے آج کل حاتم کی قبر پر
لات ماری ہوئی ہے۔ اسی سے نکالے ہوئے مال سے ہم نے یہ
گاڑی خریدی ہے۔"

"بہت شاندار ہے' بالکل تمہاری طرح!" شری مان سنگھ نے
قہقہہ مار کر تعریف کی۔

"بالکل نہیں!" اس نے اپنے بڑے بڑے دیدے مٹکا کر کہا۔
"نئی ہوتی تو ہماری طرح ہوتی۔ یہ دو سال پرانا ماڈل ہے۔"

"دو کیا' مرسڈیز تو دس سال تک چلنے کے بعد بھی نئی رہتی
ہے۔" شری مان سنگھ نے اس کا بازو دباتے ہوئے کہا "لیکن میں یہ
سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس سرکاری افسر کے پاس اتنا پیسہ کہاں
سے آرہا ہے جو وہ تم پر ایک خزانہ لٹائے جا رہا ہے۔ یہ گاڑی اٹھارہ
بیس لاکھ سے کم کیا ہوگی؟"

"ہمارے نصیب سے اسے مل رہا ہے۔ کوئی نہ کوئی دے ہی
جاتا ہوگا۔ ہمیں آم کھانے سے مطلب ہے' پیڑ گن کر اپنا وقت
کیوں خراب کریں؟ اپنی فیاضیوں کی وجہ سے اب وہ ہمیں کبھی کبھی
اچھا لگنے لگا ہے۔"

گفتگو کا وہ سلسلہ وہیں رک گیا کیونکہ ایک کمرے سے گزر کر
ہم تینوں آراستہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو چکے تھے جہاں ایک
جوڑا پہلے سے موجود تھا۔ فضا میں پرانی اسکاچ کی بو رچی ہوئی تھی
اور فضا میں دھوئیں کے مرغولے چکرا رہے تھے۔ ان دونوں کے
سامنے میز پر سوڈے کی کھلی ہوئی بوتلیں اور بھرے ہوئے گلاس
موجود تھے۔ اسکاچ کی بوتل عورت کے قدموں میں' قالین پر رکھی
ہوئی تھی۔

اس وقت تک میں ان دونوں کے پیچھے چل رہا تھا۔ اندر پہنچنے
کے بعد شری مان سنگھ دوسرے مرد سے ملنے کے لیے پُرتپاک انداز
میں آگے بڑھا تو میں پیش قدمی کر کے سنہرے بالوں والی کے برابر میں
پہنچ گیا۔

"ارے' معاف کرنا!" اس نے معذرت خواہانہ انداز میں
فوراً ہی اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا "باتوں میں ہم تمہیں تو
بھول ہی گئے تھے۔ ہاؤ سلی' اتنی دیر ہوگئی اور ہم نے اپنا تعارف
تک نہیں کرایا۔ ہمیں للّی کہتے ہیں۔ شی از پارو' اور اس کا ساتھی
روی ہے۔"

"سارے نِک نیم ہی چل رہے ہیں تو میں ڈینی ہوں۔" میں نے
گرمجوشی کے ساتھ اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

للّی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی الہڑ
دیہاتن کے ہاتھوں سے چاندی کے گھنگھرو سنگلاخ زمین پر گر کر بج
اٹھے ہوں۔ اس کی ہنسی بہت مترنم اور دل آویز تھی۔ وہ ہنسی تو اس

کے بھرے بھرے، شہابی رخساروں پر دونوں طرف گہرے گڑھے پڑ گئے جنہوں نے اس کی کشش میں اور اضافہ کر دیا۔

"خوش ذوق معلوم ہوتے ہو۔" وہ میرے ساتھ صوفوں کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "پڑھے لکھے اور شائستہ لوگوں سے مل کر ہمیں بہت خوشی ہوتی ہے۔ تم اسٹرانگ لیتے ہو یا لائٹ؟"

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا پھر آہستگی سے کہا "نیٹ! نو کیمنگ!"

"ہاؤ سویٹ!" وہ خوشی سے اچھل پڑی "ہم بھی نیٹ ہی پیتے ہیں۔ شراب جب تک پگھلی ہوئی آگ کی طرح حلق اور چھاتی کو نہ جلائے، مزہ نہیں دیتی لیکن شری کہتا ہے کہ خالص شراب عمر آدھی کر دیتی ہے۔"

"تمہیں قدرت نے اتنا حسین بنایا ہے کہ تمہاری عمر تو ہمیشہ آدھی ہی رہے گی۔ سو برس کی ہو کر بھی پچاس کی نظر آؤ گی۔ پھر اس پرہیز سے فائدہ؟" میں نے اسے خوش کرنے اور ماحول میں گھل مل جانے کی نیت سے کہا اور وہ بے تحاشا خوش ہو گئی۔ ایسی بھرپور اور انوکھی تعریف شاید اس نے پہلی بار سنی تھی۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ دونوں میں سے کسی مرد نے میرے بے تکلفانہ تبصرے پر منہ نہیں بنایا تھا۔ میں پارو اور روی سے ہاتھ ملا کر صوفے پر بیٹھ گیا اور ربّی ہمارے لیے گلاس بنانے لگی۔

اس ملاقات کے بارے میں شروع ہی سے میرے ذہن میں خدشات موجود تھے اس لیے میں ہر لمحے بہت ہوشیار اور چوکنا رہا تھا۔ باہر گاڑی کے ہیڈ لیمپس بند کرنے سے پہلے میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہاں احمد کے علاوہ اور کوئی ذی روح موجود نہیں تھا یا کم از کم نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے بعد ربّی سامنے آئی تو اس کی شخصیت بہت بے ضرر بلکہ رسیلی نظر آئی۔ اس کی گفتگو کا انداز منفرد تھا، وہ تعلیم یافتہ بھی نظر آتی تھی اور اگر اس نے مرسڈیز کے حوالے سے اپنے کسی کھوسٹ عاشق کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں یہی سمجھتا کہ وہ کسی مال دار گھرانے کی بگڑی ہوئی لڑکی ہے کیونکہ اُن دنوں شہر کے متمول خاندانوں کی لڑکیوں اور عورتوں میں بے باکانہ انداز میں گفتگو کرنے کا رجحان روز بروز ترقی پذیر تھا بلکہ بعض فیشن زدہ لڑکیاں تو خود کو ترقی پسند ظاہر کرنے کے لیے گفتگو میں چھوٹی موٹی گالیوں کا استعمال بھی ضروری سمجھنے لگی تھیں۔

پارو نازک اندام اور قدرے سنجیدہ لڑکی تھی۔ وہ جینز اور جیکٹ میں ملبوس تھی اور یوں سوچ سوچ کر اسکاچ کے گھونٹ لے رہی تھی جیسے اس کا ذہن کسی فلسفیانہ مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ اس سے کسی مار دھاڑ یا ہنگامہ آرائی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی اور یہی حال روی کا تھا۔ وہ کسرتی بدن کا مالک ضرور تھا لیکن اس کے بشرے سے ایسی پیدائشی بے پروائی اور خوش حالی کا اظہار ہو رہا تھا جو تیسرے درجے کے غنڈوں جیسی لڑائی بھڑائی کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

اس پوری بھیڑ میں شری مان سنگھ اور اس کے ڈرائیور کے علاوہ مجھے کوئی ایسا فرد نظر نہیں آیا تھا جس کی وجہ سے مجھے اپنی سلامتی کو کوئی خطرہ محسوس ہوتا۔

ربّی واضح طور پر ایک رنگین مزاج اور دل پھینک لڑکی تھی ہو سکتا ہے کہ وہ پیشہ ور کال گرل ہی رہی ہو۔ اسی طرح پارو بھی مردوں سے آزادانہ دوستی اور میل جول کی عادی نظر آتی تھی اور شاید روی کی گرل فرینڈ بھی تھی کیونکہ ہماری آمد پر وہ دونوں اندر ہی راز و نیاز میں مصروف رہے تھے۔ ربّی، شری مان سنگھ کی بھی ہو سکتی تھی۔ ان سب میں ایک قدر مشترک یہ تھی کہ ان کے نام ہندوانہ تھے۔ لیکن اس موقع پر ان کی یکجائی نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔

اس وقت تک کہیں بھی، خطرے کی کوئی علامت نہیں تھی اور بظاہر وہ خوش باش اور بے فکرے لوگوں کی محفل ہاؤ ہو معلوم ہو رہی تھی۔ جہاں میں دو جوڑوں کے درمیان پھنس گیا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ شری مان سنگھ مجھے وہاں کیوں لایا تھا اور مجھ سے کیا چاہتا تھا۔

اسی اثنا میں شری مان سنگھ کا ڈرائیور ایک وزنی باسکٹ لے آیا جس میں سے اٹھنے والی ملی جلی اشتہا انگیز خوشبوؤں میں بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو سب سے زیادہ نمایاں تھی۔

اسکاچ کے گلاس تیار کرنے کے بعد ربّی، شری مان سنگھ کے بجائے، نہایت بے تکلفانہ انداز میں میرے قریب آ کر بیٹھی تو میں بوکھلا گیا۔

"ہم کہیں اور بیٹھ جائیں؟" مجھے اپنے وجود میں سمٹتا دیکھ کر ربّی نے معصومانہ انداز میں پلکیں جھپکاتے ہوئے مجھ سے سوال کیا "تم کچھ بے آرام سے لگ رہے ہو۔"

"نن.... نہیں، تم شوق سے یہیں بیٹھو۔ یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ تم کو پورے کمرے میں یہی جگہ پسند آئی۔ بس مجھے شری کے اکیلے پن کا خیال آ گیا تھا۔" بوکھلاہٹ کے ابتدائی حملے کے بعد میں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

"ایک تو تم خود اچھے ہو پھر تمہارا نام اتنا اچھا ہے...." ربّی کہتے ہوئے "ایسا لگتا ہے جیسے کوئی گینڈے کا سر توڑنے والا آ گیا ہو۔ شری نے تو آج ہمیں تم ہی سے ملوانے کے لیے بلایا ہے.... ویسے تم کرتے کیا ہو؟"

"گینڈوں کے سر توڑتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا اور کمرا قہقہوں سے گونج اٹھا۔

اِدھر اُدھر کی باتوں اور خوش گپیوں میں وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ ربّی بے تکلفانہ چھیڑ چھاڑ کر کے میرے اعصاب پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ ساتھ ہی اس کی کوشش بھی تھی کہ میرے معدے میں شراب کی مقدار تیزی سے

بڑھتی رہے۔

پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک چھناکا ہوا۔ شراب اور
بلب!

شری مان سنگھ نے یہ دیکھ لیا تھا کہ میں نے اس کے بھرے کونسیٹ میں اپنی جان کی پروا کیے بغیر اس کے محافظوں کو غیر مسلح کر کے ان لوگوں کو یرغمال بنالیا تھا۔ پھر نتائج کی فکر کیے بغیر' پوری بے خوفی کے ساتھ وہ ہتھیار انہیں لوٹا بھی دیے تھے۔ اس وقت میرے دل و دماغ کی جو کیفیت تھی وہ میں ہی جانتا تھا لیکن شری مان سنگھ کے نقطۂ نظر سے وہ میری بے جگری اور دلیری کا ایک شاندار مظاہرہ تھا۔

اس تجربے کی بنا پر شاید شری مان سنگھ نے یہ رائے قائم کرلی تھی کہ وہ محض طاقت کے بل پر مجھے جھکانے میں کامیاب نہیں ہوسکے گا اس لیے اُس نے ان دونوں ہتھیاروں کو بیک وقت آزمانے کا فیصلہ کرلیا جو دنیا کے کسی بھی مرد کو زیر کرنے کے لیے سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

اس وقت تک اس نے مجھ سے کام کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ دوسری طرف رلّی' اس کے ایما پر مجھے نہ صرف تیزی سے شراب پلائے جارہی تھی بلکہ اپنی شوخ اداؤں سے مجھے مشتعل کرنے کی ہر ممکن کوشش کررہی تھی۔ دوسری طرف مجھے ترغیب و تحریص دلانے کے لیے روی خاصی نازیبا صورت میں پارو کے ساتھ جڑا بیٹھا تھا اور شری مان سنگھ کسی تجربے کار گدھ کی طرح' الگ بیٹھا' چور نظروں سے رلّی کی کارکردگی کا جائزہ لے رہا تھا۔

شری مان سنگھ کی اس غلیظ حکمتِ عملی کا ادراک ہوتے ہی میں اس لمحے کو کوسنے لگا جب میں نے رلّی کو چڑانے کی نیت سے نیٹ اسکاچ پینے کی فرمائش کی تھی۔

اس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ رلّی نے پہلے گلاس کے بعد اسکاچ کی ایک بوند بھی نہیں لی تھی۔ وہ جتنی پیتی تھی گلاس میں صرف سوڈا ڈال کر اسی کو پورا کرلیتی تھی جب کہ مجھے وہ ہر بار خالص اسکاچ دیے جارہی تھی۔

مجھے اپنی حد کا بخوبی اندازہ تھا لیکن اس نازک مرحلے پر میں ذہنی دباؤ کے ساتھ ساتھ جسمانی جمود سے بھی بچنا چاہ رہا تھا اس لیے نیٹ وہسکی کے تین لارج پیگ بخیر و خوبی ہضم کرلینے کے بعد میں نے فوری طور پر نشے میں آجانے کی اداکاری شروع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

ان حالات میں میرے لیے وہی ایک طریقہ رہ گیا تھا جس پر عمل کرکے میں شری مان سنگھ کو کھل کر سامنے آنے پر آمادہ یا مجبور کرسکتا تھا۔

مجھے اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ رلّی کے انگ انگ میں صنفِ مخالف کے لیے بے پناہ مقناطیسی کشش موجود تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھے بیٹھے کئی بار میرے دل میں یہ

خواہش پوری شدت سے بیدار ہوئی تھی کہ اس کے نرم و گداز سراپا سے ہم نشینی کا کچھ نہ کچھ خراج وصول کیا جائے لیکن اس وقت تک میں نیٹ وہسکی پینے کے باوجود فرزانگی کا مظاہرہ کررہا تھا اس لیے کسی بھی عامیانہ حرکت سے گریز کرتا رہا لیکن نشے میں آنے کی اداکاری شروع کرتے ہی' میں قدرے بے راہ روی کا مظاہرہ کرسکتا تھا۔ اس لیے میں نے اپنے لہجے کو بوجھل اور قدرے لکنت آمیز بناتے ہوئے مدافعانہ طرزِ عمل کو خیرباد کہہ دیا۔

جارحانہ رویّے کے زیرِ اثر کی جانے والی ابتدائی چھیڑچھاڑ کو رلّی نے خوشگوار حیرت کے ساتھ قبول کرلیا۔ اس کے نزدیک وہ اس کی کامیابی تھی کہ اس کا جادو میرے سرچڑھ کر بول رہا تھا۔

میں ایک مدتِ دراز سے شراب نوشی کی قبیح عادت میں مبتلا تھا لیکن شراب پی کر کبھی بھی اپنے آپے سے باہر نہیں ہوا تھا۔ اس کے برعکس' میں نے بارہا شائستہ لوگوں کو ندیدے پن کے مظاہرے کے نتیجے میں کھوپڑی سے باہر ہوتے دیکھا تھا اور اچھی طرح جانتا تھا کہ خمار میں چُور ہونے کے بعد آدمی کیا کچھ کرنے لگتا ہے۔

آنکھوں میں خمار لانے کے لیے مجھے کسی اداکاری کی ضرورت نہیں تھی' میں جتنی پی چکا تھا' وہی آنکھیں لال کرنے کے لیے کافی تھی البتہ لب و لہجے میں بگڑے ہوئے شرابی والی ہکلاہٹ' ضد اور تکرار میں بتدریج اضافہ کرتے ہوئے' جب میں نے رلّی کو ذرا زیادہ پریشان کرنا شروع کیا تو اس نے بے بسی کے ساتھ استفسار طلب نگاہوں سے شری مان سنگھ کی طرف دیکھا اور اس نے اپنے سر کی خفیف سی جنبش سے رلّی کو وہ سب سہنے کا اشارہ دے دیا۔

"تم ہمیں تھکا رہے ہو۔" لی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔ اس کے مہکتے ہوئے وجود کے لمس اور چہرے سے ٹکراتے ہوئے گرم سانسوں نے میرا ذہن بوجھل کردیا۔

"ہم کہاں بھاگے جارہے ہیں۔ رات اپنی ہے' یہ آرام دہ ہٹ اپنا ہے۔ پھر تم اتنے بے صبر کیوں ہوئے جارہے ہو؟" وہ اسی سرگوشیانہ لہجے میں کہہ رہی تھی "اور کچھ نہیں تو ذرا روی اور شنکر ہی کی شرم کرو۔"

"شرم تم کو مگر نہیں آتی۔" میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کر ہانک لگائی "جس نے کی شرم' اس کے پھوٹے کرم' اب کہو تو یہی خیال مالکوس میں سناؤں۔"

"بس' بس اب تھوڑی دیر چپ رہو۔" اس نے میرے رخسار کو تھپتھپاتے ہوئے کہا "دیکھو' غور سے سنو! کیسٹ پر چترا کتنی خوب صورت غزل گارہی ہے۔" اس کے انداز میں یک بیک بے پروائی آگئی تھی۔

"وہ اپنے مرد کے بل پر گاتی ہے۔" میں نے کھینچ کھینچ کر کہا "جس دن جگ جیت سنگھ نے اسے چھوڑ دیا' وہ گانا بجانا بھول جائے

گی.... "میں نے رک کر دو تین ہچکیاں لیں اور اپنا سر صوفے کی پشت گاہ سے ٹکا کر بات وہیں ادھوری چھوڑ دی۔

میں نے ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ شری مان سنگھ میری حالت دیکھ کر پسندیدگی کے انداز میں سرہلا رہا تھا۔ پھر وہ اپنی جگہ چھوڑ کر روی اور پارو کے پاس پہنچ گیا۔

میں نے اچانک آنکھیں کھول دیں اور ایک جھٹکے کے ساتھ جھوم کر' میز پر سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا۔ للی بہت غور سے میرا جائزہ لے رہی تھی اور اس کے چہرے پر شوخی کی جگہ سنجیدگی نے لے لی تھی۔

میں نے سگریٹ نکال کر دانستہ فلٹر کے بجائے تمباکو والا سرا ہونٹوں میں دبالیا۔ دیا سلائی سلگانی چاہی تو وہ اڑ کر گرفت سے نکل گئی۔ تیسری دیا سلائی بدقت تمام روشن ہوئی تو فلٹر نے آگ پکڑنے سے انکار کردیا۔ دیا سلائی ختم ہونے لگی تو میں نے اسے یوں ہی قالین پر پھینک دیا۔

للی نے بوکھلا کر اپنے سینڈل کے تلے سے وہ دیا سلائی بجھادی اور میرے دہانے سے سگریٹ الگ کرتے ہوئے بڑبڑائی "اب تم کام سے گئے۔ ہمیں کچے شرابیوں سے چڑ ہوتی ہے۔ برداشت نہیں کرسکتے تو اتنی پیتے کیوں ہو؟ اب تمہیں الٹی اور سیدھی سگریٹ کی بھی تمیز نہیں رہی۔"

"الٹی!" میں نے دیدے پھاڑ کر حیرت سے دہرایا "تو تم ہی ایک سگریٹ سلگا دو۔ تمہارے ہونٹوں سے تو وہ ویسے ہی جل اٹھے گی۔ کیا خوب ہونٹ پائے ہیں تم نے! سرخ یاقوت کے ڈلے....!"

وہ ہنس پڑی "چڑھ چکی ہے پھر بھی ہمیں بنانے سے باز نہیں آتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ اور شاعری سارے ہی مردوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہوتی ہے۔"

پھر وہ کھڑے کھڑے' میرے لیے سگریٹ سلگانے لگی۔ اس کے ہاتھ سے سگریٹ لیتے ہوئے' میں نے اسے کھینچ کر صوفے پر ہی گرالیا اور وہ ارے ارے کرتی ہوئی ڈھیر ہوگئی۔

للی کی ہلکی سی اضطراری آواز پر شری مان سنگھ چونک کر ہماری طرف متوجہ ہوگیا۔ اس وقت تک وہ روی اور روپا کے ساتھ بہت دھیمی آواز میں باتیں کرتا رہا تھا۔

"ہوشیار رہنا" اس نے میری موجودگی کو گویا نظرانداز کرتے ہوئے للی سے کہا "یہ اب خطرناک ہوتا جارہا ہے۔ میں چند منٹ میں اس کا بندوبست کرتا ہوں۔"

"ہمیں یہ اچھا لگ رہا ہے۔" للی نے ہنستے ہوئے کہا "بہکنے کے بعد تو سالے کا روپ کچھ اور نکھر آیا ہے۔"

"ہائے!" میں اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کراہا "کیا بات ہے کہ اب عورتوں کے بھی سالے ہونے لگے ہیں۔ سالے' بارہ مسالے' چٹپٹے کرارے...."

میں نے شکستہ لہجے میں بے تکی بکواس شروع کردی۔ جو کچھ میرے منہ میں آرہا تھا' وہ میں بکے جارہا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ اپنی ان حرکتوں سے مجھے ایک عجیب سا ذہنی سکون بھی مل رہا تھا۔ بغیر سوچے سمجھے بولنے کی آزادی نے شاید میرے ذہن کی کچھ گرہیں کھولنی شروع کردی تھیں۔

"یار! اب کیا کررہے ہو؟" للی نے میرے دہانے پر ہاتھ رکھ کر شری مان سنگھ سے کہا "روی اور پارو کو باہر بھیج دو۔ یہ بھی چاندنی رات میں ساحل پر چہل قدمی کا مزہ لے لیں گے۔ یہ ایک بار نشے میں بے سُدھ ہو کر سوگیا تو پھر صبح ہی کی خبر لائے گا۔ اب اس سے نمٹ ہی لینا چاہیے۔"

"ہم جارہے ہیں' ڈارلنگ!" روی نے بوجھل آواز میں کہا "پارو خود کھلی ہوا میں نکلنے کے لیے بے چین ہے۔ تم یہاں عیش کرو۔ آئی وش یو گڈ ٹائم اینڈ لک!"

وہ پارو کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اسی طرف لیتا چلا گیا جدھر سے ہم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تھے۔

شری مان سنگھ نے اپنی جگہ پر جاکر میز سے گلاس اٹھایا اور ایک لمبی چسکی لینے کے بعد' گلاس سمیت ہماری ہی طرف آگیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک پیدا ہوچکی تھی۔ وہ میرے برابر میں آبیٹھا اور للی اٹھ کر ہٹ کے اندرونی حصے کی طرف چل دی۔

"کہو' یہ لڑکی کیسی ہے؟" للی کے چلے جانے کے بعد شری مان سنگھ نے میرے قریب کھسک کر پوچھا۔

"یہ آج رات مجھے تڑپا تڑپا کر مار دے گی۔" میں نے نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے' لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا "ایسی دبنگ لونڈیا بہت مدت بعد دیکھی ہے۔ یہ تو میرے ہوش و حواس پر چھاگئی ہے۔"

"تم چاہو تو یہ تمہاری ہوسکتی ہے...." اس نے اسٹارٹ لیا لیکن میں نے یکے بعد دیگرے دو ہچکیاں لے کر ایک مرتبہ پھر اپنا سر صوفے کی پشت گاہ پر ڈال دیا۔

شری مان سنگھ نے میرے اوسان بحال کرانے کے لیے پہلے ہولے ہولے پھر زور زور سے میرے دونوں رخساروں پر تھپڑ لگاتے ہوئے مجھے پکارا لیکن میں بس غوں غاں کرکے رہ گیا۔ اس کی کوششوں میں آنے والی شدت جب ناگواری کی سرحدوں میں داخل ہونے لگی تو میں نے ڈوبنے ابھرنے کا سلسلہ شروع کردیا۔ کبھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر منہ چلانے لگتا اور کبھی پوری طرح اٹا غفیل ہوجاتا۔ اس دوران میں لڑکھڑائے ہوئے لہجے اور ٹوٹے پھوٹے فقروں میں مہمل تقریر کے ساتھ اکا دُکا ذو معنی فقروں کا سلسلہ جاری رہا اور جب للی ایک گلاس کے ساتھ دوبارہ نمودار ہوئی تو شری مان سنگھ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ اس نے للی کی مدد سے وہ گلاس زبردستی میرے منہ سے لگایا اور لیموں کا بہت زیادہ

ترش شربت میرے معدے میں اتار دیا کیونکہ بہت زیادہ نشے کا وہی ایک موثر توڑ تھا۔

"بس اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دو!" شری مان سنگھ کی آواز میرے کانوں میں آئی "تھوڑی دیر بعد یہ اس قابل ہو سکے گا کہ ہم اس سے مذاکرات کر سکیں۔"

"یار، تم بھی کمال کے آدمی ہو۔" وہ للی کی آواز تھی "دشمن سے ایسے میٹھے سلوک کا تصور ہمارے لیے انوکھا ہے۔"

"یہ بہت ڈھیٹ اور حرامی ہے۔" شری مان کی آواز غصیلی ہو گئی "ضد پر اڑ جائے تو جان تک کی پروا نہیں کرتا۔ یہ مار دھاڑ سے راہِ راست پر آنے والوں میں سے نہیں ہے۔ آج کل اپنی مادہ سے بچھڑا ہوا ہے۔ تم سے ملنے کے بعد خاصا پگھلا ہوا نظر آنے لگا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے لالچ میں میرے جال میں پھنس جائے۔"

"یار، شری! کچھ تو شرم کیا کرو۔ تم نے جو کچھ کہا ہم اس پر پورے خلوص سے عمل کر رہے ہیں لیکن تم نے یہ تو سوچا ہوتا کہ ہم کوئی عام بازاری عورت نہیں، تمہاری دوست ہیں۔"

"مگر صرف میری دوست نہیں ہو... تمہاری فہرست بھی خاصی لمبی ہے۔ مرسڈیز کی کہانی تم سنا ہی چکی ہو۔ دل پھینک بڈھے بہت گھاگ اور چالاک ہوتے ہیں۔ ان ہی عورتوں کو دانہ ڈالتے ہیں جن سے توقعات ہوتی ہیں۔ تمہاری شہرت سے واقف ہونے کے بعد ہی اس نے فیاضیوں کا سلسلہ شروع کیا ہوگا۔"

"تم یہ کام پارو سے بھی لے سکتے تھے۔" للی نے شکایت کی۔ "ہمیں ہی کیوں آگے بڑھایا؟"

"وہ حسین ضرور ہے مگر سوکھی سڑی لڑکیوں سے میں گھبراتا ہوں، پتا نہیں کب کس کی پسلیاں ٹوٹ جائیں۔ پھر آج کل روی اس کے بارے میں سنجیدہ ہے۔ وہ اسے روک سکتا تھا۔"

"روی کا باپ پارو جیسی بے نام و نشان لڑکی کو مر کر بھی اپنی بہو نہیں بنائے گا۔ یہ موٹی سی بات ان دونوں کی عقل میں نہیں آ رہی۔ جس دن روی کا باپ تاؤ میں آ کر اسے ہر چیز سے عاق کرے گا، اسی دن پارو اپنے کنگال محبوب کو چھوڑ کر پھر سے کسی کے ساتھ اُڑ جائے گی۔"

"بس، اب چپ رہو۔ دیکھو شاید اسے ہوش آ رہا ہے۔ اسے صوفے پر گرا کر اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لو۔" میرے بدن کی خفیف سی جنبش پر شری مان سنگھ کی اضطراری آواز ابھری۔

میرا خیال ہے کہ اس فرمائش پر للی نے اسے ملامت آمیز نظروں سے گھورا ہوگا کیونکہ اس نے زبان سے ایک لفظ بھی کہے بغیر، چند ثانیوں بعد شری مان سنگھ کی ہدایت کو عملی جامہ پہنا دیا۔

شری مان سنگھ کی دشمنی کا وہ انداز واقعی بہت لطیف اور سرور انگیز تھا لیکن میں اس سے زیادہ دیر تک لطف اندوز نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے تھوڑی دیر بعد میں نے غنودہ اور بہکی ہوئی آوازوں کے ساتھ کسل مندی کا اظہار کرتے ہوئے رفتہ رفتہ آنکھیں کھول دیں۔

اس وقت للی کا فسوں خیز چہرہ میرے اوپر جھکا ہوا تھا۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی وہ مسکرا کر بولی "شکر ہے کہ تم ہوش میں آ گئے۔ اب تم یہاں آرام کرو۔ میں ذرا کپڑے بدل کر آتی ہوں۔"

اس نے نرمی اور آہستگی کے ساتھ میرا سر صوفے پر رکھا اور وہاں سے چلی گئی۔

میں چند ثانیوں تک دیدے پھاڑے اسی سمت میں دیکھتا رہا جدھر وہ گئی تھی، پھر کسی محروم و مظلوم شرابی کی طرح اس کے فراق میں بڑبڑانے لگا۔ شری مان سنگھ نے مجھے سہارا دے کر بٹھا دیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم بہت محنتی اور ایماندار آدمی ہو۔" شری مان سنگھ نے اپنی مکارانہ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا "اور وعدے کے مطابق میرے لیے کام کر رہے ہو۔ میں اپنے دوستوں اور ساتھیوں کی بہت قدر کرتا ہوں اور اس لیے میں نے آج یہ بندوبست کیا ہے تاکہ تم خود دیکھ لو کہ میں تمہارا دشمن نہیں، دوست ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنی اب تک کی کارکردگی کی رپورٹ دے دو۔"

میں اس دوران میں خالی الذہنی کے عالم میں اس کا چہرہ تکتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوا تو میں نے حسرت بھری آواز میں پوچھا "وہ کہاں چلی گئی؟"

غصے سے شری مان سنگھ کے چہرے کے خد و خال تک بگڑ کر رہ گئے۔ مجھے اندازہ تھا کہ میرے اس غیر متعلق سوال پر اس کی ہڈیاں تک سلگ اٹھی ہوں گی مگر اس نے خود کو بے قابو نہیں ہونے دیا اور نرمی سے بولا "وہ بھی آ جائے گی۔ سب کچھ ہو جائے گا۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ ملا سرکار کہاں ہے؟"

اس وقت میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں سوچا اور فیصلہ کر لیا کہ اس مرحلے پر مجھے بات آگے بڑھانی چاہیے۔ اگر میں ٹال مٹول سے کام لیتا رہتا یا ملا سرکار کی طرف سے اپنی یکسر لاعلمی کا اظہار کرتا تو میری ذات میں شری مان سنگھ کی دلچسپی ختم ہو جاتی پھر وہ تشدد کی راہ اختیار کر سکتا تھا۔ اس بارے میں اسے ذرا سی بھی امید دلا دی جاتی تو اس کا مصالحانہ رویہ برقرار رہ سکتا تھا۔

"ملا سرکار.... وہ سرنگوں میں چھپا ہوا ہے۔" میں نے چونک کر کہا "کیٹیوں کے علاقے میں ان لوگوں نے جنگل کے نیچے زمین کھود کر، اندر ہی اندر راستے بنائے ہوئے ہیں، جن میں کوئی گھسنے کی ہمت نہیں کرتا۔ وہ ان ہی سرنگوں میں اپنے دوستوں کے ساتھ رہتا ہے۔"

میرا وہ امید افزا جواب سن کر شری مان سنگھ کا چہرہ دمک اٹھا

اور اس نے پہلے جیسی آواز میں پوچھا "اس کے دوست کون ہیں؟ نہیں یہ خبر کس سے ملی ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم کہ اس کے دوست کون ہیں۔ جن لوگوں تک میری رسائی ہے' میں ان سے آگے کسی کو نہیں جانتا۔ مم... مگر وہ کہاں چلی گئی؟" آخر میں' میں نے پھر ٹیپ کا مصرعہ جڑ دیا۔

"اوہ! میں اسے ابھی بلاتا ہوں۔" شری مان سنگھ نے منہ بنا کر کہا اور للی کو آواز دینے لگا۔

"لیکن تم نے غزالہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" میں نے اس سے شکوہ کیا۔

"ایک ہی بات کو بار بار دُہرانا لا حاصل ہے۔" اس نے جواب دیا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ نئی دہلی میں ہے۔ میں اسے جلد از جلد یہاں بلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس سے آگے میرے بس کی بات نہیں ہے۔ دیکھنا ہو گا کہ وہ کب تک واپس آتی ہے۔"

"اور وہ ہانگ کانگ والی لڑکی؟" میں نے مخمور آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں تمہیں کون الٹی سیدھی خبریں پہنچاتا رہتا ہے۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا "میں پہلے ہی تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ غزالہ نہیں شکنتلا دیوی ہے....."

اسی وقت للی ہنستی ہوئی واپس آ گئی۔ اس بار اس نے چست لباس کی جگہ 'ڈھیلا ڈھالا مردانہ شب خوابی کا لباس پہنا ہوا تھا۔

"یہ بار بار تمہیں یاد کر رہا ہے۔" شری مان سنگھ نے اسے آنکھ مار کر کہا "تھوڑی دیر کے لیے اس کے پاس بیٹھی رہو تاکہ یہ تسلی سے میری باتوں کا جواب دے سکے۔"

للی کھلکھلا کر ہنستے ہوئے میرے قریب آ بیٹھی اور بولی "ہمیں کیوں یاد کر رہے ہو؟"

اس لمحے تک میں اس کھیل میں دلچسپی لے رہا تھا لیکن للی کے آخری سوال میں کچھ ایسا بازاری انداز پنہاں تھا کہ مجھ پر یک بیک اکتاہٹ نے حملہ کر دیا اور میں اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے؟ اٹھ کیوں گئے؟ ہمارے پاس ہی بیٹھے رہو نا!" للی نے اٹھلا کر کہا۔

"رات خاصی ہو گئی ہے' اب مجھے چلنا چاہیے۔" میں نے شری مان سنگھ سے بوجھل لہجے میں کہا۔

"اب کہاں جاؤ گے؟" اس نے حیرت سے کہا "تمہاری حالت اس قابل نہیں ہے کہ گاڑی چلا سکو۔ حالت سنبھلے گی تو نکل جانا۔ اس وقت کسی کھڈ یا نالے میں جا گرو گے۔"

"نہیں' تازہ ہوا لگے گی تو میں خود بخود ٹھیک ہو جاؤں گا۔" میں نے کہا "تمہارے لیموں نے خاصا کام دکھایا ہے۔"

شری مان سنگھ اپنی جگہ چھوڑ کر اچانک میرے سامنے آ گیا اور تمسخرانہ لہجے میں بولا "ابھی تو للی بھی تم سے کچھ راز و نیاز کرے گی۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس کی دوستی میں تم غزالہ کو بھول جاؤ گے۔ بس مجھے وہ چار باتیں اور بتا دو پھر میں تمہیں للی کے ساتھ چھوڑ دوں گا۔"

"اب اور کیا جاننا چاہتے ہو؟" میں نے خواب ناک نظروں سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ملا سرکار کے بارے میں تمہاری اطلاعات کے کیا ذرائع ہیں؟" وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"پتا نہیں' میں تمہارے اس سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔" میں نے نشے کی جھونک سے نکلنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "تمہیں معلومات درکار تھیں' وہ میں نے تم کو مہیا کر دیں۔ اب تم کو اپنا وعدہ پورا کرنا ہے جس کی رُو سے غزالہ کو جلد از جلد میری تحویل میں ہونا چاہیے۔"

للی نے پیچھے سے آ کر میری کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور بے تکلفی کے ساتھ بولی "ہمارے ہوتے ہوئے تم کس کو یاد کر رہے ہو؟ یہ غزالہ کون ہے؟ ہم سے اچھی اور دلکش تو ہرگز نہیں ہو گی۔"

مجھے بولنے کا موقع دیے بغیر شری مان سنگھ نے بولنا شروع کر دیا "تمہاری معلومات کے ذرائع میرے لیے بہت اہم ہیں کیونکہ میں ہر قیمت پر جلد از جلد ملا سرکار سے رابطہ کرنا چاہتا ہوں۔ جب تک وہ لوگ سامنے نہیں آئیں گے میں اپنے مشن میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کر سکوں گا۔"

"تم بظاہر ایک سفارت کار ہو۔" میں لحہ بہ لحہ نشے کے اثرات سے آزاد ہونے کا تاثر دیتے ہوئے بولا "لیکن تمہاری پُراسرار دلچسپیوں سے یہ ظاہر ہے کہ تمہیں زیر زمین دنیا کے لوگوں اور ان کے طور طریقوں سے خاصی واقفیت حاصل ہے۔ اندرونِ سندھ سے بہت سے ایسے لوگ' جو قانون کو مطلوب ہیں' کراچی آتے رہتے ہیں اور یہاں عیش و عشرت کے چند روز گزارنے کے بعد دوبارہ اپنی دنیا میں لوٹ جاتے ہیں۔ ان ہی میں سے کسی کے ذریعے یہ خبر مجھ تک پہنچی ہے۔"

"میں اس کا نام جاننا چاہتا ہوں۔" شری مان سنگھ نے اضطراری لہجے میں کہا۔

"نام جاننا تمہارے لیے بے سود ہو گا کیونکہ وہ تمہاری دسترس سے باہر ہے۔"

"وہ میرا کام ہے اور پھر تم کس کام آؤ گے۔ میں تمہارے روابط استعمال کر سکتا ہوں۔"

"تم نام بتا کر اس قصے کو ختم کرو!" للی نے بے پروایانہ انداز میں' مجھے اکساتے ہوئے کہا "ان خشک باتوں سے فارغ ہو کر ہمیں آرام بھی کرنا ہے۔ یہ حسین رات ایسی خشک اور بے سروپا باتوں میں برباد نہیں کی جا سکتی۔"

"رحیم بخش چاچڑ!" میں نے کہا "ملا سرکار کے بارے میں خبر کا ذریعہ وہی بنا تھا۔"

"اور اب وہ کہاں ہے؟" شری مان سنگھ نے فوراً ہی اگلا

سوال جڑ دیا۔

رحیم بخش جاچڑ کا کوئی وجود ہو تو ہو لیکن اس وقت وہ میرے ذہن کی اختراع تھی اس لیے میں نے بے پروائی سے کہا "کہیں بھی ہو سکتا ہے کیونکہ میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔"

"جس کسی نے تمہیں خبر دی' اس کا نام پتا کیا ہے؟" شری مان سنگھ نے پوچھا۔

"اب تم پولیس والوں کی طرح جرح کر رہے ہو۔" میں نے چڑ کر کہا "میں نے یہ معلومات چلتے پھرتے جمع کی ہیں۔ اتنی تفصیل مجھے یاد نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس ملاقات کا مقصد پورا ہو گیا ہے اور اب مجھے چلنا چاہیے۔"

میں نے فیصلہ کن انداز میں نکاسی کے راستے کی طرف قدم بڑھائے ہی تھے کہ شری مان سنگھ تیزی کے ساتھ الٹے قدموں پیچھے ہٹا اور اس نے پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے ایک ننھا سا مشینی پستول نکال لیا جس کا سبک سا میگزین اس کی نال سے زیادہ لمبا تھا۔

"مہمان اپنی مرضی سے آتے ہیں اور میزبان کی مرضی سے جاتے ہیں۔" اس نے پستول کی نال کو جنبش دے کر کہا "واپس صوفے پر بیٹھ جاؤ ورنہ میں بے دریغ فائر کر دوں گا۔"

میں نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پلکیں جھپکاتے ہوئے اسے گھورا اور آہستگی سے کہا "میں تمہاری اس حرکت کا مقصد نہیں سمجھ سکا۔ اس طرح تم مجھ کو کس بات پر مجبور کرنا چاہتے ہو۔"

"تم شری کے بارے میں بہت کم جانتے ہو۔" للّی نے جارحانہ انداز میں میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "یہ ملا سرکار تک پہنچنا چاہتا ہے تو وہاں پہنچ کر رہے گا اور تم اس کی مدد یا رہنمائی کرو گے۔"

"تت... تو تم بھی اس کی ہم نوا ہو؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ہم جس کا کھاتے ہیں' اسی کا گاتے ہیں۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی "ہم نے جو کچھ کیا وہ شری کی مرضی سے کیا ہے۔ اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ تم بڑے حسین ہو' اسی لیے میں تم پر مرمٹی تھی۔"

"اگر تم یہ کہتے ہو کہ ملا سرکار زندہ ہے تو مجھے اس کا سراغ چاہیے۔" شری مان سنگھ نے سفاکانہ لہجے میں کہا "جب تک وہ مجھ سے نہیں ملتا' تم کو رہائی یا آزادی نہیں مل سکے گی۔"

"میں تم جیسے ذمے دار سفارت کار سے ایسی گھٹیا حرکت کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔" میں نے نشے میں ہونے کی اداکاری ترک کر کے تلخ لہجے میں کہا "اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے یرغمال بنا رہے ہو؟"

"جو چاہے سمجھ لو۔" وہ بے پروائی سے بولا "جو لوگ اپنی مرضی سے تعاون نہیں کرتے' میں انہیں راہِ راست پر لانا جانتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم ایک سنگین حماقت کا ارتکاب کر رہے ہو۔" میں نے کہا۔

"اور ہم سوچتے ہیں کہ تم بہت بڑے حرامی ہو۔" للّی نے خشک اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "چند منٹ پہلے تم نشے میں بری طرح ڈاؤن نظر آ رہے تھے اور اب تمہاری کھوپڑی خوب چل رہی ہے۔"

"میرا دوسرا خیال یہ ہے کہ مجھے لیموں پانی پلا کر تم نے مجھ پر احسان کیا ہے ورنہ یہ نشہ تو مجھے لے ہی ڈوبا تھا۔ میں تو یہ رات تمہاری حسین اور سنہری زلفوں کے سائے میں گزارنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔"

"یہ ممکن ہے" شری مان سنگھ نے کہا "للّی برسوں سے میری گہری دوست ہے۔ دوسروں سے مال ضرور کاٹتی ہے لیکن اس کے شب و روز میرے ہیں۔ میرے سوا کسی کو اس کی خلوت میں رسائی نہیں ہے۔ لیکن تم مجھے ملا سرکار سے ملوا دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا دل بھر جانے تک یہ تمہاری رہے گی۔"

"تمہارے وعدے!" میں نے تلخی کے ساتھ کہا "ان پر اعتبار کر کے اب تک کیا حاصل ہوا ہے جو میں آئندہ کے لیے کوئی اچھی امید رکھوں۔ تم باتوں کے ٹھگ ہو۔ عمل کا مرحلہ آتا ہے تو دُم اٹھا دیتے ہو۔"

"میرے وعدے نتائج پر منحصر ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم غلام رسول والے معاملے کا حوالہ دے رہے ہو لیکن مجھے بتاؤ کہ میں نے کیا حاصل کیا؟ تم نے اس کی لاش میرے آدمیوں کو سونپ کر تکنیکی اعتبار سے اپنا کام پورا کر دیا لیکن اس کی لاش بھی میرے قبضے میں نہیں آ سکی۔ ایسی حالت میں' میں کیا کر سکتا تھا؟"

"جب اسے تمہارے آدمیوں کے حوالے کیا گیا تو وہ زندہ تھا۔ دوم یہ کہ اسے یا اس کی لاش کو تم تک پہنچانا میری شرائط میں شامل نہیں تھا۔ میں نے طے شدہ شرائط کے مطابق اپنا کام پورا کر دیا تھا لیکن تم اپنے وعدے پر قائم نہ رہ سکے اور آج پھر تم وہی کہانی دُہرانے پر تلے ہوئے ہو۔"

"یہ میری پیشہ ورانہ مجبوریاں ہیں۔ میں اپنی کارکردگی کے لیے جن لوگوں کو جواب دہ ہوں' وہ مشینی ذہن کے مالک ہیں۔ وہ کوششوں کو نہیں' نتائج کو پرکھتے ہیں اور میری کارکردگی کے نتائج صفر رہے ہیں۔ غلام رسول کو ایک غدار اور سازشی کی حیثیت سے یہاں دفن کیا گیا ہے۔ اسے میرے ملک کی مٹی ملتی تو وہ ایک بہت بڑے ہیرو کی طرح دھوم دھام سے قبر میں اتارا جاتا۔ ایسی صورت میں' میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔"

"اور اب؟" میں نے بہت غور سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"اب بھی وہی صورتِ حال ہے۔" اس نے ڈھٹائی کے ساتھ

جب تک میں ملا سرکار سے مل نہ لوں' اس کا ہونا یا نہ ہونا ہے۔ تمہاری لائی ہوئی خبر من گھڑت یا فرضی بھی ہو سکتی ہے۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تم ملا سرکار تک رسائی کے لیے اپنی قید میں رکھنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے عقابی نظروں سے دونوں کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"قید کا لفظ ذرا نامناسب ہے۔" اس نے مکارانہ نرمی سے کہا۔ میرے ہاتھ میں پستول ہونے کا غلط مطلب اخذ نہ کرو۔ یہ تو صرف ایک رسمی سی کارروائی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم میرے مہمان ہو۔ تمہاری دیکھ بھال مکمل طور پر میری ذمے داری ہے۔ اگر تمہیں کچھ ہوگیا تو میں کہیں بھی اپنا منہ نہیں دکھا سکوں گا۔"

"اگر میں ابھی اور اسی وقت جانا چاہوں تو تمہارا ردِ عمل کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ میں تمہارے اس پروگرام کی توثیق نہیں کر سکوں گا۔" اس نے کہا۔

اس وقت تک وہ باتوں میں الجھ کر' اپنی بالادستی کے زعم میں مبتلا ہو چکا تھا اور یہ بات بھول ہی گیا تھا کہ اس کے سازشی منصوبوں سے انحراف کرتے ہوئے' میں کوئی دوسرا فیصلہ بھی کر سکتا تھا۔

اس وقت شری مان سنگھ مجھ پر مشینی پستول تانے ہوئے میرے مقابل ایستادہ تھا جب کہ اس کی منظورِ نظر' رلّی میرے پہلو میں کھڑی ہوئی تھی اور وہ دونوں ہی یہ فرض کیے ہوئے تھے کہ میں ذہنی طور پر ان کی مکمل اطاعت قبول کر چکا تھا۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ میں ان حالات میں ان کی بالادستی کو کسی بھی طرح چیلنج کرنے کی جرأت نہیں کر سکوں گا۔

لیکن میرے تیور اُن کے اندازوں سے کہیں مختلف تھے۔

میں نے پلک جھپکتے میں پوری صورتِ حال کا جائزہ لیا اور پھر اچانک ہی للی پر ہاتھ ڈال دیا۔

خوف اور حیرت میں ڈوبی ہوئی ایک چیخ کے ساتھ' رلّی نے اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا۔ لیکن اس وقت تک وہ میرے اور شری مان سنگھ کے پستول کے درمیان حائل ہو چکی تھی۔

"اسے چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔" شری مان سنگھ اضطراری انداز میں غرّایا۔

"ضرور شوٹ کرو!" میں نے رلّی کے نرم و گداز شانوں پر اپنی بے رحمانہ گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا "تمہاری کوئی بھی گولی للی کے بدن سے گزرے بغیر مجھ تک نہیں پہنچ سکے گی۔"

شری مان سنگھ نے اسی لمحے اپنے ہونٹ سکیڑ کر ایک تیز سیٹی بجائی۔ فوراً ہی باہر سے کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سنائی دی اور اس کا قوی الجثہ ڈرائیور دوڑتا ہوا وہاں گھس آیا۔

اس کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ شاید شری مان سنگھ کی سیٹی

سنتے ہی اسے اندر ہونے والی گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا تھا۔ ان سازشیوں کی بھیڑ میں ایک میں ہی اجنبی یا نووارد تھا اس لیے شری مان سنگھ کے مستقل ڈرائیور کا ہدف بھی میں ہی تھا۔ اس نے ہٹ کے ڈرائنگ روم میں گھستے ہی میری سیدھ لی تھی لیکن میری گرفت میں للّی کو دیکھتے ہی وہ راستے میں رک گیا پھر اس کی نگاہ شری مان سنگھ پر پڑی جو اپنے ہاتھ میں پستول تھامے کھڑا تھا۔

"للّی کو اس کی گرفت سے آزاد کراؤ!" شری مان سنگھ نے اسے حکم دیا۔

وہ خطرناک تیوروں کے ساتھ میری طرف بڑھنے لگا۔ میرے لیے وہ صورتِ حال بہت خطرناک تھی۔ للّی کے علاوہ' میرے سامنے دو حریف تھے جن میں سے ایک جسمانی اعتبار سے کسی گینڈے سے کم نہیں تھا اور دوسرا بھرے ہوئے پستول سے مسلح تھا۔ جب تک میرے پاس بھی کوئی ہتھیار نہ ہوتا' میں ان کی برابری نہیں کرسکتا تھا۔

وہ اس وقت کی صورتِ حال تھی جب کہ روی اور پارو باہر گئے تھے اور کسی بھی لمحے واپس آکر میرے خلاف محاذ آرا ہوسکتے تھے۔ ان کے علاوہ اس ہٹ کا چوکیدار بھی ضرورت پیش آنے پر میرے بجائے شری مان سنگھ ہی کا ساتھ دیتا جب کہ میری مدد کے لیے آنے والے ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کا دُور دُور تک پتا نہیں تھا۔ اگر وہ لوگ اس وقت تک ہٹ کے قرب و جوار میں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے ہوتے تو سب سے پہلے باہر والوں کو زیر کرتے اور ایسی صورت میں شری مان سنگھ کی سیٹی کے جواب میں اس کے ڈرائیور کا آنا ناممکن ہوکر رہ جاتا۔

میں نے بہت تیزی کے ساتھ اس صورتِ حال کا تجزیہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے باہر سے کسی مدد کی توقع کیے بغیر اپنے بل پر صورتِ حال کا مقابلہ کرنا چاہیے لیکن بدقسمتی سے ایسی کسی بھی کوشش کے نتائج حوصلہ افزا نظر نہیں آرہے تھے۔ البتہ اس وقت میرے لیے کچھ کر گزرنے کے علاوہ کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔

جوں ہی وہ ڈرائیور میرے قریب آیا' میں نے پوری طاقت سے للّی کو اس کی طرف دھکیل دیا۔ وہ اگر ایک طرف ہوکر بچنے کی کوشش کرتا تو للّی منہ کے بل گر کر زخمی ہوسکتی تھی۔ اس لیے اسے مجبوراً للّی کو اپنی بانہوں میں سنبھالنا پڑا اور میں نے تیزی سے شری مان سنگھ کی طرف چھلانگ لگادی۔

مگر شری مان سنگھ پہلے ہی میرا ارادہ بھانپ چکا تھا۔ وہ پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ کر ایک صوفے پر چڑھ گیا اور اس نے مجھے خوف زدہ کرنے کے لیے پے در پے دو فائر کردیے۔ دونوں فائر چھت کے رخ پر کیے گئے تھے تاکہ ان گولیوں سے کوئی زخمی نہ ہوسکے۔

"جہاں ہو' وہیں رک جاؤ ورنہ میں تمہیں چھلنی کردوں گا۔" فائر کرنے کے ساتھ ہی شری مان سنگھ اضطراری انداز میں بولا۔ حقیقی مقابلے نے اسے قدرے نروس کردیا تھا۔

اسی لمحے ایک عجیب و غریب واقعہ ہوا۔ اس کمرے کی پشت پر کھلنے والی ایک کھڑکی سے کھٹ کی ہلکی سی مگر واضح آواز آئی اور اسی کے ساتھ شری مان کے ہاتھ سے پستول اڑ کر دور جاگرا۔ یہ کسی بے آواز ہتھیار کا فائر تھا۔ جو شاید سائلینسر لگی ہوئی نال کے ساتھ کیا گیا تھا۔ فائر کرنے والے کا نشانہ قابلِ رشک حد تک بے خطا تھا کیونکہ شری مان سنگھ کے ہاتھ پر خراش تک نہیں آئی تھی مگر وہ اپنے ہتھیار سے محروم ہوگیا تھا۔

اس صورتِ حال نے اسے میری طرح بدحواس کردیا۔ اس نے تیزی کے ساتھ اپنے پستول کی طرف چھلانگ لگائی۔ اس کا ڈرائیور بھی اسی طرف جھپٹا تھا مگر میں نے ان دونوں سے زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے' ٹھوکر مار کر پستول کو بہت دور پہنچادیا۔

"یہ کون تھا؟ احمد کہاں مرا ہوا ہے؟" شری مان کی ہذیانی غراہٹ ابھری اور وہ مجھ سے الجھے بغیر سیدھا بھاگتا چلا گیا۔ اس کا ڈرائیور مجھ پر ٹوٹ پڑا تھا اور للّی نے دہشت زدہ ہوکر چیخنا شروع کردیا تھا۔

میرے ذہن میں پہلا خیال ایس ٹی ایف کا آیا۔ اس ویران اور دور افتادہ علاقے میں ان لوگوں کے علاوہ کوئی اور شری مان سنگھ کا دشمن نہیں ہوسکتا تھا اور شاید شری مان سنگھ نے بھی خطرہ بھانپ لیا تھا۔ اسی لیے وہ مقابلے پر جمے رہنے کے بجائے نکاسی کے اس راستے کی طرف بھاگا تھا جو ساحل کی طرف واقع تھا۔

میری نگاہوں میں ڈرائیور کی زیادہ اہمیت نہیں تھی اس لیے میں نے اس سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے پوری قوت کے ساتھ اس کے چہرے پر ٹکر رسید کی اور وہ کراہتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

اُس سے گلو خلاصی ہوتے ہی میں نے شری مان سنگھ کے پیچھے دوڑ لگادی۔

اس وقت تک وہ ہٹ کے برآمدے سے نکل کر ریت پر پہنچ چکا تھا اور پوری قوت سے ساحل پر دم توڑتے ہوئے پانی کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اس خطرناک موڑ پر اس کی چھٹی حس پورے طور پر اس کی رہنمائی کر رہی تھی۔ اپنے پستول پر کیے جانے والے بے آواز فائر سے اس نے سمجھ لیا تھا کہ ہٹ کے عقبی حصے کا رخ کرنا اس کے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔ میری اور اس کی گاڑیاں اسی سمت میں کھڑی ہوئی تھیں اور اگر اس کے کچھ دشمن وہاں آچکے تھے تو انھوں نے سب سے پہلے گاڑیوں کی ناکہ بندی کی ہوگی تاکہ بھگدڑ سے فائدہ اٹھا کر وہاں سے کوئی فرار نہ ہوسکے۔

میں ریت پر کچھ دور نکلا تو میرے پیچھے بھی کئی دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔

"رک جاؤ' ورنہ میں گولی ماردوں گا۔" پیچھے آنے والوں میں سے کسی کی کرخت آواز ابھری۔

"رک جاؤ' شری! اب تم بچ کر نہیں نکل سکتے۔" میں نے بھی چیخ کر کہا۔ وہ میری ایک اضطراری حرکت تھی اور اس طرح میں

اپنے پیچھے آنے والوں کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ ان کا شکار کون ہے۔
شری نے دونوں دھمکیوں کا کوئی اثر نہیں لیا تو میرے پیچھے آنے والوں میں سے کسی نے پے درپے تین فائر کیے جو بے سود رہے۔ اوّل تو شری مان سنگھ نے تعاقب کا اندازہ کرتے ہوئے' رخ بدل بدل کر بھاگنا شروع کردیا تھا۔ پھر فائر کرنے والا بھی دوڑ رہا تھا اس لیے کوئی گولی کارگر نہیں ہو سکی۔
"تم مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکو گے۔" ایک ہذیانی قہقہے کے ساتھ شری مان سنگھ کی آواز گونجی "تم لوگوں کے ہاتھ آنے کے بجائے میں کھلے سمندر میں کود جانے کو ترجیح دوں گا۔"
اور پھر یہی ہوا۔ وہ مجھ سے کافی آگے تھا۔ وہ دوڑتا ہوا چاندی کی طرح چمکتے ہوئے پانی میں گھس لیا اور ساحل سے لوٹنے والی تیز لہروں کا ریلا اسے اپنے ساتھ سمندر کی بیکراں گہرائیوں کی طرف لیتا چلا گیا۔
میں ساحل پر پہنچ کر ٹھٹکے ہوئے انداز میں رک گیا۔ وہ سب اس قدر اچانک اور غیر متوقع انداز میں ہوا کہ میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شری مان سنگھ یوں کھلے سمندر میں کود کر ہولناک موت کو گلے لگانے کا فیصلہ کر بیٹھے گا۔
پھر میرے پیچھے آنے والے بھی میرے قریب آکر رک گئے۔ وہ تعداد میں تین تھے۔ تینوں ہی مسلح تھے۔ میرے لیے ان میں سے صرف اشرف خان کا چہرہ شناسا تھا جسے ظفر نے اس مہم کا نگراں مقرر کیا تھا۔
"وہ سمندر میں کود گیا؟" اشرف خان نے بے اعتباری کے ساتھ پوچھا۔
"تم دیکھ ہی رہے تھے۔" میں نے بے دلی کے ساتھ کہا "بس چند سیکنڈ کے فرق سے وہ ہمارے ہاتھ آنے سے رہ گیا۔ تم لوگوں کو ایک آدھ آدمی اس طرف بھی چھوڑنا چاہیے تھا۔"
"ہاں' اب تو یہی اندازہ ہو رہا ہے۔" اس کا لہجہ متاسفانہ تھا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ کوئی سمندر کی طرف بھاگنے کی ہمت کرے گا۔ رات کے اندھیرے میں تو بڑے بڑے پیراک بھی سمندر میں اترنے سے گھبراتے ہیں۔ پانی تیز ہونے کے ساتھ ہی خطرناک سمندری جانور بھی ساحل کے نزدیک آجاتے ہیں۔ وہ تیرنا جانتا تھا؟"
"پتا نہیں' تیرنا جانتا بھی ہو تو چھوٹے بڑے جانوروں سے کیسے بچ سکے گا۔"
"تو کیا بڑا مجرم یہی تھا؟" اس نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔ "باقی سب لوگ ہمارے قابو میں ہیں۔"
"اصل مجرم یہی تھا۔" میں نے واپس لوٹتے ہوئے کہا "باقی تو ہمارے لیے بیکار ہیں۔"
"ہٹ کے چوکیدار کے علاوہ ایک جوڑے کو ہم نے گاڑیوں کے قریب پکڑا تھا۔" اشرف خان مجھے اپنی کارکردگی کی رپورٹ دینے لگا "دونوں نشے کی حالت میں عجیب و غریب حرکتیں کررہے تھے۔ چوکیدار ایک جگہ چھپ کر ان کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ ہم نے انہیں باندھ کر وہیں ڈالا ہوا ہے۔"
ہم واپس ہٹ میں پہنچے تو وہاں بھی بازی سمٹ چکی تھی۔ اشرف خان کے ساتھ آنے والوں کی کل تعداد' پانچ نفوس پر مشتمل تھی۔ انہوں نے شری مان سنگھ کے سرکش ڈرائیور کے ساتھ رلی کو بھی بے رحمی کے ساتھ باندھ لیا تھا اور باہر سے روی' پارو اور احمد کو بھی اندر اٹھا لائے تھے۔
مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میری وحشیانہ ٹکر نے ڈرائیور کا چہرہ لہولہان کردیا تھا اور وہ بدلی ہوئی صورتِ حال سے بہت زیادہ خوف زدہ نظر آرہا تھا۔
ان سب کے ہاتھ پیر باندھنے کے ساتھ ہی ان کے دہانوں میں بھی کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ میں نے بہت غور سے باری باری ان کا جائزہ لیا پھر ہٹ کے چوکیدار کا دہانہ آزاد کرنے کا حکم دے دیا۔
منہ کھلتے ہی احمد نے مشینی انداز میں' اپنی بے گناہی کے حق میں بولنا شروع کردیا لیکن میں نے پھٹکار کر اسے خاموش کردیا اور اس سے اپنے سوالات کا آغاز کردیا۔
احمد کے اس انکشاف نے مجھے حیران کردیا کہ وہ ہٹ پارو کے باپ کی ملکیت تھا لیکن پارو یا اس کا باپ شاذونادر ہی وہاں آتا تھا۔ ہٹ عام طور پر شری مان سنگھ اور لی کے تصرّف میں رہتا تھا۔ البتہ روی اس کے لیے نیا چہرہ تھا جو پہلی بار وہاں لایا گیا تھا۔
میرا خیال تھا کہ اس علاقے میں ہٹوں کی چوکیداری کے لیے کچھ اور لوگ بھی رہتے ہوں گے جو ہنگامے کی وجوہ جاننے کے لیے کسی بھی وقت وہاں آسکتے تھے لیکن احمد نے خوشامدانہ انداز میں مجھے یہ بتا کر مطمئن کردیا کہ وہاں رہنے والے چوکیدار دوسروں کے پھٹے میں ٹانگ اڑانے کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ پولیس کی جارحانہ تفتیش اور گواہیوں کے چکر سے ہر ایک دور بھاگتا ہے۔ ان کی زیادہ سے زیادہ فکرمندی اور دلچسپی اپنے آدمی کے بارے میں ہوتی ہے جو مطلع صاف ہونے کے بعد صحیح سلامت یا زخمی حالت میں خود ہی ان لوگوں کے پاس پہنچ جاتا ہے۔
میری نظروں میں لی' پارو اور روی کی کوئی بہت زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ لی واضح طور پر ایک پیشہ ور کال گرل تھی اور شاید شری مان سنگھ کی فرمائش پر اس کے دوستوں وغیرہ کا دل بہلانے کا بندوبست کیا کرتی تھی۔ پارو کا کردار اس اعتبار سے قدرے اہم تھا کہ اس کے باپ نے اپنا ہٹ عملاً شری مان سنگھ کی تحویل میں دیا ہوا تھا۔ البتہ شری مان سنگھ کا ڈرائیور' اس کا قابلِ اعتماد ساتھی معلوم ہوتا تھا جس پر تشدد کرکے خاصا کچھ معلوم کیا جاسکتا تھا۔ پہلے میں نے سوچا کہ اس کے علاوہ بقیہ تینوں افراد کو کڑی سرزنش کرکے وہیں آزاد کردیا جائے لیکن پھر میں نے ارادہ بدل دیا۔ ان سب کو ایک بار ظفر کے سامنے لے جانا ضروری تھا تاکہ وہ ان سب سے

حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں دوسرے ملک دشمن عناصر کے خلاف کارروائیوں کا آغاز کرا سکے۔

"صاب! شری صاب کہاں ہے؟" احمد کی خوف زدہ اور سہمی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"وہ بہت بڑا بدمعاش تھا۔" میں نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "اپنی موت سامنے دیکھ کر اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔" وہ آہستگی سے سر ہلا کر رہ گیا مگر میں اس کے چہرے پر نمودار ہونے والی اطمینان بخش تبدیلی پر چونک پڑا۔

"تمہیں اس کے ڈوب مرنے پر حیرت نہیں ہوئی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہ نہیں ڈوبے گا۔" احمد نے پُراعتماد لہجے میں کہا "وہ مچھلی کی طرح سمندر کو جانتا ہے۔ جب بھی یہاں آتا ہے، گھنٹوں پانی میں تیرتا رہتا ہے۔ وہ ساحل کے ساتھ ساتھ تیرتا ہوا کہیں دور نکل جائے گا اور وہاں پانی سے باہر آجائے گا۔ وہ تمہیں دھوکا دے کر نکل گیا ہے۔"

مجھے اپنے آپ پر غصہ آگیا کہ میں نے اس کے ڈوبنے کے بارے میں اتنی جلدی نتیجہ کیوں اخذ کیا؟ اس کے زندہ ہونے کا امکان روشن ہوتے ہی اشرف خان نے اپنے ایک آدمی کو پوری طرح ہوشیار رہنے کی تاکید کرتے ہوئے باہر بھیج دیا۔

میری دانست میں اس کا وہ اقدام بالکل درست تھا۔ اگر شری مان سنگھ سمندر سے زندہ سلامت باہر نکل آنے میں کامیاب ہوجاتا تو وہ موقع پاکر کوئی گاڑی لے کر فرار ہونے کی کوشش بھی کرسکتا تھا جس کے انسداد کی واحد صورت یہی تھی کہ گاڑیوں پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔

وہاں کی بساط لپیٹی جاچکی تھی اور مزید قیام کی صورت میں کوئی نتیجہ حاصل ہونے کی امید نہیں تھی اس لیے میرے ایما پر اشرف خان نے واپسی کی تیاری شروع کردی۔

ان لوگوں نے اپنا ٹرک ہٹ سے خاصی دور چھوڑ دیا تھا۔ اشرف خان نے اپنے دو آدمیوں کو ادھر روانہ کردیا تاکہ وہ ٹرک لے کر وہیں سے شہر کی طرف روانہ ہوجائیں۔ اپنے بقیہ آدمیوں کے ساتھ اس نے چاروں قیدیوں کو میری کالی شیراڈ اور رلی کی مرسڈیز میں منتقل کرالیا۔

شری مان سنگھ کی گاڑی کے بارے میں تھوڑی سی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اسے وہیں چھوڑ دیا جائے لیکن اس کے چاروں ٹائروں سے ہوا نکال کر والو غائب کردیے جائیں تاکہ اس کار کو آسانی کے ساتھ یا فوری طور پر وہاں سے ہٹایا نہ جاسکے۔

اس فیصلے کی دو وجوہ تھیں۔ اول تو یہ کہ وہ غیر سفارتی نمبروں والی کار تھی جو شری مان کی ملکیت تھی یا پھر اس نے اپنے روابط کی بنا پر کسی سے مستعار لی ہوئی تھی۔ دونوں ہی صورتوں میں، وہاں موجود لاوارث کار جلد یا بدیر علاقہ پولیس کی نظروں میں آجاتی اور وہ لوگ تفتیش کے ذریعے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوسکتے تھے کہ آخری بار وہ کرولا کار کس کے زیرِ استعمال تھی۔

دوسری وجہ کا تعلق بھی براہِ راست شری مان سنگھ کی ذات سے تھا۔ اس نے ہماری نظروں کے سامنے، پورے شہری لباس میں سمندر میں اترنے کی حماقت کی تھی۔ اگر وہ سرکش سمندری لہروں یا خونخوار بحری جانوروں کا نشانہ بن کر موت کی آغوش میں پہنچ جاتا تو اگلے چند روز میں اس کے وجود کی باقیات کو واپس ساحل پر آنا تھا۔ ایسا نہ ہونے کی ایک ہی وجہ تھی کہ کوئی جانور اسے سالم ہی نگل جاتا لیکن آباد ساحلی علاقوں کے اطراف میں عموماً ایسی دیو پیکر بحری مخلوق نہیں پائی جاتی جو کسی انسان کو سالم نگلنے کی اہل ہو۔ حادثاتی یا اتفاقی طور پر شری مان سنگھ کے سواگت کے لیے ان پانیوں میں ایسا کوئی جانور بھٹک رہا ہو تو اور بات تھی۔

شری مان سنگھ کی لاش کی باقیات دستیاب ہونے کے بعد پولیس کے لیے یہ ثابت کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا کہ شری مان سنگھ لاوارث کرولا کے ذریعے ہاکس بے آیا اور کسی وجہ سے سمندر کی بپھری ہوئی موجوں کی زد میں آکر لقمۂ اجل بن گیا۔ وہ اتفاقی حادثے کی ایک سیدھی سادی کہانی ہوتی جس میں علاقے کے لوگوں کے عدم تعاون کی وجہ سے کوئی رنگ آمیزی نہ ہوپاتی اور ابتدائی سنسنی کے بعد آخر کار وہ معاملہ داخلِ دفتر ہوجاتا۔ دوسرا امکان وہ تھا جس کی نشاندہی ہٹ کے چوکیدار، احمد نے کی تھی۔ اگر شری مان سنگھ ایک ناپا تولا خطرہ مول لے کر سمندر میں اترا تھا اور اپنی سخت جانی یا مہارت کی بنا پر خود کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوجاتا تو صبح کا اجالا نمودار ہونے سے پہلے ہی کہیں بھی پانی سے باہر آسکتا تھا۔ ایسی صورت میں وہ کسی بڑے سفارتی اسکینڈل سے بچنے کے لئے، سب سے پہلے اپنی کار تک پہنچنے کی کوشش کرتا اور ہر درد سری مول لے کر اسے شہر واپس لے جانے کی کوشش کرتا۔ یوں وہ کار، صبح نمودار ہونے سے پہلے ہی وہاں سے غائب ہوجاتی اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوپاتی کہ رات کے اندھیرے میں وہاں ایک مشتبہ کار موجود تھی۔ ان واقعات سے علاقے کے دوسرے چوکیداروں کا واقف ہونا ایک لازمی امر تھا لیکن احمد نے ان کی نفسیاتی حالت پر روشنی ڈال کر یہ بتادیا تھا کہ وہ پولیس، تھانے سے متعلقہ پیچیدگیوں سے اپنا دامن بچائے رکھنے کے لئے، خود کو ہر ہنگامے سے بے خبر ظاہر کرنے میں اپنی عافیت محسوس کرتے ہیں۔ احمد کو ہدایات دے کر وہیں چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

شری مان سنگھ مرجاتا یا زندہ رہتا، ہر دو صورتوں میں اس کی کار کی وہاں موجودگی بھرپور جواز کی حامل تھی۔ اس لئے ہم اسے وہیں چھوڑنے کا فیصلہ کرکے شہر کے لئے روانہ ہوگئے۔ میں اپنی کالی شیراڈ چلا رہا تھا جب کہ مرسڈیز کی ڈرائیونگ سیٹ اشرف خان نے سنبھال لی تھی۔

راستے میں اشرف خان کی گاڑی آگے رہی تاکہ کہیں جانچ
پڑتال کے لئے کسی پولیس پارٹی وغیرہ سے سامنا ہو تو وہ اپنے طور پر
انہیں مداخلت سے باز رکھ سکے۔ شہر کی حدود میں داخل ہونے سے
پہلے کم از کم دو مقامات پر میں نے پولیس والوں کو سرگرم دیکھا لیکن
ان کی توجہ مال بردار گاڑیوں اور رکشا ٹیکسی میں سفر کرنے والے
عام لوگوں پر مرکوز تھی جنہیں ذرا دھمکا کر وہ اپنے لئے جیب
خرچ پیدا کر سکتے تھے۔ نسبتاً نئے ماڈل کی چمکتی ہوئی گاڑیاں، عام
طور پر ان کی توجہ سے محروم تھیں اس لئے ہمیں بھی نہیں روکا گیا۔
ایس ٹی ایف کے اسٹیشن فور پر، ہمارے پہنچتے ہی رونق اور
چہل پہل شروع ہو گئی۔ ان چاروں قیدیوں کی آنکھوں پر راستے ہی
میں کالی پٹیاں باندھ دی گئی تھیں تاکہ وہ غیر ضروری طور پر ایس ٹی
ایف کے اراکین اور ٹھکانے کے بارے میں واقف نہ ہو سکیں۔

وہاں موجود لوگوں نے ربی اور پارو کو بہت حیرت سے دیکھا۔
گاڑیوں سے اتارے جانے سے قبل ان کے پیر کھول دیے گئے تھے
لیکن پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں، بلائنڈ فولڈز اور منہ میں ٹھنسے
ہوئے کپڑے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی سنگین جرم میں
ملوث تھیں۔ اسی لئے اس حالت میں پکڑ کر لائی گئی تھیں لیکن اس
کے باوجود ایس ٹی ایف کے عملے کے کسی رکن نے ان سے کوئی
بدتمیزی نہیں کی۔

اشرف خان انہیں اندر بھجوانے کے انتظامات کر رہا تھا کہ
میں ظفر کے دفتر کی طرف چل دیا۔

ظفر کے دفتر کا نقشہ قدرے بدلا ہوا تھا۔ زخمی ہونے کی وجہ
سے اس نے اپنے لئے بستر نما صوفے کا بندوبست کر لیا تھا جس
کے ساتھ رکھی ہوئی سینٹر ٹیبل پر کچھ کاغذات رکھے ہوئے تھے۔

"کو مشن کیسا رہا؟" مجھے دیکھتے ہی اس نے بائیں کہنی کے
سہارے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بس آج شری مان سنگھ کے ستارے ہی یاور تھے کہ وہ بچ
نکلا ورنہ ویسے آج اس کی بدنیتی کھل کر سامنے آ گئی۔ وہ غزالہ کے
معاملے میں بھی اپنی کہانی پر اڑا ہوا تھا۔"

ظفر کے استفسار پر میں نے اسے پوری کہانی سنا ڈالی۔ اس کے
لئے یہ بات حیرت ناک ثابت ہوئی کہ شری مان سنگھ نے مجھے
پھنسانے کے لئے پُرتشدد حربوں کے بجائے عیش و نشاط کی راہ اختیار
کی۔

"مجھے امید نہیں ہے کہ وہ سمندر سے زندہ لوٹ سکے گا۔"
میرے خاموش ہونے پر ظفر نے گہرا سانس لے کر کہا "وہ مر گیا تو
غزالہ کی واپسی کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔"

"آج اس کا اصل روپ دیکھ لینے کے بعد میری ہر خوش فہمی
دور ہو گئی ہے۔ وہ زندہ بچ بھی گیا تو غزالہ کو آسانی کے ساتھ واپس
نہیں کرے گا۔ اب تو میں یہی دعا کر سکتا ہوں کہ ہانگ کانگ میں
ملنے والی لڑکی، شگفتہ کے بجائے غزالہ ہو۔ اسے وہاں سے واپس
لانا نسبتاً آسان ہوگا۔"

"شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہو کہ ویرا نے مجھے فون کیا
تھا۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ظفر نے ہلکی مگر بھرپور
مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

میرے لئے وہ چونکا دینے والی اطلاع واقعی ناقابلِ یقین تھی۔

"کیا واقعی؟"

"ہاں' اس نے کوئٹہ سے میری عیادت کے لئے فون کیا تھا۔ وہ
واقعی بہت عجیب و غریب عورت ہے۔"

ظفر اس کے ہاتھوں خاصی بری طرح زخمی ہو چکا تھا اس لئے
اس کے لب و لہجے میں ویرا کے لئے نرمی محسوس کر کے میں حیران
ہوئے بغیر نہیں رہ سکا "تو کیا تم نے اسے معاف کر دیا؟"

"وہ معافی مانگتی تو شاید میں اسے معاف بھی کر دیتا۔" اس نے
احمقانہ لہجے میں کہا "وہ اپنے کیے پر ذرا بھی نادم نہیں تھی لیکن اسی
کے ساتھ میرے زخمی ہونے پر پریشان بھی تھی۔ البتہ اس نے یہ
ضرور کہا کہ میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے اس کے پاس بارودی
پھول سے ہلکا کوئی شعبدہ نہیں تھا ورنہ مجھے اتنے زخم نہ آتے۔"

"غضب خدا کا! یعنی وہ فون پر بھی اپنی اس حرکت کا دفاع
کر رہی تھی؟"

"اب چھوڑو اسے، جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔" ظفر نے خفیف سی
ہنسی کے ساتھ کہا "بعض اوقات بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی
بہت اہم ثابت ہوتی ہیں۔ اسے آوارہ کہہ کر میں نے اس کی انا کو
مجروح کیا تھا۔ بعد میں دوستی ہو جانے کے بعد بھی وہ اپنی اس توہین کو
نہیں بھلا سکی اور ایک انتقامی کارروائی کر گزری۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم اس کی حرکت کو حق بجانب تصور کرتے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بڑی حد تک!" ظفر بولا "اس کے شدید ردعمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے اندر ایک اچھی اور عزت دار عورت چھپی ہوئی ہے جو اپنی تذلیل برداشت نہیں کرسکتی۔ میرے زخم سطحی ہیں۔ یہ آج نہیں تو کل بھر جائیں گے لیکن اس کے دل پر لگا ہوا زخم مدتوں مندمل نہیں ہوسکے گا۔ آج اس سے بات کرنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ ایلسٹن کے ساتھ اس کے مراسم میں پسند کے بجائے جبر کا دخل تھا۔"

"میں تمہاری رائے پر تنقید نہیں کرتا لیکن میری نئی رائے یہ ہے کہ ویرا اور کچھ ہونے کے ساتھ ہی اتنی بڑی اداکارہ ہے کہ اسے اس سال کا آسکر ایوارڈ ملنا چاہیے۔"

"میں نے اپنی عمر کسی جزیرے میں نہیں' انسانوں کو دیکھتے پرکھتے گزاری ہے۔" اس نے مجھے سمجھانے کی نیت سے متانت کے ساتھ کہا "اس کی روہانسی آواز سن کر مجھے اس کی دلی کیفیت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ دیکھا جائے تو وہ میرے ساتھ زیادتی کرکے دل ہی دل میں شرمسار بھی تھی لیکن اس کی انا اُسے معذرت کے دو بول بولنے سے روک رہی تھی۔ ایسے مواقع پر انسان کا قول نہیں' عمل دیکھا جاتا ہے۔"

"میں بحث میں نہیں پڑتا۔ اگر تمہاری اور اس کی صلح صفائی ہوگئی تو یہ بہت اچھا ہے۔ تم دونوں مشترکہ مفادات کے لئے آئندہ بھی مل جل کر کام کرسکو گے۔"

"میں بھی اس کی ذات میں بس اتنی ہی دلچسپی لے رہا ہوں۔" وہ جلدی سے بولا "اسے اپنانے کے بارے میں' میں نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا ہے۔ وہ بہرحال ایک ذہین اور خطرناک لڑکی ہے جو اس وقت غلط راہوں پر چل رہی ہے۔ جب تک وہ اس گمراہی سے تائب ہوکر راہِ راست پر نہ آجائے' میں اس کی طرف پیش قدمی نہیں کرسکتا۔"

"ہوسکتا ہے کہ تمہاری فرمائش پر وہ یہ بھی کر گزرے۔" میں نے اس پر ہلکی سی چوٹ کی۔

"وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ فی الحال تو میں اس کی کامیابی کا آرزومند ہوں۔"

"وہ ایران کب تک جا رہی ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"وہ اب تک ایرانی سرزمین پر کافی دور تک سفر کرچکی ہوگی۔" اس نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "اس کا ایرانی اسمگلروں سے رابطہ ہوگیا تھا۔ اسے ان کی جب میں سات

خبری ہم تک پہنچ گئی۔" میں نے مسرت کے ساتھ کہا "ورنہ ہم نہ جانے کب تک بے یقینی میں مبتلا رہتے۔"

"سمندر سے شری مان سنگھ کی لاش برآمد ہوئی تو یہ بھی تمہاری کامیابی ہوگی۔ میرا خیال ہے آنے والے دو دن ہمارے لئے خوشگوار ہوں گے۔ بس غزالہ کا معاملہ ذرا پھنسا ہوا نظر آتا ہے۔"

"میں اب اسی طرف توجہ مرکوز کروں گا۔" میں نے کہا "تم شری مان سنگھ کے ساتھیوں کو دیکھ لینا۔ مجھے ان میں صرف شری مان سنگھ کا ڈرائیور ہی توجہ کا مستحق نظر آرہا ہے۔"

"نہیں' باری باری ان سب ہی کو دیکھنا ہوگا۔" وہ گہری سنجیدگی کے ساتھ بولا "ان میں پارو شاید مالدار گھرانے کی بگڑی ہوئی لڑکی ہو لیکن رلّی کا نام شاید میرے ریکارڈ پر ہے۔ تفریح کی دلدادہ 'اعلیٰ حلقوں میں وہ ڈانسنگ بیوٹی کے نام سے پہچانی جاتی ہے اور اہم سرکاری افسران سے قریبی مراسم رکھتی ہے۔"

"پھر وہ تم لوگوں کی نگاہوں سے کیسے بچی ہوئی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ خفیہ سرکاری اداروں کا کھیل ہے۔ وہ شاید رلّی کو چارا بنا کر بڑی مچھلیوں پر ہاتھ ڈالنے کی فکر میں ہیں۔ ہمیں تو صرف رسمی طور پر اس کے وجود کی اطلاع دی گئی ہے۔ رلّی کا باپ ایک انگریز تھا۔ وہ سیاحت کے لئے یہاں آیا اور ایک ہندو عورت کے جال میں پھنس گیا۔ رلّی آٹھ برس کی تھی کہ اس کا باپ اپنی بیوی کی تیزی سے ڈھلتی ہوئی جوانی سے اکتا کر کہیں لاپتا ہوگیا اور رلّی کی ماں آوارگی کی راہوں پر چل پڑی۔ دیکھا جائے تو اس نے اپنی پاپ کی کمائی سے رلّی کو پروان چڑھانے کے ساتھ اعلیٰ تعلیم بھی دلائی لیکن اسے اپنے رنگ میں رنگنے سے نہیں بچا سکی۔ رلّی اپنے تعلیمی دور میں ہی پر پرزے نکالنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔"

"تمہاری اطلاعات قابلِ رشک ہیں۔ اچھا ہی ہوا کہ میں ان سب کو ہاکس بے پر رہا کرنے کے بجائے اپنے ساتھ لے آیا۔ بیچ ہٹ کے چوکیدار کو سمجھا بجھا کر وہیں چھوڑ دیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ پولیس کے جھمیلوں سے اپنی جان بچانے کے لئے خود ہی خاموش رہے گا یا روپوش ہوجائے گا۔" میں نے کہا "اس کے لئے مشکل صورتِ حال اسی وقت پیدا ہوگی جب شری مان سنگھ سمندر میں غرق ہونے کے بجائے زندہ نکل آئے گا۔"

"وہ ایک سفارت کار ہے اس لئے ہمارے ملک میں اس کو ہر طرح کا سفارتی تحفظ حاصل رہے گا۔ زیادہ سے زیادہ اسے ناپسندیدہ شخص قرار دے کر ملک چھوڑنے کا حکم دیا جاسکتا ہے۔ اس کے سنگین جرائم کے اعتبار سے اسے یہاں کوئی سزا نہیں دی

"لیکن اس کی موت کو یقینی بنانا میرے اور تمہارے بس سے باہر ہے۔"

ظفر معنی خیز انداز میں مسکرایا اور بولا "تم جا کر غزالہ کی خیر خبر لو۔ ہوسکتا ہے کہ صبح تک میں تمہیں کوئی اچھی خبر سنا سکوں۔ اگر میں صحیح آدمی سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تو تھوڑی ہی دیر میں، طاقتور سرچ لائٹوں سے لیس ہیلی کاپٹر، ہاکس بے کی ساحلی پٹی پر نیچی پروازیں شروع کردیں گے اور اسے کہیں امان نہیں مل سکے گی۔"

"خدا تمہیں اپنے ارادوں میں کامیاب کرے!" میں نے اپنے دل کی گہرائیوں سے کہا اور روانگی کے لئے اٹھ گیا۔

ظفر کو چھوڑ کر میں فلیٹ پر پہنچا تو سلطان شاہ بے تابی کے ساتھ میرا منتظر تھا لیکن اس کا منہ بدستور پھولا ہوا تھا۔

میں نے اسے راضی کرنے کے لئے اپنی کتھا سنانی چاہی تو اس نے خشک لہجے میں مجھے روک دیا اور بولا "تم جو کچھ کر آئے ہو، اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ تم کسی ٹوٹ پھوٹ کے بغیر لوٹ آئے ہو۔ اب اگر فرصت ہو تو ذرا مکاؤ فون کرلو۔ ان لوگوں کو تمہاری یا ویرا کی تلاش ہے۔"

"کیا کسی کا فون آیا تھا؟" میں نے حیرت اور تیزی کے ساتھ سوال کیا۔

"ہاں، وہی عورت تھی جس سے پہلے بات ہوتی رہی تھی۔" وہ بے زاری کے ساتھ بولا۔

"تو تم نے اس سے بات کیوں نہیں کی؟ وہ کیا کہہ رہی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"میری آواز اس کے ساؤنڈ اسکینر پر ریکارڈ نہیں ہے۔ اس لئے اس نے مجھ سے بات کرنے سے انکار کردیا۔ وہ ویرا کو یا تمہیں پوچھ رہی تھی۔"

وہ ایک اہم اطلاع تھی۔ میں وقت کے فرق کو نظرانداز کرتے ہوئے فوراً ہی ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا جہاں فون موجود تھا۔

مکاؤ میں کوانگ فو کے ٹھکانے پر فون کے ذریعے رابطہ کرنا ایک عجیب و غریب تجربہ تھا۔ پہلی ہی کوشش میں فون کا سلسلہ مل گیا پھر وہی، آفت زدہ چوہے کی چوں چوں سنائی دینے لگی۔ میں مکمل طور پر خاموش رہا۔ مقررہ وقت گزرنے کے بعد کوانگ فو کی سیکریٹری لائن پر آگئی۔

"میں کراچی سے ڈیڈی بول رہا ہوں۔" اس کی ہیلو کے جواب میں میں نے انگریزی میں کہا۔

"تم کہاں غائب تھے؟ اور وہ ڈون کی منہ بولی بیٹی کہاں ہے؟" اس کا لہجہ بے تکلفانہ تھا۔ شاید اس کے ساؤنڈ اسکینر نے میری آواز

ساتھ کہا۔ اس کے لہجے سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس کے پاس کوئی بری خبر نہیں تھی۔

"ہانگ کانگ والی مس ترپاٹھی تم کو پہچانتی ہے؟" مکاؤ سے سوال کیا گیا۔

"بالکل، بہت اچھی طرح پہچانتی ہے۔ وہ اس وقت کہاں ہے؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"وہ ہانگ کانگ میں ہی ہے اور اس کی وجہ سے بہت بڑی مشکل کھڑی ہوگئی ہے۔ ڈون کے اثر و رسوخ کی بنا پر سارا معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹ گیا ہے کیونکہ ڈون نے خود ہی اپنے غدار ساتھیوں کو پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ دو پہلے ہی ٹھکانے لگائے جاچکے ہیں۔ باقی دو کو ان کی کمین گاہوں سے نکال کر، پولیس کے قبضے میں دینے کے بعد باقی لوگوں کی گلوخلاصی ہوگئی ہے۔"

"لڑکی کا کیا بنا؟" اس کے خاموش ہونے پر میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

"اس نے ڈون کے ساتھ آنے سے انکار کردیا ہے۔" اس نے خبر دی "دوسری طرف اس کے ساتھ آنے والے مرد کی نیت بھی ڈانواں ڈول ہوگئی اور وہ مس ترپاٹھی کو اپنے ساتھ ہی لے جانا چاہتا تھا۔"

"تو کیا وہ اس کے ساتھ جانے پر رضامند ہے؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"یہی تو مصیبت ہے کہ وہ کسی کے ساتھ جانے پر آمادہ نہیں ہے۔ اس کی شناخت ترپاٹھی کے پاس موجود کاغذات سے ہوئی ہے۔ اس لیے ہانگ کانگ پولیس مسٹر ترپاٹھی کو ہی لڑکی کا واحد قانونی وارث قرار دے رہی تھی۔ اس کے دست بردار ہوئے بغیر لڑکی ڈون کے قبضے میں نہیں آسکتی۔"

"لیکن وہ کیا کہتی ہے؟ اسے ڈون کے ساتھ جانے میں کیا اعتراض ہے؟"

"اس نے ڈون کو بھی مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اس کے دونوں دعوے دار جعلی اور اس کی جان کے دشمن ہیں۔ ان سے بچنے کے لیے وہ پولیس ہی کی تحویل میں رہنا چاہتی ہے۔"

"اوہ!" اس سنگین اور غیر متوقع صورتِ حال نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا۔

"اب چکر یہ ہے کہ لڑکی کے بیان کی بنا پر پولیس نے چھان بین مکمل ہونے تک مسٹر ترپاٹھی کی سفری دستاویزات ضبط کرلیں تاکہ وہ ہانگ کانگ سے فرار نہ ہوسکے۔ اسی کے ساتھ ڈون کو بھی ہانگ کانگ میں رہنے کا پابند کیا جاچکا ہے لیکن ترپاٹھی اچانک ہی

جلد از جلد اس جنجال سے نکلنا چاہتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی اپنے حالیہ تجربات سے دہشت زدہ ہے اس لیے دوست اور دشمن کی تمیز کھو بیٹھی ہے۔ ڈون اسے پیار و محبت سے راہِ راست پر لا سکتا ہے۔"

"ناممکن!" اس کا لہجہ دو ٹوک تھا "موجودہ حالات میں پولیس ڈون کو لڑکی کے پاس پھٹکنے بھی نہیں دے گی۔ وہ ڈون ہے اس لیے اپنے فائیو اسٹار ہوٹل میں محصور ہے۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو لڑکی کے خطرناک بیان کی بنا پر جیل یا حوالات کی ہوا کھا رہا ہوتا۔ تم لوگوں نے ڈون کو بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔"

"ابھی تک تم صرف مسائل ہی بتا رہی ہو۔ تمہارے پاس اس صورتِ حال کا کیا حل ہے؟"

"ڈون کی بیٹی کو فوراً ہانگ کانگ پہنچ کر ڈون سے ملنا ہوگا تاکہ وہ دونوں مل کر کوئی راہ نکال سکیں۔"

"لیکن میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ شہر سے باہر گئی ہوئی ہے۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا "ہو سکتا ہے کہ وہ کئی روز تک واپس نہ آسکے۔ اسی لیے وہ مجھے تم سے متعارف کرا کے گئی ہے۔"

"اگر تمہیں پورا یقین ہے کہ مس ترپاٹھی تمہیں پہچان لے گی اور تمہارا مشورہ بھی قبول کر لے گی تو تمہیں بلا تاخیر ہانگ کانگ پہنچنا چاہیے۔ تم صبح ہی روانہ ہو جاؤ تو بہت بہتر ہوگا۔"

"ناممکن ہے۔ ابھی تو میرے پاس ہانگ کانگ کا ویزا بھی نہیں ہے۔" میں نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔ مجھے فوراً ہی یاد آگیا تھا کہ اگلے دن سیٹھ حبیب جیوانی نے مجھے ٹریڈ لائن کے دفتر میں طلب کیا ہوا تھا جہاں ایک اہم ترین اجلاس متوقع تھا۔ عرصۂ دراز سے التوا میں پڑے ہوئے اس مرحلے کو نظرانداز کر کے' میں اچانک ہی ہانگ کانگ روانہ ہو جاتا تو نہ صرف حبیب جیوانی' بلکہ مافیا کے سارے بڑے میری طرف سے بدظن ہو جاتے۔

"اگر تمہارے پاس اپنے ملک کا پاسپورٹ ہے تو تمہیں ویزا لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سیاحت اور خریداری کے نام پر یہاں تین ماہ کا ویزا ہاتھوں ہاتھ مل جاتا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ تم نے آنے میں تاخیر کی تو پھر کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ مس ترپاٹھی ہاتھ سے نکل جائے گی اور تمہیں بے نیل و مرام واپس لوٹنا پڑے گا۔"

"کیوں؟ لڑکی کہاں چلی جائے گی؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"تم بھول رہے ہو کہ ہانگ کانگ میں ہوٹلوں سے لے کر جیلوں تک میں جگہ کی قلت ہے۔ وہاں والے ہر معاملے میں بہت مستعد اور پھرتیلے ہیں اور بلاوجہ کسی کو نہیں پالتے۔ فوری طور پر کوئی حل سامنے نہ آیا تو وہ مس ترپاٹھی کو بھارت واپس بھیج دیں گے کیونکہ اس کے سفری کاغذات بھارتی ہیں اور وہ وہیں سے آئی تھی۔"

اس کا وہ انکشاف سنتے ہی مجھ پر چودہ طبق روشن ہوگئے۔ وہ بہت باریک لیکن بالکل سامنے کی بات تھی کہ کسی بھی الجھن کے نتیجے میں غیرملکیوں کو جبراً بے دخل کر کے ان کے ملک یا آخری منزل کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ شاید غزالہ کو نئی دہلی سے ہانگ کانگ لانے والا اس رمز سے پہلے ہی آگاہ تھا۔ اسے یہ بھی معلوم رہا ہوگا کہ اس لڑکی کو مجبوراً ہانگ کانگ بھیجا گیا ہے۔ اسی لیے شکوک و شبہات کی فضا پیدا ہوتے ہی وہ رُوپوش ہوگیا تاکہ ہانگ کانگ کے حکام کوئی سیدھی راہ نہ پاتے ہوئے اسے دوبارہ نئی دہلی بھیج دیں۔

میرے لیے وہ بہت مشکل صورتِ حال تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس وقت مجھے یہی یقین نہیں تھا کہ ہانگ کانگ میں بیٹھی ہوئی لڑکی واقعی غزالہ تھی یا اس کے دھوکے میں لکھنؤ کی شکنتلا دیوی کو وہاں بھیج دیا گیا تھا۔ اگر میں مافیا والوں کی برہمی کا خطرہ مول لے کر اس سفر پر روانہ بھی ہو جاتا تو اس امر کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ ہانگ کانگ میں غزالہ میرے سامنے ہوتی۔

میرے وہاں پہنچنے پر اگر وہ شکنتلا ثابت ہوتی تو کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ اپنی الزام تراشی کا رخ میری طرف موڑ کر مجھے کسی ناکردہ جرم کی سزا میں پھنسوا دیتی۔

"ٹھیک ہے' میں دیکھتا ہوں کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "یہاں کی صورتِ حال کا جائزہ لے کر میں تھوڑی دیر میں تمہیں دوبارہ فون کروں گا۔"

"یہ یاد رکھنا کہ ہم تم سے چار گھنٹے آگے ہیں۔ میں تمہاری فون کال کے انتظار میں اپنی رات برباد نہیں کروں گی۔" طنزیہ لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے اس نے فون بند کر دیا۔

اس وقت تک سلطان شاہ میرے سر پر مسلط نہیں ہوا تھا اس لیے میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد حبیب جیوانی کے گھر پر فون کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میرے لیے وہ بہت نازک اور پیچیدہ مرحلہ تھا جس سے نمٹنا آسان نہیں تھا۔

ایک طرف غزالہ ہانگ کانگ میں مخدوش حالات میں گھری ہوئی تھی۔ اسے نئی دہلی سے وہاں پہنچانے والا' بھارتی ایجنٹ رُوپوش ہو چکا تھا اور ڈون کوانگ فو' ویرا کی سفارش کے عین مطابق اسے اپنی تحویل میں لے کر بحفاظت کراچی بھیجنے کے لیے کوشاں تھا لیکن غزالہ اپنے تلخ ترین تجربات سے اس قدر خائف ہو چکی تھی کہ وہ پولیس کی محفوظ تحویل سے نکل کر کسی اجنبی پر بھروسا کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھی۔

اس کے دوسری بار اغوا ہونے کے بعد سے' اس سے میرا رابطہ منقطع رہا تھا اور وہ مسلسل شری مان سنگھ یا اس کے ہم وطن سیکرٹ ایجنٹوں کی قید میں رہی تھی' اسے سرے سے اندازہ ہی نہیں ہو سکا ہوگا کہ میں پسِ پردہ رہتے ہوئے اس کی رہائی کے لیے کیا کچھ جتن کر رہا تھا۔ اسی طرح اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کے

واحد دعوے دار کے طور پر ہانگ کانگ پولیس کے سامنے آنے والا ڈون واقعی اس کا ہمدرد اور خیر خواہ تھا۔ سانپ سے ڈسے ہوئے لوگوں کی طرح، وہ رسّی سے بھی خوف زدہ تھی۔ اس ردِّعمل میں غزالہ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ جو کچھ کررہی تھی، وہ ذاتی تحفظ کے فطری تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ غلطی میری تھی کہ میں ویرا کے ساتھ، اس پلان کو آگے بڑھاتے ہوئے اس ناگزیر امکان کو فراموش کر بیٹھا تھا۔

بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ غزالہ جن پُر اسرار بلکہ مشکوک حالات میں، کوانگ فو کی اسپیڈ بوٹ سے ہانگ کانگ کی بحری پولیس کی تحویل میں گئی تھی، وہ کوانگ فو کے حق میں نہیں تھے۔ اس بوٹ سے ایک ایسا خطرناک اور اشتہاری چینی مجرم برآمد ہوا تھا جو چینی پولیس کو ہر قیمت پر مطلوب تھا۔ ان حالات میں یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی کہ کوانگ فو کی اسپیڈ بوٹ ایک مجرم کو محفوظ علاقے میں اسمگل کرنے کے لیے استعمال کی جارہی تھی۔ اس برطانوی نو آبادی کے سخت ترین انتظامی قوانین کے تحت اسپیڈ بوٹ پر موجود، ہر فرد کو سنگین الزامات میں ملوث کیا جاسکتا تھا لیکن یہ کوانگ فو کے اثر و رسوخ کا کرشمہ تھا کہ اس نے قلیل سی مدت میں اس قصے کو سنبھال لیا تھا۔

وہ نہ صرف خود حوالات سے بچا رہا، بلکہ اس نے گرفتار ہونے والے دیگر افراد کی رہائی کا بھی بندوبست کرالیا لیکن غزالہ کی طرف سے عدم تعاون کے نتیجے میں ڈون کی پوزیشن پھر خراب ہوگئی تھی۔ اس سنگین صورتِ حال کا ازالہ صرف اسی صورت میں ہوسکتا تھا کہ میں پہلی پرواز سے بہ ذاتِ خود ہانگ کانگ پہنچ کر غزالہ کو اپنے قبضے میں لیتا اور اس سے ڈون کے حق میں بیان دلوا کر اسے بھی نگرانی کے جنجال سے آزاد کرادیتا۔

لیکن میری فوری روانگی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ مجھے مافیا کے مقامی چیف سے کیے گئے، اپنے وعدے کے مطابق اگلے دن ٹریڈ لائن کے دفتر میں موجود رہنا تھا تاکہ مافیا کے ڈان تھری کے تازہ ترین احکام کی فوری تعمیل کو یقینی بنایا جاسکے۔ مَیں مافیا میں اپنی شمولیت کے بعد سے، اکثر و بیشتر مختلف حیلوں اور بہانوں سے دفتر سے غائب ہی رہتا تھا جسے حبیب جیوانی کسی نہ کسی وجہ سے نظرانداز کرتا چلا آرہا تھا۔ اگر میں اس اہم موقعے پر اسے مطلع کیے بغیر ملک سے باہر چلا جاتا تو وہ چراغ پا ہو کر میرے لیے ایسی مشکلات کھڑی کرسکتا تھا کہ میرے لیے شہر میں دوبارہ اپنے قدم جمانے مشکل ہوجاتے۔

اور اگر میں مافیا کے چکر میں مزید ایک دو روز شہر ہی میں رکا رہتا تو قوی امکان تھا کہ ہانگ کانگ پولیس، غزالہ کو لاوارث اور بےگھرے کی بنیاد تصور کرتے ہوئے ملک بدر کردیتی۔ ان کے ریکارڈ کے مطابق غزالہ بھارتی شہریت کی حامل تھی اسی لیے اُسے کسی بھی پرواز سے نئی دہلی بھیج دیا جاتا اور یوں وہ بھارتی درندوں کے چنگل

سے نکلنے کے بعد دوبارہ ان ہی کی قید میں پہنچ جاتی جس کے بعد اس کی بازیابی کے اتنے سازگار حالات دوبارہ پیدا نہیں کیے جاسکتے تھے۔

تحفظ اور بقا کے لیے وہ دونوں ہی کام بہت اہم تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ دونوں کا وقت ایک ہی تھا اور میرے لیے، ان میں سے صرف ایک کام کو سرانجام دینا ممکن تھا۔

یہ ظاہر ہے کہ میرے لیے دنیا میں غزالہ سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا۔ سگی ماں، سگے باپ، پھر سوتیلی ماں اور بھائیوں سے ہاتھ دھولینے کے بعد، درحقیقت دنیا میں کوئی ایسا فرد زندہ نہیں رہا تھا جسے میں خون کے محترم اور مقدس رشتے سے پہچان سکتا۔ اس زنجیر کی آخری کڑیاں بکھر جانے کے بعد صرف غزالہ ہی میری ذات کو تقویت اور سہارا دیتی چلی آرہی تھی کیونکہ وہ خود بھی دنیا میں اکیلی رہ گئی تھی۔

اس کا گھرانا ہیروئن کی تباہ کاریوں کی ایک عبرت ناک مثال تھا۔ اس کی ماں کا ماضی کسی بھی اعتبار سے قابلِ رشک نہیں تھا۔ کرنل زوّار زیدی سے شادی کرنے سے قبل وہ اس بازار کی ایک بے آبرو جنس تھی جہاں مال و زر کے زور پر زن کو گھنگروؤں کے سُر تال پر ہر شب نچا کر نڈھال کیا جاتا ہے پھر بھوکے بدمست گدھ اپنا خراجِ شب وصول کرنے کے لیے، ان جسموں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ شمع، کرنل زوار زیدی کی بیوی بننے سے پہلے اسی محفل کی شمع تھی لیکن ایک مضبوط سہارا ملنے کے بعد وہ صرف اور صرف ایک گھردار عورت بن کر رہ گئی۔ شمع اپنے کرب ناک ماضی کو یکسر بھول جانا چاہتی تھی لیکن لوگ اسے ہر قدم پر یہ یاد دلاتے رہے کہ وہ سدا کی عزت دار نہیں تھی۔ اس جرّاحی اور پیہم نشترزنی نے شمع کی روح تک کو زخمی کرکے رکھ دیا۔ اس نے اپنے اس درد کو بھلانے کے لیے نشے کی بیساکھی کا سہارا لیا اور خود فراموشی کے عالم میں، مصنوعی سکون کے سہارے جینے لگی۔ غزالہ اس کی اکلوتی بیٹی اور کامران اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ شمع پان میں کوکین کھانے کی عادی تھی۔ ایک دن ننھے کامران نے اپنی ماں کی بے خبری میں، اس کے پاندان سے کوکین کی ڈبیا نکال کر ساری کوکین اپنے معدے میں اتارلی۔ اس کی حالت بگڑی تو کرنل زوار زیدی نے اپنے اکلوتے لختِ جگر کی زندگی بچانے کے لیے کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ ان دونوں کی کوششوں اور محنت سے کامران کی جان تو بچ گئی لیکن وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔

اپنے ماضی کی آنچ میں سلگتی ہوئی، دل فگار شمع کے ذہن پر ایک نیا اور خوف ناک عذاب مسلط ہوگیا۔ وہ خود کو اپنے بیٹے کے پاگل پن کا ذمے دار سمجھنے لگی۔ جوانی بھی کامران کی دیوانگی کو فرزانگی میں نہ بدل سکی۔ اس کی بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ شمع کا کرب بھی روز بروز بڑھتا چلاگیا اور وہ شب و روز نشے میں غرق رہنے لگی۔ ادھر غزالہ اپنی ہمجولیوں کے دبے دبے طعنے سننے کے

باوجود تعلیم حاصل کرتی رہی۔
اس مرحلے پر میری غزالہ سے شناسائی ہوئی تو وہ چار نفری گھرانے کی رونقوں کی امین تھی۔ اس کا پاگل بھائی آہنی جنگلے والے دروازے کے پیچھے ہر وقت ایک کمرے میں مقفل رہتا تھا۔ جنون کے عالم میں وہ کبھی اپنے باپ کو لہولہان کر دیتا' کبھی اپنی ماں پر ہاتھ اٹھا دیتا تھا لیکن غزالہ کے سامنے وہ ہمیشہ کسی پالتو جانور کی طرح صلح جو' فرماں بردار بلکہ سہما سہما بھی نظر آتا تھا۔ کرنل زوّار زیدی کو غزالہ کے روپ میں ایک جوان بیٹا ہی نظر آتا تھا۔
کوکین کا بڑھتا ہوا استعمال آخر کار رنگ لایا اور نحیف و نزار شمع ایک دن اچانک ہی گُل ہو گئی۔ کرنل کے لیے وہ بہترین ساتھی تھی۔ کرنل نے زندگی کے طویل سفر پر اسے اپنا ساتھی منتخب کر کے' اپنے سارے خاندان کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا تھا کیونکہ ان میں سے کوئی بھی شمعِ محفل کو چراغِ خانہ کے طور پر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اب جو شمع یوں چپکے سے دنیا سے کوچ کر گئی تو کرنل زوّار زیدی نے زندگی کے تپتے ہوئے اور بے رحم صحرا میں خود کو یکایک تنہا پایا جہاں ہر طرف سراب ہی سراب تھے' منزل کا کسی بھی سمت میں کوئی نشان نہیں تھا۔ شمع کے ساتھ وہ اس صحرا میں صدیوں بھٹک سکتا تھا۔ لیکن تنہائی کا احساس اس کے وجود میں ایسا سرایت ہوا کہ اس نے اپنی بیوی کے سرہانے' اپنے سر میں گولی مار کر خودکشی کر لی اور یوں غزالہ چند ہی لمحوں میں ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئی۔ بعد میں اس کا بھائی کامران بھی اپنے علاج کے آخری مراحل میں' پوری طرح صحت یاب ہونے سے ذرا پہلے شی کے ان سفاک درندوں کا آلۂ کار بن گیا جو اُن دنوں میرے خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے اور یوں غزالہ بھی میری ہی طرح' بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی تھی جسے میں کسی بھی صورت میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔
یہ اور بات تھی کہ شری مان سنگھ کی دوغلی پالیسی کی وجہ سے میرے ذہن میں صورتِ حال صاف نہیں تھی۔ شری مان سنگھ اور ویرا کے معاہدے کے مطابق غزالہ ہی کو ہانگ کانگ میں موجود ہونا چاہیے تھا لیکن اس مردود نے مجھ سے جو کچھ کہا' اس کے مطابق' غزالہ بدستور نئی دہلی میں قید تھی اور اس کی جگہ' شکنتلا دیوی نامی ایک لکھنوی لڑکی کو مس تریاٹھی کے روپ میں ہانگ کانگ بھیج دیا گیا تھا۔
اس غیر معمولی بے یقینی کے باوجود' میں غزالہ کی بازیابی کے موہوم ترین امکان کو بھی نظر انداز کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ غزالہ ہوتی تو میں معرکہ جیت لیتا۔ اس کی جگہ شکنتلا ہوتی تو میں اس کے ہر تریا چلتّر کا بخوبی مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس تمام ذہنی جمناسٹک کے بعد ہی میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مجھے فون کر کے اپنے مافیا چیف سے اگلے دو تین روز کے لیے فوری طور پر رخصت مانگ لینی چاہیے۔

دوسری طرف سے تیسری گھنٹی پر ایک مخمور نسوانی آواز سنائی دی جس پر مجھے حیرت ہوئی کیونکہ اپنی بیوی کی موت کے بعد سیٹھ حبیب جیوانی اپنے مکان پر اکیلا ہی رہ رہا تھا۔
میں نے حبیب جیوانی کے بارے میں دریافت کیا تو رانگ نمبر کہہ کر فوراً ہی فون بند کر دیا گیا۔
میں نے دوسری بار بہت احتیاط کے ساتھ نمبر ملایا اور اس بار بھی وہی آواز سنائی دی لیکن اس مرتبہ وہ خاصی جھلائی ہوئی تھی۔
"خاتون! یہ رانگ نمبر نہیں ہے۔ میں نے بہت احتیاط سے نمبر ملایا ہے۔ میں حبیب صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں....." میں نے بلا کسی تمہید کے اپنی بات شروع کر دی۔
"میں کہہ چکی ہوں کہ یہ رانگ نمبر ہے" غصیلے لہجے میں میری بات کاٹ کر کہا گیا "پتا نہیں تم لوگوں کو فون پر لڑکیوں کو ستانے میں کیا مزہ ملتا ہے؟ کیا تمہاری ماں بہنیں نہیں ہیں؟"
"اتفاق سے کوئی بھی نہیں ہے" میں نے چند منٹ پہلے سوچی ہوئی حقیقت بلا تکلف دہرا دی "لیکن پھر بھی میں محض فون پر چھیڑ چھاڑ کر کے وقت برباد کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ تم چاہو تو کبھی مل کر دیکھ لینا۔ میں ذہنی آوارگی کے بجائے عمل پر یقین رکھتا ہوں۔ اب ذرا حبیب صاحب کو بلا دو۔"
چند ثانیوں تک لائن پر سکوت طاری رہا پھر کہا گیا "تم اب میری رات برباد کرنے پر تُل گئے ہو..... یہ بتاؤ کہ تم نے کیا نمبر ڈائل کیا ہے؟"
"جسے تم برباد کرنا کہہ رہی ہو' اسے رات آباد کرنا کہتے ہیں"
اسی کے ساتھ میں نے حبیب کا نمبر دہرا دیا۔
"یہ غلط نمبر ہے" سخت لب و لہجے میں جواب دے کر دوبارہ فون بند کر دیا گیا۔
"تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" سلطان شاہ نے میرے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے سوال کیا۔ وہ ابتدا ہی سے میری جملہ حرکات و سکنات کو گہری خاموشی کے ساتھ' غور سے دیکھ رہا تھا۔
سچ بات یہ ہے کہ اُس کی آواز نے مجھے چونکا دیا ورنہ مکاؤ والی لڑکی سے فون پر بات ہونے کے بعد میں اپنے خیالات میں محو ہو کر اُس کی موجودگی کو ایک سرے سے فراموش کر بیٹھا تھا۔
"حبیب جیوانی سے بات کر کے دو چار دن کی چھٹی لینی چاہ رہا ہوں تاکہ میں فوری طور پر ہانگ کانگ کے لئے روانہ ہو سکوں"
میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر بے چینی سے ٹہلنا شروع کر دیا۔
"چھٹی کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟" سلطان شاہ نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے پوچھا۔
میں نے اختصار کے ساتھ اپنی مجبوریاں دہرا دیں جو میرے ذہن میں ڈنک مار رہی تھیں۔
"پتا نہیں تم پر خود سری اور خود پسندی کا کوئی دورہ پڑا ہے یا تم نے کسی وجہ سے مجھے مکمل طور پر نظر انداز کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

اس کے چہرے کے ساتھ ہی اس کی آواز میں بھی اداسی کا عنصر آگیا تھا "تمہیں حبیب جیوانی کو چھیڑنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔۔۔"

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کے قریب ہی بیٹھتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں پوچھا "تمہارے ذہن میں کوئی تجویز ہو تو بتاؤ' اس وقت میرا ذہن شدید انتشار کے عالم میں ہے۔"

"مشکل یہ ہے کہ تم نے اب خود کو اکیلا سمجھنا شروع کر دیا ہے" اس کی آنکھوں سے تاسّف اور ہلکی سی ملامت کا کھلا اظہار ہو رہا تھا لیکن اس کا لہجہ سپاٹ تھا "تمہیں مجھ پر اعتماد ہو تو میں ہانگ کانگ جا سکتا ہوں۔ غزالہ بھابی مجھے بھولی نہیں ہوگی۔ وہ میری بات مان لے گی۔ تم آرام سے کل مافیا کے دفتر میں وقت گزار سکتے ہو۔ اس طرح کسی بھی پریشانی کے بغیر دونوں کام بیک وقت کیے جا سکتے ہیں۔"

میں نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اضطراری' جذباتی ابال کے تحت کہا "میں تمہیں اپنی ذات سے الگ نہیں سمجھتا۔ بس پریشانیوں میں گھرنے کے بعد کبھی کبھی میرا ذہن ماؤف سا ہو جاتا ہے اور سامنے کی کھلی کھلی باتوں کو نظر انداز کر کے' میں دور کی کوڑی لانے کے چکر میں الجھ جاتا ہوں۔"

اس نے جو کچھ کہا' وہ واقعی بہت سہل اور قابلِ عمل تھا۔ وہ غزالہ نہ صرف سلطان شاہ سے اچھی طرح واقف تھی' بلکہ اسے اپنے بھائی کی طرح عزیز رکھتی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میں اپنے معاملات میں سلطان شاہ پر کس حد تک اعتماد کرتا ہوں۔ اگر میرے بجائے' وہ ہانگ کانگ روانہ ہو جاتا اور وہاں غزالہ سے مل کر اسے یہ پیغام پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا کہ کوانگ فو اس کا دشمن نہیں' بلکہ خیر خواہ ہے تو غزالہ پہلی فرصت میں پولیس کی محفوظ تحویل کو خیرباد کہہ کر کوانگ فو کے ساتھ چلی جاتی اور ساری الجھنیں رفع ہو جاتیں۔

اسے روانہ کر دینے کے بعد میں پوری یکسوئی کے ساتھ مافیا کے معاملات پر توجہ دے سکتا تھا۔

پچھلی بار ہمارے حالات بہت مخدوش تھے اس لیے ہم نے جعلی سفری دستاویزات پر غیر ملکی سفر کیا تھا اور پاکستان واپس پہنچتے ہی ان دستاویزات کو تلف کر دیا تھا لیکن اس مرتبہ میں سلطان شاہ کو جعلی پاسپورٹ پر سفر کرنے کا مشورہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ میرا تجربہ تھا کہ ہانگ کانگ ائرپورٹ پر متعین' امیگریشن حکام بہت تجربہ کار اور اپنے کام میں ماہر تھے۔ وہ اپنی سرزمین پر آنے والوں کی سفری دستاویزات پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ جانچتے تھے اور بالعموم فوراً ہی ہر گڑبڑ کا سراغ لگا لیتے تھے۔

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" اس مسئلے سے واقف ہونے کے بعد سلطان شاہ نے کہا "تم بس فیصلہ کر دو اور باقی کام مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اپنے پاسپورٹ کا بندوبست خود ہی کر لوں گا۔"

"مگر میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم کیا بندوبست کرو گے۔ میں اپنے مفاد کے لیے تمہیں آنکھیں بند کر کے کسی خطرے میں نہیں جھونک سکتا۔"

"میرے علاقے کے کچھ لوگ کراچی میں ریکروٹنگ ایجنسیاں چلا رہے ہیں۔ کچھ پیسے ضرور خرچ ہوں گے لیکن وہ چند گھنٹوں میں ہی میری باضابطہ روانگی کا بندوبست کرا دیں گے۔ بات صرف تمہاری اجازت کی ہے۔ تم کہو تو میں اسی وقت سے اپنی کوششوں کا آغاز کر سکتا ہوں۔"

سلطان شاہ کا مشورہ بہت معقول اور وزنی تھا۔ وہ اپنے مراسم اور پیسے کے زور پر کام نکال سکتا تھا تو اس سے اچھی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں ایک تدبیر یہ بھی آئی کہ میں مافیا کے پروردہ' ان سرکاری افسران میں سے کسی سے رجوع کروں جنہیں حبیب جیوانی نے رشوت کے ذریعے یا ان کی گھناؤنی اخلاقی کمزوریوں کی بنا پر بلیک میل کر کے اپنا ہم نوا بنایا ہوا تھا۔ اہم سرکاری اور انتظامی افسران پر اپنی گرفت قائم کرنے کے لیے حبیب جیوانی نے اپنے تجربات کی بنا پر کراچی میں مغربی طرز پر جس مادر پدر آزاد کلب کی بنیاد ڈالی تھی' اس کی شرمناک کارکردگی مجھ سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔

سیٹھ حبیب جیوانی نے ساحلِ سمندر سے ذرا دور ایک خوب صورت اور وسیع و عریض عمارت میں حسین و جمیل' مقامی اور غیر ملکی لڑکیوں کی ایک بے حجاب بھیڑ جمع کی ہوئی تھی۔ کلب کی بوجھل اور رومان پرور شاموں میں ان لڑکیوں کو معزز بیگمات کی طرح ناز و ادا کے پردوں میں لپیٹ کر' وہاں آنے والے بااختیار افسران کے سامنے پیش کرتی تھیں۔ بظاہر وہ سب آزاد تتلیوں کی طرح گھومتی پھرتی یا تفریحات میں مصروف نظر آتی تھیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا نشانہ پہلے سے طے ہوتا تھا اور وہ دیدہ و دانستہ اسی کے گرد ناز و انداز دکھا کر' اس کی آتشِ شوق کو ہوا دیتی تھیں۔ پھر جن' اسکاچ' رم اور ووڈکا کے سرور میں ڈوبے ہوئے شکار' اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے' اس جال میں پھنس کر خلوت میں چلے جاتے تھے جہاں خود کار کیمروں کی نگاہیں ہر منظر کو ویڈیو کے مقناطیسی فیتے پر محفوظ کر لیتی تھیں اور یوں بیوروکریسی کے مضبوط ڈھانچے میں مافیا کے مددگاروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

مافیا کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان مقتدر افسران سے کام نکلوانے کے لیے صرف بلیک میلنگ پر ہی انحصار نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس کے ذریعے انہیں صرف راہ پر لایا جاتا تھا۔ مافیا کے مفادات کے تحفظ پر آمادہ ہو جانے کے بعد ان سے جو بھی کام لیا جاتا تھا' اس کا معاوضہ انہیں باقاعدگی سے ادا کیا جاتا تھا۔

میرے پاس ایسے افسران کی فہرست موجود تھی جن سے مخصوص حوالوں کے ذریعے کوئی بھی غیر قانونی کام لیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس مرحلے پر ان لوگوں سے رجوع کرنے کے بجائے' سلطان

شاہ کی تجویز کو قبول کر لینا ہی بہتر تھا۔

"تم نے میرے ذہن پر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا ہے۔ تم اسی وقت سے اپنی روانگی کی تیاریاں شروع کر دو۔ بس یہ خیال رکھنا کہ پاسپورٹ پر تمہارا اصل نام ہونا چاہیے۔ ہانگ کانگ کی پولیس تمہاری شناخت کے لیے پاسپورٹ کے علاوہ کسی اور چیز کو قبول نہیں کرے گی۔ اگر وہاں تمہارا کوئی اور نام غزالہ تک پہنچا تو وہ بھڑک کر تم سے ملنے سے انکار کر دے گی اور تم بلاوجہ پولیس کی نظروں میں آجاؤ گے۔"

"تم ان ریکروٹنگ ایجنٹوں کو نہیں جانتے" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "ہمارا کام سیدھا اور قانونی ہوگا۔ میرے اصل نام اور تصویر سے پاسپورٹ بنے گا۔ وقت گزر چکا ہے ورنہ یہ کام آج ہی ہو جاتا۔ اب صبح دفاتر کھلتے ہی میرا کام ہوگا اور میں پہلی پرواز سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

"یہاں سے ہانگ کانگ کے لیے براہِ راست پروازوں کی تعداد شاید بہت کم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں بنکاک یا کولمبو میں رکنا پڑے۔ بنکاک کا راستہ لو تو ذرا چاروں کھونٹ چوکس رہنا۔"

"کیا وہاں بھی کوئی خطرہ ہے؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"ایمان کو سخت خطرات لاحق رہتے ہیں۔ سرکاری عمل داری سے باہر آتے ہی، وہاں کی صنعت کار نازنینیں اور ان کے نمائندے سرمایہ کاری کے لیے، مہمان پر یلغار کر دیتے ہیں" میں نے ماضی کے تجربات کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

"پہیلیاں بجھوانے کے بجائے سیدھی طرح بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اس کی نگاہوں سے الجھن ہویدا تھی۔ شاید میری بات اس کے پلے ہی نہیں پڑ سکی تھی۔

"ویت نام کی جنگ کے زمانے سے 'عصمت فروشی تھائی لینڈ کی سب سے بڑی گھریلو صنعت ہے۔ سیاحت کے پیشے سے وابستہ ہر شخص کسی نہ کسی طرح اس صنعت سے وابستہ ہے۔ ائرپورٹ کے قلی سے لے کر ہوٹل منیجر تک، سب ہی اس بہتی گنگا میں ہاتھ رنگنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ ایڈز کی ہولناک وبا بھی ان کے کاروبار پر بہت زیادہ اثر نہیں ڈال سکی ہے۔ جسے بھی اپنے اوپر زیادہ مہربان پاؤ تو فوراً ہی لاحول پڑھ کر اس سے ہزار قدم دور بھاگ لینا ورنہ اپنی عزت و عفت سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

"لاحول ولا قوۃ" وہ جھینپ کر بڑبڑایا "تم تو اس طرح ڈرا رہے ہو جیسے وہ پورا ملک ہی ہیرا منڈی ہے۔ آخر کو شرفا بھی تو وہاں جاتے ہوں گے۔"

"وہاں صرف شرفا ہی جاتے ہیں کیونکہ اپنے ملک میں ایسی تفریحات میں دلچسپی لے کر وہ اپنی شرافت کو داغدار کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ پورا تھائی لینڈ تو میں نے بھی نہیں دیکھا لیکن بنکاک کے ساتھ ہی، سیاحت کی زد میں آئے ہوئے دوسرے شہروں اور ساحلی مقامات کا یہی حال ہے۔ ہر سن و سال کی عورتیں اور لڑکیاں، خود ہی شکار ڈھونڈتی پھرتی ہیں۔ سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے، والی بات شاید بنکاک ہی کے لیے کہی گئی ہے۔"

"اگر وہاں بے شری کا یہی حال ہے تو ان کی قومی حمیت کہاں سو رہی ہے؟ وہاں کے جو آسودہ حال گھرانے اس لعنت سے محفوظ ہیں، وہ خود کو تھائی کہتے ہوئے کس قدر شرمسار ہوتے ہوں گے؟"

"یہ تو وہی لوگ بتا سکتے ہیں۔ میں یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ جب کسی بھی معاشرے میں بدی کے ہولناک عفریت بیشتر اچھائیوں کو نگل جائیں تو وہاں بسنے والوں کے دل و دماغ میں سے بدی کا احساس مٹ جاتا ہے یا شاید معاشرتی ضمیر تباہ ہو جانے کے بعد بدی کی قوتیں سرِعام اپنا طاغوتی ناچ ناچنا شروع کرتی ہوں۔ یہ پہلے انڈا یا پہلے مرغی والا مسئلہ ہے۔ میں نے سنا ہے کہ کاروباری ملاقاتوں تک میں میزبان اپنے ہر مہمان کو انفرادی طور پر جنسِ مخالف کی صحبت فراہم کرنا اپنا کاروباری اور اخلاقی فرض تصور کرتے ہیں۔"

"میں نے تفریح کے لیے تھائی لینڈ کی مقبولیت اور شہرت تو بہت سنی ہے لیکن تمہاری باتیں میرے لیے نئی ہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہاں تفریح کا مفہوم اس قدر محدود اور مخصوص ہوگا۔"

"ویت نام کی جنگ سے پہلے تھائی لینڈ کے لوگ بہت غریب اور خستہ حال تھے لیکن وہاں ساری معاشرتی اقدار زندہ تھیں۔ سائیگاؤں اور دوسرے ویت نامی محاذوں سے تعطیل پر آنے والے امریکی سپاہیوں کی دلداری کے لیے امریکیوں نے کچھ مقامیوں کے ساتھ ناچ گھروں، شراب خانوں اور قحبہ خانوں کی سرپرستی شروع کی تو وہاں پیسہ برسنے لگا۔ امریکی سپاہی اپنے وطن سے ہزاروں میل دور ایک بے مقصد جنگ کا ایندھن بنے ہوئے تھے۔ محاذ پر ان کے چاروں طرف موت کے ڈراؤنے ہیولے ناچتے رہتے تھے۔ ہر سپاہی ہر روز اپنے ہاتھوں سے اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی لاشوں کے بکھرے ہوئے اعضا سمیٹ کر تابوت میں ڈالتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کسی بھی لمحے وہ اچانک موت کی بے نام وادیوں میں دھکیل دیے جائیں گے۔ اس لیے چھٹی پر آیا ہوا ہر سپاہی اسے آخری چھٹی سمجھ کر مناتا اور اپنے الاؤنس لٹاتا تھا۔ موت کی لاشعوری بلکہ شعوری دہشت انہیں زندگی کے ہر لمحے سے مسرتیں نچوڑ لینے پر

اکساتی تھی جس کے نتیجے میں ویت نام کے اردگرد ہزاروں اڈے تیزی سے کھلتے چلے گئے۔ اس طویل جنگ کے خاتمے کے بعد عیاشی کے دیگر ٹھکانے سرعت سے ویران ہو کر اجڑتے چلے گئے لیکن تھائی لینڈ کا شباب نکھرتا رہا کیونکہ اس ملک کی ایک تاریخ ہے' وہاں خوب صورت سواحل اور قابلِ دید تاریخی مقامات ہیں۔ اس لیے اب امریکی ناصیوں کے بجائے بین الاقوامی سیاح ان پُراسرار تفریح گاہوں میں بھرے رہتے ہیں اور امریکیوں کا لگایا ہوا بے شرمی اور بے حیائی کا پودا ایک تناور درخت بن چکا ہے۔ تھائی جانتے ہیں کہ اس درخت کی زہریلی جڑیں' اندر ہی اندر ان کی زمین کو چاٹ رہی ہیں لیکن وہ خاموش ہیں کیونکہ اس درخت کی گھنی اور ٹھنڈی چھاؤں سے انہیں اَن گنت راحتیں ملتی ہیں۔ ترقی اور خوشحالی کے لیے زرِمبادلہ ضروری ہے اور تھائی لڑکیاں اپنے ملک کے لیے سب سے زیادہ زرِمبادلہ کما رہی ہیں۔ لمبے تڑنگے اور سفید فام امریکیوں سے کھلے میل جول کے نتیجے میں ان کے خدوخال بھی دلکش ہو گئے ہیں۔ دوغلی نسل کی بیشتری خوب صورت اور دراز قامت لڑکیاں اپنے گاہکوں کو خلوت میں' ان بے وفا امریکیوں کی کہانیاں سناتی ہیں جنہوں نے عمر بھر کا پیمانِ وفا باندھ کر ان کی مقامی ماؤں سے شادیاں کر کے اپنے گھر سے ہزاروں میل دور ایک نیا گھر آباد کیا اور اپنی مقامی بیویوں کو کئی کئی بچے بچیوں کی ماں بنا دیا لیکن جنگ کا طبل بجنا بند ہوا تو وہ دغا باز اپنے بیوی بچوں کو بھول کر وطن واپس بھاگ گئے۔ ان کے جوان لڑکے اب سیر گاہوں میں دلالیاں کرتے پھرتے ہیں اور ان کی نیلی اور سبز آنکھوں والی دلکش بیٹیاں سیاحوں کے دل لبھا کر اتنے پیسے جوڑنے کی فکر میں لگی رہتی ہیں کہ ایک بار امریکا جا کر ان بھگوڑے باپوں سے یہ پوچھ سکیں کہ جب انہیں بھاگ ہی جانا تھا تو انہوں نے اولاد کی آرزو کیوں کی؟ ان کی ماؤں کی آغوشیں تو امریکی سپاہیوں کے لیے ویسے ہی کھلی رہتی تھیں۔ وہ باپ بنے بغیر بھی اپنے سارے یادگار تجربوں سے گزر سکتے تھے۔"

سلطان شاہ خاموشی اور پوری توجہ کے ساتھ میری وہ تقریر سنتا رہا۔ میں خاموش ہوا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا "تم امریکیوں کے بارے میں کچھ زیادہ ہی حساس ہو گئے ہو۔ جنگ کہیں بھی اور کسی بھی دو قوموں کے درمیان ہو' وہ دوسری ہر تباہی لانے سے پہلے اخلاق اور کردار کو تباہ کرتی ہے۔ جنگ زدہ خطوں میں اعلیٰ اخلاقی کردار کا وجود شاید ہی کہیں ملتا ہو۔ فتح یا شکست سے پہلے یہ ایک بنیادی نقصان ہوتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اخلاقی اور انسانی اقدار جنگ کا پہلا ایندھن بنتی ہیں لیکن وہ ایک فطری عمل ہوتا ہے لیکن امریکی ان خرابیوں کو جان بوجھ کر انداز میں تیزی سے پھیلانے کے مجرم تھے۔ وہ جانتے تھے کہ وہ اپنے ملک کا نہیں' دوسرے ممالک کا اخلاق اور کردار تباہ کر رہے ہیں۔ ان کی یہ خود غرضی ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے۔ تم شی کی مثال ہی لے لو۔ یہ ہمارا ذاتی تجربہ بھی ہے۔ امریکی معاشرے کو ہیروئن کے تباہ کن اثرات سے بچانے کے لیے ہماری نوجوان نسل کو اسی اندھے غار میں دھکیل دینا کس مذہب' قانون یا ضابطے کی رُو سے جائز ہے؟ لیکن یہ ہو رہا ہے۔ میں نے دانستہ ہیری کیسنجر اور اس کے پیش رُو کی گھناؤنی سرگرمیوں کا حوالہ نہیں دیا کیونکہ ان سازشوں کو سیاسی اور معاشی مفادات کے تحفظ کی کوششوں کا نام دیا جا سکتا ہے لیکن ہیروئن تو ایک آفاقی اور انسانی مسئلہ ہے۔ اس کے انسداد کی کوششوں میں ملک' قوم اور علاقے کا امتیاز برتنا ہر اعتبار سے قابلِ نفرت ہی کہلائے گا۔"

"میں تم سے بحث میں نہیں جیت سکتا" وہ ہنستے ہوئے بولا "مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم جو کچھ کہتے ہو' اس کے حق میں دلائل کا ایک انبار بھی رکھتے ہو۔ تم نے ذرا سی بات پر مجھے تھائی لینڈ کے بارے میں اتنی معلومات بہم پہنچا دی ہیں کہ میں دو ہفتے تک وہاں رہ کر بھی یہ سب نہیں جان سکتا تھا۔"

"تمہیں اکیلے سفر کا تجربہ نہیں ہے اس لیے میرا فرض تھا کہ میں تمہیں نشیب و فراز سے آگاہ کر دیتا۔ بنکاک میں ویسے بھی جرائم کی شرح روز افزوں ہے۔ جرائم پیشہ افراد سے ساز باز رکھنے والی لڑکیاں یا ٹیکسی ڈرائیور' سادہ لوح سیاحوں کو مضافاتی ویرانوں میں لے جا کر لٹوا بھی دیتے ہیں۔ تمہیں وہاں رکنا پڑا تو تمہارا قیام خاصا مختصر ہو گا۔ بہتر یہی ہو گا کہ تم اپنا وقت ٹرانزٹ لاؤنج میں گزارو۔"

سلطان شاہ کو ہانگ کانگ بھیجنے کا فیصلہ کر لینے کے بعد ذہن سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا اور ہم دونوں کے پاس وقت بھی تھا۔ اس لیے میں سلطان شاہ کو اس کے سفر کے بارے میں ان تمام امکانات سے آگاہ کرتا رہا جو میری نظروں میں اہم تھے۔ پھر سلطان شاہ گاڑی کی چابی لے کر فلیٹ سے نکل گیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد مجھے اچانک ہی خیال آیا کہ میں نے مکاؤ والی لڑکی سے تھوڑی دیر بعد بات کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن خاصا وقت گزر جانے کے باوجود میں اس وعدے کو بھولا ہوا تھا۔

میں نے فوراً ہی مکاؤ کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔ میری پہلی ہی کوشش بار آور ثابت ہوئی اور مکاؤ سے سلسلہ مل گیا مگر مجھے اس وقت بدترین مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب وہاں سے دوسری گھنٹی کی آواز کے بعد چوہے کی مانوس چوں چوں کے بجائے نسوانی آواز میں کوئی پیغام سنائی دینے لگا۔

میں نے اس نسوانی آواز کا سلسلۂ کلام قطع کر کے اپنی بات کرنی چاہی لیکن اس کے لب و لہجے پر اپنے الفاظ کا کوئی اثر محسوس نہ کرتے ہوئے میں نے سمجھ لیا کہ وہ ریکارڈ کیا ہوا کوئی پیغام تھا جو اس فون سے سلسلہ ملتے ہی کسی خود کار نظام کے تحت چل پڑا تھا۔ پہلے چینی یا اسی سے ملتی جلتی زبان میں چند فقرے ادا کیے گئے پھر شاید وہی پیغام انگریزی میں دہرایا جانے لگا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ رات ہو جانے کی وجہ سے محل کے ملازمین آرام کر رہے ہیں اس لیے صبح ہونے سے پہلے' فون پر کسی سے بات ہونی ممکن نہیں تھی۔ میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

ذہن صاف ہوا تو سیٹھ حبیب جیوانی کا مسئلہ ایک مرتبہ پھر

برے دماغ میں سر ابھارنے لگا۔
میں نے دو مرتبہ اس کا نمبر ملایا اور دونوں مرتبہ ایک ہی عورت نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ رانگ نمبر کا عذر پیش کر کے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔
حبیب جیوانی اپنے گھر پر اکیلا رہتا تھا تو اس کے فون پر کسی عورت کا موجود ہونا حیران کن نہیں تھا۔ وہ اپنی بیوی سے محرومی کے بعد زیادہ عرصے تک تجرّد کی زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ ویسے بھی وہ مجھے بتا ہی چکا تھا کہ ان دنوں وہ دفتر سے غیر حاضر رہ کر اپنے گھر پر آرام کررہا تھا۔ اس آرام میں کسی گرل فرینڈ کا وجود بدیہی طور پر ناگزیر نظر آتا تھا لیکن پھر کیا وجہ تھی کہ اس عورت یا لڑکی نے رانگ نمبر کا عذر پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی؟
میں کچھ دیر تک اسی گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس دوران میں ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے میں نے وال کیبنٹ میں سے بلیو لیبل اسکاچ کی بوتل نکال کر اپنے لیے ایک صحت مند پیگ بنالیا تھا جو آہستہ آہستہ میرے معدے میں منتقل ہوتا جارہا تھا۔
سگریٹ اور اسکاچ کے سکون پرور امتزاج نے بھی جب میری مدد نہیں کی تو میں نے تیسری مرتبہ سیٹھ حبیب جیوانی کے گھر کا فون نمبر ملانے کا فیصلہ کرلیا۔
رابطہ ہوتے ہی، پہلی گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے دوسری طرف سے ریسیور اٹھالیا گیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی کال کے انتظار میں فون سے لگا بیٹھا تھا۔
اس بار واضح طور پر حبیب جیوانی کی تردّد آمیز آواز سنائی دی تھی۔ پہلے میں خود حبیب جیوانی سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا لیکن سلطان شاہ کو ہانگ کانگ روانہ کرنے کا فیصلہ کرنے کے بعد مجھے حبیب جیوانی سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔ تیسری مرتبہ اس کا نمبر ملانے کا سبب صرف میرا تجسّس تھا۔ میں یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ وہ خود کیوں فون پر آکر جواب دینے سے گریز کررہا تھا؟
مگر اس کی آواز سنتے ہی میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر بدلی ہوئی آواز سے پوچھا "وقت کیا ہوا ہے؟"
اسکی بے ہودہ گفتگو کے لیے وہ وقت واقعی نامناسب تھا اس نے میرا سوال سن کر حبیب جیوانی بجا طور پر بھنّا گیا ہوگا۔ جواب میں اس نے فون پر ایک گندی گالی دی اور میں زور سے ہنس پڑا۔
"میں تم سے صرف اتنا پوچھنا چاہ رہا تھا کہ وہ تمہارے پاس سے کب واپس لوٹے گی؟" میں نے ہنسی کے دوران ہی، بدلی ہوئی آواز میں سوال کیا۔
"وہ تمہاری بیٹی ہے یا ماں؟" اس نے بے تحاشا مغلظّات بکنے کے بعد پوچھا۔
"میرا اس سے وہی رشتہ ہے جو تمہارا اس سے ہے" ہلکے سے سرور کے عالم میں، مجھے اس کو چڑانے میں لطف آنے لگا تھا "اب بتاؤ کہ تم اپنی والدہ کو اپنے فلیٹ سے کب رخصت کررہے ہو۔ اپنے وعدے کے مطابق اسے بارہ بجے تک میرے پاس پہنچ جانا چاہیے تھا لیکن وہ اب تک غائب ہے۔"
شاید اسے اندازہ ہوگیا کہ مشتعل ہوکر وہ میرا کچھ بگاڑ سکتا تھا نہ ہی میرے بارے میں کوئی بات معلوم کرسکتا تھا۔ اس لیے اس نے فوراً ہی سنبھالا لیتے ہوئے کہا "تم بلاوجہ مجھے اشتعال دلانے کی کوشش کررہے ہو۔ کھل کر بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟ میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے بھی تم دوبار فون کرچکے ہو۔"
میرے دماغ پر اس وقت شیطان سوار ہوچکا تھا، اس لیے میں نے پورے سکون کے ساتھ کہا "یہ میرا پہلا فون ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری محبوبہ نے میرے علاوہ دوسروں کو بھی وقت دیا ہوا ہو اور وہ بے چارے بھی میری طرح دل تھامے اس کا انتظار کررہے ہوں۔ وہ ان ہی میں سے کسی کے فون رہے ہوں گے۔ اگر وہ اب بھی تمہارے پہلو میں موجود ہے تو اس سے میری بات کرادو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا دل پسیج جائے۔"
"تم جو کوئی بھی ہو، نرے الّو کے پٹھے ہو اور بلاوجہ اپنا وقت برباد کررہے ہو۔"
"وہ مجھے منع کردے تو میں اسے بھول کر سوجاؤں گا۔ ابھی تک تو میں....." مجھے اپنی بات ادھوری چھوڑ دینی پڑی کیونکہ مجھے دوسری طرف سے اسی عورت کی آواز سنائی دے رہی تھی۔
"یہ وہ آواز نہیں ہے" وہ کہہ رہی تھی۔ شاید حبیب جیوانی نے اپنا آخری فقرہ ادا کرتے ہی ریسیور اسے تھمادیا تھا تاکہ وہ میرا جواب سن کر آواز شناخت کرسکے لیکن میری بدلی ہوئی آواز کی وجہ سے اس نے فوراً ہی اپنی ناکامی کا اعتراف کرلیا تھا "تم ہی دیکھو کہ یہ کیا چاہتا ہے؟ میں اس آواز سے بالکل ناواقف ہوں۔"
"شاید تم نے سن لیا ہوگا کہ وہ تم سے بات کرنے پر آمادہ نہیں ہے" حبیب جیوانی نے لائن پر آکر کہا "پچھلے فون بھی تمہارے نہیں تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان بے وقت فون کالز سے تم لوگ کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟"
"لوگ نہیں، میں ایک فرد ہوں اور تمہاری محبوبہ میں برابر کا ساجھے دار ہوں....."
اس نے میری بات کاٹ کر مجھے ایک شرمناک مقام پر جانے کا مشورہ دیا اور فون بند کردیا۔
میں چند ثانیوں تک ریسیور ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا پھر میں نے سلسلہ منقطع کردیا۔
دو بجنے سے ذرا پہلے ایک مرتبہ فون کی گھنٹی بجی۔ میرا خیال فوراً ہی حبیب جیوانی کی طرف گیا۔ کچھ بھی ہو، وہ آخر کارمانیا کے مقامی بیورو کا چیف تھا اور خود کو موصول ہونے والی فون کالز سے تشویش میں مبتلا ہوکر، مجھے ٹٹولنے کا فیصلہ کرسکتا تھا۔ اگر میں اپنی اصلی آواز میں بولتا اور دوسری طرف اس کی محبوبہ ہوتی تو وہ میری آواز فوراً پہچان لیتی۔ کوئی نئی آواز اختیار کرنے کی صورت میں وہ

شبے میں پڑ جاتا۔ تیسرا امکان یہ بھی تھا کہ حبیب جیوانی مجھ سے بات کرتے کرتے، میری بے خبری میں ریسیور اچانک اپنی داشتہ کو تھما دیتا اور یوں میری حرکت بہت آسانی کے ساتھ بے نقاب ہو جاتی اور وہ مجھ سے بدظن ہو جاتا۔

میں نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے ریسیور نہیں اٹھانا چاہیے لیکن رات کے سناٹے میں گھنٹی کی تیز آواز پڑوسیوں کی نیند میں خلل ڈال سکتی تھی، اس لیے میں نے اپریٹس صوفے کے نرم کشن پر رکھ کر اس کے اوپر بھی دو دبیز کشن ڈال دیے اور مسلسل بجتی ہوئی گھنٹی کی آواز کافی دب گئی۔

ایک ڈیڑھ منٹ بعد تواتر سے بجتی ہوئی گھنٹیوں کا سلسلہ معدوم ہو گیا تو مجھے اچانک ہی سلطان شاہ کا خیال آگیا۔ وہ ایک اہم مشن پر گھر سے نکلا ہوا تھا۔ اور یہ امکان بھی تھا کہ مجھے کوئی اہم پیغام دینے یا کوئی مشورہ لینے کے لیے اس نے فون کیا ہو۔

وہ خیال آتے ہی، میں دل ہی دل میں خود کو ملامت کرنے لگا اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ دوبارہ فون آیا تو ریسیور اٹھا کر صورتِ حال کا سامنا ضرور کروں گا۔ اپنی اصل آواز کو غنودہ اور خواب ناک بنا کر، حبیب جیوانی کی داشتہ کی شناخت کے خطرے کا بھی سدِباب کیا جا سکتا تھا۔

اور ہوا بھی یہی کہ چند منٹ کے سکوت کے بعد میرے فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی۔

میں نے پھرتی سے ریسیور اٹھا کر، نیند کے خمار سے بوجھل آواز میں ہیلو کہا تو دوسری طرف سے حبیب جیوانی یا سلطان شاہ کے بجائے ظفر کی چاق و چوبند آواز سنائی دی۔

"مبارک ہو، تمہارا شکار زندہ و سلامت پکڑ لیا گیا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا "وہ سمندر کی خونخوار اور بے رحم موجوں سے لڑ کر ساحل پر آنے میں تو کامیاب ہو گیا لیکن اپنی ابتر حالت کی وجہ سے فوری طور پر فرار کی راہ اختیار نہیں کرسکا۔ وہ تاریک ساحل کی گیلی ریت پر، کسی لاش کی طرح اوندھا پڑا ہوا تھا کہ کوسٹ گارڈز والوں نے اپنے ہیلی کاپٹر سے اسے دیکھ لیا۔"

"اب وہ کہاں ہے؟" میں نے اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

"شری مان سنگھ جیسے بدمعاشوں کو ہر راستہ اسٹیشن فور کی طرف لاتا ہے۔ ابھی تو اس کے گیلے کپڑے اتار کر، اس کے پیٹ سے سمندر کا پانی نکالا گیا ہے اور وہ بدستور نڈھال ہے۔ تم چاہو تو چلے آؤ۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں صبح نمودار ہونے سے پہلے، اس سے اپنی بات چیت مکمل کرلینی چاہیے۔"

میں نے فوری طور پر وہاں پہنچنے کا وعدہ کرکے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

سلطان شاہ ابھی کراچی ہی میں تھا۔ شری مان سنگھ کے پکڑے جانے کی صورت میں قدرت نے ہمیں ایک سنہرا موقع دیا تھا کہ ہم اس سے ہانگ کانگ والی لڑکی کی اصلیت اگلوالیں۔ اگر وہ غزالہ ہی تھی تو سلطان شاہ وہاں پہنچ کر اسے کوانگ فو سے تعاون کا مشورہ دے سکتا تھا اور اگر وہ شکنتلا دیوی تھی تو ہمیں ہانگ کانگ کو بھول بھال کر نئی دہلی پر اپنی توجہ مرکوز کرنی تھی۔

اسپیشل ٹاسک فورس کوئی سرکاری فوج تھی نہ میں کوئی سرکاری اہل کار۔ اگر غزالہ اس وقت تک نئی دہلی میں ہی پہنچی ہوئی تھی تو میں اپنی ذاتی حیثیت میں انڈین کونسلیٹ کے کسی اہم عہدے دار سے اس کی واپسی کے لیے سودے بازی کرسکتا تھا۔

شری مان سنگھ کی رہائی کے عوض وہ لوگ غزالہ کو میرے حوالے کرنے پر آمادہ ہو سکتے تھے۔

سلطان شاہ کے لیے، میز پر ایک رقعہ چھوڑ کر میں فوراً ہی فلیٹ سے روانہ ہو گیا۔

سلطان شاہ، جہانگیر سے مستعار لی ہوئی، کالی شیراڈ لے گیا تھا اس لیے میں نے اپنے ذاتی استعمال کے لیے ملی ہوئی، ٹریڈ لائن کی گاڑی نکال لی جو درحقیقت حبیب جیوانی بلکہ مافیا کی ملکیت تھی۔

اسٹیشن فور پر اندھیرے اور پُراسرار سناٹے کا راج تھا لیکن اس کے نگہبان، اپنی جگہوں پر پوری طرح مستعد تھے۔ ٹارچ کی روشنی میں اسٹیرنگ وہیل کے پیچھے مجھے پہچانتے ہی، آہنی پھاٹک کھول دیا گیا۔ میں ہیڈ لیمپس گل کرچکا تھا لیکن اندھیرے میں پارکنگ لیمپس کی روشنی بھی دور تک پھیل رہی تھی۔ اسی انعکاس میں، میں نے دیکھا کہ احاطے کی دیوار کے ساتھ مسلح محافظوں کی غیر معمولی تعداد پھیلی ہوئی تھی۔

مجھے فوری طور پر اس عمارت میں بنے ہوئے غیر آباد اور سیلن زدہ تہ خانے میں پہنچا دیا گیا۔

اس تہ خانے میں سیڑھیاں اترتے ہی، ایک گرد آلود ہال تھا جس میں کچھ متروک فرنیچر اور دیگر کاٹھ کباڑ پڑا ہوا تھا۔ وہیں ایک گوشے میں کئی جوانوں کے درمیان، شری مان سنگھ فرش پر بندھا پڑا تھا۔

"صاحب ادھر ہیں" مجھے لانے والے نے تہ خانے کے دور افتادہ حصے میں نظر آنے والے مختصر سے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور خود زینوں کے اختتام پر ہی رک گیا۔

میں اسپیشل ٹاسک فورس کے ڈسپلن سے بخوبی واقف تھا، اس لیے اپنی شدید ترین خواہش کے باوجود شری مان سنگھ کی طرف نہیں جاسکا۔ مجھے لانے والے نے کمرے کی طرف اشارہ کرکے مجھے یہ بتا دیا تھا کہ اس وسیع و عریض تہ خانے میں مجھے کون سی راہ اختیار کرنی تھی۔ اس متعین راہ سے انحراف کی صورت میں کوئی بھی کارکن، پوری بے لحاظی کے ساتھ مجھے ٹوک سکتا تھا۔

تہ خانے کے اس دور افتادہ کمرے میں نہ جانے کب سے ایک مسہری پڑی ہوئی تھی۔ سیلن اور امتدادِ زمانہ کے باعث اس کی پالش غائب ہو چکی تھی۔ گدے کی حالت بھی ابتر اور خستہ تھی۔ ظفر اپنے ایک ماتحت کے ساتھ اسی گدے پر بیٹھا چند کاغذات کے مطالعے میں منہمک تھا۔

"تم نے دیکھ لیا کہ وہ ہم سے بچ کر نہیں نکل سکا" مجھ سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے ظفر نے کہا۔

"اس بار اس کے ستارے گردش میں تھے کہ وہ بچ نکلنے کے باوجود پکڑا گیا۔ اب ہم اسے اپنی تحویل میں رکھ کر اس سے بہت کچھ اگلوا سکیں گے۔" میں نے جوابی جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں، نہیں!" وہ اضطراری انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔ "شری مان سنگھ ہمارے لیے خطرناک قیدی ثابت ہو سکتا ہے۔ اسے تو صبح کا اجالا نمودار ہونے سے پہلے فارغ کرنا ہوگا۔ اسی ہنگامی ضرورت کے لیے میں نے ایک ہیلی کاپٹر اسٹینڈ بائی کیا ہوا ہے تاکہ سورج طلوع ہونے سے پہلے کام پورا ہو جائے۔"

اس کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی اور میں استفسار طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"بظاہر وہ اپنے ملک کا ایک سینئر سفارت کار مگر دراصل سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ ایسے لوگ بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہوتے ہیں۔ وہ مر جائے گا لیکن کسی حساس معاملے پر اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ اس لیے اس پر زیادہ وقت ضائع کرنا بے سود ہے" اس نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا "ہمارے پاس' وہ سمندر کی امانت ہے اور اسے صبح طلوع ہونے سے پہلے سمندر میں چلا جانا چاہیے ورنہ سنگین دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔"

"تو کیا تم اسے دوبارہ سمندر میں پھینک دو گے؟" میں اس کے انکشاف پر حیران رہ گیا۔

"اسے یہاں سفارتی مراعات حاصل ہیں اس لیے وہ مقامی قوانین کے تحت ملزم نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ پھر جب تک اس کی لاش برآمد نہیں ہوگی' اس کا سفارت خانہ واویلا مچا کر ہماری حکومت پر دباؤ ڈالتا رہے گا۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ شری مان سنگھ کا مر جانا بہتر ہے۔ ہم نے اسے دو چار دن زندہ رکھا تو پوسٹ مارٹم کے ذریعے اس کی موت کے وقت کا تعین کر لیا جائے گا۔ پھر روپوشی اور موت کے درمیان حائل' طویل وقفہ بدترین تلخیوں اور پیچیدگیوں کا سبب بن جائے گا اور اس کے قتل کی ذمے داری ہماری حکومت پر ڈال دی جائے گی۔ کھلے سمندر کی طوفانی موجوں سے لڑتے ہوئے' کوئی شہ زور تیراک بھی چند گھنٹوں سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔"

اس کی بات کسی حد تک میری سمجھ میں آنے لگی "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم آج ہی اسے دوبارہ سمندر میں دھکیل دینے کا فیصلہ کر چکے ہو؟" بات سمجھ لینے کے باوجود میرا لہجہ تائید طلب تھا۔

"دھکیلیں گے نہیں' ہیلی کاپٹر سے اسے گہرے سمندر میں پھینک دیا جائے گا تاکہ یہ فی الفور جہنم واصل ہو جائے۔ مقام کے انتخاب میں یہ احتیاط رکھی جائے گی کہ سمندر کی بپھری ہوئی لہریں اس کی پھولی ہوئی لاش کو کہیں اور لے جانے کے بجائے ایک آدھ روز میں ہمارے ہی کسی ساحل پر اگل دیں۔ اس طرح سب کچھ ہمارے حق میں جائے گا۔ پوسٹ مارٹم کی کہانی یہی بتائے گی کہ سمندر میں کودنے کے چند گھنٹوں بعد ہی شری مان سنگھ مر چکا تھا.... ہمیں اس پر تشدد میں بھی بڑی احتیاط برتنی ہوگی۔ اس کے لیے میں نے کئی ڈنڈوں پر موٹا ریگ مال منڈھوا لیا ہے۔"

"ریگ مال؟" میں نے حیرت سے دہرایا "ڈنڈوں پر ریگ مال چڑھانے سے کیا حاصل ہوگا؟"

"ضربات سے' اس کے جسم پر نیل پڑنے کے بجائے خراشیں آئیں گی' جن پر نمک وغیرہ بھی چھڑکا جا سکتا ہے۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارے کئی ساحلی علاقوں میں مونگے کی اور دوسری زیر آب' دھاردار چٹانیں ہیں جو بدن کو زخمی کر دیتی ہیں۔ ریگ مال کی خراشیں' غرقابی کے حادثے سے میل کھا جائیں گی۔"

"تم کم سے کم وقت میں اس کو فارغ کرنا چاہتے ہو اس لیے میں ابھی سے بتائے دیتا ہوں کہ غزالہ اور شگفتہ والی پہیلی کے علاوہ میں اس سے اور کچھ نہیں چاہتا۔ ملکی مفادات اور اپنی ضروریات کو تم اچھی طرح سمجھتے ہو۔ اسی کے مطابق تم اپنے بقیہ فیصلے کرتے رہنا۔"

ظفر نے مجھے جو کچھ بتایا' وہ قابل فہم تھا لیکن شری مان سنگھ سے اتنی جلدی نجات پانے کی بات سن کر میرا دل بجھ کر رہ گیا۔ اگر ہانگ کانگ والی لڑکی شگفتہ ثابت ہوتی تو میں نئی دہلی سے غزالہ کو واپس لانے کے لیے شری مان سنگھ کو اپنا یرغمالی نہیں بنا سکتا تھا۔

میں نے ظفر کے تیور دیکھ لیے تھے۔ وہ کسی بھی صورت میں شری مان سنگھ کو اپنے گلے کی چھچھوندر بنانے کے لیے آمادہ نہیں تھا اس لیے میں نے اپنے دل کی بات دل ہی میں رکھی۔ میں شری مان سے غزالہ کے تبادلے کا ذکر کر کے ظفر کو کسی امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

ہم دونوں اس کمرے سے نکل کر تہ خانے میں پہنچے تو شری مان سنگھ بکری کے کسی نومولود بچے کی طرح' گرد و غبار میں لتھڑا ہوا' فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر گیلے انڈر ویئر کے علاوہ کوئی تار تک نہیں تھا۔ اس کے بدن سے اتارے گئے' گیلے کپڑے ایک گٹھری کی صورت میں ایک طرف رکھے ہوئے تھے اور وہیں ایک خاصا موٹا اور مخروطی ڈنڈا بھی رکھا ہوا تھا۔ بیس بال کے بلے سے مشابہ اس ڈنڈے پر بہت کھردرا اور مضبوط ریگ مال چپکا ہوا تھا' صرف پکڑنے کی جگہ ریگ مال سے خالی نظر آ رہی تھی۔

شری مان سنگھ منحنی سے وجود کا مالک تھا لیکن اس کا استخوانی بدن بڑے بڑے بالوں سے بھرا ہوا تھا۔ تیزی کے ساتھ سفید ہوتے ہوئے ان بالوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے مزاج میں حیوانی جبلتوں کا غلبہ پایا جاتا تھا۔ بدن پر بالوں کی کثرت کو تقریباً گنجی کھوپڑی نے متوازن کر دیا تھا۔

اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے' آنکھوں پر سیاہ کپڑا تھا اور ہونٹوں پر ٹیپ چپکا ہوا تھا۔ وہ بائیں پہلو پر سکڑا سمٹا پڑا ہوا تھا اور بہت گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

ظفر نے کھردرے ریگ مال والا ڈنڈا اٹھایا اور خاصا جما کر' اچانک ریتی کی طرح' شری مان سنگھ کی داہنی ران پر پھیر دیا۔ حلق ہی حلق میں گھٹنے والی بے معنی غراہٹوں کے ساتھ شری مان سنگھ کا پورا وجود بری طرح تڑپ اٹھا۔ ریگ مال کے کاٹ دار دانوں نے شری مان سنگھ کی جلد کو ادھیڑ کر خراشیں ڈال دی تھیں جن میں سے فوراً تازہ خون رسنے لگا تھا۔

"یہ عمل تمہارے پورے بدن پر دہرایا جائے گا" ظفر نے سفاکانہ لہجے میں کہا "پھر ان خراشوں پر نمک اور مرچوں کا تیز آمیزہ چھڑکا جائے گا۔ جب تک تم یہاں رہو گے' تمہارے ساتھ شب و روز یہی سلوک کیا جائے گا' حتیٰ کہ گلے ہوئے گوشت میں سے تمہاری ہڈیاں جھانکنے لگیں گی۔ یہاں سے گلوخلاصی کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ تم چون وچرا کیے بغیر ہمارے ہر سوال کا جواب دیتے چلے جاؤ۔ اب میں تمہارا دہانہ آزاد کر رہا ہوں۔ یہ یاد رکھنا کہ چیخ کر تم اپنے پھیپھڑے تباہ کر لو گے لیکن یہاں سے تمہاری آواز باہر نہیں جا سکے گی۔"

ظفر نے اپنی بات پوری کرتے ہوئے' ایک جھٹکے سے اس کے دہانے سے ٹیپ نوچ لیا۔

شری مان سنگھ کے حلق سے ایک ہلکی سی اضطراری چیخ آزاد ہو گئی کیونکہ ٹیپ کے ساتھ ہی اس کی جلد سے شاید چند بال بھی اکھڑ گئے تھے۔

"ڈینی کہاں ہے؟ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں" لحہ بھر کے بعد اس نے بھرّائی ہوئی اور کمزور آواز میں کہا۔

ظفر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے اشارہ کیا اور میں نے کہا۔

"میں موجود ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ یہ سب میرے ہی ساتھی ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں' اس میں میری مرضی شامل ہے۔"

"کم از کم میری آنکھیں ہی کھلوا دو تاکہ میں کچھ دیکھ سکوں۔" میری آواز سنتے ہی اس نے ایک احمقانہ فرمائش کر دی جس پر ظفر اپنے سر کو نفی میں ہلا کر رہ گیا۔

"دیکھتی آنکھوں سے بند آنکھیں اچھی ہیں۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ تم رہا ہونے کے بعد میرے علاوہ کسی اور کی نشاندہی نہ کر سکو..."

"اوہ!" وہ میری بات کاٹ کر بول پڑا "تم مجھے یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ آخر کار مجھے زندہ چھوڑ دیا جائے گا۔ کاش تمہاری یہی نیت ہو لیکن میں تمہیں اتنا بتائے دیتا ہوں کہ مجھ پر ہاتھ ڈال کر تم نے ایک بہت بڑے سیاسی اسکینڈل کی ابتدا کر دی ہے جو تمہاری حکومت کو بہت مہنگا پڑے گا۔"

"بکواس بند کرو اور یہ بتاؤ کہ غزالہ کہاں ہے؟" میں نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"میں بتا چکا ہوں کہ وہ نئی دہلی میں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم اس کے بارے میں تذبذب میں مبتلا ہو۔ یہ تمہارے لیے بہت اچھا موقع ہے کہ تم میرے سفیر سے سودا کر لو۔ میرے بدلے وہ غزالہ کو ہاتھ جوڑ کر تمہارے حوالے کر دیں گے۔"

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ شری مان سنگھ کی اس تجویز پر ظفر کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ اس خبیث نے اتنی آسانی کے ساتھ میرے دل کی بات کہہ دی تھی لیکن میں چور نظروں سے ظفر کا ردِ عمل دیکھ چکا تھا اس لیے میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا "تم غزالہ کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو۔ ہمیں تم سے زیادہ بڑے حسابات بے باق کرنے ہیں۔ تمہیں بلاوجہ ہی یہاں نہیں لایا گیا ہے۔"

"تم مجھ سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکو گے.... میری چھٹی حس مجھے بتا رہی ہے کہ تم لوگ کسی اور چکر میں ہو۔ تم جیسے' کسی یتیم غنڈے کے بس کی بات نہیں کہ اپنے کسی دشمن کی تلاش کے لیے ہیلی کاپٹر روانہ کر سکے۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ کچھ لوگ تمہیں چارا بنا رہے ہیں۔ اپنا کام نکل جانے کے بعد وہ تمہارا پتا بھی صاف کر دیں گے اور تم اپنی نگاہوں میں حیرت لیے نرگباش ہو جاؤ گے۔"

میں نے ظفر کے ہاتھ سے ڈنڈا لے کر' شری مان سنگھ کی ننگی گردن پر رگڑ دیا اور وہ بری طرح تلملا اٹھا۔ اس کی گردن پر خون کی لمبی لمبی خراشیں پڑ گئی تھیں۔

"ان وحشیانہ حرکتوں کے ذریعے تم زیادہ سے زیادہ مجھے ہلاک کر دو گے لیکن یقین رکھو کہ تم مجھ سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکو گے۔ بہتر یہی ہے کہ تم مجھے رہا کر دو۔ یہ نہیں چاہتے تو مجھے گولی مار کر میری لاش کہیں ڈلوا دو..."

"ہم تمہاری قوتِ برداشت کو پرکھنا چاہتے ہیں" اس بار ظفر آگے آ گیا۔ اس کی آواز میں پیشہ ورانہ رقابت کی تپش بہت واضح تھی "ہم تمہیں الٹا لٹکا کر تمہارے سر سے ایک فٹ کے فاصلے پر انگارے دہکا دیں گے جو تھوڑی ہی دیر میں تمہارا بھیجا پگھلا دیں گے' پھر دیکھیں گے کہ تم کیا بولتے ہو؟"

"زیادہ سے زیادہ میرا بھیجا ناک کے راستے بہہ کر باہر آ جائے گا لیکن میری زبان نہیں کھلے گی۔" اس کی آواز بدستور کمزور لیکن پُرعزم تھی۔ جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کا ارادہ اٹل ہے۔

"ہم تمہیں ماریں گے نہیں بلکہ کسی مردے سے زیادہ بدتر حالت میں واپس لوٹا دیں گے اور تم زندگی بھر دیوانگی کے عالم میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرو گے" ظفر کا لہجہ سفاکانہ ہو گیا "اس لیے تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ جو کچھ پوچھا جائے اس کا صحیح جواب دیتے چلے جاؤ!"

"میں موت یا ذلت سے نہیں ڈرتا۔ تم ضد کرتے ہو تو سوال کرتے جاؤ۔ میرا دل چاہا تو جواب دوں گا ورنہ اپنی زبان بند رکھوں گا۔ تم مجھے بولنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔"

اس کے جواب پر ظفر غصے سے دانت پیس کر رہ گیا۔ چند ثانیوں تک تہ خانے کی فضا میں بوجھل سا سکوت چھایا رہا۔ پھر ظفر کی سرد آواز گونجی "آپریشن سلور سینڈ کا چیف آفیسر کون ہے؟"

اس سوال پر شری مان سنگھ کے بدن کو ایک جھٹکا لگا' اس کا

چہرہ سفید پڑ گیا اور وہ اضطراری انداز میں بولا "مجھے معلوم ہے کہ افغانستان میں ہونے والی خانہ جنگی سے تم لوگوں نے چھاپا مار جنگ اور سراغرسانی کے شعبوں میں بہت کچھ سیکھا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم آپریشن سلور سینڈ سے واقف ہو لیکن اس بار تم نے غلط آدمی پر ہاتھ ڈالا ہے۔ تمہارا یہ سوال سننے کے بعد میں قسم کھا سکتا ہوں کہ تم فوجی ہو اور تم لوگوں نے اپنے جنگی مقاصد کے لیے ذہن کو بھی الوبنایا ہوا ہے۔"

وہ حالات کے شکنجے میں بری طرح جکڑا ہوا تھا لیکن پھر بھی مجھے بار بار اکسانے اور بھڑکانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں اپنی آزادانہ مرضی سے ان لوگوں کا ساتھ دے رہا تھا۔

ظفر نے ایک بار پھر اس کی داہنی ران کی پرانی خراش کو ریگ مال سے اُدھیڑ کر رکھ دیا۔ اس مرتبہ شری مان سنگھ نے بے انتہا ضبط سے کام لیا اور دبی دبی غراہٹوں کے ساتھ تڑپ کر رہ گیا۔

"تم را کے بلیک کیٹس یونٹ سے منسلک ہو اس لیے یہاں کی آرمی انٹیلی جنس اور اس کے انٹروگیشن سیل کے بارے میں بھی جانتے ہو گے لیکن ہم سیدھے سادے لوگ ہیں۔ اپنے شکار سے مطلوبہ معلومات نکلواتے ہیں یا اس کی جان نکال لیتے ہیں....."

شری مان سنگھ نے ظفر کی بات کاٹ دی "آرمی نہیں تو پھر تم اسپیشل ٹاسک فورس کے بھیڑیے ہو سکتے ہو۔ میں نے سنا ہے کہ غیر قانونی کاموں کے لیے' اس نام سے یہاں ایک متوازی تنظیم بنائی گئی ہے جو ہر قاعدے اور قانون سے آزاد ہو کر اپنی من مانی کرتی ہے۔ میں تم لوگوں کی بھی کھوج میں تھا....."

شری مان سنگھ جیسے بے بس قیدی کا وہ پُرسکون انداز ظفر سے برداشت نہ ہو سکا اور اس نے اچانک ہی اپنے وزنی جوتے کی ٹھوکر سے شری مان سنگھ کا چہرہ اُدھیڑ کر رکھ دیا۔ اس بار شری مان سنگھ کی دردناک چیخ بہت تیز تھی۔ میں نے گھبرا کر چاروں طرف کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ تہ خانے کی دیواروں میں کسی روشندان یا جالی کا وجود نہیں تھا اور شاید اسی لیے شری مان سنگھ کو وہاں لایا گیا تھا۔

میں نرمی سے ظفر کا بازو تھام کر اسے دور افتادہ کمرے کی طرف لیتا چلا گیا۔

"وہ تمہیں غصہ دلا کر کسی سنگین غلطی پر مجبور کر دے گا" میں نے کہا "ایک طرف تم اتنی احتیاط کر رہے ہو کہ اس کی جلد پر... ریگمال سے رگڑے لگا رہے ہو اور اب غصے میں آکر اسے ٹھوکر رسید کر بیٹھے۔ میرا خیال ہے کہ اس پر وقت برباد کرنے کے بجائے اپنے پروگرام کے اگلے حصے پر عمل شروع کردو۔"

"لیکن یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ اسے ساحل سے اٹھانے کے بعد ہی گہرے سمندر میں پھینک دیا جاتا۔ اسے یہاں لانے سے کیا فائدہ ہوا؟" ظفر اپنی ناکامی پر بری طرح بھنایا ہوا تھا "میں اتنی آسانی کے ساتھ اس کی جان نہیں چھوڑوں گا۔ ابھی میرے پاس کئی گھنٹے کی مہلت باقی ہے۔"

ظفر سے زیادہ تکرار مناسب نہیں تھی' اس لیے میں خاموشی سے اس کے ساتھ واپس ہولیا۔

ظفر کے ایما پر اس کے ایک آدمی نے شری مان سنگھ کے دہانے پر ایک بار پھر ٹیپ چپکا دیا پھر دوسرے آدمی نے اس کے زخموں پر عملاً نمک پاشی شروع کردی۔ یہ اور بات تھی کہ باریک پسے ہوئے نمک میں مرچوں کی سرخی دور ہی سے دیکھی جا سکتی تھی۔

شری مان سنگھ نے تشدد تو خاصے سکون سے سہہ لیا تھا لیکن نمک پاشی کے عمل نے اسے بری طرح تڑپا کر رکھ دیا۔ اس نے بلبلا کر کئی بار اپنے قدموں پر کھڑا ہونا چاہا لیکن ہر بار کسی نہ کسی نے اسے بے رحمی کے ساتھ نیچے گرا دیا اور وہ فرش پر ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتا رہا۔ اس دوران میں ظفر اس کے بدن پر ریگ مال والے ڈنڈے سے نئی خراشیں ڈالنے کے بجائے' پرانے زخموں کو بار بار ادھیڑتا جارہا تھا۔

میری دانست میں وہاں بس انا کی جنگ باقی رہ گئی تھی۔ میں نے چند جھلکیوں سے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ شری مان سنگھ موت سے خوف زدہ ہو کر ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس کے جسم سے ایک ایک ریشہ بھی اُدھیڑ دیا جاتا تو وہ زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ جلد یا بدیر' اسے سمندر کے سفر پر روانہ ہو ہی جانا تھا' اس لیے میں نے علیحدگی میں لے جا کر ظفر کو سلطان شاہ کے پروگرام سے آگاہ کیا اور اس سے اجازت لے کر اسٹیشن فور سے اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا' راستے میں میرا ذہن شری مان سنگھ ہی میں الجھا رہا۔

وہ بادی النظر میں ایک عام سا سفارتی اہلکار نظر آتا تھا جو دامن بچا کر غیر قانونی ذرائع سے اپنے ملک کے مفادات کے لیے کام کرتا رہتا تھا۔ دونوں پڑوسی ممالک کے سیاسی اور سفارتی تعلقات عرصۂ دراز سے سرد مہری بلکہ کشیدگی میں مبتلا چلے آرہے تھے اس لیے میرا اندازہ تھا کہ دونوں طرف سفارت کاروں کے کام کی نوعیت بھی تبدیل ہو کر رہ گئی تھی۔ شری مان سنگھ کی حد تک یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ وہ ہمارے ملک میں ملّا سرکار جیسے تخریب کار کی سرپرستی کرکے ملک کے ایک حساس علاقے میں شورش پھیلانے کی سازش کا مرتکب ہو رہا تھا۔ اسی کے ساتھ اس نے اپنی بیوی' رجنی کے ذریعے ایک مقامی ہندو سرمایہ دار کو اس حد تک اپنے ساتھ ملایا ہوا تھا کہ وہ موسیقی کے شوقیہ پروگراموں میں اپنی مخصوص دھنوں کے ذریعے' مقامی تخریب کاروں کو پیغام رسانی کرتا تھا۔ موتن لعل کے جلترنگ پردیے ہوئے پیغامات پر عمل کرتے ہوئے مقامی تخریب کار طے شدہ مقامات پر بموں کے دھماکے اور دوسری تباہ کن کارروائیاں کیا کرتے تھے۔ موتن لعل کو اپنی حرکات کے ان نتائج کا علم رہا ہو یا نہ رہا ہو لیکن وہ خوبرو اور سبک اندام رجنی کے وجود کے سحر میں ڈوب کر اس گھناؤنے کام میں سر سے پیر تک غرق تھا۔

شری مان سنگھ کو علم تھا کہ ہرجائی مزاج رکھنے والی رجنی اس سے کٹی ہوئی بے وفائی کرتے ہوئے، نسبتاً کم عمر اور تندرست موتن لعل کے ساتھ کام کی آڑ میں پینگیں بڑھا کر رنگ رلیاں مناتی رہتی ہے لیکن وہ اپنے ملک کا سچا خدمت گار تھا اس لیے اپنی ذاتی خوشیاں قربان کرکے بھی اپنے ملکی مقاصد کے لیے کام کرتا رہا۔ یہ اس کی بہت بڑی بد نصیبی تھی کہ رجنی اسٹیشن فور میں قید تھی اور وہ خودتہ خانے میں ظفر کا تشدد سہہ رہا تھا لیکن ان دونوں میاں بیوی کو ایک دوسرے کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔

ظفر اور شری مان سنگھ کی براہِ راست گفتگو سے کچھ اور اسرار بھی میرے سامنے آئے تھے۔ شری مان سنگھ نے ایک مرتبہ میرے سامنے اسپیشل ٹاسک فورس کے وجود کے بارے میں موہوم سا شبہ ظاہر کیا تھا لیکن اب اندازہ ہوا کہ بات شبہے سے خاصی آگے تھی۔ اسی طرح ظفر نے مجھ سے کبھی کسی اور خفیہ آپریشن کا ذکر نہیں کیا تھا لیکن میں نے اپنے کانوں سے آپریشن سلور سینڈز کا ذکر سن لیا تھا۔ وہ یقینی طور پر بھارتی خفیہ اداروں کا کوئی اہم اور تباہ کن منصوبہ تھا جس سے ایس ٹی ایف والے بے خبر نہیں تھے۔

ملک کی سلامتی اور مفادات کے خلاف وہ ایک بہت بڑا اور بھیانک چکر چلا ہوا تھا جس کی ابتدا ملا سرکار کی ذات سے ہوئی تھی۔ اس سازش میں سفارتی اہل کار، مقامی جرائم پیشہ لوگ، اندرونِ سندھ پھیلے ہوئے ڈاکو، ہیروئن کا سرمایہ، جدید ترین اور مہلک جنگی ہتھیاروں کی بھاری تعداد کے علاوہ بھی بہت کچھ ملوث تھا۔ جب تک میں انفرادی طور پر ان سب مسائل میں گھرا رہا، مجھے کوئی قابلِ ذکر کامیابی نہیں ہو سکی لیکن اسپیشل ٹاسک فورس کے اول خان سے تعارف ہونے کے بعد صورتِ حال یکسر تبدیل ہوگئی۔

ایسی بین الاقوامی سازش کا سدِباب کرنا، مجھ جیسے فردِ واحد کے بس سے باہر تھا۔ ایس ٹی ایف والوں کے وسائل ہی ان لوگوں کی سرکوبی کر سکتے تھے۔ مجھے خوشی تھی کہ میری کوششوں کے نتیجے میں صورتِ حال پر ایس ٹی ایف کی گرفت بہت مضبوط ہوگئی تھی۔ ملا سرکار جہنم واصل ہو چکا تھا۔ شری مان سنگھ کسی بھی وقت سمندر کی خونی لہروں کی بھینٹ چڑھنے والا تھا اور اس سازش کے تاروپود پوری طرح سامنے آچکے تھے۔

ان حالات میں میری گلوخلاصی ہو چکی تھی۔ وہ پورا معاملہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں جا چکا تھا جو اسے نمٹانے کی اہلیت اور وسائل رکھتے تھے اس طرح میں بڑے مسائل کو بھول کر اپنی ذات کے گرد پھیلے ہوئے جال کو کاٹ کر اپنی خوشحال زندگی کے آغاز کی کوششیں کر سکتا تھا۔

ظفر نے ایک اعتبار سے اچھا ہی کیا تھا کہ آپریشن سلور سینڈز کے بارے میں مجھے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ ایک بار میں ان تمام تفصیلات سے واقف ہو جاتا تو پھر مجھے اخلاقاً ہر مرحلے پر ان کا ساتھ دینا پڑتا اور میں اپنے ذاتی مسائل کے حل پر اپنی پوری توجہ مرکوز کرنے سے قاصر رہتا۔

اس ضمن میں صرف ایک کردار ایسا تھا جو ابھی تک ہر گرفت اور بازپرس سے محفوظ تھا اور وہ مغربی کونسلیٹ کا ملازم ہیری کینجر تھا۔ اس کا پیش رو، پیٹر آرنیٹ تو اول خان کے آدمیوں کے قہر کا نشانہ بن کر جہنم واصل ہو چکا تھا لیکن ہیری نامعلوم مصلحتوں کی وجہ سے آزاد تھا۔

یہ سامنے کی بات تھی کہ ہیری ایک بہت بڑی طاقت کا نمائندہ تھا۔ ان لوگوں کو دنیا کے ہر خطے میں کام کرنے کی لامحدود مراعات ملی ہوئی تھیں۔ جو قومیں ان کے خصوصی حقوق کو تسلیم نہیں کرتی تھیں، انہیں جبراً مراعات دینے پر آمادہ کرلیا جاتا تھا۔ ان حالات میں اگر اسپیشل ٹاسک فورس ہیری کینجر کی خطرناک سرگرمیوں سے چشم پوشی کر رہی تھی تو وہ ناقابلِ فہم نہیں تھی۔

میں جانتا تھا کہ وہ لوگ ہیری کینجر پر ہاتھ ڈالیں یا نہ ڈالیں، لیکن ایک بار نظروں میں آجانے کے بعد اس کے کسی بھی منصوبے کو کامیابی سے ہم کنار نہیں ہونے دیں گے۔

میری وہ تمام سوچ بچار سطحی یا وقت گزاری کے لیے نہیں تھی بلکہ اس اہم موڑ پر، میں اپنے لیے ایک نئے مستقبل کی تصویر دیکھ رہا تھا، جس کے لیے میں نہ جانے کب سے ترسا ہوا تھا۔

ابتدا میں میری زندگی پر ثمی کسی آسیبی سائے کی طرح مسلّط تھی۔ اس سے انحراف کرنے کے بعد مجھے اپنی زندگی بہت مختصر ہوتی نظر آرہی تھی لیکن میں نے نہایت بے خوفی کے ساتھ اپنی بقا کی جنگ لڑتے ہوئے ثمی کو ایسے ایسے چرکے لگائے کہ میرے دل سے اس طاقتور تنظیم کی وحشت بتدریج مندمل ہوگئی۔ دوسری طرف جمی لائیڈ نے بھی اپنے زخموں کو چاٹتے ہوئے میرے تعاقب کا سلسلہ ترک کر دیا اور میں ثمی کے آسیب سے آزاد ہوگیا۔ میری اس آزادی میں ویرا نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ میرے باغی ہو جانے کے بعد اسی کو پاکستان میں ثمی کے مفادات کی دیکھ بھال کا کام سونپا گیا اور اس نے اپنی تلوّن مزاجی کے باوجود مجھ سے دوستی برقرار رکھی۔ ثمی میں وہی ایک ایسی ہستی تھی جسے میری ذات تک رسائی حاصل تھی اور وہ چاہتی تو کسی بھی وقت مجھے بہ آسانی ہلاک کر سکتی تھی لیکن اس نے کبھی بھی بے خبری میں مجھ پر وار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ جب بھی میرے خلاف صف آرا ہوئی، باقاعدہ للکار کر مقابلے پر آئی۔ کبھی ستاروں نے میری یاوری کی اور کبھی ویرا خود دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر مجبور ہوگئی۔

جن دنوں میں ثمی کے عتاب میں آیا ہوا تھا، مافیا کے ڈان تھری نے مجھے موثر تحفظ فراہم کرنے کی پیشکش کی۔ لیکن وہ بہت خطرناک پیشکش تھی جسے قبول کرنے کے علاوہ کوئی اور راہ نہیں تھی۔ میں انکار کرتا تو شاید ڈان تھری اسی لمحے میرے دل میں پگھلا ہوا سیسہ اتار کر میرا قصہ ختم کر دیتا۔

میری زندگی کے بدترین اور کڑے دَور میں، مافیا والوں نے مجھے بھرپور تحفظ فراہم کیا جس کے جواب میں، میں نے کبھی بھی

پورے خلوص کے ساتھ ان کا ساتھ نہیں دیا۔ میں ہیروئن کے کاروبار سے بری طرح متنفر ہو چکا تھا۔ مجبوری کے تحت کیے گئے سمجھوتے کی اور بات تھی لیکن دل کی گہرائیوں سے میں کبھی بھی مافیا کا وفادار نہ بن سکا۔

لیکن شی کی طرح مافیا بھی خطرناک تھی۔ اس میں شمولیت کے مقابلے میں اس سے نکلنا بہت مشکل تھا' مافیا کے منحرفین کو پاتال میں بھی امان نہیں ملتی تھی۔ سسلی میں بیٹھے ہوئے مافیا کے بڑوں نے اپنی قدیم روایات کو ہر قیمت پر برقرار رکھنے کا عزم کیا ہوا تھا۔ ان روایات میں ہر جگہ' ہر حال میں اور ہر قیمت پر جرم کی ترویج اور تحفظ کے ساتھ ہی منحرفین اور باغیوں کو کسی بھی قیمت پر زندہ نہ چھوڑنے کے نعرے شامل تھے۔

اسپیشل ٹاسک فورس والوں کے اسٹیشن فور سے واپسی کے اس سفر میں' میں محسوس کر رہا تھا کہ بین الاقوامی سازشیوں اور شی کے بوجھ سے نجات مل جانے کے بعد میرے سامنے صرف مافیا رہ گئی تھی جو میری پُرسکون گھریلو زندگی کی راہ کی واحد رکاوٹ تھی۔

ایک بار غزالہ واپس آجاتی تو میں اس کے ساتھ سکون سے اپنا گھر آباد کر سکتا تھا لیکن اس کے ساتھ باعزت زندگی کی ابتدا کرنے کے لیے مافیا سے چھٹکارا حاصل کرنا ناگزیر تھا۔ جرم سے پوری طرح تائب ہوئے بغیر انسان کبھی بھی سکون کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ یہ میرا مشاہدہ اور ایمان تھا کہ جرم کو جڑ سے نہ اکھاڑ پھینکا جائے اور اس کی ایک کونپل بھی باقی رہ جائے تو وہ بہت جلد دوبارہ تناور درخت کا روپ دھار لیتی ہے۔

اس اعتبار سے اگلا دن میرے لیے بہت اہم ثابت ہونے والا تھا۔ حبیب جیوانی نے مجھے ٹریڈ لائن کے دفتر میں طلب کیا تھا۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ دوپہر میں وہاں ڈان تھری خود آنے والا تھا یا اس کا کوئی پیغام آنے والا تھا مگر میرے لیے ہر دو باتوں کی مساوی اہمیت تھی۔ میں موقع محل کی مناسبت سے یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ ان لوگوں سے کنارہ کش ہونے کے بعد میرے زندہ رہنے کے کیا امکانات ہو سکتے تھے۔

سسلی مافیا کی جنم بھومی کہلاتا تھا۔ روئے زمین کی تاریخ میں منظم جرائم کی تحریک نے اسی سرزمین پر جنم لیا تھا' غربت' بے روزگاری' قحط' چور بازاری' سرکاری کارندوں کی کھلی ہوئی رشوت خوری اور اقربا پروری جیسے سنگین معاشی اور معاشرتی جرائم کی چکی میں پستے ہوئے عام لوگوں نے مظالم سے نجات حاصل کرنے کی امید میں کھلے دل سے اس تحریک کا ساتھ دیا۔ اس کے قاتلوں اور ڈاکوؤں کو پناہ دی' مفروروں کو چوری چھپے خوراک اور لباس فراہم کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مافیا نے اس خطے میں ایک مضبوط متوازی حکومت کا روپ دھار لیا' سرکاری احکام نظر انداز کر دیے جاتے تھے لیکن چوپال یا سرائے میں مافیا کے کسی بڑے کے کہے ہوئے الفاظ' فرمانِ امروز بن کر سینہ بہ سینہ ہر طرف پھیل جاتے تھے اور لوگ ان نجات دہندوں کے احکام بجا لانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ وہاں مافیا کو ہمیشہ سے ناقابلِ شکست طاقت حاصل تھی اس لیے وہ لوگ اپنے ہر فیصلے کو نافذ کرنے کی طاقت رکھتے تھے لیکن پاکستان کی صورتِ حال بہت مختلف تھی۔

یہاں مافیا نے کسی تحریک کی کوکھ سے جنم نہیں لیا تھا بلکہ غنڈہ گردی کے عالمی اجارہ داروں نے افیم اور ہیروئن کی اس زرخیز پیداواری منڈی کی شہرت سے متاثر ہو کر یہاں اپنے گرگوں کو مامور کیا تھا اور ان کی سربراہی کے لیے سیٹھ حبیب جیوانی کو جرمنی کی ایک جیل سے فرار کر کے پاکستان پہنچایا تھا۔ حبیب جیوانی کوئی گھاگ مجرم نہیں تھا۔ وہ ہوس کی روندن میں آیا ہوا' ایک بگڑا ہوا سیٹھ تھا۔ تجربے کے اعتبار سے وہ ناپختہ کار تھا۔ اسی وجہ سے ڈان تھری نے اس کی مدد کے لیے میرا تقرر کیا تھا کیونکہ شی سے ٹکر لینے کے بعد شاید میرا نام دنیا بھر کے زیرِ زمین حلقوں میں پھیل گیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں ان لوگوں سے ناتا توڑ لیتا تو کم از کم حبیب جیوانی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ اصل خطرہ یہ تھا کہ حبیب جیوانی کے ناکام ہونے کے بعد' میری سرکوبی کے لیے باہر سے بھی کسی خرانٹ قاتل کی آمد کے امکانات تھے اور مجھے اگلے روز اسی کے بارے میں صحیح اندازہ قائم کرنا تھا۔

میں ان ہی خیالات میں ڈوبا ہوا' فلیٹ پر واپس پہنچا تو فلیٹ خالی تھا البتہ میرے چھوڑے ہوئے رقعے کی پشت پر عجلت میں لکھا ہوا' سلطان شاہ کا جوابی پیغام موجود تھا۔

وہ میری غیر حاضری میں فلیٹ پر آیا اور سفری ضروریات کا مختصر سا سامان لے کر فوراً ہی واپس چلا گیا تھا۔ اس کے پاسپورٹ کا حیرت ناک طور پر بندوبست ہو گیا تھا۔ میں حیران تھا کہ اس محکمے کا وہ کون سا فرض شناس افسر تھا جس نے سلطان شاہ کی ہنگامی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے' رات گئے اس کا پاسپورٹ تیار کر کے اسے تھما دیا تھا۔ اس نے اپنے پیغام میں لکھا تھا کہ وہ صبح پانچ بجے والی پرواز سے بنکاک چلا جائے گا اور وہاں اترنے کے صرف ایک گھنٹے بعد کیتھے پیسیفک ائرلائنز کی اگلی پرواز سے ہانگ کانگ چلا جائے گا۔

اس کا پیغام پڑھنے کے بعد میں دل ہی دل میں اس کی کامیابی کے لیے دعا کیے بغیر نہ رہ سکا۔

سلطان شاہ نے اپنے پیغام میں' فلیٹ سے میری غیر حاضری پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ وہ طیارے میں سوار ہونے تک ائرپورٹ سے وقفے وقفے سے فون کرتا رہے گا تاکہ سفر پر روانگی سے قبل' آخری بار مجھ سے گفتگو کر سکے۔ اس کی روانگی کے انتظامات پر صرف پانچ ہزار روپے کا فاضل خرچ آیا تھا۔

پیغام پڑھ کر میں نے وہ کاغذ تلف کر دیا اور ڈرائنگ روم ہی میں صوفے پر دراز ہو گیا۔ میرا چھوڑا ہوا پینے پلانے کا ساز و سامان میز پر اسی طرح موجود تھا جس طرح میں چھوڑ کر گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ کا فون آیا تو پتا چلا کہ وہ اس کی تیسری کال تھی۔

وہ پہلی مرتبہ کسی بین الاقوامی سفر پر تنہا روانہ ہو رہا تھا اس لیے شاید پرواز کا پہلا اعلان ہوتے ہی ابتدائی مراحل سے گزر کر ڈیپارچر لاؤنج میں پہنچ گیا تھا کیونکہ وہ فون اس نے لاؤنج کے پبلک کال آفس سے کیا تھا۔ میں نے اسے اپنی خیریت سے آگاہ کیا اور اس نے کھل کر بات کرنے کے بجائے اشاروں کنایوں میں یہ بات واضح کردی کہ روانگی کے سلسلے میں ہر کام تسلی بخش طریقے پر انجام پاگیا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ نئے آدمی کے لیے کسی بیرونِ ملک ہوائی اڈے پر دوسری پرواز لینے کے لیے ایک گھنٹے کی مدت بہت ہی قلیل ہوتی ہے۔ ائرلائن کی طرف سے ٹرانزٹ مسافروں کی مناسب رہنمائی کا بندوبست نہ ہو تو امیگریشن والوں کی قائم کی ہوئی رکاوٹوں کی وجہ سے ہوائی اڈے کی عمارت بھول بھلیاں بن کر رہ جاتی ہے جس کے نتیجے میں اناڑی مسافر کا بروقت مقررہ لاؤنج میں پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایک بار آگے جانے والی کنفرمڈ پرواز نکل جائے تو ٹرانزٹ میں پھنسے ہوئے مسافر کو نئی سیٹ حاصل کرنے میں شدید دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے۔ کسی مخصوص ائرلائن کا رعایتی ٹکٹ ہو تو یہ دشواریاں مزید بڑھ جاتی ہیں اور پھنسے ہوئے مسافر کو پردیس میں یتیمی کا احساس ستانے لگتا ہے۔

میں نے ان امکانات کی روشنی میں سلطان شاہ کو چند تیر بہدف تدابیر پر عمل کرنے کا مشورہ دیا اور پورے خلوص کے ساتھ اس کی کامیابی کی دعا کرتے ہوئے فون بند کردیا۔

○☆○

میں طویل غیر حاضری کے بعد ٹریڈ لائن کے دفتر پہنچا تو چوکیدار سے شیر شاہ تک سب ہی نے خوشگوار حیرت کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ مجھے اپنے درمیان پاکر وہ سب ہی خوش نظر آنے لگے تھے۔

ٹریڈ لائن کا دفتر شہر کے مصروف ترین کاروباری علاقے میں واقع تھا۔ یوں تو وہ مقامی مافیا کا ہیڈ کوارٹر تھا لیکن اس ادارے کے وجود کا ظاہری جواز اس کی درآمدی سرگرمیوں میں مضمر تھا۔ درآمدی کاروبار کے شعبے میں جو عملہ ملازم تھا اسے سرے سے علم ہی نہیں تھا کہ ٹریڈ لائن کا مافیا یا منشیات کی غیر قانونی تجارت سے بھی کوئی تعلق تھا' دفتری نظام کچھ اس انداز میں استوار کیا گیا تھا کہ درآمدی شعبے کے عملے میں سے کسی کو بھی اس طرف آنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی جہاں میرے اور چیف کے دفاتر واقع تھے۔ سخت ڈسپلن کے نام پر قائم کی گئی' اس تفریق کی وجہ سے کاروباری عملے میں تجسس آمیز سرگوشیاں ضرور جنم لیتی تھیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ضرورت سے زیادہ متجسس ہونے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ اس کی وجہ بہت سیدھی سادی اور قابلِ فہم تھی۔

ان سب کو ان کی تعلیم اور تجربے کے اعتبار سے خاصی بہتر تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ کام کی تقسیم بہت واضح تھی اور ہر شخص اپنی ذمے داریوں کی انجام دہی کے سلسلے میں منیجر کو جواب دہ تھا۔ منیجر کو وقتاً فوقتاً تحریری ہدایات ملتی رہتی تھیں یا کبھی کبھار حبیب جیوانی انٹرکام پر اس سے بات کر لیتا تھا۔

عملے کے اراکین کو ہر پہلی تاریخ پر تنخواہیں ادا کردی جاتی تھیں۔ مقررہ اسکیلز کے مطابق تنخواہوں میں جنوری میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

ایسے اچھے بلکہ قابلِ رشک ماحول میں ملازمین کو کیا پڑی تھی کہ وہ ادارے کے سربراہ کو دیکھنے کی کوشش کرکے اپنی اچھی بھلی نوکریوں کو خطرے میں ڈالتے؟

مجرمانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے والے بیشتر افراد دفتری بلڈنگ منزل کے رہائشی حصے میں رہتے تھے۔ درآمدی عملے کو تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ان کے دفتر کے کسی حصے میں مجرد افراد کا بسیرا ہے۔ ان دونوں طبقوں کے درمیان نادیدہ حدِ فاصل کھنچی ہوئی تھی جو انہیں ایک دوسرے کی سرگرمیوں سے بے خبر رکھتی تھی۔

نچلے درجے کے ملازمین میں چوکیدار اور ٹیلی فون آپریٹر کا کام بہت اہم اور دونوں حصوں کے لیے مشترک تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ان کا انتخاب بہت احتیاط سے کیا گیا ہوگا اور ان کے ذریعے ادھر کی بات اُدھر ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رکھا گیا ہوگا۔ تیسرا فرد شیر شاہ تھا جو کسی روک ٹوک کے بغیر ہر جگہ آجا سکتا تھا۔ اسے یہ آزادی سینڈو کی موت کے بعد ملی تھی۔ اس کی زندگی میں شیر شاہ بھی کسی گیدڑ کی طرح سہما سکڑا رہتا تھا۔

میرے ذہن میں یہ سارا جائزہ بلاوجہ ہی نمودار نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا بھی ایک سبب تھا۔

دفتری معاملات سے حبیب جیوانی کی لاتعلقی کی وجہ سے میں کبھی کبھار درآمدی شعبے کا راؤنڈ لگالیتا تھا۔ اس روز بھی میں اپنے کمرے میں جانے سے پہلے اس شعبے میں جانکلا۔ وہاں کے عملے نے خوش دلی سے میرا استقبال کیا اور میں سرسری طور پر ہر ایک کی خیر خیریت معلوم کرتا ہوا ٹائپ رائٹر پر مصروف لڑکی کے قریب پہنچا تو اس کی متورم آنکھیں دیکھتے ہی میں چونک پڑا۔

وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر مسکرائی تو اس کی مسکراہٹ میں بھی جبر یا خوف کا عنصر نمایاں تھا۔

اپنے تجسس پر قابو پاکر' میں نے اس سے آگے بڑھ جانا چاہا لیکن اس نے تقریباً سرگوشیانہ آواز میں مجھے خود ہی روک لیا "سر! میں آپ سے کچھ بات کرنی چاہتی ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"بولو!" میں نے اس کی طرف پلٹ کر ہمدردانہ نرمی کے ساتھ اس کی حوصلہ افزائی کی۔

اس نے میری چبھتی ہوئی نظروں کی تاب نہ لاکر اپنا سر جھکالیا اور دھیمے سے بولی "یہاں نہیں' میں دفتر یا تخلیئے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔" بولتے ہوئے اس کی آواز کسی نامعلوم خوف سے لرز رہی تھی "مجھے معلوم ہے کہ میری اس جسارت کے نتیجے میں مجھے ملازمت سے جواب بھی مل سکتا ہے۔ میں جان بوجھ کر ڈسپلن کی خلاف ورزی کررہی ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ سعید صاحب میری بات کا جواب نہیں دے سکیں گے۔"

سعید اس کے منیجر کا نام تھا۔ لڑکی کا انداز اور لب و لہجہ بتا رہا
کہ وہ کسی بدترین الجھن سے دوچار ہے۔
"بیٹھ جاؤ، میں تمہیں بتاؤں گا۔" میں یہ کہتا ہوا آگے بڑھ
گفتگو اتنے دھیمے لہجے میں ہوئی کہ عملے کے کسی رکن کو
وہاں یہ اندازہ ہی نہیں ہو سکا ہوگا کہ کیا بات ہو رہی تھی۔ مجھے اپنے
کی زبان دیکھ کر، ویسے بھی ہر شخص اپنے کام میں انہماک کا مظاہرہ
کرنے میں مصروف ہو گیا تھا اس لیے دفتر میں کسی قسم کی چہ
میگوئیاں شروع نہیں ہو سکیں لیکن گداز جسم والی اس گوری چٹی
ہاٹ لڑکی نے مجھے شدید ذہنی الجھن میں مبتلا کر دیا۔
اپنے دفتر میں بیٹھ کر میں نے ٹریڈ لائن کے طریقۂ کار پر تفصیل
غور کیا لیکن میں اپنے ذہن میں ابھرنے والے بڑے سے سوالیہ
نشان کا کوئی جواب تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔
میرے لیے سب سے سہل طریقہ یہ ہوتا کہ میں بیلا نامی اس
لڑکی کو اپنے دفتر میں طلب کر کے فوراً ہی معاملہ صاف کر لیتا لیکن
کارندگی شعبے کے کسی ماتحت کو دفتر میں طلب کرنے سے ہر طرف
ایک ہلچل سی مچ جاتی اور بیلا کے لیے اپنے تمام ساتھیوں کو جواب
دینا محال ہو جاتا۔ دوسری خاص بات یہ تھی کہ اس لڑکی کے رویے
میں مجھے رازداری کا بھی پہلو نظر آیا تھا۔ وہ کچھ چھپا بھی رہی تھی
اور بات بھی کرنی چاہتی تھی۔ وہ ذہنی طور پر شاید اس قدر پراگندہ
تھی کہ یہ بھی نہ سوچ سکی کہ میرے دفتر میں آنے کے بعد وہ اپنے
سلسلے کی متوقع رازداری کو کسی صورت میں برقرار نہیں رکھ سکے
گی۔ میں نے چائے کی پیالی ختم کرنے تک اس معاملے پر غور کیا
لیکن اس کا کوئی حل نہیں تلاش کر سکا۔
بیلا کا مسئلہ اس قدر پُراسرار اور غیر متوقع انداز میں ابھرا تھا
کہ انٹرکام پر چیف کی آواز سننے تک میں اس روز کے اہم ترین کام
کو بھول کر بیلا کی پہیلی میں کھویا رہا۔
"فارغ ہو تو میرے ہی کمرے میں آجاؤ!" حبیب جیوانی نے
سلام دعا کے بعد کہا اور میں رضامندی ظاہر کرتے ہوئے فوراً ہی
اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔
دفتر سے باہر نکلتے ہوئے میں نے سوچا کہ مجھے بیلا کے معاملے
میں چیف سے بھی مشورہ کر لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے کوئی
بہتر مشورہ دے سکے لیکن میں نے فوراً ہی وہ ارادہ ترک کر دیا۔
میری چھٹی حس مجھے اس معاملے کو اپنی ذات تک محدود رکھنے پر
مجبور کر رہی تھی۔
میں حبیب جیوانی کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں اندھیرے
اور اجالے کا وہی پُراسرار امتزاج موجود تھا جو خاص خاص مواقع
پر مجھے میں آتا تھا۔ اپنی بڑی سی سیاہ آبنوسی میز کے پیچھے حبیب
جیوانی اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور میز کی دوسری جانب رکھی ہوئی
کرسیاں پوری طرح روشنی میں تھیں۔
"معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھ سے بھی زیادہ مصروف رہنے لگے
ہو" اندھیرے میں سے ابھرنے والی آواز سے سیٹھ حبیب جیوانی

کی خوش دلی جھلک رہی تھی "آج میں کافی دنوں کے بعد تمہیں دیکھ
رہا ہوں۔"
"اور میں تمہارے روبرو موجود ہونے کے باوجود تمہیں دیکھنے
سے قاصر ہوں۔"
وہ دھیمے سے ہنسا اور بولا "ہاتھ پیروں کے ساتھ تم زبان کے
بھی بہت تیز ہو۔ پہلے روز تم نے سینڈو مرحوم اور اس کے ساتھیوں
کی جو درگت بنائی تھی، وہ مجھے اب تک یاد ہے اور تمہاری زبان
کے جوہر آہستہ آہستہ کھل رہے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ویرا کے بارے میں
کیا خبریں ہیں؟"
"کچھ بھی نہیں" میں نے مایوسی کے ساتھ شانے اچکا کر کہا
"شیر شاہ کے آتے ہی وہ اس طرح مفقود الخبر ہوئی ہے جیسے اپنا وجود
ہی کھو بیٹھی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے زمین نگل گئی یا آسمان
کھا گیا۔ میں نے اس کی تلاش میں شہر کا کونا کونا چھان مارا ہے
لیکن وہ کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو گئی ہے۔"
"میرا اندازہ تھا کہ اس بار تم اسے مار لوگے لیکن خیر، کبھی نہ
کبھی اسے سامنے آنا ہی پڑے گا۔ اتنا ضرور ہوا ہے کہ تمہاری
حرکتوں سے بوکھلا کر ان لوگوں نے میدان کھلا چھوڑ دیا ہے۔ شی کی
دلچسپی ختم ہوتے ہی یہاں ہیروئن کے دام گر گئے ہیں اور کھلی منڈی
میں مال کی بہتات نظر آنے لگی ہے۔"
"آج دو بجے ڈان کے آنے کا امکان ہے یا اس کا فون آئے
گا؟" میں نے پوچھا۔
"مجھے جو کچھ معلوم تھا وہ میں تم کو بتا چکا ہوں۔ اس وقت
تمہیں یہ بات کیوں یاد آگئی؟"
"میرا خیال ہے کہ کام بڑھانے کے لیے یہ بہترین موقع ہے۔
اگر ہم روایتی طریقوں سے ہٹ کر نئے طریقے اپنالیں تو ہم روزانہ
یہاں سے کئی من ہیروئن ایکسپورٹ کر سکتے ہیں۔ اس بارے میں
ڈان ہماری بہترین رہنمائی کر سکتا ہے۔ تم کو اس سے اس بارے
میں بات کرنی چاہیے۔"
"تم کن نئے طریقوں کی بات کر رہے ہو؟" اس نے گہری
دلچسپی کے ساتھ پوچھا "آج کل تو پاکستان سے برآمد کی جانے والی
ہر روایتی اور غیر روایتی چیز پر ہیروئن کیریئر کا شبہ کیا جاتا ہے۔"
"آج کل یہاں سے یورپ اور امریکا کے لیے سوتی کپڑوں کے
پورے پورے جہاز جا رہے ہیں۔ ہر کنٹینرز میں لدے ہوئے سیکڑوں
ڈبوں میں آٹھ دس ڈبے ہیروئن کے ہوں تو ان کا پکڑا جانا ناممکنات
میں سے ہے۔ پورے کنٹینرز کو خالی کیے بغیر، آخر میں رکھے ہوئے
ڈبوں کو چیک کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ منزل پر پہنچنے کے بعد کنٹینرز
بندرگاہ کے بجائے اپنے گوداموں میں خالی کیے جائیں تو پکڑے
جانے کا امکان اور بھی کم ہو جاتا ہے۔"
"اس طرح تو چمڑے کے ملبوسات کی آڑ بھی لی جا سکتی ہے۔
چمڑے کا سامان عام طور پر ہوائی جہاز سے بھیجا جاتا ہے۔ ایک ہفتے
میں مال اِدھر سے اُدھر ہو سکتا ہے۔" اس نے فوراً اپنی تجویز

پیش کردی۔

"اول تو بندرگاہوں کے مقابلے میں ہوائی اڈوں پر کسٹم اور نگرانی کے کڑے انتظامات ہوتے ہیں۔ یورپ کے بعض ہوائی اڈوں پر تو کتے بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ چرمی ملبوسات کا ہر ڈبا انفرادی طور پر کھولا اور دیکھا جاسکتا ہے۔ میں چالیس فٹ لمبے کنٹینرز کی بات کررہا ہوں۔ انھیں خالی کرنا اور دوبارہ بھرنا آسان کام نہیں ہوتا ویسے بھی بندرگاہوں پر مخبری کے بغیر بہت کم منشیات پکڑی جاتی ہیں۔"

"تمھاری آخری بات میں وزن ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "میں ڈان سے بات کروں گا۔ میدان خالی ہونے کے بعد ہمیں اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ تمھاری اطلاع کے لیے بتاتا چلوں کہ پچھلے دنوں آئے ہوئے افغانیوں سے بہت اچھا سودا ہوا تھا۔ ان کی طرف سے پانچ کلو یومیہ کی مسلسل سپلائی مل رہی ہے۔"

"مال کیسے آرہا ہے؟" میں نے اس اطلاع میں دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"ان کی سپلائی لائن بہت محفوظ اور قابلِ رشک ہے۔" اندھیرے میں سے جواب آیا "آزاد قبائلی علاقے میں سرحدی روک ٹوک نہ ہونے کی وجہ سے ان کا ایک آدمی افغان علاقے سے مال لے کر پشاور میں کسی کے حوالے کرتا ہے۔ پشاور سے دوسرا آدمی جہاز سے بریف کیس میں مال لے کر کراچی آتا ہے اور فون پر شیر شاہ سے رابطہ کرکے وقت اور مقام کا تعین کرکے، اس کے مطابق بریف کیس شیر شاہ سے بدل لیتا ہے۔ اس پورے بندوبست میں ہمیں دو طرفہ ٹکٹ کے علاوہ صرف دس ہزار روپے یومیہ دینے پڑرہے ہیں جو میری نگاہ میں بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔"

"لیکن کسی بھی آدمی کا روزانہ ہوائی سفر، ہوائی اڈوں کی نگرانی پر مامور اہل کاروں کو اس کی طرف متوجہ کرسکتا ہے۔ پھر پشاور کراچی روٹ پر تو ویسے بھی کڑی نگرانی رہتی ہے۔" میں نے رائے ظاہر کی۔

وہ میرے اندیشے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہنسا پھر بولا "وہ لوگ کھانے پینے کے معاملے میں اجڈ اور وحشی نظر آتے ہیں لیکن اپنے کام کے ہر نشیب و فراز پر نظر رکھتے ہیں۔ انھیں ہوائی سفر اور کراچی دیکھنے کے بہت سے شوقین مل جاتے ہیں جو یہاں دو تین دن گزارنے کی خاطر بہ آسانی ان کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ اس طرح ان کے پاس پندرہ بیس آدمیوں کی ٹیم ہے، وہ باری باری سفر کرتے ہیں اس لیے کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔"

قدرے توقف کے بعد وہ پھر بولنے لگا "میرا خیال ہے کہ اب تمھیں ہمارے ساتھ آئے ہوئے کافی عرصہ ہوچکا ہے۔ بہتر ہوگا کہ مال کی وصولی اور پھر آگے روانگی کے انتظامات تم اپنے ہاتھ میں لے لو۔ تم اپنی ذہانت سے کام لے کر بزنس کو بہت آگے لے جاسکتے ہو۔"

"میں خود بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہا ہوں۔" میں نے مبہم سا جواب دے کر، وہ بات وہیں ختم کردی کیونکہ میرے ذہن پر ایک بار پھر بیلا کا مسئلہ سوار ہونے لگا تھا۔

"میں کچھ دیر کے لیے باہر جارہا ہوں لیکن ایک بجے تک واپس لوٹ آؤں گا۔ اس دوران میں تم دفتر ہی میں موجود رہنا ہوسکتا ہے کہ باہر سے کوئی اہم کال آجائے۔"

میں واپس اپنے کمرے میں لوٹ آیا لیکن بیلا کا مسئلہ بدستور میرے سر پر سوار تھا۔

اس بارے میں دو ہی صورتیں ممکن تھیں۔ میں ٹریڈ لائن کی دفتری روایات کو خیرباد کہتے ہوئے، بیلا کو اپنے دفتر میں طلب کرلیتا اور اسے اپنے دفتری ساتھیوں کی بے رحمانہ جرح کا نشانہ بننے پر مجبور کردیتا۔ اس امکان سے وہ خود بھی واقف تھی بلکہ ذہنی طور پر اس صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار بھی تھی۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ میں دفتری اوقات کے بعد اس سے باہر ملاقات کرکے معاملے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا۔ اس طرح دفتر میں کسی کو کانوں کان بھی اس ملاقات کا علم نہ ہوپاتا اور حقائق میرے علم میں آجاتے۔

میں نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد انٹرکام پر بیلا سے بات کرنے کے بجائے اپنے ڈائریکٹ فون پر ٹریڈ لائن کے بورڈ کا نمبر ملایا کیونکہ انٹرکام پر ہونے والی گفتگو بھی دوسروں کی توجہ کا مرکز بن سکتی تھی۔ میں نے آپریٹر کو اپنا فرضی نام بتاتے ہوئے نبیلہ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اسے دفتر میں بے تکلفی کے ساتھ بیلا کہا جاتا تھا لیکن اس کا اصل نام نبیلہ تھا۔

آپریٹر نے فوری طور پر میری کال نبیلہ کو منتقل کردی۔ مجھے معلوم تھا کہ درآمدی شعبے میں عملے کی نجی ضروریات کے لیے ایک الگ تھلگ گوشے میں فون موجود رہتا تھا جہاں کوئی بھی شخص، پوری رازداری کے ساتھ فون پر گفتگو کرسکتا تھا۔

"تم مجھ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتی ہو، بیلا؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"اوہ، آپ؟" میری آواز سن کر شاید وہ حیران رہ گئی "میں آپ کی احسان مند ہوں کہ میری وجہ سے آپ نے اتنی احتیاط سے کام لیا، لیکن میں جانتی ہوں کہ میں زیادہ دنوں تک اس دفتر میں نہیں رہ سکوں گی، آپ مجھے اپنے دفتر میں طلب کرلیں، نتائج کی ذمے داری میری اپنی ہوگی۔"

"تم چاہو تو میں دفتر سے چھٹی ہونے کے بعد بھی تمھیں وقت دے سکتا ہوں۔"

"بے سود ہے" اس کی آواز بھرّا گئی "دفتر سے نکلنے کے بعد بھی نادیدہ نگاہیں میرا پیچھا کرتی رہتی ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ بھی کسی کی نظروں میں آجائیں۔ میں آپ سے مل کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہوں۔ یہ کام دفتر ہی میں مناسب

رہے گا۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہیں بلاتا ہوں۔" میں نے تھکے ہوئے
انداز میں فون بند کردیا۔

میں نئی سگریٹ سلگا کر چند ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم
میں دھواں اُڑاتا رہا پھر میں نے انٹرکام سے سعید کو ہدایت کی کہ وہ
بیلا کو میرے دفتر میں بھیج دے۔

شیر شاہ اپنے بزنوں کے دفاتر کی دیکھ بھال کے لیے کسی شکاری
کتے کی طرح ان ہی اطراف میں منڈلاتا رہتا تھا اس لیے اس نے
راستے ہی میں بیلا کو روک لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر میرے
دفتر میں آگیا۔

"تم جاؤ، اسے میں نے ہی بلایا ہے۔" میں نے شیر شاہ کو
گھورتے ہوئے کہا اور وہ الٹے قدموں واپس چلا گیا۔

"بیٹھ جاؤ!" میں نے بیلا کو سر سے پیر تک غور سے دیکھتے ہوئے
آہستگی سے کہا۔

بیلا گوری چٹی اور صحت مند لڑکی تھی۔ اس روز میں نے پہلی
بار اندازہ لگایا کہ وہ خاصی پُرکشش بھی تھی لیکن اس وقت اس کی
متورم آنکھوں سے زندگی کی حرارت کے بجائے ویرانی مترشح تھی۔
اس کے پتلے پتلے ہونٹوں کے گوشے یوں کپکپا رہے تھے جیسے وہ
کوشش کر کے رونے سے گریز کر رہی ہو۔

"سس.... سر! میں بہت خوف زدہ ہوں۔" اس نے نظریں
اٹھائے بغیر، لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"قصہ کیا ہے؟ جب تک تم مجھے تفصیل نہیں بتاؤ گی، میں
تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

"آپ کو معلوم ہے کہ ہم اس دفتر میں بہت پُراسرار ماحول
میں کام کرتے ہیں۔" وہ رک رک کر بولنے لگی "حد تو یہ ہے کہ ہم
میں سے کسی نے آج تک اپنے چیف کا سایہ بھی نہیں دیکھا۔
ہمارے خطوط پر سعید صاحب دستخط کرتے ہیں۔ میں نے ریکارڈ میں
دیکھا ہے کہ ہمارے چیف کا نام اکبر علی شیرازی ہے۔" اس مرحلے
پر اس نے خاموش ہو کر استفسار طلب نگاہوں سے پہلی بار میری
طرف دیکھا اور میں مشینی انداز میں اپنے سر کو خفیف سی اثباتی
جنبش دے کر رہ گیا۔

"میں پنجاب میں اپنے شوہر سے خلع لینے کے بعد کراچی آئی
ہوئی ہوں۔" اس نے اپنی کہانی جاری رکھی "کیونکہ یہاں اچھی
تنخواہیں ملتی ہیں۔ میں سکون کے ساتھ گلشن اقبال میں دو کمروں
کے ایک فلیٹ میں رہ رہی ہوں اور دفتر سے سیدھی وہیں جاتی ہوں
لیکن کچھ عرصے پہلے ایک آدمی نے قیمتی کار میں میرا پیچھا کرنا شروع
کردیا۔ پہلے ایک دو روز تک میں نے اتفاق سمجھ کر اسے نظرانداز
کردیا لیکن جب وہ بس سے آگے پیچھے گاڑی دوڑاتا ہوا، باقاعدگی
سے وہاں پہنچنے اور اشارے بازی کرنے لگا تو میں پریشان ہوگئی۔
ایک دن وہ دیدہ دلیری کے ساتھ میرے فلیٹ پر پہنچ گیا، دستک کے
جواب میں اسے اپنے سامنے دیکھ کر میں خوف زدہ ہوگئی۔ میں اسے
ڈانٹتی، پھٹکارتی تو وہاں ہنگامہ کھڑا ہو جاتا اور میں اکیلی رہنے کی وجہ
سے پڑوسیوں میں بدنام ہو جاتی۔ سستے کرائے کا وہ فلیٹ مجھ سے
خالی بھی کرایا جا سکتا تھا۔ میری خاموشی اور بدحواسی سے وہ شیر
ہوگیا اور اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کردیا۔ میرا خیال تھا
کہ وہ مجھ سے دست درازی کر کے گھٹیا حرکتوں کا مظاہرہ کرے گا
لیکن وہ بہت شائستگی کے ساتھ میری تعریفیں کرتا ہوا ایک طرف
بیٹھ گیا۔ اس کی شکل صورت اچھی تھی۔ وہ باحیثیت بھی نظر آتا تھا
اور پھر میں بھی اپنے شوہر سے خلع لینے کے بعد تنہائی کا عذاب سہ
رہی تھی۔ اس لیے میں اس کی لچھے دار باتوں میں آکر بہک گئی۔
اس نے مجھے اپنا نام اکبر علی بتایا تو مجھے شبہ بھی نہیں ہو سکا کہ وہ میرا
چیف ہوگا۔ اگلے دن، میں اس کی ہدایت کے مطابق اپنے فلیٹ
سے پہلے، حسن اسکوائر پر بس سے اتر گئی اور وہ مجھے گاڑی میں اپنے
شاہانہ فلیٹ پر لے گیا۔ وہ شراب کا رسیا ہے لیکن کبھی بھی آپے
سے باہر نہیں ہوتا۔ اس دوران میں، میں نے کئی راتیں اس کے
فلیٹ پر بھی گزاریں۔ وہ منہ اندھیرے مجھے گلشن اقبال چھوڑ آتا
تھا۔ اس دوران میں مجھے پرانے اخبارات کا ایک بنڈل مل گیا۔
اکبر علی سویا ہوا تھا۔ میں نے باتھ روم میں چھپ کر اخبارات
کھولے تو میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ میں جس
آدمی کے ساتھ رہ رہی تھی وہ ہیروئن کی اسمگلنگ کا ایک سزا یافتہ
مجرم تھا۔ اخباروں میں اس کی تصویروں کے نیچے سیٹھ حبیب جیوانی
کا نام لکھا ہوا تھا۔ اسے جرمنی میں قید کی سزا ہوئی تھی اور وہ قید
ختم ہونے سے پہلے ہی مر گیا تھا۔ وہ تفصیلات پڑھ کر میرے رونگٹے
کھڑے ہوگئے۔ کسی بدروح کے ساتھ راتیں بسر کرنے کے احساس
سے میں دہشت زدہ ہوگئی اور میں نے اخبارات لپیٹ کر اسی طرح
واپس رکھ دیے۔ اب میں اس شخص سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی
ہوں لیکن وہ جونک بن کر میرے وجود سے چمٹا ہوا ہے۔ اس کا
مطالبہ ہے کہ میں اپنی موجودہ رہائش ترک کر کے مستقل اس کے
ساتھ رہنا شروع کردوں لیکن یہ میرے بس سے باہر ہے۔ اس سے
پیچھا چھڑانے کی بس ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ میں نوکری
چھوڑ کر ملتان واپس چلی جاؤں۔"

وہ خاموش ہو کر، اپنی آنکھوں میں اتری ہوئی نمی کو خشک کرنے
میں مصروف ہوگئی۔

میں سمجھ چکا تھا کہ وہ سیٹھ حبیب جیوانی کے ہی چنگل میں
پھنسی ہوئی تھی، اپنی ویران اور بے رنگ راتوں میں شباب کی رونق
سجانے کے لیے اس مردود نے اپنے ہی دفتر کی ایک حسین و جمیل
لڑکی پر ڈورے ڈالے ہوئے تھے۔ پھر بھی میں نے انجان بن کر پوچھا
"تم نے یہ نہیں بتایا کہ اس قصے میں چیف کہاں سے آگیا۔"

"وہ اکبر علی کے نام ہی سے رہتا ہے۔ اخبارات دیکھنے کے بعد
میں بہت زیادہ متجسس ہوگئی اور موقع پا کر اس کی چیزوں کی تلاشی

لینے لگی۔ اسی دوران میں مجھے ایک خفیہ خانے سے کچھ خطوط اور وزیٹنگ کارڈ ملے۔ ان سب پر اکبر علی شیرازی کا نام تھا۔ اس انکشاف نے مجھے بالکل ہی بے جان کردیا۔ اب میں چیف سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے آپ سے مدد کی بھیک لینے آئی ہوں۔" وہ سسکیوں کے ساتھ چپکے چپکے رونے لگی۔

"اسے معلوم ہے کہ تم اس کے کاغذات وغیرہ دیکھ چکی ہو؟" میں نے اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس نے اپنے سر کو زور زور سے نفی میں جنبش دی اور روتے ہوئے بولی "مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ کوئی بہت بڑا مجرم ہے۔ جو ٹریڈ لائن کی آڑ میں کوئی اور ہی چکر چلا رہا ہے۔ میں اسے خوش رکھنے کی کوششوں کے باوجود اپنے خوف پر قابو نہیں پاسکی۔ جب بھی مجھے یہ یاد آتا کہ سیٹھ حبیب جیوانی مرچکا ہے تو میرا بدن ٹھنڈا پڑجاتا۔ اس تبدیلی کو اس نے بھی محسوس کرلیا۔ پھر اسے پتا چل گیا کہ میں نے اخبارات سے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ شاید میں نے خوف اور گھبراہٹ میں اخبارات کا بنڈل غلط جگہ پر رکھ دیا تھا۔ میرے سامنے اعتراف کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا لیکن میں نے اسے خطوط اور اس کے وزیٹنگ کارڈز کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔"

"اخبارات کے بارے میں اس کے پاس کیا جواب تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"اس نے میری دہشت کا دل کھول کر مذاق اُڑایا اور کہا کہ وہ حبیب جیوانی ہی ہے۔ اسے غلط فہمی میں سزا ہوئی لیکن وہ جرمنی کی جیل سے بھاگ آیا۔ جیل کے حکام نے اپنی نااہلی پر پردہ ڈالنے کے لیے یا کسی اور وجہ سے، کسی لاوارث لاش کو حبیب جیوانی کا نام دے دیا اور وہ اکبر علی کے نام سے پاکستان میں عیش کررہا ہے۔"

"اُس کی یہ وضاحت قابلِ قبول معلوم ہوتی ہے۔ مغربی ممالک میں پاکستانیوں کے جرائم کو عموماً بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی ایسے ہی حالات کا شکار ہوا ہو۔"

"اس سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔ میرے دل سے یہ دہشت بھی نکل چکی ہے کہ میں ایک مُردہ شخص کے بھوت کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی ہوں لیکن پھر بھی میرے دل میں اس کی طرف سے خوف، نفرت اور کراہت جاگزیں ہوچکی ہے۔ میں نے آج تک ٹریڈ لائن کے چیف کی جھلک تک نہیں دیکھی لیکن وہ نہ جانے کب سے مجھ پر نگاہ رکھے بیٹھا تھا۔ اچھی تنخواہوں اور سہولتوں نے سب کی زبانیں بند کی ہوئی ہیں لیکن دفتر میں ہر شخص جانتا ہے کہ ٹریڈ لائن کی آمدنی کے ذرائع خفیہ اور غیرقانونی ہیں۔ میں اب یہاں رکی رہی تو نفسیاتی مریضہ بن کر پاگل خانے پہنچ جاؤں گی۔"

"وہ تمہیں اس قدر پسند کرتا ہے تو تم اس سے شادی کیوں نہیں کرلیتیں؟ ایک مضبوط رشتے میں بندھ جانے کے بعد بہت سے رازوں سے خود بخود پردہ اٹھ جاتا ہے۔"

"ابتدا میں میری سوچ یہی تھی کہ دوستی آگے چل کر شاید ہمیشہ کا سہارا بن جائے لیکن وہ آزاد بھونرے کی طرح زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بارے میں انکشافات ہونے کے بعد میں خود بھی ایک مجرم کی بیوی بننے کا تصور نہیں کرسکتی۔ میں ایک غریب گھرانے کی پڑھی لکھی لڑکی ہوں۔ تعلیم نے مجھے عزت کا صحیح مفہوم سمجھنے میں بہت مدد دی ہے۔"

"اکبر علی یا حبیب جیوانی کے ہوس ناک عزائم کے سامنے سر جھکا کر تم نے کون سا باعزت کام کیا ہے؟"

"وہ میری بہت بڑی بھول تھی۔ اپنے اندر ابلتے ہوئے، منہ زور حیوانی جذبات کو لگام دینا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ راتوں کی سیاہی میں، کھیتوں اور کھلیانوں سے لے کر بڑے گھرانوں تک میں نہ جانے کتنے گناہ کیے جاتے ہیں۔ رازداری برقرار رہے تو کسی بھی شریف کے دامن پر ان گناہوں کا ہلکا سا داغ بھی نظر نہیں آتا۔ بات کھل جاتی ہے تو اپنی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے، سب ہی انگشت نمائی شروع کردیتے ہیں۔ میں کوئی کنواری لڑکی نہیں تھی۔ گندم کے خمار سے آشنا ہونے کے بعد سے بزرگ اور ولی بھی اسی پر چلتے چلے آرہے ہیں۔ میں کوئی جواز نہیں دے رہی، سزا میں نے بہت برا کیا۔ وہ میرا گناہ تھا لیکن وہ ایک انسانی لغزش تھی اور اب میں اس سے تائب ہونا چاہتی ہوں۔ چھوٹی اور پسماندہ بستیوں والوں کو بڑے شہروں کی چکا چوند راس نہیں آتی۔ ملتان میں اپنی بوڑھی ماں اور شیرخوار بچے کے ساتھ میں زیادہ خوش رہوں گی۔" میرے چبھتے ہوئے سوال پر وہ یک بیک جذباتی ہوگئی۔

"تمہاری آنکھیں متورم ہیں۔ پچھلی رات تم کہاں تھیں؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر سرسری لہجے میں سوال کیا۔

"چیف کے فلیٹ پر ہی تھی۔" اس نے سر اٹھائے بغیر، بُجھے ہوئے لہجے میں کہا "پچھلی رات چند فون کالز کی وجہ سے وہ پریشان تھا۔ کسی نے اس کے نمبر پر اس کے اصل نام سے فون کیا تھا۔"

"تو کیا اس کے جاننے والوں میں سے کوئی اصلیت سے باخبر نہیں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کم از کم وہ تو یہی کہہ رہا تھا۔ دو مرتبہ میں نے ایک ہی آواز سنی، تیسری مرتبہ کسی نئے آدمی نے اسے چڑانے کی کوشش کی تھی۔ ان واقعات کے بعد اس کا موڈ بہت خراب ہوگیا تھا اور وہ کسی معمولی غنڈے کی طرح اپنے نامعلوم حریفوں کو گندی گالیاں دے کر سب کچھ تباہ کردینے کے دعوے کررہا تھا۔ اس سے بات کرنے والے نے شاید میرے بارے میں بھی زہر اُگلا تھا۔ کیونکہ بعد میں اس نے مجھ سے اس بارے میں کافی تلخ کلامی کی تھی۔ وہ جاننا چاہ رہا تھا کہ کراچی منتقل ہونے کے بعد میں نے اس کے علاوہ اور کس سے دوستی کی تھی۔ مجھے قسمت کی اس ستم ظریفی پر شدت سے رونا آیا کہ جو ظالم اور مجرم تھا، وہ ساہوکار بنا ہوا تھا

اور میں اپنی بے گناہی کے باوجود اس کے سامنے مجرم بن گئی تھی۔"

اس کے جواب نے میرے ذہن سے الجھن دور کردی۔ یہ بڑا غنیمت ہوا کہ بیلا مجھ سے دوبدو بات کرتے ہوئے میری اصل آواز اور فون پر سنی ہوئی آواز میں کوئی مماثلت محسوس نہیں کرسکی تھی۔ اسے میری آواز پر ذرا سا بھی شبہ ہوجاتا تو وہ پل بھر میں مجھے بھی حبیب جیوانی والی صف میں کھڑا کردیتی۔

"چھوٹے موٹے دفتروں میں مالکان اپنی دلبستگی کے لیے اپنی من پسند لڑکیوں کو ملازم رکھ لیتے ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی "لیکن بڑے اداروں میں سربراہ کو عملے کا سرپرست بلکہ باپ تصور کیا جاتا ہے۔ میں نے یہی سوچ کر ٹریڈ لائن میں ملازمت کی تھی مگر یہاں تو کھلا اندھیر ہے۔ اپنے ماتحتوں کی عزت کا رکھوالا ہی شکاری بھیڑیا بنا ہوا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ جیسا شریف اور نفیس آدمی اس کے ساتھ کیسے چل رہا ہے!"

"میں یہاں اکبر علی شیرازی کے ساتھ کام کرتا ہوں۔" میں نے نئی سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "مجھے تو تم بتا رہی ہو کہ اس کی شخصیت کا کوئی دوسرا روپ بھی ہے۔ مجھ میں اور دوسرے ملازمین میں صرف اتنا فرق ہے کہ میں سب سے سینئر ہوں اور وہ میرے ماتحت ہیں۔ اپنی نجی زندگی میں اکبر صاحب کیا کرتے ہیں' اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں نے بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو خوب صورت عورت کو دیکھتے ہی اسے گھیرنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ تمہارا اپنا کردار مضبوط ہوتا تو تم پہلے ہی مرحلے پر انہیں دھکے دے کر اپنے فلیٹ سے بھگا سکتی تھیں۔"

"کم از کم مجھے یہ خوشی ہے کہ آپ نے میری کہانی پر یقین کرلیا۔ میں کسی اور کے سامنے زبان کھولتی تو وہ میری باتوں پر سرے سے اعتبار ہی نہ کرتا۔ آپ خود ہی بتائیں کہ ان حالات میں' میں اپنی نوکری کس طرح جاری رکھ سکتی ہوں؟ اگر آپ آج ہی میرا حساب ادا کرادیں تو میں عمر بھر آپ کی احسان مند رہوں گی۔"

"میں کچھ نہ کچھ کرتا ہوں۔ تم اپنی جگہ پر جاؤ اور اپنے کسی بھی ساتھی سے کسی بات کا ذکر نہ کرنا۔ کوئی حماقت کی تو اس کے سنگین نتائج کی تم خود ذمے دار ہوگی۔"

اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں اور اس نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا "آپ کن سنگین نتائج کا حوالہ دے رہے ہیں؟ اپنے درندہ صفت چیف کا کھلونا بننے کے بعد میرے لیے ایسا کون سا خطرہ باقی رہ گیا ہے' جس کی مجھے پروا ہو۔ یا وہ مجھے ہلاک بھی کرواسکتا ہے؟"

اپنے آخری سوال پر وہ خود بھی دہشت زدہ ہوگئی۔ وہ امکان ہی اس قدر لرزہ خیز تھا کہ میں اس پر کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا لیکن میرے دل میں وہی خوف جاگزیں ہوچکا تھا۔ حبیب جیوانی کو بھنک بھی مل جاتی کہ بیلا اس کی اصلیت سے واقف ہوچکی ہے تو وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس کی موت کا پروانہ جاری کرسکتا تھا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے نرمی اور آہستگی کے ساتھ کہا "ہر بات کا انحصار اس امر پر ہے کہ جو کچھ تم نے بتایا' اس میں صداقت کتنی ہے۔ میری معلومات محدود ہیں لیکن احتیاط اور عقل مندی کا تقاضا ہے کہ تم سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھو۔ کوئی بھی شخص اپنے رازوں کی حفاظت کے لیے آخری حدوں تک جاسکتا ہے۔"

"اِن مشوروں کا شکریہ!" وہ بھرائی ہوئی آواز کے ساتھ کرسی سے اٹھ گئی "آپ کی ذات سے مجھے امید ہے کہ کل مجھے اس منحوس دفتر میں نہیں آنا پڑے گا جہاں مجازی باپ اپنی بیٹیوں پر دانت لگائے بیٹھا رہتا ہے۔"

میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ بس خاموشی کے ساتھ اسے واپس جاتے دیکھتا رہا۔

نبیلہ کی کہانی نے مجھے شدید ذہنی جھٹکا پہنچایا تھا۔ اس کی بعض باتوں میں خاصا وزن تھا۔

پھر دوسری طرف حبیب جیوانی کا ناقابلِ فہم رویّہ تھا جس کا کوئی بھی جواز نہیں تھا۔

اپنی بیوی کی ہلاکت کے بعد وہ جبری تجرد کی زندگی گزار رہا تھا اور یہ بات تسلیم کی جاسکتی تھی کہ اپنی ضروریات کے لیے اسے کسی سہارے کی ضرورت تھی۔ وہ جوان' خوبرو اور صحت مند تھا۔ اس کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی' شہر کے ہوٹلوں اور دیگر تفریح گاہوں میں اسے بیلا سے ہزار درجے بہتر اور خوب صورت لڑکیوں کی رفاقت مل سکتی تھی پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ اس کی نگاہِ انتخاب بیلا پر ہی کیوں پڑی۔

ہاٹ لائن پر آنے والے پیغام نے میرے ان پریشان کن خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

حبیب جیوانی خفیہ راستے سے باہر جانے کے بعد دوبارہ اپنے دفتر میں آچکا تھا اور مجھے بلا رہا تھا۔

"بیلا تمہارے پاس کیوں آئی تھی؟" میرے بیٹھتے ہی اس نے سوال کرکے مجھے چونکا دیا۔ شاید اسے شیر شاہ کے ذریعے اس واقعہ کی خبر مل چکی تھی اور وہ اسی پر مجھ سے بات کرنے کے موڈ میں تھا۔

"وہ تم سے خوف زدہ بلکہ دہشت زدہ ہے اور نوکری چھوڑنا چاہتی ہے۔" میں نے کسی گھماؤ پھراؤ کے بغیر براہِ راست اسے اصل بات سے آگاہ کردیا۔

"کیوں؟" اس کی تحیّر زدہ آواز ابھری "وہ مجھے کیسے جانتی ہے؟"

"وہ حبیب جیوانی عرف اکبر علی نامی ایک شخص سے خوف زدہ ہے۔ وہ شخص زبردستی اس کا عاشق بن بیٹھا ہے۔ بیلا کو یہ معلوم نہیں کہ وہی آدمی ٹریڈ لائن کا چیف بھی ہے۔ اس کی کہانی سننے کے

بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ کھیل تمہارا ہی ہو سکتا ہے۔ میں آج اسے نوکری سے فارغ کرا دوں گا۔"

"میرا خیال تھا کہ وہ راہِ راست پر آ چکی ہے لیکن اس کے دماغ میں ابھی تک زہر بھرا ہوا ہے۔" اندھیرے میں اس کی غصیلی بڑبڑاہٹ ابھری پھر اس نے مجھ سے سوال کیا "اس کا مطلب ہے کہ اس نے تمہیں پوری کہانی سنائی ہو گی۔ پتا نہیں وہ کیا چاہتی ہے؟"

"کچھ بھی نہیں ..... وہ بڑے شہر کی بڑی باتوں سے خوف زدہ ہو گئی ہے اور اپنے پرانے ماحول میں واپس لوٹ جانا چاہتی ہے۔ میں آج بھی دفتر نہ آیا ہوتا تو وہ کسی اور کو اپنا رازدار بنا لیتی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے صبر و ضبط کا پیمانہ بالکل لبریز ہو چکا ہے....."

اس نے میری بات کاٹ دی اور تیز لہجے میں غرایا "وہ بالکل اُلّو کی پٹھی ہے۔ میں اس کی زندگی سنوارنی چاہ رہا تھا لیکن وہ خود کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے تو پھر ایسا ہی سہی، تم اس کو فارغ کرا دو۔"

اندھیرے کی وجہ سے میں اسے دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن اس کی گفتگو سے بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے تیور خراب تھے۔ ایسے ماحول میں اس سے مزید کوئی بات کرنی بے سود تھی۔ اس لیے میں نے خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی ورنہ میں اس سے اتنا ضرور پوچھنا چاہ رہا تھا کہ کیا اس کے لیے کراچی جیسا وسیع و عریض شہرِ خرابات بالکل ہی بنجر ہو گیا تھا جو اس نے اپنی آتشِ ہوس سرد کرنے کے لیے اپنے ہی گھر پر بری نگاہ ڈالنے کا فیصلہ کیا تھا؟

"وہ اچھی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ تمہارے گھر پر، پرانے اخبارات کا بنڈل اس کے ہاتھ نہ لگا ہوتا تو اس کے ساتھ تمہاری دوستی برسوں چل سکتی تھی۔" تنقید کرنے کے بجائے میں نے دوسرے انداز سے اسے چھیڑا۔

"معلوم ہونے اور واقعی ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔" اس کی تلخ آواز ابھری "وہ نیک ہوتی تو میری لاعلمی میں درازوں اور الماریوں کی تلاشی نہ لیتی پھرتی۔ یہ تو بہت اچھا ہوا کہ وہ زیادہ وقت گزرنے سے پہلے ہی، میرے سامنے بے نقاب ہو گئی ورنہ وہ کسی دن یہ سراغ بھی لگا سکتی تھی کہ میں ہی ٹریڈ لائن کا چیف بھی ہوں۔ دراصل نالی میں پلنے والے کیڑے غلاظت ہی میں خوش رہتے ہیں۔ انہیں خوشبودار پھولوں کی کیاریوں میں پالنے کی کوشش کی جائے تو بہت جلد گھُٹ کر مر جاتے ہیں۔"

"اجازت ہو تو میں تمہارے انٹرکام سے ہی سعید کو ہدایت دے دوں۔"

"یہ کام تم اپنے کمرے سے کرو تو بہتر ہو گا۔" اس نے خشک لہجے میں کہا "نبیلہ کو یہ ضرور بتا دینا کہ اس نے دوسروں میں زہر پھیلانے کی کوشش کی تو میں اس کا حشر خراب کر دوں گا۔"

"میں اسے ایسی ہدایت دے ہی نہیں سکتا۔" میں نے معصومانہ حیرت سے کہا "اس نے مجھے اپنے کسی شناسا کا قصہ سنایا ہے۔ اسے خود بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ حبیب جیوانی ہی ٹریڈ لائن کا چیف ہے۔ پھر میں ایک اجنبی کے بارے میں اسے کیا کہہ سکتا ہوں؟"

میری تاویل پر وہ قدرے چڑ کر بولا "ایک عمومی ہدایت تو دے ہی سکتے ہو کہ وہ اپنی کہانی اپنے ساتھ ہی لے جائے ورنہ اس کے قصے ہمارے دفتر میں گردش کرتے رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے!" میں سر جھکا کر اس کے دفتر سے باہر نکلتا چلا گیا۔ میرے باہر جاتے ہی اس کے دروازے پر سرخ بلب روشن ہو گیا جس کا مطلب تھا کہ وہ تخلیہ چاہتا تھا۔

حبیب جیوانی اپنے دفتر میں بیٹھ کر بھی ساری باتوں سے باخبر رہتا تھا اس لیے میں نے ایک بار پھر بیلا کو اپنے دفتر میں طلب کیا۔ خوف اور پریشانی سے اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ وہ میرے سامنے زبان تو کھول بیٹھی تھی مگر اسے یقین نہیں تھا کہ اس جسارت کے نتیجے میں اس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کیا جائے گا۔

اس کے اندر آتے ہی میں نے انٹرکام پر سعید کو ہدایت کی کہ وہ فوراً بیلا کا حساب تیار کرا دے تاکہ میرے دفتر سے واپسی پر اسے فوراً ملازمت سے فارغ کیا جا سکے۔

میری ہدایت سن کر بیلا کے چہرے پر ممنونیت کے جذبات اُمڈ آئے اور وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر، دبی دبی آواز میں بے ساختہ رونے لگی۔

"جو تم چاہتی تھیں اس کا بندوبست ہو گیا ہے لیکن دفتر کے کسی آدمی سے اپنے مسئلے پر بات نہ کرنا۔ حساب وصول کرو اور خاموشی کے ساتھ چلی جاؤ۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ تمہیں کراچی میں ٹھہرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہاں سے جلد از جلد ملتان روانہ ہو جاؤ۔ تمہارے حق میں یہی بہتر رہے گا۔"

"میں چلی جاؤں گی لیکن مجھے اس طرح خوف زدہ نہ کریں۔" وہ رونے کے دوران میں بولی "میں نوکری چھوڑ کر شاید بالکل ہی اکیلی رہ جاؤں گی۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔"

اسے کچھ دیر تک سمجھانے بجھانے کے بعد میں نے واپس لوٹا دیا۔

نبیلہ ایک لڑکی تھی۔ اس نے دفتر آتے ہی مجھے اپنے مسئلے میں الجھا لیا تھا لیکن اس کا معاملہ طے ہوتے ہی میرا ذہن غزالہ کی طرف چلا گیا۔ اس کے حالات بہت مختلف اور باوقار تھے۔ لیکن وہ بھی ایک لڑکی ہی تھی اور پردیس میں غیر یقینی صورتِ حال سے دوچار تھی۔ میں صرف امید ہی کر سکتا تھا کہ سلطان شاہ نے وہاں پہنچ کر صورتِ حال کو سنبھال لیا ہو۔

میرے اپنے حساب سے ڈان کے پیغام کا صرف ایک بہانہ تھا ورنہ قدرت نے مجھے بیلا کی مدد کرنے کے لیے کراچی میں روکا تھا۔

اس روز میں ٹریڈ لائن کے دفتر آنے کے بجائے ہانگ کانگ روانہ ہوگیا ہوتا تو بیلا اپنی مدد کے لیے کسی سے بھی رجوع نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دفتر میں جس کسی کو یہ بتاتی کہ اس کا چیف ایک مجرم ہے اور روپ بدل کر، نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اسے اپنا کھلونا بنائے رکھنے پر تلا ہوا ہے تو وہ اس کی الزام تراشی پر ہرگز اعتبار نہ کرتا۔ قوی امکان یہ تھا کہ شیر شاہ وغیرہ کے ذریعے وہ خبر حبیب جیوانی تک پہنچ جاتی اور بیلا کو اسی عمارت کے کسی گمنام گوشے میں نہایت بے رحمی کے ساتھ ذبح کر دیا جاتا۔

حبیب جیوانی مافیا کا بیورو چیف تھا اور اس پر الزام تراشی کی سزا معمولی نہیں ہو سکتی تھی۔

میرا خیال تھا کہ میں نے ایک نیک کام انجام دیا ہے تو اس کے صلے میں قدرت کو غزالہ پر مہربان ہو جانا چاہیے۔

دو بج گئے لیکن حبیب جیوانی نے مجھے اپنے کمرے میں طلب نہیں کیا تو مجھے تشویش ہونے لگی۔ لمحہ بھر کے لیے میرے دل میں خیال آیا کہ کہیں اس نے بیلا کو اپنے کمرے میں نہ طلب کر لیا ہو۔ بیلا وہاں جاتی تو اپنے چیف کی آواز سنتے ہی، ہر احتیاط کو فراموش کر کے جذباتی ہو جاتی اور ہذیان کے عالم میں ایسی باتیں بھی اگل سکتی تھی جو اس نے حبیب جیوانی سے چھپائی ہوئی تھیں۔

ایسی باتیں سننے کے بعد وہ بیلا کا تو جو حشر کرتا، سو کرتا لیکن میری طرف سے بھی اس کے دل میں بدگمانیاں پیدا ہو سکتی تھیں کہ میں نے اس کے مقابلے میں دفتر کی ایک معمولی ملازمہ کو ترجیح دیتے ہوئے اس کو تحفظ دینے کی کوشش کی۔ جب مزید دس منٹ گزر گئے تو مجھے شبہ ہونے لگا کہ وہ مجھ سے ناراض نہ ہو گیا ہو۔

اندر کی صورتِ حال کا سراغ لگانے کے لیے میں نے شیر شاہ کو طلب کیا تو پتا چلا کہ وہ فوری نوعیت کے کسی اہم کام سے باہر جا چکا تھا۔ وہ کہاں اور کتنی دیر کے لیے گیا تھا؟ اس بارے میں سب لاعلم تھے۔

میرے ذہنی تناؤ میں بہت تیزی کے ساتھ اضافہ ہونے لگا جس کے نتیجے میں میری ایش ٹرے میں ادھ جلی سگریٹوں کی تعداد میں بھی تیزی سے بڑھنے لگی۔

میں نے اضطراری طور پر سعید سے دریافت کیا تو پتا چلا کہ میری ہدایت ملنے کے دس منٹ بعد ہی بیلا کو اس کے واجبات ادا کر کے دفتر سے روانہ کر دیا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ حبیب جیوانی نے بیلا کے معاملے میں ذاتی طور پر دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس وضاحت سے میرا ذہنی دباؤ خاصا کم ہو گیا لیکن پریشانی کم نہ ہو سکی۔

ڈھائی بجنے سے چند ثانئے قبل ہاٹ لائن کا بزر بولا تو میرا دل خوش ہو گیا۔

اچھے لوگوں کی ناراضی سے تشویش کا لاحق ہونا ایک قدرتی امر ہوتا ہے لیکن اس روز مجھے اندازہ ہوا کہ بعض حالات میں ناپسندیدہ لوگوں کی برہمی یا بے نیازی بھی ذہنی سکون کو بہا کر لے رکھ دیتی ہے۔

"ڈان تھری آج رات کراچی پہنچ رہا ہے۔" حبیب جیوانی ہاٹ لائن پر کہہ رہا تھا "تمہیں رات کو آٹھ بجے ڈیفنس کے فیز فائیو میں مکان نمبر تمیں پر پہنچنا ہے۔"

"تو کیا وہاں ڈان سے بھی ملاقات ہونے کا امکان ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بعض اوقات تم بالکل خالی الذہن ہو جاتے ہو!" اس کا لہجہ خشک ہو گیا "رات کے آٹھ بجے میں تمہیں راگ رنگ کی کسی محفل میں تو نہیں بلا رہا۔ تم نے ڈان کے سامنے اسی ذہنی حالت کا مظاہرہ کیا تو وہ خاصی درشتی سے پیش آئے گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں پوری احتیاط سے کام لوں گا اور تیاری کے ساتھ وہاں آؤں گا۔"

"اب دفتر میں موجود رہنے کی ضرورت نہیں۔ تم چاہو تو واپس جا سکتے ہو۔" اس نے مجھے خوش خبری سنائی اور اس کے بعد ہاٹ لائن یک بیک بے جان ہو گئی۔

میں نے اُس کی خشک گفتگو سے اُس کے بگڑے ہوئے موڈ کا اندازہ لگا لیا تھا۔ بیلا والا معاملہ اس قدر پیچیدہ اور اعصاب شکن تھا کہ حبیب جیوانی کا پریشان ہونا حق بجانب تھا۔ اس نے اپنی دانست میں ہاتھ پاؤں بچا کر بیلا کے ساتھ رنگ رلیوں کا بازار رچایا تھا لیکن نہایت قلیل سی مدت میں وہ معاملہ میرے علم میں آ گیا تھا۔ حبیب جیوانی کے لیے وہ بات ایسی ہی تھی جیسے آسمان کی طرف پھینکا ہوا وزنی جوتا پھینکنے والے کے منہ پر واپس آ پڑے۔ ایسی صورتِ حال میں وہ جھلاہٹ اور چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

میں فوری طور پر دفتر چھوڑ کر اپنے فلیٹ کے لیے روانہ ہو گیا۔ میرے حساب سے سلطان شاہ کو ہانگ کانگ پہنچے ہوئے کئی گھنٹے ہو چکے تھے۔ اگر حالات سازگار تھے تو اسے اس وقت تک غزالہ سے ملاقات کرنے میں کامیابی ہو جانی چاہیے تھی۔ اسے غزالہ کے بارے میں میری پریشانی کا پورا پورا ادراک تھا اور مجھے قوی امید تھی کہ وہ کامیابی حاصل کرنے کے بعد مجھے فون کرنے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہیں لگائے گا۔

گھر پہنچنے کے بعد میرے پاس انتظار کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا اس لیے میں نہانے دھونے بعد شہناز گل کے کشتۂ ستم، مصطفیٰ زیدی کا رومان انگیز مجموعۂ کلام سنبھال کر بستر پر دراز ہو گیا۔

ایک طرف وہ لطیف اور دل میں اتر جانے والی شاعری تھی جس کے ایک ایک لفظ سے عشق و محبت کا ماورائی قرینہ جھلکتا ہے تو دوسری طرف حبیب جیوانی کی نفسانی چیرہ دستیوں کی کہانی میرے ذہن میں تازہ تھی۔ وہ ایک ہی جذبے کی دو انتہائیں تھیں جن سے

ظاہر ہوتا تھا کہ فرشتوں کو شرما دینے والا انسان' انسانیت کا لبادہ
اتار پھینکے تو وہ شیطان کو بھی مات کر سکتا ہے۔
میرے خیالات اِدھر اُدھر بھٹکتے رہے لیکن ایک بات میرے ذہن میں تسلسل کے ساتھ چبھ رہی تھی کہ شیر شاہ دفتر سے اچانک کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں دفتر کے سب لوگ لاعلم تھے جس کا مقصد تھا کہ وہ حبیب جیوانی کی براہِ راست اور ہنگامی ہدایات پر کہیں روانہ ہوا تھا۔

ایک امکان یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ڈان تھری کی متوقع آمد کے پیشِ نظر' حبیب جیوانی نے شیر شاہ کو مہمان خانے کی صفائی' آرائش اور دیکھ بھال کے لیے روانہ کیا ہو لیکن میرا ذہن اس امکان کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ آخر کار پونے پانچ بجے کے قریب میں نے دفتر فون کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرا خیال تھا کہ شیر شاہ جہاں بھی گیا ہو گا اس وقت تک اپنی ذمّے داریوں سے فارغ ہو کر واپس دفتر لوٹ چکا ہو گا۔

فون ملنے پر میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ چیف دفتر میں موجود نہیں تھا لیکن شیر شاہ واپس آ چکا تھا۔

"خیریت تو ہے؟ آج تم دفتر سے اچانک ہی کہاں غائب ہو گئے تھے؟" میں نے اس کی آواز سن کر پوچھا۔

"آج چیف کا موڈ بہت خراب تھا۔ اسی کے ایک کام سے گیا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے واپس آیا ہوں۔"

"کیا کوئی بہت خفیہ کام تھا؟" میں نے کسی تجسّس کا اظہار کیے بغیر' سرسری انداز میں پوچھا۔

"نہیں" اس کی آواز سے اداسی مترشح تھی "بیلا کو پہنچانے کے لیے گیا تھا۔"

"بیلا کو پہنچانے؟" میں نے حیرت سے پوچھا "یقین نہیں آتا کہ ہمارے دفتر سے کسی کو اتنی عزت کے ساتھ رخصت کیا گیا ہو۔"

"اس نے اپنی کسی حرکت سے چیف کو غصہ دلا دیا تھا۔ اس نے خود اپنے حق میں کانٹے بوئے ہوں گے۔ ورنہ چیف اپنے عملے کے بارے میں ایسا سنگدلانہ رویّہ اختیار کرنے کا عادی نہیں ہے۔"

سنگدلانہ رویّے کے ذکر نے مجھے چونکا دیا۔ وہ یقیناً کچھ اور ہی بات تھی جو میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"تم گول مول باتیں کیوں کر رہے ہو؟ خود ہی بات چھیڑی ہے تو کھل کر بتاؤ کہ کیا معاملہ ہے؟"

"تو کیا تم واقعی بے خبر ہو باس؟" میرے استفسار پر اس کی تحیّر زدہ آواز سنائی دی "میں نے تو سنا ہے کہ وہ دو بار تمہارے دفتر میں آئی تھی اور تم ہی نے اسے نوکری سے نکالنے کا حکم دیا تھا۔"

"یہ درست ہے لیکن اس سے آگے مجھے کچھ معلوم نہیں۔ ویسے چیف اس سے واقعی برہم تھا۔"

"وہ بس سے اترنے کے بعد' سڑک پار کرتے ہوئے ایک تیز رفتار کار کی زد میں آ کر ماری گئی۔ اسے ٹکر مارنے والا کار سمیت جائے واردات سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔"

وہ خبر سن کر لمحہ بھر میں پوری بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔ لیکن اسی کے ساتھ میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا۔ وہ سفاکی اور درندگی کی نہایت شرمناک مثال تھی۔

حبیب جیوانی کو یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ بیلا اس کے ہر راز سے واقف ہو چکی تھی لیکن اس نے پھر بھی اس لڑکی کو چند گھنٹے بھی زندہ نہیں رہنے دیا۔ شیر شاہ سے بیلا کو کچلنے والی کار کے بارے میں کچھ پوچھنا بے سود تھا۔ اپنے چیف کی ہدایت پر اس نے بیلا کی بس کا تعاقب کیا اور جب وہ سڑک عبور کرنے لگی تو شیر شاہ نے یک بیک اپنی کار کی رفتار بڑھا کر اسے روندا اور تیزی کے ساتھ فرار ہو گیا۔ یہ بیلا کی بدقسمتی تھی کہ اس دن وہ دفتر سے قبل از وقت ہی چلی گئی تھی۔ وہ ایسا وقت تھا کہ سڑکیں عموماً ویران ہوتی ہیں۔ شام میں ٹریفک کے ازدحام کا وقت ہوتا تو شاید شیر شاہ کو اسے چھونا بھی نصیب نہ ہوتا اور وہ خیریت کے ساتھ اپنے گھر پہنچ جاتی۔

"اللہ اس کی مغفرت کرے۔ وہ اچھی لڑکی تھی۔" میں نے ابتدائی جھٹکے سے سنبھلنے کے بعد اپنے جذبات کو چھپاتے ہوئے کہا پھر غیر ضروری طور پر اسے ہدایت کی "اب اسے بھول جاؤ۔ چیف اپنے معاملات کو ہم سب سے بہتر سمجھتا ہے۔ اب کسی اور سے اس افسوسناک حادثے کا ذکر نہ کرنا۔"

"بہت بہتر۔ لیکن تم نے اس وقت مجھے کیوں یاد کیا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"اسکاچ وہسکی کی دو بوتلوں کی ضرورت تھی۔" میں نے بات بناتے ہوئے کہا "لیکن بیلا کے حادثے کی خبر سن کر موڈ غارت ہو گیا۔ اب اسے بھی بھول جاؤ۔ موڈ ہوا تو کل دیکھا جائے گا۔"

شیر شاہ' بیلا جیسی معصوم اور مظلوم لڑکی کا قاتل تھا۔ وہ اس وقت میرے سامنے ہوتا تو میرا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ کر سمجھ لیتا کہ اس خبر سے مجھے کتنی اذیت پہنچی تھی لیکن غنیمت یہ تھا کہ وہ مجھ سے بہت دور تھا۔ میں نے اس سے مزید کوئی بات کیے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

بیلا کی ناگہانی موت کی خبر نے میرا دل بوجھل کر دیا تھا۔ میں نے کتاب ایک طرف پھینکی اور بستر پر اوندھا گر گیا۔

چھ بجے فون کی گھنٹی نے مجھے دوبارہ بستر چھوڑنے پر مجبور کیا تو میری آنکھیں نمناک تھیں اور دل بدستور بہت بھاری ہو رہا تھا۔ بیلا سے میری کوئی گہری شناسائی نہیں تھی لیکن وہ جس بے بسی کی موت ماری گئی تھی' اس نے میرے وجود کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ کیا غنڈوں' بدمعاشوں اور مجرموں کے سوا کسی کو اپنی پسند کے مطابق زندہ رہنے کا حق حاصل نہیں ہے؟

میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے آنے والی نسوانی آواز پہچان کر میری اداسی اور مایوسی یک بیک کافور ہو گئی کیونکہ وہ کوانگ فو کی سیکریٹری کی رسیلی آواز تھی۔

"میں ڈینی ہی بول رہا ہوں' کہو کیا خبر ہے؟" میں نے اس کے

براہِ راست سوال کے جواب میں کہا۔

"تم نے سلطان شاہ کو ہانگ کانگ بھیجا ہے؟" اس نے پوچھا اور میں چینی لب و لہجے میں سلطان شاہ کے نام کی درگت سن کر دل ہی دل میں ہنس پڑا۔

"ہاں' ہاں!" میں نے جلدی سے کہا "تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہاں ہے؟"

"اوہ! پھر تو واقعی غلطی ہوگئی۔" اس کی متاسفانہ آواز ابھری۔ "ڈان کے آدمی اسے پکڑ کر مکاؤ لے آئے ہیں۔ لو' تم اس سے بات کرلو۔ وہ ہمارے پاس ہی موجود ہے۔"

"میں اب تک غزالہ سے مل چکا ہوتا لیکن ان چپٹوں نے میری ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔ میں تھوڑی دیر پہلے بوٹ سے مکاؤ لایا گیا ہوں۔" سلطان شاہ کی غصیلی آواز سن کر میرا دل باغ باغ ہوگیا۔

"لیکن یہ ہوا کیسے؟" میں نے حیرت سے پوچھا "ان لوگوں کو تو تمہاری مدد کرنی چاہیے تھی۔"

"انہوں نے اپنی دانست میں غزالہ کی مدد ہی کی ہے۔" سلطان شاہ کی آواز زہریلی ہوگئی "مجھے یہاں آنے کے بعد پتا چلا ہے کہ یہ کوانگ فو کے آدمی ہیں ورنہ میں تو پریشان ہوگیا تھا کہ ہانگ کانگ میں میرے کون سے دشمن پیدا ہوگئے جو میرے پہنچتے ہی میری آزادی کے دشمن ہوگئے۔"

"ان سے تمہارا ٹکراؤ کہاں اور کیسے ہوگیا؟" میں اس صورتِ حال سے محظوظ ہورہا تھا۔ میرے لیے یہ امر اطمینان کا باعث تھا کہ سلطان شاہ وقت ضائع کیے بغیر' خیروعافیت کے ساتھ منزلِ مقصود پر پہنچ چکا تھا۔

"نئے آدمی کے لیے ہانگ کانگ اور لولون کا چکر بہت الجھا دینے والا ہے۔ اس سے واقف ہونے کے بعد میں کولون پولیس اسٹیشن میں اپنا نام ریکارڈ کرانے میں کامیاب ہوگیا۔ ان لوگوں نے غزالہ سے ملاقات کرانے کے لیے مجھے کل صبح دس بجے کا وقت دے کر فارغ کردیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوانگ فو کے آدمی اس پولیس اسٹیشن کے اندر اور چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں اور دن رات کڑی نگرانی کررہے ہیں۔ میں پولیس اسٹیشن سے نکل کر ٹہلتا ہوا تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ ایک گلی میں اچانک دو کمسن چینی لڑکوں نے دونوں طرف سے مجھے گھیر کر' اپنی جیبوں میں چھپے ہوئے پستولوں کی نالیں میرے پہلوؤں سے لگادیں اور دھمکی دی کہ میں نے ذرا بھی مزاحمت کی تو وہ مجھے کتّے کی موت مار دیں گے۔ میرے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی ایک کار آئی اور انہوں نے مجھے پچھلی سیٹ پر بٹھا کر سفر شروع کردیا۔ بارونق بازاروں اور سڑکوں سے گزرنے کے بعد اس سفر کا اختتام ایک نیم ویران سمندری گھاٹ پر ہوا جہاں کئی بڑی کشتیاں لنگر انداز تھیں۔ ان لوگوں نے مجھے ایک کشتی کے انجن روم کی تنگ اور گرم جگہ میں بند کردیا۔ پستول سے مسلح ایک آدمی وہاں بھی میرے سر پر مسلط تھا جو راستے بھر پلک جھپکائے بغیر' کسی سانپ کی طرح مجھے گھورتا رہا۔ دو ڈھائی گھنٹے کے بحری سفر کے بعد مجھے یہاں اتارا گیا تو پتا چلا کہ میں مکاؤ میں ہوں اور مجھے لانے والے کوانگ فو کے آدمی ہیں۔ ایسا معلوم ہورہا تھا کہ جیسے یہ خبیث پہلے سے میری گھات میں لگے ہوئے تھے۔"

"پہلی بات تو یہ یاد رکھنا کہ چہروں سے کم سن نظر آنے والے چینی دراصل کم سن نہیں ہوتے۔" میں نے اس کی چیاں سن کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "مجھے خوشی ہے کہ یہ لوگ غزالہ کی اتنی حفاظت کررہے ہیں۔ تم نے پولیس اسٹیشن میں غزالہ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا اور تم اُن کی نظروں میں آگئے۔ انہیں اندازہ نہیں ہوسکا کہ تم غزالہ کے دوست ہو یا دشمن۔ اس لیے یہ تمہیں پکڑ کر مکاؤ لے آئے۔ اب فون ڈون کی سیکریٹری کو دے دو۔ غلط فہمی دور ہوجانے کے بعد یہ لوگ شاید راتوں رات تمہیں دوبارہ کولون پہنچا دیں گے۔"

"یہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔ تم اسے سمجھا دینا کہ میں اپنا زیادہ وقت ہانگ کانگ میں نہیں گزارنا چاہتا۔ غزالہ سے ملاقات ہوتے ہی میری واپسی کا بندوبست ہوجانا چاہیے۔"

"شاید تمہارا ساتھی غصے میں ہے۔" قدرے توقف کے بعد وہی نسوانی آواز آئی۔ اردو نہ جاننے کے باوجود' اس نے سلطان شاہ کے لب و لہجے اور چہرے کے تاثرات سے اس کے موڈ کا اندازہ لگالیا تھا۔

"غصے میں ہونا ہی چاہیے۔ تمہارے آدمیوں کو اسے مکاؤ لانے سے پہلے یہ تو دیکھ لینا چاہیے تھا کہ وہ دوست ہے یا دشمن کا کوئی کارندہ۔ اسے صبح دس بجے لڑکی سے ملنا ہے۔ اب تمہارے آدمیوں کو دوبارہ ہانگ کانگ کی طرف دوڑ لگانی پڑے گی۔ تھوڑی سی عقل خرچ کرکے اس بھاگ دوڑ سے بچا جاسکتا تھا۔"

"تم خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہارے جذباتی ساتھی نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور زندہ سلامت یہاں پہنچ گیا۔ اس نے ذرا سی بھی گڑبڑ کی ہوتی تو ڈون کے آدمی اسے مار کر کھاڑی کے پانیوں میں پھینک چکے ہوتے۔ ڈون کی سخت ہدایت ہے کہ جو بھی اس لڑکی کے حوالے سے سامنے آئے' اسے اٹھا کر مکاؤ پہنچا دیا جائے۔ آج کل اس نے ہانگ کانگ میں اپنی تمام سرگرمیاں بند کی ہوئی ہیں۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ وہ اپنی توہین پر کتنا برہم ہے۔"

"پھر اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" میں نے ڈون کی برہمی پر کوئی تبصرہ کیے بغیر پوچھا۔

"تم سے بات ہوجانے کے بعد سلطان شاہ کو کولون بھیج دیا جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ یہ اس لڑکی کو خود نکالنے کے بجائے ڈون کی پناہ میں جانے کا مشورہ دے گا کیونکہ پولیس کی نظروں میں ڈون کی پوزیشن اسی طرح صاف ہوسکتی ہے۔ اس طرح ڈون کا غصہ بھی ٹھنڈا ہوجائے گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ایسا ہی ہوگا۔ لڑکی کو پولیس کی تحویل سے نکال کر' کراچی پہنچانے کا کام ڈون کے علاوہ اور کسی کے بس

سلطان شاہ تو اس لڑکی کی رہائی کے بعد اگلی پرواز سے
... آئے گا۔"

"فیصلہ ڈون ہی کرے گا۔" اُس کا لہجہ فیصلہ کن تھا "فی
... تو ہم لوگ صرف اتنا چاہتے ہیں کہ لڑکی اپنی آزادانہ مرضی
... کے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کرے تاکہ ڈون کو ہوٹل
... نظربندی سے نجات ملے۔ پچھلے دس برسوں میں ڈون پہلی بار
... کے کسی چکر میں ملوث ہوا ہے۔"

"اب یہ معاملہ ڈون کے ماہر ہاتھوں میں ہے اس لیے مجھے
... فکر نہیں ہے۔" میں نے سکون کے ساتھ کہا "اب تم سے صبح
... ہوگی۔ ہو سکے تو کام بننے کے بعد تم خود ہی مجھے باخبر کر دینا۔"

"ڈون کی منہ بولی بیٹی کہاں ہے اور کب تک واپس آ رہی
ہے؟"

"پتا نہیں" میں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی پھر سوال کیا "تم بار بار
... کے بارے میں کیوں پوچھتی ہو؟"

"وقت آنے پر تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ فی الحال ڈون
... واپسی کی دُعا کرو۔" اس الوداعی فقرے کے ساتھ ہی دوسری
... سے فون بند کر دیا گیا۔

میرے لیے مکاؤ سے آنے والی وہ فون کال بہت اہم تھی۔
... ان شاہ کے لیے شاید وہ معاملہ سیدھا سادا رہا ہو لیکن میں اس
... خوفناک پیچیدگیوں سے بُری طرح خائف تھا۔

سب سے پہلی اور اہم ترین خبر یہ تھی کہ غزالہ کی دُہری
... لت کی جا رہی تھی۔ ایک طرف وہ پولیس کی کڑی نگرانی میں
... اور دوسری طرف ڈون کوانگ فو کے گھاگ آدمی اس سرکاری
... ت کے گرد پھیلے ہوئے تھے جس میں غزالہ کو محبوس رکھا گیا
... اتنے سخت انتظامات کی موجودگی میں ترپاٹھی کے نام سے
... کے ساتھ سفر کرنے والا بھارتی اہل کار یا اس کا کوئی ساتھی
... لہ کو کوئی نقصان پہنچانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

دوسری اہم بات کو سلطان شاہ شاید بالکل ہی فراموش کر بیٹھا
... شری مان سنگھ کے دوغلے پن کی وجہ سے مجھے ابتدا سے ہی یہ
... تھا کہ ہانگ کانگ پہنچنے والی لڑکی واقعی غزالہ تھی یا نئی دہلی
... نے شری مان سنگھ کے کہنے کے مطابق اس کی جگہ شکنتلا
... کو بھیج دیا تھا۔

جہاں تک دیرا اور کوانگ فو کے درمیان ہونے والے
... معاہدے کا تعلق تھا تو کوانگ فو کو اس بات سے کوئی غرض نہیں
... کہ وہ لڑکی غزالہ ہی تھی یا اس کی جگہ شکنتلا کو بھیج دیا گیا تھا۔
... ترپاٹھی کے نام سے ہانگ کانگ پہنچنے والی کسی بھی لڑکی کو
... پہنچانے کا پابند تھا۔

اگر وہ لڑکی شکنتلا تھی اور ڈون سے ملنے سے انکار کر رہی تھی
... اسے سلطان شاہ سے بھی ملنے سے انکار کر دینا چاہیے تھا
... وہ اس کے کیمپ کا آدمی نہیں تھا۔ پھر سلطان شاہ کا نام بھی
... کے لیے اجنبی ہونا چاہیے تھا۔ لیکن پولیس والوں نے سلطان
شاہ کو اگلی صبح کا وقت دے کر یہ عندیہ دے دیا تھا کہ ان کی قید میں پھنسی ہوئی لڑکی اس سے ملنے پر آمادہ تھی۔ جس کا واضح ترین مطلب یہی تھا کہ وہ غزالہ تھی۔ ڈون کوانگ فو کا نام اس کے لیے نیا تھا اس لیے غزالہ نے اس پر بھروسا کرنے سے انکار کر دیا لیکن جب پولیس والوں نے سلطان شاہ کا نام اس کے سامنے پیش کیا تو وہ فی الفور اس سے ملنے پر آمادہ ہو گئی۔

پچھلی رات اچھا ہی ہوا کہ میں نے ظفر کے ساتھ شری مان سنگھ کو یرغمال بنا کر غزالہ کی واپسی کے لیے کوشش کرنے کے معاملے پر بات نہیں کی۔ ظفر اس پورے معاملے کو ذاتی سطح سے بہت بلند ہو کر' قومی مفاد کے مطابق طے کرنا چاہ رہا تھا۔ اگر میں اس وقت زبان کھول ہی بیٹھتا تو بعد میں مجھے شرمندگی اور سبکی کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوتا۔

شری مان سنگھ ایک سازشی تھا۔ اس کا بہترین انجام یہی تھا کہ اسے مہیب بلندی سے سمندر کی جھاگ اڑاتی ہوئی خونی موجوں میں پھینک دیا جائے۔ اگر پچھلی رات ظفر کے منصوبے میں کوئی نمایاں تبدیلی رُونما نہیں ہوئی تھی تو شری مان سنگھ اس وقت تک زندگی کے جھمیلوں سے آزاد ہو چکا تھا۔

اس نے مرنے سے پہلے بھی مجھے غزالہ کے معاملے میں فریب دینے کی کوشش کی تھی لیکن اس روز میرے ستارے یاور تھے کہ مجھے مکاؤ سے اچھی خبریں ملنی شروع ہو گئی تھیں۔

میں نے اپنی اس خوشی کا جشن منانے کے لیے ایک گلاس تیار کیا اور گلاس کے ساتھ ہی تولیا لے کر غسل خانے میں گھس گیا۔

ڈان تھری سے ملاقات سے قبل دوبارہ غسل کر کے میں زیادہ تروتازہ ہو سکتا تھا۔

ڈان تھری سے ملاقات کے لیے تیاری کرتے ہوئے' میں نے ایک بار بیم گن بھی نکالی جو اہم مواقع پر میرا خصوصی ہتھیار ہوا کرتی تھی لیکن پھر میں نے اسے ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس میٹنگ میں مذاکرات سے ہٹ کر کسی قسم کی مار دھاڑ کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پھر اگر ان دونوں میں سے کسی کو شبہ بھی ہو جاتا کہ میں اس موقع پر مسلح ہو کر وہاں پہنچا تھا تو میں بیم گن استعمال کرتا یا نہ کرتا' ان دونوں کی نگاہوں میں سزا کا حق دار ٹھہر سکتا تھا۔

ٹھیک ساڑھے سات بجے میں مافیا والی گاڑی میں فلیٹ سے روانہ ہو گیا۔

کچھ عرصے قبل مجھے یہ خبریں مل چکی تھیں کہ میرے معاملے پر ٹی اور مافیا کے بڑوں کا ایک مشترکہ اجلاس ہونے والا ہے۔ جس میں میری وجہ سے رُونما ہونے والے باہمی اختلافات کو ختم کرنا مقصود تھا لیکن بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر اس مشترکہ اجلاس کے انعقاد کی نوبت نہیں آ سکی تھی۔ اس لیے میں نے ذہنی طور پر خود کو ایسی کسی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر لیا تھا۔

سیاست کی طرح منظم جرائم کی دنیا میں بھی مدتوں سے

دستور چلا آرہا ہے کہ حریف تنظیموں کے اراکین ہر سطح پر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنے رہتے ہیں۔ اوپر والوں کی جانب سے ایسی کشیدگی کو خوب ہوا دی جاتی ہے لیکن جب بڑے ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ان کے مزاج اور لب و لہجے میں اس کشیدگی کا دور دور تک شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ ایسی خطرناک صورتِ حال میں کسی ماتحت رکن کو اپنے کسی اقدام کی وضاحت کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس کی حالت قابلِ رحم ہو جاتی ہے۔ اسے اپنے سربراہ کی جانب سے ذرا سی بھی حمایت کا سہارا نہیں ملتا جب کہ فریقِ ثانی اپنے دل میں چھپی ہوئی ساری تلخیاں اسی پر انڈیل دیتا ہے۔

میں اسی اُدھیڑبُن میں ڈوبا ہوا' دس منٹ میں مطلوبہ مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ ایک ویران سی سڑک پر بہت وسیع و عریض مکان تھا جو غالباً چار ہزار گز کے دہرے پلاٹ پر بنا ہوا تھا۔ وہ علاقہ غیر آباد نہیں تھا لیکن وہاں رہنے والے لوگوں کے ساتھ ہی ان کے ملازمین بھی غالباً اپنی اپنی چار دیواریوں میں مگن رہنے کے عادی تھے۔ جس کی وجہ سے تنگ سی ذیلی سڑک بالکل ہی ویران نظر آرہی تھی۔

میرے مطلوبہ مکان میں جلنے والی روشنیوں سے اندازہ ہوا کہ اس پلاٹ کے رقبے کے لحاظ سے وہاں کا تعمیری رقبہ بہت کم تھا۔ پھاٹک سے کافی اندر واقع عمارت کے گرد' بقیہ زمین پر غالباً باغ یا لان وغیرہ پھیلا ہوا تھا جس کی وجہ سے دوسرے محل نما مکانات کے مقابلے میں وہ عمارت خاصی حقیر نظر آرہی تھی۔

حبیب جیوانی نے مجھے وہاں پہنچنے کے لیے آٹھ بجے کا وقت دیا تھا اس لیے میں بیس منٹ پہلے وہاں گھنٹی بجانے کے بجائے' وقت گزاری کے لیے آگے نکلتا چلا گیا۔

ساحل کے ساتھ بنی ہوئی میرین ڈرائیو کا ایک طویل چکر لگانے کے بعد میں نے دوبارہ اپنی منزل کا رخ کیا تو وقت پورا ہو چکا تھا۔

اس علاقے کے رواج کے مطابق مجھے عمارت کے آہنی پھاٹک کے سامنے گاڑی روک کر ہارن بجانا چاہیے تھا مگر میں حبیب جیوانی یا ڈان سے مساویانہ سطح پر ملنے نہیں آیا تھا بلکہ ان کا ماتحت تھا اس لیے میں نے کار ایک کنارے سے لگا کر بیل کا بٹن دبا دیا۔

جواب میں پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھلی اور ایک مسلح چوکیدار نے باہر آکر میرا نام دریافت کیا۔ اسے شاید میرے بارے میں ہدایت ملی ہوئی تھی۔ اس لیے اس نے مجھے گاڑی سمیت اندر آنے کا اشارہ کرتے ہوئے پورا پھاٹک کھول دیا اور میں انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی کو طویل ڈرائیو وے پر لیتا چلا گیا۔

اندر مختصر سی عمارت چاروں طرف سے باغ اور درختوں میں گھری ہوئی تھی۔ میرے پورچ میں رکتے ہی برآمدے سے ایک دراز قامت شخص برآمد ہوا اور اس نے پارکنگ کے لیے مجھ سے میری کار کی چابی لیتے ہوئے مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں برآمدے سے گزر کر لاؤنج میں پہنچا تو سامنے ہی ڈرائنگ روم میں حبیب جیوانی کی جھلک نظر آئی اور میرے قدم اسی طرف ہو لیے۔

حبیب جیوانی اس وقت اکیلا ہی تھا۔ اس نے رسمی انداز میں مجھ سے ہاتھ ملایا اور میں احمقانہ انداز میں ایک صوفے پر سکڑ کر بیٹھ گیا۔ میری نگاہیں اس کمرے میں موجود بیش قیمت آرائشی اشیاء اور فرنیچر وغیرہ کے جائزے میں مصروف ہو گئیں۔

آٹھ بج کر پانچ منٹ پر اندرونی کمرے سے بھاری جسم والا ایک پستہ قامت سفید فام نمودار ہوا تو ہم دونوں ہی مشینی انداز میں اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔

وہ ایک غیر رسمی ملاقات تھی لیکن آنے والے کے بدن پر بیش قیمت سیاہ سوٹ اور سفید قمیص کے ساتھ ہی ٹائی بھی موجود تھی۔ اس کی رنگت سرخ و سفید تھی لیکن اس کے متورم پپوٹوں کے درمیان سکڑی ہوئی آنکھیں اس کے چینی نژاد ہونے کا اعلان کر رہی تھیں۔

وہ ہم دونوں سے ہاتھ ملائے بغیر بے پروایانہ انداز میں ایک صوفے میں دھنس گیا۔ اس کی تقلید میں ہم دونوں بھی اپنی جگہوں پر براجمان ہو گئے۔

"تو تم ڈینی ہو!" ڈان نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے نہایت شائستہ اور نکھری ہوئی انگریزی میں کہا۔

"یہ میری خوش نصیبی ہے کہ تم میرے نام سے واقف ہو۔" میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر خوشامدانہ لہجے میں کہا "میرے لیے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ تم نے چیف کے ساتھ مجھے بھی ملاقات کا موقع دیا ہے۔"

وہ اپنی انگلیوں میں دبا ہوا سگار سلگانے میں مصروف ہو گیا۔ چند ثانیوں بعد اس نے سگار کا پہلا کش لے کر دھوئیں کے مرغولے بکھیرے تو ڈرائنگ روم نفیس تمباکو کی خوشبو سے بھر گیا۔

"ابھی تک یہاں کے معاملات تسلی بخش نہیں ہیں۔" ڈان نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد فکر انگیز لہجے میں بولنا شروع کیا۔ "پچھلے برسوں میں افغانستان کے حالات کی وجہ سے سرحدی علاقوں میں افیم کی کاشت اور ہیروئن کی تیاری میں اچانک ہی قابلِ رشک اضافہ ہوا ہے اور یہ علاقہ دیکھتے ہی دیکھتے' ہیروئن کی سب سے بڑی پیداواری منڈی میں تبدیل ہو گیا ہے لیکن بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر ہم آج تک اس تجارت میں اپنا جائز حصہ حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔"

وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا تو حبیب جیوانی فوراً ہی بول پڑا۔ "میں تمہارے اس تجزیے سے پوری طرح متفق ہوں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ اس ناکامی میں ہماری کوتاہی سے بڑھ کر ان عناصر کا دخل ہے جن پر ہمیں کوئی اختیار حاصل نہیں۔ وہ ہمارے کام شروع کرنے سے پہلے یہاں موجود تھے۔"

ڈان کے ہونٹوں پر سرد اور استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور

نے ہاتھ سے حبیب جیوانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔
ہم یہاں بے لاگ جائزہ لینے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ ہمیں
ضروری تنقید اور مدافعت سے گریز کرنا چاہیے۔"

ڈان کے ان الفاظ پر حبیب جیوانی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا
سرسراتی ہوئی آواز میں بولا "مجھے افسوس ہے ڈان! اب میں
رہوں گا۔"

"ہم نے ان ہی عناصر کو ناگزیر وجوہ میں شامل کیا تھا جو
ارے ذہن میں ہیں۔ شی ہم سے پہلے یہاں موجود اور منظم تھی۔
شی کو اپنا حریف سمجھ کر اس کے مقابلے کی کوششیں کرتے
ہیں لیکن پچھلے دنوں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہمارے اور شی
درمیان کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ یہاں ان لوگوں کے کچھ محدود
مد تھے جو پورے ہو چکے ہیں اب وہ ہیروئن کی منڈی ہمارے
لے کرنے پر آمادہ ہیں۔ ان کی پسپائی سے پیدا ہونے والے خلا
بھرپور کاروباری فائدہ اٹھانے کے لیے ہمیں پیشہ ورانہ انداز
منظم ہو کر آگے بڑھنا ہوگا۔ ایسا نہ کیا گیا تو اس علاقے میں
ی ساکھ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا جسے ٹُدر مافیا کسی قیمت پر
ت نہیں کرے گی۔"

اس نے ایک مرتبہ پھر خاموش ہو کر استفسار طلب نگاہوں
باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا اور ڈان سے ہم کلامی کے
امیں' اس مرتبہ پھر حبیب جیوانی نے ہی جواب دیا "اگر شی
رے راستے سے ہٹ جاتی ہے تو ہم تیزی کے ساتھ پیش قدمی

سکتے ہیں۔ اس علاقے میں ہم ہر کاروباری چیلنج کا مقابلہ کرنے
لیے تیار ہیں۔"

"لیکن شی کی کچھ شرائط ہیں۔" ڈان نے اپنی تیز نظریں
ے چہرے پر مرکوز کر دیں "وہ چاہتے تھے کہ ڈینی کو غیر مشروط
یقے پر ان کے حوالے کر دیا جائے۔" ڈان کی زبان سے وہ

شاف سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا "ڈینی
ے پاکستان میں ہی نہیں' بلکہ مغربی ممالک میں بھی ان کے
ادات کو بھاری نقصان پہنچایا ہے۔ جمی لائیڈ ہر قیمت پر اسے اپنا
دیکھنا چاہتا ہے لیکن مافیا کی کچھ اپنی روایات ہیں۔ ہم اپنی پناہ
ائے ہوئے ہر شخص کو اس وقت تک بھرپور تحفظ فراہم کرتے
جب تک وہ ہم سے وفادار رہتا ہے۔ ہم ڈینی کو بے دست و پا

کے ان کو نہیں سونپ سکتے تھے۔ ایسا کوئی بھی اقدام مافیا کی روح
منافی ہوتا اس لیے ہم نے ان سے طویل مذاکرات کیے اور اب
باتوں پر سمجھوتا ہونے کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔ ان کی چند
کا تعلق آج بھی ڈینی کی ذات ہی سے ہے۔ اسی لیے میں آج
نظر آ رہا ہوں۔"

"مافیا کے لیے میں ہر وہ قدم اٹھانے کے لیے تیار ہوں جو
میرے بس میں ہوگا۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔

"سب سے پہلے وہ تین سلور آٹیز کی واپسی چاہتے ہیں' جو
تمہارے قبضے میں ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں ان سے محروم ہو چکا ہوں۔" میں
نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تینوں سلور آٹیز وریا کی تحویل میں
ہیں۔"

"اور بیم گن کہاں ہوتی ہے؟" ڈان نے میرے چہرے پر سے
نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

"اس کا چارج ختم ہو چکا تھا اس لیے میں نے اسے پھینک
دیا۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"یعنی ان کے دونوں مطالبے متنازعہ ہیں۔" ڈان نے گہری
سنجیدگی کے ساتھ کہا "اس بارے میں میرے بجائے جمی لائیڈ کا
اطمینان ضروری ہے اور میرا خیال ہے کہ......"

ڈان کا فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ اچانک ہی ہر طرف اندھیرا
پھیل گیا۔ اسی کے ساتھ باہر کھلنے والی ایک کھڑکی کی طرف سے بے
آواز فائر ہوا اور گولی میرے سر کے اوپر سے گزر کر دیوار میں
پیوست ہو گئی۔

ڈرائنگ روم میں اچانک ہی ہڑبونگ اور افراتفری پھیل گئی۔
میری طرح وہ دونوں بھی صوفوں وغیرہ کے پیچھے پناہ لینے کی کوشش
کر رہے تھے۔

اس وسیع و عریض مکان میں یکایک پھیل جانے والے گھور
اندھیرے میں آتشیں ہتھیار سے کیا ہوا بے آواز فائر بہت ہولناک
اور لرزہ خیز تھا۔ اس وقت میرے ستارے یاور تھے جو اندھیرے
میں چلائی گئی گولی میری کھوپڑی سے ذرا اوپر سے گزر کر دیوار میں
پیوست ہو گئی تھی۔ ورنہ وہی بے آواز گولی میری کھوپڑی کے
چیتھڑے بھی اڑا سکتی تھی۔ موت کو اتنے قریب سے دیکھ لینے کے
بعد میرا دل تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا اور پورے وجود میں
سنسنی کی لہریں سی سرایت کر گئی تھیں۔

پہلا وار خطا ہو گیا تھا لیکن مسلح حملہ آور کسی بھی لمحے دوسرا فائر
کر سکتا تھا اس لیے خفیف سی دہشت اور سنسنی کے باوجود میں اپنی
جگہ چھوڑ کر تیزی سے ایک صوفے کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔ تاریک
کمرے میں پیدا ہونے والی آوازوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈان
تھری اور سیٹھ حبیب جیوانی نے بھی اپنی جگہوں پر جمے رہنے کی
حماقت نہیں کی تھی اور فائر ہوتے ہی پھرتی سے پوزیشن لے لی
تھی۔

وہ فائر اس امر کا کھلا ثبوت تھا کہ حملہ آور جو کوئی بھی تھا'

میرے خون کا پیاسا تھا اور یقینی طور پر اکیلا نہیں تھا۔ اس کے کسی مددگار نے اسی مکان میں اندھیرا پھیلا کر اسے حملہ کرنے کا موقع فراہم کیا تھا۔ اندھیرے کا اصل مقصد یہ تھا کہ مجھ پر گولی چلانے والا کسی جوابی کارروائی کا نشانہ بننے سے محفوظ رہے لیکن وہی اندھیرا شاید میرے لیے زندگی کی نوید بن گیا تھا۔

میں اس وقت ڈان تھری کا ایک ملاقاتی تھا۔ وہ ٹی کے بڑوں کے ساتھ مصالحانہ مذاکرات کو آگے بڑھانے کی نیت سے میرے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا تاکہ جی لائیڈ کی شرائط پوری کر کے، اس کے ساتھ جاری تصادم کو ختم کر سکے۔ جس مکان میں ہم موجود تھے، وہ بھی ڈان تھری یا مافیا کی ملکیت معلوم ہوتا تھا۔ اس اعتبار سے وہ واردات ڈان تھری کے اختیار اور اقتدار میں براہِ راست مداخلت کے مترادف تھی۔ مجھ پر فائر کر کے ڈان تھری کی بالادستی کو توہین آمیز انداز میں للکارا گیا تھا اور وہی اس مداخلتِ بے جا کا مناسب جواب دینے کا حق رکھتا تھا۔

کوئی اور موقع ہوتا تو میں سنبھالا لیتے ہی، اپنی جان کے دشمن پر کسی خونی عقاب کی طرح جوابی حملہ کرنے کی تیاری کرتا لیکن اس وقت صورتِ حال مختلف تھی۔ میں ڈان تھری کے وسیع و عریض مکان میں اس کا اہم مہمان یا ملاقاتی تھا اس لیے میں نے دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر ہی اکتفا کیا۔

"ہو از دیئر؟" تاریکی میں ڈان تھری کی غرّاتی ہوئی اور قہربار آواز ابھری۔

جواب میں کوئی کچھ نہ بولا لیکن باہر دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک میں ایک فائر کی آواز گونجی۔ شاید حملہ آوروں میں سے کسی نے اس مکان کے محافظوں پر گولی چلائی تھی۔ پہلا فائر بے آواز تھا جب کہ دوسری گولی سے فضا لرز کر رہ گئی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ حملہ آوروں کی تعداد کے بارے میں میرا قیاس غلط نہیں تھا۔

"چیف!" اندھیرے میں ڈان تھری کی غضبناک آواز ابھری۔ "یہ کیا تماشا ہے؟ یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"میں خود حیران ہوں، ڈان!" حبیب جیوانی کی لرزتی ہوئی، مدافعانہ آواز سنائی دی۔ "احاطے کی حفاظت اور نگرانی کے لیے چھ آدمی مامور ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ سب کہاں مرے ہوئے ہیں۔"

"انہیں الزام نہ دو!" اندھیرے ڈرائنگ روم میں اچانک ایک بھاری سی اجنبی آواز گونجی۔ "یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس میں تمہارے آدمیوں کی نااہلی سے زیادہ میرے آدمیوں کی اعلیٰ کارکردگی کا دخل ہے۔ میرا پہلا بے آواز فائر ضائع ہوا ہے لیکن میں اپنے شکار کو تلاش کر لوں گا۔ اندھیرا ہونے سے پہلے، میں دیکھ چکا ہوں کہ تم تینوں غیر مسلح ہو، اس لیے جو جہاں اور جس حال میں ہے، وہیں اور اسی طرح پڑا رہے۔ کسی نے ذرا بھی حرکت کرنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ گولی چلا دوں گا۔ یہ یاد رکھنا کہ میں اندھیرے میں آواز پر نشانہ لینے کا عادی ہوں اس بار میری گولی

رائیگاں نہیں جائے گی۔" ڈان تھری سمیت اس وقت سب لوگ ہی انگریزی بول رہے تھے اور خاموشی کے ساتھ ڈرائنگ [illegible] گھس آنے والے اجنبی نے بھی اپنے عزائم کے اظہار کے لیے اسی زبان کا سہارا لیا تھا۔ اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی مقامی نہیں بلکہ غیر ملکی تھا۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" ڈان تھری کی سرد استفہامیہ آواز ابھری۔

"ہمیں معلوم تھا کہ تم پتھر میں سے تیل نکالنے کا عزم لے کر یہاں پہنچے ہو اس لیے ناکام رہو گے۔" اجنبی کی گمبھیر آواز ابھری۔ "ڈینی بہت حرام الدہر آدمی ہے۔ سر آئی مین جانتا تھا کہ ڈینی کسی بھی صورت میں اس کے مطالبات پورے کرنے پر آمادہ نہیں ہو گا۔"

"تو تم جی لائیڈ کے ہرکارے ہو؟" ڈان تھری کا لہجہ بالکل سرد اور سپاٹ ہو گیا۔

اندھیرے میں ہنسی کی خفیف سی آواز ابھری پھر جواب [illegible] "اس کے علاوہ کس کی مجال ہو سکتی ہے کہ مدر مافیا کے ایک ڈان کی قیام گاہ میں قدم رکھ سکے؟ ہمارے لیے مافیا [illegible] اس کا ہر عہدے دار معزز اور محترم ہے لیکن ہم ڈینی کو معاف نہیں کر سکتے۔ تم سے ساز باز کر لینے کے باوجود وہ تم میں سے [illegible] ہے۔ ہم ہر حال میں اسے اپنا غدّار اور باغی تصور کرتے رہیں گے۔"

"لیکن تمہارا یہ رویّہ ہمارے مذاکرات کی روح کے [illegible] ہے۔" ڈان تھری نے احتجاج کیا۔

"ہرگز نہیں!" سخت لہجے میں جواب دیا گیا۔ "مذاکرات سلور آئیز اور بیم گن کی واپسی سے مشروط تھے۔ ان دونوں نکات پر [illegible] کا جواب تم سن ہی چکے ہو۔ اس کے بعد ہم اسے مزید ڈھیل نہیں دے سکتے۔ اس نے تمہارے مصالحانہ جذبات کا احترام نہیں کیا اب ہم اسے سرکشی کا مزہ چکھائیں گے۔"

"تمہیں یہ جسارت مہنگی پڑے گی۔" ڈان تھری نے بلاتامل جواب دیا۔ "ڈینی جو بھی اور جیسا بھی ہے، ہمارا آدمی ہے اور [illegible] اپنے آدمیوں پر کسی کی بالادستی برداشت نہیں کر سکتے۔"

"یہ نظریاتی باتیں ہیں۔" اجنبی کہہ رہا تھا۔ "بہت سی باتیں نہ چاہتے ہوئے بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس وقت تم تینوں غیر مسلح ہو اور میں اعشاریہ تین دو کا، سائیلنسر لگا ہوا، [illegible] براؤنی لیے ہوئے، اس کمرے کے دروازے پر موجود ہوں۔ ڈینی اس دروازے سے زندہ نہیں نکل سکے گا۔"

"تو کیا تم ڈینی کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہو؟" ڈان تھری کی آواز الجھن آمیز تھی۔

"مجھے ڈینی کا سراغ بھی مل جاتا تو میں اسے وہیں ڈھیر کر دیتا۔" اجنبی کی آواز تلخ ہو گئی۔ "مجھے اس کا پیچھا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ سلور آئیز اور بیم گن کی واپسی

آمادہ نہیں ہو گا۔ تم اس کا جواب سن ہی چکے ہو۔ ایسے ہٹ دھرم اور موذی شخص کا پیچھا کرنا اپنے وقت کو برباد کرنے کے مترادف ہوتا۔ مجھے تو اس کا سایہ بھی نظر آجاتا تو میں اسے خاک و خوں میں نہلا کر رکھ دیتا۔"

"پھر تم یہاں کیسے پہنچے؟" ڈان تھری نے سوال کیا۔ "کیا میرا تعاقب کیا گیا ہے؟"

"تمہارا قیاس درست ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ تم ڈینی سے ملاقات کا مشن لے کر بنکاک سے نکلے ہو اس لیے میں ابتدا ہی سے سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگا ہوا تھا۔ ڈینی میرے سامنے یہاں آیا تھا۔ مجھے صرف اتنا انتظار تھا کہ تم اس پر اپنی جرح ختم کرلو۔ جب ڈینی نے تمہیں مایوس کر دیا تو میرا کام شروع ہو گیا۔"

"یہ جی لائیڈ کی طرف سے کھلی بدعہدی ہے۔ ہم تی کے بڑوں کو ہمیشہ مکمل احترام دیتے چلے آئے ہیں۔ میرا تعاقب کر کے میری توہین اور تذلیل کی گئی ہے۔ میں جی لائیڈ سے اس پر احتجاج کروں گا۔"

"ضرور کرنا!" اجنبی نے کہا۔ "لیکن تمہارا احتجاج حقائق کو نہیں بدل سکتا۔ میرے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول ہے اور تم تینوں غیر مسلح ہو۔ مجھے تم سے کوئی پرخاش نہیں لیکن آج میں ڈینی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے ہماری زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ اس کی ہلاکت کے بعد، جی لائیڈ تمہارے احتجاج پر فراخ دلی کے ساتھ معذرت طلب کرلے گا اور تمہارے پاس اسے معاف کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہو گا۔ اہم بات یہی ہے کہ اصل اہمیت تنظیم کی ہوتی ہے۔ افراد کے آنے جانے سے ان کی کارکردگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"تم کتے کے پلے اور سؤر کے بچے ہو۔" ڈان تھری اشتعال کے عالم میں کلکلایا۔

اجنبی کی بے ساختہ ہنسی ابھری اور وہ بولا۔ "ڈان! میں تمہاری عزت کرتا ہوں لیکن غصے میں آکر اب تم غیر منطقی باتیں کر رہے ہو۔ میں بیک وقت کتے کا پلا اور سؤر کا بچہ نہیں ہو سکتا۔ ایک وقت میں تم مجھے ایک ہی گالی دے سکتے ہو لیکن موجودہ صورتِ حال میں گالی بھی رائیگاں جائے گی کیوں کہ میں اس وقت جو کچھ کر رہا ہوں اس کے بارے میں مجھے اپنے سپر آئی مین کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔"

"جی لائیڈ کو تمہاری یہ جسارت بہت مہنگی پڑے گی۔" ڈان تھری کسی بھیڑیے کی طرح غرایا۔

"میں نے اس وقت سوچ سمجھ کر سامنے آنے کا خطرہ مول لیا ہے۔ ڈینی کے فتنے کا خاتمہ کرنے کے بعد میں سپر آئی مین کی آنکھوں کا تارا بن جاؤں گا۔ ڈینی کی موت کا سودا اسے کسی بھی طرح مہنگا نہیں پڑے گا۔"

وہ دونوں اپنے تیز و تند مذاکرات میں الجھے ہوئے تھے۔ مجھے حبیب جیوانی کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا لیکن میں ذاتی طور پر خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اس گفتگو میں میری شرکت کی سرے سے کوئی ضرورت نہیں تھی اس لیے میں نے اپنے حواسِ خمسہ کو صورتِ حال کے تجزیے پر مرکوز کیا ہوا تھا۔

اندر وہ مذاکرات جاری تھے اور مجھے اتنا وقت مل گیا تھا کہ میری آنکھیں وہاں پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں کسی نہ کسی حد تک دیکھ لینے کی عادی ہو گئی تھیں۔ میں جس وزنی صوفے کے عقب میں دبکا ہوا تھا۔ اس سے دس، بارہ فٹ کے فاصلے پر وہ اجنبی کھلے دروازے میں کھڑا تھا۔ دوسری طرف باہر بھی دھما چوکڑی جاری تھی۔ وقفے وقفے سے اِکا دُکا افراد کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں ابھرتیں اور پھر لامتناہی سکوت چھا جاتا۔ اس سکوت میں صرف تین فائر ہوئے تھے جو بے آواز نہیں تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی فائر کارگر ثابت نہیں ہو سکا تھا۔ کسی مرنے والے کی چیخ تو در کنار، مجھے کسی زخمی کی کراہ تک نہیں سنائی دی تھی۔

باہر سے آنے والی ان آوازوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈان تھری کے آدمی بالکل ہی غافل نہیں تھے۔ ان کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے اجنبی اور اس کے ساتھیوں کو اس عمارت میں داخل ہونے کا موقع ضرور مل گیا تھا لیکن ان کی طرف سے کارروائی کا آغاز ہوتے ہی مزاحمت کا عمل بھی شروع ہو چکا تھا جس کے نتیجے میں کسی بھی لمحے بازی ان کے خلاف الٹ سکتی تھی۔

مجھے اتنا اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ باہر والے اپنے مصائب میں الجھے ہوئے تھے اور ان کی طرف سے اندر کے معاملات میں کسی بھی قسم کی مؤثر مداخلت کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اگر کسی طرح اجنبی کو غیر مسلح کر دیا جاتا تو اندر چھڑنے والے مقابلے میں اسے بہ آسانی زیر کیا جا سکتا تھا۔

اس قضیے میں ڈان تھری یا حبیب جیوانی کی ذات کے لیے کوئی مہلک خطرہ پنہاں نہیں تھا۔ اجنبی ڈان تھری کے لیے مسلسل مفاہمانہ جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔ حبیب جیوانی، ہاتھیوں کی لڑائی کی زد میں آئے ہوئے کسی مینڈک کی طرح کسی گوشے میں چھپا ہوا تھا اور سارا خطرہ صرف میری سلامتی کو لاحق تھا۔

اجنبی کے لب و لہجے سے خون کی بو آرہی تھی۔ اس نے اپنی دانست میں فیصلہ کن بالا دستی حاصل کر لی تھی اور وہ مجھے ہلاک کیے بغیر وہاں سے واپس جانے کے موڈ میں نظر نہیں آرہا تھا۔ اس لیے میرے پاس مارنے یا مرجانے کے علاوہ کوئی تیسری راہ باقی نہیں رہی تھی۔

میں نے کوئی قدم اٹھانے سے قبل صورتِ حال کا آخری جائزہ لیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ حالات میرے حق میں نہیں تھے۔ کمرے بلکہ پوری عمارت میں اندھیرا ضرور پھیلا ہوا تھا لیکن جس طرح میری آنکھیں اس اندھیرے میں کسی حد تک کام کرنے کی عادی ہو گئی تھیں، اسی طرح وہ غیر ملکی اجنبی بھی اپنے قرب و جوار میں رونما ہونے والی نقل و حرکت کو دیکھ لینے پر قادر ہو سکتا تھا جب کہ میرے اور اس کے درمیان کم از کم دس فٹ کا ایسا غیر محفوظ

فاصلہ حائل تھا جہاں مجھے کوئی آڑ یا رکاوٹ میسّر نہیں آسکتی تھی۔
اضطرار اور عدم تحفظ کے ان جان لیوا لمحات میں مجھے اچانک ہی خیال آیا کہ میں جس صوفے کے عقب میں چھپا ہوا تھا' اس سے ملحق میز پر سنگ مرمر کی بنی ہوئی ایک آرائشی ایش ٹرے موجود تھی۔
وہ خیال کوندتے ہی' میں نے کوئی آواز پیدا کیے بغیر داہنی طرف حرکت کی اور چند ثانیوں بعد ہی میرا لرزتا ہوا ہاتھ ایش ٹرے کا سرد اور بے جان لمس محسوس کر رہا تھا۔
کھلے ہوئے دروازے کے پیش منظر میں اجنبی کا ہیولا پوری طرح میری نظروں میں تھا۔ وزنی ایش ٹرے سے اس کے سر کا نشانہ لے کر میں بہ آسانی اسے ڈھیر کر سکتا تھا لیکن پورے بدن کے مقابلے میں' کھوپڑی کا نشانہ خطا ہونے کا امکان زیادہ تھا اس لیے میں نے پوری احتیاط کے ساتھ بائیں گھٹنے اور داہنے پنجے پر اپنے بدن کا توازن درست کر کے اچانک ہی وہ وزنی ایش ٹرے' پوری قوت کے ساتھ غیر ملکی اجنبی کے سینے پر پھینک ماری۔
میں نے اپنی وہ کارروائی اتنی سرعت اور خاموشی کے ساتھ مکمل کی کہ میرے شکار کو کچھ سمجھنے یا سنبھلنے کا موقع ہی نہیں مل سکا اور فضا میں اڑتی ہوئی ایش ٹرے کی بھرپور ضرب پڑتے ہی فضا اس کی دردناک چیخ سے لرز اٹھی۔
میرے لیے وہ موقع غنیمت تھا۔ تاریک ہیولا جوں ہی لڑکھڑاتا ہوا پیچھے کی طرف گرا' میں نے کسی خوف یا خطرے کی پروا کیے بغیر اپنی جگہ چھوڑ کر اس پر چھلانگ لگا دی۔
مجھے اس کو فی الفور زیر کر لینے سے زیادہ فکر اس کے بے آواز پستول کی تھی۔ میں نے اس پر حملہ آور ہوتے ہی اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور یہ جان کر مجھے خوشی ہوئی کہ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ شاید ایش ٹرے کی غیر متوقع اور شدید چوٹ کھاتے ہی پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دبیز قالین پر گر گیا۔ تھا اس کی برتری کا احساس ختم ہوتے ہی میں نے وحشیانہ انداز میں اسے نیچے گرا کر اس کے چہرے پر گھونسوں اور ٹکروں کی بھرمار کر دی۔
وہ اس افتاد سے قبل اپنی مکمل برتری اور فتح کے گھمنڈ میں مبتلا تھا' اس لئے میرے اچانک اور تیز حملوں کے خلاف مؤثر مدافعت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور چند ہی ثانیوں میں اس کا چہرہ خون ہی خون میں نہا گیا۔ اس کے زندہ اور گرم گرم لہو کی چپچپاہٹ مجھے اپنے ہاتھوں اور چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔
میری جارحانہ کارروائی اتنی غیر متوقع اور تیز تھی کہ حبیب جیوانی کے علاوہ ڈان تھری بھی فوری طور پر میرا ساتھ دینے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ وہ دونوں سمجھ ہی نہیں سکے تھے کہ اندھیرے میں اچانک کیا کھیل شروع ہو گیا تھا لیکن وہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ پٹنے والے کی چیخوں اور میری بلند آہنگ' مادر زاد گالیوں نے انہیں سب کچھ سمجھا دیا اور وہ بھی اپنی کمین

گاہوں سے نکل آئے۔
میں نے اس وقت اپنے حریف کو زیر کر کے اپنی زندگی کی ہاری ہوئی بازی جیتی تھی۔ اس لیے میں سخت مشتعل تھا لیکن اس عالم میں بھی میں نے محسوس کیا کہ میں اپنے حریف کی مرمت کرتے ہوئے' اسے انگریزی' اردو اور پنجابی میں گالیاں دے رہا تھا۔
زبانوں کا وہ انتخاب قطعی غیر ارادی تھا لیکن پٹتے ہوئے حریف کے دم توڑتے ہوئے' مدافعانہ انداز کی وجہ سے جوں ہی میرا ذہنی دباؤ کم ہوا تو گالیوں کے معاملے میں بیک وقت تین زبانوں کے استعمال کا جواز بھی میرے ذہن میں واضح ہو گیا۔
میری گرفت میں آیا ہوا دشمن' غیر ملکی تھا۔ اس نے اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنے کے لیے ابتدا ہی سے شستہ انگریزی کا سہارا لیا تھا۔ اس وجہ سے یہ لازمی ہو گیا تھا کہ میں اپنے دلی جذبات اس تک پہنچانے کے لیے وہی زبان استعمال کرتا جو اس کے لیے قابل فہم تھی لیکن انگریزی زبان میں روانی سے دی جانے والی گالیوں کی تعداد بہت کم ہونے کی وجہ سے دل کی کدورت' عادتاً اردو کا روپ دھار رہی تھی۔ بات وہیں ختم نہیں ہو جاتی تھی۔ روز مرّہ گالیوں کے معاملے میں اردو کا ذخیرہ بڑا ہونے کے باوجود' صوتی اعتبار سے ان مفاہیم کا آئینہ دار نہیں تھا جو بولنے والے کے دل و دماغ میں قہر و نفرت کی آگ بھڑکائے رکھتے ہیں۔ ان جذبات کی تشفی کے لیے پنجابی زبان کا استعمال ناگزیر تھا۔ پنجابی زبان میں گالیاں دے کر میں اطمینان بخش طور پر اپنے دل کی بھڑاس نکال سکتا تھا اور اگر فریق ثانی اس زبان سے آشنا ہوتا تو محض بھاری بھرکم گالیاں سن کر ہی جہنم واصل ہو سکتا تھا۔
پھر اچانک ہی بجھی ہوئی روشنیاں جل اٹھیں۔
شاید اس مکان کے محافظوں نے مداخلت کاروں کو زیر کر کے بجلی کا مین سوئچ آن کر دیا تھا۔
روشنی ہوتے ہی سیٹھ حبیب جیوانی نے نہایت چھچھورے انداز میں' میرے نیچے دبے ہوئے سفید فام کی پسلیوں پر ٹھوکر رسید کی اور غراتے ہوئے بولا۔ "اس کی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر دو۔ اس کتے کی یہ مجال کہ اس نے ڈان تھری کی رہائش گاہ میں گھسنے کی جسارت کی ہے۔"
"نو!" ڈان تھری نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کر کے سرد اور پُرسکون آواز میں کہا۔ "یہ نہتا ہونے کے ساتھ ہی' معقول حد تک زخمی بھی ہو چکا ہے۔ اس لیے اسے چھوڑ دو۔ میں اس سے کچھ باز پُرس کرنی چاہتا ہوں۔"
میں نے اپنے قیدی کی ناک پر ایک وحشیانہ ٹکر رسید کی اور وہ تڑپ کر پوری قوت سے چیخ پڑا۔
میں اسے چھوڑ کر الگ ہوا تو اس کا خون میں لتھڑا ہوا چہرہ بہت بھیانک لگ رہا تھا۔
وہ تقریباً جھومتا' اپنے قدموں پر اٹھا لیکن پھر لڑکھڑا کر قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ زخموں سے بھاری مقدار میں خون بہہ جانے کی وجہ سے

اس پر نقاہت طاری ہو رہی تھی۔ میں نے اس کا گریبان جکڑ کر اسے زبردستی اس کے قدموں پر کھڑا کر دیا۔ وہ میری گرفت میں ہونے کے باوجود اِدھر اُدھر جھوم رہا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ ڈان تھری کی سرد اور جذبات سے عاری رہنے والی نگاہوں میں بھی میرے لیے پسندیدگی کے آثار عود کر آئے تھے۔ اس نے اپنے سر کی خفیف سی اثباتی جنبش سے میری تائید کی اور میں نے اپنے حریف کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے ایک صوفے میں ڈال دیا۔ اس کا مہیب پستول ڈان نے اٹھالیا تھا۔

اس اثنا میں ڈان تھری کی انگلیوں میں دبا ہوا سگار بجھ گیا تھا لیکن اعصاب شکن صورتِ حال سے دوچار ہونے کے باوجود اس نے بجھا ہوا سگار نہیں پھینکا تھا۔ اس نے خون میں نہائے ہوئے قیدی کے سامنے پہنچ کر اطمینان سے اپنا بجھا ہوا سگار سلگایا پھر سرد نظروں سے اسے گھورنے لگا۔

قیدی نے نہایت بے رحمانہ انداز میں اپنے زخموں سے بہتے ہوئے خون کو اپنی دونوں آستینوں سے صاف کیا اور مجھے گھورتے ہوئے، بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "آج کی ناکامی کا صدمہ میں زندگی بھر نہیں بھول سکوں گا۔ ڈینی جیسے چالاک درندے کو جہنم واصل کر کے میں اپنے سپر آئی مین کے سامنے سرخروئی حاصل کر سکتا تھا۔"

"سرخرو تو تم ہو ہی گئے ہو۔" میں اس کی ہرزہ سرائی پر خاموش نہیں رہ سکا۔ "یہ اور بات ہے کہ تمہارے چہرے کی سرخی، خود تمہارے ہی لہو کی احسان مند ہے۔ اس اعتبار سے تم نے اپنا آج کا ہدف حاصل کر لیا ہے۔ میرے ڈان نے مجھے اجازت دی ہوتی تو میں تمہارے پورے بدن سے خون کی لکیریں بہا سکتا تھا۔"

"غیر ضروری باتوں کی ضرورت نہیں!" ڈان نے اپنے خوشبودار سگار کا ایک گہرا کش لے کر، کسی سے خصوصی طور پر مخاطب ہوئے بغیر تحکمانہ لہجے میں کہا پھر اس نے اپنی بے رحمانہ نگاہیں زخمی قیدی کے چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے پوچھا۔ "اب یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں تک کیسے پہنچے؟"

"میرا نام لِلی گینگ ہے۔" اس نے بدستور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "شاید تم سے معاہدہ ہونے کے بعد سپر آئی مین نے مجھے اس کام پر مامور کیا تھا اور میں فوراً ہی نیو یارک سے شکاگو چلا آیا جہاں تمہارا مسکن تھا۔ چینی نژاد امریکیوں کی آبادی میں تم تک پہنچنا دشوار نہیں تھا۔ مجھے بتا دیا گیا تھا کہ تم اولین فرصت میں امریکا سے پاکستان پہنچ کر، ڈینی سے ملنے کی کوشش کرو گے اسی لیے میں سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگ گیا لیکن میری بدقسمتی نے آخری مرحلے پر مجھے تمہارا اسیر بنا دیا ہے۔"

"ہوں!" ڈان تھری کے حلق سے ایک دبی دبی غراہٹ ابھری اور اس نے تقریباً خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم شکاگو سے میرا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آئے لیکن مجھے شبہ نہ ہو سکا کہ جی لائیڈ نے مجھ سے وعدہ خلافی کرتے ہوئے، اپنے کسی گرگے کو میرے پیچھے لگا رکھا ہے۔"

"اور تم کہتے ہو کہ تمہارا نشانہ صرف ڈینی تھا۔ تم ڈان تھری کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے؟" سکوت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حبیب جیوانی نے سوال کیا۔

"تمہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ شکاگو سے نیو یارک، لندن اور دُبئی کے راستے کراچی پہنچنے تک میرے پاس کئی مواقع تھے جب میں تمہارے مسٹر نیشی کاؤ کو نقصان پہنچا سکتا تھا لیکن مجھے ان کا مرتبہ معلوم تھا اس لیے میں نے کہیں بھی ان کا راستہ کاٹنے کی کوشش نہیں کی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم خود کو مسٹر نیشی کاؤ سے زیادہ ہوشیار سمجھ رہے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے اس پورے معاملے پر اس انداز میں سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ میری یہاں موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ میں نے اپنی ڈیوٹی پوری ذمے داری کے ساتھ سر انجام دی ہے۔ اس مہم میں اصل اہمیت رازداری کی تھی۔ اگر مسٹر نیشی کاؤ کو یہ علم ہو جاتا کہ میں ان کا پیچھا کر رہا ہوں تو راستے ہی میں میرا کام تمام ہو سکتا تھا۔ کراچی کے ہوائی اڈے پر اترنے کے بعد میرا خیال تھا کہ میں اپنے مشن میں ننانوے فیصد کامیابی حاصل کر چکا ہوں لیکن آج اندازہ ہوا کہ مجھے ایک فیصد بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ میرے لیے، تم نیشی کاؤ سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے ہو۔"

لِلی گینگ کے ذریعے ڈان تھری کا اصل نام میرے علم میں آگیا تھا اور یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ وہ چینی نژاد ہونے کے باوجود امریکی شہری تھا اور مجھے زیر کرنے کے مشن پر شکاگو سے کراچی پہنچا تھا۔ البتہ لِلی گینگ نے جس انداز میں میری تعریف کی تھی، اس سے مجھے کوئی خوشی حاصل نہیں ہو سکی۔ ڈان تھری اول و آخر میرا باس تھا اور اچھے ماتحت اپنے باس سے کسی بھی صورت میں اپنا موازنہ کیا جانا پسند نہیں کرتے۔

"ہوش میں رہ کر بات کرو۔" میں نے لِلی گینگ کے چہرے پر تھپڑ رسید کرتے ہوئے کھردرے لہجے میں کہا۔ "میں جو کچھ بھی ہوں، اپنے بڑوں کی ذات کا پرتو ہوں۔ تم ڈان تھری کے مقابلے میں مجھے چڑھا کر ہمارے درمیان بدگمانیاں پیدا کرنا چاہتے ہو لیکن یاد رکھو کہ تمہاری یہ کوششیں ناکام ہوں گی۔"

میرے بھرپور تھپڑ سے اس کا دہانہ اندر سے زخمی ہو گیا۔ اس نے بے پروایانہ انداز میں خون آلود تھوک کی پچکاری قالین پر اگلتے ہوئے، تلخ لہجے میں کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ میں بازی ہار چکا ہوں۔ میں نے لگی لپٹی رکھے بغیر وہ بات کہی ہے جو میرے دل میں ہے۔ تم میرے بدترین دشمن ہو لیکن مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ تم نے آخری لمحات پر میری بازی الٹ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ شی کا سپر آئی مین تم سے بلاوجہ ہی خائف نہیں ہے۔ وہ تمہاری بُو پر لگا ہوا ہے اور جلد ہی تمہیں ٹھکانے لگوا دے گا۔"

"ڈینی کی باری بعد میں آئے گی۔ فی الحال تم اپنی فکر کرو۔"
ڈان تھری کی سرد آواز گونجی۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے۔" بلی گینگ نے حیرت ناک بے خوفی کے ساتھ کہا۔ "میں نے خوب سوچ سمجھ کر یہ مشن اپنے ذمے لیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں کامیاب رہا تو مجھ پر سپر آئی مین کی نوازشات کی اندھادھند بارش شروع ہو جائے گی اور ناکام رہا تو شاید میری لاش کا بھی سراغ نہیں مل سکے گا۔"

"جمی لائیڈ نے تمہیں ہر حال میں مجھے مار ڈالنے کی ہدایت کی تھی؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے' میں نے وہ سوال پوچھ ہی لیا جو خاصی دیر سے میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال ضرور پوچھو گے۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "دل تو یہ چاہتا ہے کہ میں اپنی زبان نہ کھولوں تاکہ یہ سوال ہمیشہ تمہارے ذہن کو ڈستا رہے لیکن میں تمہاری ہمدردی میں نہیں' بلکہ سپر آئی مین اور نیشی کاؤ کے درمیان پیدا ہونے والی متوقع غلط فہمی کو دور کرنے کی نیت سے بتائے دیتا ہوں کہ میرا مشن مشروط تھا۔ مجھے تمہارے اور نیشی کاؤ کے مذاکرات کے موقع پر موجود رہنا تھا۔ تم سلور آئیز اور ہیم گن کی واپسی پر آمادہ ہو جاتے تو میں یہ خبر لے کر خاموشی سے واپس لوٹ جاتا لیکن تم نے اپنے ڈان کا مطالبہ ٹال دیا اس لیے مجھے اپنا کام شروع کرنا پڑا۔ سپر آئی مین کو پہلے سے شبہ تھا کہ تم آسانی کے ساتھ راہِ راست پر آنے والوں میں سے نہیں ہو۔ وہ تمہاری فطرت اور رگ رگ سے اچھی طرح واقف ہے۔"

"یہ سب ثانوی باتیں ہیں۔" ڈان تھری نے دوہرے صوفے پر دراز ہوتے ہوئے' فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "نتائج سے قطع نظر' بنیادی بات یہ ہے کہ جمی لائیڈ نے مافیا سے کیے ہوئے معاہدے کا پاس نہیں کیا۔ ہمارے درمیان ایک بات طے ہو گئی تھی تو اسے ہمارے آخری جواب کا انتظار کرنا چاہیے تھا لیکن اس نے ہمارے اعتماد کو دھوکا دیتے ہوئے' تم کو میرے تعاقب اور ڈینی کے قتل پر مامور کر دیا....."

"سب کچھ اسی طرح ہوا ہے۔" بلی گینگ نے اس کی بات کاٹ کر' اپنا موقف سمجھانے کی کوشش کی۔ "تم اپنی طرف سے کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں ہوتے تو شکاگو سے کراچی تک دوڑ نہ لگاتے۔ تمہارا جواب وہی ہونا تھا جو تمہیں ڈینی کی طرف سے ملا تھا۔ فرق صرف اتنا پڑا ہے کہ تمہیں اپنا جواب سپر آئی مین تک پہنچانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میں نے اس کے خود مختار نمائندے کی حیثیت سے' جواب سن لینے کے بعد اگلی کارروائی شروع کر دی۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں اپنی اس کوشش میں بری طرح ناکام ہوا ہوں۔"

اسی وقت ڈرائنگ روم میں موجود انٹرکام کی گھنٹی بجی اور حبیب جیوانی نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ چند ثانیوں تک بات کرنے کے بعد حبیب جیوانی فارغ ہوا تو ڈان تھری اس کی طرف متوجہ تھا۔

"اس کے ساتھیوں کے بارے میں اطلاع تھی۔" حبیب جیوانی نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے' خبر کا انکشاف کیے بغیر ڈان تھری کو آگاہ کیا۔

"ان دونوں کا کیا بنا؟" بلی گینگ حوصلہ شکن صورتِ حال سے نبرد آزما ہونے کے باوجود اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا۔

"دونوں مار لیے گئے۔" حبیب جیوانی نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "وہ تو مقامی ہی رہے ہوں گے۔"

"ظاہر ہے' امریکا سے پورا جلوس تو نہیں لایا جا سکتا تھا۔ اب تم لوگوں کو تین لاشیں ٹھکانے لگانے کا بندوبست کرنا ہو گا۔ ان دونوں کے دلی وارث اب تمہارے پیچھے لگ جائیں گے۔"

حبیب جیوانی نے بلی گینگ کے دونوں ساتھیوں کے مارے جانے کی خبر سنائی تھی لیکن اس کے لب و لہجے سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ شاید اس نے بلی گینگ کا حوصلہ پست کرنے کے لیے وہ خبر سنائی تھی جب کہ انٹرکام پر کچھ اور ہی بتایا گیا تھا۔

"ان دونوں کی لاوارث لاشیں کہیں بھی پھینک دی جائیں گی۔" ڈان تھری نے اپنے سگار کا دھواں اڑاتے ہوئے بولا۔ "اور تمہارے لمبے چوڑے وجود کو ایک چھوٹے سے وزنی پیکٹ میں جمی لائیڈ کو بھیج دیا جائے گا۔"

ڈان تھری کے ان الفاظ پر میرے بدن میں سنسنی کی لہر سرایت کر گئی۔

بلی گینگ نے بھی اپنی جگہ پر بے چینی کے ساتھ پہلو بدلا اور اضطراری لہجے میں بولا۔ "اب یہ بتانا شروع نہ کر دینا کہ وہ پیکٹ کیسے بنایا جائے گا۔ میرے مر جانے کے بعد تم میری لاش کے ساتھ جو بھی سلوک کرو گے' اس سے مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ مرنے کے بعد آدمی اور موم کے پتلے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔"

"مافیا ڈسپلن کا دوسرا نام ہے۔" ڈان تھری نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے کہا۔ "تم نے مافیا کے معززین میں سے ایک کا پیچھا کر کے ناقابلِ معافی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لیے تمہیں ایسی عبرت ناک سزا دی جائے گی کہ آئندہ شی کے دوسرے کارکن ایسی حماقت کے بارے میں نہ سوچ سکیں۔"

"لیکن یہ میرا فیصلہ نہیں تھا' تم اچھی طرح جانتے ہو کہ شی کا ڈسپلن بھی اتنا ہی سخت ہے۔ ہم لوگ سپر آئی مین کے حکم پر تنقید کا کوئی حق نہیں رکھتے۔" بلی نے مدافعت کرنے کی کوشش کی۔

"پھر تم اس کی سزا بھگتو گے۔ شاید تم نے ایکس پے لرنامی مشین کا نام سنا ہو گا؟"

ایکس پے لر کا ذکر سنتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ قیمہ نکالنے والی روایتی مشین کی طرح' بہت بڑے اسکرو والی اس مشین میں ایک طرف سے بنولہ یا دوسرا بیج ڈالا جاتا ہے'

ے چلنے والی وہ مشین آناً فاناً میں بیجوں سے تیل کی ہر بوند نچوڑ کر دوسری طرف سے خشک کھلی کی پٹریاں باہر پھینک دیتی ہے۔

ڈان تھری اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "ایکس پے لر کا اسکرو بہت طاقت ور ہوتا ہے۔ ایک بار تمہاری انگلیاں اس میں پھنسا دی جائیں تو وہ رفتہ رفتہ تمہارے پورے جسم کو اندر کھینچ کر ہڈیوں پسلیوں کا سرمہ بنا دے گا' خون' پانی اور چربی کشید ہونے کے بعد دوسری طرف سے تمہاری خشک کھلی برآمد ہوگی جسے ایک چھوٹے سے ڈبے میں بھر کر' وہ پارسل جی لائیڈ کو روانہ کر دیا جائے گا۔"

ڈان تھری نے اس مشین کی کارکردگی کے بارے میں غالباً مبالغے سے کام لیا تھا لیکن پھر بھی وہ جو کچھ کہہ رہا تھا' وہ ناممکن نہیں تھا۔ لمبی چوڑی انسانی لاش کو ٹھکانے لگانے کے مقابلے میں اس کی کھلی کو بہ سانی خورد برد کیا جا سکتا تھا۔

للی کے خون میں لتھڑے ہوئے چہرے سے اس کے تاثرات کا اندازہ لگانا دشوار تھا لیکن اس کی مضطربانہ حرکات سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ خود کو اپنے انجام کی طرف سے بے پروا ظاہر کرنے کے باوجود فکر مند تھا۔

اسے صوفے پر بیٹھے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی جس کی وجہ سے اسے اپنے اوسان بحال کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اس نے اچانک ہی پہلو بدلا اور بجلی کی سرعت کے ساتھ اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی سیاہ گیند نکال کر ہم لوگوں کے درمیان قالین پر دے ماری۔

فضا میں ہلکا سا دھماکا ہوا اور پھر وہاں تیزی کے ساتھ سیاہ دھواں بھرتا چلا گیا۔

للی اس دھماکے اور دھوئیں کی آڑ لے کر وہاں سے فرار ہونے کے چکر میں تھا۔ مجھے سیاہ دھوئیں میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن میں نے اندازے سے اس طرف چھلانگ لگا دی جہاں سے گزرے بغیر للی کا سرعت کے ساتھ دروازہ تک پہنچنا ناممکن تھا اور یہ اتفاق ہی تھا کہ وہ بھاگتے ہوئے میری زد میں آگیا۔

وہ اس وقت اپنی زندگی اور موت کے سنگین مسئلے سے دوچار تھا' اس لیے اس کے بدن میں سوئی ہوئی تمام حیوانی جبلتیں یکایک بیدار ہو چکی تھیں۔ اپنے بدن پر میری گرفت محسوس کرتے ہی وہ بری طرح پھڑکا اور اس نے اپنے جسم کو ایک جھٹکا دے کر مجھے آگے اچھال دیا۔

میں منہ کے بل قالین پر گرا۔ میرا داہنا ہاتھ میز کے پائے میں الجھ گیا تھا۔ میں جھلا کر اٹھا تو ہر طرف اس قدر سیاہ دھواں پھیلا ہوا تھا کہ کمرے میں جلتے ہوئے بلب بھی صرف روشن نقطوں میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔

اس تاریک دھوئیں میں بصارت بالکل مفلوج ہو کر رہ گئی تھی اس لیے میں اٹھتے ہی اندازہ کر کے ایک طرف دوڑا لیکن فوراً ہی ایک میز سے الجھ کر دوبارہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اچانک فضا میں شیشہ ٹوٹنے کا تیز چھناکا ہوا پھر بھاگتے ہوئے قدموں کی تیز دھمک سنائی دی۔

"رک جاؤ' ورنہ جان سے مار دوں گا۔" میرے قریب ہی سے حبیب جیوانی کی گھٹی گھٹی غراہٹ سنائی دی۔ وہ اس نئی ہڑبونگ سے بہت زیادہ بوکھلایا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

پھر یک بیک کوئی بھاری بھرکم وجود میرے اوپر آ پڑا۔ اپنے نیچے کسی زندہ انسانی وجود کا ادراک ہوتے ہی حملہ آور نے میرا گلا دبوچنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

زبردست جدوجہد کے دوران میں اس کے دہانے سے جوں ہی پہلی گالی برآمد ہوئی تو میں بری طرح جھلا گیا کیوں کہ وہ حبیب جیوانی تھا جو سیاہ دھوئیں میں گھرا ہوا ہونے کی وجہ سے مغالطے میں مجھ ہی سے لپٹ پڑا تھا۔

"الگ ہٹو' چیف! یہ کیا کر رہے ہو؟" میں نے اس کی انگلیوں سے اپنی گردن بچاتے ہوئے بھنا کر کہا۔

"اوہ' ڈیئی؟" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز کے ساتھ ہی اس کے تنے ہوئے اعصاب یک بیک ڈھیلے پڑ گئے۔ چند لمحوں کے سکوت کے بعد اس کی احمقانہ آواز ابھری۔ "یہ تم ہو تو وہ کہاں گیا؟"

"میرے اوپر سے تو ہٹو' میرا دم گھٹ رہا ہے۔" میں نے بے رحمی کے ساتھ اسے اپنے اوپر سے اچھال دیا۔

میں قالین سے اٹھ ہی رہا تھا کہ باہر سے گھٹ کی ایک مخصوص گونج سنائی دی۔ وہ یقینی طور پر کسی بے آواز پستول کا فائر تھا۔

ساتھ ہی فضا میں موت کی دہشت میں ڈوبی ہوئی ایک چیخ بلند ہوئی اور فوراً ہی دم توڑ گئی۔ باہر کسی وزنی شے کے پختہ فرش پر گرنے کا دھماکا ہوا پھر متعدد دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

کثیف دھوئیں کا بم للی گینگ کا کوئی شعبدہ تھا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ شی والے جدید سے جدید تر سائنسی کمالات سے مجرمانہ سہارے پیدا کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ ہمارے گرد و پیش میں پھیلا ہوا تاریک دھواں رفتہ رفتہ اوپر اٹھ کر ہوا میں تحلیل ہو رہا تھا۔

پھر میری نگاہ سرکنے والی بڑی سی کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے پر پڑی جس میں سے ڈان تھری اتنے اطمینان کے ساتھ کمرے میں داخل ہو رہا تھا جیسے اس کے نزدیک وہی آمد و رفت کا راستہ ہو۔

"تمہارے سب آدمی گدھے ہیں!" اندر آنے کے بعد ڈان تھری ہانپتے ہوئے غرایا۔ "میں بروقت اس کا راستہ نہ روک لیتا تو وہ ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گیا ہوتا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" حبیب جیوانی ڈان تھری کے غصے سے خوف زدہ ہو گیا "ان دونوں کے فرار ہو جانے کے بعد وہ سب مطمئن ہو گئے تھے۔ انہیں اندر کی صورتِ حال کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔"

"کون دونوں فرار ہو گئے؟" ڈان تھری اس پر برس پڑا۔ "مسٹر کام پر بات کرنے کے بعد تو تم بتا رہے تھے کہ بلی کے دونوں ساتھیوں کو مار دیا گیا ہے؟"

"میں نے بلی کو دھوکا دینے کے لیے جھوٹ بولا تھا۔" حبیب جیوانی نے سر جھکا کر مردہ آواز میں کہا۔

"میں نے آج تک اپنے کسی یونٹ میں اتنی ابتری اور بدانتظامی نہیں دیکھی۔ تم نے اس کاروبار کو چور اُچکوں کا کھیل بنایا ہوا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ بلی تمہارے چھ آدمیوں کے سروں پر پیشاب کرتا ہوا میرے مدِ مقابل آگیا اور ان میں سے کسی کو اس معاملے کی سنگینی کا احساس نہیں ہو سکا۔ کیا ان ہی صلاحیتوں کے بل بوتے پر ہم یہاں اپنے کاروبار کی بنیادیں وسیع کرنے کی آرزو کر رہے ہیں؟"

"میں شرمندہ ہوں، ڈان!" حبیب جیوانی رو دینے والی آواز میں گڑگڑایا۔ "جب سے میرا ایک آدمی مارا گیا ہے میرے نظام میں دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ سینڈو کی جگہ لینے والا رفتہ رفتہ اس کی سطح پر آ جائے گا تو ایسی خرابیاں پیدا نہیں ہوں گی۔ وہ بہت محنت کر رہا ہے۔"

"اور اس وقت تک ہم سب جہنم واصل ہو چکے ہوں گے۔" وہ دانت پیستے ہوئے غرّایا۔ بھاگ دوڑ میں اس کے ہاتھ سے سگار کہیں گر گیا تھا اس لیے وہ اپنی جیب سے نیا سگار نکالنے میں مصروف ہو گیا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ اس نے اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنی توجہ سگار کی طرف مبذول کی تھی۔

وہ کمرے میں ٹہل ٹہل اور رک رک کر سگار سلگانے کے مختلف مراحل طے کرتا رہا اور میں اپنی جگہ کھڑا دلچسپی کے ساتھ حبیب جیوانی کی ابتر حالت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ وہ کسی پیدائشی مجرم کی طرح اپنا سر جھکائے کھڑا ہوا تھا۔

سگار کے چند گہرے کش لینے کے بعد ڈان تھری کا غصہ فرو ہوا تو اس نے دوبارہ بیٹھتے ہوئے کہا۔ "وہ دروازے سے بھاگا تھا۔ اگر میں کھڑکی سے نکل کر اس سے پہلے باہر نہ پہنچتا تو وہ بھاگ جاتا۔ اب تم جاؤ اور اس کی بگڑی ہوئی لاش ٹھکانے لگانے کا بندوبست کر کے واپس آؤ۔"

ڈان تھری نے کھڑکی کی راہ اختیار کر کے واقعی عقل مندی کی تھی۔ فرق صرف اتنا ہوا تھا کہ کھڑکی کے دو میں سے ایک پٹ کھلا ہوا تھا اور بلی گینگ نے اسی خلا میں سے مجھ پر فائر کیا تھا۔ اگر کمرے میں سیاہ دھواں نہ پھیلا ہوتا تو ڈان تھری کھلے ہوئے پٹ میں سے بآسانی باہر نہیں نکل سکتا تھا لیکن اندھیرے کی وجہ سے، اس سے اندازہ کی غلطی ہوئی اور وہ بند شیشہ توڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

اس کی ہدایت پر حبیب جیوانی ڈرائنگ روم سے چلا گیا تو ڈان تھری پوری سنجیدگی سے میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"نظم و ضبط کی اس شرمناک صورتِ حال پر تمہارے کیا احساسات ہیں؟"

"اس بندوبست سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا پھر بھی میں ندامت اور شرمندگی محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے سر جھکا کر اپنے صدمے کا اظہار کیا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ تمہارے عمل دخل سے اس صورت حال میں فرق پڑ سکتا تھا؟"

اس کے اس سوال پر میں چونک پڑا۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ آدمیوں کا انتخاب احتیاط سے کیا جاتا تو شاید ان ناخوشگوار واقعات سے بچا جا سکتا تھا۔ ماتحت ناکارہ ہوں تو عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ حبیب جیوانی کو کچھ دن کے لیے رخصت پر بھیج کر، تمہیں اپنی کارکردگی دکھانے کا موقع دیا جائے آنے والے دنوں میں یہ علاقہ ہماری سرگرمیوں میں کلیدی کردار ادا کرے گا۔"

اس کی وہ تجویز میرے لیے نہایت خطرناک تھی۔ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے کسی بھی طرح مافیا کا وفادار نہیں تھا۔ جب تک میں ذمے داریوں سے بچا ہوا تھا، بالا ہی بالا مافیا کے مفادات کو نقصان پہنچا کر، ایسی تمام کارروائیوں کی ذمے داری کا طوق حبیب جیوانی کے گلے میں ڈال سکتا تھا۔ اگر ڈان تھری چوہدری کو کوتوال مقرر کر دینے پر تل جاتا تو میرے لیے بدترین دشواریاں کھڑی ہو سکتی تھیں اور ان کے نتیجے میں مجھے پوری طرح مافیا کا حق نمک ادا کرنے پر مجبور ہونا پڑتا۔

"میری ناقص رائے میں، یہ وقت ایسی کسی تبدیلی کے لیے سازگار نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"میں اس کی وجہ جاننی چاہوں گا۔" ڈان تھری نے اپنی سانپ جیسی نظریں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا۔

"تنظیم کے اندرونی معاملات پر میری گرفت نہ ہونے کے برابر ہے۔ گنے چنے لوگوں کے علاوہ بقیہ افرادی وسائل ابھی تک میری نظروں میں نہیں آ سکے ہیں۔ مجھے عام آپریشن کو چلانے میں دقتیں پیش آئیں گی۔"

"لیکن کیوں؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا تمہیں دیدہ و دانستہ الگ تھلگ رکھنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں؟" اس کی تیوریوں پر برہمی کی علامات ابھر آئیں۔

"دانستہ نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "شاید ابھی تک اس کا وقت نہیں آیا۔ کام میں تیزی پیدا ہو گی تو بہت سی باتیں خود بخود میرے سامنے آتی چلی جائیں گی۔"

"تم اپنے چیف سے بہت زیادہ مرعوب ہو یا پھر اول درجے کے فریبی اور مکار ہو۔" چند ثانیوں کے بعد وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ذمے داری قبول کرنے سے گریز کیوں کر رہے ہو؟"

"میں نے جو کچھ کہا، اس میں میری ذرا سی بھی بدنیتی کا دخل نہیں ہے۔ چیف بہرحال میرا بڑا ہے اور میں اس کا مناسب احترام

کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"تمہاری پرانی شہرت مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی ہے۔" اس نے کہا۔

"مجھے اعتراف ہے کہ مکاریوں اور چال بازیوں کے سلسلے میں، میں بہت بدنام رہا ہوں لیکن مافیا میرا گھر اور میرا مسکن ہے۔ اس میں، میں بالکل سیدھا چلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"میں کیسے مان لوں کہ تم نے سلور آئیز لوٹا دی ہوں گی۔ تم ان کی اہمیت سے پوری طرح واقف تھے پھر تم نے ویرا جیسی دشمن سے سمجھوتا کیسے کر لیا؟ تم ایک طرف خود کو ناقابلِ شکست ثابت کرنے چلے آئے ہو اور اب خود کو اول درجے کا بے وقوف ظاہر کرنے پر تلے ہوئے ہو۔"

"شاید میری کم گوئی کی وجہ سے ایسی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے میں سلور آئیز کے بوجھ سے ان ہی دنوں میں بری الذمہ ہو چکا تھا جب ویرا کے ساتھ میری گاڑھی چھن رہی تھی۔"

"وہ بہت پرانی بات ہے۔ اگر ویرا اس وقت سلور آئیز لے چکی تھی تو اس نے اپنے بڑوں کو اندھیرے میں کیوں رکھا؟"

"اس بات پر وہی روشنی ڈال سکے گی لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ اپنے مفادات کو کبھی بھی فراموش نہیں کرتی۔ جمی لائیڈ کے بارے میں، وہ اکثر جھلاہٹ کا شکار ہوتی رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسی ہی کسی رو میں آکر، اس نے سلور آئیز پر قابض ہونے کا راز اپنی ذات تک محدود رکھا ہو۔"

"لیکن وہ خود آئی وومن ہے۔ شی میں ہر ایک جانتا ہے کہ اس کا سپر آئی مین ایک مرد ہے۔ ایسی صورت میں ویرا فاضل سلور آئیز سے کیا فائدہ حاصل کر سکتی ہے؟"

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں؟" میں بے بسی کے ساتھ اپنے شانے اچکا کر رہ گیا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اس اہم کارنامے کی اطلاع کسی مناسب وقت پر دینا چاہتی ہو۔ ان لوگوں نے اس معاملے میں تم سے رجوع کیا ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ سلور آئیز کی طرف سے کتنے فکر مند ہیں۔"

"اور اب ویرا کہاں ہے؟" وہ پلکیں جھپکائے بغیر مجھے گھورے جا رہا تھا۔

"دو روز پہلے تک میں اس کی راہ پر تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں کسی بھی وقت اسے گھیر کر مار لوں گا لیکن پھر اچانک ہی وہ کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو گئی۔ ہو سکتا ہے کہ اب تک وہ شہر ہی میں کہیں چھپی ہوئی ہو۔"

"دیکھو، ذینی! یہ یاد رکھنا کہ ہم لوگ پروفیشنل ہیں۔ ہم نے کسی مجبوری یا حادثے کے تحت اپنی راہ کا انتخاب نہیں کیا ہے۔ بلکہ کم سے کم مدت میں زیادہ سے زیادہ دولت کمانے اور اختیار حاصل کرنے کے لیے، بہت سوچ سمجھ کر یہ کاروبار اپنایا ہے۔ ہمیں اپنی ساکھ بہت عزیز ہے۔ دشمنی میں ہر دھوکے اور فریب روا ہوتا ہے لیکن جب ہمارے حریف مذاکرات کی میز پر آجاتے ہیں تو ہم جھوٹ بولتے ہیں، نہ وعدہ خلافی کرتے ہیں۔ اسی ساکھ کے سہارے ہم تیزی کے ساتھ ترقی کرتے جا رہے ہیں۔ اگر سلور آئیز کے بارے میں تم کچھ چھپا رہے ہو تو، اب بھی اپنے بیان پر نظر ثانی کر سکتے ہو۔ میں نے ایک بار جمی لائیڈ کے سامنے زبان کھول دی تو کچھ نہیں ہو سکے گا۔ بعد میں تمہاری بات غلط ثابت ہوئی تو میں خود، مافیا کے سارے مفادات کو نظر انداز کر کے، اپنے ہاتھوں سے تمہیں ذبح کر دوں گا۔"

اس کی دھمکی کے سرد الفاظ پر میں اندر سے لرز کر رہ گیا۔ میرا بیان جزوی طور پر درست تھا۔ میں نے ویرا کی ایران روانگی سے پہلے دو سلور آئیز اس کے حوالے کر دی تھیں لیکن تیسری سلور آئی بدستور میری تحویل میں تھی، جس سے میں کسی بھی قیمت پر دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس لیے میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "مجھے اچھی طرح اندازہ ہے ڈان! کہ میں کس سے بات کر رہا ہوں۔ جمی لائیڈ کو اس لڑکی پر دباؤ ڈالنا چاہیے جو اسے زبردستی اپنا باپ بنانے پر اصرار کرتی رہتی ہے۔ اس معاملے میں میرا ضمیر مطمئن ہے۔"

"اور بیم گن؟" ڈان تھری کے نکیلے سوالات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرے ابتدائی جوابات کو من و عن تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

"وہ بھی میرے پاس نہیں ہے۔" میں نے اس سے نظریں چار کر کے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے!" وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔ "مجھے بتایا گیا ہے کہ لیزر سے چلنے والی اس گن کے نوزل سے خارج ہونے والی، مہلک، نیلگوں شعاعیں پتھر تک کو آناً فاناً میں جلا کر راکھ کر دیتی ہیں۔ اب اگر اس خطے میں ایسی کوئی بھی واردات ہوئی تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔"

"یہ زیادتی ہے ڈان!" میں نے پہلی بار احتجاج کیا۔ "للی گینگ کی موت سے ظاہر ہوتا ہے کہ شی والے ابھی تک یہاں کام کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ویرا ابھی اسی شہر میں موجود ہو۔ اگر ان میں سے کسی نے بیم گن سے کوئی شکار کھیلا تو مجھ پر اس کی ذمے داری کیسے ڈالی جا سکے گی؟"

"اسی کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔ وہ یہاں سے پسپائی اختیار کر لیں گے اور پھر تم یہ بھی بھول رہے ہو کہ جمی لائیڈ ہماری ہی طرح پیشہ ور ہے۔ پروفیشنل لوگ جھوٹ نہیں بولا کرتے۔"

"مجھے ان کی پروا نہیں لیکن مجھے تمہارا تحفظ ضرور درکار ہے۔ مجھے یہ اطمینان ہونا چاہیے کہ میرا ڈان مجھے جھوٹا نہیں سمجھتا۔ تم کو اندازہ نہیں کہ جمی لائیڈ میری طرف سے اپنے دل میں کتنے زخم لیے بیٹھا ہے۔ ویرا دنیا کے ہر خطے میں رنگ رلیاں مناتی پھرتی ہے لیکن جمی لائیڈ کو اس بات کی خلش ہے کہ میں ایک طرف اسے زک پر زک پہنچا رہا تھا اور دوسری طرف ویرا میرے لیے

ایک کھلونا بنی ہوئی تھی۔ مجھے تس نہس کرنے کے لیے وہ اپنے اصولوں اور پیشے کے وقار تک کو داؤ پر لگا دے گا۔"

"ہم اپنے حریفوں کی شکایت پر اپنے آدمیوں کو طشتری میں سجا کر' ان کے سامنے نہیں ڈال دیتے۔ میں تمہیں صرف امکانات سے آگاہ کر رہا تھا۔ تم فکر نہ کرو۔ وقت آیا تو تمہارے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔"

"میں تمہارا شکر گزار ہوں' ڈان!" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔ "تمہارے ان الفاظ کے سہارے اب میں سکون کے ساتھ اپنا کام جاری رکھ سکوں گا۔"

"دیکھو' تمہارا چیف کہاں رہ گیا؟ باقی باتیں اس کی موجودگی میں ہونی ضروری ہیں۔"

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر نکاسی کے راستے کی طرف لپکا تو حبیب جیوانی کسی اداس بکرے کی طرح منہ لٹکائے' برآمدے میں کھڑا تھا۔

"ارے! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر حیرت سے کہا۔ "اندر کیوں نہیں آتے؟"

اس نے گھور کر میری طرف دیکھا اور اداسی کے ساتھ بولا۔ "میں سمجھ گیا تھا کہ ڈان مجھے باہر بھیجنا چاہ رہا تھا۔ اس کی اجازت کے بغیر میں نے دوبارہ اندر آنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"تم غلط سمجھے۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ جلدی آؤ' وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

میرے اس فقرے پر حبیب جیوانی کے چہرے سے مایوسی دور ہو گئی اور وہ فوراً ہی میرے ساتھ ہو لیا۔

"تم نے غلام رسول نامی ایک مقامی سیاستداں کو پولیس کے قبضے سے آزاد کرایا تھا۔" قدرے توقف کے بعد ڈان نے بولنا شروع کیا۔ "یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ وہ بھارتیوں کی تحویل میں جانے سے پہلے' مردہ حالت میں دوبارہ پولیس کے ہاتھوں میں پہنچ گیا اگر وہ کام ہو جاتا تو اس کے بدلے میں بھارت میں ہمیں کام کرنے کی بہت زیادہ آزادی مل سکتی تھی۔ غلام رسول یہاں ایک نیک نام سیاستداں تھا لیکن تم نے سن لیا ہو گا کہ وہ ڈاکوؤں اور رسہ گیروں کی سرپرستی کی پشت پناہی کر کے اس مقام تک پہنچا تھا۔ اندر کی خبریں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ بھارتیوں کے ساتھ مل کر سندھ میں مسلح بغاوت پھیلانے کے ایک ایسے منصوبے پر کام کر رہا تھا جس میں چند اہم سفارت خانوں کے ساتھ ہی' شی کا بھی اہم کردار تھا۔ ایک ایسے ملک میں' جہاں ممتاز سیاست دانوں کا یہ حال ہو' ہمارے لیے کام کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔"

اس کی وہ تمہید ہم دونوں ہی کے لیے ناقابلِ فہم تھی۔ اس لیے ہم خاموشی کے ساتھ اس کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرتے رہے۔

"تم جانتے ہو کہ اقتدار کا سرچشمہ کیا ہوتا ہے؟" وہ ڈان کی طرف سے ایک واضح سوال تھا۔

"عوام!" حبیب جیوانی نے گھسا پٹا جواب دیا۔ "ان کی حمایت سے قیادت اوپر آتی ہے۔"

"بکواس!" ڈان نے حقارت سے کہا۔ "یہ سب ترقی یافتہ ملکوں کی باتیں ہیں۔ تیسری دنیا کے ملکوں میں غلام رسول جیسے لوگ ابھر کر آتے ہیں جنہیں سازشوں' کالے دھن اور خفیہ ہتھیاروں کے ذریعے آگے لایا جاتا ہے۔ ان ملکوں میں اقتدار صرف جاگیردار اور سرمایہ دار طبقے کا ہوتا ہے۔ عوام سے صرف نمائش کا کام لیا جاتا ہے۔ وہ دھوپ میں گھنٹوں دھکے کھا کر ووٹ دے آتے ہیں۔ نتیجہ آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سارے ووٹ اسی کو ملے ہیں جسے کوئی پسند نہیں کرتا۔ ووٹر' جیتنے والے کی بدمعاشیوں کے امکانات پر غور کیے بغیر' ایک دوسرے پر شبہ کرنے لگتے ہیں لیکن ہوتا وہی ہے جو ایک مخصوص طبقے کی مرضی ہوتا ہے۔ ہمیں قوت اور اختیار کے ان سرچشموں تک رسائی حاصل کرنی ہے تاکہ ہم بے خوف و خطر ہو کر' اپنا کام آگے بڑھا سکیں۔"

"کی کلب کے مقاصد بھی یہی تھے۔۔" حبیب جیوانی نے یاد دلانا چاہا لیکن ڈان نے فوراً ہی اُس کی بات کاٹ کر' اپنی تقریر شروع کر دی۔

"وہ نظریہ یہاں نہیں پنپ سکتا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "بلیک میلنگ کے ذریعے لوگوں کو مجبور کیا جا سکتا ہے' ان سے دوستانہ مراسم استوار نہیں کیے جا سکتے۔ کی کلب ایک بہت کھلا ہوا راز تھا۔ وہاں ایک حمام میں سب ننگے ہوتے تھے۔ ہر شخص کو معلوم تھا کہ وہاں دوسرے کس صورتِ حال سے دوچار ہوتے ہیں۔ اب ہمیں منظم ہو کر اوپری سطح پر کام کرنا ہو گا۔"

"پالیسی دے دی جائے تو ہم ہر کام کرنے کے لیے تیار ہیں۔" اس بار بھی حبیب جیوانی نے ہی یقین دہانی کرائی۔

"اس بار کرپٹ سیاستداں وغیرہ ہمارا ٹارگٹ ہوں گے۔ ہم ان میں سرمایہ کاری کریں گے اور وہ ہمارے کاروبار کو تحفظ فراہم کرنے کے ذمے دار ہوں گے۔" ڈان تھری بولا۔ "پچھلے دنوں امیر جان نامی ایک سیاستدان کے بیٹے نے نیویارک میں دو کلو ہیروئن ہمارے ایجنٹ کو فروخت کی ہے۔ اس کی لاعلمی میں' پورے لین دین کی ویڈیو فلم بنائی گئی ہے۔ آنے والے دنوں میں باپ بیٹے کو سیاسی کامیابیوں کے لیے خطیر سرمائے کی ضرورت ہے جو ان کی زرعی جاگیر سے نہیں مل سکتا۔ امیر جان بہت آسانی کے ساتھ ہمارے پھندے میں آ سکتا ہے۔ وہ پارسائی جتا کر بچ نکلنے کی کوشش کرے تو اس کے بیٹے کی فلم کا حوالہ اسے راہِ راست پر لے آئے گا۔ اس فلم کا انکشاف ان دونوں کی سیاسی زندگی تباہ کر سکتا ہے۔ امریکی ایف بی آئی وہ فلم مُنہ مانگے داموں پر خرید لے گی۔ اس کی مدد سے وہ یہاں والوں کو بے نقاب کر سکتی ہے۔۔۔"

وہ بولتا رہا لیکن میرے لیے وہ باتیں نئی نہیں تھیں۔ غلام رسول کے معاملے میں مَیں وہ حربہ آزما چکا تھا۔ ہمارے پاس اس کی کوئی فلم نہیں تھی لیکن فرضی فلموں کا حوالہ دیتے ہی اس نے

اپنے بھارتی آقاؤں کو گالیاں دیتے ہوئے' اعترافات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اس کے لیے وہ تصور ہی لرزہ خیز تھا کہ اس کے ملک دشمن جرائم کے تصویری ثبوت اسپیشل ٹاسک فورس کے قبضہ میں تھے۔

اس کے برعکس' امیر جان کے بیٹے کی فلم واقعی موجود تھی۔ اس فلم کے سہارے' ان دونوں باپ بیٹے کو بہ آسانی نکیل ڈالی جا سکتی تھی۔

"اس کے علاوہ سردار پائندہ گل ایک چھوٹا ریکٹ چلا رہا ہے۔ ہیروئن سے کمائی کی دولت لٹا کر اُس نے اپنی سخاوت کی سحر انگیز دھاک بٹھائی ہوئی ہے۔ کراچی کا نوجوان صنعت کار' مختار نقی ہیروئن کے سہارے راتوں رات کروڑ پتی بنا ہے۔ پاکستان میں بہترین ہیروئن تھوڑی سی محنت کے بعد ہر ایک خرید سکتا ہے۔ عالمی بازار کے بھاؤ آئے دن ہر اخبار میں چھپتے رہتے ہیں۔ قیمتِ خرید' رشوتیں اور دوسرے تمام اخراجات پندرہ' بیس لاکھ روپے فی کلو سے زیادہ نہیں آتے۔ پیرس' ایمسٹرڈم' فرینکفرٹ' برلن' لندن اور نیویارک پہنچتے ہی اس کے دام ایک کروڑ سے اوپر پہنچ جاتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں کسی جنس پر داموں اور منافع کی شرح اتنی ہوش ربا نہیں رہی لیکن رکاوٹ صرف اتنی سی ہے کہ مال لے جانے والوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان پُرہجوم شہروں میں ہیروئن کے تھوک خریداروں کے ٹھکانے کہاں ہیں۔" ڈان تھری سگار کے گہرے کشوں کے درمیان میں بولے جا رہا تھا۔ "ان شہروں میں پہنچنے والے ہر پاکستانی کا پیچھا کیا جاتا ہے۔ سیکرٹ ایجنٹ اور پولیس ٹاؤٹ معنی خیز اشاروں کنایوں میں مال کی خریداری کا عندیہ دیتے ہیں تو اناڑی لوگ انہیں کام کا آدمی سمجھ کر ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ ہمیں ان تماشوں کو ختم کر کے اس تجارتی منڈی کو پوری طرح اپنی مٹھی میں لینا ہے۔"

"امیر جان' سردار پائندہ گل اور مختار نقی کے نام میں نے یاد کر لیے ہیں۔ ان پر ہم فی الفور کام شروع کر دیں گے۔ اسی سے آگے راہ بنتی چلی جائے گی۔" حبیب جیوانی نے کہا۔

"صرف امیر جان اور مختار نقی!" ڈان تھری نے زور دے کر کہا۔ "فی الحال سردار پائندہ گل کے قریب بھی نہ جانا۔ وہ اپنے حریفوں سے بڑی بے دردی سے پیش آتا ہے۔ پہاڑی دروں میں قائم اس کے نجی قید خانے سے آج تک کوئی زندہ سلامت واپس نہیں لوٹ سکا۔ اس پر اوچھا ہاتھ ڈالا تو تم بھی وہیں پہنچا دیے جاؤ گے۔ وہاں قانون چلتا ہے نہ لاقانونیت کام آتی ہے۔ وہاں سردار پائندہ گل کی مرضی چلتی ہے۔"

"یہ سردار پائندہ گل وہی تو نہیں ہے جو سرحد کے اُس پار' افیم کی فصلوں کو تباہ کرنے والے' دس گاڑیوں اور بانوے افراد پر مشتمل ایک پورے روسی فوجی قافلے کو اغوا کر کے پہاڑوں میں لے گیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

ڈان تھری کی سرد اور سپاٹ آنکھوں میں پہلی بار حیرت کی خفیف سی رمق نمودار ہوئی اور اس نے تحیرزدہ لہجے میں پوچھا۔ "تم اس کے بارے میں کیسے جانتے ہو؟ یہ خبر تو کبھی منظرِ عام پر ہی نہیں آئی تھی۔"

"میں مافیا کے ساتھ ملنے سے پہلے شی کے ساتھ تھا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "مومن خان آفریدی کے ساتھ ہی' سردار پائندہ گل کی کہانیاں بھی سینہ بہ سینہ پھیلتی رہی ہیں۔ سنا ہے کہ اس نے تمام روسیوں پر اپنے دہشتناک فائرنگ اسکواڈ کے بھرے ہوئے میگزین خالی کرا دیے تھے۔"

"وہ روسی' افغان گوریلوں کی افیم کی فصلیں تباہ کرنے آئے تھے۔" ڈان تھری نے حبیب جیوانی سے مخاطب ہو کر اسے پُرخیال انداز میں بتایا۔ "لیکن سردار پائندہ گل نے ان کی لاشیں' سنگلاخ زمین میں دفن کر کے اس پر پوست کی فصل لگوا دی تھی۔ سنا ہے کہ روسی فوجیوں کی لاشوں پر قائم وہ کھیت آج بھی سب سے زیادہ زرخیز سمجھا جاتا ہے۔"

"ایسے جنونی شخص سے ہمیں دور ہی رہنا ہوگا۔ انسانی کھاد سے افیم کی فصل کی آبیاری کا تصور ہی وحشت انگیز ہے۔ یقین نہیں آتا کہ بیسویں صدی میں بھی ایسے لوگ بستے ہیں۔"

"وہ کٹر قوم پرست ہے۔" میں نے حبیب جیوانی کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "روسیوں کو وہ اپنی قوم اور ملک کا قاتل قرار دیتا ہے اور اُن کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے والے ہر عمل کو جائز سمجھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب گورے ان ملکوں میں سگریٹ اور شراب کی بھرمار کرنے کا حق رکھتے ہیں تو اسے بھی گوروں کے ممالک میں ہیروئن کی وبا پھیلانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اس نے اپنے تین ایسے کارکنوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جنہوں نے تجسس سے مجبور ہو کر' چوری چھپے پہلی بار ہیروئن پی تھی۔"

"پھر تو وہ کوئی نظریاتی جنونی معلوم ہوتا ہے۔" حبیب جیوانی نے برا سا منہ بنا کر تبصرہ کیا۔

"بہرحال' فی الحال ہمیں اس سے دور رہنا ہے۔" ڈان تھری نے ہاتھ اٹھا کر وہ موضوع وہیں ختم کر دیا۔

"پھر اب ہمارے لیے کیا حکم ہے؟" میں نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد ڈان سے پوچھا۔

"تم جا سکتے ہو۔ میں بھی اب آرام کروں گا۔ بلی گینگ کے واقعے نے میری طبیعت مکدر کر دی ہے۔ اگر جمی لائیڈ کی نیت میں شروع ہی سے کھوٹ تھا تو میں نے شکاگو سے یہاں تک دوڑ لگا کر اپنا وقت ضائع کیا ہے۔ میں تم سے فون پر بھی سوال و جواب کر سکتا تھا۔ میرے آنے کا مقصد یہ تھا کہ میں تم سے دُو بدُو بات کر کے معاملہ کی تہ تک پہنچ سکوں مگر جمی لائیڈ نے اپنے طرزِ عمل سے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔"

"میں اپنے بارے میں' اس کی ایسی ہی کسی غیر پیشہ ورانہ حرکت کی طرف سے متردد ہوں۔" ڈان کے آخری فقروں پہ مجھے

ایک مرتبہ پھر اپنی بات دہرانے کا موقع مل گیا۔

"اب مجھے اپنی واپسی کے پروگرام پر نظرِ ثانی کرنی پڑے گی۔ میں یورپ کے بجائے مشرقِ بعید سے ہوتا ہوا' لاس اینجلز کے راستے شکاگو جاؤں گا۔ مکاؤ میں جمی لائیڈ کا ایک بہت پرانا آئی مین رہتا ہے۔ اس سے میری بچپن کی دوستی ہے۔ میں اُس سے بات کروں گا کہ وہ تمہارے معاملے میں جمی لائیڈ کو سمجھانے کی کوشش کرے۔"

ڈان تھری کی زبان سے مکاؤ اور پھر وہاں مقیم آئی مین کا ذکر سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

اس وقت تک میں ڈان تھری سے جلد از جلد فارغ ہو کر' وہاں سے نکل بھاگنے کی فکر میں تھا تاکہ فلیٹ سے مکاؤ فون کر کے غزالہ اور سلطان شاہ کے بارے میں ہونے والی پیش رفت سے واقفیت حاصل کر سکوں لیکن ڈان کی زبان سے مکاؤ اور پھر شی کے آئی مین کا ذکر سنتے ہی میرا ذہن ڈون کوانگ فو کی طرف گیا تھا۔

اس لحہ بھر میں شکاگو' کراچی اور مکاؤ کے سارے فاصلے فنا ہو کر رہ گئے تھے۔ سات سمندر پار' ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور رہنے والے یوں ایک دوسرے کے شناسا نکلے آرہے تھے جیسے برسوں سے ساتھ رہ رہے ہوں اور دنیا ایک مرتبہ پھر اپنے اختصار کا ثبوت دے رہی تھی۔

میرے ذہن میں ویرا' غزالہ' سلطان شاہ' کوانگ فو اور ڈان وغیرہ' سب ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے تھے اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں ڈان کو کس طرح بات آگے بڑھانے پر آمادہ کروں۔

"ہو سکتا ہے کہ جمی لائیڈ مکاؤ والے آئی مین کے کانوں میں' میری طرف سے پہلے ہی زہر انڈیل چکا ہو۔ ایسی صورت میں بات الٹی بھی پڑ سکتی ہے۔" میں نے تیزی سے سوچتے ہوئے بات آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

"نہیں۔" وہ اعتماد کے ساتھ بولا۔ "کوانگ فو میرا بچپن کا ساتھی ہے۔ ہماری دوستی تمام پیشہ ورانہ مصلحتوں سے بالاتر ہے۔ چین سے رضاکارانہ جلاوطنی اختیار کرنے سے پہلے ہم دونوں کے خاندان صدیوں سے' شنگھائی کے مضافات میں اکٹھے رہتے چلے آئے تھے۔ ہمارے درمیان پرانی وضع داری اب بھی برقرار ہے۔"

کوانگ فو کا نام لے کر ڈان تھری نے میری رہی سہی امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا۔

غزالہ کی بازیابی کے سلسلے میں' ویرا کے ذریعے میرا نام کوانگ فو تک پہنچ چکا تھا۔ میں خود اس کی سیکریٹری سے کئی مرتبہ بات کر چکا تھا۔ اس وقت نہ صرف غزالہ ہانگ کانگ یا مکاؤ میں پھنسی ہوئی تھی بلکہ سلطان شاہ بھی وہیں جا پھنسا تھا۔ ان حالات میں ڈان تھری مکاؤ پہنچ کر کوانگ فو سے میرا ذکر چھیڑتا تو اسے بھی معلوم ہو جاتا کہ میں اس کے آقا' جمی لائیڈ کے بدترین دشمنوں میں سرِفہرست تھا۔ وہ لاکھ ڈان تھری کا جگری دوست سہی لیکن ٹی کا نمک خوار بھی تھا۔ وہ ڈھیلے ڈھالے وعدے وعید کر کے نیشی کاؤ کو ٹال دیتا اور غزالہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک جاتی۔ وہ اس قدر غیر متوقع اور خطرناک صورتِ حال تھی کہ میرے ذہن میں فوری طور پر اس کا کوئی حل نہیں آسکا۔

"وہ میرا کام ہے۔ تم میں سے کسی کو اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" نیشی کاؤ نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر ہم سے مزید کوئی رسمی بات کیے بغیر اسی دروازے کی طرف بڑھ گیا جس سے وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔

ہم دونوں اس کے احترام میں اپنی جگہوں پر کھڑے رہ گئے۔

ڈان تھری کے اوجھل ہوتے ہی یک بیک میرے دماغ نے تیزی کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔

آگے جو کچھ ہونا تھا' سو ہونا تھا۔ میری سب سے پہلی ضرورت یہ تھی کہ میں ٹریڈ لائن یا مافیا سے فوری غیر حاضری کا کوئی غیر مشکوک عذر تراش کر حبیب جیوانی کو ذہنی طور پر اپنی رُوپوشی کے لیے آمادہ کر لوں۔ بعد میں مجھے روپوشی کی ضرورت پیش نہ آتی تو میں کسی بھی وقت ٹریڈ لائن کے دفتر پہنچ سکتا تھا۔

"ڈان نے امیر جان کے معاملے پر خاص طور سے زور دیا ہے۔" میں نے فوری طور پر تشویش آمیز لہجہ اختیار کرتے ہوئے چیف کو اپنی راہ پر ڈالنے کی پہلی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں' یہ بات میرے ذہن میں بھی چبھ رہی ہے۔" اس نے احمقانہ انداز میں اعتراف کیا۔ "لیکن بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کی ذمے داری' ہم دونوں میں سے کون قبول کرے گا۔"

"تم چیف ہو۔" میں نے سوچے سمجھے انداز میں اسے اکسایا۔ "حکم دو تو ابھی اسلام آباد جانے کی تیاری شروع کر دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ دو چار روز میں اس تک رسائی کی کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔"

"لیکن ابھی تو ڈان نے اس کے لڑکے کی فلم بھی نہیں دی ہے۔ اس کے بغیر تم کیا کرو گے؟"

"ضروری نہیں ہے کہ فلم میرے پاس ہی ہو۔ ابتدا میں تو اس کا حوالہ ہی کافی ہو گا۔ ضرورت پیش آئی تو بعد میں فلم کی ایک نقل امیر جان کی خدمت میں بھی پیش کر دی جائے گی۔ ایسے معاملات عموماً ایک ہی جست میں طے نہیں ہوتے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جیسا چاہو' کر سکتے ہو۔ جب تک ڈان کراچی سے روانہ نہیں ہو جاتا' میرا یہاں رہنا ضروری ہے۔ پتا نہیں وہ کب مجھے طلب کر بیٹھے۔ پھر مجھے اس سے فلم بھی لینی ہے۔ یہ ایک آدھ دن تو میں اسی مکان میں گزاروں گا۔"

"میں اسلام آباد نکل جاؤں تو میری طرف سے فکرمند نہ ہونا۔ مناسب موقع پر میں خود تم سے فون پر رابطہ کر لوں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں فلم سامنے لائے بغیر امیر جان کو شیشے میں اتار لوں گا۔"

حبیب جیوانی کاٹھ کے الّو کی طرح سرہلا کر رہ گیا اور میری نہایت آسانی کے ساتھ گلو خلاصی کی راہ نکل آئی۔
میری تجویز سے اس کے فوری اتفاق کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ وہ میری موجودگی میں احساسِ کمتری کا شکار ہو کر' دبا دبا سا رہتا تھا۔ اس نے سوچا ہو گا کہ میرے دفع ہو جانے کے بعد اسے ڈان تھری کا خصوصی قرب حاصل رہے گا۔ اس کی بھرپور توجہ سے حبیب جیوانی کی انا کو خاصی تسکین مل سکتی تھی۔
وہ مرحلہ طے ہوتے ہی' میں نے وہاں سے نکل بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں ڈان اندر سے دوبارہ باہر آنکلا تو میرے پروگرام سے آگاہ ہوتے ہی' اسے منسوخ کرنے کا حکم صادر کر سکتا تھا۔
میں اپنی گاڑی میں ڈان کی قیامگاہ سے روانہ ہوا تو میرے ذہن میں خیالات کا ایک طوفان برپا تھا۔ موہوم اور بہت سے دور از کار اندیشے ہولناک صورتوں میں ابھر ابھر کر مجھے خوف زدہ کر رہے تھے۔ میں اپنے خیالات میں اس قدر منہمک تھا کہ اس گاڑی کو بھی نوٹ نہیں کر سکا جو میرے روانہ ہونے کے بعد' ڈان کی قیامگاہ کے قریب ہی ایک ویران گلی سے نکل کر میرے پیچھے روانہ ہوئی تھی۔ قدرے آگے نکلنے کے بعد اس کار سے دو تین مرتبہ میرے اوپر ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی پھینکی گئی تو مجھے خیال ہوا کہ وہ گاڑی مجھ سے راستہ مانگ رہی تھی اس لیے میں نے اپنی کار بائیں طرف دبا کر ویران سڑک بالکل خالی چھوڑ دی لیکن وہ گاڑی آگے نکلنے کے بجائے بدستور میرے پیچھے ہی لگی رہی اور تیز روشنی پھینکنے کا سلسلہ جاری رہا تو مجھے تشویش ہونے لگی لیکن میں اس وقت بھی اصل خطرے کا ادراک نہیں کر سکا۔ میرے ذہن میں یہی خیال آیا کہ وہ کوئی اوباش لڑکا تھا جو بلا وجہ دوسروں کو پریشان کر کے خوش ہونے کا عادی تھا۔
لیکن جب میں ایک ڈھلان عبور کر کے داہنی طرف گھوم رہا تھا تو وہ کار سرعت کے ساتھ میرے پہلو میں آگئی۔ میں اس کار کی اگلی نشستوں پر بس دو ہیولے ہی دیکھ سکا کیوں کہ برابر میں آتے ہی کار سے پے در پے تین فائر ہوئے جو میری کار کی دوسری طرف کی کھڑکی کے شیشے توڑتے ہوئے گزر گئے۔
اگر میں نے اضطراری طور پر پوری قوت سے بریک لگا کر اپنا سر اسٹیرنگ پر نہ ٹکا لیا ہوتا تو تیز رفتار کار سے چلائی جانے والی کوئی نہ کوئی گولی میری کھوپڑی میں پیوست ہو گئی ہوتی۔
میری گاڑی رک چکی تھی اور حملہ آور کار تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھتی چلی گئی۔ چند ثانیوں کے لیے میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ شاید ڈان نے اپنے پروردہ غنڈوں کی مدد سے مجھے خوفزدہ کرنے یا ٹھکانے لگانے کی کوشش کی تھی۔
مگر میرا وہ بے بنیاد خیال زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکا۔ اگلے ہی لمحے' نئے ماڈل کی سیاہ مرسڈیز غراتی ہوئی میری کار سے آگے نکل کر ہوا ہو گئی۔ وہ حبیب جیوانی کی کار تھی جسے وہ خود چلا رہا تھا۔ اس کے برابر والی نشست پر مجھے ڈان کی جھلک نظر آئی تھی۔
میں نے گیئر تبدیل کر کے اپنی کار بھی آگے دوڑا دی۔ مرسڈیز کی موجودگی نے صورتِ حال کو یک بیک بہت زیادہ سنسنی خیز اور اہم بنا دیا تھا۔
حملہ آوروں کی کار بہت تیزی کے ساتھ فرار ہوئی تھی لیکن ویران سڑک پر اس کا نئی مرسڈیز سے جیتنا آسان کام نہیں تھا۔ آناً فاناً میں مرسڈیز نے اس کار کو جا لیا پھر وہ دونوں کاریں خالی سڑک پر برابر برابر دوڑنے لگیں میں نے اپنی کار کی رفتار غیر ارادی طور پر تیز کر دی۔
پھر اچانک ایک ہولناک دھماکا ہوا' حملہ آوروں کی کار فضا میں کئی فٹ اچھل کر آگ اور دھوئیں کے گولے میں تبدیل ہوئی اور دور تک لڑھکتی چلی گئی۔ مرسڈیز سبک رفتاری کے ساتھ بہت آگے نکل چکی تھی حتیٰ کہ اس کی عقبی روشنیاں' جلتی ہوئی کار کے دھوئیں میں معدوم ہو گئیں۔
میں نے بوکھلا کر اپنی کار قریب ترین گلی میں گھما لی۔ وہ سب جس طرح ظہور پذیر ہوا اس کی بنا پر تباہ ہونے والی کار کے دونوں سواروں میں سے کسی کا زندہ بچنا محال نظر آ رہا تھا۔ مجھے اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ ڈان نے کوئی طاقتور دستی بم پھینک کر اس کار کو تباہ کیا تھا۔
خالی الذہنی کے عالم میں کئی پُر پیچ گلیوں میں گھومنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ ڈان نے وہ سب میرے ہی لیے کیا تھا مگر مجھے حیرت تھی کہ وہ خاموشی سے میرے پیچھے کیوں آیا تھا؟
مجھے امید تھی کہ حملہ آوروں کی کار کو تباہ کرنے کے بعد' ڈان کہیں اور جانے کے بجائے واپس اپنی قیام گاہ کا ہی رخ کرے گا اس لیے میں نے بھی اپنی گاڑی واپسی کے راستے پر ڈال دی۔
میں نے سوچے سمجھے بغیر گلیوں میں فرار کی راہ اختیار کی تھی اس لیے مجھے دوبارہ راستہ تلاش کرنے میں قدرے دشواری کا سامنا کرنا پڑا اور جب میں واپس ڈان کی قیامگاہ پر پہنچا تو پورچ سے ذرا آگے مرسڈیز نیم تاریکی میں پارک کی ہوئی تھی جیسے اسے کئی دنوں سے وہاں سے نہ ہٹایا گیا ہو۔
میری آمد کی اطلاع پاتے ہی حبیب جیوانی بوکھلائے ہوئے انداز میں برآمدہ میں نکل آیا۔
"تت ... تم واپس کیوں آئے ہو؟" اس نے آتے ہی خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔
"یہ سب کیا ہوا تھا؟ میرے اعصاب ہل کر رہ گئے ہیں۔ وہ لوگ کون تھے؟"
"وہ بلی گینگ کے آدمی تھے جو موقع کی تلاش میں کسی تاریک گلی میں چھپے ہوئے تھے۔ میرے دو آدمی ان کی تلاش میں باہر بھٹک رہے تھے۔ انہوں نے جوں ہی ایک کار کو تمہارے پیچھے روانہ ہوتے دیکھا' وائرلیس پر مجھے خبر دی اور ڈان نے فوراً روانہ ہونے کا

فیصلہ کرلیا۔ تمہارا مقدر اچھا تھا کہ تم ان کی اندھا دھند فائرنگ سے بچ گئے لیکن وہ ڈان کے آہنی چنگل سے نہیں بچ سکے۔ اس بھاگ دوڑ کے نتیجے میں وہ تینوں ہی جہنم واصل ہو گئے۔ یہ دو بھگوڑے نہ مارے جاتے تو شکست کا احساس میرے ذہن پر کچوکے لگاتا رہتا۔"

"میں اپنی اس خبرگیری پر ڈان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے ممنونیت سے کہا۔

"تم جلد از جلد اس علاقے سے دور نکل جاؤ۔ یہ شکریہ وُکریہ میں پہنچا دوں گا۔ تم بچ گئے ہو لیکن تمہاری کار پر گولیوں کے نشانات ضرور آئے ہوں گے۔ تھوڑی دیر میں ہر طرف پولیس پھیل جائے گی اور تم دشواریوں میں پڑ جاؤ گے۔ اب جاؤ اور ڈان کو لباس تبدیل کرکے آرام کرنے دو۔"

"میں ڈان کے ساتھ تمہارا بھی ممنون ہوں کہ مجھ پر حملہ آور ہونے والوں کو سختی سے کچل دیا گیا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ آگے نکلنے کے بعد دوبارہ میری طرف پلٹ پڑتے۔" میں نے صدقِ دل سے کہا۔

"اب جاؤ!" اس نے میرے بازو تھام کر مجھے گھما دیا "دیر کرو گے تو پھنس جاؤ گے اور پولیس والوں سے میں تو کیا' ڈان بھی نہیں بچا سکے گا۔"

میں خاموشی سے اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

○☆○

میں فلیٹ کے دروازہ پر پہنچا تو اندر فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ میں نے ہنضی قفل کھولنے میں خاصی پھرتی سے کام لیا لیکن جب تک میں اندر پہنچا' فون کی گھنٹی تھک کر خاموش ہو چکی تھی۔

نہ جانے وہ کس کا فون تھا اور کب سے گھنٹی بج رہی تھی؟ اس بھاگ دوڑ میں میری بھوک خاصی چمک اٹھی تھی۔ اس لیے میں نے ریفریجریٹر میں سے خورونوش کی کچھ اشیا نکالیں اور فون کے قریب ہی بیٹھ کر کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔

گیارہ بجے کے قریب دوبارہ فون کی گھنٹی بجی تو میں کھانے سے فارغ ہو کر صوفے پر ستا رہا تھا۔ میں نے پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے ظفر کی آواز سنائی دی۔

"تم کہاں غائب تھے؟ شام سے یہ میری پانچویں فون کال ہے۔" اس نے تیزی سے پوچھا تھا۔

"اکیلا آدمی کوچہ نوردی کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے؟ بس شہر کی سڑکیں ناپتا پھر رہا تھا۔"

ریسیور پر اس کے جاندار قہقہے کی آواز ابھری' پھر وہ بولا "آج کل تو تم واقعی اکیلے رہ گئے ہو' غزالہ کے بعد ویرا اور پھر سلطان شاہ بھی تمہیں داغِ مفارقت دے گیا۔ اس کی کیا خیر خبر ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ابھی تک انتظار ہو رہا ہے۔" میں نے اداس لہجے میں کہا۔

"لیکن میرے پاس کچھ خوش خبریاں ہیں جن میں تمہاری شرکت کے بغیر لطف ادھورا ہے۔"

"میں وہی سننا چاہ رہا ہوں۔ تم نے بلاوجہ تو پانچویں بار فون نہیں کیا ہو گا۔"

"پہلی اطلاع تو یہ ہے کہ آپریشن سلور سینڈ کے خالق' شری مان سنگھ کو کھلے سمندر میں پھینک کر جہنم واصل کر دیا گیا تھا۔ سمندر بھی زیادہ دیر تک اس پاپی کی لاش کا بوجھ نہیں سہار سکا۔ آج دوپہر پیراڈائز پوائنٹ کی بے رحم چٹانوں میں اس کی مسخ شدہ لاش دریافت کی گئی ہے۔"

"میرے حساب سے تو وہ اسی وقت مر چکا تھا جب میں اسے تمہارے پاس چھوڑ کر آیا تھا۔ لیکن تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ آپریشن سلور سینڈ کیا بلا ہے۔ اس سے پہلے ملا سرکار بھی ان لوگوں کے ایک منصوبے کی بھینٹ چڑھ چکا ہے۔"

"یہ منصوبہ بہت خطرناک تھا۔ یہ کامیاب ہو جاتا تو ہماری حکومت سیاسی اعتبار سے بدترین دفاعی پوزیشن میں آجاتی۔ اس کے مطابق جرائم پیشہ لوگوں کا ایک بڑا لشکر' ہماری جانب سے بھارتی علاقے پر حملہ کرتا اور وہ جوابی کارروائی کے نام پر ان کو روندتے ہوئے ہمارے علاقے میں گھس آتے۔ اس لشکر میں سے پکڑے جانے والوں کو عالمی ذرائع ابلاغ کے سامنے پیش کرکے اس بات کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا کہ داخلی امن و امان کے لیے ہماری حکومت نے جرائم پیشہ افراد کو بھارتی علاقے پر لشکر کشی اور لوٹ مار کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اس بارے میں ان کے سرغنوں سے حسبِ مرضی اقبالی بیانات دلوائے جاسکتے تھے۔"

"آج کے ترقی یافتہ دَور میں کون اس بھونڈے الزام کو مانتا۔ آج کل تو پیشہ ور فوجوں میں بھی مہارت اور فنی برتری کا ہی مقابلہ ہوتا ہے۔ قبائلی دَور کی لشکر کشی سے ملک فتح کرنے کے زمانے لد چکے ہیں۔ ایسی کوشش کو کھلی خودکشی کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جائے گا۔"

"امن و امان کی اندرونی صورتِ حال خراب ہو تو ایسے مضحکہ خیز الزامات بھی قرینِ قیاس بن جاتے ہیں۔ شری مان سنگھ کی موت کے بعد یہ باب خود بخود بند ہو جائے گا۔"

"تم نے ابھی تک اگلی خوش خبری کا ذکر نہیں کیا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ویرا کے بارے میں اس سال کی سب سے بڑی خوش خبری ملی ہے۔" آخرکار وہ وفورِ جوش سے پھٹ ہی پڑا "اس مرد کی بچی نے جو کہا تھا' وہ پورا کر دکھایا ہے۔"

"مرد کی نہیں' وہ خود کو جمی لائیڈ کی بچی کہتی ہے۔ اب چپ کیوں ہو گئے؟ جلدی بات پوری کرو!"

"اہم ایٹمی آلات اور سازوسامان لانے والا' ایرانی قافلہ ہماری سرحدوں میں داخل ہو چکا ہے۔ راستے میں صرف ایک ٹرک ہولناک دھماکے میں تباہ ہوا ہے۔ اس پر وہی ہیٹ ایکس چینجر لدا

ہوا تھا۔ جس کا ذکر ویرا نے کیا تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جدید ترین ' خلائی ٹکنالوجی کے سہارے لائی جانے والی اس تباہی میں کسی آدمی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی' یہ ویرا کا ایک لازوال کارنامہ ہے۔"

"یہ خبر کب اور کیسے ملی؟ کیا ویرا لوٹ آئی ہے؟" میں نے بے تابی کے ساتھ سوال کیا۔

"وہ ٹرک دشت لوت میں نصرت آباد کے قریب چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس پر ہونے والا دھماکا اس قدر شدید تھا کہ ڈیڑھ انچ موٹی آہنی چادر ریزہ ریزہ ہو کر سیکڑوں میٹر دور تک پھیل گئی۔ ٹرک اور ٹریلر کسی نازک کھلونے کی طرح تباہ ہو گئے۔ دھماکے کے وقت وہ ٹریلر کارواں کے ساتھ ہوتا تو دنیا کی کوئی طاقت اس کیمپ کو مکمل تباہی سے نہیں بچا سکتی تھی۔ دھماکے کی آواز میلوں دور تک سنی گئی تھی۔ یہ کہانی ہماری سرحد میں پہنچنے والے کارواں کے عملے نے سنائی ہے اور ایرانی فضائیہ نے اس تباہی کی تصدیق کی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں کو بھی ادھوری تباہی کا علم ہو گیا ہوگا۔ وہ جھلا کر باقی کیمپ پر کوئی بہت بڑا فضائی حملہ بھی کر سکتے ہیں۔" میں نے تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"اب شاید کچھ نہیں ہو سکتا۔ زمین پر وہ کارواں کمانڈوز اور انٹر سروسز انٹیلی جنس کے محاصرے میں ہے۔ فضا میں لڑاکا طیاروں کی مسلسل پروازیں جاری ہیں۔ کارواں کی نقل و حرکت خفیہ رکھی جا رہی ہے۔ جب ہماری طرف سے تخریب کاری کا امکان ظاہر کیا گیا تو ایرانی حکام کو ہمارے اندیشوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ شہنشاہ کے دوستانہ دور میں دی جانے والی امداد میں کوئی ہولناک کھیلا کیا گیا ہوگا۔ اب ان کی بھی آنکھیں کھل گئی ہیں۔"

"لیکن ابھی بھی بلوچستان کی سرحد سے پنڈی یا کوئٹہ تک کا طویل سفر باقی ہے۔" ویرا کی سنائی ہوئی لرزہ خیز کہانی کے درست ہونے کی اطلاع سنتے ہی میرا دل انجانے اندیشوں سے لرزنے لگا تھا۔

"ہنگامی طور پر یہ سفر مختصر کر دیا گیا ہے۔" شاید غیر ارادی طور پر ظفر کی آواز دھیمی اور رازدارانہ ہو گئی "اس معاملے میں شروع سے اب تک' تمہارا کردار ناقابلِ فراموش رہا ہے اس لیے میں تمہاری جذباتی کشمکش کو سمجھ رہا ہوں۔ اسی لیے زبان کھول رہا ہوں کہ تم اب فکر نہ کرو۔ ماہرین ہنگامی بنیادوں پر صورتِ حال کو سنبھال رہے ہیں۔"

"مگر کیسے؟ ٹریلروں کا وہ لشکر جہاں بھی رکے گا' تماشا بن جائے گا۔" میں نے کہا۔

"کوئٹہ کے قرب و جوار میں کنکریٹ کے بنے ہوئے' زیرِ زمین امیونیشن ڈمپ خالی کرائے جا رہے ہیں' جدید ترین کرینیں اور فورک لفٹ ٹرک تیزی سے وہاں پہنچائے جا رہے ہیں۔ صبح کا اُجالا ہونے سے پہلے' زمین یہ سب نگل چکی ہوگی۔ ٹریلروں پر سے دیوہیکل مشینیں اور آلات ان ہی زیرِ زمین گوداموں میں اتارے جائیں گے اور ایرانی ٹریلر خالی ہونے کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے واپس لوٹتے چلے جائیں گے۔ کچھ دن گزر جانے کے بعد اس تمام سازوسامان کو اِکا دُکا ٹریلروں کے ذریعے خاموشی کے ساتھ منزلِ مقصود پر پہنچا دیا جائے گا۔ کسی کو کانوں کان بھی علم نہیں ہو سکے گا کہ پاکستان میں داخل ہونے کے بعد یہ زبردست کیمپ کہاں غائب ہوگئی۔"

"یہ واقعی مناسب بندوبست معلوم ہوتا ہے۔" میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا "لیکن بلیو کراس ڈیل کے لیے تو یہ ساری تیاریاں پہلے سے مکمل ہو جانی چاہیے تھیں۔ اب بھاگ دوڑ کیوں ہو رہی ہے؟"

"سچ بات یہ ہے کہ ایرانیوں کی طرح ہمارے بعض اعلیٰ حکام بھی بلیو کراس ڈیل کی تباہی کے خطرے کو تخیل طرازی یا افواہ سے زیادہ اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ یہ سب دشتِ لوت میں ٹرک اور ٹریلر کی تباہی کے بعد ہوا ہے۔ اس واقعے نے ہر طرف کھلبلی مچا دی ہے۔"

"سب کچھ اسی طرح پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا' جس طرح تم سوچ رہے ہو تو بہت بڑا کام ہوگا۔ جو لوگ خلائی اشاروں سے پھٹنے والے حساس ہتھیاروں سے کام لینے کے اہل ہیں' وہ بڑے پیمانے پر ہونے والی زمینی نقل و حرکت کا بھی سراغ لگا سکتے ہیں۔ ان سے تو کچھ بھی نہیں چھپایا جا سکے گا۔"

"اپنی سائنسی برتری کے سہارے وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں لیکن پھر بھی سب کچھ کر گزرنا ان کے بس سے بھی باہر ہے۔ جب تک اس علاقے پر مستقل طور پر ایک مصنوعی سیارہ معلق نہ ہو' وہ چوبیس گھنٹے' ہر چیز کی نگرانی نہیں کر سکتے۔ ہمارے ذمے دار اپنی بساط کے مطابق سب کچھ کر رہے ہیں۔ اللہ کی مرضی ہے۔ ہمیں بہترین نتائج کی توقع رکھنی چاہیے۔ صبح ہونے تک پوری صورتِ حال واضح ہو چکی ہوگی۔"

اس وقت میرے ذہن میں بہت تیزی کے ساتھ' چوکنڈی کے قدیم اور تاریخی قبرستان کے کھنڈرات کے قریب ٹی کے ڈی ڈی یا دلدار آغا کے ساتھ ہونے والی جاں گسل جدوجہد ابھر آئی۔ ڈی ڈی' اپنے دوست اور شریکِ کار اسرار رضوی کی مدد سے مجھے ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت چوکنڈی کے علاقہ میں لے گیا تھا کیونکہ ان دنوں چوکنڈی کے اطراف میں پھیلا ہوا وسیع و عریض علاقہ خلا میں موجود سیارچے کی زد میں تھا۔ وہاں جو کچھ بھی کھیل کھیلا گیا وہ اس سیارچے کی حساس آنکھوں کے ذریعے' ہزاروں میل دور من و عن دیکھا گیا اور پھر جی لائیڈ نے ان چشم دید واقعات کی بنیاد پر آناً فاناً میں اپنے اگلے فیصلے صادر کر دیے جن میں ویرا کا کراچی بھیجا جانا سرفہرست تھا۔

لیکن اس نازک موقع پر' میں نے ماضی کے ان تجربات کو بدشگونی سمجھتے ہوئے' ان کا ذکر ہی گول کردیا۔ وہ لمحات ایسے تھے کہ آدمی ہر طرف سے بے بس ہو کر بس دعاؤں اور معجزوں پر انحصار کرنے لگتا ہے۔ اس وقت میرا رُواں رُواں یہ دعا مانگ رہا تھا کہ کاش ایرانی کارواں کی باقی ماندہ گزرگاہ کسی جاسوس' خلائی سیارہ کی زد میں نہ آئی ہوئی ہو' کیونکہ اسی ایک نکتے پر ہر چیز کی سلامتی کا دارومدار تھا۔

"میں دست بہ دعا رہوں گا۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"میرا خیال کہ اس معاملے میں' میری اور تمہاری فکرمندی سب سے زیادہ ہے کیونکہ ہمیں علم ہے کہ ہم کن لوگوں سے مقابلہ کررہے ہیں۔ دوسروں کے لیے متوقع خطرات کا ادراک کرنا ہی ناممکن ہے۔ بلیو کراس ڈیل کے بعض ذمے داروں نے کارواں اپنی سرحد میں پہنچنے پر باقاعدہ جشن منایا ہے۔ ان کے خیالات میں سب کچھ نمٹ چکا ہے اور اب ٹرکوں کو ایک مقررہ مقام پر لے جاکر خالی کرنا باقی رہ گیا تھا۔ اگر دشتِ لوت کے دھماکے نے سنسنی اور افراتفری نہ پھیلائی ہوتی تو بہت پیچیدہ صورتِ حال سامنے آسکتی تھی۔"

"اب اس معاملے پر مزید مغززنی بے سود ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "یہ بتاؤ کہ ویرا کی کیا خیر خبر ہے؟"

"میرے دل میں اس کی قدر و منزلت یک بیک بڑھ گئی ہے' میں تم سے شروع سے کہہ رہا ہوں کہ بظاہر وہ بہت گندی اور بگڑی ہوئی نظر آتی ہے لیکن اس کے اندر ایک اچھی لڑکی موجود ہے۔ ابھی تک اس کے بارے میں کہیں سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ دشتِ لوت میں روکے جانے والے ٹریلر کا قصہ اس کے منطقی انجام تک پہنچانے کے لیے پیچھے رہ گئی ہوگی اور کل پرسوں تک واپس لوٹ آئے گی۔"

"اس کے بارے میں' تمہارے ارادے مجھے اب بھی ڈانواں ڈول نظر آتے ہیں۔" میں نے گفتگو میں ہلکا پھلکا پن پیدا کرنے کی نیت سے قہقہہ مار کر کہا "ہوسکتا ہے کہ وہ بھی تمہیں رجھانے کے لیے اتنی تن دہی سے کام کررہی ہو۔ اس کی کوئٹہ سے آنے والی فون کال خاصی معنی خیز تھی۔"

"میں کھلے ذہن کا آدمی ہوں۔" اس کی سنجیدہ آواز ابھری۔ "ایسا ہو بھی تو کون سا بُرا ہے۔ دنیا میں اس سے زیادہ بری عورتوں کی بھرمار ہے۔ وہ سب پوری عمر کسی کٹی ہوئی پتنگ ہی کی طرح نہیں چکراتی رہتیں۔ درمیانی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہر عورت' شدت کے ساتھ اپنا گھر بسانے کی آرزو کرنے لگتی ہے اور عموماً یہ آرزو پوری ہوجاتی ہے۔ اگر ویرا بھی سنجیدہ ہوجاتی ہے تو اس میں کیا برائی ہے؟ میرے لیے تو اب وہ ایک ہیرو کا درجہ حاصل کرچکی ہے۔ ہم لوگ اپنے محسنوں کے بارے میں حد درجہ جذباتی ہوتے ہیں۔"

"ہم لوگوں سے تمہاری کیا مراد ہے۔ سارے پاکستانی تو ایسے نہیں ہوتے۔ آج کل تو اپنے محسن کی ٹانگ کھینچنے والے کو کامیاب آدمی قرار دینے کا رواج چل پڑا ہے۔" میں نے اسے چھیڑا۔

"ایسی حرکتیں وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنی موت کو بھولے رہتے ہیں۔ میں حاضر اور ریٹائرڈ فوجیوں کی بات کررہا تھا۔ یہ لوگ اپنے عمل اور ردِ عمل میں دوسروں سے بہت مختلف ہوتے ہیں جس کسی نے بھی ایک بار موت کو اپنے روبرو دیکھ لیا ہو' اس کی کائنات ہی بدل کر رہ جاتی ہے۔ پھر ایک سچا فوجی تو ہر وقت موت کے منہ زور گھوڑے پر سوار رہتا ہے۔"

"خدا کے لیے' ویرا کے سامنے تعریفوں کے پٹارے نہ کھول بیٹھنا۔ وہ رہے سہے کام سے بھی جاتی رہے گی۔" میں نے بوکھلا کر کہا "تعریفوں کے بغیر ہی اس کا دماغ ساتویں آسمان پر رہتا ہے۔"

"تمہارا موڈ ہو تو اِدھر چلے آؤ۔" اس نے جوابی ہنسی کے ساتھ کہا "آج تمہارے ساتھ باتیں کرنے کو طبیعت چاہ رہی ہے۔"

"ضرور چلا آتا' لیکن طویل آوارہ گردی نے تھکا دیا ہے۔ اس کے علاوہ میں شغل میں بھی لگا ہوا ہوں۔ راستے میں کسی پولیس والے نے روک کر منہ سونگھ لیا تو مشکل کھڑی ہوجائے گی۔"

"میں آج تک یہ سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا کہ لوگ شراب کیوں پیتے ہیں۔ امتناع سے پہلے ہر میس میں بھی یہی سب ہوتا رہتا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ عقل و خرد سے بیگانہ ہو کر' تمہیں کیا ملتا ہوگا؟"

"اوّل تو میں اتنی نہیں پیتا کہ عقل و خرد سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔ دوم یہ کہ میں اپنی اس بری عادت کی کوئی بھی تاویل دینی چاہتا ہوں' نہ اس کا دفاع کرنا پسند کرتا ہوں۔ یہ ایک بری عادت ہے اور میں اس میں گرفتار ہوں۔ تم دعا کرو کہ مجھے اس سے چھٹکارہ مل جائے۔"

"میں دعا کروں؟" اس کی تحیّر زدہ آواز ابھری "تم کوشش نہیں کرو گے؟"

"سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی میری مزاحمانہ کوششیں دم توڑ جاتی ہیں۔" میں نے بے بسی کا اعتراف کیا "اسی لیے تم سے دعا کا مطالبہ کررہا ہوں۔"

"دراصل میں رجنی کے بارے میں بات کرنی چاہ رہا تھا۔" قدرے توقف کے بعد اس نے اچانک ہی موضوع بدل دیا "شری مان سنگھ کے جہنم واصل ہونے کے بعد ہمارے لیے اس کا کیا مصرف رہ گیا ہے؟"

"فی الحال اسے رہا کرنے کی غلطی بھی نہ کرنا۔" میں نے بوکھلا کر کہا "شری مان کی موت کا واقعہ تازہ ہے۔ رجنی کی رہائی سے اس معاملے میں نت نئے پہلو نکل آئیں گے۔ اس کے بیانات صورتِ حال کو بگاڑ کر رکھ دیں گے۔ جب شری مان سنگھ کا معاملہ ٹھنڈا پڑجائے تو اسے ملک سے باہر بھجوا کر آزاد کردینا۔ وہ لاکھ شور مچاتی

رہے لیکن یہ ثابت نہیں کر سکے گی کہ اسے پاکستان میں قید رکھا گیا تھا۔"

"بعض اوقات تم واقعی بہت دور کی کوڑی لاتے ہو!" وہ بے اختیار کہہ اٹھا۔

اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے، میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں نے اس سے ذکر نہیں کیا تھا لیکن مجھے یاد تھا کہ ویرا نے روانگی سے پہلے یہ امکان ظاہر کیا تھا کہ اسے ہدایت ملی تو وہ ایران میں اپنا مشن سرانجام دینے کے بعد، وہیں سے امریکا یا کسی اور منزل کی طرف نکل جائے گی۔ ایران سے اس کی پاکستان واپسی کا امکان خاصا موہوم تھا۔

دوسری طرف، مافیا کے ڈان تھری نے اپنے اگلے پروگرام کا ذکر کر کے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ مجھے اپنی بہت زیادہ فکر نہیں تھی۔ میں نیشی کاؤ اور کوانگ فو کی ملاقات سے پیدا ہونے والے اثرات کا بخوبی مقابلہ کر سکتا تھا۔ میرے لیے اہم ترین بات یہ تھی کہ نیشی کاؤ کے مکاؤ پہنچنے سے پہلے غزالہ وہاں سے نکل آئے۔ اگر وہ نیشی کاؤ کے پہنچنے تک مکاؤ ہی میں پھنسی رہتی تو اس کے لیے خاصی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔

اس معاملے میں ویرا کی ذات بہت اہم ثابت ہو سکتی تھی۔ وہ کوانگ فو کی منہ بولی بیٹی تھی اور ضد کر کے بھی اس سے اپنی بات منوانے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اگر سلطان شاہ کی کوششوں کے نتیجے میں، غزالہ کوانگ فو پر اپنے اعتماد کا اظہار کر چکی تھی تو ویرا کی محض ایک فون کال پر اسے مکاؤ سے روانہ کیا جا سکتا تھا۔

ویرا ایران میں اپنا کام بحسن و خوبی مکمل کر چکی تھی۔ شی والوں نے اسے ہتھیاروں کی کھیپ میں نصب، تباہ کن ڈیوائس کو متحرک کرنے کا کام سونپا تھا جو اس نے پورا کر دیا تھا۔ ہم نے اس سے ایک ٹرک کے علاوہ باقی آلات اور سازوسامان کو بچانے کا مطالبہ کیا تھا۔ ویرا نے ہماری خواہش بھی پوری کر دی تھی۔ اس مرحلے پر میں اپنی اس خواہش پر قابو نہیں رکھ سکا تھا کہ ویرا ایران سے فارغ ہو کر کراچی چلی آئے۔

وہ کراچی آجاتی تو اس کے ذریعے نیشی کاؤ، کوانگ فو اور غزالہ کی الجھی ہوئی گتھی بہت آسانی اور خوش اسلوبی کے ساتھ سلجھ سکتی تھی لیکن انسان صرف خواہشیں ہی کر سکتا ہے۔ ان کا پورا ہونا یا نہ ہونا کاتبِ تقدیر کے اختیار میں ہوتا ہے۔ انسان کی خواہش اور کاتبِ تقدیر کی رضا کے درمیان پائے جانے والے فرق ہی کو حسرت کہا جاتا ہے اور ان حسرتوں سے صدمے اور غم جنم لیتے ہیں۔ زندگی کے غموں سے بس وہی لوگ بے نیاز رہتے ہیں جو اپنی خواہشات کو بالکل فنا کر کے، اپنی زندگی کاتبِ تقدیر کے لکھے کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ اس کی رضا کے آگے سر جھکا کر اپنے نفس فراموش کرنے والے ولی، قطب اور ابدال تو ہو سکتے ہیں لیکن ایک عام آدمی نہیں، جب کہ میں ایک معمولی سا انسان تھا۔ میں اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشات اور آرزوؤں کے حصول میں شب و روز سرگرداں رہنے کا عادی ہو گیا تھا۔ اور اسی وجہ سے ہر وقت فکر، تشویش، غم اور اضطراب میں گھرا رہتا تھا۔

اس وقت ویرا کا کہیں پتا نہیں تھا، غزالہ ہانگ کانگ یا غالباً مکاؤ میں پھنسی ہوئی تھی، میرا دل اس کا طلب گار تھا اور میں اس کی طرف سے بہت زیادہ فکر مند تھا۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ چند منٹ بعد رات کے بارہ بجانے والی تھی۔ اس اعتبار سے ہانگ کانگ اور مکاؤ میں صبح کے چار بجے کا عمل ہونا چاہیے تھا۔ وہ ایسا وقت تھا جب نیند کا خمار گہرا ہوتے ہوئے اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہوتا ہے اور بے خوابی کے دائمی مریض بھی چند گھڑی کو سو لیتے ہیں۔ میں نے ایسے نامناسب وقت پر فون کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

ڈون کوانگ فو کی غیر حاضری میں اس کا عملہ شاید رات کے مخصوص اوقات میں آرام کرنے کے لیے فون بورڈ بند کر دیتا تھا۔ ڈون کی موجودگی میں ایسا ہونے کا امکان نہیں تھا لیکن پھر بھی اونگھتے ہوئے کسی فرد سے خوش دلی کی امید نہیں کی جا سکتی تھی جب کہ غزالہ کا کھوج لگانے کے لیے مجھے دوسری جانب والوں کے بھرپور تعاون کی ضرورت تھی۔ اس کے بغیر مجھے غزالہ کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں مل سکتی تھی۔

میں نے بستر پر دراز ہو کر دو تین گھنٹے تک سونے کی بہت کوششیں کیں لیکن پلک تک جھپکانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اعلیٰ قسم کی اسکاچ کا خمار بھی نیند کی حسین دیوی کو رام کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ میں اپنے اِردگرد کے حالات کے بارے میں سوچتا ہوا مسلسل سگریٹیں پھونکتا رہا۔ اسی بے آرامی میں دو بج گئے اور میں نے اکتا کر بستر چھوڑ دیا۔

نیم گرم پانی کی تیز دھاروں میں غسل کرنے اور پھر تیز کافی کا ایک کپ معدے میں منتقل کرنے کے بعد میں فون پر آ گیا۔ اس وقت پونے تین بج رہے تھے۔ باہر گہرے سناٹے کا راج تھا لیکن مکاؤ میں یقیناً رات کا سحر ٹوٹ چکا تھا۔

نمبر ملنے کے بعد ڈون کوانگ فو کے محل کے احمقانہ احتیاطی نظام سے گزرنے کے بعد جب ریسیور پر ڈون کی سیکریٹری کی تروتازہ اور شناسا سا آواز سنائی دی تو میں نے سکون کا سانس لیا۔

"تم ڈینی ہی بول رہے ہو نا؟" اس نے اپنے ساؤنڈ اسکینر پر میری آواز پہچان لی تھی۔

"ہاں! میں نے پچھلے تین چار گھنٹے کربناک انتظار میں گزارے ہیں۔ مجھے اپنی تشویش سے کہیں زیادہ، تمہاری نیند عزیز تھی۔" میں نے اس کا موڈ خوشگوار رکھنے کی نیت سے کہا۔

"میں ساری رات فون پر موجود تھی۔" اس کے بے پروایانہ

جواب نے مجھے حیران کردیا "ڈون کی غیر حاضری میں' میں نے ایک دو مرتبہ رات کو فون بند کردیا تھا۔ اس کی موجودگی میں تو ایک لمحے کے لیے بھی فون بند کرنے کا تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ اپنے محل سے شاذونادر ہی باہر نکلتا ہے اور سارے کام فون پر سرانجام دیتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ڈون واپس مکاؤ آچکا ہے؟" میں نے مسرت آمیز حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"میری کسی بات کا کوئی مطلب نکالنے کی کوشش نہ کرو۔ میں نے تمہیں ایک عام سی بات بتائی ہے۔" اس نے تیز لہجے میں فوراً ہی میری بات کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔

"چلو' تو اب مجھے بتادو کہ ہانگ کانگ کی کیا خبریں ہیں؟ میرا آدمی کہاں ہے؟"

"مجھے افسوس ہے کہ مجھے اس بارے میں تم سے کوئی بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔" اس کی آواز میں اچانک ہی سرد مہری اور بے رخی پیدا ہوگئی۔

"کیا یہ ڈون کی ہدایت ہے؟" میں نے بے اعتباری کے ساتھ سوال کیا۔

"اس کے محل کے ملازمین صرف اسی کے احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ دوسروں کو اس انتظام میں دخل انداز ہونے کی کوئی اجازت نہیں ہے۔" اس کی آواز میں بے اعتنائی برقرار تھی۔

"یعنی ڈون اپنے محل میں واپس آچکا ہے؟ تب ہی تو اس نے تمہیں ہدایت دی ہوگی؟"

"قطعی ضروری نہیں" اس مرتبہ اس کی آواز میں رُکھائی کے ساتھ سختی بھی عود کر آئی "وہ قیدی نہیں تھا۔ اپنے ہوٹل کے کمرے میں محصور تھا۔ وہ جب چاہتا وہاں سے اپنے محل فون کرسکتا تھا۔"

سینتالیس سالہ' چینی لڑکی کے اس رویّے نے مجھے ہیجان اور سنسنی میں مبتلا کردیا۔ اس کا انداز بالکل ہی بدلا ہوا تھا۔ پہلے وہ مجھے پل پل کی خبر دے رہی تھی اور اب یہ تک بتانے کی روادار نہیں تھی کہ کوانگ فو اس وقت کہاں تھا۔

اس نے اپنے آخری فقروں میں کوانگ فو کی ہوٹل میں نظربندی کے بارے میں' ماضی کا صیغہ استعمال کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ ڈون کو اس ناپسندیدہ حصار سے نجات مل چکی تھی۔ وہ اس قدر کاہل الوجود آدمی تھا کہ پولیس کا محاصرہ ختم ہونے کے بعد اپنے پُرتعیش محل کے علاوہ کہیں اور جانے کی ہمت ہی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ یقینی طور پر اپنے محل میں واپس آچکا تھا لیکن کسی مصلحت کی وجہ سے وہ خبر مجھ سے چھپائی جارہی تھی۔ اس عورت کے خشک رویّے کے پیشِ نظر میں نے اس سے بحث کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ میں اس سے ماضی کے صیغہ کا ذکر کرتا تو وہ چڑ کر بات کرنے سے بھی انکار کرسکتی تھی۔

اسی لمحے میرے ذہن میں اچانک ایک ہولناک دھماکا ہوا اور مجھے اپنی آنتوں میں گرہیں سی پڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

میرے لیے وہ امکان بہت لرزہ خیز تھا۔

مجھے شبہ ہوا کہ کہیں ڈان تھری اپنے پروگرام کے سلسلے میں کوانگ فو کو فون نہ کر بیٹھا ہو۔ اگر اس نے میرے بارے میں' کوانگ فو کو کوئی اشارہ بھی دے دیا تھا تو وہ میری طرف سے بھڑک سکتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے اس نے اپنی سیکریٹری کو مجھ سے کھلی کھلی باتیں کرنے سے روک دیا تھا۔

اس بدترین امکان کو اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے' میں نے نہایت محتاط لہجے میں کہا "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مجھے ڈون کی نقل و حرکت کے بارے میں اس قدر متجسّس ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔ البتہ میں غزالہ اور اپنے ساتھی کے بارے میں بہت بے چین ہوں۔ وہ دونوں کہاں اور کس حال میں ہیں؟"

"اب تم نے کچھ قاعدے کی بات کی ہے" میرا ہتھکنڈا کارگر ثابت ہوا "ان دونوں کے بارے میں تم سے کوئی بات نہیں کی جائے گی۔ ڈون کی منہ بولی بیٹی فون کرے گی تو وہ خود اس سے بات کرے گا۔"

"لیکن اس سے پہلے تم مجھ سے بات کرتی رہی ہو۔ ڈون کی منہ بولی بیٹی خود مجھے اختیار دے کر گئی تھی۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ کسی لمبے سفر پر نکلی ہوئی ہے۔ میں اب اسے کہاں سے پیدا کروں۔"

"اس کی واپسی کا انتظار کرو! یہ تمہارا مسئلہ ہے جو ہم میں سے کسی نے پیدا نہیں کیا۔" اس نے ٹکا سا جواب دے دیا "لیکن میں تمہیں اتنا ضرور بتادوں کہ اس لڑکی نے ڈون کی جو توہین اور تذلیل کرائی ہے اس پر وہ بہت زیادہ مشتعل ہے۔ اسے اس بات کا بھی دکھ ہے کہ بات بگڑ جانے کے باوجود' اس کی منہ بولی بیٹی نے ہانگ کانگ پہنچنے کی زحمت نہیں کی اور اپنے کسی آدمی کو بھیج دیا۔ دن رات اپنے محل میں بسر کرنے والا ڈون' ویرا کے ایک اشارے پر مکاؤ سے ہانگ کانگ کے لیے چل پڑا تھا لیکن ویرا کا جوابی رویّہ مایوس کن تھا۔ اب وہ خود ویرا سے ہی بات صاف کرے گا۔"

اس کی وہ کہانی سن کر میری جان میں جان آئی۔ مکاؤ والوں کی سردمہری میں نیشی کاؤ کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ وہ خالص' کوانگ فو کی انا کا معاملہ تھا۔ اس کی دانست میں غزالہ نے اس کی مٹی پلید کرائی پھر جب وہ پولیس کے نرغے میں آگیا تو ویرا نے مڑ کر اس کی خبر نہیں لی۔ وہ ویرا سے ناراض تھا اور دل کھول کر اس کی گوشمالی کیے بغیر' غزالہ یا سلطان شاہ کے بارے میں کسی سے کوئی بات کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

اس کہانی سے یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ غزالہ اور سلطان شاہ کا کیا حشر ہوا تھا لیکن وہ صورتِ حال ہر اعتبار سے قابلِ فہم تھی جس کا کوئی نہ کوئی توڑ نکالا جاسکتا تھا۔

"ڈون کا غصہ اپنی جگہ بجا ہے لیکن تمہیں معلوم ہے کہ ویرا سفر پر نکلی ہوئی ہے۔ وہ ہانگ کانگ کیسے پہنچ سکتی تھی۔ اس کے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ غزالہ نے ڈون کی تحویل میں جانے سے انکار کرکے اسے مشکل میں ڈال دیا تھا۔" میں نے قدرے توقف

بعد اسے سمجھانے کی کوشش کی "تم ڈون کو اس پورے پس منظر سے آگاہ کرتیں تو وہ کبھی اتنا برہم نہ ہوتا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ میں ڈون کی مشیر نہیں' اس کی سیکریٹری ہوں۔ ڈون جب غصے میں بپھر کر چنگھاڑتا ہے تو اس کے محل کے پالتو جانور تک دہشت زدہ ہو کر کونوں کھدروں میں چھپتے پھرتے ہیں۔ اگر میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتی تو وہ اسی وقت میری ٹانگیں چیر کر دو حصوں میں تقسیم کر دیتا۔"

ڈون کوانگ فو کی وہ کردار کشی بہت بھیانک تھی جس میں حقیقت سے زیادہ' درندگی کا عنصر غالب تھا لیکن غصے میں ہر شخص انسانی سطح سے کافی نیچے گر ہی جاتا ہے۔ اس کا اصل روپ اس وقت سامنے آیا تھا جب اس نے ویرا کی فرمائش پر' ایک نرم دل باپ کی طرح بذاتِ خود ہانگ کانگ جانے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ اپنے زمانے کا ایک بالا دست آدمی تھا۔ اس نے چہ ہوں جیسا منحنی وجود رکھنے والے ہانگ کانگ پولیس کے سپاہیوں کی زیر دستی صرف اس لیے برداشت کی تھی کہ ان کے جسموں پر برطانوی راج کی فراہم کی ہوئی وردیاں منڈھی ہوئی تھیں۔ اس گرداب سے باہر نکلتے ہی' کوانگ فو کا پھٹ پڑنا قابلِ فہم تھا۔

ایک اچھی بات یہ تھی کہ کوانگ فو کی سیکریٹری ایک طرف اپنے آقا کی نقل و حرکت کے بارے میں مجھے کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہیں تھی لیکن دوسری طرف' باتوں کی روانی میں بہہ کر بالواسطہ طور دوسری بار یہ کہہ گئی تھی کہ ڈون پولیس کی نگرانی سے نکل کر مکاؤ پہنچا تو بہت برہم تھا۔

میں نے اسے اس کی بے وقوفی کا احساس دلانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسے لچھے دار باتوں میں الجھا کر میں غزالہ اور سلطان ماہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات اگلوا سکتا تھا۔

"پھر ڈون سے میری ہی بات کرا دو!" میں نے لجلجائی ہوئی آواز میں کہا "تمہیں اندازہ نہیں کہ میں غزالہ کی طرف سے کس قدر پریشان ہوں۔ اس کی وجہ سے میں کئی راتوں سے مسلسل جاگ رہا ہوں۔"

"تم اس کے عاشق معلوم ہوتے ہو۔" اس کا فوری تبصرہ انتہائی بے باکانہ تھا "میں تمہاری پریشانی کا اندازہ لگا سکتی ہوں لیکن ڈون کی ہدایات سے انحراف کرنا' میرے بس سے باہر ہے۔ ڈون لڑکی کے بارے میں ویرا کے علاوہ کسی سے بات نہیں کرے گا۔"

"مجھے یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ وہ بے چاری نہ جانے کہاں ہوگی؟ اس کی پرورش بہت ناز و نعم کے ساتھ ہوئی ہے۔ حوالات کی صعوبتیں دو چار ہی روز میں اس کا کام تمام کر دیں گی۔"

میں اسے اپنے ردِ عمل کے اظہار کا موقع دینے کے لیے خاموش ہوا لیکن وہ کچھ نہ بولی۔ اس کی خاموشی میرے لیے معنی خیز تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ برف پگھلنے کا عمل شروع ہو چکا تھا۔

میں نے دوبارہ بولنا شروع کر دیا "باغ میں لگے ہوئے نرم و نازک پھول کو اگر تم دلدل میں ڈال دو تو دلدلی بخارات سے وہ چند ہی سیکنڈ میں کمہلا جائے گا۔ حوالات میں پائے جانے والے حشرات الارض نے اس کو بیمار اور زخمی کر دیا ہوگا۔ اگر فوری طور پر اس کی خبر گیری نہیں کی گئی تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے دوبارہ زندہ نہیں کر سکے گی۔ تم صرف ایک بار ڈون سے میری بات کرا دو!"

"میں ڈون سے تمہاری بات نہیں کرا سکتی" اس کے لہجے میں مکمل بے اعتنائی کی جگہ ہلکی سی نرمی پیدا ہو گئی "لیکن میں تمہیں اتنا یقین دلا سکتی ہوں کہ وہ بالکل صحت مند اور ترو تازہ ہے۔ اس کے بارے میں تمہارے تفکرات بالکل بے بنیاد اور بے سود ہیں۔"

"اس یقین دہانی پر میں تمہارا شکر گزار ہوں۔" میں نے دل ہی دل میں "وہ مارا" کا نعرہ لگا کر والہانہ انداز میں کہا "لیکن مجھ پر رحم کھا کر یہ بھی بتا دو کہ تم نے اسے کب اور کہاں دیکھا ہے؟"

میرا وہ سوال قطعی غیر ضروری تھا۔ وہ عورت اپنے فرائضِ منصبی کے سلسلے میں شب و روز ڈون کے محل ہی میں رہتی تھی اس لیے یقینی بات تھی کہ اس نے غزالہ کو بھی وہیں دیکھا ہوگا لیکن میں اپنے دل و دماغ پر سے بوجھ ہٹنے کے بعد' اسے پوری طرح گھیرنے پر تل گیا تھا۔

"اب میرے لیے دشواریاں پیدا کرنے کی کوشش مت کرو!" اس کی آواز میں خفگی آگئی "میں نے جو کچھ بتایا ہے' وہ تمہارے سکون کے لیے کافی ہونا چاہیے۔"

"لیکن اس کی واپسی کے لیے میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟" میں نے ایک بار پھر اضطراری لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے فریاد کے انداز میں کہا "وہ کب تک اس طرح دربدر کی ٹھوکریں کھاتی رہے گی؟"

"اس کی واپسی کے لیے تمہیں ویرا کو تلاش کرنا پڑے گا۔ ڈون تم سے ہرگز بات نہیں کرے گا۔"

"میں ویرا اور غزالہ کی غلطیوں پر اس کے پیر پکڑ کر معافی مانگنے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے پورے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ اپنے ارادے کا اظہار کیا "لیکن میں ویرا کو کہاں سے لاؤں؟"

"فون پر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔" اس نے اکتائے ہوئے انداز میں اپنا فیصلہ صادر کر دیا "اگر ویرا سے رابطہ ہونا اسی قدر دشوار ہے اور تم انتظار نہیں کر سکتے تو پھر مکاؤ آ کر ڈون سے ملنے کی کوشش کرو۔ ہو سکتا ہے کہ اسے تم پر رحم آ جائے۔ اس کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔"

میں نے خوشامدانہ انداز میں مزید بات بڑھانے کی کوشش کی لیکن اس نے دوسرے نمبر پر کال کا عذر کرتے ہوئے فون بند کر دیا اور میں نے بھی سلسلہ منقطع کر دیا۔

وہ عورت اوّل درجے کی بے وقوف تھی یا پھر دیدہ و دانستہ میری مدد کرنے کی کوشش کر رہی تھی کیونکہ اس سے ہونے والی

گفتگو ہر اعتبار سے نتیجہ خیز ثابت ہوئی تھی۔ اس نے میرے کسی سوال کا براہِ راست جواب نہیں دیا تھا لیکن اس کی گفتگو میں میرے ہر سوال کا جواب پنہاں تھا۔ صرف سلطان شاہ کا مسئلہ باقی رہ گیا تھا لیکن فون کا سلسلہ منقطع ہو جانے کی وجہ سے مجھے اس کے بارے میں کچھ پوچھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔

یہ بات تو تقریباً طے ہوگئی تھی کہ کوانگ فو، غزالہ سمیت ہانگ کانگ سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اسے اپنے ساتھ مکاؤ لے آیا تھا۔ وہ غزالہ اور ویرا سے برہم تھا۔ اس لیے اغلب امکان یہ تھا کہ اس نے غزالہ کو اپنے وسیع و عریض محل کے ہی کسی حصے میں قید کردیا ہو۔

میرا اندازہ تھا کہ سلطان شاہ بھی غزالہ کے ساتھ کوانگ فو کی برہمی اور عتاب کا نشانہ بنا تھا اور غزالہ کے ساتھ ہی کوانگ فو کی نجی قید میں تھا۔ اگر وہ غزالہ سے الگ اور اپنی مرضی کا مالک ہوتا تو رات بھر میں، کسی بھی وقت مجھے فون کر کے تازہ ترین صورتِ حال سے باخبر ضرور کرتا۔

صورتِ حال بہت غیر متوقع طور پر تبدیل ہوئی تھی۔ ایک طرف نیشی کاؤ مکاؤ جانے کے لیے تیار بیٹھا ہوا تھا اور دوسری طرف حالات مجھے بھی اسی سمت دھکیل رہے تھے۔ پریشان کن بات یہ تھی کہ ہم دونوں ہی مکاؤ میں کوانگ فو سے ملنے کے متمنی تھے۔ ہم میں سے جو بھی اس تک پہلے پہنچ جاتا وہ کوانگ فو کی ہمدردیاں سمیٹ لینے میں کامیاب ہو جاتا اور بعد میں جانے والے کو ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آتا۔

میری پریشانی یہ تھی کہ اگر میں کوانگ فو تک دیر سے پہنچتا تو نہ صرف غزالہ کی رہائی خطرے میں پڑ سکتی تھی بلکہ میں خود بھی کوانگ فو کا قیدی بن سکتا تھا۔ مجھے اس بارے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں تھا کہ کوانگ فو مجھے پکڑنے کے بعد، براہِ راست جمی لائیڈ کے حوالے کردیتا جس سے نرمی کی کوئی امید نہیں تھی۔

اس روح فرسا خطرے کے باوجود، میں غزالہ کو غیر معینہ مدت تک کوانگ فو کی قید میں نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ ان کٹھن لمحات میں، مجھے ایک بار پھر ویرا بہت شدت کے ساتھ یاد آئی۔ وہ موجود ہوتی تو میں خود سامنے آئے اور کوئی سنگین خطرہ مول لیے بغیر، غزالہ کو کوانگ فو کے چنگل سے نکال سکتا تھا۔

میرے پاس، میرے اصل نام سے بنا ہوا وہ پاسپورٹ موجود تھا، جس کی مدد سے میں پاکستان میں داخل ہوتا تھا۔ ابتدا میں خود کو شکاری کتوں کے حملوں سے بچائے رکھنے کے لیے میں نے اس پاسپورٹ کو خیرباد کہہ دینے کا فیصلہ کرلیا تھا لیکن نئے حالات میں وہ پاسپورٹ محفوظ تھا۔

پاسپورٹ اس وقت بھی قابلِ استعمال تھا۔ میں فوری طور پر کسی بھی ائرلائن کا دو طرفہ ٹکٹ خرید کر، ہانگ کانگ روانہ ہو سکتا تھا کیوں کہ وہاں ائرپورٹ پر ہی ویزا دینے کا موثر نظام رائج تھا۔

میں شہر بلکہ ملک سے روانگی کا ارادہ لیے بیٹھا تھا لیکن یہ سوچ کر میرا دل اداس ہوگیا کہ میرے گرد و پیش میں میرا کوئی ایسا ہمدرد اور غم گسار موجود نہیں تھا جسے میری روانگی کی ذرا سی بھی فکر ہوتی۔ لے دے کر ایک جہانگیر ہی میرا دوست رہ گیا تھا لیکن وہ بھی اپنی چھوٹی سی دنیا میں مگن رہنے کا عادی ہوگیا تھا۔ میں اسے فون کر کے اپنی روانگی کی اطلاع دیتا تو وہ یقیناً پوری فکر مندی کے ساتھ فلیٹ پر دوڑا چلا آتا اور شاید مجھے ائرپورٹ تک چھوڑنے بھی جاتا لیکن میں اسے الجھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

دوسرا، اسپیشل ٹاسک فورس کا ظفر تھا۔ وہ میرا دوست نہیں لیکن ہمدرد ضرور تھا۔ اسے غزالہ اور سلطان شاہ کی ہانگ کانگ میں موجودگی کا بھی علم تھا اس لیے اس سے بات کرنے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔

میرے جانے کی اطلاع اس کے لیے حیرت ناک ثابت ہوئی جس پر مجھے وضاحت کرنی پڑی کہ ویرا کے مکاؤ والے مربی نے غزالہ کو پولیس کے جھمیلوں سے تو آزاد کرا لیا تھا لیکن کچھ غلط فہمیوں کی وجہ سے اسے مکاؤ میں روک لیا تھا۔ ان غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے میرا فوری طور پر مکاؤ پہنچنا ناگزیر ہوگیا تھا۔

ظفر کو اس معاملے میں شی اور مافیا والوں کے پیچیدہ الجھاؤ کا کوئی علم نہیں تھا لیکن میں اپنے اس سفر کے بارے میں فکرمند تھا۔ ایک طرف شی کا آئی مین تھا اور دوسری طرف مافیا کا ڈان۔ اس وقت تک وہ دونوں ہی میرے دوست اور بہی خواہ بنے ہوئے تھے۔ آئی مین نے غزالہ کی مدد کی تھی۔ ڈان نے پچھلی رات ہی مجھ پر چلتی کار سے حملہ کرنے والے دو بدمعاشوں کو جہنم واصل کردیا تھا مگر مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ میرے مکاؤ پہنچنے پر کیا صورتِ حال رونما ہونے والی تھی۔

ان دونوں میں سے کوئی بھی، یا دونوں ہی اچانک میرے خون کے پیاسے بن سکتے تھے۔

میں جانتا تھا کہ ہانگ کانگ میں دنیا بھر کا سامانِ تعیش ارزاں داموں پر دستیاب ہوتا ہے لیکن سامراجی حکومت کے سخت کنٹرول کی وجہ سے وہاں کھلے بازاروں میں ہتھیاروں کی خرید و فروخت ناپید تھی۔

نیلے پانیوں پر تیرتے ہوئے پُرتعیش بجروں اور ہلکے بحری جہازوں میں پورے دفتری ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ محوِ سفر رہنے والے عالمی اسمگلروں کی اور بات تھی جو بھرپور تفریحی ماحول میں کروڑوں کی مالیت کے غیر قانونی ہتھیاروں کی اسمگلنگ کے سودے طے کرتے تھے اور ان کے ایک پیغام پر بین الاقوامی سمندروں میں مٹر گشت کرتے ہوئے، ہتھیاروں سے لدے ہوئے بحری جہازوں کے راستے تبدیل ہو جایا کرتے تھے۔

وہ بڑے سوداگر میرے لیے بے فیض تھے۔ میری صرف اتنی سی خواہش تھی کہ جب میں مکاؤ میں قدم رکھوں تو میرے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی نہ کوئی ہتھیار ضرور ہو تاکہ میں بے بسی کے عالم میں نہ مارا جاؤں۔

میں نے اپنا وہ مسئلہ ظفر کو سنایا تو اس نے فوراً ہی بڑے بور
ایک خود کار پستول کی پیش کش کی جسے سامان میں پیک کر کے
ائرلائن کے عملے کے حوالے کر دیا جاتا تو روک ٹوک کا کوئی امکان
نہیں تھا۔
"اور اگر میں اپنا ہی پستول لے جانا چاہوں؟" میں نے بیم گن
کا نام لیے بغیر پوچھا۔
"وہ بھی اسی طرح لے جا سکتے ہو۔ یہاں کوئی نہیں پوچھے گا۔
ہانگ کانگ میں چیک کر لیے گئے تو پریشان ہو جاؤ گے۔" اس نے
لاپروا لہجے میں جواب دیا۔ "سنا ہے کہ مکاؤ میں ہتھیار اچھے اور
سستے مل جاتے ہیں۔"
"لیکن مکاؤ میرے لیے نئی جگہ ہوگی۔ اس شہرِ خرابات کے
بارے میں سنا تو میں نے بھی بہت کچھ ہے لیکن ادھر جانے کا یہ پہلا
اتفاق ہوگا۔ خیر میں دیکھوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں۔"
ظفر سے گفتگو بے سود رہی لیکن میں نے بیم گن ساتھ لے
جانے کا ارادہ کر لیا۔ میرے خیال میں 'بچاؤ' کا اہم ترین نکتہ یہ تھا
کہ اس میں کوئی گولی یا بارودی میگزین وغیرہ استعمال نہیں ہوتا
تھا۔ لیزر بیم خارج کرنے والے اس ہولناک ہتھیار کو ذاتی بلکہ پیشہ
ورانہ استعمال کا کوئی خاص اوزار قرار دے کر بچایا جا سکتا تھا۔
میں فلیٹ پر الوداعی نظریں ڈال کر' تن کے کپڑوں اور بیم گن
کے ساتھ وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔
میرے اگلے چند گھنٹے' شہر میں اِدھر اُدھر بھاگتے ہوئے
گزرے۔ اس دوران میں' میں نے ٹکٹ بنوانے کے علاوہ سامان
کے لیے بریف کیس سے بڑا ایک سوٹ کیس اور بیم گن کو لپیٹنے کی
ضرورت کے تحت اپنے لیے کچھ کپڑے خریدے۔ ایک بجنے سے
پہلے ائرپورٹ پہنچ گیا۔
سوٹ کیس کو ایکس رے مشین سے گزارنے پر بھی کسی نے
کچھ نہیں پوچھا تو مجھے احساس ہوا کہ نااہل ہاتھوں میں آنے کے
بعد جدید ترین ایجادات بھی اپنا مفہوم اور مصرف کھو بیٹھتی ہیں۔
ایک طرف عالمی غنڈے ہماری ایٹمی ترقی کو منفی انداز میں خراجِ
تحسین پیش کرنے پر مجبور تھے تو دوسری طرف پستی کی انتہا یہ تھی
کہ ایکس رے مشین کی دکھائی ہوئی چیزوں کو بھی دیکھنے اور پہچاننے
سے انکار کیا جا رہا تھا۔
پرواز میں زیادہ وقت نہیں تھا اس لیے جب میں آخری جامہ
تلاشی کے بعد روانگی کے لاؤنج میں داخل ہوا تو تھائی ائرویز کی پرواز
کی بورڈنگ کا اعلان ہو رہا تھا۔
طیارے میں مسافروں کی تعداد بہت کافی تھی لیکن پھر بھی
متعدد نشستیں خالی تھیں۔ میری سیٹ کھڑکی کے ساتھ تھی۔ برابر
میں کوئی نہیں تھا۔ گو کراچی سے مسافروں کی خاصی تعداد سوار ہوئی
تھی لیکن اس پرواز پر تھائی لڑکے لڑکیوں کی اکثریت تھی۔ وہ سب
بہت خوش دلی اور بے فکری کے ساتھ اونچی آواز میں ہنس بول
رہے تھے جب کہ پاکستانی مسافر نسبتاً دھیمی آواز میں بولنے کی وجہ
سے دبے سہمے نظر آ رہے تھے۔ دوسری نسلوں کے اِکادُکا مسافر اس
ہجوم میں اپنی انفرادیت بالکل ہی کھو بیٹھے تھے۔
میں نے بارہا بین الاقوامی راستوں پر فضائی سفر کیے لیکن اس
روز مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ ایشیائی مسافر عموماً اپنی قومی ائرلائن
پر ہی سفر کیوں پسند کرتے ہیں۔ زبان' معاشرت اور ماحول کی
شناسائی انھیں جہاز میں بھی اپنے ملک کی یاد دلاتی رہتی ہے اور وہ
عملاً خود کو دوسرے ہم سفروں کا میزبان تصور کرتے ہوئے اس بالا
دستی سے فیض یاب ہونے کی کوشش کرتے ہیں جو عام گھروں میں
بھی میزبان کو مہمان پر حاصل ہوتی ہے اور مہمان بیچارہ کھیسیں
نکال کر رہ جانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر پاتا۔ وہ یہ بھی نہ کرے تو
میزبان کی سرد مہری کا نشانہ بن جاتا ہے۔
کراچی میں دن نکلا ہوا تھا لیکن بنکاک میں شام ہو چلی تھی اس
لیے روشن حفاظتی علامات کے معدوم ہونے کے بعد' میں نے
بنکاک کے وقت کے حوالے سے اسکاچ طلب کر لی۔ پلاسٹک کے
شفاف گلاس میں' سنہرے سیال میں تیرتی ہوئی برف کی ڈلیاں بھلی
لگ رہی تھیں۔
طیارے کے عملے میں تھائی لینڈ کے خصوصی اندازِ میزبانی کے
اثرات بہت واضح تھے۔ میٹھی' دھیمی' نرم اور معنی خیز مسکراہٹ
کے ساتھ ہر باوردی خاتون فرمائش پوچھتے ہوئے' مسافر پر اس حد
تک جھک آتی تھی کہ اس کے بدن اور اس پر لگے ہوئے سینٹ کی
خوشبو میں واضح طور پر تمیز کی جا سکتی تھی۔ وہ ادا سب کے لیے عام
تھی۔ جو بلائے' اس کے لیے بھی اور جو صرف مسکرا دے' اس کے
لیے بھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہنستی مسکراتی تتلیاں' اپنے
وجود کی فسوں خیز لطافتوں سے جلد از جلد ہر ایک کو سحر زدہ کرنے پر
تُل گئی ہوں۔
میں نمکین مونگ پھلی کے دانوں کے ساتھ اپنے شغل کے
دوران' ذہنی طور پر مکاؤ پہنچا ہوا تھا کہ بھینی بھینی سی خوشبو اور گرم
سانسوں کی مہکار نے مجھے چونکا دیا۔
دیکھا تو ایک نازک اندام اور خوش خصال خاتون کی مسکراتی
ہوئی سیاہ آنکھیں براہِ راست میری آنکھوں میں اتری جا رہی
تھیں۔ اس کا لباس بتا رہا تھا کہ وہ فضائی میزبانوں میں سے نہیں
تھی۔
"اجازت ہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں؟" اس نے شائستہ
انگریزی میں سوال کیا اور میں نے غیر ارادی طور پر اپنی نشست میں
سمٹ کر اسے اجازت دے دی۔ حالانکہ برابر والی سیٹ خالی ہونے
کی وجہ سے مجھے سمٹنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔
اس کے بیٹھتے ہی ایک ائرہوسٹس نے اس کے سامنے والی
کرسی کی پشت گاہ سے میز کھول کر' اس پر اسکاچ کا گلاس' کاغذی
رومال اور نمکین مونگ پھلی کا پیکٹ رکھ دیا۔
"اگر تم برا نہ مانو...." اس نے اپنا گلاس لبوں کی طرف لے
جاتے ہوئے رُکتے کہا اور میرے سر کی جنبش کے ساتھ چیئرز کہہ کر

گلاس سے ایک بڑا گھونٹ اپنے معدے میں اتار لیا۔

"میرا نام سوزی ہے۔" اپنا تعارف کرانے کے ساتھ ہی اس نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے انگریزی میں چھپا ہوا ایک خوبصورت کارڈ نکال کر مجھے پیش کیا۔ اس کی پشت پر شاید وہی سب تھائی زبان میں چھپا ہوا تھا۔

"مجھے ڈینی کہتے ہیں مگر میں تمہیں کارڈ نہیں دے سکوں گا۔" میں نے وقت گزاری کے لیے اس سے گفتگو شروع کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا نام بہت خوبصورت ہے۔"

اس نے غور سے میری طرف دیکھا جیسے میرے چہرے کے تاثرات سے میرے الفاظ کی گہرائی کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہو پھر کاغذی رومال سے اپنے ہونٹ تھپتھپاتے ہوئے بولی۔

"بنکاک اکیلے ہی جا رہے ہو؟"

"فی الحال تو اکیلا ہی ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ میرا بازو دباتے ہوئے ہنس پڑی۔

"دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تفریح کے لیے نکلے ہو یا بزنس کے لیے؟"

"دونوں ہی سمجھو۔ انہیں ایک دوسرے سے الگ کرنا مشکل ہوتا ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

اس نے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور میری طرف جھک کر بتانے لگی۔ "میں سفیا روڈ کے قریب لڑکیوں کا ایک نجی ہاسٹل چلاتی ہوں۔ وہاں کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنے والی بتیس لڑکیاں رہتی ہیں لیکن ان میں سے کسی کی عمر چودہ برس سے کم اور بائیس سے زیادہ نہیں ہے۔۔۔۔"

"تعلیمی ہاسٹل میں عمر کی اتنی کڑی پابندی؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔

"بڑی عمر کی لڑکیوں کی عادتیں پختہ ہوتی ہیں۔ وہ دوسری لڑکیوں کو بہکانے لگتی ہیں۔ میرے ہاسٹل کا ماحول بہت صاف ستھرا ہے۔ میری لڑکیاں بہت فرمانبردار ہیں۔ وہ سب ہی غیر ملکیوں کے ساتھ پارٹ ٹائم جاب کر کے اپنے اخراجات پورے کرتی ہیں۔ تم آؤ گے تو ان سے مل کر خوش ہو جاؤ گے۔ ہم لوگوں میں غیر ملکیوں سے دوستی کرنے کا شوق جنون کی حد تک ہے۔ اس شوق میں کبھی کبھار ہم حد سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔۔۔۔"

"لڑکیاں دن میں پڑھتی ہیں تو جاب کب کرتی ہیں؟" میں نے ایک مرتبہ پھر اس کی بات کاٹ دی۔

"دوپہر سے رات گئے تک ان کی مانگ رہتی ہے لیکن ان کے جاب ہاسٹل ہی بک کرتا ہے۔" وہ آہستہ آہستہ کھلنے لگی۔ "کوئی اسپیشل آفر ہو تو میں لڑکیوں کو چھٹی بھی کرا دیتی ہوں۔ پڑھائی لکھائی تو عمر بھر چلتی رہتی ہے لیکن عمر ڈھلنے لگے تو قدردان ملنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ منہ مانگے معاوضے دیتے ہیں' وہ بہترین سے کم پر راضی نہیں ہوتے۔ بنکاک میں میرے نام کی اسی وجہ سے دھوم ہے کہ میں نے سروس کا معیار گرنے نہیں دیا۔ بنکاک میں تم کس ہوٹل میں قیام کرو گے؟"

سوزی خوش لباس' خوب صورت اور خوش گفتار بھی تھی لیکن چند منٹ کی قلیل سی مدت میں وہ جس سطح پر آ گئی تھی اس سے مجھے کراہت سی ہونے لگی۔ میں نے اسے صاف بتا دیا کہ میں بنکاک ایئرپورٹ پر صرف دو گھنٹے کے لیے ٹرانزٹ تھا اور یک بیک اس کا منہ بن گیا جیسے اس نے شکر کے دھوکے میں کونین کی گولی چبا لی ہو۔

"مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ کاروبار اور تفریح کے لیے آئے ہو!" اس کے چہرے سے مسکراہٹ کافور ہو چکی تھی۔

"پروگرام یہی ہے مگر بنکاک میں نہیں بلکہ فلپائن میں۔ بنکاک سے تو مجھے صرف پرواز بدلنی ہے۔"

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس نے اپنا گلاس خالی کر اور سیٹ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اتنے اخلاق کا مظاہرہ ضرور کیا کہ میری پوری بات سن لی اور پھر "سوری! میں ابھی آئی!" کہتی ہوئی' تیزی سے کیبن کے پچھلے حصے کی طرف چلی گئی اور میں نے اپنے لیے اسکاچ کا نیا پیگ طلب کر لیا۔

سوزی کا جہاز پر سفر کرنا اور پھر مجھ سے مل بیٹھنا محض اتفاق نہیں تھا۔ وہ غالباً متمول گاہکوں کو پھانسنے کے لیے' مقررہ راستوں پر سفر کرتی رہتی تھی۔ میرے قیمتی لباس اور اکیلے پن نے اسے میری طرف متوجہ کیا تھا۔ جہازوں پر طے ہونے والے معاملات میں وہ یقیناً بھاری معاوضے لیتی ہو گی ورنہ مختصر راستوں پر بھی فضائی سفر کے اخراجات پورے ہونے مشکل تھے۔ میں بنکاک کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا لیکن سوزی اس کتاب کا بالکل نیا باب ثابت ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد میں نے سوزی کا دیا ہوا کارڈ اپنی جیب میں رکھ کر' اپنی نشست سے باہر نکل کر' جہاز کے کیبن کا جائزہ لیا تو چار نشستوں والی ایک قطار میں سوزی تین ادھیڑ عمر مردوں کے درمیان بیٹھی نظر آئی۔ وہ تینوں پاکستانی اور سرمایہ دار نظر آ رہے تھے۔ شاید سوزی نے انہیں شیشے میں اتار لیا تھا کیوں کہ وہ چاروں نہایت بے فکری کے ساتھ پینے اور ہنسنے بولنے میں مصروف تھے۔

کھانے کے دوران میں سوزی اگلی قطاروں میں کوئی نشانہ تاک چکی تھی۔ وہ کسی گشتی سیلز گرل کی طرح جہاز میں گھوم پھر کر اپنا کام کر رہی تھی۔ وہ اپنا وقت وہیں لگا رہی تھی جہاں تلوں میں تیل ہونے کی امید نظر آتی تھی۔ مجھ جیسے خشک تلوں سے وہ دور دور تھی۔

میرا ارادہ بنکاک میں چند گھنٹے گزارنے اور شہر کا تازہ ترین رنگ روپ دیکھنے کا تھا لیکن ہیم گن کی وجہ سے میں سامان کو بار بار چیکنگ کے مراحل سے گزارنے سے بچنا چاہتا تھا اس لیے میں نے ہانگ کانگ کے لیے اگلی پرواز کی نشست لی تھی اور کراچی ہی سے اپنا بیگ ہانگ کانگ کے لیے بک کرا دیا تھا۔

پچھلے چند برسوں میں تعمیر و تزئین اور انتظامات کے اعتبار سے

بنکاک ائرپورٹ میں نمایاں تبدیلیاں آئی تھیں۔ میں ٹرانزٹ فلور پر چیک ان کرانے اور بورڈنگ کارڈ لینے کے بعد گیٹنگ دے سے بائیں طرف بنے ہوئے کیفے میں جا بیٹھا۔ غنیمت یہ تھا کہ بنکاک ائرپورٹ پر ہر اعتبار سے سکون تھا۔ پہلے بھی کسٹم ہال سے باہر نکلتے ہی ان لوگوں سے ملاقات شروع ہو جاتی تھی جو رٹے رٹائے اور سنسنی خیز فقروں کے ذریعے بوکھلائے ہوئے مسافر کو ان دیکھے شبستانوں میں لے جانے کے دعوے کرتے تھے۔

میں نے کیفے میں سرو کرنے والی لڑکی سے چائے لانے کی فرمائش کی لیکن جب اس نے سنگھا نامی مقامی بیئر کا ڈبا کھول کر میرے سامنے رکھا تو میں حیران رہ گیا۔ میں نے اسے اس کی غلطی کا احساس دلایا تو اس کے گہرے گندمی چہرے پر شرمندگی پھیل گئی۔ اس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں معذرت کرتے ہوئے درخواست کی کہ میں نے وہ کھلا ہوا ڈبا واپس کیا تو اسے اپنی تنخواہ سے پچاس بھات کٹوانے پڑ جائیں گے جب کہ وہ ویسے ہی تنخواہ میں کمی کی وجہ سے مسائل سے دوچار رہتی تھی۔ میں نے خاموشی کے ساتھ دو ڈالر اسے تھمادیے۔

بیئر ٹھنڈی ضرور تھی لیکن بے کیف تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس میں غلطی سے صابن کا محلول گھول دیا گیا ہو۔ میں وہ ڈبا یوں ہی چھوڑ کر اٹھ گیا۔

اس وقت پورے کیفے میں میرے علاوہ صرف ایک سفید فام بوڑھا بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا۔ وہ شاید ایک آنکھ موندے، دوسری آنکھ سے بغور میرا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے اتنی جلدی اٹھتے دیکھا تو وہ چٹکی بجاتے ہوئے زور سے ہنس پڑا اور انگریزی میں بولا۔ "شٹ۔ یہاں عورتوں کے علاوہ ہر چیز شٹ ہے اور اب تو ایڈز کی دہشت نے اس ملک کا وہ چارم بھی ختم کر دیا ہے۔ پتا نہیں اب یہ بے چارے کہاں سے کھائیں گے!"

میں خود بھی اس ملک سے خوش نہیں تھا۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن آخر کار وہ ایک ایشیائی ملک ہے۔ ایک سفید فام کا زہر میں ڈوبا ہوا تبصرہ سن کر میری کھوپڑی چٹخ اٹھی لیکن میں نے کسی خفگی کا اظہار کیے بغیر، سرد لہجے میں کہا۔ "تم سچ کہہ رہے ہو۔ یہ سب تیزی سے بے روزگار ہوتی جا رہی ہیں لیکن یہاں پلنے بڑھنے والی امریکیوں کی لڑکیاں سمجھ دار اور صحت کے معاملے میں حساس ہیں۔ وہ باقاعدگی سے ایڈز کے خلاف ویکسین لیتی رہتی ہیں۔ تم اگلی بار یہاں آؤ گے تو پوری ٹریڈ پر ان ہی کی حکمرانی ہوگی۔"

میرے زہریلے جواب پر اس کا منہ کھلا اور پھر کھلا ہی رہ گیا۔ میں اسے ہکا بکا چھوڑ کر بے پروایانہ انداز میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ عام تھائی باشندے ایسے تبصروں کا کیا جواب دیتے ہوں گے۔

اگلی پرواز سے ہانگ کانگ تک کا مختصر فاصلہ بہت تیزی کے ساتھ طے ہو گیا۔ منزل مقصود کی آمد کے اعلان کے ساتھ ہی طیارے کی بلندی میں تیزی سے کمی واقع ہونی شروع ہوئی تو زمین پر ستاروں کی ایک حسین ترین کہکشاں جگمگاتی ہوئی نظر آنے لگی۔

ہاربر کے ایک طرف کولون کے میدانی حصے میں لاکھوں چھوٹی بڑی اور رنگ برنگی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ دوسری طرف تیزی سے اٹھتے ہوئے پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر بنی ہوئی بلند و بالا عمارتوں کی بے شمار روشنیوں نے سماں باندھا ہوا تھا۔ ہانگ کانگ کے پہاڑی جزیرے پر بکھرے ہوئے، روشنیوں کے سیلاب کے انعکاس نے ہاربر کے پانیوں کو بھی دور تک منور کیا ہوا تھا۔ ہاربر میں متعدد چھوٹی بڑی کشتیوں اور دخانی جہازوں کی نقل و حرکت نے پورے ماحول کو افسانوی رنگ دیا ہوا تھا۔

جہاز فضا میں چکر کاٹتا ہوا نیچے آتا جا رہا تھا۔ کولون میں ساحل کے ساتھ ساتھ رن وے کی زرد روشنیاں دور تک متوازی لکیروں کی طرح پھیلی ہوئی تھیں۔ کولون سے آگے، چین کی سرزمین پر روشنیاں بہت کم تھیں اور ان ہی اطراف میں، کسی کھاڑی میں مکاؤ کی ساحلی آبادی تھی جہاں غزالہ، ڈون کوانگ فو کے محل میں قید کسی نیک ساعت کا انتظار کر رہی تھی۔

طیارہ اٹھلا اٹھلا کر، انگڑائیاں لیتا ہوا زاویے بدل بدل کر فضا میں محوِ پرواز تھا۔ شاید رات کی لینڈنگ سے پہلے ہر طیارے کے ہوا باز اپنے مسافروں کو ہانگ کانگ کے روشن چہرے کا بھرپور دیدار کرانے کی خصوصی کوششیں کرتے ہیں پھر جب جہاز نے اپنی چونچ نیچی کر کے رن وے کا رخ کیا تو وہ عجیب منظر تھا۔ اندازہ ہی نہیں ہو پاتا تھا کہ جہاز سمندر کے پانی میں اترنے جا رہا ہے یا ساحل کے ساتھ بنے ہوئے رن وے پر ٹکے گا۔

ہانگ کانگ ائرپورٹ پر دن کے مقابلے میں رات کی لینڈنگ کا سحر ہی کچھ اور تھا۔ میں پہلے بھی اس ننھے سے ملک میں آتا رہا تھا لیکن فضا کی مختلف بلندیوں سے اس شہر کی رات دیکھنے کا وہ پہلا موقع تھا جو یادگار تھا۔

جہاز کے انجنوں کے بند ہونے سے پہلے ہی طیارے کے مسافروں نے اپنی نشستیں چھوڑ دیں اور چھت کے ساتھ بنے ہوئے خانوں سے اپنا اپنا دستی سامان سنبھالنے لگے۔ منزل مقصود آ جانے پر مسافروں میں تجسس آمیز اضطراری کیفیت کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا لیکن بعض مسافر کچھ زیادہ ہی بوکھلائے ہوئے تھے اور راہداریوں میں اپنے آگے کھڑے ہوئے مسافروں کو کندھے کہنیاں مار کر جلد از جلد آگے پہنچنے کے لیے کوشاں تھے۔ انہیں دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے انہیں خدشہ رہا ہو کہ تاخیر ہونے کی صورت میں طیارہ انہیں اتارے بغیر، اگلی منزل کی طرف پرواز کر سکتا ہے اور ایسے کسی خطرے کے سدباب کے لیے وہ دروازہ کھلتے ہی باہر بھاگ نکلنے کی تیاریاں کر رہے ہوں۔

میں کسی بھی قسم کے دستی سامان کے بغیر سفر کر رہا تھا اس لیے اپنی نشست سے دوسرے مسافروں کا جائزہ لیتا رہا۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ عملی طور پر کسی بوکھلاہٹ یا حماقت کا ارتکاب نہ کرنے کے باوجود میں اپنے وجود میں ایک

عجیب سا جذباتی اُبال محسوس کر رہا تھا جو شاید کسی بھی نئی منزل پر پہنچنے پر انسان کو نئی زمین سے رشتوں کی تلاش پر اکساتا ہے لیکن اس وقت میرے سامنے تلاش کا کوئی مرحلہ نہیں تھا۔ جب تک' میں اس سرزمین سے ہزاروں میل دور' کراچی میں بیٹھا ہوا تھا تو تفکرات کی یلغار نے میرے ذہنی سکون کو درہم برہم کیا ہوا تھا لیکن اس وقت مجھے طمانیت سی محسوس ہو رہی تھی کہ میں آخر کار ایک ایسی سرزمین پر پہنچ چکا تھا جہاں سے تھوڑی سی مسافت پر مکاؤ کا ساحلی شہر واقع تھا اور مکاؤ میں سلطان شاہ کے ساتھ عزیز از جان' غزالہ بھی' ژون کوانگ فو کی قید میں تھی۔ ہانگ کانگ پہنچنے کے بعد' اپنے نصیبوں کے وہ قیدی میری دسترس میں آنے والے تھے جس کے بعد میں خیالی گھوڑے دوڑانے کے بجائے' ان کی مدد کے لیے عملی اقدام اٹھا سکتا تھا۔

طیارے سے گینگ وے لگنے کے ساتھ ہی مسافروں کو جہاز سے انخلا کی اجازت مل گئی۔ نشستوں سے دوسری طرف والی راہداری میں' تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی قطار میں مجھے کئی پاکستانی چہرے بھی نظر آئے اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ سب ہی مہذب اور باوقار نظر آرہے تھے۔

دو یا تین راہداریوں میں سے گزرنے کے بعد اس پرواز کے مسافر امیگریشن کے شعبے کے متعدد کاؤنٹرز کے سامنے خود بخود صف آرا ہوتے چلے گئے۔ خوش قسمتی سے اس وقت وہاں دوسری پروازوں سے آنے والے مسافروں کا ہجوم نہیں تھا اس لیے چھ مختلف قطاریں تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگیں۔

ہانگ کانگ میں آمد کے اندراج اور ویزا کے حصول کے لیے امیگریشن کارڈ طیارے میں ہی تقسیم کردیے گئے تھے۔ اس مختصر سے کارڈ پر مسافر کے کوائف خود بخود ڈپلی کیٹ کاپی پر آجاتے تھے اور روانگی کے وقت امیگریشن کا عملہ اسی کارڈ کی دوسری نقل کے نمبر اور کوائف کے ذریعے' اپنے کمپیوٹر کے مرکزی ریکارڈ پر روانگی کا اندراج کرلیتا تھا۔

مجھ سے آگے والے کئی مسافروں کو کسی بھی پوچھ گچھ کے بغیر فوری طور پر فارغ کردیا گیا لیکن میری باری آئی تو سبز پاسپورٹ لیتے ہی امیگریشن آفیسر نے غور سے میری طرف دیکھا' کئی مرتبہ پاسپورٹ کے اوراق کی ورق گردانی کی اور پھر مجھ سے سوالات کا سلسلہ شروع کردیا۔

میرے پاس اس کے ہر سوال کا مسکت جواب موجود تھا لیکن میں یہ بات محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ ہانگ کانگ جیسے بالشت بھر کے ملک میں' اس امتیازی سلوک کی بنا پر میں اپنے پیچھے اور دوسری قطاروں میں کھڑے ہوئے مسافروں کی چبھتی ہوئی نگاہوں کا نشانہ بن چکا تھا۔ بعض ہونٹوں پر خفیف سا استہزائیہ تمسخر تھا۔

"پاکستانی معلوم ہوتا ہے۔" کسی مسافر کی دبی دبی سی آواز میرے کانوں میں آئی تو میں برداشت نہیں کرسکا۔ میں نے مڑ کر خشمگیں نگاہوں سے اپنے پیچھے والوں کو گھورا تو سب خاموش تھے۔ میرے اس ردِعمل کے نتیجے میں' میری طرف مرکوز نگاہیں' لاتعلقانہ انداز میں دوسری سمتوں میں بھٹکنے لگیں البتہ چند چینیوں نے یکایک ہی اونچی آوازوں میں بیک وقت بولنا شروع کردیا۔ میں ان کی زبان سے نابلد ہوتے ہوئے بھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ میرے بارے میں باتیں بنا رہے تھے۔

"کس سیاسی گروپ سے وابستہ ہو؟" امیگریشن افسر کے آخری سوال نے مجھے چونکا دیا۔

"کسی سے نہیں۔" میں نے قدرے حیرت سے جواب دیتے ہوئے دل میں سوچا کہ پاکستان کے سیاسی گروپوں سے بھلا اس کو کیا واقفیت ہوسکتی ہے۔

وہ اپنے سامنے رکھے ہوئے کمپیوٹر مانیٹر پر نظریں جما کر' تیزی کے ساتھ کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگا۔

اس نے مہر لگا کر' امیگریشن کارڈ کی کاربن کاپی کے ساتھ' پاسپورٹ مجھے لوٹایا تو میں اس سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔ "ویزا کے معاملے میں پاکستان کی اندرونی سیاست کی کیا ضرورت پیش آتی ہے؟"

اس معنک چینی کے ستے ہوئے ہونٹوں پر ایک معنوی مسکراہٹ رینگ آئی اور وہ جلدی سے بولا۔ "ایک بار ویزا لینے کے بعد پاکستانی' انسانی حقوق کی پامالیوں کے حوالے سے سیاسی پناہ کی درخواست کردیتے ہیں۔ ہمارا محکمہ ایسے پاکستانیوں سے تنگ آچکا ہے جو یہاں نوکریاں کرنے کے لیے سیاسی مخالفین پر حکومت کے بدترین تشدد کی نت نئی کہانیاں لے کر آتے ہیں۔ اب ہم سیاسی رجحان کا شبہ ہوتے ہی پاکستانیوں کو ویزا دینے سے انکار کردیتے ہیں۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ قطار کی طرف متوجہ ہوگیا اور میں بوجھل قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

میرے لیے وہ تجربہ شرمناک اور توہین آمیز تھا لیکن میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ خودغرض اور تنگ نظر افراد کی حرکتوں سے ملک کے نام کو بٹا لگ رہا تھا۔ سبز پاسپورٹ والوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے میں' اس امیگریشن افسر کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اس نے اپنے تجربے سے جو کچھ سیکھا تھا' وہ اسی پر عمل کررہا تھا۔

بیگیج ہال میں سامان بیلٹ پر آنا شروع ہوگیا تھا۔ میں نے اپنا مختصر سا سوٹ کیس اٹھایا اور پہلے تجربے کی روشنی میں گرین چینل سے گزرنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔

ریڈ چینل سے گزر کر' لمبی سی میز پر' کسٹم آفیسر کے سامنے رکھا تو اس نے معنی خیز انداز میں میرے پاسپورٹ پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ "کیا لے کر آئے ہو؟"

"کچھ بھی نہیں!" میں نے اپنا سوٹ کیس اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"پھر ریڈ چینل سے کیوں آئے ہو؟" اس نے میرے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ اس کی انگلیاں میرے سوٹ کیس کے تالوں سے

مل رہی تھیں اور میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا کیوں کہ سوٹ کیس میں کپڑوں کی تہوں میں بیم گن چھپی ہوئی تھی۔

"میں یہاں کے قانون سے لاعلم ہوں۔ احتیاطاً ریڈ چینل استعمال کیا ہے۔ کیا پتا ذاتی استعمال کی اشیا میں بھی کوئی چیز ڈیوٹی کے قابل نکل آئے۔" اس سے نظریں چرانے کے لیے میں اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا جیسے سوٹ کیس کھولنے کے لیے چابی تلاش کر رہا ہوں۔ "تم چیک کرہی لو تو بہتر ہو گا۔"

"کوئی ڈرگ؟" اس نے متجسس لہجے میں پوچھا۔ میں نے سختی سے انکار کر دیا۔

"جاؤ۔" اس نے میرے سوٹ کیس پر ہاتھ مار کر کہا۔ اس بار میرے اعتماد نے اسے مطمئن کر دیا تھا اور اس طرح میں کسی زحمت سے دو چار ہوئے بغیر، بیم گن سمیت ہانگ کانگ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

اس مرحلے پر مجھے وہ لوگ یاد آئے جو سیاسی پناہ کے بہانوں سے... وہاں قیام کی اجازت لینے کی کوشش کرتے ہیں اور مجھے محسوس ہوا کہ اپنے عمل کے اعتبار سے، میں ان سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ وہ بہتر روزگار کے متلاشی ہوتے ہیں اور اپنی اسی ضرورت سے مجبور ہو کر، قانونی رعایتوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں بیم گن کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اپنی اس ضرورت کے لیے میں نے ان کے قانون کو پامال کیا تھا۔ اگر میں پکڑ لیا جاتا تو میری اصل شناخت ایک پاکستانی کے طور پر ہوتی، میرا نام ثانوی حیثیت اختیار کر لیتا۔ وہ ہمارا قومی مزاج بن گیا تھا کہ ہر شخص اپنی ذاتی ترجیحات کے حصول کے لیے ہر فریب اور مکاری کو اپنا حق تصور کرنے لگا تھا لیکن ایسی ہی حرکتوں پر، دوسروں پر لعن طعن اور تنقید کرنے کے شوق میں بھی مبتلا تھا۔

"میں کون سا سیاسی رہنما یا مصلح ہوں جو ان چکروں میں پڑتا پھروں۔ قوم اور قومی شناخت کے حوالوں کو برقرار رکھنا تو ہمارے سیاسی رہنماؤں کا کام ہے۔ وہ جانیں اور ان کا کام۔ میں نے تو اپنی ذاتی ذہانت، تجربہ اور خود اعتمادی سے کام نکال لیا ہے۔" میرے ذہن نے جواز پیش کیا اور میں اندر سے مطمئن ہو گیا۔ اصل خرابی یہی تھی کہ ہماری قیادت نے عوام کو ملک اور قوم سے بالکل الگ تھلگ کر کے وہ ٹھیکا خود لیا ہوا تھا۔ کروڑوں کی بھیڑ میں ہر شخص انفرادی طور پر ممتاز نظر آنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ ملک اور قوم کا درد ان لوگوں کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا جو اس کے وسائل پر قابض ہو کر لوٹ مار میں مصروف تھے۔

اس وقت رات ہو چکی تھی اور فوری طور پر مکاؤ روانگی مناسب نہیں تھی اس لیے میں نے وہ رات وہیں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہاربر کے اس پار، ہانگ کانگ میں زندگی کا چلن ذرا مختلف ہوا کرتا تھا اس لیے میں نے کولون ہی کے کسی ہوٹل میں کمرا حاصل کرنے کی نیت سے معلوماتی کاؤنٹر کا رخ کیا تو وہاں بیٹھے ہوئے چینی نے بے رخی کے ساتھ ایک فہرست میرے آگے ڈال دی۔ "اپنے بجٹ کے مطابق اس لسٹ میں سے ہوٹلوں کے فون نمبر لے لو اور پبلک بوتھ سے بکنگ کرا لو۔"

"یہ کام تم نہیں کرا سکتے؟" میں نے فہرست کو چھوئے بغیر سرد لہجے میں پوچھا۔

اس نے میری بات کا کوئی جواب دیے بغیر اپنی کرسی چھوڑی اور اندر چل دیا۔

میری کھوپڑی بھنا کر رہ گئی۔ دوسری قوموں کے افراد کے ساتھ، ہانگ کانگ کے چینی نژاد باشندوں کے رویّے میں وہ بے نیازی، انانیت اور تکبر وہاں کی روایات میں شامل تھا۔ دفتری کلرکوں سے لے کر دکانداروں تک، ہر چینی اسی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ میں غصے کے عالم میں بس اسٹاپ کی طرف چل دیا۔

روٹ نمبر اے ون کی بس ان دنوں بھی ایئرپورٹ سے شم سا چوئی کے لیے چلتی تھی۔ آٹھ ہانگ کانگ ڈالر میں وہ سفر خاصا خوشگوار ثابت ہوا۔ راستے میں شہر کی رونق معدوم ہو چلی تھی لیکن سالبری روڈ سے گزرتے ہوئے ناتھن اسٹریٹ پر اس وقت بھی بھیڑ بھاڑ نظر آ رہی تھی۔ بائیں ہاتھ پر اسپیس تھیٹر اور اس سے تقریباً ملحق ثقافتی مرکز میں بھی چہل پہل تھی۔ برسوں بعد بھی ہانگ کانگ میں بہت زیادہ تبدیلیاں رونما نہیں ہوئی تھیں۔

اسٹار ہاؤس سے ملحق بس اسٹاپ پر سفر ختم ہوا تو میں اپنے ہلکے پھلکے سوٹ کیس کے ساتھ گھاٹ کی طرف بڑھ گیا۔ دن میں مسافروں کی آمدورفت سے مصروف رہنے والے، اسٹار فیری کے گھاٹوں سے آنے والے راستے، اس وقت بہت کشادہ نظر آ رہے تھے۔ میں برآمدے سے جاتے جاتے اسٹار فیری کے بکنگ آفس کے سامنے رک گیا جہاں سفید فام سیاحوں کی ایک ٹولی تفریحی کتابچوں کا مطالعہ کر رہی تھی۔ میں نے وہاں سے اپنے مطلب کے چند کتابچے اٹھا لیے۔

میں نے بورڈ پر نظر ڈالی تو رات کے بارہ بجے اسٹار فیری والوں کا ایک تفریحی سفر شروع ہونے والا تھا لیکن اس میں مکاؤ کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ میں کتابچے سمیٹ کر آگے بڑھا اور اسٹال سے بیئر کا یخ بستہ کین خرید کر کھلے ساحل کے کنارے بنے ہوئے کنکریٹ کے واک ویز کی طرف بڑھ گیا۔

سین میگیل ہانگ کانگ کی روایتی بیئر تھی جو بنکاک کی سنگھا سے ہزار درجہ بہتر اور مغربی معیار کے قریب تر تھی۔ میں نے اسٹین لیس اسٹیل کی ریلنگ کے ایک پتھریلے ستون پر جگہ سنبھالی اور سگریٹ سلگا کر سمندر میں تیرتی ہوئی چھوٹی بڑی کشتیوں پر نظریں جما دیں۔ بھانت بھانت کی چھوٹی بڑی سست رو اور تیز رفتار بوٹس پر سین میگیل کے متعدد روشن اشتہارات نمایاں تھے۔ سمندر میں گندگی پھیلانے والوں پر بھاری جرمانے کی متعدد اشتہاری تنبیہات کے باوجود، میرے قرب و جوار میں اس بیئر کے بہت سے خالی ڈبے بکھرے ہوئے تھے جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سین میگیل روز بہ روز مقبول تر ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے اس یخ سیال کی کچھ مقدار اپنے

معدے میں انڈیلی اور ہاربر کے اس پار' ہانگ کانگ کے پہاڑی جزیرے کے دامن سے اوپر تک پھیلی ہوئی روشن اور چمک دار عمارتوں سے لطف اندوز ہونے لگا۔

اس وقت میں اداس اور تنہا تھا لیکن میں نے دل ہی دل میں ارادہ کرلیا تھا کہ غزالہ کو ڈون کوانگ فو کی تحویل سے نکالنے کے بعد میں اسے ہانگ کانگ' کا چپہ چپہ دکھاؤں گا اور دنیا بھر کی مصنوعات سے لدے ہوئے' پرشکوہ شاپنگ مالز میں اسے دل کھول کر خریداری کراؤں گا۔

میں اپنے خیالات کی دنیا میں گم' کافی دیر تک وہاں کھڑا رہا۔ جب فضا میں خنکی کا احساس بڑھنے لگا تو میں وہاں سے آہستہ آہستہ واپس چل دیا۔

مجھے اگلے روز مکاؤ روانہ ہو جانا تھا پھر وہاں سے شم ساچوئی کا مرکزی علاقہ بھی بہت قریب تھا اس لیے میں نے کہیں دور جانے کے بجائے کینٹون روڈ پر واقع اومنی ہانگ کانگ ہوٹل کا راستہ لے لیا۔ خریداری اور سیاحت کے لیے آئے ہوئے غیر ملکیوں کی بھاری تعداد کی وجہ سے ہانگ کانگ کے اچھے ہوٹلوں میں پیشگی بکنگ کے بغیر عموماً کمرے دستیاب نہیں ہوتے لیکن میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے اومنی ہوٹل کی چھٹی منزل پر کمرا مل گیا۔

ٹھکانا میسر آتے ہی' مکاؤ کی فکر میرے سر پر سوار ہو گئی۔ میں آرام دہ بستر پر دراز ہو کر دیر تک غزالہ اور اس کی مشکلات کے بارے میں سوچ کر اداس ہوتا رہا اور جب وہ لہر میرے لیے ناقابلِ برداشت ہونے لگی تو میں نے مکاؤ فون کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے بستر چھوڑ دیا۔

جس طرح مجنوں کو لیلیٰ کی طرح سگِ لیلیٰ بھی عزیز تھا اسی طرح مجھے غزالہ کے حوالے سے کوانگ فو کی سیکریٹری سے کچھ انسیت ہو چلی تھی۔ غزالہ سے میری بات ہونی ناممکن تھی لیکن یہ تو ہو سکتا تھا کہ میں کوانگ فو کی سیکریٹری کو اپنی ہانگ کانگ آمد کی اطلاع دے دیتا۔ اگر اس عورت کے دل میں ترحم اور انسانی ہمدردی کا ذرا سا بھی جذبہ موجود ہوتا تو موقع نکال کر وہ خوش خبری غزالہ تک پہنچا سکتی تھی۔

کوانگ فو کے محل کے فون سے پہلی ہی گھنٹی پر رابطہ ہو گیا۔

روایتی مراحل سے گزرنے کے بعد اس کی سیکریٹری لائن پر آئی تو اس نے میری آواز سنتے ہی مجھے پہچان لیا۔

"کہو' دیرا کا کوئی سراغ ملا؟" اس نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔ "یا تم ابھی تک بھٹک رہے ہو؟"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ مجھے ویرا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ میں اس کی نقل و حرکت کے بارے میں اندھیرے میں ہوں۔"

"کوئی نہ کوئی اس کے بارے میں ضرور جانتا ہو گا۔ شاید ایسے لوگوں تک تمہاری رسائی نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارا خیال درست ہو۔ میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں تمہارے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ابھی ابھی ہانگ کانگ آ چکا ہوں۔ کل میں مکاؤ پہنچنے کی کوشش کروں گا۔۔۔"

"واقعی؟" اس نے میری بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔ "اس وقت تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

"کمرا نمبر چھ سو دس' اومنی ہوٹل۔ مجھے دیر نہ ہوئی ہوتی تو میں ابھی مکاؤ کے لیے نکل کھڑا ہوتا۔ میں نے آنکھ بند کر کے تمہارے مشورے پر عمل کیا ہے۔ اب ڈون تک رسائی کے لیے تمہیں میری مدد کرنی ہو گی۔"

"اپنے طور پر مکاؤ کا رخ کرنے کی غلطی نہ کرنا۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "اجنبیوں کے لیے مکاؤ بہت خطرناک جگہ ہے۔ اب تم ہانگ کانگ آ ہی گئے ہو تو صبح الفا ہاؤس میں چائنا ٹریول سروس کی مس روزینا سے مل لینا۔ میرا حوالہ دو گے تو وہ تمہاری کافی مدد کرے گی اور تمہاری یہاں آمد کا انتظام کرا دے گی۔"

"لیکن یہ الفا ہاؤس کہاں ہے؟" میں نے اس کے تعاون پر خوشی محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے ہوٹل سے چند منٹ کا راستہ ہے۔ ناتھن روڈ پر یہ عمارت خاصی مشہور ہے۔ چاہو تو ۲۱۳۳۱۷ پر فون کر لینا' بلکہ جانے سے پہلے فون کرنا ہی بہتر رہے گا۔ تمہارے بارے میں وہ مجھے باخبر رکھے گی۔ موقع ملا تو میں مکاؤ میں خود تم سے رابطہ کرلوں گی۔ تم مجھے فون کر سکتے ہو لیکن مجھ تک پہنچنے کی کوشش تمہیں مہنگی پڑ سکتی ہے۔"

"اس ہمدردی کے لیے میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں لیکن تم مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ مکاؤ اجنبیوں کے لیے خطرناک ہے' تم تک پہنچنے کی کوشش مہنگی پڑ سکتی ہے۔ آخر ان باتوں سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ یہاں آؤ گے تو ساری باتیں خود بخود سمجھ میں آ۔۔۔۔" اس کا فقرہ ادھورا رہ گیا اور یک بیک فون کی لائن کٹ گئی۔

ہانگ کانگ جیسے ترقی یافتہ شہر میں ٹیلی فون لائن کا یوں اچانک منقطع ہو جانا' میرے لیے ناقابلِ فہم بلکہ تشویش ناک تھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ کہیں ڈون کے کسی نمک خوار نے وہ گفتگو سن کر اس عورت پر ہاتھ نہ ڈال دیا ہو۔ وہ فون پر کسی ایسے شخص کے ساتھ ہمدردانہ گفتگو میں مصروف تھی جس سے ڈون نے کوئی بھی بات نہ کرانے کی ہدایت کی ہوئی تھی۔

اگر وہ عورت عتاب میں آ گئی تھی تو پھر غزالہ بھی خطرے میں تھی۔ اس امکان کا دھیان آتے ہی میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں اور میں دوبارہ ڈون کا نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

تیسری کوشش میں ڈون کوانگ فو کے نمبر سے رابطہ ہو گیا۔

اس خصوصی نمبر پر ڈون کے احمقانہ حفاظتی نظام سے مفر ممکن نہیں تھا۔ جو لوگ چوہے کی کرب آمیز آوازوں کے رمز سے واقف تھے' وہی ڈون کی سیکریٹری سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر سکتے تھے اور میرا شمار ایسے ہی گنے چنے خوش نصیبوں میں کیا جا سکتا تھا اس لیے میں اپنے تمام تر ہیجان کے باوجود' تردد کے عالم میں ان لمحات کے گزر جانے کا انتظار کرتا رہا۔

وہ مراحل گزر جانے کے بعد' جوں ہی سلسلۂ کلام کی ابتدا ہوئی ڈون کوانگ فو کی سیکریٹری نے اپنے ساؤنڈ اسکینر کے ذریعے میری آواز پہچان لی اور اس کا لب و لہجہ خشک ہو گیا۔

"تم بار بار فون کر کے مجھے پریشان نہ کرو!" اس کی تیز و تند آواز ابھری۔ "تم کراچی میں رہو یا مکاؤ آؤ۔ یہ سب تمہاری اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ اب ڈون تم سے اس مسئلے پر کوئی بات نہیں کرے گا۔ نہ ہی میں تمہاری کوئی مدد کر سکتی ہوں۔"

اُس کے فقرے معنی خیز تھے۔ میں نے چند منٹ پہلے ہی' فون پر اسے بتایا تھا کہ میں کراچی سے ہانگ کانگ پہنچ چکا تھا۔ جواب میں اس نے مجھے چائنا ٹریول سروس میں ایک لڑکی سے رجوع کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا لیکن اب وہ ہر بات سے انجان بن کر یہ ظاہر کرنا چاہ رہی تھی جیسے اسے میری ہانگ کانگ میں موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔ اس کا مطلب تھا کہ میری پہلی کال اتفاقاً منقطع نہیں ہوئی تھی۔ شاید اسے اپنے قرب و جوار میں کسی کی موجودگی کا شبہ ہو گیا تھا اور اس نے اپنی چمڑی بچانے کے لیے لائن کاٹ دی تھی۔ دوسری بار گفتگو کی ابتدا ہوتے ہی اس نے مکاری کے ساتھ مجھے اپنی پوزیشن سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ میرے لیے وہ بہت اچھی علامت تھی کہ ڈون کے ناقابلِ رسائی محل میں میری ایک ایسی ہمدرد پیدا ہو چکی تھی جو ڈون کی لاعلمی میں میری مدد کر سکتی تھی۔

"اگر میں ڈون سے فون پر بات نہیں کر سکتا تو پھر مجھے مکاؤ ہی آنا پڑے گا۔" میں نے اس کی گفتگو کی روشنی میں کہا۔ "میں پہلی فرصت میں مکاؤ پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں اپنا سر ڈون کے قدموں میں رکھ دوں گا پھر اُس کی مرضی ہو گی کہ وہ مجھے اٹھا کر سینے سے لگا لے یا میری گردن اُڑا دینے کا حکم صادر کر کے پورا قصہ ہی تمام کر دے۔ تم......"

"بس' بس! اب میں تمہاری مزید تقریر نہیں سنوں گی۔" میری بات کاٹتے ہوئے' اس کی ترش آواز ابھری۔ "اب تیسری بار فون کر کے اپنا اور میرا وقت برباد کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

اس کے ساتھ' دوسری طرف سے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ میں چند ثانیوں تک بے جان ریسیور کو اپنے کان سے لگائے خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھا رہا پھر اُسے کریڈل پر ڈال دیا۔

ڈون کی سیکریٹری سے گفتگو کرتے ہوئے پہلی بار فون کا رابطہ یکلخت منقطع ہونے پر میرے ذہن میں جن اندیشوں نے جنم لیا تھا وہ یکسر بے بنیاد ثابت نہیں ہوئے تھے۔ دوسری بار ہونے والی بات چیت سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ ہماری گفتگو کہیں اور بھی سنی جا رہی تھی یا پھر سیکریٹری کے پاس' ڈون کا کوئی پرانا نمک خوار جا پہنچا تھا' جس کی موجودگی میں وہ بے پروایانہ انداز میں گفتگو جاری نہیں رکھ سکتی تھی۔

اس سے دوبارہ بات کر کے مجھے کم از کم یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ میری اور اس کی ابتدائی گفتگو کے نتیجے میں' وہ فوری طور پر کسی عتاب کا نشانہ نہیں بنی تھی۔ وہ خود محفوظ تھی جس کا مطلب تھا کہ غزالہ پر بھی کسی سختی کے آغاز کا خطرہ نہیں تھا اور اس وقت میرے لیے وہی بڑی بات تھی۔

میں کمرے کی روشنیاں گُل کر کے' آرام دہ بستر پر دراز ہو گیا تاکہ آنے والے دن کی ہنگامہ خیز بھاگ دوڑ کے لیے اپنی توانائیاں مجتمع کر سکوں لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

اومنی ہانگ کانگ ہوٹل کے کمرا نمبر چھ سو دس میں' میں ایک عجیب و غریب ذہنی کیفیت سے دوچار تھا۔ میرے لیے اس شہر نما ملک کی حیثیت' راستے کی ایک سرائے سے زیادہ نہیں تھی۔ میں اس وقت اپنے وطن سے ہزاروں میل دور تھا اور میری منزل بھی بہت قریب نہیں تھی۔ اس درمیانی پوزیشن کی وجہ سے میرا ذہن دو طرفہ یلغار کی زد میں آیا ہوا تھا۔

کبھی غزالہ اور سلطان شاہ کے بارے میں وسوسے سر ابھار رہے تھے تو کبھی کراچی کی پیچیدہ صورتِ حال میرے ذہن پر مسلط ہو جاتی تھی۔

غزالہ کے ساتھ ساتھ' میرے لیے بلیو کراس ڈیل بھی بہت اہم تھی۔ ایک طرح سے وہ دونوں' ذاتی اور قومی افتخار کے معاملات تھے۔ غزالہ کے تحفظ' بلکہ حصول کے لیے میں نے پاکستان سے ہانگ کانگ کی طرف دوڑ لگا دی تھی اور بلیو کراس ڈیل کی حفاظت کے لیے' ویرا کو شیشے میں اتار کر' ایران جانے پر آمادہ کر لیا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس کے مقامی سربراہ ظفر کے ذریعے مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ ویرا نے اپنا مشن بہت خوبصورتی کے ساتھ پورا کر لیا تھا اور محض ایک ٹرک کی قربانی دے کر' ایٹمی آلات اور ساز و سامان کی پوری کھیپ کو پاکستان کی سرحدوں میں داخل ہونے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

اس کے بعد مافیا کے ڈان' نیشی کاؤ کے عزائم کی باری آتی تھی۔ وہ شی کی پسپائی سے پیدا ہونے والے فسوں خیز خلا کو مافیا کی سرگرمیوں سے پُر کرنا چاہتا تھا۔ اس کے مربوط منصوبے میں' منشیات کی اندھی کمائی کی سیاست میں سرمایہ کاری کو کلیدی اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔ اپنے عزائم کے استحکام کے لیے اس نے جمی لائیڈ سے سمجھوتا بھی کر لیا تھا جس کی رُو سے اگر میں بیم گن اور سلور آئیز واپس کر دیتا تو شی کا سربراہ میرا پیچھا چھوڑ سکتا تھا لیکن میرے لیے' آنے والے دن بہت غیر یقینی تھے۔ ویرا کو دو طلائی سکوں کا مالک بنا دینے کے بعد میرے پاس صرف ایک سلور آئی رہ

گئی تھی جو کسی بھی آڑے وقت میں میرے کام آسکتی تھی۔ رہی بیم گن، تو وہ ہانگ کانگ میں بھی میرا واحد ہتھیار تھی۔

اپنی ناگزیر ضروریات کے پیشِ نظر، میں نے نیشی کاؤ سے کہہ دیا کہ میرے پاس جمی لائیڈ کی مطلوبہ اشیا موجود نہیں تھیں۔ اس سے انکار کرتے ہوئے میرے ذہن میں یہ امکان پوری طرح روشن تھا کہ نیشی کاؤ کا جواب ملنے کے بعد جمی لائیڈ مشتعل ہو کر میرے خلاف زیادہ شدومد سے صف آرا ہو سکتا تھا اور شاید مافیا والے بھی میری بھرپور حمایت سے کنارہ کش ہو کر مجھے، شی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے۔

لیکن میرے ستارے میرا ساتھ دے رہے تھے۔ قدرت نے کافی عرصہ پہلے میری مدد کے امکانات کی داغ بیل ڈال دی تھی۔

بلی گینگ جو شی کا ایک مکار اور خونخوار ایجنٹ تھا، ابتدا ہی سے نیشی کاؤ کے پیچھے لگا دیا گیا تھا۔ مرنے سے قبل اس نے اپنی گفتگو میں یہ بتا دیا تھا کہ وہ نیشی کاؤ کی بُو سونگھتا ہوا، شکاگو کے چائنا ٹاؤن میں اس کے ٹھکانے پر پہنچا تھا اور پھر نیویارک، لندن اور دبئی کے راستے اس کا تعاقب کرتا ہوا ڈیفنس کے اُس مکان میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا جہاں نیشی کاؤ میرے ساتھ اہم گفتگو میں مصروف تھا۔ شی کے اس ایجنٹ نے اپنی گفتگو کی ابتدا میں یہ ذکر بھی کیا تھا کہ نیشی کاؤ مجھ سے ملاقات کا مشن لے کر بنکاک سے نکلا تھا۔ بیک وقت شکاگو اور بنکاک کے ذکر سے میں صرف ایک ہی نتیجہ اخذ کر سکا تھا کہ نیشی کاؤ نے میرے بارے میں سودے بازی کے لیے، شی کے کسی آئی مین یا شاید جمی لائیڈ سے بنکاک میں مذاکرات کیے ہوں گے جن میں یہ طے پایا ہو گا کہ اگر میں سلور آئیز اور بیم گن واپس کرنے پر آمادہ ہو جاؤں تو جمی لائیڈ میرے خلاف اپنی محاذ آرائی ترک کر دے گا۔ وہ سمجھوتا ہونے کے بعد نیشی کاؤ شکاگو لوٹ گیا ہو گا اور شی نے بلی گینگ کو اس کے پیچھے لگا دیا تاکہ وہ نیشی کاؤ کے تعاقب میں مجھ تک پہنچ سکے۔ میں نیشی کاؤ کو اُس کی مطلوبہ اشیا لوٹانے پر آمادگی ظاہر کرتا تو شاید بلی گینگ کوئی بھی کارروائی کیے بغیر واپس لوٹ جاتا لیکن میری ہٹ دھرمی کا مظاہرہ دیکھ کر، وہ مجھے قتل کرنے کے ارادے سے سامنے آنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بلی گینگ اور اس کے دونوں ساتھی، نیشی کاؤ کے ہاتھوں بے رحمانہ انداز میں جہنم واصل کر دیے گئے لیکن نیشی کاؤ پر شی اور جمی لائیڈ کی بدنیتی واضح ہو گئی۔

نیشی کاؤ کے لیے یہ تصور ہی ہتک آمیز تھا کہ شی کے بڑوں نے مافیا کے ایک ڈان پر اعتماد نہ کرتے ہوئے، اپنے ایک معمولی ہرکارے کو ابتدا ہی سے اس کے تعاقب میں لگایا ہوا تھا۔

شی کی طرف سے بے اعتمادی کے اس شرمناک مظاہرے کی بنا پر نیشی کاؤ میرے انکار کے مضمرات کو نظرانداز کرنے پر مجبور ہو گیا اور میں مافیا میں اپنا مقام برقرار رکھنے میں کامیاب رہا۔

مجھے دوسری بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ میں ڈان کی طرف سے مقامی سیاست میں سرمایہ کاری کی ہدایت کی آڑ لے کر، امیر جان سے ملاقات کا بہانہ کر کے، کراچی سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اپنے چیف، حبیب جیوانی اور نیشی کاؤ کی دانست میں، میں امیر جان سے معاملات طے کرنے کی نیّت سے اسلام آباد کے سفر پر روانہ ہوا تھا جب کہ میری اصل منزل مکاؤ میں ڈون کوانگ فو کی حویلی تھی۔

اس مرحلے پر میرے لیے صرف ایک ہی بات تشویش ناک تھی کہ نیشی کاؤ اور ڈون کوانگ فو پیدائشی اعتبار سے ہم وطن اور قدیم پڑوسی ہی نہیں، بچپن کے گہرے دوست بھی تھے۔ ان میں سے ایک مافیا کا ڈان تھا تو دوسرا شی کا ناقابلِ شکست آئی مین۔ لیکن نیشی کاؤ کو اپنے بچپن کے مراسم پر اتنا ناز تھا کہ وہ پیشہ ورانہ رقابت کے عنصر کو نظرانداز کر کے ڈون کوانگ فو سے مکاؤ میں ملاقات کرنے کا ارادہ کر چکا تھا اور اس ملاقات کا سبب بھی میری ہی ذات تھی۔

ڈان نیشی کاؤ مکاؤ میں ڈون کوانگ فو سے مل کر اُسے یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ میرے معاملے میں اپنے سپر آئی مین، جمی لائیڈ کو اعتدال کی راہ پر رہنے کا مشورہ دے تاکہ میری وجہ سے شی اور مافیا کے پیشہ ورانہ مراسم میں کوئی دراڑ نہ پڑنے پائے۔

نیشی کاؤ کی تجربہ کار نگاہوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ آنے والے دنوں میں، مافیا کی کارکردگی میں میرا کردار بہت ہی اہم نوعیت کا حامل ہو گا اور اگر شی یا جمی لائیڈ کی طرف سے محاذ آرائی کا تسلسل برقرار رہا تو اس کے نتیجے میں میری اعلیٰ کارکردگی متاثر ہو سکتی تھی۔

ان ہی پیچیدہ اور گنجلک خیالات سے لڑتے ہوئے میرے ذہن پر تکان طاری ہونے لگی اور میں سگریٹ سلگا کر اپنے کمرے کی اس کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا جو ہاربر کے نیلے پانیوں اور اس کے پار پھیلے ہوئے ہانگ کانگ کے پہاڑی جزیرے کی طرف کھلتی تھی۔

کھڑکی سے باہر کا منظر اس قدر حسین اور خوابناک تھا کہ چند ثانیوں کے لیے، میں مبہوت ہو کر رہ گیا۔ میں کچھ دیر پہلے ہی کولون کے ساحل سے، روشنیوں میں نہائے ہوئے ہانگ کانگ کا منظر دیکھ کر محظوظ ہو چکا تھا لیکن اومنی ہانگ کانگ ہوٹل کی چھٹی منزل سے اس منظر میں کچھ عجیب سا حسن پیدا ہو گیا تھا۔

ہانگ کانگ ہاربر کی تنگ سی آبی گزرگاہ پر ایک طرف سے جزیرہ ہانگ کانگ کی روشنیوں کا بھرپور انعکاس پڑ رہا تھا تو دوسری طرف کولون کے ساحل پر جگمگاتی ہوئی روشنیوں نے سمندر کے پانی کو روشنی کا غسل دیا ہوا تھا۔ اس طرح مشرقِ بعید کی اس تنگ سمندری راہداری کا چپّہ چپّہ تیز نہ سہی تو خاصی روشنی میں نمایاں ہوا تھا۔ بظاہر سمندر کی سطح بالکل پُرسکون تھی لیکن اس پر روشن اور تاریک دھبّوں کا مخصوص امتزاج سمندر کے سینے پر موجوں کے زیروبم کی نشان دہی کر رہا تھا۔ ان دھبّوں میں نمودار ہونے والی روشن لکیریں ان برق رفتار اسپیڈ بوٹس کی نشان دہی کر رہی تھیں جو اپنے سینوں میں عیش و طرب کی مختصر سی کائناتیں سجائے، سمندر

کے بینے پر رواں تھیں۔

سیماب صفت اور برق رفتار کشتیوں کے اس دور میں کئی دخانی کشتیاں بھی نظر آرہی تھیں جو ست رو تفریح کے مستانوں کی دل جوئی کے لیے نیلے پانیوں پر محوِ خرام تھیں۔ برق رفتار اسپیڈ بوٹس کے مقابلے میں، دخانی کشتیوں کی دھواں اگلتی ہوئی، خال خال چمنیاں سمندر میں ایک ہی جگہ ٹھہری ہوئی نظر آرہی تھیں، میں کافی دیر تک کھڑکی کے شیشے میں سے ہانگ کانگ کی اونچی عمارات پر نصب، دیو ہیکل روشن اشتہارات کی عبارتوں کے مطالعے کے ساتھ سمندری چہل پہل کا جائزہ لیتا رہا پھر دوبارہ بستر پر آگرا۔

اس رات رہ رہ کر میری آنکھ کھلتی رہی اور میں نے عملاً وہ پوری رات نیم خوابی اور بے خوابی کے عالم میں گزاری اور جوں ہی کھڑکی سے باہر راہوارِ مشرق کا نور پھیلتا نظر آیا، میں بستر چھوڑ کر غسل خانے میں جا گھسا۔ بدن پر گرنے والی، پانی کی نیم گرم اور ٹھنڈی دھاریں چند ہی منٹ میں ساری تکان بہا کر لے گئیں اور میں تازگی کے ایک نئے احساس کے ساتھ غسل خانے سے باہر نکل آیا۔

ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں، میں نے بہت دھیمے دھیمے ناشتا ختم کیا۔ میرا مدعا صرف وقت گزارنے کا تھا کیوں کہ چائنا ٹریول سروس کا دفتر صبح نو بجے سے پہلے نہیں کھلتا تھا۔

مقررہ وقت پر میں نے اپنے کمرے سے چائنا ٹریول سروس کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے فون اٹھانے والی ہی میری مطلوبہ خاتون ثابت ہوئی۔

”مس روینا! میرا نام تنویر ہے!“ میں نے آہستگی سے کہا۔ ”مجھے مس شوائے نے تم سے رابطہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ میں اسی وقت تم سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”اوہ!“ روینا کی نرم اور مترنم آواز ابھری۔ ”شوائے میری بہت اچھی اور پرانی دوست ہے لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ ملاقات کے لیے تم شام تک انتظار کرلو۔ میں چھ بجے آف ہو جاتی ہوں۔“

”لیکن میرا ابھی ملنا ضروری ہے کیوں کہ....“ میں نے زور دیتے ہوئے وضاحت کرنی چاہی لیکن روینا نے اضطراری طور پر میری بات کاٹ دی۔

”میں دفتر میں بہت مصروف ہوتی ہوں۔ ویسے بھی یہاں کام کے اوقات میں نجی ملاقاتوں کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ میں تمہیں مناسب توجہ نہ دے سکی تو تم بھی بُرا محسوس کروگے۔“

’پھر وہی خالص کاروباری ذہنیت‘ جس نے ہانگ کانگ میں بسے ہوئے خوش حال چینیوں کو جذبات سے عاری مشین بنا کر رکھ دیا ہے۔“ میں نے دل ہی دل میں سوچا پھر جلدی سے کہا۔

”میری ملاقات کا تعلق تمہارے کام سے ہے۔ میں جلد از جلد مکاؤ جانا چاہتا ہوں۔“

مجھے ڈر تھا کہ میں نے اسے قائل کرنے میں تاخیر سے کام لیا تو کہیں وہ وقت کی کفایت کے لیے یک بیک کوئی الوداعی فقرہ ادا کر کے فون ہی بند نہ کردے۔

”بزنس کی بات ہے تو بلا تکلف چلے آؤ!“ ریسیور پر پہلی بار اس کی خوش دلانہ ہنسی کی آواز سنائی دی۔ ”ہمارا دفتر ستائیس ناتھن روڈ پر الفا ہاؤس کی پہلی منزل پر ہے۔ سیڑھیاں ناتھن روڈ کی بغلی سڑک پر ہیں۔ ہمارا بڑا سا بورڈ دور ہی سے نمایاں نظر آتا ہے۔“

”ٹھیک ہے، میں آرہا ہوں۔ اومنی ہوٹل سے تمہارے دفتر آنے میں مجھے بمشکل چند منٹ لگیں گے۔“ میں نے اس کے بدلے ہوئے رویّے پر مسرت کے ساتھ کہا اور فون بند کردیا۔

ناتھن روڈ، شم ساچوئی کی شہ رگ کہی جاسکتی تھی جہاں سڑک کے دونوں طرف دنیا بھر کی اشیائے تعیش سے لدی ہوئی دکانیں، گلیوں میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اسی سڑک پر چنگ سینٹر نامی وہ دو منزلہ مارکیٹ بھی تھی جو پاکستانیوں اور ہندوستانیوں کا گڑھ سمجھی جاتی ہے کیوں کہ وہاں تمام تر دکانیں ان ہی اقوام کے لوگوں کی ملکیت ہیں جن میں غلبہ بھارتیوں کا ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں وہاں پہنچنے کے بعد آسانی کے ساتھ الفا ہاؤس تلاش کرسکتا تھا لیکن ہوٹل سے اترنے کے بعد میں نے ارادہ بدل دیا۔

تلاش میں وقت ضائع ہونے کی صورت میں مجھے روینا کے سامنے شرمندگی کا سامنا ہو سکتا تھا اس لیے میں نے قریب ہی سے گزرتی ہوئی سرخ ٹیکسی روک لی جو ٹویوٹا کراؤن تھی۔

پاکستان میں پجارو، مرسڈیز اور اکارڈ کے ساتھ ہی ٹویوٹا کراؤن بھی طبقۂ امرا کی پسندیدہ گاڑیوں میں شمار کی جاتی ہے ہانگ کانگ کی سڑکوں پر اسے ٹیکسی کی صورت میں رواں دیکھ کر اس تصور کو خاصی ٹھیس لگتی ہے۔

میٹر گرتے ہی، براہِ راست نو ہانگ کانگ ڈالر کی رقم سامنے آگئی جو خاصی تشویشناک تھی لیکن فوراً ہی دروازے کی اندرونی سمت میں چسپاں سرخ عبارت پر نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ اس ملک کے دونوں حصوں میں قلیل فاصلوں کے پیشِ نظر، ٹیکسیوں کا کم سے کم کرایہ نو ڈالر مقرر تھا جو تین کلو میٹر تک کے لیے تھا۔ اس سے آگے فی کلو میٹر تین ڈالر کی شرح سے اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ مسافر کے سامان کے لیے چار ڈالر فی عدد کی شرح مقرر تھی۔ اسی طرح پرندوں کے لیے بھی شرح مقرر تھی۔ ہاربر کے پار جانے کے لیے میٹر سے بیس ڈالر فاضل ادا کرنے ضروری تھے کیوں کہ زیرِ زمین سمندری سُرنگ استعمال کرنے کے لیے دس ڈالر یک طرفہ ٹول ٹیکس ادا کرنا ہوتا تھا۔

میں ٹیکسی میں چسپاں اس معلوماتی پوسٹر کو پوری طرح پڑھنے بھی نہ پایا تھا کہ ٹیکسی ایک جھٹکے سے رک گئی، اس کے پیچھے آنے والا ٹریفک کسی بے تابی کا مظاہرہ کیے بغیر تھم گیا۔ میں نے جلدی سے دس ڈالر کا نوٹ ڈرائیور کو تھمایا، اس نے سرسری انداز میں نوٹ اپنی پیشانی تک لے جا کر مجھے آگاہ کیا کہ نو ڈالر کرائے کے علاوہ اس نے بقیہ ایک ڈالر کو ٹپ تصور کرلیا تھا۔

ڈرائیور کی اس زبردستی بلکہ دیدہ دلیری پر مجھے تاؤ آیا لیکن اس مصروف مقام پر اس سے بحث کرنے کا موقع نہیں تھا۔ اسے آگے بڑھنے میں ذرا سی بھی دیر ہوتی تو اس کے پیچھے رکی ہوئی گاڑیوں کے ڈرائیوروں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو سکتا تھا۔ زمین کی تنگی کی وجہ سے وہاں کے راستے بھی تنگ تھے اور لوگ ناگزیر رکاوٹوں کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرنے کے عادی تھے لیکن بے جا رکاوٹوں پر وہ نہایت سرعت کے ساتھ آپے سے باہر بھی ہو جاتے تھے۔

میں ٹیکسی سے اتر کر پُرہجوم اور تنگ فٹ پاتھ پر چڑھا تو تنگ اور چھوٹی چھوٹی دُکانیں' دروازوں تک سامان سے بھری ہوئی تھیں اور ان ہی کے اوپر چائنا ٹریول سروس کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔

بورڈ کے سہارے' عمارت کا تعین کر کے میں تیزی سے اندر گھس گیا۔ لفٹ۔ کے سامنے ناکافی جگہ میں چند افراد قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے صرف پہلی منزل تک جانا تھا' اس لیے میں زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ پہلی منزل کے چھوٹے سے کاریڈور میں تینوں طرف شیشے کے دروازوں والی دکانیں نظر آ رہی تھیں۔ میں یکے بعد دیگرے تیسری منزل بھی طے کر گیا لیکن چائنا ٹریول سروس کے آثار نظر نہیں آئے' میری حیرانی پر گھڑیوں کے ایک شو روم میں سے ایک مسلح چینی باہر آیا اور اشتباہ آمیز نظروں سے میرا جائزہ لینے لگا۔

"چائنا ٹریول سروس کا دفتر کہاں ہے؟" میں نے سہل انگریزی میں پوچھا۔

میرا سوال سن کر اُس کے چہرے پر شکنیں پھیل گئیں۔ وہ منہ ہی منہ میں کچھ بدبدایا پھر چینی زبان میں مجھے سمجھانے لگا۔ میرے چہرے پر پائی جانے والی حیرانی اور شاید بے تعلقی نے اسے فوراً ہی احساس دلا دیا کہ مجھ پر اس کی زبانی محنت رائیگاں جا رہی تھی۔ وہ اندازہ کر لینے کے باوجود اس کی زبان بدستور چلتی رہی لیکن اس نے ہاتھ کے اشاروں سے بھی کام لینا شروع کر دیا۔ ان اشاروں سے معلوم ہوا کہ میں غلط عمارت میں داخل ہوا تھا۔ مجھے نیچے اتر کر ملحقہ عمارت میں جانا چاہیے تھا۔

اس کا مفہوم سمجھتے ہی' میں سر کی خفیف سی جنبش سے اُس کا شکریہ ادا کر کے واپس چل دیا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اس چینی محافظ نے میری مدد کرنے کی حتی الامکان کوشش کی تھی۔

برابر والی عمارت کی پہلی منزل پر چائنا ٹریول سروس کا دفتر سامنے ہی موجود تھا۔ وہ دفتر ایک ہال پر مشتمل تھا جو ہانگ کانگ کے خصوصی حالات کے تحت وسیع و عریض سمجھا جاتا ہوگا۔ دفتر کے داخلی دروازے پر محافظ کے بعد اندر ایک خالی کاؤنٹر تھا جس پر نمبر والی پرچیوں کی ایک گڈی رکھی ہوئی تھی۔ ایک طرف پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن میں مختلف رنگوں اور نسلوں کے لوگ' نمبر کی پرچیاں لیے اپنی باری کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دو دیواروں کے ساتھ انگریزی کے ایل کی صورت میں لمبا سا کاؤنٹر بنا ہوا تھا جس کے پیچھے چار پانچ افراد انہماک کے ساتھ کام میں مصروف تھے۔ ہر شخص کے سامنے کوئی نہ کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ بظاہر وہاں محافظ کے علاوہ کوئی ایسا خالی فرد نظر نہیں آیا' جس سے میں روزینا کے بارے میں معلوم کرتا۔ کاؤنٹر کے پیچھے تین عورتیں یا لڑکیاں بھی تھیں لیکن وہ مردوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی مصروف نظر آ رہی تھیں۔ میں چند ثانیوں تک وسط میں کھڑا' اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ مجھے توقع تھی کہ میری بے بسی کو دیکھتے ہوئے کوئی نہ کوئی میری طرف متوجہ ضرور ہوگا لیکن اس دفتر میں ایسا کوئی رواج نہیں تھا۔

آخر کار میں محافظ کی طرف بڑھا۔ وہ کرسی پر دراز' بائیں ہاتھ سے مسلسل اپنا رخسار کھجانے میں مصروف تھا۔ اپنے سامنے کسی کی موجودگی محسوس کر کے اس نے نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور میرے منہ کھولنے سے پہلے ہی کاؤنٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "نمبر کی پرچی لے لو۔"

"مجھے مس روزینا سے ملنا ہے۔ میں نے ابھی ابھی اس سے فون پر وقت لیا ہے۔ وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی۔" میں نے اپنی کھوپڑی پر قابو رکھتے ہوئے' نرمی سے اُسے سمجھانا چاہا۔

میری بات سن کر اُس کی آنکھوں میں تمسخر آمیز چمک پیدا ہو گئی اور وہ بے پروائی کے ساتھ بولا۔ "یہاں کوئی کسی کو وقت نہیں دیتا۔ پرچی لے کر اپنی باری کا انتظار کرو۔"

اس سے الجھنا بے سود تھا۔ میں نے خالی کاؤنٹر سے نمبر کی پرچی اٹھا لی جس پر اکیسواں نمبر درج تھا۔ اس گڈی میں سارے نمبر ترتیب وار لگے ہوئے تھے۔

کرسی سنبھالنے کے بعد جب مجھے مائیکرو فون پر پندرہ نمبر کی گونج سنائی دی تو اس دفتر کا نظام میری سمجھ میں آنے لگا۔

ایل نما کاؤنٹر کے پیچھے چھت کے ساتھ ایک الیکٹرانک بورڈ لٹک رہا تھا اور اسی کے نیچے ایک لڑکی مائیک سنبھالے اعلان کر رہی تھی۔ اس کے اعلان کرتے ہی الیکٹرانک بورڈ پر چودہ کی جگہ پندرہ نمبر نے لے لی۔ اس وقت تک کاؤنٹر کے سامنے سے ایک ادھیڑ عمر عورت اٹھ چکی تھی اور پندرہ نمبر والا' لمبا تڑنگا امریکی اپنا بیگ سنبھال کر' خالی کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

گویا وہاں انتظار کرنے والوں کو ہر وقت یہ معلوم رہتا تھا کہ ملاقاتوں میں کون سا نمبر چل رہا ہے۔ کاؤنٹر خالی ہوتے ہی اگلے نمبر کو پکار لیا جاتا تھا۔ یہ طریقۂ کار بہت سیدھا سادا اور بے ضرر تھا لیکن ایک نجی کاروباری ادارے کے بجائے کسی سرکاری یا سفارتی مرکز کے لیے زیادہ موزوں نظر آتا تھا۔

میں نے غیر ارادی طور پر سگریٹ سلگانے کا ارادہ کیا تو وہاں تمباکو نوشی کی ممانعت کی کئی علامات نظر آئیں۔ میں نے دیکھا کہ پورے دفتر میں کوئی بھی سگریٹ نہیں پی رہا تھا اور نہ ہی وہاں ایش ٹرے کی قسم کی کوئی چیز نظر آ رہی تھی۔

وہاں مصروفیت اور کام کی تقسیم کا یہ عالم تھا کہ مائیک والی لڑکی پندرہ نمبر کا اعلان کرنے کے بعد' اپنے سامنے رکھے ہوئے

کاغذات کے پُلندے کو نمٹانے میں مصروف ہو چکی تھی۔
وقفہ وقفہ سے نمبروں کا اعلان ہوتا رہا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایجنسی کاروباری اعتبار سے خاصی مصروف اور مقبول تھی کیوں کہ لوگوں کے جانے کے باوجود' میرے قرب و جوار میں 'بھری ہوئی کرسیوں کی مجموعی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔
میرا نمبر آیا تو کاؤنٹر پر ایک معنک نوجوان' اپنے ہونٹوں پر کاروباری مسکراہٹ سجائے' میرا استقبال کرنے کے لیے تیار تھا۔ اس نے ادب اور احترام سے مجھے خالی کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا اور پھر سوالیہ انداز میں میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔
"مجھے مس روونیتا سے ملنا ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔
"بزنس؟" اس نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا اور میرے اقرار پر فوراً ہی روونیتا کو آواز دی۔
وہ اس سے تیسری نشست پر کسی گاہک کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھی۔ ان دونوں نے اپنی جگہیں چھوڑے بغیر چینی زبان میں چند فقروں کا تبادلہ کیا پھر میرا میزبان مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم تیسرے کاؤنٹر پر چلے جاؤ!"
"لیکن وہاں تو کرسی خالی نہیں ہے۔" میں نے جھک کر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔
"تم جاؤ۔ روونیتا اُس شریف آدمی کو میرے پاس بھیج رہی ہے۔" وہ بولا۔
اس وقت میری تپی ہوئی کھوپڑی ہر بات کا منفی مفہوم اخذ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے روونیتا کے پاس بیٹھے ہوئے شخص کو شریف آدمی قرار دے کر مجھے رذیل آدمی کہا ہو۔ میں اس سے الجھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا اس لیے اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے' میں اسے اردو میں ایک گالی دیتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔
"واہ! دل خوش کر دیا۔" اردو میں کہے گئے ان الفاظ پر میں بُری طرح چونک پڑا۔
پھر مجھے وہ شخص نظر آ گیا جو اپنی باری کے انتظار میں 'گود میں ایک نقشہ پھیلائے بیٹھا تھا۔
"پردیس میں اپنی زبان اور وہ بھی گالی کی صورت میں' سن کر دل نہال ہو گیا" مجھ سے نگاہیں چار ہونے پر وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے' خوش دلی کے ساتھ بولا۔
"سالے اپنے کام کے پیسے لیتے ہیں لیکن اس طرح پیش آ رہے ہیں جیسے مفت خدمتِ خلق کر رہے ہوں۔" میں نے اپنے دل کا غبار مزید ہلکا کرتے ہوئے کہا اور وہ ہنستا ہوا واپس بیٹھ گیا۔
اس اثنا میں روونیتا کے سامنے والی کرسی خالی ہو چکی تھی۔ میں نے دیکھا کہ چپٹے نقوش اور متورم آنکھوں کے باوجود وہ خاصی دلکش اور قبول صورت لڑکی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے چہرے پر فلسفیانہ سنجیدگی کے بجائے بارونق مسکراہٹ رچی ہوئی تھی۔
"میرا خیال ہے کہ فون پر میری تم ہی سے بات ہوئی تھی۔" اس نے اپنی کرسی سے اٹھ کر مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے گرم جوشی کے ساتھ کہا۔ "میرا نام روونیتا ہے... روونیتا ین!"
"اور مجھے تنویر کہتے ہیں۔" اس کی گرمجوشی نے پل بھر میں بھرا غصہ تحلیل کر دیا۔
"میں جلد از جلد مکاؤ جانا چاہتا ہوں۔" کرسی سنبھالتے ہی میں نے مطلب کی بات چھیڑ دی۔
"کب واپسی کا ارادہ ہے؟" اس نے اپنی کہنیاں کاؤنٹر پر ٹکا کر قدرے دھیمی آواز میں پوچھا۔
"دو چار دن.... یا شاید ایک ہفتہ بھی لگ سکتا ہے۔ ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"
"میں تم سے فون پر بات کرتے ہی سمجھ گئی تھی کہ ایسی ہی کوئی بات ہو گی ورنہ شوائے تم کو مجھ سے رجوع کرنے کا مشورہ نہیں دیتی۔ کہیں مکاؤ کے جوئے خانوں کی شہرت تو تمہیں وہاں نہیں لے جا رہی؟"
"کیا غیر ملکیوں کے لیے ان جوئے خانوں میں داخلہ ممنوع ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"ان کی رونق ہی غیر ملکی سیاحوں کے دم سے ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ لمبی رقمیں جیتنے والے جواری مکاؤ سے بہت کم صحیح سلامت واپس آتے ہیں۔"
"تو کیا وہاں لا قانونیت اتنی زیادہ ہے کہ نوبت قتل و غارت گری تک آ گئی ہے؟"
"اوّل تو وہاں کبھی بھی قانون کی بہت زیادہ بالا دستی نہیں رہی۔ سارا امن و امان اس لیے نظر آتا ہے کہ اس میں مکاؤ کے بدمعاشوں کا مفاد ہے۔ وہاں ہر وقت دنگا فساد ہونے لگے تو لکھ پتی جواری اُدھر کا رخ بھی نہیں کریں گے۔ بس جیتنے والے کو اُن کے ایجنٹ جونکوں کی طرح گھیر لیتے ہیں پھر لڑکیوں اور شراب کے چکر میں انہیں گھیر گھار کر اپنی کسی لانچ میں لے جاتے ہیں۔ کھلے سمندر سے واپسی پر اُن کا شکار اپنی ساری جمع پونجی سے محروم ہو چکا ہوتا ہے اور شرم کے باعث کسی سے شکایت تک نہیں کرتا۔"
"تم تو مکاؤ پر اتھارٹی معلوم ہوتی ہو؟" میں نے ہنس کر کہا۔ "میرا جوئے بازی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں ڈون کوانگ فوے ملنے کے لیے وہاں جانا چاہتا ہوں۔"
میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں پھر اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "وہ مکاؤ کا بہت خطرناک اور بڑا آدمی ہے۔ وہاں اس کا نام لینے والوں کی زبانیں تک کاٹی جا چکی ہیں۔ سب لوگ اسے صرف ڈون یا بڑا بھائی کہتے ہیں۔ مکاؤ جا رہے ہو تو آئندہ اس کا نام لینے کی غلطی نہ کرنا۔"
اُس کے اس انکشاف پر مجھے اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا لیکن میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہدایت کا شکریہ

طرح عمل کروں گا لیکن مجھے یہ تو بتا دو کہ میں اپنی منزل کی
کب تک روانہ ہو سکوں گا؟ میرے لیے وقت کی اہمیت سب
زیادہ ہے۔ تم جانتی ہو کہ شوائے' ژون کی سیکریٹری ہے اور میں
کے مشورے پر تمہارے پاس آیا ہوں تو ضرور کوئی نہ کوئی
بات ہو گی۔"

"میں پوری کوشش کروں گی کہ آج شام تک تمہاری روانگی کا
بست کر سکوں۔ اپنے کاغذات وغیرہ میرے پاس چھوڑ دو۔ دو
بجے تک تمہیں دوبارہ آنا ہو گا۔"

روبینا نے مجھ سے چند فارموں وغیرہ پر دستخط لیے اور
سپورٹ کے ساتھ ہی پانچ سو ڈالر لے کر ایک بڑے لفافے میں
لتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ اس کی طرف سے اشارہ تھا کہ کام کی بات پوری ہو چکی تھی
لیے مجھے روانہ ہو جانا چاہیے۔ میں نے اٹھ کر اس کا نرم و
نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

میں نے اندازہ لگایا کہ اس دفتر کے ہر کاؤنٹر کا یہی دستور تھا۔
کے آنے پر ہر گاہک کو ایسی بھرپور توجہ دی جا رہی تھی جیسے اُس
کے علاوہ وہاں دوسرا کوئی ضرورت مند وجود ہی نہ رکھتا ہو لیکن اس
کے تمام سفری مسائل حل کرنے کے بعد اسے نرمی و خوش اخلاقی
کے ساتھ رخصت کر کے نئے گاہک پر توجہ مرکوز کر دی جاتی تھی۔
واپسی کے لیے مڑا تو الیکٹرانک بورڈ پر چوبیسواں نمبر روشن تھا۔

میں نے باہر نکلنے سے پہلے' خالی کاؤنٹر پر موجود نمبر والی پرچیوں
کی گڈی کو دیکھا تو وہاں اڑتیسواں نمبر تھا جس کا اظہار انتظار گاہ
میں بیٹھے اور ٹہلتے ہوئے سیاحوں کی تعداد سے بھی ہو رہا تھا۔

اگلے چار گھنٹوں کے لئے میرے پاس کوئی کام نہیں تھا اس
لیے میں پُرسکون انداز میں فٹ پاتھوں پر رواں' مقامی اور غیر ملکی
سیاحوں کی بھیڑ میں شامل ہو گیا۔

چین سے فرار ہو کر ہانگ کانگ میں پناہ گزین ہونے والوں کی
بدولت یہ شہر نما ملک ہمیشہ سے آبادی کے شدید دباؤ کا شکار رہا ہے۔ پھر
انگریز حکمرانوں نے چین کی بغل میں واقع اس بندرگاہ کو آزادانہ
تجارت کی کھلی چھوٹ دے کر اس خطے کی تجارتی منڈی میں اہم ترین
مرکز میں تبدیل کر دیا تھا جس کی بنا پر وہاں پورے سال سیاحت اور
خریداری کے شوقین' غیر ملکیوں کا ازدحام رہتا تھا۔ ہانگ کانگ
میں خشک اور سطح زمین کی بے انتہا قلت تھی جس کا سدِباب
کرنے کے لئے زیرِ زمین ماس ٹرانزٹ ریلوے اور زیرِ آب سرنگوں
کے ساتھ ہی فلک بوس عمارتوں کا سہارا لیا گیا تھا۔ ساحلی پٹیوں
سے ہٹ کر سنگلاخ پہاڑی ڈھلانوں تک کے سینے چیر کر کنکریٹ اور
سیمنٹ کی اونچی اونچی عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ وہ سلسلہ رکا نہیں تھا
بلکہ پورے زور و شور کے ساتھ جاری تھا لیکن اس کے باوجود ہانگ
کانگ کے مکانوں' دکانوں' راستوں اور فٹ پاتھوں تک سے زمین
کی شدید قلت کا اظہار ہوتا تھا۔ جسے صرف سلیقہ اور نظم و ضبط کی
بدولت قابو میں رکھا گیا تھا۔

میں بغلی راستوں سے آگے بڑھا تو ایک چھوٹے سے پارک
کے کنارے دو عورتیں ٹھیلوں پر گڑیاں بیچتی ہوئی نظر آئیں' میں
وقت گزاری کے خیال سے ایک ٹھیلے پر رک گیا۔

ٹھیلے پر ہر رنگ اور ساخت کی سیکڑوں خوبصورت گڑیاں
بکھری ہوئی تھیں اور کئی غیر ملکی مرد اور عورتیں بہت حیرت اور
اشتیاق کے ساتھ اس ڈھیر میں اپنی پسند کے ماڈل تلاش کر رہی
تھیں۔ مول تول کا کوئی حساب نہیں تھا۔ بیچنے والی جس گڑی کے
سو ڈالر مانگتی تھی' خریدار چالیس لگاتا تھا اور پھر بھاؤ' ستّر میں سودا
ہو جاتا تھا۔ آس پاس کچھ اور ہاکر بھی منڈلا رہے تھے۔ کسی کے
ہاتھوں میں نفیس لائٹر تھے تو کوئی سلک کی ٹائیوں کی سوداگری کر رہا
تھا۔

میں اس بھیڑ سے ہٹا تو قرب و جوار سے نکل کر اچانک ایک
چینی نوجوان میرے قریب آ گیا۔

"عمدہ گڑیاں خریدو گے؟" اس نے شائستہ انگریزی میں
سرگوشی کرتے ہوئے' اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی فوٹو البم کی ورق

گردانی کی۔ البم میں گھڑیوں کی تصاویر تھیں۔

"تم جس عورت کے ٹھیلے پر کھڑے تھے' وہ الّو کی پٹھی بہت مکّار بلکہ پکی ٹھگ ہے" میرے تردّد پر اس نے جلدی سے کہا "دوگنی قیمت بتا کر ڈیوڑھی قیمت تک گاہکوں کو لوٹتی رہتی ہے۔ خوب صورت کیس میں بند کی ہوئی واہیات مشین تھوڑے ہی دن میں داغِ مفارقت دے جاتی ہے..."

"اور تم کیا بیچتے ہو؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"راڈو' سیکو' ڈیلما' ڈنہل' کارٹیئر۔ تمہیں جو بہترین گھڑی درکار ہو' وہ نہایت مناسب داموں پر دلوا سکتا ہوں۔ سامنے ہی میری دکان ہے۔ میری ورائٹی دیکھ کر تم حیران رہ جاؤ گے۔" اس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے مجھے شیشے میں اتارنے کی کوشش کی۔

"اصلی یا دو نمبر؟" میں نے اس سے مرعوب ہوئے بغیر چبھتا ہوا سوال کیا۔

"گارنٹی کے ساتھ اصلی مال ہوگا" اس نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا "تم گھڑیوں کے شوقین معلوم ہوتے ہو' بھلا تمہیں دھوکا کون دے سکتا ہے؟"

میں اس کی چاپلوسی پر دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ فنکارانہ چابک دستی کے ساتھ میری انا کو ابھار کر مجھے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"دراصل ہمارے پاس فیکٹریوں سے پار کی ہوئی گھڑیاں آتی ہیں" اس نے اپنی جعل سازی کا انوکھا راز گھڑتے ہوئے' بات جاری رکھی "ہر کمپنی سے سال میں دس پانچ گھڑیاں آتی ہیں جو تم جیسے خوش نصیب خریدار کوڑیوں کے مول لے جاتے ہیں۔"

اس وقت تک ہم خاصی دور چل کر ایک تنگ مارکیٹ میں داخل ہو چکے تھے' اس لیے میں نے پوچھا "تمہاری دکان اب کتنی دور رہ گئی ہے۔"

"بس تھوڑی ہی دور ہے۔ تم میرے ساتھ چلتے رہو۔ دراصل ہم لوگ اپنی قیمتی گھڑیاں ہر کس و ناکس کو دکھا کر' اپنا اور اس کا وقت برباد نہیں کرتے۔ آدمی کو پہچان کر بات کرتے ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ گاہک کی پہچان میں مجھے آج تک دھوکا نہیں ہوا ہے۔"

وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں میں الجھا کر' مارکیٹوں اور گلیوں سے گزرتا ہوا' تقریباً ڈیڑھ دو کلومیٹر دور لے گیا۔ آخر اس مشن کا اختتام ایک ایسی پتلی سی عمارت کے سامنے ہوا جس کا داخلی دروازہ بند ہی نہیں بلکہ اندر سے مقفل بھی تھا۔

اس نے دروازے کے شیشے پر دستک دی تو مسلح دربان نے دروازہ کھول دیا اور وہ مجھے لے کر لفٹ میں داخل ہو گیا۔

"تم تو دکان کہہ رہے تھے۔ یہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے ہلکا سا احتجاج کیا۔

"یہ ہانگ کانگ ہے" وہ ہنستے ہوئے بولا "یہاں آدھی دکانیں ایسی ہی عمارتوں میں ہیں۔ اس عمارت میں ہمارے علاوہ ہیروں کے کچھ بیوپاریوں کی بھی دکانیں ہیں۔ اسی وجہ سے عمارت میں عام آدمیوں کے داخلے پر سخت پابندی ہے۔"

چوتھی منزل پر لفٹ سے اترنے کے بعد ہم ایک مقفل دروازے پر رک گئے۔ شیشے کے دروازے کے اس پار' ایک صوفے پر ایک موٹا سا چینی کروٹ لیے سو رہا تھا۔ دو آدمی ایک میز کے گرد بیٹھے' تاش کھیل رہے تھے۔ اپنے ساتھی کو دیکھتے ہی' ان میں سے ایک نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

ہمارے اندر داخل ہوتے ہی ان دونوں نے میز پر سے سنگ تاؤ نامی چینی بیئر کی لمبی بوتلیں اٹھائیں اور اندر والے کمرے میں غائب ہو گئے جہاں پہلے سے کسی کی موجودگی کے آثار تھے۔

اس کمرے میں ایک طرف وزنی تجوری رکھی ہوئی تھی۔ مچان پر بستروں کا ڈھیر نظر آ رہا تھا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ پانچ سات چینی' ان ہی کمروں کو رہائش کے طور پر استعمال کرتے تھے اور دن میں بستر سمیٹ کر انہیں دکان' دفتر یا کارخانے کا روپ دے دیتے تھے۔

"بیئر' چائے یا کافی؟" مجھے کرسی پر بٹھانے کے بعد لانے والے نے رسماً سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں" میں نے اس اجاڑ دفتر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "اگر یہ تمہاری دکان ہے تو گھڑیاں یا دوسرا سامان کہاں ہے؟ یہاں تو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔"

اس نے گھڑیوں کی تصاویر والی البم میرے سامنے ڈال دی "تم اس میں سے ماڈل پسند کر کے بتاؤ' میں ابھی پیدا کر دوں گا۔ چند قیمتی گھڑیاں تو اس وقت بھی تجوری میں موجود ہوں گی لیکن مال ڈھیر کرنے کے بجائے تمہاری پسند کا اندازہ ہو جائے تو بہتر رہے گا۔"

میرے اور اس کے مذاکرات کے دوران میں اندر والے چینی پُراسرار انداز میں بار بار ہمارے کمرے میں جھانکتے رہے' ان کے درمیان کچھ باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ میں اس ماحول میں خود کو نہایت غیر محفوظ اور بے یار و مددگار محسوس کر رہا تھا۔ مجھے لانے والے نے اپنے مشتبہ کاروبار کے بارے میں پہلے ہی اظہارِ خیال کر دیا تھا۔ اس وقت میں ان کے دفتر میں محبوس تھا۔ اگر وہ ٹھگی کی کوشش میں ناکام رہنے پر جھلا کر میرے خلاف کوئی الزام عائد کر دیتے تو میرے پاس اپنے دفاع کے لیے' بیم گن کے علاوہ کوئی مؤثر دلیل نہیں تھی۔

میں نے البم میں سے چند قیمتی گھڑیوں کے ماڈل پسند کیے۔ اس نے مجھے صرف دو گھڑیاں دکھائیں۔ کھلے بازار میں ان اصلی گھڑیوں کی قیمت کسی طرح دس' بارہ ہزار ڈالر سے کم نہ ہوتی لیکن اس نے مجھے صرف ہزار ہانگ کانگ ڈالر کے لگ بھگ بتائے۔ اس کا اصرار تھا کہ وہ فیکٹری سے چرائی ہوئی اصلی گھڑیاں تھیں جب کہ میں مشہورِ عالم گھڑیوں کی چربہ سازی میں ہانگ کانگ کی شہرت سے بخوبی واقف تھا لیکن اس دفتر کے پُراسرار اور غیر محفوظ ماحول میں گھٹن محسوس کر رہا تھا اس لیے ان ہی میں سے ایک گھڑی'

مول تول کر کے چار سو میں سودا کر لیا۔

میں امریکی ڈالروں میں رقم ادا کر رہا تھا تو اندر والے کمرے سے ایک سفید فام برآمد ہوا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی مسرت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہزاروں کا مال سیکڑوں میں خریدنے پر خوش تھا۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی اس کے لبوں پر آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اسے عزت اور احترام کے ساتھ باہر ہانکنے کے بعد' اس کا میزبان چینی بھی میرے پاس آگیا۔

"یہ سفید فام اپنے پورے خاندان کے لیے دس گھڑیاں خرید کر لے گیا ہے۔" اس نے آتے ہی' مجھے پھانسنے والے سے کہا۔ "اب اندر صرف تین گھڑیاں رہ گئی ہیں۔"

"بولو!" میرے میزبان نے ڈالروں کی گنتی ترک کر کے مجھ سے کہا۔ "تین وہ اور ایک میرے پاس ہے۔ چاہو تو یہ چاروں بھی لے لو' بہت کم پیسوں میں دے دوں گا۔"

"میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے۔" ان بدمعاشوں میں اکیلا رہ جانے کے احساس کے تحت میں نے اپنی کم مائیگی کا اعلان ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔

دونوں مایوسانہ انداز میں شانے اچکا کر رہ گئے اور ڈالر گننے کا عمل دوبارہ جاری ہو گیا۔

"رسید اور گارنٹی؟" میں نے روانہ ہونے سے پہلے سوال کیا۔

وہ تمسخرانہ انداز میں ہنستے ہوئے اٹھ گیا۔ "رسید اور گارنٹی کے ساتھ یہ گھڑی بارہ ہزار میں بکتی ہے۔ چوری کے مال کے لین دین میں یہ نخرے کہاں چلتے ہیں۔"

اس نے بڑھ کر نکاسی کا دروازہ کھول دیا۔ جو میرے لیے روانگی کی ہدایت کے مترادف تھا۔

"لیکن گارنٹی کے بارے میں تو تم نے خود کہا تھا!" میں نے احتجاج کیا۔

"میں نے کہہ دیا' بس یہی گارنٹی ہے۔" اس نے مشفقانہ انداز میں میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور میں سر جھکائے' باہر نکل گیا۔ میری نظروں میں وہ جعلی گھڑی ان داموں مہنگی نہیں تھی لیکن وہ لوگ دوسروں کو زیادہ رقم میں بھی پھانستے ہوں گے۔ ایسے چلتے پھرتے ہنرمندوں کے ساتھ سودا کر کے کوئی بھی خریدار مطمئن نہیں ہوتا۔ اسے یہی قلق رہتا ہے کہ اس نے مزید کم دام لگائے ہوتے تو شاید ان ہی داموں پر سودا طے ہو جاتا لیکن یہ سب بعد کی باتیں ہوتی ہیں۔ متجسس خریدار اور سیّاح سب کچھ جاننے کے باوجود' دنیا بھر میں ایسے سوداگروں کے جال میں پھنستے رہتے ہیں۔ جہاں بے وقوف بننے کے ساتھ ہی نفع بخش خریداری کا بھی پورا پورا امکان رہتا ہے اور چالاک ٹھگ خریداروں کی اسی نفسیاتی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

بازار کی حد تک وہی ایک تجربہ کافی تھا۔ میرے پاس اس وقت بھی تین گھنٹے باقی تھے۔ میں خالی الذہنی کے عالم میں ایک طرف چلتا رہا۔ ہانگ کانگ جیسے گنجان آباد ملک میں تفریحی مقامات کی شدید قلت تھی۔ کولون ہو یا ہاربر کے اس پار ہانگ کانگ کا علاقہ' دونوں ہی تنگ اور بلند عمارات پر مشتمل تھے۔ کنکریٹ کے اس جنگل میں خال خال کوئی چھوٹا سا' ویران میوزیم وغیرہ نظر آجاتا تھا اور بس۔ دراصل انسانوں کی رہائش' سرکاری و نجی دفاتر اور دکانوں کے بعد اس ملک میں اتنی جگہ ہی نہیں رہی تھی کہ دوسری ضروریات کی طرف توجہ دی جا سکتی۔ عام آدمی کی سب سے بڑی تفریح' دونوں طرف کے سواحل تھے۔ جن کی جیب میں فاضل رقوم ہوں' ان کے لیے کدے اور نائٹ کلب تھے جو عام طور پر دن ڈھلنے کے بعد ہی شراب میں غسل کر کے شباب پر آتے تھے۔

ہانکو روڈ کی ایک گلی میں چھوٹی چھوٹی دکانوں پر چینی خداؤں اور پانچ شیطانوں کے چھوٹے بڑے مجسموں نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔ انتہائی باریکی کے ساتھ "مٹی میں تراشے گئے" چھوٹے مجسموں کے ایک ایک نقش میں بھرپور تاثر موجود تھا۔ ان مجسموں میں پنڈتوں اور پروہتوں کی شرمناک خرمستیوں کو نہایت چابک دستی کے ساتھ سمویا گیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بدمستی کے عین عروج کے وقت کسی ساحر نے ان سب کو جامد کر کے سکیٹر دیا ہو۔ کمال کی بات یہ تھی کہ مٹی کے ان پتلوں کی تشکیل میں کسی مشین کا کوئی حصہ نہیں تھا بلکہ یہ سب دستکاری کے شاہکار تھے۔

اس سڑک سے ہے فونگ روڈ پر نکلتے ہی' مجھے داہنی طرف ایک بلند مینار نظر آیا تو میرے قدم بے اختیار اسی طرف اٹھ گئے۔ زیر زمین ریلوے اسٹیشن کو اترنے والے راستے کے قریب ہی کولون کی عالیشان جامع مسجد واقع تھی جس کی سیڑھیوں پر متعدد باریش پاکستانی اور افغان براجمان تھے۔

میں نے اس مسجد کا طواف کرتے ہوئے' یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ وہ کولون پارک کی زمین پر اسی کے ایک کونے پر اس طرح واقع تھی کہ اس کا کافی حصہ پارک لین شاپنگ بولیوارڈ سے آگے نکلا ہوا تھا۔ اس شاپنگ سینٹر کی حد اور مسجد کے سرے کے درمیان واقع طویل و عریض پٹی کو خریداروں کی چہل قدمی کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ یہ انگریزی ہی کا کمال تھا کہ اس نے کولون کے اہم ترین علاقے کی تزئین و توسیع کرتے ہوئے بھی مسجد کی عمارت کو' پارک کی فصیل تک محدود کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ مسجد اور پارک کی حدود کے فرق کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ اپنی منصوبہ بندی میں سمو لیا تھا۔

مسجد سے ہوتا ہوا' میں کولون پارک میں چلا گیا۔ باہر سے اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ شہر کے عین وسط میں ایک پہاڑی پر اس قدر خوبصورت اور وسیع تفریح گاہ ہو سکتی ہے۔ میں پہلی دفعہ اس پارک میں داخل ہوا۔ پہاڑی نشیب و فراز پر پھیلے ہوئے سبزہ زاروں' پھولوں کے کنج' عمارات' عجائب گھر اور دور تک پھیلے ہوئے چڑیا گھر میں کسی ٹکٹ کے بغیر گھومتے ہوئے مجھے اپنی رائے

تبدیل کرنی پڑ گئی۔ ہانگ کانگ میں ساحل کے علاوہ کولون پارک کو بلاشبہ سب سے بڑی عوامی تفریح گاہ قرار دیا جا سکتا تھا۔

پارک کے ابتدائی حصے میں دیوار کے ساتھ متعدد گیراج نما کمرے بنے ہوئے تھے جو سامنے سے بالکل کھلے ہوئے تھے ان میں سے بعض خالی تھے اور چند پر پکنک کے لیے آئے ہوئے مختلف خاندان قابض تھے۔ وہ سب ڈھول' تاشوں' بگل اور سنکھ پر اپنے اپنے قومی انداز میں ناچتے گاتے ہوئے بہت بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ کسی بھی خوف اور فکر کے بغیر کی جانے والی وہ تفریحات مقامی باشندوں کے ساتھ ہی انتظامیہ کی رواداری اور فراخدلی کی مظہر تھیں۔ اگر ہانگ کانگ کی آبادی میں سے متوسط طبقہ کے چینی نژاد بددماغ دکانداروں کو نکال دیا جاتا تو وہ ملک ہر اعتبار سے قابلِ رشک تھا لیکن اس مفروضے کا دوسرا رخ یہ بھی تھا کہ ہانگ کانگ کے مزاج اور شناخت میں چینیوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ وہ نہ رہتے تو ہانگ کانگ بھی شاید ہانگ کانگ نہ رہتا۔ اپنی شناخت کھو کر دوسرے بین الاقوامی شہروں میں گم ہو جاتا۔

اس پارک میں لندن کے ہائیڈ پارک اور پیرس کے باغات جیسے شرمناک نظارے تو نہیں تھے لیکن دور افتادہ گوشوں' پھولدار بیلوں سے ڈھکی ہوئی نشستوں اور پُرپیچ ڈھلانوں پر ظالم سماج کے ستائے ہوئے متعدد جوڑے دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک دوسرے کی ذات میں کھوئے ہوئے تھے۔ ان لیٹے' بیٹھے اور ٹہلتے ہوئے جوڑوں کی حرکات میں عشق اور مُنہ زور جوانی کی بے قراریاں بے شک نمایاں تھیں لیکن وہ مقامی اور غیر مقامی جوڑے بالکل ہی مادر پدر آزاد نہیں تھے اور عشق میں جب تک جذبات کی رنگینیاں اور والہانہ پن نہ ہو' اسے عشق نہیں کہا جا سکتا۔ ایسی روکھی سوکھی محبت پگوڈا میں بدھ کی مورتی کے سامنے گیان دھیان میں بیٹھے ہوئے بھکشو کی نفس کش عبادت بن کر رہ جاتی ہے جس سے صرف عابد ہی مزہ لیتا ہے۔ دیکھنے والوں کے حصے میں نری عبرت آتی ہے۔

انسانوں' حیوانوں اور پرندوں میں' میں نے اپنا وقت بہت آرام سے گزار لیا۔ اس وسیع و عریض پارک کے بعض حصوں میں خورد و نوش کی اشیا کے اسٹال بھی تھے جنہوں نے میری شکم پُری میں ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا اور جب میں نے رووینا کی طرف واپسی کی راہ اختیار کی تو دل و دماغ کے ساتھ میرا شکم بھی سیر تھا۔

میں چائنا ٹریول سروس کے طریقۂ کار سے واقف تھا اس لیے وہاں پہنچتے ہی نمبر لینے کے لیے خالی کاؤنٹر کی طرف بڑھا جہاں ایک سو بارھواں نمبر نمایاں تھا۔ وہاں اس وقت بھی خاصی تعداد میں لوگ موجود تھے لیکن میں نمبر لے کر پلٹا تو رووینا نے آواز دے کر مجھے کاؤنٹر کی طرف بلا لیا۔

کاؤنٹر پر اس وقت رووینا کی جگہ کوئی مرد مسافروں کی ضروریات پوری کر رہا تھا جب کہ وہ خود کچھ کاغذات میں الجھی ہوئی تھی۔

اس نے مجھ سے نہایت گرمجوشی کے ساتھ ہاتھ ملایا' پھر دراز سے ایک لفافہ نکال کر میرے آگے ڈال دیا۔ "اس میں تمہارے سب کاغذات ہیں۔ چار بجے گھاٹ سے مکاؤ کے لیے فیری روانہ ہو گی۔ اس میں تمہارے لیے اپر ڈیک کی بکنگ کرا دی گئی ہے۔ کوشش کے باوجود کیبن کا انتظام نہیں ہو سکا۔"

"بہت بہت شکریہ۔ کاغذی تیاریوں کے بعد' اس سے پہلے روانگی شاید ممکن ہی نہیں تھی۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم نے انتظار کے چند گھنٹے گن گن کر گزارے ہوں گے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"ایک گھڑی خریدنے کے بعد کولون پارک میں جا بیٹھا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ یہاں کے نوجوان بھی اپنی محبت کے اظہار میں اسی طرح پُرجوش اور بے صبرے ہوتے ہیں جتنے کہیں اور کے۔"

"تو کیا انہیں نہیں ہونا چاہیے؟" اس نے ترچھی نظریں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا۔

"آدمی نئی جگہ جاتا ہے تو نئی چیزوں کی توقعات لے کر جاتا ہے۔ ہر جگہ پرانی چیزوں اور طریقوں سے واسطہ پڑتا رہے تو سیاحت کا لطف ختم ہو جاتا ہے۔ یکسانیت اور جمود سے اکتا کر آدمی کو اپنا گھر یاد آنے لگتا ہے جہاں کی یکسانیت سے فرار حاصل کرنے کے لیے وہ سیاحت پر نکلتا ہے۔"

"اسی لیے تو کہتے ہیں کہ دنیا گول ہے۔" وہ تیز ہنسی کے ساتھ بولی۔ "ایسا نہ ہو تو ہر سال کروڑوں مرد اپنا وطن اور گھر بار چھوڑ کر نئے آشیانے بسالیں۔ ہر طرف ایسی افراتفری ہو گی کہ محبت اور وفا کا تصور تک ختم ہو کر رہ جائے گا اور پھر تم کون سی سیاحت پر نکلے ہو؟ تمہیں تو مکاؤ میں کسی سے ملنا ہے۔ سیاحت میں کسی کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔"

رووینا خاصی سمجھدار اور باتونی معلوم ہوتی تھی لیکن میرے پاس اُس کی دلچسپ گفتگو سے لطف اندوز ہونے کے لیے وقت نہیں رہا تھا۔ اس لیے میں نے موضوع بدل کر حساب کتاب کی بات چھیڑ دی۔

"تم فیری کے کپتان ریور چیانگ سے ضرور مل لینا۔" اس نے رقم دراز میں رکھتے ہوئے مجھے ہدایت کی۔ "اس سے میری بات ہو گئی ہے۔ وہ تمہیں مکاؤ کے کسی اچھے ہوٹل میں پہنچا دے گا۔"

"اور مس شوائے سے ملاقات کی کیا صورت ہو گی؟" میں نے آہستگی سے پوچھا۔

"وہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ ویسے اسے اطلاع مل چکی ہو گی کہ تم آج چار بجے والی فیری سے مکاؤ کے لیے روانہ ہو رہے ہو لیکن ڈون کے بارے میں میری ہدایت یاد رکھنا۔ بے خبری میں بھی تمہاری زبان سے اُس کا نام نکل گیا تو تم زندگی بھر پچھتاتے رہو گے۔"

میں نہایت گرمجوشی کے ساتھ اسے الوداع کہہ کر' اُس کے دفتر سے نکل آنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

روزینا نے ریسیور پر لمحہ بھر خاموش رہنے کے بعد بڑے تپاک کے ساتھ نی ہاؤ کہا پھر گفتگو شروع ہو گئی جو چینی زبان میں تھی۔ اس دوران میں روزینا ایک عجیب اور دلکش ترنم کے ساتھ دے، ہائے اور حیا جیسے مختصر الفاظ کی گردان کرتی رہی۔ میرے لیے چینی بلکہ کینٹونی زبان کے وہ الفاظ بالکل مہمل اور بے معنی تھے لیکن روزینا کے دلکش اور شیریں انداز نے ان الفاظ میں گویا رس گھول دیا تھا۔

میں کہیں سن یا پڑھ چکا تھا کہ کینٹونی لب ولہجہ والی زبان تھی جس میں بہت سے الفاظ ایسے تھے کہ صرف انہیں ادا کرنے کے انداز کو بدلنے سے نو مختلف مفاہیم ادا کیے جا سکتے تھے۔ اس قدر حساس اور نازک زبان جب اجنبی بھی ہو تو سننے والا احمق کی طرح منہ تکتا رہ جاتا ہے لیکن روزینا کے بولنے کا انداز اس قدر رچا ہوا تھا کہ میں واقعی اس کی حلاوت میں گم ہو کر رہ گیا۔

میں اس وقت بری طرح چونکا جب روزینا نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

دوسری طرف سے ڈون کو انگ فو کی سیکریٹری شوائے کی آواز سن کر میرے بدن میں سنسنی سرایت کر گئی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "تم مکاؤ آ رہے ہو تو مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ ایسی کوشش تمہیں مہنگی پڑے گی۔ یہاں کسی کو شبہ ہو گیا ہے کہ میں تمہاری مدد کرنا چاہ رہی ہوں۔"

"آخری بار تمہاری باتوں سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ حالات میں کوئی ناخوشگوار تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔ اس وقت تم کہاں سے فون کر رہی ہو؟"

"میں ڈون کی حویلی سے باہر ہوں۔ جب بھی موقع ملا میں خود تم سے رابطہ کر لوں گی۔"

"لیکن تم سے بات کیے بغیر میں ڈون سے کیسے رابطہ کر سکوں گا؟"

"تم ڈون کے لیے فون کر لینا۔" اس نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد جواب دیا۔ "لیکن ایسی کوئی بات نہ کرنا جس سے میری پوزیشن پر خراب اثر پڑے۔"

"تم بہت نیک اور مہربان عورت ہو۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "اب تو بتا دو کہ غزالہ اور میرا آدمی کہاں ہے؟ وہ دونوں کس حال میں ہیں؟"

"وہ دونوں حویلی میں ڈون کے قیدی ہیں لیکن فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ڈون کے قیدیوں کی بھی مہمانوں کی طرح خبرگیری کی جاتی ہے۔ بس وہ ایک کمرے میں محبوس ہیں اور اپنی آزادانہ مرضی سے کہیں آ جا نہیں سکتے۔"

"لیکن کسی وقت ڈون کی کھوپڑی سنک بھی سکتی ہے۔" میں نے تشویش ظاہر کی۔

"یہ امکان تو ہر وقت اور ہر ایک کے بارے میں رہتا ہے۔ اس کے لیے کسی کا قیدی ہونا ضروری نہیں۔ اس کے سارے ملازم اسی لیے اُس کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ درحقیقت وہ مکاؤ میں بے تاج بادشاہ ہے۔ جب تک وہ اپنے کسی ملازم، مہمان یا قیدی کو کوئی سزا نہیں سناتا، حویلی میں ہر شخص خوش رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگلے دو چار دن بھی وہ دونوں ہنس کھیل کر گزار لیں گے۔ اس وقت تک تم ڈون کو رام کرنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال سکتے ہو۔"

"تم مجھ پر اتنا احسان تو کر ہی سکتی ہو کہ غزالہ کو میری مکاؤ آمد کی خبر دے دو؟"

"ہرگز نہیں۔" اس کی تیز اور اضطراری آواز سنائی دی۔ "یہ ڈون سے کھلی غداری ہو گی۔ میں تمہارے اور ان کے درمیان کوئی پیغام رسانی نہیں کر سکتی۔ بائی۔"

میں نے خاموشی کے ساتھ ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ ابتداء میں روزینا اس امر پر خوش نظر آئی تھی کہ شوائے کی فون کال میری موجودگی ہی میں آ گئی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ میری طرف سے کتنی فکر مند تھی لیکن گفتگو کے اختتام پر میری مایوسی کا مشاہدہ کر کے وہ حیران نظر آنے لگی تھی۔

"کیا ہوا؟ شوائے سے بات کرنے کے بعد تم کچھ فکر مند ہو گئے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"اس کی بھی کچھ مجبوریاں ہو سکتی ہیں۔ بہرحال تمہارے تعاون کا بہت بہت شکریہ۔ واپسی پر وقت ہوا تو تم سے ضرور ملاقات ہو گی۔" میں نے گرمجوشی کے ساتھ اُس سے ہاتھ ملایا اور تیزی کے ساتھ چائنا ٹریول سروس کے دفتر سے نکلتا چلا گیا۔

میرے پاس بہت زیادہ وقت باقی نہیں رہا تھا اس لیے میں تیزی کے ساتھ اپنے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔ میرے ساتھ زیادہ ساز و سامان تو نہیں تھا لیکن بیم گن کو کپڑوں وغیرہ میں چھپانے کے لیے میں کراچی سے ہی ایک چھوٹا سوٹ کیس لے کر چلا تھا۔ بیم گن کا مسئلہ درپیش نہ ہوتا تو میں اپنے تن کے تین کپڑوں کے ساتھ بھی مکاؤ روانہ ہو سکتا تھا لیکن جب تک وہ مجبوری حائل تھی، میں سوٹ کیس کو اپنے ساتھ لیے پھرنے پر مجبور تھا اور اسی لیے میری ہوٹل واپسی بھی ضروری تھی ورنہ میں وہاں ایک دن کا کرایہ پیشگی ادا کر چکا تھا اور میرے ذمے دیگر کوئی بل واجب الادا نہیں تھا۔

میں ہوٹل کے کاؤنٹر پر اپنی فوری روانگی کا ارادہ ظاہر کرتا ہوا، اوپر اپنے فلور پر پہنچا اور چند منٹ کی قلیل سی مدت میں اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے بیم گن نکال کر، اسے سوٹ کیس میں بھرے ہوئے کپڑوں کی تہوں میں چھپا دیا۔

بل کیپٹن اور کیشئر کو شاید میری عجلت کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا اس وجہ سے کوئی پورٹر نہیں آیا تو میں خود ہی اپنا سوٹ کیس اٹھا کر لفٹ کی طرف چل دیا۔ روم سروس والی دو لڑکیوں نے مجھے دیکھا لیکن رسمی مسکراہٹ کے ساتھ آگے نکلتی چلی گئیں جیسے میرے مسائل سے وہ یکسر بری الذمہ ہوں۔

لفٹ سے نکلتے ہی ایک پورٹر نے ٹپ کی امید پر میرے ہاتھ سے سوٹ کیس لے لیا۔ میں نے کسٹمز سے اپنا حساب صاف ہونے کی تصدیق کی اور باہر نکلا تو اس اثنا میں پورٹر ٹیکسی روک چکا تھا۔

ہانگ کانگ میں ٹیکسی ڈرائیوروں کی بڑی تعداد من موجی اور خاصی بے لگام ہے۔ موڈ نہ ہو تو پُرہجوم علاقوں سے بھی خالی ٹیکسی دوڑاتے گزر جائیں گے اور مسافروں کی ذرا بھی پروا نہیں کریں گے۔ ہاں کوئی اکیلی لڑکی نظر آجائے تو ہزاروں امیدوں کے ساتھ' اُس کی خدمت کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ ٹیکسی کے باقاعدہ اڈوں پر قطار میں پھنس جانے والے ڈرائیور البتہ باری کے مطابق ہر مسافر کو اٹھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ڈرائیور اپنے مسافروں سے سامان کا کرایہ الگ سے وصول کرتے ہیں لیکن عام طور پر سامان اتارنے میں مسافر کی مدد کرنا کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ دل اور پسند کا معاملہ ہو تو بات مختلف ہوتی ہے۔ جو ڈرائیور قدرے باضمیر ہوتے ہیں اور پسند کی سواریوں کی گھات میں خالی گھومنے کے شوقین ہوتے ہیں' وہ ڈیش بورڈ پر "آن کال" کی تختی رکھ دیتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اپنے ریڈیو اپریٹس پر کسی خاص جگہ پہنچنے اور مسافر کو اٹھانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ماضی میں میرے ساتھ بھی کئی بار ایسا ہوا کہ آن کال ٹیکسی کا ڈرائیور مجھے نظرانداز کر کے کسی جواں سال لڑکی یا سفید فام سیاح کے اشارے پر رک گیا۔ ایسے ڈرائیور حسن کی دید یا بھاری ٹپ بنانے کے شوقین معلوم ہوتے تھے۔ ہاں کوئی مرنجاں مرنج ڈرائیور ٹیکسی روک لے تو وہ عموماً منزل کے بارے میں سوال کرنے سے پہلے میٹر گھما کر ٹیکسی کو حرکت میں لے آتا ہے۔ غنیمت ہے کہ ہانگ کانگ کے دونوں حصوں میں بسوں اور زیرِ زمین ریلوے کے ساتھ ہی ٹیکسیوں کی اتنی بڑی تعداد سڑکوں پر رواں رہتی ہے کہ پندرہ' بیس فیصد من چلے ڈرائیوروں کی خرمستیوں کے باوجود' ہر ضرورت مند کو چند منٹ میں سواری میسر آ جاتی ہے۔ درمیانے اور بڑے ہوٹلوں میں یہ سہولت ہوتی ہے کہ ہر آنے والی ٹیکسی' خالی ہونے کے بعد سواری لے جانے کی پابند ہوتی ہے اور میرے پورٹر نے شاید ایسی ہی کسی ٹیکسی پر قبضہ کیا ہوا تھا۔

میں نے پورٹر کو پانچ ڈالر کی ٹپ دی اور ٹیکسی چل پڑی۔ میٹر میں حسبِ معمول نو کا ہندسہ نمودار ہو چکا تھا۔ "چائنا مکاؤ پیئر" میں نے ڈرائیور کو اپنی منزل سے آگاہ کیا اور وہ سرہلا کر رہ گیا۔

چائنا اور مکاؤ کے لیے چلنے والی باقاعدہ فیری سروس کا گھاٹ' کینٹن روڈ کے اختتام پر' کولون پارک کے عقب میں واقع تھا۔ صبح سے رات گئے تک تفریحی سفر کے لیے اسٹار فیری کے علاوہ دوسرے آپریٹر بھی اسٹار ہاؤس کے قرب و جوار سے مسافر لے جاتے تھے لیکن میرا مسئلہ مختصر تفریح کا نہیں بلکہ مکاؤ میں قیام کا تھا۔

میں کاغذات وغیرہ کی جانچ پڑتال کے مراحل سے نمٹ کر اندر داخل ہوا تو نیلگوں سمندر میں دور تک بڑھی ہوئی پختہ جیٹی کے دونوں طرف بحری جہازوں کے سائز کی بڑی بڑی بوٹس لنگرانداز تھیں اور پورے علاقے میں متوقع مسافروں کی ہیجان آمیز چہل پہل نظر آرہی تھی۔

مجھے سب سے بڑی خوشی یہ ہوئی کہ جانچ پڑتال کے مراحل میں کسی نے بھی میرے ہاتھ میں جھولتے ہوئے سوٹ کیس کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی اور مجھے باضابطہ طور پر مکاؤ کی طرف روانگی کی اجازت مل چکی تھی۔ فیری کی روانگی میں خاصا وقت باقی تھا اس لیے میں ایک کاؤنٹر سے مکاؤ کے بارے میں چھپا ہوا کتابچہ لے کر ان بینچوں پر بیٹھ گیا جن پر مسافر براجمان تھے۔

میں نے یہ خاص بات نوٹ کی کہ مکاؤ جانے والوں میں بھاری اکثریت چینیوں کی تھی۔ اس بھیڑ میں غیر ملکی خال خال ہی نظر آ رہے تھے۔ جو تھے' وہ بھی اپنے فیصلے پر کچھ پشیمان اور سہمے سہمے نظر آرہے تھے۔

ہانگ کانگ سے مکاؤ کا فاصلہ تقریباً پینسٹھ کلومیٹر ہے اور وہ بھی پہاڑی پر رنگا رنگ عمارتوں کے وسیع سلسلے پر مشتمل ہے۔ تیل' اناج' غلہ اور دالوں کی تجارت کی بڑی منڈی ہونے کے ساتھ ہی اسے سونے کی کھلی بین الاقوامی منڈی میں کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ قماربازی اور قحبہ گری میں مکاؤ کے شبستانوں کو ایک عالمگیر شہرت حاصل ہے۔ چین میں ایک طرف انگریز ہانگ کانگ پر قبضہ

کیے بیٹھا ہے تو دوسری طرف مکاؤ کو پرتگیزیوں نے اپنی نو آبادی بنایا ہوا ہے۔

ایک سگریٹ اور کتابچے کے مطالعے سے فارغ ہو کر میں جیٹی کی طرف بڑھا جہاں نچلے اور اوپری ڈیک کے لیے الگ الگ راستے تھے۔ وہیں میری نگاہ ایک بورڈ پر پڑی جس کے مطابق ہاربر کے صاف و شفاف پانی میں کسی بھی قسم کا کوڑا کرکٹ پھینکنے والے پر دس ہزار ہانگ کانگ ڈالر جرمانہ کی توقع کی جا سکتی تھی جب کہ ممنوعہ مقامات پر تمباکو نوشی کی سزا پانچ ہزار ڈالر تھی۔

ڈھلوان اور طویل راہداری پر چڑھنے کے بعد ٹکٹ دیکھنے کا مرحلہ آیا۔ اسی رکاوٹ پر میں نے عملے کے ایک رکن سے کپتان ریور چیانگ کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ فیری پر روانگی کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ سفر شروع ہونے کے بعد اس سے ملاقات ممکن تھی۔

گولڈن ڈریگن نامی فیری اپنے حجم کے باوجود، پانی کی لہروں کے ساتھ دھیمے دھیمے ڈول رہی تھی۔ چوبی ریمپ پر سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ نچلا عرشہ یا لوئر ڈیک چاروں طرف سے کھلا ہوا تھا۔ آگے بڑھنے پر اوپری ڈیک میں مسافروں کی وہ بھیڑ بھاڑ نظر نہیں آئی جو لوئر ڈیک پر تھی۔

نرم اور آرام دہ نشستوں کے ساتھ ہی اپر ڈیک چاروں طرف سے بند تھا۔ دیواروں کے اوپری حصے میں کھلنے والے شیشے نصب تھے جنہیں سرکا کر سمندر کی تازہ ہوا سے لطف اندوز ہوا جا سکتا تھا۔

میری نشست تقریباً وسط میں کھڑکی کے ساتھ تھی۔ میرے آس پاس کی نشستیں خالی تھیں۔ سب سے بری اور پریشان کن بات یہ تھی کہ نمایاں مقامات پر جا بجا تمباکو نوشی سے ممانعت کے سرخ نشانات نصب تھے گویا پانچ ہزار ڈالر جرمانہ والی حدود شروع ہو چکی تھیں۔ میں حسرت کے ساتھ شفاف شیشوں کے اس پار ہانگ کانگ اور کولون کے سواحل کا الوداعی جائزہ لینے لگا۔

ٹھیک چار بجے چوبی ریمپ اٹھا لیے گئے۔ فیری کا ہوٹر چیخا پھر کنکریٹ اور شہتیروں سے بنی ہوئی جیٹی پر کھڑے ہوئے خلاصیوں نے گولڈن ڈریگن کے مضبوط اور موٹے رسے ڈھیلے کرنے شروع کیے۔ انجن کی غراہٹ قدرے تیز ہوئی پھر گولڈن ڈریگن کسی سجی... سجائی مورنی کی طرح اپنے محور پر گھومنے لگی۔ اس کا اگلا حصہ آہستہ آہستہ جیٹی سے دور ہوتا جا رہا تھا اور پیچھے کھڑے ہوئے خلاصی لمبے لمبے بانسوں کے ذریعے فیری کے پچھلے حصے کو جیٹی سے ٹکرانے سے روکے ہوئے تھے۔

آخر کار جیٹی والے خلاصیوں نے سیٹیوں کے ساتھ رسوں کے سرے ان لمبے بانسوں کے ہکوں میں پھنسا دیے۔ اگلے رسے پہلے ہی نچلے ڈیک پر پھینکے جا چکے تھے۔ یکایک فیری کی رفتار بڑھنے لگی اور ہم دھیمے دھیمے جیٹی سے آگے نکلنے لگے۔

پھر اچانک ہی فضا میں چٹا چٹ کی آوازوں کے ساتھ متعدد تیلیاں روشن ہوئیں اور اپر ڈیک میں جا بجا سُرمئی دھوئیں کے مرغولے تیرنے لگے۔ میں نے اٹھ کر حیرت سے جائزہ لیا تو متعدد غیر ملکیوں کو اپنے سے زیادہ حیران پایا۔ سگریٹ نوشی کرنے والے، سب ہی چینی یا مقامی تھے۔

میرا دل چاہا کہ میں بھی سگریٹ سلگا لوں لیکن ہمت نہیں کر سکا۔ مناسب یہی تھا کہ عملے کے کسی فرد سے بات صاف کر لی جاتی۔ اس کے لیے مجھے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا کیوں کہ گول، چکر دار زینوں سے کئی مردوں اور عورتوں کے ڈار کی ڈار برآمد ہوئی اور وسط میں بنے ہوئے گول بار کاؤنٹر کی ویرانی کو رونق میں بدلنے لگی۔ ہر قسم کی شرابوں اور ہلکے مشروبات کے ساتھ کھانے کی اشیا کی تھیلیوں کے نمونے عقبی الماریوں میں سجائے جا رہے تھے۔ بقیہ سامان گتے کے ڈبوں میں کاؤنٹر پر ڈھیر کر دیا گیا تھا۔

میں اپنی جگہ چھوڑ کر ٹہلتا ہوا، وہیں جا پہنچا اور ایک خوش رو عورت کو گھیر لیا۔ "مِس! یہاں سگریٹ نوشی کے بارے میں کیا صورتِ حال ہے؟"

میری زبان سے اپنی لیے مِس کا خطاب سنتے ہی اُس کی آنکھوں میں گزرے ہوئے دنوں کی چمک تازہ ہو گئی اور وہ شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ایک قریبی پوسٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "یہ پڑھ لو۔ چینی کے ساتھ ہی انگریزی میں بھی لکھا ہے۔"

"لیکن یہاں تو مردوں کے ساتھ عورتیں تک سگریٹ پی رہی ہیں۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"ان میں سے کوئی بھی ہم سے پوچھ کر نہیں پی رہا۔ ہم کسی کو اجازت دیتے ہیں، نہ روکتے ہیں۔ تم بلاوجہ کیوں پریشان ہو رہے ہو؟" وہ میری حیرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔

"پھر ان پوسٹرز کا کیا فائدہ؟ ان کی جگہ تمہاری تصویر بھی لگائی جا سکتی تھی۔"

اُس کے زرد چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی اور وہ جلدی سے بولی۔ "جرمانہ کرنے کا اختیار ہاربر کے حکام کو ہے۔ جب تک فیری لنگر انداز رہتی ہے، کوئی سگریٹ نہیں پیتا، تھوڑی دور نکل آنے کے بعد پابندی عملاً ختم ہو جاتی ہے۔ ہم بھی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔"

اُس سے کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد، میں نے بارے ٹن بستہ بیئر خریدی اور اسے بھی پیش کرنی چاہی لیکن اس نے نرمی سے انکار کر دیا۔

"میں تمہارے کپتان سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے اس سے فرمائش کی۔

"وہ راؤنڈ پر آئے گا تو تم سے مل لے گا۔ تمہاری سیٹ کہاں ہے؟"

میں نے اشارے سے اسے اپنی سیٹ دکھائی اور اپنی جگہ پر

لوٹ آیا۔

فیری گہرے سمندر میں جانے کے بجائے، ساحل سے ڈیڑھ دو کلو میٹر کے اندر ہی سفر کر رہی تھی۔ رفتہ رفتہ ہانگ کانگ کے آثار شام کے دُھندلکے میں معدوم ہو کر پیچھے رہ گئے۔ البتہ داہنی طرف، چین کی ساحلی آبادیوں کے آثار ہمارے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

آخر کار گولڈن ڈریگن کا کپتان، ریور چیانگ میرے پاس آ پہنچا۔ وہ متوسط عمر کا ایک خوش مزاج شخص تھا۔ اس نے نہایت بے تکلفانہ انداز میں اپنا تعارف کرایا اور میرے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

"مجھے روزینا نے بتایا تھا کہ تم اس کے خاص دوستوں میں سے ہو اور شاید پہلی بار مکاؤ جا رہے ہو۔" اس نے رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد کہا۔ "تمہارا پیغام نہ بھی ملتا تو میں تمہارے پاس ضرور آتا۔ تمہاری بکنگ کے وقت ہی میں نے تمہارا سیٹ نمبر نوٹ کر لیا تھا۔"

مجھے اشارہ مل گیا کہ وہ میرے اور شوائے کے تعلق سے لاعلم تھا اس لیے میں نے کہا۔ "روزینا بہت خوش مزاج اور ملنسار لڑکی ہے۔ اس نے مجھ سے تمہاری بہت تعریف کی ہے۔"

وہ زور سے ہنسا اور بولا۔ "میں خود کو تمہاری توقعات کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔ ویسے یہ بتاؤ کہ تمہیں قمار بازی سے کس حد تک دلچسپی ہے۔"

"شوق نہیں ہے لیکن کبھی کبھار کارڈز کھیل لیتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"مکاؤ میں کارڈز پر ہی تو سب سے زیادہ جُوا ہوتا ہے۔ وہاں دنیا بھر کے چھٹے ہوئے شارپرز کی فوج در فوج پڑی ہوئی ہے۔ آدمی ان کے چکر میں آجائے تو اس کے کپڑے تک اتروا لیتے ہیں۔"

"میں کسی لمبے کھیل کا عادی نہیں ہوں۔" میں نے جلدی سے وضاحت کی۔

"پھر میں تمہیں ایک اچھے ہوٹل میں پہنچا دوں گا۔ وہاں تمہاری شامیں حسین اور خوشگوار گزریں گی۔" وہ داہنی آنکھ دبا کر بولا اور میں اُس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس دیا۔

"ویسے تم بڑے مناسب وقت پر آئے ہو۔" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "پرسوں ڈون کی حویلی میں بل فائٹنگ کا زبردست پروگرام ہے۔ تم چاہو تو اس میں شرکت کر سکتے ہو۔ مکاؤ کے لوگ ڈون کی حویلی میں قدم رکھنا بہت بڑا اعزاز سمجھتے ہیں۔"

"ضرور... بل فائٹنگ میں نے صرف ٹی وی پر ہی دیکھی ہے۔ لیکن ڈون مکاؤ کا اتنا اہم آدمی ہے تو میں اس کی کسی تقریب میں کیسے شرکت کر سکوں گا؟" میں نے پوچھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ ریور چیانگ خود ہی مجھے میرے مطلوبہ مقام پر پہنچانے کی پیش کش کر رہا تھا۔

"ڈون کسی بھی موقع پر اپنے خیر خواہوں کو نہیں بھولتا۔ میرا کارڈ ضرور آئے گا۔ پرسوں میں ہانگ کانگ میں رہوں گا۔ میرے کارڈ پر تم چلے جانا۔"

"لیکن وہ کارڈ تو تمہارے نام پر ہو گا؟" میں نے الجھن ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ ڈون کی تقریبات مکاؤ والوں کے لیے فخر اور اعزاز کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس کے دعوت نامے لوگ اپنے عزیز ترین دوستوں کو بہترین تحفے کے طور پر دیتے ہیں۔ یہ بات ڈون بھی جانتا ہے اس لیے اس کے دعوت ناموں پر نام نہیں، صرف کارڈ نمبر ڈالا جاتا ہے۔ ایک کارڈ پر کوئی بھی ایک آدمی ڈون کی تقریب میں شرکت کر سکتا ہے۔ تم سے کوئی، کسی قسم کا تعرض نہیں کرے گا۔"

"تو کیا یہ بل فائٹنگ کوئی روایتی قسم کی تقریب ہوتی ہے؟" ریور چیانگ کے اندازِ بیاں نے میرے دل میں تجسس پیدا کر دیا تھا۔

"ڈون کی ہر تقریب مکاؤ کی روایت بن جاتی ہے۔ سنا ہے پرسوں اس کا بچپن کا کوئی دوست مکاؤ آنے والا ہے۔ اسی کے اعزاز میں ڈون نے بل فائٹنگ کا پروگرام بنایا ہے۔ وہ اسی میدان میں اپنے پرانے دوست کا استقبال کرے گا۔ یہ کل کی تازہ ترین خبر تھی۔"

ریور چیانگ کے وہ الفاظ سنتے ہی میری کھوپڑی سن ہو کر رہ گئی۔

کراچی میں نیشی کاؤ نے وہی کچھ کہا تھا جو ریور چیانگ دُہرا رہا تھا۔ اگر اس کے بیان میں سے بل فائٹنگ کا ذکر حذف کر دیا جاتا تو سیدھی سی یہ بات باقی رہ جاتی تھی کہ مافیا کا ڈان، نیشی کاؤ میرے معاملے پر مذاکرات کرنے کے لیے تیسرے دن ڈون کوانگ فو کے پاس پہنچنے والا تھا۔

ایک طرف وہ اہم ترین اطلاع تھی اور دوسری طرف یہ صورتِ حال تھی کہ ڈون کوانگ فو، غزالہ اور سلطان شاہ کے بارے میں ویرا کے علاوہ کسی اور سے بات کرنے کا بھی روادار نہیں تھا اگر شوائے کے تعاون سے ڈون کی خوشامد در آمد کا کوئی سلسلہ شروع بھی کیا جاتا تو دور دور تک ایسا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا کہ ڈون، نیشی کاؤ کی آمد سے پہلے، اگلے دن تک پسیج جاتا۔

اگر ریور چیانگ کی اطلاع درست تھی تو میرے پاس کچھ کر گزرنے کے لیے صرف اگلا دن رہ گیا تھا۔ ڈون کوانگ فو اور نیشی کاؤ کو ایک بار سرجوڑ کر بیٹھنے کا موقع مل جاتا تو میرے فرشتے بھی ڈون کے قریب جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے جب کہ غزالہ اُس کی قید میں تھی۔

"کیا بات ہے؟ تم چُپ کیوں ہو گئے؟" مجھے خاموش پا کر ریور چیانگ نے ٹوکا۔

"نن.... نہیں تو۔" میں بوکھلا کر احمقانہ انداز میں ہنس پڑا۔ "میں سوچ رہا تھا کہ قسمت نے مجھے تمہارے ذریعے مکاؤ کا ایک عظیم الشان کھیل دیکھنے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ آج کل کی مطلب پرست دنیا میں کتنے ایسے لوگ ہوں گے جو اپنے پرانے دوستوں کے استقبال کے لیے اس طرح سوچتے ہوں؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ریور چیانگ سنجیدہ ہو گیا۔ "شاید ایک بھی نہیں لیکن ڈون قدامت پرست ہونے کے ساتھ ہی وضع دار بھی ہے۔ وہ دوستی اور دشمنی کو آخری حدوں تک لے جانے کے فن سے خوب واقف ہے۔"

بظاہر بہت سے واقعات اور کردار میری کہانی سے الگ تھلگ نظر آ رہے تھے لیکن ریور چیانگ سے ملاقات ہوتے ہی ان کی اہمیت واضح ہونے لگی تھی اور پھر جب اس نے مافیا کے ڈان، نیشی کاؤ کی آمد کی صحیح اطلاع فراہم کی تو مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ریور چیانگ کے روپ میں کسی فرشتے نے آ کر میری رہنمائی کی تھی ورنہ اتنی اہم اطلاع کا یوں آسانی سے ملنا ممکن نہیں تھا۔

ڈیفنس والے مکان میں ڈان تھری سے ملاقات اور پھر جی لائیڈ کے گرگے، بلی گینگ سے خون ریز ٹکراؤ کے بعد سے میرے ذہن پر مسلسل یہی ایک خوف سوار تھا کہ کہیں نیشی کاؤ مجھ سے پہلے ڈون کوانگ فو تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ اس خوف کی وجہ سے میں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانے کا ارادہ کر چکا تھا تاکہ بے خبری میں، میں کسی بھیانک خطرے سے دوچار نہ ہو سکوں۔

یہ درست تھا کہ ریور چیانگ نے تیسرے دن نیشی کاؤ کی آمد کی اطلاع دی تھی اور بپھرے ہوئے ڈون کو راہِ راست پر لانے کے لیے درمیانی مدت بہت قلیل بلکہ ناکافی تھی لیکن پھر بھی مکمل بے خبری میں رہنے سے بہتر تھا کہ ریور چیانگ نے مجھے متوقع امکان سے آگاہ کر دیا تھا۔

اس بے چارے کے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس نے مکاؤ میں میری دل جوئی کے چکر میں مجھے کس قدر اہم بات سے آگاہ کر دیا تھا لیکن وہ میرے اضطراری ردِ عمل سے کچھ پریشان نظر آنے لگا تھا اس لیے میں نے دوبارہ سنبھالا لیتے ہوئے کہا۔ "ڈون مکاؤ میں اس قدر معزز اور محترم سمجھا جاتا ہے تو اس کے دشمن کہاں سے پیدا ہو جاتے ہیں؟"

مقامی سیاست اور واقعات، شاید اس خطے کے ہر چینی نژاد باشندے کے لیے محبوب ترین موضوعات کا درجہ رکھتے تھے اس لیے اس نے پُرجوش انداز میں نشست پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "تم ان چکروں میں نہ پڑو تو سکھ سے تفریح کے چند روز گزار لو گے۔ یہ مقامی کہانیاں ہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ جہاں پیشہ ورانہ رقابت موجود ہو وہاں دشمنی ناگزیر ہوتی ہے۔"

"پھر تو ڈون اپنے دشمنوں کو ہی بپھرے ہوئے سانڈوں کے سامنے ڈالتا ہوگا؟"

"شی!" اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ "اس کے بارے میں برسرِعام ایسے غیر محتاط گفتگو نہ کرنا ورنہ دشواریوں میں پڑ جاؤ گے۔"

"آخر یہ ڈون کون ہے؟ تمہاری باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ مکاؤ کے لوگ اس سے بہت زیادہ خائف رہتے ہوں گے۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔"

"تمہیں کوئی نہیں بتائے گا کہ ڈون کیا شے ہے لیکن مکاؤ کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد تم جلد ہی اُس کے بارے میں بہت کچھ جان لو گے۔" وہ خائفانہ ہنسی کے ساتھ بولا۔

"تم نے مجھے تجسس میں ڈال دیا ہے۔ اب میں اسی کے بارے میں سوچتا رہوں گا۔"

"وہ اپنے دوستوں، مہمانوں اور خیر خواہوں کو بہت عزت دیتا ہے۔ اُس کے ذاتی ہیلی کاپٹر ایسے لوگوں کو کولون کے ہیلی پیڈ سے براہِ راست اس کے محل میں لاتے ہیں اور دشمنوں کے ساتھ حیرتناک طور پر کوئی نہ کوئی جان لیوا حادثہ پیش آ جاتا ہے۔"

میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ مجھے یاد آیا کہ چند روز پہلے ڈون نے اپنے چند مشتبہ آدمیوں کو خود ہی ہلاک کرا دیا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ وہ لوگ اُس کی لاعلمی میں اُس کے نام کی آڑ میں ناجائز ذاتی مفادات حاصل کر کے رقمیں بٹور رہے تھے اور محض اسی وجہ سے وہ ہانگ کانگ کی بحری پولیس کے ہاتھوں خوار ہوا تھا۔

اگر ڈون اسی قدر مشہور، معزز اور بھیانک آدمی تھا تو اُس کی اسپیڈ بوٹ کی گرفتاری اور خود ڈون کی نظر بندی کا قصہ پورے علاقے میں مشہور ہو جانا چاہیے تھا لیکن حیرت کی بات تھی کہ ریور چیانگ نے اس بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں کیا تھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ بل فائٹنگ میں تمہیں ضرور مدعو کرے گا؟" میں نے بات پکی کرنے کے لیے اشتباہ آمیز لہجے میں ریور چیانگ سے سوال کیا۔

"مسونی صد!" اُس نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا۔ "میری طرف سے وہ کارڈ، تمہارے لیے ایک یادگار تحفہ ہو گا۔ ایسی محفلوں میں سیکڑوں حسین و جمیل لڑکیاں برائے نام لباس میں مہمانوں کے ساتھ ساقی گری کرتی ہیں۔ کمال کی بات یہ ہے کہ مہمانوں کی چھیڑ چھاڑ کو خوش دلی اور شائستگی کے ساتھ قبول کرنے کے باوجود کوئی لڑکی کسی مہمان کے ساتھ نوک جھونک میں پہل نہیں کرتی۔ یہ ڈون کی کھلی دعوتوں کے آداب میں شامل ہے۔ اسی وجہ سے لوگ اپنی بیویوں کو بھی ساتھ لے جانے سے نہیں ہچکچاتے۔"

"تم مسلسل میرے تجسس کو ہوا دے رہے ہو۔ ایسی کہانیاں تو راجہ اندر کے رنگیلے دربار کے بارے میں ہی سننے میں آتی ہیں۔ وہ خود بھی عورتوں کا بہت رسیا ہو گا؟"

"ایسا ویسا!" وہ زور سے ہنسا۔ "کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کرتا۔ شاید مکاؤ کی آدھی عورتیں اور لڑکیاں اُس کے محل میں پہنچنے کے خواب دیکھتی رہتی ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ اس کا سر تاج سے محروم ہے لیکن وہ پھر بھی مکاؤ پر راج کرتا ہے۔"

"اُس کی آمدنی کے کیا ذرائع ہیں؟ وہ کوئی کام بھی تو کرتا ہو گا؟"

"کوئی اور بات کرتے ہیں۔" وہ میرے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ہم نے آج کی شام ڈون کے نام کر دی ہو۔ دیکھو! ساحل سے دور، چین کی سرزمین پر سورج غروب ہو رہا ہے اور اُدھر نیلے پانیوں میں اتر رہا ہے۔ اس قدر حسین شام کو ڈون کے ذکر میں کیوں ضائع کرتے ہو؟ اس سفر کو یادگار بنانے کی کوشش کرو۔"

وہ میرے پاس سے اٹھ گیا۔ میں اس کے ساتھ بار تک آیا اور اپنے لیے اسکاچ کے لارج پیگ کا آرڈر دے دیا۔ سورج کسی بھی لمحہ افق سے نیچے اترنے والا تھا۔ اس وقت کوئی تیز سیال ہی طبیعت کو رنگ پر لا سکتا تھا۔ بیئر میرے لیے پانی بن کر رہ گئی تھی۔

"کسٹم سے فارغ ہونے کے بعد میرا انتظار کرنا!" ریورچیانگ نے مجھ سے رخصت ہوتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ "چارج دینے کے بعد میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔"

وہ گیا تو اسی لمحے ایک نرم و نازک سفید فام دوشیزہ بار کاؤنٹر پر میرے قریب آ کھڑی ہوئی۔ اس نے بار میڈ کو دو کاک ٹیل کا آرڈر دیا تھا۔ اپنی پسندیدہ کاک ٹیل کے اہم اجزا اُسے زبانی یاد تھے۔

میں نے غور سے اُس کے گداز سراپا کا جائزہ لیا تو قدرت کی صناعی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ بغیر بازوؤں والی، ہلکی نیلی بنیان یا ٹی شرٹ کے ساتھ نیلی ڈینم کا مختصر سا نیکر پہنے ہوئے تھی۔ وہ دونوں ہی کپڑے اتنی احتیاط سے منتخب کیے گئے تھے کہ اس کے بدن پر پھنسے پھنسے نظر آ رہے تھے۔ اُس کے سڈول اور مرمریں بازو اور سبک ٹانگیں بلاشبہ بہت خوبصورت تھیں۔ شانوں سے نیچے تک لہراتے ہوئے نرم بالوں کا رنگ سیاہ اور چمک دار تھا۔

"معاف کرنا، تمہارا تعلق سویڈن سے تو نہیں ہے؟" میں اس کے بدن کو چھونے کی شدید حیوانی خواہش پر قابو نہ پا سکا۔ میں نے شہادت کی انگلی سے اُس کا نرم بازو چھوتے ہوئے سوال کیا تو اس نے بھڑکے بغیر اپنا سر میری طرف گھمایا۔

اُس کی آنکھیں گہری سبز اور متحیر نظر آئیں۔ اُس کے چہرے کے نقوش تیکھے اور گردن قدرے دراز تھی۔ اُس کے بدن کی اوپری پیمائش کے لیے ٹی شرٹ کا سائز خاصا ناکافی تھا جس کا اظہار لچک دار کپڑے کے کھچاؤ سے ہو رہا تھا۔ اسے شاید زبردستی جسم پر منڈھ لیا گیا تھا۔

"تم نے کیسے اندازہ لگا لیا؟" اُس نے مسکراتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

اس حسین چہرے پر، مسکراتے ہوئے گلابی ہونٹوں کے پیچھے موتیوں جیسے آبدار دانتوں کی قطاریں دیکھ کر میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ "اس قدر خوبصورت چہرے سویڈن کے علاوہ پورے یورپ میں کہیں نہیں پائے جاتے۔" میں نے کسی آزاد منش سیاح کی طرح والہانہ انداز میں کہا۔

"میرے ساتھی نے تمہاری تعریف سن لی تو ابھی تمہیں سمندر میں پھینک دے گا۔" اس بار وہ باقاعدہ ہنستے ہوئے بولی اور اُس کے سفید دانتوں کی قطاریں مزید نمایاں ہو گئیں۔

"اوہ، تو تمہارا کوئی ساتھی بھی ہے؟" میں نے بوکھلانے کی اداکاری کی۔ حقیقت یہ تھی کہ میں اکیلے بیٹھے بیٹھے اکتا چکا تھا اور اس وقت طبیعت اس کے ساتھ کچھ وقت گزارنے پر مچل گئی تھی۔

"شاید تم نے غور نہیں کیا کہ میں نے دو کاک ٹیلز کا آرڈر دیا ہے۔" اس کی آواز میں ہلکا سا طنز تھا لیکن ہنسی اور چہرے کے تاثرات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"میں سمجھا کہ ایک غروب آفتاب سے پہلے اور دوسرا بعد کے لیے بنوا رہی ہو۔"

وہ میرے ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو۔ بِل اتنی الکحل لے چکا ہے کہ اس پر اونگھ سوار ہو رہی ہے۔ وہ سو گیا تو دونوں پیگ میرے ہی حصے میں آئیں گے۔"

"اگر وہ اونگھ رہا ہے تو تم تھوڑی دیر باتیں کیوں نہیں کرتیں؟" میں نے اُسے دعوت دی۔

"مجھے پہلی ہی نظر میں اندازہ ہو گیا تھا کہ تم اکیلے پن کی بوریت سے اکتائے ہوئے ہو۔ تم جیسے بے باک اور زیادہ بولنے والے لوگ عموماً صاف دل ہوتے ہیں۔ کچھ دیر کے لیے مل بیٹھنے میں کوئی ہرج نہیں..."

"میری سیٹ بہت پُرسکون مقام پر ہے" میں نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔ مقصد یہ تھا کہ بِل میرے اور اس کے درمیان کباب

میں ہڈی بننے کی کوشش نہ کرے۔

اس کے کاک ٹیلز کے پیگ تیار ہو گئے تھے۔ میں نے پھرتی کے ساتھ ان کی رقم ادا کر دی۔

"یہ میرا آرڈر تھا۔" اس نے احتجاج کیا۔ "تم نے پیسے کیوں ادا کر دیے؟"

"کوئی ہرج نہیں... تم میری مہمان ہو اور رہا بِل سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

"بوائے فرینڈ۔" وہ کاک ٹیل کا ایک گلاس اٹھاتے ہوئے بولی۔ "یہ میں اُسے دے کر آتی ہوں۔ میرا گلاس تم اپنی سیٹ پر لے جاؤ۔ میں خود بھی جگہ بدلنی چاہ رہی تھی۔"

"کیا بِل سے اتنی زیادہ اکتا گئی ہو؟" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"بِل نہیں، میں اپنے آس پاس موجود چینی مسافروں سے اکتائی ہوئی ہوں۔ وہ اپنے تھیلوں سے نکال کر خشک مچھلیاں، سانپ کے پارچے اور سوکھے کیکڑے دانتوں سے نوچ نوچ کر کھائے جا رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر متلی سی ہونے لگی ہے۔"

"اس ڈیک پر بہت سی نشستیں خالی ہیں۔ تم جگہ بدل سکتی تھیں۔"

"بِل کا خیال ہے کہ الگ تھلگ بیٹھ کر ہم خود کو بلاوجہ دوسروں کی نگاہوں کا مرکز بنا لیتے' اس لیے کراہت محسوس کرنے کے باوجود وہ وہیں جما بیٹھا ہے۔"

میں اپنی سیٹ کی طرف مڑ گیا اور وہ زہد شکن چال میں آگے بڑھتی چلی گئی۔

مغرب میں رنگت کی سرخی و سفیدی' جسمانی تناسب اور صحت مندی کے مظاہر بہت عام ہیں۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جو لباس کے اختصار اور بے حجابی کے ساتھ مل کر ہر لڑکی کو' قابلِ دید بنا دیتی ہیں لیکن مجموعی طور پر مغرب میں بھی حقیقی حسن کا تناسب وہی ہے جو مشرق میں نظر آتا ہے اور وہ لڑکی ہر اعتبار سے حسین کہی جا سکتی تھی۔ سفر کا بقیہ حصہ اُس کی رفاقت میں گزارنے کا تصور میرے لیے خاصا سنسنی خیز تھا۔

میں نے کھڑکی کے ساتھ بیٹھ کر' داہنی طرف کی ساحلی پٹی پر نگاہیں مرکوز کر دیں۔

چند منٹ بعد وہ بھی آ گئی اور بے تکلفانہ انداز میں میرے بائیں پہلو سے چپک کر بیٹھ گئی۔

"ڈوبتے ہوئے سورج کی سرخ روشنی میں' ساحل کس قدر حسین اور پُراسرار نظر آ رہا ہے۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے' پُراشتیاق لہجے میں بولی۔ "ہمیں بائیں طرف جگہ ملی تھی۔ وہاں سے سمندر کے پانی کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا اور اوپر سے سڑی ہوئی کچی مچھلیاں!"

میں نے اُس کا کاک ٹیل کا گلاس اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے آ جانے کے بعد یہ مناظر میرے لیے اپنی کشش کھو بیٹھے ہیں۔"

"میری ٹانگ کھینچنے کی کوشش کر رہے ہو؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اتنی سڈول اور پھسلواں ٹانگوں کو کون احمق کھینچ سکتا ہے؟" میں نے محاورے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری خوبصورتی سے واقعی مرعوب ہوا جا رہا ہوں۔"

اس نے میرے گلاس سے گلاس ٹکرا کر کاک ٹیل کا ایک گھونٹ لیا پھر سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "تم کس سلسلے میں مکاؤ جا رہے ہو؟"

"اس وقت تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ سفر تم سے ملاقات کا بہانہ رہا ہو۔" میں نے اس کے لطیف وجود کے حرارت آگیں لمس سے لذت اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں یہ بتانا بھول گئی کہ بِل ہر وقت نشہ میں نہیں رہتا۔" وہ اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"اسی کے ساتھ تم اپنا نام بتانا بھی بھول گئی ہو... ویسے مجھے تنویر کہتے ہیں۔"

"میرا نام روزینی ہے۔ ہم دونوں تفریحاً مکاؤ جا رہے ہیں۔" اس نے کہا۔

معاً مجھے اس کا کہا ہوا ایک فقرہ یاد آ گیا اور میں نے پوچھا۔ "بِل اور تم' دوسروں کی نگاہوں میں آنے سے خائف کیوں ہو؟ تمہارے ساتھ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے؟"

میرے سوال پر اُس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا اور وہ پھیکی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "نن... نہیں' گڑبڑ تو کوئی نہیں ہے بس یہ احساس بے چین کر دیتا ہے کہ بہت سی آنکھیں تمہاری طرف نگراں ہیں۔"

میں نے فوری طور پر جرح کر کے کشیدگی پیدا کرنے سے گریز کیا اور ہم دونوں ہلکی پھلکی باتوں سے لطف اندوز ہونے لگے۔ اس لڑکی میں مزاح کی حس کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ لطیف رمز کو بھی' نہ صرف سمجھ لیتی تھی بلکہ پلٹ کر' لطیف تر جوابی وار کرنے کی کوشش بھی کرتی تھی۔

وہ سویڈن کی ایک غیر معروف یونیورسٹی میں سینئر لیکچرار تھی اور دو سال کی تعطیلات یکجا کرنے کے بعد' بِل کے ہمراہ فسوں خیز مشرق کی سیاحت کرنے نکلی تھی۔ اس کے بارے میں' میرے شبے کو تقویت اس بات سے ملی کہ وہ دونوں راستے میں کہیں قیام کرنے کے بجائے' اسٹاک ہوم سے چل کر سیدھے ہانگ کانگ پہنچے تھے۔ اس سفر میں' بمبئی میں طیارہ بدلنے کے علاوہ انہوں نے آرام نہیں کیا تھا جب کہ یورپ سے مشرقِ بعید کی پروازوں پر' ہر کمپنی کسی اضافی کرائے کے بغیر ایک یا دو مقامات پر ٹھہرنے کی سہولت دیتی تھی۔ روزینی نے بتایا کہ واپسی کے سفر میں وہ دونوں بنکاک' بمبئی'

کراچی اور پشاور کی سیاحت کا ارادہ رکھتے تھے۔
ابتدائی تین شہر تو فضائی راستے پر واقع تھے لیکن پشاور کا معاملہ مختلف تھا۔
میں نرم اور میٹھے انداز میں، وقفے وقفے سے اسے چھیڑتا رہا اور آخر کار اس نے دوستانہ فضا کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا مسئلہ میرے سامنے رکھ دیا۔
ان دونوں کے پاس کچھ بیش قیمت ہیرے تھے جو انہیں مکاؤ میں ایک ایسی عورت کو پہنچانے تھے جو مقررہ وقت پر مقررہ کوڈ کے ذریعے ان تک پہنچتی۔ انہیں صرف اتنا بتایا گیا تھا کہ وہ ہیرے بہت قیمتی تھے لیکن بل اور روزینی کو شبہ تھا کہ ان ہیروں کا تعلق ہالینڈ کے قدیم شاہی نوادرات سے تھا کیوں کہ ان کے ملوّث ہونے سے تقریباً سات ماہ قبل، ہالینڈ کے شاہی میوزیم میں نقب زنی کی ایک سنسنی خیز واردات ہوئی تھی جس میں چور صرف چند زیورات اور بعض قدیم ترین ہیرے لے اڑے تھے۔ ان دونوں کو پورا یقین تھا کہ بات صرف ہیرے لے جانے کی نہیں تھی بلکہ اس معاملے کا تعلق ایمسٹرڈیم والی چوری سے بھی تھا۔
روزینی کو یاد تھا کہ شاہی میوزیم میں چوری کے بعد، آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے مسروقہ ہیروں کی مالیت کا تعین چالیس کروڑ گلڈر کیا تھا جو اُن کے ملک کی کرنسی میں ایک ارب ستر کروڑ کرونا سے زائد ہوتی تھی۔
انہیں وہ ہیرے بحفاظت مکاؤ پہنچانے کے لیے آمدورفت کے جملہ اخراجات کے علاوہ پچاس ہزار امریکی ڈالر کی پیش کش کی گئی تھی۔ بیک وقت چار لاکھ کرونا مل جانے کا تصور اس قدر سحر آفریں تھا کہ روزینی نے وہ پیش کش قبول کرلی اور پھر بل نے بھی اس منصوبے پر مہرِ تصدیق ثبت کردی۔
روزینی نے اعتراف کیا کہ ان دونوں نے اسٹاک ہوم سے براہِ راست ہانگ کانگ کا سفر اسی وجہ سے اختیار کیا تھا کہ راستے میں انہیں جا بجا مختلف ممالک کے کسٹم حکام کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ہانگ کانگ سے فارغ ہونے کے بعد ان کے سامنے صرف مکاؤ کا مرحلہ تھا جس کے بارے میں وہ دونوں ہی خوف اور بے یقینی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ انہیں علم تھا کہ اس علاقے میں مکاؤ منظم جرائم کا سب سے بڑا، عالم گیر اڈا تھا جہاں بحری قزاقوں سے لے کر انسانوں کی خرید و فروخت میں ملوّث مجرموں کی بالادستی تھی۔ اس بنا پر وہاں کسٹم اور قانون نافذ کرنے والے دوسرے اداروں کا مستعد اور چوکنا ہونا ناگزیر تھا۔ اگر وہ لوگ کسی بھی شبہ کی بنا پر ان کے سامان میں سے مسروقہ تاریخی ہیرے برآمد کر لیتے تو ان دونوں کی زندگیاں تباہ ہو سکتی تھیں۔
میں خود سوئیڈن نہیں گیا تھا لیکن میں نے اسکینڈے نیوین ممالک کے بارے میں بہت کچھ سنا اور پڑھا ہوا تھا۔ وہاں صحیح معنوں میں فلاحی مملکت کا تصور رائج تھا۔ خواندگی کا اوسط سو فیصد کے لگ بھگ تھا۔ روزگار کی فراوانی ہونے کے ساتھ ہی، حکومت کی طرف سے بے روزگاروں کے لیے ہفتہ وار وظائف کی اسکیم رائج تھی۔ ان انفرادی وظائف کی مالیت بعض ملازمتوں کی اجرتوں سے زیادہ ہوا کرتی تھی۔ اس کے باوجود وہاں کے باشندوں میں حرام خوری کا وہ رجحان نہیں تھا جو برطانیہ میں عام نظر آتا تھا۔ ان کے حکمرانوں نے اپنی پے در پے اصلاحات اور منظم پروپیگنڈے کے ذریعے ایک ایسا معاشرتی انقلاب برپا کیا تھا کہ بے روزگار رہ کر زیادہ وظائف لینے والے شہری بھی خود کو نکما بلکہ بڑا حرام تصور کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ وہ اپنی ذات میں شرمسار رہ کر خود کو دوسرے درجے کا ایسا شہری تصور کرتے تھے جسے اس کے دوسرے ہم وطن، زیادہ محنت کر کے اپنے خرچ پر پال پوس رہے ہوں۔ اسی وجہ سے وہاں بے روزگاری کا تناسب غیر معمولی حد تک کم رہتا تھا۔ لوگ کما کر کھانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔
”تمہاری یہ ساری بکواس درست ہے۔“ میری جرح سے تنگ آ کر روزینی نے تنگ کر کہا۔ ”میں مانتی ہوں کہ سوئیڈن میں باعزت طور پر خوشحالی کی زندگی گزارنے کے لیے غیر معمولی جدّوجہد کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کوئی مرد یا عورت، ملازمت کر کے اپنے بنیادی اخراجات پورے نہ کر سکے تو ریاست اس کی مدد کرتی ہے۔ نوکری چھوٹ جائے تو سرکاری خزانے کے مُنہ کھل جاتے ہیں لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ انسان ایک سماجی حیوان ہے۔ وہ مرتے دم تک سماج میں اعلیٰ سے اعلیٰ تر مقام حاصل کرنے کی جستجو میں لگا رہتا ہے۔ چار لاکھ کرونا کا ذکر سن کر تو میرے بہت سے ہم وطنوں کا ہارٹ فیل ہو سکتا ہے۔ بل نے یہ مشن کامیاب ہونے کے بعد پیرس میں بسنے کا پروگرام بنایا ہوا ہے۔ اب تم خود ہی بتاؤ کہ پیرس جیسے شہرِ غدار میں ڈھائی، تین لاکھ فرانک کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ سوئیڈن میں رہنے والوں کے لیے یہ بڑی رقم ہو سکتی ہے لیکن پیرس یا لندن والوں کے لیے نہیں!“
”مگر میری جان!“ میں نے دردمندی کے ساتھ کہا۔ ”تم اسٹاک ہوم کو چھوڑ کر لندن اور پیرس کے خواب کیوں دیکھ رہی ہو؟ اسٹاک ہوم میں تم کم از کم لکھ پتی تو ضرور کہلاؤ گی۔“
وہ ہنس پڑی اور بولی۔ ”یہ بعد کی بات ہے۔ پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ تم مجھ سے متفق ہو گئے ہو۔ اب سنو کہ بل اس مشن کی کامیابی کے بعد اپنے ماضی کو یکسر فراموش کر دینا چاہتا ہے۔ ماضی سے نجات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنی تاریخ کے ساتھ ہی جغرافیہ بھی بدل لے۔ جغرافیہ یعنی شہریت کی تبدیلی کے لیے سرمایہ بہت ضروری بلکہ ناگزیر ہے اور موجودہ مشن ہمیں یہ موقع فراہم کر رہا ہے۔“
”تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ وقتی دل لگی کے علاوہ ہمیں ایک دوسرے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔ ”ایک بار تم مسروقہ ہیرے طے شدہ

پارٹی کے حوالہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو تمہاری راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔"

"نہیں، ڈارلنگ!" وہ اِٹھلا کر مسکرائی۔ "وقتی دل لگی کے علاوہ بھی ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں، شرط صرف اتنی سی ہے کہ تم مکاؤ میں کسٹم سے نکلنے میں ہماری مدد کرو۔"

"میری مدد لے کر تم مشکلات سے دوچار ہو سکتی ہو۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "جن لوگوں نے تمہیں یہ کام سونپا ہے انہوں نے کسی نہ کسی کو تمہاری نگرانی پر ضرور مامور کیا ہو گا۔ تمہیں اس کا تحفظ حاصل ہو گا جب کہ میرے آگے پیچھے کوئی بھی نہیں ہے۔"

"اس فیری کے کپتان سے تمہاری دوستی ہے۔" اس کے تبصرے نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ "وہ کافی دیر تک تمہارے ساتھ رہا ہے۔ میرے پہنچنے سے لحہ بھر پہلے ہی وہ بار سے رخصت ہوا تھا۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اتفاقاً مجھ سے متعارف نہیں ہوئی تھی بلکہ ریور چیانگ کی وجہ سے مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے تھی! اگر میں اسے نہ چھیڑتا تو شاید وہ خود ہی کسی نہ کسی بہانے سے مجھ سے مل بیٹھنے کی کوشش کرتی۔

"وہ کیا کر سکتا ہے؟" میں نے روزیٹی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

وہ میری طبیعت کی بدمزگی فوراً ہی بھانپ گئی اور خوشامدانہ لہجے میں بولی۔ "دیکھو! میرے لیے یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ جن لوگوں نے مجھے اس کام کے لیے چُنا ہے انہوں نے ضرور سوچا ہو گا کہ میرا تعلق تدریس کے مقدس پیشے سے ہے۔ اس پیشے کی وجہ سے جو پاسپورٹ پر بھی درج ہے، مجھے ہر جگہ عزت اور احترام سے دیکھا جائے گا۔ اب تم خود ہی سوچو کہ اگر میں مسروقہ ہیروں کی اسمگلنگ کے جرم میں پکڑی جاتی ہوں تو میرا مستقبل کیا رہ جائے گا؟ میری تو زندگی تباہ ہو جائے گی....."

"یہ میرے نہیں تمہارے سوچنے کی باتیں تھیں اور وہ بھی گھر سے نکلنے سے پہلے۔ اب تو تم دلدل میں قدم رکھ ہی چکی ہو۔ پھر یہ ضروری تو نہیں کہ مکاؤ میں تمہیں واقعی کوئی مشکل پیش آئے۔ ہو سکتا ہے کہ اپنے پیشے کی نیک نامی سے فائدہ اٹھا کر تم ہیرے نکال لے جانے میں کامیاب ہو جاؤ۔"

"میری چھٹی حس مجھے خبردار کر رہی ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "جن لوگوں نے یہ کام مجھے سونپا ہے، انہوں نے مجھے ڈون کوانگ فو نامی ایک بدمعاش سے ہوشیار رہنے کی ہدایت کی تھی! اگر اسے بھنک بھی مل گئی تو یہ ہیرے ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ ڈون کسی بھی قیمت پر یہ نادر ہیرے اپنے حریفوں تک نہیں پہنچنے دے گا۔ ہم اسی وجہ سے پریشان ہو رہے ہیں۔"

پھر وہی ڈون کا ذکر آیا تو میں پریشان ہو گیا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ڈون کوانگ فو کسی بدروح کی طرح پورے مکاؤ اور اس کے متعلقین کے سروں پر سوار ہو۔

"اس کا مطلب ہے کہ کسٹم حکام کے ساتھ ہی، حریف گروہ بھی تمہارے مقابل صف آرا ہو سکتا ہے؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"اصل خطرہ ڈون کے آدمیوں کی طرف سے ہے۔" آخرکار روزیٹی کو اعتراف کرنا ہی پڑ گیا۔ "جب تک ہم اسٹاک ہوم میں تھے، ہمیں اس خطرے کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا لیکن ہانگ کانگ پہنچنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مکاؤ میں ڈون کی مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر اس کو ہیروں کی بھنک مل چکی ہے تو وہ ہر قیمت پر انہیں حاصل کر لے گا۔ وہ اس قدر بے رحم ہے کہ ہیروں کی خاطر اس کے آدمی ہم دونوں کو ذبح بھی کر سکتے ہیں۔"

"ڈون کو تم پر شبہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس سفر میں تمہارے علاوہ بھی بہت سے سفید فام شامل ہیں۔ اتنی بھیڑ میں اصل جوڑے کو پہچاننا آسان کام نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"دیکھو، تم اصل بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے۔" روزیٹی کی ساری تیزی، طراری اور وضع داری دھری کی دھری رہ گئی اور وہ واضح طور پر بہت زیادہ پریشان اور بدحواس نظر آنے لگی تھی۔ "یہ ٹھیک ہے کہ ڈون کو میرے یا بل کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے لیکن وہ مکاؤ میں بہت بارسوخ ہے۔ دو دن سے مکاؤ کے حالات بہت مخدوش ہو گئے ہیں۔ وہاں پہنچنے والے ہر سفید فام کے سامان اور لباس کی تفصیلی تلاشی لی جاتی ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ منشیات اور دیگر ممنوعہ اشیا برآمد ہونے کے باوجود، کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جا رہی۔ ہم دونوں کا خیال ہے کہ مکاؤ کے کسٹم والے، ڈون کے ایما پر صرف ہیروں کی تلاش میں ہیں۔ ان حالات میں ہماری کامیابی کا کوئی امکان نہیں رہتا....."

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا چار لاکھ کرونا کا معاوضہ خطرے میں ہے؟"

"چار لاکھ کرونا پر لعنت بھیجو۔" وہ جل کر بولی۔ "اس وقت تو ہماری جانوں کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس سے ہیرے برآمد ہوئے تو ہم زندہ نہیں چھوڑے جائیں گے۔ بل جیسا نڈر آدمی بھی اس صورتِ حال سے بری طرح خوفزدہ ہے۔ اس کا ہاضمہ بگڑ گیا ہے اور وہ خود فراموشی کے لیے مسلسل شراب پیے جا رہا ہے۔"

"اگر مجھ سے تمہاری ملاقات نہ ہوتی تو تم کیا کرتیں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"تم کیا سمجھ رہے ہو؟" اس نے تقریباً مجھ سے لپٹ کر مجھے بری طرح جھنجوڑ ڈالا۔ "میری اور تمہاری ملاقات کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں ہے۔ میں نے کپتان کو تمہارے ساتھ بیٹھتے ہوئے، دیکھ کر

ہی تم سے مل بیٹھنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اس فیری پر' اس وقت صرف تم ہی ہماری کچھ مدد کرسکتے ہو؟"

"مجھے آسان زبان میں بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔ اس کی نیت اور مدعا سے واقف ہونے کے بعد اس کے گداز سراپا کی نیم برہنگی میرے لیے یک بیک کشش کھو بیٹھی تھی۔

"ہم ہیروں کا وہ پیکٹ تمہیں دے دیتے ہیں۔ کسٹم سے نکلنے کے بعد تم وہ پیکٹ ہمیں واپس لوٹا دینا۔ اس کام کے لیے ہم تمہیں اپنا حصے دار بنانے کے لیے تیار ہیں۔" اس نے بے چارگی کے ساتھ کہا۔

اس کا منصوبہ سنتے ہی میرے اندر سویا ہوا سفاک اور خود غرض ڈینی انگڑائی لے کر بیدار ہوگیا۔ روزیٹی کے عزائم میں مجھے یک بیک اپنی کامیابی کی ایک راہ نظر آگئی تھی۔

"مجھے حصے دار بنانے کے لیے تم ایک لاکھ کرونا یا اس کے مساوی رقم فوری طور پر ادا کرسکو گی؟"

"فی الحال تو ہمارے پاس ڈھائی' تین ہزار ڈالر سے زیادہ نہیں ہے۔" اس نے مایوسی کے ساتھ کہا۔ "ہمیں اسٹاک ہوم لوٹنے پر معاوضہ ملے گا۔ اس وقت ہم تمہیں چوتھائی رقم دے دیں گے۔"

اس نے میرے مطالبے کو بے چون و چرا تسلیم کرلیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس وقت رقم سے زیادہ اپنی اور بل کی سلامتی کے لیے فکر مند تھی۔ زندگی نہ رہے تو اربوں کا خزانہ بھی مٹی سے زیادہ حقیر ہوجاتا ہے۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے تمہارے ساتھ سویڈن تک دوڑ لگانی ہوگی۔"

"وہ بہت سرسبز' شاداب اور حسین ملک ہے۔ ایشیائی بھی اسے اپنے خوابوں کی جنت سمجھتے ہیں۔ وہاں جا کر تمہیں مایوسی نہیں ہوگی۔ وہاں پہنچتے ہی رقم تمہارے حوالے کردی جائے گی۔"

"اور اگر وہ لوگ اپنا کام نکالنے کے بعد معاوضے کی ادائیگی سے منکر ہوگئے؟"

"اس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہم نے بھی پورے اطمینان کے بعد ہی اس سفر پر نکلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ڈون کے مقابلے میں ان سے جیتنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔"

"تمہارا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ تم اس وقت اپنی زندگی بچانے کے لیے ان ہیروں سے چھٹکارا پانا چاہتی ہو۔ اس کے بعد ہیرے رہیں یا جائیں' تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟"

"ہیرے کھو دینے کے بعد ہم چار لاکھ کرونا سے محروم ہو جائیں گے۔" اس نے یاد دلایا۔

"لیکن تمہاری زندگیاں چار لاکھ کرونا سے زیادہ قیمتی ہیں۔ تم ہیروں کا پیکٹ بنا کر سمندر میں کیوں نہیں پھینک دیتیں؟ یہ تمہارے مسئلے کا سب سے آسان اور سیدھا حل ہے۔"

میری تجویز پر وہ شکست خوردہ انداز میں ہنس پڑی۔ "تم سمجھ رہے ہو کہ شاید تمہاری ہی عقل کام کرتی ہے۔ ہم ان تمام امکانات پر غور کرچکے ہیں۔ مکاؤ پہنچنے تک کوئی راہ نظر نہ آئی تو شاید یہی کرنا پڑے گا لیکن اس میں بھی ایک بہت بڑی خرابی ہے۔ ہیرے سمندر میں پھینک دینے کی صورت میں ہم کسی کو اصلیت کا یقین نہیں دلا سکیں گے اور مسروقہ ہیروں کے مالک یہی سمجھیں گے کہ ہم نے بدنیتی کی بنا پر ہیرے خورد برد کرلیے ہیں۔ امید کی واحد کرن یہ ہے کہ وہ لوگ مکاؤ کے ڈون کی طرح سفاک اور سنگ دل نہیں ہیں۔"

"مجھے یہ جان کر صدمہ ہوا ہے کہ میں نے تمہیں اپنی کوششوں سے اپنی طرف متوجہ نہیں کیا' بلکہ تم خود جانے بوجھے انداز میں مجھ سے متعارف ہوئی ہو۔ تم بلاشبہ بہت خوبصورت اور خوش بدن ہو لیکن تم نے اس ملاقات کو دوستی کے بجائے کاروبار کا رنگ دے دیا ہے......"

"مایوسی کی ضرورت نہیں!" اس نے ہنستے ہوئے میری بات کاٹ دی۔ "میں تبدیلیوں کی شیدائی ہوں۔ تم نے میرے ساتھ تعاون کیا تو میں تمہیں کسی بھی اعتبار سے مایوس نہیں کروں گی۔"

"اور بل؟ وہ مجھے پھاڑ نہیں کھائے گا؟" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ خود بہت بے وفا ہے۔" وہ تیوریاں چڑھا کر بولی۔ "خدمت کرانے کے لیے ہر رات میرے ساتھ گزارتا ہے لیکن دن بھر درجنوں لڑکیوں کے ساتھ فلرٹ کرتا پھرتا ہے۔ ہفتے میں دو چار دن کاروباری مصروفیات کا بہانہ کرکے ان کی نازبرداریاں بھی کرتا ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اُس کی تمام حرکتوں سے واقف ہوں اسی لیے وہ بھی میری کبھی کبھار کی بے اعتدالیوں سے چشم پوشی کرلیتا ہے۔"

"ہمارے معاشرے میں اول تو بوائے فرینڈ یا گرل فرینڈ کا کوئی تصور ہی ناقابلِ قبول ہے پھر وہ بھی ایسے کہ دن رات ایک دوسرے کے اعتماد کو دھوکا دیتے رہتے ہوں۔ یہ بات تو سراسر ناقابلِ قبول ہے۔"

وہ ایک بار پھر ہنسی اور بولی۔ "تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تمہارا تعلق کس ملک سے ہے؟"

"پاکستان۔" میں نے آخری گھونٹ لے کر اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" اس کے لہجے میں اشتیاق سمٹ آیا۔ "میں نے سنا ہے کہ پاکستان دنیا کے ان چند ممالک میں سے ہے جہاں گرمیوں کے موسم میں بھی سخت گرمیوں کے ساتھ' کچھ علاقوں میں سردی پڑتی ہے۔"

"واپسی میں تم پاکستان جا ہی رہی ہو۔ کراچی اور پشاور کے موسم کا فرق دیکھ لینا۔"

"اور وہاں بہترین ہیروئن بھی کوڑیوں کے دام ملتی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"یورپ کی منڈی کے مقابلے میں مفت ہی سمجھو۔" میں نے اسے شہ دی۔

وہ فوراً ہی مزید کھلنے پر مجبور ہو گئی۔ "ہم واپسی پر اپنے بجٹ کے مطابق دو' چار کلو ہیروئن ساتھ لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ کوشش کامیاب رہی تو ہمارے دن پھر جائیں گے۔ عمدہ قسم کی ہیروئن کی خریداری میں تم ہماری کوئی مدد کر سکو گے؟"

"ہر پاکستانی ہیروئن فروش نہیں ہوتا۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "لیکن تم جیسی خوبرو' نازک اندام اور بے لگام لڑکیاں انہیں آسانی کے ساتھ بہکا لیتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے تم مجھے بہکا رہی ہو۔ مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی تمہاری مدد کرنی پڑے گی۔"

"عورتوں کے معاملے میں پاکستانی عام طور پر ندیدے ثابت ہوتے ہیں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیا تمہارے ملک میں عورتوں کا شدید قحط ہے۔"

"ایسا بھی قحط نہیں ہے۔ مردوں کی آبادی صرف ترپن فیصد ہے لیکن مذہبی اور معاشرتی پابندیوں کی وجہ سے عورتوں کی جملہ آبادی منگیتر سے شروع ہو کر بیوی پر ختم ہو جاتی ہے۔"

"اور عورتیں ان پابندیوں پر احتجاج نہیں کرتیں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کر ہی نہیں سکتیں کیوں کہ مذہب نے مردوں اور عورتوں پر یکساں پابندی عائد کی ہوئی ہے۔ ہمارے یہاں نفسانی اور حیوانی آزادیوں کا وہ تصور نہیں ہے جو مغرب میں سر چڑھ کر بول رہا ہے۔"

"خیر' میں اس معاملے پر بحث نہیں کرنا چاہتی... یہ بتاؤ کہ تم نے میری تجویز کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" اس نے اچانک ہی موضوع بدل کر سوال کیا۔

"میں اب بھی خود کو الگ رکھنا چاہتا ہوں۔ تم مُصر ہو تو میں ڈبا لے لوں گا۔"

"اوہ' تم کتنے شریف آدمی ہو۔" وہ میرا ہاتھ دباتے ہوئے مسرت آمیز لہجے میں بولی۔ "میرے سر پر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ یہ کام بخیر و خوبی ہو گیا تو میں زندگی بھر تمہاری احسان مند رہوں گی۔"

"لیکن یہ امید نہ باندھ لینا کہ میں تمہارے ساتھ سویڈن بھی چلوں گا۔ میرے حصے کی رقم تمہیں ایمانداری کے ساتھ خود ہی بھیجنی ہو گی۔"

اس نے اپنا شولڈر بیگ کھولا اور اس میں سے ایک براؤن پیکٹ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔ اس پیکٹ کا وزن بمشکل ایک ڈیڑھ پونڈ رہا ہو گا۔

"مجھے بتایا گیا تھا کہ اس کاغذ میں پلاسٹک کا مضبوط ڈبا ہے جس میں سات عدد ہیرے' روئی میں لپیٹ کر اس طرح رکھے گئے ہیں کہ ان پر خراشیں نہ آسکیں۔ اب تم اس کے ذمے دار ہو۔"

"تم فکر نہ کرو۔" میں نے وہ پیکٹ اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم مکاؤ کے کس ہوٹل میں قیام کرنے کا ارادہ رکھتی ہو؟"

"وان ریان ہوٹل میں ٹھہریں گے۔ ہیروں کی وصولیابی کے لیے دوسری پارٹی کا آدمی ہم سے وہیں رابطہ کرے گا۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ذرا میں بل کو بھی یہ خوش خبری سنا دوں تاکہ اُس کا ذہنی دباؤ کم ہو سکے۔"

چلتے چلتے وہ پھر واپس آئی اور بولی۔ "اب میں اپنی سیٹ پر ہی رہوں گی۔ اگر فیری پر کوئی میری نگرانی کر رہا ہے تو میرے بار بار آنے جانے سے اسے شبہ ہو جائے گا۔ باہر نکلنے تک ہمارا ایک دوسرے سے دور رہنا ہی بہتر رہے گا۔"

وہ پریشانی مجھے لاحق تھی لیکن روزینی نے آخری تجویز میں اس مسئلہ بھی حل کر دیا۔

حالات کی بھرپور خرابی کے بعد ستارے ایک بار پھر مجھ پر مہربان ہوتے نظر آ رہے تھے۔ ایک طرف ریور چیانگ نے ڈان نیشی کاؤ کی آمد کے پروگرام سے آگاہ کر دیا تھا اور دوسری طرف روزینی نے ایمسٹرڈیم سے چرائے گئے وہ شاہی ہیرے میرے حوالے کر دیے تھے جن میں ڈون کوانگ فو گہری دلچسپی لے رہا تھا۔

روزینی نے اپنے خوف کی وجہ سے نہایت آسانی کے ساتھ مجھ پر اعتماد کر لیا تھا لیکن بنیادی طور پر وہ ایک حریص لڑکی تھی۔ تعلیم کے مقدس پیشے سے وابستہ ہونے کے باوجود اس نے ایک بڑی رقم کے لالچ میں جرائم پیشہ لوگوں کا آلۂ کار بننا منظور کر لیا تھا۔ اسی پر بس نہیں تھا بلکہ مزید پیسہ کمانے کے لیے وہ واپسی کے سفر میں پاکستان سے دو چار کلو ہیروئن بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی تاکہ سویڈن میں اسے بیچ کر' بل کے ساتھ اپنا مستقبل سنوارنے کے منصوبے پر کام کا آغاز کر سکے۔

ایسی عورت کو فریب دینا' میری دانست میں کوئی جرم نہیں تھا۔

مجھے ان بیش قیمت اور نادر ہیروں میں براہِ راست کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ البتہ ان کے ذریعہ میں بگڑے ہوئے ڈون کو راہِ راست پر لا سکتا تھا۔ غزالہ کے بارے میں وہ اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا کہ صرف ویرا ہی سے بات کرے گا لیکن ہیروں کا ذکر سن کر اسے اپنے موقف میں نرمی لانی پڑ جاتی۔ وہ ایک ایسا معاملہ تھا جس کے لیے ڈون نے مکاؤ میں ہنگامی پیمانے پر سرگرمیوں کا آغاز کیا ہوا تھا۔

ایک اعتبار سے ان ہیروں کو زرِ تاوان بھی سمجھا جا سکتا تھا کیوں کہ میں ان کے بدلے میں ویرا کو ڈون کی قید سے آزادی دلانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

کچھ دیر بعد مکاؤ کے آثار نظر آنے لگے۔ اس وقت تک گہری

رات ہو چکی تھی۔ فیری پر تمام روشنیاں جلی ہوئی تھیں اور دور مکاؤ میں اس قدر روشنی ہو رہی تھی کہ اس کا عکس فضا تک کو منور کیے ہوئے تھا۔ روشنیوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ مکاؤ میں بلند عمارات کی تعداد بہت کم تھی۔

مکاؤ کے ساحل کے ساتھ کھاڑیوں میں بے شمار کشتیاں اور موٹر بوٹس لنگر انداز تھیں۔ ان میں سے بعض ساحل سے اتنی دور تھیں کہ ان سے متصل دس بارہ کشتیوں پر سے گزر کر ہی ساحل تک پہنچا جا سکتا تھا۔ ساحل پر جگہ کی کمی کے باعث وہ کشتیاں قطار در قطار لنگر انداز تھیں۔ بعض پر سامان لدا ہوا تھا۔ کچھ خالی تھیں' اس نیم تاریک حصے میں ہر قسم کی سرگرمیاں دیکھی جا سکتی تھیں۔

فیری وہاں سے آگے بڑھتی چلی گئی اور پھر چوبی جیٹی کے ساتھ جا لگی۔ ملاحوں نے اسنکر راڈز کے ذریعے فیری کو جیٹی کے ساتھ برابر کیا اور پھر ریمپ گرتے ہی' سامان سے لدے پھندے مسافروں نے ایک بھیڑ کی صورت میں فیری سے اترنا شروع کر دیا۔

روزیٹی اور بل پیچھے تھے۔ میں نے ان کے گزرنے کا انتظار کیے بغیر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس وقت تک بل سے میرا سامنا نہیں ہوا تھا اور میرے نئے پروگرام کی روشنی میں' میرا اس کی نظروں میں نہ آنا ہی بہتر تھا۔

ریور چیانگ فیری کے انجن بند کروانے کے بعد اپر ڈیک کے ریمپ پر کھڑا' مسافروں کو الوداع کہہ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے مجھے اپنا انتظار کرنے کی یاددہانی کرائی اور میں ہاتھ ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کسٹم ہال میں بالکل وہی منظر تھا جو روزیٹی مجھے بتا چکی تھی۔ دو کسٹم افسر' مسافروں کی گزرگاہ کے دونوں طرف کھڑے' سفید فام مسافروں کو الگ کر رہے تھے۔ چینی اور دیگر نسلوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو براہِ راست باہر نکلنے کی آزادی تھی۔ الگ کیے جانے والے سفید فام ایک لمبی سی میز پر جمع ہو رہے تھے جہاں ان کے دستی سامان سے لے کر لباس تک کی سخت تلاشی لی جا رہی تھی۔

میں کسی روک ٹوک کے بغیر باہر نکل گیا۔ ہیروں کے پیکٹ کے ساتھ ہی' میری بیم گن بھی کسٹم والوں کی دست برد سے محفوظ رہی تھی اور وہ میرے لیے بہت بڑی کامیابی تھی۔

باہر نکلتے ہی چند چینی دلالوں کا ایک گروہ میری طرف لپکا۔ وہ رٹے رٹائے انگریزی فقروں میں ٹیکسی اور ہوٹل وغیرہ کی پیش کش کر رہے تھے لیکن میں ان سے جان چھڑا کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

چند منٹ بعد ہی ریور چیانگ اپنا کوٹ بازو پر لیے آ موجود ہوا۔

"اب یہاں سے نکل چلو۔" میں اس کا بازو تھام کر بولا۔ "میں فوراً بستر کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔"

"فکر نہ کرو..... رات ہوتے ہی مکاؤ کے ہوٹلوں کے سربستہ راز کھلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت' ہر شخص بستر چھوڑ کر شکار کھیلنے نکل پڑتا ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

"تم مجھے کس ہوٹل میں لے جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"کیوں؟" اس نے چونک کر پوچھا۔ "ظاہر ہے کہ میں تمہیں کسی اچھے ہوٹل میں ہی ٹھہراؤں گا۔"

"مجھے اچھے یا برے ہوٹل کی فکر نہیں' بس ذرا وان ریان ہوٹل سے دور رہنا چاہتا ہوں۔"

ایک ٹیکسی ہمارے قریب آ کر رکی اور ہم دونوں اس کی عقبی نشست میں دھنس گئے۔ ریور چیانگ نے ڈرائیور کو چینی زبان میں ہدایات دیں اور ٹیکسی حرکت میں آ گئی۔

"کیا وان ریان والوں سے کوئی خطرہ محسوس کر رہے ہو؟" اس نے متجسسانہ لہجے میں پوچھا۔

"خطرہ نہیں' بس اپنے بوائے فرینڈ سے اکتائی ہوئی ایک لڑکی میری جان کو آ گئی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے ڈھونڈتی ہوئی' میرے کمرے میں آ پہنچے۔"

"یہ وہی خوبصورت لڑکی تو نہیں جو سارے راستے تم سے باتیں کرتی آئی ہے؟"

"اس بارے میں تم کیا جانو؟" اس کے سوال پر میں بھونچکا رہ گیا۔

"تم بھول رہے ہو کہ میں گولڈن ڈریگن کا کپتان ہوں۔ میں نے عملے کی دو لڑکیوں کو تمہاری خصوصی دیکھ بھال کی ہدایت کی تھی لیکن انہوں نے بتایا کہ تم نے خود اپنی دیکھ بھال کا بندوبست کیا ہوا ہے۔ اچھا ہوا کہ تم خود ہی اس سے دور بھاگ رہے ہو ورنہ وہ تمہارے لیے نادیدہ دشواریوں کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔"

"ذرا کھل کر بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اس کی باتوں نے مجھے الجھا کر رکھ دیا۔

"مجھے اندر کی کہانی کا علم نہیں مگر میں یہ جانتا ہوں کہ وان لن کا ایک آدمی اس جوڑے کا پیچھا کر رہا تھا۔ وان لن مکاؤ کا ایک خاصا بدنام آدمی ہے۔ وہ ڈون کا باج گزار ہونے کے باوجود اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارتا رہتا ہے۔ وان ریان ہوٹل اور کلب اسی کی ملکیت ہے اگر وہ اس جوڑے میں دلچسپی لے رہا ہے تو یقیناً کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے۔"

ریور چیانگ کی باتیں سن کر مجھے وحشت ہونے لگی۔ مکاؤ کے بارے میں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں رہنے والے یہ آسانی ہر بات کی تہ تک پہنچ جانے کے باوجود انجان بنے رہنے کے عادی ہو گئے ہوں۔ روزیٹی نے اپنے جس سفر کے بارے میں انتہائی رازداری کے ساتھ کام کیا تھا۔ اس کے بارے میں ریور چیانگ نے دور ہی سے بہت کچھ جان لیا تھا۔ عین ممکن تھا کہ کسٹم والے بھی اسی انداز میں اس پر ہاتھ ڈال دیتے۔

تشویش کی بات یہ تھی کہ جب روزینی کے پاس سے ہیرے برآمد نہ ہوتے تو وان لن کے کیمپ میں ہلچل مچ جاتی اور ان دونوں کا تعاقب کرنے والا شخص میری تلاش شروع کر دیتا۔

مکاؤ میں رنگ برنگی عمارات پر متحرک' ساکن اور ناچتی ہوئی تیز روشنیوں کے سائن بورڈ آویزاں تھے اور ان روشنیوں کے سائے میں سڑکیں اور فٹ پاتھیں پُرہجوم نظر آ رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ عام شہر کے بجائے کوئی رنگا رنگ میلہ ہو جہاں بھانت بھانت کے لوگ سمٹ آئے ہوں۔

ہنگو کلب نامی عمارت کے سامنے ٹیکسی رک گئی۔ پورٹر نے فوراً ہی میرا ہلکا سا سوٹ کیس لے لیا۔ ہم اندر داخل ہوئے تو وہاں ہوش ربا ماحول کا سامنا کرنا پڑا۔ لاؤنج میں متعدد خوبرو عورتیں بن سنور کر نیچے گریبانوں والے بھڑکدار لباس پہنے سگریٹ اور شراب نوشی میں مصروف تھیں۔ ان میں سے کئی نے ریور چیانگ کو دیکھ کر شناسائی کے انداز میں ہاتھ ہلائے۔ ایک دو نے آنکھ بھی ماری اور ریور چیانگ سیدھا کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

اس کلب کی عمارت کے اندرونی حصے میں شاید ڈسکو وغیرہ کا پروگرام بھی چل رہا تھا کیوں کہ ڈرم اور تیز سازینوں کی دھمک فرش میں محسوس ہو رہی تھی۔ ساؤنڈ پروفنگ کی عمدگی کی وجہ سے اندر کی تیز آوازیں باہر نہیں سنائی دے رہی تھیں۔

مکاؤ میں جرائم پیشہ افراد جس انداز میں منظم تھے اس کے پیشِ نظر مجھے پورا یقین تھا کہ روزینی کے ذریعے میری چال بازی سے واقف ہونے کے بعد وان لن یا اس کے آدمیوں کو مجھ تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ دوسری طرف میں ڈون سے بات کرنے سے پہلے ریور چیانگ کو اعتماد میں نہیں لے سکتا تھا۔ وہ مجھے روزینا کا دوست اور من چلا سیّاح سمجھ کر میری مہمان داری کر رہا تھا اسے میرے چکروں کا علم ہوتا تو وہ بدک کر مجھے اس دعوت نامے سے بھی محروم کر سکتا تھا جس کے سہارے میں ڈون کی حویلی میں پہنچ سکتا تھا۔

ہنگو کلب میں میرا کمرا بک کرانے کے بعد ریور چیانگ لابی سے ہی واپس چلا گیا اور میں نے اپنے کمرے میں پہنچتے ہی سب سے پہلے بیم گن سوٹ کیس سے نکال کر اپنی جیب میں رکھ لی تاکہ ضرورت کے وقت میں اس سے بھرپور کام لے سکوں۔ میرے لیے صورتِ حال یک بیک نازک اور مخدوش ہو گئی تھی۔

اپنا کمرا مقفل کر کے میں نے فون پر ڈون کی حویلی کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز سنائی دی' شاید ڈون کے ایکسچینج پر مقامی فون کالز کے لیے کوئی حفاظتی نظام یا اسکینر نصب نہیں تھا۔

"میرا نام ڈینی ہے اور میں ڈون سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے چینی کے جواب میں انگریزی میں کہا۔

"ڈون مصروف ہے' تمہیں کیا کام ہے؟" خشک لہجے میں سوال کیا گیا۔

"میں پاکستان سے آیا ہوں اور اس وقت مکاؤ میں موجود ہوں۔ ڈون کی سیکریٹری میرے معاملات سے واقف ہے۔ میں ہر ایک کے سامنے زبان نہیں کھول سکتا۔"

"ہینگ آن!" انگریزوں کی نقل کرتے ہوئے کہا گیا' پھر ریسیور پر نہایت الیہ سی موسیقی سنائی دینے لگی۔ چند لمحوں بعد ہی وہ لائن شوائے کو منتقل ہو چکی تھی۔

"بالکل نہیں۔" میرا مطالبہ سنتے ہی شوائے نے سرد مہری سے کہا۔ "اس وقت ڈون سے بات ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ وہ آرام کرنے جا چکا ہے اگر تم ڈھیٹ بن کر مکاؤ آ ہی گئے ہو تو میں ڈون سے دریافت کر لوں گی۔ اس نے اجازت دی تو تمہاری بات کرا دی جائے گی۔ تم صبح نو بجے فون کرنا۔"

"معاملہ بہت اہم..." میں نے بولنا چاہا لیکن شوائے نے رُکھائی سے میری بات کاٹ دی۔

"سوری' اپنا اور میرا وقت برباد مت کرو۔ مکاؤ کی راتیں اجنبیوں کے لیے بہت رنگین اور سنسنی خیز ہوتی ہیں۔ ابھی عیش کرو۔ صبح اپنا مقدر آزما لینا۔ ڈون کا موڈ ہوا تو تمہاری اور اس کی بات ہو جائے گی۔"

"یہ دوسرا معاملہ ہے۔" اس بار میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ "اس کا تعلق ایمسٹرڈم کے ہیروں سے ہے۔"

"اوہ۔ تو اب تم نے ڈون کے معاملات میں بھی اپنی ٹانگ اڑانی شروع کر دی!" شوائے کی غصیلی آواز ابھری۔ وہ سیکریٹری ہونے کی وجہ سے شاید ڈون کے بہت سے رازوں سے واقف تھی۔

"اس وقت ڈون سے میری بات نہیں ہوئی تو کسی بھی لمحے دشمن مجھے گھیر لیں گے۔ وان لن کے کتے شہر میں چاروں طرف میرے خون کی بُو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ انہیں میرے ہوٹل کا سراغ لگانے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ تم ڈون سے دریافت کر لو۔ بات کرنا یا نہ کرنا اس پر منحصر ہو گا۔"

اس بار شوائے نے قطع کلامی کیے بغیر میری پوری بات سنی' میں نے ریور چیانگ سے سنا ہوا نام زبردستی اپنی کہانی میں ڈال دیا تھا تاکہ میں شوائے پر دباؤ ڈال سکوں اور یہی ہوا۔ میرے خاموش ہونے پر وہ بولی۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم اس معاملے کے بارے میں واقعی کچھ جان چکے ہو۔ تم ہولڈ کرو۔ میں ڈون سے بات کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ اسی کے ساتھ ریسیور پر ایک بار پھر رقت آمیز چینی موسیقی شروع ہو گئی۔

خاصے طویل وقفے کے بعد اس موسیقی کا سلسلہ ختم ہوا اور اچانک ہی میرے کان میں کسی بھیڑیے جیسی تیز اور درشت غراہٹ ابھری۔ "ہا... آ... لو! تم کس کی اجازت سے مکاؤ آئے ہو اور ہیروں کے بارے میں تم نے کہاں سنا ہے؟"

"ڈون! میں تمہارے پیر پکڑ کر تم سے اس توہین کی معافی مانگنے آیا ہوں جو غزالہ کی وجہ سے تم کو برداشت کرنی پڑی لیکن اسی اثنا میں ایک مشکوک جوڑا میری نظروں میں آ گیا اور میں نے محنت کر کے یہ معلوم کر لیا کہ وہ ایمسٹرڈم سے چرائے ہوئے کچھ نادر ہیرے مکاؤ لا رہے ہیں....."

"وہ کون لوگ ہیں؟" میری بات کاٹ کر ڈون کی غصیلی آواز گونجی "مجھے ان کے بارے میں بتاؤ۔ میں ان پر مکاؤ کی زمین تنگ کر دوں گا۔ وہ ہیرے ہر قیمت پر میری تحویل میں آئیں گے۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم ان ہیروں میں دلچسپی لے رہے ہو جب کہ وہ دونوں وان لن کے لئے کام کر رہے ہیں۔" میں نے بات کو دانستہ طول دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہ سب نہ بتاؤ۔ میں ہزار آنکھیں رکھتا ہوں۔ میں اس جوڑے کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں جو ہیرے لے کر مکاؤ پہنچا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ یہ خبر دوسرے ذرائع سے کیوں نہیں آئی۔ میں نے ہیروں کی تلاش میں مکاؤ کی تمام داخلی سرحدوں کی ناکہ بندی کرائی ہوئی ہے۔" اس کے غصے پر جھلاہٹ غالب آ گئی۔

"اس جوڑے پر برا وقت آیا ہوا ہو گا ' ڈون! وہ ہیرے تمہارے اس غلام کے قبضے میں ہیں۔"

"وہاٹ؟" وہ شاید حیرت سے حلق کے بل دہاڑا تھا "کہیں تم بھنگ تو نہیں پی گئے ہو؟ میں جھوٹوں کے بدن سے کھال تک اُدھڑوا لیتا ہوں۔ شاید اس لڑکی کے فراق میں تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"

لمحہ بھر کے لئے میرا اعتماد متزلزل ہو گیا۔ روزینی نے مجھے سربند پیکٹ دیا تھا۔ میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس میں ہیرے ہی تھے یا ان کے وزن کے پتھر رکھے ہوئے تھے۔

"میں نے وہ سربند پیکٹ حاصل کیا ہے جسے وہ دونوں اپنی جان سے لگائے پھر رہے تھے۔ تم اجازت دو تو میں ڈبا کھول کر دیکھ لوں کہ اندر ہیرے ہی ہیں یا کچھ اور بھرا ہوا ہے۔"

"اسے چھیڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" تفصیل جاننے کے بعد ڈون کے غصے میں قدرے کمی آ گئی "اگر وہ ہیرے ہی ہیں تو اب تم لڑکی اور اس کے ساتھی کی آزادی کے لئے سودے بازی کرو گے؟"

"ہرگز نہیں!" میں نے جلدی سے کہا "شاید تمہیں علم ہو گا کہ ان ہیروں کی مالیت چالیس کروڑ گلڈرز کے لگ بھگ ہے مگر انہیں بیچنا میری بساط سے باہر ہے۔ میرے پاس وہ پیکٹ تمہاری امانت ہے۔ تم چاہو تو میں ابھی وہ پیکٹ تمہارے محل پہنچائے دیتا ہوں۔ جب تمہارا غصہ فرو ہو گا تو تم ان دونوں کو خود ہی رہا کر دو گے۔ میری یہ مجال کہاں کہ تم سے کوئی سودے بازی کروں۔"

"تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟" میری چاپلوسی سے وہ بتدریج نرم پڑتا جا رہا تھا۔

میں نے اسے ہوٹل کا نام اور کمرا نمبر بتایا تو وہ بولا "میرے آدمی ابھی بنگلو کلب کے مالک کو مطلع کر دیں گے کہ تم میرے مہمان ہو۔ پھر کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ وان لن کے آدمی آ بھی گئے تو ہوٹل والے انہیں باہر ہی روک لیں گے۔ میں تمہارے لئے گاڑی بھیج رہا ہوں۔"

میرا دل خوشی سے بلّیوں اچھل پڑا۔ میں نے اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے کہا "میں اس عزت افزائی کے لئے تمہارا ممنون ہوں' ڈون۔ لیکن میں تمہارے ڈرائیور کو کیسے پہچانوں گا؟"

"وہ موٹا سا جاپانی ہے۔ اس کا نام فلکودا ہے' میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

میں نے اس کی طرف سے سلسلہ منقطع ہونے پر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ میں نے روزینی کے اعتماد کو دھوکا دے کر بہت بڑا جُوا کھیلا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ میرا تیر نشانے پر بیٹھا تھا اور ڈون میری پیشوائی کے لئے آمادہ ہو گیا تھا۔ اس نے ہیروں کی تلاش میں جو جال بچھایا ہوا تھا' اس کی موجودگی میں یہ بات یقینی نظر آتی تھی کہ روزینی کسی بھی صورت میں اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ ہیرے ہر حالت میں ڈون تک پہنچتے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ ڈون کے سارے شکاری اپنی بنسیاں سنبھالے بیٹھے رہ گئے تھے اور میں نے دیدہ دلیری کے ساتھ ان کا شکار اُڑا کر ڈون کو رام کرنے کا سامان مہیا کر لیا تھا۔

چند منٹ بعد ہی میرے کمرے میں گویا زلزلہ آ گیا۔ ہوٹل کا

ادھیڑ عمر مالک ہانپتا کانپتا ہوا میرے کمرے میں پہنچا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر چینی زبان میں کچھ منمنانے لگا۔ اس کے پیچھے ہوٹل کے چار ملازمین بھی تھے۔ ان میں سے تین کے ہاتھوں میں نئے تولئے' براق چادریں اور دیگر اشیاء تھیں۔ وہ تینوں فوراً ہی کمرے کی ہر چیز بدلنے میں مصروف ہو گئے۔ چوتھا جو ہوٹل کا استقبالیہ کلرک تھا' ترجمانی کے فرائض ادا کرنے کے لئے اپنے آقا کے ساتھ ہی کھڑا رہا۔

اس نے مجھے بتایا کہ وانگ ماؤ نامی وہ شخص اس بات پر معذرت کر رہا تھا کہ اسے میرے مرتبے کا علم نہیں تھا۔ اس لئے ہوٹل کے عملے سے میری شان میں کوئی گستاخی سرزد ہوئی ہو تو میں اسے معاف کر دوں۔ اسے ڈون کے محل سے فون پر بتایا گیا تھا کہ میں ڈون کا مہمان تھا اور ڈون کو مکاؤ کے بیشتر شرفا اپنا مجازی باپ تصور کرتے تھے۔ بنگو کلب والوں کے لئے ڈون کے کسی مہمان کی میزبانی' ایک اعزاز سے کم نہیں تھی۔

میں نے نہایت سیر چشمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے' ان لوگوں کی ناکردہ غلطیوں کو معاف کر دیا۔ پھر وانگ ماؤ نے ترجمان کے ذریعے میری دیگر ضروریات کے بارے میں استفسار کیا۔ مجھے پیشکش کی گئی کہ میں چاہوں تو میری خدمت کے لئے مساج اور دیگر خدمات میں ماہر' چند دلکش لڑکیوں کو میری خدمت پر مامور کیا جا سکتا تھا۔

وہ مذاکرات جاری تھے۔ تین ملازمین کمرے کو نئے سرے سے بنانے اور سنوارنے میں مصروف تھے کہ اچانک ہی ایک پستہ قامت چینی' روزیلی کو تقریباً گھسیٹتا ہوا' کمرے میں گھس آیا' افراتفری میں وانگ ماؤ کے ملازمین میرے کمرے کا دروازہ بند کرنا بھول گئے تھے۔

روزیلی کی پہلی جھلک دیکھتے ہی میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ اُدھر روزیلی نے مجھے دیکھتے ہی ہذیانی انداز میں "یہی ہے.... یہی ہے" کا نعرہ لگاتے ہوئے میری طرف جھپٹنے کی کوشش کی مگر مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی بے ہوش ہو کر سالخوردہ قالین پر گر گئی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے' چہرہ دھواں ہو رہا تھا اور آنکھوں میں وحشت کے سائے ناچ رہے تھے۔ شاید اصل قصہ کھلنے کے بعد اس کے ساتھ نہایت بے رحمانہ سلوک کیا گیا تھا کیونکہ اس کے بھرے بھرے' سرخ و سفید رخساروں پر تھپڑوں کا نیلاہٹ مائل ورم بہت نمایاں تھا۔

وہاں کسی کو کچھ سمجھنے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ روزیلی کو لانے والے پستہ قامت چینی نے اچانک ہی پستول نکال کر سب کو چینی زبان میں کوئی حکم دیا اور ہر شخص نے اپنی تمام سرگرمیاں موقوف کر کے اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لئے۔ میں اپنی جگہ منجمد کھڑا رہا۔

"اے ابو باسٹرڈ!" پستہ قامت نے جھلا کر پستول کی نال لہراتے ہوئے' قہربار لہجے میں مجھے للکارا "تم بھی ہاتھ اٹھا لو ورنہ میں گولی چلانے میں دریغ نہیں کروں گا۔"

اس کی آنکھوں میں ناچتی ہوئی دیوانگی دیکھ کر میں نے ہاتھ اٹھا لئے۔

"مسٹر وان لن!" اچانک مترجم نے خوف سے حلق میں پھنستی ہوئی آواز میں پستہ قامت کو مخاطب کیا "تم بہت سنگین غلطی کے مرتکب ہو رہے ہو۔ یہ ڈون کا خاص مہمان ہے۔"

اگر وہ وان لن ہی تھا تو وہ میری توقع سے کہیں زیادہ سرعت کے ساتھ حرکت میں آیا تھا۔

اس نے دانت پیس کر ڈون کو ایک موٹی سی گالی دی پھر بولا۔ "میں نے ساری عمر ڈون کی زیادتیاں برداشت کی ہیں۔ اب میں اس کی چیرہ دستیاں نہیں سہہ سکتا۔ میں اس کے منہ پر پہلا اور آخری تھپڑ مار کر' اس علاقے کو ہی خیرباد کہہ دوں گا۔" پھر اس کی شعلے برساتی ہوئی نگاہیں میرے اوپر مرکوز ہو گئیں "وہ پیکٹ کہاں ہے؟"

"میری جیب میں۔" میں نے اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر' پورے سکون کے ساتھ کہا۔

"نکالو!" اس نے اضطراری لہجے میں حکم دیا "کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو یہیں ڈھیر کر دوں گا۔"

ہیروں کا پیکٹ میری اندرونی جیب میں تھا۔ میں نے آہستگی کے ساتھ اس جیب میں ہاتھ ڈالا جس میں بیم گن پڑی ہوئی تھی لیکن میں بیم گن نکالنے کی ہمت نہیں کر سکا کیونکہ وان لن کے پستول کی نال براہ راست میرے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ اس کی انگلی کا خفیف سا اشارہ میرا کام تمام کرنے کے لئے کافی ہوتا۔

اسے پوری طرح میری طرف متوجہ پا کر' وانگ ماؤ کے ملازمین میں سے ایک نے دبے قدموں وان لن کی طرف بڑھنا چاہا لیکن وہ خبیث بیک وقت ہر طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ بھڑک کر پلٹا اور میرے لئے وہی ایک لمحہ کارگر ثابت ہوا۔ میں نے بجلی کی سی سرعت سے بیم گن نکال کر وان لن کے بائیں پہلو پر فائر کر دیا۔

بیم گن کے نوزل سے موت کی نیلگوں شعاعیں کوئی آواز پیدا کئے بغیر وان لن کی طرف لپکیں۔ میری طرف دیکھنے والوں کی آنکھیں وحشت سے ابل پڑیں اور پھر وان لن ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ قالین پر گر کر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ میں نے بڑھ کر اس کا بھرا ہوا پستول اپنے قبضے میں لے لیا۔

چند ثانیوں بعد وان لن نے سسک سسک کر دم توڑ دیا۔ اس واقعہ پر وانگ ماؤ اور اس کے آدمیوں کی زبانیں دہشت سے گنگ ہو کر رہ گئی تھیں۔ انہیں مرعوب کرنے کے لئے میں نے ٹھوکر سے وان لن کا چہرہ سیدھا کیا پھر بڑھ کر اپنے کمرے کا کھلا ہوا دروازہ بند کر دیا۔

"یہاں جو کچھ ہوا ہے' اسے تم سب بالکل بھول جاؤ گے۔"

میں نے باری باری ان سب کو گھورتے ہوئے، سرد لہجے میں کہا۔
"وان لن یہاں آیا۔ اس نے ڈون کی شان میں پے در پے گستاخیاں کیں اور میں نے اسے مار دیا۔ کیسے مارا؟ یہ کسی کو یاد نہیں رہے گا۔ اس واقعہ کی بھنک بھی نکلی تو تم لوگ ڈون کے عتاب سے نہیں بچ سکو گے۔"

میرے خاموش ہوتے ہی مترجم میری بات کا چینی زبان میں ترجمہ کرنے لگا۔ وہ سب کٹھ پتلیوں کی طرح سر ہلا رہے تھے۔ مترجم نے شاید میری ہدایات میں کچھ موثر حاشیہ آرائی بھی کی تھی کیونکہ وہ خاصی دیر بعد خاموش ہوا تھا۔

"اس لڑکی کو کسی دوسرے غیر آباد کمرے میں ڈال دو۔" میں نے روزیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ہوش میں آئے تو اسے بتانا کہ وان لن اسے اس کمرے میں چھوڑ گیا ہے۔ میری اور اپنی موجودگی سے صاف مکر جانا۔ لڑکی کو یہ یقین دلانا ہے کہ اس نے یہاں جو کچھ دیکھا، وہ حقیقت نہیں بلکہ اس کا خواب تھا۔"
فوری طور پر اس ہدایت کا بھی ترجمہ مع تشریح کر دیا گیا۔ مترجم خاموش ہوا تو وانگ ماؤ ڈری سہمی آواز میں کچھ بولنے لگا۔
"لڑکی سے ہم وان لن کے بارے میں کیا کہیں گے اور لاش کا کیا بنے گا؟" مترجم نے وانگ ماؤ کے سوال کا ترجمہ کیا۔
"وان لن اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ لڑکی ہوش میں آنے کے بعد جانا چاہے تو اسے عزت کے ساتھ روانہ کر دینا۔ اس لاش کو ایک بوری میں ڈال دو، اسے میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

دو چینیوں نے مل کر، روزیلی کے مرمریں وجود کو اپنے مضبوط ساتھی کے کندھے پر لادا پھر وہ تینوں ہی باہر نکل گئے۔ شاید مترجم نے میری ہدایت دہرانے کے ساتھ ہی انہیں کام بھی بانٹ دیے تھے۔

پہلے دو چینی آئے اور وانگ ماؤ کو اپنی کارکردگی کی رپورٹ دینے لگے۔ پھر تیسرا شخص بھی دو خالی بوریاں لے آیا۔ وہ تینوں وان لن کی لاش کو چھوتے ہوئے بہت خائف نظر آ رہے تھے۔ ان کی دہشت زدہ نظریں اس لاش کے کوئلہ بنے ہوئے پہلو پر مرکوز تھیں جہاں خون کے کسی قطرے تک کا نشان نہیں تھا۔

اس وقت وان لن کی لاش تازہ اور گرم تھی اس لئے انہیں اس کے ہاتھ پیر موڑ کر بوری کے نچلے حصے میں ٹھونسنے میں زیادہ وقت نہیں ہوئی۔ خالی بوری لاش کے اوپر ٹھونسنے کے بعد انہوں نے نائیلون کی مضبوط ڈوری سے بوری کا منہ باندھ دیا۔

میں نے اضطرار اور مجبوری کے عالم میں بیم گن استعمال تو کر ڈالی تھی لیکن میرے ذہن میں ایک نیا خوف سوار ہو گیا تھا۔ اس وقت تک ڈون کوانگ تو کو یہ علم نہیں تھا کہ میں شی کا باغی تھا اور ان لوگوں سے چھینی ہوئی ایک بیم گن بھی میرے قبضے میں تھی۔ اگر وان لن کی لاش بوری سے نکالی جاتی تو ڈون اس کے زخم پر پہلی نظر ڈالتے ہی سمجھ لیتا کہ وہ بیم گن کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ وہ انکشاف میرے لئے بدترین پریشانیوں کو جنم دے سکتا تھا۔ ڈون لازمی طور پر یہ جاننے کی کوشش کرتا کہ میرے پاس بیم گن کہاں سے آئی ہے۔ میرے انکار کی صورت میں وہ کھوج نکالنے کے لئے اپنے بڑے سے رجوع کرتا اور میں بری طرح اس کے چنگل میں پھنس کر رہ جاتا۔
جمی لائیڈ کے لئے اس سے بڑی خوشی کیا ہو سکتی تھی کہ میرے ساتھ ہی میری محبوبہ اور میرا دستِ راست بھی گھر بیٹھے اس کی گرفت میں آ جائیں۔ وان لن اور روزیلی کی بے وقت مداخلت نے میرے لئے یک بیک ایک سنگین خطرہ پیدا کر دیا تھا جس کا کوئی حل نہیں تھا۔

میں نے وانگ ماؤ اور اس کے عملے کو رخصت کر دیا۔ اگر نکودا کے آنے میں دیر تھی تو میں ڈون سے وان لن کی لاش کو فی الفور ٹھکانے لگانے کی اجازت لے کر بیم گن کے استعمال کے ثبوت کو ناپید کر سکتا تھا۔ ڈون کے ایما پر وانگ اور اس کے ملازمین لاش کو ٹھکانے لگانے میں میری مدد کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ اصل بات صرف ڈون کو اپنے ڈھب پر لانے کی تھی۔
میں نے ڈون کا نمبر ملایا تو اس بار شوائے نے ہی ریسیور اٹھایا اور وہ فوراً ہی میری آواز پہچان گئی۔
"مبارک ہو۔ تم نے ڈون کو منانے میں کامیابی حاصل کر ہی لی ہے۔"
"لیکن اس کے ساتھ میں ایک مشکل میں پڑ گیا ہوں۔ میرے کمرے میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے!"

"لاش؟" اس کی تحیر زدہ آواز ابھری "کس کی لاش؟"
"وان لن نے میرے کمرے پر دھاوا بول دیا تھا۔ وہ ڈون کو ننگی ننگی گالیاں دے رہا تھا۔ میں نے موقع ملتے ہی اسے ٹھکانے لگا دیا۔ ذرا ڈون سے میری بات کراؤ۔ لاش کو ٹھکانے لگانے کے لئے مجھے اس کا مشورہ درکار ہے۔"
"یہ تو بہت بڑی خبر ہے۔ لیکن ڈون یہاں سے نکل چکا ہے۔ وہ نکودا کے ساتھ تمہیں لینے گیا ہے بس وہاں پہنچتا ہی ہو گا۔"
شوائے کا وہ انکشاف سن کر میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور میرا دماغ سن ہو کر رہ گیا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات گیارہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

حصہ 11

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خود نوشت جو اپنوں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ اُن نوجوانوں کی داستانِ عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ اُن زر پرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کُن چمک نے بینائی سے محروم کر دیا تھا۔

موت کے اُن سوداگروں کا ماجرا
جو اپنے بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں
زہر پلا رہے ہیں۔

وان لِن کی لاش مجھے اپنے گلے پڑتی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔

تھوڑی دیر قبل جب میں نے نادر ہیروں کا ذکر چھیڑ کر ڈون کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان قدیم شاہی ہیروں کی نحوست مجھے ڈون اور شی کے چوہے دان میں پھنسا دے گی۔

کراچی سے چلتے ہوئے ہی میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر مجھے ڈون کا تعاون حاصل ہو گیا تو میں بیم گن کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا لیکن اُس نے میرے ساتھ مخاصمانہ رویّہ برقرار رکھا تو میں بیم گن کے ساتھ اُس کے مقابلے پر ڈٹ کر، اسے یہ جتا دوں گا کہ اس کا پالا شی کے اُسی پرانے حریف سے پڑا ہے جو جمی لائیڈ جیسے مکّار مجرم کو چرکے لگانے کے باوجود آزادی کے ساتھ دندناتا پھر رہا ہے لیکن روزینی اور وان لِن نے درمیان میں آ کر میرے پورے منصوبے کو خاک میں ملا دیا تھا۔ اس وقت، مسلح وان کے مقابلے میں، میرے پاس بیم گن کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ میں اس کے استعمال سے گریز کرتا تو وان طاقت کے بَل پر مجھ سے نہ صرف ہیرے چھین لیتا بلکہ مجھے ہلاک بھی کر سکتا تھا۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ ڈون سے صلح ہونے کے باوجود مجھے اس کے ایک حریف پر بیم گن استعمال کرنی پڑی اور اب کسی بھی لمحے میں اس کے سنگین نتائج کا شکار ہو سکتا تھا۔

دیرا کی زبانی میں سن چکا تھا کہ ڈون بہت موٹا ہونے کے ساتھ ساتھ کاہل بھی ہے۔ وہ اپنی حویلی میں پڑے پڑے، فون پر سارے کام چلاتا تھا اور مدتوں بعد ہی حویلی سے قدم باہر نکالنے کی زحمت کرتا تھا۔ وہ یقینی طور پر خاص اور اہم مواقع ہوتے ہوں گے لیکن شوائے نے مجھے یہ بتا کر حیران کر دیا تھا کہ ڈون نے مجھ سے ملاقات کرنے کے لیے بذاتِ خود آنے کا فیصلہ کیا تھا۔

فکودا نامی جاپانی ڈرائیور کے ساتھ ڈون کی آمد کی اطلاع اس بات کی مظہر تھی کہ ڈون کے لیے اپنی حویلی میں بیٹھ کر میرا انتظار کرنا تکلیف دہ تھا اسی لیے وہ خود چل پڑا تھا۔ ڈون کی اس غیر معمولی حرکت کے دو ہی اسباب ہو سکتے تھے کہ وہ بیش قیمت ہیروں کو جلد از جلد اپنی تحویل میں لینے کے لیے بے چین تھا یا پھر وہ دیوانگی کی حد تک ہیروں کا شوقین تھا اور ان نوادرات کو بلا تاخیر اپنی نظروں سے دیکھنے کے لیے بے قرار تھا۔

میں غصے اور بے بسی کے عالم میں اس بند بوری کو گھورنے لگا جس میں وان لِن کی منحوس لاش ٹھنسی ہوئی تھی۔ وہ اپنی موت کی تلاش میں میرے کمرے پر حملہ آور نہ ہوا ہوتا تو خود بھی زندہ رہتا اور میں بھی سکون سے فکودا کی آمد کا انتظار کر رہا ہوتا لیکن وہ قدرت کے کھیل تھے۔ میں اپنی تدبیر کر رہا تھا اور قدرت میری ان کوششوں پر خنداں تھی۔ وان لِن کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہوئی تھی اسی وجہ سے گولڈن ڈریگن پر روزینی میری طرف اور میں اُس کی طرف متوجہ ہوا۔ ہم دونوں کی دوستی سے شروع ہونے

والے سنسنی خیز ڈرامے کا آخری منظر وان لن کی موت کا تھا۔ وہ مرنے کے بعد' زندگی کے ہر جھنجٹ سے آزاد ہو گیا تھا جب کہ میں زندہ رہ کر نادیدہ خطرات کا انتظار کرنے پر مجبور تھا۔

اچانک میرے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو میرے کانوں میں استقبالیہ کلرک کی ہیجان آمیز اور دھیمی سرگوشی گونجی۔ "ہوشیار ہو جاؤ' ڈون خود آ پہنچا ہے۔" اس انتباہ کے ساتھ ہی فون یک لخت بے جان ہو گیا۔ میرے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنی شروع ہو گئیں۔

مزید چند لمحے صبر آزما انتظار کی کیفیت میں گزرے پھر باہر راہداری میں یک بیک متعدد قدموں کی ہلکی سی دھمک گونجنے لگی۔ میں نے اضطراری انداز میں اٹھ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔

باہر جھانکنے پر' آنے والوں پر نگاہ پڑتے ہی میرے فرشتے کوچ کر گئے۔

ان میں ڈون سب سے آگے تھا۔ وہ بہت ہی عجیب و غریب اور مہیب شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے بدن کا محیط کسی بھی طرح ساٹھ انچ سے کم نہیں تھا۔ وہ گوشت' چربی اور ہڈیوں کے کسی عظیم الشان مینار کی طرح متحرک تھا۔ عام چینیوں کے برعکس اُس کا قد بھی پونے چھ فٹ کے لگ بھگ تھا لیکن اس کے وجود کا پھیلاؤ اس کی طویل القامتی کو کھا گیا تھا۔

ڈون کا چہرہ بہت چوڑا اور پُرجلال تھا۔ پپوٹوں کی چربی میں دھنسی ہوئی بہت چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں کسی سانپ کی آنکھوں جیسی ساحرانہ چمک تھی۔ ناک بالکل چپٹی اور اس سے نیچے ہونٹوں کے دونوں سروں پر منگولوں جیسی پتلی پتلی اور لمبی مونچھیں لٹک رہی تھیں۔ ڈون نے اس وقت سفید ٹی شرٹ اور سیاہ پتلون پہنی ہوئی تھی۔ نصف آستین والی ٹی شرٹ میں سے نکلے ہوئے بازوؤں کی سختی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈون صرف گوشت کا پہاڑ ہی نہیں تھا بلکہ اپنی بے پناہ طاقت کے مناسب ترین استعمال سے بھی بخوبی واقف تھا۔

ڈون کے گلے میں سونے کی زنجیر کے ساتھ مسیح مصلوب کا طلائی لاکٹ جھول رہا تھا اور اس کی گرگٹوں کی طرح پھولی ہوئی' بھدّی' موٹی اور ٹیڑھی میڑھی انگلیوں میں بڑے ہیروں کی متعدد انگوٹھیاں جھلملا رہی تھیں۔ وہ درحقیقت ایسا پُرشکوہ انسان تھا کہ اسے دیکھنے والے اُس سے مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

اُس کے داہنے پہلو پر گنجے سر والا ایک پستہ قامت جاپانی' اپنے دونوں ہاتھ ناف پر باندھے' سر جھکائے چلا آ رہا تھا۔ وہ یقینی طور پر ڈون کا ڈرائیور' نکوا تھا۔ ان دونوں کے پیچھے وانگ ماؤ کی قیادت میں مسکینوں اور مظلوموں کا وہی پانچ نفری جلوس چلا آ رہا تھا جو تھوڑی دیر پہلے وان لن کی بدنصیبی کا عبرت ناک منظر دیکھ چکا تھا۔ ڈون کی موجودگی میں ان سب کے شانے ڈھلک گئے تھے اور چہروں پر زلزلے کے آثار ہویدا تھے۔

میں نے اپنے کمرے سے باہر نکل کر ڈون کا استقبال کیا۔ "یہ میری خوش نصیبی ہے کہ تم خود چل کر میرے دروازے پر آئے ہو۔ اس عزت افزائی کے بعد زندگی کی ہر خوشی ہیچ محسوس ہوتی ہے۔"

ڈون کے ڈیل ڈول کے مقابلے میں اُس کے ہونٹ بہت پتلے اور سفاکانہ ساخت کے تھے۔ میرے انداز پیشوائی پر اُس کے لبوں پر خفیف سا کھنچاؤ پیدا ہوا۔ شاید وہ مسکرایا تھا لیکن اُس کی مسکراہٹ میں قدرتی طور پر طنز' استہزا اور تضحیک کا عنصر شامل تھا۔

اُس نے پلٹے بغیر چینی زبان میں کچھ کہا۔ نکوا سمیت سب لوگ اپنی جگہوں پر جم کر رہ گئے اور ڈون دو قدم بڑھا کر میرے قریب آ گیا۔ میں اُس کے احترام میں اس وقت تک سرنگوں کھڑا ہوا تھا۔

"اندر چلو!" ڈون نے میرا شانہ تھام کر نرم غراہٹ کے ساتھ کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اوپری جلد سخت ہونے کے باوجود' ڈون کی ہتھیلیاں ریشم کی طرح ملائم تھیں۔

میں نے ڈون کے پیچھے کمرے میں پیش قدمی کی اور دروازہ بند کر دیا۔

ڈون نے پلٹ کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور سرد لہجے میں پوچھا۔ "ہیرے کہاں ہیں؟"

ڈون کے اس سوال پر میں اندر سے لرز کر رہ گیا۔ میں نے زبان سے مزید کچھ کہے بغیر' اپنی اندرونی جیب سے براؤن پیکٹ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔ وان لن اور روزیتی کی وحشیانہ مداخلت یہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھی کہ اس پیکٹ میں نایاب ہیرے ہی تھے لیکن پھر بھی میرا رُواں رُواں کانپ رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ اس پیکٹ میں سے ہیرے برآمد نہ ہوئے تو ڈون کسی جن کی طرح میری ٹانگیں چیر ڈالے گا۔

ڈون نے بے تابانہ انداز میں پیکٹ پر چڑھا ہوا کاغذ پھاڑ دیا۔ روزیتی کے بیان کے مطابق اندر سے پلاسٹک کا ایک ٹُبک اور نفیس کیس برآمد ہوا اور جب ڈون نے تجسس اور اشتیاق کے ساتھ اس کیس کا ڈھکن کھولا تو اُس میں روئی میں لپٹے ہوئے سات گولے ربر کی نفیس پٹی میں پھنسے ہوئے تھے۔ وہ پیکنگ بتا رہی تھی کہ وہ ہیرے ہی تھے۔ ڈون کی آنکھیں کسی ایسے ندیدے بچّے کی طرح دفورِ مسرت سے چمکنے لگیں جسے خلافِ توقع اپنی پسند کی کوئی چیز نظر آ گئی ہو۔

اُس نے بے احتیاطی ترک کی اور پھُرتی سے میرے بستر پر بیٹھ کر وہ ڈبا اپنی گود میں رکھ لیا۔ اس کی حالت دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ ڈون قیمتی ہیروں کا شیدائی تھا۔ اس کے ہاتھوں کی جنبش کے ساتھ اس کی انگوٹھیوں میں جڑے ہوئے وزنی ہیرے ایسی تیز' نیلگوں روشنی کی کرنیں خارج کر رہے تھے کہ نگاہیں خیرہ

ہوئی جا رہی تھیں۔ اُس کا ذوق و شوق ان پتھروں کی تراش خراش
سے صاف ظاہر تھا۔

اُس نے سات میں سے ایک عدد اٹھایا اور روئی کی تہیں اُدھیڑ
کر الگ کر دیں۔ لمحہ بھر میں اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا ہیرا اپنے
کناروں سے پُراسرار شعاعیں خارج کر رہا تھا۔ ڈون اپنے داہنے
ہاتھ کی پہلی انگلی اور انگوٹھے میں دبا کر چند ثانیوں تک اُس ہیرے
کی ساخت کو تکتا رہا پھر اُس نے بے اختیار اس ہیرے کو چوم کر
اپنی مٹھی میں بھینچ لیا۔ اس کی طرف سے ہیروں کی تصدیق ہونے پر
میری جان میں جان آئی۔

وان لن کی لاش اور بیم گن کی تلوار بدستور میرے سر پر لٹک
رہی تھی مگر مجھے خوشی تھی کہ ہیرے پا کر ڈون کا دماغ بہت اونچا
اُڑنے لگا تھا اور اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ فیاضی کے ساتھ،
بیک جنبشِ لب میری تمام کردہ اور ناکردہ خطاؤں کو معاف کر کے
غزالہ کو میرے حوالے کر دیتا۔

پہلے ہیرے کو میرے بستر پر رکھنے کے بعد وہ دوسرے ہیروں کی
طرف متوجہ ہو چکا تھا اور میں اس فکر میں تھا کہ اس کا جوش و
خروش ذرا کم ہو تو میں اسے وان لن کی موت کی خبر دوں۔ شاید
اسے کوئی بھی اس واقعے سے آگاہ کرنے کی جسارت نہیں کر سکا
تھا۔ اسے معلوم ہوتا تو وہ سب سے پہلے اُسی کے بارے میں
دریافت کرتا کیوں کہ وان لن کی موت اس کے لیے بھی اہم واقعہ
سے کم نہیں تھی۔

ڈون یکے بعد دیگرے ہیرے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہا اور میں
اُس کے سامنے ادب سے کھڑا رہا۔

آخری ہیرا میرے بستر کی چادر پر سجانے کے بعد ڈون کسی ماہر
رقاص کی طرح، قالین پر ناچتا اور تھرکتا ہوا میری طرف بڑھا۔ اس
جیسے دیوہیکل اور بھدّے وجود کو اس قدر ماہرانہ انداز میں ناچتا ہوا
دیکھ کر میری آنکھیں فرطِ حیرت سے پھیل گئیں لیکن ڈون اس
وقت اپنے خوابوں کی دنیا میں مگن تھا۔ اس نے میری کمر کے گرد
ہاتھ ڈال کر مجھے اپنے سینے سے لگا لیا مگر سینہ کہاں؟ وہ تو مجھ سے
خاصی دور تھا۔ اُس کے پیٹ سے چپک کر کمان کی صورت میں
آگے جھکنے کے بعد بھی اس کے سینے تک... رسائی حاصل نہیں کر
سکا۔ مجھے تقریباً بھینچتے ہوئے جب اس نے میری پیشانی کا بوسہ لیا تو
اس کے دہانے سے اٹھنے والے شراب اور کچّی مچھلی کی بدبو کے
بھبکوں نے میرا دماغ اُڑا کر رکھ دیا۔ میں نے سانس روک کر
آنکھیں بند کر لیں۔

"تم نے وہ کام کیا ہے کہ میں اچانک تم پر ناز کرنے لگا ہوں۔"
اُس نے مجھ سے الگ ہو کر جھومتے ہوئے کہا۔ "کہو کیا چاہتے ہو؟
میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔"

وہ اپنے جاہ و جلال اور پُرہیبت چہرے کے باوجود اس وقت
ایک بچّے کی طرح معصوم اور بے ضرر نظر آ رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر میں
ان لمحات کی خیر منا رہا تھا جب اسے یہ معلوم ہوتا کہ اُس کے
نافرمان، وان لن کو ہلاک کرنے کے لیے بیم گن استعمال کی گئی
تھی۔

"میں تمہارا ممنون ہوں ڈون! مجھے تمہاری خوشنودی اور
دعاؤں کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے۔ بس میری غزالہ میرے
حوالے کر دو۔ وہ روئے زمین پر میری سب سے عزیز ہستی ہے۔"

میری فرمائش پر ڈون اچانک سنجیدہ ہو گیا اور اُس کے چہرے پر
حیرت کے آثار ابھر آئے۔ "تم صرف ایک عورت مانگ کر یہ سنہرا
موقع ضائع کر رہے ہو۔ جو چاہتے ہو، مانگ لو آج میں بہت خوش
ہوں۔ تمہیں نہال کر دوں گا۔ زندگی میں پہلی بار، اتنی بڑی تعداد
میں نادر ہیرے میرے قبضے میں آئے ہیں۔ ان میں سے ہر ہیرا
نایاب اور انمول ہے اور تمہاری محنت کی وجہ سے یہ میرے ذخیرے
کا حصہ بنے ہیں۔"

"تم جو کچھ دینا چاہو، اپنی مرضی سے دے دو۔ میری آرزو
صرف اُسی لڑکی کی ہے۔ میرے لیے وہ کوئی عام سی عورت نہیں بلکہ
میری محبوبہ ہے۔ اُسے حاصل کرنے کے لیے دنیا کے خزانے بھی
قربان کر سکتا ہوں۔"

"حیرت ناک!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "مجھے تمہاری صحیح
الدّماغی پر شبہ ہو رہا ہے۔ شاید تمہیں علم نہیں ہے کہ مکاؤ کے
گھاٹوں پر دنیا بھر کی حسین اور نوخیز دوشیزاؤں کی منڈی لگتی ہے۔ تم
تیس، چالیس ہزار ڈالر میں اس سے کہیں زیادہ حسین اور ہوش رُبا
لڑکی، عمر بھر کے لیے خرید سکتے ہو۔ اس دَور میں روایتی عشق و محبت
کے دعوے مذاق لگتے ہیں۔ وہ لڑکی تو تمہیں ویسے بھی مل جاتی ہے۔
ڈون جس کسی کو انعام دیتا ہے، اسے چند راتوں کے لیے دو چار
حسین عورتیں بھی ملتی ہیں۔ عورت کے بغیر دنیا کی ہر خوشی ادھوری
رہتی ہے اور یہ خوشی صرف اور صرف رقم سے ملتی ہے۔"

میں ڈون سے بحث نہیں کر سکتا تھا اس لیے سر جھکائے،
خاموش کھڑا رہا۔

"مجھے دیکھنا پڑے گا کہ اُس لڑکی میں ایسی کون سی خوبی ہے کہ
تم اُس کی خاطر دنیا کی ہر نعمت ٹھکرا سکتے ہو۔" چند ثانیوں کے بعد
ڈون بولا۔ "میرے نزدیک تو عورت حسین چہرہ اور متناسب بدن کا
دوسرا نام ہے۔ یہ دونوں چیزیں عمر کے ساتھ ڈھلتی جاتی ہیں۔ ان
کے فریب میں آ کر، کسی لڑکی کو عمر بھر کے لیے اپنے گلے کا ہار نہیں
بنایا جا سکتا لیکن تمہارا عزم اور دعویٰ میرے عمر بھر کے تجربے کی
نفی کر رہا ہے۔ تم ابھی میرے ساتھ چلو۔ میں اُس لڑکی کو تمہارے
حوالے کر دوں گا۔ میری حویلی میں ایک بہترین خوابگاہ تمہارے
تصرف میں دے دی جائے گی۔"

"میں زندگی بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔" میں نے اپنے
سر کو خم دے کر کہا۔

"اور اب وان لن کے بارے میں بتاؤ! اُس کی لاش کہاں

ہے؟"
"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں اُس کا سوال سن کر ہونّقا رہ گیا۔ اسے شروع ہی سے سب کچھ معلوم تھا لیکن اس کے نزدیک وان لن کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ اُس نے سارے معاملات سے فارغ ہونے کے بعد آخر میں اُس کا ذکر چھیڑا تھا۔
"شوائے نے موبائل فون پر مجھے بتایا تھا۔ میرے ایک دشمن کو مار کر تم نے میرا دل جیت لیا ہے!"
"میں اُسے ہرگز نہ مارتا۔" میں نے مدافعانہ انداز میں کہا۔ "لیکن اس نے تمہارے لیے نازیبا کلمات استعمال کرنے شروع کیے تو میرا دماغ سنک گیا....."
"وہ میری آستین کا سانپ تھا۔ اُس کا مزید ذکر نہ کرو۔ مجھے غصہ آجائے گا۔"
"اُس کی لاش اس بوری میں بند ہے۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔
ڈون ٹہلتا ہوا اُس بوری کی طرف بڑھا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔
"گڈ!" ڈون نے بوری دیکھ کر کہا۔ "تم نے اس کے آخری سفر کی پوری تیاری کی ہوئی ہے۔"
پھر اُس نے جھک کر اچانک ہی وہ وزنی بوری اپنے داہنے ہاتھ میں اٹھالی اور دو تین ہچکولے دینے کے بعد وہ بوری پوری قوت سے باتھ روم کی دیوار پر دے ماری۔
ایک پُرشور دھماکے کے ساتھ ہی لاش کی ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز آئی۔ ڈون نے وہی عمل دوسری اور تیسری بار بھی دُہرایا۔ اس کی قوت کے اس حیرت انگیز مظاہرے نے مجھے خاصا مرعوب کیا۔ میرا اندازہ تھا کہ لاش کی بیشتر ہڈیاں اپنی جگہ چھوڑ کر متعدد ٹکڑوں میں منقسم ہو چکی تھیں۔ میرے لیے اہم ترین بات یہ تھی کہ ڈون نے بوری کا منہ کھول کر وان لن کی لاش کا جائزہ لینے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لی تھی۔
ڈون نے پہلی مرتبہ بوری کو قالین پر سے اٹھایا تو وزن کی وجہ سے پیدا ہونے والے کھچاؤ اور زاویوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس بوری میں کوئی انسانی وجود مقیّد اور محبوس ہے لیکن دیوار پر، پوری طاقت سے لگائی جانے والی تین ضربات کے بعد یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں رہا تھا کہ اس بوری میں کسی انسان کی لاش تھی یا وزنی پتھر اور روڑے بھرے ہوئے تھے۔
اپنے مرے ہوئے حریف کی ہڈیوں کو توڑنے پھوڑنے کے بعد ڈون نے وہ بوری حقارت کے ساتھ قالین پر پھینک دی اور بڑبڑاتے ہوئے انگریزی میں بولا۔ "خس کم جہاں پاک"
"میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ مکاؤ میں رہنے والا کوئی مقامی تمہاری شان میں اس قدر گستاخانہ زبان استعمال کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔" میں نے اُس کی مزید خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "وہ ہیروں پر قابض ہونے کے بعد یہاں سے غائب ہونے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔"
ڈون کسی خونخوار درندے کی طرح وحشیانہ انداز میں دانت نکال کر ہنسا پھر غرّاتے ہوئے بولا۔ "اس کا منصوبہ سو فیصد کامیاب رہا۔ وہ مکاؤ سے ہی نہیں، دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ میں حیران ہوں کہ تم کیا بلا ہو۔ میرے آدمی پچھلے تین دنوں سے 'مکاؤ میں داخلے کے ہر قانونی اور غیر قانونی راستے پر گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ حرام زادے قریب المرگ گدھوں کی طرح اونگھتے رہ گئے اور تم ہیرے لے اُڑے۔ یہ تمہاری نیک نیتی تھی کہ تم نے ہیروں کے بارے میں مجھ سے رابطہ کرلیا۔ یہی خزانہ کسی اور کے ہاتھ لگا ہوتا تو وہ تھوڑی سی کوشش کر کے، چور بازار میں سودا کر کے لاکھوں کما سکتا تھا۔ تم نے میرا بہت بڑا کام کیا ہے۔"
"قدرت کو مجھے تمہارے سامنے سرخرو کرنا تھا جو میں یہ کام کر گزرا ورنہ شوائے نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ تم میری آواز سننے کے بھی روادار نہیں ہو۔"
ڈون ایک مرتبہ پھر مسہری پر بیٹھ کر ہیروں کی چمک دمک سے اپنا دل بہلاتے ہوئے بولا۔ "اس لڑکی نے میرے ساتھ بہت بُرا کیا۔ غصے نے میرا دماغ الٹ کر رکھ دیا تھا لیکن تم حیرت ناک آدمی ہو۔ ہیرے لاکر تم نے میرا دل موہ لیا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں وان لن کے معاملے کی اہمیت گھٹا رہا ہوں۔ مکاؤ میں اس پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں تھا۔ چھوٹے موٹے بدمعاش تو اُس کے نام کی وحشت سے ہی میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے لیکن تم نے اسے کسی بیمار چوہے کی طرح مار کر بوری میں باندھ کر رکھ دیا۔"
اپنی اس تعریف پر میں خاموشی کے ساتھ سر جھکائے کھڑا رہا۔
ڈون کوانگ فو کے چہرے کے ایک ایک نقش سے اُس کی اتھاہ دلی مسرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ بار بار ہیروں کو دیکھ رہا تھا لیکن اُس کا دل بھرتا ہوا نظر نہیں آرہا تھا۔
آخر کار اسے احساس ہوا کہ وہ اپنی حویلی میں نہیں، بلکہ ہنگو کلب کے ایک رہائشی کمرے میں بیٹھا ہوا ہے اور باہر، ہوٹل کے عملے کے ساتھ ہی 'اس کا ایک ملازم بھی اس کی واپسی کا منتظر ہے۔ اس نے ان ہیروں کو بہت زیادہ احتیاط کے ساتھ روئی میں لپیٹ کر پلاسٹک کی ڈبیا میں سجانا شروع کر دیا۔
"ویرا سے تمہاری کیا رشتے داری ہے؟" آخری ہیرے پر روئی کی تہیں جماتے ہوئے، اس نے اچانک ہی ایک بونگا سوال داغ دیا۔
"کک... کوئی بھی نہیں!" میرے ذہن نے فی البدیہہ قلابازی کھائی۔ "اس کی غزالہ سے گہری دوستی ہے، میرا اور اُس کا بس اتنا ہی تعلق ہے۔"
یہ درست ہے کہ ڈون کوانگ فو، شی کا ایک پرانا آئی مین تھا لیکن وہ شی کے بین الاقوامی معاملات سے بڑی حد تک بے خبر معلوم

ہوتا تھا۔ اس کی ساری دلچسپیاں اور ذمے داریاں مشرقِ بعید کے اسی دور افتادہ علاقے تک محدود تھیں جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو میرا اور غزالہ کا نام سنتے ہی اسے چونکنا چاہیے تھا کیوں کہ جی لائیڈ سے میرے تصادم کے نتیجے میں یورپ کے کئی آئی مین مارے گئے تھے اور ڈیبی کا نام ان کے لیے ہوّا بنا ہوا تھا۔ ویرا نے ابتدا میں اس سے بات کی تو بھی کوانگ فو نے کسی تحیّر آمیز ردِ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اس کے مزاج کی تیزی سے واقف ہونے کے باوجود، بے خوف و خطر مکاؤ تک دوڑا چلا آیا تھا۔

میرے لیے خطرناک بلکہ تباہ کن امکان، ڈان نیشی کاؤ کی آمد کا تھا کیوں کہ وہ میرے تنازع میں شی اور مافیا کے درمیان کوانگ فو کو ثالث بنانا چاہتا تھا۔ نیشی کاؤ کے ذریعے کوانگ فو کو میرے بارے میں ہر چھپی ہوئی بات معلوم ہوجاتی اور اسی کے ساتھ میں نیشی کاؤ اور کوانگ فو کی مشترکہ دشمنی کا ہدف بن جاتا۔

"اور ویرا خود کہاں غائب ہے؟" ڈون کے اگلے سوال نے مجھے چونکا دیا۔

"اُس کی سرگرمیاں کچھ پُراسرار سی ہیں۔" میں نے محتاط انداز میں کہا۔ "وہ ملتی ہے تو روز ہی ملتی رہتی ہے پھر کسی اطلاع کے بغیر اچانک مہینوں کے لیے غائب ہو جاتی ہے۔ اُس کے آنے جانے کا کسی کو کچھ علم نہیں ہوتا۔"

ڈون کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ہلکی سی غرور آمیز مسکراہٹ پھیل گئی، جیسے ویرا کی کارکردگی پر میرا تبصرہ سن کر اُسے کوئی اندرونی تسکین حاصل ہوئی ہو پھر وہ ہیروں کی ڈبیا کو بند کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"فکودا!" اس نے وہیں سے تیز آواز لگائی۔ لمحہ بھر کی تاخیر کے بعد کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے لپک کر دروازہ کھول دیا۔ گنجا فکودا، کسی پشتینی غلام کی طرح سر جھکائے اور اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اندر آ گیا۔

ڈون نے ٹہلتے ہوئے، آگے بڑھ کر وان لن والی بوری کو ٹھوکر مارتے ہوئے، فکودا کو چینی یا جاپانی زبان میں ہدایات دینی شروع کردیں۔ فکودا کی کھوپڑی مشینی تسلسل کے ساتھ اوپر نیچے ہلنے لگی۔

چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد میں نے اندازہ لگایا کہ دیو پیکر ڈون، چینی زبان نہیں بول رہا تھا۔ ایک اجنبی کے لیے چینی زبان کا صوتی تاثر چیں، چن، چیاؤں، ژنگ، ژیانگ جیسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا ہے جب کہ جاپانی زبان میں چ اور ش کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ الفاظ بھی قدرے کھینچ کر ادا کیے جاتے ہیں جس سے ہمارے ملک کی بڑی بوڑھیوں کی تحیّر آمیز گفتگو کی یاد تازہ ہونے لگتی ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ فکودا میں ایسی کون سی خوبی تھی کہ ڈون جیسا سخت گیر اور سفاک مجرم، اس سے گفتگو کرنے کے لیے، اس کی مادری زبان سیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

میرے لیے وہ صورتِ حال بہت دلچسپ اور مضحکہ خیز تھی۔ گوشت اور ہڈیوں کے ایک عظیم الشان گنبد کے اوپری حصے سے آوازیں خارج ہو رہی تھیں اور شفاف کھوپڑی والا، پستہ قد مسلسل سرہلائے جا رہا تھا۔ جوں ہی ڈون خاموش ہوا فکودا اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی سے دوڑا پھر اس نے وان لن کی لاش والی وزنی بوری پہلی ہی کوشش میں دونوں ہاتھوں پر اپنے سر سے بلند کرکے باتھ روم والی دیوار پر دے ماری۔

اس مرتبہ وان لن کے مُردے کی متعدد ہڈیاں اور پسلیاں کڑکڑا کر ٹوٹ گئیں۔

"چلو!" ڈون کوانگ فو نے محبت کے ساتھ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"لیکن وہ لاش؟" میں نے اُس کے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"تم چلے آؤ، آج حرام زادہ وانگ ماؤ مُردہ ڈھوئے گا۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

فکودا کسی سدھائے ہوئے خونخوار کتے کی طرح ہم دونوں کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

وانگ ماؤ اور اُس کے چاروں ملازمین اپنے سُتے ہوئے چہروں کے ساتھ راہداری میں کھڑے کانپ رہے تھے۔ ڈون ان کے قریب پہنچا تو وہ سب رکوع کے انداز میں تعظیماً دُہرے ہو گئے لیکن ڈون ان پر ذرا بھی توجہ دیے بغیر، متکبرانہ انداز میں آگے نکلتا چلا گیا۔ فکودا لمحہ بھر کے لیے ان کے قریب رکا اور کوئی ہدایت دینے کے بعد ایک مرتبہ پھر ہمارے پیچھے ہو لیا۔ وہ پانچوں تیزی کے ساتھ میرے کمرے میں جا گھسے تھے۔

نیچے ڈون کی نئی اور چمکدار پورشے کار موجود تھی جس کا شمار دنیا کی سب سے قیمتی کاروں میں کیا جا سکتا تھا۔ فکودا نے بڑھ کر ڈون کے لیے دروازہ کھولا۔ اسی اثنا میں وانگ ماؤ اپنے دو ملازمین کے ساتھ، وزنی بوری اٹھائے، ہانپتا کانپتا وہاں آ پہنچا۔

ڈون اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وان لن کی لاش بے دردی کے ساتھ سرخ پورشے کی ڈکی میں ڈال دی گئی۔ میرے حصے میں آرام دہ عقبی سیٹ آئی اور فکودا نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

اس بار مکاؤ کی سڑکوں پر اور تفریح گاہوں میں زیادہ رونق نظر آئی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے رات ڈھلنے کے ساتھ ساتھ مکاؤ میں زندگی کی خمار آگیں سرگرمیاں تیز ہوتی چلی جاتی تھیں۔

راستے میں ایک بار ڈون نے فکودا سے کچھ کہا اور فوراً ہی پورشے کا رخ نسبتاً گنجان اور خستہ حال آبادی کی طرف ہو گیا۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ چند منٹ تک پُرپیچ راستوں پر سفر کرنے کے بعد سمندر کی لہروں کا شور سنائی دینے لگا اور آخر کار پورشے زمین چھوڑ کر ایک تنگ سی چوبی جیٹی پر چڑھ گئی۔ وہاں

پھیلی ہوئی تاریکی اور ویرانی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جیٹی عرصۂ دراز سے متروک تھی۔

پورشے کا انجن اور روشنیاں بند ہوتے ہی ایک طرف سے دو انسانی ہیولے دوڑتے ہوئے جیٹی پر چڑھ آئے۔ فکو وا اندر سے کام کرنے والے خودکار میکانزم کے ذریعے ڈکی کو غیر مقفل کر چکا تھا جیسے ہی آنے والوں نے ڈون کی سمت والی بند کھڑکی کے سامنے رک کر، منمناتے ہوئے اُسے تعظیم دینے کا سلسلہ شروع کیا تو فکو وا اپنی سیٹ چھوڑ کر نیچے اتر گیا۔

ڈون نے بٹن کے ذریعے کھڑکی کا شیشہ گرا کر چند بڑے نوٹ اُن دونوں کی طرف بڑھا دیے۔ اسی وقت فکو وا نے کچھ کہا اور ان دونوں نے پھرتی کے ساتھ، ڈکی سے بند بوری نکال کر سمندر میں پھینک دی۔

چھپاک کی پُرشور آواز کے ساتھ ہی تاریک سمندر میں سے کچھ خونخوار حیوانی آوازیں ابھریں لیکن میں وان لن کا انجام دیکھنے کے لیے وہاں نہیں رک سکا۔ فکو وا نے ڈکی مقفل کر کے فوراً ہی گاڑی ریورس کر کے اس جیٹی سے اتاری اور واپس آبادی کی طرف روانہ ہو گیا۔

میرے لیے وہ تجربات انتہائی حیران کن بلکہ ناقابلِ یقین تھے۔ میں نے پاکستان میں بھی جرائم پیشہ لوگوں کی قانون پر بالا دستی کے بہت سے مظاہرے دیکھے تھے لیکن وہاں ہر مجرم اپنی شناخت اور ثبوتوں کی فراہمی کے ہر امکان کو ختم کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ ناقابلِ تردید شہادتیں سامنے آ جانے کے بعد راشی اور بدعنوان افسران بھی اُن پر مقدمے چلانے پر مجبور ہو جاتے تھے لیکن مکاؤ میں ڈون کی بادشاہی کا انداز ہی نرالا تھا۔

وان لن مکاؤ کا کوئی گمنام یتیم اور مسکین نہیں تھا۔ ظاہری حمایت کے علاوہ اس کے بہت سارے درپردہ حلیف اور ہمدرد بھی ہو سکتے تھے لیکن ڈون اُس کے قتل پر ذرا بھی متردد یا متفکر نہیں تھا۔ اس کے برعکس اس نے بنگو کلب میں یا متروک جیٹی پر اپنی شناخت چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ وان لن کے سفاکانہ قتل کا ذمے دار نہیں تھا لیکن اُس کی مسخ شدہ لاش کو ٹھکانے لگانے میں وہ ابتدا سے آخر تک کھل کر شریک رہا تھا۔ ڈون کی اس لرزہ خیز بے خوفی کی دو ہی وجوہ ہو سکتی تھیں۔ اسے کامل یقین تھا کہ مکاؤ کی بھری آبادی میں سے کوئی بھی شخص اس کے خلاف گواہی دینے کی جسارت نہیں کر سکے گا اور اگر کسی نے ایسی حماقت کا ارتکاب کر بھی لیا تو انتظامیہ یا عدلیہ میں موجود، ڈون کے نمک خوار اسے فاترالعقل قرار دے کر کہیں خرد برد کر دیں گے۔ ان امکانات پر سوچتے ہوئے میں اندر ہی اندر لرز کر رہ گیا۔

مکاؤ کی پُرپیچ پہاڑی سڑکوں کی چڑھتی اترتی ڈھلانوں پر سفر کرتے ہوئے ڈون اچانک ہی مجھ سے سوال کر بیٹھا۔ "تمہاری دانست میں اس وقت وان لن کہاں ہو گا؟"

"سمندری لہروں کے دوش پر بھٹک رہا ہو گا۔" میں نے انجان بن کر کہا۔

ڈون سرد اور سفاکانہ انداز میں ہنس پڑا۔ "مکاؤ بہت بڑی تجارتی منڈی ہے، اس کے ساحل کا ہر انچ ان تجارتی سرگرمیوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ان سرگرمیوں کی وجہ سے مکاؤ کے اطراف میں پائے جانے والے سمندری گھڑیال خونخوار بلکہ آدم خور ہو گئے۔ انہیں جب اور جہاں موقع ملتا کشتیوں سے انسانوں یا مویشیوں کو سمندر میں گھسیٹ لے جاتے تھے۔ آخر کار ہم نے اُن کے لیے جنوب کا کچھ حصہ خالی کر دیا۔ اب وہ سب سمندری جانور اسی کھاڑی میں رہتے ہیں۔ ملاحوں کی انجمن انہیں خوراک ڈالتی رہتی ہے لیکن اُن کے منہ کو انسانی خون لگ چکا ہے۔ اب تک وان لن کی ہڈیاں بھی ان آدم خور گھڑیالوں کے معدوں میں پہنچ چکی ہوں گی۔ میرے باغی عام طور پر اسی خونی کھاڑی میں اتارے جاتے ہیں۔"

"تم جیسے بارسوخ آدمی کے باغیوں کے لیے یہی سزا مناسب معلوم ہوتی ہے۔" میں نے اضطراری طور پر جھرجھری پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم بھی کانپ کر رہ گئے!" ڈون زور سے ہنسا۔ "تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ اب تم ایک ایسے شخص کے مہمان ہو، جس کے دشمنوں کا ٹھکانا آدم خور مگرمچھوں کے معدے میں ہوتا ہے۔"

"میں نے سنا ہے کہ تمہارے علاوہ، یہاں ایک گورنر ہوتا ہے۔ یہاں پرتگیزی قانون رائج ہے۔ یہ رکاوٹیں کبھی تمہارے آڑے نہیں آتیں؟" میں نے ڈرتے ڈرتے وہ سوال کر ہی ڈالا۔

"مکاؤ آزاد تجارتی منڈی ہے۔ یہاں کے آدھے سرکاری اخراجات میرے عطیات اور چندوں سے چلتے ہیں۔ مکاؤ کے آدھے سے زیادہ نائٹ کلب اور سپر اسٹور میری ملکیت ہیں۔ یہ کتے جس دن مجھ پر بھونکنے کی غلطی کریں گے میں اپنا سارا سرمایہ سمیٹ لوں گا اور مکاؤ دیوالیہ ہو جائے گا۔ آزاد معیشت میں جہاں عیش اور آزادیاں ہیں وہاں یہ خرابی بھی ہے کہ بڑی بڑی اجارہ داریاں وجود میں آ جاتی ہیں۔ مکاؤ کا گورنر مجھ سے ٹکراؤ مول نہیں لے سکتا۔ میں اس سرزمین کی بجلی اور پانی تک بند کر سکتا ہوں۔"

سفر کا اختتام ایک مسطح پہاڑی پر بنے ہوئے محل نما مکان پر ہوا جہاں بہت بڑی محراب کے نیچے برقی موٹروں سے کھلنے اور بند ہونے والے آہنی پھاٹک نصب تھے۔ متعدد تیز اور دھیمی روشنیوں سے آراستہ اس پھاٹک پر مسلح اور باوردی محافظوں کا ایک دستہ مامور تھا۔ پھاٹک کے پیچھے، دیوار کے ساتھ دونوں طرف بڑے کمرے بنے ہوئے تھے جو آباد تھے۔ اس لاؤ لشکر کو دیکھ کر ہی اس حویلی میں رہنے والے کے رئیسانہ ٹھاٹ باٹ کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ ڈون کی پورشے پر جس کی بھی نظر پڑ رہی تھی وہ اپنی جگہ احتراماً جھکتا چلا جا رہا تھا۔ ڈون کی گاڑی کے آگے بڑھ جانے کے

بعد بھی لوگ کئی ثانیوں تک اسی حالت میں تھے۔
پختہ اور سیاہ سڑک بل کھا کر حویلی کی ایک دیوار کے ساتھ ہو گئی تھی۔ سڑک کے دونوں کناروں پر روشنی کے ساتھ ہی رنگ برنگے پھولوں کے خوشنما تختے ایستادہ تھے۔ داہنی طرف گھاس اور پھولوں کی کیاریوں کے متعدد قطعات پر مشتمل' دو ڈھائی ایکڑ وسیع میدان پھیلا ہوا تھا۔ احاطے کی دیوار کے علاوہ آہنی کھمبوں پر بھی جا بجا روشنی کے انتظامات نظر آرہے تھے جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ضرورت پیش آنے پر اس میدان کو کسی بھی وقت روشنی میں نہلایا جا سکتا ہے۔

معلوم ہو رہا تھا کہ ڈون اسی میدان میں اپنی تقریبات کا انعقاد کرتا رہا ہو گا۔ اس میدان سے آگے سڑک ایک مرتبہ پھر داہنی طرف گھوم گئی اور درختوں کے کنج میں سے گزرتی ہوئی' قدیم طرز کی ایک شاندار عمارت کے پورچ میں جا رکی۔ بڑے بڑے منقش ستونوں اور سیڑھیوں کے گرد پھول ہی پھول بکھرے ہوئے تھے۔ رنگوں کے انتخاب اور قرینے سے پھولوں کے بارے میں ڈون کی خوش ذوقی جھلک رہی تھی۔

خلافِ توقع اس حصے میں کوئی بھیڑ بھاڑ نظر نہیں آئی۔ سیاہ لبادوں میں ملبوس دو مضبوط خدمتگار' کار رکتے ہی آگے بڑھے۔ ایک نے ڈون کا اور دوسرے نے میرا دروازہ کھول کر سر جھکا لیا۔

ڈون کار سے اترا تو اس کے دیو پیکر وجود کے سامنے بقیہ تمام لوگ بونے اور حقیر نظر آرہے تھے۔

کٹھٹی پتھر کی سلوں سے بنی ہوئی کشادہ سیڑھیاں عبور کر کے ڈون برآمدے میں پہنچا' پھر عمارت میں داخل ہو گیا۔ وہ کسی ہلکے پھلکے آدمی کی طرح تیزی' پھرتی اور آسانی کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ باہر والے دونوں ملازمین باہر ہی رہ گئے تھے۔

"میں تمہیں ڈرائنگ روم کے بجائے' اپنے خاص کمرے میں لے جا رہا ہوں۔" ڈون نے منقش اور آراستہ راہداریوں سے گزرتے ہوئے کہا۔ "میری اجازت کے بغیر کوئی بھی وہاں قدم نہیں رکھ سکتا۔"

"میں اس عزت افزائی کے لیے تمہارا ممنون ہوں۔" میں ڈون کی حویلی کی اندرونی ساخت اور بیش قیمت آرائش دیکھ کر دل ہی دل میں مرعوب ہوا جا رہا تھا۔ قالینوں' پردوں' دمکتے ہوئے سقف گیر فانوسوں' دیوار گیر روشنیوں کے ساتھ ہی شیشے اور سنگِ مرمر کے حسین و جمیل مجسموں پر دل کھول کر پیسہ بہایا گیا تھا۔

آخر کار ڈون ایک بڑے سے چوبی دروازے کو دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔ اس دروازے میں غالباً الیکٹرانک قفل نصب تھا جو ڈون کی کسی شناخت کے ذریعے حرکت میں آتا تھا۔

اسے کمرا کہا جا سکتا تھا نہ دالان۔ وہ ایک بہت طویل و عریض کمرا تھا جس میں ہر طرف نرم اور دبیز قالین بکھرے ہوئے تھے۔ سامنے کے حصے میں متعدد دروازے نظر آرہے تھے جن پر ہلکے رنگ کے حریری پردے لہرا رہے تھے۔ ایک طرف شیشے کی ٹرالی پر بیش قیمت شرابیں' گلاس' بلور کے جام اور آئس پاٹ رکھے ہوئے تھے۔ دوسری بند ٹرالی میں سے مختلف اقسام کے بھنے ہوئے گوشت کی اشتہا انگیز خوشبوئیں پھوٹ رہی تھیں۔ کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ دروازے سے کچھ دور' فرش سے تقریباً ایک فٹ بلند ایک تخت یا گدا تھا جو تقریباً بیس فٹ کے قطر پر محیط تھا۔ اس اونچے گدّے پر ریشم کی جھالروں والے ایرانی قالین پر نگاہ نہیں ٹھہر رہی تھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ قالین اس گدّے کے لیے بنایا گیا تھا یا پھر قالین کے لیے خاص طور پر وہ گول گدا بنایا گیا تھا۔

اپنے اس عشرت کدے میں پہنچتے ہی ڈون نے شاید چینی زبان میں کسی کو طلب کیا۔ فوراً ہی سامنے والے حریری پردوں میں سے ایک میں جنبش ہوئی اور ایک نازک اندام اور کمسن دوشیزہ تقریباً دوڑتی ہوئی ڈون کے گول اور نرم بستر کے قریب آکھڑی ہوئی۔ اس وقت تک ڈون جوتوں سمیت' نرم گدّے پر گر چکا تھا۔ میں حیران و پریشان اس گول بستر کے کنارے پر کھڑا ہوا تھا۔

میرے لیے وہ عشرت کدہ ہی حیران کن تھا لیکن ڈون کے پکارنے پر جو نوخیز لڑکی نمودار ہوئی' اس نے میرے ہوش و حواس کو منتشر کر کے رکھ دیا۔ وہ کم سن اور خوبرو تھی۔ اس کی جلد کا زہد شکن تناؤ اس کی عمر کا دہاڑتا ہوا پیانہ تھا۔ وہ برہنہ نہیں تھی لیکن اس نے اپنی ستر پوشی کے لیے جو نرم اور چکیلا لباس استعمال کیا تھا وہ برہنگی سے کہیں زیادہ مختصر اور اشتعال آور تھا۔

ڈون نے چند چھوٹے چھوٹے فقروں میں اسے کوئی ہدایت دی اور وہ فوراً ہی حریری پردوں والے کمروں کی طرف چلی گئی۔ ڈون میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "جوتے اتار دو۔ اب تم بھی میرے ساتھ بیٹھو گے۔"

میں ابھی جوتوں کے بند کھولنے بھی نہ پایا تھا کہ اچانک چھ عدد حسین و جمیل' کم سن' نازک اندام' خوبرو اور خوش ادا لڑکیاں تکنیکی اعتبار سے ستر پوش لیکن دوسرے ہر اعتبار سے بے لباسی کے عالم میں دوڑتی ہوئی آئیں اور بے محابا ڈون جیسے تند خو شخص کے بستر پر چڑھ کر اس کے گرد پھیل گئیں۔ ان کے وہاں پہنچتے ہی کسی خفیہ نظام کے تحت ایک وزنی جال سا اُن پر آگرا۔ سیمیں بدن لڑکیاں اس واردات کے لیے پہلے سے تیار تھیں۔ انہوں نے جال کو اپنے ہاتھوں پر سنبھالا اور پھر لمحہ بھر میں' اوپر سے گرنے والا جال' کپڑے کے ایک مخروطی خیمے کی صورت میں ڈون کی مسند کے چاروں طرف پھیلا دیا گیا۔ اس مخروطی خیمے کا اوپری' نکیلا حصہ بدستور چھت کے ساتھ منسلک تھا۔

خیمے کا کپڑا اتنا دبیز تھا کہ اُس کی دوسری طرف دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ میں اس خیمے سے باہر رہ گیا تھا۔ اندر کیا ہو رہا تھا اس کے بارے میں صرف قیاس ہی کیا جا سکتا تھا۔ میں سر جھٹک کر اپنے

دوسرے جوتے کے بند کھولنے میں مصروف ہو گیا۔

ڈون اپنے اس شاندار اور پُرتعیش بستر پر جوتوں سمیت دراز ہو گیا تھا لیکن اس نے مجھے جوتے اتار کر اپنے ساتھ بیٹھنے کی دعوت دی تھی۔ دونوں جوتے اتارنے کے بعد میں مخمصے میں پڑ گیا کہ خیمے میں گھسوں یا باہر ہی رک کر ڈون کے اگلے حکم کا انتظار کروں۔ اس دوران میں خیمے میں سے لڑکیوں کی کھنکتی ہوئی بے ساختہ ہنسی بھی سنائی دے رہی تھی جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بظاہر تند خو اور سخت گیر نظر آنے والا ڈون' خوبصورت چلبلی لڑکیوں میں گھر کر خوش مزاجی کے مظاہرے پر اتر آیا تھا۔

ڈون کی دہشت انگیز شہرت اور وان لن کی لاش کے ساتھ اس کا وحشیانہ سلوک دیکھنے کے بعد' وہ تبدیلی میرے لیے شدید ذہنی جھٹکے سے کم نہیں تھی۔ چند منٹ بعد میرے ذہن نے سنبھالا لیا تو میں اپنے احمقانہ خیال پر دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

بادیُ النظر میں' اس کمرے میں ڈون اور اس کی چھ خادماؤں کے علاوہ صرف میں ہی باہر کا آدمی تھا۔ ڈون کو مجھ سے پردہ نہ کرنا ہوتا تو اس خوش باش ٹولی پر وہ دبیز مخروطی پردہ پھیلانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ مجھے جوتے اتار کر اندر گھسنے کے بجائے باہر ہی ٹھہرنا چاہیے تھا۔ وہ بالکل سامنے کی بات تھی لیکن ڈون کی پہلودار شخصیت کے رعب نے مجھے اس پر بھی سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

میں اندر سے آنے والوں پر سے اپنی توجہ ہٹانے اور وقت گزارنے کے لیے اس عشرت کدے کا تفصیلی جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔

میں نے عیاش اور فراخ دل رؤسا کے خلوت کدوں کے بارے میں بہت کچھ سنا اور پڑھا ہوا تھا لیکن ڈون کا وہ کمرا ان سب سے بہت آگے تھا۔ وہاں بہت سی چیزیں میرے لیے اجنبی تھیں لیکن چھت میں نصب خوبصورت روشنیوں وغیرہ کے درمیان میں ہر سمت میں حرکت کرنے والے نگراں کیمروں کی موجودگی میرے لیے تعجب خیز تھی۔ ان مووی کیمروں کے ذریعے اس کمرے کی صورت حال کو کہیں مانیٹر کیا جا سکتا تھا اور ساتھ ہی ویڈیو فلم بھی بنائی جا سکتی تھی۔

آخر کار میں سرسراہٹ کی آواز پر پلٹا تو وزنی پردہ سمٹ کر تیزی سے چھت کی طرف' ایک سنہرے آرائشی بکس میں غائب ہو رہا تھا۔ ڈون اکھاڑے کے کسی بدمست پہلوان کی طرح گاؤ تکیوں کے سہارے اپنی مسند پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر سے ٹی شرٹ اور پتلون غائب ہو چکی تھی اس کی جگہ کرتے اور تہمد سے ملتا جلتا' ایک ڈھیلا ڈھالا اور سفید لباس لے چکا تھا جس کی وجہ سے ڈون کا تن و توش مزید نمایاں ہو گیا تھا۔

لڑکیاں پردہ اوپر سرکنے تک اس مسند پر موجود رہیں۔ اُن کی کوشش تھی کہ اوپر جاتے ہوئے پردے کا کوئی بھی کنارا ڈون کے بدن سے نہ لگنے پائے۔

پردہ غائب ہوتے ہی تمام لڑکیاں ڈون کی طرف گھوم کر خمیدہ ہوئیں۔ اس وقت وہ مسند کسی اوپیرا کا منظر پیش کر رہی تھی جہاں پروگرام ختم ہونے کے بعد رقاص اداکار تماشائیوں کی داد کا جواب دے رہے ہوں۔ لمحہ بھر بعد ہی وہ لڑکیاں ڈون کی مسند سے اتر کر کمرے میں پھیل گئیں۔ بظاہر یوں معلوم ہوا جیسے وہ سارا ناٹک صرف ڈون کے کپڑے تبدیل کرانے کے لیے رچایا گیا تھا۔

اگر ڈون واقعی اس قدر کاہل تھا کہ خلوت میں جا کر خود اپنا لباس بھی تبدیل نہیں کرتا تھا تو یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ ویرا کی فرمائش پر اس نے ہانگ کانگ تک دوڑ لگا کر کس قدر غیر معمولی دلچسپی کا ثبوت دیا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں ویرا پر بہت بڑا احسان کرنا چاہا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے اسے اپنے آدمیوں کی خود غرضی کا خمیازہ بھگتنا پڑا اور جب وہ اس مرحلے سے بھی گزرنے میں کامیاب ہو گیا تو غزالہ نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر کے اسے پولیس کی نظروں میں مشکوک بنا دیا۔

پاکستان میں بیٹھ کر ڈون کوانگ فو کی عادات و خصائل اور طرز زندگی کا تصور کرنا بھی ناممکن تھا۔ وہ اپنی تذلیل اور توہین پر مشتعل تھا تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔

اسی پیمانے پر' میرے دیے ہوئے ہیروں کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا کیوں کہ ان کی خبر پاتے ہی ڈون جیسا کاہل الوجود شخص فوراً حویلی چھوڑ کر بنکو کلب کی طرف دوڑ پڑا تھا۔ غزالہ نے اس کی پہلی بھاگ دوڑ کو قہر و غصے میں تبدیل کر دیا تھا لیکن یہ غنیمت تھا کہ میں نے اس کی دوسری پیش رفت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے دل میں اپنا ایک مقام پیدا کر لیا تھا جسے صرف مردود نیشی کا وَہی تباہ کر سکتا تھا۔

"آؤ! میرے پاس آ جاؤ!" ڈون نے کسی جاہ طلب شہنشاہ کی طرح نرم گدے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "میں اُس لباس میں ہمیشہ بے آرام رہتا ہوں لیکن باہر نکلنے کے لیے کچھ نہ کچھ تکلف کرنا ہی پڑتا ہے۔ مکاؤ میں پتلون نہ پہننے والے چینیوں کو غیر ملکی حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔"

مجھے حیرت ہوئی کہ ڈون جیسے آدمی کو بھی غیر ملکیوں کی رائے کی فکر رہتی تھی۔

ڈون کی مسند کی نرمی عجیب سی تھی۔ محض لیٹ یا بیٹھ کر اُس مسند کی وسعت کو طے کرنا ممکن نہیں تھا اس لیے جب میں نے اس پر چلنا شروع کیا تو نہ میرے قدم بہت زیادہ دھنسے اور نہ ہی اس پر پڑا ہوا بیش قیمت قالین شکن آلود ہوا۔ قدم اٹھتے ہی قالین ہموار اور مسطح ہو جاتا تھا لیکن جب میں ڈون کے قریب بیٹھا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں دھنکی ہوئی روئی کے ڈھیر پر جا بیٹھا ہوں۔

"میں تمہارا محل دیکھ کر دنگ رہ گیا ہوں۔" درحقیقت میری وہ بات بالکل درست تھی لیکن اس وقت میری نیت ڈون کی انا کو

ابھارنے کی تھی۔ "یہاں کی کسی چیز پر نگاہ نہیں ٹھہرتی۔"

"یہ میرا شوق ہے۔ یہاں لیونارڈو ڈاونچی اور مائیکل اینجلو سے لے کر پابلو پکاسو تک کے شاہکار بھرے ہوئے ہیں۔ قانونی طور پر آرٹ کے جو نادر شاہکار میری تحویل میں ہیں ان کی مالیت ساٹھ لاکھ ڈالر سے زیادہ ہے۔ چھوٹی موٹی چیزوں کی تو کوئی گنتی ہی نہیں ہے۔"

میں نے قدرے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا اور انجان بن کر پوچھا۔ "تو کیا تمہارے پاس غیر قانونی ذخائر بھی موجود ہیں؟"

ڈون نے گھن گرج کے ساتھ ایک قہقہہ لگایا۔ "ہالینڈ کے ان قدیم شاہی ہیروں کو ہی لے لو' جو تم لے کر آئے ہو۔ انھیں تم کیا کھو گے؟ ان پر میرا کوئی قانونی حق نہیں بنتا لیکن میں اپنی پسند کی چیزیں حاصل کرنا جانتا ہوں۔ میرے جن دوستوں کو میرے جنون کا علم ہے وہ چرائے ہوئے نوادرات مجھے تحفے میں دیتے رہتے ہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ اُن کے بارے میں مجھ سے سوال کر سکے۔"

اسی لمحے شراب اور بھُنے ہوئے گوشت کی ٹرالیاں ڈون کے قریب آ گئیں۔ ایک لڑکی نے ہاتھی دانت کے کام والی ایک بڑی سی چوبی ٹرے ڈون کے قریب رکھی پھر دونوں ٹرالیوں میں سے ضرورت کا چیدہ چیدہ سامان اس چوبی ٹرے میں منتقل ہونے لگا۔

بھاپ اُڑاتے ہوئے گوشت کے ٹکڑوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس ٹرالی میں چیزوں کو گرم رکھنے کا کوئی لاسلکی اور خود کار نظام نصب تھا۔

"ابھی بھی کچھ چیزوں پر میری نظر ہے۔" ڈون نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ تمہارے ٹیکسلا کے عجائب گھر میں بدھ کا ڈھائی ہزار سال پرانا' ایک مجسمہ بہت قیمتی ہے۔ کانسی کا وہ مجسمہ میں منہ مانگے داموں پر خرید سکتا ہوں۔ دوسرا تائپے کے نیشنل میوزیم پیلس میں شانگ دور کا ساڑھے تین ہزار سالہ پرانا خوبصورت ٹی سیٹ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے دوست جلد یا بدیر یہ دونوں شاہکار مجھ تک پہنچا دیں گے۔ پرانی چیزوں کو پا کر میں خود کو بہت عظیم محسوس کرتا ہوں۔"

وہ خود ستائی کا شکار ہو کر بہک رہا تھا۔ اس لیے اس کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی میں نے گوشت کے گول ٹکڑوں کو دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔ "یہ کس چیز کے پارچے ہیں' ڈون؟"

اس نے چونک کر ادھر دیکھا اور میری چال بازی کو سمجھے بغیر بولا۔ "تھائی لینڈ سے آگے کے لوگ اس کی لذت اور قوت سے ناآشنا ہیں۔ یہ اژدہے کے لذیذ سیخ کباب ہیں۔ میرا باورچی خاص مسالوں سے ان میں نشہ پیدا کر دیتا ہے' کھا کر دیکھو!"

"اژدہے کے کباب؟" میں نے اپنی کراہیت کو حیرت میں چھپاتے ہوئے دُہرایا۔

"ہاں! یہ ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتے۔ چھوٹے موٹے سانپوں کے پارچوں میں ہڈیوں کے جال پر برائے نام گوشت ہوتا ہے۔ وہ ہر جگہ ملتے ہیں لیکن اژدہے کی بات ہی کچھ اور ہے۔ ہڈیوں پر خستہ اور لذیذ گوشت کی موٹی تہیں ہوتی ہیں۔"

"ان کا زہر کوئی اثر نہیں کرتا؟" میں نے ذہن میں ابھرنے والا سوال من و عن دُہرا دیا۔

"یہ سب وہم ہے۔ اوّل تو سارے سانپ زہریلے نہیں ہوتے۔ جو ہوتے ہیں' ان کا زہر کچلیوں میں ہوتا ہے۔ انھیں کاٹنے سے پہلے ان کے زہریلے دانت نکال لیے جاتے ہیں۔ تم کھا کر دیکھو۔ سانپوں کی نسل کا مزہ منہ کو لگ گیا تو تم ہر چیز بھول جاؤ گے۔"

وہ تقریر بھی طویل ہونے لگی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں خود پر لعنت بھیجی کہ میں نے وہ ذکر کیوں چھیڑا؟ بظاہر آثار کچھ ایسے تھے کہ ڈون مجھے اژدہے کے سیخ کباب کھلانے پر تُل گیا تھا اور پھر اس نے اپنی گرگٹوں جیسی انگلیوں میں تھام کر ایک گرم گرم ٹکڑا میری طرف بڑھا دیا۔

میرے لیے وہ ڈون کا حکم تھا چنانچہ انکار یا فرار کی کوئی راہ نہیں تھی۔ وہ میرے انکار پر برہم بھی ہو سکتا تھا۔ میں نے بے چارگی سے اُس کی طرف دیکھا اور روہانسی آواز میں کہا۔ "مجھے مجبور نہ کرو' ڈون! میرے مذہب میں سانپ کھانا حرام ہے....."

ڈون کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ "اور شراب حلال ہے؟" اس نے تیزی سے پوچھا۔

"سانپ' سؤر اور شراب کے علاوہ میں سب کچھ کھا پی سکتا ہوں؟" میں نے رحم طلب آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس وقت میرا دل حلق میں دھڑک رہا تھا۔

میرا جواب سن کر ڈون کا چہرا اتر گیا اور وہ مضمحل لہجے میں بولا۔ "میں سمجھ گیا۔ تم ذرا پکے قسم کے مسلمان معلوم ہوتے ہو۔ ورنہ میں مکاؤ میں آنے والے کئی ایسے مسلمان راہبوں سے واقف ہوں جو سؤر کے علاوہ کسی چیز سے پرہیز نہیں کرتے۔ تمہارے ساتھ محفل بالکل ہی بے لطف اور پھیکی رہے گی۔"

لڑکیاں ڈون کی خدمت کے لیے اس کے آس پاس ہی منڈلا رہی تھی۔ بقیہ چار' نجانے کہاں سے طنبورے اور سارنگیاں نکال لائی تھیں اور ایک طرف یوں سج کر بیٹھ رہی تھیں جیسے گانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ ڈون نے جوں ہی روسی واڈکا سے لبریز گلاس اپنے پتلے پتلے ہونٹوں سے لگایا' ان سازوں سے کچھ دلدوز آوازیں بلند ہوئیں۔ چند لمحوں تک ساز ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے ماحول قدرے خوشگوار رہا لیکن جوں ہی ان کے سُر ملے' فضا ایک بیک ماتمی اور بوجھل بوجھل سی محسوس ہونے لگی۔ کمال کی بات یہ تھی کہ وہ بدمزگی اور کوفت پیدا کرنے کے لیے ان چاروں لڑکیوں کو دل و جان سے محنت کر کے گانا پڑ رہا تھا۔

وہ میرے تاثرات تھے لیکن ڈون کو انگ نو' ساز و آواز کی اُس چیں چاں اور دردناک ہچکیوں پر جھومتے ہوئے اپنی تکّی سی اور

لٹکی ہوئی مونچھ کو مروڑ رہا تھا۔ میرے لیے اطمینان کی بات یہ تھی کہ اس نالۂ مرگ کا آغاز ہوتے ہی ڈون' نوادرات اور سانپ کے سیخ کبابوں کو بھول گیا تھا۔ اس کے قریب منڈلاتی ہوئی دو میں سے ایک لڑکی خاموشی سے مسند پر چڑھی پھر اس نے نرمی کے ساتھ ڈون کے سر کے نیچے سے گاؤ تکیہ نکال کر وہاں زانو بچھا لیا۔

میرے لیے وہ منظر اس قدر ہوش رُبا تھا کہ میں نے جھرجھری لے کر اپنی نگاہیں دوسری طرف پھیرلیں لیکن ڈون جیسے عادی مجرم پر اس لڑکی کے وجود کا بظاہر کوئی اثر نظر نہیں آیا حالانکہ وہ لڑکی اپنے وجود کے عیوب و محاسن کے بارے میں کچھ منافقت کی قائل نہیں تھی۔ اس کے ظاہر اور باطن میں بس چند دھجیوں کا فرق تھا۔ وہ دھجیاں بھی اس قدر بے دلی یا اہتمام سے چسپاں کی گئی تھیں کہ دیکھنے والے کے لیے وہی مقامِ غور و فکر بن کر رہ گئی تھیں' لیکن ڈون' اپنے سرہانے براجمان اس زندہ شعر کو بھول کر سازوں کی ریں ریں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ باری باری داہنی اور بائیں مونچھ کو مروڑنے میں مصروف تھا۔

وہ غالباً ڈون کی معمول کی مصروفیات تھیں۔ انہیں ترک کر کے بنگو کلب جانا' اس کا ایک بڑا کارنامہ تھا جسے سرانجام دینے کے بعد وہ دوبارہ ان ہی رنگینیوں میں ڈوب جانا چاہتا تھا۔ اس نے جس تیز رفتاری سے اپنی واڈکا پینی شروع کی' اس کی بنا پر مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ وہ جلد ہی ہوش و حواس سے بیگانہ ہو جائے گا اور غزالہ کا معاملہ اگلے دن کے لیے ٹل جائے گا۔

"تمہیں یہ نغمہ پسند آ رہا ہے۔" ڈون نے نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"افسوس کہ میں چینی زبان نہیں سمجھتا لیکن موسیقی میری روح میں اتری جا رہی ہے۔" یہ دیگر بات تھی کہ میری روح اس نغمے سے سیراب ہونے کے بجائے چھلنی ہوئی جا رہی تھی۔

"سامنے والے پردوں کے پیچھے ہر وقت تیس چالیس نوخیز لڑکیاں تیار رہتی ہیں۔ اُن میں سے بیشتر گانے اور ناچ کی ماہر ہیں تم آج کی رات برسوں نہ بھلا سکو گے۔"

"یقیناً!" میں نے پورے خلوص سے اقرار کرتے ہوئے فوراً ہی مطلب کی بات چھیڑ دی۔ "لیکن ڈون اگر غزالہ بھی آ جائے تو بہتر رہے گا۔ تم نے مجھے اپنی ایک خواب گاہ عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔"

"اوہ!" ڈون اتنی تیزی سے سیدھا ہو کر بیٹھا کہ میں بوکھلا گیا۔ "اچھا ہوا تم نے یاد دلا دیا۔ میں تو اُسے بھول ہی گیا تھا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "آج میں اُسے تمہاری نظر سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اُس میں کیا خاص بات ہے کہ تم اُس کے علاوہ کسی اور لڑکی کے بارے میں سوچنے پر آمادہ نہیں ہو۔"

میں نے محسوس کیا کہ ڈون کی رنگیلی لڑکیاں سلیقہ مند اور اپنے آقا کی ضروریات کو پہچاننے والی تھیں۔ ڈون کے اٹھتے ہی سُروں کے ساتھ آوازیں بھی مدّھم ہو چکی تھیں۔

"اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔" میں نے ڈون کو تجسس سے دور رکھنے کے لیے جلدی سے کہا اور پھر نہایت ڈھٹائی کے ساتھ دوبارہ مذہب کی آڑ لے لی۔ "دراصل میرے مذہب میں غیر عورت بھی سؤر اور شراب ہی کی طرح حرام ہے۔"

"تم خاصے نادر الوجود مسلمان معلوم ہوتے ہو؟" ڈون خفیف سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میرے تجربے کے مطابق خوبصورت لڑکیاں' مسلمانوں کی مرغوب ترین غذا ہیں۔ تم لوگوں کو چار پانچ شادیوں کی اجازت ہے۔ کنیزیں بھی پال سکتے ہو لیکن جن لوگوں کی جیب اجازت دیتی ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر' ہر سبز چارے پر منہ مارنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔"

"یہ انفرادی مزاج کی بات ہے۔" میں نے ڈون کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "اجازت چار شادیوں پر ختم ہو جاتی ہے لیکن اس کے لیے بھی کڑی شرائط ہیں....."

"تم کتنی شادیاں کر چکے ہو؟" ڈون نے میری بات کاٹ کر چُبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ایک بھی نہیں!" میں نے بے ساختہ اس حقیقت کا اعتراف کر لیا۔

ڈون ہو ہو کر کے بھدّے انداز میں ہنسنے لگا۔ اس نے دوسرے گلاس سے برف کو گھلاتی ہوئی واڈکا کا پہلا گھونٹ لیا اور بولا۔ "جب ہی اس پر مرمٹے ہو۔ جب تک شیر کے منہ کو آدمی کا خون نہ لگے' وہ انسان کے سائے سے بھی ڈرتا اور دور بھاگتا ہے لیکن پہلے خون کا مزہ لگنے کے بعد وہ آدم خور بن جاتا ہے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر آدمیوں کو مارنے لگتا ہے۔ تم اس لڑکی سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

"ارادہ یہی ہے۔" میں نے ڈون کے اصل عزائم کو سمجھے بغیر' سادگی سے کہا۔

"بس تو پھر یہ ٹھیک رہے گا۔" ڈون نے جوشیلے انداز میں گدّے پر ہاتھ مار کر کہا اور میں چونک کر اس کا منہ تکنے لگا۔ لیکن وہ میرے بجائے ایک لڑکی سے مخاطب ہو کر اُسے چینی زبان میں ہدایات دینے لگا۔ ڈون کے خاموش ہوتے ہی وہ لڑکی تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی حریری پردوں والے کمروں کے طرف بڑھ گئی۔

میں کل ہی کینٹن سے کسی مسلمان پوپ کو پکڑ کر بلوا لوں گا۔" ایک مرتبہ پھر اپنے لب تر کرنے کے بعد ڈون نے کہا۔ "پرسوں یہاں تم دونوں کی شادی کرا دی جائے گی۔"

ڈون کے اس فیصلے پر میں بھونچکا رہ گیا۔ "لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہمارے....." میں نے ڈون سے بھرپور احتجاج کرنا چاہا لیکن اس نے ترشی سے میری بات کاٹ دی۔

"یہ میرا فیصلہ ہے۔" وہ داہنا ہاتھ اٹھا کر فیصلہ کن مگر ترش لہجے میں بولا۔ "وہ لڑکی یہاں سے جائے گی تو تمہاری بیوی بن

کر جائے گی ورنہ اسی چار دیواری میں بوڑھی ہو کر مر جائے گی۔"
میں سناٹے میں آگیا۔ ڈون کا فرمان سن کر میرا حلق خشک ہونے لگا۔
"یہ شادی ایسی یادگار ہو گی کہ تم دونوں ساری زندگی رشک کرو گے۔ روئے زمین پر کسی نے ایسی شاندار اور بھرپور شادی نہیں دیکھی ہو گی۔ پرسوں میرا بچپن کا لنگوٹیا دوست، نیشی کاؤ یہاں آرہا ہے۔ ہم تیس برس بعد ایک دوسرے سے ملیں گے۔ اس کے آنے کی خوشی میں، اس حویلی میں بہت بڑا جشن ہو گا اور اسی میں تم دونوں کی شادی ہو گی۔ تم دیکھنا میرے مہمان کتنی فراخ دلی کے ساتھ تمہیں شادی کے تحفے دیں گے۔ مکاؤ، چین، ہانگ کانگ اور تائیوان کے چیدہ چیدہ لوگ میری دعوتوں میں بلائے جاتے ہیں۔ جو لوگ کسی مجبوری کی وجہ سے خود نہیں آتے وہ اپنے ہم منصب دوستوں، عزیزوں یا رشتہ داروں کو بھیج دیتے ہیں۔ تمہیں فخر کرنا چاہیے کہ میں تمہاری شادی کا میزبان بن رہا ہوں۔ مکاؤ میں تو لوگ ڈون کی دعوتوں کے عام سا مہمان بن کر بھی برسوں غرور سے اکڑتے پھرتے ہیں۔" ڈون مجھے وہی سب بتا رہا تھا جو میں گولڈن ڈریگن نامی فیری کے کپتان، ریو چیانگ سے سن چکا تھا۔
ڈون اپنی دانست میں میری اور غزالہ کی عزت افزائی کر رہا تھا لیکن اس کے عزائم سن کر میرا خون خشک ہوا جا رہا تھا۔ میں نیشی کاؤ کے نازل ہونے سے پہلے مکاؤ سے نکل بھاگنے کی تیاریاں کرنا چاہ رہا تھا لیکن ضدی ڈون نے بے خبری میں سب فریقوں کو برسرِعام ایک دوسرے کے سامنے کھڑا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس منصوبے میں ڈون کو انگ فو کا کوئی نقصان تھا، نہ ڈان نیشی کاؤ کا۔ سارا گھاٹا میرا تھا۔
"مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے اتنی عزت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ بس صرف اتنی سی بات ہے کہ ہمارے دوست اور رشتے دار اس یادگار تقریب میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔"
"دوست اور رشتے دار کہیں نہیں جاتے۔" ڈون نے سختی اور بے اعتنائی کے ساتھ کہا۔ "انہیں بتانے کی ضرورت ہی نہیں کہ تم دونوں مکاؤ میں شادی کر چکے ہو۔ اپنے وطن پہنچ کر دوبارہ شادی کر لینا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس ترکیب سے تم دونوں کے مذہبی رشتے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔"
"کسی کو نہ بتایا تو پھر مکاؤ میں شادی ہونے کا کیا لطف رہے گا۔ آدمی بہت کم ظرف مخلوق ہے۔ جب تک اپنی بڑائی کے قصے دوسروں کو نہ سنائے اسے سچی خوشی نہیں ملتی۔ اس کی مثال مور کی سی ہے جو جنگل میں حسن و ادا کے ساتھ ناچتا ہے لیکن اپنے اردگرد کسی قدردان کو نہ پا کر، تھکان سے اداس ہو جاتا ہے۔" میں نے منطقی انداز میں بہت نرمی کے ساتھ ڈون کو سمجھانے کی کوشش کی۔
"تم مور نہیں، انسان ہو۔" ڈون نے میری بات اچکتے ہوئے کہا۔ "پھر مرد بہت ظالم شے ہے۔ وہ اپنی محبوباؤں کے قصے تو بہت شوق کے ساتھ اپنے دوستوں کو سناتا ہے لیکن بیوی کی ذات سے ملنے والی خوشیوں کی ہوا بھی کسی کو نہیں لگنے دیتا۔ خوشی، فخر اور اعتماد کا یہ رشتہ صرف ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے جس میں وہ کسی کو بھی اپنا حصے دار نہیں بناتے۔ مکاؤ میں شادی کا معاملہ بھی اسی ضمن میں آئے گا۔"
"میں تمہارے حکم کی تعمیل سے انکار کی جرات نہیں کر سکتا۔" میں نے بحث سے گریز کرتے ہوئے کہا۔
"میرے دل میں تمہاری بہت قدر ہے۔" ڈون نے اژدہے کے ایک گرم گرم پارچے کو دانتوں سے ادھیڑنے کے بعد کہا۔ "میں تم پر اپنا فیصلہ مسلط نہیں کر رہا۔ اس سے شادی کر لینا تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔"
"میں تم سے متفق ہوں۔" میں نے اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے آہستگی سے کہا کیوں کہ اس وقت میں ڈون سے اختلاف ظاہر کر کے، اس کو برہم کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔
میں ایسے رخ سے بیٹھا ہوا تھا کہ میری نظریں حریری پردوں والے کمروں کی طرف تھیں۔ اسی لمحے اچانک ہی ایک کمرے میں سے غزالہ کا سحر آفریں وجود نمودار ہوتا ہوا نظر آیا اور میرے تنفس کی رفتار یک بیک تیز ہو گئی، دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا اور خوشی کے احساس نے مجھے بے خود سا کر دیا۔
میری دانست میں غزالہ پچھلے کافی دنوں سے قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہی تھی۔ پہلے دیرا نے اسے بھارتی قونصلیٹ کے شری مان سنگھ کے حوالے کیا۔ شری مان نے اسے نامعلوم ذرائع سے سرحد پار روانہ کر دیا جہاں غزالہ کو نئی دہلی میں قید رکھا گیا پھر دیرا نے شری مان سنگھ سے سودے بازی کی تو غزالہ کو مس ترپاٹھی کے نام سے ہانگ کانگ بھیج دیا گیا لیکن مجھے اس لمحہ پورا یقین نہیں تھا کہ واقعی غزالہ ہی ڈون کی تحویل میں تھی۔ میری اس بے یقینی کا ذمے دار شری مان سنگھ تھا۔ میری مداخلت پر اس نے کہا تھا کہ غزالہ نئی دہلی کے ایسے حکام کی تحویل میں تھی جو اس کا اثر قبول نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اس نے دباؤ میں آکر غزالہ کے بجائے لکھنؤ کی کسی شکنتلا دیوی کو ہانگ کانگ روانہ کر دیا تھا۔
لیکن اسپیشل ٹاسک فورس کے ہاتھوں اس کا پول کھل چکا تھا اور میرے سامنے غزالہ بنفس نفیس موجود تھی۔
سب سے بڑی بات یہ تھی کہ دور ہی سے اس کا چہرہ تر و تازہ نظر آرہا تھا۔ اس کے بشرے پر کسی بھی قسم کے خوف یا تردد کا سایہ تک نہیں تھا۔ ہاں، یہ ضرور تھا کہ اس کے بدن پر قمیص شلوار کے بجائے بلاؤز اور جینز نظر آرہی تھی۔ وہ کافی دنوں سے اپنے گھر سے دور تھی اس لیے اپنے صاف ستھرے لباس کے لیے وہ ان ہی لوگوں کی مرضی کی پابند تھی جنہوں نے اسے زبردستی کا مہمان بنایا ہوا تھا۔

غزالہ کے پہلو پر، ڈون کی وہی نیم برہنہ خادمہ تھی جو اس کی ہدایت پر چند منٹ پہلے گئی تھی۔ ان دونوں کے عقب میں سلطان شاہ سر جھکائے چلا آرہا تھا۔

ان دونوں کو دیکھتے ہی مجھے اپنی توانائیاں بحال ہونے کا احساس ہوا پھر جب غزالہ نے مجھے دیکھا تو اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ چہرے پر سرخی کی لہر دوڑ گئی اور اس کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو گئیں۔ شاید وہ سوچ بھی نہیں سکی ہو گی کہ میں اس قدر دوستانہ ماحول میں ڈون کے ساتھ نظر آؤں گا۔

چند ثانیوں کے لیے غزالہ چلتے چلتے اپنی جگہ پر ٹھٹک کر رہ گئی پھر وہ تیزی سے چلتی ہوئی آگے بڑھی اور ڈون کی مسند کے قریب آ کر رک گئی۔ اس اثنا میں سلطان شاہ بھی مجھے دیکھ چکا تھا اور بھونچکا نظر آرہا تھا۔

"گڈ!" ڈون نے اپنی انگلیوں میں دبے ہوئے اژدہے کے پارچے کی ہڈیوں کا جال خالی پلیٹ میں ڈال کر، غزالہ کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری محبوبہ واقعی حسین اور دلکش ہے۔ پہلے میں نے اسے غصے کی حالت میں دیکھا تھا تو یہ مجھے ذرا بھی متاثر نہیں کر سکی تھی۔ اس کی آنکھیں بہت حسین ہیں، شاید اس نے مصنوعی پلکیں لگائی ہوئی ہیں۔"

اپنے دو حمایتیوں کو سامنے پا کر میری قوت کے ساتھ ہی حاضر جوابی بھی بحال ہو چکی تھی۔ میں نے برجستہ کہا۔ "کمال یہی ہے کہ اس کی ہر چیز اصلی ہے۔ چاہو تو پلکوں کو چھو کر دیکھ لو۔"

ڈون ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ ہنسا اور بولا۔ "میں صرف پلکوں یا زلفوں پر قناعت کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ یہ تمہاری ہونے والی بیوی ہے، تم کو مبارک ہو۔ میں بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ واقعی خوبصورت ہے۔ تم چاہو تو اٹھ کر اسے اپنی باہوں میں لے سکتے ہو۔"

"اجازت ہو تو ہم بیٹھ جائیں؟" میرے بولنے سے پہلے ہی غزالہ نے ڈون سے اجازت طلب کی۔

"ضرور، ضرور!" ڈون غزالہ کے استفسار پر بوکھلا گیا۔ "نہ صرف بیٹھو، بلکہ چاہو تو اژدہے کے یہ لذیذ سیخ کباب بھی کھاؤ۔ انہیں حرام سمجھتی ہو تو ٹرالی میں تلی ہوئی چھپکلیوں کے ساتھ ہی ہرن اور بکرے کے پارچے بھی ہیں۔ میرا باورچی فرنچ ہے اور بہترین کھانے تیار کرنے میں کمال رکھتا ہے۔"

غزالہ مسند کے ایک کنارے پر ٹک گئی اور بولی۔ "میں رات کا کھانا کھا چکی ہوں اس لیے اب کچھ نہیں کھا سکوں گی۔ تمہاری اس پیش کش کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ میں ایک بار پھر معذرت کرنی ضروری سمجھتی ہوں کہ میرے خوف کی وجہ سے تمہیں ہانگ کانگ میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔"

ڈون نے واڈکا اپنے حلق میں انڈیلی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ہانگ کانگ میں تم نے مجھے واقعی ذلیل کرایا تھا لیکن تمہارے ڈینی نے ایک ایسا کام کیا ہے کہ تم نے میرے آدمیوں کے وہاں خون بھی کیے ہوتے تو میں کھڑے گھاٹ تمہیں معاف کر دیتا۔"

"اس فراخ دلی پر میں تمہاری شکر گزار ہوں۔" غزالہ نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ "کیا میں توقع کروں کہ اب تم مجھے اپنی قید سے رہا کر دو گے؟"

ڈون زور سے ہنسا اور بولا۔ "رہائی تمہارے مقدر میں نہیں ہے۔ میری قید سے رہا ہو گی تو ڈینی کی قید میں بندھ جاؤ گی۔ پرسوں اسی حویلی میں تم دونوں کی شادی ہو گی....."

"یاہو!" سلطان شاہ نے اضطراری طور پر بلند آہنگ نعرہ لگا کر ڈون کو خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے؟" ڈون نے اسے گھورتے ہوئے بدمزگی سے پوچھا۔

"میں معافی چاہتا ہوں، ڈون!" سلطان شاہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "غزالہ اور ڈینی کی شادی کی خبر ایسی تھی کہ میں اپنی زبان اور جذبات پر قابو نہیں رکھ سکا۔"

"دراصل یہ خوشی کا نعرۂ مستانہ تھا۔" میں نے فوری طور پر سلطان شاہ کی صفائی میں کہا۔

"تو کیا تم ان دونوں کی شادی کے فیصلے سے خوش ہو؟" ڈون نے براہِ راست سلطان شاہ سے سوال کیا۔

"یہ میری خوشی کی انتہا ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "اگر ان دونوں میں سے کوئی اس شادی پر رضامند نہ ہو تو میں تم سے درخواست کروں گا کہ اسے باندھ کر چھت سے الٹا لٹکا دو۔"

ڈون نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"یہ میرا جگری دوست ہے۔" میں نے اسے بتایا۔ "اگر یہ اتنی انتہا پسندی پر آمادہ ہے تو میں کوئی عذر نہیں کر سکتا۔ ویسے بھی تم مجھے پہلے ہی پابند کر چکے ہو۔ اب یہ شادی کوئی نہیں روک سکے گا۔"

"میں عاشق اور معشوق کے درمیان رکاوٹ نہیں بننا چاہتا۔" ڈون نے روسی شراب کا گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میرے لیے میری قمریاں کافی ہیں۔ تم چاہو تو اپنی خواب گاہ میں جا سکتے ہو۔"

"تمہارا باغ بہت خوبصورت ہے۔ اگر ہم چاہیں تو وہاں ٹہل سکتے ہیں؟" غزالہ کے غیر متوقع سوال نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

"اب تم قیدی نہیں، میری مہمان ہو۔" ڈونگ نے ترنگ میں کہا۔ "جہاں دل چاہے، جا سکتی ہو۔ شہر گھومنا چاہو تو فلکو تمہیں ساری رات گھماتا رہے گا۔ بس جوا کھیلنے سے ذرا پرہیز کرنا۔"

"تو کیا مجھے بھی جانے کی اجازت ہے؟" میں نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"تم شراب پیتے ہو، نہ سانپ کھاتے ہو پھر یہاں بیٹھ کر کیا کرو

کے؟ جاؤ اور اپنی محبوبہ کے ساتھ پرسوں کی تیاری کرو۔ تمہاری ضرورت کی ہر چیز میں مہیا کروں گا۔"

"شکریہ ڈون' میں زندگی بھر تمہارا احسان نہیں بھولوں گا۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم نے واقعی میری ہر مشکل آسان کر دی ہے۔ اس دور میں کون کسی کا اتنا خیال کرتا ہے؟"

"اٹھو نہیں' یہیں بیٹھ جاؤ!" ڈون نے میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ غزالہ اور سلطان شاہ سے مخاطب ہو گیا۔ "تم دونوں بھی بیچ میں آجاؤ' میں تمہیں تمہارے کمروں میں پہنچا دوں۔"

میری تقلید میں وہ دونوں جوتے اتارنے لگے۔ اسی اثنا میں ڈون نے چینی زبان میں کچھ کہا اور اس کی دو خادمائیں فوراً ہی اچھل کر ڈون کی مسند پر سوار ہو گئیں۔

غزالہ اور سلطان شاہ کے چڑھتے ہی' وہ دیو ہیکل مسند یا بستر آہستگی کے ساتھ نیچے کی طرف حرکت کرنے لگا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہم سب کسی روشن کنوئیں میں اترتے جا رہے ہوں۔

"تم لوگوں کی خواب گاہیں اسی حویلی کی زیرِ زمین منزل پر ہوں گی۔" ڈون ہمیں بتانے لگا۔ "وہاں مکینوں کے علاوہ پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ تم لوگ باغ میں چہل قدمی کرنا چاہو تو عقبی زینے استعمال کر سکتے ہو۔ وہ براہِ راست آموں کے باغ میں نکلتے ہیں۔"

"میں دس بار مر کر بھی تمہاری ان عنایتوں کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔" میں نے کہا۔

"یہ میری کوئی عنایت نہیں۔ بس یہ یاد رکھنا کہ تمہاری ساری آزادیاں اس حویلی کی حدود میں ہیں۔ تم نے فکو دا کو ساتھ لیے بغیر حویلی سے باہر نکلنا چاہا تو بری طرح مارے جاؤ گے۔ اس کے بعد تمہیں زندہ ہونے اور مجھ سے معذرت کرنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ میرے مسلح محافظ جان دے دیتے ہیں لیکن میرے احکام کی خلاف ورزی نہیں ہونے دیتے۔ وہ آسیبوں کی طرح اس حویلی کے چپے چپے پر موجود اور نگراں رہتے ہیں۔"

اچانک وہ دیو ہیکل مسند ایک خفیف سے جھٹکے سے رک گئی۔ ڈون کی ایک خادمہ نے پھرتی سے میرا بازو تھام لیا اور دوسری اسی سرعت کے ساتھ سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

مسند کے ایک رخ پر بڑا سا روشن دروازہ نظر آ رہا تھا۔ ڈون نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس طرف تمہاری خواب گاہیں ہیں۔ تم تینوں آرام کرو۔ اب کل صبح ملاقات ہو گی۔ شب بخیر!"

ہم تینوں نے جھک کر' مقامی انداز میں ڈون کا شکریہ ادا کیا اور اس کنوئیں سے نکاسی کے روشن راستہ کی طرف بڑھ گئے۔ ڈون کی دونوں خادمائیں ہمارے ساتھ تھیں۔

میرے لیے وہ تجربہ انتہائی حیران کن تھا۔ ڈون کی حویلی میں روایتی آرام و آسائش کے ساتھ ہی جدید ترین سہولتوں کی بھی فراوانی معلوم ہوتی تھی۔ مسند کو نچلی منزل تک لے جانے کے لیے' کسی نے کوئی سوئچ وغیرہ نہیں ہلایا تھا۔ شاید اس کے لیے ڈون یا اس کی کسی خادمہ نے کوئی ریموٹ کنٹرول استعمال کیا تھا۔

مسند کے ساتھ کسی بھی قسم کے آہنی رستے وغیرہ منسلک نہیں تھے۔ اس لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا فرش کا وہ حصہ کسی طاقتور جیک پر نصب تھا۔ ایسے جیک یا لفٹ وغیرہ کی معمولی اقسام' کاروں کی سروس کے وقت' انہیں اوپر اٹھا کر دھونے میں عام طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

ہم پانچوں کے باہر نکلتے ہی ڈون کی مسند کوئی آواز پیدا کیے بغیر اوپر اٹھتی چلی گئی اور وہ راستہ غائب ہو گیا۔

نکاسی کے راستے سے آگے ایک کشادہ راہداری تھی جو ڈون کی حویلی کی دیگر رہائشوں کے مقابلہ میں تنگ نظر آتی تھی۔ اس راہداری میں دونوں طرف ایک ایک دروازہ تھا۔ ہمیں لانے والی لڑکیوں نے بیک وقت وہ دونوں دروازے کھول دیے۔ میں گرمجوشی کے ساتھ غزالہ کا ہاتھ تھام کر ایک دروازے میں داخل ہو گیا۔

"ہر طرف پیسے کی فراوانی نظر آ رہی ہے۔" سلطان شاہ نے اس حسین خواب گاہ میں قدم رکھتے ہی' خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "کم درجے کی کوئی چیز دیکھنے میں نہیں آ رہی۔"

ہمیں لانے والی ایک لڑکی نے بڑھ کر خواب گاہ کا عقبی دروازہ کھول کر چینی زبان میں کچھ بولنا شروع کر دیا۔ اس کی بات ہم میں سے کسی کی سمجھ میں نہیں آئی لیکن آگے جانے سے معلوم ہوا کہ اس دروازے سے باہر ایک عمودی سرنگ تھی جس میں لوہے کا گردشی زینہ اوپر جا رہا تھا۔ دوسری خواب گاہ میں بھی ویسا ہی بندوبست تھا۔

اپنی دانست میں ہمیں سب کچھ سمجھانے کے بعد وہ دونوں لڑکیاں اسی زینے سے اوپر چلی گئیں۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں تمہیں آزاد اور خوش و خرم دیکھ رہا ہوں۔" میں نے غزالہ کو اپنی نگاہوں میں سموتے ہوئے کہا اور وہ ٹہلتی ہوئی بستر پر جا بیٹھی۔ اسے ڈر رہا ہو گا کہ میں جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی پیش دستی نہ کر بیٹھوں۔

"تم یہاں کب آئے اور ڈون تک رسائی کیسے حاصل کر لی؟" سلطان شاہ نے مسکراتے ہوئے سوال کیا "وہ بہت زیادہ برہم تھا۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس نے ہمیں مروانے کا فیصلہ نہیں کیا۔ اس کا سامنا ہوتے ہی میرے فرشتے کوچ کر گئے تھے۔"

غزالہ نے مسکراتے ہوئے' اپنے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھ کر ہمیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر ایک گوشہ میں تپائی پر پڑے ہوئے پیڈ پر کچھ لکھنے لگی۔

ہم دونوں ہی اس کے سر پر پہنچ گئے "ڈون کی حویلی کا ہر حصہ بگ کیا ہوا ہے۔ یہاں بات کرنے میں احتیاط سے کام لو بلکہ باہر ہی نکل چلو تو بہتر رہے گا۔" اس نے لکھا اور میں اس کی دانش مندی کا

قائل ہوگیا۔
غزالہ سے میری ملاقات کافی عرصہ بعد ہوئی تھی اس لیے ہم تینوں کچھ دیر تک وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں ہم کسی نازک پہلو پر بات کرنے سے گریز کرتے رہے۔ ہر موضوع ڈون کے مزاج کے گرد گھوم رہا تھا۔ سلطان شاہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈون کی بہت زیادہ تعریف کی کہ اس نے آخر کار مجھے اور غزالہ کو شادی کے رشتے میں باندھنے کا بندوبست کر ہی لیا تھا۔ اس کے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں کس مشکل صورتِ حال سے دوچار ہوگیا تھا۔

غزالہ نے ڈون کے سامنے باغ میں ٹہلنے کی بات کی تو میں بری طرح چونکا تھا لیکن غزالہ کی تحریر پڑھنے کے بعد معاملہ پوری طرح میری سمجھ میں آگیا تھا اس لیے میرے اشارے پر غزالہ نے ڈون کے باغات کی تعریف کرتے ہوئے وہاں چلنے کے لیے کہا اور ہم تینوں اس خواب گاہ سے نکل گئے۔

چکر دار زینے کا اختتام سات فٹ اونچی اور اتنی ہی چوڑی سُرنگ پر ہوا۔ دوسری خواب گاہ کا زینہ بھی ایک سرے پر اسی سرنگ سے ملا ہوا تھا۔ دوسری جانب اس سرنگ کی لمبائی دو ڈھائی سو فٹ سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ اختتام پر سیاہ رنگ کا بند چوبی دروازہ تھا۔ دروازہ کے تین بولٹ گرا کر ہم نے دروازہ کھولا تو خود کو درختوں کے ایک گنجان کنج میں پایا جو سُرنگ میں سے آنے والی روشنی میں منور ہوگیا تھا۔ پٹ بند کرتے ہی وہاں گھور اندھیرا پھیل گیا البتہ کنج سے باہر' باغ میں روشنی پھیلی ہوئی تھی جس کی مدد سے ہم کنج سے نکل آئے اور خود کو حویلی کے عقب میں پایا۔

ڈون کی ان زیرِ زمین خواب گاہوں کا محلِ وقوع بہت پُراسرار سا تھا۔ وہاں سے نکاسی کے لیے سُرنگوں والا راستہ تھا اگر اسے باہر سے مقفل کردیا جاتا تو ڈون کی اجازت کے بغیر کوئی باہر نہیں آسکتا تھا۔ دوسرا راستہ جو مسند کے اوپر اٹھتے ہی خود بخود غائب ہوگیا تھا' وہ اس کنوئیں کے رخ پر تھا جس میں ڈون کی وسیع و عریض مسند چلتی تھی۔ اگر کوئی خود کار دروازہ توڑ کر کنوئیں تک رسائی حاصل کر بھی لیتا تو اس کے لیے باہر نکلنا ناممکنات میں سے تھا کیونکہ اس کا دہانہ ہر وقت مسند سے بند رہتا تھا۔

بادی النظر میں وہ زیرِ زمین خواب گاہیں' ڈون کی عیاشی کا محفوظ ٹھکانا معلوم ہوتی تھیں جہاں مکاؤ کی نام نہاد شریف زادیاں' ڈون سے اپنے حسن و جمال کا خراج وصول کرنے کے لیے' سُرنگ کے راستے آتی تھیں۔ ان کی دلجوئی کے لیے' ڈون اپنی مسند کے ساتھ نیچے آتا ہوگا اور چند قدم چل کر' ان کے پہلو میں ڈھیر ہوجاتا ہوگا۔

"ویرا بہت مکار اور ناقابلِ اعتماد ثابت ہوئی۔" کھلی فضا میں آتے ہی' غزالہ کے دل کا غبار الفاظ کی صورت میں ڈھل گیا "نئی دہلی میں' میں نے بہت برا وقت گزارا ہے۔ وہ مجھ سے تمہارے اور اسپیشل ٹاسک فورس کے بارے میں باز پُرس کرتے رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پاکستان کی سرزمین پر اپنے متعدد آدمی گنوا چکے ہیں۔ وہ ان کے بارے میں بھی پریشان ہیں۔ اس فہرست میں ملا سرکار اور کرنل مہیش پال کے علاوہ دوسرے نام میرے لیے اجنبی تھے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ وہ کسی بھی اعتبار سے نارمل نہیں ہے۔ اس پر جنون اور غصے کے دورے پڑتے ہیں تو وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتی ہے۔ نارمل ہونے کے بعد وہ خود اپنی حرکتوں پر پچھتاتی ہے۔ دیوانگی کے ایسے ہی دورے میں اس نے تمہیں بھارتی قونصلیٹ پہنچادیا تھا۔ آئندہ اس پر اعتماد کرنے کی غلطی نہ کرنا......"

"لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ نئی دہلی سے مجھے اچانک ہانگ کانگ کیسے روانہ کردیا گیا؟ اس مرحلے پر انڈین سیکرٹ سروس کے اعلیٰ افسران میری سخت جانی سے عاجز آکر تھرڈ ڈگری آزمانے کا ارادہ کررہے تھے۔"

"مزے کی بات یہ ہے کہ یہ بھی ویرا ہی کا کمال تھا۔" سلطان شاہ تلخ لہجے میں بولا "تمہیں اسی کی کوششوں سے آزادی ملی ہے اور یہ ڈون' اس کا منہ بولا باپ ہونے کے ساتھ شی کا آئی مین بھی ہے۔"

"اس نے تمہاری رہائی کے لیے بہت بڑا کام کیا ہے۔ اسی کے ساتھ اس نے ایران سے آنے والی ایٹمی سازو سامان کی ایک بھاری کھیپ کو تباہ کرنے کے.... امریکی منصوبے کو بھی خاک میں ملادیا۔ مجھے خوشی ہے کہ ہم نے اس جیسی مجرم اور تخریب کار عورت سے بھی اپنی مرضی کے اہم کام لیے ہیں۔"

کچھ دیر تک ہم غزالہ کے کٹھن تجربات اور ویرا کے سیماب صفت کردار پر گفتگو کرتے رہے پھر غزالہ نے چونکتے ہوئے سوال کیا "ہاں' ڈون شادی کے بارے میں کیا بکواس کررہا تھا؟"

"تو' اب تم بھی شادی کو بکواس قرار دے رہی ہو!" سلطان شاہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر کراہا۔

"ڈون کے سامنے یہ خیال رکھنا کہ میں حرام چیزوں سے مکمل اجتناب کرتا ہوں' جن میں شراب بھی شامل ہے۔" میں نے فوری خیال کے تحت ان دونوں کو آگاہ کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "وہ مجھے دوسری لڑکیوں کی پیشکش کررہا تھا پھر بات مذہب اور حرام حلال کی طرف مڑگئی اب وہ شادی کے بغیر تم کو میرے ساتھ نہیں جانے دے گا۔"

"کبھی نہ کبھی تو شادی ہونی ہی ہے۔ لیکن مکاؤ میں ڈون جیسے بدمعاش کے زیرِ سایہ شادی کی کیا تُک ہے؟ اس نے تمہیں پھانس لیا ہے تو میں صاف انکار کردوں گی۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا۔" میں نے جلدی سے کہا "تم اس کی غصہ ور طبیعت سے اچھی طرح واقف ہوچکی ہو۔ وہ ضد میں آگیا تو تم اسی حویلی میں بوڑھی ہوجاؤ گی۔"

"تو کیا تم اس مضحکہ خیز مذاق کے لیے تیار ہو؟" غزالہ نے تنگ کر پوچھا۔
"میرا بس چلے تو میں ابھی یہاں سے بھاگ جاؤں۔ پرسوں مافیا کا ڈان' نیشی کاؤ یہاں آ رہا ہے۔ یہ شادی اسی کی موجودگی میں' ایک بہت بڑے جشن میں ہوگی۔ یہ ڈون کی طرف سے میرے لیے انعام ہوگا۔"
ان دونوں کے لیے وہ باتیں ناقابلِ فہم تھیں۔ میں اختصار کے ساتھ انہیں پورے حالات سے آگاہ کرتا چلا گیا اور ان کے چہروں پر بھی فکر کے سائے پھیلتے چلے گئے۔
"تم نے وہ ہیرے ڈون کو دے کر بہت بڑی حماقت کی ہے۔" میری کہانی ختم ہونے پر سلطان شاہ نے متاسفانہ انداز میں سر جھٹکتے ہوئے کہا "ہیرے گول کر کے تم اسے بڑی رقم کی پیشکش بھی کر سکتے تھے۔"
"اس کی حویلی میں رہنے کے بعد تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ ڈون کے لیے پیسہ بے وقعت ہے۔ ہیروں کی وجہ سے اس نے مجھے فوری طور پر اپنا دوست بنا لیا ورنہ وہ ویرا کے علاوہ کسی اور سے بات کرنے کا روادار نہیں تھا۔ پھر بعد کے واقعات نے بھی ثابت کر دیا کہ میرا فیصلہ درست تھا۔ وان لن ایک گھنٹے سے بھی کم مدت میں میرا کھوج نکال کر' بنگو کلب پہنچ گیا تھا۔ اگر میں اس وقت ڈون کی پناہ میں آیا ہوا نہ ہوتا تو وان لن کو مار کر اتنی آسانی سے نکلنا ممکن نہ ہوتا۔ وان لن کے قتل کی خبر پھیلتے ہی ڈون کے شکاری کتے میری تلاش میں پھیل جاتے اور مجھ پر ہیروں کی چوری کا الزام آ جاتا۔ میں نے فوری پر ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ہیرے ہر حال میں ڈون ہی کے قبضے میں جائیں گے۔ اس لیے میں اپنی طرف سے نادر ہیروں کا تحفہ دے کر کیوں نہ اسے اپنے احسان سے زیرِ بار کر دوں۔ یہ دیگر بات ہے کہ میری اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ڈون کی مہربانیاں میرے لیے عذاب بنتی نظر آ رہی ہیں۔ ہمیں مل کر اس صورتِ حال کا کوئی توڑ تلاش کرنا ہوگا۔"
"سوال یہ ہے کہ ڈان نیشی کاؤ کب مکاؤ پہنچنے والا ہے؟" غزالہ معاملے کی سنگینی کو پوری طرح سمجھ گئی تھی۔
"تقریب کے دوران ہی ڈون کا ہیلی کاپٹر اسے لے کر آئے گا اور وہ آتے ہی مجھے اسٹیج پر دیکھ کر بدک جائے گا۔"
"ہم سہرے سے تمہارا چہرہ چھپا دیں گے۔" سلطان شاہ دور کی کوڑی لایا "ڈون کو بتا دیا جائے گا کہ ایسا کرنا ہماری اہم رسوم میں شامل ہے۔ وہ ہر بات میں اپنی مرضی مسلط نہیں کرے گا۔"
"نہیں' یہ بات وہیں ختم نہیں ہوگی۔ نیشی کاؤ' ڈینی کے معاملے میں ڈون کو ثالث بنانے کا ارادہ لے کر آ رہا ہے تاکہ وہ جمی لائیڈ کو اپنے اثر و رسوخ سے قائل کر سکے۔ ان دونوں میں مذاکرات کا آغاز ہونے پر کوئی بھی بات پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔" غزالہ نے سلطان شاہ کو سمجھاتے ہوئے کہا "اس خطرے کا واحد اور بہترین حل یہ ہے کہ نیشی کاؤ کی آمد سے پہلے' ہم تینوں کسی طرح یہاں سے نکل جائیں ورنہ بے موت مارے جائیں گے۔"
"اگر مجھے یہاں سے نکلنے کا بندوبست ہو جائے تو میں ہانگ کانگ جا کر نیشی کاؤ کو ختم کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔ وہ ہیلی کاپٹر میں سوار ہونے سے پہلے مارا جائے تو یہ کہانی اُسی کے ساتھ دفن ہو جائے گی۔" سلطان شاہ نے کہا۔
ہم بہت دیر تک درختوں کے سائے میں اور گھاس کے سرسبز قطعات پر ٹہلتے رہے۔ ڈون کے باغ میں روشنی کے لیے کئی کھمبے نصب تھے لیکن اس وقت اِکا دُکا بلب ہی روشن تھے جن کی وجہ سے دھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اپنے مسئلے پر دماغ لڑاتے ہوئے ہم نے اس سرنگ کا سراغ لگانے کی کوشش کی جو ڈون کی زیرِ زمین خواب گاہوں کو اس باغ سے ملاتی تھی لیکن سطحِ زمین پر اس کی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔ البتہ اس کے دہانے کے عقب میں پھولوں سے لدا ہوا ایک اونچا اور وسیع ٹیلہ موجود تھا جو بادی النظر میں باغ کی منصوبہ بندی کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا لیکن درحقیقت وہ ٹیلہ سرنگ کے بالائے زمیں حصے کو چھپائے ہوئے تھا۔
اس دوران میں مجھے غزالہ کی پوری کہانی کا علم ہو چکا تھا جس کی روشنی میں سرحد پار بیٹھے ہوئے منصوبہ سازوں کے تخریبی ذہنوں کو پڑھنا آسان تھا لیکن وہ سب بعد کی باتیں تھیں۔ ہمارے لیے اہم ترین اور فوری مسئلہ اس حسین زندان سے فرار کا تھا جہاں میری اور غزالہ کی شادی کا کھیل رچانے کا نادر شاہی فرمان جاری کیا جا چکا تھا۔
ہم لوگ اپنی رہائی کے مختلف امکانات پر غور کرتے اور خود ہی انہیں مسترد کرتے رہے۔
پھر اچانک ہی ایک نرم اور مترنم آواز سن کر ہم تینوں بری طرح چونک پڑے۔ چینی لب و لہجے میں کسی عورت نے مجھے ڈینی کے نام سے پکارا تھا۔ وہ آواز شوائے کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی تھی۔
ہمارے پلٹتے ہی وہ درختوں کے نیم تاریک کنج سے باہر آ گئی۔ وہ ایک عام سی' پستہ قد اور زرد رُو چینی عورت تھی جس نے سنہرے فریم والی عینک لگائی ہوئی تھی۔
"ہیلو! میرا نام شوائے ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے چینی تلفظ میں انگریزی میں کہا "میں طویل انتظار سے اکتا کر باہر آئی ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں ڈون کا باغ بہت پسند آیا ہے۔"
"تمہیں ہماری کیا ضرورت پیش آ گئی؟" میں نے اس کی طرف بڑھ کر بے تکلفی سے پوچھا۔
"ڈون کی حویلی میں انگریزی بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ میں تمہیں بتانے آئی تھی کہ اپنی خورد و نوش کی اور دیگر ضروریات کے لیے تمہیں کیا کرنا ہوگا......"
"ڈون کے لیے گانے بجانے والی لڑکیاں بھی انگریزی سے

نابلد ہیں؟" غزالہ نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔
وہ طنز شوائے کے سر پر سے گزر گیا "میرے اور ڈون کے علاوہ صرف ایک ایرانی مددگار انگریزی جانتا ہے۔"
"ایرانی؟" میں نے حیرت سے پوچھا "کیا نام ہے اُس کا؟"
"چوسین" شوائے نے سنجیدگی سے کہا اور میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔ میں فارسی داں نہیں تھا لیکن اتنا ضرور سمجھ سکتا تھا کہ ایران میں چوسین وغیرہ کی قسم کے نام نہیں ہوسکتے۔
"انگریزی میں تم یہ نام کس طرح لکھوگی۔۔؟" میں نے اصل نام کریدنے کی نیت سے پوچھا۔
"ایچ یو ڈبل ایس اے آئی این" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔
"چوسین۔ یہ کیوں پوچھا تم نے؟"
"چوسین نہیں' اسے حسین پڑھا جاتا ہے' بی بی شوائے!" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔
وہ ہنس پڑی "اوہ' یاد آیا۔ وہ بھی شروع میں یہی اصرار کرتا تھا۔ لیکن ہمارے حساب سے اسے چوسین ہی پڑھا جاتا ہے۔ اب وہ خود بھی برا نہیں مانتا۔ ہنس مکھ اور ملنسار آدمی ہے۔ تمہاری اس سے ضرور ملاقات ہوگی۔"
وہ ہمیں باتوں میں لگا کر سرنگ کے بیرونی دہانے کی طرف لے چلی۔ چاروں کے اندر داخل ہونے کے بعد جب وہ چوبی دروازے کے بولٹ لگارہی تھی تو معاً مجھے خیال آیا کہ باہر جاتے وقت' ہمیں وہ دروازہ اندر سے بولٹ ملا تھا جب کہ اس سے قبل ڈون کی دونوں خادمائیں بھی چکردار زینوں سے ہی گئی تھیں۔ اگر انہوں نے باغ میں کھلنے والا راستہ استعمال کیا ہوتا تو وہ ہمیں بولٹ نہ ملتا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس سُرنگ میں بھی کوئی خفیہ راستہ موجود تھا۔
"اس سرنگ سے نکاسی کا دوسرا راستہ کہاں ہے؟" میں نے شوائے کے ساتھ چلتے ہوئے سرسری لہجے میں پوچھا اور وہ چونک کر مجھے گھورنے لگی۔
"تمہیں اس راستے کا علم کیسے ہوا؟" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔
"چونکنے یا بھڑکنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے پچکار کر کہا "ہم سے پہلے دو لڑکیاں بھی ادھر آئی تھیں۔ باغ والا دروازہ ہم نے خود کھولا تھا۔ اگر وہ دونوں ہوا میں تحلیل نہیں ہوئیں تو اس سرنگ سے نکاسی کا کوئی اور راستہ بھی ضرور رہا ہوگا جو ہمارے علم میں نہیں ہے۔"
"تم بات سے بات ملانے میں ماہر معلوم ہوتے ہو۔" وہ میرے جواب سے مطمئن ہوتے ہوئے بولی "ڈون کے خاص ملازمین ہی ان پوشیدہ راستوں سے واقف ہیں۔ تمہیں اس بارے میں متجسس ہونے کی ضرورت نہیں۔"
"تم ملازموں کی بات کررہی ہو لیکن میں نے ابھی تک یہاں کسی ملازم کو نہیں دیکھا۔" غزالہ نے قدم بڑھا کر شوائے کے قریب آتے ہوئے کہا "لیکن میں نے تو یہاں صرف ملازمائیں ہی دیکھی ہیں۔"
"ایک ہی بات ہے۔" شوائے کا جواب ترش تھا "تمہیں شکر گزار ہونا چاہیے کہ ڈون نے تمہیں اپنے ملازمین کے حوالے نہیں کیا۔ عورتوں کے حق میں وہ خاصے ناشائستہ ثابت ہوتے ہیں۔"
بات خطرناک رخ اختیار کررہی تھی۔ میں نے فوراً دخل اندازی کرکے موضوع تبدیل کردیا۔ ان ہی اضطراری کوششوں میں' مَیں نے شوائے کے تعاون کا شکریہ ادا کرنا چاہا تو اس نے بوکھلا کر میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ میری بے وقت کی راگنی پر اس کی آنکھوں میں خوف اُمڈ آیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ میں نے تفہیمی انداز میں اپنا سرہلایا اور ہم خاموشی کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔
خواب گاہ میں پہنچتے ہی شوائے نے بالکل وہی حرکت کی جو غزالہ نے کی تھی۔ غزالہ اپنا لکھا ہوا ورق تلف کرچکی تھی اس لیے شوائے نے اوپر والے سادہ ورق پر جلدی جلدی کچھ لکھا اور وہ پرچا میری طرف بڑھادیا۔
"میں نے تم سے تاکیداً کہا تھا کہ میری ہمدردی یا حمایت کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان پر نہ لانا کیونکہ مکاؤ میں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں لیکن تم وہی ذکر لے بیٹھے۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تم میرے حق میں کانٹے بونے چاہ رہے ہو؟" پرچے کی تحریر کے ساتھ ہی شوائے کی آنکھوں میں التجا تھی۔
"میں معذرت خواہ ہوں۔" میں نے جواب لکھا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تنہائی میں بات کرنی بھی خطرناک ہوسکتی ہے۔ تم بے فکر رہو' آئندہ میں محتاط رہوں گا۔"
شوائے نے ہم تینوں کو کمرے میں موجود انٹرکام اور اس سے منسلک نمبروں کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

○☆○

ڈون بہت خودسر اور مشتعل مزاج آدمی تھا' اس لیے اس کی چھت کے نیچے محدود آزادیاں حاصل ہونے کے باوجود ہم میں سے کوئی بھی اپنی جگہ مطمئن نہیں تھا۔ ہر شخص کے دل میں اپنی سلامتی کے بارے میں ان جانا خوف جاگزیں تھا اور ذہن مسلسل اس لرزہ خیز صورتِ حال سے بچاؤ کی فکر میں الجھے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے ہم نے ڈون کی حویلی میں اپنی پہلی رات ایک ہی خواب گاہ میں بسر کی۔ وہ ڈون کی پُرتکلف حویلی کی خواب گاہ تھی' اس لیے وہاں بستر کے علاوہ ایک کشادہ دیوان اور دو نرم صوفے بھی موجود تھے۔
وہ زیرِزمین خواب گاہیں کسی مرکزی نظام کے تحت مکمل طور پر ائرکنڈیشنڈ تھیں۔ اس لیے وہاں تازہ ہوا کی کمی کا کوئی احساس نہیں تھا لیکن قدرتی روشنی کا گزر نہ ہونے کی وجہ سے وہاں دن اور

رات کا احساس مفقود تھا۔ میں اپنی رسٹ واچ کے مطابق صبح چھ بجے بیدار ہو گیا لیکن اس خیال سے صوفے پر پڑا رہا کہ میری نقل و حرکت کی وجہ سے ان دونوں کی نیند خراب نہ ہو۔ دھیمی سبز روشنی میں کافی دیر تک پہلو بدلنے کے بعد جب دوبارہ نیند نہ آئی تو میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگا لی۔ نیم اندھیرے میں لائٹر کا شعلہ لپکتے ہی غزالہ بول پڑی۔

"تم جاگ رہے ہو؟" اس کی تحیّر آمیز آواز میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"میں تو کافی دیر سے جاگ رہا ہوں۔ تمہاری نیند خراب ہونے کے خیال سے بلب روشن نہیں کیے تھے۔" میں صوفے پر اٹھ کر سیدھا بیٹھ گیا۔

"میں کافی دیر سے یہ تماشا دیکھ رہا ہوں کہ تم دونوں اپنی اپنی جگہوں پر کروٹیں بدل رہے ہو۔" دیوان کی طرف سے سلطان شاہ کی آواز ابھری "میں منتظر تھا کہ تم دونوں ہجر سے بے تاب ہو کر کب ایک دوسرے کا رخ کرتے ہو۔ شاید میری موجودگی تمہارے لیے کباب میں ہڈی بنی ہوئی ہے۔"

"بے ہودگی کی ضرورت نہیں!" غزالہ کو اس تبصرے پر غصہ آگیا "اس قدر ذہنی تناؤ میں' میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سو سکی اور تم کو مذاق سوجھ رہا ہے۔" اس کے ساتھ غزالہ نے بیڈ سوئچ دبا کر ایک فانوس روشن کر دیا۔

"ذہنی تناؤ غیر ضروری ہے' ڈارلنگ!" میں نے غزالہ کے تبصرے کو سنبھالتے ہوئے کہا "اب تم ڈون کی قیدی نہیں' بلکہ مہمان ہو' ہمیں یہاں ہر طرح کا آرام حاصل ہے......"

غزالہ سمجھ گئی کہ میں گفتگو سن لیے جانے کے امکان سے خائف تھا۔ اس نے بستر چھوڑتے ہوئے خوب صورتی سے بات بنا دی "اپنی جگہ کی اور بات ہوتی ہے۔ ہر رات ٹھکانا بدلنے سے چین نہیں ملتا۔"

ان خواب گاہوں کے غسل خانے ہزاروں خواب گاہوں سے زیادہ منور' کشادہ اور مزین تھے۔ جھلملاتی ہوئی سنہری فٹنگز کے ساتھ دیواریں آئینوں سے آراستہ تھیں' باتھ روم میں بھاپ کے ساتھ میں دیر تک باتھ ٹب میں پڑا رہا۔ کافی دیر بعد میں نہا دھو کر باہر نکلا تو پُر تکلف ناشتا میرا منتظر تھا۔

غزالہ اور سلطان شاہ' پیڈ اور بال پین سنبھالے' تحریری مذاکرات میں مصروف تھے۔

"ناشتے کی ٹرے بھی چکردار زینے سے لائی گئی ہے۔" غزالہ نے نوٹ لکھا "اس کا مطلب ہے کہ مسند والے کنوئیں کا راستہ صرف ڈون کے استعمال میں رہتا ہے۔"

"راستوں کی فکر چھوڑ دو۔ ہم ڈون کے آدمیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یہاں سے فرار نہیں ہو سکتے۔" میں نے اپنا جواب لکھا اور سلطان شاہ کو آنکھ مارتے ہوئے بولا "گرم گرم ناشتا آگیا ہے تو انتظار کیوں کر رہے ہو؟ شروع ہو جاؤ۔ پھر ذرا باہر گھومنے نکلیں گے۔"

"میں جب آنکھیں بند کرتی تھی' ڈون کی محفل کا تصوّر مجھے چونکا دیتا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈون جیسا فیاض آدمی ان لڑکیوں کو کپڑے دینے میں کنجوسی کیوں کرتا ہے؟ چینی عورت کا تصور تو ریشم' زربفت اور کمخواب میں لپٹی لپٹائی گڑیوں کا ہے۔ کپڑے اتار کر وہ اپنی انفرادیت کھو بیٹھتی ہیں۔" غزالہ بولی۔

میں نے اسے گھورا۔ اس نے سر ہلا کر آنکھ سے اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ وہ دیدہ و دانستہ اس متنازعہ موضوع پر بات کرنا چاہ رہی تھی۔ اس کا انداز ناقدانہ تھا اس لیے مجھ پر ڈون کا دفاع لازم ہو گیا تھا۔

"مکاؤ چین میں نہیں ہے۔ اس پرتگیزی نو آبادی کا چلن چینیوں سے مختلف ہے اور اب تو چین میں بھی لڑکیاں جینز اور ہاٹ پینٹ پہننے لگی ہیں۔ اس میں ڈون کی کنجوسی سے زیادہ' لڑکیوں کی پسند کا دخل ہے۔"

ناشتے کے ساتھ باتیں ہوتی رہیں پھر غزالہ اچانک ہی ہالینڈ سے چرائے گئے نادر ہیروں کا ذکر لے بیٹھی "تم ڈون کے خیر خواہ ہو۔ اس کی خوشنودی بھی حاصل کرنی چاہتے تھے لیکن تم نے ساتوں ہیرے ڈون کو دے کر اچھا نہیں کیا۔ دو تین ہیرے میرے بھی کام آسکتے تھے۔"

میں پھر بری طرح چونکا مگر غزالہ کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"قسمت نے ساتھ دیا تو میں تمہیں دوسرے ہیروں سے لاد دوں گا۔ ان شاہی نوادرات پر ڈون ہی کا حق تھا۔"

"دوسرے ہیرے دوسرے ہی کہلائیں گے۔ ان ساتوں ہیروں کی ایک تاریخ ہوگی۔ وہ ہالینڈ کی شہزادیوں اور ملکاؤں کی زینت بنے ہوں گے۔ دوسرے ہیرے پہننے سے فخر اور خوشی کا وہ احساس پیدا ہی نہیں ہو سکتا جو تاریخی نوادرات کے ذاتی استعمال سے ہوتا ہے۔" غزالہ بات کرتے ہوئے' بدستور معنی خیز انداز میں مسکرائے جا رہی تھی۔

"قدیم ہیروں کے ساتھ اکثر المناک تاریخ وابستہ ہوتی ہے بعض ہیرے تو مستند طور پر منحوس قرار دیے گئے ہیں کہ ان کے ہر مالک کو دردناک اور غیر طبعی موت کا شکار ہونا پڑا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے وہ ساتوں منحوس ہیرے ڈون کے سر منڈھ دیے ہیں؟"

"غزالہ!" میں نے بے بسی کے ساتھ اسے گھورا "کچھ خدا کا خوف کرو۔ تم میری نیک نیتی پر شبہ کر رہی ہو۔ ان ساتوں ہیروں کے بارے میں میری جملہ معلومات صفر کے برابر ہیں۔ ڈون کو تمہاری اس زہر فشانی کی بھنک بھی مل گئی تو وہ مجھ سے بدظن ہو جائے گا۔ تم میرے ساتھ خود کو بھی مشکلات میں ڈال لو گی۔"

"ڈون کا رعب ایک آسیب کی طرح تمہارے دل و دماغ پر سوار ہے۔ میں خود بھی اسے قابلِ احترام سمجھتی ہوں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم تنہائی میں بھی کھل کر بات نہیں کر سکتے۔"
غزالہ نے برا مان جانے والے انداز میں مجھ سے شکایت کی۔
"احترام منہ دیکھے نہیں کیا جاتا۔ اصل احترام پس پشت ہی کیا جاتا ہے۔ رُوبرو کی جانے والی ہر احتیاط صرف اور صرف خوف کا نتیجہ ہوتی ہے۔ میں ڈون سے خوف زدہ نہیں لیکن اس کی پُرشکوہ شخصیت سے مرعوب ضرور ہوں۔"
وہ گفتگو بھی ایک نرم و نازک موڑ لے کر ختم ہو گئی۔ پھر ہم تینوں باہر جانے کے لیے تیاریاں کرنے لگے۔
عین اسی وقت جب ہم روانگی کے لیے تیار تھے تو انٹرکام کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف ڈون بذاتِ خود موجود تھا اور خاصے خوشگوار موڈ میں تھا۔
"تم لوگ ناشتے سے فارغ ہو گئے ہو تو اوپر ہی آجاؤ!" چند بزرگانہ اور رسمی فقروں کے بعد اس نے کہا۔
"لیکن ہم اوپر آنے کے راستے سے ناواقف ہیں۔" میں نے نرمی سے کہا "ہم سرنگ کے ذریعے تمہاری حویلی کے عقبی باغ میں پہنچ سکتے ہیں۔ ہمیں وہاں سے بلوا لو۔"
ڈون کی ہنسی کی گونج سے میرے کان جھنجنا اٹھے' پھر وہ بولا "تم اسی جگہ ٹھہرو۔ شوائے یا چوسین میں سے کوئی تمہیں لینے آتا ہے۔ ان کمروں میں پڑے پڑے تم اُکتا جاؤ گے۔"
میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے انٹرکام کا رابطہ منقطع کر دیا۔
میری خواہش تھی کہ اس موقع پر ہمارا چوسین سے تعارف ہو جاتا لیکن ایک بار پھر مس شوائے ہی ہمارے پلّے پڑ گئی۔ اس نے اپنے چہرے کو جاذبِ نظر بنانے کے لیے خاصے جتن کیے ہوئے تھے لیکن مجھے اس کا زرد چہرہ متورم نظر آ رہا تھا۔ وہ ہمیں لے کر عقبی زینے کی طرف بڑھی تو میں نے اسے ٹوک دیا کہ باغ تک پہنچنے کے لیے ہمیں اس کی رہنمائی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میری بات پر پہلے وہ مسکرائی پھر مڑ کر بولی "تم باغ میں نہیں' بلکہ براہِ راست حویلی میں جاؤ گے۔"
"اس کا مطلب ہے کہ وہ راستہ ہمارے لیے خفیہ نہیں رہے گا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"دیکھتے جاؤ" اس نے اختصار کے ساتھ کہا "تم بہت خوش نصیب ہو کہ ڈون تم پر مہربان ہے۔"
زینوں کے اختتام پر ہم افقی سرنگ میں داخل ہوئے تو شوائے باغ والے نکاس کے بجائے مخالف سمت میں چل دی' جدھر دوسری خواب گاہ کا عقبی زینہ سرنگ میں ملتا تھا۔ اس طوالت کے تقریباً وسط میں شوائے ایک جگہ رک کر دیوار کی طرف گھومی' پھر اس نے پھرتی کے ساتھ اپنے بلاؤز کے گریبان میں سے چھوٹی سی سیاہ ڈبیا نکال کر' اس پر لگا ہوا سبز بٹن دبایا۔ فوراً ہی دیوار کا ایک چوکور حصہ بقیہ دیوار سے الگ ہو کے پیچھے دھنسنے لگا۔ اس خلا کے پار ایک ڈھلان دار راستہ آگے' اوپر کی طرف جاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔
شوائے سب سے آخر میں اس ذیلی سرنگ میں داخل ہوئی۔ اس نے اسی ڈبیا میں لگا ہوا سرخ بٹن دبایا اور چند ثانیوں میں دیوار کا وہ حصہ اپنی جگہ پر واپس آ گیا۔ وہ سارا کام اس قدر مہارت اور فن کاری کے ساتھ کیا گیا تھا کہ راستہ بند ہو جانے کے بعد دیوار پر جوڑ کا سراغ لگانا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کشادہ ذیلی سرنگ ایک سپاٹ دیوار پر آ کر بند ہو گئی ہو۔ اس ذیلی سرنگ کی چوڑائی کسی بھی طرح دس فٹ سے کم نہیں تھی جبکہ دونوں سرنگوں کو ملانے والا خفیہ راستہ زیادہ سے زیادہ چار فٹ چوڑا رہا ہو گا۔ اس راستے کی تعمیر میں یہ خیال رکھا گیا تھا کہ کوئی ہنگامی ضرورت پیش آنے پر ڈون جیسے تن و توش والے آدمی کو وہاں سے گزرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ شوائے ہمیں لے کر آگے چل پڑی۔
وہ راستہ طے کرتے ہوئے اندازہ ہوا کہ ڈھلان بہت زیادہ تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد پھر ایک دروازہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ ڈون ہمیں اسی منڈیر پر براجمان ملے گا جہاں پچھلی رات اس سے ہماری ملاقات ہوئی تھی لیکن شوائے اس خفیہ راستے سے نکلنے کے بعد' ایک موڑ گھوم کر ہمیں ایک بہت اونچے اور عظیم الشان کمرے میں لے گئی جو کسی سربراہِ مملکت کے ملاقاتی کمرے کی طرح سجا ہوا تھا۔ وہاں پڑے ہوئے تمام صوفے غیر معمولی طور پر بڑے تھے۔ ان کی پشت گاہیں بھی بلند تھیں' ڈون اس کمرے کے دور افتادہ حصے میں ایک صوفے میں دھنسا ہوا تھا۔ اس کے آس پاس تین موٹے اور پستہ قامت چینی مؤدب بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کی کھوپڑی بالکل چکنی اور شفاف تھی۔ ڈون کے بدن پر سفید رنگ کا ڈھیلا ڈھالا لباس تھا جب کہ وہ تینوں چینی شوخ' پھولدار قیصوں اور پتلونوں میں ملبوس تھے۔
ہمارے داخل ہوتے ہی ڈون نے اونچی آواز میں جلدی جلدی' ان تینوں سے کچھ کہنا شروع کیا۔ وہ تینوں پورے انہماک کے ساتھ ڈون کی طرف جھک کر سرہلاتے رہے۔ ڈون کے خاموش ہونے پر وہ اپنی جگہوں سے اٹھے' رکوع کی حالت میں ڈون کی طرف جھکے پھر واپس چل دیے۔
ہمارے سامنے رک کر ان تینوں نے بغور ہمارا جائزہ لیا' زرد دانت نمایاں کر کے مس شوائے کو اپنی دوستانہ مسکراہٹوں سے نوازا اور پھر آگے نکلتے چلے گئے۔
ہمارے پہنچتے ہی ڈون نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر نہایت خوش دلی سے ہمارا استقبال کیا پھر ہمارے ساتھ ہی مس شوائے کو بھی وہیں صوفوں پر بٹھا لیا۔
اس نے بتایا کہ ہم لوگوں پر سے نقل و حرکت کی پابندی فوری طور پر ختم کر دی گئی تھی لیکن مکاؤ میں بظاہر سکون ہونے کے باوجود

فضا مخدوش تھی کیونکہ وان لن کی یکایک گمشدگی کی وجہ سے اس کے حامیوں میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ وہ لوگ اپنی جانیں بچانے کے لیے مین لینڈ چائنا اور دوسرے علاقوں کی طرف فرار ہونے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے جب کہ ڈون کے گرگے ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ ڈون نے وان لن کے سات اہم ترین کارکنوں کے قتل کا فرمان جاری کردیا تھا۔ رات بھر میں ' ان میں سے صرف دو ذبح کیے جاسکے تھے' بقیہ پانچ کی تلاش جاری تھی۔ ڈون کا خیال تھا کہ ہم لوگ ان بھگوڑے مجرموں کی کسی انتقامی کارروائی کا نشانہ بن سکتے تھے' اس لیے یہ ضروری تھا کہ ہم شہر میں جانے کے لیے مس شوائے کو اپنے ساتھ رکھیں تاکہ وہ خطرناک مقامات کی بروقت نشان دہی کرکے ہمیں وہاں جانے سے روک سکے۔ اس نے نکورا کو ساتھ لے جانے کی پابندی یکسر ختم کردی تھی۔

اس نرمی پر' غزالہ نے بہت بھرپور انداز میں ڈون کا شکریہ ادا کیا تو اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں غزالہ کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہیں سات ہیروں کے چلے جانے کا قلق ہے۔" غزالہ کے خاموش ہوجانے پر ڈون نے میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "لیکن تم فکر نہ کرو۔ شادی کے تحائف میں ہیروں کے زیورات دیکھ کر تم دنگ رہ جاؤ گی۔"

غزالہ بھی دنیا بھر کی ٹھوکریں کھا کر بہت مکّار ہوگئی تھی۔ اس نے بوکھلانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم دلوں کی بات بھی جان لیتے ہو۔ میں صرف ایک آدھ ہیرا اپنے کسی زیور میں سجانا چاہتی تھی۔ ڈیڈی نے جو کچھ کیا' اچھا ہی کیا۔ مجھے کسی بات کا قلق نہیں ہے۔"

"مجھے سب معلوم ہے۔" ڈون نے بزرگانہ بے نیازی سے کہا۔ "اب تم لوگ جہاں جانا چاہو' جاسکتے ہو۔"

اس گفتگو سے یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ ڈون کی حویلی میں واقعی خفیہ اور حسّاس مائیکروفون لگے ہوئے تھے۔ جن کے ذریعے حویلی کے ہر حصے میں ہونے والی گفتگو سنی یا ریکارڈ کی جاتی تھی اور اس انکشاف کا سہرا غزالہ کے سر جاتا تھا۔ اس نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ' مسروقہ ہیروں کے بارے میں بات چھیڑ کر ڈون کو اس نجی گفتگو کا حوالہ دینے پر مجبور کردیا تھا۔ اگر غزالہ نے مجھے بروقت خبردار نہ کیا ہوتا تو پچھلی رات کھلی کھلی باتیں کرکے ہم نے ڈون کو دوبارہ اپنا دشمن بنالیا ہوتا۔

ڈون کی حویلی کے پُرشکوہ برآمدے سے باہر نکلنے تک شوائے خاموشی کے ساتھ ہماری رہنمائی کرتی رہی لیکن عمارت سے نکل کر ایک پختہ روش پر چڑھتے ہی اس کی زبان چل پڑی "تم لوگوں نے رات کو یقیناً ہیروں کے بارے میں بات کی ہوگی۔ میں تم سے کہہ رہی تھی کہ ڈون سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔"

"اول تو تمہارا یہ مفروضہ غلط ہے۔ دوم یہ کہ ہم نے کوئی بات کی بھی ہوگی تو اپنی مادری زبان میں کی ہوگی۔ ڈون نے اسے کیسے سمجھ لیا ہوگا؟" میں نے اپنی الجھن دور کرنے کے لیے شوائے سے بحث شروع کردی۔

"یہ کمپیوٹر کا دور ہے۔ ڈون کی حویلی میں دو عدد منی سپر کمپیوٹر ہیں جن میں دنیا کی ستائیس اہم زبانوں سے چینی میں فوری ترجمے کی سہولت نصب ہے۔ تمہاری زبان بھی ستائیس میں سے ایک رہی ہوگی۔ یہ کہاں کہاں بولی جاتی ہے؟"

"پاکستان کے علاوہ بھارت کے بڑے حصے میں یہی بول چال کی زبان ہے۔" میں نے کہا۔

"اوہ! ہندی تو ضرور اس پروگرام میں شامل ہے۔ اسی وجہ سے ڈون باخبر ہوگیا۔"

"ہندی نہیں' اسے اردو کہتے ہیں۔" میں نے اس کی تصحیح کرنے کی کوشش کی۔

"ایک ہی بات ہے۔" وہ بے پروائی کے ساتھ بولی "بولی ایک ہی ہے لیکن دونوں ملکوں میں رسم الخط مختلف ہے اس سے مفہوم اور معنوں پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پچھلی رات' تم نے میری ہمدردی اور حمایت کا ذکر کرکے مجھے بھی مروانے کا بندوبست کرلیا تھا۔ میں پھر کہے دیتی ہوں کہ تم نے حویلی میں احتیاط نہ برتی تو مارے جاؤ گے۔ ڈون جب غصے میں بپھرتا ہے تو ہر شخص کی اگلی پچھلی خدمات اور قربانیوں تک کو بھلا بیٹھتا ہے۔"

"اور تم یہاں خوش ہو؟" میں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے کی کوشش میں نرمی سے سوال کیا۔

شوائے نے غور سے میری طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ خوف سے مزید زرد ہوگیا تھا "میرا امتحان لے رہے ہو؟"

"امتحان سمجھ رہی ہو تو میری بات کا جواب دینے کی ضرورت نہیں' میں دل کی گہرائیوں سے تمہارا احسان مند ہوں۔ اگر تم نے مجھے روونا کا پتا نہ دیا ہوتا تو میرے آج کے حالات بہت مختلف ہوتے۔"

"تو کیا تم نے اسے بھی کسی چکر میں پھانس لیا؟" اس نے بھڑک کر سوال کیا۔

"کوئی چکر نہیں۔ تم کیوں بھول رہی ہو کہ میری مکاؤ آمد کا بندوبست اسی نے کیا تھا۔" میں نے جواب دے کر شوائے کو ٹال دیا لیکن یہ حقیقت تھی کہ روونا نے میری کامیابی میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ اس کے ذاتی مراسم کی وجہ سے مجھے گولڈن ڈریگن کے کپتان' ریور چیانگ سے تعارف حاصل ہوا۔ ریور چیانگ سے گپ شپ کے نتیجے میں خوف زدہ روزینی میری طرف متوجہ ہوئی اور میں اس کی پوری کہانی سننے کے بعد' اس کے قبضے میں موجود' نادر ہیرے حاصل کرکے ریور چیانگ کے ساتھ فرار ہوگیا۔ اگر گولڈن ڈریگن پر وہ خوش بختی میرا ساتھ نہ دیتی تو میں اتنی آسانی کے ساتھ ڈون اور غزالہ تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا تھا۔

حویلی کی عمارت سے قدرے دور ایک احاطے میں ڈون کی نئی نویلی گاڑیوں کا بیڑا پارک تھا۔ وہاں دو تین مقامی' گاڑیوں کی دیکھ بھال میں منہمک تھے۔ مس شوائے پر نگاہ پڑتے ہی ان کا نگراں اس کے پاس آگیا۔ ان دونوں نے سر جھکا کر ایک دوسرے کو خوش آمدید کہا۔ معلوم ہوتا تھا کہ چینیوں میں ہاتھ ملانے کا رواج نہیں ہے۔

شوائے نے گاڑیوں کے بارے میں ہماری پسند جاننی چاہی لیکن ہم میں سے کوئی بھی ایسے چھچھورے موضوع پر اظہار خیال کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ شوائے نے اپنے طور پر اس سے سیاہ مرسڈیز کی چابی لے لی۔

مرسڈیز ہچکولے لیتی ہوئی گیراج سے نکلی تو میں نے شوائے سے کہا "باہر جانے سے پہلے ہم وہ میدان بھی دیکھنا چاہیں گے جہاں کل جشن ہونے والا ہے۔"

"اوہو۔ میں تم دونوں کو مبارکباد دینی تو بھول ہی گئی۔ ڈون کل کے جشن میں تمہاری شادی کرا رہا ہے۔ کس قدر خوش نصیب ہو تم دونوں! تمہیں اس قدر اور ایسے ایسے بیش قیمت تحفے ملیں گے کہ تم ان ہی کو بیچ بیچ کر ساری عمر بے فکری سے گزار سکو گے۔"

"بے فکری کی زندگی گزارنے کے لیے پیسے کے علاوہ کچھ اور بھی لوازم ہوتے ہیں' شوائے!" میں نے دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "پردیس میں شادی رچانے کے بعد ہم اپنے دوستوں اور عزیزوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ ڈون نے ہمیں سخت امتحان میں ڈال دیا ہے۔"

"ڈون کوئی فیصلہ کرلے تو وہ کسی کی نہیں سنتا۔" شوائے اداسی کے ساتھ بولی "عام حالات میں وہ بہت ہمدرد اور نرم خو انسان ہے۔ ہماری ہر ضرورت پوری کرتا ہے۔ لیکن جب وہ من مانی پر اتر آتا ہے تو سب کچھ تہس نہس کرڈالتا ہے۔ ایسے وقت میں ہم لوگ اس کے سائے سے بھی دور بھاگتے ہیں۔"

حویلی کے پھاٹک کے قریب والے میدان میں' شوائے نے کار روک دی۔ وہاں متعدد ٹرک اور مشینیں وغیرہ موجود تھیں جن میں سے کچھ فعال تھیں۔ میدان میں بہت سے کارکن پھیلے ہوئے تھے۔ سرسبز لان سے آگے' کچی زمین پر نرم ریت پھیلانے کے ساتھ ہی آہنی شہتیر زمین میں گاڑے جارہے تھے۔

شوائے نے ہمیں جو کچھ بتایا' اس کے مطابق کچے میدان میں بل فائٹنگ کے لیے بندوبست کیا جارہا تھا۔ پھاٹک والے رخ پر بھینسے کی جالی والی گاڑی آنی تھی۔ بل فائٹنگ کے میدان کے دونوں طرف مہمانوں کی نشستوں کا بندوبست کیا جاتا تھا۔ اس کے تیسرے رخ پر' گھاس کے میدان میں ڈون کی مسند ہونی تھی۔ اس کے ساتھ اہم غیر ملکی مہمانوں اور قریبی دوستوں کی میزیں ڈالی جاتی تھیں۔ چوتھی سمت میں' یعنی پھاٹک والے رخ پر بل رنگ کے علاوہ ساز بجانے والوں کا انتظام کیا جاتا تھا اور یہ سب بندوبست وسیع رقبے پر پھیلا تھا۔

"ڈون کے مہمان کا ہیلی کاپٹر یہاں اترا تو بہت دھول اڑائے گا۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔

"ڈون کی مسند کے پیچھے' لان پر ہی کنکریٹ کا ایک چھوٹا سا ہیلی پیڈ ہے۔ ڈون کا دوست وہاں اترے گا اور گھاس پر بچھے ہوئے قالینوں پر چلتا ہوا' ڈون تک پہنچے گا۔" وہ اگلے روز کی تقریب کی منظر کشی کرتے ہوئے کچھ زیادہ ہی پُرجوش نظر آنے لگی تھی "میرا خیال ہے کہ تم دونوں کو ڈون اپنے قریب بٹھائے گا۔"

"اور میں کہاں جاؤں گا؟" سلطان شاہ نے برجستہ سوال داغ دیا۔

"ڈون تمہیں بھی عزت کی جگہ بٹھائے گا۔ شادی کے لیے کینٹون سے ایک مسلمان پوپ کو بلایا جارہا ہے۔ تم لوگوں کی نشستوں کی ترتیب اُسی کے مشورے کے مطابق رکھی جائے گی۔"

"اس تقریب میں تم کہاں رہوگی؟" میں نے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔

"کل ڈون کے ملازمین پر خاصا بھاری وقت گزرے گا۔ مہمانوں میں قیمتی شرابیں پانی کی طرح بہائی جائیں گی۔ ان کی ساقی گری ہم لوگوں کے ذمے ہوگی۔ کچھ مہمان پی کر بہکنے لگتے ہیں تو ہماری صورتوں میں ان کو اپنی ناکام محبتوں اور تصوراتی پریوں کے عکس نظر آنے لگتے ہیں اور ہمارے لیے مشکل پیدا ہوجاتی ہے۔"

میں آنے والے دن کا نقشہ اپنے ذہن میں جماتا ہوا' واپس مرسڈیز کی طرف چل دیا۔

شوائے گاڑی چلاتے ہوئے بھی بار بار ہم لوگوں کی اس خوش قسمتی پر کہ ڈون ہماری شادی کرا رہا تھا' رشک کیے جارہی تھی۔ لاکھ آزاد منش اور فراخ دل سہی' لیکن وہ ایک عورت ہی تھی جو کسی تناور درخت کی چھاؤں کے بغیر' اپنی زندگی کے سینتالیس برس ایک بے نخل و ثمر صحرا میں گزار چکی تھی۔ ڈون کے مزاج کی رنگینی دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ شب و روز کی محنت کے علاوہ' شوائے اپنے عنفوان شباب میں ڈون کے جنسی استحصال اور تلذّذ کا نشانہ بھی بنتی رہی ہوگی۔ وہ ہمیشہ سے ڈون کی وفادار رہی تھی لیکن اس کی زندگی اسی ڈگر پر چلی جارہی تھی جب کہ شوائے کی نگاہ میں' غزالہ پچھلی رات تک ڈون کے قہر و عتاب میں آئی ہوئی ایک قیدی تھی لیکن اگلے دن ڈون ہی اسے بیاہنے والا تھا۔

دن کے اجالے میں مکاؤ کا رنگ روپ بالکل پھیکا اور اجڑا اجڑا سا نظر آرہا تھا۔ نہ روشنیوں کا سیلاب تھا' نہ بازاروں اور تفریح گاہوں کی وہ پُرہجوم سج دھج تھی جو میں نے پچھلی رات سرسری نظر میں دیکھی تھی۔ مجھے بے اختیار بازارِ حسن کی وہ آبرو باختہ طوائفیں یاد آگئیں' جو دن کے اجالے میں بے روپ' مکار اور بے شرم نظر آتی ہیں لیکن شام ڈھلتے ہی معصومیت و پُرکاری کے لبادے میں' بارہ سنگھار کرکے گاہکوں کو پھانسنے کے لیے کھڑکیوں اور

چوباروں پر آ کھڑی ہوتی ہے اور خریدار یکے بعد دیگرے ان کے دام میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ لوگ سچ ہی کہتے ہیں کہ مکاؤ صرف آسودہ حال جواریوں اور عیاشوں ہی کی جنت ہے ورنہ عام لوگوں کے لیے وہاں کوچہ نوردی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ آتے ہیں اور رنگا رنگ تماشے دیکھ کر لوٹ جاتے ہیں۔

شوائے نے مکاؤ کے مرکزی بازار میں چائنا آرٹ امپوریم سے ذرا آگے کار روک دی۔ فوراً ہی کہیں سے ٹریفک کا ایک سپاہی نمودار ہوا اور شوائے کی سمت قفل مؤدب کھڑا ہو گیا۔ شاید ڈون کی گاڑیاں پورے مکاؤ میں دور ہی سے پہچانی جاتی تھیں۔

شوائے ہم لوگوں کے ساتھ اطمینان سے، مرسڈیز سے اتر گئی۔ اس نے چابی اگنیشن میں لگی چھوڑ دی تھی۔ وہ باوردی سپاہی انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی پارکنگ لاٹ کی طرف لیتا چلا گیا۔

شوائے نے ہمیں دکانوں وغیرہ میں لے جانا چاہا لیکن میں نے انکار کر دیا۔ اس وقت میرا ذہن تیزی سے ساتھ کام کر رہا تھا اور میں ہاکروں وغیرہ سے بھرے ہوئے، ایسے کسی بازار میں گھسنا چاہ رہا تھا جہاں میں شوائے سے نظریں بچا کر اپنے کام کی کوئی چیز تلاش کر سکوں۔

شوائے کو غزالہ نے اپنے ساتھ الجھا لیا تھا۔ وہ موقع کی نزاکت اور شاید میری نیت بھانپ گئی تھی اس لیے وہ شوائے کے ساتھ آگے آگے چل رہی تھی۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ قصداً پیچھے رہ گیا تھا۔

سلطان شاہ نے موقع ملتے ہی ایک بار پھر وہاں سے کھسک جانے اور ہانگ کانگ پہنچ کر نیشی کاؤ کو ٹھکانے لگانے کا خیال ظاہر کیا جسے میں نے سختی کے ساتھ مسترد کر دیا۔

"تم کل رات کو باغ میں بھی یہ بات کہہ چکے ہو۔ یہ سوچنا آسان ہے لیکن اس پر عمل کرنا قطعی ناممکن ہے۔" میں نے کہا۔ "ہانگ کانگ کے حکام غیر قانونی تارکینِ وطن سے عاجز آئے ہوئے ہیں۔ ہوائی اڈے پر پولیس اور امیگریشن کے سخت کنٹرول کی وجہ سے تم تارمک پر نہیں جا سکو گے۔ پھر نیشی کاؤ بھی تنہا نہیں ہوگا۔ ڈون کے آدمیوں کی بھیڑ اس کے استقبال کے لیے تیار ہوگی۔ وہ تمہاری تکا بوٹی کر ڈالیں گے۔"

"پھر بھی کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

"دیدہ و دانستہ موت کے منہ میں کودنے سے بہتر ہے کہ یہیں رہ کر کچھ کرنے کی کوشش کی جائے۔"

"لیکن کیا؟ یہاں رہ کر ہم کیا کر سکیں گے؟ نیشی کاؤ آئے گا اور ڈون ہماری گردنوں میں طوق ڈلوا دے گا۔ ڈون اور نیشی کاؤ کی ملاقات روکے بغیر ہم نہیں بچ سکیں گے۔" وہ جھلا کر بولا۔

اس وقت تک غزالہ، شوائے کو باتوں میں لگا کر خاصی دور نکل گئی تھی۔ میں سلطان شاہ کا ہاتھ تھام کر اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا قریب ترین دکان میں گھس گیا۔ وہ دکان زیادہ بڑی اور گہری نہیں تھی۔ وہاں ہر طرف بھانت بھانت کے ہیٹ ہی ہیٹ بکھرے ہوئے تھے۔ اپنی دکان میں دو غیر ملکیوں کو دیکھتے ہی ایک جواں سال سیلز گرل ہمارے سروں پر مسلط ہو گئی۔

"میں تمہاری کیا خدمت کر سکتی ہوں؟" اس نے ہماری راہ میں حائل ہو کر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں، مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ اس وقت تک ہم دونوں دروازے کے سامنے سے ہٹ کر اوٹ میں ہو چکے تھے۔

"مجھے اپنے بچے کے لیے کاؤ بوائے کٹ چاہیے۔" میں نے ہیٹوں کے ہیٹ دیکھتے ہوئے کہا۔

"کاؤ بوائے کٹ؟ یہ کیا ہوتی ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہی لباس اور ہتھیار جو میکسیکو کے لڑاکا گھڑسوار پہنتے ہیں۔ تم نے کسی نہ کسی ویسٹرن فلم میں ایسا لباس ضرور دیکھا ہوگا۔" میں نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے وضاحت کی۔ سلطان شاہ نے ہوشیاری سے کام لیا اور مڑ کر الماریوں میں رکھے ہوئے سامان کے معائنے کے بہانے شیشوں میں سے باہر کی نگرانی کرنے لگا تاکہ شوائے ہمیں اپنے ساتھ نہ پا کر واپس لوٹے تو وہ مجھے ہوشیار کر سکے۔

"ایسا لباس نہیں ملے گا۔" میری وضاحت سن کر، سیلز گرل کی مسکراہٹ مایوسی میں بدل گئی "ہم ہر قسم کے ہیٹ بیچتے ہیں۔ ویسے تمہیں اپنی مطلوبہ چیز مکاؤ میں نہیں ملے گی۔ ہانگ کانگ جاؤ تو وہاں تلاش کر لینا۔"

"مغربی نہ سہی تو کوئی مقامی لباس ہی دے دو۔" میں نے ہیٹوں کا ایک ہیٹ اٹھا کر اپنے سر پر جماتے ہوئے کہا "دس سال کے بچے کے لیے ایسا کوئی ہیٹ، جوڈو وغیرہ کا کوئی ڈھیلا ڈھالا لباس اور بلو پائپ وغیرہ!" میں نے ڈرتے ڈرتے آخری دو الفاظ کہے جن میں میرا اصل مقصد پنہاں تھا۔

"ہیٹ تو یہ ٹھیک رہے گا۔" میری وضاحت پر وہ کھل اٹھی۔ "باقی چیزیں پچھلی گلی میں نکڑ کی دکان سے مل جائیں گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے بیٹے کے لیے مکاؤ کی کوئی سوغات لے جانا چاہتے ہو۔"

"بالکل، تم ٹھیک سمجھیں!" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "پستول نہ سہی تو بلو پائپ ہی سے کام چل جائے گا۔ وہ نئی چیزوں کا بہت شوقین ہے۔"

"لیکن بلو پائپ خطرناک ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ عام طور پر زہر میں بجھی ہوئی پتلی پتلی سوئیاں ہوتی ہیں جو ذرا سی پھونک سے بیس پچیس فٹ دور تک جاتی ہیں۔ لوگ انہیں موذی جانوروں کو ہلاک کرنے کے لیے خریدتے ہیں۔ کچھ سوئیاں اپنے شکار کو فوراً بے ہوش کر دیتی ہیں۔ تم دکاندار سے اپنا مدعا ظاہر کرو گے تو وہ

تمہیں ایسی سوئیاں دے دے گا جن کے اثر سے پورے بدن میں دس پندرہ منٹ تک خارش رہتی ہے پھر آدمی نارمل ہو جاتا ہے۔ مذاق اور کھیل کے لیے وہی سوئیاں بے ضرر رہیں گی۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔ ہیٹ کے کیا دام ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"آٹھ امریکی ڈالر!" اُس کا جواب سن کر میں اپنی جیب سے رقم نکال ہی رہا تھا کہ سلطان شاہ نے مجھے بتایا کہ شوائے بوکھلائے ہوئے انداز میں غزالہ کے ساتھ واپس جاتی ہوئی نظر آئی تھی۔

میں نے دس ڈالر کا نوٹ لڑکی کو تھماتے ہوئے کہا "باقی دو ڈالر تم رکھ لو اور ہاں' یہ تو بتاؤ کہ آگے سے پچھلی گلی میں نکلنے کا کوئی راستہ بھی ہے؟ دراصل ہم ترتیب سے پورا بازار دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"سیدھے جاکر بائیں طرف گلی میں اور پھر اگلے موڑ سے دوبارہ بائیں طرف مڑ کر تم پچھلی گلی میں پہنچ جاؤ گے۔" اس نے تنکوں کا ہیٹ ایک تھیلی میں ڈال کر میرے حوالے کرتے ہوئے کہا اور میں تیزی سے دُکان سے نکل آیا۔ مجھے ڈر تھا کہ ہم دونوں کو سڑک یا فٹ پاتھ پر نہ پاکر شوائے ہمیں دکانوں میں ڈھونڈنا نہ شروع کر دے۔

"تو تم نے بلو پائپ حاصل کرنے کے لیے یہ سارا بکھیڑا پھیلایا ہے!" سلطان شاہ بہت حیرت زدہ تھا "تم تو بیم گن ساتھ لائے ہو۔ وہ بلو پائپ سے زیادہ کارگر رہے گی۔ میں اپنی جان پر کھیل کر نیشی کاؤ کو اُڑا دوں گا۔"

"میں جب تک بلو پائپ کی ساخت نہ دیکھ لوں' کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس بارے میں میرا ذہن صاف نہیں ہے لیکن بیم گن بالکل ہی خارج از امکان ہے۔ اوّل تو فائر ہوتے ہی تمہیں دیکھ لیا جائے گا۔ بالفرض وہ سب اندھے بھی ہوگئے تو ڈون' نیشی کاؤ کی لاش دیکھتے ہی سمجھ جائے گا کہ اس کے دوست کو بیم گن کا نشانہ بنایا گیا ہے اور بات فی الفور جی لائیڈ تک پہنچ جائے گی۔ ڈون جاننا چاہے گا کہ مکاؤ میں اس کے علاوہ اور کون بیم گن کا مالک پیدا ہو گیا ہے اور ہم بازی ہار جائیں گے۔ مکاؤ میں بیم گن ہمارے لیے شجرِ ممنوعہ بن چکی ہے۔ بلو پائپ کارآمد نظر آیا تو اسے تم ہی چلاؤ گے مجھے تو دلہا بنا کر باندھ دیا جائے گا۔"

اس وقت واپسی کے بجائے' آگے کا راستہ صاف اور محفوظ تھا اس لیے ہم دونوں تیزی سے اسی طرف چل دیے۔ مجھے بازار سے خاک دلچسپی نہیں تھی۔ میں شوائے کی نظروں میں آنے سے پہلے' جلد از جلد بلو پائپ خرید لینا چاہتا تھا تاکہ مقامی شکار کے لیے مقامی ہتھیار قبضے میں آسکے۔

ہم دونوں لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے' آگے سے گھوم کر عقبی گلی میں داخل ہوئے اور چند ہی منٹ میں مطلوبہ دُکان پر پہنچ گئے۔ وہ بڑی دُکان تھی ہم دونوں اندر پہنچنے کے بعد بے پروایانہ انداز میں چیزوں کا جائزہ لیتے رہے۔ ہانگ کانگ کی طرح یہاں بھی چینیوں کے مسخرے بادشاہوں کے شرمناک مجسموں کی بہتات تھی۔ ہم نے غیر ضروری طور پر چند اشیا منتخب کیں پھر میں اس مقفل شوکیس کے سامنے رک گیا جس میں متعدد نلکیاں' سگریٹیں اور لمبی لمبی' باریک سوئیوں کے پیکٹ رکھے ہوئے تھے۔

"یہ بلو پائپ ہیں۔ عام اور روایتی شکل سے لے کر یہ سگریٹ اور بانسریوں میں بھی پوشیدہ ہیں تم ان میں اپنی پسند کی چار سوئیاں استعمال کر سکتے ہو۔" مجھے اس شوکیس کی طرف متوجہ پاتے ہی دُکاندار کی زبان چل پڑی اور اس نے قفل کھول کر بلو پائپ شیشے پر ڈھیر کر دیے۔

میرے استفسار پر اُس نے چند بلو پائپ استعمال کر کے دکھائے' اس مظاہرے میں اُس نے بے ضرر سادہ سوئیاں استعمال کیں جو پھونک مارتے ہی' ہوا میں تیرتی ہوئی' چوبی نشانوں میں پیوست ہوگئیں۔ وہ سوئیاں اس قدر سخت اور لچک دار تھیں کہ ان کی باریکی کے باوجود انہیں موڑنا آسان نہیں تھا۔

میرے ذہن پر شوائے کا خوف سوار تھا۔ اس لیے میں نے عُجلت میں چار مختلف بلو پائپ اور چاروں قسم کی سوئیوں کا ایک ایک پیکٹ خرید لیا۔ میں نے یہ خیال رکھا تھا کہ میرے خریدے گئے کسی بلو پائپ کی لمبائی چند انچ سے زیادہ نہ ہو تاکہ اسے آسانی کے ساتھ ہتھیلی میں چھپایا جا سکے۔

میں نے ڈون سے کہہ دیا تھا کہ میں شراب نوشی سے مکمل پرہیز کرتا تھا جب کہ میری وہ عادت اپنی جگہ برقرار تھی اس لیے اس دُکان کے ایک حصے میں بھانت بھانت کی مقامی' علاقائی اور غیر ملکی شرابوں کا ذخیرہ دیکھ کر میری طلب جاگ اٹھی اور میں نے پوری یا آدھی بوتل کے بجائے بلیک لیبل کے چھ نپ خرید لیے۔ ان میں سہولت یہ تھی کہ چند گھونٹوں میں نیٹ اسکاچ معدے میں منتقل کرنے کے بعد' ننھی سی بوتل کو بہ آسانی کہیں بھی ٹھکانے لگایا جاسکتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ واپسی سے پہلے میں موقع نکال کر سارے نپ خالی کر دوں گا۔

سیلزمین نے میری خریدی ہوئی اشیا ٹل سے ملحقہ کاؤنٹر پر رکھیں تو وہاں موجود چینی نے مسکرا کر کیش رجسٹر کے قفل میں چابی گھمانی چاہی لیکن اس کی کئی کوششیں بھی بار آور ثابت نہ ہوئیں تو وہ خفت اور پریشانی کے عالم میں اس پر جھک گیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے اعصاب پر تناؤ سوار ہوتا جا رہا تھا۔ جب کئی منٹ گزر گئے اور کیش رجسٹر نہ کھلا تو میں نے اس سے کہا کہ وہ حساب کر کے یوں ہی رقم لے لے اور بعد میں اسے ٹل میں جمع کر لے لیکن اس نے خندہ پیشانی سے بتایا کہ ایسا کرنا اسٹور کے اصول کے خلاف تھا۔

وقفہ طویل ہونے لگا تو میں نے اُس کی اجازت سے' وہیں کھڑے کھڑے اسکاچ کی منی ایچر بوتل خالی کر کے ڈسٹ بن میں

پھینک دی۔ اس دوران میں دُکان میں مزید کئی گاہکوں کا اضافہ ہو چکا تھا۔

آخر کار کیشیئر کو کامیابی ہوئی اور وہ میری خریدی ہوئی اشیاء کو تھیلیوں میں ڈال کر' مشین پر ان کی قیمت کا اندراج کرنے میں مصروف ہو گیا۔ عین اسی وقت شوائے بدحواسی کے عالم میں وہاں گھس آئی۔ اس کے پیچھے غزالہ بھی ہانپتی کانپتی چلی آرہی تھی۔

شوائے کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ہم دونوں پر نظر پڑتے ہی وہ ناراضی کے عالم میں بولی "تم یہاں مزے سے خریداری کر رہے ہو اور میرا سیروں خون خشک ہو چکا ہے۔"

"مس شوائے! اتنی فکرمندی اچھی نہیں ہوتی۔ ہم دونوں عاقل و بالغ ہیں۔" میں ہنستے ہوئے کاؤنٹر کے سامنے آگیا تاکہ وہ میرے خریدے ہوئے بلو پائپ نہ دیکھ سکے۔

"تم نے برا کیا' بہت برا کیا" وہ بڑبڑا کر رہ گئی۔ غزالہ اس کے ساتھ اندر آنے کے بجائے باہر ہی رک گئی تھی۔

دُکان سے باہر نکلتے ہی شوائے میرے سر ہو گئی "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اس گلی میں آگئے ہو۔ ہیٹ والی مجھے نہ بتاتی تو ہم تم تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے بلو پائپ کیوں خریدا ہے؟"

"سوغات کے لیے!" اسے جواب دینے کے بعد میں نے اُس کے الفاظ پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ اس نے میرے خریدے ہوئے ہتھیار نہیں دیکھے تھے بلکہ ہیٹ والی کے الفاظ پر انحصار کیا تھا۔

معاملہ یک بیک بگڑ گیا تھا۔ اگر میں سوغات والی کہانی پر جما رہتا تو شوائے واپسی پر ڈون کو بتا دیتی کہ میں نے کیا خریدا تھا اور نیشی کاؤ کی امکانی ہلاکت کے بعد ڈون مجھے گردن سے دبوچ لیتا۔ میرے ذہن میں پرورش پانے والے پورے منصوبے کی کامیابی کا دارومدار اچانک شوائے کی شمولیت پر ہو گیا۔ اُسے اپنی زبان بند رکھنے پر آمادہ کیے بغیر ہم ذرا سی بھی کامیابی کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔

"سوغات!" وہ خوف زدہ لہجے میں کہہ رہی تھی "تم کچھ سوچ کر ہم سے الگ ہوئے اور بلو پائپ والے کا پتا معلوم کر کے پھرتی سے وہاں پہنچ گئے۔ مجھے دال میں کچھ کالا نظر آرہا ہے۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔ پہلے تم نے حیرت ناک طور پر کروڑوں کے ہیرے ڈون کے قدموں میں ڈال دیے اور اُسے اپنا مطیع بنانے کے بعد بلو پائپ خرید لائے ہو۔ تم نے ذرا سی دیر میں میری عقل ماؤف کر کے رکھ دی ہے۔"

"تمہیں سہمنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے ہیٹ والی تھیلی ایک کوڑے دان میں اچھالتے ہوئے دوستانہ انداز میں کہا "یہ مکاؤ کی سوغات ہی ہے لیکن تم ڈون سے اس کا ذکر نہیں کرو گی۔"

"نہیں' یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ ڈری ڈری ہذیانی آواز میں بولی۔ "میں جاتے ہی اسے خبر دوں گی اور وہ تمہاری جامہ تلاشی لے گا۔ یہ سوغات ہی ہے تو واپسی میں تمہارے حوالے کر دی جائے گی... اور ڈون نے تو کہا تھا کہ تم شراب کو چکھتے بھی نہیں ہو مگر تمہارے سانسوں سے الکحل کی تیز بُو آرہی ہے۔ تم سر سے فراڈ معلوم ہوتے ہو۔"

اس وقت شوائے سے الجھنا مناسب نہیں تھا۔ اس کے بھڑکے ہوئے رویّے کی وجہ سے لوگ ہمیں دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ ہماری گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی اور مکاؤ والے اس زبان سے بڑی حد تک نابلد تھے۔

شوائے نے پارکنگ لاٹ پر منتظر سپاہی سے مرسڈیز کی چابی لینے کے بعد سفر کا دوبارہ آغاز کیا تو میں نے اسے کسی پارک کی طرف چلنے کی ہدایت کی۔ وہ مجھ سے برہم اور اُکھڑی اُکھڑی تھی لیکن اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ چند منٹ بعد ہماری گاڑی ایک مختصر لیکن ویران پارک کے کنارے' درختوں کے سائے میں رک گئی۔

میں نے بلیک لیبل کا دوسرا منی ایچر کھول کر ایک ہی سانس میں اپنے حلق میں انڈیل لیا۔ میں اس وقت اپنے اعصاب کو سکون پہنچانے کی شدید ضرورت محسوس کرنے لگا تھا۔ شوائے حیرت' خوف اور بے یقینی کے ساتھ مجھے یوں گھور رہی تھی جیسے میرے ماتھے پر اچانک ہی سینگ نکل آئے ہوں۔

"میری شراب نوشی اور بلو پائپ!" میں نے شوائے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سختی سے کہا "تم ان دونوں باتوں کا ڈون سے کوئی ذکر نہیں کرو گی۔ میں تمہیں اپنی زبان بند رکھنے کی مُنہ مانگی قیمت دوں گا۔"

"یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔" وہ اپنی ضد پر اڑی رہی "میں ڈون سے غداری نہیں کروں گی۔"

میں نے اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ میں نے اپنا پینترا تبدیل نہ کیا تو وہ غصے اور صدمے کے عالم میں چلّانا شروع کر دے گی۔

"تم میری بات نہیں مانو گی تو میں اپنے ساتھ تمہیں بھی پھنسوا دوں گا۔ تم شروع سے اب تک' میری برابر کی شریک رہی ہو۔" آخر کار میں نے اس کے ساتھ بے رحمی سے پیش آنے کا فیصلہ کر لیا۔

"ڈون تمہارے جھوٹ پر یقین نہیں کرے گا۔ وہ مجھے مدتِ دراز سے جانتا ہے۔ میں نے اپنی جوانی کے بہترین دن اس پر قربان کیے ہیں۔ وہ مجھ سے آنکھیں نہیں بدلے گا۔" میری دھمکی اس پر کارگر ثابت نہ ہو سکی۔

"مائی ڈارلنگ' شوائے!" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "ڈون کو جوان غنچوں سے جو رس چوسنا تھا وہ چوس چکا ہے۔ بوڑھی ہڈیوں اور مرجھائے ہوئے جسموں سے اسے کوئی دلچسپی نہیں کیوں کہ اس

کے لیے ہر روز حسن و شباب کے نت نئے پیکر جمع کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ اس کی طرف سے تمہیں کسی خوش فہمی میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ اوّل تو وہ کانوں کا کچا ہے۔ نہایت آسانی سے میری بات مان لے گا۔ نہ مانا' تو اسے قائل کرنے کے لیے روزینا کو سامنے لانا پڑے گا۔ وہ ایک سادہ لوح اور ڈرپوک سی لڑکی ہے۔ وہ زیادہ دیر تک ڈون کی خشمناک نظروں کا سامنا نہیں کر سکے گی اور اُگل دے گی کہ مجھے مکاؤ پہنچانے میں تمہاری ذاتی دلچسپی اور کوششوں کا دخل ہے۔ اس ناقابلِ تردید گواہی کے بعد تم ڈون کے سامنے نہیں ٹھہر سکو گی۔"

اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور پھر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر کراہی۔ "تم مارِ آستین ہو۔ پتا نہیں وہ کون سی منحوس گھڑی تھی جب میں نے تم پر اعتبار کیا تھا۔"

"اس انکشاف پر ڈون تمہاری ٹانگیں چیر سکتا ہے۔" میں نے اس پر اپنا دباؤ برقرار رکھنے کی نیت سے کہا۔ "ہم دونوں کے مشترکہ مفاد کا تقاضا ہے کہ تم وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔ تم نے اس سے انحراف کیا تو صرف میں ہی نہیں' تم بھی ناقابلِ بیان مشکلات میں گھر جاؤ گی۔"

اپنی مجبوری اور بے چارگی کا احساس کرتے ہی وہ اسٹیئرنگ وہیل پر سر ٹکا کر رونے لگی۔

"تم جھوٹے' چال باز اور دغا باز ہو۔" وہ سسکیوں کے درمیان میں بڑبڑا رہی تھی۔ "میں نے تم پر ترس کھا کر تمہارے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کیا اور آج تم مجھ کو آنکھیں دکھا رہے ہو۔ یہ کسی کے ساتھ بھلائی کرنے کا زمانہ نہیں ہے۔ جس کے ساتھ نیکی کرو' موقع ملنے پر وہی پھاڑ کھانے کو آتا ہے۔"

میں نے سرد مہری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کچھ دیر تک اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد وہ خود ہی مجھ سے مخاطب ہونے پر مجبور ہو گئی۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم ڈون کو ہلاک کرنے کا پختہ ارادہ کر چکے ہو؟" اس نے نمناک آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"یہ کس نے کہا تم سے؟" میں نے بے ساختہ جوابی سوال داغ دیا۔

"پھر تم نے بلو پائپ کس لیے خریدا ہے؟ اس کی مدد سے تم کس کو مارنا چاہتے ہو؟"

"کسی کو بھی نہیں۔" اسے راہِ راست پر آتا ہوا دیکھ کر میں نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کر لی۔ "تم یقین کرو کہ میرے دل میں ڈون کی طرف سے ذرا بھی عناد نہیں۔ میں اپنی شراب نوشی اور بلو پائپ کی خریداری کا قصہ اس لیے چھپانا چاہتا ہوں کہ ڈون میری طرف سے بدظن نہ ہو جائے ورنہ میں نے بلو پائپ صرف سوغات کے طور پر ہی خریدا ہے۔ میرے نزدیک وہ مہلک ہتھیار نہیں' بلکہ ایک دلچسپ کھلونا ہے۔"

"میں نہیں مان سکتی۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ تمہاری نیت میں کوئی نہ کوئی کھوٹ ہے۔"

"بالفرض کوئی کھوٹ ہے بھی تو اس کا ڈون کی ذات سے کوئی تعلق نہیں؟" میں نے اسے یقین دلانا چاہا۔ "زیادہ سے زیادہ تم اسے حفظِ ماتقدم کہہ سکتی ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرے مکاؤ پہنچنے تک ڈون میری ذات سے اس قدر متنفر تھا کہ مجھ سے بات کرنے کا بھی روادار نہیں تھا۔ اس کی حویلی میں ہر طرف بے اعتباری نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ وہ حویلی میں لیے جانے والے ہر سانس تک پر نظر رکھتا ہے۔ بے اعتمادی کی اس فضا میں اُسے بہکانے اور سکھانے والے لوگ بھی موجود ہیں۔ وہ کانوں کا کچا ہے۔ کچھ بھروسا نہیں کہ وہ کب ان لوگوں کی باتوں میں آ کر مجھ سے دوبارہ برہم ہو جائے۔ میں نے ایسے ہی کسی برے وقت کے لیے بلو پائپ خریدا ہے۔ یہ ہتھیار ڈون کے خلاف نہیں' بلکہ اسے بہکانے والے کے خلاف استعمال کیا جائے گا۔"

"تم خود غرض اور پکے بلیک میلر معلوم ہوتے ہو۔ میں اس وقت تک اپنی زبان بند رکھوں گی جب تک تم ڈون کے لیے خطرہ نہیں بنتے۔ جوں ہی تمہارے ارادوں میں کوئی تبدیلی نظر آئی' میں اپنی خاموشی توڑ کر ڈون کو حقیقت سے آگاہ کر دوں گی۔"

میں نے محسوس کیا کہ ڈون برا' بھلا جو کچھ بھی تھا' اپنے زیرِ کفالت لوگوں میں بہت مقبول تھا۔ ان میں سے کوئی بھی' کسی بھی حالت میں اُس سے منہ موڑنے کا تصور نہیں کر سکتا تھا یہی وجہ تھی کہ جزیرہ نما مکاؤ اور اس کے آس پاس کے جزائر پر ڈون راج کر رہا تھا۔

میری اور شوائے کی اس تلخ بحث میں غزالہ یا سلطان شاہ نے ذرا بھی دخل اندازی نہیں کی۔ وہ دونوں خاموش تماشائی بنے رہے لیکن وہ معاملہ نمٹتے ہی غزالہ بول پڑی۔ "یہ بلو پائپ ہے کیا بلا۔ تم دونوں اس پر اتنی بری طرح کیوں الجھ رہے تھے؟"

"بظاہر یہ ایک حقیر اور معمولی سی نلکی ہوتی ہے جسے بعض اوقات سگریٹ' پنسل یا کسی اور چیز میں چھپا دیا جاتا ہے لیکن یہ بہت خطرناک ہتھیار بھی ہے۔" مجھ سے پہلے شوائے نے بولنا شروع کیا۔ "اس میں اسٹیل کی بہت باریک اور لمبی سوئیاں استعمال ہوتی ہیں۔ جو نلکی میں پھونک مارتے ہی' اڑتی ہوئی نشانہ پر پیوست ہو جاتی ہیں۔ یہ سوئیاں زہر میں بجھی ہوئی ہوں تو شکار پل بھر میں موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔"

"تو کیا تم ڈون کی حویلی میں موت کا کھیل کھیلنا چاہ رہے ہو؟" غزالہ نے شوائے سے نظر بچا کر مجھے آنکھ مارتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔ "ایسا کوئی قدم اٹھا کر تم زندہ نہیں بچ سکو گے۔"

"میں کچھ بھی نہیں کرنا چاہ رہا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر بے بسی سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ شوائے کے بعد اب تم

پر مغز زنی کرنی پڑے گی۔ ڈون کی حویلی میں ہمیں غیر یقینی صورتِ حال کا سامنا ہے۔ میں صرف اپنے تحفظ کا بندوبست کر رہا ہوں۔ حالات نارمل رہے تو بلو پائپ سوغات بن کر رہ جائے گا۔"

"تم ڈیڈی سے زیادہ سمجھ دار معلوم ہوتی ہو۔" شوائے نے غزالہ سے کہا۔ "اسے سمجھاؤ کہ یہ آگ سے کھیلنے کی کوشش نہ کرے' یہ آگ ڈیڈی کے ساتھ تم دونوں کو بھی جلا کر راکھ کر سکتی ہے۔"

"فی الحال اس قصے پر لعنت بھیجو' میں تنہائی میں اسے سمجھانے کی کوشش کروں گی۔ یہ بتاؤ کہ اب تم ہمیں کہاں لے جا رہی ہو۔" غزالہ نے اس کے ساتھ ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔

شوائے اپنا چشمہ اتار کر ٹشو پیپر سے آنکھیں اور چہرہ صاف کرتے ہوئے بولی۔ "ڈیڈی نے اس وقت مجھے بدترین ذہنی صدمہ پہنچایا ہے اور میں سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہی ہوں۔ تم جہاں کہو ہم وہاں چل سکتے ہیں' ہم باہر آئے ہیں تو کم از کم لنچ کر کے ہی واپس چلیں گے۔"

مجھے مکاؤ کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں تھیں لیکن غزالہ نے بتایا کہ مکاؤ کے ساحل سے کچھ دور' اسی کی سمندری حدود میں کولون اور تائپہ نام کے دو خوبصورت جزائر ہیں جو ہانگ کانگ اور کولون کی طرح' زیرِ آب سرنگ کے ذریعہ ملے ہوئے ہیں۔ مکاؤ والے ان دونوں جزائر کا ہانگ کانگ والے کولون اور تائیوان والے تائپہ سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن وہاں سیاحوں کے لیے رنگا رنگ تفریحات کی بہتات تھی۔

شوائے نے ادھر جانے کا مشورہ رد کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ کولون' مقتول وان لن کا سب سے مضبوط ٹھکانا تھا جہاں اس کے حامی سب سے بڑے کاسینو کے مالک تھے۔ تازہ ترین کشیدگی کی وجہ سے اس امر کا قوی امکان تھا کہ ڈون کے آدمیوں نے کولون میں ان کا صفایا کرنے کی مہم شروع کر دی ہو۔ مار دھاڑ اور فسادات کے اس ماحول میں ہم وہاں دشواریوں میں گھر سکتے تھے۔

میرا حویلی سے باہر نکلنے کا مقصد حاصل ہو چکا تھا اس لیے مجھے اس امر میں ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی کہ شوائے ہمیں کہاں لے جاتی ہے۔ مکاؤ کی خوبصورت سڑکوں پر آوارہ گردی کے بعد وہ ہمیں لزبن ریستوران میں لے گئی جہاں کا ماحول پُرشور اور پُرہجوم تھا۔

ہماری واپسی تک ڈون کی حویلی میں جشن کی تیاریاں زور پکڑ چکی تھیں۔ داخلی پھاٹک کے قریب میدان میں میلے کا سا سماں تھا۔ بُل فائٹنگ کا رِنگ تیار ہو چکا تھا۔ اس کے دائیں بائیں' دور تک زمین کو خوبصورت قالینوں سے ڈھانک دیا گیا تھا۔ ان قالینوں پر رنگ برنگ چھتریوں کے نیچے مہمانوں کے لیے میزیں اور کرسیاں بچھانے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ رِنگ سے آگے خوبصورت لان پر اسٹیج سجایا جا رہا تھا جو زمین سے صرف ایک فٹ بلند تھا۔ اسٹیج کے سامنے اور دائیں بائیں بھی میزیں کرسیاں ڈالی جا رہی تھیں۔

ڈون کی نشست یقینی طور پر اسٹیج پر ہی ہونی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ مجھے اور غزالہ کو بھی اسی کے ساتھ بیٹھنا پڑتا اور آخر کار نیشی کاؤ کا بھی وہیں براجمان ہوتا۔ وہ ایسا نازک مقام تھا کہ میں کوئی بھی کارروائی کرنے کے لیے ڈون کی آنکھ بچا کر غائب نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے بلو پائپ کے علاوہ دیگر اشیا شوائے کے حوالے کر دیں جو اس نے خاصے تردّد کے بعد قبول کر لیں۔ حویلی کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے میں نے اسے ایک بار پھر یاد دلایا کہ اس نے بلو پائپ کے بارے میں ڈون کے سامنے ایک لفظ بھی کہا تو ہمارے ساتھ وہ خود بھی ناقابلِ تصور مشکلات میں مبتلا ہو جائے گی۔

شوائے ہمیں لے کر حویلی کے جن حصوں سے گزری' وہاں ڈون کی موجودگی کی کوئی علامات نہیں تھیں۔ حویلی میں نکلنے والے خفیہ راستے کے ذریعے ہمیں زیرِ زمین خوابگاہ تک پہنچا کر شوائے واپس چلی گئی۔ اس نے بظاہر میرے سامنے ہتھیار تو ڈال دیے تھے لیکن وہ بہت زیادہ خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ اس حالت میں وہ ڈون کے سامنے گئی تو وہ گھاگ آدمی فوراً ہی اس تبدیلی کو بھانپ لے گا۔ اگر وہ شوائے سے تلخ و ترش بازپُرس پر اتر آتا تو شوائے کے لیے اپنے وعدے پر قائم رہنا مشکل ہو جاتا۔ لیکن میرے پاس کوئی دوسری راہ نہیں تھی۔ بلو پائپ والی دکان کے کیش رجسٹر کا قفل خراب ہونے سے پیدا ہونے والی الجھن گلے پڑ چکی تھی اور ہمیں اس سے ہر حال میں نمٹنا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد ڈون کی طرف سے ہمارا بلاوا آ گیا۔ اس دوران میں سلطان شاہ سادہ سوئیوں کے ذریعے بلو پائپ کے استعمال کی مشق کرتا رہا تھا۔ اس نے اپنے لیے سگریٹ میں چھپے ہوئے بلو پائپ کا انتخاب کیا جسے بہ آسانی ہتھیلی میں چھپا کر استعمال کیا جا سکتا تھا۔

حویلی میں ڈون سے تیسری ملاقات اسی شاہانہ کمرے میں ہوئی جہاں ہم صبح اس سے مل چکے تھے۔ ڈون کے پاس صبح والے تین موٹے چینیوں میں سے گنجا اور مکار ترین چینی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے برابر میں سفید ٹوپی اور سیاہ لبادے میں ایک منحنی سا باریش چینی بھی موجود تھا اس کی گود میں کچھ کاغذات بھی رکھے ہوئے تھے۔ اس کی وضع قطع سے بہ آسانی یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ کینٹن سے بلایا گیا کوئی مسلمان عالم یا مولوی ہے۔

ڈون کے سامنے تپائی پر گلاس' واڈکا کی بڑی بوتل اور آئس پاٹ کے ساتھ مونگ پھلی کے تلے ہوئے نمکین دانوں کی پلیٹ رکھی ہوئی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سارا دن ہی شراب پیتا رہا ہو۔

ڈون ہم سے مخاطب ہوا تو اس کے لب و لہجے میں بہت زیادہ تازگی اور شگفتگی نہیں تھی۔ اس نے غزالہ سے خاص طور پر شہری سیر کے بارے میں چند سوالات کیے۔ پھر ہمیں مسلمان مولوی سے

متعارف کرانے لگا۔

مولوی نے السلام علیکم کہہ کر مجھ سے اور سلطان شاہ سے ہاتھ ملایا۔ اس نے مزاج پرسی کے کچھ کلمات بھی کہے جو چینی زبان میں ہونے کی وجہ سے ہماری سمجھ میں نہ آسکے۔

"اس شخص نے بتایا ہے کہ تم لوگوں میں نکاح کے لیے گواہوں وغیرہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمیں کہیں سے ایک اور مسلمان پکڑوانا ہوگا۔" ڈون نے 'مسلمان پکڑوانے' کا ذکر اس انداز میں کیا جیسے وہ کوئی چوہا پکڑنے کی بات کر رہا ہو اور میں زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا۔

"گواہوں کا مسلمان اور بالغ ہونا ضروری ہے۔" ڈون اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "ایک گواہ تمہارا ساتھی ہوگا۔ دوسرے کی کمی ہے۔ تمہارا پوپ ہم میں سے کسی کی گواہی قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔"

"یہ ٹھیک کہتا ہے۔ اس مذہبی ضرورت کو تبدیل کرنا ہر ایک کے بس سے باہر ہے۔" میں نے کہا۔

ڈون گنجے چینی سے مخاطب ہو کر اپنی زبان میں کچھ بولنے لگا۔ ڈون کے خاموش ہوتے ہی گنجے نے اپنی جگہ چھوڑ کر اپنے سر کو احتراماً خم دیا اور تیزی کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

"یہ تمہارا مذہبی معاملہ ہے اس لیے پوپ کا خیال ہے کہ نکاح پڑھانے کا قصہ کل صبح' حویلی ہی میں نمٹا دیا جائے۔ تم دونوں کو صبح دس بجے تیار رہنا ہوگا۔"

وہ میرے لیے خوشی کی بات تھی۔ اس طرح مجھے ڈون کی تقریب میں ہمہ وقت چوکنا رہنے کا موقع مل سکتا تھا۔

"ڈون!" اچانک شوائے کی بھرائی ہوئی آواز نے سب کو چونکا دیا۔ ہمیں لانے کے بعد وہ ایک صوفے کی پشت پر کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا تو اس کا چہرہ بالکل زرد ہو رہا تھا۔ آنکھیں چڑھ گئی تھیں اور بولتے ہوئے اس کی زبان اینٹھ رہی تھی۔

"میں نے زندگی بھر تمہارا نمک کھایا ہے۔" وہ رک رک کر انگریزی میں بول رہی تھی۔ نامعلوم درد اور اذیت کی وجہ سے اس کی آنکھوں کی پتلیاں پپوٹوں میں چڑھ کر غائب ہو چکی تھیں۔ "میں اس عمر میں تم سے غداری نہیں کر سکتی۔"

پھر اُس نے چینی میں کچھ کہا۔ اس کی بات ادھوری رہ گئی کیوں کہ یکایک ہی اسے منہ بھر کر خون کی قے ہوئی اور وہ پلٹ کر قالین پر ڈھیر ہو گئی۔

"زہر!" ڈون کی آواز کسی زخم خوردہ سانپ کی غضبناک پھنکار سے مشابہ تھی۔ وہ اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ تیزی سے اٹھا اور حیرتناک سرعت کے ساتھ شوائے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کی حالت ابتر تھی اور وہ اپنی پوری قوت مجتمع کر کے کچھ بولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ہتھیلیاں ٹھنڈے پسینوں میں ڈوب گئیں اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلنے لگا۔ غزالہ اور سلطان شاہ کے چہروں کے رنگ بھی اُڑ گئے تھے۔

شوائے نے گرنے سے پہلے چینی زبان میں جو کچھ کہا' اگر اس میں بلو پائپ کا ذکر موجود تھا تو وہ پیغام ہم تینوں کے لیے موت کا پھندا ثابت ہو سکتا تھا۔

میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سلطان شاہ سے استفسار کیا اور اس کے اشارہ سے سمجھ لیا کہ بلو پائپ اس کی جیب میں موجود تھا جب کہ میں بیم گن سے مسلح تھا۔ ہم لوگ کسی بھی غیر متوقع اور خراب صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھے۔

شوائے کی زبان سے ڈون کے نمک اور پھر غداری کا ذکر خطرے کی نشاندہی کر رہا تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ حالات سے سمجھوتا کرنے کے باوجود بدترین ذہنی دباؤ برداشت نہیں کر سکی تھی اور اس نے ڈون کو سب کچھ بتا ڈالنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ محتاط انداز میں ڈون کی طرف بڑھنے لگا۔ چینی مولوی اپنے کاغذات سنبھالے' ایک طرف کھڑا خوف اور حیرانی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا جیسے اسے کسی مناسب جائے پناہ کی تلاش ہو۔

چینی مولوی اس غیر متوقع صورتِ حال پر بہت زیادہ خوف زدہ اور گھبرایا ہوا تھا۔ اس منحنی اور باریش چینی نے کاغذات والا بستہ اپنی بغل میں دبالیا تھا۔ اس کی بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ بستے میں سے نکل کر متعدد کاغذات قالین پر بکھر گئے تھے لیکن اسے ان کا ہوش ہی نہیں تھا۔ وہ کسی بدکے ہوئے غزال کی طرح اپنی جگہ پر کھڑا' اِدھر اُدھر سر گھما رہا تھا جیسے دوڑ لگانے سے قبل محفوظ سمت کا تعین کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے اچانک ہی دوڑ لگادی اور اس وسیع و عریض کمرے کے ایک دور اُفتادہ حصے میں صوفے کے پیچھے گھس گیا۔

وہ چینی مولوی مسلمان ضرور تھا لیکن ڈون کا بلایا ہوا تھا اس لیے میں اُس پر نگاہ رکھنے پر مجبور تھا لیکن اس کے مقابلے میں ڈون میرے لیے زیادہ اہم اور خطرناک تھا۔ وہ قالین پر گری ہوئی مس شوائے پر جھکا ہوا تھا۔ میں دبے قدموں اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ میرا ہاتھ جیب میں موجود بیم گن کے دستے پر تھا۔ اسی طرح سلطان شاہ بھی ضرورت پیش آنے پر اپنے بلو پائپ سے کام لینے کے لیے تیار تھا۔

دیو ہیکل ڈون کا وزن کسی بھی طرح چار من سے کم نہیں تھا۔ اپنے اس بھاری بھرکم وجود کے ساتھ جب وہ کسلمندانہ انداز میں کہیں بیٹھا یا لیٹا ہوا ہوتا تھا تو اسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بغیر کسی دقت کے چند قدم بھی نہ چل پاتا ہوگا۔ اس کا حد سے بڑھا ہوا وزن اور آگے نکلی ہوئی توند اس کی آزادانہ نقل و حرکت میں بری طرح حارج ہوتی ہوگی لیکن میں دیکھ چکا تھا کہ ڈون کسی بھینسے سے زیادہ طاقت کا حامل ہونے کے ساتھ ہی غیر معمولی حد تک پھرتیلا بھی تھا۔ اس کی چال تیز اور ہموار ہوتی تھی۔ وہ کسی سبک اندام شخص کی سی پھرتی کے ساتھ' کرب میں مبتلا مس شوائے کی طرف لپکا تھا اور اسی انداز میں اس پر جھکا ہوا' اسے ٹٹول رہا تھا۔

اچانک وہ چینی زبان میں کچھ بڑبڑاتا ہوا سیدھا کھڑا ہوگیا۔ اُس کے قدموں میں خون آلود قالین پر مس شوائے کا بدن بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کے دہانے کے نچلے گوشے سے' خون کے ساتھ ساتھ نیلے رنگ کے گاڑھے جھاگ بھی بہہ رہے تھے۔

ڈون ہماری طرف پلٹا تو اس کے چہرے پر غم یا صدمے کے بجائے شدید برہمی اور اشتعال کے آثار نمایاں تھے۔

"مرگئی!" وہ میری طرف گھورتے ہوئے انگریزی میں دہاڑا۔ "مگر کیوں؟"

ڈون کے اس انداز پر میں بوکھلا کر رہ گیا۔ میرے پاس اُس کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"وہ... وہ تمہارے نمک اور غداری کا ذکر کر رہی تھی۔" میں نے کمزور سے مدافعانہ لہجے میں کہا "پھر تم نے بھی کسی زہر کا تذکرہ کیا تھا۔ اُن باتوں میں کوئی نہ کوئی ربط ضرور رہا ہوگا۔"

ڈون میرے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر' خاموشی سے میری طرف بڑھنے لگا اور میرے پورے بدن میں یک بیک ہزاروں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ میرا داہنا ہاتھ بدستور جیب میں تھا۔ غیر ارادی طور پر بیم گن کے دستے پر میری گرفت سخت ہوگئی۔

"شوائے نے اپنی جوانی کی سیکڑوں راتیں میری خوشیوں پر قربان کی تھیں۔" ڈون اپنا سر جھٹک کر خود کلامی کے انداز میں بولنے لگا "وہ میری بہت پرانی نمک خوار تھی۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ اس نے زہر کھالیا ہے۔ تم نے خود سن لیا ہوگا کہ وہ مجھ سے غداری کرنے سے خوف زدہ تھی اور اُس نے اسی الزام سے بچنے کے لیے زہر کھا کر خودکشی کرلی مگر وہ کون ہے جو اُسے مجھ سے غداری کرنے پر مجبور کر رہا تھا؟ شوائے اتنی بزدل اور کمزور نہیں تھی کہ ذرا سی بات پر خودکشی کرلیتی۔ وہ مجھ سے مدد طلب کرسکتی تھی لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ میرے کسی انجان دشمن نے شوائے کی کوئی کمزوری اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد اس پر دباؤ ڈالنا شروع کردیا تھا۔"

غنیمت یہ تھا کہ ڈون نے میرے چہرے پر سے نگاہیں ہٹالی تھیں اور میرے قریب سے گزر کر اس عظیم الشان صوفے کی طرف بڑھ گیا تھا جس پر وہ پہلے بھی براجمان تھا۔

ڈون کے الفاظ میں' میرے لیے نجات کا پیغام مضمر تھا۔ یہ سن کر میری جان میں جان آگئی تھی کہ ڈون کو شوائے کی موت کے بارے میں ہم پر براہِ راست کوئی شبہ نہیں تھا۔ اس کے ذہن کے کسی دور دراز گوشے میں بھی ایسا کوئی امکان ہوتا تو وہ کسی مروّت کے بغیر ہم پر ہاتھ ڈال بیٹھا ہوتا۔

میرے تنے ہوئے اعصاب اعتدال پر آگئے اور میں نے اپنا ہاتھ جیب سے باہر نکال لیا۔

"تمہارا یہ مولوی کہاں مرگیا؟" اس نے اپنے صوفے پر بیٹھنے کے بعد اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی ابھی تو یہیں تھا۔ شاید ڈر کر بھاگ گیا ہوگا۔" میں نے مسمسی آواز میں جواب دیا۔

ڈون حلق کے بل' چینی زبان میں دہاڑا۔ چینی مولوی کانپتا ہوا اپنی کمین گاہ سے طلوع ہوا تو وحشت سے اُس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

صوفے کے پیچھے سے نکلتے ہوئے اسے وہ کاغذات بھی نظر آئے جو اُس نے بدحواسی میں پورے کمرے میں گرادیے تھے۔ وہ ان کاغذات کو سمیٹتا ہوا' ڈون کی طرف آنے لگا۔

اسی وقت' کہیں سے تین نیم برہنہ لڑکیاں تقریباً دوڑتی ہوئی اس کمرے میں گھس آئیں اور ڈون کے سامنے رکوع کی حالت میں جھک کر سیدھی کھڑی ہوگئیں۔

ان تینوں لڑکیوں کے جسموں پر لباس کے بجائے' سفید موتیوں کی لڑیاں جھول رہی تھیں۔ یہ لڑیاں بغلوں کے نیچے بندھی ہوئی یا کسی ہوئی ایک سفید ریشمی ڈوری کے سہارے اُن کے

گھٹنوں تک آئی ہوئی تھیں۔ ان لڑیوں پر کشش ثقل اس قدر ظالمانہ انداز میں کام کر رہی تھی کہ ڈوریاں یا لڑیاں بالکل سیدھی رہنے پر مجبور تھیں۔ لڑکیوں کے بدن کے کسی بھی فراز پر ان کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ ایسے نازک مقامات پر لڑیاں دائیں بائیں جھولی ہوئی تھیں۔ وہ لڑکیاں جب ڈون کو تعظیم دینے کے لیے جھکیں تو صورتِ حال اس قدر سنگین ہو گئی کہ غزالہ بوکھلا کر نصف دائرے کی صورت میں دوسری طرف گھوم گئی۔

"لاحول ولا قوۃ!" سلطان شاہ میرے کان کے قریب منمنایا۔ "ڈون نے اپنی بدذوقی کی وجہ سے ان بے چاریوں کو بھرے مجمع میں تماشا بنا کر رکھ دیا ہے۔"

"تم ان بے چاریوں کو گھور کیوں رہے ہو؟ ڈون کی طرف دیکھتے رہو' ان کا تماشا نظر نہیں آئے گا۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں جواب دیا "اس وقت گولی ہمارے کان پر سے گزری ہے اور تمہیں ان بے شرم لڑکیوں کی فکر لاحق ہو رہی ہے۔ تمہیں اب تک ڈون کی حویلی کے رسم و رواج کا عادی ہو جانا چاہیے۔"

ڈون چینی زبان میں اُن لڑکیوں کو ہدایات دیتا رہا۔ اُس کے خاموش ہوتے ہی وہ تینوں اس طرف بڑھ گئیں جدھر شوائے کی ش پڑی ہوئی تھی اور ڈون ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا "تم لوگ میرے سر پر کیوں کھڑے ہوئے ہو؟ تمہیں بیٹھنے میں کیا تکلیف ہے؟"

"ہم اجازت کے منتظر تھے ڈون!" میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا اور بیٹھ گیا۔ غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ ہی چینی مولوی نے بھی میری تقلید کی۔

ڈون کی پیشانی پر سیکڑوں تفکر آمیز شکنیں نمودار ہو چکی تھیں۔ وہ چند ثانیوں تک خاموش بیٹھا رہا پھر اُس نے مجھ سے سوال کیا۔ "شوائے نے آج اپنا بیشتر وقت تم لوگوں کے ساتھ گزارا ہے' اس نے تم سے اپنی کسی پریشانی یا مایوسی کا ذکر تو نہیں کیا تھا؟"

"نہیں' اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔" میں نے جواب دینے کی ذمّے داری لیتے ہوئے کہا "البتہ وہ پریشان ضرور تھی۔ باتیں کرتے کرتے اچانک اس طرح خاموش ہو جاتی تھی جیسے اس کا ذہن کسی اور جگہ اُلجھا ہوا ہو۔ ہمارے ٹوکنے پر وہ چونک کر ہنس پڑتی تھی۔ وہ بہت اچھی اور خوش اخلاق عورت تھی۔ ہمیں شبہ تک نہیں ہو سکا کہ وہ کچھ دیر بعد خودکشی کرنے والی ہے۔"

میں نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ ڈون کو اپنی اس معصومانہ رائے سے آگاہ کر دیا تھا لیکن میں اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ مس شوائے نے ہم لوگوں کی مشتبہ حرکات سے پیدا ہونے والے ذہنی دباؤ کے نتیجے میں خودکشی کی تھی۔ اس کو شبہ ہو چکا تھا کہ ہم نے مکاؤ کے بازار سے بلو پائپ کسی خاص مقصد کے لیے خریدا تھا۔ میں پوری کوشش کے باوجود اپنی اس خریداری کو شوائے سے پوشیدہ رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ مس شوائے پوری ایمانداری کے ساتھ اپنے آقا کو میری اس خریداری سے آگاہ کرنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن میں نے اپنے ساتھ اُسے بھی پھنسوانے کی بے رحمانہ دھمکی دے کر اُلجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ اپنی جوانی میں ڈون کی منظورِ نظر رہ چکی تھی اور ڈھلتی ہوئی عمر میں' ڈون سے اپنی ماضی کی خدمات کا خراج وصول کر رہی تھی۔ اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ کسی بھی وجہ سے ڈون کی نظروں سے گر کر' اس کے عتاب کا نشانہ بن جائے۔

وہ زبان بند رکھتی تو ڈون سے غداری اور نمک حرامی کا بوجھ اس کے ضمیر کے لیے عمر بھر کا روگ بن جاتا۔ زبان کھولتی تو میں روزینا کو گواہ بنا کر ڈون کے ہاتھوں اُس کی مٹی پلید کرا دیتا۔

مس شوائے کے لیے وہ دونوں ہی صورتیں ناقابلِ قبول' بلکہ کربناک تھیں۔ اسی وجہ سے اس نے تیسرے راستے پر چلنے کا فیصلہ کرتے ہوئے زہر کھا لیا۔ شاید وہ مرنے سے پہلے ڈون کو ہماری مشتبہ حرکات سے بھی آگاہ کرنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن یہ ہماری خوش بختی تھی کہ اس کے منتخب کیے ہوئے زہر کی ہلاکت خیز تیزی نے اسے ہمارے خلاف زبان کھولنے کا موقع فراہم نہیں کیا اور وہ چند ادھورے اشارے چھوڑ کر اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

مس شوائے اپنے کردار کے اخلاقی پہلو سے قطع نظر' ایک اچھی عورت تھی۔ اس نے میرے ساتھ تعاون کیا تھا اگر وہ مجھے روزینا سے رجوع کرنے کا مشورہ نہ دیتی تو میرے لیے مکاؤ میں ڈون تک پہنچنا ناممکن ہو کر رہ جاتا۔ مجھے اُس کی خودکشی کا قلق تھا لیکن وہ حالات کی ستم ظریفی تھی کہ اس کی موت ہی ہمارے مفادات کے حق میں بہتر تھی۔ وہ زندہ رہتی تو ہمارے لیے ناقابلِ بیان دشواریاں کھڑی کر سکتی تھی۔

"وہ اچھی تھی یا بری' یہ بات اب بالکل غیر اہم ہے۔" ڈون کا لہجہ بالکل سرد اور سپاٹ تھا "برے آدمیوں کی طرح اچھے لوگوں کو بھی ایک دن مرجانا ہوتا ہے۔ اسی طرح شوائے بھی مر گئی۔ مجھے قلق اس بات کا ہے کہ موت نے اسے اپنی بات پوری کرنے کی مہلت نہیں دی۔ مجھے تشویش ہونے لگی ہے کہ میری حویلی میں ایسا کون سا نمک حرام پیدا ہو گیا ہے جو میرے جاں نثاروں کو بلیک میل کر کے مجھ سے غداری پر اکسا سکتا ہے۔"

"ایسا تو نہیں کہ وہ تم سے بے وفائی کو اپنی دانست میں غداری سمجھ بیٹھی ہو؟" ڈون کو غلط راہ پر ڈالنے کی نیت سے میں نے سادگی سے رائے ظاہر کی۔

"کیا مطلب؟" ڈون چونک کر مجھے گھورنے لگا۔ اضطرار کے عالم میں وہ حسبِ عادت اپنی لٹکی ہوئی باریک مونچھوں کے سرے تیزی سے' مروڑنے لگا تھا۔

"شاید تمہارے کسی مرد ملازم نے اسے بہکایا ہو اور وہ اس کے دام میں آ گئی ہو۔ بعد میں اسے خیال آیا ہو گا کہ وہ تو تمہاری محبوبہ رہی تھی۔ کسی اور سے دوستی کر کے وہ تم سے بے وفائی کی

مرتکب ہوئی ہے....."

ڈون نے تیزی سے میری بات کاٹ دی "یہ میری حویلی ہے کوئی خانقاہ یا گرجا نہیں ہے جہاں کنواری راہباؤں کو عمر بھر اپنے مربّی کے علاوہ کسی اور سے آشنائی پیدا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ میری طرف سے چھوٹ ملنے کے بعد ہر لڑکی آزاد اور خود مختار ہو جاتی ہے۔ میں کبھی کسی پر ناروا پابندیاں عائد نہیں کرتا۔"

"تم بہت عظیم ہو!" میں نے پورے خلوص کے ساتھ اس جھوٹ کا اعتراف کرتے ہوئے کہا "اپنی حویلی کے اسرار تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ ہم اجنبی اس بارے میں کچھ کہنے سے قاصر ہیں۔"

موتیوں کی لڑیوں میں ملبوس تینوں لڑکیاں، چند منٹ بعد مس شوائے کی لاش کو وہاں سے اٹھا لے گئیں۔ اس دوران میں ڈون اپنی مونچھوں کو مروڑتے ہوئے، واڈکا کے گھونٹ لیتا اور مونگ پھلی کے نمکین دانے ٹھونگتا رہا۔ اس نے ہم سے ایک لفظ بھی نہیں کہا، اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں غلطاں تھا۔

کینٹون سے بلوایا گیا، چینی مولوی ڈون سے بہت زیادہ خائف تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے گود میں رکھے ہوئے کاغذات کو تھامے پلکیں جھپکائے بغیر ڈون کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ جیسے ڈون نے کسی بھی لمحے، اسے اپنی طرف متوجہ نہ پایا تو اسے گردن سے پکڑ کر سُولی پر ٹانگ دے گا۔

مس شوائے کی لاش لے جائے جانے کے بعد قالین کے متاثرہ حصے کی صفائی کے لیے چار عورتیں ایک بڑی سی ٹرالی لڑھکاتی ہوئی وہاں پہنچ گئیں۔ اس ٹرالی پر نصب طاقتور ویکیوم کلینر دور ہی سے نظر آ رہا تھا۔ ٹرالی کے ایک حصے میں قالین کی صفائی میں کام آنے والا شیمپو اور اسپرے قرینے سے سجے ہوئے تھے۔

بظاہر وہ نچلے درجے کی ملازمائیں تھیں۔ شاید اسی لیے اُن پر اپنی جسمانی دلکشی کے اظہار و نمائش کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ وہ چاروں قرینے کے لباس میں تھیں، اپنی ٹرالی قالین کے متاثرہ حصے کے قریب پہنچا کر وہ ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔ شاید وہ اپنا کام شروع کرنے کے لیے ڈون کی اجازت کی منتظر تھیں۔

ڈون اس وقت سب لوگوں کی موجودگی سے بالکل بے خبر یا لاتعلق نظر آ رہا تھا اور بے پروایانہ انداز میں مسلسل مے نوشی میں مصروف تھا۔

آخر کار تین موٹے گنجے اور پستہ قامت چینی وہاں آ موجود ہوئے۔ وہ تینوں بھی، اپنے دیگر ساتھیوں کی طرح شوخ رنگوں کی قمیصیں اور پتلونیں پہنے ہوئے تھے۔ اُن کے بگڑے ہوئے چہروں پر پرانے زخموں کے متعدد نشانات اُن کی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کی بھرپور غمازی کر رہے تھے۔ ڈون کے پاس صبح بھی میں تین موٹے اور پستہ قامت چینیوں کو دیکھ چکا تھا جن میں سے ایک کی کھوپڑی کسی انڈے کے چھلکے کی طرح صاف اور چکنی تھی اور وہی مکّار گنجا تھوڑی دیر قبل ڈون کے پاس سے اٹھ کر گیا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ ڈون کے تمام ہی مرد کارکن پستہ قامت اور موٹے تھے جہاں تک اُن سب کی قامتوں کا تعلق تھا تو چینی عام طور پر پستہ قد ہی ہوتے ہیں۔ خود ڈون بھی چھ اور پونے چھ فٹ لمبا تھا اگر وہ بے حد موٹا نہ ہوتا تو اپنی نسل کا ایک دراز قامت شخص کہا جا سکتا تھا۔ اس کے پالتو غنڈوں یا کارکنوں کے موٹے ہونے کا ایک ہی سبب نظر آتا تھا کہ ڈون کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اس نے جتنے آدمی پالے ہوئے تھے، اتنا کام نہیں تھا اس وجہ سے ڈون کے آدمی کھاتے پیتے اور عیش کرتے رہتے تھے۔ ڈون کا صرف ایک معیار تھا کہ آدمی اس کا وفادار ہو۔ ایسی صورت میں وہ اس کی ہر ضرورت پوری کرتا رہتا تھا۔ کھانے پینے کی آزادی اور بے فکری کے نتیجے میں ڈون کے تمام کارکن موٹے ہو گئے تھے۔ اس بھیڑ میں چینی مولوی کا منحنی سا وجود بہت عجیب محسوس ہو رہا تھا۔

اس اعتبار سے ڈون کی حویلی لڑکیوں کو سبک اندام اور مردوں کو فربہ اور مجرّب بنانے کا کارخانہ کہی جا سکتی تھی لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ وہ تمام موٹے موٹے چینی، کارکردگی کے معاملے میں ڈون کی مثال سامنے رکھتے ہوں گے۔ وقت پڑنے پر وہ سب ہی اپنے حریفوں کے لیے جان کا عذاب ثابت ہوتے ہوں گے۔

ان تینوں چینیوں کی تعظیم قبول کرنے کے ساتھ ہی ڈون نے چینی زبان میں کچھ بولنا شروع کیا اور پھر صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ان تینوں نے بڑھ کر واڈکا کی بوتل سمیت، ڈون کے پینے پلانے کے لوازمات اٹھا لیے۔ آثار سے نظر آ رہا تھا کہ ڈون اس مرصع کمرے سے رخصت ہونے کا ارادہ رکھتا تھا اس لیے ہم تینوں نے بھی اس کی تقلید میں اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ چینی مولوی ہم سے پہلے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اس نے قالین صاف کرنے والیوں کو اپنا کام شروع کرنے کا اشارہ کیا اور ہمیں اپنے پیچھے آنے کی ہدایت کرتا ہوا، شاہانہ انداز میں ایک طرف چل دیا۔ تینوں نووارد چینی اس کے پیچھے تھے اور ہم تینوں آخر میں چل رہے تھے۔

ایک طویل راہداری میں موڑ گھومنے کے بعد ڈون جس کمرے میں داخل ہوا وہ وہی کمرا تھا جہاں ڈون کی فرش میں دھنسنے والی فرشی مسند موجود تھی اور حریری پردوں کے عقب میں ہر وقت تیس چالیس نوخیز لڑکیاں ڈون کی دل جوئی کے لیے تیار بیٹھی رہتی تھیں۔

میں نے راجہ اندر کی رنگین سبھا اور رنگیلے شاہ کی پُرہجوم خلوتوں کے بارے میں بہت کچھ سنا اور پڑھا تھا لیکن میری دانست میں مکاؤ کا ڈون کوانگ فو اُن سے کئی قدم آگے تھا۔ کسی بادشاہ جیسا اقتدار اور اختیار نہ رکھتے ہوئے بھی وہ اتنا خوش نصیب تھا کہ مکاؤ کی حسین و جمیل ترین لڑکیاں بھی اُس کی ہم نشینی میں فخر

محسوس کرتی تھیں۔ میں نے دیکھا تو نہیں لیکن بدنصیب ٹرس شوائے سے سنا ضرور تھا کہ ڈون کی حویلی میں خوب صورت اور نازک اندام دوشیزاؤں کی اقوام متحدہ قائم تھی۔ ان میں چینی لڑکیوں کی کثرت ضرور تھی لیکن ان کی ٹولی میں یورپ' امریکا' برطانیہ' مشرقِ وسطیٰ اور دیگر ممالک کی لڑکیاں بھی آتی جاتی رہتی تھیں۔

ڈون اس خطے میں شی کا آئی مین تھا۔ وہ لوگ ہیروئن کے عالمی انسداد کے دعوے دار تھے لیکن میں اس تلخ حقیقت سے واقف تھا کہ جی لائیڈ امریکی صدر کے لامحدود اختیارات کی بھرپور پشت پناہی کے ساتھ ہیروئن کو اس کے پیداواری ممالک اور علاقوں میں کھپانے کے مذموم مشن پر کام کررہا تھا۔ ان کا فلسفہ یہ تھا کہ ہیروئن کی مقامی کھپت میں ہولناک اضافہ کروا دیا جائے تو ان ممالک میں فاضل پیداوار باقی نہیں رہے گی جسے ان کے ملک اسمگل کیا جاسکے۔ اپنے ملک کی جوان اور بے راہ رو نسل کو اس موذی نشے سے بچانے کے لیے دوسری قوموں کے ہونہاروں کو اس بھٹی کا ایندھن بنانے کا منصوبہ خود غرضانہ ہی نہیں' شرمناک بھی تھا۔

اور ڈون اسی ہیروئن کے پیسے میں کھیل رہا تھا۔ اس نے کروڑوں کے نوادرات جمع کیے ہوئے تھے۔ ایکڑوں پر پھیلی ہوئی خوب صورت حویلی کا مالک تھا۔ ہزاروں کارندوں کا بے تاج حکمراں تھا' اسے ہر وہ قوت حاصل تھی جس کے سہارے وہ اپنی پسند کی ہر چیز حاصل کرسکتا تھا۔

اس وسیع وعریض کمرے میں' اپنے وقت کے راجہ اندر کی ناز برداریوں کی تیاریاں جاری تھیں۔ وسیع کمرا مختلف قوموں کی خوب صورت لڑکیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ڈون کی مسند کے اِردگرد' فرشی قالین پر گاؤ تکیے پڑے ہوئے تھے۔ ڈون کی خوب صورت اور جدید ترین ٹرالی اس کی مسند کے قریب موجود تھی۔

وہاں موجود لڑکیوں نے لپک کر' ڈون کے ساتھ آنے والوں سے واڈکا کی بوتل وغیرہ لے لی۔ ڈون کسی فاتح جرنیل کی طرح اپنی مسند پر جاچڑھا۔ تینوں گنجے اور موٹے چینی فرشی قالین پر گاؤ تکیوں کے سہارے بیٹھ گئے۔ ہم تینوں نے بھی اُن سے ہٹ کر قالین پر نشست جمالی۔ چینی مولوی فطری طور پر ہمارے ہی ساتھ آ بیٹھا تھا۔ آخرت سے بے خبر اور دنیاوی عیش وعشرت میں ڈوبے ہوئے ڈون کی حویلی کے وہ بدلتے ہوئے رنگین مناظر اس چینی مولوی کے لیے ہوش رُبا ثابت ہورہے تھے۔

ڈون نے مسند پر بیٹھتے ہی واڈکا کا باقی ماندہ گلاس ایک گھونٹ میں خالی کردیا۔

میں نے محسوس کیا کہ ڈون کے پاس آنے والوں میں سے ایک بدمعاش چینی بار بار دزدیدہ نگاہوں سے غزالہ کو دیکھے جارہا تھا۔ شاید غزالہ بھی اُس کی نازیبا حرکت کو بھانپ چکی تھی۔ وہ بے چین سی تھی لیکن اس نے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ میں بظاہر انجان بن کر' اس بدفطرت چینی کا جائزہ لیتا رہا۔

لڑکیوں نے پیتل کی چمکتی ہوئی منقش تھالیوں میں شراب کی بوتلیں' گلاس اور آئس پاٹ سجا کر ہمارے اور چینیوں کے سامنے الگ الگ رکھ دیں۔

وہ ڈون کی حویلی تھی اس لیے وہاں وہسکی بھی رائل سیلوٹ تھی۔ ڈون خود سفید روسی شراب پی رہا تھا لیکن اپنے ملاقاتیوں کے لیے اس نے بیش قیمت وہسکی فراہم کی تھی۔ تینوں چینیوں نے ندیدے پن کے ساتھ اپنے گلاسوں میں شراب انڈیلی' اس میں برف کے چند ڈلے ڈالے۔ پھر سائفن سے سوڈے کی دھاریں مارنے لگے۔ پیگ کے بجائے چوڑے منہ والے گلاسوں میں ڈرنک تیار کرتے ہوئے بدمعاش چینی نے اپنے ساتھیوں سے زیرِ لب کچھ کہا تھا۔ اس کا تبصرہ شاید غزالہ کے بارے میں تھا کیونکہ اس کے دونوں ساتھیوں نے فوراً ہی غزالہ کی طرف دیکھا پھر وہ تینوں ہی معنی خیز' بلکہ شیطانی انداز میں مسکرانے لگے۔

ڈون ان چینیوں سے مخاطب ہوگیا۔ ابتدا میں وہ تینوں ہی ہمہ تن ڈون کی طرف متوجہ رہے لیکن ڈون سے چینی زبان میں مذاکرات کرنے کا فریضہ ایک ادھیڑ عمر چینی نے سنبھالا ہوا تھا' اس لیے چند لمحوں بعد' بدمعاش چینی نے ایک بار پھر غزالہ کی طرف تاکنا جھانکنا شروع کردیا۔

"مجھے یہاں وحشت ہورہی ہے۔" غزالہ نے سرگوشی کی۔ "میں اپنے کمرے میں واپس جانا چاہتی ہوں۔"

"کیوں؟ کیا بات ہے؟" میں نے انجان بن کر' سادگی سے سوال کیا۔

"یہاں لڑکیاں جس قدر بے شرمی کے ساتھ اپنے جسموں کی نمائش کررہی ہیں' اس سے مجھے گھن آرہی ہے۔ میں یہ بے حیائی برداشت نہیں کرسکتی۔"

"تم اپنی نظریں جھکالو۔" میں نے اسے مشورہ دیا۔ "یہاں کا تو یہی دستور ہے۔"

"لیکن میں اس احساس سے چھٹکارا حاصل نہیں کرسکتی کہ میں جسموں کی ایک منڈی میں ہوں۔ انہیں دیکھ کر مجھے قصابوں کی دُکان پر لٹکا ہوا گوشت یاد آرہا ہے جسے اچھی طرح دیکھ بھال کر مول تول کیا جاتا ہے۔ اُن بے جان راسوں کے مقابلے میں' یہ زندہ بدن زیادہ گھناؤنے لگ رہے ہیں۔"

غزالہ نے اس مردود چینی کا ذرا بھی ذکر نہیں کیا جو اسے دیکھے جارہا تھا۔ شاید وہ اس امکان سے خوف زدہ تھی کہ کہیں میں اس چینی کی طرف سے اشتعال کا شکار نہ ہوجاؤں۔

ڈون نے ان لوگوں سے اپنے مذاکرات ختم کیے تو میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ "ڈون! اب ہم تینوں کے لیے کیا حکم ہے؟" اس سے پہلے میں موقع پاکر بیم گن سلطان شاہ کے حوالے

کر چکا تھا۔

"شوائے کی موت نے میری طبیعت مکدّر کردی ہے۔ اس صدمے کو بھلانے کے لیے اب یہاں محفل جمے گی۔ تم لوگ میرے مہمان ہوگے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم شراب چکھ کر دیکھو۔ تمہیں لطف آجائے گا۔"

"میں اس عزت افزائی کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں لیکن دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد' تکان کی وجہ سے میرے ساتھیوں کی طبیعت ناساز ہو رہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ محفل میں ان کی وجہ سے رنگ میں بھنگ پڑ جائے۔ اجازت ہو تو ان دونوں کو خواب گاہ میں بھیج دیا جائے؟"

"تم یہیں رکو گے نا؟" ڈون نے میری کہی ہوئی بات کی تہ تک پہنچتے ہوئے کہا۔

"یقیناً!" میں نے پُرزور لہجے میں اس کی تائید کی۔ "ہم تینوں کا ایک ساتھ چلے جانا' معیوب ہی نہیں آداب کے خلاف بھی ہوگا۔"

"ٹھیک ہے!" ڈون فوراً ہی مجھ سے متفق ہوگیا۔ "تمہارا پوپ بہت گھبرایا ہوا نظر آرہا ہے۔ یہ کل صبح ہونے والے نکاح کے لیے فارم بھرنا چاہتا ہے۔ یہ دونوں' پوپ کے کاغذات مکمل کرادیں تاکہ یہ بے چارہ بھی سونے کے لیے جائے۔ چین کے مسلمان پوپ' عورت اور شراب سے ہر وقت خوف زدہ رہتے ہیں۔" وہ زور سے ہنسا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "پتا نہیں یہ بے چارے شادی کے بعد اپنی بیوی سے کیا سلوک کرتے ہوں گے!"

ڈون کا وہ تبصرہ بہت جارحانہ بلکہ بے ہودہ تھا جس پر چینی مولوی برہم ہونے کی جسارت نہ کرپاتا تو زیرِ لب لاحول ضرور پڑھتا لیکن غنیمت یہ تھا کہ گفتگو انگریزی زبان میں ہو رہی تھی جس سے مولوی یکسر نابلد تھا۔ میں ڈون کی خوشنودی کے لیے مسکرا کر رہ گیا۔

"سارا!" ڈون نے زور سے آواز دی اور فوراً ہی سرخ بالوں اور نیلی آنکھوں والی ایک سفید فام دوشیزہ ڈون کے سامنے آکر تعظیم دینے کے بعد سیدھی کھڑی ہوگئی۔

ڈون اسے چینی زبان میں کچھ سمجھانے لگا۔ سارا تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتی رہی۔

"چوسین باہر گیا ہوا ہے۔" ڈون نے سارا سے گفتگو ختم کرکے ہم لوگوں سے کہا۔ "مس سارا ایک انگریز شہزادی کی ہم نام اور ہم شکل ہے۔ انگریزی اس کی مادری زبان ہے مگر یہ چینی زبان بھی خوب بولتی ہے۔ اسے میں نے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ پوپ کے کاغذات کی خانہ پُری کروانے کے بعد' یہ تمہارے ساتھیوں کو ان کے ٹھکانے پر پہنچا دے گی۔ بعد میں تم اس کا ڈسکو ڈانس دیکھ کر حیران رہ جاؤ گے۔"

مس سارا کے بدن پر اطلس کے مختصر سے زیرِ جاموں سے یہ معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سورج کی شعاعوں میں اپنا بدن سینکتے سینکتے اچانک ڈون کی محفل میں آگئی ہو۔ اس نے دلفریب انداز میں ہم سب کو خوش آمدید کہا' پھر مولوی سے کچھ بولی۔

غزالہ مجھے گھورتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے دانستہ اُس سے نظریں چُرا لیں۔

وہ چاروں وہاں سے روانہ ہوئے تو اضطراری طور پر' میری نگاہیں دور تک سارا کی لچکیلی چال کا تعاقب کرتی رہیں۔ نکٹی' چپٹی اور زرد رُو چینی حسیناؤں کی بھیڑ میں سارا کا سحر انگیز وجود ایک خوشگوار تجربہ تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس جیسی دلکش اور خوش انداز لڑکی ڈون کی حویلی میں کیا کر رہی تھی۔ اس کے لیے اپنے ہم قوم لوگوں میں ایک خوش حال شوہر اور دو چار دل پھینک بوائے فرینڈز تلاش کرلینا بائیں ہاتھ کا کام ہونا چاہیے تھا۔ شوہر کی وزنی جیب اسے مالی تحفظ فراہم کرسکتی تھی جب کہ بوائے فرینڈز کی مستانہ خوش فعلیاں اس کے نا آسودہ یا نیم آسودہ تصورات میں خوشیوں کے رنگ بھر سکتی تھیں۔

"اچھی لگ رہی ہے تو میں تم ہی کو بخش دوں گا۔" ڈون کی تمسخرانہ آواز نے مجھے چونکا دیا اور میں خفت آمیز انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔ وہ تینوں موٹے چینی شاید انگریزی سے ناواقف تھے ورنہ میرا مضحکہ اُڑائے جانے پر وہ ضرور اپنی خوشی کا اظہار کرتے۔

"میں سارا کو نہیں' اپنے ہونے والی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ نقاہت کی وجہ سے اُس کی چال میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ وہ شوائے کی موت سے بھی متاثر ہوئی ہے۔" میں نے اپنی صفائی پیش کی۔

"میری بات مانو اور مٹی چینی کی خوب صورت بوتل سے تھوڑی سی شراب چکھ کر دیکھو۔ تم اپنی ساری پریشانیوں کو بھول کر کل کے جشن کے لیے تر و تازہ ہو جاؤ گے۔" ڈون نے اصرار کیا۔

"میں تمہارا حکم نہیں ٹال سکتا۔" میں نے اپنے سامنے والی تھالی سے بوتل اٹھاتے ہوئے کہا۔ "بہک کر کوئی گستاخی کر بیٹھوں تو مجھے معاف کر دینا۔"

میں نے اناڑیوں کے سے انداز میں وہسکی گلاس میں انڈیلی اور اس میں برف یا سوڈا ملائے بغیر ایک ہی گھونٹ میں نیٹ پی گیا۔ ڈون ہائیں' ہائیں کر کے مجھے روکتا ہی رہ گیا۔ جب میں نے انتہائی بُرے بُرے منہ بناتے ہوئے' خالی گلاس واپس رکھا تو تینوں چینی بہت دلچسپی کے ساتھ میری طرف متوجہ تھے۔

میرے منہ بنانے اور کھانسنے پر ڈون بہت محظوظ ہوا اور زور زور سے ہنستے ہوئے بولا۔ "تم بالکل ہی گھامڑ ہو۔ دوسروں کو دیکھ کر بھی کچھ نہیں سیکھ سکے۔ وہسکی سوڈے' برف یا پانی کے ساتھ ملا کر پی جاتی ہے۔ نیٹ پینے سے تو عادی شرابی بھی پناہ مانگتے ہیں۔"

"سینے میں آگ کی لکیر سی اتر گئی ہے۔" میں نے اپنا سینہ ملتے ہوئے' بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن کچھ سرور سا آرہا ہے جیسے

میری کھوپڑی خلا میں ہلکورے لے رہی ہو۔"

ڈون نے میری بھلائی کے خیال سے مجھے اُن تینوں چینیوں کے سپرد کردیا۔ نیلی قمیص والے بدمعاش چینی نے میرے لیے اگلا گلاس بناتے ہوئے، شفاف گلاس ہتھیلی میں چھپا کر، اس میں وہسکی کی غیر معمولی مقدار انڈیلی اور اس میں جلدی سے سوڈا ملا دیا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ مجھے نشے میں دھت کرکے میرا تماشا بنانا چاہ رہا تھا لیکن اس مردود کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کا واسطہ ایک پرانے پاپی سے پڑا ہے۔

اس دن میرے ستارے کچھ اچھے تھے کہ اس محفل میں المناک چینی سُروں کے بجائے مغربی سازینوں کے ریکارڈ لگا دیے گئے۔ متعدد لڑکیاں ڈون کی مسند پر اسے گھیر کر بیٹھ گئیں۔ ایک چینی اور تین سفید فام لڑکیوں نے رقص شروع کردیا اور ہماری ٹولی کی دلجوئی کے لیے چار لڑکیاں ہمارے پاس آبیٹھیں۔

اس دوران میں مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ تینوں چینی، انگریزی فقرے بولنے یا سمجھنے سے قاصر تھے لیکن ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اُن کو اپنی بات سمجھائی جاسکتی تھی۔

نیلی قمیص والا بدمعاش مجھے تیز وہسکی کے دو گلاس پلانے کے بعد حیران اور خائف سا نظر آنے لگا۔ میں ظاہری طور پر تو بہت زیادہ جھوم جھام رہا تھا لیکن عملاً میرا ذہن دھند سے محفوظ تھا۔ نیلی قمیص والا میرے بارے میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ لڑکیوں پر زیادہ توجہ نہیں دے سکا جب کہ اس کے دونوں ساتھی ناشائستہ ہنسی مذاق میں محو تھے۔

اچانک ہی میری نیم وا آنکھوں نے سارا کو واپس آتے دیکھا۔ اس کے نمودار ہوتے ہی ڈیک پر موسیقی کا شور قدرے بلند ہوگیا۔ سب لوگ چونک کر مڑے اور سارا نے رقاص لڑکیوں کے درمیان میں، قالین پر اپنے قدم جما کر، اپنے بدن کو کسی پھرکی کی طرح چاروں طرف گھمانا شروع کردیا۔

اس کے قدم ایک جگہ جمے ہوئے تھے لیکن اوپری دھڑ، ربر کے لچکیلے مجسمے کی طرح بتدریج تیزی کے ساتھ گھومے جارہا تھا۔

اچانک موسیقی بدل گئی۔ تیز سازینوں کے ساتھ سارا فضا میں اچھلی پھر اس کے بدن میں بجلی سرایت کرگئی۔ وہ کسی ماہر اور پیشہ ور بازی گر کی طرح، موسیقی کی دھنوں پر سولو ڈسکو کا مظاہرہ کررہی تھی۔

سارا اپنے بدن کے ہر زاویے سے بھرپور کام لے کر اتنی تیزی کے ساتھ ناچتی رہی کہ اس کے وجود پر نظریں جمائے رکھنا دشوار ہورہا تھا۔ آخر کار وہ راؤنڈ ختم ہوا اور ہال داد و تحسین سے گونج اٹھا۔

میرے دل میں، نیلی قمیص والے چینی کے خلاف بغض و نفرت کا لاوا اُبل رہا تھا۔ پھر میں نشے میں مدہوش ہونے کی اداکاری بھی کررہا تھا، اس لیے وہ وقفہ آتے ہی میں جھومتا ہوا، اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہاری پلائی ہوئی شراب سے میرا خون گرم ہوگیا ہے ڈون!" میں نے لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"گرم خون کا علاج عورت ہے۔" ڈون بے پروائی سے بولا۔ "سارا کو اپنے پاس بلالو۔"

"نہیں، ڈون! میرا کسی سے لڑنے کو جی چاہ رہا ہے۔" میں نے فضا میں اِدھر اُدھر جھولتے ہوئے کہا۔

"یہاں سارا سمیت کئی لڑکیاں جوڈو... کراٹے اور دوسرے مارشل آرٹس میں ماہر ہیں۔ جس سے چاہو، لڑلو۔ تم جیت گئے تو وہ لڑکی تمہاری ہوجائے گی۔ کیونکہ میں ہارنے والیوں کو اپنے قرب سے محروم کردیتا ہوں۔ بولو، تم کس سے لڑنا چاہتے ہو؟"

"لڑکیوں سے لڑا نہیں، کھیلا جاتا ہے۔ مجھے کسی مرد سے لڑوالو۔" میں نے کہا۔

"تو تم سنجیدگی سے لڑنے پر آمادہ ہو؟" ڈون کی آواز میں تحیّر آمیز مسرت رقصاں تھی۔ "جیالے مردوں کو لڑوانا تو میرا پسندیدہ مشغلہ ہے مگر تم نشے میں دھت ہو۔ بری طرح مارے جاؤ گے۔"

"تم میری فکر نہ کرو، بس مجھے کسی سے لڑوادو۔" میں نے شکستہ لہجے میں اصرار کیا۔ "تم نے مجھے جو نشہ پلایا ہے، اس نے میری رگوں میں طاقت کا ایک سمندر موج زن کردیا ہے۔ تم دیکھ لینا کہ میں ہارا بھی، تو آسانی کے ساتھ نہیں ہاروں گا۔ تمہارا دل خوش ہوجائے گا۔"

"ان تینوں میں سے اپنا حریف چھانٹ لو!" ڈون نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"نیلی قمیص والا۔" میں نے اپنے شکار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ڈون اپنے اردگرد بیٹھی ہوئی لڑکیوں کو اِدھر اُدھر دھکیلتا اور ان پر سے پھلانگتا ہوا اپنی مسند سے نیچے آگیا۔ وہ اونچی آواز میں کچھ کہتا بھی جارہا تھا۔ ڈون کے الفاظ کے جواب میں پیدا ہونے والے دبے دبے شور، سسکاریوں اور ہیجان آمیز ردِعمل سے میں نے اندازہ لگایا کہ متوقع لڑائی کے بارے میں ہر ایک پُرجوش تھا۔

تینوں موٹے اور گنجے چینی بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ نیلی قمیص والا کینہ توز نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ چربی کی تہوں میں دھنسی ہوئی، اس کی چوٹی چھوٹی آنکھوں سے قہر اور غصے کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ کمرے میں پھیلی ہوئی تمام لڑکیاں تیزی کے ساتھ کناروں کی طرف سمٹنے لگی تھیں۔ وہ سب بھی اس محفل ناؤ نوش میں پیتی رہی تھیں اس لیے ان سب کا ردِعمل بے ساختہ اور بہت زیادہ جوشیلا تھا۔

ڈون نے اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی واڈکا کی بوتل میں رہی سہی سفید شراب، بوتل سے منہ لگا کر اپنے معدے میں انڈیل لی اور بوتل اپنے گدّے پر اچھال دی۔

اس نے دائیں ہاتھ سے نیلی قمیص والے کا ہاتھ اور بائیں ہاتھ سے میرا ہاتھ تھاما اور ہم دونوں کو اس وسیع و عریض کمرے

کے تقریباً وسط میں لے آیا۔

پہلے اس نے میرے حریف کو چینی زبان میں لکچر دیا پھر مجھ سے مخاطب ہوگیا۔

"دانتوں اور ناخنوں کا استعمال منع ہے۔ جس نے بھی ایسا کوئی فاؤل کیا، میں اُس کی کمر پر لات رسید کروں گا۔ لڑائی کی فرمائش تم نے کی ہے اس لیے ہارنے کی صورت میں تمہیں اپنے حریف کا مطالبہ پورا کرنا پڑے گا۔ وہ دو دن اور دو راتوں کے لیے تمہاری ہونے والی بیوی کو لے جائے گا۔"

میرے خون کا دوران میری کنپٹیوں میں چڑھ آیا۔ وہ شرط سخت ذلت آمیز تھی۔ میرا خون کھولنے لگا لیکن ڈون بہت خوش اور پُرجوش نظر آرہا تھا۔ وہ اس مقابلے کو ایک کھیل سمجھ رہا تھا۔ میری طرف سے حجت یا انکار کی صورت میں بات بگڑ سکتی تھی۔ میں نے بدستور نشے میں دھت ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"اور اگر میں جیت گیا تو کل اسے برہنہ کرکے بل فائٹنگ رنگ میں بھینسے کے آگے پھینک دیا جائے گا۔ یہ بھینسے کو ہلاک کیے بغیر رنگ سے باہر نہیں آسکے گا۔ یہ میری شرط مان لے تو میں اس کی شرط تسلیم کرلوں گا۔"

"تمہاری شرط بہت سخت اور ذلت آمیز ہے۔" ڈون نے کہا۔

وہ رشتوں کے بندھن سے آزاد، حیوانی زندگی گزار رہا تھا اس لیے اسے اندازہ ہی نہیں ہوسکا کہ میرے حریف نے غزالہ کا ذکر درمیان میں لا کر مجھے کتنی بڑی اور ناقابلِ برداشت گالی دی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ڈیوڈ تاؤ بھی ایک حسین اور لاولد بیوی کا مالک ہے۔" تم جیت کر اسے ایک ہفتے کے لیے حاصل کرسکتے ہو۔ مکاؤ میں بیویوں اور محبوباؤں پر ایسی شرطیں لگانا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ اچھی دل لگی رہتی ہے اور جوڑوں کی آب و ہوا بھی تبدیل ہوجاتی ہے۔"

میرا جی چاہا کہ ڈون کا منہ نوچ لوں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مکاؤ کے عادی اور پیشہ ور جواری اس قدر گرے ہوئے اخلاق و کردار کے مالک تھے کہ جوئے اور شرطوں پر اپنی بیویوں کو بھی داؤ پر لگا بیٹھتے تھے۔

"نہیں، ڈون!" میں نے جھوم کر اصرار کیا۔ "اس نے میری منگیتر کو دیکھ کر شرط عائد کی ہے جب کہ میں نے اس کی عورت کو نہیں دیکھا۔ میں اس کی شرط مان رہا ہوں تو اسے بھی میرا مطالبہ تسلیم کرلینا چاہیے۔۔۔"

ڈون نے میری بات کاٹ دی۔ "خیر، یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے کھیل شروع ہونا چاہیے۔ تم چاہو تو اپنی حوصلہ افزائی کے لیے اپنے ساتھیوں کو بھی بلوا سکتے ہو۔"

ڈون کے لب و لہجے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مجھے نشے میں دھت سمجھ رہا تھا اور اُسے میری کامیابی کی ذرا بھی امید نہیں تھی۔ اُس کی ساری دلچسپی اس انسانی مقابلے تک محدود تھی۔

"کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں، میں لڑنے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے تلخی سے کہا۔

اس دوران میں ڈیوڈ تاؤ مجھے پھاڑ کھانے والی خونخوار نظروں سے گھورتا رہا تھا۔

ڈون نے ہم دونوں کے ہاتھ فضا میں بلند کیے پھر ایک جھٹکے سے نیچے گرا کر چھوڑ دیے۔

میں اپنے قدم بدلنے بھی نہ پایا تھا کہ ڈیوڈ تاؤ اپنے بھاری بھرکم ...وجود کے ساتھ اچانک فضا میں اچھلا اور میرے منہ پر بھرپور لات رسید کرکے اڑتا ہوا دور جا گرا۔

وہ ضرب غیر متوقع اور بہت شدید تھی۔ میں تیورا کر قالین پر گر پڑا۔ وہ ہال لڑکیوں کی ہیجان آمیز چیخوں سے گونج اٹھا۔ مقابلہ اُن کی توقع سے زیادہ تیز رفتاری سے شروع ہوا تھا۔

میں گر ہی چکا تھا اس لیے میں نے قالین پر سے اٹھنے میں عجلت سے کام نہیں لیا۔ وہیں پڑا قالین ٹٹولتا رہا مگر میری نیم وا آنکھیں ڈیوڈ تاؤ پر جمی ہوئی تھیں جو اپنے پہلے ہی وار میں مجھے گرا دینے کے بعد لڑکیوں کی طرف جھک جھک کر داد وصول کر رہا تھا۔

اُس کے دونوں ساتھی پُرجوش ہوگئے تھے اور مٹھیاں بھینچ بھینچ کر کچھ چلا رہے تھے۔ کسی نے ڈون کے ہاتھ میں شراب کی نئی بوتل تھما دی تھی۔ اس مقابلے کی سنسنی سے بوکھلا کر چند لڑکیاں ڈون سے جا چپکی تھیں لیکن سارا الگ تھلگ کھڑی کچھ افسردہ سی نظر آرہی تھی۔

میں لڑکھڑاتا ہوا قالین پر رینگتا اور ٹٹولتا رہا۔ میں اپنی اداکاری سے ڈیوڈ تاؤ کو فریب دینا چاہ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے زیادہ شراب پی ہوئی تھی جو اُس کی کھوپڑی پر چڑھ چکی تھی۔ داد و تحسین وصول کرنے کے بعد وہ دونوں ہاتھوں کے بل، الٹی قلابازیاں کھاتا ہوا میرے قریب آیا۔ پھر اُس نے جوں ہی میرے گریبان پر ہاتھ ڈالا، میں نے پوری قوت سے اس کی پسلیوں پر ٹھوکر رسید کی اور وہ مجھ سے ذرا دور ہی ڈھیر ہوگیا۔

اُس کی بے ساختہ چیخ بہت دلدوز اور کربناک تھی۔ اس بار سارے تماشائیوں کو سانپ سونگھ گیا، بس سارا کی تالیوں اور نعرے کی آوازیں ہال میں گونج کر رہ گئیں۔

میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈیوڈ تاؤ کی چمکتی ہوئی گنجی کھوپڑی پر لات رسید کی اور وہ قالین پر دُہرا ہوگیا۔ میری پہلی لات شاید اس کے گردوں وغیرہ پر پڑی تھی اس لیے وہ قالین پر ہی پڑا ہوا کراہتا رہا۔ ڈیوڈ کی بدنگاہی کی وجہ سے میرے دل میں اس کے لیے رحم کا ذرا سا بھی شائبہ نہیں تھا۔ میں نے اپنی ایڑی سے اس کی کنپٹی پر مضبوط ضرب لگائی اور اس نے بلبلا کر میرا پیر دبوچ لیا۔

تین پے درپے ضربات کی وجہ سے وہ اس قدر کرب کے عالم میں تھا کہ ڈون کے بتائے ہوئے ضابطوں کو بھی فراموش کر بیٹھا اور میرے تلوے میں اپنے دانت گاڑ دیے۔ میں نے اذیت سے چیخ

ہوئے، ڈون کو اس فائل کی طرف متوجہ کرنا چاہا لیکن ڈون اس سے پہلے ہی حرکت میں آچکا تھا۔ کمر پر ڈون کی لات پڑتے ہی ڈیوڈ کئی فٹ دور سرک گیا۔ میرا پیر اُس کے دانتوں کی گرفت سے آزاد ہوگیا لیکن جھٹکے کی وجہ سے میں بھی نیچے گر گیا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میرے تلوے کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔

میں قالین پر سرک کر، ڈیوڈ تاؤ پر جا پڑا۔ وہ اذیت کے عالم میں ضرور تھا لیکن اس موٹے چینی کے بدن میں کسی سانڈ جیسی قوت تھی۔ خطرہ بھانپتے ہی وہ بری طرح میرے بدن سے لپٹ گیا۔

ہم قوم ہونے کی وجہ سے ڈون کی ہمدردیاں ڈیوڈ تاؤ کے ساتھ تھیں لیکن فائل کرنے پر، اس نے تاؤ کو سزا دینے میں ذرا سی بھی رعایت سے کام نہیں لیا تھا۔ ڈون کے اس رویئے نے میرا حوصلہ بڑھا دیا اور میں نے اپنے نیچے دبے ہوئے گنجے کے سر کو اپنا مسلسل نشانہ بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

ڈیوڈ کے دونوں ہاتھ میری کمر کے گرد کسے ہوئے تھے اور وہ بتدریج اپنا دباؤ بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ میرے ہاتھ آزاد تھے۔ میں نے اس کے چہرے پر تابڑ توڑ کئی مکّے رسید کیے اور ایک جگہ سے اس کا جبڑا چٹخ گیا۔ اس ناگہانی آفت کی وجہ سے میری کمر پر اس کی گرفت کمزور ہوئی تو میں نے اوپر سرک کر اس کی کھوپڑی اور کنپٹیاں سہلا ڈالیں۔ وہ بہت بری طرح تڑپا اور میرے نیچے سے نکل گیا۔

اس بار ڈیوڈ تاؤ اپنی تمام تر مزاحمانہ قوتیں یکجا کر کے قالین سے اٹھا اور مجھ پر آپڑا۔ وہ اندھا دھند مکّے، لاتیں اور گھٹنے استعمال کر رہا تھا۔ ابتدا میں، میں بوکھلا گیا اور اس کے وار روکنے میں ناکام رہا لیکن سنبھالا لیتے ہی میں نے اُس کی بائیں آنکھ پر بھرپور ٹکر رسید کی جس کے نتیجے میں وہ کراہ کر الٹ گیا۔ وہ میرے لیے، اسے زیر کرنے کا بہت اچھا موقع تھا لیکن اس کی لگائی ہوئی چوٹوں کی وجہ سے میں اپنی جگہ سے تیزی سے حرکت نہیں کر سکا اور ڈیوڈ تاؤ کسی زخمی درندے کی طرح غراتا ہوا ایک بار پھر اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔

اُس کی بائیں آنکھ سوج کر بند ہو چلی تھی۔ اس پر پھٹی ہوئی پیشانی سے بہنے والا خون نمایاں نظر آرہا تھا۔ داہنے رخسار کی ہڈی بھی ٹوٹ چکی تھی۔ غزالہ کی طرف بری نیّت سے دیکھنے والی، بس ایک آنکھ سلامت تھی۔ اس کی ناک جھانک کا خیال آتے ہی میرا خون کھول اٹھا اور میں اپنی ہر تکلیف کو فراموش کر کے سیدھا کھڑا ہوگیا۔

اس بار ہم دونوں میں مکّے بازی کا وحشیانہ مقابلہ شروع ہوگیا۔ دونوں ہی تھکن اور زخموں سے چور ہو چکے تھے اس لیے ایک دوسرے سے دور رہ کر لڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس خوں ریز مقابلے کا تماشا دیکھنے والوں پر سنسنی خیز سکوت چھایا ہوا تھا۔ ہمارے چڑھے ہوئے سانسوں کے علاوہ وقفے وقفے

سے ڈون کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ شاید چینی اور انگریزی زبان میں ہم دونوں سے ایک ہی سوال پوچھ رہا تھا لیکن کوئی ہار ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔

یک بیک ڈیوڈ تاؤ ذرا سست ہوا اور میرا بایاں مُکّا پوری قوت سے اس کی آنکھ کے ڈھیلے پر جا پڑا۔ مجھے ڈیوڈ کی وہ آنکھ بچنے کی ذرا بھی امید نہیں تھی۔ اسے تقریباً اندھا کرتے ہی میں نے وحشیانہ انداز میں نیچے گرا دیا پھر ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر، فضا میں اچھل کر، اپنے گھٹنے سے اس کی کنپٹی پر ہولناک ضرب لگائی۔ فضا اُس کی کرب ناک چیخ سے لرز اٹھی اور اس کے بدن پر تشنج کی کیفیت طاری ہوگئی۔

میرے سر پر خون سوار ہو چکا تھا۔ وہ غزالہ کا کُھلا دعوے دار بن کر میرے مقابل آیا تھا۔ میں اسے تہس نہس کر دینا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے سرہانے رینگ کر، اس کے سر اور چہرے پر مُکّے برسانے شروع کیے ہی تھے کہ کسی نے پیچھے سے میری کمر تھام کر مجھے دور کھینچ لیا۔

"ہوش میں آؤ!" وہ ڈون کی تیز آواز تھی۔ "تم نے اسے مار دیا ہے۔ دم توڑتے ہوئے حریف پر ہاتھ اٹھانا دلیروں کا شیوہ نہیں ہے۔"

میں نے آنکھیں پھاڑ کر ڈیوڈ تاؤ کی طرف دیکھا۔ وہ قالین پر ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور شاید واقعی قریب المرگ تھا۔ میں نے اپنا بدن ڈھیلا چھوڑ دیا۔ میری آنکھیں بند ہونے لگی تھیں اور اپنے بدترین حریف پر مکمل ترین فتح کے احساس کے ساتھ ہی مجھے اپنے زخموں میں تکلیف کا احساس ستانے لگا تھا۔

"یہ واقعی مر رہا ہے، ڈون!" میرے کانوں میں سارا کی کانپتی ہوئی آواز آئی۔ "اسے فوراً طبی امداد نہ دی گئی تو یہ یہیں دم توڑ دے گا۔"

"اس کے دماغ کی رگیں پھٹ گئی ہیں۔" ڈون کی پُرسکون آواز سنائی دی۔ "دنیا کا کوئی علاج اسے مرنے سے نہیں روک سکتا۔ اسے سکون اور آزادی سے مرنے دو!"

ڈون کی زبان سے وہ خوش خبری سننے کے بعد میرا ذہن اندھیروں کی نرم اور آرام دہ دلدل میں دھنستا چلا گیا۔ غزالہ پر بری نگاہ ڈالنے والے کو جہنم واصل کر کے میں نے اتنی بڑی بازی جیتی تھی کہ اس کے بعد ڈون میرے بدن کے ٹکڑے بھی اُڑا دیتا تو مجھے پروا نہ تھی۔

"کنپٹی پر لگنے والی، گھٹنے کی ضرب مہلک اور فیصلہ کن تھی۔" قدرے توقف کے بعد ڈون کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آتی سنائی دی۔ "دیکھ لو، یہ ٹھنڈا ہو گیا۔"

"ڈون! اب کیا ہو گا؟" سارا کی رو دینے والی، کانپتی ہوئی آواز میری سماعت سے کسی موہوم سی بازگشت کی طرح ٹکرائی پھر میرے ہر طرف اندھیرا اور لامتناہی سناٹا پھیل گیا۔

نجانے کتنی دیر بعد، جب دوبارہ میرے حواس بحال ہوئے تو سب سے پہلے مجھے اپنے نتھنوں میں کسی اجنبی وجود کی بھڑکا دینے والی تیز مہکار گھستی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولنی چاہیں لیکن میرے پپوٹے بدستور منوں وزنی تھے۔

"یہ ہوش میں آ رہا ہے۔" ایک پُرتجسس آواز کے ساتھ، دو نرم اور گداز ہاتھ تیزی کے ساتھ میرے دونوں رخساروں کو تھپتھپانے لگے۔ وہ آواز غزالہ کی نہیں لیکن جانی پہچانی معلوم ہو رہی تھی۔

یک بیک مجھے بے ہوش ہونے سے پہلے کے واقعات یاد آئے اور میں مضطرب ہو گیا۔ ڈون کی حویلی میں ڈیوڈ تاؤ میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ پتا نہیں اس واقعہ پر ڈون کا کیا ردِعمل تھا۔ کہیں میں اُس کی قید میں تو نہیں تھا؟ وہ نسوانی آواز میری کسی نگراں کی تو نہیں تھی؟

میرے تھکے ہوئے ذہن میں پے در پے ابھرنے والے سوالات کے تسلسل نے میرے اعصاب پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ میں نے اپنی تمام تر قوت یکجا کر کے آنکھیں کھول دیں۔

میں اس وقت ڈون کی حویلی کی اسی زیرِ زمین خواب گاہ کے آرام دہ بستر پر موجود تھا جس میں ہمارا قیام تھا۔ سارا پُرتشویش انداز میں میرے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ غزالہ میرے پیروں کے قریب بیٹھی ہوئی تھی اور سلطان شاہ صوفے پر براجمان، چیونگم چبا رہا تھا۔

"اوہ! خدا کا شکر ہے کہ تم ہوش میں آ گئے!" سارا ایک گہرا سانس لے کر خوشی کے ساتھ بولی۔ "میں ڈر رہی تھی کہ کہیں تم بھی اندرونی ضربات کا شکار نہ ہو گئے ہو۔"

مجھے کوئی اندرونی چوٹ نہیں آئی تھی۔ بیرونی ضربات وقت کے ساتھ مندمل ہو جاتیں۔ البتہ تکان سے میرا جوڑ جوڑ ہلا ہوا تھا اور شاید اسی وجہ سے میں نقاہت محسوس کر رہا تھا۔

اس وقت سارا مجھ سے، سب سے زیادہ قریب تھی اور اسی کے جوان وجود کی تیز خوشبو میرے نتھنوں میں گھسی جا رہی تھی۔ میرے لیے وہ ایک خوشگوار تجربہ تھا۔ میں سارا کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"دیکھو! تمہارا ہونے والا شوہر ہوش میں ہے اور مسکرا رہا ہے۔" سارا نے شاید غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم اس کے پاس نہیں آؤ گی؟ اس سے میرا ایسا کوئی رشتہ ہوتا تو میں نے اس پر گرمجوشی کے ساتھ بوسوں کی بھرمار کر دی ہوتی۔"

"وہ تم اب بھی کر سکتی ہو!" غزالہ کی آواز ابھری۔ "ڈیئر شاید اسی توقع پر تمہاری طرف دیکھ کر مسکرایا ہے۔ تمہیں اس کا دل رکھنا چاہیے۔"

"اوہ، خدا!" سارا کراہی۔ "میں اب سمجھی کہ تم اتنی دیر سے مجھ سے کھنچی کھنچی کیوں ہو۔ شاید تم سمجھ رہی ہو کہ میں تمہارے شوہر پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کر رہی ہوں۔۔۔"

غزالہ نے ترُشی کے ساتھ اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہاں کے رنگین اور رومان پرور ماحول میں ہر مرد اور عورت کے بہکنے کا امکان ہے۔۔۔"
سارا نے بھی غزالہ کو اپنی بات پوری نہیں کرنے دی۔ وہ لاکھ آزاد خیال اور مخلوط مغربی معاشرت کی عادی سہی' لیکن غزالہ کی الزام تراشی برداشت نہیں کر سکی اور کاٹ دار لہجے میں بولی۔
"ہوش میں رہ کر بات کرو' لڑکی! میں ڈون کی خدمت پر مامور ہوں۔ ایسی لڑکیوں کو کسی اور مرد سے میل جول کی اجازت نہیں ہوتی۔ ڈون ہزار آنکھوں سے اُن کی نگرانی کرتا ہے۔ ڈون سے بے وفائی کرنے والی لڑکیوں کو عبرت ناک انجام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میں اپنا مستقبل اپنے ہاتھوں کیسے برباد کر سکتی ہوں؟"
"لڑو نہیں!" میں نے تھکی ہوئی آواز میں' انگریزی میں کہا۔ "غزالہ میرے بارے میں بہت جذباتی ہے۔ میں اس کی غلط فہمی دور کردوں گا۔"
"عورت برطانیہ میں ہو یا مکاؤ میں' اپنے مرد کے قریب دوسری عرت کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ میں نے انسانی ہمدردی کے تحت تمہارا ساتھ دیا اور تمہاری بیوی مجھے یہ انعام دے رہی ہے۔ اپنی جلن اور حسد میں اسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ تم نے اپنی زندگی موت کے جبڑوں سے چھینی ہے۔" سارا پیر پٹختی اور بڑبڑاتی ہوئی میرے سرہانے سے دور چلی گئی۔
"ہمدردی جتانے سے پہلے پورا یقین کر لیا کرو کہ مرد اکیلا ہی ہے۔" سلطان شاہ کی سنجیدہ آواز سنائی دی۔ "اس اصول کو نظر انداز کروگی تو ایسے الزامات کا سامنا کرتی رہوگی۔"
"تم بالکل احمق بلکہ اوّل درجے کے گدھے ہو۔" سارا کی جھلّائی ہوئی آواز ابھری۔ "ہمدردی ایک اضطراری انسانی جذبہ ہے۔ یہ کسی مصلحت کے تحت دیکھ بھال کر نہیں کی جاتی۔ میرا خیال تھا کہ تم لوگ صرف انگریزی سمجھتے ہو اس لیے میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں گی' لیکن تم تو سب ہی تنگ نظر اور حاسد معلوم ہوتے ہو۔ میں جا رہی ہوں۔ اب ڈون کسی چینی لڑکی ہی کو بھیجے گا۔"
"ارے نہیں ڈارلنگ!" سلطان شاہ بوکھلا کر صوفے سے کھڑا ہو گیا اور سارا کا بازو تھام کر خوشامدانہ انداز میں بولا۔ "میں تو مذاق کر رہا تھا اور تم برا مان گئیں۔ میں نے کروٹ لے لی تھی اور اس وقت وہ دونوں میرے سامنے آ گئے تھے۔"
"مذاق!" سارا نے غصے سے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی؟ ابھی تو میرا تم سے باقاعدہ تعارف تک نہیں ہوا ہے۔" اس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو آزاد کرا لیا۔ "تم نے مجھ سے یہی مذاق برطانیہ میں کیا ہوتا تو میں اب سے بہت پہلے تمہارے منہ پر تھپڑ رسید کر چکی ہوتی۔ ہم لوگ شناسائی اور تعارف کے بغیر کسی کو ہیلو کہنا بھی سخت معیوب سمجھتے ہیں۔"
"مجھے معلوم ہے۔" غزالہ بھی تیکھے تیوروں کے ساتھ اس معرکے میں شامل ہو گئی۔ "تعارف کے بعد ہیلو کہتے ہی تم لوگ کورٹ شپ شروع کر دیتے ہو۔ زندگی بھر بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ بدلتے رہتے ہو۔ اس بے ہودہ عمل میں جو بچّے وجود میں آتے ہیں' انہیں سرنیم کی بیساکھی بھی لگا دیتے ہو۔ ایسے بچوں کی پیدائش سے تعلیم اور ملازمت حتیٰ کہ وفات تک کوئی ان سے ان کی ولدیت نہیں پوچھتا کیوں کہ اس سوال کو تمہارے معاشرے میں معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن بن بیاہی ماؤں کو کوئی بدکار نہیں کہتا۔ حکومت انہیں معاشی تحفظ دیتی ہے اور معاشرہ اپنے ندیدے پن کی وجہ سے انہیں سر آنکھوں پر بٹھاتا ہے۔۔۔"
غزالہ کے الفاظ پر سارا کا چہرہ غصّے سے سرخ ہو گیا اور وہ بھپر کر بولی۔ "اپنی زبان کو لگام دو۔ رذیل طبقے کی حرکتوں کی وجہ سے تم شرفا پر الزام تراشی نہیں کر سکتیں۔"
"ڈون سے تم نے کس چرچ میں شادی کی ہے جو اُس کی خدمت گاری بھر رہی ہو؟" غزالہ نے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔ "تم تو شاید برطانوی شرفا میں اعلیٰ مقام رکھتی ہوگی؟"
"یہ سراسر زیادتی ہے۔ میں یہ بکواس برداشت نہیں کر سکتی۔" سارا روہانسی ہو گئی اور تیزی سے نکاسی کے راستے کی طرف مڑ گئی۔
"سارا!" میں نے اُسے پکارا۔ "ٹھہر جاؤ۔ یہ دونوں پاگل ہو گئے ہیں۔ ان کی باتوں پر مت جاؤ۔ مجھے تمہاری موجودگی اور مدد کی شدید ضرورت ہے۔"
وہ رک کر میری طرف پلٹی تو اُس کی چمک دار' نیلی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ "یہاں کئی لوگ انگریزی بولتے اور سمجھتے ہیں لیکن تمہاری زبان اور لب و لہجے کی مٹھاس کی وجہ سے میں نے اپنائیت محسوس کی تھی۔" وہ بھرّائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "یہاں ڈون اور چند یورپی لڑکیوں کے علاوہ میں کسی سے مانوس نہیں ہو سکی ہوں لیکن یہ دونوں میری دل آزاری پر اتر آئے۔ میں ان کی غلط فہمی کو خوب سمجھ رہی ہوں لیکن انہیں دوسروں کے جذبات کا بھی پاس ہونا چاہیے۔ میری دشمنی میں یہ لوگ تمہاری تکلیف بھی فراموش کر بیٹھے ہیں۔"
"سوری! میں ان کی طرف سے معذرت خواہ ہوں۔" میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔
"تم نے کیا کیا ہے؟ سوری تو ان دونوں کو کہنا چاہیے۔" سارا نے شکوہ کیا۔
ان دونوں نے میرے مطالبے سے پہلے بیک وقت سوری کہا اور سارا مسکرا دی۔
"میرا خیال ہے کہ اب ہمارا باقاعدہ تعارف ہو چکا ہے۔" سلطان شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔
"لیکن کوئی بدمزگی والی بات نہیں ہوگی۔" سارا نے ہتھیلی

سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔ اس بے چاری کے جسم پر لباس ہی ناکافی تھا تو وہ رومال کہاں سے لاتی۔

"بس ایک بات!" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔ "میرا بس چلے تو انگریزی لغت سے سوری کا لفظ خارج کرا دوں۔ یہ بڑی سے بڑی خطا کا تیر بہدف توڑ ہے۔ بیوی پوری رات بوائے فرینڈ کے ساتھ گزار کر آئے تو شوہر سے اُس کا مہینوں جھگڑا رہتا ہے لیکن جوں ہی وہ سوری کہتی ہے' اس کی بے وفائی سمیت ہر بات ختم ہو جاتی ہے۔"

اس بار سارا بدستور مسکراتی رہی اور بولی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ برطانیہ میں کافی دن گزار چکے ہو۔ چلتے پھرتے سیاحوں کو اندر کی باتوں پر اتنی معلومات نہیں ہوتیں۔"

"تم نے تین گھنٹے گزر جانے کے باوجود یہ نہیں بتایا کہ اوپر ڈینی کے ساتھ کیا ہوا تھا؟" غزالہ نے سارا کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں شکایت کی۔

"کیسے بتاتی؟ مجھے اس کے ساتھ دیکھتے ہی تمہارا منہ بن گیا تھا اور تم نے مجھے نظرانداز کر کے 'اسٹریچر پر لانے والی چینی لڑکیوں پر طبع آزمائی شروع کر دی تھی۔ تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ تمہاری شادی کے کاغذات مکمل کرانے میں' میں نے کتنی فراخ دلی سے تمہاری مدد کی تھی۔"

سارا نے ڈیوڈ تاؤ سے ہونے والے خوں ریز مقابلے کی کہانی سنانی شروع کی تو وہ دونوں ہی بھونچکا رہ گئے اور جب سارا نے میرے گھٹنے کی ضرب سے ڈیوڈ تاؤ کی کربناک موت کا ذکر کیا تو غزالہ اپنی بے ساختہ چیخ پر قابو نہ رکھ سکی۔ سلطان شاہ بھی بے اعتباری سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہسکی ڈینی کے دماغ پر چڑھ گئی تھی ورنہ یہ لڑنے کی خواہش ظاہر نہ کرتا۔" سارا نے اپنی رائے ظاہر کی۔ "ڈیوڈ تاؤ' ڈون کے آدمیوں میں سب سے زیادہ سفاک مشہور تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ ڈینی کی گردن ہی نہ توڑ دے لیکن اس کے ستارے یاور تھے کہ یہ سرخ رو رہا۔"

"پھر۔ پھر اب کیا ہو گا؟" غزالہ کو فوری طور پر مستقبل کی فکر لاحق ہو گئی۔

"کچھ بھی نہیں!" سارا نے بے پروائی سے کہا۔ "ڈینی جیت گیا۔ اب کل ڈیوڈ کو برہنہ کر کے بھینسے کے سامنے پھینکنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ڈون زبان کا پکا ہے۔ ڈیوڈ بچ جاتا تو ڈینی کی فاتحانہ خواہش ضرور پوری کی جاتی۔ اب کل کا فنکشن خون کی سرخی سے محفوظ رہے گا۔"

وہاں تین چینی تھے۔ ان میں سے ڈیوڈ کون تھا؟" غزالہ نے پوچھا۔

"نیلی قمیص والا۔" سارا سے پہلے میں بول پڑا۔ میرا لہجہ معنی خیز تھا لیکن غزالہ نے اس پر غور نہیں کیا۔

"میں اسی لیے شراب سے روکتی ہوں۔" غزالہ مجھے ملامت کرنے لگی۔ "تمہیں اپنے اعصاب پر ناز ہے اور میں کہتی ہوں کہ یہ کسی بھی وقت سر چڑھ کر بولنے لگتی ہے اور آدمی اپنے جامے سے باہر ہونے لگتا ہے۔"

میں اُسے بتانا چاہتا تھا کہ اس مقابلے کا سبب نشہ نہیں بلکہ ڈیوڈ تاؤ کی نظربازی تھی لیکن ڈون کی حویلی میں خفیہ ڈکٹافونز کی موجودگی کی وجہ سے میں نے زبان بند رکھی۔ وہ راز کھل جانے کی صورت میں ڈون اپنے آدمی کی موت کو اتفاقی حادثے کے بجائے سازش کا نتیجہ قرار دے سکتا تھا جو ہمارے لیے پریشانیوں کا سبب بن جاتا۔

"اوپر والی محفل کا کیا حال ہے؟" میں نے موضوع بدلتے ہوئے سارا سے پوچھا۔

"تمہاری فتح اور ڈیوڈ کی موت کے ساتھ ہی محفل کا رنگ اکھڑ گیا۔ اب اوپر سناٹا ہو گا۔ ڈون اسی وقت اپنے عملے کو ہدایات دے کر چند لڑکیوں کے ساتھ ایک خوابگاہ میں چلا گیا تھا۔"

"ڈیوڈ کی لاش کا کیا بنا ہو گا؟" غزالہ اس موضوع سے ہٹنے پر آمادہ نہیں تھی۔

"لاش اُس کے ساتھی لے گئے۔ وہ اپنے عقائد کے مطابق اُس کی آخری رسوم ادا کریں گے۔"

"ڈون آخری رسوم میں شرکت نہیں کرے گا؟" غزالہ نے پوچھا۔

"ڈون کہیں نہیں آتا جاتا۔" سارا نے اسے سمجھایا۔ "اس کی طرف سے ڈیوڈ کی بیوہ کو خطیر امداد ضرور بھجوا دی جائے گی۔ وہ مرنے والوں کے پسماندگان کا بہت خیال رکھتا ہے۔"

"ڈیوڈ کے ساتھی ہمارے لیے مشکلات پیدا کرنے کی کوشش ضرور کریں گے۔"

"ناممکن!" سارا نے کہا۔ "وہ شرطیہ مقابلہ ڈون کی اجازت سے ہوا تھا۔ کسی کی مجال نہیں کہ تمہاری طرف میلی آنکھ سے بھی دیکھ سکے۔ مکاؤ میں ڈون کی مرضی الہامی قانون کا درجہ رکھتی ہے۔"

"اگر یہ شرطیہ مقابلہ تھا تو جیتنے کی صورت میں ڈیوڈ تاؤ کو کیا حاصل ہوتا؟" غزالہ اچانک پوچھ بیٹھی۔

"وہ دو روز کے لیے تمہیں لے جاتا۔" سارا نے برجستہ کہا اور غزالہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اور تم نے یہ شرط قبول کر لی؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے زخمی لہجے میں سوال کیا۔

"مقابلہ طے ہونے کے بعد اس نے یہ شرط عائد کی تھی جو ڈون کی وجہ سے مجھے قبول کرنی پڑی۔ اسی پر میں نے اپنی جوابی شرط عائد کی تھی۔" میں نے اسے آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ سلطان شاہ نے بھی میرا اشارہ دیکھ لیا اور ہوشیاری کے ساتھ

بولا۔ "جو ہو چکا ہے' اب اس پر سر کھپانا بے سود ہے۔ میری الجھن یہ ہے کہ چینیوں میں انگریزی اور چینی ناموں کا مرکب کیوں ملتا ہے؟ ڈیوڈ تاؤ' وان لن' سائرس لی! ہانگ کانگ میں بھی یہ وبا عام ہے۔"

سارا ہنس پڑی۔ "مین لینڈ چائنا سے ہجرت کرنے یا فرار ہونے والوں کی دوسری یا تیسری نسل سے یہ شوق پیدا ہوا ہے کہ لوگ اپنے ذاتی نام مغرب سے لینے لگے ہیں لیکن آخر میں خاندانی نام بھی لگاتے ہیں۔ اس طرح وہ شاید یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اُن کی پیدائش چین سے باہر' انگریزی اور پُرتگیزی مقبوضات میں ہوئی ہے۔ چین میں ایسے مرکب نام ناپید ہیں۔ شروع میں مجھے بھی الجھن ہوتی تھی۔"

کچھ دیر تک ناموں اور رہن سہن کے بارے میں اُن چینیوں کی نفسیات پر باتیں ہوتی رہیں جو مکاؤ اور ہانگ کانگ میں رہتے تھے۔ سارا نے چینیوں کی زبان کے ساتھ ہی ان کے بارے میں بہت کچھ سیکھا تھا۔ اسے موقع ملا تو وہ اپنی معلومات فخر کے ساتھ ہمارے سامنے دُہرانے لگی۔

لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ مقابلے کی شرط سے آگاہ ہونے کے بعد غزالہ کو چپ سی لگ گئی تھی اور وہ صدمے کے عالم میں خاموش بیٹھی ایک ایک کی صورتیں تک رہی تھی اس لیے میں نے تکلیف اور بے چینی میں مبتلا ہونے کی اداکاری شروع کر دی حالانکہ مجھے اپنے داہنے تلوے کے زخم کے علاوہ کہیں بھی زیادہ تکلیف کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ اس زخم پر مجھے خاصی دبیز اور آرام دہ پٹی چڑھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

"ہم نے ساری رات یوں ہی گزاری تو کل دن بھر سوتے رہیں گے۔" آخر کار سارا انگڑائی لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "تم لوگوں کو تو صبح ڈون کے سامنے حاضری بھی دینی ہے۔"

اس بار کسی نے سارا کو روکنے کی کوشش نہیں کی کیوں کہ ہر ایک تخلیئے کا خواہاں تھا۔ سارا اگلی صبح آنے کا وعدہ کر کے ہم لوگوں سے رخصت ہو گئی۔

مجھے اندازہ تھا کہ سارا کے جاتے ہی مجھ پر سوالات کی بھرمار ہو جائے گی' اس لیے میں نے فوراً ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ان دونوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور قلم کاغذ سنبھال لیا۔

غزالہ ناراضی کے عالم میں اپنی جگہ بیٹھی رہی لیکن سلطان شاہ سے صبر نہ ہو سکا اور وہ بستر پر مجھ سے تقریباً جڑ کر بیٹھ گیا۔

ڈون کی حویلی میں ہونے والے خون ریز مقابلے کے پس منظر کی وضاحت میں جوں ہی میں نے ابتدائی سطور مکمل کیں تو سلطان شاہ نے میرے ہاتھ سے قلم لے لیا اور تحریر کے ذریعے مجھے مطلع کیا کہ غزالہ' ڈیوڈ کی چھیڑ چھاڑ سے بہت پریشان اور نروس ہو گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میں ڈیوڈ کی حرکتوں سے بے خبر تھا۔ اس نے محض اسی وجہ سے ڈون کی محفل سے اٹھنے کا فیصلہ کیا کہ کہیں میں ڈیوڈ کی حرکات دیکھ کر مشتعل نہ ہو جاؤں۔ اُس نے سارا کے ساتھ خواب گاہ میں پہنچتے ہی سلطان شاہ کو ان باتوں سے باخبر کر دیا تھا۔ سلطان شاہ کو حیرت تھی کہ میں بظاہر بے خبر نظر آنے کے باوجود پوری طرح مستعد اور چوکنا تھا۔

وہ بات بہت سیدھی سادی سی تھی لیکن غزالہ کے اداس اور ناراض ہونے کی وجہ سے میں قدرے جذباتی ہو گیا پھر شاید ان دنوں بھی میرے ذہن میں لکھنے لکھانے کے جراثیم کلبلا رہے تھے اس لیے میری وہ تحریر ایک صفحے سے بھی تجاوز کر گئی۔ میں نے آخر میں لکھا۔ "میں تمہاری خاطر لڑا اور میں نے اُس مردود کو کندۂ جہنم بنا دیا' جس نے تم سے چھیڑ چھاڑ کے بعد' میرے روبرو تم کو لے جانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔"

میرے تلوے کی تکلیف اتنی زیادہ نہیں تھی کہ میں چل بھی نہیں پاتا لیکن میں بستر پر ہی بیٹھا رہا اور وہ صفحات میں نے سلطان شاہ کو تھما دیے۔ سلطان شاہ نے فکر انگیز خاموشی کے ساتھ وہ کاغذ غزالہ کو دے دیے جن کی ابتدا میں سلطان شاہ کی تحریر بھی تھی۔

غزالہ نے بے زاری اور برہمی کے عالم میں میری تحریر پڑھنی شروع کی لیکن فوراً ہی اُس کے چہرے پر تحیر کی علامات ابھر آئیں جو لمحہ بہ لمحہ گہری ہوتی چلی گئیں۔

چند منٹ گزر گئے۔ غزالہ کی بدلتی ہوئی' جذباتی کیفیات اُس کے چہرے اور وجود سے ظاہر ہو رہی تھیں۔ پھر وہ برداشت نہیں کر سکی۔ صوفے سے اٹھ کر والہانہ انداز میں دوڑتی ہوئی آئی اور میرے سینے سے لپٹ کر' پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میرے لیے وہ بہت دل گداز اور جذبات آفریں لمحات تھے۔ مدتوں کی چاہت اور مراسم کے بعد وہ پہلا موقع تھا کہ غزالہ ایسے محبوبانہ اور والہانہ انداز میں میرے سینے سے آ لگی تھی۔

میں اپنی رہی سہی تکلیف کو بالکل ہی بھول گیا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے وجود کے چاروں طرف دھیمی سی حرارت اور حلاوت کا ایک گداز سمندر پھیل گیا ہو۔ میں خود کو روئی کے گالوں سے بھی ہلکا محسوس کر کے' اس سمندر سے اوپر ہی اوپر' فضاؤں میں پرواز کرنے لگا۔ غزالہ کے سحر انگیز پیکر کے بھرپور لمس نے مجھے یک بیک زندگی کی اچھوتی اور دلفریب رعنائیوں سے روشناس کرا دیا تھا۔

میں نے جب سے اسے دیکھا' یہی سوچا تھا کہ وہ میری ہے اور اس نے بھی شاید پہلے ہی دن سے مجھ کو اپنا اٹوٹ انگ سمجھ لیا تھا۔ اس بات کو برسوں بیت گئے تھے۔ ہم دونوں نے زمانے کے ان گنت سرد و گرم دیکھے لیکن گزرتے ہوئے دنوں کے ساتھ وہ چاہت ماند نہیں پڑ سکی۔ ہمارے درمیان پیدا ہونے والے فاصلے' ہمیشہ اس آگ کو مزید بھڑکاتے رہے۔ ابتدا سے ہی وہ میری تھی اور میں اس کا تھا لیکن جسمانی طور پر ہم کبھی بھی ایک دوسرے سے اتنا قریب نہیں آئے تھے کہ جذباتی ماحول میں ایک دوسرے کے وجود کی

حرارت محسوس کر سکیں۔

میں نے غزالہ کو اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔ اس کے ہونٹوں سے ایک دبی دبی سی آواز نکلی۔ میں اس وقت خیال و خواب کی ایک نئی کائنات میں سفر کر رہا تھا۔ مجھے احساس ہی نہ ہو سکا کہ غزالہ کی اس آواز میں ہلکا سا احتجاج پنہاں تھا یا وہ ممنونیت کا کوئی ڈھکا چھپا اظہار تھا۔ ان چند لمحوں میں' میں نے یہ محسوس کیا کہ ویرا' روونا' شوائے اور سارا کے تمام روپ نرے بہروپ تھے۔ وہ سب خوابوں میں یاد رہ جانے والی حسین اکائیاں تھیں۔ ان کی لذّت و رعنائیاں ان ہی چند لمحوں' گھنٹوں یا دنوں کے لیے تھیں جب تک وہ سائے کی طرح ساتھ ہوتی تھیں۔ اس کے بعد' ان کا وجود ایک خواب ہو کر رہ جاتا تھا۔ ایک منتشر سا خواب' جس کے بارے میں کبھی بھی یہ بھروسا نہیں ہوتا کہ وہ خواب دوبارہ نظر آ سکے گا۔ کائنات میں اگر وجودِ زن سے رنگ برقرار ہیں تو وہ کوئی چلتی پھرتی عورت نہیں ہوتی۔ یہ وہ عورت ہوتی ہے جو اپنی ہوتی ہے اور جس پر ہر آن اپنا حق جمایا اور جتایا جا سکتا ہے۔ راہ چلتے ہونے والی لمحاتی آشنائیوں کو کائنات میں پیدا ہونے والے رنگوں کا بہانہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

"میں چلتا ہوں۔" سلطان شاہ نے کھنکھار کر کہا۔ "اب صبح نکاح کے وقت ملاقات ہوگی۔"

میں نے خجالت آمیز انداز میں غزالہ کو اپنی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔ "تم بہت مردود اور زبان دراز ہو گئے ہو۔ اس وقت تم نے بالکل بے وقت کی راگنی الاپی ہے۔"

"فرانس اور یورپ کے شہزادوں میں' حسین لڑکیوں کے لیے ڈوئیل لڑنے کا ایک روایتی انداز ابھی تک چلا آ رہا ہے۔ ایسے مقابلے قانوناً ممنوع ہیں لیکن پھر بھی' چند شرفا یکجا ہو کر ایسے مقابلوں کا اہتمام کر لیتے ہیں۔ جیتنے والے کو اپنی محبوبہ مل جاتی ہے اور مرنے والے کو خاموشی کے ساتھ پیوندِ زمین کر دیا جاتا ہے۔" سلطان شاہ اس کمرے میں ٹہلتے ہوئے بولنے لگا۔ "دیکھا جائے تو تم نے بھی ڈیوڈ تاؤ سے ڈوئیل لڑ کر غزالہ کو جیتا ہے۔ میں تمہارے ہارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن تمہارے کامران ہونے پر خوش ہونا میرا فرض ہے۔ تمہیں غزالہ کے ساتھ یکجا دیکھ کر مجھے یہ یقین ہونے لگا ہے کہ آنے والی صبح ایک حسین پیغام لے کر آئے گی۔"

"تم بالکل ڈفر ہو!" غزالہ نے خفّت آمیز ہنسی کے ساتھ کہا۔ "جو باتیں تمہارے علم میں ہیں' ان کے سہارے تم اپنی علمیت کا رعب گانٹھنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"میرا بس چلے تو میں ڈون کے پیر دھو کر' وہ پانی پینا شروع کر دوں۔" سلطان شاہ نے پُرزور لہجے میں کہا۔ "یہ اسی کا دم اور حکم ہے کہ کل صبح تم دونوں کا نکاح ہونے والا ہے۔ ڈون درمیان میں نہ آتا تو نہ جانے کب تک تم دونوں لنڈورے ہی پھرتے رہتے۔"

"تم ہم دونوں میں سے کس کو بدنیّت قرار دے رہے ہو؟" غزالہ نے پیچتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"کسی کو نہیں!" سلطان شاہ نے برجستہ کہا۔ "اس کارِ خیر میں بس تم دونوں کی انا آڑے آ رہی تھی۔ شادی کے معاملے میں کوئی بھی پہل کرنے پر آمادہ نہیں تھا اور نہ ہی تم دونوں کو کسی بڑے کا سایہ میسّر تھا۔ ڈون نے اپنی مطلق العنانیت سے یہ کمی پوری کر دی ہے۔"

"مجھے غزالہ کی بات دُہرانی پڑے گی کہ تم بالکل ڈفر ہو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "انا کا سرے سے سوال ہی نہیں تھا۔ حالات کے الجھاؤ نے اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ ہم اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں کچھ سوچ سکتے۔ ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا مسئلہ کھڑا ہوتا رہا....."

سلطان شاہ کے ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ آ گئی۔ "بس اب تھوڑی دیر کی بات ہے۔ صبح ہوتے ہی قاضی ان سارے مسائل کو نمٹا دے گا۔"

ڈیوڈ تاؤ سے ہونے والے مقابلے کے نتیجے میں میرے بدن کے کئی حصوں میں خاصا درد تھا۔ میرے کپڑے بھی کئی جگہ سے پھٹ گئے تھے۔ اس لیے میں بستر سے اتر کر لنگڑاتا ہوا غسل خانے کی طرف چل دیا۔ میری لنگڑاہٹ میں تکلیف سے زیادہ اس موٹی پٹی کا دخل تھا جو غزالہ اور سارا نے میرے زخم پر چڑھا دی تھی۔ میں نے غسل خانے کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا تو داہنے رخسار پر نیل آلود ورم کے علاوہ کسی ٹوٹ پھوٹ کے آثار نہیں تھے۔ یہ میری خوش قسمتی ہی تھی کہ اتنے سخت مقابلے میں مجھے کاری ضربات نہیں آئی تھیں۔

لباس اتارتے ہوئے مجھے اپنے بائیں بازو میں ٹیس سی محسوس ہوئی۔ اس ٹیس کے مقام کا تعین ہوتے ہی مجھے انجکشن کی سوئی کا تازہ نشان بھی نظر آ گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ میرے ہاتھوں ڈیوڈ تاؤ کے وحشیانہ قتل کے باوجود ڈون نے مجھے بے یار و مددگار نہیں چھوڑا تھا بلکہ مجھے باقاعدہ طبّی امداد دی گئی تھی۔ بازو کا انجکشن یقینی طور پر زہرباد کا کوئی توڑ رہا ہوگا کیوں کہ انسانی دانتوں کے لگائے ہوئے گہرے زخم میں زہر پھیل جانے کے قوی امکانات ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ امکان بھی تھا کہ میرے زخم کی مرہم پٹی ڈون کے کسی پیشہ ور ڈسپنسر نے کی ہو۔

میرے لیے وہ نئے احکامات بہت حوصلہ افزا تھے۔ سارا نے ڈون کے امکانی ردِّعمل کے بارے میں جو کچھ کہا وہ زبانی تقریر سے زیادہ اہم نہیں تھا۔ ڈون کے صحیح ردِّعمل کا اندازہ' اس سے سامنا ہونے پر ہی ہو سکتا تھا لیکن میری طبّی دیکھ بھال کی جو علامات سامنے آئیں' وہ سارا کے بیان کی تائید کر رہی تھیں۔

میں نے ڈون کا اعتماد جیت کر' اپنی کامیابی کا سفر بہت تیزی

کے ساتھ طے کیا تھا۔ کراچی سے مکاؤ کے لیے روانہ ہونے تک مجھے خود یقین نہیں تھا کہ میں ڈون جیسے خرانٹ اور تند خو شخص تک رسائی حاصل کر سکوں گا لیکن ہانگ کانگ پہنچنے کے بعد ہی حالات میں تیزی کے ساتھ ایسی تبدیلیاں رونما ہوئیں کہ خود ڈون اپنی حویلی سے چل کر بنگو کلب آ پہنچا جہاں میں ٹھہرا تھا۔

پچھلی صبح تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا۔ بس ایک مرحلہ نازک تھا کہ مافیا کے ڈان، نیشی کاؤ کی آمد پر خود کو کس طرح بچایا جائے؟ وہ خطرہ شروع سے سر پر منڈلا رہا تھا۔ میں نے کراچی ہی میں نیشی کاؤ کی زبان سے اس کا پروگرام سننے کے بعد فوری طور پر مکاؤ کی طرف دوڑ لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس خطرے کا سدِباب کرنے کے لیے میرے ذہن میں ایک منصوبہ پرورش پا رہا تھا اسی کی ایک کڑی کے طور پر میں نے بلو پائپ اور اس سے پھینکی جانے والی زہریلی سوئیاں خریدی تھیں لیکن دن میں مس شوائے ہمارے سروں پر مسلط رہی پھر ڈون کی حویلی میں جا بجا نصب خفیہ آلات کی وجہ سے میں غزالہ اور سلطان شاہ سے تبادلۂ خیال نہ کر سکا۔ وقت بہت تیزی کے ساتھ گزرتا جا رہا تھا اور ہمارے درمیان باہمی تبادلۂ خیال کے فقدان کے نتیجے میں ہم پر کوئی بہت بڑی تباہی بھی نازل ہو سکتی تھی۔

ایک طرف وہ پریشان کن ذہنی دباؤ تھا پھر مس شوائے کی اچانک خود کشی نے ڈون کو چوکنا کر دیا تھا۔ ہم لوگوں کو اس بدنصیب عورت کی خود کشی کے اسباب کا بخوبی علم تھا کیوں کہ وہ ہمارے پیدا کردہ الجھاؤ کے نتیجے میں ہی راہیٔ ملکِ عدم ہوئی تھی مگر ڈون کے لیے وہ واقعہ ناقابلِ فہم تھا اور اس کا ذہن یقینی طور پر ہر امکانی تجزیے میں مصروف تھا۔ وہ سوچ سکتا تھا کہ مس شوائے ہمیں مکاؤ کی سیر کرانے کے لیے لے کر نکلی تو ہشاش بشاش اور خوش و خرم تھی لیکن واپس لوٹنے کے کچھ ہی دیر بعد اس نے یکایک زہر کھا لیا۔ ڈون کے ذہن کو صرف ایک بات نے اس راہ پر چلنے سے روکا ہوا تھا کہ اُس کی دانست میں ہماری اور مس شوائے کی شناسائی کی مدت بہت قلیل تھی اور اتنی کم مدت میں ڈون کے کسی جاں نثار کو اس کی پٹڑی سے اتار کر اپنے ساتھ ملانا، بلیک میل کرنا یا غداری پر اکسانا ناممکنات میں سے تھا۔

ڈون کو بھنک بھی مل جاتی کہ میں نے اس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر، کراچی سے کی جانے والی فون کالز کے دوران ہی شوائے کے دل میں ایک نرم گوشہ پیدا کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں تو وہ بلا توقف ہم تینوں کو گولی مار سکتا تھا۔

شوائے کی الم ناک خود کشی نے میرے ذہن پر بُرا اثر ڈالا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں ڈون کی حویلی سے نکلنے تک بہت محتاط رہوں گا لیکن پھر ڈیوڈ تاؤ کی ڈھٹائی اور بے حیائی نے مجھے بے لگام کر دیا۔ میں دل ہی دل میں، اس کے ٹکڑے اُڑا دینے کے بارے میں ضرور سوچ رہا تھا لیکن مقابلہ شروع ہونے تک میرے ذہن میں دور دور تک یہ گمان نہیں تھا کہ میں واقعی اسے ہلاک کر دوں گا۔ اشتعال اور حیوانی انتقام کے جذبات سے مغلوب ہو کر، میں نے اُسے پے درپے ایسی کاری ضربات لگائیں کہ وہ جاں بر نہ ہو سکا۔ اس کی موت نے میرا دل تو ٹھنڈا کر دیا۔ ڈون نے بھی اپنی روایتی وضع داری برقرار رکھتے ہوئے مجھے کوئی سرزنش کرنی ضروری نہیں سمجھی لیکن میں دل ہی دل میں سمجھ رہا تھا کہ ڈون کے ایک معتمد کو ہلاک کر کے، میں نے اُس کی نظروں میں اپنی وقعت گرا لی تھی۔

اندھیرے کمرے میں، آرام دہ بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے میرا ذہن ان ہی سب باتوں میں الجھا رہا۔ ہر نیا خیال اور امکان ایک بھیانک آسیب کی طرح میرے ذہن پر حملہ آور ہوتا تھا اور میرے اعصاب کو کمزور کر کے کسی نئے خطرے کو جنم دے دیتا تھا۔ اس ہولناک یلغار نے مجھے اتنا تھکا دیا کہ آخر کار میری آنکھ لگ گئی۔

میں صبح کے ابتدائی اوقات میں سویا ہوں گا۔ جب کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر جگایا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری آنکھ لگتے ہی مجھ پر دھاوا بول دیا گیا ہو۔ میں نے بیدار ہوتے ہی، اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو وہ نو بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔ میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑ دیا۔

سارا مسہری کے قریب کھڑی فاتحانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ پچھلی رات کے مختصر اور بھڑکدار زیر جاموں کے برعکس اس وقت سارا کے بدن پر معقول لباس تھا۔ ہلکے پھلکے، تازہ میک اپ کے ساتھ وہ رات کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت اور باوقار نظر آ رہی تھی۔

"دس بجنے والے ہیں اور تم لوگ ابھی تک بے سُدھ پڑے ہوئے ہو!" وہ چہکی۔

میں نے دیکھا کہ مجھ سے پہلے، وہ غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کر چکی تھی اور وہ دونوں اپنی جگہوں پر بیٹھے آنکھیں مل رہے تھے۔

پھر میری نگاہ اُن دو چینی لڑکیوں پر پڑی جو سارا کے پیچھے ہینگر پر عروسی ملبوسات لیے، بے جان مجسموں کی طرح کھڑی ہوئی تھیں۔

ایک ہینگر پر ٹخنوں تک آنے والا سفید عروسی جوڑا تھا جس کا گلا بہت خوبصورت اور جھالردار تھا۔ دور ہی سے نظر آ رہا تھا کہ وہ لباس بیش قیمت ریشم سے تیار کیا گیا تھا۔ دوسری لڑکی کے ہاتھ میں موجود ہینگر پر سفید شارک اسکن کا مکمل مردانہ سوٹ لٹکا ہوا تھا۔ کوٹ کی اوپر والی جیب میں نیلے رنگ کا پھولا ہوا رومال، سلیقے سے اُڑسا ہوا تھا اور قمیص کے کالر کے گرد، رومال کے رنگ کی ٹائی لگی ہوئی تھی۔

"یہ... یہ سب کیا ہے؟" میں نے اُن دونوں چینی لڑکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بوکھلا کر سارا سے سوال کیا۔ "یہ کپڑے

کس کے لیے ہیں؟"

"ڈون نے یہ دونوں عروسی جوڑے، تم دونوں کے لیے خاص طور پر تیار کروائے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"تو کیا یہ ابھی پہننے ہوں گے؟" اس بار غزالہ نے سٹپٹا کر سوال کیا۔

سارا چند ثانیوں تک خاموش رہ کر ہماری پریشانی سے محظوظ ہوتی رہی پھر اطمینان سے بولی۔ "اب وقت نہیں رہا۔ تم لوگ تیار ہو کر سادہ کپڑے پہن لو۔ یہ دونوں جوڑے شام کو پہن لینا۔"

"وقت کو گولی مارو اور یہ بتاؤ کہ ڈون کی کیا خواہش ہے؟" میں نے بھنّا کر بستر چھوڑ دیا۔ "تمہاری رائے پر عمل کر کے میں ڈون کو برہم کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"میرا خیال ہے ڈون بھی یہی چاہتا ہے۔" سارا نے دھیمے سے کہا۔ وہ ہمارے اضطراب سے دل کھول کر لطف اندوز ہو رہی تھی۔ "ڈون نے یہ کپڑے شام والی تقریب کے لیے بھجوائے ہیں۔"

"یہ کپڑے وارڈروب میں لٹکا دو۔ ہم بس ابھی تیار ہو جاتے ہیں۔" میں نے کہا۔

میں نے بستر سے اترتے ہوئے احتیاط سے کام لیا تھا لیکن قالین پر کھڑا ہونے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ پٹی کے ساتھ استعمال کی جانے والی دوا نے چند ہی گھنٹوں میں درد میں حیرتناک کمی کر دی تھی۔ میری چال ناہموار ضرور تھی لیکن تکلیف ناقابلِ برداشت نہیں رہی تھی۔

میں منہ ہاتھ دھونے کے بعد لباس تبدیل کر کے خوابگاہ میں واپس آیا تو غزالہ مجھ سے پہلے تیار ہو کر آ چکی تھی اور سارا سے باتیں کر رہی تھی۔

کپڑوں کے ہینگر لانے والی دونوں چینی لڑکیاں واپس جا چکی تھیں۔ چند منٹ بعد سلطان شاہ بھی تیار ہو کر آ گیا اور ہم تینوں سارا کی رہنمائی میں ڈون کی حویلی کی طرف چل دیے۔

زیرِ زمین سرنگ کے خفیہ حصے سے حویلی میں داخل ہونے کے بعد سارا نے ایک بالکل ہی مختلف راستہ لیا تو مجھے قدرے الجھن ہوئی لیکن جب وہ ایک اور بڑے ہال میں داخل ہوئی تو میری پریشانی رفع ہو گئی۔

ڈون کی حویلی کی تعمیر نہایت فیاضانہ انداز میں کی گئی تھی جس کی بنا پر وہاں عام سائز کے کسی کمرے کا وجود نہیں، ہر کمرا وسیع و عریض ہال کی طرز کا تھا۔ میں نے اس وقت تک جتنے بھی کمرے دیکھے، ان میں سے کسی کا رقبہ ہزار مربع فٹ سے کم نہیں تھا البتہ ہماری زیرِ زمین خوابگاہوں کے باتھ روم ضرور عام کمروں کے سائز کے تھے۔ وہ ہال بھی اسی معیار کے مطابق مستطیل اور کافی لمبا تھا جس میں لگی ہوئی مستطیل ٹیبل کے گرد چالیس سے زیادہ کرسیاں قرینے سے رکھی ہوئی تھیں۔ کرسیوں کے گردپوش سے لے کر میز پوش تک، ہر چیز سفید اور بے داغ تھی۔ میز پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رکھے ہوئے گلدانوں میں تازہ سیاہ، گلابی اور سرخ گلاب اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ میز کے قریبی سرے پر آٹھ افراد کے لیے ناشتے کے برتن اور لوازمات قرینے سے سجے ہوئے تھے۔

ہمارے اندر داخل ہوتے ہی، سفید براق لباس اور گلابی اسکارف میں ملبوس، ایک خوبصورت خادمہ مسکراتی ہوئی آئی اور اس نے نہایت پھرتی کے ساتھ ہمارے لیے چار کرسیاں میز کے نیچے سے باہر نکال دیں۔ سارا نے چینی زبان میں اس سے کچھ کہا اور وہ اندرونی دروازے سے گزر کر کہیں غائب ہو گئی۔

"تم لوگوں کی کاہلی کی سزا تو یہ تھی کہ میں تمہیں ناشتے کے بغیر ڈون کے روبرو لے جاتی۔" سارا نے شگفتگی کے ساتھ کہا۔ "لیکن یہ بدشگونی ہوتی کہ تمہاری ازدواجی زندگی کی ابتدا فاقے سے ہوتی اس لیے میں تمہیں یہاں لے آئی۔ اب تم جلدی سے ناشتے سے فارغ ہو لو!"

"ہم سب تہ دل سے تمہارے ممنون ہیں" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "غنیمت ہے کہ خدا نے رزق کی فراہمی اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ اس نے یہ کام بھی اپنے بندوں کو سونپ دیا ہوتا تو آدھی سے زیادہ انسانی آبادی بھوکوں مر رہی ہوتی۔ کسی بھی کمزور کو زندہ رہنے کا حق ہی نہ ہوتا......"

"تم لوگ ہر بات پر سنجیدہ ہو کر لڑنے پر تیار ہو جاتے ہو۔" سارا میری بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "میں رات والے واقعے کو اتفاقی سمجھ رہی تھی لیکن حویلی میں افواہیں گردش کر رہی ہیں کہ وہ مسلسل غزالہ کو اشارے کر رہا تھا۔ اسی وجہ سے تم نے اُس سے لڑنے پر اصرار کیا اور پھر اُسے مار ڈالا۔" آخری فقروں پر اس کا لہجہ بہت دھیما، بلکہ رازدارانہ ہو گیا۔ شاید وہ بھی شوائے کی طرح حویلی کے سراغرسانی کے نظام سے باخبر تھی۔

میں نے سرد اور خشک نگاہوں سے اُسے گھورا اور کہا۔ "یہ افواہیں ہمارے بدخواہوں کے گندے ذہنوں کی پیداوار ہیں۔ ڈیوڑ تاؤ کے ساتھی، ڈون کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتے لیکن ایسی افواہیں پھیلا کر وہ حویلی میں ہمارے خلاف بدگمانی پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ کوئی سرپھرا، مشتعل ہو کر ہم پر حملہ کر دے۔"

"جب تک تم ڈون کے مہمان ہو، کوئی یہ جرأت نہیں کر سکتا۔" وہ میرا بازو دباتے ہوئے بولی۔

"شاید تمہیں علم نہیں ہے کہ میں الکحل کا عادی نہیں ہوں۔ پہلے ڈون نے اصرار کر کے، پھر اس کے آدمیوں نے مجھے تیزی کے ساتھ اتنی شراب پلا دی کہ مجھے کچھ ہوش ہی نہیں رہا تھا۔ اسی مدہوشی کی رو میں، میں نے کچھ کہا ہو گا۔ مجھے بس اتنا یاد ہے کہ میرے منہ پر لات پڑی تھی اور میں حرکت میں آ گیا تھا۔"

"میرے ساتھ تو کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں ہوئی۔" غزالہ نے ٹوسٹ پر مکھن اور پنیر لگاتے ہوئے معصومیت کے ساتھ کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ ڈون کی حویلی میں ایسے افسانہ طراز بھی موجود ہیں جو رائی کا وجود نہ ہونے کے باوجود پہاڑوں کی فصیل تخلیق کر لیتے ہیں۔ یہ سراسر الزام تراشی ہے۔"

اسی وقت سفید پوش خادمہ بھاپ اُڑاتی ہوئی' خوشبودار چائے کی کیتلی لے آئی اور ہماری گفتگو کا وہ سلسلہ اسی مقام پر منقطع ہو گیا۔

میز پر ناشتے کے لذیذ ترین لوازمات موجود تھے جن میں منتخب پھولوں کے شہد اور تازہ پھلوں کے رس سے لے کر نایاب اور تازہ پھل تک موجود تھے لیکن ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں رہا تھا اس لیے ہم تینوں نے عجلت میں اپنی شکم پُری کرنے کے بعد چائے کی پیالیاں سنبھال لیں۔

سگریٹ کے گہرے کش لیتے ہوئے' میرا ذہن ڈون کی حویلی میں پائے جانے والے خوفناک ماحول سے لحہ بہ لحہ بے نیاز ہوتا چلا گیا۔ میرے لیے وہ مبارک اور یادگار دن تھا کہ ڈون جیسا خطرناک اور مغلوب الغضب مجرم میرے اور غزالہ کے جبری نکاح کا بندوبست کرا رہا تھا۔ اُس کی یہ شرط کہ غزالہ اس کی حویلی سے گئی تو میری بیوی بن کر جائے گی ورنہ وہیں پڑے پڑے بوڑھی ہو جائے گی' عجیب ہی نہیں مضحکہ خیز بھی تھی۔

اس دن کی یادوں سے بھرپور لطف اٹھانے کے لیے میں نے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

ناشتے کے بعد ہمارا چار نفری جلوس' سارا کی رہنمائی میں اسی ہال میں جا پہنچا جہاں ڈیوڈ تاؤ سے میرا خون ریز مقابلہ ہوا تھا۔

ڈون کی حویلی کی ساخت کچھ اس قدر پُر پیچ تھی کہ وہاں کئی مرتبہ کی آمدورفت کے باوجود' مختلف کمروں کے راستے میرے ذہن نشین نہیں ہو سکے تھے البتہ یہ ضرور اندازہ ہو گیا تھا کہ فرشی نشست والا وہ ہال ہماری زیر زمین خوابگاہوں کے عین اوپر واقع تھا کیوں کہ ڈون اپنی مشینی مسند کو حرکت میں لا کر' براہِ راست ان خوابگاہوں تک رسائی حاصل کر سکتا تھا اور وہ اس وقت اپنی مسند پر ہی نیم دراز تھا۔

اس ہال میں پچھلی رات کو ہونے والی مار دھاڑ کے ذرا بھی آثار باقی نہیں تھے۔ قالین پر چینی مولوی کے ساتھ ہی دو اجنبی بھی براجمان تھے۔ ان میں سے ایک شخص واضح طور پر چینی تھا۔ کلین شیو ہونے کے باوجود' اس کے سر پر منڈھی ہوئی سفید ٹوپی منڈھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ والا دوسرا شخص صحت مند ہونے کے ساتھ ہی سرخ و سفید بھی تھا اور کسی بھی اعتبار سے چینی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اُس کی چمک دار اور بے چین آنکھیں پُراشتیاق انداز میں ہماری طرف مرکوز ہو گئی تھیں۔ ان تینوں کے علاوہ وہاں ڈون کے تین جاں نثار بھی مؤدبانہ انداز میں دو زانو بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ

تینوں خبیث بدمعاش میرے لیے اجنبی نہیں تھے۔ ان میں سے ایک تو وہی گنجا چینی تھا جسے ڈون نے کینٹن سے ایک مسلمان گواہ پکڑ لانے کی ہدایت کی تھی لیکن ان میں ڈیوڈ تاؤ کے ساتھیوں میں سے کوئی نہیں تھا۔

ڈون کی پشت پر پانچ لڑکیاں ادب سے ایستادہ تھیں۔ ان میں سے تین چینی اور دو سفید فام تھیں۔ ان میں سے ایک جرمن اور دوسری اطالوی معلوم ہو رہی تھی۔ میرے اس قیاس کی بنیاد میرے اپنے مشاہدے پر تھی کیوں کہ جرمن لڑکی حسین اور سبک اندام ہونے کے باوجود' دراز قامت اور فربہی مائل تھی جب کہ دوسری کے خدوخال اتنے تیکھے تھے کہ اس پر کسی اساطیری دیوی کا گمان ہوتا تھا۔

یہ ذکر ہی بے سود ہے کہ ڈون کی محفلوں کے آداب بے حجابی کے مطابق وہ پانچوں لڑکیاں لباس کے بدترین قحط کا شکار تھیں' اس کے باوجود بہت آسودہ اور مطمئن نظر آ رہی تھیں۔

ہال میں کہیں پھول نظر نہیں آ رہے تھے لیکن فضا مختلف پھولوں کی ملی جلی اور تیز خوشبو سے مہک رہی تھی۔

ہمیں دیکھتے ہی ڈون نے ہٹلر کے سے آمرانہ انداز میں اپنا ایک ہاتھ فضا میں بلند کر کے ہمیں خوش آمدید کہا۔ "آؤ! آج کا دن تم دونوں کے لیے ہے۔ ہم سب کی دعائیں اور نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

ڈون کے اس مشرقی انداز تہنیت پر یک بیک میرا دل بھاری ہو گیا۔ وہ ایسے مبارک لمحات تھے جو میری یا غزالہ کی زندگی میں دوبارہ نہیں آ سکتے تھے لیکن اس موقعے پر ہم دونوں ہی ایک اجنبی سرزمین پر غریب الوطن تھے۔ میں نے ڈون کو جواب دینا چاہا لیکن فرطِ جذبات سے میری آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

ڈون کی آواز کے ساتھ ہی مسلمان قاضی سمیت' سب لوگوں نے کھڑے ہو کر ہمارے احترام میں اپنے سر جھکا دیے تھے اور اسی حالت میں منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔

اچانک ڈون کی پانچوں خادمائیں نیچے جھکیں جب وہ سیدھی ہوئیں تو اُن کے ہاتھوں میں پھولوں کے وزنی اور لمبے لمبے ہار تھے۔

دو لڑکیوں نے خالص گلاب کے دو ہار میرے اور غزالہ کے گلے میں ڈال دیے۔ ایک ہار چینی قاضی کے گلے میں ڈالا گیا جو اُس کے گھٹنوں سے نیچے تک لٹکنے لگا۔ زرد اور سفید پھولوں کے بقیہ دو ہار غزالہ کے گلے میں ڈال کر لڑیوں کی صورت میں اس کے ہاتھوں پر لپیٹے گئے اور پھر کلائی کے اختتام پر گجروں کی طرح لپیٹ کر باندھ دیے گئے۔ نجانے وہ گلاب کے سرخ پھولوں کا انعکاس تھا یا حیا کا بوجھ کہ غزالہ کا چہرہ سرخ ہو کر دمکنے لگا۔ تمام تر سادگی کے باوجود' ڈون کے اہتمام نے اسے پھولوں کی شہزادی اور حقیقی دُلہن بنا دیا تھا۔

میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ حویلی کی بند دیواروں میں ہونے والی اس محدود سی تقریب میں ڈون اس قدر رنگ بھر دے گا۔ وہ بدمعاش اور شی کا آئی مین ہونے کے باوجود صاحبِ دل تھا اور اپنے خیر خواہوں کی خوشیوں کو چار چاند لگانے کے فن سے خوب واقف تھا۔ ہمارے نکاح کے لیے اس نے مشرق کی ہر روایت کا دھیان رکھا تھا۔

ہمیں ہاروں اور پھولوں سے لادنے کے بعد ڈون کی خادمائیں واپس اپنی جگہوں پر چلی گئیں۔

"تم دونوں یہیں میرے پاس آجاؤ!" ڈون نے حسبِ عادت اپنی لٹکتی ہوئی پتلی پتلی مونچھوں کو مروڑتے ہوئے کہا۔ میں نے اس کی ہدایت کی تعمیل میں فوراً پیش قدمی کرنی چاہی لیکن ٹھٹک کر رک گیا کیوں کہ غزالہ کے لیے بڑھنا دوبھر ہو رہا تھا۔ میں نے اسے اپنے ہاتھ کا سہارا دیا اور دھیمے دھیمے ڈون کی مسند پر پہنچ گیا۔

ڈون‘ جو اپنی مسند پر لگے ہوئے بڑے بڑے گاؤ تکیوں کے سہارے نیم دراز تھا‘ فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے بزرگانہ انداز میں غزالہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور اسے اپنی داہنی جانب بٹھا لیا پھر اس نے میرا داہنا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے بائیں جانب بٹھا لیا۔

اس وقت ڈون کا رویّہ ہر اعتبار سے باوقار تھا۔ بس ایک ہی بات اس وقار کے منافی تھی کہ اُس کے سامنے کسی سفید شراب سے بھرا ہوا‘ بلور کا نیلگوں گلاس رکھا ہوا تھا۔

"یہ چو سین ہے۔" ڈون نے قاضی کے برابر میں کھڑے ہوئے سرخ و سفید شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے آگاہ کیا۔ ڈون کی زبان سے تعارفی کلمات ادا ہوتے ہی‘ چو سین ... اپنے سر کو بار بار تعظیمی.... انداز میں خم دیتا ہوا تیزی سے مسند پر آیا جیسے ڈون کے وہ الفاظ اس کے لیے پیش قدمی کے حکم کا درجہ رکھتے ہوں۔ اُس نے آتے ہی تپاک کے ساتھ مجھ سے ہاتھ ملایا اور شستہ انگریزی میں بولا۔ "ڈون تمہاری ہمت اور مردانگی کا اس قدر معترف ہے کہ مجھے تم سے ملنے کا اشتیاق ہو گیا تھا۔ میرا نام چو سین ہے اور میں ایرانی ہوں۔"

اُس کی زبان سے آخری فقرہ مجھے بہت عجیب محسوس ہوا اور میں نے کہا۔ "مکاؤ میں رچنے بسنے کے بعد تم بھی اپنے آپ کو حسین کے بجائے چو سین کہنے لگے ہو؟" اس وقت تک میرا جذباتی ابال دب چکا تھا۔

"دن رات اسی نام سے پکارا جاتا ہوں۔" ڈون کے احترام کی وجہ سے اس نے ہنسنے کے بجائے صرف مسکرانے پر اکتفا کرتے ہوئے کہا۔ "اب تو میں خود اپنے اصل نام کو اس حد تک فراموش کر چکا ہوں کہ کوئی مجھے حسین کہے تو میں لاشعوری طور پر اس خطاب کو نظر انداز کر دیتا ہوں۔"

"اور دوسرا لطیفہ سنو!" ڈون اپنے بلوری گلاس سے ایک گھونٹ لے کر بولا۔ "میں نے تمہاری شادی کا دوسرا گواہ فراہم کرنے کے لیے کل ڈنگ سیانگ کو کینٹون دوڑایا تھا لیکن ابھی تمہارے آنے سے چند منٹ پہلے‘ مجھے پہلی بار معلوم ہوا کہ چو سین بھی مسلمان ہے اور تمہاری شادی کا گواہ بن سکتا ہے۔"

میں ڈون کے ساتھ ہنسنے لگا۔ بقیہ افراد اس وقت تک اپنی جگہوں پر کھڑے ہوئے تھے۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔ تم اپنے مذہبی طریقے کے مطابق رسوم پوری کراؤ!" بلند آہنگ ہنسی ہنس لینے کے بعد ڈون نے حسین کو ہدایت کی۔

اس نے جھجکتے ہوئے قاضی اور دونوں چینی گواہوں کو مسند پر بلا لیا۔ ڈون کسی مربّی یا سرپرست کی طرح لاتعلقانہ انداز میں کارروائی کا جائزہ لیتا رہا۔

قاضی نے آنکھیں موند کر عربی میں تعوذ‘ تسمیہ اور درود پڑھا تو مجھے شدید حیرانی ہوئی۔ چینی نژاد ہونے کی وجہ سے قاضی کا تلفظ اور مخرج بہت مختلف بلکہ غلط تھا لیکن مجھے خوشی تھی کہ چین میں بسنے والے مسلمان بھی اپنی مذہبی رسوم اور شاید تمام عبادات میں الہامی زبان ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس دوران میں‘ ڈون کے اشارے پر بقیہ لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ چکے تھے۔ حسین کی شمولیت کی وجہ سے سارا مسند پر بیٹھنے کے اعزاز سے محروم ہو گئی تھی۔

درود مکمل کر لینے کے بعد چینی قاضی نے اپنی قومی زبان میں ایجاب و قبول کا سلسلہ چھیڑا تو حسین میرے اور غزالہ کے لیے انگریزی ترجمہ کر کے‘ ہمارا اقرار چینی زبان میں قاضی کو سمجھاتا رہا۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ وہ سوالات تین مرتبہ دُہرائے گئے پھر قاضی نے ایک مختصر سا فارم ہمارے سامنے کر دیا۔

وہ فارم چینی زبان میں چھپا اور لکھا ہوا تھا۔ میرے لیے وہ کیڑے مکوڑے ناقابلِ فہم تھے۔ حسین نے وہ فارم پڑھنے کے بعد ان... مقامات کی نشان دہی کی‘ جہاں ہم دونوں کو دستخط کرنے تھے۔

ہمارے دستخطوں کے بعد قاضی نے اس کاغذ پر مہر ثبت کی‘ اپنے ایک کاغذ پر کچھ اندراج کیا اور مہر لگا ہوا کاغذ میرے حوالے کر دیا۔ جس کے مطابق غزالہ کا حق مہر ایک لاکھ پاکستانی روپے مقرر کیا گیا تھا جو مطالبہ کرنے پر ادا کیا جانا تھا۔ اس کے بعد ہی قاضی نے عربی میں خطبۂ نکاح پڑھنا شروع کر دیا۔

شاید چینی مسلمانوں کے دستور میں خطبے کے بعد دعا مانگنے کا رواج نہیں تھا اس لیے قاضی نے مصافحہ کر کے مجھے مبارکباد دی پھر حسین میرے دونوں ہاتھ بھینچ کر چومنے اور آنکھوں سے لگانے لگا۔ اسی اثنا میں ڈون نے میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر بیٹھے بیٹھے ہی مجھے اپنے دیوپیکر اور پلپلے وجود سے لپٹا لیا۔ اُس نے بہت گرمجوشی سے میرے دونوں رخساروں کے بوسے لیے تو اُس کے دہانے سے واڈکا کے بھبکے آ رہے تھے۔

"بہت سادہ اور پُراثر طریقہ ہے تمہارا!" ڈون نے مجھے اپنی

گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے کبھی شادی کا ارادہ کیا تو اسلامی طریقے سے ہی کروں گا۔"

میں پورے خلوص کے ساتھ سرہلا کر رہ گیا لیکن میرے ذہن میں ایک نیا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اگر ڈون نے غزالہ کو بھی میری ہی طرح مبارکباد دینی شروع کر دی تو میں اس بدتمیزی کو کیسے برداشت کر سکوں گا؟ ڈون اس وقت سرور میں نظر آرہا تھا اور اس جیسے مطلق العنان آدمی سے کوئی بھی حرکت بعید نہیں تھی۔ میرے دماغ میں ایک بھیانک سی سنسناہٹ ہونے لگی۔

لیکن وہ مرحلہ فوراً ہی گزر گیا۔ نکاح ہو جانے کے بعد' غزالہ حیا کے بوجھ سے اپنے ہی وجود میں جھکی جا رہی تھی۔ ڈون نے ایک مرتبہ پھر اُس کے سر پر اپنا دستِ شفقت رکھ دیا۔

پھر سلطان شاہ مسند پر چڑھ آیا اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں بے پایاں خوشی کے آنسو جھلملا رہے تھے اور فرطِ جذبات سے ہونٹوں کے گوشے کپکپا رہے تھے۔ میں نے بے اختیار اسے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔ اس بھیڑ میں وہی میرا سب سے عزیز اور سچا ساتھی تھا۔

دوسروں کی مبارکباد کا سلسلہ ختم ہوا تو ڈون کے پاس دو ڈبے آ چکے تھے جن پر مخمل منڈھی ہوئی تھی۔ ڈون اپنا گلاس خالی کر چکا تھا اور ایک خادمہ اس کے لیے مزید شراب انڈیل رہی تھی۔ حسین' قاضی اور گواہوں کو لے کر مسند سے اتر چکا تھا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

ڈون نے بڑا ڈبا غزالہ کو دے دیا۔ غزالہ نے اس کا ڈھکن کھولا تو میری نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ وہ جڑاؤ ہیروں کا ایک وزنی سیٹ تھا۔ چھوٹا ڈبا میرے حصے میں آیا۔ اس میں سٹینزن کی طلائی رسٹ واچ موجود تھی جس کے ڈائل پر ہندسوں کی جگہ بے داغ ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ وہ دونوں تحائف لاکھوں سے کم مالیت کے نہیں تھے۔ میرے دل میں ڈون کے لیے عزت و عظمت کا ایک نیا مقام پیدا ہو گیا۔

ڈون کی ان تمام ضیافتوں اور عزت افزائیوں نے میرے ذہن میں ایک انقلاب سا برپا کر دیا اور میں دل ہی دل میں خود کو ملامت کرنے لگا۔ میں نے ڈون کی دوستی کا جواب کھلی مکاری سے دیا تھا۔ شوائے میرے دباؤ کی وجہ سے خودکشی کر بیٹھی تھی۔ ڈیوڈ میرے انتقام کا نشانہ بن چکا تھا اور پھر ڈون کے بچپن کے دوست' نیشی کاؤ کی باری آنے والی تھی۔

میرا دل چاہا کہ میں ڈون کے سامنے اپنی خطاؤں کا اعتراف کر کے' اس سے معافی مانگ لوں لیکن جلد ہی میری خود غرضی' ضمیر کی اس آواز پر غالب آ گئی۔

جہاں تک ڈان نیشی کاؤ کا تعلق تھا تو وہ مارنے یا مرجانے والا معاملہ تھا۔ قدرت کی ستم ظریفیوں نے جو صورتِ حال پیدا کر دی تھی' اس میں ہم دونوں کے بیک وقت زندہ رہنے کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ میں اُسے چھوڑ دیتا تو وہ مجھے ڈون ہی کے ہاتھوں مروا دیتا۔

"چلو! میں تمہیں تمہارے کمروں میں پہنچا دوں" ڈون نے چوسین کو کچھ ہدایات دینے کے بعد مجھ سے کہا۔ "تم لوگوں نے رات کو بھی آرام نہیں کیا۔ شام کو میں تمہیں تازہ دم دیکھنا چاہتا ہوں۔ چھ بجے چوسین تمہیں بگھی میں بٹھا کر تقریب میں لے جائے گا۔"

"ڈون!" میں نے آہستگی سے کہا۔ "میں ڈیوڈ کی ہلاکت پر شرمندہ ہوں۔ جو کچھ ہوا' اس میں میرے کسی ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔"

"اسے بھول جاؤ!" ڈون نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں جن باتوں کا ذکر نہیں کرتا' اُن کا یاد دلایا جانا بھی پسند نہیں کرتا۔ آج تمہاری شادی اور خوشی کا دن ہے' اسے اسی طرح گزرنے دو۔ تلخیوں کا ذکر کر کے میرا موڈ خراب مت کرو!" ایک لڑکی ہمارے جوتے لے کر ڈون کی مسند پر آ گئی۔

ڈون نے اپنی جیب سے ایک سیاہ ڈبیا نکال کر اُس کا سرخ بٹن دبایا اور کسی ریموٹ کنٹرول نظام کے تحت اُس کی مسند آہستگی کے ساتھ فرش میں دھنس کر' ایک کنوئیں میں اترنے لگی۔ ہمارے لیے وہ تجربہ نیا نہیں تھا۔ زیرِ زمین منزل پر پہنچ کر وہ مسند غیر محسوس انداز میں رک گئی۔

"فی الحال خدا حافظ۔ اب شام کو چھ بجے ملاقات ہو گی۔" ڈون نے ہمیں اترنے کا اشارہ دیا۔

ہم اپنے جوتے سنبھال کر مسند سے اترے اور روشن دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ ہم تینوں کے نکلتے ہی مسند نے اوپر کی طرف حرکت کی اور کنوئیں سے نکاسی کا راستہ فوراً غائب ہو گیا۔ ہم تینوں ایک کشادہ راہداری کے بند سرے پر کھڑے رہ گئے جس کے دونوں جانب دو خواب گاہیں موجود تھیں۔

ہم تینوں نے پچھلی دونوں راتیں ایک ہی کمرے میں بسر کی تھیں۔ میں غزالہ کا ہاتھ تھامے اسی کمرے کی طرف بڑھا تو سلطان شاہ شرارت آمیز انداز میں دوسری خواب گاہ کی طرف مڑ گیا۔

"اُدھر کہاں چلے؟" میں نے پوچھا۔ "ہمارے ساتھ آؤ!"

"یہ تمہاری شادی کا پہلا دن ہے۔ آج کباب میں کوئی ہڈی نہیں ہونی چاہیے۔"

میں نے اسے گردن سے پکڑ لیا اور زبردستی پرانے کمرے کے دروازے کی طرف دھکیل دیا۔

ہماری غیر حاضری میں وہ کمرا نہ صرف صاف کر دیا گیا تھا بلکہ جا بجا تازہ پھول سجا دیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ بھی کمرے میں ضرورت کی کئی نئی اشیا نظر آ رہی تھیں۔

"آج تم خاموش کیوں ہو؟" صوفے پر بیٹھ کر' میں نے اپنا ہار اتارتے ہوئے غزالہ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "ماں، باپ اور بھائی کا خیال آ رہا تھا۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ آج کا مبارک دن دیکھنے سے پہلے ہی وہ تینوں مرحوم ہو چکے ہیں۔"

"ماں اور باپ کا تو کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔" سلطان شاہ، غزالہ کی افسردگی پر یک بیک جذباتی ہو گیا۔ "لیکن تم مجھے اپنے سگے بھائی سے بڑھ کر پاؤ گی۔"

"پہلے ہی دن سے تمہاری تمام حرکتیں کسی سعادت مند سالے جیسے تھیں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ تم جلد یا بدیر سالا ہونے کا اعتراف کر ہی لو گے۔" میں نے کہا اور ہم تینوں ہی ہنس پڑے۔

غزالہ اس وقت ایک جذباتی بھنور میں پھنسی ہوئی تھی۔ میں خود بھی اُس کی دلجوئی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا لیکن وقت تیزی کے ساتھ گزرا جا رہا تھا اور ہم نے شام کو پیش آنے والے متوقع خطرات کے سدِّباب کے لیے کوئی بھی پروگرام طے نہیں کیا تھا، اس لیے میں نے باتوں ہی باتوں میں کچھ وقت ڈون کے حسین باغ میں گزارنے کا ارادہ ظاہر کیا اور اُن دونوں نے میرا اشارہ بھانپ لیا۔

ڈون کی لڑکیوں نے غزالہ کے بازوؤں پر پھولوں کی لڑیاں بہت تیزی اور مہارت کے ساتھ لپیٹی تھیں لیکن انہیں اتنی آسانی کے ساتھ غزالہ کے بازوؤں سے الگ نہیں کیا جا سکا۔ سلطان شاہ نے دھاگے کاٹ کر وہ تمام پھول مسہری کے سرہانے رکھے اور ہم نکاسی کے راستے کی طرف چل دیے۔

ڈون کی حویلی کا اندرونی حصہ اس طرح تعمیر کیا گیا تھا کہ وہاں دن اور رات میں تمیز کرنی ممکن نہیں تھی کیوں کہ کہیں بھی سورج کی براہِ راست روشنی کا گزر نہیں تھا۔ اگر کچھ شیشے بیرونی رخ پر نصب بھی تھے تو اُن پر ہر وقت دبیز پردے کھنچے رہتے تھے جن کی وجہ سے باہر کے موسم کا کوئی اندازہ نہیں ہو پاتا تھا۔

سرنگ سے کھلی فضا میں نکلتے ہی خشگوار دھوپ بدن کو بہت بھلی محسوس ہوئی اور ہم تینوں گھاس کے گہرے سبز قطعات پر، رنگ برنگ پھولوں کے تختوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے باغ کے ایسے حصے کی طرف بڑھنے لگے جہاں ہم اپنے قرب و جوار پر گہری نظر رکھ سکتے تھے۔

اس وقت تک شام کے جو انتظامات سامنے آئے تھے، ان کے مطابق مجھے اور غزالہ کو ڈون کے قریب موجود رہنا تھا جب کہ ڈان نیشی کاؤ کو ہیلی کاپٹر سے اتر کر، چلتے ہوئے ڈون تک آنا تھا۔ ان حالات میں صرف سلطان شاہ ہی کوئی کارروائی کر سکتا تھا۔ اسے کسی بھی اقدام کے لیے بہت کم وقت میسّر ہوتا جو ڈان نیشی کاؤ کے ہیلی پیڈ پر اترنے سے شروع ہو کر اس کے ڈون تک پہنچنے پر ختم ہو جاتا۔

ایک بار نیشی کاؤ میری جھلک بھی دیکھ لیتا تو جیتی ہوئی بازی الٹ سکتی تھی۔

غزالہ نے تجویز پیش کی کہ کشت و خون میں الجھنے اور ڈون کوانگ فو کی خوشنودی گنوانے کا خطرہ مول لینے کے بجائے میں شدید بیماری کا عذر کر کے، شام کی تقریب سے غیر حاضر ہونے کا جواز پیدا کر لوں۔ ڈان نیشی کاؤ صرف مجھے پہچانتا تھا، غزالہ اور سلطان شاہ کی موجودگی سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا تھا۔

لیکن میں نے وہ مشورہ مسترد کر دیا۔ میرے بچاؤ کے لیے نیشی کاؤ کی موت ناگزیر ہو چکی تھی۔ وہ اپنی اور ڈون کی بچپن کی دوستی کا سہارا لے کر مکاؤ آ رہا تھا۔ اس نے یقینی طور پر ڈون کو اپنی آمد کے اصل مقصد سے آگاہ نہیں کیا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ نیشی کاؤ میرے اور جمی لائیڈ کے تنازعے میں ڈون کے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے، شی اور مافیا کے درمیان پائی جانے والی بدترین کشیدگی کا سدِّباب کرنا چاہتا تھا۔ میں اُس کے سامنے نہ بھی آتا تو وہ اپنی آمد کے بعد، پہلا موقع میسر آتے ہی میرا ذکر چھیڑتا یا پھر ڈون ہی اُسے شادی کے حوالے سے میرے نام سے آگاہ کرتا تو نیشی کاؤ فوراً چونکنا ہو جاتا اور میں ڈون کی حویلی میں بری طرح پھنس کر رہ جاتا۔ ہمارے سنگین مسئلے کا واحد حل نیشی کاؤ کی موت میں پوشیدہ تھا۔

لیکن سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ تقریب کے شرکا کو ڈون کے سامنے پھیلے ہوئے میدان میں بیٹھنا تھا جب کہ نیشی کاؤ کو ڈون کے عقب میں بنے ہوئے ہیلی پیڈ پر اترنا تھا۔ ہیلی پیڈ اور اسٹیج کے درمیانی راستے پر ڈون کے نجی عملے کے علاوہ، کسی غیر متعلقہ فرد کے موجود رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اگر سلطان شاہ اس گزرگاہ پر نیشی کاؤ پر قاتلانہ حملہ کرتا تو اس کی کامیابی اور ناکامی کے مساویانہ امکانات سے قطع نظر، ڈون کا عملہ فی الفور اس پر ہاتھ ڈال دیتا اور بساط الٹ جاتی۔

ہم کافی دیر تک سر جوڑے اس کٹھن صورتِ حال پر مغز زنی کرتے رہے لیکن کوئی محفوظ حل سامنے نہیں آ سکا۔ نیشی کاؤ کی آمد اور استقبال کا بندوبست اس قدر محفوظ تھا کہ اس میں کسی بھی قسم کی رخنہ اندازی کی کوشش خودکشی کے مترادف ہو سکتی تھی۔

"تم مجھے بھول جاؤ، اگر میں اپنی جان پر کھیل کر تم دونوں کو خطرات سے بچا سکا تو یہ میری بہت بڑی کامیابی ہو گی۔ ڈون اور اس کے آدمی میری زبان نہیں کھلوا سکیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ وہ لوگ مجھے ہلاک کر دیں گے۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"یہ بھی ناممکن ہے۔" میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے، پُرخیال انداز میں کہا۔ "ڈون کی حویلی میں ہم تینوں کی شناخت ایک دوسرے سے ہے۔ تم پکڑے گئے تو ہم بھی عتاب میں آ جائیں گے۔ ہم تینوں کو بچنا ہے یا پھر ہم ایک ساتھ مارے جائیں گے۔ میں وان لن کی لاش کے ساتھ ڈون کا وحشیانہ سلوک دیکھ چکا

ہوں۔ وہ اپنے منحرفین اور دشمنوں کے معاملے میں بہت خونخوار اور کینہ پرور آدمی ہے۔ اُس نے ہم میں سے ایک پر بھی ہاتھ ڈال دیا تو تینوں کا حشر خراب کردے گا۔"

سلطان شاہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ آخری اور فیصلہ کن لمحات قریب آنے پر' سب کچھ جمود اور تعطل کا شکار ہوتا نظر آرہا تھا۔

میں نے ایک ایسا بلو پائپ بھی خریدا تھا جو سگریٹ میں چھپایا جا سکتا تھا۔ پچھلے حصے کا تمباکو نکال کر' کاغذ کی نلی میں بلو پائپ چھپانے کے بعد' اگلے حصے میں ہلکا سا تمباکو بھر دیا جاتا تو کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ اسے استعمال کرنے والا شخص پھونک مار کر اپنے بلو پائپ سے زہریلی سوئی چلانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ بادیُ النظر میں یہی معلوم ہوتا کہ وہ شخص اپنے ہونٹوں میں دبی ہوئی سگریٹ سلگانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

وہ تدبیر صرف ایک ہی صورت میں کارگر ہو سکتی تھی کہ نیشی کاؤ کی گزرگاہ کے اطراف میں بھیڑ بھاڑ موجود ہوتی۔ سلطان شاہ اس ہجوم میں مل کر بہت آسانی کے ساتھ اپنا کام کر سکتا تھا۔ اس نے بے ضرر سوئیوں پر مشق کے ذریعے اتنی مہارت حاصل کر لی تھی کہ پندرہ بیس فٹ کے فاصلے سے کسی متحرک شخص کے بدن کے اوپری حصے کو بہ آسانی نشانہ بنا سکتا تھا۔ شرط صرف یہ تھی کہ تیز ہوا نہ چل رہی ہو۔

اس بلو پائپ میں ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں بیک وقت تین سوئیاں سما سکتی تھیں۔ پہلی سوئی نکلتے ہی' اوپری حصے کی باریک جھری سے دوسری سوئی نلی میں گرتی تھی اور اگلی پھونک سے اسے بھی نشانے کی طرف اُڑا لے جاتی۔ اس طرح بلو پائپ کو دوبارہ لوڈ کیے بغیر' چند سیکنڈ کے قلیل سے عرصے میں' اس سے مسلسل تین سوئیاں پھینکی جا سکتی تھیں۔

اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد سلطان شاہ وہ سگریٹ زمین پر پھینک دیتا جو لوگوں کے قدموں تلے روندی جاتی اور انتہائی باریک بینی سے چھان بین کے باوجود کچلے ہوئے بلو پائپ اور باقی ماندہ سوئیوں کا سراغ لگانا ناممکن ہو جاتا۔

مایوسی کے عالم میں سلطان شاہ نے بیم گن کے استعمال کی تجویز پیش کی۔ میں اضطراری طور پر وان لن کو بیم گن کا نشانہ بنانے کے بعد جس کربناک ذہنی عذاب سے گزر چکا تھا' وہ میں ہی جانتا تھا۔ بیم گن شی کے بڑوں کے خاص اور امتیازی ہتھیار کا درجہ رکھتی تھی۔ ڈون' نیشی کاؤ کے جسم کے جلے ہوئے حصے کو دیکھتے ہی سمجھ لیتا کہ اسے بیم گن کا نشانہ بنایا گیا ہے پھر بیم گن کے نوزل سے خارج ہونے والی نیلگوں شعاعوں کی مہلک دھار بھی چھپنے والی چیز نہیں تھی۔

اس تقریب کا بندوبست بہت محفوظ اور بے داغ ہے۔"

غزالہ نے ٹہلتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو بچاؤ کی ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ نیشی کاؤ کے پہنچنے سے پہلے اس تقریب کو درہم برہم کر دیا جائے اور اسی افرا تفری میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے!"

"اتنی بڑی اور منظم تقریب کو درہم برہم کرنا ناممکن ہے۔ میدان میں ڈون کے عملے کی بھاری تعداد موجود ہوگی۔ وہ ایسی ہر کوشش کو ناکام بنا دیں گے۔" سلطان شاہ پر بددلی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ "پھر یہ قوم تو ایسی بے خوف ہے کہ سانپوں تک کو کھا جاتی ہے۔ پاکستان میں تو ایک دو بے ضرر سانپ چھوڑ کر بھی بڑے سے منظم اجتماع کو درہم برہم کیا جا سکتا ہے۔"

"بس ایک ہی صورت نظر آتی ہے۔" میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد کہا۔ "اگر بیل مشتعل ہو کر ہجوم پر چڑھ دوڑے تو سب سر پر پیر رکھ کر بھاگ نکلیں گے۔"

"اس کے لیے ضروری ہے کہ بیل اردو یا انگریزی سے واقف ہو اور ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائے۔" سلطان شاہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

اس کے جلے کٹے تبصرے پر غزالہ بے اختیار ہنس پڑی۔ سلطان شاہ زیرِ لب بڑبڑانے لگا۔

"اگر تم صرف اردو سمجھ لو تو بیل کی زبان دانی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔" میں نے کہا۔

"تم کل ہی دیکھ چکے ہو کہ مضبوط چوبی شہتیر زمین میں گاڑ کر' اُن پر افقی تختے ٹھونکے جا رہے تھے۔ بیل کو اس مضبوط حصار سے باہر لانا ناممکن ہوگا۔"

"غور کرو گے تو امکانات روشن ہو جائیں گے۔" میں نے اصرار کیا۔ "یہ ناممکن نہیں ہے۔"

"بولے جاؤ۔ میں سن رہا ہوں۔" سلطان شاہ نے منہ پُھلا کر کہا۔ شاید اُسے توقع نہیں تھی کہ میں کوئی معقول تجویز پیش کر سکوں گا۔

وہ نیم دلی کے ساتھ میری تجویز سنتا رہا پھر اس نے کئی اعتراضات کیے۔ غزالہ بھی اُس کا ساتھ دے رہی تھی لیکن میں اپنے منصوبے کی طرف سے ناامید نہیں تھا۔

اس وقت بھی بیم گن' بلو پائپ سمیت سلطان شاہ کے پاس موجود تھی۔ ڈون کے عملے کی لڑکیوں کی طرف سے کمروں کی تلاشی کے خطرے کی وجہ سے وہ ہتھیار ہم اپنے ساتھ ہی رکھتے آرہے تھے۔ میں نے سلطان شاہ کو ایک بار پھر اُس کا کام سمجھایا اور وہ کسلمندانہ انداز میں نرم اور دبیز گھاس پر دراز ہو گیا۔

ہم دونوں اسے وہیں چھوڑ کر واپس تہ خانے کی طرف چل دیے۔ سرنگ میں داخل ہونے کے بعد ہم نے دروازہ بولٹ نہیں کیا تاکہ سلطان شاہ اپنا کام ختم کر کے اسی راستے سے واپس

آسکے۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے انٹرکام سنبھال لیا کیوں کہ شام کے پروگرام کی تصدیق کے لیے مجھے سارا یا حسین کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ پروگرام کی متوقع ترتیب میں کوئی بھی تبدیلی میرے منصوبے کو تباہ کرسکتی تھی۔

تیسری کوشش میں میرا' سارا سے رابطہ ہوگیا اور وہ فوراً ہی نیچے آنے پر آمادہ ہوگئی۔

میں نے اس کے آنے سے پہلے غزالہ کو دوسرے کمرے میں بھیج دیا۔ میرا خیال تھا کہ سارا تنہائی میں زیادہ کھُل کر بات کرسکے گی۔ بظاہر اپنے حالات سے خوش نظر آنے کی شعوری کوششوں کے باوجود' وہ ڈون کی حویلی کے ماحول کی یکسانیت سے اکتائی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

اس نے آتے ہی غزالہ اور سلطان شاہ کے بارے میں استفسار کیا تو میں نے اُسے بتایا کہ سلطان شاہ حویلی کی سیر کو نکلا ہوا تھا اور غزالہ دوسرے کمرے میں آرام کر رہی تھی۔

"اسے اتنی جلدی آرام کی ضرورت پیش آگئی؟" سارا نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"تم بے ہودہ ہو۔ یہ کیوں بھول رہی ہو کہ وہ پچھلی رات کی جاگی ہوئی ہے۔"

"میرے پیر کی بھاری ڈریسنگ مجھے پریشان کر رہی ہے۔ میں اسے تبدیل کرنا چاہتا ہوں تاکہ شام کو لنگڑانے کی نوبت نہ آئے۔" رسمی گفتگو کے بعد میں نے کہا اور اس نے فوراً ہی اپنی خدمات پیش کردیں۔ میرے علاج کے بارے میں وہ پوری طرح باخبر معلوم ہوتی تھی۔

میرے بازو میں ایک انجکشن لگانے کے بعد اس نے پٹی بدلنی شروع کی تو میں نے سرسری انداز میں شام کے پروگرام کا ذکر چھیڑ دیا۔

اس نے بتایا کہ مہمانوں کو چھ بجے مدعو کیا گیا تھا۔ اسی وقت مجھے اور غزالہ کو وہاں پہنچنا تھا۔ سوا چھ بجے ڈون آکر مہمانوں کو خوش آمدید کہتا پھر ہماری شادی کا اعلان کرتا۔ اسی کے ساتھ شیمپئن کا ایک دَور چلتا اور ڈون کے خاص مہمان ہمیں شادی کی مبارکباد دیتے۔ پونے سات بجے سے سوا سات بجے تک بُل فائٹنگ کا پہلا مقابلہ ہوتا اور اسی وقت ڈون کا بچپن کا دوست' ہانگ کنگ سے ہیلی کاپٹر کے ذریعے حویلی کے ہیلی پیڈ پر اترتا اور ڈون اس کا استقبال کرتا۔ شراب کے مسلسل دَور کے ساتھ' نو بجے تک بل فائٹنگ کے مقابلے جاری رہتے جن کے اختتام پر ڈنر شروع ہو جاتا۔ گیارہ بجے تقریب ختم ہو جاتی اور ڈون اپنے دوست کے ساتھ حویلی میں واپس لوٹ جاتا۔

وہ پروگرام بہت مناسب اور میرے منصوبے کے لیے سازگار تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ ڈون کی تمام تقریبات میں وقت کی پابندی کا بہت خیال رکھا جاتا تھا اس لیے پروگرام کی ترتیب یا اوقات میں ردوبدل کا کوئی امکان نہیں تھا۔

سارا بہت خلوص اور اپنائیت کے ساتھ میرے زخم کی مرہم پٹی کرتی رہی۔ اس کی آنکھوں کی چمک' لہجے کے تاثرات اور جسمانی چھیڑ چھاڑ سے اُس کی تشنگی کا اظہار ہو رہا تھا لیکن خفیہ ڈکٹا فونز کے ذریعے آوازوں کی مانیٹرنگ کے خوف سے اُس کی زبان بند تھی۔ وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہی تھی لیکن اس کی نگاہیں کچھ اور کہہ رہی تھیں۔

میں کسی خفگی یا اپنی پاکبازی کا اظہار کیے بغیر' میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ ایسا نہیں تھا کہ میں غزالہ سے نکاح کے چند گھنٹوں بعد ہی ہیراپھیری پر اتر آیا تھا' اس وقت غزالہ میرے دل و دماغ پر بلکہ حواس پر چھائی ہوئی تھی لیکن ڈون کی حویلی میں ہم تینوں جس غیر یقینی اور خطرناک صورتِ حال سے دوچار تھے' اس کے پیشِ نظر' ڈون کے جاں نثاروں میں کسی بھٹکے ہوئے دوست یا ہمدرد کا وجود ہمارے لیے نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں تھا' اگر سارا کو میری ذات میں اپنی تشنہ آرزوؤں کی تسکین کا کچھ سامان نظر آرہا تھا تو اپنی ناگزیر ضروریات کی وجہ سے مجھ پر لازم ہوگیا تھا کہ فیصلہ کُن لمحات گزر جانے تک اس کی خوش فہمی کو برقرار رہنے دوں تاکہ بازی الٹ جانے کی صورت میں اس کی خفیہ مدد ملنے کا امکان برقرار رہے۔

وہ باتیں کرتی اور ڈریسنگ کے عمل کو طول دیتی رہی۔ اس کے ساتھ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میرے تلوے کا زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اور اس پر کھرنڈ جمنا شروع ہوگیا تھا۔

"میں ساڑھے پانچ بجے درد کم کرنے والا انجکشن لگا دوں گی اور تمہیں پوری تقریب میں درد کا احساس نہیں ہوگا۔ ویسے تمہارے خون میں زبردست قوتِ نمو ہے۔ یہ زخم بہت تیزی سے بھر رہا ہے۔"

"ابھی کون سا انجکشن لگایا ہے تم نے؟" میں نے اسے چھیڑتے ہوئے پوچھا۔

"اینٹی بایوٹک!" اس نے والہانہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "چوبیس گھنٹے گزرنے سے پہلے ایک اور لگے گا' پھر اس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔"

سارا کی وہ بے زبان لگاوٹ دیکھ کر مجھے بے اختیار وہ عورتیں اور لڑکیاں یاد آگئیں جو اپنے محرموں کے ساتھ بیٹھ کر چوری چھپے اپنے محبوبوں سے آنکھیں لڑاتی ہیں۔ ڈون' سارا کا محرم تو نہیں تھا لیکن اس پر کسی شوہر سے زیادہ تصرف کا دعوے دار تھا۔ وہ سارا کی سپاٹ آواز ضرور سن سکتا تھا لیکن اس کی نظروں میں ہلکورے لیتے ہوئے پیغام کو دیکھنا ڈون کے بس سے باہر تھا۔

حویلی کی اس زیرِ زمین خواب گاہ کی خنک تنہائی میں سارا کی گرمیٔ جذبات کے چند بے آواز لمحات بھی آئے جنہیں میں نے

خاموشی سے سہہ لیا اور سارا لہراتی ہوئی واپس چلی گئی۔
اس کے جاتے ہی غزالہ اندر آگئی اور آتے ہی قدرے خفگی سے بولی۔ "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ خوبصورت لڑکیاں تم سے مل کر اس قدر خوش کیوں ہوتی ہیں؟"
"اب ہماری شادی ہو گئی ہے۔ یہ تمام راز جلد ہی تم کو معلوم ہو جائیں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے اسے اپنی گرفت میں لے کر وہ موضوع وہیں ختم کر دیا' ڈکٹافونز کی وجہ سے میں اسے کچھ نہیں بتا سکتا تھا اور میری خاموشی اُس کی برہمی میں اضافے کا سبب بن سکتی تھی۔ اس لیے بہتر یہی تھا کہ اس کا منہ بند کر دیا جائے۔
جب ایک گھنٹا گزر گیا تو مجھے سلطان شاہ کی طرف سے تشویش لاحق ہونے لگی۔ میرے ذہن میں وسوسے سر ابھارنے لگے کہ کہیں وہ موقع پر ہی رنگے ہاتھوں نہ پکڑا گیا ہو۔ غزالہ بھی فکر مند تھی لیکن پھر وہی مجبوری کہ ہم اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بول سکتے تھے۔
خدا خدا کر کے ڈھائی بجے سلطان شاہ کی واپسی ہوئی اور وہ آتے ہی بستر پر گر گیا۔ میدان میں ڈون کے آدمیوں کی موجودگی کی وجہ سے اسے اپنا کام کرنے میں خاصا وقت لگ گیا۔ جب وہ لوگ کھانا کھانے کے لیے میدان سے ٹلے تو اُسے موقع ملا اور وہ پوری احتیاط کے ساتھ اپنا کام سرانجام دے کر لوٹ آیا۔ میدان اور اس کے قرب و جوار میں گھومتے پھرتے ہوئے اس نے بعض چینیوں کا ہاتھ بٹایا جس پر وہ اس سے بے حد خوش ہوئے اور کسی نے اس کی وہاں موجودگی پر تعرض نہیں کیا۔ اُس کی تحریر پڑھ کر میں نے وہ کاغذ جلا دیا۔
سلطان شاہ کے آتے ہی میں نے کھانا طلب کر لیا۔ کھانا لانے والیوں کے ساتھ سارا کا رقعہ بھی آیا۔ وہ غزالہ کو تیاری میں مدد دینے کے لیے چار بجے آنے کا ارادہ رکھتی تھی۔
جوں جوں وقت قریب آ رہا تھا' ہم تینوں پر بے چینی اور اعصابی کشیدگی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ سب سے بڑی الجھن تو یہ تھی کہ ہم اپنے مسائل پر بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔
ڈون کی محفل میں شراب نوشی کر کے میں نے اپنی راہ ہموار کر لی تھی اس لیے کھانے کے ساتھ آنے والی' سرخ وائین کی دونوں بوتلیں آہستہ آہستہ خالی کر دیں۔ اس سے یہ فرق ہوا کہ میرے ذہنی انتشار میں کمی واقع ہو گئی اور میں ایک مرتبہ پھر پورے منصوبے پر غور کرنے میں مصروف ہو گیا۔
سارا' اپنے وعدے کے مطابق چار بجے آگئی۔ اُس کے ساتھ تیکھے خدوخال والی اطالوی لڑکی بھی تھی۔ وہ بے چاری چینی زبان کے علاوہ صرف اپنی مادری زبان بول سکتی تھی اس لیے مسکراہٹوں کے علاوہ براہِ راست کوئی بات نہیں ہو سکی۔ سارا نے ترجمان کے فرائض ادا کیے' پھر وہ دونوں غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر دوسری خوابگاہ میں چلی گئیں۔ غزالہ کا عروسی لباس' جڑاؤ ہیروں کا سیٹ اور جوتے وغیرہ اُن کے ساتھ تھے۔
آہستہ آہستہ ہم دونوں نے بھی شیو وغیرہ کر کے تیاری شروع کر دی۔
ٹھیک ساڑھے پانچ بجے سارا میرے کمرے میں آئی تو مجھے نیم تیاری کے عالم میں دیکھ کر داد دینے لگی۔ سلطان شاہ کو کمرے ہی میں موجود پا کر اُسے قدرے مایوسی ہوئی تھی۔ اس نے درد کو کم کرنے والی دوا ہاپوڈرمک سرنج میں منتقل کرنی شروع کی تو سلطان شاہ لباس تبدیل کرنے کے لیے باتھ روم میں چلا گیا۔
غزالہ کو اطالوی لڑکی نے الجھایا ہوا تھا لیکن میں اُس کی چھٹی حس سے خائف تھا۔ سارا نے انجکشن لگانے سے قبل ایک بار پھر تخلیئے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی لیکن میں نے اُسے زیادہ کھلنے کا موقع نہیں دیا پھر سلطان شاہ نے باتھ روم سے برآمد ہو کر میری مشکل مزید آسان کر دی۔
اس نے سارا کے ہاتھ میں موجود' بھری ہوئی سرنج کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ سارا کو جو وقت ملا تھا' اس میں دو انجکشن میرے بازو میں اُتارے جا سکتے تھے۔ اُس نے سرنج میں سے ہوا خارج کرنے کی اداکاری کی اور انجکشن لگا کر واپس لوٹ گئی۔
چند منٹ بعد غزالہ پوری سج دھج کے ساتھ تیار ہو کر' ان دونوں کے ساتھ آئی تو میں اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ ملائم ریشم کے سفید لباس اور ہیروں کے چمکتے ہوئے سیٹ میں وہ بیر بہوٹی کی طرح دمک رہی تھی۔ اُس کے گلے میں موتیے کی ایک ہلکی سی لڑی اور کلائیوں پر موتیے کے ہی گجرے تھے۔ اپنے سرخ و سفید اور حسین چہرے کے علاوہ' وہ شانوں سے ایڑی تک کسی پری جیسی ہی سفید نظر آ رہی تھی۔ اس پر اُس کی سیاہ زلفیں کچھ اور ہی قیامت ڈھا رہی تھیں۔ کمال کی بات یہ تھی کہ اُس نے اپنی تیاری میں بہت ہلکے بلکہ برائے نام میک اپ کا سہارا لیا تھا لیکن اُس کے چہرے پر نگاہیں نہیں ٹھہر رہی تھیں۔
"تم خوش نصیب ہو کہ ڈون نے جنت کی حور تمہیں بخش دی ہے۔" سارا نے رشک آمیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج یہ ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز بنی رہے گی۔"
"میں دوسروں کی نگاہوں کا مرکز بننے کے بجائے ڈیڈی کے قدموں میں بیٹھے رہنے کو ترجیح دوں گی۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے سارا کو لاجواب کر کے میرا دل خوش کر دیا۔
میں نے ڈون کی دی ہوئی طلائی گھڑی کلائی پر باندھ کر اپنا کوٹ پہنا پھر ہم سب راہداری میں نکل گئے۔ اس بار راہداری سے کوئیں میں رسائی کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہاں ڈون کی خالی مسند موجود تھی۔ ہم پانچوں جوتے اُتار کر مسند پر جا بیٹھے۔ سارا نے اپنے اسکرٹ کی بیلٹ پر لگی ہوئی ڈبیہ کا بٹن دبایا اور مسند اوپر اُٹھنے لگی۔

برآمدے تک سارا اور اطالوی لڑکی ہمارے ساتھ آئی۔ وہاں پورچ میں سیاہ رنگ کی بگھی ہمارے انتظار میں تیار کھڑی تھی۔ بگھی کی سیاہ لکڑی پر پیتل کی منقش چادریں جا بجا نصب تھیں۔ آگے دو، دو کی قطار میں آٹھ سفید گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ مجھے وہ سب خواب سا محسوس ہو رہا تھا۔

میں غزالہ کے ساتھ نرم مخملی نشست پر بیٹھ گیا' سلطان شاہ ہمارے سامنے براجمان تھا۔ ہمارے سوار ہوتے ہی وہ خوابناک سواری حرکت میں آگئی۔

پھولوں کی کیاریوں کے درمیان بنی ہوئی پختہ سڑک پر بگھی آہستہ آہستہ بڑھتی رہی پھر ہمیں رنگین چھتریوں اور مہمانوں سے بھرا ہوا میدان بھی نظر آنے لگا۔ وہاں ہمارے استقبال کے لیے صرف ستر پوشی کی حد تک ملبوس' لڑکیوں کا ایک جلوس موجود تھا۔ بگھی رکتے ہی مہمانوں کے ہجوم میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ مرد عورتیں اپنی جگہوں سے اٹھ اٹھ کر ہمیں ایک نظر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

بگھی رکتے ہی' سلطان شاہ اتر کر کہیں غائب ہو گیا۔ ہم دونوں کو دھیرے دھیرے اسٹیج کی طرف لے جایا جانے لگا۔ وہاں پانچ منقش کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ مجھے اور غزالہ کو درمیانی کرسی کے دائیں بائیں بٹھایا گیا۔ زمین سے قدرے اونچے اسٹیج پر بیٹھنے کے بعد میں نے میدان کا جائزہ لیا تو مہمانوں کی کثیر تعداد کو دیکھ کر میرا دل بیٹھنے لگا۔ ان کی تعداد کسی طرح بھی ڈیڑھ ہزار سے کم نہیں تھی۔ ان کے درمیان پھرنے والی میزبان لڑکیاں اس کے علاوہ تھیں۔ مردوں اور عورتوں کے اتنے بڑے مجمع میں ڈون کے ایک معزز ترین مہمان کو قتل کرنا آسان کام نہیں تھا۔ آنکھ سے کاجل چرانے کے مقابلے میں وہ مشن مجھے یک بیک ناممکن نظر آنے لگا۔

میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگا لی۔ اسی وقت ایک لڑکی' میری ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے' تھالی میں سجی ہوئی دو صراحیاں لے کر اسٹیج پر آگئی' اس کی مدد کے لیے دوسری لڑکی ساتھ تھی۔ ایک صراحی میں بیئر اور دوسرے میں اسکاچ تھی۔ میری فرمائش پر مجھے ادب سے اسکاچ کا گلاس دے دیا گیا۔ غزالہ نے سر کی خفیف سی جنبش سے شکریہ ادا کر کے انہیں لوٹا دیا۔

"میرا دل بیٹھ رہا ہے۔" غزالہ نے سرگوشی کی تو اس کی آواز سے گھبراہٹ عیاں تھی۔ "اتنے بڑے مجمع میں سلطان شاہ کسی کیڑے کی طرح روند ڈالا جائے گا۔"

"میں بھی فکرمند ہوں لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ یہاں پہنچتے ہی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا ہے؟ اپنے اوپر قابو رکھو ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔" میں نے ایک بار پھر خالی رنگ کے گرد دور دور تک پھیلے ہوئے مہمانوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ تشویش کی وجہ سے میرے فقرے بے ربط ہو رہے تھے۔ میں نے اسکاچ کی بڑی مقدار اپنے معدے میں انڈیل لی۔

وہ اتنا بڑا مجمع تھا لیکن کبھی کبھار ابھرنے والے قہقہوں کے علاوہ وہاں ناگوار شور نہیں تھا۔ چھتریوں کے نیچے منڈلاتے ہوئے سگریٹ کے دھوئیں کے ساتھ فضا میں بس سرگوشیوں اور نیچی آوازوں کی ایک ہم آہنگ سی گونج تھی جو کانوں کو بھی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ اونچے اونچے آہنی کھمبوں پر نصب' تیز سرچ لائٹس نے دھندلکا پھیلنے کے باوجود پورے میدان کو بقعۂ نور بنایا ہوا تھا۔

"ایسے بدترین حالات میں بھی تم نے پینی شروع کر دی ہے۔" غزالہ دانت پیستے ہوئے منمنائی۔ "یہ یاد رکھو کہ یہ ہماری زندگی کا آخری دن بھی ہو سکتا ہے...."

"میں پریشان ضرور ہوں لیکن مایوس نہیں ہوں۔" میں نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا۔

ایک مرتبہ پھر مہمانوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ کسی طرف سے اونچی آواز میں کچھ کہا گیا پھر سب لوگ کرسیاں چھوڑ کر کھڑے ہونے لگے۔ اس کے ساتھ فضا تالیوں کے شور سے گونجنے لگی۔ ہر شخص کی نگاہیں اسی طرف تھیں' جدھر سے ہم گزر کر آئے تھے۔ لمحہ بھر میں ہی ہر کرسی خالی ہو چکی تھی۔

"پتا نہیں' کیا مصیبت ہے۔ تم بھی کھڑی ہو جاؤ۔ اس وقت صرف ہم دونوں ہی احمقوں کی طرح بیٹھے ہوئے ہیں۔" غزالہ نے فوراً میری ہدایت کی تعمیل کی۔ میں نے گلاس خالی کر کے نیچے ڈال دیا۔

اٹھتے ہی مجھے ڈون نظر آگیا۔ وہ اپنے سادہ سے روایتی لباس میں ملبوس' اپنی مونچھ مروڑتا ہوا' باوقار انداز میں اسٹیج کی طرف چلا آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے نیم برہنہ لڑکیوں اور اس کے پروردہ غنڈوں کا غول تھا۔

ڈون اسٹیج پر آکر' مہمانوں کی طرف رخ کر کے کھڑا ہوا تو اس کے احترام میں تمام مہمانوں نے اپنے سر جھکا دیے۔ ڈون نے اپنی موٹی گردن کو خفیف سا خم دے کر ان کی تعظیم قبول کی پھر داہنے ہاتھ سے ان سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سب لوگ مشینی انداز میں بیٹھتے چلے گئے۔ ڈون کے ساتھ آنے والے مرد خالی میزیں تلاش کرنے لگے۔ نووارد لڑکیاں پہلے سے موجود میزبان لڑکیوں میں شامل ہو گئیں۔ ہم دونوں بدستور کھڑے رہے۔

ڈون لمحہ بھر خاموش رہا پھر اس نے چینی زبان میں کچھ بولنا شروع کر دیا۔ اسی وقت سارا کہیں سے نمودار ہو کر غزالہ کے برابر میں آکھڑی ہوئی۔ اس وقت وہ بھی ناکافی لباس میں تھی۔

بولتے بولتے' ڈون نے مجھے اور غزالہ کو اپنے قریب کر لیا۔ مجمع میں ایک تیز گونج پیدا ہوئی۔ شاید ڈون نے ہماری شادی کا اعلان کیا تھا جس پر سب نے مل کر مبارکباد دی تھی۔

وہ مکاؤ میں ڈون کی عزت اور ہیبت کا ایک ناقابلِ یقین مظاہرہ تھا۔

ڈون نے مزید چند فقرے کہے پھر انگریزی میں ہمیں بیٹھنے کی

ہدایت کرتے ہوئے خود بھی درمیانی کرسی پر بیٹھ گیا۔
میزوں کے درمیان کھڑی ہوئی لڑکیاں تیزی سے حرکت میں آ گئیں۔ کسی نے ڈون کے سامنے شیمپئن کی ایک بہت بڑی بوتل میز پر رکھ دی تھی پھر بلور کے چار گلاس بھی آ گئے۔
"تمہاری شادی کی خوشی میں!" ڈون نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر وہ چینی مہمانوں سے کچھ کہنے لگا۔ اچانک ہی اس نے شیمپئن کی بوتل کی سیل توڑی اور اُس کا کاگ ایک دھماکے کے ساتھ اوپر کی طرف پرواز کر گیا اور بوتل کے دہانے سے جھاگ اُبلنے لگے۔
ڈون کی تقلید میں پورے میدان میں شیمپئن کی بوتلوں کے کاگ اُڑائے جانے لگے۔
ڈون بہت خوش تھا اور گلاس بھر بھر کر شیمپئن کے جھاگ پی رہا تھا۔ اِسی اثنا میں اگلی میزوں سے مقامیوں اور غیر ملکیوں کے جوڑے، باری باری اسٹیج پر آنے لگے۔ وہ ڈون کے ساتھ ہی مجھے اور غزالہ کو مبارکباد دے رہے تھے۔ ان کے لائے ہوئے تحائف، غزالہ کے برابر میں بیٹھی ہوئی سارا جمع کرتی جا رہی تھی۔ ایک معمّر سفید فام نے مجھے بی ایم ڈبلیو کی چابی دی پھر ایک ادھیڑ عمر مقامی کی طرف سے فیرارے کی چابی آئی۔ سارا کے پاس ڈبّوں اور لفافوں کا ڈھیر لگتا جا رہا تھا اور میری عقل چکرا رہی تھی۔
دو بیش قیمت گاڑیوں کی چابیاں مجھے مل چکی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی چابی غزالہ کو بھی دی گئی ہو گی۔ ڈون نے سچ ہی کہا تھا کہ ہم پر تحائف کی ایسی برسات ہو گی کہ ہم حیران رہ جائیں گے۔
آخر ڈون نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے مہمانوں کو کوئی اشارہ کیا اور اُس کی آواز دور تک گونجنے لگی۔ اسٹیج کی طرف آتے ہوئے لوگ درمیان میں سے ہی اپنی میزوں کی طرف لوٹنے لگے۔
"یہ سلسلہ آدھی رات تک ختم نہ ہوتا۔" میرے کانوں میں سارا کی آواز آئی۔ "ڈون نے تم لوگوں کی پریشانی کی وجہ سے سب کو روک دیا ہے۔ اب میزبان لڑکیاں، میزوں سے ہی تحفے جمع کر لیں گی۔" وہ شاید غزالہ کو بتا رہی تھی۔
میزبان لڑکیاں اسٹیج کے پہلو میں تحائف جمع کرنے لگیں۔ شیمپئن کا دَور ختم ہونے کے ساتھ ہی محفل میں گرمی آ گئی تھی اور اسکاچ، رم، برینڈی، جن، واڈکا وغیرہ کی پوری پوری بوتلیں میزوں پر پہنچائی جانے لگی تھیں۔ اسی کے ساتھ باربی کیو کا آغاز ہو چکا تھا۔ انگاروں پر سنکے ہوئے بھانت بھانت کے گوشت کے پارچے، مے نوشوں کی خواہشات کے مطابق، تیزی سے انہیں فراہم کیے جا رہے تھے۔
ڈون کے سامنے رائیل سیلوٹ کی بوتل اور اُس کے مرغوب سانپ کے بُھنے ہوئے قتلوں سے بھری ہوئی ٹرے آ گئی۔ ڈون کے بعد سارا نے بھی سانپ کھانا شروع کر دیا۔ میرے لیے شاید پہلے ہی یہ ہدایت کر دی گئی تھی، اِس لیے چکن یا بطخ کے پارچے بھی آ گئے۔ غزالہ، کھانے پینے کے اس شغل سے الگ تھی۔
آخر کار اس پروگرام کا سنسنی خیز مرحلہ بھی شروع ہو گیا۔ بل فائٹنگ رنگ کے مضبوط چوبی احاطے کے دور افتادہ حصّے کے ساتھ ایک بند گاڑی آ لگی تھی اور اس میں سے لڑاکا سانڈ کو رنگ میں اتارنے کی تیاریاں، شروع کر دی گئی تھیں۔ سلطان شاہ کی تلاش میں میری بے چین آنکھیں ہر طرف بھٹک رہی تھیں لیکن اُس کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ اس کوشش میں میری نگاہ گولڈن ڈریگن کے کپتان، ریورچیانگ پر پڑی جو اپنی نشست سے اُچھل اُچھل کر ہاتھ کے اشاروں سے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
شاید اُس کے لیے یہ اعزاز کی بات ہوتی کہ ڈون کے ساتھ اسٹیج پر براجمان شخص سے اُس کی شناسائی ثابت ہو جاتی لیکن میں نے اُسے نظرانداز کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ آتا تو ڈون سے بھی اُس کا تعارف ہوتا۔ وہ دونوں چینی نژاد تھے۔ نہ جانے اُن میں کیا باتیں ہوتیں اگر ریورچیانگ شاہی ہیروں والی کہانی چھیڑ دیتا تو میری اِس تمام حاشیہ آرائی کی نفی ہو سکتی تھی جو میں ڈون سے کر چکا تھا۔ اس مُشکل سے بچنے کی بہترین صورت یہی تھی کہ میں ریورچیانگ کو سرے سے نظرانداز کر دیتا۔ بعد میں کسی بھی موقع پر میں اپنے اس محسن سے معذرت کر سکتا تھا۔
ابتدا میں ڈون کی اِس تقریب پر سنجیدگی اور بردباری طاری تھی۔ وہ آیا تو شرکاء پر گنے چُنے مواقع کے علاوہ احترام آمیز خاموشی طاری رہی لیکن ڈون کی طرف سے مامور کی جانے والی حسین و جمیل اور کسی حد تک بے حجاب لڑکیاں جلد ہی فراخ دلی کے ساتھ میزوں کے درمیان گردش کر کے، فیاضی سے شرابیں تقسیم کر رہی تھیں، اِس کے اثرات جلد ہی نظر آنے لگے۔ بھنبھناہٹ قدرے اونچی آوازوں میں تبدیل ہو گئی۔ بوجھل آوازیں اور مخمور قہقہے بھی بکثرت سنائی دے رہے تھے۔ بیویوں کی جگہ گرل فرینڈز کے ساتھ آنے والوں نے اس ماحول اور آزادی کا پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی ساتھیوں سے بے تکلف ہونا شروع کر دیا تھا۔ کہیں کہیں مردوں نے اپنی دل جوئی کے لیے میزبان لڑکیوں کو اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔ اُس روز مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ ڈون نے اپنی حویلی میں خوبرو اور آزاد خیال لڑکیوں کی کتنی بڑی فوج پالی ہوئی تھی۔
آخر کار بند گاڑی کا عقبی دروازہ کھُلا اور اُس میں سے ایک جوان اور مضبوط سانڈ دوڑتا ہوا، چوبی احاطے میں داخل ہو گیا۔ وہ سر جھکائے اور اپنی دُم کو فضا میں اُٹھائے، وحشیانہ انداز میں رنگ میں اِدھر سے اُدھر دوڑتا رہا۔ اسے دیکھ کر حیرت اور خوف سے کئی ملی جلی چیخیں بلند ہوئیں۔ اور مجمع میں سنسنی کی نئی لہر دوڑ گئی۔ میں نے اپنی طلائی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو سات بجنے میں بیس منٹ باقی تھے گویا صرف پانچ منٹ بعد میدان میں ایک نیا خونی تماشا شروع

ہونے والا تھا۔
اسٹیج پر رکھی ہوئی پانچ میں سے ایک کرسی خالی تھی جو شاید ڈان نیشی کاؤ کی منتظر تھی۔ سارا مستقل طور پر غزالہ کے برابر والی کرسی پر بیٹھی ہوئی اُس کا دل بہلانے کی ناکام کوششیں کر رہی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ ڈون کو سانپ کے پارچے کھاتے دیکھ کر غزالہ کو گھن آ رہی ہو گی۔ ویسے بھی اِس مادر پدر آزاد تقریب کا ماحول اس کے لیے پسندیدہ نہیں تھا لیکن ڈون کی موجودگی میں کوئی بھی وہاں سے ہلنے کی گستاخی نہیں کر سکتا تھا۔

چوبی باڑھ کے اندر کالا سانڈ بہت مضطرب تھا۔ وہ اپنے نتھنوں سے غضبناک پھنکاریں نکال کر اپنے کھُر زمین پر مار رہا تھا۔ وہ بار بار اپنا سر جُھکا کر نکیلے سینگوں کو فضا میں یوں اوپر اُچھالتا تھا جیسے اپنے نادیدہ دشمنوں کو سینگوں میں پرو کر زمین سے اوپر اُٹھا رہا ہو۔

"یہ مکاؤ کا سب سے جوان اور طاقتور سانڈ ہے۔" ڈون مجھ سے کہہ رہا تھا۔ "اسے چند ہفتے پہلے میلسکو سے طیارے میں یہاں لایا گیا ہے۔ آج مکاؤ میں اس کا پہلا مقابلہ ہے۔ یہاں کُتوں کی ریس کے بعد بُل فائٹنگ سب سے زیادہ مقبول کھیل ہے۔ اس کے مقابلے میں مکاؤ کا چیمپئن بل فائٹر رنگ میں اُترے گا۔"

"رنگ میں بُل فائٹر مرتے بھی رہتے ہوں گے؟" میں نے ڈون سے سوال کیا۔

"زندگی اور موت تو ہر مردانہ کھیل کی جان ہوتی ہے۔" ڈون اپنی لٹکی ہوئی باریک مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا۔ "ریس میں گھوڑا گر جائے تو جاکی اس کے سموں تلے روندا جاتا ہے۔ کھلاڑی کو اپنے اناڑی پن کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ یہاں رنگ کے باہر کئی ماہر نشانے باز ہر لمحے تیار رہیں گے۔ بُل فائٹر کی جان کو خطرہ ہوا تو وہ سانڈ کو شوٹ کر دیں گے مگر بعض اوقات سب مجبور ہو جاتے ہیں۔ سانڈ اور بُل فائٹر اس طرح اُلجھے ہوتے ہیں کہ گولی دونوں میں سے کسی کو بھی لگ سکتی ہے اور سانڈ اپنے حریف کو سینگوں پر اُٹھا لیتا ہے۔"

اسی وقت میدان میں کچھ اعلان ہونے لگا۔ سب کرسیوں کے رخ تیزی کے ساتھ رنگ کی طرف ہو گئے۔ رنگ کے ایک جانب چست سیاہ لباس میں ملبوس ایک تندرست اور چاق و چوبند شخص میز پر کھڑا اپنے جسم کو تیزی کے ساتھ آگے پیچھے اور دائیں بائیں جُھکا کر ہلکی پھلکی ورزش کر رہا تھا۔

اعلان ختم ہوتے ہی اس نے میز پر سے جست لگائی اور سانڈ سے کچھ دور جا کھڑا ہوا۔

سانڈ بہت تیزی کے ساتھ گھوما۔ اُس نے کسی کدورت کے بغیر اپنے مدِ مقابل کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ بُل فائٹر نے اپنی پوزیشن ٹھیک کر کے فضا میں سرخ کپڑا لہرا دیا۔

سانڈ فوراً ہی چوکنا ہو گیا۔ اس نے جارحانہ انداز میں اپنا سر جُھکا کر پھنکاریں مارنی شروع کر دیں۔ اُس کی ڈھیلی دم تن کر نیم دائرے کی صورت میں فضا میں کئی انچ بلند ہو گئی۔ بل فائٹر اپنا کپڑا لہرا لہرا کر سانڈ کو تاؤ دلاتا رہا پھر سانڈ نے یکایک اپنے پچھلے پیروں سے دھول اُڑائی اور پوری رفتار سے اپنے حریف کی طرف دوڑ لگا دی۔ ہجوم میں سنسنی خیز شور بلند ہوا، معلوم ہو رہا تھا کہ سانڈ اپنے حریف کے اوپر جا پڑے گا لیکن آخری لمحے پر بُل فائٹر نے ایک طرف سرک کر سانڈ کی پشت میں چھوٹا سا تیر گھونپنا چاہا۔ سانڈ کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ اپنی جھونک میں آگے نکل گیا۔ بل فائٹر کا وار بھی خالی گیا۔

سانڈ بہت وحشی اور بلا کا طاقتور تھا۔ نشانہ خطا ہونے کا اندازہ ہوتے ہی وہ چند گز آگے نکل کر رکا اور پھر غضب ناک انداز میں واپس پلٹا۔ اس بار بُل فائٹر اس کی زد سے بچنے کی کوشش میں لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ میدان میں شور بہت تیز ہو گیا۔

سانڈ پلٹ پلٹ کر بہت پُھرتی کے ساتھ اپنے حریف پر حملے کر رہا تھا۔ بُل فائٹر اپنے حریف کی پشت کے اُبھار میں تیر پیوست کرنے کی ناکام کوششوں میں کئی بار سانڈ کے جسم کے پچھلے حصّے سے ٹکرایا تھا لیکن دونوں میں سے کوئی بھی پوری طرح کامیاب نہیں تھا۔

لڑتے لڑتے وہ دونوں کئی بار مضبوط چوبی باڑھ تک آ گئے۔ بُل فائٹر کے لیے وہ علاقہ خطرناک تھا کیوں کہ سانڈ اسے چوبی شہتیروں کے ساتھ رگید سکتا تھا۔ ہر بار وہ جست لگا کر میدان کے وسط میں پہنچنے کی کوشش کرتا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سانڈ بہت زیادہ مشتعل اور خطرناک ہوتا جا رہا تھا جب کہ بُل فائٹر قدرے مضمحل ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ سانڈ کے تابڑتوڑ حملوں نے اُسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اپنے دشمن کو اچھی طرح پہچان چکا تھا اور سرخ کپڑے کی جھلک دیکھے بغیر اُس کا پیچھا کر رہا تھا۔

اسی جاں گسل کشمکش میں بُل فائٹر ایک مرتبہ پھر چوبی باڑھ کے قریب گھر گیا۔ سانڈ غضبناک ہو کر فضا میں اُچھلا پھر اُس نے بدک کر اُس کی طرف دوڑ لگا دی۔ بُل فائٹر سراسیمگی کے عالم میں داہنی طرف سرک گیا۔ اُس نے سانڈ پر جوابی حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید وہ بھاگ دوڑ میں اپنا ہتھیار گنوا چکا تھا۔

بُل فائٹر کے ہٹ جانے سے سانڈ کی ٹکر باڑھ کے اُفقی تختوں پر پڑی اور چرچراہٹ کی ہولناک آواز کے ساتھ وہ تختے ایک طرف سے اُکھڑ گئے۔

تختے ٹوٹتے ہی وحشی سانڈ رنگ سے باہر نکل کر میزوں کی طرف دوڑ پڑا۔ ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ نشانہ بازوں نے بیک وقت کئی فائر کیے لیکن وہ سب بے سود رہے۔ اس وقت سانڈ کا نشانہ لینا ہی ممکن نہیں رہا تھا۔ پیچھے سے چلائی جانے والی گولیاں بھٹک کر مہمانوں کو ہلاک یا زخمی کر سکتی تھیں۔

سانڈ پھنکاریں مارتا اور میزیں اُلٹتا ہوا مہمانوں میں جا گھسا۔ اُس نے اپنے سامنے آنے والے کئی افراد کو ٹکروں سے دور اُچھال پھینکا۔ وحشت زدہ چیخوں نے آسمان سر پر اُٹھالیا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کو دھکیلتے اور روندتے ہوئے بھاگے جا رہے تھے۔ اُلٹی ہوئی بوتلوں سے ہر طرف شراب بہہ رہی تھی۔ چند لمحوں تک رعنائی پر آئی ہوئی وہ محفلِ طرب و نشاط یک بیک ہنگامۂ دار و گیر میں بدل گئی تھی۔

بُل فائٹنگ کے منتظمین موٹے رسّوں کے پھندے سنبھالے سانڈ کے تعاقب میں میزیں اُلٹتے پھر رہے تھے۔ ڈون کے چہرے پر تشویش اور بدمزگی کی علامات اُبھر آئی تھیں۔ وہ چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہا تھا لیکن بپھرے ہوئے سانڈ کی دہشت کی وجہ سے کوئی اُس کی بات پر کان دھرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ باڑھ کے اُکھڑے ہوئے تختے ایک طرف عمودی شہتیروں سے بدستور جڑے ہوئے تھے جب کہ دوسری طرف کی کیلوں نے بالکل جگہ چھوڑ دی تھی۔

منتظمین پستول اور پھندے لیے سانڈ کے پیچھے دوڑ رہے تھے لیکن وہ لڑاکا اور خونی سانڈ تھا۔ وہ بھیڑ بھاڑ سے دور بھاگنے کے بجائے ہجوم کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ رنگ کی ایک سمت میں حملہ آور ہوا تھا لیکن تقریب گاہ میں ہر طرف بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں اُلٹی ہوئی میزیں، ٹوٹی ہوئی کراکری، اوندھی بوتلیں، جوتے، پرس، چشمے اور دوسری چیزیں پڑی رہ گئی تھیں۔ سارے مہمان چھتریوں سے باہر نکل بھاگے تھے۔

میں نے اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو سات بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔

"سب کچھ تباہ ہو گیا۔" ڈون اضطراری طور پر غصّے میں بڑبڑایا۔ "میں باڑھ کمزور کرنے والوں کو مار ڈالوں گا۔"

پھر یک بیک فضا میں کسی ہیلی کاپٹر کے انجن اور پنکھے کا مخصوص شور سنائی دینے لگا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی ہیلی کاپٹر دور سے نیچی پرواز کرتا ہوا، ہماری طرف آرہا تھا۔

غزالہ بھی ہمارے اس منصوبے میں شریک تھی لیکن اسے پوری تفصیل کا علم نہیں تھا۔ ڈون کی حویلی میں، قدم قدم پر چھپے ہوئے حسّاس مائیکرو فونز کے خوف کی وجہ سے سلطان شاہ اپنی کارگزاری پر مکمل بات نہیں کر سکا تھا، نہ ہی تحریری طور پر پوری تفصیلات سے آگاہ کرنا ممکن تھا۔ اس نے ہمیں صرف اتنا بتایا تھا کہ سنگین خطرہ مول لے کر، وہ باڑھ کے ایک اہم حصے کو نقصان پہنچا کر کمزور کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

بپھرا ہوا لڑاکا سانڈ، مضبوط چوبی باڑھ کے تختے اکھاڑ کر ہی تماشائیوں پر حملہ آور ہوا تھا اس لیے یہ سمجھ لینا بہت آسان تھا کہ ڈون کی اس عظیم الشان محفل میں سب کچھ ہمارے پلان کے مطابق ہو رہا تھا۔ سلطان شاہ کی کوششیں بار آور ثابت ہوئی تھیں اور ڈون کی جمی جمائی محفل کا رنگ اُکھڑ چکا تھا، نظم و ضبط سرے سے ختم ہو چکا تھا، ہر طرف افراتفری کا راج تھا اور کسی کو بھی اپنی ذات کے علاوہ کسی اور کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔

اس تبدیلی پر غزالہ بہت زیادہ سراسیمہ اور خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ سارا کے چہرے کا رنگ بھی اُڑا ہوا تھا۔ میرے اور غزالہ کے درمیان ڈون کا دیوہیکل وجود حائل تھا۔ اس لیے میں غزالہ کی تسلی کے لیے دو لفظ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ ڈون سخت اشتعال اور اضطراب سے دوچار تھا۔ وہ اپنی مٹھیاں بھینچ بھینچ کر خود کلامی کے انداز میں غرّائے جا رہا تھا۔ وہ اس وقت چینی زبان بول رہا تھا جو میرے لیے ناقابلِ فہم تھی۔

تقریب کے شرکا، بدحواسی اور دہشت کے عالم میں کافی دور نکل گئے تھے۔ ان کے تعاقب میں کالا سانڈ بھی اسی طرف چلا گیا تھا۔ بس فضا میں اِکّا دُکّا ہوائی فائروں کے ساتھ بے پناہ شور و غل کی آوازیں گونج رہی تھیں لیکن پھر بھی ڈون کے جاں نثاروں نے اپنے آقا کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا تھا۔ آٹھ مضبوط اور مسلح چینی، ڈون کی مسند کے پیچھے اور دونوں پہلوؤں پر موجود تھے۔ ان میں شفّاف کھوپڑی والا ٹکو وا بھی شامل تھا۔

اس وقت ہمارے منصوبے میں کلیدی اہمیت ڈان نیشی کاؤ کی تھی جو اپنے بچپن کے دوست، ڈون کوانگ فو سے ملنے کے لیے پاکستان سے آرہا تھا۔ نیشی کاؤ مانیا کا ڈان تھا اور کوانگ فوشی کا آئی مین۔ میں ہر قیمت پر ان دونوں کی تفصیلی ملاقات کو روکنا چاہتا تھا۔ اس لیے میرا ذہن آنے والے لمحات میں الجھا ہوا تھا۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ڈون کا ہیلی کاپٹر معزز مہمان کو لے کر، ہانگ کانگ سے سوا سات بجے ڈون کی حویلی میں بنے ہوئے ہیلی پیڈ پر اترنے والا تھا۔

اپنے خصوصی ارتکاز کی وجہ سے میں نے دور سے سنائی دینے والی، ہیلی کاپٹر کی آواز سن لی جو فوری طور پر ڈون وغیرہ کی توجہ حاصل نہیں کر سکی لیکن ہیلی کاپٹر کی تیز رفتار کی وجہ سے چند ہی ثانیوں میں وہ آواز اس قدر نمایاں ہو گئی کہ کسی کے لیے بھی اسے نظرانداز کرنا ممکن نہیں رہا اور ڈون ہڑبڑا کر اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔ میرے ساتھ غزالہ اور سارا نے بھی ڈون کی تقلید کی۔

ڈون اٹھتے ہی ان آٹھوں پر برس پڑا۔ وہ ہذیانی انداز میں گلا پھاڑ کر اور فضا میں ہاتھ لہرا کر چلّا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے سے پہلے ہی، ان آٹھوں میں سے تین آدمیوں نے مختلف سمتوں میں دوڑ لگا دی۔ دو آدمی بھگوڑوں کے تعاقب میں دوڑے تھے، تیسرا ویران رنگ کی طرف گیا تھا۔

"آؤ! میرے ساتھ آؤ!" ڈون نے اسٹیج سے اترتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ وہ اس وقت بہت زیادہ جھلّایا ہوا تھا۔ "سب لوگ بھاگ گئے۔ اب مجھے خود ہی نیشی کاؤ کا استقبال کرنا ہوگا۔"

فضا میں ہیلی کاپٹر کے انجن اور پنکھوں کا شور واضح ہونے کے

ساتھ ہی ڈون کی حویلی کے ملازمین تیزی سے واپس لوٹنے لگے۔ ان میں ڈون کے نمک خواروں کے ساتھ نیم برہنہ میزبان لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ اسی کے ساتھ میدان میں نصب مردہ لاؤڈ اسپیکروں میں جان پڑ گئی۔ ان پر پہلے چینی زبان میں کوئی اعلان کیا گیا پھر وہی لرزہ خیز اعلان انگریزی میں دہرایا جانے لگا۔ میں نے اپنی پوری توجہ اسی آواز پر مرکوز کر دی۔

لب و لہجہ مہذب تھا لیکن بولنے والے کے الفاظ سراسر دھمکی آمیز تھے۔ وہ ڈون کی طرف سے اس ناخوشگوار حادثے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے مہمانوں کو مطلع کر رہا تھا کہ حویلی سے نکاسی کے راستے بند کیے جا چکے تھے۔ جب تک سارے مہمان تقریب گاہ میں جمع ہو کر ڈون کے مہمان کو خوش آمدید کہنے کے بعد روایتی ڈنر میں شریک نہیں ہوں گے' بند راستے نہیں کھولے جائیں گے۔ جو شخص بھی ڈون کی درخواست کو نظر انداز کر کے' اپنی مرضی سے رخصت ہونے کی کوشش کرے گا' وہ ڈون کی برہمی اور ناراضی مول لے گا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ لوگ واپس آکر منتظمین کو اپنا کام کرنے کا موقع دیں تو وہ پیشہ ور لوگ چند منٹ میں سانڈ کو زندہ یا مردہ حالت میں پکڑ لیں گے اور تھوڑی ہی دیر میں دوسرے سانڈ کا بندوبست کر کے نئے سرے سے بل فائٹنگ کا آغاز کیا جائے گا کیوں کہ اس سنسنی خیز مقابلے کے بغیر تقریب ادھوری رہے گی۔

اس اعلان کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ لوگ سانڈ کی زد سے بہت دور ہونے کے باوجود' دوسروں کی دیکھا دیکھی بے مقصد بھاگ دوڑ میں مبتلا تھے' وہ تیزی کے ساتھ واپس لوٹنے لگے۔

ڈون لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا' ہیلی پیڈ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ چند ثانیوں بعد ہیلی کاپٹر فضا میں نظر آیا تو نہ صرف ڈون ہیلی پیڈ کے کنارے پر موجود تھا بلکہ اس کی وجہ سے وہاں خاصا بڑا ہجوم جمع ہو چکا تھا اور ڈون کے آدمی ان سب کو راستے کے دونوں صف آرا کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔

میری آنکھیں نہایت بے چینی کے ساتھ سلطان شاہ کی متلاشی تھیں لیکن اس کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

یہ سوچ کر میرا دل بیٹھنے لگا کہ سلطان شاہ اس بھگدڑ اور افراتفری میں کہیں ریلے کی زد میں آکر زخمی یا بے ہوش نہ ہو گیا ہو۔ اس کی کاوشوں سے منصوبے کا ایک ناقابلِ عمل حصہ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا لیکن آخری مرحلے پر اگر وہ ہیلی پیڈ کے قرب و جوار میں پہنچنے میں ناکام رہتا تو ڈان نیشی کاؤ اپنے میزبان کے ساتھ مجھے دیکھتے ہی الجھن میں پڑ جاتا اور پھر وہ کسی بھی لمحے ڈون کو میری طرف سے چوکنا کر سکتا تھا۔

ادھر تقریب گاہ کے منظر نے ہیلی کاپٹر کے ہوا باز کو شاید مخمصے میں ڈال دیا تھا۔ اسے یقینی طور پر پورے پروگرام کا علم رہا ہو گا لیکن فضا میں واجبی سی بلندی سے وہ بخوبی الٹی ہوئی میزیں' گری ہوئی رنگین چھتریاں' ٹوٹی ہوئی کرسیاں اور ویران رِنگ دیکھ سکتا تھا۔ الٹے ہوئے گرد آلود قالینوں پر دور دور تک بکھری ہوئی جوتیاں اور مہمانوں کی دیگر ذاتی اشیا دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ کچھ ہی دیر پہلے وہاں گھمسان کا رن پڑا ہو گا جس کے نتیجے میں ڈون کی الف لیلوی سبھا بکھر کر رہ گئی۔

اس تذبذب کی وجہ سے ہیلی کاپٹر فوری طور پر ہیلی پیڈ پر نہیں اترا بلکہ فضا میں ایک جگہ معلق ہو گیا۔ شاید ہوا باز نیچے آنے سے پہلے' ریڈیائی رابطے پر اپنے زمینی ساتھیوں سے صورتِ حال کے بارے میں کوئی یقین دہانی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سلطان شاہ کہیں نظر نہیں آ رہا۔" میرے برابر میں کھڑی ہوئی غزالہ پُرتشویش لہجے میں بڑبڑائی۔ "کہیں وہ ریلے میں آکر کچلا ہی نہ گیا ہو!"

میں اس بدشگونی پر اسے گھور کر رہ گیا۔ میرے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا کیوں کہ میرے دل میں بھی درحقیقت اسی قسم کے اندیشے سر ابھار رہے تھے۔

ڈون کئی منٹ تک سر اٹھائے' اضطراب کے عالم میں معلق ہیلی کاپٹر کو دیکھتا رہا پھر اس سے نہ رہا گیا۔ انتظار کرنا اس کی مغلوب الغضب اور سیماب صفت فطرت کے خلاف تھا۔

وہ ہیلی کاپٹر کی طرف مکّے لہرا لہرا کر کچھ چلّانے لگا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس دیوہیکل مشینی پرندے کے تیز شور کے باوجود ہوا باز کو براہِ راست للکار رہا ہو۔

پتا نہیں کہ ہوا باز نے ڈون کی غضیلی حرکات دیکھ لی تھیں یا اسی لمحے اس کو زمینی رابطے سے کلیئرنس کا ریڈیائی اشارہ مل گیا تھا کہ یکایک ہیلی کاپٹر کے انجن کا شور تیز ہونے کے ساتھ ہی وہ تیز ہچکولے کے ساتھ حرکت میں آیا پھر آہستگی کے ساتھ نیچے آنے لگا۔ ہوا کا دباؤ ہمیں تیزی سے پیچھے دھکیلنے لگا۔

زمین پر ٹکتے ہی ہیلی کاپٹر کا انجن بند کر دیا گیا۔ ایک دو چکر کھانے کے بعد ہیلی کاپٹر کی پنکھڑیاں جھٹکے کے ساتھ رک گئیں۔ ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھلتے ہی' وہاں موجود ہجوم میں' ڈون کے معزز مہمان کو دیکھنے کے لیے تجسس کی لہر بیدار ہو گئی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ لوگ کچھ دیر کے لیے سانڈ والے حادثے اور اپنی ہیئت کذائی کو یکسر فراموش کر بیٹھے ہوں۔

ہیلی کاپٹر کے دروازے سے ڈان نیشی کاؤ ہیلی پیڈ کے پختہ فرش پر کودا تو وہ بہت پُرسکون اور پُراعتماد نظر آ رہا تھا۔ وہ ڈون کی طرف ہاتھ لہراتا ہوا' اس کی طرف بڑھا تو بڑھتے ہوئے ہجوم میں سے یک بیک متعدد سریلی چیخیں بلند ہوئیں' کسی نے انگریزی میں سانپ سانپ کی تکرار بھی شروع کی ہوئی تھی اور وہ یقیناً کوئی اہلِ زبان ہی تھا۔ ایک مرتبہ پھر بھگدڑ سی مچ گئی۔

بہت سے خوفزدہ لوگوں کا ریلا ہیلی پیڈ پر چڑھ دوڑا۔ ڈون کے محافظ اور سیمیں بدن لڑکیاں انہیں روکنے کی کوششوں میں ناکام رہیں۔

اس وقت میں نے پہلی بار سلطان شاہ کی صورت دیکھی۔ وہ ہیلی پیڈ پر چڑھ آنے والوں میں شامل تھا۔ اس نئی افراتفری پر ڈون کے چہرے پر قہرو غضب کے کوندے لپکنے لگے تھے۔ اگر اسے اپنے مہمان کا پاس نہ ہوتا تو شاید وہ خود ہی مجمع پر پل پڑا ہوتا۔

نیشی کاؤ فضا میں دونوں ہاتھ آگے بڑھائے، ڈون کی طرف آ رہا تھا۔ اس وقت وہ دونوں براہِ راست ایک دوسرے کی طرف متوجہ تھے۔ میں نے دانستہ اپنا رخ قدرے پھیر لیا تھا تاکہ ڈان نیشی کاؤ پہلی ہی نظر میں مجھے پہچان کر اپنی حیرت کا اظہار نہ کر سکے۔ میرے لیے وہ نہایت سنسنی خیز اور اعصاب شکن صورتِ حال تھی۔ میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ شارک اسکن کے سوٹ کے اندر، میرے بدن کے تمام مسامات سے پسینے کی دھاریں بہہ نکلی تھیں کیوں کہ وہ چند لمحات ہماری زندگیوں کے لیے فیصلہ کن تھے۔

میں کوشش کے باوجود خود کو سلطان شاہ کی طرف دیکھنے سے باز نہ رکھ سکا۔ وہ متعدد خوفزدہ افراد کی بھیڑ میں سیدھا بھاگا چلا آرہا تھا۔ یکایک اس کا داہنا ہاتھ، ادھ کھلی مٹھی کی صورت میں اس کے دہانے کی طرف بڑھا۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ انگوٹھے اور پہلی انگلی کے درمیان، ہتھیلی کی طرف دبی ہوئی سگریٹ کا کش لینا چاہ رہا ہو۔

ڈان نیشی کاؤ نے ڈون سے دو قدم دور رک کر، روایتی چینی انداز میں اپنے سر کو تعظیم کے انداز میں خم دیا۔ اسی لمحے سلطان شاہ کا ہاتھ اس کے دہانے سے نیچے گیا، شاید وہ کچھ کر گزرا تھا۔ میں ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں تیزی کے ساتھ پلٹا۔ میرے کانوں میں ہلکی سی انسانی کراہ کی آواز آئی پھر میں نے ڈان نیشی کاؤ کو منہ کے بل پختہ ہیلی پیڈ پر گرتے دیکھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اضطراری انداز میں اس کے گلے سے لپٹے ہوئے تھے جیسے کوئی نادیدہ قوت اس کی شہ رگ کو دبا رہی ہو۔

ڈون کی چھٹی حس نے اسے خطرے کا احساس دلا دیا تھا۔ وہ اپنے جگری دوست کے گرتے ہوئے بدن کو سہارا دینے کے لیے تیزی کے ساتھ آگے کی طرف لپکا لیکن گرانڈیل ڈون، پوری کوشش کے باوجود منحنی سے نیشی کاؤ کے بدن کی جھونک نہیں سنبھال سکا۔ شاید مرتے ہوئے آدمی کا وجود آخری لمحوں پر اصل کہیں زیادہ وزنی ہو جاتا ہو۔ ورنہ ڈون تو وہ شخص تھا جس نے بوری میں ٹھنسی ہوئی وان لن کی لاش کو کسی ہلکے پھلکے کھلونے کی طرح دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر توڑ پھوڑ ڈالا تھا۔

ان چند ثانیوں میں سلطان شاہ بھیڑ کے ساتھ آگے نکل چکا تھا۔ اس نے اپنی کارروائی ایسی پھرتی اور روانی سے مکمل کی تھی کہ شاید کوئی بھی اسے نوٹ نہیں کر سکا ہوگا۔

میں ڈون کی مدد کے لیے آگے بڑھا تو میرے دل و دماغ پر سے ہر بوجھ اتر چکا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ نیشی کاؤ کے ہولناک فتنے کا سدِّباب ہونے کی خوشی میں وہیں والہانہ رقص شروع کر دوں لیکن وہ ایسے کسی ردِّعمل کا موقع نہیں تھا۔

ڈون پنجوں کے بل فرش پر اکڑوں بیٹھا اپنے بچپن کے دوست کے بے جان بدن کی نبضیں ٹٹول رہا تھا۔ اس کے مسلح آدمیوں نے ہمارے اور اس کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا۔

نیشی کاؤ کے ساکت بدن میں نبض کا دور دور تک پتا نہیں تھا اس کے بدن کے کھلے ہوئے حصوں کے علاوہ، چہرے پر بھی دھندلائی ہوئی نیلاہٹ پھیلنے لگی تھی۔ ڈون نے اتمامِ حجت کے طور پر نیشی کاؤ کی آنکھوں کے پپوٹے الٹ کر دیکھے تو وہاں صرف سفیدی ہی سفیدی نظر آئی۔ اس کی پتلیاں پپوٹوں میں بہت اوپر چڑھ کر معدوم ہو چکی تیں۔ ڈان نیشی کاؤ کی موت کی دہشت میں ڈوبی ہوئی سفید آنکھیں دیکھ کر میں پھریری لے کر رہ گیا۔ اس وقت مجھے موت اپنے تصور سے کہیں زیادہ بھیانک نظر آئی تھی۔

ڈون نے بیٹھے ہی بیٹھے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا تو اس کی سکڑی ہوئی آنکھوں میں سفاکانہ سرد مہری رچی ہوئی تھی۔ "یہ مردہ ہے۔" اس نے آپے سے باہر ہونے کے بجائے سرد اور دھیمے لہجے میں انگریزی کے تین الفاظ میں اعلان کیا۔

"مم.... مگر کیسے؟ ابھی تو یہ زندہ تھا؟" ڈون کے تیوروں نے مجھے پریشان کر دیا۔

ڈون میری بات کا جواب دیے بغیر، نیشی کاؤ کی لاش کو الٹ پلٹ کر اس کا تفصیلی جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔ وہ اس وقت بہت خطرناک موڈ میں نظر آرہا تھا۔

اس وقت تک ڈون نے چینی زبان میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا لیکن ڈون کے گرد رہنے والے افراد نجانے کتنی لاشیں دیکھ چکے تھے۔ نیشی کاؤ کے بے جان بدن کو دیکھ کر انہوں نے سب کچھ سمجھ لیا اور ان کے چہروں پر سراسیمگی کے آثار پھیلتے چلے گئے۔

آخر کار ڈون نے نیشی کاؤ کی پشت سے کوئی چیز، چٹکی میں دبا کر نکالی اور ہیلی پیڈ کے فرش سے اٹھتا چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں بال سے قدرے موٹی اور کم از کم تین انچ لمبی ایک سوئی موجود تھی جو میرے لیے نئی نہیں تھی۔

"یہ میری حویلی میں تیسرا خون ہے۔" ڈون نے وہ سوئی میرے چہرے کے سامنے لاکر کہا۔ "حویلی کی تاریخ میں یہ پہلی مسلسل خوں ریزی ہے۔ اسے بلو پائپ سے مارا گیا ہے اور اب تم مجھے بتاؤ گے کہ حویلی میں تمہارے قدم آتے ہی یکایک یہاں کیا ہونے لگا ہے؟"

ڈون کا لہجہ بدستور سرد اور دھیما تھا۔ اس کی آنکھوں میں قاتلانہ سفاکی رقصاں تھی اور خاص بات یہ تھی کہ وہ چینی زبان میں کچھ کہے بغیر، صرف انگریزی بول رہا تھا جس کا واضح مطلب تھا کہ اس کا واحد مخاطب صرف میں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ نیشی

کاؤ کی موت کے سلسلے میں وہ مجھ پر کسی قسم کا شبہ کر رہا تھا۔ مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں' ڈون؟" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "میں تو تمہارے ساتھ' اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا اور سوئی اس کی پشت سے برآمد ہوئی ہے۔ بھگدڑ اور افراتفری سے فائدہ اٹھا کر تمہارا کوئی بھی بدخواہ یہ حرکت کر سکتا تھا۔"

"تم سے حویلی میں بات ہوگی۔" مجھ سے یہ کہہ کر ڈون ایک جھٹکے سے اپنے آدمیوں کی طرف گھوم گیا اور چینی زبان میں انہیں کچھ ہدایات دینے لگا۔ اس بار اُس کی آواز سے برہمی اور کبیدگی عیاں تھی۔

ڈون کے خاموش ہونے سے پہلے ہی اس کے ایک آدمی نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر میرے اوپر تان لیا اور غزالہ کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

تھوڑی دیر قبل ہم دونوں ہر ایک کی آنکھوں کا تارا بنے ہوئے تھے۔ ہم پر بیش قیمت تحائف کی برسات ہو رہی تھی۔ اتنی عزت افزائی کے بعد یوں ریوالور کی زد پر لیے جانا بدترین صدمے سے کم نہیں تھا لیکن میں نے خاموشی کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔

"تماشا بنانے کی ضرورت نہیں۔" ڈون مجھے گھورتے ہوئے غرّایا۔ "ہاتھ گرا لو لیکن یہ یاد رکھنا کہ ذرا بھی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میرے آدمی دریغ نہیں کریں گے۔ حویلی میں خون ریزی کا سلسلہ چل ہی پڑا ہے تو مرنے والوں کی تعداد میں دو چار کے اضافے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"لیکن ڈون!" غزالہ روہانسی اور بھرّائی ہوئی آواز میں بولی۔ "ہمارا کیا قصور ہے؟ اتنی عزت دینے کے بعد اب ہمیں ٹھوکروں سے کیوں اڑانا چاہ رہے ہو؟"

ڈون نے غزالہ کی پوری بات سنی لیکن کوئی جواب دیے بغیر مڑ کر واپس چل دیا۔ اس کے بیشتر آدمی اسی کے پیچھے چل پڑے تھے۔ صرف سارا' مسلح آدمی کے ساتھ ہمارے پاس رہ گئی تھی۔

ڈان نیشی کاؤ کی لاش کو ہیلی کاپٹر کے پائلٹ اور اس کے ساتھی کی تحویل میں چھوڑ کر' وہ دونوں ہمیں بھی اس طرف لے چلے جدھر ہماری بگھی کھڑی ہوئی تھی۔

اس وقت تک افراتفری اور بھگدڑ بالکل ختم ہو چکی تھی۔ بپھرا ہوا سانڈ مارا جا چکا تھا یا پھر پکڑ لیا گیا تھا۔ اسی کے ساتھ شاید نیشی کاؤ کے پُراسرار قتل کی خبر بھی جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی جس کے نتیجے میں فضا پر ماتمی خاموشی طاری ہو گئی۔ بہت سے لوگ جگہ جگہ ٹولیوں کی شکل میں کھڑے ہوئے نیچی آوازوں میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ معززین' شرفا اور امرا کے طبقات سے تعلق رکھنے والے اُدھیڑ عمر اور عمر رسیدہ مہمان ویران تقریب گاہ میں بے ترتیبی' بے زاری اور خوف کے عالم میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

ڈون کی اس روح پرور اور رنگین ضیافت نے عروج پر آنے کے بعد تیسری بار رنگ بدلا تھا۔ پہلے شراب و شباب کی افراط نے چہروں سے سنجیدگی کے نقاب نوچ کر ہر مہمان کو زندگی کی حرارت آمیز رعنائیوں میں غوطے دینے شروع کئے پھر کالا سانڈ کسی دیومالائی عفریت کی طرح باڑھ توڑ کر باہر نکلا تو ہر طرف وحشت' خوف اور افراتفری پھیلتی چلی گئی اور انجام کار' ڈان نیشی کاؤ کے قتل نے ہر طرف ایک سوگوار سی خاموشی پھیلا دی تھی اور اس خاموشی میں لوگ اپنے سایوں سے بھی خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔ جب بھرے میدان میں ڈون کا خاص مہمان مار ڈالا گیا تھا تو پھر کوئی بھی شخص کسی اگلے وار کا نشانہ بن سکتا تھا۔

میرے اور غزالہ کے عروسی لباس کی وجہ سے لوگ ہمیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے' ڈون کے آدمی نے اپنا پستول والا ہاتھ اس طرح چھپا لیا تھا کہ وہ لوگوں کی نظروں سے محفوظ ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود کسی نے ہمارے قریب آنے کی کوشش نہیں کی۔ دہشت' خوف اور مایوسی سے بوجھل ماحول نے ہر شخص کو اس کی ذات کے آہنی خول میں منجمد کر کے رکھ دیا تھا۔

ہمارے پیدل سفر کا اختتام اسی خوبصورت' سیاہ بگھی پر ہوا جس میں آٹھ سفید گھوڑے دو قطاروں میں جُتے ہوئے تھے۔ میں غزالہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ سارا' ریوالور بردار کے ساتھ ہمارے سامنے والی نشست پر بیٹھ گئی اور بگھی ہولے سے حرکت میں آ گئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آج یہاں کیا ہو رہا ہے؟" میں نے جمود توڑنے کی نیت سے سارا پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"آج ہم سب کی عقلیں ماؤف ہیں۔" سارا نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "مکاؤ میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی بدنصیب ڈون کی حویلی میں ایسی ہنگامہ آرائی کی جرات کرے گا۔ ڈون نے آج ناقابلِ بیاں تحمل سے کام لیا ہے۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ مشتعل ہو کر دس بیس آدمیوں کو خود ہی ٹھکانے لگا دیتا۔ آج اس کی عمر بھر کی ساکھ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا گیا ہے۔"

"لیکن وہ ہم سے کیوں بدک گیا؟ ہم تو شروع سے آخر تک اس کے ساتھ تھے' پھر حویلی میں ہمارا کسی سے بھی رابطہ نہیں تھا۔ ہم سے زیادہ بے بس اور بے ضرر تو کوئی بھی نہیں تھا۔" میں نے احتجاج کیا۔

"ڈون کے ذہن میں ہولناک لاوا کھول رہا ہو گا۔ وہ اس وقت اپنے آپے میں نہیں ہے۔" سارا نے مجھے سمجھایا۔ "اگر تم نے برداشت سے کام لیا اور اسے مزید برہم نہ کیا تو وہ ہر معقول بات کو

مان لے گا۔ ڈون ہر معاملے میں انتہا پسند ہے۔ تم نے اسے قائل کر لیا تو تم پھر سے سُرخرو ہو جاؤ گے۔"

"لیکن ڈون کہاں رہ گیا؟ اب تقریب کا کیا بنے گا؟" میں نے پوچھا۔

"نینیشی کاؤ کے قاتل کی تلاش ضروری ہے۔ ڈون اپنے مہمانوں سے معذرت کر کے ضیافت کے خاتمے کا اعلان کرے گا پھر مہمانوں کو پوچھ گچھ اور ضروری ہوا تو تلاشی کے بعد باری باری رخصت کیا جائے گا۔ یہ تمام بندوبست ڈون ہی کو کرنا ہو گا۔"

"تو کیا وہ خود مہمانوں کو رخصت کرے گا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "پھر تو شاید صبح ہونے سے پہلے حویلی میں واپس نہیں آ سکے گا۔"

"اس وقت ڈون کے بارے میں کوئی قیاس آرائی نہیں کی جا سکتی۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ سفارتی نمائندوں اور قرب و جوار کے ممالک سے آئے ہوئے اہم مہمانوں کو خود ہی رخصت کرے گا۔ وہ یہ پسند نہیں کرے گا کہ اس قدر بدمزگی کے بعد اس کے کسی اہم مہمان کے ساتھ اس کے آدمی بدتمیزی کر بیٹھیں اور وہ آئندہ ان کی میزبانی سے محروم ہو جائے۔"

رنگ میں بھنگ پڑنے کے بعد تقریب کا فوری اختتام تو یقینی نظر آ رہا تھا لیکن قاتل کی تلاش والا معاملہ تشویشناک تھا۔ اپنا کام دکھانے کے بعد سلطان شاہ ایک مرتبہ پھر لاپتا ہو گیا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کہاں اور کس حالت میں ڈون کے شکاریوں کے ہتھے چڑھتا۔

"سلطان شاہ نجانے کہاں رہ گیا؟ اسے ہمارے ساتھ ہی نکل آنا چاہیے تھا۔" غزالہ اردو میں بڑبڑائی۔ "یہ لوگ اس وقت خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ وہ ان کے ہاتھ لگ گیا تو یہ اس کی بوٹیاں بھی اڑا سکتے ہیں۔ یہاں سے نکلنے تک ہم تینوں کو حتی الامکان ایک دوسرے کے قریب رہنا چاہیے۔"

"نکاح ہو جانے کے بعد کم از کم ہمارے قریب رہنے میں تو کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی۔"

وہ سر جھکا کر پھیکے انداز میں مسکرا دی۔ "یہ وقت مذاق کا نہیں ہے۔ ان باتوں کے لیے اب عمر پڑی ہے۔"

"بشرطیکہ ہمارا میزبان ہمیں یہاں سے زندہ نکل جانے دے۔" میں نے دانستہ ڈون کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد میرے دل میں یہ حسرت باقی رہے کہ تم سے شادی ہونے کے بعد بھی میں تمہارے ساتھ خوشی کے چند لمحے بھی نہیں گزار سکا۔ ہم سلطان شاہ کی عملی مدد کرنے سے معذور ہو گئے ہیں پھر اس کے بارے میں سوچ کر اپنے ذہن کو تھکانے سے کیا فائدہ؟ اسے تدبیر کے بجائے اب تقدیر کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔"

"سنو!" اچانک سارا نے آہستگی سے مجھے مخاطب کیا۔ "تم لوگ آپس میں زیادہ باتیں نہ کرو۔ موجودہ حالات میں یہی سمجھا جائے گا کہ تم ڈون کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہو۔"

"لیکن اس کھلی فضا میں ڈون نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ احمق آدمی انگریزی کے ساتھ ہی اردو سے بھی نابلد ہے۔ اسے کیا پتا کہ ہم کس زبان میں بات کر رہے ہیں؟ ہاں، تم مخبری کر گزرو تو اور بات ہے۔"

"تم مجھ سے ایسی امید رکھتے ہو؟" سارا نے اتنی اپنائیت کے ساتھ شکوہ کیا کہ میں بوکھلا گیا۔ "عام چینی بہت معصوم اور سیدھے سادے ہوتے ہیں۔ ان کے ملک میں جو چیز پہلی بار بنتی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ اسے انہی کی پارٹی اور قیادت نے ایجاد کیا ہے لیکن بگڑے ہوئے چینی بہت شاطر اور چالاک ہوتے ہیں۔ یہ بھی انگریزی تلفظ اور لب و لہجے سے مانوس ہے اور صرف اسی بنا پر اندازہ لگا سکتا ہے کہ تم کوئی دوسری زبان بول رہے ہو۔"

"ہم اپنے ساتھی کے بارے میں فکرمند ہیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر اسے بتایا۔ "حویلی میں داخل ہونے کے بعد تو ہم کھل کر بات بھی نہیں کر سکیں گے۔ نہ ہی تم ہمیں کوئی دوستانہ مشورہ دے سکو گی۔"

"یہ نہ سمجھ لینا کہ میں ڈون کی غدار ہوں۔" سارا نے چونک کر غزالہ سے وضاحت کی۔ "میں پوری طرح اس کی وفادار ہوں لیکن اسی کے ساتھ تمہاری پوزیشن بھی سمجھ رہی ہوں۔ اسی لیے تمہارے فائدے کی بات بتا رہی ہوں۔"

"خوبصورت لڑکیاں عام طور پر ڈینی سے بہت جلد ہمدردی محسوس کرنے لگتی ہیں۔" غزالہ نے مسکرا کر، خوش دلی کے ساتھ کہا لیکن اس کے الفاظ میں پنہاں طنز مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ وہ مجھ سے ہمیشہ اس امر کی شاکی رہتی تھی کہ عورتیں اور لڑکیاں میرے ساتھ بہت جلد بے تکلف ہو جاتی ہیں۔

سارا اپنی آزاد خیالی کی وجہ سے غزالہ کے الفاظ کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکی اور ایک ٹھنڈا سانس لے کر بولی۔ "تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں ڈینی جیسا، چاہنے والا شوہر ملا ہے۔ اسی وجہ سے مجھے پسند ہے کہ مجھے نہ سہی، یہ کسی ایک عورت کو تو دل و جاں سے چاہتا ہے۔ میری طرح تم بھی عورت ہو اور اچھی طرح جانتی ہو کہ عورت میں چاہے جانے کی خواہش کس قدر شدید اور مُنہ زور ہوتی ہے اور میں تو جب سے مکاؤ آئی ہوں، اپنی شناخت ہی کھو بیٹھی ہوں۔"

"شناخت؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔ "تم ڈون کی منظورِ نظر ہونے کے باوجود یہ شکایت کر رہی ہو؟"

"سارا ڈون کی منظورِ نظر نہیں ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "وہ ایک برطانوی شہزادی کا عاشق ہے۔ اس بے چاری کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو گا کہ مکاؤ کی اس حویلی میں اس کا ایک عاشقِ نامراد پل رہا ہے۔ ڈون نشے میں دھت ہونے کے بعد مجھ پر اسی وقت

مہربان ہوتا ہے جب میرے وجود میں اسے اپنی محبوبہ کا عکس نظر آنے لگتا ہے۔"

"کیا حویلی میں ہمیں قید کردیا جائے گا؟" غزالہ نے جلدی سے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال ایسی کوئی ہدایت نہیں دی گئی۔ تمہیں تہ خانے کے بجائے اسی پُرتعیش خواب گاہ میں پہنچایا جائے گا جو آج کے لیے سجائی گئی ہے۔ اس سے آگے کا فیصلہ ڈون کی واپسی کے بعد ہوگا۔"

آٹھ گھوڑوں والی بگھی آہستہ آہستہ حویلی سے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ اسی کے ساتھ آزادانہ گفتگو کے لمحات بھی ختم ہونے والے تھے اس لیے میں نے باقی ماندہ مہلت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا۔

"اور اگر ہمارا ساتھی واپس آیا تو اس کا کیا بنے گا؟" میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

"آج کے لیے اس کا کمرا تمہاری خواب گاہ سے ملحق ہے۔ اسے وہاں پہنچا دیا جائے گا۔" وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی' پھر پُرتفکر انداز میں گویا ہوئی۔ "یہ بات واقعی قابلِ غور ہے کہ ڈون کی حویلی میں پے درپے سنگین واقعات کیوں رونما ہو رہے ہیں۔ صرف ڈیوڈ تاؤ کی موت ایک طے شدہ مقابلے کا نتیجہ تھی ورنہ شوائے کی خودکشی' تقریب کی برہمی اور نیشی کاؤ کا قتل' سب ہی ناقابلِ فہم واقعات ہیں۔ اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ان واقعات کا سلسلہ تمہاری آمد کے بعد شروع ہوا ہے......"

"میں خود فکرمند ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"اب ڈون کی بھری حویلی میں صرف تم ہی ہماری ہمدرد رہ گئی ہو۔ کوئی سنگین صورتِ حال رونما ہونے والی ہو تو ہمیں باخبر ضرور کر دینا۔"

"میں وعدہ نہیں کرتی لیکن کوشش ضرور کروں گی۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

اچانک پختہ سڑک پر صحت مند گھوڑوں کے سموں کی آواز تھم گئی۔ سارا کے ساتھ بیٹھے ہوئے بدنما چینی نے اپنے ریوالور کی نال ہلا کر ہمیں نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ پہلے میں نیچے اترا پھر میں نے سہارا دے کر غزالہ کو بھی سیاہ بگھی سے نیچے اتار لیا۔ اسی لمحے برآمدے کے ستونوں کی آڑ سے مزید دو چینی سامنے آ گئے۔ وہ دونوں' ڈون کی حویلی کی روایات کے برعکس دبلے پتلے تھے لیکن ان کے تیور کسی بھی طرح دوستانہ نہیں تھے۔

ان دونوں نے پہلوؤں پر سرک کر ہمیں اپنے درمیان میں سے گزرنے کا راستہ دیا پھر ہمارے پیچھے مسلح چینی اور سارا کے ساتھ ہولیے۔ سارا نے ان کے ساتھ چینی زبان میں باتیں شروع کردی تھیں۔

کشادہ' بلند اور آراستہ راہداریوں سے گزرنے کے بعد سارا نے ہمیں اسی ہال میں داخل ہونے کی ہدایت دی جہاں ڈون کی کنوئیں میں اترنے والی مشینی مسند موجود رہتی تھی۔ ہال میں پہنچنے کے بعد سارا تیزی کے ساتھ آگے آ گئی اور اس نے ہماری رہنمائی کا فرض سنبھال لیا۔

سارا کا رخ ان حریری پردوں کی طرف تھا جن کے عقب سے ڈون کی پالی ہوئی حسین و جمیل لڑکیاں برآمد ہوا کرتی تھیں۔ ادھر جا کر اندازہ ہوا کہ ان پردوں کے پیچھے کوئی دیوار نہیں تھی بلکہ محرابیں بنا کر اسی ہال کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا' اس طرح حریری پردوں کے اس پار' نرم قالین سے مزین ایک وسیع دالان وجود میں آ گیا تھا۔ اس دالان کے اختتام پر متعدد چوبی دروازے نظر آ رہے تھے جو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے درمیانی فاصلے سے کمروں کی کشادگی کا اندازہ ہوتا تھا۔

سارا ہمیں اس قطار کے آخری کمرے کی طرف لے گئی اور سنہری دستہ گھما کر زنی دروازہ کھول دیا۔

"اور سلطان شاہ کے لیے کون سا کمرا مخصوص ہے؟" میں نے اندر داخل ہونے سے پہلے سوال کیا۔

"یہ کمرا نہیں' پورا مکان ہے۔" وہ بولی۔ "ساری حویلی میں یہ سب سے شاندار خوابگاہ ہے۔ اندر سونے کے کمرے کے علاوہ نشست گاہ اور ملازم کا کمرا بھی ہے۔ تمہارا ساتھی ملازم والے کمرے میں لایا جائے گا۔ وہ کمرا بھی ہر قسم کی سہولتوں سے آراستہ ہے۔"

میں نے مقامی انداز میں اپنے سر کو قدرے خم دیا اور منقش چوبی دروازے سے گزر کر اندر داخل ہوگیا۔ غزالہ مجھ سے پہلے اندر داخل ہو چکی تھی اور چند قدم آگے مبہوت سی کھڑی تھی۔

میں نے وہاں سب سے پہلے دو باتیں نوٹ کیں کہ بقیہ حویلی کے برعکس اس حصے کی بلندی کسی بھی طرح بارہ فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ دوم یہ کہ وہاں کہیں بھی دیوار کا وجود نہیں تھا بلکہ قالین سے چھت تک اونچے اونچے بے داغ اور بے جوڑ آئینے آویزاں تھے جن میں کرسٹل کے دمکتے ہوئے' سقف گیر فانوس کے سیکڑوں عکس جھلملا رہے تھے۔ آئینوں کی کثرت کی وجہ سے نکاسی کے راستے کا تعین کرنا دشوار تھا۔ کیوں کہ کھلے ہوئے راستے کے پیچھے' اندر بھی آئینے ہی آئینے آویزاں تھے۔

آئینوں کی ان دیواروں کی اونچائی میں کہیں کوئی جوڑ نہیں تھا اور شاید اسی وجہ سے اس حصے کی بلندی بارہ فٹ تک محدود رکھی گئی تھی کیوں کہ اس سے بڑے آئینے ملنے شاید محال تھے البتہ چوڑائی میں ہر چار فٹ پر جوڑ تھا جسے سنہری پٹیوں سے سجا دیا گیا تھا اسی طرح چھت پر آئینوں کے ٹائل آویزاں تھے۔

داخل ہوتے ہی لابی نما حصہ تھا۔ جب چند منٹ بعد میری نگاہیں اس ماحول کی عادی ہوئیں تو بائیں ہاتھ پر ایک کمرا نظر آیا اس کے کھولنے پر ہمیں پہلی بار پردے اور دیواریں نظر آئیں۔

یہ کمرا بھی بہت آراستہ اور پُر آسائش تھا۔ وہاں دوہرا بستر موجود تھا۔ اگر ہمیں وہاں شب بسری کے لیے کہا جاتا تو ہم کوئی کمی محسوس نہیں کرتے لیکن سارا ہمیں بریف کر چکی تھی۔

"یہ سلطان شاہ کا کمرا ہے۔ آؤ اس حیرت کدے میں آگے چلتے ہیں۔" میں نے نرمی اور محبت کے ساتھ غزالہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "یہ تو واقعی تصوراتی دنیا معلوم ہو رہی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ ڈون کے پاس دولت ابل رہی ہے۔" غزالہ بے خیالی میں کہہ گئی۔

میں نے اسے گھورا پھر سلفے کا کش لینے کا اشارہ کر کے اسے یاد دلایا کہ وہ ہیروئن کے ایک بادشاہ کی حویلی میں موجود تھی جہاں دولت کا ہر شمار اپنی وقعت کھو بیٹھتا تھا۔

لابی میں آبنوس کے مخملیں صوفے سجے ہوئے تھے اور اندرونی دیوار کا پورا ایک شیشہ ہٹا کر اندر جانے کا راستہ بنایا گیا تھا۔ اس راستے سے گزرنے کے بعد آئینوں کی دیواروں والی نشست گاہ تھی جہاں بیش قیمت قالین پر نہایت خوبصورت فرنیچر سجا ہوا تھا۔ شاید فرنیچر کی تیاری میں صندل کا استعمال بکثرت کیا گیا تھا کیوں کہ فضا میں صندل کی بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہی تھی لیکن عجیب بات یہ تھی کہ اس نشست گاہ کی بقیہ تین دیواروں میں کہیں کوئی دروازہ یا خلا نہیں تھا۔ ہمیں ہر طرف اپنے اور روشنیوں کے عکس کا تسلسل نظر آرہا تھا۔

غزالہ سحر زدہ انداز میں اس طلسماتی ماحول کو دیکھ رہی تھی لیکن مجھے اصل خوابگاہ کی فکر تھی۔ میں نے کسی اندھے کی طرح، ایک طرف سے آئینے کی دیواروں کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔

پھر میں جوں ہی بائیں دیوار کے ایک حصے کے سامنے پہنچا تو میرے ہاتھ لگانے سے پہلے ہی ایک پورا آئینہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر، خود بخود ایک طرف سرک گیا اور اس جگہ تقریباً چار فٹ چوڑا خلا نمودار ہو گیا۔ وہ راستہ نمودار ہوتے ہی غزالہ تحیر زدہ انداز میں میری طرف لپکی اور ہم اس راستے سے اپنی پُرشکوہ خوابگاہ میں داخل ہو گئے۔ ہمارے چند قدم آگے جانے کے بعد دروازے نما آئینہ سرک کر اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اس آئینے کے ایک حصے میں سنہری گھنڈی نصب تھی۔ میں اسے آزمانے کی نیت سے آگے بڑھا تو وہ راستہ دوبارہ نمودار ہو گیا مگر میں نے بڑھ کر اُس گھنڈی پر ہاتھ ڈالا تو وہ بہ آسانی ایک طرف سرک گئی اور پھر میرے وہاں سے ہٹے بغیر وہ راستہ دوبارہ بند ہو گیا۔ وہ کمرا بھی صندل کی قدرے تیز اور وحشیانہ خوشبو سے مہک رہا تھا۔

وہ بندوبست بھی ڈون کے اعلیٰ ذوق کا آئینہ دار تھا کہ وہ راستہ اسی سمت سے مقفل ہو سکتا تھا، جدھر خلوت کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔ باہر گھنڈی تھی، نہ راستہ مقفل کرنے کا کوئی اور انتظام۔

پھر میں آئینہ گیر سوئچ بورڈ پر طبع آزمائی کی تو روشنیاں یکے بعد دیگرے بجھتی چلی گئیں لیکن آخری روشنی گل ہوتے ہی اس خواب گاہ میں ستاروں کی ایک کہکشاں اتر آئی۔ خوابگاہ میں کہیں کوئی ننھا سا بلب روشن تھا اور ہر طرف اس کا عکس جھلملا رہا تھا۔ چھت میں نصب آئینے کے ہر ٹائل میں پڑنے والے عکس کی بنا پر پوری چھت ستاروں یا جگنوؤں سے بھری ہوئی نظر آرہی تھی۔ عکس در عکس پیدا ہونے والی اس صورتِ حال میں حقیر ترین روشنی کے اصل مخرج کا سراغ لگانا ناممکن تھا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خوابگاہ بلور کی بے شمار چھوٹی بڑی آرائشی اشیا سے بھری ہوئی تھی کیوں کہ بلور کے ہر کٹ اور کرسٹل میں بھی اسی نادیدہ روشنی کے جگنو جھلملا رہے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہم طلسم ہوشربا کے دور میں چلے گئے ہیں۔" غزالہ کی ہیجان آمیز سرگوشی ابھری۔ کمرے میں پھیلے ہوئے انعکاس میں، مَیں اسے بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو۔" میں نے جذبات سے مغلوب ہو کر اُس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "اپنے سفید عروسی لباس میں تم کوہ قاف کی پری لگ رہی ہو۔ تمہارے سحر انگیز وجود نے اس ماحول کو اور بھی پُراسرار بنا دیا ہے۔ اس رات کے لیے ہم اس سے بہتر کی آرزو نہیں کر سکتے تھے۔"

"ابھی دور رہنا، ڈیئی!" غزالہ نے سختی سے کہا۔ "یہ نہ بھولو کہ ہم ریوالور کی زد پر یہاں لائے گئے ہیں۔ ڈون کسی بھی لمحے ہمیں طلب کر سکتا ہے۔ کاش! آج ہم پر ریوالور نہ تانا گیا ہوتا! ایک طرف ڈون نے ہمیں اس قدر عزت اور آسائش مہیا کر کے عرش پر پہنچا دیا پھر اپنے ایک حقیر کارندے کے ہاتھوں ہمیں تحت الثریٰ میں پھنکوا دیا۔ وہ واقعہ نہ ہوا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا!"

میں نے بہت ملائمت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ غزالہ نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں بھی آرزوؤں اور امنگوں کے جگنو چمک رہے تھے۔ چند لمحوں تک ہم دونوں پتھر کے بتوں کی طرح، یونہی کھڑے ایک دوسرے کی بولتی ہوئی آنکھوں میں جھانکتے رہے، پھر غزالہ اچانک ہی میرے سینے سے لگ گئی اور میں نے اس کے پگھلتے ہوئے وجود کو اپنی مضبوط بانہوں میں سمیٹ لیا۔

○☆☆○

خواب گاہ میں جلترنگ جیسی گھنٹی کی موہوم سی مترنم آواز گونجی تو میں چونک پڑا۔ غزالہ تو ہڑبڑا کر نرم اور شاہانہ مسہری سے ہی اتر گئی۔

گھنٹی کی وہ آواز اس قدر موہوم اور مختصر سی تھی کہ اگلے ہی لمحے مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں وہ میرا وہم نہ رہا ہو، میرے ذہن میں بجنے والی گھنٹیوں کی بازگشت نہ ہو لیکن چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہی آواز دوبارہ ابھری اور غزالہ نے بھی مجھے جھنجھوڑا تو مجھے پھرتی سے مسہری چھوڑنی پڑی۔

میں نے ایک سوئچ آن کیا تو روشنی ہوتے ہی، آئینوں میں نظر آنے والے ہزاروں جگنو یکلخت معدوم ہو گئے۔ کمرے میں کہیں بھی اس ننھی سی پُراسرار روشنی کا وجود باقی نہیں رہا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے سورج طلوع ہونے کے بعد ستارے خلا کی بے کراں پنہائیوں میں کھو جاتے ہیں۔

میں نے جونہی سنہری گھنڈی کو اس کی جگہ سے سرکایا، آئینے کی دیوار کا وہ حصہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور میں نے سارا کو اپنے مقابل پایا۔ اس کے پیچھے ڈون کسی بپھرے ہوئے بلڈاگ کی طرح اپنا منہ سُجائے ایک صوفے میں دھنسا ہوا تھا۔

"ڈون تم سے بات کرنے آیا ہے۔" سارا نے سہمے ہوئے لہجے میں مجھے مطلع کیا۔ وہ واڈکا کی بوتل تھامے ہوئے تھی۔

"بس تم آجاؤ، لڑکی کو بلانے کی ضرورت نہیں۔" مجھے مڑتے دیکھ کر ڈون بیٹھے بیٹھے غرایا۔ اس کا لہجہ بہت درشت تھا۔ میں ننگے پاؤں ہی باہر نکل آیا۔

میں نے رکوع کی حد تک جھک کر ڈون کو خوشامدانہ تعظیم دی اور اُس کی جھڑکی نما ہدایت پر، اس کے سامنے ہی دوسرے صوفے پر براجمان ہو گیا۔ سارا بھی سکڑ کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

"تمہارا تیسرا ساتھی کہاں ہے؟" ڈون کے پہلے ہی سوال نے میرے حواس گم کر دیے۔

"مم... میں... ہم خود اس کی طرف سے فکر مند ہیں۔" میں نے اپنے اوسان بحال کرنے کی مہلت لینے کے لیے ہکلاہٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔

"وہ بلوپائپ کی سوئی نہیں تھا جو مٹی میں گر کر غائب ہو گیا۔" ڈون غصے میں دہاڑا۔ "سچ سچ بتاؤ کہ وہ کہاں ہے اور یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ مجھے درست جواب نہ ملا تو میں جوتے مار مار کر تمہاری کھال گرا دوں گا۔ یہ نہ سمجھنا کہ نادر ہیرے دے کر تم نے ڈون کو خرید لیا ہے۔"

ڈون کی آواز میں طنز، تضحیک اور دھمکی کے سارے ہی عناصر سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔ میں نے سر جھکا کر مغموم آواز میں کہا۔ "تم نے اس کے بارے میں سوال کر کے مجھے دہلا دیا ہے۔ کہیں وہ سانڈ کے کُھروں تلے ہی نہ کچلا گیا ہو۔ تم اجازت دو تو میں تمہارے آدمیوں کی نگرانی میں اسے تلاش کروں۔"

"بکو مت! میرے آدمی اندھے نہیں ہیں جو انہیں تمہاری آنکھوں کی ضرورت محسوس ہو۔ وہ اسے حویلی میں ہی نہیں، پورے مکاؤ میں سونگھتے پھر رہے ہیں۔ وہ جہاں بھی ہوا، کسی خارش زدہ کتے کی طرح پکڑا جائے گا۔" ڈون نے درشت اور اونچی آواز میں کہا۔

"یہ میری بدنصیبی ہے کہ تم ہم سے بدگمان ہو گئے ہو۔" کسی واضح کوشش کے بغیر میری آواز خود بخود رُندھ گئی۔ "تم ہمارے محسن ہو۔ میں تمہارے بارے میں کوئی غلط بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ جہاں تک شاہی ہیروں کا تعلق ہے تو وہ تمہارے ہی تھے اور میں نے تمہیں پہنچا دیے۔ مجھے یقین ہے کہ میرا ساتھی کہیں نہیں گیا۔ وہ جس حال میں بھی ہو، اسی حویلی میں ہو گا اور جلد یا بدیر تمہارے سامنے آجائے گا۔"

"ویرا جمعہ جمعہ آٹھ دن کی لڑکی ہے۔ اس الّو کی پٹھی نے کچھ سوچے سمجھے بغیر مجھے تمہارے معاملات میں الجھا دیا۔ اگر تم اسی قدر معصوم ہو تو مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے قدموں میں ایسی کون سی برکت ہے کہ تمہارے آتے ہی یہاں آسمان سے لاشیں برسنے لگیں؟" ڈون نے جھلا کر سوال کیا۔

"ویرا تمہاری مُنہ بولی بیٹی ہے، ڈون! ہماری وجہ سے اسے بُرا بھلا مت کہو۔ ہمارا قصور ثابت ہو جائے تو تم بے شک ہمیں سولی چڑھا دینا۔ تم نے ہمیں چند روز میں اتنی عزت دی ہے جو ہم نے عمر بھر بھی نہیں کمائی ہو گی۔ ہم تم سے کیسے ٹکر لے سکتے ہیں؟"

"پھر یہ کیا ہو رہا ہے؟" ڈون صوفے میں پہلو بدلتے ہوئے دہاڑا۔

اچانک میری کھوپڑی پر جمی ہوئی برف پگھلنی شروع ہوئی اور میں نے آہستگی سے کہا۔ "مشتعل ہونے کی وجہ سے تم اپنے دشمنوں کو فراموش کر رہے ہو۔"

ڈون کے مُنہ سے اضطراری طور پر مغلّظات کا ایک طوفان ابل پڑا۔ سارا کی موجودگی کی پروا کیے بغیر وہ اپنے دشمنوں کے لیے ایسی ایسی نادر الوجود گالیاں ایجاد کرتا رہا جو تکنیکی اعتبار سے یکسر ناقابلِ عمل تھیں۔ جب اس کا ابال ذرا کم ہوا تو وہ بولا۔ "مکاؤ میں کون مائی کا لال ہے جو ڈون کی دشمنی مول لے گا۔ سب جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔ میں تو اپنے دشمن کو اس کی ماں کی کوکھ سے بھی گھسیٹ سکتا ہوں۔"

"تم وان لن کو بھول رہے ہو۔" مجھے خوشی تھی کہ میری کھوپڑی چل پڑی تھی اور اس میں ایک جاندار کہانی کا تانا بانا بننا شروع ہو گیا تھا۔

میری زبان سے وان لن کا نام سنتے ہی ڈون بری طرح چونکا مگر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ "اس وقت اُس حرامی کا ذکر کہاں سے آ گیا۔ اس کی تو ہڈیاں تک مگرمچھ کھا چکے ہوں گے۔"

"کوئی نہ کوئی تو وجہ ہو گی کہ وہ تمہارے خلاف درپردہ سازشیں کرنے کے باوجود مکاؤ میں پنپ رہا تھا؟" میں نے پُراعتماد انداز میں کہا۔

"وان لن!" ڈون نے دہرایا پھر الجھن آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟ مجھ سے کھل کر بات کرو!" اس بار ڈون کی آواز اونچی نہیں تھی۔

"سیدھی سی بات ہے، ڈون۔ تمہارے خلاف وان لن اکیلا نہیں تھا۔ مکاؤ میں اس کے معاون، دوست اور ہمدرد بھی رہے ہوں گے۔ وان لن کے عبرت ناک انجام کے بعد کچھ ڈر گئے ہوں گے لیکن ان ہی میں سے بعض غدار وان لن کے قتل کا انتقام لے

پر بھی مل سکتے ہیں۔"
میں ڈون کے تاثرات کا اندازہ لگانے کے لیے لمحہ بھر کو رکا تو وہ بے تابی کے ساتھ بولا۔ "رک کیوں گئے' بولتے رہو۔ میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔"
"وان لن کو تم نے نہیں' میں نے مارا تھا۔ بعد میں تم نے میری پشت پناہی کی۔ اب اگر تم مجھ سے بدگمان ہو کر مجھے مار ڈالتے ہو تو یہ ان کی ایک بڑی کامیابی ہو گی۔ تم خود ہی اپنے غدار کے قاتل کو سزا دو گے اور تمہارے حریف خوشیاں منائیں گے۔" میں نے اپنی مدافعت کا پہلو اجاگر کرتے ہوئے کہا۔
"لیکن انہیں میری حویلی پر کیسے کنٹرول حاصل ہو گیا؟" ڈون کافی حد تک ٹھنڈا ہو گیا تھا اور براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔
"اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ تمہاری طرح مکاؤ کے پرانے باسی ہوں گے۔ شوائے ہمارے ساتھ باہر گئی تو بازاروں کی بھیڑ بھاڑ میں کئی مرتبہ اِدھر اُدھر ہو گئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس دوران میں' ان میں سے کسی نے شوائے کو گھیرنے کی کوشش کی ہو۔ اس کی کسی کمزوری کی بنا پر اسے بلیک میل کر کے تمہارے خلاف استعمال کرنا چاہا ہو۔ وہ اپنی کمزوری سے ڈرتی تھی اور تم سے بھی غداری نہیں کر سکتی تھی۔ اسی کشمکش میں اس نے خود ہی اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس طرح تمہارے حاسد تمہاری حویلی میں پھٹکے بغیر ایک المناک واردات کو جنم دینے میں کامیاب ہو گئے۔" میری کہانی غیر معمولی حد تک مربوط اور قابلِ فہم ہو چلی تھی۔
"تم یہ سب ایسے بتا رہے ہو جیسے ساری منصوبہ بندی تمہاری ہی رہی ہو۔" ڈون نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ تم بھی میرے زیرِ زمیں حریفوں سے ملے ہوئے ہو؟"
اس کے آخری فقرے نے میرا خون خشک کر دیا۔ میں نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "بار بار مجھ پر شبہ نہ کرو۔ میں ان کا چیلا ہوتا تو وان لن کبھی میرے ہاتھوں نہ مارا جاتا۔ مجھے تو فخر ہے کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے تمہارے ایک غدار کو جہنم واصل کیا اور تم مجھ پر ہی شبہ کر رہے ہو۔"
"اور بعد کے واقعات؟" ڈون نے سوال کیا پھر سارا کے ہاتھ سے داڈکا کی بوتل لے کر' ڈھکن کھولنے کے بعد منہ سے لگا لی۔ ایک طویل گھونٹ اپنے معدے میں اتارنے کے بعد اس نے بوتل سارا کو لوٹا دی۔
"بعد میں کچھ بھی نہیں ہوا' جو کچھ ہوا' آج ہی ہوا ہے اور مجھے اس میں انہی لوگوں کا ہاتھ نظر آتا ہے۔"
ڈون نے چند ثانیوں تک کچھ سوچا جیسے میرے بیان کی صداقت کا حساب لگا رہا ہو' پھر پوچھا۔ "وہ کیسے؟"
"میرے آنے سے پہلے تک تمہیں اندازہ نہیں تھا کہ وان لن تمہاری دشمنی میں کتنا آگے جا چکا ہے۔ اس وقت تک تم دعوت نامے جاری کر چکے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وان لن زندہ ہوتا تو وہ بھی تمہارا مہمان ہوتا۔ تقریب میں بہت سے ایسے لوگ آئے ہوں گے جو درپردہ وان لن کے ہمدرد ہوں۔۔۔۔"
ڈون نے مکا لہرا کر میری بات کاٹ دی اور پُرجوش لہجے میں بولا۔ "بس میں سمجھ گیا۔ یہ سب وان لن کے دوستوں کی سازش ہے۔ میں ان سب کو فنا کر دوں گا۔ شاید تمہیں معلوم نہ ہو کہ آج میرے سترہ مہمان شدید زخمی ہوئے۔ میرے بچپن کے دوست' نیشی کاؤ کے دیدہ دلیرانہ قتل کے علاوہ تین آدمی کچل کر مرے اور دو بوڑھی عورتوں کے ہارٹ فیل ہو گئے۔ اتنی بڑی تباہی کے بعد تو میں مکاؤ کو جہنم بنا دوں گا۔ تمہاری باتیں میرے دل کو لگتی ہیں۔ وان لن کے قریبی ساتھیوں پر یہ رات بہت بھاری پڑے گی۔ میں انہیں مزید ڈھیل نہیں دوں گا۔"
ڈون شیشے میں اتر آیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ میری حاشیہ آرائی سے متاثر ہو کر وان لن والی کہانی میں الجھ گیا تھا۔ وہ مکاؤ کو جنت بناتا یا جہنم۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ جس شہر کے جواری شرطوں میں اپنی بیویاں ہار کر دوسروں کی بیویاں جیتنے کے خواب دیکھتے ہوں' اس پر قیامت ٹوٹنی ہی چاہیے تھی۔ میں تو بس اپنا اور اپنے ساتھیوں کا تحفظ چاہتا تھا۔
"ہو سکتا ہے کہ وان لن کے سارے قریبی ساتھی اس سازش میں شریک نہ ہوں۔" قدرے توقف کے بعد میں نے مساویانہ انداز میں اپنی رائے ظاہر کی۔ "لیکن مکاؤ میں تمہاری بالادستی قائم رکھنے کے لیے ان کی سرکوبی ضروری ہے۔ آج تم اپنے حریفوں کا یہ کاری وار سہہ کر خاموش بیٹھ گئے تو کل مکاؤ کے دوسرے شورہ پشت بھی ہمت پکڑ لیں گے۔"
"میں یہ سب باتیں بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" اس نے جزبز ہو کر کہا۔ میری باتیں شاید اس کے تازہ زخموں پر نمک پاشی کر رہی تھیں۔ "میں نے اپنی پوری عمر اسی میدان میں گزاری ہے اور میں اپنے حریفوں کا سر کچلنے کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہوں۔"
"مجھے خوشی ہے کہ تم اپنے اصل دشمنوں کو پہچاننے میں کامیاب ہو گئے ہو ورنہ میں تمہاری برہمی سے بہت زیادہ خوف زدہ تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں تمام تر عزت افزائی کے بعد تم اس حسین اور نازک شیش محل کو ہمارے مقبرے میں ہی تبدیل نہ کر دو۔"
ڈون پہلی بار آسودہ انداز میں ہنسا اور مربیانہ انداز میں بولا۔ "تم بہت معصومانہ انداز میں باتیں کرتے ہو۔ آئینوں والی اس خواب گاہ کے لیے شیش محل کا نام تمہیں پہلی بار سوجھا ہے اور یہ اچھا نام ہے۔ یہ شیش محل حسین اور پُرتعیش ضرور ہے مگر نازک نہیں ہے۔ یہ تمام آئینے بلٹ پروف ہیں۔ ریوالور یا پستول تو

درکنار، سات ملی میٹر کی رائفل کی گولیاں بھی ان آئینوں پر خراش نہیں ڈال سکتیں۔ بلجیم کی وان ہاگ کارپوریشن نے یہ بیش قیمت آئینے میرے علاوہ صرف امریکی حکومت کو فراہم کیے تھے۔ امریکا میں ایسے آئینے وہائٹ ہاؤس میں نصب کیے گئے ہیں۔ چاہو تو ان آئینوں کی مضبوطی کو آزما سکتے ہو۔"

"مجھے تمہارے دعوے پر پورا یقین ہے۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔ "اصل خوابگاہ کی سجاوٹ میں بلور اور کرسٹل کے فیاضانہ استعمال نے اسے مسحور کن بنا دیا ہے۔ روشنیاں گل ہوتے ہی، اس خوابگاہ کے گوشے گوشے میں کہکشاں جگمگانے لگتی ہے۔"

"اور یہی میرے منصوبہ سازوں کا کمال تھا کہ انہوں نے میرے تصور کو حقیقت کا روپ دے دیا۔" ڈون پُرغرور انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "اس موہوم سی روشنی کا مخرج ایک راز ہے۔ آئینوں میں اس کے ہزاروں عکس ضرور نظر آتے ہیں لیکن اصل روشنی کا سراغ لگانا ناممکن ہے۔ شادی کی پہلی رات کے لیے وہ کمرا مخصوص کر کے میں نے تمہاری عزت افزائی کو درجۂ کمال پر پہنچانے کی کوشش کی تھی لیکن تقریب میں ہونے والی بدمزگی نے آج کا سارا لطف غارت کر دیا....."

"میرے نزدیک اس بدمزگی سے زیادہ اہمیت تمہاری برہمی کی تھی۔ جو مر گئے، انہیں دوبارہ زندہ کرنا ناممکن ہے لیکن تمہارا موڈ بحال نہ ہوتا تو ہم بھی ان مرنے والوں میں شامل ہو سکتے تھے۔"

اپنی بڑائی کا اعتراف سن کر ڈون زور زور سے ہنسنے لگا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر سارا سے واڈکا کی بوتل لے کر اپنے مُنہ سے لگا لی اور دو گھونٹ لینے کے بعد بوتل میری طرف بڑھا دی۔

"تم بھی پیو!" اس نے پُرخلوص تحکم کے ساتھ کہا۔ "یہ روس کی بہترین شراب ہے جو آلو سے کشید کی جاتی ہے، یہ پیتے ہی تم سرور میں آ جاؤ گے۔ ابھی تم اناڑی ہو لیکن کچھ دن میرے مہمان رہے تو عمدہ شرابیں پی کر بہکنے کا سلیقہ بھی سیکھ جاؤ گے۔ لو! ڈرنے کی ضرورت نہیں، یہ تمہیں الٹا نہیں کرے گی۔"

میں خود بھی اپنا حلق تر کرنے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا لیکن ڈون کی دانست میں، مَیں نیا شرابی تھا، اس لیے میں نے ڈرتے اور جھجکتے ہوئے اس کے ہاتھ سے بوتل لے لی اور پوچھا۔ "لیکن یہ تو خالص شراب ہے۔ تم نے کہا تھا کہ یہ پانی ملا کر پی جاتی ہے۔ نیٹ پینے سے عادی شرابی بھی پناہ مانگتے ہیں۔"

ڈون نے میرے احمقانہ سوال پر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور تقریباً کراہتے ہوئے بولا۔ "اپنے اخذ کیے ہوئے یہ نتائج میری ذات سے منسوب نہ کرو۔ وہ بات وہسکی کے لیے کہی گئی تھی۔ واڈکا میں صرف برف ڈالی جاتی ہے۔ ہر شراب پینے کا الگ قرینہ ہوتا ہے۔ کل کو تم وائن اور شیمپین میں بھی سوڈا یا پانی ملانے لگے تو میرے ہاتھوں سے پٹو گے۔ بہت سی شرابیں پانی کی طرح بے ضرر ہوتی ہیں۔ ان میں کچھ نہیں ملایا جاتا۔"

میں نے بوتل مُنہ سے لگا کر، ایک بڑا سا گھونٹ لیا اور بُرے مُنہ بنا کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔ ڈون دلچسپی کے ساتھ میرا جائزہ لیتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ فرصت اور قدرے سکون کے ان لمحات میں وہ ایک مرتبہ پھر اپنی لٹکی ہوئی، باریک مونچھ مروڑنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ شاید وہ اُس کی اضطراری عادت تھی جس پر قابو پانا اس کے بس سے باہر تھا۔

اچانک اس نے اپنے دونوں پیر آگے کی طرف پھیلا دیے۔ شاید وہ کسی قسم کا اشارہ تھا کیوں کہ سارا نے فوراً ہی قالین پر بیٹھ کر اس کی پنڈلیاں دبانی شروع کر دیں۔

تقریب میں ہونے والی ہنگامہ آرائی کا ایک جواز سامنے آ جانے کے بعد، ڈون کا اشتعال پانی کے بلبلوں کی طرح ختم ہو چکا تھا اور وہ موڈ میں آ گیا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں مجھے اکسا کر پینے پر آمادہ کیا اور پھر میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کے درمیان ہی تاکید کی کہ میں واپس لوٹنے کے بعد ویرا سے اس بات کا ہرگز ذکر نہ کروں کہ اس نے اشتعال اور غصے کے عالم میں ویرا کو گالیاں دی تھیں۔

اس کی زبان سے واپسی کا ذکر سنتے ہی، میں نے مکاؤ سے جلد از جلد واپسی کی خواہش کا اظہار کر دیا۔ اس وقت میرا ذہن سلطان شاہ میں الجھا ہوا تھا۔ میں اس کی واپسی، بلکہ سلامتی کے بارے میں فکرمند تھا لیکن میں خاموشی کے ساتھ ڈون کی کھوجی پارٹی کی طرف سے آنے والے نتائج کا انتظار کرنے پر مجبور تھا اور اس کی بازیابی کے بغیر مکاؤ سے نکلنے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن اس کے ساتھ ڈون کی طرف سے روانگی کی اجازت ملنی بھی بہت ضروری تھی۔ عام حالت میں، مَیں اس سے تکرار نہیں کر سکتا تھا لیکن اس تخلیے میں، اپنے نشے میں ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ڈون سے ضد اور بحث شروع کر دی۔

وہ سلسلہ جاری تھا کہ باہر سے یک بیک کچھ آوازیں آنے لگیں۔ یوں معلوم ہوا جیسے بیرونی دروازہ کھول کر کچھ افراد اندر آئے ہوں۔ ڈون مطمئن بیٹھا رہا۔ اس لیے میں بھی تردّد کا اظہار نہیں کر سکا۔

چند سیکنڈ بعد ہی، آئینوں کے درمیان موجود خلا میں ایک زرد رُو چینی نمودار ہوا۔ ڈون کو تعظیم دینے کے بعد اس نے مشینی انداز میں کچھ چیاؤں میاؤں کی اور الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔

"مبارک ہو!" اس کے جاتے ہی ڈون نے مجھ سے کہا۔ "تمہارا ساتھی مل گیا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ زخمی حالت میں دور افتادہ جھاڑیوں میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔"

"زخمی اور بے ہوش!" میں نے حیرت اور بے یقینی سے دہرایا۔ "یہ تو افسوس کی بات ہے، ڈون۔ تم خوشی کا اظہار کیوں کر رہے ہو؟"

"یہ اُس کی بے گناہی کا کھلا ثبوت ہے۔" ڈون ہنستے ہوئے

بولا۔ "وان لن کے ساتھیوں والی کہانی کے بعد اس کی پوزیشن صاف ہو گئی تھی لیکن تم اسے اضافی ثبوت کہہ سکتے ہو۔"

ڈون اپنی کھوپڑی کے مطابق صحیح کہہ رہا تھا۔ سلطان شاہ کے یکایک لاپتا ہو جانے کی وجہ سے ڈون کے ذہن میں شکوک و شبہات کے زہریلے بچھو کلبلانے لگے تھے اور اس نے سلطان شاہ کی تلاش میں نہ صرف حویلی میں بلکہ پورے مکاؤ میں آدمی پھیلا دیئے تھے سلطان شاہ کے مل جانے کے بعد بیک وقت بہت سی باتیں صاف ہو گئی تھیں۔ اوّل یہ کہ وہ حویلی سے کہیں فرار نہیں ہوا تھا بلکہ زخمی ہو جانے کے بعد جھاڑیوں میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ وہ زخمی اور بے ہوش تھا اس لیے اُس پر یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ نیشی کاؤ کے قتل میں اس کا کوئی ہاتھ رہا ہو گا۔ مجھے دل ہی دل میں بے اندازہ خوشی ہوئی کہ چند گمبھیر اور پُرہَول لمحات آنے کے باوجود ہم تینوں کو اپنے یقینی جرائم سے بری الذمہ قرار دیا جا رہا تھا۔ ڈون ایک ایسا عظیم الشان جانور تھا جس کا دماغ ایک وقت میں صرف ایک ہی ٹریک پر چلتا تھا۔ جب تک وہ ہمارے خلاف سوچتا رہا' ہمیں ذلیل و خوار کر کے ہمارے ٹکڑے اڑانے کے منصوبے بناتا رہا لیکن جب میں کمال ہوشیاری سے اس کے ذہن کو دوسری راہ پر ڈالنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ یک بیک ساری واقعاتی شہادتوں کو نظرانداز کر کے ہمیں معاف کر بیٹھا۔

سلطان شاہ بے ہوش ضرور پایا گیا تھا لیکن اس کے آدمیوں کی کوششوں کے نتیجے میں جلد ہی ہوش میں آ گیا تھا۔ اس کی پیشانی زخمی تھی لیکن وہ اپنے قدموں پر چل کر حویلی میں پہنچا تھا۔

ڈون کے ایما پر مرہم پٹی کے بعد سلطان شاہ کو وہاں لایا گیا تو مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ کِھل اٹھا۔ اس کا چہرہ نقاہت سے زرد پڑا ہوا تھا۔ لباس پر خون کے دھبے تھے اور پیشانی پر' کھوپڑی کے گرد پٹی بندھی ہوئی تھی۔

ڈون کے استفسار پر اس نے بتایا کہ سانڈ کے باہر نکلتے ہی' وہ دہشت زدہ مہمانوں کے ایک بھاری ریلے میں پھنس کر کسی الٹی ہوئی میز یا کرسی پر جا گرا تھا اور اس کی پیشانی سے خون کے فوارے بہہ نکلے تھے۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ فوراً اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہوا تو بھاگنے والے اسے روند کر مار ڈالیں گے' اس لیے وہ اپنی پوری قوت مجتمع کر کے ریلے میں سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوا جھاڑیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا پھر وہاں اس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور وہ بے ہوش ہو کر وہیں گر گیا۔ بعد کے واقعات کا اسے کوئی علم نہیں تھا۔

"تو کیا تمہیں نہیں معلوم کہ نیشی کاؤ کو بلوپائپ سے ہلاک کر دیا گیا؟" ڈون نے حیرت سے پوچھا۔

ہلاکت کے ذکر پر سلطان شاہ کی آنکھیں خوف سے کشادہ ہو گئیں اور اس نے معصومانہ سادگی سے سوال کیا۔ "یہ نیشی کاؤ کون تھا؟"

"باہر سے آنے والا میرا جگری یار جو آج کی تقریب کا مہمانِ خصوصی ہوتا۔" ڈون نے کہا۔

سلطان شاہ متاسفانہ انداز میں سر ہلانے لگا۔ "یہ تو بہت بری خبر ہے۔ دراصل میں بھگدڑ مچنے کے بعد ہی زخمی ہو گیا تھا۔ میرے بے ہوش ہونے کے بعد کیا ہوا' میں اس سے بالکل بے خبر ہوں۔"

سلطان شاہ کی اس بھرپور ریاکاری پر میری عقل چکرا کر رہ گئی۔ اس نے اتنے اعتماد سے وہ کہانی سنائی تھی کہ لمحہ بھر کے لیے میں خود سوچ میں پڑ گیا کہ نیشی کاؤ کو کس نے مارا ہو گا۔ اگر میں نے نیشی کاؤ کے قتل کے لمحات میں سلطان شاہ کو اپنی آنکھوں سے' اس کے پیچھے سے گزرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو شاید میں بھی اس کی کہانی پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں اس کے ساتھ تخلیئے میں تحریری گفتگو کرنے کے لیے بے چینی محسوس کرنے لگا۔

وہاں ہر طرف آئینے ہونے کی بنا پر میں بہت زیادہ محتاط تھا کیوں کہ ہم سب ہر زاویے سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ میں سلطان شاہ سے خاص طور پر نظریں چرا رہا تھا کہ کہیں وہ بوکھلاہٹ میں مجھے کوئی اشارہ کرنے کی حماقت نہ کر بیٹھے۔

"تم اندر چلے جاؤ' غزالہ تمہاری طرف سے بہت فکر مند ہے۔" میں نے اسے ٹالنے کی نیت سے خوابگاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انگریزی میں کہا تاکہ ڈون بھی میری بات سن لے۔

"مگر کہاں؟" سلطان شاہ نے حیرت سے کہا۔ "ادھر تو شیشے کی ٹھوس دیوار ہے۔"

"یہ ڈون کی حویلی کا طلسم ہے۔ بائیں ہاتھ گھوم کر سیدھے چلے جاؤ' راستہ پیدا ہو جائے گا۔"

"دروازہ اندر سے مقفل ہوا تو تمہارا عکس پڑتے ہی فوٹو سیل کے ذریعے وقفے وقفے سے اندر اس وقت تک گھنٹی بجتی رہے گی جب تک دروازہ کھول نہ دیا جائے۔" سارا نے اس کے ساتھ میری معلومات میں بھی اضافہ کیا۔

"تم عجیب احمق آدمی ہو!" ڈون تیزی کے ساتھ بولا تو میں چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"شادی تمہاری ہوئی ہے اور حجلۂ عروسی میں اپنے دوست کو بھیج رہے ہو۔" بات پوری کر کے' ڈون اپنے زبردست مذاق پر خود ہی زور زور سے ہنسنے لگا۔ سارا نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس صورتِ حال میں' میرے لیے بھی کھسیائے ہوئے انداز میں ہنسنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

"ان دونوں میں بہن بھائی جیسی محبت اور چاہت ہے..." میں نے خفّت کے ساتھ وضاحت کرنی چاہی لیکن ڈون نے میری بات کاٹ دی۔ موقع ملتے ہی وہ بدمعاشی پر تل گیا تھا۔

"ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والوں کے علاوہ کوئی مرد اور عورت بہن بھائی نہیں ہو سکتے۔ سنکیانگ میں تو مردوں کا طریقۂ واردات ہی یہی ہے۔ وہ جس عورت یا لڑکی پر ڈورے ڈالنے چاہتے

ہیں، سب سے پہلے اسے بہن بناتے ہیں پھر پہلا موقع میسر آتے ہی عشق کا اظہار کر بیٹھتے ہیں۔ لڑکی کو اگر لڑکا پسند نہ ہو تو وہ اس کی زبان سے پہلی بار بہن کا خطاب سنتے ہی، بدک کر دور بھاگ لیتی ہے۔"

"ونڈر فل۔" سارا، ڈون کی پنڈلیاں دباتے ہوئے حیرت سے بولی۔ "چین واقعی عظیم روایتوں کا امین اور ایک دلچسپ ملک ہے لیکن مغرب میں یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ چین میں محبت بھی پارٹی لیڈر کی اجازت کے ساتھ یا اس کی ہدایت پر کی جاتی ہے۔ میں کچھ دن کے لیے چین ضرور جاؤں گی۔"

ڈون نے مغرب اور اہل مغرب کو چند بھاری بھرکم گالیوں سے نوازا، پھر بولا۔ "یہ وہ لوگ کہتے ہیں جن کے معاشروں میں سگے بہن بھائی کے رشتے کا تقدس تک فنا ہوتا جا رہا ہے اور مرد، مرد سے، عورت، عورت سے شادی کرنے کا قانونی حق رکھتی ہے۔ چند برس کی بات ہے پھر یہ لوگ آوارہ کتوں اور بلیوں کی طرح رہنے کی بات کریں گے۔ چین میں جس مقام پر شرم و حیا کی حدود ختم ہوتی ہیں، مغرب کی ابتدا اس سے بھی بہت آگے ہے۔"

ڈون ایک مجرم اور تارکِ وطن شخص تھا۔ وہ مکاؤ کی پرتگیزی کالونی میں، نیم مغربی معاشرے میں زندگی گزار رہا تھا۔ اس کے بزرگوں نے نجانے کتنی مدت پہلے اپنے وطن سے خود ساختہ جلاوطنی اختیار کی تھی لیکن ڈون کے خون میں اس کی اصلیت اب بھی رچی ہوئی تھی۔ اسے اپنے چینی بزرگوں کے تہذیبی ورثے پر ناز تھا اور وہ اس کے خلاف کسی کی ہرزہ سرائی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" سارا نے آہستگی سے کہا۔ "ان بے چاروں کی شادی کی پہلی رات گزری جا رہی ہے۔ اس وقت صبح کے ساڑھے تین بج رہے ہیں۔ ہم کب تک یہاں بیٹھے رہیں گے؟"

"تم جاؤ!" ڈون نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تمہیں کس نے روکا ہوا ہے؟"

"کسی نے نہیں لیکن یہ میری عزت افزائی ہے کہ تم یہاں بیٹھے ہوئے ہو۔ تمہاری موجودگی میں، میں کہیں نہیں آ جا سکتا اور پھر وان لن کے ساتھیوں کا معاملہ بھی ہے جو طے ہونا ہے۔" میں نے خوبصورتی کے ساتھ اسے یاد دلایا۔

ڈون اچانک ہی صوفے پر سے اٹھ گیا اور مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "وان لن کے ساتھیوں کے معاملے میں تمہیں کیا دلچسپی ہے؟ وہ میرا حساب کتاب ہے، اسے میں خود ہی دیکھوں گا۔"

"میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ڈون کے دشمنوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔" میں نے خواہ مخواہ کہہ دیا۔

"تمہاری اس یادگار رات کے رہے سہے لمحات بھی آگ اور خون کی نذر ہو جائیں گے۔"

"تو کیا صبح کچھ نہیں ہو گا؟" میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"صبح تک میرے دشمنوں اور بدخواہوں کے لیے عبرت کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔" ڈون کا لہجہ سرد اور گمبھیر ہو گیا تھا۔ تصور سے، آنے والے مناظر دیکھ رہا ہو۔ "جو کچھ ہونا ہے اجالا نمودار ہونے سے پہلے ہو گا۔ آگ کے شعلے رات کے اندھیرے میں اپنا جوبن دکھاتے ہیں۔ ان کے جلتے ہوئے گھر اور کاروبار دور دور تک دیکھے جائیں گے۔ ان کی درد میں ڈوبی ہوئی آخری چیخیں پورے مکاؤ کی فضاؤں میں گونجیں گی اور اس بار میرے چنگل سے بچ جانے والوں کو عمر بھر آسیبی خوف میں جکڑے رکھیں گی۔ ڈون کا حساب اسی دن ہوتا ہے۔ دن بدل گیا تو بات پرانی ہو جائے گی۔"

اپنے دشمنوں کا خیال آتے ہی ڈون پر ایک غضبناک نشے کی کیفیت طاری ہونے لگی اور وہ سارا کی پتلی سی کمر میں ہاتھ ڈال کر تیزی کے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے بیرونی چوبی دروازے تک آ کر اپنے اس خطرناک مگر بڑی حد تک سادہ لوح میزبان کو رخصت کیا اور تیزی کے ساتھ اپنے اس عشرت کدے کی طرف چل دیا جہاں سلطان شاہ کسی نئی کہانی کے ساتھ میرا منتظر تھا۔

میں وہاں پہنچا تو سلطان شاہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھا، ایک کاغذ پر تیزی کے ساتھ کچھ لکھنے میں مصروف تھا اور غزالہ اس کے پیچھے کھڑی نہایت اشتیاق کے ساتھ اس کی تحریر پڑھ رہی تھی۔

اگر وہاں نصب خفیہ مائیکرو فون اس وقت بھی آن تھے تو میری واپسی پر میرا خاموش رہنا غیر فطری اور اشتباہ آمیز ثابت ہوتا اس لیے میں نے وہاں پہنچتے ہی سلطان شاہ سے گفتگو شروع کر دی۔

"اس کمرے کے در و دیوار میں رچی ہوئی مہکار اور خوشبوئیں بتا رہی ہیں کہ یہ کمرا آباد ہو چکا ہے۔" چند فقروں کے تبادلے کے بعد سلطان شاہ نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا اور غزالہ بری طرح شرما کر وہاں سے غسل خانے کی طرف چلی گئی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ خون کے ساتھ تمہارا کچھ بھیجا بھی بہہ گیا ہے، جب ہی ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔" میں نے خفگی آمیز انداز میں اس کی گردن دبوچتے ہوئے کہا۔

"تھوڑی دیر بعد، میں اس کمرے سے چلا جاؤں گا تو اپنا ہاتھا پائی کا شوق بھی پورا کر لینا لیکن فی الحال ہم زبانی بات کر رہے ہیں۔ جو پوچھنا کہنا ہے آرام سے بیٹھ کر کہو۔" سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔

"تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ڈون کی سکھا شاہی کے نتیجے میں آج تم میرے سالے بن چکے ہو۔"

"یہ تمہاری بھول ہے۔ میرا یہ رشتہ اسی وقت تک برقرار تھا جب تک غزالہ اکیلی تھی۔ شادی ہو جانے کے بعد اب وہ میری بھابی ہے۔ تم زبردستی مجھ پر اپنی بالادستی جتانے کی کوشش نہ کرو۔"

میں نے اس کی گردن چھوڑ دی اور مسہری پر دراز ہو گیا۔
ری خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد اپنی کہانی مکمل کر لے تاکہ مجھے
قعات سے مکمل آگاہی حاصل ہو سکے۔
مجھے یہ تو معلوم تھا کہ اس نے دوپہر میں موقع پا کر بل فائٹنگ
نگ کی چوبی باڑھ کے دو مقامات پر افقی تختوں اور عموداً زمین میں
ڑی ہوئی بلیوں کے جوڑ پر، بیم گن سے بہت ہلکا سا فائر کر کے،
ہیں جوڑنے والی کیلیں جلا دی تھیں جس کے نتیجے میں ایسے تختے
رف ایک طرف سے لگی ہوئی کیلوں کے سہارے اپنی جگہ رکے
گئے تھے اور تھوڑے سے جھٹکے کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ سکتے
ے۔ سلطان شاہ کے اس عمل میں کیلوں کے ساتھ ہی لکڑی کا کچھ
ہ جلنا ناگزیر تھا اور وہ نشانات ڈون کے آدمیوں کو بدترین الجھن
ں مبتلا ضرور کر دیتے لیکن مجھے سو فیصد یقین تھا کہ ان میں سے کسی
ذہن بیم گن کی طرف نہیں جا سکتا تھا۔

بیم گن شی کے بڑوں کا خفیہ ہتھیار تھا اور وہی اس کے ہلاکت
اثرات سے باخبر تھے۔ ان کے کارکنوں کو عملاً بیم گن کے وجود کا
م ہونا چاہیے تھا، نہ طریقہ کار کا۔ البتہ ڈون بذاتِ خود چوبی باڑھ
ے نقصان زدہ حصے کا معائنہ کرتا تو شاید بیم گن کے استعمال کے
ہوم سے شبہے میں مبتلا ہو جاتا لیکن اس کا امکان کم ہی تھا۔ اپنی
ری کاہلی کی وجہ سے وہ اپنی پُرتعیش حویلی میں رہ کر اپنے کارکنوں
ی فراہم کی ہوئی رپورٹوں پر انحصار کرنے کا عادی تھا اور اس کے
دے یقینی طور پر اپنی کارکردگی دکھانے کے لیے ایسی ادھوری یا
تبہ رپورٹیں فراہم کرنے سے گریز کرتے ہوں گے جن کے نتیجے
ں ڈون کو اپنے مسکن سے نکل کر کھلی فضا میں جانا پڑے۔

اپنی اس کارروائی میں سلطان شاہ نے اپنی صوابدید کے
طابق بہت مناسب جگہ کا انتخاب کیا تھا اگر وہ باڑھ کا کوئی ایسا
صہ ہوتا جدھر تماشائیوں کا ہجوم نہ ہوتا تو بل فائٹر ہرگز ادھر کا رخ
ہ کرتا اور باڑھ کو نقصان پہنچنے کے باوجود سانڈ کے باہر نکلنے کا
امکان مفقود ہو کر رہ جاتا۔ یہ ہمارے ستاروں کی یاوری تھی کہ سانڈ
نے باڑھ کے کمزور ترین حصے کا رخ کیا تھا جہاں اس کی آزادی کا
پورا بندوبست تھا۔

میں خاموشی کے ساتھ بستر پر دراز سگریٹ پیتا رہا تاکہ سلطان
شاہ یکسوئی کے ساتھ اپنی کہانی مکمل کر سکے۔ غزالہ واپس آئی تو میں
نے وقت گزاری کے لیے اس کے ساتھ باتیں شروع کر دیں تاکہ
ڈون کے سراغرساں اپنے آلات پر طویل سکوت کی وجہ سے شبہات
میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

پھر سلطان شاہ نے اپنا لکھا ہوا کاغذ میرے حوالے کیا تو اس
نے غزالہ سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور میں نے کاغذ کا مطالعہ
شروع کر دیا۔

سلطان شاہ نے اپنی روداد خاصی تفصیل کے ساتھ لکھی تھی
لیکن اس کا خلاصہ بہت دلچسپ تھا۔ سانڈ کے نکل بھاگنے کے بعد
وہ بہت متفکر تھا لیکن لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کے بعد جب لوگ ہیلی پیڈ
کے قریب جمع ہونے شروع ہوئے تو سلطان شاہ نے کوشش کر کے
ہجوم کے ایسے حصے میں جگہ بنائی جہاں اس کے اردگرد کئی سفید فام
عورتیں موجود تھیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ چینی زبان میں سانپ
کے مترادف لفظ سے لاعلم تھا پھر اسے یقین نہیں تھا کہ کچھ چینی
اسنیک کا مفہوم سمجھ بھی لیں تو سانپ سے خوفزدہ ہوں گے یا ناشتے
کے لیے سانپ کی تلاش شروع کر دیں گے۔ جوں ہی نیشی کاڈ ہیلی
کاپٹر سے برآمد ہوا، سلطان شاہ نے ہذیانی سرگوشی میں سانپ کا نعرہ
بلند کر دیا اور پھر سفید فام عورتوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ سب سانپ
سانپ چلاتی ہوئی دوڑیں تو مرد بھی ان کے ساتھ تھے۔ اُن کی دیکھا
دیکھی دوسرے بھی دوڑ پڑے اور کسی کو علم نہیں ہو سکا کہ سانپ کا
شوشہ کس نے چھوڑا تھا۔

وہاں افراتفری پھیلانے کے بعد سلطان شاہ کا کام بہت آسان
ہو گیا۔ وقت کے تعین کے ساتھ دوڑ لگاتے ہوئے اس نے نیشی
کاڈ پر وار کر دیا اور اس کے گرتے ہی بلو پائپ ہیلی پیڈ پر پھینک دیا۔

سلطان شاہ کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا تھا کہ ڈون کی
تقریب میں ہونے والی ہنگامہ آرائی اور نیشی کاڈ کے قتل کے بعد
کسی نہ کسی مرحلے پر ہم لوگ بھی شبہات کی زد میں آ سکتے تھے۔
میری اور غزالہ کی بے گناہی کے لیے یہی جواز کافی ثابت ہوتا کہ
ہم دونوں ابتدا سے آخر تک نہ صرف ڈون کے ساتھ ہوتے بلکہ
ہزاروں آنکھیں لمحہ بہ لمحہ ہماری طرف جمی رہتیں اس لیے سارا
خطرہ اسی کی ذات کو لاحق ہوتا۔

اپنی بے گناہی کے لیے جائے واردات سے اپنی عدم موجودگی
ثابت کرنے کے لیے سلطان شاہ کی کھوپڑی نے ایک نیا ہی گل
کھلایا۔ اس نے سانڈ کو لانے والی بند گاڑی سے بھی آگے نکل کر،
جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ کر ایک پتھر سے اپنی پیشانی زخمی کر
لی۔

خوف اور اضطرار کی حالت میں لگائی ہوئی وہ ضرب کچھ زیادہ
ہی گہری ثابت ہوئی اور وہ چکرا کر جھاڑیوں میں گر گیا۔ اس کے زخم
سے خون بہتا رہا لیکن وہ کسی کی آمد کے انتظار میں گھنٹوں وہیں پڑا
رہا۔ طویل انتظار کے بعد جب ڈون کی ایک پارٹی کی آوازیں سنائی
دیں تو اس نے جلدی سے آنکھیں موند لیں اور ان لوگوں کے آنے
پر بے ہوش ہونے کی اداکاری شروع کر دی۔

وہ زیادہ دیر تک بے ہوش ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا
تھا۔ اس نے بلو پائپ سے تو نجات حاصل کر لی تھی لیکن بیم گن
اس کے لباس میں پوشیدہ تھی۔ جوں ہی زور زور سے اس کے
رخسار تھپتھپائے گئے، اس نے کراہتے بڑبڑاتے ہوئے آنکھیں
کھول دیں۔

میدان میں دوسرے زخمیوں کو طبّی امداد دینے کے لیے فرسٹ
ایڈ کا بندوبست کیا گیا تھا۔ سلطان شاہ کا زخم صاف کرنے کے بعد

وہیں مرہم پٹی کی گئی۔ اس سے کچھ سوالات کیے گئے جو چینی زبان میں ہونے کی وجہ سے اس کی کھوپڑی پر سے گزر گئے۔ آخر کار حسین یا چوسین کو بلایا گیا اور سلطان شاہ نے اسے وہی کچھ بتایا جو وہ چند منٹ قبل ڈون کو بتا چکا تھا۔ اس کی کہانی کا مرکزی خیال یہ تھا کہ وہ نیشی کاؤ کے قتل کے وقت' جائے واردات سے بہت دور' زخمی حالت میں بے ہوش پڑا ہوا تھا اس لیے اس قتل کے سلسلے میں اس کی ذات ہر شبہ سے بالاتر ہو جاتی تھی۔

میں نے تعریفی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کاغذ غزالہ کی طرف بڑھا دیا۔

"ڈون نے تم دونوں کو ازدواجی بندھن میں باندھ کر ایسا عظیم کام کیا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اس کی ممی بنا کر پرستش شروع کر دوں۔" غزالہ کے مصروف ہو جانے پر وہ مجھ سے مخاطب ہو گیا۔

"تم ہوش میں ہو یا ابھی تک مدہوش ہو؟" میں نے آنکھیں نکال کر اسے پھٹکارا۔

"کیوں؟ میں نے کیا کیا؟" اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ممی' لاشوں کی بنائی جاتی ہے' زندہ انسانوں کی نہیں۔ ڈون کو تمہاری اس احمقانہ عقیدت کی بھنک بھی مل گئی تو وہ تمہاری کھال میں بھس بھروا دے گا۔" میں نے مکاری کے ساتھ اسے آنکھ دکھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا۔" وہ بوکھلا کر بولا' پھر انگلی سے چھت میں نصب مائیکروفونز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "ڈون بہت عظیم انسان ہے۔ قدرت نے اسے جسامت بھی اس کے ظرف کے مطابق دی ہے۔ اس نے تم دونوں کو اتنی عزت دی ہے کہ تقریب میں آیا ہوا ہر مہمان تم پر رشک کر رہا تھا اور پھر یہ شیش محل! یہ تو آٹھواں عجوبہ قرار دیے جانے کے قابل ہے۔ غزالہ نے ساری روشنیاں گُل کر کے' آئینوں میں اتری ہوئی کہکشاں کا منظر دکھایا ہے۔ تم ایک دوسرے کو بھول سکتے ہو لیکن ڈون کے فراہم کیے ہوئے' اس حجلۂ عروسی کو خوابوں میں بھی فراموش نہیں کر سکو گے۔"

"ڈون ہمیں روکنا چاہ رہا ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہم اپنی مجبوریوں کی وجہ سے زیادہ عرصے تک اس کی میزبانی سے لطف اندوز نہیں ہو سکیں گے۔ میں زیادہ دنوں تک یہاں رکا رہا تو پاکستان میں میرا کاروبار تباہ ہو جائے گا۔" میں نے اپنی فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ سر کھپانے کے بجائے تم ڈون سے بات کرو تو بہتر رہے گا۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "وہ معقولیت پسند ہے' تمہاری مجبوریوں سے واقف ہونے کے بعد تمہیں یہاں روکنے پر اصرار نہیں کرے گا۔"

غزالہ نے سلطان شاہ کی لکھی ہوئی کہانی پڑھنے کے بعد کاغذ میری طرف بڑھا دیا اور میں نے لائٹر جلا کر کاغذ کے ایک سرے کو آگ دکھا دی۔ اسی کے ساتھ میں باتھ روم کی طرف چل دیا تاکہ جلے ہوئے کاغذ کی راکھ نالی میں بہا سکوں۔

میں واپس آیا تو سلطان شاہ رخصت ہونے کے لیے تیار تھا۔ اسے لانے والے' اس کو پہلے اسی ملحقہ کمرے میں لے گئے جہاں اسے شب بسری کرنی تھی اس لیے اُسے معلوم تھا کہ اسے کہاں سونا ہے۔

وارڈروب میں ہم دونوں کی ناپ کے متعدد جوڑوں کے ساتھ شب خوابی کے لباس بھی موجود تھے۔ غزالہ جھجک رہی تھی لیکن میرے ایما پر اس نے لباس تبدیل کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ میری باری آنے سے قبل ہی سائڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ڈون کا خیال ہے کہ تم مکاؤ سے جلد از جلد واپسی کے بارے میں واقعی سنجیدہ ہو۔" ریسیور اٹھاتے ہی میرے کانوں میں سارا کی دھیمی اور مترنم آواز کے جل ترنگ بج اٹھے۔

"یہاں سے جانے کے بعد ڈون کو یکایک یہ خیال کیسے آگیا؟" میں نے خوشدلی کے ساتھ پوچھا۔

"ڈون نے ابھی ابھی تم لوگوں کی آپس کی باتوں کے لفظ بہ لفظ ترجمے کا کیسٹ سنا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "میں یہ بات ڈون کی ہدایت پر بتا رہی ہوں۔ اس مرحلے پر تمہیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ اس حویلی میں لیے جانے والے ہر سانس کی آواز بھی ڈون کے کانوں تک ضرور پہنچتی ہے...."

"ارے باپ رے!" میں اس کی بات کاٹ کر کراہا۔ "ہم لوگ تو فری اسٹائل میں باتیں کرتے رہے ہیں ایسا نہ ہو کہ نادانستگی میں ڈون کی شان میں کوئی گستاخی ہو گئی ہو۔ وہ ہم سے ناراض تو نہیں ہے؟"

"بہت خوش ہے۔ تمہاری تجزیاتی صلاحیت نے اسے بہت متاثر کیا ہے۔ وہ آدھے گھنٹے بعد مکاؤ کے دورے پر نکلے گا۔ تم چاہو تو اس کے ساتھ جا سکتے ہو۔ مکاؤ میں آتشزدگی کے واقعات شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں لیکن آج تمہیں شہر میں بہت سے مکانات اور عمارتیں جلی ہوئی نظر آئیں گی۔"

سارا کی گفتگو سے صاف ظاہر تھا کہ ڈون کے آدمیوں نے مکاؤ میں وان لن کے سرگرم حامیوں کے خلاف انتقامی کارروائی کا آغاز کر دیا تھا اور تھوڑی دیر بعد ڈون اپنے آدمیوں کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے نکلنے والا تھا۔ میں نے سارا کی طرف سے جانے والی پیشکش کو فوراً قبول کر لیا۔

میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ ڈون کی لینڈ کروزر میں ایک سے زیادہ مہمان کی گنجائش نہیں تھی۔ اس کی دانست میں غزالہ جیسی نرم و نازک لڑکی کا آتش و بارود کے کھیل سے دور رہنا بہتر جب کہ سلطان شاہ زخمی تھا اور اسے آرام کی ضرورت تھی۔ اس

نے پیش کش کی کہ میں چاہوں تو غزالہ کا ساتھ دینے کے لیے وہ ہماری خواب گاہ میں آنے کے لیے تیار تھی لیکن میں نے شکریے کے ساتھ اسے ٹال دیا۔ رات کے باقی ماندہ لمحات کے لیے سلطان شاہ غزالہ کا بہتر ساتھی ثابت ہو سکتا تھا۔

ڈون بظاہر سادہ لوح نظر آنے کے باوجود بہت چالاک اور مکار شخص تھا۔ میری دانست میں سارا کے اس فون کا مقصد صرف یہ تھا کہ ڈون مجھے اپنی بالادستی سے مرعوب کرنا چاہتا تھا۔ میرے کردار پر شکوک و شبہات کی دھند چھٹ جانے کے بعد' اس نے مجھے یہ جتانا ضروری سمجھا تھا کہ وہ حویلی میں ہونے والی سرگوشیوں تک سے باخبر رہتا ہے۔

سلطان شاہ کو غزالہ کے ساتھ چھوڑ کر باہر نکلنے کے بعد میں ڈون کی مشینی مسند والے ہال میں پہنچا تو وہاں خاصی چہل پہل ہونے کے باوجود' ڈون موجود نہیں تھا۔

سارا نے ہاتھوں ہاتھ میرا استقبال کیا اور مجھے شراب کی پیش کش کی جسے میں نے نرمی سے مسترد کر دیا۔ ڈون کی حویلی میں شراب کی دعوت کو مہمان نوازی میں کمال کا درجہ حاصل تھا جو آہستہ آہستہ مجھے گراں گزرنے لگا تھا۔ شراب میرے مذہب اور مسلک میں یکسر حرام تھی لیکن اس گناہ میں لذت بس اسی وقت تک تھی جب اسے مخصوص اور محدود لمحات میں مُنہ لگایا جائے لیکن ڈون کا معاملہ میری رائے سے بہت مختلف تھا۔ وہ شاید صبح مُنہ دھونے سے پہلے شراب سے کلی کرتا تھا اور دن بھر شراب پیے جاتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہاں افراتفری پھیل گئی۔ سارا سے معلوم ہوا کہ ڈون تیار ہو کر باہر جا رہا تھا۔

باہر ڈون کی سیاہ لینڈ کروزر جیپ روانگی کے لیے تیار تھی۔ اس میں کل نو افراد کے سوار ہونے کی گنجائش تھی جب کہ برآمدے میں بارہ افراد پہلے سے موجود تھے۔ وہ سب ہی اپنے چہرے مہرے سے چھٹے ہوئے بدمعاش اور پیشہ ور قاتل نظر آ رہے تھے اور ان کے جسموں پر خطرناک آتشیں ہتھیار سجے ہوئے تھے۔

ڈون اپنی لٹکی ہوئی مونچھوں کو مروڑتا ہوا وہاں پہنچا تو اس کے بدن پر چست ٹی شرٹ اور جینز موجود تھی۔ شاید بیرونی مہمات کے لیے وہ ڈون کا پسندیدہ لباس تھا۔

"تمہیں ایک معرکہ بھی دکھاؤں گا۔" ڈون نے لینڈ کروزر کی اگلی نشست پر سوار ہوتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "ہانگ کانگ کے گورنر کا ایک انگریز رشتے دار بھی وان لن کو بھڑکانے میں پیش پیش رہتا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آج اسے بھی ایک تابوت میں بند کر کے ہانگ کانگ روانہ کر دیا جائے۔"

"تمہارے اس اقدام سے کوئی سیاسی پیچیدگی پیدا نہیں ہو گی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "ہانگ کانگ کا انگریز گورنر' اس خطے کا ایک طاقتور اور بااثر شخص سمجھا جاتا ہے۔"

"گورنر خود بھی اپنے رشتے دار کی حرکتوں سے نالاں رہتا ہے۔ اسی وجہ سے اس مردود نے ہانگ کانگ کے بجائے مکاؤ میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔۔۔ چلو' بس اب جلدی کرو!" ڈون بولا۔

سب لوگ تیزی کے ساتھ لینڈ کروزر میں بھرنے لگے۔ نکو دا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہوئی تو اس میں کل سات نفوس سوار تھے۔ عقبی نشستوں پر چار کے بجائے صرف دو آدمی براجمان تھے کیوں کہ ادھر کچھ تھیلے وغیرہ بھی رکھے ہوئے تھے۔

رات تیزی سے ڈھل رہی تھی اور فضا میں صبح کی آمد آمد کی خوشبوئیں پھیل چلی تھیں۔ چند منٹ بعد ہی لینڈ کروزر ڈون کی حویلی سے نکل کر' مکاؤ کی اونچی نیچی اور پُرپیچ سڑکوں پر فراٹے بھرنے لگی۔

"تم اپنی بیوی پر اپنی ملکیت کا ٹھپا تو لگا آئے ہو نا؟" طویل سکوت کے بعد ڈون نے چونک کر ایک بے ہودہ سا سوال کر ڈالا جس کے لیے میں ذہنی طور پر تیار نہیں تھا۔

"ٹھپا لگانے سے کچھ نہیں ہوتا' ڈون!" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والی تلخی پر قابو پاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "سرکش گھوڑے کو رسّی سے باندھ بھی لو تو وہ رسی تڑا کر بھاگ جاتا ہے۔ چاہت اور محبت کے رشتے آفاقی ہوتے ہیں۔ ان پر دنیا کی کوئی قوت اثر انداز نہیں ہو سکتی۔"

میں اپنے ردِعمل پر محض اس وجہ سے قابو پا سکا کہ لینڈ کروزر کے جملہ مسافروں میں' میرے اور ڈون کے علاوہ کوئی بھی انگریزی سے واقف نہیں تھا ورنہ ان کے ہونٹوں پر نمودار ہونے والی معنی خیز' استہزائیہ بلکہ تضحیک آمیز مسکراہٹیں مجھے بے قابو کر سکتی تھیں۔

"یہ خیالی باتیں ہیں۔" ڈون نے بے پروائی سے کہا۔ "تم سارا کو ہی دیکھ لو۔ وہ ہر اعتبار سے پرنسس ڈیانا کی ہم شکل ہے اور میری حویلی میں رہ رہی ہے' اسے یہاں آئے ہوئے دو سال ہو چکے ہیں اور پتا نہیں وہ کب تک یہاں رہتی ہے۔ وہ تمہارے نظریے کا مکمل اور بھرپور جواب ہے۔"

"کیوں؟ سارا میں ایسی کون سی خاص بات ہے؟" میں نے تنک کر پوچھا۔

"وہ بکنگھم پیلس میں مامور ایک کپتان کی محبت میں گرفتار تھی لیکن میرا پیغام ملنے پر اس نے اپنے محبوب کے ساتھ مل کر' اگلے چند برس کی مالیات پر غور کیا اور پھر مکاؤ آنے کا فیصلہ کر لیا کیوں کہ مختصر سے عرصے میں بھاری رقم پس انداز کر کے وہ دونوں ایک بہتر زندگی کی ابتدا کر سکتے تھے۔"

"بعض اوقات تمہاری باتیں ناقابلِ فہم ہو جاتی ہیں۔" میں نے تلخی کو خوش مزاجی کے مظاہرے میں تحلیل کرتے ہوئے کہا۔ "سارا کا تعلق مغرب سے ہے۔ مغرب میں بھی وہ ملک جو معاشرتی

خرابیوں کا جدِ امجد ہے اور تم مکاؤ میں بیٹھے ہو جو مشرق نہیں بلکہ مشرقِ بعید میں شمار ہوتا ہے۔"

"ترقی اور جدید مواصلاتی رابطوں کی وجہ سے اب مشرق اور مغرب کا فرق تیزی کے ساتھ مٹتا جا رہا ہے۔ مکاؤ کے شبستانوں میں تمہیں' اپنی بیویوں سے اکتائے ہوئے' سیکڑوں ایسے مرو مل جائیں گے جو رقص و سرود کے لیے اپنی بیویوں کو بخوشی دوسروں کی بانہوں میں دے کر' خود اجنبی عورتوں کے وجود میں کھو جانا چاہتے ہیں۔"

ڈون نے شاید میرے جواب کی گہرائی میں پوشیدہ تلخی کو محسوس کر کے یک بیک سنجیدگی اختیار کر لی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "یہ جدّت اور تبدیلیوں کا دَور ہے۔ مرد اپنی نوکریوں اور کاروبار پر جا کر نت نئی عورتوں کے شکار میں مصروف ہو جاتے ہیں اور عورتیں اپنی بنیسوں پر جسمانی اظہار کا چارا لگا کر شکار کھیلنے نکل جاتی ہیں۔ شام یا رات کو جب وہ یکجا ہوتے ہیں تو پھر ایک دوسرے کے ہوتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مغرب میں معاشرتی منافقت دم توڑ چکی ہے۔ وہاں ایسی باتیں کھلے بندوں ہوتی ہیں لیکن نام نہاد مشرق میں ابھی منافقت جاری و ساری ہے۔ یہاں عفونت اندر ہی اندر پھیل رہی ہے۔ جس دن یہ ناسور پھٹے گا تو اس کے تعفن کے سامنے مغرب کے چور' ساہوکار نظر آنے لگیں گے۔ میں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اس بارے میں تم میرے حسین' رنگین اور لذیذ تجربات کو جھٹلا نہیں سکتے۔"

"میں تمہاری عمر' تجربے اور مشاہدے کا بہت زیادہ احترام کرتا ہوں لیکن اسی کے ساتھ' یہ کہنا چاہتا ہوں استثنیٰ ہر جگہ ہوتا ہے۔ مغرب میں وفا کا عنصر تین فیصد ہے تو مشرق میں بے وفائی کی یہ شرح ملے گی۔ ہم بے شرمی اور بے حیائی کے معاملے میں مر کر بھی مغرب کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ ان شعبوں میں وہ ہمیشہ سے ہمارے امام ہیں اور امام ہی رہیں گے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اندر سے تم اس قدر متعصب اور تنگ نظر ہو گے۔ مشرق اور مغرب کے ڈھکوسلے ہمارے بنائے ہوئے ہیں۔ دونوں کی اصل ایک ہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مغرب والوں کو جغرافیائی اعتبار سے قدرت نے رنگ روپ' حسن اور جسمانی صحت سے نوازا ہے اور وہ اس کے اظہار میں نہایت فراخ دل ہیں جب کہ مشرق کے موسم نے حسن کو کمہلایا ہوا ہے۔ رنگ روپ جھلسے ہوئے ہیں' اعضا غیر متناسب ہوتے ہیں' پورے سال چمکنے والا سورج جلد کے خلیوں کو تباہ کر ڈالتا ہے اور ہم نے ان عناصر کے خلاف اپنی طبعی مدافعت کو غیر ضروری طور پر شرم و حیا کا نام دے دیا ہے۔ اگر جسم کے تمام حصوں کو چھپانا ہی شرم و حیا کا معیار بنا لیا جائے تو قطب شمالی میں بسنے والے اسکیموز سے زیادہ باحیا قوم روئے زمیں پر نہیں ملے گی۔"

وہ گفتگو وہیں ادھوری رہ گئی کیوں کہ ایک چڑھائی عبور کرتے ہوئے' اچانک ہی بھڑکتے ہوئے شعلے نظر آنے لگے تھے جن کا مخرج ایک گنجان آبادی میں تھا۔

نکودا نے اپنی زبان میں ڈون سے کچھ کہا اور وہ مجھے [illegible] لگا۔ "یہ جلتا ہوا دو منزلہ کاٹیج فینگ ہاؤ کی ملکیت ہے۔ [illegible] اور اس کے خاندان کو چالیس لاکھ یو آن کے اثاثوں سمیت [illegible] لن نے چین سے نکالا تھا اور اب وہ ارب پتی تھا۔ اپنے [illegible] دہندہ کے طور پر فینگ ہاؤ' وان لن کا اندھا مقلّد تھا لیکن تم [illegible] رہے ہو کہ اس کی نہایت قیمتی جائداد کو لہو رنگ شعلے چاٹ [illegible] ہیں اور دور دور تک اس کا کوئی مددگار نہیں ہے۔"

"یہاں تو کوئی فائر انجن تک نظر نہیں آرہا۔" لینڈ کروزر [illegible] آگے بڑھنے پر میں نے حیرت ظاہر کی۔

"جب تک اس عمارت کا آخری شہتیر بھی راکھ میں [illegible] بدل جائے گا' کوئی اس کی مدد کے لیے نہیں آئے گا۔ مکاؤ [illegible] میرے آدمی وار کرنے سے پہلے اپنے شکار کو بتا دیتے ہیں کہ وہ [illegible] طرف سے آئے ہیں پھر کسی کو ان کے قریب آنے یا ان کی [illegible] کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔"

"لیکن پولیس والے اور دوسرے امدادی اداروں کو کیسے [illegible] ہوتا ہے کہ مدد طلب کرنے والا تمہاری کارروائی کا نشانہ بنا ہے؟" میں نے الجھن کے ساتھ سوال کیا۔

"اس کے لیے مجھے یا میرے آدمیوں کو کچھ نہیں کرنا ہوتا۔" ڈون ایک قہقہہ مار کر بولا۔ "متاثرہ فریق خود ہی ہر ایک کو بتاتا [illegible] کہ وہ میرے ظلم کا نشانہ بنا ہے۔ یہ سن کر ہر ایک ٹھنڈا پڑ جاتا [illegible] اور پولیس بھی دیدہ و دانستہ تاخیر سے آتی ہے تاکہ اسے میرے [illegible] آدمی کو گرفتار نہ کرنا پڑے۔"

"بظاہر یہ سب باتیں مرعوب کرنے والی ہیں۔" میں نے [illegible] دیر کے سکوت کے بعد کہا۔ "لیکن ایمانداری سے غور کرو تو یہ زیادتی [illegible] ہے۔ تم نے اپنے سامنے پوری انتظامیہ کو مفلوج کیا ہوا ہے۔"

"طاقت کے کھیل میں یہ سب کرنا پڑتا ہے۔" وہ بے پروائی کے ساتھ بولا۔ "تم اپنی طاقت حاصل نہیں کرو گے تو تمہارا حریف زور پکڑ کر تمہیں مار ڈالیں گے۔ میرے ساتھ تو سب [illegible] بڑی خوبی یہ ہے کہ میں بلاوجہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ میری [illegible] کارروائی حریف کی کسی نہ کسی حرکت کا جواب ہوتی ہے۔ یہاں مکاؤ کا بچہ بچہ جانتا ہے اور اسی وجہ سے خوف کے ساتھ' لوگوں [illegible] دلوں میں میری عزت بھی ہے۔"

آخر کار ہم پختہ گلیوں میں سے گزرتے ہوئے اس خوبصورت [illegible] آبادی میں پہنچ گئے جہاں شعلوں میں گھرا ہوا مکان واقع تھا۔

وہاں خوف و ہراس اور شدید افراتفری کا عالم تھا۔ علاقے کے سارے ہی مکین اس ہولناک بربادی کا منظر دیکھنے کے لیے [illegible] گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔ عورتوں' بچوں اور مردوں میں [illegible] چیخ پکار پھیلی ہوئی تھی۔ جلنے والے مکان کے گرد کھلی جگہ موجود [illegible] لیکن وہ اس قدر ناکافی تھی کہ ہوا کے زور سے' شعلے پڑوس [illegible]

عمارات کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتے تھے۔ بہت سے مرد اور لڑکے مل کر آگ بجھانے کی کوششیں کر رہے تھے جو بظاہر بے سود نظر آ رہی تھیں۔

وہاں رکے بغیر، ہماری لینڈ کروزر ایک بغلی سڑک سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

اس کے بعد ہم نے ایک اور جلا ہوا مکان دیکھا۔ وہ جزوی طور پر نذرِ آتش کیا گیا تھا لیکن بارودی دھماکوں وغیرہ کی مدد سے پورے مکان کو ملبے میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ وہاں بھی لوگوں کا ایک بڑا ہجوم جمع تھا۔ ڈون وہاں بھی نہیں رکا اور گاڑی آگے بڑھتی چلی گئی۔

آخر کار جیپ کے سفر کا اختتام سرخ پتھروں اور کھپریل سے بنے ہوئے ایک بنگلے پر ہوا جو ایک پہاڑی پر واقع تھا اس کے احاطے کا گیٹ سرے سے موجود ہی نہیں تھا اس لیے جیپ کچے راستے سے اندر داخل ہو کر، براہِ راست برآمدے کے سامنے رکی تھی۔

نکودا نے انجن بند کرنے سے پہلے ہارن بجایا تو ڈون اپنی مادری زبان میں اس پر برہم ہونے لگا، جس کی وجہ سے نکودا کو نیچے اتر کر ڈور بیل بجانی پڑی۔

دوسری گھنٹی کے جواب میں اندر سے کسی کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی پھر چند منٹ کے بعد اس قدیم طرز کے بنگلے کا داخلی دروازہ کھلا اور وہاں نیند سے اونگھتا ہوا، ایک چینی بے زاری کے عالم میں کھڑا نظر آیا۔

بقیہ لوگ اطمینان سے لینڈ کروزر میں براجمان تھے اس لیے نکودا نے ہی اسے کچھ بتایا اور وہ ادھیڑ عمر چینی اضطراری طور پر رکوع کے عالم میں جھکتا چلا گیا۔ وہ سیدھا ہوا تو اس کا نیند کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ سیدھا ہونے کے بعد اس نے ایک بار پھر جیپ کی طرف دیکھا اور تیزی کے ساتھ اندر غائب ہو گیا۔

چند منٹ بعد اسی دروازے سے ایک دراز قامت اور اُدھیڑ عمر سفید فام برآمد ہوا۔ اس کے بدن پر منڈھے ہوئے گون کے نیچے سلیپنگ سوٹ نمایاں نظر آ رہا تھا۔ اس کی خوابناک آنکھوں میں شدید حیرت کے آثار منجمد تھے۔ وہ دروازے سے نکل کر ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا پھر تیزی سے ڈون کی طرف بڑھتا چلا آیا۔

"میں شرمندہ ہوں کہ سلیپنگ سوٹ میں تمہارے سامنے آیا ہوں۔" وہ بے حد خلیق اور عاجزانہ لہجے میں بولا۔ "لیکن لباس بدلنے کی تکلیف میں، مَیں تمہیں منتظر نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ تم اتنی صبح سویرے میرے غریب خانے پر موجود ہو۔ آؤ! اندر بیٹھتے ہیں۔" اس نے ڈون کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن ڈون نے سرد لہجے میں اسے منافقانہ اداکاری اور مہمان نوازی سے روک دیا۔

"اس تمام ریاکاری کی ضرورت نہیں۔ میں یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ تم پچھلی شام کی دعوت میں شریک تھے یا نہیں؟"

"میں مدعو نہیں تھا۔" اس شخص کے اندازِ گفتگو میں انگریزوں کی روایتی شائستگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ "لیکن میں یہ سن کر سکتے میں رہ گیا کہ کچھ نامعلوم لوگوں نے تمہاری تقریب کو اس حد تک بگاڑنے کی کوشش کی کہ تمہارے مہمانِ خصوصی تک کو قتل کر دیا گیا۔ میرے لیے یہ اطلاع ناقابلِ یقین تھی۔ مکاؤ میں کس میں ہمت ہے کہ وہ تمہارے مدمقابل آنے کی جرات یا ہمت کر سکے!"

"مجھے حیرت ہے، گسکاٹ! کہ تم اس قدر بھولے بننے کی کوشش کر رہے ہو۔" ڈون اچانک ہی دروازہ کھول کر جیپ سے نیچے اتر گیا۔ اس کے آدمیوں نے اس کی بلا تاخیر تقلید کے ارادے سے، اپنے اپنے دروازے کھولے لیکن ڈون نے سختی کے ساتھ انہیں نیچے اترنے سے روک دیا۔

گسکاٹ نے خطرہ بھانپ لیا۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ "مجھے ڈر ہے کہ تم میری طرف سے کسی سنگین غلط فہمی میں مبتلا نظر آ رہے ہو۔ مجھے ریاکاری کی ضرورت ہے، نہ میں بھولا بن رہا ہوں۔ رات کو جو کچھ ہوا وہ مکاؤ کی تاریخ کا بدترین سماجی سانحہ ہے۔ اس بارے میں، مجھ سمیت، ہر ایک کی یہی رائے ہے اور لوگوں کو پورا یقین ہے کہ تم اس واقعے کے ذمے داروں کو معاف نہیں کرو گے۔"

"اسی وجہ سے میں تمہاری قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا ہوں۔" ڈون کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔

"لیکن میرا قصور؟" گسکاٹ نے پھنسی پھنسی عاجزانہ آواز میں سوال کیا۔ "میں تو وہاں موجود بھی نہیں تھا۔ تم چاہو تو مکاؤ کے انگلش کلب میں معلوم کر سکتے ہو۔ میں سات بجے سے گیارہ بجے رات تک وہاں برج کھیلتا رہا۔ تمہاری تقریب کے بارے میں بری خبریں وہیں ملی تھیں۔"

"مکاؤ میں وان لن واحد شخص تھا جو میرے پیٹھ پیچھے مجھے دل کھول کر گالیاں دیتا تھا۔ وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا مگر میں جانتا ہوں کہ وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ہمدرد ابھی بھی مکاؤ میں دندناتے پھر رہے ہیں۔"

"مجھے اعتراف ہے کہ میں وان لن کا دوست تھا۔ مجھے اس کی پُراسرار گمشدگی پر تشویش بھی ہے لیکن میں چاند پر تھوکنے کی حماقت نہیں کر سکتا۔" وہ اضطراری طور پر بار بار اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے، مدافعانہ لہجے میں بولنے لگا۔ "میں وان لن کو بھی اکثر سمجھاتا رہتا تھا۔ تم مکاؤ کے گاڈ فادر ہو۔ تم سے ٹکرانے والا

بچ ہی نہیں سکتا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ اس وقت تمہارے خیالات بہت روشن اور صحت مندانہ ہیں لیکن ہم پچھلا حساب چکانے کی بات کر رہے ہیں۔ تمہارا پچھلا نامۂ اعمال کسی بھی طرح قابلِ رشک نہیں ہے۔"

"یہاں آنے والے سیاحوں کو ہر ایک ہی دونوں ہاتھوں سے لوٹتا ہے اور جوئے میں تو ہر جگہ یہی ہوتا ہے لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ میری ان حرکتوں سے تمہیں کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی ہو گی۔" اس کی پیشانی عرق آلود ہو چلی تھی۔

"سیاحوں کا نزول دو چار رنگین راتوں کے لیے ہوتا ہے پھر وہ آوارہ پرندوں کی طرح' نئے آشیانے کی تلاش میں کہیں اور نکل جاتے ہیں۔ ہم مکاؤ میں رہتے ہیں اور اسی سرزمین پر بسنے والوں کا حساب کر رہے ہیں۔"

"لڑکیوں کے معاملے میں بھی مجھے بلا وجہ بدنام کیا جاتا رہا ہے۔ میں نے کبھی کسی لڑکی کو زبردستی نہیں اٹھوایا۔ اس الزام میں ذرا بھی صداقت ہوتی تو کوئی نہ کوئی لڑکی پولیس سے ضرور رجوع کرتی۔ پیسے سے دنیا کی ہر عورت کا منہ بند نہیں کرایا جا سکتا تھا۔ میرا ماضی بالکل صاف اور بے داغ ہے۔" ڈون کی موجودگی اور پھر اس کے گہرے پُرسکون رویّے کی وجہ سے گسکاٹ کی حالت لحہ بہ لحہ بگڑتی جا رہی تھی اور اس کا چہرہ بھی پسینوں نہانے لگا تھا۔

"تم بات الجھانے کے لیے غیر ضروری اعترافات کیے جا رہے ہو۔" ڈون نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے کرتوتوں کو سمجھنے کے لیے یہی ایک نکتہ کافی ہے کہ تمہارے حد سے بڑھے ہوئے حرامی پن کی وجہ سے تمہیں ہانگ کانگ سے نکالا گیا ورنہ وہاں کا گورنر تمہارا سیکنڈ کزن تھا۔ تم میں شرافت کی ذرا سی بھی رمق ہوتی تو ہانگ کانگ تمہارے لیے جنت بن سکتا تھا۔ تم وہاں کی بحری پولیس کے ذریعے بیک بنی و دوگوش نکالے گئے تھے۔ تمہارے پاس تن کے کپڑوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا لیکن تم نے وان لن کی ساز باز سے سادہ لوح چینیوں کو دل کھول کر الو بنایا۔ ہانگ کانگ کے گورنر سے اپنی رشتے داری کی کہانی سنا کر اور اس کے ساتھ اپنی گھریلو تصویریں دکھا کر تم نے لوگوں کو جھوٹی امیدوں کے سبز باغ دکھائے۔ انہیں ہانگ کانگ کی شہریت ملنے کی خوشخبریاں سنائیں اور اپنی جیبیں بھر لیں۔ مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری حویلی میں گڑبڑ پھیلانے میں وان لن کے کن ساتھیوں کا ہاتھ تھا۔ جواب مل جائے گا تو میں تمہارا شکریہ ادا کر کے لوٹ جاؤں گا ورنہ تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

ڈون کا داہنا ہاتھ جینز کی جیب سے باہر رینگ آیا۔ اس میں اسمتھ اینڈ براؤنی میک کا اعشاریہ تین دو کا ریوالور دبا ہوا تھا۔ ڈون نے ریوالور کی نال سے گسکاٹ کی کھوپڑی کا نشانہ لے لیا۔

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میرے فرشتوں کو بھی کسی سازش کا علم نہیں۔" گسکاٹ کے چہرے پر یک بیک پسینے کی دھاریں بہنے لگیں۔ شاید اسے موت کے قدموں کی چاپ واضح طور پر سنائی دینے لگی تھی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ اچانک آنے والی موت کے مقابلے میں دبے قدموں' دھیمے دھیمے بڑھنے والی موت' اپنے شکاری کے لیے کس قدر اذیت ناک اور روح فرسا ہوتی ہے۔

"میں بدھا کا شیدائی ہوں۔ تمہارے صاحب اولاد خدا کو نہیں مانتا۔" ڈون اسے بری طرح دہشت زدہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ "کوئی نئی بات کرو جو میرے دل پر اثر کر سکے ورنہ میں تمہاری کھوپڑی میں روشندان بنا دوں گا۔"

"نہیں' ڈون! تم مجھے نہیں مارو گے۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر ہذیانی انداز میں چیخا۔ بڑھتا ہوا اعصابی دباؤ اس کے لیے یک بیک ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔ "میں حرامی اور کمینہ ضرور ہوں لیکن تم سے ڈرتا ہوں۔ میں نے تمہارے خلاف کچھ نہیں کیا۔ میرا ضمیر صاف ہے' خدا کے لیے مجھے بخش دو' میں جوانی میں نہیں مرنا چاہتا۔"

اس دوران میں ڈون اپنا پستول والا ہاتھ سیدھا کر چکا تھا۔

"جوانی!" گسکاٹ کے آخری فقرے پر اس نے استہزائیہ لہجے میں دہرایا اور پھر اچانک ہی مہیب پستول کی لبلبی دبا دی۔

گسکاٹ نے ہاتھ سامنے لا کر خود کو اس مہلک وار سے بچانا چاہا لیکن مہلک اور برق رفتار گولی اس کی داہنی ہتھیلی کو پھاڑتی ہوئی اس کی پیشانی میں پیوست ہو گئی۔

ڈون واقعی بے خطا نشانہ باز تھا۔ اس نے اپنے متحرک حریف کے اضطراری ردِعمل کی پیش بینی کرتے ہوئے نہایت مہارت کے ساتھ اس کی کھوپڑی داغ دار کر دی تھی۔ گولی لگتے ہی گسکاٹ کسی پھرکی کی طرح فضا میں چکرایا۔ اس کے حلق سے آزاد ہونے والی چیخ بہت طویل اور کرب آلود تھی پھر وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

ڈون کو شاید اپنے نشانے پر ناز تھا۔ اس نے فائر کرنے کے بعد مڑ کر گسکاٹ کی طرف دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی اور نہایت اطمینان کے ساتھ واپس لوٹ کر جیپ میں سوار ہو گیا۔ ڈون کے لوٹتے ہی اس کے ساتھیوں کی طرف سے چند دبی دبی اور سنسنی خیز آوازیں برآمد ہوئیں جو مفہوم کے اعتبار سے میرے لیے ناقابلِ فہم تھیں۔ البتہ لہجے سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ ڈون کو اس کی بہترین نشانے بازی پر مبارکباد دے رہے تھے۔

کچی زمین پر دھول اڑاتے ہوئے جیپ نے واپسی کی راہ اختیار کر لی۔ اس وقت تک گسکاٹ اپنے خون میں لتھڑا ہوا دھول میں لوٹ رہا تھا لیکن ڈون نے اس کے مرنے کا انتظار کیا نہ دوسری گولی

استعمال کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ شاید اسے پورا یقین تھا کہ اس کا شکار کسی بھی صورت میں جانبر نہ ہو سکے گا۔

جیپ اس بنگلے کے احاطے سے نکل کر، پہاڑی سے نیچے جاتی ہوئی سیاہ سڑک پر نکل آئی تو ڈون نے مجھ سے سوال کیا۔ "ایڈی گسکاٹ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"حرامی، درجۂ اول۔" میں نے کہا۔ "اس نے کچھ اور نہ بھی کیا ہو تو محض اپنے اقبالی جرائم کی بنا پر وہ سزائے موت کا مستحق قرار دیا جا سکتا تھا۔ مجھے تو حیرت ہے کہ چینی لڑکیوں کے اغوا اور آبروریزی کے واقعات پر مشتعل ہو کر کسی چینی نوجوان نے اسے پہلے ہی قتل کیوں نہیں کیا؟"

"چینی میں بس یہی ایک خرابی ہے۔" ڈون نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ذاتی افتخار، انا اور بے حرمتی کے معاملات میں چینی عموماً بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ معاملہ علاقائی یا قومی افتخار کا ہو تو ہر چھوٹا اور بڑا لنگر لنگوٹ کس کر میدان میں اتر آتا ہے۔ بہرحال، گسکاٹ مر گیا۔ وہ میرے خلاف سازش میں شریک رہا ہو یا نہ رہا ہو لیکن جب مکاؤ میں اس کے قتل کی خبر پھیلے گی تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ میں نے اپنے دشمنوں کو کندۂ جہنم بنا دیا ہے۔ آج کے لیے میں نے وان لن کے چھ قریبی اور رازدار ساتھیوں کا انتخاب کیا تھا۔ ان کی بیخ کنی کے بعد 'اب مکاؤ میں سال' دو سال کے لیے ٹھہراؤ آ جائے گا اور کوئی بھی میرے خلاف سر اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔"

"کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم نے اپنی انا کی تسکین اور سربلندی کے لیے مکاؤ کے چھ گھرانوں کو نیست و نابود کر کے ان کی لاشوں پر اپنی برتری کے جھنڈے گاڑ دیے؟"

"تم کوئی بگڑے ہوئے ادیب یا شاعر معلوم ہوتے ہو جو اتنی گاڑھی باتیں کر رہے ہو۔" ڈون نے قہقہہ مار کر کہا۔ "'انا' 'لاشیں' اور جھنڈے تو اشتراکی ادیبوں کی تحریر میں ملتے ہیں یا پھر ان یتیم و یسیر شاعروں کے بے مقصد مصرعوں میں جو اپنے فرسودہ کلام کی داد نہ ملنے پر سامعین کے بچوں کو کوسنے لگتے ہیں۔"

"شاعروں کی بھی خوب کہی تم نے!" میں بھی ہنس پڑا۔ "ان میں سے بہت سے نمکین چہرے اپنے جمال کے لیے بہت سے استادوں کی فیاضیوں کے احسان مند ہوتے ہیں۔ استاد کے مر جانے پر ان کی شاعری بگڑ جائے تو یہ بے چارے نثری ادب میں اپنا منہ گھسیڑ دیتے ہیں لیکن میں بگڑا ہوا شاعر ہوں نہ مایوس ادیب۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ میرے اپنے مشاہدے کی بات ہے۔"

"اب زیادہ بکواس مت کرو!" ڈون غرایا۔ "میں وان لن اور اس کے مددگاروں کو بالکل بھولا ہوا تھا۔ یہ تم ہی تھے جس نے مجھے ان لوگوں کی طرف متوجہ کیا۔ اب میں اپنی باری کھیل رہا ہوں تو تمہیں یک بیک میری اَنا کے مینار پر لاشوں کے ساتھ جھنڈے نظر آنے لگے ہیں۔"

موضوع خطرناک رخ اختیار کرنے لگا تھا اس لیے میں نے فوراً ہی خاموشی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وان لن کے قریبی ساتھیوں کی پوزیشن صاف ہونے کی صورت میں ڈون از سرِ نو دماغ سوزی شروع کر دیتا جس کے نتائج ہمارے لیے ناخوشگوار بھی ہو سکتے تھے۔

ہم لوگ خوابناک روشنیوں میں نہائے ہوئے مکاؤ کے خونیں گشت سے فارغ ہو کر حویلی میں واپس پہنچے تو صبح کے چھ بجنے والے تھے۔

ڈون سے رخصت ہونے سے پہلے میں نے دبے لفظوں میں اپنی واپسی کی خواہش کا اظہار کیا تو وہ ہنسنے لگا۔ "تمہیں مجھ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں تم تینوں کی گفتگو کا ترجمہ سنتا رہا ہوں۔ آج کا دن تو تم شاید سو کر گزارو گے۔ میں کل تمہاری واپسی کا بندوبست کرا دوں گا۔"

غزالہ میری واپسی کے انتظار میں نہ صرف بیدار تھی بلکہ شیش محل کی نشست گاہ میں، سلطان شاہ کے ساتھ رمی کھیلتے ہوئے خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ دونوں میرے اس دورے کے تاثرات جاننے کے لیے بے چین تھے۔ یہ بات کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ ڈون اپنے خفیہ نظام کے ذریعے ہماری گفتگو کا ایک ایک لفظ سنتا تھا اس لیے میں نے انتہائی شاندار اور پُرشکوہ انداز میں ڈون کے دشمنوں کی تباہی اور ڈون کی بے خطا نشانے بازی کی کہانی بیان کی پھر انہیں اگلے دن مکاؤ سے روانگی کا مژدہ بھی سنا دیا تاکہ بات بالکل ہی پکی ہو جائے۔

ایک دوسرے کے نکاح میں آ جانے کے بعد ہم دونوں اپنی خوابگاہ میں سلطان شاہ کی موجودگی کا کوئی جواز نہیں پاتے تھے اس لیے جب اس نے ہم سے رخصت چاہی تو ہمیں نہایت خلوص کے ساتھ الوداع کہنا پڑا۔ سلطان شاہ کے لیے وہ نئی بات تھی۔ میں نے

محسوس کیا کہ وہ اس تبدیلی کو ہماری سرد مہری پر محمول کر کے کچھ آزردہ سا ہو گیا تھا۔ وہ وقت کی بدلتی ہوئی صورتِ حال کا سرگرم تقاضا تھا اس لیے میں خاموشی کے ساتھ اسے واپس جاتے دیکھتا رہا پھر غزالہ کا ہاتھ تھام کر اپنی اس خوابگاہ کی طرف چل دیا جہاں کا ماحول دن اور رات کی تبدیلی سے یکسر بے نیاز تھا۔ روشنیاں گل کر کے دن دہاڑے رات کا سماں پیدا کیا جا سکتا تھا اور رات میں روشنیاں جلا کر دن طلوع کیا جا سکتا تھا۔

وہ ہماری ازدواجی زندگی کے یادگار اور ابتدائی لمحات تھے جس میں کومل جسموں کی دودھیا روشنی ہی ہزاروں اجالوں پر بھاری ہوتی ہے۔ میں نے خواب گاہ کی خلوت میں داخل ہوتے ہی تمام روشنیاں گُل کر کے اندھیرے میں دھندلی سی کہکشاں روشن کر دی۔

نجانے کس وقت ہماری آنکھ لگی۔ ہم اس طرح گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے کہ پھر شام ہی کی خبر لائے۔ اس دوران میں کسی نے بھی ہماری نیند میں خلل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

نہانے دھونے کے بعد ہم دونوں کو ہی شدید اشتہا محسوس ہونے لگی۔ ناشتے اور دوپہر کے کھانے کا وقت ہم نے سو کر گزار دیا تھا جب کہ رات کے کھانے میں خاصی دیر باقی تھی۔ اس لیے میں نے خوابگاہ میں موجود ریفریجریٹر کا رخ کیا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ بھانت بھانت کی اشیائے خورونوش سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں بُھنے اور فرائی کیے ہوئے گوشت کے پارچے بھی شامل تھے لیکن یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ گوشت کس جانور کا تھا اس لیے ہم نے گوشت کو ہاتھ لگائے بغیر پنیر، تازہ پھلوں اور جوس کی مدد سے شکم پُری کی اور لباس تبدیل کر کے نکل کھڑے ہوئے۔

سلطان شاہ اپنے کمرے میں موجود نہیں تھا۔ ہم حریری پردے عبور کر کے دالان نما حصے سے ہال میں داخل ہوئے تو ڈون وہاں موجود نہیں تھا لیکن متعدد لڑکیاں وہاں چکراتی پھر رہی تھیں۔ اس روز ڈون کے عملے کے رویّے میں یہ خوشگوار تبدیلی سامنے آئی کہ ہر ایک نے مسکراتے ہوئے، اپنے سر کو جھکا کر ہمیں تعظیم دی تھی۔ خیر سگالی کے جوابی اظہار میں ہمیں بھی اُسی انداز میں سر جھکانے پڑے۔

وہ مشق بظاہر بہت سہل نظر آتی تھی لیکن تھوڑی ہی دیر میں غزالہ منمنانے لگی۔" مجھے تو اپنی گردن میں رعشہ سا اترتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ کچھ دیر اور یہی صورتِ حال برقرار رہی تو میرے لیے اپنی گردن کو ایک جگہ روکے رکھنا دشوار ہو جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اب باہر نکل چلو۔"

"اس کی تجویز معقول تھی۔ ڈون کی حویلی میں شاید ائرکنڈیشننگ کا کوئی مرکزی نظام نصب تھا جس کی وجہ سے ہر حصے میں خوشگوار خنکی رچی رہتی تھی۔ اس بند ماحول کے مقابلے میں کھلی فضا یقیناً بہتر رہتی جہاں تازہ ہوا کے ساتھ ہی ہمیں آزادانہ گفتگو کا موقع بھی میسر ہوتا۔

ڈون کی حویلی سے باہر بھی چہل پہل تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ڈون کی ذاتی ضروریات بلاشبہ بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھیں لیکن حویلی کے جملہ اخراجات میں ان کا تناسب بہت قلیل سا تھا۔ بہت بڑی رقم ان سیکڑوں ملازمین کی روز مرّہ ضروریات کی نذر ہو جاتی ہو گی جو حویلی میں پَل رہے تھے۔

باہر نکلنے کے بعد ہم نے خوبصورت ملحقہ باغ کا رخ کیا تو ہمیں ایک بینچ پر سلطان شاہ بھی نظر آ گیا۔ وہ تنہا اور خاصا اداس بیٹھا ہوا تھا۔

"تم اکیلے یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ ہم تمہیں اندر ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔" قریب پہنچ کر میں نے اُس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے سوال کیا۔

"میں نے تین چار مرتبہ تمہارے در دولت پر حاضری دی تھی لیکن کوئی جواب نہ ملنے پر واپس لوٹنا پڑا۔" اس نے باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

"کمال ہے۔" میں نے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے خفّت آمیز انداز میں کہا۔ "کم از کم مجھے تو ایک مرتبہ بھی گھنٹی کی آواز نہیں سنائی دی۔ شاید میں بہت گہری نیند سویا ہوا تھا۔"

"جوانی کی نیند ایسی ہی ہوتی ہے۔" وہ مسکرانے لگا۔ "اور پھر آج کی بات ہی کچھ اور تھی۔"

"دیکھو! اب اپنی زبان پر قابو رکھو۔" غزالہ نے اُسے گھورا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اب آنکھیں بدل لی ہیں اور مجھے اپنی بہن تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہو۔"

"منہ بولی بہن کا رشتہ بہت کمزور اور ناپائیدار ہوتا ہے۔ بھاوج کا رشتہ مضبوط اور قریبی ہو جاتا ہے۔ پہلے میں بہن کہنے پر مجبور تھا کیوں کہ تمہارے اور ڈینی کے درمیان کوئی رشتہ قائم نہیں ہوا تھا۔ یہ مجبوری ختم ہو گئی ہے تو تمہیں بھی مجھ کو اپنا دیور ہی سمجھنا چاہیے۔"

کچھ دیر تک یوں ہی نوک جھونک ہوتی رہی پھر سلطان شاہ نے چونک کر بتایا کہ سارا بھی ہم دونوں سے ملاقات کی فکر میں تھی کیوں کہ اُسے غزالہ کی تصاویر کی شدت سے ضرورت تھی۔

"میری تصاویر کا وہ کیا کرے گی؟" غزالہ نے منہ بنا کر سوال کیا۔

"ہم دونوں اپنے اپنے پاسپورٹ پر سفر کرتے ہوئے مکاؤ آئے ہیں لیکن تمہاری جعلی سفری دستاویزات وہی بھارتی ایجنٹ لے اُڑا تھا جو تمہیں نئی دہلی سے ہانگ کانگ لایا تھا۔ تمہاری پاکستان واپسی کے لیے کوئی نہ کوئی بندوبست تو کرنا ہی ہو گا۔" سلطان شاہ نے اُسے آگاہ کیا۔

وہ واقعی بہت اہم معاملہ تھا جسے ہم بالکل ہی بھولے ہوئے تھے۔ ڈون نے ہمیں اگلے روز روانگی کی نوید سنا دی تھی لیکن غزالہ

کی سفری دستاویزات کی تکمیل کے بغیر ہم مکاؤ سے نہیں نکل سکتے تھے۔ میں ان دونوں کو لے کر فوراً ہی وہاں سے اٹھ گیا تاکہ سارا کو تلاش کیا جا سکے لیکن چند قدم طے کرنے کے بعد ہی وہ ہمیں سامنے سے اپنی طرف آتی ہوئی نظر آ گئی۔ اُس کے ایک ہاتھ میں کیمرا دبا ہوا تھا۔

سارا کے ساتھ ہم دوبارہ پینچوں کی طرف لوٹ آئے۔ اس کے کیمرے میں فلم کا نیا رول پڑا ہوا تھا۔ پہلے اس نے اپنے مقصد کے لیے غزالہ کی چند تصویریں لیں پھر ہم نے باری باری ایک دوسرے کے ساتھ گروپ بنا کر وہ پورا رول ختم کر دیا کیوں کہ سارا فوراً ہی وہ رول فلمیں بنوانے کے لیے بھیج رہی تھی۔

فلم کسی کے حوالے کر کے سارا جلد ہی واپس لوٹ آئی۔ وہ خاصے خوشگوار موڈ میں تھی اور سلطان شاہ کے ساتھ مل کر غزالہ کو زچ کرنے کی کوشش کر رہی تھی پھر باتوں کا رخ شادی کی تقریب کی طرف ہو گیا۔

"شاید تم یقین نہ کرو کہ یہ مکاؤ میں شادی کی سب سے بڑی اور شاندار تقریب تھی۔" سارا کی آواز رشک آمیز تھی۔ "تم لوگ اپنے وطن لوٹ جاؤ گے لیکن مکاؤ والے مدتوں تک شادی کی اس تقریب کو فراموش نہیں کر سکیں گے۔ تم دونوں بہت خوش نصیب ہو..."

"یہ پردیس کی شادی تھی۔" میں نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔ "یہ تمہارے نزدیک خوش نصیبی کی بات ہو سکتی ہے لیکن مجھے زیادہ خوشی اس وقت ہوتی جب میں اپنے دوستوں کے ہجوم میں شادی کرتا۔"

"وہ ایک الگ بات ہے۔ تمہیں اس قدر تحائف ملے ہیں کہ نئی زندگی کے آغاز کے لیے وہی بہت بڑا سرمایہ ثابت ہو سکتا ہے۔" سارا بولی۔ "تحائف کی تعداد اور مالیت کے اعتبار سے یہ ایک شاہانہ شادی تھی۔"

"تحائف میں گاریاں کتنی ملی ہیں؟" میں نے دلچسپی کے ساتھ پوچھا۔

"پورا نادر و نایاب خزانہ ہے۔" سارا سنسنی کا شکار ہوئی جا رہی تھی۔ "فیرارے، مرسڈیز اور پونٹیاک کے علاوہ ایک بی ایم ڈبلیو بھی ہے۔ نوادرات کے علاوہ ڈون گاڑیوں کا بھی بہت شوقین ہے۔ تم مناسب سمجھو تو اظہارِ تشکر کے طور پر فیرارے اور بی ایم ڈبلیو اسے دے سکتے ہو۔ وہ خوش ہو جائے گا۔"

"تم گاڑیوں میں کیوں الجھ گئیں؟ دوسرے تحائف بھی تو آئے تھے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"وہ سب ایک کمرے میں سجا دیے گئے ہیں۔ ڈون کا کہنا ہے کہ یہ میاں بیوی خود ہی ان پیکٹوں اور لفافوں کو کھولیں گے۔" سارا نے بتایا۔ "وہ سارے تحائف تمہاری ملکیت ہیں۔"

"یہ ڈون کی فراخدلی ہے کہ وہ ایسا سوچتا ہے۔" میں نے سارا کی چمکتی ہوئی نیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہمیں ان تحائف کی کوئی طمع نہیں۔ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ڈون کی عنایتوں کے طفیل ہمیں یکجا ہونے کا موقع مل گیا۔ ان چاروں میں سے ایک کار تمہاری ہو گی۔ تمہیں اپنی پسند کا اختیار ہے۔ باقی رہ جانے والی تین گاڑیاں ڈون کی نذر کر دی جائیں گی۔ تم نے ہم تینوں پر بہت عنایات کی ہیں..."

سارا کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئیں، پھر وہ غزالہ کی موجودگی یا اس کی ناگواری کی پروا کیے بغیر آگے بڑھی اور مجھ سے لپٹ کر میرے چہرے پر پے در پے بوسوں کی بھرمار کر دی۔

"اوہ، ڈارلنگ! تم کتنے اچھے ہو، دوسروں کا کتنا خیال رکھتے ہو۔ میں نے تمہارے لیے کچھ بھی تو نہیں کیا۔ تم نے اپنے چند الفاظ سے میرے خوابوں کو تعبیر عطا کر دی ہے۔ میں یہاں سے بی ایم ڈبلیو لے کر واپس لوٹوں گی تو جونی خوشی سے پاگل ہو جائے گا۔ وہ موٹر ویز پر ڈرائیونگ کا دیوانہ ہے لیکن یہ بات اُس کے خواب و خیال میں بھی نہ ہو گی کہ ایک دن ہم بی ایم ڈبلیو کے مالک بن جائیں گے...."

سارا جذبات کی شدت سے بری طرح مغلوب ہو گئی تھی۔ میرے لیے وہ خاصا خوشگوار اور ہیجان آمیز تجربہ تھا لیکن میں کن انکھیوں سے غزالہ کے چہرے کے بگڑے ہوئے تاثرات بھی دیکھ رہا تھا۔ میں نیم دلی کے ساتھ سارا کو خود سے الگ کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا لیکن اس پر تو جیسے اظہارِ ممنونیت کا دورہ پڑ گیا تھا۔

آخر کار غزالہ سے نہ رہا گیا اور اس نے سارا کو مجھ سے کھینچ کر الگ کر دیا۔ "ہوش میں رہو سارا۔" غزالہ نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "دور سے دیکھنے والے کیا سمجھ رہے ہوں گے؟ کسی نے اس والہانہ بوس و کنار کی خبر ڈون کو پہنچا دی تو تمہارے ساتھ ڈینی بھی اُس کے عتاب میں آ جائے گا۔"

"سوری، غزالہ!" سارا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یہ ڈون کی جاگیر ہے۔ یہاں مجھے بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے خاص طور پر تمہارے سامنے کیوں کہ تم ڈینی کی نئی نویلی دُلہن ہو۔"

"دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے۔" سلطان شاہ نے اردو میں ہانک لگائی۔ "موجودہ شکریے کی باقی قسط یہ تنہائی میں ادا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

"فتور پھیلانے کی کوشش مت کرو!" میں نے آنکھیں نکال کر اُسے ڈانٹا۔

"حق بات کو ہر دَور میں ناپسند کیا گیا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ "لیکن میں حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتا۔"

"ویسے یہ جونی کون ہے سارا؟" غزالہ اُس سے پوچھ رہی تھی۔

"میرا بوائے فرینڈ!" اس وقت سارا خوشی سے کھلی پڑ رہی تھی۔ "برٹش آرمی میں میجر ہے۔ بکنگھم پیلس کے حفاظتی انتظامات کا وہی ذمے دار ہے۔ اس سال کرسمس سے پہلے ڈون کے ساتھ میرا معاہدہ ختم ہو رہا ہے۔ واپسی پر ہم کرسمس کے بعد شادی کرلیں گے جو تمہاری جیسی نہیں ہوگی۔"

سارا کی آواز میں رشک یا حسرت کے بجائے خوش دلی موجود تھی لیکن غزالہ اسے معاف کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ اس نے براہِ راست پوچھا۔ "جونی تمہیں اتنا ہی چاہتا ہے تو اُس نے تمہیں مکاؤ کی غلاظت میں کیوں جھونکا ہوا ہے؟ ڈون کوئی برہمچاری تو نہیں ہے جو دور دور سے تمہاری پرستش کرتا ہوگا۔"

"انگلینڈ میں کسی کو معلوم نہیں کہ مکاؤ میں کیا ہو رہا ہے۔" یک بیک سارا سنجیدہ اور قدرے تلخ ہوگئی۔ "یہ عذاب میں اپنی ذات پر جھیل رہی ہوں۔ جونی تو صرف اتنا جانتا ہے کہ میں بھاری ماہانہ مشاہرے پر دو سال کے لیے ڈون کی سیکریٹری بن کر مکاؤ آئی ہوں۔ اس نے حساب لگایا تھا کہ اس دو سالہ معاہدے کے نتیجے میں، میں اتنی بھاری رقم پس انداز کرلوں گی جو اُسے برٹش آرمی سے ریٹائرمنٹ پر بھی نہیں ملے گی۔ بہتر زندگی گزارنے کے لیے پیسہ ناگزیر ہوتا ہے۔ میں جونی کے مشورے پر ہی یہاں آئی ہوں۔ یہ صرف میری کہانی نہیں ہے۔ شاید ہر تارک وطن کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ روزی کمانے کے لیے اپنا وطن چھوڑنے والوں کو اپنی انا مار کر ہزاروں سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں تب کہیں وہ دولت کے انبار کماتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ اپنے وطن کے برعکس، پردیس میں انہیں کوئی دیکھنے، روکنے، ٹوکنے یا تنقید کرنے والا نہیں ہوتا۔ وہ وطن واپس لوٹتے ہیں تو اُن کی جیبیں تول کر اُن کی کامیابی کا اندازہ لگایا جاتا ہے کیوں کہ اس دور میں پیسہ ہی عزت، شرافت اور دیانت کا معیار بن گیا ہے۔ تمہاری جیب میں پونڈ نہ ہوں تو تم عزت کے ساتھ مرنے کی سعادت سے بھی محروم ہو جاتے ہو۔" وہ خاموش ہوئی تو اس کی آنکھوں کے گوشوں سے دو آنسو لڑھک کر اُس کے گلابی رخساروں پر آگئے۔

میں نے ملامت بھری نظروں سے غزالہ کو گھورا لیکن وہ میرے بجائے سارا کی طرف متوجہ تھی اور بوکھلا کر کہہ رہی تھی۔ "تم کو میرے سوال سے دکھ پہنچا ہو تو میں معافی چاہتی ہوں۔ سارا! میرا مقصد تمہاری دل آزاری نہیں تھا۔ میں تو بس تمہارے بارے میں کچھ زیادہ جاننے کے لیے سوال کر بیٹھی تھی۔"

"تمہارا کوئی قصور نہیں ہے، ڈارلنگ!" سارا بے پروائی کے ساتھ اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے بولی۔ "خشک تالاب کسی کی توجہ کا مرکز نہیں بنتا۔ اس میں شفاف پانی بھرا ہو تو لوگ خود غوطہ خوری کرتے ہیں لیکن جب اسی جوہڑ میں کیچڑ بھری ہوئی ہو تو ہر گزرنے والا اس میں ایک آدھ پتھر پھینکنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ کیا ہوا جو ایک ہلکا سا کنکر تم نے بھی اچھال دیا۔ میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں مکاؤ کی غلاظت میں غرق ہوں۔ میں ڈون کی داشتہ ہوں۔ میں نے جب لندن کے رٹز ہوٹل میں ڈون کی نوکری کے معاہدے پر دستخط کیے تھے تو میرے ذہن میں یہ واضح اندیشہ موجود تھا کہ مجھے اتنی بھاری اور تحریص آمیز تنخواہ کی پیشکش صرف پیشہ ورانہ کاموں کے لیے نہیں کی جا رہی لیکن اس وقت میرے لیے اس اندیشے میں بھی ایک سحر آفریں کشش تھی۔ پردیس کی طویل اور پُرہول تنہائی میں اگر اپنے آجر کی ذاتی توجہ حاصل رہے تو دو برس کی مدت آسانی سے گزر جائے گی۔ یہ میرا اپنا حساب تھا جو اب تک کامیاب جا رہا ہے۔ جونی نے مجھے کسی کی داشتہ بننے کی اجازت نہیں دی تھی، اس لیے تم اسے کوئی الزام نہیں دے سکتیں۔"

سارا ڈون کی حویلی میں گھٹن کی زندگی گزار رہی تھی۔ اپنے فیصلے کی سچائی ثابت کرنے کے لیے اُس نے اپنی ذات پر ایک بہت مضبوط خول منڈھ لیا تھا جو حسین، دلکش اور آسودہ نظر آتا تھا۔ یہ اسی خول کا عذاب تھا کہ سارا کے دکھوں کا ناسور اندر ہی اندر پھیل رہا تھا اور جونہی غزالہ نے اس خول سے نیچے گہری نشتر زنی کی، دکھوں کا پکا ہوا مواد سارا کے کڑوے کسیلے الفاظ میں ڈھلتا چلا گیا۔

"میں کسی کو کوئی الزام نہیں دے رہی ہوں۔" غزالہ کی آواز سے تکان اور شکست کے آثار مترشح تھے۔ "دراصل میں تمہیں اندر تک کُرید کر تمہاری حقیقی ضروریات کا اندازہ لگانا چاہ رہی تھی۔ پیسہ اس دور میں واقعی سب سے بڑی طاقت ہے مگر مشرق میں اب بھی کہیں کہیں روایات کو برتری حاصل ہے۔ ڈینی نے تمہیں بی ایم ڈبلیو کا مالک بنایا اور میں تحائف میں آئے ہوئے تمام زیورات سے تمہارے حق میں دست بردار ہوتی ہوں۔"

"ان زیورات کو دیکھے بغیر؟" سارا نے عجیب سے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

مجھے یہ دیکھ کر شدید ذہنی جھٹکا لگا کہ غزالہ کی پیش کش پر سارا نے کسی پُرجوش ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ دیکھا جائے تو اس کے سوال میں ایک چبھتا ہوا طنز پوشیدہ تھا۔ جیسے اسے غزالہ کی سیر چشمی پر اعتبار نہ ہو۔ میں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا۔ وہ بظاہر انعام و اکرام اور فراخ دلی کی باتیں کر رہی تھیں لیکن لڑاکا مرغیوں کی طرح ایک دوسرے کو گھورے جا رہی تھیں۔ شاید غزالہ کے ازدواجی وجدان نے اسے آگاہ کر دیا تھا کہ ڈون کی حویلی کے کئی بے آواز دورانیوں میں سارا مجھے اپنے وجود کی تمام تر لطافتوں سے زیر بار کر کے اُس کی حق تلفی کر چکی تھی۔

"ہاں!" غزالہ نے ایک جھٹکے کے ساتھ کہا۔ "دیکھے اور تولے بغیر کیونکہ ہمارے یہاں ابھی تک دولت کو ایسا لازوال مرتبہ نہیں مل سکا کہ اس کے سامنے دوسرے انسانی جذبوں کو پامال یا نظر انداز کیا جاسکے۔"

"اس فراخ دلی کے لیے میں تہ دل سے تمہاری ممنون ہوں۔" سارا نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا۔

میرے نزدیک وہ صورتِ حال بہت مخدوش اور خطرناک تھی اس لیے میں نے زبردستی قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "بی ایم ڈبلیو تو تم نے بغل گیر ہو کر بوسوں کے ساتھ قبول کی تھی۔ زیورات کے معاملے میں تم نے کسی بھی گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ حالانکہ زیورات تمہاری صنف کی سب سے بڑی کمزوری ہوتے ہیں۔"

"بس صنف آڑے آگئی ہے۔" سارا نے بلا تردّد جواب دیا۔ "مجھ میں ہم جنس پرستی کے آثار سرے سے مفقود ہیں اس لیے میں لڑکیوں کے معاملے میں کبھی بھی زیادہ پُرجوش نہیں ہوتی۔ ویسے مادام غزالہ کی خواہش ہو تو انہیں اپنی بانہوں میں لے کر دو چار بوسے لے سکتی ہوں۔"

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ سارا' غزالہ کو اس کے ابتدائی سوال کا بھرپور جواب دینے پر تلی ہوئی تھی' اس کے تیور نرم لیکن لہجہ جارحانہ تھا۔ غزالہ کا لہجہ نرم مگر تیور جارحانہ تھے۔ سارا کے جواب پر غزالہ کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ سارا نے جس انداز میں اسے مادام غزالہ کہا تھا' اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ غزالہ کو ڈون جیسی کوئی مجرمہ قرار دینا چاہ رہی تھی۔

میں ان دونوں کے درمیان مصالحت کی راہ تلاش کرنے میں کوشاں تھا کہ موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے سلطان شاہ مجھ سے پہلے ہی مؤثر انداز میں حرکت میں آگیا۔

"تم بھی کس بحث میں الجھ گئیں!" اس نے سارا کی نرم اور لچکیلی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ "تم بھول رہی ہو کہ شادی کے بعد یہ دونوں ایک دوسرے کے سچے دعوے دار بنے ہوئے ہیں۔ تمہاری طرح میں بھی بے جوڑ اور بالکل اکیلا ہوں۔ میرے ساتھ آؤ تاکہ ہم دونوں بھی اپنا دل بہلا سکیں۔"

سارا کے لیے وہ ایک خوشگوار پیش کش تھی۔ وہ کسی مزاحمت کے بغیر سلطان شاہ کے ساتھ ہولی۔

"تم نے بُرا کیا۔" میں نے ان دونوں کے چلے جانے کے بعد غزالہ سے کہا۔ "وہ کوٹھے پر بیٹھی ہوئی کوئی طوائف نہیں ہے بلکہ مکاؤ میں سمجھوتوں کے تحت زندگی گزارنے کی کوشش کر رہی ہے۔ تم نے اپنے ایک چبھتے ہوئے سوال سے اُس کی انا کو بری طرح لہولہان کر دیا ہے۔"

"وہ حرام زادی ہے۔" غزالہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "وہ اندر تک غلاظت میں لتھڑ چکی ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ وہ بی ایم ڈبلیو ملنے کی خوشی میں کس قدر والہانہ انداز میں تم سے بغل گیر ہوئی تھی لیکن زیورات ملنے کی خبر پر وہ برف کی طرح ٹھوس اور جامد رہی حالانکہ زیورات کی مالیت یقینی طور پر بی ایم ڈبلیو سے کہیں زیادہ ہوگی۔ اسے تو شاید نت نئے مردوں کو آزمانے کا چسکا پڑ گیا ہے۔"

"وہ کتنی ہی گئی گزری کیوں نہ ہو' تمہیں مجھ پر اعتماد ہوتا تو شاید اتنی برہمی کی نوبت نہ آتی۔ تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے' ایک ہاتھ سے نہیں۔" میں نے کہا۔

"مجھے پورا اعتماد ہے کہ تم اُس کے حربوں کا شکار نہیں ہو سکتے۔" وہ محبت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "لیکن مرد اپنی راہ میں آنے والے ہر روڑے کو اپنے انداز میں ٹھوکر لگانے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ شاید ان کی فطرت میں شامل ہوتا ہے۔ بہت کم مرد ایسے ہوتے ہیں جو اُن رکاوٹوں سے بچ کر گزر جائیں۔"

اس کے جواب پر میں اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا کیوں کہ اس نے میری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ میری سوچ بالکل یہی تھی کہ وفا کے سنگین وعدے وعید کیے بغیر اگر سارا مجھے فیضیاب کرنے پر آمادہ تھی تو مجھے کفرانِ نعمت کیے بغیر اُسے دونوں ہاتھوں سے خوش آمدید کہنا چاہیے تھا۔

غزالہ نے میرے دل کا چور پکڑ لیا تھا اس لیے مجھ سے فوری طور پر کوئی جواب نہ بن پڑا لیکن میری وہ مشکل غزالہ نے ہی آسان کردی اور کہنے لگی۔ "حویلی میں زبانوں پر ہزار پہرے ہوتے ہیں لیکن تم نے باہر نکل کر بھی یہ جاننے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی کہ کراچی سے نئی دہلی پہنچنے تک میرے ساتھ کیا گزری تھی۔"

"جو کچھ ہوا' اچھا نہیں ہوا ہوگا۔" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "جب صورتِ حال کا پہلے سے ادراک ہو تو زخموں کو چھیڑنے سے اذیت اور کوفت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

"میں تمہیں ظلم کی کوئی داستان نہیں سنانی چاہتی۔" وہ زچ کر بولی "شری مان سنگھ تو ہمارے ملک میں بیٹھا ہوا ایک معصوم سا مہرہ ہے۔ نئی دہلی میں بڑے بڑے زہریلے ناگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے راجستھان میں اپنی آنکھوں سے ایسا تربیتی کیمپ دیکھا ہے جہاں سیکڑوں بے روزگار پاکستانی لڑکے' دو سو روپے یومیہ ملنے کی امید پر دہشت گردی اور تخریب کاری کی کڑی تربیت حاصل کر رہے ہیں۔"

غزالہ کی باتوں نے مجھے اپنے دل میں شرمسار کر دیا۔ وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کہ اپنے وطن سے دور نکل آنے کے بعد میرے دل میں حب الوطنی کی آگ شرمناک حد تک ٹھنڈی پڑ گئی تھی اور میں سر سے پیر تک' اپنے ذاتی مفادات میں الجھ کر رہ گیا تھا۔

"میں اس موضوع پر بات کرنے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔" میں نے کھسیا کر کہا۔ "ظاہر ہے کہ یہ بات چند فقروں میں تو مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔"

"ڈون کی حویلی میں ہم مجبور اور محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہاں کسی کو فون تک نہیں کر سکتے۔" غزالہ نے میری معذرت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "وہ لوگ منگلا اور تربیلا بند کی جھیلوں میں' مین اسپل وے کی تہوں میں ایسے بارودی ہتھیار بچھانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں جو ریموٹ کنٹرول سے اُڑا دیے جائیں تو لاکھوں کیوسک پانی کا غضب ناک ریلا پورے پاکستان کی شہری اور دیہی معیشت کو اپنے ساتھ بہا لے جائے گا اور ہم برسوں کے لیے ایک ہولناک

غذائی قحط سے دوچار ہو جائیں گے۔"
"یہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوا؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔
"وہ مجھے بے ہوش سمجھ کر اپنی میٹنگ میں مصروف تھے لیکن میں ہر لفظ بخوبی سن رہی تھی۔ اس بار انھوں نے فوجی محاذ آرائی کے ساتھ ساتھ معاشی طور پر ہماری کمر توڑنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ ہم اپنی قومی آمدنی کا کوئی بھی حصہ ایٹمی پروگرام کے لیے مخصوص کرنے کا تصور نہ کر سکیں۔ بھارتی مہاشے پاکستان کی دن بدن بڑھتی ہوئی ایٹمی استعداد سے بہت زیادہ خوفزدہ ہیں اور اسے ہندو دھرم کی بقا کے لیے سب سے بڑا خطرہ سمجھ رہے ہیں۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اُن کے نزدیک مذہب ریاست سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔"

وہ چونکا دینے والا انکشاف تھا لیکن اس میں کافی سے زیادہ وزن تھا۔ عالمی نقشے پر کوئی بھی ریاست محض ایک جغرافیائی اکائی کے طور پر اپنا وجود نہیں رکھتی بلکہ مملکت کی بقا کے لیے اس کی محافظ قوم کا وجود ناگزیر ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے دھرم کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ اپنے بدترین بنیادی تضادات کی وجہ سے وہ کبھی بھی ایک تبلیغی مذہب نہیں بن سکا تھا۔ اس میں دوسروں کو متاثر کرنے والی کوئی بات سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔ اسی وجہ سے وہ مذہب ہندوستان تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ جو لوگ موروثی طور پر ہندو چلے آ رہے تھے' بس وہی ہندو تھے' ان کی تعداد میں اضافے کا سرے سے کوئی امکان نہیں تھا بلکہ اسلام اور عیسائیت کے مبلغوں کی کوششوں کے نتیجے میں نچلی ذات کے ہندو دن بدن اپنے آبائی مذہب سے باغی ہوتے جا رہے تھے۔ ان کی تعداد میں جملہ اضافہ' پیدائش اور اموات کی شرح کے فرق پر منحصر تھا۔ دوسری طرف بڑھتی ہوئی آبادی کی سنگین غذائی ضروریات نے ان کے حکمرانوں کو شرح پیدائش کو ایک خاص سطح پر منجمد کرنے کے اقدام نافذ کرنے پر مجبور کیا ہوا تھا۔ ان حالات میں کوئی بھی ایٹمی تباہ کاری ان ہندوؤں کی سلطنت کو شاید اتنا نقصان نہ پہنچاتی لیکن ان کی بڑی آبادی کو ضرور نیست و نابود کر دیتی۔ ایسا نہیں تھا کہ صرف ہندو ہی ایٹمی تصادم کا نشانہ بنتے بلکہ خرابی یہ تھی کہ جنم واصل ہونے والے ہندوؤں کی جگہ لینے کے لیے دوسرے ممالک سے اس مذہب کے پیروکار نہیں آ سکتے تھے جب کہ آبادی کے ہولناک خلا کو پورا کرنے کے لیے دنیا بھر سے مسلمانوں کی ہجرت کا آغاز ہو سکتا تھا اور یوں ایک ہی ایٹمی تصادم کے بعد دنیا کی سب سے بڑی جمہوریہ ہندو اقلیت میں تبدیل ہو کر رہ جاتی... اور پھر لگاتار جمہوری عمل کے نتیجے میں اس سرزمین کا اقتدار ایک بار پھر مسلم اکثریت کو منتقل ہو جاتا۔

وہ متعصب ہندوؤں کی بہت دُور کی سوچ تھی جس کا سراغ غزالہ نے لگایا تھا ورنہ پاکستان کی ایٹمی استعداد کے حوالے سے ہونے والی عالمی بحث میں بات کبھی بھی طاقت کے علاقائی توازن سے آگے نہیں بڑھی تھی۔
"یہ تمہاری بہت بڑی کامیابی ہے۔" میں نے کھلے دل کے ساتھ اعتراف کیا۔ "مکاؤ سے نکلتے ہی' میں اسپیشل ٹاسک فورس والوں سے رابطہ کروں گا۔ ویسے منگلا اور تربیلا والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ لوگ ان جھیلوں کی تہوں تک کیسے رسائی حاصل کریں گے؟"
"میں نے جو کچھ سنا ہے' اس کے مطابق ان جھیلوں کے اسپل ویز کی کڑی نگرانی اور حفاظت کی جاتی ہے۔ دوسرے حصوں میں نہ صرف ٹھیکے پر ماہی گیری ہوتی ہے بلکہ تفریح کے لیے جانے والی جماعتوں کو بھی رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ ان ہی اطراف سے کوئی بھی پیشہ ور غوطہ خور' پوری تیاریوں کے ساتھ زیرِ آب سفر کی ابتدا کرے تو چند ہی پھیروں میں سارے لوازمات مقررہ مقام تک پہنچا سکتا ہے۔"
"یہ تو بہت بُری خبر ہے۔ ان آبی ذخائر سے ہمارے ملک کی بھاری برقی پیداوار بھی وابستہ ہے۔ انہیں کوئی بھی نقصان پہنچا تو ہم ایک ہی جھٹکے میں پچاس برس پیچھے چلے جائیں گے۔"
"اسی لیے میں اس موضوع پر بات کرنے کے لیے بے چین تھی۔" غزالہ نے کہا پھر چونک کر سوال کیا۔ "بلیو کراس ڈیل کا کیا بنا؟ وہ بھی ایک اہم معاملہ تھا۔"
"اس میں ویرا نے ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا ہے۔" میں نے اسے بتایا۔ "اس نے کمالِ ہوشیاری سے امریکی منصوبہ سازوں کو جُل دے کر' چھ سو ٹن وزنی ایٹمی ساز و سامان کی وہ کھیپ کوئٹہ پہنچا دی ہے۔ تمام ایرانی ٹرک اور ٹریلر زیرِ زمین گوداموں میں پہنچ چکے ہیں اور وہاں سے ایک ایک کر کے اپنی اصل منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔"
"ویرا بھی عجیب عورت ہے!" غزالہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔ "کبھی زہر کی پوٹ بن جاتی ہے اور کبھی تریاق۔ اُسے سمجھنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔"
"اسی کی کوششوں کی وجہ سے تم بھارتیوں کی قید سے آزاد ہوئی ہو۔ اُس نے ایک طرف تمہیں مس ترپاٹھی کے نام سے ہانگ کانگ بلانے کا بندوبست کیا اور دوسری طرف ڈون کو تمہاری پیشوائی کے لیے آمادہ کیا۔ یہ دونوں کام ایک ساتھ نہ ہوئے ہوتے تو تم اب بھی نئی دہلی میں قید ہوتیں۔"
میں نے اپنی بات وہیں ختم کر دی کیونکہ تراشی ہوئی جھاڑیوں کے ایک کنج کے عقب سے حسین نمودار ہو رہا تھا۔ وہ ہمارے قریب پہنچا تو اُس کے گلابی ہونٹوں پر ملائم سی مسکراہٹ نمودار ہو چکی تھی۔
"ڈون کا خیال تھا کہ نئے جوڑے ابتدائی دنوں میں کونوں کھدروں کی تلاش میں رہتے ہیں لیکن تم دونوں تو یہاں کھلے آسمان

ٹلے بیٹھے ہو۔ ڈون تمہیں یاد کر رہا ہے۔"

ہم دونوں فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت ان لوگوں کو ہم پر فقرے چست کرنے کا موقع ملا ہوا تھا اس لیے میں نے اس کے تبصرے کے جواب میں خفیف سی مسکراہٹ پر اکتفا کیا اور ایک بالکل ہی نئی بات چھیڑ دی۔ "یہاں تمہارے نام کی جو درگت بن رہی ہے، وہ میں زندگی بھر نہیں بھول سکوں گا۔"

"پہلے مجھے بھی برا لگتا تھا لیکن یہاں ملنے والی آسائشوں نے یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھلا دی ہیں۔"

راستے میں سلطان شاہ بھی ایک اوٹ میں بیٹھا ہوا مل گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ اکیلا ہی تھا۔ اس نے اردو میں بتایا کہ سارا اس کے پاس رکے بغیر، سیدھی چلی گئی تھی اور وہ ہم دونوں کو تخلیئے کا موقع فراہم کرنے کے لیے وہیں رک گیا تھا۔

حویلی میں ڈون ایک نئے کمرے میں ہم دونوں کا منتظر تھا۔ اس کمرے میں ڈون ایک اونچی کرسی پر بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا۔ اس کے ارد گرد تحائف میں آنے والے پیکٹوں کے انبار جمع تھے اور کمرے میں مختصر لباسوں میں ملبوس لڑکیوں کی بھاری تعداد کے علاوہ بہت سے مرد بھی گھسے ہوئے تھے۔

"تم لوگ کل جا رہے ہو۔ یہ تحائف میرے سامنے ہی کھول لو تاکہ مجھے بھی معلوم رہے کہ کس نے کیا دیا ہے۔" ہمیں دیکھ کر ڈون نے کہا۔ "یہ ریکارڈ میرے آئندہ میل جول میں کام آتا رہے گا۔ تمہیں یہ تو معلوم ہو چکا ہوگا کہ تحائف میں چار بیش قیمت گاڑیاں بھی آئی ہیں جو کل صبح یہاں پہنچ رہی ہیں۔"

"یہ سب تمہاری کرم فرمائیوں کا نتیجہ ہے ورنہ مکاؤ میں ہمیں کون جانتا ہے۔" میں نے نپے تلے الفاظ میں کہا۔ "ہمارے نام آنے والے ان تمام تحائف کے تم ہی مالک ہو۔ چاہو تو ہماری طرف سے اپنی لڑکیوں اور عملے کے دوسرے افراد کو دے دینا۔ ہمارے لیے یہ سب لاد کر لے جانا ممکن نہیں ہوگا۔"

ڈون کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "شاید تم کو اندازہ نہیں ہے کہ ان میں کیا کچھ ہوگا!"

"بعد کے لالچ سے بچنے کے لیے ہی میں نے یہ بات چھیڑی ہے۔" میں نے کہا۔ "شوائے زندہ ہوتی تو آج ہم یہ سب اُسی کو سونپ دیتے۔ اُس نے مختصر سے وقت میں ہماری بہت خدمت کی تھی۔ اگر تم برا نہ مانو تو ہم کچھ چیزیں سارا کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔"

ڈون کی آنکھوں میں رقصاں حیرت گہری دلچسپی میں بدل گئی۔

"تم مالک ہو، جو چاہو کر سکتے ہو۔"

"بی ایم ڈبلیو اور سارے سچے زیورات سارا کی ملکیت ہوں گے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"خوشی سے اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔" ڈون نے مسکراتے ہوئے کہا پھر چینی زبان میں دوسروں کو ہمارے فیصلے سے آگاہ کرنے لگا۔ اس کا اعلان سنتے ہی متجسس چہروں پر ہیجانی علامات ابھر آئیں اور تحیرزدہ سرگوشیوں کے ساتھ وہ سب آگے کی طرف سمٹنے لگے۔ ان میں سارا موجود نہیں تھی۔

"تم تمام تحائف یہیں چھوڑ جاؤ گے؟" اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر سوال کیا۔

"تمام نہیں!" میں نے جلدی سے تصحیح کی۔ "تمہارے دیے ہوئے تحائف میرے لیے انمول ہیں۔ وہ تم نے محبت کے ساتھ ہمیں دیے ہیں' اس لیے وہ ہمارے ساتھ رہیں گے۔ دوسرے تحائف ہمیں نہیں بلکہ تمہارے نام پر ملے ہیں اس لیے وہ مکاؤ میں رہیں گے۔ ان پر تمہارے بعد تمہارے عملے کا حق ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" ڈون نے اپنا وزنی سر ہلا کر کہا۔ "اب باقی ماندہ تین گاڑیاں میری صوابدید پر چھوڑ دو۔ یہ لڑکیاں اور دوسرے لوگ تحائف کے بارے میں شدید ہیجان اور تجسس میں مبتلا ہیں۔ میں نے انہیں بی ایم ڈبلیو کے بارے میں بتایا ہے اور ان کی بے چینی بڑھ گئی ہے۔ میرا خیال کہ بچے زیورات کی تعداد بہت زیادہ ہوگی۔ چند سارا کے لیے روک کر' باقی اپنے ہاتھ سے بانٹ دو۔ یہ سارے تماشائی خوشی سے پاگل ہو جائیں گے۔"

میں نے استفسار طلب نگاہوں سے غزالہ کی طرف دیکھا کیونکہ سارا سے زیورات والا وعدہ اسی نے کیا تھا۔ غزالہ نے ڈون کی تائید میں سر ہلا دیا۔

ایک چینی کاغذ پر کچھ نوٹ کر کے پیکٹ غزالہ کی طرف بڑھانے لگا۔ پہلے ہی پیکٹ میں سے ایک وزنی طلائی گلوبند برآمد ہوا۔ کمرا تالیوں سے گونج اٹھا۔ غزالہ نے بڑھ کر وہ ڈبا ایک خوبصورت چینی لڑکی کو تھمایا تو حیرت سے اس کی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں۔ ڈون نے تالیاں بجائیں تو پھر وہ شور ہوا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ تحفہ پانے والی لڑکی بار بار غزالہ کے سامنے آدھی ہوئی جا رہی تھی۔

ڈون نے تحائف کی فی الفور تقسیم کا خیال پیش کر کے اس اجتماع میں جان ڈال دی تھی۔ آناً فاناً میں وہ خبر پوری حویلی میں پھیل گئی اور مقدر آزمائی کے شوق میں' اس چھت کے نیچے موجود ہر شخص اس کمرے میں گھس آیا۔ چوتھا پیکٹ کھلنے تک اس کمرے میں تل دھرنے کی جگہ نہیں رہی تھی۔ مرد اور عورت کی تفریق کے بغیر' ہر شخص دوسروں کو دھکیل کر آگے بڑھ آنے کے لیے کوشاں تھا لیکن اس افراتفری پر ڈون بالکل خاموش تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود بھی اس ہیجان آمیز صورتِ حال سے محظوظ ہو رہا ہو۔

میری نگاہیں بے چینی کے ساتھ' بار بار اس ہجوم کا جائزہ لے رہی تھیں لیکن سارا کا کہیں پتا نہیں تھا۔

پیکٹوں میں سے ایک سے ایک قیمتی تحائف برآمد ہو رہے تھے' لفافوں میں تہنیتی پیغامات کے ساتھ بھاری رقوم دی گئی تھیں۔ بعض لفافوں میں صرف خوبصورت کارڈ بھی تھے۔ کارڈ اور پیغامات ایک طرف جمع کر کے' غزالہ لڑکیوں کو اور میں مردوں کو تحائف بانٹتا رہا۔ ہر نگاہ میں حرص' امید' التجا اور آرزو کا دلچسپ امتزاج نظر آ رہا تھا۔

ڈون نے ہماری سہولت کے لیے یہ فرمان نافذ کر دیا تھا کہ ہر ایک کو صرف ایک ہی تحفہ ملے گا اس لیے تحائف لینے والے' پیچھے ہٹ کر دوسروں کو جگہ دیتے رہیں تاکہ ہمیں اپنا کام نمٹانے کے لیے بھیڑ میں نہ گھسنا پڑے۔ جب بھی کوئی قیمتی چیز یا بڑی رقم نکلتی تو ہمارے آگے بڑھتے ہی ہر طرف سے خوشامدانہ سسکاریاں' سرگوشیاں اور فرمائشیں بلند ہونے لگتیں۔ ہر شخص ایسے تحائف کا دعوے دار ہوتا۔ ہم ان کا مفہوم بخوبی سمجھ رہے تھے لیکن ان کی التجاؤں کا لفظ بہ لفظ مفہوم سمجھنا ہمارے بس سے باہر تھا۔

چالیس تحائف کھلنے تک غزالہ نے صرف ایک طلائی سیٹ سارا کے لیے روکا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ اس سے کہیں زیادہ خوبصورت اور قیمتی سیٹ بانٹ چکی تھی لیکن میں خاموش رہا۔

جب ایک بڑے پیکٹ میں سے برآمد ہونے والا مخمل کا ڈبا کھولا گیا تو ڈون سمیت سب ہی کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں لڑکیوں اور عورتوں میں کھلبلی مچ گئی کیونکہ وہ بے داغ ہیروں سے سجا ہوا ایک نایاب طلائی سیٹ تھا جو شاید غزالہ کو ڈون کی طرف سے ملنے والے سیٹ سے بھی زیادہ قیمتی تھا۔

ڈون نے اضطراری طور پر اپنے آدمی سے وہ کارڈ لے لیا جو اس تحفے پر چسپاں تھا۔

"یہ ہزایکسی لینسی' گورنر آف مکاؤ کی طرف سے ہے۔" ڈون نے ہمیں مطلع کیا۔ "انہوں نے اپنی عدم شرکت پر معذرت بھی کی ہے کیونکہ انہیں ایک ایمرجنسی کی وجہ سے اچانک لزبن جانا پڑ گیا ہے۔"

غزالہ کی نگاہیں مجمع پر ناچ رہی تھیں۔ وہ اس تحفے کی حق دار کی تلاش میں تھی۔

"اسے سارا کے لیے روک لو!" میں نے اضطراری طور پر اُس کے کانوں میں سرگوشی کی۔

"نہیں!" غزالہ نے مجھ سے نظریں چار کیے بغیر' سختی کے ساتھ کہا اور وہ ڈبا لے کر آگے بڑھ گئی۔

اچانک ہجوم میں دھکا پیل شروع ہو گئی۔ غزالہ حرکت میں آئی تھی اس لیے ہر ایک کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ قیمتی تحفہ کسی عورت ہی کو ملے گا۔ ہر لڑکی راستہ بنا کر غزالہ کے سامنے آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ان کی بلبلاتی ہوئی آوازیں اور ہذیانی سرگوشیاں رحم انگیز تھیں۔

اسی لمحے بغلی دروازے سے سارا اندر داخل ہوئی۔ وہ دروازہ ہجوم سے آگے' ڈون کے داہنے ہاتھ پر واقع تھا۔ سارا نے رک کر چند لمحوں کے لیے صورتِ حال کا جائزہ لیا پھر وہ غضبناک تیوروں کے ساتھ غزالہ کی طرف جھپٹی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

وہ دو عورتوں کی رقابت کا معاملہ تھا جو پچھلے ایک گھنٹے میں یک بیک سنگین رخ اختیار کر گیا تھا اور میں یہ اندازہ لگانے سے یکسر قاصر بلکہ معذور تھا کہ ان دونوں کی دشمنی کیا رنگ دکھاتی ہے۔

ڈون کسی دلچسپ ترین نظارے کی امید میں اپنے گلاس کی تلچھٹ چوس رہا تھا۔

میرے دل میں چور تھا اس لیے وہ واقعہ رونما ہوتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

ہم تینوں جب تک ڈون کی حویلی میں مقیم تھے' ڈون کی مرضی اور فیصلوں کے پابند تھے اور ہمارا مستقبل غیر واضح تھا کیوں کہ ڈون بہت مغلوب الغضب اور متلون مزاج واقع ہوا تھا۔ وہ خوش ہو تو لوگوں کی بڑی سے بڑی خطاؤں کو ہنس کر ٹال سکتا تھا اور برہم ہو تو ذرا سی لغزش پر کھال کھنچوا سکتا تھا۔ دیکھا جائے تو ہم لوگ موت کے جبڑوں میں دھونی رما کر زندگی کی امید کر رہے تھے۔

مجھے اعتراف ہے کہ میں ہمیشہ سے حسن پسند تھا اور حسین چہرے والیوں سے چھیڑ چھاڑ میں مجھے ایک خاص لطف آتا تھا لیکن ڈون کی حویلی میں آنے کے بعد میری فطرت کا وہ پہلو' ذہن کے خوابیدہ گوشوں میں کہیں جا سویا تھا۔ میں مِس شوائے یا سارا کے ساتھ جو کھیل کھیلتا چلا آ رہا تھا' وہ میرے لیے تفریح سے زیادہ ناگزیر ضرورت بن کر رہ گیا تھا۔

ڈون کی چھت کے نیچے لیے جانے والے سانسوں کی آواز بھی اس سے پوشیدہ نہیں رہتی تھی اس لیے اندر کی سُن گن رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ اس بھیڑ میں ہمارا بھی کوئی ہمدرد اور ہم نوا ہو۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ڈون اپنے گرد و پیش میں غیر ضروری طور پر کسی مرد کا وجود پسند نہیں کرتا تھا۔ حویلی سے باہر ہونے والے منظم ترین جرائم کا شعبہ اس نے شاطر اور گھاگ مجرموں کو سونپا ہوا تھا لیکن حویلی میں نفری کے اعتبار سے عورتوں اور لڑکیوں کا ہی غلبہ تھا پھر اس سے بڑھ کر' چینیوں کے ہجوم میں انگریزی جاننے والوں کی تعداد برائے نام تھی۔ اس حوالے سے مِس شوائے سرِ فہرست تھی۔ پھر ایرانی نژاد حسین کا نام سامنے آیا جو ڈون کی حویلی کے چکروں میں واقعی چو سین بن کر رہ گیا تھا اور خال خال ہی نظر آتا تھا۔ تیسرا اور آخری نام برطانوی نژاد سارا کا تھا جو اس وقت غزالہ پر جھپٹی تھی۔

شوائے اپنا شباب ڈھل جانے کے بعد آزاد تھی لیکن سارا کو بدستور ڈون کی پسندیدگی حاصل تھی۔ اس کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ آزاد مغربی معاشرے سے تعلق رکھتی تھی۔ عمر اور جسم و جمال کے اعتبار سے بھی اس کے جذبے بہت منہ زور اور توجہ طلب تھے جب کہ ڈون بے چارے کی نظروں میں کم و بیش تین درجن حسین و جمیل لڑکیاں پسند کے اس مرتبے پر فائز تھیں اور اس کے لیے مستقل طور پر کسی ایک کی ناز برداری میں لگے رہنا ممکن نہیں تھا جس کے نتیجے میں سارا گھٹن اور محرومی کا شکار رہتی تھی۔

میں نے اپنی ضرورت کے تحت سارا پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تو اُسے گویا اس کی دلی مراد مل گئی اور وہ میری توقع کے قطعی برعکس' کسی پکے ہوئے پھل کی طرح' کسی بھی لمحے ڈال سے ٹوٹ کر میری جھولی میں گرنے کے لیے پوری طرح آمادہ و تیار ہو گئی اگر ڈون اور اس کی حویلی میں پھیلے ہوئے جاسوسی کے پُراسرار نظام کا خوف نہ ہوتا تو بات شاید بہت آگے بڑھ چکی ہوتی۔

وہ میری وقتی مجبوریاں تھیں جنہیں سلطان شاہ سمجھ سکتا تھا اور نہ غزالہ۔ حقیقت یہ تھی کہ میں دل و جان سے غزالہ کا شیدائی تھا۔ وہ میرے برسوں کے خوابوں کی تعبیر تھی۔ ہم دونوں جلد از جلد ایک دوسرے کے ہو جانا چاہتے تھے لیکن مکاؤ میں نہیں' جہاں بیویوں اور محبوباؤں کو جوئے میں داؤ پر لگانے کی روایت کسی نہ کسی حد تک موجود تھی۔ ہم واپس لوٹ کر پاکستان میں اس مقدس بندھن کا آغاز کرنا چاہتے تھے لیکن اڑیل ڈون نے ہمارے لیے انتخاب کی کوئی بھی راہ چھوڑے بغیر شادی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس کی انوکھی اور سنگین دھمکی کے مطابق میں غزالہ کو صرف اپنی بیوی بنا کر ڈون کی حویلی سے لے جا سکتا تھا۔ اس شرط سے انحراف کی صورت میں غزالہ عمر بھر کے لیے ڈون کی قیدی بن جاتی اور حویلی ہی کے در و دیوار میں اس کے بالوں میں چاندی کے تار اترنے شروع ہو جاتے۔ ڈون کی اس حرکت کی وجہ سے میرا اور غزالہ کا تعلق ہر ایک کے علم میں آچکا تھا۔

میں لاکھ غزالہ سے وفاداری کا دم بھرتا رہتا لیکن سارا کی کچھ اپنی توقعات تھیں جن کی حوصلہ افزائی میں میرا دخل تھا اور دو لڑکیوں کی رقابت کا لرزہ خیز نتیجہ سامنے آنے ہی والا تھا۔

سارا کے غزالہ تک پہنچنے سے پہلے ہی میرے ذہن میں حالات و واقعات کی وہ فلم ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں چل گئی' میں دم بخود اپنی جگہ کھڑا سارا کو دیکھتا رہا۔

رہا ڈون' تو وہ اس وقت بالکل ہی بدلا ہوا شخص نظر آ رہا تھا اپنے دبدبے اور جلال کو بھول کر وہ کسی تحیر زدہ اور عام سے تماشائی کی طرح ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

غزالہ اپنے پیچھے آنے والی اس ناگہانی مصیبت سے بے خبر' مکاؤ کے گورنر کی طرف سے آنے والا ہیروں کا ہار بلند کیے' اس کے حق دار کی تلاش میں تھی۔

سارا نے اچانک ہی دونوں ہاتھوں سے دبوچ کر غزالہ کو پیچھے کی طرف گھسیٹا۔ غزالہ کے حلق سے اضطراری طور پر ایک سریلی چیخ بلند ہو گئی۔

اس وقت تک وہاں موجود ہر لڑکی اور ہر عورت کی نگاہیں ہار کے ہیروں سے پھوٹنے والی طلسماتی کرنوں کے سحر میں گرفتار تھیں۔ غزالہ کی چیخ کے ساتھ ہی ان میں بھی ہلچل پیدا ہو گئی۔

"تم جھوٹی اور مکار ہو!" سارا نے نفرت اور غصے کے ساتھ چیختے ہوئے' وہ ہار غزالہ کے ہاتھ سے چھین لیا۔

غزالہ نے سرد اور تحقیر آمیز نظروں سے اسے گھورا پھر اس کی داہنی ٹانگ تیزی سے حرکت میں آئی اور سارا چیختی ہوئی قالین پر ڈھیر ہو گئی۔ ڈون کا چہرہ خوشی سے کِھل اٹھا تھا۔

"مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو' سفید کتیا!" غزالہ نے اس سے دو قدم دور ہٹتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز بھی اس کی نگاہوں کی

طرح سرد اور ذلت آمیز تھی۔
سارا آندھی اور طوفان بن کر آئی تھی لیکن غزالہ کے ایک ہی جوابی وار کے نتیجے میں اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور وہ قالین سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے رُندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "تم نے تحفے میں آئے ہوئے تمام زیورات میری ملکیت میں دے دیے تھے اب تم ان کو کس اختیار کے تحت بانٹ رہی ہو؟"
"یہ مجھ سے نہیں ' ڈون سے پوچھو!" غزالہ نے ہاتھ اٹھا کر ڈون کی طرف اشارہ کیا۔
وہ مکالمات انگریزی میں ہو رہے تھے اور ڈون کے بیشتر ملازمین کے لیے ناقابلِ فہم تھے لیکن صورتِ حال ان کے لیے بہت زیادہ دلچسپ بلکہ بہت سنسنی خیز تھی اس لیے وہ بھیڑ ان دونوں کے قریب سمٹ آئی تھی۔
ڈون زور زور سے ہنسنے لگا۔ سارا مجروح نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جب ڈون کی ہنسی کا زور ذرا کم ہوا تو وہ بولا۔ "ہاں ' ان دونوں نے مجھے اپنے وعدے کے مطابق بتایا تھا۔ بی ایم ڈبلیو اب بھی تمہاری ہے لیکن زیورات بہت زیادہ آئے ہیں۔ ان پر دوسروں کا بھی حق ہے۔ غزالہ خاص خاص زیورات تمہارے لیے جمع کرتی جا رہی ہے ' وہ سب تم کو ملیں گے۔"
سارا دوبارہ اپنے قدموں پر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بولی تو اس کی آواز سے گہری مایوسی مترشح تھی۔ "مجھے معلوم ہے کہ مجھے حقیر اور بے وقعت زیورات ملیں گے کیوں کہ میں نے اس کی خوشامد نہیں کی تھی۔ دیکھا جائے تو ہز ایکسی لینسی کی طرف سے آنے والا یہ جڑاؤ ہار مجھے ملنا چاہیے تھا اس کے آگے سب کچھ ہیچ ہو گا لیکن یہ بھی دوسروں کی ملکیت بننے والا تھا۔"
"تم اداس ہو کر بالکل پرنسز ڈیانا نظر آنے لگتی ہو۔" ڈون اس کی حسرت اور اداسی سے محظوظ ہو رہا تھا۔ "یہ ہار ہی نہیں بلکہ پورا سیٹ ہے۔ ہار کے ساتھ کے دوسرے زیورات ڈبے میں ہیں جو سائی شو کے ہاتھ میں ہے۔ سائی شو کو پہلے ہی ایک تحفہ مل چکا ہے اس لیے وہ بھی بڑی حسرت سے اس سیٹ کو دیکھ رہی ہے۔ تم کو یہ اتنا ہی پسند ہے تو تم لے لو اور یہاں میرے قریب آ کر بیٹھو!" ڈون نے اپنے پہلو میں ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔
زیورات عورت کی کتنی بڑی کمزوری ہوتے ہیں ' اس کا اندازہ اس وقت بخوبی کیا جا سکتا تھا۔ سارا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو ابھر آئے ' اس کے ہونٹوں کے گوشے بُری طرح کپکپا رہے تھے۔ معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا کہ وہ روتے روتے ہنس رہی تھی یا ہنستے ہنستے رونا چاہ رہی تھی۔ اس نے ہیروں کے جھلملاتے ہوئے ہار کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا تھا پھر اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔ "ڈون! تم واقعی گریٹ ہو۔"
سارا نے پلٹ کر سائی شو نامی لڑکی کے ہاتھ سے ہیروں کے سیٹ کا ڈبا لے لیا جس میں آویزوں ' کڑوں اور انگوٹھی کے ساتھ بروچ بھی دمک رہا تھا۔ مکمل سیٹ اپنی تحویل میں لینے کے بعد وہ ڈون کے قریب گئی اور چٹا چٹ اس کے کئی بوسے لینے کے بعد ' اس کے زانو سے جُڑ کر بیٹھ گئی۔
"لیکن یہ یاد رکھنا کہ اب تمہیں کسی اور تحفے پر مچلنے کی اجازت نہیں ہو گی۔" اس وقت ڈون ' سارا پر فریفتہ ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ "تمہیں انتخاب کا موقع ملا ہے لیکن دوسروں کو غزالہ اپنی مرضی سے منتخب کر رہی ہے۔ میں نے اس کھیل کا اصول یہ بنایا ہے کہ پہلے ہر ایک کو ایک ایک تحفہ ملے گا اس کے بعد نیا کھیل ہو گا۔"
اس وقت ہیروں کے سیٹ یا ڈون کے قُرب کی وجہ سے سارا ہر ایک کی رشک آمیز نگاہوں کا مرکز بن گئی تھی اور اس کی وہ عزت افزائی غزالہ کو گوارا نہیں تھی اس لیے اس نے فوراً ہی اگلا پیکٹ لے لیا جس کا اندراج ہو چکا تھا۔ ساری نگاہیں ایک مرتبہ پھر غزالہ پر جم گئیں۔
ڈون مسلسل شراب پیے جا رہا تھا پھر اُسے سارا ایک بیک اپنی پسندیدہ شہزادی کے روپ میں نظر آنے لگی تھی اس لیے جلد ہی وہ تحائف کی تقسیم سے اکتا گیا۔
اس نے روانگی کا ارادہ کیا تو میں نے بھی تکان کا عذر پیش کر دیا ورنہ ہم گھنٹوں اسی چکر میں الجھے رہتے۔
ڈون نے ہمارا کام اپنے میر منشی کو سونپ دیا اور ہمیں بتایا کہ ہر ایک کی باری آ جانے کے بعد فہرست مکمل کر کے تمام تحائف ایک جگہ ڈھیر کر دیے جانے تھے۔ میر منشی کے اشارے پر حملے کا آغاز ہوتا اور اس ڈھیر میں سے جو چیز جس کے ہاتھ لگتی اسی کی ملکیت ہو جاتی۔
اس دوران میں غزالہ نے سارا کے لیے صرف چار پیکٹ الگ کیے تھے جو سائی شو ہی اٹھا کر کہیں لے گئی۔ بیش قیمت سیٹ والا ڈبا سارا نے اپنے ہی قبضے میں رکھا تھا۔
ڈون سارا کے ساتھ کھڑا ہوا پھر اس نے اچانک ہی سارا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے لمحہ بھر کے لیے زمین سے قدرے اوپر اٹھایا ' سارا ہاتھ پیر مارتی اور احتجاج کرتی ہی رہ گئی لیکن ڈون نے نہایت پھرتی کے ساتھ اسے اپنے داہنے کندھے پر لادا اور بائیں ہاتھ سے اس کی پشت سہلاتا ہوا ' نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ہم دونوں بھی لوگوں کو ہاتھ لہرا کر ڈون کے پیچھے چل دیے۔ سلطان شاہ کو شاید وہ تماشا دلچسپ معلوم ہو رہا تھا اس لیے وہ وہیں رک گیا۔ ہم لوگ اپنے ٹھکانوں سے بخوبی واقف ہو چکے تھے اس لیے عارضی طور پر ایک دوسرے سے الگ ہو جانے میں کوئی اندیشہ نہیں تھا۔
سارا خوبصورت اور سبک اندام ہونے کے ساتھ ہی کشیدہ قامت بھی تھی۔ اس کے متناسب سراپا کے ہر عضو سے بھرپور صحت مندی جھلکتی تھی لیکن ڈون اسے ذرا بھی لڑکھڑاہٹ کے بغیر

یوں اٹھائے لیے جا رہا تھا جیسے سارا پھولوں سے بھی ہلکی ہو۔ سارا کا چہرہ اور اوپری دھڑ' ڈون کی پشت پر جھول رہا تھا۔ وہ رہ رہ کر یوں قہقہے مار کر تڑپ رہی تھی جیسے موج میں آیا ہوا ڈون اپنی سبک خرامی کے دوران میں بھی اسے گدگدیاں کرتا جا رہا ہو۔ ڈون کے ایک راہداری میں مڑنے سے پہلے اس نے ایک دو بار غزالہ کو منہ چڑانے کی بھی کوشش کی لیکن غزالہ کن انکھیوں سے اس کی ایک ایک حرکت دیکھنے کے باوجود براہِ راست اس کی طرف متوجہ نہیں تھی اس لئے غزالہ کا تمام تر ردِعمل چند بڑبڑاہٹوں تک ہی محدود رہا اور ہم اپنے شیش محل کی طرف ہو لیے۔

"تم نے دیکھا کہ سارا کس قدر گھٹیا اور کمینی عورت ہے۔" چند قدم دور نکلنے کے بعد غزالہ کو اپنے دل کا غبار نکالنے کا موقع ملا تو میں بوکھلا گیا۔ ہماری آوازیں کہیں نہ کہیں' یقینی طور پر سنی یا ریکارڈ کی جا رہی تھیں اور ایسے تبصروں کے نتیجے میں ہم دشواریوں میں گھر سکتے تھے۔

"تم فکر مت کرو۔" وہ میری پریشانی فوراً ہی بھانپ گئی۔ "ڈون بہت عظیم ہے۔ وہ ان ایماندارانہ باتوں کا برا نہیں مانے گا۔ سارا نے مجھ پر حملہ کر کے خود ہی میری زبان کھلوائی ہے۔ میں اس سے کیے ہوئے وعدے پر قائم رہنے کا مصمم ارادہ رکھتی تھی لیکن ڈون نے خود ہی دوسروں کی دلجوئی کے لیے متبادل تجویز پیش کی اور میں مجبور ہو گئی۔"

"اب اس ناخوشگوار واقعے کو بھول جانے کی کوشش کرو!" میں نے اسے پچکار کر کہا۔

"کوشش کر رہی ہوں لیکن تم نے دیکھا ہو گا کہ ڈون کے کندھے پر جھولتے ہوئے وہ خوشی سے کیسے بے قابو ہوئی جا رہی تھی۔ ایک طرف وہ جونی سے والہانہ محبت کی دعوے دار ہے اور دوسری طرف وہ ڈون پر مری جا رہی ہے۔ وہ بار بار مجھے منہ چڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے بمشکل اسے نظر انداز کیا ہے۔"

"میں دیکھ رہا تھا۔ تم نے اس کے منہ نہ لگ کر بہت اچھا کیا۔ تم دونوں کے مقابلے کا دوسرا راؤنڈ شروع ہو جاتا تو ڈون کا موڈ بہت خراب ہو جاتا۔ وہ اپنے عزیز ترین دوست کے قتل کے صدمے کو بھلانے کی سرتوڑ کوششیں کر رہا ہے اور شاید اسی لیے آج بہت زیادہ پی رہا تھا۔"

"میں تو بے چارے نیشی کاؤ کو بھول ہی گئی۔" غزالہ چونک کر بولی۔ "ہم لوگ تھک ہار کر سارا دن سوتے رہے۔ تمہیں اس کا کچھ پتا چلا کہ اب اس کی لاش کہاں ہے؟"

"ہم سوتے رہے لیکن سلطان شاہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح سارا دن حویلی میں چکراتا رہا۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ ڈون نے اپنے گاؤں کے معززین کے سامنے' اپنے بچپن کے دوست کی لاش پر قسم کھائی ہے کہ وہ اس کے قاتل کو پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

غزالہ نے گھبرائی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے لمحہ بھر کی پُرسکون مسکراہٹ کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "نیشی کاؤ کی لاش چین اور پُرتگال کے نوآبادیاتی پرچموں میں لپیٹ کر ان ہی معززین کے حوالے کر دی گئی تھی اور وہ دن ڈھلنے سے پہلے' شین زین کے راستے' شنگھائی کے اس مضافاتی قصبے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ڈون اور نیشی کاؤ نے ایک ساتھ اپنا بچپن گزارا تھا۔"

"لیکن ڈون کے گاؤں کے معززین مکاؤ میں کہاں سے آ گئے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"ڈون اپنے لوگوں کے لیے بہت نرم دل اور مہربان انسان ہے۔ مکاؤ میں اس کے ناقابلِ شکست رُتبے کی وجہ سے اس کے قصبے کے بہت سے معززین اور نوجوان' چین سے ہجرت کر کے مکاؤ میں آ بسے ہیں۔ ان کے خاندانی مسائل اور تنازعات میں ڈون کے فیصلے حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان میں نیشی کاؤ کے کچھ قریبی رشتے دار بھی ہیں۔ اس کے سفاکانہ قتل کی خبر سنتے ہی وہ سب ڈون کی حویلی میں جمع ہو گئے تھے۔"

"ڈون اپنے لوگوں میں زمینی خدا کا درجہ رکھتا ہے۔" غزالہ نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اس دَور میں تصور ہی محال ہے کہ کسی فردِ واحد کو طاقت اور اختیار کے ساتھ ہی' اپنے لوگوں میں اس قدر عزت و احترام حاصل ہو۔ عام طور پر طاقت ور اور مقتدر کے خلاف نفرت کے جذبات ہی پائے جاتے ہیں۔"

"دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ طاقت اور اقتدار کس کے ہاتھ میں ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "ہلاکو کے ہاتھوں میں طاقت ایک ننگی گالی بن گئی تھی لیکن صلاح الدین ایوبی نے طاقت کے استعمال کو ایک نیا رخ دیا تھا۔ مکاؤ میں سب جانتے ہیں کہ ڈون کیا ہے اور کیا کرتا ہے لیکن میرا اندازہ ہے کہ وان لن کے کٹر حامیوں کے علاوہ' مکاؤ کا ہر شہری اپنے دل کی گہرائیوں سے ڈون کی عزت کرتا ہے۔"

"میرے لیے یہ تجربہ حیرت انگیز بلکہ ناقابلِ یقین ہے۔" غزالہ بولی۔

"ڈون کی اعلیٰ ظرفی اور مقبولیت کا سبب جاننے کے لیے ہماری ہی مثال کافی ہے۔" میں نے ڈون کی مشینی مسند والے ویران کمرے سے گزرتے ہوئے کہا۔ "ڈون چاہتا تو ہم سے کوئی بات کیے بغیر' ہم دونوں کو چینی رسوم و رواج کے مطابق شادی کرنے کا حکم دے سکتا تھا لیکن یہ اس کی بے مثال رواداری تھی کہ اس نے ہمارے کسی مطالبے کے بغیر ہی چین سے ایک مسلمان قاضی بلوانے کا بندوبست کر لیا۔ لوگ عام طور پر ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے لیکن درحقیقت یہی چھوٹی چھوٹی باتیں کسی بھی آدمی کو بڑا بناتی ہیں۔"

ہم دونوں' باتیں کرتے ہوئے شیش محل کی نشست گاہ میں

داخل ہوئے تو سلطان شاہ ہم سے پہلے' وہاں صوفے پر پاؤں پسارے دراز تھا۔
"تمہیں تو ہم نے میر منشی کے تماشے میں چھوڑا تھا' تم ہم سے پہلے یہاں کیسے پہنچ گئے؟" اس پر نگاہ پڑتے ہی غزالہ نے چونک کر پوچھا۔
"یہاں تک آنے کے کئی راستے ہیں۔" وہ نیم وا آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے بولا۔ "اس وقت لوٹ کے مال کے چکر میں سب لوگ اسی ایک ہال میں گھسے ہوئے ہیں اور حویلی ویران پڑی ہوئی ہے۔ میں کسی روک ٹوک کے بغیر شارٹ کٹ کے ذریعے یہاں آگیا۔"
"ہمارا تو خیال تھا کہ تم تحائف کی لوٹ مار کا تماشا دیکھنے کے لیے وہاں رکے ہو۔"
"کباب میں ہڈی بننے کو دل چاہ رہا تھا اس لیے ادھر چلا آیا ورنہ باہر کا موسم بھی بہت حسین ہے۔" اس نے مجھے آنکھ مار کر لوفرانہ انداز میں کہا۔
"تو باہر ہی چلے جاتے۔" غزالہ جل کر بولی۔ "شاید موسم سے سٹھیائی ہوئی کوئی چینی لڑکی تمہاری گلے میں بانہیں ڈال کر ناچنا شروع کر دیتی اور تمہارا مقدر کھل جاتا۔"
"میرا مقدر اتنی ہلکی پھلکی باتوں سے نہیں کھل سکتا۔ اس کے لیے ضربِ شدید ضروری ہے۔" اس نے اپنی پیشانی کے زخم کو ہولے ہولے سہلاتے ہوئے کہا۔ "میرا مقدر کھولنے کے لیے تو یہ چوٹ بھی ناکافی رہی تھی البتہ تم دونوں کی خشمناک نگاہیں میری صحت ضرور خراب کر دیں گی....."
"اس وقت تمہاری زبان میں خارش ہو رہی ہے۔" غزالہ نے غرّاتے ہوئے کہا۔ "اس لیے تم بلاوجہ باتیں بنا رہے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ سارا دن آرام کرنے کے بعد ہمیں تخلیئے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"
"یہ وہ آگ ہے جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے کہ بھڑکتی جائے ہے' جتنی یہ بجھتی جائے ہے۔" سلطان شاہ نے صوفے پر سے سرکنے کی تیاری کرتے ہوئے کہا۔
غزالہ کے پاس سلطان شاہ کی اس چوٹ کا کوئی جواب نہیں تھا اس لیے اس نے بھنا کر اپنا پرس ہی اس پر کھینچ مارا جسے سلطان شاہ نے فضا میں ہی لپک لیا۔ غزالہ روہانسی ہو کر اس کی طرف جھپٹی اور وہ صوفے سے اچھل کر پھرتی کے ساتھ میری نشست کی اوٹ میں دبک گیا۔
"مانا کہ ڈون کی حویلی کے اس حصے میں بلٹ پروف آئینے استعمال کیے گئے ہیں لیکن پھر بھی مار دھاڑ سے احتراز ضروری ہے۔" اس نے وہیں سے ہانک لگائی اور غزالہ شکست خوردہ انداز میں سلطان شاہ کے خالی کیے ہوئے صوفے پر گر گئی۔

"یہ بے تکی بکواس کیے جا رہا ہے اور تم خاموش بیٹھ کر اس کی حوصلہ افزائی کر رہے ہو!" غزالہ نے تنگ آکر بھرّائی ہوئی آواز میں مجھ سے شکوہ کیا۔ "اسے شرم نہیں آتی کہ کل تک یہ مجھے بہن بنائے بیٹھا تھا اور آج مجھے بلاوجہ تنگ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ میرا دماغ سنک گیا تو ابھی اسے درست کر دوں گی۔"
"باہمی معاملات میں مجھے ملوث نہ کرو۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر سکون کے ساتھ کہا۔ "شاید تم بھول رہی ہو کہ تمہارا نکاح ہونے کے بعد یہ بہن بھائی کے رشتے سے رضاکارانہ طور پر دست بردار ہو گیا تھا۔"
"گڈ!" سلطان شاہ خوش ہو کر بولا۔ "تم نے بہت اچھا نکتہ یاد دلایا۔ میں تو ابھی شرم سے پانی پانی ہونے والا تھا۔"
"میری طرف سے تم بھاڑ میں جاؤ!" غزالہ بھنّا کر اٹھی اور تیزی کے ساتھ خوابگاہ والی سپاٹ دیوار کی طرف بڑھتی چلی گئی اس کا وہ رویّہ سلطان شاہ کے لیے شاید قطعی غیر متوقع تھا کیوں کہ وہ بوکھلا کر اپنی کمین گاہ سے نکلا اور خوشامدانہ انداز میں معافیاں مانگتے ہوئے غزالہ کے پیچھے دوڑا لیکن وہ سنی ان سنی کر کے خوابگاہ میں غائب ہو گئی۔
آئینوں والا حصہ برابر ہوتے ہی سلطان شاہ فوٹو سیل کے سامنے پہنچ کر بے چینی کے ساتھ اپنے بدن کے زاویے بدلنے لگا لیکن برابر ہونے والے آئینے نے اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہیں کی۔
"واپس لوٹ آؤ!" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "اب مداری کی طرح ناچنے سے کچھ نہیں ہو گا۔ اس نے اندر سے دروازہ مقفل کر لیا ہو گا۔"
"وہ شاید واقعی ناراض ہو گئی۔ میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔" سلطان شاہ نے کھسیائے ہوئے انداز میں بولا۔
"بعض اوقات تم حد سے تجاوز کر جاتے ہو۔ اب وہ میرے لیے بھی دروازہ نہیں کھولے گی اور شاید مجھے یہ رات یہیں' کسی صوفے پر گزارنی پڑے گی۔ جب کہ صبح ہماری روانگی ہے۔" میں نے اسے ملامت بھری نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔
"اوہ' میں تو بھول ہی گیا تھا کہ صبح ہمیں روانہ ہونا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں غزالہ سے زیادہ ان بوتلوں کی یاد ستا رہی ہے جو خوابگاہ کے وائن کیبنٹ میں بند ہیں۔"
"تم بہت سُور ہوتے جا رہے ہو۔" میں اس کے صحیح اندازے پر بے اختیار ہنس پڑا۔
"سارا یا چوسین سے کہو تو وہ پورا مے خانہ یہیں اٹھا لائیں گے۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔
"تم نے دیکھ ہی لیا تھا کہ سارا کو ڈون اٹھا لے گیا تھا اس

وقت ان دونوں سے رابطہ کرنا ناممکنات میں سے ہو گا۔ رہا چو سین تو وہ بے چارہ بھی کہیں بھٹک رہا ہو گا۔"
اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اسی وقت مجھے خیال آیا کہ جب سے ہم نے ڈون کی حویلی میں قدم رکھا تھا ہمارے لیے کہیں سے بھی کوئی فون کال نہیں آئی تھی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔
"یو.... چیں چوں چاں... فون!" آپریٹر کے پورے فقرے میں صرف پہلا اور آخری لفظ قابلِ فہم تھا۔ چینی زبان میں کی گئی بقیہ نرم ونازک تقریر مجھ پر بے اثر ثابت ہوئی تھی۔
میں ریسیور اپنے کان سے لگائے کسی ہونق کی طرح خاموش کھڑا رہا پھر اگلے ہی لمحے مجھے ایک خوشگوار حیرت کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ دوسری طرف سے ویرا کی جانی پہچانی چہکار سنائی دی تھی۔
"اوہو۔ تو تم یک بیک مکاؤ بلکہ ڈون کی حویلی میں پہنچے ہوئے ہو؟" میری آواز سن کر ویرا کی تحیّر زدہ آواز ابھری۔ "میں نے تو غزالہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے خیال سے ڈون کو فون کیا تھا۔ جب آپریٹر نے بتایا کہ ڈون آرام خاص میں ہے تو میں نے سرسری طور پر غزالہ کے بارے میں پوچھ لیا۔ اس نے مجھے لائن ہولڈ کرنے کی ہدایت کی اور پھر اچانک ہی تم لائن پر آ گئے۔ میرا خیال تھا کہ غزالہ مکاؤ سے نکل کر کراچی آ چکی ہو گی اور تم اس کے ساتھ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں عیش کر رہے ہو گے!"
"ان باتوں کا جواب تو میں دیتا رہوں گا تم یہ بتاؤ کہ آپریٹر سے تمہاری گفتگو کیسے ہوئی؟ وہ تو شاید انگریزی کے دو چار سے زیادہ الفاظ ہی نہیں جانتا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔
ویرا کا جوابی قہقہہ بہت جاندار تھا' وہ بولی۔ "میں چینی زبان بول لیتی ہوں مجھے اس دلچسپ اور انوکھی زبان کے ستائیس ہزار سے زیادہ الفاظ یاد ہیں جنہیں میں لکھ اور پڑھ بھی سکتی ہوں۔"
"پھر تو تم آستانے کی حور معلوم ہوتی ہو۔" میں نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔
"یہ کیا بات ہوئی؟" ویرا کی آواز تحیّر زدہ تھی۔
"ایک پرانا تاریخی ناول یاد آ گیا تھا... اور اب جگر تھام کر سنو کہ ڈون نے ہماری بہت زیادہ مہمان نوازی اور عزت افزائی کی ہے۔ حد یہ ہے کہ ہماری خلوت میں کی ہوئی نجی گفتگو کا ترجمہ سن کر اس نے ہمیں کل یہاں سے روانہ ہونے کی اجازت بھی دے دی ہے۔"
"اچھا!" ویرا کا لہجہ معنی خیز تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ میرے الفاظ میں پنہاں پیغام کو سمجھ گئی تھی لحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے پوچھا "اور غزالہ کہاں ہے؟"
"وہ ہمارے ساتھ ہے اور ڈون کی زبردستی کے نتیجے میں میری بیوی بن چکی ہے۔"
"نہیں!" ویرا کی بے ساختہ آواز ابھری۔ "ڈون کو تمہاری شادی سے کیا لینا تھا؟"
"لمبی کہانی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔
"آؤں گا تو یہاں کی کہانیاں سنا کر تمہیں حیران کر دوں گا۔ ڈون یہاں کا پکا گاڈ فادر ہے۔ مکاؤ میں پرتگیزی گورنر کا حکم ٹل سکتا ہے لیکن ڈون کا مشورہ تک قانون بن جاتا ہے۔ ویسے تم اس وقت کہاں موجود ہو؟"
"میں وقت نکال کر کراچی لوٹ آئی ہوں۔ ایک آدھ دن میں واپسی کا ارادہ تھا لیکن تم نے میرے دل میں ایسا تجسس پیدا کر دیا ہے کہ میں تم سے ملے بغیر واپس نہیں جا سکتی۔ تم کب تک لوٹ رہے ہو؟"
"کل صبح ہانگ کانگ روانگی ہے۔ وہاں سے فون کر کے اگلا پروگرام بتا دوں گا۔"
"میں تمہارے فلیٹ میں ہوں۔" اس کی آواز سپاٹ ہو گئی "ہو سکے تو ڈون سے بھی میری بات کرا دینا۔ میں مدد اور تعاون کے لیے اپنے منہ بولے باپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔"
"اس وقت میرے دل میں بے شمار سوالات اُمڈ رہے تھے لیکن میں اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور تھا مجھے اندازہ تھا کہ وہ تمام گفتگو لفظ بہ لفظ ریکارڈ کی جا رہی ہو گی اور ڈون کا آرام خاص کا دورانیہ ختم ہوتے ہی اس گفتگو کا ترجمہ اس تک پہنچا دیا جائے گا۔
"میں تمہارا پیغام ڈون تک پہنچا دوں گا۔ ویسے کراچی کے کیا

حالات ہیں؟" میں نے کسی خبر یا سراغ کی امید میں وہ سرسری سا سوال کر ڈالا۔
"سڑکوں پر جلوس نکل رہے ہیں۔" ویرا کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ "دو روز پہلے حکومت تبدیل ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی استحکام سے تم لوگوں کو ہیضے کی بیماری لاحق ہونے لگتی ہے۔"
سیاست سے مجھے کبھی بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی اس لیے میں نے ویرا کے اس طنزیہ تبصرے پر کان دھرے بغیر کہا۔ "میں کل شام تک تمہیں فون کروں گا۔ اس وقت سیاست پر بات ہوگی۔"
"یہاں کی شام یا تمہاری؟" ویرا نے برجستہ سوال کیا۔
"تمہاری کیوں کہ تم لوگ یہاں سے چار گھنٹے آگے رہتے ہو۔" "غزالہ سے شادی کر کے تم سالوں آگے نکل گئے ہو۔ اپنی نئی نویلی جورو سے بات نہیں کراؤ گے؟"
"اس وقت رات کے دس بجنے والے ہیں' وہ سو چکی ہے۔" میں نے بات بناتے ہوئے کہا پھر فوری خیال کے تحت پوچھا۔ "اوہ! کراچی میں تو اس وقت رات کے دو بج رہے ہوں گے۔ تم اب تک جاگ رہی ہو؟"
"طوطے! میں ابھی ابھی واپس آئی ہوں۔ غسل سے فارغ ہوتے ہی میں نے فون ملایا تھا۔ میں نے اپنا وقت بڑی دشواریوں میں گزارا ہے!" مجھے اس کے لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنے ریسیور پر آنکھیں نکال کر غرا رہی ہوگی۔
"سوری' ویرا!" میں نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔ "پھر تو تمہیں آرام کی ضرورت ہے باقی باتیں کل بھی ہو سکتی ہیں۔ میرا مقصد تم پر کوئی طنز کرنا نہیں تھا ویسے بھی تم شب بیداری میں ملکہ رکھتی ہو۔"
"میری طرح' ویرا کے دل میں بھی بہتیرے سوالات موجود رہے ہوں گے لیکن میں گفتگو کی ابتدا ہی میں اسے محتاط رہنے کا اشارہ دے چکا تھا اس لیے وہ کھل کر کوئی سوال کرنے سے قاصر تھی۔ کوئٹہ کے دشوار گزار زمینی راستے سے ایران کی سرحد میں دور تک کیے جانے والے طویل مہماتی سفر اور پھر واپسی کی شدید تکان کے بعد یک بیک سامنے آنے والی اس گھٹن کے نتیجے میں ویرا کا چڑچڑا ہونا قدرتی امر تھا اس لیے میں نہایت تحمل کے ساتھ اس کی جلی کٹی باتوں کے بے ضرر سے جوابات دے کر اسے گفتگو کے اختتام تک لانے میں کامیاب ہو گیا۔
"ویرا کا فون تھا؟" سلسلہ منقطع ہوتے ہی سلطان شاہ نے حیرت سے سوال کیا۔
میں اثبات میں سر ہلا کر نیا سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔
"لیکن یہ کہاں سے ٹپک پڑی؟ یہ تو باہر گئی ہوئی تھی!" سلطان شاہ اپنی بے ساختہ حیرت پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس نے حیرت کے اظہار میں غیر محتاط الفاظ کا سہارا نہیں لیا تھا۔
میں نے آنکھیں نکال کر اُسے پھاڑ کھانے والے انداز میں گھورا پھر نرمی سے کہا۔ "وہ اپنے کسی کام سے گئی تھی' کام پورا کر کے لوٹ آئی ہوگی۔ پتا نہیں وہ اِدھر اُدھر کیا کرتی پھرتی ہے؟"
سلطان شاہ کسی اداس بکرے کی طرح اپنا سر اوپر نیچے ہلانے لگا۔

○☆☆○

اگلی صبح سارا ناشتا لانے والیوں کے ساتھ ہمارے شیش محل میں آئی تو میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا کیوں کہ معمول کے برعکس' اس کی گردن پُرغرور انداز میں اکڑی ہوئی تھی اور اس کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر پُراسرار اور نشیلی سی مُسکان مچل رہی تھی۔
"کیا بات ہے؟ آج تم بہت خوش نظر آ رہی ہو۔" میں نے اس کی نیلی آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکتے ہوئے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ رات بھر میں تمہاری کایا کلپ ہو گئی ہے۔"
"تمہیں اندازہ نہیں کہ پچھلی رات' ڈون نے مجھے عزت کی کن بلندیوں پر پہنچایا ہے۔" وہ اتراتے ہوئے بولی۔ "وہ بھری بھیڑ میں مجھے اپنے کندھے پر لاد کر لے گیا تھا۔ یہ اس کی والہانہ پسندیدگی کی انتہا تھی۔ ڈون نے کبھی کسی لڑکی کو اس طرح کھل کر پسند نہیں کیا۔ آج میں ہر ایک کی رشک آمیز نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی ہوں۔"
سارا جس واقعہ کو ڈون کی پسندیدگی کی انتہا قرار دے رہی تھی وہ میری نظر میں صرف ابتدا تھی۔ شراب کے نشے میں غرق ڈون کی نظریں پچھلی رات سارا کے وجود کے آئینے میں اپنی پسندیدہ شہزادی کا عکس دیکھ رہی تھیں۔ وہ سارا کو نہیں' شہزادی کو اٹھا لے گیا تھا پھر اس نے اپنی پسندیدگی کی اظہار کی انتہا اس خلوت کدے میں کی ہوگی جہاں قدم رکھتے ہی وہ آرام خاص میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ وہ سب ڈون کی حویلی کے اسرار اور استعارے تھے۔ حویلی میں چند دن گزارے بغیر کوئی اس کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔
اب ڈون کہاں ہے؟" میں نے کسی ارادے کے بغیر' روا روی میں پوچھ لیا۔
"میں یہ نہیں بتا سکتی۔" سارا نے نخوت کے ساتھ جواب دیا۔ "وہ تھوڑی دیر بعد باہر آ جائے گا۔"
میں سارا کے تیور دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اسے قدرت نے بے پناہ حسن اور ذہانت سے نوازا تھا لیکن ڈون کی دولت اور جاہ و حشم نے اس کی عقل کو ایسا ماؤف کیا تھا کہ اس کی سوچ کے پیمانے الٹ کر رہ گئے تھے۔ اپنی پُرنور پیشانی پر بے آبروئی کی غلاظت تھیٹر کر' وہ خود کو دوسروں سے برتر اور باعزت تصور کر رہی تھی۔ اس کے نزدیک عزت' بے عزتی اور آبرو باختگی' عزت کا نشان بن گئی تھی۔ ڈون کے اس رنگ رنگیلے حمام میں شاید سب ہی کا یہی حال تھا۔ سب لڑکیاں ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے لیے

شاں تھیں اور اس کھیل میں ڈون کو اپنی شکار گاہ کے پورے ریوڑ پر ایسا بھرپور اختیار حاصل تھا کہ سارا کا لاڈلا' جونی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

ناشتے کے لیے غزالہ تیار ہو کر خواب گاہ سے برآمد ہوئی اور سارا نے کھڑے ہو کر' پُرخلوص مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا تو میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔ پچھلی رات والے واقعے کے بعد مجھے اندیشہ تھا کہ ان دونوں کا سامنا ہوتے ہی' ایک بار پھر ہنگامہ فساد شروع ہو جائے گا۔

میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ سارا کے اس غیر متوقع رویے پر غزالہ بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

غزالہ قریب آئی تو سارا نے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا اور خوش دلی کے ساتھ بولی۔ "آج میں بہت خوش ہوں۔ میں نے تمہیں خلوص دل سے معاف کر دیا ہے۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم اتنی فراخ دل بھی ہو سکتی ہو!" غزالہ نے حیرت سے کہا۔ "پچھلی رات تو تم کسی جنگلی بلی کی طرح مجھ پر حملہ آور ہوئی تھیں۔ وہ تمہاری اصلیت تھی یا یہ تمہارا اصل روپ ہے؟"

"تم جو چاہو کہہ لو۔ میں تمہیں معاف کر چکی ہوں۔" اس نے غزالہ کے بدن سے اپنی گرفت ختم کرتے ہوئے کہا۔ "ڈون نے مجھے مشرقی عورتوں کی ذہنیت اچھی طرح سمجھا دی ہے۔ اس کے بعد میں تمہیں قابلِ معافی سمجھتی ہوں۔" اس کے لب و لہجے میں طنز و تضحیک کے بجائے عالمانہ سادگی نمایاں تھی۔

ناشتے کے دوران میں' ہم تینوں نے لاکھ کُریدنا چاہا کہ ڈون نے اسے کیسی پٹی پڑھائی تھی جس کے نتیجے میں وہ غزالہ کی ہر خطا کو معاف کرنے پر تُل گئی تھی لیکن سارا نے ایک لفظ تک اگل کر نہیں دیا۔

آخر میں اس نے یہ ضرور کہا۔ "لڑائی اس سے ہوتی ہے جس کے ساتھ رہنا بسنا ہو۔ تم لوگ یہاں چند گھنٹوں کے مہمان ہو اس کے بعد لاکھوں انسانوں کے ہجوم میں کھو جاؤ گے۔ ہو سکتا ہے کہ عمر بھر تم سے دوسری ملاقات ہی نہ ہو سکے۔ ایسے بے نام و نشان ملاقاتیوں سے روٹھنا اور لڑنا فضول ہوتا ہے۔"

پھر ڈون بھی وہیں آ پہنچا۔ وہ حسبِ معمول تر و تازہ نظر آ رہا تھا۔

"رات تمہارے لیے ویرا کا فون آیا تھا۔" میں نے اسے تعظیم دینے کے بعد بات شروع کرنی چاہی لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر میری گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع کر دیا۔

"میں تم دونوں کی گفتگو کا ٹیپ سن چکا ہوں۔ غزالہ کی تلاش کے معاملے میں' ویرا نے مجھ سے بہت بے اعتنائی برتی ہے۔ میں اس سے بات کر کے اپنا خون نہیں کھولانا چاہتا۔ وہ دوبارہ فون کرے گی تو میں اس سے بات کر لوں گا۔ میرا یہ پیغام ضرور اس تک پہنچا دینا کہ خود ساختہ رشتے بہت نازک ہوتے ہیں اور ذرا سی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ میں نے منہ بولا باپ بن کر اس کا ہر ناز اٹھایا لیکن برا وقت پڑنے پر وہ میری بیٹی کا کردار ادا نہیں کر سکتی۔"

"بہت بہتر!" میں نے سر جھکا کر کہا۔ اس وقت ویرا کی مدافعت میں کہا ہوا کوئی بھی لفظ ڈون کو برہم کر سکتا تھا۔

"تم چاہو تو میں شین زین کے راستے ایک نئی گاڑی ہانگ کانگ بھجوائے دیتا ہوں۔" کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ڈون نے کہا۔ "جب تک وہاں رہو گاڑی اپنے تصرف میں رکھنا۔ تمہاری روانگی کے بعد فنکو دا گاڑی واپس مکاؤ لے آئے گا۔ اس طرح تمہیں بہت آرام رہے گا۔"

"اس عزت افزائی کے لیے ہم تمہارے ممنون ہیں لیکن اس زحمت کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ہانگ کانگ سے جلد از جلد واپس پاکستان جانا چاہیں گے۔"

"کیوں کہ ویرا تمہاری منتظر ہے۔" ڈون نے زور سے ہنس کر کہا۔ غزالہ نے ہنسی میں اس کا ساتھ دیا تھا۔

"ویرا نہیں' کچھ اور کام ہیں جنہیں زیادہ دنوں تک پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا۔ ویسے بھی ہانگ کانگ میں کنکریٹ کی عمارتوں' اسٹیل اور شیشوں کے سوا کیا رکھا ہے؟ اس سے بہتر تو مکاؤ کی سرزمین ہے۔"

ڈون نے حویلی میں اپنے چیدہ چیدہ گرگوں کا ایک اجلاس طلب کیا ہوا تھا جس میں پچھلی رات کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے ساتھ ہی نیشی کاؤ کے اصل قاتل کی تلاش کی منصوبہ بندی کی جانی تھی اس لیے ڈون نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ ہمیں فوراً فوراً الوداع کہا اور شیش محل سے نکلتا چلا گیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد سارا نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے غزالہ کی سفری دستاویزات نکال کر میرے حوالے کر دیں۔

ویرا کے دباؤ پر شری مان سنگھ نے غزالہ کی واپسی کے لیے جو کوششیں کی تھیں' ان کے نتیجے میں انڈین سیکرٹ سروس کا ایک کارندہ' غزالہ کے ساتھ مسٹر اور مسز ترپاٹھی کی حیثیت سے سفر کرتا ہوا' نئی دہلی سے ہانگ کانگ پہنچا تھا لیکن ہانگ کانگ کی بحری پولیس کے ہاتھوں غزالہ کی گرفتاری کے بعد وہ غزالہ کی سفری دستاویزات سمیت روپوش ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں ہانگ کانگ میں غزالہ کی موجودگی غیر قانونی ہو گئی تھی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس معاملے کی پیچیدگیوں کی وجہ سے ڈون کو غزالہ کی رہائی کے لیے بہت زیادہ پاپڑ بیلنے پڑے لیکن یہ ڈون کا اثر و رسوخ ہی تھا جس کے نتیجے میں غزالہ کو ہانگ کانگ کی سخت گیر پولیس کے شکنجے سے رہائی مل سکی تھی۔ اس معاملے میں ڈون کا ہاتھ نہ ہوتا تو غزالہ کو طویل قید کی سزا ہو سکتی تھی۔

ان دنوں ساؤتھ چائنا مارننگ پوسٹ میں پاکستان سے آنے والے ان بدنصیب تارکینِ وطن کی کہانیاں روز شائع ہو رہی تھیں جو کوریا' تائیوان' ملائشیا اور فلپائن میں بھاری مشاہروں والی

ملازمتوں کے لالچ میں پہلے پاکستانی جعل سازوں کا نشانہ بنتے تھے اور انہیں رقوم دے کر ہانگ کانگ آجاتے تھے جہاں ویزے کی سہولتیں خاصی نرم تھیں۔ ہانگ کانگ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی وہ مقامی جعل سازوں کے چنگل میں پھنس جاتے تھے جو انہیں آس پاس کے ممالک میں ملازمتیں دلوانے کا جھانسا دے کر ان سے مزید رقمیں ہتھیا لیتے تھے اور پھر اپنے وعدوں کے مطابق کسی ایجنٹ سے متعارف کرانے کے بجائے انہیں بے یارو مددگار چھوڑ کر غائب ہو جاتے تھے۔ ایسے پریشان حال اور بے یارو مددگار لوگوں پر اگلا حملہ مقامی ایجنٹ کرتے تھے اور ہمدردی کی آڑ میں انہیں نہایت قلیل تنخواہوں پر کولون کے حصے کے نیم صنعتی اور تجارتی اداروں میں کام کرنے پر آمادہ کر لیتے تھے۔ ایسے ایجنٹ مقامی آجروں سے ہر سستے مزدور کی فراہمی پر معقول کمیشن لیتے تھے اور ایک بار غیر قانونی ملازمت کی ابتدا کرنے والا شخص کئی برس کے لیے اپنے مقامی آجر کا غلام ہو جاتا تھا۔

کم تنخواہ، طویل اوقات کار اور غیر انسانی ماحول کے خلاف جو بھی مزدور آواز بلند کرتا، اسے بیک بینی و دو گوش پولیس کے حوالے کردیا جاتا اور عدالتیں ایسے مجرموں کو جیل پہنچا دیتیں کیوں کہ ہانگ کانگ میں داخلے کے ویزے کی شرائط کی تمام تر ذمے داری نو وارد پر ہوتی تھی۔ ہانگ کانگ کے آجروں پر ملازمت دیتے ہوئے ویزا یا ملازمت کا اجازت نامہ دیکھنے کی کوئی کڑی پابندی نہیں تھی۔ اس قانونی جھول سے فائدہ اٹھانے والے ایجنٹوں اور آجروں نے ہانگ کانگ میں ایک طرح سے پاکستانی، بھارتی، بنگلہ دیشی اور سری لنکا سے آنے والے غیر ہنر مند مزدوروں کی غلاموں کی طرح خرید و فروخت کا ریکٹ بنا لیا تھا۔

ان سنگین حالات میں غزالہ کا کسی بڑی دشواری سے دوچار نہ ہونا ایک معجزہ ہی تھا۔

سارا کے دیے ہوئے کاغذات کے مطابق غزالہ کا نام وہی تھا جس کا مطلب تھا کہ مکاؤ کے گورنر کی مہر اور دستخط سے جاری کیا جانے والا وہ سفری پرمٹ جعلی نہیں تھا۔ پرمٹ کے ساتھ ہی ہانگ کانگ میں داخلے کے لیے استعمال کیا جانے والا امیگریشن کارڈ وغیرہ بھی تھا۔ میں نے وہ کاغذات احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لیے۔

ڈون کی حویلی میں ہمارا قیام بہت طویل نہیں تھا پھر زبان کے گنبھیر مسئلے کی وجہ سے ہم حویلی کے عملے سے دور ہی رہے تھے۔ ہمارا قریبی رابطہ مس شوائے یا سارا سے ہی رہا تھا۔ شوائے نے ذہنی دباؤ کے عالم میں خودکشی کر لی تھی اور سارا ہمارے ساتھ موجود تھی۔ اس کے بعد موہوم سا تعلق حسین یا چوسین سے رہا تھا۔ بقیہ بھیڑ سے ہماری کوئی جذباتی وابستگی نہیں تھی لیکن مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ شیش محل سے نکلتے ہی لڑکیاں تپاک کے ساتھ ہم سے ملنے لگیں۔ ان میں اِکادُکا مرد بھی تھے۔

ان کے انداز سے الوداعی گرم جوشی نمایاں تھی۔ وہ اپنی زبان میں کچھ کہتی بھی جا رہی تھیں جو ہمارے لیے ناقابلِ فہم تھا البتہ جواب میں ہم اپنی اپنی کھیسیں ضرور پھیلا رہے تھے تاکہ خیر... جوابی اظہار ہو سکے۔

ملاقاتیوں میں عورتوں اور لڑکیوں کی غالب اکثریت ... سبب صاف ظاہر تھا کہ ڈون کو وہی صنف محبوب و مطلوب ... سے ان کے لگاؤ کے دو ہی اسباب ہو سکتے تھے۔ اوّل یہ کہ ... پر بہت مہربان رہا تھا اور وہ لوگ لیلیٰ کے ساتھ سگِ لیلیٰ ... محبت کی رسم نبھانے کی کوشش کر رہے تھے یا پھر وہ ہماری ... سے تحائف کی فیاضانہ تقسیم پر اپنے تشکر کا اظہار کر رہے ... سبب کچھ بھی رہا ہو، مکاؤ کی اجنبی سرزمین پر مقامیوں کی طرف ... وابستگی کا وہ اظہار ایک خوشگوار تجربہ تھا جس نے مکاؤ میں ہمارے قیام کو ایک اور یادگار رنگ دے دیا تھا۔

اس وقت سارا مربیانہ انداز میں، مسکرا مسکرا کر ہماری رہنمائی کر رہی تھی۔ ہم لوگ عملاً خالی ہاتھ مکاؤ آئے تھے اس ... ہمارا کل اسباب ڈون سے ملے ہوئے چند تحائف اور غزالہ ... شاندار عروسی لباس تک محدود تھا۔ وہ لباس غزالہ کو اس قدر ... آیا تھا کہ وہ اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھی۔ وہ اشیا کیونکہ ... ایک چھوٹے سے شولڈر بیگ میں سما گئی تھیں جو غزالہ ہی ... شانے سے جھول رہا تھا۔

ڈون حویلی میں، چھٹے ہوئے بدمعاشوں کے اجلاس کی صدارت ... کر رہا تھا۔ وہ لوگ نیشی کاؤ کے قاتل کے تعین کی کوششوں میں ... کھوپڑیاں کھپا رہے تھے اور مافیا کے سفاک ڈان کو جہنم واصل ... کرنے والا سلطان شاہ، ان کے زیرِ سایہ پوری عزت اور احترام ... کے ساتھ حویلی سے رخصت کیا جا رہا تھا۔

ڈون، شی کا پرانا آئی مین ضرور تھا لیکن وہ اپنی حویلی کی رنگین ... فضاؤں میں مگن رہنے کا عادی تھا۔ اس کے نام اور جاہ و جلال ... اس کے کارندے مکاؤ پر حکمرانی کر رہے تھے اور کوانگ فوا ایک ... بات پر قانع تھا کہ اس کی سلطنت میں اسے للکارنے والا کوئی نہیں ... تھا۔ اسے شی کے بین الاقوامی مقاصد اور جھمیلوں سے کوئی دلچسپی ... نہیں تھی۔ وہ اپنے لیے مقرر کیے ہوئے مقاصد اور اہداف کو ... کرنے کے بعد دیگر غیر متعلقہ مسائل سے بے نیاز معلوم ہوتا تھا۔ ... دوسری طرف شی کی عالمی تنظیم میں مکاؤ کی شاید زیادہ اہمیت نہیں ... تھی۔ وہاں ہیروئن کی پیداوار ہوتی تھی۔ نہ وہاں مقامی کھپت ... زیادہ روشن امکانات تھے۔ البتہ چین اور قرب و جوار کے ... ممالک سے آنے والی چرس، افیم اور ہیروئن کے لیے، مکاؤ اپنی ... مثالی محلِ وقوع کی وجہ سے بہترین رابطے کا کام سرانجام دے ... تھا اور جمی لائیڈ نے شاید ڈون کو وہی محدود ذمے داری سونپی ... تھی کہ مکاؤ کی راہ سے آنے جانے والا، شی کا مال پوری حفاظت ... کے ساتھ اِدھر اُدھر ہوتا رہے۔

ویسے بھی مکاؤ کسی بین الاقوامی گزرگاہ پر واقع نہیں تھا ... وجہ سے کوانگ فو، شی کا آئی مین ہوتے ہوئے بھی اپنی بین الاقوامی ... تنظیم کے جدید ترین نظام سے کٹ کر محض مقامی سربراہ بن کر رہ ...

کے محدود ہو جانے میں اس کے پسندیدہ مشاغل کا نمایاں
تھا۔ اس کے علاوہ شراب میں غسل کر کے، حسین و جمیل لڑکیوں میں گھرے
رہنے کو زندگی کی معراج تصور کرتا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ میری
اور شی کی مخاصمت سے یکسر لاعلم تھا۔
شی کے ساتھ میری کھلی جنگ پاکستان میں ہوئی یا پھر یورپ کے
شہروں میں۔ ان علاقوں میں شی کے درمیانے درجے کے لوگ بھی
میرے نام کو ہوّا سمجھتے تھے۔ صرف میرا نام ہی ان کے کان کھڑے
کر دینے کے لیے کافی ہوتا تھا لیکن ڈون کا معاملہ مختلف تھا۔ جب
ویرا نے میرے نام کے حوالے سے اس سے بات کی تو مجھے خوف
تھا کہ میرا نام سنتے ہی ڈون ہتھے سے اکھڑ جائے گا لیکن اس کا کوئی
ردِعمل سامنے نہ آنے پر مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ڈون کے معاملے
میں میرا نام کسی دشواری کا سبب نہیں بنے گا اور یہی ہوا بھی تھا۔
میں غزالہ کو حاصل کر کے مکاؤ سے بخیر و خوبی واپس لوٹ رہا تھا۔
اس مشن میں نیشی کاؤ جیسا خطرناک بین الاقوامی مجرم جہنم واصل
ہو چکا تھا اور خوبی کی بات یہ تھی کہ اس پوری مہم میں شی کا نام
سامنے نہیں آیا تھا۔ پوری تکون ڈون، ویرا اور میری ذات تک
محدود تھی۔ میں ویرا کا دوست تھا اور ڈون ویرا کا منہ بولا باپ۔ ان
دونوں رشتوں نے غزالہ کی بازیابی میں کلیدی بلکہ تمام تر کردار ادا
کیا تھا۔
بات اگر صرف غزالہ کی بازیابی تک محدود رہتی تو وہ قصہ وہیں
دفن ہو جاتا اور ڈون کو انگ فو کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو پاتا کہ وہ
نادانستگی میں شی کے کسی بدترین حریف کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اگر
مافیا کا ڈان نیشی کاؤ میری موجودگی کے دوران ہی مکاؤ آنے کا فیصلہ
نہ کرتا یا پھر ڈون نے اس کے اعزاز میں منعقد کی جانے والی تقریب
میں میری اور غزالہ کی شادی کا اعلان کر کے ہمیں نمایاں کرنے کا
آمرانہ فیصلہ نہ کیا ہوتا تو میرا منصوبہ کسی خون خرابے اور پیچیدگی
کے بغیر پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہوتا۔
لیکن حالات و واقعات پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ نیشی کاؤ
مجھے پہچاننے اور ڈون کو میرے خلاف ورغلانے سے پہلے ہی سلطان
شاہ کے مہلک وار کا نشانہ بن گیا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہم بلا
تاخیر مکاؤ سے روانہ ہو رہے تھے اس وقت تک نیشی کاؤ کے قتل کی
خبر شاید مافیا کے اعلیٰ حلقوں میں نہیں پھیلی تھی۔ نیشی کاؤ کے قتل
کی خبر مافیا کے بڑوں کی صفوں میں کھلبلی مچا دیتی اور پھر مکاؤ ان کی
تحقیقات کا مرکز بن جاتا۔ ان حالات میں میرا نام پوشیدہ رہنے کے
امکانات نہ ہونے کے برابر ہوتے اور وہیں سے مشکلات کا آغاز ہو
جاتا۔
سارا نے ہمیں گاڑی کے ذریعے ہیلی پیڈ تک لے جانے کی
پیش کش کی جسے شکریے کے ساتھ ٹال دیا گیا کیونکہ ہم تینوں ہی
ڈون کی حویلی سے باہر کی کھلی فضا میں چہل قدمی سے لطف اندوز
ہونے کے موڈ میں تھے۔
سارا نے بتایا کہ وہ ہمارے ساتھ ہانگ کانگ تک جائے گی
تاکہ ہمیں امیگریشن وغیرہ کے کسی مرحلے پر دشواری کا سامنا نہ کرنا
پڑے۔ ہمیں ہانگ کانگ پہنچانے کے بعد اسے ڈون کے ہیلی کاپٹر سے
واپس مکاؤ آجانا تھا۔ اسی وقت سارا سے معلوم ہوا کہ ڈون
کے ہیلی کاپٹروں سے آنے اور جانے والے غیر ملکی مہمان مکاؤ میں
امیگریشن کی ہر پابندی سے آزاد ہوتے تھے۔ میں فیری کے ذریعے،
عام مسافر کی حیثیت سے مکاؤ آیا تھا اس لیے میں نے سارا کو یاد
دلایا کہ مکاؤ ہاربر پر میری آمد کے اندراج کے ساتھ روانگی کا
اندراج بھی ضروری تھا تو وہ ہنس پڑی۔ اس نے بتایا کہ پورے مکاؤ
کو یہ علم ہو چکا ہے کہ میں ڈون کا مہمان ہوں۔ جب اگلے دن کے
مقامی اخبارات میں ہماری روانگی کی خبریں شائع ہوں گی تو حکام خود
ہی اپنا ریکارڈ درست کر لیں گے۔ اس معاملے میں میری فکر مندی
بے سود تھی۔
دن کی چمکتی ہوئی روشنی میں ڈون کی حویلی سے ملحق، سرسبز باغ
عجیب ہی بہار دکھا رہا تھا۔ گہری سبز گھاس کے ہموار میدان میں جا
بجا رنگین پھولوں کے تختے قرینے سے بکھرے ہوئے تھے۔ متعدد مالی
پھولوں اور کیاریوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ دور کہیں سے
مشینی لان موور چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ ان حسین مناظر سے
آگے، ڈون کے پختہ ہیلی پیڈ پر وہی ہیلی کاپٹر جو نیشی کاؤ کو مکاؤ لایا
تھا، ہمارا منتظر تھا۔
سارا نے اپنے بیگ میں سے ایک ائرپیس نکال کر کسی سے
رابطہ کیا اور چینی زبان میں چند فقروں کا تبادلہ کرنے کے بعد
ائرپیس آف کر کے دوبارہ بیگ میں ڈال لیا۔ اسی کے ساتھ فضا ہیلی
کاپٹر کے انجن اور پنکھوں کے مخصوص شور سے گونج اٹھی۔ میرے
دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو گئیں۔
ہم تینوں کے دلوں میں چور تھا۔ ہم نے ڈون جیسے چالاک اور
طاقت ور مجرم کو دل کھول کر بے وقوف بنایا تھا۔ اس کی آنکھوں
میں دھول جھونک کر، ہم اسی کے زیر سایہ اس کے آدمیوں کے
خلاف قتل و غارت گری کی سازشیں کرتے رہے۔ جب تک ہم
ڈون کی حویلی میں تھے، کسی بھی لمحے بری طرح پھنس سکتے تھے۔
ہماری آزادی چند لمحوں کی بات تھی اور میں دل ہی دل میں دعا کر رہا
تھا کہ ان آخری لمحات پر کوئی گڑبڑ نہ ہو۔
ہیلی کاپٹر کا چینی نژاد پائلٹ، خاکی رنگ کی مکمل فلائنگ
یونیفارم میں اپنی نشست پر بیٹھا ہمارا منتظر تھا۔ اس نے سر کو خم
دیتے ہوئے، ہاتھ لہرا کر ہم سب کو تعظیم دی پھر ہم چاروں ہیلی کاپٹر
کے پنکھے سے پیدا ہونے والے تیز جھکڑ میں لڑکھڑاتے ہوئے،
دوسری سمت میں بڑھے اور یکے بعد دیگرے، اچھل کر ہیلی کاپٹر میں
سوار ہو گئے۔ کسی خود کار نظام کے تحت دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔
وہ ہواباز سمیت، کل چھ نشستوں والا تفریحی ہیلی کاپٹر تھا جس
میں آگے اور پیچھے ایک ایک نشست تھی۔ درمیان میں ہر کھڑکی
کے ساتھ نشستیں تھیں۔ غزالہ، سلطان شاہ کے ساتھ پچھلی رو میں
بیٹھ گئی۔ سارا میرے ساتھ پائلٹ کے پیچھے والی نشستوں پر جم گئی۔

ہم نے جلدی سے حفاظتی بیلٹ باندھے، لائف جیکٹ والی جیب کا جائزہ لیا پھر ہوا باز نے چینی زبان میں۔ "ریڈی.... ہیرڈی گو!" کا نعرہ لگایا اور سفید ہیلی کاپٹر کسی مست پرندے کی طرح، ایک جھٹکے کے ساتھ فضا میں اوپر بلند ہونے کے ساتھ ہی داہنی طرف جھکتا چلا گیا۔

دن کی بھرپور روشنی میں مکاؤ کا فضائی منظر بے حد حسین اور دلفریب تھا۔ اونچی نیچی پہاڑیوں کے درمیان میں، رنگ برنگی چھتوں والی عمارات مکاؤ کے باسیوں کی زندہ دلی کا منہ بولتا اشتہار تھیں۔ پتلی پتلی، پُرپیچ اور ڈھلوان سڑکوں پر تیز رفتار ٹریفک مشینی کھلونوں کی طرح رواں تھا۔ بازار بھانت بھانت اور رنگ رنگ کے مقامی اور غیر ملکی خریداروں سے بھرے ہوئے تھے۔ خاص بات یہ تھی کہ ان میں سے بیشتر کے سروں پر بڑے بڑے چھجوں والے تنکوں کے ہیٹ موجود تھے جنہیں مکاؤ کی دستکاری میں ایک قدیم روایت کا درجہ حاصل تھا۔

مکاؤ کی آبادی کا ایک چکر لگاتے ہوئے ہم نے وہ مصروف ترین تجارتی گھاٹ بھی دیکھے جہاں چین سے آنے والے تاجروں کی سیکڑوں کشتیاں ساحل سے دور تک، ایک دوسرے سے جُڑ کر لنگر انداز تھیں اور مزدور اپنے کندھوں پر وزنی بوریاں اور پیٹیاں لاد کر، کشتیاں عبور کرتے ہوئے ساحل کی طرف دوڑ رہے تھے۔ سمندر کی متلاطم لہروں پر ڈولتی ہوئی کشتیوں کا زیر و بم ان کی رفتار پر ذرا بھی اثر انداز نہیں ہو رہا تھا۔

کشتیوں کی اسی بھیڑ بھاڑ میں جرائم کے اڈے بھی موجود تھے۔ اغوا کیے ہوئے مال دار چینیوں کو، تاوان وصول ہونے تک ان ہی کشتیوں کے صندوق نما ہولڈز میں بے دست و پا کر کے قید رکھا جاتا تھا۔ بحری قحبہ خانے اور جوا گھر چلتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دور دراز سے اغوا کی جانے والی حسین و جمیل لڑکیوں اور توانا لڑکوں کو لونڈیوں اور غلاموں کی طرح فروخت کیا جاتا تھا۔

گنے چُنے سادہ لوح اور نیک لوگوں کے علاوہ، مکاؤ میں مجرموں اور بدمعاشوں کی بہتات تھی۔ اردگرد کے ممالک اور چین کے دور دراز مقامات سے بھاگے ہوئے قاتل، چور، ڈاکو، زانی، راشی اور دیگر جرائم پیشہ افراد مکاؤ جیسی چھوٹی سی جگہ میں پُرامن بقائے باہمی کے نادر اصول پر بہ آسانی کھپ جاتے تھے اور کسی چھوٹے موٹے ظاہری کاروبار کی آڑ میں اپنی پرانی بساط دوبارہ جما لیتے تھے۔

بستی کا چکر لگانے کے بعد، ہیلی کاپٹر ساؤتھ چائنا سی کے ساحل کے ساتھ ساتھ پرواز کرنے لگا۔ اس بار اس کا رخ ہانگ کانگ کی جانب تھا۔ بمشکل نصف گھنٹے کی پرواز کے بعد ہانگ کانگ کے نقوش نمودار ہو گئے۔ اس وقت وہ علاقہ گہرے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ پائلٹ نے ہانگ کانگ اور کولون کے درمیان ہاربر کے نیلے پانیوں پر نیچی پرواز کرتے ہوئے ہمیں وہ چھوٹے چھوٹے ٹاپو بھی دکھائے جو سمندر میں ابھرے ہوئے تھے۔ نجی کمپنیوں نے اپنی سرگرمیوں کے لیے وہ ننھے ننھے جزائر برطانوی انتظامیہ سے لیز پر لیے ہوئے تھے۔ ہیلی کاپٹر نے ہانگ کانگ کے جزیرے کا لگایا تو اندازہ ہوا کہ ہانگ کانگ کا وہی رخ آباد اور جو کولون کی سمت میں واقع تھا۔ سطح سمندر سے بلند ہو اس جزیرے نے ایک پہاڑی کی صورت اختیار کی ہوئی پچھلا حصہ ناقابلِ عبور کھڑی ڈھلانوں اور خود رو سبزے ہوا تھا اس طرح ہانگ کانگ کا جنوبی اور مشرقی پہاڑی سا ناقابلِ استعمال تھا۔

آخر کار ہم کولون والے حصے میں واقع ائرپورٹ کے مخصوص حصے میں اتر گئے۔ ائر کنٹرول کی ہدایت کے مطا کاپٹر کنکریٹ پر بنے ہوئے اس سفید دائرے میں زمین پر ٹکا کے وسط میں چمکنے والے زرد ہندسوں میں دس نمبر بلندی سے سکتا تھا۔

انجن بند ہونے کے بعد ہم لوگ نیچے اترے تو ہانگ امیگریشن کا ایک باوردی افسر ہماری طرف بڑھتا چلا آیا۔ ہوا باز نے نہایت دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ چینی زبان میں کچھ کہا اور وہ دونوں زور زور سے ہنسنے لگے۔

اسی اثناء میں سارا نے ہم تینوں کے سفری کاغذات ا افسر کی طرف بڑھا دیے۔ وہ ہمیں لے کر ایک قریبی عمار طرف چل پڑا۔

میں نے دیکھا کہ ہانگ کانگ انٹرنیشنل ائرپورٹ سے ہیلی پیڈ خاصا وسیع تھا۔ وہاں کم از کم پندرہ بیس ہیلی کاپٹر موجود تھے۔ بعض پر مشہور بین الاقوامی کمپنیوں کے نام نظر تھے۔

سارا نے بتایا کہ مقامیوں اور ہانگ کانگ کا ویزا رکھنے غیر ملکیوں کی ملکی حدود میں نقل و حرکت کے لیے لائسنس کے نجی ہیلی پیڈ بھی آزادانہ طور پر استعمال کیے جاتے ہیں لیکن ملک سے آنے والے ہیلی کاپٹرز کے لیے اسی ہیلی پیڈ پر اتر ہے تاکہ ایسی پروازوں سے ہانگ کانگ آنے والے غی امیگریشن کے ضوابط سے گزرنے کے بعد ملک میں داخل ہو

عمارت میں امیگریشن کاؤنٹر پر کمپیوٹرز مینل موجود تھا چند منٹ میں ضروری اندراجات کر کے ہمیں ہانگ کانگ میں قیام کا ویزا دے دیا گیا اور اسی مقام پر سارا اور ہوا باز نے رخصت کر دیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ آج ہمیں آزادی .... کے ساتھ بولنے کا موقع ملا ہے۔" امیگریشن کاؤنٹر سے کچھ دور نکلتے سلطان شاہ نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ہر چیز کی اہم اندازہ اُسی وقت ہوتا ہے جب وہ چھین لی جائے۔ آزادی کا صحیح مفہوم ڈون کی حویلی میں سمجھ میں آیا ہے۔"

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" غزالہ نے مجھ سے سوال

"پاکستان کب چلنا ہے؟"

"چند روز تک ہانگ کانگ میں ٹھہرنا چاہیے۔" سلطان شا

اپنی رائے ظاہر کی۔

"یہاں کیا کرو گے؟" میں نے تیوریوں پر بل ڈال کر سوال کیا۔

"تم دونوں ہنی مون منانے کے بعد ہنی مون ان ہانگ کانگ نامی کتاب لکھنے کی تیاری شروع کر دینا۔ میں کچھ سیر و تفریح کر لوں گا۔ میں تو یہاں آتے ہی دھر لیا گیا تھا۔ ہوائی اڈے اور پولیس اسٹیشن کے علاوہ اس ملک کی کسی تیسری عمارت میں قدم رکھنے کا موقع تک نہیں مل سکا تھا۔"

"تم بہت زیادہ بولنے لگے ہو۔" غزالہ اسے گھورتے ہوئے غرائی۔ "تمہیں جلد ہی سبق دینا ہوگا۔"

"بغدادی قاعدے کے علاوہ مجھے آج تک کوئی اور سبق یاد نہیں ہو سکا۔" وہ بے پروائی کے ساتھ بولا۔ "اسی وجہ سے میں پھسڈی رہ گیا ورنہ آج ملک ملک کے دھکے کھانے کے بجائے ٹھاٹ سے کہیں افسری کر رہا ہوتا۔"

ان دونوں کی اسی نوک جھونک میں ہم باہر نکل آئے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ دونوں ہی چند روز کے لیے ہانگ کانگ میں رکنے پر مائل تھے جب کہ میری نظروں میں ایسا کرنا مخدوش ثابت ہو سکتا تھا۔

ٹیکسی پکڑتے ہی میں نے ڈرائیور کو ہانگ کانگ اومنی ہوٹل چلنے کی ہدایت کی کیونکہ وہ میرا دیکھا بھالا اور آرام دہ ہوٹل تھا سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ کولون کے عین قلب میں واقع تھا۔

میں راستے میں خاموش ہی رہا کیونکہ میرے خدشات میں ڈون کوانگ فو کی ذات کی کلیدی اہمیت تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ڈون کا نام ہانگ کانگ کے مقامی باشندوں کے لیے اجنبی نہیں رہا ہوگا کیونکہ بنیادی طور پر مکاؤ' ہانگ کانگ اور چین کے قدیم باشندوں کی اصل ایک ہی تھی اور جب افیم کے خمار نے چینیوں کی یک جہتی کو گہری نیند سلایا ہوا تھا تو نو آبادیاتی قوتوں نے طاقت کے بل پر چین کے جنوبی ساحلی علاقوں کی بندر بانٹ سے اپنے مقبوضات قائم کر لیے تھے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ یورپ کی نو آبادیاتی قوتیں اپنی فیصلہ کن بحری برتری کے باوجود' خوابیدہ چینیوں سے اس قدر خائف تھیں کہ ساحلی ٹکڑوں اور جزائر پر قبضہ کرنے کے باوجود' وہ دولت اور وسائل کی تلاش میں چین میں اندر تک گھسنے کی ہمت نہیں کر سکی تھیں اور ان کی عمل داری صرف ان ہی ساحلی پٹیوں تک محدود رہی تھی جنہیں مسلح بحری بیڑوں کی بھرپور پشت پناہی کے ذریعے ناقابلِ تسخیر قلعوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔

اپنے اس مشترکہ تہذیبی پس منظر کی وجہ سے ہر چینی' خواہ وہ کہیں بھی ہو' اپنے آبائی معاشرے کے نمایاں کردار پر فخر کرتا یا کم از کم ان سے باخبر رہنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ ڈون کوانگ فو مکاؤ میں چین کی قوت اور بالا دستی کا ایک جیتا جاگتا لیجنڈ بنا ہوا تھا اس لیے ہر پڑھے لکھے چینی نژاد شخص کا اس سے واقف ہونا ناگزیر تھا۔

ہوٹل میں ہمیں بہ آسانی دو ملحقہ کمرے مل گئے۔ ہم لوگ بالکل ترو تازہ تھے اور مکاؤ میں پُرتکلف ناشتا کرنے کے صرف دو گھنٹے بعد ہانگ کانگ آگئے تھے اس لیے ہمیں آرام یا خوراک کی کوئی حاجت نہیں تھی۔ سلطان شاہ نے اپنا کمرا دیکھنے کے بعد مقفل کیا اور ہم تینوں ایک ہی کمرے میں سر جوڑ کر یکجا ہوگئے۔

"میں تم دونوں سے متفق نہیں ہوں۔ ہمیں جلد از جلد مکاؤ والوں کی دسترس سے دور نکل جانا چاہیے۔" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد سنجیدگی کے ساتھ گفتگو چھیڑ دی۔

"میں ہانگ کانگ میں ڈون کی بے بسی کا منظر دیکھ چکی ہوں۔ وہ یہاں ہم پر آسانی کے ساتھ ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔ ویسے بھی ہمیں اس سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔ ہم بہت اچھی فضا میں اس سے رخصت ہوئے ہیں۔" غزالہ نے سامنے کی باتوں کی روشنی میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"فی الحال کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن میں بہت جلد کوئی ہولناک طوفان ابھرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ ٹی کے آئی مین کی ایک بڑی اور خصوصی تقریب میں نیشی کاؤ کے دیدہ دلیرانہ قتل کو مافیا والے آسانی سے ہضم نہیں کر سکیں گے۔" میں نے کھل کر اپنے خدشات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

وہ اگر مگر کے غیر یقینی دھاگوں میں الجھے ہوئے شبہات نہیں تھے بلکہ ٹھوس حقائق تھے جن سے دو جمع دو کی طرح صرف چار ہی کا جواب حاصل کیا جا سکتا تھا۔ جوں جوں میرا تجزیہ آگے بڑھتا چلا گیا' ان دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ وہ لوگ ڈون کی ذات کے سحر میں مبتلا ہو کر شاید ماضی کی ان کڑیوں کو یکسر فراموش کر بیٹھے تھے جو قدم قدم پر ہماری راہ میں حائل ہوتی رہی تھیں۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ تمہارے نام کی وجہ سے بات ضرور کھلے گی پھرتی کے ساتھ ہی مافیا کے ڈان بھی اپنے خونی کتوں کو تمہاری بُو پر لگا دیں گے۔" غزالہ نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے فکرمندی کے ساتھ کہا۔

"ہمارے امیگریشن کارڈ مکاؤ میں ہی بھرے گئے تھے۔ ان کے نمبروں کے ذریعے ہر وقت معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ہم یہیں مقیم ہیں یا واپس لوٹ گئے ہیں۔ کمپیوٹر کے استعمال کی وجہ سے سارا ریکارڈ سیکنڈوں میں سامنے آجاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہوٹل والے بھی کسی محکمے کو اپنے نئے مسافروں کی فہرست بھجواتے ہوں۔ اس طرح امیگریشن والوں کا کمپیوٹر یہ بھی بتا دے گا کہ ہم تینوں کہاں مقیم ہیں۔ ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"ڈون اس قدر خبیث آدمی ہے کہ وہ پاکستان تک ہمارا پیچھا کر سکتا ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"کرتا رہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "مکاؤ اور ہانگ کانگ کے مقابلے میں پاکستان میں ہم زیادہ محفوظ رہیں گے۔ وہاں ہمارے ہمدرد بھی طاقتور اور بارسوخ ہیں۔ وہ ڈون کے گرگوں کو

نہایت آسانی سے شناخت کرلیں گے۔"

"شاید تم اسپیشل ٹاسک فورس کی بات کررہے ہو؟" غزالہ نے استفسار کیا۔

میں نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ "زندگی رہی تو ہم دوبارہ اِدھر آسکتے ہیں لیکن فی الحال یہ ملک ہمارے لیے چوہے دان ثابت ہوسکتا ہے۔ یہاں سے بھاگ نکلنے میں ہی ہماری عافیت مضمر ہے۔"

اس صورتِ حال میں اختلافِ رائے کا کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ انہیں آمادہ اور متفق پاکر میں نے کہا۔ "ویرا اور ظفر کو فون کرنے کے بعد میں روانگی کا بندوبست کرتا ہوں۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ ویرا، ایران سے امریکا جانے کے بجائے کراچی لوٹ آئی۔ اس سے بلیو کراس ڈیل کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوسکے گا۔"

"بلیو کراس ڈیل کے بارے میں اہم ترین بات یہ ہے کہ چھ سو ٹن وزنی ایٹمی سازوسامان کی کھیپ ایران سے نکل کر پاکستان کی سرحدوں میں داخل ہوچکی ہے۔" سلطان شاہ بولا۔ "یہ بھی یقینی بات ہے کہ ویرا نے ایک بڑے پرزے میں نصب اس تباہ کار مادّے کو ناکارہ بنادیا ہوگا بلکہ الگ تھلگ کرکے تباہ کردیا ہوگا جو خلا میں گردش کرنے والے مصنوعی سیارے سے نشر کیے جانے والے اشاروں کے تابع تھا۔ اس کے علاوہ ویرا جو کچھ کہے گی وہ افسانہ ہوگا۔"

"اصل بات یہ ہے کہ ڈینی کو اس لچّر عورت سے باتیں کرنے میں مزہ آتا ہے۔" غزالہ نے سلطان شاہ سے مخاطب ہوکر کہا۔ "فون پر وہ ان کے گلے میں بانہیں تو ڈالنے سے رہی۔ فون کرلینے دو، ان کے دل کی بھڑاس نکل جائے گی۔"

"تم دونوں اس کے مثالی کارنامے کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کررہے ہو۔" میں نے انہیں ملامت کرتے ہوئے کہا۔ "پاکستانی قوم کی سلامتی اور خوش حالی، اس کے ایٹمی پروگرام کی کامیابی سے وابستہ ہوکر رہ گئی ہے۔ اس کی خاطر ملک نے متعدد سیاسی اور معاشی قربانیاں دی ہیں۔ گھاس کھا کر ایٹمی طاقت بننے کا عزم، ہمارے دشمنوں کے خوابوں میں آسیب بن کر ڈراتا رہتا ہے۔ ہمارے بدخواہوں کی طرف سے عالمی سطح پر مذموم تشہیر کی ایک منظم مہم چل رہی ہے۔ صیہونی اور غیر مسلم دنیا کو اسلامی بم کے عفریت سے دہشت زدہ کیا جارہا ہے۔ ان مخدوش ترین حالات میں اگر ایک غیر ملکی عورت ہمارے اس قومی مشن کی سربلندی کے لیے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دیتی ہے تو وہ ہر اعتبار سے عزت اور احترام کی مستحق ہے۔ تم یہ نہ بھولو کہ اس نے یہ کام کسی لالچ کے بجائے، صرف ہم لوگوں سے اپنی دوستی نبھانے کے لیے کیا ہے....."

"یہاں تم تھوڑا سا مبالغہ کررہے ہو۔" سلطان شاہ نے میری بات .... کاٹ کر کہا۔ "اس کی دوستی ہم لوگوں سے نہیں، صرف تم سے ہے اور اس نے محض تمہاری فرمائش پر ایران کی طرف لگائی تھی۔ ہمیں اس واقعے کی قومی اہمیت کا پورا پورا ادراک لیکن اس واقعے کا دوسرا پہلو بھی ہے۔ ویرا، تمہیں اس قدر چا ہے کہ اس نے نتائج کی پروا کیے بغیر اپنے بڑوں کو کھلا دھوکا د وعدہ کرلیا اور اسے پورا بھی کردیا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تمہار زبان سے تمہاری اور غزالہ کی شادی کا ذکر سن کر اسے صدمہ ہ ہوگا۔ اگر اس نے مایوسی کے عالم میں خودکشی نہ کرلی تو وہ کوانگ فو کو ضرور ہلاک کردے گی کیونکہ اسی بدمعاش نے زبر تم دونوں کا نکاح کرایا ہے۔"

"تم ان ہی گھٹیا باتوں پر اپنی ذہنی صلاحیتیں برباد کرتے رہو" میں نے دانت پیس کر کہا۔ "تمہیں زندگی بھر اپنی ناک سے آ دیکھنے کی عادت نہیں پڑسکے گی۔ تم ان تنگ نظر اور متعصب لوگ میں سے ہو جنہیں آج تک یقین نہیں آسکا کہ انسان خلا سے گز کر چاند پر ہو آیا ہے۔"

سلطان شاہ غزالہ کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا اور میں پیر پٹخ ہوا، ہوٹل کے کمرے کی ایک کھڑکی کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔

نیشی کاؤ، مافیا کے ڈان تھری کی حیثیت سے، مجھ سے مذاکرا کرنے کے لیے شکاگو سے کراچی پہنچا تھا۔ وہ شی کی طرف سے گن اور سلور آئیز کی واپسی کا مطالبہ لے کر آیا تھا۔ اس کا اندا تھا کہ میں وہ دونوں اہم ترین چیزیں لوٹا دیتا تو شی والے میرا پیچھا چھوڑ سکتے تھے اور میں اپنی تمام تر صلاحیتیں مافیا کے مفادات ک فروغ اور تحفظ کے لیے استعمال کرسکتا تھا۔ نیشی کاؤ اس امر بے خبر تھا کہ بلی گینگ نامی ایک پیشہ ور قاتل شکاگو سے ہی اس پیچھا کررہا تھا۔ جب میں نے نیشی کاؤ کو بتایا کہ میرے پاس بم گن سلور آئیز میں سے کوئی چیز موجود نہیں تو شی کے بھیجے ہوئے اس پیشہ ور قاتل نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کردیا جو بری طرح ناکام رہا اور گینگ اپنے حامیوں سمیت جہنم واصل ہوگیا۔

اس ناخوشگوار واقعے نے نیشی کاؤ کے دل میں شی کے بڑ کے خلاف نفرت کا بیج بودیا۔ اسے یقین ہوگیا کہ وہ لوگ بلا میرے لہو کے پیاسے ہورہے تھے۔ اس مسئلے میں اپنے دوست ڈون کوانگ فو کی مدد لینے کا فیصلہ کرکے نیشی کاؤ نے ایسی بھیا غلطی کی جس کا خمیازہ اسے اپنی سفاکانہ موت کی صورت میں بھ پڑا۔

نیشی کاؤ کا کانٹا میری راہ سے نکل گیا تھا لیکن مکاؤ میں آنے والے واقعات کے بعد مجھے چاروں طرف سے اپنے اوپر ہوتی نظر آرہی تھی جس کا تدارک مشکل ہی نہیں، ناممکن آرہا تھا۔

اس وقت تک ظفر کو مافیا سے میرے کسی تعلق کا علم تھا۔ اسی طرح ویرا بھی یہ سمجھ رہی تھی کہ شی سے بغاوت کے میں منظم جرائم کی دنیا سے کنارہ کش ہوچکا تھا۔ مافیا سے

رابطہ کا تو اسے شبہ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ ادھر حبیب جیوانی مجھے مافیا کا پکا وفادار تصور کرتا تھا۔ اس کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ اس نے مقامی مافیا کے بیشتر معاملات میری صوابدید پر چھوڑے ہوئے تھے۔ اور خود پس پشت رہا کرتا تھا۔ غزالہ کی آزادی کے لیے مکاؤ کی طرف دوڑ لگانے کے لیے میں نے حبیب جیوانی سے اسلام آباد جانے کا بہانہ کیا تھا۔ اسے میں نے یہ پٹی پڑھائی تھی کہ میں ڈان کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے' سردار امیر جان کو' اس کے بیٹے کی اسمگلنگ کی بنیاد پر شیشے میں اتارنا چاہتا تھا۔

میری وہ سب کہانیاں اور بہروپ ریت کے گھروندوں سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے تھے۔ ایک بار واقعات کی گرد دب جاتی اور مکاؤ کے واقعات میں ملوث کرداروں کے نام بے نقاب ہونے شروع ہوتے تو میں ہر طرف سے تنقید اور بے رحمانہ سوالات کے گرداب میں پھنس کے بے دست و پا ہو جاتا۔

ان متوقع حالات کا تقاضا یہی تھا کہ میں ہانگ کانگ سے روانہ ہونے سے پہلے فون کے ذریعے ظفر اور ویرا کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا تاکہ بعد میں انہیں سنبھالنے میں سہولت رہتی۔

میں نے کھڑکی سے ہٹ کر فون سنبھالا اور آپریٹر کو جہانگیر کے فلیٹ کا نمبر ملانے کی ہدایت کر کے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم ہماری باتوں کا بہت جلد برا مان جاتے ہو لیکن تم ایمانداری سے اپنے دل کو ٹٹولو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ تمہارے دل میں ویرا کے لیے نرم گوشہ موجود ہے۔" سلطان شاہ نے ٹہلتے ہوئے کہا۔ "یہ کوئی تہمت یا الزام تراشی نہیں ہے بلکہ سادہ سی ایک حقیقت ہے جو تمہیں تسلیم کرلینی چاہیے۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ لوگ ویرا کے بارے میں مذاق کرتے رہے ہوں یا سنجیدہ ہوں' اس بارے میں میرا ردعمل ہمیشہ منفی اور مدافعانہ رہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ویرا سے کچی محبت نہ کرنے کے باوجود' میں اس کے ساتھ دوستی کی ساری حدیں پھلانگ کر' بارہا خلوتوں کے سفر سے بھی گزر چکا تھا اور میرے لاشعور میں یہ خوف جاگزیں تھا کہ کہیں غزالہ کسی روز میری اس کمزوری کا ذکر نہ چھیڑ بیٹھے۔ وہ دونوں ایسی ہی باتیں سارا یا کسی اور لڑکی کے بارے میں کرتے' جس سے میرا کوئی تعلق نہ رہا ہو' تو شاید میں خود بھی ان کے مذاق میں شریک ہو جاتا۔

چند منٹ بعد ہی فون کی گھنٹی بجی تو میں نے فوراً ریسیور اٹھا لیا۔

"کراچی' سر! دوسری طرف گھنٹی بج رہی ہے۔" مستعد آپریٹر نے وہ فقرہ ادا کرتے ہی لائن مجھے منتقل کر دی۔

مجھے مزید ایک گھنٹی سنائی دی پھر طویل فاصلے کی بین الاقوامی فون کال کی مخصوص ٹون کے ساتھ ہی ویرا کی واضح ہیلو سنائی دی۔

"کہاں غائب تھیں؟ کافی دیر سے گھنٹی بج رہی تھی۔" میں نے شگفتہ لہجے میں پوچھا۔

"نہا رہی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے پروگرام سے پہلے ہانگ کانگ پہنچ گئے ہو؟"

"تم سے بات کرنے کے اشتیاق میں ہم نے وقت سے پہلے مکاؤ چھوڑ دیا۔"

"میں تو تمہیں کراچی چھوڑ کر گئی تھی۔ پھر تم یہاں سے مکاؤ کیسے پہنچ گئے؟"

"غزالہ کی آڑ میں ڈون کے آدمی ایک مفرور چینی مجرم کو بھی ہانگ کانگ سے نکال رہے تھے جس کی بھنک مقامی پولیس کو مل گئی اور بوٹ کے عملے کے ساتھ غزالہ بھی پولیس کی تحویل میں چلی گئی۔ تربا تھی لاپتا ہو گیا۔ پھر جب ڈون' غزالہ کو لینے پہنچا تو اس نے ڈون کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ اسے تمہارے منصوبے کا سرے سے علم نہیں تھا۔ ہانگ کانگ پولیس نے ڈون کی نگرانی شروع کرادی اور وہ اپنی اس بے عزتی پر مشتعل ہو گیا۔ مختصر یہ کہ وہ تمہیں ہانگ کانگ یا مکاؤ طلب کر رہا تھا جب کہ تم لاپتا تھیں۔ اس لیے میں نے سلطان شاہ کو ہانگ کانگ روانہ کر دیا۔ اس کی مداخلت پر غزالہ' ڈون کے ساتھ آنے پر آمادہ ہو گئی لیکن ڈون نے مکاؤ پہنچتے ہی ان دونوں کو یرغمال بنا لیا۔ متعدد کوششوں کے باوجود' میں اس سے بات کرنے میں ناکام رہا۔ اس کی سیکریٹری کا ایک ہی پیغام تھا کہ تمہارے مکاؤ پہنچے بغیر' دونوں قیدیوں کی رہائی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ مجبوراً مجھے روانہ ہونا پڑا اور میں کسی نہ کسی طرح ڈون تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔"

میرے خاموش ہونے پر' ریسیور میں ویرا کا جاندار قہقہہ گونجا اور وہ بولی۔ "مجھے معلوم ہے کہ ڈون بہت ضدی ہے' مجھے حیرت کہ اس نے اپنا اصرار ترک کرکے تمہاری سفارش قبول کرلی۔"

"میں نے اسے تمہارا پیغام دے دیا تھا۔ وہ اب بھی تم سے بات کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔"

"خیر' میں اسے خود رام کرلوں گی مگر یہ تو بتاؤ کہ تم اس تک پہنچنے میں کیسے کامیاب ہوئے؟"

"وہ ہالینڈ کے مسروقہ شاہی نوادرات تھے جو اتفاقاً میرے ہاتھ لگ گئے۔ ڈون کو ان کی تلاش تھی۔ وہ ایک لمبی اور دلچسپ کہانی ہے جو فون پر نہیں سنائی جاسکتی۔ اس کے بعد بھی ڈون تمہارے معاملے میں اُڑا ہوا تھا۔"

"اور پھر اس نے غزالہ سے تمہاری کورٹ میرج کرادی؟" اس نے تجسس کے ساتھ پوچھا۔

اس نے نوادرات لینے کے بعد مجھے منہ مانگے انعام کی پیش کش کی تھی جب میں نے غزالہ کی آزادی کی فرمائش کی تو اس نے طویل بحث کے بعد شرط عائد کر دی کہ مجھے اس سے اتنی ہی محبت ہے تو میں اس سے شادی کرکے اسے اپنے ساتھ لے جاسکتا ہوں ورنہ وہ اسی حویلی میں بوڑھی ہو کر مرجائے گی۔ یہ کورٹ میرج نہیں تھی بلکہ ہمارا نکاح پڑھانے کے لیے چین سے ایک مسلمان عالم بلایا گیا تھا۔"

"پھر تو تم واقعی خوش نصیب ہو۔" ویرا کی آواز سے رشک و حسد کے تاثرات جھلک رہے تھے۔

"پرسوں شام منعقد ہونے والی شادی کی تقریب بہت بڑی اور پرشکوہ تھی۔ بیش قیمت گاڑیوں سمیت اتنے تحائف آئے کہ شمار مشکل تھا لیکن اسی تقریب میں ڈون کے ایک دوست کے قتل کی وجہ سے سارا طلسم بکھر کر رہ گیا۔ ڈون اب بھی قاتل کی تلاش میں لگا ہوا ہوگا۔"

"اس واردات میں تمہارا ہاتھ تو نہیں تھا؟" ویرا کے برجستہ سوال پر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"خدا کا خوف کرو، ویرا! مکاؤ میں ہماری کسی سے کیا دشمنی ہو سکتی تھی؟"

"تم دوستیوں کے ساتھ ہی دشمنیاں پیدا کرنے میں بھی ماہر ہو۔ ویسے مرنے والے کا نام کیا تھا؟ میں ڈون کے بہتیرے دوستوں سے واقف ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ مرنے والے کا نام میرے لیے نیا نہ ہو۔"

"نیشی کاؤ...." میں اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا کیوں کہ ویرا نے میری بات کاٹ دی تھی۔

"نیشی کاؤ؟" ویرا کی تحیّر زدہ آواز ابھری تھی۔ "وہ مکاؤ میں کیا کر رہا تھا؟ وہ تو مافیا کا ڈان ہے اور شکاگو میں رہتا ہے۔ ڈون اکثر ذکر کرتا رہتا تھا کہ شنگھائی کے مضافات میں ان دونوں کے گھرانے صدیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے بستے چلے آرہے تھے۔"

"وہ ڈون کے بچپن کا دوست تھا۔ تم بالکل ٹھیک سمجھی ہو۔" میں نے اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پا کر، پُرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ نیشی کاؤ مافیا کا ڈان بھی تھا۔"

"بلکہ اب تو وہ ڈان تھری ہو گیا تھا۔" مافیا والوں کے بارے میں ویرا کی معلومات قابلِ رشک تھیں۔ "لیکن وہ ڈون کے پاس کیا لینے گیا تھا۔ ڈون تو اس کی حریف تنظیم کا آئی مین ہے۔"

"میں اندر کی کہانیوں سے لاعلم ہوں۔ ڈون نے غصے میں مکاؤ میں اپنے کچھ مشتبہ حریفوں کو قتل کر کے ان کے گھر جلوا دیے ہیں۔ اسے شبہ ہے کہ اسے کمزور اور بدنام کرنے کے لیے اس کے حریفوں نے یہ چال چلی ہے۔"

"خدا کی پناہ! اور تم کو اس قدر مخدوش صورتِ حال کے باوجود مکاؤ چھوڑنے کی اجازت مل گئی؟"

"ڈون کی ایک سفید فام محبوبہ، ہیلی کاپٹر میں ہمیں یہاں پہنچا کر گئی ہے۔"

"مجھ سے یہ باتیں نہ کرو۔" ویرا کی تلخ آواز ابھری۔ "جب شراب کا نشہ ڈون کی کھوپڑی میں ٹھوکریں رسید کرنے لگتا ہے تو وہ کسی ہتھنی کو بھی اپنی محبوبہ قرار دے بیٹھتا ہے۔ اس معاملے میں وہ بڑا تخیّل پرست ہے۔"

"یہ بتاؤ کہ بلیو کراس ڈیل کے بارے میں تازہ ترین خبریں کیا ہیں؟"

"اپنا کام پورا کرنے کے بعد میں بالکل بے خبری کے عالم میں ہوں۔ یہ ضرور ہے کہ واشنگٹن والوں نے جمی لائیڈ کو اس مرحلے کی ناکامی کی اطلاع دے دی ہے۔ انہیں معلوم ہوگیا ہے کہ ایک ٹرک کی تباہی کے علاوہ پورا کارواں تیزی کے ساتھ سرحد پار کر چکا ہے لیکن حیرت ناک بات یہ ہے کہ پاکستان کی سرحدی پہاڑوں میں داخل ہونے کے بعد وہ پورا عظیم الشان کارواں اچانک لاپتا ہو گیا ہے۔ پاکستان پر سے دن میں پانچ بار گزرنے والے مصنوعی سیّارے بھی اس مشینی قافلے کی نقل و حرکت کا سراغ لگانے میں ناکام رہے ہیں۔"

"پھر اب تمہاری کیا پوزیشن ہے؟" میں نے دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔

"میں نے واضح کر دیا ہے کہ میں نے ٹارگٹ کو پورے کاررواں کے ساتھ دیکھ کر ہی گرین سگنل دیا تھا۔ اگر وہ ٹریلر میں خراب ہو کر کاررواں سے بچھڑ گیا ہو تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"اور تمہاری یہ تاویل قبول کرلی گئی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"قبول کرنا یا نہ کرنا اوپر والوں کا کام ہے۔ میں اپنا جواب دے چکی ہوں۔"

"تمہارا اندازہ تھا کہ کافی عرصے تک کسی کو معلوم ہی نہیں ہو سکے گا کہ ہوا کیا ہے لیکن یہاں تو چند ہی روز میں تم سے جواب طلب کرنے کی نوبت بھی آگئی۔ کیا کہیں سے مخبری کی گئی ہے؟"

"نہیں، شاید میں اس معاملے کی اہمیت کا صحیح اندازہ لگانے میں غلطی کر بیٹھی تھی۔ باتوں باتوں میں ایک اور خطرہ بھی ابھر کر سامنے آیا ہے جو میرے وہم و گمان تک میں نہیں تھا۔"

"وہ کیا ہے؟" میں نے بے تابی کے ساتھ سوال کیا۔ اس کی گفتگو سے مجھے کئی اہم اشارے مل چکے تھے۔

"دراصل یہ معاملہ واشنگٹن کی ترجیحات میں شامل ہے۔ تمہاری ایٹمی پیش رفت کو دھکیل کر ستر کے عشرے میں واپس لے جانا چاہتے ہیں۔ باتوں ہی باتوں میں مجھے اندازہ ہوا ہے کہ مواصلاتی مدار میں موجود، کسی مصنوعی سیّارے کا مدار تبدیل کر کے پاکستان پر لانے کے پروگرام پر عمل بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔ یہ مواصلاتی مدار اور خلائی اصطلاحات میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔"

"زمین سے ایک مخصوص بلندی پر ایک مدار ایسا ہے کہ مصنوعی سیّارے زمین کے گرد چوبیس گھنٹے میں ایک چکر پورا کرتے ہیں اور اسی مدت میں زمین اپنے محور کا ایک چکر مکمل کرتی ہے۔ اس طرح وہ مصنوعی سیّارے گردش کرنے کے باوجود زمین سے

مقام پر رکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ مدار مواصلاتی رابطوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ ایسے سیاروں کے لیے زمینی اسٹیشن قائم کیے جاسکتے ہیں جو مقررہ مقامات سے سگنل بھیج یا وصول کرسکتے ہیں۔ ایسا کوئی جاسوس سیارہ پاکستان کی خلائی حدود میں معلق کردیا گیا تو وہ پل پل کی تصاویر، ہانگ کانگ سے ترکی تک پھیلے ہوئے مربوط سلسلے کے کسی بھی زمینی مرکز کو بھیجتا رہے گا اور تمہارا کارواں خطرے میں پڑ جائے گا۔ ایسے جاسوس سیاروں کے حساس زین کیمرے صحرا میں گرے ہوئے سکے تک کی واضح تصاویر لے سکتے ہیں۔"

"تم مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش کررہی ہو۔" میں نے پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "اس کا تو مطلب ہوا کہ زمین کا کوئی بھی حصہ ایسے کیمروں کی دسترس سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔"

"بدقسمتی سے ایسا ہی ہے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ مواصلاتی مدار میں کوئی مصنوعی سیارہ مقررہ مقام پر موجود ہو۔" اس کی مایوسانہ آواز سنائی دی۔ "بہت جلد تم سن لوگے کہ اب تیسری عالمی جنگ شروع ہوئی تو اس کی کمان خلا سے آنے والی معلومات کی روشنی میں ہی کی جائے گی۔"

"میں جلد از جلد متعلقہ لوگوں کو ان خطرات سے آگاہ کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"اس کا ایک ہی توڑ ہے۔" ویرا کی آواز گمبھیر ہوگئی۔ "ان تمام ٹرکوں اور ٹریلروں کو فوری طور پر، قریب ترین، زیرِ زمین پناہ گاہوں میں اتار کر خالی کرالیا جائے۔ اصل گاڑیاں ایک ایک کر کے مختلف راستوں سے ایران واپس چلی جائیں اور وہ تمام سامان نئے ٹرکوں پر لاد کر دھیمے اور غیر محسوس طریقے پر منزلِ مقصود تک پہنچا دیا جائے۔ اس کے علاوہ کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوگی۔ آج کے بمبار طیاروں کے ہواباز، انفراریڈ شعاعوں کی مدد سے، اماوس کی اندھیری راتوں میں بھی میلوں دور تک صاف دیکھتے ہیں۔ وہ لوگ آخری حربے کے طور پر کوئی بھی کارروائی کرسکتے ہیں۔"

ویرا کی وہ منظر کشی بہت بھیانک اور ڈراؤنی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ طاقتور اور بڑی قوموں کی مرضی سے انحراف کر کے کوئی طاقت روئے زمین پر نہیں پنپ سکتی تھی۔ ایسے سرکشوں کی اینٹ سے اینٹ بجادینے کے تمام انتظامات مکمل کرلیے گئے تھے لیکن مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے ایما پر پاکستان کے ذہین محافظوں نے بالکل وہی راہ اختیار کی تھی جو ویرا تجویز کررہی تھی۔

میں نے ویرا کو اصل انتظامات کے بارے میں کچھ بتائے بغیر پژمردہ آواز میں کہا۔ "تمہارے خدشات تشویشناک اور حقیقی ہیں۔ میں متعلقہ لوگوں کو ان کے بارے میں آگاہ کردوں گا۔"

"ہانگ کانگ سے فون کال مہنگی پڑے گی۔ تم چاہو تو میں

اسپیشل ٹاسک فورس والوں کو فون کیے دیتی ہوں۔"

"نہیں، نہیں۔ ایسا نہ کرنا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "ایس ٹی ایف میں تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ اب وہاں اوّل خان نہیں رہا اس کی جگہ آنے والا مختلف مزاج کا آدمی ہے۔ وہ تم سے بے رحمانہ جرح شروع کر دے گا۔"

ویرا کے لیے ایس ٹی ایف کا وجود راز نہیں رہا تھا۔ الحدید نامی لانچ کے سلسلے میں وہ اوّل خان کے نام اور کردار سے بھی واقف ہو چکی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ان لوگوں نے اسی کی متروکہ قیامگاہ پر اپنا کیمپ قائم کیا ہوا تھا کیوں کہ اس جائداد کا کوئی دعوے دار سامنے آنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اسی طرح ویرا ان لوگوں کے کم از کم ایک فون نمبر سے بھی واقف تھی جو اس کے قیام کے زمانے سے وہاں نصب تھا۔

"ٹھیک ہے۔ اپنا کام تم بہتر طریقے سے کر سکتے ہو۔" اس نے میرے اختلاف کو زیادہ اہمیت نہیں دی پھر بولی۔ "اب غزالہ سے بات ہو سکتی ہے یا وہ کہیں مصروف ہے۔"

میں ریسیور غزالہ کے حوالے کر کے دانستہ وہاں سے دور چلا گیا۔ مجھے توقع تھی کہ ان دونوں میں نوک جھونک کے درمیان تلخ و ترش جملوں کا تبادلہ ضرور ہو گا۔ اس مرحلے پر میں ان کے کسی تنازعے میں فریق بننے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا میں نے بظاہر لاتعلقی اختیار کر لی تھی لیکن میرے کان غزالہ کی آواز پر ہی لگے ہوئے تھے۔

غزالہ کے جوابات سے اندازہ ہوا کہ ان دونوں کے مذاکرات کی ابتدا شادی کی مبارکباد سے ہوئی تھی پھر غزالہ شادی کی تفصیلات بتانے لگی جو کسی مبالغے کے بغیر بھی مبالغہ آمیز محسوس ہوئیں۔ ویرا جو کچھ بھی رہی ہو، بنیادی طور پر ایک عورت ہی تھی۔ ویرا اس تقریب کے بارے میں فطری تجسس کا شکار تھی جس کا اب واقعی ازالہ صرف غزالہ کی کہانی سے ہو سکتا تھا۔

پھر ان کی گفتگو کا رخ غزالہ کی قید کے واقعات کی طرف ہو گیا۔ شاید ویرا جاننا چاہ رہی تھی کہ شری مان سنگھ کی تحویل سے گزرنے کے بعد، بھارت میں غزالہ پر کیا گزری تھی۔

آخر کار غزالہ نے مجھے بلا کر ریسیور دوبارہ میرے حوالے کر دیا۔ غالباً ویرا کو کوئی اور بات یاد آ گئی تھی۔

"تم انڈین سیکرٹ سروس کے ریسرچ اینڈ اینالے سز ونگ کو شاید بالکل ہی بھول گئے ہو!"

"یہ کون سا نیا ونگ پیدا ہو گیا؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"یہ وہی ونگ ہے جسے اس کے مخفف کی بنا پر عرفِ عام میں را کہا جاتا ہے۔" اس نے کہا۔ "تحقیق اور تجزیے کے نام پر یہ لوگ ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔ تم شری مان سنگھ کو سمندر کی بے رحم موجوں کے حوالے کر کے ان بدمعاشوں کی طرف سے مطمئن ہو گئے ہو لیکن وہ نچلے بیٹھنے والے نہیں ہیں۔ آپریشن سلور سینڈ ساقط ہونے کے بعد وہ کوئی نئی سازش شروع کر سکتے ہیں جس کے اشارے غزالہ کی کہانی سے مل رہے ہیں۔ اس مرتبہ ابتدا ہی سے ان کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنی پڑے گی۔"

"مجھے ٹیلی فون کے بل کی پروا نہیں، لیکن یہ مسائل فون پر طے نہیں ہو سکتے۔ میں جلد از جلد واپس لوٹنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہاں آ کر ہی اس بارے میں کوئی ٹھوس منصوبہ بندی کی جا سکے گی۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "ویسے میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم میرے ملک کے مفادات کا اتنا دھیان رکھ رہی ہو۔"

"اس گمان میں نہ رہنا۔" اس بار وہ ایک دم ہی بھڑک اٹھی۔ "مجھے تمہارے ملک یا اس کے مفادات سے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو بس جمی لائیڈ اور اس کے حواریوں کو خاک چاٹتا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں۔ اسی لیے تمہیں یہ سب بتا رہی ہوں کیوں کہ تم بہرحال میرے دوست اور مددگار ہو۔"

اس کی انوکھی تاویل پر میں دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ جمی لائیڈ کو وہ اپنا حقیقی باپ تصور کرتی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ جمی لائیڈ نے اپنی اس ناجائز اولاد کو کچھ عرصے پہلے تک تسلیم ہی نہیں کیا تھا اور ویرا نے ماں باپ کے مشفقانہ سائے سے محرومی کے عالم میں اپنی توہین و تذلیل کے ایسے ایسے دردناک لمحے گزارے تھے، جن کے لیے وہ اپنے باپ کو کبھی معاف نہیں کر سکتی تھی۔ بچپن ہی میں ماں کے سائے سے محروم ہو جانے کے بعد اس کی تمام تر امیدوں کا مرکز، اپنے باپ کی ذات بن گئی تھی جس سے اسے کھلی محرومیوں کے سوا کچھ نہیں مل سکا تھا۔ کچھ عرصے پہلے جمی لائیڈ نے آخر کار اسے اپنی بیٹی مان لیا تھا لیکن میں ویرا کے ذہن میں یہ بات بٹھانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ جمی لائیڈ نے اسے میرے خلاف استعمال کرنے کے لیے ایک عارضی سمجھوتا کیا تھا جسے وہ کسی بھی وقت بھلانے پر قادر تھا۔ یہ اسی نظریے کی کوکھ سے جنم لینے والی نفرت تھی جو ویرا کو میرے مفادات کے لیے کام کرنے پر اکساتی رہتی تھی۔ اس عمل میں وہ لاشعوری طور پر میرے ملک کے لیے بھی مخلص ہوتی جا رہی تھی لیکن اس کی ذات کے تضادات اسے ایسے کسی بھی اعتراف سے گریزاں رکھتے تھے۔

میں نے اس نکتے پر ویرا سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"میں تمہارے جذبات کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" میں نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔ "یہ کال بہت زیادہ طویل ہونے کی صورت میں آپریٹر کو ہماری گفتگو کی طرف متوجہ کر سکتی ہے' اس لیے باقی باتیں واپسی پر ہوں گی۔ میں کل تک کراچی پہنچنے کی سرتوڑ کوشش کروں گا۔"

ویرا کی اس فون کال نے ہم تینوں کو وہ بدمزگی بھول جانے پر

مجبور کر دیا جو کچھ دیر قبل پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے ان دونوں کو تازہ ترین گفتگو کے خلاصے سے آگاہ کیا جس پر وہ جوش و خروش کے ساتھ بحث میں مصروف ہو گئے اور میں ایس ٹی ایف والے ظفر سے گفتگو کرنے کے ارادے سے دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

آپریٹر نے سلسلہ ملانے کے بعد کال مجھے منتقل کی تو دوسری طرف سے اول خان کی آواز سن کر مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ اس کی آواز سے گہرا اطمینان جھلک رہا تھا۔

"اول خان؟ تم یہاں کیسے؟" میں نے اضطراری لہجے میں حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"ڈیبی؟" وہ بھی میری آواز پہچان کر حیران رہ گیا۔ "ظفر نے بتایا تھا کہ تم مشرق بعید کے کسی مشن پر نکلے ہوئے ہو!"

"ہاں، میں ہانگ کانگ سے بول رہا ہوں۔ مگر تم واپس کیسے آ گئے؟"

"حکومت بدل گئی ہے۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ "آنے والے، پرانی حکومت کے فیصلے لوٹا رہے ہیں۔ میرا بھی تبادلہ منسوخ کرنے مجھے یہاں بحال کر دیا گیا ہے۔ آگے دیکھو کیا ہوتا ہے؟"

اس خبر سے مجھے دلی مسرت ہوئی اور میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ نئی حکومت میں تمہارے اپنے لوگ بھی اقتدار میں نہیں آئے ہیں۔"

"نہیں ڈیبی!" اس کا لہجہ دکھی ہو گیا۔ "ہم لوگوں کو ان سیاسی اور سرکاری لوگوں سے کیا لینا دینا ہے۔ نئے آرڈرز ملنے تک میرے فرشتوں کو بھی تبادلے کا علم نہیں تھا۔ بس یہ ایک دوسرے کی ضد میں ہو رہا ہے۔ کسی کی لاٹری نکل رہی ہے اور کوئی برباد ہو رہا ہے۔ ان مداریوں نے پورے اسٹیبلشمنٹ کو تماشا بنا کر رکھ دیا ہے۔"

"لیکن تم جیسے غیر سرکاری لوگ ان کی زد میں کیسے آ گئے؟" میں نے بات بدلتے ہوئے پوچھا۔

میرے سوال پر وہ ہنس پڑا۔ "تم جانتے ہو کہ سرکاری طور پر ہمارا ارادہ غیر سرکاری ہے لیکن غیر سرکاری طور پر ہماری خدمات اپنی مٹی اور پھر سرکار کے لیے وقف ہیں۔ تمہاری بلیو کراس ڈیل کی یہاں دھوم مچی ہوئی ہے لیکن مجھے تفصیل کا کوئی علم نہیں۔ تم آؤ گے تو کھل کر باتیں ہوں گی۔ اس معاملے میں بہت سخت رازداری سے کام لیا جا رہا ہے۔"

"میں جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن یہاں کچھ تشویشناک خبریں ملی ہیں جن سے تمہارا واقف ہونا ضروری ہے۔ را کے ایجنٹ مسلسل ہمارے خلاف کام کر رہے ہیں اور اس بار ہمارے سب سے بڑے آبی ذخائر ان کی نگاہوں میں کھٹک رہے ہیں۔ وہاں غیر متعلقہ آدمیوں کے داخلے پر سخت پابندی کے ساتھ ہی کڑی نگرانی کا سلسلہ شروع ہو جانا چاہیے۔"

"تم کہیں بھی غافل یا بے خبر نہیں رہتے۔" ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ "میں پنڈی میں تھا تو منگلا ڈیم سے اس بار، میرپور کی پہاڑیوں سے دو مشتبہ خانہ بدوش پکڑے گئے تھے۔ ان کے قبضے سے لانگ رینج والا ایک ٹرانسمیٹر برآمد ہوا تھا۔ اس پر رابطہ کرنے کی ہر کوشش ناکام ثابت ہوئی۔ شاید اس کے لئے کوئی پاس ورڈ ضروری تھا۔ وہ دونوں اپنی کوئی بھی شناخت پیش نہیں کر سکے اور کڑے تشدد کے تیسرے دن اپنے سیل میں مردہ پائے گئے۔ ان کے بارے میں خفیہ محکمے بدترین تشویش میں مبتلا ہیں۔ تمہاری اطلاع سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ را کے ایجنٹ رہے ہوں گے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہاں کھیل شروع ہو چکا ہے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ "رجنی نام کی ایک بھارتی عورت اسٹیشن فور پر حراست میں تھی اب اس کا کیا حال ہے؟"

"میں شری مان سنگھ کی فائل دیکھ چکا ہوں۔ اس کے مطابق رجنی کا ذہنی توازن، ایک محدود مدت کے لئے بگاڑ دیا گیا ہے۔ اب اسے بنگلہ دیش روانہ کرتا ہے۔ ذہن نارمل ہونے پر وہ کلکتہ کے راستے بھارت جا سکے گی۔ اس کا یہاں سے ہٹانا ضروری ہو گیا ہے کیوں کہ اپنی رہائی کی کوششوں میں وہ گھٹیا حرکتوں پر اتر آئی تھی۔ اس نے اپنی نگرانی پر مامور، کم از کم دو سپاہیوں کو جنسی رشوت کی پیش کش کی تھی۔ گھر بار اور خاندان سے دور رہنے والے جوانوں کے لیے ایسا جال اکثر و بیشتر کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ ہم اپنے عملے کو قیدی عورتوں سے عموماً دور ہی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"فی الحال اسے روکے رہو۔ باقی باتیں واپسی پر ہوں گی۔" میں نے گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع کر دیا۔

سلطان شاہ کے ہانگ کانگ روانہ ہونے سے پہلے ہی ملک میں کافی سے زیادہ سیاسی ہلچل موجود تھی لیکن مجھے کبھی بھی سیاست سے دلچسپی نہیں رہی تھی۔ ویرا نے مجھے مکاؤ میں سیاسی تبدیلی کی خبر دی تو میں نے اسے ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیا تھا لیکن اول خان کا انداز بیان ہی مختلف تھا۔ اگر آنے والوں کی کارکردگی کے لیے جانے والوں کی جا و بے جا بیخ کنی اور مخالفت ہی معیار بنالی گئی تھی تو ملکی اور قومی مفادات کا تحفظ بھی ایک کھیل بنا لیا گیا تھا۔ گندی سیاست کا زہر بہت تیزی کے ساتھ قوم کی رگوں میں اتارا جا رہا تھا۔ اس دوڑ میں کوئی کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا تھا۔ فرضی اعداد و شمار، جھوٹی خبروں اور بے سروپا الزامات کی چٹپٹی کہانیاں سنا سنا کر، کم و بیش سارے ہی سیاستدان قوم کے ذہنوں کو تباہ کر رہے تھے۔ اس ماحول میں اول خان اور اس جیسے' دوسرے فرض شناس خادموں کا دم غنیمت تھا جو آنے جانے والوں کی باہمی نفرتوں سے بے نیاز ہو کر اپنے مشن میں کھوئے رہتے تھے۔

ایس ٹی ایف میں ظفر بھی ہمارے ساتھ تعاون کرتا رہا تھا اور ہمیں اس سے کبھی، کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی تھی لیکن اول خان کے ساتھ اندرونِ سندھ کے گھنے جنگلات اور سکھر کے قریب

دریائے سندھ میں مہمات سر کرتے ہوئے کچھ ایسی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہوگئی تھی جو ظفر کے ساتھ مفقود تھی۔ اس وجہ سے اول خان کی واپسی کی خوشی تھی۔ غزالہ اور سلطان شاہ کے جذبات بھی مختلف نہیں تھے۔

ان اہم کاموں سے فارغ ہو کر میں نے روانگی کے انتظامات پر توجہ دی تو چند فون کالز کے بعد ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ ہانگ کانگ سے جلد از جلد باہر نکلنے کے لیے کیتھی پیسیفک سے بہترین ائرلائن کوئی اور نہیں تھی۔ شاید ہانگ کانگ ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر ملک سے فوری روانگی کے لیے شاید اسی ملک کی ائرلائن بہتر رہتی ہے جو پروازوں کی کثرت کی وجہ سے کسی نہ کسی جگہ سے منزلِ مقصود تک پہنچنے کا بندوبست کر دیتی ہے۔

ہانگ کانگ سے کیتھی کی پرواز تین بجے بنکاک کے لیے روانہ ہونے والی تھی۔ وہاں سے سات بجے پی آئی اے پر کراچی کے لیے نشستیں دستیاب تھیں۔ اس طرح ہم کراچی کے وقت کے مطابق نو بجے کے لگ بھگ وہاں پہنچ سکتے تھے۔ میں نے فون پر ہی دو نشستیں مخصوص کرا کے تیسری سیٹ روکنے کی درخواست کی اور فوراً ہی سلطان شاہ کو روانہ کر دیا کیوں کہ ہم دونوں تو کراچی سے ہی واپسی کے ٹکٹ لے کر آئے تھے لیکن غزالہ کے لیے واپسی کا ٹکٹ خریدنا تھا اور ٹکٹ نمبر کے بغیر سیٹ بک نہیں کرائی جا سکتی تھی۔

سلطان شاہ کے چلے جانے کے بعد میں نے انٹر کام پر روم سروس کے عملے کو کوئی تیز اور عمدہ بیئر لانے کی ہدایت کی تو سپروائزر نے مجھے بتایا کہ کمرے میں رکھے ہوئے منی بار میں وہ پوری اقسام موجود ہوں گی جو روم سروس کمرے میں مہیا کر سکتی تھی۔ دیگر اقسام کے لیے ہوٹل کے بار میں جانا ضروری تھا۔

"یہ لعنت ہمیشہ اور ہر جگہ تمہارے اعصاب پر سوار رہتی ہے۔" غزالہ نے سنگ تاؤ کی لمبی بوتل میرے ہاتھ میں دیکھ کر کہا۔ "پتا نہیں تم شراب پینے کی عادت ترک کیوں نہیں کر دیتے!"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟" میں نے دیدے پھاڑ کر کہا۔ "تم نے کسی وضع دار گورے سامنے کے بیئر کو شراب کہہ دیا تو وہ کھڑے کھڑے مر جائے گا۔ اسے تم ولایتی زبان میں پانی کا خوشگوار نعم البدل کہہ سکتی ہو۔"

غزالہ کچھ دیر تک مُنہ بنائے، خاموش بیٹھی رہی اور میں سنگ تاؤ کے انوکھے ذائقے کی لذتوں میں کھویا رہا۔ آہستہ آہستہ ہم دونوں نے ویرا اور اول خان سے ہونے والی گفتگو پر تبادلۂ خیال شروع کر دیا۔

اہم مسائل پر ہم دونوں کے درمیان کوئی اختلافِ رائے نہیں تھا اس لیے بحث کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ہم، ایک دوسرے کی معلومات میں اضافہ کرنے کے ساتھ اگلی حکمتِ عملی کا خاکہ تیار کرنے لگے۔

پاکستانی سرزمین اور اس کے مفادات کے بارے میں، بھارتی نیتاؤں کے ہوسناک عزائم کی تصدیق ہر طرف سے ہو رہی تھی۔ ویرا نے را کے سرگرم ہونے کی خبر دی تھی۔ اول خان نے منگلا کے قریب سے ایسے ترقی یافتہ خانہ بدوشوں کی اطلاع دی تھی جو لانگ رینج ٹرانسیٹر ساتھ لیے پھر رہے تھے اور غزالہ تو بھارت میں اپنی آنکھوں سے بہت کچھ دیکھ آئی تھی۔ اس کے مشاہدے کو جھٹلانا آسان کام نہیں تھا۔

وہ لوگ اپنے امریکی آقاؤں کے ساتھ مل کر شاید کوئی خوفناک منصوبہ تیار کر چکے تھے جسے رُوبہ کار لانے کے لیے پاکستان میں اندرونی خلفشار پیدا ہونا ضروری تھا۔ ملاّ سرکار سے شری مان سنگھ تک، اس زنجیر کی ہر کڑی کا تعلق سندھ میں پھیلے ہوئے ڈاکوؤں اور رسّہ گیروں سے رہا تھا۔ وہ لوگ ان سماج دشمن عناصر کو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس کر کے انہیں اتنا طاقت ور بنانا چاہتے تھے کہ ان کی مدد سے خانہ جنگی اور لاقانونیت کی صورتِ حال پیدا کی جا سکے۔ دوسری طرف امریکا فوجی اور اقتصادی رکاوٹیں کھڑی کر کے ملک کو سنگین بحران کی طرف دھکیلنے کے لیے کوشاں تھا۔ اس پس منظر میں ایک بھیانک مصنوعی سیلاب پورے ملک کے اقتصادی اور انتظامی نظام کو تہ و بالا کر سکتا تھا اور شاید وہ لوگ ایسے ہی کسی سازگار ماحول کا انتظار کر رہے تھے۔

پہلی یخ بستہ بوتل ختم کر کے، میں نے منی بار سے سنگ تاؤ کی دوسری بوتل نکالی ہی تھی کہ اچانک فون بج اٹھا۔

غزالہ نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف کی بات سننے پر اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوگئے پھر اس نے اپنے مخاطب کو لائن ہولڈ آن کرنے کی ہدایت کر کے، ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھے بتایا کہ چوسین لائن پر تھا کیوں کہ ڈون فوری طور پر مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

ڈون اور حسین یا چوسین کے نام سنتے ہی میرا ماتھا ٹھنک گیا کیوں کہ ہم لوگوں کو مکاؤ سے واپس آئے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی۔ اس سے پہلے ڈون ہم سے مل کر گیا تھا پھر ان دو گھنٹوں میں ایسی کون سی قیامت آگئی تھی کہ اسے فون پر ہم سے رابطہ کرنے کی ضرورت پیش آگئی تھی۔

دوسری اہم ترین بات یہ تھی کہ ہم نے ڈون یا سارا کو ہانگ کانگ میں اپنی جائے قیام کے بارے میں ایک لفظ نہیں بتایا تھا۔ سچ بات تو یہ تھی کہ ائرپورٹ کی عمارت کے ایک دور افتادہ حصے سے باہر نکلنے کے بعد ہی مجھے ہانگ کانگ کے اومنی ہوٹل کا خیال آیا تھا لیکن ڈون حیرتناک طور پر ہمارے اس ٹھکانے سے واقف ہو چکا تھا۔

میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ ان سوالات پر سوچنے میں مصروف تھا لیکن میں نے غزالہ کے ہاتھ سے ریسیور لینے میں لمحہ بھر کی بھی تاخیر نہیں کی۔

اس وقت تک دوسری طرف حسین ہی لائن پر موجود تھا۔

ی ہیلو کے جواب میں اس نے گرمجوشی کے ساتھ میری مزاج
ی کی پھر مجھے بتایا کہ ڈون مجھ سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے ہمارے ہوٹل کا
غ کیسے لگالیا؟"
وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "یہ ڈون کے اپنے انتظامات ہوتے ہیں۔
نے مجھے ہوٹل کا نام اور کمرا نمبر دے کر تم سے بات کرانے کا
دیا تھا۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔"

ریسیور پر رقت انگیز چینی موسیقی شروع ہو گئی پھر چند ثانیوں
ڈون لائن پر آگیا۔

"مجھے امید ہے کہ تمہارا سفر ہلکا پھلکا اور خوشگوار ہوگا!" اس
تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ہاں' ڈون!" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔ "ہم
ی بھر تمہاری مہمان نوازی کو نہیں بھلا سکیں گے۔ اس وقت تم
مجھے کیسے یاد کیا ہے؟"

"یہ بتاؤ کہ تمہاری واپسی کا کیا پروگرام ہے؟" ڈون نے
ے سوال کا جواب دیے بغیر پوچھا۔

"کل کچھ سوچیں گے۔ آج شام تو کولون کے بازاروں میں
ارنے کا ارادہ ہے۔" میں نے اپنی چھٹی حس کے زیر اثر جھوٹ
لتے ہوئے کہا۔ مجھے بیک دال میں کچھ کالا نظر آنے لگا تھا۔

"دو چار دن کے لیے ہانگ کانگ بہت اچھی جگہ ہے۔" ڈون
ہ رہا تھا۔ "تم پرسوں شام تک وہیں رکے رہو۔ بوریت محسوس
تو مکاؤ لوٹ آؤ۔ پرسوں کے بعد تم جب چاہو' واپس جا سکتے
ے۔"

"پرسوں کیا' میں ایک ہفتے تک رک سکتا ہوں۔" میں نے
دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ مکارانہ سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے
ہوئے کہا۔ "لیکن میرے روکنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟ کیا
تمہاری حویلی میں پھر کوئی دعوت ہونے والی ہے۔"

"متوفی نیشی کاؤ ایک بہت بڑی فرم میں ڈائریکٹر کے عہدے پر
فائز تھا۔" ڈون کی زبان سے نیشی کاؤ کا ذکر سنتے ہی میرا دل اچھل
کر حلق میں آگیا۔ وہ یقیناً کوئی خطرناک معاملہ تھا کیوں کہ ڈون نے
والا کی کے ساتھ مافیا کا ذکر حذف کر کے نیشی کاؤ کی فرم کا قصہ
شروع کر دیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "تمہاری روانگی کے بعد اٹلی سے
نیشی کاؤ کی فرم کے سربراہ کا فون آیا تھا۔ وہ اپنے ساتھی کی موت پر
بہت پریشان تھا اور اپنے طور پر اُس قتل کی تفتیش کرانی چاہتا تھا۔
وہ فوری طور پر ایک دو نفری جماعت مکاؤ بھیج رہا ہے۔ باتوں باتوں
میں تمہارا اور تمہاری شادی کا ذکر بھی آیا تھا۔ اس نے خواہش
ظاہر کی کہ اس کے آدمیوں کی تم سے ضرور ملاقات کرائی جائے اور
میں نے اس سے وعدہ کر لیا۔ وہ لوگ کل یا زیادہ سے زیادہ پرسوں
پہنچ تک یہاں پہنچ جائیں گے۔ ان سے ملاقات کے بعد میں خود
تمہاری جلد از جلد واپسی کا بندوبست کرا دوں گا۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ ڈون نے صرف مافیا کا ذکر گول کیا تھا۔
اس کی بقیہ کہانی صداقت پر مبنی تھی' اگر مافیا کے ڈان نے میرے
بارے میں کوئی زہر افشانی کر کے' اپنے قوی شبہات کا اظہار کیا
ہوتا تو ڈون مجھے ٹیلی فون کرنے کے بجائے فوری طور پر اپنے شکاری
میری طرف دوڑا دیتا جو ہمیں بہ زور بے بس کر کے مکاؤ لے
جاتے۔ اس کی فون کال اس امر کی غماز تھی کہ اٹلی میں بیٹھے ہوئے
ڈان کو میری نیت پر شبہ ہو چکا تھا لیکن ڈون میرے اصل کردار کے
بارے میں بدستور لاعلم تھا۔

"یہ میرے لیے ایک اور اعزاز ہوگا۔" میں نے خندہ پیشانی
کے ساتھ کہا۔ "میں تم سے اجازت لیے بغیر' کولون کے اس ہوٹل
کو خیرباد نہیں کہوں گا... لیکن مجھے اس امر پر حیرت ضرور ہے کہ تم
کو میرے ہوٹل کا پتا کیسے چل گیا؟" میں نے قدرے توقف کے بعد
ڈون سے وہ ٹیڑھا سوال بھی کر ہی ڈالا۔

ریسیور پر ڈون کی تکبر آمیز اور بلند آہنگ ہنسی گونجی پھر اس کی
آواز ابھری۔ "ڈون اپنے دوستوں کو کبھی بھی حالات کے رحم و کرم
پر بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ تمہاری دیکھ بھال اور تمہیں ہانگ
کانگ کے ٹھگوں سے بچائے رکھنے کے لیے میرے آدمیوں نے اسی
وقت سے تمہاری دیکھ بھال شروع کر دی تھی جب تم نے ائرپورٹ
کی عمارت سے باہر قدم رکھا تھا۔ درحقیقت تمہیں ہوٹل پہنچانے
والا ٹیکسی ڈرائیور بھی میرے نمک خواروں میں سے تھا۔ تمہارے
چیک اِن ہوتے ہی اس نے تمہارے کمروں کے نمبر اور ہوٹل کے
نام سے میرے عملے کو آگاہ کر دیا تھا۔"

"تم واقعی بہت عظیم ہو اور اپنے دوستوں کی توقعات سے بڑھ
کر خبر گیری کرتے ہو۔"

ڈون نے مجھے جو کچھ بتایا' اس کی روشنی میں' مَیں نے اسے
پوری طرح مطمئن کر دیا اور ڈون نے ہم تینوں کے لیے نیک
امیدوں کا اظہار کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کیا مسئلہ تھا؟" میرے فارغ ہوتے ہی غزالہ نے بے تابی
کے ساتھ سوال جڑ دیا۔

"اٹلی میں مافیا کے بڑوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ نیشی کاؤ کے
قتل کے وقت میں بھی ڈون کی تقریب میں شریک تھا اور اب ان
کے آدمی میری مزاج پرسی کے لیے مکاؤ آرہے ہیں۔"

"میرے یک طرفہ مکالمات غزالہ کے لیے ناکافی ثابت ہوئے
تھے اور وہ اس نئے قصے کی پوری تفصیل نہیں سمجھ سکی تھی لیکن دو
چار سوالوں کے جوابات ملنے پر وہ بھی پریشان نظر آنے لگی۔

"ہمیں فوراً یہاں سے بھاگ نکلنا چاہیے۔" اس نے خوف
زدہ لہجے میں تجویز پیش کی۔

"میں نے اسی وجہ سے ڈون کو اپنے اصل پروگرام کی ہوا
نہیں لگنے دی۔ ہماری پوری کوشش ہوگی کہ تین بجے کی پرواز سے'
یہاں سے نکل جائیں۔ اس مرتبہ ہم اُن کے ہتھے چڑھ گئے تو شی

اور رانیا والے ٹینس کی گیند کی طرح مار مار کر ہمارا بھرکس نکال دیں گے لیکن اس راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ حائل ہے۔"

"وہ کیا؟" میرا قرب میسر آجانے کے بعد شاید غزالہ اپنی عقل پر زور دینے کا عمل موقوف کر چکی تھی۔

"ڈون کے آدمی مسلسل ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "ڈون نے اس نگرانی کو حفاظت قرار دیا ہے لیکن ڈون کے دیئے ہوئے پروگرام سے انحراف کی صورت میں یہی محافظ ہمارے لہو کے پیاسے بن جائیں گے۔ ہمیں ائرپورٹ سے یہاں تک لانے والا ڈرائیور بھی ان ہی میں سے تھا۔"

"اگر وہ تعداد میں کئی ہیں تو سلطان شاہ کا پیچھا بھی کیا گیا ہوگا۔ انہیں کیتھی پیسیفک کے دفتر سے معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے آج سہ پہر کی پرواز سے تین نشستیں بک کرائی ہیں۔"

"وقت کم ہے اور کام خاصا کٹھن۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "مجھے فوری طور پر جائزہ لینا ہوگا کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"تم اکیلے باہر نہ جاؤ!" مجھے اٹھتا دیکھ کر غزالہ نے اضطراری انداز میں کہا۔ "سلطان شاہ لوٹ آئے تو اسے بھی ساتھ لے لینا۔ اس طرح تم لوگ الگ الگ رہ کر ایک دوسرے کی خبر گیری تو کر سکو گے۔"

"فی الحال میرا لڑنے بھڑنے کا ارادہ نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میری پہلی کوشش یہی ہوگی کہ سیدھی انگلیوں سے گھی نکل آئے۔ اس میں ناکامی ہوئی تو دوسرے امکانات پر بھی غور کر لیا جائے گا۔"

"کم از کم مجھے اتنا تو بتا دو کہ تمہارا کیا ارادہ ہے۔" اس نے میری خوشامد کی۔

"نیچے اترنے کے بعد ہی اندازہ ہو سکے گا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میری واپسی تک تم کمرے میں محدود رہنا اور سلطان شاہ کے علاوہ کسی اور کے لیے کمرے کا دروازہ ہرگز نہ کھولنا۔"

میں ساتویں منزل سے لفٹ کے ذریعے ہوٹل کے شاپنگ آرکیڈ میں اترا اور محتاط رہ کر آرکیڈ کا پورا چکر لگا لیا لیکن وہاں کسی ایسے آدمی کی شناخت میں کامیاب نہیں ہو سکا جس پر میری نگرانی کرنے کا شبہ کیا جا سکتا ہو۔ میں دوبارہ لفٹ میں سوار ہو کر نچلی منزل پر اترا تو دروازے کے قریب ہی مجھے اس ٹیکسی ڈرائیور کی جھلک نظر آئی جو ہمیں ائرپورٹ سے ہوٹل تک لایا تھا لیکن وہ مجھے دیکھتے ہی شفاف شیشوں کے پیچھے سے کہیں روپوش ہو گیا۔

اسے دیکھ لینے کے بعد میں اطمینان سے استقبالیہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے چند تفریحی کتابچوں کا سرسری سا مطالعہ کیا پھر سگریٹ سلگاتا ہوا نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

ہوٹل کے برآمدے سے ذرا پہلے، چمکتی ہوئی سرخ ٹیکسیوں کی قطار موجود تھی۔ میرے باہر نکلتے ہی اگلی ٹیکسی تیزی سے آئی اور میرے قریب آکر رک گئی۔ ڈرائیور نے خود ... استعمال کرتے ہوئے ٹیکسی کا عقبی دروازہ کھول دیا۔ ... ڈرائیونگ سیٹ کا جائزہ لیا تو وہاں میرا شناسا چہرہ براجمان ... صرف اتنا تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں پر تاریک اور بڑے ... والی عینک چڑھا لی تھی۔

میں نے اسے پہچان لینے کے بعد کسی رد عمل کا مظاہرہ ... اور پچھلی سیٹ میں دھنس گیا۔ اس نے میٹر آن کرتے ہی ... آہستگی کے ساتھ آگے بڑھا دی۔

"کہاں جانا ہے؟" اس نے سڑک پر نکلنے سے پہلے خشک سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"کسی ایسی جگہ جہاں تم تاریک شیشوں کی عینک اتار کر ... بات کر سکو!"

اس نے بری طرح چونک کر میری طرف گردن گھمائی ... سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ "میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں ابھی ابھی ڈون سے بات کرنے کے بعد، تمہاری تلاش میں نیچے آیا تھا...."

"دیکھو مسٹر!" وہ ہڑبڑا کر بولا۔ "مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں کہاں ... ہے۔ میں کسی ڈون وون کو نہیں جانتا۔ دوسرے مسافروں کی ... تم بھی میرے لیے بالکل اجنبی ہو۔ ہم لوگ اجنبیوں سے بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتے۔"

"ڈون مجھے بتا چکا ہے کہ اس نے تمہیں ہماری حفاظت ... نگرانی پر مامور کیا ہے۔ تم انکار نہیں کر سکتے کہ ائرپورٹ سے ... ہمیں ہوٹل تک لائے تھے۔ وقت برباد مت کرو، مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"

اس نے چشمہ اتار کر، ونڈ شیلڈ پر لگے ہوئے عقب نما آئینے کا زاویہ قدرے ترچھا کیا اور اس میں میری طرف دیکھتے ہوئے ... "ڈون نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے تو میرا انکار بے سود ہے۔ ... کہ ہمیں کدھر جانا ہے؟"

"کسی ویران اور دور افتادہ مقام کی طرف نکل چلو!" میں نے ... کہا پھر چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے سوال کیا۔ "ہاں، یہ تو بتاؤ ... تمہارے ساتھ اور کتنے لوگ ہیں؟"

"ڈون نے تمہیں یہ نہیں بتایا؟" میرے سوال پر اس کا ... اشتباہ آمیز ہو گیا۔

"احمق مت بنو!" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "اس ... اس سوال کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میری بیوی ابھی بھی ... کے کمرے میں ہے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اسے بھی ... کا تحفظ حاصل ہے یا وہ بالکل اکیلی رہ گئی ہے؟"

عقب نما آئینے میں ہماری نگاہیں چار ہوئیں۔ وہ بغور ...

چہرے کا جائزہ لے رہا تھا جیسے میری بات کا وزن تول رہا ہو پھر وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "تم اسے اتنا ہی غیر محفوظ سمجھ رہے ہو تو پھر اسے بھی اپنے ساتھ لے لو۔ اس وقت میں اکیلا ہی ہوں لیکن ضرورت پڑنے پر دس منٹ میں چار چھ آدمی مہیا کر سکتا ہوں۔"

"پھر مجبوری ہے۔" میں نے شانے اچکا کر کہا۔ "تم چلتے رہو کیوں کہ تم سے بات کرنی بہت ضروری ہے۔ اسے اتنی آسانی سے زیر نہیں کیا جا سکے گا۔ وہ مارشل آرٹس میں خاصی مہارت رکھتی ہے۔"

"تم پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ مجھے کھل کر بتاؤ کہ تمہیں کس قسم کا خطرہ درپیش ہے۔ میں تھوڑی ہی دیر میں اس کے سدِباب کا پورا بندوبست کر لوں گا۔ یہ سن لو کہ ہانگ کانگ والے حصے میں تو شاید کہیں کہیں ویرانی نظر آ جاتی ہے' کولون میں قابلِ استعمال زمین کا ہر انچ آباد اور بارونق ملے گا۔ تم کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کر سکتے ہو۔"

مجھے اس سے جو کچھ معلوم کرنا تھا وہ میرے علم میں آ چکا تھا۔ اب میری کوشش صرف اتنی تھی کہ سلطان شاہ کے واپس لوٹنے تک میں اسے اس طرح الجھائے رہوں کہ اسے میرے بارے میں ڈون سے بات کرنے کی مہلت نہ مل سکے۔ ہانگ کانگ سے ہماری فوری روانگی کا انحصار اسی ایک نکتے پر تھا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ ہوٹل میں ہمارا کوئی بدخواہ مقیم ہے۔ ڈون سے میری بات ہونے کے بعد وہ انٹر کام پر مجھے تین بار کھلی دھمکیاں دے چکا ہے اور آپریٹر یہ بتانے سے قاصر ہے کہ ہمیں ہوٹل کے کس کمرے یا حصے سے فون کیا جا رہا ہے۔" میں نے اسے الجھانے کے لئے فی الفور ایک کہانی سوچتے ہوئے کہا۔ "میں اسی سلسلے میں تمہاری مدد لینے کے خیال سے نیچے آیا تھا لیکن اب یہ خوف ستا رہا ہے کہ اس بدمعاش نے چوتھی بار فون کیا تو میری بیوی کی آواز سن کر وہ اندازہ لگا لے گا کہ وہ کمرے میں اکیلی ہے پھر وہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔"

میری کتھا سن کر اُس کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں نمودار ہو گئیں اور وہ بولا۔ "پھر تو ہم دونوں کو باہر نکلنے کے بجائے اسی کمرے میں موجود ہونا چاہیے تھا۔ تمہارا تیسرا ساتھی تو تھوڑی دیر پہلے باہر چلا گیا تھا۔ اب وہ بے چاری واقعی اکیلی اور بری طرح خوفزدہ ہوگی۔"

"دراصل میں اس معاملے میں ڈون سے مشورہ کرنا چاہ رہا تھا۔" میں نے کہا۔

"تمہارے کمرے سے ہی ہم اسے فون بھی کر سکتے ہیں۔ یہاں لائن فوراً ہی مل جاتی ہے۔"

"یہی تو میں نہیں چاہتا۔" میں نے کراہتے ہوئے کہا۔ "ہوٹل میں آپریٹر کے علاوہ اور کسی کو علم نہیں ہو سکتا کہ میرے لیے ڈون کا فون آیا تھا۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ جو کوئی بھی ہے' اس ہوٹل کے آپریٹر سے ملا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں نے اب میری ہر کال سننے کا بندوبست کر لیا ہو۔"

"تمہارا شبہ معقول ہے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "تو کیا تم اب کوئی پبلک فون استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"تمہارے پاس ڈون سے رابطے کے لیے کوئی لاسلکی ایریٹس نہیں ہے؟"

اس نے مایوسی سے اپنا سر ہلا دیا۔ "یہاں فون کی سہولت اتنی عام اور قابلِ اعتماد ہے کہ کبھی ٹرانسیٹر وغیرہ کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ زیادہ ایمرجنسی ہو تو موبائل فون بہ آسانی کرائے پر مل جاتا ہے۔"

"پھر تو سارا معاملہ ہی چوپٹ ہو گیا۔" میں نے اس سے زیادہ مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ میں کسی ویران مقام سے' تمہارے ٹرانسیٹر کے ذریعے ڈون سے رابطہ کر سکوں گا..."

"کسی پبلک فون پر گاڑی روک لوں؟" اس نے ایک طویل چکر لگانے کے بعد ناتھن روڈ کے پُرہجوم ٹریفک میں شامل ہوتے ہوئے پُر تفکر لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے الجھن ہو رہی ہے۔ اب واپس ہوٹل ہی چل دو۔ اپنی بیوی کو ساتھ لینے کے بعد میں کوئی فیصلہ کرنے کے قابل ہو سکوں گا۔ تمہیں میرے ساتھ میرے کمرے تک جانا ہو گا کیوں کہ مار دھاڑ کے تصور ہی سے میرا دورانِ خون تیز ہونے لگتا ہے اور میں بے سدھ ہو کر بستر پر گر جاتا ہوں۔"

"بلڈ پریشر کے مریض کی حالت کسی کھوکھلے تنے جیسی ہوتی ہے۔" اس نے مجھ سے ہمدردی کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا قد کاٹھ دیکھ کر' بڑے بڑے سورماؤں کو پسینہ آ سکتا ہے لیکن برا وقت آنے پر تم شاید کسی کو ایک تھپڑ مارنے کے قابل بھی نہیں رہتے ہو گے۔ یہ بے بسی اور بدنصیبی کی انتہا ہے۔"

میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس نے ناتھن روڈ کے سرے پر' آخری سگنل سے ٹیکسی داہنی طرف گھمائی اور دوبارہ ہوٹل کی طرف ہو لیا۔ میں نے اپنے چہرے پر نقاہت طاری کرنے کی کوشش شروع کر دی تاکہ وہ مجھے بالکل ہی مجہول اور بے ضرر سمجھ کر' بے چون وچرا میری فرمائشوں پر عمل کرتا چلا جائے۔

"میں دو منٹ میں گاڑی کی چابی لے کر آتا ہوں۔" اس نے مجھے مقررہ مقام پر اتارنے کے بجائے' وہ ٹیکسی قطار کے آخر میں روکتے ہوئے کہا اور انجن بند کر کے پھرتی سے ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

واپسی میں اس کے ساتھ ایک اور چینی چلا آ رہا تھا۔ اس دوران میں' میں ٹیکسی سے اتر کر ایک طرف کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

اس کے ساتھ آنے والے نے ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ

سنبھال لی اور وہ خود میرے ساتھ ہوٹل کے برآمدے کی سیڑھیاں طے کرنے لگا۔

"تم مجھے چھوڑ کر کون سی چابی لینے گئے تھے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"میں اپنی ٹیکسی کی چابی لینے گیا تھا۔ وہ پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہوئی ہے۔"

"پھر تم ابھی کس کی ٹیکسی چلا رہے تھے؟" اس کے جواب نے میری حیرت میں اضافہ کر دیا۔

وہ خفت آمیز انداز میں ہنس پڑا۔ "ہانگ کانگ میں ٹیکسیاں ایک قطار میں، باری کے مطابق مسافر اٹھاتی ہیں جو اپنی باری نہ لے، اسے مقررہ اسٹینڈ سے خالی رخصت ہونا پڑتا ہے۔ اسی لیے میں نے اپنی ٹیکسی پارکنگ لاٹ میں کھڑی کر دی ہے۔ تم باہر آئے تو میں نے سب سے آگے والی ٹیکسی لے لی۔ کولون میں چلنے والے سارے ہی ڈرائیور مجھے اچھی طرح جانتے ہیں اس لیے میں ہر جگہ اپنا کام نکال لیتا ہوں۔ واپس آنے کے بعد میں نے وہ ٹیکسی، میٹر کے کرائے اور پچاس ڈالر کے انعام کے ساتھ اس کے اصل مالک کو لوٹا دی ہے۔"

زیادہ سے زیادہ وقت لینے کے ارادے سے، میں تکان کا مظاہرہ کرتے ہوئے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ جب میں اس کے ہمراہ ساتویں منزل پر اپنے کمرے میں داخل ہوا تو سلطان شاہ وہاں موجود تھا۔ کمرے کا دروازہ کھولنے سے پہلے ان دونوں نے ٹکٹ وغیرہ چھپا لیے تھے کیوں کہ میں نے دستک دیتے ہوئے اپنے مہمان کی موجودگی کا ذکر بھی کر دیا تھا۔

اس ٹیکسی ڈرائیور کا نام البرٹ کم تھا۔ اس نے احمقانہ انداز میں ان دونوں سے ہاتھ ملائے۔ میں نے اسے یخ بستہ بیئر کی پیش کش کی جو اس نے بلا تامل قبول کر لی۔ جب میں نے سین میگل کے دو ڈبے اس کے سامنے رکھے تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تم تو وقت ضائع کرنے کے موڈ میں معلوم ہوتے ہو۔ یہ معاملہ بہت اہم اور سنگین ہے۔ تمہیں باہر چل کر فوراً ڈون سے بات کرنی چاہیے۔" اس نے قدرے سرپرستانہ انداز میں مجھے پھٹکارا۔

"وقت ضائع نہیں کر رہا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ دونوں ڈبے خالی ہونے تک اس نابکار کی چوتھی کال بھی آ جائے اور تم اس سے بات کر کے کوئی نتیجہ اخذ کر سکو۔ میں تمہاری اس کمرے میں موجودگی اور ذہانت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔" میں نے تیسرا ڈبا اپنے لیے کھول لیا۔

"تم بہت چالاک آدمی ہو۔" اس نے قہقہہ مار کر سگریٹ سلگائی پھر بیئر گلاس میں انڈیلنے لگا۔

"یہ کیا چکر چل پڑا ہے؟" البرٹ کے مصروف ہو جانے کے بعد سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی آواز میں، اردو میں سوال کیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم پھر سے دلدل میں پھنسنے والے ہیں۔"

"رونا بند کرو۔ ابھی تک سب ٹھیک جا رہا ہے۔ یہ واحد ریال ہے جو ہماری نگرانی کر رہا تھا۔ اسے بے بس کر کے ہم بغیر کسی روک ٹوک یہاں سے نکل سکتے ہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ روانگی کا کیا رہا؟"

"سب کام بن گیا۔ ٹکٹ میری جیب میں ہیں۔" اس نے ٹکٹ کا تلفظ بگاڑتے ہوئے کہا۔

"تم اس زرد گینڈے کو کب اور کیسے زیر کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" غزالہ نے پوچھا۔

میں ڈبے سے بیئر کا گھونٹ لیتے ہوئے سوچ میں پڑ گیا۔ البرٹ کم کے فتنے سے نجات پانے کی سہل ترین صورت یہ تھی کہ اسے بے ہوش کر کے اس کے مُنہ میں کپڑا ٹھونستے اور ہاتھ پاؤں باندھ کر اسی کمرے کے کسی کونے کھانچے میں چھوڑ دیتے لیکن اس میں خطرہ تھا کہ روم سروس یا صفائی کے عملے کا کوئی فرد ماسٹر کی کے ذریعے کمرے میں داخل ہوتا تو بھانڈا پھوٹ جاتا۔ اگر وہ واقعہ ہماری روانگی سے کافی دیر پہلے رونما ہوتا تو ڈون ہمارے لیے رکاوٹیں کھڑی کر سکتا تھا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ اُسے اس کی ٹیکسی میں بے ہوش کر کے کہیں چھوڑ دیا جاتا لیکن وہ صورت مخدوش تھی اس لیے میں نے تیسرے امکان پر عمل کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔ "مقدر نے یاوری کی تو یہ کانٹا بھی آسانی سے نکل جائے گا۔"

"تم لوگ کس زبان میں باتیں کر رہے ہو؟" البرٹ نے ایک آنکھ بند کر کے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اپنی مادری زبان میں، انہیں تمہاری چالاکی کا قصہ سنا رہا تھا۔ دوسرے کی ٹیکسی لے کر مجھے گھیرنے کا خیال کسی عام ڈرائیور کے ذہن میں نہیں آ سکتا تھا۔" میں نے اسے خوش کرنے کی نیت سے کہا۔

اس نے بزرگانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور دوبارہ بیئر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ہمارا سامان صرف ایک مختصر سے بیگ تک محدود تھا۔ ہوٹل میں چیک اِن کرتے ہوئے ہم نے دونوں کمروں کے کرائے کے مساوی رقم پیشگی جمع کرا دی تھی اس لیے ایک دن کا کرایہ کاٹنے کے بعد بھی اتنی رقم بچ جاتی جو فون کے بل اور منی بار کے تصرف کو بہ آسانی پورا کر سکتی تھی۔ ان حالات میں، میں نے ہوٹل والوں کو کوئی اطلاع دیے بغیر، وہاں سے روانہ ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ ڈون فون بھی کر بیٹھے تو اسے ہماری روانگی کی بھنک نہ مل سکے۔

پون گھنٹے میں البرٹ کم، مونگ پھلی کے دانوں کے ساتھ بیئر کے تین ڈبے خالی کر چکا تو اس کی آنکھوں سے مندی جھلکنے لگی۔ تیزی کے ساتھ پینے کی وجہ سے اس کی زبان

قدرے بھاری ہوگئی تھی۔
میں نے موقع پاتے ہی روانگی کا اعلان کر دیا۔ البرٹ نے مجھے یاد دلایا کہ پُراسرار اجنبی کی وہ کال نہیں آئی تھی جس کا مجھے انتظار تھا لیکن میں نے یہ کہہ کر کہ ہم دن بھر اس بے ہودہ کال کے انتظار میں نہیں بیٹھے رہ سکتے' اسے ٹال دیا۔ وہ خود بھی ڈون سے فوری مشورے کی افادیت پر زور دیتا رہا تھا۔
نیچے جاتے ہوئے' میں نے البرٹ سے باتوں ہی باتوں میں اس کی ٹیکسی کا نمبر معلوم کر لیا پھر یہ جان کر مجھے مزید خوشی ہوئی کہ اس کی ٹیکسی ہوٹل کے بجائے ایک قریبی' کمرشل پارکنگ لاٹ میں موجود تھی۔
ہوٹل سے نکلنے کے بعد ہم چاروں لفٹ کے ذریعے اس کمرشل پارکنگ کی تیسری منزل پر پہنچے تو وہاں گاڑیوں کے ہجوم میں دور دور تک کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا اس مصروف علاقے میں لوگ دن بھر کے لئے یا پھر طویل دورانئے کے لیے ہی کرائے کی جگہوں پر گاڑیاں پارک کرتے ہیں۔ وہاں عام طور پر صبح اور شام کو بھیڑ بھاڑ رہتی ہے لیکن دن کے بقیہ حصے میں کوئی قابلِ ذکر آمدورفت نہیں ہوتی۔
ہم البرٹ کی ٹیکسی کی طرف جا رہے تھے کہ نچلی منزل سے ایک کار اوپر آئی اور ترتیب سے کھڑی ہوئی گاڑیوں کے درمیانی راستے سے گزرتی ہوئی' جگہ کی تلاش میں اس سمت میں چلی گئی جدھر اگلی منزل میں داخلے کا کنکریٹ ریمپ واقع تھا۔ اس گاڑی کے انجن کی گونج معدوم ہونے پر میں نے اپنا داہنا ہاتھ جیب میں ڈال لیا۔
البرٹ اپنی گاڑی کے قفل کھول رہا تھا تو ہم تینوں خطرناک حد تک اس سے قریب ہو چکے تھے۔ میں نے ایک نظر گرد و پیش کا جائزہ لیا' میری اور سلطان شاہ کی نگاہیں چار ہوئیں پھر اس نے بہت مضبوطی کے ساتھ البرٹ کی گردن دبوچ کر' اس کا دہانہ سختی سے اپنی ہتھیلی سے دبا لیا۔
البرٹ اس ناگہانی افتاد پر بوکھلا کر بری طرح تڑپا لیکن اسی لمحے میرا داہنا ہاتھ جیب سے باہر رینگ آیا اور میں نے بیم گن کی نال اس کے بائیں پہلو سے لگا کر ٹریگر دبا دیا۔
البرٹ کے بدن نے ایک شدید جھٹکا لیا اور اچانک بے جان ہو گیا۔ ٹیکسی کی چابی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر گئی تھی۔ وہ نہایت خوفناک صورتِ حال تھی لیکن ہم میں سے کسی کو ایک دوسرے کو ہدایت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سلطان شاہ نے البرٹ کی گردن چھوڑ کر اس کی بغلوں میں ہاتھ دے دیا تھا۔ دور سے دیکھنے پر یہی نظر آتا تھا کہ اس نے کسی کمزور مریض کو سہارا دیا ہوا ہے۔ البرٹ کا دوسرا پہلو میں نے سہار لیا۔ غزالہ نے فرش پر سے چابی اٹھا کر پھرتی کے ساتھ ٹیکسی کی کشادہ ڈکی کھولی اور ہم دونوں البرٹ کو اسی طرف لے گئے۔ جوتوں میں پھنسے ہوئے اس کے بے جان پیر فرش پر گھسٹ کر آسیبی سرسراہٹ پیدا کر رہے تھے۔
اپنی پوزیشن درست کر کے ہم نے ایک جھٹکے سے البرٹ کی تازہ اور نرم لاش کو اٹھایا اور آہستگی کے ساتھ ٹویوٹا کراؤن کی ڈکی میں ڈال دیا۔ وہ ڈکی اتنی کشادہ تھی کہ اس میں البرٹ کے ساتھ مزید کئی لاشیں سما سکتی تھیں۔
ہمارے فارغ ہوتے ہی غزالہ نے تیزی کے ساتھ ڈکی بند کر دی۔ اس سے پہلے ہی وہ چابی ڈکی میں پھینک چکی تھی۔
میں نے سلطان شاہ کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور آنکھیں فرطِ خوف سے اپنے حلقوں سے باہر ابلی پڑ رہی تھیں۔ غزالہ بھی خائف نظر آ رہی تھی۔ میں نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے ہنسنے کی کوشش کی تو اپنی آواز مجھے خود اجنبی اور کھوکھلی محسوس ہوئی پھر ہم تینوں ہی بیک وقت لفٹ کی طرف واپس چل پڑے۔
اس مرتبہ تکلے کے بعد دیگرے دو گاڑیوں نے ہمارا راستہ کاٹا اور اس منزل پر جگہ نہ پا کر اوپر والی منزل کے راستے کی طرف بڑھتی چلی گئیں۔ ان کے کسی مسافر کو کسی سنگین واردات کا شبہ نہیں ہو سکا تھا۔
"اپنے تاثرات درست کرو!" موقع پا کر میں نے زبان کھولی۔ "تم دونوں کے چہرے ڈراؤنے لگ رہے ہیں۔"
"تم خود بھی اپنی صورت سے جلّاد یا قاتل نظر آ رہے ہو۔" غزالہ نے سپاٹ اور ویران آواز میں کہا۔ "ہمیں نیچے جانے سے پہلے خود کو سنبھالنا چاہیے ورنہ ہم شبے میں دھر لیے جائیں گے۔"
ہم نے ایک کھلی عمارت میں دن دہاڑے ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔ وہ ڈون کا مددگار تھا۔ اس لیے اُس کا مجرم ہونا تقریباً یقینی تھا لیکن پھر بھی اس کا خون ہمارے بشروں پر ناچ رہا تھا۔ میں شدت سے سگریٹ پینے کی خواہش محسوس کر رہا تھا لیکن اس لاٹ کی بغلی دیواروں پر جلی حروف میں تمباکو نوشی کی ممانعت کی ہدایات درج تھیں۔ ہم چند ثانیوں تک لفٹ کے سامنے کھڑے رہے۔ میں زیادہ دیر تک اس منزل پر رکنا نہیں چاہتا تھا اس لیے میں نے لفٹ کا بٹن دبایا اور جب خالی لفٹ اوپر آئی تو ہم تینوں نیچے جانے کے بجائے ساتویں منزل کی طرف روانہ ہو گئے جو لفٹ کی آخری منزل تھی۔
کولون کے اس علاقے میں پارکنگ کی سرکاری جگہ کا اس قدر شدید قحط تھا کہ اس عمارت کی ساتویں منزل پر بھی بس اِکّا دُکّا جگہیں خالی تھیں۔ رات گئے تک شاید وہ تمام منزلیں خالی ہو جاتی ہوں گی اور اگلی صبح سے پھر وہی چکر چل پڑتا ہوگا۔ میرا خیال تھا کہ اس پارکنگ لاٹ کے چوکیدار دو تین دن گزرنے سے پہلے البرٹ کی ٹیکسی کی طرف متوجہ نہیں ہو سکیں گے۔ اس سے پہلے لاش سڑ کر بدبو دینے لگتی تو دیگر بات تھی۔

"بلائے بود و لے خیر گزشت!" میں نے مسکراتے ہوئے غزالہ سے کہا۔
"تمہارا خون بہت ٹھنڈا لیکن کھوپڑی گرم ہے۔" سلطان شاہ نے بھی زبان کھولی۔ "کبھی کبھی تو تمہاری سرد مہری اور سفاکی دیکھ کر خوف آنے لگتا ہے۔"
"مجھے آخری لمحے تک اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ تم اسے مارنے کا ارادہ رکھتے ہو۔" غزالہ بولی۔ "کسی منصوبہ بندی کے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھا کر تم نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔"
"اس مردود نے منصوبہ بندی کا موقع ہی نہیں دیا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ مجھے خوشی تھی کہ میں ان کی کھوپڑیوں پر جمی ہوئی برف پگھلانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ بول چال شروع ہونے کے ساتھ ہی چہروں کے بگڑے ہوئے نقوش تیزی کے ساتھ اعتدال پر آنے لگے تھے۔
"اور اگر کسی سے کوئی گڑبڑ ہو جاتی؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔ "میں سمجھا کہ تم اسے بے ہوش کر کے بے بس کرنے کا ارادہ رکھتے ہو لیکن تمہارے تو تیور ہی کچھ اور تھے۔"
"گڑبڑ کیسے ہوتی؟" اسی کو تو ٹیم ورک کہتے ہیں۔ یہ لیڈر کا کمال ہوتا ہے کہ وہ اپنی ٹیم کے ہر رکن کی خوبیوں اور خامیوں سے واقف ہو۔ اس کے بعد رام ہمیشہ بھلی کرتا ہے۔"
"اب یہاں سے باہر نکلو۔ مجھے اس جگہ سے وحشت ہو رہی ہے۔" غزالہ منمنائی اور میں نے لفٹ کا بٹن دبا دیا۔
میں مغرب کے گنجان آباد شہروں میں واقع پارکنگ لاٹس میں ہونے والے قتل، اغوا، آبروریزی اور ڈکیتی کے بارے میں آئے دن خبریں پڑھتا رہتا تھا لیکن ان واقعات کو عقل تسلیم نہیں کرتی تھی لیکن کولون کے اس پارکنگ لاٹ میں نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ قتل کی ایک واردات کا ارتکاب کر لینے کے بعد مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ایسی جگہیں سوچے سمجھے جرائم کے لیے بہت زرخیز تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ایسی تجارتی عمارات کی ہر منزل پر مسلح محافظوں کی موجودگی کو لازمی قرار دینے کا رجحان فروغ پا رہا تھا۔
چند منٹ بعد ہم تینوں البرٹ کم کے اس مقتل اور مدفن سے باہر نکل کر فٹ پاتھ پر رواں ہجوم میں گھل مل چکے تھے اور مزید چند منٹ بعد ہماری ٹیکسی ہانگ کانگ انٹرنیشنل ائرپورٹ کی طرف اڑی جا رہی تھی۔
ہانگ کانگ پہنچنے والوں کے لیے ویزا فیس سمیت کسی بھی قسم کا کوئی ٹیکس لاگو نہیں ہے لیکن وہاں سے روانہ ہونے والوں کو کوپن کی صورت میں پروانۂ راہداری خریدنا لازمی ہے جس کی مالیت ڈیڑھ سو ہانگ کانگ ڈالر فی مسافر ہوتی ہے اور امیگریشن کاؤنٹر پر جانے سے پہلے اس کی پڑتال ہوتی ہے۔
ہانگ کانگ کا فضائی مستقر اس علاقے کے مصروف ترین ہوائی اڈے کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے وہاں آنے جانے والے مسافروں کی دن بھر ریل پیل رہتی ہے۔ اس وقت ایگزٹ کے لیے متعدد کاؤنٹر کام کر رہے تھے لیکن ہم تینوں نے ایک ہی قطار میں کھڑے ہونے کو ترجیح دی۔ ہم نے غزالہ کو سب سے آگے رکھا تاکہ اسے کوئی دشواری پیش آئے تو میں اپنی جگہ سے ہی اس کی کچھ مدد کر سکوں لیکن غزالہ کسی بھی سوال کا سامنا کیے بغیر چند ثانیوں میں دوسری طرف نکل گئی۔ اس کے بعد میری باری تھی۔
کاؤنٹر پر سنہرے فریم کی عینک پہنے ایک جواں سال خوبرو چینی دوشیزہ براجمان تھی۔ وہ ایسی دلکش تھی کہ اسے دیکھ کر خواہ مخواہ دل میں گدگدی سی ہونے لگتی تھی۔ لیکن جب اس نے میرے پاسپورٹ کی ورق گردانی کرتے کرتے، نظریں اٹھا کر غور سے میری طرف دیکھا تو مجھے اپنے قدموں کے نیچے سے زمین نکلتی ہوئی محسوس ہونے لگی اور میرے حلق میں کانٹے پڑنے لگے۔
ڈسک پر رکھے ہوئے کمپیوٹر کی بورڈ پر تیزی کے ساتھ اس کی انگلیاں حرکت میں آئیں۔ میرے کوائف فیڈ کرنے کے بعد وہ مانیٹر کی روشن اسکرین پر نظریں جما کر معلومات کا انتظار کرنے لگی۔ اسکرین پر بدلتے ہوئے الفاظ اور سطروں کا گھٹتا بڑھتا انعکاس اس کے چہرے پر جھلکتا رہا پھر جب اسکرین ساکت ہوئی تو اس نے ایک مرتبہ پھر میرے پاسپورٹ کے اوراق الٹے اور اسے اپنی ڈسک کے نچلے خانے میں ڈال لیا۔
"سوری! تم مکاؤ سے کلیئرنس آئے بغیر یہ ملک نہیں چھوڑ سکتے۔" اس کے سرد اور بے رحمانہ الفاظ کسی ہتھوڑے کی طرح میرے ذہن پر گرے۔
"مم.... مگر کیوں؟" میں نے لکنت آمیز لہجے میں احتجاج کرنا چاہا۔
"پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔" اس نے اپنی پشت والی راہداری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ وضاحت مسافروں کو نمٹانے کے بعد کی جا سکے گی۔"
اس کے عقب سے ایک باوردی سپاہی نمودار ہوا اور اس نے میرا بازو تھام کر مجھے کسی مجرم کی طرح عقبی دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ میرا پاسپورٹ اور بورڈنگ کارڈ امیگریشن آفیسر اپنے قبضے میں لے چکی تھی۔
اس نے جھٹکے دار آواز میں اگلے مسافر کو آگے بڑھنے کی ہدایت کی تو سلطان شاہ بوکھلایا ہوا کاؤنٹر پر پہنچ گیا۔ میرا انجام دیکھ لینے کے باعث اس کا چہرہ دُھواں دُھواں ہو رہا تھا۔
میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب سلطان شاہ کا پاسپورٹ مہر لگا کر اسے لوٹا دیا گیا اور وہ بے یقینی کے عالم میں میرے قریب سے گزرتا ہوا سیکورٹی چیک کی طرف بڑھ گیا۔
اس وقت میرے ذہن میں آندھیاں سی چل پڑی تھیں۔
غزالہ اور سلطان شاہ کو کسی باز پُرس کے بغیر ہانگ کانگ

چھوڑنے کی اجازت مل گئی تھی جب کہ میری روانگی مکاؤ کی کلیئرنس سے مشروط کر دی گئی تھی۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ البرٹ کم کو قتل کرنے کے باوجود میں ڈون کا مضبوط اور ناقابلِ شکست حصار توڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اسے غزالہ اور سلطان شاہ سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ بس مجھے گھیرنا چاہتا تھا تاکہ مجھے مافیا کے بڑوں کے حوالے کر کے نیشی کاؤ کی موت کا بوجھ ہلکا کر سکے۔ مافیا والوں کے ذریعے میرے بارے میں جو انکشافات ہوتے' وہ اور ان کے اثرات الگ ہوتے۔

ڈون نے او منی ہوٹل کی نگرانی پر صرف ایک ہی آدمی کو مقرر کیا تھا جب کہ ہم تین تھے۔ وہاں سے سلطان شاہ کا تعاقب نہیں کیا گیا لیکن البرٹ نے مجھے فوراً ہی گھیر لیا تھا۔ یہ تمام امور اس بات کی نشان دہی کر رہے تھے کہ ڈون میری راہ پر لگ گیا تھا۔ مکاؤ کی کلیئرنس صرف ایک بہانہ تھی۔ ڈون کی مرضی کے بغیر مکاؤ سے ایسی کلیئرنس جاری نہیں ہو سکتی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ میں ہانگ کانگ میں محصور ہو کر رہ جاتا اور پھر کسی وقت' ڈون کے ہرکارے مجھے باندھ کر مکاؤ لے جاتے اور ڈون مجھے اٹلی سے آنے والے مافیا کے کارندوں کے قدموں میں ڈال دیتا۔

میں جتنا سوچتا رہا' اتنا ہی یہ خیال راسخ ہوتا چلا گیا کہ میں ڈون کے بچھائے ہوئے نادیدہ جال میں بری طرح پھنس چکا تھا۔ میرے لیے ایک اور دہشت یہ بھی تھی کہ دو چار روز میں پارکنگ لاٹ سے البرٹ کی متعفن اور بوسیدہ لاش برآمد ہوتی تو ڈون مجھ سے ہی اس کا بھی حساب طلب کرتا۔

میرے پاس ایک ہی راہ باقی رہ گئی تھی کہ میں کسی طرح اپنا پاسپورٹ حاصل کر کے واپس لوٹتا اور انسانوں کی اسمگلنگ کرنے والے کسی مقامی گروہ کو بھاری رقم دے کر غیر قانونی طور پر ہانگ کانگ سے فرار ہونے کی کوشش کرتا جو اگر ناکام بھی ہو جاتی تو مجھے یہ خلش نہ رہتی کہ ڈون نے مجھے کسی بے ضرر چوہے کی طرح گھیر کر مار لیا ہے۔

وقت تیزی کے ساتھ گزر رہا تھا۔ مجھے روکنے والی امیگریشن آفیسر جتنے لوگوں کو نمٹا رہی تھی اس سے زیادہ مسافر قطار کے آخری سرے پر بڑھتے جا رہے تھے اور اسی کے ساتھ میرا اضطراب بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ وہاں ڈسپلن اور سختی کا یہ عالم تھا کہ میں اس لڑکی کو مخاطب کرنے کی جرات بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں وہ برہم ہو کر مجھے ائرپورٹ کے لاک اپ میں نہ بھجوا دے۔

آدمی جب تک بالادست رہتا ہے تو بڑے سے بڑے خطرات بھی بے وقعت اور حقیر نظر آتے ہیں لیکن وہی شخص کمزور پڑ جائے تو اسے موہوم ترین بلکہ دور از کار اندیشے بھی بھیانک خوابوں کی طرح ڈرانے لگتے ہیں۔ میں اس وقت کمزوری کے اسی بدترین تسلسل سے دوچار تھا۔

آخر ایک ادھیڑ عمر عورت کسی اندرونی حصے سے اس چینی لڑکی کے پاس پہنچی تو اس نے اپنی مصروفیت ملتوی کر کے میرا پاسپورٹ اور بورڈنگ کارڈ اس کے حوالے کیا' چینی زبان میں چند فقرے کہے اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ اُدھیڑ عمر عورت نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور اپنے دفتر کی طرف چل دی۔

اپنی کرسی سنبھالنے کے بعد اس ادھیڑ عمر عورت نے بھی ناقدانہ نظروں سے میرا جائزہ لیا پھر بولی۔ "تم سفر نہیں کر سکتے۔ تم کو اپنا بورڈنگ کارڈ واپس کر کے کم از کم دو دن انتظار کرنا ہو گا۔"

"لیکن میں جاننا چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا جا رہا ہے؟"

"تمہارے بارے میں ہمیں مکاؤ کے محکمۂ داخلہ سے کلیئرنس لینی ہو گی کہ وہاں تمہارے خلاف کوئی الزام نہیں ہے۔" اس نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"صرف میرے ہی بارے میں یہ کلیئرنس کیوں ضروری سمجھی جا رہی ہے؟" میں نے احتجاج کیا۔

"یہ دونوں حکومتوں کے درمیان ہونے والے سمجھوتے کا ایک حصہ ہے۔" وہ عورت' لڑکی کے مقابلے میں بردبار اور متحمل مزاج معلوم ہوتی تھی۔ "بہت سے لوگ مکاؤ کی تفریح گاہوں میں آپے سے باہر ہو کر مار دھاڑ اور دوسرے قابل دست اندازیِ پولیس جرائم کرتے ہیں اور نرمیوں سے فائدہ اٹھا کر غیر قانونی طور پر ہانگ کانگ بھاگ آتے ہیں۔ پہلے ہم انہیں ایگزٹ دے دیتے تھے لیکن اب پالیسی بدل گئی ہے۔ مکاؤ کے کلیئرنس کے بغیر تمہیں ایگزٹ نہیں مل سکتا!"

"لیکن مادام! اس معزز آفیسر نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں مکاؤ سے غیر قانونی طور پر فرار ہوا تھا؟"

اس نے میرے پاسپورٹ کے اوراق کھول کر میرے سامنے رکھ دیے۔ "تمہارے پاسپورٹ پر مکاؤ میں داخلے کی مہر ہے لیکن وہاں سے روانگی کا کوئی اندراج نہیں ہے اور یہی سارے فساد کی جڑ ہے۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو اور میں نے مدافعت میں ڈٹ جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس کا جواب بہت سادہ اور سہل ہے۔ میں مکاؤ میں ڈون کا مہمان تھا۔ میں ذاتی طور پر وہاں گیا تھا لیکن واپسی پر ڈون نے مجھے اپنی حویلی سے ہیلی کاپٹر کے ذریعے براہ راست ہانگ کانگ روانہ کر دیا۔ میرے اصرار پر اس نے بتایا تھا کہ امیگریشن کی مہر نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا....."

"بیٹھو' بیٹھو! تم کھڑے کیوں ہو؟" ڈون کا ذکر آتے ہی اس عورت کے رویّے میں تبدیلی آ گئی۔

"اگر میرے پاسپورٹ میں سقم تھا تو مکاؤ سے آمد پر مجھے ہانگ کانگ کا ویزا کیوں دیا گیا؟ مجھے ڈون ہی کے ہیلی کاپٹر سے واپس مکاؤ

بھیج دیا جانا چاہیے تھا۔" میں نے اس کے مقابل پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اس نے میرا پاسپورٹ اٹھالیا اور دوسرے ویزے کی مہر وغیرہ کا معائنہ کرنے لگی۔

"میرا خیال ہے کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھ گئی۔ "تم یہیں بیٹھو۔ میں ریٹا سے بات کرکے دو منٹ میں واپس آتی ہوں۔" وہ میرا پاسپورٹ لے کر تیزی سے باہر نکلتی چلی گئی۔

ڈون کے نام پر مجھے کرسی پیش کی جا چکی تھی' میرے ذہن میں ترتیب پانے والی روح فرسا صورتِ حال تحلیل ہوگئی تھی اور اس خاتون کی میز پر ایش ٹرے بھی موجود تھی اس لیے میں نے ٹانگیں پسار کر سگریٹ سلگالی۔

پرواز کی روانگی میں بہت کم وقت رہ گیا تھا جو مجھے بے چین کر رہا تھا لیکن اس کے ساتھ مجھے یہ بھی اطمینان تھا کہ جب تک بورڈنگ کارڈ میری یا امیگریشن والوں کی تحویل میں تھا' میرے بغیر طیارہ پرواز نہیں کر سکتا تھا۔ بورڈنگ کارڈ ائرلائن کے عملے کی تحویل میں چلا جاتا تو صورتِ حال بالکل بدل جاتی۔

چند منٹ بعد ہی وہ ادھیڑ عمر خاتون معذرتوں کے ساتھ میرا پاسپورٹ لے آئی۔ اس پر ضابطے کی کارروائی مکمل ہو چکی تھی۔

"میں تمہاری پریشانی پر معذرت خواہ ہوں۔ پرواز کو بند ہوئے دیر ہو چکی ہے۔ تم فوراً اپنے بورڈنگ گیٹ پر جاؤ۔ میں تمہاری خیریت کے لیے دعاگو ہوں۔" اس نے پاسپورٹ وغیرہ میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ سب کیا تھا؟ ایسا کیوں ہوا؟" میرا اعتماد دوبارہ بحال ہو چکا تھا۔

"ریٹا کا اعتراض درست تھا لیکن اس سے چوک یہ ہوئی کہ اس نے تمہارا دوسرا ویزا نہیں دیکھا۔ اس مہر کے ساتھ پڑے ہوئے کوڈ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم ڈون کے نجی ہیلی کاپٹر سے آئے تھے اور ڈون کی تمام پروازیں مکاؤ کے امیگریشن کنٹرول سے آزاد ہوتی ہیں۔ بس اب تم جاؤ' تمہیں دیر ہو رہی ہے۔" اس نے زبردستی مجھ سے ہاتھ ملا کر مجھے نکاسی کے راستے کی طرف دھکیل دیا۔

مکاؤ سے ہانگ کانگ تک ڈون کے نام کا طلسم ہی ہوش ربا رہا تھا۔ کبھی وہ مصائب کا پیامبر بن جاتا تھا اور کبھی اسی کے طلسم سے مشکلیں آسان ہو جاتی تھیں۔ مجھے خوشی تھی کہ میں اس خطے سے نکلتے نکلتے بھی ڈون کے نام کی ساکھ سے بھرپور فائدہ اٹھانے میں کامیاب رہا تھا۔ بعد میں تو اس سے معرکہ ہونا ہی تھا۔

اس وقت تک ہر طرف میری تلاش شروع ہو چکی تھی اور ائرلائن کے عملے کو سراغ مل چکا تھا کہ ان کا ایک مسافر امیگریشن کے مرحلے میں پھنسا ہوا ہے اس لیے میں جوں ہی سیکیورٹی کے لیے پہنچا تو کئی افراد میری طرف جھپٹ پڑے۔ میرے گزرنے پر میٹل ڈیٹیکٹر نے احتجاج کیا لیکن ائرلائن کے افراد خوشامد ورآمد کرکے مجھے تفصیلی جامہ تلاشی کے بغیر وہاں سے نکال لے گئے۔ ان کے نزدیک میٹل ڈیٹکٹر ایک ایسا ناقص آلہ تھا جو بیلٹ کے آہنی بکل اور سکے کی موجودگی میں بھی بول اٹھتا تھا۔ اپنی پرواز کی بروقت روانگی کے لیے وہ ایسی چھوٹی موٹی باتوں کو نظرانداز کرنے کے لیے تیار تھے۔

میرے طیارے میں داخل ہوتے ہی گینگ وے ہٹنے لگا اور دروازہ گرا کر مقفل کر دیا گیا۔

مجھے دیکھتے ہی غزالہ اور سلطان شاہ کے سُتے ہوئے چہروں پر رونق اور بحالی کی لہر دوڑ گئی۔

سلطان شاہ نے مکاؤ سے کلیئرنس والی بات غزالہ تک پہنچا دی تھی اور اس کا ذہن بالکل اسی راہ پر چل پڑا تھا جس نے میرے ذہن کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ اصل قصہ معلوم ہونے کے بعد انہیں حیرت ہونے لگی کہ وہ بھی میرے ہی ساتھ مکاؤ سے لوٹے تھے پھر ان سے بازپرس کیوں نہیں کی گئی؟ میری دانست میں اس کا جواب بہت سیدھا سا تھا۔ سلطان شاہ کو ڈون مکاؤ لے گیا تھا اس لیے اس کے پاسپورٹ پر سرے سے مکاؤ کی کوئی مہر ہی نہیں لگی تھی اور غزالہ مکاؤ کی سفری دستاویزات استعمال کر رہی تھی اس لیے غیر ملکیوں کے لیے بنائے گئے قانون سے مستثنیٰ قرار دی گئی تھی۔

طیارے کے فضا میں بلند ہونے کے بعد میں نے اپنے بکھرے ہوئے اعصاب کو مجتمع کرنے کے لیے اسکاچ طلب کی تو اچانک میرے کانوں میں سپیکر سے گونجنے والی نسوانی آواز آئی۔ وہ مسافروں کو آگاہ کر رہی تھی کہ ہانگ کانگ سے بنکاک تک کی وہ مختصر پرواز مکمل طور پر نان اسموکنگ تھی۔ میں نے اپنی انگلیوں میں دبائی ہوئی سگریٹ سلگائے بغیر ایش ٹرے میں مسل دی۔

مجھے خوشی تھی کہ میں انتہائی ناموافق اور خطرناک صورتِ حال کے باوجود' کسی خسارے سے دوچار ہوئے بغیر غزالہ کو مکاؤ سے نکال کر پاکستان لے جا رہا تھا۔ ڈون کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں بھی میرا راستہ روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھیں۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آخری لحات کی افراتفری میں ہم گن بھی صاف نکل آئی تھی۔

لیکن آنے والا وقت اتنا سہل نظر نہیں آتا تھا۔ مافیا والوں کی مکاؤ آمد کے ساتھ ہی میرے خلاف ایک چومکھی جنگ چھڑنے والی تھی جس کے لیے بھرپور تیاریوں کی ضرورت تھی۔

حالات بہت تیزی کے ساتھ تبدیل ہوتے جارہے تھے۔
مکاؤ کا ڈون کوانگ فو' اپنے اثرورسوخ اور مزاج کی بنا پر کسی دیوپیکر سمندری عفریت سے کم نہیں تھا۔ اس کے مزاج کا تلون اسے اجنبیوں سے اتنی دور رکھتا تھا کہ وہ کبھی بھی اس کے لیے خطرہ نہیں بن سکتے تھے۔ لیکن ہم لوگ مقدر کے سکندر تھے کہ ڈون کی حویلی میں اس کی مہمان داری سے لطف اندوز ہونے اور اس کی نجی قید کا مزہ چکھنے کے بعد آخر کار اس کی حویلی سے زندہ سلامت نکل آنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ہم نے مکاؤ میں اپنے قیام کے دوران اپنے تحفظ اور دفاع کے لیے دل کھول کر سازشیں کیں اور قتل وخوں ریزی کا بھی سہارا لیا۔ حد تو یہ ہے کہ ڈون کی حویلی کی تاریخ میں پہلی بار اس کی حدود میں انسانی لہو کی ہولی کھیلی گئی۔ ان پُراسرار وارداتوں پر ڈون کا موڈ پل پل رنگ بدلتا رہا۔ کبھی وہ ہم پر مہربان نظر آتا رہا اور کبھی اس کی سرد اور سفاک نگاہوں میں ہمارے لیے قہروغضب کے الاؤ روشن نظر آئے لیکن وہ ہماری مربوط حکمتِ عملی کے ساتھ ہی مقدر کی یاوری بھی تھی کہ اس تمام نشیب وفراز کے باوجود ہم ڈون کی حویلی سے اس کے ذاتی ہیلی کاپٹر میں عزت واحترام کے ساتھ رخصت کیے گئے تھے اور پھر ہانگ کانگ سے نکلنے میں بھی کامیاب ہوگئے تھے۔
ہانگ کانگ پہنچنے کے بعد ہمیں یقین ہوچلا تھا کہ ہم ڈون کی دسترس سے نکلنے میں کامیاب ہوچکے تھے لیکن وہ ہماری بھول تھی ہمارے بارے میں ڈون کے ذہن میں کیا تھا' اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا لیکن یہ ایک حقیقت تھی کہ کولون کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی ڈون کا گرگا البرٹ کِم ہماری راہ پر ہولیا تھا اور اسی کی فراہم کی ہوئی اطلاع کی بنیاد پر ڈون نے مجھ سے فون پر رابطہ کرکے نیشی کاؤ کی اطالوی کمپنی کا افسانہ سنایا تھا۔
ڈون کو علم نہیں تھا کہ میں نیشی کاؤ کی مافیا سے وابستگی سے پوری طرح باخبر تھا اسی وجہ سے اس نے نیشی کاؤ کی ناگہانی موت کی تفتیش کے لیے' اس کی اطالوی کمپنی کے دو عہدے داروں کی آمد کی کہانی گھڑنے میں ذرا بھی تکلف سے کام نہیں لیا اور ہم سے چند روز کے لیے ہانگ کانگ ہی میں رکے رہنے کی فرمائش کربیٹھا۔
میں ڈون کی فرمائش کو مسترد کرکے اسے ہوشیار یا مشتعل کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ مکاؤ جانے سے پہلے میں گولڈن ڈریگن نامی فیری کے کپتان' ریورجیانگ سے سن چکا تھا کہ مکاؤ میں ڈون کی عزت اور جاہ وجلال کا یہ عالم تھا کہ اس سرزمین پر اسے صرف ڈون کے روایتی لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ اسے کوانگ فو کہنے والوں کی زبانیں کاٹ دی جاتی تھیں۔ ایسے چند واقعات کے بعد مکاؤ کے بسنے والے کوانگ فو کا نام ہی فراموش کربیٹھے تھے اور ہر طرف ڈون کے نام کا ڈنکا بجنے لگا تھا۔ ایسے شخص کا ذرا سا بھی اشتعال ہماری آزادی بلکہ زندگیوں کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا' اس لیے میں نے نہایت خوش دلی کے ساتھ ڈون کی ہدایت کو قبول کرلیا تھا۔
لیکن میں مافیا والوں کے اس بھیانک جال میں پھنسنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ ہم نے کولون کی ایک کثیرالمنزلہ پارکنگ لاٹ پر البرٹ کو بیم گن کا نشانہ بناکر' اس کی لاش اسی کی ٹیکسی کی ڈکی میں مقفل کردی تھی اور جب تک لاش میں تعفن پیدا نہ ہوتا' کسی کو شبہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ اس ٹیکسی میں کوئی لاش بند تھی۔ اگلے دو تین روز تک ڈون کو البرٹ کِم کی طرف سے کوئی خیرخبر نہ ملتی تو وہ یہی سمجھتا کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا ہوگا۔ پھر اسے ہوٹل سے بھی ہماری روانگی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔ ہم نے ہوٹل میں اپنے اصل اخراجات سے کہیں زیادہ رقم پیشگی جمع کرائی ہوئی تھی اور اپنا باقاعدہ حساب کیے بغیر' کاؤنٹر پر چابیاں دے کر خاموشی سے کھسک لیے تھے اسی وجہ سے کم ازکم اگلے چوبیس گھنٹوں تک ہوٹل کی انتظامیہ کو ہماری روانگی کی اطلاع نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کے بعد بھی ہوٹل والے ہمارے فرار کا ڈھنڈورا پیٹنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ہاں' جب ڈون خود ہی ہم کو فون کرتا تو اسے بتادیا جاتا کہ ہم ہوٹل والوں کو مطلع کیے بغیر' اپنے کمرے چھوڑ چکے تھے۔
اس کے بعد' ڈون کو البرٹ کِم کی فکر لاحق ہوتی اور جب تک اس کے آدمی البرٹ کِم کی لاش کا سراغ لگاکر اصل معاملے کی تہ تک پہنچتے' ہمیں کراچی پہنچے ہوئے خاصا وقت ہوچکا ہوتا۔
”ڈون کو جب معلوم ہوگا کہ ہم اسے جُل دے کر ہانگ کانگ سے نکل بھاگے ہیں تو وہ غصے سے باؤلا ہوجائے گا“ غزالہ نے کسی خیال کے تحت مسکراتے ہوئے کہا۔ شاید اس کا ذہن بھی ان ہی معاملات میں الجھا ہوا تھا جو ہم ہانگ کانگ امیگریشن کی حدود پار کرتے ہی' دور چھوڑ آئے تھے۔
”پوری صورتِ حال کا ادراک ہونے پر اسے اندازہ ہوجائے گا کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے' اس کے سوا ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ ہم اپنی گردنیں مافیا کے پھندے میں نہیں ڈال سکتے تھے“ میں نے کہا۔
”وہ بہت ضدی اور انا پرست واقع ہوا ہے“ سلطان شاہ نے گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے کہا ”وہ ہماری مجبوریوں پر غور کرنے کی زحمت ہی نہیں کرے گا...“
”یعنی ہمیں مکار اور دھوکے باز سمجھے گا؟“ غزالہ نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا ”ہمارے فرار کو اپنی توہین سمجھ کر ہمارے خلاف ہوجائے گا؟ لیکن ہمارے نکل جانے کے بعد وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے؟“
”بگاڑ سکتا ہے یا نہیں؟ یہ ایک الگ بات ہے۔“ سلطان شاہ بولا ”لیکن اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہ ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش ضرور کرے گا۔“
”سب سے پہلے تو وہ ویرا سے ہی بدظن ہوجائے گا“ میں نے

اس صورتِ حال پر دل ہی دل میں محظوظ ہوتے ہوئے کہا "کیونکہ یہ سارا کھیل اسی کی سفارش پر سروع ہوا تھا۔ اسے جلد یا بدیر یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں عرصۂ دراز سے جمی لائیڈ اور شی کے حریفوں میں شمار کیا جاتا ہوں۔"

"میرے لیے یہی بات سب سے زیادہ حیران کن ہے۔ تمہارے بارے میں شی کے ہر چھوٹے بڑے کو معلوم ہے کہ تم نے اپنی اس تنظیم سے بغاوت کی ہوئی ہے۔ لیکن ڈون' شی کا آئی مین ہوتے ہوئے بھی اتنی اہم بات سے بے خبر ہے۔ میری دانست میں تو اسے تمہارا نام سنتے ہی بھڑک اٹھنا چاہیے تھا" غزالہ نے کہا۔

"تم نے خود ہی دیکھ لیا ہے کہ ڈون کس قدر ست اور کاہل الوجود آدمی ہے" میں نے کہا "ہوسکتا ہے کہ لاؤس' کمبوڈیا اور ویت نام کی جنگوں کے زمانے میں مکاؤ کی بہت زیادہ اہمیت رہی ہو کیونکہ دنیا کے کسی بھی خطے میں بدامنی کے حالات جرائم کے فروغ کے لیے بہت سازگار ثابت ہوتے ہیں۔ شاید ڈون اسی زمانے سے مکاؤ کا آئی مین چلا آرہا ہے۔ موجودہ صورت حال میں مکاؤ کی زیادہ افادیت نہیں ہے۔ وہاں ڈون کا راج ضرور چلتا ہے لیکن شی کے لیے شاید مکاؤ کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی ہے۔ ڈون بس علامتی اور روایتی طور پر شی کا آئی مین چلا آرہا ہے۔ اسی وجہ سے شی کی بہت سی خبریں اس تک نہیں پہنچتی ہوں گی۔ وہ اپنی حویلی میں عیش ونشاط میں کھویا رہتا ہے۔ جو لوگ متحرک اور فعال ہیں' وہ میرے بارے میں ویسے بھی باخبر رہتے ہیں۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ شی سے میری جنگ پاکستان کے علاوہ مغربی ممالک میں ہوتی رہی ہے۔ اُدھر والے میرے نام سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ مشرقِ بعید کے ان علاقوں میں کبھی' کوئی معرکہ نہ ہونے کی وجہ سے میں ابھی تک گمنام تھا لیکن اب ڈون میری کہانیاں ہر طرف پھیلا دے گا۔"

"یہ تمہارا تجزیہ ہے" سلطان شاہ نے اعتراض کیا "لیکن یہ بات واقعی عجیب محسوس ہوتی ہے کہ شی کا ایک آئی مین اس قدر بے خبر بھی ہو سکتا ہے۔"

"شی جدید ترین مواصلاتی رابطوں اور خلائی سیاروں تک سے مدد لیتی ہے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "ان کے وسائل ہر اعتبار سے قابلِ رشک ہیں لیکن ڈون کی حویلی میں مجھے ان کی جھلک تک نظر نہیں آئی۔ اسی وجہ سے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ جمی لائیڈ کے منصوبوں میں اب مکاؤ کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ ڈون بس اپنی مشینی مسند' شیش محل اور آوازیں ریکارڈ کرنے کے نظام پر ہی فخر کرتا رہتا ہے۔"

"آوازیں ریکارڈ کرنے کا نظام تو واقعی بہت شاندار بلکہ قابلِ رشک ہے۔"

"مبتدی اس سے متاثر ہو سکتے ہیں لیکن یہ سب معمولی شعبدے بازیاں ہیں۔ اب تو کراچی کی فٹ پاتھوں پر بھی ایسے حساس' لاسلکی مائیکروفون ملنے لگے ہیں جن کے سہارے بچے اپنے پڑوسیوں کی گفتگو اپنے ٹرانزسٹر ریڈیو پر سن لیتے ہیں۔ مکاؤ میں شی کی تنظیم پسماندگی کا شکار نہ ہوتی تو تم بل فائٹنگ رنگ سے ہوٹل پر بیم گن استعمال کر کے بچ نہیں سکتے تھے۔ ڈون اور اس کے ساتھی اپنے ماضی کی شان وشوکت کے سہارے جی رہے ہیں اور مکاؤ کے روایت پرست شہری ان کو بدستور پوجے جا رہے ہیں۔"

"تم پتا نہیں کہاں کی بات کہاں ملا دیتے ہو!" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بولا "میں نے تو کراچی میں کسی بچے کے پاس ایسے وائرلیس مائیکروفون نہیں دیکھے۔"

"اب جا کر دیکھ لینا۔" میں نے اسے مشورہ دیا "سیل سے کام کرنے والے ایف ایم مائیک ہیں' پچیس روپے میں مل جاتے ہیں۔ انہیں آن کر کے کسی بھی جگہ رکھ دو اور وہاں سے دور' اپنا ریڈیو ایف ایم چینل پر ٹیون کر کے بیٹھ جاؤ تو تم مائیک کے ذریعے سانسوں تک کی آوازیں سن اور ریکارڈ کر سکتے ہو۔ مسئلہ یہ ہے کہ تمہیں ان چیزوں سے دلچسپی ہے اور نہ تمہیں اپنے شہر کے بازاروں میں تاک جھانک کا موقع ملتا ہے۔"

طیارہ شاید اپنی مقررہ بلندی تک پہنچ کر افقی پوزیشن لے چکا تھا کیونکہ اچانک ہی وسیع وعریض طیارے کی دونوں راہداریوں میں میزبان لڑکیاں' ناشتے کی تھالیوں کے ساتھ چکرانے لگیں۔ اگلی نشستوں کی پشت گاہوں سے منسلک' کھانے کی میزوں کے کھلنے کی کھٹا کھٹ کے ساتھ ہی وہ میزیں تیزی کے ساتھ بھرتی چلی گئیں کیونکہ طیارے کے اگلے اور پچھلے کچن سے بیک وقت متعدد خوش مزاج لڑکیوں نے سروس شروع کی ہوئی تھی۔

جب میں نے ائرہوسٹس سے اپنے لیے اسکاچ کے دوسرے نپ کی فرمائش کی تو غزالہ مجھے تیکھی نظروں سے گھورنے لگی اور ائرہوسٹس کے جانے کے بعد بولی "اس مختصر سی پرواز پر تم کتنی شراب پی جانا چاہتے ہو؟"

"یہ اگلے سفر کی تیاری ہے" میں نے ڈھٹائی کے ساتھ ہنستے ہوئے کہا "کیتھی والوں کی میزبانی کے طفیل تین چار نپ تو معدے میں اتار ہی لینے چاہئیں۔"

"تم خود کہتے ہو کہ اسکاچ سورج ڈھلنے کے بعد کا ڈرنک ہے اور اب دن دہاڑے...."

"سفر میں دن اور رات کا تصور باقی نہیں رہتا" میں نے اُس کی بات کاٹ دی "ابھی روشنیاں دھیمی کر کے جہاز کی کھڑکیوں کے سلائیڈز گرا دیے جائیں تو یہاں رات ہو جائے گی۔ ویسے بھی ہم مغرب کی طرف سفر کر رہے ہیں اور کراچی پہنچنے تک ہمارا آج کا دن اٹھائیس گھنٹے کا ہو چکا ہوگا۔"

اسی اثنا میں ائرہوسٹس نے بلیک لیبل کی ننھی سی کُھلی ہوئی بوتل' کچکڑے کے گلاس میں برف کے تین ڈلوں سمیت میرے سامنے لا کر رکھ دی اور ایک دلربایانہ مسکراہٹ کے ساتھ آگے چلی گئی۔

"اور اگلے سفر کا کیا بہانہ ہے؟" سلطان شاہ نے غزالہ کا ساتھ دینا ضروری خیال کیا۔

"یہ کیتھی کی نرم و نازک پرواز ہے جس پر پینے کی ہر شے میسر ہے۔ اگلا سفر پی آئی اے سے ہوگا۔ اس طویل پرواز پر پینے کے نام پر عیاشیاں نہیں ہو سکیں گی" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"کاش یہ پرواز نان اسموکنگ کے ساتھ ہی نان ڈرنکنگ بھی ہوتی!" غزالہ بھنا کر منمنائی۔

"کوّوں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے" میں نے گلاس سے اپنے لب تر کرتے ہوئے کہا اور غزالہ بے زاری کا اظہار کرتے ہوئے کھڑکی سے باہر جھانکنے میں مصروف ہوگئی۔

تقریباً سوا دو گھنٹے کی پرواز کے بعد جب جہاز کے پیجر سسٹم کے ذریعے بنکاک پر اترنے کی تیاریوں کی اطلاع دی گئی تو میرا ذہن غیر ارادی طور پر اس تھائی خاتون کی طرف بھٹک گیا جو کراچی سے بینکاک کے سفر میں، پورے جہاز میں گھوم پھر کر متموّل اور رنگین مزاج مسافروں کو اپنے ہاسٹل کے کارڈ بانٹتی پھر رہی تھی — وہ یونیورسٹی اور کالجوں میں زیر تعلیم خوبرو اور نوخیز لڑکیوں کی جز وقتی ملازمت کی پیش کش کے بہانے، بین الاقوامی پروازوں پر اپنے گاہک پھانسنے کی عادی معلوم ہوتی تھی اور شاید اسی منظم کاروبار کی وجہ سے بہت سے لوگ قحبہ گری کو تھائی لینڈ کی سب سے بڑی گھریلو صنعت قرار دیتے تھے جو کسی بھی سرمایہ کاری کے بغیر جنگ ویت نام کے زمانے سے اپنے ملک کے لیے بھاری زرمبادلہ کما رہی تھی۔

گینگ وے سے باہر نکلتے ہی چند تھائی دوشیزاؤں کی نرم پُراسرار مسکراہٹ کا سامنا ہوا۔ وہ ٹرانزٹ مسافروں کی رہنمائی کے لیے وہاں موجود تھیں۔ بینکاک میں رکنے والے مسافر سیدھے امیگریشن کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ بینکاک کے ہوائی اڈے پر دو سو بھات کی فیس ادا کرکے ویزا بہ آسانی حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ شہر کا چکر لگا سکتے۔ دوسری طرف بیم گن کا مسئلہ تھا۔ اگر میں ایک مرتبہ ٹرانزٹ ایریا سے نکل جاتا تو دوبارہ ادھر پہنچنے کے لیے دیکھ بھال اور تلاشی کے مراحل سے گزرنا پڑتا اور بیم گن خطرے میں پڑ جاتی۔ اس لیے ہم لوگ دوسرے ٹرانزٹ مسافروں کے ساتھ ایلی ویٹر سے ہوتے ہوئے ایک وسیع کاریڈور میں میں طلوع ہوئے اور پھر پی آئی اے کی پرواز کے مسافروں کے لیے مخصوص ہال میں پہنچ گئے جہاں کاؤنٹر پر موجود ایک مقامی شخص نے ہمارے ٹکٹوں سے کوپن جدا کرکے بورڈنگ کارڈ ہمارے حوالے کر دیے۔

ابتدا میں وہاں ہمارے ساتھ آنے والے جملہ نو مسافر ہی موجود تھے۔ پرواز کی روانگی میں خاصا وقت باقی تھا اور میں نے راستے میں ڈیوٹی فری شاپ بھی نہیں دیکھی تھی۔ میں حیران تھا کہ ٹرانزٹ مسافروں کے لیے ڈیوٹی فری خریداری کی سہولت کیوں مفقود تھی؟

میں نے کاؤنٹر والے سے دریافت کیا تو اُس نے مسکراتے ہوئے مجھے مطلع کیا کہ ہمیں اوپر لانے والے ایلی ویٹر سے کچھ آگے ڈیوٹی فری شاپس موجود تھیں اور ہم اپنے بورڈنگ کارڈ کے عوض ایک پاس حاصل کرکے ادھر کا چکر لگا سکتے تھے۔ ہم تینوں نے اس خاموش ہال کے گمبھیر ماحول سے نجات پانے کے لیے اپنے بورڈنگ کارڈ اس شخص کے حوالے کیے اور پاس لے کر ڈیوٹی فری شاپس کی طرف روانہ ہوگئے۔

وہ علاقہ بہت بارونق اور آباد تھا۔ دکانوں پر مقامی دستکاری کے نمونوں کے ساتھ ہی غیر ملکی ساز و سامان بھی بھرا ہوا تھا جس میں شرابیں، سگریٹیں اور دنیا بھر کی خوشبویات سب سے نمایاں تھیں۔ ہم آپس میں باتیں کرتے ہوئے کافی دیر تک وہاں مٹرگشت کرتے رہے اور جب ایک گھنٹا گزار کر ہم دوبارہ ہال میں پہنچے تو وہاں مسافروں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو چکا تھا۔

کراچی جانے والے پاکستانی مسافروں میں بے پروا اور دل پھینک نوجوانوں کے ساتھ ہی، قمیص شلوار میں ملبوس ایسے لوگ بھی نظر آ رہے تھے جو شاید کھیپئے تھے۔ انہوں نے اپنا جو ساز و سامان جہاز پر لدوانے کے لیے دے دیا تھا' اس کے علاوہ بھی وہ بھانت بھانت کے دستی تھیلوں سے لدے پھندے ہوئے تھے۔ ان کے بشروں سے بے فکری یا خوش دلی کے بجائے انجانا سا خوف ہویدا تھا جیسے وہ خود بھی جانتے ہوں کہ وہ جو کچھ کر رہے تھے' وہ پوری طرح غیر قانونی نہ سہی تو بہت زیادہ قانونی بھی نہیں تھا۔

بینکاک کا وقت ہانگ کانگ سے ایک گھنٹا پیچھے تھا۔ مقامی وقت کے مطابق ساڑھے چھ بجے بورڈنگ کا آغاز ہوا تو مسافروں کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی لیکن طیارے پر پہنچنے کے بعد پتا چلا کہ وہ پرواز سنگاپور سے آ رہی تھی اور جہاز میں پہلے سے کافی مسافر موجود تھے۔

جب مقررہ وقت پر طیّارے نے تھائی لینڈ کی سرزمین چھوڑ کر اپنا رخ بلند کیا تو میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ بینکاک سے پرواز کے بعد دنیا کی کوئی طاقت ہمیں کراچی کے بین الاقوامی اڈّے پر اترنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ ڈون اور اس کا اثر و رسوخ یک بیک قصۂ پارینہ بن کر رہ گیا تھا۔

اس پرواز پر بیشتر مسافر پاکستانی تھے جو قومی ائرلائن سے متعدد شکایات کے باوجود اسی سے سفر کرنا پسند کرتے تھے۔ انہیں اپنے سامان کے وزن میں رعایت ملتی تھی، عملے سے تُو تکار میں زبان کی اجنبیت جذبات کے آڑے نہیں آتی تھی، پرواز پر کھانا من پسند ملتا تھا یا جہاز کا ماحول خالص پاکستانی ہوتا تھا' اس بارے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی تھی لیکن یہ مشاہدے کی بات تھی کہ عادی شرابیوں کے علاوہ ہر نیا اور تجربے کار پاکستانی مسافر حتی الامکان اپنی قومی ائرلائن پر ہی سفر کرنے کو ترجیح دیتا تھا اور بعض شرابی بھی یورپ وغیرہ جانے کے لیے اس سے گریز نہیں کرتے تھے

کیونکہ پی آئی اے نے ایسے مجبوروں کے لیے دوبئی میں رکنے کی عادت اپنالی تھی۔ لوگ اپنے ظرف کے مطابق دوبئی ڈیوٹی فری سے تھیلا بھر لیتے تھے۔ کچھ جُرعہ جُرعہ کرکے راستے میں کام آجاتا' باقی ذاتی الاؤنس میں منزلِ مقصود پر لے جاتے۔ جو لوگ اس گُر سے ناآشنا تھے اور مفت کی پینے کو اپنا حق گردانتے تھے' ان کو ہمیشہ ایسی ترکیبوں کی تلاش رہتی تھی جن کے سہارے انہیں پی آئی اے کا پابند نہ رہنا پڑے۔

پرواز کے کچھ دیر بعد جہاز میں نقل و حرکت اور میل جول کا آغاز ہوا تو میں نے بھی اپنی نشست چھوڑ دی اور مسافروں کا جائزہ لیتا ہوا' عقبی باتھ روم کی طرف چل دیا۔

اپنی سمت کی راہداری کے اختتام پر ایک سگریٹ پھونکنے اور باتھ روم سے تازہ دم ہونے کے بعد میں اپنی نشست پر واپس آیا تو غزالہ اور سلطان شاہ کو سنسنی آمیز انداز میں سر جوڑ کر سرگوشیاں کرتے پایا۔

"کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں؟" میں نے اپنی نشست پر بیٹھتے ہوئے' غزالہ کے شانے پر ہاتھ مار کر پوچھا۔

"سخت گڑبڑ ہو گئی ہے" غزالہ کے سرگوشیانہ لہجے سے وحشت جھلک رہی تھی۔

"ابھی ہاضمے کی کوئی دوائی منگواتا ہوں" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"مذاق مت کرو' یہ معاملہ بہت اہم اور سنگین معلوم ہوتا ہے" اس نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"ضرور ہوگا" میں نے پورے خلوص کے ساتھ اعتراف کیا۔ "یہ بتاؤ کہ میں اس خوشی میں رمبا سمبا شروع کردوں یا خشک ڈانس کا آغاز کردوں؟"

"خدا کے لیے سنجیدہ ہونے کی کوشش کرو" اس نے جھلّا کر میرا بازو نوچ ڈالا "یوں ہی وقت برباد کرتے رہے تو بعد میں پچھتانے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔"

"کیا جہاز گرنے والا ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے سوال کیا۔

اس نے بے بسی سے مجھے گھورا پھر بولی "ٹھیک ہے! تمہیں معاملے کی نوعیت جاننے سے دلچسپی نہیں تو میں بھی اب خاموش رہوں گی۔ جب بیڑہ غرق ہوگا تو تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"مجھے تمہاری ہر بات سے دلچسپی ہے" میں نے اسے پچکارتے ہوئے کہا "مجھے پورا یقین ہے کہ مناسب وقت آنے پر تم خود ہی سب کچھ بتانا شروع کردو گی۔ میں بلاوجہ سوالات کرکے تمہیں مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ ویسے بھی بیڑہ غرق ہونے والی بات اصولی اعتبار سے غلط ہے۔ یہ خطرہ صرف بحری سفر کی صورت میں پیش آسکتا تھا اور وہ بھی اس وقت جب جہازوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہو۔ اکلوتا جہاز صرف جہاز ہوتا ہے۔ ایک سے زیادہ بحری جہاز بیڑہ کہے جاتے ہیں۔ ہوائی سفر میں بیڑہ غرق نہیں ہوتا بلکہ سیدھا سادہ کریش ہوتا ہے اور اس میں صرف وہی لوگ زندہ بچ سکتے ہیں جن سے ملک الموت خود خوف زدہ ہو۔ اس لیے ہم جہاں بھی ہوں گے' اکٹھے ہی ہوں گے اور.... ارا.... رر.... ہمپ!"

مجھے اپنی بکواس جاری رکھنے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ غزالہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اس نے بھنّا کر اپنا نرم و نازک ہاتھ میرے دہانے پر جما دیا تھا۔

"تم بھی بلاوجہ بات گھما رہی ہو۔ بتا کیوں نہیں دیتیں کہ تم نے کیا دیکھا ہے" سلطان شاہ نے چڑچڑے انداز میں غزالہ سے کہا۔

"یہ کہاں کی شرافت ہے کہ ان لاٹ صاحب کو ذرا بھی تجسس نہیں ہے..."

"تم اپنی بات کہہ ڈالو' یہ ابھی چوکڑی بھول جائیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذہنی طور پر ایک بار پھر شیش محل کے عشرت کدے میں پہنچ گئے ہیں جہاں سے نکالنے کے لیے تم کو ہی کچھ کرنا ہوگا۔"

"تو سنو کہ ترپاٹھی اسی پرواز پر ہمارے ساتھ سفر کر رہا ہے۔" غزالہ نے دانت پیس کر دھیمی آواز میں کہا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔

"ترپاٹھی!" میں نے حیرت اور بے یقینی سے دُہرایا "وہ اس جہاز پر کہاں سے آگیا؟"

"وہ پیچھے سے نہیں آرہا۔ کمال کی بات یہ ہے کہ وہ ہانگ کانگ سے ہی ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے اور ہماری عقلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں" ویرا نے چبا چبا کر اپنی بات مکمل کی۔

وہ واقعی ایک سنگین انکشاف تھا اور اس خبر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا' میں نے فوراً ہی پوچھا "اب تم نے اسے کیسے دیکھ لیا؟ مذاق برطرف' مجھے جلد از جلد پوری کہانی سنا ڈالو۔ اگر وہ اس جہاز پر موجود ہے تو اس کے ارادے نیک نہیں ہو سکتے۔ ہمیں اُس کے بارے میں جلد از جلد کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"وہ مجھے نئی دہلی سے لے کر آیا تو اُس کے سر پر بڑے بڑے سفید بال موجود تھے اور وہ بالکل کلین شیو تھا۔" غزالہ دھیمے دھیمے لہجے میں بتانے لگی "لیکن اس وقت اس کا سر گھٹا ہوا ہے اور چہرے پر سفید داڑھی مونچھیں نظر آرہی ہیں۔ ساتھ ہی اس نے اپنے چہرے کی ساخت چھپانے کے لیے بڑے فریم والی' تاریک شیشوں کی عینک بھی چڑھائی ہوئی ہے۔ میں نے اسے ہانگ کانگ ائیرپورٹ کے لاؤنج میں بھی دیکھا تھا لیکن اس پر دھیان نہیں دیا کیونکہ میں تمہارے امیگریشن پر روک لیے جانے کے بارے میں فکرمند تھی۔ پھر یہ بینکاک پر ٹرانزٹ مسافروں میں بھی شامل تھا۔ اسے دوبارہ دیکھ کر میرے ذہن کو ہلکا سا لاشعوری جھٹکا لگا تھا لیکن

پھر میں نے اسے فراموش کردیا۔ اس نے اتنے بھرپور طریقے سے اپنا بہروپ بدلا ہوا ہے کہ بادی النظر میں اسے پہچاننا ناممکن ہو کر رہ گیا ہے۔"

اس کے خاموش ہونے پر مجھے الجھن ہونے لگی "پھر تم نے کیسے اندازہ لگالیا کہ وہ ترپاٹھی ہی ہے؟"

"میں ابھی اگلے باتھ رومز کی طرف گئی تو وہ عینک اتار کر اس کے شیشے صاف کررہا تھا۔ اس کی آنکھیں دیکھتے ہی میں چونک پڑی۔ مجھے سو فی صد یقین ہے کہ وہ ترپاٹھی ہی ہے۔"

"اس نے بھی تمہیں دیکھ لیا ہوگا؟" میں نے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے دیکھنا کیا معنے! ہم تو سفر کی ابتدا سے ہی اُس کی نظروں کے سامنے ہیں" وہ بولی۔

"میں یہ جاننا چاہ رہا ہوں کہ وہ ابھی تک بے خبری کے عالم میں ہے یا اُسے اندازہ ہوگیا ہے کہ تم نے اسے پہچان لیا ہے؟" میں نے خشک لہجے میں سوال کیا "اس کی نشست کہاں ہے؟"

"عینک صاف کرتے ہوئے وہ مجھے نہیں دیکھ سکا تھا" غزالہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "داہنی طرف والی قطار میں ہنگامی دروازے کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے برابر والی سیٹ خالی پڑی ہوئی تھی۔ جہاز میں گنجائش ہونے کی وجہ سے وہ شاید دونوں نشستوں پر قابض ہے۔"

"اگر تم اس بارے میں اسی قدر پُریقین ہو تو ہمیں سوچنا پڑے گا کہ وہ اپنا حلیہ تبدیل کرکے، خاص طور پر اسی پرواز سے کیوں سفر کررہا ہے؟"

"سامنے کی بات ہے کہ اس کے ارادے خطرناک ہیں۔" سلطان شاہ نے زبان کھولی "تمام مسافروں میں صرف غزالہ ہی اسے جانتی اور پہچانتی ہے۔ اس نے خود کو غزالہ کی نظروں سے بچائے رکھنے کے لیے یہ سوانگ رچایا ہوا ہے اور وہ ہم تینوں کا پیچھا کررہا ہے۔"

"مگر کیوں؟" میں نے سوال کیا "وہ دورانِ پرواز ہمیں قتل کرنے کی ہمت کرسکتا ہے، نہ ہمارے خلاف کوئی اور جارحانہ کارروائی کرسکتا ہے۔ وہ اور اس کے بڑے جانتے ہیں کہ کراچی میں ہم لوگ بہت زیادہ غیر معروف نہیں ہیں۔ ذرا سی بھی کوشش کرکے ہمارا سراغ لگایا جاسکتا ہے پھر وہ اتنے پاپڑ کیوں بیل رہا ہے؟"

"راوالوں کے لیے تمہاری اور غزالہ کی ذات بہت اہم ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا "ویرا کے دباؤ کے نتیجے میں، شری مان سنگھ، غزالہ کو نئی دہلی والوں کی قید سے رہا کرانے پر مجبور ہوگیا لیکن اب وہ لوگ دوبارہ تمہیں اغوا کرنا چاہتے ہیں، اسی لیے وہ ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں۔ وہ دورانِ پرواز ہمیں اغوا کرکے فضا میں چھلانگ نہیں لگاسکتا۔ وہ جو کچھ کرے گا، کراچی میں اترنے کے بعد ہی کرے گا۔ اس کے لیے آسان راستہ یہ ہوتا کہ کسی دوسری پرواز سے کراچی پہنچ کر، بے خبری میں ہم لوگوں کو گھیرنے کی کوشش کرتا..."

"تمہارے ذہن میں کیا خیال پیدا ہورہا ہے؟" غزالہ میرے بشرے کے تاثرات سے میری دلی کیفیات بھانپ گئی۔

میں نے خالی خالی نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھا پھر سرسراتی ہوئی آواز میں کہا "میری چھٹی حِس بتارہی ہے کہ یہ سیدھا سادہ تعاقب نہیں ہے، وہ کسی بڑے کھیل کی فکر میں ہے۔"

"اس نے ہمیں اور دوسرے مسافروں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو وہ خود بھی برے انجام سے نہیں بچ سکے گا۔ اس وقت ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں" سلطان شاہ تیزی سے بولا۔

"دورانِ پرواز ہم بھارتی فضائی حدود میں سے یا اس کے قرب وجوار سے گزریں گے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "وہ طیارے کو اغوا کرکے، کسی بھارتی ہوائی اڈے تک لے جانے کی کوشش بھی کرسکتا ہے۔"

میری بات سن کر وہ دونوں ہی بری طرح چونک پڑے۔ شاید وہ امکان ان کے خیال میں نہیں تھا۔

ترپاٹھی درحقیقت انڈین سیکرٹ سروس کا آدمی تھا اور وہ لوگ ہمارے خون کے پیاسے ہورہے تھے۔ ترپاٹھی اپنی سرکاری شناخت کا کوئی اظہار کیے بغیر، اپنی انفرادی حیثیت میں طیارے کو بمبئی یا اس کے قرب وجوار کے کسی بھارتی ہوائی اڈے پر اتروانے میں کامیاب ہوجاتا تو انڈین حکام سے ملی بھگت کے نتیجے میں ہم تینوں کو یرغمال بناکر جہاز اور اس کے دیگر مسافروں کو آزاد کرنے کا ڈراما رچایا جاسکتا تھا۔ بعد میں ہم تینوں کو انڈین سیکرٹ سروس کے حوالے کردیا جاتا اور بھارتی حکام عالمی رائے عامہ کو بہ آسانی یقین دلانے میں کامیاب ہوجاتے کہ طیارے کا اغوا کرنے والے دہشت گرو کا تعلق ان کے ملک میں سرگرم کسی نسلی یا لسانی گروہ سے تھا اور وہ اپنے تینوں قیدیوں سمیت ملک کے کسی حصے میں روپوش ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ وقتی طور پر ہماری مصنوعی تلاش کی ہمہ گیر مہم چلتی رہتی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ معاملہ سردخانے کی نذر ہوجاتا۔

ان دونوں سے چند منٹ کے تبادلۂ خیال کے بعد ہی یہ نظریہ ہمارے ذہنوں میں راسخ ہوگیا کہ ترپاٹھی صرف اور صرف جہاز کو اغوا کرنے کے لیے اس پرواز سے سفر کررہا تھا۔ اس کا مسلح ہونا بہت زیادہ بعید از قیاس نہیں تھا کیونکہ میں خود بھی بیم گن کے ساتھ اسی جہاز میں سفر کررہا تھا۔

معاملہ فضائی سفر کا تھا اور صورتِ حال اس قدر نازک تھی کہ ہم لوگ اپنے طور پر کارروائی کرکے کسی بھی صورت میں کوئی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ ہم میں سے کسی کو بھی اپنے قرب

وجوار میں منڈلاتا ہوا دیکھ کر ترپاٹھی بھڑک سکتا تھا اور اس کا کوئی بھی عاجلانہ قدم پورے جہاز کی سلامتی کو خطرے میں ڈال سکتا تھا۔

"وہ سامنے بھی آجائے تو اب اس کی طرف سے ہمیں انجان بنا رہنا ہے" اپنے ذہن میں ایک خاکہ مرتب کر لینے کے بعد میں نے ان دونوں کو ہدایت دی "میں ایک چکر لگا کر ابھی واپس آتا ہوں۔" میں نے بیم گن غزالہ کے حوالے کر دی۔

میں اٹھ کر آگے کی طرف چل دیا۔ غزالہ کی بتائی ہوئی دُہری نشست پر درمیانے قد اور گٹھے ہوئے مضبوط بدن والا ایک ادھیڑ عمر شخص براجمان تھا جو گنجا ہونے کے ساتھ ہی باریش بھی تھا۔ اس کی مختصر سی داڑھی کے بالوں کی مکمل سفیدی اس کی عمر اور جسم کی بناوٹ سے میل نہیں کھا رہی تھی۔ اس نے اپنی ٹانگیں پسار کر گود میں اخبار پھیلایا ہوا تھا لیکن اس کے انداز سے بے چینی اور عدم توجہی مترشح تھی۔ دور ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ اخبار پڑھنے کے بجائے کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔ اس وقت بھی اس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک لگی ہوئی تھی اور وہ غالباً فرسٹ کلاس کیبن سے ہو کر کاک پٹ کی طرف جانے والے راستے کا جائزہ لے رہا تھا۔

میں اس کا سامنا کیے بغیر فلائٹ کچن سے ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس لے کر لوٹ آیا۔

اپنی سیٹ کے قریب کھڑے ہو کر میں نے پانی کا گلاس خالی کیا' پھر عقبی حصے کی طرف چل دیا۔ میں پچھلے کچن سے دور ہی تھا کہ فضا پاکستانی کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبو سے مہکنے لگی۔ شاید مسافروں کو رات کا کھانا سرو کرنے کی تیاریوں کا آغاز کیا جا چکا تھا۔

کچن کے پردے کھنچے ہوئے تھے اور اندر عملے کے اراکین کھانے کی ٹرالیاں تیار کرنے میں مصروف تھے۔ میں نے پردہ سرکا کر ایک خوش رو خاتون کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے' ہوا بازیا کریو چیف سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے مجھے اپنی سیٹ پر جا کر انتظار کرنے کا مشورہ دیا۔

"معاملہ اہم اور فوری نوعیت کا ہے!" میں نے نرمی سے اصرار کیا "تاخیر نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔"

خاتون کے چہرے سے مسکراہٹ کافور ہو گئی۔ اس نے پیشانی پر کئی بل ڈال کر غور سے میری طرف دیکھا پھر اپنے کسی ساتھی سے بولی "ریاض! ذرا دیکھنا' ان کے ساتھ کیا ایمرجنسی پیش آگئی ہے۔"

ریاض نامی اسٹیوارڈ کچن سے باہر آگیا اور میری بات شروع ہونے سے پہلے بولا "سر! اس وقت ہم سب بہت مصروف ہیں۔ آپ مجھے اپنا سیٹ نمبر دے دیں' کھانا سرو کرنے کے بعد کوئی آپ کے پاس آجائے گا۔"

میں نے ڈھٹائی کے ساتھ اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اپنا دہانہ اس کے کان کے نزدیک لے جا کر دھیمے سے کہا "اس وقت تک کوئی مہم جُو کاک پٹ میں پہنچ کر طیارے کا رخ تبدیل کرا سکتا ہے!"

میرے الفاظ پر اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی چلی گئیں اور وہ اضطراری طور پر میرا ہاتھ تھام کر کچن کی دیوار سے ملحق' آخری قطار کی ان چار نشستوں کی طرف بڑھ گیا جن پر سفری بیگ اور وینٹی کیس پڑے ہوئے تھے۔ مجھے علم تھا کہ ٹریفک کا دباؤ نہ ہونے کی صورت میں وہ قطار عموماً ہر ائرلائن پر کیبن کریو کے تصرف میں ہوتی ہے۔

"وہ کون ہے؟" ریاض اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا "کہیں تم نے مجھے تو یرغمال نہیں بنا لیا ہے؟ تمہاری یہ کوشش خودکشی بھی ثابت ہو سکتی ہے۔"

میں پھیکے انداز میں مسکرا دیا "میں ایک امن پرور پاکستانی ہوں۔ پیشہ ورانہ مجبوریوں کی وجہ سے اپنی شناخت ظاہر نہیں کر سکتا لیکن یہ بتا سکتا ہوں کہ اس پرواز پر ایک ایسا مشتبہ بھارتی سیکرٹ ایجنٹ موجود ہے جو کسی بھی لمحے جہاز کو اغوا کرنے کی کوشش کر سکتا ہے..."

ریاض کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ میں اس کی اعصابی کیفیت کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا۔ اس نے کہا "تم یہیں ٹھہرو۔ میں ائرگارڈز کو بلاتا ہوں۔ عملے میں کسی اور کو بھنک مل گئی تو خوف وہراس پھیل جائے گا۔ وہ لوگ پیشہ ورانہ انداز میں تمہاری پوری بات سن کر کوئی فیصلہ کر سکیں گے۔"

ریاض کے ملنے سے پہلے ہی مضبوط اور کسرتی بدن والا ایک نوجوان اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی سے ہمارے قریب آگیا۔ اُس کی بے چین عقابی نظریں میرے بدن میں اترتی جا رہی تھیں۔

"کیا بات ہے؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے' سرد اور تحکمانہ لہجے میں سوال کیا۔

ریاض نے میرے بولنے سے پہلے ہی سرگوشیانہ لہجے میں اسے میرے اندیشے سے آگاہ کر دیا۔

"ہوں!" نووارد غرایا "اگر میں یہ کہوں کہ تم خود بھی اس کے ساتھی ہو اور ہمیں کہیں اور الجھا کر اپنا کام کر گزرنا چاہتے ہو تو تمہارا کیا جواب ہوگا؟"

"میں سفر کے اختتام تک تمہاری تحویل یا نگرانی میں رہنے کو تیار ہوں" میں نے نہایت سکون کے ساتھ جواب دیا "لیکن میرے بتائے ہوئے مسافر کو چیک کرنا ضروری بلکہ ناگزیر ہو چکا ہے۔ وہ داہنی قطار میں آگے براجمان ہے۔"

"وہ مسلح ہے؟" نووارد پلکیں جھپکائے بغیر مجھے گھورے جا رہا تھا۔ وہ کوئی اگلا قدم اٹھانے سے پہلے یہ یقین کر لینا چاہتا تھا کہ میرے عزائم میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔

"مجھے شبہ ہے لیکن میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ ایک

پرانا بھارتی دہشت گرد ہے۔"
"وہ اکیلا ہی سفر کر رہا ہے؟"
اس سوال نے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ اس بارے میں' میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اگر طیارے میں ترپاٹھی کا کوئی ساتھی بھی موجود تھا تو صورتِ حال بہت پیچیدہ ہو سکتی تھی۔ ان میں سے کس کا کیا رول ہونا تھا' اس بارے میں کوئی قیاس آرائی نہیں کی جا سکتی تھی۔ ترپاٹھی پر ہاتھ ڈالنے کے بعد بھی کچھ بھی ہو سکتا تھا۔
"ابھی تک اس کا کوئی ساتھی میری نظروں میں نہیں آسکا ہے" میں نے کھلے دل سے اعتراف کر لیا۔
"فرسٹ کلاس سے جابر خان کو بلاؤ!" نووارد نے ریاض کو ہدایت کی اور وہ لپک کر عقبی دروازے کے قریب لگے ہوئے انٹر کام کی طرف بڑھ گیا۔
اس ائرگارڈ نے قرب وجوار میں بیٹھے ہوئے مسافروں کو کسی بھی شے کا موقع دیے بغیر چابک دستی کے ساتھ میری جامہ تلاشی لے کر یہ اطمینان کر لیا کہ میں مسلح نہیں تھا۔ اس وقت میں نے دل ہی دل میں اپنی اس عقل مندی پر خدا کا شکر ادا کیا کہ طیارے کے عملے کو اعتماد میں لینے سے پہلے' میں نے بیم گن غزالہ کے سپرد کر دی تھی۔ اگر تلاشی کے موقعے پر وہ ہتھیار میری تحویل سے برآمد ہو جاتا تو میرا کھیل بالکل ہی الٹ سکتا تھا۔ ائرگارڈز میری کہانی پر یقین کرنے کے بجائے ترپاٹھی کو بھول کر میری بیخ کنی پر تُل جاتے اور مجھے امان ملنی مشکل ہو جاتی۔
ائرلائن کوئی بھی ہو' بین الاقوامی پروازوں پر اس کا عملہ عموماً گھاگ اور تجربے کار ہوتا ہے۔ جابر خان کی آمد تک جہاز کے عملے کو کسی بڑی گڑبڑ کا اندازہ ہو چکا تھا جس کے نتیجے میں فلائٹ کچن میں ہونے والی سرگرمیاں بڑی حد تک ماند پڑ گئی تھیں اور ہر شخص متجسّسانہ انداز میں سن گن لینے کے لیے کوشاں تھا۔
جابر خان کی آمد پر پتا چلا کہ پہلے ائرگارڈ کا نام منظور تھا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی سوال جواب کرنے کی زحمت نہیں کی۔ منظور نے مجھے جابر کی تحویل میں دیا اور خود انٹر کام کی طرف چلا گیا۔ شاید وہ جہاز کے کپتان کو صورتِ حال سے آگاہ کر کے مشورہ لینا چاہتا تھا۔
جہاز پینتیس ہزار فٹ کی بلندی پر سیکڑوں میل فی گھنٹا کی رفتار سے اپنی منزل کی جانب محوِ پرواز تھا۔ جہاز میں جیٹ انجنوں کا دھیما مگر مسلسل اور یکساں شور گونج رہا تھا۔ مسافر جہاز میں شروع ہونے والے بدترین بحران سے بے خبر' سفر سے محظوظ ہونے کی کوششوں میں مصروف تھے مگر عملے کے اراکین کے چہروں سے مسکراہٹیں رخصت ہو چکی تھیں اور ان میں سے ہر ایک کے قیاسات کی سنگینی' اس کی پیشانی پر نمودار ہونے والی شکنوں کی تعداد سے بہ آسانی ناپی جا سکتی تھی۔ وہ صورتِ حال میرے لیے سب سے زیادہ اعصاب شکن تھی کیونکہ ایک طرف مجھے ترپاٹھی کے ناپاک عزائم کو ناکام بنانا تھا تو دوسری طرف اپنی ذات کو بھی ہر قسم کے شکوک وشبہات سے ماورا رکھنا تھا۔
چند ہی منٹ کی قلیل سی مدت میں' منظور جہاز کے کپتان سے اپنے کسی منصوبے کی منظوری لے آیا۔
"تم اس پر نگاہ رکھو!" منظور سپاٹ اور سرگوشیانہ آواز میں ائرگارڈ جابر خان سے مخاطب ہو گیا "میں آگے جا رہا ہوں ادھر ایک مشتبہ مسافر موجود ہے۔" پھر وہ ریاض کی طرف مڑ گیا "تم میرے پیچھے آؤ گے۔ میرے ایما پر وہ آدمی جوس یا سافٹ ڈرنک کی فرمائش کرے تو اس کے گلاس میں اوزی کا ڈوز ون ملا لانا۔ اُس کے ٹُن ہوتے ہی میں اُس کی جامہ تلاشی لے ڈالوں گا۔ کچھ نہ ملا تو ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ کر قریب سے اس کی نگرانی کرتے رہیں گے۔ کچھ برآمد ہوا تو پھر میں وہیں' کچن سے اس کی بے ہوشی کا اعلان کرا دوں گا۔ آخری دو قطاروں کی نشستیں خالی کرا کے ہم اسے پیچھے لے آئیں گے اور پھر کراچی پہنچنے تک وہ ہوش میں نہیں آسکے گا۔ جہاز میں بہت سی جگہیں خالی ہیں۔ پیچھے والے دس' بارہ مسافروں کو آگے لانے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔"
"اوکے!" جابر خان کا چہرہ گمبھیر تھا۔ ریاض صرف سر ہلا کر رہ گیا۔
میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ اوزی کے ڈوز ون سے منظور کی مراد کسی خواب آور دوا کی ہلکی مقدار سے تھی۔ ان حالات میں وہی ترکیب سب سے زیادہ مؤثر اور کارگر ثابت ہو سکتی تھی۔ بصورت دیگر ترپاٹھی پورے جہاز کے مسافروں کے لیے وحشت اور سراسیمگی کی علامت بن سکتا تھا۔
منظور تیز قدموں کے ساتھ داہنی راہداری میں بڑھتا چلا گیا۔ ریاض اس سے چند قدم پیچھے تھا۔
"تم انفارمر ہو یا ہائی جیکر کے ساتھی؟" چند ثانیوں بعد جابر خان نے مجھ سے پوچھا۔
"انفارمر!" میں نے سرگوشی کی "اجازت ہو تو میں بیٹھ جاؤں؟"
اس نے سر ہلا کر اجازت دیتے ہوئے کہا "یہ یاد رکھنا کہ ڈراپ سین ہونے سے پہلے اپنی جگہ سے ذرا بھی ہلے تو میں بے دریغ تمہیں شوٹ کر دوں گا' ہم لوگ ہر طرف آنکھیں ہی آنکھیں رکھتے ہیں۔"
وہ دیوہیکل ڈی سی ٹین تھا اور میں اس کی دُم کے سرے پر' آخری قطار میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارے آگے اس قدر وسیع کیبن پھیلا ہوا تھا کہ پیچھے بیٹھ کر آگے کا جائزہ لینا ممکن نہیں تھا۔ منظور اور ریاض میری نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ وقت بہت دھیمے دھیمے سرک رہا تھا اور میں آگے کی صورتِ حال کے بارے میں صرف اندازہ ہی لگا سکتا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا تھا۔
کچن سے آنے والی' برتنوں اور ٹرالیوں کی آوازیں یکسر معدوم

ہو چکی تھیں لیکن گرم خانوں سے باہر آجانے والے کھانوں کی تیز خوشبو بتدریج پورے جہاز میں پھیل چکی تھی۔ عملے کو اصل حقیقت کا علم نہیں ہوسکا تھا لیکن شاید کپتان نے اوزی کے پہلے ڈوز کے نتائج برآمد ہونے تک کھانے کی سروس معطل کرادی تھی۔

میں نے بے چینی کے ساتھ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو ان دونوں کو گئے، بمشکل تین منٹ گزرے تھے۔

وقت کی رفتار گویا ایک جگہ تھم کر رہ گئی تھی۔ لمحات تھے کہ گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ اس وقت تک صحیح صورتِ حال کا علم منظور، جابر خان اور ریاض کے علاوہ، عملے کے کسی فرد کو نہیں تھا۔ کپتان سے اگر منظور نے بات کی تھی تو اس کو بھی اس صف میں شامل کیا جاسکتا تھا۔ عملے کے بقیہ اراکین نے اپنے تجربے کی بنا پر کسی خرابی کا اندازہ لگالیا تھا لیکن بقیہ مسافر پورے قصے سے یکسر لاعلم تھے۔ ان کی فرمائشوں، چہل پہل اور باتھ روم کی طرف آمدورفت کا سلسلہ حسبِ معمول جاری تھا۔ میرے قریب سے گزرنے والوں کو بھی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ میں اس وقت ایک ائرگارڈ کی کڑی اور مسلح تحویل میں تھا۔

غزالہ اور سلطان شاہ کو یقیناً معلوم تھا کہ جہاز میں ایک خطرناک دہشت گرد موجود تھا جو کسی بھی وقت جہاز کو ہائی جیک کرنے کی کوشش کرسکتا تھا لیکن وہ دونوں بھی اس بارے میں میری انسدادی کوششوں کی نوعیت سے بالکل بے خبر تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ان دونوں میں سے کسی نے بھی پیچھے آکر یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ میں کن حالات سے دوچار تھا۔ ایک اعتبار سے ان کی وہ احتیاط درست ہی تھی کہ جہاز کے عملے میں موجود کسی بھی فرد کو میرے ساتھیوں کا خیال نہیں آسکا تھا۔

پھر اچانک ہی طیارے کے پیجنگ سسٹم پر ایک بھاری مردانہ آواز گونجنے لگی۔ اس کے تعارفی فقروں سے پتا چلا کہ وہ جہاز کا کپتان تھا۔

وہ مسافروں کو ہدایت کررہا تھا کہ پرواز کے غیر متوقع طور پر ناہموار ہونے کے خطرے کے پیشِ نظر تمام مسافر اپنی یا قریب ترین خالی نشستوں پر بیٹھ کر، اپنے حفاظتی بند باندھ لیں اور اگلے اعلان تک جہاز کی راہداریوں میں نقل و حرکت سے گریز کریں۔

مسافروں کا شکریہ ادا کرکے وہ آواز معدوم ہوئی تو میں دل ہی دل میں، جہاز کے عملے کی ہوشیاری کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ مشتبہ شخص کی کسی متوقع مزاحمت سے نمٹنے کے لیے راہداریوں وغیرہ کا صاف رہنا ضروری تھا۔ کھانے کی ٹرالیوں کی گردش کے التوا کے بعد وہ اعلان بہت برمحل بلکہ ضروری تھا۔ جس کے نتیجے میں مسافروں نے فوری طور پر اپنے کپتان کی ہدایات پر عمل کرنا شروع کردیا۔ دھات کے بکلوں کی کھٹاکھٹ کے بعد طیارے کی فضا میں کافی حد تک خاموشی پھیل گئی اور جیٹ انجنوں کی گونج کا صوتی تسلسل نمایاں ہوگیا۔

مزید دس منٹ گزر گئے۔ بے یقینی کے خوف اور سنسنی نے میرے اعصاب پر اثرانداز ہونا شروع کردیا تھا۔ طیارہ کسی بھی موسمی جھٹکے سے دوچار ہوئے بغیر بدستور سبک رفتاری کے ساتھ پرواز کررہا تھا۔ آخر ایک بار پھر طیارے کے کپتان کی آواز سنائی دینے لگی۔

وہ کہہ رہا تھا "خواتین و حضرات! آپ کے جہاز کا کپتان ایک مرتبہ پھر آپ سے مخاطب ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے ایک مسافر کی طبیعت کچھ بگڑ گئی ہے اور وہ نیم بے ہوشی کی حالت سے دوچار ہے۔ اس وقت ہمارے ساتھ ہماری ائرلائن کے ایک ماہر بھی سفر کررہے ہیں جو پوری تندہی کے ساتھ بیمار مسافر کی دیکھ بھال کررہے ہیں۔ آپ لوگ پورے اطمینان سے اپنی نشستوں پر بیٹھے رہیں۔ تاہم ہنگامی ضرورت کے پیشِ نظر، آخری دو قطاروں کے مسافروں سے التماس ہے کہ وہ عملے کی مدد سے اگلے حصے کی خالی نشستوں پر منتقل ہوجائیں تاکہ مریض کو جہاز کے پچھلے حصے میں منتقل کرکے یکسوئی سے اس کی دیکھ بھال کی جاسکے۔ ہم اس ایمرجنسی میں آپ کے تعاون کے طلب گار ہیں اور کسی بھی زحمت کے لیے معذرت خواہ ہیں، شکریہ!"

اردو کے بعد وہی اعلان انگریزی میں دُہرایا جانے لگا۔ اس وقت میرا دل پوری قوت کے ساتھ کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔ ترپاٹھی کو جہاز کے پچھلے حصے میں لانے کی تیاریاں شروع ہوچکی تھیں جن کا مطلب تھا کہ منظور نے جامہ تلاشی کے نتیجے میں، اس کے قبضے سے کوئی مہلک ہتھیار یا دوسرا تخریبی مواد برآمد کرلیا تھا اور میری کوشش رائیگاں نہیں گئی تھی۔ کپتان نے دانش مندی کے ساتھ اس متوقع ہائی جیکر کو ایک مریض کا روپ دے کر صورتِ حال کو سنبھال لیا تھا۔ اس نے مریض کی دیکھ بھال کے لیے ڈاکٹر کے بجائے ائرلائن کے ماہر کا ذکر کرکے جھوٹ بولنے سے بھی گریز کیا تھا کیونکہ منظور اپنے پیشے کے اعتبار سے واقعی ایک ماہر ائرگارڈ تھا۔ اس نے نہایت سکون اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس خوفناک ہنگامی صورتِ حال کا انسداد کیا تھا۔

جہاز کے عملے کے اراکین، پچھلی نشستوں کے مسافروں کو آگے کی خالی نشستوں پر منتقل ہونے میں مدد دے رہے تھے۔ مسافروں میں شروع ہونے والی دبی دبی سرگوشیوں نے ایک گونج کی صورت اختیار کرلی تھی جس نے عارضی طور پر جہاز کے انجنوں کے شور کو بھی دبالیا تھا۔

چند منٹ کے بعد بے ہوش ملزم کو سبک سے اسٹریچر پر ڈال کر پیچھے لے آیا گیا۔ اس کے پورے بدن پر کمبل ڈال دیا گیا تھا۔ جہاز کے عملے نے تصرف میں موجود، درمیانی چار نشستوں کے دستے اوپر اٹھاکر، اس حصے کو بستر کی صورت دی گئی اور پھر گنجے سر اور سفید داڑھی والے ترپاٹھی کو اسٹریچر سے اس عارضی بستر پر لڑھکا دیا گیا۔ منظور کے ہاتھ میں ایک بریف کیس اور شاپنگ بیگ موجود

تھا۔ شاید وہ دونوں چیزیں ترپاٹھی کی ہی ملکیت تھیں اور میں اُن کے بارے میں متجسس تھا۔
وہ منتقلی مکمل ہوتے ہی، کچن کے پردے سرکائے گئے اور کھانے کی ٹرالیاں راہداریوں میں نکل آئیں۔ جہاز کے اگلے حصے میں بھی، پھرتی کے ساتھ اسی عمل کا آغاز کیا جا چکا تھا۔
مسافروں کا ذہن بے ہوش ترپاٹھی کی طرف سے ہٹانے اور انہیں، ان کی اپنی نشستوں پر مصروف رکھنے کے لیے وہ ایک بہترین حکمت عملی تھی۔ مجھے ماننا پڑا کہ اس جہاز کے عملے کے اراکین کسی بھی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے کی بہترین صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔
منظور نے اوپر کے ایک مقفل خانے سے المونیم کی مضبوط ہتھکڑیاں وغیرہ نکال کر جابر خان کی مدد سے ترپاٹھی کے ہاتھ اس کی پشت پر کر کے، ان میں ہتھکڑیاں لگائیں پھر اس کے پیروں میں بھی المونیم ہی کی بیڑیاں ڈال کر اس کے پورے بدن کو اچھی طرح کمبلوں سے ڈھانک دیا تاکہ کوئی اور ان زیورات کو نہ دیکھ سکے۔
"اس کے یہاں لائے جانے کا مطلب ہے کہ یہ مسلح تھا؟" موقع پاتے ہی میں نے منظور کو چھیڑا۔
منظور نے اپنی جیب سے ایک مہیب ریوالور نکال کر جابر خان کی طرف بڑھا دیا اور بولا "اس کی جیب سے اعشاریہ تین دو کا یہ بھرا ہوا ریوالور برآمد ہوا تھا اور ایک قلم نما پستول بھی تھا۔"
"اور اس کا دستی سامان!" جابر خان نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔
"اسے اب دیکھنا ہوگا" منظور نے بریف کیس اور شاپنگ بیگ ترپاٹھی کے بدن پر رکھتے ہوئے کہا "ویسے اس پستول ہی کی بنا پر اس کا خانہ خراب کیا جا سکتا ہے۔ دورانِ پرواز دوسرے مسافروں کے تحفظ کے لیے ہم نیک نیتی کے ساتھ کسی کے ساتھ زیادتی کر بیٹھیں تو اس پر باز پُرس نہیں ہو سکتی۔" آخری فقرے اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہے تھے اور اس میں سب سے زیادہ زور نیک نیتی پر تھا۔
ترپاٹھی کے بریف کیس میں دیگر سامان کے علاوہ تین خطرناک اشیا بھی موجود تھیں۔ ان میں سگریٹ کیس کی شکل کا ایک پلاسٹک بم تھا۔ دوسرا خنجر جیسی دُہری اور تیز دھار والا چاقو تھا جس کا پھل تین انچ لمبا تھا۔ اس چاقو کا پھل بٹن دبانے پر لکڑی کے وزنی خول سے اچھل کر باہر آتا تھا۔ اور تیسری ایک بڑی شیشی تھی جس میں کسی شفاف سیال میں ہلکے بادامی رنگ کے چند بے ہنگم ڈلے پڑے ہوئے تھے۔ پہلے وہ دونوں اس شیشی کی نوعیت کو نہیں سمجھ سکے مگر ان کی آنکھوں سے شبہات جھلک رہے تھے۔ پھر منظور نے شیشی کا ڈھکن کھول کر اسے سونگھا تو وہ ...... بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا اور اس نے شیشی دوبارہ بند کر دی۔
"مٹی کا تیل ہے" اس نے جابر خان کو آگاہ کیا "مجھے یقین تھا کہ یہ کوئی بے ضرر چیز نہیں ہو سکتی۔"
"لیکن اس کے اندر کیا پڑا ہوا ہے؟" میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔
"سوڈیم!" وہ آہستگی سے بولا "اصل خطرناک چیز یہی ہے۔ مٹی کا تیل اسے محفوظ رکھنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ واقعی کوئی بہت تجربے کار اور گھاگ دہشت گرد معلوم ہوتا ہے۔"
"لیکن سوڈیم تو لوہے، تانبے اور سونے کی طرح ایک قدرتی دھات ہوتی ہے" میں نے اپنی الجھن کا اظہار کیا۔
"ہاں! لیکن یہ دنیا کی واحد دھات ہے جو فضا کے عام درجۂ حرارت پر آکسیجن ملتے ہی تیزی سے جل اٹھتی ہے۔ اسی وجہ سے اسے آکسیجن سے بچانے کے لیے مٹی کے تیل میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔ یہ شیشی ٹوٹتے ہی سوڈیم آگ پکڑ لیتا اور پورے کاک پٹ کو جلا کر خاکستر کر سکتا تھا۔"
"لیکن یہ سب چیزیں سیکیورٹی سے کیسے بچ گئیں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔
"غیر روایتی ہتھیاروں کے معاملے میں چُوک ہو ہی جاتی ہے۔ پلاسٹک بم میں دھات نہیں ہوتی۔ ایکسرے مشین پر اسے سگریٹ کیس سمجھ لیا گیا ہوگا۔ چاقو کو بھی قلم تراش کہہ کر چھوڑا جا سکتا ہے اور سوڈیم کو تو کوئی بہت زیادہ تجربے کار شخص ہی پہچان سکتا ہے۔ چالاک مجرم، جدید ترین آلات کو عام طور پر اپنے تجربے سے ہی مات دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے آلات پر سو فیصد انحصار نہیں کیا جاتا" منظور کا رویہ دوستانہ ہو چلا تھا۔
"لیکن دو عدد پستول تو پکڑے جا سکتے تھے" میں نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔
"سیکیورٹی آفیسر اناڑی یا ناتجربے کار ہو تو پین پسٹل سے عموماً دھوکا کھا جاتا ہے البتہ بڑے ریوالور کا مسئلہ خطرناک ہے۔ اسے کسی کی ملی بھگت کے بغیر اندر نہیں لایا جا سکتا تھا۔ بہرحال یہ غنیمت ہے کہ تمہاری نشان دہی کی وجہ سے ہم کوئی بڑی واردات رونما ہونے سے پہلے اسے پکڑ لینے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے قبضے سے جو سازو سامان برآمد ہوا ہے، اس کی بنا پر یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ ہائی جیکنگ کے ارادے سے اس جہاز پر سوار ہوا تھا۔ اب کراچی ایئرپورٹ پر تمہارے بیان کے بعد ہم اسے بری طرح اپنے چنگل میں جکڑ لیں گے۔"
"میں بتا چکا ہوں کہ میں اپنی پیشہ ورانہ مجبوریوں کی وجہ سے اپنی شناخت ظاہر نہیں کر سکتا، اس لیے مجھے پسِ پردہ ہی رہنے دو۔ میں کوئی بیان نہیں دینا چاہتا۔"
"لیکن ہمیں کچھ نہ کچھ تو بتانا ہی ہوگا کہ ہمیں اس مسافر پر کیوں ہاتھ ڈالنا پڑا؟"
"اپنے شبہات کی بنا پر بھی تم کارروائی کر سکتے ہو۔ بلکہ یہ تمہارے لیے زیادہ اعزاز کی بات ہوگی۔"

پھر ترپاٹھی کے پاسپورٹ کی ورق گردانی کی باری آئی تو پتا چلا کہ اس کا پورا نام بی ایل ترپاٹھی تھا۔ پیشے کے خانے میں اسے ہومیو پیتھک ڈاکٹر ظاہر کیا گیا تھا۔ مستقل پتا بنگلور کا تھا۔ اس کے بھارتی پاسپورٹ پر بہت زیادہ غیر ملکی ویزے نہیں تھے وہ صرف تین بار ہانگ کانگ آیا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے پاسپورٹ پر پاکستان میں تین ماہ قیام کا نیا ویزا لگا ہوا تھا۔ غالباً پی آئی اے کی کراچی جانے والی کسی بھی پرواز کا ٹکٹ خریدنے کی ضرورت کے پیش نظر اس نے وہ ویزا لگوالیا تھا۔ میری معلومات کے مطابق ہانگ کانگ سے پاکستانی ویزا جاری نہیں کیا جاتا تھا اس لیے ترپاٹھی نے اپنی ضرورت کے پیش نظر جعلی ویزا لگوایا تھا جو مہروں کے مطابق نئی دہلی کے پاکستانی سفارت خانے سے پندرہ دن پہلے جاری کیا گیا تھا۔

ان شہادتوں کے سامنے آنے سے یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ پاکستان میں متعین بہت سے بھارتی سفارت کار انڈین سیکرٹ سروس کے ایجنٹ تھے اور اس کے تخریبی منصوبوں کو پروان چڑھانے کے لیے پورے پاکستان اور خاص طور پر سندھ میں سرگرم عمل تھے۔ ملا سرکار کے ذریعے بلیک کیٹس کا نام سامنے آیا تھا جو انڈین سیکرٹ سروس کا دہشت گردی کا شعبہ تھا۔ اور پھر ویرا سے معلوم ہوا کہ شری مان سنگھ انڈین سیکرٹ سروس کے ریسرچ اینڈ اینالے سس ونگ یارا کے لیے کام کر رہا تھا۔ ان کے شعبوں کے نام کچھ بھی رہے ہوں، وہ لوگ پاکستان کی سلامتی اور استحکام کو تباہ کرنے پر تُلے ہوئے تھے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے شی جیسی رسوائے زمانہ تنظیم سے مدد لینے سے بھی گریز نہیں کر رہے تھے۔ میری اور ویرا کی دوستی کی وجہ سے ان کے کئی منصوبے بری طرح ناکام ہو چکے تھے، ملا سرکار اور شانتی سے لے کر شری مان سنگھ تک ان کے متعدد بہترین کارکن ہمارے ہاتھوں جہنم واصل ہو چکے تھے۔ اس لیے میں ان کا اہم ترین ہدف بن کر رہ گیا تھا۔ جب وہ غزالہ کو اغوا کر کے بھی مجھے زیر نہ کر سکے تو اب ان کے کارندے، ترپاٹھی نے پورے جہاز کو ہائی جیک کر کے مجھے بھارت لے جانے کا منصوبہ بنایا تھا، یہ ان کی بدقسمتی تھی یا میری خوش بختی کہ اس بار بھی انہیں منہ کی کھانی پڑی تھی۔

میرے معاملے میں وہ لوگ جتنی بار اپنے زخموں کا مداوا کرنے کی کوشش کرتے تھے، اتنی ہی بار انہیں نئے زخموں کو چاٹنا پڑتا تھا۔ کراچی میں قائم، بھارتی قونصلیٹ کے ذریعے غزالہ کو بھارت لے جائے جانے میں شری مان سنگھ نے کلیدی کردار ادا کیا تھا اور اسے نہایت بے رحمی کے ساتھ فضا سے سمندر کی خونی موجوں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ دوسرا نام ترپاٹھی کا تھا جو غزالہ کو مس ترپاٹھی کے نام سے اپنے ہمراہ لے کر نئی دہلی سے ہانگ کانگ پہنچا تھا۔ ہانگ کانگ اور پھر مکاؤ میں ڈون کے ساتھ الجھنے کی وجہ سے ہم لوگ ترپاٹھی کو بالکل ہی فراموش کر بیٹھے تھے لیکن اس کی شامت نے اسے گھیر گھار کر ہمارا ہم سفر بننے پر مجبور کر دیا تھا اور اب وہ ہمارے سامنے بے بس پڑا ہوا تھا۔

"یہ ائر سیکیورٹی کی تاریخ کا شاید پہلا واقعہ ہے کہ کسی مسافر کی نشان دہی پر کوئی فضائی قزاق واردات کے ارتکاب سے پہلے پکڑا گیا ہو" پوری کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد منظور نے اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا "میں اب بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تمہیں اس پر کیسے شبہ ہوا؟"

"شبہ نہیں ہوا بلکہ مجھے پورا یقین تھا کیونکہ میں اس دہشت گرد کو اس حلیئے میں پہچانتا ہوں جو اس کی پاسپورٹ پر لگی ہوئی تصویر سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اس واردات کے لیے ترپاٹھی نے اپنے حلیئے میں نمایاں تبدیلیاں کی ہوئی تھیں پھر بھی وہ میری نگاہوں سے نہیں بچ سکا۔ اس کے حلیئے کی تبدیلی سے ہی مجھے یقین ہوگیا تھا کہ اس کے ارادے نیک نہیں تھے۔"

"اور تمہارے بیان کے مطابق یہ انڈین سیکرٹ سروس کا تربیت یافتہ دہشت گرد ہے۔"

"یہ حقیقت ہر شبہ سے بالاتر ہے" میں نے پورے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔

اس کی ٹٹولنے والی نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں "اس کا مطلب ہے کہ تم بھی پاکستان کے کسی خفیہ ادارے سے تعلق رکھتے ہو۔ آرمی؟ نیوی یا ائر فورس؟"

"میرا ان میں سے کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اپنی سہولت کے لیے تم مجھے ایک فرض شناس پاکستانی سمجھ سکتے ہو۔"

"پھر تمہاری خفیہ شناخت کو کس خانے میں فٹ کیا جائے گا؟" وہ بہت سنجیدہ تھا۔

"وہ خفیہ ہے، اسے خفیہ ہی رہنے دو!" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اجازت ہو تو میں اپنی نشست پر واپس چلا جاؤں؟ یہاں میرا کام شاید ختم ہو چکا ہے اور مجھے بھوک بھی لگ رہی ہے۔"

"میں تمہیں روکنا نہیں چاہتا" میرے ساتھ وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا "ویسے تم چاہو تو میں تمہارے لیے یہیں کھانا منگوائے دیتا ہوں۔ جو کچھ چاہو گے، وہ مل جائے گا۔"

میں نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور اُس نے نہایت تپاک کے ساتھ ہاتھ ملا کر مجھے رخصت کر دیا پھر ریاض اور جابر خان نے بھی ممنونیت سے لبریز انداز میں مجھے الوداع کہا اور میں اپنی سیٹ کی طرف چل دیا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ بی ایل ترپاٹھی کو غزالہ نے ہی شناخت کیا تھا لیکن اس کے بعد کے تمام اندازے میرے اپنے تھے جو پوری طرح درست ثابت ہوئے تھے۔ اس تجربے سے گزرتے ہوئے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ فضا میں ہزاروں فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے مسافروں کے لیے کسی بھی حادثے کا تصور کس

قدرِ وحشت ناک ثابت ہوتا ہے۔ وہ تو غنیمت تھا کہ عملے کے گنے چنے ارکان کے علاوہ، دوسروں کو اس قضیئے کی بھنک بھی نہیں ملی تھی ورنہ جہاز میں وہ کہرام برپا ہوتا کہ اس پر قابو پانا ناممکن ہو کر رہ جاتا۔ مسافروں کے ذہنوں پر پہلی وحشت جہاز کی تباہی کی ہوتی جس کے نتیجے میں کسی ایک فرد کا بھی بچنا محال ہوتا ہے۔ اتنی بلندی پر حادثہ ہو تو نہ صرف لاشوں کے اعضا چیتھڑوں کی صورت میں بکھر جاتے ہیں بلکہ جل کر کوئلہ بھی ہو جاتے ہیں اور حادثہ ٹل جائے تو ہائی جیکروں کی بالادستی کے نتیجے میں مسافروں کو قید، بے یقینی اور بھوک پیاس کی جن ہولناک اذیتوں سے گزرنا پڑتا ہے اس کا مبہم سا تصور ہر فضائی مسافر کے لاشعور میں موجود رہتا ہے جو کوئی منفی امکان پیدا ہوتے ہی لرزہ خیز آسیب کا روپ دھار لیتا ہے۔

میری پیش بینی کی بنا پر اس پرواز کے مسافران وحشت ناک تجربات سے صاف بچ نکلے تھے۔

میں اپنی نشست پر پہنچا تو غزالہ کے ساتھ سلطان شاہ بھی میری طرف سے پریشان تھا۔ جہاز میں ہونے والی کارروائیوں سے انہوں نے یہ اندازہ تو لگالیا تھا کہ تریاٹھی کے ستارے گردش میں آگئے تھے لیکن میری طویل ہوتی ہوئی غیر حاضری ان کے لیے تشویش کا باعث بنی ہوئی تھی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم صحیح سلامت واپس لوٹ آئے!" غزالہ نے مجھے دیکھتے ہی ایک گہرا سانس لے کر کہا "مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم بھی کسی چکر میں نہ پھنس گئے ہو، اُس گنجے کا کیا بنا؟"

"وہ خواب آور دوا کے زیرِ اثر بے ہوش ہے۔ احتیاطاً اسے بے بس بھی کردیا گیا ہے۔ اب کراچی میں حکام کی باضابطہ قید میں پہنچنے سے پہلے اسے ہوش میں نہیں آنے دیا جائے گا۔"

"لیکن ہوا کیا؟ اسے کسی مزاحمت کے بغیر کیسے قابو مین کرلیا گیا؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"مجھے ائرگارڈز کو اپنا ہم نوا بنانے میں تھوڑی سی دقت پیش آئی۔ اس سے آگے تمام کام بہت سرعت اور آسانی کے ساتھ ہوتا چلا گیا۔ اسے کسی مشروب میں خواب آور دوا ملا کردی گئی تھی۔"

"کسی مسافر کی نیم بے ہوشی کا اعلان سنتے ہی مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ تریاٹھی ہوگا" سلطان شاہ نے فخریہ لہجے میں کہا "ہمارا ہانگ کانگ کا مشن دراصل اب مکمل ہوا ہے۔"

جہاز کے عقبی حصے میں ائرگارڈز کے ساتھ میری موجودگی کی وجہ سے جہاز کے عملے نے اندازہ لگالیا تھا کہ ان واقعات میں میرا کوئی اہم کردار تھا۔ اس لیے ہم تینوں کو نہایت اہتمام کے ساتھ کھانا دیا گیا لیکن کسی بھی ائرہوسٹس نے اس بارے میں کوئی سوال کرنے کی حماقت نہیں کی۔

صورتِ حال پوری طرح قابو میں کی جاچکی تھی۔ اس لیے کھانے کے دوران میں ہی اگلے حصے سے جہاز کا کپتان نمودار ہوا اور ہلکی سی خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ پیچھے بڑھتا چلا گیا۔ کھانے کے آخری مرحلے پر جب چائے اور کافی کا دور چل رہا تھا تو اس کی واپسی ہوئی۔ اسٹیوارڈ ریاض اس کے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا۔ وہ دونوں ہی میرے پاس رک گئے پھر کپتان نے میری سیٹ کی پشت گاہ پر ہاتھ رکھ کر میرے قریب جھکتے ہوئے میری مزاج پُرسی کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔ چند منٹ تک گول مول فقروں میں میری فرض شناسی اور کارکردگی کی تعریفیں کرتا رہا اور آخر کار مجھے کاک پٹ میں آنے کی دعوت دیتا ہوا واپس چلا گیا۔

غزالہ اور سلطان شاہ کے ذہنوں میں متعدد سوالات مچل رہے تھے۔ میں چائے نوشی کے دوران میں، مزے لے لے کر اُن کے سوالات کے جواب دیتا رہا لیکن میرے ذہن میں آنے والے واقعات کا خاکہ مرتب ہو رہا تھا۔

یہ امر لازمی تھا کہ ہمارے طیارے کا کپتان کراچی کے کنٹرول ٹاور کی حدود میں داخل ہوتے ہی انہیں پوری صورتِ حال سے باخبر کردیتا اور جب طیارہ لینڈنگ کے بعد رکتا تو رن وے پر تریاٹھی کے استقبال کے لیے اعلیٰ حکام سمیت پولیس اور ائرپورٹ سیکیورٹی فورس کی بھاری نفری موجود تھی۔ ابتدائی تفتیش کے بعد تریاٹھی کو شاید اس علاقے کی پولیس کی تحویل میں دے دیا جاتا لیکن میں جانتا تھا کہ وہ اصل میں آئی ایس آئی یا انٹر سروسز انٹیلی جنس کا کیس تھا۔ وہی لوگ تریاٹھی کی زبان سے سچ اگلوا سکتے تھے۔ وہ ایک بار آئی ایس آئی کی تحویل میں چلا جاتا تو اس امر کا بھی قوی امکان تھا کہ کسی مرحلے پر اسپیشل ٹاسک فورس والوں کو بھی شریک کرلیا جاتا کیونکہ غیر سرکاری طور پر وہ لوگ ملا سرکار اور شری مان سنگھ کے معاملات میں پوری طرح ملوث رہے تھے۔

دشمن کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اسے ایسی جگہ مارا جائے جہاں پانی بھی نہ ملے مگر ہمارے بھارتی حریفوں کے معاملے میں یہ محاورہ بالکل غلط ثابت ہو رہا تھا۔ دریائے سندھ میں اباسین نامی جہاز سے کی جانے والی، منظم اور تباہ کن کارروائیوں کے نتیجے میں ملا سرکار نے اپنی اسپیڈ بوٹ سکھر کے پُل کے ایک ستون کی سنگلاخ بنیاد سے ٹکرادی تھی اور اس کی لاش کے چیتھڑے دریائے سندھ کے ستھرے اور میٹھے پانی میں دور تک بکھر گئے تھے۔ پھر شری مان سنگھ کا وقت پورا ہوا تو اسے بحیرۂ عرب کا نمکین اور بھاری پانی نصیب ہوا جو انسانی لاشوں کو زیادہ دیر تک اپنے سینے میں چھپائے رکھنے کی صلاحیت سے محروم تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ تریاٹھی کا مدفن کہاں قرار پاتا تھا۔ میری دانست میں تو وہ کسی گٹر یا گندے جوہڑ کا ہی مستحق تھا۔

جب ہمارا جہاز بھارتی علاقے پر سے گزر رہا تھا تو میں کپتان کی دعوت کے احترام میں اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک ائرہوسٹس کے ساتھ جہاز کے کاک پٹ میں جا پہنچا۔ نیچے سے اوپر تک، سیکڑوں روشن ڈائل اور متحرک سوئیاں نہایت مرعوب کن انداز میں جہاز

کے انجنوں اور دیگر حصوں کی کارکردگی ظاہر کررہی تھیں۔ اس پیچیدہ نظام میں کپتان اور اس کا معاون مشینی روبوٹس کی طرح نظر آرہے تھے۔ کپتان نے اپنا ہیڈ فون اتار کر بڑی گرم جوشی کے ساتھ مجھے خوش آمدید کہا لیکن اس حساس اور گنجلک کاک پٹ کے لوازم دیکھتے ہی مجھ پر دہشت سوار ہونے لگی تھی۔ مجھے پہلا خیال یہ آیا کہ اگر میں نے بے دھیانی میں کسی غلط بٹن یا لیور کو چھیڑ دیا تو جہاز پر کوئی آفت بھی نازل ہوسکتی تھی۔ میں کپتان سے مختصر سی گفتگو کرکے فوراً ہی واپس لوٹ آیا۔

بقیہ سفر کسی ہنگامے کے بغیر نہایت سکون سے گزر گیا۔ کھانے کے برتن سمیٹے جانے کے بعد جہاز کی اندرونی روشنیاں دھیمی کردی گئی تھیں اور بیشتر مسافر ستانے میں مصروف ہوگئے تھے۔ تمباکو نوشی کے عادی مسافر دل کھول کر دھواں اُڑا رہے تھے اور جہاز کا عملہ مسافروں سے فرداً فرداً ڈیوٹی فری خریداری کے بارے میں فرمائشیں نوٹ کررہا تھا تاکہ ڈیوٹی فری سیل کا آغاز ہو تو ٹرالیوں میں مطلوبہ سامان وافر مقدار میں موجود ہو اور خریدار انتظار کیے بغیر اپنی پسند کی اشیا لے سکیں۔

ان ہی چھوٹی چھوٹی مصروفیات میں وقت گزرتا رہا اور پھر جہاز میں کراچی پہنچنے کا خوشگوار اعلان گونجنے لگا۔

○☆○

فلیٹ کی چابی میرے پاس موجود تھی لیکن ہضمی قفل کھولنے کے بعد بھی دروازے نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی تو غزالہ منہ بنا کر بولی "معلوم ہوتا ہے کہ ویرا خانم اندر استراحت فرما رہی ہیں۔"

میں نے زینوں میں لگے ہوئے بلب کی مدھم روشنی میں اسے گھورا اور آہستہ سے کہا "اس کے سامنے ایسی کوئی جلی کٹی بات نہ کرنا۔ تم اس کی تنگ دلی کا خمیازہ دوبار بھگت چکی ہو۔ میں یہ نہیں چاہوں گا کہ تم دونوں کے درمیان تیسری بار بھی تلخیاں جنم لیں۔"

"میں نے اس سے کوئی شکوہ نہ کیا تو وہ میرے غیر فطری ردِعمل سے چونک جائے گی۔ اسے تھوڑی بہت خوراک تو دینی ہی ہوگی۔ البتہ میں کوشش کروں گی کہ زیادہ بدمزگی کی صورتِ حال رونما نہ ہو۔"

"بس یہی میں چاہتا ہوں۔ ہمیں اپنے وسیع تر مفادات کے لیے اب بھی اس کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ بنا کر رکھنے میں ہم فائدے میں رہیں گے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا پھر ڈوربیل کے بٹن پر ہولے سے انگلی رکھ کر ہٹالی۔ فلیٹ کی محدود فضا میں گھنٹی کی آواز گونجی۔ چند ثانیوں تک اندر سکوت چھایا رہا پھر قدموں کی چاپ کے ساتھ ہی ویرا کی خوابناک آواز میں استفسار سنائی دیا۔

"کون ہے؟" وہ اردو میں پوچھ رہی تھی۔

"پردیس سے تمہارے دوست آئے ہیں' دروازہ کھولو!" میں نے جواب دیا۔

بولٹ گرنے کی آواز کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے اس لیے ویرا کے بدن پر شب خوابی کا لباس نظر آرہا تھا۔ اُس کے بال قدرے بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے' خوبصورت آنکھوں میں خمار کے سرخ سرخ ڈورے تیر رہے تھے جس کی وجہ سے اس کا خداداد حسن کچھ زیادہ ہی نکھرا نکھرا نظر آرہا تھا۔

"اوہ! تو تم واقعی وہاں سے نکل بھاگنے پر تُلے بیٹھے تھے!" اس نے ہم تینوں کو اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے حیرت سے کہا "مجھے تمہاری اتنی جلد واپسی کی امید نہیں تھی۔"

"لمبی کہانی ہے" میں نے اس سے ہاتھ ملا کر اندر داخل ہوتے ہوئے کہا "ہم وہاں سے نکلنے میں ذرا بھی تاخیر کرتے تو ڈون ہمیں کولہو میں پلوا سکتا تھا۔ اس کا مزاج گھڑی میں تولہ اور گھڑی میں ماشہ ہوجاتا ہے۔"

میرے پیچھے غزالہ فلیٹ میں داخل ہوئی تو ویرا نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگالیا۔ غزالہ کا رویّہ نیم دلانہ تھا۔ اس نے کسی جوابی گرم جوشی کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"کیا بات ہے؟ تمہارے ہاتھ پیر تو بالکل ہی ڈھیلے پڑے ہوئے ہیں؟" غزالہ کی سردمہری کو محسوس کرتے ہوئے' ویرا نے اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا "مجھ سے کچھ ناراض معلوم ہوتی ہو؟"

"تو کیا مجھے تمہاری کمر میں ہاتھ ڈال کر ٹوئسٹ ناچنا شروع کردینا چاہیے؟" غزالہ کا لہجہ خشک تھا۔

"میرا خیال تھا کہ میں نے تمہاری آزادی کی بھرپور کوششیں کرکے اپنی جذباتی غلطی کا ازالہ کردیا ہے" ویرا نے اسے چھوڑ کر سلطان شاہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور فلیٹ کا دروازہ دوبارہ بولٹ کردیا۔

"ڈینی کا بھی یہی خیال ہے۔ ان دونوں کے سمجھانے پر میں نے اپنا دل صاف کرنے کی کوشش کی ہے لیکن تم جانتی ہو کہ کسی بھی انسان کا دل مشین کے پُرزے کی طرح نہیں ہوتا جسے حسب خواہش کسی محلول میں دھو کر صاف ستھرا کیا جاسکے۔ تم پر نگاہ پڑتے ہی میرے زخم تازہ ہوگئے ہیں۔"

"خیر' اب اسے بھولنے کی کوشش کرو!" میں نے غزالہ کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا "ویرا اپنی بری عادتوں سے مجبور ہے ورنہ یہ دل کی اتنی بری نہیں ہے۔ اس کی کوششیں نہ ہوتیں تو اس بار تمہیں نئی دہلی والوں کے چنگل سے رہائی نہیں مل سکتی تھی اور پھر ڈون جیسا خونخوار آدمی تمہارے لیے میدان میں اتر آیا تھا۔"

ہم چاروں ہی ٹہلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آبیٹھے۔ ویرا نے اپنی آمد کے بعد فلیٹ کے ہر حصے کو صاف ستھرا رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی کیونکہ فرنیچر کے ساتھ قالین بھی خوب چمک رہا تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ شری مان سنگھ تمہیں دہلی

سمجھا رہے گا" ویرا اپنے رویے پر نادم اور شرم سار نظر آرہی تھی۔ "لیکن تم غور کرو تو اس کے حرامی پن میں بھی اچھائی کی ایک صورت پنہاں تھی۔ یہ واقعات رونما نہ ہوئے ہوتے تو شاید ابھی تک تم دونوں کی شادی کی نوبت نہ آئی ہوتی۔ ایسی زبردستی ڈون جیسا آدمی ہی کرسکتا تھا۔"

ہم چاروں ہی بیک آواز ہنس پڑے اور وہ موضوع وہیں غتربود ہوگیا۔

ویرا کی آنکھوں سے نیند غائب ہوچکی تھی۔ ہم تینوں بھی ایک طویل دن گزارنے کے باوجود زیادہ تکان محسوس نہیں کررہے تھے۔ ڈون کے پھندے سے بچ کر، کراچی پہنچنے کی خوشی نے ہر منفی پہلو ذہن سے محو کردیا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ طویل فضائی سفر کا جیٹ لیگ بھی ہمیں پریشان نہیں کررہا تھا حالانکہ ہمارے ہانگ کانگ کے معمولات کے مطابق صبح کے چار بجنے والے تھے لیکن اپنے گھر میں موجودگی کی طمانیت نے وقت کا وہ فرق بھی مٹادیا تھا۔

غزالہ چائے تیار کرنے کے لیے کچن میں چلی گئی اور ویرا نے متجسس انداز میں مکاؤ اور ڈون کے بارے میں سوالات کی یلغار کردی اور میں پوری احتیاط کے ساتھ اس کے سوالات کے جواب دینے لگا۔

جب ہانگ کانگ سے میں نے آخری مرتبہ ویرا سے فون پر بات کی تھی تو مافیا کا کوئی حوالہ دیے بغیر نیشی کاؤ کے قتل کا ذکر کردیا تھا مگر ویرا نیشی کاؤ کے بارے میں بہت زیادہ باخبر تھی۔ اس نے نیشی کاؤ کا نام سنتے ہی شکاگو اور مافیا کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ اس وقت تک ڈون کا فون نہیں آیا تھا اور ہمیں ہانگ کانگ میں کسی قسم کا کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا اس لیے اس بارے میں ویرا سے کوئی بات کرنے کا جواز ہی نہیں تھا۔

اس سے باتیں کرتے ہوئے اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ ڈون کے ساتھ اس کے خصوصی مراسم تھے۔ بظاہر وہ دونوں ہی ٹی کے وفادار تھے اور ڈون وقتی طور پر ویرا سے ناراض ضرور تھا لیکن کسی بھی وقت ان دونوں میں رابطہ ہوسکتا تھا۔ ڈون کے پاس ہمارے اس فلیٹ کا فون نمبر موجود تھا اور عین ممکن تھا کہ ہانگ کانگ میں البرٹ کم کے قتل اور وہاں سے ہمارے فرار کی خبر پاتے ہی ڈون کا پارہ چڑھ جاتا اور وہ غضب ناک ہوکر ویرا سے رابطے کے لیے فلیٹ فون کرکے اسے گھیر لیتا۔ اگر ہم ان واقعات کو چھپا لیتے اور ڈون کی کہانی ویرا کے لیے سنسنی خیز انکشافات پر مبنی ثابت ہوتی تو ہمارے اور ویرا کے درمیان سنگین بدگمانیاں پیدا ہوسکتی تھیں۔

اس خطرے کو ٹالنے کی بہترین صورت یہی تھی کہ ڈون کا شکایتی فون آنے سے پہلے ہم خود ہی ویرا کو ان تمام واقعات سے آگاہ کردیتے جو ویرا سے فون پر بات ہونے کے بعد ہانگ کانگ میں رونما ہوئے تھے۔

لیکن پورا پورا سچ ہمارے اقبالی بیان کے مترادف ہوتا۔ اس وقت تک ویرا کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ میں اپنی ناگزیر مجبوریوں کی وجہ سے مافیا والوں سے مفاہمت کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ اسے صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ مافیا والے ازخود مجھے ٹی سے تحفظ فراہم کررہے تھے تاکہ میرا دل جیت کر کسی مرحلے پر مجھے اپنا ساتھی بناسکیں۔ اب اگر اسے سچ ہی بتایا جاتا تو وہ فطری طور پر یہ جاننے کی کوشش کرتی کہ اگر نیشی کاؤ کے قتل میں ہمارا کوئی کردار نہیں تھا تو ڈون کی زبان سے اٹلی سے آنے والوں کا ذکر سن کر ہم حواس باختہ کیوں ہوگئے تھے؟ اور وہ بھی اس حد تک کہ ہانگ کانگ سے نکل بھاگنے کے لیے ہم نے ڈون کے ایک قابلِ اعتماد کارکن کو مار ڈالا تھا۔

گفتگو ایک ایسے نازک موڑ پر آچکی تھی کہ وہاں سے بات بگڑ بھی سکتی تھی اس لیے میں نے سوچنے کا وقت حاصل کرنے کے لیے اسکاچ کی طلب کا بہانہ کیا اور بوتل لانے کے لیے وہاں سے اٹھ گیا۔

"میں تمہارے لیے چائے بنارہی ہوں اور تم نے پھر اپنی حرکتیں شروع کردی ہیں!" مجھے کیبنٹ میں مصروف دیکھ کر غزالہ نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"راستے بھر ہماری عقل پر پردے پڑے رہے" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "اب ہم ڈون کی مرضی کے خلاف ہانگ کانگ سے فرار اور البرٹ کم کے قتل کے بارے میں ویرا کو کیا بتائیں گے؟ اسی سوچ بچار کے لیے میں نے اسکاچ کا بہانہ کیا ہے ورنہ مجھے اس کی ذرا بھی خواہش نہیں تھی۔"

"تم!" غزالہ دانت پیس کر رہ گئی "یہ مسئلہ واقعی سنگین ہے لیکن میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ تمہیں شراب کی کوئی خواہش نہ ہو، یہ بات ناقابلِ یقین ہے۔ تمہارا بس چلے تو سوتے ہوئے بھی سائفن سے گھونٹ گھونٹ پیتے رہو۔ دیکھتی ہوں کہ یہ پینے کے بعد تمہاری کھوپڑی کیا گل کھلاتی ہے؟"

"تم بلاوجہ برہم ہورہی ہو" میں نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔ "میں اتنا بدنیت نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہی ہو" یہ کہہ کر میں نے بلیک لیبل کی کھلی ہوئی بوتل، سوڈے کی بوتل، آئس پاٹ، سائفن اور دو گلاس سنبھالے اور غزالہ کے مزید احتجاج سے پہلے ہی، تیزی کے ساتھ کچن سے نکل گیا۔

"یہ کیا اٹھالائے ہو؟" مجھے دیکھتے ہی ویرا نے حیرت سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا سونے کا ارادہ نہیں ہے۔"

"معدے میں ذرا سی گرمی ہو تو کھوپڑی نرم ہوجاتی ہے اور کھل کر نیند آتی ہے" میں نے جلدی جلدی دونوں گلاس تیار کرتے ہوئے کہا "اب تم غزالہ کے ساتھ نہ مل جانا۔"

"یہ دراصل پی آئی اے سے سفر کا نتیجہ ہے" سلطان شاہ نے استہزائیہ لہجے میں کہا "بنکاک سے یہاں تک طویل پرواز میں مسلسل فاقے کے بعد یہ ہوکا ہونا لازمی ہے اور پھر سفر بھی خاصا

تہلکہ خیز رہا کیونکہ شری ترپاٹھی بھی اسی جہاز پر ہمارے ہم سفر تھے۔"

سلطان شاہ کی اس بے وقت کی راگنی پر میرا خون کھول اٹھا۔ ترپاٹھی کا نام لے کر اُس نے ویرا کو بری طرح چونکا دیا تھا اس لیے میں نے غصیلی نگاہوں سے گھورتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ترپاٹھی کی دہشت ابھی تک تمہارے سر پر سوار ہے۔ اول فول بکنے سے بہتر ہے کہ منہ میں تھرمامیٹر لے کر پندرہ منٹ کے لیے سر کے بل کھڑے ہو جاؤ تاکہ دماغ کی طرف بھی کچھ تازہ خون پہنچ سکے۔"

میرے بے رحمانہ تبصرے پر سلطان شاہ بھونچکا ہو کر میرا منہ دیکھتا رہ گیا لیکن اسے خاموش رکھنے کے لیے میری سختی ناگزیر ہو گئی تھی۔ میں فوراً ہی ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ حیرت اور دلچسپی کے ساتھ کہہ رہی تھی "تو آخر ترپاٹھی بھی تم سے ٹکرا ہی گیا۔ کمال ہے کہ تم نے ابھی تک اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"اس نے ہمارے لیے ناقابلِ بیان دشواریاں کھڑی کردی تھیں" میں نے اسکاچ میں تیرتے ہوئے' برف کے ڈلوں پر سائفن سے سوڈے کی دھاریں مارتے ہوئے کہا "ہوسکتا ہے کہ ڈون ہم سے برہم ہو جائے کیونکہ ہم افراتفری کے عالم میں اس سے بات کیے بغیر ہانگ کانگ سے نکلے ہیں۔"

میرے ان فقروں پر سلطان شاہ کا بگڑا ہوا چہرہ فوری طور پر بحال ہو گیا اور وہ گھور اندھیرے سے تیز روشنی میں پھینکے گئے کسی اُلو کی طرح تیزی سے اپنی آنکھیں جھپکانے لگا تھا۔

"ادھوری باتیں نہ کرو!" ویرا اپنا گلاس اٹھاتے ہوئے مضطربانہ لہجے میں بولی "پوری کہانی سناؤ! ڈون بھلا کیوں ناراض ہونے لگا؟ اس نے تو تمہیں مکاؤ سے رخصت کر ہی دیا تھا۔"

میں نے اپنے گلاس سے ایک بڑا گھونٹ اپنے معدے میں منتقل کیا پھر اپنے ذہن میں تیزی کے ساتھ ایک کہانی کا تانا بانا بُنتے ہوئے کہا "تم سے بات ہونے کے بعد ڈون کا فون آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ نیشی کاؤ کی فرم کے دو اعلیٰ افسران اٹلی سے مکاؤ آنے والے تھے۔ وہ دوسرے لوگوں کے علاوہ ہم سے بھی ملنا چاہتے تھے۔ ڈون کی خواہش تھی کہ ہم چند روز کے لیے اپنی روانگی ملتوی کردیں۔ میں نے اس سے وعدہ کرلیا تھا لیکن بعد میں ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ ہم فوراً ہانگ کانگ سے نہ نکلتے تو ترپاٹھی کے ساتھی ہمیں وہیں ذبح کرڈالتے۔"

اسی وقت غزالہ بھاپ اُڑاتی ہوئی چائے کی دو پیالیاں لے کر وہاں آگئی۔ اس نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ ویرا چائے پینے کے بجائے' مے نوشی میں میرا ساتھ دینا پسند کرے گی۔

"یہ ترپاٹھی اچانک کہاں سے آگیا؟ وہ تو غزالہ کو ہانگ کانگ پہنچانے کے بعد واپس جانے والا تھا۔ کم از کم شری مان سنگھ نے مجھے یہی بتایا تھا کہ ایک آدمی غزالہ کو بحفاظت ہانگ کانگ پہنچانے کے بعد نئی دہلی واپس لوٹ جائے گا" ویرا نے بھی تیز گھونٹ لینے کے بعد حیرت سے کہا۔

"غزالہ کو پہنچانے کے بعد وہ خبیث واقعی روپوش ہو گیا تھا۔ آج اچانک ہی اس نے مجھے فون کیا تھا۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ ڈون نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اس نے ہم لوگوں کو ہانگ کانگ میں بے یارومددگار نہیں چھوڑا ہوا ہے بلکہ اس کا کوئی آدمی مسلسل خفیہ حفاظت پر مامور ہے تاکہ ہمیں ہانگ کانگ کے ٹھگ بدمعاشوں سے بچائے رکھے۔ اُس کال کے چند منٹ بعد ترپاٹھی کی کال آئی تھی۔ اس کی باتوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے میری اور ڈون کی گفتگو سنی ہو۔ اس نے کھلے الفاظ میں دھمکی دی کہ ڈون کا راج صرف مکاؤ میں چلتا ہے۔ ہانگ کانگ میں وہ ہمیں ذرا سا بھی تحفظ فراہم نہیں کرسکے گا۔ اس نے کہا کہ وہ ڈون کے آدمی کو ذبح کر کے اس کی لاش مکاؤ بھجوا دے گا اور ہم سب کے گلے میں رسی باندھ کر ہمیں نئی دہلی لے جائے گا۔ اس نے غزالہ کا چارا پھینک کر مجھے سامنے آنے پر مجبور کردیا تھا۔ کام پاکستان میں پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچایا جاسکا' اس کے لیے ہانگ کانگ کا انتخاب کرلیا گیا تھا۔"

میں نے خاموش ہو کر پھر ایک گھونٹ لیا تو ویرا مجھ سے ہمدردی جتانے لگی۔ "یہ تو بڑی بھیانک صورتِ حال تھی۔ یہ ہی ہے کہ تم تینوں وہاں سے صحیح سلامت لوٹ آئے۔ مجھے پہلے شبہ تھا کہ انڈین سیکرٹ سروس والے تمہیں آسانی کے ساتھ فراموش نہیں کرسکیں گے۔"

"میں اس بارے میں ڈون کو اعتماد میں لینا چاہتا تھا لیکن ہمت نہیں کرسکا" میں نے معصومیت کے ساتھ کہنا شروع کیا "مجھے خدشہ تھا کہ ترپاٹھی دوبارہ میری فون کال سن لے گا اور میرے پورے پروگرام سے آگاہ ہو جائے گا۔ اُس وقت تک ہم میں سے صرف غزالہ ہی ترپاٹھی کو پہچان سکتی تھی جب کہ ہم دونوں کے لیے وہ نادیدہ دشمن تھا۔ ہم نے ہوٹل کی انتظامیہ کو آگاہ کیے بغیر وہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کرلیا۔ ہم مکاؤ کی راہ لیتے تو کھیل بہت طول پکڑ لیتا۔ پھر مکاؤ بھی اجنبی شہر تھا جہاں ہم ڈون اور اس کے آدمیوں کے رحم و کرم پر ہوتے اس لیے ہم نے پہلی پرواز سے کراچی آنے کا ارادہ کرلیا۔ ہانگ کانگ اور پھر بنکاک سے روانہ ہونے تک ہمیں کہیں بھی ترپاٹھی کی جھلک تک نظر نہیں آئی تھی۔ پھر دورانِ سفر ہی جہاز میں ایک نیا ڈراما شروع ہو گیا۔ ائرگارڈز نے مشتبہ حرکات و سکنات کی بنا پر ایک مسافر کو خاموشی کے ساتھ بے ہوش کر کے اپنی تحویل میں لے لیا۔ دوسرے مسافروں کو اس کی بیماری کی اطلاع دی گئی تھی لیکن مجھے کسی گڑبڑ کا شبہ ہو چکا تھا۔ بالکل بدلے ہوئے حلیے کی وجہ سے ابتدا میں غزالہ بھی اس قیدی مسافر کو نہیں پہچان سکی لیکن جب ائرگارڈز نے اس کے چہرے پر سے تاریک شیشوں کی عینک اتاری تو باتھ روم

...ے غزالہ کو ایک مرتبہ پھر اُسے دیکھنے کا موقع مل گیا اور اس بار ...وں کی ساخت سے اس نے پہچان لیا کہ وہ ترپاٹھی ہی تھا۔ جہاز ...عملے نے مسافروں کو کسی بھی گڑبڑ سے پوری طرح بے خبر رکھنا ...تھا لیکن میں کسی نہ کسی طرح یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا ...اس مسافر کا نام بی ایل ترپاٹھی تھا۔ اس کے قبضے سے ایک بھرا ...ریوالور اور متعدد دوسرے مہلک ہتھیار برآمد ہوئے تھے۔ شبہ ...کہ وہ موقع پا کر اس جہاز کو ہائی جیک کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ...طور پر وہ جہاز کو کسی انڈین ہوائی اڈے پر اتروا کر ہم تینوں کو ...نے کا مشن لے کر ہمارے ساتھ سفر کر رہا تھا لیکن ہماری خوشی ...اس کا منصوبہ بُری طرح ناکام ہو گیا۔"

"پھر؟... پھر کیا ہوا؟" میری کہانی نے ویرا کو متحیر کر کے رکھ دیا ...

... غزالہ اور سلطان شاہ کی حالت بھی بہت زیادہ مختلف نہیں ...۔ غالباً وہ دونوں یہ سوچ کر حیران ہو رہے تھے کہ میں نے اصل ...عات کو اس قدر مربوط انداز میں نیا رنگ کیسے دے ڈالا تھا؟

"پھر کیا ہونا تھا؟" میں نے اپنا گلاس خالی کر دیا "وہ لینڈنگ ...ہوش میں نہیں آسکا تھا۔ ہم لوگ جہاز سے اترے تو ایمبولینس ...ساتھ ہی سیکیورٹی فورسز کی بھاری نفری اور متعدد گاڑیاں بھی ...ود تھیں۔ اَب تک وہ کسی سرکاری مہمان خانے میں پہنچایا ...چکا ہو گا۔"

"اوہ گاڈ!" ویرا دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر بولی "تم ...ں قدم رکھتے ہو' وہاں متحیرانہ اور سنسنی خیز واقعات جنم لینا ...وع کر دیتے ہیں۔ کون سوچ سکتا تھا کہ ترپاٹھی اپنی مرضی سے ...ستان پہنچ جائے گا؟ اب تم اسپیشل ٹاسک فورس والوں کے ...لیے اپنے حکام کو ترپاٹھی کی اصلیت سے آگاہ کر سکتے ہو۔"

"اس کی ضرورت ہی نہیں ہے؟" میں نے بے پروائی کے ...تھ کہا "اس کا جرم بہت سنگین ہے۔ وہ شرافت سے اپنے عزائم ...اعتراف نہیں کرے گا۔ جب اس کے مقاصد کی جستجو میں' اس ...کی معیار کی تھرڈ ڈگری کا آغاز کیا جائے گا تو بہت جلد بولنے پر ...ور ہو جائے گا۔ ہمیں دخل دینے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے ...گی۔"

"اور تمہاری حفاظت پر مامور' ڈون کے آدمی کا کیا بنا؟" ویرا ...نے چونک کر سوال کیا۔

"ہمیں کیا پتا؟" میں نے پوری بے ساختگی کے ساتھ کہا "اس ...بے چارے سے تو ہماری ملاقات ہی نہیں ہو سکی۔ خدا کرے کہ ...پاٹھی یا اُس کے درندے اس بے چارے پر ہاتھ ڈالنے میں ...کامیاب نہ ہو سکے ہوں۔"

"آمین!" سلطان شاہ ... بھرائی ہوئی آواز میں بولتے ہوئے' ...تھ کڑا ہوا "واقعات کا بھیانک تسلسل اب میری سمجھ میں آیا ...ے ورنہ میں چکرایا ہوا تھا۔ یہ سب سن کر تو میری عقل میں مروڑ ہونے لگی ہے۔"

"عقل میں مروڑ؟" ویرا نے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے بُرا سا منہ بنایا "اردو میں ایسا جملہ میں پہلی بار سن رہی ہوں' کیا یہ ٹھیک کہہ رہا ہے؟" آخری سوال اُس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"یہ اہلِ زبان نہیں ہے" میں نے جلدی سے کہا "بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں سن کر دماغ پھٹنے لگتا ہے۔ ایسا صرف محاورے کی حد تک ہوتا ہے جب کہ حقیقت میں دماغ پوری طرح کام کر رہا ہوتا ہے۔ دراصل سلطان شاہ بھی ایسی ہی کوئی بات کہنی چاہ رہا تھا۔"

"یہ تو واقعی بہت بھیانک صورت حال ہے" ویرا تشویش زدہ انداز میں بڑبڑائی "جب تک ڈون کو اصل حالات کا علم نہیں ہوگا' وہ تمہیں احسان فراموش' سازشی اور قاتل سمجھ کر پیچ و تاب کھاتا رہے گا۔ اگر وہ دو چار آدمیوں کو تمہارے پیچھے لگا دے تو بھی مجھے کوئی تعجب نہیں ہوگا۔"

"یہ تم نے قاتل کا لفظ کیوں استعمال کیا؟" میں نے پُرزور لہجے میں احتجاج کیا۔

"مجھے پورا یقین ہے کہ ڈون کا آدمی مارا جا چکا ہوگا" ویرا ... اپنے گلاس سے آخری گھونٹ لے کر اطمینان سے بولی۔

"تم یہ دعویٰ کیسے کر سکتی ہو؟" میں نے دل ہی دل میں اس کے قیاس کی داد دیتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم یہ سوال کر رہے ہو؟" اُس نے اپنا سر جھٹک کر کہا "اگر وہ زندہ ہوتا تو سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگا رہتا۔ پھر اسے ترپاٹھی کے وجود کا بھی علم ہو جاتا اور یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ تم ٹکٹ لے کر ائرپورٹ گئے ہو۔ اگر ڈون کو یہ خبر مل جاتی تو وہ تمہیں جہاز سے بھی اتروا سکتا تھا۔ ہانگ کانگ میں بھی اُس کا بے پناہ اثر و رسوخ ہے۔ یہ سب نہیں ہوا' اس لیے میں اندازہ لگا سکتی ہوں کہ ڈون کا آدمی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ بادی النظر میں ڈون وہ قتل بھی تمہارے ہی کھاتے میں ڈال دے گا۔ اسی وجہ سے میں نے قاتل کا لفظ استعمال کیا تھا۔"

"تم ڈون کی جگہ ہوتیں تو اِن حالات میں کیا فیصلہ کرتیں؟" میں نے سوال کیا۔

اُس نے تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولی "حالات مکمل طور پر تمہارے خلاف ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ ڈون تمہیں چند دن کے لیے روکنا چاہ رہا تھا لیکن تم کسی وجہ سے اٹلی سے آنے والے مدر مافیا کے نمائندوں کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔ اس لیے تم نے اپنی نگرانی کرنے والے کا کھوج لگا کر اسے ہلاک کیا اور پھر چوروں کی طرح ہانگ کانگ سے نکل بھاگے۔ تھوڑی دیر کے لیے ترپاٹھی کو بھول جاؤ تو اس کہانی میں کوئی سقم نہیں ہے۔"

"لیکن یہ سب اُسی ناہنجار کی وجہ سے ہوا ہے۔ اُسے میں کیسے بھول سکتا ہوں؟"

"اسی لیے میں کہہ رہی ہوں کہ ڈون کو تریاٹھی کے بارے میں بتانا ہوگا۔ وہ بہت اَنا پرست اور کینہ پرور آدمی ہے۔ جب تک تمہاری طرف سے اُس کا ذہن صاف نہیں کیا جائے گا' وہ تمہارا نام ونشان مٹانے کی منصوبہ بندی کرتا رہے گا اور اسی کے ساتھ میرے خلاف بھی سوچتا رہے گا کیونکہ اُس سے تمہاری سفارش میں نے کی تھی۔"

"خیر!" میں نے ایک گہرا سانس لیا "میں نے پورے واقعات بلا کم وکاست تم کو بتادیے۔ اب تم جیسا چاہو کر سکتی ہو۔ ہم لوگوں کے ساتھ ڈون نے جو حسنِ سلوک کیا' اس کے لیے ہم عمر بھر اُس کے احسان مند رہیں گے۔ وہ مکاؤ میں اس قدر طاقت ور ہے کہ مجھ سے نادر ہیرے لینے کے بعد مجھے وہاں سے خالی ہاتھ باہر نکال دیتا تو میں اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔ تمہاری وجہ سے اس نے ہمیں بہت عزت دی تھی۔"

"ہاں' وہ چوری کے ہیروں کا کیا قصہ تھا؟" ویرا نے چونک کر پوچھا۔ مکاؤ میں ہمارے ساتھ پیش آنے والے ہر واقعے کے بارے میں وہ بہت زیادہ تجسس میں مبتلا تھی۔

اُس کے ایما پر میں نے گولڈن ڈریگن نامی فیری کے ذریعے اپنے مکاؤ کے سفر کی کہانی چھیڑ دی۔ غزالہ کو بھی ان واقعات کا صرف خلاصہ ہی معلوم تھا کیونکہ ڈون کی حویلی میں ہم لوگ کھل کر بات کرنے سے قاصر تھے اور ذرا ذرا سی جزئیات کو کاغذ پر منتقل کرنا میرے بس سے باہر تھا اس لیے وہ بھی پوری دلچسپی کے ساتھ وہ واقعات سن رہی تھی۔

جب میں نے ہالینڈ سے چُرائے گئے' ان شاہی نوادرات کی مالیت کے بارے میں ڈون کے تخمینے کا ذکر کیا تو ان دونوں کی آنکھیں حیرت سے ان کی پیشانیوں پر جا چڑھیں۔

"تم نے غزالہ تک رسائی کی اتنی بڑی قیمت ادا کی ہے؟" ویرا نے حیرت سے دیدے پھاڑ کر پوچھا۔

میں مسکرا دیا "چوری کے مال کی قیمت کا صرف اندازہ ہی اندازہ ہوتا ہے جو شوقین لگاتے ہیں۔ اسے بیچنے جاؤ تو کوئی بھی کوڑیوں کے مول سے زیادہ دینے پر تیار نہیں ہوتا۔ میرے لیے وہ دمکتے ہوئے تراشیدہ پتھر بے وقعت تھے اور ڈون کے لیے خزانہ' اسی لیے بات بن گئی ورنہ وہ تو تمہارے علاوہ کسی اور سے بات کرنے پر بھی آمادہ نہیں تھا۔"

"دیکھ لو' ڈینی نے کتنی قیمت دے کر تمہیں خریدا ہے؟" ویرا نے غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا تو اُس کے ایک ایک لفظ سے حسد اور رقابت کی آنچ آرہی تھی۔

"محبت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی' ویرا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "میرے لیے تو وہ ہیرے بس ایک بہانہ بن گئے۔ سن چکی ہو کہ ڈون کو ہیروں کی نقل وحرکت کے بارے اطلاعات حاصل تھیں اور مکاؤ ہاربر پر آنے والے سیاحوں کے سامان میں ان ہیروں کی تلاش جاری تھی۔"

باتوں ہی باتوں میں صبح کے چار بج گئے۔ سلطان شاہ جا چکا تھا۔ غزالہ کی آنکھوں میں بھی نیند نے ڈیرے ڈال کر دیے تھے اس لیے وہ بھی معذرت کر کے اٹھ گئی لیکن اسے سلگانے کی نیت سے میرا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھی۔

ویرا کو غیر متوقع طور پر ایران سے آگے جانے کی کوئی نہیں ملی تھی اس لیے وہ اپنا کام پورا کر کے کراچی آگئی تھی۔ اس کے پرانے روابط موجود تھے۔ اُن دنوں ہم لوگوں کی بازیوں کے نتیجے میں امریکن کونسلیٹ اور بھارت کے افسران کے تعلقات میں خاصی تلخی آئی ہوئی تھی۔ بھارت خیال تھا کہ ان کے تخریبی منصوبوں کی کامیابی کے لیے امریکی دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کر رہے تھے جب کہ امریکی ان کی کاہل خوری اور نااہلی کے شاکی تھے کیونکہ وہ لوگ الحدید سے آنے جدید ترین ہتھیاروں اور گولہ بارود کی بحفاظت اسمگلنگ میں ادا کرنے میں بری طرح ناکام رہے تھے۔

دوسری طرف ویرا کے ان دونوں سفارتی اداروں سے تھے لیکن ہیری کیسنجر سے اس کی کچھ ٹھن گئی تھی۔ ہیری کو شبہ ویرا دیدہ ودانستہ ٹی کے مقاصد کے حصول میں رکاوٹیں پیدا تھی۔ وہ اپنے طور پر ویرا کو بے بس کر کے امریکا بھیج دینے کا رکھتا تھا تاکہ وہاں جمی لائیڈ اس کی سرزنش کر سکے۔ ان کے مقابلے میں انڈین کونسلیٹ والے ویرا کے ساتھ قریبی تعلقات برقرار رکھنے کے خواہاں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ بھرپور اختیارات اور آزادی حاصل ہونے کے باوجود' ہیری کیسنجر پس پردہ رہ کر ہی مدد کر سکتا تھا۔ عملی امداد صرف ٹی فراہم کر سکتی تھی اور ویرا تمام خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود' پاکستان میں ٹی کی نمائندہ رہ گئی تھی۔

اس پیچیدہ صورتِ حال کی وجہ سے ویرا نے صرف انڈین کونسلیٹ سے ہی رابطہ کرنے کو ترجیح دی۔ وہ اپنی سلامتی کے لیے ہیری کیسنجر سے دور رہنے لگی تھی۔

اس کا کہنا تھا کہ شری مان سنگھ کی عبرت ناک موت کونسلیٹ کے درو دیوار میں رچ گئی تھی۔ وہاں کام کرنے والے فرد کو معلوم تھا کہ وہ سفارتی مراعات کی آڑ میں اپنے ملک مذموم عزائم کے لیے مقامی قانون کی دھجیاں اڑا رہا ہے انہیں' شری مان سنگھ کی موت میں اپنا بھیانک مستقبل نظر تھا اور وہ سب اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند رہنے لگے جو لوگ شری مان سنگھ جیسے گھاگ اور تجربے کار سفارت کار

ڈال سکتے تھے' ان کے لیے نو آموز یا کم تجربے کار افراد کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ ان میں سے کوئی بھی شری مان سنگھ کے خطرناک عہدے کا چارج لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ادھر نئی دہلی کے حکام نے بھی شاید بھانپ لیا تھا کہ پاکستانیوں نے شری مان سنگھ کی موت کو جس خوب صورتی کے ساتھ سمندر کی سرکش موجوں میں نہانے کا خمیازہ قرار دے کر معاملہ نمٹایا تھا اس کی وجہ سے پاکستان میں متعین عملے کے حوصلے پست ہوگئے تھے۔ ان کے مورال کی بحالی کے لیے ضروری تھا کہ ان پر کوئی ایسا افسر متعین کیا جائے جو اپنے بلند حوصلے اور بے جگری کی وجہ سے ان سب کے لیے نئی مثالیں قائم کرسکے۔

ایسے کسی افسر کی تلاش کی مہم سر ہونے تک' نائب کونسل بذات خود ان معاملات کی دیکھ بھال کررہا تھا جو شری مان سنگھ کی ناگہانی موت کی وجہ سے ادھورے رہ گئے تھے۔

سندھ کی جغرافیائی حیثیت' لسانی گروہ بندیاں اور سرحدی آبادیوں میں ہندوؤں کی بھاری تعداد ہمیشہ سے بھارتی نیتاؤں کی دلچسپی کا باعث رہی تھی۔ عام ہندوؤں کی وفاداریاں بالعموم اپنی زمین سے وابستہ تھیں لیکن کچھ آسودہ حال اور بارسوخ ہندوؤں کے غدارانہ کردار کی وجہ سے سرحد پار بیٹھے ہوئے منصوبہ سازوں کو پورا یقین تھا کہ جب بھی نقارے پر چوٹ پڑی' پاکستان کی ساری ہندو آبادی ان آسودہ حال غداروں کی ہم نوا بن جائے گی۔

ان کے تمام منصوبوں میں سندھ میں دہشت گردی اور تخریب کاری کو اولین اہمیت حاصل تھی لیکن اس بار ہوس کے پجاریوں کی نگاہیں دور دور بھٹک رہی تھیں۔ وہ سندھ میں امن و امان کی بدترین صورت حال پیدا کرنے کے ساتھ ہی وارسک' منگلا اور تربیلا ڈیم سے غلام محمد بیراج تک' تمام آبی ذخائر کو تباہ کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ اپنے اس ظالمانہ منصوبے کے ذریعے وہ ہمارے شہروں اور قصبوں کا نام و نشان تک مٹا دینا چاہتے تھے تاکہ جو کچھ جنگوں کے ذریعے حاصل نہیں کیا جاسکا' وہ کوئی گولی چلائے بغیر مصنوعی سیلاب کے ذریعے حاصل کرلیا جائے۔

ویرا کی ان تمام باتوں نے مجھے سوچنے کے لیے کافی سے زیادہ مواد فراہم کردیا تھا۔ بظاہر وہ عملی سیاست اور قوت کی کشمکش کی باتیں تھیں لیکن ان سب کی پشت پر وہی گندہ سرمایہ کارفرما تھا جو رگوں میں زہر اتارنے والی ہیروئن کی بین الاقوامی اسمگلنگ سے جنم لے رہا تھا۔

کچھ عاقبت نااندیش اور پاکستان میں ہیروئن بنانے والے یہ دعویٰ کرتے تھے کہ دوسری صنعتی اور کیمیاوی پیداوار کی طرح ہیروئن پاکستان کی وہ اعلیٰ ترین' نقد جنس تھی جس کی برآمد سے بھاری مقدار میں زرمبادلہ کمایا جارہا تھا۔ یہ صنعتی ملکوں کی کھلی ہوئی غنڈہ گردی تھی کہ انہوں نے پاکستان کی اس جنس کو شجرِ ممنوعہ بنایا تھا جس کے نتیجے میں دنیا کا کوئی ملک قانونی طور پر اس کا خریدار نہیں بن سکا تھا حالانکہ دنیا بھر کے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے اکتائے ہوئے نوجوانوں میں' اپنے ماحول سے فرار کے لیے اس کی زبردست مانگ موجود تھی۔

ان لوگوں کے دعوے کے مطابق' بڑی طاقتوں کی اس غنڈہ گردی کے نتیجے میں پاکستان زرمبادلہ کی جائز آمدنی سے محروم ہوکر ان کا مقروض ہوتا جارہا تھا۔ دوسری طرف ہیروئن کی صنعت و تجارت کو قانونی تحفظ حاصل نہ ہونے کی وجہ سے' اس سے حاصل ہونے والا سرمایہ کالے دھن کو خوفناک اضافے کی طرف لے جارہا تھا اور یہ کالا دھن جدھر کا رخ کرلیتا تھا' ادھر ہولناک تباہی پھیلاتا چلا جاتا تھا۔

یہ درست ہے کہ جن آزاد قبائلی علاقوں میں ہیروئن تیار کرنے والی لیبارٹریز قائم تھیں' وہاں کے سخت ترین معاشرتی قوانین اور عبرت ناک تعزیری سزاؤں کی وجہ سے کوئی بچہ بھی ہیروئن نہیں پیتا تھا۔ وہ لوگ جو کچھ تیار کرتے تھے' اپنے علاقے سے سو فیصد باہر نکال دیتے تھے لیکن ہیروئن کے حق میں دلائل دینے والے' عقل کے اندھوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ دریا صرف اپنے منبع اور ڈیلٹا کو ہی سیراب نہیں کرتا بلکہ وہ ہر اس خطۂ زمین پر اپنے اثرات چھوڑتا چلا جاتا ہے جہاں سے اس کا گزر ہوتا ہے۔ پاکستان کے سارے علاقوں میں قبائلی معاشرے اور اس جیسے سخت ترین قوانین نافذ نہیں تھے اس لیے ہیروئن کی پیداوار اور اسمگلنگ میں اضافہ ہونے کے ساتھ ہی' راستے میں آنے والے تمام شہر اور قریے بھی اس ہولناک وبا کی لپیٹ میں آگئے تھے اور چند برسوں کی قلیل سی مدت میں' ہیروئن سے ناآشنا علاقوں میں ہیروئنچیوں کے غول کے غول نظر آنے لگے تھے جن کی تعداد تیزی سے بڑھ کر لاکھوں میں پہنچ چکی تھی۔

کہا جاتا تھا کہ افغانستان کو فتح کرنے کی کوششوں میں روسیوں نے اس خطے میں ہیروئن سازی کو متعارف کرایا تھا لیکن میں شی کے حوالے سے جانتا تھا کہ سنگلاخ پہاڑوں کی دھرتی میں' مومن خان کی پہلی فیکٹری کے قیام میں ایک جرمن کیمسٹ کا بھرپور ہاتھ تھا۔

روسیوں کا خیال تھا کہ ان سے لڑنے والے جب ہیروئن بنائیں گے تو پینے بھی لگیں گے اور رفتہ رفتہ ساری مزاحمت کو بھول کر چوہوں سے بھی بدتر ہوجائیں گے اور پورے علاقے میں سوا ستیکا کے پھریرے لہرانے لگیں گے لیکن لڑنے والے بہت چالاک تھے۔ انہوں نے ہیروئن کو نہ چکھنے کے حلف اٹھا کر اس صنعت کو فروغ دیا۔ جنگ سے متاثرہ علاقوں میں ٹرکوں اور ٹریلروں پر ہیروئن تیار کرنے کے کارخانے قائم کیے گئے۔ ایک علاقے میں جنگ کے شعلے زندگی کی مسرتوں کو نگلنا شروع کرتے تو وہ کارواں تیزی کے ساتھ محفوظ علاقوں میں منتقل ہوجاتے۔ لڑنے والے

ہیروئن بیچ کر ڈالر' اسٹرلنگ' ین' فرانک اور مارک حاصل کرتے رہے جس کے ذریعے وہ دنیا بھر کے چور بازاروں سے اپنی پسند کے ہتھیار خرید کر روسیوں کو آتش و آہن کی بارودی برسات میں نہلاتے رہے اور جب تاریخ کی اس منفرد اور بے نظیر جنگ کا زور ٹوٹا تو ہیروئن کے سرمائے نے پاکستان کی معیشت اور سیاست پر یلغار کردی۔

ہیروئن پاکستان میں ایجاد نہیں کی گئی تھی۔ افیم کا وہ مسلک الکلائیڈ دوا سازی میں زیر استعمال تھا' مشرق بعید کے سنہرے تکون میں اس کی زور و شور سے تیاری ہوتی رہی تھی۔ مکاؤ کی منڈی میں ہیروئن کے کروڑوں ڈالر کے سودے ہوتے تھے۔ جب بڑھتے ہوئے امریکی دباؤ کی وجہ سے وہ تکون آخری سانسوں پر تھا تو افغانستان' ایران اور پاکستان کے سرحدی علاقوں پر مشتمل ایک نیا تکون ابھرنا شروع ہوگیا جس میں پاکستان کی کلیدی حیثیت تھی کیونکہ ایران کی مذہبی حکومت اس لعنت کو سرحدوں پر ہی بلاک کرنے کا تہیہ کرچکی تھی۔ افغانستان خشکی سے گھرا ہوا اور جنگ زدہ ملک تھا جب کہ پاکستان نہ صرف امن کا جزیرہ تھا بلکہ قدیم سرحدی روایات کی وجہ سے یہاں مال لانے لے جانے کی بھی آزادی تھی۔ بین الاقوامی لین دین کے لیے کراچی کی بندرگاہ اور ہوائی اڈے کے علاوہ خشک گودیاں اور نئے بین الاقوامی ہوائی اڈے بھی کھلتے جارہے تھے جہاں گھپلوں کے لیے ماحول نسبتاً سازگار تھا۔

بھارتی منصوبہ ساز اسی گھناؤنے کھیل کا سرمایہ استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ان کی نظریں مقامی اور بین الاقوامی تجوریوں میں بند' اس کالے دھن پر مرکوز تھیں جو کسی بھی حکومت کی بنیادیں ہلا دینے کے لیے کافی تھا۔

بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ اس کھیل میں غلام رسول جیسا نیک نام سیاست داں بھی شریک تھا۔ لوگ اس کی دیانت اور خاندانی شرافت کی قسمیں کھاتے تھے لیکن اس نے اپنا شفاف ماضی بھارتیوں کے ہاتھ نیلام کرکے دام کھرے کرلیے تھے۔ اسے آزاد سندھ کے اقتدار میں اپنے لیے ایک بڑی کرسی نظر آنے لگی تھی۔

وہ مارا گیا تو چند روز پہلے مافیا والوں نے مجھے یہ بتا کر حیران کردیا کہ سردار امیر جان جیسے معمر اور معزز رہنما کا اکلوتا بیٹا ہیروئن کی اسمگلنگ میں ملوث تھا۔ اس نے دو کلو اعلیٰ ترین ہیروئن نیویارک لے جا کر مافیا کے ایک رکن کے ہاتھ فروخت کی تھی اور مافیا والوں نے اس کی بے خبری میں پورے لین دین کی ویڈیو فلم بنالی تھی۔

پاکستان ان کے لیے ایک اہم ملک تھا اور وہ جانتے تھے کہ وقت آنے پر وہ فلم بہت بیش قیمت ثابت ہوگی۔ حد یہ تھی کہ امریکا کے فیڈرل انٹیلی جنس بیورو کو اس فلم کی بھنک مل گئی تھی اور وہ فلم کے لیے' مافیا والوں کو منہ مانگا معاوضہ دینے کے لیے تیار تھا لیکن حالات کی ستم ظریفی تھی کہ نیشی کاؤ نے مجھے اسی فلم کے حوالے سے سردار امیر جان کو بلیک میل کرکے سیاست میں قدم رکھنے کی ہدایت کی تھی۔

مافیا کے مقامی بیورو چیف' سیٹھ حبیب جیوانی کو یہی معلوم تھا کہ میں سردار امیر جان کو شیشے میں اتارنے کے لیے اسلام آباد گیا ہوا تھا۔ حبیب جیوانی کی مسلسل نگرانی سے نکل کر' فوری طور پر ہانگ کانگ روانہ ہونے کے لیے مجھے یہی بہانہ سب سے بہتر نظر آیا تھا لیکن ویرا کے معصومانہ انکشافات نے اس معاملے کو بھی الجھا دیا تھا۔

اس نے بتایا تھا کہ پچھلی صبح سے رات ہونے تک کئی مرتبہ ایسی فون کالز آئی تھیں کہ بولنے والے نے اپنی بھاری ہیلو کے جواب میں ویرا کی آواز سن کر مزید کچھ کہے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کردیا تھا۔

ویرا کو اپنے اس بیان کی اہمیت کا اندازہ نہیں تھا۔ اس نے بس روا روی میں ایک بات کہہ دی تھی لیکن اس فلیٹ کا نمبر بہت زیادہ لوگوں کو معلوم نہیں تھا۔ پورے شہر میں صرف چار افراد ایسے تھے جو مجھے فون کرسکتے تھے۔ جہانگیر' ظفر' اول خان یا پھر سیٹھ حبیب جیوانی!

اول الذکر تینوں افراد کو میرے اور ویرا کے خصوصی مراسم سے واقفیت تھی بلکہ وہ فون پر اس کی آواز بھی بہت اچھی طرح پہچانتے تھے۔ میرے موجود نہ ہونے کی صورت میں وہ بخوشی ویرا سے بات کرسکتے تھے۔ انھیں لائن منقطع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی البتہ حبیب جیوانی کا معاملہ مختلف تھا۔

وہ میرے اور ویرا کے گٹھ جوڑ سے بے خبر تھا۔ اس نے کبھی براہِ راست بھی ویرا کی آواز نہیں سنی تھی۔ پھر یہ کہ میں کئی دن سے شہر سے اس طرح غائب تھا کہ حبیب جیوانی کو میرے پتے ٹھکانے کا کوئی علم نہیں تھا۔ میری اس طویل ہوتی ہوئی غیر حاضری پر تشویش ہونی بجا تھی۔ اس لیے وہ گمنام فون کالز اُسی کی ہوسکتی تھیں۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ اسے مدر مافیا کی طرف سے نیشی کاؤ کے قتل کی خبر مل چکی ہو اور وہ اسی سلسلے میں مجھ سے بات کرنا چاہ رہا ہو۔

کراچی سے غزالہ کے لیے روانہ ہوتے ہوئے میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مکاؤ میں حالات اس قدر الجھ جائیں گے۔ میرا خیال تھا کہ میں ڈون کی خوشامد درآمد کرکے غزالہ کو چپ چاپ وہاں سے نکال لاؤں گا اور واپس آکر حبیب جیوانی کو اسلام آباد میں اپنی ناکامی کی کہانی سنا کر' بیرونِ ملک سفر پر پردہ ڈالنے میں کامیاب ہوجاؤں گا لیکن اب ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔ کہانی میرے گلے کا طوق بھی بن سکتی تھی۔

نیشی کاؤ مافیا کا ڈان تھری تھا۔ مدر مافیا کے اتنے بڑے آدمی کا قتل بچوں کا کھیل نہیں تھا۔ پھر ڈون کوانگ فو کے ذریعے یہ بات بھی مدر مافیا والوں تک پہنچ چکی تھی کہ میں نہ صرف نیشی کاؤ کے قتل کے وقت تقریب گاہ میں موجود تھا بلکہ اسی تقریب میں مہ

ر غزالہ کی شادی بھی ہوئی تھی۔ یہ اطلاع ملنے پر اٹلی سے آنے
نے مجھ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا لیکن میں ان کی
سے پہلے ہی مار دھاڑ کر کے ہانگ کانگ سے نکل آیا۔
اس چکر میں 'مَیں دونوں طرف سے بری طرح پھنس گیا۔ ڈون
تک میں نے ایک مربوط کہانی تراش کر ویرا کو اپنی بے گناہی
قائل کر لیا تھا۔ اب اگر میں حبیب جیوانی کو اسلام آباد جانے کی
کہانی سناتا اور اسے یہ پتا چلتا کہ میں اسلام آباد کے بجائے مکاؤ
اپنی شادی کے جشن میں شریک تھا تو میری پوزیشن بہت زیادہ
مشکوک ہو جاتی۔ مانیا والے اس جھوٹ کو میری نیت کی خرابی پر
محمول کرتے اور مانیا کے روایتی ڈسپلن کو سختی سے برقرار رکھنے کے
لیے' ہر قیمت پر میری گردن مارنے کے احکام جاری کر دیے جاتے۔
ویرا اسکاچ کے نشے میں اور نیند کے ملے جلے اثرات کے
باوجود اونگھ رہی تھی مگر میں سگریٹ پر سگریٹ پھونکتے ہوئے اپنی
سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ ویرا ہڑبڑا کر سیدھی ہو گئی۔
"کیا سونے کا ارادہ نہیں ہے؟" اس نے اپنی سرخ آنکھوں
سے میری طرف دیکھتے ہوئے' بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔
"اب سویا تو میرا معمول کئی دن کے لیے بگڑ جائے گا" میں نے
رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "اس وقت ساڑھے چار بج
رہے ہیں' تم چاہو تو آرام سے سو سکتی ہو۔"
"تھوڑی دیر میں اجالا پھیل جائے گا تو نیند نہیں آئے گی' میں
جا رہی ہوں" وہ مخمور انداز میں ایک توبہ شکن انگڑائی لیتے ہوئے'
صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"کہاں چلیں؟" میں ایک دم بوکھلا گیا "اس فلیٹ میں صرف
دو خواب گاہیں ہیں۔"
"مجھے معلوم ہے کہ ایک کمرا تمہارے اور غزالہ کے تصرف
میں رہے گا" اس نے بے ہودہ انداز میں مجھے آنکھ ماری "میں
سلطان شاہ والے کمرے میں جا رہی ہوں۔ مل جل کر گزارہ کرنا ہی
ہو گا۔"
وہ دروازے کی طرف مڑی ہی تھی کہ میں نے لپک کر اُس کا
ہاتھ تھام لیا "سلطان شاہ کو گہری نیند میں بھی تمہارے وجود کی بو مل
گئی تو وہ بستر سے چھلانگ مار کر باہر بھاگ نکلے گا۔ تم پردے کھینچ کر
یہیں صوفے پر کیوں نہیں سو جاتیں؟ بتی بند ہونے کے بعد یہاں
بڑا پُرخواب اور اندھیرا ہو جاتا ہے۔"
"میں بستر پر سونا چاہ رہی ہوں" وہ بولی "اس کے بھاگنے کی
نوبت نہیں آئے گی۔ میں خود ہی اسے بستر سے اٹھا کر صوفے پر
لٹا دوں گی یا یہاں بھیج دوں گی" میرے روکنے کے باوجود اس نے
ہاتھ چھڑایا اور ڈرائنگ روم سے نکل کر خواب گاہ کی طرف چل
دی۔ میں تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر گر گیا۔
پتا نہیں ویرا نے اسے بیدار کرنے کے لیے کیا حرکت کی تھی
کہ وہ ڈرائنگ روم میں آیا تو بری طرح بھنایا ہوا تھا اور اس کے
چہرے پر سیکڑوں آڑی ترچھی لکیریں نمودار ہو چکی تھیں۔ اس نے
نیند سے بوجھل آنکھوں سے مجھے گھورا اور غنودہ مگر دھیمی آواز میں
غرایا "تم اسے سمجھاؤ کہ میرے ساتھ بازاری حرکتیں نہ کیا کرے
ورنہ کسی دن جوتے مار مار کر اسے بالکل گنجا کر دوں گا۔"
میں اس کی دھمکی پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ اس کے الفاظ
میں غصے کی گھن گرج تھی لیکن اس کے دھیمے لہجے سے ویرا کا خوف
جھلک رہا تھا۔ میں نے آہستگی کے ساتھ کہا "اس پر لعنت بھیجو۔ جو
کرتی ہے کرنے دو۔ اس سے تمہارا کیا بگڑتا ہے؟ تمہاری بات سن
لے گی تو ابھی منہ اندھیرے ہنگامہ کھڑا کر دے گی اور ہم اپنے
شریف پڑوسیوں کے سامنے تماشا بن کر رہ جائیں گے۔ اس کے
منہ مت لگا کرو۔"
وہ مجھے قہربار نظروں سے گھورتے ہوئے' بڑے صوفے پر دراز
ہو گیا "مجھے معلوم ہے کہ اس کمینی کے مقابلے میں تم ہمیشہ مجھ ہی کو
دباؤ گے۔ اب بتی بند کرو اور پردے کھینچ دو ورنہ میرا بھی دماغ
خراب ہو جائے گا۔"
میں نے خاموشی کے ساتھ اُس کی ہدایت پر عمل کیا اور
ڈرائنگ روم میں مکمل اندھیرا کر کے' خود بھی دوسرے صوفے پر
دراز ہو گیا لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔
میں صوفے پر بے حس و حرکت پڑا' خالی چھت کو گھورتے
ہوئے کچھ سوچ رہا تھا کہ اچانک مجھے ڈرائنگ روم کے دروازے پر
تاریکی سے بھی تاریک تر کسی ہیولے کی موجودگی کا شبہ ہوا۔ میں نے
مدافعانہ سُرعت کے ساتھ گردن ادھر گھمائی تو اس متحرک سائے
کے جسمانی خطوط ہی سے اندازہ لگا لیا کہ وہ غزالہ تھی۔
"تم؟ یہاں کیا کرنے آئی ہو؟" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں
حیرت کے ساتھ سوال کیا۔
"یہاں اور کون سو رہا ہے؟" غزالہ کی آواز بھی بہت نیچی تھی
مگر اس میں شبہات تیر رہے تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کی
آواز میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا جب کہ میرے حساب سے
اسے سوئے ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔
"سلطان شاہ! لیکن تمہیں اس وقت چہل قدمی کرنے کی کیا
سوجھی ہے؟" میں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔
غزالہ نے میرے سوال کو یکسر نظر انداز کر دیا اور اندھیرے
میں دوسرے صوفے کی طرف نظر دوڑاتے ہوئے بولی "سلطان شاہ
تو سب سے پہلے سو گیا تھا۔ اگر وہ یہاں ہے تو تمہاری سہیلی کہاں
گئی؟" وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی طرف سے بے اعتمادی میں
مبتلا تھیں لیکن اُن کے ذہنوں کو صاف کرنا میرے بس سے باہر تھا۔
"تو تم یہی دیکھنے آئی ہو؟" میری آواز میں غیر ارادی طور پر ہلکی
سی تلخی عود کر آئی "اس سے ملنا چاہتی ہو تو دوسری خواب گاہ میں
جا کر اسے جگا لو۔ وہ اب تک گہری نیند سو چکی ہو گی۔"
"وہ چلی گئی تھی تو تم کمرے میں کیوں نہیں آئے؟" غزالہ نے

کسی ندامت کے بغیر سوال کیا۔

"تمہاری نیند خراب ہونے کے خیال سے یہیں لیٹ گیا تھا۔ تم کب سے جاگ رہی ہو؟"

"میں سوئی ہی کب تھی؟ تمہارے انتظار میں لیٹی ہوئی تھی۔ ہلکی سی غنودگی طاری ہو گئی ہو تو اور بات ہے۔ تاریکی اور فلیٹ میں پھیلے ہوئے سناٹے سے مجبور ہو کر اب ادھر آئی ہوں۔"

وہ تمام گفتگو سرگوشیوں میں ہی ہو رہی تھی اس لیے سلطان شاہ کی نیند میں خلل نہیں پڑا اور میں ان دونوں عورتوں کی نفسیات پر غور کرتے ہوئے، خاموشی سے غزالہ کے ساتھ ہولیا۔

صبح سات بجے میں، ایک لمحے کے لیے بھی سوئے بغیر، پوری طرح تازہ دم تھا۔ سلطان شاہ کے ساتھ ہی ویرا بھی اپنے کمرے میں گدھے گھوڑے بیچ کر سوئی ہوئی تھی۔ میں سب سے پہلے حبیب جیوانی سے بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن مجھے ڈر تھا کہ اس گفتگو کا ایک لفظ بھی ویرا کے کانوں میں پڑ گیا تو میرا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا اس لیے میں نے غزالہ کو ناشتا تیار کرنے کی ہدایت کی اور خود اخبار لینے کے لیے نیچے چلا گیا۔

اسٹال پر لگے ہوئے تمام اخبارات کی چنگھاڑتی ہوئی شہ سرخیوں میں جہاز سے مسلح بھارتی ہائی جیکر کی گرفتاری کی خبر ہی نظر آ رہی تھی۔ ذیلی سرخیوں میں بی ایل ترپاٹھی کا نام بھی موجود تھا۔

ویرا اردو بولنے اور سمجھنے کی حد تک بہتیرے نام نہاد اردو دانوں کو بھی پیچھے بٹھاتی تھی لیکن اردو پڑھنے کے معاملے میں وہ خاصی نکمی ثابت ہوئی تھی۔ میں نے اردو کے ساتھ ہی انگریزی کے دو اخبارات بھی خریدے اور اوپر لوٹ گیا۔

ناشتے کے دوران میں نے ایک اخبار پوری طرح چاٹ ڈالا لیکن اس میں وہی کچھ تھا جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے بقیہ قیاس آرائیاں تھیں جو ترپاٹھی کی ذات اور اس کے مقاصد کے بارے میں کی گئی تھیں۔

میرے تیار ہونے تک ویرا گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ اس لیے میں نے فلیٹ سے روانہ ہوتے ہوئے غزالہ کو تاکید کی کہ وہ بھی جاکر بستر پر دراز ہو جائے اور اگر ویرا میرے بارے میں دریافت کرے تو یہ کہہ کر انجان بن جائے کہ میں اس کے بیدار ہونے سے پہلے فلیٹ سے نکل گیا تھا۔

میرے لیے ایک موقع یہ تھا کہ میں کسی پبلک فون سے حبیب جیوانی سے بات کر لیتا لیکن کراچی میں پبلک فون بوتھ، نہ ہونے کے برابر تھے اور نجی کال آفس مقامی فون کالز کے لیے تخلیہ فراہم نہیں کرتے تھے۔ معاملہ غیر ملکی کال کا ہو تو گفتگو کرنے کے لیے علیٰحدہ کیبن دے دیا جاتا تھا جس کا معاوضہ وصول کیا جاتا تھا۔ ایسے پی سی اوز صارفین کے لیے پھر بھی سرکاری نرخوں سے سستے پڑتے تھے کیونکہ محکمے کے بدعنوان اہل کاروں کی ملی بھگت سے وہ تمام کالز دوسرے صارفین کی بے خبری میں، ان کے نمبروں پر ریکارڈ ہوتی تھیں اور پی سی اوز پر وصول ہونے والی رقوم، مالکان اور اُن سے تعاون کرنے والے بے ایمانوں کے درمیان بانٹ لی جاتی تھیں اسی لیے وہاں غیر ملکی کالز کے لیے کم شرح رکھی جاتی تھی۔

وہ بات بہت چھوٹی اور شاید غیر اہم بھی تھی لیکن اس سے معاشرے میں پھیلی ہوئی سنگین بدعنوانیوں اور دھاندلیوں کی نشان دہی ضرور ہوتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہمارا آوے کا آوا بگڑ کر رہ گیا ہو اور آنے والی کسی ناگہانی قیامت کے خوف سے محض لوٹ کے مال میں سے جلد از جلد اپنا حصہ بٹورنے پر تلا ہو۔ ایک طرف ملک کی بقا اور سلامتی کے دشمن اپنے دانت تیز کیے، ہمارے وجود کو جھنجھوڑنے کی تیاریوں میں مصروف تھے اور دوسری طرف حریص اور مفاد پرست عناصر پرانی دیمک کی طرح معاشرے اور معیشت کی جڑوں میں اترے جا رہے تھے۔

آخر کار میں اسپیشل ٹاسک فورس کے اسٹیشن فور نامی ٹھکانے پر پہنچ گیا جہاں کسی زمانے میں ویرا مقیم تھی۔ میری صورت دیکھتے ہی، مسلح دربان نے پھاٹک کھول دیا۔ میں اپنی گاڑی اندر پارک کر کے، کسی روک ٹوک کے بغیر اس دفتر کی طرف بڑھتا چلا گیا جہاں اول خان کو موجود ہونا چاہیے تھا۔

مجھے غیر متوقع طور پر اپنے سامنے دیکھ کر، اول خان کا چہرہ بے پناہ مسرت سے دمک اٹھا اور اس نے اپنی کرسی چھوڑ کر والہانہ انداز میں مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا کوئی بچھڑا ہوا عزیز آ رہا ہوں۔ اول خان کے اس والہانہ استقبال پر میرا دل بے اختیار بھاری ہونے لگا۔

وہ کافی دیر مجھ سے میرا حال پوچھتا رہا۔ اس ضمن میں غزالہ کا ذکر بھی آیا۔ ہانگ کانگ سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے، میں نے اس سے اپنی شادی کا ذکر نہیں کیا تھا۔ بات چھڑنے پر میں نے اپنی اور غزالہ کی شادی کا انکشاف کیا تو وہ خوشی سے اچھل پڑا۔

"تم نے یہ کام کر کے اپنی اور بھابی کی عاقبت سنوار لی۔" اس نے جذباتی لہجے میں کہا "مرد اور عورت کو ایک دوسرے سے لاکھ محبت ہو لیکن شادی کے بغیر اُن میں مکمل ہم آہنگی پیدا نہیں ہوتی ہے، نہ ان پر ایک دوسرے کا کوئی حق بنتا ہے۔ میرا خیال ہے اب تمہاری زندگی تیزی کے ساتھ پُرسکون ہوتی چلی جائے گی لیکن تم سے ایک شکوہ ضرور رہے گا کہ تم نے اپنی شادی کی م[...] پر مجھے یاد نہیں رکھا۔"

"یہ شادی مکاؤ میں ہوئی تھی اور وہاں میں خود کو بھی بھولا ہوا تھا" میں نے ہنس کر کہا "یہ سب لمبی کہانیاں ہیں جو بعد میں بھی رہیں گی۔ فی الحال مجھے تخلیئے کے ساتھ ایک عدد فون کی ضرورت ہے۔ اس سے فارغ ہو کر ہم بہت لمبی بیٹھک جمائیں گے کیونکہ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

"یہ ڈائریکٹ لائن ہے" اس نے سبز رنگ کا ایک فون میری طرف سرکاتے ہوئے کہا "تم اطمینان کے ساتھ یہیں سے

کرلو۔ تمہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا" یہ کہتا ہوا وہ تیزی کے ساتھ اپنے دفتر سے نکلتا چلا گیا۔
میں نے سگریٹ سلگا کر چند گہرے گہرے کش لیے پھر حبیب جیوانی کے گھر کا نمبر ملانے لگا۔
تیسری گھنٹی بجنے کے بعد ریسیور پر حبیب جیوانی کی ہیلو سنائی دی میں نے جان بوجھ کر دھیما اور مدافعانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔
"چیف! میں ڈیبی بول رہا ہوں۔"
"اوہ!" اس کی تحیر زدہ آواز ابھری "تم اسلام آباد سے کب واپس آئے؟"
"اسلام آباد نہیں' میں کل رات گئے ہانگ کانگ سے واپس آیا ہوں" میں نے اداس لہجے میں کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں اپنی بیرون ملک روانگی کی اطلاع نہیں دے سکا کیونکہ مجھے ایک ایمرجنسی پیش آگئی تھی۔"
"ایسی کیا ایمرجنسی تھی کہ تم مجھے فون بھی نہیں کر سکے؟" جیوانی کا لہجہ سرد ہو گیا۔
"غزالہ کا چکر تھا" میں نے کہا "وہ ہانگ کانگ گئی تھی لیکن وہاں ایک چکر میں پڑ کر ڈون کوانگ فو نامی ایک بدمعاش کے ہتھے چڑھ گئی۔ اگر میں فوراً نہ جاتا تو اس کی زندگی خراب ہو سکتی تھی۔ میں مکاؤ پہنچ کر غزالہ کو بمشکل اس کی تحویل سے نکالنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ ڈون نے شرط لگادی تھی کہ اگر غزالہ میری محبوبہ ہے تو میں اسے اپنی باقاعدہ بیوی بنائے بغیر مکاؤ سے نہیں لے جاسکوں گا۔ اس وجہ سے مجھے مکاؤ میں ہی شادی بھی کرنی پڑ گئی۔"
"مبارک ہو!" حبیب جیوانی کی آواز جذبات سے یکسر عاری تھی "شاید اب تمہاری زندگی میں ٹھہراؤ پیدا ہو سکے گا۔ ڈون نے یہ ایک نیک کام کیا ہے۔۔۔"
"شکریہ! لیکن اسی کے ساتھ ایک بہت بری خبر بھی ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔
"وہ کیا؟" حبیب جیوانی نے متجسس لہجے میں سوال کیا "تمہیں معلوم ہے کہ مجھے پہیلیوں سے چڑ ہے۔ اس لیے ایک ہی سانس میں اپنی پوری کہانی سناتے چلے جاؤ۔"
"مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ مکاؤ کا ڈون ہمارے ڈان تھری کا بچپن کا دوست تھا اور اس سے ملنے کے لیے مکاؤ گیا تھا۔ اس کے اعزاز میں ڈون نے ایک بہت بڑی دعوت کی تھی اور اسی دعوت میں میری اور غزالہ کی شادی کا اعلان بھی کیا گیا تھا لیکن ڈان تھری کو ہیلی کاپٹر سے اترنے کے بعد ایک چینی نے زہریلے تیر سے ہلاک کر دیا۔ ڈون شدید صدمے اور اشتعال کے باوجود' اسے بچانے کے لیے کچھ نہیں کر سکا۔"
"تم نے میری اجازت کے بغیر پاکستان سے باہر جا کر اپنی حدود سے تجاوز کیا ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ تم جھوٹ بولنے کے بجائے مجھے سچ بتا رہے ہو۔ یہ تنظیم کے ساتھ تمہارے خلوص اور وفاداری کا سب سے کڑا امتحان تھا۔ میں تمہاری زبان سے تمہاری کہانی سننی چاہتا تھا ورنہ مکاؤ میں ڈان نیشی کاؤ کے قتل کے بارے میں مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ تم اسلام آباد کے بجائے مکاؤ میں موجود تھے۔"
"خدا کا شکر ہے کہ میں اس امتحان میں پورا اترا ہوں" میں نے اپنے دل کی گہرائیوں سے کہا "لیکن چیف' یہ امتحان کب تک ہوتے رہیں گے۔ اب تو تمہیں مجھ پر پورا اعتماد ہو جانا چاہیے۔"
"تمہاری پوزیشن بہت مخدوش اور خطرناک ہو چکی ہے۔ تم کسی بڑے کی اجازت کے بغیر' ایک غلط وقت پر مکاؤ میں موجود تھے اور تمہاری موجودگی میں وہاں ڈان تھری کا قتل ہوا ہے۔ اس واردات کے سلسلے میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے تمہیں دانتوں پسینہ آجائے گا۔"
"مگر کیوں؟ اس واردات سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں تو غزالہ کو لینے کے لیے وہاں گیا تھا۔ ڈان تھری کو دیکھنے تک میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکا تھا کہ ڈون کوانگ فو کا متوقع دوست ہمارا ڈان نیشی کاؤ ہو سکتا ہے جسے میں کراچی میں چھوڑ کر گیا تھا!" میں نے پرزور لہجے میں احتجاج کیا۔
"ہو سکتا ہے کہ یہ اتفاق رہا ہو لیکن اوپر والوں کو یہ بات اتنی آسانی سے نہیں سمجھائی جا سکتی۔"
"پہلی بات یہ ہے کہ ڈان تھری سے مجھے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ اس نے میٹنگ کے بعد مجھے بلی گینگ کے آدمیوں سے بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک چینی کو بلو پائپ میں پھونک مارتے دیکھا تھا۔ میرے لیے وہ ہتھیار نیا تھا۔ میں سمجھ ہی نہیں سکا کہ اس بے ضرر سی نلکی کے ذریعے ڈان تھری کو قتل کیا جا رہا ہے۔ مجھے ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو میں اس چینی کو وہیں فنا کر دیتا۔"
"ڈان تھری کے گرنے کے بعد تم اس قاتل پر ہاتھ ڈال سکتے تھے" اس کی آواز ابھری۔
"مجھے کچھ پتا ہی نہیں چلا کہ کیا ہوا ہے۔ کافی دیر بعد یہ معلوم ہوا کہ ڈان تھری کو ایک ایسے ہتھیار سے قتل کیا گیا ہے جو منہ سے پھونک مارنے پر زہریلے تیر پھینکنے لگتا ہے لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ میں کسی سے ذکر کیے بغیر' کٹی ہوئی پتنگ کی طرح پورے میدان میں چکراتا رہا لیکن قاتل کو شناخت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس تقریب میں سیکڑوں چینی شریک تھے اور ان سب کے خدوخال ایک جیسے تھے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ تم دس پندرہ منٹ تک کسی عام سے چینی سے بات کرتے رہو اور پھر وہ کسی بھیڑ میں مل جائے تو تمہارے فرشتے بھی اسے شناخت نہیں کر سکتے۔ ہاں' اس میں ڈون کوانگ فو کی طرح مٹاپے وغیرہ جیسی کوئی خاص بات ہو تو اسے ہزاروں کی بھیڑ میں بھی پہچانا جا سکتا ہے۔"
"لیکن اس چینی کو ڈان نیشی کاؤ سے کیا پرخاش ہو سکتی

تھی؟" حبیب جیوانی نے اپنے متوفی آقا کا حقِ نمک ادا کرتے ہوئے شرلاک ہومز بننے کی کوشش شروع کردی۔

"ذاتی پرخاش اور گروہ بندی' دونوں طرح کے امکانات ہوسکتے ہیں" میں نے بھی ڈاکٹر واٹسن کی طرح بے سروپا امکانات پر قیاس آرائی شروع کردی "شاید تمہیں علم ہوگا کہ ڈون کوانگ فو کی طرح ڈان نیشی کاؤ کا خاندان بھی صدیوں سے شنگھائی کے مضافات میں رہتا چلا آرہا ہے۔ دونوں کی دوستی کی بنیاد بھی اسی ہمسائیگی پر تھی۔ ان دونوں پھلتے ہوئے خاندانوں کے بہتیرے افراد چین سے فرار ہوکر ہانگ کانگ' مکاؤ سے امریکا تک میں آباد ہوچکے ہیں لیکن ان کی جڑیں ابھی تک قدیم شنگھائی میں ہی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ برسوں پہلے ڈان نیشی کاؤ یا اُس کے بزرگوں نے کسی کے ساتھ کوئی بڑی زیادتی کی ہو اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے بھول گئے ہوں لیکن متاثرہ فریق اپنی تذلیل یا حق تلفی کو فراموش نہ کرسکا ہو۔ اگر ایسے کسی آدمی کے دل میں ڈان نیشی کاؤ کے لیے کینہ پروان چڑھ رہا تھا تو اس کے لیے اپنے پرانے دشمن سے بدلہ لینے کے لیے' ڈون کی اس بڑی تقریب سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں ہوسکتی تھی۔ ڈون مکاؤ کا بے تاج بادشاہ کہلاتا ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی حویلی میں' اس کی آنکھوں کے سامنے کوئی شخص اس کے قریبی دوست اور معزز مہمان پر وار کرنے کی جرأت کرسکے گا۔ اسی حد سے بڑھے ہوئے اعتماد کی وجہ سے اس تقریب میں حفاظتی انتظامات نہ ہونے کے برابر تھے جن سے کوئی بھی کینہ پرور دشمن بھرپور فائدہ اٹھا کر ڈان نیشی کاؤ کو ٹھکانے لگا سکتا تھا..."

"تمہاری یہ تمام معلومات قابلِ رشک ہیں" سیٹھ حبیب جیوانی نے رشک اور حیرت کے ساتھ میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے ڈان نیشی کاؤ کے اس خاندانی پس منظر کا کوئی علم نہیں تھا۔"

"لیکن میں موقع واردات کا چشم دید گواہ تھا۔ ڈان تھری کو میری نظروں کے سامنے قتل کیا گیا تھا" میں نے پُرزور لہجے میں کہا۔ "اپنے ایک بڑے کے قتل پر میرے اندر ایک حیوان جاگ اٹھا تھا۔ میں جب تک مکاؤ میں رہا' اسی واردات کا کھوج لگانے میں مصروف رہا جس کے نتیجے میں یہ تمام باتیں میرے سامنے آئیں...."

"میں تمہارے نظریے سے متفق ہوتا جارہا ہوں۔ تمہاری فراہم کی ہوئی یہ معلومات تمہاری پوزیشن صاف کرنے میں بہت زیادہ مدد کریں گی' میں آج ہی میلان بات کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"لیکن ابھی میری کہانی ادھوری ہے" اس معرکے میں سیٹھ حبیب جیوانی کو ذہنی مار دینے کا احساس کرتے ہوئے' میں نے فخریہ لہجے میں بات جاری رکھی "یہ کسی پرانی دشمنی کا پہلو تھا لیکن ڈان نیشی کاؤ کی آمد سے پہلے ڈون کوانگ فو نے مکاؤ میں اپنے ایک باغی کو بڑی بے رحمی سے قتل کرکے' سمندر میں مگرمچھوں والی کھاڑی میں پھینک دیا تھا۔ مکاؤ میں وان لن واحد آدمی تھا جو ڈھکے چھپے الفاظ میں ڈون پر تنقید کرتا رہتا تھا۔ مکاؤ میں اس کے حامیوں اور ہمدردوں کی خاصی تعداد ہے۔ وہ لوگ درپردہ وان لن کی مدد کرتے رہتے تھے۔ ڈون اور اس کے آدمیوں کے ستائے ہوئے مقامی باشندے بھی وان لن کو اکساتے رہتے تھے۔ اس کے قتل کی وجہ سے مکاؤ کی فضا خراب ہوگئی تھی۔ ڈون کوانگ فو کو پورا یقین تھا کہ ڈان نیشی کاؤ کے قتل اور تقریب کی بربادی میں وان لن کے حامیوں کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے بُل فائٹنگ رنگ کی باڑھ کمزور کرکے' ڈان تھری کی آمد سے پہلے ہی تقریب میں افراتفری پھیلا دی تھی کیونکہ وحشی سانڈ تقریب کے شرکا پر چڑھ دوڑا تھا۔ یہ کام کسی ایک آدمی کے بس کا نہیں تھا۔ ڈان تھری کے قتل کی رات ڈون کے آدمیوں نے مکاؤ میں وان لن کے حامیوں کو چُن چُن کر ٹھکانے لگایا اور ان کے گھربار' املاک اور کاروبار کو آگ لگا کر تباہ کردیا تھا۔ تم خود غور کرو کہ مکاؤ کے اس قدر بھیانک اور غیریقینی حالات میں' میں کس قدر بے بس اور بے حیثیت تھا۔ ڈان تھری کے قتل کے بارے مجھ پر تو شبہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔"

"تمہاری بات میری سمجھ میں آرہی ہے" فون پر حبیب جیوانی کی پُرخیال آواز ابھری۔

"وہ ڈون اور وان لن جیسے دو بدمست ہاتھیوں کی لڑائی تھی۔ اس میدان میں مجھ جیسے بے بضاعت آدمی کا دخل ہی نہیں تھا۔ وہ بے رحمی کے ساتھ مجھے بھی ذبح کرکے آدم خور مگرمچھوں والی کھاڑی میں پھینک دیتے۔"

"تمہاری غیرحاضری میں تمہارے فلیٹ میں کون رہ رہا تھا؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ ایک نیا سوال کر بیٹھا۔

"کوئی بھی نہیں!" میں نے پورے اعتماد کے ساتھ سفید جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہا "فلیٹ میرے ایک دوست کی ملکیت ہے۔ اُس کی بیوی فلیٹ کی صفائی وغیرہ کے لیے ضرور آئی ہوگی کیونکہ طویل غیرحاضری کے بعد بھی فلیٹ مجھے بالکل صاف ستھرا اور آراستہ ملا تھا۔ لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"مجھے کل ہی اطلاع ملی کہ ڈان تھری کے قتل کے وقت تم مکاؤ میں موجود تھے۔ اس کے بعد میں نے تین مرتبہ تمہارا نمبر ملایا لیکن ہر بار ایک نسوانی آواز سننے کے بعد فون بند کرنا پڑا۔ اب مجھے تمہارے ایسے مراسم اور معمولات کے بارے میں جاننا پڑے گا ورنہ میری لاعلمی سے شدید غلط فہمیاں بھی پیدا ہوسکتی ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" میں نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا "فلیٹ کی حالت دیکھ کر غزالہ کو بھی شبہ ہوا تھا کہ میں نے کہیں اس کی غیرحاضری میں کسی اور عورت سے دوستی نہ کرلی ہو۔"

"پھر اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"آج آرام کرنے کا موڈ ہے۔ کل بنکاک سے کراچی تک کا

سفر خاصا اعصاب شکن ثابت ہوا تھا۔"

"کیوں؟ کیا جہاز میں بھی کچھ مسائل تمہارا پیچھا کر رہے تھے؟" اس نے خوش گوار لہجے میں پوچھا۔

"شاید تم نے آج کے اخبارات نہیں دیکھے ورنہ مجھ سے یہ سوال نہ کرتے!"

"میں ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر فرصت سے اخبار بینی کرتا ہوں۔ ابھی تو صرف آٹھ ہی بجے ہیں۔"

میں نے اسے انڈین ہائی جیکر کے بارے میں بتایا تو وہ اخبار پڑھنے سے پہلے ہی پوری کہانی جاننے پر تل گیا کیونکہ اس معاملے میں بھی مجھے عینی شاہد کا درجہ حاصل تھا۔ میں نے ترپاٹھی کی اصلیت اور اس ڈرامے میں اپنے کردار کا کوئی ذکر کیے بغیر، اسے پوری کہانی کا خلاصہ سنا ڈالا۔

"حیرت ہے کہ ایسے واقعات تمہارا تعاقب کرتے رہتے ہیں۔" پوری بات سن لینے کے بعد وہ متحیرانہ انداز میں بولا "میں نے بلاشبہ سیکڑوں فضائی سفر کیے ہیں لیکن میرے ساتھ آج تک کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا۔"

"اخبار دیکھو گے تو تمہیں میری باتوں کا یقین آ جائے گا" میں ہولے سے ہنس کر رہ گیا۔

"یقین کی بات نہیں، میں سنجیدگی کے ساتھ یہ جاننا چاہتا ہوں کہ عجیب و غریب واقعات صرف تمہارے ساتھ ہی کیوں پیش آتے ہیں؟ تم مکاؤ گئے تو وہاں ڈان تھری کے قتل کی سازش تیار تھی۔ واپسی کے لیے جہاز میں قدم رکھا تو وہاں انڈین ہائی جیکر چھپا بیٹھا تھا۔"

"پھر تو مجھے یہ سوچنا چاہیے کہ ہانگ کانگ سے بنکاک کے سفر میں کوئی واقعہ کیوں رونما نہیں ہوا؟ یہاں پہنچا تو سب کچھ نارمل اور پرسکون کیوں تھا؟ یہ تو صرف اتفاقات ہیں جو کسی کے بھی ساتھ اور کہیں بھی پیش آ سکتے ہیں۔"

"آج آرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کل تم اسلام آباد چلے جاؤ گے۔ پھر ہماری ملاقات کب ہو گی؟"

"جانے سے پہلے میں وقت نکال لوں گا۔ اور ہاں، وہ امیر جان کے بیٹے کی ویڈیو فلم آ گئی ہے؟"

"ابھی نہیں آئی۔ ڈان تھری شاگو پہنچنے کے بعد ہی اسے یہاں بھجواتا۔ اب اس معاملے میں تاخیر ہوتی نظر آ رہی ہے۔ بہرحال جب تم ملو گے تو اس بارے میں مزید بات ہو گی۔" دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

میں نے ایک گہرا سانس لے کر لائن منقطع کر دی۔ سیٹھ حبیب جیوانی سے وہ پرپیچ گفتگو ہونے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ میرے نزدیک وہ بہت بڑی کامیابی تھی کہ میں نے اپنی خود ساختہ کہانیوں کے ذریعے ایک طرف ویراکو اور دوسری طرف حبیب جیوانی کو اس حد تک اپنی بے گناہی کا قائل کر لیا تھا کہ وہ دونوں ڈون کو انگ فو اور مافیا کے بڑوں کے شکوک و شبہات دور کرنے کے سلسلے میں، کامیابی کے ساتھ میری وکالت کر سکتے تھے۔ اس سے آگے کچھ اور کرنا میرے بس سے باہر تھا۔

اس گفتگو سے فارغ ہو کر، میں اول خان کے دفتر سے باہر نکلا تو وہاں موجود سپاہی نے مجھے بتایا کہ اول خان ایک خطرناک قیدی کی طرف گیا ہوا تھا۔ میں نے سپاہی کو فوراً ہی ادھر روانہ کر دیا تاکہ وہ اپنے افسر کو میرے فارغ ہونے کی اطلاع دے سکے۔ میں دوبارہ اول خان کے دفتر ہی میں جم گیا۔

وہ سپاہی چند منٹ بعد ہی واپس لوٹ آیا۔ اول خان نے اس کے ذریعے مجھے اپنے پاس بلایا تھا۔

وہاں پہنچنے پر پتا چلا کہ اول خان رجنی کے کمرے میں موجود تھا اور اس کمرے کے باہر دو مسلح سپاہی یوں تیار کھڑے ہوئے تھے جیسے وہاں کوئی ہنگامہ برپا ہونے کا اندیشہ ہو۔

رجنی کے بدن پر ایس ٹی ایف والوں کی طرف سے فراہم کیا ہوا معمولی مگر صاف ستھرا لباس موجود تھا۔ اسے قدرت نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ دلکش خدوخال اور متناسب اعضا سے نوازا تھا، اس لیے اسے سرسری طور پر دیکھ کر نظر انداز کرنا ممکن نہیں تھا، پھر اس وقت تو رجنی کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ، آنکھوں میں سرخی میں ڈوبی ہوئی وحشیانہ چمک بھی نظر آ رہی تھی اس لیے میری نگاہیں اس کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

اس سے قبل میں نے رجنی سے گفتگو کی تو اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی تاکہ وہ اپنے اغوا کنندگان کو شناخت نہ کر سکے۔ اس وقت تک ہمارے عزائم کچھ اور تھے۔ مان سنگھ کو راہِ راست پر لانے کے لیے ہم اسے ایک مہرے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے۔ مقصد پورا ہونے کے بعد اسے رہا کرنے کا ارادہ تھا لیکن مان سنگھ پکا سیکرٹ ایجنٹ ثابت ہوا تھا۔ اس پر اپنی بیوی کے اغوا کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اس سے گفتگو کرنے کے بعد میں نے اندازہ لگایا تھا کہ دنیا بھر کی نظروں میں ایک مثالی جوڑا بنے رہنے کے باوجود، ان دونوں کے درمیان کوئی گہرا جذباتی تعلق نہیں تھا۔ شریمان سنگھ اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں کھویا رہتا تھا۔ رجنی اپنی زندگی کے ہر ہر لمحے سے رنگینیاں نچوڑ لینے میں مصروف تھی۔ اپنے دوستوں کے علاوہ وہ اپنے نام نہاد شوہر کے دوستوں کے لیے بھی پکے ہوئے پھل کی طرح تھی۔ جو چاہے، ذرا سی کوشش سے حاصل کر لے۔

شریمان اپنی پتنی کے ان کرتوتوں سے پوری طرح باخبر تھا بلکہ موتن لال کے معاملے میں تو یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ خود شریمان نے رجنی اور موتن لال کو ایک دوسرے کے قریب ہونے کا موقع دیا تھا۔ اس طرح شاید وہ اپنے پیشہ ورانہ مقاصد کے حصول کے لیے اپنی بیوی کے استعمال کا عادی ہو چکا تھا۔

شریمان سنگھ اپنے خاندانی وقار اور معاشرتی حیثیت کے تحفظ

کے لیے' ایک خاموش سمجھوتے کے تحت رجنی کے ساتھ گزارہ کررہا تھا۔ رجنی کی زندگی یا موت سے اسے زیادہ فرق نہیں پڑتا تھا۔
وہ ہماری دھمکیوں میں نہیں آیا اور رجنی کی رہائی کا معاملہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا جس کے نتیجے میں وہ اس وقت بھی اسٹیشن فور پر نظر آرہی تھی۔

اُسے شریمان سنگھ کی موت سے باخبر نہیں کیا گیا تھا۔ اُسے بتا بھی دیا جاتا تو شاید اس پر زیادہ فرق نہ پڑتا۔

"یہ عورت اپنی قابلِ نفرت حرکتوں کی وجہ سے ہمارے لیے عذاب بن چکی ہے" اول خان نے مجھ سے کہا۔ وہ رجنی سے زچ آیا ہوا نظر آرہا تھا۔

"پھر اسے بھی ذبح کردو!" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اس سے تو بہتر ہے کہ تم مجھے اپنے محروم آدمیوں کے حوالے کردو۔ وہ خود ہی نوچ کھسوٹ کر میرے بدن کا ریشہ ریشہ الگ کردیں گے۔ مگر وہ موت بڑی لذت انگیز ہوگی۔ میں کپڑے اتار کر لیٹتی ہوں تو ان بے چاروں کی حالت قابلِ دید ہوجاتی ہے۔ وہ مجھے دیکھنا بھی چاہتے ہیں اور نظریں بھی چُراتے ہیں۔ فطرت انھیں میری طرف دھکیلتی ہے لیکن تم لوگوں کا نمک انھیں مجھ سے دور کھینچتا ہے" اس نے خاموش ہوکر اپنی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں اور چند ثانیوں بعد بولی "پتا نہیں تم کیسے مرد ہو کہ ایک خوب صورت عورت سے کھیلنے کے بجائے اسے مروانے کی کوشش کررہے ہو؟"

"تم شریمان کی سرگرمیوں کے بارے میں کیا کچھ جانتی ہو؟" میں نے اس کے تبصرے کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ جو کچھ جانتی تھی' وہ پہلے ہی بتا چکی ہوں۔ وہ مجھے اپنے رازوں میں شریک نہیں کرتا۔"

"اب یہ ماضی کی بات ہوچکی ہے" میں نے سرد اور کاٹ دار لہجے میں کہا۔

وہ قدرے چونکی مگر اس کے ردِعمل میں صدمے کا شائبہ تک نہیں تھا "تو کیا اب وہ زندہ نہیں ہے؟"

میں نے اثبات میں سرہلا دیا اور وہ بولی "مجھے معلوم تھا کہ اُس کا انجام یہی ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اُس کی موت کے بعد میں تمہارے لیے بے مصرف ہوچکی ہوں۔ شاید اب تم مجھے آزاد کردو گے۔"

اول خان نے غصیلے انداز میں زور زور سے اپنا سرہلایا اور میرا بازو تھام کر مجھے اس کمرے سے باہر لے آیا "تم نے اس بے شرم عورت کی باتیں سن لیں۔ اب بتاؤ کہ میں اسے کب تک برداشت کرسکتا ہوں؟"

"میں اس سے کچھ کام لینے کا ارادہ رکھتا تھا" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "لیکن اس پر ذرا بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے دماغ میں چڑھی ہوئی آوارگی نے اسے ایک کتیا بنا کر رکھ دیا ہے۔ تم اس کے بارے میں اپنے منصوبے پر کسی بھی وقت عمل کرسکتے ہو۔"

میری بات سنتے ہی اول خان کا چہرہ خوشی سے کِھل اٹھا "یہاں میڈیکل ایکسپرٹ آیا ہوا ہے۔ میں آج ہی اس کام کی ابتدا کرا رہا ہوں۔ یہ کل تک اپنا ذہنی توازن کھو کر' لمبے سفر کے لیے تیار ہوچکی ہوگی۔"

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے دفتر کی طرف آگئے۔ اول خان نے کسی کو فون کرکے رجنی کی یادداشت محو کرنے کے معاملے پر چند منٹ تک تبادلۂ خیال کیا پھر فوری طور پر کام شروع کرنے کی ہدایت دے کر فون بند کردیا۔

"یہ کام اتنا سہل نہیں ہے" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا "ادویات کے اثرات کے بغور مشاہدے کے ساتھ ساتھ بتدریج یادداشت زائل کی جائے گی۔ سریع الاثر ادویات کے استعمال کے نتیجے میں دماغی خلیے ہمیشہ کے لیے تباہ ہوجائیں گے۔ اب بھی یہ مصیبت پانچ چھ روز تک ہمارے سروں پر مسلط رہے گی۔"

"لیکن وہ تمہارے لیے مسائل نہیں کھڑے کرے گی" میں نے اسے اطمینان دلایا "دواؤں کا استعمال شروع ہوتے ہی اس کی حاضر دماغی کافور ہوجائے گی اور وہ اپنی حرکتیں بھول جائے گی۔"

"بس' وہ سفر کے قابل ہوجائے تو میں اُسے بنگلہ دیش روانہ کرکے اطمینان کا سانس لوں گا" وہ بولا "اب تم بتاؤ کہ ہانگ کانگ میں تمہیں پاکستان کے آبی ذخائر کے بارے میں خبریں کیسے مل رہی تھیں؟"

"میں وہاں بھی اُن ہی لوگوں کے درمیان تھا جو شی کے نمک خوار ہیں" میں نے اس بارے میں ویرا کا نام لینے کے بجائے گول مول سا جواب دیا "ان کی باتوں میں پاکستان کا ذکر بھی آجاتا تھا۔"

"تو کیا شی اتنے بڑے پیمانے پر بھارتی عزائم کی پشت پناہی کرنا چاہ رہی ہے؟" میری بات کا الٹا ہی اثر ہوا اور اول خان بری طرح چونک پڑا "میں نے تو رفتہ رفتہ شی کو دشمنوں کی صف سے خارج کردیا تھا۔"

"اب بھی وہی صورتِ حال ہے۔" میں نے جلدی سے بات سنبھالنے کی کوشش کی "شی نہ کبھی ہماری بہی خواہ تھی اور نہ آئندہ ہوسکے گی۔ ہم صرف ویرا کی وجہ سے شی کا نشانہ بننے سے بچے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی چالاکی سے کام لے کر اُن کا ہر حربہ ناکام بناتی چلی آرہی۔"

"آج کل وہ کہاں ہوتی ہے؟ سنا ہے کہ آپریشن بلیو کراس ڈیل میں اس نے ناقابلِ یقین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔"

"خوش قسمتی سے وہ کراچی ہی میں ہے اور ہمارے تعلقات بہت خوشگوار رہیں" میں نے ہنستے ہوئے کہا "بلیو کراس ڈیل میں اس کا کردار ناقابلِ فراموش رہا ہے۔ اس وسیع و عریض کارواں کے اچانک غائب ہوجانے پر ہمارے دشمن بُری طرح بوکھلائے ہوئے

نہیں معلوم ہو چکا ہے کہ پورے کانوائے میں صرف ایک
پناہ ہو سکا تھا۔ ویرا نے اس سازش کی ناکامی کی پوری ذمے
ان ہی پر ڈال دی ہے۔"

تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ ویرا درمیان میں نہ ہوتی تو شی
ایران سے روانہ کی جانے والی پوری کھیپ کو راستے ہی میں
لیتے اور ہم کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ نہ کر پاتے۔"

"وہ مزاج کی تھوڑی سی سنکی ہے۔" میں نے کہنا چاہا لیکن
خان نے قہقہہ مار کر میری بات کاٹ دی۔

"اس میں ویرا کا قصور نہیں ہے۔ سارے امریکی تھوڑے
سنکی ہوتے ہیں اور اسی کمال کی وجہ سے دنیا بھر میں ایک
برے کو شناخت کرتے ہیں۔"

"دعا کرو کہ وہ ہماری کسی بات سے بھڑک نہ جائے۔ اس کا
لہٰذا رہا تو وہ ہمارے بہت کام آئے گی۔ یہاں کے بھارتی
نیلیٹ میں اس کے گہرے مراسم ہیں۔ اس سے اندر کی اہم
مل سکتی ہیں۔"

"میرپور سے پکڑے جانے والے دونوں مشتبہ آدمیوں کی
اسرار موت کے بعد ہمارے اوپر والے بہت پریشان ہیں۔ اس
نے میں ان کی موجودگی کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آرہا تھا لیکن
نے جب سے آبی ذخائر کو لاحق خطرات کی بات سنائی ہے، میری
تشویش میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ میں نے تمہارے اندیشے اوپر
والوں تک پہنچا دیے ہیں اور شاید اب تک بڑے ذخائر پر کڑی
نگرانی بھی شروع کرا دی گئی ہو لیکن عملاً یہ بہت دشوار کام ہے۔"

میں حیرت اور خاموشی کے ساتھ اس کی طرف دیکھتا رہا کیونکہ
اس کا آخری فقرہ میرے لیے ناقابلِ فہم تھا۔

میرے تاثرات بھانپ کر اس نے اپنی بات جاری رکھی "چند
ہفتوں بعد برسات کا موسم شروع ہونے والا ہے۔ اس کے بعد
دریاؤں میں پانی کا بہاؤ بہت بڑھ جائے گا۔ یہ دریا ہی آبی ذخائر کا
پیٹ بھرتے ہیں پھر فاضل پانی بند کے اسپل وے پر سے گزر کر آگے
بڑھ جاتا ہے۔ اگر ان لوگوں نے ان نیم سیلابی دریاؤں میں بارودی
دھماکوں کے بڑے بڑے صندوق چھوڑ دیے تو تیز بہاؤ کی وجہ سے
وہ صندوق وغیرہ جھیلوں میں ضرور پہنچ جائیں گے۔ سیلابی ریلوں کے
ساتھ بہہ کر آنے والے کاٹھ کباڑ کو روکنا انسانی بس سے باہر ہوتا
ہے۔"

اس کی الجھن کا سبب میرے ذہن میں آگیا۔ وہ بہت دور کی
بات سوچ رہا تھا۔ وہ لوگ چند ہفتوں تک سیلابی بہاؤ ختم ہونے کا
انتظار کر سکتے تھے تاکہ ان کا ڈالا ہوا تخریبی مواد منزلِ مقصود سے
قریب ترین پہنچ جائے پھر ریموٹ کنٹرول کے ذریعے ان خاموش
شیطانوں کے جہنم بیدار کیے جا سکتے تھے۔

"پرائی سرزمین پر ایسی سرگرمیاں اتنی آسان نہیں ہوتیں۔
اگر نگرانی کے ساتھ ہی قرب وجوار کی آبادیوں کو بھی اعتماد میں لے
کر متوقع خطرات سے آگاہ کر دیا جائے تو تخریب کاری کے امکانات
معدوم ہو سکتے ہیں۔"

"میں آج ہی ظفر کو یہ تجویز دے دوں گا۔ وہ خود ہی مناسب
منصوبہ بندی کر لے گا۔"

"ظفر؟" میں نے حیرت سے دُہرایا "تو کیا اسے ترقی دے دی
گئی ہے؟"

"میری اور اس کی حیثیت ایک ہی ہے" اول خان نے
مسکراتے ہوئے کہا "بس ذمے داریوں کی نوعیت ذرا مختلف ہے۔
اس بار بھی ہمارے باہمی تبادلے ہوئے ہیں اور اب ہم اپنی اپنی
پرانی جگہوں پر مامور ہیں۔"

"تم ظفر کے ماضی سے تو پوری واقفیت رکھتے ہو گے؟" میں
نے موضوع سے ہٹتے ہوئے سوال کیا۔

"بس اتنا ہی معلوم ہے کہ وہ ایک ریٹائرڈ فوجی افسر اور اسپیشل
ٹاسک فورس کا فرض شناس کارکن ہے۔ ہم لوگ ایک دوسرے
کے بارے میں زیادہ تجسس میں نہیں پڑتے۔"

"شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہو کہ اس کی اور ویرا کی پرانی
شناسائی ہے!"

"نہیں!" اول خان وفورِ حیرت سے اپنی کرسی سے اچھل پڑا۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"میرے سامنے کی بات ہے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر
حیران رہ گئے تھے۔"

"مجھے یہ نہ بتانا کہ ظفر بھی کسی وقت شی کے لیے کام کرتا رہا
تھا" اس نے بے اعتباری سے کہا۔

"شاید کرنل جیسی جونز کا نام تمہارے لیے نیا نہیں ہو گا؟"
میں نے اُس سے پوچھا۔

"وہی جو کولمبیا میں جرائم کا شہنشاہ کہلاتا تھا؟" اول خان نے
حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ہاں۔ اس کا ہیڈ کوارٹر بوگوٹا میں تھا اور وہ بھاری معاوضے پر
سیاسی جرائم اور دہشت گردی کے کام کیا کرتا تھا۔ اس کا شمار
کارلوس کے ہم عصروں میں کیا جاتا ہے" میں نے وضاحت کے
ساتھ کہا۔

"میں سمجھ گیا" اول خان نے بے صبری کے ساتھ کہا "لیکن کرنل جیسی جونز سے ظفر کا کیا تعلق تھا؟"

"ظفر اس کے لیے تین برس پہلے تک کام کرتا رہا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ کرنل جیسی جونز کو چھوڑ کر ہی ایس ٹی ایف میں آیا تھا۔ اسے ڈھونڈ کر یہ جاب پیش کیا گیا تھا۔"

"اور یہ سب تمہیں ویرا نے بتایا تھا؟" اول خان کی حیرت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"اس نے مجھے خفیہ طور پر کچھ نہیں بتایا۔ یہ تمام باتیں مجھے ظفر اور ویرا کی گفتگو سے معلوم ہوئی تھیں اور یہ تمام گفتگو میری ہی موجودگی میں ہوئی تھی۔"

"لیکن اس وقت ویرا کہاں تھی؟ اسے یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟" اول خان نے بے تابی کے ساتھ پوچھا۔

"وہ بوگوٹا میں کرنل جیسی جونز کے دستِ راست 'ایلشٹن' کی داشتہ ہوا کرتی تھی۔ وہاں اس نے ویرونیکا کا نام اختیار کیا ہوا تھا۔ ظفر کو وہ تمام باتیں یاد تھیں۔ ویرا نے تو اسے پہنچانتے ہی اس پر پستول تان لیا تھا لیکن بعد میں جب تمام غلط فہمیاں رفع ہو گئیں تو ظفر اس پر لٹو ہو گیا تھا۔ ویرا کو کوئٹہ جانے والی پرواز پر اسی نے پہنچایا تھا۔ ویرا نے بھی اسے رجھانے اور گھسنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

"حالاں کہ عمر میں وہ ویرا سے بہت بڑا ہے۔ اسے محتاط رہنا چاہیے تھا" اول خان آہستگی سے بڑبڑایا تو اُس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"تم یکایک کچھ فکرمند نظر آنے لگے ہو' کیا بات ہے؟" میں نے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"ویرا نے تمہیں اور کیا بتایا تھا؟" اس نے میری بات سنی ان سنی کر کے سوال کیا۔

"بس یہی خاص باتیں تھیں جو میں نے دُہرا دیں۔ البتہ ویرا نے ظفر کے اظہارِ عشق کا بہت منہ توڑ جواب دیا تھا۔ اس نے ائرپورٹ پر ظفر سے رخصت ہونے سے پہلے اسے ایک خوب صورت مصنوعی پھول دیا تھا جو راستے ہی میں ایک دھماکے سے پھٹ گیا۔ ظفر زخمی حالت میں اسٹیشن فور پہنچا تھا۔"

"لیکن اس کے ہاتھوں زک اٹھانے کے باوجود ظفر اس سے متاثر تھا" وہ تعجب کے ساتھ بولا۔

"اس نے خود ہی ویرا کے اس انتقامی رویّے کا جواز ڈھونڈ لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ابتدائی جھڑپ میں اس نے ویرا کو آوارہ قرار دے کر اس کی انا کو مجروح کیا تھا اور ویرا نے اسے زخمی کر کے اپنا بدلہ لے لیا تھا۔ کوئٹہ پہنچنے کے بعد ویرا نے فون پر اس کی عیادت بھی کی تھی جس پر وہ بہت خوش ہوا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ سب محض دکھاوا تھا" اول خان کی آواز قدرے تلخ ہو گئی "وہ ویرا سے دوستی بحال کر کے اس کی زبان بند رکھنی چاہتا تھا۔ کرنل جیسی جونز کی تنظیم میں لوگ اپنی مرضی سے شامل ضرور ہوتے ہیں لیکن اپنی آزادانہ مرضی سے اسے خیرباد نہیں کہہ سکتے۔ اب مجھے یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ تین سال پہلے وہ کن حالات میں ایس ٹی ایف میں آیا تھا۔ تم نے اس کے بارے میں مجھے شکوک میں مبتلا کر دیا ہے۔"

"تو کیا اس کی ہمدردیاں اب بھی جیسی جونز کے ساتھ ہیں؟" اب میرے حیران ہونے کی باری تھی۔

"بدقسمتی سے مجھے یہی شبہ ہے اور اگر یہ شبہ درست ہوا تو یہ ایس ٹی ایف کی تاریخ میں غداری کا پہلا واقعہ ہوگا" اول خان بہت کشیدہ خاطر نظر آنے لگا تھا۔

"تمہارے شُبے کی بنیاد کیا ہے؟"

"مصدقہ اطلاعات کے مطابق کرنل جیسی جونز کم از کم دو سال سے 'ارب پتی یہودیوں' کے ایک نسل پرست گروہ کے لیے کام کر رہا ہے۔ اگر ظفر اب بھی اس کا ہمدرد ہے تو سمجھ لو کہ ہم آستین میں ایک سانپ پال رہے ہیں۔ ایس ٹی ایف میں اسے اہم ترین قومی رازوں تک رسائی حاصل ہے اور وہ کسی بھی وقت ہماری گردنوں میں پھندا ڈلوانے کی پوزیشن میں ہے۔"

میرے بدن کے مساموں میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ "سب سے بڑا خطرہ تو اس ایٹمی ساز و سامان کو ہے جو ہماری زیرِ زمین گوداموں میں اتارا گیا ہے۔ ظفر نے وہ جگہ نہ دیکھی ہو لیکن اسے اتنا ضرور معلوم ہے کہ دشتِ لوت سے آنے والا کارواں سرحدی پہاڑوں میں روپوش ہوا تھا۔"

میں نے ظفر کا نام آنے پر اول خان سے اس کے سرسری سا ذکر چھیڑا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کسی سنگین موضوع پر بات کر رہا ہوں لیکن وہاں معاملہ ہی تھا۔ مجھے حیرت اس بات کی تھی کہ ظفر نے کراچی میں اپنی کے دوران میں مجھے اپنی نیّت پر شبہ کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا۔ اگر وہ بدستور کرنل جیسی جونز کے لیے کام کر رہا تھا تو وہ واقعی بڑے چکر میں تھا۔ چھوٹے موٹے رازوں کی پاسداری کر کے اس نے مناسب وقت اور موقع کے لیے ایس ٹی ایف میں اپنا مقام بنا لیا تھا۔

"میں اس معاملے میں ایک منٹ بھی ضائع نہیں کر" اول خان نے اضطراری انداز میں کہا "اگر وہ غدار ہے تو ہمارے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ باقی مسائل بعد میں بھی طے کیے جا سکتے ہیں۔"

اُس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور ایک نمبر ملانے لگا جس کی ابتدا صفر سے ہوئی تھی' یعنی وہ کراچی سے باہر کسی سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔

فون پر رابطہ ہوتے ہی اوّل خان کے چند ابتدائی کلمات سے
اندازہ ہوگیا کہ وہ اپنے کسی اعلیٰ افسر سے بات کر رہا تھا۔ میری
اول خان کی دوستی اپنی جگہ تھی لیکن ایس ٹی ایف اور اس کے
معاملات بڑی حد تک قومی سلامتی کے زمرے میں آتے تھے
مجھے ان سے الگ تھلگ ہی رہنا چاہیے تھا۔
باہمی مراسم کی وجہ سے' اول خان مجھے دفتر چھوڑنے کی
نہیں دے سکتا تھا لیکن میں نے معاملے کی نزاکت بھانپتے
اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اول خان نے مجھے وہاں رکنے کا اشارہ نہیں
تو میں بس لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس کے دفتر سے باہر
راہداری میں نکل گیا۔
میں نے چند قدم دور جانے کے بعد سگریٹ سلگائی اور کھوئے
کھوئے انداز میں برہنہ دیواروں کو تکنے لگا۔
ظفر کے بارے میں ظاہر کیے جانے والے' اول خان کے
شبہات نے میرے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اسپیشل ٹاسک
فورس کوئی روایتی سرکاری ادارہ نہیں تھا' جس پر اپنے ملازمین کی
بھرتی کے سلسلے میں عام ضوابط کی پابندی لازمی ہو۔ اس کے ذمے
قومی سلامتی اور اپنی خفیہ تنظیم کی ضروریات کو مدِ نظر رکھتے
ہوئے' کوئی بھی غیر روایتی لیکن محفوظ طریقۂ کار اپنانے کے لیے
آزاد ہونے چاہیے تھے تاکہ اس اہم ترین ادارے میں غیر ملکی تخریب
کار اور مخبر نہ گھس سکیں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس ضمن میں کہیں
بھی کسی کوتاہی کے ارتکاب کی گنجائش نہیں تھی لیکن دوسری
طرف اول خان کا یہ دعویٰ بھی وزنی تھا کہ جیسی جونز کے گروہ میں
شامل ہونے والے' اپنی مرضی سے اس کو چھوڑنے کا فیصلہ نہیں
کر سکتے تھے اور اگر ظفر اسے چھوڑ کر ایس ٹی ایف میں آگیا تھا تو یہ
بات یقینی تھی کہ وہ اب بھی کرنل جیسی جونز کا وفادار تھا اور کسی
خاص مشن کے لیے ایس ٹی ایف میں موجود تھا۔
اس بارے میں یہ نکتہ بھی قابلِ غور تھا کہ کرنل جیسی جونز
پچھلے کئی برس سے ارب پتی یہودیوں کے کسی نسل پرست گروہ کے
لیے کام کر رہا تھا۔ عالمی حلقوں میں یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں
تھی کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے نسل پرست یہودیوں نے اپنی
ہمدردیاں اسرائیل سے وابستہ کی ہوئی تھیں۔ وہ مشنری جذبے کے
ساتھ اسرائیل کے مفادات کی نگہبانی کرنا اپنا فرض تصور کرتے
تھے جب کہ مشرقِ وسطیٰ اور عالمِ اسلام کے ساتھ اسرائیل کی
کبھی نہیں بنتی تھی۔ اسی چکر میں اسرائیل کے حکمراں' پاکستان
کے ساتھ پرخاش رکھتے تھے اور آئے دن اس کے خلاف ریشہ
دوانیوں میں مصروف رہتے تھے۔ اگر انہوں نے اپنے کسی مذموم
منصوبے کی تکمیل کے لیے ظفر کو اسپیشل ٹاسک فورس میں پہنچایا تھا
تو یہ بہت خطرناک بات تھی۔
کرنل جیسی جونز اور اس کے دہشت گرد گروہ کے بارے میں
میری معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اس بارے میں ویرا بہت
کچھ بتا سکتی تھی یا پھر اول خان کے دعوے کو من و عن تسلیم کر لینا
ضروری ہو جاتا تھا۔ ان دونوں میں سے کسی کو بھی ظفر کے بارے
میں جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن ظفر کے کردار کے
بارے میں' اول خان کے واضح شبہات میرے دل میں صرف اس
بنا پر بری طرح کھٹک رہے تھے کہ شرافت و دیانت یا بد معاشی اور
بے ایمانی سے قطع نظر' کوئی بھی پاکستانی' خواہ اس کا جذبۂ وطن
پرستی کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو' کم از کم دو باتوں پر کوئی گندہ سمجھوتا
نہیں کر سکتا تھا۔
میری نگاہ میں وہ دونوں نکات ایٹمی ترقیاتی پروگرام اور
اسرائیل کے لیے مخبری پر مشتمل تھے۔ ظفر کیسا ہی گیا گزرا کیوں نہ
ہو' وہ اپنے مخصوص ماضی کی بنا پر' ذلت اور بے ضمیری کی اس سطح
تک نہیں گر سکتا تھا جہاں وہ دونوں ہی خطرات ہو سکتے تھے۔
ظفر کے بارے میں' وہ تصور میرے لیے سوہانِ روح بنا ہوا تھا
اور میں سگریٹ پھونکتے ہوئے ویران راہداری میں بے چینی کے
ساتھ ٹہلتا رہا۔ مجھے پہچاننے والے ایک کارکن نے مجھے خالی
کمرے میں بٹھانے کی پیشکش کی' جسے میں نے اضطراری طور پر
مسترد کر دیا۔ میں تو بس اوّل خان کی فون کال ختم ہونے کا منتظر تھا
تاکہ اس سے فوری طور پر ظفر کے معاملے پر گفتگو کو آگے بڑھا
سکوں۔
ایران سے زمینی راستے سے پاکستان آنے والے ایٹمی سازو
سامان اور آلات کی چھ سو ٹن وزنی کھیپ کو ہم نے ویرا کی مدد سے
تباہی سے بچایا تھا۔ اس اہم ترین مشن میں ہم سب ہی کا کوئی نہ
کوئی کردار تھا۔ لیکن اصل اور فیصلہ کن رول ویرا نے ہی ادا کیا
تھا۔ اگر وہ ایک سپر طاقت کی طرف سے' ٹی کی اعلیٰ ترین صفوں
سے آنے والی ہدایات کو نظر انداز کر کے دھماکا خیز ٹریلر کو بروقت
بقیہ کارواں سے الگ نہ کراتی تو بلیو کراس ڈیل کا اہم ترین منصوبہ
دردناک سازش کی بھینٹ چڑھ سکتا تھا۔ اس پوری کارروائی میں
ظفر کا اس کے علاوہ اور کوئی عملی کردار نہیں تھا کہ اس نے ویرا کو
میرے فلیٹ سے ائرپورٹ تک پہنچایا تھا۔ اس کے علاوہ وہ بس
مختلف خبریں ہی وصول کرتا رہا تھا۔ اسے ابتدا سے آخر تک ہر بات
کا علم تھا اور وہ چاہتا تو اپنے آقاؤں کو ویرا کے عزائم سے آگاہ
کر کے' اس کی کوششوں کو خاک میں ملانے کا بندوبست کر سکتا تھا۔
اگر اوّل خان کے شبہات درست تھے تو بلیو کراس ڈیل میں
ویرا کے کردار کے بارے میں ظفر کی خاموشی بہت ہی زیادہ پُراسرار
اور خطرناک نظر آنے لگتی تھی۔ اگر اس کی نگاہ میں بلیو کراس ڈیل
کی زیادہ اہمیت نہیں تھی تو پھر وہ کس بڑے مشن پر کام کر رہا تھا؟
یہ سوال بار بار پوری شدت کے ساتھ میرے ذہن میں گونجنے
لگا۔ آخر کار میری کھوپڑی میں ایک جھماکا ہوا اور میں بری طرح
مضطرب ہو گیا۔
اگر ظفر نے ایران سے آنے والے ایٹمی سامان کی کھیپ کو

سرسری طور پر نظرانداز کردیا تھا تو اس کی نگاہیں یقینی طور پر کہوٹہ کے ممنوعہ ایٹمی علاقے پر مرکوز تھیں۔ سرحدی پہاڑوں میں واقع زیرِ زمین گوداموں سے اس سامان کو منزلِ مقصود تک لے جانے کے لیے طویل راستے سے گزرنا تھا۔ بے شک وہ ہمارا ملکی علاقہ تھا لیکن اس پورے راستے کی کڑی نگرانی کرنی ممکن نہیں تھی۔ چند افراد کی ملی بھگت کے ذریعے ان میں سے کسی بھی ٹرک پر ایسا تباہ کن مواد لادا جاسکتا تھا جسے میلوں دور سے حرکت میں لاکر پاکستان کی ایٹمی اساس پر کاری وار کیا جاسکتا تھا لیکن اس مفروضے پر دماغ سوزی کرنے سے پہلے یہ یقین کرنا ضروری تھا کہ ظفر واقعی غدار اور کرنل جیسی جونز کا آدمی تھا۔ وہ اسپیشل ٹاسک فورس میں ایک کلیدی عہدے پر فائز تھا اور اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے کارواں کی نقل و حرکت کے کسی بھی اگلے مرحلے پر کوئی تخریبی کارروائی کرسکتا تھا۔

بلیو کراس ڈیل اور اس سے بھی آگے پاکستان کی شہرہ آفاق ایٹمی تنصیبات کو کسی بھی امکانی خطرے سے بچانے کے لیے یہ امر ناگزیر ہوچکا تھا کہ جب تک ظفر کی نیک نیتی یا بدنیتی کے بارے میں کوئی شہادت حاصل نہ کرلی جائے اس کے اختیارات اس حد تک ضرور سلب کرلیے جائیں کہ اسے ایرانی سازو سامان منتقل کرنے والے ٹرکوں کی نقل و حمل یا راستے میں دخل انداز ہونے کا موقع نہ مل سکے۔

میں فلیٹ سے روانہ ہوا تو یہ ارادہ تھا کہ اول خان کے ساتھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکالوں گا لیکن اس کے فون پر مافیا کے حبیب جیوانی کے ساتھ بات کرنے کے بعد ہی اتفاقاً ظفر کا ذکر نکل آیا اور پھر وہی موضوع میرے ذہن پر بری طرح چھاتا چلا گیا۔

اسی وقت اول خان اپنی فون کال سے فارغ ہوکر اپنے دفتر سے باہر نکل آیا۔

"باہر کیوں ٹہل رہے ہو؟ اندر ہی آجاؤ۔ میری فون کال ختم ہوگئی ہے۔"

"تمہیں آزادی کے ساتھ بات کرنے کا موقع دینے کے خیال سے باہر آگیا تھا۔"

"آگئے تو اچھا کیا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا "اندر بیٹھے رہتے تو کوئی فرق نہ پڑتا۔"

"کیا رہا؟" میں نے کرسی سنبھالنے کے بعد ٹٹولنے والے لہجے میں سوال کیا۔

"میں نے ظفر کے بارے میں اپنے کمانڈنگ آفیسر سے بات کی ہے۔ وہ مجھ سے متفق نہیں ہے۔"

"تم لوگوں کے سسٹم میں کسی غدار کا گھس آنا ان ہونی سی بات لگتی ہے۔"

"لیکن میں اپنے شبہات کے بارے میں پُریقین ہوں۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔

"اگر تمہارے شبہات میں ذرا سی بھی جان ہے تو ظفر کو فوری طور پر اختیارات سے محروم کیا جانا ناگزیر نظر آتا ہے تاکہ وہ بلیو کراس ڈیل کو خراب نہ کرسکے۔" میں نے اپنے دل کی بات اس کے سامنے بیان کردی۔

"میری بھی یہی کوشش تھی۔ میں نے اپنی بات آگے تک پہنچا دی ہے۔ اب فیصلہ کرنا اوپر والوں کے اختیار میں ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ وہ بلیو کراس ڈیل سے بھی بڑے چکر میں ہے۔ اسے اگر موقع میسر تھا کہ ویرا کو راہ سے ہٹا کر کسی اور کو دشتِ لوت والے کام پر مامور کیا جاسکتا تھا۔"

مجھے حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہوئی کہ اس کی اور میری سوچ میں یکسانیت تھی۔

"یہی نکتہ مجھے بھی پریشان کررہا ہے۔ اگر ظفر کی وفاداریاں اب بھی کرنل جیسی جونز کے ساتھ ہیں تو پھر وہ کسی بہت بڑے چکر میں ہے۔"

"کرنل جیسی جونز کا کوئی آدمی اس سے منحرف یا کنارہ کش ہوکر زندہ نہیں رہ سکتا!" اس نے میرے تردّد پر بالا اصرار کہا۔ "اس لیے تم اگر مگر کی بات چھوڑ دو!"

"میں کسی بھی طرح اس الزام کو ہضم نہیں کرپارہا مگر پھر بھی خوفزدہ ہوں۔"

"ان ارب پتی یہودیوں کے بارے میں" میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ وہ نسل پرست خود کو ڈیوڈ اسٹارز یا داؤدی ستارے کہتے ہیں۔ وہ درپردہ کئی بڑے تجارتی گروپوں پر قابض ہیں جن کے ذریعے انہوں نے امریکا اور یورپ کے کئی بااثر اخبارات کے اکثریتی حصص حاصل کیے ہوئے ہیں، جن کے بل پر وہ پیشہ ور صحافیوں کے لیے پالیسیاں جاری کرنے پر قادر ہیں۔ نامور صحافی اپنی پیشہ ورانہ مجبوریوں کے تحت انہی خطوط پر کام کرتے ہیں اور بغیر جانے بوجھے نسل پرست یہودیوں کے لیے فضا سازگار بنانے میں لگے رہتے ہیں......"

"کمانڈنگ آفیسر اس بارے میں کیا کہتا ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"وہ میری بات سننے پر ہی آمادہ نہیں تھا۔ دراصل بعض لوگ اپنی تمام تر حب الوطنی اور فرض شناسی کے باوجود تنگ نظر ہوتے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ میں اپنے تبادلے کی وجہ سے ظفر سے بدظن ہوا ہوں۔ اس نے میری پوری بات سننے کے بجائے مجھے یہ سمجھانا شروع کردیا کہ تبادلوں میں کسی کی خواہش کا دخل نہیں تھا۔ وہ اوپر سے آنے والے احکام تھے جن کے سامنے ظفر بھی میری ہی طرح بے بس تھا۔"

"پھر تو شاید کچھ بھی نہیں ہوسکے گا۔" اول خان کی اس کہانی نے مجھے مایوس کردیا۔

"لیکن میں نے ہتھیار نہیں ڈالے۔ میں نے درخواست کی ہے کہ کم از کم ظفر کی سیکیورٹی کلیئرنس کا ریکارڈ چیک کروالیا جائے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ اس میں کوئی فروگزاشت نہیں تھی۔"

"اس میں دو چار دن بھی لگ سکتے ہیں۔ ظفر تو بدستور اپنی جگہ مستحکم اور فعّال رہے گا۔"

"سیکیورٹی کلیئرنس کی فائل دوبارہ کھلنے کا فیصلہ ہوتے ہی وہ کڑی نگرانی میں آجائے گا اور کسی بھی طرح اپنی من مانی نہیں کرسکے گا۔"

"لیکن بات فیصلہ ہونے کی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری درخواست رد کردی جائے۔"

"یہ بھی ممکن ہے۔" اس نے اعتراف کیا "کیونکہ ایس ٹی ایف میں افسر تو درکنار، کبھی کسی معمولی کارندے کی سیکیورٹی فائل بھی کبھی ری اوپن نہیں کی گئی ہے۔"

"پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ فائل ری اوپن ہوتے ہی مشتبہ شخص زیرِ نگرانی آجاتا ہے؟"

"میں نے کچھ عرصے تک ریکارڈ آفس میں بھی کام کیا ہے اس لیے ان کتابی ضابطوں سے واقف ہوں۔ تمہیں میری بات پر اعتبار کرلینا چاہیے۔" اس نے دلنشیں مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کتابی ضابطے!" میں ایک گہرا سانس لے کر بولا "اس کا مطلب ہے کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے بڑے بھی روایتی پابندیوں سے آزاد نہیں ہیں؟"

"مادر پدر آزاد رہ کر بس چھوٹے موٹے گروہ ہی پنپ سکتے ہیں۔ بڑی تنظیموں کی کارکردگی اور بقا کے لیے کچھ نہ کچھ قاعدے بنانے ہی پڑتے ہیں۔ ایس ٹی ایف کے ضوابط بہت مختصر اور موثر ہیں۔ ایک بار کمانڈنگ آفیسر میرا ہم نوا بن جائے تو وہ اپنی صوابدید پر بہت کچھ کرسکتا ہے۔"

"جب تک وہ تمہارا ہم نوا نہیں بنتا، ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے؟"

وہ سوچ میں پڑ گیا اور چند لمحوں کے توقف کے بعد، پُرخیال لہجے میں بولا "اس دوران میں تم ویرا سے ظفر کے ماضی کے بارے میں معلومات حاصل کرسکتے ہو۔"

"وہ بھی کرنا پڑے گا۔ ویرا نے اسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا جبکہ ظفر سکتے میں رہ گیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ بوگوٹا میں قیام کے دنوں میں، ان دونوں میں گہری شناسائی تھی۔"

"بہت زیادہ!" میں نے نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "ایشلے، کرنل جیسی جونز کا دستِ راست تھا۔ اس لیے ویرا کو اس کے تمام ماتحتوں کو بہت قریب سے دیکھنے اور جاننے کا موقع ملتا رہا ہوگا۔"

"کمانڈنگ آفیسر نے بظاہر میرے خدشات مسترد کردیے ہیں لیکن مجھے پورا پورا یقین ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کرے گا۔"

"اس دوران میں، مَیں ویرا سے شاید کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہوجاؤں۔"

"اور اگر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں تو ویرا کا ردِعمل کیا ہوگا؟" اس نے پوچھا۔

"ویسے تو وہ بڑی متلوّن طبیعت کی مالک ہے۔ بعض اوقات اس کے بارے میں سارے اندازے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ وہ تمہارے سامنے کھل کر بات نہیں کرے گی۔ وہ میری زبان سے تمہارے تذکرے سن کر بہت زیادہ متاثر ہے۔ یوں اچانک تم سے ملاقات ہوگی تو وہ فطری آزادی کے ساتھ بات نہیں کرسکے گی۔ وہ تم سے ملنے کی بہت زیادہ شائق ہے۔"

"اچانک نہیں، تم فون کرکے اسے بتادو کہ واپسی پر تم مجھے اپنے ساتھ لارہے ہو۔" اول خان اس معاملے میں ہر بات جلد از جلد جان لینے پر تلا ہوا تھا۔

"وہ بہت چالاک ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ کئی بار میری اور اُس کی اَن بَن بھی ہوچکی ہے۔ تمہیں، میرے ساتھ دیکھتے ہی وہ بھانپ لے گی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ظفر کے بارے میں کھل کر بات نہ کرے۔ تم نہیں جانتے کہ اسے اپنے ساتھ ملائے رکھنے کے لیے میں کیا کچھ پاپڑ بیلتا رہا ہوں!"

"تو تم اسے اعتماد میں نہیں لوگے؟" اس نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ضرورت ہی نہیں ہے۔" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "میں تو اس کے اور ظفر کے بے جوڑ عشق کا مضحکہ اڑا کر بات کی ابتدا کروں گا اور وہ خود ہی میری مطلوبہ لائن پر آجائے گی۔"

اول خان اضطراری انداز میں ہنس پڑا مگر اس کی ہنسی کھوکھلی تھی۔ وہ ان معدودے چند لوگوں میں سے تھا جو فرض شناسی کا روگ ہر وقت اپنے دل سے لگائے پھرتے ہیں اور انہیں کوئی بھی اندیشہ محسوس ہونے لگے تو وہ اپنی ہر ذاتی راحت اور آسائش کو قربان کرکے، ہر لمحہ اسی کے انسداد میں لگے رہتے ہیں۔

"پھر تم فوراً جاؤ اور اس سے بات ہوتے ہی، مجھے نتائج سے باخبر کردینا۔" اس نے نہایت بے چینی کے ساتھ اپنی کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"میں کوشش کروں گا کہ اس بار تمہاری اور اس کی ملاقات کرادوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ملاقات ہو یا نہ ہو، اس سے معلومات حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔"

میں اول خان سے رخصت ہوا تو میرے ذہن پر بہت بڑا بوجھ سوار ہوچکا تھا۔ گھر کے بھیدی کے خوف نے حبیب جیوانی اور اس

سے کیے ہوئے وعدے کو ذہن سے بالکل ہی محو کر دیا تھا۔
میں دس بجے کے قریب فلیٹ پر واپس پہنچا تو میرے لیے غزالہ ہی نے دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلتے ہی مجھے ڈرائنگ روم سے سلطان شاہ کی تلخ و ترش آواز سنائی دی۔
میں نے آنکھیں چڑھا کر استفسار طلب نگاہوں سے غزالہ کی طرف دیکھا تو وہ اپنا سر جھٹک کر مسکرا دی۔ "سلطان شاہ بلاوجہ ہی ویرا سے الجھ پڑا ہے اور وہ اسے مسلسل چڑائے جا رہی ہے۔"
مجھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتا دیکھ کر' سلطان شاہ شیر ہو گیا اور اس نے اچانک ہی اچھل کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "بہت ہو گئی...... اب میں اس گھر میں زیادہ دن نہیں رہ سکتا۔"
"کسی بوڑھی گھوڑی کی طرح بدکنے کی ضرورت نہیں۔" ویرا کی خشک آواز ابھری۔ "مجھے بتاؤ! میں خود تمہیں نئے اصطبل میں چھوڑ کر آؤں گی۔"
سلطان شاہ چراغ پا ہو کر' براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "تم اپنی چہیتی کی بکواس سن رہے ہو؟ اسے بتاؤ کہ گھوڑی کون ہے...... اسے ہر وقت اچھلنے کودنے اور ناز نخرے دکھانے کا شوق ہے جو میری برداشت سے باہر ہے۔ میں ابھی اس کی گردن مروڑ دوں گا۔"
"آخ...... خاہ!" ویرا نے میری طرف گھوم کر' شوخی کے ساتھ اپنی آنکھیں مٹکائیں۔ "تو آپ بھی تشریف لے آئے! کسی کو کچھ بتائے بغیر' صبح صبح کہاں نکل گئے تھے؟"
"کشمیر روڈ کے سبزہ زاروں پر چہل قدمی کے لیے چلا گیا تھا۔" میں نے یونہی کہہ دیا۔
"اس حلیے میں؟" اس نے آنکھیں نکال کر میرے لباس اور جوتوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔
"علاقے کی سڑکیں ناپنے کے ارادے سے نکلا تھا لیکن پھر ان باغات کی طرف چلا گیا۔ صبح کی چہل قدمی کے لیے وہ پارک بہت خوبصورت ہیں۔"
"کل صبح میں بھی تمہارے ساتھ واک پر چلوں گی۔" وہ اٹھلا کر بولی۔
میں کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا کہ وہ نیا موضوع چھڑ جانے کی وجہ سے سلطان شاہ کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمودار ہو رہے تھے لیکن میں اس کی طرف سے انجان بنا رہا۔ اپنے یوں نظر انداز کیے جانے پر آخر کار اس سے نہ رہا گیا اور وہ ایک دم پھٹ پڑا۔
"بھاڑ میں گئی تمہاری واک۔ میں اسی وقت اس گھر میں اپنی حیثیت کا فیصلہ کر کے رہوں گا۔ اب یہ کھیل زیادہ دنوں تک نہیں چلے گا۔"
"کیا ہوا؟ تم کیوں ناراض ہو رہے ہو؟" میں نے معصومانہ سادگی سے پوچھا۔
"سب سے بڑی مشکل یہی ہے کہ میرے ساتھ ہونے والی زیادتیاں اب تمہیں نظر نہیں آتیں۔ تم نے اس' شیطان کی خالہ کو بہت سر چڑھا لیا ہے۔" اس نے بھنا کر فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔
ویرا نے اس کی بات کا جواب دینے کے لیے مُنہ کھولا ہی تھا کہ میں نے سختی سے اسے روک دیا اور سلطان شاہ سے کہا "کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم بیٹھ کر آرام سے تمہاری شکایات پر گفتگو کریں؟"
سلطان شاہ بھونڈے انداز میں اچانک ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔
"اب بتاؤ کہ تمہیں ویرا سے کیا شکایت ہے؟" میں نے بھی اطمینان سے ایک نشست سنبھالتے ہوئے کہا۔
سلطان شاہ نے کچھ کہنے کے لیے بھاڑ سا مُنہ کھولا لیکن غزالہ سے نظریں چار ہوتے ہی وہ بوکھلا گیا اور تیزی کے ساتھ اس سے بولا "تم...... تم اپنے کمرے میں جاؤ! ہمیں کچھ بات کرنی ہے۔"
غزالہ سر جھکا کر خاموشی سے اٹھی اور ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔
"یہ بے ہودگی ہے۔" ویرا نے احتجاج کیا۔ "ایسی کون سی بات ہے جو غزالہ کے سامنے نہیں کی جا سکتی؟"
"بکومت!" سلطان شاہ غرایا۔ "یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔"
"وہ جا چکی ہے۔ اسے بھول جاؤ اور سکون سے اپنی شکایت بیان کرو!" میں نے اسے ٹوکا۔
"یہ...... یہ میرے ساتھ مسلسل بدتمیزیاں کر رہی ہے۔" سلطان شاہ کی غصیلی آواز شاید غیر ارادی طور پر دھیمی ہو گئی تھی۔
"کس قسم کی بدتمیزیاں؟ کھل کر بات کرو کیونکہ اب غزالہ یہاں نہیں ہے۔"
وہ فوری طور پر کوئی وضاحت نہیں کر سکا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے سے الجھن جھانکنے لگی تھی۔ جیسے اسے ویرا کی بدتمیزی کی وضاحت کے لیے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔
"تمہیں معلوم ہے کہ کل رات' اس نے خواب گاہ میں گھس کر مجھے اچانک ہی گہری نیند سے بیدار کر دیا تھا۔" کئی ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔
میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر اسے بات آگے بڑھانے کا اشارہ دیا۔
"آج صبح اس نے میرے ساتھ پھر وہی حرکت کی تھی۔" سلطان شاہ نے مُنہ پھلا کر کہا۔
"کون سی حرکت؟" میں نے قدرے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوال کیا۔
"وہی جو کل رات کی تھی۔" سلطان شاہ نے مظلومیت اور بے چارگی کے ساتھ کہا۔
"کیا؟" میں دانت پیس کر غرّایا۔ "وہی تو میں جاننا چاہ رہا ہوں۔"

ویرا اپنی بے ساختہ ہنسی ضبط کرنے کے لیے طرح طرح کے منہ بنا رہی تھی۔ میں بھی اس سے نظریں ملانے سے کترا رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ نظریں چار ہوتے ہی ہم بری طرح قہقہے لگانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

"یہ میرے بدن سے چپک کر ہولے ہولے میرا سر سہلاتی ہے۔" سلطان شاہ بمشکل کہہ سکا۔

ویرا کے حلق سے ایک بے ساختہ نقرئی قہقہہ ابل پڑا اور وہ ہنسی کے دوران میں ہی بولی "اور میری اس دلجوئی سے اس کا دم نکلنے لگتا ہے۔"

میں نے بدقّت تمام اپنا قہقہہ ضبط کر کے گہری مسکراہٹ پر اکتفا کیا اور سنجیدگی کے ساتھ کہا "یہ تو کوئی بدتمیزی نہیں ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ اس نے تمہیں بستر سے نیچے گھسیٹ لیا ہوگا۔"

"یہ تمہاری سوچ کا فتور ہے کہ تمہیں برائی میں بھی برائی نظر نہیں آتی۔" اس نے بے بسی کے ساتھ کہا۔ میری سنجیدگی کی وجہ سے اس کا غصہ دوبارہ نہیں بھڑک سکا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "اتفاق سے کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن مرد اور نامحرم عورت کا جان بوجھ کر خطرناک حد تک ایک دوسرے کے قریب ہونا شیطانی فعل ہے۔ میں اسے پسند نہیں کرتا۔ اس سے کہہ دو کہ یہ آئندہ مجھ سے اس قدر قریب آنے کی کوشش نہ کرے۔"

"یہ اپنی اپنی طبیعت کی بات ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا "اسپیشل ٹاسک فورس والے ظفر کا قصہ تمہارے سامنے ہی ہے۔ پختہ عمر کا وہ متین شخص ویرا کے اسی التفات کا طلب گار تھا جسے تم شیطانی فعل قرار دے رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ ویرا نے اسے بارودی پھول کا تحفہ دے کر زخمی کر دیا تھا۔ تمہاری جگہ ظفر ہوتا تو بن مانگے ملنے والے اس خلوص پر خوشی سے پاگل ضرور ہو جاتا۔"

"یہ ظفر کے ذکر کا کون سا موقع ہے؟" ویرا مجھے گھورتے ہوئے غرا کر بولی۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" میں نے اس سے کہا اور دوبارہ سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم ہاتھ منہ دھو کر ناشتا کرو۔ میں ویرا کو سمجھا دوں گا کہ تمہارے ساتھ جسمانی فاصلہ برقرار رکھے۔" بات کرتے ہوئے میں نے اسے آنکھ ماری اور غنیمت ہوا کہ وہ میرا اشارہ سمجھ کر مزید بحث کیے بغیر وہاں سے اٹھ گیا۔

"یہ بالکل جھوٹ بول رہا ہے۔" ویرا تڑپ کر بولی "یہ کہاں کا گلفام ہے کہ میں اس سے زبردستی چپکتی پھروں گی۔ یہ کسی گھاگ الو کی طرح اپنی خواب گاہ میں اندھیرا کر کے سونے کا عادی ہے۔ رات کو میں اس کے کمرے میں گئی تو مجھے ڈر تھا کہ اس چھوٹے سے فلیٹ میں اونچی آوازوں سے غزالہ کی نیند خراب نہ ہو اس لیے میں نے اس کے بستر کے قریب جا کر اس کا سر ہلایا تھا اور اس نے کہانی بنا دی۔ بے خیالی میں میرے بدن کا کوئی حصہ اس کے گندے جسم سے مس ہو گیا ہو تو میں اس سے بے خبر ہوں۔ یہ بیدار ہوتے ہی چڑ کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے اسی ردعمل کی وجہ سے آج بھی میں نے سر کے بال کھینچ کر اسے جگایا تھا۔ اتنی سی بات تھی اور اس نے ایک پورا افسانہ بنا لیا۔"

سلطان شاہ جاتے جاتے رک کر اسے کینہ توز نظروں سے گھورنے لگا تھا۔

ان دونوں کا دوبارہ متصادم ہونا میرے منصوبے کے حق میں مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیے اس بار میں نے ویرا کو آنکھ مارتے ہوئے خشک لہجے میں کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ایک بات سے چڑتا ہے تو تم بار بار اسی کا اعادہ کیوں کرتی ہو....."

"ٹھیک ہے!" ویرا بھنا کر بولی "اب میں اس سے دور ہی رہوں گی۔ اسے اٹھانا پڑا تو ناک میں تنکا گھما دیا کروں گی۔ اس چند فٹ کے فلیٹ میں صبح کے دو تین بجے اونچی آواز میں کسی کو پکارنا میرے لیے ناممکن ہے۔" اس نے بھی میرا اشارہ بھانپتے ہوئے بالواسطہ طور پر ہتھیار ڈال دیے اور سلطان شاہ کسی آسودہ حال فاتح کی چال چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا۔

ویرا نے بہت جاندار مسکراہٹ کے ساتھ میرے پیکٹ سے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور پہلے کش کا دھواں میرے چہرے پر اگلتے ہوئے بولی "اب بتاؤ کہ تم نے ظفر کی بات کیوں چھیڑی تھی؟"

"میرے لیے وہ ایک عجیب و غریب واقعہ تھا۔ میں اسے سنجیدہ اور بردبار آدمی سمجھتا ہوں۔ پھر تمہاری اور اس کی عمر کا فرق بھی بہت واضح ہے....." اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔

"عشق میں عمر کی بات نہیں چلتی۔ دولت کے نشے میں بدمست عرب شہزادوں کے حرم سے باہر آزاد دنیا میں ایسی بے شمار مثالیں بکھری ہوئی ہیں۔ مقتول کینیڈی کی بیوہ جیکولین اوناسس جیسے بوڑھے کے عشق میں دیوانی ہو گئی تھی۔ الیزبتھ ٹیلر کے ہزاروں سچے عاشقوں میں آٹھ سے اسی سال تک کے مردوں کی بھیڑ شامل ہے۔ یہی نہیں اس کے تو شوہروں تک میں بوڑھے ادھیڑ عمر جوان اور نوجوان سب ہی شامل رہے ہیں اور اخبارات تو یہ خبر بھی سناتے ہیں کہ بوڑھے یاسر عرفات کو ایک ایسی بچی سے عشق ہو گیا ہے جسے اس نے عملاً اپنی گود ہی میں پالا ہے۔ زندگی نے وفا کی تو شاید آنے والے چند برسوں میں وہ لڑکی یاسر عرفات کی بیوی بھی بن جائے۔ عمر کے حوالے سے تم ظفر کو طعنہ نہیں دے سکتے۔ کوئی اور بات کرو!" وہ مسکرائے جا رہی تھی۔

"وہ ایس ٹی ایف کا ایک ذمے دار افسر ہے....." میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے دوبارہ میری بات اچک لی۔

"ہاں تو یہ کہو نا کہ تم اپنے ایک ہیرو کا میرے سامنے جھکنا برداشت نہیں کر سکے۔" وہ خوش ہو کر بولی "تم مشرقی لوگ بہت زیادہ متعصب اور تنگ نظر ہوتے ہو۔ جسے چاہنے لگتے ہو اسے

اچانک ہی دیوی دیوتاؤں کے درجے پر فائز کردیتے ہو۔ پھر اس کی انسانی لغزشوں پر' مار مار کر اُس کا پلیتھن نکال دیتے ہو۔"

"تم جو چاہو' سمجھ لو۔ میرے لیے وہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ اس لیے میرے ذہن سے چپک کر رہ گیا۔ اس کے لیے' تم سے اظہارِ عشق کا بہترین موقع وہ تھا جب وہ بوگوٹا میں تمہارے ساتھ تھا۔ اس وقت وہ اتنا ادھیڑ عمر بھی نہیں رہا گا۔ عشق کے لیے صرف جذبے ہی کافی نہیں ہوتے' گھٹنے بھی مضبوط ہونے چاہئیں۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ بوگوٹا میں ظفر نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی ہوگی!" وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولی "وہاں بھی اس نے پہلی ملاقات میں دبے لفظوں میں مجھ سے عشق جھاڑنا چاہا تھا لیکن جب میں نے اسے اپنے بوائے فرینڈ' ایلشٹن کے بارے میں بتایا تو وہ فوراً ہی پسپا ہوگیا۔ ایلشٹن پورے کولمبیا میں گردن توڑ بخار کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ وہ کراٹے کے ایک ہی وار میں اپنے حریف کی گردن توڑ ڈالنے میں ماہر ہے۔"

"ظفر واقعی عجیب و غریب آدمی ہے۔ میں اسے اتنا چھچھورا نہیں سمجھتا تھا۔"

"وہ میرے لیے بھی عجیب و غریب ہے لیکن کسی اور مفہوم میں!" وہ ہنس کر بولی۔

"وہ کیا؟" میں نے اپنے تجسس پر قابو پاتے ہوئے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

"شاید تم یقین نہیں کرو گے کہ بوگوٹا ہی میں اس کا ایک سو فیصد ہم شکل بھی موجود تھا۔"

"کیا؟" فرطِ حیرت سے میرا مُنہ کھل گیا اور دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہوگئیں۔ ویرا کا وہ سنسنی خیز انکشاف میرے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔

"وہ بوگوٹا کے اینٹی نارکوٹکس ڈیپارٹمنٹ میں انسپکٹر تھا۔ اس کا نام البرٹو ویلیسا تھا۔ ان دونوں کی شکل و صورت اور رنگ و روپ میں ناقابلِ یقین حد تک مشابہت تھی۔ صرف بالوں کے رنگ اور اسٹائل میں فرق تھا۔ ظفر سے میری پہلی ملاقات بھی یادگار تھی کیونکہ میں اسے البرٹو سمجھ کر اُس کے قریب گئی تھی۔ البرٹو اپنے محکمے میں کرنل جیسی جونز کا تنخواہ دار ملازم تھا اور ایلشٹن نے کئی بار میرے ہاتھوں سے اسے رقم دلوائی تھی۔ میں نے اسی غلط فہمی میں ظفر کی پشت پر بے تکلفی سے ہاتھ مار کر ہسپانوی زبان میں اس کی مزاج پُرسی کی تو ظفر حیرانی سے میری طرف پلٹا اور کسی ہونق کی طرح مجھے گھورنے لگا۔ اس کے چہرے سے ہی نظر آرہا تھا کہ وہ میرے حسن کے سحر کا شکار ہوگیا تھا لیکن میری کوئی بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔ اس وقت بھی مجھے شبہ نہیں ہوسکا کہ وہ البرٹو نہیں ہے۔ میں نے ہسپانوی میں ہی پھر پوچھا کہ اس کی عقل کہاں چرنے گئی ہوئی ہے تو ظفر نے نہایت شکستہ انگریزی میں مجھے آگاہ کیا کہ وہ پہچاننے سے قاصر ہونے کے باوجود اپنی خوش بختی پر نازاں تھا۔ اس پر مجھے گڑبڑ کا شبہ ہوا اور بعد میں معلوم ہوا کہ ظفر کرنل کے گروہ میں نیا نیا شامل ہوا تھا۔"

میں نے دل ہی دل میں "وہ مارا" کا نعرہ لگایا۔ بہت سے دوسرے کارنامے سرانجام دینے کے بعد میں' ویرا کے ساتھ مل کر پھر ایک بڑا معرکہ سر کرنے والا تھا۔ اول خان کے شبہات کی تصدیق کی بنیاد پڑ رہی تھی اور اس کو اپنے کمانڈنگ آفیسر کے سامنے سرخروئی حاصل ہوتی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"اتنی مکمل مشابہت کی بات کسی اور نے کی ہوتی تو میں ہرگز یقین نہ کرتا لیکن جہاں تم جیسی چالاک اور جہاں دیدہ لڑکی بھی دھوکا کھا گئی ہو' وہاں شبہ کرنے کی ذرا سی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی۔"

"دراصل اس حیرت ناک مشابہت ہی کی وجہ سے ایلشٹن کی نظرِ انتخاب ظفر پر پڑی تھی۔ ظفر ریٹائرمنٹ پر ملنے والی رقم کے سہارے عالمی سیاحت کے پروگرام کے تحت کولمبیا پہنچا تو شاید اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ وہ ایک لمبے عرصے کے لیے وہیں پڑا رہ جائے گا۔ ایلشٹن نے اسے ایک شراب خانے میں دیکھا اور تاڑ لیا۔ پھر اس نے کرنل سے بات کی۔ ان لوگوں کے لیے البرٹو بہت اہم آدمی تھا۔ ایلشٹن' ظفر کو قربانی کے بکرے کے طور پر اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا تاکہ کوئی برا وقت پڑنے پر البرٹو کو صاف بچا کر' ظفر کو مروا دیا جائے۔ کرنل کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد ایلشٹن نے ظفر سے مل کر اسے معقول مشاہرے پر ایک شراب خانے میں منیجر کی ملازمت پیش کی۔ ظفر بیوی' بچوں اور خاندان کے جھمیلوں سے آزاد' ایک سیلانی آدمی تھا اس لیے اس نے وہ ملازمت قبول کرلی۔ وہ کرنل کی فیلڈ فورس سے بالکل لاتعلق تھا اور پسِ پردہ رہ کر بوگوٹا کا ایک مصروف مضافاتی شراب خانہ چلاتا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ ظفر یہاں کیسے آیا؟ یہ سب باتیں میرے علم میں نہیں ہیں کیونکہ میں اپنا مشن پورا کرتے ہی کولمبیا سے نکل گئی تھی۔"

"تمہیں ظفر کو یہاں دیکھ کر حیرت نہیں ہوئی؟" میں اپنی بات دھیرے دھیرے آگے بڑھا رہا تھا۔

"صرف اس حد تک کہ کرنل جیسی جونز کا آدمی' تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس میں کیا کررہا ہے؟"

"میں نے سنا ہے کہ شی کی طرح کرنل کو چھوڑنے والے بھی زندہ نہیں چھوڑے جاتے!"

"یہ ٹھیک ہے لیکن وہ شاید اس کی فیلڈ فورس کے آدمیوں کی بات ہے۔ ظفر تو صرف ایک شراب خانے کا منیجر تھا۔ اسے کرنل کے رازوں تک رسائی حاصل نہیں تھی۔ ہوسکتا ہے کہ اسے غیر اہم سمجھ کر نظرانداز کردیا گیا ہو۔ وہ شراب خانہ ویسے بھی کرنل کے ایک معاون کے نام پر تھا۔"

"لیکن وہ قربانی کا بکرا تھا۔ البرٹو کی گردن بچانے کے لیے اسے پالا جارہا تھا۔ پھر کیا یک اسے پاکستان آنے کی اجازت کیوں دے

دی گئی؟" میں نے پُرتشویش انداز میں پوچھا۔

"میں تمہاری الجھن سمجھ رہی ہوں۔ میں نے بھی اسے دیکھ کر اسی لیے پستول نکالا تھا لیکن تمہاری اور اس کی کہانیوں کے بعد مجھے مطمئن ہو جانا پڑا۔ ہو سکتا ہے کہ البرٹو اب زندہ نہ ہو اور کولمبیا میں ظفر اپنی افادیت کھو بیٹھا ہو' اسی لیے اسے آنے کی اجازت دے دی گئی ہو۔"

"لیکن ایس ٹی ایف نے کرنل جیسی جونز کے آدمی کو کیسے قبول کر لیا؟"

"یہ اندر کی بات ہے کہ وہ کرنل کا آدمی تھا۔ دنیا بھر کے لیے وہ ایک عام سے شراب خانے کا منیجر تھا۔ اگر اس شراب خانے میں کرنل جیسی جونز کے کچھ حصص بھی رہے ہوں تو یہ بات ظفر کو نااہل نہیں بنا سکتی تھی۔ بڑے بدمعاش عام طور پر' ہر زرخیز کاروبار میں دھونس اور دھاندلی سے حصے دار بن جاتے ہیں۔ ان کی حصے داری کی وجہ سے پورے کاروباری ادارے اور اس کے ملازمین کو بلیک لسٹ نہیں کیا جا سکتا۔"

اس کی دلیل معقول تھی لیکن میرے ذہن میں بار بار' اول خان کے شبہات اپنے زہریلے ڈنک مار رہے تھے اور میں ویرا سے ہر پہلو پر بات کرنے پر تل گیا تھا۔ میں نے کہا "تمہاری باتوں کے مطابق یہ ثابت ہو رہا ہے کہ ظفر' ظفر ہی ہے اور پوری نیک نیتی کے ساتھ اسپیشل ٹاسک فورس کی خدمت کر رہا ہے۔ لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ظفر کے روپ میں وہ البرٹو ملیبا ہو جسے کرنل جیسی جونز نے کسی خاص مقصد کے تحت یہاں کے لیے چھوٹ دی ہو؟"

"یہ قیاس آرائی تو ہو سکتی ہے۔ میں اسے حقیقت نہیں مان سکتی۔" اس نے کہا۔

"میرے فلیٹ سے ائرپورٹ جاتے ہوئے تم نے ظفر سے ماضی کے حوالے سے کوئی بات کی تھی۔"

وہ بے اختیار ہنس پڑی۔ "تم جوش میں آ کر بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ میری اور ظفر کی پہلی ملاقات کا لطیفہ ہماری کاک ٹیل پارٹیوں میں اتنے تواتر کے ساتھ سنایا جاتا رہا کہ ہر شخص کو ایک ایک تفصیل زبانی یاد ہو گئی تھی۔ ان ہی میں البرٹو بھی شامل تھا۔ میری ظفر سے زیادہ دوستی نہیں تھی جو ہمارے درمیان کچھ نجی حوالے موجود ہوتے۔ اس کے اظہارِ عشق کے لطیفے سے بھی البرٹو واقف تھا۔ اگر وہ البرٹو بھی ہے تو وہ ان عام سی باتوں کی بڑی گرم جوشی کے ساتھ تائید کر سکتا تھا۔"

"اس کے البرٹو نہ ہونے کے بارے میں تم اور کیا جواز رکھتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"جس طرح ظفر ہسپانوی زبان سے نابلد ہے' اسی طرح البرٹو تمہاری مادری زبان سے نابلد تھا۔ پھر زبان کے ساتھ لب و لہجہ اختیار کرنا آسان نہیں ہوتا....."

"تمہاری مثال ہمارے سامنے ہے۔ تم برقعہ اوڑھ کر اردو بولو تو اہلِ زباں سمجھی جاؤ گی۔"

"میں نے تمہارے سرحدی علاقوں کی افیم سے ہیروئن حاصل کرنے کے لیے بہت ریاضت کی ہے ورنہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ ظفر کی اردو میں ہسپانوی اثرات کا دور دور تک شائبہ نہیں ہے۔"

"دو ہم شکلوں کی کہانی سنا کر تم نے خود ہی ایک امکان پیدا کیا اور اب سرے سے اس کا وجود ہی ماننے سے منکر ہوئی جا رہی ہو۔ مجھے یہ کہانی اتنی سیدھی سادی نظر نہیں آ رہی۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"مگر کیوں؟ آخر تم ظفر کی طرف سے اتنے بدظن کیوں ہو گئے ہو؟ وہ بدنیت ہوتا تو ایرانی ٹرکوں کے کارواں کو کوئی بھی بڑا حادثہ پیش آ سکتا تھا' اور کرنل جیسی جونز کی آماجگاہ یا شکارگاہ یورپ اور افریقہ تک محدود ہے۔ اس کے ایشیا کا رخ کرنے کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ اسے یہاں سے کیا مل سکتا ہے؟"

"میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود ذہن میں خلش برقرار ہے۔"

"اسے دور کرنے کی ترکیب بہت آسان ہے۔" اس نے بزرگانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ظفر پاکستان کا ہی ایک ریٹائرڈ افسر ہے۔ اس کے پرانے سروس ریکارڈ سے اس کے فنگر پرنٹس نکلوا کر' اُس کے موجودہ فنگر پرنٹس سے موازنہ کرا لو۔ کوئی بھی ماہر ذرا سی دیر میں یہ معاملہ حل کر دے گا۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ وہ بالکل سامنے کی بات تھی جو میرے ذہن میں نہیں آ سکی تھی۔ "یہ سب سے سہل راستہ ہے۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا "میں ذرا اوّل خان سے بات کر لوں۔"

"ذرا ایک منٹ ٹھہرو!" اس نے چونک کر مجھے روک لیا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ اول خان الحدید والے معاملے میں اپنا تبادلہ ہونے کی وجہ سے ظفر سے بدظن ہو اور اب تمہیں اس کے خلاف اکسا رہا ہو؟"

اس نے بالکل وہی بات کہی تھی جو اول خان کے کمانڈنگ آفیسر کی طرف سے سامنے آئی تھی لیکن میں نے اول خان کا دفاع کرتے ہوئے کہا "یہ سب میرے اپنے شبہات ہیں' اول خان کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دراصل میرے سامنے ہونے والی' تمہاری اور ظفر کی ابتدائی گفتگو نے ذرا دیر سے میرے ذہن پر اثر کیا۔ میرے ذہن میں ظفر کی ~ ویر بن چکی ہے' وہ بہت بھیانک ہے۔"

"تو اب تم اول خان کو اپنے شبہات میں شریک کرنے جا رہے ہو؟"

"پوری کہانی دہرائے بغیر" میں نے وضاحت کی "میں اس کی مدد کے بغیر ظفر کے نئے اور پرانے فنگر پرنٹس تک رسائی حاصل

نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے" اس نے ایک خاص ادا سے اپنا سر ہلا کر کہا۔ "ذرا اپنے چہیتوں کو بھی دیکھ لینا۔"

میں ڈرائنگ روم سے باہر آیا تو وہ دونوں مختصر سی گول میز کے گرد سر جوڑے، سرگوشیوں میں مصروف تھے اور مگوں میں رکھی ہوئی چائے ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

ان دونوں کی استفسار طلب نگاہیں بیک وقت میری طرف اٹھیں اور میں نے انہیں آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا "ویرا کو بھی کچھ جائز شکایات ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اب آئندہ ایسی بدمزگی کی نوبت نہیں آئے گی۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔"

"تو کیا اتنی دیر سے اسے یہی سمجھا رہے تھے؟" سلطان شاہ نے اس گفتگو کو فطری رنگ دینے کے لئے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں، کچھ اور مسائل بھی تھے۔ ان پر ہم بعد میں بات کریں گے" میں فون کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے بٹن دبا کر اسپیکر فون استعمال کرنے کے بجائے ریسیور اٹھایا اور اول خان کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"میری بات ہوئی ہے اور کچھ نئی باتیں سامنے آئی ہیں" اول خان کی آواز سن کر میں نے کہا "تفصیل بعد میں بتاؤں گا فی الحال ظفر کے پرانے سروس ریکارڈ سے فنگر پرنٹس نکلوا کر یہ دیکھنا ہوگا کہ ظفر کے موجودہ نشاناتِ انگشت ان ہی کے مطابق ہیں یا نہیں؟"

"کیا مطلب؟" میری بات پر وہ بری طرح چونکا تھا "کیا وہ کوئی اور بھی ہو سکتا ہے؟"

"ایک موہوم سا شبہ ہے جسے دور کر لینا چاہئے" میں نے گول مول سا جواب دیا۔

"میں ابھی سی او سے بات کرتا ہوں، وہ موازنے پر آمادہ ہو جائے گا۔"

"کوئی اطلاع ملے تو مجھے فون پر بتا دینا اور ہاں، ویرا سے سامنا ہونے کا اتفاق ہو تو یہ یاد رکھنا کہ ظفر کے بارے میں شبہات میرے ذہن کی پیداوار ہیں۔"

"اجازت ہو تو میں بھی ڈرائنگ روم میں آجاؤں؟" میرے فارغ ہوتے ہی غزالہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا "ہم کافی دیر سے باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"بالکل آجاؤ! وہاں کوئی راز و نیاز نہیں ہو رہے۔ البتہ سلطان شاہ اور ویرا کا فی الحال زیادہ سامنا نہ ہو تو بہتر ہوگا۔ ایک آدھ دن میں ان کے مراسم بھی اعتدال پر آجائیں گے۔"

میں دوبارہ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا صوفے پر نیم دراز تھی۔

"اول خان بہت حیران ہوا لیکن وہ کوشش ضرور کرے گا۔" میں نے اسے آگاہ کیا اور اس سے خاصی دور، ایک الگ صوفے پر بیٹھ گیا تاکہ میری اور ویرا کی بے تکلفی غزالہ کے لئے صدمے کا سبب نہ بن سکے۔

"اور اب میں تمہیں مزے کی ایک بات بتاتی ہوں" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "البرٹو ویلیسیا، کرنل جیسی جونز کے کوکین کے کاروبار میں کلیدی اہمیت رکھتا تھا۔ وہ ظفر والے شراب خانے کے ایک خفیہ تہ خانے میں چھوٹے چھوٹے سپلائرز سے کوکین خرید کر، اسمگلنگ کے لئے ذخیرہ کرتا تھا۔ ان سودوں کی تکمیل کے لئے وہ باقاعدہ مترجم کی خدمات استعمال کر کے خود کو ہسپانوی اور دوسری مقامی زبانوں سے نابلد ظاہر کرتا تھا اور کوکین لانے والے اس دھوکے میں مبتلا ہو جاتے تھے کہ شراب خانے کا منیجر ہی کوکین کے غیر قانونی کاروبار میں ملوث ہے جب کہ ظفر کے فرشتوں کو بھی اس خفیہ دھندے کا علم نہیں تھا۔ آج کل کولمبیا کا ہر شہری لکھ پتی بننے کے لئے کوکین کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔"

"کولمبیا سے ہونے والی کوکین کی اسمگلنگ تو امریکا کے لئے ان دنوں ناسور بنی ہوئی ہے۔"

"کولمبیا میں اصل راج ہی کوکین کے ا[illegible]روں کا ہے۔ ان کی ہیبت اور دہشت کا یہ عالم ہے کہ عدالتوں کے جج ان کے مقدمات لینے سے گھبراتے ہیں۔ مقدمہ سر پڑ ہی جائے تو بیماری کی لمبی لمبی رخصتوں پر جا کر جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب سارے راستے بند ہو جائیں تو مجرموں کو چند دن کی قید یا مضحکہ خیز جرمانے کی سزا سنانے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ ایک بار تو یوں ہوا کہ سزا سات دن کی سنائی گئی جب کہ مجرم ریمانڈ میں دو ہفتے گزار چکا تھا اس لئے حکومت کو سات اضافی دنوں کا ہرجانہ مجرم کو ادا کرنا پڑا۔"

"یہ نوبت اچانک ہی نہیں آئی ہوگی۔ وہاں کے لوگوں نے اسے پال پوس کر جوان کیا ہوگا؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ شی کا تجربہ میرا اپنا ہے۔ بعض ممالک میں شی کا نام ہی ایک بھیانک خواب بنا ہوا ہے لیکن پاکستان میں ہیروئن کی سب سے زیادہ پیداوار ہونے کے باوجود ہم یہاں نہیں جم سکے۔ کولمبیا بے روح لوگوں کی سرزمین ہے۔ ابتدا میں کوکین مافیا نے لمبی اور سخت سزائیں سنانے والے ججوں کو بموں سے اڑانا شروع کیا تو اخباروں نے سنسنی خیزی کی خاطر ان واقعات کو ایڈونچر بنا کر پیش کیا۔ مرنے والوں کی حمایت میں معاشرے نے کسی ردِ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا اور آج لوگ قانون کے بجائے قانون شکنوں سے وابستگی اور وفاداری پر فخر کرتے ہیں" وہ اس وقت ایک عام اور مہذب شہری جیسے انداز میں حالات کا تجزیہ کر رہی تھی۔

"میرے لئے یہ اطلاع دلچسپ ہے کہ کرنل جیسی جونز کی بنیاد

بھی کوکین کی تجارت پر ہے" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا "عالمی دہشت گردی اور سیاسی جرائم کے لئے اسے وسائل اور اصل طاقت اسی تجارت سے حاصل ہوتی ہے۔ ایسا ہے تو وہ بھی جلد یا بدیر، پہلے ہیروئن اور پھر اسی حوالے سے پاکستان کی طرف ضرور متوجہ ہوگا۔ شاید اسی دلیل میں تمہارے اس سوال کا جواب موجود ہے کہ ایشیا میں اس کے لئے کیا رکھا ہے؟"

"لیکن ہیروئن کی خریداری کے لئے ظفر کو ایس ٹی ایف میں بھیجنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔"

"یہ دو الگ الگ باتیں ہیں" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "اول یہ کہ پاکستان میں کرنل جیسی جونز کی دلچسپی کا جواز موجود ہے۔ دوم یہ کہ ظفر ایس ٹی ایف میں کیوں موجود ہے؟"

"تمہاری پہلی بات مان لی جائے تو دوسری کا کیا جواب ہوگا؟" اس نے پوچھا۔

"شاید تم نے کبھی ڈیوڈ اسٹارز کا ذکر ضرور سنا ہوگا؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"سرپھرے مال دار یہودیوں کا کوئی گروپ ہے جسے اس کے مخالفین نسل پرست سمجھتے ہیں" عالمی گروہ بندیوں کے بارے میں ویرا کی قابلِ رشک معلومات مجھے ہمیشہ حیران کردیا کرتی تھیں۔

"اور ان کا ہر رکن خود کو ڈیوڈ اسٹار یا داؤدی ستارہ قرار دیتا ہے۔"

"یہ بھی معلوم ہے، اب آگے چلو" اس نے تحکّم جتاتے ہوئے کہا۔

میں اول خان کی فراہم کی ہوئی اطلاعات پر بات کرتے ہوئے بے چین ہوکر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور ٹہلتے ہوئے بولا "کرنل جیسی جونز کچھ عرصے سے ڈیوڈ اسٹارز کے لئے کام کررہا ہے۔"

"یہ میرے لئے ایک نئی اطلاع ہے" ویرا نے بے پروائی کے ساتھ اعتراف کرلیا۔

"شاید اب تم ظفر، ایس ٹی ایف اور ڈیوڈ اسٹارز کی مثلث کو سمجھ سکتی ہو!"

"اوہ! تو تم یہ کہنا چاہ رہے ہو" وہ ایک گہرا سانس لے کر سیدھی ہوگئی "تم بھی ڈیوڈ اسٹارز کو نسل پرست یہودی گروہ سمجھتے ہو بلکہ سلیس اردو میں اسرائیل کا کٹر ہمدرد سمجھ لو۔ کرنل جیسی جونز، ڈیوڈ اسٹارز کے لئے کام کررہا ہے چونکہ اسرائیل اور پاکستان میں سخت کشیدگی پائی جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید عربوں اور فلسطینیوں کے ساتھ کبھی نہ کبھی اسرائیل کی صلح ہوجائے گی لیکن پاکستان کے ساتھ تعلقات 'قیامت تک معمول پر نہیں آسکیں گے اس لئے ڈیوڈ اسٹارز، کرنل جیسی جونز کے ذریعے پاکستان کو کوئی گہرا گھاؤ لگانا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ظفر کو لیبیا سے آزاد کرکے، ایس ٹی ایف میں بھیج دیا گیا ہے اور ظفر بلیو کراس ڈیل سے بھی بڑے، کسی اور موقع کی گھات میں لگا ہوا ہے، یہی مقصد ہے نا تمہارا؟"

"تم نے میرے اندیشوں کو بہت مربوط انداز میں الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔"

"تمہارے نقطۂ نظر سے صورتِ حال واقعی بہت گمبھیر ہے۔" اس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "تمہارا پڑوسی اپنی روایتی دشمنی میں بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ وہ اپنے تمام ذرائع استعمال کرکے صوبہ سندھ میں بدامنی اور عدم تحفظ کی ہولناک فضا پیدا کرکے تمہارے ملک کو توڑنے پر تلا ہوا ہے۔ دوسری طرف امریکا تمہاری ایٹمی تحقیق اور ترقی پر بری طرح برہم ہے کیونکہ تم نے عالمی اجارہ داروں کی بیساکھیوں کا سہارا لینے کے بجائے اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کی احمقانہ جسارت کی ہے۔ وہ سیاسی اور معاشی محاذ پر تمہارا نرخرا دباتا چلا جارہا ہے اور درپردہ شی کے ذریعے بھارت کو پوری پوری مدد پہنچانے کے لئے کوشاں ہے تاکہ وہ جلد از جلد اپنے مقاصد میں کامیاب ہوکر اس علاقے کا پولیس مین بن جائے اور اب اسرائیل نے کرنل جیسی جونز یا ڈیوڈ اسٹارز کے ذریعے تمہارے ملک میں براہِ راست مداخلت کی کوششیں شروع کردی ہیں۔ یہ حالات کسی بھی سمجھ دار آدمی کے لئے سخت تشویش ناک ہوسکتے ہیں لیکن غور کرنے والی بات یہ ہے کہ تم میں ایسی کون سی خرابی ہے کہ دوستوں کے مقابلے میں، دن بدن تمہارے بدترین دشمنوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے؟"

"میں سیاسی پہلوؤں میں نہیں الجھنا چاہتا لیکن اصل صورتِ حال وہی ہے جو تم بیان کررہی ہو۔ یہی نہیں امریکا نے تو شی کے ذریعے ہماری پوری قوم کو ہیروئن کی لت میں مبتلا کرنے کی سازش کی تھی تاکہ چند ہی برسوں بعد یہاں بھارتی ٹینکوں اور امریکی فوجیوں کی یلغار کو روکنے کا کسی کو ہوش ہی نہ رہے۔ تم اس سازش میں، میرے ساتھ ایک کلیدی کردار ادا کرتی رہی ہو۔"

"تم سیاست میں نہ الجھنا چاہو تو میں تمہیں مجبور نہیں کرسکتی لیکن تمہیں یہ ماننا پڑے گا کہ کسی بھی غلط سیاسی فیصلے کی قیمت پوری قوم کو ادا کرنی پڑتی ہے۔ تم قوموں کی برادری میں اپنے اصل قد سے زیادہ بڑے نظر آنے کی کوششوں کی وجہ سے رقابتوں کا نشانہ بن رہے ہو۔"

"موت کے سوداگروں کو سیاست کی باتیں زیب نہیں دیتیں!" میں نے تلخی سے کہا۔

"پھر اپنے ہی شعبے کی بات کرتی ہوں۔" وہ ہنس کر بولی "یہ بتاؤ کہ اسرائیل اور ہیروئن کے بارے میں تم نے کیا کچھ پڑھا یا سنا ہے؟"

"ایک لفظ بھی نہیں، مشرقِ وسطیٰ میں تو شاید اس لعنت کا وجود ہی نہیں ہے۔"

"آج میں تمہیں بتاتی ہوں کہ سی آئی اے کی خفیہ رپورٹوں

کے مطابق' اسرائیل میں پوری رازداری کے ساتھ افیم کاشت کرکے ٹنوں ہیروئن تیار کی جاتی ہے اور سرکاری سرپرستی میں امریکا برآمد کردی جاتی ہے۔ ان کا پورا نظام اس قدر محفوظ اور مضبوط ہے کہ امریکی ادارے اپنی پوری کوششوں کے باوجود' کوئی ہلکا سا سراغ بھی نہیں حاصل کرسکے۔ اسی وجہ سے اس الزام کا ذکر کہیں نہیں کیا جاتا۔ تمہارا ملک ہیروئن کی پیداوار میں بہت آگے ہے لیکن یہاں اس سے مثبت کام لینے کے بجائے ہر کس وناکس کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمہارے خلاف الزام تراشیوں میں تمام عالمی ذرائع ابلاغ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔"

"تمہارا خیال ہے کہ یہ گھناؤنا کام ہمیں سرکاری طور پر کرنا چاہئے تھا؟" میں نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ سوال کیا۔ ایران سے واپسی کے بعد وہ مجھے بالکل ہی بدلی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"بالکل!" اس نے پورے اعتماد سے کہا "ایک غریب ملک کو اپنے ہر وسیلے سے زرِمبادلہ کمانے کا حق ہے۔"

"کمال ہے کہ تم ایسی احمقانہ بات سوچ رہی ہو!" میں نے حیرت سے اپنا سر جھٹکتے ہوئے کہا "ہر قانون کے منافی!"

"اسرائیل میں بھی ہیروئن کی تیاری' لین دین اور استعمال پر سخت تعزیری قوانین ہیں لیکن وہ کامیابی سے اپنا مشن چلا رہے ہیں۔ جب تم اپنے قومی مفاد کے لئے سارے عالمی ضابطوں کو نظرانداز کرکے سرکاری سطح پر ایٹمی ٹیکنالوجی اور حساس ترین آلات وغیرہ درآمد کرسکتے ہو تو اسی طرح قومی مفاد کے لئے ہیروئن کی برآمد میں کیا حرج ہے؟ اس کے لئے ایک نظام اور طریقۂ کار ضرور بنانا ہوگا...."

"آج تم بہت اونچی اڑ رہی ہو" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "یہ سب بدنامی سے پہلے ہوسکتا تھا' اب ممکن نہیں ہے۔ البتہ اسرائیل کے بارے میں میں حیران ہوں کہ وہ کیسی کیسی بدمعاشیاں کررہا ہے!"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی اور بولی "دنیا میں مذہب کے نام پر دو ہی ملک بنائے گئے ہیں۔ پاکستان جو دو آزاد اکائیوں میں بٹ گیا اور اسرائیل' جو ہر دس پندرہ سال بعد اپنی سرحدوں میں بتدریج اضافہ کرتا جارہا ہے۔ تم نے اسرائیل کو بدمعاش کہہ لیا۔ میں تمہارے ملک کو کچھ نہیں کہوں گی۔"

"تم ایٹمی آلات اور ہیروئن کا موازنہ کرکے بہت بڑی بات کہہ گئی ہو!" میں نے شکوہ کیا۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو' میں تمہاری ایٹمی ترقی کی تحقیر کرنے کا ذرا بھی ارادہ نہیں رکھتی۔ میں جانتی ہوں کہ وہ تمہارے قومی افتخار کا معاملہ ہے۔ دشتِ لوت میں' میں نے بھی اس مشن کی کچھ خدمت کی ہے۔ میں نے وہ بات صرف قوانین کے حوالے سے کی تھی۔ جب درآمد میں ہر قانون کو نظرانداز کیا جاسکتا ہے تو برآمد میں ایسا کیوں نہیں کیا جاسکتا؟ مسٹر ڈینی! یہ یاد رکھو کہ آج کی دنیا میں بلا استثنٰی سب چور ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پکڑے جانے والے چور کہلاتے ہیں اور بچ نکلنے والے ساہوکار...!"

"ویری گڈ!" ڈرائنگ روم کے دروازے سے غزالہ کی تعریفی آواز ابھری "آج تم نے پہلی بار ڈینی کو عجیب سی اجنبیت کے ساتھ مخاطب کیا ہے لیکن تمہارا تجزیہ سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔"

"تم سے شادی کے بعد ڈینی واقعی اجنبی سا معلوم ہونے لگا ہے" ویرا نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ اجنبی تم سے کیا باتیں کررہا تھا؟" غزالہ نے اپنے دہانے پر ہاتھ رکھ کر رازدارانہ لہجہ بنا کر ویرا سے پوچھا اور ہم تینوں ہی کھلکھلا کر بیک وقت ہنس پڑے۔

○☆○

شیر شاہ اپنی کارکردگی نہایت فخر کے ساتھ بیان کررہا تھا لیکن میرا ذہن کہیں اور تھا۔

فلیٹ پر میرے لیے کوئی مصروفیت نہیں تھی جبکہ گزارنے کے لیے پہاڑ جیسا دن پڑا ہوا تھا' اس لیے میں وہاں سے نکل کر ٹریڈ لائن کے دفتر آ گیا جہاں شیر شاہ اور عملے کے دیگر اراکین نے خوشگوار حیرت کے ساتھ میرا استقبال کیا اور میں نے خالی الذہنی کے عالم میں اپنا دفتر سنبھال لیا۔

میں نے صبح سویرے' اول خان کے دفتر سے سیٹھ حبیب جیوانی کے گھر فون کیا تو وہ ناشتے میں مصروف تھا۔ میں نے اس سے اگلے دن دفتر پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن جب میں دفتر آ ہی گیا تھا تو اسے اپنی آمد سے مطلع نہ کرنا مناسب نہ ہوتا۔ میں نے فون کیا لیکن دوسری طرف مسلسل گھنٹیاں بجتی رہیں' جن کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ غالباً حبیب جیوانی بھی اپنا وقت گزارنے کے لیے کہیں نکلا ہوا تھا۔

میں نے شیر شاہ کو دفتر میں بلا کر اُس سے اس کی کارکردگی کے بارے میں سرسری سا سوال کیا تو ادب اور احترام کے ساتھ' اس کی زبان تیزی کے ساتھ چل پڑی۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے وہ خود ہی مجھے اپنی کارکردگی سے آگاہ کرنے کے لیے بے چین ہورہا ہو۔

ہانگ کانگ اور مکاؤ میں پے در پے رونما ہونے والے واقعات کی وجہ سے مجھے وہ مدت' سالوں پر محیط محسوس ہوتی رہی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں نے وہاں صرف ایک ہفتہ گزارا تھا اور اس ایک ہفتے میں حبیب جیوانی نے سرحد اور سرحد پار سے آنے والے چار بڑے "بیوپاریوں" سے طویل مدت کے سودے کرکے' ہیروئن کی فراہمی چھیاسی کلو ماہانہ تک بڑھالی تھی۔ ملک سے باہر اسمگل کرنے کے لیے وہ خالص ہیروئن کی بہت بڑی مقدار تھی۔ اس کو مقامی منڈی میں کھپایا جاتا تو سات سے دس گناہ ملاوٹ کے بعد' وہ مقدار بہت بھیانک ہوجاتی تھی۔ مقامی منڈی کی

کمزور قوتِ خرید کی وجہ سے ہیروئن میں دل کھول کر ملاوٹ کی جاتی تھی اور اسی مناسبت سے دام بھی گرا دیے جاتے تھے۔ نشہ اور غلام بنانے کے اوصاف ملاوٹ کے مال میں بھی ہوتے تھے۔ شہر کی معروف فٹ پاتھوں، گلیوں، پارکوں، نالوں کے کناروں اور دیگر مقامات پر غول در غول اونگھنے والے غلیظ اور گھناؤنے افراد اسی ملاوٹ کے مال کے شکار تھے۔

شیر شاہ نے جب چھیاسی کلو ماہانہ کی کہانی سنائی تو میرے کان کھڑے ہوگئے۔ جرائم پیشہ گروہوں اور تنظیموں کے بکھرنے کی واحد صورت یہ ہوتی ہے کہ انھیں اپنے مخصوص غیر قانونی ذرائع سے کم از کم اتنی آمدنی ہوتی رہے کہ ان کے اراکین کی جملہ ضروری اور غیر ضروری خواہشات بہ آسانی پوری ہوتی رہیں۔ ایسے لوگ اپنی آمدنی کے تسلسل میں ذرا سا بھی فرق برداشت کرنے کے عادی نہیں ہوتے۔ طے شدہ معاوضہ نہ ملنے کی صورت میں بھاگنے پر تل جاتے ہیں اور یوں گروہ کا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا ہے۔

اگر مقامی مافیا نے چھیاسی کلو ماہانہ کے حساب سے ہیروئن حاصل کرنے کا بندوبست کرلیا تھا تو سیٹھ حبیب جیوانی کا مقدر کھل گیا تھا۔ صرف اسی ایک مد سے اسے ایک کروڑ روپے سے کہیں زیادہ آمدنی ہوسکتی تھی جس کے سہارے وہ بہت تیزی کے ساتھ طاقت حاصل کرسکتا تھا۔

ٹریڈ لائن بظاہر ایک درآمدی فرم تھی جو روایتی اشیاء درآمد کرکے واجبی منافع پر کھلی منڈی میں فروخت کردیتی تھی۔ دفتری عملے کے اراکین کا ہیروئن یا مافیا سے بظاہر کوئی تعلق نہیں تھا لیکن اسی کی آڑ میں شیر شاہ کی سربراہی میں چند غنڈوں اور بدمعاشوں کا ایک گروہ پل رہا تھا اور وہی لوگ مقامی مافیا کی طاقت سمجھے جاتے تھے۔ مالی ذرائع میں غیر متوقع توسیع کے بعد، حبیب جیوانی کی شہ پر، شیر شاہ خان شہر کے مزید نامی گرامی بدمعاشوں کو خرید سکتا تھا اور اگر وہ لوگ ایک حد سے زیادہ طاقت ور ہوجاتے تو پھر انھیں اکھاڑنا بہت مشکل ہوجاتا۔

مجھے کبھی بھی مافیا سے ہمدردی نہیں رہی تھی۔ شی کے خوں ریز انتقامی حربوں سے بچنے کے لیے میں نے ان کی طرف سے کی جانے والی تعاون کی پیشکش قبول کی تھی اور پھر ڈان تھری کے ایما پر ان کی صفوں میں داخل ہوگیا تھا۔ میں نے ان پر اپنی دھاک بٹھانے کے باوجود، ان کے دھندوں کے فروغ میں کوئی کردار ادا نہیں کیا تھا لیکن اب وہ لوگ ترقی کی راہ پر گامزن ہوتے نظر آنے لگے تھے۔ ایک طرف ڈان نیشی کاؤ نے بدعنوان سیاست دانوں میں بھاری سرمایہ کاری کا عندیہ دے کر، امیر جان سے ابتدا کرنے کی ہدایت کی تھی۔ دوسری طرف حبیب جیوانی نے چھیاسی کلو ہیروئن کی خریداری کا ہدف حاصل کرلیا تھا۔ ان حالات میں مجھے ان کی بیخ کنی کی ضرورت کا احساس ہونے لگا تھا۔

ان کے زور پکڑنے سے پہلے، ان کی سرکوبی نہ کی جاتی تو وہ نہایت تیزی کے ساتھ کسی ہزار پا بلا کا روپ دھار کر، ہر سمت میں اپنی جڑیں مضبوط کرکے ناقابلِ تسخیر بن سکتے تھے۔

پاکستان میں مافیا کا وجود صرف حبیب جیوانی کے دم سے تھا۔ اسے ذبح کرکے مافیا کی شہ رگ بہ آسانی کاٹی جاسکتی تھی۔ میں اس وقت تک حبیب جیوانی کا خاص معتمد تھا اور اسے مار لینا میرے لیے زیادہ دشوار نہیں تھا۔ دوسری طرف مُدر مافیا والے ڈان نیشی کاؤ کے قتل کے معمے میں الجھے ہوئے تھے۔ اس واردات کے وقت میری مکاؤ میں موجودگی کی وجہ سے میری ذات شبہات کی زد میں آئی ہوئی تھی لیکن میں نے حبیب جیوانی کو پوری شدت کے ساتھ اپنی بے گناہی کا یقین دلایا تھا۔ مجھے اس کو صرف اتنی مہلت دینی تھی کہ وہ میری بے گناہی کے بارے میں اپنے بڑوں کو بھی قائل کرسکے تاکہ کراچی میں مافیا کی عبرتناک تباہی کے وقت میری ذات دوہرے شبہات کی زد میں نہ آسکے۔ کراچی میں ہونے والے آپریشن کے بعد مُدر مافیا والوں کے لیے مجھ سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔ نہ ہی حبیب جیوانی نے مجھے سسلی، میلان، شکاگو والوں کے نام اور فون نمبر دیے تھے جن پر مجھے رابطہ کرنا ہوتا۔ جب تک مُدر مافیا والے میرا کھوج نکال کر مجھ تک پہنچتے، میں کوئی بھی بہترین مدافعانہ پلان تیار کرسکتا تھا۔

"مال کہاں جمع ہورہا ہے؟" میں نے پُرخیال لہجے میں شیر شاہ سے سوال کیا۔

"مال حسبِ معمول شہر کے مختلف مقامات پر، پھٹے ہوئے نوٹوں کے ٹکڑوں کے تبادلے کے بعد وصول کیا جارہا ہے اور اس بار تمام پیکٹ یہیں، چیف کے کمرے میں ذخیرہ کیے جارہے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم چیف کی غیر حاضری میں بھی اس دفتر میں داخل ہونے لگے ہو؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔ میرے لیے وہ ایک اہم ترین اطلاع تھی کیونکہ حبیب جیوانی کی غیر موجودگی میں، میں بھی پیشگی اجازت اور بندوبست کے بغیر اس کے دفتر میں داخل ہونے کا مجاز نہیں تھا۔

اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "اب تک صرف تین بار ایسا ہوا ہے۔ میں اپنی دانست میں خالی دفتر کا مقفل دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تینوں بار چیف بذاتِ خود اپنے دفتر میں موجود تھا جب کہ چوکیدار اس کی آمد سے لاعلم تھا۔"

"اسے تمہاری آمد کا اندازہ رہتا ہوگا۔ اس کے دفتر میں متعدد ایسے اسرار پوشیدہ ہیں کہ غیر مجاز فرد اندر قدم رکھتے ہی آفتوں میں مبتلا ہوسکتا ہے۔" میں نے بے نیازی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں حیران ہوں کہ اس کمرے میں پچھلے مال کا کوئی سراغ نہیں ہوتا جبکہ چیف نے مجھے بتایا ہے کہ اس مال کو پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں سیل کرکے، کھوکھلے پیڈز میں چھپانے کا

پورا کام' رازداری کے ساتھ' یہیں انجام دیا جائے گا۔" اس نے قدرے کھل کر کہا۔

"چیف کے دفتر میں آمد و رفت کے کئی خفیہ راستے ہیں۔ وہ پیکٹ ان ہی میں سے کسی سرنگ میں پہنچا دیے جاتے ہیں۔" میں نے اس پر اپنی برتری برقرار رکھنے کے لیے پُریقین لہجے میں کہا دوسری طرف میں کھوکھلے پیڈز کے بارے میں الجھن میں پڑ گیا۔ مجھے اس طریقۂ کار کے سرپیر کا بھی علم نہیں تھا لیکن میں اس بارے میں شیر شاہ سے کوئی سوال کر کے اسے اس کی اہمیت کا احساس نہیں دلانا چاہتا تھا۔

"اس بار چیف کا منصوبہ بہت شاندار اور بے داغ ہے۔" شیر شاہ از خود بولنے لگا۔ "ہیروئن سے بھرے ہوئے کھوکھلے شولڈر پیڈز چمڑے کی جیکٹوں میں لگائے جائیں گے اور وہ جیکٹیں یہاں سے پوری قانونی دستاویزات کے ساتھ برآمد کی جائیں گی۔ یہ تجربہ کامیاب رہا تو ہم بہت سے خطرات سے بچ جائیں گے۔"

"اور اگر منزل پر وہ مال پکڑا گیا تو ایک اور بدنامی پاکستان کا مقدر بن جائے گی۔ چمڑی ملبوسات کا جائز برآمدی کاروبار کرنے والے مصیبتوں سے دوچار ہو جائیں گے۔" ان امکانات پر دل ہی دل میں سوچتے ہوئے' مجھے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

"میں آج ہی باہر سے آیا ہوں۔ چیف سے ملاقات ہوگی تو میں یہ ضرور معلوم کرنا چاہوں گا کہ ایکسپورٹ کی جانے والی جیکٹیں کہاں بنوائی جا رہی ہیں؟"

"چیف کے کسی دوست نے نئی فیکٹری قائم کی ہے۔ اسی کو آرڈر دیا گیا ہے" اس نے سر جھکا کر کہا "اس کے آگے مجھے زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ ہمیں آج رات سے پیڈز بھرنے کا کام شروع کرنا ہے۔ تھیلیاں' سیلنگ مشینیں اور دوسرے لوازمات آج خرید لیے جائیں گے۔"

"پھر تم جاؤ اور اپنا کام کرو۔ میں تمہارا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا" میں نے اسے رخصت کر دیا۔

تخلیہ ہو جانے پر میں نے محفوظ اور براہِ راست فون پر اوّل خان سے بات کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے ریسیور اٹھایا لیکن اس کمرے میں خفیہ ڈکٹافون یا گفتگو ریکارڈ کرنے والے دیگر آلات کی موجودگی کا دھیان آتے ہی ارادہ منسوخ کر دیا۔ اس عمارت میں رُونما ہونے والے حالات سے بروقت باخبر رہنے کے لیے حبیب جیوانی نے الیکٹرونکس کے آلات' دل کھول کر نصب کرائے ہوئے تھے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کس وقت کون سا سرکٹ آن کر دیا گیا ہو۔

چند منٹ بعد ہی آپریٹر نے مجھے چیف کی فون کال کی اطلاع دی۔ اس نے دفتر کی خیر خبر لینے کے لیے کہیں سے فون کیا تھا اور دفتر میں میری موجودگی کی اطلاع ملنے پر مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

"تمہارا تو آج آرام کرنے کا ارادہ تھا پھر دفتر کیسے چلے آئے؟" سلسلہ ملنے پر چیف کی تحیر زدہ آواز سنائی دی۔

"اتنی لمبی غیر حاضری کے بعد گھر پر چین سے نہیں لیٹا جا رہا تھا اس لیے دفتر چلا آیا۔ تمہارے گھر فون کیا تھا لیکن وہاں سے کوئی جواب نہیں ملا۔"

"میں ایک لیدر گارمنٹس فیکٹری سے بول رہا ہوں۔ تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ میں بس آدھے گھنٹے میں دفتر پہنچ رہا ہوں۔ اس دوران میں تم شیر شاہ سے بریفنگ لے لو" اس نے فون بند کر دیا۔

میں اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر اپنے خیالات میں کھو گیا۔

حبیب جیوانی اپنے وعدے کے مطابق آدھے گھنٹے سے پہلے ہی دفتر پہنچ گیا۔ اس نے آتے ہی انٹرکام پر مجھے طلب کیا۔ جب میں اس کے دفتر میں داخل ہوا تو وہ اپنے فنگر پرنٹ اسکینر کی طرف متوجہ تھا۔ اس نے کرسی سے اٹھ کر نہایت تپاک سے مجھ سے ہاتھ ملایا تو وہ پوری طرح بشاش نظر آ رہا تھا۔

"چھیاسی کلو کا ٹارگٹ مبارک ہو" میں نے اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے کہا "اس کا مطلب ہے کہ اب بہت جلد ہماری کایا پلٹ ہونے والی ہے..."

اس نے میری بات درمیان ہی سے اچک لی "اب ہم ہیروئن کی باقاعدہ ٹریڈنگ شروع کر رہے ہیں۔ میں اسی سلسلے میں ایک جگہ گیا ہوا تھا" اس نے مجھے چمڑے کی جیکٹوں کے شانوں پر لگائے جانے والے شولڈر پیڈز کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

"یہ سارا کام کس فیکٹری میں سرانجام دیا جائے گا؟" میں نے دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"میرے ایک دوست نے بڑے پیمانے پر کام شروع کیا ہے۔ میں اُسی پر انحصار کر رہا ہوں۔"

"تو کیا وہ تمہارے اصل عزائم سے باخبر ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں ایک بڑا آرڈر دے کر اُس پر کاروباری احسان کر رہا ہوں" وہ مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "مزے کی بات یہ ہے کہ مال اسی کی فرم ایکسپورٹ کرے گی۔"

"یعنی کوئی گڑبڑ ہوئی تو وہی مارا جائے گا" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کاروبار میں رسک تو ہوتا ہی ہے۔ شپ منٹ صاف نکل گیا تو اسے اپنی سرمایہ کاری پر کم از کم پینتیس فیصد منافع ہوگا۔ سخت مقابلے کی وجہ سے برآمدی کاروبار میں نفع کی اتنی اونچی شرح اب خواب و خیال ہو کر رہ گئی ہے۔ اس نے مجھے نووارد سمجھ کر زیادہ دام بتائے جو میں نے دوستی کے حوالے سے من و عن قبول کر لیے۔"

"چمڑے کی مصنوعات کی برآمد پر حکومت بھاری زرِ تلافی بھی دیتی ہے۔"

"تم ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ معلومات رکھتے ہو!" اس نے تعریفی لہجے میں کہا "بیس فیصد ری بیٹ اس کے علاوہ ہوگا جس میں سے نصف وہ کمیشن کے طور پر مجھے دے گا کیونکہ یہ سودا براہِ راست اس کے اور سویڈن کی ایک پارٹی کے درمیان ہوگا جس سے میرے قریبی مراسم ہیں" وہ داہنی آنکھ دبا کر ہنس پڑا۔

"جیکٹ بنانے والے کاریگروں کو اندازہ نہیں ہوجائے گا کہ پیڈز کے اندر کچھ بھرا ہوا ہے؟"

"اس کا امکان ہے۔ اسی لیے ہم صرف ایک کاریگر کو اپنے اعتماد میں لیں گے۔"

"ایک کاریگر!" میں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا "وہ دن بھر میں بہت تیر مارے تو دو جیکٹیں بنالے گا۔ ساٹھ جیکٹوں میں دو من سے زیادہ مال کیسے کھپایا جاسکے گا؟"

"اسے ریسرچ کہتے ہیں" وہ ہلکے سے قہقہے کے ساتھ بولا۔ "صنعتی پیمانے پر ملبوسات کی تیاری دو مسلّمہ طریقوں سے ہوتی ہے۔ پہلے طریقے میں ہر کاریگر پورا لباس یا جیکٹ اکیلا تیار کرتا ہے' دوسرا چین سسٹم ہوتا ہے جس میں کام کے اعتبار سے چھ تا پندرہ کاریگروں کا گروپ مل کر کام کرتا ہے۔ ایک آدمی صرف کالر جوڑتا ہے' دوسرا آستین لگاتا ہے' تیسرا بیلٹ سیتا ہے اس طرح نہ صرف کام کی رفتار تیز ہوتی ہے بلکہ کوالٹی بھی بہتر ہوتی ہے کیونکہ ہر کاریگر صرف ایک ہی قسم کی سلائی پر مامور ہوتا ہے۔ ہماری پروڈکشن چین سسٹم پر ہوگی اور پیڈ لگانے والا کاریگر ہمارے اعتماد کا آدمی ہوگا جسے مقررہ اجرت کے علاوہ دس ہزار روپے ماہانہ ادا کیے جائیں گے۔"

"یہ کام کب سے شروع ہوجائے گا؟" میں نے اس کی باتوں سے مرعوب ہوکر پوچھا۔

"آج چمڑے کی خریداری کے لیے بات ہوگئی ہے۔ آج رات ہی سے پیڈز میں شوگر بیگ ڈالنے کا کام شروع ہوجائے گا۔ بس دو تین دن میں کام مشینوں پر آجائے گا۔ پہلی تجرباتی کھیپ دو سو جیکٹوں کی ہوگی جس میں دس کلو شوگر ہوگی۔ میں لالچ میں پڑ کر پیڈز کو زیادہ بھاری نہیں کروں گا۔ ہر پیڈ میں صرف پچیس گرام کی تھیلی ہوگی یعنی فی جیکٹ پچاس گرام مال جائے گا۔ فیکٹری میں پیڈز کی دیکھ بھال کا کام اب شیر شاہ کے سپرد کیا جاسکتا ہے کیونکہ تم آگئے ہو۔ مال کی وصولی کے لیے تم کسی کو بھی مامور کرسکتے ہو۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ فی الحال اسلام آباد جاکر امیر جان کو گھیرنے کا پروگرام ملتوی کردیا جائے گا؟"

"دو چار دن کی تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ لمبی مدت کی منصوبہ بندی ہے اور مال کی ایکسپورٹ فوری توجہ کی متقاضی ہے۔ ویسے بھی امیر جان بہت ضدی اور خود سر سیاست داں ہے۔ اگر اس کے بیٹے کی ویڈیو فلم آجائے تو اسے تم آسانی کے ساتھ گھیر سکو گے۔"

"اوپر والوں سے تمہارا رابطہ کب ہوگا؟" میں نے بے پروایانہ انداز میں سوال کیا۔

"آج رات میری بات ہوگی۔ اس سے تمہیں کیا دلچسپی ہے؟" وہ چونک کر بولا۔

"وہ تمہارے اپنے معاملات ہیں جن سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہوسکے تو میرے بارے میں' ان کے شبہات پر بھی بات کرلینا۔ اس بارے میں میرے ذہن پر عجیب سا بوجھ سوار ہے جو پوزیشن صاف ہونے تک نہیں اترے گا۔ نیم دلی یا باہمی عدم اعتماد کی صورت میں میری کارکردگی بری طرح متاثر ہوتی ہے۔"

وہ غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرانے لگا اور آہستگی سے بولا "تمہیں معلوم ہے کہ مقامی بیورو چیف کی حیثیت سے میں بالکل آزاد اور خود مختار ہوں۔ مجھے اپنے فیصلوں کے لیے ان سے کسی قسم کی رہنمائی لینے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ میں صرف تمہارے بارے میں بات کرنی چاہتا ہوں۔ تم نے مکاؤ کے جو حالات بتائے ہیں' ان کی روشنی میں تمہاری پوزیشن بالکل صاف ہوجاتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں اوپر سے بھی کلیرنس مل جائے گی۔"

"صرف اسی الجھن نے مجھے آج بھی آرام سے گھر نہیں بیٹھنے دیا۔ ان سے بات ہوجائے تو ازراہِ کرم مجھے باخبر ضرور کردینا ورنہ میری رات کی نیند ضائع ہوجائے گی۔"

"تم بے فکر رہو۔ میں تمہاری پوزیشن سمجھ رہا ہوں" اس نے میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

اسے میرے مکاؤ کے سفر کے بارے میں بہت زیادہ تجسس تھا۔ اس نے چند ہی لمحوں میں گفتگو کا رخ اسی جانب پھیر دیا اور میں اپنی بنیادی کہانی سے سرِمو بھی انحراف کیے بغیر اُسے ایسی ایسی ہوش رُبا ضمنی کہانیاں سناتا رہا کہ وقفے وقفے سے اس کا منہ فرطِ حیرت سے کھلتا اور بند ہوتا رہا۔

اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ منظم جرائم کی دنیا میں ٹمی اور مافیا جیسے نامور گروہوں کے بڑے ایک دوسرے کا بے حد احترام کرتے ہیں اور غیر متوقع طور پر آمنا سامنا ہونے پر بھی ایک دوسرے پر ہتھیار نہیں اٹھاتے لیکن ڈون کوانگ فو اور ڈان نیشی کاؤ کے سلسلے میں میرا عملی تجربہ اس کے لیے بہت سنسنی خیز ثابت ہوا تھا۔ ان میں سے ایک ٹمی کا آئی مین اور دوسرا اس کی حریف تنظیم مافیا کا ڈان تھا اور وہ دونوں اپنی پیشہ ورانہ رقابتوں کے باوجود گہرے دوست تھے۔ اس بارے میں کچھ دیر کے تبادلۂ خیال کے بعد' اس نے بھی بالکل وہی بات کہی جو پہلے سے میرے ذہن میں موجود تھی اور چبھتی رہتی تھی لیکن میرے پاس اس کا کوئی جواز نہیں تھا۔

اس کا کہنا تھا کہ باہمی روابط اور بقائے باہمی کے سلسلے میں، سیاسی جماعتوں اور جرائم پیشہ تنظیموں میں حیرت ناک حد تک روایات کی مماثلت پائی جاتی تھی۔ پُرجوش عوامی تقریروں اور اخباری بیانات میں ایک دوسرے کو غدار، سازشی اور بددیانت قرار دینے والے سیاست داں جب بھی ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں تو انتہائی گرم جوشی، خلوص اور خوش خلقی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتے ہیں جب کہ ان کے بیانات اور تقریروں سے ان کے کارکن اپنے حریفوں کے خلاف اس قدر مشتعل رہتے ہیں کہ ایک دوسرے کے سامنے آنے کی صورت میں تشدّد اور مار دھاڑ کی نوبت تک آجاتی ہے۔ اسی طرح شی اور مافیا کے بڑوں کی باہمی رواداری قابلِ رشک تھی لیکن نچلی سطح پر ان کے کارندے ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو زک پہنچانے کا کوئی موقع جانے نہیں دیتے تھے۔

سیٹھ حبیب جیوانی سے سیر حاصل گفتگو کرنے کے بعد میں اگلے دن ملاقات کا وعدہ کرکے، وہاں سے اٹھ گیا۔ میں اس وقت تک ٹریڈ لائن کے مستقبل کے بارے میں ایک منصوبہ بنا چکا تھا۔

کچھ دیر تک شہر کی سڑکوں پر بے مقصد ڈرائیونگ کرنے کے بعد میں دوبارہ ایس ٹی ایف کے اسٹیشن فور کی طرف ہولیا جہاں اول خان سے تازہ ترین خبریں مل سکتی تھیں۔

اسٹیشن فور پر خلافِ توقع ویرانی سی پھیلی ہوئی تھی۔ مجھے پہچاننے والے لوگوں نے بتایا کہ اول خان اپنی نفری کے ساتھ کافی دیر سے کسی مہم پر نکلا ہوا تھا۔ میں وہاں رکنے یا واپس لوٹنے کے بارے میں تذبذب میں مبتلا تھا کہ تین گاڑیوں میں اول خان اور اس کا عملہ واپس آپہنچا۔ وہ سب ہی اپنے چہروں کے تاثرات سے بہت خوش اور پُرجوش نظر آرہے تھے جیسے کوئی اہم معرکہ سر کرکے لوٹے ہوں۔

اول خان اپنی جیپ سے اتر کر مجھے اپنے ساتھ ہی دفتر کی طرف لیتا چلا گیا۔

"آج ایک اور کامیابی حاصل ہوئی ہے" اس نے دفتر میں پہنچ کر، رومال سے اپنا پسینہ خشک کرتے ہوئے کہا "آج ایک بھارتی ڈپلومیٹ کو ایک نیم سرکاری ملازم سے خفیہ دستاویزات کی نقول وصول کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے اور اس نے اقبالِ جرم بھی کرلیا ہے۔"

"لیکن تمہارے ساتھ کوئی قیدی تو نہیں تھا!" میں نے خوش گوار حیرت کے ساتھ کہا۔

"ہماری مدد سے سی آئی اے کے عملے نے کارروائی کی تھی۔ ہری چند ان ہی لوگوں کی تحویل میں ہے۔"

"ایسے معاملات میں اقبالِ جرم کی شاید ہی کوئی اہمیت ہوتی ہو۔ بعد میں کہہ دیا جاتا ہے کہ تشدد کرکے زبردستی اقبالِ جرم کرایا گیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ اسے ملک سے نکال دیا جائے گا۔"

"یہ سب ہمارا دردِ سر نہیں ہے۔ ہم نے اپنا فرض پوری خوش اسلوبی سے ادا کردیا ہے" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر چونک کر بولا "آج رجنی سے بھی ہماری گلو خلاصی ہوگئی ہے۔ اسے چوبیس گھنٹے آبزرویشن میں رکھنے کی ضرورت کی وجہ سے میڈیکل یونٹ میں منتقل کردیا گیا ہے۔ مناسب وقت آنے پر اسے وہیں سے بنگلہ دیش روانہ کردیا جائے گا۔ اس عورت نے بھی ہماری زندگی عذاب بنائی ہوئی تھی۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے کہ آج تم خوش خبریاں سنا رہے ہو۔ وہ ظفر والے معاملے کا کیا رہا؟"

"میں نے کمانڈنگ آفیسر سے بات کی تو مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس نے میرے شبہات پر کان نہ دھرنے کے باوجود، میرے پہلے فون کے بعد ظفر کے نئے اور پرانے فنگر پرنٹس کے موازنے کے احکام جاری کردیے تھے کیونکہ اس کی سیکیورٹی فائل ری اوپن کرائے بغیر یہ کام کرایا جاسکتا تھا۔ کل تک اس کا نتیجہ آجانا چاہیے۔"

"تمہیں نتائج کے بارے میں آگاہ کیا جائے گا؟" میں نے متجسّس لہجے میں سوال کیا۔

"ضروری نہیں ہے۔ میرا دریافت کرنا معیوب ہوگا۔ سی او کا موڈ ہوا تو وہ خود ہی مجھے فون کردے گا۔"

"ظفر کا معاملہ بہت اہم ہے اور ہمیں اس پر پوری توجہ مرکوز رکھنی ہوگی۔ ویرانے کولمبیا کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے، وہ بہت حیران کن بلکہ تشویشناک ہے۔ یہ باتیں پہلے ہی ہمارے علم میں آگئی ہوتیں تو شاید ہم ظفر کے بارے میں ابھی تک کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہوتے۔"

"ٹیلی فون پر تم نے بہت سرسری گفتگو کی تھی۔ میں پوری تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔ خاص طور پر ظفر کے ہم شکل والی بات تو میرے ذہن میں سما ہی نہیں سکی تھی۔ اس معاملے میں میرا ذہن بری طرح الجھ کر رہ گیا ہے۔"

"ظفر کولمبیا میں صرف اسی وجہ سے ان لوگوں کی نظروں میں آیا کہ وہ کرنل جیسی جونز کے ایک اہم ترین مہرے کا ہم شکل تھا اور میرے لیے وہی اطلاع پریشانی کا سبب بنی تھی!" اس تمہید کے ساتھ میں نے کرنل جیسی جونز کے گروہ کی کہانی چھیڑ دی اور اول خان ہمہ تن گوش ہوگیا۔

وہ خاصی طویل کہانی تھی۔ جس کی کچھ کڑیوں کو یک جا کرنے میں اول خان کے اِکّا دُکّا سوالات نے بھی مدد دی لیکن جب میں نے کہانی کے اختتام پر اپنا شبہ ظاہر کیا تو اول خان نے بھی اسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔

"شکل و شباہت میں کتنی بھی یکسانیت ہو، ظفر اور البرٹو دیلیسا کا تعلق دو مختلف نسلوں سے ہے۔ اس تضاد کو چھپانا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔ تم ظفر کے ساتھ کافی وقت گزار چکے ہو۔ وہ کسی

اہلِ زبان کی طرح اردو بولتا ہے۔ اس کے کسی بھی مخرج یا تلفظ سے اجنبیت کا اظہار نہیں ہوتا۔ آدمی محنت کرکے زبان سیکھ سکتا ہے لیکن لب و لہجے پر قادر ہونے کے لیے ایک عمر درکار ہوتی ہے۔ یہ بات دل کو نہیں لگتی۔"

"لیکن میری چھٹی حس مجھے اسی خطرے سے خبردار کر رہی ہے۔ میں یہ نہیں مان سکتا کہ کوئی محبِ وطن پاکستانی یک بیک ایسی کایا پلٹ کا شکار ہو سکتا ہے کہ وہ یہودیوں کے عالمی مفادات کے لیے اپنے وطن سے غداری کرتے ہوئے، کسی سازش میں شریک ہو جائے۔"

"ضروری نہیں کہ ظفر کو کرنل جیسی جونز کے اصل عزائم سے واقفیت ہو۔ وہ بے خبری میں بھی اس کا آلۂ کار بن سکتا ہے۔ کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے ہمیں ہر پہلو پر اچھی طرح غور کر لینا چاہیے" وہ اپنی ہی بات پر اَڑا ہوا تھا۔

"بے خبری والی بات میں نہیں مانتا" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "انہوں نے اسے گڑیوں سے کھیلنے کے لیے نہیں بھیجا ہوگا۔ اسے یقینی طور پر کچھ مقررہ اہداف دیے گئے ہوں گے۔ ان اہداف سے کرنل جیسی جونز کے مذموم عزائم کی عکاسی ضرور ہوتی ہوگی۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے، اس کے تباہ کن نتائج سے پوری طرح باخبر ہوگا۔"

"ابھی تک ہمارے سامنے کوئی شہادت نہیں آئی" اول خان ایک گہرا سانس لے کر بولا "ظفر پر ہمیں صرف شبہ ہی شبہ ہے بلکہ یہ بھی ہمارے نہیں، صرف میرے شبہات تھے۔ تمہارا ذہن اس کی طرف سے بالکل صاف تھا۔ میں نے کرنل جیسی جونز کا حوالہ آنے پر ظفر کو مشکوک قرار دیا تھا اور تم میری دی ہوئی لائن کو لے کر آگے چل پڑے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ میں نے اپنی زبان کھولنے میں جلد بازی سے کام لیا ہو۔ ظفر کے دل میں کوئی کھوٹ نہ ہو اور وہ کرنل جیسی جونز سے باقاعدہ قطع تعلق کرکے، پوری نیک نیتی کے ساتھ یہاں آیا ہو۔"

"یہ ہماری ذہنی قلابازیاں ہیں" میں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا "کرنل جیسی جونز نے اس کے معاملے میں اپنی روایات سے کیوں انحراف کیا؟ اسے زندہ کیوں چھوڑا؟"

"اس بارے میں ویرا کا فراہم کیا ہوا جواز تم مجھے سنا ہی چکے ہو۔ البرٹو کی موت کے بعد 'بوگوٹا' میں ظفر کی کیا افادیت باقی رہ گئی ہوگی؟ ہو سکتا ہے کہ کرنل نے اسی بِنا پر اسے کولمبیا چھوڑنے کی اجازت دے دی ہو۔"

"اب تم بلاوجہ ظفر یا وہ جو کوئی بھی ہے، اس کی حمایت کر رہے ہو اور یہ یقیناً بحث برائے بحث نہیں ہے..."

اس نے میری بات کاٹ دی اور بے چینی کے ساتھ ٹہلتے ہوئے بولا "میں اس کی حمایت نہیں کر رہا۔ میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ میں اسے البرٹو ویلیسا تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوں۔ اس کی نیک نیتی یا غداری ایک الگ سوال ہے لیکن وہ ظفر ہی ہے، البرٹو کسی طرح نہیں ہو سکتا۔"

"وقت آنے پر یہ بھی سامنے آجائے گا" اس کا مدعا سمجھتے ہوئے میں نے نرمی اختیار کر لی "میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب تم اپنے شبہے سے ہی دست بردار ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"اس میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ اس کے فنگر پرنٹس کی رپورٹ آنے پر یہ بات بالکل صاف ہو جائے گی کہ وہ کون ہے۔ مجھے ننانوے فیصد یقین ہے کہ وہ ظفر ہی ثابت ہوگا۔"

میں ہنس پڑا "اور میرے نزدیک یہ امکان ففٹی ففٹی ہے۔"

اول خان نے کوئی جوابی تبصرہ نہیں کیا اور وہ بحث وہیں دم توڑ گئی۔

غلام رسول کے نام اور گھناؤنے کردار سے اول خان بخوبی واقف تھا کیونکہ اباسین کے ذریعے کی جانے والی دریائی کارروائی کے کافی دنوں بعد تک وہی اسٹیشن فور کا کمان دار رہا تھا اور غلام رسول کی گرفتاری میں اس نے نمایاں کردار ادا کیا تھا لیکن جب مافیا والوں نے غلام رسول کو، قیدیوں کو لے جانے والی گاڑی پر حملہ کرکے اپنی تحویل میں لیا تو الحدید والے چکر میں اول خان کا تبادلہ ہو چکا تھا۔ جب میں نے وہ ذکر چھیڑا تو اول خان پوری طرح باخبر تھا کہ میں نے غلام رسول کی لاش بھارتی ایجنٹوں کی تحویل میں جانے سے کس طرح روکی تھی۔ اسے اس معاملے میں مافیا کے کردار کا علم نہیں تھا لیکن وہ یہ جانتا تھا کہ میں نے ظفر کے ساتھ مل کر، مقامی غنڈوں پر عین اس وقت یلغار کرا دی تھی جب وہ سہراب گوٹھ سے آگے ایک ویرانے میں غلام رسول کو بھارتی ایجنٹوں کے حوالے کر رہے تھے۔

"تمہیں اس وقت غلام رسول کیسے یاد آگیا؟" وہ ساری باتیں ہونے کے بعد اس نے اچانک سوال کیا۔

"بظاہر مسکین، نیک نام اور محبِ وطن بننے والے ایسے سیاہ کار مجرم کو کون بھول سکتا ہے۔"

"لیکن میں آج بھی حیران ہوں کہ انہیں جیل کی پولیس سے چھڑانے والے بدمعاشوں تک تمہاری رسائی کیسے ہو گئی؟"

"تم بھول رہے ہو کہ کسی زمانے میں، میں خود بھی نامی گرامی بدمعاش اور شی کا ایک اہم آدمی رہ چکا ہوں۔ بہت سے وضع دار مجرم اور بدمعاش آج بھی میرا احترام کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ غلام رسول کو لے جانے والے بعد میں مقامی مافیا کے ارکان ثابت ہوئے تھے۔"

"مافیا!" اس نے حیرت سے دہرایا "یہ تم اصطلاحاً کہہ رہے ہو یا یہاں مافیا کی واقعی کوئی شاخ قائم ہے؟"

"وہ ایک مدت سے یہاں کام کر رہے ہیں لیکن میری نظروں میں اب آئے ہیں۔ ان کے کام کا دائرہ ہیروئن کی خریداری اور پھر اسمگلنگ تک محدود تھا لیکن اب وہ کچھ بدنام سیاست دانوں کی پشت پناہی کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں تاکہ یہاں مضبوطی کے

ساتھ اپنے پنجے گاڑ سکیں۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ دنیا بھر کے جرائم پیشہ گروہوں کے لیے پاکستان میں کون سی کشش پیدا ہو گئی ہے کہ وہ سب ہی کھنچ کر ادھر آنے لگے ہیں؟ آج وہ ہیروئن تک محدود ہیں، کل زندگی کے ہر شعبے میں آجائیں گے۔"

"تم چاہو تو کل ہی ان کی گردن توڑ سکتے ہو۔ میں نے ان کے خلاف خاصا مواد جمع کر لیا ہے۔"

"میرے چاہنے کی بات کر رہے ہو! ابھی مواد فراہم کرو، میں آج ہی کارروائی کرانے کی کوشش کرتا ہوں" اس نے تیزی کے ساتھ کہا "آستین کے سانپوں کو ایک لمحے کی مہلت بھی نہیں دینی چاہیے۔"

"اتنی تیزی کی ضرورت نہیں۔ آج شاید بھرپور کامیابی نہ ہو سکے۔ کل رات ریڈ کی جائے تو گروہ کے بیشتر اراکین، ہیروئن سمیت رنگے ہاتھوں پکڑے جا سکیں گے" اول خان سے وقت حاصل کرتے ہوئے میں اپنی مدافعت کی راہ تلاش کر رہا تھا۔ حبیب جیوانی اسی رات اپنے بڑوں سے بات کر کے میری پوزیشن صاف کرنے والا تھا۔ وہ کوشش کامیاب ثابت ہوتی تو پھر کسی بھی وقت ٹریڈ لائن پر دھاوا بولا جا سکتا تھا۔

میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ تم کل رات کے لیے تیاری رکھو۔ میری طرف سے گرین سگنل ملنے کے بعد کارروائی کا آغاز کرا دینا۔ اصل عمارت بلکہ عمارت کے زیریں حصے سے نکاسی کے لیے ایک طویل، زیرِ زمیں راستہ بھی ہے جس کے آخری سرے کی ناکہ بندی بھی ضروری ہو گی تاکہ مجرم اس راستے سے فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ ان سب کا بیک وقت گرفتار ہونا ضروری ہے۔"

"ان کا اڈا شہر کے کس علاقے میں ہے؟" اول خان نے گہری دلچسپی کے ساتھ پوچھا۔

"بولٹن مارکیٹ سے آگے، شہر کے سب سے بڑے اور مصروف ترین کاروباری مرکز میں، ایک کثیرالمنزلہ عمارت کی نچلی منزل اور تہ خانے پر ان لوگوں کا تصرف ہے۔ ٹریڈ لائن کے نام سے چلنے والا، وہ کاروباری ادارہ آڑ کے لیے درآمدی کام کرتا ہے۔ ان کی اصل مصروفیت کچھ اور ہے۔ تہ خانے کے ایک دفتر سے نکلنے والی ایک سرنگ، تھوڑی دور چل کر ٹیلی فون کیبلز وغیرہ کی ایک ٹنل سے ملتی ہے۔ اس سے نکاسی کے لیے نیو چالی کے قریب واقع کوڑے دان سے ملحق ایک مین ہول استعمال کیا جاتا ہے جہاں تمہارے آدمیوں کا موجود رہنا ضروری ہو گا۔"

"اس کارروائی کے لیے ہمیں پولیس کو اپنے ساتھ لینا ہو گا۔ عام نوعیت کے جرائم کے سدِباب میں ہم منظرِ عام پر آنے کے بجائے، پسِ پشت رہنا پسند کرتے ہیں تاکہ ایس ٹی ایف کا نام صیغۂ راز میں رہے۔"

"پولیس کے محکمے میں کالی بھیڑیں بھی ہیں! اگر ان میں سے کسی نے مخبری کر دی تو کھیل بگڑ جائے گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ہم اس امکان کے سدِباب کے لیے انہیں آخر تک اندھیرے میں رکھتے ہیں۔ موقع پر پہنچنے سے پہلے انہیں علم نہیں ہو پاتا کہ کارروائی کس کے خلاف ہونی ہے۔ اتنی احتیاط کے بعد کوئی کالی بھیڑ چاہے بھی تو کوئی مخبری نہیں کر سکتی۔ میرے لیے یہ کوئی نیا کام نہیں ہو گا۔"

"بس یہ خیال رکھنا کہ ٹریڈ لائن کے دفتر میں کام کرنے والا عملہ، جو صبح نو بجے سے پانچ بجے تک وہاں ملازمت کرتا ہے، ان دھندوں میں سرے سے ملوث نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تفتیش کے بہانے پولیس والے ان کو تنگ کرنا شروع کر دیں۔ البتہ چوکیدار پوری طرح مجرمانہ سرگرمیوں میں شریک رہتا ہے۔"

"کوئی غیر متعلقہ شخص پکڑ بھی لیا گیا تو تمہاری سفارش پر اسے رہا کر دیا جائے گا لیکن یہ بتاؤ کہ اس دھندے کی پشت پر کون کارفرما ہے؟ ہمارے چھاپے کے وقت وہ کہاں ہو گا؟"

"اس کا نام حبیب جیوانی ہے" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہیں کہیں بھی اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکے گا۔ ٹریڈ لائن کے مالک کے طور پر تمہیں ریکارڈ میں ایک فرضی نام ملے گا جس کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے لیکن یہ کام میرے ذمے رہے گا۔ حبیب جیوانی کو میں اپنے طور پر گھیروں گا اور زندہ یا مردہ حالت میں تمہارے سامنے پیش کر دوں گا۔"

اول خان معنی خیز انداز میں مسکرایا "اس کا مطلب ہے کہ تم ہمارے ساتھ شرکت نہیں کرو گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حبیب جیوانی کے ساتھ تمہارا کوئی پرانا حساب چل رہا ہے۔"

"میری اس سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ وہ لومڑی کی طرح چالاک اور چیتے کی طرح پھرتیلا ہے۔ بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تو اس کو دوبارہ تلاش کرنا ناممکن ثابت ہو گا۔ وہ لاکھوں کی بھیڑ میں غائب ہو کر کسی نہ کسی طرح ملک سے فرار ہو جائے گا۔"

"حبیب جیوانی!" اول خان چونک کر بڑبڑایا پھر چند ثانیوں بعد اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا "یہ وہی صنعت کار تو نہیں، جس کا فائیو اسٹار ہوٹل کا منصوبہ ابھی تک ادھورا پڑا ہوا ہے۔"

"تمہاری یادداشت قابلِ رشک ہے" میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اقرار کیا۔

"سنا تھا کہ وہ اپنے ہوٹل کی تکمیل کے لیے پیسہ کمانے کے لالچ میں ہیروئن لے کر جرمنی گیا تھا مگر پکڑا گیا۔ پھر اسے سزا ہو گئی تھی اور وہ شاید وہیں مر بھی گیا تھا" اول خان کی یادداشت تازہ ہو رہی تھی۔

"مافیا والوں نے جیل کے حکام کی مٹھیاں گرم کر کے اسے نکال لیا تھا۔ سزا پوری کرنے کے لیے اس کی جگہ ایک غریب

پاکستانی کو جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔ حبیب جیوانی کے نام سے اخبارات میں اسی بدنصیب پاکستانی کی موت کی خبر شائع ہوئی تھی۔"

"دلچسپ اور حیرت انگیز!" وہ بڑبڑایا "ذرا تفصیل سے تو بتاؤ کہ یہ کیسے ہوا تھا؟"

"حبیب جیوانی کو قیدِ تنہائی کی سزا دی گئی تھی اس لیے بہت زیادہ لوگ اس کی شکل وصورت سے واقف نہیں تھے اس کی جگہ جو شخص اندر پہنچایا گیا تھا وہ قدوقامت اور جسمانی ساخت کے اعتبار سے اسی سے مماثل تھا۔ شاید خدوخال بھی کچھ ملتے جلتے ہوں۔ اس سودے کے عوض اس غریب آدمی کے عسرت زدہ گھرانے کو ہر مہینے ایک بھاری معاوضہ دیا جاتا تھا۔ اس نے اپنے گھر والوں کی خوشحالی کے لیے دیارِ غیر کی وہ اسیری قبول کی تھی اور اسی حالت میں مر گیا۔ مافیا والوں نے حبیب جیوانی کو چوری چھپے پاکستان پہنچا دیا اور اس نے یہاں روپوش رہ کر مافیا کی داغ بیل ڈال دی جو اب جان پکڑتی جا رہی ہے۔

"اس کا ہوٹل تو اب بھی ادھورا ہی ہے اور شاید نادہندگی کے متعدد مقدمات سے منسلک کر دیا گیا ہے۔"

"مجھے یہ علم نہیں مگر میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ وہ چاہے تو اب کالے دھن سے اس جیسے کئی ہوٹل کھڑے کر سکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ اپنے اصل نام سے سامنے نہیں آسکتا۔ جرمن حکام نے اپنے ریکارڈ میں اسے مردہ قرار دے دیا ہے۔ مردہ زندہ ہوا تو جرمنی میں اس کی فائل دوبارہ کھل جائے گی اور جرمنی کی حکومت تحویل مجرمین کے معاہدے کے تحت اس کی واپسی کی دعوے دار بن جائے گی۔"

اول خان نہایت غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں خاموش ہوا تو وہ گمبھیر لہجے میں بولا "کبھی کبھی تمہاری باتوں سے مجھے خوف آنے لگتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مافیا اور شی کے ماسٹر مائنڈ تم ہی ہو جو ہر بات کی اتنی تفصیلی خبر رکھتے ہو۔ یہ سب باتیں تمہیں کہاں سے معلوم ہو جاتی ہیں؟"

"میں اپنے حریفوں پر دور دور سے غلیلیں نہیں چلاتا۔ یہ یاد رکھتا ہوں کہ موت بس ایک ہی بار آنی ہے اور وہ بھی اپنے مقررہ وقت پر آئے گی۔ یہ سوچ کر میں سر سے کفن باندھ کر ان کی صفوں میں گھس جاتا ہوں اور پھر کامیابی ہو ہی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں سے گرفتار ہونے والے کچھ لوگ بھی میرا نام لیں لیکن ریکارڈ پر اس کا تذکرہ نہیں آنا چاہیے۔ اپنے طریقہ کار کے تحت مجھے ان سے سازباز کرنی پڑی تھی۔"

"میں خیال رکھوں گا لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مہم جوئی کے شوق میں تم بعض اوقات ضرورت سے زیادہ خطرات میں چھلانگ لگانے کے عادی ہوتے جا رہے ہو۔ غزالہ کی بازیابی کے چکر میں مکاؤ جا کر تم نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ تمہارے ستارے ہی یاور تھے کہ تم وہاں سے زندہ لوٹ آئے۔"

میں نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا "بات وہی آجاتی ہے کہ موت اپنے وقت پر اور صرف ایک بار ہی آنی ہے۔ وقت آجاتا ہے تو آدمی کنکریٹ کے دمدمے میں اور اسپتال کی محفوظ چارپائی پر بھی موت کے بے رحم چنگل سے نہیں بچ پاتا۔"

"تم جیسے لوگ اب نایاب ہوتے جا رہے ہیں۔ موت کے بارے میں اتنے بے پروایانہ انداز میں باتیں کرنا بہت آسان کام ہے لیکن ان پر عمل کرتے ہوئے بڑے بڑوں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔"

"اب تم میری ٹانگ کھینچنے کے چکر میں پڑ گئے ہو اس لیے مجھے چلنا چاہیے" میں اچانک ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں سچ کہہ رہا تھا" وہ بھی میرے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ "تمہاری ذہانت اور بے جگری نے مجھے ہمیشہ بہت متاثر کیا ہے۔ کاش تم کسی قومی ادارے سے باقاعدہ وابستہ ہوتے تو اپنی کارکردگی سے دھوم مچا دیتے۔"

"میں تو اب خود کو اسپیشل ٹاسک فورس سے وابستہ سمجھتا ہوں۔ یہ ادارہ قومی ہے یا نہیں' اس بارے میں اس کے ذمے دار ہی کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں۔"

اول خان میرے ساتھ باہر آیا تو میرا خیال تھا کہ وہ مجھے رخصت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن وہ میرے ساتھ چل کر اسی وقت ٹریڈ لائن کے دفتر اور سرنگ کے دہانے وغیرہ کا دورہ سے جائزہ لینا چاہتا تھا تاکہ اسے اپنی کارروائی کا ذہنی خاکہ تیار کرنے میں آسانی حاصل ہو سکے۔

میں نے اسے اپنی ہی گاڑی میں بٹھایا اور اسٹیشن فور سے بولٹن مارکیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

○☆○

ویرا فلیٹ سے غائب تھی۔ غزالہ یا سلطان شاہ کو کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کب اور کہاں گئی تھی۔ انہوں نے ویرا کے بارے میں زیادہ سوچنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ مجھے اس کے بارے میں فکرمند دیکھ کر انہوں نے میرا مذاق اڑانا شروع کر دیا تھا۔ سلطان شاہ نے تو باقاعدہ مجھے دلاسا دینا شروع کر دیا کہ ویرا ایک عاقل و بالغ اور مکار مجرمہ تھی' کوئی دودھ پیتی بچی نہیں تھی جس کے لیے میں فکرمند ہو رہا تھا۔

میں خاموشی کے ساتھ ان دونوں کی طعنہ زنی سہتا رہا لیکن میرے ذہن سے ویرا کا خیال محو نہیں ہو سکا۔ اسے ہیری کیسنجر کی طرف سے بدترین خطرات لاحق تھے کیونکہ وہ کافی دنوں سے ویرا کو گھیرنے کے چکر میں لگا ہوا تھا اور اسے بے دست و پا کر کے امریکا بھیجنا چاہتا تھا تاکہ وہاں جی لائیڈ' شی کے مقاصد اور اہداف سے بے وفائیوں کے الزام میں' اس کی گوشمالی کر سکے۔ مجھے ڈر تھا کہ ویرا اپنی کامیابی کے نشے میں سرشار ہو کر کہیں اس خطرے کو

فراموش ہی نہ کر بیٹھی ہو۔ اگر وہ ایک مرتبہ پھر ہیری کیسنجر کے کسی آدمی کی نظر میں آجاتی تو اسے گھیرنے کی مہم دوبارہ زور پکڑ سکتی تھی اور ہم غیر ضروری طور پر اسی مہم جوئی میں الجھ کر رہ جاتے۔

ویرا کی واپسی شام کو سات بجے کے قریب ہوئی۔ اس کے بشرے سے تکان اور اضمحلال کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ آتے ہی ایک صوفے پر گر گئی۔

"ڈیڈی کو تمہاری غیر حاضری سے خلجان ہونے لگا تھا۔ تم اجازت لیے بغیر گھر سے باہر نہ جایا کرو" سلطان شاہ نے اس کے آتے ہی نشتر زنی شروع کردی۔

"غنیمت ہے کہ تم بولنے لگے ہو" وہ ترکی بہ ترکی بولی "میں تو سمجھ رہی تھی کہ تمہاری زبان کو قبض لاحق ہو گیا ہے جو آسانی سے دور نہیں کیا جاسکے گا۔"

"لاحول ولا قوۃ" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا "تم جب بھی بولتی ہو، اپنے دماغ کی ساری گندگی، اپنی گفتگو میں انڈیل دیتی ہو۔ کبھی غلطی سے ہی شائستہ گفتگو کر لیا کرو!"

"کرتی ہوں" وہ بے پروائی سے بولی "اس کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ میرا مخاطب کون اور کس ذہنیت کا مالک ہے۔ چاہو تو غزالہ سے میرے اس بیان کی تصدیق کر سکتے ہو۔"

"لیکن تم کہاں نکل گئی تھیں؟" میں نے ان کی تکرار میں دخل انداز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"بے مقصد آوارہ گردی کا ارادہ تھا لیکن پھر انڈین کونسلیٹ کی طرف نکل گئی۔"

"وہاں کی کیا خبریں ہیں؟ شریمان کی جگہ کس کو لایا جا رہا ہے؟"

"شریمان کے جانشین کی تقرری تو دور کی بات ہے، آج وہاں ایک نیا ماتم تھا۔"

"وہ کیا؟" میں نے اول خان سے ملنے والی معلومات کا اظہار کیے بغیر پوچھا۔

"آج تمہارے حکام نے ان کے ایک آدمی کو پکڑ لیا ہے" وہ کسی سرکاری ملازم سے آبی ذخائر کے تعمیراتی نقشوں کی نقول لینے گیا تھا۔ سب لوگ اسی افراتفری میں الجھے ہوئے تھے۔"

"اگر وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے تو یہ لوگ دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔"

"سفارتی قوانین کی رو سے کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ ان کے سفارت خانے سے پُرزور احتجاج کیا جائے گا اور متعلقہ سفارت کار کو فوری طور پر ملک چھوڑنے کا حکم دے دیا جائے گا۔ جوابی کارروائی کے طور پر وہ لوگ بھی نئی دہلی میں تمہارے سفارت خانے کے کسی ملازم پر الزام لگا کر ملک بدر کر دیں گے۔ جب دو ممالک کے درمیان سرد جنگ چل رہی ہو تو دونوں طرف سے ایسی ہی ہٹ دھرمیاں دیکھنے میں آتی ہیں۔"

"ان لوگوں کے عزائم کیا ہیں؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کھل کر بات کرنے کے لیے فضا سازگار نہیں تھی۔ ویسے وہ چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ البتہ ایک تبدیلی ضرور آئی ہے کہ اب ہیری کیسنجر کے ملک کے ساتھ، ان کے تعلقات میں سرد مہری آگئی ہے۔"

"تم نے یہ اندازہ کیسے لگا لیا؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے اپنی سلامتی کی فکر تھی!" وہ ہنستے ہوئے بولی "جب میں نے چنی لال سے کہا کہ وہ میرے بارے میں ہیری سے ذکر نہ کرے تو اس نے بتایا کہ ان دنوں دونوں سفارتی ادارے ایک دوسرے سے بدظن ہیں اور آپس میں کسی قسم کی معلومات کا تبادلہ بھی نہیں کر رہے۔"

"یہ مقامی حالات کا شاخسانہ بھی ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ حکومتی سطح پر پالیسی میں تبدیلی آئی ہو۔"

"سب کچھ بھی ہو، میرے سر سے بوجھ ٹل گیا ہے۔ چنی لال اب پوری طرح میرا ساتھ دے گا۔"

"مجھے بھی ہیری کیسنجر ہی کی طرف سے پریشانی تھی۔ وہ اب بھی تمہارے چکر میں ہوگا۔"

"ہوا کرے!" وہ بے پروائی کے ساتھ بولی "میں اس کا کوئی نہ کوئی سدِباب کر ہی لوں گی۔"

"پھر بھی احتیاط کرنے میں کوئی ہرج نہیں، کوئی بھی فون آئے تو تم ریسیور نہ اٹھانا۔ ہو سکتا ہے کہ دوسری طرف سے تمہاری آواز پہچان لی جائے" اسے وہ مشورہ دیتے ہوئے، میرے ذہن میں ہیری کیسنجر سے زیادہ حبیب جیوانی کا خیال تھا، جو اپنے بڑوں سے بات کرنے کے بعد کسی بھی وقت مجھے فون کر سکتا تھا۔

ویرا نے خلافِ توقع کوئی بحث کیے بغیر میرا وہ مشورہ تسلیم کر لیا اور وہ بات وہیں ختم ہو گئی۔

ویرا نے غسل خانے کا رخ کیا تو میں نے اسے آگاہ کیا کہ جب تک ہم چاروں اس فلیٹ میں یکجا رہیں گے، ایک خواب گاہ اس کے تصرف میں رہے گی۔ سلطان شاہ ڈرائنگ روم میں گزارہ کرے گا۔ اسے اس بندوبست سے آگاہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ چاہے تو اسی کمرے میں آرام کر سکتی ہے۔

تخلیہ ہوتے ہی میں نے غزالہ اور سلطان شاہ کو حبیب جیوانی کی متوقع فون کال سے آگاہ کر دیا تاکہ وہ بے خبری کی وجہ سے مذاق ہی مذاق میں میرے لیے کوئی دشواری نہ کھڑی کر دیں۔

لیکن اس بارے میں مجھے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ویرا کے واپس لوٹنے سے پہلے ہی حبیب جیوانی کی فون کال آگئی جو میں نے ہی وصول کی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم فون ہی سے لگے بیٹھے تھے" میری آواز سن کر حبیب جیوانی نے تبصرہ کیا۔

میرے لیے یہ بات بہت اہم ہے کہ میرے بڑے میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں؟"

"میں تمہاری الجھن سمجھ رہا ہوں۔ میں نے بات کی ہے۔ پوری کہانی بہت تحمل کے ساتھ سنی گئی ہے اور اس کی معقولیت نے شاید اثر بھی ڈالا ہے لیکن پھر بھی تمہاری پیشی ضروری قرار دی گئی ہے۔"

"میری پیشی!" میں نے حیرت سے سوال کیا "مجھے کس کے سامنے پیش ہونا ہوگا؟"

"تمہیں مکاؤ میں روکنے کی کوشش کی گئی تھی" اس نے بتایا "لیکن اس وقت تک تم وہاں سے نکل چکے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اب تمہیں میلان کا سفر کرنا پڑے۔ تم سے ملاقات کے خواہش مندوں کے یکجا ہوتے ہی مجھے اطلاع دے دی جائے گی۔ اب اس وقت تک اسلام آباد والا معاملہ ملتوی ہی سمجھو۔"

"اس کا مطلب ہے میری ذات اب بھی شبہات کی دھند میں لپٹی ہوئی ہے؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میں نے تمہاری صفائی میں اپنا پورا زور بیان صرف کر دیا تھا" اس نے کہا "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم پر شبہ نہ ہو بلکہ وہ لوگ تمہاری گواہی کے ذریعے اصل مجرم تک پہنچنا چاہتے ہوں۔"

"لیکن میں تو جائے واردات پر موجود رہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکا تھا پھر وہ میرے بیان کے سہارے قاتل تک کس طرح پہنچ سکیں گے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"یہ میرا قیاس ہے۔ وہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں؟ یہ وہی جانتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں شہر ہی میں موجود رہ کر تمہارے اگلے پیغام کا انتظار کروں گا۔"

دوسری طرف سے اوکے کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور میں نے ریسیور رکھ کر اضطراری طور پر سگریٹ سلگا لی۔

مجھے حبیب جیوانی سے جو کام لینا تھا' وہ پورا ہو چکا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ مافیا کے بڑوں کے سامنے میری پوزیشن صاف کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس نے میری درخواست کے مطابق فون تو کر دیا تھا لیکن اس کال کے نتائج غیر یقینی تھے۔ وہ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

حبیب جیوانی کا کام ختم ہو چکا تھا اس لیے میں نے فوراً ہی اڈل خان کو گرین سگنل دینے کا فیصلہ کر لیا۔ میں پھیلے ہوئے معاملات کو جلد از جلد نمٹا لینا چاہتا تھا تاکہ ذہنی سکون اور یکسوئی کے ساتھ مستقبل کے بارے میں کوئی منصوبہ بندی کر سکوں اور جرائم کی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر سکوں۔

اڈل خان' ٹریڈ لائن اور اس کی آڑ میں چلنے والی مافیا کو تباہ کرنے کے لیے ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ اسی وقت وہاں دھاوا بول دیتا لیکن دشواری یہ تھی کہ اس چھاپے کے لیے اسے مقامی پولیس حکام کو بھی اپنے ساتھ لے کر چلنا تھا اور وہ کام اگلے دن ہی ہو سکتا تھا۔

"میں صبح دس بجے تک تمام تیاریاں مکمل کر لوں گا۔ زیادہ سے زیادہ بارہ بجے تک ہم اپنا آپریشن شروع کرنے کی پوزیشن میں آ چکے ہوں گے" اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"تم میرے ساتھ اس کاروباری اور تجارتی علاقے کا جائزہ لے چکے ہو" میں نے نرمی سے کہا "صبح ہوتے ہی وہاں لاکھوں افراد اور ہزاروں گاڑیوں کی ریل پیل شروع ہو جاتی ہے۔ اس قدر ہجوم میں کوئی بڑی کارروائی بہت سی مشکلات پیدا کر دے گی۔ تماشائیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جائیں گے۔ دوسری طرف سے مزاحمت کی گئی تو فائرنگ کے تبادلے میں متعدد بے گناہوں کی جانوں کے زیاں کا خطرہ بھی رہے گا۔۔۔"

"مختصراً بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" اس نے میری بات کاٹ دی۔ اس کی آواز میں جھلکتا ہوا جوش و خروش ماند پڑ چکا تھا۔

"رات کے آٹھ نو بجے تک اس علاقے کے تمام دفاتر اور تجارتی ادارے بند ہو جاتے ہیں اور وہاں سناٹا پھیل جاتا ہے۔ اس کے بعد تم نہایت اطمینان کے ساتھ اس عمارت کو اپنے گھیرے میں لے سکتے ہو۔"

"بات چوبیس چھبیس گھنٹوں کے لیے ٹل جائے گی" اس کی آواز مضمحل ہو گئی۔

"مجبوری ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ٹریڈ لائن میں دفتری کام سرانجام دینے والا عملہ بالکل بے گناہ ہے۔ دن میں وہ سب بھی دفتر میں ہوں گے۔ مجرم انہیں یرغمال بنا سکتے ہیں۔ رات کو اس عمارت میں صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو ریکٹ چلا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ آنکھیں بند کر کے من مانا سلوک کیا جا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے!" اس نے ہتھیار ڈال دیے "پھر کل رات دس بجے کی تیاریاں شروع کرا دیتا ہوں۔"

"میں بھی اسی وقت اپنے شکار پر ہاتھ ڈالوں گا۔۔۔۔ اور ہاں' ظفر کے بارے میں کوئی خیر خبر؟"

"ابھی تک خاموشی ہے۔ مجھے سی او کے فون کا انتظار کرنا ہوگا" اس کی آواز ابھری۔

میں نے مزید چند فقروں کے تبادلے کے بعد فون بند کر دیا۔

اگلے دن ویرا دوپہر کے قریب اپنے کچھ پرانے دوستوں سے ملنے چلی گئی۔ ان حلقوں میں وہ ایک اسکالر کے طور پر پہچانی جاتی تھی۔ میدان صاف ہو جانے پر میں نے غزالہ کو مافیا کے بارے میں اپنے منصوبے سے آگاہ کیا تو وہ چڑ گئی۔

"تمہیں حبیب جیوانی کو چھیڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس سے بھی اڈل خان ہی نمٹ لے گا۔"

"سب کچھ اڈل خان ہی کر لے گا تو میں کیا کروں گا؟" میں نے

حیرت سے سوال کیا۔

"ضروری نہیں کہ تم ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہو۔ وہ مافیا چیف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں دھوکا دے کر نکلنے میں کامیاب ہو جائے۔ تم اپنے لیے غیر ضروری طور پر خطرہ مول لے رہے ہو۔"

"وہ میرے پھندے سے نکل ہی نہیں سکتا۔ اسے مجھ پر پورا اعتماد ہے۔ اسے تو اس وقت ہوش آئے گا جب میری ہیم گن کی نال اس کی کھوپڑی سے لگ چکی ہوگی" میں نے اس کی پریشانی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"کسی دن تمہاری یہی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی تمہیں لے ڈوبے گی۔"

"مافیا کو ایک ہی وقت میں جڑ سے اکھاڑ پھینکنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ بہت اہم آپریشن ہوگا۔ میں نے اس میں بھرپور طریقے سے اپنا حصہ ادا نہ کیا تو مجھے زندگی بھر اس کا قلق رہے گا۔"

"تم جو چاہو کرتے پھرو۔ میں اب تمہیں نہیں روکوں گی۔" غزالہ نے منہ پھلا لیا۔

میں اس کو منانے کے لیے اس کی خوشامدیں کرنے لگا۔ سلطان شاہ دور بیٹھا زیر لب مسکرا رہا تھا۔

غزالہ کو منانے کے بعد وقت گزاری کے لیے ہم کارڈز لے بیٹھے۔ تاش کھیلتے ہوئے سلطان شاہ نے نہ جانے کیسے غزالہ کے مرحوم والدین کا ذکر چھیڑ دیا اور غزالہ اداس ہو گئی۔

غزالہ کے لیے اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ ماں باپ اور اکلوتا بھائی، تینوں ہی یکے بعد دیگرے خالقِ حقیقی سے جا ملے تھے اور بظاہر دنیا میں وہ اکیلی رہ گئی تھی۔ مجھے اس کے والدین کے خاندانی پس منظر اور خانگی حالات کا بخوبی علم تھا۔ اس کی ماں، شمع کا تعلق اس بازار سے تھا جہاں گھنگھروؤں کی جھنکار اور طبلے کی تھاپ پر تماشائیوں کو مرغِ بسمل کی طرح تڑپا تڑپا کر ان کی جیبیں خالی کرائی جاتی ہیں لیکن شمع نے اس بازار میں بھی اپنے وقار کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کرنل زوّار زیدی کو شمع سے والہانہ عشق ہو گیا تھا۔

ان دونوں نے اپنی اکلوتی بیٹی کو اس کہانی سے لاعلم نہیں رکھا تھا۔ شمع تو خیر اپنے پورے خاندان کو اسی بازار میں چھوڑ آئی تھی لیکن اس سے شادی کے جرم میں کرنل زوار زیدی کے خاندان نے اسے بالکل چھوڑ دیا تھا اور یوں وہ میاں بیوی ہی ایک دوسرے کے ہمدرد و غم گسار رہ گئے تھے۔

بات آگے بڑھی تو غزالہ نے بتایا کہ اس کے ددھیال کا خاندان خاصا بڑا تھا۔ وہ ان میں سے کسی سے بھی نہیں ملی تھی لیکن اس نے اپنے مرحوم باپ کی زبان سے اپنے ددھیالی رشتے داروں کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا جو بچپن اور لڑکپن کی یادوں کے ساتھ اس کے ذہن میں محفوظ تھا۔

"اگر ان میں سے کچھ لوگ کراچی میں ہیں تو انہیں جا سکتا ہے" رشتے داروں کا ذکر آنے پر سلطان شاہ نے ہم دونوں نے شمع کے ماضی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا وہ خود غزالہ کی عزت کا بھی معاملہ تھا۔ اسے بس اتنا اپنی پسند کی شادی کرنے کی وجہ سے پورے خاندان زوار زیدی سے قطع تعلق کر لیا تھا اور ان دونوں انا کو پس پشت ڈال کر مصالحت کرنے کی کوئی کوشش نہیں

"لیکن کیوں؟" غزالہ نے پریشان ہو کر سوال کیا تلاش کیا جائے؟"

"اپنوں سے ملنے کی آرزو ہر ایک کو ہوتی ہے" میں لہجے میں کہا "کبھی کبھی تمہارے دل میں بھی ہوک سی دوسروں کی طرح تمہارے بھی رشتے دار ہوں جن کے ساتھ خوشیاں اور دکھ درد بانٹ سکو۔ سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ان سے ملو یا نہ ملو لیکن انہیں ڈھونڈ لینے میں کوئی حرج نہیں

"یہ بہت پرانی باتیں ہیں" غزالہ کی آواز قدرے پُرخیال ہو گئی "میں بڑی حسرت سے سوچا کرتی تھی کہ طرح میرے بھی چچا، تایا اور ماموں ہوں، ہم عمر لڑکیوں ہو اور بھی نہ جانے کیا کیا ہو۔ لیکن میں نے اپنی ان تمام تھپک تھپک کر سلا دیا۔ میں ان سب کو بھول چکی ہوں۔ طرف لوٹنا بھی نہیں چاہتی کیونکہ یہ میری انا کا معاملہ ہے۔"

"بہت سے رشتے ایسے ہوتے ہیں جنہیں انا کے نہیں ناپا جاتا" میں نے اسے سمجھایا۔

"میرا وہ رشتہ تم سے ہے!" اس نے میری آنکھیں ڈال کر کہا "کیا انہیں معلوم نہیں ہوگا کہ میرے دو بچے تھے؟ ڈیڈی نے تو ممی کی موت پر خود کشی کی تھی۔ اخبارات میں آئی ہوگی۔ لیکن پھر بھی ان میں سے کوئی ان کے سخت دلوں میں خون کے رشتوں کا ذرا سا بھی احترام ان دونوں کی موت کے بعد وہ ان کے یتیم و بیسیر بچوں تک کوشش ضرور کرتے۔ لیکن کسی نے ایسا نہیں کیا۔ پھر میں طرف کیوں لوٹوں؟ اگر میں ان کی طرف گئی اور انہوں نے مجھے گلے نہ لگایا تو میں کہاں جاؤں گی؟ اس وقت میری کون مرہم رکھے گا؟ یہ بہت پیچیدہ اور ہولناک سوالات پر سوچنے کے بعد میں نے اپنے دل کے بہت سے خانے لیے بند کر لیے ہیں۔ ان سب نے مجھے بھلا رکھا ہے اور سمجھ لیا ہے کہ میرے سارے رشتے دار مر چکے ہیں۔ میرا اٹل رشتہ تم سے ہے اور پھر یہ میرا بھائی ہے" یکایک اس کی رُندھ گئی اور اس نے مضبوطی سے سلطان شاہ کا ہاتھ

"مجھے معاف کر دو، غزالہ!" سلطان شاہ بھی ہو گیا "میں تمہارا دل نہیں دکھانا چاہ رہا تھا۔ میں

"میں بس آدھے گھنٹے میں دفتر پہنچتا ہوں" میں نے کھوکھلی آواز میں کہا۔

"نہیں!" اس کی غراہٹ سے میرے کان کا پردہ جھنجھنا اٹھا "اُدھر کا رخ بھی نہ کرنا۔ وہاں چوہے دان تیار ہو رہا ہے۔ تم میرے گھر آؤ۔ بلکہ نہیں، تم بہادر آباد کے چوراہے پر پہنچو، میں خود وہاں آ رہا ہوں۔"

اس نے میرا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔ میں ریسیور کریڈل پر ڈال کر مڑا تو میرے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہی وہ دونوں بری طرح چونک پڑے۔

"کیا بات ہے؟ تمہارا چہرہ فق ہو رہا ہے؟" غزالہ نے بے تابانہ انداز میں اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کہیں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ حبیب جیوانی کو اوّل خان کی کارروائی کی خبر مل گئی ہے۔"

"بس، پولیس کے ساتھ چلنے میں یہی سب ہوتا ہے" سلطان شاہ پیر پٹخ کر بولا "اس کے کسی نمک خوار نے اسے خبر پہنچا دی ہو گی اور اب ساری بازی الٹ جائے گی۔"

"میں جا رہا ہوں..... وہ مجھے لینے کے لیے بہادر آباد کے چوراہے پر پہنچ رہا ہے" میں نے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

...ے خلوص کے ساتھ کہا تھا۔ آئندہ میں ایسی احمقانہ باتیں نہیں ...ں گی۔"

غزالہ کے نرم و نازک ہونٹوں پر دھیمی سی، مسحور کن ...اہٹ پھیل گئی۔ اس کی آنکھیں نم تھیں مگر لب مسکرا رہے ...میرا دل خراب ہونے لگا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کی ...ف چلا گیا۔

...میں زیادہ دیر تک وہاں کھڑا نہیں رہ سکا کیونکہ یکایک ہی فون ...کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

...میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا تو میری ہیلو کے جواب میں ...ری طرف سے حبیب جیوانی کی سرد اور سخت آواز ابھری جسے ...ر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"اچھا ہوا کہ تم گھر پر مل گئے" اس کی آواز عجیب اور ڈراؤنی ...ں ہو رہی تھی "اس وقت جس حال میں بھی ہو، فوراً چلے ...

مجھے اپنے بدن میں کروڑوں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ...ہیں اور میں نے اضطراری طور پر اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔ ...بات تو ہے؟ تم اس وقت کچھ پریشان معلوم ہو رہے ہو؟"

"...کچھ بات ہی نہیں ہے۔ بس تم فوراً آؤ، میں فون پر کچھ نہیں ...گا۔"

کھیل شروع ہو چکا تھا۔ اس لیے میں ہیم گن کے علاوہ ایک بھرا ہوا پستول بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا کیونکہ حبیب جیوانی کے تیوروں کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔

سلطان شاہ بھی میرا ساتھ دینا چاہ رہا تھا لیکن میں نے سختی کے ساتھ اسے منع کر دیا۔ اس وقت حبیب جیوانی کی حالت کسی زخم خوردہ شیر جیسی تھی۔ اس کی کچھار پر ہاتھ ڈال دیا گیا تھا یا ڈالا جانے والا تھا۔ اس حالت میں وہ اپنے سائے سے بھی چونکتا ہوتا اور اگر اسے بھنک بھی مل جاتی کہ میں مافیا سے باہر کے کسی آدمی سے مدد لے رہا ہوں تو مجھے کوئی موقع دیے بغیر میری کھوپڑی میں بے دریغ گولی اتار دیتا۔

فلیٹ سے نکلتے نکلتے مجھے اچانک اول خان کا خیال آیا۔ اسے اس نئی صورتِ حال سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ ورنہ وہ بے خبری اور خود اعتمادی کی وجہ سے حبیب جیوانی کے کسی جوابی جال میں الجھ سکتا تھا۔

اس وقت میری رسٹ واچ ساڑھے سات بجا رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ حبیب جیوانی کو آپریشن سے ڈھائی گھنٹے پہلے ہمارے عزائم کی بھنک مل گئی تھی۔

"سب کچھ چوپٹ ہو گیا" اول خان کی آواز سنتے ہی' میں نے اضطراری لہجے میں کہا "حبیب جیوانی کو اپنے دفتر پر پڑنے والے چھاپے کی خبر مل گئی ہے اور وہ بذاتِ خود میدان میں اتر رہا ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" اول خان کی آواز سے حیرت کے ساتھ ہی بے یقینی بھی مترشح تھی "اب تک اعلیٰ حکام کے علاوہ کسی کو اس آپریشن کا علم نہیں ہے۔ شاید پندرہ منٹ پہلے علاقے کی پولیس کو اعتماد میں لیا گیا ہو گا تاکہ عمارت کے گرد ابھی سے گھیرا ڈالنے کی تیاریاں شروع کی جا سکیں۔ صبح سے تمام نفری اسٹینڈ بائی پر تھی۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔"

"پندرہ منٹ پہلے علاقہ پولیس کو بتایا گیا اور اسے خبر مل گئی۔ اب وہ فون کرے گا اور کوئی بھی کارروائی ہونے سے پہلے اس کے سارے آدمی وہاں سے فرار ہو جائیں گے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"وہ فون نہیں کر سکے گا۔ اسے خود اپنے دفتر جانا ہو گا۔ میں نے احتیاطاً دوپہر کو ہی ٹریڈ لائن کے سارے فون بند کرا دیے تھے۔ میں ابھی خود نکلتا ہوں۔ وہ وہاں پہنچتے ہی پکڑ لیا جائے گا لیکن اس کی شناخت کے لیے تمہارا وہاں موجود رہنا ضروری ہے کیونکہ اسے کوئی بھی نہیں پہچانتا۔"

"میں خود اسی کے پیچھے جا رہا ہوں۔ میں ٹریڈ لائن نہیں پہنچ سکتا۔ اس محاذ پر تم ہی کو صورتِ حال سنبھالنی ہو گی۔ یہ میرے بس سے باہر ہے" میں نے رکھائی سے کہا اور فون بند کر دیا۔

میرے پاس وقت کم تھا۔ اس وقت حبیب جیوانی بہت مشکل صورتِ حال میں گھرا ہوا تھا اس لیے مجھے اندازہ تھا کہ وہ تیز رفتاری کے ساتھ ڈرائیونگ کرتا ہوا' چند منٹ میں بہادر آباد چوراہے پر پہنچ جائے گا۔ اس لیے میں نے عمارت سے باہر کسی سواری کی تلاش میں نظریں دوڑائیں پھر کوئی رکشہ موجود نہ پا کر' قریب ہی سے گزرتی ہوئی منی بس کے گیٹ سے [illegible] گیا۔

اگلا اسٹاپ بہادر آباد کا تھا اور حبیب جیوانی اس وقت وہاں نہیں پہنچا تھا۔

اول خان نے ٹریڈ لائن کے تمام ٹیلی فون قبل از وقت [illegible] نہایت عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ [illegible] جیوانی نے چھاپے کی خبر ملتے ہی اپنے دفتر سے فون پر رابطہ [illegible] کوشش کی ہو گی اور اس کوشش میں ناکامی کے بعد اس نے [illegible] فون کیا ہو گا۔

اس کی زبانی چھاپے کی خبر ملنے کے بعد مجھ پر جو بوکھلاہٹ طاری ہوئی تھی' وہ صورتِ حال کا پورا ادراک ہونے کے بعد رفتہ رفتہ کم ہونے لگی۔ اس کا ٹریڈ لائن سے رابطہ ختم کر دیا گیا تھا اس لیے وہ خبر اسی کی ذات تک محدود تھی اور وہ مجھ کو لینے کے لیے [illegible] تھا۔

اس وقت کی صورتِ حال یہ تھی کہ حبیب جیوانی اپنے [illegible] میں رونما ہونے والی صورتِ حال میں کوئی تبدیلی لانے پر قادر [illegible] تھا۔ وہ گاڑی چلا رہا ہوتا اور میں اپنے ہتھیاروں سمیت اس کے برابر والی نشست پر موجود ہوتا۔ اسے چھاپے کی خبر کہیں سے اور کسی طرح بھی ملی ہو' اگر میں ہوشیاری سے اس پر قابو پانے میں کامیاب ہو جاتا تو اول خان اپنی کارروائی منصوبے کے مطابق کر سکتا تھا۔

چند ہی منٹ بعد حبیب جیوانی' حسبِ توقع تیزی کے ساتھ چلاتا ہوا وہاں آ پہنچا۔ اس سے پہلے کہ میں دروازہ کھول کر گاڑی میں سوار ہوتا' وہ ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ کر نیچے آ گیا۔

"گاڑی تم ڈرائیو کرو گے' مجھے دوسرے کام سنبھالنے ہیں" اس نے حکم صادر کیا اور میں اس کے قریب سے گزر کر دوسری طرف بڑھ گیا۔ کار کا انجن اسٹارٹ تھا۔ حبیب جیوانی مجھ سے پہلے پسنجر سیٹ پر براجمان ہو چکا تھا اس لیے میں نے فوراً ہی گاڑی بڑھا دی۔

بمشکل چند سیکنڈ گزرے ہوں گے کہ کار میں موجود ٹرانسیٹر پر ایک پیغام سن کر میں ششدر رہ گیا۔ سینٹرل کنٹرول سے کسی سب انسپکٹر لہراسپ خان کو پکارا جا رہا تھا۔

چوراہا عبور کرنے کے بعد صاف سڑک ملی تو میں نے دیکھا وہ آواز' حبیب جیوانی کی گود میں رکھے ہوئے اپریٹس سے آ رہی تھی۔ سب انسپکٹر لہراسپ لائن پر تھا اور اپنے سینٹرل کنٹرول کو اپنی کارکردگی کی رپورٹ دے رہا تھا جو واضح طور پر ٹریڈ لائن سے متعلق تھی۔

حیرت سے میری عقل چکرا کر رہ گئی۔ وہ معاملہ تو مخبری سے بھی
بلوں آگے نظر آرہا تھا۔
"یہ تمہارے اپریٹس پر پولیس کنٹرول کے پیغامات کس طرح
سنائی دے رہے ہیں؟" میں نے احمقانہ حیرت کے ساتھ حبیب
جیوانی سے سوال کیا۔
"یہ میرا نہیں بلکہ پولیس کے محکمے کا ہی ٹرانسیٹر ہے اور اسی
کی وجہ سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آج پولیس فورس میرے دفتر پر
چھاپا مارنے کا ارادہ رکھتی ہے" اس نے تلخ لہجے میں مجھے آگاہ کیا۔
"لیکن یہ اہم ٹرانسیٹر تمہاری تحویل میں کیسے آگیا؟" میری
حیرت میں مزید اضافہ ہوگیا۔
"یہ کی کلب کے دنوں کی یادگار ہے" اس نے کہا "وہاں دل
بہلانے کے لیے آنے والے ایک ڈی آئی جی نے ایک لڑکی کو لاکر
دیا تھا۔ میں روزانہ، دن میں تین چار بار اسے آن کرتا ہوں تاکہ یہ
پتا چلتا رہے کہ شہر کی پولیس کس ڈگر پر چل رہی ہے۔ تھوڑی دیر
پہلے اسے آن کیا تو پتا چلا کہ لہراسپ خان میرے دفتر کے گرد گھیرا
ڈال رہا ہے۔"
"مگر کیوں؟ ان کے پاس اس کارروائی کا کیا جواز ہے؟" میں
نے بے چینی سے پوچھا۔
"احمقانہ سوال مت کرو!" اس کا لہجہ خشک تھا۔ "کچھ نہ کچھ
ہوا ہے۔ اگر ان کے پاس اب کوئی جواز نہیں ہے تو کامیاب
چھاپے کے بعد پیدا ہوجائے گا۔ یہ بات کہ اندر ہمارے آدمی
کھوکھلے شولڈر پیڈز میں ہیروئن بھر رہے ہیں، میرے علاوہ صرف
تمہارے علم میں ہے۔ پولیس اپنے عزائم میں کامیاب ہوگئی تو وہ
سب بھی رنگے ہاتھوں پکڑے جائیں گے اور میں ان کے لیے کچھ
بھی نہیں کرسکوں گا کیونکہ اب کلب کے طلسماتی اثرات بھی ختم
ہوچکے ہیں۔"
"تم فون کرکے شیر شاہ کو ہوشیار کردو۔ وہ لوگ دفتر چھوڑ کر
نکل جائیں گے۔" میں نے اوّل خان کے دعوے کی صداقت
آزمانے کے لیے انجان بن کر کہا "ہیروئن بھی آسانی کے ساتھ
تلف کی جاسکتی ہے۔"
حبیب جیوانی نے غصے میں ڈیش بورڈ پر مکا مارا اور تیز آواز
میں بولا "حرامزادوں نے دفتر کے سارے فون کاٹے ہوئے ہیں۔
میں نے ہر نمبر پر بار بار کوشش کی ہے لیکن دوسری طرف سے
لائنیں خاموش ہیں۔"
"اوہ!" میں نے تاسف آمیز انداز میں کہا۔ "پھر تو تمہیں خود
وہاں جانا ہوگا۔"
"وہاں؟ اس چوہے دان میں؟" اس کی متنفر آواز گونجی۔
"تاکہ وہ مجھے آسانی کے ساتھ دبوچ لیں؟ ڈیئی! تم گھاس کھا گئے ہو
یا پھر میرے دشمنوں سے تم نے بھی کوئی سازباز کی ہوئی ہے۔"
"چیف! لاحول پڑھو۔" میں نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔
"اگر تم اتنی سی پریشانی آنے پر اتنے شدید ردعمل کا مظاہرہ کرو گے
تو کام کیسے چلے گا؟ میں تمہاری مدد اور حوصلہ افزائی کرنے کی
کوشش کررہا ہوں۔ اگر تم نے مجھ پر ہی شبہات ظاہر کرنے شروع
کردیے تو میں اپنی زبان سختی کے ساتھ بند کرلوں گا۔"
"مجھے بتاؤ کہ یہ سب کیسے ہوا؟ تمہارے سمیت سب آدمی
دیکھے بھالے ہیں۔ اندر کی مخبری کے بغیر پولیس کو الہام نہیں ہوسکتا
کہ وہ نیند سے اٹھے اور میرے دفتر کی طرف چل دیئے ہوں۔"
"یہ باتیں بعد میں بھی سوچی جاسکتی ہیں۔ اس وقت ہمیں
پوری توجہ اس ناگہانی آفت پر مرکوز رکھنی چاہیے جو ہمارے سروں
پر نازل ہونے والی ہے۔"
"تم کیا سمجھ رہے ہو؟" اس کی آواز یکایک دھیمی اور پُراسرار
ہوگئی۔ "کیا یہ لوگ میرے دفتر پر چھاپا مار کر، ہمارے آدمیوں کو
پکڑنے میں کامیاب ہوجائیں گے؟"
"فی الحال کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی
تجویز موجود ہے؟"
"تجویز نہیں، میرے پاس طاقت ہے اور یہ طاقت کی کلید
ہے۔" اس نے اپنی جیب سے پلاسٹک کی ایک چھوٹی سی ڈبیا نکال
کر میری طرف بڑھا دی۔ میں نے اسے بائیں ہاتھ میں تولا تو وہ
خاصی وزنی تھی۔ حبیب جیوانی نے فوراً ہی وہ ڈبیا مجھ سے واپس
لے لی۔
"وہ مر کر بھی میرے آدمیوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔"
حبیب جیوانی کی آواز میں سفاکانہ تلخی عود کر آئی۔ "ٹریڈ لائن کے
دفتر کے اہم حصوں میں طاقتور ڈائنا مائٹ نصب ہیں اور یہ ان کا
ریموٹ کنٹرول ہے۔ میری ایک انگلی کی ذرا سی جنبش سے سب کچھ
برباد ہوجائے گا۔ اس علاقے میں اتنی بڑی تباہی آئے گی کہ سب
کے ہاتھ پیر پھول جائیں گے۔ ان کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آسکے
گا۔"
اس کا منصوبہ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور میں نے
قدرے بے جان آواز میں کہا۔ "ہمارا دفتر دس منزلہ عمارت کی سب
سے نچلی منزل پر ہے۔ ڈائنا مائٹ پھٹنے کے ساتھ ہی وہ دیوہیکل
عمارت زمین بوس ہوجائے گی۔ یہ تو بہت بڑی تباہی ہوگی۔"
"گرتے ہوئے وہ عمارت اپنے ساتھ آس پاس کی دوسری
تعمیرات کو بھی لے ڈوبے گی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ اتنی بڑی
تباہی کا خطرہ مول لینے کی جرأت نہیں کرسکیں گے۔"
"ٹرانسیٹر پر ہونے والی گفتگو پر دھیان دو۔" میں نے اسے یاد
دلایا "ان کی باتوں سے ان کے پروگرام کا اندازہ ہوگا۔ میں حیران
ہوں کہ تمہارے پاس اتنا اہم اپریٹس موجود ہے لیکن مجھے آج تک
اس کی بھنک بھی نہیں مل سکی۔ اس کے بغیر تو تمہیں کچھ بھی معلوم
نہیں ہوسکتا تھا۔"
اس اپریٹس کے ایک سرے پر سب انسپکٹر لہراسپ خان تھا

اور دوسری جانب سے ایک ڈی آئی جی ہدایات دے رہا تھا۔ لہراسپ خان کے آدمی، ٹریڈ لائن کے دفتر سے نکلنے والے رو راستوں پر پہنچ چکے تھے۔ ان کی کمین گاہوں سے ٹریڈ لائن کے دفتر پر بخوبی نظر رکھی جاسکتی تھی۔

"تمہارے آدمیوں کو اگلے دو گھنٹے تک اسی پوزیشن میں رہنا ہے۔" ڈی آئی جی، ٹرانسیٹر پر ہدایات دے رہا تھا۔ "کسی کو نگرانی یا کارروائی کا شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ اصل کارروائی ایک کمانڈو گروپ کرے گا جس کے ساتھ انسپکٹر سرور اور اس کی نفری ہوگی۔ دس بجے کے قریب وہ فضا میں سنگل راؤنڈ فائر کرکے دھاوا شروع کردیں گے۔ تم اصلی کارروائی میں براہِ راست شرکت کیے بغیر اس پارٹی کو بیک اپ دوگے..... اوور!"

"یس سر!" لہراسپ خان کی کرخت آواز ریڈیائی شور پر حاوی تھی۔ "میرے آدمی زینوں وغیرہ کے نیچے چھپ گئے ہیں، وہ آخر تک یہاں سے نہیں ہلیں گے۔ میں نے انہیں سخت ہدایات دے دی ہیں۔ ویسے سر! اس دفتر سے نکلنے والے مجرموں کے ساتھ ہمیں کیا سلوک کرنا ہے۔ اوور!"

"اس دفتر کے قرب و جوار میں کوئی کارروائی نہیں ہوگی۔" ڈی آئی جی کی آواز سخت تحکمانہ ہوگئی۔ "اپنے آپریشن کی رازداری کو خطرے میں ڈالے بغیر، ایسے لوگوں کا پیچھا کیا جائے اور دور نکل جانے پر انہیں پکڑ لیا جائے۔ یہ یاد رکھنا کہ یہ پکڑ دھکڑ بہت ضروری نہیں ہے۔ تمہارا اصل کام اس بات پر نظر رکھنا ہے کہ مجرموں کے اڈے پر بندوقوں یا ہتھیاروں کی بھاری نقل و حرکت کامیاب نہ ہونے پائے۔ ایسی صورت میں بھی تم مجھے رپورٹ دے کر ہدایات لوگے۔ میں کوئی حماقت برداشت نہیں کروں گا، کسی کی کوتاہی کو نظرانداز نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس آپریشن کی کمان ایک فیڈرل اتھارٹی کررہی ہے اور ہمیں اسی کی دی ہوئی لائن پر چلنا ہے، اوور۔"

"یس سر!" لہراسپ خان نے پُرجوش آواز میں اپنا تکیۂ کلام دُہرایا۔ "میں سب سمجھ گیا۔ آپریشن کامیاب ہو یا ناکام، ہم پر اس کی کوئی ذمے داری نہیں آئے گی۔ ہمیں بس آنکھیں بند کرکے فیڈرل اتھارٹی کے دیئے ہوئے ڈسپلن پر عمل کرنا ہے۔ میں ابھی اپنے جوانوں کو بریف کیے دیتا ہوں۔ اوور۔"

لہراسپ خان کے اخذ کیے ہوئے نتائج سراسر احمقانہ تھے لیکن میرا اندازہ تھا کہ محکمہ جاتی چپقلش اور رنجشوں کی وجہ سے وہ لوگ اسی عمومی سوچ کے عادی ہوگئے تھے جس میں ان کا زیادہ قصور نہیں تھا۔

فوری طور پر ڈی آئی جی کی بھنّائی ہوئی آواز ابھری۔ "لہراسپ خان! تمہاری کھوپڑی پر شاید برف جم گئی ہے۔ تم بھول گئے ہو کہ اس وقت تم فون پر نہیں، ڈپارٹمنٹ کے لاسلکی اپریٹس پر بات کررہے ہو اور تمہاری آواز، ہر کھلے اپریٹس پر سنی جارہی ہے۔

نو بجے تک ایسے دو اپریٹس فیڈرل اتھارٹی کو بھی مل جائیں گے اس وقت تک اپنے اوسان درست کرلو۔ اگر اس کے بعد تم نے احمقانہ باتیں کیں تو میں تمہاری بیلٹ ہی نہیں، وردی بھی اتروالوں گا۔ میں اپنے ماتحتوں کی نان سنس برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ اوور!"

"یس سر! اوکے سر! اوور سر!" لہراسپ خان نے بوکھلا کر سر کی تکرار شروع کردی۔

اپریٹس بے جان ہوگیا لیکن چند سیکنڈ بعد ہی اس پر ایک نئی آواز سنائی دینے لگی۔ کسی چوکی سے ڈکیتی کی ایک واردات میں ملوث کار کی تفصیلات نشر کی جارہی تھیں۔ ڈاکو طارق روڈ کے ایک دکاندار سے بھاری رقم کا تھیلا چھین کر، ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے، کار میں فرار ہوگئے تھے۔

"فیڈرل اتھارٹی!" حبیب جیوانی غالباً دانت پیس کر غرّایا تھا۔ "میں ان سب کو فنا کردوں گا۔ میں دیکھتا ہوں کہ کون کمانڈو میرے دفتر کے قریب پھٹکتا ہے۔ میں ان کے چیتھڑے اُڑا ڈالوں گا۔"

"کم از کم مجھے یہ تو بتاؤ کہ تمہارا منصوبہ کیا ہے؟" میں نے پُرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

"اب ان کا پورا پلان واضح ہوگیا ہے۔ فیڈرل اتھارٹی اور کمانڈوز کے الفاظ کا مطلب ہے کہ یہ آپریشن فوج کررہی ہے۔ اس کی مدد کے لیے پولیس کو الرٹ کیا گیا ہے۔" وہ بولنے لگا "پولیس بوکھلا کر ابھی سے میدان میں اتر پڑی ہے لیکن اصل کارروائی دس بجے شروع ہوگی جب اس علاقے میں اُلو بولنے لگیں گے۔ اس سے پہلے ہی فیڈرل اتھارٹی کو بھی پیغام رسانی کے لیے یہ ٹرانسیٹرز مل جائیں گے اور اس وقت میں بھی ان سے مذاکرات شروع کردوں گا۔ ابھی میں ان کی ہرزہ سرائیاں سن رہا ہوں لیکن جب میں بولوں گا تو ان کے اوسان خطا ہوجائیں گے۔"

"تم انہیں دفتر کو بلکہ پوری عمارت کو بارودی دھماکوں سے اُڑانے کی دھمکی دوگے؟"

"صرف دھمکی نہیں دوں گا بلکہ میں اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ بھی رکھتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ ایسے حالات میں حکام وقت خریدتے ہیں، مدّمقابل کو مختلف حیلوں اور بہانوں سے اعصاب شکن انتظار میں مبتلا کرتے ہیں اور پھر اس کی کمزوری کے کسی بھی لمحے اس پر اچانک اپنا کاری وار کرگزرتے ہیں۔ میں انہیں یہ موقع فراہم نہیں کروں گا۔ میرے آدمی بہت جاں نثار اور دلیر ہیں لیکن میں ان کی خاطر اپنی زندگی برباد نہیں کرسکتا۔ وہ لوگ ٹریڈ لائن کے دفتر میں گھس گئے تو میرا کاروبار ہی نہیں، مستقبل بھی تباہ ہوجائے گا تو میں کیوں نہ اس دفتر بلکہ عمارت کو تباہ کردوں۔ انہیں جلتے ہوئے ملبے میں صرف راکھ یا بگڑی ہوئی لاشیں ملیں گی مگر میرا مستقبل محفوظ ہوجائے گا۔ میں تمہاری مدد سے اپنے کارکنوں کی ایک نئی جماعت کھڑی کرلوں گا۔"

وہ صورتِ حال بہت دہشت ناک تھی۔ اوّل خان یا کسی بھی
سرکاری اہل کار کو یہ علم نہیں تھا کہ ایک بدعنوان اور عیاش
پولیس افسر نے کی کلب کی حسیناؤں کے چکر میں آکر ایک وائرلیس
حبیب جیوانی کو بھی دے دیا تھا اور وہ ان لوگوں کی لحظہ بہ لحظہ
کارکردگی سے آگاہ ہونے کی پوزیشن میں آگیا تھا۔
فریقِ ثانی کے فیصلہ کن عزائم سے واقف ہونے کے بعد،
حبیب جیوانی نے کسی سفاک اور وحشی درندے کا روپ دھار لیا
تھا۔ وہ اپنی زندگی اور اپنا مستقبل بچانے کے لیے، ہر ایک کو موت
کے سمندر میں دھکیل دینے پر تل گیا تھا۔ اس کی جیب میں رکھی
ہوئی پلاسٹک کی وزنی ڈبیا، لحظہ بھر میں ہر طرف خاک و خون کے
انباروں کو جنم دے سکتی تھی اور میں وہ سب جانتے ہوئے بھی بے
بس تھا۔

میرا منصوبہ یہ تھا کہ اوّل خان کی کارروائی کے آغاز سے ذرا
پہلے میں، حبیب جیوانی کو ٹریڈ لائن پر پولیس ریڈ کی وحشت اثر خبر سنا
کر اسے گھر سے باہر نکالوں گا اور پھر کسی ویرانے میں اس کے
ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیلنے کے بعد، اس کی تازہ تازہ لاش اوّل
خان کو پہنچا دوں گا لیکن وہاں سارا نقشہ ہی بدل کر رہ گیا تھا۔
میرے بتانے سے پہلے ہی، حبیب جیوانی کو اپنے خلاف ہونے
والی بھرپور کارروائی کی خبر مل گئی تھی۔ اس نے خود ہی مجھے طلب کیا
تھا اور مجھے ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھا کر اس نے مجھے گویا باندھ کر رکھ
دیا تھا۔ گاڑی چلاتے ہوئے میں اس کے خلاف کوئی بھی کارروائی
نہیں کرسکتا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ابھی ہمارے پاس کافی وقت ہے۔" میں
نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد، اسے ایک اور زاویے سے
گھیرنے کی نیت سے کہا "دس بجنے سے پہلے ہم ان کی پوری
کارروائی کو بری طرح ناکام بنا سکتے ہیں۔"
"وہ کیسے؟" اس نے وحشت زدہ اور پھٹی پھٹی آواز میں فوراً
ہی سوال کیا۔
"انہوں نے اپنی ساری توجہ دفتر کی عمارت پر مرکوز کی ہوئی
ہے۔ ٹرانسمیٹر پر سنی جانے والی گفتگو سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ
تمہارے دفتر تک جانے والا خفیہ زیرِ زمین راستہ ان کی نگاہوں سے
اوجھل ہے۔ ہم وقت کی مہلت کا فائدہ اٹھا کر، اس راستے سے
اندر جا سکتے ہیں اور اسی راستے سے اپنے تمام آدمیوں اور ضروری
کاغذات سمیت دوبارہ باہر آسکتے ہیں۔ اندر گھسنے کے بعد وہ اپنا سر
پیٹتے رہ جائیں گے۔"
وہ تجویز پیش کرتے ہوئے، میں خود بھی اس بارے میں حیران
تھا کہ ڈی آئی جی نے لہراسپ خان کو ٹریڈ لائن کی نگرانی پر مامور کیا
تھا تو خفیہ راستے کے بارے میں کیوں خاموش تھا؟ میں نے اوّل
خان کو اس راستے کی واضح نشاندہی کی تھی لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا
جیسے پولیس والے نکاسی کے اس خفیہ راستے سے یکسر بے خبر تھے۔

اس بڑی اور مشترکہ کارروائی میں خفیہ راستے کو نظرانداز کردینا
سنگین کوتاہی کے مترادف ہوتا اس لیے میں نے یہ فرض کرکے
اپنے دل کو تسلی دینے کی کوشش کی کہ شاید ایس ٹی ایف والے خود
ہی اُدھر پھیل چکے ہوں۔
چاروں طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے کسی درندے کی
طرح، اس وقت حبیب جیوانی کی چھٹی حس پوری طرح کام کر رہی
تھی۔ اس نے فوراً ہی میری تجویز مسترد کردی۔ "میں کسی بھی قیمت
پر اب اس عمارت میں قدم نہیں رکھوں گا۔ وہ میرے لیے چوہے
دان ثابت ہوسکتی ہے۔ غلط مشورے دے کر مجھے بھکانے کی
کوشش نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی خفیہ پارٹی اس راستے کی نگرانی
پر بھی مامور ہو۔"
"تم پھر میری نیت پر شبہ کر رہے ہو؟" میں نے پُرزور انداز
میں احتجاج کیا۔ "ذہنی دباؤ کی حالت میں تم شاید دوست اور دشمن
کی تمیز کھو بیٹھے ہو؟"
"ہوسکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہو۔" اس نے سرد لہجے
میں اعتراف کیا۔ "اس وقت مجھے معمولی معمولی باتیں کئی گنا بڑی
نظر آرہی ہیں اور میں نے ہر قیمت پر اپنے دفاع کا فیصلہ کیا ہوا
ہے۔ تمہیں بھی احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ
تمہاری کسی جسارت پر میں اضطراری طور پر کوئی کارروائی
کر گزروں۔ اس وقت صرف اور صرف میری سلامتی مقدم ہے۔
میں بچ رہا تو دسیوں ڈینی اور شیر شاہ خان پیدا کرلوں گا۔"
میں نے دل ہی دل میں اس خبیث کو چند بھاری بھرکم گالیاں
دیں۔ اسے زک پہنچانا واقعی مشکل تر ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے کچھ
دیر کے لیے سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔
میں سخت غصے اور اشتعال کے عالم میں کار ڈرائیو کرتا رہا۔
میرا ذہن مسلسل اسی ریموٹ کنٹرولر میں الجھا ہوا تھا جو حبیب
جیوانی کی جیب میں موجود تھا۔ وہ حالات کے چنگل میں گھرنے کے

بعد' ذہنی دیوالیہ پن کی ان حدود پر پہنچا ہوا تھا جہاں انسان اچھائی اور برائی میں امتیاز کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ اس کے آخری ہذیان کے بعد میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اس کے اصرار کے بغیر میں لب کشائی نہیں کروں گا۔

ایم اے جناح روڈ پر سفر کرتے ہوئے' ہم ٹریڈ لائن کے سامنے سے گزرے تو وہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ رات کے آٹھ بجنے کے بعد کا وقت ہونے کی وجہ سے اس علاقے میں عجیب سی آسیبی ویرانی در آئی تھی جس میں کہیں بھی کسی غیر معمولی صورتِ حال کا انعکاس نہیں تھا۔ پُرہجوم فٹ پاتھ ویران پڑے ہوئے تھے۔ دفاتر اور دکانیں بند ہوچکی تھیں البتہ ٹریڈ لائن والی کثیرالمنزلہ عمارت میں' اوپری منزلوں کی متعدد کھڑکیوں میں روشنی نظر آرہی تھی جس کا مطلب تھا کہ کسی ہنگامی ضرورت کے تحت وہ دفاتر اس وقت بھی آباد تھے۔

"تھوڑی دیر بعد یہاں مڑے تڑے سریوں اور دھواں اگلتے ہوئے ملبے کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ میں سب کچھ تباہ کرکے انہیں ایسا سبق دوں گا کہ وہ بھول نہیں سکیں گے۔" حبیب جیوانی بولا۔

میں نے غصے کی وجہ سے کوئی تبصرہ نہیں کیا تو حبیب جیوانی غرّایا۔ "تم خاموش کیوں ہو؟ کیا تمہاری زبان کو لقوہ مار گیا ہے؟"

"میرے بولنے سے بار بار تمہارا بلڈ پریشر بڑھ رہا ہے اس لیے میں نے اب خاموشی کے ساتھ تمہارے فرمانبردار ڈرائیور کا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ جو تم کہو گے' خاموشی سے اس پر عمل کرتا رہوں گا۔"

"تو تم بھی اس مشکل وقت میں میرا ساتھ چھوڑ رہے ہو؟" وہ اچٹ کر بولا۔

"میں تمہاری ہدایات پر عمل کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ تمہارا ساتھ چھوڑ کر کہاں جاؤں گا؟" میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے مایوسانہ لہجے میں کہا "تم نے مجھ ہی پر ہاتھ اٹھادیا تو میں کہاں جاؤں گا؟"

"وہ محاورے کی بات تھی۔" وہ بھیانک سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "میں اتنا پاگل بھی نہیں ہوں کہ بلاوجہ تمہارے خون کا پیاسا ہوجاؤں گا۔ بس ذرا مجھے غصہ دلانے کی کوشش نہ کرو۔"

اگلے چوراہے سے میں نے گاڑی آئی آئی چندریگر روڈ پر موڑ کر واپس گھمائی۔

"دفتر کی طرف سے ایک اور چکر لگاؤ!" اس نے مجھے نادر شاہی حکم دیا۔ ایک چکر کاٹ کر میں کار کو دوبارہ ایم اے جناح روڈ پر لے آیا۔ دفتر کی عمارت کے سامنے سے گزرتے ہوئے' مجھے ہر چیز نارمل نظر آئی۔ بسوں کے انتظار میں کھڑے ہوئے چند مسافر اور گیس بتی کی روشنی میں' ٹھیلوں پر اشیائے خورونوش فروخت کرنے والوں کے علاوہ وہاں کوئی بھی ایسا فرد نظر نہیں آرہا تھا جس پر کسی قسم کا شبہ کیا جاسکے۔

تین مرتبہ ان اطراف کا جائزہ لینے کے بعد' میں نے حبیب جیوانی کے ایما پر گاڑی' کھارادر کی طرف جانے والی ایک تنگ اور ویران سی سڑک پر گھمائی۔

"بس گاڑی یہاں کنارے سے لگالو!" ایک تاریک مقام پر اس نے اچانک ہدایت کی۔ "اور انجن بند کردو۔ ہم یہیں رک کر دس بجنے کا انتظار کریں گے۔"

اس سڑک پر دو رویہ دکانیں قائم تھیں جو دن میں پُرہجوم اور آباد رہا کرتی ہوں گی لیکن اس وقت پورا بازار بند ہوچکا تھا۔ اس سڑک پر اوّل تو ویسے ہی اسٹریٹ لائٹس ناکافی تھیں اور جو تھیں' وہ بھی سب کی سب روشن نہیں تھیں۔ اس ملگجے سے اندھیرے میں سڑک اور فٹ پاتھ پر دور دور تک گتے اور پلاسٹک کا وہ کچرا پھیلا ہوا تھا جو دن بھر شاید دکانوں کے تھڑوں کے نیچے جمع ہوتا رہا تھا۔

میں نے انجن بند کرنے کے بعد اپنے لیے سگریٹ سلگائی تو لائٹر کی روشنی میں' میں نے دیکھا کہ ٹرانسمیٹر حبیب جیوانی کی گود میں رکھا ہوا تھا اور ٹریڈ لائن کے دفاتر کو اُڑانے والا ریموٹ کنٹرول اس کے بائیں ہاتھ میں موجود تھا۔

"تم مسلح ہو؟" چند ثانیوں کے بعد حبیب جیوانی نے سرد اور انتہائی نرم لہجے میں سوال کیا۔

میں بُری طرح چونک پڑا۔ اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جو میرے ذہن میں چبھ رہی تھی لیکن میں نے اسے کوئی شبہ کرنے کا موقع دیئے بغیر جلدی سے کہا "تمہارے پیغام کے بعد مسلح نہ ہونے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔"

"لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" وہ بھاری لہجے میں بولا "آج تو میرا ریموٹ کنٹرول ہی مقابلے کا آخری فیصلہ صادر کرے گا۔ لاؤ' اپنا ریوالور یا پستول مجھے دے دو!"

"کیوں؟" غیرارادی طور پر میرے منہ سے سوال نکل گیا۔

"اس لیے کہ میں بالکل غیر مسلح ہوں۔" اس کی آواز نرم اور شیریں ہوگئی۔ "ان نازک لمحات پر' تمہارے مقابلے میں مرا ہتھیار بند ہونا ضروری ہے۔ پتا نہیں کب' کس پر گولی چلانے کی ضرورت پیش آجائے؟"

بیم گن میری داہنی جیب میں تھی اور بھرا ہوا پستول بائیں جیب میں تھا۔ شاید وہ میری جیب میں پستول کی موجودگی بھانپ چکا تھا۔ میں نے بے پروایانہ انداز میں اپنی بائیں جیب میں ہاتھ ڈالا اور اپنے مہیب پستول کا آہنی دستہ اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔

حبیب جیوانی ہمہ تن میری طرف متوجہ تھا کہ اچانک ہی ٹرانسیٹر نے بولنا شروع کردیا۔

دوسر! علاقے سے ابھی ابھی ایک مشتبہ جیپ گزری ہے۔ انسپکٹر لہراسپ خان کی آواز ہیجان انگیز تھی۔ "اس میں کالے کپڑوں میں چار خوفناک آدمی سوار تھے۔ جیپ کی رفتار بہت دھیمی تھی اور وہ لوگ اسی عمارت کی طرف دیکھ رہے تھے جسے میری نفری نے گھیرے میں لیا ہوا ہے' اوور۔"

"گزرنے دو!" دوسری طرف سے ہدایت جاری کی گئی "ہو سکتا ہے کہ وہ فیڈرل ایجنسی کے کمانڈو ہوں اور موقع محل کا جائزہ لینے کی مہم پر نکلے ہوں۔ جب تک کوئی پارٹی اس دفتر یا عمارت کا رخ نہ کرے' تمہیں اس سے تعرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم لوگ کسی اور معاملے میں الجھ گئے تو اصل مہم پر پوری توجہ نہیں دے سکو گے۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھو مگر جلد بازی سے کام لینے کی ضرورت نہیں۔ اوور۔"

"یس سر!" لہراسپ خان کی آواز کا جوش و خروش یک بیک معدوم ہو گیا۔

"اوور اینڈ آل" دوسری جانب سے گفتگو کا سلسلہ موقوف کر دیا گیا۔

"میں تمہارے پستول کا منتظر ہوں۔" کار میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں حبیب جیوانی کی خشک آواز گونجی۔

"اوہ!" میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "میں پولیس والوں کی گفتگو کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ دوہری اتھارٹی کی وجہ سے یہ لوگ بری طرح الجھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔"

بات کرتے ہوئے' میں نے اپنی جیب میں سے پستول نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

حبیب جیوانی نے اتنی پھرتی کے ساتھ پستول لیا جیسے اسے خدشہ رہا ہو کہ تاخیر ہونے کی صورت میں' میں کہیں اپنا ارادہ نہ بدل لوں۔

وہ اس وقت بہت مشکل صورت حال سے دوچار تھا۔ اس نے برسوں کی انتھک محنت اور جاں سوزی کے بعد جو گروہ کھڑا کیا تھا' اس کی بقا بدترین خطرے سے دوچار ہو چکی تھی۔ ٹریڈ لائن عام روایتی مفہوم میں ایک صاف ستھرا تجارتی ادارہ تھا جس کا تمام تر عملہ قانون کا احترام کرنے والے' پڑھے لکھے ملازمین پر مشتمل تھا۔ ٹریڈ لائن کی اس ساکھ کی آڑ میں' حبیب جیوانی جو کچھ کر رہا تھا' اس سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ درحقیقت اس تجارتی ادارے کی آڑ میں دو متوازی نظام چل رہے تھے اور اس رات وہ سب کچھ تباہ ہوتا نظر آ رہا تھا۔ پولیس اور وفاقی اداروں کی کارروائی کامیاب ہوتی تو حبیب جیوانی کے تمام آدمی' ناقابل تردید شہادتوں کے ساتھ پولیس کی تحویل میں چلے جاتے۔ انہیں ناکام بنانے کے لیے اگر حبیب جیوانی کا داؤ چل جاتا تو وہ لوگ متعدد بے گناہوں کو ساتھ لے کر راہئ ملکِ عدم ہو جاتے۔ ہر دو صورتوں میں حبیب جیوانی کے اس دُہرے نظام کی مکمل تباہی یقینی تھی۔

وہ نوشتۂ دیوار پڑھ چکا تھا۔ اس موقع پر اس نے حیرت ناک ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے' اس تباہی کو ٹالنے کا کوئی خطرہ مول نہیں لیا تھا۔ اس نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ موت کے بھیانک سائے' اس کے آدمیوں کے سروں پر منڈلا رہے تھے اور انہیں بچانے کی کوششوں میں وہ خود بھی جہنم داصل ہو سکتا تھا۔ اس وقت وہ صرف اور صرف اپنی ذات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ مجھ سے کھل کر کہہ چکا تھا کہ وہ اپنے تمام رازوں کے ساتھ زندہ رہا تو تھوڑے ہی دنوں میں پھر آدمی جمع کر لے گا۔

اس کی وہ سوچ میرے لیے بہت خطرناک تھی۔ خود کو بچانے کے لیے وہ مجھے بھی بہت آسانی کے ساتھ ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ ان نازک لمحات میں وہ کسی لومڑی جیسی مکاری کے ساتھ سوچ رہا تھا۔ اس نے نہایت چالاکی کے ساتھ خود کو غیر مسلح ظاہر کر کے' میرا پستول اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور اپنی دانست میں مجھے نہتا کر دیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ یہ مانا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ اس اہم مہم پر روانہ ہوتے ہوئے وہ ہتھیار ساتھ لانا بھول گیا ہو۔ لیکن میری دشواری یہ تھی کہ میں جانتے بوجھتے ہوئے بھی اس کا جھوٹ تسلیم کرنے پر مجبور تھا۔ وہ بری طرح بھڑکا ہوا تھا اور میں اسے چیلنج کر کے مشتعل کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میرے اطمینان اور ذاتی دفاع کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ میری داہنی جیب میں اس وقت بھی بیم گن موجود تھی جس کا میرے حریف کو علم نہیں تھا۔ میں نے اپنے دل کو یہ سمجھا کر مطمئن کر لیا کہ مجھ سے پستول لینے کے بعد حبیب جیوانی میری طرف سے بے پروایانہ رویہ اختیار کرے گا اور اسی بنا پر مجھے اس پر قابو پانے کا موقع میسر آ سکے گا۔

"اب تمہاری حکمتِ عملی کیا ہو گی؟" چند ثانیوں کے بعد میں نے سوال کیا۔

"انتظار!" اس نے سفاکانہ لہجے میں کہا "بس نو بجنے ہی والے ہیں۔ اس کے بعد فیڈرل اتھارٹی بھی میدان میں آ جائے گی۔ جوں ہی انہوں نے ٹرانسیٹر کا استعمال شروع کیا' ان کے منصوبے بھی بے نقاب ہونے شروع ہو جائیں گے۔ آخری لمحات پر انہیں علم ہو گا کہ بازی ان کے نہیں' میرے ہاتھ میں ہے۔"

"اور اگر انہوں نے تمہاری دھمکی سے خوف زدہ ہو کر' ٹریڈ لائن پر دھاوا بولنے کا ارادہ ترک کر دیا تو تمہارا ردِ عمل کیا ہو گا؟" میں نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"قانون کے زور پر لڑنے والے کبھی خوف زدہ نہیں ہوتے۔ وہ عیاری اور مکاری پر اتر آئیں تو اور بات ہے۔ میں ان کی باتوں میں ہرگز نہیں آؤں گا۔" وہ بولا۔

"عمارت کی تباہی سے ہونے والے بھاری جانی اور مالی نقصان کا تم خود ذکر کر چکے ہو۔"

"اس عمارت میں میرا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔" حبیب

جیوانی کا لہجہ زہریلا ہو گیا "میرے لیے وہ سب اجنبی ہیں۔ رہا شیر شاہ خان اور اس کے آدمی تو وہ شطرنج کی اس بساط پر پیدل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ میں نے مکمل مات اور تباہی سے بچنے کے لیے انہیں بھینٹ چڑھانے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔"

"تم ان پر دباؤ ڈال کر اپنے آدمیوں کو ہیروئن سمیت دفتر سے نکال سکتے ہو۔"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "دفتر کے فون کٹے ہوئے ہیں، میرے سب آدمی اندر محصور ہیں اور میں اکیلا ہوں۔ میں ان کی یقین دہانیوں پر کیسے بھروسا کر سکتا ہوں؟ وہ ذرا سی دیر میں اندازہ لگا لیں گے کہ میں اپنے دفتر کے اندر کے حالات سے بالکل بے خبر ہوں۔ ایک طرف وہ مجھے بے وقوف بناتے رہیں گے اور دوسری طرف دفتر سے تمام آدمیوں کو آوارہ کتوں کی طرح بے دردی سے پکڑ لیں گے.... نہیں ڈیئی! ابھی میرا دماغ اس حد تک ماؤف نہیں ہوا ہے کہ میں ایسے احمقانہ مشورے قبول کر لوں۔"

"تمہارا ہر جاں نثار بہت قیمتی ہے۔ میں ان کی جانیں بچانے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔" میں نے اس کے بے رحمانہ تبصرے پر کھسیا کر دفاعانہ لہجے میں کہا۔

"انہیں نہیں، اب صرف مجھے بچانے کی فکر کرو کیونکہ تمہاری اپنی زندگی بھی میری سلامتی سے وابستہ ہو کر رہ گئی ہے۔" اس نے میرے پستول کو دانستہ اپنی انگلیوں میں گھماتے ہوئے کہا۔

میں اس کے معنی خیز لہجے پر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت حبیب جیوانی کی آنکھیں اندرونی جوش اور قہر کے سبب بلور کے گول ٹکڑوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" وہ میری پریشانی سے محظوظ ہوتے ہوئے دوبارہ خود ہی بول پڑا۔ "ڈرو نہیں، میں برا وقت آنے پر تمہیں گولی مارنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ میں صرف یہ جتانا چاہ رہا تھا کہ ان کڑے حالات میں ہم دونوں یکجا ہیں۔ ایک پر مصیبت آئی تو دوسرا بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ اب ہمیں اپنی اپنی ڈفلی پر اپنا اپنا راگ الاپنے کے بجائے ایک ساتھ جینے یا مرنے کے بارے میں غور کرنا ہوگا۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ گیا تھا۔" میں نے کن انکھیوں سے اپنے بھرے ہوئے پستول کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "تمہاری زبان سے بار بار نکلنے والے مایوسانہ کلمات سے میرا اعتماد متزلزل ہو رہا ہے۔"

"تم اس وقت میری اندرونی کیفیات کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔" اس کی آواز میں نفرت کا زہر اتر آیا۔ "اندر کی کہانیوں کے بارے میں، میں صرف دو آدمیوں پر اعتماد کرتا ہوں، تم اور شیر شاہ خان۔ وہ اندر بارود کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا ہے اور تم میرے ساتھ ہو۔ اب بتاؤ کہ ایسی صورتِ حال میں، میں کس کا گلا دبوچوں، جس کسی نے میرے ساتھ دغا کی ہے، دل کھول کر اپنی بھڑاس نکالی ہے۔ میرے دفتر پر ہاتھ ڈالنے والوں کو بہترین وقت اور موقع فراہم کیا گیا ہے۔ آدمی، ہیروئن، کھلے شولڈر پیڈز اور انہیں سیل کرنے والا سازوسامان۔ ہر چیز، جس کی قانون کو تلاش ہو سکتی ہے، اندر موجود ہے۔ پھر میں کیسے پُر اعتماد رہ سکتا ہوں؟"

"تم میری طرف سے اپنا ذہن صاف کر لو۔ تم خود اعتراف کر رہے ہو کہ چوہے دان سے باہر، صرف میں ہی تمہارا ہمدرد اور غم گسار ہوں۔ اگر ہم دونوں بھی ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانیوں کا شکار ہوتے رہے تو یہ رات ہم پر بھاری ہو سکتی ہے۔" میں نے مفاہمانہ لہجے میں کہا۔

"ایک دوسرے کے بارے میں؟" وہ اس وقت ایک ایک لفظ پر توجہ دے رہا تھا۔ اس لیے فوراً ہی بھڑک اٹھا۔ "میری تو بات دیگر ہے لیکن تم کو میری طرف سے کیسی بدگمانی لاحق ہے؟"

"کوئی نہیں، یہ تو روا روی کی بات تھی۔ تم الفاظ پکڑنے کے بجائے میرا مطلب سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہارے تیز و تند رویئے کی وجہ سے کسی وقت میرے اعصاب بھی چیخ سکتے ہیں۔"

"میں تمہارے اعصاب کا خیال رکھوں گا۔" اس کی آواز پھر تلخ ہو گئی۔ "میں اپنی بقا کی ہولناک جنگ میں یہ بھول گیا تھا کہ آدمی کا برا وقت آجائے تو پیر میں آنے والی چیونٹی بھی پلٹ کر کاٹنے لگتی ہے......"

"اس وقت میں نے اپنے کان بند کر لیے ہیں۔ تم جو چاہو کہتے رہو۔ یہ برا وقت گزر جانے کے بعد شاید تم کو خود ہی اپنی زیادتیوں کا احساس ہونے لگے گا۔"

اس دوران میں پولیس آپریٹس پر وقفے وقفے سے روایتی پیغامات سنائی دے رہے تھے۔ حبیب جیوانی نے اپریٹس کی آواز دھیمی کی ہوئی تھی لیکن جوں ہی اس آلے پر ایک نئی آواز سنائی دی تو اس نے فوراً ہی آواز قدرے بڑھا دی تاکہ پیغام بخوبی سنا جا سکے۔

"بلیک ہاک اے کالنگ سنٹرل کنٹرول روم۔ اوور!" وہ آواز حبیب جیوانی کے لیے اجنبی تھی لیکن میں اسے ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔ وہ اوّل خان کی گونجیلی آواز تھی۔

"آپریشن کنٹرولر رپورٹنگ، اوور!" دوسری طرف سے آنے والی آواز پرانی ہی تھی۔

"ہم لوگ چند منٹ میں ٹارگٹ ایریا میں داخل ہو رہے ہیں۔ اُدھر کی کیا پوزیشن ہے؟ اوور۔"

"آمد و رفت کے ہر راستے کی کڑی نگرانی کی جارہی ہے۔ ابھی تک کوئی اس دفتر سے نہیں نکلا۔ عمارت کی اوپری منزلوں پر کئی دفاتر روشن اور آباد ہیں لیکن ہمارے مطلوبہ دفتر میں گھور اندھیرے اور مکمل سناٹے کا راج ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس دفتر میں چوکیداروں کے علاوہ کوئی نہیں ہے اوور۔"

"وہاں کون ہے اور کون نہیں ہے، یہ دیکھنا ہمارا کام ہے۔ ایک خالی عمارت میں آسیب کو گھیرنے کے لیے یہ بڑے انتظامات

نہیں کیے گئے ہیں۔ قرب و جوار میں کوئی مشتبہ نقل و حرکت دیکھی گئی ہے؟ اوور۔"

"تھوڑی دیر پہلے ایک جیپ میں چار سیاہ پوش بدمعاش علاقے کا جائزہ لیتے ہوئے گزرے تھے۔ اس کے علاوہ ہر طرف سکون اور سناٹا پھیلتا جا رہا ہے۔ اوور!"

"وہ ہماری ایڈوانس پارٹی تھی!" اوّل خان کے اس انکشاف نے سینٹرل کنٹرول روم میں بیٹھے ہوئے پولیس افسر کے اعصاب ہلا کر رکھ دیے ہوں گے۔ "آج کے آپریشن میں ہمارے تمام کمانڈوز سیاہ لباس میں ملبوس ہیں اور یہی ان کی شناخت ہے۔ ان سب کا پاس ورڈ بلیک ہاک ہے۔ مجھے امید ہے کہ فیلڈ میں موجود تمہارے عملے کے افسران یہ گفتگو غور سے سن رہے ہوں گے۔ اوور۔"

"بالکل!" اسے یقین دلایا گیا "ہمارا عملہ پوری طرح مستعد اور تیار ہے لیکن اس مہم میں حد سے بڑھی ہوئی رازداری کی وجہ سے کچھ معمولی نوعیت کی غلط فہمیاں بھی جنم لے سکتی ہیں۔ ہمیں ان کو خندہ پیشانی کے ساتھ نظرانداز کرنا ہوگا۔ ویسے تم اور تمہارا معاون، بلیک ہاک بی اپنے آپریٹس پر میرے آدمیوں سے براہِ راست بات کر کے بھی کوئی ہدایت جاری کر سکتا ہے۔ اوور!"

"ہم براہِ راست احکام جاری کرنے سے گریز ہی کریں گے کیونکہ ہم تمہارے آدمیوں کی صحیح پوزیشن سے پوری طرح واقف نہیں۔ وہ لوگ ویسے بھی دوسری دفاعی لائن میں ہیں۔ میرے پاس نفری مکمل ہے۔ ہمارا کانوائے ایک جیپ اور پانچ ٹرکوں پر مشتمل ہے۔ ہم ایک دفعہ اس عمارت کو اپنے محاصرے میں لے لیں تو تمہارے عملے پر سے نگرانی کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔ اوور۔"

"میرے نہتے اور بے خبر آدمیوں پر بھرپور لشکر کشی کی جا رہی ہے۔" حبیب جیوانی دانت پیس کر غرایا۔ "میں اپنے آدمیوں کے ساتھ ان سب کو بھی فنا کر دوں گا۔"

ادھر اوّل خان کہہ رہا تھا "لکشمی بلڈنگ سے نیو کلاتھ مارکیٹ والے چوراہے تک سڑک بند کروا دو۔ اُدھر سے ٹریفک نہیں گزرے گا۔ اس علاقے سے غیر متعلقہ آدمیوں کا انخلا بھی تیزی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ہوٹلوں اور اِکا دُکا دکانوں والے تیزی سے اپنا کام نہیں سمیٹ سکتے تو اپنے شٹر اور دروازے گرا کر، کلیئرنس ہونے تک اندر ہی رکے رہیں۔ اس متوقع تصادم میں کسی بے گناہ شہری کی نکسیر بھی نہیں پھوٹنی چاہیے۔ ہماری پوری کوشش ہوگی کہ کھلی سڑک پر کوئی فائرنگ نہ ہو اور مجرموں کو پوری طاقت کے ساتھ ان کی کمین گاہ میں ہی کچل دیا جائے لیکن احتیاط پھر بھی ضروری ہے۔ اوور۔"

"میرا کھیل بگڑ جائے گا۔ گاڑی تیزی کے ساتھ باہر نکالو!" اوّل خان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی، حبیب جیوانی اضطراری لہجے میں بول پڑا۔

میں اس وقت حبیب جیوانی کی بات ٹالنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس لیے میں نے فوراً ہی کار کو حرکت میں لانے کے بعد حیرت سے پوچھا۔ "یہ ایک دم کیا ہو گیا؟ تم تو شاید آخر تک اسی ویران اور تاریک گلی میں رکے رہنے کا ارادہ کر چکے تھے؟"

"بلاوجہ قیاس آرائیاں مت کرو!" وہ کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرّایا "آخری مرحلے پر ہمیں ایم اے جناح روڈ پر ہی جانا تھا۔ انہوں نے ایک بار اس علاقے کی ناکہ بندی کر لی تو ہم ادھر پَر بھی نہیں مار سکیں گے۔ ہمیں ناکہ بندی ہونے سے پہلے ہی وہیں، انہیں اپنی کمین گاہ بنانی ہے۔"

"لیکن ادھر جانے کی اچانک کیا ضرورت پیش آ گئی؟ ان سے مذاکرات کے لیے تمہارے پاس لاسلکی آپریٹس موجود ہے اور ڈائنا مائٹس اڑانے کے لیے ریموٹ کنٹرول موجود ہے۔ پھر بھِڑوں کے اس چھتے کے قریب جانے کا خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت ہے؟" اس کی نئی قلابازی نے مجھے واقعی الجھن میں ڈال دیا تھا۔

"مجھے ہر حالت میں ٹریڈ لائن کے دفتر سے ڈیڑھ سو فٹ کے فاصلے کے اندر اندر رہنا ہے۔" اس نے ریموٹ کنٹرول والی سیاہ ڈبیا اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا پھر فوراً ہی بات بدلتے ہوئے بولا "میں اپنے مسائل اور دشواریوں کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تمہیں ان پر اپنا مغز نہیں کھپانا چاہیے۔ تم صرف میری ہدایات پر عمل کرتے رہو۔ تمہارے اطمینان کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ میں خودکشی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔"

میں ایک بار پھر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ وہ مردود بار بار میری توہین کیے جا رہا تھا اور میں اس کی ہرزہ سرائی برداشت کرنے پر مجبور تھا۔

اسے جہنم واصل کرنے کے لیے میرا منصوبہ بہت سادہ اور سہل تھا۔ وہ اپنے گھر پر پڑا، آرام کر رہا ہوتا اور میں اسے ٹریڈ لائن پر چھاپے کی خبر سنا کر اس کی کچھار سے باہر لے آتا۔ پھر کچھ دیر تک اسے خوف زدہ کرنے کے بعد، میں نہایت آسانی سے پستول یا بیم گن استعمال کر کے اس کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیتا لیکن اس کی تحویل میں موجود پولیس آپریٹس نے اس پر ہر راز قبل از وقت افشا کر دیا تھا۔

اس نے مجھے کار چلانے کی ذمّے داری سونپ کر ویسے ہی باندھ کر رکھ دیا تھا۔ پھر میرا بھرا ہوا پستول بھی اس نے مکاری کے ساتھ اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ جب سے اس نے اپنے دفتر میں ڈائنا مائٹس کی موجودگی کا انکشاف کیا تھا، میں مسلسل اسے بے قابو کرنے کے موقع کی تلاش میں تھا لیکن وہ ریموٹ کنٹرول کے بارے میں بہت محتاط اور چوکنا تھا۔ میں کوئی اوچھا وار کر کے یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ وہ مایوسی کے عالم میں اس ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر، اچانک ہی سب کچھ تباہ کر دے۔ میری پوری کوشش تھی کہ میں اسے باتوں میں الجھا کر، کسی طرح تباہ کن ریموٹ کنٹرول پر قابض ہو جاؤں اور پھر اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دوں۔ ایک

بہت بڑی اور ناقابلِ تصور تباہی کو ٹالنے کی خاطر' میں اس نیم پاگل اور زخم خوردہ وحشی کی ہربات سننے اور خاموش رہنے پر مجبور تھا۔

ٹیلی فون کے دو طرفہ مواصلاتی نظام کے مقابلے میں لاسلکی ریڈیو ٹرانسمیشن میں یہ بہت بڑی خوبی یا خامی تھی کہ اس پر صوتی اشارے بیک وقت وصول اور نشر نہیں کیے جاسکتے تھے۔ بٹن دبائے بغیر دوسری طرف کی بات سنی جاسکتی تھی جب کہ بٹن دبانے پر آواز کی آمد کا سلسلہ منقطع ہوجاتا تھا اور اسی آپریٹس کے ذریعے اپنا پیغام دوسروں تک پہنچایا جاسکتا تھا۔ جب کہ حبیب جیوانی نے ابتدا سے ہی اس ٹرانسمیشن بٹن یا سوئچ کو نہیں چھیڑا تھا اس لیے وہ پولیس اور ایس ٹی ایف والوں کی تمام گفتگو من وعن سن رہا تھا اور وہ لوگ اس امر سے بالکل بے خبر تھے کہ ان کا حریف ان کی ہر چال سے واقف ہونے کے بعد' اپنے شاطرانہ پینترے بدلتا جارہا تھا۔

میرا ذہن ایک بار پھر حبیب جیوانی کی اس ضرورت میں الجھ گیا کہ وہ ہر صورت میں اپنے دفتر سے زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو فٹ دور موجود رہنا چاہتا تھا۔

فاصلے کے اس تعین سے یہ بات کسی بھی طرح ثابت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنے دفتر پر ہونے والی کارروائی کا بچشم خود مشاہدہ کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ میرے اکلوتے پستول کے ذریعے اپنے حریفوں کو کوئی قابلِ ذکر نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اسی طرح وہ پورے شہر کے کسی بھی حصے سے' ان لوگوں سے پولیس ٹرانسمیٹر پر بات کرسکتا تھا۔ باریک فنی معاملات پر میری معلومات کبھی بھی قابلِ رشک نہیں رہی تھیں لیکن شی اور مافیا میں جدید ترین مواصلاتی سہولتوں کے استعمال اور اخباری معلومات کے سہارے' میں یہ ضرور جانتا تھا کہ الیکٹرونکس کے اصولوں پر تیار کیے جانے والے بیشتر لاسلکی آلات اپنی مؤثر کارکردگی کے لیے صحیح سمت اور موزوں فاصلے کے محتاج ہوتے ہیں۔ ٹیلی وژن اور وی سی آر کے ریموٹ کنٹرولر ان مشاہدات کی روزمرہ مثالیں تھیں۔ ٹیلی وژن کے سوئچ پینل اور ریموٹ کنٹرولر کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل ہوجائے یا دونوں کا درمیانی فاصلہ ایک مقررہ حد سے تجاوز کرجائے تو ریموٹ کنٹرولر بیکار ہوکر رہ جاتا ہے۔ میں اس پہیلی پر جتنا غور کرتا رہا' اسی قدر یہ خیال راسخ ہوتا چلا گیا کہ حبیب جیوانی نے ڈیڑھ سو فٹ فاصلے کی بات صرف ڈائنامائٹس پر اپنا تصرف برقرار رکھنے کے لیے کی تھی۔

اس وقت ہم ٹریڈ لائن کے دفتر سے سیکڑوں گز دور تھے۔ اگر میرا نظریہ بے بنیاد نہیں تھا تو میں کسی خطرے کے بغیر اسی وقت حبیب جیوانی کو جہنم تک رگید سکتا تھا لیکن میں اپنے نظریے کے بارے میں سو فیصد پُریقین نہیں تھا۔ اگر کسی بھی وجہ سے ریموٹ کنٹرولر کام کرگزرتا اور ٹریڈ لائن کے دفتر والی کثیرالمنزلہ عمارت' قرب وجوار کی دوسری تعمیرات کو ساتھ لے کر ملبے کا ڈھیر بن جاتی تو میں متعدد بے گناہوں کے خونِ ناحق پر خود کو کبھی بھی معاف نہیں کرسکتا تھا اور یہی ہچکچاہٹ اس وقت میرے ارادوں کی زنجیر بن گئی۔

پولیس آپریٹس پر متعدد آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور میں گاڑی ڈرائیو کررہا تھا کہ سڑک کے وسط میں ابھرے ہوئے ایک بدنما اور ناہموار اسپیڈ بریکر کی وجہ سے مجھے اچانک تیزی سے بریک لگانے پڑ گئے۔ کار کی رفتار فوراً ہی ٹوٹ گئی لیکن اس کے ساتھ ہی ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے سے کوئی ٹھوس اور وزنی چیز پھسل کر میری داہنی جوتی کی ایڑی سے ٹکرائی۔ میں نے جُوں کی رفتار سے اسپیڈ بریکر عبور کرتے ہوئے' اپنے پائیدان میں ہاتھ ڈالا تو سرد آہنی لمس محسوس کرکے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"یہ کلاشنکوف ہے!" حبیب جیوانی میری حرکات کا مشاہدہ کرتے ہوئے' سرد لہجے میں بولا "اسے سیٹ کے نیچے ہی پڑا رہنے دو۔ دوسری کلاشنکوف میری سیٹ کے نیچے ہے۔"

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تم گھر سے ہتھیار لیے بغیر نکلے تھے؟" میں نے احتجاج کیا۔

"میرے الفاظ میں ہیر پھیر مت کرو!" وہ دھیمی آواز میں غرّایا۔ "میں نے اپنے غیر مسلح ہونے کی بات کی [illegible] اور اب بھی اس پر قائم ہوں۔"

"پھر یہ دونوں خودکار رائفلیں؟" میرے لیے خود پر قابو پانا لحہ بہ لحہ دشوار تر ہوتا جارہا تھا۔

"ویسے تو پچھلے پائیدان میں دستی بموں اور دوسرے آتش گیر مادّوں سے بھرا ہوا تھیلا پڑا ہوا ہے۔ اسے میں لاد کر کہاں لے جاؤں گا؟ یہ کلاشنکوفیں بھی جیب میں نہیں چھپائی جاسکتیں۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ میرے پاس ایسا کوئی ہتھیار نہیں ہے جسے میں اپنی جیب میں چھپا کر آزادانہ نقل و حرکت کرسکوں۔ یہ ساری احتیاط اس وقت تک [illegible] جب تک ہم ان کی نظروں سے بچے ہوئے ہیں۔ کھلے مقابلے [illegible] نوبت آئی تو ایک بھری ہوئی کلاشنکوف تمہارے ہاتھ میں بھی ہوگی۔ میں کسی [illegible] طرح تمہیں غیر مسلح نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔"

میں اس کی ڈھٹائی پر ایک بار پھر دل ہی دل میں کھول کر رہ گیا۔

ہم ایک چکر کاٹ کر داہنی طرف گھومے تو ایم اے جناح روڈ سے اتصال کے مقام پر کئی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں متعدد مسلح سپاہی نظر آئے جو ان گاڑیوں کو واپس لوٹنے کے اشارے کررہے تھے۔ انہوں نے بہت پھرتی کے ساتھ اوّل خان کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے' سڑک کی ناکہ بندی کی تھی۔

حبیب جیوانی نے ان مسلح اور مستعد سپاہیوں کو زیرِ لب ایک غلیظ سی گالی دے کر اپنی ذہنی پستی کا مظاہرہ کیا پھر مجھ سے بولا "گاڑی یہیں سے واپس گھمالو۔ گاڑی میں موجود ہتھیاروں پر ان

نظر پڑی تو ہمیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ آج مجھے اپنے ستارے گردش میں آتے نظر آرہے ہیں۔"

میں نے اس کی نظر کی تصحیح کرنے کی کوئی ضرورت محسوس کیے بغیر پارک کی ہوئی بسوں اور ویگنوں کے درمیان میں سے راستہ بنا کر گاڑی واپس گھمالی۔

"اب کدھر جانے کا ارادہ ہے؟" میں نے واپسی کی راہ پر اسٹیرنگ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"مین مسجد کے پچھلے گیٹ پر چلو۔" اس نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد کہا "ہم مسجد کے صحن میں سے گزر کر مین روڈ کی فٹ پاتھ پر نکل جائیں گے۔ مسجد سے نکلنے والوں پر کوئی زیادہ دھیان نہیں دے گا۔"

میں نے تھانے کے احاطے کے نکڑ سے کار مسجد کی عقبی گلی میں گھمائی تو آثار حوصلہ افزا نہیں تھے۔ شاید علاقے کی ناکہ بندی کی سنسنی خیز خبر تیزی کے ساتھ ہر طرف پھیل چکی تھی اور رہائشی عمارات کے تنگ فلیٹوں کے مکین اپنا تجسس دور کرنے کے لیے باہر نکل پڑے تھے۔

رینگ رینگ کر پیش قدمی کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ ایم اے جناح روڈ پر جانے کے دیگر قریبی راستوں کے بند کیے جانے کے بعد متجسس لوگوں کا رخ مسجد ہی کے گیٹ کی طرف تھا اور وہاں بتدریج بھیڑ بڑھتی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"اس طرف تو معاملہ گڑبڑ نظر آرہا ہے۔ اس بھیڑ میں سے گزرنے کے لیے ہمیں اپنا پولیس آپریٹس آف کرنا پڑے گا اور ہم بے خبری کا شکار ہوجائیں گے۔" حبیب جیوانی پر تشویش انداز میں بڑبڑایا۔

"گاڑی چھوڑنے کی صورت میں ہم صرف سات گولیاں چلانے کے بعد نہتے رہ جائیں گے کیونکہ اس بھیڑ میں رائفلیں نکال لے جانا خطرناک ثابت ہوگا۔ لوگوں میں سے کسی نے رائفلیں دیکھ لیں تو ہجوم اسی وقت ہم پر پل پڑے گا۔ ہمیں مسجد میں جانے سے گریز کرنا ہوگا۔"

"فی الحال گاڑی اسی ویران گلی کی طرف لے چلو۔" اس کے لہجے میں پہلی بار فکر مندی کی علامات عود کر آئیں۔ "ابھی ہمارے پاس سوچنے کے لیے کافی وقت ہے۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے پہلی بار جمع متکلم کا صیغہ استعمال کر کے مجھے کوئی اہمیت دی تھی۔

میں نے گاڑی دوبارہ اسی مقام پر لے جا کر کھڑی کر دی جہاں پہلے موجود تھے۔ وہاں رکنے کے بعد حبیب جیوانی بولا "تم بھی عقل کے تیر چلانے میں ماہر ہو۔ تمہاری سمجھ میں کیا بات آتی ہے؟"

"تم نے بار بار ذہنی جھٹکے دے کر میری عقل کو بالکل ماؤف کیا

"زور دو۔ عقل پر زور دو۔ ہوسکتا ہے کہ تم ہی کوئی راہ نکال سکو۔ میرا وہاں پہنچنا ضروری ہے۔" اس نے ایک بار پھر ریموٹ کنٹرولر اضطراری طور پر جیب سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا "مجھے یہی نہیں معلوم کہ ڈیڑھ سو فٹ کا کیا مسئلہ ہے۔ سر پیر سے واقفیت حاصل کیے بغیر بھلا میں کیا کرسکتا ہوں؟"

اسی لمحے ٹرانسمیٹر پر اوّل خان کی آواز سنائی دینے لگی۔ "بلیک ہاک اے' کالنگ بلیک ہاک بی۔ اوور!"

"بی ایچ بی آن لائن' سر! اوور!" فوراً ہی ایک بھاری اور کرخت آواز گونجی۔

"اس وقت ڈیڈ لائن میں صرف دس منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ ہم آپریشن کے لیے بالکل تیار ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا پوزیشن ہے؟ یہ راز بھی اب سب کے علم میں آجانا چاہئے کہ ٹارگٹ سے نکاسی کا دوسرا راستہ کہاں ہے اور ادھر ہم نے کیا بندوبست کیا ہے؟ اوور!"

"نیو چالی کی گلی میں 'کوڑے کے متعفن ڈھیر سے ملحق مین ہول سات بجے سے مسلسل نگرانی میں ہے۔" آپریٹس پر بلیک ہاک بی نے اوّل خان کو اپنی اکھڑ آواز میں رپورٹ دینی شروع کی اور حبیب جیوانی ایک بے معنی غراہٹ کے ساتھ اپنی نشست پر سے اچھل پڑا۔

"قسم قرآن کی' میں مخبری کرنے والے کے بدن کا ایک ایک ریشہ ادھیڑ ڈالوں گا۔" غصے کی شدت میں اس کے منہ سے ادھورے الفاظ ادا ہو رہے تھے۔ "میرے ساتھ سنگین ترین غداری کی گئی ہے۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ یہ نہ بھولو کہ تمہارے پاس دس منٹ سے بھی کم وقت رہ گیا ہے۔"

حبیب جیوانی نے ریموٹ کنٹرولر کو اپنے بائیں ہاتھ میں منتقل کیا اور ریڈیو آپریٹس داہنی مٹھی میں جکڑ لیا۔

"یہاں مکمل سناٹا ہے۔" بلیک ہاک بی کہہ رہا تھا۔ "اِکّا دُکّا راہ گیر یا گاڑیاں چلانے والے ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ ٹھیک وقت پر' میں چار آدمیوں کے ساتھ اندر اتر کر نقشے کے مطابق پیش قدمی شروع کردوں گا۔ دو مسلح کمانڈو بدستور مین ہول پر حفاظت کرتے رہیں گے۔ اوور۔"

"ویری گڈ! اسی وقت ہم بھی ریڈ شروع کردیں گے۔ ہماری اندر ہی ملاقات ہوگی۔ اوور اینڈ آل۔"

"وہ لوگ خفیہ راستے پر بھی قابض ہیں۔" میں نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"ہر کام پوری تیاری کے ساتھ کیا جارہا ہے لیکن میں بھی موت کے جبڑوں میں ہاتھ ڈالنے کا عادی ہوں۔ میں انہیں بتادوں گا کہ مجھ سے ٹکرانا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔" وہ آپے سے باہر ہوا

جا رہا تھا۔

"پھر تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟" میں نے اسے اکسانے کی نیت سے کہا۔

حبیب جیوانی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ وہ اپنے پاس موجود آپریٹس کا بٹن دبا کر ہذیانی انداز میں غرّانے لگا۔ "میں تم سب کو فنا کردوں گا۔ تم بلیک ہاک نہیں گیدڑ ہو جو بے خبری میں وار کررہے ہو۔ تم نے میرے دفتر میں قدم بھی رکھا تو میں اس پوری عمارت کو ملبے کے ڈھیر میں بدل دوں گا اور یہاں مرنے والوں کی ساری ذمے داری تم لوگوں کے سر ہوگی۔ میں ٹریڈ لائن کا چیف ہوں اور میری مرضی کے بغیر تم وہاں سے کوئی زندہ پرندہ تو درکنار، ردّی کاغذ کا ایک بے وقعت ٹکڑا بھی نہیں لے سکتے۔"

اس نے لائن اوور کیے بغیر بٹن چھوڑ دیا۔ اوّل خان کو شاید ریڈیائی شور معدوم ہونے سے صورتِ حال کا ادراک ہوگیا اور اس کی نرم آواز ابھری۔ "تم شاید ہماری ہی صفوں میں شامل ہونے میں کامیاب ہوگئے ہو؟ تم خود کو ہمارے حوالے کردو تو تم سے نرم سلوک کیا جاسکتا ہے۔ اوور!"

میں سرکاری کتّوں کا احسان لینے کا عادی نہیں ہوں۔ مجرب لوتھڑے کھلا کر انھیں اپنا غلام بناتا ہوں۔ اپنی قیمت بتادو یا پھر آگے بڑھو۔ انجام تمہارے سامنے آجائے گا۔"

"تم کہاں ہو؟ ہم تم سے تفصیلی مذاکرات کرنا چاہتے ہیں۔ اوور!" اوّل خان مکّاری پر اتر آیا۔

"جہنم میں، جہاں تم سب جلد ہی پہنچنے والے ہو۔ شام سے تم لوگوں کی مشینی بکواس سن سن کر میرا سر دکھنے لگا ہے۔ اب تم اپنا کام کرو، میں اپنا کام دکھاؤں گا۔"

دوسری طرف سے اوّل خان بار بار اسے پکارتا رہا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ان ریڈیائی آوازوں کو نظر انداز کرکے، مسلسل مجھے گھورے جارہا تھا۔

پھر آپریٹس پر سنٹرل پولیس کنٹرول اور اوّل خان کے درمیان اس پُراسرار ریڈیائی مداخلت پر بات ہونے لگی لیکن چیف نے پاور سوئچ آف کرکے، وہ آپریٹس بے پروائی سے پائیدان میں ڈال دیا۔

"حالات مسلسل تمہاری نشان دہی کررہے ہیں۔" آخر کار وہ کھل کر میرے سامنے آہی گیا۔ "لیکن تم میرے نمبر دو ہو۔ میں کیسے مان لوں کہ یہ مخبری تم نے کی ہوگی؟ اس زیرِ زمین راستے سے میرے علاوہ صرف تم واقف ہو۔ سینڈو اور ڈان نیشی کا داب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ شیر شاہ کو میں اس اعتماد کے قابل نہیں سمجھتا۔ بتاؤ! یہ مخبری کس نے کی ہے؟" اس نے اس وقت تک پستول نہیں نکالا تھا۔

"مجھ پر شبہ ہے تو مجھے گولی ماردو یا میرے ساتھ مل کر دفتر سے ڈیڑھ سوفٹ دور پہنچنے کی کوشش کرو۔" میں نے بدمزہ لہجے میں کہا "اپنے اختلافات ہم بعد میں بھی طے کرسکتے ہیں۔"

"میں نے اب تک تم پر اعتماد کیا تو اس مرحلے پر ایک بار اور سہی۔" اس نے شکست خوردہ آواز میں کہا "میں ہر قیمت پر دفتر سے اس فاصلے پر پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"آتشیں ہتھیاروں اور دستی بموں کے ساتھ؟" میں نے براہِ راست کچھ پوچھنے کے بجائے، اس بار پینترا بدل کر سوال کیا اور اس نے نفی میں سرہلا دیا۔

"پستول کی بھی ضرورت نہیں ہوگی؟"

"پستول ساتھ ہو تو بہتر رہے گا۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا "البتہ ریموٹ کنٹرولر میرے ساتھ رہے گا۔"

میرا دل خوشی سے کھل اٹھا۔ "کیونکہ وہ ڈیڑھ سوفٹ سے زیادہ فاصلے سے کام نہیں کرے گا؟"

وہ چونک پڑا پھر سنبھالا لیتے ہوئے بولا "ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن ان لوگوں کے خلاف اب یہ میرا واحد ہتھیار ہے۔ میں ان کے سامنے آئے بغیر اسی کے ذریعے انھیں کیفرِ کردار کو پہنچانا چاہتا ہوں۔ اب مجھے پولیس ٹرانسمیٹر کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ اس کا کام ختم ہوچکا ہے۔"

"وہ دس بجے دھاوا بولیں گے اور تم اس وقت اپنے مطلوبہ فاصلے پر موجود رہنا چاہتے ہو؟" میں نے پہلی بار جوابی زہر خند کے ساتھ سوال کیا۔

دور لگے ہوئے اسٹریٹ لیمپس کی کمزور اور یرقان زدہ روشنی میں اس کی آنکھوں میں وحشت لہرائی اور اس نے اپنا داہنا ہاتھ تیزی کے ساتھ اپنی جیب میں ڈالا تاکہ اپنی مدافعت کے لیے پستول نکال سکے۔

اس وقت تک وہ پولیس آپریٹس پائیدان میں پھینک چکا تھا اور ڈائنا مائیٹس کا ریموٹ کنٹرولر اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اپنی جیب سے پستول نکالتے ہوئے، کار کا دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگادی اور اترتے اترتے میرے اوپر فائر جھونک مارا۔ اس کی عجلت اور گھبراہٹ کی وجہ سے نشانہ خطا گیا۔ گولی ایک ہولناک بارودی دھماکے کے ساتھ ونڈ شیلڈ توڑتی ہوئی فضا میں تیر گئی۔

میں نے حقیقی خطرے کا احساس کرتے ہی، بیم گن نکالنے میں پھرتی دکھائی تھی۔ اس وقت وہی میرا ہتھیار تھی اور زیادہ فاصلے سے اس کی کارکردگی غیر یقینی ہوجاتی تھی میں اپنی طرف کے دروازے سے باہر نکلا اور میں نے بیم گن کا نوزل اس کی طرف بلند کرکے ٹریگر دبادیا۔

بیشتر ٹھوس اشیا کو براہِ راست راکھ میں بدل ڈالنے کی قوت رکھنے والی نیلگوں لیزر شعاعوں کی باریک دھار حبیب جیوانی کے سینے کی طرف لپکی۔ اسے شاید بیم گن کی لرزہ خیز ہلاکت آفرینی کا اندازہ نہیں تھا، اس لیے اس نے جھکائی دے کر اس سے بچنا چاہا لیکن پھر بھی اس کا داہنا بازو بیم گن کی زد میں آگیا۔ حبیب جیوانی فلک شگاف چیخوں کے ساتھ بری طرح ناچ اٹھا۔

متحرک قدموں کی وجہ سے بیم گن کی دھار نے اس کا داہنا بازو' شانے سے ذرا نیچے سے کاٹ کر جسم سے الگ کر دیا اور اس کا کٹا ہوا بازو سڑک پر گر کر' ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ حبیب جیوانی کی وحشت زدہ نظریں اپنے الگ سے تڑپتے ہوئے بازو پر پڑیں تو اس نے ایک اور ڈراؤنی چیخ مار کر آگے کی طرف دوڑ لگا دی۔ میرا پستول اس کے کٹے ہوئے ہاتھ کی گرفت سے نکل چکا تھا۔

میں نے دوڑ کر اپنا پستول بھی اٹھا لیا جس کے کلپ میں مزید دو گولیاں موجود تھیں اور پوری رفتار سے حبیب جیوانی کے تعاقب میں ہولیا جو اذیت اور دہشت کے عالم میں حیرتناک سرعت کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔

وہ کاروباری گلی ویران ضرور تھی لیکن اس کے قرب و جوار میں رہائشی علاقہ بھی تھا اس لیے ایک فائر اور دو دردناک چیخوں کا ردِعمل فوراً ہی نمودار ہوا۔ بغلی گلیوں سے کئی افراد خوف و ہراس کے عالم میں دوڑتے ہوئے باہر آئے لیکن پھر ٹھٹک کر رک گئے۔ میرے ہاتھ میں لہراتے ہوئے خوفناک پستول کی ہیبت نے شاید ان کی رگوں میں خون منجمد کر دیا تھا لیکن آگے سے آنے والوں نے حبیب جیوانی کا راستہ روک لیا تھا۔

وہ کسی بھڑکے ہوئے زخمی سانڈ کی طرح لوگوں کے قابو میں نہیں آرہا تھا۔ اس کے دل و دماغ پر بیم گن کے نیلگوں وار کی دہشت سوار تھی اس لیے وہ لوگوں کو رگیدتا ہوا آگے بڑھتا رہا لیکن مداخلت اور مزاحمت کی وجہ سے اس کی رفتار ٹوٹ چکی تھی اس لیے میں اس کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔

میری جھلک دیکھتے ہی' لوگوں کی اس ٹولی کو بھی معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوگیا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ بھرے ہوئے ایک آتشیں ہتھیار کے ذریعے کوئی منحنی سا لڑکا بھی دسیوں شہ زوروں کو بے ضرر بھیڑوں کی طرح ہانک سکتا تھا۔ وہ سب کائی کی طرح دور ہٹتے چلے گئے تھے۔

حبیب جیوانی نے مجھے فرشتۂ اجل کی صورت میں اپنے سر پر مسلط پایا تو بھاگنے کے بجائے' وحشیانہ قوت کے ساتھ میرے بدن سے آٹکرایا۔ اس کے داہنے شانے سے اس وقت بھی جلی ہوئی زندہ ہڈیوں کی ناقابلِ برداشت بدبو پھوٹ رہی تھی۔ وہ داہنے ہاتھ سے محروم ہونے کی وجہ سے ویسے ہی کمزور پڑ چکا تھا۔ اس لیے میں نے اسے زندہ پکڑنے کی کوشش میں نیچے گرانا چاہا لیکن میں خود ہی لڑکھڑا کر رہ گیا۔

ہم دونوں کے اردگرد جمع ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اس پُرامن علاقے کے باسیوں کے لیے یہ بات ناقابلِ فہم تھی کہ ایک طرف مین روڈ بند کر کے پولیس والے کسی شکار میں مصروف تھے اور اس عقبی سڑک پر دو حریف وحشیانہ خوں ریزی میں مشغول تھے لیکن اس کے باوجود کسی نے ہمارے مقابلے میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لیزر بیم کی ناقابلِ برداشت حرارت نے' حبیب جیوانی کا بازو جلا کر کاٹنے کے ساتھ ہی' اس کے زخم کو اس طرح بند کر دیا تھا کہ خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہہ سکا تھا اور تماشائیوں میں سے کسی کو اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ پیدائشی معذور نہیں تھا بلکہ میرے قہربار انتقام کا نشانہ بنا تھا۔

میرے ذہن پر صرف ایک ہی خوف سوار تھا کہ ٹریڈ لائن میں نصب ڈائنامائیٹس کا ریموٹ کنٹرولر اس کی جیب میں موجود تھا اور اگر وہ مجھے جُل دے کر ایک اور لمبی دوڑ لگانے میں کامیاب ہو جاتا تو میمن مسجد کے عقبی پھاٹک پر جمع ہونے والی بِھیڑ میں شامل ہونے میں کامیاب ہو جاتا جہاں میں آزادی کے ساتھ اسے اپنے پستول یا بیم گن کا نشانہ نہیں بنا سکتا تھا اور اسے مسجد کے اگلے حصے تک پہنچنے کا سنہرا موقع مل جاتا۔

حبیب جیوانی نے اچھل کر میرے چہرے پر ٹکر رسید کرنے کی کوشش کی تو میں نے خود کو بچاتے ہوئے' تیزی کے ساتھ اس کی پنڈلیوں پر فائر کرنا چاہا لیکن وہ نیچے جھکا اور میری چلائی ہوئی گولی اس کی کمر میں پیوست ہوگئی' وہ غضبناک غراہٹ کے ساتھ وہیں سڑک پر گر گیا۔ اس کی پشت سے اچانک ہی بھاری مقدار میں تازہ تازہ خون ابل پڑا تھا۔ اس کی کرب آلود حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گولی کسی نازک حصے میں اتر گئی تھی۔

"ہاتھ... ہاتھ...... کٹا ہوا ہاتھ!" اچانک پیچھے سے کسی کی وحشت زدہ چیخیں ابھریں اور ایک مرتبہ پھر ہر طرف سراسیمگی کی لہر پھیل گئی۔ شاید کسی نے حبیب جیوانی کے شانے سے کٹا ہوا ملبوس ہاتھ سڑک پر پڑا ہوا دیکھ لیا تھا اور مختصر ترین وقت میں وہ خبر پوری دنیا میں پھیلانے کے لیے اپنے پھیپھڑوں پر زور ڈال رہا تھا۔

معذور اور زخمی حبیب جیوانی نے چند منٹ تک سڑک پر ہی تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا۔ میری چلائی ہوئی گولی' شاید اس کے گردے وغیرہ کو پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔

لوگ خوف اور سکتے کے عالم میں دور ہی سے گردنیں اچکا اچکا کر نامعلوم مقتول کا انجام دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے ان کے حوصلوں کو مزید پست کرنے کے لیے اونچی آواز میں کہا۔

"یہ قتل امن وامان اور قانون کے نام پر ہوا ہے۔ مرنے والا بدنام زمانہ مجرم تھا۔ کوئی اس کی لاش کے قریب آنے کی کوشش نہ کرے۔ میں پیچھے سے اس کی کار وغیرہ لانے کے لیے جا رہا ہوں۔"

میں پورے اعتماد کے ساتھ واپس چل دیا۔ بھرے مجمع میں کوئی مجھے روکنے یا ٹوکنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ البتہ چند بے خوف لڑکوں کی ٹولی مجھ سے محفوظ فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے' فٹ پاتھ کے کنارے کنارے میرے پیچھے چل پڑی تھی۔ وہ شاید یہ یقین کرنا چاہ رہے تھے کہ میں اپنے حریف کو قتل کرنے کے بعد' قانون کے نام پر وہاں سے فرار نہیں ہو رہا تھا۔

میں نے پیچھے آکر' سڑک پر سے حبیب جیوانی کا کٹا ہوا مردہ ہاتھ اٹھایا جو بدستور قمیض اور جیکٹ کی دُہری آستینوں میں لپٹا

ہوا تھا۔ میں نے وہ ہاتھ عقبی پائیدان پر ڈالا اور اس کی کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھادی۔ اسی کے ساتھ میں نے پولیس آپریٹس پر 'ڈپٹی گال' کا فرضی نام اختیار کرکے 'بلیک ہاک اے' یعنی اوّل خان سے رابطہ کرنے کی کوششیں شروع کردیں تھیں۔

تیسری کوشش کے بعد اوّل خان کی جانب سے تحیّر آمیز جواب آگیا۔ "بلیک ہاک اے کالنگ! تم کہاں ہو؟ کیا کرتے پھر رہے ہو؟ اور یہ آپریٹس تمہارے پاس کیسے آگیا؟ اوور!" اس نے میری آواز پہچان لی تھی۔

"میں میمن مسجد کی عقبی سڑک پر ہوں۔ تمہارا شکار سڑک پر مردہ پڑا ہوا ہے اور میں نے یہ آپریٹس اسی سے حاصل کیا ہے۔ اوور!" میں نے اس کے ہر سوال کا جواب دینے کی کوشش کی تھی۔

"ہم لوگ اس وقت بہت نازک مرحلے سے دوچار ہیں۔ اندر گھسنے کے بعد تین آدمیوں کو پکڑلیا گیا ہے۔ اب ان کی رہنمائی میں نیچے اترنا ہے جہاں شاید اصل کھیل ہوگا۔ یہ بتاؤ کہ عمارت کو اڑانے والی دھمکی میں کتنی جان ہے۔ اس کی وجہ سے ہر ایک سنگین تشویش کا شکار ہوگیا ہے۔ اوور!"

"اسے عمارت اڑانے کی کوششوں سے روکنے کے چکر ہی میں مجھے ہلاک کرنا پڑا ہے۔ وہ مہلک ڈیوائس اب بھی اسی کی جیب میں موجود ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ اس کے مرنے کے بعد خطرہ ٹل گیا ہے۔ اوور!"

"تم اس کی لاش لے کر اسی طرف آجاؤ۔ میں ہدایات جاری کیے دیتا ہوں کیونکہ میں اس آپریشن کو درمیان میں چھوڑ کر یہاں سے نہیں نکل سکتا۔ اگر ہماری اور زیرِ زمین سُرنگ سے پیش قدمی کرنے والوں کی ٹائمنگ میں گڑبڑ ہوگئی تو ہمیں بھاری جانی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اوور!"

"اور یہی مجبوری میرے ساتھ ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں اس کی لاش لے کر عمارت سے زیادہ قریب نہیں آنا چاہتا۔ ہوسکتا ہے کہ ہماری اس لغزش سے ڈائنامائٹ چل پڑیں۔ اوور!"

"میں سمجھا نہیں۔ ذرا اپنی بات کی وضاحت کرو۔ اوور!" وہ مضطرب ہوگیا۔

"وہ ہر قیمت پر عمارت سے ڈیڑھ سوفٹ کے اندر اندر پہنچنا چاہتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ریموٹ کنٹرول یونٹ صرف اسی حد میں کارگر ہوسکتا ہے۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ اوور!"

"ٹھیک ہے، پھر میں کسی کو بھیجتا ہوں۔ اوور اینڈ آل۔" وہ شاید آپریشن کے کسی نازک مرحلے میں الجھا ہوا تھا۔ اس لیے اس نے گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع کردیا۔

میں نے کار، حبیب جیوانی کی عبرت ناک لاش سے قدرے دور، فٹ پاتھ کے سہارے پارک کردی اور آپریٹس آف کرکے نیچے اتر آیا۔ اس وقت میں میمن مسجد کے عقبی دروازے سے کافی دور تھا لیکن پھر بھی وہاں بھیڑ بڑھتی جارہی تھی اور میں ہجوم کے کسی تخریبی ردعمل کے بارے فکرمند تھا۔

میں نے حبیب جیوانی کی 'پہلو کے بل پڑی ہوئی لاش کو سیدھا کرکے اس کی بائیں جیب سے ریموٹ کنٹرول والی' سیاہ وزنی ڈبیا نکالی تو وہ ایک رخ سے پچک چکی تھی۔ شاید حبیب جیوانی کی دھاچوکڑی اور پھر تڑپنے کے دوران اس ڈبیا پر کوئی بے طرح ضرب آئی تھی جس نے اس کا حلیہ بگاڑدیا تھا۔

میں اس ڈبیا کی تباہ کاری سے بخوبی واقف تھا۔ اس لیے میں نے اسے احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

وقت بہت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ میرے لیے انتظار کے وہ لمحات اعصاب شکن تھے لیکن پھر بھی میں نے دوبارہ اوّل خان سے رابطہ نہیں کیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ کسی مشکل صورتِ حال میں الجھا ہوا ہوگا۔

آخرکار دس منٹ بعد سڑک کے ایک سرے سے کوئی گاڑی نمودار ہوئی جس کے کیبن پر گردش کرنے والی سرخ ایمرجنسی لائٹ روشن تھی۔ قریب آنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایک پولیس وین تھی۔ اس کی اگلی نشست پر سادہ پوش ڈرائیور کے ساتھ ایک سیاہ پوش شخص موجود تھا۔ پچھلے حصے سے مزید تین سیاہ پوش، دو باوردی سپاہیوں کے ساتھ برآمد ہوئے۔ وہ سب ہی خودکار رائفلوں سے لیس تھے۔

اگلی سیٹ سے اترنے والا سیاہ پوش میری طرف آیا' بقیہ افراد نے لاش کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک سپاہی بھیڑ کو منتشر کرنے میں مصروف ہوگیا۔ مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ سیاہ کپڑوں والے 'اسپیشل ٹاسک فورس کے کمانڈوز تھے اور ان سے کھل کر بات کی جاسکتی تھی۔

"میرا نام نادر ہے۔ میں بلیک ہاک اے کی ہدایت پر ادھر آیا ہوں۔" میری طرف آنے والے نے دھیمی آواز میں کہا۔ "لاش کی تحویل سے برآمد ہونے والا ریموٹ کنٹرولر کہاں ہے؟"

میں نے اپنی جیب میں سے' پلاسٹک کی پچکی ہوئی ڈبیا نکال کر اس کی طرف بڑھادی۔

وہ چند ثانیوں تک اس ڈبیا کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر اس کی آنکھیں اچانک ہی حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ پھر اس نے ڈبیا اپنی آنکھوں سے قریب لے جاکر' ٹارچ کی روشنی میں کچھ باریک حروف پڑھنے کی کوشش کی اور مایوسانہ انداز میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"مجھے افسوس ہے' سر! یہ ریموٹ کنٹرولر تو آپریٹ ہوچکا ہے اور اسے جہاں بھی' جو کوئی تباہی لانی تھی' وہ اب سے کافی دیر پہلے آچکی ہوگی" اس نے مجھے آگاہ کیا۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔" میں نے نرمی کے ساتھ کہا "تم نے یہ قیاس کیسے لگالیا؟"

"یہ مشہور زمانہ امریکی کمپنی' اسپیس کمپیوٹیشن کارپوریشن کا بنا ہوا' ایم آئی ساخت کا ریموٹ کنٹرولر ہے جو اپنی بہترین کارکردگی کے لیے عالمی شہرت رکھتا ہے۔ اس کا بٹن دبا کر اسے آپریٹ نہ بھی کیا جائے تو اس کی اندرونی ساخت اس طرح رکھی گئی ہے کہ اسے نقصان پہنچنے کی صورت میں بھی یہ اپنا کام دکھا جاتا ہے۔ اپنی اسی خوبی کی وجہ سے ایم آئی' جنگی ہتھیار کے طور پر بھی بہت مقبول ہے۔ اس کی پچکی ہوئی ڈبیا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ یونٹ آپریٹ ہو چکا ہے۔ اس کا تعلق کس سسٹم سے تھا؟" نادر کو اپنے موضوع پر پورا عبور حاصل تھا۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے تو اس ریموٹ کنٹرولر کو طاقتور ڈائنا مائٹس کی ایک بیٹری سے جوڑا گیا تھا اور وہ تباہ کن ڈائنا مائٹ اسی عمارت کی زیریں اور زیرِ زمین منزل میں نصب ہیں جہاں کارروائی کی جا رہی ہے۔ ڈائنا مائٹ پھٹنے کے بعد اس بلند و بالا عمارت کو اب تک راکھ اور ملبے کا ڈھیر بن جانا چاہیے تھا۔"

"ٹھیک!" وہ تفہیمی انداز میں بولا پھر سوال کیا "پھر یہ رینج کا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی رینج کیا ہے؟"

"میں بالکل لاعلم ہوں۔" میں نے اس کا امتحان لینے کی غرض سے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ اس ایم آئی کی رینج کم ہو۔ ایس سی سی والے اپنے بنائے ہوئے ایم آئی پر اس کی رینج کا کوڈ نہیں ڈالتے بلکہ خریداروں کو رازداری سے اس بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں۔ موجودہ صورتِ حال بہت خطرناک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ٹارگٹ کی طرف چند قدم کی پیش قدمی ہی اس کی مکمل تباہی کا سبب بن جائے۔ اس ریموٹ کنٹرولر کو فوری طور پر یہاں سے دور لے جا کر' اس کا سرکٹ ناکارہ بنانا ہوگا۔"

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ میں اول خان کے ایما پر' حبیب جیوانی کی لاش لے کر ٹریڈ لائن کے دفتر کی طرف نہیں گیا ورنہ ڈیڑھ سو فٹ کی حد میں پہنچتے ہی وہ ہولناک تباہی رُونما ہو جاتی جسے روکنے کے لیے میں نے وہ سب بھاگ دوڑ کی تھی۔

"مجھے رینج کا علم نہیں لیکن مقتول بار بار ڈیڑھ سو فٹ فاصلے کی بات کر رہا تھا۔" میں نے کہا۔

"پھر وہی اس کی رینج ہوگی۔" اس نے نتیجہ اخذ کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی۔ "میں یہ ڈیوائس اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ تم بلیک ہاک اے کی طرف چلے جاؤ۔"

حبیب جیوانی کی لاش پولیس وین کے عقبی حصے میں ڈال دی گئی اور میں نے حبیب جیوانی کی گاڑی سنبھال لی۔ مجھے ایم اے جناح روڈ پر داخلے کی اجازت ملنی ناممکن تھی' اس لیے میں پولیس وین کے پیچھے ہی گاڑی چلاتا رہا۔ ان لوگوں نے نادر کو ٹاور کے قریب اتارا اور سڑک کی غلط سمت سے ٹریڈ لائن کے دفتر کی طرف چل دیئے جہاں سے وقفے وقفے سے فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں۔

○☆○

اصل کارروائی ڈیڑھ گھنٹے میں نمٹ گئی۔ خطرے کا احساس ہونے پر شیر شاہ خان اور اس کے پندرہ ساتھیوں نے بھرپور مزاحمت کی کوشش کی تھی لیکن اسپیشل ٹاسک فورس کی' اندر اور باہر سے ہونے والی دو طرفہ یلغار نے بہت جلد ان کے پیر اکھاڑ دیئے۔ ایک شخص مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔ پانچ بری طرح زخمی ہوئے اور بقیہ نے اس تباہی سے بوکھلا کر ہتھیار ڈال دیئے۔

سُرنگ سے اترنے والی ٹیم کو اصل مقابلے کے آغاز سے پہلے ہی' سرنگ کے اندرونی حصے میں' ہیروئن کے چالیس کلو وزنی پیکٹ مل گئے تھے۔ شاید حبیب جیوانی نے باقی مال وہاں سے نکال کر' شیر شاہ خان کے حوالے کر دیا تھا کیونکہ وہ لوگ تہ خانے کے ایک حصے میں ہیروئن کی تھیلیاں کھولے شولڈر پیڈز میں سیل کر رہے تھے۔ ان سب کو عبرتناک اور لمبی سزائیں دلوانے کے لیے وہ مواد بہت کافی تھا لیکن حبیب جیوانی کا دفتر ان لوگوں کے لیے بھول بھلیاں ثابت ہوا تھا۔

زیرِ زمین سرنگ سے دفتر میں داخلے کا راستہ' دفتر سے آمدورفت کا راستہ اور حبیب جیوانی کی میز کا حفاظتی نظام ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا اور انہیں ان مقامات پر زبردستی سے کام لینا پڑا جس کے نتیجے میں وہ سب چیزیں تباہ ہو گئی تھیں۔ اس کے بعد ڈائنا مائٹس کی تلاش کا مرحلہ شروع ہوا۔ بارودی ذخائر کا سراغ لگانے والے جدید ترین آلات کی مدد سے وہ کام آسان ثابت ہوا لیکن ٹریڈ لائن کے زیرِ تصرف عمارتی رقبہ اتنا وسیع اور پُرپیچ تھا کہ آخری ڈائنا مائیٹ برآمد کرنے میں صبح کے آثار نمودار ہو گئے۔

تہ خانے اور اس سے اوپر والی منزل کے اہم ستونوں کے گرد' پچیس سے پچاس کلوگرام وزنی بارودی طاقت کے چھ ایسے ڈائنا مائٹ نصب تھے جو پھٹ کر عمارت کے ڈھانچے کی بنیادوں کو اس بری طرح تباہ کر سکتے تھے کہ واقعی پوری عمارت زمین بوس ہو سکتی تھی۔

ان ڈائنا مائٹس کا سلسلہ ایم آئی ریموٹ کنٹرول کے ذریعے کام کرنے والے الیکٹرانک یونٹ سے جوڑا گیا تھا۔ وہ پورا کام اتنی پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ کیا گیا تھا کہ ایم آئی ریموٹ کے فعال ہونے کے صرف پندرہ سیکنڈ بعد تمام ڈائنا مائٹس بیک وقت عمارت کو اُڑا کر رکھ سکتے تھے۔

عمارت کو کلیئرنس دیئے جانے کے وقت صبح کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔ ہم لوگ ٹریڈ لائن کے دفتر سے باہر آئے تو گھڑیاں صبح کے ساڑھے چار بجا رہی تھیں اور تاروں بھرے آسمان کے مشرقی گوشوں میں اجالے کی موہوم سی دُھند نمودار ہو چکی تھی۔ علاقے میں خوشگوار خاموشی کا راج تھا جو دن کے مصروف لمحات میں وہاں عنقا ہوتی تھی۔

اس کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد پولیس کو علاقہ کلیئر کرنے کا اختیار دے دیا گیا۔ قیدیوں اور ان کی تحویل سے برآمد ہونے والے سامان کو اول خان نے اپنے نائب کی تحویل میں دے دیا۔ بھاری گاڑیوں پر مشتمل، اس کارواں کی، کسی نامعلوم منزل کی طرف روانگی کے بعد، اول خان مجھے اپنے ساتھ لے کر جیپ میں روانہ ہوگیا۔ حبیب جیوانی کی لاش اور اس کا کٹا ہوا ہاتھ، قانونی تقاضوں کی تکمیل کے لیے پولیس کے حوالے کردیا گیا تھا۔

اس وقت تک اول خان اس قدر مصروف رہا تھا کہ اسے مجھ سے کوئی اور بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا لیکن جیپ میں تخلیہ میسر آتے ہی، اس کے ذہن میں سویا ہوا تجسس جاگ اٹھا۔

اس کے لیے حبیب جیوانی کی کہانی بہت تحیر خیز ثابت ہوئی۔ وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ مقامی مافیا نے اہم اور بارسوخ افسران کو بلیک میل کرنے کے لیے، شہر میں کی کلب کے نام سے عیاشی کا کوئی اڈا قائم کیا ہوا تھا جہاں مہمانوں کا دل بہلانے کے لیے چیدہ چیدہ مقامی اور غیر ملکی لڑکیاں ملازم رکھی گئی تھیں۔ وہ یہ حقیقت سن کر ششدر رہ گیا کہ ایک اہم پولیس افسر نے، ماضی قریب میں، ایک فاحشہ کی فرمائش پر اپنے محکمے کے خفیہ مواصلاتی رابطے کا ایک حساس اپریٹس چوری کرکے اس کے حوالے کردیا تھا جو آخر کار حبیب جیوانی کے قبضے میں چلا گیا اور محض اسی اپریٹس کی وجہ سے وہ لوگ تباہی کے دہانے پر پہنچا دیے گئے تھے۔ اگر حبیب جیوانی آخری مہم پر نکلتے ہوئے، مجھے نظر انداز کرنے کا فیصلہ کرلیتا تو دنیا کی کوئی طاقت اس کی لائی ہوئی ہولناک جانی و مالی بربادی کو نہیں ٹال سکتی تھی۔ وہاں ہر طرف ملبے اور انسانی جسموں کے چیتھڑے ہی بکھرے ہوتے۔

اول خان نے اشتعال میں آکر فوری طور پر کی کلب جیسے خطرناک اڈے کی بیخ کنی کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے مسکراتے ہوئے اسے مطلع کیا کہ میں وہ نیک کام کافی عرصے پہلے سرانجام دے چکا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں اتنی طویل مدت سے حبیب جیوانی کے وجود اور اس کے سیاہ کرتوتوں کا علم تھا؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں احتجاج کیا۔

"یہ بہت پرانی بات نہیں ہے لیکن وہ میری مہم جوئی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ میں کی کلب کو بڑے لوگوں کی عیاشی اور اس کے مالکان کی بھاری آمدنی کا ایک گھناؤنا ذریعہ سمجھتا تھا۔ مجھے اس کے اصل مقاصد کا علم نہیں تھا۔ میں کافی محنت کرنے اور وقت گزارنے کے بعد اس پوزیشن میں آیا ہوں کہ آج ہم حبیب جیوانی کی لاش پر اس کے کرتوتوں کا ماتم کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے تو بس آنکھ مچولی ہو رہی تھی۔"

"اور میرا قیاس کہتا ہے کہ تم ان کی جڑوں میں بہت دور تک اترے ہوئے تھے۔" اس نے کہا "میں تو یہاں تک سوچنے پر مجبور ہوں کہ معلومات حاصل کرنے کے لیے، تم ان ہی میں شامل نہ رہے ہو۔"

"تمہارا یہ انداز درست ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "لیکن ان کی صفوں میں گھسنا اتنا آسان نہیں تھا۔ آج بھی حبیب جیوانی بار بار میری طرف سے بدک رہا تھا۔"

"حیرت ہے کہ واضح طور پر صاف ستھری سوچ رکھنے کے باوجود تم برے لوگوں کے ساتھ مل بیٹھنے میں کامیابی حاصل کرلیتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ یہ بہت جان جوکھوں کا کام ہوگا۔"

"اس کی ایک چھوٹی سی وجہ ہے کہ میں ہمیشہ سے اچھا آدمی نہیں تھا۔ تم جانتے ہو کہ میرا ماضی بھی بہت داغ دار تھا۔ یہ سب اسی ماضی سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ انہیں یہ علم نہیں ہو پاتا کہ میرا دل و دماغ بہت سی تعمیری تبدیلیوں سے گزر چکا ہے۔"

باتیں کرتے ہوئے ہم اسٹیشن فور پہنچے تو وہاں اول خان کے لیے ایک اہم پیغام موجود تھا۔ اس کی غیر حاضری میں اس کے کمانڈنگ آفیسر نے فون کیا تھا۔

میرے ذہن میں پہلا خیال ظفر یا البرٹو ویلیسا کے بارے میں آیا کیونکہ اس وقت تک اس کے نئے اور پرانے فنگر پرنٹس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں آئی تھی لیکن اول خان کا خیال مختلف تھا۔ آپریشن بلیک ہاک کے سلسلے میں اوپر سے باقاعدہ اجازت لی گئی تھی اس لیے کمانڈنگ آفیسر اس آپریشن کے نتائج کے بارے میں بھی فکر مند ہوسکتا تھا۔

اول خان کے سر پر کام کا بھوت سوار تھا اس لیے اس نے فوراً ہی اپنے سی او کو فون کرنے کا ارادہ کیا لیکن میں نے وقت کا احساس دلا کر اسے روک دیا۔

"تم کہتے ہو تو صبح ہونے کا انتظار کیے لیتا ہوں لیکن اسپیشل ٹاسک فورس میں کام کے لیے وقت کا کوئی تعین نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے کہ سی او اس وقت بھی میری جوابی کال کے انتظار میں جاگ رہا ہو۔"

دوسری طرف مجھے غزالہ اور سلطان شاہ کا خیال تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ میں حبیب جیوانی کا پیغام ملنے پر روانہ ہوا تھا اس لیے وہ میری سلامتی اور واپسی کے بارے میں فکر مند ہوسکتے تھے لیکن دوسری طرف ویرا کی ذات تھی۔ اسے میرے اور حبیب جیوانی کے مراسم کے بارے میں علم نہیں تھا۔ میں فلیٹ سے روانہ ہوا تو وہ اپنے پرانے دوستوں سے ملنے گئی ہوئی تھی لیکن اس وقت تک یقینی طور پر فلیٹ میں واپس آچکی ہوگی۔ اگر میرے فون کرنے پر وہی ریسیور اٹھالیتی تو میرے پاس، اسے سنانے کے لیے، کوئی مضبوط کہانی نہیں تھی۔

لیکن پھر بھی غزالہ کی پریشانی کا تصور میرے لیے پریشان کن تھا۔ میں نے فون کرنے کا فیصلہ کرہی لیا۔

وہی ہوا، جس کا مجھے خدشہ تھا۔ دوسری طرف سے ویرا کی

آواز سنائی دی تھی۔
"تم کہاں ہو؟ صبح ہوگئی اور تمہیں یہ احساس بھی نہیں ہے کہ ہم سب تمہارے لیے پریشان ہوں گے۔" اس کی ملامت آمیز آواز سے بھی فکر مندی کی علامات نمایاں تھیں۔
"میں جہاں بھی ہوں خیریت سے ہوں۔" میں نے اپنی آواز بوجھل بنا کر کہا "میں نے صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ میری واپسی میں ابھی کچھ اور تاخیر ہوگی۔ میں دس بجے تک گھر آؤں گا۔"
"لیکن یہ تو بکو کہ تم اس وقت کہاں مرے ہوئے ہو؟" اس کی جلی کٹی آواز ابھری۔
"میں اول خان کے ساتھ ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" اس کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔ "ان لوگوں نے تو بتایا تھا کہ تم کسی نامعلوم شخص کی فون کال پر عجلت میں فلیٹ سے روانہ ہوئے تھے۔"
"وہ اول خان ہی کی کال تھی۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔
"اول خان کب سے نامعلوم شخص ہوگیا؟ اس کے بارے میں اتنی رازداری کی کیا ضرورت تھی۔"
"واپس آکر سب کچھ بتادوں گا۔ اس وقت میری خطا معاف کردو۔"
"تم جہنم میں جاؤ۔ تمہارے بارے میں سوچنا' اپنی ذات کو گھن لگانے کے برابر ہے۔" اس نے میرا جواب سننے کی زحمت کیے بغیر' اچانک ہی فون بند کر دیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔
"بھابی سے بات کر رہے تھے؟" اول خان نے گہری سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔
"ارے نہیں' وہ بے چاری تو بہت سیدھی سادی ہے۔ اس وقت ویرا نے ٹیلی فون اٹھایا تھا۔"
"ویرا؟ تو کیا وہ اتنی صبح بیدار ہو جاتی ہے؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔
"وہ میرے انتظار میں شب بیداری کر رہی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔
"یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ ایک غیر عورت تمہارے بارے میں اس قدر فکر مندی کا مظاہرہ کرے۔" اس نے اپنی دو ٹوک رائے ظاہر کر دی "ویرا کے اس رویے سے بھابی کو ضرور تکلیف ہوتی ہوگی۔"
"غزالہ میری اور اس کی دوستی کی مصلحتوں اور نزاکتوں سے خوب واقف ہے۔"
"وہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ مجھے اس سے زیادہ دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔ اب یہ بتاؤ کہ ویرا نے تم کو ظفر کے بارے میں کیا کچھ بتایا ہے۔ فون پر تو تم سے تفصیلی بات ہی نہیں ہو سکی تھی۔"
میں نے ویرا کی ذاتی آرا اور تبصروں کو حذف کر کے حقائق اسے بتا دیے۔
بوگوتا کی اینٹی نارکوٹکس فورس میں' ظفر کے ہم شکل کی موجودگی کی اطلاع پر اوّل خان بھی بہت بری طرح چونکا تھا لیکن اس کی آخری رائے بھی یہی تھی کہ کولمبیا کے کسی باشندے کے لیے اہل زبان کی طرح اردو پر عبور حاصل کرنا ممکن نہیں تھا' اس لیے ظفر' ظفر ہی تھا۔ البرٹو نہیں ہو سکتا تھا۔
"لیکن میں اب بھی اپنے شبہات پر قائم ہوں۔" میں نے اصرار کیا۔
"خیر' فنگر پرنٹس کا موازنہ آخری فیصلہ کر دے گا۔ آخر تمہیں ظفر کی اصلیت پر شبہ کیوں ہے؟"

"میں یہ مان ہی نہیں سکتا کہ کوئی بھی پاکستانی اس حد تک گر سکتا ہے کہ وہ اسرائیل' کرنل جیسی جونز یا ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کرنا شروع کر دے گا۔ آخری درجے کی یہ نمک حرامی کسی صحیح النسل پاکستانی کے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔" میں نے از سرِ نو بحث سے گریز کرتے ہوئے کہا۔

"وہ صرف ایک شبہ تھا جو دور از کار بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"

"لیکن مجھے تمہارا ابتدائی شبہ اب بھی بہت جان دار نظر آرہا ہے۔"

"بات پھر فنگر پرنٹس کے موازنے پر آجاتی ہے۔ اگر وہ ظفر ہی ہے تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ فورس کی خدمت کر رہا ہے۔"

میں نے خاموشی اختیار کرکے' وہ موضوع وہیں ختم کر دیا لیکن میرا ذہن اسی ایک نکتے میں الجھا ہوا تھا کہ کرنل جیسی جونز اپنے کسی خفیہ مفاد کے بغیر' اپنے گروہ کے ایک رکن کو کیونکر آزاد کر سکتا تھا۔ ظفر کے معاملے میں کہیں نہ کہیں' کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور موجود تھی۔

"تم گھر جاکر آرام کرنا چاہو تو میرا کوئی آدمی تمہیں چھوڑ آئے گا" اول نے پیش کش کی۔

"میں تمہاری اور سی او کی گفتگو ہونے تک یہاں رکنا چاہتا ہوں" میں نے ہنستے ہوئے کہا "اسی وجہ سے میں نے ویرا کو دس بجے واپسی کی اطلاع دی تھی۔"

"اس سے کیا فرق ..تا ہے؟ میں فون پر تمہیں اس گفتگو کے نتیجے سے آگاہ کردوں گا۔"

"اس وقت تک ویرا میری زندگی عذاب بنا دے گی۔ میں ظفر کے بارے میں ٹھوس معلومات حاصل کیے بغیر گھر واپس گیا تو وہ میری رات بھر کی غیر حاضری کے بارے میں جرح کر کے مجھے پریشان کر دے گی۔"

"تو کیا تم اسے مافیا کی کہانی نہیں سناؤ گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"میں مافیا کو کیا جانوں؟" میں نے ایک آنکھ دبا کر کہا "وہ سب تمہارا کھیل بکھیڑا تھا۔ اسی وجہ سے مجھے تمہاری واپسی کا انتظار کرنا پڑا۔ ضرورت ہوئی تو اپنا بھی ہلکا پھلکا کردار پیدا کرلوں گا۔"

"آپس کے اعتماد اور بے اعتمادی کا ایسا خطرناک امتزاج میں نے آج تک نہیں دیکھا" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا اور میں وہاں سے اٹھ گیا۔

میں ریٹائرنگ روم کی کھڑکیوں کے دبیز پردے کھینچ کر آرام دہ دیوان پر دراز ہوا تو تھوڑی ہی دیر میں میری آنکھ لگ گئی۔ پھر نو بجے اول خان نے ہی نرمی کے ساتھ مجھے بیدار کیا۔

"تمہیں دس بجے گھر پہنچنا ہے۔ منہ ہاتھ دھولو تو میں تمہارے سامنے ہی سی۔ او سے بات کرلوں" اس نے کہا۔

"ابھی تو اندھیرا ہے۔ کیا تمہارا سی۔ او بیدار ہو گیا ہوگا؟"

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مجھے چند منٹ بعد ہی کچی نیند سے جگا دیا گیا ہو۔

"اندھیرا صرف اس کمرے میں ہے۔ باہر سورج بہت اوپر جا چکا ہے کیونکہ اس وقت نو بج رہے ہیں جب کہ ہمارے دفتری اوقات سات بجے سے شروع ہو جاتے ہیں" اول خان نے ٹہلتے ہوئے کہا۔

میں چھلانگ مار کر دیوان سے نیچے آگیا۔ غسل خانے سے ہاتھ منہ دھو کر باہر نکلا تو ہلکا پھلکا لیکن گرم گرم ناشتا میرا منتظر تھا۔ میں ناشتے سے فارغ ہو کر فوراً ہی اول خان کے دفتر میں پہنچ گیا۔

میں نے وہاں بیٹھ کر سگریٹ سلگائی اور اول خان نے اسپیکر فون آن کرکے اپنے کمانڈنگ آفیسر کا فون ملانا شروع کر دیا۔

دعا سلام سے شروع ہونے والی گفتگو میں پہلا موضوع بلیک ہاک آپریشن کا تھا۔ کمانڈنگ آفیسر کو اس مہم میں میرے کلیدی کردار کے بارے میں پوری پوری معلومات حاصل تھیں۔ اس نے اول خان کی رپورٹ سننے کے بعد متعدد سوالات کیے جن کے تسلی بخش جوابات دینے کے بعد اول خان نے بہت نرم اور محتاط الفاظ میں ظفر والے معاملے کا ذکر چھیڑ دیا۔

"رپورٹ آگئی ہے۔ اس کے پرانے اور تازہ فنگر پرنٹس میں سو فیصد یکسانیت ہے۔ ایس ٹی ایف میں تقرری کے طریقۂ کار کے بارے میں ہمارے شبہات بے بنیاد ثابت ہوئے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ اب تم بھی ظفر کی طرف سے اپنا ذہن صاف کرلو۔ وہ ہمارا محنتی اور ایمان دار افسر ہے" سی۔ او نے محض مروتاً خود کو بھی اول خان کے شبہات میں ایک فریق بنا کر بات ختم کرنی چاہی۔

"مجھے کوئی شبہ نہیں تھا۔ بس درمیانی عرصے میں اس کی مصروفیات کی بنا پر' میرے ذہن میں ایک امکان ابھرا تھا جو اوپر والوں تک پہنچانا میرا فرض تھا۔ اب وہ قصہ ختم ہو گیا" اول خان نے جواب دیا۔

چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد وہ گفتگو ختم ہو گئی۔

"قصہ ختم' پیسہ ہضم" اول خان نے اسپیکر فون کا بٹن آف کرکے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "ظفر' ظفر ہی ہے۔ اس کے حق میں اس سے بڑی گواہی کوئی اور نہیں ہو سکتی۔"

"میرے لیے یہ رپورٹ حیران کن ہے" میں نے ایمان داری کے ساتھ اپنے دل کی بات کہہ دی۔

اول خان کی آنکھیں فرطِ حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں "اب تمہیں کیا بات پریشان کر رہی ہے؟ فنگر پرنٹس کو تو دنیا بھر کی عدالتیں اور طبی ماہرین' آخری شناخت تسلیم کرتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں" میں نے سر جھکا کر آہستگی کے ساتھ کہا "بس میری چھٹی حس مطمئن نہیں ہے۔"

"تم بے سبب مغز زنی ترک کردو' وہ مان جائے گی" اول خان

اٹھ کر میری پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور میں نے اپنی کرسی چھوڑ دی۔

اول خان اس وقت فارغ تھا اس لیے اُس نے خود ہی مجھے فلیٹ تک پہنچانے کی پیش کش کی جو مجھے قبول کرلینی پڑی لیکن راستے میں ہمارے درمیان کوئی قابلِ ذکر تبادلۂ خیال نہیں ہوسکا۔

میرے پاس فلیٹ کے دروازے کی چابی موجود تھی' اس لیے میں ڈور بیل بجائے بغیر قفل کھول کر اندر داخل ہوا تو ویرا اپنی خواب گاہ کے دروازے پر انڈوں سے بھاگی ہوئی کڑک مرغی کی طرح پھولی ہوئی کھڑی تھی۔ جب کہ پورے فلیٹ میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

"چوروں کی طرح آئے ہو' معلوم ہوتا ہے کہ کہیں سے مار کھا کر لوٹے ہو؟" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"وہ دونوں کہاں ہیں؟" میں نے اس کے تبصرے کو نظرانداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"تم جیسے غیرذمے دار آدمی کی فکر میں کوئی بھی زیادہ دیر تک اپنا خون نہیں سُکھا سکتا۔ طویل انتظار سے اُکتا کر وہ دونوں اپنے اپنے ٹھکانوں پر سو رہے ہیں" وہ جھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

میں نے باری باری دیکھا کہ غزالہ کی خواب گاہ اور ڈرائنگ روم کے دروازے بند تھے۔ میری دانست میں ان دونوں کو سوئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی اس لیے ان کی نیند میں دخل انداز ہونا مناسب نہیں تھا۔ دوسری طرف غزالہ کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں بہتر طور پر ویرا کا غصہ کافور کرسکتا تھا' اس لیے میں نے اسی کے کمرے کا رخ کیا لیکن وہ مجھے اندر جانے کا راستہ دیے بغیر دروازے پر جمی کھڑی رہی۔

ویرا کے مُنہ سے جن کی ہلکی سی بو آرہی تھی اور کمرے کی فضا بھی اسی بو سے بوجھل تھی۔ میں نے حیرت سے کہا "آج تم نے ناشتے کی ابتدا ہی جن سے کی ہے' کیا ارادے ہیں؟"

"ناشتا؟ رات بھر کی نیند سے بیدار ہونے کے بعد کیا جاتا ہے؟" وہ جھنجلا کر بولی "میں نے اسی کے سہارے' پوری رات جاگ کر گزاری ہے اور تم اسے ناشتا کہہ رہے ہو۔"

میں نے اس کا نرم وگداز بازو تھام کر نرمی سے اسے کمرے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا "جلی کٹی باتیں نہ کرو اور ایک گلاس میرے لیے بھی بناؤ۔ اس کے بعد باتیں ہوں گی۔ ویسے تم غصے میں ضرورت سے زیادہ حسین نظر آنے لگتی ہو۔ دانت پیسنے سے تمہارے دونوں رخساروں میں جو خفیف سے گڑھے پڑتے ہیں وہ کسی بھی سالم مرد کو غرق کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں اور میں بے چارہ بھی ایک مرد ہی ہوں۔"

"ہوش میں رہ کر بات کرو" وہ کمرے میں داخل ہونے میں مزاحمت کیے بغیر بولی "اب تم دو کشتیوں کے سوار نہیں رہے ہو جو مجھے اس خوشامد سے لُبھا سکو۔ ابھی غزالہ بیدار ہو کر' اس کمرے میں گھس آئی تو تم کسی بھیگے ہوئے چوہے کی طرح مسکین نظر آنے لگو گے۔"

"حقیقت اور خوشامدانہ تعریف میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ تم اسے خوشامد قرار دو' تب بھی اس سے میرا وہ مقصد نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔"

"میں کیا سمجھ رہی ہوں؟ تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟" ویرا آنکھیں نکال کر بولی۔

"بیٹھ جاؤ' سکون سے بیٹھ جاؤ" میں نے ہولے سے اس کی پشت سہلاتے ہوئے کہا "یہ نہ بھولو کہ ہم دونوں نے بھی کبھی جوانی کی راتیں اور مُرادوں کے دن ایک دوسرے کے ساتھ گزارے ہیں۔"

"میں نے آج تک تم جیسا غیرذمے دار اور ناخلف شخص نہیں دیکھا" وہ بدستور بگڑی ہوئی تھی لیکن اس نے کرسی سنبھال لی تھی۔

میں ہنس پڑا "آج تم پھنس گئیں۔ ناخلف کا لفظ اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے' دوسروں کے لیے نہیں۔ اہلِ زبان نہ ہونے کا اظہار اسی وقت ہوتا ہے جب روز مرّہ کے معمولی الفاظ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔"

"بعض مرد بھی اپنی جبلّی کمزوریوں کی بنا پر اپنی محبوباؤں کے سامنے اس بری طرح میانے لگتے ہیں کہ انہیں بلا جھجک اولاد کے زمرے میں شمار کیا جاسکتا ہے۔۔۔"

"کم از کم میں ایسے مردوں میں شامل نہیں ہوں" میں نے اپنے گلاس میں برف کے ڈلے ڈالتے ہوئے کہا۔

"تم بھی بہت سؤر اور بے شرم ہو" وہ کوئی پرانی بات یاد کر کے اچانک مسکرادی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہارے رخساروں کے کنوئیں تو غائب ہوئے" میں نے جلدی سے کہا۔

"رخساروں کے کنوئیں؟" اس نے تعجب کے ساتھ' بھویں چڑھا کر سوال کیا۔

"یہ فارسی کے چاہِ غب غب کا سلیس اردو ترجمہ ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"آج تمہیں زبان' الفاظ' محاورے اور ترجمے کیوں یاد آرہے ہیں؟" اس کا موڈ قدرے بحال ہو چلا تھا۔

"ظفر کے نئے اور پرانے فنگر پرنٹس یکساں ہیں' اب یہ دیکھنا باقی رہ گیا ہے کہ کیا اسے اردو زبان پر واقعی ہم لوگوں جیسا عبور حاصل ہے" میں نے اپنے ذہن میں چکرانے والی بات اس کے سامنے اگل دی۔

"لاحول ولا قوۃ!" وہ برا سا منہ بنا کر بولی "شاید تمہاری عقل چل گئی ہے۔ فنگر پرنٹس کی رپورٹ آجانے کے بعد اب کیا باقی رہ گیا ہے؟ اور ہاں۔۔۔"

میں نے اس کی بات درمیان ہی سے اچک لی "عقل چلنے کا محاورہ بھی ظفر کا اچھا امتحان ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ چلنے کا لغوی مفہوم راستوں اور فاصلوں سے وابستہ ہے۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تم نے رات کہاں بسر کی تھی؟" اس نے میری بات سنی اَن سنی کر کے پوچھا۔

"میرے سر پر ظفر کا بھوت سوار تھا اور میں اسی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے اسٹیشن فور گیا تھا لیکن میرے پہنچنے سے پہلے وہاں دوسرا چکر شروع ہو چکا تھا' جس نے رات برباد کر دی۔"

"بولتے رہو' میں سن رہی ہوں" میری خاموشی پر اس نے لقمہ دیا۔

جن اور ٹانک واٹر کے متوازن محلول کا ایک بڑا گھونٹ اپنے معدے میں اتارنے کے بعد میں نے کہا "آج شہر میں ایک بہت بڑی کارروائی کی گئی ہے۔ اوپر سے آنے والے احکام کی روشنی میں ہیروئن کا بھاری ذخیرہ پکڑا گیا ہے۔ اول خان اسی کارروائی میں مصروف تھا۔"

"مقامی منشیات فروش بھاری ذخیرے جمع کرنے کا خطرہ مول نہیں لیتے۔ مال آتے ہی تیزی کے ساتھ نکاسی کے اڈوں پر پھیلا دیتے ہیں۔ وہ ایکسپورٹ کرنے والے بڑے لوگ رہے ہوں گے۔"

"پتا نہیں" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا "یہ سب دھندے ٹریڈ لائن نامی کسی دفتر کی آڑ میں ہو رہے تھے۔ دو آدمی مرے ہیں' چند زخمی ہوئے اور بقیہ گرفتار کر لیے گئے۔ اب قیدیوں سے باز پُرس کے بعد ہی پوری صورتِ حال واضح ہو سکے گی۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد اول خان نے ظفر کے بارے میں معلوم کیا تھا۔"

"کہیں تم مجھے یہ بتانا تو نہیں چاہ رہے کہ شہر میں ہونے والی کارروائی میں تمہارا ہاتھ نہیں تھا؟" اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے اپنی کوئی بات تمہارے دماغ میں ٹھونسنے کی کیا ضرورت ہے" میں نے الٹا اسی سے سوال کر ڈالا۔

"مجھے اڑتی اڑتی خبریں مل رہی تھیں کہ مافیا یہاں جڑ پکڑتی جا رہی ہے۔ ایک زمانے میں وہ لوگ تمہارے پشت پناہ بھی بنے ہوئے تھے۔ وہ درمیان میں نہ آتے تو میرے آدمی شاید تمہیں فنا کر چکے ہوتے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ شی کے قدم اکھاڑنے کے بعد اب تم اپنے پرانے محسنوں پر ٹوٹ پڑے ہو؟"

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میراان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا "انہوں نے میری مرضی یا خواہش کے بغیر مجھے تحفظ فراہم کیا تھا۔ مجھ سے جوابی تعاون نہیں ملا تو وہ خود ہی مجھ سے ناامید ہو کر غائب ہو گئے۔ تم مجھ پر بلاوجہ یہ الزام تراشی کیوں کر رہی ہو؟"

"جب سے تمہاری اور اول خان کی دوستی ہوئی ہے' اینٹی ٹاسک فورس کو پُراسرار طور پر بہت زیادہ کامیابیاں حاصل ہونے لگی ہیں" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سب سے بڑی کامیابی تو تمہارے تعاون سے ہوئی ہے۔ بلیک کراس ڈیل کے بارے میں' میں نے تم کو اوّل تا آخر باخبر رکھا تھا۔ تم مافیا کی کون سی ہمدرد یا خیر خواہ ہو جو میں تم سے اپنے کارنامے چھپاتا پھروں گا؟"

"مشکل یہی ہے کہ تمہارے عزائم کو بروقت سمجھنا ناممکن ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آتی ہے تو پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے۔ اب کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ مافیا کو خاک چٹوا کر تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ایسے واقعات رونما ہونے کے وقت تم اپنی چھت کے نیچے کبھی محوِ خواب نہیں ہوتے۔ تم پچھلی رات کی ایک بڑی کارروائی کی خبر سنا رہے ہو اور وہ رات بھی تم نے گھر سے غائب رہ کر گزاری ہے۔ تم مفروضہ باتوں پر لٹھ لے کر ظفر کے پیچھے گھوم رہے ہو اور مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ میں سامنے کی باتیں نظرانداز کر کے تمہیں معصوم مان لوں؟"

"تم پھر الزام تراشی کر رہی ہو" میں نے احتجاج کیا "ابھی تو اول خان کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ مارے اور پکڑے جانے والوں کا تعلق کس گروہ سے ہے اور تم مسلسل انہیں مافیا والے قرار دیے جا رہی ہو۔"

"اس بحث پر لعنت بھیجو۔ چند روز میں سب کچھ سامنے آ جائے گا۔"

"چند روز کیا' شاید آج شام کے اخبارات میں ہی ساری خبریں آ جائیں گی۔"

"شام کے اخبارات!" اس نے برا سا منہ بنایا "یہ اخبارات خبریں نہیں' اسکینڈل اور سنسنی خیز قیاس آرائیاں چھاپتے ہیں۔ ان کے پڑھنے سے بلڈ پریشر خواہ مخواہ بڑھنے لگتا ہے۔ تمہارے اخبارات جو کچھ کہتے رہیں' مجھے اپنے ذرائع سے اصل کڑیاں مل جائیں گی۔"

"ان کڑیوں سے کہانی تیار کر لو تو مجھے بھی سنا دینا" میں نے ترشی مائل' شیریں محلول کا اگلا گھونٹ لے کر کہا "اب یہ بتاؤ کہ پنڈی کب چل رہی ہو؟"

"وہ کس لیے؟" وہ میرے غیر متوقع سوال پر حیرانی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"ظفر کی اردو دانی کے امتحان کے لیے۔ میں اپنی خلش سے نجات حاصل کرنی چاہتا ہوں۔"

"اس کے لیے صرف تم ہی کافی ہو۔ چاہو تو غزال کو ساتھ لے جاؤ۔ وہ تم سے زیادہ اچھی اردو جانتی ہے۔"

"لیکن ہم دونوں ہسپانوی زبان سے نابلد ہیں۔ اگر وہ ظفر ہی

ہے تو اسے ہسپانوی سے نابلد ہونا چاہیے۔"

"احمقانہ بات ہے" وہ سر جھٹک کر بولی "وہ مجھ سے ملاقات کے بعد بھی ڈیڑھ' دو سال تک کولمبیا میں رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس دوران میں اُس نے ہسپانوی سیکھ لی ہو۔"

"لیکن ٹھیٹ اور بامحاورہ ہسپانوی اس کی سمجھ سے باہر ہونی چاہیے" میں نے اصرار کیا۔

"یہ بات مانی جاسکتی ہے کیونکہ اسپینش ایک مشکل زبان ہے۔ لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ کرنا کیا چاہتے ہو؟ میں ولی نہیں ہوں جو تمہارے دل کی بات سمجھ لوں" اس نے میری دلیل کو تسلیم کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی عورت ولی ہو ہی نہیں سکتی اور پھر تم؟ میری..." میں نے مزید کچھ کہنا چاہا لیکن اس نے اپنا خالی گلاس میرے سر پر مارنے کے لیے بلند کیا اور مجھے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑگئی۔

"تم بعض اوقات لغو باتوں پر اتر آتے ہو۔ تمہارے سرحدی علاقوں میں اَن پڑھ بوڑھیاں کئی عورتوں کے نام عقیدت سے لیتی تھیں اور وہ سب اپنے اپنے دور کی نامور ولی گزری ہیں" اس نے برہمی سے کہا۔

"وہ جھوٹ بولتی ہوں گی۔ ولی کے لیے مرد ہونا ضروری ہے۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا لیکن وہ بپھر گئی۔

"دراصل ہم دونوں ہی' اپنی اپنی جگہ درست ہیں" اسے سنبھالنے کے لیے مجھے فوراً وضاحت کرنی پڑگئی "ولی صرف مرد ہوتا ہے' عورت اس درجے پر فائز ہو تو ولی نہیں' ولیہ کہلاتی ہے۔ یہ سیدھا سا گرامر یا تذکیر و تانیث کا معاملہ ہے۔ تم بلاوجہ چڑ رہی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ظفر کو ایسے ہی کسی ہسپانوی شوشے میں الجھادو۔ اس کی گتھی سلجھ جائے گی۔"

"میں تم سے سمجھ لوں گی" وہ فضا میں مکّا لہرا کر کھسیائے ہوئے انداز میں بولی۔

"ضرور سمجھ لینا" میں نے دل ہی دل میں کہا اور پھر اسے اپنا منصوبہ سمجھانے لگا۔

ویرا نہ جانے کب سے پیئے جارہی تھی۔ کمرے میں ایک طرف گورڈنز کی ڈیوڑھی بوتل خالی رکھی ہوئی تھی اور دوسری بوتل بھی نصف ہونے کو تھی۔ ٹانک واٹر کے خالی ڈبوں کی تعداد ایک درجن ہونے والی تھی لیکن وہ واقعی بَلا کی بَلا نوش تھی کہ اس کی زبان پر لکنت تھی نہ ذہن پر کوئی مدہوشی طاری تھی۔ وہ میری ایک ایک بات بہت توجہ سے سن رہی تھی اور ایسے پیچیدہ سوال بھی کرتی جارہی تھی جو سلطان شاہ جیسے پارسا کے ذہن کو چھو بھی نہیں سکتے تھے

بارہ بجے کے قریب غزالہ بیدار ہوئی اور دندناتی وار ویرا کے کمرے میں گھستی چلی آئی۔

بکھرے ہوئے ریشمی بالوں کے نیچے چمکتی ہوئی مخمور نگاہیں میرے چہرے پر جمیں تو میں ان کی تاب نہ لاسکا۔ مجھے ویرا کے ساتھ دن دہاڑے مے نوشی میں مصروف دیکھ کر اُس کے تیور خراب ہوگئے تھے۔ وہ چند ثانیوں تک مجھے گھورتی رہی پھر زبان سے ایک لفظ بھی کہے بغیر وہاں سے چلی گئی۔

"جل تو' جلال تو" میں نے بڑبڑاتے ہوئے اپنی کرسی چھوڑی تو ویرا زور سے ہنس پڑی۔

"کمرے میں جاؤ گے تو وہ تمہیں لات مار کر مسہری سے نیچے پھینک دے گی۔"

"میں اُس کے بھائی کی کمک لینے جارہا ہوں۔ وہ خبیث شاید ابھی تک گہری نیند سو رہا ہے۔"

"اسے قسم دے کر پوچھ لینا۔ اس کے بیشتر خوابوں میں' مَیں ضرور آتی ہوں گی۔"

میں نے سلطان شاہ سے اس کے خوابوں کے بارے میں تو نہیں پوچھا لیکن اسے گہری نیند سے بیدار ضرور کردیا۔ فلیٹ میں چہل پہل شروع ہوگئی۔ غزالہ نے مُنہ ہاتھ دھونے کے بعد باورچی خانہ آباد کردیا۔ میں سلطان شاہ کو مختصر سی لابی میں لے بیٹھا اور اتنی اونچی آواز میں اپنی کہانی سنانے لگا جو غزالہ کے کانوں تک بھی پہنچ سکے۔ ویرا کی موجودگی کی وجہ سے وہ اصل کہانی نہیں تھی لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دونوں' خالی جگہیں خود پُر کرلیں گے۔

اپنی انتھک محنت سے فضا کو سازگار بنانے کے بعد میں نے راولپنڈی پلان کا اعلان کردیا۔

ظفر کے بارے میں میرے اندیشوں سے ان سب کو یکساں واقفیت حاصل تھی اس لیے ویرا کی موجودگی کے باوجود ہم کھل کر اس سفر کی افادیت پر بحث کرتے رہے۔ مَیں ان میں سے کسی کو قائل تو نہیں کرسکا لیکن میں نے غزالہ کو اس امر پر ضرور آمادہ کرلیا کہ وہ دو چار روز کے لیے مجھے پنڈی جانے کی چھوٹ دے دے تاکہ میں اپنی سی آخری کوشش کرنے کے بعد 'اپنے ذہنی بوجھ سے چھٹکارا حاصل کرسکوں۔

"ویرا تمہاری فکر میں ساری رات شراب پیتی رہی ہے اور تھوڑی دیر پہلے تک' تمہارے ساتھ پی رہی تھی" آخر میں غزالہ نے تشویش کا ایک پہلو پیدا ہی کرلیا "باہر کی تازہ ہوا لگنے کے بعد اس پر نشہ چڑھنے لگا تو یہ ائرپورٹ پر ڈھیر ہو جائے گی۔ سفر کا ارادہ کل تک ملتوی کردو۔"

"میں اُن عورتوں میں سے نہیں ہوں جو شراب کی بوتل سونگھ کر ہی نشے میں لڑکھڑانے لگتی ہیں۔" ویرا نے فخر سے کہا "پھر میں غیر ملکی ہوں۔ تمہاری حکومت نے غیر ملکیوں کو خلوت میں شراب سے نہانے کی بھی اجازت دی ہوئی ہے۔ مجھ پر ہاتھ ڈالنے والوں کو میرے سفارت خانے کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"تمہارا سفارت خانہ!" سلطان شاہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا "وہاں ہیری کسنجر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ بہت دنوں سے تم کو اپنے چوہے دان میں بند کرنے کی فکر میں ہے۔"

"واہ!" ویرا نے بے ساختہ اس کی تعریف کرڈالی "کبھی کبھی تم سے عقل کی بات بھی سرزد ہوجاتی ہے۔ میں اُس ناہنجار کو بالکل ہی بھولی ہوئی تھی۔ اس یاددہانی کے لیے میں تمہاری شکرگزار ہوں۔"

اس بے ہودہ تعریف پر سلطان شاہ کا مُنہ بن گیا جیسے اس نے شکر کے دھوکے میں کونین کی گولی چبا ڈالی ہو "تم سے بات کرنا اوکھلی میں سر ڈالنے کے مترادف ہوتا ہے۔"

"سر ہر جگہ ڈالنے کے لیے نہیں ہوتا۔ تم میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ تم کبھی بھی کہیں بھی کوئی صحیح چیز نہیں ڈال سکتے۔ ہر کام صرف اپنے سر اور گز بھر کی زبان سے نکالنے کی کوشش کرتے ہو" ویرا نے اس کو تپانے کے لیے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ 'معنی خیز لہجے میں کہا۔

سلطان شاہ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس سے پیشتر کہ وہ کوئی سخت جواب دے کر خوش گوار ماحول کو مسموم کرتا' میں نے درمیان میں ٹانگ اڑادی اور ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "آپس میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ سلطان شاہ نے مذاق ہی مذاق میں تمہیں ایک اہم معاملے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ میں کل سے تمہیں یہی یاد دلانا چاہ رہا تھا۔ تمہیں اپنے دوستوں سے میل جول میں بھی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔"

"میں تو پہلے ہی سلطان شاہ کا شکریہ ادا کرچکی ہوں" ویرا معصومیت کے ساتھ بولی "مجھے حیرت ہے کہ میری کل شام کی بے احتیاطی نے رنگ کیوں نہیں دکھایا؟ اسلام آباد کے سفر میں مجھے زیادہ ہی محتاط رہنا ہوگا کیونکہ بیشتر سفارتی افسران' کراچی اور اسلام آباد کے درمیان سفر کرتے رہتے ہیں اور ان میں سے اکثر مجھ سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

اہم مواقع پر بھیس بدل کر لوگوں کو دھوکا دینا' ویرا کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس کی اپنی ڈریسنگ ٹیبل پوری طرح آباد تھی۔ رہی سہی کسر اس نے غزالہ کے سنگھار دان سے پوری کرلی اور ایک ڈیڑھ گھنٹے کی محنت کے بعد وہ بالکل ہی نئے روپ میں ہمارے سامنے تھی۔

اس نے جلد کو جھلسی ہوئی رنگت دینے والا ٹیننگ سولوشن استعمال کرکے اپنے جسم کے تمام کھلے ہوئے حصوں کی شہابی رنگت تبدیل کرلی تھی۔ ترشے ہوئے سنہرے بالوں کو سیاہ بالوں کی ایک وگ میں چھپالیا تھا جس کے ساتھ مغربی طرز کی مختصر سی چوٹی بھی لٹک رہی تھی۔ رنگین کانٹیکٹ لینسز کے استعمال نے اس کی نیلگوں آنکھوں کو بادامی رنگ دے دیا تھا اور یہ ساری تبدیلیاں اتنی بھرپور تھیں کہ اسے قریب سے دیکھنے میں بھی کسی خامی کا سُراغ لگانا ناممکن تھا۔ وہ ویرا کے طور پر پہچانی ہی نہیں جاسکتی تھی۔

ان تمام امکانی لیکن غیر ارادی تبدیلیوں کے بعد وہ اتفاقی طور پر اسپین یا پرتگال کی کوئی روایتی دوشیزہ نظر آنے لگی تھی۔ گھٹنوں سے نیچے تک آئے ہوئے کشادہ اسکرٹ' اونچے گلے کے ریشمی بلاؤز اور اسکارف نے اسے ایک قدامت پرست اور شرمیلی لڑکی کا روپ دے دیا تھا۔

"اس روپ میں تم شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤ گی" غزالہ نے تحسین آمیز نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "قدامت پسند لڑکیاں ایسی چیزوں سے دور رہتی ہیں۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" ویرا نے فراخ دلانہ قہقہے کے ساتھ کہا "قدامت پرست عورتیں اور لڑکیاں' دیہاتی راہبوں سے بہت مرعوب ہوتی ہیں۔ یہ بگڑے ہوئے راہب بہت بدمعاش ہوتے ہیں۔ شراب نوشی کو عبادت اور ارتکاز کا ایک لازمہ قرار دیتے ہیں۔ لڑکیاں ان کے نیم تاریک حجروں میں اپنے ایک گناہ کا اعتراف کرنے جاتی ہیں تو واپسی پر ان کے ذہنوں پر دو گناہوں کا بوجھ لدا ہوا ہوتا ہے۔ ایسی لڑکیاں روز شراب نہیں پیتیں لیکن جب پیتی ہیں تو پیتی ہی چلی جاتی ہیں۔ شہروں کے مقابلے میں یورپ کے دیہی علاقوں میں بسنے والی عورتیں اور لڑکیاں آج بھی بہت سادہ لوح اور مظلوم ہیں۔۔۔"

"اے! یورپ کی دیہاتی لڑکی! میں تجھے شراب پینے سے نہیں روکوں گا" میں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "لیکن خدا کے لیے یہ تقریر بند کردے ورنہ آدھے پاکستانی نوجوان کل ہی یورپ کے دیہاتوں کی طرف کوچ کرجائیں گے اور ہر ایک چرچ کا راہب بنا

بیٹھے گا۔"

"یہ لڑکیاں ایسی گری پڑی بھی نہیں ہوتیں کہ ہر کس و ناکس ان پر ہاتھ ڈال دے۔ وہ لڑا کا نہیں ہوتیں لیکن عزت کو خطرہ لاحق ہونے کی صورت میں ہاتھ پیر تک توڑ ڈالتی ہیں۔ انہیں ڈھب پر لانے کے لیے ایک خاص ہنر اور سلیقے کی ضرورت ہوتی ہے' جس میں بدمعاش راہب طاق ہوتے ہیں۔"

"اس روپ میں تمہارا نام کیا ہوگا؟" اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے ایک ایسا سوال داغ دیا جس کے جواب میں موضوع کا تبدیل ہونا ناگزیر تھا۔

"مِس سینتے کاسیلو!" وہ دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ بولی "یہ بہت دلکش نام ہے۔"

ویرا کی تیاری کے دوران میں موقع نکال کر میں نے غزالہ کو بتا دیا تھا کہ مافیا والے معاملے میں مجھے بے مثال کامیابی حاصل ہوئی تھی جس کے نتیجے میں حبیب جیوانی کا فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم واصل ہو چکا تھا لیکن میرے اور مافیا کے روابط کے بارے میں ان دونوں کو ویرا سے مکمل رازداری برتنی تھی۔

فون کرنے پر پی آئی اے کے ریزرویشن آفس سے پتا چلا کہ سات بجے اسلام آباد روانہ ہونے والی پرواز پر کافی نشستیں موجود تھیں اور ہم کمپیوٹر نمبر لے کر پونے پانچ بجے تک ائرپورٹ سے براہِ راست ٹکٹ خرید سکتے تھے۔ نمبر لینے کے بعد ہم نے فوراً ہی ائرپورٹ کی طرف دوڑ لگا دی کیونکہ اس وقت چار بج چکے تھے اور میں اس پرواز سے رہ جانے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

ویرا نے ائرپورٹ پہنچتے ہی اردو بھول کر مخصوص لب و لہجے میں انگریزی بولنی شروع کر دی۔ کمپیوٹر نمبر کے حوالے سے ہمیں سیلز کاؤنٹر سے کنفرمڈ ٹکٹ بھی مل گئے۔ پرواز میں خاصا وقت تھا اس لیے ہم چاروں ایک طرف کھڑے ہو کر باتیں کرتے اور کولڈ ڈرنک پیتے رہے اور چھ بجے غزالہ اور سلطان شاہ کو الوداع کہہ کر لاؤنج میں داخل ہو گئے۔

ہم دونوں چیک اِن کاؤنٹر سے بورڈنگ کارڈ لے کر پلٹے ہی تھے کہ ویرا کی توجہ اس سفید فام کی طرف مبذول ہو گئی جو لاؤنج میں داخلے کے بعد' اپنا سامان رکھنے کے لیے ایکسرے مشین کے سرے پر کھڑا ہوا تھا۔

وہ بانس کی طرح پتلا اور دراز قامت تھا۔ چھ فٹ سے نکلتے ہوئے' منحنی سے وجود پر لباس بے ہنگم انداز میں جھول رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ سفید فام بیشتر نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔

"یہ امریکی سفارت خانے کا ملٹری اتاشی' راڈنی گرے ہل ہے" ویرا نے سرگوشیانہ لہجے میں میری معلومات میں اضافہ کیا۔ "اس کا شمار طاقتور ترین سفارت کاروں میں ہوتا ہے کیونکہ اس کی آخری رپورٹ کے بغیر دونوں حکومتوں میں کوئی دفاعی یا فوجی خریداری کا معاہدہ نہیں ہو سکتا۔"

وہ اپنا مختصر سا سامان پٹے پر رکھ کر پورٹر کے ساتھ مشین کے آخری سرے پر آیا تو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرنے کے بجائے دوڑ رہا ہو۔

"یہ اتنا ہی اہم سفارتی افسر ہے تو اسے اِدھر آنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ وی آئی پی لاؤنج استعمال کر سکتا تھا" میں نے حیرت کے ساتھ کہا۔

"یہ کچھ سنکی واقع ہوا ہے۔ عام لوگوں میں گھل مل کر عوامی انداز میں کام کرنے کا دعوے دار بنا پھرتا ہے لیکن اس کی پیشانی پر ہر وقت سیکڑوں شکنیں پڑی رہتی ہیں۔ یہ چند برس پہلے میرا بوائے فرینڈ رہ چکا ہے۔"

"کیوں میرا خون جلا رہی ہو' اس بانس میں ہڈیوں اور چمڑے کے علاوہ رکھا ہی کیا ہے جو یہ کسی کا بوائے فرینڈ بننے کے قابل ہو۔ الو کا پٹھا' بانس کی اولاد!" میں نے جل کر کہا۔

وہ میرے شانے سے سر ٹکا کر' کھلکھلا کر ہنس پڑی "میں میک اَپ میں نہ ہوتی تو یہ تیر کی طرح میری طرف آتا اور ہائے ڈارلنگ کہہ کر جونک کی طرح مجھ سے چمٹ جاتا۔"

"اور تم اس تصور ہی میں مری جا رہی ہو!" میں نے چڑ کر کہا اور اس کا بازو تھام کر آگے چل دیا۔

طیارے میں سوار ہونے کے بعد اس سنکی امریکی سفارت کار کا عوامی انداز کا دعویٰ دھرا کا دھرا رہ گیا کیونکہ وہ فرسٹ کلاس میں سفر کر رہا تھا جہاں اسے ٹوکنے والا کوئی نہیں تھا۔

دورانِ پرواز مجھے اپنی سنگین حماقت کا احساس ہوا کہ میں نے اول خان سے ظفر کے دفتر کا پتا لیا تھا اور نہ فون نمبر۔ مجھے اپنی غیر حاضر دماغی پر خاصا تاؤ آیا لیکن میں نے ویرا سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ ہوٹل سے اوّل خان کو فون کر کے بھی وہ معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں۔

اسلام آباد کے ایک بڑے ہوٹل میں پہنچے تو پتا چلا کہ جمعرات کی شام تک وہاں کوئی کمرا ملنے کی امید نہیں تھی۔ وہاں کے پبلک فون سے دوسرے ہوٹل فون کیا تو انہوں نے دو دن بعد رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔

میں بھنا کر پلٹا ہی تھا کہ فون کے قریب منڈلاتا ہوا ایک پستہ قامت شخص میرے پاس آگیا "میں بہترین اکاموڈیشن کا بندوبست کرا سکتا ہوں' سراگھر جیسا آرام اور کرایہ آدھے سے بھی کم۔"

میں نے استفسار طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو اس نے انگریزی میں مجھے اپنے ساتھ آنے کا مشورہ دیا۔ راستے سے ویرا بھی میرے ساتھ ہو لی اور میں نے اسے صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔

ہوٹل کے برآمدے سے اترنے کے بعد وہ شخص ایک نیم روشن گوشے میں گملوں کے قریب رک گیا "سیکٹر ایف ایٹ میں

حسین و جمیل جنگل کے کنارے، آبادی کے سرے پر سات کمروں کا گیسٹ ہاؤس ہے۔ فل کارپٹ، کنگ سائز بیڈ، روم ہیٹر، شاور، گرم ٹھنڈا پانی، صبح کا ناشتا اور کرایہ صرف سات سو روپے!" اس کی زبان کشینی انداز میں چل پڑی "یہ مرگلہ کے دامن میں بہترین گیسٹ ہاؤس ہے جسے مس روحی چلاتی ہیں۔"

"باقی سہولتیں؟" میں نے بائیں ہاتھ کا انگوٹھا اپنے دہانے کی طرف لے جاتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ، لیس!" وہ خوش ہو کر بولا "ہر چیز ان ہاؤس دستیاب ہے۔ گاڑی، فون اور ویڈیو سے لے کر اسکاچ تک، ہر چیز فراہم کی جاتی ہے اور کمروں میں مکمل پرائیویسی ہے۔"

اس نے دو مرتبہ "ہر چیز" پر زور دیا تھا اس لیے میں نے آہستہ سے اردو میں پوچھا "لڑکی وڑکی؟"

اس نے ایک نظر ویرا کی طرف دیکھا جو کہیں اور کھوئی ہوئی تھی پھر میری طرف جھک کر بولا "لوکل سے فارن تک، سب مل جائیں گی۔ میرا یہ کارڈ دکھائیں گے تو مس روحی آپ کو ہر لڑکی کی تصویروں کا البم دکھا دیں گی۔ ان کی لڑکیوں کا ہر ہفتے میڈیکل چیک اپ ہوتا ہے۔ کال پر آنے والیاں اپنا فٹ نیس سرٹیفکیٹ ساتھ لاتی ہیں۔ ایسی سروس پورے شہر میں کہیں اور نہیں ملے گی۔ کالوں کی وجہ سے اب ہلکی پھلکی تفریح بھی موذی بیماریوں کی زد میں آتی جارہی ہے۔ یہ لوگ پیسے کے ساتھ ساتھ ایڈز جیسی بیماری بھی ساتھ لاتے ہیں۔ مس روحی کے گیسٹ ہاؤس میں کالوں کے داخلے پر سخت پابندی ہے، اسی لیے وہ محفوظ ہے۔" اس نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر میرے حوالے کردیا۔

میرے لیے وہ انکشاف حیران کن تھا کہ اس شہر میں وہ گندے دھندے اس قدر منظم پیمانے پر فروغ پارہے تھے اور مقتدر طبقے اپنی ناک کے نیچے دیکھنے سے قاصر تھے۔ مجھے اس شخص کی باتوں میں دلچسپی محسوس ہونے لگی۔

"تم نے میرے دل میں مس روحی کے لیے تجسس پیدا کردیا ہے۔ وہ اپنی تصاویر کا البم بھی دکھائیں گی؟" میں نے اسی جیسی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

وہ ہولے سے مسکرا دیا اور قدرے شرما کر بولا "وہ بہت شریف خاتون ہیں۔ مستقل مہمانوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ پر انہوں نے ان تمام آسائشوں کا بندوبست کیا ہے۔ وہ خود تو صرف گیسٹ ہاؤس چلاتی ہیں۔ آپ کے ساتھ یہ خوب صورت لڑکی ہے۔ آپ کو بھلا لڑکیوں کی کیا ضرورت ہوگی؟"

"یہ تو جہاز سے ساتھ ہوگئی ہے۔ ایک دو دن میں دل بھر گیا تو مس روحی سے بات کرنی ہوگی۔"

"میں کسی وقت آپ سے ملوں گا" وہ مسلسل چرب زبانی کا مظاہرہ کیے جارہا تھا "آپ کا دل بھر جائے تو اسے مس روحی سے ملادیجیے گا۔ یہ خوشی سے ان کے ساتھ رہنا پسند کرے گی۔ اسے عزت اور تفریح کے ساتھ معقول آمدنی بھی حاصل ہوگی۔ دو ایک لڑکیوں کو تو ایک وزیر صاحب مقامی شہرت بھی دلوا چکے ہیں۔"

وہ انتہا تھی۔ میرے خون میں اچانک ہی حدت پیدا ہونی شروع ہوگئی اور میں نے اس سے فوراً ہی ٹیکسی منگوانے کا مطالبہ کردیا۔ اس نے فضا میں ہاتھ لہرایا اور فوراً ہی کہیں سے ایک چمکتی ہوئی سفید کار نمودار ہو کر ہمارے قریب آرکی۔ ایک عقبی دروازہ ڈرائیور نے کھولا، دوسرا اس مہربان نے خوشامدانہ انداز میں کھول دیا اور اس وقت تک بند نہیں کیا جب تک میں نے اندر بیٹھنے کے بعد اسے سو روپے کا نوٹ نہیں دے دیا۔

"مس روحی کے گھر جانا ہے" مجھے سلام کرنے کے بعد اس نے ڈرائیور کو ہدایت دی اور گاڑی چل پڑی۔

روشن اور کشادہ سڑکوں کے اس شہر میں سفر کرتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم دونوں کسی تاریک اور گندے گڑھے میں گرنے جارہے ہوں لیکن اقامتی سہولتوں کے فقدان کی وجہ سے اس وقت وہ گندہ گڑھا بھی غنیمت تھا ورنہ پنڈی ہی بھاگنا پڑتا۔

مس روحی نہایت پُرکشش اور باوقار خاتون نظر آرہی تھی۔ سر کے بالوں کی آرائش سے لے کر لباس کی تراش خراش اور انتخاب تک میں اعلیٰ ذوق جھلک رہا تھا۔ اس کی عمر تیس برس سے قدرے متجاوز رہی ہوگی لیکن اس نے میک اپ اور سج دھج کے سہارے کسی لڑکی کا روپ دھارا ہوا تھا۔ اگر مجھے اس کے کاروبار کے بارے میں پیشگی علم نہ ہوچکا ہوتا تو میں یقیناً اس کو وہی تعظیم دیتا جو حسن پرست، پارسا حسینوں کو دیا کرتے ہیں۔

گیسٹ ہاؤس کی مالکہ ہونے کے ساتھ منتظمہ بھی وہ خود ہی تھی۔ گیسٹ ہاؤس تین منزلوں پر مشتمل تھا۔ گراؤنڈ فلور اور پہلی منزل کے علاوہ ایک تہ خانہ بھی تھا جو شاید بقیہ عمارت سے کہیں زیادہ حسین تھا۔ آبادی کے سرے اور خودرو جنگل کے آغاز پر واقع وہ مکان ایک پہاڑی کے سرے پر واقع تھا جس کی وجہ سے تہ خانہ تین اطراف سے سنگلاخ دیواروں سے گھرا ہوا تھا لیکن جنگل والی چوتھی سمت میں وہ سطح زمین پر ابھرا ہوا تھا۔ خودرو جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی پتھریلی ڈھلانوں اور اس سے آگے گنجان جنگل کے حسین نظارے کے لیے اس سمت میں شیشے کی دیوار بنائی گئی تھی جس کے باہر مضبوط آہنی گرل نصب تھی۔ اندر حریری اور دبیز اقسام کے دوہرے پردے تھے جن کی مدد سے اس خواب گاہ میں حسب مرضی ماحول پیدا کیا جاسکتا تھا۔ اتفاق سے اس وقت وہی ایک زیریں خواب گاہ خالی تھی۔ اس سے ملحقہ کمرے میں کوئی سرکاری افسر مقیم تھا۔

اس مکان کی تعمیر کچھ ایسی تھی کہ ہر منزل سے نکاسی کے دو راستے تھے۔ ان میں سے ایک لابی اور استقبالیہ سے ہو کر گزرتا تھا

اور دوسرا راستہ براہِ راست اس گلی نما گیراج میں کھلتا تھا جو اچانک سے شروع ہو کر مکان کی عقبی دیوار تک محیط تھا۔
وہاں ہوٹل جیسی رسمی کارروائیاں نہیں تھیں۔ مس روحی اپنی ڈائری لے کر ہمارے ساتھ ہی اس کمرے میں آگئی۔ وہ مجھ سے زیادہ ویرا پر توجہ دے رہی تھی اور عجیب سی مسکان کے ساتھ مسلسل اسی کو دیکھے جا رہی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ہمیں وہاں بھیجنے والا دلال، ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی روحی کو ہمارے کوائف سے آگاہ کر چکا تھا۔ روحی کی نظروں میں، مَیں تو بس چند دنوں کا خریدار تھا جب کہ ویرا کے روپ میں اسے ایک ایسا پنچھی نظر آرہا تھا جو اس کی چھتری پر آبیٹھا تھا اور وہ کئی مہینوں بلکہ سالوں کے لیے اسے پھانسنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔
روحی نے اپنی ڈائری میں صرف میرا نام لکھا، میں نے اسے دو ہزار روپے پیشگی دیے اور پھر وھسکی کی فرمائش کر ڈالی۔ دراصل مجھے صبح جن پینے کی وجہ سے میرا سر بھاری ہو رہا تھا جس کا توڑ وھسکی سے ہی ہو سکتا تھا۔ روحی نے کشش انگیز مسکراہٹ کے ساتھ چند نام گنوا دیے "آپ کون سی پینی پسند کریں گے؟" اس نے انگریزی ہی میں گفتگو جاری رکھی تھی کیونکہ ویرا بدستور اردو سے ناآشنا بنی ہوئی تھی۔ آپ جناب کا اظہار اس کے لب ولہجے سے ہی کیا جا سکتا تھا ورنہ اس کا لفظی خطاب تم تک محدود تھا کیونکہ انگریزی میں گالی کھانے اور عزت مآب کہلوانے والے کے لیے تو، تم اور آپ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ تو کا زمانہ شیکسپیئر کے ساتھ لد گیا تھا اور محمود و ایاز کے لیے ایک ہی صف باقی رہ گئی تھی۔
"اپنی مرضی سے منگوا لو" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "لیکن دس منٹ بعد۔"
"ہاں، تمہیں فریش اَپ بھی تو ہونا ہے۔ میں بلیو لیبل یا رائل سلیوٹ لے آتی ہوں" وہ خود ساقی گری پر آمادہ تھی۔
"ان کا خمار صبح سے پہلے نہیں چڑھے گا اور کل کام کا دن ہے۔ بلیک لیبل یا شیواز ٹھیک رہے گی۔"
میں نے مختصر الفاظ میں ویرا کو ملمع کے نیچے چھپے ہوئے اس بھگڑ خانے کی اصلیت کے ساتھ ہی اپنے اس جھوٹ سے بھی آگاہ کر دیا جو میں نے اس کے بارے میں بولا تھا۔ ویرا وہ سب سن کر خوش ہو گئی۔ اس کا خیال تھا کہ تبدیلی کے لیے وہ ایڈونچر اچھا رہے گا۔
اسی اثنا میں، میں نے نو کا ہندسہ ڈائل کر کے لائن حاصل کی اور پھر اول خان کا نمبر ملانے لگا۔
پچھلی رات کی کارگزاری کے بکھیڑے سمیٹنے کے چکر میں وہ اس وقت بھی اسٹیشن فور پر ہی موجود تھا۔ وہ کئی سیکنڈ تک یقین نہیں کر سکا کہ میں اچانک ہی اسلام آباد پہنچ چکا تھا۔

"کم از کم مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم وہاں کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" آخر کار اُس نے سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔ فی الحال تو صرف ظفر سے ملنے کا ارادہ ہے۔ اس کے دفتر کا پتا درکار ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ بے کار ہوگا۔ اس کا دفتر نوانٹری زون میں ہے۔ وہاں چڑیا کا بچہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ تم اسے فون کر لینا۔ وہ خود تم سے ملاقات کی کوئی راہ نکال لے گا۔"

اول خان مجھ سے الجھ رہا تھا جب کہ میں زیادہ وقت برباد کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے اس سے ظفر کے دفتر کے دو نمبر لینے کے بعد گفتگو کو مختصر کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔

ریسیور رکھتے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف سے روحی بول رہی تھی اور اس کی آواز میں خمار آلود بھاری پن نمایاں تھا "نادر صاحب! آپ ذرا سی دیر کے لیے میرے پاس آ سکتے ہیں؟"

"ابھی تو میں باتھ روم خالی ہونے کا انتظار کر رہا ہوں کیا بات ہے؟"

"میں دخل اندازی پر معذرت خواہ ہوں" اُس کے لہجے میں لگاوٹ کا عنصر بڑھ گیا "دراصل میں آپ کو تین البم دکھانا چاہ رہی تھی، فون پر یا آپ کے روم میں یہ بات نہیں ہو سکتی۔"

"آج رات تو میں اس البم کو دیکھنا چاہوں گا جو میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ اس سے مایوسی ہوئی تو میں کل ضرور بات کروں گا مگر تمہارے ایجنٹ نے تو کہا تھا کہ تم اس کا کارڈ دیکھے بغیر کسی پر اعتماد نہیں کرتیں؟"

"آپ کی بات اور ہے" اس کی آواز دھیمی ہو گئی "حنیف نے مجھے فون پر سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"مجھے یہ جاننے میں گہری دلچسپی ہے کہ کیا میں تمہاری تصاویر بھی دیکھ سکوں گا؟"

وہ دھیمے سے ہنس پڑی اور بُرا مانے بغیر بولی "میں پروفیشنل نہیں ہوں لیکن آپ کو دیکھنے کے بعد دوستی کرنے کی خواہش پیدا ہو گئی ہے۔ کوئی زندہ پیکر سامنے ہو تو اس کی تصاویر کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں یہاں اچھا وقت گزار سکوں گا" میں نے خوش دلی سے کہا "فی الحال تو مجھے اسکاچ کا انتظار ہے۔ مس سینتے کا سیلو باتھ روم سے نکلنے ہی والی ہے۔"

"میں پانچ منٹ میں سامان بھجواتی ہوں۔ میرے پاس صرف شیواز رہ گئی ہے۔"

"وہی چلے گی، لیکن تم تو خود ساقی گری کے موڈ میں آئی ہوئی تھیں...."

اس نے خوش خلقی سے میری بات کاٹ دی "میں کباب میں ہڈی بننا پسند نہیں کروں گی۔ آج سینتے نے آپ کو بہت زیادہ متاثر کیا ہوا ہے۔ آج اسے دیکھ لیں، ہم کل بھی مل سکتے ہیں۔"

"تم حسین ہونے کے ساتھ ہی بہت سمجھ دار بھی ہو۔ ایسا کم ہی دیکھنے میں آتا ہے۔"

"شکریہ اور شب بخیر!" اس نے معنی خیز لہجے میں وہ فقرہ ادا کر کے انٹرکام بند کر دیا۔

چند روز پہلے کی بات تھی کہ میں بینکاک میں ہونے والے گھناؤنے دھندوں کے بارے میں سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا تھا۔ جہاز پر سفر کے دوران ٹکرانے والی روزی نامی تھائی نائکہ کی شرمناک سرگرمیوں نے مجھے حیران کر دیا تھا کہ کھلے بندوں، جسموں کا بیوپار کرنے والی اس قوم کے معزز لوگ اپنے قومی افتخار کو کیسے بحال رکھتے ہوں گے اور اب مس روحی میرے سامنے تھی، جو کم و بیش ان ہی پیشہ ورانہ خطوط پر دولت بٹورنے میں مصروف تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ہمارے ملک میں روحی جیسی عورتوں کی بہتات نہیں تھی۔ وہ چوری چھپے اور چیدہ چیدہ حلقوں میں گلشن کا کاروبار چلا رہی تھیں جہاں تک رسائی عام آدمی کے بس میں نہیں تھی لیکن تھائی لینڈ میں عموماً اور بینکاک میں خصوصاً دنیا کے اس قدیم ترین پیشے کو ایک اعتبار سے گھریلو صنعت کا درجہ حاصل تھا اور عیاشی کی سہولتیں، مقامی و غیر ملکی یا قلاش و لکھ پتی کے امتیاز کے بغیر ہر کس و ناکس کو حاصل تھیں۔ بڑھیا مال کے اونچے دام وصول کیے جاتے تھے اور چالو مال آٹھ، دس امریکی ڈالروں میں بھی ہاتھ آ جاتا تھا۔ مس روحی کا راستہ وہی تھا لیکن غنیمت تھا کہ یہ لعنت ابھی گنے چنے قحبہ خانوں تک ہی محدود تھی۔

ہماری خواب گاہ یا کمرے میں منی بار موجود تھا۔ چھوٹے سے ریفریجریٹر میں کولڈ ڈرنک اور سوڈے کی بوتلوں کے علاوہ پانی، برف اور پنیر کے پارچے موجود تھے۔ ان میں سے کسی شے میں الکحل شامل نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک عورت خوب صورت ٹوکری میں شیواز ریگل کی بوتل، دو چمکتے ہوئے گلاس اور آئس پاٹ لے آئی۔ ایک پلیٹ میں مونگ پھلی کے نمکین دانوں اور بھنے ہوئے غیر ملکی کاجو کی تھیلیاں بھی موجود تھیں۔ روحی صرف شراب ہی فراہم نہیں کرتی تھی بلکہ ایک اچھی میزبان کی طرح مے نوشی کے لوازم کا بھی خیال رکھتی تھی۔

اندر سے دروازہ بولٹ کر کے، ہم دونوں شیشے کی دیوار کے ساتھ پڑی ہوئی میز کے گرد بیٹھ گئے۔ مکان کے اوپری حصے سے سرسبز جنگل پر روشنی ڈالنے کا انتظام تھا جس کی وجہ سے دور تک پھیلے ہوئے جنگل کا خاصا حصہ واضح طور پر نظر آ رہا تھا جب کہ ہمارے دوسرے پہلو پر آرام دہ بستر اور دیگر آسائشیں میسر تھیں۔ اس حسین اور رومان پرور ماحول کا ہوٹل کی ہنگامہ خیز زندگی سے موازنہ کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ اسکاچ کا پہلا لارج پیگ ختم کرنے کے دوران میں ہم دونوں، روحی، اس کے دلال اور ان لوگوں کے منظم کاروبار کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ اس

دوران میں ہمیں جنگل میں چند بھیڑیے بھی اِدھر اُدھر بھاگتے نظر آئے۔ آبادی سے ملحق جنگل میں حیوانی زندگی کے وہ آثار اس ماحول کو پُراسرار بنا رہے تھے۔

گلاس خالی کر کے میں نے فون سنبھال لیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ظفر فرض شناس افسر ہونے کے ساتھ ہی مجرد بھی تھا اور اپنی راتیں دفتر کے قریب ہی گزارنی پسند کرتا تھا۔ اس وقت رات کے دس بجنے والے تھے لیکن اس سے رابطہ ہونے کی موہوم سی امید میں' میں نے اس کا نمبر ملا ہی لیا۔

تیسری گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔ وہ ایس ٹی ایف کا کوئی گارڈ وغیرہ تھا۔ اس نے ظفر کا نام سنتے ہی مجھے لائن ہولڈ کرنے کے لئے کہا اور چند سیکنڈ بعد ظفر لائن پر آگیا۔ اول خان کی طرح وہ بھی یہ جان کر حیران رہ گیا کہ میں اسلام آباد میں موجود تھا۔ میں نے اس پر یہی ظاہر کیا تھا کہ میں کسی ذاتی کام کے سلسلے میں وہاں آیا تھا اور اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر اُس سے ملاقات کرنی چاہ رہا تھا' میں نے ویرا یا اپنے ساتھ آئی ہوئی کسی لڑکی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ظفر کو شاید بلیک ہاک آپریشن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا کیونکہ اُس نے اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔

دیر ہوجانے کے باوجود وہ اسی وقت آنے کے لئے آمادہ تھا اس لئے میں نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی اور گیسٹ ہاؤس کا پتا دینے کے بعد فون بند کردیا۔ اس نے آدھے گھنٹے میں پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔

میں ویرا کے ساتھ ظفر سے ملاقات کا پروگرام طے کرنے میں مصروف ہوگیا۔ میں نے روحی کو اطلاع دے دی تھی کہ میرا ایک مہمان آنے والا تھا جس کے پہنچتے ہی مجھے اطلاع دے دی جائے تاکہ میں اوپر جا کر اسے خوش آمدید کہہ سکوں۔

ظفر مقررہ وقت سے کئی منٹ پہلے گیسٹ ہاؤس پہنچ گیا۔ پروگرام کے مطابق ویرا باتھ روم میں جا گھسی اور میں کمرے سے نکل کر اوپر چلا گیا۔ وہاں مختصر سی لابی میں ایک جوڑا صوفے پر بیٹھا' راز و نیاز میں مصروف تھا۔ روحی اپنی اُدھیڑ عمر ملازمہ کے ساتھ کاؤنٹر پر مصروف تھی اور ظفر ٹہل رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ مجھے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔

ظفر کے سانسوں میں الکحل کی موہوم سی بو رچی ہوئی تھی جس نے مجھے چونکا دیا۔ اس نے میرے سامنے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اور میں اسے زاہد ہی سمجھتا چلا آرہا تھا۔ اگر زُہد کے چھلکے میں رِند چھپا ہوا تھا تو میرے کمرے میں اس کے امتحان کا پورا بندوبست تھا۔

میں اُسے اپنے ساتھ کمرے میں لے آیا۔ اندر قدم رکھتے ہی' شیشے کی دیوار کے اس پار نظر آنے والا جنگل کا نیم روشن منظر دیکھ کر وہ مبہوت سا رہ گیا "یہ تو بہت حسین جگہ ہے لیکن خطرناک بھی ہے۔ اس جنگل میں گیدڑ اور جنگلی سؤر بکثرت پائے جاتے تھے لیکن قرب و جوار میں آبادی بڑھنے کی وجہ سے ان کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے۔ پھر بھی یہ جانور بھوکے ہوں تو شیشہ توڑ کر اندر آسکتے ہیں۔"

"شیشے کے پیچھے لوہے کی مضبوط گرل لگی ہوئی ہے"۔ میں نے وضاحت کی۔ کمرے میں روشنی کم ہونے کی وجہ سے وہ گرل پر غور نہیں کرسکا تھا "اس کمرے کا حسن یہی ہے کہ اندر ملگجے سے اجالے میں محفل سجی ہو اور باہر پورے چاند کی رات ہو۔ یہ مکان بنانے والے نے لوکیشن کا بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔"

"اندر بوتل کے ساتھ ایک حسینہ ہو" اس نے شیشے کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قہقہہ مار کر کہا "اور باہر گیدڑوں کا غول ہوا ہو کر رہا ہو تو یہ منظر مکمل ہوجاتا ہے۔"

"بوتل سے شوق ہو تو شیواز حاضر ہے" میں نے فوراً ہی اسے پیش کش کی۔

"تنہائی زیادہ کھلتی ہے تو کبھی کبھار تھوڑی سی پی لیتا ہوں۔ آج ایک پیگ لیا تھا۔ تھوڑی سی چل جائے گی" اس نے بلا جھجک میری دعوت قبول کرلی۔ میں نے دانستہ اسے ایسی کرسی پیش کی کہ اس کا رخ باتھ روم کے دروازے کی طرف رہے اور ویرا باہر آتے ہی اسے دیکھ سکے۔

"اس کمرے میں تمہارے ساتھ اور کون ہے؟" اس نے میز پر رکھے ہوئے دو گلاسوں کو دیکھ کر متجسس انداز میں گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے سوال کیا۔ اس کی توجہ کا مرکز دوسرا گلاس تھا جس کے سرے پر ویرا کی گہری لپ اسٹک کے ہلکے ہلکے داغ نظر آرہے تھے۔

"ایک لڑکی ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "اُسی کے کام سے یہاں آیا ہوں۔"

"پھر تو بس باہر ہونکتے ہوئے گیدڑوں کی کمی ہے" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا "تم ہمیشہ اپنا گھر پورا رکھتے ہو" پھر اس نے چونک کر سوال کیا "وہ تمہارے مکاؤ کے سفر کا کیا بنا؟ میں تو تمہاری واپسی سے پہلے ہی ادھر آگیا تھا۔"

"بہت تہلکہ خیز سفر تھا۔ کبھی فرصت سے مل بیٹھنے کا موقع ملا تو وہ کہانیاں سناؤں گا۔ آخری نتیجہ یہ تھا کہ غزالہ وہاں سے میری بیوی بن کر لوٹی ہے" میں نے اپنے اور اس کے لئے اسکاچ انڈیلتے ہوئے کہا۔

اس نے گرم جوشی سے مجھے مبارک باد دی' جس کا میں حق دار تھا لیکن اس سے ملاقات کے بعد میری خلش میں کچھ اور اضافہ ہوچکا تھا۔ اوپر بھی اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے مجھے بے نام سی الجھن ستا رہی تھی۔

"تمہاری ساتھی لڑکی کہاں ہے؟" اُس نے اپنے گلاس سے چھوٹا سا گھونٹ لے کر پوچھا۔

"باتھ روم میں ہے" میں نے منہ بنا کر کہا "جہاز پر شوق میں پاکستانی کھانا کھالیا تھا۔ مرچوں نے ہاضمہ الٹ کر رکھ دیا ہے۔ اب دیکھو کب تک نخرے دکھاتی ہے؟"

"کوئی غیر ملکی ہے؟" اس نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"یورپ سے آئی ہے۔ مس سینتے کاسیلو نام ہے۔ دلکش لڑکی ہے لیکن اس کے ہاضمے کی خرابی نے میرا سارا موڈ چوپٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ دو دن بعد وہ واپس چلی جائے گی۔"

"بدہضمی واقعی بہت غیر رومانی بیماری ہے۔ اس تکلیف میں اسے اسکاچ سے پرہیز کرنا چاہئے۔"

"وہ تو اسی کو اپنی بیماری کا شافی علاج قرار دے رہی ہے" میں نے کہا۔

اسی لمحے میرے عقب سے ایک تحیر زدہ آواز ابھری۔ ویرا کے کہے ہوئے فقرے کے الفاظ میرے لئے ناقابل فہم تھے لیکن میں جانتا تھا کہ اس نے ظفر کو دیکھتے ہی ہسپانوی زبان میں اسے پہچان لینے کا دعویٰ کیا تھا۔

میری عقابی نگاہیں ظفر کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ویرا کے الفاظ سنتے ہی اس کا چہرہ دھواں ہو گیا تھا اور آنکھوں میں خوف کے سائے تیر گئے تھے لیکن اس نے لحہ بھر میں ہی خود کو سنبھال لیا تھا "یہ کیا کہہ رہی ہے؟" اس نے کھوکھلی ہنسی کے ساتھ مجھ سے سوال کیا۔

"پتا نہیں" میں نے بے پروائی سے شانے اچکا کر کہا "کبھی کبھار اپنی مادری زبان بولتی رہتی ہے۔"

اسی اثنا میں ویرا اٹھلاتی ہوئی ہماری میز کے قریب آ گئی۔ ظفر مسلسل اسی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے تشویش اور پریشانی جھلک رہی تھی۔ میں نے انگریزی میں ان دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا۔ انہوں نے تپاک سے ہاتھ ملائے لیکن ظفر کا چہرہ سرد اور بے جان ہو چکا تھا۔ وہ مسلسل ویرا کو گھورے جا رہا تھا۔

"کیا تم ہسپانوی زبان جانتے ہو؟" ویرا نے اس کی بے رحمانہ نظروں کی پروا کیے بغیر انگریزی میں سوال کیا۔

"میں نے کافی عرصہ کولمبیا میں گزارا ہے لیکن بدقسمتی سے ہسپانوی زبان کا ایک فقرہ بھی نہیں سیکھ سکا" ظفر نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا "ہاں، نہیں اور شکریہ جیسے دس پانچ الفاظ ضرور سیکھ لیے تھے لیکن تم یہ سوال کیوں پوچھ رہی ہو؟ میں اپنے چہرے مہرے سے ہسپانوی تو نہیں لگتا۔"

ویرا بے خوفی کے ساتھ ہنس پڑی۔ اس نے پورے کمال کے ساتھ اپنی آواز ہی نہیں، ہنسی تک بدل لی تھی "ڈینی نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تم کئی سال بوگوٹا میں رہے ہو۔ وہاں رہ کر آدمی تھوڑی بہت زبان سیکھ ہی لیتا ہے۔"

"بیٹھ کر باتیں کرو" ظفر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے، دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "تم اچھی اور دلچسپ لڑکی معلوم ہوتی ہو۔ کیا تم نے کبھی کولمبیا کا سفر کیا ہے؟"

"میرے پیٹ میں گڑبڑ ہو رہی ہے" اس نے پروگرام کے عین مطابق معذرت کر لی "میں اوپر جا کر کوئی دوا تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہوں، ورنہ میری یہ رات بستر کے بجائے باتھ روم ہی میں گزرے گی۔"

"اوہ! ایسی نازک صورتِ حال میں، میں تمہیں روکنے کی کوشش ہرگز نہیں کروں گا۔"

وہ ہم دونوں کی طرف ہاتھ لہراتی ہوئی، کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ اس بہانے سے اسے روحی کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا سنہرا موقع مل گیا تھا جبکہ روحی بھی اسے اپنی کال گرلز کی ٹولی میں شامل کرنے کے لئے موقعے کی تلاش میں تھی۔

ویرا کے جانے کے بعد، ظفر کافی دیر تک اپنا گلاس دونوں ہتھیلیوں میں دبائے، خالی الذہنی کے عالم میں خاموش بیٹھا رہا۔ اور میں اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر اس کے ان ہاتھوں کا جائزہ لیتا رہا جن کی لکیروں نے اس کی ذات کے گرد مضبوط تر دفاعی حصار قائم کیا ہوا تھا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" آخر کار ظفر نے ہی وہ سکوت توڑا "اس کے خدوخال میں ویرا کی کافی مشابہت موجود ہے۔ اگر اس کا رنگ اور حلیہ بدل دیا جائے تو یہ بالکل ویرا معلوم ہو گی۔"

"تم آواز کو بھول رہے ہو" میں نے اسے یاد دلایا "ویرا کی آواز میں مٹھاس اور لوچ ہے۔ سینتے آواز کے اس حسن سے یکسر محروم ہے۔ ویسے تمہارا اندازہ درست ہے۔ سینتے، ویرا کی فرسٹ کزن ہے۔"

"فرسٹ کزن!" اس نے حیرت سے کہا "ویرا کا تو کوئی خاندان ہی نہیں تھا۔"

"باپ کی طرف سے واقعی خاندان نہیں ہے۔ سینتے اس کی سگی خالہ زاد بہن ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ دونوں لڑکیاں اپنی ننھیال پر گئی ہیں۔" وہ پُرخیال انداز میں بڑبڑایا پھر اس نے اچانک گلاس اٹھا کر، دو بڑے بڑے مسلسل گھونٹوں میں خالی کر دیا۔

"ان پر لعنت بھیجو" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا "اور یہ بتاؤ کہ بلیو کراس ڈیل کا کیا ہو رہا ہے؟"

"سامان دھیرے دھیرے منتقل ہو رہا ہے لیکن سینتے تمہارے ساتھ کیا کر رہی ہے؟" اس کا ذہن بدستور ویرا ہی میں الجھا ہوا تھا اور وہ کسی اور موضوع پر بات کرنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ ویرا سے شباہت کی بنا پر اب سینتے تمہیں پسند آ گئی ہو؟" میں نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

وہ اچانک ہی سنبھل گیا اور ہنستے ہوئے بولا "اب میری وہ عمر

نہیں رہی جب ہر خوب صورت لڑکی سے عشق کرنے کو دل مچلتا ہے۔ یہ شوق اب تم ہی کو سجتا ہے.... اچھا اب میں چلتا ہوں" وہ اچانک ہی کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا۔

"ارے، ابھی تو تم آئے ہو اور اتنی جلدی جا رہے ہو۔ میں تو دو چار گھنٹے باتیں کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"بس تمہارا فون ملا تو بے دھیانی میں دوڑا چلا آیا۔ مجھے صبح جلدی بیدار ہونا ہے۔"

"پھر بھی ایک گلاس تو اور لو۔ ابھی تو سُرور بھی نہیں آیا ہوگا۔" میں نے اصرار کیا۔

"پھر سہی، اب مجھے اجازت دو" اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھادیا۔ وہ ایک دم ہی روانگی پر تل گیا تھا۔

"آؤ!" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا "میں تمہیں باہر تک چھوڑ دوں گا۔"

زینے طے کرتے ہوئے، ہمارے درمیان قدرے کشیدگی جنم لے چکی تھی۔ اگر وہ ظفر ہی تھا تو پھر اس کی کشیدگی کا کوئی سبب نہیں تھا۔ ویرا کے نمودار ہونے کے بعد سے اس کے رویے میں عجیب سی تبدیلی رُونما ہو چکی تھی۔

ہم اوپر پہنچے تو لابی خالی تھی اور استقبالیہ کاؤنٹر پر اُدھیڑ عمر عورت براجمان تھی۔ ظفر نے وہاں رک کر متجسس انداز میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ اسے واضح طور پر ویرا کی تلاش تھی لیکن وہ مجھ سے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکا اور ہم دونوں برآمدہ عبور کر کے بغلی پورچ میں اتر گئے جہاں ظفر کی گاڑی موجود تھی۔

"کل کس وقت ملاقات ہوگی؟" میں نے اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے سوال کیا۔

"وعدہ نہیں کر سکتا۔ جب وقت ملا، فون کرلوں گا۔ تم موجود ہوئے تو آجاؤں گا۔"

"کیوں نہ ہم تمہارے دفتر کا چکر لگالیں؟" میں نے دانستہ اسے چھیڑا "ذرا سینتے مرعوب ہو جائے گی۔"

"میرا مشورہ مانو تو اسے مرعوب کرنے کی کوششیں کرنے کے بجائے، اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرو۔ سینتے مجھے خطرناک لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ شاید ویرا اس کی مدد سے تمہارے گرد کوئی نیا جال بُننے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس سے آگے تمہیں اختیار ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے مگر اضطراری انداز میں اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"مگر کیوں؟ تمہیں سینتے میں کیا برائی نظر آئی ہے؟ اور پھر ویرا نے تو بلیو کراس ڈیل کے معاملے میں ہمارا ساتھ دے کر اپنی نیک نیتی کا ناقابلِ تردید ثبوت دے دیا ہے۔" میں نے اسے الجھادیا۔

"بہت سی باتیں صرف محسوس کی جاتی ہیں، بتائی نہیں جا سکتیں۔ میں سینتے کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ ویرا بھی گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے میں ماہر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بلیو کراس ڈیل سے بھی بڑے کسی چکر میں ہو۔"

میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ وہ ویرا کے بارے میں بالکل وہی باتیں کہہ رہا تھا جو میں اس کے بارے میں سوچ رہا تھا، لیکن کمال کی بات یہ تھی کہ اس نے ایک بار بھی اس حقیقت کا ذکر نہیں کیا تھا کہ بوگوٹا میں کرنل جیسی جونز کے آدمیوں میں، اس کا کوئی ہم شکل بھی موجود تھا۔

"میں آج اسے ٹٹولنے کی کوشش کروں گا" میں نے اس کی دل جوئی کے لئے کہا۔

"اس زیرِ زمین کمرے کے رومان پرور ماحول میں تم اس کے ہتھکنڈوں سے نہیں بچ سکو گے۔ ٹٹولنے کی کوششوں میں وہ تمہارے ہوش و حواس پر چھا جائے گی۔ وہ اندازہ لگا چکی ہے کہ تم اُس سے متاثر ہو چکے ہو۔ اسے میری طرف سے خوف لاحق ہو گیا تھا اس لئے وہ دوا کا بہانہ کر کے وہاں سے چلی گئی۔ تم نے خود دیکھ لیا کہ وہ لابی میں نہیں تھی، کہیں چھپی ہوئی ہو گی اور میرے جاتے ہی، کمرے میں لوٹ آئے گی" ظفر کی زبان آخر کار چل پڑی تھی۔

"وہ مجھے پھانس کر مجھ سے کیا حاصل کر لے گی؟ اپنا ہی پندار گنوائے گی۔"

"میں نے ایک دوست اور خیر خواہ کی حیثیت سے تمہیں سمجھادیا ہے۔ اب عمل کرنا یا نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔"

"دلیل کے بغیر تمہارے مشورے کی حیثیت رادھا جیسی ہے۔ نہ نو من تیل ہوگا، نہ رادھا ناچے گی" میں نے فوری خیال کے تحت وہ محاورہ زبردستی اپنے فقروں میں شامل کر دیا۔

ظفر لمحہ بھر کے لئے متحیر نظر آیا پھر بولا "تمہاری یہ بات میرے سر پر سے گزر گئی۔ کسی کے ناچنے یا نہ ناچنے کا اتنے زیادہ تیل سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ آج تم کچھ الجھی الجھی باتیں کر رہے ہو۔"

"مجھے معاف کر دو!" میں نے ہنستے ہوئے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا "آج شاید میرا دماغ چل گیا ہے۔"

"چلنے کا تعلق ٹانگوں سے ہوتا ہے۔ دماغ کیسے چل سکتا ہے؟" اس نے گہری سنجیدگی کے ساتھ اعتراض کیا "سیدھی طرح کیوں نہیں مان لیتے کہ سینتے کاسیلو کے قرب نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔"

"میں اعتراف کرتا ہوں کہ تمہاری رائے درست ہے" میں نے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

"اپنا خیال رکھنا" اس نے میری پشت تھپکتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کوئی نقصان پہنچا تو مجھے دلی اذیت پہنچے گی کہ تم نے میرے مخلصانہ مشوروں پر توجہ نہیں دی۔"

اس نے گاڑی میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی ریورس کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا۔

میں بھی بوجھل قدموں سے واپس ہولیا۔ اس ملاقات میں،

میرے شبہات کے بارے میں خاصی پیش رفت ہوئی تھی اور میں البرٹو و یلیسا کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کے بارے میں خاصا پُر یقین ہو چلا تھا۔

ویرا نے باتھ روم سے برآمد ہوتے ہی' ہسپانوی زبان میں اسے پہچان لینے کا جو دعویٰ کیا تھا' اس پر ظفر کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا تھا اور وہ آخر تک خوف زدہ نظر آتا رہا تھا۔ بظاہر وہ میرے ساتھ بیٹھا ہوا تھا لیکن اس کا ذہن مسلسل ویرا ہی میں الجھا رہا تھا' جو اس کے سامنے سینتے کا سیلو بن کر آئی تھی۔ بعد میں دو اردو محاوروں سے اس کی لاعلمی نے بھی میرے شبہات پر مُہر تصدیق ثبت کردی تھی۔ یقینی طور پر وہ البرٹو و یلیسا ہی تھا جو اردو سیکھنے کے بعد' کسی طویل المیعاد منصوبے کے تحت' ظفر کے روپ میں پاکستان آگیا تھا۔

اس کی آخری گفتگو سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خود بھی اپنی شناخت کے امکانات سے بری طرح خائف تھا لیکن اس بارے میں میرے کردار کا کوئی تعین نہیں کرسکا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس معاملے میں ویرا کو اپنا براہِ راست حریف تصور کر رہا تھا۔ وہ اپنی دانست میں مجھے کامیابی سے دھوکا دے رہا تھا لیکن ویرا اسے پہچان چکی تھی اور ہم لوگوں کو اعتماد میں لیے بغیر' بالا ہی بالا اس پر ہاتھ ڈالنا چاہتی تھی۔ شاید اسے یہ گمان بھی تھا کہ ویرا نے اس تک رسائی کے لئے' اپنی خالہ زاد بہن' سینتے کے ذریعے مجھے اپنا آلۂ کار بنایا تھا۔

لیکن مشکل یہ تھی کہ اپنے تمام تر یقین کے باوجود میں... بےبس تھا۔ البرٹو یا ظفر کے فنگر پرنٹس کی رپورٹ نے اسے بھرپور اور یقینی تحفظ فراہم کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے میں الیس ٹی ایف کے اس اہم افسر کو اس کی جگہ سے نہیں اکھاڑ سکتا تھا اور نہ ہی کسی کو اپنے شبہات اور مشاہدات کا یقین دلا سکتا تھا۔

بظاہر دونوں فریق اپنی اپنی کمزوریوں سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ ہمارے ظاہری مراسم بھی اپنی جگہ پر قائم تھے لیکن ہمارے درمیان بدترین سرد جنگ کا آغاز ہو چکا تھا جو کسی بھی وقت خونریز تصادم میں تبدیل ہو سکتی تھی۔ تصادم میں پہل کا سہرا اسی فریق کے سر جاتا جس کے اعصاب سرد جنگ سے کمزور پڑ جاتے۔

میں لابی میں داخل ہوا تو ویرا ایک بغلی کمرے کے دروازے پر کھڑی' روحی سے گفتگو کر رہی تھی۔ میں اپنے کمرے میں جانے کے بجائے اسی طرف بڑھتا چلا گیا۔ روحی نے دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا۔

"تمہاری دوست بہت پیاری اور شرمیلی ہے" روحی نے مجھے آگاہ کیا "ہو سکتا ہے کہ تمہارے فارغ ہو جانے کے بعد' یہ چند روز کے لئے میرے پاس رک جائے' اسے یہاں کا ماحول اور اپنا کمرا بہت پسند آیا ہے۔"

"لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ شرمیلی ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تمہارا مہمان اسے مسلسل بھوکی نظروں سے گھور رہا تھا' اسی لئے یہ بہانہ کر کے میرے پاس چلی آئی۔ تمہارے دوست کے چلے جانے کی اطلاع ملنے کے بعد ہی یہ باہر آنے کی ہمت کر سکی ہے" روحی نے مجھے ویرا کی کہانی سنا دی۔

"تم کمرے میں چلو' میں آتا ہوں" میں نے اس موقعے کو غنیمت سمجھتے ہوئے ویرا سے کہا اور وہ شرماتی' لجاتی ہوئی' زینوں کی طرف چل دی۔ دوسرے شعبوں کے علاوہ' وہ اداکاری کے فن میں بھی پوری طرح طاق تھی۔

روحی مجھے ساتھ لے کر کمرے میں داخل ہو گئی۔ وہ کمرا بہت خوب صورت اور نفیس انداز میں سجا ہوا تھا۔ وہ مسہری پر بیٹھ گئی اور میں نے کرسی سنبھال لی۔ روحی سے میری دوستی نہیں تھی۔ وہ خوبرو' خوش لباس اور خوش بدن تھی اس لئے صنفِ مخالف کے لیے نہایت کشش انگیز تھی اور اس سے اسی انداز میں باتیں ہوتی رہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پیشہ ور نہ رہی ہو لیکن ویرا کی طرح شوقین مزاج واقع ہوئی تھی۔ جس پر دل آجائے' اس سے مراسم بڑھانے میں عار محسوس نہیں کرتی تھی۔ اس نے چند منٹ کی گفتگو کے بعد تین مختلف درازوں سے ستائیس البم نکال کر میرے سامنے ڈھیر کردیئے۔ پوسٹ کارڈ سائز کی رنگین تصاویر پر مشتمل ہر البم میں ایک لڑکی کی مختلف تصاویر تھیں۔ میں نے رسمی طور پر ایک البم کو کھولا تو پہلی تصویر پر نظر پڑتے ہی' البم کو واپس رکھ دیا۔ جسمانی خدوخال اور نشیب و فراز کو گاہکوں کے لئے پوری طرح نمایاں کرنے کے لئے ان تصاویر میں لباس کے استعمال سے گریز کیا گیا تھا اور روحی کے باوقار چہرے پر نگاہ ڈالنے کے بعد یہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ وہ ایسی ناشائستہ تصاویر اور اس سے کہیں زیادہ ناشائستہ حرکات سے اپنی روزی کماتی ہوگی۔ میں وہاں ایک بڑے رئیس کے روپ میں پہنچا تھا اس لئے میں نے پند و نصائح کا سہارا لینے کے بجائے جب باتیں کریدیں تو معلوم ہوا کہ روحی کا بینکاک اور وہاں کے فروغِ سیاحت کی کارپوریشن سے قریبی تعلق تھا۔ اس نے بینکاک میں نہایت مشکل حالات اور سخت مقابلے کے ماحول میں اپنی روزی کما کر فروغِ سیاحت کے موضوع پر چھ ماہ کا ایک ڈپلوما حاصل کیا تھا۔ تعلیمی ڈپلومے اور بینکاک کے شب و روز کے عملی تجربے کو یکجا کر کے' روحی نے اپنے گیسٹ ہاؤس کی بنیاد رکھی تھی اور بہت کامیاب تھی کیونکہ بہت سے بڑے لوگ صرف اس کے گیسٹ ہاؤس میں ایک دو راتیں بسر کرنے کی آرزو لے کر دور دراز کے شہروں سے اسلام آباد آتے تھے۔ ان بڑے لوگوں میں متعدد پردہ نشینوں کے نام بھی تھے اور یوں روحی کا گیسٹ ہاؤس موثر طریقے پر اسلام آباد میں سیاحت کو فروغ دے رہا تھا۔

روحی کو مجھ سے گفتگو میں لطف آرہا تھا کیونکہ میں اس کی اَنا کی تسکین کے لیے اس کے ہر جائز و ناجائز فعل کی تعریف کر رہا تھا

لیکن میرے پاس اتنا فاضل وقت نہیں تھا۔ میں نے اس سے اگلے دن تک کے لئے اجازت لی اور اپنے کمرے میں لوٹ آیا جہاں ویرا دو گلاس تیار کیے، میری منتظر تھی۔ اس نے بیم گن تھیلے سے نکال کر گود میں رکھی ہوئی تھی۔

"اب میں بھی کسی حد تک تمہاری ہم نوا ہو چلی ہوں" ویرا نے مجھے دیکھتے ہی کہا "میرے دعوے پر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے میرا ایک ایک لفظ سمجھ لیا تھا۔ لیکن پھر فنگر پرنٹس کا کیا راز ہے؟ یہ گورکھ دھندا تو کچھ الجھتا ہی جا رہا ہے۔"

"اردو پر اُس کی دسترس بہت اچھی ہے لیکن مکمل نہیں ہے۔ محاوروں کے معاملے میں وہ بالکل صفر ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اوّل خان کو اپنی بات کا یقین کیسے دلا سکوں گا؟ وہ کچھ ماننے پر آمادہ ہی نہیں ہے۔"

"تھوڑی دیر کے لئے ان الجھنوں کو بھول جاؤ!" ویرا نے گلاس اٹھا کر میری طرف لہراتے ہوئے کہا "یہ رات اور یہ سماں شاید پھر نہ مل سکے۔ آج ہم اپنے پرانے تعلقات کی تجدید کریں گے، لطف آ جائے گا۔"

میں نے گفتگو کی آوازوں کو دبانے کے لئے قدرے تیز آواز سے ٹیلی ویژن آن کر دیا جس پر یورپی فٹ بال چیمپئن شپ کا ایک ہنگامہ خیز میچ دکھایا جا رہا تھا اور ویرا کے سامنے آ بیٹھا "مبارک ہو کہ آج تمہیں شرمیلی کا انوکھا خطاب ملا ہے اس لیے آج تمہیں بے شرمی کی باتیں کرنے سے گریز کرنا چاہئے" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنا گلاس اٹھا لیا۔

"بہت بہتر" اس نے سعادت مندی کے ساتھ کہا "اب مسئلے دو ہیں۔ اوّل یہ کہ ظفر یا البرٹو کو یقین ہوا یا نہ ہو لیکن شبہ ضرور ہو گیا ہے کہ ہم اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں وہ کیا قدم اٹھا سکتا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ جب تک اس کے فنگر پرنٹس کا راز حل نہیں ہوتا، وہ مطمئن رہے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس نے سرجیکل دستانوں کے قسم کی کوئی جھلی ہاتھوں پر منڈھ لی ہو اور۔۔۔"

"پہلا یہی امکان میرے ذہن میں آیا تھا مگر یہ لغو ہے" میں نے اس کی بات اچکتے ہوئے کہا "کسی بھی قسم کی جھلی اصل نشانات کو چھپا کر سپاٹ تو کر سکتی ہے، نئے نشانات پیدا نہیں کر سکتی۔ اور نئے نشانات بھی ایسے جو کسی اور شخص کے فنگر پرنٹس سے سو فی صد مشابہ ہوں۔ یہ قطعی ناممکن بات ہے، دوسری طرف یہ بھی ایک مستند حقیقت ہے کہ اربوں کی آبادی میں کسی بھی دو افراد کے فنگر پرنٹس یکساں نہیں ہوتے۔ ہر ہاتھ کا اپنا ہی نمونہ ہوتا ہے۔ یہ معاملہ آسانی سے حل ہوتا نظر نہیں آتا۔ اب یہ بتاؤ کہ دوسرا مسئلہ کیا ہے؟"

"لاکھ بڑا سہی، لیکن اس کمرے میں بستر ایک ہی ہے۔ تم کہاں سونا پسند کرو گے؟" اس نے شرارت آمیز انداز میں پوچھا۔

"۔۔۔۔؟" اس ماحول میں ایک بستر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ آج تم پر سلطان شاہ کے اثرات نمایاں ہوتے نظر آ رہے ہیں جو کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔"

"سونے کا وقت آیا تو دیکھا جائے گا" میں نے بے پروائی سے کہا "ہو سکتا ہے کہ بستر کے وسط میں تہ کیے ہوئے کمبل کی دیوار۔۔ حدِ فاصل کا کام کر گزرے۔ اس وقت اس بارے میں سر کھپانا بے سود ہے۔ ذرا شیشے سے باہر دیکھو کہ سرچ لائٹس کی دھیمی روشنی میں دور افتادہ جنگل کس قدر حسین اور پُراسرار نظر آ رہا ہے؟"

ہم لوگ بہت دیر تک وہیں بیٹھے، پیتے اور دنیا جہان کی باتیں کرتے رہے۔ اس وقت ویرا بالکل ہی بدلی ہوئی عورت نظر آ رہی تھی۔ ایک عام عورت کی طرح جو بس اپنے حسین خوابوں کے سہارے جیتی ہے اور عملی زندگی میں برا بھلا جو کچھ مل جائے، خندہ پیشانی سے قبول کر لیتی ہے۔

بارہ بجے گیسٹ ہاؤس سے جنگل پر پڑنے والی سرچ لائٹس بجھا دی گئیں اور شیشے کی دیوار کے اُس پار، یک بیک گھور تاریکی پھیل گئی، ویرا پھریری لے کر رہ گئی "یہ پُرہول اندھیرا تو کھانے کو آ رہا ہے۔"

باہر اندھیرا پھیلنے کے بعد وہاں بیٹھے رہنے میں کوئی لطف باقی نہیں رہا اور ہم نے وہ میز چھوڑ دی۔ ویرا بھاری پردے کھینچنے پر مُصر تھی لیکن میں نے جالی دار، حریری پردے پڑنے کے بعد اسے روک دیا۔ بیم گن میں نے اپنے سرہانے رکھ لی تھی۔

میں نے بستر پر اپنے لیے وہ حصہ منتخب کیا تھا جو شیشے کی دیوار کی سمت تھا جبکہ ویرا کو دروازے والے رخ پر سونا تھا لیکن سوئچ کے ذریعے کمرے میں اندھیرا کرتے ہی ویرا نے اپنی جگہ چھوڑ کر کمبل ایک طرف اچھالا اور ہاتھا پائی کا آغاز کر دیا۔ میں اس کے ساتھ ایک دوسرے کی حدود میں عدم مداخلت کی منصوبہ بندی ضرور کر رہا تھا لیکن اس وقت جو کچھ ہو رہا تھا، وہ میرے لئے غیر متوقع نہیں تھا۔

ویرا کے وجود کی مکاری اور اس کی دیدہ دلیریوں نے ذرا سی دیر میں مجھے ہار ماننے پر مجبور کر دیا اور صورتِ حال پر ویرا کا مکمل راج ہو گیا۔ وہ اس قدر خود سر اور ضدی تھی کہ جو بات سوچ لیتی تھی، ہر صورت میں کر گزرتی تھی۔

آنکھ لگنے سے پیشتر، ہمیں حریری پردوں کی اوٹ سے کئی بار چمکتی ہوئی حیوانی آنکھیں نظر آئیں۔ شاید ہر طرف اندھیرا پھیل جانے کے بعد بھوکے سؤر اور گیدڑ خوراک کی تلاش میں آبادی کے قریب آ گئے تھے۔ میں ان ہی کو دیکھتے دیکھتے، کسی وقت گہری نیند کی دلدلوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

سوتے سوتے مجھے اچانک یوں محسوس ہوا جیسے بھوکے بھیڑیے

ر الباس نوچ رہے ہوں۔ وجود میں سرایت کر جانے والی دہشت
سرد لہر کے ساتھ میرا ذہن غنودگی سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔
ر الباس پھر کھینچا گیا۔ اس بار ہلکی سی غراہٹ بھی سنائی دی۔ میں
نے بند آنکھوں میں خفیف سی جھریاں پیدا کر کے دیکھا تو سامنے
دھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں تھا اور میں بستر پر ہی موجود تھا۔
"سوتے رہے تو وہ ذبح کر ڈالیں گے" اس بار ویرا کی
سرگوشیانہ غراہٹ میں نے واضح طور پر سنی۔ وہ اضطراری انداز
میں میرا پائنچا کھینچے جا رہی تھی اور اس کی آواز میں غیر معمولی خوف
چھایا ہوا تھا۔

"دروازہ کھولو، ورنہ ہم اسے توڑ دیں گے" دروازے پر تیز
دستک کے ساتھ ہی ایک بھاری مردانہ آواز گونجی اور میرے ذہن
میں یک بیک پوری صورتِ حال واضح ہو گئی۔ ہمارے دروازے پر
نامعلوم لوگ موجود تھے اور ویرا ان ہی کی اونچی دستکوں کی وجہ
سے مجھ سے پہلے بیدار ہو چکی تھی، اوپر سے بھی کچھ لوگوں کے چلنے
پھرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"بیڈ سوئچ آن کرو!" میں نے اپنے سرہانے بیم گن ٹٹولتے
ہوئے سرگوشی کی۔

"آن ہے۔ شاید بجلی بھی بند کر دی گئی ہے" وہ میرے کان کے
نیچے منمنائی۔

"آؤ!" میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور ہم دونوں دروازے کے
برابر میں دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ مجھے حیرت تھی کہ ہمارا
دروازہ اتنی دیدہ دلیری کے ساتھ پیٹا جا رہا تھا لیکن گیسٹ ہاؤس کے
عملے یا وہاں مقیم مہمانوں میں سے کسی کے کان پر جوں بھی نہیں
رینگی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ اتنی ہڑبونگ کے بعد بھی ہمارا خاموش
رہنا، باہر والوں کے حوصلے بلند کر سکتا تھا اس لئے میں نے فوراً ہی
اونچی آواز میں ہانک لگائی "یہ کیا بدتمیزی ہے؟ زیادہ پی گئے ہو تو
جا کر اپنے کمرے کا دروازہ توڑو۔ یہاں زور آزمائی کیوں کر رہے ہو؟
بلاوجہ ہماری نیند مت خراب کرو!"

"دروازہ کھولو! ہم سینتے کاسیلو سے ملنے آئے ہیں" باہر سے
غرا کر کہا گیا۔

"وہ اتنی رات گئے کسی سے ملنا پسند نہیں کرتی۔ تمہیں وقت
طے کر کے دن میں آنا ہوگا" میں نے براہِ راست جواب دیا پھر ان
کو سنانے کے لئے نسبتاً دھیمی آواز میں ویرا سے انگریزی میں
مخاطب ہوگیا "ڈارلنگ! یہ گیسٹ ہاؤس والے کہاں مرے ہوئے
ہیں، اتنی دھاچوکڑی کے بعد بھی ادھر متوجہ نہیں ہوئے؟"

"تم دونوں کے علاوہ ہر فرد اپنی جگہ پر بے ہوش پڑا ہوا ہے۔
ان سے کسی کی مدد کی امید نہ رکھو اور شرافت سے دروازہ کھول دو۔
ہمیں دروازہ توڑنا پڑا تو مار مار کر تمہارا کچومر نکال دیں گے" باہر
سے کسی دوسری آواز نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

گیسٹ ہاؤس کے مہمانوں سمیت، سب لوگوں کو بے ہوش کرنا
بچوں کا کھیل نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ پوری تیاریوں کے
ساتھ آئے تھے اور ان کی نفری بھی زیادہ رہی ہوگی۔

"ہمت ہے تو دروازہ ہی توڑ ڈالو!" میں نے لمحہ بھر کی خاموشی
کے بعد کہا "ہم بن بلائے مہمانوں کے لئے اپنے ہاتھوں سے دروازہ
نہیں کھول سکتے۔"

"حرامی کا بچہ!" باہر سے ایک غصیلی آواز ابھری پھر اس نے
"دروازہ توڑ دو!" کی ہانک لگائی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر نہایت
خاموشی سے دروازے کا بولٹ گرا دیا۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی مختصر سی آواز کے بعد کوئی بھاری
بھرکم وجود دروازے سے ٹکرایا اور دروازے کا معمولی سا قفل
ٹوٹنے کے ساتھ ہی اپنی جھونک میں کمرے میں آگرا۔ میں نے پیچھے
سے ہاتھ ڈال کر اسے اسی کے زور میں اوپر اچھال دیا۔ وہ مسہری پر
سے اڑتا ہوا شیشے کی دیوار پر جا گرا۔ پرشور چھناکوں میں، میرے
شکار کی دلدوز چیخیں بہت نمایاں تھیں۔ شاید ٹوٹنے والے شیشے کے
تیز دھار ٹکڑے اس کے بدن میں پیوست ہو گئے تھے۔ اس کے
پیچھے دوسرا اور پھر تیسرا اندر آیا اور وہ دونوں بھی گالیاں بکتے ہوئے
ایک دوسرے پر ڈھیر ہو گئے۔ غالباً ویرا نے دروازے کی اوٹ سے
ٹانگ اڑا کر انہیں منہ کے بل گرایا تھا۔

میں نے پلٹ کر تیزی سے لات گھمائی اور ان میں سے ایک
میری زد میں آگیا۔ وہ کریہہ چیخ مار کر دوبارہ دروازے کی طرف الٹا
اور وہاں ویرا اس پر ٹوٹ پڑی۔ تیسرا شخص اٹھ کر مجھ سے لپٹ
گیا۔ اس کا چہرہ نوچنے کی کوشش میں مجھے پتا چلا کہ اس کے چہرے
پر نقاب منڈھا ہوا تھا۔

اس وقت تک بیم گن بدستور میرے ہاتھ میں تھی۔ لیکن میں
نے اسے استعمال نہیں کیا تھا۔ وہ تینوں بے خبری میں اس طرح
مارے گئے تھے کہ اگر وہ مسلح بھی رہے ہوں تو انہیں اپنے ہتھیاروں
کو استعمال کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ بلکہ ان کے پستول وغیرہ
شاید ان کی گرفت سے ہی نکل گئے تھے ورنہ انہوں نے بوکھلاہٹ
میں ایک آدھ فائر ضرور جھونک مارا ہوتا۔

اس وقت مقابلہ برابر کا تھا۔ شیشے کی دیوار پر گرنے والا اس
بری طرح زخمی ہوا تھا کہ دوبارہ اٹھ ہی نہیں سکا تھا اور اپنی جگہ پر
پڑا، کراہے جا رہا تھا۔ ایک مجھ سے الجھا ہوا تھا اور دوسرے کو ویرا
سنبھال رہی تھی۔ کمرے میں گھور اندھیرا ہونے کی وجہ سے کچھ پتا
نہیں چل رہا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے لیکن پھر بھی صورتِ حال اتنی
مخدوش نہیں تھی کہ میں بیم گن استعمال کر کے کسی قتل میں ملوث
ہونے کا خطرہ مول لیتا۔ اسی کے ساتھ مجھے یہ ڈر بھی تھا کہ اس
دھینگا مشتی میں بیم گن ایک مرتبہ میرے ہاتھ سے نکل گئی تو دوبارہ
ہاتھ نہیں آسکے گی۔ آثار یہ بتا رہے تھے کہ گیسٹ ہاؤس میں ہمیں
گھیرنے کا مکمل بندوبست کر لیا گیا تھا اور ہمیں موقع ملتے ہی وہاں

سے فرار کی راہ اختیار کرنی تھی۔ ان سے مقابلہ کرنے میں سراسر خسارہ ہی خسارہ نظر آرہا تھا۔

ایک بار موقع ملتے ہی، میں نے اپنے حریف کے جبڑے پر بیم گن کا آہنی دستہ رسید کیا اور وہ لڑکھڑا کر مسہری پر ڈھیر ہوگیا۔ میں نے اس مہلت کو غنیمت سمجھتے ہوئے، بیم گن پھرتی سے جیب میں ڈالی اور اس پر ٹوٹ پڑا۔ وہ بالکل ہی بودا نہیں تھا۔ مکوں، لاتوں اور گھٹنوں کے وحشیانہ استعمال سے مجھے اپنے اوپر سے اچھال پھینکنے کی کوششیں کرتا رہا۔ ادھر میں اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اسے بھی شیشے کی ٹوٹی ہوئی دیوار کی طرف پہنچادوں جہاں وہ مرنے سے محفوظ رہتا لیکن ٹوٹے ہوئے شیشوں سے لہولہان ہوکر لڑنے کی طاقت سے محروم ہوجاتا۔ اس کو حقیقی خطرے کا ذرا بھی ادراک نہیں تھا اس لئے میری کوششیں بار آور ثابت ہورہی تھیں۔ مسہری کے دوسرے سرے پر پہنچ کر، میں نے لمحہ بھر کے لئے اسے اپنی گرفت سے آزاد کردیا۔ وہ تڑپ کر قالین پر کھڑا ہوا، میں اسی سنہرے موقعے کی تلاش میں تھا۔ میں نے اس کی گردن جکڑ کر اسے اپنی پشت پر سے اسی سمت میں اچھال دیا، جدھر اس کا پہلا ساتھی پڑا ہوا کراہ رہا تھا۔ اس کی دبی دبی چیخیں میری تسلی کے لیے کافی تھیں۔ میں پلٹا تو ویرا میرے سامنے موجود تھی۔ اس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔

"اوپر والے کسی بھی لمحے ادھر آسکتے ہیں" اس نے ہانپتے ہوئے، انگریزی میں کہا "میں نے دروازہ دوبارہ بولٹ کردیا ہے۔ گرل کاٹ کر جنگل کی طرف نکل بھاگو۔ اوپر سے کئی افراد کے چلنے پھرنے کی آوازیں آرہی ہیں۔ ادھر گئے تو ہم بری طرح پھنس جائیں گے۔"

"مگر یہ مضبوط گرل کیسے کٹے گی؟" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"بیم گن کہاں ہے؟" اس نے دانت پیس کر مجھے جھنجوڑ ڈالا۔ "اسے استعمال کیوں نہیں کرتے۔"

میں نے بیم گن کا رخ گرل کی طرف کرکے ٹرائیگر آن کیا اور اپنے ہاتھ کو ایک بڑے دائرے کی صورت میں تیزی کے ساتھ گردش دی۔ کمرا تیز نیلگوں روشنی سے بھر گیا۔ ویرا نے اس روشنی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دونوں کراہتے ہوئے زخمیوں کی کنپٹیوں پر اپنے پستول کا دستا بجایا اور انہیں خاموش کردیا۔

میرے ہاتھ کی گردش مکمل ہوتے ہی آہنی گرل کا کافی بڑا حصہ پُرشور آواز کے ساتھ، باہر کی سنگلاخ زمین پر گرگیا۔ اسی وقت دروازے کو زور وشور سے پیٹا جانے لگا۔ غالباً اوپر والے اپنے ساتھیوں کی تلاش میں ہمارے کمرے تک آپہنچے تھے اور تقریباً چیخ چیخ کر اپنے اندر والے ساتھیوں سے صورتِ حال کے بارے میں دریافت کررہے تھے لیکن انہیں جواب دینے والے خاموش پڑے گہرے گہرے سانس لے رہے تھے۔

ویرا نے اندازے سے الماری کی طرف چھلانگ لگائی۔ اسی لمحے دروازے پر ایک دھماکا ہوا اور اس کی چولیں چرچرا کر رہ گئیں۔ باہر والوں نے وحشت اور اضطراب کے عالم میں دروازہ توڑنے کی کوششوں کا آغاز کردیا تھا اور وہ کسی بھی لمحے دروازہ گرا کر اندر آسکتے تھے۔

"کہاں مرگئیں؟" میں مضطربانہ انداز میں غرایا اور ویرا ہمارے سامان کا بیگ سنبھالے آگئی۔ میں اس کا ہاتھ تھام کر کٹی ہوئی گرل سے نکل ہی رہا تھا کہ دروازے پر دوسری ضرب لگی۔ اس بار لکڑی ٹوٹنے کی آوازیں بہت نمایاں تھیں۔ یہ بات یقینی تھی کہ دروازہ تیسری ضرب برداشت نہیں کرسکے گا۔

ہم دونوں نے باہر نکلتے ہی، خودرو جھاڑیوں سے ڈھکے ہوئے سنگلاخ میدان سے تاریک جنگلات کی طرف دوڑ لگادی۔ گیسٹ ہاؤس پر چھائی ہوئی مکمل تاریکی اور اندھیری رات کے علاوہ کوئی بات ہمارے حق میں نہیں تھی۔ آگے بھوکے گیدڑ اور جنگلی سور ہمارے استقبال کے لئے تیار تھے اور پیچھے ہمارے خون کے پیاسوں کی ٹولی ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس تھی۔

اونچے نیچے پتھریلے راستے پر ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے میرا ذہن البرٹو ویلیسا میں الجھ گیا۔ ہم پر مارے جانے والے اس ہولناک شب خون نے یہ ثابت کردیا تھا کہ ظفر کے روپ میں البرٹو ویلیسا ہی اسپیشل ٹاسک فورس میں گھسا ہوا تھا اور اس نے اپنی پوزیشن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایس ٹی ایف ہی کو ہمارے خلاف استعمال کرڈالا تھا ورنہ پاکستان میں اس کا کوئی بھی ہمدرد نہیں تھا۔ کوئی تھا تو بس اوّل خان تھا جو کراچی میں بیٹھا ہوا تھا۔

اس کے بارے میں اول خان کا رویّہ یاد آنے پر میرے حلق میں تلخی سی گھلنے لگی۔ اول خان کسی دشمن کا ہمدرد یا ہم نوا نہیں ہوسکتا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ البرٹو کو ظفر سمجھ رہا تھا۔ فنگر پرنٹس کے موازنے کے بعد تو اسے اس امر میں کوئی شبہ ہی نہیں رہا تھا اور وہ ظفر کے خلاف مزید کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں تھا۔

اس کو البرٹو ویلیسا کی اصلیت کا یقین دلانے کے لئے ضروری تھا کہ ظفر کے فنگر پرنٹس کی پہیلی حل کی جائے، جس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ ایسا لاینحل معمّا تھا کہ اس نے میرے دماغ کی چولیں ہلاکر رکھ دی تھیں۔

تاریک جنگل کے مختلف حصوں سے بھوکے گیدڑوں کی آوازیں آرہی تھیں اور ہمارے پیچھے متعدد غضب ناک آوازیں سنائی دے رہی تھیں جو ہوا کے دوش پر کبھی ہلکی اور کبھی تیز ہوجاتی تھیں۔ میں صرف یہ دعا مانگ رہا تھا کہ ہمارے پیچھے آنے والوں کے پاس طاقتور سرچ لائٹس نہ ہوں۔ بصورتِ دیگر وہ جنگل تو کیا پاتال میں بھی ہم تک پہنچ سکتے تھے۔

☆☆☆

بھاگتے بھاگتے ویرا کی رفتار سست پڑنے لگی۔ اس کے ساتھ وہ ہانپ بھی رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟ کیا تھک گئی ہو؟" میں نے اسے اپنے ساتھ تقریباً گھسیٹتے ہوئے سوال کیا۔

"میں تھکی نہیں ہوں' دھار دار پتھروں نے میرے پیر زخمی کر دیے ہیں۔" اس نے بھنّا کر جواب دیا۔

"ایک ہی بات ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا "آخر کو صنفِ نازک ہو نا! اب یہ تو ہونے سے رہا کہ میں تمہیں اپنے کندھے پر لاد کر دوڑنا شروع کر دوں۔ تم قتالۂ عالم ہونے کے باوجود قدرے بھاری ہو۔"

"میں زیادہ دیر تک نہیں دوڑ سکوں گی۔" اس نے روہانسی آواز میں احتجاج کیا۔

"نہ دوڑنا لیکن جب تک دوڑ سکتی ہو' پوری قوت صَرف کر کے دوڑتی رہو۔ نقاب پوشوں کی ٹولی ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔" میں نے عقب سے آنے والی متعدد آوازوں پر کان جماتے ہوئے کہا۔ ہم لوگ ہوا کی مخالف سمت میں دوڑ رہے تھے اس لیے ہمارے پیچھے آنے والوں کے قدموں کی دھمک' غراہٹوں اور دھمکیوں کا آہنگ ہوا کی رفتار میں کمی و بیشی کے ساتھ بڑھ اور گھٹ رہا تھا۔ خاصی دور تک دوڑ لگانے کے بعد مجھے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ میری دعائیں بارگاہِ ربّ العزت میں شرفِ قبولیت حاصل کر چکی تھیں اور ہمارے پیچھے آنے والے خونخوار شکاری سرچ لائٹس سے محروم تھے۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ دور دور کے علاقے کو روشنی میں نہلا کر ہمارا سراغ لگا چکے ہوتے۔ وہ اندھیرے کی وجہ سے ہمارے بنائے ہوئے راستے پر نہیں آ رہے تھے بلکہ ان کا رخ قدرے مختلف تھا کیونکہ ہوا کی رفتار کے اثرات سے قطع نظر' ان کی آوازوں کی شدت غیر محسوس طریقے پر گھٹتی ہی جا رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ خودرو جھاڑیوں اور سبزے سے ڈھکے ہوئے پتھریلے میدان کو عبور کر کے جنگل میں داخل ہونے کے بعد ہم خطرات سے محفوظ ہو سکتے تھے لیکن اس وقت وہ لوگ وقفے وقفے سے ہمیں رک جانے کا حکم دینے کے ساتھ ہی گولی مار دینے کی دھمکی بھی دے رہے تھے جو اُن کا ایک نفسیاتی حربہ تھا اور میں اسے خوب سمجھ رہا تھا۔

"لعنت ہو!" ویرا دوڑتے دوڑتے غصیلی آواز میں بولی "پتا نہیں تمہارے یہاں قول اور فعل میں اتنا تضاد کیوں ہے۔ میرا قیاس ہے کہ یہ ویرانہ اور جنگل کسی زمانے میں سٹی پارک کے لیے مخصوص کیا گیا تھا لیکن ابھی تک بڑا جنگل ہی پڑا ہوا ہے.... ہائے' میرا پیر!"

آخر کار ہم خودرو جھاڑیوں کو پیچھے چھوڑ کر چھدرے درختوں کے درمیان گھس گئے۔ رات کے اندھیرے میں' دور سے وہی چھدرے درخت' گھنے جنگل کا سماں باندھتے رہے تھے۔

"اب مجھ سے دوڑا تو کیا' چلا بھی نہیں جائے گا۔" ویرا نے کراہتے ہوئے بدقت تمام کہا۔

اس کی آواز سے کرب کا اظہار ہو رہا تھا اس لیے میں دوڑتے دوڑتے رک گیا۔ وہ میرے ساتھ تقریباً گھسٹتی چلی آ رہی تھی اس لیے وہ مجھ سے ایک دو قدم پیچھے ہی رک گئی۔

وہ رکتے ہی زمین پر بیٹھ گئی تھی اس لیے مجھے بھی نیچے بیٹھ جانا پڑا۔ میں نے اظہارِ ہمدردی کے طور پر ٹٹولتے ہوئے' اس کے پیروں کو دریافت کیا تو میرے ہاتھ نے تازہ تازہ خون کی چپچپاہٹ کو واضح طور پر محسوس کیا۔ ویرا کے پیر واقعی بری طرح لہولہان ہو چکے تھے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ اس قدر زخمی ہونے کے باوجود میرا ساتھ دیتی چلی آ رہی تھی۔ میرے دل میں اس کے لیے یک بیک ترحم کا جذبہ ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

مجھے ویرا سے اپنی ہمدردی کے اظہار کا خاطر خواہ موقع نہیں مل سکا کیونکہ عقب سے ابھرنے والی غراہٹ خاصی خونخوار محسوس ہوئی تھی۔ میں تیزی سے پلٹا تو درختوں کی اوٹ میں' ایک بھیڑیا اپنے سفید سفید دانت نکالے ہم پر غرا رہا تھا۔ اس کے عقب میں بھی کئی ندیدی نگاہوں کے جوڑے چمک رہے تھے۔

شاید ویرا کے زخمی پیروں سے بہنے والے تازہ خون کی ہوا میں رچی ہوئی بُو نے ان بھیڑیوں کو ہماری طرف متوجہ کر دیا تھا۔

میرا اضطراری ردِّعمل تو یہی تھا کہ ویرا سے پستول لے کر اس مختصر سے غول کو فی الفور جہنم واصل کر دیا جائے لیکن اپنا تعاقب کرنے والوں کا خیال آتے ہی مجھے وہ ارادہ ملتوی بلکہ منسوخ کرنا پڑا۔ اس وقت تک تعاقب کنندگان کی آوازیں آوارہ ہواؤں کے دوش پر معدوم ہو چکی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ راہ بھٹک کر کسی غلط سمت میں نکل گئے تھے۔ اگر ہم ان بھوکے بھیڑیوں پر فائرنگ کرتے تو گولیوں کا شور انہیں دوبارہ ہماری راہ پر ڈال سکتا تھا اور میں اتنا سنگین خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہی مسئلہ بیم گن کے استعمال میں بھی درپیش تھا۔ وہ ہتھیار بے حد مہلک ہونے کے ساتھ ہی' بے آواز بھی تھا لیکن فاصلے سے وار کرنے کی صورت میں فضا کا نیلگوں روشنی میں نہانا یقینی تھا۔ وہ روشنی بھی دشمنوں کو ہماری راہ پر ڈال سکتی تھی۔

رات کی تاریکی میں' روحی کے گیسٹ ہاؤس سے بھیانک نظر آنے والا وہ جنگل درحقیقت اتنا زیادہ ہولناک نہیں تھا۔ درخت بھی بہت گھنے اور ایک دوسرے میں پیوست نہیں تھے۔ ان کے درمیان سے جابجا تاروں بھرا آسمان نظر آ رہا تھا۔ میری دانست میں ویرا کا جلا کٹا تبصرہ درست ہی تھا۔ اسلام آباد جیسے نئے نویلے اور منظم شہر کے ساتھ کسی وحشت ناک جنگل کی سرے سے گنجائش ہی نہیں تھی کیونکہ وہ شہر' پوٹھوہار کے جنگلات کو صاف کر کے ہی بسایا گیا تھا۔ مجھے یاد آنے لگا کہ میں نے بھی کسی کتابچے میں ایف ایٹ سے ملحقہ' ایف نائین کے اس وسیع و عریض علاقے کے بارے

میں پڑھا تھا جسے کسی پارک کے لیے مخصوص کیا گیا تھا اور پارک کو قدرتی رنگ دینے کی خاطر، وہاں موجود درختوں وغیرہ کو برقرار رہنے دیا گیا تھا لیکن اسلام آباد بسنے کے طویل عرصے بعد بھی اس نیم قدرتی پارک میں ترقیاتی کاموں کی ابتدا نہیں کی جا سکی تھی۔ ذہن میں وہ صورتِ حال واضح ہونے کے بعد میرے لاشعور میں جمے ہوئے خوف میں نمایاں کمی ہوگئی۔ اس غیر آباد اور خودرو جنگل میں اِکّادُکّا بھیڑیوں کی موجودگی غیر متوقع نہیں تھی لیکن ایسے علاقے میں جنگلی سوروں کا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ کہانیاں آبادی کے سرے پر رہنے والوں کے دماغوں کی اختراع سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھیں۔

میں نے غور کیا تو وہ تعداد میں کُل چار تھے اور شاید اس علاقے میں ان کی وہی جملہ نفری تھی۔

بھیڑیے عام طور پر انسانوں پر حملے میں پہل نہیں کرتے اور ان سے بچ کر بھاگ نکلتے ہیں لیکن انتہائی بھوک کے عالم میں وہ کسی بھی جاندار پر منہ مارنے سے نہیں چُوکتے۔ ان چاروں بھیڑیوں کی حریصانہ نگاہوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت زیادہ بھوکے نہیں تھے، بس ویرا کے خون کی بُو نے انہیں ہماری طرف متوجہ کر دیا تھا اور وہ اپنی مرغوب غذا پر جھپٹنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔

"یہ مصیبت کہاں سے نازل ہوگئی؟" ویرا قدرے خوفزدہ آواز میں منمنائی۔ "اب ہم کیا کریں گے؟ میں بھاگ سکتی ہوں، نہ ان پر فائر کر سکتی ہوں۔ گولی کی آواز دشمنوں کو ہماری طرف متوجہ کر دے گی۔"

"اس جنگل کی تازہ ہوا نے تمہارے دماغ پر خاصا خوشگوار اثر ڈالا ہے۔" میں نے ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کی نیت سے، قدرے خوش دلی کے ساتھ کہا "ویسے بھاگنے کی حماقت بھی نہ کرنا۔ یہ چاروں خاصے بے ہودہ معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے چھوڑ کر، پیچھے سے تم پر ٹوٹ پڑیں گے...."

میرا فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ اس نے غصے میں مجھے دھکا دے دیا تھا۔ میرے حلق سے برآمد ہونے والی خفیف سی اضطراری آواز پر بھیڑیے بھڑک کر اچھلے اور یک بیک ان کی تعداد تین رہ گئی۔ چوتھا شاید میرے اسی ردِ عمل سے خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلا تھا۔

میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کر، ہولے سے انہیں شُشکارا اور وہ تینوں مزید پیچھے چلے گئے لیکن ان کی چمکتی ہوئی آنکھیں بدستور ہماری طرف نگراں تھیں۔

"تم میں کون سے سرخاب کے پَر لگے ہوئے ہیں جو یہ تم کو کچھ نہیں کہیں گے؟" ویرا غرا رہی تھی۔

"مجھ میں نہیں، سرخاب کے پَر تمہاری ذات میں لگے ہوئے ہیں۔" میں نے مکار بھیڑیوں پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا "یہ تمہاری صنف اور پُرفریب صورت کا قصور ہے کہ تمہیں دیکھ کر، مرد بھی بھوکے بھیڑیوں کی طرح اپنے دانت تیز کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ بے چارے تو واقعی بھیڑیے معلوم ہوتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے!" وہ برہمی کے عالم میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ "تم اپنی بے وقت کی راگنی الاپتے رہو۔ میں خود ہی ان سے نمٹنے کی کوئی راہ نکال لوں گی۔"

"تم بلاوجہ چراغ پا ہو رہی ہو۔ یہ دراصل تمہارے زخمی پیروں سے بہنے والے خون کی بُو پر ادھر آئے ہیں۔" میں نے جلدی سے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا "اور آبادی کے قریب رہنے کی وجہ سے انسانوں سے کسی حد تک مانوس بھی معلوم ہوتے ہیں۔"

"پھر وہی بک بک کیے جا رہے ہو۔" وہ جھلّا کر بولی۔ "بھیڑیوں کی نفسیات پر ہم صبح تک بحث کر سکتے ہیں۔ فی الحال انہیں بھگانا ضروری ہے تاکہ میں یکسوئی کے ساتھ اپنے پیروں کے زخم صاف کر سکوں۔"

اسی لمحے قدرے فاصلے سے چُپ چُپ کی حریصانہ آوازیں سنائی دیں اور اس سمت میں نظریں دوڑاتے ہی مجھے مفرور بھیڑیے کی چمکدار آنکھیں نظر آ گئیں۔ وہ میدان چھوڑ کر نہیں بھاگا تھا بلکہ اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر اُس طرف چلا گیا تھا جدھر سے ہم آئے تھے۔ وہ بڑے انہماک اور ندیدے پن سے، پتھروں پر ٹپکا ہوا، ویرا کا خون چاٹ رہا تھا اور وقفے وقفے سے ہماری طرف بھی دیکھتا جا رہا تھا۔

وہ منظر دیکھ کر مجھے کراہیت کے ساتھ ہی، ہلکا سا خوف بھی محسوس ہونے لگا۔ پیٹ کی ہوس ایک حد سے تجاوز کر جائے تو ہر جاندار اندھا ہو کر اپنے شکار پر پل پڑتا ہے۔ اس وقت اسے مرنے یا مارنے کا ہوش نہیں رہتا۔ ویرا کے خون کے چند قطرے چاٹ لینے کے بعد چوتھا بھیڑیا بے صبری اور ہمت کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔

میں نے اپنے قدموں سے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھایا اور پوری قوت کے ساتھ چوتھے بھیڑیے کی کھوپڑی کی طرف روانہ کر دیا۔ گھور اندھیرے میں وہ میرا اندازہ ہی تھا جس کا انحصار اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں کی پوزیشن پر تھا۔ کھٹ کی آواز کے ساتھ ہی وہ بھیڑیا غراتا ہوا دور بھاگتا چلا گیا۔

ویرا نے میری تقلید میں دوسرا پتھر تین بھیڑیوں کی ٹولی پر دے مارا تھا اور وہ بھی بلبلاتے ہوئے جنگل کی سمت میں بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

بھیڑیوں کی وہ چیخ و پکار ہمارے لیے خطرناک نہیں تھی۔ غالباً وہ ہڈی کے کسی ٹکڑے یا کسی نرم و جوان مادہ کے لیے لڑتے ہوئے بھی اسی قسم کی آوازیں نکالتے، اس لیے ان آوازوں کی بنا پر ہمارے دشمن ہماری کمین گاہ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تھے۔

"خس کم جہاں پاک۔" میں نے آہستگی سے کہا "اب بتاؤ کہ میں تمہارے نرم و نازک پیروں کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ یہاں

...ٹ ایڈ کا سامان تو ملنے سے رہا۔"

"تم کسی درخت پر چڑھ کر سو جاؤ۔ میں اپنی دیکھ بھال خود کرلوں گی۔"

"یہ خیال بھی بُرا نہیں ہے۔" میں نے اس کے جلے کٹے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے تعریفی لہجے میں کہا "مضبوط شاخوں کے درمیان پھنس کر ہم دونوں ہی رات گزار سکتے ہیں۔"

"تاکہ اجالا پھیلتے ہی ہمارے دشمن ہماری گردنوں میں پھندا ڈال دیں!"

"صبح ہونے میں بہت دیر ہے۔ وہ تاریک جنگل میں اپنی پوری رات برباد نہیں کریں گے۔"

"گیسٹ ہاؤس میں اپنی شرمناک ناکامی کے بعد وہ یہاں ...رے بھی ڈال سکتے ہیں۔ تم بھول رہے ہو کہ انہیں ظفر کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔" اس کی آواز سے تشویش جھلک رہی تھی۔ "ہمیں جلد از جلد یہ تاریک اور خودرو جنگل عبور کرکے دوسری طرف نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر یہ سٹی پارک والا ہی علاقہ ہے تو اس کی دوسری جانب سڑک ضرور ہونی چاہیے۔ سڑک نہ بھی ہوئی تو ہم کہیں نہ کہیں آبادی وغیرہ میں ضرور نکل جائیں گے۔ ہمیں ان سے ہر قیمت پر بچنا ہوگا۔"

معاً مجھے خیال آیا کہ روحی کے گیسٹ ہاؤس سے فرار ہوتے ہوئے ویرا ہمارے سامان والا بیگ اٹھالائی تھی اور اس میں ضرورت کی دیگر چھوٹی موٹی اشیا کے علاوہ ہمارے کپڑے بھی تھے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ وہ بیگ ویرا ہی کے کندھے سے جھول رہا تھا مگر وہ اسے یکسر بھولی ہوئی تھی۔

میری دو قمیصوں کے علاوہ اس بیگ میں ایسا کوئی کپڑا نہیں تھا جس سے پٹیوں کا کام لیا جاسکے' اس لیے میں نے فوراً ہی ایک قمیص کو لمبی لمبی پٹیوں میں پھاڑنا شروع کردیا اور ویرا ان پٹیوں کو یکے بعد دیگرے اپنے زخمی پیروں پر لپیٹنے لگی۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے میں اس کام میں اس کی مدد کرنے سے معذور تھا۔ وہ خود ہی اندازے سے بہتر تہیں جما کر' مضبوط گرہیں لگا سکتی تھی۔

"اب میں چل سکتی ہوں۔" چند منٹ بعد ہی وہ پُرعزم انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"خدا کا شکر ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "ورنہ میں تو تمہیں اپنے شانوں پر بٹھا کر دوڑ لگانے کی تیاری کرنے لگا تھا۔"

"بعض اوقات تم لفنگوں جیسی گھٹیا باتیں کرنے لگتے ہو۔" اس کی آواز میں تلخی عود کر آئی۔ "تمہیں شرم آنی چاہیے۔ اب تم ایک شادی شدہ آدمی ہو....."

"میں نے ایسی کون سی بے ہودہ بات کہہ دی جو تمہیں میری ...ی یاد آنے لگی ہے۔" میں نے اس کے ہمراہ جھاڑیاں وغیرہ عبور کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"کوئی شریف عورت تمہارے کندھوں پر سوار ہونا پسند نہیں کرے گی۔"

"اوّل تو مجھے علم نہیں ہے کہ تم کب سے اچانک شریف ہوگئی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اپنی طرف تو مرنے کے بعد بڑی بڑی شریف اور باحیا بیبیاں بھی اجنبی مردوں کے کندھوں پر سوار ہو کر آخرت کا سفر طے کرتی ہیں۔ ان کے تابوت کے ہر کونے پر کم از کم ایک مرد ضرور ہوتا ہے۔ ہاں' ولایت کی اور بات ہے۔ وہاں تابوت ڈھونے والی سیاہ گاڑیوں نے گوروں کو اس سعادت سے محروم کیا ہوا ہے۔ شوہر اپنی بیوی کا تابوت ڈرائیور کے حوالے کرکے' اپنا غم غلط کرنے کے لیے گرل فرینڈ کے ساتھ چلا جاتا ہے اور ڈرائیور وہ تابوت گورکنوں کے حوالے کردیتا ہے۔ بیوی کے بوائے فرینڈ کو توفیق ہو تو وہ اس کی قبر پر آکر دو چار آنسو بہا لیتا ہے اور بس!"

"بولتے رہو!" میرے خاموش ہونے پر اُس نے استہزائیہ لہجے میں لقمہ دیا "جھینگروں کے شور اور مینڈکوں کی یکساں ٹراہٹوں کے درمیان تمہاری آواز اچھی لگ رہی ہے۔ تم یوں ہی بولتے رہو تو یہ دشوار سفر ذرا آسانی کے ساتھ کٹ جائے گا۔"

"اب لعنت ہو بولنے والے پر!" میری بھی کھوپڑی چٹخ گئی۔ "مجھے جھینگروں اور مینڈکوں سے ملا رہی ہو؟"

وہ دھیمی آواز میں ہنسنے لگی۔ "میں نے یہ کب کہا؟ ویسے پانی جاتا نشیب ہی کی طرف ہے۔"

"ابھی رات بھر ان پتھروں اور ناہموار راستوں پر چلنا پڑے گا تو سارے نشیب و فراز سمجھ میں آجائیں گے۔" میں نے غصے سے کہا "ہوسکتا ہے کہ اس سے پہلے ہی ہمیں گولیوں کی باڑھ پر رکھ لیا جائے۔"

میری برہمی کا اندازہ کرکے اس نے کچھ دیر کے لیے خاموشی اختیار کرلی اور ہم دونوں ایک دوسرے سے مخاطب ہوئے بغیر درختوں کے درمیان اپنا راستہ بناتے رہے۔ ہمارے عقب میں کافی فاصلے پر نظر آنے والی' آبادی کی روشنیاں تھوڑی دیر بعد بالکل معدوم ہوگئیں۔ گھور تاریکی میں صرف آسمان کے ستارے ہی جھلملا رہے تھے۔

کچھ دیر بعد ڈھلان شروع ہوگئی۔ اس کے فوراً بعد ہی ہلکی سی چڑھائی کا سلسلہ تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سٹی پارک کے لیے چھوڑے گئے' اس خودرو اور چھدرے جنگل میں' برساتی پانی نے مٹی کاٹ کر اپنی گزرگاہ بنائی ہوئی تھی جو ان دنوں خشک پڑی ہوئی تھی۔

کافی دیر تک ان ناہموار راستوں پر چلنے کے بعد مجھے تھکن کا احساس ہونے لگا' جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ ہم دونوں ہی اپنی زبانیں بند کیے چل رہے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ خاموشی مجھے کھلنے لگی لیکن میری انا نے مجھے وہ سکوت توڑنے کی اجازت نہیں دی اور شاید یہی

صورتِ حال ویرا کے ساتھ بھی تھی۔
"میرا خیال ہے کہ ہم جنگل عبور کرنے کے بجائے' اسی میں گھوم رہے ہیں۔" آخر کار ویرا نے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے' خاموشی کے اس تسلسل کو توڑ ہی دیا۔
"تم آگے آجاؤ' میں تمہارے پیچھے چلنا شروع کر دیتا ہوں۔" میں نے اسے پیشکش کی۔
"میں نے تمہیں مخاطب نہیں کیا تو تم مجھ سے بات کیوں کر رہے ہو؟"
"مجھ سے بات نہیں کی تھی تو کیا اپنا خیال درختوں کو سنا رہی تھیں؟"
"میں بلند آواز میں سوچ رہی تھی۔" اس کی بے پروایانہ آواز ابھری۔ "اب تم بول ہی پڑے ہو تو یہ بھی بتاؤ کہ گیسٹ ہاؤس میں' ہمارے کمرے پر دھاوا بولنے والے کون ہو سکتے تھے؟"
"کمال ہے کہ تم نے ایسا احمقانہ سوال کیا ہے۔ ظفر کے جانے کے بعد آنے والے' اسی کے آدمی ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسلام آباد میں ہمارا کون دشمن ہو سکتا ہے؟"
"ظفر کے آدمیوں کا مطلب ہے کہ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کے آدمی رہے ہوں گے۔ وہ اسلام آباد میں اپنے آدمیوں کا گروہ تو نہیں بنا سکتا تھا۔"
"یہ بھی سامنے کی بات ہے۔ وہ اپنی پوزیشن کا فائدہ اٹھا کر ایس ٹی ایف کو استعمال کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے ہمیں انتہائی خطرناک مجرم قرار دے کر ان لوگوں کو ہمارے پیچھے بھیجا ہو۔ اپنی پول کھل جانے کے بعد وہ ہمیں زیادہ ڈھیل دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔"
"اس مہم کی ناکامی کے بعد اس کا کیا ردِعمل ہو سکتا ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔
"وہ پوری طاقت اور نفری کے ساتھ ہماری تلاش شروع کرا دے گا۔"
"تمہارا اندازہ ہے کہ وہ اب بھی ایس ٹی ایف میں جما رہنے کی ہمت کر سکے گا؟"
"وہ ہمیں ہر طرف سے یکہ و تنہا کر کے گھیرنے کے لیے وہاں رہنے پر مجبور ہے۔ ویسے بھی اس کے فنگر پرنٹس کا معاملہ بہت مضبوط ہے۔ جب تک وہ راز حل نہیں ہو گا' ہم ایس ٹی ایف سے اس کے قدم اکھاڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔"
"میں ابھی تک تمہارے شبہات سے متفق نہیں ہو سکی ہوں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "فنگر پرنٹس کی یکسانیت اسے ہر شبہے سے بری کر رہی ہے۔ میری زبان سے ہسپانوی زبان سننے پر اس نے جس ردِعمل کا مظاہرہ کیا' اس کی بھی کئی تاویلات ہو سکتی ہیں۔ غیر متوقع طور پر ایک اجنبی زبان سن کر کوئی بھی چونک سکتا ہے۔ پھر وہ ہسپانویوں کے درمیان رہا ہے۔ اس زبان سے نہ سہی لیکن اس کے لب و لہجے سے ضرور واقف ہے۔ اس نے یہی سوچا ہو گا کہ تمہارے کمرے میں ہسپانوی زبان بولنے والی لڑکی کہاں سے آ گئی۔"
"پھر تم اس پُراسرار حملے کو کس خانے میں فٹ کرو گی؟" میں نے سوال کیا۔
"اس معاملے میں الجھاوے بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔" اس نے بادلِ ناخواستہ اعتراف کیا۔ "فنگر پرنٹس کو نظر انداز کر دیا جائے تو تمہارے شبہات درست معلوم ہوتے ہیں لیکن ٹھوس ثبوت کے بغیر' تم اول خان سمیت' کسی کو بھی اپنا ہم نوا نہیں بنا سکو گے۔"
"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ اسے بے نقاب کرنے کے لیے کیا حکمتِ عملی اختیار کرنی ہو گی؟"
"ایک راہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسے اغوا کر کے' اس پر اتنا تشدد کیا جائے کہ وہ خود ہی سچ اگلنے پر مجبور ہو جائے۔" ویرا نے اپنی رائے ظاہر کی۔
"آج کے واقعات کے بعد وہ بہت زیادہ چوکنا ہو جائے گا۔ اس پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں ہو گا۔ جو شخص کئی ہزار میل کا سفر طے کر کے' ایک حساس ادارے میں کسی اور کی جگہ سنبھالنے کا خطرہ مول لے سکتا ہے' اسے آسانی کے ساتھ زیر نہیں کیا جا سکے گا۔"
"تم اول خان کو آج کے واقعات سے آگاہ کرو گے؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد ویرا نے پوچھا۔
"اس بارے میں مجھے سوچنا پڑے گا' لیکن ایک بات طے ہے کہ میں اس بارے میں ظفر سے ضرور بات کروں گا۔ اسے آج کے حملے سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔"
"یہ بالکل احمقانہ فعل ہو گا۔" ویرا نے بے ساختہ کہا "وہ تمہاری تمام کہانی......"
میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی "ہو سکتا ہے کہ اس طرح میں اسے یہ بات باور کرانے میں کامیاب ہو جاؤں کہ مجھے اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہے اور آج ہونے والے حملے کے بارے میں اس کی ذات کو بری الذمہ سمجھ رہا ہوں۔ ویسے بھی وہ مجھ سے زیادہ تمہاری طرف سے بھڑکا ہوا تھا۔"
"اور تمہارا خیال ہے کہ وہ تمہاری اس چال کو نہیں سمجھ سکے گا؟"
"سمجھ بھی لے تو کھل کر کچھ نہیں کہہ سکے گا۔ یہ شطرنج کی ایک بازی ہو گی۔ اگر میں نے معقولیت کے ساتھ بات سنبھال لی تو شاید ہم کوئی قابلِ ذکر پیش رفت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"
"سرد اعصابی جنگ لڑنے کا خیال برا نہیں ہے لیکن اس بار اسے اپنے ٹھکانے سے آگاہ کرنا مناسب نہیں ہو گا ورنہ ہم

کرادار بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر وہ البرٹو ویلیسا ہی ہے تو اسے اپنا ن جاری رکھنے کے لیے ہم دونوں کو اپنی راہ سے ہٹانے کا خیال نا ہوگا۔"

"تم بار بار خود کو بہلانے یا دھوکا دینے کی کوشش کررہی ہو۔" نے قدرے ترش انداز میں کہا "روحی کے گیسٹ ہاؤس پر ہونے والی یلغار نے ہر اگر مگر کو دور کردیا ہے۔ وہ ہمارے لہو کا پیاسا ہو چکا ہے۔ مجھے اس کے سفاکانہ عزائم کے بارے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے لیکن وہ میری طرف سے مخمصے میں مبتلا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی بھی خطرہ مول لینے کے بجائے، براہِ راست مجھے ہرانے پر تُل گیا ہو۔"

اس بحث و تمحیص میں تھکان کا احساس بڑی حد تک معدوم ہو گیا اور کچھ دیر بعد ہی ہم نیم گنجان درختوں کے جھنڈ پیچھے چھوڑ کر، ہموار میدان میں نکل آئے جو لمبی لمبی گھاس اور خودرو جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس سے آگے دور تک ویرانہ ہی ویرانہ پھیلا ہوا تھا۔ داہنی طرف، کافی فاصلے پر مرگلہ کی سرسبز پہاڑیاں تاریکی میں بھی اپنا تاریک تر وجود نمایاں کررہی تھیں۔

آخر کار ہم دھول اور پتھروں سے اٹے ہوئے میدان میں پہنچ گئے۔ اگر اس علاقے میں ٹرکوں وغیرہ نے کوئی کچی راہ گزر بنائی ہوئی تھی تو اتنی رات گئے وہ بھی سنسان پڑی ہوئی تھی۔ ان اطراف میں ٹریفک اور روشنی کا کوئی وجود نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے بس ایک ہی راہ رہ گئی تھی کہ ہم بائیں طرف ... چلنا شروع کردیں، وہ کوشش ہمیں اسلام آباد کی کسی آبادی میں نہ سہی تو شاہراہِ کشمیر تک ضرور پہنچاسکتی تھی جہاں سے ہمیں کوئی نہ کوئی سواری مل سکتی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ مزید آگے بڑھنے سے پہلے شب خوابی کے لباس بدل لیے جائیں۔" میں نے تجویز پیش کی۔

ویرا ہنس پڑی "اس ہیت کذائی میں ہمارا جس سے بھی سامنا ہوا، وہ بھڑک کر بھاگ نکلے گا۔ سونے کے کپڑوں میں ننگے پاؤں پھرنے والوں کو فاترالعقل سمجھا جائے گا۔"

غنیمت یہ تھا کہ بیگ میں ہمارے کپڑوں کے فاضل جوڑے موجود تھے اور اندھیرا ہونے کے باوجود یہ اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ کپڑے مردانہ ہیں یا زنانہ۔ ہم دونوں نے اپنے اپنے جوڑے لیے اور ایک دوسرے سے چند قدم دور جاکر لباس تبدیل کرلیے۔ شب خوابی کے دونوں جوڑے بیگ میں ٹھونس دیے گئے۔

"مجھے تو دہشت میں کپڑوں کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔" کچھ دور چلنے کے بعد ویرا بولی "تم میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تم بدترین حالات میں بھی جزئیات کو نظرانداز نہیں کرتے۔ ہمارے جسموں پر سلیپنگ سوٹ دیکھ کر کوئی بھی رکنے کی زحمت نہ کرتا۔"

"تمہاری موجودگی میں ایسا ہونا ممکن نہیں تھا۔ یہاں کے مرد، عورتوں کے معاملے میں فاقہ زدگی کا شکار رہتے ہیں۔ تمہارے ایک اشارے پر گاڑی رک سکتی تھی۔ نسوانی شباب ہاتھ لگنے کی موہوم سی بھی امید ہو تو ہمارے مرد بڑے سے بڑا عذاب سہ لینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔"

"آج تمہاری کھوپڑی پر ان ہی باتوں کا راج معلوم ہورہا ہے۔" وہ میرا بازو نوچتے ہوئے غرائی "میں اکیلی ہوتی تو اور بات تھی، اکیلی عورت کو ہر لفنگا مرد، لقمۂ تر سمجھتا ہے۔ اسلام آباد کے اس ویرانے سے لے کر نیویارک کے ہارلیم اور لندن کے ہیکنی تک میں ایسا ہی ہوتا ہے مگر..."

"تم نیویارک اور لندن کے کالوں والے علاقوں کے حوالے دے رہی ہو" میں نے اس کی بات کاٹ کر احتجاج کیا "اکیلی اور خوب صورت لڑکیوں کے معاملے میں سفید فام آوارہ گرد زیادہ درندے ثابت ہوتے ہیں۔"

وہ تلخ انداز میں ہنس پڑی اور بولی "تم رنگ دار نسلوں کے لوگ بلاوجہ، ہر وقت مغرب میں رہنے والے کالوں سے اپنی رشتے داری جتانے کے چکر میں پڑے رہتے ہو اور وہ تاک تاک کر تم ہی کو نشانہ بناتے ہیں۔ امریکا میں تم پاکستانیوں کو اس قدر تحقیر آمیز انداز میں پاکی کہا جاتا ہے کہ اب یہ لفظ ایک روایتی گالی کی صورت اختیار کرگیا ہے۔ کسی سفید فام کو سؤر یا حرام زادہ کہہ دو تو وہ اتنا برا نہیں مانے گا جتنا پاکی کہنے پر..."

"شاید ہم کسی سڑک کے قریب پہنچنے والے ہیں" میں نے کافی فاصلے پر ڈوبتی، ابھرتی، متحرک روشنیوں پر نظر جماتے ہوئے اس بحث کا رخ وہیں موڑ دیا "غنیمت ہے کہ تم نے کپڑے بدل لیے ہیں ورنہ شب خوابی کے لباس میں تم ٹرک ڈرائیوروں اور کلینروں کو بہت زیادہ اشتہا انگیز نظر آتیں۔"

"اور تم غیر جانب داری اختیار کرلیتے؟" اس نے غرّاتے ہوئے سوال کیا۔

"تم شاہراہوں پر لفٹ لینے کے خطرات سے لاعلم ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "باربرداری کی ہر گاڑی میں، اگلی نشست پر دو افراد کے بیٹھنے کی جگہ ہوتی ہے۔ تیسرا مسافر کوئی دلبر ہو تو ڈرائیور اور کلینر اسے اپنے درمیان میں جگہ دے دیتے ہیں، لیکن ہم دو افراد ہیں۔ ڈرائیور مجھے اپنے برابر میں بٹھالیتا اور کلینر تمہیں اپنے ساتھ کیبن کی چھت پر بنے ہوئے چوبی تابوت میں لے جاتا۔ چلتے ٹرک کے شور میں میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوسکتا تھا کہ تاروں بھرے آسمان کے نیچے، تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا ہے۔"

"میرے ساتھ ایسی کوئی صورتِ حال پیش آتی تو میں اپنے حریف کو، بلا تکلف چلتے ٹرک سے نیچے پھینک دیتی۔" ویرا میرے برابر میں آکر بولی "تمہیں معلوم ہے کہ میں موم کی گڑیا نہیں ہوں۔ مارشل آرٹس میں اپنی مہارت کے ذریعے بڑے بڑے سورماؤں کو خاک چاٹنے پر مجبور کرچکی ہوں۔"

میں اس سے زبانی چھیڑ چھاڑ کرتا رہا اور وہ چہکتے ہوئے انداز میں، میرے ساتھ بحث میں الجھی رہی۔

جب تک ہم سٹی پارک کے وسیع و عریض رقبے پر اُگے ہوئے خودرو جنگل اور جھاڑ جھنکاڑ میں چلتے رہے، ہمارے ذہنوں پر انجانے خطرات کی دبیز دھند چھائی رہی لیکن اس پُرہول، آسیبی ماحول سے باہر نکل آنے کے بعد ہم دونوں ہی اس بدترین ذہنی دباؤ سے بڑی حد تک نجات حاصل کر چکے تھے۔ گھنے چھتنے آوارہ بھیڑیے، درختوں کی بھول بھلیوں میں رہ گئے تھے اور ہمارے دشمن بھٹک کر کسی اور ہی راہ پر چل پڑے تھے۔

ہمارا یہ سفر سخت اور پُرصعوبت ضرور تھا لیکن ویرا اپنے زخمی پیروں کی پروا کیے بغیر پوری ہمت کے ساتھ میرا ساتھ دے رہی تھی۔ ہماری اس پیش قدمی کے نتیجے میں وہ سڑک لحہ بہ لحہ قریب آتی جارہی تھی جس پر داہنی اور بائیں سمت میں جانے والی اِکا دُکا گاڑیوں کی روشنیاں ہماری امیدوں کا مرکز تھیں۔

اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے اور فضا میں سحرخیز پرندوں کی چہکار گونجنے لگی تھی لیکن میں اس خوب صورت قدرتی ماحول سے لطف اندوز ہونے کے بجائے ظفر کے متوقع ردِّعمل میں الجھا ہوا تھا۔

ویرا نے اپنے چہرے مہرے، بالوں کے انداز، لباس، زبان و بیان اور چال ڈھال میں حتی الامکان تبدیلیاں پیدا کرلی تھیں لیکن اپنے خدوخال کو بدلنا اس کے بس سے باہر تھا اسی وجہ سے ظفر کی گھاگ نگاہوں نے اس کی ذات میں ویرا کی جھلک دیکھ لی تھی لیکن میں نے اسے ویرا کی فرسٹ کزن قرار دے کر ظفر کو مطمئن کردیا تھا۔ میری اس قلابازی کے نتیجے میں ظفر ایک طرف مطمئن ہوگیا تھا لیکن دوسری طرف اسے یہ خدشہ لاحق ہوگیا کہ ویرا نے اسے پہچان لیا تھا اور مجھے اعتماد میں لیے بغیر اپنی کزن کے ذریعے اسے گھیرنا چاہ رہی تھی۔ اس بارے میں ظفر نے اشاروں کنایوں کے ذریعے میرے دل میں بھی سینتے کاسیلو کی طرف سے بدگمانیوں کے بیج بونے کی کوشش کی تھی۔ ظفر کے اس رویّے سے یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ اس کے شبہات کا سارا زور ویرا کی ذات پر تھا اور وہ مجھے بالکل بے گناہ سمجھ رہا تھا۔

پچھلی رات بھی جن لوگوں نے روحی کے گیسٹ ہاؤس میں ہماری خواب گاہ میں گھسنے کی کوشش کی، انھوں نے میرا نام لیے بغیر صرف اور صرف سینتے کاسیلو سے ملنے کا مطالبہ کیا تھا۔ ظفر کی اس احمقانہ سوچ کی وجہ سے مجھے اپنے لیے ایک نئی راہ بنتی نظر آرہی تھی۔ اگر میں اپنے منصوبے پر کامیابی کے ساتھ عمل کرنے میں کامیاب ہوجاتا تو ظفر کی جڑوں تک میں اترنے کا موقع حاصل کرسکتا تھا۔

مجھے اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ اسلام آباد کو پشاور روڈ سے ملانے والی شاہراہ تھی یا اسی کے متوازی کوئی اور سڑک تھی لیکن غنیمت یہ تھا کہ ہم اس پر وقفے وقفے سے گاڑیوں کی نقل و حمل دیکھتے آئے تھے۔ اپنے اندازے کے مطابق ہم اس وقت اسلام آباد کے مغربی سرے پر آبادی سے باہر موجود تھے۔ بائیں طرف جانے والا ٹریفک شہر میں داخل ہورہا تھا اور میں ایسا کوئی بھی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا اس لیے ہم دونوں سڑک عبور کرکے اس سمت میں کھڑے ہوگئے جدھر سے اسلام آباد سے آنے والی گاڑیوں کے گزرنے کا امکان تھا۔

ابتدائی دس منٹ میں دو کاریں اور ایک ٹرک اسلام آباد کی طرف جاتا ہوا نظر آیا۔ اس کے بعد مخالف سمت سے ایک ٹرک آتا ہوا نظر آیا تو ہم دونوں درختوں کی اوٹ سے نکل کر سڑک کے کنارے آگئے اور لفٹ لینے کے لیے زوروشور کے ساتھ ہاتھ ہلانے لگے۔

چمکتی ہوئی سیدھی سڑک پر ٹرک کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں ڈرائیور نے دور ہی سے ہمیں دیکھ لیا تھا کیونکہ اس ویرانے میں انجن کی تیز اور یکساں گونج میں ایسی تبدیلی رونما ہوچکی تھی جیسے ڈرائیور نے ٹرک کی رفتار کم کرنی شروع کردی ہو۔

آخرکار وہ لدا ہوا ٹرک ہم دونوں سے چند گز کے فاصلے پر رک گیا۔ ڈرائیور کے ساتھ والی نشست سے ایک جواں سال اور خوبرو پٹھان لڑکا اتر کر نیچے آیا۔ ہم لپک کر اس کے قریب پہنچے تو اس کی چمکتی ہوئی پُرشوق نگاہیں ویرا کے سراپا پر مرکوز ہوچکی تھیں۔

"خان صاحب! ہمیں کسی ایسی جگہ تک پہنچا دو جہاں سے ہمیں کوئی سواری مل سکے" ویرا نے اسے ریشہ خطمی ہوتے دیکھ کر اس سے خطرناک حد تک قریب ہوتے ہوئے التجا کی اور مزید ستم یہ کیا کہ اپنا داہنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔

ٹرک کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں اس پٹھان زادے کا لبوں کے چہرے پر سرخ آیا۔ ویرا نے اسے نسوانی قرب ہی سے نہیں، بلکہ اپنے گداز لمس سے بھی نواز دیا تھا۔ دوم یہ کہ اس سفید فام عورت کی زبان سے شستہ اردو سن کر اس خان زادے پر حیرتوں کے پہاڑ بھی ٹوٹ پڑے تھے۔

اس نے اضطراری طور پر اپنا کان کھجایا پھر ہمدردانہ لہجے میں پوچھا "میم صاب! تم اس وقت ادھر کیا کرتی ہے؟ یہ تو خطرناک علاقہ ہے۔"

"واقعی بہت خطرناک علاقہ ہے۔ ہم ڈاکوؤں میں پھنس گئے تھے" ویرا نے کہا۔

کلینر نے اشتباہ آمیز بلکہ خونخوار نظروں سے مجھے گھورا اور ویرا سے سوال کیا "یہ بھی اُن ہی کا ساتھی ہے؟؟"

"نن.... نہیں!" ویرا نے بوکھلا کر وضاحت کی "یہ بے چارہ تو میرا شوہر ہے۔ ڈاکو ہم دونوں کو اغوا کرکے لے جارہے تھے ہم نے بڑی مشکل سے ان کی گاڑی سے کود کر اپنی جانیں بچائی ہیں"

"خوچہ میم صاب! پھر تم پولیس ٹیشن چلو" وہ نئی آواز سن کر

چونک پڑا۔ پتا چلا کہ ہماری بے خبری میں ٹرک ڈرائیور بھی ویرا کی زیارت کے لیے نیچے اتر آیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ”ام تم کو ادھر چھوڑے گی۔ اسلام آباد کی پولیس ایک دم گولی ہے۔ وہ ڈاکو لوگ کو پکڑ لے گی۔“

”اس وقت ہم ننگے پاؤں اور بُری حالت میں ہیں۔ پولیس ہم سے بدسلوکی کرے گی۔ ہم سب سے پہلے پنڈی میں اپنے ایک دوست کے گھر پہنچنا چاہتے ہیں۔ وہ کرنل ہے۔ اس کی موجودگی میں پولیس والے ہمارے بارے میں عزت آمیز رویّہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے....“

پھر ویرا نے اچانک ہی پشتو بولنی شروع کر کے ان دونوں کو بھونچکا کر دیا۔

ویرا نے اپنی بات ختم کی تو وہ دونوں بیک وقت جوش و خروش کے ساتھ بولنے لگے۔ شاید وہ کسی بات پر بحث کر رہے تھے۔ ویرا نے ان کی نظریں بچا کر مجھے آنکھ ماری پھر ان کی گفتگو میں دخل انداز ہو کر انہیں خاموش کرا دیا اور ہم چاروں ٹرک کی طرف چل دیے۔

ٹرک کا انجن بدستور چل رہا تھا۔ ڈرائیور نے اپنی نشست سنبھالی‘ ویرا درمیان میں بیٹھ گئی اور میں کھڑکی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کلینز کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ اوپر چڑھ گیا اور دروازے بند ہوتے ہی ٹرک آہستگی کے ساتھ حرکت میں آگیا۔

ٹرک چلنے کے ساتھ ہی ڈرائیور کی زبان بھی چل پڑی۔ ویرا بھی اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ وہ دونوں یوں بے تکان بولے جا رہے تھے جیسے ان میں برسوں کی پرانی شناسائی رہی ہو۔ مجھے انہوں نے عضوِ معطل سمجھ کر یکسر نظر انداز کیا ہوا تھا۔

”ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو میں نے کسی زن مرید شوہر کی طرح منمناتے ہوئے سوال کرنے کی جسارت کر ہی ڈالی۔

”رخ تاج خان ہمیں پیرودھائی کے اڈّے پر اتار دے گا۔ وہاں سے رات بھر ہر قسم کی سواری مل سکتی ہے“ ویرا نے اردو میں میری معلومات میں اضافہ کیا۔

”برادر! تم کیوں ڈرتی ہے؟“ ڈرائیور نے ویرا کے دونوں گھٹنوں کے درمیان واقع گیئر لیور کو حرکت دیتے ہوئے بزرگانہ انداز میں کہا ”میم صاب نے پشتو بول کر امارا دل پشوری کر دیا۔ تم بولے گی تو ام تم کو اسی ٹرک میں کرنیل کے گھر پہنچائے گی۔ تم مت ڈرو۔ رخ تاج خان ہزاروں ڈاکوؤں کو بھی اکیلا بھگا سکتی ہے۔ میم صاب کی طرح ہمت پکڑو!“

میں اس کی ہرزہ سرائی پر خون کے گھونٹ پی کر خاموش رہا۔ اصل قصور ویرا کا ہی تھا جو دو افراد کے لیے بنائی گئی اس نشست پر رخ تاج خان سے کچھ زیادہ ہی جڑ کر بیٹھی تھی جس کے نتیجے میں رخ تاج خان کی بیٹری ضرورت سے زیادہ چارج ہو رہی تھی۔

وہ ٹرک ڈرائیور ہمارے لیے لاکھ اجنبی سہی لیکن ویرا نے مجھے اپنے شوہر کی حیثیت سے متعارف کرا کے ذہنی عذاب میں مبتلا کر دیا تھا۔ ڈرائیور سے میرا وہ تعارف نہ ہوا ہوتا تو ویرا اس کی گود میں بھی چڑھ بیٹھتی تو مجھے برا محسوس نہ ہوتا لیکن اس تعارف کے بعد میرے دل و دماغ میں شوہرانہ آن جاگ اٹھی تھی اور مجھے ویرا کا رخ تاج خان کے ساتھ جڑ کر بیٹھنا اور اس سے میٹھی میٹھی باتیں بگھارنا ناقابلِ برداشت محسوس ہو رہا تھا‘ جیسے وہ واقعی میری بیوی رہی ہو۔

میں ویرا کے بال پکڑ کر اسے اپنی طرف گھسیٹ لیتا یا رخ تاج خان کو اس کی سمت کا دروازہ کھول کر سڑک پر پھینک دیتا لیکن نظریۂ ضرورت کے تحت میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ وقت کا تقاضا یہی تھا کہ ڈرائیور کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیئے بغیر اس طرح باتوں میں الجھایا جائے کہ پیرودھائی کا لاری اڈّا آنے تک وہ کوئی ڈھنگ کی بات سوچ ہی نہیں سکے۔ میرا خیال تھا کہ ویرا اسی پالیسی پر عمل کر رہی تھی۔

آخر کار راولپنڈی کے آخری سرے پر واقع پیرودھائی کا اڈّا آگیا۔ ٹرک کے پوری طرح رکنے سے پہلے ہی کلینز میری طرف کی کھڑکی پر اپنی وزنی چپل سے سہارا لیتا ہوا نیچے کود گیا۔

گاڑیوں‘ بسوں اور مسافروں کی شب و روز آمد و رفت کی وجہ سے دن رات مصروف رہنے والا ’وہ اڈّا اس وقت بھی آباد تھا۔ دکانیں‘ کیبن اور ٹھیلے بھی موجود تھے لیکن بیشتر رات گزر جانے کی وجہ سے ہر شے سے تکان اور غنودگی ٹپک رہی تھی۔

ٹرک سے اترتے ہوئے‘ رخ تاج خان کا چہرہ قابلِ دید تھا۔ اس کے ایک ایک نقش میں حسرتوں نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ شاید وہ ویرا کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ پر مزید وقت گزارنے کا متمنی تھا۔ ٹرک کے ڈرائیونگ کیبن سے ایک غیر ملکی اور خوبصورت عورت کو برآمد ہوتے دیکھ کر وہاں موجود لوگوں میں زندگی کی سنسنی اور تحیّر آمیز سی لہر دوڑ گئی۔ اِکّا دُکّا لچر آوازے بلند ہوئے‘ چند شہدوں نے سیٹیاں بھی بجائیں لیکن جب رخ تاج خان نے سینہ نکال کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں تو ہر شخص لاتعلقانہ انداز میں اپنے پرانے کام میں مصروف ہو گیا۔

رخ تاج خان اور ویرا نے مجھے بدستور بری طرح نظر انداز کیا ہوا تھا۔ اڈّے پر مختلف سمتوں میں جانے والی تین بسیں کھڑی ہوئی تھیں۔ نئے مسافر ملنے کی امید میں تینوں ہی بسوں کے کنڈکٹروں نے اونچی آواز میں اپنے اپنے روٹ اور منزل کا اعلان شروع کر دیا تھا لیکن رخ تاج خان‘ ویرا کا ہاتھ تھام کر ٹیکسیوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ میں کسی زن مرید بلکہ زن گزیدہ شوہر کی طرح سر جھکائے ان دونوں کی تقلید کرتا رہا۔

اس وقت لسانی یک جہتی کے کمالات یکے بعد دیگرے سامنے آتے جا رہے تھے۔ ویرا نے پشتو کا سہارا لے کر رخ تاج خان کی

کھوپڑی پر برف جما دی تھی اور رخ تاج خان نے چاق و چوبند ٹیکسی ڈرائیوروں کی خوشامدانہ دعوتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے ایک دور افتادہ ٹیکسی کا رخ کیا تھا جس کا ڈرائیور ایک دروازہ کھول کر عقبی نشست پر گہری نیند سویا ہوا تھا لیکن اس کے باہر نکلے ہوئے پیروں میں پشاوری چپلیں دور ہی سے نظر آرہی تھیں۔

ڈرائیور گہری نیند سے جگائے جانے پر لمحہ بھر کے لیے برہم نظر آیا لیکن ویرا کے رخِ روشن پر نگاہ پڑتے ہی اس پر یک بیک خوش خلقی کا دورہ پڑ گیا۔ جب رخ تاج خان کے ساتھ ہی ویرا نے بھی پشتو بولنی شروع کی تو خوشگوار حیرت سے اس کے دانت نکل پڑے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے دانتوں پر چڑھے ہوئے نسوار کے رنگ نے اس کی مسکراہٹ کو بے رونق اور پھیکا کر دیا تھا۔

مسکراہٹ کو زہرناک بنانے میں صرف نسوار ہی کو کمال حاصل نہیں ہے۔ ہروقت پان کی جگالی کرتے رہنے والوں کی مسکراہٹ کو جھیلنا بھی بڑے دل گردے کا کام ہوتا ہے۔ ایک فریق سے پچکاری کی دہشت لاحق رہتی ہے تو دوسرے سے گل کاری کی ہیبت رہتی ہے۔ ہاں، تسلسل سے سگریٹ پینے والوں کے دانتوں کی زردی اور ریخوں میں جمی ہوئی سیاہی اتنی بری نہیں لگتی لیکن ان کے سانسوں سے اڈنے والا تمباکو کا باسی تعفن ناقابلِ برداشت ہوتا ہے لیکن ویرا اس وقت نظریۂ ضرورت کی زنبیل میں اتری ہوئی تھی اس لیے وہ بھی ٹیکسی ڈرائیور کے لیے جواباً مسکراتی رہی۔

ان تینوں کے درمیان کوئی معاملہ طے ہونے کے بعد رخ تاج خان نے ایک گہرا سانس لے کر قہر آلود نظروں سے مجھے گھورا پھر الوداعی مصافحے کے لیے ویرا کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

صاف ظاہر تھا کہ اسے ہم دونوں کی ازدواجی حیثیت پر ذرا بھی شبہ ہوتا تو وہ پُرزور معانقہ کیے بغیر ہرگز ویرا سے رخصت نہ ہوتا۔ وہ اپنی دانست میں ویرا کو اپنی ذات کے طلسم میں گرفتار کر چکا تھا لیکن میں ظالم سماج کی نمائندگی کرتے ہوئے کباب میں ہڈی بلکہ ہڈا بنا ہوا تھا۔ رخ تاج خان نے مجھ سے ہاتھ ملانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔

ٹیکسی ڈرائیور نے ہم زبانی کے اہم اور قریبی رشتے کی خاطر عقبی نشست رگڑ رگڑ کر صاف کی' پھر خیال آنے پر مزید صاف کی اور دروازہ کھول کر کسی فاتح جرنیل کی طرح ہمارے سامنے کھڑا ہو گیا۔

میرے حق میں رخ تاج خان کے تیور کچھ موافقانہ نہیں تھے۔ کچھ عجب نہیں تھا کہ میں ٹیکسی میں سوار ہونے میں پہل کرتا تو وہ مجھے کمر سے پکڑ کر باہر گھسیٹ لیتا' اس لیے میں نے بہ تقاضائے شوہریت' کھلا ہوا دروازہ تھام کر' ویرا کو پہلے سوار ہونے کی دعوت دی اور وہ نہایت دلبرانہ انداز میں رخ تاج خان کی طرف ہاتھ لہراتی ہوئی ٹیکسی میں سوار ہو گئی۔ میں نے اندر گھس کر فوراً دروازہ بند کر لیا۔

لیلیٰ اپنے محمل میں سوار ہو چکی تھی اور مجنوں کی بے قراری بڑھ گئی تھی۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو ایک مرتبہ پھر کچھ سمجھانا یا گمراہ کرنا شروع کر دیا۔

"بے چارے مشرقی مرد!" ویرا میری پسلیوں میں اپنی کہنی سے ٹھوکا مارتے ہوئے منمنائی۔ "ایک چالاک مگر خوبصورت عورت ہزاروں کی بھیڑ کو سمندر میں غرق کر سکتی ہے...."

"زیادہ بک بک مت کرو۔ تم نے اپنے تمام اعضائے خبیثہ کا لس استعمال کر کے اس کے اعضائے رئیسہ کو ناکارہ کر دیا تھا اور وہ کاٹھ کا الو بن کر رہ گیا تھا۔" میں نے دھیمی آواز میں اسے ڈانٹ دیا۔

"میرا کیا بگڑا؟ یا کیا گھس گیا؟" وہ بے حیائی کے ساتھ بولی۔ "قدرت نے انسان کو یہ بدن دیا ہی اس لیے ہے کہ برے وقت میں اس کی مدد سے اپنا دفاع کرے۔ اگر بھیڑیا پیچھے لگ جائے اور تم اپنی ٹانگیں استعمال کر کے فرار کی راہ اختیار نہ کرو تو چند ہی ثانیوں میں مرحوم احمق کہلاؤ گے....."

"اپنا فلسفہ اپنی ذات تک ہی محدود رکھو تو بہتر ہوگا۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر بدن گھسنے ہی کی بات ہے تو یہ بدترین اخلاقی حرکتوں سے بھی نہیں گھستا لیکن آدمی اپنی ہی نظروں میں ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور اس ٹوٹ پھوٹ کا کہیں بھی کوئی علاج نہیں ہے۔"

"تم بھول گئے کہ کس سے بات کر رہے ہو۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "میں دوسری لڑکیوں کی بات نہیں کرتی' صرف میرے ہی ساتھ تم نہ جانے کتنی بار ٹوٹ پھوٹ چکے ہو لیکن میں نے تو آج تک تمہاری ذات میں ذرا سی بھی تبدیلی محسوس نہیں کی!"

میں اس کو منہ توڑ جواب دینا چاہتا تھا لیکن اسی وقت شاید رخ تاج خان کی تقریر میں کوئی وقفہ آیا اور ٹیکسی ڈرائیور نے اپنی نشست سنبھال کر انجن چلا دیا۔

رخ تاج خان نے بے تابانہ انداز میں کھڑکی کے قریب آکر ایک بار پھر ویرا کو الوداع کہا تو اس کی آواز فرطِ جذبات سے مغلوب ہو رہی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے اس پر ترس آیا لیکن فوراً ہی میرا خون کھولنے لگا۔ سرِراہ ملنے والی ایک عورت سے ہونے والی سرسری سی شناسائی میں اس قدر جذباتی ہو کر وہ خود کو عقل سے بالکل ہی پیدل ثابت کر رہا تھا۔

آخرکار ٹیکسی چل پڑی۔ جب تک وہ ڈھلان اتر کر جی ٹی روڈ پر نہ مڑ گئی' رخ تاج خان اپنی جگہ پر پتھر کے کسی بت کی طرح جما کھڑا رہا۔ میں نے ایک طویل وقفے کے بعد سگریٹ سلگائی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

جب میں نے کافی دیر تک سکوت توڑنے میں پہل نہیں کی تو ویرا نے انگریزی میں مجھے ٹوکا۔ "معلوم ہوتا ہے' آرام دہ سواری

تے ہی تم نے اونگھنا شروع کردیا ہے۔"
"اونگھنے کی تو مہلت ہی نہیں ہے۔" میں نے بے رخی سے
دیا۔ "میں فضا میں تمہارے بدن کی وہ بو سونگھنے کی کوشش
رہا ہوں جس نے ٹرک ڈرائیور کو دیوانہ بنا دیا تھا۔"
"تم اس سے جل رہے ہو۔" وہ ہلکا سا قہقہہ مار کر بولی۔
"بابا! اب تو وہ ایک بھولا ہوا خواب بن چکا ہے۔ ہو سکتا ہے
زندگی بھر اس سے دوبارہ ملاقات ہی نہ ہو۔"
"میں اس سے کیوں جلنے لگا؟" میں نے بھڑک کر کہا۔ "تم سے
کون سا ایسا رشتہ ہے جس کے سبب میں تمہیں گندی بے
ڈالیوں سے روک سکوں۔ تم خود اپنا برا بھلا سمجھتی ہو۔" بولتے
بولتے میں اچانک ہی چپ ہو گیا۔ میری جلی کٹی باتیں ویرا کے قیاس
کی تائید کر رہی تھیں۔ اس نے میرے دل کا چور پکڑ لیا تھا۔ اس
سے کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود مجھے یہ بات پسند نہیں آئی تھی کہ
میرے علاوہ کسی اور سے بھی بے تکلفانہ انداز میں پینگیں
بڑھائے، خواہ وہ راستے میں ملنے اور پھر گزر جانے والا اجنبی ہی
کیوں نہ ہو۔
"اب غصہ تھوک دو! آئندہ تمہارے سامنے ایسی حرکتیں
نہیں کروں گی۔" اس نے بحث کو طول دینے کے بجائے سنجیدگی
اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے کسی سستے سے اقامتی
ہوٹل تک پہنچانے کے لیے کہا ہے۔ دھیان رکھنا کہ یہ ہمیں کہیں
اور نہ لے جائے۔"
"پنڈی کے ٹیکسی ڈرائیور شریف ہوتے ہیں۔ ایسی
بدمعاشیاں زیادہ تر کراچی میں ہوتی ہیں۔" میں نے بھی مفاہمانہ
رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "سستے اقامتی ہوٹل میں جا کر تم کیا
کرو گی؟"
"یہ سب سوچنا تمہارا کام ہے۔ میں نے تو اس خیال سے
سستے ہوٹل کا رخ کیا ہے کہ وہاں ہم لوگوں کی غیر معمولی توجہ کا
نشانہ نہیں بنیں گے۔ حلیہ درست کرنے کے بعد ہم کہیں بھی گوشہ
نشین ہو سکتے ہیں۔"
"گوشہ نشین کیوں؟ اب تو ہمارا اصل کام شروع ہو گا۔" میں
نے کہا۔
"ظفر نے مجھے ویرا کی حیثیت سے نہ پہچانا ہو تب بھی وہ سینتے
ہیلا کے روپ میں مجھے دیکھ چکا ہے۔ ہم دونوں اس کی نظروں میں
کھٹک رہے ہیں۔ وہ اپنے آدمیوں کی ناکامی پر جھلا کر اب ہوٹلوں وغیرہ کو
کھنگالے گا۔ شہر میں آوارہ گردی کی صورت میں ہم بے خبری میں
مارے جا سکتے ہیں۔"
"کیا اب تم میرے اس خیال سے متفق ہو کہ ظفر کے روپ
میں ڈرو ویلیسا' اسپیشل ٹاسک فورس میں گھس کر کوئی تخریبی
منصوبہ بندی کر رہا ہے؟"
"حالات اس کے خلاف جا رہے ہیں لیکن جب تک اس کے
فنگر پرنٹس کا معاملہ صاف نہیں ہوتا' کوئی یقینی رائے قائم نہیں کی
جا سکتی۔"
"میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ اس کے فنگر پرنٹس میں کوئی
محیرالعقول گھپلا ہو گا۔ آج کے واقعات سامنے آنے کے بعد میں
تیزی کے ساتھ کوئی پیش قدمی کر سکوں گا۔ میرا مجرم میرے سامنے
ہے' بس اس پر بھرپور انداز میں ہاتھ ڈالنے کی دیر ہے۔"
"تم اس کے بارے میں اتنے ہی پُریقین ہو تو لمبے چوڑے
بکھیڑوں میں پڑنے کے بجائے' مختصر راستہ کیوں نہیں استعمال
کرتے' وقت کے ساتھ ساتھ توانائی کی بھی بچت ہو گی۔"
"کس راستے کی بات کر رہی ہو؟" میں نے متجسس لہجے میں
پوچھا۔
"وہ اسی قدر مشتبہ آدمی ہے تو اسے گھیرنے کے بجائے مار ڈالنا
زیادہ آسان ہو گا۔"
"تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن اول خان' ظفر کے بارے میں
میرے شبہات سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ فوراً ہی سمجھ جائے گا
کہ ظفر کا قاتل کون ہو سکتا ہے۔ میں نے اسے بے نقاب کیے بغیر
اس پر وار کیا تو ایس ٹی ایف والے مجھے ہمیشہ کے لیے بلیک لسٹ
کر دیں گے۔ اب وہی میرا ایک کھونٹا رہ گیا ہے۔ ان سے بگاڑ مول
لینے کے بعد میں چند روز بھی زندہ نہ رہ سکوں گا۔"
ویرا خاموش رہی۔ اس کے پاس میرے استدلال کا کوئی
جواب نہیں تھا۔
اس دوران میں' میں دیکھتا رہا تھا کہ پیرودھائی سے نکلنے کے
بعد ٹیکسی بائیں طرف گھومی تھی اور گرانڈ ٹرنک روڈ سے سیدھی
مال روڈ کی طرف جا رہی تھی۔ پنڈی کے صدر بازار اور ہاتھی چوک
کے گرد و نواح میں بھی کئی ہوٹل تھے لیکن ان میں سے بیشتر کا معیار
بستر اور چارپائی والے مسافر خانوں سے صرف اتنا بہتر تھا کہ وہاں
کھلی جگہ کے بجائے بند کمروں میں بستر فراہم کیے جاتے تھے۔ ٹیکسی
ڈرائیور ہمیں اُسی طرف لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن میرے
ایما پر اس نے اپنی ٹیکسی مری روڈ پر ڈال دی۔
لیاقت چوک سے آگے کا بارونق علاقہ بھی اس وقت ویران
پڑا ہوا تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ ڈرائیور نے
ٹیکسی ایک چوک کے سامنے روک دی۔ ویرا کی فرمائش پر ڈرائیور
نے اندر جا کر خالی کمروں کے بارے میں استفسار کیا۔ وہ واپس آیا تو
ہوٹل کا اونگھتا ہوا کلرک اس کے ساتھ تھا۔ شاید ڈرائیور نے
اسے بھی ایک غیر ملکی حسینہ کے نزول سے آگاہ کر دیا تھا۔
میں نے اپنی پوری کوششیں کر لیں لیکن ڈرائیور نے کرایہ
لینے سے صاف انکار کر دیا۔ اسے میں اردو میں مخاطب کر کے کرایہ
لینے پر مجبور کر رہا تھا مگر وہ ویرا سے پشتو میں انکار کر رہا تھا۔ اپنے
پچھلے تجربے کی بنا پر اس مرتبہ ویرا خاصی محتاط تھی۔ وہ اپنے لبوں پر
خلیقانہ مسکراہٹ تک لائے بغیر مذاکرات میں مصروف رہی۔ آخر

اس نے بھی تھک کر ہار مان لی اور ڈرائیور اسے سلام کر کے رخصت ہو گیا۔

ہوٹل کا کلرک ویرا کے حُسن کے نظارے میں ایسا کھویا کہ اسے میرے ننگے اور ویرا کے زخمی پیروں کا خیال ہی نہیں آسکا اور اس نے ایک دن کا پیشگی کرایہ وصول کر کے ایک کمرا ہمارے نام کر دیا۔ اس نے خود ہی کمرے تک ہماری رہنمائی کی۔ کمرا ہوادار اور بستر صاف ستھرا تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد میں نے اس سے چپلوں کی فرمائش کی تو پہلی بار اس نے باری باری ہمارے پیروں کا جائزہ لیا اور بھونچکا رہ گیا۔

"میم صاحب کے پیروں میں دادیں اور میں اپنے جوتے ٹیکسی میں بھول گیا۔" میں نے پچاس روپے کا نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس وقت پرانی چپلوں سے بھی کام چل جائے گا۔ صبح ہم نئے جوتے خرید لیں گے۔ تمہاری مہربانی ہو گی۔"

چند منٹ بعد ہی نیم استعمال شدہ ہوائی چپلوں کے دو جوڑے ہماری تحویل میں آگئے۔

"اور اب یہ بھی بتا دو کہ فون کہاں ہے؟" چپلیں آجانے کے بعد میں نے اسے پکارا۔

"میرے کمرے میں۔ لیکن اُس سے صرف لوکل کال کی جاسکتی ہے۔"

"مجھے لوکل کال ہی کرنی ہیں۔" میں نے چپلیں پہنتے ہوئے کہا۔ "جتنی دیر میں، میں اپنی بات کروں، تم ہمارے لیے گرما گرم چائے بنوا دو۔"

اُس کے چہرے پر کسمساہٹ کے آثار اُمڈ آئے اور وہ بولا۔ "ہوٹل میں دو بیرے ہیں لیکن وہ اس وقت کسی قیمت پر نہیں اٹھیں گے۔ مجھے صبح تک ان کی گندی گندی گالیاں سننی پڑیں گی۔ سیٹھ نے ان دونوں کو بہت ڈھیل دے رکھی ہے۔ بارہ بجے ہی کسی خالی کمرے میں گھس کر سو جاتے ہیں۔"

"تم سامان فراہم کر دو، چائے میں بنا لوں گی۔" ویرا نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے پیشکش کی اور کلرک کا چہرہ بھی کھل اٹھا۔ اس کا لب و لہجہ پنجابی تھا لیکن مزاج کے اعتبار سے وہ رخ تاج خان کی نسل کا معلوم ہو رہا تھا۔ عورت کے قرب سے محظوظ ہونے والا۔

اپنا تھیلا کمرے میں چھوڑ کر ہم اس کے ساتھ اس کے کمرے میں گئے جہاں دو کرسیوں اور ایک میز کے علاوہ کوئی فرنیچر نہیں تھا۔ اس نے ڈائل میں لگا ہوا تالا کھولا اور ویرا کے ساتھ چائے بنانے کے لیے ہوٹل کے عقبی حصے کی طرف چل دیا۔

ننگے فرش پر اس کے قدموں کی چاپ معدوم ہونے کے بعد میں نے ریسیور اٹھا کر ظفر کا نمبر ملایا۔ تو دوسری طرف سے پہلی گھنٹی بجتے ہی جواب مل گیا۔ فون اٹھانے والا ظفر ہی تھا۔

"آج میں بال بال بچا ہوں اور اس وقت سخت مشکل میں ہوں۔" میں نے اس کی آواز پہچانتے ہی بِلا کسی تمہید کے اپنی کہانی شروع کر دی۔

"اوہ! خدا کا شکر ہے کہ میں نے تمہاری آواز سن لی۔ اپنے کام پر نکلنے سے پہلے میں نے ابھی تمہارے گیسٹ ہاؤس فون کیا تھا لیکن وہاں مسلسل گھنٹیاں بج رہی ہیں، کوئی جواب نہیں مل رہا۔" اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے خود کو روحی کے گیسٹ ہاؤس میں پیش آنے والے واقعات سے بے خبر ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔

"وہ سب شاید ابھی تک بے ہوش پڑے ہوں گے۔ رات ہر پر شب خون مارا گیا تھا۔ میں بڑی دقتوں کے بعد ابھی ابھی یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں۔"

"لیکن ہوا کیا تھا؟ میری واپسی تک تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔"

"وہ لوگ شاید تمہاری واپسی کے منتظر تھے۔ انہوں نے گیسٹ ہاؤس کی بجلی منقطع کر کے ہمارے کمرے کا دروازہ توڑنے کی کوشش شروع کر دی تھیں۔ وہ سینتے کا سیلو سے ملنے پر اڑے ہوئے تھے۔"

"اس وقت وہ کہاں ہے؟ مجھے پہلی ہی نظر میں اس پر شبہ ہوا تھا۔"

"گیسٹ ہاؤس سے بھاگنے کے چند منٹ بعد وہ مجھ سے بچھڑ گئی تھی......"

"اگر وہ لوگ دروازے پر موجود تھے تو تم دونوں کدھر سے باہر نکلے؟ پچھلی کھڑکی میں تو شاید مضبوط آہنی گرل لگی ہوئی تھی جسے کاٹنا آسان نہیں تھا۔" اس کی حیرت سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے ہمارا کمرا چھوڑنے سے پہلے ہی ہر چیز کا گہرا جائزہ لے لیا تھا اور اپنے آدمیوں کو بھیجنے سے قبل پوری طرح مطمئن تھا کہ دروازے کے علاوہ ہم کسی اور سمت سے فرار کی راہ اختیار نہیں کر سکیں گے۔

"بیم گن نے اس گرل کو موم کی طرح پگھلا دیا تھا۔"

"اوہ!" اس کی تحیّر زدہ آواز ابھری۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہاری بیم گن اس قدر طاقت ور اور مؤثر ثابت ہو سکتی ہے۔ غنیمت یہ ہوا کہ برے وقت میں وہ کام آگئی۔"

"یہ تم جیسے خیر خواہوں کی دعاؤں کی برکت تھی ورنہ ہم اس زیر زمین کمرے میں بری طرح مار لیے جاتے۔ ہمارے دشمنوں کے تیور بہت خراب تھے اور وہ تعداد میں بھی بہت زیادہ تھے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم اُن کی عددی برتری کے باوجود بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے لیکن اس بات کا افسوس ہے کہ تم سینتے کا سیلو کا سراغ کھو بیٹھے ہو۔"

"کیوں؟ کیا ان حملہ آوروں کی طرح تمہیں بھی اس کی تلاش ہے؟" میں نے تحیّر زدہ آواز میں اس سے وہ چبھتا ہوا سوال کر ڈالا۔

"ان لوگوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔" اس نے ایک لفظ پر زور دے کر اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا "دراصل ...کی وجہ سے میرے شبہات کو تقویت مل رہی ہے۔ میرا ...ہے کہ ویرا لائیڈ نے اپنی کزن کے ذریعے تمہیں بے وقوف ...کوئی مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"لیکن ابھی تک ایسی کوئی شہادت میرے سامنے نہیں آئی۔ ...بے ضرر سی لڑکی ہے۔"

"جب ہی وہ تمہارا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئی۔ اگر وہ اسی قدر ...اور بے ضرر تھی تو اسلام آباد جیسے پُرسکون شہر میں اس کے ...کیسے پیدا ہو گئے؟"

"وہ بھاگی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہڑبونگ میں مجھ سے بچھڑ ...ہوگی۔ ہمارے پیچھے مسلح دشمنوں کی بھاری نفری تھی اور آگے ...خونخوار بھیڑیوں سے بھرا ہوا جنگل تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس ...رے سے جنگل کا رخ ہی نہیں کیا ہو۔ میں سیدھا جنگل میں ...چلا گیا تھا۔"

ریسیور میں اس کی ہلکی سی استہزائیہ ہنسی گونجی پھر وہ بولا۔ "وہ ...اکیلا پر اُگے ہوئے خودرُو درخت ہیں۔ ان میں بھیڑیے ہو ہی ...سکتے۔ یہ سب بیمار ذہنوں کی کہانیاں ہیں۔ انہیں بلیاں اور کتے ...بھیڑیوں کے روپ میں نظر آتے ہوں گے۔ انسان اس قدر ...ک مخلوق ہے کہ جہاں اس کے قدم پڑ جائیں، وہاں سے ...ار درندوں سے لے کر موذی حشرات الارض تک سب ہی ...کر جاتے ہیں۔ دو چار بھیڑیے ان اطراف میں پھنس کر رہ گئے ...تو اور بات ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ دانستہ تم سے بچ کر بھاگی ...ہے۔"

"اسے بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟ میری ہی طرح وہ بھی یہاں ...تھی۔ ہم نے لوگوں سے جنگل کے بارے میں جو کچھ سنا، اس ...کر لیا۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ لمبا چکر کاٹ کر دوبارہ آبادی میں ...ہو کر کہیں نکل گئی ہوگی اور اپنی اجنبیت کی وجہ سے جلد از ...سامنے آجائے گی۔ ہوسکتا ہے کہ اسلام آباد کی پولیس ہی اسے ...گردی کے الزام میں گرفتار کر کے تھانے پہنچا دے۔"

"وہ میری وجہ سے فرار ہوئی ہے۔ وہ دوبارہ میرا سامنا کرنے کا ...حول نہیں لینا چاہتی تھی۔"

"اسے تم سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا؟" میں نے الجھن آمیز لہجے ...سوال کیا۔

"یہ تمہیں وقت آنے پر معلوم ہو جائے گا۔ فی الحال اس کا ...لگانے کی کوشش کرو!"

"ابھی تو پو بھی نہیں پھٹی۔ میں صبح ہونے کے بعد ہی بھاگ ...سکوں گا اور ہاں، تم تو ایس ٹی ایف کے ایک ذمے دار افسر ہو ...میں اپنے آدمی اسلام آباد کے چپے چپے پر پھیلا سکتے ہو۔ ...کی نظروں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکے گی۔"

"مجھے یہ بتانے کی کوشش نہ کرو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں اپنے کام سے اچھی طرح واقف ہوں۔" اس کی جھلائی ہوئی آواز ابھری۔ "اس وقت سینتے کی زندگی کو سنگین خطرہ لاحق ہے۔ اگر وہ میرے یا تمہارے بجائے رات کو آنے والوں کے ہاتھ لگ گئی تو وہ اسے ذبح کر ڈالیں گے۔ میں اسے زندہ پکڑنا چاہتا ہوں۔"

میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ وہ بہت جلد اپنے خول سے باہر آنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ میں نے اسے سلگانے کے لئے معصومانہ حیرت سے کہا۔ "اوہ! تو یہ کہو کہ ان حملہ آوروں کی طرح تم بھی سینتے کو پکڑنا چاہتے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ لڑکی یک بیک اتنی اہم کیوں ہو گئی ہے؟"

"میں فون پر یہ سب نہیں بتا سکتا۔" اس کی آواز بدستور چڑچڑی تھی۔ "یہ بتاؤ کہ تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟ میں تم سے مل کر ہی تمہیں قائل کر سکوں گا۔"

"میں ابھی ابھی راجہ دربار ہوٹل میں پہنچا ہوں اور تھکن سے بدن چُور چُور ہے۔ میں چند گھنٹے یہیں آرام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" میں نے کچھ فاصلے پر دیکھے ہوئے ایک ہوٹل کا نام استعمال کرتے ہوئے کہا "ہوسکتا ہے کہ بعد میں، میں کسی بہتر ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں۔"

"میری آمد تک تم راجہ دربار ہوٹل میں ہی رکے رہو گے۔" اُس کا لہجہ تحکمانہ ہو گیا۔ "سینتے کو قابو میں کرنے کے لئے مجھے تمہاری مدد درکار ہوگی۔"

"میں کیوں نہ تمہارے دفتر آجاؤں؟ تم کہاں اتنی زحمت کرو گے؟"

"تم میرے دفتر نہیں آسکتے۔ وہ ممنوعہ علاقے میں واقع ہے جہاں باہر کے کسی آدمی کو کسی بھی قیمت پر داخل ہونے کی اجازت نہیں ملتی۔ یہ بات میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں۔ تم راجہ دربار ہوٹل میں ہی رکے رہو۔ میں سورج طلوع ہونے کے بعد وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"میں تمہارا انتظار کروں گا۔ لیکن سینتے کے ساتھ ہی ان لوگوں کا بھی سراغ لگانے کی کوشش کرو جنہوں نے گیسٹ ہاؤس پر حملہ کیا تھا۔"

"اس سے تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ میں اپنی افرادی قوت کو بکھیرنا نہیں چاہتا۔"

"وہ مرنے مارنے کے موڈ میں تھے۔ اگر میں ہوشیاری سے کام نہ لیتا تو شاید وہ مجھے گولی ہی مار دیتے۔ مجھے اپنے لہو کے پیاسوں کے بارے میں جاننے کا حق تو حاصل ہے۔ اس سے تم انکار نہیں کر سکتے۔"

"میں کسی بات سے انکار نہیں کر رہا۔ معاملہ صرف ترجیحات کا ہے۔ رات کو جو کچھ ہوا، اسے بھول جاؤ۔ اب کوئی تمہارے قریب پھٹک بھی نہیں سکے گا۔"

"کیا تم کسی کو راجہ دربار ہوٹل کی نگرانی پر مامور کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"تمہاری حفاظت کے لئے اب ایسا بندوبست کرنا ناگزیر ہو چکا ہے۔ تم بے فکر ہو کر اپنی نیند پوری کرو۔ باقی باتیں تھوڑی دیر بعد ہوں گی۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

وہ میرے ساتھ دُہرا کھیل کھیلنا چاہ رہا تھا مگر میں بھی اس کے اصل عزائم سے پہلے ہی باخبر تھا اس لئے میں نے اسے اپنے اصل ہوٹل کا نام نہیں بتایا تھا۔ وہ اس ہوٹل کا رخ کرتا تو ویرا کے غائب ہو جانے کے باوجود اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ میں منہ اندھیرے ایک سفید فام لڑکی کے ساتھ وہاں پہنچا تھا۔ اس کے بعد وہ میری طرف سے بھی شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتا۔

اس سے فون پر بات کرتے ہوئے میں نے سوچ لیا تھا کہ ظفر کو چکر دینے کے لئے میں ویرا کو اسی ہوٹل میں بند ہو جانے کا مشورہ دے کر خود فوری طور پر راجہ دربار ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں گا۔ ظفر کے آدمی کتنی ہی چھان بین کرتے، انہیں یہی معلوم ہوتا کہ میں راجہ دربار ہوٹل میں اکیلا ہی پہنچا تھا۔ ویرا پورے اطمینان کے ساتھ اسٹار ہوٹل میں روپوش رہ سکتی تھی۔

ایک دوسرے سے الگ الگ رہ کر، ہم نہ صرف ایک دوسرے کی حفاظت کر سکتے تھے بلکہ کوئی برا وقت آنے پر بے فکر ہو کر اپنا بچاؤ بھی کر سکتے تھے۔

اس وقت تک چائے کی آمد کے آثار نہیں تھے۔ اس لئے میں خود بھی باورچی خانے کی طرف چل دیا۔ وہاں جا کر مجھے حیرت ہوئی کہ اس تنگ کمرے میں باورچی خانے کا کوئی سازو سامان نہیں تھا۔ بس دو گیس کے چولھے اور چند برتن نظر آ رہے تھے یا ایک مقفل الماری تھی۔

میرے استفسار پر کلرک نے بتایا۔ "ہمارے ہوٹل میں بس کمرے ہی کمرے ہیں۔ مسافروں کے لئے کھانا اور ناشتا آس پاس کے ہوٹلوں سے آتا ہے۔ یہاں کھانے پینے کی ایک سے ایک چیز ملتی ہے۔"

"یہ بتا رہا ہے کہ ولایتی اسکاچ بھی آسانی سے مل جاتی ہے۔ ریڈ لیبل چھ سو میں اور ڈی لکس برانڈ آٹھ سو میں مل جاتے ہیں۔ میں نے دو بوتلوں کے لئے کہہ دیا ہے۔" ویرا نے لقمہ دیا۔

میں نے فوری طور پر دو بوتلوں کے سولہ سو روپے کے علاوہ سو روپے کا نوٹ اسے ٹپ میں دے دیا۔ اتنی بڑی بخشش ملنے پر وہ بے چارہ حیرانی کے عالم میں بار بار سلام کرنے لگا۔

"میں چائے پی کر چلا جاؤں گا۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دوستانہ انداز میں کہا "یہ یہیں رہے گی۔ اس کا کھانا پینا کمرے میں پہنچاتے رہنا۔ کسی کو معلوم نہ ہو کہ یہ یہاں ٹھہری ہوئی ہے۔ سستے ہوٹلوں میں رہنے والی اکیلی عورتوں کے گرد اوباش مرد منڈلانا شروع کر دیتے ہیں۔"

"تم فکر ہی نہ کرو!" اس نے اپنا داہنا ہاتھ سینے پر رکھ کر پورے خلوص کے ساتھ کہا "میں یہاں کا چوبیس گھنٹے کا ... بیروں کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں۔ میں خود میم صاحب کا خیال رکھوں گا۔ یہ بہت اچھی اور ملنسار عورت ہیں۔"

میں نے وہیں کھڑے کھڑے چائے ختم کی۔ ویرا میری اور ... کی گفتگو کے بارے میں جاننے کے لئے مضطرب تھی لیکن اس ... کی موجودگی میں اس موضوع پر بات نہیں ہو سکتی تھی اس لئے ... ویرا کے ساتھ دوبارہ اپنے کمرے میں جانا پڑا اور میں نے اسے ... ترین صورتِ حال کے ساتھ ہی اپنے منصوبے سے بھی آگاہ کر دیا ...

"شاید ظفر کی شامت ہی آ گئی ہے۔" اس نے چہچہے ... میں کہا "تمہیں بھول کر بلاوجہ ہی میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ اس ... قریب رہ کر تم اس کی جڑوں پر زیادہ کاری وار کر سکو گے۔"

اسی اثنا میں ہوٹل کا خشی بلیک لیبل اور بلیک ڈاگ اسکاچ ... دو بوتلیں لے آیا۔ بلیک لیبل کی بوتل ویرا نے رکھ لی اور میں ... ڈاگ کی بوتل تھیلے میں ڈال کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

بیم گن میری تحویل میں تھی، جب کہ حملہ آوروں سے ... ہوا پستول ویرا کے پاس تھا۔ اس طرح ہم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ ... خطرات کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں تھے۔

راجہ دربار ہوٹل پر بھی ویرانی کا راج تھا۔ شیشے کے درواز... پر کئی تیز دستکیں دینے کے بعد قفل کھولا گیا۔ یہ تاخیر میرے حق ... سود مند تھی کیونکہ ہوٹل والے میری آمد کے ذریعے پر کوئی رو... نہیں ڈال سکتے تھے، جب کہ ظفر میرے بارے میں زیادہ سے ز... تفصیلات جاننے کی کوشش کرتا۔

وہاں کسی دشواری کے بغیر مجھے کمرا مل گیا اور میں نے درواز... بولٹ کر کے بستر پر قبضہ جما لیا۔ ہوٹل کی چھت میسر آ جانے کے ... مجھے اتنا یقین تھا کہ پنڈی کے اس مصروف اور گنجان آباد علا... میں کوئی مہم جو میرے کمرے میں گھس کر یلغار کرنے کی جرا... نہیں کرے گا۔ جو کچھ ہونا تھا، ہوٹل سے باہر ہی ہونا تھا۔ اس ... یکسوئی کی وجہ سے نیند نے بہت جلد مجھ پر غلبہ پا لیا۔

میں اندھیرے میں سویا تھا اس لئے مجھے کھڑکی پر پردہ ... کھینچنے کا دھیان نہیں رہا۔ کمرے کی وہ واحد کھڑکی مشرق ... تھی اس لئے سورج چڑھتے ہی میرا کمرا تیز روشنی سے بھر ... اور کچھ دیر بعد ہی وہ چکا چوند اتنی بڑھ گئی کہ میرے لئے بستر ... رہنا ناممکن ہو گیا۔

میں تازہ پانی سے غسل کر کے فارغ ہوا تو ہوٹل کا منیجر ... کمرے میں آ پہنچا۔ اس کی آنکھوں سے فکر مندی جھلک رہی ... شاید ظفر کے بھیجے ہوئے آدمی نے ہوٹل کے عملے سے میرے بار... میں براہِ راست پوچھ گچھ کی تھی جس کی وجہ سے وہ بے چارہ خوف زدہ تھا۔ اسے ڈر تھا کہ میں کہیں کسی جرم کا مرتکب نہ رہا ہوں ... ایسی صورت میں پولیس کی پکڑ دھکڑ سے اس کا ہوٹل "بدنام"

ہو سکتا تھا اور شہر کے شریف لوگ وقتی تفریح کے لئے ادھر کا رخ کرنے سے گریز کرنے لگتے۔ نچلے اور متوسط طبقے کے نام نہاد شرفا کی تفریح میں صنفِ نازک کی شمولیت کے بارے میں اس نے کسی راز داری سے کام لینے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ میرے اطمینان دلانے پر اس کی فکرمندی کو خاصا افاقہ ہوا لیکن پھر بھی وہ پوری طرح مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔

میں ناشتے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ ظفر آپہنچا۔ اس کا چہرہ گمبھیر اور ستا ہوا تھا۔

میں نے اس سے پہلا سوال سینتے کاسیلو کے بارے میں کیا جس کا جواب نفی میں تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ظفر نے اپنا راز محفوظ رکھنے کے لئے اسپیشل ٹاسک فورس کے چیدہ چیدہ افراد کو سینتے کی تلاش میں لگایا ہوا ہوگا۔ میں نے اسے گمراہ کرنے کے لئے جو کہانی تراشی تھی، اس کی بنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ ظفر کی تلاش صرف اسلام آباد تک ہی محدود رہی ہوگی۔

واقعات کی کڑیاں نشان دہی کر رہی تھیں کہ روحی کے گیسٹ ہاؤس پر یلغار کرنے والے افراد اسی کے بھیجے ہوئے تھے لیکن وہ خود کو معصوم ظاہر کر رہا تھا اس لئے اس کے استفسار پر مجھے وہ کہانی ایک بار پھر دُہرانی پڑی۔ میں نے اپنی کسی بھی بات سے اس پر کوئی شبہ نہیں ہونے دیا بلکہ اس کے اسی نظریے سے اتفاق رائے کا اظہار کرتا رہا جو سینتے کے نامعلوم دشمنوں کی نشان دہی کرتا تھا۔

اس نے باتوں ہی باتوں میں نہایت چالاکی کے ساتھ یہ بھی دریافت کیا کہ میری پنڈی اور اسلام آباد آمد کے بارے میں کون لوگ واقف تھے۔ میری سلامتی کے لئے، اس سوال کا جواب نہایت اہم تھا۔

فنگر پرنٹس کی یکسانیت کو نظرانداز کرنے کے بعد ہر اعتبار سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ وہ ظفر نہیں تھا بلکہ اس کے روپ میں کرنل جیسی جونز کا آدمی، البرٹو ۔ ملیسا تھا جو ڈیوڈ اسٹارز نامی یہودی قوم پرست تنظیم کے لئے کام کر رہا تھا۔ پاکستان جیسے ملک میں اس کے لئے اپنی سلامتی اور بقا کا مسئلہ بہت نازک تھا۔ اگر اسے میری طرف سے ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو وہ بے دریغ میرا صفایا کر سکتا تھا۔

میں نے اسے بتایا کہ ویرا اور غزالہ کے علاوہ اول خان کو بھی میرے اس سفر کا علم تھا۔ میں نے اسے یہ بھی جتا دیا کہ میں نے اس کے دفتر کا نمبر اول خان سے ہی لیا تھا۔ مقصد صرف اتنا تھا کہ وہ میرے بارے میں کوئی خطرناک ارادہ رکھتا ہو تو اتنے افراد کے باخبر ہونے کی وجہ سے اس پر عمل کرنے سے باز رہے۔

"سینتے کاسیلو لاپتا ہے۔ تم اسی کے کام سے یہاں آئے تھے۔ اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" اس نے عقابی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اسے ابھی تک تمہارے نظریات کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ رات کے واقعات سے وہ خوف زدہ ہو گئی ہو تو اور بات ہے ورنہ آج اسے کہیں نہ کہیں نمودار ہونا چاہئے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ منظرِ عام پر آتے ہی تمہارے آدمیوں کی تحویل میں چلی جائے گی۔ اس کے بارے میں تمہارے کیا عزائم ہیں؟"

چند ثانیوں کی خیال انگیز خاموشی کے بعد وہ بولا "تم ہمارے طریقۂ کار سے اچھی طرح واقف ہو۔ ہم بلاوجہ کسی کو تنگ نہیں کرتے لیکن جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اسے اس کے انجام تک ضرور پہنچاتے ہیں۔"

"آخر تم اس پر کس بارے میں شبہ کر رہے ہو؟ وہ ویرا کے ساتھ مل کر کیا کرنا چاہتی ہے؟ ان سوالات کے جوابات دیئے بغیر تم مجھے اس کے قتل پر قائل نہیں کر سکتے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ اسپیشل ٹاسک فورس والے تمام تر ثبوت اور شواہد جمع کئے بغیر کسی کو نہیں مارتے۔"

"ایک بار سینتے کاسیلو ہاتھ آجائے تو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔" وہ قدرے تذبذب کے بعد بولا "فی الحال میں اس معاملے میں اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ اب میں ایس ٹی ایف کے لئے قابلِ اعتماد نہیں رہا۔"

"یہ اعتماد کی نہیں، فورس کے ڈسپلن کی بات ہے" اس نے خشک لہجے میں کہا "آج سے پہلے بھی تمہیں ان باتوں پر اعتماد میں لیا جاتا رہا، جن سے تمہارا براہ راست تعلق ہوتا تھا۔ ایس ٹی ایف کی اندر کی کہانیاں تم سے ہمیشہ پوشیدہ رکھی گئی تھیں۔"

"لیکن سینتے کاسیلو سے میرا براہِ راست تعلق ہے۔ وہ میرے ساتھ یہاں آئی ہے۔ میں اس کے بغیر واپس گیا تو ویرا کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ تم میرے اور ویرا کے مراسم سے بخوبی واقف ہو۔"

"سینتے کاسیلو اب ریاستی مسئلہ بن گئی ہے" اس نے مجھے مرعوب کرنے کے لیے کہا "تمہیں رضا کارانہ طور پر اس معاملے سے دست بردار ہو جانا چاہئے۔"

"یعنی میں اس لڑکی کو تمہارے رحم و کرم پر چھوڑ کر واپس چلا جاؤں؟"

"یہ سب سے اچھی بات ہوگی۔ ویرا کو تم آج کی صورتِ حال بتا کر بری الذمہ ہو سکتے ہو۔ اس کے پیچھے کچھ لوگ تمہارے گیسٹ ہاؤس میں پہنچے اور وہ خوف زدہ ہو کر روپوش ہو گئی۔ یہ بہت سیدھی اور فطری کہانی ہوگی۔ اس معاملے میں میری دلچسپی کا تذکرہ گول کر کے تم ہر الجھن اور جواب دہی سے بچ جاؤ گے۔"

"لیکن اول خان کو مجھے سب کچھ بتانا ہوگا" میں نے اس سے اتفاقِ رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے سینتے کاسیلو کے جرائم سے آگاہ کر دے۔"

"ناممکن!" اس نے اپنا سر سہلاتے ہوئے کہا "یہ میرا کیس ہے۔ اول خان اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں جانتا۔ تمہارے بتانے یا نہ بتانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اسے اوپر والوں سے ہی

معلومات حاصل ہوسکیں گی لیکن ہماری فورس میں اپنے سینئر افسران سے سوال جواب کرنے کی روایت نہیں ہے۔"

"اور اگر سینتے کاسیلو تمہارے آدمیوں کو جُل دے کر کراچی نکل گئی؟"

"تو پھر اُسی سے بات کرلینا۔ ایسی صورت میں یہ تمہاری اخلاقی ذمے داری ہوگی کہ اسے وہاں روک کر مجھے اُس کی موجودگی سے آگاہ کرو۔ بصورتِ دیگر تم بھی اس کے شریکِ کار تصور کیے جاؤ گے۔"

"اور میرے بارے میں کیا حکم ہے؟" میں نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔ چاہو تو ابھی واپس، کراچی جاسکتے ہو۔ میں نے سینتے کاسیلو کے معاملے کے نشیب و فراز تمہیں سمجھا دیے ہیں۔ ان پر فرصت میں ایک بار پھر غور کرلینا۔ مجھے اس تصور ہی سے ذہنی اذیت ہوتی ہے کہ فرائض کی بجا آوری کے لیے مجھے اپنے حلیفوں کا حریف بننا پڑے۔"

وہ دشمنی کی کھلی مگر شائستہ دھمکی تھی۔ وہ مجھے جتانا چاہ رہا تھا کہ سینتے کاسیلو کے معاملے میں وہی سب کچھ تھا۔ اول خان پوری کوشش کے باوجود میری کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔

مشکل یہ تھی کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی ساخت بہت عجیب اور پُراسرار تھی۔ میں فورس کے صرف ان ہی عہدے داروں سے واقف تھا جو میرے سامنے آچکے تھے۔ ان کے اوپر یا نیچے والوں کا سراغ لگانا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔ ان تک رسائی ممکن ہوتی تو میں یہ معلوم کرسکتا تھا کہ ظفر نے ان کو سینتے کاسیلو کا معاملہ کس رخ سے سمجھایا ہے۔ موجودہ حالات میں میرا قیاس یہ تھا کہ ظفر کو سینتے کاسیلو کی طرف سے اپنی شناخت کا ذاتی خطرہ لاحق تھا اس لیے وہ اپنی پوزیشن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، بالا ہی بالا اسے گھیرنے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے وہ معاملہ اس کے اوپر والوں کے علم میں آجاتا تو وہ انہیں سینتے کاسیلو کی ملک دشمنی کی کوئی بھی فرضی کہانی سنا کر مطمئن کرسکتا تھا۔

اس دوران میں میری تمام تر توجہ ظفر کے ہاتھوں پر مرکوز رہی۔ اس بار میں ایک خاص مقصد کے تحت اس کے ہاتھوں کا جائزہ لے رہا تھا لیکن میں نے اندازہ لگایا کہ وہ گفتگو کے دوران میں اپنے ہاتھوں کے استعمال کا عادی نہیں تھا اور بیشتر وقت ہاتھ گود میں رکھے بیٹھا رہا تھا۔

"تم فکر نہ کرو" میں نے رسمی سی ہنسی کے ساتھ کہا "اپنے فرائض کی ایماندارانہ بجا آوری میں تم مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گے۔ اگر تم سینتے کاسیلو کے جرائم کے بارے میں کھُل کر بات کرو تو ہوسکتا ہے کہ میں خود ہی اسے تلاش کرکے تمہارے سامنے پیش کردوں۔ موجودہ صورتِ حال میں، میں زیادہ سے زیادہ غیر جانب دار ہی رہ سکتا ہوں۔ اگر وہ تمہارے آدمیوں سے مقابلے میں ماری نہ گئی تو میں اُسی سے بہت کچھ معلوم کرلوں گا۔"

"میرا مشورہ ہے کہ تم ویرا سے بات کرو۔ سینتے کاسیلو کی حرکتوں کی پشت پر مجھے اسی کا دماغ کارفرما نظر آرہا ہے۔ اب شاید وہ ہمارے ساتھ مخلص نہیں رہی ہے۔"

"بلیو کراس ڈیل میں اُس کی خدمات سے استفادہ کرنے کے بعد بھی تم ایسی بات سوچ رہے ہو؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"زیرِزمین دنیا کی رنگینیوں میں زندہ رہنے والوں کے کوئی اصول نہیں ہوتے۔ ان کی وفاداریاں لمحے لمحے رنگ بدلتی رہتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ویرا نے کسی اور سے کوئی معاہدہ کرلیا ہو۔"

"وہ تمہاری منظورِ نظر ہے۔ اس کے ایران روانہ ہونے تک، اس کے بارے میں تمہاری رائے بہت اچھی تھی۔ اس کے دیئے ہوئے بارودی پھول سے زخمی ہونے کے بعد بھی تم اس کے گُن گا رہے تھے۔ پھر اس نے کوئٹہ سے فون پر تمہاری خیریت دریافت کرکے اپنی خیرسگالی کا اظہار بھی کردیا تھا۔ اگر تم اس سے براہِ راست بات کرو تو بہتر نتائج حاصل ہوسکتے ہیں۔"

"ضرورت پڑی تو اس سے بھی گریز نہیں کروں گا" وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا "میرے لیے یہ معاملہ بہت اہم اور سنگین ہے۔ غنیمت یہ ہے کہ ابھی تک تمہیں خطرناک چارا بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے ورنہ میرا پہلا شکار تم بھی ہوسکتے تھے۔"

"عملاً میں خود کو پابند محسوس کررہا ہوں۔ باہر تمہارے آدمیوں کا پہرا ہے۔"

"وہ سینتے کاسیلو کے منتظر ہیں۔ تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ تم چاہو تو انہیں اپنا محافظ بھی سمجھ سکتے ہو۔ ان سے کوئی شکایت پیدا ہو تو فون پر مجھ سے رابطہ کرلینا۔"

اس معنی خیز گفتگو کے بعد وہ لوٹ گیا لیکن میرے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے، میں نے اس کے داہنے ہاتھ کی پشت پر بھرے ہوئے زخم کا ایک خفیف سا نشان دیکھ لیا تھا جو ہر اعتبار سے بہت خیال انگیز تھا۔

کوئی اگلا قدم اٹھانے کے لیے ایس ٹی ایف کے ان نگہبانوں سے گلوخلاصی ضروری تھی جو راجہ دربار ہوٹل کے باہر پہرا دے رہے تھے۔ میں نے باہر نکلنے سے قبل بلیک ڈاگ کی بوتل سے ایک بڑا پیگ تیار کرکے اپنے معدے میں منتقل کرلیا۔ دن کے اوقات میں میں عموماً اسکاچ نہیں پیتا لیکن اس روز البرٹو ویلیسا جیسے خوفناک دشمن سے روبرو مذاکرات کے بعد میں کسی ہلکی سی بے اعتدالی کی ضرورت محسوس کررہا تھا۔ میرے کمرے میں ایک تھیلے کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھی، اس لیے میں کمرا مقفل کرکے باہر روانہ ہوگیا۔

ہوٹل کے برآمدے سے اترتے ہوئے میں پوری طرح چوکنّا تھا اس لیے وہ تنومند شخص میری نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکا،

جس نے مجھے دیکھتے ہی ایک تمرّے سے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔

میں سڑک پر اترتے ہی اس کی طرف ہولیا۔ ابتدا میں وہ میرے رخ کا اندازہ نہیں کرسکا لیکن فاصلہ کم رہ جانے پر جب اس نے مجھے اپنی طرف آتے دیکھا تو بوکھلا گیا۔

میں نے قریب پہنچ کر دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ بدکے ہوئے' جارحانہ تیوروں کے ساتھ میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے چیف نے بتایا تھا کہ تم میری حفاظت کے لیے یہاں مامور کیے گئے ہو" میں نے نرم لہجے میں کہا "میرا خیال ہے کہ تم میری کچھ مدد بھی کرسکو گے۔"

میرا وہ راست اقدام اس بے چارے کے لیے اس قدر غیر متوقع تھا کہ وہ ہکلانے کے باوجود میری بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا اور اسے تسلی دینے کے لیے مجھے دوبارہ کہنا پڑا "تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تم یہیں رکے رہو اور کوئی سفید فام عورت نظر آئے تو اس کا پیچھا کرنا شروع کردینا۔ میں ایک ضروری کام سے فارغ ہوکرابھی تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔"

"لل... لیکن مجھے تو ہر حالت میں تم پر نگاہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا پھرایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا "عورت کے لیے وہ یہاں انتظار کرے گا۔"

میں نے اس کے اشارے کی سیدھ میں دیکھا تو وہاں پان والے کے کیبن پر اسی جیسا ایک اور شخص بے پروایانہ انداز میں کھڑا ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہ اور بھی اچھی بات ہے" میں نے اطمینان ظاہر کرتے ہوئے کہا "مجھے یہی ڈر تھا کہ میری غیر حاضری میں وہ عورت نمودار ہوکر دوبارہ رُوپوش نہ ہوجائے۔ اب تمہیں میرا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم دونوں ایک ہی ٹیکسی سے چلتے ہیں۔ بس ذرا آگے پیچھے کا خیال رکھنا۔"

وہ سخت تذبذب میں مبتلا ہوگیا تھا۔ شاید اسے اپنی پوری پیشہ ورانہ زندگی میں کبھی بھی ایسی مضحکہ خیز صورتِ حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا جہاں اس کا شکار بنفسِ نفیس اسے ساتھ چلنے کی دعوت دے رہا تھا۔

"تم آگے چلو!میں دوسری ٹیکسی میں پیچھے پیچھے آتا ہوں" اس نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"تمہاری مرضی" میں نے شانے اچکا کر کہا "میں اسلام آباد جارہا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ مری روڈ کی بھیڑبھاڑ میں ہم ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے اور پھر تمہاری گوشمالی کی نوبت آجائے گی۔"

"تمہارے ساتھ جانے میں بھی باس کی ناراضگی کا ڈر ہے۔ ہم دونوں کو تمہاری نظروں سے پوشیدہ رہ کر نگرانی کرنے کا حکم دیا گیا تھا" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"اب تم سامنے آہی گئے ہو تو ساتھ جانے سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

میں نے اُس کے ذہن کو بری طرح الجھانے کی کوشش کی لیکن وہ ظفر کے خوف کی وجہ سے میرے ساتھ جانے پر کسی بھی طرح آمادہ نہ ہوسکا۔ میری تسلی کے لیے صرف اتنا ہی کافی تھا کہ وہاں نگرانی کرنے والوں کی تعداد صرف دو تھی اور اگر میں اپنا پیچھا کرنے والے کو جُل دینے میں کامیاب ہوجاتا تو نہایت بے فکری کے ساتھ اپنے کام سرانجام دے کر واپس لوٹ سکتا تھا۔

وہ ٹریفک کے رش کے اوقات تھے۔ بسوں' ویگنوں اور گاڑیوں کے ہجوم کی وجہ سے مری روڈ کے ہر کراسنگ پر ہڑبونگ اور افراتفری کا عالم تھا لیکن ایس ٹی ایف والے کی ٹیکسی میری ٹیکسی کے ساتھ بالکل لگ کر چل رہی تھی اس لیے اسے ڈاج دینے کا کوئی موقع نہیں تھا۔

صرافہ بازار کے قریب میں نے اچانک ہی ٹیکسی رکوائی اور ڈرائیور کے ہاتھ میں سو روپے کا نوٹ تھما کر اسے وہیں انتظار کرنے کی ہدایت کرتا ہوا ایک ریستوران میں گھس گیا۔ میری توقع کے عین مطابق اس ریستوران میں عقبی دروازہ بھی نظر آرہا تھا۔ میں اندر ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر دوسری طرف سے نکلا اور تیز تیز قدموں سے ایک طرف ہولیا۔ تعاقب کرنے والے کے ہوشیار ہونے سے پہلے میں اس علاقے سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔

راستے ہی سے میں نے دوسری ٹیکسی پکڑلی اور اسے صدر بازار چلنے کی ہدایت دیتے ہوئے' عقبی نشست پر اس طرح دھنس کر بیٹھ گیا کہ باہر سے صحیح طور پر دیکھا یا پہچانا نہ جاسکوں۔

صدر کے علاقے میں کئی پرائیویٹ فون بوتھ بھی موجود تھے لیکن میں نے کشمیر روڈ پر واقع ٹیلی گراف آفس کا رخ کرنا مناسب سمجھا۔ اندر سے ٹوکن لینے کے بعد میں نے دیوار گیر پبلک بوتھ سے ویرا کے ہوٹل کا نمبر ملایا تو منشی نے بہت پھرتی کے ساتھ ویرا کو فون پر بلا دیا۔

"وہ آیا تھا اور اسے صرف تمہاری تلاش ہے" میں نے کسی تمہید کے بغیر ویرا کو آگاہ کیا "وہ مجھے یہ تاثر دیتا رہا کہ وہ اپنے بڑوں کی رضامندی سے تمہارے پیچھے لگا ہے لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ وہ ذاتی طور پر یہ سب کررہا ہے۔ میرے ہوٹل کی نگرانی ہورہی ہے۔ اس لیے تمہیں مجھ سے دور ہی رہنا ہوگا۔"

"وہ میرا جرم کیا بتاتا ہے؟" اس مرحلے پر ویرا کا یہ سوال قطعی فطری تھا۔

"وہ اس بارے میں زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے۔ آج میں نے اس کے داہنے ہاتھ کی پشت پر ایک نشان دیکھا ہے جو اہم ثابت ہوسکتا ہے۔ میں اب کسی پلاسٹک سرجن سے مل کر اسکن گرافٹنگ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنی چاہتا ہوں۔ اس ملاقات سے شاید فنگر پرنٹس کا معاملہ بھی حل ہوجائے۔"

"اس کے فنگر پرنٹس کا راز کھل جائے تو وہ بدترین مدافعانہ پوزیشن میں آ جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی جگہ چھوڑ کر فرار ہونے پر مجبور ہو جائے" ویرا کی آواز پُرجوش ہو گئی۔

"میں اسے بھاگنے کا موقع نہیں دوں گا" میں نے پُرعزم لہجے میں کہا "اسے گھیر کر ایسی جگہ ماروں گا جہاں اسے پانی بھی نہیں مل سکے گا۔ اس وقت تک تمہیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔"

"میری فکر نہ کرو۔ میں نے ہوٹل کے منشی کو شیشے میں اتار لیا ہے۔ فون کے علاوہ میری تمام ضروریات کمرے میں ہی پوری ہو رہی ہیں" وہ قہقہہ مار کر بولی "ویسے میں تمہاری مستقل مزاجی کی معترف ہو گئی ہوں۔ میری اور اول خان کی طرف سے حوصلہ افزائی نہ ہونے کے باوجود تم نے ظفر کو بے نقاب کر ہی لیا ہے۔"

"پلاسٹک سرجن سے ملاقات کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

ویرا سے بات کرنے کے بعد میں دوبارہ سڑک پر آ گیا اور صدر کی طرف چل دیا۔

کراچی کے مقابلے میں راولپنڈی کا مزاج اور آبادی کی ہیت بہت مختلف ہے۔ وہاں امرا کا طبقہ بہت چھوٹا اور محدود ہے بیشتر آبادی کا بلاواسطہ یا بالواسطہ دفاعی اداروں سے تعلق ہے۔ بقیہ لوگ درمیانی درجے کی تجارت سے وابستہ ہیں جس کی بنا پر فیشن اور ذاتی حسن و جمال کے غیر روایتی معیار اور طریقے، پنڈی میں مفقود ہیں۔ جو لوگ ان تعیشات کے شوقین ہیں وہ عموماً کراچی یا پھر لاہور کا رخ کرتے ہیں۔ تین ڈاکٹروں سے رجوع کرنے کے بعد مجھے اس تلخ حقیقت کا ادراک ہوا کہ پنڈی کے کمبائنڈ ملٹری اسپتال کے علاوہ، پورے شہر میں صرف دو پلاسٹک سرجن تھے اور وہ بھی حادثات کا شکار ہونے والوں کا علاج کرتے تھے۔

میں دوپہر کے بعد ہارلے اسٹریٹ پر ایک پلاسٹک سرجن سے اس کی اقامت گاہ پر ملنے میں کامیاب ہوا تو وہ میری آمد کا مدعا سن کر حیران رہ گیا۔ مجھے اُس سے کسی مریض کا علاج نہیں کرانا تھا بلکہ کسی کی جلد کی تبدیلی کے بارے میں صرف اس کی پیشہ ورانہ رائے معلوم کرنی تھی جس کے لیے میں اس کا مروّج معاوضہ ادا کرنے کے لیے تیار تھا۔ اس نے عزت کے ساتھ مجھے اپنی اسٹڈی میں بٹھا لیا جہاں اس کی پیشہ ورانہ، حوالہ جاتی کتابوں سے کئی دیوار گیر الماریاں بھری ہوئی تھیں۔

اس نے پیچیدہ اور ثقیل فنی اصطلاحات کے سہارے اپنی گفتگو کا آغاز کیا تو بیشتر باتیں میرے سر پر سے گزر گئیں لیکن میں پورے تحمل کے ساتھ، اس کی گفتگو میں اپنی دلچسپی کا اظہار کرتا رہا اور اس کی گفتگو میں لحہ بہ لحہ روانی آتی چلی گئی، البتہ میں بلڈ گروپ، ٹشوز کی میچنگ اور دیگر موٹی موٹی باتوں کے علاوہ کچھ نہیں سمجھ سکا۔

اس پلاسٹک سرجن کی وہ تمہیدی تقریر خاصی طوالانی ثابت ہوئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسے اپنے دل کی برسوں کی بھڑاس نکالنے کے لیے ایک ایسا شکار میسر آ گیا تھا جو اپنے وقت کے زیاں کا معاوضہ بھی ادا کرنے پر آمادہ تھا۔ لیکن جب تمہید اور عام اصولوں کا بیان ختم کرنے کے بعد اس نے انسانی جلد کی تبدیلی کے عملی امکانات پر روشنی ڈالنی شروع کی تو مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس مرحلے پر اس کا بیان قابلِ فہم ہو چلا تھا۔

میرے متعدد سوالات کے جواب میں جو صورتِ حال واضح ہوئی وہ کچھ یوں تھی کہ چند بنیادی طبّی لوازم پورے ہونے کی صورت میں ایک زندہ انسان کی جلد دوسرے زندہ انسان کی جلد کی جگہ پیوند کاری کے لیے استعمال کی جاسکتی تھی۔ سن کر دینے والی یا بے ہوش کرنے والی ادویات کے استعمال کے باوجود، وہ عمل دونوں فریقوں کے لیے خاصا اذیت ناک ہو سکتا تھا۔ جھلس جانے یا کسی حادثے کا شکار ہونے کی صورت میں، ظاہری بدنمائی کو چھپانے کے لیے ایسی طبی امداد عموماً ناگزیر ہوتی ہے اور اس مقصد کے لیے مریض ہی کے کولہوں، رانوں یا دیگر مستور حصوں کی جلد کاٹ کر ضائع شدہ جلد کی جگہ جوڑ دی جاتی ہے لیکن بلا کسی ضرورت، دو صحت مند افراد کی جلد کی باہمی پیوند کاری خاصی بے رحمانہ ثابت ہو سکتی ہے اور اس کے لیے سرجن کا انتہائی درجے مشّاق ہونا ضروری ہے۔

میں بات کو گھما پھرا کر انگلیوں اور ہتھیلیوں کی کھال کی تبدیلی کی طرف لانا چاہ رہا تھا لیکن اس پلاسٹک سرجن کے رویّے کو دیکھتے ہوئے، میں نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ میرے ایسے سوالات سے یہ بات بالکل ہی واضح ہو جاتی کہ میں کسی بھی شخص کے فنگر پرنٹس کی تبدیلی کے امکان پر غور کر رہا تھا اور وہیں سے سرجن کے ذہن میں شبہات جنم لینے لگتے کہ میں کسی بڑے جرم کے ارتکاب کے لیے وہ ساری معلومات حاصل کرتا پھر رہا تھا۔

میں اس پلاسٹک سرجن کے پاس ڈیڑھ گھنٹا گزارنے کے بعد وہاں سے رخصت ہوا تو مجھے پورا یقین ہو چکا تھا کہ کرنل جیسی جونز نے ظفر کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرتے ہوئے، اس کے دونوں ہاتھوں اور انگلیوں کی کھال اتروا کر البرٹو کے ہاتھوں پر چڑھوا دی ہوگی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس عمل میں البرٹو کو بھی صبر آزما تکلیف سے گزرنا پڑا ہوگا لیکن اس کے سامنے کوئی بہت بڑا مقصد رہا ہوگا جس نے اسے وہ اذیت سہنے کا حوصلہ دیا ہوگا جب کہ ظفر کو قربانی کا بکرا بنایا گیا تھا۔ امکان یہی تھا کہ اس کے ہاتھوں کی جلد اتارنے کے بعد اسے بے دردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہو اور اس کی جگہ البرٹو ویلیسا کو ظفر کے روپ میں پاکستان بھیج دیا گیا ہو۔

نقلی ظفر یا البرٹو ویلیسا کے داہنے ہاتھ کی پشت پر نظر آنے والا لمبا اور باریک سا نشان ایسی پلاسٹک سرجری کا کھلا ثبوت تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ ماہرانہ طبّی معائنے کے نتیجے میں اس کے

دونوں ہاتھوں پر سرجری کی وہ علامات دریافت کی جاسکتی تھیں۔

ان انکشافات کے بعد میرے دل میں نقلی ظفر کے خلاف قہرٔ غضب کالاوا کھولنے لگا۔

ہارلے اسٹریٹ سے میں دوبارہ ٹیلی گراف آفس پہنچ گیا۔ وہاں اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک فون کرنے کے امیدوار مردوں اور عورتوں کا خاصا ہجوم تھا۔ وہاں کچھ وقت گزارنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ اس شہر میں ایسے گھرانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جن کے سربراہ اپنی روزی کمانے کے لیے بال بچوں کو چھوڑ کر مشرقِ وسطیٰ کے مختلف ملکوں میں گئے ہوئے تھے اور ان کی عورتیں اپنے سرتاجوں کی آواز سننے کی امید میں اس سرکاری پبلک کال آفس میں انتظار کی گھڑیاں گن رہی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں میرا دیا ہوا نمبر پکارا گیا اور میں نے دو نمبر بوتھ کا دروازہ بند کرکے ریسیور اٹھالیا۔

"ظفر پر ہاتھ ڈالنے کا وقت آگیا ہے" میں نے اوّل خان کی آواز سننے کے بعد کہا "اب وہ تمہاری ٹاسک فورس میں ایک دن بھی نہیں گزار سکے گا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی جونک کی طرح تمہارے دماغ سے چمٹ کر رہ گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اسے بھول جاؤ ورنہ ہم دونوں کے مراسم میں فرق آجائے گا۔"

"وہ ہسپانوی زبان جانتا ہے لیکن اس سے انجان بنا رہتا ہے۔ اردو محاوروں کے معاملے میں وہ بالکل صفر ہے اور اب وہ ویرا کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے کیونکہ اس نے اچانک ہی بامحاورہ ہسپانوی زبان میں اسے پہچان لینے کا دعویٰ کرکے اس کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے" میں نے کہا "اب میں اسے ہرگز نہیں بھول سکتا۔"

"تم فنگر پرنٹس کی رپورٹ کو مسلسل نظرانداز کرتے آرہے ہو" اوّل خان کا لہجہ خشک تھا۔

"آج میں نے اس کے داہنے ہاتھ کی جلد پر آپریشن کا نشان دیکھنے کے بعد ایک پلاسٹک سرجن سے ماہرانہ رائے لی ہے۔ وہ البرٹو ویلیسا ہے اور اس کے ہاتھوں پر سرجری کرکے ظفر کی کھال کا پیوند لگایا گیا ہے۔"

"یہ ناممکن ہے!" اوّل خان کی آواز بلند آہنگ خود کلامی کا انداز لیے ہوئے تھی۔

"ابھی تک وہ پورے اعتماد کے ساتھ میدان میں ڈٹا ہوا ہے۔ اگر تم نے فوراً اس پر ہاتھ ڈالنے کا بندوبست نہ کیا تو خطرے کی بھنک پاتے ہی وہ روپوش ہوجائے گا اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔"

"اگر تمہاری ہر بات درست مان لی جائے تب بھی یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ میں کراچی میں بیٹھ کر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کراسکتا۔ مجھے اوپر والوں سے ذاتی رابطے کرنے ہوں گے۔ ادھر ٹریڈ لائن کے معاملات بہت الجھے ہوئے ہیں۔ سب کچھ قبضے میں آجانے کے باوجود میں وہاں الجھا ہوا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم فوری طور پر پنڈی نہیں آسکتے۔ اگر میں نے کوئی قدم اٹھایا اور میرا وار اوچھا پڑا تو وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔"

"اس کا بھاگ نکلنا ہی اس کے خلاف سب سے بڑا ثبوت ہوگا۔ وہ فورس میں دوبارہ لوٹنے کی جرات نہیں کرسکے گا اور تم بھی ایس ٹی ایف سے اس کے اخراج کے درپے ہو۔"

"شاید تم اس وقت ذہنی پراگندگی کا شکار ہو" میں نے بدمزگی کے ساتھ کہا "ابھی تک مجھے اس کی اصلیت پر شبہ تھا جو اب پایۂ ثبوت تک پہنچتا ہوا نظر آرہا ہے لیکن ہم اب بھی اس کے عزائم سے لاعلم ہیں۔ وہ پاکستان کیوں بھیجا گیا ہے؟ ایس ٹی ایف میں شامل ہوکر وہ کون سے مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟ یہاں اس کے مزید کتنے مددگار ہیں؟ وہ بھاگ گیا تو ہمیں ان سوالات کے جوابات نہیں مل سکیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی رُوپوشی کے بعد اس کا نمبر دو' اس کے مشن کی سربراہی سنبھال لے۔ ان تمام امکانات کی بیخ کنی کے لیے ہمیں اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اوّل خان نے برا مانے بغیر' میرے خیالات سے اتفاق کرلیا "اس کا زندہ پکڑا جانا بہت ضروری ہے لیکن یہ کام فوراً نہیں ہوگا۔ پہلے اس کا میڈیکل بورڈ ہوگا۔ وہاں سے اس کے دونوں ہاتھوں کی جلد کی سرجری کی تصدیق ہوگئی تو اسے معزول کرکے قید کیا جاسکے گا... میں جلد از جلد پنڈی پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں' اس وقت تک تم اسے الجھائے رکھنے کی کوشش کرو۔"

"تم کراچی سے جلد از جلد کب تک نکل سکتے ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"کل شام سے پہلے ناممکن ہے" اس نے جواب دیا "ٹریڈ لائن کے معاملات کی تفتیش کے لیے کئی فیڈرل ایجنسیوں کے علاوہ ملٹری حکام بھی میدان میں کود پڑے ہیں کیونکہ اس دفتر سے برآمد ہونے والے ریکارڈ میں کئی اہم سیاست دانوں کے علاوہ بڑے سرکاری افسران کی خفیہ فائلیں بھی ملی ہیں۔ یہ معاملہ ہیروئن کی اسمگلنگ سے بھی بہت آگے تک بڑھا ہوا تھا۔ اسے نمٹانا بہت ضروری ہے۔"

"میں کوشش کروں گا کہ تمہاری آمد تک صورتِ حال جوں کی توں رہے لیکن میں کوئی وعدہ نہیں کرسکتا۔ البرٹو اس وقت کسی زخمی ناگ کی طرح بپھرا ہوا ہے۔ میری نگرانی کی جارہی ہے۔ اگر اس نے چھیڑ چھاڑ میں پہل کردی تو میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھوں گا۔"

"ویرا تمہارے ساتھ ہی رہ رہی ہے؟" اس نے اچانک پوچھ لیا۔

"پچھلی رات ہم پر منظم حملہ ہوا تھا۔ ہمارے ستارے یاور

تھے کہ ہم بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد سے ہم دونوں الگ ہو گئے ہیں لیکن البرٹو کے آدمی اسے پورے شہر میں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔"

ویرا کا قصہ چھڑ جانے پر اول خان کی طرف سے سوالات کی بوچھاڑ شروع ہو گئی اور مجھے ابتدا سے پوری کہانی سنانی پڑ گئی جس میں سینتے کاسیلو کا ذکر نمایاں تھا۔

"جب تک سینتے کاسیلو اس کے ہاتھ نہیں آجاتی وہ تم سے کوئی تعرض نہیں کرے گا" پوری کہانی سننے کے بعد اول خان نے اپنی رائے ظاہر کی "تمہاری نگرانی کروا کے وہ ویرا ہی کو گھیرنا چاہ رہا ہے۔ تم سے تصادم کے بعد وہ اس موقعے سے محروم ہو جائے گا۔"

"میں اپنی طرف سے پہل نہیں کروں گا" اس یقین دہانی کے ساتھ میں نے اسے اپنے ہوٹل کے نام، پتے اور فون نمبر سے آگاہ کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں، البرٹو کے مامور کیے ہوئے آدمی کو چکمہ دے کر اپنے کاموں پر نکلا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ دھوکا کھانے کا احساس ہوتے ہی اس شخص نے البرٹو کو رپورٹ دی ہو گی اور وہ بری طرح بھنّایا ہوا ہو گا اس لیے میں پی سی او سے نکلتے ہی اپنے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

راجہ دربار ہوٹل پر دور سے نظر پڑتے ہی مجھے گڑبڑ کا اندازہ ہو گیا۔ باہر تین سادہ پوش افراد اس طرح مستعد کھڑے ہوئے تھے جیسے کسی بھی لمحے اپنے نادیدہ دشمن پر جھپٹ پڑیں گے۔ ان تینوں میں وہ شخص بھی شامل تھا جسے جُل دے کر میں فرار ہوا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی پہلے حیران رہ گیا پھر اگلے ہی لمحے اس نے میری طرف دوڑ لگا دی۔ اس کے دونوں ساتھی اس کے ردِعمل پر حیران تھے۔

میرے قریب پہنچتے ہی اس نے پشت سے میرے دونوں بازو جکڑ لیے اور غراتے ہوئے بولا۔ "اب میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔"

میں ہنس پڑا "میں کہیں نہیں بھاگ رہا۔ مجھے ہوٹل میں جانے دو۔"

"ہاتھ اوپر اٹھا کر ہوٹل کی طرف چل دو" اس نے کسی آتشیں اسلحے کی نال میری پشت سے لگاتے ہوئے میرے ہاتھ چھوڑ دیے "مسخروں کی سی کوئی حرکت کی تو گولی مار دوں گا۔"

اس سے الجھنا بے سود تھا کیونکہ وہ میرے ہاتھوں ایک بار زک اٹھا چکا تھا۔ میں اس کی ہدایت کے عین مطابق خاموشی سے ہوٹل کی طرف چل دیا۔

اندر نقلی ظفر بذاتِ خود موجود تھا اور ہوٹل کے عملے پر برس رہا تھا۔ میرے چہرے پر نگاہ پڑتے اس کا چہرہ مضحکہ خیز حد تک بگڑ گیا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ میں اس کے آدمی کو دھوکا دے کر فرار ہونے کے بعد دوبارہ اسی چوہے دان میں آ پھنسوں گا۔

"یہ کیا حماقت ہے؟ اسے ہاتھ گرانے دو" نقلی ظفر نے اپنے آدمی کو ڈانٹا پھر ہوٹل کے عملے کو بھی دھتکار کر وہاں سے بھگا دیا۔

"تم اسے چکمہ دے کر کہاں گئے تھے؟" چند ثانیوں تک مجھے گھورتے رہنے کے بعد ظفر نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"کہیں بھی نہیں" میں نے معصومانہ سادگی سے کہا "یہ خود ہی راستے میں کہیں رہ گیا تھا۔"

مجھے لانے والے نے میرے سفید جھوٹ پر بلبلا کر اپنی کہانی شروع کر دی۔

"تمہیں دھوکا ہوا ہو گا" میں نے پورے اعتماد سے کہا "میں تو اسلام آباد تک کہیں رکا ہی نہیں۔ تم بھیڑ بھاڑ میں کسی اور ٹیکسی کے پیچھے ہو لیے ہو گے" وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اچانک ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اگر اس کے پاس ٹیکسی کا نمبر ہوتا تو وہ ڈرائیور سے میری شناخت کروا کر میرا جھوٹ ثابت کر سکتا تھا لیکن غنیمت ہوا کہ اس نے ایسی کوئی دھمکی نہیں دی۔ شاید بوکھلاہٹ میں وہ ٹیکسی کا نمبر نوٹ ہی نہیں کر سکا ہو گا اور ٹیکسی ڈرائیور گڑبڑ کا اندازہ کر کے اس کی ریستوران سے واپسی سے پہلے بھاگ نکلا ہو گا۔

"تم اسلام آباد کیوں گئے تھے؟" نقلی ظفر مسلسل میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"سینتے کاسیلو کی تلاش میں اسلام آباد کے ہوٹلوں کی خاک چھاننے گیا تھا لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔" میں نے بے پروائی سے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہوں" وہ بے بسی سے غرّایا "اب تم میرے آدمی کو ساتھ لیے بغیر کہیں نہیں جاؤ گے۔"

"میں نے تو اسے ساتھ لے جانے کی پیش کش کی تھی لیکن یہ تمہارے خوف سے الگ ٹیکسی میں پیچھا کرنے پر اڑا رہا اور وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔"

"تم نے مجھے یہ بات کیوں نہیں بتائی تھی؟" نقلی ظفر نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"سر، غلطی ہو گئی" وہ گڑگڑایا "ہمیں چھپ کر نگرانی کرنی تھی لیکن یہ سیدھا میرے پاس پہنچ گیا تو میں پریشان ہو گیا تھا۔ اب میں سائے کی طرح اس کے ساتھ لگا رہوں گا۔"

"باہر جاؤ اور میرا انتظار کرو" وہ قہربار لہجے میں بولا۔ اپنے ماتحت کے باہر جانے تک وہ خاموش رہا پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "شاید تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ اس وقت تم کس پوزیشن میں ہو؟"

"تم جو چاہو کہہ سکتے ہو لیکن میرا ضمیر صاف ہے۔ میری نیت میں کھوٹ ہوتا تو میں دوبارہ ادھر لوٹنے کی حماقت نہ کرتا۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ سینتے کاسیلو سے دوستی ہونے کی وجہ سے تم مجھے بھی مشتبہ سمجھ رہے ہو اور مجھے چارا بنا کر سینتے کو پکڑنا چاہ رہے ہو۔"

"اور تم سینتے کو بچانا چاہ رہے ہو؟" اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"ایسا ہوتا تو میں اس وقت اسلام آباد کے ہوٹلوں کے دھکے کھا کر واپس نہ آیا ہوتا" میں نے ترش روئی کے ساتھ کہا "میں اپنے قومی مفادات پر کوئی مفاہمت نہیں کر سکتا۔ سینتے اگر میری دوست ہے تو تم ایک ذمّے دار افسر ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ سینتے کو تلاش کر کے، خود تمہارے سامنے کھڑا کر دوں تاکہ تم اس سے پوچھ گچھ کر کے ایک مرتبہ اپنا اطمینان کر لو۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا دامن بے داغ نکلے گا۔"

اس کی آنکھوں سے بے یقینی جھلکنے لگی "تم سچے دل سے یہ باتیں کہہ رہے ہو؟"

"میرا ماضی میرا سب سے بڑا گواہ ہے۔ ملا سرکار کے خاتمے سے لے کر آج تک میں نے کبھی قومی مفادات پر آنچ نہیں آنے دی لیکن اب تم نے مجھ پر ناروا پابندیاں لگا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم اپنے علاوہ اور کسی کو محب وطن نہیں سمجھتے۔ میں سینتے کی تلاش سے دست بردار ہوتا ہوں۔ تم خود ہی اس کا کھوج لگاؤ گے۔ میں تمہارے ماتحتوں کے ہاتھوں نئی ذلتیں بھگتنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

میری ان کڑوی کسیلی باتوں نے اُس پر خاطر خواہ اثر کیا اور وہ نرم پڑتے ہوئے بولا "تم بلاوجہ برا مان رہے ہو۔ میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔ ہم اپنے قاعدوں کے قیدی ہوتے ہیں....."

"مجھے یہ سب نہ بتاؤ!" میں نے بے رخی سے اس کی بات کاٹ دی "اسپیشل ٹاسک فورس میں کمانڈر کی مرضی قانون کا درجہ رکھتی ہے۔ اپنی خواہشات کو قاعدوں کا سہارا نہ دو۔"

"مجھے اب بھی تم سے کوئی پرخاش نہیں ہے" اُس کا لہجہ دوستانہ ہو گیا۔ "تم بالکل ٹھیک سمجھے ہو کہ سینتے سے دوستی کی وجہ سے تم چیک لسٹ پر آ گئے ہو۔ اگر تم مجھ سے بھرپور تعاون کا وعدہ کرو تو میں اپنی ذمّے داری پر تمہیں مکمل آزادی دینے کو تیار ہوں۔ تمہاری کوئی نگرانی نہیں کی جائے گی۔"

"تعاون کے لیے میں کوئی بونڈ نہیں بھر سکتا۔ کیا میرے اب تک کے عمل سے تم نے میرے رجحان کا اندازہ نہیں لگایا؟ میں اس ملک میں قانون کو مطلوب ہوں۔ یہاں مجھے صرف اسپیشل ٹاسک فورس والوں کا سہارا ملا ہوا ہے۔ ان سے بھی بگاڑ ہو گیا تو میں کہاں جاؤں گا؟ اگر تم اس سیدھی سی بات کو ذہن نشین کر لو تو تمہیں میری وفاداری پر شبہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ "اب تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ میری خواہش ہے کہ وہ بدذات لڑکی تمہارے ذریعے ہی ہمارے قبضے میں آئے۔"

"میں کوشش کروں گا لیکن ایک بات ابتدا ہی سے میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔"

"اس وقت اسے بھی صاف کر لو تو بہتر ہو گا۔" اس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"اگر سینتے کاسیلوا اتنی ہی بڑی مجرمہ ہے تو تم نے اسے اسی وقت کیوں نہیں پکڑا جب اسے گیسٹ ہاؤس میں پہلی مرتبہ میرے کمرے میں دیکھا تھا؟ اس وقت تم نے ویرا کے حوالے سے اُسے خطرناک قرار دینے کے علاوہ مزید کچھ نہیں کہا تھا لیکن اب وہ ایک بھیانک روپ اختیار کرتی جا رہی ہے۔"

"اس وقت میں نے ویرا کے حوالے سے جو کچھ کہا وہ میری ذاتی رائے تھی۔" اس نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر ایک کہانی شروع کر دی لیکن سینتے کو دیکھتے ہی میرے ذہن کو کرنٹ سا لگا تھا۔ اسی وجہ سے میں تمہارے پاس سے اچانک ہی واپس چلا گیا تھا۔ دفتر میں، میں نے پرانے ریکارڈ کی چھان بین کی تو مجھے سینتے کی تصویر کے ساتھ کافی مواد مل گیا۔ ہمارے ریکارڈ میں اس کا نام گلوریا کلارک ہے اور یہ اسرائیلی سیکرٹ سروس، موساد کے لیے کام کرتی رہی ہے۔ تم خود سوچ سکتے ہو کہ پاکستان میں کسی اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ کی موجودگی کتنی خطرناک اور باعثِ تشویش ہو سکتی ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ اس نے تم کو بھی ورغلا لیا ہے۔"

وہ اول درجے کا جھوٹا اور مکار تھا۔ وہ اسرائیلی نسل پرستوں کے خلاف پاکستانیوں کی نفرت سے بخوبی واقف تھا اس لیے اُس نے سینتے کے خلاف، میرے دل میں نفرت ابھارنے کے لیے اسے بلا تامل اسرائیلی ایجنٹ قرار دے دیا تھا جبکہ حقیقت میں سینتے کاسیلوا یا گلوریا کلارک کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

وہ میرے جذبات سے کھیلنا چاہ رہا تھا جب کہ میں اس سے کھیل رہا تھا اس لیے میں نے شدید ردِ عمل کا اظہار کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔ "وہ اسرائیلی ایجنٹ ہے؟ پھر تو اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو میں اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کر ڈالوں گا۔"

"میں بھی یہی کہنا چاہ رہا ہوں۔" اس نے کہا۔ "اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم سینتے کو پکڑنے میں میری مدد کرو گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس نے اپنی بے گناہی ثابت کر دی تو میں اس سے معافی مانگ لوں گا۔"

اس وقت میری پوزیشن بہت نازک تھی۔ وہ سارا کھیل میرا ہی سجایا ہوا تھا لیکن نقلی ظفر مجھے بھول کر سینتے کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ میں اس کی غلط فہمی برقرار رکھتے ہوئے ہی اس کے عزائم سے باخبر رہ سکتا تھا۔ اسے میری نیت پر ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو پوری بساط الٹ سکتی تھی۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ سینتے کاسیلو کی تلاش کے لیے ویرا کو بھی یہاں بلا لوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام آباد میں سینتے کے خفیہ روابط سے واقف ہو۔" میں نے باتوں ہی باتوں میں خیال ظاہر کیا۔

"ضرور بلا لو لیکن اس معاملے میں ویرا پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی تمام تر ہمدردیاں سینتے کے ساتھ ہوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسے ہمارے ہاتھ ہی نہ آنے دے۔"

"اسے سنبھالنا میرا کام ہے۔ میں ویرا سے تمہارے شبہات کا ذکر ہی نہیں کروں گا۔ اس کے لیے گیسٹ ہاؤس پر حملہ کرنے والے نامعلوم دشمنوں کی کہانی چلتی رہے گی۔ باقی معاملات بعد میں دیکھ لیے جائیں گے۔" میں نے اسے اطمینان دلانے کی نیت سے کہا۔

میری تجویز پر اُس کا چہرہ کھل اٹھا۔ "میں اپنی جانب سے یہ تجویز پیش نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ تم نے میرا دل خوش کردیا ہے۔ میری اور تمہاری سوچ میں حیرت ناک حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔"

وہ کچھ دیر بعد واپس چلا گیا۔ اس دوران میں، مجھے اس کے بائیں ہاتھ پر نگاہ ڈالنے کا موقع مل گیا تھا اور اس ہاتھ پر بھی سرجری کے خفیف سے نشانات پائے گئے تھے۔

میں نے ویرا کو طلب کرنے کی بات اس مقصد سے چھیڑی تھی کہ میں سینتے کا سیلو والا ڈراما ختم کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کردار نے اپنا مقصد بخوبی پورا کرلیا تھا اور اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ دوسری طرف ویرا کے لیے وہ روپ خطرناک بھی ہوتا جارہا تھا۔ وہ ویرا کے روپ میں آنے کے بعد پوری بے خوفی کے ساتھ نقل و حرکت کرسکتی تھی۔ ظفر کے آدمی سینتے کے خیالی کردار کو ڈھونڈتے ہی رہ جاتے۔

میری پچھلی رات بھاگ دوڑ میں گزری تھی اور صبح بھی جلدی آنکھ کھل گئی تھی اس لیے میں اپنے کمرے میں اندھیرا کرکے بستر پر دراز ہوگیا۔ مختصر سی نیند لینے کے بعد میں نہا دھو کر تازہ دم ہوا اور ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا۔ بازاروں اور گلیوں میں کافی چہل قدمی کرنے کے باوجود میں اپنے تعاقب کا اندازہ لگانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ نقلی ظفر نے مجھے اس بارے میں یقین دہانی ضرور کرا دی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ وہ مجھے کھلی چھوٹ دینے کے بجائے، میری نقل و حرکت پر پوری پوری نگاہ رکھے گا۔ شاید اس نے پچھلے تلخ تجربے کی بنا پر کسی گھاگ آدمی کو میرے پیچھے لگایا تھا جس کا سراغ لگانا مشکل تھا۔

میں نے ایک پبلک کال آفس سے پہلے ویرا کو فون کرکے پروگرام سمجھایا کہ اسے سینتے کا سیلو کا بہروپ ختم کرکے اپنے اصل حلیے میں میرے پاس پہنچنا تھا۔ امکان یہ تھا کہ سینتے کے سلسلے میں نقلی ظفر کے آدمی شاید ائرپورٹ کی بھی نگرانی کررہے ہوں گے اس لیے میں نے ویرا سے کہا کہ وہ ظفر سے ملاقات ہونے کی صورت میں بس سے اپنی آمد کا ذکر کرے لیکن ویرا کے پاس اس سے بہتر تجویز موجود تھی۔ اس نے کہا کہ وہ فلائنگ کوچ کے ذریعے چار پانچ گھنٹے میں لاہور پہنچ جائے گی اور پھر کراچی سے براستہ لاہور، پنڈی آنے والی پہلی پرواز سے واپس لوٹ آئے گی۔ وہ خود بھی اپنے بہروپ سے جلد از جلد نجات حاصل کرنا چاہتی تھی۔

وہ طریقہ ہر اعتبار سے محفوظ تھا۔ نقلی ظفر کے آدمی یہ دیکھ لیتے کہ ویرا کراچی سے آنے والی پرواز سے پنڈی پہنچی ہے تو انہیں ویرا اور سینتے کے بارے میں پورا یقین ہوجاتا کہ وہ دو الگ شخصیات ہیں۔ ان کے لیے یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا کہ ویرا اس طیارے میں کراچی سے سوار ہوئی تھی یا لاہور سے سفر کا آغاز کیا تھا۔ ویرا سے بات ختم کرنے کے بعد میں نے کراچی فون کیا تو میری کال غزالہ نے ہی ریسیو کی۔

"شکر ہے کہ تمہیں کراچی کا خیال تو آیا۔" اس کی آواز سے خوش طبعی جھلک رہی تھی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ اپنی سہیلی سے تمہاری کوئی جھڑپ ہوگئی ہے جب ہی تمہیں گھر یاد آیا ہے۔"

"تمہاری بددعا سے ہم دونوں الگ الگ ہوٹلوں میں رہ رہے ہیں۔ یہاں کھیل شروع ہوچکا ہے۔ بس یہ دھیان رکھنا کہ اتفاق سے ظفر کا فون آجائے تو اسے یہ نہ بتانا کہ ویرا میرے ساتھ پنڈی گئی تھی۔"

"اس کے روپ بدل کر سفر کرنے کے بعد اس اعتراف کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ اتنی بات اب میں بھی سمجھ لیتی ہوں، یہ بتاؤ کہ تمہاری واپسی کب تک ہورہی ہے؟"

"کل رات ہی یہاں پہنچے ہیں۔ واپسی میں دو تین دن اور لگیں گے۔ فی الحال میرا کوئی مستقل ٹھکانا نہیں ہے۔ موقع نکال کر میں خود ہی تمہیں فون کرتا رہوں گا۔ سلطان شاہ کے کیا حال چال ہیں؟"

"تمہاری غیرحاضری میں وہ بہت سنجیدہ اور بردبار ہوجاتا ہے۔" نقرئی ہنسی کے ساتھ جواب آیا۔

میں نے اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے فون بند کردیا۔ کراچی فون کرنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ میرے باہر نکلنے کے بعد، میرا تعاقب کرنے والا اس پی سی او میں پہنچے تو اسے یہ ضرور معلوم ہو کہ میں نے کراچی فون کیا تھا۔ وہ نقلی ظفر کو گمراہ کرنے کی ایک چال تھی۔ وہ یہی سمجھتا کہ میں نے ویرا کو پنڈی طلب کرنے کے لیے کراچی بات کی تھی۔

طویل چہل قدمی کے بعد میں اپنے ہوٹل میں لوٹ آیا اور کمرا بند کرکے بلیک ڈاگ کی باقی ماندہ بوتل سے عرقِ نشاط کشید کرنے میں مصروف ہوگیا۔

میں کھانے سے فارغ ہوکر گہری نیند سویا ہوا تھا کہ دروازہ پیٹے جانے کے مسلسل شور سے ہڑبڑا کر میری آنکھ کھل گئی۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ دوبارہ کوئی مصیبت نازل ہوگئی تھی۔ میں نے رِسٹ واچ پر نظر ڈالی تو وہ صبح کے تین بجا رہی تھی۔ میں نے تکیے کے نیچے سے بیم گن نکالی اور بستر چھوڑتے ہوئے۔ "کون ہے؟" کی ہانک لگائی۔

"نیچے تمہارا فون ہے، جلدی آکر بات کرلو۔" وہ ہوٹل کے ایک بیرے کی آواز تھی۔

میں بولٹ گرانے کے بعد تیزی سے نیچے پہنچا تو دوسری طرف

سے ویرا بول رہی تھی۔
"میں نائٹ کوچ سے پنڈی پہنچ گئی ہوں اور فلیش مین ہوٹل میں تمہاری منتظر ہوں۔ مجھے ائرپورٹ سے اغوا کرنے کی کوشش کی گئی۔ میں ان میں سے ایک کو زخمی اور دوسرے کو شاید زیادہ زخمی کر کے بمشکل یہاں تک پہنچی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ تمہارے دوست کی نیت میں ابھی تک فتور باقی ہے۔"
"میں ابھی آرہا ہوں۔ میرا انتظار کرو!" میں نے کوئی جوابی تبصرہ کیے بغیر کہا۔
"کمرا مس لیزلی گومز کے نام پر لیا گیا ہے۔ بائیس نمبر!" اسی کے ساتھ فون بے جان ہو گیا۔
ہوٹل کا منیجر اپنی گہری نیند خراب ہونے کی وجہ سے بیزاری کے عالم میں مجھے گھورے جا رہا تھا۔ میرے فارغ ہونے پر ترش روئی کے ساتھ بولا۔ "صاحب! تمہاری وجہ سے ہم مصیبت میں آگئے ہیں۔ دوپہر میں اسپیشل پولیس والوں کی گارڈ نے دھاوا بول دیا تھا اور اب اس فون نے پریشان کر دیا۔"
"فکر نہ کرو۔ میں ابھی یہ ہوٹل چھوڑ رہا ہوں۔" میں نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "میرا حساب کیا ہے؟"
"حساب کتاب تو صبح سیٹھ ہی کرے گا۔" اس نے بے پروائی سے کہا کیونکہ میں نے ہوٹل میں زیادہ رقم جمع کرائی ہوئی تھی۔
"کل کسی وقت آ کر حساب کر لینا۔"
میں نے کمرے میں جا کر اپنا تھیلا سمیٹا اور لباس تبدیل کر کے ہوٹل چھوڑ دیا۔
باہر نکلتے ہی میں نے ایک انسانی ہیولے کو ایک گلی میں غائب ہوتے دیکھا اور گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ البرٹو ۔ یلیسا اپنی کمینگی اور وعدہ خلافی کے بارے میں میری تمام توقعات پر پورا اتر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ائرپورٹ سے ویرا کے اغوا کی ناکام کوشش بھی اسی کے آدمیوں کی حرکت تھی۔ ویرا نے دوسرے آدمی کو زیادہ زخمی کرنے کا تذکرہ کر کے یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ مارا گیا تھا۔ اس وقت تک اس بات کی ساری علامات موجود تھیں کہ البرٹو ویلیسا ہمارے خلاف اسپیشل ٹاسک فورس کی نفری استعمال کر رہا تھا اس طرح اس نے ویرا کے ہاتھوں ایس ٹی ایف کا ایک آدمی مروا دیا تھا اور اوپر والے اس کی ان گندی حرکتوں سے بے خبر تھے۔
میں ہوٹل سے نکل کر لیاقت چوک پہنچا تو وہاں سے ٹیکسی مل گئی۔ وہ نہ بھی ملتی تو میں پیدل ہی فلیش مین تک مارچ کر سکتا تھا۔ اس طرح میرا تعاقب کرنے والا کہیں نہ کہیں میری نظر میں آسکتا تھا۔
ویرا اپنے کمرے میں میری منتظر تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے مجھے بتایا کہ اپنا بچاؤ کرتے ہوئے اس کا بایاں بازو زخمی ہو گیا تھا لیکن پھر بھی وہ اپنے دونوں دشمنوں پر حاوی رہی تھی۔ اس نے میرے اندازے کی تائید کرتے ہوئے بتایا کہ ان میں سے ایک بے ہوش ہو گیا تھا جبکہ دوسرے کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور اس کے جاں بر ہونے کی ذرا بھی امید نہیں تھی۔ ویرا نے ان دونوں کو پچھلے پائیدان میں ڈال کر ان ہی کی کار میں پنڈی تک کا سفر طے کیا تھا پھر وہ کار سیٹلائٹ ٹاؤن کے قریب چھوڑ کر ایک ٹیکسی سے ہوٹل میں پہنچ گئی تھی۔
ویرا سے معلومات حاصل کرنے کے بعد میرے لیے اپنے غصے پر قابو پانا دشوار ہو گیا۔ میں البرٹو کو فون کر کے اس سے شدید احتجاج کرنا چاہتا تھا لیکن ویرا نے مجھے روک دیا۔ اس کے ایک آدمی کو ہلاک کر کے ویرا نے اس پر اپنی بالادستی ثابت کر دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ لاش دستیاب ہونے کے بعد البرٹو ہی کی جانب سے کسی ردعمل کا انتظار کرنا زیادہ مناسب رہے گا۔
مری روڈ کے سستے ہوٹلوں کے مقابلے میں فلیش مین ہوٹل کا وہ روشن' صاف ستھرا اور کشادہ کمرا ایک نعمت سے کم نہیں تھا۔ میرا غصہ فرو کرنے کے لیے ویرا نے فوراً ہی اپنی بوتل سے اسکاچ کے دو پیگ بنا لیے اور ہم گزرے ہوئے واقعات پر رائے زنی میں مصروف ہو گئے۔
کراچی سے اوّل خان کی آمد کا ذکر سن کر ویرا چونک پڑی۔
"ہمیں اُس کے آنے سے پہلے ہی کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔" اس نے کہا۔ "اول خان کے آتے ہی وہ سمجھ لے گا کہ اس کے گرد جال کسا جا رہا ہے۔ اس وقت اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہو جائے گا۔"
"اول خان کی مدد کے بغیر ہم ایس ٹی ایف کے بڑوں سے رابطہ نہیں کر سکتے۔"
"اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اسے گھیر کر پکڑ لو۔ اس وقت وہ آسانی سے ہاتھ آجائے گا۔"
"ایس ٹی ایف والوں پر اس کا شدید ردعمل ہو سکتا ہے۔ یہ بات پہلے بھی ہو چکی ہے۔"
"اب صورتِ حال مختلف ہے۔ تم اس کے فنگر پرنٹس کا راز معلوم کر چکے ہو۔ تم نے اول خان کو بھی اعتماد میں لے لیا ہے۔ اگر وہ ہمارے ہاتھوں مارا بھی گیا تو ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ ظفر نہیں بلکہ ایک خطرناک غیر ملکی ایجنٹ تھا اور ایس ٹی ایف میں گھس کر تمہارے قومی مفادات کو سبوتاژ کر رہا تھا۔"
ویرا کی بات معقول تھی۔ ہمارے سارے خدشات اسی وقت تک درست تھے جب تک ہمیں البرٹو ویلیسا کے فنگر پرنٹس کا حیرت انگیز راز معلوم نہیں ہوا تھا۔ اس انکشاف نے تو اول خان کے اعتماد کی بنیادیں بھی ہلا کر رکھ دی تھیں اور وہ بذات خود پنڈی آنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔
ویرا نے مشورہ دیا کہ میں اس کے اغوا کی ناکام کوشش کا ذکر کیے بغیر' نقلی ظفر کو اسی وقت اپنے ہوٹل آنے کی دعوت دوں اور پھر ہم اسے لے کر کسی دور افتادہ ویرانے کی طرف نکل جائیں۔

جہاں آزادانہ تشدد کے ذریعے اس کی زبان کھلوانے کی کوششیں کی جاسکیں لیکن میں نے وہ مشورہ رد کردیا۔

"اس حرام زادے نے میری نگرانی ختم کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن نگرانی مسلسل جاری ہے۔ اتنا فرق ضرور پڑا ہے کہ میرا پیچھا کرنے والے بہت زیادہ محتاط ہوگئے ہیں۔ میری راجہ دربار ہوٹل سے یہاں منتقلی کی خبر ملنے پر وہ ضرور کسی ردِعمل کا مظاہرہ کرے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سینتے کاسیلو کی روپوشی سے جھلّا کر ہم دونوں ہی کو پکڑوانے کا فیصلہ کرچکا ہو۔ اس وقت ہمیں پہل کرنے کے بجائے' اس کے ردِعمل کا انتظار کرنے کی ضرورت ہے۔"

"تم شاید بھول رہے ہو کہ پہل کرنے والا ہر حالت میں فائدے میں رہتا ہے!"

"مجھے سب یاد ہے لیکن میں البرٹو کی اعصابی اور ذہنی حالت کے پیش نظر انتظار کرنے کو بہتر سمجھ رہا ہوں۔ اس کی حماقتوں کی وجہ سے ہمیں کوئی نہ کوئی بڑی کامیابی نصیب ہو ہی جائے گی۔"

اسی وقت دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔ اس ہوٹل میں انٹرکام پر پیشگی اطلاع کے بغیر کسی ملاقاتی کا یوں براہِ راست کمرے پر چلا آنا حیرت ناک تھا۔ ہم دونوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر میں نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

البرٹو ویلیسا دروازہ کھلتے ہی مجھے دھکیلتا ہوا اندر گھس آیا۔ اس کے تیور خاصے خشمناک تھے اور وہ اکیلا نہیں تھا اس کے پیچھے چار صحت مند اور مضبوط آدمی بھی تھے جو اُس کی تقلید کرتے ہوئے کمرے میں آگئے تھے۔ آخری آدمی نے دروازہ بند کردیا۔

"جو جہاں ہے' وہیں رک جائے اور اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھالے۔ تم پانچوں میں سے جس نے بھی میری اس ہدایت سے انحراف کیا' اسے میں بے دریغ گولی مار دوں گا۔"

ان کے اندر آتے ہی میں نے پھرتی کے ساتھ بیم گن نکال کر' سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔

کمرے کا دروازہ کھولے جانے کے بعد وہ لوگ جس دیدہ دلیرانہ انداز میں اپنی بالادستی کا اظہار کرتے ہوئے اندر گھستے چلے آئے تھے' اس کی بنا پر میری کھوپڑی یک بیک چیخ اٹھی تھی اور میں نے البرٹو ویلیسا کے ساتھ' ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر' برابری سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میں اسے پوری وضاحت کے ساتھ یہ بات بتادینی چاہتا تھا کہ وہ اپنی اداکاری میں بری طرح ناکام رہا ہے اور ہم لوگ اسے اسپیشل ٹاسک فورس کے ایک ذمے دار افسر کے بجائے' ملک دشمن اور غدار تصور کرتے ہیں کیونکہ وہ ظفر کی شخصیت چرا کر ہمارے ایک اہم اور حساس ادارے میں گھس بیٹھنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

میری دھمکی سنتے ہی' البرٹو ویلیسا کمرے کے وسط سے پلٹا' وہ واقعی بلا کا مکار اور بہت بڑا اداکار تھا کیونکہ چند لمحوں پہلے تک' اس کے چہرے پر نظر آنے والی درشتی اور خشمناکی پل بھر میں کافور ہوچکی تھی اور اس کی چمکدار آنکھیں متحیرانہ انداز میں میری طرف نگراں تھیں۔

"کیوں؟ آخر کیوں۔۔۔؟" اس نے اپنی حیرت کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے مجھ سے احتجاج کیا۔ "کیا تم بھی میرا ساتھ چھوڑ کر ویرا اور اس کے ہمدردوں سے مل گئے ہو؟"

"میں تم پانچوں کی بدمعاشی کا مظاہرہ دیکھنے تک غیر جانب دار تھا لیکن اب مجھے تم لوگوں کی حرکات میں مجرمانہ آثار نظر آرہے ہیں۔ میں بدمعاشی کا جواب بدترین بدمعاشی سے دوں گا۔۔۔"

"تم بلاوجہ برہم ہو رہے ہو!" البرٹو ویلیسا نے میری بات کاٹتے ہوئے نرمی کے ساتھ کہا "میں مانتا ہوں کہ ہمارا یوں اندر گھس آنا' شائستگی کے خلاف تھا لیکن شاید تم بھول رہے ہو کہ ہم نہایت غیر معمولی صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ ایسے حالات میں اضطراری طور پر بہت کچھ ہوجاتا ہے۔"

غنیمت یہ تھا کہ پہلے البرٹو ویلیسا' پھر اس کی تقلید میں بقیہ چاروں نے اپنے ہاتھ اٹھالیے تھے جس سے ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ ہوٹل کی حدود میں براہِ راست تصادم سے گریز ہی کرنا چاہ رہے تھے۔

"میں تمہیں سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ ہم تمہارے دوست ہیں۔ اسپیشل ٹاسک فورس کے ساتھ تمہارے مراسم غیر روایتی اور دوستانہ رہے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ جلدبازی میں قائم کی ہوئی کسی رائے کی وجہ سے ان مراسم کو تباہ نہ کرو۔" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے حیرت ناک سکون اور نرمی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ "میں تفصیلات میں پڑنا نہیں چاہتا۔ پوری کہانی سن لینے کے بعد تم میری ذہنی کیفیت کو بہتر طور پر سمجھ سکو گے۔ میں اس وقت کئی بڑی مشکلات سے دوچار ہوں۔"

اس وقت میری نگاہیں البرٹو ویلیسا پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ اس کے ماتحت اس کی زندگی کو داؤ پر لگا کر کوئی حرکت کرنے کی جرات نہیں کرسکتے تھے' اس لیے میں نے بیم گن کی نال بھی براہِ راست اسی کے سینے کی طرف اٹھائی ہوئی تھی۔

میرے دل میں اس کی طرف سے قہر و غضب کا ایک طوفان بھرا ہوا تھا لیکن میں ایک ہی سانس میں اپنی ساری بھڑاس نکال کر اسے قبل از وقت اپنے کھیل سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے میں نے اس کے خلاف کوئی دو ٹوک

رویۃ اختیار کرنے کے بجائے' اپنے ذہنی انتشار کا کھلا مظاہرہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں وہی کچھ کرنا چاہتا تھا جس کی وہ مجھ سے توقع کر رہا تھا لیکن آسانی کے ساتھ نہیں۔ چند موٹی موٹی باتیں اسے جتانی ضروری ہوگئی تھیں۔

"یہ راجہ دربار جیسی' تیسرے درجے کی کوئی سرائے نہیں ہے جو تم چار اجنبیوں کے ساتھ' سینہ تان کر میری خواب گاہ میں گھس آئے۔ میں یہ۔" میں نے بدستور بپھرے ہوئے انداز میں کہا لیکن البرٹو ڈیلیسا نے میری بات درمیان میں سے ہی اچک لی۔

"ان میں کوئی بھی اجنبی نہیں ہے۔ یہ چاروں ایس ٹی ایف کے جانباز ہیں اور دوستوں کے احترام کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں۔ میں ان کی۔۔۔"

اس بار میں نے اسے بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا اور دوبارہ اپنا احتجاج شروع کر دیا "آج دوپہر میں ایس ٹی ایف کے آدمیوں نے راجہ دربار ہوٹل کے باہر میرے ساتھ غنڈا گردی کی پھر اندر تم نے مجھ پر آنکھیں نکالنی شروع کردیں اور اس وقت پھر وہی سب ہونے کے آثار نظر آرہے ہیں۔ مجھے تو یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے تم نے مجھے اچانک کسی اور عینک سے دیکھنا شروع کر دیا ہے۔"

"اپنی انگلی ٹریگر پر سے ہٹالو۔" اس نے تقریباً خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "تم بہت زیادہ غصے میں ہو' کہیں غیر ارادی طور پر تمہاری انگلی کے عضلات نہ کھنچ جائیں۔" پھر وہ فوراً ہی اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "تم میں سے کوئی ڈیٹی کی مرضی کے خلاف حرکت نہیں کرے گا۔ ڈیٹی کے ہاتھ میں کوئی عام کھلونا نہیں' بلکہ بیم گن دبی ہوئی ہے جس کے فائر ہوتے ہی گولی نہیں چلتی بلکہ لیزر شعاعوں کی مہلک اور بے آواز دھار' اپنی راہ میں آنے والی ہر شے کو راکھ کر دیتی ہے۔"

"ویسے یہاں عام کھلونا بھی ہے۔" ویرا نے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا پستول فضا میں لہراتے ہوئے کہا "اس کے میگزین میں سات جان دار گولیاں موجود ہیں اور میرا نشانہ بالکل بے خطا ہے۔"

"تم خاموش رہو!" البرٹو ڈیلیسا اس کی طرف متوجہ ہو کر سرد لہجے میں بولا "ڈیٹی کو بلاوجہ مشتعل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ غصہ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد ہم کھل کر بات کرلیں گے۔"

ویرا بے پروائی سے اپنے شانے جھٹک کر مسکرادی۔ اس وقت' اس کی مسکراہٹ بہت سرد اور سفاکانہ نظر آئی تھی۔ اس نے بھرپور انداز میں ان پانچوں کو اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

میں چند ثانیوں تک خاموشی کے ساتھ' غصیلے انداز میں اسے گھورتا رہا پھر غراتے ہوئے بولا "تمہاری پے درپے وعدہ خلافیوں کے بعد' میں تم پر آنکھیں بند کرکے اعتماد نہیں کرسکتا۔ اپنے چاروں آدمیوں کو باہر بھیجنے کے بعد ہی تم مجھے اپنی حقیقت پسندی یا معقولیت کا یقین دلا سکو گے۔"

"تم چاروں باہر جاؤ اور میری واپسی کا انتظار کرو۔" البرٹو ڈیلیسا نے فوراً ہی فرمان جاری کردیا۔

وہ چاروں' اپنے ہاتھ گرائے بغیر' بیک وقت نکاسی کے راستے کی طرف پلٹے ہی تھے کہ میں نے للکار کر انہیں روک لیا "ٹھہرو!" پھر میں البرٹو سے ہی مخاطب ہوگیا "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ یہ چاروں یہاں سے نکلنے کے بعد' بھاری کمک لے کر' دوبارہ یہاں نہیں آئیں گے۔"

"تم مجھے اپنا یرغمالی بنا رہے ہو۔" وہ حیرت اور قدرے صدمے کے ساتھ بولا "تمہیں ذرا سا بھی خطرہ محسوس ہو تو مجھے اڑا دینا۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اپنے کمانڈر کی ایسی موت پسند نہیں کریں گے۔"

"جاؤ!" میں نے تحکم آمیز لہجے میں کہا "اور دروازہ بند کردو!"

"اجازت ہو تو میں اپنے ہاتھ گرا کر کرسی پر بیٹھ جاؤں؟" ان چاروں کے چلے جانے کے بعد' البرٹو ڈیلیسا کے لہجے سے رہی سہی آن بھی رخصت ہوگئی۔

"ہاتھ گرانے سے پہلے تم کو اپنی جامہ تلاشی دینی ہوگی!" میں نے پسپا ہوتے حریف پر دباؤ بڑھایا۔

"میں تیار ہوں۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "میری اندرونی جیب میں' بھرا ہوا سروس پستول موجود ہے۔ اس کے علاوہ تمہیں کچھ نہیں مل سکے گا۔"

میں نے آنکھ سے ویرا کو اشارہ کیا اور اس نے پل بھر میں البرٹو ڈیلیسا کو نہتا کر دیا۔ اس کی جامہ تلاشی میں اعشاریہ تین دو کے بھرے ہوئے پستول کے علاوہ اور کچھ برآمد نہیں ہوا تھا۔

"اب تم اپنے ہاتھ گرا کر بیٹھ سکتے ہو۔ چاہو تو تمہیں اسکاچ کا ایک گلاس بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"مجھے اس کی ضرورت ہے۔" اس نے میرے لہجے کی تلخی کو نظرانداز کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ وہ واقعی ایک گھاگ آدمی تھا اور براوقت آجانے پر مصلحتوں کی آخری حدود سے تجاوز کرجانے میں بھی کوئی برائی نہیں سمجھتا تھا۔

اسے اچھی طرح میرے تیوروں کا اندازہ ہو چکا تھا۔
میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد اپنا گلاس اٹھالیا۔ بیم گن بدستور میرے ہاتھ میں موجود تھی لیکن اس کی نال فرش کی سمت میں جھکی ہوئی تھی۔ اسی اثنا میں ویرا نے اسکاچ کا ایک گلاس البرٹو ڈیلیسا کے حوالے بھی کر دیا۔ اس نے ویرا کا شکریہ ادا کرتے ہی گلاس اپنے منہ سے لگالیا۔
میرے لیے وہ صورتِ حال بہت دلچسپ اور سنسنی خیز تھی۔ دو خونخوار حریف ایک ہی چھت کے نیچے، ایک دوسرے کے سامنے موجود تھے اور اپنے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مذاکرات کے خواہاں تھے۔ مجھے البرٹو ڈیلیسا کے شرمناک عزائم کے بارے میں کوئی شبہ نہیں تھا جب کہ وہ میرے اخذ کیے ہوئے نتائج کے بارے میں بے یقینی اور تذبذب کا شکار تھا اور میں اسی فرق سے فائدہ اٹھانے پر تلا ہوا تھا۔
"اب بتاؤ کہ تم میری کن پے درپے وعدہ خلافیوں پر اشتعال میں آئے ہوئے ہو؟" البرٹو ڈیلیسا نے اپنا گلاس آدھا کرنے کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں کمرے کی فضا میں چھایا ہوا سکوت توڑا۔
"اسلام آباد میں، روحی کے گیسٹ ہاؤس میں ہم پر جو شب خون مارا گیا، اس کے بارے میں ابھی تک کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ نامعلوم حملہ آوروں کا سراغ لگانے کے بجائے تم ہم پر دباؤ بڑھاتے جا رہے ہو۔ یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے تمہیں میری کہانی پر یقین نہ آیا ہو۔" میں نے اس کے خلاف فردِ جرم کو طویل کرنے کی نیت سے، ابتدا سے ہی بات شروع کر دی۔
"وہ بہت پرانا قصہ نہیں ہے۔" البرٹو ڈیلیسا نے مدافعانہ لہجے میں کہا "گیسٹ ہاؤس کی مالکہ نے تمہاری کہانی کی حرف بحرف تصدیق کی ہے۔ وہاں کے تہ خانے والے کمرے میں پھیلی ہوئی تباہی اور خون کے دھبے، تمہارے بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس لیے اس معاملے پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔ میرے آدمی اس معاملے پر کام کر رہے ہیں۔ انہیں کچھ نہ کچھ وقت تو دینا ہی ہوگا۔ ان سے فوری نتائج حاصل کرنے کی توقع زیادتی کے مترادف ہوگی۔ تم ان کاموں کی مشکلات سے بخوبی واقف ہو۔"
"وقت گزرنے کے بعد وہ ہوا میں تحلیل ہو جائیں گے۔" میں نے تیزی سے کہا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ان میں سے کم از کم دو نقاب پوش بری طرح لہولہان ہونے کے بعد بے ہوش ہو گئے تھے۔ انہیں طبّی امداد کے لیے فوری طور پر اسلام آباد یا راولپنڈی کے کسی اسپتال میں لے جایا گیا ہوگا۔ خون نہ دیے جانے کی صورت میں ان کی موت ناگزیر نظر آ رہی تھی۔ اگر تم اسپتالوں کے ریکارڈ کی چھان بین پر پوری طرح دھیان دیتے تو اب تک اصل مجرم نہ سہی، ان کے زخمی ساتھی ہی تمہاری گرفت میں آ چکے ہوتے لیکن تم انہیں سینتے کاسیلو کے دشمن قرار دے کر نظرانداز کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو۔"
"تم حد سے تجاوز کر رہے ہو!" پہلی زک یاد آتے ہی وہ بلبلا اٹھا۔ اس میں یہ اعتراف کرنے کا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ حملہ کرنے والے بھی اسی کے آدمی تھے، انہیں ایک تیسرا فریق قرار دینے کی کوشش میں وہ کہہ رہا تھا۔ "ہم پاکستان کی سرزمین پر یہاں کے قانون کی سربلندی کے لیے کام کرتے ہیں۔ وہ سینتے کاسیلو کے دشمن تھے تب بھی انہیں یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ جب اور جہاں چاہیں، خون کی ہولی کھیلنی شروع کر دیں۔ ہم انہیں کیفرِ کردار کو پہنچائیں گے مگر ہمیں وقت درکار ہے۔"
"پھر تم نے میری بات پر اعتماد نہیں کیا۔ حملے سے بچ نکلنے کے بعد میں نے تمہیں خود اپنی کمین گاہ کا پتا بتایا تھا اور تم نے حفاظت کے بہانے میری نگرانی شروع کرا دی۔ کل دوپہر تمہارے آدمیوں نے میرے ساتھ بہت توہین آمیز سلوک کیا تھا۔ خود تمہارا رویّہ بھی قابلِ تعریف نہیں تھا۔"
"میرا اندازہ تھا کہ سینتے کاسیلو جلد از جلد تم سے ملنے کی کوشش کرے گی۔ صرف اسی لیے وہ جال بچھایا گیا تھا۔ اس کے بارے میں تمہیں برا نہیں ماننا چاہیے۔"
"مجھے برا نہیں ماننا چاہیے؟" میں آنکھیں نکال کر حیرت سے غرایا "وہ لوگ میری گردن دبوچ کر، پستول کی زد پر مجھے تمہارے سامنے لائے تھے اور تم کہتے ہو کہ مجھے برا نہیں ماننا چاہیے؟"
"خیر۔ وہ میرے آدمیوں کی ناسمجھی اور بدتمیزی تھی۔ میں نے اُس وقت بھی انہیں پھٹکارا تھا اور اب میں خود تم سے معذرت خواہ ہوں۔ ہمیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنے دل برے نہیں کرنے چاہئیں۔"
"لیکن سینتے کاسیلو کہاں ہے؟ میں اس کی سلامتی کے بارے میں سخت فکرمند ہوں۔" ویرا نے موقع ملتے ہی اپنی تشویش بھی ظاہر کر دی کیونکہ اس کا اصل رول تو سینتے کاسیلو کی فرسٹ کزن ہی کا تھا اور اسے سینتے کے بارے میں فکرمند ہونا ہی چاہیے تھا!
"اس پر بعد میں بات ہوگی۔" البرٹو ڈیلیسا ہاتھ اٹھا کر

اضطراری انداز میں بولا "پہلے ڈینی کی غلط فہمیوں کا رفع کیا جانا ضروری ہے۔ ہم نے ساری باتوں کو ایک دوسرے میں گڈمڈ کردیا تو ہم مصالحت کے بجائے محاذ آرائی میں ہی الجھے رہ جائیں گے۔ میں تم سے ویسے بھی تفصیلی بات کرنی چاہتا ہوں۔"

"ان سب باتوں کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "میں نے ویرا کو تمہارے مشورے کے بعد ہی یہاں بلایا ہے لیکن اس کے ساتھ بھی بہت برا سلوک کیا گیا ہے۔ پنڈی کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی، اسے بدترین تشدد اور دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ یہ رویّہ میرے لیے ناقابلِ قبول ہی نہیں بلکہ سراسر ناقابلِ فہم ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس طرح کون سی خیرسگالی کی فضا پیدا کرنی چاہ رہے ہو؟"

میں نے دانستہ ائرپورٹ پر ویرا کو پیش آنے والے واقعات کا تفصیلی حوالہ نہیں دیا لیکن البرٹو ڈیلیسا واقعی اول درجے کا مکار تھا۔ میری بات سنتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور اذیت ناک انداز میں بڑبڑایا "مجھے شبہ ہے کہ یہی ہوا ہوگا اور اب تم میرے بدترین اندیشوں کی تائید کررہے ہو۔"

وہ خاموش ہو کر ہتھیلیوں میں ہی اپنا سر یوں جھٹکنے لگا جیسے اسے واقعی کوئی ذہنی صدمہ پہنچا ہو۔ جب اس کا سکوت طویل ہوگیا تو سلسلۂ کلام جاری رکھنے کے لیے مجھ ہی کو لب کشائی کرنی پڑی۔ "میں ساری رات اسی حالت میں نہیں گزار سکتا۔ پہیلیاں بجھوانے کے بجائے، کھل کر بتاؤ کہ تم اپنے کن اندیشوں سے خوف زدہ تھے؟ میں تمہارے کن اندازوں کی تائید کررہا ہوں؟"

اس نے ہتھیلیوں میں سے اپنا سر اٹھایا اور میری طرف دیکھتے ہوئے، متاسفانہ انداز میں بولا "تمہیں معلوم ہے کہ میں سینتے کا سیلو پر ہاتھ ڈالنا چاہ رہا ہوں۔ روحی کے گیسٹ ہاؤس میں پیش آنے والے واقعات کے بعد سے وہ لاپتا ہے۔ اس کے لیے دو ہی امکانی راستے رہ گئے ہیں۔ وہ دوبارہ تم تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے یا پھر اسلام آباد سے فرار کی راہ اختیار کرلے۔ میں نے اپنے طور پر ان دونوں امکانات کے انسداد کی پیش بندی کی ہوئی تھی۔ ایک طرف تمہاری حفاظت یا نگرانی کی جارہی تھی۔ سینتے ادھر کا رخ کرتے ہی میرے آدمیوں کی گرفت میں آجاتی۔ دوسری طرف میں نے شہر سے نکاسی کے تمام راستوں پر اپنے آدمی مامور کیے ہوئے تھے جن میں ائرپورٹ بھی شامل تھا۔ مجھے تھوڑی دیر پہلے ہی اطلاع ملی ہے کہ سینتے کا سیلو اسلام آباد انٹرنیشنل ائرپورٹ پر دیکھی گئی تھی۔ میرے دو آدمی اسے پکڑ کر اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہوگئے لیکن اب وہ دونوں لاپتا ہیں۔ ان ہی کے ساتھ سینتے کا بھی کوئی سراغ نہیں مل رہا۔"

"تمہیں یہ اطلاع کس نے دی تھی؟" میں نے اپنی طرف سے اس کی معلومات میں کوئی اضافہ کیے بغیر، محتاط انداز میں سوال کیا۔

"ان کے تیسرے ساتھی نے۔" اس نے بتایا "ائرپورٹ پر میرے تین آدمی مامور تھے۔"

"اتنی رات گئے سینتے کس پرواز سے فرار ہونے کی تیاری کررہی تھی؟"

"اسے کراچی سے، لاہور کے راستے آنے والی نائٹ کوچ کے مسافروں کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ سینتے کے دھوکے میں ویرا سے ٹکرا گئے ہوں گے۔" وہ بولا۔

"انہوں نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ سینتے اسلام آباد میں رُوپوش تھی تو وہ کراچی والی پرواز سے کیسے آسکتی تھی؟" میں نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

"نچلی سطح کے کارکن بسوں اور ٹرینوں میں سفر کرتے ہیں۔" وہ بے چارگی کے ساتھ بولا "انہیں ہوائی سفر کے طور طریقوں سے زیادہ واقفیت نہیں ہوتی۔ انہوں نے تو بس ویرا کو دیکھا ہوگا اور جوش میں آگئے ہوں گے۔ تم کو ماننا پڑے گا کہ سینتے اور ویرا میں حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی ہے۔"

"تم کہانیاں تراشنے میں ید طولیٰ رکھتے ہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تمہیں اسپیشل ٹاسک فورس کے بجائے ٹیلی وژن کے لیے کہانیاں لکھنے والوں کی صنف میں شامل ہونا چاہیے تھا۔"

"کہانی نہیں، یہ میرا اندازہ ہے۔ تم نے ویرا کے ساتھ بدسلوکی کی شکایت کرکے میری آنکھیں کھولی ہیں۔ ورنہ میں تو اب تک سینتے کا سیلو کی گرفتاری کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اب بات سمجھ میں آرہی ہے کہ کراچی سے آنے والی نائٹ کوچ سے ویرا اسلام آباد پہنچی ہے اور میرے آدمی بلاوجہ ہی ہوا میں ہاتھ پیر چلاتے پھر رہے ہیں۔ ویرا کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی میں میری منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ یہ سب ویرا اور سینتے کی حیرت ناک مشابہت کی وجہ سے ہوا ہے۔"

بات کرتے کرتے وہ اچانک خاموش ہو کر حیرت سے پلکیں جھپکانے لگا اور چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پوچھنے لگا "اگر ویرا یہاں موجود ہے تو میرے آدمی کہاں گئے؟"

"کہیں نہ کہیں گئے ہی ہوں گے۔" میں نے بے پروایانہ

لہجے میں کہا "تم یہ بتاؤ کہ تمہیں ویرا کی آمد کا علم نہیں تھا تو تم اپنے آدمیوں کے ساتھ یہاں کیوں چڑھ آئے؟ تمہیں تو اپنے ٹھکانے پر رک کر اپنے آدمیوں کے پہنچنے کا انتظار کرنا چاہیے تھا کیونکہ وہ مفرور سینتے کو لے کر آرہے تھے۔"

"میرے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ ویرا یہاں موجود ہوگی۔" اس نے نہایت صفائی کے ساتھ جھوٹ بولا۔ "میں بتا چکا ہوں کہ میرے آدمی سینتے کی آمد کی امید پر' راجہ دربار ہوٹل کی نگرانی کررہے تھے۔ مجھے اطلاع دی گئی کہ تم راجہ دربار ہوٹل سے نکل کر یہاں آئے ہو تو میں نے ادھر دوڑ لگادی۔"

"جب سینتے کو تمہارے آدمی پکڑ ہی چکے تھے یا کم از کم تم ایسا سمجھ رہے تھے تو پھر میرے پیچھے یہاں آنے کا کیا جواز تھا؟ یہاں تم کون سا تیر مارنے کی توقع کررہے تھے؟" میں اس کی پے درپے قلابازیوں کو ان کے آخری انجام تک پہنچانے پر تلا ہوا تھا۔

"مجھے شبہ ہوا تھا کہ کہیں سینتے کاسیلو' فلش مین ہوٹل میں مقیم نہ رہی ہو اور تم کسی ذریعے سے اس کی گرفتاری سے باخبر ہونے کے بعد ادھر آئے ہو تاکہ اس کے کمرے میں موجود بعض اہم اشیا یا دستاویزات اپنی تحویل میں لے سکو۔ ان امکانات کے سدِباب کے لیے فوری طور پر میرا یہاں پہنچنا ناگزیر تھا۔ اگر سینتے میرے آدمیوں کی گرفت میں آچکی تھی تو اس کے خلاف میسر ہونے والی شہادتیں بھی میرے قبضے میں آنی چاہئے تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں وقت ضائع کیے بغیر اس ہوٹل کی طرف دوڑ پڑا۔"

"آخری نتیجہ یہ ہے کہ تم میری طرف سے بدستور بدگمان ہو۔" میں نے بیم گن کی نال کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "میں نے ابتدا ہی میں تم کو یقین دہانی کرائی تھی کہ میں اپنے اور ویرا کے قریبی مراسم کی وجہ سے سینتے کاسیلو کی سلامتی کا ذمے دار ضرور تھا لیکن سینتے کی ملک دشمن سرگرمیوں کے ثبوت سامنے آجانے کے بعد' میں ان مراسم کی پروا کیے بغیر اسے قانون کے حوالے کرنے میں ذرا بھی تردد نہ کرتا لیکن تم نے میری اس یقین دہانی پر اعتبار نہیں کیا۔ مجھے جھوٹی تسلیاں دے کر میرے خلاف کام کرتے رہے؟"

اس نے اپنا سر جھکالیا۔ "میں اپنے منصب کی ذمے داریوں کی وجہ سے مجبور تھا۔ تمہارا ماضی تمہاری حب الوطنی کا سب سے بڑا گواہ تھا لیکن حالات کسی اور رخ کی نشاندہی کررہے تھے۔ سینتے کاسیلو تمہارے ساتھ یہاں آئی تھی۔ ہماری فائلوں میں وہ گلوریا کلارک کے نام سے موجود ہے اور وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس' موساد کی صفِ اول کی کارکن ہے۔ اتنی بڑی مجرمہ کے معاملے میں ذاتی مراسم اور دوستی کی وجہ سے کوئی رُو رعایت نہیں کی جاسکتی تھی۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" ویرا زہریلے لہجے میں پھنکاری۔ "سینتے کاسیلو ایک معصوم اور سادہ لوح لڑکی ہے۔ اس نے زندگی بھر اسرائیلی سیکرٹ سروس تو کجا' اسرائیل کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ گلوریا کلارک کا کردار تمہارے اپنے ذہن کی تخلیق معلوم ہوتا ہے۔ تم بلاوجہ اس پر الزام تراشی کررہے ہو۔"

"اگر وہ اسی قدر معصوم اور بے گناہ ہے تو کہاں رُوپوش ہے؟ اسے سامنے آنا چاہیے۔ مجھے تم دونوں سے کوئی پرخاش نہیں۔ سینتے کو تلاش کرکے میرے سامنے لے آؤ تو ساری غلط فہمیاں رفع ہوجائیں گی۔"

"اور تم مار مار کر اُس کے جسم کا ایک ایک ریشہ الگ کردو گے؟" ویرا غرائی۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس پر تشدد نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے پاس ایسے ناقابلِ تردید ثبوت موجود ہیں جنہیں وہ کسی حالت میں نہیں جھٹلا سکے گی۔ اس نے اقبالِ جرم نہ کیا تو میں اسے چھوڑ دوں گا۔"

"تم ہم دونوں سے کوئی پرخاش نہ ہونے کا اعلان کرکے پھر جھوٹ بول رہے ہو' حالانکہ تم مجھ سے شبہ ظاہر کرتے رہے ہو کہ ویرا اور سینتے ملی بھگت کرکے کوئی سازش کرنے کی کوشش کررہی ہیں۔"

"اس میں کلیدی کردار سینتے کا ہے۔ ویرا' اس سے رشتے داری کی وجہ سے شبہے کی زد میں آتی ہے۔۔ لیکن تم نے مجھے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ ویرا کو لے جانے والے' میرے آدمی کہاں ہیں؟"

"ان کی فکر نہ کرو۔ انہیں' ان کی غلط فہمی کی مناسب سزا مل چکی ہے۔ بے ہوش ہونے والے کو ہوش آئے گا تو وہ خود ہی اپنے ساتھی کی لاش لے کر تمہارے ٹھکانے پر پہنچ جائے گا۔"

"لاش!" وہ اپنی کرسی پر سے اچھل پڑا۔ "تو کیا ویرا نے ان میں سے کسی کو قتل کردیا؟"

"دو حریف ٹکراتے ہیں تو عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا "وہ ان کو نہ مارتی تو خود ماری جاتی۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ ان میں سے ایک ہی مارا گیا۔ دوسرا صرف زخمی اور بے ہوش ہوا تھا۔ اگر وہ بھی بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے مرگیا تو یہ اس کی سراسر بدقسمتی ہوگی۔"

"یہ بہت برا ہوا۔ ویرا کے ہاتھوں ایس ٹی ایف کے ایک اہل کار کے قتل کے بعد میں اسے بھی نظرانداز نہیں

کر سکوں گا۔ حالات بگڑنے کی ذمے داری مجھ پر نہیں ہو گی اور نہ ہی تمہیں مجھ سے شکوہ ہونا چاہئے۔"

"حالات اس وقت بگڑیں گے جب تمہیں اس کی اجازت دی جائے گی۔" میں نے چبھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "ویرا کو اپنی مدافعت میں ہر قدم اٹھانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔"

"کیا مطلب؟" اس بار وہ اچھل کر کرسی سے کھڑا ہو گیا اور میں نے فوراً ہی اسے بیم گن کی نال کی زد میں لے لیا تاکہ وہ غیر ضروری طور پر کسی پھرتی کا مظاہرہ نہ کر سکے۔

"پرسکون رہ کر بات کرو!" میں نے بیم گن کی نال کی جنبش سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم اپنی فورس کے ایک ذمے دار افسر ہو۔ بسوں اور ریلوں میں سفر کرنے والے، نچلے درجے کے ایک کارکن کی موت پر تمہیں اس طرح بھڑکنا زیب نہیں دیتا۔"

"میں نے وہ الفاظ تحقیر کی نیت سے نہیں کہے تھے۔" اس نے میری بات کاٹ کر احتجاج کیا "میں اپنے ہر آدمی کی بہادری کی قدر کرتا ہوں۔ کسی کی عزتِ نفس کو ٹھیس نہیں پہنچاتا۔ میرے ایک آدمی کو قتل کر کے ویرا نے ناقابلِ معافی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس واقعے کو کس خانے میں ڈالا جائے گا۔"

"اس ناقابلِ معافی جرم پر تم شاید میرا نرخرا چیرنے کی کوشش کرو گے؟" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں اسے چڑانے کی کوشش میں سوال کیا۔ "یا کھلے میدان میں سولی پر لٹکواؤ گے؟"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم لوگ کیا چاہتے ہو؟" چند ثانیوں کی بوجھل خاموشی کے بعد البرٹو ڈیلیسا بولا تو اس کی آنکھوں سے حقیقی فکر مندی جھلک رہی تھی۔

"ہم تمہارے اوپر والے کسی افسر سے ملنا چاہتے ہیں۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"وہ کس بارے میں؟" فرطِ حیرت سے اس کا منہ کھل گیا۔ شاید میرا مطالبہ اس کے لیے غیر متوقع تھا۔

"ویرا کے بارے میں۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ "اس کا معاملہ اب تمہارے بس سے باہر نظر آتا ہے۔" وہ میرا فوری خیال تھا۔ اگر صورتِ حال خود ہی ایک ایسے رخ پر جا رہی تھی تو مجھے اسپیشل ٹاسک فورس کے افسرانِ بالا تک رسائی کے لیے اول خان کی آمد کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"اپنے کسی بھی آدمی کے قاتل کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے معاملے میں، میں واقعی مجبور ہوں۔" اس نے اپنی فرض شناسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، بے بسی سے کہا "تم چاہو تو میں ابھی اور اسی وقت تمہاری ملاقات کا بندوبست کروا سکتا ہوں لیکن ہمیں یہاں سے اسلام آباد جانا ہو گا۔"

"ہمیں اسلام آباد جانے میں کوئی عذر نہیں لیکن تم نے تو بتایا تھا کہ تمہارا دفتر ایسے ممنوعہ علاقے میں واقع ہے جہاں کسی بھی غیر متعلقہ فرد کو، کسی قیمت پر داخلے کی اجازت نہیں دی جاتی۔"

"میں اب بھی اپنے اُس بیان پر قائم ہوں۔" اس کے لبوں پر پہلی بار خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میں تمہیں اپنے دفتر نہیں لے جا سکتا۔ ہم بیس اسٹیشن جائیں گے جہاں ہمارا بیس کمانڈر ہوتا ہے۔ میں براہِ راست اسی تک رسائی رکھتا ہوں۔"

"یہ سفر صرف ہم تینوں کریں گے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "تمہارے آدمی ہمارے ساتھ ہوں گے اور نہ ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"تو کیا تم مجھے گن پوائنٹ پر وہاں تک لے جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟" حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن اب میں تم پر اندھا اعتماد نہیں کر سکتا۔ تمہارے اپنے فلسفے کے مطابق ہم تمہیں اپنی حفاظت میں لے جانا چاہتے ہیں۔" میں نے حفاظت پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"کم از کم میرا ڈرائیور تو میرے ساتھ ہی جائے گا؟" اس نے پُرامید لہجے میں سوال کیا۔

"کوئی ہرج نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا "ہم محاذ آرائی کے قائل نہیں ہیں جب کہ تم اس بار ہماری بیخ کنی پر تلے ہوئے ہو۔ کیا پتا کہ تمہارے آدمی راستے میں کوئی شرارت کر بیٹھیں۔"

"چلو!" وہ کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں انہیں یہاں سے واپس لوٹا دوں گا۔"

ہم تینوں ہی اپنے گلاس خالی کر چکے تھے۔ اس لیے فوراً ہی کمرے سے باہر نکل آئے۔

البرٹو ڈیلیسا اس وقت تک میرا ذہن پڑھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا، اس لیے اس نے ہوٹل سے باہر آ کر نہ صرف اپنے چاروں ساتھیوں کو واپس روانہ کر دیا بلکہ آخری لمحات پر اس نے اپنے ڈرائیور کو بھی ان ہی کے ساتھ بھیج دیا۔ میں نے بھی کوئی تعرض نہیں کیا۔ دو کے مقابلے میں صرف ایک آدمی پر نگاہ رکھنا، ہمارے لیے سہل ہوتا۔ اگر وہ خود ہی ہمارے لیے ایسی سہولت فراہم کر رہا تھا تو یہ خوشی کی بات تھی۔

وہ پانچوں سوزوکی ہائی روف وین سے رخصت ہوگئے تو البرٹو ویلیسا ہمیں لے کر اپنی ہارڈ ٹاپ جیپ کی طرف بڑھ گیا، جو تھوڑے فاصلے پر نیم تاریکی میں کھڑی ہوئی تھی۔

"پہلے تم ڈرائیور کو اپنے ساتھ لے جانا چاہ رہے تھے، اب اسے کیوں روانہ کر دیا؟ گاڑی کون چلائے گا؟" ویرا اس سے وہ سوال پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں ڈرائیونگ جانتا ہوں۔" اس نے جذبات سے عاری انداز میں کہا "کوئٹہ جانے والی پرواز کے لیے میں نے ہی تمہیں ائرپورٹ تک چھوڑا تھا یہ اور بات ہے کہ واپسی پر میں تمہارے دیے ہوئے بارودی پھول کا شکار ہوکر زخمی ہوگیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب ڈینی میرے آدمیوں کی موجودگی پسند نہیں کر رہا تو کیوں نہ میں ڈرائیور کو بھی رخصت کردوں۔ اب میں اکیلا ہی تم دونوں کے ساتھ چلوں گا۔"

البرٹو ویلیسا جیپ لے کر روانہ ہوا تو ویرا اس کے برابر والی نشست پر براجمان تھی۔ میں عقبی نشست پر بیٹھ گیا تھا۔ میری پچھلی رات اسلام آباد کے ویران اور ناہموار ہِل پارک میں بھاگتے دوڑتے گزری تھی اور وہ شب بھی بستر سے کمر لگائے بغیر بسر ہوتی نظر آ رہی تھی۔

مال روڈ سے جیپ مری روڈ پر مڑی تو اس مصروف سڑک پر دور دور تک ٹریفک کا نام و نشان نہیں تھا۔ اس وقت صبح نمودار ہونے والی تھی اور رات بھر کی رہی سہی مصروفیات بھی چند پل کو سستانے کے لیے دم توڑ چکی تھیں۔

جیپ تیزی کے ساتھ سیاہ سڑک پر فراٹے بھرتی رہی۔ ہمارے پیچھے سڑک ویران پڑی ہوئی تھی یعنی تعاقب نہیں کیا جا رہا تھا۔

یہ اتفاق تھا یا البرٹو ویلیسا کا وجدان کہ سیٹلائٹ ٹاؤن کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ اچانک ہی اپنے آدمیوں کے بارے میں سوال کر بیٹھا۔ "ان دونوں کو تم نے کہاں چھوڑا تھا؟"

"وہ کہیں بھی ہو سکتے ہیں۔" ویرا نے بے پروایانہ انداز میں کہا "ہو سکتا ہے کہ ان کی گاڑی اسی علاقے میں کھڑی ہو۔ دراصل یہ شہر میرے لیے اجنبی ہے۔ مجھے اندازہ نہیں ہے کہ میں نے ان سے کہاں اپنی جان چھڑائی تھی۔ تم ان کے بارے میں اتنے فکر مند کیوں ہو؟ وہ دودھ پیتے بچے نہیں تھے۔"

"تم لوگوں سے ہی معلوم ہوا ہے کہ ان میں سے ایک بے ہوش ہے اور دوسرا مُردہ۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اب دوسرا بھی قریب المرگ نہ ہو؟ میری بروقت توجہ سے کم از کم دوسرے کی جان تو بچائی جا سکتی ہے۔"

"تمہارا جذبہ قابلِ قدر ہے۔" ویرا بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ بولی۔ "لیکن اس اجنبی شہر کے بارے میں میرا حافظہ ناقص ہے۔ مجھے موجودہ سچویشن کا ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو میں ان ہی میں سے کسی سے جائے واردات کا محلِ وقوع معلوم کرنے کے بعد اپنی کارروائی کا آغاز کرتی۔"

"تم میرا مضحکہ اڑا رہی ہو۔" اس بار البرٹو کو ویرا کا تبصرہ برہم کر گیا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔" ویرا جلدی سے بولی "میں پوری سنجیدگی سے بات کر رہی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں، میں ان سے بہت کچھ پوچھ سکتی تھی۔ مجھے زیر کر لینے کے بعد وہ دونوں بہت مطمئن اور خوش و خرم تھے۔ ان کی اسی بے فکری کی وجہ سے میں ان کو زیر کرنے میں کامیاب ہو سکی تھی۔"

وہ اتنا ناسمجھ نہیں تھا کہ ویرا کی اس بودی دلیل سے بہل جاتا۔ اس نے زبان سے کوئی ترش فقرہ ادا نہیں کیا لیکن اپنے غصے کا سارا بوجھ جیپ کے ایکسلریٹر پر ڈال دیا اور ایک جھٹکے کے ساتھ جیپ کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔

فیض آباد چوک سے بائیں طرف شاہراہِ اسلام آباد بھی خالی پڑی ہوئی تھی۔ وہ سڑک، مری روڈ کے مقابلے میں زیادہ کشادہ اور ہموار تھی۔ البرٹو کے تیور دیکھتے ہوئے، میرا خیال تھا کہ اس موڑ کے بعد وہ جیپ کے انجن کو آخری حد تک تھراٹل دے بیٹھے گا لیکن غیر متوقع طور پر اس نے رفتار کم کر لی۔ شاید اس کے لاشعور میں بھی وفاقی دارالحکومت کی ٹریفک پولیس کا خوف جاگزیں تھا اور وہ ان کی کسی بازپُرس میں الجھ کر اپنا وقت خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ہم نے البرٹو ویلیسا کا دفتر دیکھا تھا نہ اسپیشل ٹاسک فورس کے بیس اسٹیشن سے واقف تھے۔ اس لیے ہمیں اسلام آباد میں اپنی منزل کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا۔ جیپ، زیرو پوائنٹ کا چوراہے والا سگنل عبور کرنے کے بجائے داہنی طرف، شاہراہِ کشمیر پر گھوم گئی۔

میرے ذہن میں پرانے واقعات سر ابھارنے لگے جب میں نے ان ہی اطراف میں ایک خطرناک مہم سر کرنے کے لیے سلطان شاہ کو بھیجا تھا۔

جب خیابانِ دستور والا سرا بھی پیچھے رہ گیا تو مجھے شاہ بری امام کا مزار اور نور پور شاہاں کا علاقہ یاد آنے لگا۔ شاید البرٹو ہمیں ان ہی اطراف میں لے جا رہا تھا لیکن میں نے اس بارے میں سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھنے کا عہد کیا ہوا تھا۔

فضا میں سبزے کے ساتھ ہی راول ڈیم کے پانی کی بو بھی
ہوئی تھی کیونکہ ہم راول ڈیم کے شمال میں واقع عقبی
گزر رہے تھے۔ سفر تیزی کے ساتھ طے ہوتا رہا۔
جانب نظر آنے والے راستے ایک ایک کرکے گزرتے
میرا اندازہ تھا کہ ہم نورپور شاہاں وغیرہ جانے والے
چھوڑ کر، مری جانے والی راہ پر بڑھ آئے تھے۔ وہ
تنگ اور بالکل ویران تھا۔

آخر کار البرٹو نے ایک مقام پر جیپ روک کر
ڈرائیو گیئر لگایا اور پھر جیپ داہنی طرف کے کچے
ناہموار راستے پر اتار دی۔ دور تک جاتی ہوئی
لیمپس کی روشنی میں صاف نظر آرہا تھا کہ اس راستے پر
گاڑیوں کی ہی آمدورفت رہتی تھی اور ان کے ٹائروں
نشانات نے غیر مسطح، کچی زمین پر ایک راستہ سا بنادیا تھا
وہ کوئی عام گزرگاہ نہیں تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا کمانڈر تاریکی اور ویرانے کا
دلدادہ ہے۔" موقع میسر آنے پر ویرا اس پر چوٹ کیے
نہ رہ سکی۔ "ہم تو عمر بھر بھی اس تک نہیں پہنچ سکتے
"

"اس تک رسائی حاصل کرنا عام لوگوں کے بس سے باہر
شاید ڈینی کو اس حقیقت کا علم ہے جب ہی اس نے مجھ
ملاقات کروانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔" البرٹو کی آواز
ہوا اور پُراعتماد تھی۔ شاید اس نے ڈرائیونگ کے دوران
کھویا ہوا اعتماد بحال کرلیا تھا۔

"میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے میری خواہش کو رد
کیا۔ اب ہم بہت جلد کسی مصالحتی مرحلے پر پہنچ جائیں
گے" میں نے اسے بے فکر رکھنے کی نیت سے کہا۔

"ہاں۔ یہ مصالحت اب ناگزیر ہوچکی ہے۔" اس کی
آواز ابھری۔

درمیان میں پہاڑیاں اور پتھریلے ٹیلے آجانے کی وجہ
سیدھا راستہ نہیں تھا۔ پیچ و خم کی وجہ سے جیپ کی
خاصی کم تھی۔ آخر کار وہ کچا راستہ دو اونچے ٹیلوں کے
سے گزرتا ہوا نظر آیا اور البرٹو نے جیپ روک لی۔

"اس ویرانے میں کیوں رک گئے؟" ویرا کی اضطراری
ابھری۔ "ٹیلوں کے درمیان میں راستہ صاف پڑا ہوا
گاڑی آگے بڑھاؤ۔"

"شناخت کرائے بغیر ہم نے اپنا سفر جاری رکھا تو بے
گولیاں ہماری کھوپڑیوں میں سوراخ کردیں گی۔ چند
صبر کرلو۔ سب کچھ تمہارے سامنے آجائے گا۔" البرٹو
جواب دینے کے ساتھ ہی جیپ کے ہیڈ لیمپس گل کرکے
کیبن لائٹ آن کردی۔

تقریباً ایک منٹ تک وہی صورتِ حال برقرار رہی اور
میرے تنفس کی رفتار تیز ہونے لگی۔ میری چھٹی حس اچانک
ہی خطرے کا اعلان کرنے لگی تھی لیکن میں ان حالات میں
کسی خطرے کا ادراک کرنے سے قاصر تھا۔ ان کارروائیوں
میں تجسس اور سنسنی کا عنصر تو بڑی حد تک نمایاں تھا لیکن
اسپیشل ٹاسک فورس کے بیس اسٹیشن جانے میں کوئی خطرہ نظر
نہیں آرہا تھا۔

یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے البرٹو یلیسا کیبن لائٹ کی
روشنی میں کچھ نادیدہ محافظوں کو ہماری نفری دکھانی چاہ رہا
تھا۔ ایک منٹ بعد اس نے کیبن لائٹ آف کی تو میرے تنے
ہوئے اعصاب نرم پڑ گئے۔ روشنی کی موجودگی میں، نجانے
کیوں یہ خیال آرہا تھا کہ ہم پر کسی بھی لمحے، ٹیلوں کی طرف
سے بے آواز گولیوں کی باڑھ آپڑے گی اور ہم احمقوں کی
طرح مارے جائیں گے۔

فلیش مین جیسے آباد اور بارونق ہوٹل سے روانہ ہوتے
ہوئے میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ البرٹو ہم لوگوں کو
ایسے اجاڑ اور تاریک ویرانے میں لے جائے گا۔

البرٹو نے وقفے وقفے سے، جیپ کے ہیڈ لیمپس چار بار
روشن کرکے بند کیے۔ اس نے پانچویں بار ہیڈ لیمپس جلائے
تو ایک حیرت ناک منظر ہمارا منتظر تھا۔

دونوں ٹیلوں کے درمیان، نجانے کہاں سے ایک قدآور
بندر آموجود ہوا تھا اور اپنے ہاتھ میں موجود ڈنڈی پر لگا ہوا
سفید پرچم لہرا لہرا کر ہمیں آگے جانے کا اشارہ دے رہا تھا۔
جیپ کے حرکت میں آتے ہی، وہ بندر جست لگا کر ایک ٹیلے
کی اوٹ میں کہیں غائب ہوگیا۔

"حیرت ناک!" ویرا بڑبڑائی۔ "یہ بندر تو بہت تربیت
یافتہ معلوم ہوتا ہے۔"

"یہاں بندروں سے حیرت ناک کام ہی لیے جاتے ہیں۔
اندر جاکر تمہاری طبیعت خوش ہوجائے گی۔"

"ہم اندر نہیں جائیں گے۔" ویرا کی آواز یک لخت
سرد اور سفاکانہ ہوگئی۔ "میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ جیپ
یہیں روک دو ورنہ گولی ماردوں گی۔" یہ کہتے ہوئے، ویرا نے
اپنے پستول کی نال البرٹو کی کھوپڑی سے لگادی۔

اس وقت تک جیپ دونوں ٹیلوں کے درمیان سے گزر
چکی تھی۔

"مگر کیوں؟" البرٹو نے احتجاج کیا "میں تمہیں، تمہاری
ہی خواہش پر، یہاں لایا تھا۔"

"ہم ایس ٹی ایف۔ کے بیس اسٹیشن جانا چاہتے تھے۔

کرنل جیسی جونز کے چنگل میں نہیں۔" ویرا کسی شیرنی کی طرح غرائی "میں بندروں کو سدھانے کے کرتب کولمبیا میں خوب دیکھ چکی ہوں۔ بندر دکھا کر تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں 'البرٹو!'

"میں ظفر ہوں، تم مجھے کس نام سے پکار رہی ہو؟" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری۔ اسی کے ساتھ اس نے پوری قوت سے جیپ کے بریک لگادیے اور جیپ کے ٹائر کچی زمین پر خاصی دور تک گھسٹتے چلے گئے۔

وہ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ ویرا اچھل کر ونڈ شیلڈ سے جا ٹکرائی۔ اس کا پستول والا ہاتھ بھی بہک کر نیچے جھک گیا۔ مزید ستم یہ ہوا کہ میں بھی جھٹکے کی وجہ سے اپنی نشست سے تقریباً اڑتا ہوا، اس پر جا پڑا۔

ہم دونوں کے سنبھلنے سے بیشتر ہی، البرٹو اپنی سمت کا دروازہ کھول کر اندھیرے میں چھلانگ لگا چکا تھا۔ میں نے سنبھل کر پیچھے لوٹنے کے بجائے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور بے تحاشا اگنیشن سے جھولتی ہوئی چابی تلاش کرنے کی کوشش کی جو بے سود ثابت ہوئی۔ البرٹو اس غیر متوقع موڑ پر بھی حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے چابی اپنے ساتھ لے جانا نہیں بھولا تھا۔

باہر چند سیکنڈ تک کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی وزنی دھمک سنائی دیتی رہی جو یک بیک ہی موقوف ہوگئی۔ شاید البرٹو نے کسی آڑ میں پناہ لے لی تھی۔

ویرا کی زبان سے کرنل جیسی جونز کے چنگل کا ذکر سنتے ہی میری کھوپڑی پر اچانک چودہ طبق روشن ہوگئے تھے اور اپنی چھٹی حس کی مسلسل وارننگ کا سبب بھی سمجھ میں آگیا تھا۔

"تم دونوں بلاوجہ مجھ سے بدظن ہوگئے ہو۔" ایک ڈیڑھ منٹ کے سکوت کے بعد اندھیرے میں سے البرٹو کی آواز ابھری۔ "یہ ایس ٹی ایف کا کیمپ ہی ہے۔ ویرا کو نامعلوم کیوں کرنل جیسی جونز کا خیال آرہا ہے؟ میں ظفر ہی ہوں۔ اگر تم دونوں مجھے ساتھ لیے بغیر، یوں ہی بھٹکتے رہے تو اس کیمپ کے بے رحم محافظ تمہیں گولیوں سے بھون کر رکھ دیں گے۔ یہ نہ بھولو کہ بندر والے ٹیلے پار کرنے کے بعد تم ہماری ممنوعہ حدود میں داخل ہوچکے ہو جہاں اجنبیوں کے لیے صرف اور صرف موت ہی پائی جاتی ہے۔"

"ویرا پر لعنت بھیجو!" میں نے فوراً ہی جواب دیا "میں تو تمہارے ساتھ چلنے پر اب بھی آمادہ ہوں۔ ویرا کو قائل بھی کیا جاسکتا تھا لیکن تم خود ہی ہمیں چھوڑ کر بھاگ نکلے ہو۔"

"ویرا کے دماغ کا فتور گہرا معلوم ہوتا ہے۔ تم خود سن چکے ہو کہ اس نے مجھے البرٹو۔ یلیسا کے نام سے پکارا تھا۔ البرٹو، کرنل جیسی جونز کا قریبی ساتھی اور بدقسمتی سے میرا ہم شکل تھا۔ ویرا کی کھوپڑی میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ میں البرٹو۔ یلیسا ہوں اور شاید اسی لیے، اس نے اپنا کزن تمہارے ساتھ اسلام آباد بھیجا تھا تاکہ مجھے گھیر سکے۔"

"تم بلاوجہ پرانی باتیں دل میں لیے بیٹھے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر ہانک لگائی۔ "ویرا نے مجھ سے بھی اس شبے کا ذکر کیا تھا۔ مجھے تمہارے پرانے اور موجودہ فنگر پرنٹس کی رپورٹ مل چکی ہے جو میں نے ویرا سے رکھی ہے۔ مجھے تمہارے کام اور طریقۂ کار سے اختلاف ہے لیکن مجھے تمہارے ظفر ہونے میں ذرا بھی نہیں ہے۔"

میں نے ویرا کے شانے پر ہاتھ مارنا چاہا تو وہ سیٹ کی ٹھوس پشت گاہ سے جا ٹکرایا۔ میں بوکھلا کر بائیں طرف مڑا۔ اس سمت کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ویرا کی سیٹ خالی تھی۔ شاید اس کی مہم جوئی کی رگ پھڑک اٹھی تھی اور وہ البرٹو سے دست بدست مقابلے کا ارادہ کرکے باہر نکل پڑی تھی۔

البرٹو مسلح ہوتا تو ہمارے لیے ایک پل بھی جیپ میں ٹھہرنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا لیکن ہم اسے فلیش مین ہوٹل میں ہی غیر مسلح کرچکے تھے۔ اسی وجہ سے میں ویرا کے بارے میں بھی زیادہ فکر مند نہیں تھا۔ وہ کسی بھی طرح، البرٹو کو ہوشیار کیے بغیر، اس کے سر پر پہنچنے میں کامیاب ہوجاتی تو ہمارا شکار دوبارہ ہاتھ آنے کے قوی امکانات موجود تھے۔

ویرا کو اس تک پہنچنے کا موقع فراہم کرنے کے لیے البرٹو۔ یلیسا کو باتوں میں الجھائے رکھنا ضروری تھا تاکہ اس کی ساری توجہ میری طرف مرکوز رہے، اس لیے میں نے ثانیوں کے توقف کے بعد ہی، اپنی تقریر دوبارہ شروع کر دی۔

"جیپ سے بھاگ کر تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔"

میرے آخری فقرے نے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ میری بات کاٹ کر بھناتے ہوئے انداز میں بول پڑا۔ "تم نے بھاگنے، بھاگنے کی کیا رٹ لگائی ہوئی ہے؟ ویرا ایک پاگل جذباتی عورت ہے۔ وہ میری کھوپڑی سے پستول کی نال لگائے تھی اور کسی بھی لمحے میرے سر میں پگھلا ہوا سیسہ اتار سکتی تھی۔ میں خود کو اس کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ تو، اپنی دانست میں، تم دونوں کو زبردست دھوکا دے کر نکلنے میں کامیاب ہوا ہوں۔"

"خیر! اب تم واپس لوٹ آؤ۔ ویرا تمہیں پریشان نہیں کرے گی۔" میں نے کہا۔

"جب تک تم دونوں مسلح ہو، یہ ناممکن ہے۔ میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔" اس کی

در فیصلہ کن تھی۔ "مجھے معلوم ہے کہ تمہارے پاس
کے علاوہ دو پستول ہیں۔ ایک میرا اور دوسرا ویرا کا
تم یہ تینوں ہتھیار فضا میں میری طرف اچھال دو۔ میں
ان کے گرنے کی آواز نہیں سن لیتا' تمہاری طرف
آؤں گا۔"

"ہم اتنے قیمتی ہتھیار اس ویرانے میں برباد کردیں؟؟"
نے حیرت سے سوال کیا۔

"فکر نہ کرو۔ بعد میں ہم جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی
نہیں تلاش کرلیں گے لیکن یہ میری تحویل میں رہیں
یہ شرط منظور ہے تو بات کرو' ورنہ میں دوسری راہ
ں گا۔"

"بیم گن ایک حسّاس ہتھیار ہے۔" میں نے اسے
نا چاہا۔ "زمین پر گرنے سے وہ تباہ ہوجائے گا۔"

"ویرا کی حماقت کی یہ قیمت تو تمہیں ادا کرنی ہی ہوگی۔
ں ہتھیار یکے بعد دیگرے پھینکو گے تاکہ تین الگ الگ
واضح آوازیں سنی جاسکیں۔ یہ خیال رکھنا کہ میرے کان
کے پانے اور پستول کے گرنے سے پیدا ہونے والی
زوں میں بخوبی تمیز کرسکتے ہیں۔ مجھے دھوکا دینے کی کوشش
یاب نہیں ہوسکے گی۔" وہ اپنی شرائط میں ذرا بھی نرمی
نے پر آمادہ نہیں تھا۔

"اچھا' تو ہمیں چند منٹ کی۔۔۔" میری بات ادھوری ہی
ئی کیونکہ فضا میں "اوغ" کی ایک کراہ کے ساتھ البرٹو کے
ناانوس الفاظ اور فقرے گونج اٹھے تھے۔

شاید ویرا کو دبے قدموں اس کے سر پر پہنچنے کا موقع مل
یا تھا اور البرٹو اس ناگہانی مصیبت پر بے ساختہ اپنی مادری
ن کا سہارا لینے پر مجبور ہوگیا تھا۔

میں نے فوراً ہی جیپ سے چھلانگ لگادی اور پوری
ت کے ساتھ اس سمت میں دوڑ لگادی' جدھر سے لڑائی کی
ازیں آرہی تھیں۔

البرٹو دشمن ملک کی سرزمین پر موجود ایک پیشہ ور سیکرٹ
نٹ کا کردار ادا کررہا تھا۔ ایسے لوگوں کی زندگی کا ہر لمحہ
ت کے جبڑوں سے گزرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ایسے ہر
یا پر ان کی پہلی غلطی ہی عموماً ان کی آخری 'غلطی ثابت
ہے کیونکہ اس کے بعد اجل انہیں اپنے آہنی چنگل میں
تا ہے۔ پھر وہ' یہ بھی جانتے ہیں کہ مشن میں کامیابی کے
زندہ لوٹیں تو اپنی سرزمین پر ہر عزت اور اعزاز کے
قرار دیے جاتے ہیں۔ ایامِ امن میں دشمن کی سرزمین
فرائض کی انجام دہی میں مارے جائیں تو ان کا وطن
کی اپنانے کے بجائے' ان سے لاتعلقی اختیار کرلیتا

ہے۔ ایسی سرد اور بھیانک لاتعلقی کہ انہیں اپنے وطن کی
مٹی تک نصیب نہیں ہوتی۔ البرٹو اضطرار کی حالت میں
ہسپانوی زبان کا سہارا لے بیٹھا تھا لیکن مصیبت میں گھر جانے
کے باوجود اسے ہوش آگیا کہ اپنی مادری زبان سے لاعلمی کا
ڈراما رچا کر ہی وہ ظفر بنا رہنے میں کامیاب تھا۔ اس لیے اُس
نے فوراً ہی اردو اور انگریزی کی ملی جلی گالیوں کا سہارا لینا
شروع کردیا۔ ویرا کی مسلسل خاموشی اور البرٹو کی نہ رکنے والی
آوازوں سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ ویرا اس پر بھاری پڑ رہی
تھی۔

ویرا بظاہر بہت نرم و نازک سی عورت تھی۔ اس کی
قامت و جسامت کو دیکھتے ہوئے' یہ اندازہ لگانا ناممکن تھا کہ
وہ مار دھاڑ میں اپنے سے کہیں توانا مردوں کو بھی زیر کرنے کی
صلاحیت رکھتی ہے۔ میں اس کے داؤ پیچ کی مثالی برتری کا
بارہا مشاہدہ کرچکا تھا۔ اس میں دوسری خوبی یہ تھی کہ وہ بلا کی
بے خوف واقع ہوئی تھی۔ حالات کیسے ہی برے اور خطرناک
کیوں نہ ہوں' وہ اپنے ذہن میں سما جانے والے جوابی حربوں
کو عملی جامہ پہنانے میں پہل کرنے کا موقع کبھی نہیں کھوتی
تھی اور اس وقت بھی اس نے شاید البرٹو کو بے خبری میں
جالیا تھا۔ مجھے سب سے زیادہ خوف اس امر کا تھا کہ ہم
دو ٹیلوں والے درّے سے بہت دور نہیں تھے۔ اگر وہاں ایک
تربیت یافتہ بندر دیکھا گیا تھا تو اس سے کام لینے والے مسلح
آدمیوں کی موجودگی بھی خارج از امکان نہیں تھی۔ البرٹو کی
اضطراری آوازیں اور گالیاں' ان کو بہ آسانی ہم لوگوں کی
طرف متوجہ کرسکتی تھیں۔

ایک بار البرٹو کو کمک مل جاتی یا طاقت کا توازن ہمارے
خلاف ہوجاتا تو ہمارا اس جال سے نکلنا ناممکن ہوجاتا جو البرٹو
نے ہمارے لیے بچھایا تھا۔

میں ان آوازوں کے منبع سے تھوڑی ہی دور تھا کہ
اچانک میرے کانوں میں ویرا کی گھٹی گھٹی سی چیخ آئی۔ میری
ہی طرح اسے بھی دوسروں کے متوجہ ہونے کا اندیشہ لاحق رہا
ہوگا۔ اسی لیے اُس نے اپنی بے ساختہ چیخ کو حتی الامکان
دھیما رکھنے کی کوشش کی تھی۔ یوں محسوس ہوا جیسے ویرا'
البرٹو کی کسی جوابی کارروائی کی زد میں آگئی ہو۔ اس کی وہ چیخ
فوراً ہی دبی دبی' ناہموار غراہٹوں میں تبدیل ہوگئی جیسے وہ تشدد
سہنے کے کسی مسلسل عمل سے دوچار ہوچکی ہو۔

فضا میں میرے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز پہلے ہی
گونج رہی تھی۔ پھر اچانک ہی اندھیرے میں کسی اور کے
بھاگنے کی آوازیں آنے لگیں۔ میرے اعصاب پر سنسنی آمیز
ہیجان طاری ہونے لگا۔ غنیمت یہ تھا کہ بھاگنے والے کے

قدموں کی تیز دھمک بتدریج دور ہوتی جارہی تھی جس کا مطلب تھا کہ البرٹو میری مداخلت کے امکان سے خوف زدہ ہوکر میدان سے بھاگ نکلا تھا۔

ویرا کی آوازیں معدوم ہوچکی تھیں مگر میں اپنے پہلے سے قائم کیے ہوئے اندازے کی بنا پر اس کی طرف بڑھتا رہا پھر اچانک ہی مجھے رک جانا پڑا کیونکہ میرے آگے ایک پتھریلی ڈھلان پھیلی ہوئی تھی اور بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز بہت دور جاچکی تھی۔

"ویرا!" میں نے اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے نشیب میں پھیلی ہوئی تاریکی میں نظریں دوڑاتے ہوئے ہولے سے پکارا تاکہ میری آواز زیادہ دور تک نہ پھیل سکے۔

"وہیں ٹھہرو، میں اوپر آرہی ہوں۔" نشیب سے اس کی جھلّائی ہوئی آواز ابھری۔ "معلوم ہوتا ہے کہ وہ خبیث مار کھانے کے باوجود بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا؟"

"تم جہاں ہو، وہیں ٹھہری رہو۔ اب ہمارا جیپ کی طرف لوٹنا خطرناک ثابت ہوگا۔ ہمیں کسی اور راستے سے باہر نکلنے کی کوشش کرنی ہوگی۔" میں نے اس خطرناک ڈھلان پر اترتے ہوئے کہا۔

وہ ڈھلان بھربھری مٹی اور ڈھیلے پتھروں پر مشتمل تھی۔ اس پر اندھیرا مستزاد تھا۔ میں بہت سنبھل سنبھل کر اترنے کے باوجود کئی بار پھسلنے سے بار بار بچا اور ہر مرتبہ کنکروں اور پتھروں کا بڑا سا ڈھیر نشیب میں لڑھکتا چلا گیا۔ یہ غنیمت رہا کہ ویرا، اوپر سے ہونے والی اس ناگہانی بوچھاڑ سے محفوظ رہی۔

ویرا کے پیر پچھلی رات سے زخمی تھے۔ ویرا نے ان زخموں کو معمولی خراشوں سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی اور کسی مرہم وغیرہ کے استعمال کے نتیجے میں اس قابل ہوچکی تھی کہ کسی بھی دشواری کے بغیر، آسانی کے ساتھ چل پھر رہی تھی۔ کسی بھی جسمانی تکلیف کو خاطر میں نہ لانا اس کا مزاج تھا۔ میرے استفسار پر اس نے جھلّائے ہوئے انداز میں اس پتھر کو کوسا جو اُس کی جوتی کے نیچے سے اچٹ گیا تھا۔ البرٹو نے اس کا توازن بگڑنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، اسے نیچے دھکیل دیا۔ ڈھلان پر لڑھکنے کی وجہ سے اس کی کہنیوں وغیرہ پر خراشیں آئی تھیں جو کم از کم اس وقت نقل و حرکت میں مانع نہیں تھیں۔ ویرا کو اپنی چوٹوں کے احساس سے زیادہ اس بات پر غصہ تھا کہ اس کی ذرا سی لغزش کی وجہ سے ہاتھ آیا شکار نکل گیا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ مزید چند سیکنڈ کے لیے اپنے قدموں پر جمی رہتی تو البرٹو کو خاک چاٹنے پر مجبور کرسکتی تھی۔

"تربیت یافتہ بندر پر نظر پڑتے ہی، تمہیں اچانک [کیا] ہوگیا تھا؟" میں نے اس کے ساتھ ایک طرف بڑھتے ہوئے سوال کیا۔ "تم اپنی زبان بند رکھتیں تو بہت کچھ سامنے آسکتا تھا۔"

"اوہ خدا!" ویرا حیرت سے بولی "تو کیا تمہیں اب بھی اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ ہمیں گھیر کر اپنی کچھار میں لے جارہا تھا جہاں ہمارا کوئی پُرسانِ حال نہ ہوتا۔"

"میرا ماتھا تو اسی وقت ٹھنکا تھا جب البرٹو نے اپنے آدمیوں کے ساتھ ڈرائیور کو بھی روانہ کردیا تھا مگر میں یہ بھی نہیں [سمجھ] سکا تھا کہ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کے حقیقی نمائندوں کو واپس بھیج کر ہمیں اپنے خفیہ اڈے پر لے جانے کی منصوبہ بندی کررہا ہے۔ میں یہ سوچ کر خاموش رہ گیا تھا کہ وہ شاید ہمیں ضرورت سے زیادہ خوش کرنے کے چکر میں اُسے لوٹا رہا ہے۔"

"لیکن میرے ذہن سے وہ بوجھ نہیں ہٹ سکا تھا۔ بندر کو دیکھتے ہی میرے ذہن میں جھماکا ہوا اور میں خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔ البرٹو کو بندروں کو سدھانے میں قابلِ رشک مہارت ہے۔ کولمبیا میں کرنل جیسی جونز کا گروہ، منشیات کی نقل و حمل اور خفیہ پیغام رسانی میں بندروں کو بکثرت استعمال کرتا ہے۔ اتنی کھلی ہوئی باتیں سامنے آجانے کے بعد تمہاری مصالحانہ کوششیں بے سود تھیں۔ وہ سمجھ چکا ہے کہ یہاں اس کی شخصیت بے نقاب ہوچکی ہے اور سرد جنگ کسی بھی لمحے کھلی محاذ آرائی کی صورت اختیار کرسکتی ہے۔ اسی خیال کے تحت میں خاموشی سے اس کی طرف چل دی تھی۔ اس معاملے کو طول دینے کے بجائے اب جلد از جلد ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

"میں شرط لگانے کے لیے تیار ہوں کہ فنگر پرنٹس والی بات نے اسے متاثر کیا ہوگا۔ ان واقعات کے بعد بھی ایس ٹی ایف سے فرار نہیں ہوگا۔ میرا مقصد اُسے اندھیرے میں رکھنا تھا تاکہ ہماری ناکامی کی صورت میں وہ فرار نہ ہوسکے۔ میرا خیال ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔"

"یہ تو وقت ہی بتا سکے گا۔ فی الحال تو یہاں سے نکلنے کی فکر کرو۔" وہ پُرتشویش انداز میں بڑبڑائی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اس غیر آباد علاقے کے ایک بڑے حصے کو اپنے قبضے میں لیا ہوا ہے اور یہیں سے اپنا آپریشن چلا رہے ہیں۔"

"البرٹو نے یہاں میری توقع سے زیادہ، ہاتھ پیر پھیلائے ہوئے ہیں۔ ابھی تک میں نے پوری توجہ اس کی ذات پر مرکوز

ہوئی تھی لیکن اب اندازہ ہو رہا ہے کہ اس نے یہاں پورا [illegible] قائم کیا ہوا ہے۔ یہ غنیمت ہے کہ اس سے براہِ راست [illegible] ہونے کے ساتھ ہی، اُس کا یہ خفیہ ٹھکانا بھی ہماری [illegible] میں آگیا ہے۔ اس سے ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔"

"ٹھکانا کہاں؟ ابھی تو ہم نے صرف راستہ ہی دیکھا [illegible] آگے جاکر، یقیناً کوئی عمارت وغیرہ بھی موجود ہوگی۔ ہم [illegible] اس کا بھی سراغ لگانا پڑے گا۔"

"یہ بتاؤ کہ تمہارا پستول کہاں ہے؟" میں نے چونک کر [illegible] سوال کیا۔

"مجھے، آنے والی مشکلات کا اندازہ تھا، اس لیے دونوں [illegible] محفوظ ہیں۔"

اسی وقت اوپر سے کسی کے زور زور سے بولنے کی [illegible] آوازیں آنے لگیں۔ ہم نے پیش قدمی ترک کرکے اپنی [illegible] توجہ ان ہی آوازوں پر مرکوز کی تو اندازہ ہوا کہ البرٹو [illegible] ملیسا کے آدمی ہماری تلاش میں نکل پڑے تھے اور ان کی [illegible] طرف سے ہمیں سامنے آنے کی ہدایت کی جارہی تھی۔

آوازوں کی سمت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ لوگ جیپ [illegible] قرب و جوار میں موجود تھے۔ ہم دونوں خاموشی کے ساتھ [illegible] جھاڑی میں دبک گئے تاکہ اوپر سے دیکھنے والوں کو [illegible] ہیولے بھی نظر نہ آسکیں۔

"مجھے ڈر تھا کہ مار دھاڑ میں تم اپنے ہتھیاروں سے [illegible] محروم نہ ہو گئی ہو......"

"پستول نکالنے کی نوبت ہی نہیں آسکی تھی۔" اس نے [illegible] میری بات کاٹ کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "میں تو اس مردود [illegible] کو بے ہوش کرکے قابو میں کرنے کے چکر میں گئی تھی لیکن [illegible] پھر ہی پھسل گیا۔"

"پھر وہی پیر!" میں ہولے سے کراہا۔ "خدا کے لیے [illegible] بھول جاؤ اور اب آگے کی فکر کرو۔ لاؤ، ایک پستول مجھے [illegible] دے دو۔ میں ہیم گن کسی خاص ضرورت پر ہی استعمال کروں [illegible]"

"تم ہتھیار ڈال کر سامنے نہ آئے تو ہم تمہیں گھیر کر [illegible] مار ڈالیں گے۔" کافی فاصلے سے ایک چیختی ہوئی آواز سنائی [illegible] "تم اس علاقے سے کسی بھی قیمت پر باہر نہیں نکل سکو [illegible]"

"اگر ہم اس حکم پر عمل کر گزریں تو خوشی اور حیرت [illegible] البرٹو کا ہارٹ فیل ہو جائے گا" میں نے ویرا کے کان میں [illegible] سرگوشی کی۔

"تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے؟" وہ غرائی۔ "اوپر مسلح [illegible] لوگوں کا راج ہے اور ہمارے پاس صرف ایک ایک میگزین

ہے جسے خالی کرنے کے بعد ہمارے پستول لوہے کے بے وقعت ٹکڑے بن کر رہ جائیں گے۔ انہیں یہ بھی اندازہ ہے کہ ہم پیدل چل کر یہاں سے زیادہ دور نہیں نکل سکے ہوں گے اس لیے وہ اپنی بیشتر توجہ اسی علاقے پر مرکوز رکھیں گے، اس لیے ہمیں یہاں سے بھاگنے کی فکر کرنی چاہیے۔"

"وہ بھی کرلیں گے لیکن تم مجھ پر چڑھی کیوں آرہی ہو؟ اس اندھیرے اور تنہائی میں کچھ فاصلہ برقرار رکھو۔ میری کھوپڑی سنک گئی تو ہم دونوں ہی قابلِ اعتراض حالت میں پکڑے جائیں گے۔" اس بار میں واقعی سنجیدہ تھا کیوں کہ ویرا کے بدن اور ریشمی بالوں سے پھوٹنے والی تیز حیوانی مہکار، میرے نتھنوں میں گھس کر، میرے حواس پر اثر انداز ہو رہی تھی۔

"کاش غزالہ تمہاری ان آوارہ خیالیوں سے واقف ہو سکے۔" وہ شاید دانت پیستے ہوئے بولی تھی۔ "موت کے سائے میں بھی تمہارے ذہن پر رنگ رلیاں منڈلا رہی ہیں۔"

اس نے دور سرکنا چاہا لیکن میں نے اضطراری طور پر اس کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر کس لیا۔

اوپر سے یکے بعد دیگرے تین بے آواز فائر ہوئے۔ سناٹے میں کھٹ کھٹ کی آوازیں نمایاں تھیں۔ وہ اپنی دانست میں ہمیں خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس کے بعد وہ ویرانہ رائفل کے پُرشور نغمے سے گونج اٹھا۔ شاید بے آواز فائروں کو ناکافی سمجھتے ہوئے دھماکوں کا اظہار ضروری سمجھا گیا تھا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے، مختلف سمتوں میں کئی فائر کیے گئے اور ایک مرتبہ پھر فضا پر سناٹا چھا گیا۔

ہم دونوں کئی منٹ تک خاموش بیٹھے رہے پھر ویرا نے جھٹکا کر میرا ہاتھ اپنی کمر سے نکال دیا۔ "آدمی بنو اور یہاں سے نکلو۔ شاید وہ آگے چلے گئے ہیں۔"

ہم دونوں سیدھے کھڑے ہونے کے بجائے، جھک کر آگے بڑھنے لگے کیونکہ کچھ فاصلے پر ڈھلان کا سلسلہ ختم ہو کر میدان سے ملتا ہوا نظر آرہا تھا جہاں ہمارے تاریک انسانی ہیولے دور سے بھی دیکھ لیے جانے کا سنگین خطرہ موجود تھا۔

معاً میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اوپر دشمنوں کی نقل و حرکت کے دوران، کسی گاڑی کے انجن وغیرہ کا کوئی شور نہیں سنائی دیا تھا۔ نہ ہی انہوں نے البرٹو کی چھوڑی ہوئی جیپ کو اسٹارٹ کرکے، اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی تھی۔ اس کا مقصد تھا کہ اُس کی کمین گاہ کہیں آس پاس ہی تھی لیکن حیرت ناک بات یہ تھی کہ البرٹو۔ ملیسا کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ہمیں اس علاقے میں دور دور تک روشنی کی

کوئی رمق یا کسی عمارت کے آثار نظر نہیں آئے تھے جسے سراغ بنا کر ہم اپنی تلاش کی ابتدا کرتے۔

ویرا اِس معاملے میں میری ہم خیال تھی لیکن اس نے مجھے فوری طور پر واپسی کی اجازت نہیں دی۔ اس کا کہنا تھا کہ جیپ میں یا اس کے آس پاس، دشمن کے کسی آدمی کی موجودگی کا قوی امکان تھا۔ وہ اپنی جگہ گھات لگائے بیٹھا رہتا اور جب ہم میدان صاف پا کر جیپ پر قبضہ کرنے کی نیّت سے اوپر پہنچتے تو وہ اچانک ہی ہمیں بے بس کر کے پکڑ لیتا۔

اس دلیل میں خاصا وزن تھا۔ اس وقت ہم لوگ اسلام آباد کے آخری سرے سے بھی بہت آگے تھے۔ اگر ہم اس کچے ویرانے سے نکل کر کسی نہ کسی طرح پختہ سڑک تک پہنچ بھی جاتے تو اس ویران سڑک پر کسی سواری کا ملنا ناممکنات میں سے ہوتا۔ اسلام آباد سے مری جانے والی سڑک پر دن میں بھی زیادہ ٹریفک نہیں ہوتا اس لیے صبح کے ان اولین لمحات میں وہاں لفٹ ملنی ناممکن تھی۔ اس ویرانے سے فرار کے لیے کوئی نہ کوئی سواری ہماری ضرورت تھی اور البرٹو کے آدمی ہماری اس ضرورت سے بخوبی آگاہ تھے۔

ایک طویل چکر کاٹ کر ہم اپنے اندازے سے بائیں طرف ہو لیے۔ اس سمت میں برساتی پانی کے تیز بہاؤ کی کاٹ سے زمین میں ایک گہرا نالا سا پیدا ہو گیا تھا۔ ہم اسی کے سہارے چل پڑے۔ میرا خیال تھا کہ اس بار ہم جیپ کے دوسرے پہلو سے ہو کر، دو ٹیلوں والے اس درّے تک پہنچ سکتے تھے جہاں ایک تربیت یافتہ بندر نے البرٹو کی جیپ کو اس علاقے میں داخل ہونے کی اجازت دی تھی۔

مجھے کافی دیر سے سگریٹ کی شدید طلب ستا رہی تھی لیکن وہاں وہ شوق مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں نے گاڑی کے ذریعے اس علاقے میں داخلے کے راستے پر سخت کنٹرول قائم کیا ہوا تھا لیکن کسی برقی باڑھ وغیرہ کی غیر موجودگی میں وہاں سے پیدل نکلنے میں کوئی قابلِ ذکر دشواری نہیں ہونی چاہیے۔ ہم سڑک کے کنارے، کسی اوٹ میں بیٹھ کر سورج طلوع ہونے کا انتظار کر سکتے تھے۔ وہاں سے اسلام آباد یا اگلی سمت میں کسی آبادی تک پہنچنے کی صورت بعد میں نکالی جا سکتی تھی۔

"دیکھو!" چلتے چلتے، اچانک ویرا میرا بازو بھینچتے ہوئے، مدّھم ہذیانی آواز میں بولی اور میں غیر ارادی طور پر، اس کے ساتھ زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

میں نے اس کی بتائی ہوئی سمت میں، نالے کے داہنے کنارے کی طرف دیکھا تو مجھے وہاں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ میں کئی سیکنڈ تک اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر گھورتا رہا۔ پھر ویرا کی الجھن آمیز آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "میں نے ابھی ابھی وہاں ایک متحرک ہیولا دیکھا تھا جو میرے بولتے ہی غائب ہو گیا۔"

مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ہزاروں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس وقت ہم ہر اعتبار سے بہت بری پوزیشن میں تھے۔ ہم خشک برساتی نالے کی تہ میں تھے اور ہمارے دونوں طرف اونچائیاں تھیں جہاں سے دشمن ہمیں تاک تاک کر نشانے بازی کر سکتا تھا۔

میں نے ویرا کا ہاتھ تھام کر فوراً ہی نالے کے بائیں کنارے کی طرف دوڑ لگا دی۔

ہم چند ہی قدم گئے ہوں گے کہ اچانک پشت سے کوئی لجلجا وجود میرے اوپر آپڑا۔

اس وجود کا جھٹکا میرے ساتھ ہی ویرا نے بھی محسوس کیا۔ میں نے پوری قوت سے کہنی چلائی اور اسی لمحے مجھے ادراک ہوا کہ میرا مقابلہ اپنے کسی ہمسر وجود سے نہیں تھا بلکہ وہ ایک بندر تھا جو نہایت خاموشی کے ساتھ، اچھل کر میرے شانوں پر آپڑا تھا اور اپنی استخوانی انگلیاں میرے دونوں شانوں کی کچھ مخصوص رگوں میں جمانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس دوران میں، میں نے اپنی پوری شعوری کوشش سے کوئی آواز نہیں نکالی تھی۔ بندر بھی حیرت ناک طور پر بالکل خاموش رہ کر اپنی جارحانہ کارروائیوں میں مصروف تھا۔ میں نے پوری قوت کے ساتھ جھٹکا دے کر اپنے بدن کو آگے کی طرف جھکایا اور بندر میرے شانوں پر اپنی گرفت کھو کر، فضا میں اُڑتا ہوا، میرے سامنے آگرا۔

"فائر نہ کرنا۔" ویرا کو بندر پر پستول نکالتے ہوئے دیکھ کر، میں نے جلدی سے کہا اور بندر کے پیٹ میں پوری قوت سے لات رسید کرنے کی کوشش کی لیکن بندر نے پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور میں فضا میں لہرا کر رہ گیا۔

وہ درمیانی جسامت کا، ایک صحت مند بندر تھا اور سو فی صد پالتو بلکہ تربیت یافتہ نظر آرہا تھا۔ وہ ہم دونوں سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھا۔ اس نے محفوظ فاصلے سے، سر مٹکاتے ہوئے، ہم دونوں کا جائزہ لیا اور بالکل غیر متوقع طور پر فضا میں چھلانگ مار کر، ویرا کے سینے پر آرہا۔

بندر کے ٹکراتے ہی ویرا ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ پشت کے بل زمین پر گر گئی۔

میں نے لپک کر پیچھے سے بندر کی گردن دبوچ لی۔ اس بار بندر کا ردّعمل وحشیانہ ثابت ہوا۔ اس نے اپنے دہانے

غصیلی آوازیں نکالتے ہوئے، پنجوں سے میرے ہاتھوں پر حملہ کردیا اور مجھے فوری طور پر اس کی گردن چھوڑ دینی پڑی۔ گرتے ہوئے بندر کے وجود کو، ویرا نے اپنی ٹھوکر سے اڑا دیا۔

اس بار بندر کو اندازہ ہوگیا کہ وہ ہم دونوں سے نہیں جیت سکے گا۔ اس نے زمین پر ٹکتے ہی، ہم دونوں کی طرف دیکھا اور پوری قوت سے اسی سمت دوڑ لگا دی، جدھر ہم جا رہے تھے۔

"یہ پٹ کر اپنے ٹھکانے کی طرف بھاگا ہے۔" میں نے عجلت کے عالم میں کہا۔ "اس کے پیچھے ہولو۔ شاید ہمیں فرار کا بہتر موقع مل جائے۔" یہ کہتے ہی میں نے بندر کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

ذرا سی دیر میں بندر ہماری نگاہوں سے اندھیرے میں اوجھل ہوگیا۔ اندھیرا نہ بھی ہوتا تو ہم اس کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ اس کے غائب ہونے سے پہلے ہم نے یہ ضرور دیکھ لیا تھا کہ وہ آگے چل کر خشک برساتی نالے کے ساتھ جانے کے بجائے داہنی طرف ہولیا تھا۔ ہم بھی خاموشی سے اس سمت میں بڑھتے رہے۔

چند منٹ کے بعد جب سامنے درختوں کا ایک کنج، سیاہ دھبّے کی صورت میں نظر آیا تو ہمیں پہلی بار اندازہ ہوا کہ ہم لوگ ایک غیر محسوس ڈھلان پر چڑھ رہے تھے۔ ڈھلان کے دوسری جانب ہونے کی وجہ سے وہ کنج ہماری نظروں سے اوجھل تھا لیکن چڑھائی ختم ہوتے ہی نظر آنے لگا تھا ورنہ ہم اس کنج سے کبھی بھی بہت دور نہیں رہے تھے۔

اس علاقے میں، اس وقت تک ہمیں درختوں وغیرہ کی افزائش کے آثار نظر نہیں آئے تھے اس لیے اس دھبّے کے بارے میں تجسس کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔

پھر ہمیں درختوں کے تاریک ہیولوں کے درمیان کسی مختصر سی عمارت کا تاریک تر ہیولا بھی نظر آنے لگا اور میرے دل کی دھڑکنوں کی رفتار یک بیک تیز ہوگئی۔

دو ٹیلوں والے راستے پر ایک تربیت یافتہ بندر کی موجودگی، پھر البرٹو ۔ یلیسا کے فرار کے بعد ان اطراف میں متعدد افراد کی پُراسرار نقل و حرکت اور فائرنگ کے بعد ایک اور بندر سے ہمارا مقابلہ اس امر کی غمازی کر رہا تھا کہ وہاں جو لوگ بھی قابض تھے، اس وقت بھی پوری طرح چوکنّے اور بیدار تھے۔ دوسری طرف وہاں درختوں میں گھری ہوئی وہی ایک عمارت نظر آرہی تھی اور آثار بتا رہے تھے کہ وہاں دور دور تک کسی اور مکان یا آبادی کا وجود نہیں پایا جاتا تھا۔ یہ امکان غالب تھا کہ وہ عمارت ان ہی لوگوں کے تصرف میں تھی لیکن وہاں پھیلا ہوا گھور اندھیرا کوئی اور ہی کہانی سنا تھا۔ یہ بات بھی قرین قیاس نہیں لگتی تھی کہ انہوں نے ا علاقے میں کچھ غیر متعلقہ افراد کے گھس آنے کی وجہ سے احتیاطاً اس عمارت کی تمام روشنیاں گل کردی ہوں۔

ہم نے آنے والے کسی برے وقت کے لیے ا توانائیاں محفوظ رکھنے کے لیے بھاگنے کا سلسلہ موقوف کر اپنی پیش قدمی کی رفتار سست کردی۔

ویرا اس عمارت کے قریب جانے کے حق میں نہ تھی۔ ہمیں ان لوگوں کی نفری اور ہتھیاروں کی نوعیت بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ادھر بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہوسکتا تھا۔ صورت یہ ہوتی کہ اول خان کے آجانے کے بعد، بھاری کے ساتھ اس علاقے کا محاصرہ کرکے کارروائی کی جاتی وہاں موجود ہر ذی روح کو پکڑ لیا جاتا لیکن مجھے اس اختلاف تھا۔

اسپیشل ٹاسک فورس کی بات اور تھی۔ وہ سر تنظیم نہ سہی لیکن بظاہر اسے ریاستی اداروں کی بھرپور پناہی حاصل تھی، اس لیے وہ لوگ ہر جگہ بھاری لاؤ رکھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے تھے اور البرٹو اپنی پوزیشن کا مجرمانہ فائدہ اٹھاتے ہوئے ایس ٹی ایف محب وطن کارندوں کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استع گزرتا تھا لیکن البرٹو ۔ یلیسا بذات خود ایک مجرم تھا۔ دہرا کردار سخت ترین رازداری کا متقاضی تھا۔ اسی وج وہ انسانی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کے بجائے الامکان بندروں سے کام لے رہا تھا۔ مجھے پورا یقین اس کا ساتھ دینے والوں کی تعداد، چند افراد پر مشتمل اگر ان میں سے دو چار ہماری تلاش میں نکلے ہوئے تھے اس عمارت میں کسی بڑے مقابلے کا امکان نہیں رہ جا اگر ہم ان سے لڑ بھڑ کر انہیں زیر کرنے میں ناکام ر ہوشیاری کے ساتھ پسپائی کی راہ ضرور اختیار کرسکتے تھے

ویرا مجھے قائل کرسکی، نہ میں اُسے اس کے موقف ہٹانے میں کامیاب ہوسکا۔ البتہ وہ ہر حال میں میرا دینے پر ضرور آمادہ تھی۔

اس ویرانے میں وہ سرسبز قطعۂ زمین رات اندھیرے میں عجیب آسیبی سماں باندھ رہا تھا۔ قریب ہم دونوں اپنی پشت سے پشت ملا کر درختوں کی او ہوگئے تاکہ اپنے چاروں طرف نگاہ رکھ سکیں۔ ہمیں

کچن میں کھڑے ہوئے خاصا وقت گزر گیا لیکن کہیں سے آہٹ یا سرسراہٹ تک نہیں سنائی دی۔ تاریکی بھی گھور اور مکمل تھی کہ اس میں روشنی کی ایک کرن تک کا وجود نہیں تھا۔

وہ مختصر سے رقبے پر بنا ہوا، قدیم طرز کا ایک منزلہ مکان تھا۔ اس کی کھڑکیاں ٹھوس لکڑی کی بنی ہوئی تھیں ان میں شیشہ سرے سے استعمال ہی نہیں ہوا تھا۔

"یہاں تو میدان صاف معلوم ہوتا ہے۔" ویرا نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی۔ "ایسا تو نہیں کہ ہم کسی غلط جگہ سر مار رہے ہوں۔"

میں اسے اشارہ کرکے ایک طرف بڑھ گیا۔ وہاں سے واپس لوٹنے سے پہلے میں اچھی طرح قرب و جوار کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ درختوں کے درمیان ایک مقام پر ہینڈ پمپ نظر آیا جس کے نیچے زمین میں اچھی خاصی نمی موجود تھی، جس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی متروکہ مکان نہیں تھا۔

تقریباً پوری عمارت کا طواف کر لینے کے بعد، ہم درختوں کی اوٹ سے نکل کر کھلی جگہ میں آئے تو اچانک ہی ایک پاٹ دار آواز نے ہمیں بری طرح چونکا دیا۔ "ہاتھ اوپر اٹھالو ہم لوگ گھیر لیے گئے ہو۔"

ویرا نے اس دھمکی کی پروا کیے بغیر گنجان درختوں میں چھلانگ لگا دی۔ میں بھی بلا سوچے سمجھے اس کی تقلید کر گزرا۔ فوراً ہی فائر ہوا اور گولی میرے سر سے ذرا فاصلے سے گزر گئی۔ پھر دوسرا فائر ہوا۔ اس بار ہم اس کی زد سے باہر تھے۔

وہ فائر بے آواز نہیں تھے اور گولیاں بھی یکے بعد دیگرے چلائی گئی تھیں گویا فائر کرنے والا اکیلا ہی تھا۔ ہم درختوں کے درمیان سے گزر کر عمارت کے عقبی حصے کی طرف بڑھنے لگے لیکن اس بار ہمارے ستارے گردش میں آچکے تھے۔ اچانک ہی اوپر سے کوئی وزنی چیز، پھیلتی ہوئی ہمارے اوپر آگری۔ ہم نے اس سے بچ کر بھاگنا چاہا مگر اسی وقت ہمارے قدموں کے نیچے سے زمین سرکنے لگی پھر ہم دونوں ہی گر گئے۔

پھندوں پر ہاتھ پڑتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ ہمارے اوپر جال پھینکا گیا تھا۔ ہم اس میں پھنس چکے تھے اور جال تیزی کے ساتھ کھینچا جا رہا تھا۔ اسی کے ساتھ ایک چوبی کھڑکی پُرشور آواز کے ساتھ کھلی اور روشنی کی چادر باہر تک پھیل گئی۔

پھر کہیں سے ایک آدمی کود کر ہمارے سامنے آگیا۔ یہ اُس کی کھلی حماقت تھی۔ ہم بہت آسانی کے ساتھ اسے گولی مار سکتے تھے لیکن اس کے نتیجے میں شاید ہمیں فوراً ہی بھون ڈالا جاتا کیونکہ اسی لمحے اندھیرے میں سے بے آواز فائر ہوئے اور متعدد گولیاں آسمان کی طرف تیرتی چلی گئیں۔

"تم لوگوں نے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں تمہارے بدن چھلنی کر ڈالوں گا۔" اندھیرے میں سے غرّاتی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ اس وقت تک جال رک چکا تھا۔

"ہم ظفر بھائی کے مہمان ہیں۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ان ہی کی تلاش میں ادھر آئے ہیں۔ وہ ایک غلط فہمی کی وجہ سے ہم سے بچھڑ گئے تھے اور ابھی تک لاپتا ہیں۔"

"بکواس بند کرو!" ہمارے سامنے کھڑا ہوا آدمی اپنی رائفل کی نال اٹھاتے ہوئے، غصے کے عالم میں بولا۔ "شرافت سے اپنے ہتھیار نکال کر پھینک دو ورنہ مار مار کر بھُرکس نکال دیا جائے گا۔" فقرہ ختم کرکے اس نے اپنے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکالی اور ایک قریبی درخت سے وہی بندر جو فرار ہوا تھا، ہم پر آکر کودا۔

ہم جال میں گرے ہوئے تھے اور وہ بندر ہمارے جسموں پر اچھل کود کر رہا تھا۔ ہمارے ہاتھ پیر اس بری طرح جال کے پھندوں میں الجھے ہوئے تھے کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق حرکت بھی نہیں دے سکتے تھے۔ بس ادھر اُدھر کروٹیں بدل کر خود کو بندر سے بچا سکتے تھے۔

چند منٹ کے بعد جال کی رسّی کو اس حد تک ڈھیلا کیا گیا کہ ہم بدقت تمام اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے۔ بندر ایک مرتبہ پھر اندھیرے میں غائب ہو گیا تھا۔

"اسپیشل ٹاسک فورس والے ظفر بھائی کہاں ہیں؟" میں نے ایک مرتبہ پھر ہانک لگائی۔

"چلو!" اندھیرے میں کھڑے ہوئے آدمی نے میری بات سنی ان سنی کر کے کہا۔ "تم نے ذرا سی بھی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو رسّی کو جھٹکا دے کر تمہیں گرا دیا جائے گا اور اس بار ہم سب مل کر، ٹھوکروں سے تمہاری تواضع کریں گے۔"

جالی کا دوسرا سرا اندھیرے میں غائب تھا۔ ہمارے سامنے کھڑے ہوئے شخص نے اپنی پتلون کی بیلٹ کے ساتھ لگی ہوئی سرچ لائٹ روشن کر دی اور ہمارے سامنے سے ہٹ کر ہمیں ایک طرف چلنے کا حکم دیا۔ روشنی ایسے رخ سے ڈالی جا رہی تھی کہ جال کا منہ بدستور اندھیرے میں تھا۔

وہ ایک عجیب تجربہ تھا۔ قدم قدم پر منہ کے بَل نیچے

گرنے کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ جال کو صرف اتنی ڈھیل دی جا رہی تھی کہ ہم پورے جال کو گھسیٹتے ہوئے، آہستہ آہستہ آگے بڑھ سکیں۔ غنیمت یہ تھا کہ بندر کی اچھل کود کے بعد ہم پر کوئی اور تشدد نہیں کیا گیا تھا۔

عمارت کے داخلی دروازے کے ذریعے ہمیں کشاں کشاں ایک بڑے کمرے میں پہنچایا گیا جو اپنی وضع کے اعتبار سے کوئی دفتر معلوم ہو رہا تھا اور بڑی میز کے عقب میں رکھی ہوئی، گھومنے والی کرسی پر، ظفر براجمان تھا۔ اس کے تیوروں سے برہمی نمایاں تھی۔ اس کے سامنے میز پر ایک کلاشنکوف رکھی ہوئی تھی۔

کمرے میں ایک چوبی اسٹول پر پٹرومکس لیمپ جل رہا تھا۔ شاید وہ عمارت بجلی کی سہولت سے محروم تھی اور پچھلی کھڑکی سے نظر آنے والی روشنی پٹرومکس لیمپ ہی کی تھی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہاری صورت نظر آئی۔" میں نے ظفر پر نگاہ پڑتے ہی تشکر آمیز لہجے میں کہا۔ "تم سے بچھڑ کر ہم تو بے شمار دشواریوں میں گھر گئے ہیں۔"

"شٹ اَپ! اب یہ ڈرامے بازی زیادہ دیر نہیں چل سکے گی۔" وہ میز پر مُکا مارتے ہوئے دہاڑا۔ "آج میں تم دونوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرکے، تمہاری لاشیں کسی ویرانے میں پھنکوا دوں گا۔"

"شاید ویرا کی غیر ذمے داری نے تمہیں ہماری طرف سے بدظن کیا ہے۔" میں نے مصالحانہ لہجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ اس کے لیے تم سے معافی مانگ لے گی۔ دراصل میں نے ذاتی وجوہ کی بنا پر اسے تمہاری فنگر پرنٹ رپورٹ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ یہ میرا اور۔۔۔۔"

"میری فنگر پرنٹ رپورٹ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" وہ میری بات کاٹ کر، پھاڑ کھانے والے انداز میں غرایا۔ "اور ان معلومات میں تمہارا کون کون شریک ہے؟"

"اوّل خان اور شاید تمہارے بڑے۔" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔ "لیکن بات آگے بڑھنے سے پہلے میں یہ جاننا پسند کروں گا کہ یہ کیا مقام ہے؟ مجھے یہاں دور دور کوئی ایس ٹی ایف والوں کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آ رہے۔ یہ ویرانہ تو کسی نازی۔۔۔۔"

اس نے دوبارہ میری بات کاٹ دی۔ "اس وقت تمہاری پسند اور مرضی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ تم میرے قیدی ہو اور تمہیں صرف میرے سوالوں کے جواب دینے ہیں۔" پھر وہ پُرجوش انداز میں اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "میں ایس ٹی ایف ہوں۔ میرے اس دعوے پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ میں اس حیثیت میں تمہاری گردن بھی توڑ سکتا ہوں۔"

"مگر کیوں؟ تم کو ہم سے کیا شکایت ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"زندہ یا مُردہ۔ مجھے ہر قیمت پر سینتے کا سیلو درکار ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ویرا اُس کی پناہ گاہ سے ضرور واقف ہوگی۔ میں اس لڑکی کو اس کی بدتمیزی کی سزا دے کر رہوں گا۔"

"وہ غائب ہے۔" ویرا بولی۔ "میں جب سے یہاں آئی ہوں، تمہاری اور تمہارے آدمیوں کی نظر میں ہوں۔ اس نے تمہارے ساتھ کیا بدتمیزی کی ہے؟"

البرٹو ویلیسا نے اچانک ہی دانت پیس پیس کر، کوئی اجنبی زبان بولنی شروع کر دی اور ویرا کے چہرے پر ہلکی سی تمسخر آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آخر کار تمہارے اعصاب جواب دے ہی گئے!" اس کے خاموش ہونے پر ویرا نے اردو میں، فاتحانہ انداز میں کہا۔ "وہ مجھے نہیں ملی ہے مگر وہ میرے ہی ایما پر یہاں آئی تھی۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تم ظفر نہیں بلکہ البرٹو ویلیسا ہو۔ تمہارے اعتراف کے بعد مجھے پورا اندازہ ہو گیا ہے کہ یہ تمہارا ذاتی کیمپ ہے اور تم کسی سازشی ارادے سے ہمیں یہاں لے کر آئے ہو۔"

میں نے اس "انکشاف" پر شدید حیرت کا مظاہرہ کیا لیکن البرٹو ویلیسا اس وقت صرف ویرا کی طرف متوجہ تھا۔ میں نے کن انکھیوں سے جائزہ لیا کہ ہمارے جال کا دہانہ اس کمرے کے دروازے سے باہر تھا اور کمرے میں ہم تینوں کے علاوہ کوئی اور متنفس موجود نہیں تھا۔ ہمیں وہاں تک لانے والا بھی اس کمرے سے باہر ہی رک گیا تھا۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود، البرٹو کے ساتھیوں میں سے صرف ایک شخص ہی ہمارے سامنے آیا تھا جو مقامی تھا۔ دوسرے کی آواز سنائی دی تھی۔

"مجھے ابتدا سے ہی خطرہ تھا کہ تم کسی بھی وقت میرے راستے میں دیوار بن سکتی ہو۔" البرٹو ویلیسا نفرت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "میں ایس ٹی ایف کو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں ٹھکانے لگانے کے بعد، میں سینتے کا سیلو کو بھی ڈھونڈ نکالوں گا اس کے بعد میری راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔"

"یہ تمہاری خام خیال ہے، البرٹو!" میں نے اُسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "تم جو دعوے چاہو کرتے رہو لیکن ایس ٹی ایف میں واپسی کی بات نہ کرو۔ ہم دونوں

ہی بہت سوچ سمجھ کر تمہارے ساتھ آئے ہیں۔ جب تم نے
اپنے ڈرائیور کو بھی واپس کیا تو ہم نے تمہارا ارادہ بھانپ لیا
تھا۔ ہم پورے حساب کتاب کے ساتھ یہاں آئے ہیں اور
اس بار ہمارا حساب کتاب غلط نہیں ہو سکتا۔"

وہ استہزائیہ انداز میں زور سے ہنسا اور لنگڑاتا ہوا
کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "کچھ دن پہلے میرے تازہ فنگر
پرنٹس لیے گئے تو میں واقعی پریشان ہو گیا تھا لیکن اب تم
لوگوں کے سارے کارڈز میرے سامنے ہیں۔ میری فنگر
پرنٹ رپورٹ اطمینان بخش ہے۔ تم دونوں کے جہنم واصل
کیے جانے کے بعد سینتے کا سیلو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ اول
خان تمہارے سہارے چلتا ہے۔ تمہارے بعد اُس کی بھی کمر
ٹوٹ جائے گی۔ وہ اکیلا ہوا تو میرے خلاف کچھ بھی ثابت
نہیں کر سکے گا اور میں تمہارے ایٹمی منصوبوں کو کھنڈرات
میں بدل ڈالوں گا۔"

"بندروں کی مدد سے؟" ویرا نے اُسے چڑانے والے
انداز میں سوال کیا۔

"ہاں بندروں کی مدد سے!" وہ غصے میں آگیا۔ "بندروں
پر کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا۔ میرے تین بندر کہوٹہ کی وادی
میں دن رات دندناتے پھرتے ہیں اور ان کے جسموں میں
نصب انفراریڈ کیمرے' لاسلکی نظام کے تحت حیرت ناک
تصاویر بھیجتے رہتے ہیں۔ بلیو کراس ڈیل کو بچا کر تم لوگوں نے
کوئی بڑا کام نہیں کیا ہے۔ جس دن اس ایٹمی کھیپ کا آخری
ٹریلر کہوٹہ پہنچے گا' وہی بندر بربادی کا سامان اس ممنوعہ وادی
میں لے جائیں گے اور پھر تم لوگوں کا اسلامی بم کا سنہرا خواب
ہمیشہ کے لیے بکھر جائے گا۔"

کسی بھی عام آدمی کی طرح' اپنے کارناموں اور بڑائی کا
اظہار کرنا' البرٹو ویلیسا کے خون میں شامل تھا۔ وہ ویرا کے
طیش دلانے پر' اپنے عزائم پر روشنی ڈال رہا تھا اس لیے میں
نے ان دونوں کی گفتگو میں دخل دینا مناسب نہ سمجھا اور کسی
احمق کی طرح منہ کھولے' جال میں کھڑا رہا۔

"پھر وہ خبریں درست ہی معلوم ہوتی ہیں کہ کرنل جیسی
جونز' امریکا کے نسل پرست یہودیوں کے ہاتھوں بک
گیا ہے۔" ویرا نے اس پر اگلا کاری وار کرتے ہوئے کہا۔

وہ ایک دم چونک پڑا۔ "کہاں کی خبریں؟ سارے
معاملات نہایت رازداری سے طے ہوئے تھے۔ تم بلاوجہ
بے پر کی اُڑا رہی ہو۔ گنے چنے لوگوں کے علاوہ کسی کو اس
کی بھنک بھی نہیں ہے۔"

"خبریں نہ ہوتیں تو ہمیں' تمہارے فنگر پرنٹس چیک
کرانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔"

"وہ صرف اور صرف تمہارے ذہن کا فتور معلوم ہوتا
ہے کیونکہ بوگوٹا میں تم مجھے اور ظفر کو یکجا دیکھ چکی تھیں۔
اب میں تمہارے شیطانی ذہن کو ہمیشہ کے لیے گہری نیند سُلا
دوں گا۔ تمہاری دردناک موت کے بعد' کوئی بھی ان تمام
کڑیوں کو یکجا کر کے' میری ذات پر شبہ نہیں کر سکے گا۔ شاید
تمہارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو گا کہ اس ڈیل کے بعد ہم
دنیا بھر کے بکھیڑوں سے آزاد ہو چکے ہیں۔"

"ڈیوڈ اسٹارز ارب پتی یہودیوں کا ٹولہ ہے۔ وہ دنیا بھر
میں کسی کو بھی خرید لینے کی بھرپور استطاعت رکھتے ہیں۔"
ویرا نے سکون سے ٹکڑا لگایا۔

ڈیوڈ اسٹارز کے نام پر البرٹو ویلیسا کا منہ کھلا اور پھر بند
ہو گیا۔ ویرا کے خاموش ہونے پر وہ سرد لہجے میں بولا۔ "تم
بہت کچھ جان چکی ہو تو میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ ہمیں خطیر
معاوضہ ہی نہیں ملا بلکہ اسرائیل سے باہر بھیجی جانے والی
ہیروئن کی ایجنسی بھی مل گئی ہے اور یہ عمر بھر کا خفیہ سودا
ہے۔"

"ہیروئن؟" اب ویرا کے چونکنے کی باری تھی۔ "یہ
واقعی میرے علم میں نہیں تھا' لیکن تم اپنا یہ سب کچا چٹھا مجھے
کیوں سنا رہے ہو؟"

"کیونکہ تم مرنے والی ہو۔ تمہیں یہ باتیں بتاتے ہوئے
میری انا کو تسکین مل رہی ہے۔ پاکستان کی سرزمین پر میرے
ان کارناموں کو سراہنے والا کوئی نہیں ہے۔ تل ابیب کے
مضافات میں سرکاری طور پر ہیروئن بنانے کی اس فیکٹری کے
بارے میں' میں نے ہی کرنل جیسی جونز کو بتایا تھا۔ اسرائیلی
اس فیکٹری کو اپنی ایٹمی سرگرمیوں سے بھی زیادہ رازداری
سے چلا رہے ہیں اور ان کی تیار کی ہوئی بہترین کوالٹی کی
ہیروئن تیار شدہ ادویات کے ساتھ بڑی باقاعدگی سے برآمد کی
جاتی ہے۔ ہیروئن سے حاصل ہونے والے خطیر زرِ مبادلہ
سے اسرائیل کی معیشت دن بدن طاقت ور ہوتی جا رہی ہے
کیونکہ اس کا ایک پیسہ بھی کہیں خورد برد نہیں ہوتا۔"

"تم اعترافات کیے جاؤ لیکن ہمیں مارنا تمہارے لیے
آسان نہیں ہو گا۔" میں نے موقعے کی نزاکت بھانپتے ہوئے
گفتگو میں دخل انداز ہونا ضروری سمجھا۔

"مجھے کون روک سکے گا؟" وہ شیخی کے ساتھ بولا۔ "میرا
ایک برسٹ تم دونوں کو فنا کر دے گا۔"

"جو کچھ ہم جانتے ہیں' وہ اوّل خان کے علم میں بھی
ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "ہمارے غائب ہوتے ہی وہ

تم کو اپنے چنگل میں لے لے گا اور تمہیں کہیں امان نہیں مل سکے گی۔"

"وہ میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔" البرٹو ویلیسا کو غصہ آگیا۔ "میں نے بڑے صبر اور تحمل کے ساتھ ایس ٹی ایف میں اپنی جڑیں بنائی ہیں۔ کوئی بھی اُس کے ہذیان پر دھیان نہیں دے گا۔"

"لیکن تمہارے دونوں ہاتھوں کی جلد پر پلاسٹک سرجری کے نشانات دریافت ہونے کے بعد صورتِ حال یکسر بدل جائے گی۔ تم طاعون زدہ چوہے کی طرح نالیوں میں گھستے پھرو گے اور تمہیں کہیں امان نہیں مل سکے گی۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

اس بار البرٹو ویلیسا نہ صرف چونکا بلکہ اس کے چہرے کا رنگ بھی اُڑ گیا۔ وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "تم لوگ واقعی بہت دور تک جا چکے ہو۔ جو تباہی آنی ہے وہ ہر حالت میں آکر رہے گی لیکن میں تم دونوں کو زندہ چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

وہ میز پر پڑی ہوئی کلاشنکوف اٹھانے کے لیے جھکا۔ کلاشنکوف میں میگزین چڑھا ہوا تھا۔ اس کی انگلی کی ایک ہی جنبش ہمیں خون میں نہلا سکتی تھی۔ ہمارے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔

جس وقت البرٹو ویلیسا پورے انہماک کے ساتھ ویرا سے گفتگو کرنے میں مصروف تھا تو میں نے جال کی ڈھیل کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، اپنے جسم کو ہلا جُلا کر قدرے بہتر پوزیشن بنالی تھی۔ میں نے البرٹو ویلیسا کی چند ثانیوں کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے بیم گن نکال لی۔

میں نے بیم گن بلند کی ہی تھی کہ البرٹو ویلیسا نے اس کی جھلک دیکھ لی اور ایک تیز، غصیلی چیخ کے ساتھ میز کے پیچھے گر گیا۔ میں نے اسی لمحے بیم گن چلا کر پیڈسٹل لیمپ کا خاتمہ کردیا اور کمرے میں گھور اندھیرا پھیل گیا۔ اسی کے ساتھ ویرا نے کھلے ہوئے دروازے کی طرف فائر جھونک مارا۔ شاید وہ بھی موقعے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اپنا پستول نکال چکی تھی۔

پھر دو واقعات بیک وقت ہوئے۔ البرٹو ویلیسا نے اندھیرے کمرے میں پوزیشن بنا کر ہمارے اوپر کلاشنکوف کا برسٹ مارا، باہر والوں نے جال کو شدید جھٹکا دیا اور ہم دونوں چیختے ہوئے فرش پر ڈھیر ہوگئے۔ جال کو تیزی کے ساتھ کھینچا جارہا تھا۔

کمرے میں سخت افراتفری پھیل گئی البرٹو کو گمان ہوا کہ شاید ہم اس کے برسٹ سے زخمی ہو کر چیخے اور گرے تھے ویرا نے نہ جانے کس طرح اُسے اٹھتے ہوئے دیکھ لیا۔ ایک فائر ہوا اور وہ کمرا البرٹو کی بے ساختہ چیخ سے لرز اٹھا۔ اس کے ساتھ کمرے میں متعدد وزنی چیزیں گرنے کی آوازیں بلند ہوئیں۔

میں نے گھسٹتے ہوئے جال کے اگلے حصے کو کاٹنے کے لیے، بیم گن کا اندھا دھند استعمال شروع کردیا۔ حیرتناک سرعت کے ساتھ ہمارے جسموں پر پھندوں کا کھنچاؤ کمزور پڑنے لگا۔

"دیکھو! یہ حرامی نکلنے نہ پائیں، میرا داہنا بازو زخمی ہو گیا ہے۔" کمرے میں البرٹو ویلیسا حلق کے بل چیخا اور باہر اس کے کسی آدمی نے بوکھلا کر بے مقصد فائرنگ شروع کردی۔

صرف چند ثانیوں میں وہ تمام واقعات اس تیزی کے ساتھ رونما ہوئے کہ ان میں تقدیم اور تاخیر کا امتیاز کرنا ناممکن تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے سب کچھ ایک ساتھ ہو رہا ہو۔

تاریک کمرے میں البرٹو ویلیسا زخمی حالت میں فرنیچر کی آڑ میں چھپا ہوا تھا۔ باہر اس کے مسلح ساتھی موجود تھے۔ ہمیں کٹتے بلکہ جلتے ہوئے جال میں گھسیٹا جا رہا تھا۔ اس سے قبل کہ ہم دونوں پختہ فرش پر گھسٹتے ہوئے، دروازے سے باہر نکل جاتے، بیم گن کی دھار نے ہمارے آگے [illegible] ہوئے نائیلون کے جال کو اس حد تک کاٹ دیا کہ ہم مزاحمت کرنے کے قابل ہوگئے۔ ایک طرف میں نے چوکھٹ میں [illegible] اڑا دیے۔ دوسری طرف ویرا نے دیوار کا سہارا لے کر رکاوٹ پیدا کردی اور اسی کے ساتھ میں نے جال کے [illegible] سے پھندے کاٹ کر، اسے دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ جال [illegible] بیشتر حصہ تیزی کے ساتھ آگے سرکتا چلا گیا جب کہ اس کا [illegible] حصہ ہمارے جسموں سے الجھا رہ گیا۔

ہم دونوں نے بہت پھرتی کے ساتھ خود کو کٹے ہوئے جال سے آزاد کرایا اور میں نے بیم گن بائیں ہاتھ میں منتقل کر کے، اپنی جیب سے پستول بھی نکال لیا۔

وہ فیصلے کی بہت نازک گھڑی تھی۔ البرٹو ویلیسا کے پاس کلاشنکوف موجود تھی لیکن اس نے اپنا داہنا بازو زخمی ہونے کا اعلان کر کے، بالواسطہ طور پر یہ اعتراف کرلیا تھا کہ [illegible] فائرنگ کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ہم اس کی طرف پیش قدمی کر کے اسے بہ آسانی جہنم واصل کرسکتے تھے لیکن خطرہ

کہیں اسی اثنا میں البرٹو کے ساتھی دروازے پر قابض ہمارے فرار کا واحد راستہ بھی مسدود نہ کردیں اور ہم اصل حریف کو ختم کرنے کے بعد خود بھی بے موت جائیں۔

باہر البرٹوو یلیسا کے کتنے مسلح ساتھی موجود تھے؟ اس میں ہمیں کچھ علم نہیں تھا۔ ان میں کم از کم ایک شخص نان فائرنگ کیے جارہا تھا اور فضا میں تیزی کے ساتھ ہوئے بارود کی تیز بُو بھرتی جارہی تھی۔ میں نے فوراً ہی کیا کہ ان مخدوش حالات میں البرٹوو یلیسا کی ہلاکت زیادہ اہمیت ہماری سلامتی کی تھی۔ ہم اس کے ناپاک سے واقف ہوچکے تھے اور وہ خود بھی اسپیشل ٹاسک میں واپسی کے امکانات سے مایوس ہوچکا تھا۔ دونوں زندہ رہتے تو بعد میں بھی ایک دوسرے سے نمٹ سکتے

ہم دونوں نے اسی کمرے کے دروازے کے دونوں دیوار کی اوٹ میں پوزیشن لے لی۔

"فائر کرتے ہوئے باہر نکلنے کی کوشش کرو!" میں نے سرگوشیانہ آواز میں ویرا سے کہا پھر ہم دونوں نے کھلے ہوئے دروازے سے ہاتھ باہر نکال کر فائر کردیے۔

باہر سے کھٹ پٹ کی پُرشور آوازیں آئیں لیکن ہماری چلائی ہوئی گولیاں بار آور ثابت نہیں ہوسکیں۔ گھور اندھیرے میں کسی کا نشانہ لینا آسان نہیں رہا تھا۔

جال کٹنے کے بعد باہر والوں کو ہماری آزادی کا احساس ہوچکا تھا اس لیے وہ روشنی کے استعمال سے گریز کررہے تھے۔ شاید عقبی کمرے میں جلتا ہوا پٹرومکس لیمپ بھی بجھا دیا گیا تھا کیونکہ عمارت میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں نے دیوار کی اوٹ سے اپنا سر آگے نکال کر، بیرونی حصے کا جائزہ لینا چاہا لیکن اسی لمحے کوئی بھاری وجود پوری قوت کے ساتھ میری ٹانگوں سے آٹکرایا۔

وہ جھونک اس قدر شدید تھی کہ میں دیوار کا کنارا نہ تھام لیتا تو بری طرح پختہ فرش پر ڈھیر ہوجاتا۔ اپنے حملے میں ابتدائی ناکامی پر وہ تربیت یافتہ بندر ذرا بھی بددل نہیں ہوا بلکہ کسی جونک کی طرح میری پنڈلیوں سے لپٹ کر میرے پاؤں اکھاڑنے کی سرتوڑ کوششیں کرنے لگا۔

اس ناگہانی آفت پر میں چند لمحوں کے لیے بوکھلا کر رہ گیا پھر میں نے محض اندازے سے پستول کی نال نیچے جھکا کر فائر کر دیا۔ بندر نے ایک کریہہ چیخ مار کر میری پنڈلیاں آزاد کر دیں اور فرش پر تڑپنے لگا۔

میں نے پلٹ کر جھلاہٹ کے عالم میں ایک فائر اس میز کی طرف بھی جھونک مارا جس کے پیچھے البرٹو ۔یلیسا نے پناہ لی ہوئی تھی اور فضا میں اس کی ایک ہلکی سی چیخ گونج کر رہ گئی۔ اس کی آواز سے صاف ظاہر تھا کہ میری چلائی ہوئی گولی نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا' بس وہ اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو رکھنے میں ناکام رہا تھا۔

باہر والا مختصر وقفوں کے ساتھ فائرنگ کر کے اپنا میگزین برباد کیے جا رہا تھا لیکن میں نے یہ بات نوٹ کی تھی کہ ہماری طرف سے کئی راست فائر ہونے کے باوجود اس نے دروازے کی طرف گولی نہیں چلائی تھی۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ البرٹو ۔یلیسا ہمارے ساتھ پھنسا ہوا تھا اور وہ ذہنی طور پر اس امکان سے خوف زدہ معلوم ہو رہے تھے کہ کہیں ان کی چلائی ہوئی گولی' ان ہی کے سربراہ کا مقدر نہ بن جائے۔

میں نے ہاتھ سے ویرا کو اشارہ کیا اور پھرتی کے ساتھ سینے کے بَل فرش پر لیٹ گیا۔ اس وقت تک کمرے میں تڑپتا ہوا بندر دم توڑ چکا تھا مگر میرے ذہن پر یہ خوف ضرور سوار تھا کہ وہاں کوئی دوسرا بندر موجود ہوا تو وہ براہِ راست میری کھوپڑی پر ہی چڑھتا چلا آئے گا۔

ہم دونوں گھٹنوں اور کہنیوں کے بَل' فرش پر گھسٹتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھے اور اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نکاسی کے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

"خبردار جو کوئی حرکت کی۔" اندھیرے میں سے کوئی چلایا۔ "تم لوگ ہماری زد میں ہو۔"

میرے بدن میں خوف اور دہشت کی ایک لہر سرایت کر گئی۔ پھر تاریکی میں ایک انسانی ہیولا' پنجوں کے بل دوڑتا ہوا' کمرے کی طرف لپکا اور دیوار کے ساتھ چپک کر اندھیرے میں مدغم ہو گیا۔

وہ ایک بہترین موقع تھا۔ میں نہایت آسانی کے ساتھ اس کے سینے میں پگھلا ہوا سیسہ اتار سکتا تھا لیکن میں نے اسے' اس کے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

فائر کر کے میں اسے تو مار لیتا لیکن اس عمل کے نتیجے میں اس کے ساتھی یا ساتھیوں کو ہماری پوزیشن کا اندازہ ہو جاتا۔ وہ ایک بار یہ سمجھ لیتے کہ ان کا باس ہمارے ساتھ نہیں تھا تو وہ ہم پر جہنم کا دہانہ کھول سکتے تھے جب کہ ہم دونوں کے پستولوں میں گنی چنی گولیاں باقی رہ گئی تھیں جو کہ اندھا دھند مقابلے میں ہمارا مؤثر دفاع کرنے کے لیے ناکا ثابت ہوتیں اور ہم پکڑ لیے یا مار لیے جاتے۔

بنیادی مسئلہ وہی ایک تھا کہ ہم اس وقت ناکافی تیار کے ساتھ' دشمن کے تیار کیے ہوئے چوہے دان میں پھ ہوئے تھے اور دشمن کے خاتمے سے کہیں زیادہ اہمیت ہما آزادی کی تھی۔

وہاں اندر اور باہر' یکساں اندھیرا پھیلا ہوا تھا لیکن نکاسی کے کھلے ہوئے دروازے سے آسمان نظر آنے لگا تھا میں اسی طرح رینگتا ہوا سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ ویرا کھلی فض سامنے دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ اس نے اپنے قدموں اٹھ کر باہر بھاگنا چاہا لیکن بدقسمتی سے دیکھ لی گئی۔

پُرشور دھماکے سے ایک فائر ہوا اور گولی میرے اوپر گزر گئی۔ ویرا خوش قسمتی سے صاف بچ گئی تھی۔

ویرا میں جنگ و جدل کی چالوں کو سمجھنے کا کچھ زی میلان تھا۔ وہ کود کر باہر نکل گئی لیکن اس نے اندازہ لگالیا کہ فائر کرنے والا اس کے تعاقب میں ضرور آئے گا۔ ا نے باہر قدم جماتے ہی' دیوار کی آڑ لے کر' اندر ایک فائر دیا۔ کسی کے اچھل کر گرنے کی آواز آئی اور میں بحفاظت باہر پہنچ گیا۔

اب وہاں رکنا ہمارے لیے خطرناک ہو سکتا تھا۔ دونوں نے پوری قوت سے درختوں کے جھنڈ کی طرف دو دی اور اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو پھاند ہوئے' سیدھے نکلتے چلے گئے۔ البرٹو ۔یلیسا کا کوئی آ بروقت ہمارے پیچھے آنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔

ہم درختوں میں رکنے یا چھپنے کے بجائے' ان کے میدان میں نکلتے چلے گئے۔ اس وقت ان لوگوں سے جلد جلد اور زیادہ سے زیادہ دور نکل جانے میں ہی ہماری عاف تھی۔

البرٹو ۔یلیسا کے آدمی کی جلائی ہوئی سرچ لائٹ روشنی میں' میں نے زمین پر گاڑیوں کے ٹائروں کے نشانات ضرور دیکھے تھے لیکن یہ بات حیران کن تھی کہ اس عمارت کے قرب و جوار میں کوئی گاڑی نظر نہیں تھی۔ وہ لوگ آبادی بلکہ پختہ سڑک سے بھی بہت دور ایک اجاڑ ویرانے میں رہ رہے تھے۔ یہ بات خاصی ناقابلِ فہم کہ وہ اپنی روزمرّہ ضروریات کا سامان کس طرح لاتے ہو گے؟ اس سوال کے دو ہی جوابات ہو سکتے تھے۔ یا تو ان لیے شہر سے کوئی اور رسد پہنچاتا تھا یا پھر انہوں نے رازدار

ہیں نظر، اپنی گاڑی کسی بند گیراج میں چھپائی ہوئی تھی۔
میرے لیے وہ مسئلہ بہت اہم تھا۔ اگر ہم پیدل ہی فرار
کی کوشش میں لگے رہتے اور وہ لوگ گاڑی لے کر
تلاش میں نکل کھڑے ہوتے تو ہماری تمام کوششوں پر
پھر کر رہ جاتا کیونکہ اس مقام سے سڑک تک کا فاصلہ کافی
تھا اور قرائن بتا رہے تھے کہ ہم صبح کا اجالا پھیلنے سے
سڑک تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ راستہ
کی صورت میں ہماری دشواریاں ناقابلِ تصور حد تک
بکتی تھیں۔ پستولوں میں باقی رہ جانے والی چند گولیاں ان
سے کسی دوسرے تصادم کے لیے ناکافی تھیں۔

میں نے ویرا کو اپنی تشویش سے آگاہ کیا تو وہ مجھ سے
اتفاق کرتے ہوئے بولی "وہ لوگ گاڑی پر ہی نکلیں گے۔ البرٹو
بہت پر ہمیں دوبارہ پکڑنے کی کوشش کرے گا۔ اس
بنگلے میں گاڑی ہو یا نہ ہو، وہ لوگ ایس ٹی ایف کی
جیپ استعمال کریں گے۔"

البرٹو، اسپیشل ٹاسک فورس کی ہارڈ ٹاپ جیپ میں ہمیں
یہاں لایا تھا۔ جیپ اسی مقام پر موجود تھی جہاں ہمارے
تصادم کا آغاز ہوا تھا لیکن اس کی چابی البرٹو ویلیسا کی تحویل
میں تھی۔

ہم دونوں نے اپنی یادداشت کے سہارے، اپنا رخ اسی
خشک برساتی نالے کی طرف کرلیا، جس کے ذریعے ہم جیپ
تک رسائی حاصل کرسکتے تھے۔

اندھیرے میں کسی بڑی کامیابی کی امید تو نہیں تھی لیکن
پھر بھی جیپ کے تاروں کو جوڑ کر اسے اسٹارٹ کرنے کی
کوشش کی جاسکتی تھی۔ ایک بار انجن چل پڑتا تو اسٹیئرنگ
لاک کو جھٹکوں کی مدد سے توڑا جاسکتا تھا۔ اگر ہم کو کوئی
کامیابی نہ ہوتی اور البرٹو ویلیسا کے آدمیوں کی آمد کا خطرہ
سر پر آتا تو ہم جیپ کے انجن کو ناکارہ کرکے ان لوگوں کو بھی
پیدل گھسٹنے پر مجبور کرسکتے تھے۔ برابری سے ہونے والی اس
دوڑ میں وہ قیامت تک بھی ہمیں نہیں پکڑ سکتے تھے۔

جیپ کی طرف واپس جانے میں دوسرا بڑا فائدہ یہ تھا کہ
ہم راستہ بھٹکنے کے خطرے سے محفوظ رہ سکتے تھے اور ٹائروں
کے نشانات کے سہارے، دو ٹیلوں والے درّے سے گزر کر
سڑک تک پہنچ سکتے تھے۔

یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہم نے واپسی کے لیے صحیح
سمت کا انتخاب کیا تھا کیونکہ تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں برساتی
نالہ نظر آگیا۔ اس بار ہم اس میں اترنے کے بجائے کنارے
کنارے دوڑتے رہے۔

آخر کار ہم ہانپتے کانپتے جیپ تک پہنچ ہی گئے۔ اس کی
اگنیشن کی ضرور غائب تھی لیکن دروازے غیر مقفل تھے۔
میں نے بانٹ اٹھا کر دیکھ بھال شروع کردی۔ ویرا اسٹیئرنگ
کالم کے نیچے، سوئچ سے منسلک تاروں کا جائزہ لینے میں
مصروف ہوگئی۔ اندھیرے کی وجہ سے ویرا کو خاصی دقت ہو
رہی تھی۔ اچانک ہی مجھے اپنا سگریٹ لائٹر یاد آیا اور ویرا کو
اپنا کام کرنے کے لیے روشنی میسر آگئی۔

جیپ کی کیبن لائٹ کا رابطہ بھی غالباً اگنیشن سوئچ سے
ہی تھا کہ وہ روشن نہیں ہوسکی۔ پھر جب ویرا نے کئی منٹ
کے بعد دو تار جوڑے تو ڈیش بورڈ پر اگنیشن کی روشنیاں جل
اٹھیں۔ اسی کے ساتھ کیبن لائٹ بھی آن ہوگئی۔ ویرا اپنی
اس کارکردگی پر خوشی سے اچھل پڑی۔

میری دوسری کوشش میں اسٹیئرنگ کا قفل ٹوٹ گیا۔
سیلف اور بیٹری کے تار کو اسکرو ڈرائیور کی مدد سے
عارضی طور پر شارٹ کرکے انجن اسٹارٹ کرنا کوئی بڑا مسئلہ
نہیں تھا۔ کسی وجہ سے اس میں دشواری ہوتی تو تھوڑی سی
محنت کے بعد، کچی زمین پر، جیپ کو دھکا دے کر اسٹارٹ کیا
جاسکتا تھا۔

جیپ کا انجن بیدار ہونے کے ساتھ ہی فضا میں رائفل
کا ایک پُرہول فائر گونج اٹھا۔ شاید البرٹو ویلیسا کے ساتھی
ہمارے سروں پر آپہنچے تھے۔ میں نے پھرتی کے ساتھ
ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ ویرا میرے برابر میں بیٹھ گئی اور میں
نے جیپ کو تیزی سے واپس گھمالیا۔

دوسرا فائر ہوا تو شعلے کی وجہ سے ہمیں آنے والوں کی
سمت کا بھی اندازہ ہوگیا۔ اس طرف سے، سرمئی آسمان کے
پس منظر میں تین تاریک ہیولے بہت تیزی سے آگے بڑھے
چلے آرہے تھے۔

"کیوں نہ انہیں روند ڈالنے کی ایک کوشش کر ہی لی
جائے؟" میں نے تلخی کے ساتھ کہا "جیپ ہاتھ لگنے کے بعد
ہمیں ان پر برتری حاصل ہوچکی ہے۔"

"سیدھے نکل چلو!" ویرا سخت لہجے میں بولی "ان کے
پاس رائفل بھی ہے۔ کوئی گولی ریڈی ایٹر یا انجن کے کسی
حساس حصے پر پڑ گئی تو ہم پھر یتیم ہو کر رہ جائیں گے۔ میں
بھاگ بھاگ کر نڈھال ہوچکی ہوں۔ مجھ سے ایک منٹ بھی
نہیں دوڑا جائے گا۔"

"چلو!" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "سواری مل جانے
کے بعد تمہاری نزاکتیں بھی سر ابھار رہی ہیں۔"

آنے والے مایوسی اور جھلاہٹ کے عالم میں اپنا اسلحہ

برباد کیے جا رہے تھے لیکن ہمیں اُن سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس عمارت میں البرٹو ویلیسا کے علاوہ بس وہی تین نفوس موجود تھے جو اپنی ناکامی کے بعد ہتھیار اٹھا کر ادھر دوڑے چلے آئے تھے۔

ان لوگوں کے تربیت یافتہ بندروں کا معاملہ غیر یقینی تھا۔ ان میں سے ایک میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ دوسرے سے دو ٹیلوں والی گزرگاہ پر ملاقات ہونے کا امکان تھا۔

"بندر کتنا بھی تربیت یافتہ ہو، حیوان ہی ہوتا ہے۔" ویرا نے پُرتشویش انداز میں کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ اس مقام کی نگرانی کے لیے بندر کے ساتھ کوئی نہ کوئی آدمی بھی موجود ہوگا۔"

"آدمی ہوتا تو ضرور نیچے آتا۔ ابھی چند منٹ میں پوری صورتِ حال واضح ہو جائے گی۔"

"صورتِ حال واضح ہونے کے بعد ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ وہاں جو کوئی بھی ہے، بلند ٹیلے پر بیٹھا ہوا ہے۔ ان لوگوں کی تعداد ضرور کم ہے لیکن یہ بہت منظم ہیں۔ اس راستے کی نگرانی کرنے والے کے پاس رائفل سے کم، کوئی ہتھیار نہیں ہوگا۔ وہ اوپر ہی سے ہمیں نشانے پر لے لے گا۔"

"البرٹو ویلیسا والے ہیڈ لیمپس کے سگنل کو آزمائیں گے۔" میں نے لمحہ بھر کے سکوت کے بعد کہا "اس کے بعد جو ہوگا، وہ دیکھ لیا جائے گا۔ دشمنوں کے نرغے میں ہمیں ہر بات اپنی سہولت کے مطابق نہیں مل سکتی۔ ہمیں مرنے یا مارنے کے جذبے کے ساتھ اس آخری رکاوٹ کو عبور کرنا ہوگا۔"

"ہم راستہ کاٹ کر ان ٹیلوں سے بچ بھی سکتے ہیں۔ ہم راستہ بھٹک بھی گئے تو تھوڑی دیر میں تلاش کرلیں گے۔ جیپ ہاتھ آجانے کے بعد ہم بہت بہتر پوزیشن میں آگئے ہیں۔"

ویرا کی وہ تجویز معقول اور قابلِ عمل تھی۔ تاریکی کا اتھاہ سحر غیر محسوس طریقے پر ٹوٹنا شروع ہو گیا تھا۔ اندھیرے میں اتنی کمی ضرور آگئی تھی کہ روشنی کے بغیر بھی کچھ فاصلے تک بینائی کام کرنے لگی تھی۔

ہم البرٹو ویلیسا کے پاگل کتّوں کو بہت دور چھوڑ آئے تھے لیکن میرا ذہن بار بار ان ہی لوگوں کی طرف بھٹک رہا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس کی بات اور تھی۔ اس محبِ وطن فورس کا پورا ماتحت عملہ اپنے افسروں کے احکام پر عمل کرنے کا پابند تھا۔ وہ لوگ پیشہ ورانہ طور پر تصویر کے اسی رخ پر دھیان دیتے تھے جو ان کا افسر اجاگر کرتا تھا۔ البرٹو ویلیسا

وہاں ظفر کے روپ میں براجمان تھا۔ اس نے اسلام آبا[د] راولپنڈی میں، ایس ٹی ایف کے عملے کو اس قدر بے[...] سے ہمارے خلاف استعمال کیا کہ ان میں سے متعدد [...] ہمارے ہاتھوں بری طرح زخمی ہوئے اور کم از کم ایک [...] ویرا کے ہاتھوں مارا بھی گیا لیکن اس پورے عمل میں [...] لوگوں کی بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ وہ پورے خلوص [...] ساتھ یہ سمجھتے رہے کہ وہ اپنے افسرِ مجاز کی ہدایت پر [...] دشمن عناصر کی سرکوبی کا مقدس فریضہ سرانجام دے [رہے] ہیں۔ اس لیے ان میں سے کسی پر کسی بھی قسم کی الزام [...] نہیں کی جا سکتی تھی لیکن البرٹو ویلیسا کے خفیہ کیمپ [...] مقامیوں کی موجودگی حیران کن تھی۔ البرٹو نے اپنے آ[...] کی موجودگی کی پروا کیے بغیر، پاکستان کے عظیم ترین [...] مفادات کے خلاف زہر اگلا تھا جس کا مقصد تھا کہ اس [...] مذموم مقاصد اپنے آدمیوں سے پوشیدہ نہیں تھے۔ و[ہ] بے ضمیر اور مفاد پرست لوگ تھے جو محض چند ٹکوں کی [...] اس کے دست و بازو بنے ہوئے تھے؟

لیکن پھر مجھے ملا سرکار کے سیکڑوں اندھے پیرو[کار یاد] آئے جو اس کی باغیانہ تعلیمات کے پرستار تھے۔ غلام [...] جیسا معزز اور نیک نام سیاستداں یاد آیا جو اپنے مفادا[ت کے] حصول کے لیے ملک دشمن قوتوں کا آلۂ کار بنا ہوا تھا [...] ساکھ کے سہارے، ان کے مقاصد کی آبیاری کر رہا تھا [...] بارسوخ سردار یاد آیا جس کا بیٹا ہیروئن کی اسمگلنگ میں [...] تھا اور مافیا کا مقامی چیف بیٹے کے جرم کی پاداش میں [...] سردار کو اپنے مقصد کے لیے خریدنا چاہتا تھا۔ وہ سیٹھ [...] جیوانی کی اپنی خواہش نہیں تھی بلکہ مدر مافیا کے بڑوں [نے] اسے وہ مذموم کام سونپا تھا اور پھر حبیب جیوانی بھی خو[د کس] سے کم تھا؟

خرابی یہ تھی کہ ہر معاشرے میں دولت کے حص[ول کی] دوڑ زور پکڑ چکی تھی۔ شرافت اور پارسائی کسی کے [...] عزت اور افتخار کا باعث نہیں رہی تھی۔ دولت کی فرا[وانی کو] شناخت بنا لیا گیا تھا۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ دولت کیسے او[ر کہاں] سے آئی۔ اسی لیے بعض لوگ ملک، قوم اور اپنے ضمیر [...] بھی دولت بنانے پر تلے ہوئے تھے اور اس مرض سے [...] زمین کا کوئی حصہ محفوظ نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ [...] البرٹو ویلیسا کو اپنے کارندوں اور جاں نثاروں کے انتخا[ب کی] کھلی سہولت میسر تھی۔

"کہاں کھو گئے؟ وہ ٹیلے نظر آنے لگے ہیں۔" وی[را نے] میرے بازو پر ہاتھ مارتے ہوئے، سامنے اشارہ کیا او[ر ...]

اپنے خیالات کے گرداب سے باہر آگیا۔
بائیں طرف کا راستہ نسبتاً بہتر تھا۔ میں نے جیپ اسی طرف موڑلی۔
دور تک پڑتی ہوئی، ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں معاً مجھے خیال آیا کہ ہماری وہ احتیاط کچھ زیادہ مؤثر نہیں تھی۔ ان ٹیلوں پر اگر کوئی بھی موجود تھا تو اس نے روشنیوں کی وجہ سے ہمیں دیکھ لیا ہوگا۔ ہمارے راستہ بدلنے کی وجہ سے اسے یقین ہوگیا ہوگا کہ ہم اس کے دوستوں میں سے نہیں تھے۔ اگر ہم پوری رفتار سے سیدھے ہی چلتے رہتے تو اسے ہمارے بارے میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کے لیے زیادہ وقت نہیں مل سکتا تھا۔
ایک ڈیڑھ کلو میٹر دور نکل آنے کے بعد میں نے جیپ کو داہنی طرف گھما لیا کیونکہ اتنے فاصلے پر ہم رائفل کی رینج سے باہر تھے۔
انجن سے چاروں پہیّوں کے منسلک ہونے کی وجہ سے جیپ کی رفتار کم تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک حیرتناک منظر ہمارے سامنے تھا۔ جیپ کے راستے میں وہی قد آور بندر حائل تھا جسے ہم آتے ہوئے دیکھ چکے تھے۔ اس کے داہنے ہاتھ میں پستول سے لمبی نال والا ایک عجیب سا ہتھیار موجود تھے۔ وہ پستول لہرا کر ہمیں رکنے کا اشارہ کررہا تھا۔ میں نے ہیڈ لیمپس کی بیم پوری طرح روشن کردی۔ میرا اندازہ تھا کہ آنکھیں چُندھیانے کی وجہ سے بندر ہمارا راستہ چھوڑدے گا لیکن وہ چند قدم سرکنے کے باوجود میدان میں ڈٹا رہا۔
جیپ کی رفتار میں کوئی کمی نہ ہوتے دیکھ کر، بندر نے اپنے ہتھیار سے فائر کردیا اور گولی جیپ سے خاصے فاصلے سے گزر گئی۔
اس وقت وہی ایک بندر ہمارا حریف تھا اس لیے میری نگاہیں اس کی ہر حرکت کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کے پہلے فائر سے ہی یہ ظاہر ہوگیا کہ اسے گولی چلانے کی تربیت ضرور دی گئی تھی لیکن اپنی جبلی بے چینی کی وجہ سے درست نشانہ لینا، اس کے بس سے باہر تھا۔ ویسے بھی اس بندر کی وضع ایسی خوف آور تھی کہ اسے ہتھیار بدست دیکھ کر ہر معقول آدمی سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑا ہوتا اور شاید اس بندر کے تعین کا مقصد بھی ادھر بھٹک آنے والے لوگوں کو خوف زدہ کرکے بھگانا ہی تھا۔
میں نے جیپ کا رخ براہِ راست بندر کی طرف موڑدیا۔ اس بے زبان لیکن خطرناک حیوان کو پہلی بار ہمارے سفاکانہ عزائم کا احساس ہوا اور اس نے پے درپے دو گولیاں چلادیں۔ ان میں سے پہلی بہت دور سے گزری اور دوسری آسمان کی طرف تیرتی چلی گئی۔ بندر نے پلٹ کر اچانک ہی اپنے مسکن کی طرف دوڑ لگادی۔
بندر کی بدقسمتی تھی کہ وہ علاقہ قدرے ہموار تھا۔ وہاں کوئی بھی ایسا گڑھا یا کٹاؤ موجود نہیں تھا جو جیپ کی رفتار پر اثرانداز ہوتا۔ بندر نے اِدھر اُدھر بھاگ کر جان بچانے کی سرتوڑ کوششیں کیں لیکن میں نے نہایت بے رحمی کے ساتھ اسے آہنی بمپر کی شدید ضرب سے دور اچھال دیا۔ بندر بری طرح بلبلاتا ہوا، زمین پر گرا تو اس کے دوبارہ سنبھلنے سے پہلے ہی میں نے اسے جیپ کے نیچے روند ڈالا۔ بندر کی آخری چیخیں بہت لرزہ خیز تھیں جنہیں جیپ کے غرّاتے ہوئے انجن کا شور بھی نہیں دبا سکا تھا۔
"یہ آج کا سب سے افسوسناک حادثہ تھا۔" ویرا مغموم لہجے میں بولی۔
"حادثہ اتفاقاً ہوتا ہے۔ یہ سوچا سمجھا واقعہ تھا۔ اس کا خون البرٹو۔ لیسا کے سر ہوگا۔ وہ اپنے بھیانک عزائم کی تکمیل کے لیے ان بے زبانوں کو بھی بے رحمی کے ساتھ رگید رہا ہے۔ میرے پاس اس بندر کو زندہ چھوڑنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔"
"ہاں!" وہ اچانک ہی ہنس پڑی۔ "اس کی موت سے دوسرے بندروں کو عبرت حاصل ہوگی اور وہ البرٹو۔ لیسا کا ساتھ دینے سے صاف انکار کردیں گے۔ اسے زندہ چھوڑنے سے دوسرے بدمعاش بندروں کی غیر ضروری حوصلہ افزائی ہوسکتی تھی۔"
میں جیپ کے کیبن میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں، اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور کر رہ گیا۔
ہم لوگ اسلام آباد کی حدود میں داخل ہوئے تو ہمارے عقب میں صبح کا اجالا پھیل چلا تھا اور سڑکوں پر دودھ اور اخبار والوں کی گاڑیوں وغیرہ کی آمدورفت شروع ہوچکی تھی۔
ہوٹل میں ہمارے ایک دو جوڑوں یا باقی ماندہ اسکاچ کے علاوہ ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس کے لیے ہم طویل سفر طے کرکے پنڈی جاتے۔ اسی ہوٹل میں مقیم رہنے کی صورت میں البرٹو۔ لیسا کی طرف سے کسی خطرناک انتقامی کارروائی کا خطرہ تھا اس لیے میں نے ٹھکانا بدلنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔
آب پارہ کے علاقے میں، ایک ہوٹل کے سائن بورڈ پر نظر پڑنے کے بعد، میں نے جیپ ایک دور افتادہ اور ویران پارک کے کنارے کھڑی کی اور ہم دونوں پارک میں سے ٹہلتے ہوئے ہوٹل کی طرف آگئے جہاں نہایت آسانی کے

ساتھ الگ الگ بستروں والا ڈبل بیڈ روم مل گیا۔
اس وقت مجھے بہت شدت کے ساتھ اول خان کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ موجود ہوتا تو اس کی نفری کے ساتھ ہم دوبارہ البرٹو یلیسا کے ٹھکانے پر یلغار کرکے خاصی کامیابی حاصل کرسکتے تھے۔

ویرا کمرے میں پہنچتے ہی غسل خانے میں جا گھسی اور میں سگریٹ سلگا کر فون پر اسٹیشن فور کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔ سلسلہ ملنے پر معلوم ہوا کہ اول خان دفتر نہیں پہنچا تھا۔ مجھے اول خان کے گھر کا نمبر زبانی یاد تھا۔ وہاں پہلی ہی کوشش میں اول خان سے بات ہوگئی۔

خیر خیریت کے رسمی تبادلے کے بعد اول خان نے اپنی کتھا شروع کردی۔ ٹریڈ لائن والے قصے نے اس کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ حبیب جیوانی کے کمرے میں موجود' ایک تجوری سے کئی اہم اور معتبر سرکاری اہل کاروں کے پسینہ پسینہ کردینے والے' شرمناک ویڈیو کیسٹ دستیاب ہوئے تھے جو شاید کی کلب کے دنوں میں مخصوص مقاصد کے لیے تیار کیے گئے تھے۔ ان کی وجہ سے سرکاری حلقوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ فائلوں کی حد تک معاملات قابو میں تھے لیکن ویڈیو فلمیں برآمد ہونے کے بعد فوجی حکام ان بدکردار اہل کاروں کی فوری گرفتاری پر تلے ہوئے تھے جب کہ حکومت کی سیاسی مصلحتیں ان کارروائیوں میں رکاوٹ بن رہی تھیں۔ ان معاملات پر فیصلہ ہونے تک' تمام ملزموں کی نگرانی کا کام ایس ٹی ایف کو سونپ دیا گیا تھا تاکہ ان میں سے کوئی بھی' اپنے ہمدردوں اور خیرخواہوں کی مدد سے' ملک سے باہر فرار ہونے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد اسے یاد آیا کہ میں بھی کسی اہم مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔

"بات بگڑ چکی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "البرٹو یلیسا نے پچھلی رات ہمیں اپنے خفیہ کیمپ میں گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ ہم بہت مشکل سے اپنی جانیں بچا کر ابھی ابھی واپس لوٹے ہیں اور ایک نئے ہوٹل میں مقیم ہیں۔"

"لیکن حالات اتنی تیزی کے ساتھ قابو سے باہر کیوں ہوگئے؟" اس انکشاف پر وہ حیران تھا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اسے تمام حالات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "سرد جنگ نے اس کے اعصاب کو بکھیر کر رکھ دیا تھا اور وہ ہر قیمت پر کچھ کر گزرنے پر تل گیا تھا۔ میں فوری طور پر کچھ نفری ساتھ لے کر' اس کے خفیہ کیمپ پر جوابی کارروائی کرنی چاہتا ہوں۔ تم اس سلسلے میں کیا کرسکتے ہو؟"

"شاید کچھ بھی نہیں۔" اس کا جواب مایوسانہ تھا۔ "ظفر کا نام آتے ہی رکاوٹ پیدا ہوجائے گی۔"

"ظفر کا نام ہی نہ لو۔ کچھ ملک دشمن عناصر کی سرگرمیوں کے حوالے سے تم بات کرسکتے ہو۔"

"بعد میں ظفر کا نام سامنے آئے گا تو سارا بھرم جاتا رہے گا۔ اس کے فنگر پرنٹس کے معاملے میں' میں پہلے ہی اپنے کمانڈر سے مراسم میں سردمہری محسوس کررہا ہوں لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہ خود کو البرٹو یلیسا تسلیم کرتا ہے یا اب بھی ظفر ہونے کے دعوے پر اڑا ہوا ہے؟"

"میں نے اسے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ ساری کہانی تمہارے علم میں بھی ہے۔ وہ اب ایس ٹی ایف کے دفاتر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔ اس کی اصلیت ثابت کرنے کے لیے اس کی غیرحاضری بلکہ فرار ہی سب سے بڑا ثبوت ثابت ہوگا۔ وہ ہمارے سامنے اپنی اصلیت کا اعتراف کرچکا ہے۔"

"اس کی روپوشی خطرناک ثابت ہوگی۔ اسے زندہ ہاتھ آنا چاہیے تھا تاکہ اس کے ہاتھوں کی جلد کے طبی معائنے کے بعد اس کی دہری شخصیت کا پردہ چاک کیا جاسکتا۔"

"اپنی بات ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس اب بہت کچھ مواد موجود ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا "اس کے خفیہ کیمپ پر چھاپا مار کر بہت کچھ حاصل ہوگا۔ سب سے بڑا ثبوت کھوٹہ کی وادی سے ملے گا جہاں حساس ترین' انفراریڈ کیمروں سے لیس' تین بندر دندناتے پھر رہے ہیں۔ اس نے خود ہی شیخی میں آکر' ہمیں ان بندروں کے سنسنی خیز وجود سے آگاہ کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ان کیمروں کا لاسلکی رابطہ البرٹو کے کیمپ میں نصب کسی ریڈیو فوٹو ریسیور سے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ تم فی الحال صبر اور انتظار کرو۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اول خان کی تفکر آمیز آواز ابھری۔ "میں آج شام کی پرواز سے اسلام آباد پہنچنے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔"

"تمہارا قیام کہاں ہوگا؟ اور تم سے رابطے کی کیا صورت ہوگی؟"

"میں فورس کے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہروں گا۔ تم اپنا نمبر مجھے نوٹ کرادو۔"

"اس نے اپنی دانست میں تمہیں موت کے دہانے پر پہنچا دیا تھا' اس لیے اس نے تمہیں بہت سی اہم باتیں بتا ڈالی

ہیں۔" فون نمبروں کے تبادلے کے بعد' اول خان نے کہا۔
"پاکستان کے خلاف ڈیوڈ اسٹارز کے عزائم اور اسرائیل کی جانب سے ہیروئن کی سرکاری سطح پر پیداوار اور برآمد کے معاملات بہت اہم ہیں۔ ان کے بارے میں ہمیں تفصیلی بات چیت کرنی ہوگی تاکہ متعلقہ حکام کو باخبر کیا جا سکے۔ یہ کام میری آمد کے بعد ہی ہو سکے گا۔ اس دوران میں' مَیں کوشش کرتا ہوں کہ کھوٹہ میں پائے جانے والے تین بندروں کا سراغ لگا کر انہیں پکڑ لیا جائے تاکہ البرٹو کے خلاف جلد از جلد ٹھوس شہادتیں سامنے آ سکیں۔"

"ہو سکے تو بلیو کراس ڈیل والے ٹریلروں کی نقل و حرکت سے نقلی ظفر کو لاتعلق کرانے کا بندوبست بھی کر ڈالو۔ اس بارے میں اس کے عزائم بہت بھیانک ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آج کی چوٹ کھانے کے بعد وہ آخری ٹریلر کی آمد کا انتظار کیے بغیر کوئی کارروائی کر گزرے!"

"یہ سب پہلو میری نگاہوں میں آ گئے ہیں لیکن میں تم سے بے بنیاد وعدے نہیں کر سکتا۔ ملکی مفادات مجھے بھی اتنے ہی عزیز ہیں جتنے تم کو ہو سکتے ہیں۔ مجھ سے جو کچھ بھی بن پڑا' میں کر گزروں گا۔ ظفر کے معاملے میں اب دھند صاف ہو چکی ہے اور میں تم سے پوری طرح متفق ہوں۔"

اس کے بعد اول خان سے مزید بحث کی گنجائش نہیں تھی کیونکہ مجھے اس کی فرض شناسی میں ذرا بھی شبہ نہیں تھا۔ چند سیکنڈ کے بعد میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

ویرا کو باتھ روم میں گئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اندر سے شاور سے پانی گرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میرے دل میں بھی بے اختیار غسل کرنے کی خواہش جاگ اٹھی اور میں نے اٹھ کر کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔

○☆○

مسلسل دو راتوں کی بے خوابی اور بھاگ دوڑ کے بعد میں گہری نیند سویا ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی کی مسلسل آواز نے مجھے بیدار ہونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے کسل مندانہ انداز میں ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"کراچی سے کال ہے' سر!" آپریٹر نے مشینی انداز میں وہ فقرہ ادا کر کے لائن ملا دی۔

"ہیلو ڈینی! میں اول خان بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے ہیجان آمیز آواز سنائی دی۔

"میں سن رہا ہوں۔" اس کی آواز میں کوئی ایسی بات تھی کہ میری نیند یکلخت کافور ہو گئی۔

"اسپیشل ٹاسک فورس کے لاجسٹکس سیکیورٹی سیل میں خوفناک دھماکے کے ساتھ آگ لگ گئی ہے جو قابو سے باہر ہے۔ اس حادثے میں بھاری نقصان ہونے کے امکانات ہیں۔"

"یہ کہاں کی بات ہے اور اس معاملے سے ہمیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے' اول خان!" میں نے اپنا سر جھٹک کر اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"جس یونٹ میں آگ لگی وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا یونٹ ہے۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "اور دوسری بات یہ ہے کہ لاجسٹکس سیکیورٹی سیل اسلام آباد میں واقع ہے۔ ظفر اسی سیل میں تعینات ہے۔ میں نے البرٹو یلیسا کے بارے میں فون کیا تو مجھے یہ اطلاع دی گئی ہے۔ ظفر یا البرٹو کو صبح سویرے دفتر میں آتے ہوئے دیکھا گیا تھا لیکن آخری خبریں یہی ہیں کہ کسی نے اسے آگ میں گھری ہوئی عمارت سے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آگ نے ایک بڑے بارودی ذخیرے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔"

"اوہ!" بے اختیار میری مٹھیاں بھنچ گئیں۔ "معلوم ہوتا ہے کہ بدترین ناکامی نے البرٹو کا دماغ الٹ دیا ہے اور وہ انتقامی کارروائیوں پر اتر آیا ہے۔"

"مجھے شبہ ہے کہ کہیں اس نے خودکشی نہ کر لی ہو۔" اول خان کی آواز مجھے کسی کنوئیں کی تہ سے آتی ہوئی معلوم ہوئی۔ "وہ اپنے ساتھ ہی بہت کچھ لے ڈوبا ہے۔ یہ میری ذاتی رائے ہے جس کا اظہار میں صرف تم سے کر رہا ہوں۔ ابھی یہ بات تمہاری ذات تک محدود رہنی چاہئے۔"

"یہ ناممکن ہے۔ میں نے آخر تک اسے دیکھا ہے۔ وہ زندگی کے ہر سانس کے لیے لڑنے والا آدمی ہے۔ وہ ایسا بزدلانہ قدم نہیں اٹھا سکتا۔ وہ آتش زنی کا بندوبست کر کے' خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکل گیا ہوگا۔ یہ اس کا کوئی نیا کھیل معلوم ہوتا ہے۔"

"اس آگ نے فورس کے ہر بڑے کو الجھا لیا ہے۔ میرے اوپر والے کوئی دوسری بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بندروں والی کہانی تو میں چھیڑ ہی نہیں سکا۔ وہ اس قدر عجیب اور ناقابلِ یقین بات ہے کہ میں کسی کو بھی آسانی سے ہم خیال نہیں بنا سکتا۔ عملاً سب کچھ جوں کا توں رہ گیا ہے۔ دعا کرو کہ شام کو میری آمد سے پہلے اس آگ پر قابو پا لیا جائے۔ بصورتِ دیگر میں اسلام آباد آ کر بھی کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

"یہ بہت خوفناک صورتِ حال ہے' اول خان! شاید اس کی سازش کا مقصد بھی یہی ہے کہ تمہاری پوری قیادت

آتش زدگی کے معاملے میں الجھ کر مفلوج ہو جائے اور اُسے کھوٹہ والے بندروں پر کام آگے بڑھانے کی مہلت مل جائے۔ اس نے وقت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور بظاہر کامیاب نظر آ رہا ہے۔ تم نے کچھ نہ کیا تو شاید تم پوری عمر اپنی اس کوتاہی کو معاف نہیں کر سکو گے۔"

"یہ بھی عین ممکن ہے۔" میری بات فوراً ہی اس کے ذہن میں آ گئی۔ "لیکن میں حالات کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا ہوں۔ تم بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ کس سے بات کروں؟"

"فوج کے ذمے داروں سے بات کرو۔ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں......"

"کراچی کی حد تک میں ایریا کمانڈر سے ہر بات کر سکتا ہوں۔ اسلام آباد کے معاملات میری بساط سے باہر ہیں۔" اس نے میری بات کاٹ کر بے چارگی کے انداز میں کہا۔

"تم خبر تو دے سکتے ہو۔ عمل کرنا یا نہ کرنا ان کے اختیار میں ہو گا۔"

"ہمیں اپنی حدود میں رہتے ہوئے بے حساب آزادیاں ہیں لیکن حدود سے آگے کی پابندیاں بھی اسی قدر کڑی اور روح فرسا ہیں۔ میں ڈسپلن کی خلاف ورزی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تم اپنے طور پر کسی بھی اتھارٹی سے رابطہ کر کے خطرات کی نشان دہی کر سکتے ہو۔" اس کی آواز سے بے بسی مترشح تھی۔

"میری بات پر یقین کرنے سے پہلے ہر افسر میری شناخت طلب کرے گا اور تم اس معاملے میں میری مجبوریوں سے پوری طرح باخبر ہو۔ میرا نام ایک بار ریکارڈ پر آ گیا تو مجھے اپنے پچھلے گناہوں کا حساب دینے میں دانتوں پسینہ آ جائے گا۔ مجھے تمہاری آمد کا انتظار ہی کرنا پڑے گا۔ اتنی کم مدت میں وہ کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔"

"یہ نہ کہو" اول خان نے فوراً ہی کہا تھا۔ "وہ اور کچھ کر سکے یا نہ کر سکے' اتنی مہلت مل جانے پر کھوٹہ سے اپنے تربیت یافتہ بندر ہٹا ضرور سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس بارے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔ تم شام تک یہاں پہنچنے کی تیاری کرو۔" اس سے بات کرتے ہوئے میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ سوا گیارہ بجا رہی تھی۔ میں اچھل کر بستر سے نیچے آ گیا۔ البرٹو یلیسا کو اس وقت تک بھی بہت کافی مہلت مل چکی تھی اور اسے روکنے کے لیے کسی نہ کسی محاذ پر الجھانا ضروری ہو گیا تھا۔

میں نے فوری طور پر ویرا کو بھی جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"نیند تو پوری ہو لینے دیتے۔" اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا "اس وقت کون سی آفت آئی ہوئی تھی کہ تم نے مجھے ادھوری نیند سے اٹھا دیا؟"

"ہم بستر پر پڑے خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں اور البرٹو کسی پاگل کتے کی طرح ہر طرف دانت مارتا پھر رہا ہے۔ اس نے اپنے دفتر کو بھی آگ کے شعلوں کی نذر کر دیا ہے۔"

"آگ لگا دی ہے؟" اس نے حیرت سے کہا "اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی وہ ادھر جانے کا خطرہ مول لے بیٹھا؟ میں اُسے اس قدر بے جگر نہیں سمجھتی تھی۔"

"بے جگری سے زیادہ' یہ اس کے تجربے اور اندازوں کا کمال ہے۔ اسے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہم دفتر میں اس کا داخلہ روکنے کے لیے فوری طور پر کچھ نہیں کر سکیں گے اس لیے وہ بے خوفی کے ساتھ وہاں گھس گیا۔ اندر والے' باہر والوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے میں بڑا کمال رکھتے ہیں۔"

ویرا نے بستر پر بیٹھے بیٹھے ایک زہد شکن انگڑائی لی اور میں نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے اپنا مُنہ دوسری طرف پھیر لیا۔ "ایسی حرکتیں نہ کیا کرو۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ دعوتِ گناہ دینا' گناہ سے بھی بدتر قرار دیا جاتا ہے اور اس وقت تم اسی کی مرتکب ہو رہی ہو۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ مجھے یہ وعظ سنانے کے لیے بیدار کیا ہے؟"

"وہ آتش زنی کی بہت بڑی واردات ہے۔ ایس ٹی ایف کے سارے اعلیٰ دماغ اس میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ البرٹو یلیسا اس تعطل سے فائدہ اٹھا کر اپنے جاسوس بندروں کو کھوٹہ سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو جائے۔ ایسا ہو گیا تو وہ اگلی بار ان ہی تجربے کار بندروں کو تباہی کے سازو سامان سے لیس کر کے ان مضافات میں بھیجے گا اور کوئی ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔"

"یہ تو صرف مسئلہ ہوا۔" وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی۔ "تمہارے ذہن میں اس کا کیا حل ہے؟"

"تم باقاعدہ سفری دستاویزات پر پاکستان آئی ہوئی ہو' میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی اسی شناخت کے حوالے سے انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر کو فون پر ان خطرناک بندروں کے بارے میں مطلع کر دو تاکہ وہ لوگ فوری طور پر البرٹو یلیسا کی کسی سازش کا انسداد کر سکیں۔"

"اتنا سا کام تو تم بھی کر سکتے تھے۔ کیا تمہیں آئی بی کے ڈائرکٹر کا فون نمبر تلاش کرنے میں کوئی دشواری ہے؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے' ترشی سے پوچھا۔

"میرے ساتھ شناخت کا مسئلہ ہے۔ پھر تم ایک غیر ملکی خاتون ہو۔ میرا خیال ہے کہ تمہاری بات دھیان سے سنی جائے گی۔ مقامی آدمی کی طرف سے کسی بین الاقوامی سازش کے اچانک انکشاف کو ہر شخص بے اعتباری سے سنے گا۔"

وہ مسکرانے لگی۔ "غیر ملکی یا امریکن؟ سنا ہے کہ تمہارے ملک میں بارشیں زیادہ ہونے یا سرے سے نہ ہونے تک کی ذمے داری امریکا پر ڈالنے کا فیشن چلا ہوا ہے اور میرا پاسپورٹ امریکن ہے۔"

"جو جی چاہے سمجھ لو۔ اپنی معلومات کا ذریعہ تم اپنے چند دوستوں کو قرار دے سکتی ہو۔"

وہ بحث کیے بغیر اس کام پر رضا مند ہوگئی اور میں ڈائریکٹری سے نمبر تلاش کرنے میں مصروف ہوگیا۔

اول تو ویرا کی انگریزی بہت نستعلیق اور شگفتہ تھی پھر اس کا مترنم نسوانی لب و لہجہ اس کی گفتگو میں چار چاند لگا دیتا تھا۔

اس کے اولین فقرے پر ہی اس طاقت ور وفاقی محکمے کے ڈائرکٹر کے پی اے نے کال اپنے افسر سے ملا دی۔ میری توقع کے عین مطابق ویرا اسے مرعوب کرنے میں کامیاب رہی تھی۔

ویرا نے نہایت باوقار انداز میں اپنا تعارف کراتے ہوئے اصل بات شروع کر دی۔ "میں امریکن ہوں اور مجھے مقامی معاملات سے کوئی سروکار نہیں ہے لیکن مجھے اپنے ایک غیر ملکی دوست کے ذریعے ایک خطرناک سازش کا سراغ ملا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ میری کہی ہوئی باتوں کو شاید معتبر نہ سمجھا جائے۔"

وہ چند ثانیوں تک دوسری طرف سے کی جانے والی یقین دہانیاں سنتی رہی' پھر بولی "میں اس عزت افزائی کے لیے ممنون ہوں۔ دراصل میرا ملک اصولی طور پر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف ہے لیکن میں ذاتی طور پر اس مخالفت کو متعصبانہ اور جہالت انگیز سمجھتی ہوں۔ ہر شعبے میں علمی اور عملی ترقی حاصل کرنا ہر آزاد ملک کا بنیادی حق ہے اور اس حق کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز سازش کا درجہ رکھتی ہے۔ میرے دوست نے مجھے بتایا ہے کہ تمہارے ملک میں کچھ غیر ملکی مفاد پرست ہاتھ پیر پھیلا رہے ہیں۔ ان کی نگاہیں کہوٹہ نامی کسی آبادی پر ہیں جس کے قرب و جوار میں کچھ ایٹمی تنصیبات پائی جاتی ہیں۔ ان تنصیبات کے بارے میں خفیہ معلومات حاصل کرنے کے لیے' ان لوگوں نے حساس ترین کیمروں کے ساتھ' تین تربیت یافتہ بندر اس علاقے میں چھوڑے ہوئے ہیں۔ آج صبح سے اگلے تین دنوں کے درمیان' ان بندروں کو اس علاقے سے نکالے جانے کی کوشش کی جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ ایسا ہوا تو یہ تمہارے ملک کا بہت بڑا نقصان ہوگا۔"

اس نے ایک بار پھر خاموشی اختیار کرلی۔ اس بار وقفہ قدرے طویل تھا۔ پھر بات آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ "میرا کام صرف اطلاع دینا تھا تاکہ میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہ رہے۔ کارروائی کا فیصلہ کرنا تم لوگوں کا حق ہے۔ ویسے میری ناقص رائے میں اولین قدم یہ ہونا چاہیے کہ کہوٹہ میں آزادانہ گھومنے والے تینوں بندروں کا سراغ لگایا جائے۔ اگر وہاں بندر واقعی موجود ہیں تو انہیں فوری طور پر پکڑلینا چاہیے۔ سازشیوں کی ان تک رسائی سے پہلے ان کا پکڑا جانا ضروری ہے۔ میٹل ڈی ٹیکٹر' ایکسرے یا پھر پیٹ کی سرجری کے ذریعے ان کے جسموں میں چھپے ہوئے کیمروں کا سراغ لگانا زیادہ مشکل نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں اپنا موجودہ پتا بتانے سے معذور ہوں۔" اگلے وقفے کے بعد ویرا نے خوش خلقی کے ساتھ کہا "ہر جگہ کے سرکاری بکھیڑے کم و بیش یکساں ہوتے ہیں۔ میں ان میں الجھ کر اپنا یہ سیاحتی دورہ برباد نہیں کرنا چاہتی۔ کوئی ناگزیر ضرورت ہو تو میرے سفارت خانے کے ذریعے مجھ سے نیویارک میں رابطہ کیا جا سکتا ہے۔ سرکاری خرچ پر دوبارہ پاکستان آکر مجھے دلی مسرت ہوگی۔"

"ویلکم اینڈ بائے۔" کے اختتامی فقرے کے ساتھ ویرا نے فون بند کیا تو میں نے فرطِ ممنونیت سے اسے بے اختیار اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

دوسرے معاملات میں ذہین و فطین ہونے کے باوجود' ویرا ایسے لطیف جذبات کے معاملے میں بالکل کوری تھی۔ اس نے میری ہم آغوشی کو تجدید محبت کا اظہار سمجھتے ہوئے جوابی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا اور کمرے کی فضا چٹاچٹ کی کئی پے درپے آوازوں سے گونج اٹھی۔

"تم نے کمال کر دیا۔" میں نے کھلنے سے پہلے اس سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔ "اس قدر مدلل اور غیر جانبدارانہ انداز میں اسے متاثر کرنا تمہارے ہی بس کی بات تھی۔ یہ کام میں دس کوششوں میں بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی امریکی مخالفت اور اپنی بے لاگ رائے کا اظہار کر کے تم نے اپنی کہانی کو اس قدر جان دار بنا لیا تھا کہ تمہاری کال سے فارغ ہوتے ہی' ڈائریکٹر کے دفتر میں بھونچال

آ گیا ہوگا۔"

"ہم امریکنوں میں ایک خوبی یہی ہے کہ دوسروں کو پسند ہو یا ناپسند، ہم اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کرنے سے نہیں چُوکتے۔ میں تو تمہاری قوم میں بھیڑ چال کا رجحان دیکھ کر حیران رہ گئی ہوں۔ اچھے اچھے، پڑھے لکھے لوگوں کی بھی اپنی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ جدھر اکثریت کا رخ ہوتا ہے، اسی طرف چل پڑتے ہیں جب کہ امریکا میں فردِ واحد بھی پلے کارڈ لے کر، ایوانِ صدر کے سامنے، حکومت کے خلاف مظاہرہ کرتا ہے تو پریس اس کا پورا پورا احترام کرتا ہے اور حکومت بھی اس کا نوٹس لینے پر مجبور ہوتی ہے۔ تمہارے یہاں کوئی سرپھرا ایسا کر گزرے تو سب سے پہلے اخبارات ہی اس کا مضحکہ اڑانا شروع کر دیں گے۔"

"امریکنوں کی پاکیِ داماں کی حکایت کو اتنا نہ بڑھاؤ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ابھی ایٹمی ترقی کی مخالفت کے حوالے سے بھی تم کچھ کہہ چکی ہو۔ ایک اچھائی دس برائیوں کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔"

"دراصل آزادانہ اظہارِ رائے والا انفرادی مزاج ہی امریکا کا قومی مزاج بن گیا ہے۔ تمہیں کتنا ہی برا لگے مگر امریکا کے بیشتر شہری بے مہار ایٹمی ترقی کے سخت مخالف ہیں اور ان کی ہر حکومت اپنی اس خواہش کو ہر صورت میں عملی جامہ پہنانے پر تلی رہتی ہے۔ جس دن وہاں کی رائے عامہ تبدیل ہوگئی، حکومت کی پالیسی میں بھی انقلاب آجائے گا۔ یہ بہت سیدھی اور اصولی بات ہے، جو بہت سے لوگ نہیں مانتے۔"

"امریکا جیسے ملک کی تعلیم یافتہ پبلک کی رائے کو بدلنا اتنا آسان نہیں ہے۔"

"وہاں تعلیم کی شرح اونچی اور معیار بہت بلند ہے اس لیے انہیں متاثر کرنا بہت آسان ہے۔ موثر دلائل کے علاوہ وہ کسی بات کو نہیں مانتے۔ اسی لیے وہاں بڑی بڑی لابسٹ فرمیں کام کر رہی ہیں جو لاکھوں ڈالر مشاہرہ لے کر، بین الاقوامی حکومتوں کے لیے کام کرتی ہیں اور میڈیا کے ذریعے عوام کے ذہنوں کو بنانے کے ساتھ ساتھ، واشنگٹن کے حکام پر دباؤ ڈالتی ہیں۔ متنازعہ مسائل پر ہر ملک ان فرموں سے مدد لینے پر مجبور ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ باقاعدہ اعداد و شمار کے ذریعے اپنے ہم وطنوں کے تازہ ترین رجحانات سے واقف رہتے ہیں اور ہر مسئلے پر اسی لحاظ سے موثر نفسیاتی مہم چلاتے ہیں اور عموماً مطلوبہ نتائج حاصل کر لیتے ہیں۔"

"مجھے امریکا جانے کا موقع نہیں ملا۔ اس لیے میں تم سے بحث نہیں کرتا لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہاں بھی بڑے بڑے گھپلے ہوتے ہیں۔ جمی لائیڈ کیا کر رہا ہے؟ اس کی رسائی کن لوگوں تک ہے؟ یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔ جو قوم اپنی نئی نسل کو منشیات کے زہر سے بچانے کے لیے اپنی دست نگر قوموں کے نوجوانوں میں وہی زہر پھیلانے لگے، اسے کبھی بھی راست رو، اصول پرست یا فراخ دل قرار نہیں دیا جا سکتا۔"

"تم ذاتیات پر اتر آئے ہو اس لیے یہ تقریر یہیں ختم سمجھو۔" اس نے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "یہ بتاؤ کہ اب کیا ارادہ ہے؟ لنچ کا وقت ہونے والا ہے لیکن مجھے ابھی تک بیڈ ٹی بھی نہیں ملی ہے۔"

"لنچ تو ناشتے کے بعد ہی اچھا لگتا ہے۔" میں نے فون پر روم سروس کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا "میں ابھی ناشتا منگوائے لیتا ہوں۔ اس کے بعد نیچے، بازار سے کچھ کپڑے وغیرہ خریدنے نکلیں گے۔"

"بازار جاؤ گے؟" وہ غسل خانے کی طرف جاتے جاتے رک کر پلٹ پڑی۔ "کیا تم اتنی جلدی بھول گئے کہ البرٹو یلیسا ہر طرف ہماری بو سونگھتا پھر رہا ہو گا؟"

"اور تم یہ بھول رہی ہو کہ اب اسے ظفر کے روپ میں ایس ٹی ایف کے عملے پر دسترس حاصل نہیں ہے۔ البرٹو کے روپ میں وہ خود ایک مجرم ہے۔ وہ کبھی بھی منظرعام پر آنے کی حماقت نہیں کرے گا۔ اس سے اتفاقی ٹکراؤ کا امکان ہزاروں میں ایک سے بھی کم ہے۔" اس سے بات پوری کرتے ہی میں نے روم سروس کو ناشتا لانے کا آرڈر دے ڈالا۔

"جب ہی اس نے لاجسٹکس سیکیورٹی سیل میں گھس کر اسے آگ لگا دی!"

"وہ اس کا اپنا دفتر رہ چکا تھا۔ وہ وہاں کے چپے چپے اور ایک ایک فرد سے واقف تھا۔ اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ اس کے فراڈ کی اطلاع اتنی جلد ماتحت عملے تک نہیں پہنچ سکے گی۔"

"میری بلا سے۔ تم چلو گے تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ کراچی میں تو غزالہ ہر وقت ہم دونوں پر کڑی نظر رکھنے لگی ہے۔" یہ کہہ کر وہ کولہے مٹکاتی ہوئی دوبارہ غسل خانے کی طرف چل دی اور میں چاروں ہاتھ پیر پھیلا کر بستر پر دراز ہو گیا۔

میرا وہ اطمینان زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکا۔ فون کی گھنٹی بجی تو مجھے پہلا خیال یہ آیا کہ شاید روم سروس انچارج مجھے ناشتے کی فراہمی سے معذوری سے باخبر کرنا چاہ رہا تھا لیکن پتا چلا کہ وہ کراچی کی کال تھی۔

اس مرتبہ بھی اوّل خان لائن پر تھا اور مجھے لاجسٹکس سیکیورٹی سیل کے جلتے ہوئے ملبے سے ظفر یا البرٹو ویلیسا کی مسخ شدہ لاش برآمد ہونے کی اطلاع دے رہا تھا۔

✻

اوّل خان کراچی میں بیٹھا ہوا تھا اور وہاں سے وہی خبریں دینے کی استطاعت رکھتا تھا جو اسے اپنے ذرائع سے موصول ہوتی تھیں اس لیے میں نے ایس ٹی ایف کے لاجسٹکس سیکیورٹی سیل کی آتش زنی میں البرٹو یلیسا کی موت کے بارے میں کوئی بحث نہیں کی اور اول خان نے وہ خبر سنانے کے بعد، شام کو اپنی آمد کا یقینی وعدہ کرتے ہوئے، فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں نے نئی سگریٹ سلگائی اور دوبارہ بستر پر دراز ہو کر اپنے خیالات میں ڈوب گیا۔

البرٹو یلیسا، تخریب کاری اور دہشت گردی کے میدان میں کوئی نو آموز نہیں تھا جو میں یہ مان لیتا کہ وہ اپنے دفتر کو آگ لگاتے ہوئے خود بھی جہنمی شعلوں کی زد میں آکر اتفاقاً جل مرا ہو گا۔ وہ اس قدر گھاگ اور تجربے کار تھا کہ بڑی سے بڑی کارروائی کرتے ہوئے بھی اپنے تحفظ کے مسئلے کو ایک لمحے کے لیے بھی نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے جل مرنے کی خبر کسی بھی طرح میرے حلق سے نہیں اتر پا رہی تھی۔

لیکن مجھے اس معاملے پر زیادہ دیر تک دماغ سوزی کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ویرا نے شاید غسل خانے میں نہاتے ہوئے فون کی گھنٹی کی آواز سن لی تھی اس لیے وہ اپنا غسل مختصر کر کے، اپنے بدن پر باتھ روب پہن کر باہر نکل آئی تھی۔

"کون تھا؟ کس کا فون تھا؟" اس نے اپنی کمر کے گرد باتھ روب کی بیلٹ کستے ہوئے متجسسانہ لہجے میں سوال کیا۔ میری نگاہیں اس پر جم کر رہ گئیں۔ گیلے بالوں کے نیچے اس کے گلابی چہرے پر انوکھا ہی نکھار نظر آ رہا تھا۔ پھر اس کے بدن پر لباس کے بجائے، تولیے کا ڈھیلا ڈھالا سا کوٹ موجود تھا جو روایتی طور پر بٹنوں سے محروم تھا۔ آگے سے کھلے ہوئے اس باتھ روب کے دونوں حصوں کو صرف بیلٹ نے یکجا کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے ویرا کی گردن سے کمر تک وی کی شکل میں کھلا گریبان خاصا اشتعال انگیز سماں باندھ رہا تھا۔ اس کی شہابی جلد کے نشیب و فراز پر رکے ہوئے پانی کے شفاف قطرے موتیوں کی طرح جھلملا رہے تھے۔ میرے انہماک کو محسوس کر کے وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"کیا گھور رہے ہو؟ میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا۔ کس کا فون آیا تھا؟"

"فون پر لعنت بھیجو!" میں نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا "اور شریفانہ لباس پہنو۔"

"اس میں کیا خرابی ہے؟" اس نے ایک قدم بڑھاتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"مہذب بیویاں بھی غسل خانے سے ایسے بے ہودہ لباس میں برآمد نہیں ہوتیں۔ باتھ روب پہننے کے لیے نہیں، بدن کو خشک کرنے کے لیے ہوتا ہے۔۔۔"

اس نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "مجھے یہ دیکھ کر خوشگوار

حیرت ہوئی ہے کہ درمیانے درجے کے اس ہوٹل میں مسافروں کو تولیوں کے ساتھ باتھ روب بھی فراہم کیے جاتے ہیں۔ یہ سہولت تو یورپ کے فائیو اسٹار ہوٹلوں میں بھی نہیں ملتی۔ مجھے تو غسل کا لطف آگیا ہے۔ تمہاری کھوپڑی میں بخارات جمع ہو رہے ہیں تو تم اپنی آنکھیں بند کرلو۔ میں بدن خشک کرنے کے بعد ہی کپڑے بدلوں گی۔"

"یوں کہو کہ تم باتھ روب استعمال کر کے اپنا پیسہ وصول کر رہی ہو۔"

"باتھ روب پر لعنت بھیجو۔ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ وہ فون کس کا تھا؟"

"فون تو کہیں بھی نہیں کھسکا تھا۔ شروع سے اپنی جگہ پر ہی رکھا ہوا ہے" میں نے اسے سلگانے والے انداز میں کہا اور وہ مُکا تان کر میری طرف دوڑ پڑی۔

"اول خان، اول خان!" وہ منظر اس قدر ہوش رُبا تھا کہ میں اس کے حرکت میں آتے ہی دونوں ہاتھ اٹھا کر مدافعانہ انداز میں بول پڑا۔

ویرا کو احساس بھی نہیں ہوسکا کہ اس کے جھپٹنے میں کیا رمز پنہاں تھا کہ میں نے فوراً سپر ڈال دی لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس مرحلے پر طبیعیات کے تمام قوانینِ حرکت بیک وقت روبہ کار آگئے تھے۔ ویرا کے جان دار جسم نے جوں ہی آگے لپکنے کی کوشش کی تو باتھ روب کا بے جان پیرہن اس تیز رفتاری کا ساتھ نہیں دے سکا۔ اس کا چاک دامن پیچھے لہراتا رہا اور ویرا گویا اس میں سے طلوع ہوئی پڑ رہی تھی۔ میں رات کا وصال گزیدہ تھا اس لیے اتنے قلیل عرصے میں دوبارہ مقتل میں اترنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"اس بار وہ کیا کہہ رہا تھا؟" ویرا نے اپنی جگہ رک کر تیکھے تیوروں کے ساتھ پوچھا۔

"تم بہت خود سر ہوتی جا رہی ہو" میں نے ایک گہرا سانس لے کر شکست خوردہ انداز میں کہا "وہ بتا رہا تھا کہ ایس ٹی ایف کے آتش زدہ اڈے کے ملبے میں سے البرٹو کی سوختہ لاش برآمد ہوئی ہے۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" ویرا نے بے ساختہ حیرت کے ساتھ کہا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا" میں نے اس کی تائید کی "البرٹو اپنی زندگی کے ایک ایک سانس کے لیے لڑنے والا آدمی تھا۔ یہ مانا ہی نہیں جاسکتا کہ اس نے لاجسٹکس سیکیورٹی سیل کو نذرِ آتش کرنے کے ساتھ ہی مایوسی کے عالم میں خود کو زندہ جلا کر خودکشی کرلی ہوگی۔"

"نہ ہی یہ امکان حلق سے اترتا ہے کہ وہ آگ لگاتے ہوئے حادثاتی طور پر آگ کی زد میں آگیا ہو" ویرا نے ایک کرسی پر دراز ہوتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا "یہ کیسے معلوم ہوا کہ ملبے سے ملنے والی لاش لازمی طور پر ظفر یا البرٹو ہی کی ہے؟"

"اول خان نے سنی سنائی خبر مجھ تک پہنچائی ہے۔ اس بارے میں وہ میرے کسی سوال کا ٹھوس جواب نہیں دے سکا۔ دراصل ایس ٹی ایف کے بڑوں کو ظفر کے کردار پر کسی قسم کا شبہ نہیں تھا، اس لیے اس بارے میں چھان بین کی کوئی ضرورت محسوس کیے بغیر ظاہری حقائق کو تسلیم کرلیا گیا ہوگا۔"

"وہ ہمیں پھر چوٹ دے گیا" ویرا پُرتشویش انداز میں بڑبڑائی۔

میں چونک پڑا "کیوں؟ ہمیں کیسے چوٹ ہوسکتی ہے؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"شاید تم نے اس معاملے کی نزاکت پر غور کرنے کی سرے سے ضرورت ہی محسوس نہیں کی" وہ بغور میری طرف دیکھتے ہوئے، طنزیہ لہجے میں بولی۔

"اس کی ہلاکت پر مجھے اب بھی یقین نہیں ہے لیکن مجھے اس معاملے میں ابھی تک کسی پیچیدگی کا اندازہ نہیں ہوسکا ہے؟" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"آج سے پہلے تک ظفر کی دوہری شخصیت کا راز صرف ہمارے اور اول خان کے درمیان محدود رہا تو اب اس کی مفروضہ لاش برآمد ہونے کے بعد کون ہمارے یا اول خان کے شبہات پر کان دھرے گا؟"

"کیا تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ اسی جلی ہوئی لاش کو ظفر کی لاش تسلیم کر کے دفن کردیا جائے گا اور البرٹو یلیسا کے بارے میں کوئی پیش رفت نہیں ہوسکے گی؟"

اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے، پُراعتماد لہجے میں کہا "میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ ملبے سے ملنے والی لاش کی جو حالت ہو، سو ہو لیکن اس کے دونوں ہاتھ اس بری طرح جلا دیئے گئے ہوں گے کہ ان سے فنگر پرنٹس اٹھانا ناممکن ہوگا۔ نہ ہی اس کے ہاتھوں کی جلد پر موجود مائیکرو سرجری کے نشانات کا سراغ لگایا جاسکے گا۔ اس کے خلاف ہماری سب سے مضبوط اور ناقابلِ تردید دلیل یہی تھی کہ سرجری یا اسکن گرافٹنگ کے ذریعے اس کے دونوں ہاتھوں اور انگلیوں کے نشانات تبدیل کر کے اسے ظفر کی جگہ لینے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ ہم یہ بات ثابت نہ کرسکے تو ہماری کہانی کسی کی توجہ حاصل نہیں کرسکے گی۔"

وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس وقت تک میرا ذہن اتنی دور تک نہیں جاسکا تھا لیکن مشکوک لاش کی برآمدگی کا وہی ایک مقصد ہوسکتا تھا کہ البرٹو کی ذات روشنی میں نہ آسکے اور وہ ایس ٹی ایف کے اختیارات سے محروم ہونے کے بعد زیرِ زمین رہ کر اپنے مذموم عزائم پر کام جاری رکھ سکے۔

اسپیشل ٹاسک فورس میں، ظفر کے روپ میں اس کی شمولیت ہی اس امر کی غماز تھی کہ وہ کسی طویل المدت منصوبے کے تحت پاکستان آیا یا بھیجا گیا تھا۔ اگر اسے اپنا مشن پورا ہونے سے پہلے

ہی پاکستان سے فرار ہونا پڑتا تو اس کی پوری سازش بدترین ناکامی سے دوچار ہو سکتی تھی۔ اسے جوں ہی یہ معلوم ہوا کہ میں اس کے دوہرے روپ کے اصل راز سے واقف ہو چکا ہوں تو اس کے شاطر ذہن نے فوراً ہی متبادل منصوبہ تیار کر لیا۔ اس منصوبے کی کامیابی کی صورت میں اسے اسپیشل ٹاسک فورس جیسے منظم اور بااختیار ادارے کی طرف سے کسی بھی مداخلت کا خطرہ باقی نہ رہتا۔ ساری لڑائی میرے اور اس کے درمیان رہتی جس کا توڑ کرنا اس کے لیے بہت زیادہ دشوار ثابت نہ ہوتا اور وہ اپنے کام کو آگے بڑھانے میں کامیاب ہو جاتا۔ وہ ایس ٹی ایف میں شامل رہ کر یہ دیکھ چکا تھا کہ ملکی مفادات کے تحفظ کے معاملے میں وہ تنظیم کس قدر مؤثر بلکہ خوں خوار ثابت ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے اس نے اس نیم عسکری قوت سے مخاصمت کی راہیں مسدود کرنے کی کوشش کی تھی جو بادی النظر میں بار آور ثابت ہوتی نظر آ رہی تھی۔ اسے ناکام بنانے کی بس ایک ہی صورت تھی کہ ہم لوگ البرٹو کو اس کی کمین گاہ سے نکال کر اسپیشل ٹاسک فورس کے بڑوں کے روبرو کھڑا کر دیتے تاکہ وہ اس کے ہاتھوں کے خوردبینی معائنے کے بعد یہ یقین کر لینے پر مجبور ہو جاتے کہ وہ ظفر نہیں بلکہ اس کے فنگر پرنٹس میں لپٹا ہوا کوئی خطرناک سازشی ہے جو اُن کی آنکھوں میں دھول جھونک کر عرصہ دراز تک اُن کے سینوں پر مونگ دلتا رہا ہے۔

ویرا میرے ذہن کو الجھا کر اپنا بدن خشک کرنے میں مصروف ہو چکی تھی۔ بظاہر وہ میری طرف سے یکسر بے پروا نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کی حرکات و سکنات سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے ذہن میں اس وقت بھی کیڑے کلبلا رہے تھے جب کہ میرا ذہن الجھاؤ کا شکار ہونے کے بعد ہر جمالیاتی تحریص و ترغیب سے بے نیاز ہو چکا تھا۔

میں خالی خالی نظروں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اسی پہیلی میں الجھا رہا پھر اچانک ہی مجھے اس اندھیری سرنگ میں روشنی کی ایک کرن نظر آئی اور میں بے تابانہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم ٹھیک سوچ رہی ہو لیکن اس معاملے میں البرٹو۔ یلیسا سے چُوک ہوئی ہے۔ وہ اتنی آسانی کے ساتھ کہیں بھی روپوش ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔" میں نے پُرجوش انداز میں کہا۔

ویرا چونک کر مجھے استفسار طلب نگاہوں سے گھورنے لگی۔

"ذرا اس کا سبب بھی بیان کر ڈالو۔"

"البرٹو کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے' اس کا خفیہ ٹھکانا ہماری نظروں میں آ چکا ہے۔ ہم اس کی نشان دہی کر کے اپنے دعوے میں وزن پیدا کر سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ اتنا احمق نہیں ہے۔ اس مضافاتی ویرانے میں ہمیں کچھ بھی نہیں مل سکے گا۔ اس نے پہلی فرصت میں اس ٹھکانے کو خیرباد کہہ دیا ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے کہ ہمیں وہاں تربیت یافتہ بندر یا مُردہ بندر کی لاش نہ ملے لیکن اس دور افتادہ عمارت میں پائے جانے والے تصادم کے آثار بہت کچھ ثابت کر سکتے ہیں۔ وہاں خاصی فائرنگ ہوئی تھی۔ دوسری طرف کے کم از کم دو افراد کا خون بھی بہا تھا۔ یہ نشانیاں ہماری مدد کریں گی۔"

"آرزو تو میری بھی یہی ہے" وہ سپاٹ لہجے میں بولی "لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہمارا واسطہ بہت چالاک حریف سے پڑا ہے' وہ پیش قدمی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے قدموں کے نشانات مٹا دینے کا عادی معلوم ہوتا ہے۔ کاش اس سے کہیں کوئی چُوک ہوگئی ہو۔"

ویرا قرینے کا لباس پہن رہی تھی کہ روم سروس کا ایک آدمی ناشتا لے آیا۔ اتنی تاخیر سے ناشتا طلب کئے جانے کی وجہ سے اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ مچل رہی تھی۔ ویسے بھی ہم نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنے ناموں کا اندراج مسٹر اور مسز تنویر کے طور پر کرایا تھا۔ ہماری عمروں اور چہروں پر دمکتے ہوئے پُرجوش عزائم کی وجہ سے' وہ ادھیڑ عمر شخص ہم دونوں کو ہنی مون زدہ' نیا نیا جوڑا سمجھ بیٹھتا تو اس کے لیے اسے قصور وار نہیں ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ ہوٹل کی پُرسکون خلوت میں طویل رات گزارنے کے بعد فریق کے مہتابی شبابی وجود پر تازہ تازہ غسل کی بھرپور نمی جھلملا رہی ہو تو تاڑنے والے' کہانی کی ناگفتہ کڑیاں خود ہی ملا لیتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔ ہم کراچی سے ایک دو فاضل جوڑوں کے علاوہ' کچھ بھی نہیں لائے تھے۔ اور وہ بھی ہمارے پرانے ہوٹل میں رہ گئے تھے۔ آثار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ہمیں اسلام آباد میں قدرے طویل قیام کرنا پڑے گا اس لیے لباس اور دیگر اشیائے ضرورت کی فوری خریداری ناگزیر ہو گئی تھی۔

ہوٹل سے نکلنے کے بعد ہم خیابانِ کشمیر پر آنے کے بجائے' آب پارہ کے بازار کے عقبی حصے کی طرف چل دیئے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ جدید ترین اور بہترین ساز و سامان کی بیشتر قابلِ ذکر دکانیں مین روڈ پر ہی واقع ہیں لیکن میں البرٹو کی طرف سے شدید ذہنی انتشار میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اس نے ہمارے ہاتھوں مار کھانے کے فوراً بعد ہی جو جوابی اقدام کئے تھے' ان کی روشنی میں یہ امکان بھی بعید از قیاس نہیں تھا کہ وہ ہماری تلاش میں شہر کی خاک چھانتا پھر رہا ہو۔ اس نے اپنے جل مرنے کا ڈراما کھیل کر اپنی بے جگری کا ثبوت فراہم کر دیا تھا۔ اگر وہ ہم دونوں کو ڈھونڈ کر ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو جاتا تو شاید دنیا کی کوئی طاقت پاکستان میں البرٹو و یلیسا جیسے خطرناک بین الاقوامی مجرم کا وجود ثابت نہیں کر سکتی تھی۔ اس خطرے کی وجہ سے میں نے مین روڈ کا رخ کرنے سے گریز کیا تھا اور اسی بلاک کی عقبی دکانوں اور اندرونی مارکیٹوں سے ہی اپنی فوری ضروریات پوری کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اول خان کی آمد تک ہمارے پاس وقت ہی وقت تھا۔ اس

لیے ہم بے فکری کے ساتھ دکانوں کا طواف کرتے رہے لیکن ویرا کے مطلب کا کوئی اچھا لباس نظر نہیں آسکا۔ ہم نے وہیں سے ٹیکسی پکڑی اور چند منٹ کی مسافت طے کرکے جناح سپر مارکیٹ پہنچ گئے۔

اس بازار میں مقامی ملبوسات کے ساتھ ہی غیر ملکیوں کی ضروریات کا سازو سامان بھی بھرا ہوا تھا۔ پہلی ہی دکان سے ویرا نے اپنی شاپنگ مکمل کرلی۔ چار بجے کے قریب مجھے بھوک چمکنے کا احساس ہوا۔ میرے استفسار پر ویرا نے بھی کچھ کھانے کی خواہش کا اظہار کیا اور ہم ایک ریستوران میں جا گھسے۔

ہم ریستوران میں ایک میز کے گرد کرسیاں سنبھال ہی رہے تھے کہ اچانک ویرا کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ وہ اپنی کرسی کو بھول کر ایک جانب گھورے جارہی تھی جیسے اسے وہاں کوئی غیر متوقع اور حیرت ناک چیز نظر آگئی ہو۔ میں نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اسی سمت میں نظریں دوڑائیں تو میں بھی چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ وہاں ایک میز کے گرد ایک جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ ان میں سے مرد کا چہرہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔

"اسے اس بری طرح گھورنے کی ضرورت نہیں" میں نے ویرا کو کہنی مارتے ہوئے آہستگی کے ساتھ کہا "اسے نظرانداز کرکے، خاموشی سے اپنی کرسی پر بیٹھ جاؤ۔"

وہ یوں چونکی جیسے میں نے اسے گہری نیند سے بیدار کردیا ہو، پھر خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولی "میں سمجھ رہی تھی کہ وہ میرا وہم ہے لیکن غنیمت ہے کہ تم نے بھی اسے پہچان لیا ہے۔"

"نہ پہچاننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تمہاری یادداشت قابلِ رشک ہے۔"

وہ البرٹو کے ان ساتھیوں میں سے ایک تھا جنہوں نے اسلام آباد کے مضافاتی ویرانے میں ہم دونوں کو جال پھینک کر پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ اس مقابلے میں ہمیں البرٹو کے ساتھیوں کی صحیح تعداد کا اندازہ نہیں ہوسکا تھا کیونکہ وہ لوگ اندھیرے میں چھپے ہوئے تھے لیکن اسی ریستوران کی میز پر بیٹھا ہوا شخص، سونی صد وہی تھا جو اپنی رائفل سمیت، روشنی میں ہمارے سامنے آکودا تھا۔

ان دونوں کی میز پر چائے کے لوازم کی موجودگی سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ دونوں کافی دیر سے وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ لڑکی خاصی خوبرو اور متناسب الاعضا تھی اور ہنس ہنس کر بے تکلفانہ انداز میں اپنے ساتھی سے باتیں کررہی تھی۔ وہ کسی ندیدے مرد کی طرح، پورے انہماک سے اسی لڑکی کو دیکھے جارہا تھا۔ ہماری میز اس کے بغلی رخ پر تھی اس لیے وہ شاید ہماری موجودگی کا ادراک ہی نہیں کرسکا تھا ورنہ ہماری طرح اسے بھی اپنے ردِعمل پر قابو پانا دشوار ثابت ہوسکتا تھا۔

"یہ دونوں ہم سے پہلے یہاں موجود نہ ہوتے تو میں کسی بھی قیمت پر اسے اتفاق تسلیم نہیں کرسکتا تھا" میں نے اپنے چہرے کو کلائی کی آڑ میں چھپاتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "شاید قسمت ہم پر مہربان ہورہی ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر اسے پکڑنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

"ہمیں میز بدل لینی چاہیے" ویرا نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "اسے سرسری طور پر بھی اپنے قرب و جوار کا جائزہ لینے کا دھیان آگیا تو وہ ہمیں دیکھ کر پہچان لے گا۔"

ویرا کی تجویز معقول تھی۔ اس وقت ریستوران میں صرف چند ہی میزیں آباد تھیں۔ میں نے ویٹر کی آمد سے پہلے ہی وہ میز بدلنے کا ارادہ کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

ریستوران کے ایک دور افتادہ گوشے میں میز خالی تھی۔ وہاں سے ہم پہچانے جانے کے خطرہ مول لیے بغیر ان دونوں کی نگرانی کرسکتے تھے۔

ریستوران میں آتے ہوئے، ہم دونوں ہی کھانا کھانے کا ارادہ کرکے آئے تھے لیکن البرٹو و بلیسا کے ایک ساتھی کی موجودگی کی وجہ سے میں نے اپنا ارادہ تبدیل کردیا اور چائے کے ساتھ کچھ اسنیکس کا آرڈر دینے پر اکتفا کیا تاکہ ہمیں اچانک ہی ریستوران چھوڑنے کی ضرورت محسوس ہو تو کھانے کی طوالت ہمارے آڑے نہ آسکے۔

"ادھر کچھ عشق و محبت کا معاملہ معلوم ہوتا ہے" ویرا نے نئی میز پر اپنی جگہ سنبھالنے کے بعد کہا "تم بلاوجہ اپنے اور میرے معدے پر جبر کررہے ہو۔ وہ دونوں فی الحال یہاں جمے رہنے کے موڈ میں نظر آرہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کھانا ختم کرلینے کے بعد بھی ہمیں ان کے انتظار میں یہاں بیٹھے رہنا پڑے۔"

"پیشہ ور بدمعاش عشق و محبت کے چکروں سے عموماً دور رہتے ہیں" میں نے اپنے لیے سگریٹ منتخب کرنے کے بعد پیکٹ ویرا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "تم بھول رہی ہو کہ اسی شہر میں ہم روحی کے گیسٹ ہاؤس میں ایک رات گزار چکے ہیں۔ وہ اس سے زیادہ حسین اور دلکش لڑکیاں فراہم کرنے کی دعوے دار تھی۔ وہ لڑکی جس بے تکلفی اور اعتماد سے ہنس ہنس کر باتیں بگھار رہی ہے اس سے صاف ظاہر ہورہا ہے کہ وہ کوئی گھریلو خاتون نہیں بلکہ کوئی پیشہ ور کال گرل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہمارے شکار نے پچھلی رات کی کلفت کو بھلانے کے لیے اس سے آج کا سودا کیا ہو۔"

"پیشہ ور لڑکیوں میں کوئی کھلاڑی اتنی گہری دلچسپی نہیں لیتا؟" اس نے میری بات کاٹ کر فوراً ہی اعتراض جڑ دیا "وہ اس لڑکی کے سامنے کاٹھ کا اُلو بنا ہوا ہے۔"

"بے دلی سے بہترین شراب بھی پی جائے تو نشہ نہیں ہوتا؟" میں نے اس کی سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "ہر برے کام کے لیے انہماک ضروری ہوتا ہے۔ وہ شب بسری سے پہلے موڈ بنانے کا قائل معلوم ہوتا ہے۔"

ویرا وقت گزاری کے لیے بحث پر آمادہ ہوگئی اور میں نے بھی اس سے الجھنے کا فیصلہ کرلیا۔

[illegible] کھولتی ہوئی، عمدہ چائے کے ساتھ لذیذ اسنیکس سے ہم زیادہ

دیر تک لطف اندوز نہیں ہو سکے۔ میں چائے کی دوسری پیالی سے پہلا گھونٹ ہی لے پایا تھا کہ ہمارے شکار نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ریستوران سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ میں نے بھی فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"تم لڑکی پر نگاہ رکھو!" میں نے عجلت میں ویرا سے کہا "وہ ہماری واپسی سے پہلے اٹھ جائے تو تم بھی ٹیکسی سے ہوٹل لوٹ جانا۔ میرا خیال ہے کہ وہ آدمی واپس یہیں آئے گا تو میں بھی اسی کے ساتھ لوٹ آؤں گا۔ جاتے ہوئے' سامان کے تھیلے اپنے ساتھ لے جانا نہ بھول جانا۔"

ہوٹل کے عملے کو اپنے اوپر کسی شبے کا موقع دیئے بغیر' میں مناسب رفتار سے چلتا ہوا' ریستوران سے باہر نکلا تو میرا شکار کچھ فاصلے پر واقع پارکنگ لاٹ کی طرف جارہا تھا۔

میں تذبذب میں مبتلا ہو گیا۔ اگر وہ اپنی گاڑی سے کوئی چیز لے کر واپس آنے کا ارادہ رکھتا تھا تو مجھے وہیں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کرنا چاہیے تھا اور اگر وہ اپنی ساتھی لڑکی کو چھوڑ کر کہیں جانے کا ارادہ رکھتا تھا تو مجھے اس کے تعاقب کے لیے کسی سواری کا بندوبست کرنے کی ضرورت تھی۔

میں غیر ارادی طور پر ایک خالی ٹیکسی کے قریب جا کر رک گیا۔

مجھے جلد ہی اس تذبذب سے نجات مل گئی کیونکہ مجھے پارکنگ لاٹ سے ایک سرخ کار باہر نکلتی ہوئی نظر آگئی۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر وہی شخص براجمان تھا۔ میں تیزی کے ساتھ دروازہ کھول کر خالی ٹیکسی کی عقبی نشست پر سوار ہو گیا۔ میرے اس رویّے پر ڈرائیور نے گردن گھما کر حیرت سے میری طرف دیکھا لیکن اس سے قبل کہ وہ مجھ سے کچھ کہتا' میں نے جیب سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ سرکاری کام ہے" میں نے خشک اور بھاری لہجے میں کہا۔ "سرخ کار کے پیچھے چلو! تم نے اس کا پیچھا کرنے میں احتیاط سے کام لیا تو تمہیں ایک اور نوٹ مل سکتا ہے۔ کرایہ اس کے علاوہ ہو گا۔"

ہر بڑے شہر کے ٹیکسی ڈرائیوروں کی طرح' وہ بھی نہ جانے کتنی بار ایسی صورتِ حال سے دوچار ہو چکا ہو گا۔ عورتوں' مجرموں اور دشمنوں کا پیچھا کرنے والے بے وسیلہ لوگوں کو ہر جگہ ٹیکسی ڈرائیوروں پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے اور وہ معقول انعام ملنے کی صورت میں عموماً پوری راز داری اور ذمے داری سے اپنا فرض نبھاتے ہیں۔

اس نے میرے ہاتھ سے نوٹ لیتے ہی' اپنی سال خوردہ ٹیکسی کا انجن اسٹارٹ کیا اور ٹیکسی رینگتی ہوئی' سڑک پر نکل آئی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس وقت تک میرا شکار' میری موجودگی سے واقف نہیں ہو سکا تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے مجھے قطعاً مایوس نہیں کیا اور نہایت احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے' ہوشیاری کے ساتھ سرخ کار کا پیچھا کرتا رہا۔ انعام کے علاوہ سرکاری کام والی بات نے بھی اس پر اپنا اثر دکھایا تھا۔

تقریباً دس منٹ تک وہ کار اسلام آباد کی صاف ستھری سڑکوں پر دوڑتی رہی' پھر مرگلہ روڈ پر ایک وسیع و عریض بنگلے کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی۔ میرے ڈرائیور نے اس بنگلے سے چند سو گز دور نکلنے کے بعد ٹیکسی فٹ پاتھ سے لگا کر روک دی۔

"صاب! بُرا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں؟" چند ثانیوں کی بوجھل خاموشی کے بعد ڈرائیور نے میری طرف گھوم کر خاصے معذرت خواہانہ انداز میں سوال کیا۔

میں اپنا سر اثبات میں ہلا کر رہ گیا۔ اُس وقت میرا ذہن اپنے شکار کی اس عمارت سے واپسی کے وقت کا تعین کرنے میں الجھا ہوا تھا۔

"لال گاڑی والا تمہیں کس سلسلے میں مطلوب ہے؟" میرے ایما پر اُس نے سوال کیا۔

"وہ اہم سرکاری رازوں کو اِدھر اُدھر کرتا ہے' اسی لیے اس پر نظر رکھی جارہی ہے۔"

"اوہ!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "ہو سکتا ہے کہ وہ کافی دیر تک واپس نہ لوٹے۔ میں ٹیکسی اگلی گلی میں کھڑی کر لیتا ہوں۔ یہاں ہم لوگ کسی کی نظروں میں آجائیں گے۔ اس اڈّے کے چاروں طرف خاصی دیکھ بھال ہوتی رہتی ہے۔ ہم الجھن میں بھی پڑ سکتے ہیں۔"

اس کی زبان سے اڈّے کا ذکر سن کر' میں چونک پڑا "کیا تم اس عمارت سے واقف ہو؟"

"یہ شہباز خان کا اڈّا ہے اور یہاں ہر وقت دو چار بارسوخ افسر یا تاجر موجود رہتے ہیں۔" اس نے غیر ضروری طور پر اپنا لہجہ دھیما کرتے ہوئے' ڈرامائی لہجے میں کہا "اندر ولایتی شراب اور ہر قوم کی لڑکیوں کی ریل پیل رہتی ہے' جن سے شہباز خان ہر رات لاکھوں روپے کماتا ہے۔"

"پھر تو تم روحی کے اڈّے سے بھی واقف ہو گے؟" میں نے اس پر اپنی معلومات کا رعب ڈالنے کے لیے پوچھا۔

"روحی تو شہباز خان کی رکھیل ہے۔ لوگ اس کے یہاں آتے ہیں اور وہ اپنا دل پشوری کرنے کے لیے روحی کے پاس جاتا ہے۔ پرسوں روحی کے اڈّے پر ایک بڑی واردات بھی ہو چکی ہے۔ شریف اور عزت دار لوگ اب ادھر کا رخ کرنے سے کترانے لگیں گے۔ ویسے شہباز خان میرا بہت اچھا واقف کار ہے۔ تگڑے گاہک لانے پر کئی بار مجھے انعام بھی دے چکا ہے۔ تم چاہو تو میں اس سے لال گاڑی والے کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتا ہوں۔"

میں نے اسے کڑی نظروں سے گھورا اور کہا "مجھ سے الگ ہونے کے بعد تم ہر بات بھول جاؤ گے۔ یہ بہت اونچا کھیل ہے۔ تم

نے اس میں اپنی ٹانگ اڑائی تو بے موت مارے جاؤ گے۔"

"ارے باپ رے!" اس نے بوکھلا کر اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے پھر مستعدی کے ساتھ پوچھا "میرے لیے کیا حکم ہے؟ ٹیکسی گلی میں لے جاؤں یا یہیں کھڑا رہوں؟"

"اپنے عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے' آہستہ آہستہ آگے چلو پھر اسی سڑک پر واپس لوٹ آؤ۔ اسے باہر نکلنے میں زیادہ دیر نہیں لگانی چاہیے" میں نے اسے ہدایت کی۔

اس عمارت کے بارے میں جان لینے کے بعد' میں نے حساب لگایا تھا کہ میرے شکار کو کسی نئی لڑکی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی ساتھی ریستوران میں اس کی منتظر تھی۔ غالب امکان یہی تھا کہ وہ لڑکی کے شباب کو دو آتشہ بنانے کے لیے ولایتی شراب کی جستجو میں وہاں تک آیا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو وہ خود دوڑ لگانے کے بجائے' ریستوران سے فون کر کے بھی متعلقہ آدمی سے بات کر سکتا تھا۔ اس وقت اس کے سر پر اپنی ساتھی لڑکی کے دلآویز پیکر کا بھوت سوار تھا اس لیے مجھے پورا یقین تھا کہ وہ شہباز خان کے اڈے سے جلد از جلد باہر نکلنے کی کوشش کرے گا کیونکہ اسے وہاں صرف پیسے دے کر شراب کی بوتل لینی تھی۔

سڑک پر کچھ دور جانے کے بعد' ڈرائیور اچانک ہی تحسین آمیز انداز میں بول پڑا "تمہارا اندازہ واقعی درست ثابت ہوا۔ لال گاڑی باہر نکل کر واپس مڑ رہی ہے۔"

میری گردن غیر ارادی طور پر پیچھے گھوم گئی۔ اس اثنا میں لال گاڑی سڑک پر آچکی تھی۔

اس سڑک پر عام طور پر ٹریفک کا زیادہ ہجوم نہیں ہوتا' اس لیے ڈرائیور نے ٹیکسی فوراً ہی واپس گھمالی اور درمیانی فاصلے کا بڑھتا ہوا فرق کم کرنے کے لیے یکایک ہی رفتار بڑھانی شروع کر دی۔

لال گاڑی کے پہلے موڑ سے ہی میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ واپس ریستوران کی طرف جا رہا تھا۔

"مجھے لال گاڑی سے پہلے اسی مقام پر پہنچا دو جہاں سے ہم نے سفر کا آغاز کیا تھا" میں نے اس کو اگلی ہدایت دی اور اس پرانی ٹیکسی کی رفتار میری توقع سے بھی زیادہ تیز ہوتی چلی گئی۔

میں نے میٹر پر ایک نگاہ ڈالی اور مزید دو سو روپے ڈرائیور کے حوالے کر دیے۔

"اب تمہیں ایک کام اور کرنا ہوگا" پیسے دینے کے بعد میں نے کہا "لال گاڑی والا جب گاڑی پارک کر کے کہیں جائے تو تم اس کی کار کے پچھلے ٹائر کی ہوا نکال دینا یا اس میں پنکچر کر دینا۔"

اس وقت تک وہ بلا چون وچرا' میری ہر بات مانتا چلا آرہا تھا لیکن اس مرحلے پر اس نے متردد انداز میں کہا "میں تمہارے حکم پر یہ سب کر تو رہا ہوں لیکن سچ بات یہ ہے کہ میرا دل ڈوب رہا ہے۔ کوئی گڑبڑ ہوئی تو میرے بال بچوں کو کوئی دو وقت کی روٹی کے لیے بھی نہیں پوچھے گا۔ ہم غریب لوگ اپنی دال روٹی ہی میں مگن رہتے ہیں' صاحب! ہمیں زیادہ کی کوئی ہوس نہیں ہوتی۔ تمہارے انعام جتنی رقم میں دو دن میں بھی مشکل سے کماتا ہوں۔"

میں نے اس کے خوف کا سبب بھانپتے ہوئے' نرمی سے کہا۔ "میری دی ہوئی رقم سے فکر میں نہ پڑو۔ تمہاری حد تک یہ بالکل سیدھا سادہ کام ہے۔ لال گاڑی کا ایک ٹائر ناکارہ کر کے' تم وہاں سے چلے جانا۔ آگے کا معاملہ میں خود سنبھال لوں گا۔ اس میں تمہیں نہیں الجھاؤں گا۔"

ڈرائیور میری بات کے جواب میں کچھ نہیں بولا۔ اس نے مہارت اور تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے' مجھے بہت جلد میری منزل پر اتار دیا۔ میں دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر تھپکی دے کر ٹیکسی سے اترا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ریستوران کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اُس وقت تک لال گاڑی کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

ریستوران کے دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی میری کھوپڑی بھک سے اُڑ گئی۔

میرے شکار والی میز بالکل سامنے ہی تھی لیکن اس وقت وہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ میرے شکار کی ساتھی لڑکی میری غیر حاضری میں کہیں غائب ہو چکی تھی۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ مجھے زبردست چوٹ دی گئی تھی۔ شاید میرا شکار' میری موجودگی سے واقف ہو گیا تھا لیکن وہ شروع سے آخر تک نہایت کامیابی کے ساتھ خود کو بے خبر ظاہر کرتا رہا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لگا کر ہوٹل سے باہر لے گیا اور پیچھے سے اس کی ساتھی لڑکی غائب ہو گئی۔ دوسری طرف میں نے اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے اسے کھو دیا۔ اگر میں اس کا پیچھا نہ چھوڑتا تو شاید وہ خود ہی مجھے غچا دے کر نکل بھاگنے کی کوشش کرتا اور میں ناکامی کے بعد پیچ وتاب کھاتا رہ جاتا۔

وہ خیالات میرے ذہن میں ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں آکر گزر گئے اور ان کے فوراً بعد ہی مجھے خیال آیا کہ اس لڑکی کی نگرانی کے لیے ویرا موجود تھی۔ لڑکی نکل بھاگی تھی تو ویرا کو بھی اس کے پیچھے جانا چاہیے تھا یا پھر میری ہدایت کے مطابق ہوٹل لوٹ جانا چاہیے تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی میری نظریں اپنی میز کی طرف اٹھ گئیں۔ ویرا بدستور وہاں براجمان تھی اور ہاتھ لہرا کر مجھے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

میں اپنے قیاسات کی برق رفتاری پر جھنجلا کر رہ گیا۔ لڑکی کے غائب ہونے کے بارے میں کچھ سوچنے سے پہلے مجھے ویرا کی میز کی طرف دیکھ لینا چاہیے تھا۔ لیکن وہ سب میرے بس سے باہر تھا۔ ان دنوں میں خطرات سے لڑ کر ہی جی رہا تھا۔ اس لیے ہر منفی صورتِ حال پر ذہن کسی ارادے کے بغیر ہی چل پڑتا تھا۔

"اندر گھستے ہی ٹھٹک کر رک کیوں گئے تھے؟" ویرا نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

"مجھے واپس لوٹنے میں زیادہ دیر نہیں ہوئی لیکن لڑکی غائب

ہے۔ وہ کہاں گئی؟" میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"اسے میں نے بھگا دیا" وہ فخریہ لہجے میں بولی "اب تمہارا شکار اکیلا رہ گیا ہے۔ اس سے ہم آسانی سے نمٹ سکیں گے" پھر وہ بری طرح چونک کر بولی "مگر اسے تم کہاں چھوڑ آئے؟"

"اگر اس کا مقدر خراب ہے یا اس کے دماغ میں کیڑے پڑ گئے ہیں تو وہ ضرور ادھر آئے گا" میں نے جھنا کر کہا "لیکن تمہیں اس لڑکی پر طبع آزمائی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میرے سامنے بددماغ شوہروں جیسی حرکتیں کرنے کی ضرورت نہیں" وہ ترشی کے ساتھ بولی مگر فوراً ہی خود بخود ہنس پڑی۔

"تمہارا اندازہ درست تھا۔ وہ ایک ڈرپوک سی کال گرل تھی۔ جب میں نے اسے بتایا کہ وہ ایک جنونی قاتل سے اپنے وقت اور جسم کا سودا کر بیٹھی ہے تو وہ بے چاری اس بری طرح خوف زدہ ہوئی کہ اپنی جیب سے بل ادا کر کے رفوچکر ہوگئی۔ میرا خیال تھا کہ اس لڑکی کی وجہ سے ہمیں اپنے شکار کو پھانسنے میں دشواری ہو سکتی ہے۔ میں نے تمہارے لیے سہولت پیدا کرنے کی کوشش کی اور تم بلاوجہ مجھے آنکھیں دکھا رہے ہو۔ کبھی تو میرے بھی کسی کام کی تعریف کر دیا کرو۔"

"تم نے میرا سارا منصوبہ چوپٹ کر دیا ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا "لڑکی کو موجود نہ پا کر' وہ مجھ سے زیادہ بوکھلا جائے گا اور ہمیں فوراً ہی اس پر ہاتھ ڈالنا پڑ جائے گا۔ وہ شراب لینے گیا تھا اور اب کسی بھی لمحے یہاں پہنچنے والا ہوگا۔"

"وہ آ گیا!" ویرا میری بات پوری ہوتے ہی بول پڑی۔ اس کی نگاہیں دروازے کی طرف تھیں۔

میں نے آہستگی سے اپنی کرسی کا رخ گھما کر کن انکھیوں سے اس طرف دیکھا تو وہ شخص بری طرح بوکھلایا ہوا نظر آیا۔ وہ دروازے کے قریب کھڑا' گھور اندھیرے سے تیز روشنی میں پھینکے جانے والے کسی الو کی طرح' تیزی سے اپنی پلکیں جھپکاتے ہوئے دیدے نچا رہا تھا۔ اس نے جس حسین و جمیل لڑکی کی صحبت سے لطف اندوز ہونے کے لیے پاپڑ بیلے تھے' وہ یک بیک غائب ہو چکی تھی اور وہ خود قابلِ رحم حالت میں نظر آ رہا تھا۔

پھر وہ استفسار کے لیے ریستوران کے مختصر سے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ اب یہاں نہیں رکے گا" میں نے ویرا کو آگاہ کیا "میں اس کے پیچھے نکلوں گا۔ تم بل ادا کر کے آ جانا۔ باہر مجھ سے ملاقات نہ ہو تو ہوٹل کی طرف چلی جانا۔ پتا نہیں اب کہاں کہاں کی خاک چھاننی پڑے گی؟"

"ہو سکے تو باہر میرا انتظار کر لینا۔ میں بل ادا کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گی۔"

میں اسے گھورتا ہوا' وہاں سے اٹھ کر نکاسی کے راستے کی طرف چل دیا۔

لڑکی کے غائب ہونے کی وجہ سے اس شخص کا ذہن پراگندگی کا شکار ہو گیا تھا جس کے اثرات' اس کی چال ڈھال تک پر مرتب ہو رہے تھے۔ وہ متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا بے اعتمادی کے عالم میں اپنی گاڑی کی طرف جا رہا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ ریستوران کے عملے نے اس لڑکی سے ویرا کی ملاقات کے بارے میں زبان نہیں کھولی تھی ورنہ وہ ریستوران سے نکلنے سے پہلے ویرا کی طرف ضرور متوجہ ہوتا اور ہم دونوں کو پہچانتے ہی' اسے حقیقی خطرے کا ادراک ہو جاتا' جس کے بعد صورتِ حال کوئی بھی ہنگامی موڑ لے سکتی تھی۔

باہر آنے کے بعد میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ مجھے لانے والی ٹیکسی اس علاقے میں موجود نہیں تھی۔ شاید ٹیکسی ڈرائیور اپنا کام مکمل کرنے کے بعد' میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے' وہاں سے رخصت ہو چکا تھا۔

وہ شخص اپنی گاڑی تک پہنچا اور جب میں نے لال گاڑی کو فوری طور پر پارکنگ لاٹ سے باہر رینگتے ہوئے دیکھا تو مجھے شدت کے ساتھ اپنی بے بضاعتی پر غصہ آنے لگا لیکن لال گاڑی کی حرکت ہموار نہیں تھی۔ گاڑی کا پچھلا حصہ کافی ڈگمگا رہا تھا۔ چند سیکنڈ میں ہی اس شخص کو بھی گڑبڑ کا اندازہ ہو گیا۔ لال گاڑی رک گئی اور وہ شخص کار سے باہر نکل کر اپنی سمت کے عقبی پہیے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ میرے تین سو روپے رائیگاں نہیں گئے تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے اپنے خوف کے باوجود میری ہدایات پر پوری طرح عمل کیا تھا۔ لال گاڑی کا ٹائر ناکارہ ہو جانے کی وجہ سے وہ شخص فوری طور پر وہاں سے روانہ ہونے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔

میں دور کھڑا رہا اور اسے گاڑی میں سے اوزار نکال کر وھیل بدلنے کی تیاریاں کرتے دیکھتا رہا۔ اسی اثنا میں ویرا بھی فارغ ہو کر مجھ سے آن ملی۔

"یہاں کھڑے کیا سوچ رہے ہو؟" اس نے میری پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں سامان کے تھیلے لٹکے ہوئے تھے۔

"وہ اپنی گاڑی کا ناکارہ پہیہ تبدیل کر رہا ہے" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا "میں اس کی طرف جا رہا ہوں۔ موقع محل کی مناسبت سے تم مداخلت کا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہو۔"

"تم فکر نہ کرو۔ اب وہ ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جا سکے گا۔"

قدرے آگے جا کر میں نے اس کی پوزیشن کا اندازہ لگایا پھر ایک لمبا چکر کاٹ کر' اس کی پشت کی جانب سے اس کے سر پر جا پہنچا۔ اس وقت تک وہ وھیل کے نٹ ڈھیلے کر کے گاڑی کو جیک پر اٹھا چکا تھا اور ہاتھ سے نٹ کھول کر وھیل نکالنے میں مصروف تھا۔

آس پاس کئی گاڑیاں ضرور موجود تھیں لیکن اس لاٹ میں کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ دکانوں اور برآمدوں میں موجود لوگ اتنی دور سے کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ میں نے نہایت آہستگی اور خاموشی کے ساتھ بیم گن نکال کر اس کا آہنی نوزل اس کی گردن سے لگا دیا۔

"ذرا بھی ہلنے جلنے کی کوشش کی تو میں تمہیں پل بھر میں جلا کر خاک کر دوں گا" میں نے بیم گن والے ہاتھ کو اپنے جسم کی اوٹ میں چھپاتے ہوئے غرا کر کہا۔

وہ اضطراری طور پر بری طرح بدکا' جوں ہی اس کی نگاہ میرے چہرے پر پڑی' خوف اور دہشت سے اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

"تت.... تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ رات کے واقعات میں میرا کوئی قصور نہیں تھا" اس نے ہکلاتے ہوئے بدقت تمام اپنی صفائی پیش کی۔

"ڈرو نہیں!" میں نے مکاری سے کام لیتے ہوئے اسے دلاسا دیا "مجھے تم سے کچھ معلوم کرنا ہے۔ تعاون کرو گے تو تھوڑی دیر بعد گلو خلاصی ہو جائے گی ورنہ....." میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور بیم گن کا رخ جیک راڈ کی طرف کر کے اس کا ٹریگر دبا دیا۔

بیم گن کے نوزل سے خارج ہونے والی مہلک شعاعوں کی پتلی سی نیلگوں دھار' دن کے اجالے میں معدوم ہو کر رہ گئی تھی لیکن اس نے جیک راڈ کو دو حصوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ مڑی ہوئی آہنی سلاخ کا وہ حشر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے گہرے ہو گئے اور اس نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا "اجازت ہو تو میں ٹائر بدل لوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کوئی گڑبڑ نہیں کروں گا۔"

میں نے اسے تیزی سے پہیہ بدلنے کی ہدایت کی اور اشارے سے ویرا کو اپنی طرف بلا لیا۔

ویرا نے آتے ہی اندازہ لگا لیا کہ صورتِ حال میرے قابو میں تھی۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر سامان کے تھیلے پسنجر سیٹ پر ڈالے اور جھک کر بقیہ تینوں دروازے بھی غیر مقفل کر دیئے۔

اس وقت کوئی شخص ادھر آنکلتا تو یہی سمجھتا کہ ہم تینوں مل کر اس گاڑی کا ناکارہ پہیہ بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے اسے دہشت زدہ کرنے کے بعد بیم گن اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے اسے یہ بتا دیا تھا کہ میں اپنی جیب میں سے ہی اس کی کھوپڑی کو نشانہ بنا سکتا تھا۔

چند منٹ بعد ویرا اس گاڑی کو چلا رہی تھی اور میں اپنے شکار کے ساتھ عقبی نشست پر براجمان تھا۔

"میں حلفیہ کہتا ہوں کہ مجھے تم دونوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ظفر نے کل دوسری مرتبہ مجھے بلوایا تھا اور ایک رات کے لیے دو ہزار روپے معاوضہ دیا تھا۔ میں نے جو کچھ کیا' ظفر کے حکم پر کیا تھا" کچھ دیر کی بوجھل خاموشی کے بعد اس نے خود ہی بھرائی ہوئی آواز میں بولنا شروع کر دیا۔

"ظفر کون ہے؟" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"بڑے کمرے میں جو کلاشنکوف والا بیٹھا ہوا تھا' اسی کا نام ظفر ہے۔ وہ ان لوگوں میں سب سے بڑا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے کل رات سے پہلے صرف ایک مرتبہ اس کے لیے کام کیا تھا۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ اس کی تم سے کیا دشمنی چل رہی ہے۔ ویسے وہ خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"کل رات وہاں کتنے آدمی تھے؟" میں نے اس سے اگلا سوال کیا۔

"ظفر سمیت چھ افراد تھے۔ ان میں سے دو کو تم نے زخمی کر دیا تھا۔ تم لوگوں کے نکل بھاگنے کے بعد وہ غصے میں پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اور ذرا ذرا سی بات پر ہر ایک کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ اسے بھی گولی کا زخم آیا تھا۔"

"وہ ویران عمارت کب سے تم لوگوں کے زیر استعمال ہے؟"

"میں نے بتایا نا کہ میں کل پہلی بار وہاں گیا تھا۔ وہ عمارت ان لوگوں کی دیکھی بھالی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کافی عرصے سے اسے استعمال کر رہے ہوں۔"

"ظفر اور اس کے آدمیوں کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میرے لیے وہ سب نئے لوگ ہیں۔ پنڈی میں پہلے کبھی ان سے واسطہ نہیں پڑا۔"

"تمہارا ان سے رابطہ کیسے ہوتا ہے؟ ان کے ٹھکانے کہاں کہاں ہیں؟"

"راجا بازار میں میری پرانی بیٹھک ہے۔ دونوں مرتبہ ظفر نے خود ہی مجھے فون کیا تھا۔ بعد میں اس کے آدمی مقررہ وقت پر مجھے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ مجھے اس سے رابطہ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔"

"وہ لڑکی کون تھی؟ تم اس کے ساتھ بارونق علاقوں میں کیا کرتے پھر رہے تھے؟"

"وہ ایک مہنگی کال گرل تھی۔" اس نے کھسیائے ہوئے انداز میں اعتراف کیا "ظفر نے گیارہ بجے مجھے لال مسجد کے پاس اتارا تھا تو اس کے بعد وہ لڑکی خود ہی مجھ سے آ ٹکرائی تھی۔ میں یہ گاڑی کرائے پر لینے گیا تو وہ پہلے سے وہاں موجود تھی۔ میں شام کو آ کر اسے اپنی بیٹھک پر لے جانے والا تھا لیکن وہ اچانک ہی کہیں غائب ہو گئی۔ میں نے تو اسے پیسے بھی نہیں دیئے تھے۔ ہوٹل والے بتا رہے تھے کہ وہ چائے وغیرہ کا بل اپنی گرہ سے ادا کر کے عجلت میں وہاں سے گئی تھی۔"

میں اس کی زبان سے گیارہ بجے کا ذکر سن کر چونک پڑا۔ اول خان کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق ظفر کو صبح سویرے لاجسٹکس سیکیورٹی سیل کے دفاتر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ اس کے بعد وہاں خوفناک آگ لگ گئی اور ظفر کو کسی نے بھی وہاں سے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن میرے قیدی کی کہانی

کچھ اور ہی بتا رہی تھی۔ ظفر گیارہ بجے تک اسلام آباد میں دندناتا رہا تھا اور یہ بات اس امر کا کھلا ثبوت تھی کہ آتش زدہ ملبے سے برآمد ہونے والی سوختہ لاش جعلی تھی۔ ظفر کے روپ میں چھپے ہوئے البرٹوو ۔یلیسا نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے ایس ٹی ایف کے کسی اہل کار کو سرسری طور پر اپنا روپ دے کر آگ میں جھونک ڈالا تھا اور بعد میں اسی بدنصیب کو ظفر سمجھ لیا گیا تھا۔

"اگر وہ گیارہ بجے تک تمہیں اپنے ساتھ لیے پھر رہا تھا تو وہ کہاں کہاں گیا تھا؟ اس ویرانے میں تو سارا قصہ پوچھنے سے پہلے ہی نمٹ گیا تھا" میں نے اس کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"شاید تم لوگ ظفر کی کوئی جیپ لے بھاگے تھے" اس نے قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہنا شروع کیا "یہ معلوم ہونے کے بعد ظفر اپنے آدمیوں کو وہیں چھوڑ کر میرے ساتھ نکل آیا تھا۔ اس کی گاڑی میں ہی چلا رہا تھا..."

"ایک منٹ!" میں نے اس کی قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ "گاڑی کہاں سے آئی؟"

"دو گاڑیاں گیراج میں بند کی گئی تھیں۔ میں نے ان میں سے شیراڈ نکالی تھی" اس نے بتایا۔

"اپنی کہانی جاری رکھو!" اسے خاموش پا کر میں نے لقمہ دیا۔ "مجھے ظفر کی نقل و حرکت کی ایک ایک تفصیل درکار ہے۔ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ وہ کن مقامات پر گیا تھا۔ تم سے ذرا سی بھی لغزش ہوئی تو تمہارا انجام آہنی جیک راڈ سے مختلف نہیں ہوگا۔"

"وہ اسلام آباد کے پہاڑی سلسلے کے ساتھ واقع ایک کیمپ میں گیا تھا" اس نے چند ثانیوں کے بعد کہنا شروع کیا۔ "وہاں کوئی باوردی فوجی نہیں تھا لیکن تین باڑھوں میں گھرے ہوئے اس علاقے میں گولا بارود اور دوسرے فوجی ہتھیاروں سے لدے ہوئے ٹرک بکھرے ہوئے تھے۔ کئی جگہ ترپالوں سے ڈھکے ہوئے انبار موجود تھے۔ ظفر اس فوجی یا نیم فوجی کیمپ کی ایک رہائشی بیرک میں گیا تھا۔ میں باہر ہی اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ پونے سات بجے وہ ایک اور آدمی کے ساتھ نمودار ہوا۔ دوسرا آدمی جسامت اور لباس میں اسی جیسا تھا۔ میرے ساتھ وہ دونوں اس کیمپ کے دفتری علاقے میں گئے۔ وہاں ظفر سامنے سے اندر چلا گیا۔ دوسرا آدمی کسی چھاپا مار کی طرح چھپتا اور دبکتا ہوا پچھلی طرف چلا گیا۔ کچھ دیر بعد پچھلی سمت سے ایک سایہ نمودار ہوا تو میں اسے ظفر کا ساتھی سمجھا لیکن اس کے قریب آنے پر پتا چلا کہ وہ ظفر ہی تھا۔ اس نے اپنے چہرے کا خاصا حصہ مفلر میں لپیٹا ہوا تھا۔ میرے لیے وہ باتیں ناقابل فہم تھیں۔ پھر میں اسے لے کر باہر آ گیا۔ ہم نے دوبارہ اس ویران مضافاتی عمارت کا چکر لگایا تو وہاں سناٹا تھا اور عمارت مقفل پڑی ہوئی تھی۔ ظفر کے آدمی وہاں سے واپس جا چکے تھے۔ ادھر کا جائزہ لینے کے بعد ہم دوبارہ کیمپ کی طرف آئے تو ہمیں دور سے ہی فلک بوس شعلوں کی چادر نظر آئی۔ اسی کے ساتھ فضا ہولناک دھماکوں سے بھی لرز رہی تھی۔ ظفر نے ادھر جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور اس کی ہدایت پر ہم شہباز خان کے اڈے پر پہنچ گئے۔ شہباز خان شاید ظفر کا پرانا دوست ہے۔ ہم نے وہیں ناشتا کیا پھر وہ دونوں ایک کمرے میں چلے گئے۔ وہاں سے واپسی پر ظفر نے مجھے لال مسجد کے پاس اتار دیا اور خود شیراڈ لے کر کہیں واپس چلا گیا۔ یہ میری پوری کتھا ہے۔ اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تم تھوڑی دیر پہلے شہباز خان کے اڈے پر کس سے ملنے گئے تھے؟"

"اوہ! تو میرا تعاقب بھی ہوتا رہا ہے؟" وہ حیرت کے ساتھ بولا۔ "دراصل میں اسکاچ کی بوتل لینے کے لیے گیا تھا۔ آج کل پنڈی میں اسکاچ مشکل سے ملتی ہے۔ مجھ سے مری یا کوئٹہ کی وسکی کی تیز بُو برداشت نہیں ہوتی۔ وہ دونوں ہی بہت تیزی کے ساتھ دماغ کو چڑھتی ہیں۔"

"ظفر کے ساتھ بیرک سے آنے والے دوسرے آدمی کا نام کیا تھا؟"

"گاڑی میں انہوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی تھی اس لیے مجھے اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔"

"اس کی کوئی واضح شناخت تمہیں یاد ہے؟" میں نے پُرخیال لہجے میں پوچھا۔

"نہیں!" اس نے بلا توقف کہا پھر ذہن پر زور دینے کی کوشش کرتے ہوئے بولا "ان دونوں کے خدوخال ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف تھے لیکن جسموں اور چہروں کی بناوٹ حیرت ناک حد تک یکساں تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ دوسرے آدمی کی داہنی آنکھ کے کونے پر کسی پرانے زخم کا نشان تھا۔ ہو سکتا ہے کہ میرا یہ خیال غلط ہو کیونکہ اس وقت روشنی کم تھی اور وہ ایک ہی بار میرے سامنے آیا تھا۔"

"اب ظفر کہاں مل سکے گا؟" میں نے پہلو بدل کر اپنی پوزیشن درست کرتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم" اس نے بے بسی سے کہا "اس سے میری واقفیت اتنی مختصر ہے کہ مجھے یہ تک نہیں معلوم کہ وہ یہاں کیا کرتا پھر رہا ہے۔ میں معقول معاوضے پر چوری، ڈکیتی اور اغوا سے لے کر قتل تک کرتا رہا ہوں لیکن ظفر نے دونوں مرتبہ مجھے بہت معمولی کاموں کی ذمے داری سونپی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے آزمانے کے بعد رفتہ رفتہ بڑے کاموں میں ڈالنا چاہتا ہو۔"

"وہ ظفر نہیں بلکہ ایک بہت بڑا غیر ملکی مجرم ہے" آخر کار میں نے اسے پوری صورتِ حال سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا کیونکہ اس وقت تک گاڑی اسلام آباد کی آبادی کو پیچھے چھوڑ کر اسی راستے پر دوڑ رہی تھی جو پچھلی رات ظفر نے ہمیں لے جانے کے لیے اختیار کیا تھا۔

"غیر ملکی مجرم!" وہ میرے انکشاف پر بھونچکا رہ گیا "وہ تو ہر طرح مقامی معلوم ہوتا تھا۔"

"اپنی جلد کا رنگ بدل لوں تو اپنی اردو کی وجہ سے میں بھی پاکستانی معلوم ہونے لگوں گی" ویرا نے میری معنی خیز گفتگو کا رخ بھانپتے ہوئے پہلی بار زبان کھولی۔

"وہ صرف غیر ملکی نہیں بلکہ کٹر نسل پرست یہودیوں کا جاسوس ہے" میرے لہجے میں خود بخود تلخی عود کر آئی "اس نے تمہاری مدد سے ایک بہت اہم کیمپ کو آگ لگائی ہے جہاں کروڑوں کا مالی نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔ جانی نقصانات اس کے علاوہ ہوں گے۔ تمہارے خلاف فردِ جرم بہت سنگین ہے۔"

"کک.... کیا مطلب؟" میرے امکانی عزائم کو بھانپتے ہی اس کی آواز پر لکنت طاری ہوگئی۔

"تمہیں زندہ رکھ کر' میں ظفر کے ہاتھ مضبوط کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا" میں نے پھرتی کے ساتھ بیم گن کی نال اس کے بائیں پہلو میں اڑاتے ہوئے کہا "تم ویسے بھی قتل' ڈکیتی اور اغوا کے اقبالی مجرم ہو۔ اتنے جرائم کے ارتکاب کے بعد تمہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

اس نے اپنی پشت سے اچک کر میری گردن دبوچنے کی کوشش کی لیکن اس کو بیم گن کی ہلاکت خیزی کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ میں نے ٹریگر پر انگلی کا ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ مہلک شعاعیں اس کی پسلیوں کو چھیدتی ہوئی شاید اس کے دل میں اتر گئیں اور اس کا بدن ایک ہولناک تشنج کے ساتھ یک بیک بے جان ہوگیا۔

"یہ بھی گیا" ویرا نے عقب نما آئینے میں میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب میرا اور تمہارا اسکور برابر ہوگیا ہے۔"

"تم نے مجبوری کے تحت اسپیشل ٹاسک فورس والے کو مارا تھا" میں نے اپنے حریف کے بے جان وجود کو ایک طرف دھکیلتے ہوئے کہا "میں نے صحیح آدمی کو ٹھکانے لگایا ہے۔ ان دونوں کا آپس میں موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے اب یہ کھیل طول پکڑتا ہوا نظر آرہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں بھی جلد ہی اسکور بنانے کا کوئی مناسب موقع مل جائے۔ فی الحال میں تم سے آگے ہوں۔"

میرے ایما پر ویرا نے گاڑی کچے میں اتار دی۔ ناہموار زمین پر ڈرائیو کرتے ہوئے گاڑی ایک ٹیلے کی اوٹ میں پہنچی تو میں نے اسے رکوا کر اپنے حریف کی بے جان لاش باہر لڑھکا دی اور بمشکل ڈیڑھ دو منٹ کے بعد ہم دوبارہ اسلام آباد کی طرف واپس جارہے تھے۔

★★★

اول خان اسلام آباد میں پیش آنے والے واقعات پر بہت ملول اور دل گرفتہ تھا۔

اسے پہلا دکھ اس بات کا تھا کہ البرٹو ویلیسا نے اپنے پس پردہ عزائم کے حصول کے لیے اسپیشل ٹاسک فورس کی نفری کو بہت بے رحمی کے ساتھ استعمال کیا تھا جس کے نتیجے میں فورس کا ایک آدمی ویرا کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ ہم سے پوری طرح متفق تھا کہ ویرا کے سامنے خوں ریز مقابلے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں چھوڑا گیا تھا۔ اس کے ستارے یاور تھے کہ لاہور سے واپسی پر وہ اغوا ہونے یا مارے جانے سے بال بال بچ گئی تھی۔ وہ اپنے اغوا کنندگان کے خلاف بے دردانہ رویّہ اختیار نہ کرتی تو خود موت کا شکار ہوسکتی تھی۔ وجوہ اور اسباب خواہ کچھ بھی رہے ہوں' اٹل حقیقت یہ تھی کہ فورس کا ایک جاں باز اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا اور اول خان اپنی فورس کے ہر کارکن پر بجا طور پر ناز کیا کرتا تھا۔ اسے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس کا کوئی قریبی عزیز مارا گیا ہو۔

دوسرا معاملہ لاجسٹکس سیکیورٹی سیل کی آتش زنی کا تھا۔ وہ ادارہ دفاعی نوعیت کے اہم سازو سامان کی فوجی اور برآمدی مقاصد کے لیے نقل و حرکت کی بیشتر کارروائیوں کا ذمّے دار تھا۔ اکثر اوقات باہر سے آنے والی کھیپیں بھی اسی ادارے کی نگرانی میں منزل مقصود تک پہنچائی جاتی تھیں۔ آتش زنی کے نتیجے میں سیل کی کافی گاڑیاں تباہ ہوگئی تھیں۔ اسلحہ تیار کرنے والی فیکٹریوں سے آئی ہوئی بہت سی پیٹیاں بھی جل کر راکھ ہوگئی تھیں۔ فورس کے ذمّے داروں نے سردھڑ کی بازی لگا کر ناقابلِ تلافی نقصانات سے خود کو بچالیا تھا۔ لیکن پھر بھی اس پُراسرار آگ نے بھاری مالی نقصان پہنچایا تھا۔ سب سے زیادہ فکر انگیز بات یہ تھی کہ ناقابلِ شکست حفاظتی انتظامات کے باوجود اس سانحے کو نہیں روکا جاسکا تھا اور قومی اہمیت کی تنصیبات کی سلامتی کے تمام ذمّے دار سر جوڑ کر اپنی حکمتِ عملیوں پر نظرِ ثانی کرنے پر مجبور ہوگئے تھے تاکہ آئندہ ایسے کسی اور واقعے کو رونما ہونے سے روکا جاسکے۔

حیرت ناک بات یہ تھی کہ اس خوف ناک بارودی آگ سے لڑنے والے متعدد فرض شناس کارکن زخمی ضرور ہوئے تھے لیکن مرنے والا صرف ایک ہی تھا جسے ظفر کے طور پر شناخت کیا گیا تھا۔

اول خان مُردہ خانے میں' اس کی جلی ہوئی لاش دیکھ کر آیا تھا۔ اس نے ویرا کے اس دعوے کی تصدیق کی تھی کہ متوفی کے دونوں ہاتھ جل کر اس طرح کوئلہ ہوگئے تھے کہ ان سے کچھ بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بیلٹ' جوتوں اور بٹنوں وغیرہ کے بچے ہوئے دھاتی حصوں اور لباس سے برآمد ہونے والی چابیوں کی بنا پر اسے ظفر کی لاش قرار دیا گیا تھا۔

ایس ٹی ایف کے افسران کی صفوں پر ایسی سوگوار اور ماتمی کیفیت طاری تھی کہ اول خان اس لاش کے بارے میں زبان کھولنے کی ہمت نہیں کرسکا تھا۔ اس کی دلیل وہی تھی کہ ہمارے اٹھائے ہوئے نکات سے وہ پوری طرح متفق تھا لیکن ایک جلی ہوئی مشتبہ لاش برآمد ہونے کے بعد ہر ثبوت ضائع ہوگیا تھا اور وہ محض زبانی دلائل کی بنیاد پر کسی کو بھی اپنا ہم نوا نہیں بنا سکتا تھا۔

ہم دونوں نے نہایت صبر و تحمل اور خاموشی کے ساتھ اس کی
کہانی سنی اور جب اس نے اپنے دل کی کافی بھڑاس نکال لی تو
میں نے اسے البرٹو ویلیسا کے خفیہ ٹھکانے کے وجود پر دھیان دینے
کا مشورہ دینے کے ساتھ ہی ان باتوں سے بھی آگاہ کردیا جو مجھے لال
داڑھی والے بدمعاش سے معلوم ہوئی تھیں۔

"اگر کوئی ایسا گواہ موجود ہے جس نے ظفر کو گیارہ بجے تک
زندہ دیکھا ہے تو تمہارا دعویٰ درست ثابت ہوجاتا ہے۔" اول
خان نے پُرتفکر لہجے میں کہا "لیکن تم اسے ہلاک کرچکے ہو۔ بات
پھر وہیں آجاتی ہے کہ ہماری زبانی باتوں پر کون کس حد تک یقین کرسکتا
ہے؟"

"ظفر کو اکیلا دیکھا گیا تھا" میں نے اسے یاد دلایا "جب کہ اس
کے ساتھ دوسرا آدمی بھی تھا۔ اس سیل کے عملے میں سے دوسرا
شخص بھی لاپتا ہوگا۔ ہمیں اس کے بارے میں چھان بین کرنی
ہوگی۔"

"وہ کام بھی اتنا مشکل نہیں ہوگا۔ ایک آدھ دن میں
دوسرے گم شدہ آدمی کا نام خود بخود سامنے آجائے گا۔"

"اس کی داہنی آنکھ کے گوشے پر پرانے زخم کا ایک نمایاں
نشان دیکھا گیا تھا" میں نے کہا۔

اول خان نے حیرت اور صدمے کے عالم میں آنکھیں پھاڑ کر
باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا پھر کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔
"ایسا نشان تو صرف آصف علی کے چہرے پر تھا۔ وہ میرے ساتھ
بھی رہ چکا ہے۔ جسمانی طور پر وہ واقعی ظفر سے بڑی حد تک
مشابہت رکھتا تھا۔ دوسرے آدمی کی یہ نشانی تم نے پہلے نہیں بتائی
تھی۔"

میں نے اسے یہ یاد دلانے کی کوشش نہیں کی کہ میں نے ابتدا
میں ہی یہ بات بتادی تھی لیکن وہ اپنی منتشر خیالی کی وجہ سے اس پر
غور نہیں کرسکا تھا۔

"پھر تو یہ معاملہ بہت سلجھ جاتا ہے۔" ویرا بولی "اگر آصف
علی زندہ ہے تو وہ لاش ظفر کی ہی ہے اور اگر آصف علی لاپتا ہے تو
ملبے سے دو لاشیں ملنی چاہیے تھیں۔ دوسری لاش کس کی تھی اور
وہ کہاں غائب ہوگئی؟ ساری گتھی کا حل اسی ایک سوال کے جواب
میں پوشیدہ ہے۔"

"مجھے فوراً واپس لوٹنا پڑے گا" اول خان اپنی کرسی چھوڑ کر
اٹھ کھڑا ہوا "میں موقع پر موجود رہ کر ہی اس معاملے کو صحیح طور پر
کنٹرول کرسکوں گا۔"

"ہمارے سامنے دو مسئلے ہیں" میں نے اپنی بات اسے ذہن
نشین کرانے کی نیت سے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "پہلا
ملبے سے ملنے والی لاش ظفر کی نہیں تھی' وہ زندہ ہے۔ دوسرا یہ
کہ وہ ظفر نہیں بلکہ اس کے روپ میں البرٹو ویلیسا ہے۔ پہلے مسئلے
کا حل آصف علی کی دستیابی یا گم شدگی میں ملے گا۔ دوسرا مسئلہ حل
کرنے میں البرٹو کے خفیہ اڈے پر ریڈ سے مدد ملے گی۔"

"اگر وہ لاش آصف علی کی ثابت ہوجاتی ہے تو ظفر کی رُوپوشی
خود بخود اسے مشکوک بنادے گی" اول خان نے کہا۔ "میں ہر
امکان پر نظر رکھوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ میں فوری طور پر ریڈ کا
بندوبست کرانے میں کامیاب ہوجاؤں۔ ایسی صورت میں تم کو
ساتھ چلنا پڑے گا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں پانچ منٹ کے نوٹس پر کہیں بھی جانے کے
لیے تیار رہوں گا۔"

میں نے ہوٹل کی لابی سے اول خان کو رخصت کردیا اور اپنے
کمرے میں لوٹ آیا۔

میرے ہاتھوں مرنے والے بدمعاش نے بتادیا تھا کہ اس کی
گاڑی کرائے کی تھی اس لیے ہم نے اسے زیادہ دیر تک اپنے
ساتھ رکھنے کا خطرہ مول لینے کے بجائے' شکرپڑیاں کی پہاڑی سے
ملحقہ باغ کے ایک ویران حصے میں چھوڑ دیا تھا اور ہم لوگ کسی
سواری کی نعمت سے محروم تھے اس لیے میں نے اپنے ہوٹل کی روم
سروس کے ذریعے کھانا منگوالیا تاکہ اول خان کے ساتھ بھاگ دوڑ
میں ہمارے معدے کسی بے جا زیادتی سے محفوظ رہ سکیں۔

وہ پوری رات نیم خوابی اور انتظار کی ملی جلی کیفیت میں گزر گئی
لیکن اوّل خان واپس آیا' نہ اس کا کوئی پیغام موصول ہوا۔ صبح
آٹھ بجے فون کی پہلی گھنٹی بجتے ہی میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری
طرف اول خان تھا۔ وہ مجھے فوری طور پر بلا رہا تھا اور اس مقصد
کے لیے گاڑی روانہ کرچکا تھا۔

وہ عجلت میں معلوم ہوتا تھا اس لیے اُس نے اپنا پیغام دیتے
ہی فون کا سلسلہ منقطع کردیا اور مجھے اس سے ویرا کے بارے میں
دریافت کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ جب میں نے ویرا کو اپنی
روانگی کے بارے میں آگاہ کیا تو وہ میرے ساتھ چلنے پر مُصر ہوگئی۔

تھوڑی دیر بعد ہوٹل کے استقبالیہ کلرک نے فون پر گاڑی کی
آمد کی اطلاع دی تو مجھے مجبوراً ویرا کو اپنے ساتھ لینا پڑا۔ گاڑی نے
ہمیں تقریباً دس منٹ میں ایک بنگلے میں پہنچادیا۔ وہاں اول خان
میرے انتظار میں برآمدے میں ٹہل رہا تھا۔ ویرا کو دیکھ کر اُس نے
کسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کیا تو میں نے سمجھ لیا کہ وہ اس
معاملے میں ویرا کو الگ تھلگ رکھنا چاہ رہا تھا لیکن تیر کمان سے
نکل چکا تھا اور ویرا کو واپس لوٹانا کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا۔

"معاملات بہت الجھے ہوئے ہیں" ڈرائنگ روم کی طرز پر
آراستہ ایک کمرے میں پہنچنے کے بعد اول خان نے فکرمندانہ لہجے
میں بتایا "آصف علی کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ اس کے کمرے سے
ٹائپ کیا ہوا ایک پیغام ملا ہے جس میں اس نے فورس کے سخت
ڈسپلن سے اپنی بے زاری کا اظہار کرتے ہوئے' فرار کا اعتراف کیا
ہے۔ نیچے اس کے دستخط بھی ثبت ہیں۔ وہ پیغام ملنے کے بعد میں

نے اپنے کمانڈر کو پوری صورتِ حال سے آگاہ کردیا ہے۔ میرے اوپر والوں کے نقطۂ نظر سے صورتِ حال بہت زیادہ دھندلائی ہوئی ہے لیکن گومگو کا عالم ہونے کے باوجود ملبے سے ملنے والی لاش کی براہِ راست تدفین کے بجائے مکمل پوسٹ مارٹم کروانے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے۔"

"یہ دانش مندانہ فیصلہ ہے" میں نے کہا "آصف علی کسی بھی قیمت پر ظفر کا آلۂ کار نہیں بن سکتا تھا۔ عین ممکن ہے کہ البرٹو ویلیسا نے اسے کسی اہم مشن کا حوالہ دے کر اپنے ساتھ الجھایا ہو پھر اسے زہر دے کر ہلاک کردیا ہو۔ ایک مردہ شخص کو آسانی کے ساتھ نذرِ آتش کیا جاسکتا ہے۔ آصف علی کی طرف سے پیغام تیار کرنا البرٹو ویلیسا جیسے مجرم اور جعل ساز کے لیے کوئی بڑا کام نہیں تھا۔"

"میں نے ان ہی خطوط پر بات آگے بڑھائی ہے" اس نے جوشیلے انداز میں کہا "اب یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ وہ لاش بہت غیر فطری حالت میں ملی ہے۔ جل مرنے والے لوگ، دم توڑنے سے پہلے جس جاں گسل جدوجہد، اذیت اور جسمانی تبدیلی سے گزرتے ہیں، لاش سے وہ سب ظاہر نہیں ہورہا۔ لاش نکالنے والے عملے کا بیان ہے کہ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے مرنے والے نے سکون سے لیٹ کر خود کو نذرِ آتش کیا ہو۔"

"اور آصف علی کے پیغام پر کس ردِ عمل کا اظہار کیا جارہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہی البرٹو ویلیسا کی سب سے بڑی غلطی ہے۔ جو شاید عجلت میں سرزد ہوئی ہے" اول خان نے بتایا "آصف علی کے دوستوں اور ماتحتوں کا بیان ہے کہ وہ اپنی سروس سے بہت خوش تھا۔ آخری لمحے تک بھی اس نے کسی بددلی یا مایوسی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ پیغام اس کی ذات پر زبردستی تھوپا گیا ہے۔"

اول خان کی وہ گفتگو بہت حوصلہ افزا تھی۔ سب کچھ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد حالات ایک مرتبہ پھر بہتر صورت اختیار کرتے جارہے تھے۔ اسپیشل ٹاسک فورس والوں کا تعاون میسر آجانے کے بعد البرٹو ویلیسا کو بہت سرعت کے ساتھ آہنی چنگل میں لیا جاسکتا تھا۔

"اب اگلا پروگرام کیا ہے؟ تم یہاں کب تک رہوگے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"دراصل میں اپنے کمانڈر سے تمہارا تعارف کرانا چاہ رہا تھا، اسی وجہ سے یہ بریفنگ دی ہے۔ اس کے بعد ہم چھ نفری جماعت کے ساتھ البرٹو ویلیسا کے خفیہ اڈے کی طرف چلیں گے۔"

"اس ملاقات میں ویرا کی شرکت سے کوئی مسئلہ تو پیدا نہیں ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"بلیو کراس ڈیل والے معاملے کے بعد درپردہ کام کرنے والا ہر اہم آدمی ویرا سے غائبانہ تعارف حاصل کرچکا ہے۔ میرا کمانڈر بہت متجسس طبیعت کا مالک ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کا کوئی ... ہوا سوال ویرا کو بد دل نہ کردے۔ وہ اپنے دشمنوں اور دوستوں ... بارے میں یکساں طور پر باخبر رہنے کی کوشش کرتا ہے۔"

"تم نے بہت ہوشیاری اور خوب صورتی سے مجھے بریف کر ... ہے" ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا "اب میں تمہارے کمانڈر ... کسی سوال کا برا نہیں مانوں گی۔"

"تم فوراً بات پکڑ لیتی ہو" اول خان ہلکی سی ہنسی کے ساتھ ... "یہ بریفنگ نہیں، میرا حقیقی خدشہ تھا۔ ہم لوگ احسان فرامو... نہیں ہیں۔ تمہیں اپنا محسن مان لینے کے بعد، ہم تمہاری د... آزاری نہیں کرنا چاہتے لیکن اسی کے ساتھ، میں اپنے کمانڈر ... سوالات پر کوئی قدغن نہیں لگا سکتا۔"

اول خان ہمیں وہیں چھوڑ کر، خوشگوار موڈ میں اندر چلا گی... اُس کی واپسی خاصے طویل وقفے کے بعد ہوئی تو ایک گراں ڈیل ... دبنگ قسم کا آدمی اس کے ساتھ تھا۔ آنے والے کی عقابی آنکھ... میں چمک اور پیشانی کی لکیروں میں کچھ ایسا وصف تھا کہ ہم دو... ہی اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

وہ لیڈیز فرسٹ کے اصول کا قائل نظر آتا تھا کیونکہ اس ... آتے ہی ویرا کا رخ کیا تھا۔ اول خان کے تعارف اور پُرتپاک ... مصافحے کے بعد اس نے بزرگانہ انداز میں ویرا کے داہنے رخسا... تھپتھپاتے ہوئے کہا "مجھے یہ جان کر دلی مسرت ہوئی ہے کہ تم ... بدترین حالات سے گزرنے کے بعد اب آبرومندانہ انداز میں ز... رہنا سیکھ لیا ہے۔ شاید اب ڈان مریانو، فخر کے ساتھ تمہیں ا... بیٹی کہہ سکے گا۔"

اس کی زبان سے ڈان مریانو کا نام سن کر ویرا کا منہ ... حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ یہ حقیقت بہت کم لوگوں کو معلوم ... کہ ویرا کے باپ، جمی لائیڈ نے اٹلی میں ڈان مریانو کا روپ دھ... کرا اپنی بیٹی کو زندگی کی ان تلخ ترین حقیقتوں سے روشناس کرایا ... جن سے گزرنے کے بعد ویرا ہر مشکل کو ہیچ سمجھنے لگی تھی لیک... برف کی طرح سفید بالوں اور گھنی بھنوؤں والا وہ پاکستانی اتنے ا... سے بات کررہا تھا جیسے وہ خود بھی ڈان مریانو کا لنگوٹیا رہا ہو۔

"میرے لیے وہ دَور ایک خواب تھا" ویرا نے تحیر آمیز ... میں کہا "لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ڈان مریانو ہی میرا ... باپ تھا؟ خود مجھے بھی یہ بات بہت بعد میں معلوم ہوئی تھی۔"

"میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے، مائی بے بی!" ا... نے اپنی کنپٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ ک... "مجھے اس وقت بھی معلوم تھا کہ جمی لائیڈ نے اپنی بیٹی کو مرد... انداز میں تربیت دینے کے لیے ڈان مریانو کا روپ دھار... ہوا ہے۔"

وہ صورتِ حال کو سختی کے ساتھ اپنی گرفت میں رکھنے کا ف... جانتا تھا کیونکہ اس نے ویرا کو زیادہ جذباتی ہونے کا موقع نہیں د...

اچانک ہی میری طرف متوجہ ہوگیا۔ میرے بارے میں اس نے گنے چنے الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا، وہ میرا سینہ پُھلانے کے لیے کافی تھے۔

میرا اندازہ تھا کہ وہ تعارفی ملاقات، خصوصی حالات کی وجہ سے تفصیلی تبادلۂ خیال کا رخ اختیار کرلے گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ ہمارے ساتھ چند منٹ گزارنے کے بعد وہ اسی مرعوب کُن انداز میں واپس لوٹ گیا اور اول خان ہمارے ساتھ رہ گیا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تمہارے ملک میں بھی ایسے باخبر لوگ پائے جاتے ہیں" اس کے چلے جانے کے بعد، ویرانے متحیرانہ انداز میں کہا "فورس میں آنے سے پہلے یہ کہاں ہوا کرتا تھا؟"

"میں اس کے ماضی سے لاعلم ہوں" اول خان نے معذرت خواہانہ انداز میں وہ سوال ٹال دیا۔

چند لمحوں بعد، اول خان نے روانگی کا اعلان کردیا۔ میں نے اپنی ٹیم کے بقیہ شرکا کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ پہلے سے گاڑی میں بیٹھے ہمارا انتظار کررہے تھے۔

ڈرائیور سمیت، وہ کل پانچ نفوس تھے جو ایک کوسٹر میں موجود تھے۔ ایک آدمی ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر تھا۔ بقیہ تین آخری نشست پر تھے۔ ہم تینوں درمیانی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ترتیب، مورچہ بندی کے حساب سے اختیار کی گئی تھی۔ کوسٹر پر کسی بھی حملے کی صورت میں وہ لوگ ہمارے لیے ڈھال ثابت ہوسکتے تھے۔ اس مہم میں اول خان، ان کا سربراہ تھا۔ ہم دونوں اس کے ساتھی تھے، اس لیے وہ لوگ ہم تینوں ہی کو یکساں عزت واحترام دے رہے تھے۔

کوسٹر روانہ ہونے کے بعد میں راستے اور منزل مقصود کے بارے میں بتانے لگا تو اول خان نے ڈرائیونگ سیٹ والے کو بھی اس گفتگو میں شامل کرلیا۔ وہ ان پانچوں میں سب سے سینئر معلوم ہوتا تھا۔

اسلام آباد کے سرے پر آباد، سفارت کاروں کے رہائشی علاقے سے آگے نکلنے کے بعد ہمارے پاس گفتگو کے تمام امکانی موضوعات یکے بعد دیگرے ختم ہوچکے تھے۔ اس لیے ہر شخص اپنی سمت کی کھڑکی سے باہر پھیلے ہوئے قدرتی مناظر کا نظارہ کرنے میں مصروف ہوگیا۔

جب مجھے راستے کے اطراف میں کچھ مانوس علامات نظر آنی شروع ہوئیں تو میں نے ڈرائیور کو کوسٹر کی رفتار کم کرنے کی ہدایت کی۔ پھر داہنی طرف کی کچی زمین پر ٹائروں وغیرہ کے نشانات نظر آتے ہی میں نے گاڑی کچے میں اتارنے کا مشورہ دے ڈالا۔

کوسٹر اس ناہموار اور پُرپیچ راستے پر اچھلتی کودتی آگے بڑھتی رہی۔ پھر وہ دو ٹیلے بھی آگئے جن کے درمیان سے وہ کچا راستہ گزرتا تھا اور جہاں تربیت یافتہ بندر کی نگرانی سے ہمارا واسطہ پڑچکا تھا۔ اس وقت وہاں کوئی بندر متعین تھا نہ کوئی متنفس۔ ہماری کوسٹر بلاکسی مزاحمت یا روک ٹوک کے، اس راستے پر آگے بڑھتی رہی اور تھوڑی ہی دیر بعد اس ویرانے میں موجود عمارت کے آثار نظر آنے لگے۔

میرے لیے حیران کن بات یہ تھی کہ درختوں کے کنج میں گھری ہوئی اس عمارت کے قرب وجوار میں زندگی اور کچھ مصروفیت کے نمایاں آثار نظر آرہے تھے۔

"ہمیں اسی عمارت کی طرف جانا ہے نا؟" ڈرائیور نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا پھر میرا اثباتی جواب سننے کے بعد وہ کافی اونچی آواز میں بڑبڑانے لگا "کہیں کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ یہاں تو شاید اقوامِ متحدہ کی کسی ایجنسی والے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں کوئی ہیرپھیر کیسے ہوسکتا ہے؟"

"اقوامِ متحدہ کی ایجنسی!" میں نے حیرت سے دہرایا پھر زور دے کر کہا "رات کو یہاں خوں ریز تصادم ہوا ہے۔ میں بذاتِ خود ہر کارروائی میں شریک تھا۔ یہ اقوامِ متحدہ والے کہاں سے آن ٹپکے؟"

"میرا خیال تھا" ڈرائیور نے بحث میں الجھنے کے بجائے، معذرت خواہانہ لہجے میں وضاحت کی "ہوسکتا ہے کہ مجھے غلط فہمی ہورہی ہو۔ ویسے ان ہی اطراف میں اقوامِ متحدہ کے کسی ذیلی ادارے کی ایک سروے ٹیم آئی ہوئی ہے۔ وہ لوگ راول ڈیم سے اس کے پچھلے دیہاتوں تک پانی کی لائن ڈالنے کے کسی امدادی منصوبے پر کام کررہے ہیں۔ تم اس عمارت کے بارے میں اتنے پُراعتماد ہو تو اقوامِ متحدہ والے کہیں اور ہوں گے۔"

مجرموں کا متوقع ٹھکانا سامنے آجانے کی وجہ سے بقیہ چاروں افراد نے اپنے خودکار آتشیں ہتھیار سنبھال لئے تھے اور وہ سب ہی اپنی اپنی جگہوں پر چوکنے نظر آنے لگے تھے۔

ایک ہلکا سا موڑ گھومنے کے بعد جوں ہی ہم لوگ اس عمارت کا مشاہدہ کرنے کی بہتر پوزیشن میں آئے تو مجھے یک بیک یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔

اس عمارت کی ایک دیوار پر بلیک بورڈ کی طرز کا ایک بڑا سا بورڈ آویزاں تھا جو رات کے اندھیرے میں کسی کو نظر نہیں آسکا تھا۔ مخصوص سرکاری طرز کے اس سیاہ بورڈ پر لکھے ہوئے سفید حروف ڈرائیور کے خیال کی تائید کررہے تھے۔ وہ اقوامِ متحدہ کے ترقیاتی فنڈ والوں کے فراہمیِ آب کے ایک منصوبے کا سائٹ آفس تھا۔ پھر ہمیں وہ گاڑیاں بھی نظر آنے لگیں جو وہاں پہلے سے موجود تھیں۔

"فی الحال شاید ہتھیاروں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" میں نے متفکرانہ لہجے میں اول خان سے کہا "ہمارے ساتھیوں کو ان کی نمائش سے گریز کرنا چاہیے۔ اس وقت تو یہاں اچھا خاصا دفتر نظر آرہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پچھلے چند گھنٹوں میں یہاں کیا کایا پلٹ ہوئی ہے؟"

"جو کھلانے کی ضرورت نہیں" اول خان نے تشفی آمیز لہجے میں کہا "اب ہم یہاں آ ہی گئے ہیں تو تھوڑی دیر میں ہر بات خود بخود سامنے آ جائے گی" اس کے بعد وہ اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہو کر انہیں نئی صورتِ حال کے بارے میں بریف کرنے لگا۔ اس بریفنگ کے نتیجے میں تمام آتشیں ہتھیار فوراً ہی نگاہوں سے اوجھل کر دیئے گئے اور کوسٹر آہستگی سے درختوں کے درمیان پارک کر دی گئی۔

اس عمارت کے داخلی دروازے پر موجود چوکیدار نے پُرتشویش نظروں سے کوسٹر کی طرف دیکھا۔ وہ واقعی ایک دفتر معلوم ہو رہا تھا۔ چند گھنٹوں کے وقفے میں اس عمارت کا حلیہ ہی بدل کر رہ گیا تھا۔ باہر دو گاڑیاں اور دو موٹر سائیکلیں بھی موجود تھیں۔ ان میں سے ایک گاڑی پر سرکاری نمبروں والی سبز پلیٹ لگی ہوئی تھی۔

"پہلے ہم تینوں ہی صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہیں" اول خان نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

ہم نیچے اترے تو میری تجسس آمیز نگاہیں قرب وجوار کا جائزہ لے رہی تھیں۔ داخلی دروازہ وہی تھا جس سے ہم فرار ہوئے تھے لیکن وہاں فائرنگ وغیرہ کے ذرا بھی آثار باقی نہیں تھے۔

"ہم اسلام آباد سے آئے ہیں اور تمہارے بڑے صاحب سے ملنا چاہتے ہیں" اول خان نے چوکیدار کے قریب رک کر اپنا مدعا بیان کیا۔ چوکیدار نے ہمیں اندر لے جا کے انتظار گاہ میں بٹھا کر ایک رقعے پر اول خان کا نام لیا اور مستعدی کے ساتھ واپس لوٹ ہی رہا تھا کہ اول خان نے اسے روک لیا۔

"یہ دفتر کب تک کھلا رہتا ہے؟" اس نے سرسری لہجے میں چوکیدار سے پوچھا۔

"صبح آٹھ سے تین بجے تک!" چوکیدار نے مودب ہو کر جواب دیا "صاحب لوگوں کی کوئی میٹنگ ہو تو دیر بھی ہو جاتی ہے لیکن اندھیرا پھیلنے سے پہلے سب لوگ چلے جاتے ہیں کیونکہ یہاں بجلی نہیں ہے۔"

"اس کے بعد یہاں کون دیکھ بھال کرتا ہے؟" اول خان نے غیر محسوس طریقے پر تفتیش شروع کر دی تھی۔

"کوئی بھی نہیں۔ بس دروازے مقفل کر دیئے جاتے ہیں۔ یہاں دفتری ریکارڈ اور فرنیچر کے علاوہ رکھا ہی کیا ہے جس کی دیکھ بھال کی فکر کی جائے۔ اولیانو صاحب بہت نیک اور کفایت شعار آدمی ہے۔ وہ غیر ضروری مدوں میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرتا۔ حد تو یہ ہے کہ اس نے اپنا دفتر ائرکنڈیشنڈ کرنے کے لیے آج تک جنریٹر کی خریداری میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لی۔ گرمی ہوتی ہے تو نیکر اور بنیان پہن کر کام کرتا ہے۔"

"نام سے غیر ملکی معلوم ہوتا ہے" اول خان نے اسے اکسانے کے لیے تبصرہ کیا۔

"کولمبیا کا رہنے والا ہے۔" چوکیدار کے انکشاف نے ہم تینوں کو چونکا دیا' وہ کہہ رہا تھا "اسے اقوامِ متحدہ نے ہمارے گا
تک پانی پہنچانے کے منصوبے پر بھیجا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جتنی
ائرکنڈیشنر اور جنریٹر پر صرف ہو گی' اس سے پانی کی لائن دو کلو
آگے کی آبادی تک لے جائی جا سکتی ہے۔" پھر اس کا لہجہ یک
رازدارانہ ہو گیا "سماجی بہبود کے ایک اسسٹنٹ ڈائریکٹر صاح
بھی اس منصوبے پر لگائے گئے ہیں۔ وہ اولیانو صاحب کی کفا
شعاری اور سادگی سے بہت بیزار ہیں کیونکہ انہیں بھی گرمی
کام کرنا پڑتا ہے۔"

اول خان نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور با
ختم کرتے ہوئے بولا "تم ہماری پرچی اس تک پہنچا دو۔ وہ واقعی
کے قابل معلوم ہوتا ہے۔"

"یہ کوئی بہت لمبا چکر معلوم ہوتا ہے۔" چوکیدار کے
جانے کے بعد ویرا پُرجوش لیکن سرگوشیانہ لہجے میں بولی "او
بھی کولمبین ہے۔ شاید اسی کی ملی بھگت سے یہ دفتر' رات
اندھیرے میں البرٹو ویلیسا کے آدمی استعمال کرتے رہے ہیں
یہاں سب کچھ وہی ہے۔ بس ان لوگوں نے جانے سے پہلے تم
کی علامات مٹا دی ہیں۔ کون یقین کر سکے گا کہ اقوامِ متحدہ کا یہ
افادہ دفتر بین الاقوامی مجرموں کا گڑھ ہو گا؟"

ہماری گفتگو مزید طول نہیں پکڑ سکی کیونکہ چوکیدار تقریباً
ہی ایک پستہ قد' سفید فام کے ساتھ لوٹ آیا تھا۔ وہ سفید فام
مند اور ورزشی جسم کا مالک تھا۔ اس کے بھورے بال کنپٹیوں پر
سفید ہو چکے تھے۔ اس کے بدن پر خاکی نیکر اور سفید بوشرٹ
تھی۔ پیروں میں ٹینس شوز اور آنکھوں پر سنہرے اور پتلے فریم
عینک جس کے سفید عدسوں کے پیچھے اس کی بڑی بڑی آنکھ
میں دوستانہ چمک نظر آ رہی تھی۔

"ہم ایک فیڈرل سیکیورٹی ایجنسی سے آئے ہیں" اول خ
نے تعارف کرانے کی ذمے داری اپنے سر لیتے ہوئے کہا۔ اول
نے ہم تینوں سے بہت تپاک کے ساتھ ہاتھ ملایا اور پھر دوست
انداز میں ہمیں اپنے کمرے میں لے گیا۔ وہ وہی کمرا تھا جہاں
رات البرٹو ولیسا کلاشنکوف لیے ریوالونگ چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ اول خان کی زبان سے فیڈرل سیکیو
ایجنسی کا ذکر سن کر اولیانو نے ذرا بھی اثر نہیں لیا تھا۔ اگر
مجرموں کے ساتھ ملا ہوا تھا' تو یقینی طور پر وہ بے پناہ خود اعتماد
مالک تھا۔

چند منٹ کی رسمی گفتگو کے بعد چائے آ گئی اور اسی دوران
اول خان نے اصل موضوع چھیڑ دیا۔

"ہمیں مصدقہ خبر ملی ہے کہ کل رات یہ عمارت کچھ خطرنا
مجرموں کے تصرف میں تھی" وہ کہہ رہا تھا "یہاں گولیاں بھی
تھیں اور دو تین افراد زخمی ہوئے تھے۔ ہم اس بارے میں چھا
بین کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

"یہاں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا" اولیانو نے سخت لہجے میں کہا۔ "آج صبح یہ دفتر کھولا گیا تو یہاں ہر چیز معمول کے مطابق اپنی اصل حالت میں تھی۔ تمہاری اطلاع کسی غلط فہمی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔" اس کی انگریزی بہت شاندار تھی۔

"ہو سکتا ہے کہ تم لوگوں کی لاعلمی میں کچھ لوگ اس ویران عمارت کو استعمال کرتے رہے ہوں۔۔۔" اول خان نے کہنا چاہا لیکن اولیانو نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی۔

"یہ ناممکن ہے" اس نے خشک لہجے میں کہا "ایسا ہوا ہوتا تو بس یہاں کچھ نہ کچھ علامات ضرور ملتیں" اس کے لبوں پر سے نرم مسکراہٹ یکلخت کافور ہو چکی تھی۔

اسی وقت ایک مقامی بھی وہاں آپہنچا۔ وہ حکومت کے سماجی بہبود کے محکمے کا اسسٹنٹ ڈائریکٹر تھا جسے اولیانو کی مدد کرنے کے لیے اس منصوبے پر مامور کیا گیا تھا۔ اولیانو نے نہایت استہزائیہ اور کیلے لہجے میں اسے اول خان کے ظاہر کئے ہوئے شبہات سے آگاہ کیا تو وہ اپنا سر ہلانے لگا۔

"روشنی سے محروم اس ویرانے میں کون آئے گا؟" وہ کہنے لگا۔ "یہاں میرے علاوہ عملے کے سات افراد کام کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو یہ شبہ نہیں ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ یہاں آنے والے غیر مرئی وجود کے مالک ہوں اور ان کی مار دھاڑ سے کوئی چیز اپنی جگہ سے نہ ہلی ہو۔ سنا ہے کہ جن بھوت تو ٹھوس چیزوں میں سے صاف گزر جاتے ہیں۔"

اولیانو نے مضحکہ اڑانے کے اس انداز پر ایک جان دار قہقہہ لگایا اور بولا "تمہارے آدمی کسی آسیب کو پکڑنے میں مہارت رکھتے ہوں تو انہیں بے شک یہاں مامور کر دو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

اس دوران میں میری متجسس نگاہیں ایک دیوار میں گولیوں کے دو سوراخ دیکھ چکی تھیں۔ میں نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اولیانو سے کہا "ان سوراخوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

اولیانو اُدھر دیکھنے کی زحمت کئے بغیر بولا "یہاں کے فرش اور دیواروں میں تمہیں سیکڑوں سوراخ مل جائیں گے۔ بعض میں سے سانپوں کے بچے اور کھن کھجورے بھی نکلتے رہتے ہیں۔ میں ان خرافات پر اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کر سکتا۔ میں یہاں انسانی خدمت کے ایک مشن پر آیا ہوں اور اسی میں مصروف رہنا چاہتا ہوں۔"

وہ ذرا بھی تعاون کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میرا تو اندازہ تھا کہ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے رویے پر اول خان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

"اگر ہم اپنے طور پر اس عمارت کی تلاشی لینا چاہیں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟" اول خان نے خود پر قابو رکھتے ہوئے نہایت تحمل کے ساتھ سوال کیا۔

"میں اس توہین پر اپنا دفتر بند کر کے تمہاری حکومت کے ساتھ ہی اپنے ہیڈ کوارٹر سے بھی شکایت کروں گا۔" وہ ترش لہجے میں بولا۔

"تم لوگ اپنے کچھ شبہات دور کرنے کی نیت سے یہاں آئے ہوتے تو میں تم سے پورا پورا تعاون کرتا لیکن تم نے مصدقہ خبر کا حوالہ دے کر میری اور میرے عملے کی بے عزتی کی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم لوگ یہاں آب رسانی کے نیک منصوبے کی آڑ میں مجرموں کی پشت پناہی کر رہے ہیں؟"

"یہ تمہاری خیال طرازی ہے" ویرا نے گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا "ہم میں سے کسی نے ایسی کوئی بات نہیں کی البتہ یہ شبہ ضرور ظاہر کیا ہے کہ تمہاری لاعلمی میں شاید کچھ لوگ تمہارے دفتر کو اپنے نامعلوم مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہے ہوں۔ ان کے لیے ' بعد میں اپنی آمد کی نشانیاں مٹا دینا کوئی بڑا کام نہیں ہوگا۔"

"تم مقامی نہیں ہو۔ پھر تمہاری ان لوگوں کے ساتھ یہاں آمد کا کیا مطلب ہے؟" اولیانو نے ویرا کو گہری نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

اول خان نے زبان کھولنی چاہی لیکن ویرا نے اپنی کسی حکمتِ عملی کی وجہ سے اسے بولنے کا موقع دیئے بغیر اپنی بات شروع کر دی "صرف میں ہی غیر ملکی نہیں ہوں۔ تمہارے دفتر کو اپنی آماج گاہ بنانے والے مجرموں کا سرغنہ بھی غیر ملکی ہے۔ وہ کولمبیا سے یہاں آیا ہوا ہے۔"

کولمبیا کے ذکر پر اولیانو کے چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہو گئے "یہ میری طرف تو اشارہ نہیں ہے؟"

"تم غلط سمجھے" ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا "مجھے علم نہیں تھا کہ تم بھی کولمبیا کے باشندے ہو؟" پھر اس نے اچانک ہی ہسپانوی زبان بولنی شروع کر دی۔

اولیانو نے خوش گوار حیرت کے ساتھ ہسپانوی زبان میں ہی اس کا جواب دیا اور وہ دونوں سرگرمی کے ساتھ مذاکرات میں مصروف ہو گئے۔ میرے لیے وہ زبان یکسر اجنبی تھی لیکن میں نے ویرا کی زبان سے دو مرتبہ البرٹو ویلیسا کا نام سنا تو میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ اولیانو کو اس کی مادری زبان کا چارا ڈال کر راہ پر لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"آپ لوگوں کا تعلق کس وفاقی ادارے سے ہے؟" ان دونوں کی مصروفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسسٹنٹ ڈائریکٹر نے اول خان سے اردو میں بات شروع کر دی۔

"ہم اپنی شناخت ظاہر نہیں کر سکتے" اول خان نے نرمی سے کہا "کوئی فرد اپنے قانونی حقوق کے نام پر ہمیں زیادہ مجبور کرے تو ہم قومی سلامتی کے ایکٹ کے تحت اسے حراست میں لینے کا اختیار

ضرور رکھتے ہیں۔ ایسا کوئی بھی مطالبہ سرکاری فرائض کی انجام دہی میں مداخلتِ بے جا کے زمرے میں آتا ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ اس بوسیدہ اور دور افتادہ عمارت پر اس قسم کا شبہ کیا جارہا ہے" اس نے اپنے پہلے سوال کے جواب پر اصرار کرنے کے بجائے' اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے کہا "ہمیں اپنے دفتر کے لیے اسلام آباد میں ایک شان دار بنگلا فراہم کیا گیا تھا لیکن ہمارا چیف نیم پاگل آدمی ہے۔ فیلڈ سروے کے دوران یہ متروکہ عمارت نظر آئی تو وقت اور فنڈز کی بچت کے لیے اپنا پورا دفتر یہاں اٹھالایا۔ یہاں ہم ہینڈپمپ کے ذریعے کنوئیں کے پانی پر گزارہ کرنے پر مجبور ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ ان حالات میں ہمیں محروم لوگوں کی پریشانیوں کا حقیقی احساس ہوسکے گا اور یہ منصوبہ مثالی مدت میں مکمل ہوجائے گا۔"

"باتوں کی حد تک تو اس کا فلسفہ درست ہی معلوم ہوتا ہے۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عملے کا ہر شخص اس خانہ بدوشی کی زندگی سے نالاں ہے لیکن اس کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا کیونکہ وہ فوراً ہی ایسے لوگوں کا تبادلہ کرادے گا۔ ہم لوگ یہاں ڈیپوٹیشن پر آئے ہوئے ہیں۔ مراعات اور الاؤنسز کی صورت میں ہر شخص کو ڈھائی سے تین گنا تنخواہ مل رہی ہے۔"

میں اس کی محدود اور خودغرضانہ سوچ پر دل ہی دل میں سلگ کر رہ گیا۔ اس جیسے لوگوں نے اپنی خودغرضی کی وجہ سے ہر اہم قومی معاملے کو ذاتی مراعات اور بھتّوں کی سولی پر لٹکایا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اولیانو' ویرا سے فارغ ہوکر اول خان کی طرف متوجہ ہوا تو اس کا لہجہ مصالحانہ تھا "میں البرٹو نام کے کسی آدمی سے واقف نہیں ہوں لیکن یہ معاملہ میرے ایک ہم وطن کی مشتبہ سرگرمیوں سے تعلق رکھتا ہے اس لیے میں تمہیں اس عمارت کی تلاشی کی اجازت دے رہا ہوں۔ تمہاری ساتھی خاتون بہت مہذب اور سلجھی ہوئی شخصیت کی مالک ہے۔ اس نے مجھے معاملے کی نزاکت کے بارے میں قائل کرلیا ہے۔"

اولیانو نے اپنے اسسٹنٹ ڈائریکٹر کو ہم لوگوں کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرنے کی ہدایت کی اور ہم اس کا شکریہ ادا کرکے' اس کے دفتر سے باہر نکل آئے۔

غور سے دیکھنے پر بیرونی ہال کی دیواروں پر گولیوں کے مزید دو سوراخ مل گئے۔ ان سوراخوں پر محنت کی جاتی تو گولیاں بھی برآمد کی جاسکتی تھیں لیکن وہ وقت کا بے مصرف زیاں ہوتا اس لیے ہم تینوں آگے بڑھ گئے۔ وہاں اس قدر مکمل طور پر جھاڑو پھیری گئی تھی کہ میرے ہاتھوں تباہ ہونے والے پیٹرومیکس لیمپ تک کا سراغ نہیں مل سکا اور ہم لوگ ایک مرتبہ پھر اولیانو کے تعاون کا شکریہ ادا کرکے' وہاں سے بے نیل ومرام لوٹ آئے۔

کوسٹر میں واپس لوٹتے ہی اول خان نے ویرا پر اعتراض جڑدیا کہ اس نے اولیانو سے قطعی غیر ضروری طور پر البرٹو ۔ بلیسا کا ذکر کیا تھا۔ وہ اعتراض سن کر ویرا مسکرانے لگی۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ البرٹو سے ناواقف تھا تو اس کے لیے وہ نام مہمل تھا اور اگر وہ اس کا ساتھی ہے تو میری زبان سے اس کا نام سن کر چوکنا ہوگیا ہوگا" اس نے کہا "شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہو کہ البرٹو ۔ بلیسا کا حوالہ دینے کے بعد اس نے مجھ سے رازداری کا وعدہ لے کر نہایت فکر مندی کے ساتھ اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ وہ البرٹو کو تو نہیں جانتا البتہ ظفر نامی ایک پاکستانی سے اس کے گہرے مراسم ہیں کیونکہ ظفر ہسپانوی زبان پر بہت ماہرانہ عبور رکھتا ہے۔ ظفر خود ہی اس تک پہنچا تھا اور دوستی ہوجانے کے بعد اولیانو کی سرکاری فیکس مشین سے اکثر و بیشتر باہر پیغام رسانی کرتا رہتا ہے۔ وہ خود وہاں بیٹھ کر پیغام وصول بھی کرتا ہے۔"

"ظفر اور البرٹو ۔ بلیسا کے درمیان اس نے کیسے تعلق پیدا کرلیا؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعلق ہوگا۔ دراصل وہ ہم لوگوں کی آمد سے خوف زدہ تھا۔ ظفر اس پر چھا جانے کی کوششوں میں مصروف ہے اس لیے اولیانو اس کی طرف سے شبہات میں مبتلا ہوگیا ہے۔ اس نے مجھے اپنا ہمدرد سمجھ کر اس مشکوک معاملے پر بات کی ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ کہیں ظفر نے کسی معاملے میں اسے بلیک میل کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ یہ باتیں اگلی کسی ملاقات پر معلوم ہوسکیں گی۔ اولیانو نے مجھے کسی بھی وقت اپنے گھر آنے کی دعوت دی ہے۔"

"یہ تو کسی نئی کہانی کی ابتدا معلوم ہورہی ہے" اول خان بول پڑا "اتنی ہی بات ہے تو ہمیں اس میں اپنا پیر پھنسانے سے گریز کرنا چاہیے۔ اولیانو خود بھی اسے دھتکار کر بھگا سکتا ہے۔"

"اس نے ظفر کی طرف سے بھیجے جانے والے پیغامات پر کوئی روشنی ضرور ڈالی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ان پیغامات کی نوعیت سے لاعلم ہے۔ اسے الجھن ہے کہ ظفر اس کی مشین کیوں استعمال کرتا ہے جبکہ وہ اپنے پیغامات کسی بڑے ڈاک خانے سے بھی بہ آسانی بھیج سکتا ہے۔ پیغامات کی وصولی کی بات البتہ مختلف ہے۔"

"میری رائے ہے کہ تم اس کے گھر ضرور جاؤ اور اس سے وہ فیکس نمبر حاصل کرنے کی کوشش کرو جن پر البرٹو ۔ بلیسا رابطہ کر رہا ہے۔ شاید ان نمبروں کی مدد سے ہم اس کے بیرونِ ملک رابطوں کو ختم کرسکیں۔"

"یہ سب آئندہ کے امکانات ہیں۔" اول خان ایک گہری سانس لے کر بولا "فی الحال ہم جو مقصد لے کر ان مضافات میں آئے تھے وہ پورا نہیں ہوسکا۔ البرٹو ۔ بلیسا کہیں بھی اپنی موجودگی کے ثبوت چھوڑنے کا عادی نہیں ہے۔ اب جلی ہوئی لاش

ٹ مارٹم کی رپورٹ آنے کے بعد ہی صورتِ حال واضح ہوسکے
گی۔"

"ہم کھوٹہ میں گھومنے والے کیمرا بردار بندروں کو بالکل ہی
بھولے ہوئے ہیں" ویرا نے وہ ذکر چھیڑ کر ہم دونوں کو بری طرح
چونکا دیا "اگر انٹیلی جنس بیورو والوں نے کوئی کارروائی کی ہے تو
اب سے بہت پہلے اس کے نتائج سامنے آچکے ہوں گے۔ ہمیں
اُدھر کی بھی خبر لینی چاہیے۔"

"کیا اس سلسلے میں تم نے کسی اتھارٹی کو متوجہ کرنے کی
کوشش کی تھی؟" اول خان نے پوچھا۔

"ویرا نے انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر کو گمنام فون کیا تھا۔"
میں نے بتایا۔

اول خان کا چہرہ مایوسانہ انداز میں لٹک گیا "گمنام فون کالز پر
کہیں بھی کوئی کارروائی نہیں کی جاتی۔ البرٹو ویلیسا اب تک ان
بندروں کو اس وادی سے نکلوا لے جانے میں کامیاب ہوگیا
ہوگا۔"

"میں نے خود کو لاابالی سیاح ظاہر کرتے ہوئے' اپنا نام پوشیدہ
رکھنے کا جواز اس کے ذہن نشین کرا دیا تھا۔" ویرا نے وضاحت کی۔
"اس نے مجھ سے فوری کارروائی کروانے کا پختہ وعدہ کیا تھا۔
ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے وعدے پر عمل کر ہی گزرا ہو۔ ان لوگوں سے
چیک کرنے میں کیا ہرج ہے؟"

بقیہ سفر خاموشی کے ساتھ گزرا۔ ہم تینوں ہی اپنے اپنے
خیالات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اول خان کے ساتھ آنے والے
پانچوں آدمیوں کو بھی بے نیل و مرام واپسی پر چُپ لگی ہوئی تھی۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے ٹھکانے پر واپس پہنچتے ہی اول خان
فون پر مصروف ہوگیا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے یہ معلوم کرنے کی
کوشش کر رہا تھا کہ انٹیلی جنس بیورو تک کس کی بھرپور رسائی تھی۔
پے درپے تین فون کالز کے بعد اسے مطلوبہ آدمی کا نمبر ملا تو اس
نے فون پر رسمی علیک سلیک کے فوراً بعد ہی اصل موضوع پر گفتگو
شروع کردی اور چند منٹ بعد فون بند کردیا۔

"ایک گھنٹے کے اندر اندر اُدھر کی رپورٹ مل جائے گی۔ اس
دوران میں تم یہیں آرام کرو۔ میں تمہارے لیے چائے کا بندوبست
کرکے اپنے کمانڈر کو رپورٹ دینے جا رہا ہوں" اس نے اٹھتے ہوئے
کہا۔

"تمہاری غیر موجودگی میں فون آجائے تو کیا کریں؟" میں نے
احتیاطاً پوچھ لیا۔

"اس کی گھنٹی نہیں بجے گی۔ اس نمبر پر دوسرا انسٹرومنٹ
بھی لگا ہوا ہے۔ اُدھر سے کوئی بھی اٹھا لے گا۔" وہ یہ کہتا ہوا اس
کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

ویرا استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔
میں نے احمقانہ انداز میں منہ چلاتے ہوئے' اسے آنکھ ماری تو وہ
بے ساختہ ہنس پڑی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اب تمہاری کھوپڑی پر بھی برف جمنی
شروع ہوگئی ہے" اس نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ابھی تک
پورے قصے کے سر پیر کا ہی پتا نہیں چل رہا ہے۔ البرٹو ویلیسا کی
تلاش تو اس کے بہت بعد کی بات ہے۔ پتا نہیں ہم کب تک یہاں
بیٹھے رہیں گے۔"

"تم بیٹھنا نہ چاہو تو کھڑی بھی ہوسکتی ہو۔ ویسے اس بھاگ دوڑ
کے نتیجے میں ایک اہم بات ضرور معلوم ہوگئی ہے۔"

"وہ کیا؟" اس نے بے ساختہ سوال کیا۔

"دنیا گول ہے" میں نے اپنی شہادت کی انگلی کو فضا میں گردش
دیتے ہوئے کہا "جہاں سے چلتے ہیں' دوبارہ وہیں آکھڑے ہوتے
ہیں۔ جب تک اسپیشل ٹاسک فورس کے بڑوں کو ظلفر اور البرٹو
ویلیسا کا فرق نہیں سمجھایا جاتا' کچھ بھی نہیں ہوسکے گا۔"

"کیوں نہ میں دوبارہ سینتے کاسیلو کا روپ دھار کر اسلام آباد
اور راولپنڈی کے مصروف علاقوں میں آوارہ گردی شروع
کردوں؟" اس نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"اس سے کیا ہوگا؟" میں نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"ہوسکتا ہے کہ البرٹو ویلیسا مجھے دیکھ کر میرے پیچھے لگ
جائے!" اس نے پُرامید لہجے میں کہا۔

"اس خیال میں بھی نہ رہنا۔ اب وہ تمہارا پیچھا نہیں کرے
گا۔ اس کے ٹھکانے ایک ایک کرکے نکلتے جا رہے ہیں۔ وہ تم کو
دیکھتے ہی گولی مارے گا اور فرار ہوجائے گا۔ وہ اپنی تباہی کا ذمے دار
سینتے کاسیلو کو گردان رہا ہوگا۔ اس گڑے مردے کو اب نہ اکھاڑنا
ہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔"

چائے نوشی کے دوران بھی ہم ایک دوسرے کی متعدد تجاویز پر
دماغ سوزی کرتے رہے لیکن کہیں بھی کوئی بات بنتی نظر نہیں آئی۔
اصل خرابی یہ تھی کہ فریقِ مخالف بدترین دباؤ میں آنے کے بعد
میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ وہ روپوش رہ کر کہاں اور کس
سمت میں کام کر رہا تھا؟ ہم اس سے بھی لاعلم تھے۔ اِن حالات میں

ہمارے لیے انتظار کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ کار باقی نہیں رہ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اول خان واپس آیا تو وہ دور ہی سے بہت خوش نظر آرہا تھا۔

"بظاہر ہماری آخری کارروائی چوں چوں کا مربّا ثابت ہوئی ہے لیکن اس کے نتائج سے متاثر ہو کر' کمانڈر نے ظفر کی تلاش کی مہم شروع کرانے کا فیصلہ کرلیا ہے" اس نے مسرت آمیز لہجے میں ہمیں آگاہ کیا "وہ اس فیصلے کی منظوری لینے کے لیے ہیڈ کوارٹرز گیا ہے۔"

"یہ بہت بڑی کامیابی ہے" میں نے اعتراف کیا "اب البرٹو و یلیسا کے گرد ہمارا دائرہ بہت تیزی کے ساتھ تنگ ہونا شروع ہوجائے گا۔"

"البرٹو و یلیسا کا نام ہم لوگوں تک محدود رہے گا۔ فورس کے چیدہ چیدہ کارکن بظاہر ظفر ہی کو تلاش کریں گے۔"

"تو کیا ملبے سے برآمد ہونے والی لاش کو آصف علی کی لاش قرار دے دیا جائے گا؟" میں نے حیرت سے پوچھا "اس کی پوسٹ مارٹم رپورٹ اتنی جلدی تو نہیں آسکتی۔"

"بظاہر واقعات کو جوں کا توں تسلیم کرلیا جائے گا یعنی ظفر جل کر مرگیا اور آصف علی نے پیغام چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کرلی۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آنے پر وہ لاش آصف علی کی ثابت ہوئی تو اسے خاموشی سے اس کے ورثا کے حوالے کردیا جائے گا۔ اس طرح فورس کے پورے عملے کو بھی اصل واقعات کا علم نہیں ہوسکے گا۔"

"اتنی پیچیدگی میں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ بعد میں جب بھی اصل واقعات سامنے آئیں گے تو کیا تمہاری فورس کے ماتحت عملے میں بددلی نہیں پھیلے گی؟ اتنی رازداری میری سمجھ سے بالاتر ہے۔"

"کسی بھی ادارے میں اوپر کی سطح پر کوئی کرپٹ' بدعنوان یا غدار بے نقاب ہوتا ہے تو نچلے عملے میں بددلی اور مایوسی ضرور پھیلتی ہے۔ اجتماعی مورال گرجاتا ہے۔ ان مسائل کا مقابلہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ البرٹو و یلیسا کافی مدت سے فورس میں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے کچھ ہمدرد اب بھی موجود ہوں اور ان کے ذریعے اسے اندر کی خبریں مل رہی ہوں۔ اسے اندھیرے میں رکھنے کے لیے یہ چکر چلانا ضروری ہی نہیں' ناگزیر ہے۔ ایک بار اسے جہنم واصل کردیا گیا تو سارے معاملات تیزی کے ساتھ ٹھیک ہوتے چلے جائیں گے۔ کمانڈر نے بہت سوچ سمجھ کر یہ پلان طے کیا ہے۔"

"ظفر کی تلاش پر مامور کیے جانے والے کارکنوں میں بھی اس کا کوئی ہمدرد شامل ہوسکتا ہے۔" میں پوری کوشش کرنے کے باوجود اس کے پُرپیچ طریقۂ کار سے متفق نہیں ہوپارہا تھا۔

"وہ بہت دیکھ بھال کر چُنے جائیں گے۔ انہیں ان کی فارمیشنوں سے الگ کرکے براہِ راست میری تحویل میں دے [دیا] جائے گا اور میں یہیں بیٹھ کر اس مشن کو چلاؤں گا۔ ظفر کی جگہ البرٹو و یلیسا جیسے مجرم کا ہماری صفوں میں گھس آنا' اسپیشل ٹاسک فورس کی تاریخ کا بدترین سانحہ ہے اور اس سے ہم اسی انداز میں نمٹنے کی منصوبہ بندی کررہے ہیں۔ اس بارے میں تم اپنے ذہن کو زیادہ نہ تھکاؤ!"

وہ اول خان کی طرف سے مجھ کو عدم مداخلت کا شریفانہ مشو[رہ] تھا۔ اس بارے میں اس کی مجبوریاں قابلِ فہم تھیں اس لیے میں نے اس موضوع پر اپنی زبان سختی سے بند کرلی۔

ویرانے وہاں سے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا تو اول خان نے ہمیں متوقع فون کال آنے تک رکنے کی دعوت دی جو ہم نے بخوشی قبول کرلی۔ کھوٹہ میں آوارہ گردی کرنے والے' کیمرا بردار بندرو[ں] کے انجام سے ہمیں بھی گہری دلچسپی تھی۔ وہ خبر مل جانے کے بعد [ہم] یکسوئی کے ساتھ واپس جاسکتے تھے۔

متوقع فون کال تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد آئی۔ دوسری طرف سے غالباً سنسنی خیز خبریں سنائی گئی تھیں کیونکہ اول خان کے منہ سے باربار متحیرانہ کلمات نکل رہے تھے۔ اس کے کہے ہوئے فقر[ے] اس قدر ادھورے اور مختصر تھے کہ ان سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ البتہ اس کے تاثرات سے ایک بات ظاہر ہورہی تھی کہ کامیابی اور ناکامی سے قطع نظر انٹیلی جنس والوں نے ویرا[نے کی] گمنام مخبری پر کارروائی ضرور کی تھی۔

"نیچے سے اوپر تک تہلکہ مچا ہوا ہے" اول خان نے فو[ن] رکھتے ہوئے' والہانہ انداز میں مجھے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا "تینوں بندروں کے پکڑے جانے کے بعد ہر شخص ہل کر رہ گیا ہے۔ اس کامیابی میں تمہارا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ تاخیر ہونے کی صور[ت] میں وہ بندر لاپتا ہوسکتے تھے۔"

"میرا نہیں' اس کا زیادہ ہاتھ ہے" میں نے اول خان کو و[یرا] کی طرف گھماتے ہوئے پوری سنجیدگی کے ساتھ کہا "تمہیں میر[ے] بجائے اسی سے بغل گیر ہونا چاہیے۔ وہی گمنام فون میں نے کیا ہو[تا] تو شاید میری پوری بات سننے کی زحمت بھی نہ کی جاتی اور وہ بند[ر] جدھر منہ اٹھتا' اسی طرف بھاگ جاتے۔"

"بے انتہا خوشی اور غم کے موقعے پر ہر قسم کی آزادی مل جا[تی] ہے۔ تم جوش میں میرے گلے لگ بھی جاتے تو میں کوئی اعتراض [نہ] کرتی۔ خوشی میں ایسی بے اعتدالیاں ہو ہی جاتی ہیں۔" ویرا [...] ہوئے بولی۔

"یہ دعوت ہے" میں نے اول خان کو اکسانے کی کوشش [کی] اور وہ کھسیانے پن کے ساتھ مسکرا کر رہ گیا۔ عورتوں کے معا[ملے] میں وہ سدا کا کم ہمت اور ڈرپوک تھا۔

"تمہیں تفصیلی خبر ملی ہے یا بس خلاصہ بتایا گیا ہے؟" ویرا [نے] سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔

"خلاصہ بھی بہت ہوش رُبا ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں کمانڈر کے دفتر میں کہانی سناؤں گا تاکہ اسے دُہرانے سے بچ سکوں۔ وہ بھی ہیڈ کوارٹرز سے لوٹ آیا ہوگا۔ اب البرٹو ویلیسا کا وجود ہر شک و شبہے سے بالاتر ہوگیا ہے۔"

اس کی بات درست تھی۔ اگر وہ اتنی اہم خبر کمانڈر تک فوراً نہ پہنچاتا تو اپنے فرض میں کوتاہی کرتا۔ دوسری طرف اس کے لیے یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ وہ ہمیں منتظر چھوڑ کر اپنے کمانڈر کے دفتر کی طرف دوڑ لگادیتا اور اسے پوری کہانی سنانے کے بعد ہماری طرف رجوع کرتا۔

اول خان ہمیں پی اے کے کمرے میں بٹھا کر پہلے اکیلا اندر گیا پھر فوراً ہی باہر آکر ہم دونوں کو بھی اپنے ساتھ اندر لے گیا۔ کمانڈر نے اپنی کرسی سے اٹھ کر ہم دونوں کا استقبال کیا تھا "سنا ہے کہ تم لوگوں نے کوئی اور بھی بڑی کامیابی حاصل کی ہے؟" اس نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔

"کوشش ضرور کی تھی۔ اس کے نتائج اول خان سے معلوم ہوسکیں گے۔" میں نے کہا۔

اول خان اس وقت تک البرٹو ویلیسا کے بارے میں معذرت خواہانہ رویّہ اختیار کرتا چلا آیا تھا اس لیے اس نے کھوٹہ کے بندروں کی تحیّر خیز کہانی سے اپنے کمانڈر کو آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس نے نہایت اختصار کے ساتھ اسے البرٹو ویلیسا کے انکشاف اور ہمارے جوابی اقدام سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "حیرت ناک بات یہ ہے کہ آئی بی کے ڈائریکٹر نے اس گمنام فون کال پر فوری کارروائی کرتے ہوئے 'اپنا ایمرجنسی اسکواڈ کھوٹہ کی طرف روانہ کردیا۔ چند گھنٹوں کی ناکابندی کے بعد ہی انہیں ایک گاڑی میں تین بندر نظر آئے۔ گاڑی چلانے والے کو گرفتار کرکے بندروں پر قبضہ کرلیا گیا۔ ایمرجنسی اسکواڈ والے تین گاڑیوں میں واپس لوٹ رہے تھے تو قیدی کی گود میں بیٹھا ہوا ایک بندر طاقتور دھماکے سے پھٹ گیا۔ اس دھماکے میں قیدی کا پورا چہرہ اُڑ گیا تھا اور وہ موقعے پر ہی مرگیا۔ اس مقامی کی ابھی تک شناخت نہیں ہوسکی ہے۔"

"قیدی کا کوئی بیان ویان ریکارڈ کرلیا گیا تھا؟" کمانڈر نے گہری دلچسپی کے ساتھ پوچھا۔

"یہ نہیں معلوم، سر!" اول خان نے ادب سے جواب دیا۔ "میں نے اپنے ذاتی ذرائع سے یہ ادھوری اطلاعات حاصل کی ہیں۔ پوری تفصیلات یقیناً بہت حیران کن ثابت ہوں گی۔"

"آئی بی کے معاملات میں ہم دخل انداز نہیں ہوسکتے۔ ہماری تسلی کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ان لوگوں نے کھوٹہ میں فوٹو گرافی کرنے والے بندروں کو پکڑلیا ہے لیکن میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بندر کس طرح فوٹو گرافی کرتے ہوں گے اور ان تصاویر کا کیا بنتا ہوگا؟" کمانڈر نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

اول خان نے پُرامید نظروں سے میری طرف دیکھا تو میں نے کہا "اصل بات کا پتا تو بندروں کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد کوئی ماہر ہی لگاسکے گا۔ ہمارے سامنے البرٹو ویلیسا نے جو کچھ ہرزہ سرائی کی تھی' اس کے مطابق ان بندروں کے جسموں میں انفراریڈ کیمرے پوشیدہ ہونے چاہئیں جو کسی لاسلکی نظام کے تحت تصاویر کہیں بھیجتے رہتے ہیں۔ یہ بہت جدید اور بیش قیمت کیمرے ہونے چاہئیں۔"

"حیرت ناک اور ناقابلِ یقین باتیں ہیں" کمانڈر اس مختصری تفصیل سے مرعوب ہوکر بڑبڑایا "اور ان میں سے ایک بندر بم کی طرح پھٹ بھی گیا۔ غنیمت ہے کہ اب ان لوگوں کے پاس مزید دو بندر ہیں جن کو چیر پھاڑ کر وہ عجیب کیمرے نکالے جاسکتے ہیں۔"

"دو نہیں.... اب ان کے پاس ایک ہی بندر رہ گیا ہے" اول خان نے تصحیح کی۔

"تیسرا بندر کہاں گیا؟" کمانڈر نے بھی میرے ساتھ وہ سوال کیا تھا۔

"وہ ایک مشہور پرائیویٹ اسپتال کے آپریشن تھیٹر میں پھٹ گیا۔ نہ صرف تھیٹر کا بڑا حصہ تباہ ہوگیا بلکہ ایک سرجن اور اس کے معاون کو کافی زخم بھی آئے ہیں" اول خان نے بتایا۔

"وہ کیسے پھٹ گیا؟ کیا ان بندروں میں کوئی ریموٹ یا ٹائمنگ ڈیوائس لگی ہوئی ہے؟" کمانڈر کے لیے وہ خبر پریشانی کا باعث ثابت ہوئی تھی۔ "اس طرح تو تیسرا بندر بھی ضائع ہوجائے گا اور وہ لوگ اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں کرسکیں گے۔"

"ان بندروں کی اگلی ٹانگوں کے درمیان' سینے کی جلد کے نیچے وہ کیمرے اس طرح چھپائے گئے ہیں کہ لینس کا گول حصہ جلد سے باہر نکلا ہوا ہے۔ ان کیمروں کے ساتھ کوئی ایسا میکانزم بھی پوشیدہ ہے جسے چھیڑتے ہی' بندر سمیت سب کچھ تباہ ہوجاتا ہے۔ بندروں کو لے جانے والے نے خودکشی کرنے کے لیے اسی میکانزم سے چھیڑ چھاڑ کی ہوگی۔ سرجن نے کیمرا نکالنے کے چکر میں' نادانستگی میں اس میکانزم کو متحرک کردیا ہوگا کیونکہ اس دھماکا خیز میکانزم کا اصل مقصد ہی ان کیمروں کو اجنبیوں کی تحویل میں جانے سے بچانا رہا ہوگا" اول خان نے بتایا "یہ باتیں سنی سنائی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اصل صورتِ حال کچھ اور ہی ہو۔"

"اب وہ تیسرے بندر پر طبع آزمائی کررہے ہوں گے؟" کمانڈر نے وہ فقرہ اس قدر عجیب انداز میں ادا کیا کہ میں بدقت تمام اپنا بے ساختہ قہقہہ روکنے میں کامیاب ہوسکا۔

"اس بندر کو بے ہوش کرکے سخت حفاظت میں رکھا گیا ہے۔ اس کے تفصیلی معائنے کے لیے باہر سے کسی ماہر کو بلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ وہ اس آخری بندر کے ضائع ہونے کے امکان سے سخت خوف زدہ ہیں۔ وہ اسے ہاتھ بھی نہیں لگارہے تھے۔"

"اس قدر مہلک اور خطرناک بندر ان کے ہاتھ لگ گئے۔

ہیں۔ وہ بندر بھی کسی عام جگہ نہیں بلکہ کوئٹہ جیسی حساس وادی میں آزادانہ گھوم رہے تھے۔ اس وقت انٹیلی جنس والے سخت دباؤ کا شکار ہوں گے کیونکہ ان کے پاس کوئی مربوط کہانی نہیں ہے۔ ملک میں غیر ملکی سازشی عناصر دندناتے پھر رہے ہیں لیکن کسی کو ان کی سرگرمیوں کا علم نہیں ہے۔ ایک امریکی عورت ان کو بندروں کی موجودگی کی اطلاع دیتی ہے جو سوفی صد درست ثابت ہوتی ہے۔ اب ہر شخص ان بندروں کی موجودگی کا پس منظر جاننا چاہ رہا ہوگا لیکن آئی بی والوں کے پاس کوئی جواب نہیں ہے" گراں ڈیل کمانڈر نے پُرتشویش لہجے میں اس صورتِ حال کا احاطہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہمیں ان سے رابطہ کرلینا چاہیے" اول خان نے دبے لہجے میں کہا "ہماری فراہم کی ہوئی اطلاعات ان کو بہتیری پریشانیوں سے نجات دلواسکتی ہیں۔"

"میں سوچوں گا" کمانڈر کی آنکھوں سے فکر مندی مترشح تھی۔ "آئی بی والے کچھ عرصے سے سیاست اور سیاست دانوں کے جوڑ توڑ میں اس بری طرح الجھے ہیں کہ قومی سلامتی سے تعلق رکھنے والے دوسرے اداروں سے ان کے تعلقاتِ کار بہت کمزور ہو چکے ہیں۔ مجھے ان سے رابطے کے لیے کوئی مناسب وسیلہ تلاش کرنا ہوگا۔"

وہ اپنا فقرہ ادا کرتے ہوئے کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ تخلیہ چاہتا تھا۔ اول خان نے اس کا مدعا سمجھتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس کی تقلید میں ہم دونوں بھی کمانڈر سے ہاتھ ملا کر اس کے وسیع لیکن سادہ سے کمرے سے باہر نکل آئے۔

اس وقت تک میرا ذہن سامنے کی باتوں میں الجھا ہوا تھا لیکن اول خان کی تازہ کہانی سامنے آنے کے بعد میرا ذہن بہت دور تک بھٹکنے لگا تھا۔

واقعات نے ثابت کردیا تھا کہ ان بندروں کے جسموں میں صرف حساس کیمرے ہی پوشیدہ نہیں تھے بلکہ ان کے تحفظ کے لیے بارودی مادہ بھی نصب کیا گیا تھا۔ اس قدر خطرناک بندروں کا بیرونِ ملک سے لایا جانا محال ہی نہیں، ناممکن نظر آتا تھا۔ فضائی قزاقی، بین الاقوامی دہشت گردی اور تخریب کاری کے بڑھتے ہوئے واقعات کی وجہ سے دنیا کے ہر خطے میں ہوائی اڈوں پر جانچ پڑتال کے حفاظتی انتظامات اتنے سخت کرویے گئے تھے کہ دیکھ بھال کے جدید ترین آلات اور تجربے کار عملے کو دھوکا دے کر، ان بندروں کو طیاروں کے ذریعے ملک میں لانا بظاہر ناممکن تھا۔ ملی بھگت کے ذریعے ان بندروں کو جہاز پر سوار کرا بھی دیا جاتا تو پاکستان پہنچنے پر انہیں پکڑا جاسکتا تھا۔ بحری راستے سے ان بندروں کا لایا جانا بعید از قیاس معلوم ہوتا تھا۔ ایک یہ امکان ضرور تھا کہ خلیج کی ریاستوں سے آنے والی، اسمگلروں کی کسی لانچ کے ذریعے ان بندروں کو کراچی کے مضافات میں کسی ویران ساحل پر اتارا گیا ہو اور وہاں سے انہیں سڑک کے ذریعے اندرونِ ملک لے آیا گیا ہو۔ لیکن وہ طریقہ کار بھی پُرپیچ ہونے کے ساتھ پُرخطر بھی تھا۔

البرٹو ویلیسا کے بدلے ہوئے فنگر پرنٹس کی بنا پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ اس مجرمانہ اور سفاکانہ فعل میں کرنل جیمی جونز کو کسی ماہر ترین سرجن کا بھرپور تعاون حاصل تھا۔ جلد کی تبدیلی یا اسکن گرافٹنگ کے فن پر قابلِ رشک عبور رکھنے والا وہ سرجن بہت آسانی کے ساتھ کیمرے وغیرہ، بندروں کے جسم کی جلد میں چھپا سکتا تھا۔ ان لوگوں کے نقطۂ نظر سے آسان ترین صورت یہ ہوتی کہ مقامی طور پر حاصل کئے ہوئے، مخصوص نسل کے بندروں کو تربیت دی جاتی .... پھر وہی سرجن کسی فرضی نام پر سفر کرکے پاکستان آتا اور پوری پوری رازداری کے ساتھ مطلوبہ سامان ان بندروں کے جسموں میں نصب کرکے خاموشی سے واپس لوٹ جاتا۔ اس کی آمد کا سب سے اہم فائدہ یہ ہوتا کہ عملی نزاکتوں کے پیشِ نظر، کیمروں کے رخ میں مطلوبہ تبدیلیاں بھی عمل میں لائی جاسکتی تھیں۔

اگر میری وہ سوچ درست تھی تو البرٹو پاکستان میں اکیلا اور بے سروسامان نہیں تھا۔ اس نے ایک طرف اسپیشل ٹاسک فورس میں اپنے قدم جمائے ہوئے تھے تو دوسری طرف اولیانو سے اپنی دوستی کی آڑ میں اقوام متحدہ کے آب رسانی کے منصوبے کے دفاتر کو استعمال کررہا تھا۔ اس کے ہمدردوں اور تنخواہ دار کارکنوں کی وہ نفری ہماری نگاہوں سے اوجھل تھی جس کی مدد سے وہ اپنی تخریبی سرگرمیاں آگے بڑھا رہا تھا۔

اس کے ساتھ حریص، خودغرض اور بے ضمیر مقامیوں کے تعاون کی دو مثالیں ہمارے سامنے آچکی تھیں۔ اولیانو کے دفتر میں محاذ آرائی کے دوران میں متعدد مقامی اس کے ساتھ موجود تھے۔ ان میں سے راجا بازار والا غنڈا، بعد میں میرے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچ گیا تھا۔ دوسرا مقامی وہ تھا جو کوئٹہ سے بندروں کو نکال کر لے جاتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ وہ یقینی طور پر اپنے جرم کی ہولناک سنگینی سے پوری طرح واقف تھا۔ اسی لیے اس نے گرفتار ہونے کے بعد خودکشی کرلی تھی کیونکہ اسے اپنے کرتوتوں کا انجام سامنے نظر آنے لگا تھا۔

راجا بازار والے غنڈے کے ذکر پر اول خان چونک پڑا۔ "اسے میں بھول ہی گیا تھا۔ اس کے قتل کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تو البرٹو ویلیسا کے کان کھڑے ہوجائیں گے۔ وہ گیارہ بجے تک البرٹو کے ساتھ تھا۔ وہ سمجھ لے گا کہ بعد میں ہم نے اس شخص کی زبان کھلوانے کے بعد اسے مارا ہے۔"

"یہ تو سامنے کی بات ہے لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"فرق تو کسی بات سے بھی نہیں پڑتا" اول خان چڑ کر بولا "تم

میری کہی ہوئی باتوں کو بہت جلد بھول جاتے ہو۔ کمانڈر اپنے پلان کے مطابق البرٹو کو اندھیرے میں رکھ کر گھیرنا چاہ رہا ہے۔ اس میں ہماری بھی کچھ مصلحتیں ہیں۔ اس لاش کے بارے میں خبریں آنے سے ہمارے مقاصد کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"اس خبر کو اخبارات میں شائع ہونے سے رکوا دو۔ پریس کے بارے میں یہاں ایسے قوانین موجود ہیں جن کے ذریعے اخبارات وغیرہ کو کچھ بھی چھاپنے یا نہ چھاپنے کا پابند کیا جا سکتا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تمہاری کھوپڑی الٹی چل رہی ہے" وہ میری تجویز پر بھنّا کر بولا "کیا تم نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ تم نے اس کی لاش ایک ایسے مقام پر پھینکی ہے جہاں چیل کووں کے حملہ آور ہونے کے بعد ہی کسی کو لاش کی موجودگی کا علم ہو سکے گا؟"

"میں نے ضرور کہا تھا۔ تو کیا تم اس کی لاش غائب کروانے کے بارے میں سوچ رہے ہو؟"

"آسان ترین راستہ وہی ہے۔ ذرا اس جگہ کا محل وقوع سمجھاؤ" اول خان کا منہ بدستور بگڑا ہوا تھا۔

اس نے ایک آدمی کو وہیں طلب کیا اور اسے لاش کو ٹھکانے لگانے کی ہدایات دے کر لوٹا دیا۔

"تم یہاں مہمانوں کی طرح نہیں رہ رہے" میں نے اس آدمی کے چلے جانے کے بعد، بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی تمہیں خاصے اختیارات مل گئے ہیں۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ البرٹو ویلیسا کی تلاش کے لیے مجھے یہاں روک لیا گیا ہے۔ اختیارات کے بغیر پوسٹنگ سرکاری محکموں میں ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں اس کا رواج نہیں ہے۔ آدمیوں کا انتخاب ہو جائے تو مجھے اپنا یونٹ از سر نو تشکیل دینا ہوگا۔ میرا دفتر اسی عمارت میں رہے گا۔"

"تم اپنے یونٹ اور دفتر کے معاملات دیکھو۔ ہم چلتے ہیں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اب تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ اس عمارت کا پچھلا حصہ گیسٹ ہاؤس کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ تمہیں یہیں، میرے ساتھ رہنا ہوگا۔ تم دونوں کے لیے الگ الگ کمروں کا انتظام کر دیا جائے گا۔"

"ہم ایک کمرے میں بھی رہ سکتے ہیں۔ البتہ بستر الگ الگ درکار ہوں گے" میں نے ویرا کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"جب تک غزالہ کراچی میں ہے، تم اپنی من مانی کرنے کے لیے آزاد ہو" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"ہمارے یہاں قیام کرنے میں تمہارے کمانڈر کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟" ویرا نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں، وہ تم دونوں کی بے لوث کارکردگی سے بہت متاثر ہے۔ ویسے یہ دھیان رکھنا کہ وہ پینے پلانے کا شوقین ہے۔ اسے تم دونوں کی بلا نوشی کی بھنک بھی مل گئی تو دفتری مسائل سے فارغ ہو کر تمہارے ساتھ ہی بیٹھنے لگے گا۔ سنا ہے کہ پینے کے بعد وہ بہت جذباتی اور غصیلا ہو جاتا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو، ملکۂ جذبات میرے ساتھ ہے" میں نے ویرا کی پشت پر تھپکی دیتے ہوئے کہا "اس کے جذبات کو یہ سنبھال لے گی۔ غصے سے میں نمٹ لوں گا۔"

"تم حد سے زیادہ منہ پھٹ اور بے لگام ہوتے جا رہے ہو۔" ویرا کو غصہ آ گیا "اب تم نے میرے بارے میں کوئی الزام تراشی کی تو میں تم پر ہاتھ چھوڑ بیٹھوں گی۔"

میں نے ایک گہرا سانس لے کر چھت کی طرف دیکھا اور کہا۔ "مغربی عورتوں میں یہی ایک خرابی ہوتی ہے۔ ادھر کی عورتیں ایک بار ہاتھ پکڑ لیں تو قبر میں اترتے ہوئے بھی مشکل ہی سے چھوڑتی ہیں۔"

"تم دونوں اپنے دل کی بھڑاس نکالو۔ میں تمہارے کمرے دیکھ کر آتا ہوں" اول خان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں اسے ٹالنا چاہ رہا تھا" اس کے چلے جانے کے بعد، میں نے سنجیدگی سے کہا "یہاں رہنے سے ہمیں تحفظ کے علاوہ دوسری تمام سہولتیں حاصل رہیں گی لیکن ہم اپنی آزادانہ مرضی سے کوئی بھی قدم نہیں اٹھا سکیں گے۔ اول خان ہر بات میں مداخلت کرتا رہے گا۔"

"بولتے رہو، میں سن رہی ہوں" مجھے خاموش پا کر اس نے خشک لہجے میں کہا۔

"میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہمیں اولیانو سے خاصی مدد مل سکتی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اول خان میرے ارادے کی مخالفت کرے گا لیکن میں آج شام ہی اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ ویسے بھی وہ تم کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے چکا ہے۔ وہ ہم سے ملنے سے انکار نہیں کرے گا۔"

"تم اسی قدر بے چین ہو تو تفریح کے بہانے یہاں سے نکل سکتے ہو" اس نے کہا پھر چونک کر بولی "اول خان، البرٹو ویلیسا کو اندھیرے میں رکھنے کے بارے میں اس قدر حساس ہے لیکن وہ اولیانو کے دفتر بھی جا چکا ہے۔ اس بات کو تو کسی بھی صورت میں نہیں چھپایا جا سکے گا۔"

"اسے چھپانے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ وہاں ہونے والی محاذ آرائی کے بعد ہمارا اُدھر نہ جانا غیر فطری ہوتا۔ ہم نے وہاں البرٹو ویلیسا کے جل مرنے یا روپوش ہو جانے کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔"

"اور شاید میں نے بھی اس بارے میں اپنی زبان بند رکھی تھی" اس نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"گفتگو ہسپانوی زبان میں ہوئی تھی اس لیے میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"نہیں، میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی" وہ چند ثانیوں کی تفکر آمیز خاموشی کے بعد بولی "ویسے پہلی بار ہی تمہارا اولیانو کے گھر جانا مناسب نہیں ہوگا۔ وہ میرے ساتھ تمہیں دیکھ کر بھڑک بھی سکتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ اس نے تم سے رازداری کا وعدہ لے کر کچھ باتیں کی تھیں۔ تم اس کے سامنے مجھے اپنا بوائے فرینڈ ظاہر کرسکتی ہو۔ یہ بات حقیقت سے زیادہ دور بھی نہ ہوگی اور وہ مطمئن ہوجائے گا۔"

"بہرحال، کوشش کرلینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تمہارے برعکس میرا اندازہ ہے کہ وہ ہماری کوئی خاص مدد نہیں کرسکے گا۔ میں جانے سے پہلے اسے فون کروں گی تو اس سے تمہارے بارے میں ذکر بھی کردوں گی۔"

"نن... نہیں، ہرگز نہیں" میں نے جلدی سے کہا "اسے تمہاری طرف سے اتنی جلد ملاقات ہونے کی توقع نہیں ہوگی۔ میں کوئی پیشگی اطلاع دیئے بغیر اس کے گھر پہنچ کر اس کا ردِ عمل دیکھنا چاہتا ہوں۔"

اول خان واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں اخبار دبا ہوا تھا جو اس نے میری گود میں ڈال دیا۔

"تمہارا خیال تھا کہ قوانین کی وجہ سے اخبارات پر سرکاری گرفت مضبوط ہے۔ اب خود ہی دیکھ لو کہ چند گھنٹوں میں ناکارہ ہوجانے والے اس چیتھڑے میں کیا ہرزہ سرائی کی گئی ہے؟" اس نے تلخ انداز میں کہا۔

میں نے اس انگریزی اخبار کے پہلے صفحے پر نظریں دوڑائیں تو مجھے سیاہ حاشیے میں وہ خبر نظر آگئی۔ مقامی کونسل کا کام وفاقی ایجنسی نے سنبھال لیا۔ اس مضحکہ آرائی کے تحت کوئٹہ سے تین بندروں کو لے جانے والے ایک بے گناہ شہری کی بے جا گرفتاری پر انٹیلی جنس بیورو اور اس کے اعلیٰ افسران پر دل کھول کر کیچڑ اچھالی گئی تھی۔ اس اخبار کے نامہ نگار کو شاید بعد کے سنسنی خیز واقعات کا علم نہیں ہوسکا تھا۔

"اب بتاؤ کہ یہاں کون کام کرسکتا ہے؟" مجھے وہ خبر پڑھنے کا موقع دینے کے بعد اول خان نے تلخی سے پوچھا "مزدور زمین کے سینے پر کدال چلاتا ہے، یہ لوگ اپنی روزی کمانے کے لیے کاغذ پر قلم چلاتے ہیں لیکن انہوں نے اپنی روزی کی ایک نیوسینس ویلیو بنالی ہے جیسے یہ پورے ملک کے ٹھیکے دار ہوں۔ جب دل چاہتا ہے کسی کی بھی پگڑی اچھال دیتے ہیں۔ آئی بی والے تو بے چارے اس خبر کی تردید بھی نہیں کرسکتے۔ گرفتاری ضرور ہوئی تھی لیکن وہ لوگ اس کے پس منظر کی وضاحت کرنا شروع کردیں تو قومی سلامتی کے اہم ترین معاملات تیسرے درجے کے چائے خانوں میں کھلی بحث کا موضوع بن جائیں گے۔ میں نے یہ خبر دیکھ کر اپنا سر پیٹ لیا تھا۔"

میں اخبار ویرا کی طرف بڑھا چکا تھا۔ وہ خبر پڑھ لینے کے بعد بولی "اخبارات کا ملک کی پوری آبادی سے براہِ راست رابطہ ہوتا ہے۔ حکومت بھی اپنی بات عوام تک پہنچانے کے لیے ان کی محتاج ہوتی ہے۔ اپنی اس طاقت کے گھمنڈ میں آکر بعض گھٹیا اخبارات دنیا کے ہر حصے میں اپنی حکومتوں تک کو بلیک میل کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ انہیں پڑھ کر نظرانداز کردینا ہی سب سے بہتر ہوتا ہے۔"

اول خان اس بات پر کافی دیر تک غصے میں کھولتا رہا۔ جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے بتایا کہ اسی عمارت کے رہائشی حصے میں ہمارے لیے ایک بڑا کمرا تیار کرنے کے ساتھ ہی ایک چھوٹی گاڑی بھی مخصوص کردی گئی تھی۔ ان انتظامات کو اول خان کے کمانڈر کی بھرپور تائید حاصل تھی۔

ہم دونوں فوری طور پر اپنے کمرے میں منتقل ہوگئے۔ وہ کمرا ائرکنڈیشنر، گیس ہیٹر اور چھوٹے ریفریجریٹر سمیت، ہر سہولت سے آراستہ تھا۔ شاید وہ ڈبل بیڈ روم تھا کیونکہ دوہری مسہری کے ساتھ پڑی ہوئی دوسری مسہری، بقیہ فرنیچر سے مختلف ڈیزائن کی تھی جسے شاید ہنگامی ضرورت کے تحت وہاں ڈال دیا گیا تھا۔

اول خان نے ہوٹل سے ہمارا سامان منگوانے کے لیے اپنے آدمی کو بھیجنے کی پیش کش کی لیکن ہم دونوں ہی وہاں سے نکلنے کے موڈ میں تھے اس لیے میں نے اسے ٹال دیا۔

اس عمارت کے رہائشی حصے میں آمدورفت کے لیے ایک بغلی پھاٹک موجود تھا جو ذیلی سڑک پر کھلتا تھا۔ چوکیدار کو اپنی جلد واپسی کے بارے میں بتا کر ہم دونوں وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

ہوٹل کا حساب بے باق کرنے اور وہاں سے اپنا مختصر سا سامان اٹھانے کے بعد ہم نے شکرپڑیاں سے ملحقہ باغ کا چکر لگایا تو میرے ہاتھوں مرنے والے غنڈے کی لال گاڑی وہاں موجود نہیں تھی۔ مشتبہ اور لاوارث گاڑیوں کے سلسلے میں اسلام آباد پولیس کی وہ کارکردگی واقعی قابلِ رشک تھی۔

ویرا پنڈی کے صدر بازار کے کسی ہوٹل میں کڑاہی مرغ کا لنچ کرنے پر مصر تھی۔ اس کے بعد وہ اسی علاقے کی ایک مشہور دکان سے دل بھر کر پستہ آئس کریم کھانا چاہتی تھی۔ اس لیے میں نے باغ میں سے باہر نکلنے کے بجائے گاڑی کا رخ اس راستے کی طرف موڑ لیا جو آگے جاکر شاہراہ اسلام آباد سے مل جاتا تھا۔

اس سنسان اور پرسکون راستے پر کار چلاتے ہوئے، میرا ذہن ماضی کی طرف بھٹک گیا۔

ہیروئن کے انسداد سے شروع ہونے والی وہ کہانی دن بدن نئے رخ اختیار کرتی جارہی تھی۔ اس مہلک اور نشہ آور سفوف سے حاصل ہونے والا کالا دھن سیاست اور معاشرت کے ہر شعبے میں اپنا اثر و نفوذ بڑھاتا جارہا تھا۔ میں نے پاکستان میں ٹی کے کاروبار کو بالکل ٹھپ کردیا تھا۔ حبیب جیوانی کی عبرت ناک موت

کے ساتھ ہی مقامی مافیا ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ جب تک مدر مافیا والے کسی نئے مہرے کو کھڑا نہ کرتے' پاکستان میں ان کے دھندے پنپ نہیں سکتے تھے۔ لیکن ہیروئن کی کوکھ سے جنم لینے والی کہانیاں بدستور میرا پیچھا کر رہی تھیں۔

ملا سرکار کو جہنم واصل کر دینے کے بعد بھی میں اس کے سرپرستوں کی ریشہ دوانیوں کا مکمل انسداد نہیں کر سکا تھا۔ شری مان سنگھ جیسے گھاگ سفارت کار کی موت کے بعد اس کے جانشین پیدا ہو چکے تھے۔ وہ لوگ اپنے امریکی آقاؤں کی مدد و سرپرستی کے ذریعے شی کا تعاون حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش میں مصروف تھے لیکن الحدید نامی لانچ اور اس پر لدے ہوئے جدید ترین ہتھیاروں کے پکڑے جانے کے بعد شی کوئی کارنامہ دکھانے کے قابل نہیں رہ گئی تھی۔ اس طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد وہ لوگ پاکستان کی سرزمین پر واقع بڑے بڑے آبی ذخائر کو بارود سے اُڑا کر معاشی شہ رگ کو کاٹ دینے کی منصوبہ بندیاں کر رہے تھے۔

دوسری طرف ناراض امریکی دوستوں نے جی لائیڈ کی مدد حاصل کر کے ایٹمی آلات اور ساز و سامان کی اس بڑی کھیپ کو تباہ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی جو بلیو کراس ڈیل کے نام سے ایران سے پاکستان منتقل کی جارہی تھی۔ ان مصائب سے نمٹتے ہی البرٹو ویلیسا کا ہوّا سامنے آ گیا تھا۔ وہ مردود اپنے متعصب یہودی آقاؤں کے ایما پر براہ راست کہوٹہ کی تنصیبات کو تباہ کرنے کے درپے تھا۔ ڈیڈ اسٹارز نے اس کے منصوبے کی کامیابی کے لیے اپنے خزانوں کے منہ کھولے ہوئے تھے اور کچھ بعید نہیں تھا کہ البرٹو ویلیسا کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے کرنل جیسی جونز بذاتِ خود میدانِ عمل میں کود کر اپنی سرگرمیاں تیز کر دیتا۔

یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے پاکستان کی بقا' سلامتی اور ترقی سارے عالمی منصوبہ سازوں کے پروگرام سے متصادم ہو۔ اس ملک پر ہیروئن کی تیاری اور تجارت کی سربراہی کے الزام سے شروع ہونے والی عالمی مہم اب خوں ریز دشمنی کی حدود سے بھی متجاوز نظر آ رہی تھی۔ پاکستان کے خلاف ایک کھلی جنگ کا اعلان نہ کر کے' انہوں نے ہر طرف محاذ کھولے ہوئے تھے اور ان سے چوطرفہ یلغار جاری تھی۔

ان کٹھن دنوں میں ویرانے قابلِ رشک حد تک میرا ساتھ دیا تھا اور اب آخر میں اس نے اپنی صلاحیتوں کی بنا پر اولیانو کو شیشے میں اتارا تھا۔ مجھے اولیانو سے اہم سراغ ملنے کی امید تھی جو البرٹو کے تابوت کی آخری کیل ثابت ہو سکتا تھا۔

معاً مجھے خیال آیا کہ اولیانو' اقوام متحدہ کی طرف سے شروع کئے ہوئے آب رسانی کے ایک منصوبے کا سربراہ تھا۔ وہ راول ڈیم پر کام کر رہا تھا جو راولپنڈی اور اسلام آباد کے مکینوں کے لیے پانی فراہم کرنے والا واحد ذخیرہ تھا اور دوسری طرف بھارتی شاطر تربیلا اور منگلا ڈیم کے آبی ذخائر میں ریموٹ کنٹرولڈ' واٹر پروف بموں کے بھاری صندوق پہنچانے کے لیے' آنے والے مون سون کے تیز سیلابی ریلوں کا انتظار کر رہے تھے۔ کیا ان میں آپس میں کوئی تعلق تھا؟ کیا اولیانو بھی کسی بڑی سازش کا ایک مہرہ بن کر مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا؟

وہ سارے امکانات اس قدر بھیانک اور ڈراؤنے تھے کہ میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔

"بیٹھے ہی بیٹھے کانپ رہے ہو" ویرانے مضحکہ اُڑانے والے انداز میں کہا۔

"خیال آ گیا تھا کہ کہیں اولیانو بھی بھارتیوں کی طرح راول ڈیم کی بنیادوں میں بارود بھرنے کی تیاریاں نہ کر رہا ہو۔" میں نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے اپنے وہم سے آگاہ کر دیا۔

"زیادہ غور کرنے پر آدمی کا اپنا سایہ بھی بدن سے الگ ہو کر طرح طرح کے ناچ دکھا کر ڈرانے لگتا ہے" اس نے ایک بے رحمانہ قہقہے کے ساتھ کہا "اتنی باریکی کے ساتھ سوچو گے تو اعصاب زدہ ہو کر رہ جاؤ گے۔ اولیانو بے چارہ ایک سیدھا سادہ اور مسکین سا آدمی ہے۔ اس کی اتنی پرواز نہیں ہو سکتی۔"

"شیر پر برا وقت آتا ہے تو اس پر گیدڑ بھی غرانے لگتے ہیں۔" میں نے دھیمے سے کہا۔

"شاید تم غزالہ سے دور ہونے کی وجہ سے اداسی کا شکار ہو گئے ہو" اس نے اسی موڈ میں کہا "میری ذات میں کوئی کشش محسوس نہ ہو رہی ہو تو تم روحی یا شہباز خان کے اڈّے سے بھی کوئی لڑکی لا سکتے ہو۔"

میں ایک دم اچھل پڑا اور اس کی ٹانگ پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے بولا "بعض اوقات تم کمال کی بات کہہ جاتی ہو جس سے کوئی نئی راہ نظر آنے لگتی ہے۔"

"اور بعض اوقات تم بالکل جنگلی ہو جاتے ہو" وہ اپنی ٹانگ سہلاتے ہوئے منہ بنا کر بولی "میں نے ایسی کیا بات کہہ دی تھی کہ تم آپے سے باہر ہو گئے؟"

"شہباز خان!" میں نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا "البرٹو ویلیسا کا سراغ حاصل کرنے کے سلسلے میں وہ' اولیانو کے بعد دوسرا اہم آدمی ثابت ہو سکتا ہے۔ لال گاڑی والے کے بیان کے مطابق ظفر اور شہباز خان میں گہری دوستی ہے۔ وہ شراب اور لڑکیوں کا گھناؤنا دھندا کرتا ہے تو دوسرے جرائم بھی ضرور کرتا ہو گا۔"

"لڑکیاں ایک نعمت ہوتی ہیں۔ ان کی سرپرستی کو گھناؤنا دھندا مت کہو" اس نے آنکھیں موند کر ہولے سے کہا "میں خود بھی وہ زندگی گزار چکی ہوں۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ سیکڑوں خوب صورت' خوش بدن اور نازک مزاج لڑکیوں پر حکمرانی کرنے والا' ڈان مرسیانو روم اور میلان کے رؤسا میں کس طرح پوجا جاتا تھا۔ ان لوگوں کا بس چلتا تو وہ ڈان مرسیانو کو میلان کے سب سے بڑے چرچ میں بٹھا کر اُس کی پرستش کرنا شروع کر دیتے۔"

"ڈان مرسیانو تمہارے باپ کا بگڑا ہوا ایک روپ تھا اس لیے تم ایسا سوچ رہی ہو ورنہ کوئی لڑکی اپنی خوشی سے نیلامی نہیں چڑھتی۔ یہ سب مجبوریوں کے سودے ہوتے ہیں۔"

"ان میں سے بہتیری لڑکیاں ضرورت مند نہیں بلکہ بارسوخ امرا کے ساتھ عیش و عشرت میں وقت گزارنے کی شوقین تھیں۔ اس معاملے میں تم مجھ سے بحث نہیں کر سکتے۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ لڑنے پر آمادہ ہو گئی۔

"لعنت بھیجو اس بحث پر!" میں نے ترشی سے کہا۔ "میں شہباز خان کی بات کر رہا تھا اور تم کیا ذکر لے بیٹھیں۔"

"جب بھی میرا پیر تمہاری دُم پر پڑتا ہے تو اسی طرح اپنا پیچھا چھڑا لیتے ہو۔" وہ چیخ کر بولی۔

وہ کافی بحث اور تکرار کے بعد راہِ راست پر آ سکی۔ جب اس کی سنجیدگی دوبارہ بحال ہوئی تو اس نے مجھ سے اتفاق کیا کہ ہم نے اول خان سے شہباز خان کا ذکر کر کے ایک بڑی غلطی کی تھی۔

راولپنڈی کے صدر بازار میں ہم نے درمیانے درجے کے ایک ہوٹل کے فیملی کیبن میں بیٹھ کر ویرا کا پسندیدہ لنچ کیا اور آئس کریم کھانے کے بعد آہستہ آہستہ اسلام آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔

شام کا دھندلکا پھیلنے تک ہم اسلام آباد کی پُرفضا سڑکوں پر ڈرائیونگ کرتے رہے۔ اس دوران میں ہم نے دور ہی سے اولیانو کے مکان کا جائزہ بھی لے لیا تھا تاکہ بعد میں مکان تلاش کرنے کی زحمت سے بچے رہیں۔

ٹھیک سات بجے ویرا نے کار سے اتر کر ستون پر لگا ہوا بٹن دبایا تو گھنٹی کی آواز کے ساتھ ہی چوکیدار نے پھاٹک کھول کر کچھ پوچھنے کا ارادہ کیا لیکن ویرا کی سفید چمڑی پر نظر پڑتے ہی وہ چوکڑی بھول گیا اور اُس کا داہنا ہاتھ غیرارادی طور پر اپنی پیشانی تک اٹھتا چلا گیا۔

چوکیدار نے بوکھلائے ہوئے انداز میں یوں پھاٹک کھولا تھا جیسے وہ آنے والوں کے اعلیٰ منصب سے بخوبی واقف رہا ہو میں بے تکلفانہ انداز میں اپنی گاڑی پورچ تک لیتا چلا گیا۔ ویرا ٹہلتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

میں پھاٹک کھلتے ہی یہ دیکھ کر چونکا تھا کہ اولیانو کی سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی، عمارت کے بغلی گیراج میں کھڑی ہوئی تھی۔ بغیر دروازے کے اس گیراج میں موجود گاڑی میں اولیانو کے دفتر کے باہر بھی دیکھ چکا تھا۔ اس کے علاوہ گہرے سبز رنگ کی ایک کار پورچ میں بھی موجود تھی۔ میرے لیے یہ بات خاصی ناقابلِ یقین تھی کہ اولیانو جیسا کفایت شعار افسر اپنی اکیلی ذات کے لیے دو گاڑیاں استعمال کرتا ہو۔

مجھے گاڑی سے اتر کر انتظار کرنا پڑا لیکن ویرا کے قریب پہنچتے ہی دروازہ کھلا اور اولیانو روشن برآمدے میں نکل آیا۔ اس نے ویرا کو دیکھتے ہی ہسپانوی زبان میں کچھ تحیّر زدہ آوازیں نکالنی شروع کر دی تھیں۔ ہم دونوں نے برآمدے کی سیڑھیاں طے کیں تو اولیانو نے لپک کر نہ صرف ویرا سے ہاتھ ملایا بلکہ ویرا کے داہنے رخسار کا چٹ پٹا سا بوسہ بھی لے ڈالا جو میری طبیعت پر خاصا ناگوار گزرا۔

ویرا ماضی میں جو کچھ بھی کرتی پھرتی رہی ہو وہ قصۂ پارینہ تھا۔ اس وقت وہ میرے ساتھ آئی ہوئی ایک معزز خاتون تھی جس کے ساتھ اولیانو کا استقبالیہ رویّہ خاصا جارحانہ تھا۔

کئی سیکنڈ کے طویل وقفے کے بعد اولیانو کو میری موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے میری طرف ہاتھ بڑھانے کے ساتھ ہی ہسپانوی زبان بولنی شروع کر دی لیکن میں نے فوراً ہی اسے ٹوک دیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں دنیا کے ایک وسیع علاقے میں بولی جانے والی، اس عظیم زبان سے یکسر نابلد ہوں۔" میں نے اس کے خلاف اپنی بھڑاس پر قابو رکھتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ کہا۔

"یہ میرا بوائے فرینڈ تنویر ہے۔" ویرا نے تقریباً میرے ساتھ ساتھ کہا۔

"اوہ، مسٹر تنویر! مجھے تم سے مل کر دلی مسرت ہوئی۔ تم بہت خوش نصیب ہو کہ تمہیں ویرا جیسی حسین اور خوش ذوق گرل فرینڈ ملی ہے۔" اس نے باچھیں پھیلاتے ہوئے انگریزی میں کہا۔

"شکریہ! مجھے بھی بہت خوشی ہوئی۔" اس کو انگریزی میں جواب دیتے ہوئے میں اردو میں ویرا سے مخاطب ہو گیا۔ "یہ بڈھا بہت حرامی ہے۔ میری آڑ میں تمہیں مکھن لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

ویرا یوں سرہلا کر رہ گئی جیسے میں نے کوئی خوشگوار بات کی ہو۔

"مسٹر تنویر نے ابھی کیا کہا تھا؟" اولیانو نے میرے بجائے ویرا ہی سے سوال کرنے کو ترجیح دی تھی۔ "یہ تو شاید انگریزی نہیں کوئی اور زبان تھی۔"

"تنی اپنی مادری زبان میں تمہاری خوش ذوقی کی تعریف کر رہا تھا۔"

"تنی؟ یہ کیا ہوا؟" اولیانو نے منہ پھاڑ کر حیرت سے سوال کیا۔

"میں تنویر کو پیار سے تنی کہتی ہوں۔" ویرا نے وہ فی البدیہہ جھوٹ بول کر مجھے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ "تم بھی مسٹر وسٹر کے چکر کو چھوڑو۔ تم اسے تنی یا تنویر کے نام سے پکار سکتے ہو۔ اگر تم برا نہ مانو تو کیا ہم تمہیں اولی کے مختصر نام سے مخاطب کر سکتے ہیں؟"

"اوہ، سویٹ!" اولیانو جھوم اٹھا۔ "تم تو ناموں کو خوبصورت اختصار دینے کی ماہر معلوم ہوتی ہو۔ مجھے حیرت ہے کہ مجھے آج تک اتنا پیارا نک نیم کیوں یاد نہیں آیا؟"

"اس لیے کہ تمہارے سر پر آج تک ویرا کے حسین وجود کا

"نہیں پڑا تھا۔" میں نے فراخدلانہ مسکراہٹ کے ساتھ وہ جلا
بنا تبصرہ کیا تو اولیانو منہ بنا کر سنہری عینک کی اوٹ سے مجھے
گھورنے لگا۔

"اسے یوں نہ دیکھو۔" ویرا مجھے آنکھ مارتے ہوئے فوراً ہی
بول پڑی۔ "اس کی انگریزی ذرا کمزور ہے۔ اس کے ذہن میں یقیناً
کوئی اچھی بات رہی ہوگی۔"

وہ ویرا کی طرف دیکھ کر فدویانہ انداز میں ہنس پڑا اور فضا میں
اسکاچ کا ہلکا سا بھبکا تیر گیا۔

وہ ہمیں لے کر اندر داخل ہوا تو ڈرائنگ روم میں' دروازے
کے ساتھ والی تپائی پر اسکاچ کا گلاس رکھا ہوا تھا۔ اس میں برف
کے کئی ڈلے بھی تیر رہے تھے۔

"معاف کرنا' میں تمہارے آنے سے پہلے پی رہا تھا۔" اس
نے اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر کہا۔ "تم دونوں کیا
لینا پسند کرو گے؟ ہارڈ یا سافٹ ڈرنک؟"

"سورج ڈھل چکا ہے۔" ویرا دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ
بولی۔ "اور تم پہلے سے پی رہے ہو تو ہارڈ ڈرنک ہی چلے گا بلکہ اسکاچ
بہتر رہے گی' سوڈے کے بغیر۔ صرف برف کے ساتھ!"

اولیانو کے بدن پر اس وقت سفید نیکر اور سفید ٹی شرٹ موجود
تھی۔ پیروں میں پیچھے سے پچکی ہوئی سلیم شاہی جوتی چپل کے طور پر
پہنی ہوئی تھی۔ مجموعی طور پر وہ اپنے صبح والے روپ سے بہت
مختلف اور خوش مزاج نظر آرہا تھا۔ ویرا نے اپنی ذات کے بارے
میں اس کی دلچسپی کو بھانپ لیا تھا اور وہ دیدہ و دانستہ ادائیں دکھا کر
اس پستہ قامت مگر رنگین مزاج بڈھے کے جذبات کو بھڑکانے کی
کوشش کر رہی تھی۔

"میرے گھر میں چوکیدار کے علاوہ کوئی ملازم نہیں ہے۔"
اس نے ایک مرتبہ پھر ویرا ہی سے مخاطب ہو کر معذرت خواہانہ
انداز میں کہا۔ "میں اندر سے بوتل' گلاس اور آئس پاٹ لے کر
آتا ہوں۔"

"تم اکیلے اتنی چیزیں کیسے لاؤ گے؟ چلو' میں تمہاری مدد کرتی
ہوں۔" ویرا اپنی کمر کو بل دیتی اور کولہے لچکاتی ہوئی اس کی طرف
بڑھی تو خوشی سے بڈھے کا چہرہ گلنار ہو گیا۔

"بلکہ میں بھی کچھ نہ کچھ اٹھا لاؤں گا۔" میرے لیے وہاں
رکے رہنا دشوار تھا۔

اولیانو نے میری طرف ایک خشک سی نگاہ ڈالی اور اندرونی
دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ مجھے
ہاتھ پکڑ کر زبردستی وہیں بٹھا دیتا اور خود ویرا کے ساتھ اندر چل
دیتا۔

میں ویرا کے ساتھ وہاں آنے پر خود کو دل ہی دل میں لعنت
ملامت کرنے لگا۔ مجھے اولیانو کی عاشق مزاجی اور ویرا کے فراخ
دلانہ موڈ کا ذرا بھی اندازہ ہوتا تو میں ہرگز ادھر کا رخ نہ کرتا۔

اولیانو کی خوش مزاجی میں اس اسکاچ کا بھی خاصا دخل تھا جو
ہمارے پہنچنے سے پہلے اس کے معدے میں منتقل ہو چکی تھی لیکن
ویرا! اس پر تو رہ رہ کر میرا خون بری طرح کھول رہا تھا۔

باہر پورچ میں موجود سبز گاڑی بدستور میرے سر پر سوار تھی۔
اگر وہاں ہمارے علاوہ کوئی اور آیا ہوا تھا تو اسے اولیانو کی مے نوشی
میں شریک ہونا چاہیے تھا۔ میں نے دوسرے گلاس کی تلاش میں
ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں لیکن وہاں کسی اور متنفس کی موجودگی
کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔

شیواز ریگل کی کندن کی طرح جھلملاتی ہوئی بوتل' اولیانو نے
شاید اسی وقت کھولی تھی۔ وہ خود شیشے کے گلاس میں پی رہا تھا لیکن
ہمارے لیے اس نے کیبنٹ میں سے بلور کے دو دمکتے ہوئے گلاس
نکالے۔ ریفریجریٹر میں سے آئس ٹرے نکال کر برف کے یکساں
ٹکڑے آئس پاٹ میں ڈالے اور پھر ہمارا سہ نفری قافلہ ڈرائنگ
روم میں واپس آکر ایک گوشے میں براجمان ہو گیا۔ ویرا فوری طور
پر اسکاچ کے گلاس تیار کرنے لگی۔ اولیانو نے بھی اپنا گلاس خالی
کر کے اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ پھر تینوں گلاس فضا میں لہرا کر'
ایک کھنک کے ساتھ ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ اولیانو نے وہ
جام ویرا کے نام تجویز کیا اور ہم تینوں نے اس تلخ سیال کے چھوٹے
چھوٹے گھونٹ لے کر گلاس اپنی اپنی میزوں پر رکھ لیے۔

اوہ! گھر میں تمہارا کوئی اور مہمان تو نہیں ہے اولی؟" ویرا نے
چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے' اس سے سوال کیا تو میں نے دل ہی
دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ذہنی آوارگی کے عالم میں بھی ویرا کو اپنا
کام یاد تھا۔

"کیوں؟" اولیانو نے آنکھیں پھیلا کر حیرت سے پوچھا۔
"تمہیں یہ خیال کیسے آیا؟"

"بس ایسے ہی۔" ویرا نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ سرسری
انداز میں کہا۔ "پورچ میں موجود گاڑی کی وجہ سے خیال آگیا تھا۔
ہم لوگ ویسے بھی کسی پیشگی اطلاع کے بغیر آئے ہیں۔"

لمحہ بھر کے لیے اولیانو کی چمکتی ہوئی آنکھیں دھندلا گئیں۔
اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار ابھرے لیکن اس نے فوراً ہی
اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو پاتے ہوئے بے معنی ہنسی کے ساتھ
کہا۔ "نہیں' کوئی نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم میرے گھر آئی
ہو۔ اطلاع دے کر آتیں تو میں شاید ڈھنگ سے تمہارا استقبال
کرتا۔"

"ہم اپنی عزت افزائی پر حیران ہیں۔ اسلام آباد میں رہنے
والے غیر ملکی دوست غیر ملکیوں سے بھی الگ تھلگ رہتے ہیں۔
مقامیوں سے تو ان کی طبیعت ہی نہیں ملتی۔" ویرا نے تعریفانہ انداز
میں کہا۔ "دراصل میں نے صبح تمہاری پریشانی کا اندازہ لگا لیا تھا
اسی وجہ سے میں اس وقت یہاں موجود ہوں۔"

"صبح تمہاری زبان سے ہسپانوی زبان سن کر میرا دل کھل اٹھا

تھا۔" وہ ایک اور گھونٹ لے کر بولا۔ "اسلام آباد میں باہر سے آئے ہوئے کافی لوگ رہتے ہیں لیکن ان میں ہسپانوی زبان جاننے والا شاید کوئی نہیں ہے۔ ظفر کے بعد تم دوسری شخصیت ہو جسے میری مادری زبان پر پورا عبور حاصل ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ اس نے سبز گاڑی کی موجودگی کا کوئی جواز پیش کرنے کے بجائے' نہایت خوبصورتی کے ساتھ اس کا ذکر ہی گول کر دیا تھا۔

"صبح کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ تم کسی وجہ سے ظفر سے خائف ہو۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ کہیں بھی جانے والے غیر ملکیوں کو اپنے بدقماش ملاقاتیوں سے کیسے کیسے سنگین خطرات لاحق ہو جاتے ہیں۔ ایسے ملاقاتی' مقامی ہونے کی وجہ سے عموماً اثر و رسوخ کے مالک بھی ہوتے ہیں اور ان کے خلاف کی جانے والی شکایات کی کہیں بھی کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ تم ہم پر پورا پورا اعتماد کر سکتے ہو۔" ویرا نے دلفریب انداز میں اس کو

اولیانو نے الجھن آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا جیسے میری موجودگی میں بات کرنے سے ہچکچا رہا ہو۔ پھر یکایک ہی اس نے ہسپانوی میں کوئی فقرہ ادا کیا اور ویرا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ تم کو صورت سے خطرناک نظر آ رہا ہو لیکن تنی تو کسی بچے کی طرح معصوم ہے۔" ویرا نے اس کی بات کا جواب انگریزی میں دیا تھا۔ "اس بے چارے کے تو ابھی دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے ہوں گے۔"

"مم...... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اولیانو نے بوکھلا کر دونوں ہاتھوں سے میرا بازو دباتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ "دراصل یہ ہماری پہلی ملاقات ہے۔ میں اتنی جلدی کسی پر کیسے اعتماد کر سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے' اولی!" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری الجھن کو سمجھ رہا ہوں۔ تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔" پھر میں نے ویرا پر آنکھیں نکالنی شروع کر دیں۔ "تمہاری یہ حرکت تہذیب اور شائستگی کے خلاف تھی۔ تمہیں اولی کو اسی زبان میں جواب دینا چاہیے تھا جس میں سوال کیا گیا تھا۔ بعض اوقات تمہاری یہ حرکتیں میری طبیعت پر گراں گزرنے لگتی ہیں لیکن تم بار بار بہک جاتی ہو۔ میں تم کو......"

"بس' بس۔ اب اس بے چاری کو اتنا شرمندہ نہ کرو کہ اس کا اچھا خاصا موڈ برباد ہو جائے۔" اولیانو نے میری بات کاٹتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں ویرا کی سفارش کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس نے مذاق کی نیت سے ایسا کیا ہو۔ اگر تم نے میرے سوال کا برا نہیں مانا تو مجھے بھی ویرا سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اس خوبصورت اور خوش ادا ڈارلنگ سے تو کسی کو بھی شکایت نہیں ہو سکتی۔"

"میں واقعی مذاق کر رہی تھی۔" ویرا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "مجھے تو شبہ بھی نہیں تھا کہ تم دونوں مذاق ہی مذاق میں اتنے سنجیدہ ہو جاؤ گے۔"

"چلو' تنی کی طرف سے میں معافی مانگ لیتا ہوں۔" اولیانو کو اسی بہانے سے اپنی جگہ سے اٹھ کر ویرا سے چپک کر بیٹھنے کا سنہرا موقع مل گیا۔ "غصہ تھوک دو اور اس وقت کو خوش گوار انداز میں گزارنے کی کوشش کرو۔"

ویرا نے خوفزدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھا پھر اولیانو کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی۔ "دیکھو! یہ تنی مجھ کو گھور رہا ہے۔ تم اس سے وعدہ لو کہ یہ یہاں سے واپسی پر مجھے نہیں ڈانٹے گا۔"

ویرا کی طرف سے قربت کے اس غیر معمولی اظہار پر اولیانو کا منہ احمقانہ انداز میں کھل گیا۔ میں نے بے بسی کے ساتھ ہنستے ہوئے ویرا سے کہا۔ "لو' بابا! میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب اس موضوع پر بات نہیں کروں گا۔"

اسی لمحے مجھے محسوس ہوا کہ ڈائننگ روم سے آگے پھیلی ہوئی اندھیرے کی چادر میں کوئی لپک کر ایک طرف سے دوسری طرف گیا ہے۔ اندھیرے کی وجہ سے مجھے کچھ نظر نہیں آیا تھا لیکن میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کر دیا تھا۔

ویرا اور اولیانو نے ایک مرتبہ پھر ہسپانوی زبان میں باتیں کرنی شروع کر دی تھیں۔ اس بار ابتدا ویرا نے کی تھی۔ میں نے دو تین لمبے لمبے گھونٹ لے کر اپنا گلاس خالی کیا اور صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اولیانو کے استفسار پر میں نے ٹوائلٹ کی ضرورت کا اظہار کیا تو اس نے اٹھنے کی زحمت کیے بغیر مجھے ڈائننگ روم سے آگے جا کر روشنی کرنے اور باتھ روم تک پہنچنے کے بارے میں ہدایات دے ڈالیں۔ وہ شاید تہ دل سے میرے وہاں سے دفعان ہونے کا خواہاں تھا کیونکہ اس طرح اسے ویرا کے ساتھ کم از کم چند منٹ کا تخلیہ میسر آ سکتا تھا۔

اس وقت میں خود بھی اندر جا کر' اپنا وہم دور کرنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ اس لیے میں مزید کوئی بات کیے بغیر تیزی کے ساتھ ڈائننگ روم کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

ڈائننگ روم سے ملحق راہداری میں شاید دونوں طرف تاریک کمرے تھے۔ داہنی طرف والے کمرے میں سے دھمک کی ایک موہوم سی آواز آئی۔ اولیانو نے مجھے بائیں طرف والی خواب گاہ کے باتھ روم کا راستہ بتایا تھا مگر میں اس کی ہدایت کو نظر انداز کر کے داہنی طرف والے کمرے میں گھس گیا اور اسی کے ساتھ کوئی سایہ کھلی ہوئی کھڑکی میں سے تیزی کے ساتھ باہر کود گیا۔

"رکو! ورنہ میں گولی مار دوں گا۔" میں دبی دبی غراہٹ کے ساتھ لپک کر کھڑکی کے قریب پہنچا تو اس بنگلے کے تاریک عقبی حصے میں ایک سایہ دوڑتا ہوا نظر آیا۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے بھاگتے ہوئے اس سائے کا جائزہ لیا پھر اپنی جیب سے بیم گن نکال کر اس

بھی تاریکی میں باہر کود گیا۔
اولیانو کے بنگلے کے عقبی حصے میں تاریکی کا راج تھا لیکن پھر بھی میں نے کھڑکی سے پہلی نگاہ ڈالتے ہی یہ بھانپ لیا تھا کہ اس راستے سے فرار ہونے والا انسانی ہیولا کسی مرد کا نہیں بلکہ عورت کا تھا۔ شاید اس کے پیروں میں اونچی ایڑی والے سینڈل نہیں تھے اسی لیے وہ خاصی تیزی کے ساتھ دوڑتی چلی جارہی تھی۔ اس کے بدن کے لوچ اور لچک سے کوئی بھی یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ عورت ہے۔

"رک جاؤ، ورنہ میں گولی مار دوں گا۔" میں نے اس کے تعاقب میں دوڑتے ہوئے ایک مرتبہ پھر دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔ وہ لحہ بھر کے لیے ٹھٹکی۔ شاید اس نے میرے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سن کر، پیچھے مڑ کر درمیانی فاصلے کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔ اپنے راستے پر سے دھیان ہٹتے ہی، اسے کسی ابھری ہوئی اچیز سے ٹھوکر لگی اور وہ مختصر سی اضطراری چیخ کے ساتھ زمین پر گر گئی۔

وہ نہ بھی گری ہوتی تو میں چند ثانیوں بعد اسے پکڑ ہی لیتا کیوں کہ اس کے مقابلے میں میری رفتار بہت تیز تھی۔ وہ گری تو میں لحہ بھر میں اس کے سر پر پہنچ گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں کا سہارا لے کر کچی زمین پر سے اٹھنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ اس کے غیر مسلح ہونے کا اطمینان ہونے کے بعد میں نے خاموشی کے ساتھ بیم گن اپنی جیب میں ڈال لی۔ چند ثانیوں کے بعد وہ اپنے قدموں پر کھڑی ہوئی تو سانس چڑھ جانے کی وجہ سے اس کا سینہ کسی لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور اندھیرے میں بھی اس کی بڑی بڑی آنکھیں بلور کے ڈلوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ دھان پان سا جسم ہونے کی وجہ سے اس کی کشیدہ قامتی کچھ زیادہ ہی نمایاں ہو رہی تھی۔

"تم کون ہو؟ اندر اندھیرے میں کیا کر رہی تھیں؟" میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے غرا کر سوال کیا۔

"تم کون ہو؟" اس نے میرے سوالات کے جوابات دینے کے بجائے ہانپتے ہوئے مجھ ہی سے سوال کر ڈالا۔ "اور اس طرح میرے پیچھے بھاگنے کا کیا مطلب ہے؟ میں اولیانو کی مہمان ہوں۔"

اس کے لب و لہجے میں حلاوت تھی لیکن تلفظ پر پنجابی زبان کی نمایاں چھاپ تھی۔ میں نے اس کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "مہمان کھڑکیوں سے کود کر نہیں بھاگا کرتے....."

"میری مرضی، میں کہیں سے بھی جاؤں۔" وہ بگڑ کر بولی۔

میرے لہجے کی غیر ارادی نرمی نے اس کا حوصلہ بحال کر دیا تھا اور وہ بحث پر آمادہ نظر آنے لگی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ لیکن تمہاری سبز کار، آگے پورچ میں کھڑی ہوئی ہے۔ تمہیں وہاں تک تو جانا ہی ہوگا۔" میں نے نرمی سے اس کا بازو تھامتے ہوئے کہا۔ "ویسے بھی تم اولیانو سے ملے بغیر اس مکان سے باہر نکلی ہو۔ مہمان اپنے میزبان سے ملے بغیر یوں رخصت نہیں ہوا کرتے۔"

اس نے تنک کر ایک جھٹکے سے اپنا بازو آزاد کرایا اور برہمی کے ساتھ بولی "خبردار! میرے بدن کو ہاتھ لگانے کی کوشش نہ کرنا۔ میں کوئی ایسی ویسی عورت نہیں ہوں......"

"میں یہی جاننا چاہ رہا ہوں کہ تم کون ہو اور تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔ "تم غصہ دکھاتی رہو گی تو اولیانو تمہارا تعارف کرا دے گا۔"

اس نے بے ساختہ انداز میں اولیانو کو ایک ہلکی پھلکی سی پنجابی گالی دی اور میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ وہ اپنے طور طریقے سے کوئی سکھنی معلوم ہو رہی تھی ورنہ اپنی طرف کی تعلیم یافتہ پنجابی عورتوں میں ایسے بے حجاب انداز گفتگو کا کوئی رواج نہیں تھا۔

"میں اس کا دماغ درست کر دوں گی۔" وہ اپنی روانی میں کہہ رہی تھی۔ "یہ کہاں کی شرافت ہے کہ ایک طرف مجھے بلا لیا اور دوسری طرف تم جیسے لفنگے کو بھی بلا لیا۔ ہر آدمی کی کوئی نہ کوئی عزت ہوتی ہے لیکن اس بھاڑو کو تو دوسروں کی عزت کا ذرا بھی پاس نہیں ہے۔"

"جے واہ گورو جی کی!" میں نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے فوری خیال کے تحت کہا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو۔ سفید چمڑی والے عزت اور بے عزتی کی باریکیوں کو ذرا بھی نہیں سمجھتے....."

"تم سکھ ہو؟" اس نے میری بات کاٹ کر تحیر زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"آہستہ بولو!" میں نے ایک مرتبہ پھر اس کا نرم نرم بازو دباتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "دیواروں اور درختوں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ میں کسی مصلحت کی وجہ سے یہاں ملا بنا ہوا ہوں۔"

"میرا نام نلنی کور ہے۔" وہ دبی دبی آواز میں بولی۔ "اس حرامی نے مجھے خود فون کر کے بلایا تھا۔ تم لوگوں نے گھنٹی بجائی تو میں ڈر کر خود ہی اندر چھپ گئی تھی۔ میرا آدمی یہاں کے سفارت خانے میں آفس سپرنٹنڈنٹ ہے۔ اسے بھنک بھی مل گئی کہ میں اس سے چھپ کر کسی سے ملتی ہوں تو وہ کرپان سے میری گردن اڑا دے گا۔"

"آؤ۔" میں نے اسے عمارت کے بغلی حصے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور وہ اس بار بے چون و چرا کیے، میرے ساتھ چل پڑی۔ مجھے سکھ فرض کر لینے کے بعد اس کا رویہ یک بیک تبدیل ہو گیا تھا۔

"تمہارا آدمی اتنا خوں خوار ہے تو نلنی جی، تم اولیانو سے کیوں ملتی ہو؟"

"بس، مجھے ملک ملک کے مردوں سے دوستی کرنے کا شوق ہے۔" اس نے ذرا بھی شرمائے بغیر اعتراف کیا۔ "میرے ایک دوست نے مجھے اولیانو سے ملایا تھا پھر وہ خود غائب ہو گیا اور اب شاید اسی نے ہم دونوں کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ کیا تم بھی

سفارت خانے میں کام کرتے ہو؟"

"میں سفارت خانے میں کام نہیں کرتا۔ خفیہ ادارے کا آدمی ہوں۔ تم مجھے بتاؤ کہ تمہیں کون تنگ کر رہا ہے تو میں اس کی ایسی کی تیسی کر ڈالوں گا۔ اس آدمی نے تمہارے علاوہ اور کس کو تنگ کیا ہوا ہے؟"

"اولیانو کو!" اس نے کہا۔ "اس نے چھپ کر ہم دونوں کی ویڈیو فلم بنائی ہے اور اب اس کے ذریعے اولیانو کو اپنے دباؤ میں لیا ہوا ہے۔ کیا پتا کہ وہ کسی روز مجھ سے بھی کوئی مطالبہ کر بیٹھے!"

میرے لیے اس کا وہ انکشاف سنسنی خیز تھا۔ میں نے ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری بات بالکل درست ہے لیکن وہ خبیث آدمی کون ہے جو اسے تنگ کر رہا ہے۔"

"اس سے ایک پارٹی میں دوستی ہوئی تھی۔" نلنی ایک گہرا سانس لے کر بولی "بعد میں بھی ہم ہوٹلوں میں ملتے رہے۔ وہ خود کو کسی سرکاری ادارے کا بہت بڑا افسر بتاتا تھا۔ میں اس کے پتے یا ٹھکانے سے واقف نہیں ہوں لیکن اس کا نام ظفر ہے۔ ذرا پکی عمر کا بہت شان دار آدمی ہے۔"

اس کے خاموش ہونے پر میں نے ظفر کا حلیہ بیان کرنا شروع کر دیا اور اس کی خوبصورت آنکھیں حیرت سے کشادہ ہوتی چلی گئیں۔ اس وقت تک ہم دونوں' اس عمارت کے تاریک عقبی حصے سے گھوم کر بغلی راستے پر مڑ چکے تھے اور وہ راستہ روشن تھا۔ اس روشنی میں مجھے یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی تھی کہ نلنی کور سبک اندام اور دراز قامت ہونے کے ساتھ ہی دلکش نقوش کی مالک بھی تھی۔

"تم نے لفظوں میں اس دھی کے خصم کی تصویر کھینچ کر رکھ دی۔" نلنی نے بے ساختگی کے ساتھ کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہوا ہے۔ تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں اسی کی گھات میں لگا ہوا ہوں۔ جس دن میرا ہاتھ پڑ گیا' اسے اٹھا کر سرحد پار لے جاؤں گا۔ وہ ہمارے لیے بہت کام کا آدمی ہے۔" میں نے حسرت سے کہا۔

"تم اولیانو سے بات کرو۔" سرحد پار کا ذکر سن کر نلنی پُرجوش لہجے میں بولی۔ "وہ اولیانو کو فون کرتا رہتا ہے۔ میں نے اسے کئی بار یہاں دیکھا بھی تھا۔ پہلی بار وہی مجھ کو یہاں لے کر آیا تھا۔ آج کل وہ خود بھی ظفر سے تنگ آیا ہوا ہے۔ اس کی مدد سے تم ظفر کو آسانی سے پکڑ سکتے ہو۔"

"دیکھو' ابھی تمہارے سامنے بات کرتا ہوں۔ شاید وہ راہ پر آجائے۔"

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے برآمدے سے گزر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو اولیانو' ویرا پر جھکا پڑ رہا تھا اور وہ اسے خود سے دور رکھنے کے لیے خاصی محنت کر رہی تھی۔ اولیانو اپنی فطرت، کے اعتبار سے انتہائی حریص بڈھا تھا اور اس خلوت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے کوشاں تھا۔ اولیانو کی پشت ہماری طرف تھی اس لیے وہ ہماری آمد سے آگاہ نہیں ہوسکا۔ میں غصے میں ہونے کے باوجود ٹھٹک کر دروازے ہی میں رک گیا لیکن نلنی کور سے وہ سب برداشت نہ ہوسکا۔ وہ میرے عقب سے جھپٹ کر نکلی اور سیدھی اولیانو کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

وہ دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھ کر' کسی بھوکی شیرنی کی طرح تن کر کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اولیانو' ویرا کے پُرخمار پیکر کو بھول بھال کر' ہکلاتا ہوا صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو اس بدمعاشی کے لیے مجھے اندر والے کمرے میں چھپنے کا مشورہ دیا تھا!" نلنی نے اولیانو کو قہربار نظروں سے گھورتے ہوئے' جارحانہ لہجے میں کہا۔

"یہ .... یہ کوئی بدمعاشی نہیں تھی۔" اولیانو نے لکنت آمیز لہجے میں کہا۔ "ویرا نے مجھے اپنی کلائی گرانے کا چیلنج دیا تھا۔ ہم اسی مقابلے کے لیے اپنی پوزیشن درست کر رہے تھے۔ مم.... مگر تم اچانک کہاں سے آگئیں؟"

"یہ خود سے نہیں آئی بلکہ لائی گئی ہے۔" میں نے اسے اپنی موجودگی سے آگاہ کرتے ہوئے کہا اور وہ داخلی دروازے کی سمت سے میری آواز سن کر یوں اچھل پڑا جیسے بے خبری میں اس پر بجلی کا ننگا تار آگرا ہو۔

"اوہ.... تم!" اس کی حیرت سے پھیلی ہوئی آنکھیں میری طرف مرکوز ہوگئیں اور وہ مدافعانہ بے بسی کے ساتھ بولا۔ "مم.... میں تو بس یوں ہی' ویرا کے ساتھ ہلکا پھلکا مذاق کر رہا تھا۔"

"وہ تمہارا اور ویرا کا معاملہ ہے۔" میں نے بے اعتنائی کے ساتھ کہا۔ "میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ گھر میں ہم لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا تو یہ پونے چھ فٹ کی عورت کہاں سے نکل پڑی؟"

"یہ میری دوست کلنی نور.... نن.... نہیں ... نلنی کور ہے۔ تمہاری اچانک آمد کی وجہ سے میں نے اسے اندر بھیج دیا تھا۔ پورچ میں کھڑی ہوئی سبز کار دراصل اسی کی ہے۔"

"اور تمہاری یہ اماں کون ہے؟" نلنی کور نے ہاتھ نچا کر' ویرا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ انگریزی زبان کا سہارا لینے کی وجہ سے وہ اس بار کوئی فی البدیہہ گالی استعمال نہیں کرسکی تھی۔

"زبان سنبھال کر بات کر' لڑکی!" ویرا غیر متوقع طور پر طیش میں آگئی۔ "میں ایک سیکنڈ میں تیری زبان حلق سے باہر کھینچ لوں گی۔"

اولیانو فوراً ہی اچھل کر ان دونوں کے درمیان نہ آگیا ہوتا تو شاید بات بڑھ جاتی۔ اس نے فضا میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے' گہرے گہرے سانسوں کے درمیان کہا "تم دونوں کو آپس

میں لڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں دو عورتوں کے ساتھ ہی دو مرد بھی موجود ہیں۔ تم میری دوست ہو تو ویرا تنی کی دوست ہے۔ تمہیں اس کی توہین کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں بھی میرے معزز مہمان ہیں۔"

نلنی کی الجھن آمیز نگاہیں میری طرف اٹھیں تو میں بول پڑا۔ "میرا خیال ہے کہ تم غصہ تھوک دو۔ شاید اولیانو نشے کی جھونک میں ویرا سے زور آزمائی کر رہا تھا۔"

"یہ ہے ہی حرام دا پتّر!" نلنی کو رغصے کی زیادتی کی وجہ سے ملی جلی پنجابی اور اردو میں پھٹ پڑی۔ "اب تم دیکھنا کہ تمہارے چلے جانے کے بعد میں اسے چاروں ہاتھ پیروں پر چلوا کر' اس کو ٹھوکریں ماروں گی اور اسے اپنے قریب بھی نہیں آنے دوں گی۔"

"ہم چلے گئے تو یہ تماشا کیسے دیکھیں گے؟" ویرا نے اردو میں سوال کر کے اسے چونکا دیا۔ اس نے خود پُرسکون رہ کر' نلنی کو اولیانو کے خلاف اشتعال دلانے کی کوشش کی تھی۔

"تم انگریز نہیں ہو؟" نلنی کور نے حیرت کے ساتھ ویرا سے سوال کیا۔

ویرا نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "ہر سفید فام کو جاہل لوگ انگریز سمجھتے ہیں۔ تم تو پڑھی لکھی اور سمجھدار معلوم ہوتی ہو۔ تمہیں ایسی بے ہودہ غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ تم نے یہی قیاس آرائی کسی فرنچ کے بارے میں کی ہوتی تو تم اس کی دوستی سے ہاتھ دھو چکی ہوتیں۔"

گفتگو کا رخ تبدیل ہونے کے ساتھ ہی ان دونوں کا غصہ بھی فرو ہو گیا تو میں نے انہیں مناسب اور محفوظ ترتیب کے ساتھ نشستیں سنبھالنے میں مدد دی اور اولیانو پھرتی کے ساتھ نلنی کے لیے بھی بلور کا ایک گلاس لے آیا۔ نلنی انکار کرتی رہی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ہماری آمد سے پہلے ایک پیگ لے چکی تھی اور زیادہ شراب نوشی کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ ذرا سی بے اعتدالی بھی اس کے بہکنے کا سبب بن جاتی تھی لیکن میں نے زبردستی اس کے لیے ایک پیگ بنا ہی دیا۔ وہ ایک سردارنی تھی اور میرے ذہن میں اس وقت سرداروں کی دانش وری کے سدا بہار لطیفوں کی ایک برات سی اتری چلی آ رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ ذرا سا بہکنے کے بعد' وہ یقینی مزید دلچسپ ہو جائے گی اور دیگر باتوں کے علاوہ ہمارے کام کے موضوع پر بھی کھل کر بات کر سکے گی۔

اولیانو کو مسلسل ایک ہی پریشانی لاحق تھی کہ نلنی مکان کے اندرونی حصے میں چھپی ہوئی تھی اور میں بھی پیشاب کرنے کے ارادے سے اندر ہی گیا تھا پھر ہم دونوں صدر دروازے سے کیوں کر داخل ہوئے تھے؟

نلنی تو خیر اسے بری طرح نظر انداز کرنے پر تلی ہوئی تھی' میں بھی خاصی دیر تک اسے ٹالتا رہا لیکن آخر کار مجھے اس کو پوری تفصیل سے آگاہ کرنا ہی پڑ گیا۔

"اگر وہاں کھٹکا ہوا تھا تو تمہیں کھڑکی سے کود کر بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟" میری کہانی سن لینے کے بعد اولیانو نے نلنی پر خفگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہیں رک کر آنے والے کا سامنا کرنا چاہیے تھا۔ میری چھت کے نیچے تمہیں کوئی بھیانک خطرہ تو لاحق نہیں ہو سکتا تھا۔"

"سردار جوگیندر سنگھ ویسے تو میرا مریل سا شوہر ہے لیکن بات پتے کی کہتا ہے۔" نلنی ترنگ میں آ کر بولی۔ "وہ کہتا ہے کہ جب کوئی مرد تنہائی میں پرائی عورت کی طرف بڑھتا ہے تو اس کے من کی کیچڑ میں پاپ کے کنول کھل رہے ہوتے ہیں۔ میں اس ڈراؤنے اندھیرے میں کیسے ٹھہر سکتی تھی؟"

اولیانو اس کے جواب پر برا سا منہ بنا کر رہ گیا اور ویرا مسکرانے لگی۔

"تم اپنے شوہر کو مُریل کہہ رہی ہو اور اس سے بہت زیادہ ڈرتی بھی ہو۔" میں نے اسے چھیڑا۔

"وہ بس دوسروں کے سامنے مُریل بنا رہتا ہے۔ میرے حق میں تو بھیڑیا ہے بھیڑیا۔ جب جوش میں آتا ہے تو کاٹ کر اور بھنبھوڑ کر میرے بدن کو نیلا اودا کر دیتا ہے۔ اس کی اسی حرکت سے اکتا کر میں نے دوسرے مردوں سے دوستی کا راستہ نکالا تھا۔" اس نے اردو میں جواب دیا۔

"کیا تمہارے شہر کے سارے مرد مر گئے تھے جو غیر ملکیوں کے پیچھے بھاگتی پھرتی ہو؟" میں نے اولیانو کو اپنے گلاس کی طرف متوجہ پا کر' اپنا سوال بھی اردو ہی میں کر ڈالا۔

نلنی نے اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر گہرا سانس لیا اور بولی۔ "ایسا ہی سمجھ لو۔"

"سمجھاؤ گی تو سمجھ بھی لوں گا۔" میں نے شوخی کے ساتھ کہا۔

"میں نے بہت ساری عورتوں سے پوچھا تھا۔" وہ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد بولی "لیکن سب کا دکھ ایک ہی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پٹیالے کے سردار بھیڑیوں کی نسل سے ہیں۔ جو سردارنیاں تگڑی ہیں' وہ اپنے مردوں کو دو چار ہاتھ مار کر بدلہ لے لیتی ہیں۔ دوسریوں کو صبر کرنا پڑتا ہے۔"

"یہ تم سے کیا کہہ رہی تھی؟" میرے زوردار قہقہے نے اولیانو کو چونکنے پر مجبور کر دیا۔

"اپنی ازدواجی زندگی کا المیہ سنا رہی تھی۔" میں نے سرسری انداز میں جواب دیتے ہوئے مطلب کی بات چھیڑ دی۔ "تم ظفر کے بارے میں ویرا کو کچھ بتانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اگر تم دونوں اپنے مذاکرات ختم کر لو تو ہم نو بجے سے پہلے یہاں سے روانہ ہونا چاہیں گے۔"

اولیانو کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا اور اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں نلنی کی طرف دیکھا۔

"اس کی طرف مت دیکھو۔" میں نے اسے اطمینان دلاتا

چاہا۔ "یہ مجھے ظفر کے تیار کیے ہوئے ویڈیو کیسٹ کے حوالے سے تمہاری اور اپنی پریشانی کی کہانی سنا چکی ہے۔"

"اوہ۔" اولیانو ایک گہرا سانس لے کر اپنی کرسی میں دھنس گیا۔ "کمال ہے کہ یہ چند ہی منٹ میں تم سے اتنی بے تکلف ہوگئی کہ اپنا سارا کچا چٹھا اگل بیٹھی۔ مجھے تو اسے اپنی راہ پر لانے کے لیے بہت محنت کرنی پڑی تھی۔"

"اپنے اپنے طریقہ کار کی بات ہوتی ہے۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا "تمہارے اور نلنی کے ویڈیو کیسٹ کی بات تو صاف ہوچکی ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کے ذریعے ظفر تم سے کیا کام لینا چاہ رہا تھا۔"

وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش رہ کر ہم تینوں کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "بتادوں گا۔ میں نے ویرا کو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ہی اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔"

میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ نلنی کی موجودگی میں زبان کھولنے سے گریز کررہا تھا۔ اس کی احتیاط یا مجبوری کو سمجھتے ہوئے میں نے بھی اس پر زور ڈالنا مناسب نہیں سمجھا۔

نلنی درست کہہ رہی تھی۔ وہ گلاس خالی ہونے تک 'اسکاچ اس کے دماغ میں گھس چکی تھی اور وہ بہکے ہوئے انداز میں نت نئی بولیاں بول رہی تھی۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ویرا کو اشارہ کیا اور وہ نلنی کے خالی گلاس میں کندن انڈیلنے لگی۔ اولیا نو نے' نلنی کے ساتھ ہونے والی اس زیادتی پر احتجاج کرنا چاہا لیکن میں نے سختی کے ساتھ اسے خاموش کردیا۔

"اسے بہکنے دو۔" میں نے کہا۔ "اگلا گلاس خالی کرنے کے بعد وہ ذہنی طور پر ناکارہ ہوکر رہ جائے گی اور تم بے فکری کے ساتھ اپنے مسائل پر بات کرسکو گے۔"

نلنی گہرے سرور کے عالم میں' سردار جوگیندر سنگھ کو اپنی مادری زبان میں مادر پدر آزاد گالیاں سناتے ہوئے' اپنی نازک ازدواجی محرومیوں کا شکوہ کررہی تھی۔ نشے کی حدِ فاصل عبور کرلینے کے بعد اسے اس بات کا ہوش نہیں رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جانے والا تھا۔

جھوم جھوم کر' اگلے گلاس سے شراب پیتے ہوئے' نلنی مسلسل بے ربط باتیں کیے جارہی تھی۔ اس مقام پر میں نے اسے نظر انداز کرکے اولیا نو کو بولنے کی دعوت دی تو وہ کچھ سراسیمہ نظر آنے لگا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے حوصلہ دینے کی نیت سے کہا۔ "اول تو نلنی تمہاری کوئی بات نہیں سنے گی اور اس نے کچھ سن بھی لیا تو وہ اسے یاد نہیں رکھ سکے گی۔ تم بے فکری کے ساتھ اپنی کتھا سناتے چلے جاؤ۔ ہم زیادہ دیر تک یہاں نہیں ٹھہر سکیں گے۔"

"نلنی کو ویرا کے ساتھ چھوڑ کر ہم اندر چلتے ہیں۔ وہاں اطمینان سے باتیں ہوسکیں گی۔" اس نے پُرتشویش اور دھیمے لہجے میں تجویز پیش کی۔

وہ اپنے مسئلے کی رازداری کے سلسلے میں بہت زیادہ فکرمند نظر آرہا تھا اس لیے میں نے کسی پس و پیش کے بغیر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میرے اس عمل پر ویرا کی نگاہوں میں ناپسندیدگی کی علامات ابھر آئی تھیں لیکن میں نے آنکھ سے اشارہ کرکے اسے خاموش کردیا اور اولیانو کے ساتھ اندر چل دیا۔

اولیانو مجھے اپنے ساتھ لے کر اسی کمرے میں داخل ہوا جہاں سے نلنی نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ اس نے دیوار گیر سوئچ بورڈ کا بٹن دبا کر روشنی کی تو مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ دُہرے بستر والی آرام دہ اور آراستہ خواب گاہ تھی جہاں ایک گوشے میں چار نفیس کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔

"صبح تم لوگوں نے میرے دفتر میں جو باتیں کی تھیں' انہوں نے مجھے شدید الجھن میں ڈالا ہوا ہے۔" چند ثانیوں کی تفکر آمیز خاموشی کے بعد اولیانو نے زبان کھولی۔

"تم مجھے اپنے راز میں شریک کرکے اپنا ذہنی بوجھ ہلکا کرسکتے ہو۔" میں نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔ "میں اب بھی اس دعوے پر قائم ہوں کہ تمہارا دفتر بعض جرائم پیشہ لوگوں کے استعمال میں رہتا ہے۔"

"وہاں کی بات اور تھی۔ میں تمہارے ساتھ آئے ہوئے سرکاری افسروں کے سامنے اپنے شبہات کا اظہار کرتا تو خود میری پوزیشن مشکوک ہوجاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں خود بھی صورت حال سے مطمئن نہیں ہوں۔ میں اپنے اسٹاف سے پہلے دفتر پہنچنے کا عادی ہوں۔ میں نے وہاں کئی مرتبہ ایسی علامات دیکھی ہیں جس سے شبہ ہوتا ہے کہ دفتری اوقات کے بعد وہ عمارت کچھ پُراسرار لوگوں کے تصرف میں رہتی ہے۔"

"اگر تم اس معاملے میں ملوث نہیں ہو تو اطمینان سے پولیس کو اطلاع دے کر ان لوگوں کا راستہ مسدود کراسکتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ خفیہ نگرانی کرواکر' کچھ مجرموں پر ہاتھ ڈالنے میں بھی کامیاب ہوجاتے۔"

"میں نے پولیس سے رجوع کیا تو ظفر مجھے منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔"

"اس معاملے میں ظفر کہاں سے آکودا؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ساری خرابی اسی کی وجہ سے ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "مجھے حیرت ہے کہ وہ ایک اہم وفاقی ادارے کا ذمے دار افسر ہوتے ہوئے بھی مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ میں اس کے بارے....."

میں نے اضطراری انداز میں اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔ "تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ کسی اہم وفاقی ادارے میں ملازمت کرتا ہے؟"

"اس نے خود ہی بتایا تھا۔ اِس کے بارے میں میری جملہ معلومات، اُسی کی بتائی ہوئی باتوں تک محدود ہیں۔" سنجیدہ موضوع چھڑ جانے کی وجہ سے وہ نشے کی جھونک سے قطعی آزاد ہو چکا تھا۔

"وہ اوّل درجے کا جھوٹا اور مکار ہے۔ اس کا کسی سرکاری ادارے سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔"

"اب تو یہی بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔ کل رات میرے دفتر میں واقعی کافی ہڑبونگ ہوئی ہے۔ تم لوگوں کے چلے آنے کے بعد میں نے دیواروں میں گولیوں کے کم از کم سات نشانات دیکھے ہیں۔ ان میں تین میرے کمرے کی دیواروں میں پائے گئے ہیں۔"

وہ خود ہی راہِ راست پر آرہا تھا اس لیے میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔ "کل رات وہاں جو کچھ ہوا، وہ ہمارے علم میں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ ان واقعات میں ظفر کس طرح ملوّث ہے؟"

"مجھے تفصیل یاد نہیں لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ ظفر کسی بہانے سے خود ہی مجھ سے آ ٹکرایا تھا۔" اس نے جھجکتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔ "ہسپانوی زبان پر اس کی قابلِ رشک مہارت کی وجہ سے، میں بہت تیزی کے ساتھ اس کے قریب ہوتا چلا گیا۔ وہ وقتاً فوقتاً میرے دفتر بھی آتا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے مجھ سے اجازت چاہی کہ وہ رات بھر کے لیے ایک اہم قیدی کو میرے دفتر میں رکھ سکے تو میں نے نہایت برہمی کے عالم میں اس کی بات مسترد کردی۔ اب مجھے خیال آتا ہے کہ ظفر نے میرے انکار پر اپنی تحقیر محسوس کی تھی اور شاید وہ اُسی وقت سے اپنی منصوبہ بندی میں مصروف ہوگیا تھا۔ اس کے بعد ہی اس نے نلنی کو مجھ سے متعارف کرایا۔"

"اور تمہیں معلوم تھا کہ نلنی بھارتی سفارت خانے کے ایک اہل کار کی بیوی ہے؟"

"یہ بات تیسری یا چوتھی ملاقات میں میرے علم میں آئی۔ ویسے بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ میں پیڑ گننے کے بجائے آم کھانے کا عادی ہوں اور وہ مجھے بڑی فیاضی سے مل رہے تھے۔"

"اس کے بعد، تمہارے ساتھ ظفر کا کیا رویّہ رہا؟" میں نے اسے اصل موضوع یاد دلاتے ہوئے کہا۔

"اس نے مجھ سے کئی بار البرٹو ویلیسا نامی، کسی کولمبین کا ذکر کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ شخص بوگوٹا میں خاصا مشہور اور اثر و رسوخ کا مالک تھا لیکن میں بدقسمتی سے اس شخص سے ناواقف تھا۔ آج صبح ویرا نے ہسپانوی زبان میں البرٹو ویلیسا کا ذکر چھیڑا تو مجھے پہلی بار اس نام کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ اسی کے ساتھ میرے ذہن میں ظفر کی یاد تازہ ہوگئی اور میں نے ویرا کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے ڈالی۔ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔"

"نلنی سے تمہارے عاشقانہ مراسم استوار ہونے کے بعد ظفر کا کیا کردار رہا تھا؟"

"میرا خیال ہے کہ یہی سب سے اہم بات ہے۔" وہ کھانستے ہوئے بولا۔ "نلنی بھرپور مردانہ رفاقت سے ترسی ہوئی، ایک شادی شدہ عورت ہے۔ وہ اسی حوالے سے نت نئے تجربوں کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہے۔ اسے مجھ سے ملوانے کے چند دنوں بعد، ظفر نے ایک مرتبہ پھر میرے دفتر کے استعمال کا معاملہ چھیڑا تو میں نے درشت انداز میں اپنا پرانا مؤقف دُہرادیا۔ میں اپنے ملک کی جانب سے ایک اہم سفارتی منصب پر فائز ہوں۔ میں اس منصب سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے ملک کی ساکھ کو نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس رات ظفر میرے ساتھ پیتا رہا پھر اس نے سرسری انداز میں مجھے ایک فلم دیکھنے کی پیشکش کی۔ ویڈیو کیسٹ وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ ٹیلی ویژن کی اسکرین روشن ہوئی تو میرا دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا کیونکہ وہ میری اور نلنی کی خلوت کی تفصیلی فلم تھی۔ نلنی بہت بے ہودہ اور جارح عورت ہے اس لیے میں وہ پوری فلم نہیں دیکھ سکا۔ میرے شدید اصرار پر، ویڈیو کا بٹن آف کرتے ہوئے، ظفر نے مجھے آگاہ کیا کہ وہ اپنی کچھ ناگزیر ضروریات کے لیے میرے دفتر کو استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور اگر میں نے اس بارے میں ذرا بھی لب کشائی کی تو وہ میری اور نلنی کی ویڈیو فلم تمام سفارتی حلقوں میں پہنچادے گا۔ میں آج بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اسے میرے دفتر کے استعمال کے لیے، میرے ساتھ ایسی گھٹیا حرکت کی کیا ضرورت تھی؟ وہ اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے کوئی جگہ کرائے پر بھی لے سکتا تھا۔"

وہ بات اس کے لیے ناقابلِ فہم تھی لیکن میرے لیے صاف اور واضح۔ پہلے البرٹو اپنی اصل قومیت کا فائدہ اٹھا کر اولیانو کو گھیرنا چاہ رہا تھا۔ جب اسے اندازہ ہوا کہ اولیانو کولمبین ہوتے ہوئے بھی اس نام سے لاعلم ہے تو اس نے نلنی والا حربہ آزمانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ ظفر کے روپ میں اسپیشل ٹاسک فورس میں ایک ذمّے دار عہدے پر فائز تھا اس لیے آبادی میں کوئی مکان خریدنے یا کرائے پر لینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ مشتبہ افراد کی آمدورفت اور مجرمانہ سرگرمیوں کی وجہ سے ایسا کوئی بھی ٹھکانا، جلد یا بدیر لوگوں کی نظروں میں آسکتا تھا جب کہ ویران اور دور افتادہ

علاقے میں واقع' اولیانو کا دفتر اس کے گھناؤنے مقاصد کے لیے ہر اعتبار سے موزوں تھا۔ اولیانو کو قابو میں رکھ کر وہ پوری بے فکری سے اپنا کام جاری رکھ سکتا تھا۔

"میں اب بھی ظفر سے خوف زدہ ہوں۔" کچھ دیر کے بعد اولیانو نے کہا۔ "اگر اسے بھنک بھی مل گئی کہ میں نے اس کی بلیک میلنگ کے بارے میں تم کو اعتماد میں لیا ہے تو وہ مجھے رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ میں اس خطرے سے ہر صورت میں محفوظ رہنا چاہتا ہوں۔"

"تمہیں اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ کل رات کے واقعات کے بعد وہ رُوپوش ہوگیا ہے۔ وہ تم سے رجوع کرے تو تم اپنے رویّے میں کوئی تبدیلی نہ آنے دینا اور خاموشی سے مجھے فون پر خبر کر دینا۔ یہ میری ذمے داری ہے کہ اس کی گرفتاری کے بعد تمہارا نام یا نلنی والا اسکینڈل بالکل نہیں اچھالا جائے گا۔"

"تم کہتے ہو تو میں مانے لیتا ہوں ورنہ سرکاری اداروں کا اپنا طریقہ' کار ہوتا ہے۔ وہ لگے بندھے انداز میں کام کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ انہیں کسی کی ذاتی مجبوریوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔"

"یہ دیکھنا میرا کام ہے۔" میں نے اس کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کرسی چھوڑ دی۔

ہم دونوں ڈرائنگ روم میں پہنچے تو نلنی صوفے کی پشت گاہ سے اپنا سر ٹکائے اونگھ رہی تھی اور ویرا اکتائے ہوئے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ "یہ اب ایک دو گھنٹے سے پہلے نارمل نہیں ہوسکے گی۔"

"یہ ہمارا نہیں' اس بڈھے کا مسئلہ ہے۔" میں نے اردو میں کہا "اب یہاں سے نکل چلو۔"

اس وقت تک اولیانو کے سر سے عشق کا بھوت اتر چکا تھا اور وہ سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔ میں نے رابطے کے لیے اسے ایس ٹی ایف کے ریسٹ ہاؤس کا نمبر دیا اور ہم دونوں وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ "بلیک میلنگ کی وہی گھسی پٹی کہانی ہے جو ازل سے چلی آرہی ہے۔" راستے میں اولیانو کی کہانی میری زبانی سننے کے بعد ویرا نے تبصرہ کیا "لیکن اس کا شکار ہونے والے کو یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ محسوس ہوتا ہے۔"

"میرے حساب سے یہ بھاگ دوڑ بے سود ہی رہی۔" میں نے کہا۔ "اولیانو کے بیان سے صرف یہ بات صاف ہوئی ہے کہ ظفر دفتری اوقات کے بعد زبردستی اس عمارت کو استعمال کرتا رہا ہے۔ اس کی موجودہ کمین گاہ کے بارے میں ہم اب بھی تاریکی میں ہیں۔"

"ہمیں صبر کے ساتھ اس کے نمودار ہونے کا انتظار کرنا ہوگا۔ کھوتہ والے بندروں کے پکڑے جانے کے بعد وہ کوئی نیا منصوبہ بروئے کار لانے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"اور یہ امکان بھی ہے کہ وہ کچھ عرصے کے لیے پاکستان سے فرار ہو جائے اور حالات سازگار ہونے کے بعد دوبارہ' خاموشی سے یہاں پہنچ جائے۔ ایسی صورت میں ہم کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔"

"پتا نہیں اس بارے میں اسپیشل ٹاسک فورس والے کیا کررہے ہیں۔" ویرا کے لہجے سے فکرمندی عیاں ہو رہی تھی۔ "لیکن ظفر ایک مجرم ہے۔ اس کے ذہن پر یہ خوف ضرور سوار ہوگا کہ اس کے فرار کے انسداد کے لیے ہوائی اڈوں وغیرہ پر کڑی نگرانی شروع کرادی گئی ہوگی۔"

"اسے یہ خوف اسی وقت ہوگا جب لاجسٹکس سیکیورٹی سیل کی آتش زدگی میں جل کر مرنے والے' آصف علی کا قصہ منظرِعام پر آئے گا۔ فی الحال تو ایس ٹی ایف والے اس معاملے کو دبائے رکھنے کے موڈ میں نظر آرہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں البرٹو کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔"

"ہماری بات نہیں ہوئی لیکن مجھے یقین ہے کہ اول خان اور اس کے افسران اس پہلو سے غافل نہیں ہوں گے اور ملک سے نکاسی کے راستوں پر نگاہ رکھی جارہی ہوگی۔ ایسا نہ کیا گیا ہو تو ان لوگوں کی ساری منصوبہ بندی پر پانی پھر جائے گا اور البرٹو صاف نکل جائے گا۔"

"کیوں نہ شہباز خان کے اڈے کا چکر بھی لگا لیا جائے؟" میں نے ویرا سے کہا۔ "آخر میں وہی ہمارے سامنے رہ گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے البرٹو۔ یلیسا کا کوئی سراغ مل سکے۔"

"اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا لیکن براہِ راست اس سے مل کر کوئی نتیجہ نہیں نکل سکے گا۔" وہ گہری سوچ کے ساتھ بولی۔ "گھاگ مجرم جس سے دوستی کرلیتے ہیں۔ اس سے آخری سانس تک وفا کرتے ہیں۔ شہباز خان کچھ جانتا بھی ہوگا تو صرف دھونس اور دھمکیوں سے اپنی زبان نہیں کھولے گا۔"

وہ معقول بات کہہ رہی تھی اس لیے میں نے براہِ راست شہباز خان کے اڈے کا رخ کرنے کا ارادہ ملتوی کردیا اور اول خان کے دفتر والی عمارت کی طرف روانہ ہوگیا۔

اس وقت دفتر والا حصہ بند ہوچکا تھا۔ عمارت کے اقامتی حصے میں بھی سناٹا نظر آرہا تھا۔ چوکیدار نے بتایا کہ اول خان کافی دیر سے باہر گیا ہوا تھا اور اس کی واپسی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

تازہ دم ہونے کے بعد میں نے پوری صورتِ حال کا سرسری جائزہ لیا تو ہماری اس مہم میں البرٹو۔ یلیسا کے دو مقامی مددگار ہمارے سامنے آسکے تھے۔ ان میں سے ایک شخص' کھوتہ کی وادی سے بندروں کے ساتھ گرفتار ہونے کے بعد مرگیا تھا۔ دھماکے سے پھٹنے والے بندر کے ساتھ اس کا چہرہ بھی اڑ گیا تھا جس کی وجہ سے اس کی شناخت نہیں ہوسکتی تھی۔ دوسرا' راجا بازار والا بدمعاش تھا جو ہماری نظروں میں آنے کے بعد ہمارا قیدی بنا تھا۔ اس وقت ہمارے پاس کوئی محفوظ ٹھکانا نہیں تھا اس لیے ہم اسے قید رکھنے

کے بجائے ہلاک کرنے پر مجبور ہوگئے۔ ہم نے اس کی لاش شہر سے باہر ایک ویرانے میں پھینکی تھی لیکن بعد میں اول خان نے اسے وہاں سے بھی غائب کرانے کا بندوبست کردیا تھا۔ اس طرح ہماری نگاہوں میں آنے والے دونوں آدمی اس دنیا میں نہیں رہے تھے لیکن ان میں یہ فرق تھا کہ بندر کے ساتھ مرنے والے کی ہلاکت کی خبر اخبارات میں شائع ہونے کی وجہ سے البرٹو کے علم میں آسکتی تھی جبکہ راجا بازار والے بدمعاش کا انجام صیغۂ راز میں تھا۔ میں نے عبدل نامی اس بدمعاش کا تعاقب کرتے ہوئے شہباز خان کے اڈے کا محل وقوع اور پتا ذہن نشین کرلیا تھا لیکن اس کے فون نمبر سے میں لاعلم تھا۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری میں محمد شہباز، شہباز احمد اور اسی سے ملتے جلتے ناموں کی ایک طویل قطار موجود تھی لیکن پتے کے سہارے میں نے اس کا نمبر تلاش کرہی لیا۔

"کیا اسے فون کرنے کا ارادہ کر رہے ہو؟" ویرا نے میری مصروفیت کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"یہی راہ سب سے بہتر نظر آتی ہے۔" میں نے اسے جواب دیتے ہوئے ریسیور اٹھالیا۔ سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے فوراً ہی کسی لڑکی نے فون اٹھایا تھا۔

"شہباز سیٹھ سے بات کرادو۔" میں نے بدلی ہوئی اور قدرے نحیف آواز میں پورے اعتماد سے کہا۔

"تم کون بول رہے ہو؟" میرے پُراعتماد لہجے نے شاید اس لڑکی کو حیران کردیا تھا۔

"عبدل بول رہا ہوں۔ مجھے شہباز سیٹھ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے اصرار کیا۔

"وہ اس وقت اپنے دوستوں اور مہمانوں کے ساتھ مصروف ہے اور کسی سے بات نہیں کرے گا۔ تم اپنا پیغام دے دو میں موقع ملتے ہی تمہارا پیغام اسے دے دوں گی۔"

"تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔ میں لائن ہولڈ کر رہا ہوں۔ تم اسے میرے بارے میں بتا دو۔ اگر وہ بات کرنے سے انکار کردے تو میں تمہیں تنگ نہیں کروں گا۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ وہ اس وقت کوئی بات نہیں سنے گا اور مجھے ڈانٹ دے گا۔ ایسا ہی ضروری ہے تو تم بارہ بجے کے لگ بھگ فون کرلینا۔ اس وقت وہ خود ہی فون اٹھائے گا۔" دوسری طرف سے مشورہ دیا گیا۔

"تم بات نہیں سمجھ رہیں۔" میں نے تقریباً کراہتے ہوئے کہا۔ "میں نے یہ فون بھی بہت مشکل سے کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بارہ بجے تک میں زندہ ہی نہ رہ سکوں......"

"اوہ! تو کیا تم زخمی ہو؟" لڑکی نے میری بات کاٹ کر تیزی سے سوال کیا تھا۔

اس بار میرا تیر نشانے پر لگا تھا۔ میں نے ویرا کو آنکھ مارتے ہوئے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "مجھے دو کاری زخم آئے ہیں اور ان سے مسلسل خون بہہ رہا ہے۔"

"ایسی خراب حالت میں تم کہاں سے فون کررہے ہو؟" ایسے معاملات کے بارے میں وہ لڑکی خاصی سوجھ بوجھ کی مالک معلوم ہوتی تھی۔

"میں کھڑکی کا شیشہ توڑ کر اس ویران مکان میں داخل ہوا ہوں۔" میں نے فی الفور وہ بہانہ تراشتے ہوئے کہا۔ "میں پچھلے ایک گھنٹے سے یہاں چھپا ہوا ہوں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ یہاں فون بھی موجود ہے......"

اس لڑکی نے ایک مرتبہ پھر میری بات کاٹ دی۔ "تم مجھے فون نمبر دے کر اپنے زخموں کی مرہم پٹی کرانے کی کوشش کرو۔ میں باس سے ابھی فون کرواتی ہوں۔ اس وقت تمہارے زخموں سے بہتے ہوئے خون کا روکا جانا بہت ضروری ہے ورنہ تم واقعی مرجاؤ گے۔"

"تمہاری ہمدردی کا شکریہ۔ لیکن تم بہت زیادہ بحث کرتی ہو۔ مجھے یہاں کا فون نمبر معلوم نہیں ہے اس لیے میں تمہیں نمبر نہیں دے سکتا۔ تم اپنے باس سے میری بات کرا دو تو میں تمہارا احسان مند رہوں گا۔"

"ہولڈ کرو، میں کوشش کرتی ہوں۔" میری ضد کے آگے اسے ہتھیار ڈالنے ہی پڑ گئے۔

خاصے طویل وقفے کے بعد میرے کانوں میں ایک بھاری اور درشت آواز گونجی۔ "تم کون ہو اور بلاوجہ مجھے کیوں فون کیا ہے؟ میں کسی عبدل کو نہیں جانتا۔"

"تم بھول رہے ہو، سیٹھ!" میں نے جلدی سے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "میں کل صبح ظفر کے ساتھ تمہارے پاس آیا تھا اور ہم نے ایک ساتھ ناشتا کیا تھا پھر تم ظفر کے ساتھ اندر چلے گئے تھے......!"

"اوہ! میں سمجھ گیا۔ تو تم ظفر کے ساتھ آئے تھے۔ شاید دوپہر میں تم دوبارہ اسکاچ کی بوتل لینے بھی آئے تھے؟" ایک صحیح حوالہ ملنے پر اس کی یادداشت نے فوراً کام کرنا شروع کردیا۔

"ہاں۔ خدا کا شکر ہے کہ تم نے مجھے پہچان لیا۔ میں اس وقت بہت بری اور زخمی حالت میں ہوں۔" میں نے اطمینان کا گہرا سانس لینے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"لڑکی تمہارے بارے میں مجھے بتا چکی ہے۔" اس کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟"

"مجھے ظفر کا پتا درکار ہے۔ اس وقت میں بہت خراب حالت میں ہوں۔ مجھے فوری مدد کی ضرورت ہے۔ میں اکیلا کسی بھی اسپتال میں گیا تو گولیوں کے زخموں کی وجہ سے دھرلیا جاؤں گا۔ ویسے بھی مجھ سے چلا نہیں جارہا......"

"تمہیں یہ زخم کیسے آئے؟" اس نے میرے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"ظفر کے مخالفوں سے سامنا ہو گیا تھا۔ میرے ستارے اچھے تھے کہ زخمی ہو کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ورنہ وہ دونوں مجھے زندہ نہ چھوڑتے۔ تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ ظفر کہاں مل سکتا ہے؟"

"یہ بہت ٹیڑھا مسئلہ ہے۔" اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ "میں مار دھاڑ اور خون خرابے کے معاملات سے بہت دور رہتا ہوں کیونکہ میری لائن کچھ اور ہے۔ اسی لیے میں اپنا کوئی آدمی بھی تمہاری طرف نہیں بھیج سکتا۔ ویسے یہ سیدھا پولیس کیس ہے۔ میں تمہیں ظفر کا ٹھکانا بھی نہیں بتا سکتا۔ وہ خود بھی اپنے دشمنوں سے چھپتا پھر رہا ہے۔ اس سے بات ہوئی تو میں اسے تمہارے بارے میں آگاہ کر دوں گا۔"

"اس وقت تک تو شاید میں زندہ ہی نہیں رہوں گا۔" میں نے مایوسی کے عالم میں کہا۔ "بے بسی اور تنہائی کی اس موت کے تصور سے تو میرا رواں رواں کانپ اٹھا ہے۔" آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے میری آواز پر غیر ارادی طور پر رقت طاری ہو گئی۔ میرے اس لب و لہجے نے اس کا دل موم کر دیا اور اس نے فی الفور کہا۔

"تم اس ویران گھر میں واقعی زندہ درگور ہو جاؤ گے۔ میں تمہیں اپنی برادری کا آدمی سمجھ کر تمہیں بتا رہا ہوں کہ ظفر سیٹلائٹ ٹاؤن کی ایک کوٹھی میں روپوش ہے لیکن تم اس کو نہیں بتاؤ گے کہ تمہیں اس کا پتا مجھ سے ملا ہے۔ تم مجھ سے حلفیہ وعدہ کرو گے تب ہی میں تم کو اس کا فون نمبر دوں گا۔ میں ظفر جیسے جگری دوست کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اس نے مجھے سخت ترین رازداری کی تاکید کی تھی۔ تمہاری حالت اس قدر نازک نہ ہوتی تو میں کسی بھی قیمت پر تمہیں یہ نمبر نہ دیتا۔"

خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ شہباز خان جیسے خطرناک اجنبی کو یوں شیشے میں اتار لینا میری بہت بڑی کامیابی تھی پھر اس کی عائد کی ہوئی شرط میرے اپنے مفاد میں تھی۔ وہ مجھے ظفر کا فون نمبر دے کر بے غم ہو جاتا اور اسے اس گفتگو کی ہوا بھی نہ لگنے دیتا۔ اس طرح ہمیں اس کے خلاف بھرپور کارروائی کرنے کا سنہرا موقع مل سکتا تھا جس کے نتیجے میں البرٹو ہمارے جال میں آ سکتا تھا۔ "میں کلام پاک کی قسم کھاتا ہوں کہ ظفر کو تمہاری مدد کے بارے میں نہیں بتاؤں گا۔ میں بس زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ بچ گیا تو عمر بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔ مر گیا تو اللہ تمہیں تمہاری نیک نیتی کا اجر دے گا۔" میں نے کسی قریب المرگ بھکاری کی طرح، رقت آمیز لہجے میں کہا۔

"تم زندہ رہو گے۔" وہ میری بھرپور صداکاری سے متاثر ہو کر میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولا۔ "میرے پیشہ ورانہ اصول مانع نہ ہوتے تو میں اپنے کسی آدمی کو تمہاری طرف ضرور بھیجتا۔ لیکن اب ظفر ضرور تمہاری خبر گیری کرے گا۔ تم اس کا نمبر لکھ لو۔" اس نے مجھے نمبر لکھوایا اور میری زبان سے اس کے لیے دعاؤں کا ایک دریا رواں ہو گیا۔ اس نے میری قطع کلامی کر کے مجھے سپرد خدا کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔

میری نگاہ میں وہ اتنی بڑی کامیابی تھی کہ میں ریسیور کریڈل پر رکھتے ہی اچھل کر مسہری سے نیچے آ گیا۔

"خوشی میں آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں۔" ویرا جو میری پوری گفتگو سنتی رہی تھی، ناک منہ چڑھا کر بولی۔ "اس سے بات کرتے ہوئے تم ایک بے ضمیر گداگر معلوم ہو رہے تھے۔ تمہیں خود کو اس قدر گرا کر بات کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میری اس صداکاری کی وجہ سے البرٹو ویلیسا کی کمین گاہ کا پہلا سراغ ملا ہے ورنہ آپریٹر شہباز خان کو فون پر بلانے تک پر آمادہ نہیں تھی۔ اس بار ہم پوری تیاری کے ساتھ البرٹو پر وار کر سکیں گے اور وہ کسی بھی طرح ہمارے پھندے سے نہیں بچ سکے گا۔" میں نے ترشی کے ساتھ اسے جواب دیا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی۔ "بس، اتنی سی بات پر چڑ گئے۔"

"چڑنے والی بات ہی ہے۔ میں فون پر بات کر رہا تھا اور موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے، بات کو بڑھاتا چلا جا رہا تھا اور تم نے دور سے جائزہ لے کر بڑے آرام سے ایک اعتراض جڑ دیا۔"

"وہ کہاں چھپا ہوا ہے؟" اس نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی میں۔" میں نے کہا۔ "یہ وہی علاقہ ہے جہاں تم نے لاہور سے واپسی کے بعد، ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی چھوڑی تھی۔ اس کا شمار پنڈی کی قدیم متمول آبادیوں میں ہوتا ہے۔ فون نمبر کی مدد سے پتے کا سراغ اول خان ہی لگا سکے گا۔"

"تمہارے ملک کی ایک ادا مجھے بہت پسند آئی ہے۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

"وہ کیا؟"

"اچھے کاموں کو ایک آدھ بار سرانجام دے کر پورے خلوص سے ترک کر دیا جاتا ہے لیکن بری روایات کو زندہ رکھنے کی سرتوڑ کوششیں کی جاتی ہیں جو بار آور ثابت ہوتی ہیں۔" اس نے کہا۔

"تمہیں یہ بات اس وقت کیسے یاد آ گئی؟ کیا ہماری گفتگو سے اس کا کوئی واسطہ ہے؟"

"بہت گہرا واسطہ ہے۔ مہذب ملکوں میں ناموں کے ساتھ نمبروں کی ترتیب والی فون ڈائریکٹریاں بھی چھاپی جاتی ہیں۔ میں نے بس کراچی میں ایسی ایک پرانی ڈائریکٹری دیکھی تھی جو بیشتر نمبروں کی تبدیلی کی وجہ سے اپنی افادیت کھو بیٹھی ہے۔ دوسرے شہروں میں شاید اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ وہ ہوتی تو ابھی چند سیکنڈ میں ظفر کی کمین گاہ کا پتا معلوم ہو جاتا۔"

میں خاموشی سے سر ہلا کر رہ گیا۔ ویرا کا مشاہدہ اتنا تیز تھا کہ اپنے گرد و پیش کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس کی نظروں سے محفوظ نہیں رہتی تھی اور اس کا ہر ٹیڑھا سوال مجھے عموماً لاجواب کر دیتا تھا۔

ہم دونوں شہباز کی کمین گاہ کے سراغ کے سلسلے میں ہونے والی، حوصلہ افزا پیش رفت پر تبادلۂ خیال میں مصروف تھے کہ

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بے دلی کے ساتھ ریسیور اٹھا لیا۔ میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ فون کال میرے لیے بھی ہو سکتی تھی۔ اس پر غیر متوقع طور پر غزالہ کی آواز سن کر میرا دل خوش ہو گیا۔ اس نے نہایت شائستہ اور باوقار انداز میں میرے بارے میں دریافت کیا تھا۔

"خادم تمہاری آواز سن رہا ہے' ڈارلنگ!" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔

"تم پنڈی جا کر مجھے بھول ہی گئے ہو۔" غزالہ میری آواز سنتے ہی پھٹ پڑی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وفورِ جذبات سے اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "میرا خیال تھا کہ اگر تم وہاں کچھ الجھنوں میں پھنس گئے ہو تو کم از کم مجھے روزانہ فون ضرور کرتے رہو گے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ فالتو وقت میں ویرا تمہیں مصروف رکھنے لگی ہے اور تم رفتہ رفتہ مجھے بھولتے جا رہے ہو......"

"صبر سے کام لو غزالہ!" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔ "تم نے تو ایک ہی سانس میں شکایتوں کے دفتر کھول دیئے۔ میں نے تمہیں کل یا پرسوں ہی تو فون کیا تھا۔"

"تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ کہیں قدم جماتے ہی مجھے اپنے نمبر سے آگاہ کرو گے لیکن پھر تم بھول گئے۔ میں نے کئی جگہ ناکام کوششیں کرنے کے بعد' اول خان کی بیوی سے اس کا نمبر لیا ہے اور تم اس نمبر پر موجود ہونے کے باوجود میری دسترس سے باہر تھے۔"

"میں آج ہی یہاں منتقل ہوا ہوں۔" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "تم چاہو تو اُس سے اس امر کی تصدیق کر سکتی ہو۔ وہ آئے گا تو میں اس سے تمہاری بات کرا دوں گا۔"

"اب تم کب تک اسلام آباد میں بیٹھے رہو گے؟" آخر کار اس نے وہ سوال کر ہی ڈالا۔

جب تک میری اس سے شادی نہیں ہوئی تھی وہ بدترین حالات کا مقابلہ کر کے بھی تنہا زندگی گزارتی رہی تھی۔ میں محض اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر' اس کے پیچھے لمبے لمبے سفر کرتا رہا لیکن وہ کہیں بھی میری مدد کی محتاج نہیں تھی لیکن جب سے مکاؤ کے ڈون کوانگ فو نے اپنے نادر شاہی احکام کے ذریعے میری اور اس کی شادی کرائی تھی' وہ تیزی کے ساتھ میرے سہارے کی عادی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ سچ بات یہ ہے کہ میری طرف سے کفالت کے علاوہ تحفظ اور گہری رفاقت کی فراہمی پر اس کا پورا پورا حق بھی تھا لیکن میری ناگزیر مجبوریاں' بدستور میرا تعاقب کر رہی تھیں اور میں اسے پہلے کی طرح' اکیلا چھوڑنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"میں فارغ ہونے کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی یہاں نہیں رکوں گا۔" میں نے پُرزور لہجے میں اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ "آج کچھ اہم پیش رفت ہوئی ہے۔ شاید میں ایک آدھ روز میں یہاں سے نکل سکوں۔"

ریسیور پر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز ابھری پھر اس نے کہا۔ "میں تم کو بلاوجہ پریشان نہیں کرنا چاہتی لیکن اب مجھے اپنی تنہائی سے خوف آنے لگا ہے کیونکہ یہاں بھی کچھ نئے خطرات سر ابھارنے لگے ہیں۔"

اس کی زبان سے خوف کا لفظ سن کر میں حیران رہ گیا۔ "تم کن حالات کی بات کر رہی ہو؟ تمہاری زبان سے ڈر اور خوف کے الفاظ بہت نامانوس لگتے ہیں۔"

"ڈیئی! میں فولاد کی بنی ہوئی نہیں ہوں۔ گوشت پوست کا وجود رکھنے والی ایک زندہ عورت ہوں۔ میں کب تک اندھے خطرات سے کھیلتی رہوں گی؟ دو روز سے میں ہر ہلکی سی آہٹ پر بھی بری طرح چونک پڑتی ہوں۔"

"دو روز سے کیا تبدیلی رُونما ہوئی ہے۔ تم مجھ سے کھل کر بات کرو۔" میں نے اس پر دباؤ ڈالا۔

"دو دن سے کچھ مشتبہ افراد' میرا اور سلطان شاہ کا پیچھا کر رہے ہیں۔ وہ تعداد میں کئی ہوتے ہیں اور ہم جہاں بھی جاتے ہیں وہ سائے کی طرح اپنی گاڑیوں میں ہمارا تعاقب کرتے ہیں۔"

میں بری طرح چونک پڑا کیونکہ وہ تشویش ناک خبر تھی۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "ان کا مقصد کیا ہے؟ کیا وہ اتنے احمق ہیں کہ خود کو تمہاری نظروں سے محفوظ بھی نہیں رکھ سکتے۔"

"وہ ہم سے پوشیدہ رہنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ میرا تو اندازہ ہے کہ انہوں نے ہمیں دیدہ و دانستہ اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی کوشش کی ہے۔ ان کا رویّہ بہت وحشت انگیز اور عجیب ہے۔ وہ چھپتے ہیں اور نہ کھل کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ کہیں میدان صاف ہو تو دور ہی سے ہتھیار لہرا لہرا کر شاید ہمیں خوف زدہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مجھے ہر لمحہ یہ خوف لاحق رہنے لگا ہے کہ کہیں وہ دروازہ توڑ کر فلیٹ میں نہ گھس آئیں۔"

"تو کیا فلیٹ کی بھی نگرانی کی جا رہی ہے؟" اس کی کہانی نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔

"وہ ہر وقت ہمارے قرب و جوار میں منڈلاتے رہتے ہیں۔ آج سلطان شاہ ان کو چیک کرنے کے لیے' صبح کے چار بجے گاڑی لے کر نکلا تو اس وقت بھی بڑی بڑی' بے ترتیب داڑھیوں والے دو لحیم شحیم قبائلی اپنی کار میں اس کے پیچھے ہو لیے۔ صبح کا سناٹا ہونے کے باوجود انہوں نے سلطان شاہ کو گھیرنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور واپسی میں ایک بار پھر کہیں غائب ہو گئے۔"

وہ واقعی بہت روح فرسا صورتِ حال تھی۔ "ایسا تو نہیں کہ وہ سلطان شاہ کے خاندان کے دشمنوں میں سے ہوں۔ ان لوگوں میں خاندانی رقابتیں عجیب و غریب انداز میں پشت در پشت چلتی ہیں۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔

"میں نے بھی یہ سوچا تھا لیکن سلطان شاہ نے میری تردید کر دی۔ ان اطراف کے لوگ انتقام سے اندھے ہو کر آتے ہیں اور براہِ راست مرنے مارنے پر تلے رہتے ہیں۔ اس قسم کی اعصاب شکن آنکھ مچولی کھیلنا ان کی مردانگی اور روایات کے

خلاف ہے۔"

"تم دونوں فلیٹ چھوڑ کر' چند روز کے لیے جہانگیر کے گھر منتقل کیوں نہیں ہو جاتے؟ وہاں تمہیں گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔" میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد کہا۔

"اس کی بیوی کا رویّہ توہین آمیز اور ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔ میں ان لوگوں سے خوفزدہ نہیں بلکہ پریشان ہوں اور تمہیں یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ کراچی میں بھی تمہاری کچھ ذمے داریاں ہیں۔"

"مجھے اندازہ ہے کہ تم دونوں ڈرپوک نہیں ہو لیکن ان نامعلوم لوگوں کا پُراسرار رویّہ تشویش کا باعث ہے۔ یہ پتا چلنا ضروری ہے کہ وہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ہی ان کے بارے میں کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ ویسے میں فوری طور پر اول خان کے ذریعے ایس ٹی ایف کے محافظوں کا بندوبست کرائے دیتا ہوں تاکہ یہ معاملہ خونریز تصادم کا روپ نہ دھار سکے۔"

"مجھے کسی تصادم کی بھی فکر نہیں ہے۔ موت صرف ایک بار اور وہ بھی اپنے مقررہ وقت پر آنی ہے۔ اس سے پہلے کوئی کسی کو نہیں مار سکتا اور وقت آجائے تو اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ اس وقت تم شہر سے باہر ہو۔ مجھے یہ کمی بری طرح کھل رہی ہے۔"

"میں اب جلد ہی یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "لیکن تم دونوں غیر ضروری دلیری کا مظاہرہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ پتا نہیں کب ان لوگوں کے تیور بدل جائیں۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ تمہاری نگرانی کے ذریعے کسی اور تک پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں میری یا ویرا کی تلاش ہو۔ وہ تم دونوں کو ہراساں کر کے ہمارا رخ کرنے پر مجبور کرنا چاہ رہے ہوں۔"

"تمہارا یہ اندازہ زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولی۔ "کمال ہے کہ یہ بات میری سمجھ میں کیوں نہیں آسکی۔"

میں نے اسے تسلی دینے کے بعد' سلطان شاہ سے بات کی تو وہ بھی میری طویل غیر حاضری سے ناخوش تھا اور اس کا ذمے دار ویرا کو سمجھ رہا تھا۔ اس سے گفتگو کے دوران میں یہ پتا چلا کہ ان لوگوں کا پیچھا کرنے والوں میں سے بیشتر کی وضع قطع سرحدی قبائلیوں یا افغانوں سے مشابہ ہے۔ ان کی اصل قومی یا علاقائی حیثیت کا تعین ان سے بات چیت کرنے کے بعد ہی کیا جا سکتا تھا جس کی نوبت نہیں آئی تھی۔

میں نے سلطان شاہ کو ان لوگوں سے کسی دانستہ تصادم سے گریز کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا اور ویرا کے پاس آبیٹھا۔ کراچی کی اس صورتِ حال نے مجھے مضطرب کر دیا تھا۔ ویرا بھی وہ نئی کہانی سن کر فکرمند نظر آنے لگی تھی لیکن البرٹو و یلیسا کا معاملہ اس نہج پر پہنچ چکا تھا کہ ہم اسے ادھورا چھوڑ کر' کراچی روانہ نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر حالات ہمارا ساتھ دیتے تو وہ معاملہ اسی رات بھی نمٹ سکتا تھا۔

غزالہ لاکھ بے خوف اور دلیر سہی لیکن ایک مشرقی لڑکی تھی۔ وہ جب تک تنہائی کا شکار رہی' سب کچھ بھول بھال کر' پوری قوت سے اپنے حریفوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتی رہی لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میری ذات کا ازدواجی سہارا میسر آتے ہی وہ تیزی کے ساتھ اپنے نسوانی خول میں سمٹ کر ایک روایتی عورت بن گئی تھی جو تحفظ اور عافیت کے لیے ہمیشہ اپنے مرد کی طرف دیکھتی ہے۔ میں نے ہزاروں ارمانوں اور طویل جدوجہد کے بعد اسے اپنایا تھا' اس لیے میں اس کی پریشانی کو اپنے دل کی گہرائیوں میں موجزن محسوس کر رہا تھا۔ یہ میرا فرض بنتا تھا کہ میں اولین فرصت میں کراچی واپس پہنچ کر اس کے مسائل کا ازالہ کروں۔

اول خان کراچی سے عارضی طور پر اسلام آباد آیا ہوا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ یہاں اسے ہنگامی ضرورت کے تحت' البرٹو کے خلاف منظم کی جانی والی مہم کی نگرانی کا کام سونپ دیا گیا تھا۔ اس کا قیام بھی عمارت کے اسی رہائشی حصے میں تھا جس میں ہم دونوں مقیم تھے۔ اسے جلد یا بدیر واپس آنا تھا اس لیے ہم دونوں اس کے انتظار میں مسلسل جاگتے رہے۔

اس کی واپسی دیر گئے ہوئی۔ اس وقت ہمارا وال کلاک ایک بجا چکا تھا۔ اول خان روشنی دیکھ کر' سیدھا ہمارے کمرے میں چلا آیا تھا۔ اس کے چہرے پر گہرا اضمحلال طاری تھا۔

"البرٹو اور ظفر کے معاملے نے بہت نازک صورت اختیار کر لی ہے۔" اس نے ہماری مزاج پرسی کے بعد ہمیں آگاہ کیا۔ "اس اسکینڈل کا انکشاف ہوتے ہی' اسپیشل ٹاسک فورس بدترین بلکہ بے رحمانہ تنقید کی زد میں آگئی ہے۔ یہ سوال بڑی شدومد کے ساتھ اچھالا جا رہا ہے کہ اگر ہم اپنی ہی صفوں کو دشمن کے ایجنٹوں سے پاک نہیں رکھ سکتے تو قومی سلامتی کے دیگر اہم معاملات میں کیا کارکردگی دکھا سکتے ہیں۔"

"یہ سوال معقول ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن اسے اٹھانے والے کون لوگ ہیں؟"

"ابتدا آئی بی والوں کی طرف سے ہوئی تھی۔ کہوٹہ سے پکڑے جانے والے بندروں کے معاملے کی سنگینی کو کم کرنے کے لیے انہوں نے یہ مسئلہ چھیڑا تھا۔ پھر قومی سلامتی سے تعلق رکھنے والے تمام ادارے اسی میں الجھ کر رہ گئے۔ ہم لوگوں کو اپنی صفائی پیش کرنے میں دانتوں پسینہ آگیا۔"

"اگر ایس ٹی ایف غیر سرکاری تنظیم ہے تو سرکاری اداروں کو اس پر تنقید کا کیا حق؟ یہ کام تو سرکاری پیسے پر چلنے والے اداروں کے ہوتے ہیں۔" میں نے وہ چبھتا ہوا سوال کر ڈالا۔

"یہ سب رسمی باتیں اور قانونی موشگافیاں ہیں ورنہ سب جانتے ہیں کہ ایس ٹی ایف جیسا بڑا ادارہ سرکاری چشم پوشی' بھاری فنڈز اور مربوط وسائل کے بغیر نہیں چلایا جا سکتا۔ بعض بدطینت

افسران تو اس فورس کو سرکاری دامادی کا طعنہ بھی دیتے ہیں۔"

"میری دانست میں، دھماکے سے پھٹنے والے دو بندروں کا معاملہ زیادہ سنگین اور فوری توجہ کا طالب تھا۔ ظفریا البرٹو تو بہرحال میدان چھوڑ کر بھاگ ہی نکلا ہے۔"

"یہ ساری مصیبت ہمارے بڑوں نے خود مول لی ہے۔" اول خان متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "انہوں نے دوسروں کے ردِعمل کا اندازہ کے بغیر 'البرٹو کی پوری کہانی' من وعن اجلاس میں پیش کر دی۔ جیسے ہی یہ انکشاف ہوا کہ کھونہ سے پکڑے جانے والے بندر البرٹو کے پروردہ تھے' بات ایک دم بگڑ گئی۔ خرابی یہ ہوئی ہے کہ وہ تینوں پُراسرار بندر پکڑ لیے گئے ہیں جبکہ البرٹو بیلیسا آزاد اور روپوش ہے۔ سارا زور اس بات پر ہے کہ اس جیسا خطرناک آدمی ایک ناکامی پر خوفزدہ ہونے کے بجائے جھلّا کر دوسرا کاری وار بھی کر سکتا ہے۔ ہمارے پاس اس بارے میں مبہم یقین دہانیوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔"

میں اپنی پیش رفت کا ذکر کر کے اسے ہیجان میں مبتلا کر دینے سے پہلے دیگر معاملات صاف کرنے چاہتا تھا اس لیے میں نے دوبارہ تربیت یافتہ بندروں کا ذکر چھیڑ دیا۔ "تیسرے بندر کی کیا پوزیشن ہے؟ تم نے بتایا تھا کہ اس کے لیے باہر سے کوئی ماہر آنے والا تھا۔"

"آئرش ری پبلکن آرمی کی تازہ دہشت گردیوں کی وجہ سے برطانوی ماہر فوری طور پر ملک چھوڑنے سے قاصر ہے اور ہمارے لوگ 'بے ہوش بندر کو لندن بھیجنے سے خوف زدہ ہیں۔ انہیں ڈر ہے کہ دورانِ سفر میں' کسی اتفاقی حادثے کی بنا پر وہ بندر بھی دھماکے سے پھٹ گیا تو طیارہ ہی تباہ ہو جائے گا۔ لوگ اسے ہاتھ لگاتے ہوئے بھی ڈر رہے ہیں۔ اس کی حفاظت کے لیے ماتحت عملے پر انحصار کرنے کے بجائے' چوٹی کے پندرہ ماہرین دن رات بندر کی نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ بھی ایک بھیانک خواب بنا ہوا ہے۔"

"بندروں کے بارے میں فون پر مخبری کرنے والی غیر ملکی عورت کے بارے میں بھی سوچا جا رہا ہوگا؟ کیونکہ وہ بھی اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ تھا۔"

"شاید ہماری طرف سے وہ بات بھی صاف کر دی گئی ہے۔ ویرا کا نام ظاہر کیے بغیر یہ بتا دیا گیا ہے کہ خود کو امریکی ظاہر کرنے والی وہ عورت دراصل ہماری باقاعدہ انفارمر تھی۔ ایسا نہ کیا جاتا تو شاید آئی بی والے ساری کارروائی کا کریڈٹ خود ہی لے جانے کی کوشش کرتے اور ہماری پوزیشن مزید خراب ہو جاتی۔ اس وقت البرٹو کی زندہ یا مردہ گرفتاری ہمارے لیے عزت کا سوال بن گئی ہے۔"

"اس بارے میں ہم ابھی بات کرتے ہیں۔" ویرا نے گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔ "ڈپٹی نے اس بارے میں کچھ تیر مارے ہیں لیکن اس سے پہلے ہمیں کراچی کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔"

"کراچی کے بارے میں؟" اول خان ویرا کی بات پر بری طرح چونک پڑا۔

"کراچی میں غزالہ اور سلطان شاہ کو کچھ غنڈے تنگ کر رہے ہیں۔" میں نے بات سنبھالتے ہوئے کہا۔ "ان کا کچھ بندوبست کرنا ہے کہ تعاقب اور فلیٹ کی نگرانی کا سلسلہ ختم ہو سکے۔"

اول خان ہمیشہ سے ان دونوں کو بھی عزیز رکھتا تھا اور اس معاملے سے لاتعلق نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے استفسار پر مجھے اختصار کے ساتھ وہ کہانی دہرانی پڑ گئی۔ اول خان ان لوگوں کو پکڑوا کر بند کروانا چاہتا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ وقتی طور پر انہیں مار بھگانا ہی کافی تھا۔ کراچی لوٹنے کے بعد ہم لوگ از سرِنو اس معاملے کا جائزہ لے سکتے تھے۔

"انہوں نے ڈھٹائی یا ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تو مارے جائیں گے۔" اول خان نے فون سنبھالتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔ "بھرے پرے شہر میں ایسی بدمعاشی کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"ان میں سے ایک آدھ کو پکڑ کر باز پُرس بھی کر لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس طرح ان کے نامعلوم عزائم سامنے آ سکیں گے۔ ان کا اب تک کا رویہ ناقابلِ فہم اور الجھن آمیز ہے۔" میں نے کہا۔

اول خان نے شاید کراچی میں 'اپنے اسٹیشن' کا نمبر ملایا تھا۔ فون پر شاہد نامی کسی شخص کو طلب کرنے کے بعد وہ کافی دیر تک اسے واضح اور سخت ہدایات دیتا رہا۔ اس کے احکام کا نچوڑ یہ تھا کہ اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ ملوث ہوئے بغیر' غزالہ اور سلطان شاہ کو نامعلوم بدمعاشوں کے خوف و ہراس سے نجات دلا کر ان کی مسلسل حفاظت کا معقول بندوبست کیا جائے۔ ان ہدایات سے فارغ ہو کر اُس نے اپنی غیر حاضری کی غیر متوقع طوالت کے بارے میں کچھ مبہم سی بریفنگ دی اور پھر فون بند کر کے ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کراچی کا معاملہ تو یوں سمجھو کہ نمٹ ہی گیا۔ شاہد بہت فرض شناس آدمی ہے۔ وہ اسی وقت کارروائی شروع کر دے گا۔ اب تم بتاؤ کہ ڈپٹی نے کیا تیر مارا ہے۔ اور ہم البرٹو کے خلاف کیا کر سکتے ہیں؟"

"احتیاط سے کام لیں تو ہم اسے پکڑ بھی سکتے ہیں۔" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کاغذ کا رقعہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کاغذ پر شہباز خان کا دیا ہوا نمبر درج تھا۔

میری بات پر اول خان کی آنکھیں حیرت اور بے اعتباری سے پھیل گئیں۔ اس نے کاغذ کے پرزے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟ یہ تو کسی کا فون نمبر معلوم ہوتا ہے۔"

"کسی کا نہیں' بلکہ البرٹو بیلیسا کی موجودہ کمین گاہ کا فون نمبر ہے۔ وہ سیٹلائٹ ٹاؤن کے کسی مکان میں روپوش ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اسے آگاہ کیا۔

خوشی سے اول خان کا چہرہ کِھل اٹھا اور اس نے حیرت سے

پوچھا۔ "سچ کہہ رہے ہو نا؟"

"میں سنجیدہ معاملات میں مذاق کا قائل نہیں ہوں۔" میں نے پوری متانت کے ساتھ جواب دیا۔ "اس فون نمبر کی مدد سے عمارت کا سراغ لگا کر دھاوا بولنا تمہاری ذمے داری ہے۔"

"لیکن تمہیں یہ نمبر کہاں سے مل گیا؟" اول خان کے لیے میری بات پر یقین کرنا دشوار ہو رہا تھا۔

"اس کے نصیب کی خرابی یا اپنے ستاروں کی یاوری سمجھ لو۔" میں مسکرا کر رہ گیا۔ "مجھے ایک راہ سوجھی تھی اس پر عمل کیا تو نتیجے میں یہ نمبر ہاتھ لگ گیا۔"

"یہ نمبر حاصل کرنے کے لیے ڈیڈی بے چارے کو اپنی عزتِ نفس کی قربانی دینی پڑی ہے۔" ویرا نے میری بات میں ٹکڑا لگاتے ہوئے کہا۔ "ورنہ شہباز خان تو اس سے سیدھے مُنہ بات کرنے کا بھی روادار نہیں تھا۔"

"یہ شہباز خان کون ہے؟" اول خان کی حیرت میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"اسلام آباد میں قحبہ گری کے ایک بڑے اڈے کا مالک اور البرٹو کا دوست ہے مگر اسے ظفر ہی کے روپ میں جانتا ہے۔" اس کا تجسس دور کرنے کے لیے میں نے ابتدا سے ہی کہانی چھیڑ دی۔

"حیرت ناک کامیابی ہے۔" اول خان جو حیرت سے مُنہ پھاڑے میری کہانی سن رہا تھا' میرے خاموش ہونے پر بولا تھا۔ "تم ہر وقت بیدار مغز رہتے ہو اور پوری صورتِ حال پر تمہاری گہری نظر رہتی ہے۔ سچ پوچھو تو میرے نزدیک عبدل نامی اس بدمعاش کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ ایک غیر متعلقہ آدمی تھا جو تمہاری راہ میں آکر مارا گیا لیکن تم نے' اس کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کی پوری قیمت وصول کر لی ہے۔"

"مجبوری ایسے تمام امکانات پر دماغ سوزی کرنے پر مجبور کرتی ہے ورنہ یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ مجھے بھی اچانک ہی عبدل کا خیال آیا تھا۔ اسے مارتے ہوئے میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں اس کا نام استعمال کر کے کوئی بڑا فائدہ اٹھا سکوں گا۔ بس شہباز خان کے لیے میری کہانی زوردار ثابت ہوئی تھی۔"

میرا خیال تھا کہ اول خان وہ نمبر ملتے ہی البرٹو کی طرف کوچ کرنے کی تیاریاں شروع کر دے گا لیکن وہ فون پر کسی کو اس نمبر پر کام کرنے کی ہدایت دینے کے بعد گہری سوچ میں پڑ گیا۔

"اب تم کس سوچ میں پڑ گئے ہو؟" میں نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی۔

"اس بار میں کوئی رِسک نہیں لینا چاہتا۔ اس علاقے کے تفصیلی سروے کے بعد ہی البرٹو کے فرار کی راہیں مسدود کی جا سکیں گی اور اس کے لیے وقت درکار ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ اس دوران میں' خاموشی کے ساتھ شہباز خان کو اٹھا لیا جائے۔"

"ایسی غلطی بھی نہ کرنا۔" میں نے بوکھلا کر کہا۔ "تمہیں اس پر ہاتھ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اگر اس نے البرٹو یلیسا کو بتا دیا کہ وہ اس کا فون نمبر زخمی عبدل کو دے بیٹھا ہے تو وہ فوراً ہی اپنا ٹھکانا بدل دے گا کیونکہ زخمی عبدل نے اس سے رابطہ نہیں کیا ہے۔" اول خان نے کہا۔ "اسے شبہ ہو جائے گا کہ اس کا فون نمبر کسی غلط آدمی کو دے دیا گیا ہے۔"

"اس کا دور دور تک کوئی امکان نہیں ہے۔" میں نے اس کی پوری بات سننے کے بعد کہا۔ "شہباز خان اسے آگاہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ وہ دونوں بہت گہرے دوست ہیں۔ اگر شہباز خان خود عبدل سے نہ ملا ہوتا تو شاید میرے ساتھ کسی بھی ہمدردی کا مظاہرہ نہ کرتا۔ اس نے اپنی دانست میں ظفر کے ایک جاں نثار کی مدد کی ہے لیکن وہ ظفر سے اس بات کا ذکر نہیں کرے گا۔ میں اس کی حلف والی شرط کے بارے میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں۔"

"تم اتنے پُریقین ہو تو بھی اسے احتیاطاً اٹھوا لینے میں کیا حرج ہے۔" اول خان اس بارے میں بدستور فکرمند تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں فون پر ایک دوسرے سے بات کرتے رہتے ہوں۔ اگر شہباز خان اچانک غائب ہو گیا تو اس کی عدم موجودگی کو البرٹو اپنے لیے خطرے کی گھنٹی سمجھ سکتا ہے۔ ہماری ایسی کسی کوشش کا کوئی امید افزا نتیجہ برآمد نہیں ہو سکے گا۔ زیادہ سے زیادہ اس کی نگرانی کرائی جا سکتی ہے۔"

"میں تو اس بار البرٹو یلیسا کی کمین گاہ کے قرب و جوار سے گزرنے والی' زیرِ زمین سیوریج لائن کو بھی اپنے ذہن میں رکھوں گا۔ ہر طرف سے راہیں مسدود پا کر وہ کسی گٹر لائن میں بھی اتر سکتا ہے۔" وہ شہباز خان کے بارے میں میرے استدلال کا قائل ہو گیا تھا' اس لیے دوسرے موضوع پر آ گیا۔

ویرا بے اختیار مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "گٹر کی زیرِ استعمال لائنوں میں فاسد مادوں کے علاوہ اس قدر زہریلی گیسیں ہوتی ہیں کہ ان میں اترنے والا زندہ بچ ہی نہیں سکتا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم آج رات کارروائی کرنے کے موڈ میں نہیں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے تفصیلی معلومات صبح ہی مل سکیں گی۔ اس وقت دفاتر بند ہونے کی وجہ سے کہیں سے کوئی بات معلوم نہیں ہو سکے گی۔ صبح نقشوں وغیرہ کی مکمل اسٹڈی کرنے کے بعد' کل رات کے اندھیرے میں وہاں آپریشن کیا جائے تو زیادہ بہتر رہے گا۔"

"یعنی کل دن بھر اندھیرا پھیلنے کا انتظار کیا جائے گا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"دن میں دوسری تیاریاں کی جائیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ میں اپنی نفری کو کہیں چھوٹی سی مشق بھی کرا ڈالوں۔ دن کے اجالے میں بھاری نقل و حرکت کو پوشیدہ رکھنا ناممکن ہوتا ہے۔ کسی بھی خفیہ کارروائی کے لیے رات کا اندھیرا بہت معاون اور مددگار ثابت ہوتا ہے۔" اس نے کہا۔

"کرفیو اور بلیک آؤٹ کی فوجی اصطلاحات نے شاید ایسی ہی

ضروریات کی بنا پر جنم لیا ہے۔" ویرا، اول خان کی محتاط روی سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے موڈ میں تھی۔

"کہہ سکتی ہو۔" اول خان نے اعتراف کیا۔ "فضائی حملوں سے بچاؤ کے علاوہ یہ دونوں طریقے دشمنوں کے مفتوحہ علاقوں میں اپنا مؤثر کنٹرول قائم کرنے میں اکسیر ثابت ہوتے ہیں۔"

ویرا نے اپنے ہی شہری علاقوں میں کرفیو کے فراخ دلانہ استعمال کا نازک موضوع چھیڑنے کی کوشش کی لیکن میں نے فوراً ہی دوسری بات چھیڑ دی۔ "تمہیں آپریشن کا چارج تو مل گیا ہے لیکن آدمی میسر نہ ہونے کی وجہ سے تمہارا یونٹ تشکیل نہیں پا سکا ہے۔ تم نفری کہاں سے لاؤ گے؟"

"مختصر سے نوٹس پر کوئی بھی یونٹ میری کمان میں آ سکتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "لیکن احکام جاری ہو چکے ہیں۔ صبح میرے یونٹ کے چالیس آدمی یہاں موجود ہوں گے۔ وہ سب ہماری فورس کے تجربہ کار اور ذہین آدمی ہیں جو بہادری کے محیرالعقول کارنامے انجام دینے کی شہرت رکھتے ہیں۔"

"اب گیند تمہارے کورٹ میں ہے۔ ہم تو صرف کامیابی کی دعا ہی کر سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "البرٹو زندہ پکڑا جائے تو اسپیشل ٹاسک فورس کو سرخروئی حاصل ہو سکتی ہے۔"

اول خان میری بات کا جواب نہیں دے سکا کیونکہ فون کی گھنٹی نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ اس نے دوسری طرف کی بات سننے کے بعد جوں ہی قلم اور پیڈ سنبھالا تو میں اس کے سر پر جا کھڑا ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ کاغذ پر سیٹلائٹ ٹاؤن کا ایک پتا نوٹ کر رہا تھا جو البرٹو کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ پنڈی یا اسلام آباد میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو اول خان کے ایک اشارے پر پوری تن دہی سے کوئی بھی کارنامہ سرانجام دے سکتے تھے۔

فون سے فارغ ہوتے ہی اول خان اٹھ کھڑا ہوا۔ "اب تم دونوں آرام کرو۔ میں اپنا دفتر آباد کرتا ہوں تاکہ صبح کے لیے فون پر کچھ ہدایات جاری کر سکوں۔ لیکن تم اس خیال میں نہ رہنا کہ اس بار مجھے صرف تمہاری دعاؤں کی ضرورت ہے۔ آنے والی مہم میں تم کو پوری سرگرمی سے حصہ لینا ہے۔"

"ہماری وجہ سے تمہارے ٹیم ورک میں خلل پڑ سکتا ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "ہمیں اس مہم میں شامل ہو کر دلی مسرت ہوگی لیکن ہمیں زبردستی کھپانے کی کوشش نہ کرنا۔"

"یہ حقیقت ہے کہ میں نے اپنے کیریئر کی نمایاں ترین کامیابیاں تم لوگوں کے تعاون سے حاصل کی ہیں۔" اس نے دروازے پر رک کر، ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔ "البرٹو کی گرفتاری کی صورت میں مجھے ایک اور بڑی کامیابی اپنی منتظر نظر آ رہی ہے۔ تمہاری اب تک کی محنت کے نتیجے میں سامنے آنے والے حقائق نے اسپیشل ٹاسک فورس کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ہمارے بڑوں کو پہلی بار یہ اندازہ ہوا ہے کہ وہ اپنے جس ڈھانچے کو ناقابلِ تسخیر اور سازشوں سے محفوظ تصور کرتے رہے ہیں وہ کتنا غیر محفوظ ہے۔ البرٹو ویلیسا کی کمین گاہ کا فون نمبر حاصل کر کے تم نے ایک بار پھر میرا سر بلند کر دیا ہے۔"

"یہ رسمی باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔" میں نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "یہ محض اتفاقات ہی تھے کہ ہماری ایک ٹیم بن گئی ورنہ ہمارے راستے بادی النظر میں الگ الگ نظر آتے تھے۔"

وہ اپنا سر جھٹکتا ہوا ہمارے کمرے سے چلا گیا اور ویرا ایک زہد شکن انگڑائی لے کر بستر پر دراز ہو گئی۔ "یہ اچھا ہی ہوا کہ اس نے معاملہ کل پر ٹال دیا ورنہ آج کی رات بھی برباد ہو جاتی۔ نیند سے میرا دماغ بری طرح بوجھل ہو رہا ہے۔" اس نے کسلمندانہ انداز میں کہا۔

"اور مجھے یہ تاخیر گراں گزر رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہماری کراچی واپسی میں مزید ایک دن کی دیر ہوگی۔" میں نے کہا۔ "اول خان کے انتظامات کے باوجود میں ان دونوں کی طرف سے فکرمند ہوں۔"

"دونوں کا نام بدنام نہ کرو۔ غزالہ کا نام لیتے ہوئے کیوں شرما رہے ہو؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں سلطان شاہ کو اپنے بھائی کی طرح سمجھتا ہوں۔"

"سمجھنے اور ہونے میں بڑا فرق ہے۔" وہ شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "غزالہ ایک طویل عرصے تک تمہاری محبوبہ رہنے کے بعد اب تمہاری حقیقی بیوی ہے۔"

میں اس سے الجھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس لیے اُس کی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر دوسری مسہری کی طرف بڑھ گیا جو میرے لیے اس کمرے میں ڈال دی گئی تھی۔

بستر پر دراز ہوتے ہوئے مجھے خیال تھا کہ اول خان فون پر مصروف رہے گا تو ہمارے انسٹرومنٹ کی گھنٹیاں ہمارے سکون میں مخل ہوتی رہیں گی لیکن کافی دیر تک ڈائلنگ کے ساتھ کوئی آواز نہیں سنائی دی تو میں نے مطمئن ہو کر اپنی آنکھیں موند لیں۔ غالباً ہمارے کمرے میں رکھے ہوئے انسٹرومنٹ کا دفتری نمبروں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

بستر کی نرم اور حرارت آگیں آغوش میسر آتے ہی مجھے احساس ہوا کہ میرا بدن بھی آرام کا طلب گار تھا۔ میں نے کمرے کی روشنیاں گل کر کے مدھم روشنی والا بلب آن کیا اور تھوڑی ہی دیر میں نیند کی ملائم اور دلدلی وادیوں میں اترتا چلا گیا۔

سائرن کی تیز چیخ کی وجہ سے میری نیند اچاٹ ہو گئی۔ کئی بار سر جھٹکنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ میرے سرہانے کی تپائی پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بول رہی تھی۔ میں نے ناگواری کے ساتھ وال کلاک کے روشن ڈائل پر نگاہ ڈالی تو وہاں سوئیاں صبح کے سوا چار بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔ گھنٹی مسلسل بجے جا رہی تھی۔ میں نے

بیزاری کے ساتھ ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے غزالہ کی نیند کے اثرات سے عاری آواز سن کر میرا ذہن فوراً ہی بیدار ہوگیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ میں نے تمہیں گہری نیند سے بیدار کیا ہے؟" میری آواز سن کر غزالہ نے صحیح اندازہ لگایا تھا۔

"سب چلتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم اب تک کیسے جاگ رہی ہو؟ اور اس وقت فون کیوں کیا ہے؟"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے ایما پر یہاں اسپیشل ٹاسک فورس والے حرکت میں آچکے ہیں۔"

"اول خان نے ڈیڑھ بجے کے قریب اپنے کسی آدمی کو ہدایات دی تھیں لیکن اس وقت تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو؟ کیا مزید کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ ہمارے فلیٹ کے قرب و جوار میں کوئی کارروائی کرکے ان بدمعاشوں کو بھگا دیا گیا ہے کیونکہ اب سے آدھے گھنٹے قبل ان میں سے کسی نے یہاں فون کیا تھا۔ وہ بہت غصے میں تھا اور اس نے سلطان شاہ سے بہت تلخ کلامی کی ہے۔ تم اسی سے بات کرلو۔"

غزالہ نے مجھے کچھ بولنے کا موقع دیے بغیر' فون سلطان شاہ کے حوالے کردیا۔ اس اثناء میں مَیں دیکھ چکا تھا کہ ویرا بھی بستر پر پڑی نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"کس کا فون ہے؟" اس نے ہلے بغیر' نندائی آواز میں سوال کیا۔ اور میرا جواب سن کر دوسری طرف کروٹ بدل کر دوبارہ سونے کی کوششوں میں مصروف ہوگئی۔

سلطان شاہ نے خیر' خیریت کے تبادلے کے بعد مجھے جو کچھ بتایا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ان لوگوں کو دراصل میری ہی تلاش تھی۔ انہوں نے اس کا کوئی سبب نہیں بتایا تھا لیکن فون کرنے والے نے دو ٹوک الفاظ میں یہ دھمکی ضرور دی تھی کہ ان لوگوں کی حمایت میں میدان میں اترنے والے انہیں نہیں بچا سکیں گے۔ وہ موقع ملتے ہی غزالہ کو اٹھا لے جائیں گے اور اسے علاقہ غیر کے کسی ارباب یا سردار کے ہاتھوں بیچ دیں گے۔

یہ بات واضح تھی کہ غزالہ کو اغوا اور پھر فروخت کرنے کی بات منتقمانہ مزاج کی پیداوار تھی۔ اس کی بنا پر ان نامعلوم لوگوں کے اصل عزائم کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی تھی۔ قابلِ غور نکتہ یہ تھا کہ وہ میری تلاش میں سرگرداں تھے لیکن اس کی وجہ سلطان شاہ کو نہیں بتائی تھی۔ سلطان شاہ سے بات کرنے والا اپنے لب و لہجے کی بنا پر افغان معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے اپنے ذہن پر لاکھ زور ڈالا لیکن یاد نہ کرسکا کہ سیٹھ حبیب جیوانی والی مافیا کے علاوہ' ایسے لوگوں سے میرا کہاں واسطہ پڑا تھا؟ اور اگر وہ مافیا سے لین دین کرنے والوں میں شامل تھے تو میری دانست میں ان کے ایسے جارحانہ رویّے کا کوئی معقول سبب نہیں تھا۔ وہ معاملات حبیب جیوانی خود ہی نمٹاتا رہا تھا۔ میری تو بس چند پاؤنڈوں وغیرہ سے ملاقات تھی اور ان سے میرے مراسم میں کبھی کوئی تلخی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

"غزالہ کے بارے میں ان کی دھمکی کو سرسری سمجھ کر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے سلطان شاہ سے پوری صورتِ حال سمجھنے کے بعد کہا۔ "میری واپسی تک اسے فلیٹ ہی میں محدود رہنا چاہیے۔ وہ اسے ایک بار علاقہ غیر میں لے گئے تو اسے وہاں سے واپس لانا بہت مشکل ہوگا۔ زرخرید عورتوں کے بارے میں قبائلی بہت تند خُو اور ضدی ثابت ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی دوبارہ فون کر بیٹھے تو ان کے مطالبات معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ تم کہہ سکتے ہو کہ وہ لوگ تمہارے ذریعے اپنے مطالبات مجھ تک پہنچا کر جواب حاصل کرسکتے ہیں۔"

"میں نے آج بھی کئی بار پوچھنے کی کوشش کی لیکن وہ غصے کے عالم میں اپنی ہی بکتا رہا۔ اس نے میری کوئی بات سننے یا سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اگلی بار پھر کوشش کرلوں گا۔" سلطان شاہ نے جواب دیا۔

"یہاں البرٹو' بیلسا والا قصہ کل رات تک نمٹنے کی امید ہے۔ اس کے بعد میں وقت ضائع کیے بغیر پہلی پرواز سے کراچی پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ ویسے اور کیا حال چال ہیں؟"

"میرا خیال ہے کہ مجھے ایک اور بات بھی تمہارے کان میں ڈال دینی چاہیے۔" اس کی متردّد آواز ابھری۔ "تمہارے لیے ہانگ کانگ یا مکاؤ سے دوبار فون آچکا ہے۔ دونوں بار تمہارے اور ویرا کے بارے میں پوچھا گیا تھا۔"

اپنے سرسری سوال کے جواب میں ملنے والی اس غیرمتوقع اطلاع نے مجھے چونکا دیا۔ "یہ کب کی بات ہے؟"

"پہلا فون تو تمہاری روانگی کے اگلے ہی دن آیا تھا۔ دوسرا فون کل شام آیا تھا۔"

"لیکن تم لوگوں نے اب تک اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ اس دوران میں' مَیں کراچی فون کرتا رہا ہوں۔" میں نے قدرے برہمی کے ساتھ سوال کیا۔

"غزالہ نے منع کردیا تھا۔ وہ تمہاری واپسی کا انتظار کرنا چاہ رہی تھی۔"

"ہم شترمرغ نہیں ہیں جو ریت میں منہ ڈال کر طوفان تھم جانے کا تصور کرلیں۔ معلوم ہوتا ہے تم دونوں اب خود کو مجھ سے بہتر یا افضل سمجھنے لگے ہو۔" میں نے اسے پھٹکار دیا۔

"تمہاری غیرحاضری میں مجھے غزالہ کی دل جوئی کے لیے اس کی بات ماننی پڑتی ہے۔" میری برہمی پر سلطان شاہ کے لہجے میں بے چارگی سمٹ آئی۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ ہانگ کانگ یا مکاؤ کی کال تھی؟ اسے کیا جواب دیا گیا تھا۔" میں نے فون پر بات بڑھانے سے گریز کرتے ہوئے ترش لہجے میں پوچھا۔

"دونوں بار چینی لب و لہجے میں انگریزی بولنے والی ایک ہی آواز سنائی دی تھی اور مخصوص انٹرنیشنل ٹون والی وہ کال غزالہ نے

ہی وصول کی تھیں۔" وہ مجھے تفصیلات بتاتے ہوئے بولا۔ "پہلی بار اس کے رانگ نمبر کہنے پر فون بند کردیا گیا۔ دوسری بار یہ جواب سن کر نمبر دُہرایا گیا تو غزالہ نے کہہ دیا کہ اس نے حال ہی میں یہ خالی مکان کرائے پر لیا ہے۔ اگر ڈینی اور ویرا نام کا کوئی جوڑا اس مکان میں رہتا تھا تو اس کے آنے سے پہلے ہی مکان خالی کر کے کہیں اور منتقل ہو چکا تھا۔ اس پر مزید بحث کے بغیر فون بند کردیا گیا۔"

"فون کرنے والے سے' اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا گیا؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں' غزالہ کا خیال تھا کہ اس کی ذات میں دلچسپی لے کر وہ اس کے ذہن میں شبہات پیدا کرسکتی تھی۔ اسے خدشہ ہے کہ کہیں اب ڈون کوانگ فو نے تمہاری تلاش شروع نہ کرادی ہو۔"

"اب میری دی ہوئی ہدایات گرہ میں باندھ لینا۔ غزالہ سے واپسی پر ہی بات ہوگی۔"

فون بند کرنے کے بعد میری نیند کافور ہو چکی تھی۔ کمرے میں ویرا دوبارہ سو گئی تھی اور میں روشنی کر کے اس کی نیند میں خلل ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے شب خوابی کے لیے پہنی ہوئی شلوار قمیص پہن کر اس خواب ناک کمرے سے باہر نکل آیا۔ وقت گزاری کے لیے میں اس عمارت کے اگلے حصے میں گیا تو ایک کمرا روشن اور کھلا ہوا تھا۔ میں اول خان کی مزاج پُرسی کے لیے بے دھڑک اسی طرف بڑھ گیا لیکن دروازے پر پہنچتے ہی مجھے ٹھٹک کے اپنی جگہ رک جانا پڑا کیونکہ اس کمرے میں اول خان کے ساتھ مزید چار افراد موجود تھے۔ میرے لیے وہ چاروں ہی چہرے اجنبی تھے۔ وہ اول خان کے ساتھ متعدد نقشوں اور فائلوں کے مطالعے میں غرق تھے۔

اول خان نے شاید اپنی چھٹی حس کے زیر اثر' سر اوپر اٹھایا تو خلافِ توقع مجھے دروازے پر موجود پاکر اس کے چہرے پر خوشگوار حیرت پھیل گئی۔ "تم ابھی تک جاگ رہے ہو؟" اس نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے تحیّر زدہ لہجے میں کہا۔ "آؤ' اندر آجاؤ۔ اتفاق سے کچھ مطلوبہ ریکارڈ ہاتھ آگیا تھا۔ ہم لوگ اسی میں الجھے ہوئے تھے۔"

اول خان کی تقلید میں بقیہ چاروں افراد نے بھی مؤدب انداز میں اپنی کرسیاں چھوڑ دی تھیں۔

ان میں سے دو اول خان کے ماتحت تھے۔ تیسرا پنڈی کے بلدیاتی ادارے کا ریکارڈ آفیسر تھا۔ چوتھا اس کا پی اے تھا۔ اول خان کی خواہش پر ان دونوں کو نیند سے اٹھا کر متعلقہ ریکارڈ سمیت وہاں لایا گیا تھا لیکن وہ دونوں ہی اہمیت ملنے پر بہت خوش نظر آرہے تھے۔ مجھے ان سے متعارف کرانے کے بعد اول خان ایک الگ کمرے میں لے گیا اور ہنستے ہوئے بولا۔ "شاید حبیب جیوانی کے دفتر سے نکلنے والا زیر زمین راستہ ابھی تک میرے دماغ پر چھایا ہوا ہے جو میں سیٹلائٹ ٹاؤن میں بھی ایسے امکان پر غور کر رہا تھا۔ وہاں کی سب سے بڑی گٹر لائن کا قطر صرف دو فٹ ہے اور اس میں سے کسی آدمی کے زندہ گزرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"لیکن تمہاری میز پر تو بہت سے کاغذات اور نقشے بکھرے ہوئے نظر آرہے ہیں۔"

"وہ اس علاقے میں قطعاتِ اراضی کی تقسیم اور سڑکوں' گلیوں وغیرہ کے محل وقوع سے متعلق ہیں۔ اب تک جو صورتِ حال سامنے آئی ہے' اس کے مطابق ہم تمیں مکانوں کے ایک بلاک کو چاروں طرف سے گھیر کر البرٹو کی تمام راہیں مسدود کرسکتے ہیں۔ کل اس کی کمین گاہ کی اندرونی ساخت کے نقشے بھی آجائیں گے۔ عمارت کے مکینوں اور قرب و جوار کے بارے میں بھی اطلاع موجود ہوں گی۔ میرا خیال ہے کہ دوپہر تک ہماری تیاریاں مکمل ہو چکی ہوں گی۔"

"ایک شخص کو پکڑنے کے لیے یہ تیاریاں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی ہیں۔" میں نے دبے لفظوں میں کہا۔

"یہ دیکھو کہ وہ کون ہے۔" اول خان نے کہا۔ "وہ ہماری صفوں میں شامل نہ رہا ہوتا تو شاید میں بھی اسے اتنی اہمیت نہیں دیتا۔ وہ سازشوں کی جس بین الاقوامی کڑی سے منسلک ہے' اس کی اہمیت کی وجہ سے میں اسے زندہ پکڑنا چاہ رہا ہوں۔ پھر تم یہ بھی سوچو کہ اس ایک آدمی کو قابو میں لانے کے لیے ہمیں تمیں مکانوں کی مکمل ناکا بندی کرنے کے ساتھ قرب و جوار کی آبادی کو بھی ذہن میں رکھنا ہے۔ کسی بھی وجہ سے وہاں بھگدڑ مچ گئی تو البرٹو کو نکل بھاگنے کا موقع مل جائے گا۔ وہ لاکھ خطرناک اور وطن دشمن ہو مگر ہم اس کی گرفتاری کے لیے بے گناہ شہریوں کے خون سے اندھا دھند ہولی نہیں کھیل سکتے۔ تیاریاں کرتے ہوئے ہمیں ان امکانات کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔"

وہ خالص طور پر اول خان کا پیشہ ورانہ معاملہ تھا اس لیے میں نے اس پر بحث کرنے سے گریز ہی کیا اور اُسے کراچی کی تازہ ترین صورتِ حال پر لے آیا۔ اس کے لیے یہ بات اطمینان بخش تھی کہ اس کے آدمی مستعدی کے ساتھ حرکت میں آئے تھے اور ان کے اقدام کے تسلی بخش نتائج سامنے آگئے تھے۔ اسے فون پر دی جانے والی اغوا کی دھمکی کی ذرا بھی فکر نہیں تھی۔ کیونکہ جرائم پیشہ افراد کی ٹولی کے مقابلے میں' اسے اپنے آدمیوں کی صلاحیتوں پر پورا اعتماد تھا۔

"البرٹو کے ملک سے فرار کے سلسلے میں کوئی روک تھام کی گئی ہے؟" مجھے اپنے ذہن میں چبھتا ہوا وہ سوال اچانک ہی یاد آگیا جو میں نے اول خان کے سامنے رکھ دیا۔

اُس نے ہنستے ہوئے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم نے اس کا سراغ لگانے کے لیے جو کچھ کیا' اس کا ہماری منصوبہ بندی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ میرے کمانڈر نے صورتِ حال کا ادراک ہوتے ہی ملک سے روانگی کے ہر امیگریشن کنٹرول پوائنٹ پر آدمی مامور کر دیئے تھے۔ ہم لوگوں کو قوی شبہ تھا کہ وہ یہاں رکنے کے بجائے فوری طور پر بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ اس نے تمہاری

صلاحیتوں کا شاید صحیح اندازہ نہیں لگایا تھا۔"

وہ لوگ اپنے کام میں مصروف تھے اور میری موجودگی میں اول خان اس پر پوری توجہ دینے سے اخلاقاً گریز کر رہا تھا اس لیے میں اس سے آرام کرنے کا بہانہ کر کے واپس لوٹ آیا۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے اس مہمان خانے میں قیام کرنے والوں کی جملہ ضروریات پوری کرنے کا معقول بندوبست تھا۔ میں نے اپنی سحرخیزی کی بنا پر صبح سات بجے ہی ناشتا کر لیا اور پھر اخبار لے بیٹھا۔ پورا اخبار تشدد اور جرائم کی خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ذرائع ابلاغ کی برق رفتار ترقی کے نتیجے میں جرائم کی لہریں حیرت ناک سرعت کے ساتھ کرۂ ارض کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل رہی تھیں۔

میں نو بجے کے قریب کمرے میں واپس گیا تو ویرا بدستور گہری نیند میں سو رہی تھی۔

میرے پاس کوئی کام باقی نہیں رہا تھا جس کی وجہ سے میں کوفت میں مبتلا ہو چلا تھا۔ اول خان سے ذرا سی دیر کے لیے ملاقات ہوئی۔ بقیہ وقت میں نے بیزاری کے عالم میں گزارا۔

ویرا کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد میں نے کارڈز نکال لیے۔ ابتدا میں مَیں نے بے پروائی کے ساتھ کھیلنا شروع کیا تو ویرا نے اپنے ہاتھ دکھانے شروع کر دیئے۔ اس کے ساتھ، طویل رفاقت میں ایسے لمحات کبھی بھی میسر نہیں آسکے تھے جب اس کے ساتھ تاشوں پر ہارنے اور جیتنے کی نوبت آتی۔ اس نے مہارت کے ساتھ بے ایمانی شروع کی تو میں حیران رہ گیا اور کھیل میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔

چار بجے کے قریب اول خان اپنے کمانڈر کے ساتھ ہمارے دروازے پر پہنچا تو ہم دونوں گہرے انہماک کے ساتھ کھیل میں ڈوبے ہوئے تھے۔ دروازے پر ہونے والی بھاری دستک کے جواب میں، میں نے بے پروائی سے "کم ان" کی ہانک لگائی تھی لیکن آنے والوں کو دیکھ کر ہم دونوں ہی بوکھلا گئے۔

اس وقت ہم دونوں میز کرسی کے بجائے، دوہرے بستر کی صاف ستھری چادر پر ایک دوسرے کے سامنے آلتی پالتی مارے بیٹھے ہوئے تھے۔ درمیان میں پتے بکھرے ہوئے تھے۔ ایک طرف سگریٹ کے مسلے ہوئے ٹکڑوں سے بھری ایش ٹرے موجود تھی جس کے ارد گرد، چادر پر سگریٹوں کی راکھ پھیلی ہوئی تھی۔ اول خان کی بات اور تھی لیکن ایسی گندی حالت میں اس کے کمانڈر کا سامنا کرنا ہم دونوں کے لیے شرمندگی کا باعث تھا۔

میں کمانڈر کے استقبال کے لیے مسہری سے اتر کر اُس کی طرف لپکا۔ لیکن اس نے بے تکلفانہ انداز میں مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ "شاباش! پوری فورس کو دھندے سے لگا کر خود کارڈز کھیل رہے ہو۔"

"بس، وقت گزارنے کی کوشش کر رہے تھے۔" میں نے خفت آمیز لہجے میں کہا۔

"اور تم بھی شاندار عورت ہو۔" مجھ سے معانقہ کرنے کے بعد اس نے جارحانہ انداز میں ویرا کا داہنا ہاتھ تھاما تو مجھے ڈر ہوا کہ وہ ایک ہی جھٹکے میں اس کے سینے سے جا لگے گی لیکن کمانڈر کا مصافحہ کرنے کا طریقہ بہت نرم تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے مردوں جیسی عادات رکھنے والی عورتیں اچھی لگتی ہیں اور تم دونوں کی جوڑی کا تو جواب ہی نہیں ہے۔"

ویرا شائستگی کے ساتھ مسکرا دی۔ "غنیمت ہے کہ ڈیڈی کی بیوی یہاں نہیں ہے ورنہ وہ اس خراج پر برا مان جاتی۔ وہ بہت ذکی الحس عورت ہے۔"

"اچھا! تو تم شادی شدہ ہو؟" کمانڈر نے حیرت کے ساتھ مجھ سے پوچھا اور میرے خفیف سے اقرار پر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میرا تو خیال تھا کہ کنوارے مرد ہی بے خوف و خطر ہو کر خطرات کے منہ میں چھلانگ لگانے کے عادی ہوتے ہیں لیکن تم نے میرا خیال غلط ثابت کر دیا ہے۔"

"دراصل ڈیڈی کی شادی ابھی نئی نئی ہے۔" ویرا کو ایک بار پھر چوٹ کرنے کا موقع مل گیا۔ "پرانی عادتیں رفتہ رفتہ ہی پیچھا چھوڑتی ہیں۔"

کمانڈر نے زوردار قہقہہ لگایا۔ اول خان بھی ہنس پڑا اور ویرا تو پہلے ہی مجھے سلگانے والے انداز میں مسلسل مسکرائے جا رہی تھی۔

"تم دونوں کی نوک جھونک بھی دلچسپ ہے۔" کمانڈر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "میں تمہیں البرٹو ویلیسا کی کامیاب تلاش کی مبارک باد دینے آیا تھا۔ اس معاملے میں تمہاری مسلسل کامیابیوں نے مجھے حیرت زدہ کر دیا ہے۔" وہ سنجیدہ ہو چکا تھا لہٰذا ماحول پل بھر میں بدل کر رہ گیا تھا۔

"وہ ہاتھ آ جائے تو کامیابی مکمل ہو گی۔ ابھی تو وہ آزاد ہی ہے۔" میں نے دھیمے سے کہا۔

"میرے جوان پوری طرح تیار ہیں۔" وہ کسی فوجی کمانڈر کی طرح اول خان کی پشت پر زور سے ہاتھ مار کر بولا۔ "رات کو تمہارا حریف تمہارے قدموں میں ہو گا۔ ان لوگوں کا آپریشن پلان بہت زبردست ہے۔"

"یقیناً!" میں نے سر ہلا کر کہا۔ "اول خان کی محنت اور فرض شناسی نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا ہے۔"

"اس جھگڑے سے نمٹ لو تو کبھی مل کر بیٹھیں گے۔ شارٹنگ وغیرہ نہ کی جائے تو میں بھی بہت شوق سے کارڈز کھیلتا ہوں۔ چاہو گے تو ہلکے پھلکے ڈرنک کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔"

وہ اول خان کو ہمارے پاس چھوڑ کر واپس لوٹنے کے ارادے سے پلٹا تو میں نے اسی وقت اپنی معذرت پیش کر دی۔ "اس بار میں معافی چاہتا ہوں۔ کراچی میں میری فوری موجودگی ضروری ہے۔ البرٹو کا قصہ نمٹنے کے بعد میں صبح کی پرواز سے لوٹ جاؤں گا۔ دوبارہ آنا ہوا تو ضرور حاضر ہو کر یہ اعزاز حاصل کروں گا۔"

"نیور مائنڈ!" وہ بہت کھلے دل کا آدمی تھا۔ "اگلی بار بھولنا مت۔ اور ہاں' یہ کوئی اعزاز نہیں ہوگا کیونکہ میرے ساتھ کھیلنے والے عموماً ہار کراٹھتے ہیں۔ ذرا تیاری کے ساتھ آنا۔"

وہ چلا گیا اور اول خان نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم نے ہمت کر کے اُس سے معذرت کرلی۔ اگر تم اپنا وعدہ پورا کیے بغیر واپس لوٹ جاتے تو وہ کچھ کے دے وے کر میری زندگی اجیرن کر دیتا۔ اب اس نے تمہاری معذرت کا ذرا بھی برا نہیں مانا۔"

"ایسے لوگوں سے صاف اور سیدھی بات کرنے میں عافیت رہتی ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم کسی پیشگی اطلاع کے بغیر اُسے یہاں کیوں لے آئے؟"

"وہ خود ہی اِدھر آیا تھا۔ مجھے تم لوگوں کو باخبر کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔" وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ رات بھر جاگ کر کام کرنے کی وجہ سے اس کے بشرے سے تکان مترشح ہو رہی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے کام سے فارغ ہو کر ادھر آئے ہو۔" ویرا نے دوسری کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

"فارغ ہی سمجھو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "اصل فراغت تو اُس وقت حاصل ہوگی جب البرٹو کو لاک اپ میں ڈال دیا جائے گا۔"

"روانگی سے پہلے' نہا دھو کر کچھ آرام کرلو تو تازہ دم ہو جاؤ گے۔" میں نے مشورہ دیا۔

"اب یہی ارادہ ہے۔ تمہیں بریف کرنے کے لیے یہاں رک گیا ہوں۔ وہ عمارت چوہدری سرور دین نامی کسی شخص نے پچھلے ایک سال سے کرائے پر لی ہوئی ہے۔ عمارت میں ہر وقت چار چھ مرد موجود رہتے ہیں لیکن اُن کا کسی سے میل جول نہیں ہے۔ محلے والوں کو بھی ان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں رہنے والوں کے علاوہ بہت زیادہ بھانت بھانت کے لوگوں کی آمد و رفت نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آج رات بھی وہ اکیلا نہیں ہوگا۔" ویرا آہستہ سے بولی۔ "اس کے آدمی مقابلہ کیے بغیر ہار ماننے پر آمادہ نہیں ہوں گے اور خون خرابا ضرور ہوگا۔"

"بس یہی سب سے بڑی فکر ہے۔" وہ سرہلا کر بولا۔ "مکان کے نقشوں کے مطالعے کے بعد ہم نے برق رفتار کمانڈو آپریشن کا فیصلہ کیا ہے۔ بعد کے حالات کا انحصار اسی کمانڈو آپریشن کی کامیابی یا ناکامی پر ہے۔ محاصرے وغیرہ کا بنیادی منصوبہ اپنی جگہ پر برقرار ہے۔"

"یہ بہت خطرناک اور نازک فیصلہ ہے۔" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ "اگر کسی طرح انہیں خوفزدہ کر کے وہاں سے نکل بھاگنے پر مجبور کر دیا جائے تو کیا وہ آسانی سے نہیں گھیرے جاسکیں گے؟"

"تم انہیں کس طرح خوفزدہ کرو گے۔" اول خان کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں ابھر آئیں۔

"شہباز خان کی صورت میں ہمارے پاس ایک کار آمد مہرہ ہے۔" میں نے کہا۔

"بات واضح نہیں ہوئی۔" اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"اسے تو تم چھیڑنا ہی نہیں چاہتے تھے۔"

"بدلے ہوئے حالات کی روشنی میں ہم اپنی حکمت عملی پر بھی نظرثانی کر سکتے ہیں۔" میں نے اپنا گلا صاف کر کے بات شروع کی۔ "شہباز خان کو اگر خاموشی کے ساتھ آخری لمحات میں اٹھا کر اعتماد میں لیا جائے تو وہ فون کر کے البرٹو کو یہ وحشت ناک خبر سنا سکتا ہے کہ عبدل زخمی حالت میں پکڑا گیا ہے اور کچھ سادہ پوش لوگ عبدل کو لے کر اس کے پاس پہنچے تھے اور اس سے سیٹلائٹ ٹاؤن کے اس مکان کا پتا معلوم کرنا چاہتے تھے جہاں وہ روپوش ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ ان کے تشدد کے نتیجے میں اس نے صرف فون نمبر دے دیا ہے تاکہ ظفر کے لیے کچھ وقت حاصل کر سکے۔ یہ خبر البرٹو کے قدم اکھاڑ دے گی۔ فون نمبر سے پتا معلوم کرنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ وہ یقیناً باہر نکلنے کی کوشش کرے گا اور ہم اپنی سہولت کے مطابق کہیں بھی اس کے پورے گروہ کو گھیر سکتے ہیں۔ گھر کے مقابلے میں وہ لوگ کھلے علاقے میں زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔"

"بظاہر تو یہ تجویز محفوظ معلوم ہوتی ہے۔" اول خان متاثر ہو کر بولا۔ "ان کی کچھار میں ہاتھ ڈالنے کے مقابلے میں انہیں باہر ہانک لانا زیادہ بہتر ہوگا۔"

"معاملہ نمٹنے تک شہباز کو اپنی تحویل میں رکھا جا سکتا ہے۔" ویرا بھی اس تجویز سے متفق نظر آنے لگی۔ "وہ ایک بے غیرت دلال ہے۔ البرٹو کے اصل پس منظر سے واقف ہوتے ہی ہتھیار ڈال دے گا۔ اس کی تسلی کے لیے اسے یہ لالچ بھی دیا جا سکتا ہے کہ اس نے تعاون کیا تو اس کے کاروبار کو نہیں چھیڑا جائے گا۔ وہ انکار کر کے اپنی مکمل تباہی کا خطرہ مول نہیں لے گا۔"

"ہم میں اتفاق رائے ہو تو میں اس تجویز پر اپنے کمانڈر کی رائے بھی لے سکتا ہوں۔"

"اتفاق رائے ہونے سے پہلے میں اس تجویز کے ایک خطرناک ردعمل کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں۔" انہیں کسی بھی اختلاف پر آمادہ نہ پاکر میرا ذہن اپنی ہی تجویز کے ناقدانہ تجزیے میں مصروف ہو چکا تھا۔

"وہ بھی سامنے آجائے تو ہمیں صحیح فیصلہ کرنے میں آسانی ہو سکتی ہے۔" اول خان سخت تذبذب کے عالم میں مبتلا نظر آنے لگا تھا۔

"البرٹو یلیسا کا پہلا اور فطری ردعمل تو وہی ہونا چاہیے جو میں بتا چکا ہوں لیکن وہ اسپیشل ٹاسک فورس میں رہ چکا ہے۔ اگر اس نے ہماری چال کو سمجھ لیا تو اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرے کو بھانپ کر وہ اپنے ساتھیوں سمیت پڑوس کے مکانات میں گھس

کر مکینوں کو یرغمال بنا سکتا ہے۔ اگر اس نے ان سب کو ہلاک کرنے کی دھمکی کے سہارے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا تو ہم اپنی تمام تیاریوں کے باوجود اس پر گولی نہیں چلا سکیں گے۔ اگر وہ لوگ چھ بھی ہیں تو وہ بہت آسانی کے ساتھ دس بیس افراد کے کسی کنبے کو اپنے خودکار آتشیں ہتھیاروں سے دہشت زدہ کر کے یرغمالی بنا سکتے ہیں۔"

"وہ حرام زادہ یہی کرے گا۔" اول خان دانت پیستے ہوئے غرّایا اور میں حیران رہ گیا کیونکہ میں نے اس کے منہ سے پہلی بار گالی سنی تھی۔

"وہ شکاریوں کے غول میں گھرے ہوئے بھیڑیے کی طرح خطرناک انداز میں سوچے گا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اس نے ایک بار کچھ بے گناہ شہریوں پر قابو پالیا تو وہ ملک چھوڑنے کے لیے بھی ان کا دباؤ ڈال سکتا ہے۔ ہم اس کے مطالبات کے سامنے بے بس ہو جائیں گے۔ ایک مجرم کی گرفتاری کے لیے ہم کسی بے گناہ یرغمالی کی جان سے نہیں کھیل سکیں گے۔ پورے ملک میں ایک طوفان کھڑا ہو جائے گا۔"

"تم جانتے بوجھتے ہم دونوں کا امتحان لے رہے تھے؟" ویرا چڑ کر بولی۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "وہ میری ایک فوری تجویز تھی جو میں نے تبادلۂ خیال کرنے کی نیت سے پیش کی تھی۔ جب تم لوگوں نے اس کے کسی منفی پہلو پر غور نہیں کیا تو مجھے خود ہی اس کے بخیے ادھیڑنے پڑے اور ایک نئی صورتِ حال ذہن میں آ گئی۔"

"پھر اب تم کیا کہتے ہو؟" اول خان کی آواز میں ہلکی سی سرد مہری در آئی تھی۔

"اس تجویز کی افادیت کے مقابلے میں خطرہ زیادہ سنگین ہے۔" میں نے اپنی ایماندارانہ رائے دے ڈالی۔ "میں اپنی تجویز پر عمل کرانے کے حق میں نہیں ہوں۔"

"پڑوسیوں کو یرغمال بنانے والی صورت تو کمانڈو ایکشن کی ناکامی کے بعد بھی رونما ہو سکتی ہے۔" ویرا اول خان کے منصوبے کے پورے پوسٹ مارٹم پر اتر آئی تھی۔

"کمانڈوز محاصرہ مکمل ہونے کے بعد حرکت میں آئیں گے۔" اول خان نے میرے ذہن میں موجود بات کہی تھی۔ "پورے پلان میں اس بات پر پورا زور دیا گیا ہے کہ وہ ملحقہ مکانات کا رخ بھی نہ کر سکیں۔ ایک بار کھلے مقابلے کا آغاز ہو گیا تو میری مسلح نفری اندر اتر کر پوزیشنیں لے لے گی اور عمارت سے باہر نکلنے والے ہر ذی روح کو گولیوں کی باڑھ پر رکھ لے گی۔ یہ امکان بہت کمزور بلکہ دور از کار ہے۔"

"پھر تو ہم شہباز خان سے فون کرانے سے پہلے بھی اسی قسم کی تیاریاں کر سکتے ہیں۔ ان کے پاس اندر رہ کر مقابلہ کرنے یا باہر نکل کر مرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ باقی نہیں رہے گا۔" ویرا بولی۔

"فون ملنے کے بعد وہ بھرپور تیاریوں کے ساتھ منظم ہو کر کسی ایک ہی رخ سے باہر نکلیں گے۔ انہیں پہلے سے اندازہ ہو گا کہ باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں ان کے لیے خطرات پوشیدہ ہو سکتے ہیں۔ اس لیے پہل کرنے کا موقع اُن کے پاس ہو گا۔ اُن کے پہلے وار میں ہماری صفوں میں دراڑ پڑ سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ ہمارے سنبھلنے سے پہلے نکل جائیں۔ اچانک کیا جانے والا کمانڈو ایکشن ناکام ہوا تو وہ افراتفری اور بے سروسامانی کے عالم میں غیر منظم صورت میں باہر آ کر مارے جائیں گے۔ جس کے جدھر سینگ سمائیں گے وہ اُدھر ہی بھاگے گا اور موت کے چنگل میں جا گرے گا۔ وہ کسی ایک سمت میں مشترکہ دباؤ ڈالنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گے اور وہی ہماری جیت ہو گی۔ چالاک دشمن کو مارنے سے پہلے بکھر جانے پر مجبور کر دینا سب سے کامیاب ثابت ہوتا ہے۔" میں نے ویرا کو قائل کرنے کے لیے پوری تفصیل سے اپنی رائے بیان کر دی۔

"یہ اس آپریشن اور مجوزہ شہباز پلان کا بھرپور اور حقیقی عسکری تجزیہ ہے۔" اول خان نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "ہم متبادل تجاویز پر اسی طرح تقابلی تجزیے کر کے کوئی ایک راہ اپناتے ہیں۔ میں تم سے پوری طرح متفق ہوں اور اپنے اصل منصوبے پر قائم ہوں۔"

"میں بھی بحث برائے بحث کر رہی تھی۔" ویرا چڑچڑے انداز میں بولی۔ "مجھے گروہ بند لڑائیوں کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ میں تو ضرورت پڑنے پر فوری فیصلے کرنے کی عادی ہوں۔ وہ فیصلے عموماً درست ثابت......"

"مجھے یاد ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "تم نے جہانگیر کے مکان پر ماجے کے آدمیوں کی یلغار کی قیادت کی تھی جب کہ دوسری طرف میں خود تیار تھا۔ اس مقابلے میں کئی آدمی گنوانے کے علاوہ تم خود بھی زخمی ہو گئی تھیں۔ میں تمہاری نفری اور قوت کی طرف سے فکرمند تھا لیکن ہم کامیاب رہے تھے۔"

"تو کیا تم دونوں کے درمیان ایسی بھیانک خونریزیاں بھی ہوتی رہی ہیں؟" اول خان حیران رہ گیا۔

"ہماری اصل دوستی نے ایسی ہی دشمنیوں کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اب پرانے زخموں کو نہ کریدو۔" ویرا منہ بنا کر بولی۔ "میں تمہاری اسی عادت سے چڑتی ہوں کہ تم اپنے زورِ بیان کا ناجائز استعمال کرتے ہو۔ اپنی ایک ہی تجویز کی حمایت اور پھر مخالفت میں دلائل دے کر تم نے میرے ذہن کو پراگندہ کر دیا ہے۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میں نے دانستہ ایسا نہیں کیا۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "مجھ میں اور تم میں یہی فرق ہے کہ تم اپنی بات پر اڑ جاتی ہو اور میں ہر وقت کھلے ذہن کے ساتھ سوچتا ہوں۔ بعد والی باتیں مجھے پہلے ہی سوجھ جاتیں تو شاید میں شہباز کے استعمال کا ذکر تک نہ کرتا۔"

"تو پھر سب کچھ جوں کا توں رہے گا؟" اول خان نے بات ختم کرنے کے لیے مداخلت کی۔

ہم دونوں کی مشترکہ رضامندی حاصل کرنے کے بعد اُس نے ہمیں نو بجے روانگی کے لیے تیار رہنے کی ہدایت کی اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔

"مجھے اب بھی شبہ ہے کہ تم اول خان کو گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔" دوبارہ تخلیہ ہو جانے پر ویرا نے آنکھیں نکال کر تیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"تم باؤلی ہو گئی ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس کو گھسنے سے مجھے کیا حاصل ہو سکتا تھا؟"

"آدمی بہت سی باتیں صرف اپنی تسکین کے لیے کرتا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ اسے اپنے ہر فعل سے کوئی مالی یا جسمانی فائدہ ہی حاصل ہو۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ بحث پر تلی رہی۔

"یہ ذہنی مریضوں کے کام ہوتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "اور میں ابھی تک اس صف میں شامل نہیں ہوا ہوں۔ میں اول خان کی کافی عزت کرتا ہوں۔"

بات ختم کرنے کے لیے میں کمرے سے اٹھ کر باہر لان پر پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف چل دیا۔ ویرا باورچی خانے کی طرف ہولی تاکہ خدمت گار کو بلا کر کمرے کو صاف کروا سکے۔

نہا دھو کر سویرے سے کھانا کھا لینے کے بعد ہمارے پاس کافی وقت تھا۔ میں اس سے پہلے بڑے بڑے معرکوں سے گزر چکا تھا۔ اس بار ہمارا مقابلہ صرف البرٹو اور اس کے پانچ چھ حواریوں سے تھا لیکن میں اپنے وجود میں عجیب سی بے چینی سرایت کرتی ہوئی محسوس کر رہا تھا۔

اس اعصابی دباؤ سے نجات حاصل کرنے کی نیّت سے میں نے کولمبیا سے آئے ہوئے اولیانو کو فون کرنے کا خیال ظاہر کیا تو ویرا نے بھی میری تائید کی۔ اولیانو کا البرٹو سے براہِ راست تعلق ضرور تھا لیکن وہ اس قدر محدود تھا کہ میں اول خان سے اس کا ذکر کرنا ہی بھول گیا تھا۔ اس بے چارے کو سرے سے یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ ہم دونوں اولیانو کے گھر گئے تھے اور اس کی بلیک میلنگ کی کہانی کے ساتھ واپس آئے تھے۔

البرٹو ویلیسا' اولیانو کو بلیک میل کر کے نہ صرف اُس کا دفتر استعمال کر رہا تھا بلکہ بیرونِ ملک پیغام رسانی کے لیے اس کی گھریلو فیکس مشین بھی استعمال کر رہا تھا۔ میں یہ سوچ کر اس کے گھر گیا تھا کہ بات بن گئی تو میں اس سے البرٹو کے رابطے کے نمبر وغیرہ بھی لینے کی بات کروں گا لیکن نلنی کا قصہ شروع ہو جانے کی وجہ سے بیرونِ ملک کے فون اور فیکس نمبروں والا معاملہ میرے ذہن سے محو ہو گیا تھا۔

میں نے اولیانو کا نمبر ملایا تو اس نے خود ہی میری کال وصول کی اور مجھے پہچانتے ہی اس نے مزاج پرسی کیے بغیر اپنا شکوہ شروع کر دیا۔ "اوہ ڈیر! تم لوگوں نے کل رات میرے ساتھ بڑا ظلم کیا۔ نلنی کو ضرورت سے زیادہ شراب پلا کر میرے سر پر مسلط کر گئے۔ وہ بارہ بجے یہاں سے جانے کے قابل ہوئی تھی۔ اس کے انتظار میں دیر تک جاگنے کی وجہ سے میری طبیعت بھی خراب ہو گئی تھی۔"

"میرا تو خیال تھا کہ ایک بہکی ہوئی جواں سال عورت تمہاری رات کو بہت حسین بنا دے گی اور تم اس کا شکوہ کر رہے ہو؟" میں نے بے تکلفی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"نئی عورت ہوتی تو شاید میں بھی یہی سوچتا۔" وہ موڈ میں معلوم ہو رہا تھا۔ "لیکن نلنی میرے لیے بہت پرانی ہو چکی ہے۔ مجھے ہر وقت نئے پن کی تلاش رہتی ہے۔"

"اپنی اس فہرست میں میری گرل فرینڈ کا نام شامل نہ کر لینا۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "پتا نہیں تم نے میری غیر موجودگی میں اُس سے کیا باتیں کی تھیں کہ وہ کئی بار تمہارا ذکر کر چکی ہے۔"

"تو پھر کسی وقت اسے لے آؤ نا! میں وعدہ کرتا ہوں کہ اُس پر ڈورے نہیں ڈالوں گا۔"

"تمہارے نئے پن کے شوق نے مجھے فکر میں مبتلا کر دیا ہے۔"

"وہ مذاق کی بات تھی۔ دراصل ویرا بہت ذہین عورت ہے۔ حسین عورت اگر ذہین بھی ہو تو اس کے ساتھ وقت گزارنے میں عجیب لطف آتا ہے۔"

"دیکھو' ایک آدھ دن میں آئیں گے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ پھر پوچھا۔ "ظفر کے بارے میں کیا خبر ہے؟"

"وہ غائب ہے۔ ضرورت پیش آئے گی تو خود ہی رابطہ کرے گا۔" پھر وہ چونکتے ہوئے بولا۔ "فیکس پر اُس کا ایک پیغام بھی آیا ہوا ہے۔ اسے اپنے متوقع پیغامات کی آمد کا اندازہ رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آج کل میں مجھ سے ضرور رابطہ کرے گا۔"

"کیا پیغام ہے؟" وہ انکشاف سن کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

"بالکل سادہ کاغذ پر ہسپانوی زبان میں کسی نے اپنی آمد کا بہت مختصر سا پیغام دیا ہے۔ ڈیئر ظفر' اتوار کو آ رہا ہوں۔ تاریخ' وقت یا پرواز کا نام تک نہیں ہے۔"

"اور یہ پیغام کہاں سے بھیجا گیا ہے؟" میرے ذہن میں ہلچل سی پیدا ہونے لگی تھی۔

"یہ بھی نہیں معلوم' عجیب مبہم سا پیغام ہے۔ اوپر ظفر کا نام نہ ہوتا تو یہ سمجھنا دشوار تھا کہ وہ پیغام کس کے لیے دیا گیا ہے۔"

"فیکس پر تو بھیجنے والے کا نمبر اور نام وغیرہ بھی آتا ہے!" میں نے حیرت سے کہا۔

"صرف اسی صورت میں جب وہ مشین کی یادداشت میں ڈالا گیا ہو اور مشین کی شناخت کا بٹن آن ہو۔ بٹن آف کر دو تو کچھ پتا نہیں چلتا۔" میرے لیے وہ نئی اطلاع تھی۔

"اور اگر مشین کی میموری میں غلط نمبر ڈال دیا جائے تو وہ وہی بھیج دے گی؟" میں نے اپنی معلومات میں اضافے کی نیّت سے سوال کیا۔

"بالکل! تم اپنی مشین سے ایسا پیغام بھیج سکتے ہو جو میری مشین سے بھیجا ہوا معلوم ہوگا بلکہ تم غلط کوڈ وغیرہ استعمال کر کے ایسا مقامی پیغام بھیج سکتے ہو جو امریکا سے آیا ہوا معلوم ہوگا۔ مشینیں کیسی ہی غضب کی کیوں نہ ہوں انسان کے اشاروں کی غلام رہتی ہیں۔ اسی وجہ سے تجارتی اور بینکاری کے معاملات میں فیکس کو اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جاتا جب تک کوئی مستند ضمانت میسر نہ ہو۔"

"تم میرے لیے اس پیغام کی ایک فوٹو کاپی رکھ لینا۔" میں نے کہا۔ "اگر ظفر اصل لینے کے لیے آجائے تو وہ اسے دے دینا۔ یہ پیغام اہم معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ظاہری الفاظ کی آڑ لے کر کچھ اور کہنے کی کوشش کی گئی ہو۔ وہ کاغذ دیکھنے کے بعد ہی اصل بات کا اندازہ ہو سکے گا۔"

"میں رکھ لوں گا۔" اس کی سعادت مندانہ آواز ابھری۔ "تو تم کل ویرا کے ساتھ آ رہے ہو نا؟"

"اچانک مجھے یاد آیا کہ میں اگلی صبح کراچی روانہ ہونے کا ارادہ کر چکا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ "میں آؤں یا نہ آؤں ویرا ضرور آئے گی لیکن یہ یاد رکھنا کہ وہ خوبصورت اور ذہین ہونے کے ساتھ ہی مردمار بھی ہے۔ غصہ آجائے تو کسی کا بھی لحاظ کیے بغیر ہاتھ چھوڑ بیٹھتی ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں اسے غصہ دلانے والی بات نہیں کروں گا۔" وہ خوش ہو گیا۔

"اور ہاں! اسے وہ نمبر بھی دے دینا جن سے ظفر رابطہ کرتا رہا ہے۔"

"تھوڑی سی محنت کرنی پڑے گی۔ لیکن خیر، میں نمبر بھی دے دوں گا۔" وہ فراخ دلی پر آمادہ تھا۔

میں نے فون بند کر دیا۔

"وہ کرنل جیسی جونز کا پیغام بھی ہو سکتا ہے۔" میری بات سن کر ویرا پُرجوش لہجے میں بولی۔ "لیکن تم نے اُس سے میری آمد کا وعدہ کیوں کر لیا؟ میں تمہارے ساتھ کراچی واپس جاؤں گی۔"

"میرے ساتھ غزالہ کی مجبوری ہے۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "جب میں اسے بتاؤں گا کہ کام ہونے کے باوجود میں تمہیں چھوڑ کر کراچی چلا آیا تو وہ خوش ہو جائے گی۔ اولیانو سے وہ کاغذات لینے ضروری ہیں۔ آخری پیغام اور پرانے نمبروں کی مدد سے بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اولیانو سے فارغ ہو کر تم رات کی پرواز سے لوٹ آنا۔"

ویرا کی آنکھیں کسی انجانے جذبے سے چمکنے لگیں۔ "تو تم مانتے ہو کہ غزالہ کو میرا اور تمہارا ایک ساتھ رہنا پسند نہیں ہے؟"

"وہ اب ایک شادی شدہ عورت ہے۔ تم خود سمجھ سکتی ہو کہ وہ اس بارے میں کیا سوچتی ہوگی۔ غنیمت یہ ہے کہ اُسے ابھی تک ہمارے مراسم کی اصل حدود کا علم نہیں ہے۔"

"اور تم ان حدود کو برقرار رکھ کر خوش ہو؟" اس نے تجسس کے ساتھ پوچھا۔

"تم یہاں آنے کے بعد خود دیکھ چکی ہو کہ میں کیا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور وہ خوش ہو گئی۔

ٹھیک نو بجے ایک سیاہ ٹویوٹا کار ہمیں لے جانے کے لیے تیار تھی۔ وہ عام نمبر پلیٹ والی ایک اچھی کار تھی جس میں ٹرانسمیٹر بھی لگا ہوا تھا۔ اول خان ڈرائیور کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔ ہم دونوں پچھلی نشست پر بیٹھ گئے جہاں دو پستول بھی موجود تھے جن کے میگزین چڑھے ہوئے تھے۔

گاڑی میں لگے ہوئے اپریٹس سے ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ گاڑی حرکت میں آنے کے بعد اول خان نے آواز بڑھا دی اور ہمیں اس نظام پر نشر ہونے والے پیغامات واضح طور پر سنائی دینے لگے۔ مختلف افراد کوڈ نمبروں کے حوالے سے ایک دوسرے کو نقل و حرکت کے بارے میں آگاہ کر رہے تھے۔

"اس آپریشن میں ہمارے علاوہ اسّی افراد شریک ہیں۔" اول خان ہمیں بتانے لگا۔ "اس وقت وہ سب سرکاری کالج کے میدان میں جمع ہو رہے ہوں گے۔ آپریشن کے آغاز کا وقت پونے دس بجے شب مقرر کیا گیا ہے۔ یہ لوگ مقررہ وقت سے صرف پانچ منٹ پہلے اپنی اپنی جگہوں پر پہنچیں گے تاکہ ہمارے حریفوں کو خبردار ہونے کے لیے زیادہ وقت نہ مل سکے۔ پونے دس بجے کمانڈو ایکشن شروع ہوگا۔ اگر ان لوگوں کو نہ روکا گیا تو زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں بساط سمٹ جائے گی ورنہ معاملہ طول پکڑ سکتا ہے۔"

"البرٹو ۔ بلیسا کے فون کے بارے میں کیا کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سات بجے اس کا فون ایکسچینج سے بند کیا جا چکا ہے۔ میں نے سات بج کر دو منٹ پر نمبر ڈائل کر کے دیکھ لیا تھا۔ اس کی لائن بے جان پڑی ہوئی تھی۔"

"شاید بجلی بھی بند کرا دی گئی ہوگی۔" ویرا نے قیاس آرائی کی۔ "معمول کی لوڈشیڈنگ کی وجہ سے یہ کام بھی آسانی سے ہو گیا ہوگا؟"

"مکمل اندھیرا ہمارے لیے نقصان کا سبب بن سکتا تھا اس لیے اس علاقے میں بجلی کی فراہمی کو یقینی بنا لیا گیا ہے البتہ اسٹریٹ لائٹس آف کرا دی گئی ہیں۔ تم دونوں کے لیے اگلی نشستوں کے نیچے دو بھری ہوئی کلاشنکوفیں رکھی ہوئی ہیں۔ ضرورت کے وقت تم آزادانہ طور پر انہیں استعمال کر سکتی ہو۔ اس آپریشن میں ہمارے آدمی او سی کوڈ کے تحت پیغامات کا تبادلہ کریں گے۔ فیلڈ میں سات اپریٹس موجود ہوں گے۔ اس گاڑی میں موجود افراد کا یا یوں سمجھو کہ میرا مکمل کوڈ او سی فور ہے یعنی آپریشن سینٹر نمبر چار۔ او سی فور کے لیے آنے والے پیغامات میرے لیے ہوں گے۔"

"او سی فور!" میں نے ہنس کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ چار کا ہندسہ تمہیں بہت پسند ہے۔ کیونکہ کراچی میں تمہارے یونٹ کو

اسٹیشن فور کہا جاتا ہے اور یہاں تم اوسی فور ہو۔"

"یہ اتفاق ہے۔ اوسی فور میرا انتخاب ہے لیکن کراچی والے یونٹ کو مرکزی کمان کی طرف سے نام دیا گیا ہے۔ اس میں میری مرضی یا پسند کا کوئی دخل نہیں ہے۔" اس نے میرے مذاق کا برائے منائے بغیر کہا۔

"اگر تم ذہنی طور پر الجھے ہوئے نہ ہو تو ایک بات بتاتا چلوں؟" میں نے موقع غنیمت جان کر پوچھا۔ "اس کا تعلق یواین والے اولیانو کی ذات سے ہے۔"

"ضرور۔" وہ چونک کر بولا۔ "اس بے چارے کو تو میں بالکل ہی بھولا ہوا ہوں۔"

"وہ بے چارہ نہیں، بہت ٹیڑھا آدمی ہے۔ البرٹو اسے اس کی رنگین مزاجی کی بنا پر بلیک میل کر کے اس کا دفتر استعمال کرتا رہا تھا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

مجھے اندازہ تھا کہ ہم لوگوں کے پاس بہت کم وقت رہ گیا ہے اس لیے میں نے اولیانو کی پوری کہانی چند منٹ میں ہی پوری کرلی۔

"میں حیران ہوں کہ اس بار تم نے جہاں بھی ہاتھ ڈالا ہے، وہاں سے کامیاب و کامران ہو کر لوٹے ہو۔" اس نے تحیّر زدہ آواز میں کہا "سب سے اہم بات یہ ہے کہ تم نے اولیانو سے آخری ٹیلکس کی نقل اور البرٹو کے استعمال میں رہنے والے فیکس نمبر لینے کا بندوبست کرلیا ہے۔ ان چیزوں کے ذریعے ہم کو البرٹو و۔ یلیسا کے کرتوتوں سے زیادہ بہتر واقفیت حاصل ہو سکے گی۔"

"مجھے شبہ ہے کہ فیکس پر آنے والا پیغام کرنل جیسی جونز کا ہوگا" ویرا نے اپنی بات دہرائی۔ "ہو سکتا ہے کہ اس پیغام کے حروف کو گھٹا بڑھا کر کوئی پوشیدہ پیغام بھی دیا گیا ہو۔"

"ہمارے پاس کرپٹوگرافی کے ماہرین بھی ہیں۔ پیغام تو ذرا سی دیر میں پڑھ لیا جائے گا۔"

میں کچھ بولتے بولتے خاموش ہوگیا کیونکہ اس بار اپریٹس پر اول خان کے لئے پیغام آرہا تھا۔

"اوسی ون کالنگ اوسی فور...... ساری نفری مقررہ مقام پر پہنچ چکی ہے۔ میں نے سب کی ٹرن آؤٹ چیک کرلی ہے۔ جوان پوری طرح تیار ہیں۔ مورال بہت اونچا ہے۔ ہم ساڑھے نو بجے یہاں سے نکلنا شروع کریں گے تاکہ مقررہ وقت پر سب اپنی اپنی جگہوں پر ہوں..... اوور!"

اچانک میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا اور میں اپنی جگہ پر سن ہو کر رہ گیا۔ مجھے ٹریڈ لائن کے دفتر پر ہونے والی کارروائی یاد آگئی تھی جس کا راز محض ایک ٹرانسیٹر کی وجہ سے سیٹھ حبیب جیوانی پر افشا ہوگیا تھا۔ حبیب جیوانی کا پولیس کے محکمے سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن ایک عیاش افسر کی بددیانتی کی وجہ سے وہ اہم مواصلاتی آلہ اُس کی تحویل میں چلا گیا تھا کہ البرٹو و۔ یلیسا ایک مدت تک اسپیشل ٹاسک فورس میں افسری کرتا رہا تھا۔ اگر وہ بھی ایسے ہی کسی اپریٹس پر قابض تھا تو ہماری وہ تمام مشق بے سود تھی۔

وہ اپنا اپریٹس آن کر کے پوری کارروائی کا ایک ایک لفظ سن سکتا تھا۔

"کہاں غائب ہو؟" اول خان کی تیز آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ میری غائب دماغی کے دوران میں اپنی بات مکمل کر کے فارغ ہو چکا تھا اور مجھ سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔

"اگر یہ اپریٹس البرٹو و۔ یلیسا کے پاس بھی ہے تو...." میں نے اسے اپنی فکرمندی کے سبب سے آگاہ کرنا چاہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔

"مومن ایک سوراخ سے اتنی جلدی دوبارہ نہیں ڈسا جاتا۔ مجھے ٹریڈ لائن والا تلخ تجربہ یاد تھا۔ البرٹو ایک نہیں بلکہ تین مختلف اپریٹس اپنے ساتھ لے گیا ہے اور ان کا استعمال ترک کر دیا گیا ہے۔ آج کل ہم آرمی والوں سے مستعار لئے ہوئے سسٹم سے کام چلا رہے ہیں۔ اس کے فرشتوں کو بھی ہمارے عزائم کی بھنک نہیں مل سکے گی۔ مجھے خوشی ہے کہ تم ہر بات پر گہری نظر رکھ رہے ہو۔ یہ سب ہماری خوش بختی اور البرٹو و۔ یلیسا کی تباہی کی علامات ہیں۔ آگے کا بندوبست اولیانو کر دے گا۔ اگر وہ پیغام کرنل جیسی جونز کا ہی ہے تو وہ پاکستان میں قدم رکھتے ہی پکڑ لیا جائے گا۔ ابھی اتوار میں کئی دن باقی ہیں۔ غیرملکی فضائی کمپنیوں کی تمام بین الاقوامی پروازیں صرف کراچی میں اترتی ہیں۔ ہم اس ہوائی اڈے پر اپنی تمام توجہ مرکوز کر کے کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔"

وہ ان دنوں کی بات ہے جب پاکستان کے دوسرے شہروں سے بین الاقوامی پروازوں کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا اور سارا ٹریفک صرف کراچی سے گزرتا تھا۔

دس بجنے سے پچیس منٹ پہلے ہم مری روڈ پر سیٹلائٹ ٹاؤن کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"اگلی سڑک سے گاڑی بائیں طرف موڑ کر تیسری گلی کے نکڑ پر لگے ہوئے درخت کے نیچے روک لو!" اول خان نے ڈرائیور کو اس طرح ہدایات دیں جیسے وہاں کا چپہ چپہ اس کا دیکھا بھالا ہو۔ میں حیران رہ گیا۔

جوں ہی گاڑی اُس کے بتائے ہوئے سنسان مقام پر رکی، وہ "ابھی آتا ہوں" کہہ کر گاڑی سے اترا اور تیزی کے ساتھ اگلی گلی میں گھستا چلا گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کے شہری لباس میں ایک پستول اور اس کے تین فاضل میگزین سے زیادہ اور کچھ لے جانے کی گنجائش نہیں تھی۔

وقت بہت دھیمے گزرتا رہا اور میرے دل کی دھڑکنیں بار بار بے ترتیب ہوتی رہیں۔ میں البرٹو و۔ یلیسا کی کمین گاہ کے قرب وجوار میں رونما ہونے والے حالات کا نقشہ اپنے ذہن میں جمانے کی کوشش کررہا تھا لیکن اس وقت تک، سب کچھ اتنا غیریقینی تھا کہ میرے ذہن میں ادھورے نقشے بنتے اور بگڑتے رہے۔

"اوسی تھری! ایڈوانس! اپوزیشن لو! اوور" ڈیش بورڈ کے

خانے میں رکھے ہوئے ایرپیس سے اوسی ون کی مرتعش اور ہیجان آمیز آواز ابھری۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو دس بجنے میں اکیس یا بائیس منٹ باقی تھے۔

لمحہ بھر بعد فضا کسی طاقت ور انجن کی غضبناک غراہٹ سے لرز اٹھی۔ ایک سمت سے دھول کے مرغولے اڑاتا ہوا' ایک ٹرک نمودار ہوا اور نہایت خطرناک تیز رفتاری کے ساتھ پانچویں گلی میں گھستا چلا گیا۔ تقریباً فوراً ہی اس کے انجن کی آواز معدوم ہوگئی۔ میں یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ ٹرک روک دیا گیا تھا یا انجن بند کرکے اپنے ہی زور میں خاموشی سے آگے بڑھتا چلا جارہا تھا۔

"ہرپارٹی اپنی اپنی پوزیشن دے..... اوور!" اوسی ون پر حالات کے دباؤ کی وجہ سے دورے کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس وقت میری رسٹ واچ میں دس بجنے میں بیس منٹ باقی تھے یعنی سب لوگوں کا پوزیشن پر موجود ہونے کا وقت ہوچکا تھا۔

"اوسی ٹو..... آن ٹارگٹ' سر! اوور۔" باری باری پیغامات آنے لگے۔ ان آوازوں میں ڈسپلن اور ہیجان کا اس قدر عجیب امتزاج تھا کہ مجھے فضا یک بیک گمبھیر ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اول خان بدستور غائب تھا۔ پتا نہیں وہ کہاں اور کس فراق میں گیا تھا۔

"آوازوں کے اس ہیجان خیز سیلاب میں میرے لئے یہاں بیٹھے رہنا دشوار ہورہا ہے۔" میں نے ویرا کے کان میں کہا "میرے اعصاب چٹخنے لگے ہیں۔ میں آگے جارہا ہوں۔"

ویرا نے سختی کے ساتھ میرا ہاتھ پکڑلیا۔ "پاگل نہ بنو! ان میں سے ہر ایک اپنی طے شدہ پوزیشن پر ہے۔ اول خان نے اپنی پوزیشن کا بھی تعین کرلیا ہوگا۔ تم کہاں جاؤ گے؟ ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں اپنوں کی ہی کسی بھٹکی ہوئی گولی کا نشانہ بن جاؤ۔ میں بھی مضطرب ہورہی ہوں لیکن ہمارے لئے یہیں بیٹھے رہنا بہتر ہے۔"

اس وقت مجھے دھیان آیا کہ میں نے اول خان کے پاس موجود نقشوں میں دلچسپی نہ لے کر' اپنے اوپر بڑا ظلم کیا تھا۔ وہ سارا دن دفتر میں کاغذات اور نقشوں میں سر کھپاتا رہا تھا۔ شاید اس نے اپنے آدمیوں سے اس علاقے کا سروے کرانے کے بعد نقشوں پر ہر درخت' کھمبے' مکان اور گٹر تک کے نشانات لگا لیے تھے اور اپنے آدمیوں کو ان ہی نشانیوں کے سہارے ان کی جگہیں سونپی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اس علاقے میں قدم رکھے بغیر' اپنے ڈرائیور کو بائیں موڑ کے بعد تیسری گلی کے نکڑ پر لگے ہوئے درخت کا حوالہ دے کر مجھے حیران کردیا تھا۔ مجھے کہیں پڑھی ہوئی بات بھی یاد آگئی جس کے مطابق' فنونِ حرب میں جنگی نقشہ نویسی اور نقشہ خوانی کی کلیدی اہمیت تھی۔ ان پر عبور حاصل کئے بغیر کوئی افسر اپنے سپاہیوں کو کامیابی سے نہیں لڑا سکتا تھا۔

میں نے وہ سب سوچتے ہوئے بھی' رسٹ واچ کو مسلسل اپنے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اس کی سیکنڈ کی سوئی کا ہر جھٹکا مجھے اپنے دماغ پر ہتھوڑا مارتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

اس علاقے میں سب ہی بڑے بڑے مکانات تھے اور لوگ اپنے وسیع و عریض گھروں میں محدود رہنے کے عادی معلوم ہوتے تھے۔ اس لئے باہر کوئی بھیڑ بھاڑ نہیں تھی لیکن لوگوں کی آمدورفت کا بالکل موقوف ہونا میرے لئے حیران کن تھا۔ ایس ٹی ایف والوں کی پیشگی بھاگ دوڑ کے بغیر لوگوں کا دور رہنا قرین قیاس نہیں تھا یا پھر پنڈی والوں کے حساب سے اس موسم میں پونے دس بجے کا وقت سوجانے کا ہوتا تھا۔

تاریک گلیوں اور خوابناک روشنیوں میں لپٹے ہوئے مکانات کے درمیان ہونے والے' اس پُراسرار کھیل نے خاصا ڈراؤنا سماں باندھا ہوا تھا۔ ٹھیک پونے دس بج گئے لیکن فضا پر وہی بھرپور سناٹا چھایا رہا جس کی شاید اپنی ہی ایک گونج تھی لیکن چند سیکنڈ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ فضا کسی خود کار رائفل کی گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے لرز اٹھی۔ فضا میں ایک کربناک چیخ گونجی۔ اس کے معدوم ہونے سے پہلے یک بیک وقت کئی رائفلیں چلیں اور ان فائروں کے نتیجے میں ابھرنے والی دلدوز چیخ' گولیوں کے ہولناک دھماکوں میں دب کر رہ گئی۔ میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ وہ آوازیں بہت دور کی نہیں تھیں۔ میں جائے واردات پر موجود نہ ہونے کے باوجود' اپنے تجربے کی بنا پر اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ دو فریقوں کا تصادم تھا۔ ایک جانب سے خود کار کلاشنکوف کی باڑھ ماری گئی جس نے کسی کو چاٹ لیا پھر رائفلیں استعمال کی گئیں اور انہوں نے بھی کسی کی زندگی کا چراغ گل کردیا۔ رائفلوں والے یقینی طور پر اول خان کے آدمی تھے۔ تصادم کا مطلب تھا کہ البرٹو بیلیسا غافل نہیں تھا اور وہ مقابلہ طول پکڑنے والا تھا۔ فائرنگ تھم چکی تھی لیکن اس کے ردِعمل میں کئی مکانوں سے خوف زدہ چیخیں ضرور ابھری تھیں۔

"اوسی ٹو کا ایک آدمی اسٹون پوائنٹ کے ساتھ زخمی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالو!" وہ شاید اوسی ٹو یونٹ کے سربراہ کی آواز تھی اور وہ کمانڈو یونٹ تھا۔

"اوسی فور کی گاڑی پوائنٹ تھری پر لے آؤ۔" اس بار اول خان کی آواز سنائی دی تھی۔ اس کے ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی تیزی سے آگے بڑھائی اور پانچویں گلی میں لیتا چلا گیا۔ اول خان کہہ رہا تھا "زخمی کو میری گاڑی میں فوراً اسپتال لے جاؤ' مہمان بمپر ٹو میں رکیں گے۔ ڈینی' تم سن رہے ہونا؟ اوور!"

"ہاں' لیکن سمجھ نہیں رہا۔ تمہارا ڈرائیور سمجھا دے گا۔ اوور اینڈ آل" میں نے مضمحل آواز میں جواب دے کر ایرپیس کا بٹن چھوڑدیا۔ سیاہ کار کے ہیڈ لیمپس بدستور تاریک تھے۔

"تم اس ٹرک میں رکو گے!" ڈرائیور نے کردلا ایک مہیب اور خاموش ٹرک کے قریب روکتے ہوئے کہا۔ ہم دونوں ہی خاموشی سے نیچے اتر گئے اور کار تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

ایک کمانڈو کے زخمی ہونے کی خبر افسوسناک تھی۔ پیکار میں

مصروف لوگ، اندازے سے اسے زخمی کہہ رہے تھے لیکن کون کہہ سکتا تھا کہ وہ کسی طبی امداد کے انتظار میں واقعی زندہ بھی تھا!

ہم دونوں اونچے ٹرک کے کیبن میں چڑھ گئے۔ اسٹیئرنگ وھیل پر بیٹھے ہوئے، رائفل بردار ڈرائیور نے ہمیں کالی کار سے اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا اس لئے اس نے ہم سے کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ سیٹ کے ایک کونے میں سٹ گیا۔ ٹرک کے کیبن میں ٹرانسیٹر موجود نہیں تھا۔

کچھ دور جا کر سیاہ کار بھی رک گئی۔ اس طرف ملگجے اندھیرے میں متعدد تاریک دھبے متحرک نظر آرہے تھے۔

چند منٹ بعد آگے سے پھر فائرنگ کی آوازیں ابھریں جو ملے جلے ہتھیاروں کی تھیں۔ ان کے جواب میں کئی کلاشنکوفیں چل پڑیں۔ کلاشنکوفوں کی قہربار برسات میں دوسرے ہتھیار خاموش ہوگئے۔ کلاشنکوفیں بدستور موت کے نغمے الاپتی رہیں پھر فضا میں یکے بعد دیگرے دو چیخیں ابھریں۔ طویل اور روح فرسا انسانی چیخیں، جن میں واضح طور پر موت کی دہشت رچی ہوئی تھی۔

پھر یکلخت فضا پر غیر فطری سا سکوت چھا گیا۔ ہم دونوں بالکل خاموشی کے عالم میں اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے۔ پھر میں نے سیاہ کار کو واپس آنے کے بجائے بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے دیکھا۔ غالباً زخمی یا مردہ کمانڈو کو اس میں ڈال دیا گیا تھا اور ڈرائیور اسے اسپتال لے جا رہا تھا۔

خاموشی اور سناٹا اس وقت کاٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ طویل لمحوں کے بعد سامنے سے ایک رائفل بردار دوڑتا ہوا آیا اور اس نے ہانپتے ہوئے ہم دونوں سے مخاطب ہو کر کہا "تم دونوں آجاؤ۔ ادی فوراً بلا رہا ہے۔"

ہم دونوں ہی بے تابانہ انداز میں کیبن کا دروازہ کھول کر یکے بعد دیگرے نیچے کود پڑے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اس کشادہ گلی میں موجود ہر رکاوٹ کے پیچھے ایک مسلح سادہ پوش آدمی گھات لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ رائفل بردار کی معیت میں ہم زرد احاطے والی اس عمارت کے قریب پہنچ گئے جس کے باہر مسلح افراد کی بھاری نفری پھیلی ہوئی تھی اور ان میں اعتماد پایا جاتا تھا۔ احاطے کا آہنی پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ اندر بھی متعدد افراد رائفلیں تانے، سینے کے بل زمین سے چپکے ہوئے تھے۔ ان سب سے آگے، پختہ برآمدے میں اول خان کلاشنکوف تھامے، لڑ مرنے والے انداز میں اندر دیکھ رہا تھا۔

"آؤ!" مجھے دیکھتے ہی وہ ایک جھٹکے سے عمارت میں گھس گیا۔ "البرٹو۔ یلیسا کو دیکھ لیا گیا ہے۔ اس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا ہے۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور ہیں۔"

"اس کے باقی آدمی کہاں ہیں؟" میں نے پیش قدمی کرتے ہوئے پوچھا۔

"چار زخمی حالت میں پکڑ لئے گئے۔ ایک کا چہرہ اڑ گیا۔" اول خان کی آواز میں درندگی جھلک رہی تھی۔

ہم چند سیکنڈ میں اس بند دروازے کے سامنے پہنچ گئے جس کے ساتھ تین کلاشنکوف بردار کھڑے ہوئے تھے اور اندر سے کچھ ناقابل فہم سرگوشیانہ آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"البرٹو، دروازہ کھول دو ورنہ ہم تمہارے چیتھڑے اڑا دیں گے۔" اول خان نے اپنے ہاتھ میں موجود کلاشنکوف کا آہنی دستہ دروازے پر مارتے ہوئے غضبناک لہجے میں کہا۔

اندر مکمل خاموشی چھا گئی اور اول خان نے اپنی کلاشنکوف سیدھی کی اور اس کا سارا میگزین دروازے کے ایسے مقامات پر خالی کر دیا جہاں قفل یا بولٹ ہو سکتے تھے۔ اول خان نے دروازے کے سامنے سے ہٹ کر، اس پر زوردار ٹھوکر ماری۔ تیز چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ کھل گیا لیکن سامنے کوئی نہیں تھا۔

اول خان اپنی کلاشنکوف میں نیا میگزین لوڈ کر رہا تھا کہ اندر سے پستول کا فائر ہوا۔ ایک دردناک چیخ کے ساتھ کوئی دھماکے کے ساتھ نیچے گرا۔ پھر کسی کی ہذیانی چیخ سنائی دی۔ دوسرا فائر ہوا اور وہ چیخ بھی موت کے درد میں ڈھل گئی۔ شاید دہشت سے البرٹو کا دماغ الٹ گیا تھا اور اس نے اپنے دونوں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اب وہ اندر اکیلا رہ گیا تھا۔

ویرا نے اضطراری انداز میں چیخ کر ہسپانوی زبان میں کچھ کہا۔

"اوہ! تو تم پھر آپہنچی ہو!" اندر سے البرٹو کا ہذیانی قہقہہ گونجا۔ سب کو سنانے کے لئے اس نے اردو بولی تھی "لو، پھر میں خود ہی باہر آجاتا ہوں۔"

وہ بالکل غیر متوقع طور پر اپنے دونوں ہاتھوں میں موجود پستولوں سے اندھا دھند گولیاں برساتا ہوا باہر نکلا۔ لوگ اوٹ میں ہونے کے باوجود اس وحشیانہ وار سے نہیں بچ سکے۔ دو بے ساختہ غراہٹیں گونجیں، ایک گولی عین میرے قدموں میں آکر لگی۔ ویرا بھی بال بال بچی اور اول خان نے صورتِ حال کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے اس درندے کو مزید خون ریزی سے روکنے کے لئے اپنی کلاشنکوف سے اس کا بدن چھلنی کر دیا۔

البرٹو۔ یلیسا کا مکروہ وجود، ایک بار فضا میں چکرایا پھر تشنج کے عالم میں پختہ فرش پر گر گیا۔ دونوں پستول اس کی گرفت سے نکل کر دور جا گرے تھے۔

اول خان دونوں ہونٹ بھینچے اسے گھورتا رہا پھر اس نے غصے سے بے قابو ہو کر، اس کے ادھڑے ہوئے چہرے پر ٹھوکر رسید کر دی۔ پھر وہ فوراً ہی ان لوگوں کی طرف مڑا جو البرٹو کے پستول سے زخمی ہوئے تھے۔

ان دونوں کے زخم معمولی تھے۔ اندھا دھند چلائی ہوئی ایک گولی نے ایک کا شانہ اور دوسری گولی نے دوسرے کی ران کا گوشت ادھیڑ ڈالا تھا۔ کوئی گولی کسی کے جسم میں پیوست نہیں ہوئی تھی۔

"قیدیوں اور لاشوں کے ساتھ واپسی کی تیاری کرو!" اول خان نے دونوں زخمیوں کو دلاسا دینے کے بعد ایک اپرنیٹس بردار

شخص سے کہا "مکان کو سیل کرانے کے بعد تین آدمی یہاں چھوڑ دو۔ واپسی میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔ فائرنگ بند ہونے کے بعد لوگ گھروں سے باہر نکلنے شروع ہو جائیں گے۔"

وہ شاید ادسی دن یا اول خان کا نائب تھا۔ اس سے فارغ ہو کر اول خان ہم دونوں کو زینوں کے راستے چھت پر لے گیا۔ وہاں ایک بگڑی ہوئی بلکہ ڈراؤنی لاش پڑی ہوئی تھی۔ شاید اس کے چہرے پر بیک وقت کئی گولیاں لگی تھیں جنہوں نے اس کا پورا چہرہ اڑا دیا تھا۔ خون آلود گردن کے اختتام پر بس کچھ چھیچھڑے جھول رہے تھے جنہیں چہرے کا نام دیا جا سکتا تھا۔

"اس شخص نے ہمیں سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔" اول خان کی آواز دل گرفتہ ہو گئی۔ "خدا کرے کہ بٹ صرف زخمی ہوا ہو۔ وہ میرے بہترین آدمیوں میں سے ہے۔"

"یہ یہاں چھت پر کیا کر رہا تھا؟" ویرا نے متاسفانہ حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"یہ شاید اپنے معمول کے مطابق چھت پر چھپ کر عمارت کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ جب مقررہ وقت پر کمانڈو دیوار پھاند کر اندر کود رہے تھے تو اس نے ان میں سے کسی ایک کو دیکھ لیا اور اس پر پورا برسٹ خالی کر دیا۔ میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن سنا ہے کہ اس کے پورے بدن میں گولیاں لگی ہیں۔ وہ گرتے ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس شخص کے فائر کرتے ہی میرے دوسرے آدمیوں نے دیوار سے اوپر ابھرا ہوا اس کا چہرہ دیکھ لیا۔ یہ نشانہ لینے کے لئے اوپر اٹھنے پر مجبور تھا پھر اس پر بیک وقت کئی رائفلیں فائر ہوئیں اور یہ جہنم واصل ہو گیا۔"

ہم تینوں بوجھل قدموں کے ساتھ نیچے آئے تو اس قلیل سی مدت میں وہاں سے سب کچھ سمیٹ لیا گیا تھا۔ البرٹو ۔ یلیسا کی لاش بھی غائب ہو چکی تھی۔ ہمارے نیچے آتے ہی ایک آدمی اوپر والی لاش کی طرف دوڑ گیا۔ مسلح افراد سے بھری ہوئی اس عمارت میں ہم تینوں کے علاوہ صرف چار نفوس باقی رہ گئے تھے۔

ہماری روانگی سے پہلے ہی، اوپر جانے والا بغیر سر کی لاش کو اپنے کندھے پر لاد کر تیزی کے ساتھ پھاٹک کی طرف چل دیا تھا۔ اس طرح وہاں صرف وہی تین آدمی رہ گئے تھے جنہیں عمارت کی نگرانی کرنی تھی۔

ان تینوں کو بریفنگ دینے کے بعد اول خان شکست خوردہ انداز میں ہمارے ساتھ واپس چل دیا۔

"تم افسردہ کیوں ہو؟ بٹ زندہ ہو گا۔" میں نے اسے دلاسا دینا چاہا۔

اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیر رہی تھی۔ اس نے گلوگیر آواز میں کہا "خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ میں نے کلاشنکوف کا پورا برسٹ کھانے والوں کو بہت کم زندہ بچتے دیکھا ہے۔"

"تمہارے یہ تین آدمی یہاں ناکافی رہیں گے۔" چند ثانیوں کے بعد ویرا نے اسے ایک معقول بات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا "تھوڑی دیر بعد یہاں مشتعل تماشائیوں کی بھیڑ جمع ہونی شروع ہو گی تو تمہارے تین آدمی ان کو نہیں سنبھال پائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں بلوہ......"

"پولیس آ رہی ہے۔ میری گاڑی پولیس کی آمد کے بعد ہی یہاں سے روانہ ہو گی۔" اس نے بات کاٹ کر کہا "ہم لوگ غیر ضروری طور پر پبلک میں آنا پسند نہیں کرتے۔"

اس کی زبان سے گاڑی کا ذکر سن کر میں نے اسے یاد دلانا چاہا کہ اس کا ڈرائیور زخمی کمانڈو کو لے کر اسپتال گیا ہوا ہے لیکن پھر میں خاموش ہی رہا۔ اس دل گرفتہ ماحول میں ذرا ذرا بات پر چھیڑ چھاڑ کچھ مناسب نہیں تھی۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ اسی ٹرک سے واپس جانے کا ارادہ رکھتا تھا جسے اس نے ہمپرٹو کا نام دیا تھا۔ اس ٹرک کے عقبی حصے میں اول خان کے مسلح آدمیوں کے ساتھ ہی قیدی بھی تھے اور دو عدد لاشیں بھی۔

ہمارے وہاں پہنچنے تک پولیس کی دو گاڑیاں سائرن بجاتی ہوئی آ پہنچیں۔ انہوں نے ہم لوگوں سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ نہ ہی اول خان نے انہیں بریف کرنے کی کوئی ضرورت محسوس کی۔ ان کے آگے نکلتے ہی ہم تینوں بھی ٹرک کے کیبن میں پھنس کر بیٹھ گئے اور ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔

البرٹو ۔ یلیسا جو ہم سب کے لئے ایک ڈراؤنا آسیب بن کر رہ گیا تھا، اس وقت مُردہ حالت میں ہماری تحویل میں تھا لیکن میرا ذہن ان واقعات میں الجھا ہوا تھا جن کا آغاز اس کی عبرتناک موت کے بعد ہونا تھا۔ اول خان شاید مسلسل بٹ ہی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا اور ویرا جو بدترین حالات میں بھی قہقہے لگانے پر قادر تھی، مجبوراً خاموش تھی۔

ہم تینوں اپنے اپنے خیالات میں گم اور خاموش تھے۔ ماحول بوجھل اور سوگوارانہ تھا۔ ایک بڑا مقابلہ جیتنے کی جو خوشی ہونی چاہئے تھی، وہ یکسر مفقود تھی اور ٹرک تیز رفتاری کے ساتھ اسلام آباد کی طرف سفر کر رہا تھا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات بارہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

حصہ 12

ایک نوجوان کی خود نوشت جوانوں کے ہاتھوں برباد ہوکر
منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ اُن نوجوانوں کی داستانِ عبرت جن کی پرورش
رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ زر پرستوں کا احوال جنھیں سونے چاندی کی خیرہ کُن
چمک نے بینائی سے محروم کردیا تھا۔ موت کے اُن سوداگروں کا ماجرا جو اپنے
بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں زہر پلا رہے ہیں۔

سسپنس کا ایک تعمیری سلسلہ، مدہوشوں کی کہانی، ہوشمندوں کی عبرت کے لیے

اس ٹھکانے پر البرٹو و یلیسا کے ساتھ سات مقامی افراد موجود تھے۔ اُن میں سے چار زخمی حالت میں پکڑے گئے تھے۔ ایک اس عمارت کی چھت پر مارا گیا تھا۔ بقیہ دو افراد آخری مرحلے پر البرٹو کے ساتھ ایک کمرے میں محبوس تھے اور اس نے خود ہی فائرنگ کرکے انہیں ٹھکانے لگانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ دونوں ہی کاری زخم کھانے کے باوجود زندہ تھے البتہ اُن کے زخموں سے خون بہت تیزی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔

بمپرٹو نامی دیوہیکل ٹرک' اسلام آباد میں اسپیشل ٹاسک فورس کے ٹھکانے پر رکا تو اس کے عقبی حصے سے اترنے والوں نے بتایا کہ البرٹو کے ہاتھوں زخمی ہونے والے دونوں قیدیوں نے راستے میں دم توڑ دیا تھا۔ اس طرح البرٹو و یلیسا سمیت' مرنے والوں کی تعداد چار ہوگئی تھی جب کہ چار زندہ قیدی موجود تھے۔

کمانڈر نے نہایت تپاک کے ساتھ ہم لوگوں کا استقبال کیا کیونکہ ہم لوگوں نے اس کی توقع سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ البرٹو کا کھوج لگا کر اسے نیست و نابود کردیا تھا لیکن جب اوّل خان نے اسے بٹ نامی کمانڈو کے بری طرح زخمی ہونے کے بارے میں بتایا تو وہ بھی اداس اور دل گرفتہ ہوگیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے زخمی کمانڈو اسپیشل ٹاسک فورس میں اپنی بے جگری کی وجہ سے ہر ایک کا منظورِ نظر رہا ہو۔

زندہ قیدیوں کو وہیں اتار لیا گیا۔ لاشیں اسی ٹرک کے ذریعے اسپتال روانہ کرنے کا پروگرام تھا۔ کمانڈر ہم دونوں کے ساتھ ٹرک کے عقبی حصے میں چڑھ گیا تاکہ اپنی نگاہوں سے لاشوں کا جائزہ لے سکے۔

ٹرک کے آہنی فرش پر کافی خون پھیلا ہوا تھا۔ بعض جگہوں پر اس نے سیاہی مائل لوتھڑوں کی شکل اختیار کرلی تھی' بغیر چہرے والی لاش تو بھیانک تھی ہی لیکن البرٹو و یلیسا کا چہرہ بھی بری طرح مسخ ہوکر رہ گیا تھا۔ کمانڈر نے خاص طور پر اس کے دونوں ہاتھوں کا جائزہ لیا اور بے اختیار اس کے ہونٹوں سے ایک گہرا سانس آزاد ہوگیا کیونکہ البرٹو کی دونوں ہتھیلیوں کی پشت اور کلائی کے نچلے جوڑ کی جلد پر عملِ جراحت کے بہت باریک سے نشانات واضح طور پر نظر آرہے تھے۔

"ہم عمر بھر اس پر شبہ بھی نہیں کرسکتے تھے۔" کمانڈر نے میری پشت پر ہاتھ رکھ کر' بوجھل آواز میں کہا۔ "پتا نہیں ان سفاک مجرموں نے بے چارے ظفر کو کیسی کیسی اذیتیں دے

کمارا ہوگا۔"

میں خاموش ہی رہا۔ ہم تینوں ٹرک سے نیچے اتر آئے اور اوّل خان کی ہدایت پر چھ آدمی لاشوں کے ساتھ اسی ٹرک پر روانہ ہوگئے۔

اوّل خان اس آپریشن کی رسمی رپورٹ تیار کرنے کے لئے کمانڈر کے ساتھ اس کے دفتر میں چلا گیا اور میں ویرا کے ساتھ عمارت کے رہائشی حصے میں لوٹ آیا جہاں ہمارا قیام تھا۔

"البرٹو بھی آخر کار اپنے انجام کو پہنچ ہی گیا۔" ویرا نے تھکے ہوئے انداز میں کہا "رفتہ رفتہ یہ بات ثابت ہوتی جا رہی ہے کہ کسی بھی ملک کے قانون سے لڑنے والے لمبی مدت کے لئے نہیں پنپ سکتے۔ قانون کے محافظوں کے ساتھ آنکھ مچولی کا کھیل طویل تو ہو سکتا ہے لیکن آخر کار جیت قانون ہی کی ہوتی ہے۔"

"یہ تو بہت پرانا کُلیہ ہے۔ حیرت ہے کہ بات اب تمہارے پلّے پڑ رہی ہے!" میں نے کہا "اردو میں مشہور کہاوت ہے کہ سو دن چور کے، ایک دن کوتوال کا۔ اور وہی دن چور کو لے ڈوبتا ہے۔"

"ہر شخص کو ہر کہاوت کی سچائی کا ثبوت آسانی سے نہیں ملتا۔" وہ مضمحل سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی "تم البرٹو ویلیسا پر اپنا محاورہ چست کر رہے ہو لیکن اس کے آدمیوں کے ہاتھوں بری طرح زخمی ہونے والے کمانڈو کو کہاں لے جاؤ گے؟ وہ کسی بھی اعتبار سے مجرم نہیں تھا۔ اسے زندہ رہنا چاہئے تھا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ وہ جانبر نہ ہو سکے گا۔ اپنے مقصد کی سچائی کے باوجود وہ خسارے میں رہا۔"

"یہ تمہارا فلسفہ ہو سکتا ہے مگر مجھے اس سے اختلاف ہے۔ اس نے اپنے خون سے ایک مقصد اور مشن کی آبیاری کر کے دوسروں کے لئے مثال قائم کی ہے۔ وہ مر بھی گیا تو اس کا نام عزت اور احترام سے لیا جائے گا۔ تم اسے البرٹو کی صف میں شمار نہیں کر سکتیں۔"

ویرا اچانک مسکرانے لگی۔ "تم لوگوں نے موت کو بھی بہت سے خانوں میں بانٹا ہوا ہے۔ حرام موت، ذلت کی موت، بے مقصد موت، باعزت موت اور پھر شہادت! تمہارے مذہب میں لڑنے مرنے والوں کے لئے بھی ایک ایسا ہی اچھوتا اعزاز رکھا گیا ہے کہ مسلمان سپاہی موت سے بے خوف ہو کر، شہادت کی آرزو میں بس لڑتا ہی چلا جاتا ہے۔ جدید ہتھیاروں وغیرہ کو نکال لیا جائے تو شاید آج بھی بہترین جنگجو سپاہی مسلمان خطوں سے ہی ملتے ہیں ورنہ حقیقت صرف اتنی سی ہے کہ مرنے والا مرجاتا ہے۔ اس کے لیے زندگی ایک بھولا ہوا سا خواب بن کر رہ جاتی ہے۔ موت کے بعد اسے کس نام سے پکارا جاتا ہے، اس سے موت کی اٹل حقیقت میں ذرا سی بھی تبدیلی نہیں آتی......"

"مجھ سے اس موضوع پر بحث نہ کرو" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "میں بہت زیادہ باعمل مسلمان نہیں ہوں لیکن پھر بھی میں اس بارے میں بے تکان تقریر کر سکتا ہوں۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہارے شی سے منحرف ہونے میں بھی اسی بات کا دخل رہا ہو؟"

"کس بات کا؟" اس کا مفہوم واقعی میرے پلّے نہیں پڑ سکا تھا۔

"ہیروئن فروش کی موت تمہارے معاشرے میں کسی عزت واحترام کی حق دار نہیں ہوتی۔"

"تم بلاوجہ بات سے بات پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میرے انحراف کی وجوہ بہت مختلف اور ٹھوس تھیں۔ تم خود بھی ان کے جواز کی قائل تھیں۔ اگر جی لائیڈ کے قول وفعل میں متعصبانہ تضاد سامنے نہ آتا تو شاید میں آج بھی اسی کے لئے کام کر رہا ہوتا۔"

"تم بعض اوقات ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو جاتے ہو۔" وہ دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ بولی "اسی لئے کبھی کبھار تمہیں خواہ مخواہ چڑانے میں لطف آتا ہے۔"

البرٹو ویلیسا کا نام جس زور وشور کے ساتھ ہم لوگوں کے سامنے آیا تھا، اس کا قصہ اسی قدر اچانک نمٹ گیا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اوّل خان اسے زندہ گرفتار کرنے کی حسرت پوری نہ کر سکا۔ حالات نے اچانک ہی ایسا موڑ لیا کہ اوّل خان اس کے ناپاک وجود پر اپنی کلاشنکوف کا میگزین خالی نہ کرتا تو وہ اسپیشل ٹاسک فورس کے، نہ جانے کتنے آدمیوں کو ہلاک اور زخمی کر ڈالتا۔

اس بارے میں اب صرف دو نکات قابلِ غور رہ گئے تھے۔ اول یہ کہ اولیانو کی فیکس مشین پر البرٹو کے لئے آنے والے مبہم سے پیغام کا اصل مقصد کیا تھا؟ دوم یہ کہ اس کا وہ تربیت یافتہ بندر کہاں تھا جو اولیانو کے دفتر کے ویران مضافات میں مقابلے کی رات زندہ بچ گیا تھا؟ اس رات وہاں

دو بندر دیکھے گئے تھے ۔ ایک کو میں نے مار ڈالا تھا جب کہ دوسرا غائب ہوگیا تھا۔ اس بندر کے ہاتھ نہ آنے کا مطلب تھا کہ البرٹو' سیٹلائٹ ٹاؤن والے مکان کے علاوہ کسی اور ٹھکانے پر بھی قابض تھا جہاں وہی ایک نہیں بلکہ دوسرے تربیت یافتہ اور زیر تربیت بندر موجود ہوسکتے تھے۔

مجھے اس بارے میں قیدیوں سے کوئی امید نہیں تھی۔ البرٹو ویلیسا ایسا کچا مجرم نہیں تھا جو غیر ضروری طور پر' مقامی بدمعاشوں کو اپنے اصل مقاصد کی ہوا لگنے دیتا۔ اس نے یقینی طور پر محدود مقاصد کے لئے ان کی خدمات حاصل کی ہوں گی اور وہ بدترین تشدد کے باوجود اس سے آگے کی بات بتانے سے قاصر ہوتے۔

وہ پنڈی اور اسلام آباد کی الجھنیں تھیں جو البرٹو ویلیسا کا پتا صاف ہونے کے بعد ثانوی حیثیت اختیار کرگئی تھیں اور کراچی کے معاملات میرے ذہن میں ڈنک مارنے لگے تھے۔

اول خان کے فرض شناس آدمیوں نے ہدایت ملتے ہی ان مشکوک اور مسلح افراد کو مار بھگایا تھا جو غزالہ اور سلطان شاہ کا تعاقب کرکے انہیں ہراساں کررہے تھے۔ اس کامیابی کے باوجود وہ لوگ ان دونوں کی نگرانی کررہے تھے لیکن میرے لئے اس دھمکی کو یکسر فراموش کردینا ناممکن تھا جو غزالہ کو اغوا کرکے علاقہ غیر میں فروخت کردینے کے بارے میں دی گئی تھی۔ صورتِ حال کی نزاکت کا تقاضا تھا کہ میں جلد از جلد کراچی پہنچ کر ان دہشت گردوں کے مطالبات سے واقف ہونے کی کوشش کروں تاکہ کوئی ناگوار واقعہ پیش آنے سے پہلے اس کا تدارک کیا جاسکے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ خبر بھی تشویشناک تھی کہ کوئی چینی جوڈون کوانگ فوکا گرگا تھا' میرے بارے میں متجسس ہوچکا تھا۔

میں اپنے انہی خیالات میں گم تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک کے بعد اول خان اندر آگیا۔ اس کے پیچھے ہی ایک آدمی بھاپ اڑاتی ہوئی' گرم گرم چائے کی پیالیوں کی ٹرے لئے موجود تھا۔

"میرا خیال تھا کہ اس بھاگ دوڑ کے بعد تم دونوں چائے کی ضرورت محسوس کررہے ہوگے۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ کہا۔

اس کا آدمی چائے کی ٹرے تپائی پر رکھ کر باہر چلا گیا تو میں نے کہا "چائے سے زیادہ تمہاری ضرورت محسوس ہورہی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم بہت زیادہ تھک گئے ہو۔"

"تھکا نہیں ہوں' میرا بس چلتا تو آج البرٹو ویلیسا کے خاتمے کی خوشی میں یہاں جشن برپا کروادیتا۔۔۔۔۔"

"وہ تو اب بھی ہوسکتا ہے۔" ویرا نے اس کی بات درمیان میں سے ہی اچک لی۔ "ایک بوتل کے ساتھ اپنے کمانڈر کو یہاں لے آؤ۔ رات بھر قرب و جوار میں کوئی نہیں سوسکے گا۔ میں شرط لگا کر دعویٰ کرتی ہوں کہ اسے قوالیاں گانے پر مجبور کردوں گی۔"

"وہ بہت جہاندیدہ آدمی ہے۔ اس کا رویہ ہمیشہ اپنے منصب کے شایانِ شان رہتا ہے۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے' دھیمی آواز میں کہا "میرا مطلب جشن شراب نوشی سے نہیں بلکہ اصلی جشن سے تھا لیکن بٹ کے بری طرح زخمی ہوجانے کی وجہ سے ہر ایک کو ذہنی صدمہ پہنچا ہے۔ میں خود بھی دل و جان سے اس کی مردانگی کی قدر کرتا ہوں۔ ایسے دلیر آدمی کا یوں مار لیا جانا میرے لئے اذیت ناک ثابت ہوا تھا۔"

"اب اس کی کیا حالت ہے؟" میں نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"یہ معجزہ ہی ہے کہ اس کا اوپری دھڑ بالکل محفوظ رہا اور ساری گولیاں ٹانگوں میں لگیں۔ لیکن وہ خون اور مٹی میں اس بری طرح لتھڑ گیا تھا کہ ہمیں کوئی اندازہ ہی نہیں ہوسکا۔ اس کی داہنی ٹانگ کی دو ہڈیاں بری طرح ٹوٹی ہیں اور کمبائنڈ ملٹری اسپتال کے تین ماہر ترین سرجن کی مائیکرو سرجری میں مصروف ہیں۔ وہ بچ تو جائے گا لیکن دعا کرو کہ اسے معذوری کے عذاب سے دوچار نہ ہونا پڑے۔"

"یہ مائیکرو سرجری کیا بلا ہوتی ہے؟" ویرا نے دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔

"مجھے جو کچھ بتایا گیا ہے' اس کے مطابق ہڈی کے کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوجانے پر' ان تمام ٹکڑوں کو کسی خاص دھات کے تار یا قابلے میں پروکر' انہیں ان کے اصل مقام پر بٹھائے جانے کا عمل مائیکرو سرجری کہلاتا ہے۔" اول خان نے مدافعانہ لہجے میں بتایا۔ "اس کے لئے خاص مہارت اور احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"اس کی زندگی کی نوید نے تمہارے موڈ پر خاصا خوش گوار اثر ڈالا ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ بھی ایک اہم سبب ہے لیکن البرٹو ویلیسا کے غیر متوقع خاتمے نے خفیہ اداروں میں کھلبلی مچادی ہے۔ اس کی موجودگی کا معاملہ پوری طرح ابھرنے سے پہلے ہی اس کی لاش کی ڈرامائی اطلاع سے ہر طرف بھونچال آگیا ہے اور ہماری فورس پھر سرخرو ہوگئی ہے۔"

"ہر کام اپنے وقت پر اور اپنی رفتار سے ہوتا ہے لیکن ایسی پیشہ ورانہ رقابتیں بعض اوقات بددلی پیدا کرنے کا سبب

بھی بن جاتی ہیں۔" ویرا بولی۔ "کل تک سب اسپیشل ٹاسک فورس کے بنیادی ڈھانچے کو تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے اور آج وہ کوئی اور جواز پیدا کرکے البرٹو و یلیسا کی ہلاکت کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کریں گے۔"

"آج کوئی زبان نہیں کھول سکے گا۔" اول خان کے لبوں پر پُراعتماد مسکراہٹ رینگ آئی۔ "وزارتِ داخلہ میں اس وقت ایک ہنگامی اجلاس کرلیا گیا ہے۔ جہاں ہمارا کمانڈر، اپنے بڑوں کے ساتھ تفصیلی بریفنگ دے گا۔ میں کمانڈر کو رخصت کرنے کے بعد ہی ادھر آیا ہوں۔"

"اور وہ چاروں قیدی کہاں ہیں؟" میں نے فوراً ہی اگلا سوال داغ دیا۔

"وہ اسی عمارت میں ہیں۔ انہیں ضابطے کی پوچھ گچھ کے بعد ہی کہیں بھیجا جائے گا۔"

"تمہارے آدمیوں نے اُن پر فوراً کام شروع کردیا ہوگا۔ وہ کیا کہتے ہیں۔"

"فی الحال ان کی زبانیں بند ہیں۔ اُن کے زخموں پر پسی ہوئی مرچیں چھڑکنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ چائے پینے کے بعد انہیں دیکھیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب شہباز خان کو بھی اٹھوا لیا جائے۔" میں نے چونک کر کہا۔ "ان چاروں کے مقابلے میں وہ، البرٹو و یلیسا یا نقلی ظفر سے زیادہ قریب تھا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" اول خان اضطراری طور پر اٹھ کر کھڑا ہوا۔ "اسے البرٹو کے عبرت ناک انجام کی بھنک بھی مل گئی تو وہ روپوش ہو جائے گا۔ مجھے فوراً ہی ایک پارٹی اس کی طرف روانہ کردینی چاہئے تھی۔"

ہم تینوں اپنی پیالیاں خالی کرکے فوراً ہی اس کمرے سے نکل آئے اور اول خان کے دفتر کی طرف چل دیئے جہاں اس وقت بھی خاصی چہل پہل تھی۔

اسپیشل ٹاسک فورس کا نظام اس قدر سلجھا ہوا اور سیدھا سادا تھا کہ اول خان کو اپنے آدمیوں کو نئے مشن پر روانہ کرنے میں بمشکل دس منٹ صَرف ہوئے۔ اس کے بعد وہ ہمیں لے کر ایک اندرونی کمرے کی طرف چل دیا جہاں اس کے دو مسلح آدمی، چاروں قیدیوں کی نگرانی کر رہے تھے۔

وہ چاروں مضبوط رسیوں سے علیحدہ علیحدہ کرسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ ان کے متوحش چہروں سے خوف اور سراسیمگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ ہمارے قدموں کی چاپ سن کر ان چاروں نے ہی ہماری طرف گردنیں گھمائی تھیں پھر اُن میں سے ایک کی آنکھوں میں شناسائی کی تحیّر آمیز سی چمک نظر آئی۔ اس وقت وہ شخص میری طرف نگراں تھا اور بس مجھے ہی دیکھے جا رہا تھا۔

"اب کہو! تمہارے کیا ارادے ہیں؟" اول خان نے کمرے کے وسط میں پہنچ کر گونجیلی آواز میں کہا "ہم قیدیوں پر زیادہ محنت کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ تمہارے زخموں پر مرچیں چھڑکیں گے۔ اس پر بھی تمہیں ہوش نہ آیا تو آہنی کرسیوں سے برقی رو گزاری جائے گی اور زبان نہ کھولنے کی صورت میں یہی برقی جھٹکے تم چاروں کو اپنے مردود مالک کے پاس پہنچا دیں گے۔"

دو آدمی دہشت زدہ ہو کر اپنے ہونٹوں پر زبانیں پھیرنے لگے۔ تیسرے کی حالت میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہیں ہوئی لیکن مجھے دیکھ کر چونکنے والا چوتھا بدمعاش دھیمی آواز میں بولا "میرا خیال ہے کہ ہم لوگوں کو ایک دوسرے کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ظفر دادا تم لوگوں کی لائن کا آدمی نہیں تھا۔ تم بلاوجہ ہی اس پر چڑھ دوڑے تھے۔ اب یہ معاملہ یہیں ختم ہو جانا چاہئے۔"

"کیسی غلط فہمی؟ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟" اول خان بگڑ کر غرّایا۔

میں نے پھرتی کے ساتھ اسے روک لیا۔ "ٹھہرو! اس کی بات سن لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی کوئی دلچسپ کہانی ہو" پھر میں۔۔۔ اسی بندھے ہوئے شخص سے مخاطب ہو گیا۔ "تم جو کہنا چاہتے ہو، رکے بغیر سناتے جاؤ، ورنہ میرے ساتھی کا دماغ سنک گیا تو تمہارے ستارے گردش میں آجائیں گے۔"

"ڈینی صاب! میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "میں کئی برس پہلے کراچی میں تم سے ملا تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کراچی کے ہیرڈن گنگ ہو۔ ظفر دادا کا تمہاری لائن سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ تم بلاوجہ ہی اس بے چارے پر چڑھ دوڑے تھے۔ تمہاری نفری اور تیاری دیکھ کر ہم تم لوگوں کو سرکاری آدمی سمجھ رہے تھے اس لئے ہم نے اپنی زبانیں بند رکھی ہوئی تھیں۔ اب میں نے تمہیں پہچان لیا ہے تو ہم لوگوں کو اس مصیبت سے نجات ملنی چاہئے۔ ہم تمہیں ہر بات صاف صاف بتا دیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ ٹھیک کہتا ہے۔ اس کی بندشیں کھول دو!" میں نے براہِ راست اول خان کے آدمی سے کہا۔ اس نے استفہامیہ طلب نگاہوں سے اول خان کی طرف دیکھا اور اس کا اشارہ پاکر، مجھے پہچاننے والے قیدی کی کرسی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ زخمی قیدی، رسیاں کھلنے کے بعد لنگڑاتا ہوا کرسی سے اٹھا اور اپنا داہنا ہاتھ پیشانی تک لے جاتے ہوئے، تقریباً

ہانپتے ہوئے بولا۔ ”ڈینی صاب! تم واقعی گریٹ ہو۔ میں پھرتا رہا ہوں کہ ظفر دادا نے کبھی بھی ہیروئن کے ایک گرام کا بھی لین دین نہیں کیا تھا۔“

”پھر اس نے تم لوگوں کو کیوں پالا ہوا تھا؟“ میں نے اُن چاروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تلخی سے پوچھا۔

”اپنی حفاظت اور رازداری کے لئے‘ یہ اس کی مجبوری تھی۔ صاب! تم کو معلوم نہیں کہ وہ ہماری مدد سے کتنی بڑی قومی خدمت دے رہا تھا۔ وہ ایک بہت بڑے فوجی افسر کے اشارے پر جنگلی بندروں کو سدھارہا تھا۔ ہم دن رات ظفر دادا اور اس کے بندروں کی حفاظت کرتے تھے تاکہ کسی کو یہ زبردست راز معلوم نہ ہوسکے۔ وہ فوجی افسر‘ ظفر دادا کے دیئے ہوئے بندروں پر خوب پیسہ بنا رہا تھا کیونکہ یہ بندر بھارت اور کشمیر میں جاسوسی اور تخریب کاری کرنے کے کاموں کے لئے سدھائے جارہے تھے۔ ظفر دادا بندروں کی رگ رگ کو سمجھتا تھا۔ انہیں سدھاتے ہوئے کبھی کبھی تو وہ خود بھی بڑا بندر نظر آنے لگتا تھا۔“ اچانک اس کے ایک ساتھی نے کھانسنا شروع کردیا اور وہ اپنی کہانی ادھوری چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

”تم اپنی کہانی جاری رکھو۔ یہ کھانستے ہوئے مر نہیں جائے گا۔“ اول خان نے اسے ٹوکا۔

”کچھ دنوں سے سرکاری خفیہ محکمے کا ایک رشوت خور افسر ظفر دادا کے پیچھے لگ گیا تھا۔“ اس نے اپنی بات دوبارہ شروع کرتے ہوئے کہا۔ ”اسے کہیں سے بندروں والے معاملے کی بھنک مل گئی تھی اور یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ بڑا فوجی افسر ہر تربیت یافتہ بندر کے دو سے ڈھائی لاکھ روپے وصول کرکے خوب مال بنا رہا ہے۔ وہ اس رقم میں اپنا حصہ چاہتا تھا۔ ظفر دادا وہ سارا کام ملک اور قوم کی خاطر کررہا تھا۔ اس نے صاف بتا دیا کہ اصل لاٹری بیچ کے آدمی کی نکلی ہوئی ہے۔ خود اسے تو اتنا کم معاوضہ ملتا تھا کہ اخراجات اور ہماری تنخواہوں کی ادائیگی کے بعد اس کا مشکل ہی سے گزارہ ہورہا تھا۔ اسے اپنے مطالبے کے لیے فوجی افسر سے رجوع کرنا چاہیے۔ وہ فوجی افسر سے ڈرتا تھا اور ظفر دادا ہی کے ذریعے بات آگے بڑھانی چاہتا تھا۔ اپنی کوشش میں ناکامی پر اس نے ظفر دادا کو دھمکی دی کہ وہ اسے غداری کے الزام میں اندر کرا دے گا۔ پھر اس نے بندروں کے کارخانے سے جانے والے تین بندر غائب کرکے کوئٹہ پہنچائے اور انہیں پکڑوانے کے بعد ظفر دادا کی تلاش شروع کردی۔۔۔“

”ایک منٹ!“ دیرا نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش

کردیا۔ "یہ بندروں کے کارخانے والی کیا بکواس ہے؟ کیا بندر بھی مشینوں پر بنائے جارہے تھے؟"

اس کے متورم ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیلتی ہوئی محسوس ہوئی اور وہ آہستہ سے بولا۔ "بندر تو کسی جنگل ہی سے لائے جاتے تھے لیکن انہیں چھپانے اور سدھانے کے لیے پشاور روڈ پر واقع ایک ٹمبر فیکٹری استعمال کی جاتی تھی۔ پانچ ایکڑ زمین پر مشتمل وہ گودام اور کارخانہ برسوں سے بند پڑا ہوا ہے۔ ہم اسی میں رہ رہے تھے۔ کھوٹہ سے بندر پکڑے جانے کی خبر ملتے ہی، ظفر دادا ہم لوگوں کے ساتھ سیٹلائٹ ٹاؤن والے مکان میں چھپ گیا۔ وہ خفیہ محکمے کے رشوت خور افسر سے بہت خوفزدہ تھا۔ تم لوگ آئے تو وہ سمجھا کہ وہی افسر اپنی نفری لے کر اس کے سر پر پہنچ گیا ہے۔۔۔"

"ظفر کے سدھائے ہوئے بندر کہاں ہیں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"صرف ایک بندر تیار ہے۔ باقی پانچ بندروں پر وہ کام کررہا تھا۔ وہ سب میاں جاوید کی ویران ٹمبر فیکٹری میں ہی موجود ہونے چاہئیں۔" اس نے کہا۔

"تم لوگوں نے اسلام آباد سے آگے، ایک ویران علاقے میں اقوام متحدہ کی ایک ایجنسی کو بھی اپنا اڈا بنایا ہوا تھا؟" میں نے درشت لہجے میں سوال کیا۔

"اس کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم۔" وہ گھگیاتے ہوئے بولا۔ "ہم چاروں تو ظفر دادا اور اس کے بندروں کی حفاظت کے لیے دن رات ٹمبر فیکٹری میں رہتے تھے یا پھر سیٹلائٹ ٹاؤن والی کوٹھی میں آئے تھے۔ اس سے آگے کے بارے میں ظفر دادا ہی کچھ بتا سکتا تھا۔"

"ظفر کے ساتھ مرنے والے تینوں آدمی تمہارے ساتھی نہیں تھے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس کی آنکھوں سے صداقت جھلک رہی تھی۔ "ان تینوں کے علاوہ راجا بازار کا عبدل بدمعاش بھی کبھی کبھی ظفر دادا کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔ ظفر دادا باہر کے کام انہی لوگوں سے لیتا تھا۔ ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بندروں کو لانے اور لے جانے کا کام بھی وہی لوگ کرتے تھے۔"

یہ قسمت کی کس قدر ستم ظریفی تھی کہ البرٹو ویلیسا اسکینڈل کے سارے بڑے مجرم اپنے خلاف فردِ جرم کا سامنا کرنے کے لیے زندہ نہیں رہے تھے بلکہ کسی نہ کسی طرح جہنم واصل ہوچکے تھے، جبکہ ان کے چار غیر اہم معاونین ہمارے سامنے زندہ و سلامت موجود تھے۔

البرٹو ویلیسا نے ان پاکستانی بدمعاشوں کی خدمات حاصل کرنے کے لیے جو بے بنیاد کہانی تراشی تھی، وہ اپنے طور پر خاصی متاثر کن اور جذبات انگیز تھی۔ اس کہانی کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جاسکتا تھا کہ ان چاروں نے اپنی دانست میں کوئی جرم نہیں کیا تھا بلکہ بھارت اور کشمیر میں اہم کارروائیوں کے لیے بندروں کی تربیت میں ظفر کا ساتھ دے کر ایک طرح کا قومی کارنامہ انجام دینے کی کوشش کی تھی۔

میرے بارے میں ایک غلط فہمی کا شکار ہوکر اس نے البرٹو ویلیسا کی کہانی کے چند ادھورے باب مکمل کردیئے تھے اور ہم اس کے طریقۂ واردات سے پوری طرح باخبر ہوچکے تھے۔ وہ اسپیشل ٹاسک فورس سے وقت نکال کر بہت محنت سے اپنے مشن پر کام کررہا تھا لیکن کاتبِ تقدیر نے اس کے لیے مکمل شکست لکھ دی تھی جسے وہ اپنی سرتوڑ کوششوں کے بعد بھی نہیں ٹال سکا تھا۔

"ظفر بندروں کی تربیت کے منصوبے پر کتنے عرصے سے کام کررہا تھا؟" اول خان کو وہ اہم سوال یاد آگیا جو میرے ذہن سے پھسل گیا تھا۔

"یہ تین چار ہفتے پرانی کہانی ہے۔ ویسے وہ پہلے بھی ہم لوگوں سے چھوٹے موٹے کام لیتا رہا تھا لیکن بندروں والا کام شروع کرنے سے پہلے وہ دو مہینوں کے لیے کہیں غائب ہوگیا تھا۔ اس نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ بھارت اور کشمیر کے سرحدی علاقوں کا جائزہ لینے کے لیے گیا ہوا تھا؟"

وہ لفظ بہ لفظ درست کہہ رہا تھا۔ پہلے البرٹو ویلیسا پنڈی میں متعین تھا تو اس نے ان لوگوں کے ساتھ مراسم استوار کیے ہوئے تھے پھر الحدید والے قصے کے بعد اسے اول خان کی جگہ کراچی بھیج دیا گیا۔ الحدید والا معاملہ سرد خانے کی نذر ہونے کے بعد ان دونوں کو پھر ان کی پرانی جگہوں پر بحال کردیا گیا۔ اپنی دو ماہ کی اس غیر حاضری کو البرٹو ویلیسا نے دشمن کے علاقے کے دورے سے منسلک کرکے فائدہ اٹھالیا تھا۔

میری اور اول خان کی نگاہیں چار ہوئیں۔ میں نے اشارے سے اسے مطلع کیا کہ ان لوگوں سے ہمارا کام نکل چکا تھا اور وہ کوئی بھی فیصلہ کرنے کے لیے آزاد تھا۔

"اسے دوبارہ باندھ دو!" اول خان نے خشک لہجے میں اپنے آدمی سے کہا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔

اول خان کی اس غیر متوقع ہدایت پر اُس شخص نے بلبلا کر فریاد کرنی شروع کردی۔ "ڈپٹی صاحب! یہ ظلم ہے، ہم لوگوں کو آزادی ملنی چاہیے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہم اپنی زبانیں بند رکھیں گے۔"

ہم تینوں نے اُس کی سنی ان سنی کر دی اور نکاسی کے راستے پر بڑھتے رہے۔

"ان بے چاروں کو بے خبری میں آلۂ کار بنایا گیا ہے۔" چند قدم چلنے کے بعد ویرا نے ترحم آمیز انداز میں کہا۔ "ان کو کچھ نہ کچھ رعایت ضرور ملنی چاہیے۔"

"قانون میں جرم' جرم ہوتا ہے۔ بے خبری کی کوئی رو رعایت نہیں کی جاتی۔" اول خان بولا۔

"تم کون سا قانونی حدود میں رہ کر کام کرتے ہو۔" ویرا نے ہنس کر کہا۔ "دیکھا جائے تو تمہاری زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کو قانون کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بدمعاش ہونے کے باوجود قوم کا غدار نہیں ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ نادان دوست کہا جا سکتا ہے۔"

"نادان دوست' دانا دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "ان کے بارے میں بحث میں نہ پڑو۔ اول خان اپنے فرائضِ منصبی کا پورا شعور رکھتا ہے۔"

"ان لوگوں کے مقدر کا فیصلہ کوئی وفاقی ادارہ ہی کرے گا۔" اول خان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "انہیں ایک آدھ روز میں کسی وفاقی تحقیقاتی ایجنسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔"

اول خان نہایت متحرک اور فعال مزاج کا مالک تھا۔ میاں جاوید کی ٹمبر فیکٹری کا نام سامنے آنے کے بعد اس نے فوراً ہی ایک پارٹی ادھر بھی روانہ کر دی۔ اس نے وہاں سے برآمد ہونے والے بندروں کے دھماکا خیز ہونے کے بارے میں اپنے ایک ماتحت کو سمجھا دیا تھا۔

وہ ان لوگوں سے فارغ ہوا ہی تھا کہ شہباز خان کے پیچھے جانے والی پارٹی واپس آ گئی۔

شہباز خان کے حیا سوز اور شرمناک دھندے کے بارے میں ہر بات شک و شبے سے بالا تر تھی اس لیے اسے بہت بے رحمانہ سلوک کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اول خان کی ہدایت پر اسے دفتر میں لایا گیا تو اس کے اوسان خطا ہو چکے تھے اور ٹانگیں بری طرح کپکپا رہی تھیں۔ اس کے چہرے کی جلد جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی اور ان زخموں سے رسنے والے خون نے اس کا چہرہ بھیانک بنا دیا تھا۔

"م۔۔۔ میں بے قصور ہوں۔" وہ اندر آتے ہی' دونوں ہاتھ جوڑ کر اول خان کے سامنے ہانپتے ہوئے بولا۔ "میں نے آج تک کسی کا بھتا نہیں روکا۔ میں ہر چھوٹے بڑے کا خیال رکھتا ہوں۔ کئی وزیر میرے دوست اور خیر خواہ ہیں پھر میرے ساتھ یہ ظلم اور زیادتی کیوں ہو رہی ہے؟"

اول خان نے غصے میں بے قابو ہو کر اپنی میز پر رکھا ہوا پن کشن اس کے منہ پر پھینک مارا اور دہاڑتے ہوئے بولا۔ "میں تمہارے ناپاک حمایتیوں کے بھی ٹکڑے اڑا دوں گا۔ تم جیسے لوگوں نے پورے شہر کو قحبہ خانہ بنا رکھا ہے' جہاں دوسروں کی بہن بیٹیوں کو ہر روز نیلام پر چڑھایا جاتا ہے۔"

"میں کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کرتا۔" وہ رو دینے والی آواز میں بولا۔ "ساری لڑکیاں بھاری آمدنی کی تلاش میں بہ رضا و رغبت میرے پاس آتی ہیں۔"

اس بار اول خان طیش کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے باکسنگ کے انداز میں شہباز خان کے جبڑے پر زوردار داہنا مکا رسید کر دیا۔ وہ کراہتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

"دنیا کی کوئی عورت یا لڑکی اپنی خوشی سے بازار کی جنس نہیں بنتی۔" اول خان برہمی کے عالم میں غرا رہا تھا۔ "یہ تم جیسے بے ضمیر درندے ہوتے ہیں جو ان کی مجبوریوں کا سودا کر کے انہیں نت نئے گاہکوں کے حوالے کرنے کا دھندا شروع کرتے ہیں۔ مزید بکواس کی تو اب میں تمہاری بتیسی حلق میں اتار دوں گا۔"

"تم مجھے جانور کی طرح مار رہے ہو۔" وہ خون تھوکتے ہوئے کراہا۔ "مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ مجھے سوتے سے اٹھا کر یہاں کیوں لایا گیا ہے؟ یہ کون سی جگہ ہے؟"

"تم واقعی جانوروں سے بھی بدتر ہو۔" اول خان غصے میں بہک چلا تھا اس لیے میں نے اصل موضوع کی طرف آنے کے لیے گفتگو میں اپنی ٹانگ اڑا دی۔ "تم سے تو ظفر کے بندر ہی بہتر ہیں جو اس کے سکھانے سے بہت کچھ سیکھ رہے ہیں اور اپنے مالک کا نام روشن کر رہے ہیں۔"

اس کی درم سے تقریباً بند ہوتی ہوئی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ خاموش اور مبہوت سا ہو کر مجھے دیکھے جا رہا تھا' جیسے میں نے اس سے کوئی انوکھی بات کہہ ڈالی ہو۔

"یہ کوئی پولیس اسٹیشن نہیں ہے جہاں تم بھتا دے کر اپنی جان چھڑا سکو گے۔ ہم تم سے تمہاری اور ظفر کی یاری کی کہانی سننا چاہتے ہیں۔ تم نے ہیر پھیر کی تو مار مار کر تمہارا بیلتھن نکال دیا جائے گا۔" میں نے مختصر سے وقفے کے بعد اسے اپنے اصل مقصد سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں کسی ظفر کو نہیں جانتا۔۔۔" اس نے خوف زدہ لہجے میں اڑنے کی کوشش کی لیکن اسی وقت اول خان نے اس کے منہ پر الٹے ہاتھ کا زوردار جھانپڑ رسید کیا اور وہ چکرا

کر رہ گیا۔

"ظفر سیٹلائٹ ٹاؤن کے چوہے دان سے پکڑا جا چکا ہے۔" میں نے اس کی دردناک درگت پر رحم کھاتے ہوئے اسے آگاہ کیا۔ "اور میاں جاوید کی متروکہ نمبر فیکٹری بھی ہمارے قبضے میں ہے۔ تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ تم نے اپنی زبان نہ کھولی یا جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو تمہارا کیا حشر ہو سکتا ہے۔"

اس نے ایک بار پھر ٹال مٹول کرنے کی کوشش کی لیکن میرے انکشافات کے بعد اس کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ مزید مار کھانے کے بعد اس نے چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان اپنی کہانی شروع کر دی۔

اس کی کہانی میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس نے جو کچھ بتایا، وہ وہی تھا جو ہم زخمی قیدی سے سن چکے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ شہباز خان کو البرٹو ییلیسا نے بتا دیا تھا کہ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک اعلیٰ افسر ہے اور بندروں کے ذریعے اہم نیم فوجی مقاصد حاصل کرنے کے لیے ایک منصوبے پر خفیہ کام کر رہا ہے، جبکہ سیکرٹ سروس کا ایک بڑا افسر پیشہ ورانہ رقابت کی وجہ سے اس کا دشمن ہو رہا ہے۔

البتہ شہباز اور البرٹو ییلیسا کی دوستی کی کہانی قدرے دلچسپ تھی۔ البرٹو ییلیسا کو اسپیشل ٹاسک فورس کے سخت ڈسپلن کی وجہ سے خشک زندگی گزارنی پڑتی تھی، جبکہ وہ فطری طور پر بلانوش اور رنگین مزاج تھا۔ وہ اپنے ان فطری جذبوں کی تسکین کے چکر میں شہباز خان سے ٹکراتا تھا۔ بعد میں ان دونوں میں دوستی استوار ہوتی چلی گئی کیونکہ اس اڈے کے ذریعے البرٹو ییلیسا کو زیرِ زمین دنیا کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہوتی رہتی تھیں۔ گو وہ اپنے لیے آدمیوں کے انتخاب کا کام براہِ راست خود ہی کرتا تھا لیکن ضرورت پیش آنے پر ان کی ساکھ اور رازداری کے بارے میں شہباز خان سے مشورہ بھی کر لیتا تھا۔ اس بنا پر شہباز خان اندازے تو قائم کر سکتا تھا لیکن اسے حتمی طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کس وقت کون کون اس کے لیے کام کر رہا ہے۔

"اب میں تمہیں وارننگ دے رہا ہوں کہ تم نے اپنے شرمناک دھندے کو فوراً خیرباد نہ کہا تو تمہاری زندگی اجیرن بنا دی جائے گی۔" وہ ساری گفتگو ختم ہونے کے بعد اول خان نے تلخی سے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے چھوڑ رہے ہو؟" اس نے امید و بیم کے عالم میں سوال کیا۔

"تمہارا گوشت حرام نہ ہوتا تو ہم تمہیں ذبح بھی کر سکتے تھے۔" میں نے ٹکڑا لگایا۔

"لیکن تم یہ نہ سمجھنا کہ تمہیں یوں ہی آزادی مل جائے گی۔" اول خان نے اپنی ابتدائی دھمکی کا کوئی ردِعمل نہ دیکھ کر قہربار لہجے میں کہا۔ "تم نے اب تک جو کچھ کیا ہے، اس کی پاداش میں تمہاری مونچھیں، بھویں اور سر مونڈ کر برہنہ اور دست و پابستہ حالت میں آب پارہ کے کسی مصروف کوڑے دان میں پھنکوا دیا جائے گا۔ تمہارے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا جائے گا۔ تاکہ تم اجالا پھیلنے تک کسی سے مدد طلب نہ کر سکو۔"

"نن۔۔۔ نہیں، تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکو گے۔" وہ اول خان کی بات پوری ہونے سے پہلے، دہشت زدہ آواز میں کراہا۔ "میں ایسی بے عزتی برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

"خود کو ان عورتوں اور لڑکیوں کی جگہ رکھ کر سوچنا جن کے جسموں کی تجارت سے تم اپنی روزی کماتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس سے زیادہ بے عزتی بھی ہنستے کھیلتے جھیل جاؤ گے۔" اول خان کا چہرہ غصے سے سرخ ہونے لگا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ شہباز خان پر پھر ہاتھ چھوڑ بیٹھے گا۔

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ مجھ پر ناقابلِ برداشت دباؤ نہ ڈالا گیا تو میں اپنے موجودہ دھندوں سے تائب ہو کر کوئی اور کام شروع کر دوں گا۔ میرے پاس پیسے کی کمی نہیں ہے۔"

"لعنت ہے تم جیسے کرٹیل مرد پر جو چکلے کی کمائی پر ناز کرتا ہے۔" اول خان بھڑک گیا۔ "حرام کاروں کے دباؤ کا مقابلہ کرنا تمہارا کام ہے، میں بتائے دے رہا ہوں کہ تم فوراً تائب نہ ہوئے تو تمہیں ہر دوسرے دن بزور طاقت اٹھوا لیا جائے گا اور رات کو تمہیں اسی شرمناک حالت میں کوڑا گھروں میں ڈلوایا جاتا رہے گا۔ اخباری نامہ نگاروں کو تمہارے پیچھے لگا دیا جائے گا اور ملک بھر کے اخبارات شہباز خان کی عبرتناک تصویریں چھاپیں گے تو تم بہت جلد خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر فرش پر بیٹھتا چلا گیا۔

"لے جاؤ اس نابکار کو۔" اول خان نے اسے لانے والوں کو حکم دیا۔ "میں نے جو کچھ کہا ہے، اس پر ایک گھنٹے کے اندر اندر عمل ہو جانا چاہیے۔"

شہباز نے واویلا شروع کر دیا۔ اس نے بہت ہاتھ پیر بھی چلائے لیکن اول خان کے آدمی اسے بے رحمی کے ساتھ گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔

"اس ملک میں قانون کمزور ہے۔" چند ثانیوں کی

بوجھل خاموشی کے بعد اول خان اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے غرایا۔ "لوگ جرم کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے جاتے ہیں لیکن کسی نہ کسی قانونی سقم کا فائدہ اٹھا کر باعزت بری ہونے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ پیشہ ور مجرموں کے ہاتھوں قانون کی دھجیاں اڑنے سے شریف شہری دن بہ دن بزدل اور معاشرے سے لاتعلق ہوتے جارہے ہیں۔"

"یہ صرف قانونی کمزوریوں کا قصور نہیں ہے' تم رشوت کو بھول رہے ہو۔" ویرا متاسفانہ انداز میں بولی۔

"رشوت اسی وقت کام کرتی ہے' جب قانون میں جھول ہوتے ہیں۔" اول خان اس وقت کسی کی سننے پر آمادہ نہیں تھا۔ "قانون اس قدر بے لوچ اور سخت ہونا چاہیے کہ جن مجرموں کے اڈے' ٹھکانے اور گھناؤنے جرائم کے ثبوت سب کے سامنے ہوں' انہیں فی الفور سُولی پر لٹکایا جاسکے۔ میرا بس چلے تو میں چند ہزار نیک نام اور باعزت شہریوں کو ایسے تعزیری اختیارات دے کر چند دنوں میں اس معاشرے کو سدھار دوں جہاں شہباز خان جیسے بھیڑیے معصوم بھیڑوں کا خون چوس کر دن رات اپنی تجوریاں بھرنے میں مصروف ہیں۔"

"اس وقت تم جذباتی ہو رہے ہو۔" ویرا گہری سنجیدگی کے ساتھ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔ "جب تم چند ہزار نیک ناموں کی تلاش میں نکلو گے تو تمہیں بدترین مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ صرف پاکستان کا نہیں' ہر جدید معاشرے کا المیہ ہے کہ مخصوص علاقوں میں صنعتوں کے ارتکاز کی وجہ سے زبردست نقل مکانی یا ہجرت یا ترکِ سکونت کا سلسلہ جاری ہے اور اس بھاگ دوڑ میں ہر فرد اپنی علاقائی اور آبائی شناخت کھو بیٹھا ہے۔ نیک نامی اور عزت کا معیار نسب کے بجائے دولت کو مان لیا گیا ہے' خواہ وہ ہیروئن بیچ کر ہی کمائی گئی ہو۔ تم جس ظفر کا پیچھا کرو گے' اس کے روپ میں کوئی نہ کوئی البرٹو ویلیسا ہی کارفرما نظر آئے گا۔"

"میں مانتا ہوں کہ خرابیاں بہت دور تک جڑیں پکڑ چکی ہیں۔" اول خان قدرے نرم ہوتا نظر آیا۔ "لیکن یہ کام ناممکن نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہ سب لوگ خوشی سے یا مجبوراً برائیوں کی دلدل میں غرق ہوجائیں' ایک صاف ستھری تبدیلی لانے کا عمل کامیاب ہوسکتا ہے۔ جب پانی سروں سے گزر جائے گا تو تبدیلی کے بارے میں سوچنا بھی جرم کے زمرے میں شمار ہونے لگے گا۔"

"یہ تہذیبی انقلاب اور ارتقا کے معاملات ہیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ارتقا اندر سے خود بخود ہوتا ہے جو بدقسمتی سے منفی سمتوں میں جارہا ہے اور انقلاب لانے کے لیے ہم تین آدمی بہت ناکافی ہیں' اس لیے کیوں نہ ہم آرام کرنے کے بارے میں کچھ سوچنے کی کوشش کریں؟"

اول خان بے ساختہ مسکرا دیا۔ "تم آرام کرو۔ مجھے تو ابھی اس پارٹی کی واپسی کا انتظار ہے جو بندروں کے کارخانے کی طرف گئی ہے۔" اس نے اپنی بات پر خود ہی ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور ہم دونوں بھی اس کے ساتھ شامل ہو کر ہنسنے لگے۔

اس پارٹی کے واپس آنے میں صبح کے تین بج گئے۔ وہ اپنے ساتھ صرف چھ بندر لائے تھے۔ ان میں سے پانچ نیم تربیت یافتہ ہونے کی وجہ سے قدرے بھڑکے ہوئے تھے' جبکہ چھٹا بندر خاموش اور مہذب نظر آرہا تھا۔ ان لوگوں نے میٹل ڈی ٹیکٹر کے ذریعے ان سب بندروں کی جانچ پڑتال کی تھی جس کے نتیجے میں چھٹے بندر کے جسم میں دھات کی کسی شے کی موجودگی ظاہر ہوئی تھی لیکن ان لوگوں نے بندر کے بھٹنے کے خوف کی وجہ سے اس کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی تھی اور اسے سکون و احتیاط کے ساتھ وہاں لے آئے تھے۔ یہ اطلاع ملتے ہی مجھے خاموش طبع بندر سے خوف آنے لگا کیونکہ وہ انسانوں سے حد درجہ مانوس بھی تھا اور اول خان سے بھاگنے کی فکر میں نہیں تھا۔ جبکہ دوسرے بندر بار بار دروازے کی طرف بھاگنے کی کوشش کررہے تھے۔

وہ تمام بندر اس ویران فیکٹری کے ایک خالی گودام میں آزاد پائے گئے تھے۔ وہاں ان کی خوراک کے لیے متنوع پھلوں کی خاصی مقدار موجود تھی۔ تشویش ناک بات یہ تھی کہ اسی گودام میں ایک زیر زمین کمرے کا راستہ بھی تھا۔ وہ تہ خانہ ہر طرح کے سازو سامان سے لیس' ایک چھوٹی آپریشن ٹیبل' سرجری کے متعدد باریک اور نازک آلات' بے ہوشی کی مختلف ادویات اور انجکشن سرینجوں پر مشتمل تھا۔ کمرے میں جدید ترین اور ننھے ننھے لاسلکی مائیکرو فونوں سے بھرا ہوا ایک ڈبا برآمد ہوا تھا۔ ایسے مائیکرو فونوں کے ذریعے تار کی مدد کے بغیر کئی کلو میٹر دور ہونے والی گفتگو لفظ بہ لفظ سنی جاسکتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی وہاں کچھ ایسی نئی اور جدید ساخت کی مشینیں تھیں جن کے بارے میں اول خان کے آدمی کوئی اندازہ نہیں لگا سکے تھے۔

وہ لوگ ان مشینوں اور آلات کو چھیڑے بغیر اپنے دو آدمی وہاں چھوڑ کر صرف بندروں کے ساتھ واپس لوٹ آئے تھے۔

"البرٹو ویلیسا مرگیا لیکن اس کے پھیلائے ہوئے جال

کی کڑیاں اب مل رہی ہیں۔" اول خان ان خبروں پر متفکر نظر آنے لگا تھا۔ "تربیت یافتہ اور بگ کیے ہوئے بندر باہر سے اسمگل یا در آمد نہیں کیے جاسکتے تھے بلکہ یہ سارا کام یہیں ہماری ناک کے نیچے سرانجام دیا جارہا تھا اور ہم اس سے بے خبر تھے۔ مجھے یقین ہے کہ اس زیر زمین لیبارٹری میں ان جدید ترین کیمروں کا سازوسامان بھی موجود ہوگا جو کھوٹہ سے پکڑے جانے والے بندروں کی جلد کے نیچے چھپائے گئے تھے۔"

"میں تم سے متفق ہوں۔ لیکن اس سنجیدہ بندر نے مجھے خوف زدہ کیا ہوا ہے۔" میں نے چھٹے بندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ حادثاتی طور پر یہیں پھٹ گیا تو بڑی تباہی پھیلے گی۔ میرا خیال ہے کہ ان سب بندروں کو کھلے لان پر بندھوا کر' اپنے آدمیوں کو ان سے دور رہنے کی ہدایت کردو تاکہ کسی امکانی تباہی کے خطرے کو کم سے کم کیا جاسکے اور۔۔۔۔"

اچانک چھٹا بندر اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے خوخیانے لگا اور میں سہم کر فوراً ہی خاموش ہوگیا۔ گو میں نے اپنے خوف کا کوئی ذکر نہیں کیا لیکن میرے ذہن میں لاشعوری طور پر اس لرزہ انگیز خطرے نے سر ابھارا تھا کہ کہیں یہ بندر اپنی کسی غیر معمولی حِس کے ذریعے میرے خیالات تو نہیں پڑھ رہا ہے؟

"ان سب کو لے جاؤ اور لان پر باندھ کر دور سے نگرانی کرتے رہو۔" اول خان نے کسی ایک فرد سے مخاطب ہونے کے بجائے عمومی ہدایت جاری کی اور وہ لوگ اس کا اشارہ سمجھ کر بندروں سمیت اس کے دفتر سے رخصت ہوگئے۔

تخلیہ ہوتے ہی ویرا کے لیے اپنی ضبط کی ہوئی ہنسی پر مزید قابو پائے رکھنا دشوار ہوگیا۔ وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی اور اول خان بھی اچانک ہی ہنسنے لگا۔

"یوں دانت پھاڑنے کی کیا تک ہے؟" میں نے اول خان کو نظر انداز کرکے خفت آمیز انداز میں ویرا کو لتاڑا۔ "ہم کچھ سنجیدہ گفتگو کررہے تھے۔"

"وہ تو کررہے تھے لیکن بندر کی خوں خوں پر تمہاری جان کیوں نکل گئی تھی؟" اس نے ہنسی کے دوران میں کہا۔ "ایسا معلوم ہوا تھا' جیسے بندر کے بولتے ہی تمہارے حلق کا کوا گر گیا ہو۔"

"بعض اوقات تم نہایت احمقانہ باتیں کرنے لگتی ہو۔" میرے لیے حقیقت کا اعتراف کرنا دشوار تھا۔ "اس وقت بندر کے بجائے تم بھی بول پڑتیں تو میں اسی طرح چونک کر خاموش ہوجاتا۔"

"محویت کے دوران میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔" اول خان نے بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ہنسی موقوف کردی۔ "تمہاری وجہ سے میں بھی بلاوجہ ہنس پڑا۔"

"کاش' میرے پاس کیمرا ہوتا اور میں اس وقت تمہارے چہرے کی تصویر لے سکی ہوتی۔۔۔"

"پلیز' ویرا!" اول خان نے اسے خاموش کرایا۔ "اس بات کو یہیں ختم کردو۔ ہمیں ان بندروں اور کارخانے کے بارے میں فوری طور پر فیصلہ کرنا ہے۔"

"میں یہی کہہ رہا تھا کہ یہ بندر فوری طور پر وہیں بھیج دیئے جانے چاہئیں جہاں کھوٹہ کا زندہ پہنچنے والا بندر ماہرین کی نگرانی میں ہے۔ یہ بہت الجھا ہوا' تیکنیکی معاملہ ہے۔ اسے ماہرین ہی حل کرسکتے ہیں۔ یہ بندر تمہاری فورس کی تحویل میں ضائع نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے ویرا کا منہ بند کرنے کے لیے فوری طور پر ایک نیا لیکن سوچا سمجھا معاملہ چھیڑ دیا جو بندر کے غرانے کے وقت میرے ذہن میں نہیں تھا۔

"تمہاری تجویز معقول اور قابلِ فہم ہے لیکن اس کے لیے مجھے اپنے کمانڈر سے منظوری لینی ہوگی۔"

"اور وہ اس وقت وزارتِ داخلہ کے ایک اہم اجلاس میں ہے۔" ویرا نے اسے یاد دلایا۔

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں اجلاس کے دوران میں بھی اس سے ٹرانسمیٹر پر بات کرسکتا ہوں۔ کام کے بارے میں ہم لوگوں کو مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے۔"

"پھر ٹمبر فیکٹری میں دریافت ہونے والی لیبارٹری کے بارے میں بھی بات کرلو تو مناسب رہے گا۔" ویرا بھی پوری طرح سنجیدہ ہوچکی تھی۔ "وہاں بھی آپریشن تھیٹر کے علاوہ نازک آلات موجود ہیں۔ ماہرین ہی ان کے مصرف اور اہمیت کا تعین کرسکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی پورٹیبل سیٹلائٹ ریسونگ اسٹیشن ہو اور اس کی میموری میں کھوٹہ سے آنے والی بعض تصاویر محفوظ ہوں۔ غیر پیشہ ورانہ چھیڑ چھاڑ سے وہ تصاویر ضائع ہوسکتی ہیں۔ البرٹو ویلیسا کے مشن کے بارے میں ایسی تصاویر بہت مددگار ثابت ہوسکتی ہیں۔"

"تم یہیں ٹھہرو یا اپنے کمرے میں چل کر آرام کرو۔ میں کمانڈر سے بات کرکے تمہارے پاس واپس آتا ہوں۔" اول خان نے اپنی کرسی چھوڑتے ہوئے کہا اور ہم دونوں بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہم اپنے کمرے میں تمہارا انتظار کریں گے۔" میں یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

بوتل میں تھوڑی سی اسکاچ موجود ہے، میں اس کی ضرورت محسوس کررہی ہوں۔" ویرا باہر آنے کے بعد میرے کان کے نیچے منمنائی۔
جتنی بھی ہے، اسے آدھا آدھا کریں گے۔ مجھے صبح کراچی بھی جانا ہے۔" میں نے آنکھیں نکال کر کہا اور وہ خاموش ہی رہی۔ میری تنہا واپسی کی بات شروع ہی سے اسے چبھ رہی تھی۔
الماری سے بوتل نکالتے ہی میرا دل خوش ہوگیا کیونکہ ایک لیٹر بوتل میں چوتھائی سے کافی زیادہ سیال ہلکورے لے رہا تھا جو ہم دونوں کو ترو تازہ کرنے کے لیے کافی تھا۔
ویرا نے اپنے گلاس سے دوسرا گھونٹ لینے کے بعد فیصلہ کن انداز میں اپنی زبان کھولی تھی۔ "تم اکیلے کراچی نہیں جاؤ گے۔ میں تمہارے ساتھ واپس چلوں گی۔ غزالہ کی ذرا سی خوشنودی کے لیے تم مجھے اس بری طرح نظرانداز نہیں کرسکتے۔"
"تمہیں کون نظرانداز کررہا ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "ان دونوں کو میری فوری مدد کی ضرورت ہے اور یہاں اولیانو سے فیکس وغیرہ بھی حاصل کرنا ہے۔ یہ تو ہماری مشترکہ مجبوری ہے۔"
"ہماری کوئی مشترکہ مجبوری نہیں۔" وہ تیسرا گھونٹ لینے کے بعد ہتھے سے ہی اکھڑ گئی۔ "یہ سب تمہارے اور اول خان کے بکھیڑے ہیں۔ مجھے اب شی میں اپنی ذمے داریوں کے بارے میں بھی کچھ کرنا ہوگا۔ تم اسلام آباد میں رکو یا واپس جاؤ، میں صبح کی پرواز سے کراچی جارہی ہوں۔"
میں بے بسی کے ساتھ اسے گھور کر رہ گیا۔ اس کے علاوہ کربھی کیا سکتا تھا؟
"تمہارا یہی علاج ہے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ "اب تم غزالہ کی جتنی زیادہ ناز برداریاں کرو گے، میں بھی اتنے ہی نخرے اٹھواؤں گی۔ تم میری بے لوث دوستی سے ہمیشہ ناجائز فائدہ اٹھاتے چلے آرہے ہو۔"
"بات بڑھانے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ہم صبح بھی ایک ساتھ چل سکتے ہیں۔ اولیانو فیکس کی نقل تو فوراً دے دے گا لیکن البرٹو ویلیسا کے غیرملکی فون اور فیکس نمبروں کا معاملہ مشکوک ہے۔ ہوسکتا ہے، اس نے وہ فہرست تیار نہ کی ہو۔ اس کے حصول میں وقت لگ سکتا ہے۔ اسی لیے میں یہ کام تمہیں سونپ رہا تھا۔"
"وقت لگے تو تم رک جانا۔ میں کراچی جاکر غزالہ کا خون سلگانا شروع کردوں گی۔"
میرے لیے ویرا کے وہ تیور خطرناک تھے۔ وہ باتوں ہی باتوں میں ایک بار پھر غزالہ کی مخالفت پر کمربستہ ہوتی نظر آرہی تھی۔ ایک طرف افغان قبائلیوں کی طرف سے غزالہ کے اغوا اور علاقہ غیر میں فروخت کی دھمکی میرے سر پر تلوار بن کر لٹک رہی تھی اور دوسری طرف ویرا بھی اپنے پرپرزے نکال رہی تھی۔ میرے لیے یہ صورت حال خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھی۔
"تم بلاوجہ اس بے چاری کی دشمن ہورہی ہو۔" میں نے اپنا غصہ پیتے ہوئے، مصالحانہ رویہ برقرار رکھا۔ "اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ میرا اپنا فیصلہ تھا۔ اب تم ناراض ہو تو میں اپنا فیصلہ واپس لیے لیتا ہوں۔ ہم صبح، دوپہر یا شام میں جب بھی جائیں گے، اکٹھے جائیں گے۔"
"اس کا خون سلگانے کا ذکر سنتے ہی راہِ راست پر آگئے!" اس نے خوش ہوکر میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "دنیا بھر میں مرد اپنی بیویوں کو بھول کر محبوباؤں کی دل جوئی کرتے پھرتے ہیں اور تمہارا حساب ہی الٹا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈون کے چینی مولوی نے تمہیں زن مریدی کا کوئی تعویذ بھی گھول کر پلا دیا تھا۔"
"بس اب یہ قصہ ختم کرو۔" میں نے تحمل کے ساتھ اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔
"اس بار معاف کررہی ہوں۔" وہ تیکھے تیوروں کے ساتھ بولی۔ "آئندہ کے لیے یہ یاد رکھنا کہ وہ تمہاری بیوی ہے اور میں صرف ایک آزاد دوست۔ تم نے کبھی بھول کر بھی میری دل آزاری کی تو میں بھی اپنے ہرجائی پن پر اتر آؤں گی۔ میری طبیعت کو تم اتنا تو سمجھنے ہی لگے ہو۔"
میں سرہلا کر رہ گیا۔ اپنی خاموشی کو باوقار بنانے کے لیے میں سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا تھا۔ سگریٹ کا سرا روشن ہوتے ہی ویرا نے اسے میرے ہونٹوں سے اچک لیا۔
"اپنے لیے دوسری جلالو اور ذرا یہ سوچو کہ یہاں غیرفطری خاموشی کیوں ہے؟"
"مجھے تو سب کچھ نارمل ہی محسوس ہورہا ہے۔" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"یہاں اول خان کا خاصا عملہ موجود ہے۔ لان پر چھ بندر بندھے ہوئے ہیں۔ ایک کمرے میں البرٹو ویلیسا کے چار زخمی محافظ کرسیوں سے بندھے ہوئے ہیں، پھر شہباز خان بھی اتنی خاموشی سے اپنے سر اور چہرے کے بال منڈوانے والوں میں سے نظر نہیں آتا تھا لیکن یہاں بالکل ہی سکوت

اور سناٹے کا راج ہے۔"

"صرف قیدی ہی شور وغل کر سکتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان سب کو بے ہوش کردیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ شہباز کی آنکھ اب آب پارہ کے کسی کوڑے دان ہی میں کھلے۔"

اس بار وہ اثباتی انداز میں اپنا سرہلانے پر مجبور ہوگئی۔

تھوڑی دیر بعد اس عمارت میں پھیلے ہوئے غیر فطری سناٹے کے بارے میں ویرا کی شکایت دور ہونے کے آثار پیدا ہوگئے اور اس ریسٹ ہاؤس کے دفتری حصے سے نقل و حرکت کی کچھ آوازوں کے بعد کسی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی جو چند ثانیوں بعد تیز ہونے کے بعد دور ہوتے ہوئے بتدریج معدوم ہوتی چلی گئی اور فضا پر دوبارہ وہی سناٹا چھا گیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ کوئی روانہ ہوا ہے۔ اول خان بھی ابھی تک نہیں لوٹا۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے کمانڈر نے اسے بلا تاخیر اپنے پاس بلالیا ہو۔" ویرا اپنے گلاس سے کھیلتے ہوئے بولی۔

مجھے اس کے تبصرے کا جواب دینے کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ تقریباً اسی وقت اول خان اپنے مخصوص انداز میں دستک دے کر ہمارے کمرے میں آگیا۔ اس کے چہرے پر دور دور تک تکان کی کوئی علامت نہیں تھی بلکہ وہ کچھ زیادہ ہی چونچال نظر آرہا تھا۔

"شہباز خان کے چہرے کو بالوں سے بالکل محروم کرکے روانہ کیا جاچکا ہے۔" اس نے آتے ہی اعلان کیا۔ "اب تم کو اس کے بارے میں ایک اہم کام کرنا ہے۔ میں اس خبیث آدمی کو زیادہ ڈھیل دیے بغیر، اس کے فتنے کو یہیں کچلنا چاہتا ہوں۔"

وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا تو میں استفسار طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے دوبارہ سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے کہا۔ "ٹیلی فون ڈائریکٹری سے ایک دو اخباری نامہ نگاروں یا خبر رساں ایجنسیوں کے فون نمبر تلاش کرکے انہیں شہباز خان کے پیچھے لگا دو۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے ہوش میں آنے سے پہلے ہی اس کی تصاویر بنالی جائیں جو کل کے اخبارات میں چھپ جائیں۔"

"اس بار تو تمہارا ایسا پروگرام نہیں تھا۔ تم نے اسے ایک موقع دینے کا وعدہ کیا تھا۔" ویرا نے اسے یاد دلایا۔

"وہ بہت ڈھیٹ اور پرانا پاپی ہے۔ اس واقعے کی فوری تشہیر نہ ہوئی تو مجھے یقین ہے کہ اس کا اڈا بدستور چلتا رہے گا۔ میں اس معاملے میں اپنے آدمیوں کا زیادہ وقت برباد نہیں کرنا چاہتا۔ کون اسے بار بار اٹھا کر گنجا کرواتا پھرے گا؟ میں خود بھی زیادہ دیر تک یہاں نہیں ٹھہروں گا۔"

"لیکن ان لوگوں کو کس مقام کے بارے میں بتایا جائے گا؟" میں نے پوچھا۔

"آب پارہ کے کسی بھی کوڑے دان کا حوالہ کافی ہوگا۔ وہ خود ڈھونڈتے ہوئے اس تک پہنچ جائیں گے۔ اخبار والے چٹپٹی اور سنسنی خیز خبر کی تلاش میں پاتال تک میں اتر جاتے ہیں۔"

"یہ کام تم خود کیوں نہیں کرلیتے؟" ویرا نے اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں فوراً سکریٹریٹ جارہا ہوں۔ کمانڈر نے مجھے چاروں قیدیوں اور پانچوں بندروں سمیت وہاں طلب کرلیا ہے۔ وہ میرا انتظار کررہا ہوگا۔ میری فراہم کی ہوئی اطلاعات نے وہاں سنسنی پھیلادی ہے۔"

"اور چھٹے بندر کا کیا ہوگا؟ وہی معزز بندر، جس نے ڈینی بہادر صاحب کو ڈرادیا تھا۔"

"اسے بالکل نہ چھیڑنے کا حکم ملا ہے۔" اول خان نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "پرانے بندر کی دیکھ بھال کرنے والوں میں سے دو ماہرین اسے لینے کے لیے یہاں آنے والے ہیں۔ وہ لوگ ان بندروں سے بہت زیادہ ڈرے ہوئے ہیں اور ہر قیمت پر انہیں بچانا چاہ رہے ہیں۔"

"لگے ہاتھوں یہ بھی بتادو کہ پشاور روڈ والی ٹمبر فیکٹری کے بارے میں کیا طے پایا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ تمہیں واپس لوٹنے میں اتنی دیر ہوجائے کہ ہمیں تم سے ملے بغیر ہی کراچی جانا پڑجائے۔" میں نے کہا۔

"میں نے اپنی تفصیلی رپورٹ دے دی ہے۔ میرا خیال ہے کہ سپارکو اور نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن سائنسز کے ماہرین کے ساتھ انٹر سروسز انٹیلی جنس یا ملٹری سیکریٹ والے اس معاملے کو سنبھالیں گے۔ یہ فیصلہ اعلیٰ سطح پر ہی کیا جائے گا۔ تم لوگ یہاں ٹھہرو تو اگلے چند گھنٹوں میں بعض حیرتناک خبریں مل سکتی ہیں۔ کم از کم اپنے شروع کیے ہوئے کھیل کا انجام تو دیکھتے ہی جاؤ۔"

"ڈینی کو ڈر ہے کہ قبائلی افغان اس کی موم کی گڑیا کو اٹھا نہ لے جائیں۔" ویرا مجھ سے پہلے کاٹ دار لہجے میں بول پڑی۔ اس کے پتلے پتلے، گلابی ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"اس کے بارے میں فکر کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے شاہد کو اس کی حفاظت پر لگایا ہوا ہے۔"

"اس بارے میں کوئی ڈیڈی کو مطمئن نہیں کرسکتا۔" ویرا بدستور زہر فشانی پر تلی ہوئی تھی۔ "اسے تمہاری کوششوں پر مکمل بھروسا نہیں ہے۔ یہ اپنے معاملے کو خود دیکھنا چاہتا ہے۔"

"اس کی باتوں پر نہ جاؤ۔ یہ اس وقت بی جمالو بنی ہوئی ہے۔" میں نے خوش دلی کا جبری مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ لوگ میری تلاش میں ہیں۔ میں اُن سے مل کر دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کون ہیں اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ یہاں کی خبریں تو تم سے بھی مل جائیں گی۔ یہاں بھاگ دوڑ کا کام تقریباً ختم ہی ہوچکا ہے۔ اب تو بکھرے ہوئے معاملات کو سمیٹنے کا اکتاہٹ آمیز سلسلہ چل پڑا ہے۔"

"کوئی بھی ضرورت محسوس ہو تو تم بلا تکلف اسٹیشن فور پر شاہد سے کھل کر بات کرسکتے ہو۔ وہ تم کو اچھی طرح جانتا ہے۔ میں بھی اسے بریف کردوں گا۔"

اول خان ہم سے رخصت ہو رہا تھا لہٰذا ہم دونوں بادہ نوشی کا سلسلہ وہیں معطل کرکے اس کے ساتھ باہر آگئے تاکہ اسے پُرتپاک انداز میں الوداع کہہ سکیں۔

اس وقت اسپیشل ٹاسک فورس کا عملہ 'البرٹو کے زخمی محافظوں کو ایک سیاہ وین کے عقبی حصے میں منتقل کررہا تھا۔ ہمارے قیاس کے عین مطابق وہ چاروں بے ہوشی کی حالت میں تھے۔ صرف ان کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ بعد میں پانچوں نیم تربیت یافتہ بندروں کو بھی وین کے پچھلے حصے میں سوار کرادیا گیا اور اول خان مجھ سے گلے ملنے کے بعد اپنے مسلح محافظوں کے ساتھ سیاہ وین میں روانہ ہوگیا۔

"آج کی رات بھی گئی۔" کمرے کی طرف واپس لوٹتے ہوئے ویرا اپنی رِسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر بڑبڑائی۔

"اب یہاں واقعی سکون اور سناٹا ہوچکا ہے۔ خطرناک بندر کے علاوہ صرف دو چار آدمی رہ گئے ہوں گے۔ اب ہم اپنا کمرا بند کرکے کچھ دیر کے لیے آرام کرسکتے ہیں۔" میں نے معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "چند گھنٹوں کی گہری نیند ہمیں تازہ دم کردے گی۔"

"اب نیند کس کو آتی ہے۔" ویرا کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

"آجائے گی۔" میں نے ہولے سے اس کی پشت سہلاتے ہوئے کہا۔ "فی الحال تم باقی ماندہ اسکاچ خالی گلاسوں میں انڈیلو۔ میں اخبار والوں کے فون نمبر تلاش کرتا ہوں۔ یہ کام بھی کرہی لیا جائے۔"

میں نے کراچی اور راولپنڈی سے شائع ہونے والے ایک مؤقر اردو روزنامے کے پنڈی آفس کا نمبر ملا کر آپریٹر سے سٹی پیج ایڈیٹر کا نمبر مانگا تو اس نے میری تصحیح کرتے ہوئے مجھے یہ بتانا ضروری سمجھا کہ شہری صفحے کا ایڈیٹر نہیں بلکہ سب ایڈیٹر ہوتا ہے اور وہ اس وقت اخبار کی اگلی کاپی طباعت کے لیے بھیجنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

"میرے پاس ایک اہم، سنسنی خیز اور تصویری خبر ہے۔ میری کسی سے بھی بات کرادو۔" میرے لیے اپنے اصل مدعا کا اظہار ناگزیر ہوگیا تھا۔ "تاخیر کی صورت میں تمہارا اخبار اس خبر سے محروم رہ جائے گا۔"

وہ آپریٹر ہی سہی لیکن اخباری صنعت کا کارکن تھا اس لیے خبر کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے ذرا سے توقف کے بعد ایک کرائم رپورٹر سے فون کا سلسلہ ملادیا۔

"تم نے شاید اسلام آباد کے شہباز خان کا نام ضرور سنا ہوگا۔" میں نے فوراً ہی اصل بات شروع کردی۔ "وہ اس وقت آب پارہ کے ایک کوڑے دان میں آرام کررہا ہے۔ تم چاہو تو اس کی بہترین تصاویر بنا سکتے ہو۔"

"اسلام آباد میں تو ایک ہی شہباز خان ہے جو طاقت ور اور بارسوخ لوگوں کا منظورِ نظر ہے۔" کرائم رپورٹر کی آواز تحیر زدہ تھی۔ "وہ کوڑے دان میں کیسے پہنچ گیا؟"

"اس کے اعمال اسے وہاں تک لے آئے ہیں۔ وہ عجلت میں اپنا مکمل لباس بھی گھر بھول آیا ہے۔ تم نے وہاں پہنچنے میں دیر کی تو وہ اٹھ کر گھر چل دے گا۔ پرائی عورتوں کو بے لباس کرنے والے' خود زیادہ دیر تک اپنے نفیس ملبوسات سے باہر رہنا پسند نہیں کرتے۔"

"یہ ناقابلِ یقین بات ہے کہ کسی نے اس کو چھیڑنے کی ہمت کی ہو۔ تمہارے اس مذاق کا مطلب کیا ہے؟" کرائم رپورٹر بری طرح الجھ گیا تھا۔ "کہیں تم نشے کے جھونک میں اس کے آدمیوں سے پٹ کر تو نہیں آرہے ہو؟"

وہ اتنی لمبی دوڑ لگانے سے پہلے میری صداقت کا اندازہ لگانا چاہ رہا تھا جب کہ میں یہ یقین کرلینا چاہتا تھا کہ وہ میری فون کال کو نظرانداز کرکے اپنے دفتر میں نہیں بیٹھا رہے گا اس لیے گفتگو جاری رہی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی شراب و شباب کے اس سرچشمے سے فیض یاب ہوتے رہے ہو جبھی اپنے محسن کی پردہ پوشی کرنی چاہ رہے ہو۔ تم اپنے دفتر میں اونگھتے رہو، میں کسی اور کو پکڑتا ہوں۔"

"سنو! تم کون ہو؟ اور اس خبر سے تمہارا کیا تعلق

ہے؟" اس کی عاجلانہ آواز ابھری۔

"میں ایک دردمند شہری ہوں اور یہ خبر میں نے ہی تخلیق کی ہے۔ جب شہباز میرے نام سے واقف نہیں تو میں تمہیں کیا بتا سکتا ہوں؟"

"میں ابھی کسی فوٹو گرافر کو اُدھر بھیجتا ہوں۔ آب پارہ تو کافی بڑا علاقہ ہے۔ شہباز خان وہاں کے کس کوڑے دان میں پڑا ہوا ہے۔" آخر کار اس کی پیشہ ورانہ جبلت معروضی سوالات پر غالب آگئی۔

"آب پارہ مختصر سا علاقہ ہے اور اسلام آباد میں ابھی کوڑے دانوں پر نمبر نہیں ڈالے گئے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم اسے بہ آسانی تلاش کرلوگے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے وہاں پہنچنے سے پہلے کسی نے اسے مردہ سمجھ کر شور مچا دیا ہو اور وہاں بھیڑ لگ چکی ہو۔"

میں نے مزید کوئی بات سنے بغیر فون بند کردیا۔ میرے پاس دوسرا نمبر اسلام آباد میں قائم 'ایک خبر رساں ایجنسی کا تھا۔ وہاں کا شفٹ انچارج بھی شہباز خان کا نام سنتے ہی چونکا تھا لیکن اس نے کوئی بحث کیے بغیر' میری فراہم کی ہوئی اطلاع کی مکمل تصدیق کرانے کا وعدہ کرلیا تھا۔

میں حیران تھا کہ شہباز کے گھناؤنے کاروبار سے جڑواں شہروں کے تقریباً تمام ہی باخبر حلقے واقف تھے لیکن اس کے پشت پناہوں کے بے پناہ اثرورسوخ کی وجہ سے اس کے خلاف کچھ لکھنے یا عملی کارروائی کرنے سے پہلوتہی کرتے تھے۔ یہی صورتِ حال کسی بھی مہذب معاشرے کی مکمل تباہی کی نشان دہی کرتی تھی۔

ویرا اپنی مسہری پر نیم دراز ہوکر' ندیدے پن کے ساتھ باقی ماندہ اسکاچ کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہی تھی۔ میں اپنا گلاس لے کر اسی کے بستر پر جا بیٹھا تو اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی۔

"مجھ سے الگ ہوکر بیٹھو۔" وہ دور کھسکنے کی کوشش کیے بغیر بولی۔ "میں تمہارے لیے نامحرم ہوں۔"

میں نے گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر دروازہ بولٹ کرنے کے لیے وہاں سے اٹھ گیا۔ میں پلٹا تو وہ پھرتی کے ساتھ اپنا گلاس خالی کرکے' میرے گلاس پر قابض ہوچکی تھی۔ اس وقت اس کی خوبصورت آنکھیں کسی بلی کی چیلنج کرتی ہوئی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

○☆○

اولیانو لاکھ رنگین مزاج اور ذہین سہی' منافقت کے فن سے یکسر نابلد تھا۔ اس کے دل میں جو بات ہوتی تھی وہ کسی نہ کسی طرح اس کی زبان پر آہی جاتی تھی۔ اس نے مجھے ویرا کے ساتھ دیکھتے ہی کہہ دیا کہ اسے میری آمد کی امید نہیں تھی' وہ صرف ویرا کو خوش آمدید کہنے کے لیے خود کو تیار کرسکا تھا۔

"اب دوستی ہوگئی ہے تو ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔ تنی اپنے کام سے بیرونِ شہر جاتا ہے تو میں اکیلے پڑے پڑے اکتا جاتی ہوں۔ اچھا ہے کہ اب تمہارا ساتھ میسر رہے گا۔" ویرا نے موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے اسے وعدۂ فردا کی امید دلائی تو اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ میری مداخلتِ بے جا اپنی جگہ پر تھی لیکن اولیانو کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ ویرا جیسی خوبصورت لڑکی اس کا ذہن پڑھ کر' اشاروں کنایوں میں اس کی ہم خیال ہونے کا اعتراف کررہی تھی اور میں کند ذہنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے' اس صورتِ حال سے لاتعلق بنا ہوا تھا۔

ہم لوگ اول خان کی واپسی سے قبل' صبح ساڑھے چھ بجے ہی اسپیشل ٹاسک فورس کے ریسٹ ہاؤس سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ہم نے ڈرائیور کو اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ ہمارا ارادہ تھا کہ اولیانو کو دفتر سے روانہ ہونے سے پہلے ہی پکڑ لیا جائے۔ اس سے فارغ ہوکر ہم سیدھے ائرپورٹ کی طرف نکل جاتے۔ اگر فوراً ہی کسی پرواز پر نشستیں مل جاتیں تو گاڑی کو واپس لوٹا دیتے۔ پرواز میں زیادہ دیر ہوتی تو کنفرمڈ ٹکٹ خرید کر اسی گاڑی میں واپس ریسٹ ہاؤس لوٹ آتے تاکہ اولیانو سے ہاتھ لگنے والے مواد پر اول خان کے ساتھ تبادلۂ خیال کرسکیں۔

اولیانو سحرخیزی کا عادی تھا۔ شاید اس کی صحت مندی اور تازگی کا راز بھی اسی عادت میں پوشیدہ تھا۔ وہ بیدار ہونے کے بعد ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوچکا تھا۔ اس نے ہمیں چائے نوشی کی دعوت دی جسے ویرا نے خوبصورتی سے ٹال دیا۔

اولیانو نے بھی اصرار نہیں کیا کیونکہ وہ خود دفتر کے لیے روانہ ہونے کی عجلت میں نظر آرہا تھا۔

ہمیں نشست گاہ میں بٹھا کر وہ اندر گیا اور چند منٹ بعد واپس آیا تو ہماری توقع کے برعکس اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے اور وہ چہرے سے متذبذب نظر آرہا تھا۔

"میں اب بھی ظفر یا البرٹو سے خوف زدہ ہوں۔" بیٹھنے کے بعد وہ اپنی دونوں ہتھیلیاں رگڑتے ہوئے بولا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تم سے تعاون کرکے' مصائب کی دلدل میں اور گہرا دھنس جاؤں۔"

"میں یقین دلاتی ہوں کہ ہماری وجہ سے تمہارا بال بھی

بکا نہیں ہوگا۔" ویرا اس کا ہاتھ تھام کر محبت آمیز لہجے میں بولی۔ "یہ تو ایک ایسا جرم ہوگا کہ میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کر سکوں گی۔"

ویرا اس کی کمزوری بن گئی تھی۔ وہ اس کی ادا پر ریشہ خطمی ہو گیا۔ "میں تمہاری یقین دہانی پر پورا پورا اعتماد کرتا ہوں لیکن مجھے تمہارے بوائے فرینڈ سے کوئی خاص امید نہیں ہے۔ یہ احمق ہونے کے ساتھ ساتھ بہت عیار بھی ہے۔ میں پرسوں رات دیر تک یہ سوچ سوچ کر حیران ہوتا رہا کہ اس نے نلنی کور جیسی چالاک اور مردمار عورت کو ذرا سی دیر میں، کس طرح اپنے قابو میں کرلیا تھا؟ جو باتیں میں اسے ہرگز نہ بتاتا، وہ نلنی کور نے چند منٹ میں اس کے سامنے اگل دیں اور یہ اس کو نشے میں دھت کرکے، میرے سر پر مسلط کرکے چل دیا۔"

"وہ تنی کا نہیں، میرا فیصلہ تھا۔ تم نلنی سے خوف زدہ تھے تو ہمیں رات بھر کے لیے بھی یہاں روک سکتے تھے۔"

وہ دھیمے سے ہنس پڑا۔ "میں خوبصورت عورتوں سے ذرا بھی نہیں ڈرتا۔ ان سے کھیلنے میں تو عجیب ہی لطف آتا ہے۔ اصل خوف اس کے شوہر کی طرف سے تھا۔ وہ اسے ڈھونڈتا ہوا ادھر آنکلتا تو میں بری طرح پھنس جاتا۔ وہ اسکینڈل میرے لیے ظفر کے ویڈیو کیسٹ سے بھی زیادہ تباہ کن ہوسکتا تھا۔"

میں اس دوران میں سوچتا رہا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اسے البرٹو کے انجام سے باخبر کرنے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ "محض تمہاری خاطر ہم نے سارے وسائل داؤ پر لگا کر ظفر کو پکڑلیا ہے۔ تم اس کے بارے میں جلد ہی یہاں کے اخبارات میں بہت کچھ پڑھ لوگے۔ اب وہ تمہیں تنگ نہیں کرسکتا۔"

"تو کیا میرا کیسٹ بھی تمہارے ہاتھ آگیا؟" اس نے تیز اور پرامید لہجے میں پوچھا۔

"ابھی اس کے ٹھکانوں کی تلاشی کا کام جاری ہے۔" میں نے اس کو تسلی دلانے کے لیے جھوٹ بولا۔ "ابھی تک سو کے قریب کیسٹ ملے ہیں جن پر نمبر پڑے ہوئے ہیں۔ وہ نہ جانے کس کس کو بلیک میل کررہا تھا۔ ان میں سے تمہارا کیسٹ تلاش کرنے میں خاصا وقت لگ سکتا ہے۔ اس کے لیے ہر کیسٹ کا کچھ حصہ چلا کر دیکھنا پڑے گا تب معلوم ہوسکے گا کہ کون سا کیسٹ کس کا ہے۔"

"تم نے میرا دل خوش کردیا۔" اولیانو کے لیے اپنی بے پناہ خوشی پر قابو پانا دشوار ہوگیا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے اوپر آپڑا۔ وہ اس قدر جوش میں تھا کہ معانقہ کرنے کے لیے، اس نے مجھے اپنی جگہ سے اٹھنے کا موقع بھی نہیں دیا تھا۔ "مجھے حیرت ہے کہ تم نے آتے ہی یہ خبر کیوں نہیں سنائی؟"

"تم چاہو گے تو ہم تمہارا کیسٹ تلاش کرنے کی کوشش کریں گے لیکن میں جانتا ہوں کہ ہر فلم میں گھٹیا اور واہیات مواد ہوگا جسے دیکھ کر کوئی ذہنی بیمار ہی خوش ہوسکتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ ہم ان فلموں کو دیکھے بغیر، جلا کر تلف کردیں تاکہ تم جیسے معزز لوگوں کا بھرم برقرار رہے۔"

"تم بالکل ٹھیک سوچ رہے ہو۔" اس نے پرزور انداز میں میری تائید کی۔ "فلمیں بہت سے لوگ مل کر دیکھیں گے۔ ان کو یوں ہی جلا دینا بہتر رہے گا۔ میرے لیے تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ موذی اب آزاد نہیں ہے۔ اسے دوسروں کی عزت سے کھیلنے کا کوئی اور موقع نہیں دیا جائے گا۔"

"ہم اس کے سلسلے میں بہت مصروف ہیں۔ وقت نکال کر صبح ہی صبح اس لیے آئے ہیں تاکہ اس کے خلاف ملنے والے سارے ممکنہ ثبوت یکجا کرسکیں۔ وہ فیکس اور باہر کے نمبروں کی فہرست کہاں ہے؟"

"یہ لو!" اس نے اپنی پتلون کی جیب سے ایک سفید لفافہ نکال کر میری طرف بڑھادیا۔ "یہ میں اندر سے لے آیا تھا لیکن سچ بات یہ ہے کہ ظفر کے پکڑے جانے کی خبر سننے سے پہلے میں یہ لفافہ تم دونوں کے حوالے کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ میں کوئی بہانہ کرکے تمہیں ٹال ہی دیتا۔"

میں نے وہ لفافہ کھول کر دیکھے بغیر اپنی جیب میں ڈال لیا کیونکہ کام بن جانے کے بعد میں جلد از جلد اس کے گھر سے روانہ ہوجانا چاہ رہا تھا۔ ویرا میرا مدعا بھانپتے ہوئے فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے! تم کہاں چل دیں؟ تھوڑی دیر تو بیٹھو۔ میں پونے آٹھ بجے دفتر کے لیے نکلتا ہوں۔ اس وقت تک فرصت ہی فرصت ہے۔" اولیانو، ویرا کو اٹھتا ہوا دیکھ کر بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"نہیں، اولی ڈارلنگ! ہمیں چلنا چاہیے۔ ہمیں ہر کیسٹ اپنی تحویل میں لینے کے لیے وہاں موجود رہنا چاہیے۔ تنی تو بعض اوقات باتوں میں پڑ کر بالکل ڈفر ہوجاتا ہے۔" ویرا نے میرے بارے میں بدمزاجی کا مظاہرہ کرنا ضروری سمجھا تھا۔

"ارے نہیں، یہ بھی بہت پیارا لڑکا ہے۔ آج اس نے

میرے سر پر سے بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا ہے۔ تم نے تو اس خوشخبری کا ذکر ہی گول کیا ہوا تھا۔" اولیانو نے میرے لیے پہلی بار کوئی کلمۂ خیر استعمال کیا تھا۔

ہم دونوں بہت تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئے۔ میں نے گاڑی چلتے ہی سفید لفافہ چاک کیا تو اس میں دو کاغذ موجود تھے۔ میرے اشارے پر ڈرائیور نے گاڑی کا رخ ائرپورٹ جانے والے راستے کی طرف کر دیا۔ دونوں کاغذ ہاتھ آجانے کے بعد ریسٹ ہاؤس کی طرف جانا وقت برباد کرنے کے مترادف ہوتا۔

اولیانو کے بیان کے مطابق فیکس پر آنے والا پیغام بہت مختصر اور سادہ تھا۔ اس پر کہیں بھی تاریخ یا بھیجنے والے کا نام یا فیکس نمبر نہیں تھا۔ پانچ انگریزی الفاظ پر مشتمل وہ تحریر ہاتھ سے لکھی گئی تھی۔ کوئی حرف خصوصی باریکی یا موٹائی کا حامل نہیں تھا۔ پوری تحریر یکساں تسلسل میں تھی۔ ویرا بھی کافی دیر تک مغز زنی کرنے کے باوجود ان پانچ عام فہم الفاظ میں کوئی خفیہ کنایہ دریافت نہیں کر سکی۔

دوسرے کاغذ پر چار فیکس نمبر تھے۔ ان نمبروں پر اولیانو نے محنت کی تھی اور کوڈ نمبروں کی مدد سے ہر نمبر کے آگے ملک اور شہر کا نام بھی لکھ دیا تھا۔ ان میں سے دو نمبر کے تھے۔ ایک نیویارک اور چوتھا لندن کا تھا۔

بوگوٹا میں اس کے زیادہ رابطے ہونے کا مضبوط جواز تھا کیونکہ وہ وہیں کا باشندہ تھا۔ کرنل جیسی جونز کے علاوہ بھی اس کے بہت سے دوست اور رشتے دار وہاں مقیم ہو سکتے تھے۔ نیویارک کا نمبر شاید نسل پرست اور مالدار یہودیوں کی امریکی تنظیم 'ڈیوڈ اسٹارز' کے کسی اہم ٹھکانے سے تعلق رکھتا تھا کیونکہ ان دنوں وہ لوگ ڈیوڈ اسٹارز کے لیے بھی کام کر رہے تھے اور البرٹو کے لیے بعض اوقات ان سے رابطہ کرنا ناگزیر ہو جاتا ہوگا۔ لندن کے نمبر کے بارے میں اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔ وہ ایسے کسی مالیاتی ادارے کا نمبر ہو سکتا تھا جو ڈیوڈ اسٹارز کے فراہم کیے ہوئے فنڈز سے البرٹو کو وقتاً فوقتاً مقررہ رقوم ارسال کرنے کا ذمّے دار ہو لیکن وہ سب صرف قیاسات ہی تھے۔ ان کے بارے میں تفصیلی تحقیقات بہت ضروری تھیں۔

ہم دونوں نے اس بارے میں تبادلۂ خیال کیا اور مشترکہ طور پر اس نتیجے پر پہنچے کہ ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں تھے کہ ہم ان نمبروں پر پیغام کے بارے میں مزید کام جاری رکھ سکتے۔ اول خان اس وقت اسلام آباد میں بیٹھا ہوا تھا جہاں سارے وفاقی وسائل مرتکز تھے۔ اگر وہ دونوں کاغذات اسے بھجوا دیے جاتے تو ان کے بارے میں فوری پیش رفت ہو سکتی تھی۔

میں نے ایک کاغذ پر چاروں فیکس نمبر نوٹ کر کے اپنے پاس رکھ لیے اور وہ دونوں کاغذ لفافے میں ڈال کر کار کے ڈرائیور کے حوالے کر دیے تاکہ وہ واپسی پر وہ لفافہ دستی طور پر اول خان کو پہنچا دے۔

ائرپورٹ پر پی آئی اے کے سیلز کاؤنٹر سے دس بجے کی پرواز کے ٹکٹ بہ آسانی مل گئے۔ وقت اتنا کم تھا کہ ہمارے لیے اسلام آباد جا کر فوری طور پر واپس آنا بے سود ہوتا اس لیے میں نے ڈرائیور کو شکریے کے ساتھ واپس لوٹا دیا اور میں ویرا کے ساتھ پبلک کال آفس کی طرف چل دیا۔

اس پبلک کال آفس میں ان دنوں ڈائرکٹ ڈائلنگ والے نمبروں پر ایسے فون موجود تھے جن کے نچلے حصوں میں کال یونٹ ریکارڈ کرنے والے میٹر لگے ہوئے تھے۔ مجھے ایسے فون پر ایک بار مختصر سی کال کے پونے دو سو روپے ادا کرنے کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا اور میں ان لوگوں کے طریقۂ واردات سے بھی واقف ہو گیا تھا۔ وہ لوگ شریف اور سادہ لوح افراد کو خود ہی نمبر ملا کر دیتے تھے اس طرح میٹر کی ابتدائی ریڈنگ کا صارف کو علم نہیں ہوتا تھا۔ کال ختم ہونے کے بعد صارف نے ان کی بتائی ہوئی رقم بے چون وچرا کیے ادا کر دی تو ٹھیک ورنہ اعتراض کی صورت میں وہ میٹر کے ساتھ اپنی رسید بک سامنے رکھ کر مزید رقم اینٹھنے پر تُل جاتے تھے۔ نکتہ یہ تھا کہ وہ ہر شخص کو رسید جاری نہیں کرتے تھے جو اصرار کرتا اس کو فرضی ریڈنگ کے اعتبار سے بل دے دیا جاتا۔ اس طرح ان کے میٹر کی ابتدائی ریڈنگ رسید بک کے اعتبار سے ہر وقت پیچھے رہتی تھی جو اُن کے لیے فاضل آمدنی کا ذریعہ بنی رہتی تھی۔ ڈیوٹی کے اختتام سے پہلے فرضی رسیدیں کاٹ کر اس فرق کو دور کر دیا جاتا تھا۔ محکمے کو اس کا اصل محصول مل جاتا اور صارفین سے اینٹھی ہوئی فاضل رقوم عملے کی جیبوں میں چلی جاتی تھی جو کسی بھی شفٹ میں سیکڑوں روپے سے کم نہیں ہوتی ہوگی۔

میں نے کراچی کا نمبر دینے سے پہلے، آپریٹر سے میٹر دکھانے کا مطالبہ کیا تو اس نے مجھے یوں تحقیر آمیز نظروں سے دیکھا جیسے میں نے اسے کوئی ننگی گالی دے ڈالی ہو پھر اس نے بدتمیزی سے ہاتھ مار کر فون کا اگلا حصہ میرے سامنے کر دیا۔ اس وقت اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ شاید انسٹرومنٹ مار کر میرا سر ہی پھاڑ ڈالتا۔

میں نے فون پر غزالہ کی خواب آلود آواز سن کر طویل

گفتگو کا ارادہ ترک کر کے اسے صرف اتنا بتایا کہ میں کسی بھی وقت کراچی پہنچنے والا تھا۔ میں نے اپنی پرواز کا نمبر اس خیال سے نہیں دیا کہ وہ میرا استقبال کرنے کے لیے ایرپورٹ دوڑی چلی آئے گی جس کے نتیجے میں دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔

اس وقت تک وہ دونوں خیریت سے تھے اور اُن کے ساتھ کوئی قابلِ ذکر واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔

میں نے سلسلہ منقطع کر کے آپریٹر کو اول خان کا نمبر دیا تو اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔ اس نے دوبارہ میٹر میری طرف گھماتے ہوئے ترش روئی کے ساتھ کہا۔ "ریڈنگ پھر دیکھ لو اور چوالیس روپے نکالو۔ یہ ایس ٹی ڈی فون ہے۔ دوسرے آدمی کے لیے جگہ خالی کرو۔ لوکل کال اُدھر سے ہوتی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے سر کی جنبش سے داہنی طرف اشارہ کیا تھا۔

"تمہیں بات کرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔" اس کے لب ولہجے نے مجھے اچانک ہی مشتعل کر دیا۔ "یہاں آنے والوں سے اسی طرح بدتمیزی کی جاتی ہے؟"

"اجی قبلہ وکعبہ! میں نے کون سی گستاخی کی ہے؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولا "اتنا ہی تو عرض کیا ہے کہ یہاں سے صرف ایس ٹی ڈی کالز ہوتی ہیں۔ لوکل کال کے لیے دوسرے فون پر تشریف لے جائیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کراچی کی کال کے چوالیس روپے بھی آپ پر بھاری پڑے ہیں جو اتنے برہم ہو رہے ہیں۔"

میری اس ہتک پر آس پاس موجود کئی افراد ہنس پڑے۔ میرے پیچھے والے کو اپنی باری کی عجلت تھی۔ اُس نے میرا بازو دبا کر مجھے غصہ تھوکنے کا مشورہ دیا۔ اسی لمحے میری اونچی آواز سے بوکھلا کر ویرا بھی میرے سر پر مسلط ہو گئی۔ لوگوں کی اس سنگدلانہ بے حسی نے میرا دل خون کر دیا۔ وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ ہمارا اجتماعی مزاج بنتا جا رہا تھا کہ ہم اپنی ایک پریشانی یا بے عزتی پر بری طرح بلبلاتے ہیں لیکن دوسروں کے ساتھ ویسا ہی واقعہ پیش آجائے تو ہمدردی اور حق گوئی کے دو بول بولنے کے بجائے اُس کا مذاق بنانے یا اسے شرمندہ کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں جیسے وہ فاترالعقل دیوانہ ہو۔

میں نے جیب سے پینتالیس روپے نکال کر کاؤنٹر پر پھینکتے ہوئے رسید کا مطالبہ کیا جو بلا حیل و حجت بنا کر، ایک روپے سمیت میرے حوالے کر دی گئی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر شخص تمسخرانہ انداز میں مجھے دیکھ رہا ہو۔

اس وقت میرے وجود میں لاوا کھول رہا تھا۔ میں خفت آمیز انداز میں ملحقہ کاؤنٹر پر اول خان کا نمبر ملا رہا تھا تو میرے کانوں میں اسی آپریٹر کی تلخ آواز آئی۔ وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔

"ارے بھائی، یہاں صبح سے شام تک سیکڑوں باؤلے آتے ہیں اور ہمیں ان کی سنی پڑتی ہے مگر ہم انہیں دور ہی سے پہچان لیتے ہیں۔ بھائی لوگ اپنے یار دوستوں اور بیوی بچوں سے فون پر لمبی لمبی باتیں کرتے ہیں اور بڑی احتیاط سے رسیدیں جمع کرتے رہتے ہیں تاکہ موقع پاتے ہی وہ رسیدیں سرکاری خرچے میں ڈال دیں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ فون کے انتظار میں کھڑے ہوئے کسی شخص کا تعریفی تبصرہ تھا۔ "عام آدمی کو رسید اور پرچی سے کیا لینا۔ بلا وجہ وقت کھوٹا ہوتا ہے۔ ہم سیکڑوں روپے کے فون کرتا ہے۔ فون کیا، پیسہ دیا اور جلدی سے دوسرے کے لیے جگہ چھوڑ دی۔ اِدھر ہر آدمی ضرورت سے اور جلدی میں آتا ہے۔ ہر آدمی رسید مانگے تو ادھر باہر تک لائن لگی رہے گی۔ لوگوں کو اپنا مال پانی بنانے کے ساتھ دوسروں کا بھی خیال کرنا چاہیے۔"

دکھ کی بات یہ تھی کہ وہ تقریر کوئی ظالم اور لٹیرا نہیں بلکہ مظلوم طبقے کا ایک فرد اپنی مرضی سے کہہ رہا تھا۔ اسے یہ احساس ہی نہیں تھا کہ وہ اپنی اس حرکت سے اپنے بعد آنے والے کے لیے کیسی مشکل کھڑی کر دیتا تھا۔ عام لوگوں کی یہی کم فہمی معاشرے میں رشوت اور لوٹ مار کو فروغ دے رہی تھی۔

میں نے بد دل ہو کر فون کا ریسیور کریڈل پر ڈالا اور اول خان سے بات کیے بغیر پبلک کال آفس سے باہر آگیا۔ میں وہاں رُکا رہتا تو اشتعال کے عالم میں کوئی بڑا ہنگامہ کھڑا کر سکتا تھا۔

ویرا ہماری معاشرتی خرابیوں پر گہری نظر رکھتی تھی۔ اس کے استفسار پر میں نے اسے پورے پس منظر سے آگاہ کیا تو اس نے اعتراف کیا کہ مغرب اور امریکا میں بھی لوگ غنڈوں لٹیروں اور بدمعاشوں کے مقابلے میں مظلوم کا ساتھ دینے سے کنی کتراتے ہیں کیونکہ وہاں جان کا خطرہ ہوتا ہے۔ البتہ دو عام شہریوں یا عام شہری اور کسی سرکاری اہل کار کے درمیان کوئی تنازعہ ہو تو حق دار کو حق ملے یا نہ ملے، اسے تماشائیوں کی تمام ہمدردیاں فی الفور حاصل ہو جاتی ہیں اور یہی یک جہتی ان میں اپنے حقوق کے لیے لڑ جانے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے لیکن پاکستان کے بڑے شہروں کا باوا آدم ہی نرالا تھا۔ اچھے خاصے، پڑھے لکھے لوگوں نے خود کو تیسرے درجے کا محکوم تصور کر کے خود کو بڑے تو کیا، نچلے درجے کے سرکاری اور نیم سرکاری ملازموں کے رحم و کرم پر چھوڑا ہوا

ہے اور خود سپردگی کا یہ اجتماعی رویہ سرکاری عفریتوں کی
بھوک میں روز افزوں اضافہ کر رہا ہے۔

آٹھ بجے ائرپورٹ کے چیکنگ سسٹم پر پرواز نمبر پی کے
تین صفر ایک کے لیے کاؤنٹر کھلنے کا اعلان ہوا تو ہم دونوں
ٹکٹ دکھا کر اندر داخل ہوئے اور تمام مراحل سے گزرتے
ہوئے' چند منٹ میں روانگی کے لاؤنج میں پہنچ گئے۔ وہاں کافی
پینے کے بعد میرا موڈ قدرے بحال ہوا تو ویرا نے آہستگی سے
مجھے اول خان سے بات کرنے کا مشورہ دیا۔ یہاں ماحول اور
عملہ مختلف تھا اس لیے میں فوراً فون کی طرف چل پڑا۔

اس وقت تک اول خان اپنے دفتر میں واپس آچکا تھا۔
میری آواز سنتے ہی وہ چہکنے لگا۔ "آج تم سارے کام بہت
اچھے کر رہے ہو۔ پہلے تم نے اولیانو سے ملنے والے کاغذات
مجھے بھجوائے اور اب فون بھی کر رہے ہو۔ ٹیلی فون کے محکمے
کے ڈائریکٹر جنرل کی سطح پر یہ بندوبست کر لیا گیا ہے کہ
اولیانو کے فیکس نمبر کو چند روز کے لیے ایکسچینج سے کاٹ کر
اس نمبر پر ایکسچینج ہی میں ایک فیکس مشین منسلک کر دی جائے
گی۔ اس طرح اولیانو کے فیکس نمبر پر آنے والے تمام
پیغامات ان لوگوں کے ذریعے بالا ہی بالا ہم تک پہنچ جائیں
گے۔ ہو سکتا ہے کہ اتوار سے پہلے کوئی اور اہم پیغام ہمارے
ہاتھ لگ جائے۔ باہر کے نمبروں کے بارے میں مکمل
رازداری کے ساتھ مصدقہ معلومات حاصل کرنے کے لیے
قدرے طویل لیکن فول پروف طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا
گیا ہے۔"

"مجھے اب بھی یقین نہیں آرہا کہ یہ انتظامات اتنی
سُرعت کے ساتھ کیے جانے ممکن تھے۔" میں نے فون کاؤنٹر
پر موجود شخص کی وجہ سے گول مول بات کی۔

"اس وفاقی محکموں کے تمام ذمّے دار پوری طرح الرٹ
ہیں۔ انہیں ملک کو درپیش خطرات کی سنگینی کے بارے میں
پوری طرح بریف کر دیا گیا ہے اور کوئی نہیں چاہے گا کہ اس
کے محکمے کی کسی کوتاہی کی وجہ سے مدافعانہ کارروائیوں کو کوئی
گزند پہنچے۔ وزارتِ خارجہ تک میدان میں آکودی ہے۔"

"وزارتِ خارجہ؟" میں نے حیرت سے دہرایا "لیکن
کولمبیا کی حکومت البرٹو کے بارے میں کوئی ذمّے داری قبول
کرنے کی پابند نہیں ہے۔ فری لانس ٹیرارسٹ اور مرسن ریز
کسی کے لیے بھی کام کرتے رہتے ہیں۔ ان پر حکومتوں کا کوئی
کنٹرول اور اختیار نہیں ہوتا۔" وہ تبصرہ کرتے ہوئے میں نے
دیکھ لیا تھا کہ میں اس وقت اکیلا رہ گیا تھا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ عام حالات میں ہر محکمہ ایک
دوسرے پر ذمّے داریاں ڈالتا ہے لیکن وزارتِ خارجہ کے
ایک ڈپٹی سیکریٹری نے فیکس نمبروں کے مالکان کا کھوج لگانے
کی ذمّے داری خود قبول کی ہے۔"

"وہ لوگ اس بارے میں کیا کر سکیں گے؟" میری حیرت
میں مزید اضافہ ہو گیا۔

"وہ متعلقہ ممالک میں اپنے سفارت خانوں کو ہدایات
دیں گے اور وہ متعلقہ شہروں کی فیکس ڈائریکٹریوں سے مالکان
کا سراغ لگا کر اسے اپنے طور پر چیک کریں گے اور حقائق
پاکستان بھیج دیں گے۔ اس طرح ان ملکوں میں کسی کو بھنک
بھی نہیں مل سکے گی کہ کیا ہو رہا ہے اور وہاں کے حکام کو
اعتماد میں لیے بغیر ہمیں انتہائی نچلی سطح سے سارا مطلوبہ مواد
مل جائے گا۔"

وہ طریقۂ کار جس نے بھی سوچا تھا' اس کی نگاہیں بہت
دور تک دیکھنے کی عادی معلوم ہوتی تھیں۔ اگر وہ معلومات
سرکاری سطح پر منگوائی جاتیں تو ان چاروں نمبروں کے
صارفین کے ساتھ کوئی بھی بڑا حادثہ پیش آنے کی صورت
میں ان کی حکومتیں پاکستان کو انتقامی کارروائی کا ذمّے دار
ٹھہرا سکتی تھیں لیکن اپنے سفارتی ذرائع سے معلومات حاصل
کرنے کے بعد پاکستانی حکومت اپنے سیکرٹ ایجنٹوں کے
ذریعے البرٹو کے ان غیر ملکی پشت پناہوں کی خاطر خواہ گوشمالی
کرانے کے باوجود پسِ پردہ رہ سکتی تھی اور شاید ہونا بھی یہی
تھا۔

میں نے لمحہ بھر میں وہ سب سوچا اور تعریفی لہجے میں کہا۔
"یہ بہت دور رس فیصلہ ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ عام حالات
میں ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے والے برے وقت میں سیسہ
پلائی ہوئی دیوار ثابت ہو رہے ہیں۔ بادی النظر میں تو یہ فائل
مواصلات کے محکمے میں کھلنی چاہیے تھی اور اس کے بہت
سے مضمرات بھی ہو سکتے تھے۔ بہرحال اب تک تو سب کچھ
بہترین انداز میں ہی ہو رہا ہے۔" فون اٹینڈنٹ مجھے گفتگو میں
مصروف پا کر بدستور کہیں غائب تھا۔

"میں تمہارے دلی جذبات سے تو لاعلم ہوں لیکن اپنے
بارے میں کہہ سکتا ہوں کہ میرا سر بہت اونچا ہو گیا ہے اور
میں عجیب سے سنسنی خیز ہیجان سے دوچار ہوں۔ اس وقت
کچھ ویسی ہی صورتِ حال نظر آرہی ہے جو مغربی ملکوں کی
محنت اور خطیر سرمائے سے تیار کی گئی اسلامی بم نامی فلم میں
دکھائی گئی تھی۔ اس فلم کو دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا کہ ہمارے
بیوروکریٹ اور سرکاری اہلکار اس قدر مخلص' جفاکش اور

قوم پرست بھی ہوسکتے ہیں۔ کلیدی پُرزوں اور ضروری سازوسامان کی خریداری کے لیے ہمارے سفارت کار شہر شہر اور گلی گلی بھٹکتے پھرے تھے تب کہیں کہوٹہ کا نقشہ زمین پر ابھرا تھا۔"

"تم جذباتی ہو رہے ہو' اول خان!" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ اس وقت تک فون اٹینڈنٹ کے علاوہ دو مسافر بھی وہاں آگئے تھے۔ میں نے مبہم انداز میں اپنی بات جاری رکھی۔" وہ فلم ان لوگوں نے اپنے مقاصد کے تحت بنائی تھی۔ اصل کہانی تو بس وہی جانتا ہے جو اسے چلا رہا ہے۔"

"اوہ! میں بھول گیا تھا کہ تم کسی پبلک کال آفس سے بول رہے ہوگے۔" وہ میری مجبوری کو فوراً ہی بھانپ گیا۔ "اب کراچی میں بات ہوگی لیکن یہ ضرور سن لو کہ اصل بڑا آدمی وہ تھا جسے لٹکا دیا گیا۔ باقی نام اس کے بعد آتے ہیں۔ اور ہاں' کراچی میں میری بیوی کو ضرور سمجھا دینا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں بھابی سے بات کرلوں گا۔ بس اتنا اور بتاتے چلو کہ کارخانے کی کیا خبریں ہیں؟" میں نے دزدیدہ نگاہوں سے اکتائے ہوئے مسافروں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"بالکل خاموشی ہے۔ آپریشن مکمل ہونے پر ہی کچھ معلوم ہوسکے گا۔" اس نے جواب دیا۔

"خدا حافظ۔" میں نے فون بند کرکے پانچ روپے کا نوٹ کاؤنٹر پر رکھا اور واپس ہولیا۔

اول خان سے بات کرکے میری ساری کوفت دور ہوگئی تھی۔ وہ دوسروں کے کندھوں پر سوار ہو کر اپنا قد بڑھانے والے خود غرض لوگوں میں سے نہیں تھا۔ وہ ہر وقت میری اور ویرا کی ناقابلِ فراموش کارکردگی کا ذکر کرتا رہتا تھا۔ اگر وہ خود کو سربلند محسوس کر رہا تھا تو میری کیفیت بھی زیادہ مختلف نہیں تھی۔

البرٹو' جسے ہر شخص ظفر سمجھ کر اس کے خلاف کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں تھا' ویرا کے ایک اشارے کی بنا پر میری نظروں میں مشکوک ہوا تھا۔ اس وقت ویرا نے بھی میرا مذاق اڑایا تھا لیکن میں اپنے قریبی ساتھیوں کی ان مخالفتوں کی وجہ سے بددل ہونے کے بجائے یک سوئی سے اپنے مشن میں لگا رہا اور اب اسی البرٹو کے حوالے سے ایسی بھیانک سازش سامنے آرہی تھی کہ ہر شخص لرزہ براندام تھا۔ شاید یہ ان ذلتوں کا کفارہ تھا جو میں نے شی کے لیے ہیروئن فروشی کی ابتدا کرکے اپنی جوان نسل کی پیشانیوں پر مسلط کردی تھیں۔ مجھے اپنا سینہ کچھ کشادہ اور وجود پھول سے بھی ہلکا محسوس ہونے لگا۔

ویرا بے چینی کے ساتھ میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اتنے طویل عرصے تک میرے ساتھ رہنے کے بعد وہ بڑی حد تک میری مزاج آشنا ہوچکی تھی۔ واپسی پر میرے چہرے پر کوفت اور غصے کے بجائے بشاشت اور سکون کی علامت دیکھ کر اس نے دور ہی سے تبدیلی کا اندازہ کرلیا اور شوخی کے ساتھ بولی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خوش خبری سن کر آرہے ہو۔"

ویرا نے ملا سرکار جیسے رسوائے زمانہ آدمی کی تباہ کن سازشوں سے لے کر البرٹو ویلیسا کی تخریب کاریوں تک' جس بھرپور انداز میں ہم لوگوں کا ساتھ دے کر پاکستان کے قومی مفادات کے تحفظ میں حصہ لیا تھا اس کی بنا پر میرے دل میں اس کی بہت زیادہ قدر و منزلت تھی۔ وہ عملی طور پر ایک بین الاقوامی مجرمہ تھی اور اسے اپنی تنظیم کے مفادات کے علاوہ کسی بھی ملک یا قوم کی سلامتی سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی تھی لیکن اس نے محض میری دوستی کی خاطر' اپنے قول و فعل سے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا تھا لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک کھلی حقیقت تھی کہ وہ میرے بارے میں کبھی کبھی حسد و رقابت کی آگ میں سلگنے لگتی تھی اور ایسے مواقع پر اس کا رویہ بہت زیادہ غیر متوازن ہوجایا کرتا تھا۔ چند ہی گھنٹے پہلے کی بات تھی کہ میری کراچی واپسی کے حوالے سے وہ برہم ہو کر مجھ سے تعلق ختم کرلینے کی دھمکیاں دینے پر اتر آئی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ میں نے ہوشیاری کے ساتھ صورتِ حال کو سنبھال لیا تھا۔ لیکن میرے ذہن میں یہ خطرہ ہر وقت ناچتا رہتا تھا کہ اگر کسی بھی وقت میری ویرا سے ٹھن گئی تو وہ اپنی معلومات کے سہارے مجھے تگنی کا ناچ ناچنے پر مجبور کر سکتی تھی۔

اس وقت بھی اگر میں اسے اول خان سے ہونے والی گفتگو کے اصل متن سے آگاہ کردیتا تو وہ ان تعریفوں میں اپنی مدح کا پہلو نکال کر عشوہ طرازیوں کی طرف مائل ہو سکتی تھی کیونکہ اولیانو میری کسی چالاکی کی بنا پر نہیں بلکہ صرف اور صرف ویرا کے نازو انداز کی بنا پر قابو میں آیا تھا۔ میں نے ویرا تک پہنچنے میں چند قدم کا فاصلہ طے کرتے ہوئے اپنے وہ ذہنی جائزے مکمل کرلیے اور ویرا کو معاملے کی پوری گہرائی سے بے خبر رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "فی الحال صورتِ حال جوں کی توں ہے۔ خوش خبریاں اتنی آسانی کے ساتھ نہیں ملتیں۔ بس واپسی سے پہلے اس سے الوداعی بات چیت کرکے مجھے ضرور خوشی ہوئی ہے۔"

"بندروں والے کارخانے کے بارے میں تو وہ بہت کچھ بتا سکتا تھا۔" ویرا نے اشتباہ آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یا خرابی یہی ہو گئی تھی کہ وہ میرے کسی بھی جھوٹ پر متجسس ہو جاتی تھی۔ اس بارے میں اس کی چھٹی حس عموماً اس کا ساتھ دیتی تھی۔

"بندروں والا کارخانہ!" اس کی چبھتی ہوئی نگاہوں سے بچتے ہوئے، میں سر جھٹک کر ہنس دیا۔ "وہاں دوسرے لوگ گئے ہیں۔ ان کی واپسی کے بعد ہی کچھ معلوم ہو سکے گا کہ وہاں کیا کچھ ملا ہے۔"

"اولیانو والے کاغذات پر تو اس نے ضرور کچھ کہا ہو گا؟" وہ بدستور غیر مطمئن تھی۔

"خوش تھا۔" میں نے سپاٹ سا جواب دیا۔ "ہماری طرح وہ بھی پُر امید ہے۔ آج کے چکروں سے فارغ ہونے کے بعد وہ ان پر کام شروع کرے گا۔"

"میرا خیال ہے تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔" آخر کار اس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کھل کر اپنے شبے کا اظہار کر ڈالا اور میں دل ہی دل میں بھنا کر رہ گیا۔ میرے چہرے کے تاثرات کی بنا پر شاطر ترین افراد بھی کبھی میرے جھوٹ کو نہیں پکڑ پاتے تھے لیکن ویرا کے سامنے نہ جانے میری اداکاری میں کیا خامی رہ جاتی تھی کہ وہ پل بھر میں بات کی تہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتی تھی۔

"مجھ پر شبہ ہے تو خود اس سے بات کر لو۔ ابھی پرواز کی روانگی میں کافی وقت باقی ہے۔" میں نے چڑچڑے انداز میں جواب دیا۔ "اب وہ تم سے متعارف ہی نہیں ہوا بلکہ تمہارا گرویدہ بھی ہو گیا ہے۔"

"اگر اس کے دل میں یہ شبہ پیدا ہونے کا امکان نہ ہوتا کہ ہمارے درمیان بد اعتمادی پیدا ہو چلی ہے تو میں اسے ضرور فون کرتی۔ بعض اوقات تم میری بات کا جواب اس قدر محتاط انداز میں دیتے ہو کہ مجھے اس پر جھوٹ کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ تم ویسے بھی ہر ایک کو اپنی باتوں سے چکر میں ڈال دینے میں ماہر ہو۔"

"اگر یہ میری تعریف ہے تو تمہارا بہت بہت شکریہ۔ میں آئندہ محتاط رہوں گا۔"

ویرا اس وقت مجھ سے الجھنے کے موڈ میں تھی۔ کوئی خاص مسئلہ زیر بحث نہ ہو تو مجھے بھی اس سے چھیڑ چھاڑ میں لطف آتا تھا۔ اس وقت بھی اصل معاملہ خوش اسلوبی کے ساتھ نمٹ چکا تھا اس لیے جب ویرا نے دوسری باتیں شروع کیں تو میں نے اوٹ پٹانگ جوابات دے کر اسے چڑانا شروع کر دیا۔

پرواز کی روانگی کا اعلان ہونے تک ویرا خاصی برہم ہو چکی تھی اور منہ پھلائے ٹیلی ویژن دیکھ رہی تھی۔ مسافروں کی بھیڑ چھٹ جانے کے بعد ہم دونوں آخری بس سے طیارے کی طرف روانہ ہوئے اور ہمارے نشستیں سنبھالنے کے چند منٹ بعد ہی طیارے کے انجن چلا دیئے گئے۔

دوران پرواز بھی ویرا مجھ سے روٹھی رہی اور جہاز میں گونجنے والے انجنوں کے دھیمے شور میں میرا ذہن ان ہی دو معاملات میں الجھا رہا جو کراچی میں میرے منتظر تھے۔

ان میں سرفہرست مسئلہ ان سرحدی یا افغانی قبائلیوں کا تھا جو غزالہ اور سلطان شاہ کا تعاقب کر کے انہیں خوف زدہ کرتے رہے تھے۔ اول خان کے آدمیوں نے انہیں عارضی طور پر دور رکھنے کا بندوبست کر لیا تھا مگر میں جانتا تھا کہ ضدی اور خود سر طبیعتوں والے وہ پُراسرار قبائلی آسانی سے ہار مان کر میدان چھوڑنے والے نہیں تھے۔ ان اطراف کے باشندے اپنے مقصد کو برسوں بھی نہیں بھولتے تھے۔ روز مرّہ کے کاموں کو سرانجام دیتے ہوئے بھی وہ اپنے مقصد کے بارے میں سوچتے رہتے تھے اور پہلا موقع میسر آنے پر گھات لگا کر اپنا مقصد حاصل کر لینے کی شہرت رکھتے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ ایسے مقاصد میں انتقامی قتل سب سے اہم ہوتا تھا جب کہ میرے ساتھ ان کی دشمنی کا کوئی سبب تاحال سامنے نہیں آ سکا تھا۔

اسی کے ساتھ ڈون کوانگ فو کے کسی آدمی کی دو پُراسرار فون کالز بھی میرے ذہن پر سوار تھیں۔ ڈون کوانگ فو مشرق بعید کے علاقے میں شی کا بہت مضبوط آئی مین تھا جبکہ اس کا بچپن کا دوست اور معزز مہمان، نیشی کاؤ مدر مافیا کا ڈان تھا۔ میں نے ڈون کوانگ فو کی نجی تقریب میں نیشی کاؤ کو جس انداز میں ہلاک کرنے کی منصوبہ بندی کی تھی وہ وقتی طور پر بہت کامیاب رہی تھی اور ہم لوگ بخیر و عافیت مکاؤ سے نکل آنے میں کامیاب رہے تھے لیکن عین آخری لمحات پر ڈون کوانگ فو کی طرف سے میری تلاش کی کوششوں سے یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ ڈون اپنی چار دیواری میں ہونے والے قتل کو فراموش نہیں کر سکا تھا اور اس کے آدمیوں نے آخر کار ہماری سازش کا سراغ لگا ہی لیا تھا۔ اس کے بعد ڈون کو لامحالہ میری تلاش کی شدید ضرورت محسوس ہو سکتی تھی۔

پُر تکلف ناشتے اور اخبار بینی میں سفر غیر محسوس طریقے پر ختم ہو گیا۔ میں نے پنڈی کے اخبارات کا تفصیلی مطالعہ کر

ڈالا لیکن مجھے کہیں بھی کوئی اہم خبر نظر نہیں آسکی۔ سیٹلائٹ ٹاؤن میں البرٹو و یلیسا کے خلاف ہونے والی خوں ریز کارروائی اور پشاور روڈ پر واقع نمبر فیکٹری پر چھاپے کی خبروں کو غالباً اخبارات سے پوشیدہ رکھا گیا تھا اور شہباز خان کے بارے میں مَیں نے اخباری نامہ نگاروں کو اتنی تاخیر سے مطلع کیا تھا کہ اس تصویری خبر کا اسی صبح کے اخبار میں شائع ہونا ممکن نہیں تھا۔ وہ اگلے دن کے اخبارات ہی میں شامل ہو سکتی تھی۔

ہم دونوں کے پاس ایک مختصر سے دستی تھیلے کے علاوہ کوئی سامان نہیں تھا۔ اس لیے بس سے اترنے کے بعد ہم ائرپورٹ کی عمارت میں رکے بغیر باہر نکلتے چلے گئے۔ وہاں اس پرواز سے آنے والوں کے استقبال کے منتظر لوگوں کے ہجوم میں چند پیشہ ور دلاّل پیش پیش تھے۔

ان میں سے کئی تیز سرگوشیوں میں کار اور ٹیکسی کے الفاظ ادا کرتے ہوئے ہماری طرف لپکے لیکن ان میں سے ایک توانا آدمی نے دوسروں کو پھٹکار کر بھگا دیا اور خود تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر ویرا کے ہاتھ سے دستی بیگ تقریباً چھین ہی لیا۔ میرے لیے وہ کوئی نیا تماشا نہیں تھا۔ ان دنوں کراچی کے ہوائی اڈے پر آنے والے ہر ملکی اور غیر ملکی مسافر کو ایسے ڈھیٹ ایجنٹوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ وہ لوگ بھاری کرائے اور بخشش کی امید میں غیرملکیوں پر کچھ ضرورت سے زیادہ ہی مہربان ہوا کرتے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ ویرا سفید فام ہونے کے باوجود' اس توانا شخص کی مداخلت کی وجہ سے متعدد افراد کی یلغار سے محفوظ رہی تھی۔

میں نے غزالہ کو اپنی پرواز کی تفصیلات سے آگاہ نہیں کیا تھا اس لیے وہاں ہمارے لیے کوئی سواری موجود ہونے کا امکان نہیں تھا۔ ہمیں شرف آباد میں اپنے فلیٹ تک پہنچنے کے لیے بہرحال ٹیکسی لینی ہی تھی اس لیے میں نے اس شخص کو آنکھیں دکھانے کے بجائے اسی سے مدد لینے کا فیصلہ کر لیا۔

شرف آباد کا نام اس کے لیے اجنبی ثابت ہوا لیکن بہادر آباد کے ملحقہ علاقے کا حوالہ سنتے ہی اس نے ڈیڑھ سو روپے کرائے کا مطالبہ پیش کر دیا۔

"وہاٹ؟ ڈیڑھ سو؟" ویرا نے ملی جلی انگریزی اور اردو میں حیرت سے کہا۔ "میٹر کے حساب سے وہاں کے مشکل سے پچاس روپے بنیں گے۔ تم زیادہ سے زیادہ ساٹھ لے سکتے ہو۔"

"میم صاحیب' یہاں میٹر نہیں چلتا۔" اس نے ویرا کے قریب ہو کر خوشامدانہ انداز میں کہا۔ "بیس روپے تو ٹریفک والے یہاں ٹیکسی کھڑی کرنے کا بھتّا لیتے ہیں۔ بس تم ایک سو چالیس دے دینا۔" وہ شاید ویرا کی زبان سے اردو سن کر حیران رہ گیا تھا اس لیے اس نے کسی بحث کے بغیر فوراً ہی دس روپے رعایت کا اعلان کر دیا لیکن ویرا کے لیے وہ کمی اطمینان بخش نہیں تھی۔

ان دونوں کا مول تول کرنے کا انداز میرے لیے خاصی دلچسپی کا باعث تھا۔ میں خاموشی کے ساتھ الگ کھڑا وہ تماشا دیکھتا رہا اور آخر کار سو روپے پر بات طے ہو گئی اور وہ ہمارے ساتھ سڑک عبور کرنے لگا۔

اس کی ٹیکسی سڑک کے پار ایک دور افتادہ درخت کے سائے میں کھڑی ہوئی تھی۔ ہم تینوں کو دیکھتے ہی ٹیکسی کا باریش ڈرائیور اپنی نشست سے نیچے اتر آیا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی میرے ذہن کو ایک خفیف سا جھٹکا لگا لیکن میں نے اپنے اس غیرارادی ردِعمل پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ کراچی کے سیکڑوں ٹیکسی ڈرائیور باریش اور پشتو بولنے والے علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔

ہم دونوں کو عزت و احترام کے ساتھ پچھلی نشست پر بٹھانے کے بعد ہمیں لانے والے نے ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھنے کے لیے دروازہ کھولا تو میں چونک پڑا اور میں نے اسے فوراً ہی ٹوک دیا۔ "اے! تم کہاں بیٹھ رہے ہو؟ اس ٹیکسی میں ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں جائے گا۔"

"صاحیب! ہم کو نرسری جانا ہے۔" اس نے گردن گھما کر اپنے مخصوص خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "تم ادھر اتار دو تو تمہارا مہربانی ہو گا۔ امارا پیسہ اور ٹیم بچ جائے گا۔"

"بیٹھ جاؤ۔" میرے بولنے سے پہلے ہی ویرا خانم نے اسے اجازت مرحمت فرما دی اور وہیں ہمارے لیے ایک نئی مشکل کی بنیاد پڑ گئی جس سے ہم اس وقت تک بالکل بے خبر تھے۔

ائرپورٹ سے اسٹار گیٹ کی طرف روانہ ہوتے ہوئے ٹیکسی کی رفتار خاصی ست تھی اور ڈرائیور بار بار عقب نما آئینے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے میں بے چینی سی محسوس کر رہا تھا لیکن اس وقت تک اصل خطرے کا موہوم ترین امکان بھی میرے ذہن میں نہیں آسکا تھا۔

مڈوے ہوٹل سے پہلے ٹیکسی اچانک رکی تو میرے کان کھڑے ہوئے۔ اس وقت ہمارے پیچھے دور دور تک کوئی گاڑی نہیں تھی۔ شاید ڈرائیور نے دانستہ اپنی رفتار اتنی

دھیمی رکھی تھی کہ پیچھے آنے والا ٹریفک گزر جانے کے بعد اسے اپنی بدنیتی دکھانے کے لیے کھلا میدان میسر آ سکے۔
ٹیکسی رکتے ہی ڈرائیور پھرتی سے ہماری طرف پلٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک ریوالور دبا ہوا تھا جس کی نال ہماری طرف اٹھی ہوئی تھی۔ اسی اثنا میں تنومند شخص نہایت سرعت کے ساتھ اپنی سیٹ سے اتر کر پچھلی سیٹ میں گھس کر میرے اوپر تقریباً سوار ہو گیا تھا کیونکہ اس وقت میں ویرا سے الگ بیٹھا ہوا تھا۔ اس شخص کے ہاتھ میں اعشاریہ تین دو کا بھرا ہوا پستول موجود تھا جس کا سیفٹی کیچ ہٹا ہوا تھا۔
"خبردار! جو ذرا بھی آواز نکالی تو ہم گولی مار دے گا۔" میرے اوپر سوار ہونے والا، اپنی سمت کا دروازہ بند کرتے ہوئے غرایا اور ٹیکسی ایک جھٹکے کے ساتھ حرکت میں آ گئی۔ اس بار اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔
ہمارے ساتھ وہ سب اس قدر سُرعت کے ساتھ پیش آیا کہ میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی مفقود ہو کر رہ گئیں۔ ٹیکسی کے دوبارہ حرکت میں آنے پر میرے اوسان قدرے بحال ہوتے تو مجھے اندازہ ہوا کہ اپنی چھٹی حِس کی للکار کو نظرانداز کر کے میں ایک سنگین صورتِ حال سے دوچار ہو چکا تھا۔
وہ دونوں آتشیں ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ انہوں نے ہمیں دن دہاڑے ایک مصروف مقام سے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی اس لیے ان سے یہ توقع باندھنی عبث تھی کہ ہماری کسی بھی مزاحمت پر وہ گولی چلانے کے بجائے بوکھلاہٹ کا شکار ہو جائیں گے اور ہمیں گلوخلاصی کا موقع مل جائے گا۔
"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ تم دونوں کون ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟" مجھ سے پہلے ویرا نے تیز لہجے میں ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "ہماری جیبوں سے تمہیں چند سو روپوں کے علاوہ اور کچھ نہیں مل سکے گا۔"
"خوچہ میم صاحب! ابی تم آرام سے بیٹھو۔ ہم اپنے ڈیرے پر لے جا کر تم لوگوں کو مٹھائی کا لڈو کھلائے گا۔ گڑبڑ کیا تو تمہارا سر پھاڑ کر ہم لوگ تمہیں بے ہوش کر دے گا۔" ڈرائیور نے تلخ لہجے میں ویرا سے کہا پھر پشتو میں اپنے ساتھی سے مخاطب ہو گیا۔ میں نے غیرارادی طور پر ویرا کی طرف دیکھا کیونکہ میری معلومات کے مطابق وہ تھوڑی بہت پشتو بول اور سمجھ سکتی تھی لیکن ان دونوں کے مذاکرات پر وہ خاموش رہی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اس نے مجھے بھی خاموش رہنے کا اشارہ کیا تاکہ وہ ان کی گفتگو سے ان کے عزائم کا اندازہ لگا سکے۔
دو چار فقروں کے تبادلے کے بعد وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اس قدر مستعد اور چوکنے تھے کہ ان سے ٹکر مول لے کر محفوظ رہنے کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔
اس وقت تک مجھے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ دونوں ان ہی لوگوں میں سے تھے جو کراچی میں میری تلاش میں سرگرداں تھے اور غزالہ وغیرہ کو خوف زدہ کرتے رہتے تھے۔ لیکن مجھے حیرت اس امر پر تھی کہ انہوں نے ہماری کراچی آمد کے بارے میں کیسے اندازہ لگایا اور کیسے پہچانا جبکہ میرے لیے وہ دونوں اجنبی تھے۔
ڈرگ روڈ اسٹیشن پر پہنچ کر ان لوگوں نے شاہراہ فیصل چھوڑ کر ٹیکسی داہنی طرف موڑ لی اور چند کلو میٹر بعد آنے والے، ڈرائیوان کے چوراہے سے راشد منہاس روڈ کی طرف ہو لیے جو اس وقت بہت زیادہ مصروف نہیں تھی۔
"تم لوگ ہمارے ساتھ من مانی کر رہے ہو لیکن ہمیں اتنا جاننے کا حق ضرور حاصل ہے کہ ہمارا کیا قصور ہے یا تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟" اس پُرسکون سڑک پر آنے کے بعد میں نے ایک مرتبہ پھر انہیں چھیڑنے کی کوشش کی۔
"یہ سب تمہیں تنگارا دیلی جانے کے بعد معلوم پڑے گا جہاں سردار پائندہ گل تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" میرے برابر میں بیٹھے ہوئے شخص کے تنفر آمیز جملوں نے مجھے یک بیک پریشان کر دیا۔
آخر کار قصہ وہی نکلا تھا جو ابتدا سے میرے ذہن میں سر ابھار رہا تھا۔ وہ لوگ مقامی مافیا کے سلسلے میں میرے پیچھے لگے ہوئے تھے کیونکہ سیٹھ حبیب جیوانی کی مقامی مافیا کو اعلیٰ درجے کی ہیروئن فراہم کرنے والوں میں افغانی سردار پائندہ گل کا نام بہت نمایاں تھا۔ وہ پشاور سے شمال میں دیر سے ملحق تنگارا دیلی کے سنگلاخ اور دشوار گزار افغان پہاڑی علاقے میں بڑے پیمانے پر پوست کی کاشت کر کے ہیروئن تیار کرتا تھا۔ ان علاقوں میں سردار پائندہ گل کا نام قوت و جبروت کی ایک ممتاز ترین علامت کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس نے افغانستان میں محوِ سفر ایک روسی فوجی قافلے کی دس گاڑیاں تباہ کر کے بانوے روسی فوجیوں کو زندہ گرفتار کیا پھر ان سب کو اپنے فائرنگ اسکواڈ سے چھلنی کرا کے انہیں اپنی زمین میں دفن کرا دیا اور ان قبروں پر افیم کی فصل اگا دی۔ اس کے اس کارنامے میں مومن خان آفریدی نامی ایک اور افغان ملک اس کا شریکِ کار بتایا جاتا

تھا۔

میرے لیے وہ صورتِ حال بہت نازک اور روح فرسا تھی۔ ٹریڈ لائن کے دفاتر کی ہولناک تباہی رونما ہونے کے بعد ویرا نے خاص طور پر مجھ سے اس بارے میں استفسار کیا تھا لیکن میں نے کبھی بھی اسے اپنے اور مافیا کے مراسم کی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔ اب ان دونوں نے ویرا کو بھی میرے ساتھ ہی پکڑ لیا تھا۔ اگر اس کی موجودگی میں سردار پائندہ گل یا اس کے آدمیوں سے کسی قسم کے مذاکرات کی نوبت آتی تو اس میں میرے اور مقامی مافیا کے گہرے تعلقات کا ذکر ناگزیر ہوتا۔ اس انکشاف پر ویرا کا جو بھی ردِ عمل ہوتا اس کا اندازہ لگانے کے لیے کسی خاص ذہانت کی ضرورت نہیں تھی۔

"تم کہاں کھو گئے؟" ویرا نے مجھے خاموش پا کر ٹوکا۔ "یہ سردار پائندہ گل کون ہے؟ اس نام سے تو میرے کان بھی کچھ آشنا معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی اور تمہاری دشمنی کہاں سے نکل آئی؟"

"میں بھی یہی سب سوچ رہا ہوں۔" میں نے کمزور لہجے میں کہا۔ "اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو سردار پائندہ گل خالص اور بہترین ہیروئن کا بہت بڑا بیوپاری ہے لیکن مجھ سے اس کا کیا واسطہ ہو سکتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو میرے بارے میں کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔" میں واقعی گہری تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"اوئے ذیشان صاحب!" میرے برابر والے نے میرا نام لے کر مجھے بدترین ذہنی جھٹکا پہنچایا اور کہا۔ "ابی تم اپنا تقریر ختم کرو۔ تمہارا آدمی لوگ نے ہمیں تمہارے ڈیرے سے بھگا دیا لیکن ہم لوگ پھر بھی تم تک آ گیا۔ ابی کوئی تمہارا مدد نہیں کر سکتا۔ تمہارا فیصلہ ہمارا سردار پائندہ گل ہی کرے گا۔ وہ ہم لوگ کو ادھر چھوڑ کر کل ہی ملک واپس گیا ہے۔ اب تم کو بھی ادھر ہی لے جانا پڑے گا۔"

تشویش اور پریشانیوں کے ان بدترین لمحات میں مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ بظاہر غیر تعلیم یافتہ اور نیم مہذب نظر آنے والے افغانیوں نے ویرا کے ساتھ کسی بھی قسم کی کوئی بدتمیزی نہیں کی تھی۔

"تمہارے سردار کا جھگڑا اگر مجھ سے ہے تو اس بے چاری کا کیا قصور ہے؟ میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔ تم اسے تو رہا کر دو۔" میں نے ویرا کے ساتھ ان کی نرمی سے فائدہ اٹھانے کی نیّت سے کہا۔ اگر وہ کسی بھی چکر میں آ کر ویرا کو آزاد کر دیتے تو میں تنہائی میں بے فکر ہو کر ان سے بات چیت کر سکتا تھا۔

"ہم نے تم کو پکڑا ہے۔ تمہارے ساتھ جو بھی ہوتا وہ بھی ہمارا قیدی بن جاتا۔ ابی ہم میم صاحب کو نہیں چھوڑے گا۔ ہم لوگ عورت پر بلاوجہ ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ یہ شرارت کرے گی تو ہم تم کو مارے گا۔ زیادہ بدمعاشی کرے گی تو بس اسے بے ہوش کر کے باندھ دے گا۔ ویسے میم صاحب بہت ماشوق ہے۔ ہمارا سردار اسے تم سے خرید کر اپنا بی بی بھی بنا سکتا ہے۔" اس نے معشوق کا لفظ زورِ بیان میں استعمال کیا تھا اس میں ہتک کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔

"لعنت ہو تمہارے سردار پر، میں اس کے منہ پر تھوکوں گی بھی نہیں۔" ویرا ایک دم بپھر گئی۔

"اوئے خدائی خوار!" میرے برابر والا غراتا ہوا حرکت میں آیا اور میرے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی اس نے ویرا کی کنپٹی پر ایسا زوردار مکا رسید کیا کہ وہ کراہتی ہوئی میرے شانے پر ڈھیر ہو گئی۔ وہ شخص اپنے بے خبر حریف کو ایک ہی ضرب میں بے ہوش کر دینے میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔

"یہ تم نے بہت برا کیا۔ تمہیں تو عورتوں کا بہت احترام کرنے کا دعویٰ تھا۔" میں نے بے ہوش ویرا کے سر کو سہارا دیتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "اور ایک منٹ بعد ہی اس پر ہاتھ اٹھا بیٹھے۔"

"ابی تم بھی اپنا زبان بند کرو۔" وہ غرایا۔ "سردار کے خلاف ہم ایک لفظ نہیں سنے گا۔"

"میں تمہارے سردار کی بہت عزت کرتا ہوں۔ ایک بار اس سے بات بھی کر چکا ہوں۔ مجھے اتنا تو بتا دو کہ اسے مجھ سے کیا شکایت پیدا ہو گئی ہے؟" ویرا کے بے ہوش ہو جانے کے بعد میں نے کھل کر، نرم اور مصالحانہ لہجے میں بات شروع کر دی۔ "ہو سکتا ہے کہ بات بڑھائے بغیر مسئلہ حل ہو جائے۔"

"ہم حکم کا غلام ہے۔ ہمیں تم کو اٹھانے کا حکم ملا، ہم نے اٹھا لیا۔" وہ سادگی سے بولا۔ "اندر کا چکر ہم کو نہیں معلوم۔ سنا ہے کہ تم پر سردار کے مال کا بائیس لاکھ روپیہ باقی ہے۔ ہم کچھ نہیں جانتا۔"

"بائیس لاکھ روپیہ؟" میں نے حیرت سے دُہرایا۔ "میں نے تو کبھی سردار سے ایک پیسے کا لین دین بھی نہیں کیا۔"

"وہ تمہاری کمپنی کو مال دیتا تھا۔ کمپنی غرق ہو گیا۔ ابی سردار اپنا پیسہ تم سے لے گا۔ ورنہ اسے اس کا مال واپس کرو۔" وہ اپنی بے خبری ظاہر کرنے کے باوجود بہت باخبر تھا۔ چھوٹے گروہوں میں ہر شخص ہر بات سے باخبر ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ نیچے والے مصلحتاً بے خبر بنے رہتے ہیں۔

بات رفتہ رفتہ میری سمجھ میں آنے لگی تھی۔ سردار پائندہ گل نے شاید مافیا کے حساب میں ٹریڈ لائن کو بائیس لاکھ کی ہیروئن فراہم کی ہوئی تھی جس کی رقم واجب الادا تھی اور اخبارات میں ٹرین لائن پر چھاپے اور گرفتاریوں کی خبریں شائع ہونے کے بعد سردار پائندہ گل کو اپنی خطیر رقم ڈوبتی ہوئی نظر آنے لگی تو وہ کراچی دوڑا چلا آیا۔ شاید اسے کسی طرح پتا چل گیا تھا کہ مافیا کے سرکردہ لوگوں میں سے صرف میں زندہ اور آزاد تھا اس لیے اس نے اپنے آدمیوں کو میری تلاش میں لگا دیا تاکہ مجھ سے اپنی رقم کا مطالبہ کر سکے۔ یہ اتفاق تھا کہ میں ان ہی دنوں کراچی سے باہر تھا اس لیے غزالہ اور سلطان شاہ کو خوف و ہراس کا سامنا کرنا پڑا۔ میں اصل پس منظر سے ناواقف تھا اس لیے اول خان کے عملے کی مدد سے سردار پائندہ گل کے آدمیوں کو بھگانے کا بندوبست کرلیا۔ وہ ان واقعات سے ایک ہی نتیجہ اخذ کرسکتا تھا اور وہ یہ کہ مال یا رقم کے بارے میں میری نیت خراب ہو گئی تھی۔ ٹریڈ لائن کی تباہی کی آڑ لے کر میں نے روپوشی اختیار کرلی تھی اور اپنے آدمیوں کے ذریعے سردار پائندہ گل کے ہرکاروں کو اپنے گھر سے دور رکھنے اور آخر کار میدان سے بھگانے پر تُل گیا تھا۔

وہ نتائج اخذ کرنے کے بعد اگر سردار پائندہ گل محاذ آرائی پر تُل گیا تھا تو اسے بہت زیادہ قصوروار نہیں ٹھہرایا جاسکتا تھا۔ اگر درمیان میں بائیس لاکھ روپے جیسی خطیر رقم کی وصولی کا معاملہ نہ ہوتا تو اس جیسا غصہ ور آدمی میرے قتل کا حکم بھی جاری کرسکتا تھا۔

میرے لیے وہ مقدر کی عجیب ستم ظریفی تھی کہ ایک طرف اول خان جیسا محبِ وطن اور فرض شناس افسر مجھے قومی ہیرو کا درجہ دیئے چلا جارہا تھا اور دوسری طرف ایک طاقت ور افغان ہیروئن فروش مجھے بے ایمان اور نادہندہ سمجھ کر میری آزادی کا دشمن ہوچکا تھا۔

"اس عورت کا میری کمپنی یا ہیروئن کے دھندے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھانے کے لیے ایک نئے پہلو سے بات چھیڑی۔ "یہ میری دوست ہے اور مجھے عزت دار آدمی سمجھتی ہے۔ اس کے سامنے میں ہیروئن کا نام بھی نہیں لے سکتا۔ اسے آزاد کردو۔ میں سردار پائندہ گل سے اپنے معاملات خود طے کرلوں گا۔"

اس نے اپنے پہاڑ جیسے سر کو ہلاتے ہوئے کہا۔ "ناممکن، یہ بھاگ جاتا تو اور بات تھی۔ اب اسے چھوڑنا ہمارا بس سے باہر ہے۔ یہ اچھا بات ہے کہ وہ تم کو عزت دار سمجھتی ہے۔ ابی تم نے سردار بابا کی بات نہ مانی تو وہ اس عورت کو پوری بات بتا کر تم کو بے عزت کردے گا۔"

"لیکن تم اپنے بڑوں کو یہ ضرور سمجھا سکتے ہو کہ آخری نتیجہ نکلنے تک وہ مجھ سے اکیلے میں بات کریں۔ ایک بار اس عورت کے سامنے بات کھل گئی تو پھر مجھے کسی بات کی پروا نہیں ہوگی۔"

"یہ ہم کرے گا۔" اس نے تفہیمی انداز میں کہا۔ اس وقت تک ٹیکسی سہراب گوٹھ کے چوراہے سے سپرہائی وے پر داہنی طرف گھوم چکی تھی۔ مجھے لمحہ بھر کے لیے خیال آیا کہ کہیں وہ لوگ مجھے اسی ٹیکسی سے پشاور، دیر یا کسی اور سرحدی علاقے تک لے جانے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں لیکن میں نے اس بارے میں اپنی زبان نہیں کھولی۔ ان کی ایسی حماقت کی صورت میں ہمیں راستے میں پڑنے والی کسی بھی چیک پوسٹ پر ان کے بے رحمانہ چنگل سے نجات مل سکتی تھی۔

وہ میری خام خیالی تھی کہ میں ان قبائلی غنڈوں کو عقل سے محروم سمجھ رہا تھا۔ سہراب گوٹھ اور پھر گلشن معمار والے موڑ سے کافی آگے نکلنے کے بعد ٹیکسی داہنی طرف والے کچے میں اتر گئی۔ اس طرف سنگلاخ زمین پر گاڑیوں کے ٹائروں کے متعدد نشانات نے ایک بے ترتیب سے راستے کی صورت اختیار کی ہوئی تھی۔ ٹیکسی اپنے پیچھے دھول کے مرغولے اڑاتی، اسی راستے پر آگے بڑھتی رہی۔

کافی اندر جانے کے بعد ہمیں مخالف سمت سے نئے ماڈل کی ایک پک اپ آتی ہوئی نظر آئی۔ قریب آنے پر اس کے کیبن میں بڑی بڑی پگڑیوں والے دو دیو ہیکل افغان نظر آئے۔ دونوں گاڑیوں کے ڈرائیوروں نے شناسائی کے اظہار میں ایک دوسرے کی طرف ہاتھ لہرائے، دونوں گاڑیاں زن کی آواز کے ساتھ ایک دوسرے کے قریب سے گزریں اور چند لمحوں کے لیے ہماری ٹیکسی غبار کے بادل میں چھپ گئی۔

میں نے سرجانی ٹاؤن اور سپرہائی وے کے مضافات میں افغان خیمہ بستیوں کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوا تھا۔ چمکتی ہوئی فور وہیل پک اپ دیکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ کوئی افغان خیمہ بستی ہی ہماری منزل تھی لیکن یہ بات حیران کن تھی کہ وہ لوگ افشائے راز کے کسی خوف کے بغیر دو افراد کو اغوا کر کے دن دہاڑے افغان مہاجرین کی آبادی میں لے جارہے تھے، جیسے وہاں صرف ان ہی کا راج چلتا ہو اور چند میل کے فاصلے پر واقع کراچی کی انتظامیہ سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو۔

چند منٹ کے بعد ساٹھ ستر چھوٹے بڑے خیموں پر مشتمل، دور تک بکھری ہوئی وہ آبادی ہمارے سامنے آگئی۔ وہاں عورتیں اپنے کام کاج میں مصروف اور بچے تپتی ہوئی دھوپ میں کچی زمین پر کھیلنے میں مصروف نظر آئے۔ ان ہی خیموں کے درمیان پرانے ماڈلوں کی کئی پک اپس بھی کھڑی نظر آئیں۔ خیموں اور وہاں بسنے والوں کی حالت زار سے ان کی بے سروسامانی اور عسرت کے علاوہ ان کی سخت جانی کا بھی اظہار ہو رہا تھا لیکن گاڑیوں کی موجودگی ان میں سے بعض کے تموّل کا اظہار کر رہی تھی۔

ہماری ٹیکسی بستی میں داخل ہونے کے بجائے ایک چکر کاٹ کر بستی کے عقب میں پہنچی جہاں چالیس فٹ کا ایک ٹریلر مع بند کنٹینر اور پانی کا ایک ٹینکر کھڑا نظر آیا۔ ان دونوں کے ساتھ انہیں کھینچنے والی گاڑیاں نہیں تھیں۔ شاید آبادی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ان سے ذخائر کا کام لیا جاتا تھا۔

کنٹینر کے سائے میں ایک سرخ و سفید نوجوان بوسیدہ سی کرسی پر ایک رجسٹر لیے بیٹھا تھا مگر رجسٹر کو بھول کر ٹیکسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ٹیکسی اسی کے قریب جا رکی۔ وہ نوجوان اپنے لوگوں کو پہچان کر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ٹیکسی ڈرائیو نے نیچے اتر کر تپاک سے اس کے ساتھ ہاتھ ملایا پھر اُن دونوں نے پشتو میں تیزی سے باتیں کرنی شروع کر دیں۔ اس دوران میں نوجوان بار بار ٹیکسی کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔

میرے برابر والے نے مجھے اپنے ساتھ نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ جب اس نے بھی نوجوان سے ہاتھ ملایا تو میں نے محض اخلاقاً اس کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اس نے ترش روئی کے ساتھ مجھ سے ہاتھ ملانے سے انکار کر دیا۔ "ہم لوگ اپنے قیدیوں اور دشمنوں سے ہاتھ نہیں ملاتے۔ یہ ہماری روایت ہے۔"

اس کی اردو بہت صاف اور شائستہ تھی۔ اپنے طور طریقوں سے وہ تعلیم یافتہ معلوم ہو رہا تھا۔

مجھے وہیں چھوڑ کر ان تینوں نے ٹیکسی میں بے ہوش پڑی ہوئی دیرا کا جائزہ لیا اور ایک مرتبہ پھر آپس میں کسی بات پر بحث کرنے لگے۔ وہ نوجوان عمر میں ان سے کم ہونے کے باوجود ان پر حاوی نظر آ رہا تھا جیسے وہ اسی کو جواب دہ رہے ہوں۔

آخرکار اُن کی بحث کا خاتمہ ہوا اور نوجوان میری طرف متوجہ ہو گیا۔ چند ثانیوں تک وہ نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر خشک لہجے میں پوچھا۔ "تمہارا نام ڈینی ہے؟" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تم سردار بابا کا بائیس لاکھ کا دعویٰ مانتے ہو؟" اس نے اسی لہجے میں اگلا سوال کیا۔

"سردار پائندہ گل سے بات کیے بغیر میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ویسے وہ کہتا ہے تو سچ ہی کہتا ہو گا۔ میں اسے بس اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ میں کمپنی کا مالک نہیں ملازم تھا۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ سردار نے مال کسے اور کب دیا تھا؟"

"مجھ سے بات کرو۔ میں اس کا بھانجا، عبدالرحیم خان ہوں۔ میں تم کو بتاتا ہوں کہ مال سات دن پہلے ٹریڈ لائن کے دفتر میں شیر شاہ خان کو دیا گیا تھا۔ اندھیرے میں بیٹھنے والے نقاب پوش نے مجھے اپنے کمرے میں بلا کر وعدہ کیا تھا کہ چار دن میں رقم ادا کر دی جائے گی۔ پھر چار دن پورے ہونے سے پہلے ہی سب ختم ہو گیا۔ ہم لوگوں نے بہت مشکل سے پتا لگایا ہے کہ صرف تم باہر ہو۔ ہم اپنی رقم چاہتے ہیں۔"

وہ پوری طرح باخبر اور بااختیار معلوم ہوتا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ میں شہر سے باہر تھا۔ تھوڑی ہی دیر پہلے واپس آیا ہوں۔ مجھے وقت ملنا چاہیے تاکہ میں پوری صورتِ حال کا اندازہ لگا سکوں۔ اس کے بعد ہی میں تم سے کوئی فیصلہ کر سکوں گا۔"

"تمہارے آدمیوں نے میرے آدمیوں کا مقابلہ کیوں کیا تھا؟" اچانک اس کے تیور جارحانہ ہو گئے۔

"انہوں نے کسی کا خون نہیں بہایا۔ صرف اپنا دفاع کیا تھا۔ انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ لوگ کیوں انہیں ہراساں کر رہے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی حفاظت کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اگر وہ سردار پائندہ گل کے نام پر ان کے پاس گئے ہوتے اور ان کی بے عزتی کی جاتی تب تمہاری شکایت بجا تھی۔ کاروباری جھگڑے طاقت کے بَل پر کبھی طے نہیں ہوتے۔ تم جانتے ہو کہ یہ کچا کاروبار ہے۔ مال پار نکل جائے تو سب کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں اور کھیپ پکڑی جائے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ ایسے جھگڑے مل بیٹھ کر طے ہوتے ہیں۔"

ہمیں لانے والے بہت غور سے اس گفتگو کا ایک ایک لفظ سن رہے تھے اور بالکل خاموش تھے لیکن میری بات مکمل ہوتے ہی وہ دونوں بیک وقت بول پڑے۔ وہ پشتو میں اس نوجوان کو کوئی بات سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اُن میں ایک مرتبہ پھر بحث شروع ہو چکی تھی۔

میں نے اپنی مضبوطی ظاہر کرنے کے لیے لاتعلقانہ

انداز میں پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگالی۔
"اور تم چاہتے ہو کہ اس عورت کو آزاد کردیا جائے؟"
کچھ دیر کی باہمی بحث و تمحیص کے بعد وہ نوجوان ایک مرتبہ پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔
"اس عورت کی آزادی تو بہت ضروری ہے کیونکہ اس کا ہمارے کاروبار سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اسے پتا چل گیا کہ ہم ہیروئن کا لین دین کرتے ہیں تو یہ جھگڑا نمٹنے کے بعد بھی پولیس میں مخبری کرسکتی ہے۔ اسے الگ ہی رکھو تو بہتر ہوگا۔ اس کے لیے۔۔۔"
اس نے ہاتھ اٹھا کر میری قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔
"پھر اسے اسی وقت واپس جانا چاہیے۔ ابھی وہ بے ہوش ہے اور اسے کچھ معلوم نہیں ہے کہ اسے کہاں لایا گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ ہوش میں آئے' اسے شہر کے کسی حصے میں ڈلوا دینا چاہیے۔ اسے روانہ کرنے کے بعد ہم بات کرتے ہیں۔"
وہ میری پہلی کامیابی تھی۔ میں ان لوگوں کی کھوپڑیوں پر جمی برف پگھلانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔
نوجوان کے استفسار پر تنومند شخص نے اسے بتایا کہ اس کی لگائی ہوئی ضرب کے نتیجے میں ویرا مزید ڈیڑھ دو گھنٹوں سے پہلے ہوش میں نہیں آسکے گی۔ پھر بھی اس نے ویرا کی آنکھوں کے پپوٹے اٹھا کر چند ثانیوں تک جائزہ لیا اور پھر ویرا کو ڈرائیور کے ساتھ روانہ کردیا۔
اس مرحلے پر میں سخت شش و پنج میں مبتلا ہو کر رہ گیا تھا کیونکہ اپنے ساتھ موجود' دو چست و چالاک اور مسلح افغانوں کے مقابلے میں' میں بالکل نہتا تھا۔ میری بیم گن ویرا کے پرس میں تھی۔ ان لوگوں نے اس وقت تک ویرا کی کسی چیز کو نہیں چھوا تھا۔ اگر میں اس کی روانگی سے پہلے اس کے پرس کو ہاتھ لگاتا تو وہ تینوں متجسس ہو جاتے اور میں ہمیشہ کے لیے بیم گن سے محروم ہو سکتا تھا۔
میں اپنے دل پر جبر کرکے اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور باریش ڈرائیور' بے ہوش ویرا سمیت وہاں سے واپس شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔
نوجوان کی کسی ہدایت پر تنومند افغان کنٹینر کی طرف گیا اور اس کا دروازہ کھول کر اندر سے ایک چارپائی لے آیا جسے کرسی کے قریب ہی سایہ دار جگہ میں ڈال دیا گیا۔ نوجوان نے اپنی بوسیدہ سی کرسی سنبھالنے کے بعد ہم دونوں کو چارپائی پر بیٹھنے کے لیے کہا پھر بولا۔ "اب بتاؤ کہ ہماری رقم کی واپسی کے لیے تمہارے ذہن میں کیا بات آتی ہے؟ ہم صرف اپنی رقم چاہتے ہیں۔ اگلے سودے اب خود بخود ختم ہو گئے ہیں۔ ویسے بھی اب سفید مال کی مارکیٹ میں بہت تیزی آگئی ہے۔ اندھیرے میں بیٹھنے والا نقاب پوش زندہ رہتا تو اسے بھی ریٹ بڑھانے پڑتے۔"
"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ مرچکا ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔
"اخباروں میں سب کچھ چھپ چکا ہے۔ اس کا نام حبیب جیوانی تھا۔" وہ فخر آمیز بے پروائی کے ساتھ بولا۔ "تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"
"میں یہاں رہ کر کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔" میں نے بے بسی سے کہا۔ "مجھے دو تین دن کی مہلت چاہیے۔"
"اس کی تو بات ہی نہ کرو۔" وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔ "تمہارے لیے سردار بابا کا سخت حکم ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ عورت کو صرف اس لیے آزاد کردیا کہ وہ ہماری لائن کی نہیں تھی۔ اسے روکنے سے خطرہ پیدا ہو سکتا تھا۔ سردار بابا کہتا ہے کہ تم اپنی کمپنی میں نمبر دو تھے۔ تمہارے پاس بھی بہت مال ہوگا۔"
"میں کمپنی سے کماتا اور اڑا دیتا تھا۔ اس کی بربادی کے بعد تو مجھے اپنے گزارے کے لیے کوئی کام ڈھونڈنا پڑے گا۔ میرا کوئی مال یا اثاثہ نہیں ہے۔ رہنے کا مکان تک کرائے پر لیا ہوا ہے۔"
"سچ کہہ رہے ہو تو فکر نہ کرو۔" وہ زہرخند کے ساتھ بولا۔ "سردار بابا تمہیں اور تمہاری عورت کو اپنی زمینوں پر بلالے گا۔ وہاں دن بھر کی بیگار کے بدلے میں دو وقت کی روٹی اور سونے کے لیے کمبل چارپائی مل جاتی ہے۔ سردار بابا کا مال کھانے یا اس کی نافرمانی کرنے والے عمر بھر ان ہی پہاڑوں میں سڑتے رہتے ہیں جہاں جانے کے سیکڑوں راستے ہیں لیکن باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔"
"تم میری مجبوری کو سمجھنے کے بجائے مجھے خوفزدہ کر رہے ہو۔ میرے ذہن میں جو منصوبہ ہے وہ کامیاب ہو گیا تو کچھ رقم خرچ کرکے تمہارا مال تم کو واپس مل سکتا ہے۔" میں نے خوف زدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔
"وہ بھی بتا دو۔ شاید تمہاری بات چھوٹے خان کی سمجھ میں آجائے۔" تنومند آدمی نے لقمہ دیا۔
"میں نیچے کے کسی آدمی کو رشوت دے کر وہ مال نکالنے کی کوشش کروں گا ورنہ بائیس لاکھ روپے تو میں مرکر بھی پیدا نہیں کرسکتا۔ اس کے لیے مجھے آزادی کی ضرورت ہے۔"
"نہیں" عبدالرحیم خان یا چھوٹے خان نے سختی سے کہا۔

"اگر تمہاری یہی ضد ہے تو میں تمہارے ساتھ اپنا وقت برباد نہیں کرسکتا۔ تمہارے بارے میں آخری فیصلہ سردار پائندہ گل ہی کرے گا۔"

"یہ میری ضد نہیں' اس معاملے کو حل کرنے کا اکلوتا راستہ ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "کچے سودے ادھار نہیں نقد پر کیے جاتے ہیں۔ تم نے کمپنی کی ساکھ دیکھ کر ادھار سودا کیا تھا۔ اب کمپنی ڈوب گئی تو اس کی ساکھ اور تمہاری رقم بھی ڈوب گئی۔ میں مال واپس دلوانے کی ذمے داری صرف اس لیے لے رہا ہوں کہ سردار پائندہ گل کا نام بہت بڑا ہے۔ میں اس کی بہت عزت کرتا ہوں۔"

چھوٹے خان کا چہرہ غصے سے مزید سرخ ہوگیا اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ "رقم ڈوبنے کا اب نام لیا تو میں ابھی تمہاری گردن توڑ دوں گا۔ وہ حرام کا مال نہیں تھا۔ ہم لوگ دن رات اپنی زمینوں اور لیبارٹری میں خون پسینہ ایک کرکے ہیروئن بناتے ہیں اور اس کے حساب میں ایک ایک پیسہ وصول کرنا جانتے ہیں۔"

"میرا ارادہ تمہیں ناراض کرنے کا نہیں تھا۔" میں نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی۔ "تم میری گردن توڑ سکتے ہو۔ مجھ سے عمر بھر بیگار لے سکتے ہو لیکن اس طرح تم اپنا خسارہ پورا نہیں کرسکتے۔ تم مجھے شنگارا ویلی ہی بھیج دو۔ شاید تمہارے سردار کو میں اپنی بات سمجھا سکوں۔"

"اب یہی کرنا پڑے گا۔" وہ دانت پیس کر غرایا۔ "چارپائی سے اٹھ جاؤ!"

وہ طاقت اور اختیار کے گھمنڈ میں مبتلا تھا اور میں اپنے تجربے کی مار سے ہی اس کا کوئی تدارک کرسکتا تھا۔ میں نے کسی سہمے ہوئے قیدی کی طرح فوراً چارپائی چھوڑ دی۔ اس نے آگے بڑھ کر' میرے بدن کو اپنی سخت اور کھردری انگلیوں سے ٹٹولتے بلکہ تقریباً نوچتے ہوئے میری جامہ تلاشی لی اور کچھ برآمد نہیں کرسکا میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ مجھے ویرا کے پرس سے بیم گن نکالنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اگر بیم گن میرے پاس ہوتی تو اس وقت چھوٹے خان کی تحویل میں جاچکی ہوتی۔ میری تلاشی لینے کے دوران میں' عبدالرحیم خان اپنے ساتھی کو پشتو میں کچھ ہدایات بھی دیتا جارہا تھا اور وہ سلسلہ ختم ہوتے ہی تنومند افغان مجھے اپنے ساتھ لے کر ٹریلر کے عقبی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے ٹریلر کے آہنی زینے پر چڑھ کر کنٹینر کا عقبی دروازہ کھولا اور مجھے اوپر بلالیا۔ اس کنٹینر کے آگے صرف دو چارپائیاں بچھانے کی جگہ خالی تھی۔ اس سے آگے اناج کی بوریاں اس طرح لگی ہوئی تھیں کہ ان کے درمیان میں ایک تنگ سا راستہ باقی تھا۔ اس کنٹینر کی نصف سے زیادہ گہرائی تک اناج کی بوریاں اسی طرح بھری ہوئی تھیں اور اندر گندم و دھان کی سوندھی سوندھی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

کنٹینر کی بغلی دیواروں کے ساتھ چھت تک لگی ہوئی بوریوں کے تنگ درمیانی راستے کے اختتام پر کشادہ جگہ تھی۔ وہاں تینوں اطراف میں دیواروں کے ساتھ بوریاں چُنی ہوئی تھیں اور درمیانی جگہ نے ایک کمرے کی صورت اختیار کی ہوئی تھی۔ اندر پھیلے ہوئے اندھیرے میں بھی یہ دیکھا جاسکتا تھا کہ اناج کی ترسیل کے لیے استعمال ہونے والے اس کنٹینر کی چھت بھی کسی مضبوط دھات کی بنی ہوئی تھی۔

"شنگارا ویلی روانہ ہونے تک یہ تمہارا قید خانہ ہے۔" مجھے لانے والے نے کہا پھر ایک گوشے میں لٹکتی ہوئی ڈوری کو ہلاتے ہوئے بولا۔ "یہ باہر لگی ہوئی گھنٹی بجاتی ہے۔ ٹٹی پیشاب کے لیے تم گھنٹی بجائے گا تو دروازہ کھول کر تم کو باہر نکالا جائے گا۔ روٹی پانی باہروالا اپنی مرضی سے دے گا۔ ادھر ہر وقت آدمی ہوتا ہے۔ رات میں بستی کا چار آدمی پہرا دیتا ہے۔ تم کوئی گڑبڑ کیا تو وہ لوگ بس گولی چلانا جانتا ہے۔ اس کے علاوہ باہر دو شکاری کتا بھی کُھلا پھرتا ہے۔"

وہ خاصی لرزہ خیز صورتِ حال تھی۔ میں نے دھیمے سے پوچھا۔ "اور روشنی کا کیا بندوبست ہے؟"

وہ سنگدلانہ انداز میں' دھیمی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "تم کو روشنی کی کیا ضرورت ہے۔ قیدی لوگ کھاتا ہے اور پھر سو جاتا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ تم ادھر بوریوں کے بیچ میں سے نکل کر اپنا مرضی سے کنٹے نار کے دوسرے حصے میں گیا تو دروازہ کھولتے ہی تم کو گولی مار دیا جائے گا۔ ابی ہم واپس جاتا ہے۔"

اس سے بستر وغیرہ کے بارے میں کچھ پوچھنا لاحاصل تھا۔ میں خاموش رہا اور وہ بوریوں کے درمیان پھنستا پھنساتا واپس ہولیا۔ کنٹینر کا دروازہ بند اور پھر مقفل ہونے کی پُرشور آواز کے بعد اندر سکوت چھاگیا اور میں آہنی فرش پر دراز ہو کر تقدیر کے تضادات پر غور کرنے لگا۔

کہاں میں اسپیشل ٹاسک فورس کے ریسٹ ہاؤس میں خصوصی مہمان کے طور پر ویرا کی حسین رفاقت کے مزے لوٹ رہا تھا اور محض چند گھنٹوں بعد افغان مہاجرین کے ایک کیمپ میں چھوٹے خان کا بے یارومددگار قیدی بن چکا تھا۔ وہ عزت و ذلت کی دو انتہائیں تھیں۔ شاید قدرت کو میرا وہ غرور

پسند نہیں آیا تھا جو میں نے اسلام آباد کے ڈیپارچر لاؤنج میں اول خان کو فون کرنے کے بعد کیا تھا۔ مجھے اپنا سینہ یک بیک تنگ اور رد جود لوہے سے زیادہ وزنی محسوس ہونے لگا۔

میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ غریب' بے سہارا اور مفلوک الحال افغان مہاجرین کی غیر انسانی بستی کی آڑ میں سردار پائندہ گل کے بھانجے نے اپنی اتنی مضبوط سلطنت قائم کی ہوئی تھی کہ کسی بازپرس یا مداخلت کے خوف کے بغیر اس نے مجھے وہاں قید کرلیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس بستی پر چھوٹے خان کا حکم چلتا تھا اور کوئی بھی افغان مہاجر اس کی مرضی کے خلاف لب کشائی کی جرات نہیں کرسکتا تھا کیونکہ ان لوگوں کو خوراک اور پانی جیسے بنیادی وسائل کی فراہمی پر وہی قابض تھا۔ وہ کسی کا بھی راشن بند کرکے اسے اپنے قدموں میں جھکانے کی طاقت رکھتا تھا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ چھوٹا خان خود بھی اپنی حویلیوں کی پرتعیش زندگی کو خیرباد کہہ کر اسی ویرانے میں زندگی گزار رہا تھا' جو شخص اپنے ماموں کے بائیس لاکھ روپے پر گفت و شنید کا پورا اختیار رکھتا تھا' وہ دو چار لاکھ روپے خرچ کرکے کراچی میں بھی رہ سکتا تھا لیکن طاقت و اختیار پر قبضہ کرنے کے لیے اس افغان زادے نے شاید امدادی سامان کی رسد و تقسیم کا حساب رکھنے کی معمولی سی ملازمت قبول کی ہوئی تھی۔ کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ چند پھٹے پرانے کپڑوں کی تقسیم پر لڑ مرنے والے افغان مہاجروں کی صف میں ایک لکھ پتی ہیروئن فروش بھی چھپا ہوا ہے۔

قصہ شاید یہ تھا کہ میں ہیروئن کی بیخ کنی کے مشن پر کام کررہا تھا تو ہیروئن بھی میری جان کو آگئی تھی اور زندگی کے ہر موڑ پر مجھے عجیب عجیب جلوے دکھا رہی تھی۔ کبھی ہیروئن کے نشے میں دھت' لٹتے ہوئے زرد چہروں والے امیرزادے سامنے آتے تھے جن کے لباس متعفن ہوتے تھے' جسموں پر میل کی تہیں جمی ہوئی ہوتی تھیں' بے تحاشا بڑھے ہوئے ناخنوں اور بالوں میں میل کچیل کے ساتھ جوئیں پل رہی ہوتی تھیں اور ان کی بے رونق آنکھوں میں موت کی بھیانک سیاہی اپنے ڈیرے ڈالتی نظر آتی تھی تو کبھی جمی لائیڈ' نیشی کاؤ' ڈون کوانگ' فواد ریلی گینگ جیسے ساہوکار ٹکرا جاتے تھے جو اسی موت کی سوداگری سے اپنا عرقِ حیات کشید کرکے دنیا جہان کی رنگینیاں خریدتے پھرتے تھے۔ حبیب جیوانی جیسے حریص اور دیوالیہ سوداگر رات بھر میں اپنے کاروباری منصوبوں کی شاہانہ تکمیل کے حسین خواب لے کر ان کے جال میں پھنس رہے تھے لیکن ان کے ادھورے خوابوں کی تعبیر صرف ذلت کی موت کی صورت ہی میں ملتی تھی۔ اسٹاک ہوم کی پروفیسر روزیلی اور اس کا بوائے فرینڈ' بلی ہیروئن کی اندھی آمدنی سے عالمی سیاحت کے خوابناک منصوبے ترتیب دے کر ان بھیڑیوں کے غول میں داخل ہوتے تھے اور اپنے جسموں کے چیتھڑے اڑوا لیتے تھے۔ ملا سرکار اور شری مان سنگھ کی سازشیں' پیٹر آرنیٹ اور ہیر کیسنجر کی ریشہ دوانیاں اور غلام رسول سے امیرجان کی غداریوں تک ہر جگہ ہیروئن سے کمایا ہوا کالا دھن یا اس کا لالچ ہی کارفرما تھا۔ وہ سب میرے بھیانک اور ڈراؤنے تجربات تھے جو اناج سے بھرے ہوئے کنٹینر کی پرہول تاریکی اور تنہائی میں ایک ایک کرکے میری نگاہوں کے سامنے ناچ رہے تھے۔ وہ سب' موت کے سوداگروں کی زد میں آئے ہوئے باثروت لوگوں کی کہانیاں تھیں۔ کون جانے کہ ان مفلس گھرانوں پر کیسی کیسی قیامت نہ بیت جاتی ہوگی جہاں آٹھ دس افراد کے کنبے کی کفالت کا واحد سہارا دوستوں کی صحبت میں ہیروئن کا پہلا کش لے کر اس زہریلے سرور سے آشنا ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اپنی ذمے داریوں' گھربار' بال بچوں' ماں باپ اور روزگار تک کو بھول کر ہیروئن کی دھواں اگلتی ہوئی دلدلوں میں گہرا اور گہرا غرق ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کسی کوڑے گھر' پیشاب خانے یا تاریک و متعفن گوشے میں قزاق اجل اس کی رگوں میں ٹھہری ہوئی آخری چند سانسیں بھی نچوڑ کر اسے ستار ایدھی کے مردہ خانے کا حقدار بنا دیتا ہے۔ نانِ جویں اور چھت کے سائے سے محروم وارثوں کو اپنے اندوہناک مصائب سے اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ وہ حرماں نصیب اپنے باپ' بیٹے' بھائی یا شوہر کے لاشے کو تلاش کرکے اسے اپنی جیب سے کفن اور ہاتھوں سے مٹی دے سکیں!

میں نے محسوس کیا کہ وہ سب سوچتے ہوئے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے اور بدن پر تھرتھری سوار ہوگئی تھی۔ میں اپنے ہی خیالات سے خوفزدہ ہوکر کنٹینر کے فرش سے اٹھ گیا۔

کنٹینر کے بند دروازوں اور باڈی کی بعض جھریوں سے اگر روشنی کی چند موہوم سی کرنیں اندر اجالا نہ پھیلا رہی ہوتیں تو اس وقت تاریکی سے میرا دم گھٹنے لگتا۔ میں نے تاریکی کے احساس سے چھٹکارا پانے کے لیے اضطراری طور پر سگریٹ سلگائی اور سلگتی ہوئی دیا سلائی کو جوتے سے رگڑ دیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری ذرا سی بے احتیاطی سے خشک اناج کی بوریوں نے آگ پکڑلی تو وہی آہنی کنٹینر میری آتشیں قبر میں تبدیل ہوجائے گا۔

مایوسی اور ناامیدی کے اس گھور اندھیرے میں مجھے
امید کی بس ایک ہی کرن نظر آرہی تھی کہ میری محنت کے
نتیجے میں چھوٹے خان نے ویرا کو آزاد کر دیا تھا۔ ویرا میرے
پکڑے جانے سے ہی واقف نہیں تھی بلکہ اس نے ٹیکسی میں
بے ہوش کیے جانے سے قبل یہ بھی سن لیا تھا کہ مجھے اغوا
کرنے والے سردار پائندہ گل کے نمک خوار تھے جو مجھے
شنگارا ویلی لے جانا چاہتے تھے۔ وہ لوگ گروہ بند ضرور تھے
لیکن بے حد غیر منظم تھے۔ چھوٹے خان نے ویرا کو آزاد
کرنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی
تھی کہ راستے میں اس کے آدمیوں نے کیا کیا بکواس کی تھی
اور اس کے کیا نتائج برآمد ہو سکتے تھے۔

میری دعا تھی کہ ویرا کو واپسی کے سفر میں ہوش آگیا ہو
اور اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو اپنے قابو میں کر لیا ہو۔ اگر
میری اس دعا میں اثر نہ بھی ہوتا تو ویرا ہوش میں آنے کے
بعد میری رہائی کے لیے بہت کچھ کر سکتی تھی۔ سردار پائندہ
گل اور شنگارا ویلی کے ناموں کے سہارے اگر وہ فی الفور
اول خان سے رابطہ کر لیتی تو عین ممکن تھا کہ اسپیشل ٹاسک
فورس والے براہِ راست سردار پائندہ گل کے گریبان پر ہاتھ
ڈال کر چھوٹے خان کی راج دھانی پر یلغار کر دیتے اور مجھے
شنگارا ویلی روانہ ہونے سے پہلے ہی اس عذاب سے نجات
مل جاتی۔

لیکن وہ صرف امیدیں تھیں جو زندگی کی ڈور کے تسلسل
کو برقرار رکھتی ہیں۔ اٹل حقیقت یہ تھی کہ میں قیدی تھا'
باہر وقت بہت دھیمے دھیمے گزر رہا تھا۔ اس کے بعد رات
آجاتی تھی اور ہر طرف پُرہول سناٹے کا راج ہو جاتا یا پھر دو
شکاری کتوں کی خون آشام سانسوں کی آوازیں سنائی دیتی
رہتیں۔

دیواروں کے ساتھ دھان اور گندم کی بوریاں چنی ہوئی
ہونے کے باوجود میرے کان باہر کی آوازوں کو سن رہے تھے۔
میرے قریب ہی کوئی اونچے سُروں میں پشتو گانا گنگنا رہا تھا۔
خیمہ بستی میں کھیلنے اور لڑنے والے بچوں کا شور بھی کبھی
کبھار ہوا کے دوش پر ابھرتا ڈوبتا سنائی دے رہا تھا۔ دو مرتبہ
کافی فاصلے سے انجنوں کے بیدار ہونے کی آوازیں بھی سنائی
دی تھیں۔ جو رفتہ رفتہ دور ہوتی چلی گئیں۔ شاید کراچی میں
چوری چھپے نوکری یا کاروبار کرنے والے متمول افغان
مہاجرین تفریح یا خریداری کے لیے شہر کا رخ کر رہے تھے۔

اس تاریکی اور تنہائی میں آواز شناسی کا وہ شغل مجھے
خاصا دلچسپ محسوس ہوا۔ اندازے لگا کر میں قدرے آسانی
کے ساتھ اپنا وقت گزار سکتا تھا۔ بے کاری کے مقابلے میں
اس طرح سگریٹ کی طلب کا احساس بھی کم ہو گیا تھا جو
میرے لیے بہت سودمند تھا۔ میرے پیکٹ میں صرف پانچ
سگریٹیں باقی رہ گئی تھیں اور مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ چھوٹا
خان مجھے سگریٹیں فراہم کرے گا یا اس سہولت سے انکار
کر دے گا۔

کچھ دیر بعد کسی کار کے انجن کی آواز آئی۔ آواز کچھ
شناسا سی تھی۔ میری چھٹی حس نے ٹیکسی کی ہانک لگائی اور
میرے وجود پر مایوسی کی ایک لہر چھا گئی۔ باریش ڈرائیور بے
ہوش ویرا کو کسی ویرانے میں ڈال کر چھوٹے خان کے پاس
واپس لوٹ آیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میری پہلی دعا ناکام
لوٹا دی گئی تھی۔ ویرا کو واپسی کے سفر میں ہوش نہیں آیا تھا
اور میرے لیے بس ایک ہی امید باقی رہ گئی تھی کہ ویرا اول
خان سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

خیمہ بستی کی کسی عارضی مسجد سے بلند ہونے والی اذان
کی آواز سنائی دی تو میں نے چونک کر جھریوں سے آنے والی
روشنی کا جائزہ لیا۔ روشنی باقی تھی مگر زرد پڑ رہی تھی۔ میری
رسٹ واچ کے ڈائل کے روشن ہندسے پانچ بجنے کا اعلان کر
رہے تھے۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ عصر کی اذان تھی۔

بے اختیار میرا دل چاہا کہ میں بھی اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوجاؤں لیکن پھر یاد آیا کہ میں پاک نہیں تھا‘ میں بکثرت نہانے کا عادی تھا لیکن کبھی باقاعدہ غسل کرکے پاک و صاف ہونے کا خیال نہیں آیا تھا۔ غسل ہوتا تو بھی وضو کا مسئلہ تھا۔ وضو پر تیمم یاد آگیا۔ میرے دل نے کہا کہ جب وضو تیمم سے ہوسکتا ہے تو غسل بھی ہوجائے گا لیکن میں اس آہنی کنٹینر میں مٹی کہاں سے لاتا۔ اسی لمحے دماغ کے کسی حصے میں ایک بے ہودہ کہاوت گونجی۔ پتلون لگی پھٹنے‘ خیرات لگی بٹنے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے ان برے لمحات میں فیصلہ کیا کہ میں جب بھی عبادت شروع کروں گا‘ مصیبت کے بجائے آزادی اور مسرت کے عالم میں کروں گا۔

جھریوں میں شگاف لگانے والی روشنی زرد اور پھر دھندلی پڑتے پڑتے معدوم ہوکر رہ گئی تو خیمہ بستی سے پھر وہی آواز بلند ہوئی۔ اذان ختم ہونے کے بعد فضا میں کسی انجن کی بے ہنگم آواز سنائی دی۔ چند لمحوں بعد وہ آواز بدل گئی۔ اسی کے ساتھ تاریک کنٹینر میں بہت موہوم سا اجالا پھیل گیا جسے صرف میری حساس نگاہیں ہی محسوس کرسکتی تھیں۔ اس کے بعد فضا میں ایک نغمے کی گونج سنائی دی۔ میں نے فرض کرلیا کہ چھوٹے خان نے اپنی رعایا پر احسان کرتے ہوئے وہاں کسی جنریٹر کا بندوبست کیا ہوا تھا جو اندھیرا پھیلنے کے بعد چلا دیا جاتا تھا۔ اس کی مدد سے روشنی کرنے کے ساتھ ہی شاید ٹیلی وژن وغیرہ بھی چلائے جاتے ہوں گے تاکہ اس بستی کے مجبور و محروم باسی اگلے دن کی سختیاں جھیلنے سے پہلے اپنے پرانے عذاب بھلاسکیں۔

انجن کی وہ آواز کرخت اور ایک ہی جگہ ٹھہری ہوئی معلوم ہورہی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹا گزرنے کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ اس شور کے بارے میں میرا قیاس درست ہی تھا اور اسے زیادہ سے زیادہ نو دس بجے کے قریب ختم ہوجانا چاہیے تھا۔

میرے لیے کسی سرہانے کے بغیر سخت آہنی فرش پر لیٹنا سوہانِ روح تھا۔ میں نے فرش پر اناج کی دو بوریوں کو جوڑ کر اپنا بستر تیار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس حصے میں بوریاں چھت تک چنی ہوئی تھیں اور ایک دوسرے میں اس طرح پھنسی ہوئی تھیں کہ انہیں درمیان میں سے نکالنا خاصا مشکل تھا۔ اگلے حصے سے بوری گرنے کی دھمک باہر والوں کو میری طرف سے بدظن کرکے فوری تشدد پر اکساسکتی تھی اس لیے میں نے اپنے کمرے کی ہی ایک دیوار پر طبع آزمائی کرنے کا ارادہ کرلیا۔ میں اس رات بھوکا پیاسا سونے کی امید پر آہستگی سے کام کررہا تھا۔

میں اپنے کام میں مصروف تھا کہ کنٹینر کے دروازے پر تیز آوازیں سنائی دیں۔ میں متوقع باز پرس کے لیے اپنے چڑھے ہوئے سانسوں پر تیزی سے قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

تیز کھٹکوں کے بعد خشک قبضوں کی پُرشور آواز کے ساتھ دروازہ کھولا گیا اور پتلے راستے سے تیز روشنی میرے کمرے میں در آئی۔ اسی کے ساتھ چھوٹے خان کی استہزائیہ آواز گونجی۔ "تم زندہ ہو یا مرچکے ہو؟"

"زندہ ہوں مگر بہت بھوکا ہوں۔" میں نے کوئی پیش قدمی کیے بغیر جواب دیا۔

"باہر آؤ!" درشت لہجے میں کہا گیا۔ "میرے کتے بھی بہت بھوکے ہیں۔"

خوف سے میرا ذہن سُن ہوکر رہ گیا۔ کیا وہ مجھے شکاری کتوں کے حوالے کرنے والا تھا؟ لیکن میں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔ چھوٹے خان کے ذہن میں سمائی ہوئی کسی بات کو تبدیل کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں نے سوچ لیا کہ میں پوری دلیری کے ساتھ ہر صورتِ حال کا سامنا کروں گا۔

"آرہا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور بوریوں کے درمیان چھوڑی ہوئی تنگ سرنگ میں داخل ہوگیا۔

سرنگ کے آخری سرے پر ایک بلب روشن نظر آرہا تھا۔ اس کے پس منظر میں خیمہ بستی کے ایک حصے میں بھی برقی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ میں نے چند ہی قدم بڑھائے تھے کہ کتوں نے فضا میں میرے وجود کی بو سونگھ کر خونخوار آوازوں میں غرانا شروع کردیا۔

سرنگ عبور کرکے میں کنٹینر کے دروازے کے قریب پہنچا تو تیز روشنی کے پیچھے کھڑا ہوا چھوٹا خان مجھے نظر نہیں آسکا لیکن پتلی کمر اور لمبی ٹانگوں والے وہ وحشی کتے ضرور نظر آگئے جو اپنی لمبی لمبی زبانیں نکالے‘ غراتے ہوئے ٹریلر پر چڑھنے کی کوششیں کررہے تھے اور پوری طرح روشنی میں تھے۔

مجھے دیکھتے ہی ان دونوں کتوں پر دیوانگی کا دورہ پڑگیا اور وہ اپنے پچھلے پیروں کی پوری قوت سے چیختے ہوئے کنٹینر پر چڑھ آنے کی کوشش کرنے لگے جو زمین سے تقریباً ڈھائی فٹ بلند ٹریلر پر رکھا ہوا تھا۔

میں پیش قدمی ترک کرکے اپنی جگہ پر جم کر کھڑا ہوگیا

"باہر نکلو!" کتوں کے کان پھاڑ دینے والے شور میں چھوٹے خان کی برہم آواز گونجی۔ "کتے زنجیروں سے بندھے ہوئے ہیں اور زنجیریں رکھوالوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ تمہارا دم کیوں نکل رہا ہے؟"

چھوٹے خان کے خاموش ہوتے ہی ان کتوں کو پیچھے کھینچ لیا گیا لیکن وہ بدستور اپنی لال لال زبانیں لٹکائے، آگے بڑھنے کے لیے زور لگاتے ہوئے بھونکے جا رہے تھے۔ میرے ذہن میں یہ امکان ابھرا کہ کہیں میرے نیچے اترتے ہی وہ خونخوار کتے مجھ پر نہ چھوڑ دیے جائیں لیکن میں اپنی جگہ پر ٹھہرا نہ رہ سکا۔ میں نے چند ہی ثانیوں میں یہ جائزہ لے لیا تھا کہ کتوں سے دو بدو مقابلے کی صورت میں مجھے ان کے جسم کے کن حصوں کو اپنی بے رحمانہ ٹھوکروں کا نشانہ بنانا ہے۔ میں چند قدم کا فاصلہ طے کر کے دروازے کے قریب پہنچا اور نیچے کود گیا۔

میرے نیچے اترتے ہی روشنی کا رخ تبدیل ہو گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ شیڈ میں لگا ہوا وہ طاقتور بلب، زمین میں گڑے ہوئے ایک بانس پر باندھا گیا تھا اور روشنی کا رخ حسبِ ضرورت تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ اس وقت مجھے روشنی میں چھوٹا خان نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں کھلونے جیسی روسی کلاشنکوف دبی ہوئی تھی۔ کلاشنکوف میں بڑا میگزین چڑھا ہوا تھا لیکن اس وقت اس کی نال کا رخ زمین کی طرف تھا۔ چھوٹے خان کے ساتھ ہی دو اجنبی کھڑے ہوئے تھے جن کے درشت چہروں سے تُند خوئی ٹپک رہی تھی۔ ان میں سے ہر ایک ہاتھ میں آہنی زنجیر لپٹی ہوئی تھی جس کی مدد سے ان دونوں نے اپنے اپنے کتے کو مجھ تک پہنچنے سے روکا ہوا تھا۔ کتوں کی زور آزمائی پر قابو پانے کے لیے ان دونوں کو واضح طور پر کافی محنت کرنی پڑ رہی تھی جس کے اندازے کے لیے ان کے، آگے پیچھے جمے ہوئے قدم اور پیچھے کی طرف جھکے ہوئے بدن ہی کافی تھے۔

"میں تمہارے کتوں سے خوفزدہ نہیں ہوں۔" میں نے نیچے پہنچنے کے بعد بہت سکون کے ساتھ کہا۔ "میں بس ان کے تیوروں کا اندازہ لگانا چاہ رہا تھا۔" وہ فقرے ادا کرتے ہوئے، جہاں میں نے اپنے حوصلے کا مظاہرہ کیا تھا وہیں یہ احتیاط بھی اپنے پیش نظر رکھی تھی کہ میرے الفاظ یا لب و لہجے میں ایسی جارحیت نہیں ہونی چاہیے جس سے مشتعل ہو کر چھوٹا خان مجھے بلاوجہ ہی اپنے کتوں سے لڑوانے پر تل جائے۔ وہ تعلیم یافتہ اور مہذب ضرور تھا لیکن اس کی رگوں میں وہی قبائلی خون دوڑ رہا تھا جس نے ذرا سی دیر میں بانوے فوجیوں کو اپنی افیم کی فصل کے لیے، انسانی کھاد میں تبدیل کر دیا تھا۔

وہ بے اعتباری سے ہنس پڑا۔ "یہ نہ کہو۔ ان کتوں سے بڑے بڑوں کا پتا پانی ہو جاتا ہے۔ یہ خونی کتے ہیں اور میری قید سے فرار ہونے کی کوشش کرنے والے تین دشمنوں کو جہنم واصل کر چکے ہیں۔ ان پر ایک بار خون سوار ہو جائے تو ان کے رکھوالے بھی ان کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں۔"

"دو حریف لڑتے ہیں تو ایک کی جیت اور دوسرے کی ہار ہوا ہی کرتی ہے۔ مجھے ان سے مقابلہ کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے لیکن مجبور ہو گیا تو انہیں بھی اب تک کا کھایا پیا یاد آ جائے گا۔" میں نے کہا۔

"آدمی دلیر معلوم ہوتے ہو۔" اس نے آگے بڑھ کر میرے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "خان بابا، بہادروں کی بہت قدر کرتا ہے لیکن قسمت نے تمہیں اس کے مقابلے میں لا کھڑا کیا ہے۔ اب تمہارے مقدر کا فیصلہ اُسی کی مرضی کے مطابق ہو گا۔ بس یہ یاد رکھنا کہ اب ان کتوں نے تمہاری بو سونگھ لی ہے۔ اگر تم نے ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو یہ کتے تمہیں چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔ ان سے جیت کر بھی تم اس قابل نہیں رہو گے کہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکو۔"

"میں بلاوجہ خطرات مول لینے کا عادی نہیں ہوں۔" میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ سردار پائندہ گل کو میرے بارے میں سنگین غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس سے ملاقات ہو گی تو میں اسے پوری طرح مطمئن کر دوں گا۔ اور وہ خود ہی مجھے عزت کے ساتھ آزاد کر دے گا۔"

اس نے مُنہ بنا کر دونوں کندھے اچکائے اور بولا۔ "وہ تمہارا اور خان بابا کا معاملہ ہو گا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم میری تحویل میں کوئی گڑبڑ نہ کرو تاکہ میں تمہیں صحیح سالم حالت میں شنگارا دلی بھیج سکوں۔"

"تم بے فکر رہو۔ میں بزدلوں کی طرح بھاگنے کے بجائے، مردانگی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے والوں میں سے ہوں۔ میرا یقین ہے کہ جب تک میرا وقت پورا نہیں ہو جاتا، دنیا کی کوئی طاقت میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔ اور اگر میرا برا وقت آ ہی گیا ہے تو یہ کتے بہت بڑی چیز ہیں، کوئی حقیر سی چیونٹی بھی میری ناک کے راستے دماغ میں پہنچ کر مجھے ابدی نیند سلا سکتی ہے۔"

میرے جواب پر وہ خوش ہو گیا اور ایک طرف مڑتے ہوئے بولا۔ "پھر آؤ، تھوڑی دیر تک کھلی ہوا میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں۔ اس بھری بستی میں سب لوگ میرے حکم کے غلام ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی اس قابل نہیں ہے کہ میں اسے اپنا دوست سمجھ سکوں۔"

"تو کیا میں خود کو تمہارا دوست سمجھ لوں؟" میں نے اس کی تقلید کرتے ہوئے پوچھا۔ میں نے اس کی بات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس خیمہ بستی کا بے تاج بادشاہ ہونے کے باوجود تنہائی کے عذاب میں مبتلا تھا۔ وہاں رہنے والے اجڈ اور تُند خو افغان

مہاجرین کے مقابلے میں وہ خاصا تعلیم یافتہ تھا اور اس اعتبار سے اس کی ذہنی سطح بھی ان سے بلند تھی جو اسے ان کے ساتھ گھلنے ملنے نہیں دیتی تھی۔

"میری قائم کی ہوئی حد میں تم میرے دوست ہو لیکن جوں ہی تم نے میرے لیے کوئی مشکل پیدا کرنے کی کوشش کی، میں تمہاری جان کا دشمن بن جاؤں گا۔" اس کی آواز خشک اور گمبھیر تھی۔

"تم میرے دانا دشمن ہو۔" میں نے اسے خوش کرنے کی نیت سے کہا۔ "اور دانا دشمن نادان دوست سے ہزار درجے بہتر ہوتا ہے۔ میں تمہارے اعتماد کی کسوٹی پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔"

اس دوران میں کتوں کا شور حیرت ناک طور پر معدوم ہو چکا تھا۔ شاید ان کے رکھوالوں نے کسی موروثی چٹکلے کے ذریعے انہیں بہلا کر خاموش کر دیا تھا۔ کتے نہ صرف خاموش ہو چکے تھے بلکہ اس وقت میری نگاہوں کی رسائی میں بھی نہیں رہے تھے۔ مشتعل کتوں کا یوں خاموش ہو جانا میرے لیے حیرت سے زیادہ تشویش کا باعث تھا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو رہی تھی کہ کتوں کی بھرپور تربیت کی گئی تھی اور وہ اپنے آقاؤں کے متعین کیے ہوئے مقاصد کے حصول کے بارے میں ہر وقت مستعد رہتے تھے۔

عبدالرحیم خان کے ساتھ، اس کی چارپائی کی طرف جاتے ہوئے، میں نے دیکھا کہ ویرانے میں قائم کی ہوئی اس خیمہ بستی میں اگرچہ چراغاں نہیں تھا لیکن پھر بھی برقی قمقموں کی روشنی نے اس علاقے کو اس حد تک روشن کیا ہوا تھا کہ وہاں جنگل میں منگل کا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ خیموں اور جھونپڑیوں کے درمیان میں ایک ٹیلی ویژن اسکرین بھی روشن نظر آ رہی تھی جس کے گرد خاصی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔

اس اثنا میں عبدالرحیم خان سگریٹ سلگانے کے لیے رکا تو مجھے بھی بے اختیار سگریٹ کی طلب محسوس ہونے لگی جسے میں نے کافی دیر سے دبایا ہوا تھا۔

"مجھے سگریٹ پینے کی اجازت ہے؟" میں نے دھیمی آواز میں اس سے سوال کیا۔

سگریٹ کا ایک گہرا کش لینے کے بعد اس نے گھور کر میری طرف دیکھا اور چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "سگریٹ پینے کے لیے میری اجازت کی ضرورت کیوں پیش آئی۔"

"میرے پیکٹ میں صرف چار سگریٹیں باقی رہ گئی ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ان کے ختم ہونے کے بعد نیا کوٹا ملنے کی امید ہو تو ذرا کھل کر عیاشی کر لوں۔"

"جب تک تمہیں شنگارا دیلی کے سفر پر روانہ نہیں کیا جاتا، ہم تمہیں روٹی پانی فراہم کرتے رہیں گے۔ سگریٹ تم کو خریدنی ہوگی۔ ایسی بے ضرر چیزیں رجب خان مناسب داموں پر بیچتا ہے۔"

"رجب خان کہاں ہوتا ہے؟" میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگانے کے بعد پوچھا۔

"بستی میں اور کہاں ہوگا وہ؟" چھوٹے خان نے تیزی سے کہا۔ "اب زیادہ باتیں کر کے میرا دماغ خالی مت کرو۔ یہ بتاؤ کہ تم شراب بھی پیتے ہو یا نہیں؟"

"تھوڑی بہت اسکاچ پی لیتا ہوں۔" میں نے اس خوش خبری پر اپنا ردِعمل پوشیدہ رکھتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنی چارپائی کے قریب پہنچ کر تکیے کے نیچے سے ریڈ لیبل کی مہربند بوتل نکالی اور اسے میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ سات سو روپے کی ہے۔ رجب خان کو شہر سے چھ سو میں ملتی ہے۔"

"اور تم کیا کرو گے؟" میں نے بوتل اس کے ہاتھ سے لے کر چارپائی پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"میری فکر چھوڑو اور سات سو روپے نکالو۔ میں ابھی دوسری منگوا لوں گا۔"

دھول میں اٹے ہوئے ٹریلر میں پھنسی ہوئی ایک لکڑی کے سرے پر جلتے ہوئے بلب نے وہاں خاصی روشنی پھیلائی ہوئی تھی۔ میں نے روشنی میں گن کر ساڑھے سات سو روپے چھوٹے خان کے حوالے کیے تاکہ وہ میرے لیے سگریٹ کا ایک پیکٹ بھی منگوا دے۔

عبدالرحیم خان نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کسی کو آواز دی جس کا فوراً ہی جواب آیا۔ چند سیکنڈ کے بعد کتوں کا ایک رکھوالا وہاں آ موجود ہوا۔ چھوٹے خان نے اپنی مادری زبان میں اسے کچھ ہدایات دیتے ہوئے، میرے دیے ہوئے نوٹ اس کے حوالے کیے اور وہ وہاں سے سیدھا بستی کی طرف ہو لیا۔

اس وقت عبدالرحیم خان کی چارپائی پر موٹے گدّے والا بستر بچھا ہوا تھا۔ اس چارپائی کے پائے اتنے نیچے تھے کہ اسے ٹریلر کی باڈی کے نیچے بچھانے کے بعد بھی اس پر لیٹا بیٹھا جا سکتا تھا۔ چارپائی کے نیچے واٹر کولر اور اس کے ساتھ دو گلاس بھی موجود تھے۔

میرے ذہن میں عبدالرحیم خان کے اس طرزِ زندگی کے بارے میں چبھن موجود تھی جو وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ وہ سردار پائندہ گل کا بھانجا تھا اور دنیا کی ہر آسائش اس کی دسترس میں تھی لیکن پھر بھی وہ بے سروسامانی کے عالم میں اس بستی میں رہ رہا تھا۔ اگر اس میں قبائلیوں کی روایتی جفاکشی اور سخت جانی نہ ہوتی تو وہ اس کھلے میدان میں شاید چند گھنٹے بھی نہ گزار پاتا اور دھول مٹی سے بوکھلا کر وہاں سے بھاگ لیا ہوتا۔ وہ اتنے اطمینان سے اپنی چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا جیسے وہ اسی ماحول میں پلا بڑھا ہو۔

"گلاس لے کر تم شروع کرو۔ کولر میں ٹھنڈا پانی ہے۔" اس نے مجھے دعوت دی۔

میں نے نیچے سے دونوں گلاس اٹھا لیے۔ ایک کے بعد جب میں دوسرے گلاس میں اسکاچ انڈیلنے لگا تو اس نے مجھے سختی کے

ساتھ روک دیا۔ "تم اپنا حساب دیکھو' میں اپنی بوتل سے لوں گا۔"
"وہ آجائے گی تو تم اس میں سے ایک پیگ مجھے دے دینا۔" میں نے کہا۔ "یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں پیتا رہوں اور تم خالی بیٹھے اپنی بوتل کا انتظار کرتے رہو۔"
"میں اس کا عادی ہوں۔" وہ تیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "عورت' شراب اور سگریٹ میں کسی سے ساجھا نہیں کرتا۔ یہ تینوں چیزیں اپنی ہی اچھی لگتی ہیں۔ ایسے کاموں میں دوسروں کی شراکت برداشت کرنے والے کو میرے قبیلے میں بزدل بلکہ نامرد سمجھا جاتا ہے۔ مجھ سے بحث نہ کرو۔ میں تمہاری جھوٹی بوتل سے شراب نہیں لے سکتا۔"
میں نے بات بڑھائے بغیر اپنا سر جھکا لیا۔ اس کی منطق بہت عجیب اور ناقابل فہم سی تھی۔ میں نے اس بوتل سے اپنے لیے اسکاچ ضرور انڈیلی تھی لیکن وہ صرف اسی بنا پر بوتل کو جھوٹا قرار دے رہا تھا۔ بہرحال وہ اس کی اپنی سوچ تھی میں نے اپنا اخلاقی فرض ادا کر دیا تھا۔ اگر اسے میری دعوت پر اعتراض تھا تو وہ اس کا ذاتی معاملہ تھا جس پر تکرار کرنے سے بدمزگی پیدا ہو سکتی تھی۔ میرے لیے یہی غنیمت تھا کہ اس نے مجھے اپنا قیدی قرار دینے کے باوجود' اس وقت مجھے اپنی ہم نشینی کا اعزاز بخشا ہوا تھا۔
میں نے اپنا گلاس بنا لیا لیکن مے نوشی کا آغاز کرنے کے بجائے بستی کا ذکر چھیڑ دیا۔
"یہ بستی تم نے خود قائم کی ہے یا کسی ادارے نے ان لوگوں کو یہاں لا کر بسایا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"ساری افغان خیمہ بستیاں اقوام متحدہ کے مہاجرین کے ادارے نے قائم کرائی ہیں۔ جگہ وغیرہ کا بندوبست پاکستان کی حکومت کرتی ہے۔ اپنا سب کچھ جنگ کی بھٹی میں جھونک کر آنے والوں کے ساتھ یہاں بہت ظلم ہو رہا ہے۔ دیکھا جائے تو ان لوگوں کو دو وقت کی روٹی بھی مشکل سے ہی ملتی ہے۔"
"پھر یہ جنریٹر اور ٹیلی وژن وغیرہ کہاں سے آئے ہیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"یہ سب سردار بابا کی مہربانیاں ہیں۔ بجلی کے علاوہ ہم نے اس آبادی میں بڑے سلنڈروں کے ذریعے گیس بھی دی ہوئی ہے۔ تین تندوروں پر عورتیں باری باری اپنی روٹیاں پکاتی ہیں۔ ہر تین گھروں کے لیے گیس کا ایک چولہا بھی ہے۔ اس سے پہلے ہماری عورتیں جلانے کی لکڑیاں جمع کرنے کے لیے میلوں دور کی خاک چھانتی تھیں۔ تمہاری زمین اتنی ننگی ہے کہ یہاں ایندھن کی لکڑی تک نہیں اگتی۔"
"ایسی بستیاں کسی سرکاری سرپرستی کے بجائے امداد باہمی کے جذبے سے ہی چل سکتی ہیں۔ میں حیران ہوں کہ تمہارے سردار نے ان لوگوں کی آسائشوں کا اتنا خیال رکھا ہوا ہے۔"
"پہلے ہم اس ٹینکر میں پانی لے کر آتے تھے۔ یہ بھی ہمارا خریدا ہوا ہے۔ اس کے لیے ٹریکٹر کا بھاری کرایہ دینا پڑتا تھا۔ پھر ہم نے ایک پک اپ پر دو بڑی بڑی جستی ٹنکیاں رکھوا دیں۔ وہ پک اپ صبح شام دو پھیرے لگاتی ہے اور ہمیں پانی کی کوئی قلت نہیں ہوتی۔" عبدالرحیم خان نے فخر آمیز لہجے میں بتایا۔
اسی وقت کتوں کا رکھوالا سگریٹ کا پیکٹ اور شراب کی دوسری بوتل لے آیا اور عبدالرحیم خان نے ندیدے پن کے ساتھ نئی بوتل کھول کر اپنا آدھا گلاس اسکاچ سے بھر لیا پھر اسے پانی سے بھر کر فوراً ہی ایک بڑا گھونٹ حلق سے اتار لیا۔ میں نے بھی اس کی بے صبری سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اپنے لب تر کر لیے۔
"کیا یہاں رہنے والے سارے افغان مہاجرین شنگارا ویلی سے آئے ہوئے ہیں؟" میں نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔
"یہ مختلف علاقوں سے آئے ہوئے بدنصیب ہیں۔ پہلے انہیں جو اناج بانٹا جاتا تھا وہ دھوپ اور برسات میں گل سڑ کر خراب ہو جاتا تھا لیکن جب سے سردار بابا نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھا ہے' ہم نے اقوام متحدہ والوں کا یہ ٹریلر اور کنٹینرز یہاں روک لیا ہے۔ اب سارا اناج اس میں محفوظ رہتا ہے۔ تین مہینے بعد نئی کھیپ آتی ہے تو ٹرک بھرا ہوا کنٹینرز یہاں چھوڑ کر' خالی کنٹینر کو ٹریلر سمیت لے جاتا ہے۔"
"تم لوگ اس قسم کے کتنے کیمپ چلا رہے ہو؟" میں نے مرعوب ہوتے ہوئے سوال کیا۔
وہ تلخ ہنسی کے ساتھ بولا۔ "کراچی میں اپنا کام چلانے کے لیے ہمیں ایسے محفوظ ٹھکانے کی ضرورت تھی۔ اس لیے میں یہاں بیٹھا ہوا ہوں۔ سردار بابا کوئی خیرات خانہ نہیں چلاتا جو اپنے وطن سے بھاگ کر پرائی زمین پر پناہ لینے والے تمام مفت خوروں کو روٹیاں فراہم کرتا رہے۔"
اس کے الفاظ کی تلخی نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "تم انہیں مفت خور کہہ رہے ہو؟ میرا تو خیال تھا کہ ان لوگوں نے روسیوں سے ٹکر لے کر تاریخ کا بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔"
"دربدر کی ٹھوکریں کھانے والے یہ خانماں برباد لوگ ہتھیار اٹھانے والوں کو کوستے ہیں۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔ "یہ سب قدامت پرست لوگ ہیں۔ افغان اپنے ماضی پر نازاں اور حال میں مگن رہنے والے لوگ ہیں۔ روسی فوجیں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ ہم صدیوں سے ان کے پڑوس میں رہتے آئے ہیں لیکن ہماری ساری روایات ابھی تک زندہ تھیں۔ تم لوگوں کو اپنا اور امریکیوں کو گرم پانیوں کی بندرگاہوں کا خوف تھا اور تم دونوں نے اپنی جنگ ہمارے سروں پر مسلط کر دی۔ کچھ لوگ تم دونوں کے کھیل کو سمجھے بغیر میدان میں کود پڑے اور انجام پوری افغان قوم بھگت رہی ہے۔ اتنے آدمی روسیوں نے نہیں مارے ہوں گے جتنے آپس کی پیکار میں مارے جا چکے ہیں۔ ہماری سرزمین پر بارود کو آگ

دکھانے کے ساتھ ہی تم نے ہمارے مہاجرین کو اچھوت بنا کر رکھ دیا ہے۔ ہمارے بچے بازاروں میں بوجھ ڈھوتے ہیں مرد کم اجرتوں پر چوری چھپے کام کر کے اتنے پیسے جمع کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ تمہارے راشی افسروں کے پیٹ بھر کر یہاں کے شناختی کارڈ بنوا سکیں۔ افغانیوں کی پوری نئی نسل اس خونریزی کا ایندھن بن چکی ہے۔ خودغرضوں کی اس سازش نے بچوں پر تعلیم اور باعزت روزگار کے دروازے بند کر کے ان کے ہاتھوں میں کشکول تھما دیئے ہیں......"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اس کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی، مصالحانہ سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "میں نے اس بارے میں اس انداز سے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔"

وہ بولنے کا شوقین معلوم ہوتا تھا۔ ایسا آدمی نشے میں ہو اور پھر جذباتی بھی ہونے لگے تو اسے سنبھالنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ میری دانست میں وہ موضوع وہیں ختم کرنا ناگزیر ہوگیا تھا۔

"سچ پوچھو تو ان حالات سے میرے خاندان اور قبیلے کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔" وہ ایک اور لمبا گھونٹ لینے کے بعد قدرے ٹھہری ہوئی آواز میں بولا۔ "مفت کے ہتھیاروں اور میگزین نے ہمیں شنگارا ویلی میں ناقابلِ شکست بنا دیا ہے۔ فالتو ہتھیار اور سازو سامان بیچتے رہنے کے باوجود اس علاقے میں سردار بابا کا طوطی بولتا ہے۔ کوئی ہمارے افیم کے کھیتوں یا لیبارٹریوں کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ ہم دلالوں کے ہاتھوں اونے پونے داموں پر سودا کرنے کے بجائے، اپنی ہیروئن کراچی میں اصل خریداروں کے ہاتھ بیچنے لگے ہیں۔ ان بھوکے ننگے مہاجروں کی آڑ میں ہمیں پناہ ملی ہوئی ہے۔ ہمارے لیے یہ سب بہت اچھا ہے۔ ہم نے پشاور اور مردان میں جائیدادیں بنالی ہیں لیکن پھر بھی کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ یہ سب کب تک چلتا رہے گا؟ ہماری زمین پر بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھانے کے لیے کون آئے گا؟"

"کوئی نہ کوئی آ ہی جائے گا۔" میں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "شاید ابھی ان کے لیے حالات سازگار نہیں ہیں۔"

"تم کس کا ذکر کررہے ہو؟ کون آجائے گا؟" اس نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"اندر ہی سے کوئی اٹھے گا۔" میں نے بوکھلا کر کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ ابھی حالات ایسی قوتوں کے حق میں نہ ہوں۔ تمہاری طرح بہت سے افغان دردمندانہ انداز میں صورتِ حال پر نگاہ رکھ رہے ہوں گے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" وہ سرہلاتے ہوئے بولا اور پھر گلاس میں سے باقی ماندہ اسکاچ پانی کی طرح اپنے معدے میں اتار کر دوسرا گلاس بنانے میں مصروف ہوگیا۔ میں دلچسپی کے ساتھ اس کا جائزہ لیتا رہا۔ اگر وہ اتنی تیز اسکاچ اسی رفتار سے پیتا رہتا تو تھوڑی ہی دیر میں اتنا غنیل ہوسکتا تھا۔

دوسری اہم بات جو میرے ذہن میں تھی، اس کا تعلق خوفناک کتوں سے تھا۔ جب سے ان کتوں کو خاموش کر کے واپس لے جایا گیا تھا وہ دوبارہ میرے سامنے آئے تھے نہ ان کے بھونکنے یا تیز تیز ہانپنے کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ ان علامات سے یوں معلوم ہورہا تھا جیسے میری اور عبدالرحیم خان کی مے نوشی کو پُرلطف بنانے کے لیے، عارضی طور پر ان کتوں کو کہیں باندھ دیا گیا تھا۔ اگر عبدالرحیم خان تیزی کے ساتھ وہسکی پینے کے نتیجے میں مدہوش یا غافل ہوجاتا اور کتوں کے رکھوالے بھی ہماری طرف متوجہ نہ ہوتے تو میرے لیے وہاں سے فرار ہونے کا بہترین موقع پیدا ہوسکتا تھا۔

ان امکانات کو ذہن میں رکھتے ہوئے، میں نے ابتدا ہی سے اپنی مے نوشی کی رفتار سست رکھی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عبدالرحیم خان دوسرا گلاس لے رہا تھا جب کہ میں پہلے ہی گلاس کو خالی نہیں کرسکا تھا۔ اس تیزی کے نتیجے میں عبدالرحیم خان کی آنکھوں میں خمار کی سرخی پیدا ہوچلی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے لہجے میں ہلکی سی لکنت بھی پیدا ہوگئی تھی۔ اسے نشہ ضرور ہورہا تھا لیکن وہ گردوپیش کی صورتِ حال سے بالکل ہی غافل نہیں ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی میری سست روی کا اندازہ لگالیا اور میرے چہرے پر نظریں گاڑ کر بولا۔ "تم پیتے کیوں نہیں؟ تمہارا پورا گلاس اسی طرح بھرا ہوا ہے اور میری بوتل چوتھائی خالی ہوگئی ہے۔"

"تم بلانوش خان زادے ہو۔" میں نے اس کی بہکی ہوئی کھوپڑی پر برف جمانے کے ارادے سے کہا۔ "میں کبھی کبھار کا شوقین ہوں۔ میں نے تمہارا ساتھ دینے کی کوشش کی تو پھر یہاں سے ہل نہیں سکوں گا۔ مجھے اپنی اصل رفتار سے ہی پینے دو۔"

"تم شہری لوگ کنجوس اور بزدل ہوتے ہو۔" وہ شیخی میں آکر بولا۔ "ہر کام ناپ تول کر، ڈرتے ڈرتے کرتے ہو۔ جب تک آدمی پی کر مدہوش نہ ہو پینے کا مزہ ہی نہیں آسکتا۔ اور پھر تم تو ایک قیدی ہو۔ اندر کنٹینر میں جاکر رات گزارو یا اسی چارپائی پر لڑھک جاؤ، تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔"

"رات بھر یہاں پڑا رہا تو تمہارے خوں خوار کتے میری بوٹیاں اڑا ڈالیں گے۔"

"وہ بہت سمجھ دار ہیں۔" وہ میرے عقب میں ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "دیکھ لو کتنے آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ تم نے اس چارپائی سے نیچے قدم رکھا اور وہ تم پر جھپٹ پڑیں گے۔"

اس کے الفاظ سنتے ہی مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ہزاروں چیونٹیوں کے رینگنے کا احساس ہونے لگا۔ میں نے غیرارادی طور پر اپنی گردن پیچھے گھمائی تو میری روح فنا ہوگئی۔ وہ دونوں کتے اپنی زبانیں باہر لٹکائے، ٹریلر کے پچھلے پہیوں کے قریب زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت ان کی گردنوں میں زنجیر بھی نہیں تھی۔ نہ ہی ان کتوں کے دونوں رکھوالوں کا کہیں نام ونشان تھا۔

"یہ تو آزاد ہیں۔" میں نے بوکھلا کر کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ یہ میرے اوپر آہی پڑیں۔"

"فکر مت کرو!" وہ میری گھبراہٹ پر ہنستے ہوئے بولا۔ "یہ بہت ذہین اور وفادار کتّے ہیں۔ انہیں جو کچھ سمجھادیا گیا ہے' یہ اس کے خلاف نہیں جائیں گے۔"

"لیکن یہ جانور ہی ہیں۔ بھڑک بھی سکتے ہیں۔ ان کی ذہانت پر اندھا اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ یونہی کھلے پھرتے رہے تو میں ذہنی دباؤ کی وجہ سے تمہاری اس دعوت سے لطف اندوز نہیں ہوسکوں گا۔ مہربانی کرکے ان کے پٹوں میں زنجیریں ڈلوادو۔"

"تم تو ان کتوں سے خوفزدہ نہیں تھے!" اس نے طنزیہ انداز میں میری کہی ہوئی بات مجھے یاد دلائی۔ "جب تک تمہارا وقت پورا نہیں ہوتا' یہ کتے تو کیا' دنیا کی کوئی طاقت بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔"

"اس وقت میں اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ اب میں نشے میں ہوں......"

وہ اتنی زور سے ہنسا کہ میں پریشان ہوگیا۔ پھر وہ اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "تمہیں شاید وہسکی سونگھ کر ہی نشہ ہوجاتا ہے۔ اتنے تگڑے جوان ہوکر عورتوں جیسی بات کررہے ہو۔"

"میں صبح سے بھوکا ہوں۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ خالی پیٹ میں شراب سیدھی دماغ میں چڑھتی ہے۔"

"فکر مت کرو۔ کھانا بھی آتا ہی ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے لیے تو یہی ایک گلاس رات بھر چلتا رہے گا۔ اس سے زیادہ تو میرے کتے بھی پی لیتے ہیں اور چاق و چوبند رہتے ہیں۔"

اس کے تبصرے کا بہترین جواب یہ تھا کہ وہ کتے تھے مگر میں کتا نہیں تھا لیکن میں نے خاموشی ہی بہتر سمجھی۔ اپنی بسیار نوشی کی وجہ سے وہ میرے تبصرے کا غلط مفہوم سمجھ کر بہتے سے اکھڑ سکتا تھا۔

"جب تک تم میرے ساتھ ہو مجھے کتوں کی زیادہ فکر نہیں ہونی چاہیے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"اب تم نے عقل کی بات کی ہے۔" وہ خوش ہوکر بولا۔ "تم میری ہدایات پر چلتے رہے تو تمہاری حفاظت کی پوری پوری ذمے داری میرے اوپر ہوگی۔"

"برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں۔" میں نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر کہا۔

"دس باتیں پوچھ سکتے ہو۔ بس سردار بابا کی خلاف زبان نہ کھولنا۔"

"تم نے شراکت داری کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے تین چیزوں کا ذکر کیا تھا۔ سگریٹ' شراب اور عورت! ان میں سے دو ہمارے سامنے ہیں' تیسری کے لیے تم کیا بندوبست کرتے ہو؟" میں نے دھیمے سے پوچھا۔

"یہاں اس کا ذکر بھی نہ کرنا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "اس تقریباً کھلی ہوئی بستی میں ان انسانی لغزشوں کا بھی گزر نہیں ہے جو باقاعدہ آبادیوں کے بند کمروں میں پھلتی پھولتی ہیں۔ ویسے بھی یہ مفلوک الحال افغان غیرت کے معاملے میں بہت سفاک اور بے رحم ثابت ہوتے ہیں۔ اس غریب بستی میں کئی الہڑ اور خوبصورت لڑکیاں پروان چڑھ رہی ہیں۔ لیکن کوئی ان پر بری نظر نہیں ڈال سکتا۔ اس شوق کے لیے میں نے کراچی میں بندوبست کیا ہوا ہے۔ وہاں ایک کابلی لڑکی میرے فلیٹ میں رہتی ہے لیکن تم تو شاید شادی شدہ ہو اور تمہاری عورت شرف آباد کے فلیٹ میں کسی اور مرد کے ساتھ رہتی ہے۔"

"وہ اس کا بھائی ہے۔" اس نے کسی اور مرد کا تذکرہ اس قدر تحقیر آمیز انداز میں کیا تھا کہ مجھے تلملا کر سلطان شاہ کے بارے میں وضاحت ہی کرنی پڑگئی۔ "مجھے اس قسم کا کوئی شوق نہیں ہے۔ بس تمہاری کہی ہوئی ایک بات کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔"

کھلے ہوئے کتّوں کے نظر آجانے کے بعد میرے لیے فرار کے کسی فوری امکان کے بارے میں سوچنے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی' اس لیے میں نے بے پروائی سے عبدالرحیم کا ساتھ دینا شروع کردیا۔ بعض لوگ نشے کی حالت میں بے سدھ ہوکر خاموشی سے اونگھنے لگتے ہیں اور بعض کی زبان زیادہ جوہر دکھانے لگتی ہے۔ چھوٹے خان کا تعلق دوسری قسم کے مے خواروں میں سے تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ ویرا کو ٹیکسی کے ذریعے واپس لے جانے والا بارلیش ڈرائیور اسے بے ہوشی کی حالت میں نیوکراچی سے آگے' ویران ٹیلوں کے درمیان ڈال آیا تھا۔ میں نے گھما پھرا کر کئی سوال کرنے کے بعد یہ بھی اندازہ لگالیا کہ اس ڈرائیور نے غالباً ویرا کے پرس یا لباس کی تلاشی نہیں لی تھی' جس کا مطلب تھا کہ بیم گن ان لوگوں کی دسترس سے محفوظ تھی۔

میری وہاں سے روانگی کے بارے میں وہ اس وقت بھی کچھ نہیں بتا سکا۔ میں نے گھما پھرا کر وہ سوال کئی مرتبہ دہرایا اور اس نے ہربار ایک ہی جواب دیا کہ مجھے وہاں باعزت قیدی کی ہر سہولت میسر تھی اس لیے مجھے بے فکری سے وہاں رہنا چاہیے تھا۔ جب وہاں سے میرا دانہ پانی اٹھ جاتا تو خود بخود میری روانگی کا بندوبست ہوجاتا۔ اس نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ میں جو وقت اس خیمہ بستی کے کنٹینر میں بسر کررہا تھا وہ ہر اعتبار سے بہتر تھا کیونکہ عبدالرحیم کے برعکس اس کا ماموں بہت ضدی اور مغلوب الغضب طبیعت کا مالک تھا اور اپنی خطیر رقم کے بارے میں' میری جانب سے کوئی واضح یقین دہانی نہ ملنے کی صورت میں مشتعل ہوکر میرے ساتھ بدسلوکی کرسکتا تھا۔

نو بجے کے قریب بستی سے کھانا آگیا۔ عبدالرحیم خان کے لیے گوشت کے بھنے ہوئے پارچے آئے تھے۔ میرے لیے دال بھیجی گئی تھی جس کے ساتھ گرم تندوری نان تھے۔ آنے والے نے

گوشت اور دال کے پیالے، ترتیب وار ہم دونوں کے سامنے رکھے اور فوراً ہی واپس چلا گیا۔

اس وقت عبدالرحیم خان مجھ پر مہربان تھا۔ اس لیے مجھے بھی گوشت کھانے کی اجازت مل گئی۔ دونوں ہی ڈشیں گرم اور لذیذ تھیں۔ میں کھانا کھاتے ہوئے بھی کتوں کی طرف سے بے فکر نہ رہ سکا لیکن یہ بات حیران کن تھی کہ گوشت کی بو پالینے کے بعد بھی انہوں نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔

تھوڑی دیر بعد عبدالرحیم خان نے کتوں کے رکھوالوں کو بلایا۔ انہوں نے کتوں کے پٹوں میں زنجیریں ڈال کرانہیں مضبوطی سے تھام لیا۔ اس کارروائی پر کتوں کے کان کھڑے ہوگئے اور وہ چوکنے انداز میں میری طرف دیکھنے لگے۔ شاید انہیں میری نقل و حرکت کا اندازہ ہوگیا تھا۔

چارپائی چھوڑنے سے پہلے میں نے غیرارادی طور پر عبدالرحیم خان سے ہاتھ ملانے کی کوشش کی لیکن اس نے سردمہری کے ساتھ صاف انکار کردیا۔ "شاید تمہیں یاد نہیں رہا کہ ہم اپنے دشمنوں اور قیدیوں سے ہاتھ نہیں ملاتے۔ یہ رسم صرف برابر کے دوستوں کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔"

"گپ شپ کی دعوت دیتے ہوئے تم نے مجھے اپنا دوست قرار دیا تھا۔" میں نے خفت آمیز انداز میں اسے یاد دلایا۔ لیکن اس کے چہرے پر چھائی ہوئی سردمہری میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"گپ شپ ختم ہوگئی۔ اب تم پھر سے قیدی بن گئے ہو۔ کنٹینر میں جاؤ اور سونے کی کوشش کرو۔"

میں جوں ہی چارپائی سے نیچے اترا، دونوں کتوں نے دانت نکوس کر، غراتے ہوئے میری طرف جھپٹنے کی کوشش کی لیکن اس بار رکھوالوں نے پچکار کر، کچھ کہتے ہوئے انہیں روک لیا اور میں تیز تیز قدموں سے ٹریلر کے عقبی حصے کی طرف جاکر کنٹینر میں چڑھ گیا۔

وہ دونوں آدمی کتوں سمیت اس طرف آئے اور کتوں کو زنجیروں سے آزاد کرنے کے بعد کنٹینر کا وزنی دروازہ بند کرنے لگے۔ میں بوریوں کے درمیانی راستے سے اندر پہنچا بھی نہیں تھا کہ آہنی پٹ، خشک قبضوں کے تیز شور کے ساتھ ایک دوسرے سے ٹکرا کر بند ہوگئے اور باہر سے ان کے بولٹ اور کلیمپ چڑھائے جانے لگے۔

ایک بار پھر خشک اناج کی تیز بُو سے رچی ہوئی وہ بند فضا میرا مقدر بن چکی تھی۔ میں باہر روشنی میں سے آیا تھا اس لیے مجھے اندر بہت تاریکی کا احساس ہوا اور میری آنکھیں خاصی دیر تک اس اندھیرے سے مانوس نہیں ہوسکیں۔ اور جب میں اندر مختلف تاریک دھبوں میں تھوڑا بہت امتیاز کرنے کے قابل ہوا تو میں نے دو بوریوں کو ملا کر، فرش پر اپنا بستر بنانے کا ادھورا کام مکمل کرنا شروع کردیا۔

بستر بنانے کے بعد میں نے جوتے اتارے اور ان بھری ہوئی سخت بوریوں پر دراز ہوگیا۔

میرے لیے وہ صورتِ حال عجیب ہونے کے ساتھ ساتھ تشویش ناک بھی تھی۔ ویرا اپنی طویل اور گہری بے ہوشی کی وجہ سے ان لوگوں کی قید سے رہا ہونے میں کامیاب ہوچکی تھی۔ اس نے بے ہوش ہونے سے پہلے بہت سی کارآمد باتیں سن لی تھیں جن کے ذریعے اسے یہ معلوم ہوچکا تھا کہ میں سردار پائندہ گل کے آدمیوں کی قید میں تھا اور وہ لوگ مجھے ٹشنگارا ویلی نامی، افغان سرحدی علاقے میں لے جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ان لوگوں میں کچھ وقت گزارنے کے بعد میں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ان معلومات کے سہارے کراچی میں صحیح خطوط پر چھان بین کی جاتی تو سردار پائندہ گل کے نام کے حوالے سے اس افغان خیمہ بستی تک پہنچنا زیادہ دشوار نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن ویرا کو وہاں سے گئے تقریباً آدھا دن گزر چکا تھا اور اس کی واپسی کے کوئی آثار نہیں تھے جس کا واحد مطلب یہی تھا کہ وہ غزالہ اور سلطان شاہ کی مدد سے کوئی پیش رفت نہیں کرسکی تھی۔

اول خان کا بذاتِ خود کراچی میں موجود نہ ہونا بھی ایک اہم عنصر تھا لیکن ویرا اس کے اسلام آباد کے رابطوں سے بخوبی واقف تھی۔ اگر وہ اول خان کو میرے اغوا کے پورے پس منظر سے آگاہ کردیتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اپنے کراچی میں مامور عملے کو فوری طور پر میری تلاش کی مہم پر نہ لگا دیتا۔ یہ نکتہ اس قدر واضح اور اہم تھا کہ ویرا کسی بھی صورت میں اسے نظرانداز نہیں کرسکتی تھی۔ اگر اس کی طرف سے غیرمعمولی تاخیر ہورہی تھی تو اس کا ایک مقصد یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اس کی کنپٹی پر لگنے والی ضرب میرے اندازے سے کہیں زیادہ شدید رہی ہو اور اس کی بے ہوشی کا دورانیہ غیرمعمولی طور پر طویل ہوگیا ہو یا پھر ہوش میں آجانے کے باوجود، ذہنی طور پر پوری طرح بحال نہ ہوسکی ہو۔

اندھیرے اور تنہائی میں میرا ذہن مسلسل ان ہی پہیلیوں میں الجھا رہا۔ سارے خیالات ایک ڈراؤنے تسلسل کے ساتھ میرے ذہن میں ابھرتے چلے آرہے تھے۔ کراچی پہنچنے سے پہلے، میں نے اسلام آباد میں کئی بے خواب راتیں گزاری تھیں، جن کا تعلق البرٹو۔ بلیسا کی بیخ کنی کی مہم سے تھا۔ اس بھاگ دوڑ اور بے خوابی کے نتیجے میں، میں شدید اعصابی تکان کا شکار ہورہا تھا۔ میری وہ کیفیت اس امر کی متقاضی تھی کہ میں چند گھنٹوں کی گہری نیند لے کر خود کو تازہ دم کرلوں۔ اس بارے میں میری ہلکی پھلکی سے نوٹی بھی معاون ہونی چاہیے تھے لیکن تازہ ترین صورت حال اس قدر مخدوش اور پریشان کن تھی کہ میری آنکھوں میں دور دور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد فضا میں گرجتی ہوئی، جنریٹر کی تیز آواز یکایک دم توڑ گئی اور ماحول پر ایک خوف آور، آسیبی سناٹا چھاگیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے لیے سکوت اور سناٹے کے مقابلے میں

وہ پُرشور ماحول زیادہ سکون آور تھا۔ میں اناج کی ان دو بوریوں پر پڑا بے چینی کے ساتھ کروٹیں بدلتا رہا۔

تھکن، گرمی اور بے آرامی کے باوجود، نجانے کب میری آنکھ لگ گئی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ نیند سُولی کے تختے پر بھی آ ہی جاتی ہے۔ میں کتنی دیر تک سوتا رہا، اس بارے میں مجھے کوئی اندازہ نہیں۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو بند کنٹینر میں سب کچھ جوں کا توں تھا۔ کسی بھی چیز میں کوئی فرق نہیں آیا تھا لیکن باہر کی فضا میں عورتوں، بچوں اور مردوں کی ڈوبتی ابھرتی آوازیں گونج رہی تھیں جن سے اندازہ ہو رہا تھا کہ صبح ہو چکی تھی۔

میں نے تخت بوریوں والے ناہموار بستر سے اٹھنا چاہا تو بدن میں درد کی ٹیسیں دوڑ گئیں۔ میری نیند تو کسی نہ کسی طرح پوری ہو گئی تھی لیکن بھری ہوئی بوریوں کے نشیب و فراز نے میرے رگ پٹھوں میں شدید تناؤ پیدا کر دیا تھا جو درد کی صورت میں مجھے پریشان کر رہا تھا۔ میں نے اپنی نگاہوں پر زور دے کر، اندھیرے میں وہ ڈوری تلاش کی جو باہر لگی ہوئی گھنٹی سے منسلک تھی۔ ڈوری کھینچتے ہی باہر سے کسی دھاتی کٹوری کے بجنے کی آواز سنائی دی اور میں کسی جواب کے انتظار میں تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد کنٹینر کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ پھر کسی نے مجھے نام لے کر پکارا۔ آواز کے ساتھ ہی وہ لب و لہجہ بھی اجنبی تھا۔ میں جواب دے کر، بوریوں کے درمیان بنے ہوئے تنگ راستے سے باہر نکلتا چلا گیا۔ باہر سورج کی تیز روشنی میں کتوں کا وہی رکھوالا میرا منتظر تھا جو رات کو بستی سے سگریٹ لے کر آیا تھا۔

وہ خاصا اجڈ اور بدتمیز آدمی تھا۔ میں نے اس سے عبدالرحیم خان کے بارے میں استفسار کیا تو وہ مجھ پر برس پڑا کہ مجھے اس سے کیا لینا تھا۔ جب اس نے مجھ سے درشت لہجے میں گھنٹی بجانے کا سبب دریافت کیا تو میں نے اسے حوائج ضروریہ کے بارے میں آگاہ کیا۔

رات کو بھی وہاں بجلی کی روشنی پھیلی ہوئی تھی لیکن اس کے مقابلے میں سورج کی تاحدِ نظر پھیلی ہوئی روشنی نے ماحول کو بالکل ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ اس وقت میری رسٹ واچ صبح کے ساڑھے سات بجا رہی تھی لیکن کھلے میدان میں دور تک پھیلی ہوئی دھوپ سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے خاصا دن چڑھ آیا ہو۔ اس وقت بھی میرے لاشعور میں خطرناک کتوں کا خوف جاگزیں تھا لیکن میں قدرے بے خوفی کے ساتھ نیچے اتر گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس وقت قرب و جوار میں کتوں کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید دن کے اجالے میں انہیں خیمہ بستی میں باندھ دیا جاتا تھا۔

اس شخص کے ایما پر، میں ٹین کے ڈبے میں کولر سے پانی لینے کے لیے بڑھا تو عبدالرحیم کی چارپائی خالی پڑی تھی اور عملاً وہی شخص اس وقت میرا نگراں تھا۔

اُس نے مجھے کُھلے میدان کے ایک دور افتادہ حصے کا رخ کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے، ٹوٹی پھوٹی اور اکھڑ اردو میں متنبہ کیا کہ میں نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو وہ مجھے بھون کر رکھ دے گا۔

اپنی اس دھمکی کی عملی تائید میں اس کے بائیں شانے سے کلاشنکوف جھول رہی تھی، جس میں میگزین بھی چڑھا ہوا تھا۔ میرے نزدیک وہ ایک غیر اہم نگراں تھا جس کا مطلب مجھے اسی علاقے تک محدود رکھنا تھا۔ وہ میری کوئی الجھن دور کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا، اس لیے میں اس کی بتائی ہوئی سمت میں چل دیا۔

پچھلی رات واٹر کولر میں پانی خاصا ٹھنڈا تھا لیکن پوری رات گزرنے کے بعد وہ ٹھنڈک اعتدال میں ڈھل چکی تھی۔ ٹین کا ڈبا خاصا بڑا تھا اور اس میں کولر کا تقریباً تمام پانی ہی سما گیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس عارضی خیمہ بستی میں مجھے ہاتھ منہ دھونے کی کوئی روایتی سہولت نہیں مل سکے گی۔ اس لیے میں اپنی دیگر ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد، دیر تک اپنے منہ پر بچے ہوئے پانی کے چھپکے مارتا رہا۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ اس دوران میں میرا نگراں کنٹینر کے سائے میں کھڑا مستقل طور پر میری طرف دیکھتا رہا۔ اپنی کلاشنکوف اس نے شانے سے اتار کر ہاتھوں میں لی ہوئی تھی اور میری واپسی میں تاخیر ہونے کی وجہ سے وہ بار بار بے چینی کے ساتھ ٹہلتا جا رہا تھا۔

اس اکھڑ اور بے ہودہ افغان کو سلگانے کے لیے میں نے ٹین کے ڈبّے میں موجود، پانی کا آخرہ قطرہ تک نچوڑ کر اپنے کمہلائے ہوئے چہرے کو سیراب کیا اور پھر خراماں خراماں واپس لوٹا تو وہ دانت پیستے ہوئے مجھ پر برس پڑا۔ "کیا وہاں اپنے گڑے مردوں کے لیے فاتحہ پڑھنے کے لیے جم کر بیٹھ گئے تھے۔" اس کی ٹوٹی پھوٹی اور دشوار اردو کا یہی مفہوم میرے پلّے پڑ سکا تھا۔

"تمہارے نان کھا کر مجھے قبض ہو گیا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "میں ہاتھ منہ دھو کر آیا ہوں۔ میرا ناشتا کہاں ہیں؟"

وہ مجھے قہربار نظروں سے گھور کر رہ گیا۔ "میری کلاشنکوف کی ایک گولی تمہاری ساری آنتوں کو کشادہ کر دے گی۔ میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں جو تم نے ایک گھنٹے سے مجھے یہاں کھڑا کیا ہوا ہے۔"

"تم بھی اپنے ساتھیوں کی طرح جنگ جو اور خوں خوار معلوم ہوتے ہو۔" میں نے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لیے اسے اس کے وحشی کتوں سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا لیکن میری توقع کے عین مطابق میرے تبصرے کی باریکی اس کے پلّے نہیں پڑ سکی۔

"ہم سب ایک ہی مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔" اس نے میری بات کو اپنے ہم نسلوں سے متعلق سمجھتے ہوئے تیزی کے ساتھ کہا۔ "یہ نہ سمجھ لینا کہ تم مجھے طیش دلاتے رہے تو میں تمہارے بدن میں

گولیاں اتارنے سے گریز کروں گا۔" وہ اس وقت جوش اور غصے کے عالم میں تھا لیکن میں اس کی دھمکی کے بودے پن سے بخوبی واقف تھا۔ اس کا آقا' عبدالرحیم خان مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ میں سردار پائندہ گل کا قیدی تھا اس لیے وہ مجھے تشدد کا نشانہ بنانے سے گریز کررہا تھا۔ شاید بڑا خان ٹوٹے پھوٹے قیدیوں کو اپنے آدمیوں کی نااہلی سمجھنے کا عادی تھا۔ میں نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کے لیے اسے مزید چھیڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہاری گولیاں ناکارہ ہیں۔ یہ بتاؤ کہ میرا ناشتا کہاں ہے؟"

وہ بے چارہ اردو سے کام چلانے کی حد تک واقف تھا۔ اس لیے اس بار بھی میرا وار خالی ہی گیا اور اس نے درشت لہجے میں کہا۔ "لبلبی دبے گی تو تمہارے منہ سے آواز بھی نہیں نکل سکے گی۔ میرا دماغ مت کھاؤ اور اپنی منحوس صورت غرق کرو۔ تمہارا ناشتا کنٹینر میں رکھا ہوا ہے۔"

میں بے مقصد سی مسکراہٹ کے ساتھ کنٹینر کی طرف بڑھا تو کھلے ہوئے دروازے کے قریب ہی ایک میلے سے مگ پر خشک تندوری نان رکھا ہوا نظر آیا۔ میں نے گرم روٹی اٹھا کر مگ میں جھانکا تو اس میں گاڑھی لیکن کم دودھ والی چائے موجود تھی۔

اس ویرانے میں مکھن اور ڈبل روٹی پر مشتمل ناشتے کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔ ناشتے کے نام پر جو کچھ میسر تھا' وہی غنیمت تھا۔ میں نے چائے کے نپے تلے گھونٹوں کے ذریعے اس نان کے لقمے اپنے حلق سے اتارنے کی کوششیں شروع کردیں۔ میرا رکھوالا اپنی مادری زبان میں کچھ بڑبڑاتا ہوا آگے چلا گیا۔

میں اپنے حلق میں پھنستے ہوئے آخری لقمے کو معدے میں اتارنے کی کوشش میں مصروف تھا کہ آبادی کی جانب سے عبدالرحیم خان مجھے اپنی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ایک پتلی سی بید دبی ہوئی تھی جسے وہ فضا میں گھماتا ہوا میری طرف آرہا تھا۔

پچھلی رات میرے ساتھ اس کا رویّہ بہت دوستانہ تھا۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ مے نوشی کرنے کے بعد کھانا کھایا تھا اور مجھے امید تھی کہ اس بے تکلفانہ نشست کے بعد وہ میرے ساتھ ہمدردانہ انداز میں پیش آئے گا' اس لیے میں اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی' اپنے ناشتے سے فارغ ہوکر اس کے استقبال کے لیے تیار ہوگیا۔

اس کا چہرہ جب میری نگاہوں کی رسائی میں آیا تو میں یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ اس کے بشرے سے غصے اور کبیدگی کے آثار ہویدا تھے اور وہ ان ہی جذبات کے زیرِ اثر اپنی بید کو فضا میں گردش دے رہا تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ اپنے کسی نادیدہ دشمن کے بدن کو اس پتلی اور لمبی بید سے ادھیڑنے کی کوشش کررہا ہو۔

وہ بید کو فضا میں جھٹکتا اور گھماتا ہوا' سیدھا میری طرف آرہا تھا۔ جب وہ کافی قریب آگیا تو میں نے اپنے لبوں پر خوشامدانہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے' اپنائیت کے ساتھ کہا۔ "کیا بات ہے؟ خان اعظم کے بھانجے کی پیشانی پر مجھے تکدر اور برہمی کے آثار نظر آرہے ہیں۔ خیریت تو ہے نا؟"

وہ دو تین لمبے لمبے ڈگ بھر کر آگے بڑھا اور میری توقع کے بالکل برعکس' اس نے میرے بائیں بازو پر زور سے بید رسید کردی۔ بید کی ضرب سے میرے بازو میں چنگاریاں سی بھر گئیں لیکن میں ذرا بھی جنبش کیے بغیر' حیرت اور غصے کے عالم میں اسے گھورتا رہا۔

پچھلی رات وہ میرا ہم نوالہ اور ہم پیالہ رہا تھا اس لیے مجھے اس سے ایسے جارحانہ فعل کی توقع نہیں تھی۔ اس نے بھی میرے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ شاید اس کا اضطراری ردِعمل تھا۔ کیونکہ میری چبھتی ہوئی' خون آشام نگاہوں کا سامنا کرتے ہی وہ بوکھلا گیا۔

"تم پر لعنت ہو۔" وہ اپنی بید کو فضا میں جھٹکتے ہوئے' غصے کے عالم میں غرایا۔ "تم یہاں قید رہ کر بھی سردار بابا کے خلاف سازشوں سے باز نہیں آئے ہو....."

"چھوٹے خان! ہوش کے ناخن لو!" میں نے اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ غراتے ہوئے کہا۔ "میں جب سے یہاں لایا گیا ہوں' تمہارے سامنے ہوں اور میرا کسی سے بھی کوئی رابطہ نہیں ہے۔ میں بڑے خان یا تمہارے خلاف کوئی سازش کس طرح کرسکتا ہوں۔"

"یہ ہوا ہے۔" وہ غصے کے عالم میں دہاڑا۔ "تمہارے آدمیوں نے سردار بابا کو پشاور کی حویلی میں محصور ہوجانے پر مجبور کردیا ہے۔ وہ محاصرہ ختم کرنے کے بدلے میں تمہاری فوری رہائی کا مطالبہ کررہے ہیں۔"

"یہ ان کا فرض ہے۔" میں نے بے خوفی کے ساتھ کہا۔ "میری آزادی اور خودمختاری کی حفاظت ان کی ذمّے داری ہے۔ ایسا کوئی قدم اٹھانے کے لیے انہیں میری کسی ہدایت یا سازش کی ضرورت نہیں ہے۔"

"انہیں کیسے معلوم ہوا کہ تم سردار بابا کے آدمیوں کی قید میں ہو؟" وہ جھلا کر غرایا۔

"یہ مجھے لانے والے آدمیوں سے پوچھو!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "انہوں نے میری ساتھی کو بے ہوش کرنے سے پہلے سب کچھ بتادیا تھا۔"

"اور یہ تم مجھے اب بتا رہے ہو؟" وہ آنکھیں نکال کر غرایا۔

"اس سفید کتیا کو آزاد کرانے کے لیے تم ہی نے مجھ سے سفارش کی تھی۔ مجھے کیا معلوم کہ راستے میں تم لوگوں نے کیا گل کھلائے تھے۔"

"گل میں نے نہیں' تمہارے آدمیوں نے کِھلائے تھے۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "انہوں نے سردار پائندہ گل اور شنگارا ولی کے بارے میں بات کی تھی۔ اس میں میرا کوئی قصور

نہیں تھا۔ اچھا ہی ہوا کہ اس عورت نے وہ باتیں میرے وفاداروں تک پہنچادیں۔ اب میرے بارے میں تمہارے کیا عزائم ہیں؟"

"میں تمہارا خانہ خراب کردوں گا۔" اس نے غراتے ہوئے' اشتعال سے بے قابو ہو کر ایک مرتبہ پھر بید سے کام لیا۔ میں اس کی زد سے بچنے کی کوشش کیے بغیر آگے بڑھا اور میں نے فضا میں لہراتی ہوئی بید اپنی گرفت میں لے کر اسے پوری طاقت سے ایک جھٹکا دیا۔ عبدالرحیم خان میرے اس ردِعمل کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے بید کے سرے کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا اس لیے جھٹکا لگتے ہی اس کے قدم اکھڑ گئے اور وہ لڑکھڑاتا ہوا میری طرف آیا۔ میں نے اس کے چہرے کا نشانہ لے کر اپنے سر کو قدرے نیچے جھکا دیا۔ اور وہ اپنے ہی زور میں میرے سر سے آ ٹکرایا۔ اس ناگہانی تصادم سے میری کھوپڑی بھنا گئی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کی ناک اور پیشانی کی جڑ میں پڑنے والی اس ٹکر نے اسے بھی ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔

جسمانی تصادم ہوتے ہی اس نے بید کو ایک طرف پھینک کر مجھے اپنے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں دبوچنا چاہا لیکن اس وقت تک میری سرد مزاجی بھی اشتعال میں ڈھل چکی تھی۔ میں نے اپنا بایاں گھٹنا اس کے پیٹ میں اڑا کر اسے پوری قوت سے پیچھے دھکیل دیا۔

ایک غضب ناک غراہٹ کے ساتھ' اس کا بھاری بھرکم وجود پیچھے الٹ کر زمین بوس ہوگیا۔ اور میں نے کسی چیتے کی سی تیزی کے ساتھ اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کا گلا دبانا شروع کردیا۔ میری اس کارروائی سے اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ اس نے فضا میں ٹانگیں چلا کر میری پشت پر گھٹنے مار کر مجھے نیچے گرانے کی کوششیں کیں جو کامیاب نہ ہوسکیں۔ پھر اس کے ہاتھ میری کلائیوں پر جم گئے۔

میرا ارادہ اس سے الجھنے کا نہیں تھا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اس بستی میں ہر شخص اس کے حکم کا غلام تھا۔ اگر میں وقتی طور پر اسے مار بھی لیتا تو بعد میں اس کے آدمی میرے بدن کا ریشہ ریشہ ادھیڑ سکتے تھے۔ اگر وہ مجھ پر دوسری بار بید سے حملہ نہ کرتا تو شاید اس مار دھاڑ کی نوبت بھی نہ آتی۔

"تم بلاوجہ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔" میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "میرا ارادہ تم پر ہاتھ اٹھانے کا نہیں تھا لیکن تم خود ہی مجھ سے لڑ مرنے پر تلے ہوئے ہو۔ میں الگ ہو رہا ہوں لیکن اب تمہیں بھی اپنی کھوپڑی پر قابو رکھنے کی کوشش کرنی ہوگی۔" اپنی بات مکمل کرتے ہی میں اچھل کر اس کے سینے پر سے اتر گیا۔

وہاں جو کچھ ہوا' آناً فاناً میں ہوا۔ جب میں الگ ہو رہا تھا تو عبدالرحیم خان کا کلاشنکوف بردار آدمی بھی ہماری آوازیں سن کر دوڑتا ہوا وہاں آ پہنچا۔ عبدالرحیم خان زمین سے اٹھا تو اس کے انداز میں تیزی یا کسی قسم کی جارحیت نہیں تھی۔

کلاشنکوف والے نے اپنی مادری زبان میں عبدالرحیم خان سے کچھ پوچھا۔ اس نے جواب میں جھلا کر کچھ کہا اور آنے والا اپنا سا منہ لے کر وہاں سے چلا گیا۔ عبدالرحیم خان نے مجھ سے کچھ کہے بغیر' تنفر آمیز نگاہوں سے مجھے گھورا اور اپنی چارپائی کی طرف چل دیا۔

اس کی خاموشی اور پسپائی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس مختصری جھڑپ کے بارے میں اسے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ وہ ہٹ دھرمی پر اتر آتا تو اس وقت صورتِ حال بہت مخدوش ہوسکتی تھی جس کا نتیجہ میرے حق میں ہرگز خوشگوار نہ ہوتا۔

میں نے فوری طور پر چھوٹے خان کے منہ لگنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی کے ساتھ کنٹینر میں چڑھ کر' کھلے ہوئے دروازے کے قریب ہی بیٹھ گیا اور سگریٹ پینے میں مصروف ہوگیا۔

چند منٹ کے بعد کلاشنکوف والا اس طرف آیا اور اس نے مجھے اندر جانے کا حکم دینے کے بعد کنٹینر کا دروازہ بند کردیا۔ میری دانست میں اس وقت وہی طریقہ سب سے بہتر تھا۔ عبدالرحیم خان کا غصہ فرو ہونے کے بعد' میں خوشامد درآمد کر کے اسے منا سکتا تھا۔

مجھے چھوٹے خان کی زبانی جو ادھوری بات معلوم ہوئی' وہ اس اعتبار سے بہت حوصلہ افزا تھی کہ ویرا اُن کی قید سے رہا ہونے کے بعد خاموش نہیں بیٹھی تھی۔ بلکہ اس نے میری گلوخلاصی کے لیے اپنی کوششوں کا آغاز کردیا تھا۔ اگر سردار پائندہ گل کو پشاور میں گھیرنے کی کوشش کی گئی تھی تو وہ کام صرف ویرا کے بس کا نہیں تھا۔ اس نے یقینی طور پر اول خان کو پوری صورتِ حال سے آگاہ کردیا تھا اور شاید اول خان نے اسپیشل ٹاسک فورس کے پشاور میں متعین کسی یونٹ کے ذریعے سردار پائندہ گل پر جال ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اس سے پہلے کہ سردار پائندہ گل سرحد عبور کر کے شنگارا ویلی کے محفوظ علاقے میں پہنچتا' اول خان کے آدمیوں نے اسے پشاور میں ہی گھیر لیا تھا۔ عبدالرحیم خان نے جو کچھ بتایا' اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ سردار پائندہ گل پکڑا نہیں گیا تھا بلکہ اپنی کسی حویلی میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا تھا اور اسپیشل ٹاسک فورس والوں نے اسے باہر آنے کی اجازت دینے کے لیے میری رہائی کی شرط عائد کردی تھی۔

وہ سب کیوں اور کیسے ہوا تھا' یہ بعد کی باتیں تھیں۔ اصل اہمیت اس بات کی تھی کہ میری آزادی کا معاملہ کسی تعطل کا شکار نہیں ہوا تھا بلکہ اس پر پوری سرگرمی کے ساتھ کام جاری تھا۔

تنہائی اور بے کاری کے عالم میں میرا ذہن مسلسل اسی معاملے میں الجھا رہا۔

دوپہر کے وقت کنٹینر کا دروازہ کھولا گیا تو میرا خیال تھا کہ کوئی شخص کھانا لے کر آیا ہوگا لیکن باہر آنے پر میرا عبدالرحیم خان سے سامنا ہوا۔ اُس کے چہرے پر خفگی کے آثار موجود تھے مگر وہ

لڑنے بھڑنے کے موڈ میں نظر نہیں آ رہا تھا۔

"مجھے صبح کے واقعے پر گہرا افسوس ہے۔" میں نے اس سے سامنا ہونے پر سنجیدگی سے کہا۔ "جو کچھ ہوا' اس میں میرا قصور نہیں تھا۔ پہل تم نے کی تھی۔ میرے بائیں بازو پر پڑے ہوئے نشان میں ابھی تک درد ہو رہا ہے۔"

"جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب اس پر لعنت بھیجو۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے دوبارہ غصہ آ جائے۔" اس کے لہجے سے جھلاہٹ ٹپک رہی تھی۔ "وہ خبریں ہی کچھ ایسی تھیں کہ میں اپنے غصے پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ اگر بڑے خان نے سختی کے ساتھ تشدد سے باز رہنے کی دوسری ہدایت نہ بھیجی ہوتی تو میں صبح تمہارا کام ہی تمام کر دیتا۔"

"میں سردار پائندہ گل کا شکرگزار ہوں کہ وہ میرا اتنا خیال رکھ رہا ہے۔"

"اس کا تم سے خون کا رشتہ نہیں ہے جو وہ تمہارا خیال رکھ رہا ہے۔" وہ منہ بنا کر بولا۔ "بس بات ہی کچھ ایسی الجھ گئی ہے کہ ہم لوگوں کو صبر سے کام لینا پڑ رہا ہے۔ اب اندر کیا کر رہے ہو؟ باہر آؤ۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

میں کنٹینر سے کود کر نیچے آ گیا اور اس کے ساتھ اس کی چارپائی کی طرف چل دیا جس پر سے بستر لپیٹ کر پائنتی کی طرف سمیٹ دیا گیا تھا۔ عبدالرحیم خان کی سالخوردہ کرسی بھی اس کے قریب ہی پڑی ہوئی تھی۔

"تمہیں پشاور کی حویلی کے بارے میں کہاں سے خبر ملی تھی؟" میں نے چارپائی پر بیٹھنے کے بعد دوستانہ لہجے میں سوال کیا۔

عبدالرحیم خان مجھ سے پہلے کرسی پر براجمان ہو چکا تھا۔

"سردار بابا نے کراچی فون کیا تھا۔ وہیں سے ایک آدمی اس کا پیغام لایا تھا۔ تمہارے ساتھیوں نے سردار بابا کا پیچھا کر کے اچھا نہیں کیا ہے۔ وہاں کسی بھی وقت خونریز لڑائی شروع ہو سکتی ہے۔ وہ کون لوگ ہیں جو اتنی تیزی کے ساتھ سردار بابا تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے؟ تمہارے تو سارے ہی آدمی کراچی میں مارے یا پکڑے گئے تھے پھر یہ نئے حمایتی کہاں سے پیدا ہو گئے؟" اس کے بشرے پر فکرمندی کے آثار نمایاں تھے۔

"میں اس بارے میں تمہاری ہی طرح لاعلم ہوں۔ مجھے حیرت ہے کہ کل تم نے مجھ پر ہاتھ ڈالا اور شاید کل ہی ان لوگوں نے سردار پائندہ گل کو ڈھونڈ نکالا......"

"اس میں کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "آدھا پشاور بابا کو جانتا ہے۔ وہ برسوں سے وہاں ایک معزز سردار کی حیثیت سے مشہور ہے۔ بہت سے لوگ اس کے آنے جانے کے پروگرام سے باخبر رہتے ہیں۔ اس سفید عورت نے ساری خبریں تمہارے ان دونوں ساتھیوں تک پہنچائی ہوں گی جو شہر کے ایک فلیٹ میں رہ رہے ہیں۔ باقی بندوبست ان دونوں نے ہی کیا ہو گا۔"

"تم جانتے ہو کہ اسلام آباد سے آنے کے بعد میرا اپنے کسی آدمی سے کوئی رابطہ نہیں ہوا۔"

"یہ ان دونوں کی ہی شرارت ہے۔" یک بیک اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ "تمہارا کھوج لگانے کے لیے ہم نے ان کا پیچھا کرنا شروع کیا تب بھی کچھ لوگ ہمارے مقابلے پر آ گئے تھے۔ یہ وہی آدمی ہو سکتے ہیں۔"

میں نے دل ہی دل میں اس کی قیاس آرائی کی داد دیتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی ممکن ہے۔ ہوائی جہاز کے ذریعے دو تین گھنٹے میں پشاور پہنچنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ جو کوئی بھی ہیں' میری حمایت اور ہمدردی میں ہی حرکت میں آئے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اس بارے میں تمہارے بڑے خان کے کیا ارادے ہیں اور مجھے شنگارا ویلی کب تک روانہ کیا جائے گا؟"

وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا پھر پست آواز میں بولا۔ "فی الحال تمہیں شنگارا ویلی نہیں بھیجا جائے گا۔ سردار بابا نے اگلی ہدایت آنے تک تمہیں کراچی میں ہی روکے رکھنے کا حکم دیا ہے اور تمہاری دیکھ بھال پر بھی بہت زور دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صبح تم میرے ہاتھوں قتل ہونے سے محفوظ رہے۔"

"میری خاص دیکھ بھال میں بڑے خان کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"ہم لوگ روایات کے پابند ہوتے ہیں۔ اب تم ہمارے یرغمالی ہو۔ تاوان وغیرہ کے لیے اغوا کیے ہوئے لوگوں کی ہم مہمانوں سے زیادہ دیکھ بھال کرتے ہیں تاکہ ہماری شرائط پوری ہونے کے بعد انہیں آزادی ملے تو وہ اور ان کے عزیز ہم سے کوئی شکوہ شکایت نہ کر سکیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سردار بابا نے ان لوگوں کے سامنے اپنی کوئی شرط رکھ دی ہے۔ وہ پوری ہو گی تو تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔"

"سردار پائندہ گل کو اپنے بائیس لاکھ روپے کے علاوہ اور کیا درکار ہو سکتا ہے؟"

"بائیس لاکھ یا چار کلو چار سو گرام ہیروئن کی واپسی۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ سردار بابا نے ان لوگوں کے سامنے تمہاری آزادی کی یہی قیمت مقرر کی ہو گی۔" اس نے کسی ابہام کے بغیر پوری بات کھول دی۔

"ان لوگوں کا اس مسئلے سے کیا واسطہ؟ یہ بات چیت تو میرے ساتھ چل رہی تھی۔"

"اصل بات یہی ہے۔ جب تک تم لاوارث تھے' سردار بابا کا جھگڑا تمہارے ساتھ تھا۔ تم رقم یا مال نہ لوٹاتے تو زندگی بھر سردار بابا کی غلامی کرنے پر مجبور کر دیئے جاتے۔ اب تمہارے وارث یا ہمدرد سامنے آ گئے ہیں تو تم یرغمالی بن گئے ہو۔ ہمارا مطالبہ ان کے سر پڑ گیا ہے۔ سردار بابا کے لیے یہ عزت کا سوال بن گیا ہے۔ وہ عمر بھر پشاور کی حویلی میں محصور رہنا گوارا کر لے گا لیکن شرائط پوری

ہونے سے پہلے تمہیں آزاد نہیں کرے گا۔ تمہارے لیے خوشی کی بات یہ ہے کہ اب تمہیں کوئی اذیت نہیں دی جائے گی۔ تم ہماری تحویل میں مہمان تو تشدد سے نہیں بلکہ اپنی فطری موت مرو گے۔ یرغمالیوں پر ظلم اور تشدد کرنا ہماری روایات کے منافی ہے اور ہم لوگ اپنی صدیوں پرانی ایسی ہی روایات کے سہارے اپنے سر غرور سے اونچے رکھتے ہیں۔"

میں نے محسوس کیا کہ میرے ساتھ ہونے والے تصادم کو بھول کر میرے ساتھ اس تفصیلی گفتگو میں بھی عبدالرحیم کی قبائلی روایت پرستی کا نمایاں دخل تھا ورنہ وہ مجھ سے اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لیتا۔

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ میری حمایت میں میدان میں اترنے والے سرکاری اہلکار ہوں......"

اُس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیئے بغیر بولنا شروع کردیا۔ "ان کے طور طریقے سرکاری آدمیوں والے نہیں ہیں۔ اور اگر وہ سرکاری آدمی بھی ہوں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے ساتھ معاملات ہمارے ہی رسوم و رواج کے مطابق طے کرنے پڑتے ہیں۔ اس میں کسی سے کوئی رعایت نہیں کی جاتی۔"

"اور اگر ان لوگوں نے بڑے خان کا مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا؟" میں نے پوچھا۔

"شرائط پر کچھ نہ کچھ بات چیت ہوسکتی ہے لیکن وہ سرے سے انکاری ہوگئے تو وہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ ایسی ہر ہٹ دھرمی کا انجام ایک سربریدہ لاش کی صورت میں منظرِ عام پر آتا ہے۔"

"ایسی کوئی صورت ہے کہ میں اپنے آدمیوں سے فون پر رابطہ کرسکوں؟" میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"تم قیدی کے بجائے یرغمالی بن گئے ہو اس لیے تمہیں اس خیمہ بستی سے کیمپ اور منتقل کردیا جائے گا۔ وہاں فون بھی ہوگا لیکن سردار بابا کی اجازت کے بغیر تمہیں کسی سے بات نہیں کرنے دی جائے گی۔"

"میرا معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے۔" میں نے رسانیت سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "تم نے صرف مجھے ہی یرغمالی نہیں بنایا ہے بلکہ میرے نامعلوم حمایتیوں نے سردار پائندہ گل کا محاصرہ بھی کیا ہوا ہے۔ اگر تم نے ان لوگوں کے انکار کے بعد میری گردن کاٹ دی تب بھی معاملہ وہیں ختم نہیں ہوگا۔ وہ لوگ سردار پائندہ گل کو نقصان پہنچانے پر تُلے رہیں گے۔ اگر انہیں میرے قتل کی بھنک بھی مل گئی تو تم اندازہ کرسکتے ہو کہ بات کہاں تک جائے گی۔"

اس کی آنکھوں میں فکرمندی تیرنے لگی۔ "شاید اس بارے میں کسی نے نہیں سوچا ہے۔"

"اسی لیے میں اپنے آدمیوں سے رابطہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں انہیں ہدایت دوں گا کہ وہ رشوت دے کر تمہاری ہیروئن حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ راشی اہل کار اس کی جگہ کوئی بھی ہم رنگ سفوف رکھ کر قصہ نمٹا دیں گے۔ ایسا نہ کیا گیا تو ہم مر کر بھی بائیس لاکھ روپے پیدا نہیں کرسکیں گے۔"

"تمہاری بات دل کو لگتی ہے لیکن سردار بابا کے اپنے اصول ہیں۔ اس کی اجازت کے بغیر تم کسی کو فون نہیں کرسکتے۔" وہ پُرخیال انداز میں بولا۔ "شہر میں تمہاری نگرانی اور دیکھ بھال کرنے والے دوسرے لوگ ہیں' لیکن میرا خیال ہے کہ اب مجھے بھی یہ ڈیرا چھوڑ کر تمہارے ساتھ جانا ہوگا تاکہ میں فون پر سردار بابا کو پوری بات سمجھا سکوں۔ سردار بابا کو تمہاری زندگی یا موت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ اپنی رقم یا مال کی واپسی چاہتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ مقصد پورا کرنے کے لیے وہ تمہیں کوئی رعایت دینے پر بھی آمادہ ہوجائے۔"

میری اور اس کی وہ تمام گفتگو شطرنج کے کھیل کی طرح تھی۔ دونوں فریق اپنا دامن بچاتے ہوئے' دوسرے کو گھیرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ دونوں ایک دوسرے کا مقصد اچھی طرح سمجھتے ہوئے بھی اس طرف سے انجان بنے ہوئے تھے لیکن آخری نکات طے ہوجانے کے بعد مجھے احساس ہورہا تھا کہ میں چھوٹے خان کو اپنے جال میں پھانسنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

ہم دونوں باتوں میں مصروف تھے کہ کھانے کا وقت ہوگیا۔ اس بار سبزی اور گوشت کی باری تھی۔ کولر میں تازہ برف کے ڈلے ڈال کر پانی کو ٹھنڈا کرنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ گیس کے تندور سے نکلی ہوئی گرم گرم روٹیاں اشتہا انگیز تھیں۔ میں نے چھوٹے خان کے ساتھ شکم سیر ہوکر کھانا کھایا۔ پھر یہ دیکھ کر میری طبیعت خوش ہوگئی کہ کھانے کے خالی برتن لے جانے والا بھاپ اُڑاتی ہوئی چائے کے مگ لے کر واپس آیا تھا۔

اس نے نیا اور بڑا مگ عبدالرحیم خان کے حوالے کیا۔ میلا اور چھوٹا مگ مجھے تھما دیا۔ گرم گرم چائے کا پہلا گھونٹ لیتے ہی مجھے پُرخوری کے ہلکے ہلکے سے سرور کا احساس ہوا۔ عبدالرحیم خان کی گفتگو یک بیک ہی کچھ زیادہ پُرجوش اور دلچسپ محسوس ہونے لگی۔

آدھی پیالی خالی ہونے پر جب میرا سر بھاری ہونے لگا تو مجھے پہلی بار کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔

"میرا سر گھوم رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ چائے میں کوئی چیز ملائی گئی ہے۔" میں نے اپنا مگ ایک طرف رکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

عبدالرحیم خان کے ہونٹوں پر ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ عود کر آئی۔ "مجبوری تھی۔ تمہیں یہاں سے بحفاظت دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے تمہارا بے ہوش کیا جانا ضروری تھا۔ تم فکر نہ کرو۔ یہ خواب آور گولیاں تیز ضرور ہیں۔ لیکن تمہیں کوئی نقصان

نہیں پہنچائیں گی۔"
"یہ تم نے برا کیا۔" بولتے ہوئے میری زبان لڑکھڑانے لگی تھی۔ "میں تمہارے ساتھ ہر طرح تعاون کر رہا تھا۔"
عبدالرحیم خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس دلچسپی کے ساتھ میری طرف دیکھتا رہا۔
چائے میں جو گولیاں حل کی گئی تھیں وہ بے ذائقہ ہونے کے ساتھ ہی بہت سریع الاثر تھیں۔ گڑبڑ کا احساس ہونے کے بعد میں نے چائے نوشی کا سلسلہ یکسر ترک کر دیا لیکن ان گولیوں کی جو مقدار میرے معدے میں منتقل ہو چکی تھی' وہ میرے اعصاب کو بے حال کیے دے رہی تھی۔ چند منٹوں کے قلیل سے عرصے میں میرا چارپائی پر بیٹھے رہنا دشوار ہو گیا اور میں بے طرح وہیں ڈھیر ہو گیا۔
مجھے دوبارہ ہوش آیا تو ویرانے میں بسی ہوئی 'افغان مہاجرین کی خیمہ بستی تھی' نہ عبدالرحیم خان کی کھردری چارپائی۔ میں ایک پختہ دیوار والے کمرے میں آرام دہ مسہری کے گدے پر دراز تھا اور میرے سر پر ایک پنکھا تیزی کے ساتھ گردش کر رہا تھا۔ میں نے اپنی گردن گھما کر جائزہ لیا تو کمرے سے نکاسی کے دونوں دروازے بند تھے۔
بے ہوشی کی دوا سریع الاثر ہونے کے ساتھ ہی اعصاب شکن بھی تھی۔ میں ہوش میں آنے کے بعد بھی کافی دیر تک اس قابل نہ ہو سکا کہ بستر سے اٹھ سکوں۔ مجھے اپنا بدن ٹوٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور سر گھوم رہا تھا۔ میں اپنی ساری قوتوں کو مجتمع کرنے کے بعد بستر سے اٹھا تو پہلے دروازے پر طبع آزمائی کرتے ہی میں نے خود کو باتھ روم کے سامنے پایا۔ میں نے اندر جا کر اپنے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چند چھپکے مارے اور باہر آ کر دوسرے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
اس دروازے پر میری کوششیں بار آور نہ ہو سکیں۔ دروازہ مقفل تھا۔ اضطراری طور پر ہینڈل گھمانے کی آوازوں کے جواب میں باہر سے عبدالرحیم خان کی آواز سنائی دی۔ "ٹھہر جاؤ! دروازہ نہ توڑ دینا۔ میں ابھی تالا کھولتا ہوں۔ دروازہ مقفل ہے۔"
وہ شاید بیرونی راہداری یا لابی میں پڑا' میرے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔
دروازے کے ہضمی قفل میں چابی گھومنے کی آواز کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا اور عبدالرحیم خان بالکل بدلے ہوئے روپ میں میرے سامنے آ موجود ہوا۔ شہر کے بے فکرے نوجوانوں کی طرح' اس کے بدن پر رنگین ٹی شرٹ اور نیلی جینز منڈھی ہوئی تھی۔
"تمہاری دی ہوئی گولیوں نے مجھے کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔" میں نے اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے' شکایتی لہجے میں کہا۔ "میرے لیے چند قدم بھی چلنا دشوار ہو گیا ہے۔"
"ایک دو گھنٹے میں تم بالکل نارمل ہو جاؤ گے۔" وہ شوخ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "خدا کا شکر ادا کرو کہ اس بے ہوشی کے نتیجے میں تم تپتے ہوئے آہنی کنٹینر سے اس آرام دہ کمرے میں منتقل ہو گئے ہو۔"
"میں اپنے آدمیوں سے کب تک رابطہ کر سکوں گا؟" میں نے پُرامید لہجے میں پوچھا۔
"فی الحال انہیں بھول جاؤ۔ سردار بابا کا خیال ہے کہ تم نے اشارے کنائے میں انہیں کچھ سمجھا دیا تو ہمارے لیے یہ پیچیدہ صورتِ حال قابو سے باہر ہو سکتی ہے۔ اس نازک موڑ پر تمہیں کسی سے رابطہ کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی البتہ سردار بابا تم سے ضرور بات کرنا چاہتا ہے۔"
"یہ میری خوش قسمتی ہو گی۔" میں نے برجستہ کہا۔ "میں ابھی اور اسی وقت تیار رہوں۔"
عبدالرحیم خان ذو معنی انداز میں مسکرایا اور بولا۔ "ذرا اپنی حالت اعتدال پر آنے دو۔ تمہاری زبان پر لکنت طاری ہے۔ پانچ منٹ کی ایس ٹی ڈی کال بلاوجہ دس منٹ کی ہو جائے گی۔ فون کال کے دام ویسے ہی بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ ہم آمدنی بڑھانے کے ساتھ اخراجات پر بھی سخت کنٹرول رکھتے ہیں۔"
"اچھی بات ہے۔" میں نے لمحہ بھر کے لیے توقف کیا پھر کہا۔ "مجھے اپنے ساتھیوں سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہے لیکن تم تو ان سے بات کر سکتے ہو۔ میں ان کی کچھ خیر خبر معلوم کرنی چاہتا ہوں۔"
"ان کی خبر لینے کے لیے چار آدمی بھیجے جا چکے ہیں۔" اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "ہماری کوشش یہ ہے کہ پشاور میں کوئی گڑبڑ شروع ہونے سے پہلے تمہارے تینوں ساتھیوں کو تمہارے پاس لے آئیں۔"
"تینوں کون؟" میں غیر ارادی طور پر اس سے سوال کر بیٹھا کیونکہ اس وقت میرے ذہن میں غزالہ اور سلطان شاہ کے نام ہی گونج رہے تھے۔
"تمہاری بیوی' اس کا بھائی اور سفید فام عورت۔" عبدالرحیم خان نے وضاحت کی۔ "ان تینوں کے قابو میں آ جانے کے بعد مذاکرات میں ہماری پوزیشن بہت مضبوط ہو جائے گی۔ سردار بابا کے حکم پر جب اس گوری عورت کے بدن کے ٹکڑے محاصرہ کرنے والوں کو بھیجے جائیں گے تو وہ اپنی چوکڑی بھول جائیں گے۔"
"لیکن تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟" میں وہ تفصیل سن کر پراگندہ ہو گیا تھا۔
"اپنا دل خوش کرنے کے لیے۔" وہ بولا۔ "تم ہمارے یرغمال ہو اور ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن تمہیں یہ سب سنا کر میرے دل کو سکون مل رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ رات تک تم سب یکجا ہو جاؤ۔"

"تم آگ سے کھیل رہے ہو۔" میں نے اسے ڈرانا چاہا۔ "وہ تینوں اتنے بے بس اور مجبور نہیں ہیں۔ ان کی حفاظت کرنے والے تمہارے آدمیوں کو میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور بھی کر چکے ہیں۔"

"ہم نے فرض کر لیا ہے کہ وہ سب لوگ کراچی چھوڑ کر پشاور جا چکے ہیں۔ ان میں سے ایک آدھ یہاں موجود بھی ہوا تو وہ کسی بے بس چوہے کی طرح مار لیا جائے گا۔"

میں نے جواب میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں اسے کیا بتاتا کہ ہماری حمایت پر کوئی چھوٹا موٹا گروہ نہیں بلکہ اسپیشل ٹاسک فورس کی منظم اور طاقتور نفری تھی جو کراچی میں اپنی طاقت کو کمزور کیے بغیر' پشاور میں سردار پائندہ گل کی سرکوبی کا بندوبست کر سکتی تھی۔

اس مکان کی ساخت سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ شہر کے کسی پرسکون علاقے کا ایک کشادہ فلیٹ تھا جس میں شہری سہولتوں کی فراوانی تھی۔ اس فلیٹ میں عبدالرحیم خان کے علاوہ مزید دو نفوس موجود تھے۔ ان میں سے ایک' مہذب اور تعلیم یافتہ لیکن قوی ہیکل افغان تھا لیکن دوسری شخصیت کے سامنے آنے پر میں بوکھلا کر رہ گیا۔ وہ جنت گل تھی۔ عبدالرحیم خان کی کابلی محبوبہ جو اسی فلیٹ میں رہ رہی تھی۔

کشیدہ قامت' سبک اندام' گوری رنگت' تیکھے نقوش' سیاہ اور بڑی بڑی آنکھیں' گھنی اور دراز زلفیں' یاقوتی لب اور متناسب اعضا سمیت کیا تھا جو اس پری پیکر میں نہیں تھا۔ اس کی شخصیت اتنی دلکش اور مسحور کن تھی کہ وہ سامنے آئی تو میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

"تم واقعی خوش نصیب ہو جو تمہیں جنت گل جیسی لڑکی ملی ہے۔" میں نے عبدالرحیم خان سے مخاطب ہو کر اس لڑکی کو خوش کرنے کی نیت سے کہا۔ "میں نے ایسا ملکوتی حسن اور ساحرانہ پیکر اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔"

"یہ قیدی جھوٹا اور خوشامدی معلوم ہوتا ہے۔" جنت گل نے پاگل کر دینے والی دل نشین مسکراہٹ کے ساتھ انگریزی میں کہا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے فضا میں متعدد نقرئی گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" میں نے حیرت اور صدمے کے ساتھ کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ تم یورپ میں ہوتیں تو دس پانچ برس تک کوئی تمہیں ملکۂ حسن کا اعزاز جیتنے سے نہیں روک سکتا تھا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" عبدالرحیم خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن جنت گل میری باتوں کا اعتبار نہیں کرتی۔ یہ سمجھتی ہے کہ میں اسے بے وقوف بنا رہا ہوں۔"

"اس کی انگریزی بھی شاندار بلکہ قابلِ رشک ہے۔ یہ ہر اعتبار سے عالمی ملکۂ حسن کا اعزاز جیتنے کی حقدار بنتی ہے۔" اس بار میں نے غور سے جنت گل کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کیونکہ موضوعِ گفتگو کی نسبت سے مجھے آوارہ نگاہی کا ایک خوشگوار موقع میسر آ گیا تھا۔

"اس کی انگریزی پر نہ جاؤ۔" عبدالرحیم خان والہانہ انداز میں جنت گل کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "اس نے کابل کے امریکن اسکول میں تعلیم حاصل کی ہے اس لیے اپنی مادری زبان کے علاوہ صرف انگریزی پر عبور رکھتی ہے۔ اردو سمجھ ضرور لیتی ہے لیکن بولنا اس کے بس سے باہر ہے۔ اسے بتاؤ کہ ولایت میں شادی سے پہلے' کورٹ شپ کے دوران میں کیا کیا ہوتا ہے......"

میرے لیے وہ سنہرا موقع تھا۔ میں نے درمیان سے ہی اُس کی بات اچک لی اور ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "بہت زیادہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بچے نہیں ہوتے' اس کے علاوہ کورٹ شپ میں سب کچھ ہوتا ہے اور بعض اوقات برسوں ہوتا رہتا ہے۔ چند برسوں سے تو یہ پابندی بھی ختم ہو گئی ہے۔ ایسے تمام بچے اپنی کنواری ماؤں کے نام پر ساری سہولتوں کے حقدار قرار پاتے ہیں اور کوئی ان کی ولدیت کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرتا۔ یہ سب......"

میری باتوں کے درمیان' جنت گل کا سرخ و سفید چہرہ حیا سے سرخ ہو گیا' اس کی گھنی پلکیں اس کی غزالی آنکھوں پر' بوجھل ہو کر جھکتی چلی جا رہی تھیں۔ اس نے مجھے اپنی بے حجابانہ گفتگو پوری کرنے کا موقع دیئے بغیر' پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ "ہوتا ہوگا مجھے یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں ایسی بے ہودہ باتوں سے بے خبر رہنے کو ہی بہتر سمجھتی ہوں۔" بظاہر وہ مجھ سے کہہ رہی تھی لیکن اس کی ملامت آمیز نظریں عبدالرحیم خان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ اپنی بات پوری کر کے وہ بل کھا کے پلٹی اور لہراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

"تم نے اسے ناراض کر دیا۔" عبدالرحیم خان نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "یہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے مگر اس کا باپ پانچ لاکھ روپے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اگر تمہارا قصہ خوش اسلوبی سے نمٹ گیا تو شاید سردار بابا خوش ہو کر مجھے رقم دے دے ورنہ یہ چکنی مچھلی کی طرح' ہر بار اسی طرح پھسل کر نکل جاتی ہے۔ امریکن اسکول کی تعلیم بھی اس کے حیا اور آبرو کے تصور کو کمزور نہیں کر سکی ہے۔"

"میں نے تمہارے ایما پر تمہاری مدد کرنے کی کوشش کی تھی۔" میں نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "بالغ لوگوں کے درمیان ایسی باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں......"

"تمہارا کوئی قصور نہیں۔" اس نے فوراً ہی مجھے بری الذمہ کر دیا۔ "وہ میرے ساتھ رہتی ہے۔ میں اس سے دنیا جہان کی باتیں کرتا ہوں لیکن جب بات نازک مرحلے میں داخل ہوتی ہے تو وہ اسی طرح اچٹ جاتی ہے میرے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"بہرحال تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں اس قدر حسین لڑکی کی خوشنودی حاصل ہے۔ میرے بس میں ہوتا تو میں اسی وقت تمہیں پانچ لاکھ روپے دے دیتا۔" مجھے اندازہ تھا کہ میری آواز جنت گل کے کانوں تک پہنچ رہی ہوگی۔ اس لیے میں اس کی تعریف و توصیف کرنے کے ہر موقع سے بھرپور فائدہ اٹھا رہا تھا۔

اسی وقت فلیٹ کے کسی اندرونی کمرے سے ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی اور عبدالرحیم خان ان مذاکرات کو ادھورا چھوڑ کر تیزی کے ساتھ باہر نکلتا چلا گیا۔

میں مسہری پر دراز ہو کر مکارانہ انداز میں اپنا منہ چلانے لگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بدترین حالات میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود' جنت گل کے حسن و شباب نے میرے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی تھی اور میں عبدالرحیم خان کی اس محبوبہ کو تسخیر کرنے کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

چھوٹا خان فون سننے کے کافی دیر بعد میرے کمرے میں آیا تو اُس کے چہرے سے غصے اور جھلاہٹ کے آثار نمایاں تھے اور وہ فرش پر ٹھوکریں مار کر چل رہا تھا۔

میں خاموشی کے ساتھ اس کا جائزہ لیتے ہوئے' سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا برا وقت آہی گیا ہے۔" وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

"میں نے ہتھیار ڈالے ہوئے ہیں اور جو تم چاہ رہے ہو' وہی کر رہا ہوں۔"

"تمہارے آدمی حرام زادے ہیں۔" وہ اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ کر غرایا۔ "تھوڑی دیر پہلے انہوں نے ہمارے ایک آدمی کو ہلاک کر دیا ہے۔"

"کہاں؟" میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔ مجھے وہ خبر سن کر تقویت کا احساس ہوا تھا۔

"کراچی میں جو لوگ تمہارے تینوں ساتھیوں کی نگرانی کے لیے گئے تھے' ان پر چھپ کر حملہ کیا گیا ہے۔ اس خوں ریزی کا نتیجہ کچھ بھی نکل سکتا ہے جو تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔"

میں نے اسے یہ یاد دلانا ضروری نہیں سمجھا کہ اس کے آدمی کسی خیرسگالی کے ارادے سے نہیں گئے تھے بلکہ وہ ان تینوں کو بھی پکڑ کر وہیں لانے کے مذموم عزائم رکھتے تھے۔ میرے لیے یہ خوشی کی بات تھی کہ اسپیشل ٹاسک فورس والوں نے پشاور میں چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ شروع کرنے کے ساتھ ہی غزالہ اور اس کے ساتھیوں کو نظرانداز نہیں کیا تھا۔ سردار پائندہ گل کے آدمیوں کے کسی جوابی اقدام کے پیشِ نظر' ان تینوں کی بھی مناسب حفاظت کی جا رہی تھی۔

"مقابلوں میں دونوں طرف سے لاشیں گرا ہی کرتی ہیں۔" میں نے پُرسکون رہتے ہوئے کہا۔ "ہر فریق کو لڑائی میں اپنی حفاظت کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اور میں تو تمہاری قید میں ہونے کی وجہ سے بالکل ہی ناکارہ ہو کر رہ گیا ہوں۔ ان واقعات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"دیکھنا پڑے گا کہ سردار بابا اس بارے میں کیا فیصلہ کرتا ہے۔" وہ اپنا سر جھٹکتے ہوئے بولا۔ "میرے ساتھ آؤ میں اس کو فون کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے بھی بات کرنا چاہے۔"

میں اس کے ساتھ لابی سے گزر کر نیم آراستہ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو وہاں جنت گل بڑی شان سے ایک صوفے پر بیٹھی کوئی انگریزی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ جوں ہی اس نے میری طرف دیکھا' میں نے عبدالرحیم خان کی نظر بچا کر اسے آنکھ ماری۔ اس نے ہونٹ سکوڑ کر برا سا منہ بنایا اور پھر سٹپٹا کر اپنے سامنے والی دیوار کو دیکھنے لگی۔ اس نے میری حرکت کے بارے میں چھوٹے خان کو ہوا تک نہیں لگنے دی تھی جو حوصلہ افزا بات تھی۔ اگر وہ میری شکایت کر بھی دیتی تو میں نے سوچ لیا تھا کہ اپنی آنکھ میں کچھ پڑ جانے کا عذر کر کے ان دونوں سے معافی مانگ لوں گا لیکن جنت گل نے خاموش رہ کر میرا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔

عبدالرحیم خان وہاں موجود اپریٹس پر پورے انہماک سے پشاور والی حویلی کا نمبر ملانے میں مصروف تھا تو میں پوری توجہ سے جنت گل کے حسین و جمیل سراپا پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ وہ میری چبھتی ہوئی' حریصانہ نگاہوں سے مضطرب ہونے کے باوجود مجھ سے نظریں چُرا رہی تھی اور یوں ظاہر کر رہی تھی جیسے اسے میری حرکات کا علم ہی نہ ہو۔ لیکن میں اس کے تجاہل عارفانہ کو خوب سمجھ رہا تھا۔ وہ اتنی ہی پارسا اور راست باز ہوتی تو وہاں سے اٹھ کر بھی جا سکتی تھی کیونکہ اس کی وہاں موجودگی کسی بھی اعتبار سے ضروری نہیں تھی۔ وہ وہیں بیٹھی بار بار پہلو بدل رہی تھی اور میں اس کے بدن کے بدلتے ہوئے زاویوں سے اپنی آنکھیں سینک رہا تھا۔

سلسلہ مل جانے پر عبدالرحیم خان نے فون پر اپنی مادری زبان میں گفتگو شروع کر دی۔ میں اس زبان سے یکسر نابلد تھا اس لیے عبدالرحیم خان کی گفتگو پر دھیان دیے بغیر' جنت گل کی بے چینی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ چھوٹے خان سے منسوب ہونے کے باوجود وہ کابلی حسینہ اپنی انا کی آگ میں دھیمے دھیمے سلگ رہی تھی۔ اس کے حسین و جمیل سراپا میں بھی جذبوں کی دھنک پھیلی ہوئی تھی لیکن کسی پیش رفت میں اس کا قبائلی وقار مانع تھا۔ دوسری طرف عبدالرحیم خان جیسا سعادت مند عاشق تھا جو شاید اجازت کے بغیر اپنی محبوبہ کے بدن کو چھونا بھی گناہ سمجھتا تھا اور اجازت کے حصول کے لیے پانچ لاکھ روپے کی خطیر رقم جمع کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ اسے یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ عاشقی کی خلوت میں جام اسی کا ہوتا ہے جو خود بڑھ کر اٹھا لے۔ جو لوگ دعوت اور پیشکش کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں' آخر تک تشنہ کام اور مایوس [illegible] رہتے ہیں۔

میری نگاہوں کی وہ دلکش تیراندازی خاصی دیر تک جاری رہی کیونکہ چھوٹا خان فون پر مسلسل بول رہا تھا۔ اس دوران میں صرف ایک بار ایسا ہوا کہ جنت گل نے میری طرف دیکھا اور مجھے ڈھٹائی کے ساتھ اپنی جانب نگراں پاکر' مجھے منہ چڑایا اور لحہ بھر میں دوسری طرف متوجہ ہوگئی۔ میں اُس کی اس حرکت پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔

وہ سرکش حیوانی جذبوں کی خاموش جنگ تھی جو عبدالرحیم خان کی ناک کے نیچے' مگر اس کی لاعلمی میں جاری تھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ میں جنت گل کی دکھتی رگ کو پہچان چکا تھا اور وہ میری دلچسپی سے اچھی طرح آگاہ ہوچکی تھی جب کہ چھوٹا خان عورتوں کا مزاج شناس تھا نہ کسی کا کشتہ ستم۔ اس بے چارے کو اندازہ ہی نہیں ہوسکا کہ کابل کی سلطنت اس کی تحویل سے کدھر سرک رہی ہے۔

اپنی بات مکمل کرنے کے بعد عبدالرحیم خان نے فون کا ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔ "سردار بابا سے بات کرو' وہ تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہے۔" میں لپک کر فون کے قریب پہنچ گیا اور جنت گل استہزائیہ نظروں سے میری طرف دیکھتی ہوئی' عبدالرحیم خان کے قریب آبیٹھی۔ صاف ظاہر ہورہا تھا کہ اس کا وہ فعل عبدالرحیم خان کی دلجوئی کے لیے نہیں بلکہ مجھے چڑانے کے لیے تھا۔

میں نے پورے ادب و احترام کے ساتھ سردار پائندہ گل کو سلام کرکے گفتگو کی ابتدا کی۔ اس کی آواز رعب دار اور لب ولہجہ بہت باوقار تھا۔ اس نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہوچکا ہے کہ جھگڑا کیا ہے اور میں کیا چاہتا ہوں۔ ہمارے درمیان ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ یہ خالص لین دین کا معاملہ ہے۔ ہم نے اس معاملے میں اپنا ایک آدمی ضرور گنوایا ہے لیکن تمہارے ساتھیوں کو اچھی طرح یہ باور کرا دیا ہے کہ ہمارا قرض چکائے بغیر وہ تمہاری جھلک بھی نہیں دیکھ سکتے۔"

"یہ زبردستی کا تاوان ہے' خانِ اعظم!" میں نے اُس کی انا کو ابھارتے ہوئے ملتجیانہ انداز میں کہا۔ "میں اس کمپنی کا بہت معمولی ملازم تھا اور تمہارا لین دین بھی مجھ سے نہیں ہوا تھا۔"

"یہ سب باتیں طے ہوچکی ہیں' کمپنی ڈوب گئی۔ مالک مارا گیا جو زندہ بچے وہ سب بے سروسامانی کے عالم میں پکڑے گئے۔ میں اب اپنی رقم کس سے وصول کروں؟ تمہارے آدمیوں سے میری بات چل رہی ہے۔ وہ حویلی کے باہر میری گھات لگائے بیٹھے ہیں اور میری انگلیاں تمہارے نرخرے پر ہیں لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جب تک تمہارے آدمی بے اصولی نہیں کریں گے' تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچایا جائے گا۔"

"اس یقین دہانی کے لیے میں تمہارا ممنون ہوں۔" میں نے کہا۔ "لیکن میں کراچی میں اپنے آدمیوں سے بات کرنی چاہتا ہوں۔ میری مداخلت سے اس معاملے کی تیزی اور گرمی میں کمی آسکتی ہے۔"

"یہی میں نہیں چاہتا۔ یہ اعصابی جنگ ہے۔ ابھی وہ تمہاری آواز سننے کو ترسے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہمارا ایک آدمی مار لیا ہے۔ وہ سوچیں گے کہ اب تم پر بدترین تشدد ہورہا ہوگا۔ میں انہیں اس ذہنی عذاب سے نہیں نکلنے دوں گا۔ قصہ نمٹے گا تو وہ خود قائل ہوجائیں گے کہ سردار پائندہ گل قول کا دھنی اور اصول پرست ہے۔"

"تمہاری مرضی۔" میں نے مایوسی سے کہا۔ "میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ میرے آدمی بھی ضد میں آگئے تو یہ معاملہ طول پکڑ جائے گا اور بلاوجہ دونوں طرف کی لاشیں گرتی رہیں گی۔"

"مجھے دھمکی دے رہے ہو؟" سردار پائندہ گل کی غضب ناک آواز نے میرے کانوں کے پردے ہلا دیئے۔

"خدا کی پناہ! میں یہ جرأت بھی نہیں کرسکتا' خانِ اعظم!" میں نے بوکھلا کر کہا۔

"پھر کان کھول کر سن لو کہ میں ضدیوں کو اپنے قدموں میں جھکانا جانتا ہوں۔ ابھی تو ایک آدمی مرا ہے۔ مجھے دس پانچ کے مرنے کی بھی پروا نہیں ہے۔ جوان مرد لڑتے ہیں تو مرا ہی کرتے ہیں اور ان کا خون کبھی رائیگاں نہیں جاتا اور نہ ہی ان پر رویا جاتا ہے۔ میرے قبیلے میں سورماؤں کی لاشوں پر بین کرنے والیوں کے سر مونڈ کر ان کی چھاتیاں چالیس دن تک ننگی رکھی جاتی ہیں۔ جس قبیلے میں شہ زوروں اور دلیروں کی موت پر رونے والی عورتوں کو اتنی بھیانک سزا ملتی ہو' اس سے زمین کی کون سی قوت ٹکرا سکتی ہے؟"

میں اسے یہ یاد دلانے کا حوصلہ نہیں کرسکا کہ اسپیشل ٹاسک فورس والے نہایت سبک روی اور سرعت کے ساتھ اس سے ٹکرائے تھے۔ انہوں نے صرف ایک شکار ہی نہیں مارا تھا بلکہ لاف وگزاف کرنے والے سردار پائندہ گل کو ایک بزدل چوہے کی طرح اس کی حویلی میں محصور ہونے پر مجبور کردیا تھا۔

"کوئی نہیں۔" میں نے سردار کے خاموش ہوتے ہی برجستہ کہا۔ "لیکن تم یہ بھی مانو گے کہ میری ساری امیدیں اپنے آدمیوں کی سرخروئی سے وابستہ ہیں۔ وہ ہار گئے تو میری گردن کاٹ دی جائے گی۔"

میرے جواب سے شاید سردار پائندہ گل کی وحشیانہ انا کو بہت آسودگی حاصل ہوئی۔ ریسیور میں اس کے قہقہے کی حیوانی گھن گرج سنائی دی پھر وہ پُرغرور انداز میں بولا۔ "یہ گردنوں کا سودا ہے۔ میری گردن یا تمہاری گردن۔ بچاؤ کا بس ایک ہی راستہ ہے کہ میرا مطالبہ پورا کردیا جائے۔ میرا اندازہ ہے کہ تمہارے آدمیوں نے بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔"

"میں تمہارا مجبور اور بے بس قیدی ہوں۔ جنت گل کے فلیٹ میں رہ کر میں بس دعا ہی کرسکتا ہوں۔"

"جنت گل!" سردار پائندہ گل اپنی آواز کی پوری قوت سے دہاڑا۔ "تو کیا وہ کراچی میں ہے؟ تم اس خوبصورت ناگن کے فلیٹ میں کیا کررہے ہو؟ وہ ہماری پیشانیوں پر سڑے ہوئے ببول کی راکھ ملنے پر تُل گئی ہے۔"

"چھوٹے خان نے مجھے خیمہ بستی سے جس مکان میں منتقل کیا ہے وہاں جنت گل بھی موجود ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے کن انکھیوں سے ان دونوں کی طرف دیکھا تو ان کے چہرے خوف سے دھواں ہورہے تھے اور وہ امید وبیم کے عالم میں میری ہی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں سردار پائندہ گل کے غضبناک لب ولہجے کا علم نہیں تھا لیکن وہ میری زبان سے جنت گل کا نام سن چکے تھے اور شاید ان دونوں کو اندازہ تھا کہ میرا وہ انکشاف سردار پائندہ گل کو پاگل کردینے کی حد تک مشتعل کردے گا اور وہ اسی امکان سے بہت زیادہ خوف زدہ تھے۔

"چھوٹے خان نے مجھے اس سے متعارف کرایا ہے۔" میں نے اپنی بات کا تسلسل برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ اس وقت بھی میرے سامنے بیٹھی ہوئی ہے۔ چھوٹے سردار نے مجھے بتایا ہے کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"نہیں ڈینی! یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔" سردار پائندہ گل شاید تڑپ کر بلبلایا تھا۔ "تم عبدالرحیم خان کو بتادو کہ پہاڑوں میں بسنے والے عقاب کنکر نگل کر اپنے پیٹ کے جہنم سرد کرلیتے ہیں لیکن شہروں کے کوڑا گھروں میں سڑتے ہوئے مرداروں پر کبھی نہیں جھپٹتے۔ اگر اس کی شادی کے لیے شنگارا ویلی کی کسی ماں کی کوکھ سے کسی لڑکی نے جنم نہیں لیا ہے تو اسے شادی کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔ جیب میں رقم ہو تو ہر قدم پر ہزار لڑکیاں مل جاتی ہیں۔ وہ اپنی ہر رات ایک نئی لڑکی کے ساتھ گزار سکتا ہے۔"

"خان اعظم! میں یہ جسارت نہیں کرسکتا۔" میں نے مکاری کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ "اجازت ہو تو میں فون کا ریسیور چھوٹے خان کو دے دوں۔ تم خود اس سے یہ ساری بات کرلو۔"

"نہیں!" سردار پائندہ گل کی آواز ریسیور میں گونجی۔ "میں اُس کے منہ نہیں لگنا چاہتا۔ اسے بتادو کہ مجھے یہ جان کر صدمہ ہوا ہے کہ میرے بھانجے' میرے سگے خون سے شنگارا ویلی کی کوئی عورت اپنی بیٹی بیاہنے پر آمادہ نہیں ہے۔ اس سے تو بہتر تھا کہ عبدالرحیم خان اپنی ماں کی کوکھ میں ہی دم توڑ گیا ہوتا۔"

"میں کوشش کروں گا۔ یہ تمہارے خاندانی مسائل ہیں اور میں ان باریکیوں میں الجھنا نہیں چاہتا۔ ایسا نہ ہو کہ چھوٹا خان مشتعل ہوکر مجھے ہلاک ہی کردے۔ ابھی تو وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔"

"اس کی مجال نہیں کہ تمہیں ہاتھ بھی لگا سکے۔" بڑے خان کا پارہ بدستور چڑھا ہوا تھا۔ "تم یرغمالی ہو اور کوئی بھی فیصلہ ہونے تک تم پروار کرنا ہماری روایات کے خلاف ہوگا۔ عبدالرحیم خان' جنت گل کے عشق میں کتنا بھی اندھا ہوگیا ہو لیکن وہ اپنے قبیلے کی روایات سے غداری نہیں کرسکتا۔ اور ہاں!" یکایک اس کی آواز پھر بلند ہوگئی۔ "اسے یہ بھی بتادینا کہ لوگ بلاوجہ باتیں نہیں بناتے۔ لنگڑا ضیغم خان پکا نامرد ہے۔ وہ اپنے نطفے سے ایک رینگنے والا کیڑا بھی پیدا نہیں کرسکتا۔ جنت گل بلاوجہ اس لنگڑے کی ولدیت پر اترائی پھرتی ہے۔ اس کی ماں گناہ گار تھی۔ میں نے کابل میں اس سے منہ کالا کیا تھا۔ جنت گل میری اسی بھول کی پیداوار ہے اور اسی لیے میں اسے اپنے کسی گھر کی بہو نہیں بنا سکتا۔ گندا کیڑا گندگی میں ہی خوش رہتا ہے۔ اسے خوشبوؤں میں بسانے کی کوشش کرو تو وہ گھٹن سے مرجاتا ہے۔"

"سردار!" میں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو۔ چھوٹا خان میری زبان سے ضیغم خان اور جنت گل کے بارے میں ایسی باتیں برداشت نہیں کرسکے گا۔ جنت گل بھی امریکن اسکول کی پڑھی ہوئی' حساس اور سمجھ دار لڑکی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہی میرا کام تمام کردے۔ میں یہ سب نہیں کہہ سکتا۔"

"جنت گل کے خون میں اگر میرا ذرا سا بھی اثر ہے تو وہ اپنے حقیقی باپ کا پیغام پہنچانے والے پر انگلی بھی نہیں اٹھا سکے گی۔ میں نے اسے اپنے نام کے علاوہ سب کچھ دیا ہے۔ اس کی تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال کے لیے میں آج تک ضیغم خان کو ایک بھاری وظیفہ دے رہا ہوں۔ اس لڑکی کی پرورش کا بندوبست کرتے ہوئے میں بھول گیا تھا کہ کیچڑ میں پھینکے جانے والے پتھر کی چھینٹیں اپنے ہی دامن کو داغ دار کردیتی ہیں۔"

میرے لیے وہ بہت ہولناک صورتِ حال تھی۔ سردار پائندہ گل جیسا معزز اور بارسوخ آدمی اپنے ایک گناہ کا کھلا اعتراف کرنے کے باوجود' اپنی نسلی برتری کے زعم میں' دوغلی نسل کی اس لڑکی کے سر پر دستِ شفقت رکھنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اپنی ہی ناجائز بیٹی سے اس کی نفرت کا یہ عالم تھا کہ اس نے مجھ جیسے اجنبی قیدی کو اپنے رازوں کا شریک بنا لیا تھا۔ وہ اس کے قبائلی خون میں رچے ہوئے نفرت کے جذبے کی انتہا تھی جسے سمجھنا میرے لیے یا کسی اور کے بس سے باہر تھا۔

میری باتوں سے عبدالرحیم خان اور جنت گل کو بھی موضوعِ سخن کا اندازہ ہوچکا تھا۔ ان دونوں کے چہرے خوف سے زرد پڑے ہوئے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ صرف میرے جوابات سن رہے تھے۔ سردار پائندہ گل کی زہرناک باتیں اُن کے علم میں نہیں تھیں ورنہ شاید وہاں اسی وقت کہرام برپا ہوجاتا۔

"میں کوشش کروں گا کہ تمہارا پیغام چھوٹے خان تک پہنچا دوں۔" میری زبان سے اتنی ہی بات نکلی تھی کہ عبدالرحیم خان ہاتھ بڑھا کر میری طرف آیا اور میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "لو چھوٹا خان خود ہی تم سے کچھ بات کرنی چاہ رہا ہے۔ میں ریسیور اسے دے رہا ہوں۔"

سردار پائندہ گل کی غضبناک غراہٹیں ابھریں۔ وہ یقینی طور پر اپنی مادری زبان میں بڑی بڑی گالیاں دے رہا تھا۔ پھر اس کی جانب سے یکلخت فون بند کردیا گیا۔ میں نے مایوسانہ انداز میں بے جان ریسیور عبدالرحیم خان کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ تو بند ہوچکا ہے۔" وہ ریسیور کان سے لگاتے ہی پُرتشویش لہجے میں بولا۔

"ہاں' بڑا خان تم سے بات کرنے سے گریز کررہا تھا۔" میں نے نظریں جھکا کر آہستگی سے کہا۔

"تم کو سردار بابا سے جنت گل کے بارے میں بات کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ ریسیور کو غصے میں فرش پر مارتے ہوئے دہاڑا۔ "مجھے معلوم ہے کہ سردار بابا غصے سے پاگل ہوگیا ہوگا۔"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ جنت گل کا نام ہی بڑے خان کو آتش زیرپا کردے گا۔" میں نے ٹوٹا ہوا ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے' شرمساری کے ساتھ کہا۔ "تمہیں پہلے ہی مجھے بتا دینا چاہیے تھا۔ سردار پائندہ گل تمہارے اور جنت گل کے میل جول کو کسی بھی قیمت پر برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

"لیکن کیوں؟ میں نے اس کی کون سی جاگیر ماری ہوئی ہے؟" جنت گل کسی بھوکی شیرنی کی طرح غرائی۔

"تم چپ رہو۔" میرے لب کشا ہوتے ہی عبدالرحیم خان بول پڑا۔ "میں سب جانتا ہوں۔ میں کبھی نہ کبھی سردار بابا کو سمجھا ہی لیتا لیکن اس وقت تم نے جنت گل کا ذکر کرکے سب کچھ تباہ کر دیا۔"

"جو ہونا تھا' وہ ہوگیا۔ اب اسے لوٹایا نہیں جاسکتا۔ اس میں میری کسی بدنیتی کا دخل تھا اور نہ غلط بیانی کا۔ سردار پائندہ گل نے مجھ سے جو کچھ کہا' میں اسے دہرانے کی ہمت بھی نہیں کرسکتا۔"

"وہ مجھ سے اس قدر کیوں بدکتا ہے؟ میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟" جنت گل' چھوٹے خان سے بولی۔

"کچھ نہیں' بس وہ نسل خراب ہونے سے ڈرتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے اور اس کا سارا زور مجھ پر ہی چلتا ہے۔" عبدالرحیم خان نے اسے سمجھایا۔

لیکن جنت گل ایسی باتوں سے بہلنے والی نہیں تھی۔ وہ چیخ کر بولی۔ "جب اس کے چھوٹے بھائی نے قندھاری بزاز کی لڑکی سے شادی کی تھی تو اسے اپنا حسب نسب بگڑنے کا خیال نہیں آیا تھا؟"

عبدالرحیم خان نے اچانک ہی اپنی مادری زبان میں کچھ بولنا شروع کردیا۔ اس سے پہلے وہ مسلسل اردو بول رہا تھا اور جنت گل انگریزی میں برس رہی تھی۔ وہ دونوں کچھ دیر تک اپنی مادری زبان میں تکرار کرتے رہے پھر چھوٹے خان نے مجھے اپنے کمرے میں جانے کے لیے کہا اور میں وہاں سے اٹھ گیا۔

عبدالرحیم خان' جنت گل کو وہیں چھوڑ کر میرے پیچھے آیا اور کمرے میں پہنچنے کے بعد رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے معلوم ہے کہ سردار بابا نے تم سے بہت کچھ کہا ہوگا لیکن تم اب اپنی زبان بند رکھنا۔ جنت گل کو ان کڑوی کسیلی باتوں کا علم نہیں ہونا چاہیے ورنہ وہ مرنے مارنے پر تُل جائے گی۔ اگر سردار بابا درست کہتا ہے تو جنت گل کی رگوں میں بھی اسی کا گرم خون گردش کررہا ہے۔"

مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ عبدالرحیم خان اپنے ماموں کی سوچ سے اس حد تک واقف تھا۔ میں نے اسے اپنی زبان بند رکھنے کی یقین دہانی کرائی اور اس نے اپنی روٹھی ہوئی محبوبہ کو منانے کے لیے واپس جاتے ہوئے میرا کمرا مقفل کردیا۔

سردار پائندہ گل سے میری جو باتیں ہوئی تھیں' انہوں نے میرے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور میرے ذہن میں ویرا کی کہانی تازہ ہوگئی تھی۔ ویرا کا دکھ بھی یہی تھا کہ جمی لائیڈ نے اس کا ناجائز باپ ہونے کے باوجود اسے نہیں اپنایا تھا۔ وہ مغرب کے مادرپدر آزاد معاشرے کی غلاظتوں سے جنم لینے والی کہانی تھی لیکن جنت گل کی کہانی نے افغانستان کی قدامت پسند اور روایات پرست سرزمین پر جنم لیا تھا۔ اس مماثلت سے ایک ہی بات ثابت ہوتی تھی کہ دنیا کے ہر خطے میں خود پرست انسانوں کا رویّہ ایک جیسا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی اپنے گناہ کی ذمے داری خود قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا اور دوسروں کی زندگی جہنم بنانے پر تُلا ہوا تھا۔

وہ باتیں میرے ذہن میں اس بری طرح جمیں کہ میں رہ رہ کر ان ہی کے بارے میں سوچتا رہا۔ میری اپنی پریشانی' جو ہر اعتبار سے سنگین ترین تھی' پس پشت چلی گئی۔

میرا خیال تھا کہ میں کسی حیلے بہانے سے سردار پائندہ گل سے اس امر کی اجازت لے لوں گا کہ غزالہ وغیرہ کو فون کرسکوں۔ مقصد یہی تھا کہ وہ میری آواز اور لب و لہجے سے یہ اندازہ کرلیں کہ میری سلامتی کو کوئی فوری خطرہ لاحق نہیں تھا لیکن وہ لوگ ہر کام پیشہ ورانہ انداز میں کرنے کے عادی تھے اور مجھے ایسی اجازت دے کر اپنے دباؤ میں کوئی کمی کرنے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔

اگلے دن ناشتے کے بعد مجھے ایک بار پھر کمرے میں مقفل کردیا گیا۔ اس دوران میرا اور جنت گل کا دوبارہ آمنا سامنا نہیں ہوا تھا اور نہ ہی میں نے عبدالرحیم خان سے پچھلے دن کے موضوع پر مزید بات کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ ان کے باہمی معاملات تھے جنہیں وہ خود ہی بہتر طور پر سلجھا سکتے تھے۔ میرا مسئلہ اپنی رہائی کا تھا جس کی فوری طور پر کوئی صورت بنتی نظر نہیں آرہی تھی۔ وقتی طور پر یہی غنیمت تھا کہ مجھے کھلی دھوپ میں تپتے ہوئے آہنی کنٹینر کی صعوبتوں سے نجات مل گئی تھی اور آرام کرنے کے لیے نرم بستر میسر تھا۔

دوپہر کے قریب میرے دروازے کے قریب قدموں کی چاپ سنائی دی تو میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ تینوں اس فلیٹ میں چلتے پھرتے ہی رہتے تھے۔ وہ آہٹیں میرے دروازے پر رکیں اور پھر قفل میں چابی لگنے کی آواز آئی تو میں بستر سے اٹھ بیٹھا۔ مجھے

خیال ہوا کہ شاید دوپہر کا کھانا قبل از وقت ہی لایا جا رہا ہے۔

دروازے کے ہینڈل کی گردش کے ساتھ پٹ کھلا تو وہاں موجود سراپا کو دیکھتے ہی میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ حیرت سے میرا منہ کھلا اور پھر کوئی آواز پیدا کیے بغیر، یوں ہی بند ہو گیا۔

کھلے ہوئے دروازے میں جنت گل شعلۂ جوالہ بنی کھڑی تھی۔ ہلکے سے میک اپ نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے لیکن جس چیز نے مجھے بھونچکا کیا وہ اس کا چہرہ نہیں بلکہ لباس تھا جو اس کے حسین اور متناسب بدن کے ہیجان انگیز نشیب و فراز کو چھپانے کے بجائے اجاگر کر رہا تھا۔

اس نے کسی بھی زیر جامے کے بغیر، مہین جالی جیسے کپڑے کی قمیص زیب تن کی ہوئی تھی۔ وہ کپڑا اس قدر باریک اور شفاف تھا کہ اس میں سے جنت گل کا گلابی شہابی بدن باہر نکلا پڑ رہا تھا۔ نگاہوں پر ذرا سا زور دے کر اس کی شلوار کے گھیر کی ہر شکن الگ الگ گنی جا سکتی تھی۔ وہ بے حجابی کے ساتھ چند ثانیوں تک دروازے پر کھڑی رہی۔ اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر دل آویز مسکان مچل رہی تھی۔ پھر وہ دروازے سے گزر کر میرے کمرے میں آگئی اور چیلنج کرنے والے دھیمے لہجے میں بولی۔ "ہونق بنے کیوں بیٹھے ہو؟ بڑھ کر میرا استقبال نہیں کرو گے؟"

میں نے غور سے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا مگر ان بڑی بڑی اور جھیل جیسی گہری آنکھوں میں قدرتی خمار کے علاوہ کسی نشے کے آثار نہیں تھے۔ میرے ذہن میں دوسرا خیال عبدالرحیم خان اور اس کے ساتھی کے بارے میں آیا کہ وہ دونوں کہاں تھے؟ کہیں وہ میرا کوئی امتحان تو نہیں تھا؟ شاید جنت گل نے میری چھیڑ چھاڑ کے بارے میں چھوٹے خان سے شکایت کر دی ہو اور اس نے انتقاماً مجھے ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ سردار پائندہ گل کے قول کے مطابق میں ان لوگوں کا یرغمالی تھا اور میرے بارے میں کوئی فیصلہ ہونے تک چھوٹا خان مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا تھا۔ شاید اس نے اس لیے جنت گل کو سراپا دعوت بنا کر تنہا میرے کمرے میں بھیجا تھا تاکہ میں نفسانی جذبات سے مغلوب ہو کر اس کی طرف پیش قدمی کروں اور عبدالرحیم خان کو میرے سینے میں گولیاں اتارنے کا بہانہ مل جائے۔ وہ حلف اٹھا کر بڑے خان سے کہہ سکتا تھا کہ میں نے جنت گل کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی اور اس نے غیرت سے مجبور ہو کر مجھے ہلاک کر دیا۔ وہ خیال ذہن میں آتے ہی مجھے جنت گل کے دعوت انگیز وجود سے خوف آنے لگا۔

اتنی دیر میں اس کا مہکتا ہوا وجود میرے سانسوں کی رسائی میں آ چکا تھا۔ میں خوفزدہ ہو کر مسہری پر چڑھ کر اس کے وسط میں پہنچ گیا اور ہکلاتے ہوئے بولا۔ "مجھ سے دور رہو! میرے قریب نہ آنا! یہ بتاؤ کہ چھوٹا خان اور اس کا طاقت ور ساتھی کہاں ہے؟"

"وہ دونوں اپنا کل والا مردہ دفنانے گئے ہوئے ہیں۔" وہ میری حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولی۔ "اس وقت یہاں میرے اور تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ کل میں بیزار ہو رہی تھی تو تم مجھے ندیدوں کی طرح گھور رہے تھے۔ اب میں خود تمہارے پاس آئی ہوں تو خوف سے ہکلا رہے ہو۔"

"لیکن کیوں؟ تم میرے پاس کیوں آئی ہو۔" میں اس کی بات پر اعتبار نہیں کر سکا۔ "تم نے یہ کیسا لباس پہنا ہوا ہے؟ چھوٹے خان نے ہم دونوں کو اس حالت میں دیکھ لیا تو وہ ہم دونوں کو گولی مار دے گا۔"

وہ مترنم آواز میں ہنسی اور پھر بولی۔ "تم یقین کرو کہ وہ شام سے پہلے نہیں آئے گا۔ اپنے آدمی کی تدفین کے بعد وہ تمہارے آدمیوں سے ملنے جائے گا۔ وہاں کوئی اہم بات طے ہونے والی ہے۔ یہ وقت باتوں میں ضائع نہ کرو۔ پکا ہوا پھل خود جھولی میں آگرے تو اسے ہر حالت میں کھا لینا چاہیے۔"

"لیکن تم یکایک مجھ پر اتنی مہربان کیوں ہو رہی ہو؟" میں نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔ میرا خوف اپنی جگہ تھا لیکن میں اسے دیکھ دیکھ کر ہیجان میں بھی مبتلا ہوا جا رہا تھا اور میرے سانس سینے میں پھنسنے لگے تھے۔

"میں شنگارا ولی کے ان خانوں کی عزت اپنی ایڑی کے نیچے مسل دینا چاہتی ہوں۔" وہ ایک دم طیش میں آگئی۔ "تم ان کے یرغمالی ہو اور یرغمالی کو عورت کا قرب مل جانا ان سرداروں کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہوتا ہے۔ چھوٹا خان دنیا کا سب سے بڑا بزدل ہے۔ وہ بڑے خان سے ڈر کر مجھ سے شادی نہیں کرتا اور مجھ سے ڈر کر میرے بستر سے دور رہتا ہے۔ اس میں مردوں والی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ میں تمہارے پاس آگئی ہوں لیکن میں زبردستی اس کی بانہوں میں نہیں گر سکتی۔ دنیا کی کوئی عورت اپنے محبوب کے سامنے اس طرح نہیں گر سکتی۔ اور وہ پائندہ......! خدا اسے برباد کرے۔ جب اسے میری اور تمہاری اس ملاقات کا علم ہوگا تو وہ پہاڑوں میں اس طرح سینہ کوبی کرتا پھرے گا کہ پتھروں میں شگاف پڑ جائیں گے۔ اسے یوں محسوس ہوگا جیسے میں نے اس کے پُرجلال چہرے پر سڑے ہوئے ببول کی راکھ مل دی ہو۔ یہ خان اب تک عورتوں کو پیٹتے چلے آئے ہیں لیکن میں انہیں بتاؤں گی کہ عورت کا انتقام کیا ہوتا ہے۔"

اس بار جنت گل کا ہر لفظ میرے دل میں اترتا چلا گیا اور میرے وجود پر اس کے ہوش رُبا پیکر کا خمار چھانے لگا۔ میں مسہری کے وسط سے اس کی طرف بڑھا اور پھر اس کا مرمریں بازو تھام کر اسے اپنے قریب بٹھا لیا اور ملائمت کے ساتھ پوچھا۔ "تم جانتی ہو کہ شنگارا ولی کا سردار پائندہ خان تمہارا کون ہوتا ہے؟"

"میں بہت کچھ جانتی ہوں اور کچھ بھی نہیں جانتی۔ کابل کے جن لوگوں نے اسے دیکھا ہے وہ میری صورت میں اس کی شباہت بتاتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بائیس برس پہلے سردار پائندہ گل نے ایک رات ہمارے گھر میں گزاری تھی۔ وہ منہ اندھیرے واپس

لوٹ گیا تھا اور اجالا پھیلنے سے پہلے ضیغم خان نے میری ماں کی زبان کاٹ کر اسے زندگی بھر کے لیے گونگی بنا دیا تھا۔ بتاؤ، تم مجھ سے اور کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" اس وقت اس کی مترنم اور نقرئی آواز میں بلا کا زہر اتر آیا تھا اور آنکھوں میں نفرت کے کوندے لپکنے لگے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ تم ضرورت سے زیادہ جانتی ہو۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے قریب کھسک گیا۔

"اگر پائندہ خود کو فخریہ خونی بھیڑیا کہتا پھرتا ہے تو شاید میں بھی اسی خونی بھیڑیے کی اولاد ہوں۔ میں ان خوبصورت لبادوں کو اپنے دانتوں سے نوچ ڈالوں گی جو اس نے اپنے مکروہ وجود پر سجائے ہوئے ہیں۔ یہ کیسا اندھیر اور ظلم ہے کہ وہ چوری چھپے میرا باپ ہونے کے دعوے کرتا پھرتا ہے لیکن سرعام مجھے ایک طوائف کی عزت دینے پر بھی آمادہ نہیں ہے۔ طوائف کا ایک ٹھکانا ہوتا ہے۔ وہ اپنے کوٹھے پر بن سنور کر بیٹھتی ہے اور اس کے خریدار رقم کی تھیلیاں لے کر، سر جھکائے اس کے سامنے آتے ہیں۔ وہ اس قدر آمر ہو گیا ہے کہ عبدالرحیم خان کو میری بولی لگانے سے بھی روک رہا ہے۔ میں اسے فنا کر دوں گی۔"

اس وقت جنت گل مظلوم تھی اور میں دنیا کے ہر عالی حوصلہ مرد کی طرح اس کا پشت پناہ بنا ہوا تھا۔ میں نے نرمی سے اسے پچکار کر کہا۔ "تم شنگارا ولی والوں کی روایات کو مجھ سے زیادہ جانتی ہو۔ اگر تم میرے تعاون سے سردار پائندہ گل کو ذلیل و رسوا کر سکتی ہو تو میں تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔"

اُس نے اپنی قہربار نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا پھر اس نرم و نازک لڑکی کو اپنے جذبوں پر کوئی اختیار نہیں رہا۔ اس نے اچانک ہی اپنا چہرہ میرے سینے میں چھپایا اور پھر بلک کر رو پڑی۔ میں نے فوراً ہی اس کے پیکر کو اپنی مضبوط بانہوں میں سمیٹ لیا۔

وہ آگ اور تیل کا ملاپ تھا۔ اس کی طرف سے میرے دل میں سلگتی ہوئی چنگاریوں نے یکایک ہی ہولناک الاؤ کا روپ دھار لیا۔ میں زیادہ دیر تک اسے تسلی اور تشفی دینے کے قابل نہ رہ سکا۔ وہ خود بھی جانتی تھی کہ وہ آگ سے کھیل رہی ہے۔ اس کی تمام تر تیاریاں ہی اس آگ کو بھڑکانے کے لیے تھیں۔ وہ شنگارا ولی کے سردار پائندہ گل کی عزت کو اپنی ایڑیوں کے نیچے مسلنے کے لیے بے چین تھی، سڑے ہوئے ببول کی راکھ اس کے چہرے پر تھیٹر ڈالنا چاہتی تھی۔ چند ہی لمحوں میں وہ اپنا رونا دھونا بھول کر دوبارہ اپنے اسی روپ میں آگئی جو فیاض اور دل نواز تھا۔

وہ ایک بپھرا ہوا طوفان تھا جو اپنے زور میں سب کچھ خس و خاشاک کی طرح بہالے جانا چاہتا تھا۔ وقت کا احساس ختم ہو چکا تھا اور میں اس طوفان کے زیر و بم میں بس بہے جا رہا تھا کہ اچانک ہی مجھے چھوٹا خان یاد آیا جو شام تک واپس آنے کے ارادے سے گیا ہوا تھا اور شام بس تلی ہی کھڑی تھی۔

جنت گل بھی وہ خیال آتے ہی چونک پڑی اور مجھے تیزی سے تیار ہونے کی ہدایت کرتی ہوئی اس کمرے سے باہر چلی گئی۔ میرے پاس اپنے تن کے دو کپڑوں کے سوا رکھا ہی کیا تھا جو میں تبدیل کرتا۔ ایک لمحے کے لیے مجھے خیال آیا کہ میں چھوٹے خان کے کپڑے استعمال کر لوں لیکن اس کا بدن میری جسامت سے بہت مختلف تھا۔ میں نے اپنے جلتے ہوئے بدن پر ٹھنڈے پانی کی تیز دھاریں بہا کر، اپنے سنسناتے ہوئے اعصاب کو اعتدال پر لانے کی کوشش کی اور پھر چند ہی منٹ میں تازہ دم ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد جنت گل آئی تو اس کے بدن پر معقول لباس تھا اور وہ ہر اعتبار سے باوقار نظر آرہی تھی۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو شام کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔

وہ میرے روبرو آکر کھڑی ہوئی تو میں نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا لیکن وہ معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی۔ "میں نے چھوٹے اور بڑے خان سے بغاوت یہاں بیٹھے رہنے کے لیے نہیں کی ہے۔ اب میں یہاں رہی تو میرے بدن کے ٹکڑے اڑا دیے جائیں گے۔ اٹھو، ہمیں عبدالرحیم خان یا اس کے آدمی کی واپسی سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہیے ورنہ ہمیں ایسا سنہرا موقع دوبارہ نہیں ملے گا۔"

اس کی وہ بات سنتے ہی میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا۔ وہ لاکھ پری پیکر اور دل رُبا سہی لیکن میں نے اسے اپنے جانی دشمنوں کی عزت سمجھ کر، وقت گزاری کے لیے اس کی ذات میں دلچسپی لی تھی لیکن وہ مجھے اپنی گرمجوش، خلوت کی رشوت دے کر میرے گلے کا ہار بننے پر مائل نظر آرہی تھی۔ اس کے ساتھ وہاں سے فرار میرے لیے کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا۔ اسے میرے ساتھ دیکھ کر غزالہ بھڑک کر کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتی تھی اور پھر سردار پائندہ گل سے ایسی خوفناک دشمنی کی داغ بیل پڑ سکتی تھی کہ میری ساری عمر بھاگتے بھاگتے ہی گزر جاتی۔ اس کا بھرا قبیلہ تھا اور میں اپنی ذات میں بالکل تنہا۔ میں کہاں تک ان کا مقابلہ کر سکتا تھا؟ زن، زر اور زمین کی خاطر جنم لینے والی دشمنیاں اتنی ہولناک ہوتی ہیں کہ قبائلی علاقوں میں پوری پوری نسلیں ان کا ایندھن بن جاتی ہیں۔ جنت گل صرف عورت ہی نہیں، بہت خطرناک عورت تھی۔ اس حسینہ کے بارے میں کسی بھی وقت سردار پائندہ گل کا خون جوش مار سکتا تھا کہ وہ درحقیقت اسی کا خون تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟ اٹھو اور یہاں سے نکلنے کی فکر کرو۔" اس نے مجھے سوچ میں گم دیکھ کر، میرا شانہ ہلاتے ہوئے کہا۔ "بچ نکلو گے تو سوچنے کے لیے پوری عمر مل جائے گی۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ میں تمہیں لے کر کہاں کا رخ اختیار کروں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے فلیٹ پر میری بیوی تمہارا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکے گی...."

اس نے تیزی کے ساتھ میری بات کاٹ دی۔ "اس خیال

میں نہ رہنا کہ تم نے پہلی ہی نظر میں مجھے جیت لیا ہے۔ عورت صرف ایک بار محبت کرتی ہے۔ عبدالرحیم خان لاکھ بزدل اور بے ہمت سہی لیکن وہی میرا محبوب ہے۔ میں نے تو سردار پائندہ گل کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے تمہاری ذات میں دلچسپی لی تھی اور میرا وہ مقصد پورا ہو چکا ہے لیکن میرا مشن کسی بھی چار دیواری میں بند رہ کر پورا نہیں ہو سکتا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد میرے اور تمہارے راستے جدا ہو جائیں گے۔ میں سردار پائندہ گل کے ہر جاننے والے کو ان لمحوں کی کہانیاں سناؤں گی جو میں نے اس کے ایک یرغمالی کے ساتھ گزارے ہیں۔ مجھے اصل خوشی اسی وقت ہوگی جب لوگ میرے حوالے سے اس سے بے رحمی کے ساتھ سوالات کریں گے اور اسے منہ چھپانے کی جگہ تک نہیں ملے گی۔"

اس کا منصوبہ بہت خوفناک اور وحشیانہ تھا۔ وہ ایک عورت تھی لیکن کوئی بھی کمزور سی عورت جب انتقام لینے پر تُل جاتی ہے تو شہ زور مردوں کے پیروں تلے سے زمین سرکنے لگتی ہے۔

اس کے عزائم واضح ہونے کے بعد میرے سر پر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا لیکن میں نے جنت گل کی دلجوئی کے خیال سے 'فوری طور پر اپنی جگہ چھوڑنے کے بجائے فکرمندانہ لہجے میں پوچھا۔ "وہ تو ٹھیک ہے لیکن پھر بھی میرا سوال اپنی جگہ ہے۔ یہاں سے جانے کے بعد تمہیں فوراً ایک محفوظ ٹھکانے کی ضرورت ہوگی۔ تم کہاں جاؤ گی؟ تم یوں ہی دربدر بھٹکتی رہیں تو وہ لوگ بہت جلد تم پہنچ جائیں گے۔ عبدالرحیم خان کے ایک اشارے پر افغان خیمہ بستی کے سارے باسی تمہاری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔"

"میں ان لوگوں سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں۔ خیمہ بستی کے بس وہ گنے چنے لوگ مجھے پہچانتے ہیں جو چھوٹے خان کے لیے الٹے سیدھے کام کرتے رہتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لیے میں ایک دو روز کے لیے شہر کے کسی چھوٹے سے ہوٹل میں پناہ لے سکتی ہوں۔ تم میری بالکل فکر نہ کرو۔ میں نے عبدالرحیم خان کی الماری میں سے بیس بائیس ہزار روپے نکال لیے ہیں جو مجھے سرحد پار پہنچانے کے لیے کافی ہوں گے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ کسی بھی اکیلی اور خوبصورت عورت کے سیکڑوں ہمدرد پیدا ہو جاتے ہیں۔ میرا ایک بار یہاں سے نکلنا شرط ہے۔ اگر تم اب بھی سوچ بچار کرتے رہے تو میں اکیلی ہی نکل کھڑی ہوں گی۔"

بات مناسب موڑ تک آگئی تھی اس لیے میں نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی۔

جنت گل نے شاید اس فلیٹ میں کافی عرصہ گزارا تھا اس لیے وہاں سے نکلتے ہوئے اس نے ہر طرف الوداعی نظریں دوڑائیں اور پھر ہم دونوں فلیٹ سے باہر آگئے۔

میں نے اس وقت پہلی بار دیکھا کہ وہ عمارت زیر تکمیل اور خاصی غیر آباد تھی۔ شاید عبدالرحیم خان والا فلیٹ خاص طور پر تیار کرایا گیا تھا ورنہ اس کے سامنے والے فلیٹ پر رنگ و روغن تک نہیں کیا گیا تھا۔

ہم دونوں چند سیڑھیاں ہی اترنے پائے تھے کہ باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔ لمحہ بھر کے لیے میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ پھر سیڑھیوں پر کسی کے تیزی سے اوپر آنے کی آوازیں آنے لگیں۔ جنت گل نے مسکراتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں آنے والے کو راستہ دینے کے لیے اس کے پیچھے ہو گیا۔

چند لمحوں بعد وہ شخص سامنے آیا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ چھوٹا خان تھا۔ سیڑھیوں پر جنت گل کو اپنے سامنے پا کر بس ایک لمحے کے لیے وہ حیران نظر آیا پھر مجھ پر نگاہ پڑتے ہی شاید سارا کھیل اس کی سمجھ میں آگیا۔ اس کی آنکھیں غصے کی شدت سے اپنے حلقوں سے باہر آتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ اس کی گردن کی رگیں بھی تیزی کے ساتھ پھولنے پچکنے لگی تھیں۔ "کہاں جارہی ہو؟" اس نے کسی سانپ کی پھنکار سے مشابہ تیز سرگوشیانہ آواز میں پوچھا۔

"میں اب پاکیزہ نہیں رہی ہوں۔ اس لیے یہاں سے جارہی ہوں۔" جنت گل کی آواز سخت اور بے رحمانہ تھی۔ "میرے اور ڈیڈی کے درمیان وہی رشتہ ہے جو سردار پائندہ گل اور میری ماں کے درمیان تھا۔ وہاں جبر تھا اور یہاں میری رضا شاملِ حال تھی۔ وہاں ضیغم خان نے میری ماں کی زبان کاٹ دی تھی لیکن میں تم سے انگریزی بول رہی ہوں کیونکہ میرا کوئی شوہر نہیں ہے جو مجھے حق گوئی سے روکنے کے لیے میری زبان کاٹ سکے۔"

جنت گل کے ایک ایک لفظ کے ساتھ عبدالرحیم خان کی مٹھیاں بھنچتی جارہی تھیں۔ میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ میں چابیوں کا ایک رنگ موجود تھا جس میں شاید اس کی گاڑی کی چابی بھی موجود تھی۔

"تت..... تم..... کنجری ہوگئی ہو۔" چھوٹا خان غضب ناک لہجے میں غرّایا۔ "تم نے ایک یرغمالی کی سیج سجا کر پوری شنگارا ولی کے منہ پر تھوکا ہے۔ تم اوپر چلو تو میں تم سے سمجھتا ہوں اور یہ یرغمالی!" اس کی آواز فرطِ غضب سے کانپ گئی۔ "اس کا تو نصیب ہی خراب ہے۔ اس کے آدمیوں نے سردار بابا کے قدموں میں اپنا سر جھکا کر' آج ہمارے مال کا پیکٹ ہمیں لوٹا دیا ہے اور میں اس کی آزادی کا فیصلہ کر کے یہاں آیا تھا لیکن اس کا قتل شاید میرا مقسوم بن چکا ہے۔ اس نے ایک افغان عورت کی پشت پر سوار ہو کر بھاگنے کی سازش کی ہے۔ میں اسے معاف نہیں کروں گا۔" اپنی بات مکمل کرتے ہی اس نے بجلی کی سی سرعت سے اپنی جیب سے ایک چاقو نکالا اور اس کا کوئی لیور دبا کر پل بھر میں چاقو کا چمکتا ہوا لمبا پھل جنت گل کے پیٹ کے سامنے لہرانے لگا۔

جنت گل اوپر جانے کے لیے واپس مڑی تو مجھے اُس کے بند

ہونٹوں کے سروں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ کے مچلنے کا احساس ہوا۔ وہ جاتے جاتے عبدالرحیم خان کے بے رحمانہ چنگل میں پھنس چکی تھی لیکن میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھا کہ وہ فلیٹ میں واپس جاکر کیا کرنا چاہ رہی تھی۔

میں چھوٹے خان کے شکاری چاقو کے مقابلے میں غیر مسلح تھا۔ وقت حاصل کرنے کے لیے' اس موقع پر جنت گل کی تقلید ہی سب سے مناسب تھی۔ ہم چھوٹے خان کے فلیٹ کے سامنے پہنچے تو اس نے وحشیانہ انداز میں چاقو کا پھل لہرا کر ہم دونوں کو ایک طرف ہٹایا اور پھر اپنی چابی سے قفل کھول کر دروازے کو اندر کھول دیا۔ اُس کے اشارے پر ہم دونوں اندر داخل ہوگئے۔

چھوٹا خان عجلت اور اعصابی تناؤ کے عالم میں کی ہول سے اپنا کی رِنگ نکالنا بھول گیا تھا۔ میں ہر بات پر گہری نظر رکھ رہا تھا اس لیے میں نے اندر داخل ہوتے ہوئے نہایت غیر محسوس انداز میں وہ کی رِنگ نکال کر اپنی جیب میں منتقل کرلیا۔

اس لرزہ خیز صورتِ حال میں میرا ذہن پوری سرعت کے ساتھ کام کر رہا تھا مجھے وہ زندگی اور موت کے فیصلہ کن لمحات نظر آرہے تھے لیکن میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھا کہ عبدالرحیم خان کا تنومند ساتھی کہاں تھا۔ اگر چھوٹا خان اکیلا تھا تو میری اور جنت گل کی گلو خلاصی کے امکانات موجود تھے لیکن دوسری صورت میں ہمارے لیے بچاؤ کا ہر راستہ مسدود ہو چکا تھا۔ وہ دوسری صورت یہ ہوسکتی تھی کہ وہ وحشی نیچے گاڑی میں بیٹھا ہوا اپنے آقا کی واپسی کا انتظار کر رہا ہو۔ زینوں سے چھوٹے خان کے بجائے ہم دونوں کو برآمد ہوتا ہوا دیکھ کر وہ شخص ہمارے فرار کی راہ میں حائل ہوسکتا تھا۔

میرے لیے امید کی کرن بس ایک ہی تھی۔ اگر وہ شخص گاڑی میں موجود ہوتا تو چھوٹا خان چابیوں کا گچھا اگنیشن ہی میں چھوڑ کر آتا۔ چابی ساتھ لانے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اکیلا ہی آیا تھا لیکن میری وہ خوش فہمی بھی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکی۔ فلیٹ کے داخلی دروازے کی چابی بھی اسی گچھے میں تھی۔ چھوٹا خان ہر دو صورتوں میں چابیاں اپنے ساتھ لانے پر مجبور تھا۔

وہ ہم دونوں کے بعد فلیٹ میں داخل ہوا اور دروازہ بند ہوتے ہی اپنی مادری زبان میں جنت گل پر برسنے لگا۔ غصے سے جنت گل کا چہرہ سرخ ہوگیا اور وہ بھی اسی زبان میں گرجنے لگی۔

شاید جنت گل کی باتیں بہت سخت بلکہ ناقابلِ برداشت تھیں۔ عبدالرحیم خان نے پوری قوت سے الٹا ہاتھ گھمایا اور چٹاخ کی پُرشور آواز کے ساتھ جنت گل کے بائیں رخسار کی نرم و نازک جلد کئی جگہ سے پھٹ گئی اور لمحہ بھر بعد اس کی بائیں آنکھ کے گوشے پر نیل نمودار ہوگیا جس کی وجہ سے اس کی وہ آنکھ متورم نظر آنے لگی۔

تھپڑ کھانے کے بعد جنت گل کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے کاٹ دار لہجے میں پھر کچھ کہا۔ عبدالرحیم خان پھر اس کی طرف لپکا اور اس بار مجھ سے برداشت نہیں ہوسکا۔ میں نے جھپٹ کر اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔

عبدالرحیم خان نے وحشیانہ انداز میں اپنا چاقو والا ہاتھ گھمایا۔ اگر میں بہت تیزی کے ساتھ اچھل کر الگ نہ ہوگیا ہوتا تو چاقو کے پھل نے میرے پیٹ کا بڑا حصہ چیر کر رکھ دیا ہوتا۔

"خبردار! تم بیچ میں نہ آنا۔" وہ خونخوار انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔ تم بیچ میں آئے تو پیٹ کاٹ کر ساری آنتیں باہر نکال دوں گا۔"

"تم میری موجودگی میں جنت گل پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ میں تمہاری گردن مروڑ کر رکھ دوں گا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "عورتوں پر ہاتھ اٹھانا مردانگی کے خلاف ہے۔ اپنی طاقت پر گھمنڈ ہے تو پہلے مجھ سے دو دو ہاتھ کر کے فیصلہ کرلو۔"

وہ پہلے ہی بھڑکا ہوا تھا۔ میرے فقروں نے اسے آپے سے باہر کردیا اور وہ چاقو تان کر تیزی سے مجھ پر حملہ آور ہوا۔ میں نے اس کے قدموں پر نظریں جماتے ہوئے' آخری لمحات پر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنے ہی زور میں دیوار سے جا ٹکرائے گا لیکن وہ سنبھل کر فوراً ہی پلٹ پڑا۔ اس بار اس نے مجھے ایک کونے میں گھیر لیا تھا اور کوئی تیز ترین جھکائی دیے بغیر' میرا اس کے وار سے بچنا محال تھا۔

وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میری نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے جنت گل کو اپنے ہینڈ بیگ میں ہاتھ ڈالتے دیکھا اور ایک فائر کی پُرشور آواز کے ساتھ ہی' سانڈ کی طرح اکڑتا ہوا' عبدالرحیم خان منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جاگرا تھا اس کے حلق سے بس ہلکی سی آواز نکلی تھی۔

اس کی پشت میں بائیں طرف سوراخ ہوچکا تھا جس میں سے رسنے والا خون اس کی ٹی شرٹ کو داغ دار بنا رہا تھا۔ اس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں فرش پر جما کر اٹھنے کی کوشش کی۔ وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوگیا لیکن زخم شاید کاری تھا۔ وہ فرش سے چند انچ اوپر اٹھنے کے بعد ایک جھٹکے کے ساتھ دوبارہ فرش پر گر گیا۔ اس کے بھاری بھرکم وجود پر تشنج کی سی کیفیت طاری ہوچلی تھی۔

"کسی کے آنے سے پہلے یہاں سے نکل چلو!" جنت گل نے میرا ہاتھ تھام کر تیزی سے کہا اور پھر ہم دونوں تقریباً بھاگتے ہوئے وہاں سے نکلتے چلے گئے۔ جنت گل نے ریوالور دوبارہ ہینڈ بیگ میں ڈال لیا تھا۔

زیرِ تعمیر اور کھُردرے زینے عبور کر کے ہم دونوں نیچے پہنچے تو زینوں کے ساتھ ایک پک اپ کھڑی ہوئی تھی جو افغانوں میں ہر مصرف کے لیے بہت مقبول تھی۔ پک اپ کی ڈرائیونگ سیٹ کا

دروازہ کھولتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ وہ ویران اور اجاڑ علاقہ میرا دیکھا بھالا نہیں۔ وہاں لق و دق میدان کے وسط میں کئی عمارتوں کے زیر تعمیر ڈھانچے کھڑے ہوئے تھے۔ صرف عبدالرحیم خان والی عمارت ایسی تھی جس کی دیواریں بھی بنی ہوئی تھیں اور شاید اسی عمارت میں اِکّا دُکّا فلیٹوں کو مکمل کرکے آباد بھی کرلیا گیا تھا ورنہ بیشتر علاقہ کھنڈرات کا سا آسیبی سماں باندھ رہا تھا۔ ان ڈھانچوں کے آس پاس مزدور طبقے سے تعلق رکھنے والے کچھ متجسس افراد اِدھر اُدھر کھڑے ہوئے چہ میگوئیاں کرنے میں مصروف تھے۔ شاید جنت گل کے ریوالور سے ہونے والے فائر کی آواز نے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی۔ ان لوگوں کی توجہ اسی عمارت کی طرف تھی جس سے ہم باہر آئے تھے لیکن غالباً ان میں سے کوئی بھی صحیح اندازہ نہیں کرسکا تھا کہ گولی کہاں اور کس پر چلائی گئی تھی۔ ویسے بھی فضا میں دھندلکا پھیل چلا تھا اور لوگ اپنے ٹھکانوں سے آگے بڑھنے پر آمادہ نہیں تھے۔

جنت گل کا نشانہ اس قدر بے خطا تھا کہ چھوٹے خان کو چیخنے کا موقع بھی نہیں مل سکا تھا اور حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی آواز نکال کر رہ گیا تھا ورنہ فائر کی مہیب گونج کے مقابلے میں انسانی چیخ کی سمت کا تعین زیادہ آسانی سے کیا جاسکتا تھا۔

میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی پک اپ کا انجن اسٹارٹ کردیا اور جب جنت گل بھی سوار ہوگئی تو میں نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے اُس سے پوچھا۔ "یہ کون سا علاقہ ہے؟ ہم کس طرف سے باہر نکل سکیں گے؟"

"یہ سپرہائی وے سے ملحقہ علاقہ ہے جہاں فلیٹس بن رہے ہیں۔ سیدھے جاکر برساتی نالے کے ساتھ داہنی طرف مڑو گے تو سپرہائی وے کا راستہ شروع ہوجائے گا۔" اس نے اطمینان سے بتایا۔ اس پر تھوڑی دیر قبل چلائی ہوئی گولی کی ذرا بھی دہشت نہیں تھی۔ یہ معلوم ہو رہا تھا جیسے اس قسم کی مار دھاڑ اُس کے معمول میں ہو۔

"تمہاری چلائی ہوئی گولی شاید اس کے دل میں پیوست ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ زندہ نہیں بچ سکے گا۔"

"اس کا مرجانا ہی اس کے حق میں بہتر رہے گا۔ اس نے میرا دل توڑا اور میں نے اس کے دل میں سوراخ کردیا۔ حساب برابر ہوگیا۔ ہاں' اس کے ماموں کو رسوائی کا عذاب جھیلنے کے لیے زندہ رہنا ہوگا۔"

"اور تمہیں ایک جیتے جاگتے انسان کو مار ڈالنے پر کوئی قلق نہیں ہے" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر بولی۔ "میں اسے نہ مارتی تو وہ چاقو سے تمہارا پورا بدن ادھیڑ ڈالتا۔ چاقو زنی میں اسے کمال کی مہارت حاصل تھی۔ پھر میں نے تو اسے ایک ہی وار میں زندگی کے عذاب سے نجات دلائی ہے۔ یہ سردار اور خان زادے تو اتنے سنگ دل ہیں کہ اپنے محکوموں کو زندہ رہنے دیتے ہیں نہ مرنے دیتے ہیں۔"

میں اسے اپنے ساتھ لے جانے پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ خود بھی مجھ سے الگ ہوجانا چاہتی تھی مگر پھر بھی میں اس کی طرف سے فکرمند تھا۔ عبدالرحیم خان نے مرنے سے پہلے اس کے بائیں رخسار پر تھپڑ رسید کرکے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ نیلے اودے زخم سے رستے ہوئے تازہ خون کی وجہ سے وہ ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز بن سکتی تھی۔

کچھ دور نکل آنے کے بعد مجھے داہنی طرف' کافی فاصلے پر سپرہائی وے کے آثار نظر آنے لگے۔ قرب و جوار کی زمین سے قدرے بلند' اس شاہراہ پر ٹرک اور گاڑیاں کھلونوں کی طرح رواں نظر آرہی تھیں۔

"عبدالرحیم خان کے چھوٹے ماموں نے قندھار کے ایک بزاز کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ میں نے عبدالرحیم خان کو اس شادی کا طعنہ بھی دیا تھا۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ خود ہی بولنے لگی۔ "لیکن حقیقت یہ ہے کہ پائندہ گل نے اس شادی کے سات برس بعد تک اپنے بھائی سے میل جول بند رکھا تھا۔ ان دونوں بھائیوں میں اس وقت بات چیت شروع ہوئی جب پائندہ گل کو یقین ہوگیا کہ قندھاری لڑکی کبھی ماں نہیں بن سکے گی۔ یہ لوگ دوسروں کا نسب خراب کرتے پھرتے ہیں لیکن اپنے خون پر انہیں اتنا گھمنڈ ہے کہ وہ قندھاری عورت آج بھی شنگارا دیلی کے ایک الگ تھلگ جھونپڑے میں کسی کوڑھی کی طرح اکیلی پڑی رہتی ہے۔ شاید قدرت نے مجھے ان کے غرور کا سرنیچا کروانے کے لیے ہی زندہ رکھا ہے ورنہ میں لوگوں کی باتیں سن سن کر کئی بار مرنے کے بارے میں سوچ چکی تھی۔"

میں نے اپنی زبان بند ہی رکھی۔ وہ لڑکی کافی دکھی تھی۔ میں اسے زیادہ چھیڑ کر اس کے زخموں کو نہیں کریدنا چاہتا تھا۔

کچے راستوں پر سست رفتار ڈرائیونگ کے بعد ہم سڑک پر آئے تو مجھے اندازہ ہوا کہ عبدالرحیم کا وہ فلیٹ افغانی خیمہ بستی سے زیادہ دور نہیں تھا۔ جنت گل نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے سہراب گوٹھ پر اتار دوں۔ میرا خیال تھا کہ ان اطراف میں وہ پک اپ عبدالرحیم خان کے حوالے سے پہچانی جاتی ہوگی اس لیے میں اسے آباد علاقے میں نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ میرے تردّد کا اندازہ کرتے ہی جنت گل نے پک اپ اسی سنسان مقام پر رکوالی۔

"تم یہیں اتر جاؤ" اس نے میرا بازو دباتے ہوئے کہا۔ "میں اسی پک اپ میں حیدر آباد جارہی ہوں۔ عبدالرحیم خان کی موت کے بعد میں کراچی کے مقابلے میں حیدر آباد میں زیادہ محفوظ رہوں گی۔ ٹنکی میں ڈیزل بھرا ہوا ہے۔ میں ڈیڑھ دو گھنٹے میں وہاں پہنچ جاؤں گی۔ تم مرد ہو۔ یہاں سے تھوڑی دور پیدل جاؤ گے تو کوئی سواری مل جائے گی۔"

میرا دل بھاری ہونے لگا۔ میں نے اُس کے نرم و گداز ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔ "میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکوں گا۔ میری اور تمہاری دوستی بہت مختصر لیکن یادگار رہی ہے۔ کاش تمہاری زندگی اس قدر کٹھن اور بے کیف نہ ہوتی۔"

"اب تو مجھے ان ہی مشکلات سے لڑنے میں مزہ آتا ہے۔ اپنا خیال رکھنا۔ میں بھی تمہیں یاد رکھوں گی۔ صرف ایک دوست کی طرح۔" اس نے میرے دونوں ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگایا پھر میرے داہنے ہاتھ کی پشت پر اپنے مرمریں ہونٹوں کا ایک سلگتا ہوا بوسہ ثبت کرکے نیچے اتر گئی۔

میں نے بھی ایک جھٹکے کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ خالی کر دی۔ دوستیاں اور جذباتی رفاقتیں کتنی ہی گہری کیوں نہ ہوں' ان میں رشتوں والی مضبوطی اور پائیداری کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ کسی نہ کسی موڑ پر مصلحتیں اور مفادات آڑے آجاتے ہیں اور پھر ہر فریق کا راستہ' دوسرے سے جدا ہو جاتا ہے۔ جنت گل نے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے سے پہلے مجھ سے گرمجوشی کے ساتھ ہاتھ ملایا پھر پک اپ اسٹارٹ کرکے یوٹرن لیا اور تیزی کے ساتھ حیدر آباد کی سمت میں روانہ ہو گئی۔ میں کچھ دیر تک وہیں کھڑا' دور ہوتی ہوئی پک اپ کو دیکھتا رہا اور پھر سر جھکا کر ان روشنیوں کی طرف چل دیا جو سہراب گوٹھ کے قرب و جوار کی آبادی کی نشاندہی کر رہی تھیں۔

پیدل طے کرنے کے لیے وہ فاصلہ خاصا طویل تھا۔ میں چنگی ناکے کے پُرہجوم علاقے سے گزرا تو فضا میں اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ میں نے پہلی خالی ٹیکسی حاصل کی اور ایک صبر آزما قید سے نجات کے بعد شرف آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔

جنت گل جب تک میرے ساتھ تھی' اپنی ساری اچھائیوں اور برائیوں کے ساتھ میرے ہوش و حواس پر چھائی ہوئی تھی لیکن ایک بار اس کے بچھڑنے کا پورا یقین ہو جانے کے بعد اس کا خیال نئے مسائل کے پیچاک میں خود بخود دھندلانے لگا۔

میں نے شرف آباد کی جانی پہچانی گلی میں ٹیکسی سے اتر کر کرایہ ادا کیا اور زینے طے کرکے تیزی کے ساتھ جہانگیر والے فلیٹ کے سامنے جا پہنچا۔ میں نے چند ثانیوں تک اندر کی سن گن لینے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف سناٹا چھایا رہا تو میں نے ہولے سے ڈور بیل بجا دی۔ اندر سے بھاگتے ہوئے قدموں کی دھمک دروازے کی طرف آئی اور دروازہ کھولتے ہی سلطان شاہ والہانہ انداز میں میرے سینے سے لپٹ گیا۔

اس کی تحیر زدہ آواز سن کر دیرا اور غزالہ بھی ڈرائنگ روم سے نکل آئیں۔ اس وقت تک میں سلطان شاہ کے ساتھ دروازہ عبور کرکے لابی میں داخل ہو چکا تھا۔ پھر مجھے اول خان بھی نظر آیا جو ڈرائنگ روم کے دروازے پر آکر رک گیا تھا۔

میں باری باری ان چاروں سے ملتا ہوا ڈرائنگ روم میں پہنچا تو میرے اوپر ہر طرف سے سوالات کی بوچھاڑ ہو گئی۔

اس وقت میں واضح طور پر دیکھ رہا تھا کہ میری خیروعافیت کے ساتھ واپسی پر غزالہ سب سے زیادہ خوش نظر آرہی تھی اور اس کے لیے اپنی اس خوشی کو چھپائے رکھنا دشوار ہو رہا تھا۔

"آج میں نے بہت بڑا جُوا کھیلا تھا جس میں مجھے ناکامی نہیں ہوئی۔" اول خان نے پُرجوش انداز میں کہا۔ "کل ان لوگوں نے شہید ملت روڈ پر سلطان شاہ کو گھیرنے کی کوشش کی تھی لیکن میرے آدمیوں نے ان پر اتنی زبردست فائرنگ کی کہ وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک آدھ مر بھی گیا ہو....."

"ایک مرا تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اس کی تدفین آج ہوئی ہے۔"

"گڈ۔" وہ خوش ہو کر بولا۔ "وہ خبر ملنے کے بعد ہی میں شام کی پرواز سے کراچی آگیا تھا۔ اس وقت مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ وہ لوگ پشاور میں بڑے خان کی حویلی کے گھیراؤ کے باوجود اپنی ضد پر اڑے رہیں گے جس کے نتیجے میں تم کو کوئی بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ میرے لیے وہ صورتِ حال بہت تشویش ناک تھی۔"

"میں اپنی کتھا بعد میں سناؤں گا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے ان کی ہیروئن ہی واپس کی ہے یا اس کی جگہ کوئی اور سفوف پکڑا دیا ہے؟ اس کی مالیت بائیس لاکھ بتائی گئی تھی۔"

"میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار بلیک میلنگ کے آگے ہتھیار ڈالے ہیں۔" اول خان کے لہجے سے قلق کا اظہار ہو رہا تھا اور بقیہ تینوں اتنی دلچسپی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ تھے جیسے کہانی کا وہ حصہ ان کے لیے نیا ہو۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "انسانوں کو یرغمال بنا کر سودے بازی کرنے والے پیشہ ور لوگ بہت شاطر اور خطرناک ہوتے ہیں۔ ٹریڈ لائن کے دفتر سے ہاتھ آنے والی ہیروئن میری ہی تحویل میں تھی۔ میں نے آج ان کے آدمی کو ایک ہوٹل میں ملنے کا پیغام دیا تھا۔ چار بجے عبدالرحیم خان آیا تو میں نے ہیروئن اسے لوٹا دی۔ اس وقت سے میرے دل کی عجیب حالت تھی اور میں ڈر رہا تھا کہ کہیں ہیروئن لینے کے بعد وہ اپنے وعدے سے نہ مکر جائیں لیکن شکر ہے کہ وہ لوگ زبان کے پکے ثابت ہوئے۔ تمہیں دیر ضرور ہوئی ہے لیکن تم لوٹ آئے ہو۔"

"عبدالرحیم خان کی اجازت ملنے سے پہلے میں آزاد ہو چکا تھا۔" میں نے کہا۔ "بس وہ عین وقت پر پہنچ گیا اور اس کے نتیجے میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس کی لاوارث لاش اب کسی ہمدرد کی منتظر ہو گی۔"

ان لوگوں کے اصرار پر میں نے اپنی کہانی چھیڑ دی۔ جنت گل کے بارے میں میں نے بہت اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف اتنا بتایا کہ وہ اپنے محبوب اور اس کے ماموں سے باغی ہو چکی تھی' اس لیے میرا ساتھ دینے پر تُل گئی۔ اس کا مقصد ان دونوں کو زک پہنچانا تھا اور اسی چکر میں عبدالرحیم خان اس کی گولی کا نشانہ بن گیا۔

میری احتیاط کے باوجود ویرا اور غزالہ کی آنکھوں میں بے یقینی کے آثار دور سے ہی پڑھے جا سکتے تھے لیکن میں نے ان دونوں کی طرف دھیان دیے بغیر اپنی کہانی پوری کرڈالی۔ میں نے اپنے اور مافیا کے تعلق پر زبان نہیں کھولی تھی۔

عبدالرحیم خان کے قتل کی خبر اول خان کے لیے اچنبھے کا سبب ثابت ہوئی کیونکہ وہ شام کے چار بجے اس سے ملا تھا تو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ سودے بازی مکمل ہوجانے کے بعد وہ یوں اچانک مارا جائے گا۔ سردار پائندہ گل والے قصے میں سب لوگ ہی کسی نہ کسی طرح ملوث رہے تھے لیکن سب کے پاس ادھوری کہانیاں تھیں۔ جنہیں یکجا کیے بغیر وہ سب بے سروپا محسوس ہو رہا تھا۔ ہم لوگ کافی دیر تک اسی بحث میں الجھے رہے پھر غزالہ کو میرے بلکہ سب لوگوں کے کھانے کا خیال آیا اور وہ ویرا کے ساتھ وہاں سے اٹھ گئی۔

"یہ بتاؤ کہ تمہاری اچانک واپسی سے البرٹو و یلیسا والے معاملات پر تو کوئی اثر نہیں پڑا ہوگا؟" میں نے انگڑائی لیتے ہوئے اول خان سے دریافت کیا۔ "بظاہر تمہاری وہاں سے اتنی جلد گلو خلاصی کے آثار نہیں تھے۔"

"ہاں۔" وہ میری طرف جھک آیا۔ "تم آج بے فکر ہو کر آرام کرلو۔ کل رات ایک مہم درپیش ہوگی۔ اسلام آباد کے تمام معاملات میں اپنے کمانڈر کو سونپ آیا ہوں۔ انہیں نمٹانے کے لیے شاید میری ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"کل رات کی مہم کی نوعیت کیا ہوگی؟" میں نے تجسس کے ساتھ سوال کیا۔

اس نے ایک نظر سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ویرا نے اسلام آباد کے واقعات کے بارے میں ان لوگوں کو بریفنگ دے دی ہے اور شاید یہ بھی بتا دیا ہے کہ البرٹو ۔یلیسا' کرنل جیسی جونز کے لیے کام کررہا تھا....."

"اگر کوئی خفیہ بات کرنی ہو تو میں باہر چلا جاتا ہوں۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے فوراً ہی پیشکش کرڈالی۔ "بعد میں اندر لوٹ آؤں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ ظفر کے روپ میں البرٹو ۔یلیسا کیا کچھ کررہا تھا۔"

"بے وقوف ہو تم۔" اول خان ہنس کر بولا۔ "میرے کہنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ مجھے پرانی باتوں کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ہر بات سے واقف ہو۔ ٹیلی فون کے محکمے میں اولیانو کا فیکس منقطع کرکے 'اس نمبر پر جو خفیہ مشین لگائی گئی تھی' اس پر آج ہی ظفر کے نام ایک گمنام پیغام آرہا ہے جو پرانے پیغام کے تسلسل میں ہے اور اسی رسم الخط میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے مطابق پیغام دینے والا پرواز نمبر ایل ایچ آٹھ سو بارہ سے کراچی آیا ہے۔ اس کے استقبال کے لیے ہمیں ہوائی اڈے پر پوری طرح تیار رہنا ہوگا۔"

"یہ تو لفت ہنسا کی پرواز ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرینکفرٹ سے آرہی ہوگی۔"

"لیکن ضروری نہیں کہ پیغام دینے والا کوئی جرمن ہی ہو۔ وہ لندن یا کسی اور شہر سے بھی فرینکفرٹ کے راستے آسکتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں اس کی آمد کی اطلاع مل گئی ہے لیکن ہم اس کے نام اور قومیت سے لاعلم ہیں۔ ایسی صورت میں ہم اس پرواز سے آنے والے متعدد مسافروں میں سے اسے کیسے تلاش کرسکیں گے؟"

"تمہارے ریکارڈ سے کرنل جیسی جونز اور اس کے آدمیوں کے بارے میں کیا معلومات حاصل ہوسکتی ہیں؟"

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے مایوسی کے ساتھ کہا۔ "اس کے بارے میں مختصر کوائف ہمارے ریکارڈ میں ضرور موجود ہیں لیکن تفصیل نہیں ہے۔ دراصل وہ ایشیائی ملکوں کی طرف متوجہ ہی نہیں تھا اس لیے شاید اس کے بارے میں زیادہ کام کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔"

"اس ناکافی پیغام کا مطلب ہے کہ البرٹو اسے پہچانتا تھا۔" سلطان شاہ بولا۔

"وہ تو بہت سے لوگوں کو پہچانتا ہوگا لیکن وہ جہنم واصل ہوچکا ہے اور ہم اندھیرے میں ہیں۔"

"پھر یہ ضروری بھی نہیں کہ کرنل جیسی جونز خود ہی یہاں آرہا ہو۔" سلطان شاہ نے اس مسئلے پر دماغ سوزی شروع کردی تھی۔

"وہ مبہم پیغام اس کے کسی آدمی کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے۔"

"ان خامیوں کی وجہ سے ہم یہ موقع ضائع نہیں کرسکتے۔" میں نے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "ہمیں کل ائرپورٹ پر وقت دینا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی کسی بوکھلاہٹ کی وجہ سے خود ہی ہماری نظروں میں آجائے۔"

"اس بارے میں ایک اور امکان پر غور کیا گیا تھا کہ فرینکفرٹ سے اس پرواز پر سوار ہونے والے مسافروں کے امیگریشن کارڈز کی تفصیلات حاصل کرلی جائیں۔ طیارے میں بورڈنگ مکمل ہونے سے یہاں پرواز پہنچنے تک سات آٹھ گھنٹے کا وقت مل جاتا ہے۔ جب کہ فیکس پر مطلوبہ معلومات چند منٹ میں یہاں آسکتی ہیں لیکن یہ راستہ بھی قابلِ عمل نہیں ہے۔" اول خان اس بارے میں گہرے اضطراب میں مبتلا نظر آرہا تھا۔

"یہ تجویز جاندار معلوم ہوتی ہے۔ طیارے پر سوار ہونے سے پہلے' امیگریشن کارڈ میں سفر کی پچھلی اور اگلی منازل کے علاوہ سفر کا مقصد بھی درج کرنا ہوتا ہے۔ ان کوائف سے بھی کوئی نہ کوئی سراغ مل سکتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مسافروں کے ناموں کی مکمل فہرست اور ان کی قومیتیں معلوم ہوسکتی ہیں۔" میں نے مسرت کا اظہار کیا۔

"ایسا ریکارڈ کسی قیمت پر نہیں مل سکتا۔" اول خان کے

جواب نے میری امیدوں پر اوس ڈال دی۔ "جب سے ہائی جیکنگ وغیرہ کی وارداتوں میں اضافہ ہوا ہے۔ غیر ملکی کمپنیاں ایسے ریکارڈ کو انتہائی خفیہ رکھنے لگی ہیں۔ کسی خاص مسافر کا نام ہی پوری پرواز کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ اپنے مطلوبہ شخص کو راہ سے ہٹانے کے لیے عالمی دہشت گرد یا کسی خاص ملک کے سیکرٹ ایجنٹ طیارے کو دورانِ پرواز اُڑانے کی کوشش بھی کرسکتے ہیں۔ طیارے کے منزلِ مقصود پر پہنچنے تک ایسا ریکارڈ خفیہ اور سیل رکھا جاتا ہے۔ اس اصول سے استثنیٰ حاصل کرنا ناممکنات میں سے ہے۔"

"اس بارے میں صبح بات ہوگی۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "میرے لیے آج کا دن بہت لمبا ہوگیا ہے اور تم کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔"

غزالہ نے کھانے کے لیے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن اس نے مسکرا کر اسے یاد دلایا کہ اس کی بیوی بھی گھر پر اس کا انتظار کررہی ہوگی جب کہ مجھے غزالہ کی توجہ کی ضرورت تھی۔ غزالہ لاجواب ہوگئی اور اول خان رخصت ہوگیا۔

"تم نے اپنے شبہات کو حقیقت ثابت کرکے ہی دم لیا۔" کھانے کی میز پر غزالہ نے بات چھیڑی۔ "ویرا نے البرٹو ویلیسا کے بارے میں جو ڈراؤنی کہانیاں سنائی ہیں' ان سے دل دہل کر رہ گیا ہے۔ اس خبیث آدمی نے بے چارے ظفر کا نہ جانے کیا حشر کیا ہوگا۔ اس کا تو اب کچھ پتا ہی نہیں چل سکتا۔"

"اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ظفر کی اصلیت پر سب سے پہلے ڈینی نے شبہ ظاہر کیا تھا۔" ویرا نے کھلے دل کے ساتھ اعتراف کیا۔ "میرا تو ذکر ہی الگ ہے' اول خان بھی ڈینی کے خیال سے متفق نہیں تھا۔"

"حالانکہ اس شبے کی بنیاد تم نے ڈالی تھی۔ ظفر اور البرٹو ویلیسا کے قریبی شباہت کا علم ہونے کے بعد ہی میں نے اس کی حرکتوں کا تنقیدی جائزہ لینا شروع کیا تھا ورنہ یہ بات آج بھی سامنے نہ آتی۔"

ویرا میری طرف دیکھتے ہوئے ہنس پڑی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری کھوپڑی میں کوئی ریڈار لگا ہوا ہے جو ہروقت اور ہر سمت میں کام کرتا رہتا ہے۔ شی سے بغاوت کے بعد تمہاری سوچ ہی بدل کر رہ گئی ہے۔"

غزالہ کو ان باتوں سے زیادہ البرٹو ویلیسا کی سنسنی خیز سرگرمیوں میں دلچسپی تھی۔ اس نے فوراً ہی گفتگو کا رخ اپنے پسندیدہ موضوع کی طرف موڑتے ہوئے پوچھا۔ "دھماکے سے پھٹنے والے ان بندروں کا کیا بنا جن کے جسموں میں بالکل نئی قسم کے طاقتور کیمرے لگے ہوئے تھے؟"

"کچھ دھماکوں سے پھٹ گئے۔ جو زندہ ہیں ان کی حفاظت کی جارہی ہے تاکہ ان کی کاٹ چھانٹ کرکے ان کیمروں کی اصل کارکردگی کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اس کام کے لیے باہر سے آنے والے کسی ماہر کا انتظار ہے۔"

"سردار پائندہ گل کے آدمیوں کی طرف سے نگرانی اور ڈرانے دھمکانے کا سلسلہ شروع نہ ہوگیا ہوتا تو شاید تم ابھی تک اسلام آباد ہی میں بیٹھے رہتے؟" غزالہ نے شکایت بھرے انداز میں سوال کیا۔

"میں وہاں بھی مصروف تھا۔ تم ویرا سے پوچھ سکتی ہو کہ ہماری کتنی راتیں بھاگ دوڑ میں برباد ہوئی ہیں۔"

غزالہ ہنسنے لگی۔ "تم دونوں ہروقت یک زبان رہتے ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ ویرا تمہاری بات کی تائید کرے گی۔ آخر کو وہ بھی اسلام آباد میں تمہارے ساتھ ہی رہ رہی تھی۔ تمہارے ساتھ یہ بھی بھاگتی دوڑتی رہی ہوگی۔"

ویرا نے اس کے جملوں میں پوشیدہ طنز کو بھانپ لیا اور تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ ڈینی مجھ سے اپنا مطلب نکالنے کے باوجود مجھ سے بہت سی باتیں پوشیدہ رکھتا ہے اور میں پوری کوشش کے باوجود ان باتوں سے لاعلم ہی رہتی ہوں۔ میرا یہ حال ہے کہ میرے کارڈز ہروقت تمہارے سامنے رہتے ہیں۔"

میں اس کا اشارہ سمجھ گیا لیکن مجھے اپنی مدافعت میں کچھ نہ کچھ کہنا ہی تھا۔ "ہوسکتا ہے کہ بعض اوقات تم کو ایسا محسوس ہوتا ہو لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ میں دیدہ و دانستہ تمہیں اندھیرے میں رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کرتا۔ تم حساس ترین معاملات میں بھی میرے اہم رازوں میں شریک رہی ہو۔"

"جب تم چاہتے ہو تو مجھے ہم راز بنالیتے ہو اور جب چاہتے ہو بالکل الگ کردیتے ہو۔" ویرا میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اب تم سردار پائندہ گل والے واقعے کو ہی لے لو۔ اگر مجھے مجبوراً اول خان سے رجوع نہ کرنا پڑتا تو میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوپاتا کہ ان واقعات کا تعلق مافیا اور ٹریڈ لائن پر آنے والی تباہی سے ہے۔ اول خان نے بھی اپنی جھونک میں کچھ باتیں بتادی تھیں لیکن جوں ہی اسے میری لاعلمی کا احساس ہوا' اس نے سختی کے ساتھ اپنی زبان بند کرلی۔ مجھے یہ بتاؤ کہ بائیس لاکھ کی ہیروئن سے تمہارا کیا تعلق تھا؟ کیا تم مافیا کی تباہی کے بارے میں اسی قدر معصوم اور بے خبر تھے جتنا خود کو ظاہر کرتے رہے تھے؟"

"ٹریڈ لائن پر کارروائی والی رات میں گھر سے ضرور غائب تھا لیکن میرا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ خالص پولیس ایکشن تھا جس میں ایس ٹی ایف والوں کی مدد لی گئی تھی۔ یہ بھی مجھے بعد میں معلوم ہوا تھا۔"

"میرا اندازہ ہے کہ تم نے مافیا کی صفوں میں اپنی جگہ پیدا کرکے اُن کی گردن کٹوائی ہے۔"

"تمہاری سوچ پر میں پابندی نہیں لگا سکتا لیکن تم خود سوچو کہ جب میں نے ہیروئن کے کاروبار میں شی والوں کی کھلی مخالفت مول

لی تھی تو میرے مافیا میں شامل ہونے کا کیا جواز تھا؟"

"شی کے بعد ان کے قدم اکھاڑ پھینکنے کے لیے تم کچھ بھی کرسکتے ہو۔ تم شاید بھول گئے ہو کہ ابتدا میں مافیا والوں نے میرے خلاف تمہاری بھرپور مدد کی تھی اور میں ان واقعات سے پوری طرح باخبر ہوں۔"

"پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ میں نے ان کی پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا۔" میں اپنے موقف پر اڑا رہا۔

"ہوسکتا ہے کہ تم نے ان سے کوئی خفیہ سازباز کرلی ہو۔ اب تو میں یہ بھی سوچنے پر مجبور ہوگئی ہوں کہ مکاؤ میں تمہاری موجودگی کے دوران میں مافیا کے ڈان نیشی کاؤ کا قتل کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ مافیا کو نقصان پہنچانے کے لیے تم ہی نے لوہ سارا منصوبہ تیار کرکے نیشی کاؤ کو ہلاک کیا ہو۔"

"دل میں شبہات گھر کرجائیں تو دوراز کار امکانات بھی حقیقت کا روپ دھارتے نظر آنے لگتے ہیں۔" میں نے تناؤ دور کرنے کے لیے اس کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا۔ "تھوڑی دیر میں تم یہ بھی کہہ سکتی ہو کہ پاکستان میں کھونہ کی بنیاد میرے ہی ایما پر رکھی گئی تھی تاکہ میں اس کے بہانے البرٹو کو مرواسکوں۔"

"بات کو مذاق میں ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔" اس کی سنجیدگی میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔ "مجھے اپنے سوالات کے جوابات درکار ہیں۔ میں احمق نہیں ہوں جو یک طرفہ طور پر ہمیشہ تمہارا ساتھ دیتی رہوں گی۔"

"تم نے ابھی تک کوئی ڈھنگ کا سوال ہی نہیں کیا جو میرے کسی جواب کی ضرورت ہو۔"

"جب تمہارا مافیا سے کوئی تعلق نہیں تھا تو سردار پائندہ گل کے آدمی بائیس لاکھ روپے کی ہیروئن کے سلسلے میں تمہارے پیچھے کیوں لگے تھے؟ پائندہ گل کوئی اناڑی آدمی نہیں ہے' ہیروئن کے بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے اور وہ اپنے دھندے کے اسرار و رموز کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہے۔"

"یہ درست ہے کہ اس نے بائیس لاکھ کی ہیروئن مافیا والوں کو ادھار دی تھی۔" میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "ٹریڈ لائن کی بربادی کے بعد وہ اپنی ڈوبی ہوئی رقم کی بازیابی کے لیے میدان میں اترا تو اسے علم ہوا کہ ایک زمانے میں مافیا میری بھی سرگرم طرفدار رہی ہے۔ مافیا کے حمایت یافتہ لوگوں میں سے میرے علاوہ کوئی اور نام اس کے سامنے نہیں تھا اس لیے وہ میرے پیچھے لگ گیا۔ بس یہ سارا قصہ یہیں سے شروع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اس میں کوئی جان نہیں تھی۔"

اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر مجھے گھورا پھر سختی سے بولی۔ "دیکھو' تم مجھے باتوں میں اڑانے کی کوشش نہ کرو۔ میں پھر کہہ رہی ہوں کہ میری کھوپڑی سنک گئی تو ہم دونوں ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کی دوستی سے محروم ہوجائیں گے۔ گہری دوستی کے بعد ہونے والی دشمنی بہت خون آشام اور لرزہ خیز ہوتی ہے۔"

اس کی آنکھوں سے مترشح کبیدگی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

"تم دونوں تو واقعی لڑنے کے موڈ میں معلوم ہوتے ہو۔" غزالہ نے بڑھتی ہوئی تلخی کا اندازہ لگاتے ہوئے ہماری گفتگو میں دخل دیا پھر ویرا سے مخاطب ہوگئی۔ "سچ بات یہ ہے کہ ڈینی نے مکاؤ کے بارے میں تم سے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ نیشی کاؤ کے قتل کی دیدہ دلیرانہ واردات پر ہر شخص حیران رہ گیا تھا۔ اس وقت تو ہم تینوں تو ڈون کوانگ فو کے آدمیوں کی کڑی نگرانی میں تھے۔"

"میرا مشورہ ہے کہ تم میرے اور ڈینی کے جھگڑے میں دخل نہ دو۔" ویرا نے بہت حلیمی کے ساتھ غزالہ کو مشورہ دیا۔ "تم ڈینی کو ایک سعادت مند بیوی کی نظروں سے دیکھتی ہو اس لیے تمہیں اس کی ہر سچی اور جھوٹی کہانی پر یقین آجاتا ہے۔ بعض اوقات تم اس کی صداقت پر شبہ کرتے ہوئے بھی اپنا یقین ظاہر کرنے پر مجبور ہوجاتی ہوگی لیکن میرا معاملہ مختلف ہے۔ میں نے اسے دوست اور دشمن کے ہر روپ میں آزمایا ہے اور میری اٹل رائے ہے کہ اس سے زیادہ مکار اور عیار شخص ملنا محال ہے۔ ہمیں اغوا کرنے والوں نے جو باتیں کی تھیں انہوں نے مجھے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ میرے بے ہوش ہونے کے بعد ڈینی نے ان سے کھل کر باتیں کی ہوں گی۔"

"میری ان سے زیادہ بات نہیں ہوئی۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔ "وہ مجھ سے بائیس لاکھ روپے یا اس ہیروئن کی واپسی کا مطالبہ کررہے تھے جو ٹریڈ لائن کے دفتر میں دی گئی تھی۔ میں اس قصے سے لاعلم تھا لیکن وہ کچھ سننے پر آمادہ نہیں تھے۔ مجھے ایک کمرے میں بھوکا پیاسا رکھا گیا تھا اور تم لوگوں کی طرف سے کارروائی شروع نہ ہوتی تو شاید وہ مجھے تشنگارا ولی روانہ کردیتے۔"

ویرا کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ ابھر آئی۔ "اپنی بھوک پیاس کی کہانی سنا کر مجھے متاثر کرنے کی کوشش نہ کرو۔ ہم لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے تب بھی تم نکل آنے میں کامیاب ہوجاتے۔ تم خود بتا چکے ہو کہ چھوٹے خان کی باغی محبوبہ نے تمہیں قید سے نکال دیا تھا۔"

"وہ موقع بھی اس وجہ سے پیدا ہوا کہ اول خان نے چھوٹے خان کو مذاکرات کے لیے بلالیا تھا۔ اس کی موجودگی میں تو جنت گل چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرسکتی تھی۔"

"ڈینی کے بارے میں تمہاری رائے بہت سخت ہے۔" غزالہ میز سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "اپنے پیچیدہ معاملات کو تم دونوں خود ہی بہتر طور پر نمٹا سکتے ہو۔ اس میں میری مداخلت بات بگاڑ سکتی ہے۔"

ویرا نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا پھر فوراً ہی سنجیدہ ہوکر میری طرف متوجہ ہوگئی۔ "تم مجھے یہ یقین دلانا چاہ رہے ہو کہ اس بار تم مسلسل اتفاقات کا نشانہ بنے رہے ہو۔ اتفاق سے پائندہ گل

نے تم سے ایک اچھوتا مطالبہ کر دیا اور اتفاق سے ٹریڈ لائن سے پکڑی جانے والی ہیروئن اول خان کی تحویل میں تھی اس لیے تمہاری رہائی یقینی ہوگئی ورنہ تم شنگار اویلی لے جائے جاسکتے تھے؟؟"

"بدقسمتی سے ایسا ہی ہوا ہے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ٹریڈ لائن سے ہیروئن برآمد ہوئی ہوگی اور وہ پولیس کے بجائے اول خان کے قبضے میں ہوگی۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ میری وہ بات سو فیصد درست تھی اس لیے میں نے اس میں مزید زور پیدا کرنے کے لیے مزید کہا۔ "تم چاہو تو اول خان کو حلف دے کر پوچھ سکتی ہو کہ میں کس حد تک سچا ہوں۔"

"یہ سب عقل میں نہ آنے والی باتیں ہیں۔" وہ الجھن میں جتلا ہونے لگی تھی۔ "میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ تم کسی نہ کسی طرح مافیا میں ملوث تھے اور اول خان نے تمہارے ہی ایما پر حبیب جیوانی کی گردن میں پھندا ڈالا تھا۔ پائندہ گل جانتا تھا کہ تم مافیا میں ہو اسی لیے اس کے آدمیوں کو تمہاری تلاش تھی مگر میں جانتی ہوں کہ میں اپنی چھٹی حس کے اس مشاہدے کو ثابت کرنے سے قاصر ہوں اس لیے مجھے تمہارا ہی راگ سننا پڑے گا۔"

"فرض کرو کہ سب کچھ اسی طرح ہوا ہوتا جیسے تم سوچ رہی ہو تو صورتِ حال کیا ہوتی؟؟"

"مجھے حبیب جیوانی ' مافیا یا نیشی کاؤ سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔" اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ "یہاں سے شی کا صفایا ہونے کے بعد انہیں بھی پنپنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اچھا ہوا کہ سب کچھ فنا ہوگیا۔ مجھے صدمہ صرف اس بات کا ہے کہ یہ ایک دو روز میں نہیں ہوا ہوگا۔ تم نے اس طویل عرصے میں مجھے اندھیرے میں رکھا۔ تم نے مجھے اعتماد میں لیا ہوتا تو شاید میں نے بھی تمہاری کچھ مدد کی ہوتی۔"

"اگر تم نتائج سے مطمئن ہو تو پھر غصہ تھوک دو۔" میں نے دھیمے سے کہا۔ "تم بلاوجہ میری طرف سے بدظن ہو رہی ہو۔ میں نے تمہارے ساتھ کافی عرصے سے دُہرا کھیل نہیں کھیلا ہے۔"

"اور جنت گل کے بارے میں بھی تم کچھ چھپا رہے ہو۔" وہ لمحہ بھر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے اپنے کھڑے کیے ہوئے محاذ سے پسپائی اختیار کر کے موضوع بدل دیا تھا۔ میں نے سلطان شاہ کی نظر بچا کر اسے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "میں غزالہ کے سامنے وہ مکالمے تو نہیں دہرا سکتا تھا جو اسے راہ پر لانے کے لیے ادا کرنے پڑے تھے۔ تم خود سمجھ سکتی ہو کہ جنت گل جیسی زخم خوردہ لڑکی کا دل محبت کی اداکاری سے ہی جیتا جاسکتا تھا۔ میں اس بات کے اعتراف میں کوئی عار نہیں سمجھتا۔"

"اس کی کہانی حیرت ناک طور پر میری زندگی سے ملتی جلتی ہے نہ جانے ہمیں بن بیاہی عورتوں کو ماں بنانے والے مرد ہر جگہ یکساں ظالم اور سفاک کیوں ہوتے ہیں؟ مجھے جنت گل سے ہمدردی محسوس ہونے لگی ہے۔"

"اس کے بارے میں ہم پھر کبھی بات کر سکتے ہیں۔ میں غزالہ کے سامنے اس موضوع پر زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "وہ میری طویل غیر حاضری سے ویسے ہی اکھڑی ہوئی ہے۔"

ویرا نے میری بات مان لی اور سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگئی۔

ویرا اور جنت گل میں یہ مشابہت تھی کہ وہ دونوں اپنے اپنے باپ کی ایسی ناجائز اولادیں تھیں جنہیں کھلے دل سے تسلیم نہیں کیا گیا تھا لیکن میرے نزدیک وہ بات صرف مشکوک نسبی پس منظر کی تھی۔ اس اعتبار سے وہ موضوع غزالہ کے لیے بھی تکلیف دہ ہوسکتا تھا جب کہ میں اس کے پرانے زخموں کو کُریدنے سے ہمیشہ گریز کرتا رہا تھا۔

غزالہ کو قدرت نے ماں اور باپ' دونوں ہی کے شفقت آمیز سائے سے نوازا تھا لیکن میں اچھی طرح جانتا تھا کہ غزالہ کو اندر ہی اندر یہ کرب کھاتا رہتا تھا کہ اس کی ماں کا تعلق دنیا کے اس قدیم ترین بازار سے تھا جہاں جسموں کی خوبیاں دکھا اور گنوا کر سالم عورتوں کے مول چکائے جاتے ہیں۔ کرنل زوار زیدی نے شمع کو اس بازارِ خرافات سے اٹھا کر' اپنی بیوی بنانے کا پُرعزم فیصلہ کر کے ناقابلِ بیان اخلاقی جرأت کا ثبوت دیا تھا لیکن اس بے چارے کو اپنی اس جرأت کے نتیجے میں اپنے پورے خاندان کی نفرت کا نشانہ بننا پڑ گیا تھا۔ شمع پر ماضی کے طعنوں کے ساتھ ہر گھر کے دروازے بند کر دیے گئے اور اس عورت کو اپنا غم بھلانے کے لیے نشے کے سمندر میں پناہ لینی پڑی۔ پھر ماں کا یہی نشہ' اس کے اکلوتے بیٹے کامران کی دیوانگی کا سبب بن گیا۔ رشتے داروں کی نفرتوں کا نشانہ بننے کے بعد وہ گھرانا اپنے ہی خول میں مست رہنے کا عادی ہو چلا تھا کہ کامران کی دیوانگی نے شمع کو دن رات نشے میں رہنے پر مجبور کر دیا تاکہ وہ اپنے احساسِ جرم سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ پھر ایک دن اسی نشے نے اسے موت کی دہلیز پار کرا دی۔ کرنل زوار زیدی نے دل شکستگی کے عالم میں خودکشی کر لی۔ غزالہ میری پناہ میں تھی اور جب اس کا بھائی کامران بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تو غزالہ کے دل کے زخم اور گہرے ہوگئے۔ رشتے داروں نے پھر بھی پلٹ کر اس کی خبر نہیں لی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ کرب اور انتہا مایوسی کے عالم میں ایک بار اس نے کہا تھا کہ انسان خدا کو ناراض کر کے اس کی زمین پر سدا سکھی رہ سکتا ہے لیکن اپنے جیسے انسانوں اور رشتے داروں کی مرضی سے انحراف کرنے کے بعد وہ زندگی بھر تڑپتا اور بلبلاتا ہی رہتا ہے۔ میں غزالہ کے سامنے جنت گل کی کہانی چھیڑ کر ان زخموں کو ہرا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ویرا ہاتھ دھونے کے لیے اٹھی تو غزالہ چائے کی ٹرے لے

آئی۔ جب سے میں واپس آیا تھا' اسے تنہائی میں مجھ سے بات کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ دوسروں کے سامنے وہ مجھ سے کھل کر کوئی بات نہیں کرسکتی تھی۔ وہ مجھ سے ذرا سی بھی زبان کھولتی تو سلطان شاہ اور ویرا کو اس کا مذاق اڑانے کا موقع مل جاتا۔ ویرا نے اسے میری بیوی تسلیم ضرور کرلیا تھا کیونکہ اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ وہ ایک ٹھوس اور کھلی حقیقت تھی جس سے انحراف کرکے وہ خود تحقیر و استہزا کا نشانہ بن سکتی تھی لیکن اس کے دل کے نہاں خانوں میں' غزالہ کی طرف سے کوئی خلش پھانس بن کر چبھی ہوئی تھی۔ ویرا خاص طور پر ہروقت غزالہ کی گھات میں لگی رہتی تھی اور اسے جب بھی کوئی بہانہ ہاتھ لگ جاتا تو وہ غزالہ کا مذاق اڑا کر اپنے دل کو تسکین پہنچانے کی کوشش کرتی تھی۔ ایسے ہر موقع پر غزالہ کا رویہ مفاہمت آمیز اور باوقار ہوتا تھا۔ وہ ویرا کا کڑوے سے کڑوا مذاق بھی ہنس بول کر ٹال دیتی تھی کیونکہ اسے میرے اور ویرا کے نازک تعلقات کا بخوبی علم تھا۔

اس وقت بھی غزالہ اپنے چہرے پر خلیقانہ مسکراہٹ سجائے' خاموش ہی تھی لیکن وہ جن نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی ان میں شکووں اور شکایات کے پورے دفتر کھلے نظر آرہے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ کمرے میں پہنچتے ہی مجھے اس طرح گھیرے گی کہ میرے لیے جواب دہی مشکل ہو کر رہ جائے گی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ میری واپسی سے تمہیں زیادہ خوشی نہیں ہوئی ہے۔" میں نے ویرا کی غیر حاضری کی وجہ سے' اسے اپنے دل کا غبار قدرے ہلکا کرنے کا موقع دینے کی نیت سے چھیڑا۔

"ایسی ویسی خوشی؟" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ "میں تو حیران ہوں کہ تم جنت گل کے ہوتے ہوئے بھی اتنی جلدی واپس لوٹ آئے۔ وہاں چند روز تو بہت آرام اور بے فکری کے ساتھ گزار سکتے تھے۔"

"یہ واقعی حیرت کی بات ہے۔" سلطان شاہ نے میری ٹانگ کھینچنی ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔ "ہماری قسمت میں بے تحاشا بڑھی ہوئی' وحشت ناک داڑھیوں والے افغان بدمعاش تھے جو دور دور سے ہتھیار لہرا لہرا کر ہماری جان نکالے دے رہے تھے اور تم وہاں پہنچے تو ان وحشیوں میں جنت گل جیسی لڑکی بھی آموجود ہوئی۔"

"وہ کوئی حور یا پری نہیں تھی۔" میں نے غصیلی آواز میں کہا۔ "بس ایک لڑکی تھی اور ان بدمعاشوں کی ساتھی تھی۔ میں نے اس کے کون سے قصیدے پڑھے ہیں جو تم میرے مقدر پر رشک کررہے ہو؟"

"اس پر برسنے کی ضرورت نہیں۔ اصل بات تو میں کروں گی۔" سلطان شاہ کی چھیڑی ہوئی غزل کا اگلا مصرعہ غزالہ نے الاپنا شروع کردیا۔ "اس وقت میں ویرا کی موجودگی کی وجہ سے تمہارا لحاظ کررہی ہوں۔"

"میرا کیا ذکر ہو رہا ہے؟" اپنے کمرے سے ویرا کی آواز آئی۔ غزالہ کی آواز دھیمی ہونے کے باوجود اس کے کانوں میں اپنا نام ہی گیا تھا۔

"غزالہ کو تمہاری غیر موجودگی میں یہاں مزہ نہیں آرہا تھا۔" میں نے غزالہ کو گھورتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔ "یہ بھی اب تمہاری صحبت کی عادی ہوتی جارہی ہے۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

"کمال ہے۔" ویرا ہمارے قریب آکر' آنکھیں مٹکاتے ہوئے بولی۔ "میں کب سے یہاں آئی ہوئی ہوں لیکن غزالہ نے اس بارے میں مجھ سے تو ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ کہہ دیتی تو میرا بھی دل بڑھ جاتا۔"

"اپنی تعریف سن کر تمہارا دماغ خراب ہوسکتا تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "ویسے بھی کل تمہاری کنپٹی دکھ رہی ہوگی۔"

"اور ہاں' جہانگیر کو بھی فون کرلینا۔" غزالہ نے چونکتے ہوئے کہا۔ "تین چار دن پہلے اس کا فون آیا تھا۔ سلمٰی بھی ہم لوگوں کی بے مروتی کا بہت گلہ کررہی تھی۔ کسی دن وہاں چکر لگانا پڑے گا۔"

"چاہو تو میں بھی تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں۔" ویرا نے ڈھٹائی کے ساتھ پیشکش کی۔

"معاف کرو!" میں نے اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ "تم نے ان کے اکلوتے بچے کو اغوا کرکے انہیں دیوانگی کی حد تک پہنچا دیا تھا۔ وہ تمہاری صورت دیکھتے ہی دہشت سے بے ہوش ہوسکتے ہیں۔"

"خدا کی قدرت ہے کہ میری ایک صورت میں ایسے ایسے کمال پوشیدہ ہیں۔ غزالہ کو میرے بغیر چین نہیں آتا' سلطان شاہ کا بلڈ پریشر بڑھنے لگتا ہے' تمہیں شاید کچھ بھی نہیں ہوتا اور جہانگیر کو دہشت ہونے لگتی ہے۔"

"اپنے چکروں میں مجھے نہ گھسیٹا کرو۔" سلطان شاہ منہ بنا کر بولا۔ "میں نے بہت عرصے سے تمہارے ساتھ ہنسی مذاق بند کیا ہوا ہے....."

"یہ اطلاع ہے تو اس کا بہت بہت شکریہ۔" ویرا اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔ "شکایت ہے تو میری طرف سے کھلی اجازت ہے۔ تم اسی وقت ہنسی مذاق بلکہ ہاتھا پائی بھی شروع کرسکتے ہو۔"

میں ان دونوں کو ایک دوسرے سے الجھتا ہوا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ غزالہ مجھے یاد نہ بھی دلاتی تو میرے لیے جہانگیر سے رابطہ کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہمارے پاس گزارے کے لیے قلیل سی رقم رہ گئی تھی جب کہ جمی لائیڈ کی کن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی خطیر رقم سلمٰی کی تجوری میں بطور امانت رکھی ہوئی تھی اور میں حسبِ ضرورت وہیں سے چھوٹی چھوٹی رقوم نکالتا رہا تھا۔

میں نے دیوار گیر الماری کے مقفل خانے میں موجود رقم گنی تو پانچ ہزار روپے سے بھی کم رہ گئی تھی۔ کوئی ہنگامی ضرورت پیش آنے پر وہ رقم ایک جھٹکے کے لیے بھی ناکافی تھی جب کہ میرے علاوہ غزالہ اور سلطان شاہ کا انحصار بھی اسی خانے پر تھا۔

○☆○

اگلی صبح کا آغاز خاصے ناخوشگوار انداز میں ہوا۔ میں غزالہ کے شکوے اور شکایات سے نمٹ کر دیر سے سویا تھا اس لیے اس وقت آنکھیں کھولنے کو طبیعت نہیں چاہ رہی تھی لیکن دروازے پر ہونے والی تیز دستکوں کے جواب میں، میں نے بستر پر پڑے پڑے زور سے آواز لگائی تو مجھے باہر سے سلطان شاہ کی آواز سنائی دی۔

"باہر آؤ۔ تمہارا ٹیلی فون ہے۔" وہ اونچی آواز میں مجھے اطلاع دے رہا تھا۔

"کہہ دو کہ میں سو رہا ہوں۔ بعد میں فون کرلوں گا۔" میں نے کروٹ بدل کر جھلاہٹ کے ساتھ کہا۔

"وہ کہتا ہے کہ میں تمہیں اٹھادوں۔ اسے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ پشاور سے پائندہ گل بول رہا ہے۔"

پائندہ گل کے نام نے میری نیند اڑادی اور میں ہڑبڑا کر بستر سے نیچے اتر آیا۔ اس اثنا میں غزالہ بھی بیدار ہوچکی تھی۔

میں دروازہ کھول کر اسی حالت میں باہر نکلا اور ڈرائنگ روم میں پہنچ کر، میز پر رکھا ہوا ریسیور اٹھالیا۔

"کون بول رہا ہے؟" میری ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے بھاری اور تحکم آمیز آواز سنائی دی جو میرے کانوں کے لیے اجنبی نہیں تھی کیونکہ میں عبدالرحیم خان کے فلیٹ سے سردار پائندہ گل سے بات کرچکا تھا۔

"بات کرو۔ میں ڈینی بول رہا ہوں۔ تم نے مجھے گہری نیند سے بیدار کرایا ہے۔" میں نے نیند کی جھونک میں، اس سے ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر، جھلا کر کہا۔ اس وقت میں اُس کا قیدی یا یرغمالی نہیں تھا جو دب کر بات کرتا۔

"تمہیں اپنی آزادی مبارک ہو۔" سردار پائندہ گل کی آواز سرد اور چبھتی ہوئی تھی۔ "لیکن مجھے تمہاری آزادی کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ میرا بھانجا اپنے گھر میں مُردہ پایا گیا ہے۔ تم بھی اسی گھر میں لے جائے گئے تھے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کو اس قتل کے بارے میں کچھ معلوم ہے یا تم اسے زندہ چھوڑ کر آئے تھے؟"

"اس کے قتل میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے....." میں نے لاشعوری طور پر اپنی صفائی پیش کرنی شروع کردی لیکن اس نے نہایت سردمہری کے ساتھ میری بات وہیں کاٹ دی۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہارے وارثوں نے میری مانگ پوری کر دی تھی۔ عبدالرحیم خان کا آدمی رات کے جہاز سے مال لے کر میرے پاس پہنچ چکا تھا۔ اسی کے بعد کی خبر ہے کہ مرحوم کو کسی نے گولی ماردی۔ میری مانگ پوری ہونے کے بعد تمہیں آزاد ہوجانا تھا۔ تم اسے نہیں مار سکتے۔ مجھے اتنا بتادو کہ تم نے کس وقت اسے زندہ چھوڑا تھا؟"

وہ بہت سیدھا اور آسان سا سوال تھا لیکن میرے بدن میں بیک وقت سیکڑوں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اس آسان سوال کے جواب پر سردار پائندہ گل کے ردِعمل کا دارومدار تھا۔

میرے اور جنت گل کے علاوہ، اس قتل کا کوئی چشم دید گواہ نہیں تھا۔ میں آزاد اور خود مختار تھا۔ جنت گل روپوشی اختیار کرچکی تھی۔ میرے لیے بہت آسان تھا کہ میں عبدالرحیم خان کو زندہ چھوڑ آنے کا ذکر کرکے اپنی ذات کو اس جھگڑے سے بالکل الگ کر لیتا لیکن جنت گل، سردار پائندہ گل کو رسوا کرنے کی مہم پر نکلی ہوئی تھی۔ اس کے انتقام کا محور میری ذات پر قائم تھا کیونکہ میں ہی چھوٹے خان کا یرغمالی تھا اور وہ سردار پائندہ گل کے ایک یرغمالی کو اپنی سیج سے لذت آشنا کرانے کے حوالے سے اسے بدنام کرنے کا عزم رکھتی تھی۔ وہ پنچی میں آکر لوگوں کو یہ بھی بتاسکتی تھی اس نے چھوٹے خان کو اسی یرغمالی کے سامنے ہلاک کیا تھا۔ جنت گل کے ذریعے سچ سامنے آتا تو سردار پائندہ گل پر میرا جھوٹ کھل جاتا۔ وہ ہٹ دھرم اور منتقم مزاج آدمی تھا۔ اس ایک جھوٹ پر ہی اپنے پورے قبیلے کو میری بیخ کنی پر مامور کرسکتا تھا اور میں اس ناپسندیدہ صورتِ حال سے بچنا چاہ رہا تھا۔

میں نے لمحوں ہی لمحوں میں وہ تجزیہ کرکے، بہت احتیاط سے سچ بولنے کا فیصلہ کرلیا۔

"تم ٹھیک سوچ رہے ہو۔ وہ میری آزادی کا پیغام لے کر آیا تو زندہ تھا مگر میں وہاں سے نکلا تو وہ اپنے آخری سانسوں پر تھا۔ اس کی پشت میں میرے سامنے گولی ماری گئی تھی۔"

"اس کا قاتل کون تھا؟" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر سرد اور دھیمی آواز میں پوچھا۔

"جنت گل۔" میں بس اسی قدر کہہ سکا کیونکہ سردار پائندہ گل نے کسی وحشی بھینسے کے ڈکرانے کے انداز میں، حلق کے بل وہی نام دہرایا تھا۔

"کہاں گئی وہ؟ مجھے اس کے بارے میں بتاؤ!" اس کی آواز میں انتقام کی تڑپ پیدا ہوگئی۔

"مجھے کچھ نہیں معلوم کہ وہ وہاں سے نکل کر کہاں گئی۔ میں بالکل نہتا اور ان دونوں کا یرغمالی تھا۔ اس لیے ان کے آپس کے جھگڑے میں دخل نہیں دے سکا۔ چھوٹے خان کا خون دیکھتے ہی میں وہاں سے بھاگ نکلا۔"

"میں تمہارا احسان مند ہوں کہ تم نے مجھے میرے دشمن کے نام سے آگاہ کردیا۔ اب میں اسے خود دیکھ لوں گا۔" سردار پائندہ گل کی غصے سے کانپتی ہوئی اس آواز کے ساتھ ہی فون بے جان ہوگیا۔

میں مبہوت اور سحرزدہ انداز میں چند سیکنڈ تک ریسیور یوں ہی اپنے کان سے لگائے کھڑا رہا۔ پھر آہستگی سے اسے کریڈل پر رکھ دیا۔ غزالہ حیرت سے پلکیں جھپکاتی ہوئی میرے قریب کھڑی تھی۔

انسان کے دل میں گناہ کا پہلا بیج پھوٹتا ہے تو وہ بہت حسین اور بے ضرر نظر آتا ہے لیکن ہر گناہ پر لذّت کا ثمر سامنے آتا ہے تو انسان اندر سے دہل کر رہ جاتا ہے۔ جنّت گل بس تھوڑی دیر کے عیش و نشاط کا نام تھا۔ اس نے اپنے پری پیکر وجود کو ساری رعنائیوں کے ساتھ میرے سپرد کیا تو میرے مخمور ذہن میں یہ خیال سمایا ہوا تھا کہ بند دیواروں میں کچھ دیر کے لیے جنم لینے والی، حسن و جمال کی اس رنگین کہانی کا کوئی گواہ نہیں ہوگا اور میں خانوں کی تیار کی ہوئی اس فصل کی خوشہ چینی کر کے 'ارمان انگیز یادوں میں ڈوب جاؤں گا۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکے گا کہ وہاں کیا کچھ ہو چکا ہے لیکن چھوٹے خان کے قتل کے بارے میں سردار پائندہ گل کی آواز کی گھن گرج سن لینے کے بعد میرے معدے میں گرہیں سی پڑنی شروع ہو گئی تھیں۔

میں خان یا اس کے عتاب سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھا۔ مجھ پر اس لمحے یہ انکشاف ہوا کہ میں نے جنت گل کی سازش کا ایک فریق بن کر اپنے لیے بھی ذلت و رسوائی مول لے لی تھی۔ اچھائی اچھے انسانوں کے اردگرد بستی ہے اور ان کے دلوں میں پروان چڑھتی ہے لیکن بدی کی کوئی سرحدیں نہیں ہوتیں۔ اسے جہاں راہ ملتی ہے، وہ آکاس بیل کی طرح پھیلتی اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ جنت گل کی پھیلائی ہوئی کہانیاں پہاڑوں کے اس پار رہ کر سردار پائندہ گل کو ہی ذلیل و خوار کرتی رہتیں۔ وہ چھوٹے خان کا خون ہونے کے بارے میں مجھے فون کر چکا تھا تو اپنی عزت کا خون ہونے کے بعد دوبارہ بھی فون کر سکتا تھا۔ وہ میرے ساتھیوں کو سب کچھ بتا سکتا تھا۔ بس وہی ایک خوف تھا جس نے میرے وجود کو مروڑ کر رکھ دیا تھا اور میں غزالہ سے آنکھ نہیں ملا پا رہا تھا۔

"کیا کہہ رہا تھا، سردار پائندہ گل؟" باہر سے سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"اسے چھوٹے خان کے قتل کی خبر مل گئی ہے۔ اس پر لعنت بھیجو اور ناشتے کی تیاری کرو۔" میں نے ڈرائنگ روم سے باہر نکلتے ہوئے بے پروایانہ انداز میں کہا اور ان دونوں کے مزید سوالات سے بچنے کے لیے سیدھا غسل خانے میں گھستا چلا گیا۔

ناشتا کرتے ہوئے، میں نے میز پر پڑے ہوئے اخبارات کا سرسری جائزہ لیا تو ان میں مجھے پنڈی کا ایک پرانا اخبار بھی نظر آیا۔ میں نے متجسّانہ انداز میں اندر کے صفحات دیکھے تو سمجھ لیا کہ اوّل خان وہ اخبار ہمارے لیے ہی لایا ہوگا۔ اس میں شہباز خان کی عبرت ناک تصویر نمایاں انداز میں چھپی ہوئی تھی۔ وہ بالوں سے محروم چہرے کے ساتھ، بالکل برہنہ حالت میں کوڑے کے ایک بڑے ڈھیر پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے جسم کے کھلے ہوئے حصوں پر پٹیاں چھپی ہوئی تھیں۔ اسلام آباد کے بارسوخ شہباز خان کی دُرگت کس نے بنائی؟ اس دو کالمی سرخی کے نیچے سیاہ حاشیے میں چھپا ہوا متن بھی خبر نگار کی ذہانت کا شاہکار اور ذومعنی تھا۔ اس میں شہباز خان کے گہرے مراسم اور اس کے معروف و مقبول مہمان گھر کے حوالے سے اس کے ان نامعلوم دشمنوں پر ملامت کی گئی تھی جنھوں نے اسے اس حال کو پہنچایا تھا۔ اس ستم ظریف خبرنگار نے تصویر پر بس نہ کرتے ہوئے، شہباز کی لفظی تصویر بھی کی تھی جسے مضحکہ آرائی کے ساتھ ہی تشویش میں بھی شمار کیا جا سکتا تھا۔

اس دوران میں غزالہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر گھر کی مرّہ ضروریات کی خریداری کے لیے سلطان شاہ کے ساتھ نکل گئی تھی۔ میں نے ویرا کو اس تصویری خبر کی طرف متوجہ کیا تو وہ کسمسا مندانہ لہجے میں بولی۔ "میں دیکھ چکی ہوں۔ اخبار والے بھی بڑے چالاک ہوتے ہیں۔ اس خبر کے چھپنے پر شہباز خان ان کے خلاف غنڈہ گردی تو کر سکتا ہے، کوئی قانونی کارروائی نہیں کر سکتا۔ میں انتظار کر رہی ہوں کہ تم اخبار چاٹ کر فارغ ہو تو میں تم سے بات کروں۔"

"اب کیا بات باقی رہ گئی ہے؟" میں نے ایک روز پرانا اخبار دوبارہ میز پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"جنت گل۔" وہ مجھے چڑانے والے انداز میں مسکرائی۔ "تمہیں خوبصورت عورتیں ملتی ہیں تو بلا وجہ مہربان نہیں ہوتیں۔ اس نے بھی کسی خاص وجہ سے تمہیں چھوٹے خان کی قید سے بھگانے کی کوشش کی ہو۔"

فوراً ہی میرے ذہن میں ایک اچھوتا خیال کوندا اور میں نے فی الفور اس پر عمل کر گزرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے ماننا پڑے گا کہ اس بار تمہارا اندازہ بے بنیاد ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں غزالہ اور سلطان شاہ کو یہ بات کیسے بتا سکوں گا۔"

"فکر نہ کرو۔ یہ کام میں کرلوں گی۔ تم مجھے مقدّس راہب سمجھ کر میرے سامنے اعترافِ گناہ کرلو۔"

"جنت گل کو مجھ سے کوئی ہمدردی یا دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اور چھوٹے خان کی عزت ملیا میٹ کرنا چاہتی تھی۔"

"اور وہ تم نے کر دی؟" اس نے قطع کلامی کرتے ہوئے جواب طلب لہجے میں کہا۔

"اس نے میرے لیے فرار کی راہ نہیں چھوڑی تھی۔ انکار کی صورت میں اس نے مجھے گولی مار دینے کی دھمکی دی تھی۔ میرے لیے وہ ناقابلِ یقین اور عجیب و غریب صورتِ حال تھی۔ اگر میری مرضی یا پسند کا ذرا بھی دخل ہوتا تو میں تم سے اس کا اعتراف کر ہی نہیں سکتا تھا۔"

"تم سے کچھ بعید نہیں۔ تمہاری اپنی مصلحتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ تمہاری بہت سی حرکتوں کا مقصد کافی وقت گزرنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے۔ یہ بھی ایسی ہی کوئی چال ہو سکتی ہے۔" اس کی آنکھوں سے بے اعتباری عیاں تھی۔

"چالبازیاں دوسروں کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ اپنے گھر میں یہ سب نہیں چلتا۔ عبدالرحیم خان مرگیا' جنت گل روپوش ہوگئی۔ جلد یا بدیر پائندہ گل اسے پکڑ کر مرواہی ڈالے گا۔ مجھے کسی چال بازی کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

"یقین نہیں آتا کہ تم اتنے سیدھے بھی ہو سکتے ہو۔" وہ براہِ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑبڑائی پھر کسی خیال سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "اس بند کمرے میں جو کچھ ہوا وہ تمہارا اور جنت گل کا معاملہ تھا۔ جب تک پائندہ گل کو اس قصے کا علم نہیں ہوتا' اس کی عزت پر کیا حرف آئے گا؟ وہ اپنی برادری پر اسی طرح سرا ونچا کرکے سرداری کرتا رہے گا۔ جنت گل کو اس واقعے کی تشہیر کیے بغیر سکون مل ہی نہیں سکے گا۔ اس کہانی کو جتنی شہرت ملے گی' پائندہ گل اسی قدر ذلتوں کی دلدل میں دھنستا چلا جائے گا اور جنت گل کی انا کو تسکین ملتی رہے گی۔"

"میں تم کو یہی سمجھانا چاہ رہا تھا۔" میں نے اس کی نکتہ آفرینی پر ہنستے ہوئے کہا۔ "اس کے عزائم سے واقف ہونے کے بعد میں اس کے ساتھ ملوث ہونے کی حماقت کیسے کر سکتا تھا؟ میں اسی تشہیر اور رسوائی کے خوف سے اس سے بچ رہا تھا لیکن جب بات میرے قتل تک آگئی تو میں مجبور ہوگیا۔ تم اس بات پر دھیان دینے کی کوشش کیوں نہیں کر رہیں؟"

اس نے میری دکھتی رگ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ میں نے اپنی جوابی دلیل سے اسے الجھا ضرور دیا تھا لیکن اس کے ذہن میں وہ سب چبھ رہا تھا۔ میں نے اس کے ذہن میں بنے ہوئے تسلسل کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ایک لمبی تقریر شروع کر دی جس میں انسانی فطرت اور جذبوں سے لے کر رشتوں کے احترام اور خاندانی دشمنیوں کے خونیں نتائج تک کا گہرا تجزیہ شامل تھا۔ وہ پہلے صبر کے ساتھ میری باتیں سنتی رہی پھر خود بھی جوش و خروش کے ساتھ بحث میں الجھ گئی۔

کافی دیر بعد اس بحث کا اختتام ہوا تو وہ میرے اعتراف کی سچائی کی قائل ہو چکی تھی اور مجھ جیسے مرد کی جبری آبروریزی کا تصور کرکے' دل کھول کر قہقہے لگا رہی تھی۔ میں نے بہت عرصے کے بعد اسے یوں ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ میں خفت اور بے بسی کی اداکاری کرتے ہوئے احمقانہ انداز میں اسے دیکھتا رہا لیکن مجھے دل ہی دل میں اس بات کی خوشی تھی کہ میں نے کمال ہوشیاری کے ساتھ ویرا کو ادھورے اعتماد میں لے کر مستقبل کی راہ ہموار کرلی تھی۔ اگر سردار پائندہ گل کے ذریعے' جنت گل کی کہانی غزالہ تک بھی پہنچ جاتی تو میں ویرا کی گواہی پیش کرکے ندامت سے محفوظ رہ سکتا تھا۔

اس خوشگوار فضا کو دو رس بنانے کے لیے میں دیر تک ویرا کے ساتھ دنیا جہان کی باتیں کرتا رہا۔ پھر غزالہ بھی سلطان شاہ سمیت لوٹ آئی۔ وہ لوگ خورد و نوش کے سامان کے تھیلوں سے لدے پھندے ہوئے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اس فلیٹ میں آج کوئی پہلی تنخواہ لے کر آیا ہے۔" میں نے ہانک لگائی۔

"سردار پائندہ گل کے آدمیوں کے ہراساں کرنے کی وجہ سے ہم گھر ہی میں رہتے تھے۔" سلطان شاہ نے سامان میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اسی وجہ سے فریج بھی خالی ہو چکا ہے اور پھر فلیٹ کی آبادی بھی دو سے چار ہوگئی ہے۔ بے فکری سے وقت گزارنے کے لیے یہ کوٹا جمع کرنا ضروری تھا۔"

ویرا سامان کو اس کی جگہوں پر پہنچانے میں مدد کرنے لگی تو میں خاموشی سے اٹھ کر فون کی طرف چلا گیا۔

فون پر خلافِ توقع جہانگیر خود موجود تھا۔ میری آواز سنتے ہی وہ پھٹ پڑا اور میں خاموشی کے ساتھ اس سے برا بھلا سنتا رہا۔ جب اس کے دل کی بھڑاس نکل گئی تو میں نے اس سے گھر پر موجود رہنے کا سبب دریافت کیا اور اس نے اپنے کاروباری مسائل کا رونا شروع کر دیا۔ کپاس کے بحران کی وجہ سے دھاگے اور کپڑے کے دام بڑھ گئے تھے۔ بنکوں نے قرضوں کی فراہمی پر نئی پابندیاں عائد کر دی تھیں' بر آمدی قرضوں پر سود کی شرح بڑھادی گئی تھی' مہنگائی کی وجہ سے مزدوروں نے اپنی روز مرّہ اجرتوں میں از خود اضافہ کرلیا تھا' اپنی بات منوانے کے لیے وہ فاقے کرنے پر آمادہ تھے لیکن کم شرحوں پر مشینیں سنبھالنے پر تیار نہیں تھے اور ان سب مصائب کا خلاصہ یہ تھا کہ کئی دن سے اس کی ایس' جے گارمنٹ فیکٹری بند پڑی ہوئی تھی اور وہ گھر پر پڑا حالات کو کوس رہا تھا۔

"کچھ یہی حال میرا بھی ہے۔" اس کی بپتا ختم ہونے پر میں نے اپنی کتھا شروع کر دی۔ "کام اس قدر ہے کہ دن رات فرصت نہیں ہے۔ ایک پیر کراچی میں ہوتا ہے تو دوسرا اسلام آباد میں۔ پچھلا کام نمٹنے میں نہیں آتا کہ نیا کام سر پر سوار ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود کہیں سے آمدنی کی کوئی صورت نہیں بن رہی۔ جمع پونجی ختم ہونے کی نوبت آگئی ہے اور کل میں تمہارے پاس آرہا ہوں تاکہ سلمیٰ بھابی کے پاس رکھی ہوئی امانت میں سے کچھ رقم نکال سکوں۔"

"تم ایسا کون سا کام کر رہے ہو جس میں آمدنی کا حال اتنا خراب ہے۔" وہ میری باتیں سن کر حیران رہ گیا۔ "میں تو نامساعد حالات کے باوجود گھر کا خرچ فیکٹری سے ہی نکال رہا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے۔"

"میں تمہاری زبان سے یہی سننا چاہ رہا تھا۔ اب تم پکے کاروباری ہوگئے ہو۔ کوئی تمہاری خیر خواہی کرے تو نقصان اور بھر کی مصیبتوں کا ذکر لے بیٹھتے ہو۔ کوئی اپنا دکھ سنائے تو اپنی آمدنی

کے قصے سنا سنا کر اس کا خون جلانے پر تُل جاتے ہو۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں بس عیش ہی عیش کررہا ہوں۔ مفت کا ایک خزانہ ہاتھ آیا ہوا ہے تو مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے جو اپنی جان کھپاتا پھروں گا۔" میں نے بھنّائے ہوئے انداز میں کہا۔

"پھر اتنے دن سے کہاں غائب ہو؟" وہ فون پر ہی سب کچھ معلوم کرلینا چاہ رہا تھا۔

"سوشل ورک کررہا ہوں۔" میں نے جل کر کہا۔ "چاہو تو تمہارے لیے بھی کام پیدا ہو سکتا ہے۔"

"ناراض ہوگئے۔" کھسیانی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ "ہو'یہ سلمٰی بھی آگئی ہے۔ ذرا اس سے بات کرلو!"

سلمٰی کا نام سنتے ہی میری روح فنا ہوگئی۔ "کل آؤں گا تو بات کریں گے۔ فی الحال خدا حافظ۔" اپنی بات پوری کرکے میں نے پھرتی کے ساتھ فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔ میرے لیے ویرا اور غزالہ کی موجودگی میں سلمٰی سے بات کرنی ممکن ہی نہیں تھی۔ وہ اپنے شوہر کی موجودگی میں بھی گھما پھرا کر ایسی باتیں کرجاتی تھی جن کا جواب دینا دوبھر ہوجاتا تھا۔

میں اس کال سے فارغ ہوا ہی تھا کہ میرے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

اس بار دوسری طرف سے اوّل خان بول رہا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ فرینکفرٹ سے آنے والی متوقع پرواز کا وقت رات کے ڈیڑھ بجے تھا۔ معاملہ صرف ایک آدمی کی دیکھ بھال کا تھا اس لیے وہ اکیلا ہی ائرپورٹ پہنچنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن میں نے اسے بتایا کہ میرے ساتھ سلطان شاہ بھی ہوگا تو اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ رفتہ رفتہ وہ خود بھی سلطان شاہ کو پسند کرنے لگا تھا کیونکہ وہ غیر ضروری تجسس کیے بغیر اپنے کام سے کام رکھنے کا عادی تھا۔

ایک بجے ائرپورٹ لاؤنج میں ملاقات کا پروگرام طے کرکے اس نے فون بند کردیا۔

ہم چاروں کو ایک طویل وقفے کے بعد یکجا ہونے کا موقع ملا تھا اس لیے فلیٹ میں وقت بہت اچھا گزر رہا تھا۔ آپس کی نوک جھونک نے کسی تلخی کی صورت اختیار نہیں کی تھی اس لیے ماحول بھی خوشگوار تھا لیکن پھر بھی میرے پاس فالتو وقت موجود تھا۔ ادھر میرا اندازہ تھا کہ غزالہ بھی خریداری پر ڈیڑھ دو ہزار روپے خرچ کر آئی تھی اس لیے میں نے لنچ کے بعد غزالہ کے ساتھ جہانگیر کے گھر جانے کے ارادے کا اعلان کردیا۔

"مجھے راستے میں کہیں اتار دینا۔" سلطان شاہ نے فوراً ہی اپنی فرمائش پیش کردی۔

"تم کہاں جاؤ گے؟" ویرا نے اس پر آنکھیں نکال کر پوچھا۔ "ابھی تو بازار سے ہو کر آئے ہو۔"

"میں ذرا اپنے دوستوں سے ملنے جاؤں گا۔ ادھر گئے ہوئے ایک مدت ہوگئی ہے۔"

"کیا پٹھان کالونی اور بنارس وغیرہ کی طرف جانے کا ارادہ کررہے ہو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"کوئی ضرورت نہیں دھکے کھانے کی۔ کل گاڑی لے کر سب سے مل آنا۔" ویرا نے تحکم سے کہا۔

"ارے واہ!" سلطان شاہ ہاتھ نچا کر منمنایا۔ "تم بلاوجہ میری خالہ جان کیوں بن رہی ہو؟"

"پھر جھگڑا شروع ہوگیا ان دونوں کا؟" غزالہ نے باورچی خانے سے ہی آواز لگائی۔

"تم غزالہ کو لے کر جارہے ہو۔ سلطان شاہ دوستوں سے ملنے چلا جائے گا تو میں اکیلی دیواروں سے سر ماروں گی؟" ویرا نے سلطان شاہ کے منہ لگنے کے بجائے میرے اوپر آنکھیں نکالنی شروع کردیں۔

"یہ اکیلی پڑے پڑے بیزار ہوجائے گی۔ تم آج اپنا پروگرام ملتوی کردو۔" میں نے سلطان شاہ کو سمجھانا چاہا۔ "تم دونوں اکٹھے رہ کر اچھا وقت گزار لوگے۔ کل تمہیں پوری آزادی ہوگی۔"

"مگر میرا جانا ضروری ہے۔" وہ جزبز ہو کر بولا۔ اس کی آنکھوں سے بے بسی کا اظہار ہو رہا تھا۔ معاً مجھے خیال آیا کہ وہ ویرا کے ساتھ تنہا رہنے سے خوف زدہ تھا۔ اسی لیے وہاں سے ہمارے ساتھ نکل بھاگنا چاہ رہا تھا۔ پہلے بھی ویرا ایک بار اس کی خاصی دُرگت بنا چکی تھی لیکن اس وقت وہ بھی شاید پچھلا واقعہ بھولی ہوئی تھی۔

"تم اسے تنگ نہ کرنے کا وعدہ کرو تو میں اسے رکنے پر مجبور کرسکتا ہوں۔" میں نے سلطان شاہ کی مجبوری بھانپتے ہوئے ویرا سے کہا۔ ساتھ ہی اسے آنکھ سے اشارہ بھی کردیا تاکہ وہ اختلافی ردِعمل سے باز رہے۔

"میرا دماغ خراب ہوا ہے جو اس جیسے ڈھیلے آدمی کو تنگ کروں گی۔" ویرا نے تنک کر کہا۔ "ابھی تک میری نیند پوری نہیں ہوئی ہے۔ ایسا ہی ہے تو میں لمبی تان کر سوجاؤں گی۔ یہ دودھ وغیرہ لینے کے علاوہ فون کا بھی خیال رکھ لے گا۔ پتا نہیں یہ کبھی کبھی مجھ سے اس بری طرح کیوں بدکنے لگتا ہے؟"

"تم پھر بات بڑھا رہی ہو۔" سلطان شاہ لڑ مرنے والے انداز میں بولا۔ "تم نے مجھ میں کیا ڈھیلا پن دیکھا ہے جو باتیں بنا رہی ہو۔ میں اب کسی سے بدکنے والا نہیں ہوں۔ میری مرضی کے خلاف تم نے مجھ سے الجھنے کی کوشش کی تو میں تمہارے عورت ہونے کا لحاظ کیے بغیر ہاتھ چھوڑ دوں گا۔"

"گرجنے والے برسا نہیں کرتے۔" ویرا بے پروایانہ انداز میں ہاتھ لہراتے ہوئے بولی۔ "تم نے ہاتھ چھوڑا تو میں اسے پکڑ بلکہ توڑ بھی سکتی ہوں۔ جب چاہو' تم اپنے دل کی حسرت نکالنے کی کوشش کرسکتے ہو۔"

"یہ ابھی سے لڑنے پر تُلی ہوئی ہے۔" سلطان شاہ' غزالہ سے

مخاطب ہوگیا۔ وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر دروازے پر آ کھڑی ہوئی تھی اور ان دونوں کی بک بک میں گہری دلچسپی لے رہی تھی۔

"ٹھیک ہے' اگر تم ویرا سے خائف ہو تو ہم تمہیں اپنے ساتھ لے چلیں گے۔" غزالہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "جہانگیر ہم سب ہی سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہاں تمہیں بالکل بوریت نہیں ہوگی۔"

"میں کسی سے خائف وائف نہیں ہوں۔" سلطان شاہ اس پر بھی بگڑ گیا۔ "یہاں کوئی بات سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔ میں کسی کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ بعد میں جو ہوگا' وہ دیکھ لیا جائے گا۔"

"گڈ!" ویرا نے خوش ہو کر اس کی تائید کی۔ "اب تم نے مردوں والی بات کی ہے۔"

سلطان شاہ اسے قہربار نظروں سے گھورتا ہوا' ڈرائنگ روم سے باہر نکلتا چلا گیا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد میں' غزالہ کے ساتھ جہانگیر کے گھر روانہ ہوگیا۔ اس وقت تک صورتِ حال اعتدال پر نہیں آئی تھی۔ صبح آنے والے' سردار پائندہ گل کے فون نے بھی مجھے قدرے فکرمند کیا ہوا تھا کہ کہیں اس کے آدمی ایک بار پھر ہمارا پیچھا کرنا شروع نہ کردیں۔ اس امکان کے پیش نظر میں راستے بھر عقب نما آئینے میں' اپنے پیچھے آنے والے ٹریفک کا جائزہ لیتا رہا اور یہ محسوس کرکے مجھے اطمینان ہوا کہ میرا اندیشہ درست نہیں تھا۔

جہانگیر اور سلمیٰ نے تحیّر آمیز خوشی کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ سلمیٰ نے غزالہ سے گلے ملنے کے بعد گہری اور ناقدانہ نظروں سے اس کا جائزہ لینا شروع کیا تو غزالہ بھی بے آرام ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

"مجھ میں کیا تبدیلی آگئی ہے جو تم اتنے غور سے دیکھ رہی ہو؟" غزالہ نے اس سے پوچھ ہی لیا۔

"تمہیں بہت دن بعد دیکھا ہے۔" سلمیٰ سنبھلتے ہوئے بولی۔ "تم میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی۔ اپنا دھیان رکھتی ہو۔ اسی لیے ڈیڈی بھائی ہر وقت مجنوں بنے رہتے ہیں۔ ہر وقت زبان پر تمہارا ذکر رہتا ہے۔" رشک اور حسد کے دو متضاد جذبوں میں جو موہوم سی حدِ فاصل ہے وہ سلمیٰ کے لب ولہجے میں نمایاں تھیں۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ غزالہ کی صورت اور سیرت میں کون سی ایسی بات تھی جس نے مجھے اور اسے ایک جان' دو قالب کے سانچے میں ڈھال کر رکھ دیا تھا جب کہ وہ اپنی پوری محنت کے باوجود مجھے اپنی ذات کے سحر میں گرفتار کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھی۔ سلمیٰ کی ایسی ہر کوشش میرے ہنسی مذاق میں اپنا اثر کھو بیٹھتی تھی۔

شکل و صورت اور شخصیت کے اعتبار سے سلمیٰ میں کوئی کمی یا خامی نہیں تھی۔ بہتیرے دل پھینک مرد اس کی تھوڑی دیر کی ہم نشینی کو بھی اپنے لیے سعادت سمجھ سکتے تھے۔ وہ باتیں کرنے اور بات سے بات نکالنے کے فن پر بھی دسترس رکھتی تھی اور اگر اسے شادی کے ابتدائی ایام میں اسے جہانگیر کی پُراسرار مصروفیات کی وجہ سے عدم توجہی کی شدید شکایت نہ ہوتی تو وہ اس کے ساتھ بہترین ذہنی رفاقت بھی پیدا کرسکتی تھی لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ ان دنوں جہانگیر شی کے کاموں میں گردن تک پھنسا ہوا تھا۔ وہ اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کو اپنی بیوی سے چھپانا چاہتا تھا اس لیے ان دونوں میں بدگمانیوں کی بنیاد پڑ گئی۔ سلمیٰ اپنے شوہر کے چڑچڑے پن کی وجہ سے اس سے زیادہ الجھ نہیں سکتی تھی۔ وہ اتنی متلون مزاج بھی نہیں تھی کہ باہر کسی سے راہ و رسم بڑھا لیتی اس لیے اس کا میلان میری طرف ہوگیا لیکن میں اس کے ناآسودہ جذبوں کے لیے ایک ایسا خاموش کنواں بنا ہوا تھا جس میں منہ ڈال کر اپنے دل کی ہر بری بھلی بات کہہ لیتی تھی لیکن جواب میں اسے اپنی آواز کی بازگشت کے سوا اور کچھ نہیں سنائی دیتا تھا۔

وہ باتیں غزالہ سے کررہی تھی لیکن میری طرف بار بار ایک مجروح اور پُرشکایت نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ میں نے براہِ راست اس کی طرف دیکھنا ہی ترک کردیا تھا پھر وہ غزالہ کو اپنے بیٹے سے ملانے کے لیے لے گئی تو میں نے اطمینان کا سانس لیا اور جہانگیر کے چہرے پر بھی سکون پھیلتا چلا گیا۔

"پینے کا موڈ ہو تو جن یا وہسکی نکالوں؟" میدان صاف ہوتے ہی اس نے حسبِ روایت مجھے مے نوشی کی دعوت دیتے ہوئے سوال کیا۔ "اکیلے پیتے پیتے اب طبیعت بے مزہ ہونے لگی ہے۔"

"کھال میں رہو۔" میں نے اس پر آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ "دس دفعہ بتا چکا ہوں کہ وہسکی پینے کا وقت غروبِ آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے........"

"تو پھر جن کی بوتل لے آتا ہوں۔ گورڈن کی بڑی بوتل رکھی ہوئی ہے۔" اس نے میرا ابتدائی مشورہ قبول کرتے ہوئے' میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی اپنا فیصلہ سنا دیا مگر میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے صوفے پر بٹھا دیا۔

"بیٹھے رہو۔ ان دونوں عورتوں کی موجودگی میں ہمیں ذرا مُہذّب رہنا چاہیے ورنہ دونوں مل کر ہماری برائیاں کرنی شروع کردیں گی۔ سلمیٰ خود ہی چائے وغیرہ بنا کرلے آئے گی۔ اس وقت وہی مناسب رہے گی۔"

"وہ لے آئے گی!" اس نے استہزائیہ انداز میں اپنی گردن جھٹک کر کہا۔ "یہ بھول جاؤ۔ اب سارا کام ملازموں پر ڈال دیا گیا ہے۔ بچے کے اغوا والے واقعے کے بعد وہ بہت آرام پرست اور کاہل ہوگئی ہے۔ ہر وقت اپنے بچے کو سینے سے لگائے لیٹی رہتی ہے یا پھر بناؤ سنگھار میں مصروف رہتی ہے۔"

"وہ تمہارے لیے ہی یہ سب کرتی ہوگی۔ تمہیں اس کے بارے میں اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے۔"

"کرتی ہوگی۔ اس پر لعنت بھیجو۔" وہ اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔ "یہ بتاؤ کہ آج کل بلیک کوئن کہاں ہے؟"

فوری طور پر اس کا سوال میری سمجھ میں نہیں آسکا پھر مجھے یاد آیا کہ ابتدا میں ویرا ہمارے سامنے بلیک کوئن کے لرزہ خیز روپ میں ہی نمودار ہوا کرتی تھی۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "وہ دن گئے جب اس کی ہوا ہوتی تھی۔ سخت جھگڑے کے بعد اب پھر دوست بن گئی ہے۔ وہ تمہیں کیوں یاد آرہی ہے۔"

"زبردست عورت ہے لیکن پتا نہیں مجھے کیوں پھیکی پھیکی لگتی ہے۔ بغیر نمک کی نہاری کی طرح۔ اسے دیکھ کر دل میں ذرا بھی تحریک نہیں ہوتی۔ بعد میں اکثر اس کا خیال آتا رہتا ہے۔ کبھی کبھی تو سالی خواب میں بھی آجاتی ہے۔"

"تمہارے دل و دماغ پر ابھی تک اس کی دہشت سوار ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تمہارے لیے اپنی سیکریٹری ہی ٹھیک ہے جو اپنی ملازمت برقرار رکھنے کے لیے ہر وقت تمہاری خوشنودی حاصل کرنے کی فکر میں رہتی ہے۔ مرکھنی اور اڑیل حسیناؤں کو پھانسنا تمہارے بس سے باہر ہے۔"

"وہ بھی میرے پاس سے بدرو دادا کے پاس چلی گئی ہے۔" وہ ایک حسرت بھری سانس کے ساتھ بولا۔ "ایسی لڑکیاں بس پیسے کے پیچھے بھاگتی ہیں۔ بدرو نے چار پیسے زیادہ دیے' وہ وہاں چلی گئی۔"

"یہ بدرو دادا کون ہے؟" میں نے تیوریوں میں بل ڈال کر پوچھا۔ "کیا میں اسے جانتا ہوں؟"

"تو اسے بھول گئے۔" اس نے میرا مذاق اڑایا۔ "شروع میں سب سے زیادہ چرس وہی نکالتا تھا۔ بعد میں نادر' کے ساتھ کام کرتا تھا۔ شی میں اس نے بہت مال بنایا تھا اب آٹھ دس ٹرکوں کے ساتھ گڈز ٹرانسپورٹ کمپنی چلا رہا ہے۔ کبھی کبھی میرے پاس آتا رہتا ہے۔ میرے دفتر ہی میں اس نے میری سیکریٹری پر ڈورے ڈالے تھے۔ بعد میں معصوم بن کر اسے اپنی ملازمت میں لینے کی اجازت مانگی تو میں نے اجازت دے دی۔ جب میں نے اس کے منہ پر تھوک ہی دیا تو وہ بدرو کے پاس جائے یا چکلے میں بیٹھ جائے' مجھے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"اسے شرم تو دلانی تھی کہ اس نے تمہاری سیکریٹری کو توڑ لیا۔" مجھے یاد آگیا تھا کہ بدرو دادا اپنے زمانے میں کتنا شہ زور اور منہ پھٹ بدمعاش ہوا کرتا تھا مگر ہم لوگوں سے ہمیشہ دبتا چلا آیا تھا۔

"میں نے اس بات کو اہمیت ہی نہیں دی۔ اس سے شکوہ کرتا تو وہ سمجھ لیتا کہ دال میں کچھ کالا تھا۔ میں نے اس پر اپنا بھرم ابھی تک قائم رکھا ہوا ہے۔ آخر کو ہم لوگ اس کے باس رہ چکے ہیں۔"

"اس کی اڑان بہت اونچی تھی۔ مال برداری کے کام سے اس کا پیٹ بھر جاتا ہے؟"

"مال برداری تو بس ایک آڑ ہے۔ افغانستان کے لیے مال منگوانے والے اس کی ملی بھگت سے کاغذوں پر راہداری دکھا کر مال پاکستان میں بلیک کر دیتے ہیں۔ وہ اس میں خاصا مال بنا لیتا ہے۔ اسے ایک شنگاری پارٹی بھی ملی ہوئی ہے۔ وہ اس کا پاؤڈر کراچی لاتا رہتا ہے۔"

"شنگاری پارٹی؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔ "اس کا افغانستان کی شنگارا ویلی سے تو کوئی تعلق نہیں ہے؟"

وہ بے اعتباری سے ہنسنے لگا۔ "سب جانتے ہو اور میرا امتحان لے رہے ہو۔ میں نے پہلی بار یہ نام سنا تھا تو مجھے یہ تک پتا نہیں تھا کہ شنگاری کسی آدمی کا نام ہے یا جگہ کا۔ بدرو دادا نے ہی ایک دن بتایا تھا کہ سردار پائندہ گل شنگارا ویلی کا حکمراں اور افیم کا بہت بڑا زمیندار ہے۔"

مجھے یوں لگا جیسے جہانگیر نے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ سلمٰی کی کاہلی' ویرا کے پھیکے پن اور لیڈی سیکریٹری کی طوطا چشمی سے شروع ہونے والی باتوں کی تان سردار پائندہ گل پر جا کر ٹوٹی تھی۔ دنیا واقعی بہت مختصر تھی۔ کبھی کبھار تو ہر شخص ایک دوسرے کا شناسا معلوم ہونے لگتا تھا۔

"ذرا فون پر بدرو دادا سے میری بات کراؤ۔" میں نے ایک فوری خیال کے تحت کہا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ مجھے بھی نہیں بھولا ہوگا اس سے بات کر کے پرانی یادیں ہی تازہ ہو جائیں گی۔"

"آج وہ ٹرک پر کسی کی لاش لے کر گیا ہے۔ صبح اس نے فون کر کے بتایا تھا کہ یہاں پائندہ گل کے ایک خاص آدمی کا قتل ہو گیا ہے۔ بدرو اس کی میّت میں شریک ہو کر ہی واپس آئے گا۔"

اسی وقت وہ دونوں عورتیں آگئیں۔ غزالہ' جہانگیر کے بیٹے کو ہوا میں اچھال کر لپکتی ہوئی آرہی تھی۔ صحت مند بچہ جوش اور خوشی کے ساتھ قلقاریاں مار رہا تھا۔

غزالہ اور سلمٰی میں گہری گھٹ رہی تھی۔ چائے وغیرہ پینے کے دوران میں بھی وہ اپنی باتوں میں مگن رہیں۔ آخر میں نے سلمٰی کو اپنی امانت کے بارے میں یاد دلایا اور وہ فوراً ہی مجھے اپنی خواب گاہ میں لے جانے پر آمادہ ہو گئی۔ غزالہ اس کے بیٹے کے ساتھ وہیں بیٹھی رہی۔

"تم مجھے بالکل ہی بھول گئے ہو۔" جہانگیر اور غزالہ سے دور نکلتے ہی سلمٰی نے شکوہ شروع کر دیا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم غزالہ کے ساتھ مگن رہتے ہو لیکن تم پر میرا بھی کچھ حق ہے۔ کم از کم مجھے فون تو کر سکتے ہو۔ پتا نہیں کیوں' تم سے بات کرتی ہوں تو میرے دل سے سارا بوجھ دور ہو جاتا ہے۔ ورنہ اندر ہی اندر کڑھتی رہتی ہوں۔"

"ایک بچہ ہو جانے کے بعد تمہارے اور جہانگیر کے درمیان ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو جانی چاہیے۔" میں نے اپنا دامن بچانے کے لیے ناصحانہ لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "جہانگیر کو تمہاری ایسی باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو وہ مجھ سے بھی بدظن ہو جائے گا۔

آپس میں بے اعتمادی ہو تو شبہات بہت تیزی سے پروان چڑھتے ہیں۔"

"وہ مجھے ذاتی ملازمہ سے زیادہ وقعت ہی نہیں دیتا۔ چاہتا ہے کہ بس اس کے اشاروں پر ناچتی رہوں۔ میرے اوپر جب بہت زیادہ مہربان ہوتا ہے تو بس رات میرے ساتھ بسر کرلیتا ہے اور کئی کئی دنوں تک کڑک مرغی کی طرح پھولا پھرتا ہے جیسے اس نے مجھ پر کوئی احسان کیا ہو۔ ایسے آدمی کے ساتھ کیا خاک ہم آہنگی ہوسکتی ہے۔ میں تو بس اپنا وقت گزار رہی ہوں۔"

ان دونوں کے معاملات غالباً خاصے خراب ہوچکے تھے۔ اگر سلمٰی میری ہمدردیاں جیتنے کی کوشش میں مبالغہ نہیں کررہی تھی تو ان کے درمیان کسی ثالث کا دخل بہت ضروری ہوگیا تھا مگر میں اس وقت ایسے بکھیڑوں میں پڑنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

سلمٰی بولتی رہی اور میں اسے مختصر جوابات سے بہلاتا رہا۔ جب میں اس کی تجوری کے ایک بڑے خانے میں بھری ہوئے' اپنے ڈالروں کے ڈھیر میں سے دو گڈیاں نکال رہا تھا تو وہ میری مدد کے بہانے اس حد تک میرے قریب آگئی کہ اس کے اور میرے بدن کے درمیان فاصلہ تقریباً ختم ہی ہوگیا۔ میں مطلوبہ گڈیاں نکال کر' اسے تقریباً ایک طرف دھکیلتا ہوا دور ہٹ آیا۔

"کیا تجوری کھلی چھوڑ دو گے؟" سلمٰی نے گہری نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم بند کردو۔ جہانگیر کی موجودگی میں تمہیں محتاط رہنا چاہیے۔ ہمارے درمیان میں لاکھ بے تکلفی ہو۔ لیکن میں اس کا دوست ہوں۔" میں یہ کہتا ہوا اس کی خواب گاہ سے نکلتا چلا گیا۔ سلمٰی شاید میری بے اعتنائی پر دانت پیستی رہ گئی ہوگی۔

میں وہاں جس کام سے آیا تھا وہ ہوچکا تھا۔ بدرو دادا اور سردار ریانئدہ گل کے قریبی مراسم کے بارے میں معلومات مفت میں مل گئی تھیں۔ میرے سردمہری پر مبنی رویّے کی وجہ سے سلمٰی میری طرف سے برہم ہوگئی تھی جس کا اثر اس کی اور غزالہ کی خوش دلانہ گفتگو پر بھی پڑا تھا۔ میں نے مزید چند منٹ وہاں گزارنے کے بعد روانگی کی اجازت لے لی اور ہم سیدھے گھر لوٹ آئے۔

مجھے ڈر تھا کہ واپسی پر ویرا اور سلطان شاہ کا کوئی نہ کوئی تنازعہ ہمارا منتظر ہوگا لیکن اس دن ستارے کچھ یاور تھے کہ ان دونوں میں کسی تکرار یا تصادم کی نوبت نہیں آئی تھی اور وہ پرامن بقائے باہمی کے اصول کے تحت ٹیلی وژن پر ایک فلم دیکھنے میں مصروف تھے۔ رات ساڑھے بارہ بجے میں' سلطان شاہ کو ساتھ لے کر فلیٹ سے ائرپورٹ کے لیے روانہ ہوا تو ہم دونوں ہی کسی برے وقت کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھے۔ ہم دونوں کے پاس نہ صرف بھرے ہوئے پستول موجود تھے بلکہ میں نے بیم گن بھی اپنے لباس میں چھپا لی تھی۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ بے ہوش ویرا کو واپس لے جانے والے' عبدالرحیم خان کے باریش ڈرائیور نے ویرا کے پرس کو نہیں چھیڑا تھا اور بیم گن ہمارے پاس رہ گئی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ جارہا ہوں لیکن ابھی تک مجھے یہ پتا نہیں ہے کہ ہمیں ائرپورٹ پر کیا کرنا ہے۔ بس اندازہ کرلیا ہے کہ پُرخطر حالات بھی پیش آسکتے ہیں۔ کم از کم مجھے کچھ تفصیل تو بتا دو۔" تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ نے کہا۔

"اسپیشل ٹاسک فورس میں ظفر کی جگہ کام کرنے والا' البرٹو ویلیسا کیفر کردار کو پہنچ چکا ہے لیکن اس کے کچھ پیغامات پکڑے گئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس ریکٹ کا کوئی بہت اہم آدمی آج رات دو بجے کی پرواز سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ ہم لوگ اس پر ہاتھ ڈالنے کی فکر میں ہیں۔ اسے پکڑلیا گیا تو کرنل جیسی جونز اور ڈیوڈ اسٹارز کی سازشوں کا سلسلہ اسی مرحلے پر ختم ہوسکتا ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"اس کے لیے اتنی بھاگ دوڑ کی کیا ضرورت تھی؟ اسے طیارے سے نکلتے ہی یا پھر امیگریشن کے مرحلے پر آسانی کے ساتھ پکڑا جاسکتا ہے۔ کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے اندر فورس بھی متعین کی جاسکتی ہے؟" اس نے حیرت کے ساتھ کہا "اس کام کے لیے پیچیدہ طریقۂ کار اختیار کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟"

اس کی الجھن اپنی جگہ بالکل بجا تھی۔ مجھے تفصیل کے ساتھ اسے پورے پس منظر سے آگاہ کرنا پڑگیا۔ گھر پر اس بارے میں کوئی سوال کیا گیا تھا' نہ ہی میں نے اس موضوع پر بات چھیڑی تھی۔

"میری مفروضہ صورتِ حال جس قدر آسان نظر آرہی تھی' حقیقی مسئلہ اس سے بہت مختلف اور دشوار ہے" وہ پُرتشویش انداز میں بڑبڑایا "ہر بین الاقوامی پرواز پر سیکڑوں مسافر ہوتے ہیں۔ ان میں سے خاصی تعداد کی منزل کراچی ائرپورٹ ہوسکتا ہے۔ نام' قومیت یا شکل وصورت سے واقفیت کے بغیر' اس بھیڑ میں ایک مشتبہ آدمی کو کیسے پہچانا جاسکے گا؟ کسی کرامت کے بغیر ہماری کامیابی مشکوک معلوم ہوتی ہے۔"

مجھے اس سے اتفاق کرنا پڑا "کامیابی کا امکان کم ہے لیکن یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ اس پرواز سے ایک مجرم یہاں آرہا ہے' ہم گھر پر نہیں رہ سکتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں کوئی تدبیر کام کرجائے۔ بعض اوقات تمہاری کھوپڑی بھی خاصے گل کھلاتی ہے۔ اسی لیے میں تمہیں بھی اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔"

"فی الحال میری کھوپڑی پر برف جمی ہوئی ہے" وہ ہنستے ہوئے بولا "ہوسکتا ہے کہ یہ چل ہی جائے۔"

ائرپورٹ کے پارکنگ لاٹ میں گاڑی چھوڑنے کے بعد ہم دونوں سڑک عبور کرکے لاؤنج کی طرف بڑھے تو ایک نیم تاریک دھبے سے نکل کر اچانک ہی اول خان ہمارے سامنے آگیا۔

"ارے' تم ہم سے پہلے یہاں پہنچے ہوئے ہو؟" میں نے غیر ارادی طور پر اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔ اس وقت دو بجنے میں کئی منٹ باقی تھے جب کہ طیارے کی لینڈنگ اور مسافروں کی باہر آمد کے دوران بھی خاصا وقت لگتا ہے۔ اس طرح اول خان وقت سے کافی پہلے وہاں موجود تھا۔

"میرا یہاں آنا اچھا ہی ہوا" وہ میرے قریب آتے ہوئے بولا "یہاں وفاقی خفیہ اداروں کے کچھ لوگ ہم سے پہلے آئے ہوئے ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے سے الگ اور محتاط رہ کر آنے والوں پر نگاہ رکھنی ہوگی۔"

"اس بین الاقوامی ہوائی اڈے پر ایسے لوگوں کی موجودگی عام سی بات ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی بڑا افسر' عوامی نمائندہ یا کوئی اور اہم آدمی آرہا ہو۔ اس بارے میں تم پریشان کیوں ہو؟"

"میں پریشان نہیں تھا۔ ان لوگوں کی موجودگی محسوس کرکے میں چونکا تھا۔ پھر میں ان میں اپنے ایک شناسا سے مل بیٹھنے میں کامیاب ہوا تو مجھے پتا چلا کہ وہ لوگ انٹیلی جنس بیورو کے ایک اہم غیر ملکی مہمان کی حفاظت کے لیے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ وہ جیک رونالڈو نامی کوئی امریکی ہے۔ کیا یہ بات حیرت ناک نہیں ہے کہ جس پرواز سے کرنل جیسی جونز یا اس کا نمائندہ آرہا ہے' اسی پرواز سے جیک رونالڈو بھی یہاں پہنچ رہا ہے؟"

"حیرت ناک ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔ یہ دنیا بعض اوقات بہت زیادہ سکڑی ہوئی محسوس ہوتی ہے" میں نے جہانگیر کی زبان سے بدرو دادا اور سردار پائندہ گل کے تعلقات کا ذکر سننے کا اتفاقی واقعہ یاد کرتے ہوئے کہا "ان کی یہاں پر موجودگی کے مقصد سے واقف ہوجانے کے بعد تمہارا تردد دور ہوجانا چاہیے تھا۔"

"ہم الگ الگ رہ کر زیادہ مؤثر انداز میں اپنا کام کرسکیں گے۔ میں تم لوگوں کو یہی بات بتانے کے لیے اس طرف کھڑا ہوا تمہارا انتظار کررہا تھا۔ اب ہمیں ایک ایک کرکے اندر چلنا چاہیے۔"

"جیک رونالڈو کون ہے؟" سلطان شاہ نے سوال کیا "اور یہاں کس لیے آرہا ہے؟"

"جس آدمی سے میری ملاقات ہوئی وہ بہت زیادہ باخبر نہیں تھا ورنہ میں خود بھی یہ باتیں معلوم کرنی چاہ رہا تھا۔" اوّل خان نے اس کے سوال کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ کوئی بھی ہوسکتا ہے" میں نے خشک لہجے میں سلطان شاہ سے کہا "سرکاری دعوت پر روزانہ سیکڑوں غیر ملکی ماہرین پاکستان آتے جاتے رہتے ہوں گے۔ ہمیں ان سے کیا لینا ہے؟"

"بس یہ خیال رکھنا کہ اندر کافی لوگ مستعد ہیں۔ جیک رونالڈو کو لینے کے لیے پروٹوکول والے آئے ہوئے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لیے دوسرے لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔ آج کل کے حالات کی وجہ سے میں آئی بی والوں کے ساتھ کسی بدمزگی میں الجھنا پسند نہیں کروں گا" یہ کہتے ہوئے وہ ہم سے الگ ہوکر' تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا برآمدے کے اس حصے کی طرف بڑھتا چلا گیا جہاں مسافروں کا استقبال کرنے والوں کی مضطرب بھیڑ موجود تھی۔

ہم دونوں بھی ایک دوسرے سے الگ ہوکر اسی طرف ہولیے۔ میں نے اوّل خان کی تشویش کو کوئی اہمیت نہ دے کر شاید اسے قدرے خفا کردیا تھا لیکن اکیلا رہ جانے کے بعد معاً مجھے خیال آیا کہ جیک رونالڈو کے معاملے میں کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور تھی۔ اگر وہ اپنے میزبان محکمے کے لیے اسی قدر اہم اور ناگزیر مہمان تھا تو اسے عام مسافروں والے راستے کے بجائے' وی آئی پی لاؤنج کے ذریعے لایا جانا چاہیے تھا جہاں بھیڑ بھاڑ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی دیکھ بھال میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے تھی۔ ایک طرف اسے اس قدر اہمیت دی جارہی تھی کہ اس کے استقبال کے لیے غیر معمولی تیاریاں کی گئی تھیں تو دوسری طرف اسے عام مسافروں کی بھیڑ میں لایا جارہا تھا۔

شفاف شیشے کی دیواروں کے اس پار' بیگیج ہال میں ائرپورٹ سیکیورٹی فورس' کسٹم اور دوسرے اداروں کے اہلکار گھومتے پھرتے نظر آرہے تھے لیکن اس وقت تک مسافر نہیں آئے تھے۔ الیکٹرونک انفارمیشن بورڈ پر جلتی اور بجھتی ہوئی سبز روشنی' فرینک فرٹ سے آنے والی پرواز کے پہنچ جانے کا اعلان کررہی تھی۔ اپنے اپنے مسافروں کو خوش آمدید کہنے کے لیے آئے ہوئے شہری تجسس کے عالم میں باربار اچک اچک کر یا شیشے کی دیواروں کے قریب جاکر خالی ہال میں شناسا چہروں کی تلاش میں سرگرداں تھے جیسے وہ پیشگی آثار وعلامات کے بغیر اچانک ہی کہیں سے ہال میں آ ٹپکیں گے۔

ہوٹلوں کا عملہ اپنے مسافروں کو متوجہ کرنے والے ڈسپلے بورڈز تھامے ایک طرف موجود تھا۔ وہ ہر پرواز کے ساتھ ائرپورٹ پر آنے والے تجربے کار لوگ تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ طیارے کے رن وے چھونے سے مسافروں کے عمارت میں داخل ہونے تک فنی انتظامات کا ایک طویل سلسلہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے پندرہ بیس منٹ اور بسا اوقات اس سے زیادہ وقت صرف ہوجاتا ہے۔ وہ اطمینان کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

انہیں دیکھ کر میرے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔ البرٹو ویلیسا کے سلسلے میں میرے سامنے افراد اور تنظیموں کے کئی نام تھے جن کے مخفف متعلقہ افراد کی توجہ فوری طور پر اپنی طرف

مبذول کرا سکتے تھے۔ ان میں جیسی جونز کا مخفف جے جے، البرٹو۔ ملیسا کا مخفف اے وی یا ڈیوڈ اسٹارز کا مخفف ڈی ایس شامل تھے۔

سلطان شاہ اور اول خان مجھ سے دور، الگ الگ جگہوں پر کھڑے ہوئے تھے۔ میں اس موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک طرف چل دیا۔ بک اسٹال پر گتے کی شیٹ موجود نہیں تھی لیکن میرے استفسار پر دکاندار نے پانچ روپے کے عوض ایک بڑے ڈبے کا سفید ڈھکنا دے دیا جسے پلے کارڈ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے، سیاہ مارکر سے بہت جلی حروف میں جے جے کے انگریزی حروف لکھے اور واپس لاؤنج کے سامنے والے عظیم الشان برآمدے میں پہنچ گیا۔

چند منٹ بعد بیگیج ہال میں مسافروں کی آمد شروع ہوئی تو انتظار کرنے والوں میں ہلچل کی ایک نئی لہر پیدا ہوگئی۔ اس پرواز سے کراچی میں اترنے والوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی اس لیے ان کی خاطر آنے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ نہیں تھی ورنہ کراچی پر ختم ہونے والی، پی آئی اے یا دوسری ائرلائنز کی بین الاقوامی پروازوں کی آمد کے وقت یہی ہجوم دور تک پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔

ڈھائی بجے کے بعد پہلا مسافر اپنے سامان کی ٹرالی کے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف آتا ہوا نظر آیا تو ہوٹلوں سے آنے والے مہمان دار بھی اپنے اپنے پلے کارڈز لے کر ایسی جگہوں پر آ گئے جہاں ہر مسافر کی نظر ان پر پڑ سکتی تھی۔ میں نے بھی جے جے والا سفید گتّا اونچا کر کے ایک مناسب جگہ سنبھال لی۔ اول خان اس وقت بھی مجھ سے خاصے فاصلے پر، داہنی طرف کی ریلنگ کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ بہت غور سے میری ہی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید میری حرکت کا مفہوم اس کے پلّے نہیں پڑ سکا تھا۔

اس پرواز سے آنے والوں میں پاکستانی نژاد مسافروں کی تعداد کم تھی۔ بیشتر مسافر غیر ملکی اور سفید فام تھے جن کے ساتھ بہت زیادہ ساز و سامان نہیں تھا۔ میری نظریں مسافروں کے ساتھ ساتھ ان لوگوں پر بھی تھیں جو میرے اردگرد کھڑے ہوئے تھے پھر مجھے اردلی یا ڈرائیور نما وہ وردی پوش شخص بھی نظر آگیا جس کے ہاتھ میں موجود پلے کارڈ پر انگریزی میں مسٹر جے رونالڈو کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس شخص کے قریب ہی سوٹ میں ملبوس دو افراد غیر متعلقانہ انداز میں کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ ان میں سے سفید بالوں والے مُعنّک شخص کے دانتوں میں موٹا سا سگار دبا ہوا تھا۔ جبکہ اس سے قدرے کم عمر شخص پوری توجہ سے سفید بالوں والے کی بات سن رہا تھا۔ ان کے کروفر اور دوسروں سے الگ تھلگ رویّے کی بنا پر یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ بڑے عہدوں والے سرکاری افسران تھے اور انہیں عام لوگوں کی بھیڑ میں مل کر کسی کا انتظار کرنا گراں گزر رہا تھا۔

اندر سے تسلسل کے ساتھ مسافروں کی آمد شروع ہوئی تو ہوٹلوں میں پیشگی بکنگ رکھنے والے مسافر اپنے اپنے ہوٹل کے پلے کارڈز دیکھ کر ایک طرف رکنے لگے۔ میری نگاہیں پُرامیدی کے عالم میں سامنے کی طرف جمی ہوئی تھیں۔ اس وقت میرا دل تیزی سے ساتھ دھڑک اٹھا جب مجھے ایک متوسط قامت سفید فام اپنی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ اس کی ٹرالی پر صرف ایک مختصر سا سوٹ کیس اور دو عدد بریف کیس رکھے ہوئے تھے۔ اس کے پیچھے قدرے جھلسی ہوئی رنگت والا ایک سرخ و سفید اور گرانڈیل غیر ملکی بھی چلا آرہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ٹرالی والے متوسط قامت سفید فام کا ہمراہی ہو۔

اچانک متوسط قامت والے نے لحہ بھر کے لیے پیچھے مڑ کر گرانڈیل سفید فام سے کچھ کہا پھر ٹرالی سمیت میری طرف ہولیا۔ اس بار اس نے واضح طور پر میرا پلے کارڈ دیکھ لیا تھا اور اس کے چہرے پر برہمی کے آثار ابھر آئے تھے۔

ٹرالی روک کر، وہ اس کے عقب سے نکل کر میرے قریب آیا پھر اس نے اپنا چہرہ میرے چہرے کے قریب لاتے ہوئے زہریلی سرگوشیانہ آواز میں کہا ”مطلع ابر آلود ہو تو سورج بھی سامنے نہیں آتا اور تم یہ منحوس اشتہار لیے کھڑے ہو۔ اس کی بتی بنالو...!“

انگریزی میں وہ زہر آلود مگر سنسنی خیز فقرے ادا کرنے کے بعد وہ میرا جواب سننے کے لیے نہیں رکا۔ میں اس غیر متوقع تجربے کی وجہ سے اپنی جگہ پر سن ہو کر رہ گیا لیکن میں نے غیر ارادی طور پر پلے کارڈ نیچے کر لیا تھا۔

اس اثنا میں گرانڈیل غیر ملکی اس ڈرائیور یا اردلی کے پاس پہنچ چکا تھا جس کے ہاتھ میں مسٹر جے رونالڈو کے نام کا پلے کارڈ موجود تھا۔ اپنے متوقع مہمان کی شناخت ہوتے ہی دونوں سرکاری افسران پُرتپاک انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے اسے ایک طرف نکال لے گئے تھے۔ میری گوشمالی کرنے والا متوسط قامت غیر ملکی اپنی ٹرالی لے کر اس جلوس کے پیچھے پہنچا تو کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی لیکن پھر گرانڈیل شخص نے مڑ کر شاید اس کا تعارف کرایا اور ڈرائیور نے فوراً ہی اس کے ہاتھ سے ٹرالی لے لی اور وہ بھی اپنے میزبانوں کے ساتھ شامل ہوگیا۔

جیک رونالڈو اکیلا نہیں تھا۔ وہ اپنے کسی ساتھی کے ہمراہ آیا تھا لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس کے ساتھی نے مجھ پر اپنی برہمی کا اظہار کیوں ضروری سمجھا تھا؟ میرے لیے وہ صورت حال سنسنی خیز تھی اور میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنا شروع ہوگیا۔ میں نے فوراً ہی اول خان کی طرف دیکھا لیکن وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ شاید اس نے بھی دیکھ لیا تھا کہ انٹیلی جنس بیورو کے دو مہمانوں میں سے ایک نے چند ثانیوں کے لیے رک کر مجھ سے بات کی تھی۔ میں نے غیر ارادی طور پر اپنے لباس میں پوشیدہ پستول کو ٹٹولتے ہوئے تیزی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی۔

جے رونالڈو اور اس کے ساتھی کے استقبال کے لیے آئے ہوئے لوگ ان دونوں کو عمارت سے نکاسی کے راستے کی طرف لے جا رہے تھے اور میں اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا گتے کا ٹکڑا ایک کوڑے دان میں ڈال کر، غیر ارادی طور پر اس مختصر سے جلوس کے پیچھے ہولیا تھا۔

اس وقت تک میری کھوپڑی سُن تھی۔ عقل کو چکرا دینے والی ایسی صورتِ حال میرے سان و گمان میں بھی نہیں تھی۔ مجھے وہ سب ایک ناقابلِ یقین سا خواب محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے خالی الذہنی کے عالم میں اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں تو مجھے کچھ فاصلے پر سلطان شاہ نظر آگیا۔ وہ مجھ سے بے تعلق نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے میرے پیچھے ہی آ رہا تھا لیکن اول خان اس بھیڑ میں کہیں گم ہو چکا تھا۔

میں اول خان کی تلاش میں دائیں بائیں دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اس لیے سامنے سے آنے والے شخص کے بھاری بھر کم وجود سے تصادم ہوتے ہی میں اپنی جگہ پر لڑکھڑا کر رہ گیا۔ آنے والے کی رفتار ذرا بھی زیادہ ہوتی تو میں پختہ فرش پر سر کے بل گر کر زخمی ہو سکتا تھا۔

"میرے پیچھے آؤ۔" میرے کان کے قریب ایک تیز سرگوشیانہ آواز لہرائی۔

میں نے غصے اور جھلاہٹ کے عالم میں اپنی گردن گھما کر اس بدتمیز شخص کو لتاڑنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اس کی پشت پر نظر پڑتے ہی میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ یقینی طور پر اول خان تھا اور شاید دانستہ طور... پر مجھ سے ٹکراتا ہوا گزرا تھا تاکہ دوسروں کو کسی شبے کا موقع دیے بغیر مجھ تک اپنا پیغام پہنچا سکے۔ اس کے لبوں کی جنبش دیکھنے والوں کو یہی محسوس ہوا ہوگا کہ وہ اپنی راہ میں حائل ہونے والے بے پروا شخص پر دانت پیس رہا ہے۔

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا، داہنی طرف والی راہداری کی طرف جا رہا تھا جہاں بالکل سناٹا چھایا ہوا تھا۔

میں بھی بھیڑ سے الگ ہو کر آہستہ آہستہ اُسی طرف چل دیا۔ ستونوں کی آڑ میسر آتے ہی میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ اس وقت تک اول خان ایک ٹیلی فون بوتھ کے قریب جا کر رک چکا تھا۔

میں اس کے قریب پہنچا تو وہ ریسیور کان سے لگائے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بے ساختہ بولا۔ "تم نے کمال کر دیا۔ تمہاری ایک معمولی سی حرکت نے انہیں بے نقاب ہونے پر مجبور کر دیا۔"

میں خاموش کھڑا رہا۔ اول خان اس وقت بوتھ کی طرف متوجہ تھا اس لیے مجھے خیال ہوا کہ وہ فون پر کسی سے بات کر رہا ہے جس میں میری دخل اندازی مناسب نہیں تھی۔

"میں تم سے بات کر رہا ہوں۔ ٹیلی فون کی لائن بے جان ہے۔" اس کی جھلائی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ اول خان نے اس بار بھی اپنی پوزیشن تبدیل کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"ہاں.... آں۔" میں نے چونک کر کہا۔ "ہوٹل والوں کو دیکھ کر یہ خیال سوجھا تھا کہ کیوں نہ میں بھی اپنے متوقع مہمان کے مخفف نام کا پلے کارڈ بنالوں لیکن میں اب بھی کچھ سمجھنے سے بالکل قاصر ہوں۔ اس سرکاری مہمان کو بلاوجہ ہی مجھ پر آنکھیں نکالنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"شاید تمہاری کھوپڑی پر برف جم گئی ہے۔ ان حرامزادوں پر تو کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ان لوگوں کی حفاظت کے لیے پوری ایک بھیڑ حرکت میں آئی تھی۔ انہوں نے دور دور سے ان کے گرد اپنا حصار قائم کیا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ سب خود کار ہتھیاروں سے لیس ہیں۔ وہ بندر کی اولاد تم سے کیا کہہ رہا تھا؟"

میں نے سفید فام کے کہے ہوئے انگریزی فقرے کسی ردّوبدل کے بغیر دہرا دیے۔

"یہی تین فقرے اس معاملے کی کلید ہیں۔" اول خان کی آواز سے اندرونی ہیجان اور جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔ "ان لوگوں کے لیے یہاں کا مطلع صاف نہیں ہے۔ اسی لیے وہ سرکاری مہمانوں کا روپ دھار کر یہاں آئے ہیں اور تم نے جے یعنی جیسی جونز کے نام کا اشتہار بلند کیا ہوا تھا۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہ بدمعاش تم کو البرٹو بلیسا کا آدمی سمجھ کر تمہاری طرف آیا تھا۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک جیسی جونز یا اس کا کوئی اہم آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں افراد، البرٹو بلیسا کے تربیت یافتہ بندروں کے بارے میں تحقیق کی آڑ لے کر یہاں آئے ہوں۔ مگر یہ ہماری سرزمین پر قدم رکھتے ہی ہمارے جال میں پھنس گئے ہیں....."

میرے ذہن نے جوں ہی ان خطوط پر کام کرنا شروع کیا، میں نے اول خان کی بات کاٹ دی۔ "اگر تمہارے اخذ کیے ہوئے نتائج درست ہیں تو ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟ اتنی دیر میں وہ نکل جائیں گے۔"

"فکر نہ کرو۔ میں ان کی روانگی میں تاخیر کا بندوبست کر آیا ہوں۔ میں تم سے اس گورے کے مکالمات کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے اِدھر آیا تھا۔ اب میں ان کے پیچھے جاؤں گا۔ فون خالی ہونے کے بعد تم یہاں سے ایک آدھ کال کرنے کے بعد اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ میں واپسی پر اُدھر آنے کی کوشش کروں گا۔ ویسے وہ نکل بھی گئے تو میری نظروں سے بچ نہیں سکیں گے۔ سرکاری مہمانوں کی نقل و حرکت کا پتا چلانا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔"

وہ ریسیور ہک سے لٹکا کر عجلت کے عالم میں وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اگر اس وقت بھی کچھ نادیدہ آنکھیں ہماری نگرانی کر رہی تھیں تو وہ دور سے اصل صورتِ حال کا ادراک کر ہی نہیں سکتی

تھیں۔ بادی النظر میں یہی معلوم ہوتا تھا کہ اول خان کوئی اہم فون کال کرنے میں مصروف تھا اور میں اپنی باری کے لیے فون خالی ہونے کے انتظار میں اس دور افتادہ فون بوتھ کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

اول خان کے چلے جانے کے بعد میں نے بوتھ کے دیوار گیرُبڈ میں داخل ہو کر ریسیور سنبھال لیا۔

مجھے وہاں چند منٹ ہی گزارنے تھے جو میں اسی پوزیشن میں کھڑا رہ کر بھی گزار سکتا تھا۔ کوئی متنفس اپنی طرف آتا ہوا نظر آتا تو میں اسے سنانے کے لیے یک طرفہ گفتگو کا آغاز بھی کر سکتا تھا لیکن میں نے اس مضحکہ خیز صورت حال سے بچنے کے لیے مطلوبہ مالیت کے سکے ڈال کر غزالہ کا نمبر ملا ڈالا۔

مجھے امید تھی کہ غزالہ میری واپسی کے انتظار میں جاگ رہی ہوگی اور وہی فون اٹھائے گی لیکن سلسلہ ملنے پر ویرا کی آواز سنی تو میں معنی خیز انداز میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

ویرا کرنل جیسی جونز کے معاملے میں میری توقع سے زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔

"صبح کے تین بجنے والے ہیں۔ تم ابھی تک کیسے جاگ رہی ہو؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم شکار پر نکلے ہوئے ہو اور ہم لوگ مُنہ لپیٹ کر سو جائیں؟" ویرا کی آواز میں طنز کی ہلکی سی کاٹ کے ساتھ ہی شگفتگی بھی تھی جو اس کے مزاج کا خاصہ تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ غزالہ بھی تمہارے ساتھ شب بیداری کر رہی ہے؟"

"شب بیداری کیسی؟ میں نے اسے رمی سکھانے کی کوشش کی تھی لیکن دوسرے ہی ہاتھ میں اس نے مجھے لوٹ لیا۔ شکل صورت سے معصوم اور بھولی بھالی نظر آنے والی یہ لڑکی تو چھپی رستم نکلی۔ بڑے اعتماد سے کھیل رہی ہے اور مسلسل جیت رہی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت کیسے فون کیا ہے؟"

"تھوڑی سی فرصت ملی تو سوچا کہ تمہاری چہکتی ہوئی آواز سن لوں۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ اب تمہیں کام پر بھی اپنی بیوی کی یاد ستانے لگی ہے۔"

"بیوی کے یاد آنے میں کوئی بُرائی نہیں ہے۔" میں نے اپنی مدافعت کرنے کی کوشش کی۔ "ویسے میں تم ہی سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔ یہ بتانے کے لیے کہ کرنل جیسی جونز کے ناکافی اور ضرورت سے زیادہ مختصر پیغام کے بارے میں تمہارے اندازے غلط ثابت ہوئے ہیں اور اصل آدمی ہماری نگاہوں میں آگئے ہیں۔"

"کیا واقعی؟" میرے کان میں اس کی تحیّر زدہ آواز گونجی۔ "تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔ تفصیل واپسی پر بتاؤں گا۔ بس تم گرم گرم کافی تیار رکھو۔"

"تو کیا تم فوراً واپس آرہے ہو؟" میری فرمائش پر اس کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔

"ظاہر ہے کہ میں باقی ماندہ رات تو یہاں برباد نہیں کروں گا۔"

"ابھی تو تین بھی نہیں بجے۔ مسافر باہر آئے ہی ہوں گے۔ کیا تم ان کا پیچھا کر کے ان کی کمین گاہ کا سراغ لگانے کی کوشش نہیں کرو گے؟" میری فوری واپسی کی اطلاع اس کے لیے حیرت ناک ثابت ہوئی تھی۔

"اول خان ان کے پیچھے گیا ہے۔ یہ کہانی تمہارے لیے خاصی دلچسپ ثابت ہوگی۔ بس تم کافی کا پانی رکھ دو۔ میں فون بند کرنے کے بعد ہی یہاں سے نکل کر فلیٹ کی طرف روانہ ہو رہا ہوں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کافی کی فرمائش نوٹ کرانے کے لیے فون کیا تھا؟"

"چلو، تم ایسا ہی سمجھ لو۔ بس میں واپس آرہا ہوں۔" میں نے ریسیور ہک سے لٹکا دیا۔

میں عمارت سے باہر نکلا تو جیک رونالڈو اُس کے ساتھی یا ان دونوں کے استقبال کے لیے آنے والوں میں سے کسی کا پتا نہیں تھا۔ پارکنگ لاٹ میں پہنچا تو سلطان شاہ کار کے سہارے کھڑا ہوا میرا انتظار کر رہا تھا۔

"تمہاری ترکیب لاجواب تھی۔" میرے قریب پہنچنے پر اس نے متجسس انداز میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ انٹیلیجنس والوں کے مہمان کا ساتھی ہی تمہارا مطلوبہ شکار تھا، جب ہی وہ بے۔ بے والا بلّے کارڈ دیکھ کر تیر کی طرح تمہاری طرف آیا تھا۔ کیا کہہ رہا تھا وہ؟"

میں کار کے دروازے کا قفل کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دوسری طرف سے سلطان شاہ بھی میرے برابر میں آبیٹھا اور میں نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھا دی۔

میں نے اسے جیک رونالڈو کے ساتھی کے کہے ہوئے فقرے سنانے کے بعد، اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ دونوں ہی بدمعاش اور کرنل جیسی جونز کے آدمی ہیں جو کسی نہ کسی طرح پاکستان کے سرکاری مہمانوں کے روپ میں یہاں آنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور اب ہمیں ان کے خلاف لڑنے میں خاصی دشواریوں کا سامنا کرنا ہوگا کیونکہ انہیں آئی بی والوں نے غیر معمولی تحفظ فراہم کیا ہے۔"

"میں تمہاری بات سے پوری طرح متفق نہیں ہوں۔" سلطان شاہ نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "یہ بتاؤ کہ اول خان کیا کہتا ہے اور وہ ان لوگوں کے تعاقب میں کیوں گیا ہے؟"

"جو کچھ میں نے کہا، وہ اول خان ہی کی رائے ہے۔ میرا ذہن تو اس قدر ماؤف ہو گیا تھا کہ میں اپنی طرف آنے والے سفید فام کی ہرزہ سرائی سے فوری طور پر کوئی نتیجہ ہی اخذ نہیں کر سکا تھا۔"

"وہ ان کے پیچھے کیوں گیا ہے؟" سلطان شاہ نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر سوال کیا۔

"ویسے تو وہ سرکاری مہمان بن کر آئے ہیں اس لیے اُن کی نقل و حرکت کا پتا چلانا آسان ہوگا لیکن ان کے لیے کیے جانے والے حفاظتی انتظامات سے یہ شبہ بھی ہوتا ہے کہ کہیں انہیں کسی خفیہ مقام پر نہ پہنچا دیا جائے۔ دوسری صورت میں اول خان کا تعاقب پر نکل جانا ہمارے لیے سود مند ثابت ہوگا۔"

"ان دونوں کے استقبال کے لیے آئے ہوئے لوگوں کا میں نے دور سے گہرا جائزہ لیا ہے۔ باوردی ڈرائیوروں سمیت کل چار مقامی آدمی ان دونوں غیر ملکیوں کو لے کر گئے ہیں۔ وہ سب ایک گاڑی میں تھے۔ اس کے پیچھے دوسری سرکاری گاڑی میں صرف شوفر گیا ہے۔ بقیہ چھ افراد ایک نئی لینڈ کروزر میں گئے ہیں۔ شاید وہی لوگ آنے والوں کی حفاظت پر مامور تھے اور میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنے کام پر عبور رکھتے ہوں گے۔"

"گاڑیوں کی تعداد کے علاوہ' یہ سب باتیں مجھے معلوم ہیں۔" میں نے قدرے ناخوشگواری کے ساتھ کہا۔ "یہ سب بتا کر تم مجھے کیا سمجھانا چاہ رہے ہو؟"

"مجھے ڈر ہے کہ اس بار اول خان مارا جائے گا۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ "اتنے بڑے اور چاق و چوبند جلوس کے پیچھے وہ اکیلا گیا ہے۔ وہ کسی صورت میں گھاگ محافظوں کی نظروں سے نہیں بچ سکے گا۔"

"انٹیلی جنس بیورو کے لوگوں کے گن گانے کے علاوہ بھی تمہارے پاس اس خدشے کا کوئی جواز ہے؟"

"بہت مضبوط۔" اس کی آواز پُر اعتماد تھی۔ "تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جس مہمان کے سیکیورٹی رسک سے نمٹنے کے لیے آئی بی والوں نے دس نفری ٹیم بھیجی تھی' اسے وی آئی پی لاؤنج کے بجائے عام مسافروں والے راستے سے باہر کیوں لایا گیا؟ وہ لوگ تو اسے رن وے سے ہی براہِ راست اپنی گاڑی میں لے کر غائب ہوسکتے تھے اور کسی کو کانوں کان علم بھی نہ ہوپاتا کہ یہاں کون آیا ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے؟"

"آنے والوں کے سامان کا معاملہ بھی تو تھا۔ تم نے دیکھا نہیں کہ ٹرالی پر بڑے سائز کے بریف کیسز کے علاوہ ایک سوٹ کیس بھی تھا؟" میں نے وہ کمزور سا احتجاج کرتے ہوئے سوچا کہ سلطان شاہ درحقیقت میرے دل کی بات کہہ رہا تھا۔ میں نے بھی اول خان سے خبر ملنے کے بعد یہی سوچا تھا کہ انٹیلیجنس بیورو والے ایک طرف تو اپنے مہمان کی حفاظت کو غیر معمولی اہمیت دے رہے تھے اور دوسری طرف اسے عام مسافروں والے راستے سے باہر لایا جارہا تھا۔ میرا ماتھا وہیں ٹھنکا تھا کہ جیک رونالڈو کے معاملے میں کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور تھی۔ میرا ذہن اس گڑبڑ کی تہ تک نہیں پہنچ سکا تھا اس لیے انجان بن کر سلطان شاہ کا نقطۂ نظر سن لینے سے کوئی راہ نکل سکتی تھی۔

"بریف کیس وہ اپنے ساتھ لائے ہوں گے۔ گیج ٹکٹ کی مدد سے اکلوتے سوٹ کیس کو کوئی بھی اہل کار بعد میں حاصل کرسکتا تھا۔ حسّاس تو کیا' عام سرکاری دفاتر کے اعلیٰ افسروں کے لیے ایسا بندوبست کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے۔" اسے مجھ پر اپنی معلومات کا رعب جھاڑنے کا موقع مل گیا۔ "بیوروکریسی یا افسر شاہی بھی پوری مافیا ہے۔ یہ اصولوں اور قاعدوں سے ہٹ کر بھی ایک دوسرے کا پورا پورا ساتھ دیتے ہیں۔ عام لوگوں کو قاعدے قانون کی مجبوریاں پڑھانے بیٹھ جاتے ہیں۔ ان دونوں کے سوٹ کیس کی بات بالکل لغو ہے۔ میں اسے نہیں مانتا۔"

"نہ مانو' لیکن آگے تو بولو۔ تمہارے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ پر پھنس کر رہ گئی ہے۔"

"یہ سب ایک سوانگ تھا جو کامیاب رہا۔" اس کے انکشاف نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "تم کسی بھی زاویے سے سوچ لو' تمہیں کوئی بات بنتی ہوئی نظر نہیں آئے گی۔ انٹیلی جنس بیورو والوں کو اندازہ تھا کہ پاکستان میں کچھ لوگ جیک رونالڈو کی آمد میں گہری دلچسپی لیں گے۔ انہیں بے نقاب کرنے اور ان پر ہاتھ ڈالنے کی بہترین صورت یہی ہوسکتی تھی کہ اس کی حفاظت کی پوری تیاریوں کے ساتھ اسے عام مسافروں والے راستے سے منظرِ عام پر لایا جائے اور تم کسی پیشگی منصوبہ بندی کے بغیر ان کی نظروں میں آگئے۔ حالانکہ تمہارا نشانہ جیک رونالڈو نہیں بلکہ اس کا ساتھی تھا اور وہی تمہاری طرف متوجہ بھی ہوا تھا۔"

"تم ان دونوں میں تفریق کیوں کررہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ دونوں ہی ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور ہم کو بیک وقت ان دونوں ہی سے نمٹنا ہوگا۔"

"میرا خیال اس کے برعکس ہے۔ اسی لیے میں نے ابتدا میں کہا تھا کہ میں تمہاری بات سے پوری طرح متفق نہیں ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ ان دونوں کی آشنائی بہت پرانی نہ ہو اور وہ دورانِ پرواز ہی ایک دوسرے کے دوست بنے ہوں۔ کسی نئے شہر کی طرف پہلا سفر کرنے والے بین الاقوامی مسافروں میں یہ فطری رجحان ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہم منزل مسافروں سے دوستی کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ نئی جگہ پر اجنبیت کا احساس کم سے کم کیا جاسکے۔ پھر وہ دونوں ہی سفید فام تھے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے کچھ شوق بھی مشترک رہے ہوں....."

میں نے اس کی بات میں دخل انداز ہوتے ہوئے کہا۔ "اس وقت اس نکتے پر بحث کرنی بے سود ہے۔ اول خان واپسی پر یہ بات ضرور معلوم کرلے گا۔ ہم صرف قیاس آرائیاں کرتے رہے تو یہ سلسلہ لامتناہی بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ ہزاروں امکانات میں سے ہم کس کس نکتے پر غور کرسکتے ہیں؟"

"میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ میری ناقص رائے میں اوّل

خان کی بخیر وعافیت واپسی مشتبہ ہوگئی ہے۔ یہ اتفاق ہے کہ ایک حساس سرکاری محکمے کا مہمان تمہارے مطلوبہ مجرم کے ساتھ ہی ایک ہی پرواز پر یکجا ہوگیا۔ تم اپنے شکار کے لیے جال پھیلائے کھڑے تھے لیکن آئی بی والوں نے تمہیں اپنے مہمان کا دشمن تصور کیا ہوگا۔ اتنی صبح' سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہے۔اول خان ان کی عقابی نظروں سے بچ ہی نہیں سکے گا اور اپنی شناخت کی نوبت آنے سے پہلے ہی کسی بھاری خسارے سے دوچار ہوجائے گا۔ میری چھٹی حس شروع ہی سے اس بارے میں مضطرب ہے۔"

"تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اب ہم اول خان تک نہیں پہنچ سکتے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں اس بے نتیجہ بحث میں الجھنے کے بجائے یہ جاننے میں دلچسپی رکھتا ہوں کہ تم ان دونوں کو ایک دوسرے کا قریبی ساتھی تسلیم کرنے پر کیوں آمادہ نہیں ہو؟"

"اپنے اپنے مشاہدے کی بات ہے۔ تم اس معاملے کے ایک فریق بنے ہوئے تھے اس لیے تمہاری توجہ اپنی طرف آنے والے پر مرکوز تھی جب کہ میں بغور ان دونوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ متوسط قامت والا تمہاری طرف بڑھا تو اس کے گرانڈیل ساتھی کے چہرے پر لاتعلقی چھائی ہوئی تھی۔ وہ صرف اور صرف اپنے میزبانوں کی طرف متوجہ تھا۔ انہیں تمہارے پلے کارڈ سے کوئی خطرہ ہوتا تو دونوں کو ہی چونکنا چاہیے تھا۔"

میں ہنس پڑا۔ "بنیادی طور پر تمہارا یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ انہوں نے مجھ سے کوئی خطرہ محسوس کیا ہوگا۔ کرنل جیسی جونز کو البرٹو ۔ یلیسا کی دشواریوں کا علم ضرور ہے لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ اسے اسپیشل ٹاسک فورس سے فرار ہونے کے بعد جہنم واصل کیا جاچکا ہے۔ وہ باخبر ہوتا تو ہرگز بھی اولیانو کے فیکس نمبر پر اپنی آمد کا پیغام نہ بھیجتا۔ انہوں نے مجھے البرٹو ۔ یلیسا کا بھیجا ہوا آدمی سمجھا ہوگا۔ وہ سرکاری حیثیت میں آئے تھے اس لیے انہیں اندیشہ پیدا ہوا کہ میرے پلے کارڈ کی وجہ سے ان کا بھانڈا پھوٹ سکتا ہے اسی لیے مجھے متوسط قامت والے کی پھٹکار سننی پڑی۔ واضح طور پر اس کا ایک ہی مقصد تھا کہ میں واپس جاکر البرٹو ۔ یلیسا کو ان کی آمد اور سرکاری حیثیت سے آگاہ کردوں۔ بصورتِ دیگر وہ مجھے نظرانداز کرکے گزر جاتے تو آخر میں' میں وہاں اکیلا کھڑا رہ جاتا۔"

"میں نہیں مان سکتا کہ کرنل جیسی جونز یا اس کے آدمی آئی بی والوں کے مہمان ہوسکتے ہیں۔" وہ بڑبڑایا۔ "یہ کوئی کتابی نظریہ تو ہوسکتا ہے لیکن اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوسکتا۔"

"تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے حقائق بدل نہیں سکتے۔ تم خود دیکھ چکے ہو کہ البرٹو ۔ یلیسا 'ظفر کا روپ دھار کر ایک مدت تک ایس ٹی ایف میں ایک اہم عہدے پر قابض رہا ہے اور کسی کو اس پر شبہ تک نہیں ہوسکا۔"

"البرٹو ۔ یلیسا کا معاملہ تازہ ہے اس لیے وہ لوگ اتنی جلدی ایسی ہی دوسری حرکت نہیں کرسکتے۔ انہیں معلوم ہوچکا ہے کہ فنگر پرنٹس تک بدل لینے کے بعد البرٹو ۔ یلیسا پاکستانیوں کی نظروں میں آنے سے نہیں بچ سکا ہے۔ یہ نفسیاتی خوف انہیں پرانی ترکیب کے فوری اعادے سے باز رکھے گا۔" اس نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"میں تمہاری بات مانتا ہوں۔" میں نے اس کے جوش و خروش سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ "تم نے جو کچھ کہا' وہ انسانی فطرت کے اصولوں کے عین مطابق ہے لیکن یہ اسی وقت ممکن تھا جب ان لوگوں نے آئی بی کے اصل مہمانوں کو راستے میں سے غائب کرکے ان کی جگہ لینے کا منصوبہ بنایا ہوتا۔ اب ذرا یہ سوچو کہ اگر جیک رونالڈو جدید اور حساس ترین بارودی ہتھیاروں کو ناکارہ بنانے میں ید طولیٰ رکھنے کے ساتھ ساتھ کرنل جیسی جونز کا نمک خوار بھی ہو تو کیا ہوگا؟ ایک پنتھ' دو کاج والے اس کام میں انہیں کیا ہچکچاہٹ ہوسکتی تھی؟"

"لیکن تم نے تو بتایا تھا کہ کھونہ سے پکڑے جانے والے بندروں کے معاملے میں آئی بی نے برطانوی حکومت سے ماہرین طلب کیے تھے جو آئرلینڈ کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال کی وجہ سے نہیں آسکے؟"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ کرنل جیسی جونز عالمی شہرت رکھتا ہے۔ جنوبی امریکا کے علاوہ یورپ اور برطانیہ میں بھی اس کی موجودگی کے شواہد ملتے رہے ہیں۔ لندن سے فرینکفرٹ کے لیے دن بھر میں پچاسوں پروازیں روانہ ہوتی ہیں۔ لفت ہنسا سے مشرق یا مغرب کی طرف سفر کرنے والے بیشتر مسافر فرینکفرٹ میں ہی طیارہ بدلتے ہیں۔ پھر یہ ضروری تو نہیں کہ آئی بی والے صرف برطانوی ماہرین کی آمد پر انحصار کیے بیٹھے ہوں۔ ان کے مبہم جواب کے بعد وہ دوسرے ممالک سے بھی مدد کی درخواست کرسکتے تھے۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ کھونہ کا معاملہ ہر پاکستانی کے لیے موت و زیست سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ آئی بی والے بندروں کا تجزیہ کرکے' جلد از جلد کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے بے چین ہوں گے۔ کرنل جیسی جونز نے یہاں ہاتھ ڈالا ہے تو وہ ان حالات سے بھی باخبر ہوگا۔"

"یہ میں نے نہیں سوچا تھا۔" سلطان شاہ کی آواز پر مردنی طاری ہوگئی۔

میں دورانِ سفر اس سے بلاوجہ ہی نہیں الجھ رہا تھا بلکہ اس سے بحث کے نتیجے میں میرے اپنے بکھرے بکھرے خیالات ایک واضح صورت اختیار کرتے جارہے تھے اور وہ واضح صورت وہی تھی جو میں نے سلطان شاہ کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی تھی۔ جب تک میرے ذہن میں کرنل جیسی جونز کے نئے منصوبے

کے خدوخال واضح نہ ہوتے‘ میں اول خان کی کوئی مثبت رہنمائی نہیں کرسکتا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ میں کرنل جیسی جونز اور اس کے حواریوں کے خلاف تنہا کوئی کارروائی کرنے سے خائف تھا بلکہ مجبوری یہ تھی کہ انفرادی طور پر میں انہیں نقصانات تو پہنچا سکتا تھا لیکن اپنی کسی تنظیم یا اسپیشل ٹاسک فورس کے تعاون کے بغیر ان کی مکمل بیخ کنی نہیں کرسکتا تھا۔ ملا سرکار والے واقعات کے رونما ہونے کے بعد ہی میرا ایس ٹی ایف سے واسطہ پڑا تھا۔ اگر ایس ٹی ایف میرے ساتھ نہ ہوتی تو ملاّ سرکار متعدد چوٹیں کھانے کے بعد بھی میدان میں جما ہی رہتا۔ پھر الحدید سے آنے والے غیر قانونی ہتھیاروں اور گولہ بارود کی کھیپ کا معاملہ بھی ریاستی مدد کے بغیر حل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس وقت بھی اول خان نے میرے اور ریاستی ذرائع کے درمیان ایک موثر ترین رابطے کا کردار سرانجام دیا تھا۔ بلیو کراس ڈیل کے تحت آنے والے ایٹمی ساز وسامان کی بروقت ’زیرزمین گوداموں میں ذخیرہ اندوزی بھی اسی کی کاوشوں کی رہینِ منت تھی۔ ایرانی سرزمین پر اس اہم کارواں کو تباہی سے بچانے کے لیے ویرا اپنا یادگار کردار ادا کرچکی تھی لیکن وہ قافلہ پاکستان کے سرحدی پہاڑوں اور درّوں کو عبور کرنے کے بعد اپنا سفر جاری رکھتا تو خلا میں موجود‘ امریکی جاسوس سیاروں کی حساس ترین آنکھیں اس قافلے پر مرکوز ہوجاتیں اور شی کا سربراہ جمی لائیڈ اپنے تباہ کن منصوبے کی ناکامی کے بعد کسی گمنام فضائیہ کے منظم ترین اور طاقتور فضائی حملے کے ذریعے بلیو کراس ڈیل کے ہر اس پرزے کو تباہ کرسکتا تھا جسے بچانے کے لیے میں نے ویرا کا تعاون حاصل کیا تھا۔ اسی طرح میں البرٹو ویلیسا پر اپنے تمام تر شبہات کے باوجود‘ اس وقت تک اس کی جگہ سے ہلانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا جب تک اسی فورس میں سے مجھے اول خان کا تعاون حاصل نہ ہوتا۔

میرے اور اول خان کے اس قریبی تعاون پر ویرا کئی بار‘ دبے لفظوں میں طنز کرچکی تھی لیکن وہ میرے طریقۂ کار سے کھل کر کبھی بھی اختلاف نہیں کرسکی۔ اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ بے پناہ وسائل اور افرادی قوت سے لیس دشمنوں کو جب جنگی ہتھیاروں سے لے کر جدید ترین خلائی سیاروں کی مدد بھی حاصل ہو تو میں کیا‘ مجھ جیسے دس بیس آدمی مل کر بھی اسے زیر نہیں کرسکتے۔ دشمن ہم سب کو‘ ہماری انفرادی کامیابیوں سمیت روند کر‘ بہت آسانی کے ساتھ اپنا مقصد حاصل کرسکتا تھا۔ اسے تہس نہس کرنے کے لیے ایک ایسی ہی غیر ریاستی جنگی مشین درکار تھی جس میں اول خان ایک اہم پرزے کی حیثیت رکھتا تھا۔

اور اب ایک مرتبہ پھر ہم سازشوں کے اکھاڑے میں موجود تھے۔ امریکی جاسوس سیاروں کو ایران سے آنے والے ایٹمی آلات کی کھیپ کی تلاش تھی‘ پڑوسی حریف ہمارے آبی ذخائر کو ہولناک مگر انتہائی پُراسرار بارودی دھماکوں سے اڑا کر ہمیں عبرتناک تباہی سے دوچار کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ ڈیوڈ اسٹارز نامی یہودی نسل پرست تنظیم کے ایما پر کرنل جیسی جونز کہوٹہ کی ایٹمی تنصیبات میں تربیت یافتہ بندروں سے جاسوسی کرا رہا تھا۔ ادھر اولیانو ایک فرض شناس افسر کے روپ میں بین الاقوامی اداروں کے نام پر راول ڈیم کے وسیع آبی ذخیرے سے قرب وجوار کی دیہی آبادیوں کو پینے کا پانی پہنچانے کے قابلِ تعریف منصوبے پر کام کررہا تھا لیکن اس کے مشتبہ روابط سامنے آجانے کے بعد کون کہہ سکتا تھا کہ وہ راول جھیل سے پانی نچوڑ کر اسلام آباد میں پانی کی قلت پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا؟ ہر طرف شکوک و شبہات کے ڈراؤنے سائے اپنا اپنا طاغوتی رقص دکھا رہے تھے اور ان سب پر بیک وقت نظر رکھنے کے لیے اسپیشل ٹاسک فورس کا ہمہ جہت تعاون ناگزیر تھا۔

پے درپے ناکامیوں کے باوجود ہمارے دشمن ہر محاذ پر بے پناہ سرمایہ لگائے جارہے تھے اور حیرتناک بات یہ تھی کہ ایسی ہر سرمایہ کاری کے پیچھے موت کے سوداگروں کی فسوں کاری نظر آرہی تھی۔ جمی لائیڈ تو ان چالاک لوگوں میں سے تھا جس نے ہیروئن کے کھلے بازار میں آتے ہی بھانپ لیا تھا کہ اس سفید سفوف کے لین دین میں قارون کے ہزاروں مدفون خزانے پوشیدہ ہیں۔ اس کی ہر سازش اسی پیسے سے پھل پھول رہی تھی۔ ملا سرکار‘ مہیش پال‘ سردار رجب علی ’غلام رسول‘ رجنی اور شریمان سنگھ۔ سب کی پرورش اسی کالے دھن سے ہو رہی تھی اور وہ سب جہنم واصل ہوچکے تھے جب کہ البرٹو ویلیسا نے اسرائیل کی ایٹمی تنصیبات کے ساتھ ہیروئن سازی کے ایک خفیہ کارخانے کے وجود کا انکشاف کیا تھا۔ اس فیکٹری میں تیار ہونے والی ہیروئن سرکاری سرپرستی میں اسمگل ہو رہی تھی اور اسرائیلی حکومت اس دولت سے اپنے خزانوں کے مُنہ بھر رہی تھی تاکہ اس سرمائے کی مدد سے قوت حاصل کرکے اپنے دشمنوں کے سر کچل سکے۔ اس نسل پرست اور متعصب یہودی مملکت کے ہمدردوں نے کرنل جیسی جونز کی خدمات حاصل کی ہوئی تھیں اور جیسی جونز کو لیبیا میں ہیروئن اور کوکین کی غیر قانونی تجارت کے بے تاج بادشاہوں میں سے ایک شمار کیا جاتا تھا۔

میرے لیے طمانیت کی بات یہ تھی کہ میں نے اپنے علم میں آنے والے کسی بھی چھوٹے بڑے خطرے سے چشم پوشی اختیار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور اپنے حریفوں کو ناک چنے چبوادیے تھے۔ ان مہمات میں‘ میں نے ویرا کو بھی پوری طرح اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا تھا لیکن خاص بات یہ تھی کہ ملک دشمن سازشوں کی بیخ کنی کرتے ہوئے بھی ہم لوگ پسِ پردہ ہی رہے تھے کیونکہ منظرِعام پر آنے کی صورت میں ہماری جانوں کو سنگین خطرات لاحق ہوسکتے تھے۔

اس وقت تک صرف دو معاملات التوا میں تھے۔ پہلے معاملے

کا تعلق ملک کے ان بڑے آبی ذخائر کی سلامتی سے تھا جو کشمیر کے مقبوضہ پہاڑوں سے آنے والے سیلابی پانی کو محفوظ کرتے تھے۔ ہمارے دشمن نے منصوبہ بنایا تھا کہ اگلے مون سون میں برف پگھلنے کے ساتھ پیدا ہونے والے سیلابی ریلوں میں ریموٹ کنٹرولڈ بارودی ہتھیاروں کے واٹر پروف صندوق ہماری طرف بہا دیے جائیں تاکہ وہ ہماری بڑی بڑی جھیلوں کی تہ میں پہنچ جائیں۔ مناسب موقع پر ان ہتھیاروں کو انگلی کی ایک خفیف سی جنبش سے استعمال کیا جاسکتا تھا۔ وہ ہولناک دھماکے ذخیرہ گاہوں کو گھیرنے والے جس پہاڑ یا اسپل وے میں دراڑیں ڈالتے، اسی سمت سے لاکھوں کیوسک پانی کے غضبناک ریلے بے خبر انسانی آبادیوں اور کھڑی فصلوں پر چڑھ دوڑتے اور اپنی راہ میں آنے والی ہر شے کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر سمندر میں لے جاتے۔ وہ ایک بھیانک اور روح فرسا منصوبہ تھا لیکن اس کے بارے میں متعلقہ لوگوں کو بروقت آگاہ کر دیا گیا تھا جس کے نتیجے میں، دشمن کے مقبوضہ علاقوں سے آنے والے طوفانی ندی نالوں اور دریاؤں پر دیو ہیکل جال باندھے جارہے تھے جو مون سون کے ہولناک ریلوں میں بہہ کر آنے والی منوں وزنی اشیا کو بھی روک لینے کی طاقت رکھتے تھے۔ دوسرے معاملے کا تعلق بلیو کراس ڈیل کے تحت ایران سے آئے ہوئے اس ایٹمی سازو سامان سے تھا جو سرحدی علاقے کے زیرِ زمیں گوداموں میں ایرانی ٹریلروں سمیت چھپادیا گیا تھا۔ اس سامان کی ترسیل کے ذمے داروں نے خلاسے ہونے والی کسی ممکنہ جاسوسی اور پھر تخریب کاری کے سدِباب کے لیے فوج کی مدد سے وہ سامان غیر سرکاری مقامی ٹرکوں کے ذریعے چھوٹی چھوٹی کھیپوں میں منزل مقصود تک لے جانے کا قصد کیا ہوا تھا اور اس پروگرام پر شاید عمل بھی شروع ہو چکا تھا۔

گو وہ دونوں معاملات اپنے منطقی انجام تک نہیں پہنچے تھے لیکن گیند ذمے دار حکام کے کورٹ میں تھی اور اس بارے میں، مَیں چاہتے ہوئے بھی کوئی موثر کردار ادا نہیں کرسکتا تھا۔ اسی اعتبار سے جیک رونالڈو اور کرنل جیسی جونز کی پہیلیاں میری پوری توجہ کی متقاضی تھیں۔ اول خان بہت محنتی اور فرض شناس اہل کار تھا لیکن عمر بھر کی ملازمت نے اسے کنوئیں کا مینڈک بنا کر رکھ دیا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ دوسرے بڑے بڑے لوگوں کے مقابلے میں اول خان کے کنوئیں کا قطر یا محیط بہت بڑا تھا۔ بین الاقوامی سازشوں کو سونگھنا اور پھر اپنے نتائج اخذ کر کے کسی بھی فرد یا طاقت سے ٹکرا جانے کے بے دھڑک فیصلوں میں، مَیں نے اسے خاصا سُست اور روایت پرست پایا تھا۔ ہاں، تمام کڑیاں یکجا کرکے 'اسے پورے جوڑ توڑ سے آگاہ کر دیا جاتا تو وہ پوری قوت اور مردانگی کے ساتھ پہاڑوں سے بھی ٹکرا جانے کا حوصلہ رکھتا تھا' ملّا سرکار اور سردار رجب علی سے معرکہ آرائیوں کے دُور میں، میں نے اباسین پر اس کے حوصلے کی اتھاہ گہرائیوں کا بہت اچھی طرح اندازہ

کر لیا تھا۔

سلطان شاہ کے پاس مواد ختم ہو چکا تھا اس لیے بحث کا سلسلہ وہیں موقوف ہو کر رہ گیا تھا اور ہم دونوں خاموشی کے ساتھ باقی راستہ طے کر کے شرف آباد اپنے فلیٹ پر پہنچ گئے۔

وہاں ویرا واقعی خود کار برقی کیتلی آن کیے، ہم دونوں کی واپسی کے انتظار میں غزالہ کے ساتھ رمی کھیل رہی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی ان دونوں نے سارے کارڈ ملا دیے اور ویرا نے کیتلی سے کھولتا ہوا پانی کافی مگوں میں انڈیل کر، کریم کافی کے چار مگ تیار کرنے شروع کر دیے۔ اس نے سارے لوازمات باورچی خانے سے نکال کر ڈرائنگ روم ہی کی ایک سائیڈ ٹیبل پر جمع کیے ہوئے تھے۔

"میں نے تمہارے کہے بغیر اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ اب تم بھی خود بخود شروع ہو جاؤ!" اس نے اپنے کام سے دھیان ہٹائے بغیر حکم صادر کیا۔ "میں نے اندھے کی لاٹھی نشانے پر لگنے کا محاورہ سنا ہوا ہے لیکن اس کی عملی تفسیر میں تمہاری زبان سے سننی چاہتی ہوں۔"

میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سلطان شاہ کو کہانی شروع کرنے کا اشارہ کیا اور خود کرسی میں پھیل کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

سلطان شاہ نے جوں ہی اپنی کہانی کی ابتدا کی، ویرا چڑ کر میری طرف مڑ گئی۔ "اب نخروں کا یہ عالم ہے کہ تمہیں اپنی زبان ہلانے میں بھی دشواری ہو رہی ہے۔ واقعات بتاتے ہوئے تم کو کیا ہو جائے گا؟"

"مجھ سے تم صرف میری کہانی سن سکو گی۔" میں نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بے پروائی سے کہا۔ "سیدھی، سپاٹ اور یک طرفہ کہانی، جس میں کسی بھی قسم کے صوتی تاثرات نہیں ہوں گے۔"

"صوتی تاثرات؟" ویرا غرائی۔ "تو کیا سلطان شاہ اپنے حلق سے کتے بلیوں کی آوازیں نکالے گا؟"

"یہ ایک جدید محاورہ ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "سلطان شاہ تمہیں اصل واقعات کے ساتھ اپنے نظریات سے بھی آگاہ کرتا جائے گا۔ اس کے بعض اعتراضات خاصے وزنی ہیں۔ تمہارا ان سے واقف ہونا بہت ضروری ہے۔"

ویرا برا سا منہ بناتے ہوئے دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی اور سلطان شاہ نے تکلفاً اپنا گلا صاف کرنے کے بعد ابتدا سے اپنی کہانی شروع کر دی۔

میرے اور سلطان شاہ کے سامنے کافی کی پیالیاں رکھنے کے بعد ویرا بھی غزالہ کے ساتھ آبیٹھی۔ اس دوران میں سلطان شاہ احمقانہ انداز میں ہماری مہم جوئی کی داستان سناتا رہا۔ میری یاددہانی کے بعد وہ پورے اعتماد کے ساتھ اپنی رائے بھی ان واقعات میں شامل کرتا رہا تھا اور وہ دونوں خاموشی اور انہماک کے ساتھ اس کی طرف متوجہ تھیں۔

ہمیں سلطان شاہ کی رائے سے متفق ہوں۔" اس کے خاموش ہونے پر ویرا بولی۔ "لیکن اس وقت کسی بھی رائے کی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ اول خان کی واپسی پر کئی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔"

حالات و واقعات جو کچھ بھی رہے ہوں، کرنل جیسی جونز یا اس کے آدمیوں کی بے خوفی قابلِ داد تھی۔ پاکستان میں حالات مخدوش ہونے کے باوجود وہ کھلے بندوں کراچی کے ہوائی اڈے سے ملک میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی دانست میں سرکاری پشت پناہی حاصل کرلی تھی لیکن پھر بھی ایک اجنبی ملک میں یہ خطرہ ہر وقت برقرار رہتا ہے کہ کسی وجہ سے اصل شناخت ظاہر ہوگئی تو مٹی پلید ہو سکتی ہے۔

اس پورے قصے میں کلیدی اہمیت اس پلے کارڈ کی تھی جس پر میں نے جیسی جونز کے نام کا مخفف لکھا تھا۔ ویرا یہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھی کہ وہ ترکیب اسی وقت میرے ذہن میں آئی تھی۔ اس کا اصرار تھا کہ میں نے وہ حکمتِ عملی پہلے سے سوچ سمجھ کر تیار کی ہوئی تھی لیکن ان لوگوں کو اپنی حاضر دماغی سے مرعوب کرنے کے لیے میں نے اسے ایک فوری کرتب کا روپ دے دیا تھا۔

' وہ بحث برائے بحث تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ ہمیں اول خان کی آمد کا انتظار تھا اس لیے میں بھی ویرا کے ساتھ الجھتا رہا۔ غزالہ کھل کر ویرا کا ساتھ دے رہی تھی اور سلطان شاہ خاموش تھا۔

پانچ بجے کے بعد ڈور بیل بجی تو سلطان شاہ نے اچھل کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔

دروازہ کھولے جانے کے بعد اول خان مختصر سی لابی سے گزر کر، ڈرائنگ روم میں آیا تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ کہیں سے کوئی زک اٹھا کر واپس آرہا تھا۔

"یہاں کافی کی بو محسوس ہو رہی ہے۔" اس نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔

غزالہ نے خاموشی سے برقی کیتلی کا بٹن آن کر دیا اور پیالیوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"کچھ اداس نظر آرہے ہو؟" میں نے گہری نظروں سے اول خان کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"اداس اور نامُراد!" اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "آج میں موت کے مُنہ میں جانے سے بال بال بچا ہوں۔ بس ستارے ہی یاور تھے جو اس وقت زندہ و سلامت یہاں نظر آرہا ہوں۔"

"بالکل الفریڈ ہچکاک والا انداز ہے۔" ویرا غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پُرتشویش انداز میں بولی۔ "اس کی کہانیوں میں آخری فقرے پر سسپنس ختم ہوتا ہے بعض اوقات تو اس کی بھی نوبت نہیں آتی۔"

میں ویرا کو گھور کر رہ گیا لیکن وہ دانستہ طور پر میری طرف متوجہ نہیں تھی۔

بات دراصل یہ تھی کہ غائبانہ طور پر ایک دوسرے سے بہت زیادہ واقف ہونے کے باوجود، وہ دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف نہیں تھے کیونکہ ان کی بالمشافہ ملاقاتوں کی تعداد بہت محدود تھی۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں اول خان، ویرا کے اس طنزیہ مذاق کا برا نہ مان جائے۔

میرے اندیشے کے برعکس، اول خان کے ہونٹوں پر ایک جان دار مسکراہٹ عود کر آئی اور وہ گہری نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ڈارون کے نظریۂ ارتقا کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

اول خان کے اس غیر متعلقہ اور سنجیدہ سوال پر ویرا بوکھلا گئی اور تقریباً ہکلاتے ہوئے بولی۔ "مم... میرا خیال ہے کہ اس کی تھیوری جان دار ہے لیکن تمہیں اچانک ڈارون کیوں یاد آگیا؟"

"الفریڈ ہچکاک مرتے مرگیا لیکن اس نے آخر تک اپنی دُم ظاہر نہیں ہونے دی۔ تمہاری طرح وہ بھی ڈارون کا پرستار تھا۔ اس نے اپنی دم ایسے کسی خانے میں چھپائی تھی کہ وہ آخر تک ظاہر نہ ہو سکی اور یہ اس کی تجسس انگیز طبیعت کی سب سے روشن مثال ہے۔ ویسے تم بھی دم کے بغیر خاصی مکمل نظر آتی ہو۔"

اول خان کے اس جوابی حملے پر میں بھونچکا رہ گیا۔ میرے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ اول خان اتنی بلاغت اور روانی کے ساتھ مذاق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یا پھر یہ ویرا کی پُرکشش شخصیت کا کمال تھا کہ اس سے مخاطب ہونے والا ہر شخص اس کے ساتھ سلسلۂ کلام کو طول دینے کا متمنی رہتا تھا۔

ویرا خفت آمیز انداز میں زور سے ہنستے ہوئے بولی۔ "ڈارون کے نظریۂ ارتقا کے مطابق انسان اپنے جدِ امجد کی دُم سے چھٹکارا پانے کے بعد ہی انسان بنا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میرے آبا و اجداد کی دُم جھڑنے کا واقعہ ہزاروں برس پہلے رونما ہوا تھا۔ تمہیں اس وقت اس کا خیال کیوں آرہا ہے۔"

"بس ایسے ہی خیال آگیا تھا۔" اول خان نے اپنے پُراعتماد رویّے سے مجھے حیران کر دیا۔ "تم میں بس دُم کی کسر رہ گئی ہے ورنہ تم ہر اعتبار سے حسینۂ عالم منتخب کیے جانے کے قابل ہو۔ اگر تم الفریڈ ہچکاک کے مزاج کے برعکس اپنی دم ظاہر کر دو تو اس وقت بھی تمہارے حسن کو چار چاند لگ سکتے ہیں۔"

"اس وقت تمہارے سر پر اچانک ہی دم کیوں سوار ہوگئی ہے؟" ویرا نے تنک کر پوچھا۔

"اس کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔" اول خان نے بھرپور سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "دُم ہوتی تو اس کی پوزیشن سے میں تمہارے موڈ کا بہ آسانی اندازہ لگا سکتا تھا لیکن اس وقت میں تمہارے موڈ پر کوئی تبصرہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ دل ہی

دل میں تم اپنے حسن کی تعریف پر محظوظ ہو رہی ہو لیکن گفتگو میں چڑچڑے پن کا مظاہرہ کر رہی ہو۔ تمہاری دُم ہوتی تو وہ اس وقت بے خودی کے عالم میں ہولے ہولے لہرانا شروع کر دیتی۔"

ویرا کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ غصیلے لہجے میں بولی۔ "یہ کیا واہیات موضوع لے بیٹھے ہو؟ تمہیں....."

"بس!" میں نے ہاتھ اٹھا کر سختی کے ساتھ ویرا کی بات کاٹ دی۔ "تم الفریڈ ہچکاک والا الزام واپس لے لو تو اول خان بھی اسی لمحے ڈارون کی دُم کاٹ دے گا۔ کسی پر وار کرنا بہت آسان ہوتا ہے لیکن جوابی حملے کو سہنے کے لیے بڑے ظرف کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمیں ایک دوسرے سے الجھنے سے گریز کرنا چاہیے۔"

"الفریڈ ہچکاک تو کب کا جہنم واصل ہو چکا۔" ویرا منہ پھلا کر بولی۔ "ڈارون کی دُم کہاں سے بیچ میں آ گئی؟"

"ڈارون' الفریڈ ہچکاک سے بہت پہلے جہنم واصل ہو چکا تھا۔" اول خان نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "جدید اردو میں سسپنس کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ ہاتھی نکل جائے مگر دم پھنس جائے۔ اس اعتبار سے ڈارون اور الفریڈ ہچکاک میں ایک قریبی رشتہ پیدا ہو جاتا ہے جو میرے اور تمہارے اختیار سے باہر ہے۔"

"تم بلاوجہ بحث کو طول دے رہی ہو۔" میں نے تلخ لہجے میں ویرا کو ٹوکا۔ "تمہارا یہی رویہ رہا تو ہم اہم معاملات کو بھول کر بندروں اور ان کی دُموں میں ہی الجھے رہیں گے۔ کوئی نتیجہ خیز بات نہیں ہو سکے گی۔"

ویرا بے ساختہ انداز میں کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اس نے میری کہی ہوئی بات کو دہرایا۔ "دُموں میں الجھے رہیں گے! واہ' کیا اچھوتا خیال پیش کیا ہے تم نے چلو' میں ہی اپنی دُم نیچی کر کے اول خان سے معافی مانگ لیتی ہوں۔"

اول خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اتنی باضابطہ معافی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ بعض اوقات تو صرف خاموشی ہی بھرپور معذرت سے زیادہ بھاری ہو جاتی ہے ویسے اطلاعاً عرض ہے کہ میں سنجیدہ نہیں تھا۔"

"تم اپنی کہانی سنا رہے تھے۔" سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا۔

"میں پہلے ہی ڈیبی سے کہہ چکا تھا کہ آج تم نے ان لوگوں کے پیچھے جا کر سنگین غلطی کی تھی۔ وہ تمہیں گھیر کر مار بھی سکتے تھے۔"

"بے خبری میں کچھ بھی ہو سکتا تھا لیکن ایک بار میری شناخت ہو جانے کے بعد وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ آج کل کے حالات میں مجھے ان سے کسی تعاون کی امید نہیں رہی ہے اس لیے میں خفیہ طور پر اپنا کام پورا کرنا چاہ رہا تھا لیکن وہ بھی بہت مستعد اور چوکنے تھے۔ میں ان کی نظروں سے محفوظ رہنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔" اول خان بتانے لگا۔ "راشد منہاس روڈ پر انہوں نے میری گاڑی کو دیکھ لیا پھر وین کے عقبی حصے سے کسی ماہر نشانے باز نے میری گاڑی کے اگلے حصے پر سب مشین گن سے ایک برسٹ مارا اور میری گاڑی تباہ ہو گئی۔ وین ایک لمحے کے لیے رکی اور دو آدمیوں کو اتار کر دوبارہ آگے بڑھتی چلی گئی۔ وہ دونوں میری کار کی طرف دوڑے تھے لیکن میں نے ان کے قریب آنے سے پہلے ہی اپنی گاڑی چھوڑ کر داہنی طرف پھیلی ہوئی زیرِ تعمیر عمارات کی طرف دوڑ لگا دی....."

"یعنی تمہاری تباہ شدہ گاڑی راشد منہاس روڈ پر ہی کھڑی ہوئی ہے؟" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے سوال کیا۔ "پھر تم یہاں تک کیسے آئے ہو؟"

"میری گاڑی پر فائرنگ کرنے والا اتنا غضب کا نشانے باز تھا کہ اس نے ایک ہی برسٹ میں اگلے دونوں ٹائروں کے ساتھ ریڈی ایٹر اور ہیڈ لیمپس بھی تباہ کر دیے۔ اس کی ایس ایم جی کی نال کا رخ ذرا سا بھی اوپر ہو جاتا تو ساری گولیاں ونڈ شیلڈ کو چکنا چور کرتی ہوئی میرے سر اور سینے میں پیوست ہو جاتیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے تمہیں ہلاک یا زخمی کرنے کے بجائے صرف روکنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہو گئے۔" میں نے پُرتشویش انداز میں کہا۔ "شاید وہ تمہیں زندہ پکڑنے کے چکر میں رہے ہوں گے۔"

"وین سے اتارے جانے والے دونوں آدمی برق رفتاری کے ساتھ میری تباہ شدہ کار کی طرف آئے تھے۔ اگر میں اس وقت اپنے اوسان پر قابو نہ رکھتا تو وہ مجھے گھیر لیتے۔ میں نے فائر اور ٹائروں کے دھماکے سنتے ہی گاڑی چھوڑ دی تھی کیونکہ مجھے کار میں آگ لگ جانے کا خوف لاحق ہو گیا تھا۔ ان دونوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر' میں نے داہنی طرف کے اس تاریک میدان کی طرف دوڑ لگا دی جہاں فلیٹوں کا ایک نیا جنگل ابھر رہا ہے۔ نامکمل ڈھانچوں اور تعمیراتی ملبے سے گزرتا ہوا' میں ایک لمبا چکر کاٹ کر دوبارہ سڑک پر آیا اور اپنی کار کا رخ کیے بغیر ٹیکسی پکڑ کر ادھر آ گیا۔"

"کار کے ذریعے وہ تمہارا سراغ لگا ہی لیں گے۔" میں نے دھیمے سے کہا۔ "بس یہ شکر ادا کرو کہ تم فوری تصادم کے ناخوشگوار نتائج سے بچ آئے ہو۔ آج دن میں وہ لوگ ایس ٹی ایف کے بڑوں تک ضرور پہنچ جائیں گے۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ فکر اس بات کی ہے کہ جیک رونالڈو اور اس کے ساتھی کی حفاظت کے لیے اس قدر سخت انتظامات کیوں ضروری سمجھے گئے ہیں؟ اتنی سختی تو مقامی وی آئی پی کے لیے بھی نہیں کی جاتی۔"

"یہ بتاؤ کہ تمہاری گاڑی پر فائرنگ ہونے تک دونوں گورے اسی پارٹی کے ساتھ تھے؟" سلطان شاہ نے چونک کر سوال کیا۔ اس کا ذہن بدستور اسی مفروضے میں الجھا ہوا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ شناخت رکھتے تھے۔ اول خان کے بارے میں اپنا قیاس درست ثابت ہونے کے بعد اس کے اعتماد میں اضافہ

ہو گیا تھا۔

”وہ اور کہاں جاتے؟“ اول خان نے حیرت سے کہا۔ ”اب دن نکلنے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا کہ ان دونوں کو کہاں ٹھہرایا گیا ہے۔ میری معلومات کے مطابق گلشن اقبال میں وفاق والوں کا کوئی ریسٹ ہاؤس یا مہمان خانہ نہیں ہے۔“

اول خان کی الجھن دور کرنے کے لیے میں نے اسے سلطان شاہ کے نظریے سے آگاہ کر دیا۔

ہم ان ہی باتوں میں الجھے ہوئے تھے کہ اچانک بج اٹھنے والی فون کی گھنٹی نے ہمیں چونکا دیا۔

”صبح چھ بجے کسے فون کرنے کا خیال آ گیا؟“ ویرا وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر بے پروائی سے فون کا ریسیور اٹھا کر اپنے کان سے لگا لیا۔

”ہیلو! کیا میں ڈینی سے بات کر سکتا ہوں؟“ خالص امریکی لب و لہجے اور مردانہ آواز میں کیے گئے اس سوال نے میرے پورے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑا دیں۔ میرے لیے وہ آواز اجنبی نہیں تھی۔ اسے میں نے بہت کم سنا تھا لیکن پھر بھی میں اسے لاکھوں آوازوں میں الگ شناخت کر سکتا تھا۔ فون اٹھاتے ہی مجھے وہ مخصوص اور مترنم کلک کی آواز سنائی دی تھی جو ہر بین الاقوامی کال پر لازماً سنائی دیتی ہے۔

”تم کون بول رہے ہو؟“ میں نے اپنے ہیجان پر قابو پاتے ہوئے سرسری لہجے میں سوال کیا۔ میں اسے یہ احساس نہیں دلانا چاہتا تھا کہ میں نے اسے پہچان لیا ہے۔

”یہ غیر اخلاقی سوال ہے۔“ دوسری طرف سے شائستگی کے ساتھ کہا گیا۔ ”کیا ڈینی کے موجود ہونے یا نہ ہونے کا انحصار اس بات پر ہے کہ اُس سے کون بات کرنی چاہ رہا ہے؟ تم مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔ وہ موجود ہوا تو میں تمہیں اپنا نام بھی بتا دوں گا۔ ورنہ فون بند کر دوں گا۔ مجھے اس سے اہم بات کرنی ہے۔“

”امریکی واقعی مُنہ پھٹ اور بدتمیز ہوتے ہیں۔“ میں نے تلخی کے ساتھ کہا۔ ”تمہاری جگہ کوئی انگریز ہوتا تو اپنا تعارف کرائے اور ناوقت فون کرنے پر معذرت کیے بغیر اصل بات شروع نہ کرتا۔ تمہیں اندازہ ہے کہ اس وقت پاکستان میں صبح کے چھ بجے ہیں اور یہ وقت شرفا کی گہری نیند کا ہوتا ہے؟“

”مجھے یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں۔“ اس کی آواز میں بزہی عود کر آئی۔ ”انگریز اپنی ذہنی بیماریوں اور معذرت خواہانہ رویے ہی کی وجہ سے برٹش چینل اور بحرِ اوقیانوس کے چند جزائر تک محدود ہو کر رہ گیا ہے جب کہ امریکی دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک، بلکہ خلاؤں تک میں راج کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ پاکستان کے شرفا اکثر سوتے رہتے ہیں لیکن ڈینی کا شرافت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ اس کے سونے اور جاگنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ اگر وہ موجود ہے تو تم بے تکلفی کے ساتھ اسے بیدار کر دو۔ اسے مجھ سے بات کر کے خوشی ہو گی۔“

”ابھی تک تو کوفت ہی ہو رہی ہے۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟“ میں نے بدمزگی سے کہا۔

”کیا مطلب؟“ دوسری طرف سے بولنے والے کی تحیر زدہ آواز سنائی دی۔

”مطلب یہ کہ میں ڈینی ہی بول رہا ہوں۔ اب بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟“ میں نے اپنی شناخت کا کوئی حوالہ دیے بغیر بے زاری کے ساتھ کہا۔ ”میں اجنبیوں کے بے تکلفانہ طرزِ تخاطب کو عام طور سے نظرانداز نہیں کرتا لیکن مجبوری یہ ہے کہ تم میرے روبرو ہونے کے بجائے، کہیں دور سے بول رہے ہو اس لیے بس بولتے ہی چلے جاؤ۔“

”کمال ہے کہ تم نے میری آواز نہیں پہچانی!“ دوسری طرف سے کہا گیا ”میں جمی لائیڈ بول رہا ہوں۔“

”اوہ! تو یہ تم ہو۔ تم میری آواز نہیں پہچان سکے اور میں نے تمہیں نہیں پہچانا۔ حساب برابر ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں صبح سویرے اس خادم کا خیال کیسے آ گیا اور تمہیں میرا یہاں کا نمبر کیسے ملا؟“

”میں اس وقت لاس اینجلس سے بول رہا ہوں۔ یہاں کا وقت تم سے ٹھیک بارہ گھنٹے پیچھے ہے۔ بے دھیانی میں مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ پاکستان میں ابھی سورج بھی طلوع نہیں ہوا ہو گا۔ رہا تمہارا فون نمبر تو یہ یاد رکھو کہ تم کبھی بھی میری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو سکے۔ میرے ہمدرد اور خیر خواہ مجھے خبریں پہنچاتے ہی رہتے ہیں۔“

”کبھی کبھار میں بھی تمہارے خیر خواہوں کی گوشمالی کرتا رہا ہوں۔ میں پاکستان میں تمہارے نیٹ ورک سے بخوبی واقف ہو چکا ہوں۔ ہیری کیسنجر کا پورا قونصلیٹ بھی مل کر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا۔“

”مکاؤ کے ڈون کوانگ فو کے ساتھ تم نے بدترین نمک حرامی کی تھی۔ حال ہی میں اس کی شکایتیں مجھ تک پہنچی ہیں اور اب وہ کسی خونخوار ہاتھی کی طرح، تمہاری تلاش میں مصروف ہے۔ یہ تمہاری خوش قسمتی تھی کہ کوانگ فو پہلے سے تمہارے نام سے واقف نہیں تھا ورنہ تم مکاؤ سے زندہ نہیں لوٹ پاتے۔ تمہارا فون نمبر مجھے کوانگ فو سے ہی ملا ہے۔ تم اس کے آدمیوں سے جھوٹ بولتے رہے ہو کہ تم نے یہ مکان چھوڑ دیا ہے.....“

”میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میں نے ڈون کوانگ فو کے ساتھ کون سی نمک حرامی کی تھی۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر ترشی سے کہا۔ ”وہاں جو کچھ ہوا، بھرے مجمع میں سب کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ کوانگ فو نے اپنا اطمینان کرنے کے بعد ہی ہمیں مکاؤ چھوڑنے کی اجازت دی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اس کے کان بھر کر، اسے میرے پیچھے لگا دیا ہے تاکہ گوشت کے اس

پہاڑ کے ذریعے مجھے زیر کرنے کی اپنی دیرینہ حسرت پوری کرسکو۔"
"ایسا ہوتا تو میں اس وقت کوانگ فو کا نام بھی نہ لیتا۔ اس کے محل میں نیشی کاؤ کے قتل کی وجہ سے اس کی بہت بے عزتی ہوئی ہے۔ نیشی کاؤ کے ساتھیوں نے تم پر ہی قاتل ہونے کا شبہ ظاہر کیا تھا۔ پھر بعد میں کوانگ فو کو شی سے تمہاری دیرینہ رقابت کا بھی علم ہوگیا۔ اب تو میں تمہاری اور کوانگ فو کی لڑائی سے لطف اندوز ہونے کے موڈ میں ہوں۔ یہ مقابلہ روایتی اور بہت دلچسپ ثابت ہونا چاہیے۔"
"دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ پہلے کی طرح عبرتناک بھی ہوگا۔" میں نے زہریلے انداز میں کہا۔ "کم از کم کوانگ فو کے بدن سے پھپھوندی کی تہ ضرور اتر جائے گی۔ تم نے مکاؤ کا ذکر چھیڑ دیا ہے لیکن ہیری کیسنجر اور اس کے قونصلیٹ کے بارے میں کوئی رائے زنی نہیں کی؟ تمہارے لیے وہ لوگ قابلِ قدر خدمات انجام دیتے ہیں۔"
"دیکھو ڈیپی! آپس کے معاملات میں ایسے معززلوگوں کے نام نہ لو جو تمہاری دسترس سے باہر ہوں۔" جمی لائیڈ کی آواز یک بیک سرد اور گمبھیر ہوگئی۔ "یہ وہ لوگ ہیں جن سے حکومتیں اور مقبول حکمراں تک تھراتے ہیں۔ ان کے بارے میں غیرذمے داری سے زبان کھول کر تم خود پر عرصہ حیات تنگ کرلو گے۔"
"تم اسی قونصلیٹ کے آرنیٹ کا حشر بھول رہے ہو۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "ہیری کیسنجر بھی ہروقت میری دسترس میں ہے۔ یہ میرا ملک ہے۔ یہاں وہ بزدلوں اور چوروں کو خوفزدہ کرکے بلیک میل کرسکتے ہیں۔ مجھے نہیں جھکا سکتے۔ میں ہروقت اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتا ہوں کیونکہ یہ صرف ایک بار جانی ہے' اور جب اس کا وقت آجائے گا تو دنیا کی کوئی طاقت یا تدبیر اسے نہیں روک سکے گی۔"
"میں نے اپنا فرض پورا کردیا۔ اگر تم خود کو عبرت کا شاہکار بنانے پر تل گئے ہو تو کوئی تمہارے دماغ کا فتور زائل نہیں کرسکتا۔ یہ یاد رکھنا کہ چٹانوں سے سر پھوڑنے والے ہمیشہ خود ہی لہولہان ہوتے ہیں' چٹانوں میں خفیف سی دراڑ بھی نہیں پڑتی۔ یہ ایک ابدی کلیہ ہے اور تم اس سے مستثنیٰ نہیں ہو۔"
"ان ہمدردانہ مشوروں کا شکریہ۔ کیا تم نے صرف یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا؟" میرا لہجہ زہریلا ہوگیا۔
"مجھ پر دانت پیسنے کی ضرورت نہیں۔" ریسیور میں جمی لائیڈ کی غراہٹ ابھری۔ "شاید ویرا نے تمہیں بتادیا ہوگا کہ میرے اور اس کے درمیان مصالحت ہوچکی ہے اور اس کے نتیجے میں تمہاری پوزیشن بھی تبدیل ہوگئی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ویرا تم کو پسند کرتی ہے۔ مجھے اس کی پسند کا لحاظ کرنا پڑے گا۔ اب میں سفاکانہ انداز میں تمہاری گردن کاٹنے کا حکم جاری نہیں کرسکتا۔"
میں نے کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھا۔ وہ پوری طرح میری طرف متوجہ تھی۔ وہی کیا' بقیہ تینوں بھی اس وقت ہمہ تن گوش بنے ہوئے تھے اور میری یک طرفہ گفتگو سن کر انہوں نے اندازہ کرلیا تھا کہ اس وقت میری جمی لائیڈ سے بات ہو رہی تھی۔
"شاید تمہیں علم نہیں کہ تمہارے بدگوشت نے مکاؤ میں زبردستی میری شادی کرادی تھی۔" میں نے دانستہ ایسے الفاظ کا انتخاب کیا کہ ویرا کو دوسری طرف سے کہی ہوئی بات کا اندازہ ہوسکے۔
"مجھے سب کچھ معلوم ہے لیکن تمہاری اس جبری شادی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم مسلمان تو ایک وقت میں چار عورتیں بھی رکھ سکتے ہو۔ مغرب میں بیوی ایک ہی ہوتی ہے لیکن گرل فرینڈز اور بوائے فرینڈز کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ ویرا کچھ عرصے کے لیے تمہاری گرل فرینڈ رہ سکتی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ اپنی پسند ہر قیمت پر حاصل کرکے رہتی ہے۔ وہ جلد ہی تمہاری بیوی کا کوئی نہ کوئی تدارک کرلے گی۔"
"اگر یہ تمہاری طرف سے اوپن پرمٹ ہے تو میں بخوشی اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔"
"میں احمقوں کی دنیا میں رہنے کا عادی نہیں ہوں' حقائق کی دنیا کا آدمی ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ویرا جیسی لڑکی کے جھکاؤ کو دنیا کا کوئی مرد نظرانداز نہیں کرسکتا۔ تم دونوں کے مراسم پہلے ہی بے تکلفی کی حدوں سے بہت زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ ان حالات میں میرے پرمٹ دینے یا نہ دینے سے کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوسکتی اور تمہیں پوری سنجیدگی کے ساتھ میرے بدلے ہوئے رویّے کو قبول کرلینا چاہیے۔"
جمی لائیڈ ناجائز اور غیر قانونی ہی سہی لیکن ویرا کا باپ تھا۔ اس کی زبان سے وہ گفتگو سن کر میری پیشانی عرق آلود ہونے لگی۔ مغربی معاشرے کے نچلے طبقوں میں رائج بہت سی برائیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ہر جوان لڑکی کے والدین محدود مفہوم میں اس کے بوائے فرینڈ کو قبول کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار رہتے تھے لیکن امرا اور شرفا کے طبقات میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے مادرپدر آزاد میل جول کو بے راہ روی ہی سمجھا جاتا تھا جبکہ جمی لائیڈ مجھ جیسے ایک ایشیائی کو اپنی لڑکی پر ہر قسم کے تصرّف کی کھلی چھوٹ دینے پر آمادہ تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ اس تصرف کی بنا پر مجھے کچھ رعایتیں دینے کا بھی اعلان کررہا تھا۔
"میں نے تمہاری کہی ہوئی ہربات پوری سنجیدگی کے ساتھ نوٹ کرلی ہے۔" میں نے اضطراری طور پر اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے' چور نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری بات ختم ہوگئی ہو تو اب میں فون بند کرکے سونے کے لیے چلا جاؤں؟ مجھ پر نیند کا غلبہ ہونا شروع ہوگیا ہے۔"
"یہ سب رسمی باتیں تمہیں جو روا روی میں نکلتی چلی آئیں۔ اب یہ بتاؤ کہ ویرا کہاں ہے؟" ایک گہرے سانس کے بعد اس نے

بوجھل آواز ابھری۔ "مجھے اس سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

میں نے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے اسے آنکھ ماری اور ماؤتھ پیس میں کہا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ ویرا ایک آزاد منش لڑکی ہے۔ وہ اپنی نقل و حرکت کے بارے میں مجھے تو کیا' کسی کو بھی اعتماد میں لینے کی عادی نہیں ہے۔ میں اس کے موجودہ ٹھکانے سے لاعلم ہوں۔"

"تمہاری اس سے آخری ملاقات کب ہوئی تھی؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد سوال کیا گیا۔

"میں کافی عرصے سے اس سے ملنے کا متمنی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ شہر سے باہر گئی ہوئی ہو۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" جمی لائیڈ کی آواز غصیلی ہو گئی۔ "ایران روانہ ہونے سے پہلے وہ تمہارے ساتھ دیکھی جا رہی تھی۔ یہ کوئی بہت پرانی بات نہیں ہے۔ شاید اس نے تمہیں ایران کے مشن کے بارے میں بھی بتایا ہوگا۔"

"وہ کسی بلیو کراس ڈیل کی فکر میں لگی ہوئی تھی۔" میں نے اسے چھیڑنے کے لیے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔ "میرے اصرار کے باوجود اس نے مجھے اس ڈیل کے بارے میں کچھ نہیں بتایا پھر وہ کوانگ فو سے غزالہ کی واپسی کے انتظامات طے کرنے کے بعد اچانک کوئٹہ چلی گئی۔ اس کے بعد میری اور اس کی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"یہ کوئٹہ کیا ہوتا ہے؟" جمی لائیڈ کا وہ سوال بے ساختہ اور اضطراری تھا۔

"یہ پاکستان کے مشرقی علاقے کا ایک سرحدی شہر ہے جو ایران کے قریب واقع ہے۔"

"اوہ! میں سمجھا یہ کہوٹہ کا بگڑا ہوا یا مقامی تلفظ ہے۔ چند ثانیوں کے لیے میں الجھن میں پڑ گیا تھا کہ۔۔۔ ویرا کو ایران جانے کے لیے کہا گیا تھا تو وہ کہوٹہ کیسے پہنچ گئی؟ کوئٹہ اور کہوٹہ بہت ملتے جلتے نام ہیں۔"

اس کی زبان سے یوں بے ساختہ انداز میں کہوٹہ کا ذکر بہت معنی خیز تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ کہوٹہ کا نام مغرب کی ہر قابلِ ذکر شخصیت کے ذہن پر ایک آسیب بن کر سوار تھا۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جمی لائیڈ کو کریدنے کی نیت سے سوال کیا۔ "کہوٹہ تو پاکستان کا بہت چھوٹا اور غیر معروف قصبہ ہے۔ تم اس کے نام سے کیسے واقف ہو؟ پاکستان کے عام نقشوں میں تو اسے دکھایا بھی نہیں جاتا۔"

جمی لائیڈ کی جوابی ہنسی بہت گھنی تھی۔ اس نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ تمہارے حکمراں تم لوگوں کو بھی اس ایٹمی ہیبت کدے سے بے خبر رکھنے کی کوشش کرتے ہوں ورنہ پوری دنیا میں اس نام کے چرچے ہیں کیونکہ وہاں چوری چھپے یورینیم افزودہ کر کے بھیانک ایٹمی ہتھیار بنائے جاتے ہیں اور سنجیدہ عالمی قوتیں پہاڑوں سے گھری ہوئی اس وادی کو ہولناک ایٹمی تابکاری سے یکسر آزاد رکھنے کی خواہاں ہیں۔ کمال ہے کہ تم اتنے بے خبر ہو!"

"اس ملک کے لیے غربت' جہالت اور بیماریاں' ایٹمی تابکاری سے زیادہ مہلک ثابت ہو رہی ہیں لیکن ان کے سدِباب کے لیے کسی سنجیدہ عالمی قوت کو زبان ہلانے کی توفیق نہیں ہوئی تو اب یورینیم کی افزودگی کے معاملے میں ہر ایک پر یک بیک ہمدردی کے دورے کیوں پڑ رہے ہیں؟ کیا یہ کھلی ہوئی منافقت نہیں ہے؟"

"ہوگی۔" اس کی آواز سے بے پروائی مترشح ہونے لگی۔ "مجھے ان جھگڑوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ ارتقا سے پہلے انسان گروہوں کی شکل میں رہتا تھا اور اپنے گروہ کے مفاد سے آگے نہیں سوچتا تھا۔ پھر بستی' قصبے اور شہر کی بنیادوں پر مفادات طے ہونے لگے۔ آج انسان ملکوں یا قوموں کی صورت میں بٹے ہوئے ہیں لیکن ارتقا کا غیر محسوس عمل تیزی سے جاری ہے۔ تم دیکھ لینا کہ اکیسویں صدی میں عالمی معاشرے اور برادری کا تصور سر اٹھائے گا جس میں قطب شمالی میں رہنے والے ایک اسکیمو اور نیویارک میں رہنے والے خلا باز کی سوچ اور مفادات میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ دور اندیش قومیں ابھی سے ان خطرات کا تدارک کرنا چاہ رہی ہیں جو آنے والے دنوں میں عالمی برادری کے تصور کے لیے نقصان دہ ثابت ہوں گے۔"

"اور شاید امریکا اس عالمی برادری کا پولیس مین بننے کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ جسے چاہتا ہے گردن سے پکڑ لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے' کھلی چھوٹ دے دیتا ہے۔ اس کی لغت میں عالمی مفادات کا مطلب صرف اور صرف امریکی مفاد ہوتا ہے۔ اسی لیے اس نے اسرائیل کو بھلا کر کہوٹہ کا نقارہ بجایا ہوا ہے۔"

"معاشرتی ارتقا اور ٹوٹ پھوٹ کے عمل میں ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے کہ بدلنے والی قدروں میں طاقت در عناصر کی مرضی حاوی رہتی ہے۔ تم اس فطری رویّے سے منکر نہیں ہو سکتے۔ یہ ایک طویل بحث ہے۔ میں اس میں نہیں الجھنا چاہتا۔ ویسے ہی میری یہ کال کافی طویل ہو گئی ہے۔ میں ویرا سے بات کرنی چاہتا ہوں۔"

"ویرا سے میری ملاقات ہوئی تو میں تمہارا پیغام اس تک پہنچا دوں گا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"تم میری خاطر اسے تلاش کرو۔" اس نے زور دے کر کہا۔ "مجھے اس سے بہت اہم بات کرنی ہے۔ تم اسے بتا سکتے ہو کہ میں ایران میں اس کی ناکامی کے سبب سے واقف ہوں۔ پاکستان' ایران اور ترکی کی حدود میں موجود سیٹلائیٹ نیٹ ورک کے ذریعے مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ ایک گاڑی کی خرابی کی وجہ سے ویرا کا کام نہیں بن سکا لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ پاکستان کے سرحدی پہاڑوں سے آگے' ہمارا نیٹ ورک اس کارواں کا سراغ کھو بیٹھا ہے۔ اس کی نقل و حرکت یا منزل کا پتا چلانا لازمی ہو گیا ہے۔۔۔۔۔"

"یہ تم کس کارواں اور نیٹ ورک کی بات کر رہے ہو؟" میں

نے اس کی قطع کلامی کرتے ہوئے 'الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ جمی لائیڈ کی وہ گفتگو بلیو کراس ڈیل کے تحت آنے والے کارواں کے بارے میں تھی۔ مگر میں انجان بن کر اسے اپنی بے خبری کا مکمل یقین دلانا چاہ رہا تھا۔

"تم بس ویرا کو یہ بتادینا۔" جمی لائیڈ کی جھلّائی ہوئی آواز ابھری۔ "آج تم بہت زیادہ غیر ضروری باتیں کررہے ہو۔ ویرا مناسب سمجھے گی تو تمہیں بقیہ تفصیلات بھی بتادے گی۔ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ پاکستان آنے والے 'میرے ایک دوست کو ویرا کی مدد درکار ہوگی۔ وہ مجھے فون کرے گی تو میں اسے اپنے دوست کے بارے میں بتادوں گا۔ ان دو معاملات کی اہمیت کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتے ہو کہ میں نے کوانگ فو سے تمہارا فون نمبر لینے کے بعد تم سے براہِ راست رابطہ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم ماضی کی تلخیوں کو بھلا کر مجھ سے تعاون کروگے۔"

"تمہارے مصالحت آمیز رویّے نے مجھے سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔ میں ویرا کو پیغام پہنچانے کی پوری کوشش کروں گا۔ اس کے بعد کے معاملات کا انحصار تمہارے اپنے رویّے پر ہوگا۔"

"اتنی بات ہوگئی ہے تو لگے ہاتھوں یہ بھی بتادو کہ بیم گن اور سلور آئی کہاں ہے؟" اس نے اچانک ہی وہ نازک موضوع چھیڑ دیا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہیں اپنے ساتھ ملانے کے بعد مافیا بھی غرق ہوگئی ہے۔ ان کے ذریعے ملنے والا 'تمہارا جواب میرے لیے کبھی بھی تسلی بخش نہیں رہا ہے۔ وہ دونوں چیزیں تمہارے پاس ہونی چاہئیں۔"

"مجھے یاد نہیں پڑتا کہ ان میں سے کوئی چیز میرے پاس رہی ہو۔"

"پھر بھی سوچنے کی کوشش کرو۔ ہوسکتا ہے کہ تم نے انہیں کہیں گنوادیا ہو۔"

"میں غور کروں گا لیکن مجھے امید نہیں کہ اس کا نتیجہ کچھ مختلف نکلے گا۔"

جمی لائیڈ نے مجھے ویرا کے بارے میں یاد دہانی کراتے ہوئے فون کا سلسلہ موقوف کردیا۔

جمی لائیڈ کی وہ فون کال ہم میں سے ہر ایک کے لیے غیر متوقع تھی۔ میرے لیے اس کال کی اہمیت یوں بھی بہت زیادہ تھی کہ میرے ٹی سے باغی ہونے کے بعد اس نے پہلی بار مجھے کسی قسم کا مصالحت کا عندیہ دیا تھا۔ مجھے اس امر کا اعتراف کرنے میں کوئی شرمندگی نہیں تھی کہ وہ پاکستان سے ہزاروں میل دور رہنے کے باوجود 'یہاں کے حالات سے پوری طرح باخبر تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میں نے ٹی میں رہتے ہوئے 'پاکستان میں ہیروئن کی ترویج کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تھا۔ پھر بلی اور چوہے کے اس ہولناک کھیل میں 'میں نے اپنے محدود وسائل کے باوجود ٹی کی تنظیم اور اس کے مفادات کو پاکستان سے یورپ تک ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا تھا تو دوسری طرف اس کی حریف تنظیم 'مافیا میں شامل ہو کر بھی میں نے اپنے مشن کو خیرباد نہیں کہا تھا۔ جس طرح پاکستان سے ٹی والے اپنا بوریا بستر لپیٹ کر فرار ہونے پر مجبور ہوگئے تھے' اسی طرح مافیا کا بھی کریا کرم کردیا گیا تھا۔ میرے حق میں یہ بہت اہم بات تھی کہ جمی لائیڈ مافیا کی تباہی کا سہرا بجا طور پر میرے سر باندھ رہا تھا۔ یہ نکتہ میری اور جمی لائیڈ کی آئندہ مصالحت میں کلیدی کردار ادا کرسکتا تھا اور میں اس کی طرف سے بے خوف ہو کر زندگی گزار سکتا تھا۔

جب تک میں اسلام آباد میں تھا تو مجھے کراچی کے دو سنگین معاملات کی فکر لاحق تھی۔ ان میں سے سردار پائندہ گل اور عبدالرحیم خان کے آدمیوں کا معاملہ تقریباً طے ہوچکا تھا۔ اس وحشت ناک مقابلے میں جنت گل جیسی نرم و نازک اور لچک دار لڑکی کی رفاقت مفت انعام کی صورت میں میرے ہاتھ آئی تھی۔ دوسرے معاملے کا تعلق کسی چینی کی اُن فون کالز سے تھا جو ڈون کوانگ فو سے منسوب کی جارہی تھیں۔ جمی لائیڈ سے کھلی کھلی گفتگو ہونے کے بعد یہ واضح ہوگیا تھا کہ ڈون کوانگ فو اپنی بے عزتی کا انتقام لینے کے لیے واقعی میری تلاش میں سرگرداں تھا اور شاید جمی لائیڈ سے مصالحت ہوجانے کے باوجود مجھے اپنے طور پر اس سے معاملات طے کرنے تھے۔

اول خان کے لیے جمی لائیڈ کا موضوع بہت زیادہ دلچسپی کا باعث نہیں تھا اس لیے وہ میرا بتایا ہوا خلاصہ سننے کے بعد ہی فلیٹ سے رخصت ہوگیا۔ وہ جیک رونالڈو وغیرہ کے معاملے میں اپنی پوزیشن صاف رکھنے کے لیے صبح سویرے اپنے افسرانِ بالا کو اعتماد میں لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہ اپنا دامن بچاتے ہوئے 'جلد از جلد ان کی اصلیت کا کھوج لگا کر کسی نتیجے پر پہنچ جانے کے لیے بے چین تھا۔ البرٹو ۔بلیسا کے قصے کی ابتدا اسپیشل ٹاسک فورس میں شمولیت سے ہوئی تھی اس لیے وہ کرنل جیسی جونز کے معاملے کو نمٹانے کی ذمے داری بھی اپنے سر پر ہی محسوس کررہا تھا۔ دوسری اہم ترین بات یہ تھی کہ اپنے آقاؤں کے اشارے پر بلیو کراس ڈیل والے کارواں کو ٹھکانے لگانے کی ناکام سازش کرنے والے لوگ اس مشینی قافلے کی یکایک گم شدگی پر بہت زیادہ حیران تھے اور دوبارہ اس کا کھوج لگانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ اس ساز و سامان کی منتقلی کے ذمے داروں کو یہ بتایا جانا بہت ضروری تھا کہ ان کے سروں پر منڈلاتا ہوا خطرہ بدستور موجود تھا اور ان کی ذرا سی بھی بے احتیاطی ایک ہولناک صورتِ حال کو جنم دے سکتی تھی۔ یہ کام بھی اول خان ہی بہتر طور پر سرانجام دے سکتا تھا ورنہ کوئی اور بلیو کراس ڈیل کا حوالہ بھی دے بیٹھتا تو اسے یہ واضح کرنے میں تارے نظر آجاتے کہ اس کو وہ کوڈ نام کہاں سے اور کیسے معلوم ہوا ہے۔

میں نے جمی لائیڈ کی گفتگو میں موجود وہ حوالے دانستہ طور پر

حذف کردیے تھے جن کا تعلق میرے اور ویرا کے باہمی تعلقات سے تھا۔ ویرا اس حد تک بات کھل جانے کے بعد شیئر ہوسکتی تھی جب کہ وہ متن غزالہ کے لیے دل آزاری کا سبب بن سکتا تھا۔

ویرا نے فون پر دیے جانے والے میرے جوابات کو شاید بہت غور سے سن کر ذہن نشین کرلیا تھا اور میرے سنائے ہوئے خلاصے کو ان جوابات سے ملاتی رہی تھی۔ اس نے اول خان کے جاتے ہی سوال داغ دیا کہ میں نے جمی لائیڈ سے اوپن پرمٹ والی بات کس سلسلے میں کی تھی اور اس سے پہلے میں نے اسے یہ یاد دلانا کیوں ضروری سمجھا تھا کہ مکاؤ میں کوانگ فو نے میری جبری شادی کرادی تھی۔

"وہ دراصل بے فکری اور عیش و نشاط کی پُر فریب زندگی کے بارے میں اپنا فلسفہ مجھ پر تھوپنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس نے مجھے اپنے گروہ کی آزاد خیال خواتین سے متعارف کرانے کی پیشکش تک کرڈالی تھی۔ اس کے جواب میں مجھے وہ سب کہنا پڑا تھا۔" میں نے اصل بات سے ملتا جلتا بہانہ بناتے ہوئے کہا۔

"مبارک ہو۔" ویرا مسکرا کر بولی۔ "اب تو تمہارا حریف بھی تمہارے مزاج کو سمجھنے لگا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اس بار اُس نے تمہارے ساتھ دوستانہ رویۂ اختیار کیا ہے ورنہ وہ ہمیشہ تمہارے خون کا پیاسا رہا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ بلیو کراس ڈیل کے لیے وہ تمہیں بھی استعمال کرنا چاہتا ہے۔" سلطان شاہ نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "اسی لیے اس بار اس کی گفتگو دوستانہ رہی ہے۔ تمہیں اس سے ہوشیار رہنا ہوگا۔"

"تم نے میری اکھڑی اکھڑی ہوئی گفتگو سے اندازہ لگالیا ہوگا کہ میں نے اس کے بدلے ہوئے لب و لہجے کو زیادہ اہمیت دینے کے بجائے نظرانداز کیا ہے۔ فوری طور پر تو مجھے یہ فکر لاحق ہے کہ اگر کوانگ فو میری تلاش میں ہے تو اس کے آدمی کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ ہمیں اب اپنا ٹھکانا بدل لینا چاہیے۔"

"یہ دانشمندانہ فیصلہ ہوگا۔" غزالہ نے وہاں سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "روز روز کی مار دھاڑ اور بھاگ دوڑ سے اب میری طبیعت بیزار ہونے لگی ہے۔" یہ کہتی ہوئی' وہ سونے کے لیے چلی گئی۔

"اور مجھے یہ فکر ہے کہ اس کا کون سا دوست یہاں آرہا ہے جو میری مدد کا طلب گار ہوگا۔" ویرا نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آج میری اور تمہاری ملاقات ہو ہی جانی چاہیے۔"

میں نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا تو اس نے ہنستے ہوئے مجھے یاد دلایا کہ میں نے خود ہی جمی لائیڈ سے یہ کہا تھا کہ میری اور اس کی کافی عرصے سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔

جمی لائیڈ کی اس فون کال سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ فوری طور پر ویرا سے بات کرنے کا متمنی تھا۔ اگر اس بندوبست میں غیر ضروری تاخیر کی جاتی تو عین ممکن تھا کہ جمی لائیڈ کی وہ ایمرجنسی ختم ہوجاتی اور وہ دوبارہ اپنی پرانی ڈگر پر لوٹ آتا اس لیے میں نے پوری طرح ویرا کی رائے کی تائید کی اور کچھ بحث مباحثے کے بعد ہم نے یہ طے کرلیا کہ تھوڑی دیر تک آرام کرنے کے بعد بازار سے ایک اسپیکر فون خرید لیا جائے تاکہ سب لوگ بیک وقت دو طرفہ مکالمات سن سکیں۔ ویرا کو اس تجویز پر کوئی اعتراض نہیں تھا کیونکہ اس نے ہمارے سامنے اپنی ساری رازداری ختم کی ہوئی تھی اور ایک اعتبار سے وہ ہماری صفوں میں شریک ہوچکی تھی۔

ہم لوگ ناشتا وغیرہ کرکے سوئے تو پھر شام ہی کی خبر لائے۔ سلطان شاہ دوپہر میں کسی وقت بیدار ہو کر بازار سے اسپیکر فون لے آیا تھا اور دوبارہ گدھے گھوڑے بیچ کر سوگیا تھا۔

پانچ بجے اول خان کا فون آیا اور اس نے بتایا کہ جیک رونالڈو کے ساتھ آنے والا اس کا ماتحت اور ہم وطن تھا۔ اس کا نام پال ایتھرٹن تھا۔ دستیاب معلومات کے مطابق وہ دونوں ڈلاس کی ایک نجی اسلحہ ساز کمپنی میں حسّاس ترین بارودی سرنگوں اور ڈیٹونیٹرز کے ماہرین تھے۔ کھونہ میں پائے جانے والے پُراسرار بندروں کی جانچ پڑتال اور تحقیقات کے لیے نجی طور پر ان دونوں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ کراچی میں جانوروں کی پیچیدہ سرجری اور دیگر فنی مسائل پر بہتر سہولتیں میسر تھیں اس لیے ان دونوں کو کراچی میں مہمان رکھ کر' باقی ماندہ دو بندروں کو اسلام آباد سے کراچی لایا جارہا تھا تاکہ وہ جلد از جلد اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس لوٹ سکیں۔ ان دونوں کو سائٹ کے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرایا گیا تھا۔

ان دونوں کی آمد میں کسی قسم کے سفارتی ذرائع ملوث نہیں تھے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ انہیں کن لوگوں نے آئی بی والوں کی فرمائش پر پاکستان بھیجا تھا۔ جیک رونالڈو ان دونوں بندروں کو بے ضرر بنا کر' مزید تحقیقات کے لیے اپنے ساتھ امریکا لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

جیک رونالڈو نے فرینکفرٹ کے راستے' اس طویل سفر کی رنگینی سے لطف اندوز ہونے کے لیے اکانومی کلاس میں سفر کرنا پسند کیا تھا اور یہ بھی اسی کی ذہنی اپچ تھی کہ ان دونوں نے کراچی پہنچنے کے بعد وی آئی پی سہولتوں سے استفادہ کرنے کے بجائے عام مسافروں کے ساتھ باہر آنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اول خان کی جمع کی ہوئی وہ معلومات چونکا دینے والی تھیں۔ ان کی روشنی میں وہ دونوں ہی مشتبہ تھے۔ انہوں نے عام مسافروں والے راستے کو صرف اس لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا کہ وہ البرٹو ویلیسا کے بھیجے ہوئے کسی آدمی سے رابطہ کرسکیں اور وہ اپنی دانست میں اس کوشش میں کامیاب رہے تھے۔ اگر البرٹو ویلیسا زندہ ہوتا تو کرنل جیسی جونز کے تشنہ پیغام کی روشنی میں اس کے فرشتے بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکتے تھے کہ اس کے متوقع مہمان اہم سرکاری حیثیت میں پاکستان پہنچیں گے۔ اس کی ساری توجہ عام

مسافروں پر مرکوز رہتی اور جیک رونالڈو یا پال ایتھرٹن کو اس سے رابطہ کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔

اول خان اس بارے میں کوششوں میں لگا ہوا تھا لیکن میں نے وہ اطلاعات حاصل کرتے ہی اپنا ذہن بنالیا تھا۔ ہم ایک دوسرے سے الگ رہ کر موثر انداز میں کام کرسکتے تھے۔

دیکھنے والی بات صرف یہ تھی کہ پاکستان پہنچنے والے دونوں امریکی وہی تھے جنھوں نے ڈلاس سے غالباً نیویارک اور پھر فرینکفرٹ کے راستے کراچی کے سفر کا آغاز کیا تھا یا اصل افراد کو راستے میں کہیں غائب کرکے، ان دونوں نے ان کی جگہ لے لی تھی۔ یہ سوال اپنی جگہ بہت اہم تھا اور اسی کے جواب پر ان لوگوں کی بے گناہی یا سازش میں ملوث ہونے کا انحصار تھا جنھوں نے آئی بی والوں کی درخواست پر ان دونوں ماہرین کو ڈلاس سے کراچی روانہ کرنے کا بندوبست کرنے کی ذمے داری قبول کی تھی۔

میں نے آنے والوں کی اصلیت کے بارے میں اپنے نظریے سے اول خان کو بھی آگاہ کردیا تھا تاکہ وہ موقع محل کی مناسبت سے اس بارے میں چھان بین کرکے اپنی تسلی کرلے۔ یہ نکتہ پہلے سے اس کے ذہن میں موجود تھا کہ آنے والوں کو البرٹو ویلیسا کی موت کی ہوا بھی نہ لگنے دی جائے اور لاجنگلس سیکیوریٹی سیل میں ہونے والی بھیانک آتشزدگی میں اصل بدنصیب کے بجائے ظفر ہی کے جل مرنے کا بیان برقرار رکھا جائے تاکہ اس سے اسی منصوبے کی تصدیق ہوسکے جو البرٹو ویلیسا نے اپنی محفوظ روپوشی کے لیے تیار کیا تھا۔

ان سب معاملات سے نمٹنے کے بعد جمی لائیڈ کو فون کرنے کی فرصت میسر آئی تو وال کلاک کی سوئیاں ساڑھے سات بجے سے آگے بڑھ چکی تھیں۔ جو لاس اینجلس کے حساب سے کوئی ناگوار وقت نہیں تھا۔

اسپیکر فون کو لائن سے جوڑنے کے بعد ایک الل ٹپ مقامی نمبر ڈائل کرکے اس سیٹ کو چیک کیا گیا۔ اسپیکر پر دوسری طرف کی واضح آواز سن کر ویرا نے کوئی جواب دیے بغیر سلسلہ منقطع کردیا۔

اس دیکھ بھال کے بعد ویرا بین الاقوامی کوڈ کے ذریعے جمی لائیڈ کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگئی۔ ویرا کے ساتھ برسوں کے طویل عرصے پر محیط عداوت اور رفاقت میں وہ پہلا موقع تھا کہ وہ میری موجودگی میں اپنے باپ سے فون پر گفتگو کرنے والی تھی ورنہ مجھے وہ ابتدائی ایام بھی یاد تھے جب لاہور میں لائیڈز کاٹج نامی قلعے میں ویرا کسی دیوانی کی طرح میرے ساتھ اپنے باپ کی تصویر تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ ان دنوں وہ شی میں سیاہ پوش بلیک کوئین ہوا کرتی تھی اور اس کے قہر سے بڑے بڑے بدمعاش بھی تھرایا کرتے تھے۔ ایک طرف ویرا کا وہ لرزہ خیز روپ ہوا کرتا تھا تو دوسری طرف اس کے دل میں جمی لائیڈ کی طرف سے گہری نفرت بھری ہوئی ہوتی تھی کیونکہ جمی لائیڈ نے اس کا غیر قانونی باپ ہونے کے باوجود اسے کبھی بھی اپنی بیٹی تسلیم نہیں کیا تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ حالات میں بھی انقلاب رونما ہوا چکا تھا۔ پدر الحرام اور بنت الحرام میں سمجھوتا ہوچکا تھا۔ باپ نے اسے اپنی بیٹی مان لیا تھا اور وہ اپنی خود ساختہ حدود میں اپنے باپ کی وفادار رہنے کا عہد کرچکی تھی۔

لاس اینجلس سے فون کا رابطہ ہونے پر پہلی دو گھنٹیوں پر کوئی جواب نہیں آیا۔ ویرا کے چہرے پر ہلکی سی مایوسی اتر آئی۔ اسپیکر فون آن تھا اس لیے میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے انتظار کرنے کی ہدایت کی پھر تیسری گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے ہی اسپیکر فون پر بین الاقوامی رابطہ ہونے کی مخصوص آواز سنائی دی پھر کمرا گویا جمی لائیڈ کی بھاری اور تحکم آمیز ہیلو سے بھر گیا۔

"ہیلو ڈیڈ! میں ویرا بول رہی ہوں۔" خود پر قابو رکھنے کی کوشش کے باوجود ویرا کی آواز جذباتی ہوگئی تھی۔

"ہیلو ڈارلنگ!" جمی لائیڈ کا لہجہ سرد اور رسمی سا تھا جو فوراً ہی تادیبی ہوگیا۔ "تم نے پھر ہی غلطی دہرائی۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں نے تمھیں صرف تنہائی میں اور اپنے روبرو ہر طرزِ تخاطب کی اجازت دی ہے۔ دوسری صورتوں میں میں تمہارا ڈیڈ نہیں بلکہ صرف اور صرف باس ہوں۔" اس نے ویرا کی کسی بھی قسم کی مزاج پرسی کیے بغیر جس روکھے انداز میں اسے سرزنش کی تھی، اس پر میرا دل اس کے لیے نفرت سے بھر گیا۔

"سوری باس، مجھے اعتراف ہے کہ میں طویل وقفوں کے بعد اپنے کانوں میں تمہاری آواز سنتی ہوں تو جذباتی ہوجاتی ہوں اور اپنا وعدہ بھول جاتی ہوں۔ تم نے ڈینی کے ذریعے مجھے یاد کیا تھا۔"

"تم اس وقت کہاں سے بول رہی ہو؟" جمی لائیڈ بہت چالاک اور مکار تھا۔ اس نے اپنی اصل بات شروع کرنے سے پہلے ہی احتیاطی پیش بندیوں کا مظاہرہ کرنا شروع کردیا تھا۔

چند ثانیوں کے لیے ویرا کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار نظر آئے لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور جلدی سے بولی۔

"میں اس وقت ڈینی کے فلیٹ میں تنہا ہوں۔ وہ اپنی بیوی کو کھانے پر باہر لے گیا ہے۔ آج سارا دن وہ میری تلاش میں سرگرداں رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی وہ مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہوا تھا اور میں اس کے پروگرام سے واقف ہونے کے بعد اسی کے ساتھ چلی آئی۔"

"تم فون بند کردو۔ میں تمھیں رنگ کرتا ہوں۔" جمی لائیڈ نے اس کا جواب سنے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ ویرا نے بھی ایک گہرا سانس لے کر اسپیکر فون کا بٹن آف کردیا۔

وہ خود نمبر ملا کر اس بات کی تصدیق کرنی چاہتا تھا کہ ویرا اس سے جھوٹ نہیں بولی تھی اور یہ غنیمت تھا کہ اس وقت ویرا نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ ورنہ وہ بری طرح پھنس سکتی تھی۔ وہ آخر اس کا خون تھی اور اس کی رگ رگ سے بخوبی واقف تھی۔ اس نے فون آف کرنے کے بعد دونوں ہاتھ جوڑ کر طمانیت کے اظہار

میں اپنی آنکھیں چھت کی طرف اٹھا کر "خدا کا شکر ہے کہ....." ہی کہا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی اور اس نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ کر ایک سیکنڈ بھی ضائع کیے بغیر اسپیکر فون دوبارہ آن کر دیا۔
"ہیلو، تو تم اسی کے نمبر پر ہو۔" بلا کسی تمہید کے جمی لائیڈ کی جذبات سے عاری آواز ابھری۔ "تمہیں یقین ہے کہ اس فون میں لگا ہوا کوئی بگ ہماری گفتگو ریکارڈ نہیں کر رہا ہو گا؟"
"میں اتنی احمق نہیں ہوں، باس میں نے یہ اطمینان کر لینے کے بعد ہی اس اپریٹس سے تمہارا نمبر ملایا تھا۔ دراصل یہاں سے میں سکون اور آزادی کے ساتھ بات کر سکتی ہوں۔ کسی پبلک کال آفس پر میری ذات بلاوجہ ہی لوگوں کی توجہ کا نشانہ بن جاتی۔ یہ لوگ سفید فام لڑکیوں کو بہت للچائی ہوئی نظروں سے گھورتے ہیں۔"
"تم کہاں رہ رہی ہو؟ کیا وہاں فون کی سہولت نہیں ہے؟" جمی لائیڈ نے پوچھا۔
"میں نے خشک گودی میں مرمت کے لیے کھڑے ہوئے ایک جہاز کے سیکنڈ آفیسر کے کیبن میں روپوشی اختیار کی ہوئی ہے۔ جہاز پر ریڈیو ٹرانسمیٹر موجود ہے مگر فون نہیں ہے۔"
"خیر، وہ تمہارے ذاتی معاملات ہیں۔ بس اتنا یاد رکھنا کہ ڈینی روئے زمین کے حرامی ترین آدمیوں میں سے ایک ہے۔ میں اس کی ذات میں تمہاری دلچسپی سے واقف ہوں۔ لیکن تمہیں اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ وہ ضرورت پیش آنے پر اپنی عزیز ترین ہستی کو بھی اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے پر تل سکتا ہے۔"
"تمہارا بہت بہت شکریہ!" ویرا اپنی ایک آنکھ دبا کر بولی۔
"تم اپنے لیے کام کرنے والوں کی بہتری کا ضرورت سے زیادہ خیال رکھتے ہو۔ مجھے ڈینی سے تمہارے دو ادھورے پیغامات ملے ہیں لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جس معاملے میں حساس ترین خلائی سیاروں کے ذریعے کامیابی نہیں ہو سکی، وہاں میں کیا کر سکوں گی؟ اب تو میرے پاس نفری بھی نہیں ہے۔"
"اس کام کے لیے زیادہ بھیڑ بھاڑ کی ضرورت نہیں ہو گی۔" جمی لائیڈ نے وضاحت کی۔ "اگر تم کسی اہم فوجی افسر تک رسائی حاصل کر لو تو مطلوبہ معلومات بہت آسانی کے ساتھ حاصل ہو سکتی ہیں۔ ہم سب کو پورا یقین ہے کہ پاکستانی علاقے میں اس قافلے کی نقل و حرکت پر فوج کا سخت کنٹرول رہا ہے۔"
"ہو سکتا ہے کہ ان ٹرکوں کو جنگلات ہی میں کیموفلاج کر دیا گیا ہو۔" ویرا نے خیال ظاہر کیا۔
"بہت سے امکانات ظاہر کیے جا رہے ہیں لیکن اس بڑے کارواں کے ساتھ کیا ہوا ہے، اس کا صحیح اندازہ نہیں ہو رہا۔ تمہیں اس کا پتا چلانا ہو گا۔ قیاس آرائیوں سے کام نہیں چل سکے گا۔"
"ٹھیک ہے، میں فوری طور پر کوششوں کا آغاز کیے دیتی ہوں۔"
"لیکن فی الحال تمہیں یہ کام کراچی ہی میں رہ کر کرنا ہو گا کیونکہ یہاں تمہیں میرے ایک دوست کو کچھ مدد فراہم کرنی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب تک کراچی پہنچ چکا ہو۔ وہ جیک رونالڈو کے نام سے سفر کر رہا ہے اور انٹیلی جنس بیورو کا مہمان ہے۔ تمہیں اس کی تلاش میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے۔"
جمی لائیڈ کی زبان سے جیک رونالڈو کا نام سن کر ہم سب اس بری طرح چونکے جیسے ہمارے سروں پر اچانک کوئی وزنی چیز آگری ہو۔ میری اور ویرا کی نگاہیں چار ہوئیں تو وہ بھی اس انکشاف پر ششدر نظر آ رہی تھی۔
"لیکن میں اس سے کس حیثیت میں ملوں گی؟ ایسا نہ ہو کہ میں سرکاری سراغرسانوں کی نظروں میں آنے کے بعد دشواریوں سے دوچار ہو جاؤں۔" ویرا نے کمال ہوشیاری سے سوال کیا۔
"تمہارا سرکار یا سرکاری سراغرسانوں سے کوئی واسطہ نہیں ہو گا۔" جمی لائیڈ نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "جیک رونالڈو کوئی سرکاری افسر نہیں ہے۔ شاید تمہیں کولمبیا والا کرنل جیسی جونز یاد ہو۔ جیک رونالڈو اسی کا اکلوتا بیٹا ہے اور وہ ایک انتہائی اہم مشن پر پاکستان پہنچنے والا ہے۔ اپنی سرکاری حیثیت کی وجہ سے اسے کسی بااعتماد مددگار کی ضرورت ہو گی جو اس کے خفیہ مقاصد کے لیے کام کر سکے۔ تم اس کا سراغ لگا کر، جین واکر کے نام سے اسے فون کر کے معاملات طے کر سکتی ہو۔ جین واکر کا نام ہی تمہارا شناختی کوڈ ہو گا۔ وہ سمجھ لے گا کہ تمہارا تعلق میری ذات سے ہے۔"
"لل..... لیکن ایک زمانے میں تو ہمارے، کرنل جیسی جونز سے سخت اختلافات رہ چکے ہیں۔ اب وہ ہمارے دوستوں میں کیسے شامل ہو گیا؟" ویرا نے دبی دبی حیرت کے ساتھ پوچھا۔
"یہ سب تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں۔" کھردری آواز میں جواب دیا گیا۔ "اختلافات اور لڑائی جھگڑے نچلی سطح پر ہوتے ہی رہتے ہیں۔ مفادات کے تصادم میں ایسا ہونا ناگزیر ہوتا ہے لیکن جیسی جونز سے ہمیشہ میری گہری دوستی رہی ہے۔ آج کل میں اس کے ساتھ خاصا وقت گزار رہا ہوں۔"
"سوری، باس! یہ تمہاری مصلحتیں ہیں جو میری سمجھ میں آ ہی نہیں سکتیں۔" ویرا نے فوراً ہی سنبھل کر کہا۔ "تم نے جو کچھ کہا ہے، میں اس پر فوری طور پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔"
"گڈ، تم ایک اچھی اور فرمانبردار لڑکی ہو۔ اب میری ایک اور بات سنو گی؟"
"میں انکار کیسے کر سکتی ہوں؟" ویرا نے حیرت سے کہا۔ "میں تو تمہاری ادنیٰ سی کارکن ہوں۔"
"نہیں، یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ اس میں، میں تمہاری مرضی کے بغیر دخیل نہیں ہو سکتا۔"

"میں سن رہی ہوں۔ یہ تمہاری مہربانی ہے کہ تم میرے ذاتی معاملات کو الگ سمجھتے ہو۔"

"بل جونز بہت اچھا لڑکا ہے۔ مزاج کی خوبی کے علاوہ وہ جیسی جونز کے کروڑوں ڈالر کے اثاثوں کا اکلوتا وارث بھی ہے۔ وہ تمہیں ہر طرح خوش رکھ سکے گا۔ اسے اس نظر سے بھی دیکھ لینا۔ ویسے تم خود بالغ اور سمجھ دار ہو۔ اپنا اچھا برا خود جانتی ہو۔ میں اپنی رائے تم پر مسلط نہیں کروں گا۔"

"شکریہ باس، اس معاملے میں، میں اپنی خود مختاری پر ذرا بھی آنچ نہیں آنے دوں گی۔ بل جونز یا جیک رونالڈو کتنا ہی خوش مزاج اور مالدار کیوں نہ ہو، میں نے ملے بغیر اسے مسترد کر دیا ہے۔"

"اوکے، بے بی۔" ایک سانس کے ساتھ جمی لائیڈ کی آواز ابھری۔ "تم ابھی تک ضدی اور خود سر ہو۔ میں تمہاری بہتری کے لیے دعاگو رہوں گا۔ اور ہاں، اب ذرا پاکستان میں قدم جمانے کی کوشش کرو۔ میرا خیال ہے کہ اس بار ڈینی تمہارے ساتھ بھرپور تعاون کرے گا۔"

"ایک بار میدان چھوڑ جانے والے دوبارہ مشکل ہی سے کہیں جم سکتے ہیں۔ اور ڈینی کو تو تم جانتے ہی ہو۔ شی کے مخصوص فلسفے سے واقف ہونے کے بعد ہی اس نے اپنی باغیانہ سرگرمیاں شروع کی تھیں۔"

"اس بار وائٹ شوگر پاکستان میں نہیں پھیلائی جائے گی۔ وہاں کی مقامی منڈی میں بیس لاکھ سے زیادہ افراد اس کے طلب گار ہو چکے ہیں۔ اتنی زیادہ مقامی کھپت پیدا ہو جانے کے بعد اب پاکستان میں اس کی فاضل پیداوار برقرار نہیں رہی ہے۔ وہاں کی کمی افغان ہیروئن سے پوری کی جا رہی ہے۔ دوم یہ کہ ہماری ترجیحات اب بدل چکی ہیں۔ امریکا میں ہیروئن کے عادی افراد اب تیزی کے ساتھ کوکین کی طرف راغب ہو رہے ہیں اس لیے ہماری توجہ جنوبی امریکا کی ریاستوں کی طرف مبذول ہو رہی ہے تاکہ امریکا میں کوکین کی آمد کو روکا جا سکے۔ پاکستان سے ہم سستی اور اعلیٰ درجے کی ہیروئن خرید کر یورپ، خصوصاً فرانس میں پہنچائیں گے۔ اس بارے میں ڈینی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اس کا یہ خیال بھی غلط ثابت ہو جائے گا کہ شی صرف رنگ دار نسلوں کے خلاف کام کرتی ہے۔ یورپ اور فرانس کے سفید فام نوجوانوں کے لیے ہیروئن کا نعرہ اس کے لیے دلکش ثابت ہوگا۔"

"مگر کیوں؟" ویرا اپنی حیرت کو نہ دبا سکی۔ "کچھ عرصے قبل ہم یورپ کو اس وبا سے بچانے کے لیے مرے جا رہے تھے اور آج ہم خود یہ زہر وہاں پھیلائیں گے۔ آخر اس کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی۔"

اسپیکر فون پر جمی لائیڈ کی بے رحمانہ ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ سرد آواز میں بولا۔ "تم ایک مرتبہ پھر جذباتی ہو رہی ہو۔ ویسے تمہاری ننھی سی کھوپڑی کے لیے صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ ایسے فیصلے بدلتے ہوئے عالمی حالات اور مفادات کے تابع ہوتے ہیں۔ شاید یہ یورپی مشترکہ منڈی قائم کرنے کی مہم کا شاخسانہ ہے یہ میرا اندازہ ہے۔ تم جانتی ہو کہ مجھے پالیسی کہاں سے ملتی ہے میں اسے پوری قوت سے نافذ کرنے کا پابند ہوتا ہوں۔ مجھے جلد نئی پالیسی آنے کی توقع ہے اس لیے تم ابھی سے تیاری شروع کر دو۔ پاکستان کے مخصوص حالات کی وجہ سے ہمیں وہاں سے سستے داموں میں ہمیشہ بہترین مال ملتا رہا ہے۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ جنوبی امریکا سے کوکین کی اسمگلنگ روکنے ہی کے چکر میں کرنل جیسی جونز سے مراسم بڑھائے جا رہے ہوں۔" ویرا نے ایک دم چونک کر سوال کیا۔

"تم بہت چالاک اور شاطر ہو۔ مجھے امید تھی کہ تم بات کی تہ تک پہنچ جاؤ گی۔ جو کام دوستی اور نرم روی سے نکل سکتا ہو اس کے لیے طاقت اور سرمائے کا استعمال حماقت کہلاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ویرا تھکی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں ڈینی کو راہ راست پر لانے کی کوشش کروں گی۔"

"تم جہاں بھی رہو، مجھے اپنے رابطے سے باخبر رکھو تاکہ ضرورت پیش آنے پر میں تم سے بات کر سکوں۔"

"فی الحال میں اسی بحری جہاز پر رہوں گی جہاں رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ تم چاہو تو ڈینی کی معرفت مجھے پیغام دے سکتے ہو۔ تم سے مصالحت ہو جانے پر وہ خاصا مطمئن نظر آ رہا ہے۔"

"تم ڈینی کے پاس ہی کیوں نہیں رک جاتیں؟" جمی لائیڈ نے پوچھا۔

"اس کی بیوی میری موجودگی پسند نہیں کرتی۔" ویرا نے غزالہ کو آنکھ مار کر کہا۔

"کوانگ فو بتا رہا تھا کہ وہ عورت نہایت آسانی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتاری جا سکتی تھی۔ اگر تم اس سے براہِ راست بات نہ کرتیں تو اس کی بازیابی ناممکن ہو کر رہ جاتی۔"

"ڈینی کی خوشنودی کے لیے مجھے بعض کام اپنی مرضی کے خلاف بھی کرنے پڑتے ہیں۔" ویرا زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "ورنہ اب تک میرے اور اس کے درمیان دوبارہ ٹھن چکی ہوتی۔"

"بیم گن اور سلور آئی کے معاملے میں وہ ابھی تک انکار پر اڑا ہوا ہے۔ اُس سے ان دونوں چیزوں کا واپس لیا جانا بہت اہم ہے کیونکہ ہمارے لیے انہیں ترک کرنا آسان نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم اس معاملے کو غیر ضروری اہمیت دے رہے ہیں اور ڈینی ہماری کمزوری سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خود بھی ان دونوں چیزوں سے محروم ہو چکا ہو اور ہماری نظروں میں اپنی اہمیت برقرار رکھنے کے لیے اس حقیقت کا اعتراف نہ کر رہا ہو۔"

"اگر میں نے اس کے ساتھ مصالحانہ رویّہ اختیار کیا ہے تو جواب میں اسے بھی کھلے دل سے ہر بات بیان کر دینی چاہیے۔"

ہوسکتا ہے کہ کسی وقت وہ باقاعدہ طور پر سلور آئی کا حق دار بھی بن جائے۔"

"میں مناسب موقع دیکھ کر اُس سے بات کروں گی۔ شاید یہ مسئلہ بھی حل ہو ہی جائے۔"

"یہ یاد رکھنا کہ میں آج شام سات بجے کے بعد لاس اینجلس چھوڑ دوں گا....."

"پھر میں رپورٹ کس طرح دے سکوں گی؟" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"بل جونز یا آدمیوں کو جمع کرنے کے بارے میں کسی رپورٹ کی ضرورت نہیں۔ حالات کے مطابق تم خود فیصلے کر سکتی ہو۔ بلیو کراس ڈیل والی گاڑیوں کے بارے میں' میں خود دو تین دن میں رابطہ کرلوں گا۔"

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ ویرا نے بٹن آف کر کے کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر اس طرح آنکھیں موند لیں جیسے وہ کافی دیر سے شدید ذہنی مشقت کرتی رہی ہو۔

جمی لائیڈ سے ہونے والی تازہ ترین گفتگو نے سارے معاملات کو ایک ہی دھارے میں شامل کر کے بہت سی الجھنیں دور کر دی تھیں جن میں جیک رونالڈو اور پال ایتھرٹن کی اصلیت کا معاملہ بھی شامل تھا۔

مجھے یہ جان کر مایوسی ہوئی تھی کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی جیسی جونز نہیں تھا۔ وہ بین الاقوامی سطح کا ایک بدنام دہشت گرد اور گروہ بند تھا۔ اس سے مقابلہ ہمارے لیے خاصا دلچسپ اور سنسنی خیز ثابت ہو سکتا تھا لیکن یہ ایک عام اصول تھا کہ اس سطح کے بڑے مجرم عام طور پر بھرپور حفاظتی انتظامات اور جاں نثاروں کے حصار کے بغیر خطرات میں چھلانگ لگانے سے گریز کرتے ہیں اور خود پس پردہ رہ کر اپنی کٹھ پتلیوں کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرتے رہتے ہیں۔ کرنل جیسی جونز نے بھی پہلے البرٹو ویلیسا کو پاکستان بھیج کر کھوٹہ کے خلاف ان طویل المدت سازشوں کا آغاز کیا جو ڈیوڈ اسٹارز جیسی نسل پرست یہودی جماعت کی خواہشات پر مبنی تھیں اور مسائل کے نئے سلسلے کی ابتدا ہوتے ہی اپنے بیٹے' بل جونز کو خطرات کے جہنم میں دھکیل دیا تھا۔ بل جونز یا جیک رونالڈو کو پاکستان میں تبدیل شدہ حالات اور ان میں مضمر خطرات کی گہرائی کا کوئی ادراک نہیں تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ البرٹو ویلیسا زندہ مگر روپوش تھا اور وہ البرٹو کی مدد سے حالات کو سنبھالنے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن بدقسمتی اس نوجوان کی گھات میں تھی۔ وہ اپنے باپ کے پیشے میں گہری دلچسپی لینے کے ساتھ ساتھ' ڈلاس کے اسلحہ سازی کے ایک نجی کارخانے میں پیشہ ور ماہر کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ جس سرکاری حیثیت میں پاکستان آیا تھا' اس کے پیش نظر اسے کوئی بڑا خطرہ درپیش نہیں تھا لیکن جمی لائیڈ نے اسے نہایت آسانی کے ساتھ بے نقاب کر دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں بل جونز کا سر کچل کر' کرنل جیسی جونز کو گہرا چرکا لگا سکتا تھا۔ میرا اصل نشانہ سانپ تھا لیکن سپنولیا خود ہی میری زد پر آ گیا تھا تو اسے معاف کرنا کسی گھناؤنے جرم سے کم نہ ہوتا۔

ہیروئن کی غیر قانونی تجارت میں ملوث' شی کے طفیل' میں مجرم گروہوں اور عالمی طاقتوں کے قریبی گٹھ جوڑ کے بہت سے اسرار و رموز سے آگاہ ہو چکا تھا۔ عالمی امن اور آشتی کا پرچار کرتے ہوئے نہ تھکنے والے لوگوں کی اصل قوت' ان بڑے مجرموں اور دہشت گردوں میں پوشیدہ تھی جو سیاست اور معاشرت کے ہر شعبے میں اس حد تک دخیل تھے کہ ان کی مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک طرف ہیری کیسنجر اور شریمان سنگھ کا سیاسی گٹھ جوڑ تھا تو دوسری طرف جمی لائیڈ اور کرنل جیسی جونز جیسے رسوائے زمانہ مجرم ہمارے خلاف شانہ بہ شانہ صف آرا نظر آ رہے تھے۔ قانونی اور غیر قانونی ذرائع سے ان سب کی ایک ہی کوشش تھی کہ بلیک کیٹس اور ڈیوڈ اسٹارز کے مذموم عزائم کو پورا کرتے ہوئے' اس ملک کو بالکل مفلوج اور ناکارہ کر دیا جائے تاکہ اس خطے میں طاقت اور توازن کا دوسرا پلڑا زمین سے اٹھنے سے پہلے' ہمیشہ کے لیے پیوند خاک ہو جائے۔

پہلے میرا ارادہ تھا کہ میں گمنام نقاب پوش کا روپ دھار کر جیک رونالڈو کو خوف زدہ کر کے' اس کی اصلیت اگلوانے کی کوشش کروں لیکن جمی لائیڈ کے ذریعے اس کا اصل نام معلوم ہونے کے بعد میں نے اپنا وہ منصوبہ یکسر تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میرے حق میں ایک بات یہ بھی جاتی تھی کہ ائرپورٹ پر جے جے والے بلّے کارڈ کی وجہ سے بل جونز کا ساتھی' پال ایتھرٹن نہ صرف میری طرف متوجہ ہوا تھا بلکہ اس نے میرے قریب آکر مجھے پھنکارنے کی کوشش بھی کی تھی۔ اس نے مجھ سے جو کچھ کہا' اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ائرپورٹ پر مجھے البرٹو ویلیسا کا فرستادہ سمجھا گیا تھا۔ البرٹو ویلیسا جہنم واصل ہوجانے کی وجہ سے اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ ان دونوں کی غلط فہمی رفع کرسکے' اس لیے میں اپنے اسی ابتدائی تعارف کے ذریعے بہ آسانی ان دونوں تک رسائی حاصل کرسکتا تھا۔ کم از کم پال ایتھرٹن مجھے صورت سے پہچانتا تھا اس لیے مجھے کسی نقاب وغیرہ کے استعمال کی سرے سے ضرورت ہی نہیں تھی۔

میں نقاب لگاکر یا کوئی اور روپ بدل کر ان دونوں کے سامنے پہنچتا تو وہ لازمی طور پر مجھے اپنا حریف یا دشمن تصور کرتے ہوئے ہر قسم کی مزاحمت پر تل جاتے اور مجھے ابتدا ہی سے انہیں طاقت کے بل پر اپنے قابو میں رکھنا پڑتا جبکہ اصل روپ میں ان کا سامنا کرتے ہوئے مجھے کسی بھی ذہنی یا جسمانی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور وہ مجھے اندر کا آدمی سمجھتے ہوئے' مجھ سے رازدارانہ گفتگو بھی کرسکتے تھے جو اُن کے پوشیدہ عزائم کو پوری طرح سامنے لاسکتی تھی۔

اس مشن کے لیے مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں تھی لیکن پھر بھی سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لینے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ میرے ڈرائیور کی حیثیت سے وہ ریسٹ ہاؤس سے باہر رہ کر صورتِ حال پر نظر رکھنے کا فرض انجام دے سکتا تھا۔

بیم گن میرے لیے ہر نازک موقع پر ایک موثر ہتھیار ثابت ہوتی رہی تھی۔ اس لیے اُسے چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ہم دونوں نے بھرے ہوئے پستول ساتھ لیے اور نو بجے گھر سے روانہ ہوگئے۔

"اگر اندر کوئی گڑبڑ ہو تو مجھے کیا کرنا ہوگا؟" راستے میں سلطان شاہ نے پوچھا۔

"ہم نے ہتھیار محض احتیاط کے طور پر اپنے ساتھ لیے ہیں۔ ورنہ مجھے وہاں کوئی گڑبڑ ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ اگر کچھ ہو ہی جاتا ہے تو تم دودھ پیتے بچے نہیں ہو۔ اپنی صوابدید کے مطابق کوئی بھی قدم اٹھاسکتے ہو۔"

"اور مجھے ابتدا میں ہی گڑبڑ ہونے کا خطرہ ہے۔" سلطان شاہ فکر مندانہ لہجے میں بولا۔ "ائرپورٹ پر ان دونوں کے لیے جو حفاظتی انتظامات کیے گئے تھے ان کی روشنی میں ریسٹ ہاؤس پر بھی مسلح لاؤلشکر کی موجودگی کا امکان نظر آتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں تلاشی دیے بغیر اندر جانے کی اجازت نہ ملے۔"

سلطان شاہ کی بات میں وزن تھا۔ تلاشی کے مرحلے پر میری تحویل سے بیم گن جیسے جدید ترین اور نامانوس ہتھیار کا برآمد ہونا خطرناک ہوسکتا تھا۔ میں اس سے ہمیشہ کے لیے محروم بھی ہوسکتا تھا۔ بات اگر صرف پستول تک محدود رہتی تو بل جونز سے مذاکرات کے بعد واپسی پر' اس کی مداخلت... پر وہ واپس مل سکتا تھا۔ بل جونز خود سمجھ سکتا تھا کہ اس کے کسی آدمی کا ہر وقت مسلح رہنا کتنا ضروری ہوتا ہے۔

میں نے اپنی جیب سے بیم گن نکال کر سلطان شاہ کے حوالے کردی۔ "بعض اوقات تم بہت دور کی بات سوچ لیتے ہو۔ بیم گن کا نہ لے جانا ہی میرے حق میں بہتر رہے گا۔"

اُن دنوں شہر کے حالات سازگار نہیں تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ شہر میں چوروں' ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کی بن آئی ہے۔ روز متعدد گاڑیاں اسلحے کے بل پر چھینی جارہی تھیں۔ سورج ڈھلتے ہی شہر کے گنجان آباد علاقوں میں نامعلوم دہشت گردوں کی اچانک اور اندھا دھند فائرنگ کا سلسلہ شروع ہوجاتا تھا جس میں ایک آدھ ہلاکت کے ساتھ متعدد بے گناہ شہریوں کا زخمی ہونا معمول بن گیا تھا۔ متمول آبادیوں میں ڈاکے پڑنے کے وقت کی کوئی تخصیص نہیں رہی تھی۔ شہریوں کو کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ گھنٹی کی آواز پر وہ اپنا دروازہ کھولیں گے تو کوئی شناسا چہرہ نظر آئے گا یا بھیانک ہتھیاروں سے لیس ڈاکو' انہیں بے بس کرکے اندر گھس آئیں گے۔ ان واقعات کے سدِباب کے لیے شہر میں جا بجا پولیس کی چوکیاں قائم کردی گئی تھیں جہاں مشتبہ گاڑیوں وغیرہ کو روک کر ان کی تلاشی لی جاتی تھی ان وارداتوں کا تسلسل ٹوٹنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ ان اقدامات کا ایک یہ نتیجہ ضرور برآمد ہوا تھا کہ شہر سرِشام ہی ویران ہوجاتا تھا اور رات رات بھر کھلے رہنے والے' خوردونوش کے مراکز پر خریداروں کے ہجوم سرے سے غائب ہوگئے تھے۔

سڑکوں پر ٹریفک کی کمی کی وجہ سے سلطان شاہ خاصی تیز رفتاری کے ساتھ ڈرائیونگ کررہا تھا۔ مجھے یہ خوف بھی لاحق ہوگیا تھا کہ کسی عارضی چوکی پر ہمیں روک لیا گیا تو غیر قانونی پستولوں کی وجہ سے ہماری گلوخلاصی مشکل ہوجائے گی لیکن اس دن ہمارے ستارے یاور تھے یا پولیس اہل کار بے گناہ اور امن پسند شہریوں پر زیادہ توجہ دے رہے تھے کہ ہمیں کہیں بھی نہیں روکا گیا اور ہم حبیب بینک کے مشہور چوراہے سے گزر کر سائٹ کے صنعتی علاقے میں داخل ہوگئے۔

سائٹ کا وہ ریسٹ ہاؤس خاصے کشادہ رقبے پر موجود ایک منزلہ عمارت پر مشتمل تھا۔ ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی اور پھر ہارن کے جواب میں پھاٹک کے اوپر ایک چہرہ نمودار ہوا اور ہم سے کوئی پیشگی استفسار کیے بغیر پھاٹک کھول دیا گیا۔ البتہ اندر داخل ہونے کے بعد دوسرے آدمی نے ہاتھ کے اشارے سے ہماری کار رکوا لی۔

بادی النظر میں ہی وہ دونوں سادہ لباس والے مسلح نظر آرہے

تھے۔ لیکن ان دونوں کے علاوہ احاطے میں دور دور تک کسی متنفس کا وجود نظر نہیں آرہا تھا۔

نمبرے کار روکنے والے کے استفسار پر سلطان شاہ نے جیک رونالڈو کا نام لیا تو اسے گاڑی آگے بڑھا لے جانے کی اجازت مل گئی۔ سلطان شاہ نے عمارت کے برآمدے کی ایک دیوار کے قریب کار پارک کردی۔ اسی اثنا میں ریسٹ ہاؤس کا ایک خادم باہر آچکا تھا۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ لے جاکر ایک کشادہ اور آراستہ ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا اور خود میرا نام دریافت کرکے دوبارہ باہر چلا گیا۔ میں نے جیک رونالڈو کے ملاقاتی کی حیثیت سے اپنا نام شہزادہ بتایا تھا۔

اس ریسٹ ہاؤس کی عمارت برسوں پرانی معلوم ہورہی تھی لیکن مجھے حیرت تھی کہ اس کا وسیع و عریض خالی رقبہ اس شہر کی طرح شجرکاری سے یکسر محروم تھا۔ اگر ریسٹ ہاؤس کی عمارت بننے کے ساتھ ہی وہاں کچھ پودے لگا دیئے جاتے تو ہر طرف خوشگوار سائے کے ساتھ ہی بہتر ماحول بھی میسر آسکتا تھا۔

چند منٹ بعد برآمدے میں کئی بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر وہ دونوں ہی آگے پیچھے اس کمرے میں آگئے۔ ان کے جسموں پر ٹی شرٹ اور نیکر نظر آرہے تھے۔ مجھ سے ملنے کے لیے انہوں نے لباس کی تبدیلی کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ بل جونز کی آنکھوں میں موجود چمک سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ شراب پیے ہوئے تھا۔

"تو یہ تم ہو!" دراز قامت بل جونز نے مجھ سے ہاتھ ملائے بغیر ایک کرسی میں ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کس نے ائرپورٹ بھیجا تھا؟" وہ بہت صاف ستھری انگریزی بولنے پر قادر تھا۔

"ظفر نے!" میں نے البرٹو ویلیسا کا اصل نام لینے سے گریز کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے وہاں پلے کارڈ بلند کرکے ایسی حماقت کی تھی جو ہمارے لیے عذاب بھی بن سکتی تھی۔" اس بار پال ایتھرٹن نے قدرے غصے کے ساتھ کہا۔ "وہ مشورہ کس بے وقوف کا تھا؟"

میرا ارادہ معذرت خواہانہ رویّہ اختیار کرنے کا تھا لیکن اس کے بے تکے سوال پر میں اپنے اضطراری جواب کو تبدیل نہیں کرسکا۔ میں نے سادگی سے کہہ دیا۔ "ظفر نے۔ میں تم دونوں میں سے کسی کو نہیں پہچانتا تھا اس لیے پلے کارڈ کے علاوہ باہمی شناخت کی کوئی اور صورت نہیں تھی۔"

پال ایتھرٹن بوکھلا کر اپنی بغلیں جھانکنے لگا۔ شاید البرٹو ویلیسا اس گروہ میں اُس سے بلند درجہ رکھتا تھا۔

"ظفر خود کہاں ہے؟ کیا اسے میرا پیغام نہیں ملا تھا؟" بل جونز نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

"اسے پیغام مل گیا تھا لیکن وہ نہایت نامساعد حالات میں رُوپوش ہے۔ وہ اسلام آباد سے اپنی کمین گاہ سے نکلتے ہی پکڑلیا جائے گا۔ اسی لیے اُس نے مجھے کراچی روانہ کردیا تھا۔ موقع ملتے ہی وہ خود بھی کراچی پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ ایک تباہ کن آتش زدگی میں اپنی موت کا ڈراما رچا کر وہ بری طرح پھنس گیا ہے۔ دوسرے لوگوں سے اس کا رابطہ بالکل ٹوٹا ہوا ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تم سے کس حد تک بات کرسکتا ہوں۔" بل جونز الجھن آمیز نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں زیادہ دنوں تک ظفر کی آمد کا انتظار نہیں کرسکوں گا۔"

"تم مجھ سے ہر بات کرسکتے ہو۔ ظفر کے تربیت دیئے ہوئے بندروں کو میں ہی کھوٹہ کی وادی میں چھوڑ کر آتا تھا۔ مجھے اس سے اپنی خدمات کا بہت معقول معاوضہ ملتا ہے جس نے مجھے اس کا گرویدہ بنایا ہوا ہے۔" میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "تمہاری کہی ہوئی ہر بات میرے سینے میں دفن رہے گی۔ ظفر کے علاوہ کسی اور کو اس کی بھنک بھی نہیں مل سکے گی۔"

"تم ایک معتبر ساتھی اور قابل اعتماد پیغام رساں تو ثابت ہوسکتے ہو لیکن یہاں کے حالات پر تم کوئی صائب مشورہ نہیں دے سکتے۔ یہ کام ظفر ہی کرسکتا ہے۔" بل جونز بدستور پریشان نظر آرہا تھا۔ "اگر میں تم سے یہ سوال کروں کہ کھوٹہ کی ایٹمی تنصیبات کی تباہی کی سب سے موثر صورت کیا ہوسکتی ہے اور اس پر کیسے عمل کیا جاسکتا ہے تو تمہارا جواب کیا ہوگا؟"

"سچ بات یہ ہے کہ میں نے اس بات پر کبھی غور ہی نہیں کیا۔" میں نے اس بے ہودہ سوال پر کسی جذباتی ردِ عمل کا مظاہرہ کیے بغیر ٹھنڈے ماتھے کے ساتھ جواب دیا۔

"پھر تم اب تک ظفر کے ساتھ کیا کرتے رہے ہو؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ اس کی بدن میں اتر جانے والی تیز نگاہیں مسلسل میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"میرا اندازہ تھا کہ ہم کھوٹہ کے قیمتی راز حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ظفر نے مجھ سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ کھوٹہ کو کھنڈر بنا دینا چاہتا ہے۔"

"بس، تم میں اور اُس میں یہی فرق ہے کہ اس کی پوری سوچ تم تک منتقل نہیں ہوسکی......"

"لیکن ایسے کسی منصوبے پر کام کیا جاسکتا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے کہا۔

بل جونز نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی۔ پال ایتھرٹن بھی چونک کر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "میرے ساتھ آؤ۔" بل جونز نے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ "ایسی گفتگو کے لیے یہ کمرا مناسب نہیں ہے۔ ہماری آواز راہداری میں بھی سنی جاسکتی ہے۔"

وہ دونوں برآمدے میں سے دوبارہ گزر کر ایک راہداری میں مڑے پھر ایک بند دروازہ کھول کر ایک بہت بڑی خواب گاہ میں

داخل ہو گئے۔ جسے ائر کنڈیشنر نے کافی ٹھنڈا کیا ہوا تھا۔ دو ڈبل بستروں والی اس خواب گاہ میں الکحل کی تیز بو رچی ہوئی تھی۔ میری متجسس نگاہوں نے فوراً ہی ایک گوشے میں پڑی ہوئی گول میز پر بلیک لیبل اسکاچ کی بڑی بوتل دیکھ لی۔ اس میز کے گرد بید کی کئی آرام دہ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ بل جونز کی رہنمائی میں ہم لوگ ان ہی کرسیوں پر براجمان ہو رہے تھے کہ پال ایتھرٹن نے اچانک اپنی جیب سے شکاری چاقو نکال کر، کھٹکے کے ساتھ اس کا چمک دار پھل کھول کر میری طرف تان لیا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" وہ میرے اوپر غرایا پھر بل جونز کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "اس کی جیب میں پستول موجود ہے۔ اس کے ارادے خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہمارا پیشہ ہی ایسا ہے کہ ہم ہر وقت مسلح رہنے پر مجبور ہیں۔" میں نے اس کی ہدایت پر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے تھے۔ "میرے پستول سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تم چاہو تو اسے نکال بھی سکتے ہو۔"

بل جونز نے میری جیب سے پستول نکال کر اس کا جائزہ لیا پھر اسے اپنی گود میں لے کر بیٹھ گیا۔ پال ایتھرٹن نے چاقو بند کر کے دوبارہ نیکر کی جیب میں ڈالا اور اپنا گلاس لے کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تم بھی بیٹھ جاؤ۔" بل جونز نے نرمی کے ساتھ کہا اور میں اپنے ہاتھ گرا کر ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ بل کہہ رہا تھا۔ "پال کا قصور نہیں ہے۔ تم نے ائر پورٹ پر دیکھا ہوگا کہ ہماری حفاظت کے لیے پورا لشکر موجود تھا۔ بعض افسران اپنے سرکاری اختیار اور دبدبے کی بے جا نمائش کو شان تصور کرتے ہیں۔ ان انتظامات نے ہم دونوں کو ابھی تک پراگندہ کیا ہوا ہے۔ ہمارا استقبال کرنے والوں نے بلاوجہ ہمیں خوفزدہ کر دیا تھا گویا یہاں ہر شخص ہماری گھات میں لگا ہوا ہے۔ ریسٹ ہاؤس میں بھی ان کی بھیڑ لگ گئی تھی لیکن میں نے اپنے سکون کی خاطر ان سب کو رخصت کر دیا۔ اب یہاں صرف دو گارڈ رہ گئے ہیں۔ پال کی حرکت کا برا نہ ماننا۔"

"احتیاط اچھی چیز ہے۔" میں نے روکھے لہجے میں کہا۔ "تم دونوں ویسے بھی میرے بڑے ہو۔"

بل جونز واقعی شائستہ مزاج آدمی تھا۔ اس نے میرے لیے ایک خالی گلاس میں اسکاچ انڈیل کر میری طرف بڑھا دی۔ "یہ پیو۔ اس سے تمہارا موڈ دوبارہ بحال ہو جائے گا۔"

میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے گلاس میں برف اور سوڈا ملا کر دو گھونٹ لیے پھر کہا۔ "ظفر نے جو بات مجھ سے کی ہی نہ ہو، اس کے بارے میں مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارا منصوبہ کیا ہے۔ میں اس پر عمل درآمد کی کوئی نہ کوئی راہ نکالنے کی کوشش کروں گا۔"

"ہماری معلومات کے مطابق ان ایٹمی تنصیبات میں تو کیا، اس وادی میں بھی کسی اجنبی یا مشتبہ آدمی کا داخلہ ناممکن ہے۔"

بل میرے پستول سے کھیلتے ہوئے کہنے لگا۔ "البتہ جانوروں کے بارے میں وہ بے بس ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں سے بھیانک بندروں کے پکڑے جانے کے بعد اس بارے میں بھی چھان بین ہونے لگی ہو۔ ہم کہوٹہ میں جانوروں کے ذریعے مکمل تباہی لانا چاہتے ہیں۔"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ کہوٹہ میں کوئی ری ایکٹر یا ایٹمی تنصیب نہیں ہے۔" میں نے اس وقت تک خود بھی کہوٹہ میں قدم نہیں رکھا تھا لیکن ان دونوں کو مرعوب کرنے کے لیے میری وہ پُراعتماد تقریر ضروری تھی۔ "وہاں ایک بڑے رقبے پر ریسرچ لیبارٹری ضرور ہے جہاں ایٹمی ری ایکٹر سے آنے والی یورینیم کو افزودہ کیا جاتا ہے۔ اور اس عمارت کے گرد برقی باڑھ اور مضبوط دیواروں سمیت ہر قسم کا حفاظتی نظام موجود ہے۔ اس لیے وہاں کسی انسانی رسائی کا امکان، نہ ہونے کے برابر ہے۔ البتہ زقندیں لگانے والے بندروں کی بات اور تھی۔ ہو سکتا ہے کہ حفاظتی عملہ بھی انہیں بے ضرر سمجھ کر نظرانداز کر دیتا ہو......"

پال ایتھرٹن نے میری بات کاٹ کر اچانک ہی ایک نیا سوال چھیڑ دیا۔ "بندروں والے کیمروں کے ذریعے حاصل ہونے والی تصاویر کہاں ہیں؟ انہیں دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بندر کہاں تک پہنچنے میں کامیاب رہتے ہوں گے۔ وہ تصویریں ہمارے ٹارگٹ کو آسان بنا سکتی ہیں۔"

"مجھے ان کے بارے میں کوئی علم نہیں۔" میں نے مایوسی سے کہا۔ "یہ سب ظفر ہی بتا سکے گا۔"

چند ثانیوں کے لیے اس کمرے میں سکوت چھا گیا۔ تینوں اپنے اپنے گلاسوں سے چسکیاں لینے میں مصروف ہو گئے۔ آخر بل جونز ہی نے معنی خیز ہنکار کے ساتھ اس بوجھل سکوت کو ختم کیا۔ "پرندوں کے ذریعے نازل ہونے والی کسی ناگہانی تباہی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

بل جونز کے اس سوال پر پال ایتھرٹن بے چینی کے ساتھ اپنی کرسی میں کسمسا کر رہ گیا جیسے اسے بل کی زبان سے وہ تذکرہ پسند نہ آیا ہو لیکن وہ اسے روکنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

پرندوں کے ذریعے تباہی کے ذکر پر مجھے بے اختیار ابرہہ کے لشکر پر ابابیلوں کے کنکر برسانے کا واقعہ یاد آ گیا۔ میں نے کہا۔ "یہ بھی ممکن ہے لیکن اس کے ذریعے محدود تباہی سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ پرندوں کی پرواز اور ان پر کنٹرول کے معاملات اتنی آسانی سے قابو میں آنے والے نہیں ہیں۔"

"مجھے صرف کہوٹہ میں واقع ان عمارات کی تفصیلی سروے پوزیشن درکار ہے۔ باقی کام حیرت ناک حد تک آسان ثابت ہوگا۔ ہوا کے رخ پر واقع کسی بھی معینہ مقام سے ان عمارت کے فاصلے کا تعین ہونا بہت ضروری ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ اپنی نوعیت کا یادگار واقعہ ہوگا۔"

"سروے رپورٹ حاصل کرنی بہت دشوار ہوگی۔ اتنی دور

سری مول لینے سے بہتر ہوگا کہ کوئی گمنام فضائی طیارہ ہی حاصل کرلیا جائے تاکہ تم اپنا اصل مقصد حاصل کرسکو۔" میں نے اسے مزید ٹٹولنے کی نیت سے' دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ وہ تجویز پیش کی۔

"سب یہی کہتے ہیں۔" وہ اپنا گلاس میز کی چوبی سطح پر پٹختے ہوئے بولا۔ "لیکن یہ عملاً ممکن نہیں ہے۔ ہر بمبار طیارے کی ایک رینج ہوتی ہے۔ کھونہ سے اس رینج میں ہمیں کوئی ہوائی اڈا میسر نہیں ہے۔ ایسی کارروائی کسی بھی صورت میں راز میں نہیں رہ سکتی۔ منصوبہ بنانے والوں کی شناخت کے بدترین سیاسی اثرات ہوں گے جن کی ذمے داری لینے سے ہر ایک بچتا ہے۔ لمبی رینج کے بمبار طیارے گنے چنے ملکوں کے پاس ہیں۔ ان کی ساخت دور ہی سے پہچانی جاتی ہے۔ پاکستان کے کچھ دوست ممالک ایسے ہیں جن کی ناراضگی کوئی مول نہیں لے گا۔ ان کے دباؤ کی وجہ سے فوجی کارروائی ناممکن ہے۔"

"پھر پرندوں والا معاملہ میری سمجھ سے باہر ہے۔" میں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بہت آسان ہے۔ تمہارے ملک میں ابابیلوں کی ایک قسم ایسی ہے جو صرف اور صرف ہوا کی مخالف سمت میں اڑتی ہے۔ ان ابابیلوں کے معدوں میں نہایت سریع الاثر زہر کے کیپسول اتار دیے جائیں گے۔ ان کیپسولوں کا جلاٹین بہت ناپ تول کے ساتھ اتنا نازک رکھا جائے گا کہ وہ ایک معینہ مدت کے بعد تحلیل ہوجائے۔ کیپسول گھلتے ہی پرندے مر کر پٹ پٹ نیچے گر جائیں گے۔ ان کے پیروں میں ہلکے لیکن نہایت تباہ کن بم بندھے ہوئے ہوں گے جو زمین سے ٹکراتے ہی ہولناک تباہی پھیلا دیں گے۔ وقت کے تعین کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ کھونہ سے ہوا کے رخ پر واقع کسی بھی غیر ممنوعہ مقام سے ان عمارات کا فاصلہ کتنا ہے اور ابابیلیں وہ فاصلہ طے کرنے میں کتنا وقت لیں گی؟ یہ اعداد و شمار کیپسولوں کے جلاٹین کی موٹائی طے کریں گے۔ اس پورے کھیل میں ذرا سی بھی غلطی ہوئی تو تباہی اصل نشانے سے پہلے یا آگے بھی نازل ہوسکتی ہے۔" بل جونز کے ذہن میں پورا نقشہ تیار تھا۔

"لیکن وہ تباہ کن بم کہاں سے آئیں گے؟" میں نے حیرت زدہ ہوکر پوچھا۔

بل جونز نے نخوت آمیز انداز میں سگریٹ سلگائی پھر بولا۔ "تم بھول رہے ہو کہ ہم بارود کے ماہرین اور سرکاری مہمان ہیں۔ ہمارے پیشہ ورانہ سامان کے کریٹ آج کی ایک پرواز سے یہاں آچکے ہیں۔ کل انہیں چیک کیے بغیر' چھڑوا کر ہمارے حوالے کردیا جائے گا۔ بم یہاں چھوڑ دیے جائیں گے۔ ان کے خالی کیسز میں ماربل اور گرینائٹ کا پاؤڈر بھر کر' وہ کریٹ ہم اپنے ساتھ واپس لے جائیں گے۔ کسی کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوسکے گا کہ یہ کارروائی کس نے اور کیسے کی ہوگی۔"

"مردہ ابابیلوں کا تجزیہ زہر کی کہانی ضرور سنائے گا۔" میں نے کہا۔

"ان کے چیتھڑے بھی نہیں مل سکیں گے کیونکہ بم ان ہی کے پیروں سے باندھے جائیں گے۔ بالفرض یہ بات سامنے آبھی جاتی ہے تو اس تخریب کاری کا الزام کس پر عائد کیا جائے گا؟ مہلک ابابیلوں کو اڑانے والے اپنی بندوین میں ممنوعہ علاقے سے کافی دور' اپنے اڈے سے اس غول کو اڑاتے ہی وہاں سے نکل جائیں گے۔ یہ سب سے بے ضرر اور محفوظ منصوبہ ہے جسے پال اور ظفر مل کر سرانجام دے سکتے ہیں۔"

"تو کیا پال تمہارے ساتھ واپس نہیں جائے گا۔" اس کا ہولناک منصوبہ سامنے آنے کے ساتھ میری آنکھیں کھلتی جارہی تھیں۔

"یہ بیمار ہوکر یہاں رک جائے گا۔" بل جونز مکّارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "پھر آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے یا تفریحاً اسلام آباد کا رخ کرلے گا۔ دراصل ان مخصوص ابابیلوں کو یہی پہچان سکتا ہے۔"

میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ کسی بھی چڑی مار کے ذریعے سو پچاس ابابیلیں خرید کر' ان میں سے ناکارہ ابابیلوں کو آزاد کرکے اپنی ضرورت پوری کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ ان دونوں کا منصوبہ ہر اعتبار سے مکمل تھا۔ کمی صرف کلیدی کردار کی تھی جو جہنم سے کبھی واپس لوٹ ہی نہیں سکتا تھا۔

"کس سوچ میں ڈوب گئے؟" مجھے خاموش پاکر پال ایتھرٹن نے ٹوکا۔

"میں ظفر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اگر وہ جلد ہی اپنی کمین گاہ سے باہر نہ آسکا تو کیا ہوگا؟"

"ظفر ہمارے لیے بہت اہم بلکہ ناگزیر ہے۔" بل نے کہا۔ "لیکن ایک فرد کے ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے کسی بڑے مشن کو ادھورا نہیں چھوڑا جاسکتا۔ تم شاید اتنا بڑا بوجھ نہ اٹھا سکو۔ ہمیں ظفر کی مخدوش پوزیشن کا اندازہ تھا اس لیے ہم نے اپنے کچھ دوستوں سے مدد لینے کا بندوبست کیا ہوا ہے۔ اگلے ایک دو دن میں ظفر نہ آسکا تو ہم ان لوگوں کو اعتماد میں لے کر اپنا کام آگے بڑھائیں گے۔ تم ان کے ساتھ رہ سکو گے۔"

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ جمی لائیڈ' ویرا سے بات کرنے کے لیے کیوں مضطرب تھا۔ بل جونز کے ذہن میں یقیناً جمی لائیڈ اور ویرا کے نام موجود تھے اور وہ ظفر کے موجود نہ ہونے کی صورت میں ویرا سے کام لینے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ دونوں طرف سے گھیر لیا گیا تھا۔ ظفر' البرٹو ویلیسا ہلاک کیا جاچکا تھا اور ویرا ہمارے ساتھ تعاون کررہی تھی۔ وہ کسی بھی صورت میں اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے قابل نہیں تھا

لیکن ان دونوں کو ان کے ناپاک عزائم کی سزا ملنی بہت ضروری تھی۔
"ہمارے دوستوں نے بھی کسی معذوری کا اظہار کیا تو ہم تیسری راہ اختیار کریں گے۔" اس بار پال ایتھرٹن کو ہوش آگیا تھا۔ "میں خود یہاں رہ کر اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں گا۔ پیسے کی مدد سے میں ہر کام کر گزروں گا۔ اس دور میں حب الوطنی سے لے کر فرض شناسی تک کی کوئی نہ کوئی قیمت ہوتی ہے۔ جو شخص ایک سو ہزار ڈالر کی رشوت کو ٹھکرا کر محبِ وطن بنا پھرتا ہے' ایک ملین ڈالر کی پیشکش پر بک جاتا ہے۔ بات صرف اتنی ہوتی ہے کہ آدمی کو دیکھ بھال کر' اس کی صحیح قیمت لگائی جائے' وہ جال میں ضرور پھنسے گا۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "ظفر نے اسی طرح مجھے اپنا وفادار بنایا ہوا ہے۔"
"تمہاری نہیں' یہ ایک عام بات تھی۔" پال نے جلدی سے کہا۔ "ہماری بھی ایک قیمت ہے۔ ہمیں کھوٹہ کی تنصیبات سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ ہم پیسے کے لیے یہ سب کر رہے ہیں۔ کھوٹہ کے دشمنوں نے ہمیں ہماری خدمات کا معقول معاوضہ دینے پر رضامندی ظاہر کی ہے جب ہی ہم نے ان کے تفکرات کو اپنے سر لیا ہوا ہے ورنہ ہم خدائی فوجدار نہیں ہیں جو ہزاروں میل دور سے بلاوجہ یہاں دوڑے آتے۔"
"تم پڑھے لکھے اور کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ آج رات کو تم یہیں رہ جاؤ۔" ٹل جونز نے میرا پستول میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "شراب سے دل بھر جانے کے بعد یہیں صوفے پر سو جانا۔"
"میرا گھر جانا ضروری ہے۔" میں نے لجلجا کر کہا۔ "بیوی اور دو یتیم بچوں کو میرا انتظار رہے گا۔"
"یتیم بچے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔ "تمہاری زندگی میں تمہارے بچے یتیم کیسے کہلا سکتے ہیں؟"
"بیوی میری ہے مگر وہ دونوں بچے میری مرحومہ بہن اور بہنوئی کی یادگار ہیں۔"
وہ دونوں ہنس پڑے اور پال بولا۔ "تم باتیں بھی دلچسپ کر لیتے ہو۔ کل دوپہر کو ہم تمہارا انتظار کریں گے۔"
مگر میرے ذہن میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ ریسٹ ہاؤس میں کوئی غیر معمولی حفاظتی انتظام نہیں تھا۔ ان کی رفتار بہت تیز تھی۔ ویرا کی جانب سے رابطہ ہوتے ہی وہ اس کے سر پر سوار ہو جاتے۔ ویرا کی طرف سے لیت و لعل کی صورت میں وہ کرنل جیسی جونز کے ذریعے جمی لائیڈ پر دباؤ ڈلوا سکتے تھے اور جمی لائیڈ فون پر ویرا کو تیزی دکھانے پر مجبور کر سکتا تھا۔ دوسری طرف ان کے لائے ہوئے خوفناک مگر چھوٹے بموں کے کریٹ اگلے دن ان کی تحویل میں آنے والے تھے۔ میں ان سے ساری کارآمد باتیں اگلوا چکا تھا۔ اس لیے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی ابتدا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔
"تم چاہو تو کچھ وقت نکال کر ہم ایک بڑا کام سرانجام دے سکتے ہیں۔" میں نے ایک فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔ پھر ان کے استفسار پر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ظفر کے سارے مصائب کی ذمے داری ڈینی نامی ایک بدمعاش پر ہے اور وہ آج کل کراچی میں دیکھا جا رہا ہے۔ ہم اسے ٹھکانے لگا سکتے ہیں۔"
"ہمیں معلوم ہے۔" ڈینی کا نام سنتے ہی ٹل جونز کے ہونٹوں پر تنفر آمیز کھنچاؤ آگیا۔ "میرا بس چلے تو میں ڈینی کا بھیجا اس کی ناک کے راستے بہا دوں۔ ظفر نے اپنی رپورٹ میں اس کا ذکر کیا تھا۔"
"اگر تمہارا موڈ ہو تو میں اسی وقت اس کے ٹھکانے پر چلنے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے پیشکش کی۔
"ہمارے پاس گاڑی نہیں ہے۔ ایسے کاموں میں ٹیکسی ڈرائیور پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔" ٹل بولا۔
"اس کی فکر نہ کرو۔ میرے پاس قابلِ اعتماد ڈرائیور سمیت گاڑی موجود ہے۔"
"اوہ! پھر تو تم خاصی مال دار اسامی ہو۔ میں نے سنا ہے کہ یہاں بہت کم لوگوں کے پاس اپنی کار ہوتی ہے۔"
"ظفر کی مہربانی ہے۔ وہ فراخدلانہ معاوضہ نہ دے تو گزر بسر بھی دشوار ہو سکتی ہے۔"
وہ دونوں ڈینی کے قتل کے لیے فوراً ہی میرے ساتھ روانہ ہونے پر تیار ہو گئے۔
"تم تیار ہو کر آؤ' میں ذرا ڈرائیور کو بریفنگ دے دوں۔" وہ لباس بدلنے میں مصروف ہوئے تو میں ان سے بہانہ کر کے باہر آگیا۔ میں نے فیصلہ کر ہی لیا تھا تو سلطان شاہ کو اعتماد میں لینا ضروری ہو گیا تھا۔
سلطان شاہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا میری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے بہت سکون کے ساتھ میری مختصر کہانی سنی پھر سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "یہ اچھا ہے۔ روگ کا جلد از جلد خاتمہ ہونا چاہیے۔"
ہم دونوں باہر کھڑے ہو کر نیچی آوازوں میں تبادلہ خیال کرنے لگے۔ باتیں کرتے ہوئے میں نے چہل قدمی کے انداز میں کار کا طواف کر کے یہ بھی دیکھ لیا کہ سلطان شاہ کی بے توجہی اور کافی دنوں سے زیادہ استعمال نہ ہونے کے سبب کار خاصی گندی حالت میں تھی۔ خاص طور پر اس کی دونوں نمبر پلیٹیں ایسی حالت میں تھیں کہ انہیں سرسری نظر میں پڑھنا ممکن نہیں رہا تھا۔
وہ دونوں تیار ہو کر باہر آئے تو ان کی وزنی جیبوں پر نظر پڑتے ہی مجھے احساس ہوا کہ میں نے انہیں تخلیہ فراہم کر کے غلطی کی تھی۔ میں ان کے ساتھ موجود رہتا تو مجھے یہ اندازہ ہو سکتا تھا کہ اس مہم کے لیے کس قسم کا اور کتنا اسلحہ اپنے ساتھ لے رہے

ہیں۔

انہیں آتا ہوا دیکھ کر سلطان شاہ نے پھرتی کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی لیکن بل جونز نے باہر رک کر ہی چابی کا مطالبہ کردیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ دورانِ سفر صرف اسی وقت پُرسکون رہ سکتا ہے جب اسٹیئرنگ وہیل اس کے قابو میں ہو۔ میں نے اسے امریکا کے برعکس پاکستان میں بائیں ہاتھ پر گاڑی چلانے کے قانون اور گندے ٹریفک کا حوالہ دے کر ڈرائیونگ سے باز رکھنا چاہا لیکن وہ نہ مانا۔ اس کے اصرار پر چابی اسے دے دی گئی۔

ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو میں بل جونز کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ سلطان شاہ، پال ایتھرٹن کے ساتھ عقبی نشست پر براجمان تھا۔ گاڑی چلنے کے بعد پال نے سلطان شاہ سے متعارف ہونے کی کوشش کی لیکن وہ میری ہدایت کے مطابق انگریزی سے لاعلمی ظاہر کرکے رہ گیا۔ میرے لیے وہ بندوبست ضروری تھا تاکہ میری اور سلطان شاہ کی کسی بات میں عدم مطابقت کی وجہ سے ان دونوں کو چوکنا ہونے کا موقع نہ مل سکے۔

ریسٹ ہاؤس سے روانہ ہونے کے بعد میں نے بل جونز کو اس سڑک پر چلنے کا مشورہ دیا جو پٹھان کالونی اور بنارس چوک سے گزرتی ہوئی، بلوچستان کی طرف جاتی تھی۔ آبادی، سیمنٹ سازی کے کارخانوں اور پھر گندھک ملے ہوئے گرم پانی کے چشموں کے قریب سے گزرنے کے بعد گاڑی ویران علاقے میں داخل ہوئی تو سڑک کے دونوں طرف چٹیل اور تاریک میدان دیکھ کر پال ایتھرٹن چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہم شہری حدود سے باہر نکل آئے ہیں۔" اس نے کہا "کیا ہم کراچی سے باہر، کسی دوسرے شہر کی طرف جارہے ہیں؟"

"کراچی ایک بے تکا شہر ہے" میں نے اسے باتوں میں الجھائے رکھنے کے ارادے سے کہا "اس کی مختلف آبادیوں کے درمیان ایسے غیر آباد علاقے ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں۔ شاید شہر کے منصوبہ سازوں نے مستقبل کی ضروریات کے لیے ان قطعاتِ اراضی کو بچا کر رکھا ہوا ہے۔"

"لیکن یہاں تو تاحدِ نظر اندھیرے کا راج نظر آرہا ہے" پال کی پُرتشویش آواز ابھری "آگے کوئی آبادی ہو تو یہاں سے اس کی روشنیاں وغیرہ تو نظر آنی چاہئیں۔ اس ویرانے میں ڈیزی کیا کررہا ہے؟"

اس کا اضطراب خطرے کی علامت تھا۔ میں نے بل سے کہا "آگے ایک کچا راستہ نظر آئے گا۔ بس وہیں سے گاڑی بائیں طرف اتار لینا۔ میرا خیال ہے کہ ہم اپنی منزل سے کافی قریب ہیں۔"

"تو کیا ہمیں سڑک سے اتر کر کچے میں جانا ہوگا؟" بل کی آواز بھی تفکر آمیز تھی۔

"چند منٹ کے بعد ہم دوبارہ نیم پختہ سڑک پر ہوں گے جو نشیبی علاقے میں موجود آبادی تک جاتی ہے۔"

میں نے کچے راستے کی بات الل ٹپ کہہ دی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ قرب و جوار کے دیہی علاقوں تک رسائی کے لیے اس سڑک سے جابجا کچے میں اترنے کے نشانات ملتے رہیں گے۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں، بل کو جوں ہی کسی پگڈنڈی کے آثار نظر آئے، اس نے بریک لگا کر گاڑی کی رفتار کم کی اور اسے سڑک سے نیچے اتار دیا۔ گاڑی جھٹکے کھاتی ہوئی، پتھریلے اور ناہموار راستے پر آگے بڑھنے لگی۔ گاڑی میں بوجھل اور غیر فطری سکوت چھایا ہوا تھا۔ ہم دونوں ان پر وار کرنے کے موقع کی تلاش میں تھے اور وہ شاید اپنے لیے خطرہ محسوس کرنے لگے تھے۔

ایک گڑھے سے نکلتے ہوئے گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی دور تک گئی تو راستے میں پتھریلے ٹیلوں کا ایک سلسلہ نظر آیا اور بل نے پورے بریک لگا کر گاڑی وہیں روک دی۔

"اب تم چاہو گے کہ ہم دو سو گز کے بعد گاڑی چھوڑ کر ان ٹیلوں کو پیدل عبور کریں" بل کی غراہٹ گونجی۔

میں نے اپنے بائیں ہاتھ میں موجود پستول کے وزنی دستے سے اس کے سر پر بھرپور ضرب لگانی چاہی جو اوچھی پڑی۔ بل جونز کا ہاتھ شاید پہلے سے دروازے کے لیور پر تھا، وہ بہت پھرتی کے ساتھ کار سے باہر نکل گیا۔ پچھلی نشست پر بھی دھاچوکڑی شروع ہوچکی تھی مگر میرے لیے بل زیادہ اہم تھا۔ مہلت پاکر وہ کوئی آتشیں ہتھیار نکال لیتا تو خطرناک صورتِ حال پیدا ہوسکتی تھی۔ میں بھی فوراً ہی ڈرائیونگ سیٹ والے دروازے سے باہر نکل گیا۔

بل زمین پر ہی لڑھک کر ایک طرف نکل جانے کی کوشش کررہا تھا۔ میں اس پر سے ہوتا ہوا سنگلاخ زمین پر پھسل گیا۔ میں نے سنبھلتے سنبھلتے ہی فضا میں ایک فائر جھونک مارا۔ مقصد صرف انہیں خوف زدہ کرنا تھا۔ فوراً ہی ایک اور فائر ہوا جو بل جونز نے کیا تھا۔ وہ میری توقع سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا تھا کیونکہ زمین پر گرنے کے باوجود وہ اپنا پستول نکال چکا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ کار کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھلا اور ایک دوسرے سے گتھے ہوئے دو ہیولے باہر آگرے۔ ان دونوں کی وحشیانہ غراہٹیں ویرانے میں دور تک گونج رہی تھیں۔

لمحہ بھر کے لیے میری توجہ کار کی طرف مبذول ہوئی تھی کہ بل جونز کی طرف سے دوسرا فائر ہوا اور گولی میرے سر کے بالوں کو تقریباً چھوتی ہوئی گزر گئی۔ اگر میں اس وقت زمین پر پڑا ہوا نہ ہوتا تو میری کھوپڑی میں ایک کھڑکی کھل چکی ہوتی۔ میں نے اندازے سے کام لیتے ہوئے بل کی طرف فائر کیا مگر میری گولی کار کے کسی آہنی حصے میں جا گھسی۔

کھلے میدان میں جب دو مسلح حریف ایک دوسرے کے مقابل ہوں تو ان میں سے کوئی بھی اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کا بھیانک

خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ ایک قریبی نشیب میں لڑھکنے کے بعد سینے کے بل پوزیشن لے لی اور قوی ہیکل بل کو تلاش کرنے لگا۔

میرے مقابلے میں بل جونز کی پوزیشن اس اعتبار سے بہتر تھی کہ وہ کار کے قریب تھا۔ اگر وہ کار کی آڑ لینے میں کامیاب ہو جاتا تو ہم رات بھر بھی اس کے قریب نہیں پھٹک سکتے تھے۔ ادھر سلطان شاہ نے اپنے حریف کو بری طرح رگیدا ہوا تھا۔ پال ایتھرٹن جسمانی طور پر سلطان شاہ سے بہت کم تر تھا۔ خطرہ بھانپ لینے کے باوجود اسے کوئی ہتھیار نکالنے کا موقع نہیں مل سکا تھا اس لیے سلطان شاہ اسے پیسے ڈال رہا تھا اور فضا اس کی دردناک غراہٹوں سے گونج رہی تھی۔

اسی وقت مجھے بل جونز کا زمین سے چپکا ہوا وجود نظر آ گیا۔ وہ بوکھلاہٹ میں کار سے کافی دور نکل چکا تھا اور اوسان بحال ہونے کے بعد' پیٹ اور کہنیوں کے بل کار کی طرف رینگ رہا تھا۔

میں نے اندھیرے میں نظریں گاڑ کر' بہت احتیاط سے اس کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ وہ پیچھے اچھل گیا۔ چیخ میں بہت زیادہ اذیت نہیں تھی۔ شاید میری گولی نے اس کی جلد کے کسی حصے کو ادھیڑ ڈالا تھا جس پر اس کے منہ سے اضطرابی چیخ آزاد ہو گئی تھی۔

میرے لیے وہ فیصلہ کن لمحات تھے۔ میں بل جونز کو ایک ہلکا یا کاری زخم لگانے کے بعد اس پر ذہنی برتری حاصل کر چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میرے آخری فائر سے خوف زدہ ہونے کے بعد وہ کچھ دیر کے لیے فطری طور پر کار کی طرف بڑھنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ میں نے اس میدان میں موجود اس واحد مورچے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

کار پر ہمارا قابض رہنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ بل جونز کو وہاں سے فرار ہونے کا موقع نہ مل سکے۔ کار کی طرف رینگتے ہوئے میں گرد و پیش سے غافل نہیں تھا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے باوجود مجھے کہیں بھی بل جونز کا زمین سے چپکا ہوا' ساکت یا متحرک ہیولا نظر نہیں آیا۔ دوسرے طرف سلطان شاہ کو بھی شاید اپنا پستول نکالنے کا موقع نہیں مل سکا تھا کیونکہ ادھر سے تابڑ توڑ مکوں وغیرہ کے ساتھ پال ایتھرٹن کی کراہیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں حیران تھا کہ کمزور جسمانی ساخت رکھنے اور اس قدر مار کھانے کے باوجود پال ایتھرٹن کسی جونک کی طرح سلطان شاہ سے چمٹا ہوا تھا۔

میں نے پھر اسی سمت میں ایک فائر جھونک مارا جدھر میں نے بل جونز کو دیکھا تھا لیکن جواب میں ادھر سکوت چھایا رہا اور میں چند ثانیوں بعد ہی اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سلطان شاہ' پال ایتھرٹن پر سوار ہو کر اسے ادھیڑ رہا تھا۔

"جلدی اس کا قصہ ختم کرو" میں نے کار کی طرف بڑھتے ہوئے تیز سرگوشی میں کہا "ہمیں اس کے ساتھی کو بھی گھیرنا ہے۔ وہ بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا تو ہماری ساری محنت رائیگاں جائے گی۔"

"یہ حرام زادہ ربر کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے" سلطان شاہ کی غصے اور جھلاہٹ میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری "میں نے اس کی دونوں کنپٹیاں پھاڑ دی ہیں۔ سالا لہولہان ہو رہا ہے لیکن مرنا تو بے ہوش ہونے کا نام لیتا ہے۔"

میں نے فوراً ہی اپنا رخ تبدیل کر لیا اور پھر پال ایتھرٹن کے سر پر پہنچ گیا۔ وہ منہ پھاڑے بری طرح ہانپ رہا تھا لیکن اس کی مزاحمت بدستور جاری تھی۔ میں نے اس کے کھلے ہوئے دہانے میں اپنے پستول کی نال اڑائی اور لبلبی دبا دی۔ ہولناک دھماکے کے ساتھ اس کا بدن اتنی زور سے اچھلا کہ سلطان شاہ فضا میں اڑتا ہوا دور جا گرا۔ پال ایتھرٹن کی موت کے درد میں ڈوبی ہوئی آخری چیخ فائر کی بھیانک گونج میں دب کر رہ گئی۔ میری گولی شاید اس کے تالو سے ہو کر کھوپڑی سے نکل گئی تھی کیونکہ میرے پلٹنے سے پہلے ہی اس کا جسم دو تین جھٹکے لے کر ساکت ہو گیا۔

"اس کی تلاشی لے کر ہتھیاروں پر قبضہ کر لو" سلطان شاہ کو ہدایت دے کر میں کار کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کار کے اگنیشن میں چابی موجود نہیں تھی۔ میں نے ڈیش بورڈ میں ہاتھ ڈالا تو بیم گن وہاں نہیں تھی۔ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کار کے ہیڈ لیمپس روشن کر دیئے۔ دور تک روشنی کی چادر پھیل گئی لیکن اس بنجر اور سنگلاخ زمین پر بل جونز تو کیا کسی بھی ذی روح کا وجود نہیں تھا۔

اچانک داہنی طرف سے فائر ہوا۔ میں غیر ارادی طور پر ڈرائیونگ سیٹ میں ہی نیچے جھک گیا۔ گولی داہنے فینڈر کی چادر میں پیوست ہو گئی۔ میں نے فوراً ہیڈ لیمپس بجھا دیئے۔ گھور تاریکی میں ان کے انعکاس کی وجہ سے شاید بل جونز نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ فائر کی سمت سے اندازہ ہوا کہ اس نے بہت تیزی کے ساتھ اپنی پوزیشن تبدیل کر لی تھی اور کم و بیش ان ہی اطراف میں موجود تھا جہاں سے گولی چلا کر میں نے اسے زخمی کیا تھا۔ شاید اس نے کار کی اوٹ لے کر مقابلہ کرنے کے بجائے' ایک چکر کاٹ کر مجھے گھیرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

میں کار سے اتر کر' اس کے بائیں جانب چلا گیا۔ سلطان شاہ بھی وہیں آ گیا۔

اسے پال ایتھرٹن کے قبضے سے بھرے ہوئے پستول کے علاوہ ایک بھرا ہوا فاضل میگزین اور شکاری چاقو ملا تھا۔ میرے استفسار پر معلوم ہوا کہ سلطان شاہ نے ریسٹ ہاؤس سے روانہ ہونے سے پہلے بیم گن اپنی تحویل میں لے لی تھی۔

"ہتھیار ڈال کر خود کو میرے حوالے کر دو ورنہ میں تمہارے چیتھڑے اڑا دوں گا" اچانک فضا میں بل جونز کی بلند اور ہذیانی آواز گونج اٹھی "میں تمہیں زندہ نہیں جانے دوں گا۔"

میں نے آواز کی سمت میں ایک فائر کردیا۔ مجھے یہ تسلی تھی کہ میرا پستول خالی ہونے کے بعد بھی ہماری تحویل میں دو بھرے ہوئے پستول اور ایک مکمل میگزین موجود تھا۔ ہم وقفے وقفے سے گولیاں چلا کر بل جونز کو ہراساں کرسکتے تھے۔

"تم اکیلے رہ گئے ہو" فائر کی گونج ختم ہونے کے بعد میں نے اونچی آواز میں کہا "ہم دونوں تمہیں گھیر کر چوہے کی موت ماردیں گے۔ تمہاری موت تمہیں کھینچ کر پاکستان لائی ہے۔"

چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس نے سوال کیا "تم کون ہو اور ہم سے تمہاری کیا...."

اس کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے میں نے اس طرف گولی چلادی۔ میں ہر گولی گن کر استعمال کررہا تھا۔ اس فائر کے بعد میرا میگزین خالی ہوگیا۔ میں نے خالی پستول سلطان شاہ کو دے کر پال ایفرٹن کے قبضے سے برآمد ہونے والا بھرا ہوا پستول لے لیا۔ اس وقت تک بل جونز نے صرف تین فائر کیے تھے۔ وہ اپنے پستول کو بس احتیاط سے استعمال کررہا تھا۔ اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ گولیوں کی قلت کی طرف سے فکر مند تھا۔ اس کے پستول کے میگزین میں صرف تین چار گولیاں رہ گئی تھیں۔ ان کے بعد وہ زیادہ سے زیادہ ایک اور میگزین چڑھا سکتا تھا۔ کیونکہ پال کے قبضے سے بھی صرف ایک فاضل میگزین برآمد ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ نہتا رہ جاتا اور ہم لوگ بھاگ دوڑ کرکے بھی اسے پکڑ سکتے تھے۔

لیکن وہ احمق نہیں تھا۔ اس نے جوش میں آکر اپنی ایک گولی بھی بے مقصد نہیں چلائی تھی۔

بل جونز نے اچانک بلند آواز میں ہمیں غلیظ گالیاں دینی شروع کردیں ان گالیوں کے دوران میں ہی اس کی آواز نے جھٹکا لیا جیسے اس نے کسی چیز پر اپنا پورا زور صرف کیا ہو۔ اس کے لحظہ بھر بعد ہی ایک پُرہول دھماکے سے ہماری نظریں خیرہ ہوگئیں۔ ہم سے صرف چند گز دور کوئی دستی بم زمین پر گر کر تیز چمک اور دھماکے کے ساتھ پھٹا تھا۔ اگر ہم دونوں گاڑی کی اوٹ میں نہ ہوتے تو فضا میں اڑنے والے بموں کے ٹکڑوں اور کنکروں سے لہولہان ہوچکے ہوتے۔

"وہ بموں سے لیس ہے اور شاید گاڑی کے ساتھ ہی ہمیں بھی اُڑا دینا چاہتا ہے" سلطان شاہ نے پُرتشویش لہجے میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا "اس بار ہم چند گز کے فرق سے بچ گئے لیکن وہ اگلا بم قریب آکر پھینکے گا۔ اندھیرے کے باوجود اسے یہ کار اچھی طرح نظر آرہی ہوگی۔ ہمیں...."

اچانک ہی اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر میرا ہاتھ تھاما اور ایک طرف دوڑ لگادی۔ میں کوئی مزاحمت کیے بغیر مشینی انداز میں اس کے پیچھے ہولیا۔ ہم چند گز دور ہی گئے ہوں گے کہ دوسرا دھماکا ہوا اور فضا میں خون آلود سرخی پھیل گئی۔ ہم اس بار بھی بال بال بچے تھے۔

کچھ دور نکل آنے کے بعد میں نے مڑ کر دیکھا کہ بم پھٹنے کے ساتھ ہی ہماری کار آگ کے بھیانک شعلوں کی لپیٹ میں آچکی تھی اور بل جونز کافی دور کھڑا کسی پاگل کی طرح قہقہے لگا رہا تھا۔ آگ کے شعلے اور کثیف دھواں اگلتی ہوئی کار پر اپنی توجہ مرکوز کیے رکھنے کی وجہ سے شاید وہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ ہم اس کے مہلک وار سے بچ نکلے تھے۔

لحہ بھر کے لیے میرے دل میں خیال آیا کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تھا اور میں اس پر فائر کرسکتا تھا لیکن میں فوراً ہی وہ ارادہ ترک کرکے زمین پر گر گیا۔ سلطان شاہ نے میری تقلید کی۔

اس وقت بل جونز نظر ضرور آرہا تھا لیکن وہ پستول کی رینج سے باہر تھا۔ فائر کیے جانے کی صورت میں وہ ایک مرتبہ پھر ہماری طرف سے چوکنا ہوسکتا تھا۔ میری متبادل کوشش یہ تھی کہ ہم خود کو اس کی نظروں سے محفوظ رکھتے ہوئے' اس خوش فہمی میں مبتلا رہنے دیں کہ اس نے ہمیں مارلیا ہے اور جب وہ اپنے کارنامے کا جائزہ لینے کے لیے' جلتی ہوئی کار کے قریب آئے تو بے خبری میں اس پر حملہ کرکے اسے بے دست وپا کرلیں۔

"اگر میری نگاہ فضا میں آتے ہوئے بموں پر نہ پڑگئی ہوتی تو اس وقت ہم کہاں ہوتے؟" سلطان شاہ جھرجھری لیتے ہوئے میرے کان کے نیچے منمنایا "خیریت اسی میں ہے کہ ہم اب یہاں سے نکلنے کی فکر کریں۔"

"پاگل ہوئے ہو" میں نے اسے جھاڑا "وہ پورا بارود خانہ لے کر نہیں آیا ہوگا۔ وہ بارودی اسلحے کا ماہر ہے اس لیے دوچار شعبدے جیب میں ڈال لایا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اب اس کے پاس پستول کی گولیوں کے علاوہ اور کچھ باقی نہ رہا ہو۔ ہم اتنے قریب آئے ہوئے شکار کو چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔"

ہم سینوں کے بل زمین سے بالکل چپک کر ایک طرف رینگ رہے تھے لیکن ہماری پوزیشن تسلی بخش نہیں تھی۔ وہ کھڑا ہوا تھا اور پھر بھڑکتے ہوئے شعلوں نے کافی دور تک کا علاقہ روشن کردیا تھا' اس لیے وہ کسی بھی لمحے ہمیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر کسی طرح ہمارے اور اس کے درمیان جلتی ہوئی کار حائل ہوجاتی تو ہم اس کی نظروں سے بالکل محفوظ ہوسکتے تھے لیکن اس مقام تک پہنچنے کے لیے ایسی جگہ سے گزرنا ناگزیر تھا جو اس وقت بھی بل کی نظروں میں تھی۔ اس مجبوری کی وجہ سے ہم دونوں ہی لحہ بہ لحہ کار سے دور کھسکتے جارہے تھے۔

لیکن ہماری وہ کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ بل جونز کا مجنونانہ ہنسی کا دورہ ختم ہوا تو اس نے کار کے جلتے ہوئے ڈھانچے کی طرف اندھا دھند پیش قدمی کے بجائے گردوپیش کا جائزہ لیا اور ہمیں دیکھ لیا۔

"جہنمی کتو! میں تمہیں فنا کردوں گا" وہ ہمیں دیکھتے ہی پوری قوت سے چیخ پڑا اور اس بار اس نے اضطراری طور پر ہماری طرف دو فائر جھونک مارے۔

جس طرح وہ ہماری پستول کی رینج سے باہر تھا' اسی طرح ہم دونوں اس کی زد سے محفوظ تھے۔ اس کی مزید دو گولیاں ضائع ہو گئیں اور ہم دونوں بھی اپنے قدموں پر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہمیں دو مختلف سمتوں میں نکل کر اسے گھیرنے کی کوشش کرنی چاہیے" میں نے رائے دی "جو بھاگ دوڑ سے جلد ہی نڈھال ہو گیا یا مار لیا جائے گا۔ اسے مسلسل بھاگنے پر مجبور کرنا ہوگا۔"

ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوئے تو یہ طے کر لیا گیا تھا کہ سلطان شاہ ایک چکر کاٹ کر اس کی توجہ کا ارتکاز ختم کرنے کی کوشش کرے گا اور میں سیدھا اس کی طرف جاؤں گا۔ میں نے بھرا ہوا فالتو میگزین' بیم گن سمیت اپنے ساتھ لے لیا تھا کیونکہ براہِ راست ٹکراؤ کے لیے مجھے ان چیزوں کی زیادہ ضرورت تھی۔

میں نے تیز قدموں سے اس کی طرف بڑھنا شروع کیا تو وہ کچھ دیر تک اپنی جگہ کھڑا میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بھی تقریباً میری رفتار سے سڑک کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

میری طرف اس کی پشت ہوتے ہی میں نے پنجوں کے بل دوڑ لگائی پھر رک کر پوری طاقت سے ایک پتھر اس کی طرف کھینچ مارا۔ وہ پستول کی رینج سے ضرور باہر تھا لیکن میرے پھینکے ہوئے پتھر نے اس کی پشت کو نشانہ بنا ہی لیا۔ پتھر لگتے ہی وہ بلبلا کر پیچھے مڑا۔ اس کے رکتے ہی میں نے دوڑ لگا دی۔ وہ گالیاں دیتے ہوئے اچھل کر بھاگا لیکن رخ بدلنے کی کوشش میں اس کی ٹانگیں ایک دوسرے میں الجھ گئیں۔

وہ لڑکھڑا کر سنبھلنے کے بعد دوبارہ دوڑا تو میرا اور اس کا درمیانی فاصلہ خاصا کم ہو چکا تھا۔ میں نے بھاگتے بھاگتے اس پر فائر کیا لیکن اس وقت بھی ہم دونوں کا درمیانی فاصلہ پستول کی بساط سے باہر تھا۔ میں نے اسے ایک اور پتھر مارنا چاہا جو اس کے پہلو سے نکل گیا۔

اس وقت دو مضبوط حریفوں کا وہ خونریز تصادم' آوارہ گرد لڑکوں کی لڑائی میں تبدیل ہو چکا تھا۔ میری سنگ باری کے نتائج دیکھتے ہوئے بل جونز نے بھی اس سے استفادہ کرنے کی کوششیں کیں لیکن ناکام رہا۔ اصل بات یہ تھی کہ میں اس سے ٹکرا جانے کے فراق میں تھا اور وہ بھاگ رہا تھا۔ اگر وہ بھی ہمت کر کے میرے مقابلے پر ٹھہرنے کی کوشش کرتا تو شاید صورتِ حال دشوار تر ہو سکتی تھی۔

ایک ٹیلے کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے رک کر میری طرف دیکھا پھر فائر کر دیا۔ گولی مجھ تک نہیں پہنچ سکی لیکن اسی وقت ٹیلے پر سے گولی چلی اور بل جونز ایک چیخ کے ساتھ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

بھاگ دوڑ میں ہم لوگ جلتی ہوئی کار سے کافی دور نکل آئے تھے اور وہاں شعلوں کی روشنی میسر نہیں تھی اس لیے مجھے اس ٹیلے پر فائر کی روشنی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا لیکن بل جونز کے گرتے ہی ٹیلے پر سے کسی نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ سلطان شاہ ہی ہو سکتا تھا۔ میں نے پوری قوت کے ساتھ ان دونوں کی طرف دوڑ لگا دی تاکہ بل جونز جیسے دیوہیکل سانڈ کے مقابلے میں سلطان شاہ کی مدد کر سکوں۔

میرے پہنچنے تک بل جونز' سلطان شاہ کی گرفت سے آزاد ہو چکا تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑنے کے لئے موقع کی تلاش میں پاؤں بدلتے ہوئے ایک دائرے میں گھوم رہے تھے۔

میں نے پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا کہ بل جونز خالی ہاتھ تھا۔ شاید سلطان شاہ کے حملہ آور ہوتے ہی پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ وہ نہ صرف غیر مسلح تھا بلکہ لنگڑا بھی رہا تھا۔

"بل جونز! ہاتھ اٹھا لو۔ تمہارا کھیل ختم ہو چکا ہے" میں نے پستول تان کر اسے للکارا۔

میری زبان سے اپنا اصل نام سن کر وہ بری طرح چونکا اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا "تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں بل جونز نہیں' جیک رونالڈو ہی ہوں' تم یقیناً وہ نہیں ہو جو بنتے رہے ہو۔"

"پھر مجھے شاید کرنل جیسی جونز کا نام بھی بدلنا پڑے گا" میں نے ہوا میں فائر کرتے ہوئے کہا "مجھے افسوس ہے کہ آج کی رات وہ اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کی وجہ سے اپنے اکلوتے وارث سے بھی محروم ہو جائے گا۔"

"تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" وہ شکست خوردہ اور پریشان نظر آنے کے باوجود خوفزدہ نہیں تھا۔

"یہ تم سب کا باپ 'ڈینی' ہے" سلطان شاہ نے بڑھ کر اس کے گھٹنے پر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا "اور یہ....."

وہ اپنی بات مکمل نہیں کر سکا کیونکہ بل جونز نے پھرتی سے اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا تھا۔ اس طرح سلطان شاہ میرے اور اس کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔ میں نے پینترا بدل کر بل جونز کے پہلو کو اپنے پستول کی زد میں لینے کی کوشش کی مگر بل جونز نے آسانی کے ساتھ سلطان شاہ کو اسی رخ پر اپنے سامنے کر لیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سلطان شاہ اس کے مضبوط بازوؤں میں بالکل بے بس ہو کر رہ گیا ہو۔

سلطان شاہ کا اوپر اٹھا ہوا ہاتھ بالکل بے جان انداز میں نیچے گرا تو مجھے نازک صورتِ حال کا احساس ہوا۔ شاید بل جونز پوری قوت کے ساتھ اپنے بازوؤں میں اس کا سینہ دبا کر اس کا دم گھونٹنے کی کوشش کر رہا تھا جس میں اسے کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ سلطان شاہ جوش میں خود ہی اس شکنجے میں جا پھنسا تھا۔

"اسے فوراً چھوڑ دو ورنہ میں تمہارا بھیجا اڑا دوں گا" میں نے فوراً پستول کی نال کا رخ اس کی کھوپڑی کی طرف کر دیا۔ وہ سلطان شاہ سے زیادہ دراز قامت تھا' اس لئے اس کا سر میری زد میں نہیں تھا۔ میں نے غراتے ہوئے ایک فائر کر دیا۔

میں نے فائر کرتے ہوئے بل جونز کے جسم کے کسی حصے کا نشانہ نہیں لیا تھا لیکن وہ دھماکے کے رد عمل میں ایک طرف جھکا تو گولی شاید اس کے کان کو چھیدتی ہوئی گزر گئی۔
بل جونز کا ایک ہاتھ غیر ارادی طور پر زخمی کان کی طرف گیا اور سلطان شاہ اپنی بدحالی کے باوجود اس کی گرفت سے آزاد ہونے میں کامیاب ہو گیا۔
"ٹھہرو!" اس نے اچانک فضا میں ہاتھ اٹھا کر کہا "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم مجھے مارنا چاہتے ہو۔ لیکن میں اپنی زندگی کے عوض تمہارا کوئی بھی مطالبہ پورا کرنے کے لئے تیار ہوں۔"
"دونوں ہاتھ اٹھا کر تلاشی دینے کے بعد ہی تم سے کوئی بات کی جا سکتی ہے۔"
"پستول گر چکا ہے۔ میری جیب میں ایک بھرے ہوئے میگزین کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔"
"میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ابھی تمہارے پاس کتنے بم باقی ہیں" میں نے تلخی سے کہا۔
"میں صرف دو میجک بالز لایا تھا۔ وہ دونوں استعمال ہو چکی ہیں" وہ بولا۔
"پھر تمہیں تلاشی دینے میں کیا اعتراض ہے؟ تلاشی دو یا مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"
وہ بھیانک انداز میں ہنس پڑا "تم بہت چالاک اور ضدی ہو" پھر ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا "آؤ! میری جامہ تلاشی بھی لے لو تاکہ پوری طرح اپنی تسلی کر سکو۔ یہ یاد رکھنا کہ میں موت سے ذرا بھی خائف نہیں ہوں۔ بس اتنی جلدی مرجانے کا تصور کچھ خوش گوار نہیں ہے۔ ابھی میں نے اپنی زندگی کی صرف چوبیس بہاریں ہی دیکھی ہیں۔"
سلطان شاہ نے اس کی تفصیلی جامہ تلاشی لی تو بھرے ہوئے میگزین اور ایک چھوٹے سے دھاتی خول کے علاوہ کچھ برآمد نہیں کر سکا۔ میجک بالز یا تباہ کن بموں میں سے کوئی باقی ماندہ بم دستیاب نہیں ہو سکا۔
وہ بیضوی دھاتی خول اتنا مختصر تھا کہ بہ آسانی ہتھیلی میں سما سکتا تھا لیکن اس کے ایک سرے پر اسی قسم کا اسپرے نوزل نظر آ رہا تھا جیسا خوشبویات کی بیش قیمت بوتلوں پر لگا ہوا ہوتا ہے۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے کے باوجود میں کچھ نہیں سمجھ سکا تو بل جونز سے اس کے بارے میں سوال کیا۔
"یہ دھاتی خول ایک ہائی پریشر سلنڈر ہے۔ جس میں مائع حالت میں سی نائین نامی مہلک ترین گیس محفوظ ہے۔ اس گیس کی خفیف ترین مقدار بھی جسم میں داخل ہو جائے تو نصف سیکنڈ کی مدت میں انسان شریانوں میں خون جم جانے کے سبب سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ نوزل کا سرا دبانے سے سی نائین کی بال سے زیادہ باریک دھار لمحہ بھر کے لئے خارج ہو کر خود بخود بند ہو جاتی ہے۔" اس نے سنجیدگی کے ساتھ بتایا۔
"گیس ختم ہونے کے بعد یہ خول ناکارہ ہو جاتا ہوگا؟" میں نے وہ خول اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔
"میں اسے گیس پستول کہتا ہوں اور اپنی تجربے گاہ میں دوبارہ بھر سکتا ہوں۔ تمہارے لئے یہ سو سوا سو مرتبہ دبانے کے بعد ناکارہ ہو جائے گا۔ تم نے اسے اناڑی پن سے استعمال کیا تو خود بھی مر سکتے ہو۔"
"اپنے اس تحفے کے صحیح استعمال کا طریقہ بھی بتا ڈالو" میں نے نرمی سے کہا۔
"یہ گیس ہوا کے بعض اجزاء میں بہت تیزی کے ساتھ تحلیل ہوتی ہے۔ اس کا ایک اسپرے یا فائر چھ فٹ دور تک اثر کرتا ہے۔ احتیاط بس اتنی ہے کہ اسے چلانے کے بعد پندرہ سیکنڈ تک آدمی آگے نہ بڑھے۔ پسپائی میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ پندرہ سیکنڈ بعد، ہوا میں مل کر یہ گیس ناکارہ ہو جاتی ہے۔"
"شاید تم اسے ہم پر استعمال کرنا چاہ رہے تھے؟" سلطان شاہ نے طنز سے پوچھا۔
"جنگ میں ہر فریق کو اپنے ہتھیار آزمالینے کا پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔"
"کیوں نہ اس گیس پستول کو تم پر ہی آزمایا جائے؟" سلطان شاہ نے استہزا کے ساتھ کہا۔
"تم مجھے اس سے نہیں مار سکو گے" وہ پورے اعتماد کے ساتھ بولا "ہمارا درمیانی فاصلہ اس وقت بھی چھ فٹ سے زیادہ ہے۔ اس کھلے میدان میں، میں اسے ہر وقت بڑھا سکتا ہوں۔"
مجھے بل جونز کی اس صاف گوئی نے متاثر کیا کہ اس نے اپنی نجات کے سارے دروازے بند کرنے کے بعد مجھے گیس پستول کے بارے میں دھوکا دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اگر وہ اس میں کسی نادر قسم کی خوشبو کی موجودگی کا فریب دے کر اسے سونگھنے پر اکساتا تو اس کا ایک حریف کم ہو سکتا تھا۔ یہ اور بات ہوتی کہ میں اس کے راغب کرنے کے باوجود اس کے مشورے پر عمل کرنے پر تیار نہ ہوتا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس کی موت کے عمل کو سہل اور مختصر ترین ہونا چاہئے تاکہ وہ تڑپنے کی کربناک اذیت سے بچ سکے۔
"تمہیں یہ جان کر خوشی نہیں ہوگی کہ البرٹو ویلیس اب زندہ نہیں ہے" میں نے قدرے سکوت کے بعد وہ انکشاف کیا تو حیرت اور بے یقینی سے بل جونز کا منہ کھل گیا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "یہ راز بھی کھل چکا ہے کہ تم لوگ کہوٹہ کے خلاف ڈیوڈ اسٹارز کے ایما پر کام کر رہے ہو۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ پاکستان کے خلاف ڈیوڈ اسٹارز کے کیا عزائم ہیں اور وہ ہمارے دشمن کیوں ہو رہے ہیں؟"
"دشمنی کے اسباب ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ وہ ہر قسم کا نقصان پہنچانا چاہتے ہیں لیکن ہمارا اور ان کا موجودہ معاہدہ صرف کہوٹہ تک ہے" بل جونز نے اپنی زخمی ٹانگ کا بوجھ دوسرے پیر پر منتقل کرتے ہوئے کہا "یہاں آنے کے بعد مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ ہم

نے ایک مشکل سودا مول لیا ہے۔ پاکستان کی سرزمین پر رہ کر اس ملک کے خلاف کام کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ ہمارے معاہدے میں دراصل ڈیوڈ اسٹارز کا سرے سے ذکر نہیں ہے۔ ہمیں نیویارک کے راس المیڈا نامی ایک یہودی نے معاوضہ ادا کیا ہے۔ وہ خود بھی سرگرم ڈیوڈ اسٹار ہے اس لئے شاید ڈیوڈ اسٹارز کا نام نکل گیا ہے۔ راس المیڈا کا خیال تھا کہ ہم بہت جلد اپنا ہدف حاصل کرلیں گے تو پھر وہ ہم سے کوئی نیا معاہدہ کرے گا۔"

بل جونز کی وہ گفتگو قدرے بے ربط مگر معلومات افزا تھی۔ اس کی روشنی میں راس المیڈا کا ایک نیا نام سامنے آیا تھا جسے کسی مناسب وقت پر نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔

"تمہارے وہ دوست کون ہیں جو البرٹو و۔ یلیسا کی غیر موجودگی میں تمہارا ساتھ دینے والے تھے؟" میں نے قطعی انجان بنتے ہوئے سوال کیا "پاکستان میں ان کے کیا رابطے ہیں؟"

"جمی لائیڈ۔" اس نے بلا تامل جواب دیا۔ "ایک زمانے میں وہ پاکستان میں بہت سرگرم رہا ہے۔ اسی کا کوئی نمائندہ مجھ سے رابطہ کرنے والا تھا لیکن اب تو اس قصے کو ختم ہی سمجھو۔"

"مقامی نمائندے کا نام اور ٹھکانا؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"اسے چھوڑ دو۔" وہ دردمندانہ لہجے میں بولا "مجھے معلوم ہے کہ میرے بعد تم اس کی زندگی جہنم بنا دو گے۔ اس نے ابھی تک کچھ کیا ہی نہیں تو تم اس کا نام اور پتا لے کر کیا کرو گے؟"

"تمہاری مرضی۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "ویسے ویرا لائیڈ کا نام میری لسٹ پر ہے۔"

"خدا کی پناہ! تم بہت دہشت ناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم میرا امتحان لے رہے ہو۔"

"تمہارا امتحان لیا جا چکا ہے۔ تم اس میں پورے اترے ہو لیکن ہماری مجبوری ہے کہ ہم اپنے شکار کو زخمی کرنے کے بعد زندہ نہیں چھوڑتے۔ زخمی شکار ہمیشہ پلٹ کر خطرناک وار کرتا ہے، جسے جھیلنا آسان نہیں ہوتا۔ ہم اس خطرے کا پیشگی سدباب کرنے کے عادی ہیں۔"

"مجھے معلوم تھا کہ یہی ہوگا۔" وہ سرد اور جذبات سے عاری آواز میں بولا۔ "ایسے کھیلوں میں مارنے یا مارے جانے کے علاوہ تیسرا راستہ نہیں ہوتا۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا ہے کہ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میں تم سے زندگی کی بھیک نہیں مانگوں گا، تمہارے سامنے کھڑا ہوں جو چاہتے ہو وہ کر گزرو۔"

اس کے الفاظ اور لب و لہجے میں چھپے ہوئے حوصلے نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا۔ اگر وہ نوجوان اپنے باپ کی وجہ سے غلط راستوں پر نہ چل پڑا ہوتا تو اپنی مردانگی کی بناء پر ایک مثال بن سکتا تھا۔

"تم بھاگ کیوں نہیں جاتے؟" سلطان شاہ نے اس سے ایک عجیب سا سوال کیا۔ "بھاگتے ہوئے مارے گئے تو تمہیں بھی سکون رہے گا کہ تم نے آخری سانس تک خود کو بچانے کی کوشش کی تھی۔"

وہ دھیمی آواز کے ساتھ ہنسا اور بولا "سنو! میں بھی ہولارڈ المیڈا کی طرح یہودی ہوں۔ میں اپنے مذہب پر عمل نہیں کرتا لیکن زندگی اور موت کے بارے میں میرا وہی یقین ہے جو مسلمانوں کا ہے۔ جس کی موت آگئی اسے کوئی نہیں بچا سکتا اور جس کی زندگی باقی ہو اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ میری زندگی باقی ہے تو گولی چلنے سے پہلے ہی تمہارے پستول کی نال میں پھٹ جائے گی۔ گیس پستول کے نوزل میں آجائے گی۔ تمہارا ہاتھ کانپ جائے گا۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ میں اپنی بازی ہار جانے کے بعد بھی کسی فاتر العقل دیوانے کی طرح زندگی کے لئے بھاگتا پھروں۔ میں تم دونوں کی حیوانی آنکھوں میں اپنی تقدیر کا لکھا پڑھ چکا ہوں۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ کرنل جیسی جونز بھی یہودی ہے۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ وہ کٹر نہیں ہے اور نہ ڈیوڈ اسٹار ہے۔"

میں نے اپنا داہنا بازو سیدھا کر کے اس کی پیشانی کا نشانہ لینا چاہا تو میرا بازو کانپ رہا تھا۔ لیکن وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کسی چٹان کی طرح اٹل اور ساکت کھڑا ہوا تھا۔

میں نے اپنے بازو کی لرزش پر قابو پاتے ہی اس کی پیشانی کے وسط میں فائر کر دیا۔ وہ کسی وزنی شہتیر کی طرح لڑکھڑا کر زمین پر گرا اور مغز میں پیوست ہونے والی گولی نے اسے جلد ہی ٹھنڈا کر دیا۔

بل جونز میرے لئے ایک سخت جان حریف ثابت ہوا تھا۔ اس نے اپنی بے خوفی اور سخت جانی کی وجہ سے میرے دل میں گہرا نقش چھوڑا تھا۔ اس کے صاف ہوتے ہی میں سر جھکا کر سڑک کی طرف چل دیا۔

رات کے سناٹے میں وہ ویران سڑک خاصی دور تک نمایاں نظر آ رہی تھی۔ ہم دونوں سڑک عبور کر کے پیدل ہی واپسی کی سمت چل پڑے۔ مدعا صرف یہ تھا کہ ایک ہی جگہ رک کر وقت برباد کرنے کے بجائے فاصلہ کم کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس وقت ہم شہر سے اتنی دور تھے کہ ہمیں پیدل ہی وہ سفر طے کرنا پڑتا تو ہم صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے آبادی کے آثار بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"یہ قصہ تو بالکل ہی بودا ثابت ہوا" سلطان شاہ نے سکوت توڑنے کی نیت سے گفتگو کا سلسلہ چھیڑ دیا "ایک ہی جھٹکے میں کرنل جیسی جونز کے بیٹے کا تیا پانچا ہو گیا۔ ویسے لڑکا بہت جی دار تھا۔"

"تم نے بالا ہی بالا قصہ نمٹا لیا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ اول خان کتنا تلملاتا ہے۔" میں نے بوجھل ہنسی کے ساتھ کہا۔ "وہ اس بار بھی بہت سنجیدگی کے ساتھ بھاگ دوڑ میں لگا ہوا تھا۔ صبح اس کے اوسان خطا ہو جائیں گے۔"

"لیکن لطف آ گیا۔ کافی دنوں بعد ہاتھ پیر کھلے ہیں۔ اول خان

کے آدمیوں کی موجودگی میں ہمارا کردار بہت محدود ہوتا ہے۔ ساری مار دھاڑ وہ کر گزرتے ہیں۔ کبھی کبھی تو مجھے یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ جیسے بے قاعدہ طور ہم دونوں بھی اسپیشل ٹاسک فورس میں شامل ہو چکے ہیں۔"

"مجبوریاں" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد کہا "ہم نے خوشی سے کبھی بھی ایس ٹی ایف کو شامل نہیں کیا۔ جب معاملات بے مہار ہو کر قابو سے نکلتے ہوئے نظر آئے، تب ہی ہم نے اول خان کو اعتماد میں لیا ہے۔ ایسے مواقع پر ہمیں اس کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو ہم بہت پہلے مارے گئے ہوتے۔"

"خوشی کی بات یہ ہے کہ اب حالات کی گرد دبتی نظر آ رہی ہے۔ شاید ہم کچھ عرصے تک سکون کے ساتھ اپنے ذاتی معاملات پر توجہ دے سکیں گے۔ ہر وقت کی آپا دھاپی نے بری طرح تھکا کر رکھ دیا ہے۔"

"ویرا تو تمہارے ذاتی معاملات کے حل میں کئی بار گہری دلچسپی لے چکی ہے۔ تم خود ہی اس بارے میں سنجیدہ نہیں ہوتے ہو۔ اب دیکھ لو کہ اس کے لیے جمی لائیڈ نے امریکا سے بر روانہ کیا تو اسے ہم نے مار ڈالا۔ ویرا ابھی کب تک کسی کٹی ہوئی پتنگ کی ..طرح آوارہ اور اکیلی پھرتی رہے گی؟؟"

"ویرا پر لعنت بھیجو۔" وہ جھلا کر بولا "تمہیں بھی اب اپنے گھر بار کی فکر کرنی چاہئے۔ جہانگیر کے فلیٹ میں کب تک خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے رہو گے؟ کبھی نہ کبھی تو تمہیں اپنا بندوبست کرنا ہی ہوگا۔"

"فی الحال کسی لفٹ کا بندوبست کرو۔ باقی سوچ بچار بعد میں ہوتی رہے گی۔" میں نے عقب سے آنے والی روشنی پر رک کر پلٹتے ہوئے کہا اور ہم دونوں ہی شہر کی طرف جانے والی گاڑی کے انتظار میں سڑک کے کنارے کھڑے ہو گئے تاکہ اسے ہاتھ کے اشارے سے روک سکیں۔

ویران سڑک پر وہ گاڑی بہت تیز رفتاری کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔ ہم دونوں نے بے تابانہ انداز میں ہاتھ ہلا ہلا کر اسے روکنے کا اشارہ کیا لیکن اس کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی وہ زن کی آواز کے ساتھ ہمارے قریب سے گزری تو پتا چلا کہ وہ پرائیویٹ کار تھی۔ اس میں صرف ایک ہی آدمی سوار تھا۔ شاید اسی لیے اس نے ہم دونوں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کوئی خطرہ مول لینے سے گریز کیا تھا۔

سلطان شاہ اپنا سر جھٹک کر بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

اس کے بعد ایک ویگن اور پک اپ بھی آئی اور رکے بغیر گزر گئی۔ اس غیر آباد اور ویران علاقے میں رات کے وقت کوئی بھی دو مشتبہ اجنبیوں کی خیر خواہی کرنے پر آمادہ نہیں تھا اور مجھے یہ تصور کر کے ہی اپنے بدن میں درد کا احساس ہونے لگا تھا کہ شہر تک یونہی پیدل جانا پڑے گا۔

کافی دیر بعد شہر کی طرف سے پہلی گاڑی کی روشنیاں نمودار ہوئیں تو ہم دونوں نے پھرتی کے ساتھ سڑک عبور کر لی۔ ایک بار کوئی شریف رکنے پر آمادہ ہو جاتا تو ہم خوشامد درآمد کے ذریعے اسے اپنی مدد پر آمادہ کر سکتے تھے۔ شہر کی طرف سے آنے والے کو بھاری معاوضے کا لالچ دے کر واپسی کے سفر پر بھی تیار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن شرط یہی تھی کہ کوئی ہمارے اشاروں پر رکنے پر آمادہ ہوتا۔

آنے والی گاڑی کے سفر کی سمت الٹی تھی لیکن اس بار ہمارے ستارے کچھ سیدھے تھے کہ دور ہی سے گاڑی کی رفتار میں کمی کے آثار نظر آنے لگے اور ہمارے اشاروں میں تیزی آ گئی۔

"یہ نہ رکا تو ہم بڑے بڑے پتھر ڈال کر سڑک بلاک کر دیں گے" سلطان شاہ غصے میں بولا "پھر دیکھیں گے کہ کوئی ہمیں کیسے نظر انداز کرتا ہے۔"

"اگر ہمارے مقدر میں پیدل چلنا لکھ دیا گیا ہے تو آنے والی گاڑیوں کے ڈرائیور، سڑک پر رکاوٹیں دیکھتے ہی واپس لوٹ جائیں گے اور ہم دونوں اپنے سر پیٹتے رہ جائیں گے۔"

وہ گاڑی ہمارے قریب آ کر رکی تو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ ایک ٹیکسی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک درشت رو نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ گاڑی روکتے ہی اس نے ہم دونوں پر اشتباہ آمیز نظریں ڈالیں تو مجھے احساس ہوا کہ ہمارے کپڑے مٹی میں اٹے ہوئے تھے۔ سلطان شاہ کے کپڑوں پر تو شاید خون کے دھبے بھی تھے جو گہرے رنگ کی وجہ سے نمایاں نہیں تھے۔ شاید دوسروں کے نہ رکنے کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ ہمارے حلیے بہت مشتبہ تھے جبکہ ٹیکسی ڈرائیوروں کو اپنی روزی کمانے کے لئے ہر قسم کے برے بھلے لوگوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ کراچی واپسی کا ذکر سنتے ہی ڈرائیور ہتھے سے اکھڑ گیا۔ اس نے فوراً ہی گاڑی آگے بڑھانی چاہی لیکن اس وقت تک سلطان شاہ ڈرائیور کی سمت میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے پھرتی کے ساتھ اگنیشن آف کر کے چابی اپنے قبضے میں لے لی۔ ڈرائیور غصے اور بوکھلاہٹ کے عالم میں ہکلا کر رہ گیا۔

"یہ ٹیکسی ہے اور خالی ہے، ہم کہیں گے تو کراچی کیا، تمہیں جہنم میں بھی جانا پڑے گا۔" سلطان شاہ غرایا۔

"چابی دو ورنہ میں پیٹ پھاڑ دوں گا۔" ڈرائیور سرد آواز میں غرایا۔ اس نے بہت پھرتی کے ساتھ کہیں سے ایک چھوٹا سا ریوالور نکال لیا تھا۔ "میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں، اپنی مرضی کا مالک ہوں۔"

وہ بدمعاشی دکھانے پر تل گیا تھا۔ اس لئے مجھے سلطان شاہ ساتھ دینا ہی پڑا۔ ٹیکسی ڈرائیور کا خیال تھا کہ اس کا اکلوتا ریوالور ہم دونوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے کافی ہوگا۔ اس لئے وہ مجھے نظر انداز کر کے صرف سلطان شاہ کی طرف متوجہ تھا جو اس کی چابی پر قابض تھا۔ میں نے خاموشی کے ساتھ اپنا پستول نکالا اور اس کی

مہیب آہنی نال ٹیکسی ڈرائیور کی کنپٹی سے لگاتے ہوئے غرا کر کہا "جلدی سے اپنا ریوالور میرے ساتھی کو دے دو۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

ٹیکسی ڈرائیور کو ہم دونوں کی طرف سے اتنے سنگین رد عمل کی توقع نہیں تھی۔ اس نے فوراً ہی اپنا ریوالور سلطان شاہ کی طرف بڑھا دیا۔ سلطان شاہ نے اسے غیر مسلح کرتے ہی گریبان سے پکڑ کر ٹیکسی سے نیچے اتار لیا۔ "ٹیکسی چلاتے ہو یا بدمعاشی کرتے ہو؟" اس نے ڈرائیور کے گریبان کو جھٹکا دیتے ہوئے ڈپٹ کر پوچھا۔

"چور ڈاکوؤں سے اپنے بچاؤ کے لئے آج کل ہتھیار لے کر چلنا ہی پڑتا ہے۔" وہ گڑگڑا کر بولا۔ "مجھے صرف اپنی چابی لینی تھی' ورنہ مجھے تم سے کیا دشمنی ہے؟ تم نے خود ہی اشارہ کر کے مجھے روکا ہے۔"

"اب کراچی چلنا ہے یا نہیں؟ میٹر سے سو روپے زیادہ ملیں گے۔" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"نہیں مائی باپ۔ گاؤں میں میری ماں بیمار ہے۔ آگے چلنا ہے تو چلو' میں تم سے کرایہ نہیں لوں گا۔ لیکن میں کسی بھی قیمت پر کراچی واپس نہیں جاؤں گا۔ میری ماں بیمار ہے۔"

"کیا اپنی ماں کی بیماری کی رٹ لگا رکھی ہے۔ ایک آدھ گھنٹے کی دیر سے وہ مر نہیں جائے گی۔"

"نہیں مائی باپ! وہ بہت...... بہت ہی زیادہ بیمار ہے۔ میں تمہارے پیر پکڑتا ہوں۔"

"اسے پچھلی سیٹ پر ڈال دو۔" میں نے سرد لہجے میں سلطان شاہ سے کہا "میں پیچھے اس کی گردن دبا کر بیٹھوں گا' تم ٹیکسی کراچی کی طرف لے چلو۔ یہ سیدھی طرح ہماری بات نہیں مانے گا۔"

اس نے پائیدان پر پیر ٹکا کر خاصا زور لگایا کہ سلطان شاہ اسے پچھلی سیٹ پر نہ ڈال سکے لیکن سلطان شاہ پیدل چلنے پر اس قدر بھنایا ہوا تھا کہ اس نے دو تین ہاتھ مار کر ڈرائیور کے کس بل ڈھیلے کر دیے اور اسے کسی مویشی کی طرح اندر ڈال دیا جہاں میں اسے دبوچنے کے لئے تیار تھا۔

ٹیکسی واپس روانہ ہوتے ہی اس نے پھر واویلا مچانا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی وہ ہاتھ پیر بھی چلا رہا تھا۔

"ابے چین سے بیٹھ!" میں نے اس کی گردن پر ہاتھ رسید کرتے ہوئے کہا "شہر پہنچ کر ہم تجھے اور تیری ٹیکسی کو چھوڑ دیں گے۔ پھر تجھے اپنی ماں کے پاس جانے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔"

"مم...... مگر میں کراچی جانا ہی نہیں چاہتا۔ تم مجھے یہیں اتار دو۔" وہ پھر مچل گیا۔

"اور تیری ٹیکسی؟" میں نے اس کے عجیب و غریب مطالبے پر حیرت سے پوچھا "تو اپنی ماں کے پاس کیسے جائے گا' ابھی تو اس کے پاس جانے کے لئے مرا جا رہا تھا۔ یہاں سے تجھے کون سی سواری ملے گی۔"

"ماں کی ایسی کی تیسی! میری کوئی ماں نہیں ہے۔ بس تم مجھے اتار دو۔ ٹیکسی بھی تم لے جاؤ۔"

اس نے کئی قلابازیاں کھا کر مجھے شبے میں مبتلا کر دیا۔ اس کی حیلہ سازی سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کراچی جانے پر تیار نہیں تھا۔ خواہ اسے ساری رات پیدل ہی چلنا پڑتا۔

وہ خاصا ڈھیٹ اور سخت جان تھا۔ میں نے مزید دو چار گھونسے ہاتھ رسید کئے تو وہ راہ راست پر آ گیا اور تقریباً گھگیاتے ہوئے بولا "خدا کے لئے مجھے یہیں اتار دو اور ٹیکسی تم لے جاؤ لیکن اتنا یاد رکھنا کہ اس ٹیکسی میں شہر میں گھسے تو تم بھی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔"

میرے کان کھڑے ہو گئے "اس ٹیکسی میں کیا خرابی ہے؟ کیا یہ چوری کی ہے؟"

"ہاں!" اس نے سرہلاتے ہوئے کہا "یہ میں نے ڈرائیور کو پستول دکھا کر گلشن اقبال سے چھینی تھی۔ اب تک شہر بھر میں اس کی تلاش شروع ہو چکی ہوگی۔ تم میرے منہ سے روٹی چھین رہے ہو۔ یہ صرف میرے گاؤں میں محفوظ رہ سکتی ہے۔ تم مجھ سے چھین کر شہر لے گئے تو یہ تم سے بھی چھن جائے گی۔ مجھے یہ ٹیکسی گاؤں لے جانے دو یا پھر یہیں اتار دو۔ میں گرفتاری اور پولیس کی مار دھاڑ سے بہت ڈرتا ہوں۔"

سلطان شاہ نے اچانک بریک لگا کر ٹیکسی کو کنارے سے روک لیا اور غراتے ہوئے بولا "پھینکو سالے کو باہر! بلاوجہ چیخ چیخ کر ہمارا دماغ خراب کر رہا ہے۔ جیسے یہ اس کے باپ کی ٹیکسی ہے۔"

"تو کیا تم واقعی مجھے میری کمائی سے محروم کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو؟" ڈرائیور نے روہانسی آواز میں پوچھا۔

"تیری کمائی؟" میں نے اسے ایک ہاتھ مارا۔ "اتر جلدی نیچے ورنہ ابھی گولی مار دوں گا۔"

"اللہ تیرا شکر" وہ دروازے کی طرف کھسکتے ہوئے کراہا پھر میری طرف مڑ کر بولا "ٹیکسی زبردستی چھین کر لے جا رہے ہو تو میرا ریوالور تو مجھے دے دو۔ کڑکی میں بس اپنا ایک یہی آسرا رہ گیا۔"

"تاکہ کل تو دوسری کوئی گاڑی ہتھیا سکے۔ بھاگ جلدی۔ تجھے کچھ واپس نہیں ملے گا۔" میں نے ڈپٹ کر کہا۔

وہ دروازہ کھول کر سرعت سے باہر نکل گیا۔ اسی لمحے سلطان شاہ نے اپنا ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر اس کا ریوالور اس کے قریب پھینک دیا۔ سڑک پر لوہا گرنے کی وزنی کھنک سنائی دی اور ہماری ٹیکسی تیزی کے ساتھ آگے پھسلتی چلی گئی۔

"یہ کیا حرکت تھی؟ میرے انکار کے باوجود تم نے اسے ریوالور کیوں لوٹایا؟"

"ڈپٹی صاحب! اس دنیا میں بھلوں کے ساتھ ساتھ بروں کو

بھی زندہ رہنے کا کچھ حق حاصل ہے۔" سواری میسر آجانے کے بعد سلطان شاہ ترنگ میں آگیا تھا۔ "میں نے اس کی چیز اسے واپس دے کر کیا برا کیا؟"

"اب وہ اس ریوالور کی نال پر اور گاڑیاں چھینے گا۔ اس کی ذمے داری تم پر ہوگی۔"

"ذرا یہ بھی تو سوچو کہ وہ اپنی جان پر کھیل کر یہ ٹیکسی چھین کر لایا تھا جس پر ہم مزے سے سوار ہیں۔ وہ تو ہمارے لئے رحمت کا فرشتہ بن کر آیا تھا۔ وہ نہ آتا تو پیدل چل چل کر پلیتھن نکل گیا ہوتا۔ اتنی بڑی خدمت کا انعام دینے کے بجائے ہم اسے ریوالور سے بھی محروم کردیتے تو کیسا ظلم ہوتا؟"

"میرا خیال ہے کہ بل جونز نے پوری قوت سے تمہارا سینہ بھینچ کر اسی بسیار گوئی کی پیشگی سزا دی تھی۔" میں نے غصے سے کہا "جزا وسزا اور عمل وردعمل کے اصولوں کی بات کروگے تو پھر ہر بات کا جواز ڈھونڈتے ڈھونڈتے پاگل ہوجاؤ گے۔ تم نے ایک غلط حرکت کی ہے تو غلطی مان لو۔ اس کے لئے جواز اور تاویلیں پیش نہ کرو۔"

وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔ "چلو مان لیا کہ میں نے غلطی کی تھی لیکن تمہیں یہ ماننا پڑے گا کہ ٹیکسی چھین کر لانے والا بہت بڑا اداکار تھا۔ اس نے اتنی مظلومیت کے ساتھ اپنی ماں کی بیماری کا ذکر کیا تھا کہ میرا دل پسیجنے لگا تھا۔"

"بعد میں اس نے اپنی ماں کی ایسی کی تیسی بھی کروائی تھی۔" میں نے تلخی سے کہا۔

"وہ ٹیکسی چھین کر ہم تک پہنچانے میں اس نے بڑی محنت کی تھی۔ اب وہ ہمیں کوس رہا ہوگا۔ اگر اس کی بددعا لگ گئی اور پولیس نے ہمیں اس چھینی ہوئی ٹیکسی سمیت روک لیا تو ہم کیا کریں گے؟"

"خاموشی سے حوالات میں چلے جائیں گے۔" میں نے رکھائی سے جواب دیا۔

"اگر تمہارا یہی ارادہ ہے تو مجھے بھی یہیں اتار دو۔" اس نے ٹیکسی کی رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔ "ورنہ کوئی سنجیدہ حل سوچو۔ ہم ڈکیتی در ڈکیتی کے مرتکب ہوئے ہیں اور یہ مسئلہ بہت سنگین ہے۔"

"پیدل چلتے ہوئے تمہاری زبان کو تالا لگ گیا تھا اب بہت روانی سے بول رہے ہو؟"

"خدا جب کار دیتا ہے تو روانی آہی جاتی ہے۔" وہ سر کے ساتھ گنگنایا اور میں بے ساختہ ہنس پڑا۔

"بالکل بھانڈ معلوم ہورہے ہو۔ زبان روک کر گاڑی کی رفتار بڑھاؤ۔"

"غضب خدا کا! ہم ساٹھ کلومیٹر کی رفتار سے بیس منٹ سے ڈرائیونگ کررہے ہیں اور ابھی تک شہر کی مضافاتی آبادیوں کی روشنی تک نظر نہیں آئی ہے۔ شاید ہم جوش میں شہر سے بہت دور نکل گئے تھے" وہ ایکسلیٹر پر اپنے پاؤں کا دباؤ بڑھاتے ہوئے بڑبڑایا "خدا بل جونز کو غرق کرے۔ اس نے تو ہمیں مروا ہی دیا تھا۔"

گاڑی اس ویران سڑک پر تیزی کے ساتھ فراٹے بھرتی رہی۔ وقفے وقفے سے سلطان شاہ کی زبان بھی چلتی گئی۔ سڑک پر انجن کی مسلسل اور یکساں گونج نے رات کی تاریکی میں کچھ ایسا خواب آور آہنگ اختیار کرلیا تھا کہ سلطان شاہ کی آواز اس تسلسل کو مجروح نہ کرتی رہتی تو میرے اوپر غنودگی طاری ہونے لگتی۔

آبادی کی روشنیوں کے ابتدائی آثار نظر آتے ہی میں اپنی نشست پر سنبھل کر بیٹھ گیا اور پولیس سے کسی متوقع مڈبھیڑ کے امکانات پر غور کرنے لگا۔

میری یادداشت کے مطابق ہمارے راستے میں پولیس والوں کی آخری چیک پوسٹ بنارس چوک سے چند سو گز آگے پڑی تھی اور واپسی میں وہی ہماری پہلی چیک پوسٹ ہوسکتی تھی۔ معاً مجھے اس کچے اور نیم پختہ راستے کا خیال آیا جو سیمنٹ کی چادریں بنانے والی فیکٹری کے قریب سے ہوکر پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا نیو کراچی میں نکلتا ہے۔ اس راستے کو اختیار کرکے ہم پولیس والوں کا سامنا کئے بغیر شہری آبادی میں داخل ہوسکتے تھے۔ نیو کراچی میں مسروقہ ٹیکسی سے چھٹکارا حاصل کرکے گھر پہنچنے کے لئے دوسری سواری حاصل کی جاسکتی تھی۔

روشنیوں کے قریب آجانے پر سلطان شاہ نے ایک مرتبہ پھر پولیس والوں کے خطرے کا ذکر چھیڑا تو میں نے اسے کچھ دیر تنگ کرنے کے بعد اپنے مجوزہ راستے کے بارے میں بتایا تو وہ مگن ہوگیا۔ "مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ تمہارے ذہن میں اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور موجود ہوگا ورنہ تم اتنے اطمینان کے ساتھ مسروقہ ٹیکسی میں سفر نہیں کرسکتے تھے۔"

○☆○

ہم نو بجے گھر سے روانہ ہوئے تھے۔ واپس پہنچے تو رات کے دو بج رہے تھے۔ ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود واقعات کچھ اس ڈھب پر چل رہے تھے کہ شب بیداری ہمارا معمول بنتی جارہی تھی۔

جب ویرا نے دروازہ کھولتے ہی سرگوشیانہ لہجے میں یہ اطلاع دی کہ فلیٹ کے ڈرائنگ روم میں سردار پائندہ گل میرا انتظار کررہا ہے تو حیرت سے میری آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ مجھ سے ملاقات کے لئے شکارا دیلی سے وہاں تک دوڑا آئے گا۔

"وہ کب آیا ہے اور کیا چاہتا ہے؟" میں نے باہر کھڑے کھڑے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ گیارہ بجے سے تمہارا منتظر ہے اور صرف تم سے ملنا چاہتا

ہے۔ جب سے آیا ہے کھائے پئے بغیر بیٹھا ہے۔"
"لیکن تم نے اسے گھر میں کیوں بٹھایا ہوا ہے؟ کیا اس نے زبردستی کی تھی؟"
"نہیں۔ وہ تو عورتوں کی موجودگی کا ذکر سنتے ہی واپس جا رہا تھا لیکن اس کی متبرک اور مقدس وضع قطع سے متاثر ہو کر غزالہ نے اسے گھر میں بٹھالیا۔ میں اس وقت نہا رہی تھی۔"
"خدا خیر کرے۔ اس کا آنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔" میں بڑبڑاتے ہوئے اندر داخل ہو گیا اور لابی سے گزر کر سیدھا اپنے کمرے کی طرف ہو لیا۔ ویرا میرے پیچھے پیچھے تھی۔
"میرا حال ابتر ہے۔ اسے بتا دو کہ میں حلیہ درست کر کے آتا ہوں۔"
"تمہیں میری غیر موجودگی میں ایک اجنبی مرد کو گھر میں بٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟" ویرا کے جانے کے بعد، میں نیچی آواز میں غزالہ پر برس پڑا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ وہ ہیروئن کا اسمگلر اور ایک مجرم ہے۔"
"اس کی صورت اس قدر مقدس اور نورانی ہے کہ میں اسے لوٹا نہ سکی۔ اس نے نگاہیں نیچی کر کے مجھے بیٹی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے یقین نہیں آسکا کہ وہ کوئی برا آدمی ہو گا۔ قتل و خوں ریزی اور نسل در نسل انتقام کے واقعات تو ان لوگوں کی معاشرت کا ایک روایتی حصہ ہیں۔"
میں دانت پیستا ہوا غسل خانے میں داخل ہو گیا۔ عجلت میں غسل کر کے میں نے لباس تبدیل کیا تو سلطان شاہ مجھ سے پہلے تیار ہو کر اسی کمرے میں میرا منتظر تھا۔
"تم میرے ساتھ آؤ لیکن یہ یاد رکھنا کہ فلیٹ میں کوئی تصادم نہیں ہو گا۔ تم کسی بات میں دخل نہیں دو گے اور میرا اشارہ پاتے ہی وہاں سے اٹھ جاؤ گے۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا اور اس کمرے سے نکل گیا۔ اس وقت بے یقینی اور سنسنی کی وجہ سے مجھے اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔
میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو چوکھٹ پر قدم رکھتے ہی اپنی جگہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ بڑے بڑے پائنچوں والی، ٹخنوں سے اونچی شلوار پر ڈھیلے ڈھالے کرتے میں ملبوس ایک روایتی قبائلی سردار ننگے پاؤں میرے روبرو موجود تھا۔ اس جسیم شخص کا قد کسی بھی طرح ساڑھے چھ فٹ سے کم نہیں تھا جو اس کے سر پر موجود بہت بڑی پگڑی کی وجہ سے فلیٹ کی چھت تک پہنچتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ کشادہ پیشانی کے نیچے بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔ ان آنکھوں میں ایسی ساحرانہ کشش تھی جو دیکھنے والے کو بے چین کر سکتی تھی۔ لمبی اور طوطے کی چونچ کی طرح آگے سے خم کھائی ہوئی ناک کے نیچے مونچھیں صاف تھیں لیکن بھرے بھرے چوڑے چکلے اور سرخ و سفید چہرے پر دھنکی ہوئی روئی جیسے سفید بالوں پر مشتمل گھنی داڑھی سینے تک پہنچی ہوئی
تھی۔ اس کے قد کاٹھ کے سامنے وہ ڈرائنگ روم بہت حقیر اور تنگ نظر آ رہا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس کے پرشکوہ وجود پر کوئی ہتھیار نہیں سجا ہوا تھا۔
"میرا نام سردار پائندہ گل ہے۔" پتلے پتلے، گلابی ہونٹوں میں جنبش ہوئی اور لہجہ دھیما ہونے کے باوجود وہ کمرا اس آواز کی گونج سے بھر گیا۔ پھر سیاہ و سفید بھوؤں کے نیچے چمکتی ہوئی آنکھوں نے متجسسانہ انداز میں ہم دونوں کا جائزہ لیا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ پھر بولا۔ "تم میں ڈینی کون ہے؟"
"مجھے ڈینی کہتے ہیں۔" میں مصافحے کے لئے اپنا داہنا ہاتھ پھیلا کر اس کی طرف بڑھا۔
اس نے پرتپاک انداز میں میرے ہاتھ کو اپنی جناتی ہتھیلی کی گرفت میں لے کر گرمجوشی سے دبایا اور مجھے اپنے ہاتھ کی ہڈیاں کڑکڑاتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ اندر سے بھی اسی قدر سخت، مستحکم اور طاقتور تھا جتنا دیکھنے میں نظر آتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہم دونوں مل کر بھی اس بوڑھے سردار کو زیر نہیں کر سکتے تھے۔
"تم سے میری فون پر بات ہوئی تھی اور اب میں تم سے ملنے آیا ہوں۔" اس نے میرا ہاتھ چھوڑ کر سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔
سلطان شاہ سے تعارف کرانے کے بعد میں نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا تو وہ صوفے کے بجائے قالین پر بیٹھ گیا۔ شاید وہ پہلے بھی نیچے ہی بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے نیچے بیٹھتے ہوئے اس سے دیر سے واپسی پر معذرت کی اور کھانے پینے کے بارے میں دریافت کیا تو نپی تلی، دھیمی آواز میں بولا۔ "اس گھر کی عورتیں بہت نرم خو اور مہمان نواز ہیں۔ ان بچیوں نے بھی مجھ سے بہت اصرار کیا تھا لیکن اجنبیوں کے گھر کچھ کھانا پینا ہماری روایات میں نہیں ہے..."
"مگر سردار! فون پر بات ہونے کے بعد ہم اجنبی نہیں رہے ہیں۔" میں نے اس کی بات اچک کر کہا "تم ہمارے مہمان ہو اور مہمان نوازی ہمارے خون میں شامل ہے۔ ہماری بھی کچھ روایات ہیں۔"
میری چھٹی حس مجھے کسی خطرے کا احساس دلا رہی تھی اس لئے میں نے سردار پائندہ گل کی شخصیت کا سحر توڑنے اور اس سے برابری کی سطح پر بات کرنے کے لئے دانستہ اس کی قطع کلامی کی تھی۔
"ضد نہ کرو۔" وہ مربیانہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "پہاڑوں میں ہتھیار ہمارے زیور اور محافظ ہماری آن ہوتے ہیں لیکن تمہارے گھر آنے کے لئے میں ہتھیار اتار کر آیا ہوں۔ میرے محافظ یہاں سے دور، ایک ہوٹل میں میری واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب ہم دوست بن جائیں گے تو میں تمہارے گھر کھانا بھی کھا لوں گا۔ میں نے تمہارے لئے اپنی دو روایتیں توڑ دی ہیں۔ تیسری کے لئے مجبور نہ کرو۔"

"تو کیا اب ہم دوست نہیں ہیں؟" میں نے اس کی صاف گوئی پر حیرت سے پوچھا۔

"میں یہی فیصلہ کرنے آیا ہوں۔" اس نے پرعزم لہجے میں کہا۔ "مجھے تخلیئے میں تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں پھر میں چلا جاؤں گا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آتے ہی تمہیں گھیر لیا۔ اگر تمہیں بھوک لگ رہی ہے تو تم کھانے سے فارغ ہو سکتے ہو۔ میں کچھ دیر اور انتظار کر لوں گا۔"

"نہیں۔ میں بعد میں کھانا کھا لوں گا۔ تم نجانے کب سے بھوکے پیاسے بیٹھے ہو۔"

"عبدالرحیم خان میری جان تھا۔" وہ دل گرفتہ آواز میں بولا۔ "اس کے قتل کے بعد میری بھوک پیاس اڑ چکی ہے۔ میری رگوں میں آگ بھر گئی ہے اور دل میں انتقام کے الاؤ دہک اٹھے ہیں۔ جب تک میں اپنے اس پیارے کے قاتل کو پیوند خاک نہیں کروں گا، میری زندگی خالی اور بے مقصد رہے گی۔ تم جاؤ اور اپنا پیٹ بھر لو تاکہ ہم پوری توجہ کے ساتھ دو دو باتیں کر سکیں۔"

"نہیں، تم اپنی بات کرو۔ میں پوری توجہ کے ساتھ سن رہا ہوں۔" اس کی رمز آمیز گفتگو سن کر میرا دل ہول رہا تھا۔ وہ نجانے کیا کہنا چاہتا تھا؟ گھما پھرا کر کس قصے کی تمہید باندھ رہا تھا؟

"پھر تخلیئے کا بندوبست کرو!" اس نے سلطان شاہ کی طرف دیکھا۔

میں نے سلطان شاہ کی طرف سر گھمایا تو میری نظریں ان بڑی بڑی چپلوں پر پڑیں جو دروازے کے قریب پڑی ہوئی ایک کرسی کے نیچے رکھی ہوئی تھیں۔ انہیں دیکھ کر سردار پائندہ گل کے ننگے پیروں کے بارے میں میرا تجسس دور ہو گیا۔ وہ فرش نشینی کا عادی تھا اس لئے چپلیں اتار کر بیٹھا تھا۔

سلطان شاہ میری آنکھ کا اشارہ پاتے ہی وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

"دروازہ بھی بند کر دو!" سردار پائندہ گل کی حالت عجیب ہوتی جا رہی تھی۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ کوئی ادھر نہیں آئے گا۔ تم بے خوف ہو کر بات کر سکتے ہو۔"

لمحہ بھر کے لئے اس کی آنکھیں سلگ اٹھیں اور وہ بھڑک کر بولا۔ "سردار پائندہ گل نے کسی سے خوف نہیں کھایا۔ وہ انگلیوں سے بھینچ کر اپنے دشمنوں کی کھوپڑیاں چٹخا دیتا ہے مگر وہ اپنی رسوائی سے ڈرتا ہے۔ جب بند دروازے کی کہانی نگر نگر پھیل سکتی ہے تو کھلے دروازوں پر کون اعتبار کر سکتا ہے؟ میری التجا ہے کہ اسے بند ہی کر دو۔" اس نے غیر ارادی طور پر اپنا ہاتھ پیچھے لے جا کر اپنی گردن سہلائی اور اس کی پھیلی ہوئی پگڑی پیشانی پر قدرے نیچے کھسک آئی۔ وہ یک بیک مضطرب نظر آنے لگا تھا۔

سردار پائندہ گل کی گفتگو کا طریقہ انوکھا ہی تھا۔ اس میں دھمکیوں کے ساتھ التجا بھی تھی۔ دھمکیاں بھی ایسی بالواسطہ اور ڈھکی چھپی تھیں کہ میں ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے بند دروازے کی کہانی کا ذکر کر کے میرے دل میں وسوسوں کو بیدار کر دیا تھا لیکن میں اس کی آخری فرمائش کو نہیں ٹال سکا۔

میں نے اٹھ کر دروازہ بند کیا اور دوبارہ سردار کے سامنے آ بیٹھا۔

"میرے قبیلے میں کہرام ہے۔" چند ثانیوں تک خاموشی کے ساتھ میری طرف دیکھنے کے بعد سردار پائندہ گل کے حلق سے دھیمی اور بھرائی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔ "ہر آنکھ خون کے آنسو رو رہی ہے۔ جن لوگوں کے مرد وارث موجود ہوں، ان کے قتل پر ہمارے قبیلوں میں رونے کا ماتم کرنے کا رواج نہیں ہے۔ ہر خون ایک نئے خون کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ مرنے والے کے ولی وارث قاتل یا اس کے قبیلے کے لوگوں کو مار کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیتے ہیں لیکن تم جانتے ہو کہ میرے ساتھ کیا ہوا؟"

وہ چند لمحوں تک خاموش رہا پھر کرب آلود آواز میں خود ہی بولنے لگا۔ "عبدالرحیم خان کی لاش پر شگارا دیلی میں پہاڑ تک رو رہے تھے۔ عورتوں نے اس کی میت پر اپنے بال کھول کر ماتم کیا ہے اور دل کھول کر اس کوکھ کو کوسا ہے جس سے معصوم عبدالرحیم خان کے قاتل نے جنم لیا ہے۔ یہ اس لئے ہوا کہ عبدالرحیم خان کنوارا تھا۔ اس کا کوئی چچا، تایا، باپ یا بھائی زندہ نہیں ہے۔ بس ایک ماموں ہے جسے لوگ شاید اس قابل نہیں سمجھتے کہ وہ اپنے اکلوتے بھانجے کے قتل کا انتقام لے سکے۔ اس ماموں کی بوڑھی ہڈیاں ابھی بھی جوانوں سے زیادہ سخت ہیں اور قہر و غضب سے چیخ رہی ہیں۔ شگارا دیلی میں میری عزت اسی وقت بحال ہو سکے گی جب میں اپنے بھانجے کے خون کا انتقام لے لوں گا۔ اس وقت تک میں نے پلنگ یا کرسی پر نہ بیٹھنے کا عہد کیا ہوا ہے۔ اپنے ملازموں کے علاوہ، میں نے بستی والوں پر حکم چلانا چھوڑ دیا ہے۔ ایسی بھی کیا سرداری کہ لوگ سردار کے بھانجے کے سوگ میں مردار خور چیونٹیوں کی طرح ماتم و گریہ کے لئے نکل پڑیں؟ جس دن میں عبدالرحیم خان کے خون کا انتقام لے لوں گا، اس دن ان سب کی زبانیں گنگ ہو جائیں گی اور عبدالرحیم خان کی میت پر گریہ و ماتم کرنے والے میرے پیروں کی دھول اپنے سروں میں ڈالنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ وہی میری سرخروئی اور سربلندی کا تابناک دن ہو گا۔ میں بین کرنے والیوں کے سر منڈوا کر چالیس دن تک ان کی چھاتیاں برہنہ رکھواؤں گا۔"

اس کی پرہول باتوں سے میرا دل دہلنے لگا حالانکہ سردار پائندہ گل نے اس وقت تک جو کچھ بھی کہا تھا وہ اس کا اور اس کے قبیلے کا معاملہ تھا جس سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ اپنی کہانیاں مجھے سنا رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ دال میں کچھ کالا تھا۔ یہی ایک اندیشہ بار بار میرے ذہن میں نیش عقرب کی طرح چبھ رہا تھا۔

ہم دونوں خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ سردار پائندہ گل شاید میری آنکھوں میں میرے دل کی کوئی تحریر پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ سرد اعصابی جنگ تھی۔ میں سردار کی ساحرانہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سکون سے بیٹھا رہا۔ وہ بڑی بڑی اور چمک دار آنکھیں میرے بدن میں چبھ رہی تھیں لیکن میں اپنا بھرم رکھنے کے لئے اس مقابلے پر ڈٹا ہوا تھا۔

اچانک سردار پائندہ گل نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی بڑی سی پگڑی سر سے اتار کر میرے قدموں میں ڈال دی اور میں نے بوکھلا کر اپنے پیر پیچھے کھسکا لئے۔ ”یہ... یہ کیا کر رہے ہو سردار؟“ یہ کہتے ہوئے میں نے پورے احترام کے ساتھ وہ پگڑی واپس اس کی گود میں ڈال دی۔

سردار پائندہ گل کے کھلے ہوئے سر پر گھنے بال موجود تھے لیکن اس کی سفید براق داڑھی کے مقابلے میں اس کے بالوں میں سیاہی کا تناسب زیادہ تھا۔ اس کا سر بھی غیر معمولی طور پر بڑا تھا۔

سردار پائندہ گل کی آنکھوں میں یکایک ہلکی سی نمی جھلملانے لگی اور وہ سر جھکا کر بولا۔ ”اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ میرے بھانجے‘ عبدالرحیم خان کو کس نے قتل کیا تھا؟“

”میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ چھوٹے خان کی پشت پر جنت گل نے گولی چلائی تھی۔“ جنت گل کا نام لیتے ہوئے مجھے اپنے پیٹ میں کوئی گولا سا گردش کرتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

”تم اس واقعے کے چشم دید گواہ ہو۔ اس لڑکی نے چھوٹے خان کو کیوں قتل کیا؟“ اس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرتکز ہو کر رہ گئی تھیں اور لہجہ اس قدر سرگوشیانہ ہو گیا تھا کہ وہ مجھے بہت دور کی آواز محسوس ہو رہی تھی۔

”ان دونوں میں کسی بات پر تلخ کلامی ہو رہی تھی۔ وہ اپنی مادری زبان میں ایک دوسرے پر برس رہے تھے۔ میں تمہاری زبان سے ناواقفیت کی بنا پر اس لڑائی کا سبب نہیں جان سکا۔“ میں نے اس خونریز واقعے کی تفصیلات یاد کرتے ہوئے بہت احتیاط کے ساتھ جواب دیا۔

”چھوٹے خان کی لاش کے قریب اس کا کھلا ہوا چاقو بھی پڑا ہوا تھا۔“ سردار پائندہ گل اس سانحے کی جزئیات جمع کرنے کے بعد میرے پاس آیا تھا۔ میں نے جواب دیتے ہوئے مزید احتیاط کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

”ہاں۔ چھوٹے خان نے کسی بات پر مشتعل ہو کر چاقو بھی نکالا تھا۔“ میں نے اعتراف کیا۔

”یہ بہت عجیب بات ہے‘ ڈیٹی خان!“ سردار پائندہ گل تیوریاں چڑھا کر میری طرف جھک آیا۔ ”ہمارے مرد عورتوں پر ہتھیار کبھی نہیں اٹھاتے۔ اپنے ہاتھوں سے ان کے چہرے بگاڑ کر سزا دے لیتے ہیں اور عبدالرحیم خان تو میرا بھانجا تھا۔ وہ ہماری روایات سے کیسے منحرف ہو سکتا تھا؟“

”میں اس کا کیا جواب دے سکتا ہوں؟“ میں نے بے چارگی کے ساتھ کہا۔

”میں جانتا ہوں۔ اس چاقو نے پوری کہانی کھول کر رکھ دی ہے۔ ہمارے مرد اپنی عورتوں پر اسی وقت ہتھیار اٹھاتے ہیں جب وہ حرام کاری کی مرتکب ہو کر سڑے ہوئے ببول کی راکھ کے مانند ہو چکی ہوں۔“ وہ تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے غضبناک سرگوشیوں میں کہہ رہا تھا۔ ”کیا جنت گل نے حرام کاری کی تھی؟“

”تم مجھ سے عجیب سوالات کر رہے ہو۔“ برہمی ظاہر کرنے کا ارادہ کرنے کے باوجود میں صرف ہلکا سا احتجاج ہی کر سکا۔ ”تم کیوں بھول رہے ہو کہ میں وہاں ایک قیدی اور یرغمالی تھا۔ میں ان دونوں کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“

”تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔“ وہ خون آشام آنکھیں نکال کر کسی درندے کی طرح غرایا۔ ”وہاں صرف تم تھے جو آگ میں تپتی ہوئی اس کتیا کی ہوس کو سرد کر سکتے تھے۔ میں نے چھوٹے خان کو اس سے شادی کرنے سے روک دیا تھا۔ وہ مجھے ذلیل کرنا چاہتی تھی۔ اس سے بڑی ذلت اور کیا ہو سکتی تھی کہ ایک یرغمالی کے بستر پر عورت پہنچ جائے؟ وہ تم کو خوش کر کے مجھ سے انتقام لینا چاہتی تھی۔ کہو! کیا یہ جھوٹ ہے؟“

میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ جنت گل کا منصوبہ یہی تھا کہ وہ میری اور اپنی خلوت کی کہانی عام کر کے سردار پائندہ گل کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گی۔ شاید اس نے داستان گوئی کی ابتدا کر دی تھی اور نہیں بھی کی تھی تو اس کا آغاز کسی بھی وقت متوقع تھا۔ میں سردار پائندہ گل سے جھوٹ بول کر زیادہ دیر تک اس کا دفاع نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے بڑے ماہرانہ انداز میں کڑیاں ملا کر اصل تصویر ترتیب دی تھی۔ میں نے نہایت تیزی کے ساتھ سوچتے ہوئے‘ اس کہانی کا سہارا لینے کا فیصلہ کر لیا جو میں اس کو پہلے ہی سنا چکا تھا۔

”تم جانتے ہو کہ میں یرغمالی اور بے بس تھا۔“ میں نے تھوک نگلتے ہوئے مدافعانہ لہجے میں بات شروع کی۔ ”چھوٹے خان کی غیر موجودگی میں وہ میرے کمرے کا قفل کھول کر اندر آئی تھی۔ میں چھوٹے خان کے خوف کی وجہ سے اس کی مہربانیوں سے دہشت زدہ ہو گیا۔ اپنے سارے جتن کر لینے کے باوجود وہ مجھے اکسانے میں کامیاب نہ ہو سکی تو اس نے ریوالور نکال لیا اور مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے اس کی مرضی پر عمل نہ کیا تو وہ مجھے گولی مار دے گی اور چھوٹے خان کو بتائے گی کہ یرغمالی نے اس کے ساتھ دست درازی کی تھی جس پر اسے گولی چلانی پڑ گئی۔ وہ میرا شوق نہیں‘ جان کا خوف تھا جس نے مجھے گناہگار بننے پر مجبور کر دیا۔ میں بالکل بے قصور تھا۔“

سردار پائندہ گل کی آنکھیں غصے کی شدت سے دہکنے لگی تھیں۔ میرے خاموش ہونے پر وہ کانپتی ہوئی غضیلی آواز میں

"چاقو نے سب کچھ واضح کر دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ایسا ہی کوئی واقعہ ہوا ہو گا اور عبدالرحیم خان کو اس کا علم ہو گیا ہو گا۔ وہ جنت گل کو ذبح کرنا چاہتا تھا لیکن اس حرافہ نے اپنے چاہنے والے کو خود ہی مار ڈالا۔ بس ایک ہی بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ گولی اس کی پشت میں کیوں لگی؟ تم نے ان دونوں میں بیچ بچاؤ کرانے کی کوشش تو نہیں کی تھی؟"

میں اس بوڑھے سردار کے قیاس اور تجربے کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ "تمہاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ مجھے تمہاری روایات کا کوئی علم نہیں تھا۔ میں اس بات سے خوف زدہ تھا کہ وہاں ایک قتل ہوتا نظر آ رہا تھا۔ چھوٹے خان کے ہاتھ میں خنجر اور جنت گل کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ میں نے چھوٹے خان سے کچھ کہنا چاہا اور وہ مشتعل ہو کر میری طرف گھوم پڑا۔ جنت گل نے اسی لمحے گولی چلا دی۔"

"لیکن چھوٹے خان کو اس عورت کی روسیاہی کا علم کیسے ہوا؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ چھوٹا خان واپسی پر بہت خوش تھا۔ مجھے آزادی کی خوش خبری سنا کر وہ جنت گل کے پاس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے ان کی اونچی اونچی آوازیں سنیں۔ میں وہاں پہنچا تو وہ اپنی مادری زبان میں لڑ رہے تھے۔ چھوٹے خان کے ہاتھ میں چاقو تھا۔ بعد میں جنت گل نے بھی اپنے بیگ سے ریوالور نکال لیا۔ میں چھوٹے خان کے گرتے ہی وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔"

"بعد میں وہ بھی وہاں سے فرار ہو گئی۔" سردار پائندہ گل ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "وہ بہت چھچھوری اور کم ظرف عورت ہے۔ عبدالرحیم خان کی مردانہ انا کو زخمی کرنے کے لئے اس نے خود ہی اسے بتایا ہو گا کہ اپنے ماموں سے ڈرنے والے محبوب کو ٹھکرا کر اس نے ایک یرغمالی کی سیج سجا ڈالی ہے۔"

میں منہ سے کچھ نہ بولا لیکن مجھے دل ہی دل میں ماننا پڑا کہ سردار پائندہ گل کا ہر اندازہ سو فیصد درست تھا۔ وہ اپنی کہانی مکمل کرنے کے بعد مجھ سے ملنے آیا تھا۔ اگر میں تھوڑے بہت مگر کلیدی رد و بدل کے ساتھ حقائق بیان نہ کرتا تو وہ میرے خون کا پیاسا بھی بن سکتا تھا۔

سردار پائندہ گل اپنی پگڑی سر پر جماتا ہوا ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "اس کمرے کی باتیں صرف تم تک محدود رہیں گی۔"

"اب تو کچھ مہمان داری کر لینے دو۔" میں اس الم زدہ بوڑھے کے لئے اپنے دل میں ہمدردی محسوس کرنے لگا تھا۔

"ابھی یہ دور کی بات ہے۔" اس نے خشک لہجے میں کہا اور چپلیں پہننے لگا۔

"تم نے میری پوری کہانی سن لی لیکن یہ نہیں بتایا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔" میں نے کہا۔

"تم نے میرے اندازوں کی تائید کی ہے۔ تمہاری ہر بات دل کو لگنے والی ہے۔ موت کے خوف سے تم نے اس لڑکی کے ایک ایسے جرم میں تعاون کیا جس کا انجام میرے بھانجے کے قتل پر ہوا۔ تم بے گناہ ہو۔ میرے آدمی اس بدکار عورت کی تلاش میں ہیں۔ بس دعا کرو کہ وہ اس کہانی کو پھیلانا نہ شروع کر دے۔"

میں نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ ان لوگوں میں سے تھا جو صرف اپنی مرضی منوانا جانتے ہیں۔ دوسروں کی مرضی پر زیادہ دھیان نہیں دیتے۔ میں نے اس کے ساتھ نیچے جانا چاہا لیکن اس نے زبردستی مجھے روک دیا اور فلیٹ کے دروازے سے ہی عجلت میں رخصت ہو گیا۔

میں دروازہ بولٹ کر کے پلٹا تو ان تینوں نے مجھے گھیر لیا۔ تخلئے میں ہونے والی گفتگو نے ان سب کو سنسنی خیز ہیجان میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ غزالہ پہلے ہی سردار پائندہ گل کی وضع قطع سے بہت زیادہ متاثر تھی اس لئے اس کا جوش و خروش سب سے زیادہ تھا البتہ دیرا اس معاملے میں حیرت انگیز طور پر سب سے پیچھے تھی۔

رات کا کھانا صبح کے چار بجے کھاتے ہوئے، میں نے ان لوگوں کو اپنی اور سردار پائندہ گل کی خفیہ گفتگو سناتے ہوئے وہ حصہ حذف کر دیا جس میں میرے اور جنت گل کے مراسم کے بارے میں سردار پائندہ گل کی پر پیچ بازپرس شامل تھی جس کی وجہ سے سارا مواد پھسپھسا ہو کر رہ گیا تھا۔

میرے خاموش ہونے پر دیرا کوئی اعتراض کئے بغیر، معنی خیز انداز میں مسکراتی رہی لیکن غزالہ تقریباً لڑنے والے انداز میں مجھ سے الجھ پڑی۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شکاراویلی سے آنے والے اس افغان سردار نے یہ سارا ڈرامائی کھیل صرف اس لئے رچایا تھا کہ تم سے عبدالرحیم خان کے قاتل کے بارے میں معلومات حاصل کر سکے جب کہ یہ بات تو تم اسے فون پر ہی پہلے بتا چکے تھے......"

"دراصل اسے شبہ تھا کہ میں نے اس کے بھانجے کو قتل کر کے اپنی جان بچانے کے لئے جنت گل کا نام لے دیا ہے۔ اس شبے کو تقویت اس بات سے بھی ملی کہ قتل کے واقعے کے بعد سے جنت گل روپوش ہے۔ اسے شبہ تھا کہ میں نے جنت گل کو بھی ٹھکانے لگا کر اس کی لاش کہیں چھپا دی ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ تو بے سروپا مفروضہ تھا۔ خوفناک قبائلی انتقام سے بچنے کے لئے کسی بھی قاتل کا روپوش ہونا ایک عام سی بات ہے۔ کون ایسا سورما ہے جو قتل کرنے کے بعد منظر عام پر آ کر اپنے حریفوں کا کھلا نشانہ بننے کا خطرہ مول لے گا۔ تم یقیناً ہم سے کوئی اہم بات چھپا رہے ہو۔" غزالہ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے اصل بات بتا دی۔ تم نہ مانو تو میں کیا کر سکتا ہوں؟" میں نے بے بسی سے کہا۔

"جنت گل کی روپوشی کے بارے میں تم نے اسے ایسا کون سا نکتہ سمجھا دیا کہ وہ یہاں سے مطمئن ہو کر واپس چلا گیا؟" غزالہ

نے اشتباہ آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
"حقائق سے آگاہ ہونے کے بعد خود اسی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جنت گل اپنے کسی آشنا کے ساتھ کہیں گل چھرے اڑا رہی ہوگی۔ اب وہ پورے زور و شور سے اس کی تلاش شروع کرائے گا۔"
"ایسا تو نہیں کہ وہ تم ہی کو جنت گل کا آشنا سمجھ رہا ہو؟" ویرا نے میٹھی سی چٹکی لی۔
"یہ تم اس سے پوچھ سکتی تھیں۔" میں نے بھڑک کر کہا۔
"میں غیب داں نہیں ہوں جو تمہیں اس کے دل کا حال بتا سکوں۔ اتنا ضرور ہے کہ یہاں آنے سے پہلے میری طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ غنیمت یہ ہے کہ اس نے یک طرفہ طور پر میرے خلاف محاذ کھولنے کے بجائے مجھ سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا ورنہ ہم ایک بار پھر اس کے آدمیوں کے خوف و ہراس کا نشانہ بن سکتے تھے۔"
"دوسرے لفظوں میں تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ اب وہ تمہیں بے گناہی کا سرٹیفکیٹ دے کر گیا ہے؟" ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "اور تمہیں اس کے آدمیوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"
"بظاہر تو یہی معلوم ہو رہا تھا۔ وہ میری وضاحتوں سے پوری طرح مطمئن نظر آ رہا تھا۔"
بستروں پر جانے تک وہ بحث اور تکرار جاری رہی اور میں انہیں اسی دائرے میں گھماتا رہا جو میں نے سوچ سمجھ کر منتخب کیا تھا لیکن ویرا کی بات ذرا مختلف تھی۔
مجھے سردار پائندہ گل نے چلتے چلتے یہ بتا دیا تھا کہ اس وقت تک جنت گل نے اسے بدنام کرنے کی مہم کا آغاز نہیں کیا تھا جب کہ مجھے ابتدا سے ہی یہ ڈر تھا کہ جنت گل کی کہانی پھیلتے پھیلتے کہیں غزالہ کے کانوں تک نہ پہنچ جائے۔ اس لئے میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر، ویرا کے سامنے اپنے اور جنت گل کے مراسم کا اعتراف کرلیا تھا تاکہ بوقت ضرورت میں اس کی گواہی پیش کر کے غزالہ کو مطمئن کر سکوں۔ یہ اور بات تھی کہ ویرا کو اس واقعے کے اصل پس منظر کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی۔ میں نے ان واقعات میں اپنی ضرورت کے مطابق ایسی تبدیلیاں کرلی تھیں جو مجھے بالکل بے گناہ قرار دیتی تھیں لیکن ویرا کے اترانے کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ کسی اور لڑکی سے میرے مراسم کے بارے میں جان گئی تھی اس لئے وہ غیر معمولی طور پر خاموش تھی۔ شاید اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ میری اور سردار پائندہ گل کی ملاقات میں جنت گل کا مسئلہ بھی آیا ہو گا جس پر میں غزالہ کے سامنے بات نہیں کر سکتا تھا۔ اس وجہ سے وہ تخلئے کی تلاش میں تھی کہ فرصت سے مجھ سے پوچھ کچھ کر سکے لیکن اس وقت ایسی فرصت میسر آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں غزالہ کے ساتھ خوابگاہ میں گیا تو یہ سمجھ چکا تھا کہ اگلی صبح میں ویرا کے رحمانہ چنگل سے نہیں بچ سکوں گا۔ البتہ یہ میرا اٹل فیصلہ تھا کہ شگارا ویلی میں معزز اور محترم سمجھے جانے والے سردار کی پگڑی اپنے قدموں میں آنے کا واقعہ میں اپنی ہی ذات تک محدود رکھوں گا۔ اس میں غزالہ یا ویرا سمیت کسی کو بھی شریک راز بنانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ویسے بھی سردار پائندہ گل نے اس کمرے میں ہونے والی خفیہ گفتگو کو صیغۂ راز میں رکھنے کی درخواست کی تھی۔ میں اس کی درخواست کا جزوی احترام کر کے خود کو سرخرو رکھ سکتا تھا۔
خوابگاہ میں پہنچنے کے بعد غزالہ نے بل جونز اور پال ایتھرٹن کے حوالے سے بات چھیڑی تو مجھے سخت حیرت ہوئی کہ سردار پائندہ گل کا چکر شروع ہو جانے کی وجہ سے ان دونوں عورتوں نے ہماری آخری مہم کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا تھا۔ میرے لئے ان کی وہ خاموشی حیران کن ہی نہیں تشویشناک بھی تھی۔
"سردار پائندہ گل کی پھیلائی ہوئی سنسنی میں تم دونوں نے انہیں بالکل ہی فراموش کر دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ویرا کو اپنے باپ کے مہمانوں کے انجام سے بہت زیادہ دلچسپی ہو گی۔" میں نے حیرت سے کہا۔
"یہ ویرا ہی کا مشورہ تھا کہ تمہیں ذہنی جھٹکا دینے کے لئے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ پوچھا جائے۔" غزالہ نے اپنے ملائم بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے ہنس کر کہا۔ "کمال ہے کہ تمہیں بھی یہ بات اب یاد آئی ہے۔"
"سچ بات یہ ہے کہ سردار پائندہ گل اور اس کا موثر انداز گفتگو ابھی تک میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ مجھے دکھ ہے کہ اس جیسا شاندار اور باوقار آدمی بھی ہیروئن کی چکی میں پس رہا ہے۔"
"یہی بات میں نے کہی تھی تو تم مجھ پر ناراض ہونے لگے تھے۔" اس نے تیکھی چتون کے ساتھ شکوہ کیا۔
میں نے ہاتھ تھام کر اسے اپنے قریب بٹھا لیا اور نرمی سے کہا۔ "بل اور پال سے نمٹنے میں ہمیں کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں سے آتے ہی سردار پائندہ گل کی موجودگی کی خبر ملی تو میری کھوپڑی گھوم کر رہ گئی تھی۔ اس کی آمد کا امکان میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ بس اسی جھونک میں تم پر برس پڑا تھا۔ اب میں اپنی خوشی اور غصے کا اظہار تم پر نہیں تو کس پر کروں گا؟ تمہیں ان باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دینا چاہئے۔"
"چلو اڑا دیا۔" وہ اپنے داہنے کان کے قریب ہاتھ لہرا کر بولی اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
"تمہیں اب بھی بل جونز اور اس کے ساتھی کے بارے میں کوئی تجسس نہیں ہے؟" میں نے تھوڑی دیر کی چھیڑ چھاڑ کے بعد اس سے پوچھا اور اس نے شوخ نظروں کے ساتھ اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔
"کمال ہے! تمہاری ذات میں اتنا بڑا انقلاب؟ تم تو ہر بات

کے رونما ہونے سے پہلے اس کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین رہتی ہو۔" میں نے غور سے اس کی شرارت آمیز نگاہوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"بعض اوقات تم اس بڑھیا کی طرح سادہ لوح ہو کر رہ جاتے ہو جو اپنے گاؤں والوں کے مذاق سے تنگ آ کر اپنے مرغے سمیت وہاں سے ہجرت کر گئی تھی اور کہہ گئی تھی کہ اب دیکھتی ہوں کہ تمہاری صبح کیسے ہوتی ہے؟"

"یہ کیا بات ہوئی؟" غزالہ کی وہ بات واقعی میرے پلے نہیں پڑ سکی تھی۔

"بڑھیا کا خیال تھا کہ اس کے مرغے کی بانگ دینے سے گاؤں میں صبح طلوع ہوتی ہے۔ مرغا نہیں ہوگا تو گاؤں میں صبح ہی نہیں ہو سکے گی۔ اب آئی بات تمہارے سمجھ میں؟"

"میں خود کو بڑھیا سمجھتا ہوں، نہ اس کا مرغا۔ تمہاری یہ مثال کچھ غلط ہو گئی۔"

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس مہم میں سلطان شاہ بھی تمہارا شریک تھا۔ جب تم نے اسے باہر بھیج کر ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کر لیا اور ہم کوشش کے باوجود اندر سے سرگوشیوں کی آواز بھی نہیں سن سکے تو دیرا' سلطان شاہ کو لے بیٹھی۔ اس نے ہمیں اس مہم کے بارے میں ایک ایک بات بتا دی تھی۔"

"تمہاری مثال واقعی ٹھیک تھی۔" میں بے اختیار ہنس پڑا اور وہ بھی میری ہنسی میں شریک ہو گئی۔

پتا نہیں وہ ذہنی دباؤ کی شدت تھی یا جسمانی تھکان کی زیادتی کہ میں صبح ہونے تک گہری نیند نہیں سو سکا۔ سارا وقت غنودگی یا بیداری کی کیفیت میں گزر گیا۔ ذرا سی آنکھیں بند ہوتی تھیں تو سردار پائندہ گل کی کہی ہوئی عجیب و غریب باتیں مجسم ہو کر نظر آنے لگتی تھیں۔ چھوٹے خان کی میت پر اپنے بال بکھیرے گریہ کناں عورتیں' سڑے ہوئے ببول کی راکھ سے ہولی کھیلتے ہوئے شیطانی ہیولے' سردار پائندہ گل کے قدموں کی خاک اپنے سروں میں ڈالتے ہوئے مرد و زن' زارو قطار روتے ہوئے پہاڑ' گنجے سروں اور برہنہ چھاتیوں والی شرمسار عورتیں اور نجانے کیا کیا میرے تصور میں چکراتا رہا! اور ان کا زور بندھتے ہی میری آنکھ کھل جاتی۔ آخر کار اجالا پھیلتے ہی میں نے بستر چھوڑ دیا۔ غزالہ بے پروایانہ انداز میں گہری نیند سو رہی تھی۔ نیند کی بے حجابی نے اس کے پیکر کو اس قدر دلربا اور کشش انگیز بنا دیا تھا کہ اسے بے اختیار بانہوں میں سمیٹ لینے کو دل چاہنے لگا۔ اس سے قبل کہ میں بے لگام اور منہ زور جذبوں سے بے بس ہو کر اس کی نیند میں خلل انداز ہوتا' میں اپنی خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔

میں نے اپنی ڈار سے بچھڑے ہوئے کسی بے چین پرندے کی طرح پورے گھر کا طواف کیا تو ہر طرف نیند کی دیوی اپنے ڈیرے ڈالے نظر آئی۔ دیرا اپنے بستر پر زہد شکن انداز میں پڑی بے خبر سو رہی تھی۔ سلطان شاہ ڈرائنگ روم میں صوفے کی گدیوں میں الجھا بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ میں سیدھا باتھ روم میں گھس گیا۔ نیم گرم پانی کی تیز دھاروں میں دیر تک نہانے کے بعد میری تھکان اور بے خوابی کی کسلمندی بالکل بہہ گئی۔ آخر میں' میں نے ٹھنڈے پانی کی دھاریں بہائیں تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے جسم کا ایک ایک مسام کھل گیا ہو۔

طویل غسل سے فارغ ہو کر میں کچن میں جا گھسا جہاں خورونوش کا وافر سامان موجود تھا۔

میں اپنے لئے ناشتے کی تیاری میں مصروف تھا کہ ہلکی سی ڈور بیل بجی۔ میں نے کچن سے نکل کر دروازہ کھولا تو باہر اول خان موجود تھا اور اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ میں نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اندر کھینچ لیا۔

"خیریت تو ہے؟ بہت پریشان اور بدحواس نظر آ رہے ہو۔" میں نے سادگی سے پوچھا۔

"وہ دونوں لاپتا ہو گئے۔ وہ رات کو اپنے دو مہمانوں کے ساتھ گئے تھے۔ اس کے بعد سے ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ میں رات کے تین بجے سے اس چکر میں پھنسا ہوا ہوں۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

"صبح ہی صبح یہاں تک دوڑ لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ فون پر ہی بات کر لی ہوتی۔"

"بس بوکھلاہٹ میں' میں خود ہی دوڑا چلا آیا۔ ان کے غائب ہونے سے میری پوزیشن مخدوش ہو گئی ہے کیونکہ آئی بی والوں نے یہ سراغ لگا لیا ہے کہ غیر ملکیوں کے تعاقب میں ناکارہ ہونے والی گاڑی میری ہی تھی......!"

"کچھ نہیں ہوتا۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ دونوں مارے جا چکے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد میں خود فون کر کے تمہیں خوش خبری سنانے والا تھا کہ بل جونز اور پال ایتھرٹن اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔"

"مارے گئے؟" اس نے بے اعتباری سے دہرایا۔ "یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"اس لئے کہ ان دونوں کو میں نے اپنے ہاتھوں سے گولیاں ماری تھیں۔" میں نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"تت...... تم نے انہیں مار دیا۔" اول خان مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ غصے کی وجہ سے اس کی آواز میں لکنت پیدا ہو گئی تھی۔

"کیوں؟ کیا میں نے برا کیا؟" میں نے اس کی متغیر حالت دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

وہ برہمی کے عالم میں صوفے پر سے اٹھ کھڑا ہوا میں بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا لیکن اس کا وہ رد عمل میرے لئے یکسر ناقابل فہم تھا۔

اول خان کی نگاہوں سے واضح طور پر اشتعال ظاہر ہو رہا تھا۔ اُس کا سینہ بہت تیزی کے ساتھ پھول پچک رہا تھا اور میں حیران تھا کہ میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی تھی جس نے اسے یک بیک مشتعل کر دیا تھا۔

"میں ہر قدم پر تمہارا بھرپور ساتھ دیتا رہا ہوں مگر تم ..... تم....." وہ غصّے کی زیادتی میں ہکلا کر رہ گیا اور اس کی بات ادھوری رہ گئی مگر میں اس کی ادھوری بات سے ہی اس کا مدعا سمجھ چکا تھا۔

"اگر تم ہمارا ساتھ دیتے رہے ہو تو ہم نے بھی تمہیں کہیں دھوکا نہیں دیا۔" میں نے کہا "میں یہ جاننے سے قاصر ہوں کہ تم میری کس خطا پر اِس قدر برہم ہو رہے ہو۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے کون سا گناہ کیا ہے۔"

"بات مت بڑھاؤ" اول خان غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا "تمہیں معلوم تھا کہ میں بل جونز اور پال ایتھرٹن کے پیچھے لگا ہوا تھا ان پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے، تمہیں مجھ سے مشورہ کرنا چاہیے تھا۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر، کرسی میں ڈھیر ہو گیا "ناگہانی صورت حال میں، ہم حالات کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔ ہم ان دونوں کو چھوڑ دیتے تو پھر قیامت تک ان کا سراغ نہیں لگا سکتے تھے۔"

"تم اب بھی مبہم باتیں کر رہے ہو۔ کیا مجھے یہ جاننے کا حق بھی نہیں ہے کہ وہ کیسے اور کن حالات میں مارے گئے؟ شاید تم بھول رہے ہو کہ ان کے معاملے میں میری پوزیشن بہت مخدوش تھی۔ میں نے ائرپورٹ سے ان کا تعاقب کیا تھا اور آئی بی والوں نے میری کار کے ذریعے میرا سراغ لگا لیا ہے۔ میں نے ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے جو کچھ کیا، اپنی ذاتی حیثیت میں کیا تھا اور اب مجھے اس بارے میں اپنی صفائی پیش کرنی پڑے گی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اس معاملے میں بلاوجہ جذباتی ہو رہے ہو۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا "اسپیشل ٹاسک فورس پر قومی معاملات کی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ تم لوگ کسی سے اجازت لیے بغیر بھی اپنی صوابدید کے مطابق کارروائی کر سکتے ہو۔ اس بارے میں کسی کو تم سے بازپرس کرنے کا اختیار نہیں ہے۔"

"میں اپنی حدود اور مجبوریوں سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔" اول خان نے قدرے تلخی کے ساتھ کہا "جب ایک وفاقی محکمہ کسی مسئلے پر کام کر رہا ہو تو دوسروں کو باضابطہ اجازت کے بغیر اس میں ٹانگ اڑانے کا حق نہیں ہوتا اور میں بدقسمتی سے اسی جرم کا مرتکب ہوا ہوں۔ انٹیلی جنس بیورو والوں کا کردار سامنے آجانے کے بعد مجھے اِس معاملے سے کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہیے تھی جو میں نے نہیں کی۔"

"میں پھر بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم مجھ سے برہم کیوں ہو؟"

"اگر وہ دونوں مارے گئے ہیں تو اس بارے میں مجھ سے بازپرس ضرور کی جائے گی۔"

"تمہارا سایہ بھی ان دونوں کے قرب و جوار میں موجود نہیں تھا۔ تمہیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟"

"یہ بات تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم سرکاری اداروں کے طریقہ کار سے ناواقف ہو۔ وہ دونوں پاکستان پہنچے تو میں نے ان کی ذات میں اس حد تک دلچسپی لی کہ ان کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگر وہ اس کے بعد ہی مردہ پائے جاتے ہیں تو میری ذات شکوک و شبہات سے بالاتر نہیں رہ سکے گی۔"

"جو لوگ ان سے ملنے کے لیے گئے اور انہیں وہاں سے لے کر نکلے، وہ اجنبی تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت ان لوگوں سے تمہارا تعلق ثابت نہیں کر سکتی۔ پھر تم اس بارے میں اس قدر پریشان کیوں ہو؟"

اُس نے گہری نظروں سے میری طرف دیکھا پھر تھکے ہوئے انداز میں ایک صوفے میں گر گیا۔

"مجھے بتاؤ کہ یہ سب کیسے ہوا۔ پوری صورت حال جانے بغیر میں کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔" اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا "تمہاری کارروائی کی وجہ سے میری پوزیشن بہت مخدوش ہو گئی ہے۔"

"ہم نے کچھ نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ تم بلاوجہ ہی خوف زدہ ہو۔"

"میں خوف زدہ نہیں بلکہ فکرمند ہوں۔" اس نے زور دے کر کہا "جو کچھ ہو چکا ہے اس کی بنا پر مجھے سولی پر نہیں چڑھایا جا سکے گا۔ بس مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں کسی الزام کا سامنا کرتے ہوئے مدافعانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔ اس سبکی کو سہنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"ان دونوں کی اصلیت کھل کر سامنے آچکی ہے۔ وہ جس روپ میں بھی یہاں آئے ہوں مگر اب بات بالکل صاف ہو گئی ہے کہ جیک رونالڈو دراصل کرنل جیسی جونز کا بیٹا تھا۔ تم بتا سکتے ہو کہ تمہیں اپنے ذرائع سے اطلاع ملی تھی کہ آئی بی کے مہمان وہ نہیں ہیں جو نظر آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تم اُن کی اصلیت کا سراغ لگانے کے لیے اپنے طور پر ان کا پیچھا کر رہے تھے۔"

"کیا؟" میرا وہ انکشاف سنتے ہی اس کا منہ حیرت سے کھل گیا "تمہیں کیسے پتا چلا کہ جیک رونالڈو، کرنل جیسی جونز کا بیٹا ہے؟ یہ خبر تو ہر طرف تہلکہ مچا دے گی۔"

"شاید ہمیں اس کی اصلیت کا سراغ لگانے میں دانتوں پسینہ آجاتا۔" میں نے اول خان کے موڈ میں پیدا ہونے والی خوشگوار تبدیلی پر محظوظ ہوتے ہوئے کہا "یہ اطلاع جمی لائیڈ سے ملی تھی۔"

"جمی لائیڈ سے؟" اول خان پر حیرت کا دوسرا حملہ ہوا "لیکن اُس وقت تو تم نے مجھ سے اِس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ کیا اس

دوبارہ بھی تمہاری بات ہوئی تھی؟"
"یہ بات اُس نے مجھے نہیں، ویرا کو بتائی تھی۔ اس کا اصل نام جیک رونالڈو نہیں، بلکہ بل جونز تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ڈلاس کی اسلحہ ساز فیکٹری میں نام بدل کر نوکری کر رہا ہو۔"
"اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں کل بلاوجہ ہی جھک مارتا رہا۔ میں نے ان کے بارے میں معلومات جمع کرنے میں کافی محنت کی تھی اور تم بتا رہے ہو کہ ان کوائف کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔"
"میں نے یہ نہیں کہا۔ تمہاری معلوم کی ہوئی بہت سی باتیں بالکل درست تھیں۔" میں نے ہنس کر کہا "وہ واقعی ڈلاس کی اسلحہ ساز فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ اس کے ساتھی کا نام پال ایتھرٹن ہی تھا۔"
"معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اصلیت سے واقف ہوتے ہی تم نے اس کی طرف دوڑ لگادی تھی۔"
"میں اسے قتل کرنے کے ارادے سے نہیں گیا تھا۔ پال ایتھرٹن ائرپورٹ پر مجھ سے ہم کلام ہوچکا تھا۔ اُس نے مجھے البرٹو ربلیما کا آدمی سمجھ کر بات کی تھی اور میں اسی حیثیت میں اُن دونوں کے عزائم کا اندازہ لگانے کے لیے ریسٹ ہاؤس کی طرف گیا تھا۔ بس وہاں صورت حال بدلتی چلی گئی۔"
"مجھے تفصیل سے پورے واقعات بتاؤ تاکہ میں بھی کچھ سوچ سمجھ سکوں۔"
میں نے ریسٹ ہاؤس سے آخر تک کے واقعات مِن وعَن دہرادیئے۔
اُن دونوں کے بھیانک منصوبے کے بارے میں سن کر اول خان ششدر رہ گیا۔ پرندوں کے ذریعے کسی نشانے کو تباہ کرنے کا وہ منصوبہ بادی النظر میں احمقانہ معلوم ہوتا تھا لیکن ان لوگوں نے جس دماغ سوزی کے ساتھ اُس کی جزئیات تیار کی تھیں اس کی وجہ سے ناکامی کے آثار مفقود نظر آتے تھے۔
"شاید تم نے ان کی تیز رفتاری کی وجہ سے ان پر فوراً ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کیا ہوگا۔" میرے خاموش ہونے پر اول خان نے پُرتجسس انداز میں پوچھا۔
"اگر وہ مجھے اعتماد میں لے کر اپنے عزائم کے بارے میں کھلی کھلی باتیں نہ کرتے تو شاید ان کی رسی دراز ہوسکتی تھی۔ ان کے ارادوں سے واقف ہونے کے بعد انہیں ڈھیل دینا خطرناک ہوسکتا تھا۔ وہ اس قدر پُراعتماد نظر آرہے تھے جیسے کراچی کے بجائے ڈلاس میں بیٹھ کر منصوبہ بندی کر رہے ہوں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ انٹیلی جنس بیورو والوں کو اپنے فریب میں مبتلا کرنے کے بعد انہیں کوئی خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ ان کے حد سے بڑھے ہوئے اعتماد نے مجھے فوری کارروائی کر گزرنے پر مجبور کیا۔ دوسری بات یہ تھی کہ وہ زندہ رہتے تو ان کے لائے ہوئے چھوٹے مگر مہلک ترین بموں کا ذخیرہ آج اُن کی تحویل میں چلا جاتا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اسے کہیں محفوظ کردیتے اور ہم اس کا سراغ لگانے میں ناکام ہوجاتے۔ میری دانست میں ان کا فوری طور پر مارا جانا ناگزیر تھا۔"
"یہ سب درست ہے لیکن بل جونز نے جیک رونالڈو کے نام سے سفر کیا تھا۔ ان دستاویزات کو کیسے چیلنج کیا جاسکے گا؟ اس کی کمپنی کے ریکارڈ میں بھی اس کا نام جیک رونالڈو ہوگا اور وہ اسی حیثیت میں اس کی لاش کی واپسی کا مطالبہ کریں گے۔ ان حالات میں اسے بل جونز کیسے ثابت کیا جاسکے گا؟" اول خان نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔
"مجھے حیرت ہے کہ یہ بات تم کہہ رہے ہو۔ تم اپنے وسائل سے بہت کچھ ثابت کرسکتے ہو۔ پھر ایک بار آئی بی والوں کے ذہن میں شبہات پیدا ہوگئے تو وہ خود بھی حقیقت کا کھوج لگالیں گے۔ ان کے لیے یہی کافی ہوگا کہ بل جونز اور پال ایتھرٹن کے ساتھ آنے والے کریٹوں میں سے جدید ترین اور تباہ کن بم برآمد ہوں۔"
"جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب اسے لوٹایا نہیں جاسکتا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ جب تک دونوں لاشیں پاکستان میں موجود رہیں گی۔ کرنل جیسی جونز ان کا دعویدار بننے کی حماقت نہیں کرے گا......"
"نہیں" میں نے تیزی کے ساتھ اُس کی بات کاٹ دی "اتنی مایوسی کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں یہ بتانا بھول گیا کہ بل جونز، کرنل جیسی جونز کی اکلوتی اولاد تھی۔ ہوسکتا ہے کہ بیٹے کی موت کی خبر اسے پاگل کردے۔ لاشوں کی یہاں سے روانگی میں تاخیر تمہارے لیے سودمند ثابت ہوسکتی ہے۔"
"کیا یہ درست ہے کہ کرنل جیسی جونز، ڈیوڈ اسٹارز نامی یہودی تنظیم کے ایما پر یہاں تخریب کاری کے منصوبے پر کام کر رہا ہے؟" اول خان نے پوچھا۔
"بل جونز نے یہ اعتراف کرلیا تھا۔ ان لوگوں سے نیویارک کے راس المیڈا نامی ایک یہودی نے معاملات طے کیے تھے۔ وہ خود بہت سرگرم ڈیوڈ اسٹار ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ بل جونز بھی یہودی تھا۔ تھوڑی سی محنت کی جائے تو راس المیڈا کا سراغ لگانا زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوگا۔"
اول خان نے جیبی ڈائری میں راس المیڈا کا نام نوٹ کرتے ہوئے کہا "یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن ان سے مجھے بہت مدد ملے گی۔ میرے ذہن پر سوار بوجھ اب بہت ہلکا ہوگیا ہے۔"
اول خان اس وقت اپنی ہی الجھن میں مبتلا تھا اس لیے میں نے اس سے کسی دوسرے موضوع پر بات کرنی مناسب نہیں سمجھی اور وہ مجھ سے ان دونوں کی لاشوں کی جائے وقوع سمجھ لینے کے بعد، عُجلت کے عالم میں واپس روانہ ہوگیا۔
اس کا خیال تھا کہ جیک رونالڈو کو کرنل جیسی جونز کا بیٹا تسلیم کرنا یا نہ کرنا تو بعد کی بات تھی۔ اس کے غیر متوقع قتل کی خبر انٹیلی

جنس والوں کو ہلا کر رکھ دینے کے لیے کافی تھی۔

اول خان کے جانے کے بعد غزالہ بیدار ہوئی پھر یکے بعد دیگرے ویرا اور سلطان شاہ بھی اٹھ گئے۔

"صبح ہی صبح کون آگیا تھا؟" سلطان شاہ نے بیدار ہونے پر نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اِس کا مطلب ہے کہ تم اُس کے آجانے پر سوتے ہوئے بن گئے تھے؟"

"یہ حویلی کا دیوان خانہ نہیں' ایک فلیٹ کا ڈرائنگ روم ہے۔ اور تم دونوں جس انداز سے باتیں کر رہے تھے اس کے نتیجے میں کوئی نیم مردہ شخص بھی بیدار ہو سکتا تھا میں تو پھر بھی زندہ تھا۔"

"یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ زندہ تھے تو اس سے سلام دعا کرنے میں کیا عار تھا؟"

"میری دخل اندازی سے بدمزگی پیدا ہو سکتی تھی۔ اس کے رویے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہمیں اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر کوئی قدم اٹھانے کا حق نہیں ہے۔" سلطان شاہ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

میں اسے گھور کر رہ گیا۔ ویسے اس کی بات درست تھی کہ اول خان سے باتیں کرتے ہوئے میں نے اسے یکسر نظرانداز کر دیا تھا جب کہ ویرا کی موجودگی میں وہ ہمیشہ ڈرائنگ روم میں ہی سویا کرتا تھا اور ہماری آوازوں سے اس کی نیند میں یقیناً خلل پڑا ہوگا۔

وہ میری تیز نظروں سے کترا کر غسل خانے کی طرف چلا گیا لیکن ویرا میری جان کو آگئی۔ وہ فی الفور یہ جان لینا چاہتی تھی کہ سلطان شاہ کس کا ذکر خیر کر رہا تھا۔

"یہ وہی قصہ ہے جس کے بارے میں اپنی زبانیں بند رکھ کر تم لوگوں نے پچھلی رات مجھے ذہنی جھٹکا لگانے کی کوشش کی تھی۔" اسے کچھ دیر تک زچ کرنے کے بعد میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اول خان آیا تھا؟" اس نے تائید طلب لہجے میں پوچھا پھر میرے سر کی اثباتی جنبش پر بولی "اسے ان دونوں کے قتل سے کیا تکلیف پہنچی جو وہ تمہارے ساتھ الجھ رہا تھا؟"

"وہ الجھ نہیں رہا تھا۔ اُس کے لیے مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے۔ اس نے ان لوگوں کے تعاقب میں جو کار چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی تھی' اس کا سراغ لگا لیا گیا ہے اور ان دونوں کی گمشدگی پر وہ دباؤ میں آگیا ہے۔ پوری صورت حال سننے کے بعد اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔"

"ان دونوں کا انجام تو یہی ہونا تھا لیکن میرا خیال ہے کہ تم نے انہیں ٹھکانے لگانے میں بہت عجلت سے کام لیا۔"

"ابھی تم اول خان کے الجھنے پر اعتراض کر رہی تھیں اور اب خود وہی راگ الاپنا شروع کر دیا؟" میں نے بھنا کر کہا۔

"اس کی کچھ وجوہ ہیں" ویرا نے جلدی سے وضاحت پیش کی "میری بل جونز سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی اس لیے میں بھی اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکوں گی۔ اگر مجھے ان دونوں سے مل بیٹھنے کا ایک موقع مل جاتا تو آگے چل کر ہمیں اس سے فائدہ پہنچ سکتا تھا۔"

"اکیسویں صدی کے ان امکانات کو رہنے دو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا "اول خان بھی کچھ وجوہ کو جواز بنا کر مجھ سے بحث کر رہا تھا۔ میرے مسلک میں سانپ اور سنپولیے کو چھوٹ دینا حرام ہے۔ یہ نظر پڑتے ہی اس کا سر کچل دینا چاہیے۔ میں نے جو کچھ کیا، بالکل درست کیا۔ میں اس پر کوئی تقریر سننی پسند نہیں کروں گا۔"

"میں تقریر نہیں کر رہی لیکن یہ خلش ضرور ہے کہ تم نے بل جونز کو شایان شان انداز میں مارنے کے بجائے' حقارت کے ساتھ بلکہ ذلت کے ساتھ مارا ہے۔ بڑا شکار کھیلنے کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔ ڈھول ڈبے بجائے اور ہانکا کیے بغیر شیر کا اور تیتر کا شکار یکساں ہو جاتا ہے....."

"خوب بول رہی ہو۔" سلطان شاہ نے دوبارہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے طنز سے کہا "آخر کو تمہارے باپ نے اسے تمہارے لیے پسند کیا تھا۔ اسے کچھ نہ کچھ اہمیت تو ملنی ہی چاہیے تھی۔ ڈیڈی نے اسے کسی حقیر چوہے کی طرح گھیر کر مار دیا۔ شاید ڈیڈی اس سے رقابت محسوس کرنے لگا تھا۔"

"اپنی زبان بند رکھو۔ ابھی میں کچھ کہہ دوں گی تو عورتوں کی طرح منہ بسورنا شروع کر دو گے۔ میرے باپ نے جو کچھ کہا' وہ اس کا خیال تھا۔ تم سب نے میرا جواب بھی سن لیا تھا۔ میں بل جونز کو اپنی جوتی کی نوک پر آئی ہوئی خاک جتنی اہمیت دینے کو بھی تیار نہیں تھی....."

"جب ہی اس کی شان و شوکت کی فکر میں گُھلی جا رہی ہو۔" سلطان شاہ نے اچک کر بولا۔

"اس پر لعنت بھیجو" ویرا برا سا منہ بنا کر سلطان شاہ سے بولی "تم جس بات کو پکڑ لیتے ہو' جونک کی طرح اس کی جان کو آجاتے ہو۔ مجھے اُس ملعون کی فکر میں گھلنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"گڈ!" سلطان شاہ نے اچھل کر نعرہ لگایا "اب تم نے کسی نیک اور سگھڑ بی بی کی طرح بات کی ہے۔ جوان جہان عورتیں غیر مردوں میں زیادہ دلچسپی لیتی ہوئی اچھی نہیں لگتیں۔"

ویرا نے دانت پیستے ہوئے' اس پر جھپٹنے کا ارادہ کیا لیکن وہ ویرا کے تیور بھانپتے ہی' پھرتی کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا اور ویرا نے اپنی جگہ چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بہت سر چڑھتا جا رہا ہے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں کہ کسی دن اسے بری طرح پیٹ کر رکھ دوں گی۔ میرے صبر کا پیمانہ کسی دن لبریز ہو جائے تو تم مجھ سے شکوے شکایات کے دفتر لے کر نہ بیٹھ جانا۔ میں اسے بہت اچھی طرح سیدھا کرنا سکھاؤں گی۔" وہ تلخی کے ساتھ بولی۔

"مجھے یقین ہے کہ ایسی نوبت کبھی نہیں آئے گی۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا "تم بہت صابر اور نرم خو عورت ہو۔ جب سر سے پیر تک سیاہ نقاب اور چست لباس میں بلیک کوئین کے سفاکانہ روپ میں تم سامنے آتی تھیں تو ابتدا میں میری بھی روح فنا ہوتی تھی لیکن آج تم کسی بھی طرح مجھے مرعوب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ طویل رفاقت اور حوصلہ افزائیوں کے نتیجے میں ایسی تبدیلیاں ناگزیر ہوتی ہیں......"

"اب تم مجھ پر الزام تراشی کر رہے ہو۔ میں نے کب اس کی حوصلہ افزائی کی ہے؟"

"دھینگا مشتی اور چھیڑ چھاڑ کو میں اور کیا نام دے سکتا ہوں؟ ابتدا میں تو وہ تمہارے سائے سے بھی بھڑکتا تھا اور مجھے تم سے دور رہنے کا مشورہ دیا کرتا تھا۔ تم نے خود ہی اس کا حوصلہ بڑھایا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ وہ ایک جوان مرد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دل ہی دل میں وہ تمہیں پسند کرنے لگا ہو اور اب تمہیں چھیڑ کر لطف اندوز ہوتا ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ اس نازک حس سے یکسر محروم ہے جو مردوں کو صنف مخالف کی طرف رغبت دلاتی ہے۔ میرے بارے میں تو وہ خاص طور پر ایذا رسانی کی طرف مائل دکھائی دیتا ہے۔ میری ہر بات کی تردید اور میرے ہر جذبے کی مضحکہ آرائی اس کی عادت بن چکی ہے۔ وہ کسی کو کیا پسند کرے گا؟"

"یہ نہ کہو۔ یہ بھی جارحانہ محبت کا ایک انداز ہوتا ہے۔ ایسے لوگ زبان سے محبت کا اقرار کرنے کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ بس اپنے محبوب کو ہر لمحے ستا کر اسے یہ احساس دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ انہیں اس کی ذات سب سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تم اس کے ان ڈھکے چھپے پیغامات کو نہ سمجھ سکو۔"

"خوب!" وہ مجھے گھورتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولی "اپنی اس گفتگو سے تم مجھے کس راہ پر ڈالنا چاہتے ہو؟ تمہاری باتوں سے مجھے کچھ شرارت کی بو آ رہی ہے۔"

"میری ناک بند ہے اس لیے میں بو کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "کچھ عرصے پہلے وہ تمہارے لیے جنگلی گھوڑا تھا اس لیے ذرا ذرا سی بات پر بدکتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ تم سے کافی مانوس ہو چلا ہے۔ تم چاہو تو آسانی کے ساتھ اس پر سواری گانٹھ سکتی ہو۔"

"اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی "میں اپنا برا بھلا اچھی طرح سمجھتی ہوں۔"

"تم کہتی ہو تو ایسا ہی ہوگا۔ میرا خیال اس سے قدرے مختلف تھا۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ اول خان سے سردار پائندہ گل کے بارے میں تمہاری کیا گفتگو ہوئی؟" چند ثانیوں کی بوجھل خاموشی کے بعد اس نے نرم لب و لہجے میں سوال کیا۔

"اس بارے میں مجھے اول خان سے کیا بات کرنی تھی؟ وہ میرا سرپرست یا ولی نہیں ہے کہ میں ہر معاملے میں اس سے مشورہ کرنے کا پابند ہو جاؤں۔" میں نے بدک کر جواب دیا۔

"تم بلاوجہ چڑ رہے ہو۔ وہ ہم سب کا ہمدرد اور ایک اچھا انسان ہے اور تمہارے معاملات میں تو وہ بہت زیادہ دخیل ہو چکا ہے۔ میرا اندازہ تھا کہ تم نے اسے سردار پائندہ گل کی آمد کے اہم واقعہ سے ضرور آگاہ کیا ہوگا۔ مجھے اس پُراسرار قبائلی سردار کی اچانک یہاں آمد کوئی نیک شگون نہیں معلوم ہو رہی۔"

"اس بارے میں، میں بھی فکر مند ہوں لیکن وہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میں اسے اول خان سے دور ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ میری اور اس کی حد سے بڑھی ہوئی مفاہمت کی وجہ سے تم لوگ مجھے اور اسے 'ایک جان دو قالب' سمجھنے لگے ہو۔ تمہارے اس رویے سے میری انفرادیت مجروح ہونے لگی ہے۔ پائندہ گل سے اب میں خود ہی نمٹوں گا۔"

"انفرادیت اور انا ایک ہی احساس کے دو نام ہیں۔ حریفوں کے درمیان تو جنگ ہی انا کی ہوتی ہے لیکن جب دو حلیفوں کی انا آپس میں ٹکرانے لگے تو بڑے تلخ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ یہ بُری بات ہے کہ تم اول خان کے معاملے میں اپنی انا کو ملوث کرنے لگے ہو۔ وہ تمہاری خیر خواہی میں کسی حد کی پروا نہیں کرتا۔"

"وہ میری صورت یا عادتوں پر فریفتہ نہیں ہے۔ وہ میری خدمات کی وجہ سے مجھ سے متاثر ہے۔ میں ہمیشہ پکا پکایا حلوہ تھالی میں سجا کر اسے پیش کرتا رہا ہوں جسے وہ تھوڑی سی رد و کد کے بعد بخوبی ہضم کر لیتا ہے۔ وہ خود بھی اعتراف کرتا رہا ہے کہ مجھ سے دوستی ہونے کے بعد اسے بڑی کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں۔"

"پکا پکایا حلوہ اسے پیش کر کے تم نے اس پر کبھی کوئی احسان نہیں کیا۔ اپنی مجبوری کی وجہ سے تم اپنی ہر کامیابی اس کے کھاتے میں ڈالتے رہے ہو۔ یہ نہ بھولو کہ تم اپنا نام بلکہ شخصیت تک بدل کر پاکستان آئے تھے اور وہ ایسا دور تھا کہ تم یہاں منظر عام پر آنے کی حماقت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ تم اپنے پرانے جرائم کی بنا پر یہاں کے قانون کے ساتھ ہی اپنے بدترین حریفوں کو بھی مطلوب تھے۔ وہ سب تمہیں زمین کے سینے میں پہنچانے کے آرزو مند تھے......" وہ بحث کر کے مجھے نیچا دکھانے پر تلی ہوئی تھی اس لیے میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ صورت حال اب بھی کم و بیش وہی ہے۔ اس میں کون سی تبدیلی آ گئی ہے؟"

"یہ نہ کہو۔ شی کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ مجھ سے تمہاری دوستی ہو چکی ہے۔ مافیا کی جڑوں کو تم ہی نے بارود سے اڑایا ہے اور تمہارے کھلے بندوں پھرنے پر بھی قانون تم سے کوئی تعرض نہیں کرتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسپیشل ٹاسک فورس والوں کے اثر و رسوخ کی وجہ سے تمہاری فائلیں سرد خانے میں ڈال دی گئی

ہیں اور تمہاری تلاش کی مہم ترک کی جا چکی ہے۔ یہ بہت بڑی تبدیلی ہے۔ اس کے بعد تمہیں اچانک اول خان کی ذات غیر ضروری محسوس ہونے لگی ہے۔"

اس کے طنزیہ لہجے پر میں چڑ گیا اور اسے گھورتے ہوئے بولا "تمہیں جھک ہوگئی ہے۔ سرکاری فائل ایک مرتبہ کھل جائے تو اپنے منطقی انجام کو پہنچنے سے پہلے کبھی بند نہیں ہوتی۔ یہ اور بات ہے کہ کسی مصلحت کی خاطر اسے عارضی التوا میں ڈال دیا جائے۔ پاکستان کے ایک منتخب وزیراعظم کو ایسی ہی ایک بند فائل کو دوبارہ کھول کر موت کے پھندے تک پہنچایا گیا تھا۔ میرے نزدیک میری ہر فائل بھی دوبارہ کھولی جا سکتی ہے۔ میں نام بدل کر پاکستان آیا تھا اس لیے ابھی تک ہر عتاب سے بچا ہوا ہوں۔ جس دن میں نے خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کی' میں مشکلات میں گھر جاؤں گا۔"

"میری اب بھی یہی رائے ہے کہ سردار پائندہ گل کی یہاں آمد کا معاملہ اول خان کے علم میں آجانا چاہیے۔ اس کی طرف سے تم خود بھی فکر مند ہو۔ وہ شخص ایک طویل سفر طے کر کے صرف اس لیے یہاں نہیں آسکتا کہ تم سے دوبارہ اس بات کی تصدیق کرا سکے' جو تم اسے فون پر بتا چکے تھے۔ مجھے رات ہی کو اندازہ ہوگیا تھا کہ تم اپنی اور سردار پائندہ گل کی گفتگو کا اہم حصہ چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں اس خیال سے خاموش رہی کہ اس وقت غزالہ بھی موجود تھی اور تم اسے اصل معاملے سے بے خبر رکھنا چاہ رہے تھے۔ مجھے سچ سچ بتاؤ کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔"

ویرا نے رات ہی کو چند چبھتے ہوئے اور ذو معنی سوالات کر کے مجھ پر یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ میری ادھوری کہانی سے مطمئن نہیں تھی۔ میں نے خود ہی کسی غیر متوقع انکشاف کے مضر اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے' اسے اپنے اور جنت گل کے ہیجان آمیز تعلق کے بارے میں ایک نپی تلی کہانی سنائی تھی اور میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ ویرا تخلیہ میسر آتے ہی' میری اور سردار پائندہ گل کی ملاقات کے بارے میں سوالات کرے گی۔ اسے وہ موقع میسر آگیا تھا اور میں بھی جواب دہی کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا لیکن میں نے اسے تھوڑا سا اشتعال دلانے کے لیے بے پروایانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ مجھ سے کس بارے میں بات کر سکتا تھا؟"

"پہلی بات یہ ہے کہ عبدالرحیم خان کے قاتل کے بارے میں وہ ڈنکے کی چوٹ پر بھی پوچھ گچھ کر سکتا تھا۔ اس کے لیے کسی تخلیے کی ضرورت نہیں تھی۔ آدمی صرف اسی معاملے کے بارے میں رازداری کی ضرورت محسوس کرتا ہے جس کے افشا ہو جانے کی صورت میں اس کی عزت یا انا کو شدید ٹھیس پہنچنے کا خطرہ موجود ہو۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی "میں نے اس کی آمد کی خبر سنتے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ وہ کیوں آیا ہے۔"

"پھر اپنے اندازے کا اظہار کرتے ہوئے شرما کیوں رہی ہو؟" میں نے ٹکڑا لگایا۔

"جنت گل کے علاوہ کوئی اور بات ہو ہی نہیں سکتی۔ مجھے بخوبی اندازہ ہے کہ جب عورت کسی مرد سے انتقام لینے پر تل جائے تو وہ کیسی بے باک اور خطرناک ہو جاتی ہے۔ شاید اس نے سردار پائندہ گل کی ساکھ تباہ کرنے کے لیے اپنی کہانی پھیلانی شروع کر دی ہے۔"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ ابھی تک ایسا نہیں ہوا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" وہ مجھے اپنی بات جاری رکھنے کا موقع دیئے بغیر ترشی سے بولی۔

"پوری بات سنے بغیر' درمیان میں نہ بولا کرو۔" میں نے منہ بنا کر کہا "میں یہ کہہ رہا تھا کہ اب تک جنت گل نے کسی چوپال میں قصہ گوئی کا آغاز نہیں کیا ہے لیکن سردار پائندہ گل کی کھاگ اور عقابی نظریں اصل معاملے تک پہنچ گئی ہیں۔ وہ مجھ سے جنت گل کے بارے میں ہی بات کرنے کے ارادے سے آیا تھا۔"

"اور پھر خاموشی سے دُم دبا کر چلا گیا۔ میں تو ڈر رہی تھی کہ کہیں تم دونوں کے درمیان وحشیانہ لڑائی نہ چھڑ جائے۔ وہ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود تم جیسے دو چار شہری جوانوں پر بھاری نظر آرہا تھا۔"

"سردار پائندہ گل حیرت ناک صلاحیتوں کا مالک ہے....." میں اپنی بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہوگیا کیونکہ غزالہ ڈرائنگ روم میں آگئی تھی۔

"سردار پائندہ گل کا کیا ذکر ہو رہا ہے؟" اس نے ڈرائنگ روم کی تپائیوں پر رکھے ہوئے استعمال شدہ برتن سمیٹتے ہوئے سرسری انداز میں سوال کیا۔

"وہ بہت چالاک بوڑھا تھا۔" میں نے ویرا کو آنکھ مارتے ہوئے غزالہ کو جواب دیا "مجھے حیرت تھی کہ وہ ویرا کو یہاں دیکھ کر نہیں چونکا' ہیروئن بنانے والے قبائلیوں میں ویرا کو خاصی شہرت حاصل ہونی چاہیے تھی۔ اردو بولنے والی ایک سفید فام عورت کو اس نے اتنی آسانی سے کیسے نظر انداز کر دیا؟"

"ویرا نے اسے اپنا نام فرزانہ بتایا تھا۔" غزالہ ہنستے ہوئے بولی "اپنا تعارف کرانے کے بعد ویرا نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ یوں بھڑک کر پیچھے ہٹ گیا تھا جیسے ویرا ہاتھ ملاتے ہی اس سے لپٹ پڑنے کا ارادہ رکھتی ہو۔ پتا نہیں ایسے لوگ برسرِعام پاکباز بننے کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں؟"

"حالانکہ سردار پائندہ گل خود ایک ناجائز بیٹی کا باپ ہے۔" ویرا بولی "یہی ایک حقیقت اس کی پارسائی کی پول کھولنے کے لیے کافی ہے۔ میری اس سے پہلے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی حالانکہ شی کے آدمی اس سے ہیروئن خریدتے رہے تھے۔ علاقہ غیر میں ہمارا براہ راست واسطہ مغربی حصے کے قبائلیوں سے رہا تھا جن پر موہن

خان حکمرانی کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پائندہ گل نے کبھی میرا نام بھی نہ سنا ہو۔ اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے دشمنوں اور اجنبیوں سے ہاتھ ملانے کا قائل نہیں ہے۔" سلطان شاہ بھی اس مرحلے پر وہیں آکر خاموشی سے بیٹھ گیا۔

"اس نے مجھ سے بھی ہاتھ نہیں ملایا تھا۔ یہ اس کے قبیلے کی روایت ہے۔ ویسے تم نے کیا سوچ کر اسے اپنا اصلی نام بتانے کے بجائے فرزانہ کے فرضی نام کا سہارا لیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میرے مشاہدے کے مطابق یہ لوگ ہر سفید فام کو فرنگی سمجھتے ہیں اور اپنی قدیم تاریخ کی بنا پر فرنگیوں سے نفرت ان کے خون میں شامل ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے اینگلو پاکستانی لڑکی سمجھ کر مجھ سے متعصبانہ رویہ اختیار نہیں کرے گا اور میں اس سے مل بیٹھنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔"

سلطان شاہ اچانک ہی زور سے ہنس پڑا۔ میں نے غصیلی نظروں سے اسے گھورا تو وہ گڑبڑا کر بولا "مجھے تو حیرت ہے کہ تم دونوں کو ہنسی نہیں آئی۔ ویرا خانم کی بعض باتیں لطیفے سے کم نہیں ہوتیں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آج تمہاری جلد میں خارش ہو رہی ہے۔" ویرا اسے گھورتے ہوئے، خشک لہجے میں غرائی "اس وقت میں نے آپ کے حضور میں کون سا لطیفہ پیش کرنے کی حماقت کی ہے؟"

"اینگلو پاکستانی لڑکی!" سلطان شاہ اس کے لب و لہجے کو کوئی اہمیت دیے بغیر، استہزائیہ انداز میں بولا "کچھ خدا کا خوف کرو۔ اب تم لڑکی نہیں رہی ہو۔ تمہارے باوا جان نے مناسب عمر میں تمہاری شادی کر دی ہوتی تو آج تم کئی بچوں کی ماں ہوتیں۔ چھوٹے بڑے، ٹیاؤں میاؤں کرتے ہوئے بچوں میں گھری ہوئی کوئی باشعور عورت خود کو لڑکی سمجھنے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے ذہن میں خلل آ جائے۔"

"بک بک مت کرو۔" غزالہ نے ویرا کی طرف داری کرتے ہوئے کہا "یہاں مرد اور عورت کی جب تک شادی نہ ہو جائے، وہ لڑکا لڑکی ہی کہلاتے ہیں بلکہ ستر برس کی عمر میں چوتھی شادی رچانے والے بوڑھوں کو بھی نکاح اور دیگر رسوم کے وقت روایتاً لڑکا ہی کہا جاتا ہے۔"

"تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" ویرا نے سلطان شاہ سے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"مکمل مرد ہوں۔" اس کے پاس جواب تیار تھا "میں نے کبھی لڑکا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شامل ہونے کی احمقانہ کوششیں تم ہی کرتی رہی ہو۔"

"ہم کام کی باتیں کر رہے تھے۔" میں نے سلطان شاہ سے ملامت آمیز انداز میں کہا "ہر وقت کی نوک جھونک اچھی نہیں لگتی۔ کبھی وقت سنجیدہ بھی رہا کرو۔ تم موقع محل دیکھے بغیر اپنی ہانکتے رہتے ہو۔"

غزالہ برتن سمیٹ کر باہر نکل رہی تھی کہ سلطان شاہ بولا "اسے کہتے ہیں مارو گھٹنا پھوٹے آنکھ، میرا خیال ہے کہ تم مجھے بلاوجہ ہی سنا رہے تھے۔ تمہارا اصل مخاطب غزالہ سے تھا اور اس بے چاری نے فوراً ہی تمہیں کام کی باتیں کرنے کے لیے تخلیہ فراہم کر دیا ہے۔ حکم ہو تو میں بھی باہر چلا جاؤں۔"

"میرا خیال ہے کہ اس وقت یہی بہتر ہوگا۔" میں نے بے بسی سے ہنستے ہوئے کہا "آج تمہاری کھوپڑی کچھ زیادہ ہی چل رہی ہے۔ تم یہاں رہو گے تو موقع بے موقع دخل اندازی کرتے ہی رہو گے۔"

"کام کی باتیں، اگر باتوں تک محدود رہیں تو میں دخل نہیں دوں گا۔" وہ اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے ویرا سے مخاطب ہو کر شرارت آمیز لہجے میں بولا "یہ یاد رکھنا کہ ان باتوں نے کوئی عملی صورت اختیار کی تو میں خدائی فوج دار بنے بغیر نہ رہ سکوں گا..... اے اینگلو پاکستانی لڑکی!" وہ گنگناتا ہوا کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

"پتا نہیں آج اسے کیا ہو رہا ہے۔" اس کے چلے جانے کے بعد، ویرا بولی "معلوم ہوتا ہے کہ خوشگوار موسم نے اس کے اعصاب پر ناخوشگوار اثر ڈالا ہے۔"

"وہ آج تمہارے ہی گرد منڈلا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں غزالہ کو لے کر لمبی ڈرائیو پر نکل جاؤں تاکہ تم دونوں کو اپنی اپنی بھڑاس نکالنے کا موقع مل سکے۔ پتھر میں جونک روز روز نہیں لگا کرتی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اس کی گھٹیا باتیں تم پر بھی اثر انداز ہو رہی ہیں۔ اسے جونک نہیں بلکہ دیمک لگ رہی ہے۔ اسے بھول جاؤ اور اپنی بات کرو۔ تم سردار پائندہ گل کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟"

"ہاں!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "سردار پائندہ گل کی تخیل کی صلاحیت قابل رشک ہے۔ اس نے شگارا ویلی میں بیٹھے ہی بیٹھے، چھوٹے خان کی موت کا نقشہ بنا لیا تھا۔ سب کچھ بالکل اسی طرح ہوا تھا جس طرح اس نے اندازے لگائے تھے۔ میں اس کے پے در پے سوالات کے جواب میں حقیقت کے اعتراف سے گریز نہیں کر سکا۔ وہ مجھ سے اپنے ان اندازوں کی تصدیق کرانے کے ارادے سے آیا تھا۔"

"ان اندازوں میں تمہارے اور جنت گل کے تعلق کا قصہ بھی شامل تھا؟" ویرا نے میری آنکھوں میں براہ راست آنکھیں ڈال کر سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"وہ سب کچھ سمجھ چکا تھا۔" میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا "بس اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ جنت گل نے میری رضامندی سے فائدہ اٹھایا تھا یا مجھے مار ڈالنے کی دھمکی دے کر، مجھے اپنے قریب آنے پر مجبور کیا تھا۔ میری بات اس کی سمجھ

میں آ گئی۔ اسے معلوم ہے کہ جنت گل نے اس کی عزت کو نیلام کرنے کے لیے وہ کھیل رچایا تھا۔ اس نے چھوٹے خان کو جنت گل سے شادی کرنے سے روک دیا تھا اور وہ انتقاماً ایک یرغمالی کی سیج سجانے پر تل گئی۔ اپنی اس حرکت سے جنت گل نے سردار پائندہ گل کے سینے پر گہرا زخم ڈال دیا ہے۔"

"تمہاری مجبوری کو سمجھ لینے کے بعد اس کا ردعمل کیا تھا؟" ویرا نے سوال کیا۔

"مبہم اور غیر یقینی۔ اس نے چلتے چلتے بھی مجھ سے دوستانہ رویے کا اظہار نہیں کیا۔ اتنا ضرور کہا تھا کہ میں دعا کروں کہ جنت گل اس کہانی کو پھیلانا نہ شروع کردے۔" میں نے اسے حقیقت بتادی۔

"ان پڑھ قبائلی، انا پرست اور مغلوب الغضب ہوتے ہیں۔" وہ پرخیال لہجے میں بولی "اسے تمہاری کہانی پر ذرا بھی شبہ ہوتا تو وہ اعتراف جرم سنتے ہی تمہاری گردن دبوچ لیتا۔ اس کا خاموشی کے ساتھ واپس چلا جانا اس امر کا غماز ہے کہ فی الحال وہ تمہارے خون کا پیاسا نہیں ہے۔ اب تک یہ اس کا اور جنت گل کا باہمی معاملہ تھا۔ اس نے جنت گل کے جذبات کو مجروح کیا اور جنت گل نے اپنی آبرو ایک یرغمالی کے حوالے کر کے اُس کے دل میں ناسور پیدا کردیا۔ اس نے شاید یہاں حساب برابر سمجھ لیا ہے۔ اب اگر جنت گل ان باتوں کو قبیلے اور برادری میں پھیلائے گی تو وہ اسے معاف نہیں کرے گا۔ اس کی دعا والی بات خطرناک اور معنی خیز معلوم ہوتی ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے لیکن میں ان الفاظ میں پوشیدہ دھمکی کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"مجھے تو یہ سیدھی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ جنت گل خاموش رہے گی تو پائندہ گل تمہیں بھولنے کی کوشش کرے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ خفیہ طور پر اپنے آدمی جنت گل کی تلاش پر مامور کردے اور ان کے ذریعے اسے مروادے۔ وہ بات پھیلاتی ہے تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ پائندہ گل تمہیں بھولنے کے بجائے اس آگ میں گھٹنے کی کوشش کرے جو اسے اندر ہی اندر راکھ کیے دے رہی ہو۔"

"میں جانتا ہوں اور یہ بات میں تمہیں بھی بتا چکا ہوں کہ جنت گل خاموش نہیں رہے گی۔ اس نے اپنے آتشیں بدن کے اندر ابلتے ہوئے لاوے کو سرد کرنے کے لیے میرا سہارا نہیں لیا تھا بلکہ ایک مقصد کی خاطر وہ رنگین کھیل رچایا تھا۔ وہ کسی بھی وقت اپنی زبان کھول بیٹھے گی۔" میں نے پرتشویش انداز میں کہا۔

"ہمیں اس وقت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ سردار پائندہ گل کے وحشی جاں نثاروں کی ٹولی، ہماری بے خبری میں ہم پر آ پڑے۔ کوانگ فو کے ساتھ ہی ہمیں ان لوگوں کی طرف سے بھی ہوشیار رہنا ہوگا۔"

"سردار پائندہ گل کل رات گئے یہاں سے واپس گیا ہے۔ وہ فوراً ہی نہیں پلٹے گا۔ ہمیں کوئی حکمت عملی طے کرنے کے لیے ایک دو دن کا وقت حاصل ہے۔ ہم اپنی رہائش گاہ بھی تبدیل کرسکتے ہیں۔"

"لیکن یہ یاد رکھنا کہ کسی مکان کے مقابلے میں فلیٹ ہی ہمارے لیے زیادہ محفوظ رہے گا۔ دشمنوں میں گھرے ہوئے لوگوں کے لیے بلند و بالا عمارتوں کے جنگل میں پھنسے ہوئے فلیٹ بہترین کمین گاہ ثابت ہوتے ہیں۔ کسی مکان کو آسانی کے ساتھ گھیر کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا جاسکتا ہے۔ فلیٹوں میں یہ امکان نہیں ہوتا۔"

"تمہاری بات قابل فہم ہے۔ ہم فلیٹ ہی لے لیں گے لیکن اس کے لیے ہمارے پاس وقت ہے۔ فی الحال مجھے ایک اور ہی فکر کھائے جارہی ہے۔" میں نے فکرمندی سے بوجھل لہجے میں کہا۔

ویرا کوئی کم چالاک نہیں تھی۔ میرے لب و لہجے سے میرا مدعا تاڑ گئی اور مسکراتے ہوئے بولی "غزالہ کی طرف سے فکرمند ہو؟ سردار پائندہ گل کے معاملے نے طول پکڑا تو تم غزالہ کے سامنے کیا جواز پیش کروگے؟"

"یہی بات ہے۔" میں نے اس سے کوئی اختلاف کیے بغیر کہا "تم خود ہوشیار ہو۔"

"یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں موقع نکال کر اسے اپنے اعتماد میں لے لوں گی۔"

"ایسے معاملات میں تم سے ڈر ہی لگتا ہے۔ تم نے جنت گل کے بارے میں نمک مرچ لگا کر بات کی تو میرے لیے بدترین دشواریاں پیدا ہوجائیں گی۔ تم جانتی ہو کہ غزالہ مجھ پر کتنا اعتماد کرتی ہے۔"

ویرا کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے گمان ہوا کہ میری طرف سے بے اعتباری کے اظہار پر وہ ناراض ہوگئی ہے لیکن وہ کیفیت چند ثانیوں سے زیادہ قائم نہیں رہی۔ ویرا نے ہنستے ہوئے کہا "مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ غزالہ کے اعتماد سے تم کتنا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہو۔ جنت گل نے تو تمہیں موت کی دھمکی دے کر اپنی خواہشات کا غلام بنایا تھا مگر میں نے دوستی کے معاملے میں کبھی جبر یا زیادتی سے کام نہیں لیا۔"

"یہ نہ کہو" میں نے اس کے خلافِ حقیقت دعوے پر اعتراض کرتے ہوئے نرمی سے کہا "آج کی صورت حال کے بارے میں شاید تمہارا بیان درست ہو لیکن ہمارے درمیان بے تکلفی کی ابتدا تمہاری خودسری اور دھونس سے ہوئی تھی۔ تم دعویٰ تھا کہ تم اپنی پسند کے ہر مرد کو اپنا کھلونا بنانے میں یدِطولیٰ رکھتی ہو اور جب تمہارا دل بھر جائے تو اس کھلونے کا خیال بھی اپنے دل و دماغ سے کھرچ کر پھینک دیتی ہو۔ یہ اور بات ہے کہ تم آج تک مجھ پر اسی طرح مہربان چلی آرہی ہو جس طرح پہلے دن

نہیں۔ میں تمہاری اس وضع داری کی قدر کرتا ہوں۔"

اس کے گلابی اور پتلے پتلے ہونٹوں پر کشش آمیز مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔ شاید اسے ماضی کے اس تذکرے سے کسی قسم کی آسودگی حاصل ہوئی تھی۔ پھر وہ بولی "تمہاری پوری بات کا نچوڑ آخری فقرے میں پنہاں ہے۔ جب ہماری ملاقات ہوئی تو غزالہ تمہاری بیوی نہیں تھی۔ خالی زمین اور لاوارث خزانے پر ہر شخص کو مساویانہ طور پر قبضہ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ میں نے تم پر قابو پانے کی کوشش کی تو کوئی غلطی نہیں کی۔ آج اگر تم غزالہ کے ساتھ مخلص ہو تو میری پرانی وضع داری کی قدر کرنے کے بجائے، مجھ سے کنارہ کش کیوں نہیں ہوجاتے؟؟"

میں نے نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بے حجابانہ انداز میں میری آنکھوں میں جھانکتی رہی۔ میں نے فی الفور اپنے دل کا محاسبہ کیا اور محسوس کیا کہ اس بت طناز سے یک لخت بے تعلق ہوجانا میرے بس سے باہر ہوگا۔ میں نے کہا "تم نے زر اور زمین کا ذکر تو کردیا، زن کی بات نہیں کی۔ اکیلی عورت بھی ہر شوقین نگاہ کا مرکز ہوتی ہے۔ کسی روز تم نے شادی کرلی تو پھر شاید میں تمہیں بھولنے کی کوشش کرسکوں۔ فی الحال تو یہ گاڑی یوں ہی چلتی رہے گی۔ میری رائے ہے کہ ہمیں اپنے بارے میں زیادہ تنقیدی انداز میں نہیں سوچنا چاہیے۔"

وہ مترنم آواز میں ہولے سے ہنس پڑی اور میری بات سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی "تم واقعی آج کے مطلب پرست دور کے مثالی انسان ہو۔ ایسے لوگ پوری دنیا پر بہت نفیس اور اثر انگیز انداز میں تنقید کرتے ہیں۔ کاخ امراء اور قصر سلطانی سے لے کر مسجد و کلیسا کے انتظام تک میں کیڑے نکالتے رہتے ہیں لیکن اپنی ذات اور ہر قول و فعل کے تضاد کو محاسبہ تو کیا، تنقید تک سے بالا سمجھتے ہیں۔ تم بہت اچھے جا رہے ہو۔"

غزالہ ایک ٹرے میں گرم گرم چائے کی پیالیاں سجا کر لائی تو ہماری باتوں کا رخ بدل گیا۔

اس روز صبح سے موسم بہت خوشگوار تھا۔ آسمان پر گہرے سیاہ بادلوں کے پرے کے پرے آوارہ گردی کرتے پھر رہے تھے۔ باہر شاید وقفے وقفے سے ہلکی پھلکی بارش بھی ہوتی رہی تھی۔ میں نے ارادہ کیا کہ مجھے شہر میں کبھی کبھار میسر آنے والے اس موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے واقعی لمبی ڈرائیو پر نکل جانا چاہیے۔ اگر ہم چاروں ہی ہاکس بے وغیرہ کی ساحلی پٹی کی طرف نکل جاتے تو کسی بھی غیر آباد بیچ ہٹ کے چوکیدار کو کچھ رقم دے کر عارضی طور پر وہاں ڈیرہ ڈال سکتے تھے۔ اس بے تکلفانہ ماحول میں ویرا کو غزالہ کے ساتھ بات کرنے کا موقع بھی مل سکتا تھا۔ میری چھٹی حس اس بارے میں بہت زیادہ فعال ہوچکی تھی۔ میری خواہش تھی کہ جنت گل کی کہانی جلد از جلد غزالہ کے کانوں تک پہنچ جائے تاکہ صورت حال بگڑنے پر اسے یہ شبہ نہ ہوسکے کہ میں نے شرمساری

سے بچنے کے لیے، بعد میں وہ کہانی تراشی ہے۔

میں نے اپنے اس ارادے کا اعلان کیا تو سلطان شاہ نے یاد دلایا کہ فلک کج رفتار کی کرشمہ سازیوں کے نتیجے میں ہم لوگ پیدل ہوچکے تھے۔ جہانگیر سے مستعار لی ہوئی سیاہ شیراڈ کار پہلے ہی تباہی کی نذر ہوچکی تھی اور حبیب جیوانی کے ذریعے 'مافیا یا ٹریڈ لائن' سے ملی ہوئی دوسری کار کو پچھلی رات بل جونز نے اپنی ایک میجک بال کے ذریعے نذر آتش کردیا تھا۔

میں نے عبدالرحیم خان کی قید سے رہائی کے بعد جہانگیر سے ملاقات کی تھی تو سلمٰی کے پاس رکھی ہوئی، اپنی خطیر رقم میں سے کچھ پیسے نکال لایا تھا۔ میرے پاس اس وقت بھی اتنی رقم موجود تھی کہ ہم فوری طور پر کوئی معقول کار خرید سکتے تھے لیکن میں اس وقت ایسے کسی سودے کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

پاکستان کی حکومتیں کافی عرصے سے ملک کے ہر چھوٹے بڑے مالیاتی لین دین کو لازمی دستاویزات کے ضابطے میں لاکر، اس پر نگاہ رکھنے کے لیے کوشاں تھیں لیکن ایماندار صنعتی اور کاروباری افراد کی صفوں میں ایسی کالی بھیڑیں بھی گھسی ہوئی تھیں جو کسی باز پرس کے بغیر، اپنے کالے دھن کے زور پر ہر شعبے کی جڑوں پر قابض ہوتی جارہی تھیں۔ رسید، بل، کیش میمو اور چالان وغیرہ کے بکھیڑوں کے نفاذ سے ان کے چہرے اور پُراسرار دھندے بے نقاب ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے انہوں نے کسی بھی ایسی مہم کو کامیاب نہیں ہونے دیا تھا البتہ اتنا ضرور ہوا تھا کہ سرکاری سطح پر کسی بھی اثاثے کی ملکیت تبدیل کرانے کے لیے شناختی کارڈ پیش کرنے کی شرط لازمی قرار دے دی گئی تھی اور ہر بڑی خرید و فروخت کے لیے شناختی کارڈ ابتدا ہی سے ضروری تھا۔ اس کا توڑ کرنے کے لیے کالی بھیڑوں کے قبضے میں نہ صرف جعلی شناختی کارڈ رہتے تھے بلکہ وہ اپنے مجبور اور بے حیثیت ملازمین کے نام بھی ڈنکے کی چوٹ پر استعمال کرکے، قانون کا کھلم کھلا مذاق اڑاتے رہتے تھے۔ کسی کار کی خریداری کے لیے ہم چاروں میں سے کسی کے پاس شناختی کارڈ نہیں تھا۔ میرا اور سلطان شاہ کا کارڈ ضائع ہوچکا تھا۔ غزالہ کا شناختی کارڈ بنوانے کی نوبت ہی نہیں آسکی تھی اور ویرا غیر ملکی تھی۔

میں جانتا تھا کہ کوئی نہ کوئی کار ڈیلر، کار کے سودے میں اپنی دلالی کے لالچ میں ہماری اس مجبوری کو رفع کرسکتا تھا لیکن میں کسی جعلی یا مشتبہ نام پر خریدی ہوئی کار میں سفر کرتے ہوئے پھنسنا نہیں چاہتا تھا۔ جب سے میری کایا پلٹ ہوئی تھی میں حتی الامکان قانون کی حدود ہی میں رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ بے اعتدالیاں صرف ان لوگوں کے بارے میں کرتا تھا جن کی خباثت ہر قسم کے شک و شبے سے بالاتر ہوتی تھی یا ان سے ملک و قوم کی سلامتی کو سنگین خطرات لاحق ہوتے تھے۔ قانون سے ماورا، میرے ایسے اقدامات کی فہرست میں آخری اضافہ بل جونز اور پال ایٹرٹن نے کیا تھا۔

مستقبل قریب میں اس میں کسی اور اضافے کا امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں جہانگیر سے ملنے کا قصد کر کے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اپنے گھر کی یک رنگی اور بے کیف زندگی سے اکتاہٹ کے سبب اپنی گارمنٹ فیکٹری میں خوب صورت لڑکیوں کو ملازم رکھ کر، ان میں دلچسپی لیا کرتا تھا لیکن اس میں ایک بڑی کمزوری یہ بھی تھی کہ اچھے موسم میں وہ دل کھول کر وہسکی پینے کا شوقین تھا اور اپنا یہ شوق وہ اپنے گھر کی چار دیواری ہی میں پورا کرنے کا عادی تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس بھیگے بھیگے موسم میں وہ گھر پر ہی پی رہا ہوگا اس لیے میں نے اسے فون کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

میں ٹیکسی کے ذریعے جہانگیر کے گھر پہنچا۔ کرایہ ادا کرتے ہی پھاٹک کی طرف بڑھا لیکن چوکیدار ٹیکسی رکنے کی آواز سن کر پہلے ہی ایک جھری میں سے مجھے دیکھ چکا تھا۔ وہ مجھے اچھی طرح پہچانتا تھا اس لیے میرے پہنچنے سے پہلے ہی، میرے لیے پھاٹک کھول دیا گیا تھا۔

میرے اندازے کے مطابق جہانگیر گھر پر ہی موجود تھا۔ شاید چوکیدار نے انٹرکام پر اندر اطلاع دے دی تھی اس لیے میرے پہنچنے تک جہانگیر خود برآمدے میں آ چکا تھا۔ اس کے سفید براق لباس پر بے ترتیبی سے سیکڑوں شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر اس نے دور ہی سے ہانک لگائی ”آؤ پیارے! آج میں تمہیں اپنے دل کی گہرائیوں سے یاد کر رہا تھا۔ تمہاری عمر بہت بڑی ہے کہ جب بھی میں یاد کرتا ہوں تم چلے آتے ہو۔“

”یاد آ رہی تھی تو مجھے فون نہیں کر سکتے تھے؟“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ایک گھنٹے سے فون کرنے کا ارادہ کر رہا تھا لیکن اٹھنے کا موڈ نہیں بن رہا تھا۔“ یہ کہتے ہوئے وہ مجھ سے بغل گیر ہوا تو اس کے منہ سے اسکاچ کے تیز بھبکے اڑ رہے تھے۔

”تم پر لعنت ہو“ میں نے اسے الگ دھکیلتے ہوئے کہا ”صبح ہی صبح پینے بیٹھ گئے ہو۔“

وہ برا مانے بغیر ڈھٹائی کے ساتھ ہنسنے لگا ”نہار منہ پینے میں بہت لطف آتا ہے۔ پہلا ہی گھونٹ ٹھک سے اپنا کام دکھاتا ہے اور پھر ڈٹ کر ناشتا کرنے، بلکہ کھانا کھانے کو دل چاہتا ہے۔“

”تمہارے تجربات تم کو مبارک ہوں، میں نے اب پینے میں کمی کر دی ہے۔“

”آج موسم غضب کا ہے اس لیے میں نے دفتر گول کر دیا ہے۔“ وہ میرے ساتھ اندر جاتے ہوئے بولا ”سات بجے میری آنکھ کھل گئی تھی۔ موسم کی مستی دیکھتے ہوئے میں نے بوتل کھول لی۔“

”سلمٰی نے تمہاری کمر پر لات رسید نہیں کی؟“ میں نے جل بھن کر پوچھا۔

”وہ کیا لات مارے گی!“ اس کا انداز استہزائیہ تھا لیکن بیوی کے خوف کا یہ عالم تھا کہ غیر ارادی طور پر اس کی آواز سرگوشیانہ ہو گئی تھی ”دس بج رہے ہیں لیکن وہ ابھی تک بے خبر سو رہی ہے۔ ماں بننے کے بعد سے وہ اور زیادہ کاہل اور بے پروا ہو گئی ہے مگر میں کب اس کی پروا کرتا ہوں۔“

”ہونی بھی نہیں چاہیے۔ آخر تم نے کوئی نئی سیکریٹری بھی تو رکھی ہوگی۔ سارے ناز نخرے وہی اٹھواتی ہوگی۔ بیوی کے مقدر میں تھکن اور دفتری مصائب کی بے سروپا کہانیاں آتی ہوں گی۔“

وہ مجھے لے کر اُس آراستہ خواب گاہ میں داخل ہو گیا جس کی شیشے کی دیوار سے سرسبز لان کا مسحور کن منظر نظر آ رہا تھا۔ جہانگیر نے وہ کمرا اپنی ہنگامی ضرورت کے تحت آراستہ کرایا تھا۔ عام طور پر وہ اپنی بیوی کے ساتھ ایک ہی خواب گاہ میں سوتا تھا لیکن اس سے چپقلش ہونے کی صورت میں اس خوب صورت خواب گاہ میں چلا آتا تھا وہاں قدم رکھتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ ان دونوں کے مراسم سرد مہری کا شکار تھے۔

”اپنی وہ پرانی سیکریٹری تو چلی گئی تھی۔“ وہ گہرا سانس لے کر حسرت بھری آواز میں کہہ رہا تھا ”چند روز پہلے، میں نے ایک نئی سیکریٹری رکھی ہے۔ وہ خوب صورت تو نہیں لیکن دلکش ضرور ہے گداز بدن اور کھلے دل کی مالک ہے۔ اسے دیکھو گے تو تمہارا دل خوش ہو جائے گا۔“

”تمہاری سیکریٹری کو دیکھ کر بھلا میں کیوں خوش ہونے لگا؟ میں تمہارا حاشیہ بردار تو نہیں ہوں۔“

وہ میری بات سنی اَن سنی کر کے اپنی دھن میں بولتا رہا ”وہ خود کو مسز خان کہتی ہے لیکن مجھے کل ہی پتا چلا کہ وہ مسز نہیں بلکہ مس ہے اور ضرورت کے تحت مسز بنی رہتی ہے۔“

”الٹی بات“ میں نے چونک کر کہا ”عورت دس بچوں کی ماں ہو کر بھی مس کہلوایا جانا پسند کرتی ہے۔ وہ خود کو کس ضرورت کے تحت مسز کہتی ہے؟“

”اس کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ آج کل کراچی کے سیٹھوں میں عجیب رجحان چل پڑا ہے۔ کنواری لڑکیوں سے فلرٹ کرنے سے بھاگنے لگے ہیں کیونکہ کوئی ناخوشگوار نتیجہ پیدا ہونے کی صورت میں وہ دبال میں پڑ سکتے ہیں۔ شادی شدہ عورتوں کی مانگ بڑھ رہی ہے کیونکہ وہ روتی ہیں، نہ گھر جا کر کسی سے کچھ کہتی ہیں۔ ان سے مراسم استوار کرنے کے بعد زیادہ احتیاط کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ اپنے نام کی بنا پر کئی جگہ سے مایوس ہونے کے بعد اس نے اپنے نام سے مس ہٹا کر مسز کا لفظ لگایا ہے۔ مسز بن کر اس نے دو سال لگاتار ایک ہی نوکری کی۔ مالک کے انتقال کے بعد، اس کے بیٹے نے اس کی چھٹی کی تو وہ پہلی ہی کوشش میں میرے پاس آ گئی۔ میں نے بھی سوچا تھا کہ مسز کے لفظ پر سلمٰی مطمئن رہے گی۔

مجھے کسی کے مس یا مسز ہونے سے کیا لینا ہے۔ چہرہ مہرہ اور اخلاق اچھا ہونا چاہیے۔ مسز خان میں ان خوبیوں کی بہت فراوانی ہے۔"

"لعنت ہو تم پر اور تمہارے ہم ذوق سیٹھوں پر۔ تم اُن تمام عورتوں کی توہین کررہے ہو جو شادی شدہ ہونے کے باوجود کسی نہ کسی وجہ سے ملازمت کرنے پر مجبور ہیں۔"

اِس بار وہ میری بات کا بُرا مان کر بولا "تم نے ذرا سی دیر میں مجھ پر دوسری بار لعنت بھیجی ہے۔ تمہاری زبان تو سلمٰی سے زیادہ کاٹ دار ہوگئی ہے۔ میں نے کب ساری عورتوں کی بات کی ہے۔ سارے سیٹھ دل پھینک ہوتے ہیں اور نہ ساری عورتیں بدقماش ہوتی ہیں۔ دونوں طرف ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے شوق ایک دوسرے سے میل کھاتے ہیں۔ بس ان میں آج کل شادی شدہ سیکرٹریوں کی مارکیٹ اونچی جارہی ہے۔ جو لوگ دفاتر میں صرف کام کرتے ہیں وہ مس یا مسز کو نہیں بلکہ اس کے کام اور ہنر کو دیکھتے ہیں۔ ایسی کام والیاں صرف تنخواہ پر گزر بسر کرنے کی عادی ہوتی ہیں لیکن مسز خان جیسی عورتیں ہر وقت تحائف، دعوتوں اور اوور ٹائم کی بھی امید رکھتی ہیں۔"

"تم نے دفتر کو اپنی عیاشی کا گڑھ بنا رکھا ہے اور سلمٰی پر ہر وقت اپنے کام کے دباؤ کا رعب ڈالتے رہتے ہو۔" اس مردود نے گفتگو کو ایسے ڈھرے پر چلایا کہ اس کے ساتھ میں بھی پٹڑی سے اتر گیا۔

"آج کل میں نے اسے دبانے کے لیے نیا ڈراما شروع کیا ہوا ہے۔" وہ لوفرانہ انداز میں آنکھ دبا کر بولا "ہفتے میں ایک آدھ بار سینے، دل یا بازو میں درد کا بہانہ کھڑا کردیتا ہوں۔ سلمٰی کا خیال ہے کہ مجھے شراب نوشی کی وجہ سے دل کی بیماری لاحق ہوتی جارہی ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ یہاں دو چار ڈاکٹروں سے رسمی رائے لینے کے بعد لندن یا ہیوسٹن جا کر اپنے دل کی بائی پاس سرجری کروالوں گا۔"

"بغیر کسی مرض کے آپریشن کراؤ گے؟" میں نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا "ترقی یافتہ ملکوں میں تو ڈاکٹر ضرورت کے بغیر کوئی تیز دوا تک نہیں دیتے۔ تمہاری سرجری کون کرے گا؟"

"کلیشین تھراپی نام کی ایک امریکی کتاب پڑھ لو تو یہ سب جان جاؤ گے۔ تیسری دنیا کے ابھرتے ہوئے سرمایہ داروں میں یہ رجحان پیدا ہوگیا ہے کہ وہ چالیس برس کی عمر کے بعد اپنے سینے اور ٹانگوں پر سرجری کے نشانات دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی لاشعوری خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت افراد اور کنبوں کو یہ جتا سکیں کہ ان کی پرورش کے لیے انہوں نے اپنی جوانی برباد کرکے خود کو اس حال تک پہنچایا ہے کہ اوپن ہارٹ سرجری کی نوبت آگئی ہے۔ یہ تمغا خاندان اور معاشرے میں ان کا رتبہ بلند کردیتا ہے۔ گورے اس نفسیات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور اپنے پاس آنے والے دس میں سے نو افراد کو چیر پھاڑ کر پیسہ بٹورتے ہیں جب کہ ان نو میں سے صرف دو مریض شاید سرجری کے ضرورت مند ہوتے ہیں بقیہ سات کی شکایتیں معمولی ادویات اور متوازن غذا کے استعمال سے دور ہوسکتی ہیں۔ اس کتاب کے مصنف نے نام لے لے کر مریضوں کی مثالیں دی ہیں جہاں ایسی صورت حال ہو، وہاں مجھے کون گورا سرجن مایوس کرے گا۔ وہ صرف ڈالر اور پونڈ دیکھتے ہیں۔ میرے پاس ان کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اس کے بعد سلمٰی زندگی بھر میرے سامنے سر نہیں اٹھا سکے گی۔"

"ایک چھوٹے سے خانگی تنازعہ کی وجہ سے تم اتنا بڑا خطرہ مول لوگے؟"

"تم احمق اور بے خبر ہو۔" وہ اپنی رو میں بولا "خطرہ دیکھنے اور سننے والوں کے لیے ہوتا ہے۔ جو لوگ اس قسم کی سرجری کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کرلیتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ پیشہ ورانہ مہارت اور جدید ترین آلات نے ایسے کسی بھی آپریشن کو تقریباً سو فیصد محفوظ بنادیا ہے بشرطیکہ مریض کو کوئی دوسری پیچیدہ بیماری نہ ہو۔ مجھے یقین کہ سرجری کے بعد سلمٰی ہر لمحے میرا اور میری ضروریات کا خیال رکھے گی۔"

"تمہاری یہ گفتگو میری سمجھ سے باہر ہے۔ سرجری، سرجری ہی ہوتی ہے۔ اس میں خطرہ بہرحال ہوتا ہے۔"

"موہوم سا۔ نہ ہونے کے برابر۔ اس سرجری سے زیادہ اموات کا تناسب تو عورتوں کی ڈیلیوری میں ہوتا ہے مگر دن رات بچے پیدا ہورہے ہیں۔ منتیں تک مانی جاتی ہیں۔ میں تو کوئی منت مانے بغیر ایک لمبی دوڑ لگانی چاہتا ہوں۔ اور کچھ نہیں تو اس بہانے پرانے دل کی مرمت ہوجائے گی۔ دل جوان تر ہوجائے تو زندگی کا لطف ہی دوبالا ہوجائے گا۔ چند روز کی تکلیف زندگی بھر کی کل کل سے بہتر ہے۔"

"تم سات بجے سے پی رہے ہو۔" میں نے مضبوطی کے ساتھ اس کا داہنا شانہ دبوچ کر کہا "اور اب ساڑھے دس بجنے والے ہیں۔ میں تمہاری اس گفتگو کو ایک عادی شرابی کا ہذیان سمجھتے ہوئے نظر انداز کررہا ہوں۔ آئندہ میں نے ایسی کوئی بات سنی تو میں سلمٰی کو تمہارے عزائم سے آگاہ کردوں گا۔"

وہ ہنس پڑا "تم میرے دوست اور بڑے بھائی ہو۔ ہم دونوں ایک ساتھ امریکا چلیں گے۔ تمہارے بائی پاس کا خرچ بھی میں ہی اٹھاؤں گا۔ تم دیکھنا کہ اس کے بعد غزالہ بھابی کیا سے کیا ہوجاتی ہے۔"

"یہ تقریر بند کرو اور سلمٰی کو اٹھاؤ۔ مجھے اس سے ایک ضروری کام ہے۔" میں نے اس کی گُدی پکڑ کر کہا۔

"ہائیں ہائیں، یہ کیا کررہے ہو۔" اس نے ایک جھٹکے سے اپنی گدی آزاد کرالی اور اسے سہلاتے ہوئے بولا "سلمٰی کو تم خود ہی اٹھالینا لیکن ایسی بھی کیا جلدی؟ دیکھو! باہر کیا ابر آلود موسم ہے سبزلان پر پھوار پڑرہی ہے۔ یہ کمرا ائرکنڈیشنر نے خ کیا ہوا ہے اس

موسم اور ماحول میں تھوڑی سی تو پی لو۔"

میں نے اس کی طرف سے دی گئی مے نوشی کی دعوت پر کوئی تبصرہ نہیں کیا کیونکہ اس کی حیران کن گفتگو کے بعد میں خود بھی اسکاچ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا لیکن خواب گاہ میں جا کر سلمیٰ کو بیدار کرنے کا تصور میرے لیے لرزہ انگیز تھا۔ شیرنی اپنے بھٹ میں آئے ہوئے شکار کو کبھی نہیں چھوڑتی جب کہ سلمیٰ میرے لیے ہر وقت شیرنی بنی رہتی تھی لیکن میں خود ہی گیدڑ بن کر اس سے اپنی جان بچاتا رہتا تھا۔ میں نے اس سے کہا "تم بہت بے شرم ہو گئے ہو۔ پتا نہیں وہ اپنے بچے کے ساتھ کس حالت میں سو رہی ہو اور تم مجھے اس کی خواب گاہ میں بھیج رہے ہو! اسے تم خود ہی جا کر بیدار کرو گے، میں وہاں نہیں جاؤں گا۔"

"کیا فرق پڑتا ہے؟ تم کوئی غیر تو نہیں ہو۔ وہ تمہاری بھابی ہے۔" وہ میرے لیے گلاس بناتے ہوئے بولا۔

"ابے! میں تو پھر بھی تیرا دوست ہوں تیرے بھائی ہوتے تو وہ بھی سلمیٰ کے لیے نامحرم ہوتے۔ یہ بات تیری سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟" میں نے غصے سے بے قابو ہو کر نہایت تلخی سے کہا۔

"ہوں گے۔ آج کل تو وہ مجھے بھی نامحرم سمجھتی ہے۔ کاش مسز خان کی تھوڑی سی فراخ دلی اس میں منتقل کی جا سکتی!" اس کے لہجے میں حسرت اور مایوسی سمٹ آئی۔ اس نے میرے جارحانہ طرز تخاطب پر سرے سے دھیان ہی نہیں دیا تھا "تم نہیں جانتے کہ وہ مجھے کیسے کیسے دکھ دیتی ہے۔"

اپنے خالی معدے میں اسکاچ کی کافی مقدار اتار لینے کی وجہ سے وہ نشے میں ضرور تھا لیکن کھوپڑی سے باہر نہیں ہوا تھا۔ بس ذہنی رو جدھر بھٹک جاتی تھی اس کی زبان قینچی کی طرح چل پڑتی تھی۔ مسز خان کا خیال آیا تو وہ ایک مرتبہ پھر اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو گیا۔

میں نے شیواز ریگل کا پہلا گھونٹ لینے کے بعد اس سے پوچھا کہ مسز خان نے اسے اپنے مس ہونے کے راز میں کیسے شریک کرلیا تو اس نے احمقانہ انداز میں بتایا کہ مسز خان اس کی محبت میں مبتلا ہو چکی تھی اور اسے اپنے باس سے زیادہ محبوب تصور کرتی تھی اس لیے اس نے جہانگیر کو ایمانداری کے ساتھ اصل بات سے آگاہ کر دیا تھا ورنہ اس کے پچھلے باس کو مرتے دم تک یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی سیکریٹری درحقیقت مسز نہیں بلکہ مس تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھی بہت چالاک تھی اور اپنے مدمقابل مرد کی کمزوریوں کو بھانپ کر، اس پر اسی پہلو سے وار کرنے کے فن میں طاق تھی۔ اسے جہانگیر کے پاس ٹکنے کا موقع مل جاتا تو وہ اس کی جیبیں صاف کرنے کے ساتھ ہی سلمیٰ کی جگہ لینے کی کوشش بھی کر سکتی تھی۔

سلمیٰ اور جہانگیر کا معاملہ بہت عجیب تھا۔ اپنی جگہ وہ دونوں ہی مظلوم تھے اور دوسرے کو ظالم سمجھتے تھے لیکن ان میں سے کسی نے اپنی ذات کے خول سے باہر نکل کر دوسرے کے مسائل کو سمجھ کر ان کا ازالہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ ان دونوں نے اپنے گھریلو اختلاف کو دور کرنے کے بجائے اس سے فرار حاصل کرنے پر زیادہ توجہ دی تھی۔ جہانگیر ملازمت کی آڑ میں شکار پر نکلی ہوئی پیشہ ور عورتوں کی زد میں آ گیا تھا اور سلمیٰ نے تو مجھ ہی کو تاک لیا تھا۔ وہ میرے عزیز ترین دوست کی بیوی تھی اور میں نے کبھی بھی جہانگیر کے اعتماد پر کوئی آنچ نہیں آنے دی تھی لیکن کون کہہ سکتا تھا کہ سلمیٰ کا بہکا ہوا ذہن میری ذات سے مایوس ہونے کے بعد کسی اور پر مائل نہیں ہوا تھا۔ سلمیٰ خوش شکل اور متناسب الاعضا تھی۔ کوئی بھی اوباش مرد اس کے ایک اشارے پر سدھائے ہوئے کسی بندر کی طرح ناچنا شروع کر سکتا تھا۔

یہ صرف جہانگیر کا نہیں، نہ جانے کتنے ہی گھروں کا سنگین المیہ تھا لیکن اس وقت جہانگیر کو سمجھانا بجھانا بے سود تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ نشہ اترنے کے بعد وہ عالم خمار میں کہی اور سنی ہوئی ہر بات کو یکسر بھول چکا ہو گا۔

میں اشاروں کنایوں میں پہلے بھی کئی بار اسے سمجھانے کی کوشش کر چکا تھا لیکن اس نے سلمیٰ کو ناقابل اصلاح تصور کرتے ہوئے، میری ہر بات کو مذاق میں اڑانے کی روش اپنائی ہوئی تھی میری مجبوری یہ تھی کہ میں جہانگیر سے صرف اسی کے کردار اور رویے کے حوالے سے بات کر سکتا تھا۔ میں سلمیٰ کے ذہن میں پرورش پانے والے خطرناک اور رسوا کن رجحانات کے بارے میں ایک حرف بھی زبان پر لاتا تو جہانگیر کے ذہن میں میری طرف سے شکوک و شبہات جنم لے سکتے تھے اور پھر ایسی خرابی کی بنیاد پڑ سکتی تھی جس کا انجام اس مختصر سے گھرانے کی مکمل تباہی کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا۔ وہ انجام میرے لیے کسی بھی صورت میں پسندیدہ نہیں ہو سکتا تھا۔

میں جہانگیر کے نازک خانگی معاملات پر لب کشائی کیے بغیر اس کی ذہنی رو کے مطابق ہلکی پھلکی باتیں کرتا رہا۔ اس دوران میں جہانگیر کو ایک مرتبہ پھر اپنی پرانی سیکریٹری کا خیال آ گیا کیونکہ اس میں بعض ایسی نادر خوبیاں تھیں جو مسز خان میں نہیں پائی جاتی تھیں اس نے بدرو دادا کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔

معاً مجھے یاد آیا کہ بدرو دادا کے بارے میں، جہانگیر نے پچھلی مرتبہ کئی اہم باتیں بتائی تھیں۔ ایک زمانے میں وہ بھی شی کے لیے کام کرتا تھا اور ہم لوگوں کے احکام بجا لاتا تھا۔ شی کی ٹوٹ پھوٹ کے بعد اس شہ زور اور منہ پھٹ بدمعاش نے آخر کار ایک ٹرانسپورٹ کمپنی کھول لی تھی۔ آٹھ دس ٹرکوں کے ساتھ مال برداری کی آڑ میں وہ غیر ملکی اجناس کی غیر قانونی درآمد اور بلیک کرنے والے لوگوں کے لیے کام کرتا تھا۔ سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ وہ سردار پائندہ گل کے کھیتوں میں پیدا ہونے والی افیم سے تیار کی ہوئی ہیروئن کراچی کی منڈی میں لاتا تھا۔ اس کے

اور سردار پائندہ گل کے مراسم اتنے گہرے تھے کہ بدرو دادا' چھوٹے خان کی لاش لے کر بذات خود شگارا ویلی گیا تھا اور شاید اس کی تدفین میں شرکت کے بعد کراچی واپس آچکا تھا۔

"میں نے پچھلی بار بھی تم سے کہا تھا کہ بدرو دادا سے میری بات کرادو لیکن تم نے مجھے ٹال دیا تھا۔ اب تو وہ شگارا ویلی سے واپس آچکا ہوگا؟" جہانگیر کی زبان رکنے پر میں نے اسے یاد دلایا۔

"میری اس سے بات نہیں ہوئی لیکن وہ واپس آچکا ہوگا۔" جہانگیر نے اپنے پاؤں فرنچ ونڈو کی چوبی چوکھٹ پر ٹکاتے ہوئے کہا "واپسی میں اس کا ارادہ جہاز سے آنے کا تھا۔ وہ کراچی میں بہت مصروف رہتا ہے۔"

"شگارا ویلی سے کون سی کمپنی فضائی سروس چلاتی ہے؟" میں نے طنز سے پوچھا۔

"ارے بھائی' پشاور سے تو جہاز آتے ہیں نا؟ شگارا ویلی سے پشاور تک وہ جیپ اور ٹرک سے آیا ہوگا۔ شگارا ویلی تو ایسی خطرناک جگہ ہے کہ وہاں جہاز تو کیا' ٹرک بھی نہیں جاتے۔ ٹرکوں کی آخری منزل شگارا ویلی سے ساٹھ ستر کلومیٹر پہلے چینجا سرائے نامی قصبے میں ہے۔ دریائے کنار کے ساتھ ساتھ آنے والی نیم پختہ سڑک اس مقام سے شمال مغرب یا کسی اور سمت میں مڑ جاتی ہے۔ وہاں سے شگارا ویلی تک کا پُر خطر سفر صرف جیپ پر طے کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان پہاڑی راستوں پر جگہ جگہ تنگ موڑ' اندھی کھائیاں اور خطرناک ڈھلانیں ملتی ہیں جو اجنبیوں اور اناڑیوں کو خاموشی سے نگل جاتی ہیں۔"

وہ مجھے فون کرنے کا ارادہ کر لینے کے باوجود' بوتل اور گلاس چھوڑ کر نہیں اٹھ سکا تھا اس لیے بدرو دادا سے بات کرنے کے لیے کیا اٹھتا۔ ویسے بھی اس وقت جہانگیر کے دل میں بدرو کے لیے بغض و عناد کا ایک لاوا ابلنے لگا تھا اس لیے میں نے اس سے بدرو کے گھر اور دفتر کے فون نمبر لینے پر اکتفا کیا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں بعد میں خود ہی اس سے فون پر بات کرلوں گا اور موقع ملا تو جنت گل کے حوالے سے بھی اس کی رائے معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ وہ ایک طرح سے سردار پائندہ گل کا کاروباری حلیف تھا اور اسے سردار کا مزاج شناس ہونا چاہیے تھا۔

میں نے تھوڑی دیر بعد جہانگیر کو سلمٰی کو بیدار کرنے کی یاد دہانی کرائی تو وہ نشے کی جھونک میں چونک کر بولا "تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ اس نے تمہیں کس راز و نیاز کے لیے بلایا ہے؟"

وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ میں چند ثانیوں تک ترحم آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا "مجھے اپنی امانت میں سے کچھ رقم نکالنی ہے۔ تجوری کی چابیاں اس کے پاس رہتی ہیں اس لیے اس کا اٹھایا جانا ضروری ہے۔ تم صرف چابیاں لاسکو تو اسے اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تم پچھلے ہفتے ہی کافی رقم لے گئے تھے۔" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا تو خمار سے اس کے پپوٹے آنکھوں پر جھکے پڑ رہے تھے۔ اس کا ذہن کام کر رہا تھا لیکن زبان اور اعصاب پر اسے زیادہ اختیار نہیں رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ شیوا ز ریگل کا وہ ایکسٹرا لارج گلاس اس کے لیے اونٹ کی پشت کا آخری تنکا ثابت ہونے والا تھا۔

"ما... آ... نا کہ تمہارے پاس کروڑوں روپے مالیت کے ڈالر موجود ہیں۔" وہ لہراتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا "لیکن تم اس رفتار سے انہیں لٹاتے رہے تو تمہیں قارون کا خزانہ بھی کم پڑ جائے گا۔"

"تمہاری کالی شیراڈ کے بعد میں دوسری کار سے بھی محروم ہو چکا ہوں۔ تمہاری کار کا معاوضہ ادا کرنے کے علاوہ مجھے فوری طور پر کوئی گاڑی خریدنی ہے اس کے لیے پیسوں کی ضرورت پیش آگئی ہے۔"

"معاوضہ..... ہونہہ" اس نے اپنا گلاس پٹخ کر حقارت سے کہا "میں تم سے معاوضہ لوں گا۔ یار! ہم دوست ہیں اور وہ بھی بُرے وقت کے۔ اگر ہم نے ذرا ذرا سی چیزوں کا حساب کتاب شروع کر دیا تو ہم سے بڑا مطلبی اور خود غرض کوئی اور نہیں ہوگا۔ میرے پاس تین گاڑیاں ہیں۔ شیراڈ کو بھول جاؤ اور ان میں سے کوئی بھی گاڑی لے جاؤ۔ وہ چلی جائے تو کوئی اور لے جانا لیکن خدا کے لیے معاوضے کی بات نہ کرو۔ کبھی میں بھوکا ننگا ہو گیا تو اس سے زیادہ مدد کر کے اپنا دل خوش کر لینا۔ فی الحال تمہارا سرمایہ تم کو مبارک ہو۔ اب اس بارے میں زبان نہ کھولنا۔"

پیسے دھیلے کے معاملے میں ہمارے مراسم کچھ ایسے ہی تھے۔ پیسہ کہاں گیا؟ دیگ میں۔ دیگ کہاں گئی؟ یاروں کے پیٹ میں اور قصہ ختم۔ ہم نے اس سے آگے کبھی سوچا ہی نہیں تھا اور جہانگیر نشے کی ترنگ میں آجانے کے باوجود اس پرانے اصول کو نہیں بھولا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی خطیر رقم کسی خوف یا خطرے کے بغیر' جہانگیر کی بیوی کی تحویل میں دے دی تھی۔ میں نے اس رقم کا کوئی حساب رکھا تھا نہ سلمٰی نے رقم گنی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہمارے مراسم کی نوعیت اور اپنے مزاج کی بنا پر سلمٰی اس رقم میں کوئی ہیر پھیر نہیں کرے گی۔

جہانگیر' کچھ دیر تک رک رک کر اور لکنت آمیز لہجے میں' حساب دوستاں در دل کے فلسفے پر اپنے دل کا غبار نکالتا رہا۔ اس دوران میں وہ جذباتی بھی ہو گیا۔ شراب کے نشے میں بوجھل کھوپڑی پر جذباتی کیفیت طاری ہو جائے تو انسان کسی حاملہ بکری کی یاس آمیز ممیاہٹ پر بھی فرط رقت سے رونا شروع کر دیتا ہے۔ میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہو سکا کہ میری کس بات نے جہانگیر کے بربط دل پر مضراب کا کام کیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور میرے اوپر آگرا۔ اس نے مجھے اپنی دونوں بانہوں میں لے کر یک بیک رونا شروع کر دیا تھا۔

اس ناگہانی افتاد سے میں بوکھلا گیا۔ میں نے اسے ایک طرف ہٹا کر اپنی کرسی سے اٹھنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ میں کرسی میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ کھڑا ہوا تھا مگر اس نے اپنا سارا بوجھ میرے شانوں پر ڈالا ہوا تھا۔ ڈھائی من کی اس بہکی ہوئی لاش کو نقصان پہنچائے بغیر اپنے اوپر سے ہٹانا آسان کام نہیں تھا۔

مجھے دل ہی دل میں اس پر سخت تاؤ آرہا تھا۔ اس میں سب سے بڑی خرابی یہی تھی کہ جب وہ موج میں آکر پینا شروع کرتا تھا تو اپنی قوت برداشت کے بارے میں اس وقت تک خوش فہمی کا شکار رہتا تھا جب تک وہ آپے سے باہر نہیں ہوجاتا تھا۔

اس کی بھوں بھوں کی آواز بتدریج بلند آہنگ ہوتی جارہی تھی۔ رونے کے ساتھ ساتھ وہ کچھ بین بھی کرتا جارہا تھا مگر اس کا کہا ہوا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑرہا تھا۔ مجھے خوف یہ تھا کہ اگر کسی اتفاق کے تحت، سلمیٰ بیدار ہوکر اِدھر آنکلی تو ہم دونوں کو اس حالت میں دیکھ کر میرے پیچھے پڑجائے گی۔ وہاں دو آدمیوں کی مے نوشی کے تمام تر شواہد موجود تھے۔ سلمیٰ یہی سمجھتی کہ اس کے شوہر نے میری میزبانی کا حق ادا کرتے ہوئے جام و سبو سنبھالا ہوگا پھر وہ کھوپڑی سے باہر ہوگیا اور میں اپنی اعتدال پسندی کی وجہ سے اس کی ملامت سننے کے لیے اپنے اوسان میں رہا۔

میں نے اپنے غصے اور جھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے، رقت زدہ جہانگیر کو پچکارنا شروع کردیا۔ چند منٹ بعد میری اس تدبیر کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔ اس کے سُر دھیمے ہوتے جارہے تھے اور اگر مزید تھوڑی سی مہلت مل جاتی تو شاید وہ خاموش ہوکر بستر پر دراز ہوجاتا لیکن مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔ وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا۔ پتا نہیں سلمیٰ کس وقت اس کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آگئی تھی۔ میں اس وقت بری طرح اچھل پڑا جب مجھے اپنی پشت سے سلمیٰ کی طنز و ملامت میں ڈوبی ہوئی شناسا سی آواز سنائی دی۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی کہ تم صبح سویرے ہی انہیں دھندے سے لگاکر، بیواؤں کی طرح رونا شروع کردو گے۔"

سلمیٰ کی آواز بلند ہوتے ہی جہانگیر کے رونے کی آواز یک لخت بند ہوگئی اور وہ مجھ سے الگ ہوکر جھومتا ہوا سیدھا کھڑا ہوگیا۔ پھر شاید اس نے سلمیٰ پر غرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا "دافاع ہوجیاؤ، یہ میرا کامرہ ہائے، تم نے یاہاں داخیل ہونے کی ہیمت کیسے کی؟"

اس اثنا میں، میں جہانگیر کے بوجھ سے چھٹکارا پاتے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ سلمیٰ ہمارے عقب میں کسی بھوکی شیرنی کی طرح تنی ہوئی کھڑی تھی۔ جہانگیر کے بہت محنت سے ادا کیے ہوئے لمبے لمبے الفاظ پر اس کے ہونٹوں پر تنفر آمیز کھنچاؤ پیدا ہوگیا اور وہ اس کی طرف ہاتھ نچاتے ہوئے بولی "ذرا اپنی حالت تو دیکھو! کھڑا ہوا جارہا ہے نہ زبان کے بل نکل رہے ہیں۔ کھڑے کھڑے بھی جھوم رہے ہو۔ پتا نہیں صبح صبح پینے کی کیا آفت آئی ہوئی تھی اور پھر پی بھی اتنی ہے کہ اپنے آپے ہی میں نہیں رہے ہو۔"

"چوپ ہوجیاؤ" اس نے بھی فضا میں ہاتھ لہرا کر کہا اور نتیجے میں ڈگمگا کر رہ گیا۔ اس وقت اس کے لیے اپنے قدموں پر کھڑا رہنا دشوار ہورہا تھا "مائیں توم کو فاٹا کار دوں گا۔ آبھی تو مائیں نے صرف چا کھی ہے۔ میرا یا آر آگیا ہائے۔ اب ہام پینا شوروع کاریں گے اور پھیر ماست ہوکار توم میں جالائیں گے۔" اسے ایک ہچکی آئی اور وہ دو قدم آگے لڑکھڑا کر اپنی مسہری پر گر گیا۔

"مجھے حیرت ہے کہ ان کا بیڑہ غرق کردینے کے باوجود تم اپنے ہوش و حواس میں نظر آرہے ہو۔" اس بار سلمیٰ کی بدن میں اتر جانے والی، شرربار نگاہیں میرے اوپر مرکوز ہوگئی تھیں۔ "انہیں تمہارے اتنے خلوص اور پیار کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بغیر ہی انہوں نے گھر کو بھنڈار خانہ بنا رکھا ہے۔ شراب پینے کے بعد جب یہ گھر میں دندنانا شروع کرتے ہیں تو ان اول فول حرکتوں اور بے مقصد باتوں پر ملازم بھی چھپ چھپ کر ان کا مذاق اڑاتے ہیں میں ایسی بدتمیزیوں پر اپنے تین ملازموں کو نکال چکی ہوں مگر کب تک؟ رفتہ رفتہ میں بھی ان میں شامل ہوجاؤں گی۔"

"باند کارو یہ باکواس" جہانگیر اپنی مسہری پر اوندھا پڑے پڑے غرایا "توم ڈیئی دی گے ریٹ کو ناہیں بہکا ساکتیں۔ ہام باکرز کے تھنوں کی طرح جوڑواں دوست ہیں۔ ایک دوسرے سے کابھی آلگ نہیں ہوسکتے۔ توم سالی عورتیں! توم ساب بدمعاش ہوتی ہو۔ چار پیسے کا لالچ ہو تو نوکری چھوڑ کر دوسرے کے پاآس چالی جاتی ہو......"

اس بار جہانگیر کی ہرزہ سرائی نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا۔ شاید اسے ایک مرتبہ پھر اپنی وہ بے وفا سیکریٹری یاد آگئی تھی جو زیادہ تنخواہ کے لالچ میں اسے چھوڑ کر بدرو دادا کے پاس چلی گئی تھی۔ میں جھپٹ کر مسہری پر پہنچا اور ایک ہاتھ سے اس کی کھوپڑی سہلاتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس کا منہ بند کردیا۔

"بات کو طول نہ دو۔ میں سلمیٰ کو سمجھا لوں گا۔ تم نے واقعی بہت زیادہ پی لی ہے۔ تمہارے لیے وہ نہیں تو اور کون فکرمند ہوگا۔ آخر کو وہ تمہاری بیوی ہے۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

اس نے زور لگا کر اپنا دہانہ آزاد کرانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔

"تم جاکر اپنا ہاتھ منہ دھوؤ۔" میں نے سلمیٰ کو آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "شاید تم بستر سے اٹھ کر سیدھی اِدھر ہی چلی آئی ہو۔ میں بھی بس چند منٹ پہلے ہی آیا ہوں۔ یہ میرے آنے سے پہلے پی رہا تھا۔"

"مجھے ہمیشہ جانا ہی پڑتا ہے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی "یہاں رکی رہی تو یہ ابھی گالم گلوچ اور مار دھاڑ شروع کردیں گے۔ میں تو کہتی ہوں کہ یہ ایک مرتبہ ہی میرا گلا گھونٹ دیں تاکہ بیٹھ

کے لیے پاپ کٹے۔ روز روز کے اس تماشے اور کل کل سے میں عاجز آچکی ہوں۔ فیکٹری اور شراب کے علاوہ یہ دنیا کی ہر چیز کو بھولے ہوئے ہیں۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ باہر نکلنے کے بعد اس نے غصے میں بہت زور سے دروازہ بند کیا تھا۔

"چالی گئی" دہانے کو آزادی ملتے ہی جہانگیر عجیب سی ہنسی کے ساتھ بولا "مو جھے اس کی رگ رگ مالوم ہے۔ سالی کو ذرا سی دھونس دو تو اوس کا دام نکل جاتا ہائے۔ ہام کو آپنے باپ کا نوکر سمجھتی ہائے۔ اب ہام اس سے پوچھ کر شاراب پیا کریں گے۔ لاؤ باناؤ ایک اور ڈبل پیگ! آج تو سالا ناشا ہی نہیں ہو راہا۔"

"بس اب تم گلاس کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا "یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ میری عدم موجودگی میں تم یہاں جو جی چاہے کرتے رہو۔ آج کے ہنگامے کی وجہ سے مجھے سلمیٰ کی سامنے سخت شرمندگی اٹھانی پڑی ہے۔ ابھی تمہاری عقل کچھ نہ کچھ کام کر رہی ہے۔ پتا نہیں تم پر یک بیک رونے کا دورہ کیوں پڑ گیا تھا؟"

"ہانگامہ ہائے کیوں برپا؟ تھوڑی سی جو پی لی ہائے
چوری تو ناہیں کی ہائے' ڈاکہ تو ناہیں ڈالا"

اُس نے فضا میں الٹے سیدھے ہاتھ لہرا کر بے ہنگم انداز میں وہ شعر پڑھا اور پھر خود بخود ہنسنے لگا۔ میں نے اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی ذہنی حالت ابتر تھی اور اس سے کسی بھی بات کا کوئی معقول جواب ملنے کی امید نہیں تھی۔ وہ بس وہی بکتا رہتا جو اس کے دل میں تھا۔

میں وہاں سے اٹھا ہی تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ میں اس طرف متوجہ ہوا تو وہ انٹر کام تھا۔ جہانگیر اس قابل ہی نہیں رہا تھا کہ اٹھ کر وہاں تک جاتا یا کوئی بات کرتا۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے چوکیدار جہانگیر کے کسی ملاقاتی کی آمد کی اطلاع دے رہا تھا۔ اس کی آواز میں' میں نے کوئی غیر معمولی پن محسوس کیا جسے میں فوری طور پر کوئی نام نہیں دے سکا۔ میں نے اسے مہمان کو ڈرائنگ روم میں بٹھانے کی ہدایت کی اور غصے میں دانت پیستا ہوا جہانگیر کے سر پر مسلط ہو گیا۔

"تمہارا کوئی مہمان آیا ہے اور تم یہاں مرے ہوئے ہو۔ جاؤ اور دیکھو کہ وہ کون ہے۔"

"تو ہم بھی دوشمن سے میل گئے ہو۔ بھاگ جیاؤ ہام کو نیند آرہی ہائے۔" اس نے بھڑک کر کہا اور خاموش ہو کر جگالی کرنے کے انداز میں خالی منہ چلانے لگا۔ میں نے اسے لعنت دکھائی لیکن بے سود۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور پپوٹوں کے نیچے ڈھیلے گردش کر رہے تھے۔ میں اسے اس کے حال میں چھوڑ کر اس کمرے سے نکل آیا۔ باہر آنے کے بعد میں نے دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ گرتا پڑتا باہر نکل کر ایک نیا ہنگامہ نہ کھڑا کر دے۔

میں اندرونی دروازے سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو کمرے کے وسط میں ایک تندرست و توانا شخص اس طرح کھڑا ہوا تھا کہ ڈرائنگ روم کے دونوں دروازے بیک وقت اس کی نظروں میں تھے۔ وہ قمیص شلوار میں ملبوس تھا۔ اس کی وضع قطع اور انداز سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ اس کا تعلق معاشرے کے اس طبقے سے ہے جسے عرف عام میں معزز کہا اور سمجھا جاتا ہے۔

"دروازہ بند کر کے اندر سے بولٹ کر لو' مسٹر جہانگیر!" سرداور تحکمانہ انداز میں اس کے لبوں سے خارج ہونے والا پہلا فقرہ ہی سنسنی خیز اور چونکا دینے والا تھا۔ اس سے یہ بات تو بالکل صاف ہو گئی تھی کہ وہ جہانگیر کے لیے اجنبی تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ مجھے جہانگیر کے نام سے ہرگز مخاطب نہ کرتا۔

"یہ دروازہ کھلا رہتا ہے۔" میں نے ترشروئی سے کہا "اپنا تعارف کراؤ اور آرام سے کسی بھی جگہ بیٹھ جاؤ۔ ضروری ہوا تو میں بعد میں دروازہ بند کر دوں گا۔" یہ کہتے ہوئے' میں دروازے سے دو قدم آگے بڑھ گیا۔

اس نے بازاری غنڈوں کے سے انداز میں اپنے بائیں ہاتھ سے اپنی مونچھ کا بایاں گوشہ مروڑا اور پھر اپنی پشت پر چھپا ہوا داہنا ہاتھ تیزی سے سامنے لے آیا۔ اس ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا جس کی نال کا رخ میری جانب تھا۔

"میں جس طرح کہہ رہا ہوں' اسی طرح کرو ورنہ گھاٹے میں رہو گے۔" اس بار اس نے کھُل کر دھمکی دی تھی۔

"تم اگر چور یا ڈاکو ہو تو تمہیں یہاں کچھ نہیں مل سکے گا۔" میں نے ریوالور پر نظریں جما کر سکون سے کہا "میری ہر قیمتی شے بینک کے لاکر میں محفوظ رہتی ہے۔ بہتر ہے کہ تم یہیں سے واپس لوٹ جاؤ۔"

"قیمتی شے!" اُس نے حقارت سے کہا "تمہاری جان شاید بالکل ہی ناکارہ ہے کہ اسے کسی لاکر میں چھپانے کے بجائے میرے سامنے لے آئے ہو۔ میری بات نہ مانی تو تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔"

میں دروازہ بند کرنے کے انداز میں واپس پلٹا تو ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں خیال آیا کہ میں تیزی کے ساتھ' دروازہ بند کرنے کے بجائے باہر نکل جاؤں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میں اس کے فائر سے خود کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا لیکن خرابی یہ ہوتی کہ میں اس کی اصلیت اور عزائم کے بارے میں کچھ نہیں جان سکتا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ بظاہر وہ اکیلا تھا۔ اگر اس کا کوئی ساتھی بھی تھا تو وہ یقیناً پھاٹک پر چوکیدار کے سر پر مسلط تھا۔ جو بات اس کے حق میں جاتی تھی' وہ یہ تھی کہ اس کے پاس بھرا ہوا ریوالور موجود تھا۔ میں اس وقت کسی مہم جوئی کے ارادے کے بغیر جہانگیر کے

لیے اور رقم لے جانے کی نیت سے آیا تھا اس لیے قطعی غیر مسلح تھا لیکن مجھے پورا اعتماد تھا کہ میں اپنے اِس حریف کو' جو اپنی حماقت کی بنا پر جہانگیر سمجھ بیٹھا تھا' کسی نہ کسی طرح زیر کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں۔

میں نے دروازہ بند کر کے بولٹ چڑھایا اور اس کی طرف پلٹ آیا۔

"تم کون ہو اور تمہارے اس طرح یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟" اس کی ہدایت پر عمل کرنے کے بعد' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا "میرا چوکیدار کہاں اور کس حال میں ہے؟"

"چوکیدار خیریت سے ہے۔ تم کو اس کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی بتادوں کہ مجھے تم سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ اگر تم نے میرے چند سوالات کے سیدھے سیدھے جوابات دے دیئے تو میں جس خاموشی کے ساتھ یہاں آیا تھا اسی خاموشی کے ساتھ واپس چلا جاؤں گا۔ تم نے مجھ سے چالاکی کرنے کی کوشش کی تو مجھے تم پر گولی چلاتے ہوئے ذرا بھی افسوس نہیں ہوگا۔"

وہ ایک آرام دہ کرسی پر دراز ہوگیا۔ اس کے ریوالور کی نال بدستور میری طرف اٹھی ہوئی تھی۔

"بولتے رہو۔ میں تمہارے سوالات کا منتظر ہوں۔" اسے خاموش پاکر میں نے لقمہ دیا۔

"ڈینی آج کل کہاں ہوتا ہے؟" اُس نے گمبیر لہجے میں سوال کیا تو میرا دل چاہا کہ ایک قہقہہ مار کر اُس سے اپنا تعارف کرادوں اور پھر اُس کے بے ساختہ ردعمل کو دیکھتے ہی اس پر وار کردوں۔

"کچھ عرصہ پہلے تک وہ کراچی میں تھا پھر راولپنڈی چلا گیا تھا۔ اس کے بعد میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہوا۔" میں نے جواب دیا "وہ ویسے بھی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہتا۔ ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔"

"اور تم اس کے کسی ٹھکانے سے واقف نہیں ہو۔" اس نے غرّاتے ہوئے پوچھا۔

"کمال ہے تم تو خود ہی ہر بات سمجھ جاتے ہو۔ دراصل اسے وہم ہوگیا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے دشمنوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا ہے۔ اسی لیے کبھی وہ غیر معروف ہوٹلوں اور کبھی گنجان آبادیوں میں رہائش اختیار کرتا رہتا ہے۔ ایسی جگہوں پر وہ مجھے بلانا پسند نہیں کرتا۔ جب دل چاہتا ہے خود ہی ملنے کے لیے چلا آتا ہے۔ بُرا نہ مانو تو مجھے بتادو کہ تمہیں اس سے کیا کام ہے۔ اگر وہ تمہارا مقروض ہے تو میں حساب بے باق کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"تمہارا قرض ڈینی خود ہی چکائے گا۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا جب ہر طرف تم دونوں کی دھاک تھی۔ تمہارے آدمی شہر کے جس علاقے میں قدم رکھ دیتے تھے وہاں سے ہم جیسے لوگ اپنا بستر بوریا لپیٹ کر خوف زدہ بھیڑوں کی طرح بھاگ نکلتے تھے۔ اب ہم اسے گھر میں گھس کر ماریں گے۔ یہ چرس اور ہیروئن کا لین دین نہیں' مرنے مارنے کا کھیل ہے۔ بکری کی ماں کب تک خیر منائے گی۔" اس کے تیور بہت خطرناک اور جارحانہ نظر آرہے تھے "میرا بھی نام شیدا خونی ہے۔"

"اگر تم ہم دونوں کے ماضی سے اس حد تک واقف ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ میں اب پرانے دھندوں سے تائب ہوچکا ہوں۔ میرا بہت صاف ستھرا کاروبار ہے......" اس نے ہنس کر میری بات اڑا دی۔

"ہر سیانا بدمعاش یہی کرتا ہے۔ جب کالا دھن تجوریوں میں جام ہونے لگے گا تو ہم بھی کوئی صاف ستھرا کام کرلیں گے۔ مقدر نے ساتھ دیا تو کوئی الیکشن وغیرہ بھی جیت لیں گے۔ جیب میں مال موجود ہو تو ہر کام آسان ہوتا چلا جاتا ہے۔ فی الحال تم یہ بتاؤ کہ ڈینی کی وہ لونڈیا کہاں ہے جس سے اس نے مکاؤ میں شادی کی تھی؟"

اُس کی زبان سے غزالہ کے لیے لونڈیا کا لفظ سن کر میری کھوپڑی سلگ اٹھی مگر اس وقت میں غصہ پی گیا۔ میں نے اپنے دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ اس لفنگے کو میں اس کی بدزبانی کا مزہ ضرور چکھاؤں گا۔

"شاید تم اس کی بیوی کی بات کررہے ہو۔" میں نے بظاہر بے پروائی اختیار کرتے ہوئے کہا "اس کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں۔ وہ جب بھی میرے پاس آتا ہے اکیلا ہی آتا ہے۔ شاید وہ اس سے الگ رہتی ہے۔ تمہیں کس نے بتایا کہ اس نے مکاؤ میں شادی کی تھی؟"

"ہم لوگوں کو سب معلوم ہے۔" وہ اکڑ کر بولا "اگر تمہارے پاس میرے سوالوں کے جواب نہیں تو تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ وہ لوگ ڈینی اور اس سے تعلق رکھنے والوں کو پکڑنے کے لیے بہت بے چین ہیں۔"

اس کی گفتگو سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح ڈون کوانگ فو سے منسلک تھا۔ شاید اس کے آدمیوں نے کراچی پہنچنے کے بعد میری تلاش کے لیے مقامی بدمعاشوں کی خدمات حاصل کرلی تھیں اور وہ ان ہی میں سے ایک معلوم ہوتا تھا۔ دوسری صورت میں اس کی زبان سے مکاؤ اور کچھ لوگوں کے ذکر کا کوئی جواز نہیں تھا۔

"تم کن لوگوں کی بات کررہے ہو؟ انہیں مجھ سے کیا دشمنی ہے؟" میں نے رسانیت سے پوچھا۔

"یہ سب ان ہی سے پوچھ لینا۔ اگر تم نے خاموشی سے میرے ساتھ چلنے میں ہچر مچر کی تو میں یہیں تمہاری درگت بناڈالوں گا۔ میرے دو چار ہی کے تمہیں دوسرے جہان کی سیر کرانے کے لیے کافی ہوں گے۔"

"میں تمہیں ان سے زیادہ معاوضہ دینے کو تیار رہوں۔" میں

نے قدرے خوف زدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "تم کہہ سکتے ہو کہ تمہیں میرا سراغ نہیں ملا۔ میں کچھ عرصے کے لیے روپوش ہو جاؤں گا۔"

اس کی آنکھوں میں حریصانہ چمک ابھر آئی اور وہ بولا "تمہاری پیشکش جاندار ہے مگر وہ لوگ کچی گولیاں نہیں کھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک سور جیسا چینی باہر پھاٹک پر موجود ہے۔ تمہارے چوکیدار کو اسی نے قابو میں کیا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں' میں تم سے کوئی سودے بازی نہیں کرسکتا۔ اس وقت تو تمہیں میرے ساتھ چلنا ہی ہوگا۔ بعد میں دیکھا جائے گا کہ میں تمہارے لیے کیا کرسکتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"ابھی ٹھہرو!" میں نے اچانک اس کے عقب میں دیکھتے ہوئے اضطراری انداز میں کہا "ابھی ہماری بات چیت ختم نہیں ہوئی ہے۔ مذاکرات جاری ہیں۔"

وہ وہی سمجھا جو میں اسے سمجھانا چاہ رہا تھا۔ وہ اپنے عقب میں موجود' میرے کسی ساتھی کا مقابلہ کرنے کے لیے' بجلی کی سی سرعت کے ساتھ پلٹا اور میں نے کسی چیتے کی طرح اس پر چھلانگ لگادی۔ میں اسے لیتا ہوا قالین پر گرا تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

اس کی توجہ ہٹانے کے لیے استعمال کی جانے والی میری ترکیب بہت فرسودہ لیکن فطری تھی۔ لحہ بھر کی غفلت میں بازی اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ میں نے اس کے چہرے اور پیشانی پر پے در پے ٹکروں کی بھرمار کردی۔ اس ناگہانی آفت نے اسے سنبھلنے سے پہلے ہی بدحواس کردیا۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی آوازیں نکل رہی تھیں۔ پھر میرے دونوں ہاتھ بھی بیک وقت حرکت میں آگئے اور اس کا چہرہ بہت تیزی کے ساتھ بگڑنے لگا۔ اس نے میرے چہرے پر جوابی وار کرنے کی کئی کوششیں کیں لیکن اچٹتی ہوئی بے سود ضربات کے علاوہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔

اس وقت ہم دونوں ہی نہتے اور ایک پر ایک کے اصول پر لڑ رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ میں اس کا بھرکس نکالنے کی پوزیشن میں آچکا تھا لیکن وہ اپنی اضطراری چیخوں کو غراہٹوں تک محدود رکھنے کے جتن کررہا تھا۔ شاید اسے ڈر تھا کہ اس کی آوازیں سن کر ملازمین وغیرہ ادھر نکل آئے تو اس کے بچ نکلنے کی رہی سہی امیدیں بھی معدوم ہوجائیں گی۔

آخر کار اس کی داہنی کنپٹی میرے مکے کی زد میں آہی گئی۔ ضرب لگتے ہی اسے تارے نظر آگئے۔ ایک جھٹکے کے ساتھ اس کا بدن ساکت ہوگیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کی وہ بے ہوشی چند منٹ سے زیادہ طویل ثابت نہیں ہوگی۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا اسی قلیل سی مدت میں کرنا تھا۔

اس نے غزالہ کے لیے تحقیر آمیز انداز میں لونڈیا کا لفظ استعمال کیا تھا جس پر وہ عبرتناک سزا کا حق دار بن چکا تھا۔ میں ڈرائنگ روم کے بند دروازے کا بولٹ گرا کر تقریباً دوڑتا ہوا گیا اور کچن سے سبزی کاٹنے والی چھری اٹھا کر واپس بھاگا تو اپنا مصروف خانساماں میرے تیوروں سے دہشت زدہ ہوکر کچن سے نکل گیا۔

میں نے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور اس کے برابر والی انگلی سے اپنے بے ہوش حریف کے رخساروں میں پورا دباؤ ڈال کر اسے بے ہوشی کے عالم میں منہ کھولنے پر مجبور کردیا جونہی اس کی زبان تڑپ کر دہانے سے باہر آئی۔ میں نے بائیں ہاتھ کی ان دو انگلیوں کے ناخن' اس کی نرم' گرم اور لجلجی زبان میں گاڑ دیئے۔ اگلے ہی لحہ میں نے اپنے داہنے ہاتھ میں دبی ہوئی چھری کی تیز دھار سے' کسی پیشہ ور قصاب کی سی سرد مہری کے ساتھ' اس کی زبان باہر کھینچ کر کاٹ دی۔ اس کی کٹی ہوئی زبان سے خون کا فوارہ ابلا لیکن پل بھر میں زبان اس کے دہانہ میں غائب ہوگئی۔ اذیت کے باعث اس کے بے ہوش بدن نے ایک تیز جھٹکا لیا۔ میں نے اس کی کٹی ہوئی زبان کا بے جان لوتھڑا اس کی جیب میں ڈال کر' اسی کے دامن سے اپنے ہاتھ اور چھری کا پھل صاف کیا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

اس کی بے ہوشی کا تسلسل میرے لیے حیرت انگیز تھا۔ میرا خیال تھا کہ زبان کٹتے ہی وہ اذیت سے بلبلا کر ہوش میں آجائے گا لیکن اس کا جسم متحرک ہونے کے باوجود' اس کی بے ہوشی میں فرق نہیں آیا تھا۔ اس کے دہانے میں خون بھرنے کے بعد' اس کی دھاریں اس کی باچھوں سے بہنے لگی تھیں۔ میں نے اس کے ریوالور پر قبضہ کیا اور اس کے ہوش میں آنے کے انتظار میں ایک طرف کھڑا ہوگیا۔

اس کے دہانے سے خون بہنے کی رفتار بھی میرے قیاس سے کم تھی۔ پتا نہیں اس کے خون میں تیزی سے جمنے کی صلاحیت تھی یا پھر لعاب دہن کے طلسماتی اثر نے اس کی کٹی ہوئی زبان سے خون بہنے کی رفتار کم کردی تھی۔ میں پورے انہماک سے اس کی طرف متوجہ تھا کہ اندرونی سمت سے بلند ہونے والی ایک اضطراری نسوانی چیخ پر اچھل پڑا۔

دروازے کے وسط میں سلمیٰ پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ اپنے منہ میں دوپٹہ دبائے کھڑی تھی۔ شاید کچن سے بھاگنے والے خانساماں نے اُسے میرے وحشیانہ تیوروں کی خبر پہنچادی تھی اور اب اپنے ڈرائنگ روم کے قالین پر خون آلود دہانے والے ایک انسانی وجود کو پڑا ہوا دیکھ کر بری طرح دہشت زدہ ہوگئی تھی۔

"ڈرو نہیں!" میں نے اس سے تشفی آمیز لہجے میں کہا تو مجھے خود اپنی آواز اجنبی سی محسوس ہوئی "یہ مرا نہیں بلکہ بے ہوش اور زخمی ہے۔ یہ جہانگیر کو اغوا یا قتل کرنے کے مذموم ارادے سے یہاں آیا تھا۔ تم یخ بستہ پانی میں نمکین بنا کر جہانگیر کو پلاؤ تاکہ وہ جلد از جلد اپنے ہوش و حواس میں آسکے۔ ہمیں مل بیٹھ کر غور

طور پر کچھ اہم فیصلے کرنے ہوں گے۔ اچھا ہی ہوا کہ اس وقت میں یہاں موجود تھا۔ خود پر قابو رکھو اور اندر واپس چلی جاؤ۔"

اس نے بے ہوش شخص کی طرف سے سر گھما کر، پھٹی پھٹی، دہشت زدہ اور ویران آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور فوراً ہی کانپتی ہوئی اندر کی طرف چل دی۔ مجھے امید تھی کہ اس نے میری بات سمجھ لی ہوگی اور میری ہدایت پر فوری عمل شروع کردے گی تاکہ میں انتظار میں وقت برباد کیے بغیر جہانگیر سے اس صورت حال پر مشورہ کرسکوں۔

اچانک شیدا خونی کے جسم میں تیز حرکت پیدا ہوئی۔ اسی کے ساتھ اُس کے دہانے میں بھرا ہوا خون ایک ابکائی کی صورت میں اس کے کالر، سینے اور گریبان کو رنگتا چلا گیا۔ لمحہ بھر بعد ہی وہ غرغراتا ہوا اپنے قدموں پر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ یقینی طور پر کچھ بولنے کی کوشش کررہا تھا لیکن اس کے حلق سے ہوا خارج ہونے کی لایعنی آوازوں کے ساتھ ہی فضا میں خون کی کچھ چھینٹیں اڑ کر رہ گئیں۔

قوت گویائی یا زبان سے محرومی کا پہلا احساس ہوتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے دیوانہ وار اپنی زبان کو محسوس کرنا چاہا پھر حقیقت کا ادراک ہوتے ہی اس کا چہرہ یکلخت تاریک ہوگیا۔

"میں جہانگیر نہیں، ڈیثی ہوں۔" میں نے اس کے ریوالور کی نال اس کی طرف لہراتے ہوئے کہا "اور میری بیوی لونڈیا نہیں، مادام غزالہ ہے۔ شہر کے بدمعاشوں کو کسی طرح بتادینا کہ میں ان کے لیے اب بھی پرانا ڈیثی ہوں جو اپنی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو توڑ دینے کا عادی تھا۔ میں نے تمہیں عبرت کا نمونہ بنانے کے لیے زندہ رکھا ہے۔ اب یہاں سے نکلو اور دفع ہوجاؤ۔ آئندہ تمہاری منحوس صورت نظر آئی تو اسے دھڑ سے الگ کردوں گا۔"

وہ دہشت زدہ انداز میں، سہمے سہمے قدموں سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھا تو میرا خون ایک بار پھر کھول اٹھا۔ میں نے غیر ارادی طور پر اپنے ایک پیر سے جوتا اتارا اور تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے سر پر جوتے مارنے شروع کردیئے۔ وہ کوئی مزاحمت کیے بغیر، صرف اپنے سر کو بچانے کی ناکام کوشش کرتا ہوا، دروازے کے قریب سرکتا رہا۔ میں اسے اسی طرح جوتے مارتا ہوا باہر برآمدے تک لایا۔ کھلی جگہ میں آتے ہی اس نے بگٹٹ پھاٹک کی طرف دوڑ لگادی۔

میں نے اس کے پیچھے پھاٹک تک جانے کا ارادہ کرکے فوراً ہی منسوخ کردیا۔ مجھے یاد آگیا تھا کہ شیدا خونی کے ساتھ کم از کم ایک مسلح چینی بھی باہر موجود تھا جو میرے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

شیدا خونی کے باہر نکلتے ہی، فضا میں کسی کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز گونجی پھر چند ثانیوں بعد ہی انجن کی تیز ہوتی ہوئی آواز دور ہوتی چلی گئی۔ غالباً وہ لوگ بدحواسی کے عالم میں فرار ہوئے تھے۔ پھر باہر سے چوکیدار چیختا ہوا اندر داخل ہوا اور مجھے دیکھتے ہی گرتا پڑتا میری طرف ہولیا۔

چوکیدار کے آتے ہی اِدھر اُدھر سے کئی ملازمین بھی نکل پڑے۔ شاید خانساماں نے ان سب کو سنگین صورت حال سے آگاہ کردیا تھا اور وہ سب مختلف مقامات پر چھپ کر باہر نکلنے کے موقع کا انتظار کررہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں پائپ یا ڈنڈے جیسی کوئی نہ کوئی چیز موجود تھی۔ خوف، سنسنی اور ہیجان سے ان سب کی حالت غیر ہورہی تھی مگر یہ بات قابل تعریف تھی کہ وہ راہ فرار اختیار کرنے کے بجائے میرے قرب و جوار ہی میں منڈلا رہے تھے تاکہ کسی بُرے لمحے میں میری مدد کو آسکیں۔ اس بھیڑ میں خانساماں کا پتا نہیں تھا۔

ادھیڑ عمر چوکیدار اس قدر ڈرا ہوا تھا کہ اس سے بولا ہی نہیں جارہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر، اسے اپنے قریب کرتے ہوئے دوسرے ملازمین کو ہدایت کی وہ فوری طور پر پھاٹک بند کرکے اندر سے مقفل کرلیں اور احاطے میں موجود رہ کر نگرانی کرتے رہیں تاکہ کہیں سے کوئی اندر نہ کود سکے۔ میں نے انہیں سختی سے حکم دیا کہ میری اجازت کے بغیر کسی بھی حالت میں پھاٹک نہ کھولا جائے۔

وہ ایک ٹولی کی صورت میں یکجا ہوکر، اس انداز میں پھاٹک کی طرف بڑھنے لگے جیسے انہیں وہاں دشمن کے کسی آدمی کی موجودگی کا خطرہ ہو۔ وہ منظر دیکھ کر پیشہ ور چوکیدار خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نے مجھ سے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کا منہ خشک ہورہا تھا۔ وہ بول ہی نہ سکا۔ اس کوشش میں ناکامی کے بعد وہ تقریباً دوڑتا ہوا اس محتاط ٹولی سے آگے نکلتا چلا گیا۔ اس نے پرشور آوازوں کے ساتھ آہنی پھاٹک کے بولٹ اور کنڈے لگا کر انہیں مقفل کیا اور دوبارہ دوڑتا ہوا میرے پاس لوٹ آیا۔ وہ بہت تیزی کے ساتھ خوف اور صدمے کے ابتدائی اثرات سے باہر آرہا تھا۔

اس نے منتشر اور بے ربط فقروں میں جو کہانی سنائی اس کا خلاصہ یہ تھا کہ آنے والوں کی تعداد تین تھی۔ ان میں سے دو مقامی اور ایک چینی تھا۔ شیدا خونی نے جب گیٹ پر گھنٹی بجائی تو چوکیدار نے پھاٹک کھولنے سے پہلے ہی باہر کھڑی ہوئی ٹیکسی دیکھ لی تھی جس میں ڈرائیونگ سیٹ پر ایک مقامی شخص اور پچھلی نشست پر ایک موٹا اور زرد رو چینی براجمان تھا۔ جب شیدا خونی نے جہانگیر سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا جس پر چوکیدار کا ماتھا ٹھنکا مگر اس نے انٹرکام پر مجھے متذبذب انداز میں مطلع کردیا۔ میری ہدایت پر وہ شیدا خونی کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر آیا تو اس کے کیبن میں موٹا چینی موجود تھا۔ جب وہ چیں چاں کرنے کے باوجود چوکیدار کو اپنی کوئی بات نہ سمجھا سکا تو اس کا ہاتھ تھام کر اسے باہر ٹیکسی تک لے گیا جہاں دوسرے مقامی نے ریوالور کے زور پر، اسے اپنے برابر میں بٹھالیا۔

اُس کا کہنا تھا کہ جب تک اس کا ساتھی اندر سے نہیں لوٹ آتا' اسے ٹیکسی میں بیٹھنا پڑے گا۔ اس دوران میں وہ دونوں انگریزی میں بات کرتے رہے جس کے صرف اکا دکا الفاظ ہی چوکیدار کے پلے پڑ سکے لیکن ان سے وہ کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرسکا۔ پھر جب شیدا خونی اپنے خون آلود دہانے اور لباس کے ساتھ دوڑتا ہوا نمودار ہوا تو اس کے دونوں ساتھی بوکھلا گئے۔ جب وہ شیدا خونی کو پچھلی نشست پر بٹھا رہے تھے تو چوکیدار اپنی سمت کا دروازہ کھول کر ٹیکسی میں سے بھاگ نکلا۔ ٹیکسی والے اس قدر عجلت میں تھے کہ اس کی پروا کیے بغیر تیز رفتاری کے ساتھ وہاں سے فرار ہوگئے۔

میرے لیے وہ معلومات یہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھیں کہ جمی لائیڈ کے بیان کے مطابق' مکاؤ کے ڈون کوانگ فو کے آدمی میری تلاش میں کراچی پہنچ چکے تھے اور انہوں نے میرے لیے شہر میں جال پھیلانا شروع کردیا تھا۔ میرے لیے یہ بات حیرت انگیز تھی کہ ڈون کے پاس میرے فلیٹ کا فون نمبر موجود ہونے کے باوجود ان لوگوں نے فون کے ذریعے فلیٹ تک پہنچنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

ڈون کے آدمی اتنے احمق نہیں ہوسکتے تھے کہ ایک یقینی سراغ کو چھوڑ کر موہوم امکانات کا پیچھا کرنا شروع کردیتے۔ ان کی اس لغزش کا صرف ایک ہی سبب میری سمجھ میں آتا تھا کہ مکاؤ سے میرے فلیٹ پر کی جانے والی دو فون کالز اور فلیٹ سے ملنے والے نکے سے جواب کی بنا پر انہوں نے یہ یقین کرلیا تھا کہ میں وہ جگہ چھوڑ کر کہیں جا چکا تھا اور نئے مکین میرے نئے ٹھکانے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔

وہ میری خوش فہمی بھی ہوسکتی تھی اس لیے ڈون کے آدمیوں سے پہلی جھڑپ کے بعد یہ لازم ہوگیا تھا کہ میں فوری طور پر غزالہ وغیرہ کو اس خطرے سے باخبر کردوں تاکہ کوئی حتمی فیصلہ ہونے تک وہ لوگ اپنی حفاظت کی طرف سے پوری طرح ہوشیار اور چوکنے رہیں۔

چوکیدار سے نمٹنے کے بعد میں اندر پہنچا تو سلمٰی اپنے خانساماں کے ساتھ جہانگیر کی خواب گاہ میں موجود تھی اور وہ بدستور اپنی پنک میں تھا۔ ایک تپائی پر لیموں کے تیز اور ٹھنڈے شربت سے بھرے ہوئے جگ کے ساتھ املی کا پانی دیکھ کر مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ ایک شرابی کی بیوی ہونے کے اعتبار سے سلمٰی نشہ توڑنے کے گروں سے بھی خوب واقف تھی۔ اس وقت صرف ترشی ہی جہانگیر کا نشہ تیزی سے غائب کرسکتی تھی۔

سلمٰی بہت زیادہ خوف زدہ تھی۔ اس کے چہرے کی رنگت ہلدی کی طرح زرد ہو رہی تھی۔ میرے پہنچتے ہی اس نے ہاتھ پیر چھوڑ دیے اور ایک کرسی میں گر گئی۔ اس کے بدن پر اس وقت بھی خوف کی کپکپی طاری تھی۔ شاید اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار کسی انسان کو اس قدر ابتر حالت میں دیکھا تھا۔

"میرا دل قابو میں نہیں ہے۔" وہ ہانپتے ہوئے بولی "میں انہیں سکنجبین کا ایک گلاس پلا چکی ہوں۔ اب تم ہی انہیں ہوش میں لاؤ۔ مجھے تو یہ سوچ سوچ کر ہول آرہے ہیں کہ کہیں پچھلی بار کی طرح ہمارے گھر پر مسلح دھاوا بول دیا گیا تو ہم کیا کریں گے؟ کہاں جائیں گے؟"

اس کا اشارہ اس ہولناک معرکے کی طرف تھا جو اسی مکان میں میرے اور ویرا کے درمیان برپا ہوا تھا۔ ویرا کے ساتھ معراج دین عرف ماجے کے مسلح آدمیوں کا پورا لشکر تھا جس کی کمان وہ خود کررہی تھی اور مکان کی گرد سینڈو سمیت مافیا کی بھاری نفری نے مورچے جمائے ہوئے تھے۔ اس رات فائرنگ کا اس قدر شدید تبادلہ ہوا تھا کہ سناٹا ہوجانے کے بعد بھی بہت دیر تک اس علاقے کی فضا جلے ہوئے بارود کی بو سے بوجھل رہی تھی۔ اس بار ویرا کے ساتھ ہی ماجے کے جو لوگ لہولہان ہوئے تھے یا مارے گئے تھے انہیں وہ خود اٹھالے گئے تھے اس لیے اس گھمسان کے مقابلے میں سلمٰی کو کسی زخمی یا مُردے کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

"موجودہ صورت حال بہت مختلف ہے۔" میں نے اسے تشفی دینے کی کوشش کی "ایسا نہیں ہوگا۔ پھر بھی میں ہر ممکن احتیاط کروں گا۔ چوری اور اغوا کرنے والوں میں اتنا حوصلہ نہیں ہوتا کہ کھُل کر سامنے آسکیں۔ میں نے اسے جوتے مار کر بھگایا ہے۔"

"لیکن وہ کون ہے جو اِن کے اغوا پر تلا ہوا ہے؟" وہ بدستور ہانپے جارہی تھی "ان کے ساتھ ایسی کیا خرابی ہے کہ تھوڑے تھوڑے دنوں بعد کوئی نہ کوئی ناگہانی مصیبت آتی رہتی ہے؟"

"میں اسے یہ بتانے کی حماقت نہیں کرسکتا تھا کہ جہانگیر کے ان مصائب کی جڑ' میری اور اس کی گہری دوستی تھی۔ اس وقت اسے ٹالنا ہی سب سے بہتر تھا۔ میں نے کہا "اس پر تو جہانگیر ہی روشنی ڈال سکے گا۔ تم اپنے کمرے میں جاکر اپنے بچے کے ساتھ آرام کرو۔ جہانگیر کو میں دیکھ لوں گا۔" پھر میں خانساماں سے مخاطب ہوگیا "بیگم صاحبہ کے ساتھ جاؤ۔ انہیں کمرے میں پہنچانے کے بعد صاحب کے لیے ناشتا تیار کرلینا۔"

"چوکیدار تو خیریت سے ہے نا؟" سلمٰی نے جاتے جاتے نقاہت آلود آواز میں پوچھا۔

"خوف زدہ ہے مگر خیریت سے ہے۔ میں نے پھاٹک مقفل کرادیا ہے۔ اسے میری اجازت کے بغیر نہیں کھلوانا۔"

"تم نے اسے جوتے مار کر بھگانے کے بجائے پکڑلیا ہوتا تو ہم اسے پولیس کے حوالے کرسکتے تھے۔" اس نے باہر نکلتے ہوئے شکوہ کیا "پولیس والے اس سے بہت کچھ اگلوا سکتے تھے۔"

"میں کہہ رہا ہوں کہ اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ۔ وہ تین تھے۔ ان میں ایک چینی بھی تھا میں اسے نہ چھوڑتا تو وہ تمہارے چوکیدار کو جان سے مار ڈالتے۔ اب خاموشی سے جاؤ اور آرام کرو۔"

تخلیہ ہوجانے پر میں نے جہانگیر کے منہ پر ٹھنڈے پانی

گلاس انڈیلا تو وہ پھریریاں لے کر منمنانے لگا۔ میں نے اس کے رخساروں پر پے در پے تھپڑ لگائے تو اس نے اپنی لال لال آنکھیں پھاڑنے کی کوشش کی اور میں نے سہارا دے کر اسے سیدھا بٹھادیا اور پھر الٹی کے پانی کا گلاس اس کے منہ سے لگادیا۔

میری کوششیں تیزی کے ساتھ بار آور ہوئیں اور اس کے خالی معدے میں اتری ہوئی اسکاچ باہر آجانے کے بعد' اس کی حالت سنبھلنے لگی۔ میں اسے پچھلی ہوئی خواب گاہ سے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔

ناشتا شروع کرنے تک اسے علم نہیں ہوسکا کہ اس کی بے ہوشی کے دوران میں کیا حالات رونما ہوئے تھے۔ پیٹ پوجا کے بعد بھی وہ سُرور کے عالم میں تھا لیکن اس قابل ہوچکا تھا کہ اس سے کسی سنجیدہ موضوع پر کھل کر بات کی جاسکے اور وہ اس پر کوئی صائب رائے دے سکے۔

وہ ناشتے سے فارغ ہوا تو میں نے اسے آہستہ آہستہ شیدا خونی کے بارے میں بتانا شروع کردیا اور جہانگیر کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ اس بار میں نے وہ باتیں بھی دہرادیں جو مجھے مافیا میں کام کرتے ہوئے سینڈو کی زبانی معلوم ہوئی تھیں۔ میں بذات خود کبھی بھی شیدا خونی سے نہیں ملا تھا لیکن سینڈو نے مجھے جو کچھ بتایا' اس کے مطابق شیدا خونی شیر شاہ کے علاقے میں رہنے والا ایک اجرتی قاتل تھا۔ مناسب معاوضہ دے کر اسے کسی بھی شخص کے قتل پر آمادہ کیا جاسکتا تھا۔ مشہور تھا کہ وہ کم و بیش بائیس خون کرچکا تھا لیکن قتل کے جرم میں کبھی پولیس کی گرفت میں نہیں آیا تھا۔ فساد اور شراب پی کر شور و غوغا کرنے کے جرم میں وہ کئی بار مختصر سزائیں ضرور کاٹ چکا تھا۔

"اب تم اِس کہانی پر غور کرو۔ میں ذرا غزالہ وغیرہ کو متوقع خطرے سے آگاہ کردوں۔" میں نے اپنی کہانی مکمل کرنے کے بعد کہا اور فون کی طرف بڑھ گیا "یہ یاد رکھنا کہ میں نے سلمٰی کو یہ نہیں بتایا کہ شیدا میری وجہ سے تمہیں اغوا کرنے آیا تھا۔"

یہ غنیمت ہوا کہ دوسری طرف سے غزالہ نے فون موصول کیا۔ اس میں خوبی یہ تھی کہ وہ مجھ سے غیر ضروری بحث میں نہیں الجھتی تھی۔ اس کی جگہ ویرا ہوتی تو فون پر ہی بال کی کھال نکالنی شروع کردیتی۔

میں نے بہت اختصار کے ساتھ اسے شیدا خونی کی آمد اور روانگی کے بارے میں آگاہ کرنے کے بعد' ڈون کوانگ فو کے آدمیوں کی طرف سے ہوشیار رہنے کی ہدایت کی اور فون بند کردیا۔

"میرے لیے یہ بات حیران کن ہے کہ وہ تمہاری تلاش میں تھا اور تمہارا صورت آشنا تک نہیں تھا۔" جہانگیر نے بہت غور و فکر کے بعد اس واردات میں وہ اہم ترین نکتہ دریافت کیا تھا۔

میں نے کرسی پر بیٹھنے کے بجائے بے چینی سے ٹہلتے ہوئے کہا "وہ لوگ تمہیں اغوا کرنے کے محدود مقصد کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ ہوسکتا کہ میرا سراغ پالینے کے بعد ڈون کے آدمی' مجھ سے خود ہی دو دو ہاتھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ یہ ایک شرمناک حقیقت ہے کہ میری وجہ سے تم بار بار مشکلات کا شکار ہوتے چلے آرہے ہو۔ آج کے واقعے کے بعد میرے لیے یہ احساسِ جرم ناقابل برداشت ہوچلا ہے۔"

"بار بار کہاں؟ کبھی کبھار ایسا ہو ہی جاتا ہے......" اس نے کہنا چاہا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"پہلے ماجے نے ویرا کے ایما پر تمہیں اغوا کرکے میرے بارے میں تمہاری زبان کھلوانے کے لیے تمہیں وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا۔ پھر اس نے بھاری مسلح نفری کے ساتھ تمہارے گھر پر چڑھائی کرڈالی۔ اس کے بعد ویرا نے انتقاماً تمہارے بیٹے کو اغوا کرلیا اور اب ڈون کوانگ فو کے آدمیوں کی نظریں بھی تم پر مرکوز ہیں۔ تم پر یہ سارے مصائب صرف اور صرف میری وجہ سے نازل ہورہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ موجودہ خطرہ کا مشترکہ طور پر سدباب کرنے کے بعد' میں تم سے کنارہ کشی اختیار کرلوں تاکہ میرے گناہوں کا عذاب تمہیں اور تمہاری مختصر سی فیملی کو نہ بھگتنا پڑے۔"

وہ اپنی جگہ پر پہلو بدل کر عارفانہ انداز میں ہولے سے ہنس پڑا اور پھر بولا "کمال ہے کہ بلانوشی میں نے کی ہے اور بہک تم رہے ہو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں مقدرات میں پختہ یقین رکھتا ہوں۔ تمہارا وجود تک نہ ہوتا تب بھی یہ مشکلات کسی اور بہانے سے نازل ہوسکتی تھیں۔ میرے مقدر میں جو کچھ لکھ دیا گیا ہے وہ تو ہونا ہی ہے۔ اس میں تمہارے یا کسی اور کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"تمہیں فرق پڑے یا نہ پڑے' میرے ضمیر کی خلش دور ہوجائے گی۔"

"تمہاری خلش اسی وقت کم ہوسکتی ہے جب تمہارے دشمن میرا پیچھا کرنا ترک کردیں گے اور یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ تم مجھ سے ملو یا نہ ملو' ہمارے پرانے مراسم کی شہرت کی بنا پر تمہارے دشمن مجھے تمہارا دوست ہی تصور کرتے رہیں گے۔ یہ چھاپ اتنی گہری ہے کہ زندگی بھر ختم نہیں ہوسکتی۔ جب تم کسی کی دم مروڑو گے' وہ تم سے مار کھانے کے بعد میرے گھر پر چڑھائی کردے گا۔ اس کا بس ایک ہی علاج ہے کہ تم بھی میری طرح شریفانہ زندگی اختیار کرلو۔ تمہاری دشمنیاں ختم ہوں گی تو میں خود بخود محفوظ ہوجاؤں گا مگر یہ تو بتاؤ کہ شیدا خونی کس کے لیے کام کررہا ہے؟"

"فی الحال میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ یہ بعد کی باتیں ہیں اس وقت تمہیں اپنی حفاظت کی فکر کرنی چاہیے۔ شیدا خونی تمہارے لیے جلد ہی مصائب کھڑے کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کی خدمات کرائے پر حاصل کرنے والے بھی یہاں دوبارہ طبع آزمائی کرسکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ شیدا خونی دہشت کے باعث اِدھر

کا رخ کرنے کی ہمت نہ کر سکے لیکن بھاری معاوضے کے لالچ میں شہر کے دوسرے بدمعاش اس کام پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔"

"میرے پاس بہت سہل ترکیب موجود ہے۔" وہ چند لمحوں تک خاموش رہنے کے بعد بولا "سلمیٰ کافی دنوں سے میکے جانے کے لیے اصرار کر رہی ہے۔ میں آج رات ہی اسے لاہور روانہ کر دیتا ہوں۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر پوچھا "اصل خطرہ تمہیں ہو سکتا ہے۔ تم کیا کرو گے؟"

"میری فکر نہ کرو۔ میں بھی روپوش ہو جاؤں گا۔ میں نے فیکٹری میں جب سے پروڈکشن' ایکسپورٹ اور اکاؤنٹ کو کمپیوٹر پر ڈالا ہے' ہر دن کی تصویر آئینے کی طرح سامنے رہتی ہے اور سپروائزروں کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس شعبے میں زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ دس پانچ دن میرے بغیر بھی کام اسی طرح چلتا رہے گا۔"

اپنے بارے میں اس کا منصوبہ لاجواب تھا۔ مسز خان اپنے گھر والوں سے اپنے باس کے ساتھ بیرون شہر کے کاروباری دورے کا بہانہ کر کے اس کے پاس آجاتی اور وہ دونوں فرضی ناموں سے شہر کے کسی بڑے ہوٹل میں مقیم ہو جاتے۔ ان دونوں کے مراسم نئے نئے تھے اس لیے وہ ایک دوسرے سے اکتائے بغیر' ہفتہ عشرہ تک ہنسی خوشی ہوٹل کے کمرے تک محدود رہ سکتے تھے۔ ہوٹل کے عملے کے لیے وہ کوئی نئی بات نہ ہوتی۔ ان دونوں کی جملہ ضروریات اسی فلور بلکہ کمرے میں پوری ہو سکتی تھیں۔ میری طرف سے میدان صاف ہونے کا اشارہ ملنے کے بعد' جہانگیر اپنی سہولت کے مطابق اس فرضی دورے سے واپس آکر اپنی معمول کی ذمے داریاں سنبھال سکتا تھا۔

وہ منصوبہ بے داغ اور قابل عمل تھا۔ میں نے کہا "پھر وقت ضائع نہ کرو۔ رات کا انتظار کرنے کے بجائے پہلی پرواز سے سلمیٰ کو اس کے میکے روانہ کر دو۔ شیدے کی ابتر حالت کا اس نے بہت گہرا اثر لیا ہے۔ یہاں رہی تو وہ خواب میں بھی اسی کو دیکھ کر ڈرتی رہے گی۔"

فون کرنے پر معلوم ہوا کہ لاہور کے لیے اگلی براہ راست پرواز سات بجے تھی۔ اس سے پہلے پانچ بجے شام ایک اور پرواز سکھر کے راستے لاہور روانہ ہوتی تھی۔ ہمارے لیے اہم مسئلہ یہ تھا کہ سلمیٰ کو جلد از جلد شہر سے نکال دیا جائے پھر براہ راست کے مقابلے میں سکھر کے راستے جانے والی پرواز میں نشست بھی آسانی سے مل سکتی تھی اس لیے جہانگیر نے فون پر فیکٹری کے ایک ملازم کو سلمیٰ اور اس کے شیر خوار بچے کا ٹکٹ گھر پہنچانے کی ہدایت کی پھر وہ مسز خان سے گفتگو میں مصروف ہو گیا۔ وہ فیکٹری ہی میں اپنے باس کی آمد کی منتظر تھی۔ اسے گفتگو کی آزادی فراہم کرنے کی نیت سے میں ڈرائنگ روم سے ٹل گیا۔ میں نے سوچا کہ اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلمیٰ کو اس کی روانگی کے پروگرام سے باخبر کر دوں تاکہ وہ فوری طور پر اپنی تیاری شروع کر سکے۔

میں نے سلمیٰ کی خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی تو اس نے یہ جانے بغیر کہ کون آیا تھا' اندر سے آجاؤ کی آواز لگائی اور میں جھجکتے ہوئے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

سلمیٰ ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ کر مسہری پر چت لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا بچہ قریب ہی رکھے ہوئے بے بی کاٹ میں بے خبر سو رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی سلمیٰ نے تیزی سے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی تو میں وہیں رک گیا اور کہا "تم آرام کرتی رہو۔ میری وجہ سے تکلف میں پڑنے کی ضرورت نہیں' میں واپس جا رہا ہوں۔"

"تم اکیلے ہی ہو؟" اس نے کمزور سی آواز میں پوچھا۔ اس کا زرد چہرہ اس وقت بھی ستا ہوا تھا۔

"ہاں' جہانگیر کچھ لوگوں کو فون کر رہا ہے۔ میں تمہیں صرف یہ بتانے آیا تھا کہ جہانگیر تمہیں پانچ بجے والی پرواز سے لاہور بھیج رہا ہے۔ اپنا اور بچے کا سامان پیک کر کے روانگی کی تیاری کر لو۔"

"آجاؤ اور تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس بیٹھو۔" وہ دوبارہ اسی انداز میں مسہری پر دراز ہوتے ہوئے بولی "میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ جہانگیر تمہارے ساتھ ہوتے ہوئے تو میرا یوں لیٹے رہنا مناسب نہیں ہوگا۔ شراب نوشی کے بعد انہیں ذرا ذرا سی باتیں بڑی ہو کر نظر آنے لگتی ہیں۔"

سلمیٰ کی وہ بات سن کر میری کھوپڑی سن ہو کر رہ گئی۔ وہ حقیقت میں بہت دہشت زدہ تھی۔ اس کی حالت قابل رحم ہو رہی تھی مگر اس حالت میں بھی اس کی سوچ سیدھی نہیں تھی۔ شوہر کو دکھانے کے لیے وہ مجھ سے حجاب برت سکتی تھی لیکن خلوت میں اسے مجھ سے کسی تکلف کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اس کے وجود سے نظریں چراتے ہوئے ایک دور افتادہ کرسی پر جا بیٹھا حالانکہ مسہری کے قریب بھی دو کرسیاں موجود تھیں۔

سلمیٰ نے ایک نظر میری طرف پھر خالی کرسیوں کی طرف دیکھا اور کسمسا کر اپنی پوزیشن اس طرح تبدیل کر لی کہ میری طرف دیکھتی رہے پھر اس نے پر تشویش آواز میں سوال کیا "کیا جہانگیر کے ساتھ مجھے پوری زندگی اسی خوف اور وحشت کے عالم میں گزارنی پڑے گی؟ اس کا ماضی اس کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتا؟"

"جرائم دو قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے جرم کا ارتکاب کرنے والے کو ہر شخص مجرم سمجھتا اور اس سے نفرت کرتا ہے لیکن دوسری قسم کے جرائم ہماری معاشرتی زندگی کا حصہ بن چکے ہیں۔ اسمگلنگ' ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کرنے والوں کو کوئی مجرم کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کیونکہ ان سنگین جرائم کو آج کاروباری ضروریات بلکہ لوازم کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ جہانگیر کے بیشتر دشمنوں کا تعلق دوسری قسم کے مجرموں سے ہے۔ وہ اپنے ان زخموں کو آج تک فراموش نہیں کر سکے ہیں جو جہانگیر نے انہیں

اپنی ذہانت سے لگائے تھے۔ وہ پیسے کے زور پر وقتاً فوقتاً کرائے کے آدمیوں سے اس پر وار کراتے رہتے ہیں لیکن آج میں نے شہر کے ایک نامی گرامی بدمعاش کو جس حالت میں جوتے مار کر یہاں سے نکالا ہے اس کے بعد اس برادری کے لوگ ادھر آنے کے تصور سے کانپ اٹھیں گے لیکن پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ آئندہ تم بے خوف و خطر زندگی گزار سکو گی۔"

"تم نے اُس کے ساتھ کیا کیا تھا کہ اُس کے پورے جسم اور چہرے پر کوئی زخم نظر نہ آنے کے باوجود اُس کا دہانہ خون میں لتھڑا ہوا تھا؟ شاید اسے خون کی قے بھی ہوئی تھی۔" وہ جھرجھری لے کر بولی۔

"کچھ نہیں، میں نے صرف اُس کی زبان کاٹ دی تھی تاکہ آئندہ وہ ہم میں سے کسی کے نام کی تحقیر کرنے کے قابل نہ رہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "بائیس آدمیوں کے قاتل کی زبان کاٹ کر اُسے جوتے سے مارنا آسان کام نہیں تھا۔ اب شاید وہ زندگی بھر جرم کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکے گا۔"

وہ پھریری لے کر رہ گئی۔ اس کی آنکھیں خوف اور بے یقینی سے کچھ اور پھیل گئی تھیں۔

"یقین نہیں آتا کہ تم جیسا نرم خو انسان ایسی درندگی بھی کر سکتا ہے۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ سرسراتی ہوئی پرخوف آواز میں بولی "خانساماں نے مجھے بتایا تھا کہ تم کچن سے سبزی کاٹنے والی چھری لے کر واپس بھاگے تھے۔ اس سے تو بہتر ہوتا کہ تم اسے ذبح ہی کر دیتے۔ زبان کے بغیر وہ زندہ درگور ہو جائے گا۔"

"شاید مکافاتِ عمل اسی کو کہتے ہیں۔ تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ وہ بائیس جیتے جاگتے انسانوں کا قاتل تھا۔ ان میں سے بیشتر ایسے تھے جنہیں وہ جانتا بھی نہیں تھا۔ اس نے معاوضہ لے کر انہیں صرف اس لیے مارا تھا کہ معاوضہ دینے والے اُن لوگوں کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ آج میں نے ایک ایسے سفاک مجرم کو سزا دی ہے جو اپنی چالاکیوں کی وجہ سے قانون کی آہنی گرفت سے بچا ہوا تھا۔"

"میں اب تک کئی بار یہ سوچ کر لرز اٹھی ہوں کہ آج تم اتفاقاً ادھر نہ آ گئے ہوتے تو کیا ہوتا۔ جہانگیر نشے میں بے حال ہوتے اور وہ آسانی کے ساتھ انہیں ہانک کر اپنے ساتھ لے جاتا۔"

"ہم بہت کچھ سوچتے اور کرتے ہیں پھر اکثر اوقات اپنے کیے پر ناز بھی کرتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم کٹھ پتلیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ قدرت کی نادیدہ قوتیں ہمیں اس بند غار کی طرف دھکیلتی رہتی ہیں جہاں تقدیر ہماری گھات یا انتظار میں چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اس بند غار سے کبھی ہم پر ذلت و تباہی حملہ آور ہوتی ہے اور کبھی خوش بختی کا کمال ہمیں حیران کر دیتا ہے۔

مجھے بھی کسی نادیدہ قوت نے ہی ادھر بھیجا تھا ورنہ ابھی چند ہی روز پہلے تو میں غزالہ کے ساتھ یہاں آیا تھا۔"

اس نے ملتجیانہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم ادھر آتے رہا کرو۔ تمہارے آنے سے مجھے بہت ڈھارس ملتی ہے۔ غزالہ بہت خوش نصیب ہے کہ اسے تمہارا ساتھ میسر ہے۔ بعض مَردوں میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ ان کی پناہ میں آیا ہوا ہر فرد خود کو ایک مضبوط سائبان کے نیچے محسوس کرتا ہے۔ میں اس آسودگی سے محروم ہوں۔ جہانگیر کے ساتھ میں خود کو ایک لق و دق صحرا میں بالکل بے سروسامان محسوس کرتی ہوں۔ مجھے دنیا کی ہر نعمت میسر ہے مگر تحفظ کا احساس ناپید ہے۔ ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کوئی مجھے لوٹ لے گا، اٹھا لے جائے گا یا مار ڈالے گا۔ تم آتے ہو تو میں خود کو یک بیک بہت محفوظ و مامون سمجھنے لگتی ہوں۔"

"مجھے آتے رہنے میں کوئی اعتراض نہیں لیکن جو کچھ تم بتا رہی ہو، اس میں تمہارا اپنا قصور ہے۔ جہانگیر پر اعتماد کرنا سیکھو۔ اُس سے ذہنی فاصلہ ختم کر کے اُس کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ جاننے کی کوشش کرو کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے۔ تم اُس کی توقعات کو بہتر انداز میں پورا کرنا شروع کرو گی تو اس کے رویے میں خود بخود انقلابی تبدیلی آ جائے گی اور تمہیں اُس پر اعتماد ہونے لگے گا۔ مرد چونکہ مرد ہوتا ہے اس لیے وہ عمر بھر اپنی انا کا قیدی بن کر زندہ رہتا ہے۔ وہ زندگی کی بڑی سے بڑی آسائش، حتیٰ کہ گھریلو سکون کے لیے بھی ایک حد سے نیچے آنا اپنی عزتِ نفس کے خلاف سمجھتا ہے۔ اس کی انا کو بہتر خوراک ملتی رہے تو وہ چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے لیے زمین پر ناک رگڑنے پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے۔"

اس کی آنکھیں پرخیال انداز میں چھت پر مرکوز ہو گئیں اور وہ کمزور آواز میں بولی "آج مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم جہانگیر کے سچے اور مخلص دوست ہو۔ میں ہمیشہ سے تمہارے لیے آسان چارا رہی ہوں۔ تم چاہتے تو میری کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر مجھے اپنی خواہشات کا غلام بنا سکتے تھے لیکن تم اس راستے سے ہمیشہ گریز کرتے رہے۔ میں تمہاری احسان مند ہوں کہ آج تم نے میری آنکھیں کھول دیں، مجھے میری غلطیوں کا احساس دلا دیا۔ شاید تم سچ ہی کہہ رہے ہو کہ ہم دونوں کے درمیان صرف انا کی جنگ ہے جو اعتماد کی دیوار کو دیمک کی طرح چاٹے جا رہی ہے۔ میں آج کے بعد کوشش کروں گی کہ جہانگیر سے میرا ذہنی سمجھوتا ہو سکے۔ یہی ہم دونوں کے حق میں بہتر ہوگا۔"

سلمٰی کی وہ باتیں سُن کر مجھے جو خوشی ہوئی، اس کا اندازہ میں ہی لگا سکتا ہوں۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ ٹھنڈے لوہے پر ہزار چوٹیں بھی اس کی شکل میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں لا سکتیں۔ لوہا ٹوٹ جائے گا مگر کسی نئے سانچے میں نہیں ڈھل سکے گا۔ ہاں جب لوہا گرم ہو تو چند ہلکی ہلکی چوٹیں بھی اسے موم کی طرح کسی بھی طرف موڑ سکتی ہیں۔ اس وقت کے مخصوص حالات میں سلمٰی

دہشت اور خوف سے بے حال ہو رہی تھی۔ اُس کی ذات پر سے انا پرستی کا خول اتر چکا تھا اور شاید وہ ذکی الحس بھی ہوگئی تھی جب ہی اس نے میری باتوں کا بھرپور اثر قبول کرلیا تھا۔ مجھے خوشی اس بات کی تھی کہ سلمیٰ کے طور طریقوں میں تبدیلی آنے کے بعد' میں اپنے دل میں کوئی چور محسوس کیے بغیر' بے دھڑک اس گھر میں آمدورفت جاری رکھ سکتا تھا۔

میں نے مسکرا کر ستائشی نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر اس کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

میں چاہتا تو جہانگیر کا پروگرام طے ہوجانے کے بعد وہاں سے رخصت ہوسکتا تھا لیکن میرے دل نے یہ گوارا نہیں کیا۔ ان کے مصائب کا سبب میری ذات تھی اس لیے آخر تک ان کا ساتھ دینا میرا فرض بنتا تھا۔

جہانگیر نے گھریلو ملازمین کو ہدایات دینے کے بعد مجھ سے کوئی بھی گاڑی پسند کرنے کے لیے کہا تو مجھے حیرت ہوئی کہ نشے کی حالت میں کہی ہوئی وہ بات بدستور اس کے ذہن میں اٹکی ہوئی تھی۔ اس بار میں نے اس کی پیشکش سختی کے ساتھ مسترد کردی۔ شہر میں ڈون کوانگ فو کے آدمیوں کے سرگرم عمل ہونے کا بین ثبوت سامنے آجانے کے بعد میں جہانگیر کی کوئی بھی گاڑی استعمال کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

میرا سراغ لگانے کے لیے' اُن لوگوں نے اپنی مہم جوئی کی ابتدا جہانگیر کی ذات سے کی تھی۔ اس کے روپوش ہونے کے بعد' اس کی کوئی گاڑی میرے زیر استعمال ہوتی اور پہچان لی جاتی تو میں اس کی وجہ سے مشکلات میں پھنس سکتا تھا۔ اس کی گاڑی لینے سے انکار کرنے کے ساتھ ہی میں نے سلمیٰ سے رقم لے کر دوسری کار خریدنے کا ارادہ بھی ترک کردیا۔ خطرناک حالات میں مسلسل ایک کار کو زیر استعمال رکھنے کے بجائے ہر بار نئی ٹیکسی میں سفر کرنے سے بہت سے ان دیکھے خطرات خود بخود ٹل سکتے تھے۔

وہ مجھے بتا چکا تھا کہ اُس کا ارادہ ائرپورٹ سے براہ راست ایک مشہور ہوٹل میں جانے کا تھا۔ مسز خان مقررہ وقت پر اس سے وہیں ملنے پہنچ جاتی۔ میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ سلمیٰ کو ائرپورٹ چھوڑنے کے لیے اپنی کار کے بجائے ٹیکسی استعمال کرے تاکہ وہ واپسی میں کار کی فکر سے آزاد رہے مگر اس معاملے میں وہ مجھ سے زیادہ چالاک ثابت ہوا۔ اس نے اپنی کار ائرپورٹ کی پارکنگ لاٹ میں ہی چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اگر اُس کی کار وہاں پہچان لی جاتی تو اس کا پیچھا کرنے والے یہی سمجھتے کہ وہ اپنی کار ائرپورٹ پر چھوڑ کر شہر سے فرار ہوگیا ہے۔

ائرپورٹ کے سفر میں' میں ان لوگوں کے ساتھ تھا۔ جہانگیر نے منزل آنے سے پہلے ہی' سلمیٰ اور اپنے شیرخوار بیٹے کو گاڑی ہی میں الوداع کیا پھر ہم تینوں کو اکلوتے سوٹ کیس کے ساتھ' لاؤنج کے سامنے اتار کر گاڑی پارکنگ لاٹ کی طرف لے گیا۔ اس کا ارادہ وہیں رک کر میرا انتظار کرنے کا تھا۔

میں نے سوٹ کیس ایک ٹرالی بردار قلی کے سپرد کر کے سلمیٰ کو اندر روانہ کیا اور اس وقت تک شیشوں میں سے اسے دیکھتا رہا جب تک وہ بورڈنگ کارڈ لے کر سیکیورٹی چیک پوسٹ میں غائب نہ ہوگئی۔ میں گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے پارکنگ لاٹ کی طرف چل دیا۔

"فون پر مجھے اپنی خیریت سے باخبر کرتے رہنا۔" جہانگیر نے پارکنگ لاٹ سے ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جاتے ہوئے کہا "میں وہاں علی نواز خان کے نام سے قیام کروں گا۔ مسٹر اور مسز علی نواز یاد رکھنا۔ اور ہاں' یہ تجوری کی چابی بھی رکھ لو۔ اس میں میری بھی تھوڑی سی رقم پڑی ہوئی ہے جو مقامی کرنسی میں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ مشق طول پکڑ جائے اور تمہیں رقم کی ضرورت پیش آجائے تو پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔"

اس کے ہاتھ سے تجوری کی چابی لیتے ہوئے' مجھے اس پر بے اختیار ترس آنے لگا۔ ڈون کوانگ فو کے خونخوار شکاری کتے اس کی بو کا پیچھا کر رہے تھے۔ وہ میری خاطر بلکہ میری وجہ سے خانہ بدوشی اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا تھا لیکن پھر بھی وہ مطمئن اور خوش تھا کیونکہ اس طرح اسے مسز خان سے بھرپور مراسم استوار کرنے کا ایک نادر موقع میسر آرہا تھا۔

ہم ائرپورٹ سے ٹیکسی میں روانہ ہوئے تو میرا ارادہ تھا کہ میں جہانگیر کو ہوٹل چھوڑتا ہوا اسی ٹیکسی سے شرف آباد نکل جاؤں گا لیکن اسے اتارنے کے بعد میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ صدر کے پرہجوم علاقے میں اس ٹیکسی کو فارغ کر کے میں نے دوسری ٹیکسی پکڑی اور گھر روانہ ہوگیا۔

○☆○

اِن تینوں کی رائے میرے فیصلے سے متصادم تھی۔ میں فلیٹ کو خیرباد کہہ کر ہوٹل بلکہ دو ہوٹلوں میں منتقل ہونا چاہتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس کی سرے سے ضرورت ہی نہیں تھی۔ ویرا نے ان کی ترجمانی کے فرائض سنبھالے ہوئے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر اُن لوگوں کو فلیٹ کا موہوم سا بھی خیال ہوتا تو وہ جہانگیر پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہی وہاں طبع آزمائی کرتے۔ میں شہر کے ایک خطرناک قاتل کی زبان کاٹ کر اسے زندہ چھوڑ آیا تھا اس لیے اس کی طرف سے کسی متوقع انتقامی کارروائی کا خوف میرے ذہن میں جاگزیں ہوچکا تھا جو مجھے محفوظ اور آرام دہ فلیٹ سے نکل بھاگنے پر اکسا رہا تھا۔

بالفرض انہیں ڈون کو دیئے ہوئے نمبر کا خیال آ بھی جاتا تو وہ محض فون نمبر کے سہارے فلیٹ کا پتا نہیں لگا سکتے تھے۔ عام ڈائریکٹری سے یہ کام لینا ناممکن تھا۔ پھر کراچی میں ٹیلی فون کے محکمے کی کارکردگی اس قدر ناقص تھی کہ صارفین کے لیے ڈائریکٹری کی

کئی سال کے وقفے سے چھاپی جاتی تھی۔ نمبروں کی ترتیب سے مالکین کے پتے فراہم کرنے والی خصوصی نیومیریکل ڈائریکٹری تو دس برس سے چھاپی ہی نہیں گئی تھی۔ اس میں جہانگیر کے اس فلیٹ کا نمبر اور پتا درج ہونے کا امکان ہی نہیں تھا کیونکہ وہ پاکستان میں ٹی کے فعال ہونے سے پہلے کا وقت تھا۔ اس وقت ہم لوگ دو وقت کی روٹی بھی بڑی محنت سے حاصل کیا کرتے تھے اور ہمارے لیے فون جیسی عیاشی کا تصور کرنا گناہ سے کم نہیں تھا۔ ڈون کے آدمیوں کو فون نمبر کے سہارے آگے بڑھنے کے لیے دو کام کرنے پڑتے۔ اول یہ کہ وہ اسی نمبر پر فون کر کے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ ویرا کے پاس اس کا توڑ یہ تھا کہ فلیٹ پر آنے والی ہر فون کال غزالہ ریسیو کرے اور کسی بھی اجنبی کال کے جواب میں وہی رٹا رٹایا سبق دہراوے جو وہ مکاؤ سے آنے والی کال کے جواب میں سنا چکی تھی۔ ان لوگوں کے لیے دوسرا راستہ طویل تھا۔ اگر وہ فون نمبر کے ذریعے پتا معلوم کرنے کے لیے محکمے کے کسی آدمی پر جال ڈالتے تو اس میں کامیابی کے لیے وقت درکار ہوتا۔

ان تینوں نے اس تجزیے کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہمیں فوری طور پر فلیٹ چھوڑ کر فرار ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ ایک دو روز میں حالات بگڑتے تو اس فیصلے پر نظرثانی کی جاسکتی تھی۔ میرے پاس اس کے مربوط دلائل کا کوئی مثبت جواب نہیں تھا لیکن میری چھٹی حس مجھے ان سے اختلاف رائے پر مجبور کر رہی تھی۔

ویرا نے میری یہ بات سنتے ہی میرا مضحکہ اڑانا شروع کر دیا "چھٹی حس کا تعلق لاشعور سے ہوتا ہے اور میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ تمہارے لاشعور میں شیدے کا خوف گھسا ہوا ہے۔ تم سے کس حکیم نے کہا تھا کہ اسے زندہ جانے دو۔ اسے مار ڈالنے کے بعد شاید تم اپنی فطری مکاری کے ذریعے اس کے دونوں ساتھیوں کو بھی مار لیتے لیکن تم نے وہ موقع گنوا دیا۔ اب بلاوجہ چھٹی اور ساتویں حس کی باتیں کر کے اپنی کمزوری پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ مان لو کہ اس کے منہ سے غزالہ کے لیے ایک تحقیر آمیز لفظ سن کر تمہاری کھوپڑی الٹ گئی تھی اور تم بدترین اشتعال کے عالم میں صحیح ترین فیصلہ کرنے کی اپنی سدابہار صلاحیت سے محروم ہو گئے تھے۔"

میں نے تنگ آکر ہتھیار ڈال دیے۔ "سمجھانا میرا فرض تھا۔ تم تینوں ہی یک زبان ہو گئے ہو تو میں خاموش ہوا جاتا ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ شیدے کو زبان سے محروم کرتے ہوئے، شاید میرا دماغ الٹ گیا ہو مگر میں اپنے اس فعل پر نادم ہوں نہ اس کے نتائج سے خوف زدہ۔ خوف تو برسوں سے میرے خواب و خیال میں بھی نہیں پھٹک سکا ہے۔"

میں نے ان سے جو کچھ کہا اس میں تصنع کا کوئی دخل نہیں تھا۔ میں مکاؤ سے آئے ہوئے، ڈون کوانگ فو کے آدمیوں سے خوف زدہ تھا نہ مجھے شیدے کی طرف سے کوئی فکر لاحق تھی۔ ڈون کے آدمیوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کراچی ان کے لیے ایک اجنبی شہر تھا اور ہر بڑے شہر کی طرح، ان کے لیے مشکلات پیدا کرنے کا سبب بن سکتا تھا۔ میری نظروں میں یہ اُن کی بہت بڑی کامیابی تھی کہ انہوں نے میرے اغوا کا مقصد حاصل کرنے کے لیے شیدے اور دوسرے جرائم پیشہ لوگوں تک رسائی حاصل کرلی تھی مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرے ہاتھوں اپنی مٹی پلید ہونے کے بعد شیدا مجھ سے دوسرا تصادم مول لینے کی جرائت نہیں کر سکے گا۔ بڑے شکار پر منہ مارنے والے درندے کے جبڑے عین وقت پر اپنے شکار کو نگلنے کے لیے چھوٹے پڑ جائیں تو پھر وہ اس شکار سے زندگی بھر خوف زدہ رہتا ہے۔ اُس سے کہیں اتفاقاً بھی سامنا ہو جائے تو دُم دبا کر بھاگ نکلتا ہے۔ مجھے شیدے خونی سے اسی ردعمل کی توقع تھی پھر کراچی کی زیرزمین دنیا میں چلنے والے مقامی ضابطے بھی تھے۔ بڑے مجرموں کے بنائے ہوئے ان ضابطوں سے چھوٹے موٹے اور غیر معروف مجرم بھی خائف رہتے تھے اور اپنی بساط کے مطابق، ان کا پاس رکھنے کی پوری پوری کوشش کرتے تھے۔ ان میں سب سے اہم اصول یہ تھا کہ باہر کے کسی آدمی کے ایما پر کوئی بھی ایک دوسرے کے خلاف کام نہیں کرتا تھا۔ باہمی بغض وعناد اور علاقوں کی تقسیم پر ہونے والے، آپس کے جھگڑوں میں عموماً طاقتور حریف فتح مند رہتا تھا۔ مقابلہ ٹکر کا ہو تو برادری کے مفاد میں چند "ثقہ" اور مستند مجرم درمیان میں ثالث کا کردار ادا کر کے فیصلہ کرادیا کرتے تھے جسے ماننا دونوں فریقوں پر لازم ہوتا تھا۔ کافی عرصے سے یہ روایت چلی آرہی تھی کہ دو متحارب افراد یا گروہوں میں ایک سے زیادہ تصادم نہیں ہوتے تھے۔ پہلے ہی ٹکراؤ میں دونوں فریقوں کو اپنی اپنی حقیقی طاقت کا اندازہ ہو جاتا تھا اور کمزور ثابت ہونے والا فریق فی الفور اپنے دعوے سے دستبردار ہو جاتا تھا۔

میں بہت عرصے سے جرائم کی مقامی دنیا سے باہر تھا لیکن پچھلے دنوں میں مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ لوگ میرا نام نہیں بھولے تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ میں نے اگر کچھ ذاتی مصلحتوں کی بنا پر اپنی سرگرمیاں محدود یا موقوف کی ہوئی تھیں تو دوسری طرف میں نے تائب ہونے کا کوئی اعلان یا ارادہ نہیں کیا تھا۔ گو مافیا کی سرگرمیاں

بہت رازدارانہ ہوتی تھیں لیکن سینڈو اور اس کے بعد شیر شاہ خان کے آدمیوں کے ذریعے شہر کے محدود اور باخبر حلقوں میں یہ بات پھیل چکی تھی کہ میں ایک بار پھر ہیروئن کی لائن میں آگیا تھا۔ میرے لیے وہ نیک نامی یا اعزاز کی بات نہیں تھی لیکن اس کا فائدہ یہ تھا کہ میں جرائم سے کنارہ کش ہوجانے کے باوجود 'مجرموں کی برادری کا رکن تھا اور اگر شیدا اپنے معاملے میں کچھ لوگوں سے میرے خلاف مدد طلب کرتا تو اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ برادری کے ایک آدمی سے زبان کٹوانے اور جوتے کھانے کے بعد' دوبارہ اُدھر کا رخ کرنے کا ارادہ چھوٹے جیزوں کے ساتھ بڑا شکار کرنے کی کوشش پر محمول کیا جاتا اور کوئی بھی اس کا ساتھ نہیں دیتا۔

شیدے کی زبان تراشی کا معاملہ معمولی نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کے ساتھ ہونٹوں چلی' کوٹھوں چڑھی والا قصہ ہوگا۔ شام ہونے سے پہلے پورے شہر کے بدمعاشوں کو معلوم ہوجائے گا کہ شیدا خونی اپنے زعم میں ڈپٹی کے ایک دوست کو اغوا کرنے گیا تھا اور وہاں سے اپنی زبان گنوا کر لوٹ آیا ہے۔ نام جہانگیر کا ضرور آتا لیکن یہ کوئی راز کی بات نہیں تھی کہ جہانگیر کو میری مکمل پشت پناہی حاصل تھی۔ اسے للکارنے کا مطلب میرے قہر و غضب کو للکارنے کے مترادف تھا۔ معراج دین عرف ماجے اور اس کے اڈے کی عبرتناک تباہی کے بعد سب جان گئے تھے کہ میں گوشہ نشین ہوجانے کے بعد بھی اتنی طاقت ضرور رکھتا تھا کہ اپنے اور اپنے جگری دوستوں کے بدخواہوں کے حلق میں ہاتھ ڈال کر' ان کی آنتیں باہر کھینچ سکوں۔

اس تشہیر کے بعد ڈون کوانگ فو کے آدمیوں کا کام بہت مشکل ہوجاتا۔ شیدا پسپائی اختیار کرلیتا اور دوسرے لوگ ان کے لیے کام کرنے پر آمادہ نہ ہوتے۔ جو حریص یا بدطینت لوگ کسی آمادگی کا اظہار کرتے وہ بھاری معاوضہ طلب کرنے کے ساتھ ہی من مانی شرائط بھی پیش کرتے' جن کا پورا کرنا آسان نہ ہوتا۔

یہ سب جانتے بوجھتے ہوئے' مجھے ڈون کوانگ فو کے آدمیوں یا شیدے سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت ہی نہیں تھی مگر پھر بھی میں جہانگیر کے فلیٹ پر اپنا تصرف جاری رکھنے کے حق میں نہیں تھا۔

پچھلے کئی دنوں سے ہمارے معمولات بہت خراب نہج پر چل رہے تھے جس کے نتیجے میں ہماری نیندیں پوری نہیں ہو رہی تھیں۔ اس لیے یہ طے کیا گیا کہ دوپہر اور شام کے کھانے کی تیاری اسی وقت شروع کردی جائے تاکہ ہم رات کا کھانا جلدی کھا کر' اپنے اپنے ٹھکانوں پر آرام کرسکیں۔

غزالہ نے کھانا تیار کرنے کے ارادے سے کچن کا رخ کیا تو سلطان شاہ بھی اس کی مدد کرنے کے لیے اس کے ساتھ ہولیا۔ وہ غزالہ کے ساتھ عملی ہمدردی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔

میدان صاف ہوتے ہی ویرا پرشوق انداز میں میرے قریب سرک آئی اور سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔ "بوتل وغیرہ نکال لوں؟ اسکاچ پیو گے؟" اس وقت اس کی آنکھوں میں حریصانہ چمک موجود تھی۔

اس کے سوال کرنے کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے پوری امید تھی کہ اس کی پیشکش سنتے ہی میری رال ٹپک پڑے گی مگر جب میں نے اسے تیز نظروں سے گھورا تو وہ خاصی بوکھلائی ہوئی نظر آنے لگی۔

"ابھی دوپہر ہوئی ہے۔ تم نے ابھی سے پینی شروع کی تو رات تک پیتی رہو گی اور پھر بدحال ہوجاؤ گی۔" میں نے کہا۔ "اس وقت تم شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گی۔ سورج ڈوبنے کے بعد تم اپنا شوق پورا کرسکتی ہو۔"

"میرے محتسب اور بزرگ بننے کی کوشش نہ کرو۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "مجھے اپنے کسی بھی قول و فعل کے لیے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں عاقل و بالغ ہوں اور خوب اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ مجھے کس وقت کیا کرنا چاہیے۔ میں نے صرف یہ پوچھا تھا کہ تم پیو گے یا نہیں؟ اس میں میرا سوال ہی نہیں تھا۔ جو کچھ بتاتا ہے' اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"صبح میں نے جہانگیر کو بلانوشی کے بعد جس بری حالت میں دیکھا ہے' اس کے بعد شراب سے کراہیت سی آرہی ہے۔ میں اس وقت گلاس کو منہ لگانا بھی پسند نہیں کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"خواہ گلاس میں یخ بستہ پانی ہی کیوں نہ ہو؟" اس نے طنز سے پوچھا۔

"ذرا کی چلتے چلتے سرپٹ نہ ہوا کرو۔ اس وقت پانی کی بات کہاں سے آگئی؟"

"خرابی شراب کی نہیں' ٹائمنگ کی تھی۔ اگر تم بھی جہانگیر کے ساتھ صبح سات بجے سے پی رہے ہوتے تو تمہیں اس میں کوئی خرابی نظر نہ آتی۔ اول تو تم اسے اتنی تیزی سے نہ پینے دیتے یا پھر تم خود بھی اس کے ساتھ ڈاؤن ہوجاتے۔ خرابی یہ ہوئی کہ تم درمیان میں پہنچے۔ تم ہوش مند تھے اور وہ مدہوش۔ اسی لیے تو رندوں کی محفل میں واعظ و شیخ کے داخلے پر کڑی پابندی عائد ہے۔ وہ آتے ہی رنگ میں بھنگ ڈال دیتے ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے حال ہی میں منی بیگم کی گائی ہوئی کوئی غزل سن لی ہے۔ انہیں واعظ' شیخ اور رندوں کے معمولات سے گہری دلچسپی معلوم ہوتی ہے۔" میں نے سنجیدگی کو خیرباد کہتے ہوئے کہا۔

"کسی کی غزلیں سنے بغیر بھی میں ان باتوں پر دسترس رکھتی ہوں جو اردو کے بیشتر شاعروں کو پریشان کیے رہتی ہیں۔ میں تم کو صرف یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ ہوش اور عقل شراب کی غذا ہیں۔ شراب پی ہی اس لیے جاتی ہے کہ انسان اپنے ہوش و حواس سے

کسی نہ کسی حد تک بے بہرہ ہو کر' اپنے ماحول یا مسائل سے فرار حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب اگر ایسی نادر چیز پر عقل اور شعور کا اطلاق کیا جانے لگے تو اس سے بڑی زیادتی کیا ہوگی؟"

"زیادتی نہیں' یہ سیدھی سیدھی سانپ اور نیولے کی لڑائی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے ازلی اور جانی دشمن ہیں۔ عقل ماری جائے تو انسان' جہانگیر کی طرح' بستر سے اٹھتے ہی شراب نوشی شروع کر دیتا ہے اور عقل جیت جائے تو آدمی میری طرح مزید محتاط ہو جاتا ہے۔ سوری! اس وقت میں کسی طرح تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی زاہد بننے کی تیاریاں کر رہے ہو۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "اگر تم بھی اسی طرح ساغر ومینا پر عقل کے پہانے لاگو کرتے رہے تو میری بددعا ہے کہ تم جلد از جلد زاہد خشک بن جاؤ۔" وہ تیزی سے مڑی اور اپنے مطلوبہ لوازم اکٹھے کرنے کے لیے اندر چلی گئی۔ اپنی برہمی کا اظہار کرنے کے لیے وہ فرش پر زور زور سے پیر مار کر چل رہی تھی۔

تنہائی میسر آنے پر' میں نے اپنے ذہن کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ میں فلیٹ سے کیوں نکل جانا چاہ رہا تھا؟ وہاں ہمیں کیا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا؟ لیکن مجھے اپنے ان سوالات کا کوئی مضبوط جواب نہیں مل سکا جو ان تینوں کو قائل کر دیتا۔

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہم چاروں نے سرشام ہی رات کا کھانا کھا لیا اور آٹھ بجے کے قریب سونے کے لیے چلے گئے۔ میرے اور غزالہ کے لیے ایک خوابگاہ مخصوص تھی۔ مکاؤ میں جبری شادی کے بعد' واپسی پر ویرا نے ہم دونوں کو یہ رعایت دے دی تھی ورنہ ایک کمرا اس کے اور غزالہ کے تصرف میں رہتا تھا۔ دوسری خوابگاہ میرے اور سلطان شاہ کے مشترکہ استعمال میں رہتی تھی۔ غزالہ نے جب بھی سلطان شاہ کی بے آرامی کے بارے میں فکرمندی کا اظہار کیا تو ویرا نے ہمیشہ نہایت فراخ دلی کے ساتھ پیشکش کی کہ سلطان شاہ اس کے ساتھ دوسری خوابگاہ میں سو سکتا تھا جہاں ایک ڈبل بیڈ کے بجائے دو عدد سنگل بیڈ موجود تھے لیکن سلطان شاہ ہمیشہ بھڑک اٹھتا تھا۔ وہ لاکھ دلیر اور بے خوف سہی لیکن اس معاملے میں اس میں مردانگی مفقود تھی۔ وہ ویرا کے ساتھ ایک کمرے میں مقید ہونے کے ذکر سے ہی وحشت زدہ ہو جاتا تھا۔

اس روز ویرا ویسے بھی سرور میں تھی۔ مجھے سلگانے کے لیے اس نے دوپہر ہی سے شراب نوشی کا آغاز کر دیا تھا۔ پھر وہ وقفے وقفے سے ہلکے پیگ لیتی رہی۔ اس کا خیال تھا کہ میں اسے ٹوکنے یا اس کے ساتھ الجھنے کی کوشش کروں گا لیکن میں نے اسے بری طرح نظرانداز کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ کی ضدی تھی اور نشے میں آکر کچھ بھی کر سکتی تھی لیکن غنیمت یہ تھا کہ وہ پی کر آپے سے باہر نہیں ہوئی تھی۔ جب اس نے سلطان شاہ کو سونے کے لیے ڈرائنگ روم کا رخ کرتے ہوئے دیکھا تو مسکرا کر اسے اپنے

کمرے میں آنے کی دعوت دی جو اس نے نہایت خشک لہجے میں مسترد کر دی۔

"اکیلے کمرے میں سوئے تو میں رات بھر تمہیں خواب میں ڈراتی رہوں گی۔" ویرا نے بوجھل ہنسی کے ساتھ کہا۔

"تم سے اس کے علاوہ اور کیا امید کی جا سکتی ہے؟" سلطان شاہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "میری ماں لڑکپن میں مجھ سے کہا کرتی تھی کہ آدھی رات کے بعد چڑیلیں' خوبصورت عورتوں کا روپ دھار کر مردوں کو پھنسانے کے لیے نکلتی ہیں۔ اس بے چاری کو الٹی ہی بات بتائی گئی تھی۔ روپ بدلنا چڑیلوں کے بس سے باہر کی بات ہے۔ ہاں' تم ضرور آدھی رات کے بعد چڑیل کا روپ دھار سکتی ہو۔ اسی لیے میں رات کو تمہارے قریب رہتے ہوئے ڈرتا ہوں۔"

"یہ چڑیل کیا ہوتی ہے؟" ویرا نے مجھ سے پوچھا۔ غزالہ اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔

ویرا کے اس سوال پر مجھے نہایت خوشگوار حیرت ہوئی۔ اردو زبان کا وہ پہلا لفظ تھا جو اس کے سر پر سے گزر گیا تھا ورنہ وہ خاصے ثقیل الفاظ با محاورہ انداز میں بول اور سمجھ لیتی تھی۔ اردو پر اس کی دسترس قابل رشک تھی۔

"مزاج میں تم جیسی ہوتی ہے البتہ تمہاری جیسی شکل و صورت تھوڑی دیر کے لیے ہی اپنا سکتی ہے۔ عام طور پر کریہہ اور بدصورت نظر آتی ہے۔ انگریزی میں اسے وِچ کہتے ہیں۔" میں نے بے پروایانہ انداز میں کہا۔

وہ مُکا تان کر میری طرف جھپٹی اور میں تیزی کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

فلیٹ کی روشنیاں وغیرہ گل ہونے کے بعد نیند نے مجھے جلد ہی آلیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کتنی دیر تک سویا ہوں گا۔ گھٹن کے ایک عجیب سے احساس کے ساتھ میری آنکھ کھلی تو میں ہڑبڑا کر رہ گیا۔ تاریکی میں میرے اوپر ایک بھاری بھرکم ہیولا جھکا ہوا تھا۔ اُس کا ایک ہاتھ بہت سختی کے ساتھ میری ناک اور دہانے پر جما ہوا تھا۔ اس کی ہتھیلی میں کوئی نم آلود چیز بھی موجود تھی جسے مستقل طور پر میری ناک سے چپکائے رکھنے کے لیے وہ سخت محنت کر رہا تھا۔

میں نے پوری قوت صرف کر کے غزالہ کو پکارنے کی کوشش کی لیکن میرا دہانہ اتنی مضبوطی کے ساتھ بند کیا گیا تھا کہ میرے ہونٹوں سے خفیف سی آواز بھی نہیں نکل سکی۔ میں نے بستر سے ٹانگیں اٹھا کر' اس کے جھکے ہوئے سر پر قینچی لگانے کا ارادہ کیا لیکن اپنے بوجھل پیروں کو جنبش دے کر رہ گیا اور اسی لمحے میں نے اس شخص کی ہتھیلی سے خارج ہونے والی 'کلوروفارم کی تیز اور مخصوص بو پہچان لی۔ میں نے اپنے وجود میں پیدا ہو جانے والے ہیجان اور بدحواسی کے باوجود' فوراً ہی اپنا سانس روک لیا مگر مجھے دیر ہو چکی تھی۔ میرے نظام تنفس کے ذریعے' بدن میں داخل ہو جانے والی گیس نے اپنا کام دکھانا شروع کر دیا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کی کلائی پکڑ کر خود کو آزاد کرانا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اپنی دھندلاتی ہوئی نگاہوں سے میں نے دیکھا کہ دوسرا سایہ' میرے پہلو میں سوئی ہوئی غزالہ پر جھکا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ کیا وہ حقیقت تھی یا مجھے ایک کے دو نظر آرہے تھے؟ اس سے آگے میرا ذہن تاریکی کی اتھاہ دلدلوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو میرے چاروں طرف اندھیرا تھا۔ میرا پورا بدن کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اور منہ کا ذائقہ بگڑا ہوا تھا۔ وہ عجیب سی کیفیت تھی۔ مجھے اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ میں واقعی ہوش میں آرہا تھا یا پھر کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا تھا۔ میں نے ہاتھ پیر ہلانے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ میرے دونوں ہاتھ پشت پر لے جا کر باندھ دیے گئے تھے۔ اسی طرح پیر بھی بندھے ہوئے تھے۔ جسم کے نیچے سخت اور پختہ فرش تھا جس کی سیلن میں اپنی جلد پر محسوس کر رہا تھا۔

پچھلی رات کے آخری واقعات یاد آتے ہی مجھ پر اضطراب طاری ہو گیا۔ فلیٹ سے منتقل ہونے کے بارے میں مجھے اپنی چھٹی حس کی تنبیہہ کا سبب معلوم ہو چکا تھا لیکن اس وقت بھی میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ مجھے کس قسم کا خطرہ تھا؟ میں کہاں قید تھا؟ مجھے فلیٹ سے بے ہوش کر کے اس مقام تک لانے والے کون تھے؟ غزالہ کہاں تھی؟ بقیہ لوگ کہاں اور کس حال میں تھے؟ میں نے اضطراری طور پر غزالہ کو آواز دی تو اپنی کمزور آواز کی بازگشت سے مجھے اندازہ ہوا کہ میں کسی بڑے کمرے میں قید تھا۔ میرے پکارنے پر کوئی جواب نہیں آیا تو میں نے اپنی تمام تر توجہ کسی بھی قسم کی کوئی آواز یا آہٹ سننے پر مرکوز کر دی۔

اس وقت میرا دل اتنی تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا کہ میں اس کی آوازیں سن رہا تھا۔ پھر مجھے اپنے قریب ہی سے کسی کے لمبے لمبے اور گہرے گہرے سانسوں کی آوازیں آئیں تو میں نے غیر ارادی طور پر ان آوازوں کی طرف کھسکنا شروع کر دیا۔ میں نے چند سیکنڈ میں ہی اندازہ لگا لیا کہ ایک ایڑی اور پنجے کے زور پر کھردرے فرش پر گھسٹنے کے نتیجے میں میں خود کو لہولہان کر لوں گا اس لیے میں نے وہ سلسلہ موقوف کر کے لڑھکنا شروع کیا اور پھر زمین پر پڑے ہوئے کسی اور وجود سے ٹکرا کر رک گیا۔ بدن کی مانوس بو اور جائزہ سے اندازہ ہوا کہ وہ سلطان شاہ تھا جو میری ہی طرح بے ہوش اور بے دست و پا تھا۔

میں سلطان شاہ کی دیکھ بھال کر ہی رہا تھا کہ اس کمرے کی محدود فضا کسی کے کراہنے کی ہلکی سی آواز سے گونج اٹھی۔

"کون ہے؟" میں نے قدرے بلند آواز میں پوچھا۔ "یہاں دو آدمی اور بھی ہیں۔"

"میں کہاں ہوں؟ میرا ہاتھ چھوڑو!" اچانک ویرا کی غنودہ سی منمناہٹ سنائی دی۔ شاید وہ بھی وہیں تھی اور اس وقت ہوش میں

ازی تھی۔ میں سلطان شاہ کو چھوڑ کر' اس کی طرف لڑھکنے لگا۔
رفتہ رفتہ ویرا ہوش میں آ گئی۔ وہ بھی بندھی ہوئی تھی۔ چند ثانیوں تک وہ اول فول بکتی رہی پھر اعتدال پر آنے کے ساتھ ہی حیرت اور تشویش میں مبتلا ہوتی چلی گئی۔ اسے اندازہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ اسے کب اور کس طرح بے ہوش کر کے اس تاریک قید خانے میں پہنچایا گیا تھا۔ بستر پر سونے کے بعد اسے دوبارہ اسی وقت ہوش آیا تھا۔

سلطان شاہ کو میں دیکھ چکا تھا۔ ویرا کو پوری طرح ہوش میں لانے کے بعد' میں نے اس کے ساتھ غزالہ کی تلاش شروع کر دی اور وہ بھی ہمیں ایک دیوار کی جڑ میں بے ہوش پڑی ہوئی مل گئی۔ ہمارے چھیڑ چھاڑ کرتے ہی اس نے بھی ہوش میں آنا شروع کر دیا۔ چند منٹ کے عرصے میں ہم چاروں پوری طرح اپنے ہوش و حواس میں آ چکے تھے۔

"میرے قریب رہو!" غزالہ نے سرسراتی ہوئی' خوف زدہ آواز میں مجھ سے کہا۔ "اس اندھیرے ماحول سے میرا دم گھٹ رہا ہے۔ پتا نہیں ہم چاروں کو یہاں لانے والے کون لوگ ہیں اور ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"اس وقت تمہاری کانپتی ہوئی آواز سن کر مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم وہی غزالہ ہو جس نے انگلینڈ میں بدمعاشوں کے چھکے چھڑا دیے تھے اور کسی چکنی مچھلی کی طرح ہر بار ان کی گرفت سے پھسلتی چلی گئی تھی۔" ویرا کی متحیرانہ آواز ابھری۔ "یہ لوگ جو بھی ہوں' ہمارے دوست نہیں ہو سکتے اور دشمنوں کی فہرست میں فی الحال ڈون کوانگ فو کا نام سب سے اوپر ہے۔ یہ ساری نحوست ڈیڈی کی چھٹی حس کی لائی ہوئی ہے....."

"میں نے ڈون کے آدمیوں کی وجہ سے فلیٹ چھوڑنے کی تجویز پیش نہیں کی تھی!" میں نے احتجاج کیا۔

"وجہ کچھ بھی رہی ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ تم نے ایک تجویز پیش کی جسے ہم تینوں نے مسترد کر دیا اور اب ہم چاروں اس کی سزا بھگت رہے ہیں۔ اگر اب بھی تمہیں اپنی تجویز کا سبب معلوم نہیں ہو سکا تو اللہ تم پر اپنا رحم کرے۔ میں تو یہی کہوں گی کہ تم درویش یا للہ اللہ ہو گئے ہو۔ جو بات کہتے ہو' وہ انہونی ہونے کے باوجود ہو کر رہتی ہے۔ اب ہمارے حق میں خیر کی بھی کوئی بات کہو تا کہ وہ بھی پوری ہو سکے اور ہمیں اس ناگہانی عذاب سے جلد از جلد نجات مل سکے۔"

"اس کمرے میں کہیں بھی کسی دراڑ یا جھری سے روشنی کی کوئی کرن نہیں آ رہی۔ معلوم ہوتا ہے کہ باہر رات ہو گئی ہے۔" سلطان شاہ کی پر تشویش آواز ابھری۔ "کیا ہم چوبیس گھنٹے بے ہوش رہے ہیں۔"

"بہت دور کی کوڑی لائے ہو۔" ویرا کی آواز میں خوف کا شائبہ تک نہیں تھا۔ "تمہاری بات قابل غور ہے۔ کلوروفارم کی بہت زیادہ مقدار بیک وقت دی جائے تو مہلک بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ ہماری بے ہوشی کی مدت کو طول دینے کے لیے یقیناً ہمیں کئی بار ڈوز دیے گئے ہوں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ لوگ ہمیں مارنا نہیں چاہتے جب ہی اتنی مدت سے بے ہوش رکھا ہوا ہے۔"

"مارنا ہوتا تو فلیٹ ہی میں مار دیتے۔ یہ بنگلے کے سر پر موم بتی جلا کر' اسے پکڑنے والے لوگ معلوم نہیں ہوتے۔" میں نے کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ باہر رات نہ ہو۔ اس قید خانے کی دیواروں اور دروازوں میں کوئی دراڑ یا جھری ہی نہ ہو جس میں سے روشنی کی کوئی کرن اندر آ سکے۔" غزالہ کی سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

اس کے جواب میں ویرا نے کچھ بولنے کی ابتدا ہی کی تھی کہ غزالہ کی پرجوش سرگوشیانہ آواز نے ہم سب کو چونکا دیا۔ "اُدھر بائیں طرف دیکھو' ابھی ابھی باہر روشنی ہوئی ہے۔ شاید کوئی آ رہا ہے۔"

ہم سب کے سر اسی طرف گھوم گئے۔ وہاں کسی بند دروازے کی نچلی جھری میں روشنی کا ایک پتلا سا مستطیل نظر آ رہا تھا۔ اسی کے ساتھ دروازے پر کچھ آہٹیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

ہم چاروں دیوار کے سہارے ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے پوری توجہ دروازے پر مبذول کر دی۔

"کاش! ہم آنے والے کو بے بس کرنے کی پوزیشن میں ہوتے۔" ویرا حسرت سے بولی۔

"آنکھ مار دینا۔ وہ خود ہی مر جائے گا۔" میں نے کہا۔ "اِدھر کے مرد خوبصورت عورتوں' خاص طور پر سفید چمڑی والیوں کا دل رکھنے کے لیے اس سے بھی زیادہ بودے بن جاتے ہیں۔ تمہارا وار کارگر رہے گا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ یہ لوگ مجھے اور غزالہ کو بے ہوشی کی حالت میں یہاں لائے ہیں۔ یہ اتنے ندیدے ہوتے تو ہماری بے ہوشی ان کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہوتی مگر میں اپنی حد تک یہ دعویٰ کر سکتی ہوں کہ ان لوگوں نے یہاں لانے کے علاوہ' میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ یہ عورتوں کے معاملے میں شریف معلوم ہوتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" غزالہ نے اس کی تائید کی۔ "لیکن یہ شرافت عارضی بھی ثابت ہو سکتی ہے۔"

آہٹوں کے بعد دروازہ کھل گیا۔ باہر کسی بلب کی روشنی میں دو آدمی نظر آئے۔ پہلے ان میں سے ایک نے اندر قدم رکھا اور بائیں طرف والی دیوار پر ایک سوئچ آن کر دیا۔ کمرا روشنی سے بھر گیا۔ گہری تاریکی کی عادی ہونے کے بعد' میری آنکھیں تیز روشنی کو فوری طور پر نہ سہار سکیں۔ میں نے اضطراری طور پر آنکھیں بند کر لیں۔

"یہ چاروں ہی ہوش میں آ چکے ہیں۔" آنے والوں میں سے

کسی نے کہا۔ "جلدی جان چھوٹ جائے گی۔"

میں نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھول دیں۔ وہ دونوں اپنے ہاتھوں میں کچھ سامان لیے اندر آرہے تھے۔

وہ دونوں میلے اور ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ ان کے سنگلاخ چہروں کے نقوش سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کڑی مشقت کی زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ ان میں سے مونچھوں والا دراز قامت تھا جبکہ کلین شیو آدمی پستہ قد نہ ہونے کے باوجود اپنے ساتھی سے ایک ڈیڑھ انچ دبا ہوا نظر آرہا تھا۔

وہ کمرا بالکل خالی تھا۔ اپنی چوڑائی سے کافی زیادہ گہرائی کی وجہ سے وہ کوئی متروک گودام معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی چاروں دیواروں میں ایک دروازے کے علاوہ کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا جو کسی بھی دکان یا قیامگاہ کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ فرش پختہ ضرور تھا لیکن جگہ جگہ سے ٹوٹا ہوا تھا۔ فرش پر گرد وغبار کے ساتھ ہی پیٹیوں وغیرہ کے ٹوٹے ہوئے چوبی تختے' پرانی بوریاں ٹاٹ اور رسی کے ٹکڑے اور ستلیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہم لوگ اس گہرے گودام کے آخری حصے میں تھے۔ شاید ہمیں وہاں ڈالنے سے قبل' اس حصے کی سرسری سی صفائی کی گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ رینگنے یا لڑھکنے کے دوران میں کوئی کوڑا کرکٹ میری راہ میں حائل نہیں ہوا تھا۔ دوسری صورت میں' کیلوں والا کوئی تختہ مجھے زخمی بھی کرسکتا تھا۔ ہمارے گرد وپیش سے ہٹایا جانے والا کوڑا' چھوٹے سے ڈھیر کی صورت میں ایک جگہ موجود تھا۔

آنے والوں میں سے ایک کے ہاتھ میں ڈونگا تھا۔ دوسرے کے ایک ہاتھ میں بالٹی اور دوسرے میں پلاسٹک کی بڑی اور وزنی تھیلی جھول رہی تھی۔ یہ خوشی کی بات تھی کہ ان دونوں میں سے کسی کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نظر نہیں آرہا تھا لیکن میں نے ان کی قمیصوں کے جھول سے اندازہ لگایا کہ مونچھوں والے کی داہنی بغلی جیب میں کوئی وزنی چیز موجود تھی۔

"کیا وقت ہوا ہوگا؟" سکوت توڑنے کی نیت سے میں نے آنے والوں سے پوچھا۔

"ایسے پوچھ رہا ہے جیسے اس کو ابھی ڈیوٹی پر جانا ہے۔" دراز قامت نے ہنس کر اپنے ساتھی سے کہا۔ وہ بھی ہنسنے لگا۔ وہ دوبارہ ہم سے مخاطب ہو کر بولا۔ "جلدی سے کھانا کھالو۔ پھر ہمیں اپنا کام کرکے سونا بھی ہے۔"

میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ انہوں نے قیدی عورتوں پر گہری توجہ نہیں دی تھی۔

انہوں نے برتن ہمارے سامنے رکھ دیے۔ ڈونگے میں شوربے والا کوئی سالن تھا۔ شوربے پر روپ تھا۔ اس میں گوشت یا سبزی موجود تھی تو وہ شوربے کی سطح سے نیچی تھی۔ پلاسٹک کی بالٹی میں پانی اور مگ موجود تھا۔ پلاسٹک کی تھیلی میں دس پندرہ تندوری روٹیاں تھیں۔ کھانے کی بو سے یک بیک میری بھوک چمک اٹھی۔

"کھانا ہم کیسے کھائیں گے؟ ہمارے ہاتھ تو پشت پر بندھے ہوئے ہیں۔" سلطان شاہ بولا۔

"باری باری ایک ایک آدمی کے ہاتھ کھولے جائیں گے۔" ایک نے کہا۔ "زیادہ بھوکا کون ہے؟"

ہم میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ اس وقت میرا ذہن تیزی کے ساتھ سوچنے میں مصروف تھا۔

جواب نہ ملنے پر دراز قامت خود ہی ویرا کی طرف بڑھا اور اس کے ہاتھوں کی بندشیں کھولنے لگا۔

"تھوڑی دیر کے لیے میرے پیر بھی کھول دو۔ میں باہر جانا چاہتی ہوں۔" ویرا نے لجاجا کر کہا۔

ان دونوں کے دہانے حیرت سے کھل گئے۔ مونچھوں والا اپنا کام بھول کر ویرا کو تکنے لگا۔ پھر اپنے ساتھی سے بولا۔ "ابے یہ میم کتنی اچھی اردو بول رہی ہے۔ یہ تو یہیں کی معلوم ہوتی ہے۔"

"میں غیر ملکی ہوں اور تمہاری زبان کی ترقی پر کام کرنے کے لیے یہاں آئی ہوں۔" ویرا نے ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی نیت سے کہا۔ "ذرا جلدی سے میرے پیر کھول دو....."

"نہیں' پیر نہیں کھل سکتے۔" کلین شیو غرایا۔ "باہر کیا کام ہے تمہیں؟"

"پیشاب کرنا ہے۔ تمہاری مہربانی ہوگی۔ بس دو منٹ میں آجاؤں گی۔" ویرا نے خوشامد کی۔

ان دونوں نے استفہامیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ ویرا نے بہت معقول عذر پیش کیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اسے ایک بار اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا موقع مل جاتا تو وہ اپنے مارشل آرٹس کے سہارے ان دونوں کو بہ آسانی زیر کرسکتی تھی۔ وہ توانا ہونے کے باوجود ویرا کی برق رفتاری کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔

"نہیں' یہ ناممکن ہے۔" مونچھوں والے نے کمزور لہجے میں کہا۔ "استاد کو پتا چل گیا تو وہ ہماری چمڑی گرا دے گا۔"

میری امیدوں پر اوس پڑگئی۔ وہ ویرا کی مدد کی خواہش رکھنے کے باوجود اپنے استاد سے خوفزدہ تھے۔

ویرا نے ہمت نہیں ہاری بلکہ وہ ان دونوں کی خوشامد میں لگی رہی۔ مدافعانہ انکار کا تسلسل جاری رہا اور ویرا کے دونوں ہاتھ آزاد کردیے گئے۔ مونچھوں والے نے سامنے آکر نیم دلی کے ساتھ اپنی داہنی جیب میں سے ریوالور نکال لیا۔

"کیا کھلا پلا کر گولی مارنے کا ارادہ ہے؟" ویرا نے معصومانہ حیرت سے پوچھا۔

"دیکھو میم صاحب! ہم ملازم لوگ ہیں۔ وہی کر رہے ہیں جو استاد نے کہا ہے....."

"تمہارا استاد کون ہے؟" ویرا نے پہلا لقمہ اپنے منہ میں رکھنے کے بعد' اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"ہمیں تمہاری باتوں کا جواب دینے سے منع کردیا گیا ہے۔ اُن لوگوں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم چاروں بہت مکار اور خطرناک ہو اس لیے کھانا وغیرہ کھلاتے ہوئے ہتھیار تیار رکھے جائیں۔ تم بے فکر ہو کر کھانا کھالو۔ ہم تمہیں گولی نہیں ماریں گے۔ تم چاروں کو باری باری کھانا کھلانے کے بعد انجکشن لگائیں گے اور لوٹ جائیں گے۔"

"کیسے انجکشن؟" ویرا کے منہ میں لقمہ تھا اس لیے وہ سوال میں نے کیا تھا۔

"بے ہوشی کے۔" مجھے جواب دے کر وہ پھر ویرا سے مخاطب ہوگیا۔ "میم صاحب! پیٹ بھر کر کھانا۔ اب تمہیں کل رات سے پہلے کھانا نہیں ملے گا۔ اس وقت تک تم چاروں بے ہوش رہو گے۔"

"شکریہ۔" ویرا نے نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے' اپنائیت سے کہا۔ "اتنی ہمدردی کررہے ہو لیکن میری الجھن دور نہیں کرتے۔ کم از کم مجھے اتنا تو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم لوگوں کو کس قصور میں یہاں قید کیا گیا ہے؟ کن لوگوں نے ہمیں اپنا قیدی بنایا ہے؟ تم لوگ پولیس والے تو نہیں معلوم ہوتے۔ ان کا کوئی استاد بھی نہیں ہوتا۔"

"ہم دونوں مجبور ہیں' میم صاحب!" کلین شیو آدمی کھسیس نکال کر بولا۔ "ہمیں خود بھی کچھ معلوم نہیں ہے۔ تمہیں لانے والے برابر والے کمرے میں پڑے سو رہے ہیں۔ استاد کا حکم تھا کہ ہم ان کی ہر بات پر عمل کریں۔ ہم استاد کی اور ان کی ہر بات پر عمل کررہے ہیں لیکن کل تک تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔"

"کل کیا ہوجائے گا؟" ویرا نے چونک کر سوال کیا۔ "کیا تمہاری جگہ دوسرے آدمی آجائیں گے؟"

"کل تمہیں آگے بھیج دیا جائے گا۔ ہماری ذمے داری ختم ہوجائے گی۔" اسی نے کہا۔

وہ ویرا سے بات کرنے میں خوشی محسوس کررہے تھے اس لیے میں نے دخل انداز ہونے کا ارادہ ترک کردیا لیکن ویرا شاید میرا ذہن پڑھ رہی تھی۔ اس نے فوراً ہی شکوہ کردیا۔ "تکلیف تو مجھے اب بھی ہے۔ تم نے مجھے پیشاب جیسی ضرورت سے روکا ہوا ہے۔ میں گردوں کی مریضہ ہوں۔ اپنے اوپر جبر کرتی رہی تو گردوں پر وَرم آجائے گا۔"

"مجبوری ہے' میم صاحب!" بغیر مونچھوں والے کی آواز میں بے چارگی اُمڈ آئی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ویرا کے لیے' ان دونوں کی نگاہوں میں ترحم کا جذبہ موجود تھا لیکن وہ دوسروں سے خائف اور مجبور تھے۔

"یار' ایسا نہ ہو کہ ورم سے اس بے چاری کے گردے پھٹ جائیں۔" مونچھوں والے نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "گردوں میں ہوتا ہی کیا ہے؟"

"مجھے سارا ڈر تو اسی بات کا ہے۔" ویرا نے لوہا گرم دیکھ کر سادگی سے ایک اور چوٹ لگائی۔ "ایک گردہ بھی پھٹ جائے تو سارا زہر خون میں مل جاتا ہے اور پھر آدمی کو بچانا ناممکن ہوجاتا ہے۔"

"اس قدر خطرہ ہے تو پھر چل کر ان لوگوں سے بات کرلیتے ہیں۔" مونچھوں والے نے اپنے ساتھی سے کہا اور اس نے اثبات میں سرہلادیا۔ اس وقت ان دونوں کا بس چلتا تو اپنے گردے ویرا کو دان کردیتے۔

"تم کن لوگوں سے بات کرنے کا ارادہ کررہے ہو؟" ویرا نے ان سے پوچھا۔

"تمہیں لانے والوں سے۔ وہ برابر والے کمرے میں سو رہے ہیں۔ انہیں اٹھالیں گے۔"

"تم ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتارہے۔ کم از کم ان کی تعداد ہی بتادو۔"

"وہ چھ ہیں۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "سب سانڈ کی طرح مضبوط اور خردماغ ہیں۔"

"پھر انہیں نہ چھیڑنا۔" ویرا نے ان کی تعداد معلوم ہوتے ہی ہدایت جاری کردی۔ "نیند خراب ہونے پر وہ بھڑک اٹھے تو ہمارے ساتھ تمہاری مٹی بھی پلید کرڈالیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ استاد سے تمہاری شکایت بھی کردیں۔"

وہ بات ان دونوں کی سمجھ میں آگئی لیکن ویرا کو ان کے انجام سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اپنے بل بوتے پر دو آدمیوں کو زیر کرنے کا منصوبہ تو بنا سکتی تھی لیکن آٹھ آدمیوں کو بیک وقت سنبھالنا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ دونوں ہم لوگوں سے ناواقف تھے جب کہ ہمیں لانے والے ہمارے اصل دشمن تھے۔ انہیں غچہ دینا آسان کام نہیں تھا۔ وہ ویرا کا بہانہ سنتے ہی اس کے عزائم کا اندازہ لگا سکتے تھے۔

ان دونوں کی باتوں سے میں نے جو نتائج اخذ کیے وہ بہت اعصاب شکن تھے۔ غالباً فلیٹ میں ہم چاروں کو بیک وقت بے ہوش کیا گیا تھا۔ ہم میں سے اگر ایک کو بھی ذرا سی مہلت مل جاتی یا اسے دوسروں کے حشر کا علم ہوجاتا تو وہ کم از کم ہڑبونگ اور شوروغوغا کے ذریعے حریف کے قدم اکھاڑ کر' اسے فرار کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کرسکتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ چار افراد ہمیں انفرادی طور پر بے ہوش کرنے پر مامور تھے تو کم از کم دو' ان کی مدد اور دیکھ بھال کے لیے موجود رہے ہوں گے۔ وہ چھ کے چھ آدمی برابر والے کمرے میں سو رہے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ ایک نہ دو' پورے چھ آدمی ہمارے فلیٹ کا مقفل دروازہ کھول کر اندر گھس آئے اور ہمارے فرشتوں کو بھی کسی کھٹ پٹ کا علم نہیں ہوسکا۔ اسی طرح اس جلوس کے بارے میں عمارت کے چوکیدار کی

بے خبری بھی حیرتناک تھی۔ وہ چھ افراد زینے طے کرکے اوپر آئے پھر چار بے ہوش افراد کو اپنے کندھوں پر لاد کر اپنے ساتھ لے گئے۔ پوری واردات اس قدر مہارت اور صفائی کے ساتھ عمل میں لائی گئی کہ شاید کسی کو کانوں کان بھی اس واقعے کا علم نہیں ہوسکا تھا اور ہم خاموشی کے ساتھ قیدی بنا لیے گئے تھے۔

میں اپنی دانست میں مطمئن تھا کہ ڈون کوانگ فو کے آدمی فوری طور پر کوئی جوابی کارروائی نہیں کرسکیں گے لیکن وہ میری بھول تھی۔ وہ بارہ گھنٹے کی مدت میں دوبارہ بھرپور وار کرنے کے قابل ہوگئے تھے۔ شاید ان چھ افراد میں‘ ان میں سے ایک دو بھی ضرور شامل تھے اور ان ہی کی پیشہ ورانہ مہارت اور رہنمائی کے باعث انہیں اتنی بڑی کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ انہوں نے ہمیں اس گودام میں بند کرکے‘ وہیں پڑاؤ ڈالا ہوا تھا اور تیاریاں مکمل ہونے کے بعد ہمیں کراچی سے مکاؤ لے جانے کا ارادہ کررہے تھے۔ بیک وقت چار افراد کو ہوش یا بے ہوشی کے عالم میں‘ قانونی ذرائع سے بیرون ملک لے جانا‘ ناممکنات میں سے تھا۔ اس لیے آثار و قرائن یہی بتارہے تھے کہ سردار پائندہ گل کے بھانجے‘ عبدالرحیم خان کے کوچی کیمپ والے کنٹینر سے آزادی حاصل کرنے کے بعد مجھے ایک بار پھر اسی تکلیف دہ مرحلے سے گزرنا تھا۔ ان لوگوں نے ہمیں جس تسلسل کے ساتھ بے ہوشی میں مبتلا کیے رکھا تھا اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ہمیں بے ہوش کرکے کسی کنٹینر کے پچھلے حصے میں ڈال دیا جاتا پھر آگے سامان بھر دیا جاتا۔ کسٹم وغیرہ کے سرسری مراحل سے گزارنے کے بعد‘ برآمدی سامان کے اس کنٹینر کو گودی پر اور پھر کسی مال بردار جہاز میں پہنچادیا جاتا۔ جہاز سے ہانگ کانگ ہاربر پر اتارے جانے کے بعد‘ اس کنٹینر سے قانونی مال نکال کر ہمیں غیر قانونی طریقے سے مکاؤ میں ڈون کوانگ فو کے حضور پیش کر دیا جاتا۔

ہم چاروں باری باری کھانا کھاتے رہے۔ ویرا نے اپنے فدائیوں کے مخلصانہ مشورے پر کھل کر خوش خوراکی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کے بعد غزالہ نے کھانا کھایا۔ تیسری باری پر میں نے سلطان شاہ کی طرف گردن ہلا کر اشارہ کردیا۔ اس دوران میں میرا ذہن مسلسل اپنے مسائل میں الجھا رہا۔

ہم لوگ بے خبری میں بہت سنگین مسائل سے دوچار ہوچکے تھے۔ ہمیں ایک بار پاکستان کی بحری حدود سے باہر نکال لیا جاتا تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ڈون کوانگ فو کے وحشیانہ چنگل سے نہیں بچاسکتی تھی۔ بحری جہازوں میں لادے جانے والے کنٹینر کے ذریعے ہماری اسمگلنگ کے بارے میں‘ میرے ذہن میں کئی پیچیدہ نکات نے سر ابھارا۔ ان میں‘ دوران سفر ہماری خوراک اور جانوں کے تحفظ کا معاملہ سرفہرست تھا لیکن میں نے خود ہی ان سوالات کے حل بھی تلاش کرلیے جو بہت زیادہ گنجلک نہیں تھے۔ ذرا سی منصوبہ بندی سے ان مسائل کا تدارک کیا جاسکتا تھا۔

کنٹینر کے عقبی حصے میں ہمارے ساتھ ہی‘ ان کا کوئی تربیت یافتہ آدمی ضروری ادویات اور اپنی غذائی ضروریات کے ساتھ بند ہوسکتا تھا۔ وہ ہم کو حسب ضرورت بے ہوشی اور طاقت بخش ادویات کے انجکشن دے کر‘ آٹھ دس روز کے لیے باآسانی زندہ رکھ سکتا تھا۔ وہ اپنی نقل و حرکت میں محتاط رہتا۔ اس طرح کنٹینر لے جانے والے جہاز کے کپتان اور عملے کو بھی جہاز پر مغویوں کی موجودگی کا علم نہیں ہوسکتا تھا۔

”مجھے ایک سوال کا جواب دے سکو تو تمہاری مہربانی ہوگی۔“ میں نے کچھ دیر بعد ان سے کہا۔

”ان چھ میں کوئی غیر ملکی بھی ہے؟“ اجازت مل جانے پر میں نے سوال کیا۔

دونوں نے مشورہ طلب نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر اپنے ساتھی سے اشارہ مل جانے پر‘ دراز قامت نے کہا ”وہ سب ہی غیر ملکی ہیں۔ اب آگے کوئی اور سوال نہ کرنا۔ میم صاحب کی اور بات ہے۔ تمہارے ساتھ ہم کوئی رورعایت نہیں کریں گے۔“ پھر وہ سلطان شاہ کے ہاتھ باندھنے کے لیے بڑھ گیا کیونکہ وہ کھانے سے فارغ ہوکر پانی پی چکا تھا۔

وہ دونوں بظاہر غیر تعلیم یافتہ نظر آتے تھے لیکن انہیں اپنے کام کے بارے میں ہر ضروری بات معلوم تھی۔ میرا خیال تھا کہ میرے فارغ ہوتے ہی وہ ہم لوگوں کو انجکشن لگاکر بے ہوش کرنا شروع کردیں گے لیکن انہوں نے نصف گھنٹے کی مہلت دیتے ہوئے تاکید کی کہ ہم نے ذرا بھی اونچی آواز نکالی تو وہ ہمیں فوری طور پر انجکشن لگادیں گے اور نتائج کی ذمے داری خود ہم پر ہوگی۔ ویرا کو وہ دونوں مراعات یافتہ قیدی کا درجہ دے چکے تھے اس لیے اس کے سوالات کے جواب میں انہوں نے جو کچھ بتایا وہ بہت دلچسپ تھا۔

ان کے بیان کے مطابق‘ بے ہوشی کی روایتی ادویات جن میں انجکشن بھی شامل ہیں‘ خالی معدے میں دی جاتی ہیں تاکہ بے ہوشی کی حالت میں قے کی نوبت نہ آئے۔ بے ہوشی کی وجہ سے جسم کے تمام عضلات کی کارکردگی بہت سست ہوجاتی ہے اس لیے قے کی صورت میں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ سانس کی نالی کا منہ بروقت بند نہ ہو تو معدے سے باہر آنے والی آلائشیں اس میں داخل ہوکر‘ سانس کی آمدورفت کا راستہ بند کرکے اس شخص کو موت کے منہ میں دھکیل دیتی ہیں۔ ہمارے لیے جو انجکشن فراہم کیے گئے تھے وہ جدید ترین تھے۔ وہ بے ہوش کرنے کے ساتھ ہی قے کو بھی روکتے تھے۔ شرط یہ تھی کہ انجکشن خوردونوش کے کم از کم بیس منٹ بعد لگائے جائیں تاکہ خوراک معدے میں اپنی جگہ لے چکی ہو۔ انہوں نے احتیاطاً اس وقفے کو آدھے گھنٹے تک بڑھادیا تھا۔ اس سے پہلے استعمال کی صورت میں‘ آنتوں میں ادھر اُدھر رکی ہوئی غذا مہلک قے کا سبب بن سکتی تھی۔

ان باریکیوں سے ویرا بھی لاعلم تھی۔ اس نے ان کی اپنی

زبان میں جو کچھ سنا' وہ اس کے لیے حیرت ناک ثابت ہوا۔ اس نے انہیں بتایا کہ اس کے اپنڈکس کے آپریشن میں اسے بھی بارہ گھنٹے پہلے خورد و نوش ترک کرنے کی سخت ہدایت کی گئی تھی جسے وہ ایک طبی ضرورت سمجھی تھی۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ احتیاط خود اس کی سلامتی کے لیے کس قدر ضروری تھی میں اس بارے میں سرے سے کچھ نہیں جانتا تھا۔

آخر میں میرے ہاتھ پشت پر باندھنے کے بعد وہ باہر کی طرف چل دیئے۔ جاتے جاتے ان میں سے ایک واپس آیا اور اپنا منہ ویرا کے کان کے قریب لے جاکر کچھ کہنے لگا۔ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ویرا نے تیزی کے ساتھ اپنے سر کو نفی میں ہلانا شروع کردیا۔ اس نے اصرار کیا پھر ویرا کے مسلسل انکار سے مایوس ہوکر اپنے ساتھی کی طرف چل دیا جو کمرے کے وسط میں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کررہا تھا۔

ہم چاروں بے دست و پا تھے۔ برابر والے کمرے میں ہمارے چھ وحشی اور خونخوار' غیر ملکی دشمن سو رہے تھے۔ اس لیے وہ دونوں دروازہ بند یا مقفل کیے بغیر باہر چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی ہم چاروں نے بیک وقت دھیمی آوازوں میں بولنا شروع کیا پھر چاروں ہی دوسروں کو موقع دینے کے لیے بیک وقت خاموش ہوکر احمقانہ انداز میں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ وہ صورت حال اتنی مضحکہ خیز تھی کہ غزالہ اپنی تمام تر تشویش اور پریشانی کے باوجود' بے ساختہ انداز میں ہنسے بغیر نہ رہ سکی۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی ہنسنے لگے لیکن فضا اس کے باوجود بوجھل رہی۔

اغوا کرنے والوں کے بارے میں جو کچھ میں نے سوچا ہوا تھا' وہی ان تینوں کے ذہنوں میں بھی موجود تھا۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ ڈون کوانگ فو کے خطرناک آدمیوں نے ہم سب کے اندازوں کو مات دے کر نہایت سرعت اور چابک دستی کے ساتھ اپنا کاری وار کیا تھا جس کا توڑ کرنا ناممکن نہیں تو بہت زیادہ مشکل ضرور تھا۔

"انہوں نے ہمیں ہمارے بستروں سے اٹھا ضرور لیا ہے لیکن وہ ہمارا کیا کریں گے؟ ہمیں لانے والے بے فکری سے سو رہے ہیں۔ ہمیں مستقل طور پر بے ہوش رکھا جارہا ہے کیا وہ ہمارا اچار ڈالنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" سلطان شاہ کی آنکھوں سے گہری تشویش ٹپک رہی تھی لیکن وہ خوف زدہ نہیں تھا۔

"تم نے سنا نہیں کہ مونچھوں والا کیا کہہ رہا تھا۔ کل ہمیں یہاں سے روانہ کرنے کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔ یہ لوگ پوچھ گچھ کرکے کیا کریں گے؟ ہمارا اصل سامنا ڈون کوانگ فو سے ہوگا۔ اس کا چارا بنانے کے لیے ہمیں کھلایا پلایا اور پالا جارہا ہے ورنہ وہ ہمیں بے آواز گولیوں یا پوٹاشیم سائنائیڈ کا نشانہ بناکر چند منٹ میں ختم کرسکتے تھے۔ ڈون جیسے لوگوں کی انا بہت بلند ہوتی ہے۔ وہ اپنے حریف کو جب تک اپنی ایڑیوں سے نہ کچل لیں' انہیں قرار نہیں آسکتا۔" میں نے صورتِ حال کو واضح کرتے ہوئے کہا "وہ ہر قیمت پر ہمیں زندہ حالت میں اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہے۔"

ہماری کراچی سے مکاؤ منتقلی کے ذرائع کے بارے میں سوالات اٹھائے گئے تو میرے پاس ان کے جوابات موجود تھے ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکا اور چاروں ہی اپنی اپنی جگہ پر سوچ میں ڈوب گئے۔

ہمارے پاس گفتگو کے لیے خاصا وقت تھا لیکن اپنی منزل نظر آجانے کے بعد' ہم سے کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ ہر شخص کو اپنا انجام بہت واضح نظر آنے لگا تھا اور ہر چہرے پر تشویش کے گھمبیر سایوں نے اپنے ڈیرے جمالیے تھے۔ لٹکے ہوئے متفکر چہروں کے ساتھ ہم سب ہی مریض نظر آنے لگے تھے۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔" طویل ہوتے ہوئے اس اعصاب شکن سکوت کو غزالہ کی دھیمی آواز نے توڑا "جب تم نے جہانگیر بن کرشیدے کا سامنا کیا تو اس نے تم سے صرف ڈیلی کے بارے میں بازپرس کی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ڈون کوانگ فو کے آدمیوں کو صرف تمہاری تلاش تھی لیکن اب انہوں نے ہم چاروں کو پکڑلیا ہے۔ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ وہ ہم سب کو بے ہوش کرکے صرف تمہیں اٹھالے جاتے۔ ایک کے مقابلے میں چار آدمیوں کا یہاں سے اسمگل کرنا مشکل اور خطرناک کام ہے۔ آخر انہوں نے اصل ٹارگٹ سے ہٹ کر کام کیوں کیا؟"

"یہ واقعی اہم سوال ہے۔" ویرا نے تحسین آمیز لہجے میں اعتراف کیا "کمال ہے کہ ہم میں سے کسی نے اس بارے میں سوچنے کی زحمت نہیں کی۔ میرا تو ڈون کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ وہ میرا منہ بولا باپ ہے اور اچھی طرح میرے اور جمی لائیڈ کے رشتے سے واقف ہے۔ وہ مجھے زیادہ سے زیادہ شرمندہ ہی کرسکتا ہے۔"

"اس کے پسِ پشت ڈون کی مشرقی نفسیات کارفرما معلوم ہوتی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "اس کے ذہن میں بھی نہیں ہوگا کہ تم میری قیام گاہ سے پکڑی جاؤ گی۔ اس نے میرے ساتھ رہنے والوں کو اغوا کرنے کا حکم دیا ہوگا۔ مشرق میں رشتوں کا تعلق بہت گہرا ہوتا ہے۔ کسی کو دکھ یا سکھ پہنچانا ہو تو اس کے عزیز ترین لوگوں کو اذیت یا راحت پہنچاؤ۔ اثرات خاطر خواہ ہوں گے بلکہ توقع سے زیادہ بھی ہوسکتے ہیں۔ اب تو کراچی کے چور ڈاکو بھی یہ نسخہ سمجھ گئے ہیں۔ جس گھر میں جاتے ہیں' زیورات اور نقدی کا سراغ لگانے کے لیے بچوں کو مارنے کی دھمکی دیتے ہیں جو سو فیصد کارگر رہتی ہے۔ چور درازوں اور باورچی خانوں میں چھپائے ہوئے اثاثے تک ان کے قدموں میں آجاتے ہیں۔"

"تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔" ویرا سر ہلاتے ہوئے بولی "ظاہر ہے کہ تمہارے گھر میں وہی لوگ رہ سکتے ہیں جو تم سے بہت قریب ہوں۔ مشرق اور اس کے جذباتی رشتوں کو میں خوب سمجھتی

ہوں" "اس بہانے سے ڈیبی کے ساتھ اپنی قربت جتا رہی ہو؟" سلطان شاہ طنز سے بولا "تم بھی تو وہیں سے پکڑی گئی ہو۔ اب یہ دعویٰ نہ کر دینا کہ غزالہ میں اور تم میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔"

"کیا بے وقت کی راگنی الاپ رہے ہو؟" میں نے چڑ کر اسے جھاڑ دیا "شاید تمہیں احساس نہیں ہے کہ اس وقت ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں اور یہ ہماری زندگی کے فیصلہ کن لمحات بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"ہم چاروں کے یکجا ہونے کی وجہ سے خوف اور خطرے کا احساس بہت کم ہوگیا ہے۔" غزالہ نے کہا "میں تو یہ بھی بھول گئی تھی کہ میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ کان سہلانے کے لیے ہاتھ ہلایا تو مجبوری کا احساس ہوا۔"

"وہ آدمی جاتے جاتے لوٹ کر' تمہارے کان میں کیا کہنے آیا تھا؟" غزالہ کو تقریباً فوراً ہی وہ بات یاد آگئی۔

"بے ہودہ آدمی بکواس کر رہا تھا۔" ویرا خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولی۔

"پھر بھی پتا تو چلے کہ کیا بات تھی؟" غزالہ کا تجسس بڑھ گیا۔

"تم نے اردو کے لیے اپنے ترقیاتی کام کا برمحل ذکر کر کے ان دونوں کے دلوں میں اپنے لیے بہت جگہ پیدا کرلی ہے۔"

"وہ مجھے گردوں کو ورم سے بچائے رکھنے کی ترکیب بتا رہا تھا جس پر میں بقائمی ہوش و حواس تو عمل نہیں کرسکتی۔" ویرا نے اپنا سر جھٹک کر کہا "خوف یا بے ہوشی کی اور بات ہے۔ میں نے موقع حاصل کرنے کے لیے وہ کہانی شروع کی تھی ورنہ مجھے کسی قسم کی کوئی حاجت نہیں تھی۔"

"صفائی پیش نہ کرو۔ یہ بات ہم سب سمجھ رہے تھے۔" میں نے اسے ٹوک دیا۔

آدھے گھنٹے کی اس مہلت کو بار آور بنانے کے لیے ہم اس معاملے کے ہر پہلو پر مغز زنی کرتے رہے لیکن نتائج میں کوئی تبدیلی آسکی نہ اس بند گلی سے فرار کی کوئی راہ سامنے آسکی۔ ہم اپنی گھڑیاں دیکھنے سے قاصر تھے لیکن اندازاً نصف گھنٹا گزرنے کے بعد وہ دونوں اندر آگئے۔ اس بار اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں سرنج اور ایک شیشی موجود تھی۔ اس نے ہمارے سامنے ہی ڈسپوزیبل سرنج کی سوئی ربر کیپ میں داخل کر کے شفاف سیال کی مقررہ مقدار لی اور اس میں سے ہوا کے بلبلے خارج کرتا ہوا سلطان شاہ کی طرف بڑھ گیا۔

اعتراض' احتجاج یا مزاحمت کا کوئی موقع نہیں تھا۔ سرنج آہستگی کے ساتھ اس کے بازو میں خالی ہوتی رہی اور دوسرا انجکشن تیار ہونے سے پہلے سلطان شاہ فرش پر لڑھک کر بے حس و حرکت ہوگیا۔ جب وہ دوسرا انجکشن لے کر غزالہ کی طرف بڑھا تو ویرا نے فوراً ہی اعتراض کر دیا "یہ کیا کر رہے ہو۔ ہر ایک کو الگ الگ اور نئی سرنج سے انجکشن لگاؤ۔ اس طرح ایک آدمی کی بیماریاں دوسرے کو لگ جائیں گی۔ یہ حرکت جان لیوا بھی ثابت ہوسکتی ہے۔"

"ہمارے پاس بس یہی ایک سرنج ہے۔" ویرا کے لیے اپنی پسندیدگی کی بنا پر اس نے عاجزی سے کہا۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی سرنج سے انجکشن لگادو۔" غزالہ نے بے ہوش ہو کر بے طرح فرش پر گرنے کے بجائے ایک پہلو کے بل لیٹتے ہوئے کہا "ہمارے جراثیم ایک دوسرے کا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔"

"اسے لگادو" ویرا پہلی بار اُس سے تلخ لہجے میں بولی "یہ تو بے ہوشی کے لیے ہے۔ میں مرنے کے لیے بھی جھوٹی سرنج سے انجکشن نہیں لگوا سکتی اور پھر یہ تو سرنج ہی ڈسپوزیبل ہے۔"

"میم صاحب! ہمارے پاس کل رات سے یہی سرنج ہے اور ہم ہر پانچ گھنٹے بعد اسی سے تم سب کو انجکشن لگاتے رہے ہیں۔" اس نے فخر کے ساتھ کہا "تم خود ہی بتاؤ کہ اب تک تمہیں کچھ ہوا؟ ہم لوگ پھینکنے والی چیزوں سے بھی بڑے بڑے کام لے لیتے ہیں۔ ہاں میں یہ احتیاط ضرور کرتا ہوں کہ انجکشن بنانے سے پہلے سوئی کو اپنی انگلیوں سے اچھی طرح صاف کرلیتا ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"تم سوئی پر اپنی انگلیاں بھی پھیرتے ہو؟" ویرا کے لیے وہ دوسرا صدمہ تھا۔

"اور کیا کروں؟ کپڑے میلے ہیں ورنہ اپنی قمیص کے دامن سے پونچھ لیتا۔"

اس کے جواب پر ویرا جھرجھری لے کر رہ گئی۔ غنیمت ہی تھا کہ اس کے کپڑے میلے تھے ورنہ وہ سوئی کے تیز کناروں میں پھنسا کر باریک سوتی ذرّات ہمارے جسموں میں اتارتا رہتا۔

ویرا کو تیسرا صدمہ اس وقت پہنچا جب اس نے غزالہ کے بازو پر سے آستین اوپر سرکائے بغیر سوئی اس کے بازو میں داخل کردی اور غزالہ نے اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا۔

"تم میری بھی آستین پر سے انجکشن لگاتے رہے ہو؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔

"پھر کیا کرتا؟" اس نے سیّال غزالہ کے بازو میں اتارتے ہوئے کہا "تمہاری لمبی آستین ہاتھوں کے ساتھ رسّی میں بندھی ہوئی تھی۔ تم فکر نہ کرو یہاں کی آب و ہوا میں کسی کو کچھ نہیں ہوتا۔"

غزالہ کو بے ہوش کرنے کے بعد اس نے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور اس کے برابر والی انگلی سے سوئی کو صاف کیا پھر تیسرا ڈوز لینے لگا۔ وہ اپنے فرض سے کسی غفلت کا ارتکاب کیے بغیر اپنا شوق پورا کرنے کے موڈ میں تھا۔ اس لیے اس نے سرنج سے ہوا خارج کرتے ہوئے میرا رخ کیا۔ ویرا کو اس نے آخر کے لیے بچایا

ہوا تھا۔ عین ممکن ہے کہ ہم تینوں سے نجات حاصل کر لینے کے بعد وہ دونوں ویرا سے اس کے گردوں کے ورم کے موضوع پر آخری تبادلۂ خیال کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اسے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر میں غزالہ کی تقلید میں فرش پر دراز ہو گیا۔

سرنج میں بھرا ہوا سیال واقعی کوئی جدید ترین اور بہت زیادہ مؤثر محلول تھا۔ سوئی نرم ریشوں میں پیوست ہوتے ہی میرے ذہن پر ہلکے سے سُرور کا حملہ ہوا۔ وہ سرور نہایت سرعت کے ساتھ خمار، نشے، مدہوشی اور بے ہوشی میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔ مجھے علم ہی نہیں ہو سکا کہ سوئی میری جلد سے کب نکالی گئی۔ سر گھمانے کی کوشش کی تو وہ منوں وزنی ہو چکا تھا۔ اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

تاریکیوں کا وہ سُرور آمیز سفر کتنی دیر جاری رہا اس کا مجھے کوئی اندازہ یا ادراک نہیں ہو سکا۔ میرے دھند میں لپٹے ہوئے ذہن کو احساس ہوا کہ آسمان سے سفید پروں والی پریاں، والہانہ انداز میں مجھے پکارتی ہوئی اتری چلی آ رہی ہیں۔ ایک آواز کی بازگشت ختم ہونے سے پہلے ہی دوسری آواز ابھرنے لگتی تھی۔ وہ ہزاروں آوازیں، نہ ختم ہونے والے لاہوتی تسلسل کے ساتھ بس مجھے پکارے جا رہی تھیں۔ میں زیادہ دیر تک ان مترنم، رسیلی اور دیدھر آوازوں کی نغمگی سے محظوظ نہ ہو سکا کیونکہ میرے گالوں پر تھپڑ برسنے لگے تھے۔ میں نے کسل مندانہ آواز میں اپنے وزنی پپوٹوں کو بدقت تمام اوپر اٹھایا تو خواب کا سا، سارا طلسم آنِ واحد میں ٹوٹ گیا۔ وہاں سفید پروں والی پریاں تھیں نہ ان کی ملکوتی آوازیں۔ گھور اندھیرے میں ویرا میرے قریب بیٹھی ہوئی مجھے پیر سے جھنجوڑ کر، دھیمی آواز میں پکارے جا رہی تھی۔ اندھیرے میں، میں اسے نہیں دیکھ سکا لیکن اس کے دلکش وجود کی مہک میں ہزاروں کی بھیڑ میں بھی، آنکھیں بند کر کے پہچان سکتا تھا۔ ہم دونوں شاید کسی پالکی میں سوار تھے جسے کہار اپنے کندھوں پر اٹھائے بہت تیزی کے ساتھ کسی طرف دوڑے چلے جا رہے تھے کیونکہ میرا بدن ساکت نہیں تھا بلکہ اپنی ہی جگہ پڑے پڑے خود بخود ہل رہا تھا۔

کئی منٹ کے طویل وقفے اور سرتوڑ شعوری کوشش کے بعد، میں اپنے ذہن کو اس ہوش ربا طلسم سے باہر لانے میں کامیاب ہوا تو میرے کانوں نے سب سے پہلے جو غیر مانوس شور محسوس کیا وہ کسی طاقتور انجن کا تھا۔ ہم چاروں بہت تنگ جگہ پر پڑے ہوئے تھے۔ ہمارے نیچے آہنی فرش تھا۔ تنگ فضا میں عجیب سی تیز بو پھیلی ہوئی تھی اور ہمارا وہ تنگ مقبرے جیسا قید خانہ ہلکے جھٹکوں کے ساتھ متحرک تھا۔

ویرا سب سے پہلے ہوش میں آئی تھی۔ غزالہ اور سلطان شاہ پر بدستور بے ہوشی طاری تھی۔

"تم ٹرک کے انجن کی آواز سن رہے ہو۔" اس نے ہذیانی آواز میں سرگوشی کی "وہ لوگ ہمیں ٹرک کے ذریعے غالباً کسی ویران ساحلی علاقے کے طرف لے جا رہے ہیں۔ شاید یہ لوگ کسٹمز وغیرہ کے چکر میں پڑنے کے بجائے ہمیں کسی لانچ سے مکاؤ لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ٹرک سے اتارے جانے کے وقت ہمیں اپنی آخری کوشش میں سر دھڑ کی بازی لگانی ہو گی ورنہ تم لوگ بے موت مارے جاؤ گے۔"

"تم لوگ؟" میں نے حیرت سے اس کی بات دہرائی "کیا تم نے ہم سے الگ ہو جانے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

"اپنے ذہن میں زہریلے شبہات کر پروان نہ چڑھاؤ۔" وہ روہانسی آواز میں بولی "میں پوری طرح تمہارے ساتھ ہوں مگر یہ بھی جانتی ہوں کہ ڈون مجھے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا لیکن تم لوگ...." اس نے حسرت زدہ اور گہرے سانس کے ساتھ اپنی بات ادھوری چھوڑ دی لیکن اس کے لب و لہجے نے اس کا مدعا ظاہر کر دیا تھا۔

میں نے چند ثانیوں تک اس خوف ناک صورتِ حال پر غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ بدقسمتی نے چاروں طرف سے ہمارا محاصرہ کر لیا تھا۔ ہمارے ہاتھ پیر بدستور بندھے ہوئے تھے اور ہم پوری طرح اپنے دشمنوں کے رحم و کرم پر تھے۔ اس بارے میں زیادہ سوچنا خود کو تھکانے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ میں نے خود کو پوری طرح حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے اور کسی مناسب لمحے کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"یہ بتاؤ کہ تمہارے گُردوں کا کیا حال ہے؟" ایک فیصلہ کر لینے کے بعد میں نے شوخ لہجے میں ویرا سے پوچھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔" ٹرک کے انجن کے یکساں شور میں، اس کی جھلّائی ہوئی آواز ابھری "تم لوگوں کو موت کے جبڑوں میں لے جایا جا رہا ہے اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔"

"اس اندھیرے میں مذاق تو کیا، تم بھی نہیں سوجھ رہی ہو۔ اپنے ننھے سے ذہن پر زیادہ زور نہ ڈالو۔ ہلکی پھلکی باتوں میں وقت گزارو اور تن بہ تقدیر رہو۔ سوچنے سمجھنے کا کام مکاؤ پہنچنے کے بعد کریں گے۔ تمہیں ہنی مون آن دی راک والے گانے کی دُھن یاد ہو تو سیٹی پر اسے گنگنانا شروع کر دو، میں تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"خدا تم سے سمجھے۔" وہ یقیناً دانت پیس کر بولی تھی "شدید مایوسی نے تمہارا دماغ الٹ دیا ہے۔"

"اس وقت خدا ہی مجھ سے سمجھ رہا ہے جو اس حال میں سفر کرنا پڑ رہا ہے۔ ذرا دوسروں کی خبر لو۔ وہ دونوں بھی ہوش میں آ جائیں تو انہیں تم سے لڑانے میں اچھا وقت گزرے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہماری مسلسل بے ہوشی کے چوبیس گھنٹے پورے ہو چکے ہیں اسی لیے ہمیں نیا انجکشن نہیں دیا گیا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو جلد ہی سفر کا سلسلہ ٹوٹنے والا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری شکم پُری کا بندوبست کیا جائے۔ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

"کسی ویران ساحل پر ہمارا انتظار کرتی ہوئی لانچ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"خاصا رومانی منظر ہوگا۔ جب وہ تمہیں اس پر لے جائیں گے تو میں اکیلے نہ جانا کی مدھ بھری تان لگا کر' ریتیلے یا پتھریلے ساحل پر تمہاری طرف دوڑ لگادوں گا لیکن یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب میرے پیٹ میں کچھ پڑچکا ہو۔ مجھے حیرت ہے کہ بے ہوشی کی حالت میں بھی کھانا اتنی تیزی کے ساتھ ہضم ہوتا ہے۔"

"خالی معدے کی حالت میں تمہیں بولنے کا ہیضہ ہورہا ہے تو پیٹ بھرنے کے بعد کیا ہوگا؟"

"بولنے کا ہیضہ خود بخود ختم ہوجائے گا۔ آزمائش شرط ہے۔ میرا پیٹ زیادہ دیر تک خالی رہا تو نقاہت کے نتیجے میں میرے گردے بھی ورم میں مبتلا ہونے لگیں گے۔ یہ مذاق نہیں' حقیقت ہے۔"

"بھاڑ میں جاؤ۔" اس کی بھنائی ہوئی آواز سنائی دی اور وہ مجھ سے دور سرک گئی۔

میں اندھیرے میں خود بخود مسکرادیا۔ بعض اوقات دوسروں کا خون سلگا کر کتنی راحت ملتی ہے۔ اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو خود ایسے کسی تجربے سے گزر چکے ہوں۔

"اس وقت تم ایسی کسی بھٹیارن کی طرح کلکلا رہی ہو جو اپنے شوہر کی انتھک محنت اور بچوں کی اسی قدر کثرت سے عاجز آئی ہوئی ہو۔" میں نے اسے مزید برافروختہ کرنے کی نیت سے کہا۔

"بکے جاؤ۔ میں نے اپنے دونوں کان بند کرلیے ہیں۔" اس کی آواز غصے سے کھسیائی ہوئی تھی۔

"کاش' اس وقت اجالا ہوتا اور میں تمہیں دیکھ سکتا۔ کان بند کرلینے کا دعویٰ کررہی ہو اور میری بات کا سرتوڑ' بلکہ پتھرپھوڑ جواب بھی دے رہی ہو۔ ایسی حرکتیں تم ہی کرسکتی ہو۔" میں نے کہا۔

"خدا کے لیے چپ ہوجاؤ اور مجھے ان دونوں کو ہوش میں لانے دو۔" وہ عاجز آکر بولی "تم اسی طرح بولتے رہے تو میں پاگل ہوکر اپنا سر ٹرک کی کسی دیوار سے دے ماروں گی۔"

"میں چپ ہوا جاتا ہوں۔ ویسے جب بھی سر مارو تو ذرا احتیاط سے مارنا۔ ٹرک کی باڈی کمزور معلوم ہوتی ہے۔ یہ حصہ تو شاید عارضی طور پر ہمارے ہی لیے بنایا گیا ہے۔ اس کی چھت بہت نیچی ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔" ویرا نے اضطراری کیفیت میں کہا "بیٹھنے کے بعد میرا سر بار بار چوبی چھت سے ٹکرا رہا ہے۔ شاید انہوں نے ٹرک کی باڈی کے پچھلے حصے میں یہ پارٹیشن تیار کیا ہے۔"

"میں اس وقت سنجیدہ باتیں سوچنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" میں نے رکھائی سے کہا "میں نے صرف باڈی کی کمزوری کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارا سر بہت مضبوط ہے۔"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ بے تکان بکواس کرتے ہوئے بھی تمہارا دماغ کام کررہا ہے۔ کیا باڈی کو توڑ کر باہر نکلنے کے کسی منصوبے پر غور کررہے ہو؟ میں یہی تو چاہ رہی تھی کہ وقت ضائع کرنے کے بجائے کچھ سوچو۔"

"زیادہ سوچنے سے میرے ٹخنوں میں درد ہونے لگتا ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"پھر بہکنے لگے۔ ایسی اول فول باتوں سے تم مجھے بلاوجہ غصہ دلادیتے ہو۔"

"یہ اول فول نہیں' حقیقت ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ لمبے آدمی کی عقل پھسل کر اُس کے ٹخنوں میں آجاتی ہے۔ ابھی ابھی چھت سے سر ٹکرانے کے بعد مجھے اندازہ ہوا ہے کہ میں بھی لمبوں کی صف میں شامل ہوں۔"

"کہاوتوں پر جاتے ہو تو پھر سردار پائندہ گل کے بارے میں کیا کہو گے۔ سربڑا ہونے کے ساتھ اس کے پاؤں بھی پھاوڑوں کی طرح لمبے چوڑے ہیں۔" یک بیک اس کا لب ولہجہ تبدیل ہوگیا۔ وہ مجھے گھٹنے پر مائل ہوتی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"بات سمجھ میں نہیں آئی۔ میرے ٹخنوں سے سردار پائندہ گل کا کیا تعلق نکل آیا؟"

"سربڑا سرداروں کا' پیر بڑا گنواروں کا۔ یہ تمہاری ہی کہاوت ہے نا؟"

"اوہ! اس میں دونوں خواص یکجا ہیں اسی لیے وہ گنواروں کا سردار ہے۔ مُردوں پر گریہ و ماتم کرنے والی عورتوں کے سر منڈوا کر ان کی چھاتیاں برہنہ کروادینے والے گنوار ہی نہیں جاہل بھی کہے جاسکتے ہیں۔ تنکارا ویلی میں یہ ہوتا چلا آیا ہے اور سردار پائندہ گل عملاً ان گنواروں کا سردار بنا ہوا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تمہاری عقل ٹخنوں سے اوپر چڑھی ہوئی ہے۔" اس کی آواز سے بے بسی جھلک رہی تھی "تم سے بحث کرنی بے سود ہے۔ کوئی ڈھنگ کی بات سوچو تو مجھے مخاطب کرلینا۔"

"میں اس وقت بلند آواز میں سوچ رہا ہوں۔ تم کسی بات میں ڈھنگ محسوس کرو تو خود ہی ٹانگ اڑا دینا۔ انڈوں پر بیٹھی ہوئی کڑک مرغی کی طرح' بات بات پر پھول جانا اب تمہاری عادت میں شامل ہوتا جارہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تم ایک لمبی مدت گزارنے کے باوجود' ان انڈوں میں سے کوئی چوزا تک برآمد نہیں کرسکی ہو۔ تمہارا باپ نانا بننے کے لیے مرا جارہا ہے۔ زرخیز داماد کی جستجو میں بل جونز اس کے ہاتھ آیا تو تم نے اسے بھی میرے ہاتھوں مروادیا۔ تمہارے بطن سے اس کے تمام نازائیدہ بچوں کا وبال تمہاری گردن پر ہوگا اور نانا جان....."

"شٹ اَپ!" اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا "میں نے اس کی

صورت تک نہیں دیکھی اور تم مجھے اس کے نوزائیدہ بچوں کی ماں بنا رہے ہیں۔ مذاق اور بے ہودگی میں فرق ہوتا ہے۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔ مشرق میں غیر شادی شدہ عورتوں کا امید سے ہونا معیوب ہی نہیں شرمناک بھی سمجھا جاتا ہے۔ تمہیں یہ جان کر خوشی نہیں ہوگی کہ اہلِ زبان نہ ہونے کی وجہ سے تم بھی البرٹو ویلیسا کی طرح، کہیں کہیں مار کھا جاتی ہو۔ میں نے نازائیدہ بچوں کی بات کی تھی۔ وہ غنچے جو بن کھلے مرجھا گئے اور تم غصے میں نوزائیدہ یعنی تازہ پیداوار کو لے دوڑیں۔ جو بچے پیدا ہی نہیں ہوئے ہوں ان کا ذکر کرنا بے ہودگی کیسے ہو سکتا ہے؟ برا نہ مانو تو یہ بتا دو کہ تم نے اپنے کان کس لیے کھولے ہیں۔ کھانا میسر آنے تک انہیں بند رکھنے میں تمہارا کیا حرج تھا؟"

میری توقع کے عین مطابق اس نے سختی کے ساتھ اپنی زبان بند کرلی۔

غزالہ ہوش میں آئی ہی تھی کہ ٹرک کے انجن کی آواز یک بیک دھیمی ہوگئی۔ انجن کی طاقتور غراہٹیں معدوم ہونے کے باوجود ٹرک رواں تھا مگر اس کی رفتار ٹوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ شاید ڈرائیور نے انجن نیوٹرل کر کے، کلچ اور... ایکسیلریٹر کو پوری طرح آزاد کر دیا تھا تاکہ مقررہ مقام پر ہلکے بریک لگا کر ٹرک کو روکا جا سکے۔

میں نے ہوش میں آتے ہی سمجھ لیا تھا کہ ہماری بے ہوشی کا تسلسل ٹوٹنے کے نتیجے میں ہمارا سفر بھی کسی طویل یا مختصر قیام پر منتج ہونے والا تھا۔ ہمیں پکڑنے والوں کا حساب اتنا درست تھا کہ ہم چاروں کے پوری طرح ہوش میں آنے کے ساتھ ہی ٹرک رکنے کے آثار پیدا ہو چلے تھے۔

"پڑاؤ کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ تم نے کیا سوچا ہے؟" ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

"میری عقل ٹخنوں میں اتری ہوئی ہے۔ تم نے کچھ سوچا ہو تو بتاؤ۔ میں آنکھیں بند کر کے اس پر عمل کر گزروں گا" میں نے کہا۔ حقیقت یہ تھی کہ ہر طرح سوچنے کے باوجود مجھے گلو خلاصی کی کوئی راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ اگر میں اکیلا ہوتا تو فرار کے کسی نہ کسی امکان پر غور کر سکتا تھا مگر وہاں چار افراد کا معاملہ درپیش تھا۔ ہم میں سے ایک دو بھاگ بھی نکلتے تو باقی رہ جانے والوں کو ان کے فرار کا خمیازہ بھگتنا پڑتا۔ میرے لیے یہی کافی تھا کہ ہمارے ساتھ ان لوگوں کا مجموعی رویّہ خاصا بہتر تھا۔ ہماری کوئی مزاحمانہ کارروائی انہیں ایک بار تشدد پر مجبور کر دیتی تو ان کا سلوک ناخوشگوار تبدیلیوں کی زد میں آ سکتا تھا اور ہمارا پورا سفر بدمزگی کا شکار ہو کر رہ جاتا۔

ہم تشویش اور بے یقینی کے عالم میں ٹرک کے انجن کی آواز پر کان لگائے بیٹھے رہے۔ آخر کار بریک لگائے گئے اور ٹرک رک گیا۔ اس کا انجن چلتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ٹرک کو الٹا چلاتے ہوئے، بائیں طرف موڑا گیا۔ جھٹکوں کے ساتھ لوہے سے لوہا ٹکرانے کی پُرشور آوازیں پیدا ہوئیں۔ شاید ٹرک کو ہموار اور پختہ سڑک سے کچے میں اتارا جا رہا تھا۔ وہ کارروائی قلیل کی مدت میں مکمل ہوگئی اور ٹرک روک کر انجن بند کر دیا گیا۔

انجن کا شور معدوم ہوتے ہی باہر سے کئی ملی جلی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ لوگ اونچی آوازوں میں فارسی یا پشتو میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ نکتہ چونکا دینے والا تھا مگر میں نے اپنی زبان بند رکھی پھر باہر سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے لوہے کے خالی ڈرم زمین پر پٹخے جا رہے ہوں۔ ٹرک پر انسانی نقل و حرکت کے ساتھ چیزوں کے گھسیٹے جانے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ڈرم ٹرک پر سے اتارے جا رہے ہوں۔ چند منٹ بعد وہ سلسلہ موقوف ہو گیا اور ہماری توجہ اس عمودی چوبی پارٹیشن پر مرکوز ہو گئیں جس نے ہمارے حصے کو باقی ٹرک سے الگ کیا ہوا تھا۔ چند آوازوں کے بعد اس چوبی دیوار کا ایک حصہ الگ ہو گیا اور اس چوکور خلا میں سے کسی ٹارچ کی تیز روشنی ہمارے تنگ و تاریک قید خانے میں رینگ آئی۔

خلا کے پار موجود شخص نے باری باری ہم چاروں کو براہِ راست روشنی کی زد میں لے کر ہمارا جائزہ لیا پھر اپنی روشن ٹارچ سمیت ہماری طرف رینگ آیا۔ میں نے اس خلا میں سے باہر کا جائزہ لینے کی کوشش کی تو وہاں گہری تاریکی کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ معاً اسی طرف سے میری آنکھوں پر تیز روشنی پڑی اور میں نے بوکھلا کر اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ اندر آنے والے کا ایک اور ساتھی ٹرک کے پچھلے حصے میں موجود تھا جو دیوار کے پیچھے سے روشنی ڈال کر اندر والے کی مدد کر رہا تھا اور خود ٹارچ کی تیز روشنی کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔

دوبارہ آنکھیں کھولنے پر میں نے اندر والے کا جائزہ لیا تو چونک پڑا۔ وہ ایک تنومند اور باریش نوجوان تھا۔ اس کی سیاہ اور گھنی داڑھی بے ترتیبی سے اس کے سینے پر لہرا رہی تھی۔ اس کی بے چین اور چمک دار نگاہیں ہر طرف چکرا رہی تھیں اور ہاتھ ویرا کی رسیوں کی گرہوں سے الجھ رہے تھے۔

"تم کون ہو اور ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟" میں نے اپنی آواز میں نقاہت پیدا کرتے ہوئے، اس سے پوچھا۔

"خاموش بیٹھو!" اس نے مجھے بری طرح جھڑک دیا "تمہیں جلد ہی سب معلوم ہو جائے گا" اس کے تند لب و لہجے میں قبائلی خُوبُو بہت زیادہ واضح تھی۔ اس کی وضع قطع اور پوشاک بھی ایک مخصوص سمت میں رہنمائی کر رہی تھی۔

مجھے اس وقت شدید حیرت ہوئی جب اس نے ہاتھوں کے بعد ویرا کے پیر بھی آزاد کر دیے۔

"باہر نکلو!" اس نے ویرا کی پشت پر ہاتھ مار کر اسے کسی مویشی

کی طرح ہانکا۔ ویرا چاروں ہاتھ پیروں پر چلتی ہوئی چوبی خلا سے گزری پھر صرف اس کی پنڈلیاں نظر آنے لگیں۔ آہنی ڈرموں اور ٹرک کی داہنی دیوار کے درمیان بنائی جانے والی تنگ گزرگاہ شاید اوپر تک کھلی ہوئی تھی اور ویرا موقع میسر آتے ہی اپنے قدموں پر کھڑی ہوگئی تھی۔ وہ چلتی ہوئی آگے بڑھی تو اسے آزاد کرنے والا بھی ہماری طرف سے نکل گیا۔

"وہ ویرا کو کہاں لے گئے ہیں؟" غزالہ نے پُرتشویش آواز میں پوچھا۔

"فکر نہ کرو۔ وہ اسے قتل کرنہیں کھائیں گے۔ پریشانی کی بات یہ ہے کہ مجھے یہ لوگ ڈون کوانگ فو کے بجائے سردار پائندہ گل کے آدمی معلوم ہورہے ہیں۔ اگر میرا قیاس درست ہے تو ہمیں شنگارادیلی لے جایا جارہا ہے۔"

"سردار پائندہ گل؟" سلطان شاہ نے حیرت اور خوف سے دہرایا "وہ اچانک ہمارا دشمن کیوں ہوگیا؟ تم سے ملاقات کے بعد تو وہ اچھے موڈ میں رخصت ہوا تھا۔ تم اس ملاقات سے خاصے مطمئن نظر آرہے تھے۔"

میں نے اسے یاد دلانا ضروری نہیں سمجھا کہ سردار پائندہ گل نے دوستی یا دشمنی کا معاملہ معلق چھوڑ کر بس یہ کہا تھا کہ جنت گل میرے اور اپنے خفیہ تعلق کے بارے میں زبان بند رکھے گی تو خیر ہوگی ورنہ کچھ پتا نہیں تھا۔

میرے ذہن میں ایک دھماکا سا ہوا۔ تو کیا جنت گل نے سردار پائندہ گل کے شناساؤں کی محفلوں میں اپنی قصہ گوئی کا آغاز کردیا تھا؟ کیا سردار کو اس تشہیر کی اطلاع مل چکی تھی؟

اگر ان دو سوالات کے جوابات اثبات میں تھے تو میری پوزیشن بہت مخدوش ہوچکی تھی۔ ایک طرف سردار پائندہ گل مجھے جنت گل سے زیادتی کا مجرم ٹھہرا کر، کوئی بھی بدترین فیصلہ صادر کرسکتا تھا اور دوسری طرف یہ بات یقینی نظر آنے لگی تھی کہ شنگارادیلی پہنچنے کے بعد غزالہ کو معلوم ہوجائے گا کہ چھوٹے خان کی قید کے دوران میں، میں جنت گل کے دلفریب پیکر میں الجھ کر اُس سے بے وفائی کا مرتکب ہوا تھا۔ اس غیر متوقع انکشاف سے غزالہ کے دل پر کیا گزرتی اور اس کی نظروں میں میری کیا وقعت رہ جاتی، اس کا اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا۔

"ان ضدی اور خودسر لوگوں کے موڈ اور مزاج کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا" غزالہ کہہ رہی تھی "اس بار انہوں نے جس قدر خاموشی اور رازداری کے ساتھ شب خون مار کر ہمیں پکڑا ہے، وہ دہشت ناک ہے۔ اول خان یا ہمارے کسی اور ہمدرد کو علم ہی نہیں ہوسکے گا کہ ہم کہاں اور کس حال میں ہیں؟"

"اول خان بھی ہم جیسا ایک آدمی ہی ہے" میں نے کہا "فرق اتنا ہے کہ ہم صرف چار ہیں اور اس کے ایک اشارے پر چار سو مسلح کوریلوں کا ایک جتھا جمع ہوسکتا ہے۔ موجودہ حالات میں ہمیں اپنی عقل اور اپنے زور بازو پر انحصار کرنا پڑے گا۔ ہم واقعی بہت بری طرح پائندہ گل کے شکنجے میں آئے ہیں۔"

سردار پائندہ گل کتنا ہی متلون مزاج اور غصہ ور رہا ہو، آدمی اصول پرست معلوم ہوتا تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ ہمیں اس کے آدمیوں کے قبضے میں آئے ہوئے، کم وبیش دو دن ہوچکے تھے لیکن اس دوران میں دونوں عورتوں کے ساتھ کوئی بدتمیزی یا چھیڑ چھاڑ نہیں کی گئی تھی حالانکہ ایسے حالات میں ہر جرائم پیشہ شخص بہتی گنگا میں ہاتھ دھونا اپنے فرائضِ منصبی میں شامل سمجھتا ہے۔ اس اصول پرستی کی روشنی میں، میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اگر سردار پائندہ گل کی دشمنی ہوسکتی تھی تو صرف مجھ سے ہوسکتی تھی۔ اسے اپنے مجرم کو اٹھوانا چاہیے تھا۔ میرے ساتھ ان تینوں کو قید بلکہ اغوا کرنے کا کوئی جواز میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

ویرا تھوڑی دیر بعد واپس آئی تو پہلے والے دونوں آدمی اس کے آگے پیچھے اپنی اپنی جگہوں پر موجود تھے۔ ان کی وجہ سے وہ کچھ بتا نہیں سکی لیکن اس کی آنکھوں میں پُرجوش چمک نظر آرہی تھی۔

ویرا کو دوبارہ بے دست وپا کرنے کے بعد وہ شخص میری طرف متوجہ ہوا اور نہایت پھرتی کے ساتھ مجھے آزاد کردیا۔ میں چوبی دیوار والے خلا میں سے رینگ کر دوسری طرف نکلا اور کھلی فضا میں گہرے گہرے سانس لیتا ہوا، سیدھا کھڑا ہوگیا۔ اٹھتے ہوئے میں نے اپنی داہنی طرف موجود ڈرموں پر ہاتھ مار کر یہ اندازہ کرلیا تھا کہ وہ پوری طرح بھرے ہوئے تھے۔ شاید خالی ڈرم اتنی ہی جگہ میں لادے گئے تھے جو ہمارے حصے میں آمدورفت کے لیے استعمال ہورہا تھا۔ اس وقت وہی خالی ڈرم اتار کر ٹرک میں ہماری گزرگاہ بنائی گئی تھی جو ایک آدمی کے لیے بہت کافی تھی۔

میں ٹرک سے نیچے اترا تو اندھیرے میں مزید تین مسلح افراد نظر آئے۔ بائیں طرف ایک کچی نہر تھی جس میں اوپر تک پانی بہہ رہا تھا اور قرب وجوار میں درخت ہی درخت پھیلے ہوئے تھے۔

"جنگل پانی سے فارغ ہوکر ادھر جاؤ اور کھانا کھالو" ایک قوی ہیکل شخص نے درشت لہجے میں مجھے ہدایت کی "تم نے کوئی بھی گڑبڑ کی یا بھاگنے کی کوشش کی تو تمہارے علاوہ تمہارے ساتھیوں کو بھی گولی ماردی جائے گی۔"

"تم خانِ اعظم، سردار پائندہ گل کے آدمی ہونا؟" میں نے اس سے سوال کیا لیکن اس کے جواب دینے سے پہلے ہی کسی نے مجھے آگے دھکیل دیا۔ ان میں سے کوئی بھی غیر ضروری بات سننے یا کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

ایک مسلح آدمی نے اپنی نگرانی میں مجھے ایک تناور درخت کی اوٹ میں بھیجا۔ پانی کے لیے اس نے وہیں رکھی ہوئی، منرل واٹر کی خالی بوتل کی طرف اشارہ کیا اور میں نے اسے ندی میں سے بھرلیا۔ ان کا مجموعی رویّہ مناسب ہی نہیں، ہر اعتبار سے مہذب اور قابل

تعریف تھا۔ خرابی صرف یہ تھی کہ انہوں نے ضرورت سے زیادہ نہ بولنے کی گویا قسم کھائی ہوئی تھی اور ان کی وہی خاموشی مجھے ڈس رہی تھی۔

اگلے مرحلے میں وہی مسلح شخص مجھے ایک گنجان کنج کے پیچھے لے گیا تو میں وہاں موجود لینڈ کروزر کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہاں تین آدمی کھانے کے سازو سامان کے ساتھ موجود تھے۔ ان میں سے ایک کی وضع قطع مسلح آدمیوں سے مشابہ تھی۔ بقیہ دو چہرے میرے لیے شناسا تھے۔ وہ وہی تھے جنہوں نے پچھلی رات ہمیں کھانا کھلایا تھا۔ مجھے لانے والا فوراً لوٹ گیا تھا۔ کھلی فضا میں تاریکی کے اثرات بہت گہرے اور گھمبیر نہیں تھے۔ مطلع صاف تھا اور تاروں بھرے آسمان کی چھاؤں میں نظر خاصے فاصلے تک کام کر رہی تھی۔ کراچی والے متروک گودام کے مقابلے میں' اس ویرانے میں ان دونوں کا رویّہ قدرے مفاہمانہ تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ کراچی میں وہ اپنے ٹھکانے پر شیر تھے اور اس ویرانے میں میرے طرح وہ دونوں بھی دوسروں کے رحم و کرم پر تھے۔ دوسروں کا دست نگر ہونے کے اس مشترکہ احساس نے انہیں مجھ سے یگانگی کے اظہار پر مجبور کر دیا تھا۔

مجھے مونچھوں والے نے کھانا دیا تو میں نے اس کے قریب ہی ایک پتھر پر جگہ سنبھالنے کے بعد پوچھا "اب تو بتا دو کہ یہ لوگ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟ منزل کا علم ہو تو دل کو تھوڑا سا سکون رہتا ہے۔"

"صندل خان! یہ منزل کے بارے میں پوچھ رہا ہے" مونچھوں والے نے مسلح آدمی سے کہا۔ "وہ میم بھی بار بار یہی پوچھ رہی تھی لیکن اس وقت صبغت اللہ یہاں تھا اور وہ غصے میں تھا۔ میں نے جواب دیئے بغیر میم کو لوٹا دیا تھا۔"

"بتا دو' بتا دو!" اس نے اپنی کلاشنکوف رائفل سمیت اپنے دونوں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا "اب کراچی سے ان کا ہر رابطہ کٹ چکا ہے۔ انہیں سب کچھ معلوم ہو جائے تب بھی یہ اپنے مقدر کو نہیں ٹال سکتے" پھر وہ براہِ راست میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "ہم لوگ سردار پائندہ گل کے جاں نثار ہیں اور تم لوگوں کو شنکارا دیلی لے جا رہے ہیں۔"

"لیکن کیوں؟ ہمارا قصور کیا ہے؟" میں نے کھانے کا آغاز کرتے ہوئے پوچھا۔

"سردار بابا کا حکم۔ اس سے زیادہ ہمیں نہیں معلوم۔ شنکارا دیلی میں پہنچتے ہی تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ وہ مارنے سے پہلے تمہیں ایک ایک بات بتا دے گا۔ اپنے دشمنوں کو وہ ان کا ہر قصور بتا دیتا ہے۔"

"تو کیا وہ ہمیں قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟" میں نے بوکھلا کر پوچھا۔

"خدا معلوم" صندل خان شانے اچکا کر بولا "سردار کے دل کی بات وہ خود جانتا ہے یا خدا جانتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ سردار بابا اپنے چھوٹے موٹے دشمنوں پر زیادہ محنت نہیں کرتا۔ یہ تمہاری عزت افزائی ہوگی کہ وہ تمہیں کراچی سے اٹھوا کر شنکارا کے پہاڑوں میں اپنے ہاتھ سے مارے۔ سردار بابا جیسے بڑے آدمی کے ہاتھ سے مرنے والوں کی اولادیں اس بات پر ناز کرتی ہیں کہ ان کے بڑوں کا خون کرنے والا کوئی عام آدمی نہیں تھا" وہ اپنی جیب میں سے نسوار کی ڈبیا نکال کر اپنی خوراک لینے کی تیاری کرتا ہوا وہاں سے چند قدم آگے چلا گیا۔

"اور تمہارا استاد بھی پائندہ گل کا آدمی ہے؟" میں نے مونچھوں والے سے پوچھا۔

"استاد اس کا ملازم نہیں' دوست ہے۔ پائندہ گل کی خواہش پر اس نے ہمیں ان لوگوں کے حوالے کر دیا ہے" وہ کہنے لگا "اس نے تم لوگوں کو دیکھا تک نہیں ہے لیکن ہمیں ہدایت کی ہے کہ سردار پائندہ گل کے قیدیوں کو دن رات سفر کر کے جلد از جلد شنکارا دیلی پہنچانا ہے۔ ہمارا تیسرا ساتھی ٹرک پر سو رہا ہے۔ وہ اٹھ کر گاڑی سنبھالے گا تو میں آرام کرنے کے لیے کیبن کے اوپر چلا جاؤں گا۔ یہ ٹرک ضرورت کے بغیر کہیں نہیں روکا جائے گا۔"

اچانک مجھے بدرو دادا کا خیال آیا۔ میں نے جہانگیر سے اس کے فون نمبر بھی لیے تھے لیکن مصروفیات میں الجھنے کی وجہ سے اس سے بات نہیں کر سکا تھا۔ وہ بھی سردار پائندہ گل سے بہت قریب تھا۔ میں نے مونچھوں والے سے پوچھا "تمہارا استاد بدرو دادا کو تو جانتا ہوگا۔ وہ بھی سردار پائندہ گل کے لیے کام کرتا رہتا ہے۔"

مونچھوں والے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں پھر اس نے بے یقینی کے ساتھ پوچھا "تم بدرو دادا کو اس کے پرانے نام سے کیسے جانتے ہو؟ آج کل وہ اس نام سے کہاں پہچانا جاتا ہے؟"

"وہ میرا بہت پرانا اور جگری دوست ہے۔ ایک زمانے میں ہم دونوں اکٹھے کام کرتے تھے۔"

"مارے گئے!" وہ بے ساختہ کراہ اٹھا "یہ بات تم نے پہلے کیوں نہیں بتائی۔ پرانے وقتوں کا بدرو دادا ہی تو ٹرانسپورٹ کی لائن میں استاد کہلاتا ہے۔ کیسا اندھیر ہے کہ اس کے آدمی تمہیں اسی کے ٹرک میں بند کر کے شنکارا دیلی لے جا رہے ہیں اور اس کے فرشتوں کو بھی اصلیت کا علم نہیں ہے۔ سردار پائندہ گل بہت خطرناک آدمی ہے۔ اس نے دعوت کھلانے کے لیے تم کو نہیں اٹھوایا ہوگا۔ جب استاد کو تمہارے حشر کا علم ہوگا تو وہ پاگلوں کی طرح اپنا منہ نوچ لے گا۔ وہ یاروں کا یار ہے اور پرانے دوستوں کی بڑی قدر کرتا ہے۔"

اس انکشاف پر میں بھونچکا رہ گیا۔ بدرو تو بعد میں جو کرتا سو کرتا۔ اس وقت میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں کسی بڑے سے پتھر سے اپنا سر پھوڑ لوں۔ اگر میں نے بے پروائی سے وقت گزارنے

بجائے، بدرو دادا سے فوری طور پر اپنے پرانے مراسم کی تجدید کرلی ہوتی تو سردار پائندہ گل کا ذکر آتے ہی وہ انگل بیٹھتا کہ وہ سردار پائندہ گل کے لیے کیا گل کھلانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کے بعد دو اور دو چار کرلینا مشکل نہ ہوتا لیکن میں نے اپنی حماقت یا غفلت سے وہ نادر موقع گنوادیا تھا۔ اس غفلت کے سنگین نتائج ہم سب کے سامنے تھے۔

"ہم ٹرک کراچی واپس لے چلو یا کسی طرح اپنے استاد سے میری بات کرادو۔ ہم چاروں کی زندگی کے لیے یہ ہونا بہت ضروری ہے۔ میں تمہیں اتنا انعام دوں گا کہ تم دوسروں کی نوکری چاکری بھول جاؤ گے" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں اس کو خوشامد اور لالچ کے آئینے میں اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ان میں سے ایک ہمارے ساتھ ٹرک پر سفر کررہا ہے۔ باقی پانچ آدمی اس جیپ میں تھوڑے فاصلے سے چل رہے ہیں۔ صندل خان ان کا سربراہ ہے۔ وہ مجھے ہرگز واپس نہیں لوٹنے دیں گے۔ تمہارا استاد تو کیا، کسی سے بھی رابطہ ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ لوگ تم چاروں سے بری طرح خائف ہیں اسی لیے تمہیں پورے سفر میں مسلسل بے ہوش رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ تمہاری دونوں ہی باتیں ناقابل عمل ہیں۔"

"اس وقت ہم کراچی سے کتنی دور ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہم صادق آباد سے چالیس پچاس کلومیٹر آگے، پنجاب کے علاقے میں ہیں۔ اب تو کراچی کے بجائے آگے کی سوچو۔ ہمارے دلوں میں تمہارے لیے ہمدردی پیدا ہوگئی ہے لیکن ہم استاد کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کرسکتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ کراچی واپسی کا انتظار کرنے کے بجائے ہم ٹرک خالی ہوتے ہی اسے فون پر پوری بات بتادیں۔ تمہیں ایک بار تو شنگارا دیلی جانا ہی پڑے گا۔ ویسے نام کیا ہے تمہارا؟"

"ڈینی!" میں نے سوچتے ہوئے کہا "تم صندل خان سے بات کیوں نہیں کرتے؟ ہوسکتا ہے کہ اس کے دل میں نیکی آجائے اور وہ اس مسئلے کا کوئی حل نکال لے۔ اس سے تمہاری بے تکلفی بھی معلوم ہوتی ہے۔"

"مشکل ہے، یہ لوگ سردار کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ اس کی کہی ہوئی ہر بات کو پتھر کی لکیر سمجھتے ہیں۔ وہ تمہیں شنگارا دیلی لے جانے پر ہی اصرار کرے گا۔ یہ سب تند خو اور بدماغ ہونے کے ساتھ بدزبان بھی ہیں۔"

ہیروئن کی غیر قانونی تجارت میں ان لوگوں کی حیثیت کلیدی تھی۔ بظاہر وہ سردار پائندہ گل کے ملازم اور نمک خوار تھے لیکن ان ہی کی ناقابل تسخیر قوت نے سردار پائندہ گل جیسے پُرنور اور باریش سا چہرے والے شخص کو موت کا سوداگر بنایا ہوا تھا۔ اپنی اپنی جگہ وہ سب بھی موت کے سوداگر ہی تھے اور انہیں اپنی خصلتوں کے اعتبار سے ویسا ہی ہونا چاہیے تھا، جیسے وہ تھے۔ تند خو، بدماغ، بدزبان، سفاک اور بے مہر۔ موت بلکہ سسکتی ہوئی بھیانک ترین موت کی سوداگری سے حاصل ہونے والے بھاری منافع پر پلنے والوں کے لہو میں ان سب کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا؟

"زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ صندل خان تمہاری کوئی بھی بات ماننے سے انکار کرکے، ہمیں شنگارا دیلی لے جانے پر اصرار کرے گا۔ اس سے صورت حال نہیں بدلے گی۔ تم ویسے بھی شنگارا دیلی کا سفر کرنے پر مجبور ہو۔ وہ مان گیا تو ہماری مشکلات حل ہوجائیں گی۔ میں اس امکان کو ضائع کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔"

"ڈینی ٹھیک کہہ رہا ہے" اس کے ساتھی نے میری تائید میں کہا "تم صندل خان سے ضرور بات کرو۔"

"کیا سب لوگوں کا کھانا یہ اکیلا ہی کھا جائے گا۔" اچانک صندل خان نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے آواز لگائی "اسے جلدی فارغ کرو۔ ہم نے یہاں اتنا وقت برباد کیا تو لاہور میں پھنس جائیں گے۔"

"اسے بلا کر ابھی بات کرلو" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے بھی اس کے عزائم معلوم ہوجائیں گے۔"

"نہیں!" مونچھوں والے نے سختی سے انکار کردیا "وہ سالا نیم پاگل ہے۔ تمہارے سامنے بات کی تو وہ سمجھے گا کہ تم نے کسی قسم کی رشوت وغیرہ کی پیش کش کرکے ہمیں خرید لیا ہے۔ اب یہ کام مجھ پر چھوڑ دو۔ یہاں سے میں اسے ٹرک پر بٹھالوں گا پھر راستے میں موقع محل نکال کر بات کروں گا۔ تم جلدی سے اپنا کھانا ختم کرو۔"

"تم ٹرک میں کسی خرابی کا بہانہ کرکے سفر میں رکاوٹ بھی ڈال سکتے ہو" میں نے آخری لقمہ نگلنے کے بعد اسے اسائنٹ کی

ایک اور کوشش کی "انہیں ہم کو ٹرک سے نکالنا..."
"نہیں، یہ نہیں ہو سکتا" اس نے مجھے مزید بولنے سے روک دیا "میں اپنے آپ اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ ابھی تو میں نے صرف تمہاری بات سنی ہے۔ یہ استاد کے لیے کڑا امتحان بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر اس کے اور سردار پائندہ گل کے تعلقات زیادہ گہرے ہوئے تو وہ تم سے نظریں بھی پھیر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں میں بھی ایک ٹرک ڈرائیور شامل ہے۔ وہ لینڈ کروزر چلا رہا ہے۔ وہ مکینک کا کام بھی جانتا ہے۔ اس نے میری چالاکی پکڑ لی تو یہ لوگ مجھے گولی ہی مار دیں گے۔ یہ ذرا ذرا سی بات پر آپس میں لڑ مرتے ہیں، میں تو پھر غیر ہوں۔"

"آدھے گھنٹے بعد ہمیں بے ہوشی کے انجکشن کون لگائے گا؟" میں نے پانی پی کر اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"میں آؤں گا" دوسرے نے کہا "ہو سکتا ہے کہ یہاں رک کر آدھا گھنٹا ضائع کرنے کے بجائے مجھے بھی تمہارے ساتھ بند کر دیا جائے۔ خالی ڈرم ہٹا کر راستہ بنانے اور پھر بند کرنے میں کافی وقت برباد ہو رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ ہمیں دوبارہ بات کرنے کا موقع نہ ملے۔ کچھ بھی نہ ہو سکے، تو ٹرک خالی ہوتے ہی بدرو دادا کو فون پر ساری بات ضرور بتا دینا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھ پر سردار پائندہ گل کو ترجیح نہیں دے گا۔"

"ایک بات بار بار مت دہراؤ۔ میں نے جو کہہ دیا ہے، وہ کروں گا۔ ویسے یار، اگر تم سچ بول رہے ہو تو وہ سالی میم جھوٹی ہے۔ وہ تو اردو کے لیے کام وام کی بکواس کر رہی تھی" وہ اچانک سوچ میں پڑ گیا تھا۔ ویرا اس کے دماغ کی جڑوں تک میں بیٹھ چکی تھی جو ایک اچھی علامت تھی۔

"وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ولایتی عورتیں دو چار مردوں سے دوستی رکھنے کو برا نہیں سمجھتیں۔ میں نے اسے اپنے مطلب سے پھانس کر فلیٹ پر بلایا تھا۔ وہ مفت میں ماری گئی ہے۔ تم سے بہت متاثر ہے۔ کہہ رہی تھی کہ اتنا شریف بدمعاش روئے زمین پر ملنا مشکل ہے۔ زندگی رہی تو اس سے تمہاری بھی دوستی کرا دوں گا۔"

"اللہ مالک ہے" اس نے سینہ پھلا کر حلق کے بل کہا "میں نے صرف اس کی وجہ سے صندل خان سے بات کر کے یہاں تم لوگوں کے جنگل پانی کا بندوبست کرایا ہے۔ وہ بار بار میرا شکریہ ادا کر رہی تھی۔"

میں دل ہی دل میں اس کی کج فہمی پر ہنستا ہوا وہاں سے واپس چل دیا۔ ویرا اسے کھڑے کھڑے دس دفعہ بھی نیلام کر دیتی تو اس کے فرشتوں تک کو علم نہ ہو پاتا کہ اس کی بولی لگوانے والی کون تھی۔ اور وہ اس کے مکروفریب میں الجھ رہا تھا۔ آخری نتائج سے قطع نظر ہمارے لیے وہ ایک نیک شگون تھا۔

واپسی میں، میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ ان لوگوں نے ڈرموں سے بھرے ہوئے ٹرک اور لینڈ کروزر کو ہائی وے سے اتار کر اس طرح کھڑا کیا تھا کہ لینڈ کروزر سڑک پر سے دیکھی نہیں جا سکتی تھی۔ ٹرک بھی نہر کے کنارے، درختوں کے درمیان روکا گیا تھا۔ اس کا اگلا حصہ سڑک کی طرف تھا۔ اس سے ٹرک آنے جانے والی گاڑیوں کی تیز روشنیوں سے بالکل محفوظ تھا۔ کسی کو علم ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ ٹرک کے عقب میں کتنے بڑے پیمانے پر متفرق سرگرمیاں جاری تھیں۔ شاید ان ہی خوبیوں کی بنا پر پڑاؤ کے لیے اس مقام کا انتخاب کیا گیا تھا۔

مجھے اندر لے جا کر باندھنے کے بعد غزالہ کو آزاد کر دیا گیا۔ ان لوگوں کے جاتے ہی ویرا نے مجھے اپنے تجربات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ غزالہ اور سلطان شاہ کو پہلے ہی ان باتوں سے آگاہ کر چکی تھی جو میرے لیے بالکل بے جان اور پھسپھسی تھیں۔ اس کا سارا زور اس بات پر تھا کہ ہم ڈون کوانگ فو کے آدمیوں پر بلاوجہ ہی اپنے سر کھپاتے رہے تھے۔

اس کے خاموش ہو جانے پر جب میں نے افسردگی کے ساتھ بدرو دادا کا ذکر چھیڑا، تو دونوں ہی حیران رہ گئے۔ اندھیرے کی وجہ سے میں ان کے چہروں کے تاثرات تو نہیں دیکھ سکا لیکن ان کی حیرت زدہ سرگوشیوں سے مجھے ان کی حیرت اور پھر ملال کا اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا۔ ویرا نے لگی لپٹی رکھے بغیر صاف کہہ دیا کہ میری غیر ذمے داری اور بے پروائی کے نتیجے میں ہم اس حال کو پہنچے تھے اور اس کا سدباب کرنے کی بھاری ذمے داری میرے سر عائد ہوتی تھی۔

غزالہ کے بے دست وپا کیے جانے کے بعد سلطان شاہ کو عارضی آزادی نصیب ہوئی پھر وہ بھی باندھ دیا گیا۔ بدرو دادا کا کلین شیو ملازم اپنے قیاس کے عین مطابق ہمارے پاس پہنچا دیا گیا۔ اس کے پاس انجکشن اور سرنج کے علاوہ چائے سے بھرا ہوا تھرماس اور ٹارچ بھی موجود تھی۔ چوبی پارٹیشن والی کھڑکی غائب ہوتے ہی خالی ڈرم تیزی کے ساتھ ٹرک پر لادے جانے لگے پھر ٹرک کا انجن بیدار ہوا اور وہ کچی زمین پر ہچکولے لینے کے بعد سبک رفتاری کے ساتھ ہائی وے پر رواں ہو گیا۔ سب کچھ اسی طرح ہو رہا تھا جیسا میں نے سوچا تھا، بس کنٹینر اس ٹرک سے بدل چکا تھا۔

اپنے تازہ ترین مشاہدات و تجربات کے بعد ہمارے پاس موضوعات کی کمی نہیں تھی۔ گفتگو کرنے کے لیے اس حد تک تسلی بھی میسر آچکا تھا کہ بدرو دادا کا آدمی ہمارا ہمدرد بن چکا تھا لیکن اس کے باوجود ہم پانچوں خاموشی اور گہری سوچوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ تھوڑی سی مثبت پیش رفت ہونے کے باوجود آنے والے دنوں کا نقشہ اچھا نظر نہیں آرہا تھا۔

ٹرک رفتار پکڑ چکا تھا اور فضا میں صرف اس کے انجن کی ہموار اور یکساں گھوں گھوں گونج رہی تھی۔

اس کا نام عبداللہ تھا لیکن اس کے ساتھی اسے عبدل کے نام سے پکارتے تھے۔ مونچھوں والے دراز قامت شخص کو ولی کہا جاتا تھا۔ اس کے اصل یا پورے نام سے عبداللہ بھی لاعلم تھا۔

عبدل کو اس بات کا بہت قلق تھا کہ ہم لوگوں کی کراچی سے روانگی سے پہلے کوئی ایسا موقع کیوں نہیں پیش آیا کہ ہمیں بدرو دادا سے اپنے مراسم کے اظہار کا موقع مل سکتا۔ ہمارے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو وہ صرف اور صرف مقدر کا نام دے رہا تھا۔ ہمارے مقدر میں قید ہو کر شنگارا ولی لے جایا جانا لکھ دیا گیا تھا اس لیے ہمارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکا کہ ہم بدرو دادا کے آدمیوں کی قید میں ہیں۔

اس کے دل میں اپنے لیے نرم گوشہ محسوس کرنے کے بعد میں نے اس پر تھوڑی سی محنت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگر میری وہ محنت بار آور ثابت ہوتی تو ہمیں اس قید سے بہ آسانی نجات مل سکتی تھی۔

"اگر ایک مجبوری آڑے نہ آتی تو ہمیں راستے میں ہی رہائی مل سکتی تھی" میں نے اِدھر اُدھر کی باتوں میں راہ پاتے ہی اپنی بات چھیڑ دی "ولی پورے خلوص کے ساتھ ہماری مدد کرنی چاہ رہا ہے۔"

"اوں.... ہوں" اندھیرے میں اس کی آواز اُبھری "میں تم دونوں کی باتیں سُن رہا تھا۔ اس نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ تمہاری تجویز تھی جس پر اس نے تمہیں بتا دیا تھا کہ ٹرک کے انجن یا کسی اور حصے میں خرابی کا بہانہ نہیں چل سکے گا۔ صندل خان کے آدمیوں میں ایک اچھا خاصا مکینک بھی شامل ہے۔"

"وہ مجبوری قابلِ فہم تھی لیکن تمہارا معاملہ بہت مختلف ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کیوں؟ میرا معاملہ مختلف کیوں ہے؟" اس کی آواز سے خالی الذہنی عیاں تھی۔

"تم چاہو تو ہمیں اس عذاب سے نجات دلا سکتے ہو" میں نے امید کے ساتھ کہا "ان لوگوں نے تمہیں ہمارے ساتھ بند کر کے ایک سنہرا موقع فراہم کیا ہے۔ ہمیں اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔"

"میں حکم کا غلام ہوں۔ بھلا میں تمہیں کیسے آزادی دلا سکتا ہوں؟"

میں نے سمجھا کہ وہ انکسار سے کام لے رہا ہے اس لیے اسے بتانے لگا "تم ہم میں سے کسی ایک کے ہاتھ کھول دو۔ باقی کام ہم خود کر لیں گے۔ ایک مرتبہ ہم چاروں کے ہاتھ پیر آزاد ہو گئے تو ہم خالی ڈرموں کو اندر لا کر یا باہر دھکیل کر اپنا راستہ بنا لیں گے اور چلتے ٹرک سے کہیں بھی کود جائیں گے....."

میری بات مکمل ہونے سے پہلے وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "یہ اتنا آسان نہیں ہوگا۔ ڈرموں کے کھسکنے جلنے سے جو شور پیدا ہوگا وہ انہیں چوکنا کر دے گا۔ اگر ٹرک پر موجود آدمی غافل رہا تو دوسروں کو گڑبڑ کا اندازہ ہو جائے گا۔ تم بھول رہے ہو کہ کچھ آدمی لینڈ کروزر میں سفر کر رہے ہیں۔ وہ جیپ کبھی ٹرک سے آگے دوڑتی رہتی ہے اور کبھی پیچھے ہو لیتی ہے۔ گڑبڑ کا اندازہ کر لینے کے بعد وہ تمہارے ساتھ جو سلوک چاہیں گے، کریں گے لیکن مجھے براہِ راست گولی ماردیں گے۔ ولی تمہیں ان کے بارے میں بتا ہی چکا ہے۔"

اس کی وضاحت میرے لیے حوصلہ افزا ثابت ہوئی۔ میں نے سوچا کہ وہ میری بلکہ ہم چاروں کی مدد کرنے پر آمادہ تھا لیکن اپنے تحفظ کی طرف سے فکرمند تھا۔ اگر اسے کسی طرح قائل کر دیا جاتا کہ منصوبہ ناکام ہونے کی صورت میں اس پر کوئی آنچ نہیں آئے گی تو وہ ہماری مدد کرنے پر رضامند ہو سکتا تھا۔

"ہمارے ہاتھ پیر صندل خان کے آدمی نے باندھے ہیں۔ تم کہہ سکتے ہو کہ ہم میں سے کسی کی بندشیں ڈھیلی رہ گئی تھیں اور اس نے بے ہوشی کا انجکشن لگانے کا وقت ہونے سے پہلے آزادی حاصل کر کے تم پر حملہ کیا اور تم بے ہوش ہو گئے۔ ہمارے کامیاب فرار کے بعد بھی یہ کہانی تمہارا بھرپور دفاع کر سکے گی۔ اس میں جان پیدا کرنے کے لیے میں کنپٹی پر ہلکی سی ضرب لگا کر تمہیں تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش کر دوں گا۔"

وہ میری بات خاموشی سے سنتا رہا پھر میرے خاموش ہونے پر بولا "تم بلاوجہ اپنا سر کھپا رہے ہو۔ میرا دماغ خراب ہوا ہے جو میں تمہارے لیے اتنے پاپڑ بیلوں۔ ہمارے استاد سے دوستی کے بارے میں تمہارا دعویٰ اپنی جگہ ہے لیکن ہم اس پر کیسے بھروسا کر سکتے ہیں؟ ہمیں بس اتنا سا قلق ہے کہ یہ بات کراچی میں ہی صاف ہو جاتی تو تم بے یقینی کا شکار ہونے سے بچ سکتے تھے۔ استاد پرانی دوستی کی بنا پر تمہیں، سردار پائندہ گل کے آدمیوں سے نجات دلوا دیتا تو تم کو یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی تھی کہ بدرو دادا تمہیں پہچان لینے کے باوجود سردار پائندہ گل کے منصوبے کو پورا ہونے دیتا۔ ان دونوں باتوں کا انحصار اس بات پر ہوتا کہ بدرو دادا سے تمہاری دوستی کتنی گہری رہی ہے۔ مگر اب میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ فراڈ تو نہیں کر رہے؟ ہو سکتا ہے کہ تم نے اتفاق سے بدرو دادا کے بارے میں کچھ سُن لیا ہو اور اب اچانک ہی اس سے دوستی کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ ہم لوگ تمہارے دعوے کی تصدیق یا تردید حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ تمہارا فلوک بھی ہو سکتا ہے جو چل جاتا تو تمہیں آزادی مل سکتی تھی۔"

"تمہاری تیسری بات بالکل بے سروپا ہے" اس بار میں اپنے لہجے کی تلخی پر قابو نہ رکھ سکا "ہم جب سے تمہاری تحویل میں آئے ہیں، مسلسل بے ہوش ہیں۔ ہم بدرو دادا کے بارے میں کہاں اور کس سے سُن سکتے تھے؟ میں نے تو تم سے یہ پوچھا تھا کہ تمہارا استاد شاید بدرو دادا کا شناسا ہو لیکن تم نے یہ انکشاف کر کے مجھے حیران

کردیا تھا کہ ماضی کا بدرو دادا ہی تمہارا استاد ہے۔ میرے دعوے میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں ہے۔ مجھے تو یہاں تک معلوم ہے کہ چند روز پہلے' سردار پائندہ گل کے بھانجے کو کراچی میں قتل کردیا گیا تھا تو بدرو دادا ہی اپنے ایک ٹرک پر اس کی لاش لے کر شنگارا دیلی گیا تھا اور عبدالرحیم خان کی تدفین کے بعد واپس آیا تھا۔"

"اب مجھے یقین آگیا کہ تم ہمارے ساتھ کوئی فلوک نہیں چل رہے" وہ میرے تلخ لہجے پر ذرا بھی مشتعل ہوئے بغیر' دھیمی آواز میں بولا "اگر تمہیں چھوٹے خان کی لاش کے ساتھ استاد کے شنگارا دیلی تک جانے کے بارے میں معلوم ہے تو تم جھوٹے نہیں ہوسکتے لیکن بات پھر وہیں آجاتی ہے کہ استاد سردار پائندہ گل کے مقابلے میں تمہیں کتنی اہمیت دیتا ہے؟ اور اب تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ ہم دونوں' سردار پائندہ گل کے آدمیوں کی بات ماننے پر مجبور ہیں اور وہ تم لوگوں کو اپنا خطرناک دشمن قرار دے رہے ہیں۔ ہم نے تمہارے حق میں ان سے ایک لفظ بھی کہا تو وہ ہمارے خون کے پیاسے ہوجائیں گے۔"

"تم ہمارے ساتھ اسی پارٹیشن میں بند ہو اس لیے کم از کم اتنا تو کرہی سکتے ہو کہ آدھے گھنٹے کی مدت گزرنے کے بعد ہمیں بے ہوشی کے انجکشن نہ لگاؤ" اسے کھلی حمایت سے گریزاں دیکھتے ہوئے میں نے پینترا بدل کر بات شروع کردی۔

"یہ بھی ناممکن ہے..." اس نے دوٹوک لہجے میں اپنی بات شروع کی ہی تھی کہ میں نے اسے روک دیا اور فوراً ہی اپنی بات کی وضاحت شروع کردی۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم شنگارا دیلی تک ہمیں انجکشن ہی نہ لگاؤ۔ مجھے تمہاری مخدوش پوزیشن کا پورا پورا اندازہ ہے۔ تمہارے انجکشن کے ذریعے جسم میں داخل ہونے والی دوا بہت تیزی کے ساتھ اپنا اثر دکھاتی ہے۔ ٹرک کے رُکنے کے آثار پیدا ہوتے ہی تم ہمیں بے ہوش کردینا۔ تمہارے اس تعاون کی وجہ سے ہمیں اپنے گمبھیر مستقبل پر غور کرنے کا موقع مل سکے گا۔"

"تم اپنی عقل کے لحاظ سے ٹھیک بات کہہ رہے ہو لیکن یہ تمہارے حق میں مہلک ثابت ہوسکتی ہے" اندھیرے میں اس کی ناصحانہ آواز اُبھری "میری وجہ سے تمہارے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو میں عمر بھر اس پچھتاوے سے نجات حاصل نہیں کرسکوں گا۔ ہم لوگ اسمگلنگ وغیرہ جیسے چھوٹے موٹے جرائم ضرور کرتے ہیں لیکن یہ جرائم اب کاروبار کا ایک لازمی حصہ بن گئے ہیں۔ کوئی چھوٹا بڑا بیوپاری ایسے ہیر پھیر کے بغیر اپنا پیٹ بھی نہیں بھر سکتا۔ جو سرکاری ٹیکسوں میں جتنا زیادہ گھپلا کرتا ہے' اس کی آمدنی اسی قدر زیادہ ہوجاتی ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے جرائم بھی ایسے نہیں ہوتے جنہیں قابلِ نفرت یا گھناؤنا سمجھا جاتا ہو۔ ڈرانے دھمکانے کی اور بات ہے لیکن میں کسی انسان کا خون کرنے والے کو بہت بُرا سمجھتا ہوں۔ تمہاری بات مان لینے کے بعد میں اپنے کسی ارادے کے بغیر' تمہارا قاتل بھی بن سکتا ہوں۔"

"تمہاری یہ منطق ہماری سمجھ سے باہر ہے" ویرا کی آواز اُبھری۔

"تمہیں معلوم ہے کہ بے ہوشی والی دوا کی مقررہ مقدار ہر پانچ گھنٹے بعد تمہیں دی جارہی ہے۔ اگر میں نے تمہاری فرمائش کے مطابق دو چار گھنٹے کی تاخیر سے انجکشن لگایا تو ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ دوسرا انجکشن اپنی نگرانی میں لگوائیں۔ اگر تمہارے خون میں اس دوا کی مقدار بڑھ گئی تو تمہاری بے ہوشی کا سلسلہ بے آواز موت پر ختم ہوگا۔ یہ دوا بہت زود اثر اور تیز ہے۔ تمہیں زندہ رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی بھی دو انجکشنوں میں کم از کم پانچ گھنٹے کا وقفہ ہو۔ یہ مجبوری نہ ہوتی تو ہم تمہیں ایک ہی بار زیادہ مقدار میں دوا دے کر بیس یا چالیس گھنٹوں کے لیے بے ہوش کرسکتے تھے۔"

"تمہیں یہ خیال کیوں آیا کہ اگلا انجکشن وہ اپنی نگرانی میں بھی لگوا سکتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"میری شیشی میں صرف چار ڈوز کی جگہ باقی رہ گئی ہے۔ اگلا انجکشن لگانے کے لیے مجھے نئی شیشی کی ضرورت ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ صبح سویرے بھی تمہیں باہر نکالنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ان غیر یقینی حالات میں' میں کوئی بھیانک خطرہ مول نہیں لے سکتا" اس نے خاموش ہوکر اپنی ٹارچ روشن کی اور اس کی روشنی میں اپنی رسٹ واچ کا جائزہ لیتے ہوئے بولا "تمہارے پاس صرف پندرہ منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ وقت پورا ہوتے ہی میں اپنا کام شروع کردوں گا۔ اس دوران میں تم دل کھول کر تبادلۂ خیال کرسکتے ہو۔ میں اپنے کان بند کرلوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ میں ان سے تمہاری مخبری نہیں کروں گا۔"

"یہ واقعی ہمارا ہمدرد ہے" ویرا بولی "اس کی باتیں میری سمجھ میں آرہی ہیں۔ دوا کے اثر سے کسی کو بے ہوش کرنا کمال نہیں ہوتا' اصل کام اسے دوبارہ ہوش میں لانا ہوتا ہے۔ بے ہوشی کی دوا کی مقدار یا قسم کے تعین میں ذرا سی بھی گڑبڑ ہوجائے تو آپریشن ٹیبل سے مریض کی لاش ہی جاتی ہے۔ میں کئی مواقعے پر عارضی بے ہوشی کو لامتناہی موت میں بدلتے ہوئے دیکھ چکی ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ عبدل کوئی پیشہ ور ماہر نہ ہونے کے باوجود ان تمام باتوں سے واقف ہے۔"

"تو کیا تمہارا خیال ہے کہ شنگارا دیلی کا سفر ہماری اس پُرسکون اور آرام دہ موت سے بہتر ثابت ہوگا؟" اس بار سلطان شاہ کی جلی کٹی آواز سنائی دی تھی "تم سُن ہی چکی ہو کہ سردار پائندہ گل نے ہمیں ریوڑیاں دینے کے لیے شنگارا دیلی نہیں بُلایا ہے۔ وہاں قتل وجدل اور خوں ریزی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔"

"میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی ہے" غزالہ کی کمزور سی آواز اُبھری "تھوڑی دیر پہلے تک ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ ڈونا کے

آدمیوں نے ہمیں اغوا کیا ہے لیکن اب عمر عیار کی زنبیل سے اچانک سردار پائندہ گل نکل پڑا ہے۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس کا کیا مقصد ہے؟ میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"یہ ڈون کون ہے؟" اچانک عبدل اضطراری لہجے میں سوال کر بیٹھا۔

"تم اپنے کان بند رکھنے اور ہماری مخبری نہ کرنے کا وعدہ کر چکے ہو" میں نے ترش لہجے میں اسے یاد دلایا "تم کو ہماری آپس کی باتوں میں دخل نہیں دینا چاہیے۔ ڈون کوئی بھی ہو، تمہیں اس سے کیا لینا ہے؟ تم اپنے وعدے پر قائم نہیں رہ سکتے تو ہم اپنی زبانیں بند کیے لیتے ہیں۔"

"نہیں، تم اپنی باتیں کرتے رہو" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "کان بند کر لینے والی بات میں نے محاورتاً کی تھی۔ اس مختصر سی جگہ میں یہ کیسے ممکن ہے کہ میں کچھ نہ سُنوں۔ تمہاری زبان سے ایک اور دشمن کا ذکر سُن کر میرا تجسس جاگ اٹھا تھا اور میں اضطراری طور پر بول پڑا ورنہ مجھے ڈون یا کسی اور سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ تمہارے آپس کے معاملات ہیں۔ اب میں ان میں دخل نہیں دوں گا۔"

غزالہ کی الجھن اپنی جگہ پر بالکل بجا تھی۔ واقعات کا تسلسل حیران کن حد تک دھوکا دینے والا تھا۔ سردار پائندہ گل، ہمارے اغوا سے ایک رات پہلے ہی مجھ سے مل کر گیا تھا۔ اگرچہ اس نے میرے ساتھ دوستی یا خیر سگالی کا رویّہ اختیار نہیں کیا تھا لیکن اس کے تیوروں سے کسی دشمنی کا اظہار بھی نہیں ہوا تھا۔ اس کی مبہم باتوں کا نچوڑ صرف یہ تھا کہ جنت گل نے اپنے تجربے کو اپنی ذات تک محدود رکھا تو سردار پائندہ گل بھی مجھے فراموش کر کے محض اپنے زورِ بازو سے اس سرکش حسینہ کو اس کی سنگین و رنگین جسارت کی سزا دے گا لیکن اس نے سردار پائندہ گل کو، اس کے قبیلے اور برادری میں ذلیل و رسوا کرنے کے لیے ایک مغوی کے ساتھ منہ زور حیوانی جذبوں کی جسمانی پیکار کی کہانی مجلسوں اور چوپالوں میں پھیلانی شروع کر دی تو پھر سردار پائندہ گل مجھے ہرگز نہیں بھول سکے گا۔ وہ ہمارے فلیٹ پر خالی ہاتھ اور اکیلا آیا تھا اور اپنی باتیں کر کے چلا گیا تھا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ چوبیس گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں کسی فیصلے پر پہنچ کر ہمارے خلاف طبلِ جنگ بجا دے گا۔ وہ ہم سب پر اپنے کردار اور گفتار کے بھرپور تاثرات چھوڑ کر چلا گیا تھا لیکن میں نے اس کی طرف سے فوری طور پر کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا تھا۔

رات کو میں سردار پائندہ گل سے فارغ ہوا تو اگلی صبح ہی، جہانگیر کے گھر پر شیدا خونی مجھ سے آ ٹکرایا۔ یہ میری خوش قسمتی اور اس کی بدبختی تھی کہ وہ مجھے نہیں پہچانتا تھا۔ مجھے جہانگیر سمجھتے ہوئے اس نے جو بات چیت کی، وہ مجھے حیران کرنے کے لیے کافی تھی۔ وہ ڈون کوانگ فو کے ایک آدمی کی نگرانی میں، مجھے ڈھونڈتا ہوا جہانگیر کے گھر آ پہنچا تھا لیکن میرے ستارے یاور تھے۔ وہ میرے ہاتھوں اپنی زبان کٹوا کر فرار ہوا تو میرے ذہن پر ڈون کوانگ فو کے آدمیوں سے نمٹنے کا جنون اس حد تک سوار ہو چکا تھا کہ میں عارضی طور پر سردار پائندہ گل اور اس کی طرف سے لاحق خطرات کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔

ان حالات میں ہم چاروں کو گہری نیند کی حالت میں بے ہوش کر کے اغوا کیا گیا تو ہوش میں آنے کے بعد ہم سب کے ذہنوں میں ڈون کوانگ فو کے آدمیوں کی جوابی کارروائی کا خوف گھسا ہوا تھا اور ہم چاروں اسی ایک راہ پر سوچ رہے تھے۔ اگر اس قافلے نے راستے میں پڑاؤ نہ کیا ہوتا تو شاید آخر تک بھی ہماری وہ سنگین غلط فہمی دور نہ ہو پاتی کہ ہم مکاؤ کے ڈون کے قیدی تھے۔

حالات کے حیرت ناک تسلسل نے ہمیں اس غلط فہمی میں مبتلا کیا تھا اور پھر وہ غلط فہمی اچانک ہی دور ہوئی تھی۔ اس وقت صورت حال بہت پیچیدہ تھی اور ہمیں ان لوگوں کے آہنی چنگل سے نجات ملنے کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔ شنگارا ویلی کا سفر ہمارے لیے نوشتۂ دیوار بنتا محسوس ہو رہا تھا اور ایک بار ہم ان سنگلاخ پہاڑوں میں سردار پائندہ گل کی قید میں پہنچ جاتے تو وہاں سے آزادی حاصل کرنا آسان کام ثابت نہ ہوتا۔

اپنے فلیٹ سے اغوا کیے جانے کے بعد ہم چاروں قلیل وقفوں کے لیے ہوش میں آئے تھے۔ اس دوران میں بھوک اور بے ہوشی کے انجکشن کے اثرات کی وجہ سے ہم کسی بات پر اپنی توجہ مرکوز نہیں کر سکے تھے۔ سب سے بڑھ کر خرابی یہ تھی کہ ہم خود کو ڈون کوانگ فو کے آدمیوں کی قید میں سمجھ رہے تھے۔ یہ راز پچھلے پڑاؤ پر ہی فاش ہوا تھا کہ ہمیں قید کرنے والے دوسرے لوگ تھے اور اسی طرح ان کی منزل بھی کچھ اور تھی۔ اس بارے میں میرا ذہن بدترین اُلجھاؤ کا شکار ہو چکا تھا۔ سردار پائندہ گل اگر میری طرف سے بھڑک ہی اٹھا تھا تو اس کے لیے آسان راہ یہ ہوتی کہ وہ اپنے کسی آدمی کے ذریعے مجھے کراچی ہی میں ٹھکانے لگوا دیتا۔ ہمارے چار نفری جلوس کو اغوا کر کے، پوری حفاظت اور احتیاط کے ساتھ سرحد پار، پہاڑوں میں لے جانا بہت کٹھن کام تھا اگر اس نے صرف مجھے یا ہم چاروں کو شنگارا ویلی بلا کر، اپنے قبیلے کے لوگوں کے سامنے قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا تو اس کا سنکی پن ہر شک و شبے سے بالاتر تھا اور اگر وہ ہمیں اس وادی میں قید کر کے اپنا کوئی مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا تو میں وہ مقصد سمجھنے سے قاصر تھا۔

ہم سب بے دست و پا تھے۔ عبدل ہمارے سروں پر مسلط تھا۔ ہم اپنی فوری آزادی کے لیے جو بھی منصوبہ بناتے، اس کی کامیابی کے لیے عبدل کو جسمانی نقصان پہنچا کر بے بس کرنا ناگزیر ہوتا لیکن اس معاملے پر ہم اس کے سامنے تبادلۂ خیال نہیں کر سکتے تھے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ہم میں سے ہر ایک اس وقت عبداللہ سے نجات حاصل کرنے کی ترکیبوں پر غور کر رہا ہو گا لیکن اس انفرادی

غور و فکر کا نتیجہ صفر سے زیادہ نہیں ہو سکتا تھا۔
"تم لوگ تو خاموش ہی ہو گئے" ایک ڈیڑھ منٹ کے انتظار کے بعد عبدل ہمارے سکوت سے بوکھلا کر بول پڑا۔ "میں وعدہ کر چکا ہوں کہ اب تمہاری باتوں میں دخل نہیں دوں گا۔"
"اتنا بڑا دعویٰ نہ کرو" میں نے دھیمی آواز میں کہا "میں اپنے بارے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے زبان کھولی تو تم ایک لمحے کے لیے بھی خود پر قابو نہیں رکھ سکو گے اور دخل انداز ہو بیٹھو گے۔"
"اوہ!" اس کی غراتی ہوئی آواز اُبھری "تو تم مجھے نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کر رہے ہو؟"
"تم بلاوجہ غصہ نہ کرو۔ ہم مجبور قیدی تمہیں کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟" میں نے اس کے بپھرنے سے پہلے ہی نرمی کے ساتھ وضاحت کرنی شروع کر دی "دراصل میں یہ سوچ رہا تھا کہ دس، پندرہ منٹ بعد بے ہوش ہو کر ہم سب ناکارہ ہو جائیں گے۔ اپنی آزادی کے لیے اس سے پہلے ہی کچھ کیا جا سکتا ہے۔ ہم جو قدم بھی اُٹھانا چاہیں گے، اس کے لیے تمہارا تعاون یا پھر بے بس کیا جانا ضروری ہوگا۔ یہ ہمارے بس سے باہر کی بات ہے۔ اس کا ذکر کر کے ہم تمہاری زبانی ہمدردی سے بھی محروم ہو سکتے ہیں۔ اس لیے خاموشی ہی بہتر ہے۔"
اندھیرے میں اس کی ہلکی سی پُرغرور ہنسی سنائی دی پھر وہ بولا "تم مجھ سے ڈر رہے ہو۔ میں سمجھا کہ تم مجھ سے ٹکرانے کے لیے پَر تول رہے ہو۔"
"ہمارے پَر تو پہلے ہی قینچ کر دیئے گئے ہیں" اس بار ایک گہرے سانس کے بعد ویرا کی حسرت زدہ آواز ابھری۔ "بندھے ہوئے ہاتھ پیروں کے ساتھ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ تم بہت آسانی کے ساتھ ہمیں رگید کر رکھ دو گے؟"
"ان لوگوں کی اور بات ہے۔ میں تمہارے ساتھ ایسی زیادتی نہیں کر سکتا" ویرا کی پُرتشویش آواز سنتے ہی عبدل کی آواز میں ندیدہ پن اُتر آیا "تم جیسی نازک اور خوب صورت میم کو تو کشتی لڑ کر ہرانے میں لطف آئے گا۔ میں نے گوری عورتوں اور مردوں کی ریسلنگ کی کئی فلمیں دیکھی ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میرا تم سے ایسا مقابلہ ہوا تو میں کسی کو تمہارے اوپر گولی نہیں چلانے دوں گا۔ تمہیں اپنے داؤ سے ماروں گا۔"
"بے ہوشی کی حالت میں، جانوروں کی طرح سفر کرنے سے تو یہ بہتر ہوگا کہ تم ابھی اپنے دل کی بھڑاس نکال لو۔" ویرا نے اپنے لب و لہجے میں سخت بیزاری پیدا کر کے اسے اُکسانے کی کوشش کی "میں ایک امن پسند عورت ہوں۔ میرا ان جھگڑے جھمیلوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ڈیڈی کے دشمنوں کو اس سے نمٹنا چاہیے۔ مجھے پرائی آگ کا ایندھن کیوں بنایا جا رہا ہے؟"
"تم صبر سے کام لو۔ میں تمہارے بارے میں صندل خان سے بات کروں گا۔"
"پھر وہی صندل خان اور پائندہ خان!" ویرا نے اپنی بے ساختہ صداکاری میں جھلاہٹ کے سارے جوہر بکھیر دیئے اور اونچی آواز میں بولی "اس وقت تم ہم چاروں کے مالک اور مختار ہو، تمہیں فیصلہ کرنا چاہیے۔ ان تینوں کی ہڈیاں بھی توڑ دو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا مگر یہ غیر انسانی سلوک میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ ابھی اور اسی وقت میرے ہاتھ پیر کھولو یا مجھے ڈبل ڈوز کا انجکشن لگا کر ابھی ختم کر دو۔ میں اس طرح سسک سسک کر جینا نہیں چاہتی۔ میں سمجھ لوں گی کہ میرے باپ کے سارے ہم وطن ایسے ہی ذلیل اور خود غرض ہوتے ہیں جو مہمان عورتوں کی قدر بھی کرنی نہیں جانتے" ویرا نے اپنی وہ جذباتی تقریر ختم کر کے دھیمی آواز میں رونا شروع کر دیا اور عبدل شاید بوکھلاہٹ میں اس کے قریب پہنچ گیا۔
"تم میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش کرو" عبدل مدافعانہ انداز میں اسے سمجھا رہا تھا۔ "میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ وہ لوگ میری چمڑی گرا دیں گے۔ لیکن تم نے ابھی ابھی اپنے باپ کے بارے میں کیا کہا تھا؟ وہ بات میرے پلے نہیں پڑی۔ ذرا اسے دوبارہ دُہرا دو۔ یقین نہیں آتا کہ تمہارے خون میں پاکستانی ملاوٹ بھی ہو سکتی ہے۔"
"میرا باپ پاکستانی اور ماں امریکن تھی" ویرا دبی دبی سسکیوں کے درمیان بولی "میرا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ میں یہاں والوں کو اس جیسا سمجھ کر پاکستان آئی تھی لیکن تم سب نے مجھے مایوس کیا ہے۔ سب کو اپنی اپنی فکر پڑی ہوئی ہے۔ کسی کو یہ شرمندگی نہیں ہے کہ میں بلاوجہ اس چکر میں پھانس لی گئی ہوں۔"
"میں تمہارے لیے باپ تو نہیں بن سکتا لیکن بہترین دوست ضرور بن سکتا ہوں" بوکھلاہٹ کے عالم میں بھی عبدل نے کارآمد رشتہ اپناتے ہوئے، بے فیض رشتے سے انکار کر دیا "پہلا موقع میسر آتے ہی، میں ان لوگوں سے تم کو رعایتیں دلوانے کی کوشش کروں گا۔ میں انہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ تم گُردوں کی مریضہ ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم جیسی بے ضرر سی عورت کو وہ آزادی کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ ضرورت پیش آئی تو میں تمہاری نگرانی کی ذمے داری اپنے سر لے لوں گا۔"
"پھر وہی رعایتیں؟" ویرا کی آواز میں جھلاہٹ اور بے بسی نمایاں تھی "تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ میں کوئی مجرم نہیں ہوں جو مجھے صرف رعایتیں دلوا کر ٹرخانے کی کوشش کی جائے۔ آزادی میرا حق ہے، تم ان سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ کم از کم مجھے آزاد کر دیں۔ اس معاملے سے میرا کیا تعلق ہے؟"
"اچھا، اچھا! میں کوشش کروں گا۔" تیز تیز سانسوں کے درمیان میں عبدل کی آواز سنائی دی "ماننا یا نہ ماننا ان کے اختیار میں ہے مگر میں بات ضرور کروں گا۔"
"اوہ!" ویرا کی اضطراری آواز اُبھری "ان سے بات کر لینا لیکن میرے اوپر کیوں چڑھے آ رہے ہو؟ ذرا دور ہو کر بیٹھو۔"

تمہارے گرم گرم سانسوں سے میری گردن کی جلد جلی جا رہی ہے۔"

"معاف کرنا" عبدل کی آواز سخت کھسیائی ہوئی اور نخوت آمیز تھی۔ "اندھیرے میں اندازہ ہی نہیں ہو سکا کہ میں باتیں کرتے کرتے تمہارے اتنے نزدیک پہنچ گیا ہوں۔"

"اندھیرے میں سب سے بڑی یہی خرابی ہوتی ہے کہ کسی بات کا پتا نہیں چلتا" میں نے ویرا کی بے زاری اور جھلاہٹ کا اندازہ لگایا' وہ کہہ رہی تھی "تمہاری انگلیاں میرے بازو میں چبھ رہی ہیں۔ اب ذرا میرا بازو بھی چھوڑ دو تو تمہاری بہت مہربانی ہوگی۔ تم لوگ تو عورتوں کو چھونے چھانے میں اتنے آزاد خیال نہیں ہوتے۔"

عبدل کی غصیلی غراہٹ کے ساتھ کسی کے لڑھکنے کی سی آواز پیدا ہوئی۔ شاید ویرا اسے اپنے جال میں پھانس لینے کی امید میں اسے ناروا ڈھیل دیتی رہی تھی۔ ولی کی طرح عبدل کے دل و دماغ پر بھی اس میم کے حسن و جمال کا بھوت سوار تھا۔ وہ احمق ویرا کی مصلحت آمیز خاموشی کو اس کی دعوت آمیز رضامندی تصور کرتے ہوئے' اس سے کسی جونک کی طرح چمٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ ویرا نے جب اچھی طرح یہ اندازہ لگا لیا کہ عبدل کسی بھی طرح اس کے ڈھب پر آنے والا نہیں تھا تو اس نے رکھائی کے ساتھ اسے اپنے وجود سے الگ ہو کر بیٹھنے اور جوش کے ساتھ دبوچے ہوئے بازو کو آزاد کرنے کے مشورے دے کر شرمندہ کر دیا۔ اندھیرے میں اپنے کھلائے ہوئے گلوں کا بھانڈا پھوٹنے پر عبدل نے برہمی کے عالم میں ویرا کو دھکا دے دیا تھا اور وہ متحرک ٹرک کے آہنی فرش پر کسی گٹھڑی کی طرح لڑھک کر رہ گئی تھی۔

"سالی بازو پکڑنے کا الزام لگا رہی ہے" عبدل اپنی جھینپ مٹانے کے لیے اس پر برس پڑا "میں آرام سے سمجھا کر بات کر رہا تھا اور تو الزام تراشی پر اتر آئی۔ ولایت میں سالیاں ہر وقت مردوں میں پھنسی رہتی ہیں اور یہاں پاکیزہ خانم بنتی ہیں!"

"تم بلاوجہ ناراض ہو رہے ہو' عبدل ڈارلنگ!" اسے ایک بدترین ذہنی جھٹکا لگانے کے بعد ویرا فوراً ہی سنبھل گئی۔ "مجھے تمہارے کسی رویئے سے شکایت ہے' نہ میں نے تم پر الزام تراشی کی ہے۔ شاید تمہیں اندازہ نہیں ہو سکا کہ تم نے بے دھیانی میں میرا بازو کتنی طاقت سے بھینچ لیا تھا۔ تم چاہو تو اپنی ٹارچ روشن کر کے میری جلد پر نیل کا نشان بھی دیکھ سکتے ہو۔ تم دوبارہ میرے قریب بیٹھ جاؤ۔ میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی۔"

ویرا ایسے معاملات میں مردوں کی نفسیات کو بہت اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اسے بخوبی اندازہ تھا کہ ناند پر منہ مارنے والے سانڈ کے جبڑے پر ایک بار ڈنڈا بجا دیا جائے تو وہ دوبارہ پچکارنے کے باوجود چارے سے بھری ہوئی اس ناند کا رخ نہیں کرتا جو اس کی ذلت کا سبب بنی تھی۔

"تم منہ لگانے کے قابل نہیں ہو" عبدل قدرے ٹھنڈا ہونے کے باوجود برہم تھا۔ "سردار پائندہ گل نے کچھ دیکھ کر ہی تمہیں اغوا کرایا ہوگا۔ اب تو میں بیجیفا سرائے میں تمہاری آخری مزاج پرسی کروں گا۔"

"یہ جیفا سرائے کیا بلا ہے؟ کیا ہمیں شگارا ویلی نہیں لے جایا جا رہا؟" ویرا نے تعجب سے پوچھا۔

"جیفا سرائے؟" اس نے استہزائیہ لہجے میں دہرایا "تمہاری بدتمیزی کا جواب تو یہ ہے کہ تمہاری کسی بات کا بھی جواب نہ دیا جائے مگر میں اتنا بے مروت نہیں ہوں کہ تم سے ایک دم آنکھیں پھیرلوں۔ درۂ خیبر کے راستے طورخم کی سرحد پار کرنے کے بعد ہم جلال آباد تک سیدھے جائیں گے۔ دریائے کنار اور دریائے کابل کے سنگم سے بیس' پچیس میل آگے ہم دریائے کابل کو عبور کر کے دریائے کنار کے ساتھ ساتھ' سڑک پر سفر کرتے ہوئے جیفا سرائے پہنچ جائیں گے۔ وہاں سے سڑک واما کی طرف مڑ جاتی ہے۔ وہاں سے شگارا ویلی تک کا پینتالیس میل کا سفر صرف طاقت ور جیپ میں ہی طے کیا جا سکتا ہے۔ ٹرک کا سفر جیفا سرائے پر ختم ہو جائے گا۔"

"شاید جیفا سرائے پر ہمیں ٹرک سے اتار کر لینڈ کروزر پر سوار کرا دیا جائے گا؟" میں نے پوچھا۔

"قیدیوں کے لیے سردار پائندہ گل کے آدمی پہاڑوں میں پیدل نہیں چلیں گے" اس کی آواز دوبارہ تلخ ہو گئی "ایک بار تم جیفا سرائے پہنچ گئے تو پھر تم ہوش میں رہتے ہوئے بھی ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو سکو گے۔ وہ تم سب کو مویشیوں کے ریوڑ کی طرح ہانکتے ہوئے شگارا ویلی کی بلندیوں کی طرف لے جائیں گے۔"

اس کے لہجے میں لوٹنے والی تلخی کو محسوس کرتے ہی' میں نے سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ ہم تینوں کی آواز سے چڑ رہا تھا۔ جب کہ ویرا کے معاملے میں وہ "گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا" کی عملی تفسیر بنا ہوا تھا۔ ویرا سے اپنی ڈھکی چھپی بے عزتی کروانے کے باوجود' وہ کسی بھلی گھڑی کی اُمید میں اس کے ساتھ اپنی برہمی کو بھولنے پر آمادہ تھا اور پھر ایک اور ہی خیال نے مجھے لرزا کر رکھ دیا۔

اغوا کئے جانے کے بعد سے ہم سب مسلسل ایک سے زیادہ افراد کی نگرانی میں رہے تھے۔ غزالہ اور ویرا کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہ ہونے پر ہم سب نے ان لوگوں کی اصول پرستی اور صرف کام سے لگن کی تعریف کی تھی لیکن اس وقت مجھے خیال آ رہا تھا کہ وہ سب فرشتہ صفت نہیں تھے۔ ان کے دلوں میں بھی بھیڑیے اور ہوسناک درندے چھپے ہوئے تھے جو صرف ایک دوسرے کے خوف سے اپنے اپنے خول میں دبکے ہوئے تھے لیکن تیزی سے سفر کرتے ہوئے ٹرک کے اس حصے میں ہم صرف اور صرف عبدل کے رحم

وکرم پر تھے۔ شاید یہ اسی مطلق العنانی کا گھمنڈ تھا کہ وہ ویرا کے ساتھ خطرناک حد تک بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت اس کے خلاف کوئی گواہ نہیں تھا۔

ویرا سے جھاڑ کھانے کے بعد وہ فوری طور پر بہت مشتعل ضرور ہوا تھا لیکن پھر اس کے لب ولہجے میں نرمی آگئی تھی۔ وہ ہم تینوں کو بے ہوش کرنے کے بعد ویرا کو بہ آسانی زیادتی کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ ویرا ناقابلِ برداشت مزاحمت کا مظاہرہ کرتی تو وہ اسے بھی بے ہوش کر دیتا۔ ہم چاروں کی گہری بے ہوشی کے بعد اس کے اندر کا حیوان ایک نئی طاقت اور بربریت کے ساتھ بیدار ہو سکتا تھا۔ اس عالم میں عبدل، ویرا کے ساتھ غزالہ کے لیے بھی بھیانک خطرہ ثابت ہو سکتا تھا۔ اگر اس کے ذہن پر شیطان سوار ہو جاتا تو وہ ہماری بے ہوشی کے دوران ہی اپنی من مانی کر سکتا تھا۔ اس کی ایسی حرکت کا امکان روشن تھا۔ میری نگاہ میں آبرو کا گوہر آب دار ایک بار داغ دار ہو جائے تو مجرم کو ہزار بار سنگ سار کر کے بھی اس موتی کو اس کی اصل چمک دمک نہیں لوٹائی جا سکتی۔ ویرا ایسے حادثات کی عادی تھی۔ وہ ہر بار اپنے بدن کی دھول جھاڑ کر اپنے ناز کو برقرار رکھتی تھی لیکن غزالہ کا معاملہ اس سے یکسر مختلف تھا۔ اس پر بعد کی آہ وفغاں بے سود ہوتی۔ وہ خود ہی پہاڑوں کی کسی چوٹی سے کسی اندھی گھاٹی میں چھلانگ لگا کر اپنے دشمن کے پیچھے روانہ ہو جاتی۔

وہ خیال میرے لیے سوہانِ روح بن کر رہ گیا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ انجکشن لگائے جانے کا وقت قریب سے قریب تر آتا جا رہا تھا۔ عبدل ایک دردناک بوجھ بن کر ہمارے اوپر مسلط تھا۔ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ، اس خیال کی چبھن مزید گہری ہوتی جا رہی تھی لیکن مجھے اس سے نجات کی کوئی راہ نہیں سوجھ رہی تھی کیونکہ عبدل مجھ سے سیدھے منہ بات کرنے پر بھی آمادہ نہیں تھا۔

مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میرے ذہن میں کیا رو اُبھری کہ میں نے اچانک ہی اضطراری انداز میں اپنے حلق سے خرخراہٹ کی دھیمی مگر خوفناک آوازیں پیدا کرنی شروع کر دیں۔ فوراً ہی تاریک فضا میں چار تحیّر زدہ اور استفسار طلب آوازیں ابھریں۔ ان میں عبدل کی گھبرائی ہوئی آواز بھی شامل تھی۔ شاید ان چاروں نے ہی اندازہ لگا لیا کہ ان کی آوازوں میں میری آواز شامل نہیں تھی لیکن ویرا کے علاوہ کوئی اس معاملے کی تہ کو نہیں پہنچ سکا۔

"اوہ! شاید ڈینی کو مرگی کا دورہ پڑ گیا!" ویرا کی بے ساختہ آواز میں ایسی لرزش تھی جیسے وہ میرے اس روگ سے یقینی طور پر واقف رہی ہو "جلدی اس کی خبر لو۔ وہ تو بندھا ہوا ہے۔"

وہ سب پے در پے واقعات چند سیکنڈ کی قلیل سی مدت میں رونما ہوتے چلے گئے اور میں دل ہی دل میں ویرا کی ذہانت کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے میری طرف سے کسی سازش کی پہلی علامت ظاہر ہوتے ہی نہایت ہوشیاری کے ساتھ مجھے اس طرح ایک راہ سُجھا دی تھی کہ عبدل کے فرشتوں کو بھی اس کے بے ساختہ تبصروں پر کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا۔

میں مرگی کے مرض اور اس کی علامات سے بالکل بے خبر تو ویرا سے اشارہ ملتے ہی میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اپنے ذہن پر زور ڈالا تو مجھے سنی سنائی دو باتیں یاد آگئیں کہ مریض کے بدن پر تشنج طاری ہو جاتا ہے اور عام طور پر اس کی زبان دانتوں کے درمیان دب جاتی ہے۔ وہ دو باتیں یاد آتے ہی، میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنی زبان دہانے سے قدرے باہر نکال کر اپنے دانتوں میں دبائی اور اپنے دھڑ کو پورے زور سے، ٹرک کے آہنی فرش پر گرا دیا۔ اس بار غزالہ اور سلطان شاہ کی غم ناک آوازیں قابلِ رحم تھیں۔

عبدل نے جتنی دیر میں ٹارچ روشن کی، میں اپنی کارروائی خاصی آگے بڑھا چکا تھا۔ مجھے صحیح اندازہ تو نہیں تھا لیکن میں نے حتی الامکان حد تک اپنا چہرہ مسخ کر لیا تھا۔ زبان پہلے ہی دانتوں میں دبالی تھی۔ دائیں پہلو کے بل گرے ہوئے جسم پر ہلکا سا تشنج بھی طاری کر لیا تھا اور ارادہ تھا کہ قلیل سے وقفوں سے ذرا تیز جھرجھریاں بھی لیتا رہوں گا تاکہ عبدل کی بدحواسی میں خاطر خواہ اضافہ ہو سکے۔

"اس کا تو چہرہ ہی بگڑ گیا ہے۔ یہ مرنے کے قریب معلوم ہوتا ہے" میرے چہرے پر روشنی ڈالتے ہی عبدل ہذیانی آواز میں بول پڑا "مرگی کے دورے میں ایسی خراب حالت، میں نے کبھی...."

"فوراً اس کے ہاتھ پیر کھول دو" ویرا اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی "مرگی کا دورہ دم گھٹنے سے پڑتا ہے۔ اسے ہاتھ پیر پھیلا کر آزادی سے سانس لینے کا موقع نہ ملا تو یہ دیکھتے ہی دیکھتے مر جائے گا اور ہم سب سردار پائندہ گل کے عتاب میں آجائیں گے۔"

"مرتا ہے تو مرنے دو۔ میں اجازت کے بغیر اس کے ہاتھ پیر نہیں کھول سکتا۔ میں نے اسے مارا پیٹا ہے جو سردار پائندہ گل مجھ سے ناراض ہو جائے گا؟" اس نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد کہا۔

میں نے ایک تیز جھرجھری لی اور ویرا بول پڑی "وہ دیکھو، دیکھو... شاید اس کا دم نکل رہا ہے۔ تم بھول رہے ہو کہ سردار پائندہ گل کا اصل مجرم یہی ہے۔ اسی کی وجہ سے سردار نے اتنا لمبا چکر چلایا ہے اور ہم تینوں بھی مصیبت میں پڑے ہیں۔ اگر یہ مر گیا تو سردار اپنا سارا غصہ ہم پر نکالے گا۔ تم بھی اس کے عتاب سے محفوظ نہیں رہو گے۔ میرا کام مشورہ دینا تھا، وہ میں نے دے دیا۔ اب تمہاری مرضی ہے کہ خود فیصلہ کر دیا ٹرک رکواؤ۔"

مجھے حیرت ہوئی کہ ویرا کی طرف سے میرا دم نکلنے کے اعلان پر غزالہ نے اس پر برسنے کی حماقت نہیں کی۔ ٹارچ کی تیز روشنی کی وجہ سے وہ تنگ سی جگہ روشنی سے بھر گئی تھی اور وہ سب ہی ایک

دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ عبدل میری طرف متوجہ تھا۔ شاید ویرا نے اس کی آنکھ بچا کر غزالہ کو خاموش رہنے کا کوئی مؤثر اشارہ دے دیا تھا۔ میری طرح ویرا بھی بدترین حالات میں صورتِ حال کو قابو میں رکھنے کے فن میں طاق تھی۔

عبدل چند ثانیوں تک خاموش رہا۔ شاید وہ تذبذب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ میری بروقت جھرجھری اور پھر ویرا کے وضاحتی بیان نے اس کا ذہن ماؤف کر کے رکھ دیا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم سردار کے آدمیوں سے ڈرے ہوئے ہو" ویرا نے اسے خاموش پا کر اس کی انا پر ایک کاری ضرب لگائی "تم اپنے طور پر صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ بھی نہیں کر سکتے۔ میری مانو تو ٹرک رکوا کر صندل خان یا اس کے کسی آدمی کو بُلا لو۔ وہ بتا دے گا کہ ڈیی کا زندہ حالت میں سردار کے سامنے پہنچایا جانا کس قدر ضروری ہے۔ اس طرح تم ذمے داری سے صاف بچ جاؤ گے۔"

وہاں کھڑا ہونے کی جگہ نہیں تھی۔ عبدل نے اپنے پیر گھما کر اپنے جوتے کی نوک سے میرا چہرہ ہلانے کی کوشش کی تو غزالہ سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ غراتے ہوئے بولی "ہوش میں رہو۔ ایک بیمار آدمی کے ساتھ ایسی حرکت کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے۔ یہ ہم سب کے لیے...."

"دو مردوں کے درمیان شرم و حیا والی کوئی بات نہیں ہوتی" وہ تلخی سے بولا "میں اس کا علاج کر رہا ہوں۔ اس کا مرض ہی اتنا خبیث ہے کہ دورہ جوتا سنگھانے سے ختم ہوتا ہے۔"

"جہالت کی باتیں مت کرو" اس بار ویرا برس پڑی "کھلی ہوا اور بدن کو مکمل آرام دیے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر تم اس منحوس جگہ کی گھٹن دور نہیں کر سکتے تو اسے آزاد تو کر سکتے ہو؟"

وہ چند ثانیوں تک اپنا جوتا میرے دہانے اور ناک کے قریب ہلاتا رہا مگر میری حالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"اس کا دورہ کچھ لمبا ہی ہو گیا ہے" آخر کار عبدل کے ہونٹوں سے پُرتشویش بڑبڑاہٹ آزاد ہوئی "بس میں اس کے ہاتھ کھولے دیتا ہوں تاکہ سینے کا کھچاؤ کم ہو سکے۔ اس کے بعد بھی یہ مرتا ہے تو میری طرف سے جہنم میں جائے۔ میں اسے زندہ رکھنے کا ٹھیکے دار نہیں ہوں۔"

وہ ٹرک کے فرش پر بیٹھے بیٹھے، میری پشت کی طرف آیا تو میں نے ارادہ کیا کہ اپنے ہاتھوں کو رسی کی سخت بندش سے نجات ملتے ہی اسے جکڑ لوں لیکن مجھے فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ پیچھے کی طرف مڑا اور بدن کے بوجھ میں دبا ہوا، میرا داہنا بازو فوری طور پر نقل و حرکت کے قابل نہیں ہو سکتا تھا۔ عبدل نے گرہیں کھولنے کے لیے میری کلائیوں کو جنبش دی تو میرے داہنے بازو میں درد کی ہلکی ہلکی ٹیسیں شروع ہو گئیں۔ شاید میں نے ٹرک کے فرش پر گرنے میں زیادہ ہی جوش سے کام لیا تھا جس کے نتیجے میں کسی رگ یا پٹھے پر ضرب آ گئی تھی۔

میں نے فوری طور پر عبدل سے بھڑ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

جوں ہی میری کلائیوں کو رسی کی بے رحمانہ بندشوں سے نجات ملی، میں نے تیز آوازوں کے ساتھ اپنے منہ سے سانس لیتے ہوئے ایک جھرجھری لے کر اپنے جسم کو سیدھا کر لیا۔ مجھے غیر متوقع طور پر حرکت میں آتا ہوا دیکھ کر عبدل کے منہ سے ایک اضطراری مگر بے معنی آواز پیدا ہوئی اور وہ خوف زدہ ہو کر عقبی دیوار سے جا ٹکرایا کیونکہ ادھر سے دھماکے کی ہلکی سی آواز سنائی دی تھی۔

میں آہنی فرش پر چت لیٹا ہوا تھا۔ زبان بدستور دانتوں میں دبی ہوئی تھی اور چہرے کے نقوش بھی میں نے مسخ کیے ہوئے تھے۔ جسم کو سیدھا کرنے کی کوشش میں میری گردن اسی طرف ڈھلک گئی تھی جدھر میرے تینوں ساتھی موجود تھے۔ میں نے اپنی ایک آنکھ میں خفیف سی جھری پیدا کی تو ان تینوں کے چہرے تاریک اور پُرتشویش نظر آئے۔ پھر غزالہ نے اپنی جگہ سے میری طرف سرکنے کی کوشش ہی کی تھی کہ عبدل کی تیز آواز گونج اٹھی "نہیں، تم میں سے کوئی اس کے قریب نہیں آئے گا۔ انجکشن کا وقت ہو چکا ہے۔ اب میں باری باری تم کو بے ہوش کروں گا۔ ڈیی کے ہوش میں آنے کا انتظار کیا جائے گا۔"

وہ میرے پیروں کی طرف سے سرکتا ہوا، ان تینوں کے قریب پہنچ گیا۔

ویرا نے احتجاج کیا کہ میری حالت سنبھلنے تک ان لوگوں کو انجکشن لگانے کا پروگرام ملتوی رکھا جائے لیکن عبدل نے اس کی ایک نہ سُنی اور ٹارچ کی روشنی میں پہلی سرنج تیار کر کے دوا ویرا کے بازو میں اُتار دی۔ وہ لحظہ بھر میں اپنی جگہ پر ڈھیر ہو گئی۔

ویرا کا انجام دیکھ لینے کے بعد غزالہ اور سلطان شاہ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ عبدل کے ساتھ مغز زنی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میرے بارے میں کئی ذہنی جھٹکوں سے دوچار ہونے کے بعد وہ کوئی نئی مصیبت مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسری سرنج تیار کرتا، وہ دونوں آہنی فرش پر اپنی جگہ بنا کر دراز ہو گئے۔

ان دونوں کو بے ہوش کر دینے کے بعد عبدل سرک کر اس گوشے میں چلا گیا جہاں اس کا تھرماس رکھا ہوا تھا۔ اس دوران میں اس نے ایک لمحے کے لیے بھی مجھے اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا تھا جب کہ میں اس گھات میں تھا کہ وہ میری طرف سے ذرا بھی غافل ہو تو میں اس پر ٹوٹ پڑوں۔ جب تک میرے ہاتھوں کو آزادی نہیں ملی تھی، میں پوری محنت اور لگن کے ساتھ دورے میں مبتلا مریض کی اداکاری کرتا رہا تھا لیکن ادھوری آزادی ملنے کے بعد مجھے اپنی زبان کو دانتوں میں دبائے رکھنا اور چہرے کو بگاڑے رکھنا دشوار معلوم ہونے لگا تھا۔ میں جلد از جلد اس حالت سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں تھا۔

عبدل نے اپنی روشن ٹارچ فرش پر اس زاویے سے رکھ دی

کہ روشنی کی براہِ راست کرنیں میرے پیٹ پر آنے لگیں۔ اس صورت میں میرا چہرہ تیز روشنی سے محفوظ تھا اور میں اپنی داہنی آنکھ کی جھری سے عبدل کی نقل و حرکت کا بخوبی جائزہ لے سکتا تھا۔ اس نے ٹرک کی دیوار سے ٹیک لگا کر تھکے ہوئے انداز میں تھرماس سے گرم گرم چائے اس کے ڈھکن میں انڈیلی اور چائے نوشی میں مصروف ہو گیا۔

اس کے ساتھ فیصلہ کن زور آزمائی کے لیے میرے پاس کافی وقت تھا۔ اس نے ان تینوں کو انجکشن لگا کر بے ہوش کر دیا تھا اور اگلا انجکشن پورے پانچ گھنٹے بعد لگایا جانا تھا۔ اس امر سے اس کے دوسرے ساتھی بھی بخوبی واقف تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ کوئی ناگہانی رکاوٹ پیش نہ آتی تو اگلے چار، پانچ گھنٹوں سے پہلے ٹرک کے رکنے یا صورتِ حال میں تبدیلی رونما ہونے کے کوئی آثار نہیں تھے۔

عبدل نے چائے کی پیالی فرش پر رکھ کر سگریٹ سُلگائی تو دھوئیں کی مانوس بو نے مجھے بے چین کر دیا۔

میں نے اپنی حالت سنبھلنے کی اداکاری کرتے ہوئے، ہولے سے کراہ کر اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اسی کے ساتھ دانتوں میں دبی ہوئی زبان کو آزاد کر کے دہانے میں سمیٹ لیا۔

میرے بدن کی پہلی ہی جنبش پر عبدل بھڑک اُٹھا اور اپنی چائے چھوڑ چھاڑ کر تیزی سے میرے قریب سرک آیا۔ اس بار وہ میری نگاہوں کی دسترس سے باہر میرے سرہانے آ بیٹھا تھا۔

جسمانی طور پر وہ مجھ سے کم تر نہیں تو برتر بھی نہیں تھا۔ اسے صرف ایک فائدہ حاصل تھا کہ اس کے ہاتھ پیر بالکل آزاد تھے جبکہ میرے پیر بندھے ہوئے تھے لیکن ٹرک کے اس حصے کی اونچائی اتنی کم تھی کہ محاذ آرائی کی صورت میں وہاں قدموں کے استعمال کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ ویسے بھی جگہ اتنی کم تھی کہ ہم دونوں ایک بار گتھم گتھا ہو جاتے تو وحشیانہ زور آزمائی کا آخری فیصلہ ہونے تک الگ ہونے کی نوبت ہی نہ آتی۔ مجھے اس مقابلے میں پہل کرنے کا فائدہ حاصل ہوتا جب کہ وہ بے خبری میں دھر لیا جاتا۔

میں ٹرک کے فرش پر بے حس و حرکت پڑا اس کی جسمانی پوزیشن کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر اس کی شامت نے دھکا دیا اور اس نے میرے چہرے پر جھک کر ٹارچ کی تیز روشنی براہِ راست میری آنکھوں پر ڈال دی۔

پپوٹے بند ہونے کے باوجود وہ روشنی میرے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ میں نے اس کے گرم گرم سانسوں کا لمس اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہی آنکھیں کھولنی چاہیں جو تیز روشنی سے چندھیا گئیں لیکن میں ان چند ثانیوں میں اس کی پوزیشن دیکھ چکا تھا۔ میں نے بجلی کی سی سرعت سے ہاتھ اٹھا کر اس کی گردن دبوچی اور پوری قوت سے اسے اپنے برابر میں گرا لیا۔

عبدل کے حلق سے اضطراری غراہٹ کے بعد غلیظ گالیوں کا طوفان اُمڈ پڑا لیکن وہ پوری کوشش کے باوجود میری بے رحمانہ گرفت سے آزاد ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور میں اس کے اوپر سوار ہو کر اس کے چہرے کو اپنی ٹکروں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ اس تنگ اور محدود جگہ میں وہ ایک ہولناک جنگ تھی۔ میرے تینوں ساتھی اس مقابلے میں کوئی کردار ادا کرنے سے قاصر تھے، آخری فیصلہ ہم دونوں کے زورِ بازو سے ہی ہونا تھا۔ میرے لیے وہ زندگی اور موت کا معاملہ تھا اس لیے جلد ہی عبدل کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑنے شروع ہو گئے۔ اس کے ہاتھ سے نکل کر ایک طرف گرنے والی ٹارچ بدستور روشن تھی۔ اس کا رخ مخالف سمت میں تھا لیکن میں اس کی پھیلائی ہوئی روشنی میں بخوبی دیکھ سکتا تھا کہ اس کا چہرہ کئی جگہ سے زخمی ہو چکا تھا۔ میرا ارادہ اسے ہلاک کرنے کا نہیں تھا اس لیے میں نے اس کی کنپٹیوں پر تابڑ توڑ کئی مُکّے رسید کیے اور آخر اس کی ساری مزاحمت دم توڑ گئی۔ میں اس سے الگ ہوا تو اس کا جسم ساکت ہو چکا تھا۔

میں نے تیزی کے ساتھ اس کی جیبوں کی تلاشی لی تو سرنج اور بے ہوشی کے محلول کی شیشی کے علاوہ ایک بھرا ہوا اعشاریہ دو دو کا پستول بھی برآمد ہوا۔ اس کے علاوہ رقم سے بھرا ہوا بٹوا تھا جو میں نے تلاشی مکمل کرنے کے بعد اس کی جیب میں واپس رکھ دیا۔

میں نے اپنی اضطراری چیخ سے جس ڈرامے کا آغاز کیا تھا ویرا نے مجھے مرگی کے دورے کی اداکاری شروع کرنے کا اشارہ دے کر اس میں ایک نیا رنگ بھر دیا تھا۔ میں نے جو کچھ کیا اس کے آخری نتائج کے بارے میں میرا ذہن واضح نہیں تھا۔ دوسری طرف ویرا بے ہوش تھی۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ عبدل کو دھوکے میں مبتلا کر کے کس قسم کے نتائج حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ ضربات کے نتیجے میں طاری ہونے والی بے ہوشی کسی بھی لمحے ختم ہو سکتی تھی۔ اس کے ہوش میں آنے سے پہلے مجھے اس کے بارے میں کوئی نہ کوئی فیصلہ کر کے اسے عملی جامہ پہنا دینا چاہیے تھا۔

میرے پاس اسے کم از کم پانچ گھنٹے تک بے ہوش رکھنے کے لیے دوا اور سرنج بھی موجود تھی اور اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کرنے کے لیے بھرا ہوا پستول بھی۔ میں نے چند ثانیوں تک اس صورتِ حال پر غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ عبدل کو بے ہوش کر دینے کے باوجود میں مخدوش صورتِ حال سے دوچار تھا اور میرے لیے یہی بہتر تھا کہ فوری طور پر اس کی بے ہوشی کی مدت میں پانچ گھنٹے کی توسیع کر کے اگلا فیصلہ کرنے کے لیے وقت حاصل کر لوں۔ جہاں تک اسے ختم کرنے کا معاملہ تھا تو اس پر کسی بھی وقت عمل کیا جا سکتا تھا۔

میں نے سرنج تیار کر کے بے ہوشی کا محلول اس کے بازو میں اُتار دیا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ میرے پیر بدستور بندھے ہوئے تھے۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اپنے پیروں کو آزاد کیا اور ٹارچ

کر اس گوشے میں سرک گیا جہاں عبدل کا تھرماس وغیرہ رکھا ہوا تھا۔

میں نے اس کی چھوڑی ہوئی چائے پھینک کر تھرماس سے تازہ چائے انڈیلی اور سگریٹ سُلگا کر اس آزادی سے لطف اندوز ہونے لگا جو ایک طویل قید اور بے ہوشی کے بعد میسر آئی تھی۔

میں آزاد ضرور ہو چکا تھا اور چاہتا تو تھوڑی ہی دیر میں اپنے ساتھیوں کے ہاتھ پیر آزاد کر سکتا تھا لیکن اس کا کوئی فوری فائدہ نہیں تھا۔ وہ تینوں دوا کے زیر اثر بے ہوش تھے اور ہم سب کا ٹرک کا سفر جاری تھا۔ جب تک ٹرک نہ رکتا کوئی تبدیلی رونما نہیں ہو سکتی تھی۔ ٹرک رکنے کے بعد جب سردار پائندہ گل کے آدمیوں کو یہ اندازہ ہوتا کہ ہم عبدل کو زیر کر چکے ہیں تو معاملات سنگین رخ اختیار کر سکتے تھے۔ اگر ہم کامیاب ہو کر ان کے چنگل سے آزاد ہو جاتے تو اس بات کی کوئی اہمیت نہ ہوتی کہ عبدل زندہ تھا یا ہمارے ہاتھوں مارا گیا تھا لیکن ہماری ناکامی کی صورت میں وہ معاملہ بہت اہم ثابت ہو سکتا تھا۔ عبدل کے قتل کے جرم کو وہ لوگ کسی بھی قیمت پر معاف نہ کرتے۔ اس کو زندہ رکھ کر ہم یہ دعویٰ کر سکتے تھے کہ ہمارا ارادہ ان لوگوں کو جسمانی یا جانی نقصان پہنچائے بغیر آزادی حاصل کرنے کا تھا۔ اس رویے کی روشنی میں وہ شاید ہمارے ساتھ نرمی اختیار کرنے پر آمادہ ہو جاتے۔

عبدل کو انجکشن لگ ہی چکا تھا۔ میں نے ٹرک کی دیوار سے ٹیک لگا کر چائے کی پیالی ختم کی۔ دو سگریٹیں پینے کے بعد دیگرے تمام کیس پھر حرکت میں آ گیا۔ بے کار بیٹھ کر خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کے بجائے، ہاتھ پیر چلاتے رہنا میرے حق میں بہتر تھا ورنہ ٹرک کے انجن کی یکساں آواز مجھے غنودگی میں مبتلا کر سکتی تھی۔

پشت پر ہاتھ بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے وہ تینوں ہی بے طرح پڑے ہوئے تھے۔ مجھے بذات خود یہ تجربہ حاصل ہو چکا تھا کہ ہوش میں آنے پر ان کے ہاتھ بُری طرح اکڑ چکے ہوں گے۔ میں نے باری باری ان کے ہاتھ پیر آزاد کر کے انہیں آرام سے لٹا دیا اس کے بعد میں نے عبدل کے ہاتھ پیر باندھ دیے۔ اپنے غیر جارحانہ عزائم کی ایک علامت کے طور پر میں نے اس کے ہاتھ پشت پر لے جا کر نہیں باندھے کیونکہ وہ طریقہ بہت تکلیف دہ تھا۔ اس کے ہاتھ سامنے باندھنے کے بعد میں نے یہ احتیاط ضرور کی کہ فاصلہ رہتی ہے اس کے بندھے ہوئے ہاتھ پیٹ پر جما کر جسم کے ساتھ یوں جکڑ دیے کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد ان ہاتھوں کو کسی بھی طرح اپنے پیروں تک نہ لے جا سکے۔ جگہ کی تنگی اور خصوصاً کم بلندی کی وجہ سے میرا سر بار بار چوبی چھت سے ٹکراتا رہا لیکن اس وقت میرے لیے وہ باتیں بہت معمولی اور غیر اہم تھیں۔ اصل اہمیت اس بات کی تھی کہ ہم سرحد پار لے جائے جانے سے قبل اپنے دشمنوں کی قید سے رہائی حاصل کر لیں۔

ان مراحل سے فارغ ہونے کے بعد میں چوبی پارٹیشن کے اس حصے کی طرف متوجہ ہو گیا جہاں کھڑکی بنا کر باہر والوں نے ہم تک رسائی حاصل کی تھی۔ وہ تختہ باہر سے اس طرح پھنسایا گیا تھا کہ اندر سے دیوار بالکل ہموار نظر آ رہی تھی لیکن تختے کو اس کی جگہ پر روکے رکھنے کے لیے پٹیاں لگائی گئی تھیں جن کی وجہ سے اس تختے کو اندر گرانا ممکن نہیں ہو سکا۔ باہر کی طرف خالی اور بھرے ہوئے ڈرم لدے ہوئے تھے اس لیے زور لگا کر اسے باہر بھی نہیں نکالا جا سکا۔ آخر کار میں نے اس کھڑکی کو بھول کر اپنی جگہ بنائی اور دونوں ٹانگوں کی مدد سے تختے پر زور آزمائی شروع کر دی۔ میرا خیال تھا کہ میری کوششوں کے نتیجے میں خالی ڈرم اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور ٹرک سے نیچے جا گریں گے۔ اس طرف ذرا سی بھی جگہ پیدا ہو جاتی تو میں کھڑکی کھول کر تیزی کے ساتھ راہ داری کو صاف کر سکتا تھا۔

چلتے ہوئے ٹرک سے خالی ڈرم گرنے کی پُرشور آوازوں سے ان لوگوں کا ہوشیار ہونا یقینی تھا۔ وہ فوری طور پر سفر کا سلسلہ منقطع کر کے ادھر کی خبر لینے پر مجبور ہو جاتے۔ وہ لوگ اپنے پروگرام کے مطابق جہاں بھی رکتے وہاں وہ حفاظت اور عام لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رہنے کا دھیان ضرور رکھتے جیسا کہ پچھلے پڑاؤ پر دیکھنے میں آیا تھا۔ اگر میں ان کو کسی بھی طرح چوکنا کرنے میں کامیاب ہو جاتا اور انہیں ہنگامی طور پر سفر روکنا پڑتا تو اس امر کے قوی امکانات تھے کہ نہ صرف اس شاہراہ کا عام ٹریفک ان کی طرف متوجہ ہو سکتا تھا بلکہ قومی شاہراہوں کے پُرخطر ہو جانے کی وجہ سے رات میں گشت کرنے والے فوجی، نیم فوجی یا پولیس کی کوئی مسلح پارٹی بھی دخل انداز ہو سکتی تھی جس کا تمام تر فائدہ ہم کو حاصل ہوتا۔

یہ سب سوچتے ہوئے، میں نے اس قدر زور آزمائی کی کہ میرا بدن پسینے... میں شرابور ہونے لگا لیکن کہیں بھی کوئی چیز اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی اور میں تھک ہار کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

مجھ پر یہ واضح ہو گیا کہ ہمارے حصے میں آمدورفت کے راستے میں صرف خالی ڈرموں کے انبار نہیں تھے بلکہ کسی ناگہانی چیکنگ کی صورت میں ان کو چھپائے رکھنے کے لیے آخر میں بھرے ہوئے ڈرم لگائے گئے تھے جن کا وزن میری کامیابی کی راہ میں رکاوٹ بن گیا تھا۔

اس طرف سے مایوس ہو کر میں نے ٹرک کی بغلی دیواروں کا جائزہ لیا لیکن ادھر مضبوط آہنی فریم میں موٹے موٹے تختے اتنی مضبوطی کے ساتھ جڑے ہوئے تھے کہ خاص اوزاروں سے مدد لیے بغیر انہیں ان کی جگہ سے ہلانا ناممکن تھا۔ ٹرکوں کی باڈی اتنی مضبوط نہ ہوتی تو ان کے لیے ٹنوں وزنی سامان کے ساتھ ناہموار اور دور افتادہ راستوں پر سفر کرنا ہی ممکن نہ ہوتا۔ اس حصار کو توڑ کر باہر نکلنا میرے بس سے باہر تھا۔

مخالف سمت سے قریب آنے اور پھر زناٹے کے ساتھ دور نکل جانے والے ٹریفک کی آوازیں مجھے ہر لحہ کچھ کر گزرنے پر اُکسا رہی تھیں۔ شاید ہم قومی شاہراہ کے کسی مصروف حصے پر محوِ سفر تھے اور وہ وقت بھی مال بردار گاڑیوں کے چلنے کا تھا۔ طویل راستوں پر سفر کے عادی ڈرائیور موسم کے مطابق اپنے آرام اور سفر کے اوقات بدلتے رہتے ہیں۔ گرمیوں کی تپتی ہوئی دوپہر میں وہ کسی نہر وغیرہ کے کنارے، گھنے درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں رک کر اپنے جسموں اور گاڑیوں کے انجنوں کو آرام دیتے ہیں اور اس کمی کو رات کے سفر میں پورا کرتے ہیں جب ہوا کی گرمی اور ٹریفک کی زیادتی دم توڑ چکی ہوتی ہے کیونکہ طویل ڈرائیونگ کے روایتی آداب سے ناواقف لوگ اور شوقین ڈرائیور بھی رات کے سفر کو خطرناک سمجھتے ہوئے کسی ہوٹل یا سرائے میں پڑ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

میں نے ٹرک سے داہنی طرف فائر کر کے ڈرائیور کو خوف زدہ کرنے کے امکان پر غور کیا لیکن اسے فوراً ہی مسترد کر دیا۔ انجن کے شور اور ہوا کی سنسناہٹ کی وجہ سے اس امر کا امکان بہت کم تھا کہ ڈرائیور عقبی حصے سے کئے جانے والے پہلے ہی فائر کی آواز سُن لیتا۔ وہ لوگ نفسیاتی طور پر مطمئن تھے کہ ان کے قیدی بے ہوش تھے اور ان کے سروں پر ایک مسلح آدمی مامور تھا۔ اس لیے کوئی بہت ہی غیر معمولی حربہ ان کے اطمینان میں خلل انداز ہو سکتا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ تصادم سے نمٹنے کے لیے میرے پاس صرف وہی چھ گولیاں تھیں جو عبدل سے حاصل کئے ہوئے پستول چیمبر میں موجود تھیں۔ میرا ہر فائر میری اس مدافعانہ قوت میں کمی کا سبب ہوتا اور میں اس عیاشی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا کہ اپنے فائر کی کامیابی کا بھرپور یقین کئے بغیر گولیاں داغ کر خود کو کمزور کرتا چلا جاؤں۔ سارے امکانات مسدود تھے۔ مجھے اپنی آزادی کا کوئی فوری فائدہ نہیں سوجھ رہا تھا۔ اتنا ضرور تھا کہ میں اپنے ہوش وحواس میں تھا، تھرماس سے چائے اور عبدل کے پیکٹ سے سگریٹ پی سکتا تھا۔ میں نے وقت گزارنے کے لیے ان دونوں عیاشیوں سے بیک وقت لطف اندوز ہونا شروع کر دیا۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ کئی گھنٹوں پر محیط، وہ مدت بہت طویل تھی لیکن ٹرک جناتی انداز میں یکساں رفتار اور آواز کے ساتھ اپنی خوف آور منزل کی طرف بڑھتا رہا۔ ساڑھے چار گھنٹے سے زیادہ کے مسلسل اور اُکتا دینے والے سفر کے بعد مجھے ٹرک کی رفتار ٹوٹنے کا احساس ہوا اور میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

ٹرک کی رفتار بتدریج کم ہوتی رہی حتیٰ کہ ڈرائیور کو گیئر بدلنے کی ضرورت پیش آنے لگی آخر کار ٹرک رینگتا ہوا بائیں طرف گھوما اور پھر شدید ہچکولوں کا آغاز ہو گیا۔ ٹرک کو پختہ سڑک سے کچے راستے پر اُتار دیا گیا تھا اور کسی بھی لمحے اس کا سفر عارضی طور پر رک سکتا تھا۔

میرے پچھلے تجربے کے برعکس، اس بار ٹرک کچے راستے پر کافی دیر تک سفر کرتا رہا۔ اسی دوران میں اس نے کئی موڑ بھی کاٹے پھر اسے روک کر انجن بند کر دیا گیا۔ انجن بند ہوتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اسی کے ساتھ باہر سے کئی آدمیوں کے زور زور سے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔ پھر سناٹے میں ڈرموں کے اتارے جانے کی پُرشور آوازیں گونجنے لگیں۔ ہم لوگوں تک پہنچنے کے لیے راستہ بنایا جا رہا تھا اور اس وقت میرے علاوہ سب ہی لاشوں کی طرح بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔

"عبدل! کیا ہو رہا ہے؟" باہر سے ایک دوستانہ آواز اُبھری جو یقینی طور پر ولی کی تھی۔

میری طرف سے خاموشی، ان لوگوں کو پہلے سے شبہات میں ڈال سکتی تھی۔ میں نے اپنی آواز بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے، بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا "بے ہوشوں کو دیکھتے دیکھتے میں بھی اونگھنے لگا ہوں۔ اب میں اِدھر سفر نہیں کر سکوں گا۔"

"تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے؟" لحہ بھر کے غیر فطری سکوت کے بعد ولی کی آواز آئی۔

"گلا خراب ہو گیا ہے" اس بار میں نے کھانستے ہوئے جواب دیا۔

اس دوران میں ٹرک سے ڈرم اُتارنے کا عمل زور و شور سے جاری رہا۔ میں نے حسرت بھری نظروں سے اپنے تینوں ساتھیوں کی طرف دیکھا لیکن وہ بے سدھ پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی کے ہوش میں آنے کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ مجھے اپنی محنت رائیگاں جاتی نظر آنے لگی۔

میں چوبی دیوار کے کھڑکی والے حصے کے بالکل برابر میں لگا ہوا بیٹھا تھا تاکہ اس راہ سے اندر آنے والے کسی بھی شخص کی گردن ناپ سکوں لیکن اپنے ساتھیوں کی مسلسل بے ہوشی کی وجہ سے میں نے آخری لمحات پر مقابلہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ پستول کی چھ گولیوں کے ساتھ میں یکہ و تنہا مقابلہ کر بھی لیتا تو ان تینوں کو اپنے کندھوں پر لاد کر وہاں سے بھاگ نکلنا میرے بس سے باہر تھا۔

اچانک میرے کانوں میں کسی کے کراہنے کی آواز آئی اور میں اضطراری حالت میں، سرک کر اُدھر پہنچ گیا۔ اس بار بھی حسب معمول ویرا ہی سب سے پہلے حرکت میں آئی تھی۔ یہ اس کی قوتِ برداشت کا کمال تھا یا پھر سب سے پہلے انجکشن کا نشانہ بننے کے باعث وہ سب سے پہلے ہوش میں آ رہی تھی۔

"ویرا... ویرا! ہوش میں آؤ۔ آنکھیں کھولو" میں نے اس کے رخساروں پر زور زور سے تھپڑ رسید کرتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "وہ کسی بھی لمحے اندر آنے والے ہیں۔"

ویرا میں یہ بہت بڑی خوبی تھی کہ وہ ہر حال میں خطرات کا فوراً ہی ادراک کر لیتی تھی۔ اس وقت گو وہ آہستگی سے ہوش میں آ رہی تھی لیکن میری حرکات نے اس کی چھٹی حس کو جھنجوڑ کر رکھ دیا،

کسی سحر زدہ معمول کی طرح فرش سے اُٹھتی چلی گئی۔ اس کے ہانے سے گھبرائی ہوئی' بے معنی آوازیں بر آمد ہو رہی تھیں۔

پھر چوبی پارٹیشن میں کھڑکی کا چوکور خلا نمودار ہو گیا۔ میں ویرا کو آخری بار جھنجوڑ کر' پھرتی سے اس خلا کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے ٹارچ فوراً ہی بجھادی تھی۔ اندر پھیلے ہوئے گھور اندھیرے کے مقابلے میں اس کھڑکی سے باہر سرمئی اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور اس میں دو ٹانگیں نمایاں نظر آ رہی تھیں۔

"عبدل' باہر آؤ!" باہر سے ولی کی آواز گونجی۔ اس بار میں خاموش رہا۔

پھر ٹرک میں بنائی ہوئی خالی جگہ میں موجود ولی نے اپنی دستی سرچ لائٹ روشن کر کے اندر کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ میں چیتے کی طرح اپنی جگہ دبکا رہا۔ جوں ہی وہ کلائی کھڑکی میں قدرے اندر داخل ہوئی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے وہ کلائی تھام کر اسے اندر کھینچنے کی کوشش شروع کر دی۔ میرے اس ناگہانی حملے کی وجہ سے اس کے حلق سے ایک تیز آواز بر آمد ہوئی اور ٹارچ اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اس لمحے میرے عقب سے ایک سایہ نمودار ہوا اور کسی جونک کی طرح ولی کی گردن سے لپٹ گیا۔ اس کے جسم سے پھوٹنے والی مہکار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ویرا کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔

وہ باہر گھٹنوں کے بل جھک کر اندر کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہا تھا اس لیے ... مدافعت نہیں کر سکا اور ہم دونوں نے مل کر اسے اندر گھسیٹ لیا۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی ویرا نے اس کی کھوپڑی پر کراٹے کے کئی نپے تلے وار کیے اور وہ فی الفور بے ہوشی کی آغوش میں ڈوبتا چلا گیا۔

"میرے پاس بھرا ہوا پستول ہے" میں نے تیز سرگوشی میں ویرا سے کہا "اسے ایک طرف گھسیٹ کر اس کی جامہ تلاشی لے لو۔ اس کے پاس بھی کوئی نہ کوئی کار آمد ہتھیار موجود ہو گا۔"

ویرا اس مرتبہ حیرت ناک سرعت کے ساتھ اپنے ہوش وحواس بحال کرنے میں کامیاب ہوئی تھی' جس کے نتیجے میں پوری صورتِ حال یکسر تبدیل ہو کر رہ گئی تھی اور میں نے ہتھیار ڈالتے ڈالتے ان لوگوں کے مقابلے پر جم جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"کون ہے؟ اندر کیا ہو رہا ہے؟" باہر سے کسی نے گرج کر پوچھا۔ وہ آواز بہت کرخت اور لب ولہجہ نامانوس تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ سردار پائندہ گل کے آدمیوں میں سے کوئی تھا۔ ویسے بھی اب باہر وہی لوگ رہ گئے تھے اور ان کی تعداد چھ ہونی چاہیے تھی۔ ساتواں عبدل وغیرہ کا تیسرا ساتھی تھا جو فاضل ڈرائیور کے طور پر ٹرک کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔

اندر ہم چھ نفوس تھے جن میں دو قیدی تھے۔ بدقسمتی یہ تھی کہ اس وقت تک صرف ہم دو افراد ہی ہوش میں تھے۔ غزالہ اور سلطان شاہ کا جلد از جلد ہوش میں آنا بہت ضروری تھا۔ دوسری صورت میں حالات ہمارے قابو سے باہر ہو سکتے تھے۔

"یہاں گڑبڑ ہو گئی ہے" میں نے بھرائی ہوئی اونچی آواز میں باہر والے کو جواب دیا "تمہارے ایک آدمی کا دماغ اُلٹ گیا ہے اور وہ ہر ایک کے ساتھ تشدد کا برتاؤ کر رہا ہے۔ ابھی ابھی وہ اپنے ساتھی سے مار کھا کر بے ہوش ہوا ہے۔ یہ اس پر قابو پانے کا بہترین موقع ہے۔"

"تم کیوں بکواس کر رہے ہو؟" اس بار اسے غصہ آ گیا۔ "اگر ولی نے عبدل کو بے ہوش کر دیا ہے تو وہ خود کہاں ہے؟ اس نے تمہیں زبان درازی کی چھوٹ کیوں دے رکھی ہے؟"

"شاید وہ بھی بے ہوش ہو گیا ہے" میں نے اسی لہجے میں جواب دیا "وہ دونوں ہی خاموش اور بے حس وحرکت پڑے ہوئے ہیں۔ میرے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں ورنہ میں ہی انہیں دیکھ لیتا..."

"یہ خنزیر کا بچہ جھوٹ بول رہا ہے" باہر سے ایک اور مشتعل آواز سنائی دی پھر اس نے اپنی مادری زبان میں کچھ بولنا شروع کر دیا اور میرے کان غزالہ کی کراہوں پر مرکوز ہو گئے۔

میں نے اپنے ذہن پر زور دے کر پہلی آواز کو پہچان لیا تھا۔ وہ یقینی طور پر صندل خان تھا۔ دوسرے کی بدمزاجی کی بنا پر میں نے رائے قائم کی کہ وہ صبغت اللہ ہو سکتا تھا۔

باہر وہ دونوں اپنی مادری زبان میں تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ پھر ان میں کچھ نئی آوازیں بھی شامل ہو گئیں۔ اندر کی پُراسرار صورتِ حال نے ان سب کو چکرا کر رکھ دیا تھا لیکن یہ بات یقینی نظر آ رہی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی ولی کی طرح اپنی گردن ہمارے حوالے کرنے والا نہیں تھا۔

بے ہوش عبدل کو میں پہلے ہی باندھ چکا تھا۔ میں نے ویرا کو ہدایت کی کہ وہ ولی کے ہاتھ پیر بھی جکڑ دے تاکہ وہ ہوش میں آنے کے بعد ہمارے لیے کوئی دشواری پیدا نہ کر سکے۔ اس نے مجھے مطلع کیا کہ وہ اس احتیاطی تدبیر پر پہلے ہی عمل کر چکی تھی اور اس وقت غزالہ کو ہوش میں لانے کی تدابیر کر رہی تھی۔

"تم شرافت سے کھڑکی کے راستہ باہر نکل آؤ ورنہ ہم تمہارا حشر خراب کر دیں گے" کچھ دیر کے بعد' صندل خان کی تحکمانہ آواز گونجی "ہم سمجھ گئے ہیں کہ تم نے اندر کوئی گڑبڑ کی ہوئی ہے۔"

"میرے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں..." میں نے کہنا چاہا لیکن میری بات کاٹ دی گئی۔

"تم کھونٹے سے نہیں باندھے گئے ہو۔ پیندے کے بل فرش پر کھسک کر باہر آ سکتے ہو۔"

"تم اندر آ کر خود دیکھ سکتے ہو کہ اس تنگ جگہ میں ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔"

جواب میں اس نے پے درپے کئی موٹی موٹی گالیاں دیں پھر

باہر مشاورت کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ اس بار ان کی آوازیں نیچی تھیں لیکن وہ پُرجوش بھنبھناہٹیں اتنی بلند آہنگ ضرور تھیں کہ یہ تمیز کی جاسکتی تھی کہ وہ سب اپنی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد فضا میں ایک انجن اسٹارٹ ہونے کا شور سنائی دیا۔ لینڈ کروزر تیزی کے ساتھ حرکت میں آئی پھر اس کے رکنے سے پہلے ہی کھڑکی سے تیز روشنی اندر آنے لگی۔ انجن دوبارہ بند ہو گیا۔ انہوں نے ٹرک میں بنی ہوئی راہداری اور ہمارے قید خانے کو روشن کرنے کے لیے شاید لینڈ کروزر ٹرک کے پیچھے لگا کر اس کے ہیڈ لیمپس روشن کر دیے تھے۔

"اگر تم فوراً باہر نہیں آئے تو ہم ٹرک کی باڈی چھلنی کر کے تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو بھون ڈالیں گے" آخر کار صندل خان کے بدمزاج ساتھی کی وحشیانہ آواز سنائی دی۔

میں اپنے شانے پر ویرا کے ہاتھ کا نرم دباؤ محسوس کر کے خاموش رہا اس بار ویرا نے جواب دیا "تم نے کوئی بھی غلط حرکت کی تو ہم ولی اور عبدل کی کھوپڑیوں میں سوراخ کر دیں گے۔ ان کی موت کی ذمّے داری تم پر ہوگی۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔ تم سردار پائندہ گل کے حکم کے غلام ہو اور وہ ہمیں زندہ حالت میں شنکار اویلی میں دیکھنا چاہتا ہے۔"

"ہاں، ہم سب خان بابا کے غلام ہی نہیں، کتّے بھی ہیں۔ ہم مارے بغیر تمہاری حالت مُردوں سے بدتر کر سکتے ہیں۔ تمہاری چھت توڑ کر منوں وزنی ڈرم تمہارے اوپر گرا دیے جائیں گے اور تم سب عمر بھر کے لیے معذور ہو کر رہ جاؤ گے۔ اس ویرانے میں کوئی تمہاری مدد کو نہیں آئے گا۔"

"تم مونچھ دار مرد ہو کر بار بار اپنی زبان بدل رہے ہو" ویرا نے اس کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا "کوئی ایک فیصلہ کر لو تاکہ ہم تمہیں اس کا منہ توڑ جواب دے سکیں۔"

ویرا کی اس ہرزہ سرائی نے ان میں سے کسی کا دماغ اُلٹ دیا۔ باہر سے تڑاتڑ کی آواز کے ساتھ کسی خودکار رائفل کا برسٹ مارا گیا اور متعدد گولیاں روشن چوبی کھڑکی سے گزر کر ٹرک کی اس دیوار میں پیوست ہو گئیں جس نے ہمارے قید خانے اور ڈرائیونگ کیبن کو ایک دوسرے سے الگ کیا ہوا تھا۔ ہم سب اس خلا سے دور تھے اس لیے کسی کا بال بھی بیکا نہ ہو سکا۔

میں اس موقعے کی تلاش میں تھا۔ کھڑکی سے گزر کر گولیاں سیدھی اندر آئی تھیں جس کا مطلب تھا کہ فائر کرنے والا، لینڈ کروزر کے ہیڈ لیمپس کے پیچھے کھڑکی کی سیدھ میں تھا۔ باہر سے فائرنگ موقوف ہوتے ہی میں نے باہر کی طرف سیدھا فائر کر دیا۔ گولی کسی آہنی چادر میں پیوست ہونے کی آواز آئی لیکن میں کسی کو نشانہ بنانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اسی کی ساتھ ہیڈ لیمپس بجھا دیے گئے۔

وہ جمود اور تعطل کی کیفیت تھی، غزالہ ہوش میں آچکی تھی مگر خوف زدہ تھی۔ اس کے ذہن سے بے ہوشی کی دُھند اس وقت صاف ہوئی جب باہر سے گولیوں کا برسٹ مارا گیا۔ تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ بھی پوری طرح ہوش میں آگیا لیکن ہم سب مل کر بھی اس جمود کو توڑنے کی کوئی راہ تلاش نہیں کر سکے۔ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ آزاد اور مسلح تھے لیکن وہ اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر ٹرک پر چڑھ آنے کی ہمت کر سکتے تھے، نہ ہم لوگ اپنی کمین گاہ سے باہر نکلنے کا خطرہ مول لے سکتے تھے۔

ہم نے بے ہوشی اور رسیوں کی بندشوں سے نجات پا کر ایک بڑی کامیابی حاصل کی تھی اس لیے ہم اپنی جگہ پر قدرے مطمئن تھے لیکن باہر والے بازی ہاتھ سے نکلنے پر بُری طرح جھلّائے ہوئے تھے۔ اس کا ایک سبب یہ تھا کہ وہ سب مغلوب الغضب واقع ہوئے تھے اور ان کا سربراہ کچھ زیادہ ہی سیماب صفت واقع ہوا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم مزید کوئی فائر کیے بغیر وقفے وقفے سے انہیں چڑاتے رہے اور وہ بار بار فائر کر کے اپنا اسلحہ اور ٹرک کی باڈی برباد کرتے رہے۔

"تم لوگ کیا چاہتے ہو؟" آخر کار صندل خان نے اپنے گروہ کی قیادت سنبھالتے ہوئے باہر سے سوال کیا "تم زیادہ دیر تک خود کو نہیں سنبھال سکو گے۔"

"ہم صرف اور صرف آزادی چاہتے ہیں۔ اب ہمیں ہماری مرضی کے خلاف ایک گز بھی نہیں لے جایا جا سکے گا۔" میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا "ہم ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔"

"تم آزاد ہو۔ ایک ایک کر کے باہر آجاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم پر فائر نہیں کیا جائے گا، نہ تمہیں کسی انتقامی تشدّد کا نشانہ بنایا جائے گا۔ تمہارے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"تم پھر بہک رہے ہو۔ باہر اُجالا پھیلنے کے آثار نمودار ہو چلے ہیں۔ تم خالی ڈرموں کو دوبارہ ٹرک پر لادے بغیر سڑک کی طرف سفر شروع کرو اور شاہراہ کے کسی مصروف حصے میں ٹرک روک دو۔ ایسے کسی بھی مقام پر ہم ٹرک سے نکل آئیں گے۔ وہاں سے ہمارے راستے جدا ہوں گے۔"

"ٹرک یہاں سے نہیں ہلے گا۔ اس وقت ہم جنگل کے ایک ایسے حصے میں ہیں جہاں ہم دس دن تک بھی رکے رہیں تو کوئی ہماری طرف متوجہ نہیں ہو سکے گا۔ بھوک اور پیاس تم کو خود ہی ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دے گی۔ تمہیں چھوڑنے کے مقابلے میں ہم اپنے وقت کا انتظار کرنے کو ترجیح دیں گے۔"

"پھر خاموشی سے انتظار کرتے رہو۔" میں نے طنز سے کہا "وقت آنے سے پہلے ہی ہماری گولیاں تم سب کو چاٹ جائیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے ہی ہمارے ہمدرد تمہارے سروں پر پہنچ جائیں۔"

"جہنم میں جاؤ۔ اب وہاں کی آگ ہی تمہارے جسموں کو چاٹے گی۔"

"تمہارا پیچھا کرتے ہوئے ہمیں وہاں بھی جانا پڑا تو اس سے گریز نہیں کریں گے۔"

"اب خاموش ہی رہو!" ویرا نے سرگوشی میں کہا "اُدھر دیکھو ولی ہوش میں آرہا ہے۔"

ولی' ویرا کی لگائی ہوئی ضربات کے نتیجے میں بے ہوش ہوا تھا اس لیے وہ تیزی کے ساتھ ہوش میں آتا چلا گیا۔ اُس کے بے دست و پا ہونے کی وجہ سے ہم دور سے اسے دیکھتے رہے۔ باہر اُجالا ہو جانے کی وجہ سے اندر چھائے ہوئے گھور اندھیرے میں بھی کمی واقع ہوتی جارہی تھی جس کی وجہ سے ہم مصنوعی روشنی سے مدد لیے بغیر بھی ایک دوسرے کو خاصی حد تک دیکھ رہے تھے۔

"تو تم نے مجھے باندھ لیا ہے" پوری طرح ہوش میں آنے کے بعد ولی نے چند گالیاں بکتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم پر واقعی برا وقت آکر رہے گا۔"

"ابھی تک تو نہیں آیا" ویرا استہزائیہ لہجے میں بولی "تم آواز دے کر بلا لو۔"

"صندل خان! اِن کے کسی فریب میں نہ آنا" وہ اچانک حلق کے بل چیخنے لگا۔ میرے نزدیک وہ ایک شکستہ قیدی کی فریاد تھی اس لیے میں اسے روکنے کی کوشش کئے بغیر اس کی حالت سے محظوظ ہوتا رہا۔ دوسروں نے بھی اس بارے میں میری تقلید کی اور خاموشی سے بیٹھے رہے۔

"ان حرام زادوں نے مجھے دھوکے سے پکڑا ہے" وہ بدستور چیخ چیخ کر باہر والوں کو بتا رہا تھا "میرے ہاتھ پیر باندھ دئے گئے ہیں لیکن یہ اپنے انجام سے نہیں بچ سکیں گے۔ استاد نے ٹرک پر ہر طرح کا بندوبست کروایا ہوا ہے۔ صفدر سے کہو کہ وہ تین نمبر کھول دے اور....."

وہ ہمیں بے بس کرنے کی کسی تدبیر کے بارے میں باہر والوں کی رہنمائی کرنے کی کوشش کر رہا تھا جس پر میں نے چونک کر اپنی جگہ چھوڑی اور اس کے دہانے پر پوری قوت سے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ اس نے میری ہتھیلی پر کاٹنے کی کوشش کی۔ اس جدوجہد میں جب بھی میری گرفت کمزور پڑتی' وہ اونچی آواز میں بولنے کی کوشش شروع کر دیتا مگر میں دوبارہ اس کا منہ دبوچ لیتا مگر پھر بھی وہ گیس کا لفظ باہر والوں تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس دوران میں سلطان شاہ میری مدد کو آچکا تھا۔ اس نے ولی کی دونوں کنپٹیوں پر بیک وقت اپنی ہتھیلیوں کی کھڑی ضرب لگائی اور اسے دوبارہ بے ہوش ہونے پر مجبور کر دیا۔

اُس سے الگ ہوتے ہوئے' میرے ذہن پر تشویش سوار ہو چکی تھی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ہم نے باہر والوں سے اس کی گفتگو کو نظر انداز کر کے شدید غلطی کی تھی جو ہمیں مہنگی پڑ سکتی تھی۔ شاید صفدر ان کے تیسرے ساتھی کا نام تھا۔ اس کے لیے تین نمبر اور گیس کے الفاظ پر مشتمل پیغام میں یقیناً کوئی بات پوشیدہ تھی۔ میں دل ہی دل میں بس یہ امید کرتا رہا کہ کاش صفدر کے لیے وہ پیغام ادھورا ثابت ہو اور وہ ولی کی مجوزہ تدبیر پر عمل پیرا ہونے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

بے ہوش کئے جانے سے قبل' ولی کی زبان سے ادا ہونے والے ادھورے الفاظ نے باہر والوں کو احساس دلا دیا تھا کہ اسے عین موقعے پر دوبارہ پکڑ لیا گیا تھا۔ جب کئی منٹ گزر گئے تو باہر سے صندل خان نے براہ راست ولی کو آواز دیتے ہوئے آگاہ کیا کہ صفدر اس کی بقیہ ہدایات کا منتظر تھا لیکن ولی اس کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ ہم لوگ بھی چپ سادھے بیٹھے رہے۔

باہر دن طلوع ہو رہا تھا۔ جب روشنی کے انعکاس میں مزید اضافہ ہوا تو ویرا کو تھرماس نظر آگیا۔ اس میں چائے باقی تھی لیکن وہ ان تینوں کے لیے ناکافی تھی۔ ویرا نے تھوڑی مقدار غزالہ اور سلطان شاہ کو پلائی اور بقیہ خود پینے لگی۔ میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگائی لیکن اس دوران میں ہم میں سے کوئی بھی ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوا تھا۔ ہم سب بھیڑیوں کے غول میں گھرے ہوئے ہرنوں کی طرح چوکنے تھے۔

"ولی تین نمبر کھولنے کے بارے میں کیا بکواس کر رہا تھا؟" طویل خاموشی کے بعد غزالہ نے سرسراتی ہوئی خوف زدہ آواز میں مجھ سے سوال کیا۔

"ہوگا کچھ!" ویرا مجھ سے پہلے بول پڑی "اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ دو اور آنے والے بُرے وقت کے لیے تیار رہو۔ جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔ اب لکیر کو پیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ٹرک پر کہیں ایسی گیس موجود ہے جو ہم لوگوں کو ہلاک' بے ہوش یا مفلوج کر سکتی ہے" میں نے سرگوشی میں کہا "گیس کی نلکی کو ٹرک کے اس حصے سے ملانے والے والو یا گھنڈی کو ہی تین نمبر کا نام دیا گیا ہے۔ شاید ولی کے علاوہ کسی اور کو تین نمبر کی اصل اہمیت کا علم نہیں ہے۔"

"تو وہ اب ہو جائے گا" ویرا بے فکری سے بولی "اس میں کون سی....."

"پھر وہی منحوس کلمات؟" سلطان شاہ اضطراب کے عالم میں دھیرے سے منمنایا "معلوم ہے کہ ہم بہت بُرے پھنسے ہوئے ہیں مگر تم کبھی تو خیر کی بات بھی کر لیا کرو۔"

"شتر مرغ کی طرح گردن ریت میں چھپا لینے سے طوفان نہیں ٹلا کرتے" ویرا کی بہت دھیمی آواز سے برہمی ٹپک رہی تھی "نرے شر میں بھی خیر کی امید رکھنے والوں کی کھوپڑی پر جب حقیقت کا گرز پڑتا ہے تو اُن پر چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔ تم خیر کی باتیں سوچتے رہو۔"

"خدا کا خوف کرو" میں نے ان دونوں کو ملامت کرتے ہوئے کہا "تم لوگ ایسے خوفناک حالات میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ نوک جھونک میں الجھے ہوئے ہو؟ یہ شرم کا مقام ہے۔"

"تو کچھ جھونک نہیں ہو رہی۔ تم سن رہے ہو کہ یہ نحوست پھیلا رہی ہے" سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔

"جو بات ڈیڈی سمجھ رہا ہے، وہ صفدر کی سمجھ میں نہیں آئے گی، سبحان اللہ!" ویرا کی جلی کٹی آواز ابھری "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے مغز میں صرف کدو کے بیج بھرے ہوئے ہیں۔"

ویرا نے لمحے بھر کے لیے خاموش ہو کر ایک گہرا سانس لیا پھر ہیجان آمیز سرگوشی کرتے ہوئے بولی "تو! شاید اُس مردود نے تین نمبر کھول دیا ہے۔ کسی گیس کی بو آ رہی ہے۔ تم اسے کسی کے معدے کا قصور سمجھتے رہو، میں اپنا سانس روک رہی ہوں۔ لکھ لو کہ اب وہی بچے گا جو سانس روک سکے گا۔"

اسی وقت میرے نتھنوں سے کسی قسم کی تیز اور میٹھی میٹھی بو ٹکرائی اور میں نے اپنا سانس روک لیا۔ اسی وقت عبدل نے ہولے ہولے کراہنا شروع کردیا۔ وہ انجکشن کے اثر سے باہر آ رہا تھا لیکن اس کے استقبال کے لیے وہاں گیس کا اخراج شروع ہو چکا تھا۔ اِس وقت مجھے اُس کے بجائے اپنی فکر پڑ گئی تھی۔

غزالہ قریب آ کر میرے بدن سے بری طرح چپک گئی اور میرا بازو پکڑ کر بولی "وہ وحشی ہماری ناکام بغاوت کو معاف نہیں کریں گے۔ اس زہریلی گیس کی مدد سے ہمیں مار ڈالیں گے۔"

"سانس روکنے کی کوشش کرو" میں نے اپنے سینے میں رکا ہوا سانس خارج کرتے ہوئے کہا "کھڑکی سے آنے والی ہوا گیس کو جلد ہی صاف کردے گی" غزالہ کو وہ ہدایت دیتے ہوئے مجھے یہ امید بھی تھی کہ وہ جیسی بھی گیس ہو، اس کا ذخیرہ بہت محدود ہو گا۔ ایک بار وہ ذخیرہ خالی ہونے کے بعد تازہ ہوا بہت تیزی کے ساتھ اپنا کام دکھانا شروع کردیتی۔ وہ تکلیف بس چند منٹ کی تھی۔

میں نے سانس روکنے سے پہلے اپنے خالی پھیپھڑوں کو ہوا سے بھرنے کی کوشش کی اور میری آنکھوں کے سامنے تاریکی ناچنے لگی۔ غزالہ کے بدن کا سارا بوجھ میرے اوپر آ گیا۔ اس کے بعد مجھے گرد و پیش کی کسی چیز کا کوئی ہوش نہیں رہا۔ ولی کی دی ہوئی ادھوری ہدایات اپنا رنگ دکھا چکی تھیں۔

میرے ذہن میں بھولی بھولی سی آخری امید یہ تھی کہ وہ کوئی زہریلی گیس نہیں تھی۔ اس کے اثرات مہلک ہوتے تو ولی کبھی بھی صفدر کو تین نمبر کھولنے کا مشورہ نہیں دیتا۔ وہ خود ہمارا قیدی تھا، اس کے ہاتھ پیر بھی بندھے ہوئے تھے۔ اُس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ سردار پائندہ گل کے آدمیوں کی سرخروئی اور سربلندی کے لیے وہ ہمارے ساتھ اپنی موت کا بھی بندوبست کر لے گا۔

○☆○

مجھے دوبارہ ہوش آنا شروع ہوا تو مجھے اپنے پپوٹے اٹھانے میں بھی شدید دشواری ہو رہی تھی۔ پھر میرے کانوں میں غزالہ کی مسرت آمیز آواز آئی "دیکھو، انہیں بھی ہوش آنا شروع ہو گیا ہے۔"

"اپنی جگہ پڑی رہو۔ وہ بھی ہوش میں آ ہی جائے گا" ویرا کی کمزور آواز تھی "خدا کا شکر ہے کہ وہ زہریلی گیس نہیں تھی۔ ہم چاروں زندہ ہیں لیکن ایک دوسرے کے لیے اپنی توانائی ضائع نہیں کر سکتے۔"

"ہمیں دوبارہ زندگی ملی ہے" اس بار غزالہ کی آواز میں ارتعاش آمیز تھی "میں سوچ رہی تھی کہ گیس مہلک نہ بھی ہوئی تو وہ وحشی ہمیں بے بس کرتے ہی ہلاک کردیں گے۔"

"میں اتنی ناامید نہیں تھی۔ جسے سردار پائندہ گل زندہ دیکھنا چاہتا ہو، اسے وہ کسی بھی صورت میں نہیں مار سکتے تھے۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں کافی دیر تک حبس دم کیے رکھنے کے باوجود اس سریع الاثر گیس کا شکار ہونے سے نہیں بچ سکی" ویرا کی آواز سنائی دی۔

میں نے محسوس کیا کہ میں جس چیز پر دراز تھا وہ متحرک نہیں تھی اور نہ ہی فضا میں ٹرک کے انجن کا وہ آہنی شور سنائی دے رہا تھا جو پچھلے دنوں کے سفر میں ہمارے دماغوں میں رچ بس گیا تھا۔ میں نے پوری کوشش کر کے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ سر پر خاکی سائبان پھیلا ہوا تھا۔ جسم کے نیچے کوئی نرم پیال تھا اور فضا میں شام کا ملگجا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ میں نے بدقت تمام سر گھمایا تو معلوم ہوا کہ ٹرک کے سفر کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا اور اس وقت ہم چاروں ایک ایسے کمرے میں الگ الگ پیال پر پڑے ہوئے تھے جس کی دیواریں پہاڑی پتھروں کو مہارت سے ایک دوسرے پر جما کر اٹھائی گئی تھیں۔ اوپر درخت کے ناتراشیدہ تنے پر رکی ہوئی پھوس کی چھت تھی جس کے اوپر کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ مجھے پہلا خیال یہی آیا کہ ہم شنگارا ولی پہنچ چکے تھے۔

"سلطان شاہ تو نقاہت سے گونگا ہو چکا ہے۔ تمہارا کیا حال ہے؟" نگاہیں چار ہونے پر ویرا نے کمزور آواز میں کہا۔ اس حال میں بھی اس کی زندہ دلی برقرار تھی۔

"نقاہت!" میں نے بدقت تمام کہا "گیس کے یہ اثرات شاید رفتہ رفتہ ہی جائیں گے۔"

"گیس کے اثرات نہیں، یہ بھوک اور پیاس کی کمزوری ہے جس نے ہم چاروں کو لٹایا ہوا ہے۔ وہ لوگ ہمارا کچھ اور تو بگاڑ نہیں سکے، بس سزا میں کھانا پینا بند کردیا تھا۔ اب شنگارا ولی تک ہمیں یہی سزا بھگتنی ہوگی۔ اس میں کوئی رعایت نہیں ملے گی۔"

"تو کیا ہم شنگارا ولی میں نہیں ہیں؟" سلطان شاہ کی تیز تر مگر کمزور آواز ابھری۔

"میں تقریباً چالیس منٹ سے ہوش میں ہوں۔ صندل خان ہماری خیر خبر لینے آیا تھا۔ اس سے میری بات ہوئی ہے" ویرا رک رک کر بتانے لگی "ہمیں لانے والوں میں سے صندل خان کے علاوہ سب لوگ واپس جا چکے ہیں۔ ٹرک والے واپس پاکستان گئے

ئے صفت اللہ کے انتظار میں بیس آدمیوں کا ایک لشکر یہاں موجود تھا۔ وہ انہیں لے کر جلال آباد کی طرف لوٹ گیا ہے جہاں وہ وئی فوجی رسد کے ایک روسی کانوائے پر شب خون ماریں گے۔ ہمیں کوئی بندوبست ہونے تک یہاں رکھا گیا ہے۔ صندل خان کے علاوہ یہاں کئی مقامی محافظ بھی ہیں جو بالکل ہوش ہیں۔ اپنی مقامی بولی کے علاوہ کوئی زبان نہیں جانتے..."

"مگر اِس جگہ کا نام کیا ہے؟" میں نے اُس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"یہ جیغا سرائے کا کوئی مضافاتی ویرانہ ہے جہاں ان لوگوں کا مستقل کیمپ قائم ہے۔ شاید ہیروئن اور انسانوں کی اسمگلنگ میں اس اڈے کو ٹرانزٹ کیمپ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔"

"اور باہر کا کیا حال ہے؟" میں نے متجسس ہو کر سوال کیا۔

"بستر سے اٹھنے کا دم ہی نہیں ہے۔ زندگی کے احساس کے لیے اتنا کافی ہے کہ زبان چل رہی ہے۔"

"جن لوگوں کو بولنے کا ہیضہ ہوتا ہے وہ قبر میں بھی بولتے رہتے ہیں۔" سلطان شاہ زہریلی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "دیکھنا پڑے گا کہ تم زندوں میں ہو یا مر کر بول رہی ہو۔"

"اخاہ! ڈیڈی کے ہوش میں آتے ہی گونگا بھی بولنے لگا" ویرا بُرا مانے بغیر بولی "میں تو تمہیں لخلخہ سنگھانے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ڈیڈی نے تمہیں کسی لاڈلے بچے کی طرح بگاڑا ہوا ہے۔"

"کھانے پینے کے بارے میں کچھ سوچو" سلطان شاہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا "اس حالت میں تو ہم مُردوں سے بھی بدتر ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہی حال رہا تو رفتہ رفتہ زبان بھی جواب دے جائے گی۔"

میں نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا مگر اس مشقت کے نتیجے میں چند لمحوں کے لیے آنکھوں میں اندھیرا سا ناچ کر رہ گیا۔

"فی الحال دیواروں میں چُنے ہوئے پتھر چبا سکتے ہو" ویرا، سلطان شاہ سے کہہ رہی تھی "میں نے صندل خان کی بہت خوشامدیں کیں لیکن وہ بالکل بھی نہ پسیجا۔ وہ تھوڑی دیر بعد دوبارہ آئے تو تم بھی بات کر لینا۔"

اس کمرے میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ ایک دور افتادہ دیوار میں گزرنے کا راستہ چھوڑ دیا گیا تھا جس پر ٹاٹ کا پردہ لہرا رہا تھا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ فضا میں خنکی کافی بڑھی ہوئی تھی۔ سورج غروب ہونے کے بعد وہ خنکی ہمارے لیے ناقابل برداشت بھی ثابت ہو سکتی تھی مگر اس کے مقابلے کے لیے وہاں کمبل یا اسی قسم کی کوئی اور چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ کمرے میں تھوڑا سا کی ایک بڑی سی چٹائی اور مٹکے کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

مٹکے پر نگاہ پڑتے ہی میرے جسم میں توانائی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ اس عالم میں پانی کی تھوڑی سی مقدار بھی ہمیں بہت بڑا سہارا دے سکتی تھی۔ میں اٹھا اور تقریباً جھومتا ہوا مٹکے کی طرف چل دیا۔ میری پیش قدمی پر وہ تینوں ہی حیران رہ گئے پھر انہوں نے بھی اپنی اپنی جگہ چھوڑنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

میں لڑکھڑاتا اور سنبھلتا ہوا مٹکے کے قریب پہنچا تو اس میں پانی کی جھلک دیکھتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ شاید صندل خان کو امید نہیں تھی کہ ہم میں سے کوئی چل کر اس مٹکے تک بھی پہنچ سکے گا ورنہ وہ لات مار کر اس مٹکے کو ہی توڑ دیتا۔ وہیں ایک پتھر پر کوزہ بھی رکھا ہوا تھا۔ میں نے صندل خان کی واپسی کے خوف سے نہایت تیزی کے ساتھ پانی نکال کر پینا شروع کر دیا۔ پانی ٹھنڈا اور بہت شفاف تھا۔

پانی کا پہلا گھونٹ معدے میں پہنچتے ہی میری رگوں میں زندگی سرایت کر گئی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ بِن مُول اور بکثرت ملنے والا پانی بھی انسانی حیات کی نمو کے لیے کس قدر ناگزیر ہے۔ لوگ آبِ حیات کی تلاش میں بلاوجہ سرگرداں رہتے ہیں۔ پانی کا ہر وہ گھونٹ جو کئی دن کے پیاسے کو خلاف توقع مل جائے، آبِ حیات ہوتا ہے۔ مگر میں جانتا تھا کہ خالی پیٹ زیادہ پانی پینے سے ابکائیوں کا اذیت ناک سلسلہ شروع ہو سکتا تھا اس لیے میں نے ایک کوزہ پر اکتفا کرتے ہوئے، اسے دوبارہ غزالہ کے لیے بھر لیا فوری طور پر باہر کا جائزہ لینے کے مقابلے میں یہ بات زیادہ اہم تھی کہ ہم صندل خان کی واپسی سے پہلے پانی کی تھوڑی بہت مقدار اپنے جسموں میں پہنچا کر اپنی کچھ توانائی بحال کر لیتے۔

قوتِ ارادی ایسی ظالم شے ہے کہ وہ تینوں جو اپنی جگہوں سے ہلنے کے قابل بھی نہیں تھے، میری دیکھا دیکھی اپنے اپنے پیال چھوڑ کر اٹھ چکے تھے۔ میں نے ان تینوں کو باری باری پانی پلایا۔ آخر میں، میں نے مزید ایک کوزہ اپنے پیٹ میں ڈالا۔ وہ تینوں بھی ندیدوں کی طرح میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ پیاس سے نجات حاصل کرنے کے بعد ہم چاروں اس پتھریلے کمرے سے باہر نکلے تو ڈھلتے ہوئے سورج کی زرد کرنوں میں ہمارے سامنے سنگلاخ اور بھوری چٹانوں کا ایک لامتناہی سلسلہ پھیلا ہوا تھا جس کے آگے صرف نیلا آسمان نظر آ رہا تھا۔

ہمارا کمرا ایک ٹیکری پر بنا ہوا تھا۔ کچھ فاصلے پر ایک عجیب اور خوفناک شخص اونچی سی چٹان پر رائفل سنبھالے موجود تھا۔ اس کے سر پر بہت بڑی پگڑی اور سینے پر لمبی سی سیاہ داڑھی لہرا رہی تھی۔ ہم پر نگاہ پڑتے ہی اس نے وحشت زدہ آواز میں چیخ کر کچھ کہا۔ اس کا ایک لفظ بھی ہمارے پلے نہیں پڑ سکا۔ میں نے اسے مخاطب کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اس نے رائفل کی نال سیدھی کی اور نشانہ لینے کی زحمت کئے بغیر دھائیں کی پُرہول آواز کے ساتھ فائر کر دیا۔ اس کی چلائی ہوئی گولی نے ہم سے چند گز کے فاصلے پر چٹان کے ریزے اڑا کر رکھ دیئے۔ ہم بوکھلاہٹ کے عالم میں پلٹ کر اسی پتھریلے کمرے کی طرف دوڑ پڑے جہاں سے برآمد ہوئے تھے۔ ہم

چاروں کے اندر پہنچنے تک وہ شخص دوسرا فائر بھی کر چکا تھا۔ اس بار گولی ہمارے عقب میں پڑی تھی اور باریک سنگریزوں کی برسات ہمارے جسموں تک بھی پہنچی تھی۔ وہ بلاشبہ بہترین نشانہ باز تھا اور ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اپنی مرضی کے مقام پر فائر کرنے پر قادر تھا۔ اگر اس نے ہمیں خوف زدہ کرنے کے بجائے مارنے کا ارادہ کرلیا ہوتا تو آناً فاناً میں ہماری تعداد نصف ہوسکتی تھی۔ میرے لیے وہ تجربہ بہت وحشت انگیز تھا۔

"اس سے تو بہتر تھا کہ ہم ڈون کوانگ فو کے آدمیوں کے ہی ہاتھ لگ جاتے" اندر پہنچنے کے بعد ویرا نے ہانپتے ہوئے، تنفر آمیز لہجے میں کہا "یہ تو بالکل ہی اجڈ ہیں۔"

"بھول جاؤ، ان سب کو بھول جاؤ" سلطان شاہ بڑبڑایا "ہماری بداعمالیاں ہمیں ان پہاڑوں میں لائی ہیں۔ ایک دن ایسی ہی رائفلوں سے نکلی ہوئی گولیاں ہمارے بھیجے اڑا دیں گی۔"

"صندل خان نے ہمیں بلاوجہ آزاد نہیں چھوڑا ہوا ہے" میں نے پرتشویش نظروں سے ان کے زرد چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "اب وہ اپنے علاقے میں ہیں اور رازداری کی الجھن میں پڑے بغیر اپنے فیصلوں کو نافذ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ ہمیں یہاں ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہوگا۔"

"ہم نے بے نتیجہ محاذ آرائی مول لے کر بدرو کے آدمیوں کو بھی اپنا دشمن بنالیا۔ پتا نہیں وہ واپس جا کر اپنے استاد کو کچھ بتاتے بھی ہیں یا انتقاماً خاموش رہتے ہیں" غزالہ نے ایک اور کمزور پہلو پر روشنی ڈالی "یہاں کے حالات بتا رہے ہیں کہ ہم اپنی مرضی سے ان پہاڑوں سے نہیں نکل سکیں گے۔"

"ناامیدی کی ضرورت نہیں" میں نے کہا "قابل غور بات یہ ہے کہ سارے مسائل اور مشکلات کے باوجود انہوں نے ہم کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ سردار پائندہ گل ہم سے کیا چاہتا ہے۔"

"سیدھی سی بات ہے کہ وہ جنت گل کے معاملے میں تمہیں مجرم قرار دے چکا ہے" سلطان شاہ کے دوٹوک الفاظ نے مجھے بری طرح چونکا دیا "اب وہ تمہیں اپنے ہاتھوں سے سزا دینی چاہتا ہے۔"

میں نے پہلے سلطان شاہ پھر ویرا کی طرف دیکھا اور وہ مجرمانہ احساس کے ساتھ بولی "میں نے فلیٹ ہی میں غزالہ اور سلطان شاہ کو اس بارے میں اعتماد میں لے لیا تھا۔ مجھے واقعات کی تیز رفتاری کا اندازہ نہیں تھا کہ ہم اسی رات سردار کے قیدی بن جائیں گے لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ جنت گل کا قصہ جلد یا بدیر سر ضرور اٹھائے گا اور تم خفت سے دوچار ہو جاؤ گے۔"

میں نے چور نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا لیکن وہ میری طرف متوجہ نہیں تھی۔ شاید وہ اس موقعے پر نظریں چار کر کے مجھے شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس بارے میں ویرا کا مجرمانہ احساس اداکاری سے زیادہ نہ نہیں تھا۔ میں نے خود ہی اس سے فرمائش کی تھی کہ وہ موقع نکال کر جنت گل کا قصہ غزالہ کے کانوں سے گزار دے اور اس نے میری فرمائش بحسن و خوبی پوری کر کے مجھے ایک بہت بڑی دشواری سے بچالیا تھا۔

میں نے اپنی پوزیشن مزید مضبوط کرنے کے لیے ویرا پر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "کیا میں نے تمہیں اس لیے اعتماد میں لیا تھا کہ تم وہ کہانی ہر ایک کو سناتی پھرو؟"

"یہ دونوں ہر ایک کے زمرے میں نہیں آتے" ویرا نے نرمی سے کہا "اچھا ہی ہوا کہ میں نے یہ کام پہلے کرلیا۔ موجودہ حالات میں تمہاری اس کہانی پر غزالہ تک یقین نہ کرتی۔ وہ بعد میں تراشا ہوا عذر بن کر رہ جاتی۔ اور پھر سردار پائندہ گل تو وہی قصہ اٹھائے گا۔ شاید اسے یقین نہیں آسکا کہ تم جان کے خوف کی وجہ سے جنت گل کے اشاروں پر ناچنے کے لیے مجبور ہوگئے تھے۔"

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اصل بات تو شنکارا ویلی پہنچنے کے بعد ہی سامنے آسکے گی" میں نے دھیمے سے کہا۔

"ویرا! کیا ہم اس ناخوش گوار ذکر کو فی الحال بھول نہیں سکتے؟" اچانک غزالہ نے بدمزگی سے کہا "جو ہو چکا اس پر رونا بے سود ہے اور جو ہونا ہے وہ ہر حال میں ہو کر رہے گا۔"

ویرا کے جواب دینے سے پہلے ہی پتھریلے فرش پر کئی وزنی جوتوں کی دھمک سنائی دی پھر تین افراد دندناتے ہوئے ہمارے کمرے میں گھستے چلے آئے۔ وہ تینوں مسلح تھے اور ان کے تیور خراب تھے۔ ان میں صندل خان سب سے آگے تھا۔ اس کے کندھے سے سب مشین گن جھول رہی تھی جس میں بڑا میگزین چڑھا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے آنے والے افراد کی سرخ اور وحشت زدہ آنکھوں میں اس قدر تیز چمک تھی کہ ان سے نگاہیں ملانا دشوار تھا۔ وہ دراز قامت اور سرخ و سفید قبائلی، بھڑکے ہوئے درندوں کی طرح چوکنے تھے اور ان کی رائفلیں ان کے ہاتھوں میں دبی ہوئی تھیں۔ یہ اندازہ نہیں ہوسکا کہ ہم پر دو فائر کرنے والا ان میں شامل تھا یا نہیں؟

"تم لوگ باہر کیوں گئے تھے؟" صندل خان ہمارے قریب پہنچتے ہی برہمی سے بولا۔

"تم نے ہمیں باہر جانے سے منع نہیں کیا تھا، صندل خان!" ویرا بہت سکون سے بولی۔

"میں آیا تو تم مرنے کے لیے سسک رہی تھیں" وہ دہاڑا "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اپنے قدموں پر چل سکو گی۔ تم سب قیدی ہو، تمہیں یہاں تفریح اور چہل قدمی کے لیے نہیں لایا گیا ہے۔"

اس سے پہلے کہ ویرا پانی کا ذکر کرتی، میں بول پڑا "اب ہم اسی کمرے میں رہیں گے لیکن ہماری ایک التجا ہے۔ بھوک سے ہمارا

بت ابتر ہو رہا ہے۔ اس کا کوئی بندوبست ہونا چاہیے۔"
شرر بار آنکھوں سے مجھے کئی ثانیوں تک گھورتا رہا پھر
نے ہوئے بولا "تمہیں تو مر ہی جانا چاہیے۔ عبدل کے ساتھ
تم ہی نے کی تھی۔ اگر تم خان بابا کے بڑے قیدی نہ ہوتے تو
تمہاری ہڈیاں توڑ دیتا۔"
"وہ میری سرزمین تھی' میں نے وہاں ہر چال چل کر دیکھ لی مگر
کام رہا۔ اب ہم تمہاری سرزمین پر تمہارے قیدی ہیں اور خود کو
ہمارے حوالے کر چکے ہیں۔ یہاں کی سزا یابی عجیب معلوم ہوتی
"
اس کی شعلے برساتی ہوئی نگاہوں میں لحہ بھر کے لیے نرماہٹ
دار ہوئی جو فوراً غائب ہوگئی اور وہ بپھر کر بولا "میں تمہیں کھلاؤں
تم میرے آدمیوں کو پہاڑوں میں دوڑا کر ہلکان کرتے پھرو؟"
"ہم تھک چکے ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب شنگارا ویلی
تک ہم کوئی غلط حرکت نہیں کریں گے۔ ہم نے سمجھ لیا ہے کہ
سردار پائندہ گل جسے بلانا چاہے' اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں
سکتی۔"
"خوب!" اس بار اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر استہزائیہ
مسکراہٹ ابھر آئی "تو یہ قول ٹھیک ہی ہے کہ بھوک اور پیاس
ہاتھیوں تک کا دماغ درست کردیتی ہے" پھر اس نے اچانک
ایک غیر متعلقہ سوال کیا "تم مسلمان ہو؟ تم تینوں؟ یہ میم تو
کرسچان ہوگی؟"
"میں بھی مسلمان ہوں" ویرا جھٹ سے بول پڑی "میرا باپ
پاکستانی تھا اور میرا نام فرزانہ ہے" اُس کے دعوے میں تسلسل تھا
بلکہ اس نے فلیٹ پر سردار پائندہ گل کو اپنا نام فرزانہ بتایا تھا پھر
رستے میں عبدل کو اپنے پاکستانی باپ کی کہانی سنانے بیٹھ گئی تھی۔
"ہم تینوں پکے مسلمان ہیں" میں نے ویرا کی تردید کیے بغیر
رستے سے کہا۔
"تمہیں حلف لینا ہوگا کہ تم میرے ساتھ وعدہ خلافی نہیں
کروگے۔ اسی کے بعد تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کرایا جاسکے
گا میں صرف تمہاری باتوں پر آنکھیں بند کرکے اعتبار نہیں
کرسکتا۔"
"میں تیار ہوں" میں نے آہستگی سے جواب دیا "لیکن کیا یہ
مضحکہ خیز بات نہیں ہے کہ تم ہیروئن کا دھندا کرنے کے باوجود
ایمان کی بات کر رہے ہو؟"
"بکواس بند کرو!" وہ زمین پر زور سے پیر مار کر دہاڑا "ایک
دھندا ہے اور دوسرا ایمان ہے۔ روزی کمانے کے لیے کوئی اپنے
ایمان کو نہیں چھوڑ سکتا۔" پھر وہ ایک جھٹکے سے مڑ گیا "میرے
ساتھ آؤ۔"
وہ یک بیک جذباتی ہوگیا تھا اس لیے میں اُس سے یہ پوچھنے کی
جرأت نہیں کرسکا کہ روزی کمانے کے لیے ایمان کو نہیں چھوڑا
جاسکتا تو ایمان برقرار رکھنے کے لیے گندی روزی کو چھوڑنے میں کیا
قباحت تھی؟
وہ ہمیں لے کر اس کمرے سے باہر نکلا تو ٹیکری کے سامنے
والی چٹان پر موجود رائفل بردار محافظ بدستور وہیں نظر آرہا تھا۔
صندل خان نے رک کر اونچی آواز اور کسی نامانوس زبان میں سے
کچھ ہدایات دیں اور وہ ناہموار پتھروں کو عبور کرتا ہوا ہمارے
ساتھ آملا۔ صندل خان اس سے پہلے ہی داہنی طرف مڑ چکا تھا اور
ہم سب اُس کی تقلید کر رہے تھے۔ تین میں سے دو محافظ ہمارے
پیچھے ہولیے تھے۔ آخر میں آنے والا' ہمارے اور صندل خان کے
درمیان چل رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جنگ وجدل کے
معاملات ان کے خمیر میں شامل ہوں۔ وہ سب کچھ کہے یا بتائے بغیر
یہ جانتے تھے کہ انہیں کس وقت کیا کرنا ہے۔
جوں ہی ہم اپنے کمرے کی اوٹ سے نکل کر قدرے نشیب
میں اترے تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس سنگلاخ ویرانے میں
صرف وہی ایک کمرہ نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے اسی قسم کا ایک
وسیع سنگی احاطہ نظر آرہا تھا جس میں بڑی بڑی چھتوں والے کئی
کمرے نظر آرہے تھے اور ایک طرف بنی ہوئی' گارے کی چمنی میں
سے سرمئی دھواں' بل کھاتا ہوا دھیرے دھیرے وادی میں پھیل رہا
تھا۔ صندل خان ہماری اس عمارت کی طرف راہنمائی کر رہا تھا جو
ہم کو بہت قریب نظر آرہی تھی۔
بظاہر وہ فاصلہ چند منٹ سے زیادہ کا نہیں تھا لیکن پر پیچ
چٹانوں میں سے گزر کر نشیب میں اترنے کی وجہ سے دو مرتبہ ایسے
مقامات بھی آئے جب وہ وسیع مکان اور اس کی چمنی سے نکلتا ہوا
دھواں تک ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ تقریباً پندرہ منٹ
تک مسلسل چلتے رہنے کے بعد ہم ہوا کے رخ پر پہنچے تو فضا میں
موجود بھنے ہوئے گوشت کی اشتہا انگیز بو نے مجھے بے چین کردیا۔
مجھے حیرت تھی کہ ہمارے کمرے سے اس وسیع و عریض ڈیرہ کا
فاصلہ اتنا زیادہ تھا تو صندل خان فائر ہونے کے فوراً بعد ہی ہم تک
کیسے پہنچ گیا تھا لیکن وہ سوال کرنے کا موقع نہیں تھا۔ میں خاموشی
کے ساتھ صندل خان کے پیچھے چلتا رہا۔
اس احاطے کی دیوار بھی پتھروں کو ایک دوسرے پر جما کر بنائی
گئی تھی۔ دیوار کی موٹائی کسی بھی طرح دو فٹ سے کم نہیں تھی۔
پتھروں کے درمیان سے جھانکتی ہوئی خالی دراڑیں میں اس بات کی
غمازی کر رہی تھیں کہ کوہستانی باشندوں نے ان پتھروں کو آپس
میں جوڑنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔
وہ ایک منزلہ حویلی قدیم اور روایتی انداز میں بنائی گئی تھی۔
اندر داخل ہوتے ہی وسیع و عریض صحن تھا۔ اُس سے آگے پھوس
کے چھپروں کا دالان تھا جس کے سروں پر درختوں کے تنے گاڑ کر
ستونوں کا کام لیا گیا تھا۔ اس دالان کے بعد کمرے بنے ہوئے تھے۔
احاطے کی دیوار کے ساتھ جابجا سخت جان پودے اگے ہوئے

تھے۔ ان کی ترتیب اور بعض پودوں میں کھلے ہوئے تیز رنگوں والے پھولوں کے امتزاج سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ وہ خودرو نہیں تھے۔ ان کی نشوونما اور دیکھ بھال میں واضح طور پر انسانی ذوق کار فرما تھا۔

برآمدے یا دالان میں چار بڑی بڑی چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ سفیدے یا کسی اور مضبوط درخت کے سبک اور لمبے لمبے تنوں سے تیار کی ہوئی' بان کی وہ چارپائیاں اتنی وسیع وعریض تھیں کہ ہر ایک پر بیک وقت دس بارہ آدمی آرام سے سو سکتے تھے۔ ہمارے ساتھ آنے والے محافظ وہیں رک گئے اور صندل خان ہمیں لے کر وسطی کمرے میں داخل ہوگیا۔

اس بڑے کمرے میں پتھریلے فرش پر چٹائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک گوشے میں قالین کے بجائے موٹے موٹے اونی کمبل تہ در تہ بچھا کر نشست کو بہت آرام دہ بنالیا گیا تھا۔ تین دیواروں پر مشعلیں آویزاں تھیں۔ شام کا اجالا ہونے کی وجہ سے وہ مشعلیں گل تھیں لیکن کمرے کی فضا میں بسی ہوئی چراند سے محسوس ہورہا تھا کہ انہیں روشن کرنے کے لیے چربی استعمال کی جاتی تھی۔

صندل خان نے ایک چوبی الماری میں سے جزدان میں لپٹا ہوا قرآن شریف نکال کر ہماری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اب باری باری اسے تھام کر وہی سب کہو جو تم مجھ سے کہہ چکے ہو۔"

"ہم سب ناپاک ہیں۔ غسل کئے بغیر شاید ہم اس مقدس کتاب کو ہاتھ نہ لگا سکیں۔ پچھلے دنوں ہم نے حیوانوں سے بدتر زندگی گزاری ہے" میں نے فکرمند لہجے میں کہا "تم یہ سب جانتے ہی ہو۔"

"تم براہ راست اسے نہیں چھو سکتے مگر یہ جزدان میں لپٹا ہوا ہے۔ تمہارے چھونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"ہمیں مجبور نہ کرو۔ ہم بہت اچھے مسلمان نہیں ہیں لیکن قرآن کریم کی حرمت سے خوب واقف ہیں۔" میں نے پھر کہا۔ وہ کچھ دیر تک تکرار کرتا رہا۔ اس دوران میں سلطان شاہ نے پشتو میں اس سے کچھ مذاکرات کئے۔ ہم میں سے ایک کی زبان سے پشتو سن کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی پھر وہ اس امر پر آمادہ ہوگیا کہ ہم قرآن شریف کی طرف ہاتھ اٹھا کر حلف لیں۔ ہم تینوں باری باری اس مرحلے سے گزرے۔ لیکن ویرا کو سلطان شاہ نے روک دیا۔ وہ بولا "اس کے مذہب کا کچھ بھروسا نہیں۔ میں اسے لامذہب سمجھتا ہوں لیکن اس کی ذمے داری لے سکتا ہوں۔ یہ بے دین ہونے کے باوجود وعدہ خلافی نہیں کرے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" صندل خان نے بلا حیل وحجت اس کی دلیل تسلیم کرتے ہوئے کہا "یہ حلف برداری تمہیں کھانا دینے کے لیے تھی۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ تم لوگوں کو کھلی چھوٹ مل گئی ہے۔ یہ اس علاقے کا سب سے آرام دہ کمرا ہے۔ تم سفر کی تیاری مکمل ہونے تک یہیں رہوگے۔ غسل خانے وغیرہ کی ضرورت کے علاوہ تم دالان میں بھی نہیں نکلوگے۔ یہاں کے محافظوں سے تمہیں نقصان پہنچا تو میں ذمے دار نہیں ہوں گا۔"

اس کے اشارے پر ہم پیر صاف کرکے کمبل پر بیٹھ گئے جگہ بہت آرام دہ ثابت ہوئی۔

"کھانا کب ملے گا؟" ویرا نے دبیز کمبلوں پر دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"تنور میں مسلم دنبہ تیار ہورہا ہے۔ کمال ہے کہ گوشت کی بو تمہیں محسوس نہیں ہورہی۔ تم لوگ ایک ایک کرکے نہا لو۔ میں بھی تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔ اس وقت تک دنبہ بھی تیار ہوجائے گا۔ اس کی لذت تمہیں دیوانہ بنا کر رکھ دے گی۔"

وہ قرآن شریف سمیت وہاں سے لوٹ گیا اور سلطان شاہ ہمیں بتانے لگا کہ مقامی محافظ پشتو یا فارسی کے بجائے کوئی اور زبان بول رہے تھے جو اس کی سمجھ سے باہر تھی۔

"کیا تم لوگ سنجیدگی سے اپنے حلف پر قائم رہنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" سلطان شاہ کی بات ختم ہوجانے پر ویرا نے رازدارانہ لہجے میں ہم سب سے مشترکہ سوال کیا۔

"اس سے انحراف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "اگر تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ پرورش پا رہا ہے تو شنگار اولی پہنچنے تک اسے بھول جاؤ۔"

"تم لوگ بھی ناقابل فہم ہو۔ ساری زندگی جھوٹ' فریب اور دغابازی میں گزار دیتے ہو لیکن کہیں کہیں رگ بھڑک جائے تو زندگیاں تک داؤ پر لگا دیتے ہو۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم جھوٹ کے درمیان کب اور کہاں لکیر کھینچتے ہو۔ میں بتائے دیتی ہوں کہ سردار پائندہ گل تمہاری گردنوں میں غلامی کا طوق ڈال دے گا۔ عافیت اسی میں ہے کہ ہتھیار نہ ڈالے جائیں۔ کھاؤ پیو اور بناتے ہی ان پر دھاوا بول دو۔"

"ہرگز نہیں" سلطان شاہ غرّا کر بولا "ایسا کیا تو تم میرے ہاتھوں ماری جاؤگی۔"

غزالہ وہاں سے اٹھ کر باہر چل دی۔ سلطان شاہ دروازے تک اس کے ساتھ گیا اور اس وقت تک وہاں کھڑا رہا جب تک غسل خانے میں نہ چلی گئی۔ پھر وہ واپس لوٹ آیا۔

مٹکے کے پانی سے حاصل ہونے والی حیرت ناک توانائی نے ہمارے نیم مُردہ جسموں میں نئی روح پھونک دی تھی۔ باہر وافر مقدار موجود تھی۔ لوہے کے ڈرموں میں سے سب تازہ دم ہوگئے۔ اپنے بستروں سے اٹھائے جانے کے نے وہاں پہلی بار اپنے جسم پر پانی ڈالا تھا اور حوائج ضروریہ اپنے گرد چار دیواری موجود پائی تھی۔ ہم چاروں کو شدت بات کا احساس ہوا کہ سب کچھ میسّر آجانے کے باوجود ہم پیر تھے۔ ہمیں بستروں سے اغوا کیا گیا تھا اس لیے ہمارے

دونوں سے محروم تھے۔

پہاڑی علاقوں میں سورج بہت تیزی کے ساتھ غروب ہوتا ہے۔ سرائے کے اس نواحی علاقے میں بھی دیکھتے ہی دیکھتے اندھیرا پھیلتا چلا گیا لیکن دھندلکا پھیلتے ہی ایک شخص نے ہمارے کمرے میں موجود تینوں دیوار گیر شمعیں روشن کردیں اور فضا میں جلنے کی ناگوار بو پھیلنے لگی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کمرے میں تازہ ہوا کے گزر کے لیے کھڑکیاں موجود تھیں' اِس لیے کمرے کی فضا بوجھل ہونے سے محفوظ رہی۔

پھر صندل خان بھی تروتازہ ہوکر وہیں آگیا۔ دو خدمت گاروں نے فوراً ہی دبیز کمبلوں پر چند گدیاں ڈال دیں پھر روسی واڈکا کی ایک بڑی بوتل بھی دو گلاسوں سمیت آگئی۔

"دوسرا گلاس کس کے لیے ہے؟" میں نے صندل خان کو خوش گوار موڈ میں دیکھ کر پوچھا۔

"فرزانہ میم ہے۔ یہ ضرور میرا ساتھ دے گی۔ مجھے اکیلے پینے کا لطف نہیں آتا۔"

"ساتھ تو میں بھی دوں گا۔ تندوری دنبہ کھانے کا مزہ آجائے گا" میں نے کہا۔

صندل خان خوش ہوگیا۔ فوراً ہی تیسرا گلاس بھی آگیا۔ ویرا نے صندل خان کے اشارے کا انتظار کئے بغیر اِن گلاسوں میں وہ سفید شراب انڈیلنی شروع کردی۔

"تم چاروں سے ہونے والے سمجھوتے کے نام پر" صندل خان نے اپنا گلاس اٹھا کر فضا میں لہرایا۔ ہم نے اس کا ساتھ دیا۔ میں نے پہلا گھونٹ لیا تو مجھے بے اختیار جہانگیر یاد آگیا جسے میں نے بارہا شراب نوشی پر لتاڑنے کی کوشش کی تھی جبکہ میرا معدہ نہ جانے کب سے خالی تھا۔

"روسی فوجیوں سے ہتھیار اور راشن کا ذخیرہ ملے یا نہ ملے' واڈکا ضرور ملتی ہے" صندل خان نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "روسی واپس لوٹ گئے تب بھی یہاں واڈکا کی مانگ ختم نہیں ہوگی۔ تم خوش قسمت ہو کہ صبغت اللہ واپس چلا گیا۔ وہ موجود ہوتا تو تم سے کسی مصالحت کی نوبت ہی نہ آتی۔"

"وہ جہاد پر گیا ہوا ہے اور ہم اس کی غیر حاضری کا ثواب حاصل کررہے ہیں" میں نے ہنس کر کہا۔ مے نوشی کی محفل جمتے ہی ماحول یک بیک دوستانہ بلکہ پُرلطف ہوگیا تھا۔ یہ محسوس ہی نہیں ہورہا تھا کہ ہم چاروں صندل خان یا سردار پائندہ گل کے قیدی ہیں۔

میری بات سنتے ہی صندل خان خوش دلی سے ہنس پڑا اور بولا "جہاد مولوی' ملا کررہے ہیں' ہم لوگ تو صرف مال بنارہے ہیں۔ جب مولویوں کی نفری کم پڑتی ہے یا انہیں مار کھانے کا ڈر ہوتا ہے تو ہم جیسے لوگوں سے روسیوں کی مخبری کردیتے ہیں اور ہم انہیں ختم کرکے ان کی وردیاں تک لوٹ لیتے ہیں۔ روس کی بنی ہوئی کلاشنکوفوں کی پاکستان میں بہت مانگ ہے۔ تھوک میں ایک رائفل کے چھ سات ہزار پاکستانی روپے ہر وقت مل جاتے ہیں۔ اتنی بڑی رقم! ایک افغان جرنیل یا کسی بھی بڑے سے بڑے افسر کی ایک مہینے کی تنخواہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ صبغت اللہ واپس آئے گا تو گولہ بارود' ہتھیاروں اور رسد کے علاوہ تیس چالیس رائفلیں بھی لائے گا جو کل ہی درہ میں بیچ دی جائیں گی۔"

"پاکستان میں یہ ہتھیار کراچی تک جاتے ہوں گے" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"کراچی ان کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ وہاں پہنچتے پہنچتے سات ہزار کی کلاشنکوف چودہ ہزار کی ہوجاتی ہے۔ بیچ کے لوگ اس دھندے میں اندھا دھند مال کمارہے ہیں۔ بعض اوقات تو پیشگی آرڈر کے ہتھیاروں پر قبضہ کرنے کے لیے روسیوں پر دھاوا بولا جاتا ہے۔" وہ گلاس سے ہلکی ہلکی سی چسکیاں لیتے ہوئے بولتا رہا۔

"آج کلاشنکوف پھیل رہی ہے۔ کل پاکستان میں راکٹ اور راکٹ لانچر بھی عام ہوجائیں گے" میں نے کہا۔

وہ کسی خیال کے زیرِ اثر مسکراتے ہوئے بولا "ابھی اُن کی مانگ کم ہے' رفتہ رفتہ وہ بھی بڑھ جائے گی۔ سرحد سے اِدھر راکٹوں کی مارکیٹ بڑھ رہی ہے۔ شاید تم نے ملّا راکٹی کا نام سنا ہوگا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ مکھی مارنے کے لیے بھی راکٹ فائر کرتا ہے۔ وہ دن رات اپنے کندھے پر لانچر اٹھائے پھرتا ہے۔ سوتے وقت بھی اس کا لانچر سرہانے رکھا رہتا ہے۔ نئے لڑکوں میں ملّا راکٹی دن بدن مقبول ہورہا ہے۔"

"ملّا راکٹی کا نام میرے لیے اجنبی ہے۔ میں ملّا سرکار کو ضرور جانتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اسے میں نہیں جانتا" صندل خان نے سادگی سے اعتراف کرتے ہوئے کہا "ہمارا اس جنگ سے کوئی قریبی واسطہ نہیں ہے۔ شنگارا ویلی پر ہماری اپنی حکومت ہے۔ روسی وہاں مرکر بھی نہیں پہنچ سکتے۔ ہم تو صرف لوٹ مار کے لیے ان کو گوریلا کارروائیوں کا نشانہ بناتے ہیں اور فوراً ہی اپنے ٹھکانوں کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اِس جنگ میں کتنے ملا اور مولوی لڑرہے ہیں؟ اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہے۔"

"اور ہیروئن کی تجارت پر اِس بدامنی سے کیا اثر پڑرہا ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"سچ پوچھو تو یہی ہماری دکھتی رگ ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "ہمارے علاقے میں صدیوں سے پوست کاشت ہوتی چلی آئی ہے۔ اس جنگ نے افیم کے خاندانی زمینداروں کی اجارہ داری کو تباہ کرڈالا ہے۔ پوری سرحدی پٹی میں جگہ جگہ افیم کی نئی نئی زمین داریاں ابھرتی جارہی ہیں۔ لڑنے والوں نے بھی پیسہ کمانے کے لیے زرخیز زمینوں پر زبردستی قبضہ کرکے پوست کی کاشت کرڈالی ہے۔ یہ اناڑی لوگ ساکھ کی پروا کئے بغیر اندھا دھند مقابلے کو

فروغ دے رہے ہیں۔ اِس سے ہماری آمدنی بری طرح متاثر ہوئی ہے۔"

"لیکن تم لوگ پھر بھی پہلے سے زیادہ مضبوط اور خوش حال ہوتے جا رہے ہو" ویرا بولی۔

اس نے اپنا گلاس خالی کر کے ویرا کے آگے رکھ دیا۔ ویرا اُس میں واڈ کا انڈیلنے لگی تو وہ بولا "پہلے ہم افیم کی فصل نقد بیچ کر اپنا پیٹ پالتے تھے۔ اب افیم میں کچھ نہیں رکھا۔ اسی لیے ہم اُس سے ہیروئن بنانے پر مجبور ہیں۔ ہیروئن کی بہت مانگ ہے اور اسی وجہ سے ہم زور پکڑتے جا رہے ہیں۔ عمدہ مال بنانے والوں کو پورے سال کی پیشگی ادائیگیاں کر کے پابند کر لیا جاتا ہے۔ اس میں بھی نئے لوگ سر ابھار رہے ہیں لیکن سب مل کر بھی خریداروں کی مانگ پوری نہیں کر پا رہے اس لیے یہ کام فی الحال زوروں پر ہے۔ کل گورے کوئی نئی چیز بازار میں لے آئے تو ہیروئن کی اصل لاگت ملنی بھی مشکل ہو جائے گی۔ مگر وہ وقت ابھی کچھ دور نظر آتا ہے۔"

وہ بظاہر پہاڑوں میں محصور رہنے والا ایک بے خبر قبائلی نظر آتا تھا لیکن اس کی جبلی صلاحیتیں قابل تعریف تھیں۔ ہیروئن کے بارے میں اُس کے اندیشے بالکل ہی دور از کار نہیں تھے۔ امریکا اور لاطینی امریکا کے ممالک میں جرائم پیشہ تنظیمیں کوکین کے فروغ کے لیے دن رات کام کر رہی تھیں۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ ہیروئن کے مقابلے میں کوکین ایک مہنگا نشہ تھا لیکن دولت مندوں کی دنیا میں اُس کی زبردست مانگ تھی۔ اُس کے دام گرانے کے لیے سر توڑ کوششیں جاری تھیں تاکہ اسے ہیروئن کے مقابل صف آرا کیا جا سکے کیونکہ کوکین کے خام مال کے سلسلے میں سفید فام خود کفیل تھے۔ اس کے لیے انہیں زرد اور رنگ دار قوموں پر انحصار کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

میرے لیے اس کی باتیں بہت خیال انگیز تھیں۔ ہیروئن کی پیداوار اور وبائی فروغ کے بارے میں پاکستان اور سرحد پار کے قبائلی علاقوں کے کردار کے بارے میں، میں بہت کچھ سنتا رہا تھا۔ ٹی میں شمولیت کے دوران میں اور اس کے بعد میں بہتیرے تجربات سے گزرا تھا جنہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ ہمارے ملک کے شہروں اور قصبوں میں شمال مغربی سرحدوں سے ہیروئن کی یلغار ہو رہی تھی مگر وہ پہلا موقع تھا کہ میں خود اُس خطہ زمین پر موجود تھا اور وہاں کے ایک باسی سے اس کی آپ بیتی سن رہا تھا۔

افغانستان میں ہونے والی لڑائی کو خواہ کوئی نام دیا جاتا، اُس کے سیاسی اور معاشی پہلوؤں پر کسی بھی انداز میں رائے زنی کی جاتی لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت تھی کہ اس جنگ نے پاکستان پر خطرناک اخلاقی اور معاشرتی اثرات مرتب کیے تھے۔ ممنوعہ ہتھیاروں کو کھلے بازار کی جنس بنا کر جرائم، تشدد، ہیجان پسندی، دہشت گردی اور لوٹ مار کو اتنی تیزی سے فروغ دیا تھا جو پینتیس برس سے زائد مدت گزر جانے کے باوجود چشم فلک نے نہیں دیکھی

تھی۔ ہتھیاروں کے ساتھ منشیات بلکہ خاص طور پر ہیروئن نے حیران کن مقبولیت حاصل کی تھی۔ ان دونوں بربادیوں نے زیادہ تر اور ابھرتی ہوئی نسل کو تاک کر اپنا نشانہ بنایا تھا۔

آبادی کے بڑھتے ہوئے دباؤ اور محدود وسائل کے باعث ضدین سے وجود میں آنے والی معاشی محرومیوں نے نوجوان طبقے کو بری طرح برباد کیا تھا۔ روزگار سے محروم نوجوانوں کی عزت نفس قدم قدم پر جراحت میں مبتلا ہو رہی تھی۔ اس جنگ نے مایوس اور بے مراد نوجوانوں کے بے کراں ہجوم کو دو تحفوں سے نوازا تھا جن میں معاشرے سے بغاوت کرنے اور سرکشی اپنانے کا مادہ تھا۔ انہوں نے اپنے توانا بازوؤں میں کلاشنکوف سنبھال کر اپنا نام نہاد حق چھین لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جو بے حوصلہ تھے اور اپنے مسائل سے گریز یا فرار حاصل کرنا چاہتے تھے انہوں نے ہیروئن کے نشے میں پناہ ڈھونڈلی تھی۔ ایسے محروم اور بے عمل نوجوان جب ہیروئن کا جہنم دہکا کر اس کا دھواں اپنے پھیپھڑوں میں کھینچتے تھے تو ان کے خوابوں میں رنگ و شباب کی ہزاروں کہکشائیں جھلملانے لگتی تھیں۔ نالیوں، کوڑا گھروں اور گندی گزر گاہوں پر مدہوش پڑے ہوئے نوجوان ثروت و اقتدار کے جھوٹے خوابوں میں کھوئے رہنے کو زندگی کی معراج سمجھنے لگے تھے۔ ہیروئن کا نشہ انہیں خوابوں میں وہ سب عطا کر دیتا تھا جس سے وہ اپنی جیتی جاگتی زندگیوں میں سدا محروم رہے تھے۔ وہ ہیروئن پیتے تھے اور پھر پیتے ہی چلے جاتے تھے حتیٰ کہ اُن کے لاغر جسموں، استخوانی چہروں، بے نور آنکھوں، گندے ناخنوں اور خشک ہونٹوں پر موت کے سرد سائے بڑی خاموشی سے سایہ فگن ہو جاتے تھے۔

جب کہیں کوئی جنگ لڑی جاتی ہے تو وہ سب سے پہلے اپنے قرب و جوار میں اخلاق کا خاتمہ کرتی ہے۔ کلاشنکوف چلانے والے سورما ہوں یا ہیروئن پینے والے بزدل، دونوں طبقات ہی اخلاقی بربادی کے نتیجے میں وجود میں آئے تھے اور اس اخلاق کو اُس جنگ نے نگل لیا تھا جو اِن دنوں ہماری سرحدوں پر لڑی جا رہی تھی لیکن اُس نے اپنے اثرات سرحد سے سیکڑوں میل دور تک پہنچا دیئے تھے۔ شنگارا دلی کا صندل خان، روسی واڈ کا پیتے ہوئے صاف اور سادہ الفاظ میں ان ہی پیچیدہ حقیقتوں کی نشاندہی کر رہا تھا جو روح اور جسم کی طرح ایک دوسرے میں پوری طرح پیوست تھیں لیکن بادی النظر میں ایک دوسرے سے غیر متعلق نظر آتی تھیں۔

شام رات میں ڈھل گئی۔ مشعلوں کی روشنی تیز ہو گئی۔ ہوا کے جھونکوں کے ساتھ بھڑکتے ہوئے شعلوں کی وجہ سے ہمارے سائے آوارہ روحوں کی طرح گھٹ بڑھ کر ادھر اُدھر لپک رہے تھے۔ واڈ کا کا دوسرا گلاس خالی کرنے کے بعد صندل خان کی آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے تیرنے لگے تھے۔ ارادے سے زیادہ کسی حیوانی جبلت کے تحت ویرا میں بہت

دلچسپی لینے لگا تھا اور ویرا اپنی مخمور آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال کر پر سرور لہجے میں باتیں کر رہی تھی۔ وہ ہم لوگوں کی ساقی گری کرتے ہوئے' واڈکا کی بوتل دھیمے دھیمے خالی کرتی جا رہی تھی اور کمبل پر رکھی ہوئی مٹی کی پیالی جلی ہوئی دیا سلائیوں' راکھ اور سگریٹ کے سوختہ ٹکڑوں سے بھرتی جا رہی تھی اور مجھے تنور میں بھونے جانے والے گوشت کی بھینی بھینی خوشبو بے چین کرنے لگی تھی۔

"برادر صندل خان!" اچانک سلطان شاہ نے دھیمے سے پکارا "تم تو پتا نہیں کب تک یوں ہی شراب پیتے رہوگے۔ اس میں نشے کے ساتھ طاقت بھی ہوتی ہے۔ ہم دونوں بھوک سے بے حال ہوئے جا رہے ہیں۔"

"تم بھی پینی شروع کردو" صندل خان مخمور ہنسی کے ساتھ بولا۔

"زیادہ دیر تک تنور میں رہنے سے گوشت سوکھ کر اکڑنا شروع ہوجائے گا" میں نے کہا "دسترخوان لگوالیا جائے تو کھانے کے ساتھ پینے کا دور بھی چلتا رہے گا۔ رات اپنی ہی ہے۔"

"خوب! تم تو خاندانی بھٹیارے معلوم ہوتے ہو" صندل خان نے جھوم کر قہقہہ لگایا پھر اونچی آواز میں کسی کو پکارا۔ دالان سے فوراً ہی ایک محافظ مودبانہ انداز میں اندر آموجود ہوا۔ صندل خان نے مقامی بولی میں اسے مختصری ہدایات دیں اور وہ تیز رفتاری کے ساتھ واپس لوٹ گیا۔

"نشے میں یہ نہ بھول جانا کہ تم چاروں میرے قیدی ہو" صندل خان تیسرے گلاس سے انصاف کرتے ہوئے بولا "پینے پلانے کے دوران میں' میں رتبوں کا خیال بالکل بھلا دیتا ہوں۔"

"فکر نہ کرو۔ یہ بھول گئے تو ہم یاد دلا دیں گے" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "ہم دونوں نے شراب کی ایک بوند بھی نہیں چکھی ہے۔ ہماری انتڑیاں اب خشکی سے بل کھانے لگی ہیں۔"

اسی وقت ایک آدمی منقش چوبی چوکی لے آیا جو جگہ بنا کر ہمارے درمیان رکھ دی گئی۔ ململ کے چُنے ہوئے کلف دار دوپٹوں سے ملتے جلتے رنگین کپڑے ہم پانچوں کے حوالے کئے گئے اور ہم اس گول چوکی کے گرد بیٹھ گئے۔ چند لمحوں بعد دو آدمی تانبے کے قلعی دار تھال میں سالم دنبہ لے آئے جس میں سے نکلنے والی گرم گرم بھاپ نے پورے کمرے کو اشتہا انگیز خوشبو سے بھر دیا۔

اس تھال میں دنبے کے گرد پیاز کے لچھے' ٹماٹر' لیموں اور پودینے کے پتے پھیلے ہوئے تھے۔ اس میں پانچ تیز دھار چھریاں اور اتنی ہی نوکدار سلاخیں بھی تھیں جن کے دستے اخروٹ کی نقش دار لکڑی کے تھے۔

"بسم اللہ!" صندل خان نے ہماری طرف دیکھ کر داہنے ہاتھ میں چھری اور بائیں ہاتھ میں سلاخ اٹھالی۔ اس نے سلاخ کی نوک دنبے کے سینے میں پیوست کرکے چھری سے سلائیاں کاٹنے کا آغاز کردیا۔ سلطان شاہ نے اسی عمل کی ابتدا پیٹ کے پردوں سے کی پھر ان ہی دونوں نے سلائی کے دھاگے نکال کر دنبے کو درمیان سے چیر دیا۔ پیٹ میں بھرے ہوئے چاولوں کی مہک نے ہم سب کو کھانے پر ٹوٹ پڑنے پر مجبور کردیا۔

ویرا کے لیے وہ ایک انوکھا اور روایتی تجربہ تھا کہ سب لوگ ایک ہی تھال میں ہاتھوں سے کھا رہے تھے۔ صندل خان نے سیر چشمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دنبے کی چاروں ٹانگیں ہم لوگوں کے حوالے کردیں اور ہمارے اصرار کے باوجود خود بھنی ہوئی چکتی لے کر بیٹھ گیا جس میں خالص روغنی ریشوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اس نے چکتی الگ کرنے کے بعد کلف دار دوپٹے سے ہاتھ صاف کئے تو ہمیں ان رنگین کپڑوں کا صحیح مصرف بھی معلوم ہوگیا جو بظاہر صرف آرائشی معلوم ہو رہے تھے۔

گوشت اِس قدر لذیذ اور نرم تھا کہ طویل فاقہ کشی کے بعد وہ ذائقہ میسّر آنے پر ہم سب ہی بے تحاشا تعریفوں پر مجبور ہوگئے۔ صندل خان نے چکتی کا ایک بڑا سا ٹکڑا منہ میں رکھ کر لمبے لمبے چاولوں کا ایک لقمہ اپنے منہ میں ڈالا پھر سہلاتے ہوئے بمشکل تمام بولا "اس پر تمہاری مہر تھی ورنہ یہ خاص کھانا ہم لوگوں نے اپنے لیے تیار کرایا تھا۔ مجھے تندوری گوشت بہت مرغوب ہے" لقمہ چبانے کے بعد اس نے گلاس منہ سے لگالیا۔

"میں نے روئے زمین پر اس سے زیادہ لذیذ چیز آج تک نہیں کھائی" ویرا پر گوشت ران کے ایک حصے کو دانتوں سے ادھیڑنے کے بعد بولی "ہر چیز کا تناسب بے مثال ہے۔ واڈکا کے بعد اس سے زیادہ شاندار کھانا تو شاید کسی زار کو بھی نصیب نہ ہوا ہوگا۔"

ابتدا میں میرا خیال تھا کہ وہ سالم دنبہ ہم پانچوں کے لیے ضرورت سے بہت زیادہ تھا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اس تھال میں ہڈیوں کا ڈھیر پڑا رہ گیا۔ گوشت کا ہر ریشہ' پوری سلاد سمیت ہمارے جسموں میں اتر چکا تھا۔ پیٹ بھر گیا تھا لیکن نیت نہیں بھری تھی۔ ویرا نے اس پہاڑی کھانے کی صحیح ترین تعریف کی تھی۔

میں نے چھری اور سلاخ تھال میں ڈال کر اپنا گلاس خالی کردیا۔

"صرف ایک ہی دنبہ تیار کیا گیا تھا؟" ویرا نے صندل خان کی طرف دیکھتے ہوئے' مخمور اور پُرامید آواز میں سوال کیا۔ اس کی نظروں سے ندیدہ پن صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

"آج کے لیے یہی کافی تھا" وہ قہقہہ مار کر بولا "اگلی رات یہیں بسر کرنی پڑی تو کل دو بھیڑیں بکواؤں گا۔ تندوری بھیڑ کھانے کے بعد تم آج والے دنبے کو بھی بھول جاؤ گی۔ اِن پہاڑوں کی کڑی زندگی ہم گوشت کھا کر گزارتے ہیں۔ اِس ہنر میں ہم لوگ دور دور تک شہرت رکھتے ہیں۔"

غزالہ اور سلطان شاہ نے سرسبز سرسوں سے ڈھکی ہوئی' مٹی کی صراحی سے پانی پیا۔ ویرا کے لیے وہ صراحی بھی حیران کن ثابت

ہوئی۔ ململ کے رنگین دوپٹوں سے ہاتھ اور منہ صاف کر کے جب انہیں تپائی پر رکھ دیا گیا تو دو خدمت گار آئے اور چوکی کو اسی طرح اٹھا کر لے گئے۔

واڈکا نے میری کھوپڑی پر زیادہ اثر نہیں ڈالا تھا لیکن اس مرغن غذا سے شکم سیر ہونے کے بعد میرے اعصاب پر گہرا خمار طاری ہونے لگا۔ ویرا ایک گدی کو تکیہ بنا کر دبیز کمبلوں پر دراز ہوگئی۔ لیکن صندل خان پرخوری کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ اتنا کھا لینے کے بعد بھی وہ پینے پر تلا ہوا تھا۔

صندل خان کے اصرار پر مجھے اس کا ساتھ دینا پڑا۔ ویرا نے فوراً ہی کان پکڑ لیے تھے۔ چوتھا گلاس خالی ہونے تک صندل خان بھی لہرانے لگا اور اسی وقت سیاہ قہوے کی پیالیاں آ گئیں۔

صندل خان پر بھی اچانک ہی گہرا نشہ سوار ہوا تھا۔ اس کی زبان لڑکھڑانے لگی تھی۔ اس نے ہمیں آگاہ کیا کہ سیاہ قہوہ مرغن دنبے کو ہضم کرنے کے لیے بہت ضروری تھا۔ سگریٹوں کا دھواں اڑاتے ہوئے ہم نے خاموشی کے ساتھ قہوے کی پیالیاں خالی کیں پھر ہر شخص کسل مند نظر آنے لگا۔ غزالہ ایک گدی لے کر کچھ فاصلے پر دراز ہوگئی۔ صندل خان نے اٹھنا چاہا لیکن اپنی جگہ پر لڑکھڑا کر رہ گیا۔

لمحہ بھر کے لیے میرے دماغ میں فتور پیدا ہوا کہ اسے زیر کرنے کے لیے وہ بہترین موقع تھا لیکن فوراً ہی مجھے اپنا حلف یاد آ گیا۔ پھر یہ بھی یاد آیا کہ باہر بیٹھے ہوئے رائفل بردار محافظ نشے میں نہیں تھے۔ وہ صندل خان کی حفاظت کے لیے ہماری ٹانگیں چھلنی کر سکتے تھے۔ تیسرا خیال یہ آیا کہ ہم نے دوستانہ ماحول میں بادہ نوشی کرنے کے بعد ایک ہی دسترخوان پر اس کا نمک کھایا تھا۔ اس وقت ہماری کوئی بھی شرارت نمک حرامی سے کم نہ ہوتی۔

باہر والے شاید اندر کی صورت حال سے غافل نہیں تھے۔ صندل خان کے لڑکھڑاتے ہی ادھر سے ایک نیم وحشی شخص اندر داخل ہوا پھر وہ صندل خان کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے آہستہ آہستہ اپنے ساتھ باہر لے گیا۔ اس وقت صندل خان کی آنکھیں خمار سے بند ہوئی جا رہی تھیں۔

وہ ہماری شب بسری کے بارے میں شاید پہلے ہی ہدایات دے چکا تھا کیونکہ چند منٹ بعد ایک شخص نے چار وزنی کمبل ہمیں لا دیئے جو فضا میں بڑھتی ہوئی خنکی کے پیش نظر بہت ضروری تھے۔ واپسی پر وہ شخص واڈکا کی بوتل لے گیا۔ گلاسوں کے ساتھ سرپوش دار صراحی وہیں پڑی رہ گئی۔ جاتے جاتے اس نے دو دیوار گیر مشعلیں بھی بجھا دی تھیں لیکن تیسری مشعل کی روشنی اس کمرے کو آرام دہ حد تک منور رکھنے کے لیے کافی تھی۔

"آج صندل خان نے ہماری مدارات کر کے پچھلے کئی دنوں کی مایوسی کو بالکل دھو ڈالا ہے۔ میں خود میں نیا حوصلہ اور تازگی محسوس کر رہی ہوں" ویرا نے اپنے پیروں پر کمبل ڈالنے کے بعد کہا۔

"تازگی نہیں، یہ روسی شراب کا نشہ ہے" سلطان شاہ نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا "صندل خان کھلا پلا کر مارنے کا قائل معلوم ہوتا ہے۔ اس نے تم دونوں کو حلق تک شراب پلا دی ہے۔"

"شرابیوں کی بھی ایک برادری ہوتی ہے" غزالہ نے اس کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "تم نے دیکھا کہ یہ تینوں کس قدر گھل مل کر باتیں کر رہے تھے؟ معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا کہ ان میں سے شکار کون ہے اور شکاری کون؟"

"تم دونوں جلتے رہو۔ آج کی دعوت کے خاص مہمان ہم دونوں ہی تھے" ویرا بولی "اگر یہاں شراب نوشی میں اس کا ساتھ دینے والے موجود نہ ہوتے تو وہ اپنے محافظوں اور خدمت گاروں میں جا بیٹھتا اور ہمارے مقدر میں وہ پتلا شوربہ آتا جو آج دوسروں نے ہمیں کوس کوس کر پیا ہوگا۔"

"تمہاری سوچ پینے سے شروع ہو کر کھانے پر ختم ہو جاتی ہے" سلطان شاہ جل کر بولا "تمہیں شنگاراویلی پہنچ کر پتا چلے گا کہ تم روس کے بادشاہوں کی کون سی نسل سے تعلق رکھتی ہو۔"

وہ دونوں الجھتے رہے لیکن میرے ذہن پر نیند کے پر سرور خمار کا غلبہ ہو چلا تھا۔ نیچے بچھے ہوئے گداز کمبلوں کے بعد جسم پر بھی لحاف اوڑھ لینے کے بعد یہ خمار بتدریج گہرا ہوتا چلا گیا اور میں تھوڑی ہی دیر میں نیند کی پر سکون وادیوں میں اترتا چلا گیا۔

اگلی صبح ہمیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر گہری نیند سے بیدار کیا گیا۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو باہر پھیلی ہوئی ناکافی روشنی سے اندازہ ہوا کہ سورج طلوع ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ رات کو ہونے والی عزت افزائی کے بعد صبح سویرے کی اس ناقدری سے طبیعت کو بہت کوفت ہوئی لیکن آنے والوں میں سے ایک نے اس افراتفری کا سبب بیان کر کے ہمیں قدرے مطمئن کر دیا۔

اس نے بتایا کہ ہمیں شنگاراویلی لے جانے کے لیے غیر متوقع طور پر گاڑیاں آ پہنچی تھیں اور ہمیں جلد از جلد سفر کے لیے تیار ہو جانا تھا۔ اس کیمپ سے آدھے گھنٹے بعد روانگی عمل میں آنے کی صورت میں اسے پورا یقین تھا کہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے وہ گاڑیاں منزل پر پہنچ جائیں گی۔ وہ اکھڑ لہجے میں ٹوٹی پھوٹی اردو میں بول رہا تھا۔

ہمیں جگانے کے بعد وہ چلا گیا اور ہم تیزی کے ساتھ منہ ہاتھ دھونے میں مصروف ہوگئے۔ چند منٹ بعد ہمارا ناشتا آ گیا جس میں پھولے ہوئے گرم گرم نان، شہد کی ایک پیالی، دہی اور ٹماٹروں کا رائتہ اور چائے کے چار بڑے پیالے شامل تھے۔ وہ ناشتا لذیذ اور معیاری نہ ہونے کے باوجود شکم پُری کے لیے کافی تھا۔

ہم ان لوگوں کے بے سرو سامان قیدی تھے اس لیے ہماری تیاری کا ہونا اور نہ ہونا برابر تھا۔ میں سگریٹ نوشی کرتے ہوئے اگلے امکانات پر مغز زنی میں مصروف تھا کہ صندل خان آ پہنچا۔

”تم لوگ روانگی کے لیے تیار ہو؟“ اس نے آتے ہی بلند آواز میں سوال کیا۔

”تم چاہتے تو ہم رات کو بھی کوچ کرسکتے تھے۔ تیاری سے ہمیں کیا لینا ہے؟“ میں نے جواب دیا۔

”چلو!“ اُس نے چند ثانیوں تک مجھے گھورنے کے بعد کہا۔ دالان سے کئی مسلح قبائلی بھی اُس کے ساتھ ہولیے۔ ہم اِن سب کے پیچھے رہے تھے۔

پھوس اور پتھروں پر مشتمل 'اس حویلی نما عمارت کے باہر دو جیپیں کھڑی ہوئی تھیں۔ جن کی پوری باڈی لوہے کی بنی ہوئی تھی' ترپال کا نام ونشان تک نہ تھا۔ سورج آسمان کے مشرقی گوشوں سے کافی اوپر آچکا تھا۔ صندل خان نے ایک بار اپنے آدمیوں کا ناقدانہ جائزہ لیا۔ ان کی تعداد دس کے لگ بھگ تھی اور سب ہی پوری طرح مسلح تھے۔ ان میں چند کے شانوں سے لمبی نال والی دور مار رائفلیں جھول رہی تھیں۔ باقی افراد سب مشین گنوں سے لیس تھے۔ فاضل گولیوں کی چرمی پیٹیاں ان میں سے ہر ایک کے سینے پر بھی ہوئی تھیں۔

”اگلی جیپ میرا آدمی چلائے گا۔ اس میں تم چاروں سفر کروگے“ صندل خان ہمیں بتانے لگا ”پچھلی جیپ میں' میں اپنے ساتھیوں سمیت چلوں گا۔ تم نے راستے میں اپنے حلف سے بال برابر بھی انحراف کیا تو تمہیں عبرتناک سزا دی جائے گی۔ یہ یاد رکھنا کہ اب تم ایسے علاقے میں سفر کروگے جہاں داخل ہونے کے ہزاروں راستے ہیں لیکن واپسی کا ہر راستہ سردار پائندہ گل کے نمک خواروں کی رائفلوں کی نال میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ بھاگنے والے ہر صورت میں پکڑے اور مار لیے جاتے ہیں۔“

”تمہیں ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی“ سلطان شاہ نے پورے خلوص سے کہا ”رات کی شاندار ضیافت میں تم نے ہمیں اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔ شنگرا ویلی پہنچنے کے بعد ہی ہم اپنی رہائی کے بارے میں سوچیں گے۔“

”دعوت کو بھول جاؤ۔“ اس نے سختی سے کہا ”رات گئی' بات گئی۔ اب اس وہم وگمان میں نہ رہنا کہ ہمارے درمیان فاصلہ کم ہوگیا ہے۔ ہمارے لیے تم اب بھی خطرناک قیدی ہو۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو....“ میں نے کہنا چاہا لیکن میرے بولتے ہی وہ سب بھڑک کر متوحش نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے جیسے اپنے کسی نادیدہ دشمن کو تلاش کر رہے ہوں۔ ہر ایک کا ہاتھ اپنے ہتھیار پر پہنچ گیا تھا۔ پل بھر میں وہ سب گولیاں برسانے کے لیے تیار ہوچکے تھے۔

صندل خان نے تیز اور پرجوش لہجے میں اپنے ساتھیوں سے کوئی سوال کیا۔ وہ سب بیک وقت بولنے لگے۔

”گھنٹیوں والے!“ صندل خان غصیلی آواز میں غرّایا۔ اُس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

اس کے بولنے پر میں نے اندازہ لگایا کہ وہاں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ بس اتنی سی تبدیلی رونما ہوئی تھی کہ فضا میں کسی گھنٹی کی ڈوبتی ابھرتی آواز سنائی دینے لگی تھی جو پہلے مفقود تھی۔

صندل خان نے اچانک ہی فضا میں گولی داغ دی اس کے ساتھ وہاں قیامت کا شور برپا ہوگیا۔ اس کے آدمیوں نے چاروں طرف اندھا دھند گولیاں چلانی شروع کردی تھیں۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے ان پر دیوانگی کا دورہ پڑگیا ہو اور وہ ہوا سے لڑنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

اچانک کافی دور واقع ایک چٹان کی اوٹ سے کوئی بھیڑ زمین کو سونگھتی ہوئی باہر نکل آئی۔ میں نے فوراً ہی اندازہ لگالیا کہ وہ آواز اسی بھیڑ کے گلے میں بندھی ہوئی گھنٹی سے نکل کر پھیل رہی تھی۔ میرے لیے حیران کن بات یہ تھی کہ ان بنجر چٹانوں میں وہ بھیڑ کہاں سے آموجود ہوئی؟ اگر وہ جنگلی تھی تو اس کے گلے میں گھنٹی کس نے باندھی؟ وہ پالتو تھی تو ان ہی لوگوں کی ہوسکتی تھی کیونکہ اس ویرانے میں دور دور تک کسی آبادی کے آثار نہیں تھے۔ پھر وہ اپنی ہی پالتو بھیڑ کی گھنٹی کی آواز پر بھڑک کر دیوانگی میں کیوں مبتلا ہوگئے تھے؟

وہ عقابوں کی طرح چاروں طرف دیکھ رہے تھے اس لیے گھنٹی والی وہ بھیڑ ایک لمحے کے لیے بھی ان کی نظروں سے اوجھل نہ رہ سکی پھر بیک وقت کئی رائفلوں نے اس بھیڑ کے چیتھڑے اڑا دیے۔ بھیڑ کے پہلی گولی کھا کر فضا میں اچھلتے ہی گھنٹی کی کئی تیز اور بے ربط آوازیں پیدا ہوئیں جو یکلخت ہی معدوم ہوگئیں۔

بھیڑ کو مارتے ہی' کئی مسلح افراد نے اس طرف دوڑ لگادی۔ وہ بھیڑ کے پاس رکے بغیر اپنی رائفلیں وغیرہ تانے ہوئے اس چٹان کی اوٹ میں گھس گئے جدھر سے وہ بھیڑ برآمد ہوئی تھی۔ صندل خان نے بے چینی کے ساتھ ٹہلنا شروع کردیا۔ اس کے ساتھ رکے رہنے والے' پرامید نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے جہاں ان کے ساتھی کسی کی تلاش میں غائب ہوئے تھے۔

ہمارے لیے وہ واقعہ بہت اہم اور تحیّر خیز ثابت ہوا تھا۔ صندل خان اور اس کے ساتھیوں نے جو کچھ کیا تھا' اس کی کوئی عقلی توجیہہ ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ بظاہر یوں معلوم ہورہا تھا جیسے گھنٹی والی اس بھیڑ کا تعلق ان کی کسی اوہام پرستانہ کمزوری سے رہا ہو اور وہ روانگی سے پہلے اسے فنا کرنے پر تُل گئے ہوں۔

پُرہول فائرنگ کے بعد فضا پر گمبھیر سناٹا چھاگیا تھا۔ بے تحاشا برسائی جانے والی گولیوں کے جلے ہوئے بارود کی بو نے آنکھوں اور نتھنوں میں سوزش سی پیدا کردی تھی لیکن ہم چاروں سمیت کسی میں بھی ہمت نہیں تھی کہ اِس بارے میں ذرا بھی لب کشائی کرسکے۔

وقت بہت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ اعصاب پر چھائے ہوئے تناؤ میں لحظہ بہ لحظہ اضافہ ہوتا رہا۔ شاید جانے والے اپنے

نامعلوم شکاری کی تلاش میں خاصی دور نکل گئے تھے۔ خدا خدا کر کے دس منٹ بعد اُن میں سے پہلا آدمی نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے بقیہ آدمی بھی اس چٹان کے پیچھے سے نکل آئے۔ میں نے صاف دیکھا کہ مردہ بھیڑ کے بے جان اور لہولہان لوتھڑوں کے قریب سے گزرتے ہوئے' ان میں سے ہر ایک نے حقارت کے ساتھ اُس پر تھوکنا ضروری سمجھا تھا۔

وہ قریب آئے تو ان کے بشروں سے مایوسی اور جھلاہٹ ٹپک رہی تھی۔ انہوں نے دور ہی سے اپنی بولی میں کچھ بولنا شروع کر دیا۔ قریب آنے پر سب لوگ اس پرجوش مذاکرے میں شریک ہو گئے۔ ہم چاروں الگ کھڑے لاتعلقانہ انداز میں وہ تماشا دیکھتے رہے۔

ہمیں اِس بارے میں کچھ بتانا ضروری سمجھے بغیر صندل خان نے روانگی کا حکم دیا۔ ہم چاروں مجرمانہ خاموشی کے ساتھ اگلی جیپ میں سوار ہو گئے۔ میں ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر تھا۔ ہماری جیپ کا انجن اسٹارٹ ہونے کے بعد' صندل خان پانچ آدمیوں سمیت دوسری جیپ میں سوار ہو گیا۔ ہمارا کارواں اس مقام سے روانہ ہوا تو بقیہ لوگ خاموشی کے ساتھ وہیں کھڑے ہاتھ ہلا رہے تھے۔

ابتدا میں ڈرائیور نے جیپ چلانے میں بہت جوش و خروش کا مظاہرہ کیا لیکن چند میل آگے نکلنے کے بعد اسے محتاط ہونا پڑ گیا۔ جیپ جس کچے اور پرپیچ راستے پر چل رہی تھی' اس کے ایک طرف چٹانی سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور دوسری طرف گہرے کھڈ نظر آ رہے تھے۔ اوپر سے ان کھائیوں کی اصل گہرائی کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کیونکہ ان میں گھنی خودرو جھاڑیوں نے ہر چیز کو اپنی آغوش میں چھپایا ہوا تھا۔

بھوری چٹانوں اور بے برگ وبار' ڈنٹھل دار جھاڑیاں ابتدا میں بہت دل کش نظر آئیں لیکن تھوڑی دیر بعد اُن کے تواتر سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگی۔ مجھے بیدار ہونے پر ہی معلوم ہو چکا تھا کہ ہمارے سفر کا اختتام شام ڈھلے سے پہلے ہونا ممکن نہیں تھا اس لیے میں نے مسلسل خاموشی کے جمود کو توڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہوش میں رہتے ہوئے اتنی طویل مدت تک خاموش رہنا کسی عذاب سے کم نہیں ہوتا۔

"بھائی' تم اردو سمجھ سکتے ہو؟" میں نے ڈرائیور سے بہت نرمی سے سوال کیا تو وہ گردن گھما کر مجھے خشمگیں نگاہوں سے گھورنے لگا اور میرا دم نکل گیا کیونکہ اس وقت جیپ ایک خطرناک موڑ طے کر رہی تھی۔ ڈرائیور کی کسی بھی لغزش کے نتیجے میں جیپ چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو سکتی تھی۔

"سمجھ سکتا ہوں" اس نے اپنے مخصوص شکستہ لہجے میں ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کہا "کہو' تم مجھے کیا سمجھانا چاہتے ہو؟" غنیمت یہ ہوا کہ اس نے بات پوری کرتے ہی اپنی توجہ دوبارہ سامنے مرکوز کر لی تھی۔

"کچھ بھی نہیں" میں نے اس کی اردو دانی پر دلی مسرت محسوس کرتے ہوئے کہا "باتیں کرتے ہوئے یہ لمبا سفر آسانی سے گزر سکے گا ورنہ راستہ کی ہیبت میرا خون خشک کر دے گی۔"

"میں اس راستے پر آنکھیں بند کر کے بھی گاڑی چلا سکتا ہوں۔" اس نے دوبارہ میری طرف دیکھ کر فخریہ لہجے میں کہا۔ اس کے الفاظ بدستور ٹوٹے پھوٹے اور تذکیر و تانیث سے سراسر آزاد تھے۔

میں نے بوکھلا کر اسے سامنے متوجہ رہنے کا مشورہ دینے کا ارادہ کیا لیکن بات پوری ہوتے ہی اس کی گردن خود بخود سیدھی ہو گئی۔ شاید وہ اپنے مخاطب کی طرف دیکھے بغیر بات کرنے سے قاصر تھا۔ اس کی عادت کا اندازہ لگاتے ہی میں نے فیصلہ کر لیا کہ کسی بھی نازک مقام پر اس سے بات نہیں کروں گا۔

لیکن میری اس کوشش کے بعد غزالہ' سلطان شاہ اور رویرا کو یک بیک زبان بندی سے چھوٹ مل گئی اور ان تینوں نے فوراً ہی بے ضرر موضوعات پر باتیں کرنی شروع کر دیں۔ میرے لیے یہ بھی بہت کافی تھا کہ انجن کی مشینی غراہٹوں کے ساتھ میرے کانوں میں انسانی آوازیں آتی رہیں۔

وہ راستہ واقعی بہت خراب تھا۔ اس پر صرف جیپ ہی چل سکتی تھی اور وہ بھی اس صورت میں جب اسٹیئرنگ وہیل پر ایسا ڈرائیور موجود ہو جو ان راستوں سے بخوبی واقف ہو۔ کئی جگہ ایسے دشوار مقامات بھی آئے تھے جہاں پتھروں اور چٹانوں کو عبور کرنے کے لیے فور وہیل ڈرائیو کا سہارا لینا پڑا تھا۔ جیپ بس رینگ رہی تھی۔

جیپ لرزتی' ڈولتی اور اچھلتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ پندرہ بیس گز کے فاصلے سے صندل خان کی جیپ بھی ہمارے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ ہم نے سفر کا آغاز کیا تو نیلے آسمان پر چمکتا ہوا سورج نظر آ رہا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مطلع ابر آلود ہوتا چلا گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ راستہ میں برسات شروع ہو گئی تو ہم اندھیرا پھیلنے تک بھی منزل پر نہیں پہنچ سکیں گے اور پھر وہ رات ہمیں کھلے آسمان کے نیچے گزارنی پڑے گی۔

"آگے بارش کے آثار تو نہیں ہیں؟" میں نے گہرے ہوتے ہوئے بادلوں کی طرف دیکھ کر ڈرائیور سے پوچھا۔

"ان پہاڑوں میں بادل اور برسات کا کچھ پتا نہیں ہوتا" اس نے بے پروائی سے جواب دیا "تیز بارش ہونے لگے تو سفر روکنا پڑ جاتا ہے۔ پانی کے کٹاؤ کی وجہ سے اوپر سے بڑی بڑی چٹانیں گرنے لگتی ہیں لیکن فکر کی کوئی بات نہیں۔ اس قافلے میں تم چاروں کے علاوہ سب لوگ تجربہ کار ہیں۔"

"ہم لوگ کچھ ڈرپوک اور وہم پرست واقع ہوئے ہیں۔" میں نے اسے بولنے پر اکسانے کی نیت سے تمہید باندھی "بھیڑ والے واقعے نے ہمیں بُری طرح خوف زدہ کیا ہوا ہے۔"

اس نے ایک دفعہ پھر مجھے گھورا۔ اس کی نگاہوں میں غصہ تھا "اب اس کا ذکر نہ کرنا۔ کوئی اور بات کرو" اس کا لہجہ درشت تھا

بس نے مجھے اس پُراسرار واقعے پر مزید سر کھپانے پر مجبور کر دیا۔

ہم پہاڑوں میں اندر ہی اندر گھس کر ایسی غیر محسوس بلندی کی طرف جا رہے تھے جہاں پتھروں اور چٹانوں نے بلند و بالا پہاڑوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس کے ساتھ بادل بھی گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ کہیں نہ کہیں بارش ضرور ملے گی" پیچھے سے ویرا کی پُرتشویش آواز آئی۔

"تن بہ تقدیر رہو" میں نے اسے مشورہ دیا "ڈھارس کی بات یہ ہے کہ صندل خان اور اس کے چھ آدمی ہمارے ساتھ موجود ہیں اور یہ سب ان علاقوں کے کیڑے ہیں۔"

اچانک پچھلی جیپ کے ہیڈ لیمپس ایک بار چمک کر بجھ گئے۔ میں نے غیر ارادی طور پر پیچھے دیکھا۔ اسی اثنا میں دونوں گاڑیاں رک گئیں۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ نہ جانے اس ویرانے میں کیا افتاد آنے والی تھی؟

صندل خان کی جیپ سے دو مسلح محافظ اتر کر ہماری جیپ کی طرف آئے۔ شاید وہ اردو سے نابلد تھے۔ انہوں نے اپنی تیز تیز بولی میں ڈرائیور سے کچھ کہا۔ اس نے آنے والوں کی بات کا ترجمہ کر کے بتایا کہ صندل خان 'ڈینی اور میم کو اپنی جیپ میں بلا رہا تھا۔ میں بے چون و چرا اپنی جگہ چھوڑ کر نیچے اتر گیا۔ ویرا بھی خاموشی سے باہر آ گئی۔ آنے والے محافظوں نے فوراً ہی ہماری جگہیں سنبھال لیں اور ہم پچھلی جیپ کی طرف چل دیئے۔

"یہ سفر بھی یادگار رہے گا" تنہائی میسر آتے ہی ویرا منمنائی "یہاں جو کچھ دیکھنے میں آ رہا ہے وہ میرے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اِس ماحول میں سے صندل خان اور اس کے ساتھیوں کو نکال دیا جائے تو یہ سب کس قدر رومانٹک ہو سکتا تھا؟ ہر مہم جُو ان چیزوں کی آرزوؤں میں زندہ رہتا ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ تم زندہ رہیں تو یہ سفر تمہیں خوابوں میں اکثر ڈراتا رہے گا۔"

ہم پچھلی جیپ کے پاس پہنچے تو وہاں کچھ بھی نہ ہوا۔ ہم دونوں صندل خان کی ہدایت پر پچھلے حصے میں سوار ہو گئے۔ جہاں دو وحشی محافظ پہلے سے موجود تھے۔ ہمارے سوار ہوتے ہی گاڑیاں چل پڑیں۔

"ان بے رحم پہاڑوں میں ایسا رنگین موسم کبھی کبھی ہی ملتا ہے۔ میں نے سوچا کہ تمہیں بھی اپنے ساتھ شریک کر لوں۔" صندل خان نے ہماری طرف مڑے بغیر کہا "ویسے بھی تم لوگ دو جگہ بٹے رہتے تو کسی شرارت کے بارے میں نہیں سوچ سکو گے۔ لو' بوتل سے پینی پڑے گی" اس نے واڈکا کی بوتل ہماری طرف بڑھا دی۔

اس کی سخاوت قابل داد تھی "تم بہت مہربان اور نرم دل ہو" میں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے' وہ چھوٹی بوتل اس کے ہاتھ سے لے لی۔

وہ پون لیٹر کی معیاری بوتل تھی اور مہر بند تھی۔ پچھلی رات دو لیٹر کی بوتل کھولی گئی تھی جو آدھی کے قریب باقی تھی۔ غالباً صندل خان وہ بوتل وہیں چھوڑ آیا تھا۔ میں نے بوتل کی مہر توڑ کر وہ اسے لوٹانی چاہی تو اس نے مجھے ٹوک دیا "میں تم کو بتا چکا ہوں کہ میں پینے کے معاملے میں مراتب کا قائل نہیں ہوں۔ تم دونوں ایک ایک گھونٹ لے لو۔ میں بعد میں لے لوں گا۔ ایسے زبردست موسم سے شراب پیئے بغیر لطف اٹھایا ہی نہیں جا سکتا۔"

میں نے ایک چھوٹا گھونٹ لے کر بوتل ویرا کو دی تو اس کے پہلو میں کہنی مارے بغیر اس سے واپس نہ لے سکا۔ وہ پہلے ہی گھونٹ میں سرور میں آ جانے کی کوشش میں تھی۔

"گھٹائیں امڈی چلی آ رہی ہیں" صندل خان اپنا کوٹا لینے کے بعد مسرت آمیز لہجے میں بولا "ہو سکتا ہے کہ اگلے ایک آدھ گھنٹے میں ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھائے جائے۔ پھر ہلکی ہلکی ہوائیں چلیں گی اور اچانک مینہ برسنے لگے گا۔ بارش میں دھلنے کے بعد ان پہاڑوں میں انوکھا نکھار آ جاتا ہے۔"

میں نے اس لمحے اچانک ہی محسوس کیا کہ صندل خان دل پھینک نہ ہونے کے باوجود جمالیاتی حس سے مالا مال تھا جب کہ اس کے ساتھی بے لوچ بلکہ کھردری طبیعتوں کے مالک تھے۔ وہ ان سے کام ضرور لے سکتا تھا لیکن ان کے ساتھ تفریح کا لطف حاصل کرنا' پتھر سے عرق کشید کرنے کے برابر تھا۔ شاید اپنی اسی اکتاہٹ کو دور کرنے کے لیے اس نے ہم دونوں کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔

"اس موسم اور ماحول میں ایک جوان آدمی کو اپنی بیوی یا محبوبہ ضرور یاد آتی ہے" میں نے کہا۔

وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا پھر چند ثانیوں کے بعد بولا "تم ٹھیک کہتے ہو لیکن اب اور کچھ نہ کہنا۔ ہم لوگ اجنبیوں سے اپنی عورتوں کے بارے میں بات کرنا معیوب سمجھتے ہیں۔ اگر یہ تینوں جنگلی اردو سے واقف ہوتے تو میں اب تک تمہارے منہ پر تھپڑ رسید کر چکا ہوتا۔"

"تمہاری نگاہیں پاکباز اور دل صاف ہے" ویرا اپنے دہانے سے واڈکا کے تیز بھبکے اڑاتے ہوئے بولی "تم نے ڈینی کو تھپڑ نہیں مارا۔ اس کا مطلب ہے کہ ڈینی نے تمہارے دل کا چور پکڑ لیا ہے۔ اس موسم میں ایسی ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ ہم کسی کو نہیں بتائیں گے کہ تم نے اپنی عورت کے بارے میں ہم سے بات کی تھی۔"

"نہیں، یہ نہیں ہو سکتا" وہ مشتعل ہوئے بغیر سختی سے بولا "یہ بتاؤ کہ تم دونوں میں کیا رشتہ ہے؟"

"ہم صرف دوست ہیں۔ دوسری عورت ڈینی کی بیوی ہے" ویرا نے جواب دیا۔

"میں اس بکواس کو نہیں مانتا۔ مرد اور عورت ہم عمر ہوں تو ان میں سوکھی دوستی ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ اجنبی رہتے ہیں یا پھر ایک دوسرے کے عاشق و معشوق بن جاتے ہیں۔ بیویوں والے بھی پارسا نہیں ہوتے۔ شادی شدہ مرد جب بگڑتا ہے تو وہ زیادہ گھٹیا اور مکار ہوتا ہے" اس نے دوسرا گھونٹ لے کر بوتل پھر میری طرف بڑھادی۔

صندل خان کے آخری فرمان پر ویرا نے اتنی زور سے اپنی کہنی میری پسلیوں میں ماری کہ بوتل میرے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی۔ ویرا کہہ رہی تھی "شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں جب ڈینی سے ملی تو یہ شادی شدہ تھا اور اب میں اس کے بگڑنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ یہ شرابی ہونے کے باوجود اتنا پکا زن مرید ہے کہ اس کی بیوی میری اور اس کی دوستی پر ذرا بھی اعتراض نہیں کرتی۔ رات تم نے اس کا پر سکون رویہ دیکھ ہی لیا ہوگا۔"

"میں پرائی عورتوں کو زیادہ غور سے نہیں دیکھتا" اس کا لہجہ بہت مضبوط تھا "شیر پرائے شکار پر کبھی منہ نہیں مارتا۔ اپنا مارا ہوا کھاتا ہے مگر میں اب بھی یقین نہیں کر سکتا کہ تمہارے درمیان کوئی گہرا اور خفیہ رشتہ نہیں ہے۔"

"ایسا ہی ہے" ویرا نے خواہ مخواہ اصرار کیا "میں اپنے دعوے کو کیسے ثابت کر سکتی ہوں؟"

"مجھ سے دوستی کر کے" صندل کے بے ساختہ جواب نے مجھے سن کر کے رکھ دیا۔

ویرا ایک چالاک اور مکار عورت تھی۔ شاید اس نے صندل خان کی باتوں میں کوئی ایسا رمز پالیا تھا جسے میں نہیں سمجھ سکا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اپنی بات پر مصر بھی ہوئی تھی اور آخر کار اس نے صندل خان کو اپنے دل کی بات زبان پر لانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ویرا تھی اور میں جانتا تھا کہ وہ جبلی طور پر مردوں کی شکاری تھی۔ ان کی رگ رگ کو پہچان کر ایسے رخ سے وار کرتی تھی کہ ہر سورما آن واحد میں اُس کے قدموں میں آگرتا تھا۔ یہی حشر صندل خان کا بھی ہوا تھا۔

میرے دل میں صندل خان کے خلاف رقابت کی آگ کی پہلی چنگاری بھڑک اٹھی۔

"میرے لیے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہوگا کہ تم ایک اجنبی عورت کو اپنا دوست بنانے پر آمادہ ہو گئے ہو۔"

"میری بات کو غلط رخ نہ دو" اس بار وہ ویرا کے ذو معنی فقرے کو سمجھ گیا "میری دوست بن جانے کے بعد بھی تم اجنبی ہی رہو گی۔ مرد اور عورت کی دوستی کے بارے میں تم میری رائے سن چکی ہو۔ یہ اسی قسم کی دوستی ہوگی۔ تمہارے ساتھ کچھ وقت گزار لینے کے بعد میں تمہیں دوست نہیں کہہ سکوں گا۔ سردار پائندہ گل کا کوئی قیدی اپنی بے گناہی ثابت کیے بغیر ہمارا دوست یا مہمان ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ شنگارا ویلی کی صدیوں پرانی ریت ہے جسے کوئی نہیں توڑ سکتا۔"

"یہ گوروں میں پلی ہوئی آزاد خیال عورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو" میں اچانک بول پڑا۔

"تم کو اس دوستی پر اعتراض ہے" وہ کو نجیلا قہقہہ مار کر بولا "ہونا بھی چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی چاہا بھی خوشی سے اپنی مادہ کو کسی دوسرے چوہے کے پاس نہیں جانے دیتا۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو" میں نے بوکھلا کر کہا "اب میں تم دونوں کی باتوں میں دخل نہیں دوں گا۔ اپنے معاملات تم خود ہی طے کرتے رہو۔ مجھے کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"یہ اچھی بات ہے" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا "اب ذرا ایک ایک گھونٹ ان دونوں کو بھی دے دو جو تمہارے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ تھوڑی سی پی کر بھی بہت مست ہو جاتے ہیں" پھر وہ یکایک مقامی بولی بولنے لگا اور ہمارے ساتھ والوں کے چہرے مسرت سے دمک اٹھے۔

بوتل انہیں دینے سے پہلے میں نے ایک اور گھونٹ لے ڈالا۔ صندل خان کے مضحکہ اڑانے کے بعد میں اندر ہی اندر عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا تھا جو مجھے کسی انہونی بات سے ڈرا رہی تھی۔

"تم میری ایک خلش دور کر سکو تو میں تم سے تمہاری مرضی کی دوستی بھی کر لوں گی" ویرا کے میٹھے لہجے نے میری ہڈیاں تک سلگا کر رکھ دیں۔ وہ صندل خان کے ساتھ نہ جانے کیا کھیل کھیلنا چاہ رہی تھی؟

"قید کے بارے میں، میں کسی بات کا جواب نہیں دوں گا" صندل خان نے فوراً شرط عائد کر دی۔

"میری خلش کا تعلق کسی اور ہی بات سے ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تم سردار پائندہ گل کے فیصلوں پر کوئی رائے نہیں دو گے وہ صرف اسی کا حق ہے" ویرا نے صندل خان کے ساتھ مجھے بھی الجھن میں ڈال دیا۔

"پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ بات پوری کرو" صندل خان نے کوئی وعدہ کیے بغیر کہا۔ اس کی آواز سے اضطراب مترشح تھا۔

"بھیڑ کا کیا قصہ تھا؟ گھنٹیوں والے کون ہیں؟" ویرا نے دو سوال کر کے مجھے حیران کر دیا۔ میں بلاوجہ ہی اس پر کھولتا رہا تھا۔ وہ بہت چالاکی کے ساتھ 'سوچ سمجھ' [illegible] بات آگے بڑھاتی رہی تھی۔

"بس، اب کچھ نہ بولنا" صندل خان غصیلی آواز میں غرایا۔ اس کا رویہ اگلی جیپ کے ڈرائیور کے رد عمل سے مختلف نہیں تھا۔ صندل خان کہہ رہا تھا "ہم لوگ اپنے اندرونی معاملات میں

اجنبیوں کی مداخلت کو بالکل برداشت نہیں کرتے۔ تم دوستی کردیا کرو مگر اس بارے میں اپنی زبان سی لو۔ شنگارا ویلی میں یہ ممنوعہ کہانی ہے۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے مجھے آگاہ کردیا" ویرا نے سہم جانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "آگے میں محتاط رہوں گی" اس نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے دوستی کا تذکرہ سرے سے گول کردیا۔

"پھر کیا کہتی ہو؟" ایک طویل اور بے معنی سکوت کے بعد صندل خان کی آواز ابھری۔

"کس بارے میں؟" ویرا نے انجان بن کر معصومیت سے سوال کیا۔

وہ اپنے شکار کو نشتر سے گھائل کرکے اس کی تڑپ سے لذت اندوز ہونا بھی خوب جانتی تھی۔ مردوں کو رجھانے، لبھانے، للچانے اور پھر یک بیک پسپا ہو کر ان کی کربناک حالت سے محظوظ ہونے کا یہ فن اُس نے ڈان مرسیانو سے سیکھا تھا جو اس کے باپ ہی کا ایک گھناؤنا روپ تھا اور اِس وقت وہ اپنے اسی کمال کا مظاہرہ کررہی تھی۔

"شاید تم سوگئی ہو" وہ جھلا کر بولا "ہم دوستی اور دشمنی وغیرہ کے بارے میں باتیں کررہے تھے۔"

"اوہ!" ویرا خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولی "تم نے مجھے دہشت زدہ کردیا ہے۔ میں اپنی زبان تو بند رکھ سکتی ہوں کیونکہ اس پر میرا اختیار ہے لیکن میرا ذہن میرے بس سے باہر ہے۔ وہ اس ممنوعہ کہانی میں ہی الجھا ہوا ہے" اس نے ایک بار پھر صندل خان کے دل پسند موضوع کو نہایت خوب صورتی کے ساتھ ٹال دیا۔

"ذہن سلجھ جائے تو مجھے آواز دے لینا" وہ بپھر کر بولا پھر اُس نے ہاتھ پیچھے بڑھادیا۔ "لاؤ! بوتل کہاں ہے؟"

میں نے پھرتی سے بوتل اس کے ہاتھ میں دے دی۔ اس نے ڈھکن کھولا اور تلخ واڈکا کے کئی گھونٹ غٹاغٹ اپنے حلق میں انڈیلتا چلا گیا۔ ویرا کی اشتعال انگیزی اور پھر سردمہری کے بعد اسے اتنے ہی بڑے گھونٹ کی ضرورت تھی۔ ویرا نے داد طلب نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں سرہلا کر رہ گیا۔ ہمارے سامنے نشست پر بیٹھے ہوئے دونوں محافظ ہونقوں کی طرح اپنے ہونٹ چاٹنے میں مصروف تھے۔ واڈکا کے پہلے ہی گھونٹ نے ان کی آنکھوں میں گلابی ڈورے تیرادئیے تھے۔

باہر آسمان بہت تیزی سے سیاہ ہوتا جارہا تھا۔ وہ سیاہی اس قدر گہری اور یکساں تھی کہ سارے بادل بس ایک جگہ ٹھہرے ہوئے نظر آرہے تھے لیکن ونڈ شیلڈ بالکل خشک تھی۔ آسمان سے ایک بوند بھی نہیں ٹپکی تھی۔

شیشہ ٹوٹنے کا تیز چھناکا سن کر میں چونک پڑا۔ صندل خان نے خالی بوتل چلتی جیپ سے باہر ننگی چٹانوں پر دے ماری تھی۔ محافظوں کی باری ختم ہونے کے بعد بوتل میں جو کچھ شراب رہ گئی تھی' اسے صندل خان نے ایک ہی سانس میں خالی کردیا تھا' غصہ' جھلاہٹ اور بے بسی کے عالم میں وہ خود کو مزید کمزور کرتا جارہا تھا۔

"سنو' ڈپٹی خان!" وہ اچانک ہی مجھے پکار بیٹھا "تمہیں پتا ہے کہ میں نے بوتل کیوں توڑی ہے؟"

"خالی ہوگئی ہوگی" میں نے پوری سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔

وہ ہنس پڑا اور ہنستے ہوئے بولا "تم بہت سمجھ دار ہو۔ خالی بوتل اور بھری ہوئی عورت بیکار ہوتی ہے۔ ان دونوں کا لطف اسی وقت آتا ہے جب معاملہ اس سے الٹ ہو' تم کیا کہتے ہو؟"

"اس بارے میں تم اتنا زیادہ جانتے ہو؟" میں نے اسے خوش کرنے کے لیے حیرت ظاہر کی۔

"سردار پائندہ گل کا مرحوم بھانجا' عبدالرحیم خان مجھے گر کی باتیں بتاتا رہتا تھا۔ وہ فرنگی عورتوں کو بھی خوب سمجھتا تھا مگر اس کی عمر دغا دے گئی۔ بہت اچھا دوست تھا وہ میرا۔ اسی نے یہ بات بتائی تھی۔"

اچانک ہماری جیپ ایک شدید جھٹکے کے ساتھ رک گئی اور سب لوگ ایک دوسرے پر جاگرے۔ صندل خان کا سر اگلی ونڈ شیلڈ سے جا ٹکرایا۔ میں نے سنبھلتے سنبھلتے دیکھا کہ آگے والی جیپ بھی رکی ہوئی تھی۔ اگر ہمارا ڈرائیور تیزی سے بریک نہ لگاتا تو دونوں گاڑیوں کا ایک دوسرے سے ٹکرا جانا یقینی تھا۔

سب لوگ ایک ساتھ بولنے اور ایک دوسرے سے سوالات کرنے لگے لیکن کسی کو بھی کچھ علم نہیں تھا کہ آگے کیا ہوا تھا۔ صندل خان اپنا سر سہلاتے ہوئے شاید پشتو میں مغلظات بک رہا تھا۔

وہ سب چند ثانیوں میں ہوا پھر فضا گڑگڑاہٹ اور ہولناک دھماکوں سے لرز اٹھی۔ اگلی جیپ سے چند سو گز آگے ایک پہاڑ کی بلندی سے سیکڑوں ٹن وزنی ایک چٹان گرد و غبار کے دھوئیں میں لڑھکتی ہوئی نیچے چلی آرہی تھی۔ اس کے زور میں چھوٹے بڑے ہزاروں پتھر اپنی جگہیں چھوڑ کر خس و خاشاک کی طرح کئی سمتوں سے نیچے لڑھک رہے تھے۔ سب لوگ پھٹی پھٹی اور دہشت زدہ نگاہوں سے وہ رُوح فرسا منظر دیکھتے رہے۔ آناً فاناً میں وہ چٹان اس مقام پر گری جہاں پہنچنے سے ہم رک چکے تھے۔ وہ دھماکا زمین کو دہلا گیا پھر وہ چٹان دوسری طرف کھڈ میں گرتی چلی گئی۔

"خدا کی پناہ!" ویرا کانپتی ہوئی آواز میں بولی "ہم موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچے ہیں۔ اگلی جیپ کا ڈرائیور گرد و پیش سے ذرا بھی غافل ہوتا تو اس وقت دونوں گاڑیاں اس دیوہیکل چٹان کے نیچے کچل کر رہ گئی ہوتیں۔ اس نے کمال کی حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا ہے۔"

اس چٹان کے پیچھے آنے والا پتھروں وغیرہ کا ریلا کافی دیر تک اس راستے پر گرتا رہا۔ وہ سلسلہ ختم ہونے کے انتظار میں دونوں

گاڑیوں کے انجن بند کردئے گئے۔ صندل خان کچھ بڑبڑاتا ہوا نیچے اتر کر اپنی جیپ کی آڑ میں کھڑا ہو کر وہ نظارہ دیکھنے لگا۔ میں نے بھی ٹانگیں سیدھی کرنے کے ارادہ سے نیچے جانا چاہا لیکن ایک محافظ نے میرے شانے پر سختی سے دباؤ ڈال کر مجھے اپنی جگہ چھوڑنے سے روک دیا۔ شاید صندل خان نے انہیں بڑبڑاہٹ میں وہی ہدایت کی تھی۔

کئی سیکنڈ بعد بڑی چٹان نشیب میں لڑھکنے کی پرشور آوازوں کا خاتمہ ایک ہولناک دھماکے پر ہوا۔ غیر ارادی طور پر سب ہی چونک کر رہ گئے۔ شاید وہ چٹان کھڈ کی تہ میں پہنچ چکی تھی۔

اس وقت وادی میں سکون تھا مگر پھر اچانک ہی تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ شاید ان ہی طوفانی جھکڑوں نے بلندی پر ٹکی ہوئی چٹان کو اس کی جگہ سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ ہوا اور پہاڑوں کی ہیبت ناک قوتیں اس علاقے میں ایک ساتھ سرگرم عمل ہوگئی تھیں۔ تیز ہواؤں کا شور طوفانی شدت پکڑتا جارہا تھا۔ آسمان پر سیاہی اس قدر گہری ہوگئی کہ اماوس کی کسی کالی رات کا گمان ہونے لگا۔ صندل خان بوکھلا کر اپنی نشست پر آبیٹھا۔ ڈرائیوروں نے انجن چلا کر ہیڈ لیمپس روشن کردئے تاکہ گردوپیش میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر نگاہ رکھی جاسکے اور آخر کار صندل خان کی آخری پیش گوئی بھی پوری ہوگئی۔ آسمان سے موٹی موٹی بوندیں گرنی شروع ہوئیں جنھوں نے چند سیکنڈ کے قلیل سے وقفے میں موسلا دھار بارش کا روپ دھار لیا۔ جیپ کی ونڈ شیلڈ کے سامنے پانی کی ایک موٹی چادر پھیل گئی تھی۔

ہوا' پانی اور پہاڑ۔ قدرت کے سارے ہی سرکش عناصر اس وقت اپنی قوت کے مظاہروں پر تلے ہوئے تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے طوفانی ہوائیں ہمیں اڑا کر لے جائیں گی' پانی کا ریلا ہمیں گاڑیوں سمیت اندھی کھائیوں میں دھکیل دے گا یا پھر خونی چٹانیں ہمیں پیس کر رکھ دیں گی۔

خوف اور امتحان کے ان غیر یقینی لمحات میں مجھے اچانک وہ بھیڑ یاد آئی جسے شنگاریوں نے چیتھڑوں میں بدل ڈالا تھا۔ وہ خوف دہراس اور اضطراب یاد آیا جو گھنٹی کی پہلی آواز سنتے ہی ان پر طاری ہوگیا تھا۔ سفر کے آغاز پر گھنٹی کی آواز اور گھنٹیوں والے کا سراغ نہ ملنا یقیناً کوئی بہت بڑی بدشگونی تھی۔ شنگاریوں کے لیے وہ قدرت کی کوئی کڑی وارننگ تھی جسے نظر انداز کر کے سفر شروع کیا گیا لیکن پہاڑوں کے بیچ میں دوسری قدرتی قوتوں نے اس کارواں کو گھیر لیا تھا۔

صندل خان نے جس انداز میں گھنٹی والی بھیڑ کے قصے کو ممنوعہ کہانی قرار دیا تھا' اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کوئی پُراسرار اور ماورائی معاملہ تھا جسے شنگاری اپنے قبیلے تک ہی محدود رکھنا چاہتے تھے۔

جیپ کے تمام شیشے چڑھالیے گئے تھے۔ آہنی باڈی پر موٹی موٹی بوندیں پرشور جل ترنگ بجارہی تھیں۔ باہر دھواں دھار بارش کی دھند تھی اور اندر کی سمت میں ہم سب کے سانسوں کی وجہ سے شیشوں پر ابر آگیا تھا۔ کچھ پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟ اس طوفانی موسم میں جیپ کے ہیڈ لیمپس بھی اندھے اور ناکارہ ہو کر رہ گئے تھے۔ ڈرائیور نے وائپر پوری رفتار سے چلا کر اندر سے ونڈ اسکرین پر آئے ہوئے ابر کو بھی صاف کیا لیکن بے سود۔ موسلا دھار بارش نے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی کو زرد دھبوں کی صورت میں کئی سطحوں پر بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ آخر صندل خان کی ہدایت پر بیٹری اور انجن وغیرہ کو کسی نقصان سے محفوظ رکھنے کے لیے ہیڈ لیمپس بجھا کر انجن بند کردیا گیا۔

ہر شخص خاموش اور فکر مند تھا۔ پھر ہمیں اوپر سے بہہ کر آنے والے پانی کا شور بھی سنائی دینے لگا۔ پانی کے ساتھ شاید پتھروں اور روڑوں کی بڑی تعداد بھی بہہ کر آرہی تھی۔ مجھے ان تیز ریلوں کے کٹاؤ کا خوف تھا۔ اوپر سے آنے والے تیز دھار ریلے اگر جیپ کے نیچے زمین کو کاٹنا شروع کردیتے تو توازن بگڑنے کی وجہ سے جیپ کسی بھی وقت اپنا توازن کھو کر لڑھک سکتی تھی۔ صندل خان اور اس کے ساتھی ان ہی علاقوں کے باسی تھے اس لیے وہ ان امکانات سے ہم سے زیادہ باخبر تھے اور وہ فکر مندی اُن کی خاموشی میں ڈھل چکی تھی۔

پھر ہمیں باہر زرد روشنی کا ایک گول دھبا متحرک نظر آیا جو ہماری جیپ کی طرف آرہا تھا۔ اس وقت تک بادلوں کی گونج اور گڑگڑاہٹ کے علاوہ بجلی نہیں کڑکی تھی لیکن پھر زہرہ گداز کڑک کے ساتھ بجلی چمکی اور لمحہ بھر کے لیے ہر طرف تیز روشنی پھیل گئی۔ اس لمحاتی روشنی میں مجھے اگلی جیپ کا ڈرائیور نظر آیا جو سر سے پاؤں تک پانی میں شرابور ہونے کے باوجود اپنے ہاتھ میں سرچ لائٹ لیے باہر کچھ کرتا پھر رہا تھا۔

وہ قریب آیا تو ہمارے ڈرائیور نے اپنی سمت کا شیشہ گرا کر اس سے باتیں کرنی شروع کردیں۔ وہ اپنی طاقتور ٹارچ سے آگے کی طرف اشارہ کرکے کچھ کہتا رہا۔ صندل خان بھی ان کی گفتگو میں شامل ہوگیا۔ پھر وہ تینوں کسی فیصلے پر پہنچ گئے اور ٹارچ بردار آگے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ہماری جیپ کا انجن چلا دیا گیا۔ شاید ان لوگوں نے ایک جگہ کھڑے رہ کر کسی حادثے کا شکار ہونے کے بجائے چلتے رہنے کا ارادہ کرلیا تھا مگر میں حیران تھا کہ جیپ کے آگے کچھ بھی نظر نہ آنے کی صورت میں ڈرائیور سیدھے راستے پر کیوں کر چل سکیں گے؟

پھر اُس کا حل بھی سامنے آگیا۔ اگلی جیپ کسی اور نے سنبھال لی تھی۔ اس کے ڈرائیور نے دھواں دھار بارش کی پروا کیے بغیر راستے کی نشان دہی کا فرض سنبھال لیا تھا۔ وہ باہر سے اپنی سرچ لائٹ کے اشارے کرتا رہا اور دونوں گاڑیاں جوں کی رفتار سے آگے رینگنے لگیں۔

وائپر ونڈ شیلڈ پر پڑنے والی پانی کی دبیز چادر کو ہٹانے کی ناکام کوششیں کرتے رہے۔ صندل خان ایک کپڑے سے اندرونی سطح پر آئی ہوئی کُہر صاف کرتا رہا۔ وقفے وقفے سے چمکنے والی بجلی کی تیز روشنی میں بارش کا وہ تیز رفتار پانی نظر آرہا تھا جو مٹی اور پتھروں کے ریلے سے گارے کی صورت میں بلندیوں سے نشیب کی طرف بہا جارہا تھا۔ اُس نے زمین کی دراڑیں وغیرہ صاف کرکے اپنی گزرگاہیں بنالی تھیں۔ اُن کی وجہ سے راستہ بہت زیادہ ناہموار اور تکلیف دہ ہوگیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ تھا کہ ڈرائیور کو کچھ دیکھے بھالے بغیر' اگلی جیپ کی اندھی تقلید کرنی پڑرہی تھی جب کہ اگلی جیپ باہر سے ہونے والے سرچ لائٹ کے اشاروں پر چل رہی تھی۔

صندل خان اپنے کام میں اتنی تیزی سے منہمک تھا کہ کافی دیر تک میں اسے مخاطب کرنے کی ہمت ہی نہ کرسکا۔ جیپ اپنے وزن اور چھ آدمیوں کے بوجھ کے باوجود کسی ہلکے کھلونے کی طرح کانپ رہی تھی۔ بجلی کی کڑک میں نظر والی صورت حال سے اندازہ ہورہا تھا کہ بارش تیز ہونے کے ساتھ ہواؤں کے جھکڑ ختم ہوچکے تھے۔ شاید اسی کے بعد اگلی جیپ کا ڈرائیور باہر نکلنے کی ہمت کرسکا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آج ہم یہیں کسی چٹان میں دب کر رہ جائیں گے" آخر کار ویرا نے لرزتی ہوئی آواز میں بوجھل سکوت کا خاتمہ کیا "اس طوفانی برسات نے دہشت ناک زور پکڑلیا ہے۔"

"اسے ایک دراڑ کا علم ہے" صندل خان نے خود بخود جواب دیتے ہوئے کہا "ہم کسی طرح وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تو محفوظ ہوجائیں گے۔ یہ پہاڑ بہت خطرناک تھا۔ اس سے عام دنوں میں بھی بڑے بڑے پتھر ٹوٹ کر نیچے گرتے رہتے ہیں۔ بارش میں تو وہاں کچھ بھی ہوسکتا تھا۔"

مجھے اس کی باتیں طفل تسلی کی طرح محسوس ہوئیں۔ ہم ایک چٹان گرنے کی گڑگڑاہٹ اور دھماکے سن چکے تھے۔ اِس وقت بھی قرب وجوار سے ویسی ہی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ وہ ٹوٹ پھوٹ ہمارے کارواں سے دور ہورہی تھی اور ہم اس سے محفوظ تھے۔ میں اس جغرافیائی حقیقت سے پوری طرح باخبر تھا کہ ایک ہی علاقے کے دو پہاڑوں کی ساخت میں نمایاں فرق نہیں ہوتا بلکہ دور دراز سلسلوں کے پہاڑ بھی ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اگر ایک پہاڑ کی سطح کمزور اور خطرناک تھی تو دوسرے پہاڑ بھی کم وبیش ویسے ہی ہونے چاہئیں تھے۔ خطرات بدستور اپنی جگہ موجود تھے۔ بس صندل خان' ویرا کی دل جوئی کررہا تھا۔

کافی دیر کے بعد وہ دونوں جیپیں یکے بعد دیگرے ایک کشادہ دراڑ میں داخل ہوئیں تو مجھے اگلی جیپ کے ڈرائیور کی باخبری کا معترف ہونا پڑا۔ وہ واقعی اس علاقے کے چپے چپے سے واقف تھا۔ شاید اسی لیے اسے آگے چلنے کا فرض سونپا گیا تھا۔ اس نے اپنی ذمے داری بہت فرض شناسی کے ساتھ پوری کی تھی۔

وہ دراڑ بہت کشادہ اور گہری تھی۔ اس میں پہنچتے ہی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کام کرنے لگے' جن کی روشنی آگے پھیلی ہوئی تاریک خلا میں مدغم ہورہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ مقام طوفانی بارش سے بالکل محفوظ تھا۔ سب نے فوراً ہی کھڑکیوں کے شیشے گرادیے۔ چند گز اندر پہنچنے کے بعد گاڑیاں روک کر انجن بند کردیے گئے۔

سطح زمین پر وہ دراڑ ہی معلوم ہوتی تھی لیکن اوپر سے اس کا کٹاؤ بہت کم ہوگیا تھا یا سرے سے بند ہی ہوگیا تھا جس کی وجہ سے اس نے ایک وسیع اور بہت گہرے غار کی صورت اختیار کرلی تھی۔

غار میں سناٹا ہونے کے بعد آگے والوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ صندل خان نے روشنی کا بندوبست ہونے تک ہمیں اپنی جگہوں پر بیٹھے رہنے کی ہدایت کی اور خود نیچے اتر گیا۔ دوسرے ڈرائیور کی سرچ لائٹ نے اس تاریک غار کو کافی دور تک روشن کیا ہوا تھا۔ بھاری نقل وحرکت اور انسانی موجودگی کی وجہ سے کئی سانپ اپنے بلوں سے نکل کر اِدھراُدھر فرار ہوتے ہوئے نظر آئے لیکن باہر موجود افراد میں سے کسی نے ان پر دھیان نہیں دیا۔

تھوڑی ہی دیر میں مناسب قوت والی ایک لائٹ جیپ کے دروازے پر لگاکر' اس کے تار بیٹری سے جوڑ دیے گئے اور اس مقام سے غار کے باہر تک خاصی روشنی پھیل گئی۔ سب لوگ جیپوں سے اتر کر اس روشنی میں آگئے اور غار یا دراڑ کے دہانے سے باہر ہونے والی موسلا دھار بارش کا منظر دیکھنے لگے۔

"بڑی بھیانک اور ڈراؤنی رات ہے" غزالہ میرے قریب آتے ہی خوف زدہ آواز میں بولی "گھنٹی کی آواز ان کے لیے کوئی بہت بُرا شگون تھی جبھی ان سب پر دیوانگی کا دورہ پڑگیا تھا" اس کی آواز سرگوشیانہ تھی۔

"اس بارے میں زبان بند رکھو" میں نے سختی سے کہا پھر ہنستے ہوئے اونچی آواز میں بولا "رات نہیں' ابھی دن ہے۔ تم بھول رہی ہو کہ گھنگھور گھٹاؤں نے یہ تاریک سماں باندھا ہوا ہے۔"

سب لوگ چونک کر مجھے ایسی نگاہوں سے گھورنے لگے جیسے میں نے کسی میت کے سرہانے کوئی لطیفہ سنانے کی حماقت کرڈالی ہو۔ اس طوفانی موسم میں ایک محفوظ پناہ گاہ میسر آجانے کے باوجود ان سب کے بشروں سے تشویش اور پریشانی ہویدا تھی۔ شاید وہ گھنٹی والی بھیڑ کے نحوست آمیز خوف سے نجات نہیں پاسکے تھے۔

اچانک غزالہ ایک چیخ مار کر میرے بازو سے لپٹ گئی۔ ایک سانپ اس کے پیر پر سے رینگ کر تاریکی میں چلا گیا تھا۔ اسے دوسروں کے علاوہ صندل خان نے بھی دیکھ لیا تھا۔

"بلاوجہ بھڑکنے اور دوسروں کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں" صندل خان نے نرمی اور سنجیدگی سے کہا "ان اطراف میں پائے جانے والے سانپ بے ضرر ہوتے ہیں۔ وہ ہماری وجہ سے

گھبرا کر اپنے بلوں سے نکل پڑے ہیں۔ تھوڑی دیر میں وہ سب نئی پناہ گاہوں میں پہنچ جائیں گے۔ ایسے ویران مقامات پر سانپ اور بچھو نکلتے ہی رہتے ہیں۔ ان سے ڈر کر ہم ایک لمحہ بھی یہاں نہیں تک سکتے۔"

بارش کے بعد موسم اچانک خنک ہوگیا تھا۔ ایک ڈرائیور کے علاوہ کسی اور نے کوئی غیر معمولی محنت نہیں کی تھی لیکن بدترین موسمی تبدیلی نے ہر ایک کے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ صندل خان کو اس حقیقت کا پورا ادراک تھا۔ وہ اپنے سامان کے تھیلے سے واڈکا کی ایک اور بوتل لے آیا۔ اس بار غزالہ اور سلطان شاہ کے علاوہ سب نے ایک ایک گھونٹ لینے کی ضرورت محسوس کی اور خالی بوتل وہیں ایک گوشے میں لڑھکا دی گئی۔

سب لوگ اپنی اپنی جگہیں بنا کر پتھروں پر بیٹھ گئے۔ کچھ نسوار لینے لگے۔ بعض نے سگریٹیں سلگالیں۔ صندل خان کے لیے واڈکا کا ایک گھونٹ ناکافی ثابت ہوا تھا اس لیے وہ تیسری بوتل لے کر ایک طرف جا بیٹھا تھا۔ میں غزالہ اور سلطان شاہ کو دبی آواز میں اپنی معلومات وغیرہ سے آگاہ کرنے لگا۔ ویرا سب سے الگ تھلگ' پچھلی جیپ سے ٹیک لگائے' کھوئے کھوئے انداز میں سگریٹ پی رہی تھی جیسے اگلے فیصلوں کا سارا بوجھ اسی کے سر پر آپڑا ہو۔

تھوڑی دیر بعد میری نظر غیر ارادی طور پر اٹھی تو ویرا اپنی جگہ سے غائب تھی مگر میری متجسس نگاہوں نے فوراً ہی اسے تلاش کرلیا۔ وہ تیز روشنی سے بچ کر صندل خان کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ بوتل اسی کے ہاتھ میں تھی۔ شاید صندل خان نے اسے اپنے پاس بلالیا تھا لیکن اِس بار اُس نے مجھے مدعو کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"کیا ویرا اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کررہی ہے؟" سلطان شان نے میری نظروں کے تعاقب میں ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے' متجسسانہ لہجے میں سوال کیا "ان میں گہری گھٹتی نظر آرہی ہے۔"

"بلی اور چوہے کا کھیل ہورہا ہے" میں نے بے پروائی سے کہا "کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کب ویرا کا داؤ چل جائے۔"

"اس وقت وہ ہمارے ساتھ ہے" سلطان شاہ بولا "اسے عزت اور وقار کے منافی کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔"

"میری بھی یہی آرزو ہے لیکن تم جانتے ہو کہ ہم مہذب دنیا کو کتنا پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ یہاں وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے وہ کوئی بھی راہ اختیار کرسکتی ہے۔ اسے کون روک سکے گا؟"

"اسے بھول کر اپنی فکر کرو" غزالہ نے پُرتشویش لہجے میں کہا "اس بار آثار اچھے نہیں ہیں۔ ہمیں ایک بار تشنگارا ویلی پہنچادیا گیا تو ہم وہاں سے فرار ہونے کے بعد بھی ان پہاڑوں سے زندہ نہیں نکل سکیں گے۔"

اچانک باہر سے ایک تیز اور خوفناک گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ آسمان پر ہولناک گرج کے ساتھ بجلی چمکی۔ گڑگڑاہٹ کی وجہ سے ہمارے پیروں کے نیچے کی زمین ہلنے لگی تھی۔ شاید ایک مرتبہ پھر کسی بڑی چٹان نے اپنی جگہ چھوڑ کر نشیب کا سفر اختیار کرلیا تھا۔ پے درپے کئی پُرشور دھماکوں کا سلسلہ آخر کار بھیانک سکوت پر معدوم ہوگیا لیکن سکوت کہاں؟ باہر بارش کا طوفانی شور پوری شدت کے ساتھ جاری تھا۔

میرے اور غزالہ کے درمیان جب بھی کوئی اختلاف رائے پیدا ہوتا یا نوک جھونک کی صورت حال رونما ہوتی تو ویرا عملی طور پر بی جمالو کا کردار ادا کرنا شروع کردیتی تھی۔ اس وقت ویرا موجود نہیں تھی' اس لیے اس فرصت کو غنیمت جان کر غزالہ نے جنت گل کا ذکر چھیڑ دیا۔ تشنگارا ویلی میں ہمارے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جاتا' اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا اس لیے میں نے اس مہلت کو غنیمت جان کر' مدافعانہ لب ولہجے میں اپنی کہانی شروع کردی جس میں بعض بنیادی حقائق کو میں نے اپنے مفاد کے مطابق توڑ مروڑ لیا تھا۔

سلطان شاہ اس موضوع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے وہاں سے ٹل گیا تھا تاکہ ہم دونوں کھل کر بات کرسکیں اور اگر کسی کے دل میں کوئی غبار موجود تھا تو اسے وضاحتوں سے صاف کرسکیں۔

کسی نے سچ کہا ہے کہ دنیا کی ہر عورت اپنے مرد کی کمزوریوں کو اچھی طرح جانتی ہے۔ یہ دیگر بات ہے کہ وہ مصلحت کی وجہ سے ان کمزوریوں سے چشم پوشی اختیار کرلے یا اپنی زبان بند رکھے۔ غزالہ نے پوری کہانی سننے کے بعد ابتدا میں ہی جو سوالات کیے وہ بہت نکیلے اور کاٹ دار تھے۔ میں تلخی پر اتر آیا اور ہمارے درمیان بحث کا آغاز ہوگیا۔ غزالہ کے دل کی بھڑاس نکل جانے کے بعد ماحول کا تناؤ ختم ہوگیا۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ہم بہت دیر تک گردوپیش سے بے خبر ہوکر باتوں میں الجھے رہے۔ کافی دیر بعد مجھے ویرا کا دھیان آیا تو وہ صندل خان سمیت لاپتا تھی۔ میں کوشش کے باوجود سلطان شاہ کو بھی تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔

کئی گھنٹوں کے تسلسل کے بعد بارش کا زور ٹوٹنے کے آثار نظر آئے تو تشنگاریوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ باہر پھیلا ہوا اندھیرا تیزی سے کم ہونے لگا تھا۔ اس کے اثرات اس دراڑ میں بھی پڑ رہے تھے۔ رفتہ رفتہ روشنی اتنی بڑھ گئی کہ جیپ کی بیٹری سے منسلک روشنی کی ضرورت باقی نہ رہی۔ ایک آدمی اس طرف گیا تو اندھیرے میں سے ویرا کی دبی دبی اور پرشوق ہنسی کی آواز سنائی دی۔ میں نے چونک کر اُدھر دیکھا تو روشنی کے اس پار کچھ بھی نظر نہ آیا۔ روشنی کے تار الگ کیے جانے کے بعد وہ صندل خان کے ساتھ آتی ہوئی نظر آئی تو اس پر گہرا سرور طاری تھا۔ فرش کی ناہموار سطح پر بکھرے ہوئے پتھروں پر وہ صندل خان کے سہارے چل رہی تھی۔ وہ منظر دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔

صندل خان' اپنے خول سے باہر نکل کر بہت دلچسپ آدمی ثابت ہوا" وہ ہمارے قریب آکر بولی "اس کے ساتھ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا" میں نے نفرت سے اپنا منہ دوسری طرف پھیرلیا۔
"اس کا منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟" اُس نے حیرت سے غزالہ سے پوچھا "تم دونوں میں لڑائی تو نہیں ہورہی تھی؟"
اس وقت مجھے ویرا کی آواز زہر لگ رہی تھی۔ میں وہاں رکتا تو اس سے بُری طرح الجھ پڑتا۔ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ خاموشی کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر کسی اور کے پاس چلا جاؤں۔
"ذہنی غصے کا سبب شاید تم خود ہی ہو" جاتے جاتے میرے کانوں میں غزالہ کی ملامت آمیز آواز آئی۔
صندل خان' ویرا سے الگ ہوکر اُس دراڑ کے دہانے پر جا کھڑا ہوا تھا اور آسمان کا جائزہ لے کر اعلان کررہا تھا کہ وہ لوگ زیادہ سے زیادہ دس پندرہ منٹ میں سفر شروع کرسکیں گے کیونکہ گہرے بادل بہت تیزی کے ساتھ چھٹ رہے تھے اور مطلع صاف ہوتا جارہا تھا۔ میں اسی کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔
وہ میری طرف مڑا تو میرا بازو تھام کر پرجوش لہجے میں کہنے لگا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ فرزانہ جیسی فراخ دل لڑکی کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی تم اس قدر اداس اور فکر مند کیوں رہتے ہو۔ اُس کے ساتھ تو ایک مرتبہ جہنم میں بھی بے خوف وخطر چھلانگ لگائی جاسکتی ہے۔ وہ بڑی زوردار فرنگن ہے۔"
لمحہ بھر کے لیے میں چکرا کر رہ گیا۔ میری سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کس کا ذکر کررہا تھا لیکن جوں ہی مجھے یاد آیا کہ ویرا اُن لوگوں کے درمیان فرزانہ بنی ہوئی تھی' میں تلخ لہجے میں بول پڑا "میرا خیال ہے کہ تم دونوں نے کئی چھلانگیں لگائی ہوں گی۔ کافی دیر سے تم نظر نہیں آرہے تھے۔"
اس وقت وہ خوش گوار موڈ میں تھا۔ کچھ شراب کا اثر بھی تھا اس لیے وہ میری بات پر دھیان دئے بغیر بولا "ہم دونوں پچھلی جیپ میں تھے۔ وہ پینے کے معاملے میں بھی مردوں سے کم نہیں ہے۔"
وہ دونوں ایک دوسرے کی تعریفیں کررہے تھے۔ میرے لیے نتائج اخذ کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ اس معاملے میں زیادہ ملوث ہوکر میں اپنا خون سلگانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے وہ ناخوشگوار موضوع تبدیل کرنے کی نیت سے پوچھا "ہمارا باقی سفر کس وقت تک ختم ہوجائے گا؟"
"بارش نے ہمیں دوبارہ رکنے پر مجبور نہ کیا تو جھٹپٹے کے وقت ہم وادی میں ہوں گے اور کل صبح تم لوگوں کو خان بابا کے روبرو پیش کردیا جائے گا۔"
"یہ بتاؤ کہ سردار بائندہ گل کا اصل لقب کیا ہے؟" میں نے اسے اسی موضوع میں الجھائے رکھنے کے لیے پوچھا "کبھی تم اسے خان بابا کہتے ہو اور کبھی سردار بابا۔"
"دونوں چلتے ہیں۔ وہ کسی کا بُرا نہیں مانتا۔ ویسے وہ شاید خان بابا کے لقب سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔"
ویرا بدستور غزالہ کے پاس موجود تھی۔ وہ صندل خان کے دل ودماغ کو اس طرح اپنے شکنجے میں جکڑ چکی تھی کہ وہ پھراسی کی طرف چل دیا۔ میں نے اس کا ساتھ نہیں دیا اور ایک گوشے میں بیٹھ کر سگریٹ پینے میں مصروف ہوگیا۔ اس وقت مجھے ویرا کی صورت بلکہ پورے وجود سے نفرت ہوچلی تھی۔
اچانک سلطان شاہ میرے پاس آپہنچا۔ اس کی آنکھوں میں مجرمانہ بے چینی کی جھلک دیکھ کر میں نے اُس سے باز پرس کی تو اس نے سرگوشیانہ لہجے میں مجھے مطلع کیا کہ وہ سامان کے تھیلوں میں سے ایک پستول اور فاضل راؤنڈز کا ڈبا حاصل کرنے میں کامیاب ہوچکا تھا۔
میں نے اس اطلاع پر فوراً ہی فیصلہ صادر کردیا "اس سے پہلے کہ کسی کو اس چوری کا علم ہو' دونوں چیزیں واپس پہنچادو۔ اس بھیڑ میں وہ پستول صرف صندل خان کا ہوسکتا ہے۔ ان چیزوں کی چوری کا علم ہوتے ہی وہ بپھر جائے گا۔ ویسے ایک پستول اور چند گولیاں ہمارے لیے بے مصرف ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ چوری کرتے ہوئے تم کو اپنا حلف بھی یاد نہیں رہا۔"
"حلف راستے میں محاذ آرائی کے لیے لیا تھا۔ چوری چکاری کے لیے نہیں" وہ ڈھٹائی سے بولا "پستول کا کھیل تو شنگارا دیلی پہنچنے کے بعد شروع ہوتا۔ اگر صندل خان اندھیرے میں ادھر نہ آنکلتا تو شاید میں اس تھیلے میں سے گولیوں کے مزید ڈبے نکالنے میں کامیاب ہوجاتا۔"
"تو کیا صندل خان نے تمہیں دیکھ لیا تھا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔
"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ویرا کو لے کر پچھلی جیپ میں آیا تھا۔ وہ دونوں باتوں میں مگن تھے۔ میں ان کی نظروں میں آئے بغیر اندھیرے میں کھسک گیا۔ میں ان کی واپسی کے بعد اپنی کمین گاہ سے نکلا تھا۔"
میں نے وہ بات وہیں اڑادی "جاؤ۔ روشنی پھیلتی جارہی ہے۔ روانگی سے پہلے دونوں چیزیں اسی تھیلے میں واپس ڈال دو۔ بعد میں موقع نہیں ملے گا اور یہ گناہ بے لذت گلے پڑجائے گا۔"
وہ بے پروایانہ انداز میں ایک طرف چل دیا۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ ویرا اور صندل خان کو کافی دیر تک دیکھتا رہا تھا۔ میں اس سے تفصیلات پوچھ کر مزید کوفت میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ مجھے یہ تسلی ضرور ہوگئی تھی کہ ضرورت پیش آنے پر میں کسی بھی وقت اُس کی چشم دید گواہی سے ویرا کو شرمندہ بلکہ ذلیل کرسکتا تھا۔ میری نظروں سے گرنے کے بعد وہ کسی عزت کی حق دار نہیں رہ گئی تھی۔
آخر کار قدرت کو ہمارے کارواں کی مجبوریوں پر رحم آگیا۔

بارش تھم گئی۔ آسمان ابر آلود ضرور تھا لیکن گہری اور سیاہ بدلیوں کی جگہ سرمئی بادلوں کی ٹکڑیاں تیرتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ وہاں ہر طرف پہاڑ ہی پہاڑ تھے اس لیے برسات کے ساتھ شروع ہونے والا پانی کا تیز بہاؤ برسات رکتے ہی ختم ہوگیا تھا۔ صندل خان نے ان ساز گار حالات کا جائزہ لے کر کوچ کا اعلان کردیا۔

اس بار بھی صندل خان نے سب کو وہی ترتیب اختیار کرنے کی ہدایت کی جو طوفان باد و باراں کے وقت تھی یعنی مجھے اور ویرا کو اُس کی جیپ میں سفر کرنا تھا۔ غزالہ اور سلطان شاہ کے لیے اگلی جیپ مخصوص تھی۔ میرے لیے وہ ہدایت صبر آزما تھی۔ اس وقت میں ویرا کی صورت دیکھنے کا روادار نہیں تھا تو کئی گھنٹوں تک اس کا لمس کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ میں اُس کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھا تو وہ اپنی جگہ چھوڑ کر میرے برابر میں آگئی۔ میں نے اس کی جگہ لی تو وہ وہاں بھی آگئی۔

"آخر پتا تو چلے کہ تم مجھ سے برہم کیوں ہو؟" اس نے میرا بازو تقریباً نوچ کر سوال کیا۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے" میں نے غرا کر اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

اسی وقت ایک محافظ سوار ہوا تو میں پھرتی سے اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ بعد میں آنے والے محافظ نے جھجک کر خالی نشست کی طرف دیکھا پھر خوش گوار حیرت کے ساتھ ویرا کے برابر میں بیٹھ گیا۔ صندل خان نے اگلی نشست پر بیٹھنے سے پہلے ہی اس تبدیلی کو بھانپ لیا اور پوچھا "کیا تم دونوں لڑ پڑے ہو؟"

"ارے نہیں" ویرا ایک ادائے خاص سے اپنی گردن جھٹک کر معصومیت سے ہنس پڑی "ہمارے درمیان لڑنے والا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ دراصل اپنی بیوی سے لڑنے کے بعد ڈینی ساری دنیا سے اسی طرح بے زار ہو جاتا ہے۔ وہ موجودہ مصائب پر ڈینی سے بُری طرح ناراض ہوگئی ہے۔"

"تمہیں ان کے ذاتی مسائل کا مذاق نہیں بنانا چاہیے" صندل خان نے محظوظ ہونے کے بجائے بردباری سے کہا۔

گاڑیاں حرکت میں آگئیں۔ بارش کے بعد ان وادیوں میں خنک ہوائیں چل پڑی تھیں جن میں پہاڑوں سے اٹھنے والی سوندھی سوندھی خوشبو بھی شامل تھی۔ وہاں کسی باقاعدہ سڑک کا وجود نہیں تھا۔ زمین سنگلاخ ہونے کی وجہ سے زمین پر دوسری گاڑیوں کے چھوڑے ہوئے نشانات بھی نہیں تھے۔ اس لیے سفر کی سمت کا پیشگی اندازہ لگانا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ اگلی جیپ کا ڈرائیور اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہتا' گاڑی کو موڑ لیتا تھا۔ کئی مرتبہ یوں بھی ہوا کہ ہماری گاڑیاں بہتر راستے کو چھوڑ کر گڑھوں کو مڑوں میں گھس گئیں اور وہی اصل راستہ تھا۔ دونوں گاڑیوں کی رفتار سست تھی لیکن انجن کی تیز غراہٹوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ہم بتدریج بلندی کی طرف جا رہے تھے۔

راستے میں کہیں بھی کھانے پینے کے لیے نہیں رکا گیا۔ شاید گاڑیوں میں خورد و نوش کا سامان سرے سے نہیں تھا۔ بڑے بڑے تھیلوں میں جو بھی خشک چیزیں بھری ہوئی تھیں' وہ تنگگا راولی کے باسیوں کی ضروریات کے لیے تھیں۔ بس صندل خان اپنے لیے واڈکا کی بوتلیں بھر لایا تھا جن میں سے دو صاف ہو چکی تھیں۔ تیسری کسی بھی وقت جواب دے سکتی تھی کیونکہ صندل خان وقفے وقفے سے اسے منہ سے لگاتا جا رہا تھا۔

ویرا راستے بھر چہکتی اور صندل خان سے گھل مل کر باتیں کرتی رہی۔ اس دوران میں وہ مجھ پر چوٹ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کر رہی تھی مگر میں نے اُس کے منہ نہ لگنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ صندل خان نے جب بھی مجھ سے بات کرنی چاہی' میں نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر اسے سپاٹ سے جوابات دینے پر اکتفا کیا اور آخر کار اس نے بھی اپنی ساری توجہ ویرا پر مرکوز کردی۔

سورج ہماری نظروں سے یوں اوجھل ہوا تھا کہ دوبارہ اس کی جھلک بھی نظر نہیں آئی۔ پورے وقت ہلکے اور گہرے بادل ہمارے ہم سفر رہے۔ بارش نے پورے علاقے میں زبردست توڑ پھوڑ مچائی تھی۔ راستے میں نظر آنے والے کٹاؤ تو خیر ہر جگہ موجود تھے لیکن کہیں کہیں پتھروں نے راستہ بالکل مسدود کیا ہوا تھا۔ ایسے مقامات پر صندل خان کے آدمی پتھروں کو لڑھکا کر راستہ بناتے رہے اور پھر شام کی عمل داری شروع ہوگئی۔

ابر کی وجہ سے غروب آفتاب سے پہلے ہی ہیڈ لیمپس روشن کرنے پڑ گئے لیکن سفر میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ مسلسل پہاڑ اور پتھریلے راستے دیکھتے دیکھتے میری آنکھیں تھکنے لگی تھیں۔ فضا میں گھور اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی ہم ایک موڑ گھومے تو صندل خان بے اختیار بول پڑا "ہم پہنچ گئے۔ وہ سامنے گالان کی پہاڑی نظر آرہی ہے۔ بس اسی کے دامن میں آج رات بسر ہوگی۔ اس پہاڑی کا ایک سرا زرافہ کی گردن کی طرح بہت اونچا ہے۔"

اس جگہ سے گالان نامی پہاڑی کسی قدیم کلیسا کے پہلے اور اونچے مینار کی طرح چٹانوں کے درمیان سے سر نکالے نظر آرہی تھی۔ جیپ کا رخ بدلنے کے ساتھ ساتھ اس کا پھیلاؤ بھی سامنے آتا چلا گیا۔ صندل خان' ویرا کو بتا رہا تھا کہ گالان کی پہاڑی اوپر سے مسطح اور بہت وسیع تھی۔ جس کے ایک حصے میں جنگلات اگے ہوئے تھے۔ پچھلی ڈھلانیں بھی ان ہی جنگلات سے پوری طرح ڈھکی ہوئی تھیں۔ ان ڈھلانوں کا اختتام گہری اور ناہموار کھائیوں میں ہوتا تھا جہاں سے کوئی گالان کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ تنگگاری قبیلہ اسی محفوظ سطح مرتفع پر رہتا تھا۔ انہوں نے پہاڑ سے کئی سو فٹ نیچے' پیالہ نما وادی کو قابل کاشت بنایا ہوا تھا۔ وادی میں داخلے کا راستہ ایسے مقام سے تھا جہاں گالان کا پتلا سا حصہ نظر آتا تھا اور وہیں محافظ موجود رہتے تھے۔ اس درے کے بعد چاروں طرف پہاڑ تھے جن کے پیچھے صرف موت کا راج تھا۔

اس وجہ سے وادی میں داخل ہونے کے بعد کوئی بھی شخص وہاں کے محافظوں کی نظروں سے بچ کر فرار نہیں ہو سکتا تھا۔

وادی سے گالان تک پہنچنے کا راستہ بھی آسان نہیں تھا۔ شنگاری اس راستے کے عادی تھے لیکن وادی سے اوپر تک باربرداری وغیرہ کے لیے خچر استعمال کیے جاتے تھے۔

میرے لیے وہ تمام باتیں حیران کن تھیں لیکن ویرا سے اپنی برہمی کی وجہ سے میں نے ان تفصیلات میں گہری دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ ویرا خود ہی صندل خان سے ایسے سوالات کر رہی تھی جن کی وجہ سے مجھے بولنے یا دخل انداز ہونے کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد گالان پہاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ مجھے امید تھی کہ وہ سفر جلد ہی ختم ہو جائے گا لیکن اندھیرا گہرا ہونے کے باوجود سفر جاری رہا۔ اچانک فضا میں ایک فائر کی تیز آواز گونجی جو پہاڑوں سے ٹکرا کر دیر تک بازگشت پیدا کرتی رہی۔ دونوں جیپوں کے ڈرائیوروں نے ہیڈ لیمپس کو متعدد بار دھیما اور تیز کیا پھر ہارن بجانے لگے۔ اس ماحول میں وہ سب بہت عجیب اور پراسرار معلوم ہو رہا تھا۔

اس شور کا سلسلہ موقوف ہوا تو ویرا نے صندل خان پر سوالات کی بھرمار کر دی۔ اس نے بتایا کہ گالان کے سرے پر موجود محافظوں نے گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس دیکھ کر فائر کی صورت میں ان سے شناخت طلب کی تھی۔ اگر شناخت نہ کرائی جاتی تو بلندی سے آنے والی بے شمار گولیاں ہر ایک کے بدن کو چھلنی کر ڈالتیں۔ ڈرائیوروں نے مخصوص انداز میں ہارن بجا کر اور روشنیاں دھیمی اور تیز کر کے اپنی شناخت کرا دی تھی۔ اس طرح ہمارے قافلے کی آمد کی خبر ہم سے پہلے شنگارا ویلی میں پہنچ چکی تھی۔

آخر کار وہ مقام بھی آ ہی گیا جہاں دو پہاڑیوں کے درمیان ایک قدرتی گزرگاہ نظر آ رہی تھی۔ اس درے کے ایک طرف چند سوفٹ اونچا ٹیلہ تھا اور دوسری طرف کھڑی ڈھلان والا ایک پہاڑ آسمان میں پہنچتا ہوا نظر آ رہا تھا اور اسی کی چوٹی پر شنگارا ویلی کے محافظ براجمان تھے۔

"اوپر بیٹھے ہوئے چند نشانچی، ہزاروں کے لشکر کو اس درے سے گزرنے سے پہلے خاک و خون میں نہلا سکتے ہیں" صندل خان پُرغرور آواز میں کہہ رہا تھا "اسی وجہ سے ہماری سرزمین کی طرف آج تک کسی نے میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں کی۔ یہ زمین ہماری ہے اور ہماری ہی رہے گی۔"

"تو کیا باقی افغانستان تمہارا نہیں ہے؟" اس بار میں اپنی حیرت کے باعث خاموش نہ رہ سکا۔

"جن کا ہے، وہ اس کے لیے لڑ رہے ہیں۔ ان سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"تم اس چھوٹی سی وادی کو اپنا کہہ رہے ہو۔ مجھے تو یاد پڑتا ہے کہ افغانستان میں بھی شنگاری پائے جاتے ہیں" میں نے کہا "ان میں اور تم میں کیا فرق ہے؟"

"پہلی بات تو یہ کہ نہ وادی چھوٹی ہے نہ گالان کی سطح مرتفع تنگ ہے۔ یہ بہت بڑا علاقہ ہے جس پر سردار بابا کی حکمرانی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ شنگاریوں نے چوری چھپے باہر بھی شادیاں کی ہوں۔ ان کی اولاد یہاں نہیں آئی مگر وہ بھی تو شنگاری ہی کہلائیں گے یا پھر تم کسی اور قبیلے کی بات کر رہے ہو گے۔"

میں نے دوبارہ خاموشی اختیار کر لی۔ گاڑیاں بدستور گالان کے دامن میں واقع درے سے گزر رہی تھیں۔ درہ کہیں تنگ اور کہیں اتنا کشادہ تھا کہ اس میں چھ گاڑیاں ایک ساتھ گزر سکتی تھیں۔ گالان کے پرشکوہ پہاڑ نے خاموشی کے ساتھ اس راستے کو اپنی پناہ میں لیا ہوا تھا۔

گاڑیاں درے میں سے گزرنے کے بعد جوں ہی وادی میں داخل ہوئیں، اچانک کہیں کوئی گھنٹی پرشور آواز میں بجنے لگی۔ ایک مرتبہ پھر صندل خان کے آدمیوں پر جنون سوار ہو گیا۔ دونوں گاڑیوں کی کھڑکیوں سے آتشیں ہتھیاروں کی نالیں باہر نکل آئیں اور موت کے نغمے الاپنے لگیں۔ فائرنگ دونوں پہلوؤں پر کی جا رہی تھی کیونکہ آگے کچھ مکان تھے جن میں زرد روشنیاں لہراتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

گھنٹی کی پراسرار آواز اور پھر فائرنگ کا سلسلہ شروع ہوتے ہی روشن مکانوں میں شور و غل برپا ہو گیا۔ ہیڈ لیمپس کی دور تک پھیلی ہوئی روشنی میں بہت سے مرد اور عورتیں چیختے چلاتے بھاگے چلے آ رہے تھے۔

گھنٹی کی آواز دور کی تھی۔ ہتھیار بارودی نغمے گاتے رہے۔ گھنٹی پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ پھر اچانک ہی گھنٹی کی آواز یوں رک گئی جیسے اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ مزید کئی راؤنڈ فائر کرنے کے بعد صندل خان کے آدمیوں کو احساس ہوا کہ وہ پراسرار آواز تھم چکی تھی اور وہ بے مقصد گولیاں برسا رہے تھے۔

ہمارے آگے والی چلتی ہوئی جیپ میں سے ایک آدمی نیچے کود پڑا۔ اس نے اپنی رائفل کو نالی سے تھاما ہوا تھا۔ وہ جارحانہ انداز میں اسے لہراتا ہوا اس غول کی طرف لپکا جو مکانوں سے برآمد ہوا تھا۔ وہ غصیلی آواز میں کچھ چیختا بھی جا رہا تھا۔ آنے والے جس طرح آئے تھے، اس سے زیادہ بدحواسی کے عالم میں، بلبلاتے ہوئے واپس دوڑ پڑے۔ میں نے دیکھا کہ وہ سب فاقہ زدہ اور بدحال نظر آ رہے تھے۔ کسی کے بدن پر صاف یا پورا لباس نہیں تھا۔ اگر وہی شنگاری تھے تو عبرت نشان تھے۔ موت کی سوداگری بھی ان میں خوش حالی نہیں لا سکی تھی۔

ایک بڑے مکان کے سامنے گاڑیاں رک گئیں اور سب اتر پڑے۔ اس وقت تک چیخنے چلانے والے دوبارہ پتھر اور گارے سے بنے ہوئے مکانوں میں گھس کر خاموش ہو چکے تھے۔ وادی میں ہر

طرف سکوت کا راج ہو گیا تھا۔

وہ ایک عام سا پہاڑی مکان تھا۔ اس کا فرش گارے سے لیپ کر ہموار کر دیا گیا تھا۔ جب کیروسین لیمپ روشن کیے گئے تو میں نے وہاں چند اجنبی چہروں کو موجود پایا جو ہمارے قافلے میں شامل نہیں تھے۔ صندل خان ان پر بگڑ رہا تھا اور وہ سر جھکائے اس کی پھٹکار سن رہے تھے۔ اس وادی میں پہنچتے ہی اس کے تیور بدل گئے تھے۔ اس کے ایما پر ہم چاروں کو ایک اندرونی کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جاتے جاتے ویرا نے صندل خان سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے مڑ کر ویرا کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ صندل خان کی اس بے رخی پر میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ اس نے ویرا سے بے توجہی برت کر اسے اس کی حیثیت یاد دلا دی تھی۔

دوسرے کمرے میں ہماری شب بسری کا پیشگی اہتمام تھا۔ وہاں پورے فرش پر اکہرا کمبل بچھا ہوا تھا جس پر ایک قطار میں چار گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ تکیوں کے پیچھے اوڑھنے کے لیے اونی کمبل موجود تھے۔ ہمیں وہاں پہنچانے والا فوراً ہی واپس لوٹ گیا اور کمرے میں صرف ہم چاروں رہ گئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اب بھوکا ہی سونا پڑے گا" ویرا نے بڑبڑاتے ہوئے کہا "یہاں پہنچتے ہی ان لوگوں نے آنکھیں بدل لی ہیں۔ پتا نہیں صبح خان بابا کیا فیصلہ صادر کرتا ہے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ سفر ختم ہوا۔" غزالہ نے گہرا سانس لے کر کہا "میں تو اس آسیبی سفر سے اس قدر تھک گئی ہوں کہ کھانا ملے یا نہ ملے، خوب گہری نیند سوؤں گی۔"

"بھوکوں کو صندل خان اپنے ساتھ کھانا کھلائے گا۔" میں نے کسی سے مخاطب ہوئے بغیر بے پروائی سے کہا "اس نے دوسروں کو الو بنانے کے لیے آنکھیں بدلی ہیں۔ تنہائی میں سارے ناز نخرے اٹھائے گا۔"

"کیا بک رہے ہو؟" ویرا ایکا ایکی غصے میں آ گئی "برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ میں نے کیا کیا ہے جو تم نے مجھ سے منہ پھلایا ہوا ہے؟ زبردستی میرے منہ آنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"میں اپنی خوش فہمی کی معافی چاہتا ہوں۔" میں نے کاٹ دار لہجے میں براہ راست اسی سے کہا "میرا خیال تھا کہ تم ہم لوگوں سے مشورہ کیے بغیر صندل خان کو ضرورت سے زیادہ ڈھیل نہیں دو گی۔"

"میں نے اسے کون سی ڈھیل دی ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑا ہے۔ اگر تمہیں یہ بات ناگوار گزری ہے کہ میں اس سے کھل مل کر باتیں کر رہی تھی تو تم کو شرم آنی چاہیے۔ میں چاروں کے مفاد کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"میرا خیال ہے کہ میرے بجائے سلطان شاہ تم کو بہتر انداز میں سب کچھ بتائے گا۔" میں نے تلخی سے یہ کہہ کر سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا "اب تم بتاؤ کہ جب تم اندھیرے میں تھے تو تم نے کیا دیکھا تھا؟"

اسے ہدایت دے کر میں اطمینان سے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اُس کی کہانی ویرا کو سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑے گی اور میں پوری طرح اپنے دل کی بھڑاس نکال لوں گا۔

"یہ دونوں ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہوئے اندھیرے میں آئے پھر جیپ کی اگلی نشستوں پر بیٹھ گئے۔" سلطان شاہ کہہ رہا تھا "میرا خیال ہے کہ صندل خان، ویرا سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ویرا نے اس کے ساتھ کافی وقت گزارنے کے باوجود اسے حد سے تجاوز نہیں کرنے دیا۔ پھر یہ دونوں لوٹ آئے۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میری کھوپڑی پر اچانک لٹھ دے مارا ہو۔ یہ تو کوئی بات ہی نہیں تھی کہ تھوڑی دیر تک گپیں لڑانے کے بعد وہ دونوں واپس لوٹ آئے تھے۔

"اب بتاؤ! میرا کیا قصور ہے؟ میں نے کون سی غلطی کی تھی جس پر تمہاری تیوری چڑھی ہوئی ہے۔" ویرا میرے اوپر آنکھیں نکال کر غرائی "تم سلطان شاہ سے کیا کہلوانا چاہ رہے تھے؟"

"کچھ بھی نہیں" میں نے جلدی سے پینترا بدلتے ہوئے کہا "بس اتنی سی بات تھی کہ تم نے صندل خان کے ساتھ تخلیے میں جا کر بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ اگر وہ درندگی پر اتر آتا تو حالات قابو سے باہر ہو سکتے تھے۔"

"اور اسی لیے تم نے سلطان شاہ کو میرے پیچھے لگا دیا تھا؟" وہ جلے کٹے لہجے میں بولی "تمہیں ڈر تھا کہ تنہائی میسر آتے ہی میں اس الو کے پٹھے پر عاشق ہو جاؤں گی؟"

اس کی آخری بات بالکل درست تھی لیکن میں وہ احمقانہ اعتراف نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جوابی برہمی اختیار کرتے ہوئے کہا "تم بلاوجہ بات بڑھا رہی ہو۔ میں نے تم پر ایسا الزام لگایا ہے، نہ میں نے سلطان شاہ کو تمہاری نگرانی پر لگایا تھا۔ یہ تمہاری اپنی دماغی اختراع ہے۔ میں الزام تراشی کو کمینگی سمجھتا ہوں۔"

"میں کسی اور ارادے سے اُدھر گیا تھا۔" سلطان شاہ نے میری تائید کی "تم دونوں اتفاقاً ادھر آ نکلے تھے اور مجھے مجبوراً وہیں چھپنا پڑ گیا تھا۔ مجھے تمہاری نگرانی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اپنا برا بھلا تم خود سمجھتی ہو۔"

"یہ چھوٹی سی بات ڈینی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ ہر وقت میرا سرپرست بننے کی کوشش کرتا رہتا ہے....."

ویرا کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ دو آدمی ہمارے لیے گرم گرم کھانا لے آئے تھے۔

روٹیاں ٹھنڈی اور شوربے دار سالن بے ذائقہ تھا لیکن ہم سب کی بھوک چمکی ہوئی تھی۔ اس لیے ہم نے ڈٹ کر کھانا کھایا۔ سالن میں موجود سبزی ہمارے لیے نئی تھی لیکن جو کچھ بھی سامنے آگیا تھا ہم نے اپنا فرض سمجھتے ہوئے اس کا صفایا کر ڈالا۔ کھانے

کے بعد ہمیں گرم گرم قہوہ دیا گیا جو بہت لذیذ تھا۔ قہوہ پی کر ہم کھانے کی بے کیفی کو بھولنے پر مجبور ہو گئے۔ پچھلی رات کی پُرتکلف ضیافت کے بعد ویسے بھی ہماری عادتیں بگڑی ہوئی تھیں۔
کیروسین لیمپ کی لَو دھیمی کر کے ہم کمبل پر چپ چاپ لیٹ گئے۔ غزالہ کے ذہن پر گھنٹی کی پُراسرار آواز اتنی شدت سے سوار تھی کہ اس نے نیچی آواز میں وہی ذکر چھیڑ دیا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ جب تک ہم ان لوگوں کے درمیان پھنسے ہوئے تھے ہمارے لیے اس بارے میں بات کرنا سودمند نہیں تھا۔ صندل خان نے اسے اپنا اندرونی معاملہ قرار دے کر مجھے جتنی سخت تنبیہہ کی تھی' اس کے بعد گھنٹیوں کے بارے میں لب کشائی کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔
"اس وقت یہاں کوئی نہیں ہے۔ کم از کم ہم آپس میں تو بات کر سکتے ہیں۔" سلطان شاہ نے سرگوشی میں کہا۔
"یہاں داخل ہوتے وقت جو کچھ ہوا ہے اس سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی شنگاریوں کی وہم پرستی سے فائدہ اٹھا کر دور دور سے انہیں چڑاتا ہے اور جب وہ دیوانگی کی حدوں کو چھونے لگتے ہیں تو خاموشی سے فرار ہو جاتا ہے۔" ویرا نے بیٹھنے کے بعد کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ گھنٹی کا تعلق ان کی کسی قدیم روایت سے ہو۔"
"جو کچھ بھی ہو لیکن یہ صرف چڑانے کا معاملہ نہیں ہے۔" میں نے کہا "یہ بہت منظم لوگوں کا کام معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہاں سے چینغا سرائے تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ شنگاریوں کی نقل و حرکت سے بھی باخبر رہتے ہیں۔"
"بالکل!" سلطان شاہ جوشیلے لہجے میں بولا "وہ خاص خاص مواقع پر گھنٹی بجاتے ہیں۔ ہماری روانگی کے وقت گھنٹی والی بھیڑ چھوڑ دی گئی اور ہمارے یہاں پہنچتے ہی پھر گھنٹی بجا دی گئی......"
"یہ سب باتیں کسی خاص رخ کی نشان دہی کر رہی ہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "ان دو واقعات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ گھنٹیوں والے ہماری آمد کو خاص اہمیت دے رہے ہیں۔ وہ جو کوئی بھی ہوں اور ان کا جو بھی مقصد رہا ہو' وہ شنگاریوں کے خیرخواہ ہرگز نہیں ہیں۔"
"تمہیں سردار پائندہ گل سے اس بارے میں بات کرنی پڑے گی....." میں ویرا کی بات پر ہنس دیا۔
"میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ صندل خان نے تمہاری خاصی عقل چوس لی ہے....."
اس نے بھڑک کر میری بات کاٹ دی "یہاں اس خبیث کا ذکر کہاں سے آ گیا؟"
"تم بات ہی ایسی کر رہی ہو۔" میں نے ہنس کر کہا "ہم مذاکرات کرنے کے لیے یہاں نہیں آئے ہیں۔ ہمیں ہمارے فلیٹ سے اغوا کر کے زبردستی شنگارا ویلی لایا گیا ہے۔ ہمارے سامنے پہلا مسئلہ اپنی سلامتی کا ہے۔ ہمیں کس قسم کے خطرات لاحق ہیں اس کا علم سردار پائندہ گل سے ملاقات کے بعد ہی ہو سکے گا۔ تم مجھے اس طرح مشورہ دے رہی ہو جیسے ہم اپنی مرضی سے اس کوہ پیمائی پر نکلے ہوں اور اب سردار کی قدم بوسی کو جانے والے ہوں۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے اعتراف کیا "کل رات کی دعوت کے بعد تم دونوں کی پرواز ایک دم ہی بہت بلند ہو گئی تھی۔ غنیمت ہے کہ تمہیں اس سفر کا مقصد اور انجام یاد رہ گیا ہے۔"
"ہمیں ہوشیاری سے سونا ہوگا۔" غزالہ خوف زدہ آواز میں بولی "ہو سکتا ہے کہ رات کو کسی بھی وقت اچانک گھنٹیاں بجنی شروع ہو جائیں۔ مجھے تو یہ کوئی آسیبی سلسلہ معلوم ہوتا ہے ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چینغا سرائے میں بھیڑ چھوڑنے والا اس قدر خراب موسم میں ہم سے پہلے یہاں پہنچ گیا ہو جب کہ ہم جیپوں میں سفر کر رہے تھے اور ہم نے راستے میں کسی کو گزرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا....."
"تم نے زیادہ کھانا کھا لیا ہے اس لیے سکون سے سو جاؤ۔" ویرا اسے پچکارتے ہوئے بولی "احمق لڑکی! یہ ایک آدمی یا کسی بدروح کا کام نہیں ہے۔ تم نے سنا نہیں کہ ڈینی کیا کہہ رہا تھا۔ گھنٹیوں والوں کا خفیہ گروہ یہاں سے چینغا سرائے تک پھیلا ہوا ہے اور وہی لوگ شنگاریوں میں دہشت پھیلا رہے ہیں۔"
"کچھ بھی ہو' ہمارا یہ سفر تحیر اور سنسنی سے بھرپور ہے۔" سلطان شاہ انگڑائی لیتے ہوئے بولا "صبح ہمارے مقدر کا فیصلہ ہونے والا ہے اور ہمیں ابھی تک اپنا جرم معلوم نہیں ہے۔ سارا کام صرف قیاس آرائیوں سے چل رہا ہے۔ میں تو کئی راتوں سے خواب میں بھی ریت کے خیالی گھروندے بناتا اور توڑتا رہتا ہوں۔"
"تم کچھ اور کر بھی نہیں سکتے۔" ویرا نے اسے وہیں پکڑ لیا "کھانے اور سونے کے علاوہ تم نے اب تک اور کیا کیا ہے۔"
"تمہاری اور صندل خان کی خفیہ نگرانی۔" سلطان شاہ نے برجستہ کہا اور سب ہی بے ساختہ ہنس پڑے۔ غزالہ کے خشک ہونٹوں پر میں نے اس سفر میں پہلی بار بے ساختہ مسکراہٹ دیکھی تھی۔
ہم سب گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے اور ایسے سوئے کہ ہمیں پکڑ پکڑ کر بیدار کیا گیا۔ ہم اپنے ذہنوں کو پوری طرح خمار کی دھند سے نکالنے بھی نہ پائے تھے کہ صندل خان ہمارے سروں پر آ موجود ہوا۔
"باہر خچر تیار ہیں۔ ہمیں فوراً روانہ ہونا ہے۔ تم لوگوں کو ناشتا اوپر ہی ملے گا۔" اس نے کہا۔
"ٹرک اور جیپ کے بعد اب خچر ہی کی کسر رہ گئی تھی وہ بھی پوری ہو جائے گی۔" ویرا نے کراہتے ہوئے کہا لیکن صندل خان اس کی طرف دھیان دیے بغیر باہر چلا گیا اور اس کے آدمی ہم چاروں کو باہر ہانکنے لگے۔
ہمیں اس مکان کی دوسری سمت سے باہر نکالا گیا تو سورج کی

تیز روشنی میں ایک مسحور کن منظر ہماری نگاہوں کے سامنے پھیلا ہوا تھا۔ دور دور تک پھیلے ہوئے ہموار کھیتوں میں افیم کے سرسبز پودے لہلہا رہے تھے۔ کھیتوں میں جا بجا گھنے اور سایہ دار درخت اُگے ہوئے تھے جن کے نیچے دودھیا رنگ کی بھیڑیں بندھی ہوئی تھیں۔ کھیتوں میں بہت سے لوگ کام کر رہے تھے۔ ان میں چند عورتیں بھی تھیں۔ مجھے ایک عورت ایسی بھی نظر آئی جس کی چھاتیاں بالکل برہنہ تھیں اور سر کے بال صاف تھے۔ معاً مجھے سردار پائندہ گل کے لرزہ خیز دعوے یاد آ گئے۔ اس نے بالکل یہی کہا تھا کہ ٹھنگارا ویلی میں سورماؤں کے خون پر گریہ و ماتم کرنے والی عورتوں کے سر منڈوا کر چالیس دن تک ان کی چھاتیاں برہنہ رکھوائی جاتی ہیں۔ مجھے نظر آنے والی بدنصیب عورت شاید ان ہی میں سے ایک تھی جو اپنے باپ، شوہر یا بیٹے کی خون میں نہائی ہوئی لاش دیکھ کر بے ساختہ اندوہناک لے میں بین کر کے رونے لگتی ہیں۔

ان کھیتوں کے پیچھے اور داہنی جانب دھندلے پہاڑ موجود تھے۔ بائیں طرف گالان کا پُر جلال پہاڑ ایک فصیل کی طرح کھڑا ہوا تھا۔ اس کی کھڑی ڈھلانیں ناقابلِ عبور نظر آتی تھیں لیکن ہواؤں کے ساتھ اوپر سے ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جو گالان کی بلندی پر آبادی کی غماز تھیں۔ درّے کی طرف پہاڑ کا اٹھتا ہوا سرا واقعی زرّافے کی گردن کی طرح نظر آ رہا تھا۔

اس وادی میں پتھروں اور گارے کے مکانات ایک لمبی قطار کی صورت میں اس طرح بنائے گئے تھے کہ وہ درے کو وادی سے الگ کر رہے تھے۔ ہمیں لانے والی جیپیں اس قطار کی دوسری جانب موجود تھیں اور ایک طویل چکر کاٹے بغیر اندرونی حصے میں نہیں آ سکتی تھیں۔ تعمیر کا وہ انداز حربی تھا۔ دشمن کے حملہ آور ہونے کی صورت میں اوپر والے نشانچی اسے درّے میں ہی تہس نہس کر سکتے تھے۔ وادی والے، مکانوں کی اس سنگی فصیل میں قلعہ بند ہو کر، بچ نکلنے والوں کو بھون ڈالتے۔ ان دو حفاظتی مرحلوں کے بعد گالان کی بلندیاں ہر خطرے سے محفوظ نظر آتی تھیں۔

باہر دس مضبوط اور صحت مند خچر موجود تھے۔ ان میں سے چار پر سازوسامان کے بورے لدے ہوئے تھے۔ چھ کی پشت پر زین کسی ہوئی تھی۔ غزالہ اور ویرا کو خچروں پر سوار کرانے کے بعد ہم دونوں بھی سوار ہو گئے۔ وہ پہاڑی خچر اتنے قد آور تھے کہ رکاب میں پیر ڈالے بغیر ان کی پشت پر سوار ہونا ممکن نہیں تھا۔

صندل خان اپنے خچر کو ایڑ لگا کر سب سے آگے نکال لے گیا۔ اس کے پیچھے سلطان شاہ، پھر دونوں عورتیں اور آخر میں، میں روانہ ہوا۔ میرے پیچھے باربردار خچروں کا قافلہ تھا۔ سب سے آخر میں صندل خان کا ایک مسلح ساتھی تھا جو چینغا سرائے سے ہمارے ساتھ ہی آیا تھا۔ باقی لوگ ہم سے پہلے گالان چلے گئے تھے یا پھر نیچے ہی رک گئے تھے۔

افیم کے سرسبز کھیتوں کے درمیان بنے ہوئے ہموار راستے پر وہ کارواں اسی ترتیب سے چلتا رہا۔ صندل خان ایسے موڑ لے رہا تھا کہ ہم ہر قدم کے ساتھ گالان کی عظیم الشان فصیل سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔ آخر کار ہم کھیتوں سے نکل آئے۔ وہاں کام کرنے والوں کے دہشت زدہ چہروں اور بے نور آنکھوں سے دن کی روشنی میں بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ سب ٹھنگاریوں کے دشمن، مجرم یا قیدی تھے جنہیں زندہ رکھ کر اس بیگار پر لگا دیا گیا تھا۔

گالان کے سائے میں پہنچنے کے بعد، خچروں کی قطار اسی کے ساتھ ساتھ ایک طرف چلتی رہی حتیٰ کہ پہاڑی جنگلات کا سلسلہ شروع ہو گیا جو وادی سے اوپر تک پھیلے ہوئے تھے اور ان ہی گنجان درختوں میں یک بیک چڑھائی کا آغاز ہو گیا جو خاصی دشوار تھی ...

"لگامیں ڈھیلی چھوڑ دو۔ خچر خود چلتے رہیں گے۔" صندل خان نے چیخ کر ہدایت دی۔ میں اپنے اناڑی پن کی وجہ سے پہلے ہی اس ترکیب پر عمل کر رہا تھا۔ خچر بہت تربیت یافتہ اور مسکین تھے۔ ہر خچر سر جھکائے اگلے خچر کی دم سے منہ ملائے آگے بڑھ رہا تھا اس طرح پورے قافلے کی رہنمائی صندل خان کے ہاتھ آ گئی تھی۔

ہم لوگ وادی کے رخ سے گالان کی کھڑی ڈھلانیں دیکھ چکے تھے اور سب کے ذہنوں پر یہ نفسیاتی خوف طاری تھا کہ ہمیں ان ڈھلانوں کو طے کر کے اوپر جانا تھا۔ صندل خان نے اوپر جانے کے لیے جو گِلی بندھی راہ اختیار کی تھی وہ بظاہر زیادہ خطرناک نہیں تھی لیکن ڈھلان بتدریج بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ہر شخص کو خچر کی پشت پر اپنا توازن برقرار رکھنے کے لیے آگے کی طرف جھکنا پڑ رہا تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ سب لوگ اسی رفتار سے آگے کی طرف جھکتے رہے تو تھوڑی دیر بعد ہر ایک اپنے خچر کی گردن سے لپٹا ہوا نظر آئے گا۔

رفتہ رفتہ سخت جان خچر بھی ہانپنے لگے اور ان کی پیش قدمی کی رفتار بہت سست ہو گئی۔ میں نے ایک بار پلٹ کر پیچھے دیکھا تو دہشت سے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وادی بہت نیچے رہ گئی تھی اور ہم تقریباً عمودی سمت میں سفر کر رہے تھے۔ ہر شخص کی زندگی کا انحصار اس کے خچر کی کارکردگی پر تھا۔ ایک بار بھی کوئی پیر غلط پڑ جاتا تو وادی سے پہلے ایسی کوئی رکاوٹ موجود نہیں تھی جو ہڈیوں کو سرمہ ہونے سے بچا لیتی۔

ہم جن جنگلات سے اندر گھسے تھے وہ پُرپیچ راستے کی وجہ سے نہ جانے کس طرف رہ گئے تھے البتہ اوپر کی طرف سبزے کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

ویرا کا خچر میرے آگے تھا۔ وہ گردن گھما کر بولی "یہ لوگ ہیروئن سے اندھا دھند دولت کما رہے ہیں۔ انہیں یہیں رہنا ہے تو یہ اوپر آنے جانے کے لیے کیا ایک چیئر لفٹ نہیں لگوا سکتے۔ میرا تو خون آدھا رہ گیا ہے۔"

"چیئر لفٹ لگ جانے کے بعد تو یہ سفر تفریح میں بدل جائے گا۔ یہ لوگ اجنبیوں سے میل جول پسند ہی نہیں کرتے اس لیے ان طریقوں پر عمل کرتے ہیں جن پر صرف یہی لوگ قادر ہیں"

اپنی خوشی سے کون یہاں آنا پسند کرے گا۔"
"پھر تو ان کے لیے ماؤنٹ ایورسٹ یا کے ٹو ہی بہتر رہے
وہ جل کر بولی۔
ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ شاید ہم گالان
اور رخ پر پہنچ چکے تھے جہاں ڈھلان کم ہونے کا احساس
تھا۔ پھر اوپر پھیلے ہوئے سبزے میں جا بجا سفید دھبے نظر آنے
وقفے وقفے سے اپنی جگہیں بدل رہے تھے۔ کافی دیر کے صبر
سفر کے بعد ہم اس قابل ہو سکے کہ اپنے خچروں پر پشت کافی حد
سیدھی کر کے بیٹھ سکیں۔ سفید دھبوں نے واضح طور پر
ڈھلانوں پر چرنے والی بھیڑوں کا روپ اختیار کر لیا تھا اور ہم
اگے ہوئے جنگل میں داخل ہو چکے تھے۔ سفر کا بدترین
مرحلے ہو چکا تھا اور آثار بتا رہے تھے کہ جلد ہی ہمارے خچر
بھاگنے کی پوزیشن میں آجائیں گے اور ہوا بھی یہی۔ تھوڑی
دیر بعد زمین ہموار نظر آنے لگی اور قافلے کی رفتار تیز ہوگئی۔
ہانپنے کے باوجود ہمت نہیں ہاری تھی۔
جنگل سے نکلتے ہی ہمیں گالان کا بالائی حصہ نظر آنے لگا جو
حیرت ناک طور پر میدان نما تھا اور اس میدان کے ایک بڑے حصے
میں شاندار آبادی کے آثار موجود تھے۔ ہم جوں جوں نشیب سے
اوپر بڑھ رہے تھے وہ آثار واضح ہوتے جا رہے تھے۔ اور وہی
ہمارے روح فرسا سفر کی آخری منزل تھی جہاں شنگارا ویلی کا الم زدہ
سردار' پائندہ گل ہمارے بارے میں اپنا آخری فیصلہ صادر کرنے
والا تھا۔

آبادی سے باہر' میدان میں کھیلتے ہوئے سرخ و سفید اور
صاف ستھرے بچوں نے اپنا کھیل روک کر حیرت زدہ نظروں سے
ہمارے قافلے کو گزرتے ہوئے دیکھا۔ وہاں سے صندل خان نے
اپنے خچر کا رخ تبدیل کر لیا اور آبادی میں داخل ہونے کے بجائے
اس کے متوازی چلنے لگا۔

آبادی کے اختتام پر دوسرے مکانوں سے قدرے ہٹ کر
ایک حویلی نظر آ رہی تھی۔ صندل خان کے خچر کا رخ اسی خوب
صورت حویلی کی طرف تھا جو دوسرے مکانوں کی طرح پتھروں ہی
سے بنائی گئی تھی لیکن اس کی تعمیر میں رنگ برنگے پتھروں کے
استعمال سے انوکھے نقش و نگار پیدا کر دیئے گئے تھے۔

صندل خان کے خچر نے اس حویلی کی کھلی دہلیز عبور ہی کی تھی
بہت دور سے کسی گھنٹی کی تیز آواز گونجنے لگی اور پھر گالان کی
ہوائیں دھواں دھار فائرنگ سے لرز اٹھیں۔ شاید بستی کا ہر ذی
دیوانہ وار گولیاں چلا رہا تھا۔ اس ناگہانی شور سے تمام خچر
گئے بیشتر حویلی کے اندر دوڑتے چلے گئے۔ صندل خان
لگام دانتوں سے کھینچے کلاشنکوف چلا رہا تھا اس لیے اس
حملہ پر چلا کر خوف زدہ آوازیں نکال رہا تھا۔ میرا خچر پلٹ
کر پوری رفتار سے آبادی کی طرف دوڑ پڑا۔ صندل خان کے مسلح
ساتھی نے فائرنگ بھول کر نا قابلِ فہم زبان میں کچھ چیخنا شروع کیا
اور اپنے خچر کو میرے تعاقب میں ڈال دیا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں وہ
پیچھے سے گولی ہی نہ چلا دے۔

گھنٹی کی تیز آواز بس چند ثانیوں تک سنائی دیتی رہی پھر وہ معدوم ہوگئی اور اس کے بعد فضا میں صرف گولیوں کی گھن گرج باقی رہ گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گھنٹی کی آواز سنتے ہی گالان کے پلیٹو پر رہنے والوں پر گولیاں برسانے کا دورہ پڑ گیا ہو۔

خاموش اور پرسکون فضا میں پیدا ہونے والا وہ شور اس قدر بھیانک اور اعصاب شکن تھا کہ اپنے خچر کی طرح میں بھی بدحواس ہو کر رہ گیا تھا۔ خچر بھڑک کر مکانوں کی طرف دوڑے جا رہا تھا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اسے روکنے کے لیے کیا کروں۔ بس غیر ارادی طور پر میں نے خچر کے دونوں پہلوؤں پر موجود رکابوں پر اپنے پیروں کا دباؤ اس حد تک بڑھا دیا تھا کہ میں خچر کی پشت پر کسی ہوئی زین سے فضا میں تقریباً معلق ہو کر رہ گیا تھا اور رکابوں پر تقریباً کھڑا ہوا چل رہا تھا۔

پھر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ میرے تعاقب میں آنے والے نے میرے خچر کی رفتار میں کوئی کمی نہ آتے دیکھ کر کے بعد دیگرے دو گولیاں چلا دیں۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ دونوں ہوائی فائر تھے اور بالکل بے اثر ثابت ہوئے تھے۔ اس اثنا میں گالان والوں کو شاید اپنی دیوانگی کا احساس ہو چکا تھا کہ وہ گھنٹی کی پراسرار آواز معدوم ہو جانے کے بعد بھی اپنا اسلحہ ضائع کیے جا رہے تھے۔ فائروں کی تعداد کم ہوتے ہوئے' چند ثانیوں میں صفر رہ گئی اور وہاں پھر وہی سوگواری بے کراں خاموشی چھا گئی جو فائرنگ سے پہلے موجود تھی

معاً مجھے ہوش آیا اور میں نے اپنے بھڑکے ہوئے خچر کی لگامیں کھینچ لیں۔ خچر اپنے حلق اور نتھنوں سے عجیب و غریب آوازیں نکالتا ہوا' تیزی سے رکتا چلا گیا۔ پھر میرے پیچھے آنے والا شناری بھی اپنے خچر کو دوڑاتا ہوا میرے برابر میں آ گیا اور اس نے ایک پہلو سے میرے خچر کی لگام میں ہاتھ ڈالتے ہوئے' اپنے خچر کی پیٹھ چھوڑ دی۔

غصے اور وحشت سے اس شناری کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ میرے خچر کی تھوتھنی پر دو زوردار تھپڑ لگانے کے بعد وہ تیز لب و لہجے میں مجھ سے کچھ کہنے لگا لیکن وہ بولی میری عقل سے باہر تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو مجھے اندازہ ہوا کہ ہم لوگ خچر کے بھڑکنے کی وجہ سے سردار پائندہ گل کی حویلی سے کافی دور نکل آئے تھے۔

میرے ذہن پر تشویش اور اکتاہٹ پہلے سے طاری تھی۔ اس شناری کے تند و ترش لہجے سے میری بھی رگ بھڑک گئی اور میں نے اسی کے لہجے میں اسے انگریزی اور اردو میں ملی جلی گالیوں سے نوازنا شروع کر دیا۔ وہ میری گالیاں سمجھتا یا نہ سمجھتا' اس فعل سے میرے دل کی بھڑاس ضرور نکل رہی تھی۔

وہ اپنی بکتا رہا' میں اپنی بولتا رہا۔ چند ہی منٹ میں اس نے اندازہ لگا لیا کہ وہ مجھ پر بلاوجہ اپنی زبان دانی کے جوہر ضائع کر رہا تھا۔ اس حقیقت کا ادراک کرتے ہی وہ اشاروں کی زبان پر اتر آیا۔ میں نے تیز نظروں سے اسے گھورتے ہوئے دو چار انتہائی گالیاں دیں پھر خاموش ہو کر بے زاری کے عالم میں' اس کے اشاروں کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

بلند آہنگ مناظرہ بے سود ثابت ہوا تھا۔ میرا خیال...
کچھ میں نے اسے کہا تھا' اس نے بھی میرے لیے اس...
صاف ستھری زبان استعمال نہیں کی ہوگی۔ اگر ہم ایک...
زبان کا کچھ حصہ بھی سمجھنے پر قادر ہوتے تو ایک...
دوسرے سے گتھم گتھا ہو کر خوں ریزی کا آغاز کر چکے ہوتے...
مرحلے میں ہونے والے خاموش مذاکرات نتیجہ خیز ثابت...
وہ واضح طور پر مجھے اپنے تیز دار خچر کی پیش کش کر رہا تھا...
کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا اور اس نے میرا سرکش خچر...
لیا۔

ہم دونوں دوبارہ حویلی کی دہلیز پر پہنچے تو وہاں میدان صاف...
ہماری واپسی کا انتظار کیے بغیر وہ لوگ اندر لے جائے جا چکے...
ہم خچروں پر سوار حویلی کے وسیع و عریض صحن میں داخل ہو...
اندھیرا حیرت ناک سرعت کے ساتھ ہر طرف پھیلا...
تھا۔ میدانی علاقوں میں رفتہ رفتہ بدلیاں چھانے کا جو منظر...
رہتا ہے' وہ پہاڑوں میں بس ذرا سی دیر کے لیے نظر آتا ہے...
ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ اندھیرا گہرا ہی گہرا ہوتا جا...
ہے۔ آسمان پر ہر طرف سیاہ بادل پھیل چکے تھے اور سورج...
ہو چکا تھا۔

ہم اپنے خچروں کو صحن میں باندھ کر دالان میں پہنچے تو وہاں...
سے موجود' ایک شناری نے مجھے اپنی تحویل میں لے لیا...
لانے والا وہاں سے اس انداز میں لوٹ گیا جیسے اسے حویلی میں...
جانے کا حق حاصل نہ ہو۔

حویلی میں مشعلیں روشن ہونی شروع ہو گئی تھیں۔...
مجھے لے کر ایک راہداری میں داخل ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ...
تمدن اور آسائشوں سے دور رہ کر بھی انسان بہت کچھ کر گزر...
صلاحیت رکھتا ہے۔ حویلی کی تعمیر میں پہاڑی پتھر' گارے ا...
کے علاوہ شاید کوئی چوتھی چیز استعمال نہیں کی گئی تھی...
عمارت ہر اعتبار سے آرام دہ اور پرشکوہ نظر آ رہی تھی۔...
اونچی اور راہداریاں کشادہ تھیں۔

آخر کار مجھے ایک بڑے کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں...
تینوں ساتھی پہلے سے موجود تھے۔ مجھے لانے والا دروازے...
واپس لوٹ گیا اور فضا ویرا کی استقبالیہ چہکار سے گونج اٹھی...
شکر ہے کہ تم صحیح سلامت واپس آ گئے ہو۔ مجھے تو ڈر تھا کہ...
تمہیں کھڑی ڈھلانوں سے نیچے نہ پھینک دے۔"

"ایسی باتیں منہ سے نہ نکالو" غزالہ نے سہمی ہوئی...
احتجاج کیا "یہاں کسی وقت بھی کوئی واقعہ رونما ہو سکتا ہے...
ہر وقت اچھی توقعات رکھنی چاہئیں۔"

وہ ایک بڑا کمرا تھا جس کی چھت کو سہارا دینے کے لیے...
پر موٹے موٹے چوبی ستون گاڑے گئے تھے۔ کمرے کے...
کونوں میں چوبی تخت بچھے ہوئے تھے۔ ان پر موجود بستوں...

نکہ ہمیں کافی عرصے تک وہاں روکے رکھنے کے انتظامات
ئے تھے۔ ان میں سے ہر تخت اتنا کشادہ تھا کہ اس پر بیک
تی افراد بیٹھ سکتے تھے۔ اس وقت وہ تینوں ایک ہی تخت پر نیم
راز تھے۔

"مجھے حیرت ہے کہ گھنٹی کی پراسرار آواز سے یہاں کے رہنے
ے ہی نہیں بلکہ خچر تک بھڑکتے ہیں" ویرا کہہ رہی تھی "چوبیس
ھنٹوں میں ہم نے تیسری بار گھنٹی کی آواز سنی ہے۔"
"تمہارا دماغ خراب ہے" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا "خچر اور
ے انسانوں کی طرح توہم پرست نہیں ہوتے۔"
"لیکن تمہارا خچر تو تھا" ویرا نے اصرار کیا "یا پھر تم نے اسے
لگائی ہوگی۔"
"وہ فائرنگ کے اچانک شور سے بدکا تھا۔ مجھے ایڑ لگانے کی کیا
ورت تھی؟"
"ایک ہی بات ہے" وہ منہ چلاتے ہوئے بولی "گھنٹی بجنے کے
بعد ہیں فائرنگ ہوئی اور وہ فائرنگ سے بدکا۔ اس کا مطلب یہی
کہ اصل فساد گھنٹی کی آواز کا تھا۔ نہ وہ بجتی' نہ خچر بھڑکتا۔"
"یہ ریاضی کی کوئی مساوات نہیں ہے" غزالہ نے پھیکی سی
ہٹ کے ساتھ کہا۔
"تم لوگ فضول باتوں میں سر کھپا رہے ہو۔ ہمیں ابھی تک
کھانا نہیں دیا گیا ہے" سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا
"گلال خان ہمیں یہاں چھوڑ کر' ہوشیاری کے ساتھ کھسک گیا
ہے۔"
"مجھے اتنا یقین ہے کہ یہ لوگ ہمیں بھوکا نہیں ماریں گے۔"
ویرا نے فوراً ہی جواب دینا ضروری سمجھا "پہاڑی قبائل بھینٹ
چڑھانے سے پہلے' دل کھول کر اپنے شکار کی خاطر تواضع کرتے
ہیں۔"
"لیکن یہ لوگ تو مسلمان معلوم ہوتے ہیں" غزالہ چونک کر
بولی "یہ کس کی بھینٹ چڑھائیں گے؟"
"تھوڑی دیر بعد سب سامنے آجائے گا" ویرا مجھے آنکھ مار کر
برے منہ کے ساتھ بولی "باہر کی دنیا سے کٹ کر رہنے والوں کے
عقائد عجیب وغریب ہوتے ہیں۔ وہ خود کو مسلمان' عیسائی' یہودی یا
ہندو کہتے رہیں' ان کے رسوم ورواج میں وہی پرانے رنگ باقی
رہتے ہیں جو ان کے اجداد کے زمانے سے چلے آرہے ہوں۔"
میں اس کی بات پر کوئی تبصرہ کیے بغیر تخت کے ایک سرے پر
دراز ہو گیا۔

"باہر دوبارہ کالی گھٹائیں چھا چکی ہیں" سلطان شاہ بڑبڑایا
"غنیمت ہے کہ راستے میں بارش شروع نہیں ہوئی ورنہ ہمارا زندہ
بچنا محال تھا۔ گالان کی چوٹی' اس وادی سے ڈھائی تین سو فٹ بلند
ہے۔ ایسی خطرناک اور کھڑی ڈھلانیں میں نے پوری زندگی
میں نہیں دیکھیں۔"

"ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے؟" ویرا ہنس کر بولی "تمہاری
ایک چوزے جتنی عمر ہے۔ چسنی پینا چھوڑو گے تو تجربات میں خود بخود
اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔" اس وقت ہم چاروں میں صرف وہی
حالات سے بڑی حد تک بے پروا اور بشاش نظر آرہی تھی ورنہ
سب کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ آنے والے غیر یقینی دنوں کی
فکر اور تشویش ہر ایک کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی کیونکہ گالان
میں ہماری حیثیت بے دست وپا قیدیوں سے زیادہ نہیں تھی۔
اس کمرے کی ایک کھڑکی باہر کی جانب کھلتی تھی اور وہاں
گہری تاریکی کا راج نظر آرہا تھا۔ کم وبیش وہی صورتِ حال تھی جو
ہمیں پچھلے روز کے سفر میں پیش آچکی تھی۔ پھر اچانک ہی باہر سے
دھواں دار بارش کا شور سنائی دینے لگا۔ ہوا میں زمین سے اٹھنے والی
مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو شامل ہو گئی۔ وہ تینوں ہی اس منظر
سے لطف اندوز ہونے یا وقت گزارنے کے لیے سلاخوں والی کھڑکی
کے قریب جا کھڑے ہوئے۔
میں اپنی جگہ پر پڑا' سردار پائندہ گل اور گھنٹیوں کے بارے
میں سوچتا رہا۔ چھت کا سایہ اور آرام دہ بستر میسر آجانے کے بعد
مجھے بارش کی شدت کی ذرا بھی پروا نہیں رہ گئی تھی۔
تھوڑی دیر بعد فضا میں پھیلنے والی اشتہا انگیز خوشبوؤں نے ہم
چاروں کو بے چین کر دیا۔
"شاید کہیں کھانے کی چیزیں تیار کی جارہی ہیں" سلطان شاہ
گہرے گہرے سانس لیتا ہوا بولا۔
"بلی کو خواب میں بھی چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں" ویرا قہقہہ
مار کر بے رحمانہ لہجے میں بولی۔
"نہار منہ خچروں کی پیٹھ پر سفر کرنے سے بھوک واقعی چمک
اٹھی ہے" غزالہ نے سلطان شاہ کی تائید کی۔
"آؤ! پھر پتھروں کا قیمہ بنا کر سیخ کباب تیار کرتے ہیں۔ ویرا
نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔
وہ نوک جھونک وہیں ختم ہو گئی کیونکہ دو قوی ہیکل شکاری
بڑی بڑی تھالیاں اٹھائے' ہمارے کمرے میں آپہنچے۔ دونوں قد آور
اور خوفناک چہروں کے مالک تھے۔ ان کی چڑھی ہوئی سرخ آنکھوں
سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انہوں نے کوئی تیز نشہ کیا ہوا ہو۔ وہ
کمبل پر تھال رکھتے ہوئے' ہم چاروں کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔
"خان بابا تم میں سے اُس سے ملاقات کرے گا جس کا نام ڈینی
ہے" تھال رکھنے کے بعد ان میں سے ایک نے لب کشائی کی تو اس
کی زبان سے اردو سن کر مجھے حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہوئی۔
"میرا نام ڈینی ہے" میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے
نرمی سے کہا۔
"خوب!" سرہلا کر بولا پھر اس نے شکاریوں کا وہی گھسا پٹا فقرہ
دُہرایا جو میں پہلے بھی کئی بار سن چکا تھا "ہم دشمنوں اور اجنبیوں
سے ہاتھ نہیں ملایا کرتے۔ یہ ہماری قدیم روایت ہے۔"

"لیکن تم ہمارے ساتھ ناشتا تو کرلوگے؟" میں نے کمبل پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

اس بار اس کے ساتھی نے اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا "جن لوگوں کے ساتھ ہم ہاتھ نہیں ملاتے' ان کے ساتھ ایک دسترخوان پر کیسے بیٹھ سکتے ہیں؟ یہ بھی ہماری روایت کے خلاف ہے۔"

"ہمیں تمہاری روایات کی کوئی فہرست مل سکے گی؟" ویرا نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیوں؟" اس کی بھویں کمان کی طرح تن گئیں اور لہجہ غراہٹ میں بدل گیا۔

"ہم اجنبی ہیں' ہم سے باربار غلطیاں ہوتی رہیں گی" ویرا نے اپنی معصومانہ سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا "ایک بار فہرست مل جائے تو ہمیں اسے یاد کرنے سے بہت آسانی ہوجائے گی۔"

"یہ منشی خانہ نہیں ہے جو یہاں فہرستیں بنتی رہیں" وہ ترش روئی سے بولا "بس ایک بار جو بات بتادی جائے' اسے یاد رکھو۔ اس ہدایت پر عمل کیا تو خان بابا کے عتاب سے بچے رہوگے۔"

ان کے لائے ہوئے تھالوں میں گرم گرم پراٹھے' ابلے ہوئے انڈے' انگاروں پر بھنی ہوئی ایک نرم سی ران' لسّی کے چار بڑے گلاس' قہوہ اور خالی پیالیاں موجود تھیں۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ لوگ کھانے پینے کے شوقین تھے اور اس بارے میں اجنبیوں تک سے فیاضانہ سلوک کرنے کے عادی تھے۔

ہم چاروں شہر سے پکڑ کر ان سنگلاخ وادیوں میں لائے گئے تھے۔ ناشتے میں ہم سب کا معمول دو تین توسٹ اور چائے یا کافی تک محدود تھا لیکن ان اطراف میں پہنچنے کے بعد ہمارے معدوں نے بھی منہ کھول دئے تھے اور وہ بھاری ناشتا ہم سب کو مرغوب نظر آرہا تھا۔

"ہم سب کو تم دونوں کی زبان سے اردو سن کر بہت خوشی ہوئی۔ شاید گالان میں اردو جاننے والوں کی تعداد بہت کم ہے" ناشتے کے دوران میں' میں نے ان کو چھیڑا۔ وہ دونوں واپس جانے کے بجائے ایک طرف بیٹھے سگریٹ نوشی میں مصروف تھے۔ ان کی نظریں ہماری ہی جانب لگی ہوئی تھیں۔

"شکاراویلی میں بہتیرے لوگ اردو جانتے ہیں" بے پروائی کے ساتھ کہا گیا "البتہ گالان کی بستی میں گنے چنے لوگ ہی اردو جانتے ہیں کیونکہ انہیں کبھی بھی پہاڑوں سے نکل کر باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔"

"شکاراویلی اور گالان میں کیا فرق ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "ہم تو نیچے والی وادی کو ہی شکاراویلی سمجھ رہے تھے اور یہ پہاڑی تو خیر گالان ہی ہے۔"

"شکاراویلی بہت بڑی ہے۔ اونٹ کی گردن سے اندر داخل ہوتے ہی شکاراویلی شروع ہوجاتی ہے گالان جیسی بلکہ اس سے بڑی کئی بستیاں شامل ہیں بستی کا الگ نام ہے۔ یہ ساری بستیاں خان بابا کے ہیں۔ یہاں گالان میں خان بابا اور اس کے رشتے دار یوں سمجھو کہ گالان اس پوری وادی کا دارالخلافہ ہے افغانستان کا پایہ تخت ہے۔"

اس نے بہت خوب صورتی کے ساتھ وہ وضاحت تھی۔ میں نے بات بڑھاتے ہوئے کہا "شاید مجھے ناشتے کے بعد خان بابا سے ملاقات کرنے کے لیے لے جایا جائے گا؟"

"ہاں۔ تم ہمارے ساتھ ہی چلوگے۔ تمہارے ساتھی رہیں گے" اس نے کہا۔

"یہ میری عزت افزائی ہے کہ میں گالان میں سردار بابا کے پرنور چہرے کے زیارت کروں گا۔ لیکن میں تم سے یہ چاہوں گا کہ اس وقت سردار بابا کس حال میں ہے۔ مجھے جلال سے سخت خوف آتا ہے۔ میں ایسی حالت میں اس نہیں کرسکوں گا۔" میں نے عقیدت آمیز لہجے میں کہا۔

"خان بابا' اُسی دن سے غیظ وغضب کے عالم میں ہے اسے چھوٹے خان کے قتل کی خبر ملی تھی۔ اس نے قسم کھائی ہے کہ جب تک وہ چھوٹے خان کے قاتل کو کیفرکردار تک پہنچائے گا' اس کی پشت تخت یا مسہری کے نرم بستر کو نہیں چھوئے گی۔ اس نے اپنے اوپر ہر آسائش حرام کی ہوئی ہے۔ اس ڈیرے میں صرف فرشی قالین باقی رہ گیا ہے جس پر وہ اپنی بھی بسر کرتا ہے۔"

میں نے تو سنا ہے کہ اس نے سوگ اور صدمے کی عالم اپنی رعایا کو بھی حکم دینا چھوڑ دیا ہے۔"

"یہ تم سے کس نے کہا؟" وہ میری بات کاٹ کر کسی کتے کی طرح غرایا۔

"خان بابا مجھ سے ملنے کے لیے کراچی آیا تھا تو اس نے یہ سب بتایا تھا" میں نے اسے مرعوب کرنے کے لیے سادگی "ورنہ میں یہ سب باتیں جاننے کے وسائل نہیں رکھتا۔"

"خان بابا تم سے ملنے گیا تھا؟" وہ سوال کرتے ہوئے آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں! عبدالرحیم خان کو دفن کرنے کے بعد وہ میرے تھا" میں نے گھر کا ذکر کرکے اپنی بات میں مزید زور پیدا کرنے کہا "مجھے حیرت ہے کہ اسے اتنی جلدی مجھ سے دوبارہ کیا ضرورت پیش آگئی؟"

وہ میرے دعوے کے سحر سے آزاد ہونے کے لیے اپنے جھٹکتے ہوئے بولا "اپنے معاملات کو وہ خود جانتا ہے لیکن ضرور کہہ سکتا ہوں کہ چھوٹے خان کے قتل نے اس کی روح

ہی کردیا ہے۔"

"چھوٹے خان کی لاش کو خچر کی پشت پر لاد کر دادی سے یہاں تک لانے میں تو بہت دقت ہوئی ہوگی" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد سرسری لہجے میں کہا۔

"خچروں کے نخرے تم جیسے اجنبیوں کے لیے ہوتے ہیں جو ان کو بالکل نہیں سمجھتے" وہ تحقیر آمیز لہجے میں بولا "یہاں کے پہاڑوں کے بچے کھیل کھیل میں دن بھر اوپر نیچے دوڑتے بھاگتے رہتے ہیں۔"

میرے لیے اس کا وہ انکشاف بہت اہم تھا۔ صندل خان نے ہمارے دلوں پر کھڑی چڑھائیوں کی ہیبت بٹھانے کے لیے شاید دشوار گزار اور پیچیدہ راستہ اختیار کیا تھا تاکہ گالان سے اتر کر فرار ہونے کا خیال بھی ہمارے ذہنوں میں نہ آسکے۔ اگر کوئی ایسا راستہ تھا جسے شاریوں کے بچے استعمال کرسکتے تھے تو ہمارے لیے بھی وہ راستہ ناقابلِ عبور نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ہمارے لیے وہاں سے فرار ہونے کے امکانات موجود تھے۔ شرط صرف اتنی سی تھی کہ ہم کسی طرح کچھ ہتھیاروں اور فاضل راؤنڈز کی وافر تعداد پر قابض ہوجاتے تو گالان سے اتر کر نیچے کھڑی ہوئی کسی گاڑی پر سوار ہوکر بینا سرائے کی طرف واپسی کا سفر اختیار کرسکتے تھے۔

ہمارے ناشتے کے لیے لائی جانے والی اشیا کی مقدار اتنی زیادہ تھی کہ ہم چاروں پوری طرح شکم سیر ہونے کے بعد بھی انہیں ختم نہیں کرسکے۔ ان دونوں نے مل کر برتن یکجا کیے۔ ایک آدمی نے وہ سامان اٹھایا اور دوسرے نے میری طرف اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ مجھے پیشی کے لیے روانہ ہونا تھا۔

"اتنے شاندار ناشتے کے بعد مجھے ایک سگریٹ تو پی لینے دو" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں درخواست کی "ہوسکتا ہے کہ خان بابا مجھے سگریٹ نوشی کی اجازت نہ دے۔"

وہ کچھ کہے بغیر بیٹھ گیا۔ اس کا ساتھی، خالی برتن لے کر روانہ ہوچکا تھا۔

آنکھیں نیم وا کرکے سگریٹ کے چند گہرے گہرے کش لینے کے بعد میں نے اچانک ہی ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور خوف زدہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا، جیسے مجھے کسی نادیدہ گوشے سے موت کے نزول کا خوف لاحق ہوگیا ہو۔ ابتدائی ردِعمل میں وہ شخص بھی چونکنے انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے؟ تم یکایک کیوں بھڑک اٹھے ہو؟" چند لمحوں کے بعد اس نے رازدارانہ سرگوشی کے انداز میں مجھ سے سوال کیا۔ اس کی آنکھوں سے گہری تشویش جھانک رہی تھی۔

"سنو! غور سے سنو" میں نے بھی سرگوشیانہ لہجے میں کہا "پھر وہ گھنٹی بج رہی ہے۔"

اس نے خاموش رہ کر وہ آواز سننے کی کوشش کی لیکن باہر برسنے والی بارش کے شور میں کچھ تھا ہی نہیں جو اسے سنائی دیتا۔

میں اسے وہم میں ڈال کر دل ہی دل میں اس کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

گھنٹی کی آواز سننے میں ناکامی پر اس کے چہرے کے نقوش بگڑنے لگے پھر وہ جھلائی ہوئی آواز میں بولا "کچھ بھی نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے کان بج رہے ہیں تمہیں وہم ہو رہا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اچانک ویرا بول پڑی "کل سے تین بار گھنٹیوں کی آواز پھر دھواں دھار فائرنگ کی گونج سن کر ڈینی کے دماغ میں دہشت سما گئی ہے۔ رات کو بھی یہ گہری نیند میں کئی بار ڈر کر بڑبڑانے لگا تھا۔ اس کا خیال ہے کہ کوئی بدروح گھنٹی لے کر شگارا ویلی اور اس کے باسیوں کے گرد منڈلا رہی ہے۔"

"بند کرو یہ بکواس" وہ اضطراری انداز میں ویرا پر برس پڑا۔ اس کی آواز پھنسی پھنسی تھی اور آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا تھا۔ شاید بدروح کے ذکر نے اسے مضطرب کر دیا تھا۔

"تم بتا سکتے ہو کہ وہ گھنٹی کون بجاتا ہے؟" میں نے بے چارگی سے پوچھا "اس منحوس آواز نے شاید میرے ذہن کو بیمار کر دیا ہے۔ مجھے ہر وقت وہی آواز سنائی دینے لگی ہے۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے میرے ہاتھ سے جلتی ہوئی سگریٹ چھین کر فرشی کمبل سے دور اچھال دی اور غضب ناک لہجے میں بولا "بس، بہت ہو گیا۔ اب اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ تم لوگ منہ لگانے کے قابل نہیں ہو۔ چلو! خان بابا تمہارا انتظار کر رہا ہو گا۔"

"د..... دیکھو! مجھے پھر وہی آواز سنائی دینے لگی ہے۔" میں نے خوفزدہ انداز میں ہکلانے کے ساتھ، ہولے ہولے لرزنا بھی شروع کر دیا "گھنٹی بجتی ہے، گولیاں چلتی ہیں لیکن گھنٹی بجانے والا نظر نہیں آتا۔ مجھے تو شگارا ویلی پر بدروحوں کا سایہ معلوم ہوتا ہے۔ خدا مجھے ان کے عذاب سے محفوظ رکھے۔"

خوف اور غصے کی ملی جلی کیفیت کے زیر اثر اس کا چہرہ مضحکہ خیز حد تک بگڑ گیا۔ وہ دانت پیستا ہوا میری طرف جھپٹا اور اس نے اپنے چوڑے ہاتھ سے میری گردن دبوچ لی۔

"جب تک شگارا ویلی پر خان بابا کا سایہ ہے، بدروحیں ادھر کا رخ بھی نہیں کر سکتیں" اس نے اتنی اونچی آواز میں چیختے ہوئے کہا جیسے میرے ساتھ بدروحوں کو بھی وہ سب سنانا چاہ رہا ہو "بدروحیں مُردوں کے پیٹ میں گھس کے دوسروں کو پریشان کرتی ہیں۔ اسی لیے ہم اپنے مردوں کے پیٹ سے ساری آلائشیں نکال کر مغرب کی ڈھلانوں میں پھینک دیتے ہیں۔ وہاں برفانی گدھ ہر ریشہ چٹ کر جاتے ہیں۔ چھوٹے خاں کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا تھا پھر شگارا ویلی میں کوئی بدروح کیسے آ سکتی ہے؟ تم بدمعاش ہو اور ہمیں ڈرانا چاہ رہے ہو۔ بستی میں کسی نے بھی گھنٹی کی آواز سنی ہوتی تو اب تک ہر طرف گولیاں برس رہی ہوتیں..." اس نے میری گردن دبوچنے پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ اپنی وحشیانہ قوت سے مجھے بری طرح جھنجھوڑے جا رہا تھا۔ اگر اسے اپنے سردار کی خواہش کا پاس نہ ہوتا تو شاید وہ مجھے رگیدنے سے بھی گریز نہ کرتا۔ قوی الجثہ اور بے خوف ہونے کے باوجود وہ بدروحوں کے ذکر پر پریشان بلکہ اعصاب زدہ ہو گیا تھا۔

ویرا نے اس کا درشت رویہ دیکھتے ہوئے، لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کی بات کاٹ کر بولی "تم بلاوجہ اس کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ ڈینی گھنٹیوں کی آواز سے دہشت زدہ ہے۔ اسے رات بھر گھنٹیاں سنائی دیتی رہی ہیں۔ اس کی دہشت کی ساری ذمے داری تم لوگوں پر ہے۔ ایک گھنٹی کی معمولی سی آواز پر تم سب پاگل ہو کر گولیاں برسانے لگتے ہو اور اپنے اس ردِعمل کا کوئی سبب بھی نہیں بتاتے۔ یہ صورت حال تو ہم سب کو ڈینی جیسا بنا دے گی۔"

اس نے بے بسی سے میری گردن چھوڑ دی اور ویرا کو خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے غرایا "دہشت سے تم سب کے کلیجے بھی پھٹ جائیں تو ہمیں ذرا بھی غم نہیں ہو گا لیکن یہ روحوں والی بکواس میری برداشت سے باہر ہے۔ ڈینی نے اب کسی بدروح کا ذکر کیا تو میں اسے گولی مار کر اپنی کھوپڑی میں بھی سوراخ کر لوں گا تاکہ مجھے خان بابا کے سامنے ندامت سے اپنا سر نہ جھکانا پڑے۔ ہمیں دنیا کی ہر مصیبت سے بچا سکتا ہے لیکن بدروحوں پر کس کا زور چلتا ہے؟ اسے سمجھاؤ کہ اب یہ اپنی کالی زبان بند رکھے۔"

"میں سمجھ گیا" میں نے خوف زدہ انداز میں اپنا سہلاتے ہوئے، اسے آخری چرکا لگانے کی نیت سے کہا۔ "اگر تم بدروحوں کے ذکر سے اسی قدر ڈرتے ہو تو اب میں بھول کر بھی ان کا ذکر نہیں کروں گا۔ اپنے ذہن میں آنے والے ہولناک اندیشوں کو اپنے ذہن میں ہی رکھوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ خان بابا مجھے اس بھیانک عذاب سے نجات دلا دے جو آسیب بن کر میرے دماغ میں گھس گیا ہے۔"

میری گفتگو کے دوران میں اس کے چہرے کا رنگ بار بار بدلتا رہا۔ اس کی قہربار آنکھوں میں کئی بار خوف کے سائے لہراتے نظر آئے کیونکہ میں نے ایک ہی سانس میں بدروحوں، ہولناک اندیشوں، بھیانک عذاب اور آسیب کا ذکر کر کے اس کے دماغ کی چولیں ہلا دی تھیں مگر میں نے جو کچھ کہا، وہ ہر قسم کی گرفت سے محفوظ تھا۔ وہ بے بسی اور غصے کے ساتھ مجھے گھورتا رہا اور میرے خاموش ہوتے ہی میرا داہنا بازو پکڑ کر نکاسی کے راستے کی طرف چل دیا۔

وہ حویلی وسیع رقبے پر تعمیر کی گئی تھی اور اس میں ان گنت چھوٹے بڑے کمرے تھے جنہیں راہداریوں نے ایک دوسرے سے منسلک کیا ہوا تھا۔ بعض کمرے ایسے بھی تھے جن کے دروازے راہداریوں کے بجائے دوسرے کمروں میں کھلتے تھے۔ ہم چھت کے سائے سے باہر نکلے بغیر ایک بہت بڑے ہال میں

ہوئے تھے جہاں فرش پر پڑے ہوئے کمبلوں پر بیش قیمت قالین بچھے ہوئے تھے اور ان پر متعدد مقامی لیٹے یا بیٹھے ہوئے تھے۔ اس ہال کے آخری گوشے پر ایک بڑا سا منقش دروازہ تھا جو بند تھا۔

ہم دونوں کے پہنچتے ہی تمام مقامی چونک کر ہماری طرف متوجہ ہوگئے۔ بڑی بڑی پگڑیوں کے نیچے چمکتی ہوئی تیز اور حیوانی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ مجھے لانے والا' ان لوگوں کی سلام دعا کا سرسری جواب دیتا ہوا آگے کی طرف بڑھتا رہا۔ اس کا رخ منقش دروازے کی طرف تھا۔

میرا خیال تھا کہ وہ اس دروازے سے گزر کر دوسری طرف جائے گا لیکن وہ دروازے کے قریب پہنچ کر ٹھہر گیا۔ اس نے آہستگی سے دروازے پر دستک دی اور اندر سے ایک غراتی ہوئی زخمی آواز سنائی دی۔ اس نے جو کچھ کہا' وہ مقامی بولی میں تھا۔ مجھے لانے والے نے اسی زبان میں جواب دیا۔ اندر سے پھر کچھ کہا گیا اور میرے ساتھ والے نے دباؤ ڈال کر وہ منقش دروازہ کھول دیا۔

میرا خیال تھا کہ وہ اندر جانے میں پہل کرے گا تو میں اس کی تقلید کروں گا لیکن وہ وہیں رکا رہا۔ اس نے میری پشت پر ہاتھ رکھ کر سرگوشیانہ آواز میں کہا "ادب کے ساتھ اندر چلے جاؤ۔"

"تم میرا ساتھ نہیں دوگے؟" میں نے پلٹ کر اس سے پوچھا۔

"ہم لوگ غیر ضروری طور پر خان بابا کا سامنا کرنے سے بچتے ہیں۔ تم جاؤ۔"

"ڈپٹی! اندر چلے آؤ" اندر سے اسی غراتی ہوئی' زخمی آواز نے براہ راست مجھے مخاطب کر کے اردو میں کہا اور اس بار میں نے سردار پائندہ گل کی آواز پہچان لی "میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

"میں آرہا ہوں' خان بابا!" میں نے جلدی سے کہا اور سیڑھیاں عبور کر کے فوراً اس خلا میں داخل ہوگیا جو منقش دروازہ کھلنے سے نمودار ہوا تھا۔ اندر خاصی گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

میرے اندر داخل ہوتے ہی کسی نے منقش دروازہ بند کردیا اور میں الجھن کے عالم میں اپنی جگہ پر کھڑا رہ گیا۔ مجھے اپنے سامنے تاریکی کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا لیکن میرے ننگے پاؤں' فرش پر بچھے قالین کا پر آسائش لمس محسوس کر رہے تھے۔

"رک کیوں گئے؟ سیدھے چلے آؤ۔ چند سیکنڈ میں تمہیں بھی اس تاریکی سے لطف آنے لگے گا" سردار پائندہ گل کی کرب آلود آواز ابھری "اندھیرا بہت سکون پرور ہوتا ہے۔ اپنی کوکھ میں ان گنت گناہوں کو چھپالیتا ہے۔ یہ کیسا اتفاق ہے کہ تم آئے ہو تو سورج سیاہ بدلیوں کے پیچھے چلا گیا ہے۔"

سردار پائندہ گل کے الفاظ سے دوستی نہیں تو دشمنی بھی نہیں جھلک رہی تھی۔ اس کی ہدایت پر میں نے آگے بڑھنا شروع کردیا اسی وقت باہر ہولناک کڑک کے ساتھ آسمانی بجلی کے تڑاخے گونجنے لگے اور ہر طرف تیز روشنی سی روشنی بھر گئی۔

کئی لمحوں تک قائم رہنے والی اس تیز روشنی میں' میں نے دیکھا کہ اس بڑے کمرے کی عقبی دیوار شیشے کی تھی۔ اس سے باہر موسلادھار مینہ برس رہا تھا اور اسی شیشے سے آسمانی روشنی نے اس کمرے کو منور کردیا تھا۔ داہنی طرف سردار پائندہ گل ایک گاؤ تکیے کے سہارے قالین پر نیم دراز تھا۔ اس کے سامنے صندل خان دوزانو ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ ان دونوں کے درمیان میں خور و نوش کے کچھ لوازم بھی نظر آئے تھے۔

گالان کی دشوار گزار بلندی پر واقع سردار پائندہ گل کے اس کمرے میں شیشے کی وہ دیوار کسی عجوبے سے کم نہیں تھی۔ فرش سے شاید ایک ڈیڑھ فٹ تک پتھر کی دیوار تھی۔ اس کے بعد کچی چھت تک شیشہ ہی شیشہ تھا جس کے پردے سمٹے ہوئے تھے۔ شیشے کی اس دیوار کی چوڑائی کسی بھی طرح تیس فٹ سے کم نہیں تھی۔ جدید اصطلاح میں اسے فرنچ ونڈو ہی کہا جاسکتا تھا لیکن فرنچ ونڈو کا وہ جہازی بلکہ جناتی سائز میری نظروں سے پہلے کبھی نہیں گزرا تھا۔

بجلی کی چمک معدوم ہوتے ہی وہاں اتھاہ اندھیرا چھا گیا اور میں غیر ارادی طور پر اپنی جگہ پر رک گیا۔

"ایک موم شمع روشن کردو" سردار پائندہ گل نے شاید صندل خان کو ہدایت کی "بجلی کی چکاچوند نے شاید ڈپٹی کو پریشان کردیا ہے۔ پچھلی دیوار کے پردے بھی برابر کردو تاکہ ہم یکسوئی کے ساتھ کچھ اہم باتیں کرسکیں۔ میں اب زیادہ صبر نہیں کرسکتا۔"

شمع دان ان دونوں کے قریب ہی موجود تھا۔ موٹی سی موم بتی کی لرزتی ہوئی زرد لو نے فوراً ہی ان دونوں کے بھیانک سائے بنانے شروع کردیئے۔ صندل خان شیشے کی دیوار پر پردے کھینچنے کے لیے چلا گیا اور میں تیزی سے سردار پائندہ گل کے روبرو جا پہنچا۔

ہم لوگ جس حالت میں گالان کی سطح مرتفع تک پہنچائے گئے تھے' اس کی بنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ سردار پائندہ گل مجھ سے ہاتھ نہیں ملائے گا لیکن میں اس کے سامنے پہنچتے ہی ادب و احترام کے ساتھ جھکا اور اپنے دونوں ہاتھ مصافحے کے لیے اس کی طرف بڑھادیئے۔

پائندہ گل نے اپنی بڑی بڑی اور سرخ بھبوکا آنکھیں اٹھا کر میری طرف دیکھا پھر داہنا ہاتھ اپنی بے ترتیب داڑھی پر پھیرتے ہوئے بولا "ہاتھ واپس لے لو۔ ابھی تک میرے اور تمہارے مراسم کا تعین نہیں ہوسکا ہے۔ تم اجنبی تو نہیں رہے ہو لیکن میرے دوست بھی نہیں ہو۔ جس دن تم نے مجھ سے دوستی کا ثبوت فراہم کردیا' میں خود ہی تم سے ہاتھ ملالوں گا بلکہ تمہیں اپنے سینے سے لگالوں گا۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

میں نے سر جھکا کر اس کے حکم کی تعمیل کی۔ بیٹھتے ہوئے' میری نظر اس ٹرے پر پڑی جس میں سفید روسی شراب کی بوتل اور دو گلاسوں کے ساتھ خشک میوے رکھے ہوئے تھے۔ اس کا مطلب تھا

کہ سردار پائندہ گل کی زاہدانہ وضع قطع ایک بہروپ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ باریش، پرنور اور متشرع نظر آنے کے باوجود وہ مے نوشی جیسی قبیح عادت میں مبتلا تھا جو شرعاً حرام تھی۔ شاید وہ عادت یا روایات کے تحت نمائشی ملائیت کی نقاب اوڑھنے پر مجبور تھا ورنہ اس کی روزی کا انحصار ہیروئن کی آمدنی پر تھا اور اس کا شوق روسی واڈکا کی صورت میں میرے سامنے موجود تھا۔

سردار پائندہ گل کا وہ خصوصی کمرا، اس وسیع و عریض حویلی کے آخری سرے پر واقع تھا اس لیے باہر ہونے والی تیز برسات کا شور وہاں واضح طور پر سنائی دے رہا تھا۔ پائندہ گل جب بھی چاہتا، شیشے کی دیوار پر سے پردے ہٹوا کر، وہیں بیٹھے بیٹھے، باہر کے مناظر سے لطف اندوز ہو سکتا تھا۔

صندل خان پردے کھینچنے کے بعد واپس لوٹا تو اس کے اور سردار کے درمیان، مقامی بولی میں مختصر سا مکالمہ ہوا اور پھر صندل خان نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

تخلیہ ہوتے ہی، سردار پائندہ گل نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ہم کئی ثانیوں تک خاموشی سے ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے رہے۔ میں اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کے دل کی بات سمجھنے سے قاصر تھا اس لیے اس کی چبھتی ہوئی نگاہوں سے بے چینی محسوس کرنے لگا۔

آخر کار پائندہ گل بول ہی پڑا "وہ حرام زادی چوپالوں میں اپنی بے حیائی کا قصہ سناتی پھر رہی ہے۔ اسی لیے میں نے تم کو پکڑوا کر یہاں بلایا ہے" اس کی آواز نیچی مگر شرربار تھی۔

"لیکن اس معاملے میں میرا کیا قصور ہے، خان بابا؟" میں نے بے بسی سے احتجاج کیا "میں نے تمہیں ہر بات صاف صاف بتا دی تھی۔ اب وہ بے شرمی پر اتر آئی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"ہو سکتا ہے کہ اس نے پستول کی نوک پر تمہیں اپنی خواہش کا غلام بنایا ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ اس بے شرمی میں تم برابر کے شریک تھے۔ تم نہ ہوتے تو جنت گل کو کسی افسانہ طرازی کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔" اس نے اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے، تحمل کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر بیان کیا۔

"میرے وہاں ہونے میں بھی میری مرضی یا پسند کا کوئی دخل نہیں تھا" میں نے لجاجت سے کہا "چھوٹے خان نے مجھے اپنے قیدی کے طور پر کوچی کیمپ والے آہنی کنٹینر سے اس فلیٹ میں پہنچایا تھا۔"

"پرانی باتیں دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے لیکن یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ اب جنت گل نے تمہارے حوالے سے مجھے بدنام کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ توہین میری برداشت سے بالکل باہر ہے۔"

اس کے تیور دیکھتے ہوئے، میں نے خاموشی ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔ اس نے بوتل سے سفید شراب ایک گلاس میں انڈیلی اور

ایک بڑا گھونٹ لینے کے بعد دوبارہ بولا "تمہیں معلوم ہے [illegible] جنت گل کے خون کا پیاسا ہو رہا ہوں۔ مجھ پر عبدالرحیم خان [illegible] قتل کا انتقام فرض ہو چکا ہے لیکن وہ بے حیا لڑکی ابھی تک میری دسترس سے باہر ہے۔ اب اس کو پکڑنے کے لیے تمہیں بھی [illegible] ساتھ دینا ہو گا۔ یہ میرا سوچا سمجھا فیصلہ ہے۔"

وہ ایک عجیب شرط تھی۔ میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہو گئیں اور میں نے دھیمے سے پوچھا "میں ہر طرح تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔ تم مجھ سے کس قسم کا تعاون چاہتے ہو؟"

"میرے آدمی شکاری کتوں کی طرح اس کتیا کا پیچھا کر رہے ہیں لیکن وہ شہر میں لکھ پڑھ کر بہت چالاک ہو گئی ہے۔ وہ شکاریوں کو ہزاروں کی بھیڑ میں بھی پہچان لیتی ہے۔ اس لیے ان کے نرغے سے بچ نکلتی ہے۔ اب میں نے سوچا ہے کہ تم جا کر اسے گھیرو گے اور پکڑ کر میرے آدمیوں کی مدد سے یہاں لاؤ گے۔"

"اگر مجھے اس کا سراغ مل جائے تو میں یقیناً اس منصوبے پر عمل کر گزروں گا۔ لیکن اس میں میرے تین ساتھیوں کا کیا کردار ہے جو انہیں اس طویل اور تکلیف دہ سفر کی صعوبتوں سے دوچار کیا گیا ہے؟"

سردار پائندہ گل کے پتلے پتلے ہونٹوں پر استہزائیہ سا [illegible] آ گیا اور وہ شاطرانہ لہجے میں بولا "تم جنت گل کو تلاش کرو گے اور وہ تینوں ضمانت کے طور پر شکارا ویلی میں رہیں گے۔ تم جنت گل [illegible] لے آئے تو تم چاروں کو انعام و اکرام کے ساتھ یہاں سے [illegible] کر دیا جائے گا۔ تم نے روپوش ہونے کی کوشش کی تو ان تینوں [illegible] ہلاک کر دیا جائے گا۔ ان کے بغیر یہ منصوبہ کامیاب ہو ہی نہیں سکتا تھا۔"

اس کی شیطانی کھوپڑی نے بہت دور کی بات سوچی تھی۔ اس کا منصوبہ بے داغ اور قابل عمل تھا۔ اس کے جواب میں میرے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر بھی میں نے بات بڑھانے کی نیت سے کہا "تو یوں کہو کہ تم ان تینوں کو یرغمال بنانا چاہتے ہو۔ اس کام کے لیے تم مجھے کتنی مہلت دو گے؟"

"یہ کوئی بڑا کام نہیں ہے جس کے لیے مدت مقرر کرنی [illegible]"

موم شمع کی گھٹتی اور بڑھتی ہوئی زرد روشنی میں سردار پائندہ گل کا چہرہ، اس وقت بہت ڈراؤنا نظر آ رہا تھا۔ وہ بے پروایانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ "میرے آدمی شب و روز تمہاری کارگزاری [illegible] رکھیں گے۔ تم دل و جان سے جنت گل کی کھوج میں لگے [illegible] تمہاری مہلت برقرار رہے گی۔ جس دن تم نے غفلت برتی [illegible] کی یا کسی سازش کا سہارا لینا شروع کیا، سب کچھ ختم کر [illegible] گا۔ میں اپنے فیصلوں پر عمل کروانے کی پوری طاقت رکھتا [illegible] چھوٹے خان کے خون کا انتقام پورا ہونے تک میں نے [illegible] طور پر اپنے لوگوں کو حکم دینا بند کر دیا ہے لیکن ان کی [illegible] بھی میری غلام ہیں۔ وہ میری پرانی ہدایتوں پر عمل کر کے [illegible]

انتقام چلا رہے ہیں۔ اگر تم نے جنت گل کو یہاں لانے میں کوتاہی
کھول کر سن لو کہ پھر میں تمہارے ساتھیوں پر چھوٹے خان
کے قتل کا الزام عائد کردوں گا اور ان پہاڑوں میں بسنے والے' آتا
میں ان تینوں کو خاک و خون میں نہلا دیں گے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ جنت گل جیسی سبک اندام' خوب صورت
اور کم سن لڑکی نے تم جیسے پر جلال سردار کے مقابلے پر آنے کی
جسارت کی ہے۔ اسے تو۔۔۔" پائندہ گل کی غراہٹ کی وجہ سے میری
بات ادھوری رہ گئی تھی۔

"بس! میرے سامنے اس فاحشہ کے قصیدے پڑھنے کی
ضرورت نہیں۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ مقابلے پر آئی
ہے تو کسی حقیر چیونٹی کی طرح مسل بھی دی جائے گی۔"

"وہ اسی سلوک کی مستحق ہے" میں نے سہلاتے ہوئے اس
کی تائید کی "میں تو اس کی دریدہ دہنی پر حیران رہ گیا تھا۔ وہ بہت
بڑی بڑی اور کڑوی کسیلی باتیں کرتی ہے۔۔۔"

"تو کیا اس نے تم سے کچھ اور باتیں بھی کی تھیں؟" پائندہ گل
نے بھڑک کر پوچھا۔

"ایسی ویسی!" میں نے اپنے کانوں کو چھوتے ہوئے کہا "میں
ان باتوں کو دہرا بھی نہیں سکتا۔"

"بتاؤ' مجھے کھل کر بتاؤ کہ اس نے کیا کہا تھا؟" پائندہ گل
مشتعل ہو کر بولا۔ میں کمال ہوشیاری سے اس کے دل میں تجسس
کی وہ جوت جگانے میں کامیاب ہو گیا تھا جو میرے حق میں سود مند
ثابت ہو سکتی تھی۔

"وہ اپنی گونگی ماں پر بہتان رکھ رہی تھی۔ وہ باتیں سن کر
تمہیں تکلیف ہو گی حالانکہ تم نے بھی مجھے کچھ بتایا تھا۔"

"اچھا!" پائندہ گل نے ایک خوفناک ہنکارا بھرا پھر زہریلی
آواز میں بولا "تو وہ اب اتنی گستاخ ہو گئی ہے۔ اس نے تو تمہیں کیا
بتایا ہو گا۔ اصل بات مجھ سے سنو کہ جنت گل ضیغم خان کی اولاد
نہیں ہے۔"

"ضیغم خان کون؟" میں نے معصومانہ حیرت سے پوچھا "جنت
نے اس کا نام نہیں لیا تھا۔ تم دوسری بار اس کا ذکر کر رہے ہو۔"

"ضیغم خان اس گونگی کا خصم ہے جس کی کوکھ میں جنت گل
گندے کیڑے کی طرح پروان چڑھی" پائندہ گل کا غصہ اپنے عروج
پر پہنچا ہوا تھا۔ "ضیغم خان میرا پرانا دوست تھا۔ وہ دیکھنے دکھانے
کے قابل' بہت خوبرو اور تنومند نوجوان تھا۔ اس کی مردانگی کو کابل
کی ہر وہ عورت سلام کرتی تھی جو اس کی خلوت آشنا تھی لیکن
بدقسمتی یہ ہوئی کہ ضیغم خان اپنی بھرپور مردانگی کے باوجود اس جوہر
سے محروم تھا جو نسل کو آگے بڑھاتا ہے۔ اس کے جاہل رشتے
داروں میں مردانگی کی ایک ہی پڑتال تھی کہ مرد شادی کے پہلے ہی
برس صاحب اولاد ہو جائے۔ جب وہ کئی برس بعد بھی باپ نہ بن
سکا تو اس کے بارے میں چرچے شروع ہو گئے۔ پہلے رشتے داروں

اور دوستوں نے ہنسی مذاق میں اسے طعنے دینے شروع کئے پھر بات عورتوں میں پہنچ گئی اور جوان لڑکیوں نے اس سے پردہ کرنا ختم کردیا تو اس کی انا لہولہان ہوگئی۔ وہ ان سب کے چیتھڑے اڑا سکتا تھا لیکن اس نے ایک انوکھی تدبیر سوچی اور اس کی وہی تدبیر آج میرے لیے سوہانِ روح بن کر رہ گئی ہے۔"

وہ خاموش ہوکر شراب کے گلاس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ جنت گل نے مجھے جو کچھ بتایا' وہ بہت مختصر تھا لیکن پائندہ گل کی وہ کہانی دلچسپ ہونے کے ساتھ ہی سنسنی خیز بھی تھی۔ میں اس کی کہانی کے اگلے حصے کے بارے میں قیاس آرائیاں کرتے ہوئے' اس کے دوبارہ بولنے کا منتظر رہا۔ اس مرحلے پر میں اس سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرنی چاہتا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بدک کر اس موضوع کو وہیں ختم نہ کردے۔

وہ گلاس سے شراب کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا رہا۔ اس کی سرخ آنکھیں گزرے ہوئے دنوں کے تصور میں' قالین کے کسی بے نام نقطے پر مرکوز تھیں۔ آخر کار اس نے اپنی پُرخیال نظریں میری طرف اٹھائیں اور نسبتاً پرسکون آواز میں بولا "جانتے ہو کہ ضیغم خان نے اپنی مشکل حل کرنے کے لیے کیا تدبیر سوچی تھی؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ اس بارے میں جنت گل نے کچھ نہیں بتایا تھا" میں نے بے چارگی سے کہا۔

"اس نے بہت سنجیدگی سے تجویز پیش کی۔ میں نے سختی سے انکار کیا تو اس نے میرے پیر تھام لیے اور میں مان گیا۔" وہ بتانے لگا "اس نے کافی افیم کھلا کر اپنی بیوی کو سلا دیا مگر میں نیم مردار شکار پر ہاتھ ڈالنے والوں میں سے نہیں تھا۔ میں بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدلتا رہا۔ رات میں کسی وقت اس کا خمار ذرا ہلکا ہوا لیکن وہ شاید اس وقت بھی افیم کے نشے میں تھی۔ وہ تمیز نہیں کرسکی کہ اس کے قریب کون تھا۔ میں نے اسے مایوس نہیں کیا۔ صبح اس کی خوف زدہ چیخوں سے میری آنکھ کھلی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے لیے میری موجودگی ناقابلِ یقین تھی۔ ضیغم خان نے درمیان میں آکر اسے خاموش کرنا چاہا تو وہ پوری بات سمجھ گئی۔ اس نے بپھر کر کہا کہ وہ چیخ چیخ کر ہر ایک کو بتائے گی کہ ضیغم خان نے اپنے رشتے داروں کا منہ بند کرنے کے لیے اپنے منہ پر کس طرح سڑے ہوئے بول کی راکھ مل لی تھی۔ اس نے کھل کر کہا کہ اگر اصلی اولاد اس کے مقدر میں نہیں تھی تب بھی وہ اپنے شوہر سے خوش اور تقدیر پر شاکر تھی۔ اسے نقلی اولاد کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ بات بڑھی تو ضیغم خان نے طیش میں آکر اسے زمین پر گرایا اور اس کی زبان کاٹ دی تاکہ وہ کسی کو کچھ بھی نہ بتاسکے۔ میں اسی وقت وہاں سے لوٹ آیا۔"

"اوہ! اب میں سمجھا کہ گونگی ماں سے اس کی کیا مراد تھی؟" اس کے خاموش ہونے پر میں نے تحیر آمیز سادگی سے کہا "شاید جنت گل کو اس معاملے میں اپنی ماں کی بے بسی کا علم نہیں ہے۔"

"وہ جانتی ہے' اسے سب معلوم ہے" پائندہ گل نے [illegible] سے کہا "جو کچھ ہوا' وہ غلط فہمی کی بنا پر ہوا۔ میں سمجھا کہ اس [illegible] ختم ہوچکا ہے۔ وہ ذرا بھی مزاحمت کرتی تو میں سر جھکا کر [illegible] لوٹ جاتا لیکن اس رات وہ انہونی ہونے والی تھی' سو وہ ہو کر [illegible] مقدر کی دوسری خرابی یہ ہوئی کہ گونگی کی گود میں لڑکی آئی تو اس [illegible] خدوخال میں میری شباہت تھی اور وہیں سے ضیغم خان رسوائی [illegible] کی بھیانک دلدل میں دھنستا چلا گیا۔ اس نے اپنی بیٹی کا نام جنت [illegible] خانم رکھا تھا لیکن لوگ اسے جنت گل کہتے تھے کیونکہ وہ اسے [illegible] اولاد سمجھتے تھے اور میرا نام پائندہ گل تھا۔ خاندان کی رسوائی [illegible] وجہ سے بات زیادہ نہیں اچھالی گئی لیکن یہ قصہ سینہ بہ سینہ چلتا [illegible] رہا۔ جوانی کی دہلیز میں قدم رکھنے تک جنت گل کو بھی اپنی [illegible] جولیوں سے یہ سب معلوم ہوچکا تھا۔ اس نے اپنی اصل کی طرف [illegible] لوٹنے کا فیصلہ کرلیا اور پھر کسی نہ کسی طرح پشاور میں عبدالرحیم [illegible] خان کو اپنے جال میں پھانسنے میں کامیاب ہوگئی۔ چھوٹے خان [illegible] مرتے دم تک کابل نہیں دیکھا اس لیے اسے جنت گل کے بارے [illegible] میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ وہ اس کی صورت اور جوانی پر مرمٹا۔ مجھے [illegible] اس کے عشق کی اڑتی اڑتی خبریں ملیں تو میں خاموش رہا۔ بہت [illegible] سے تنگاری باہر والیوں سے شادی کرتے آئے ہیں۔ میرے [illegible] چھوٹے بھائی نے ایک قندھاری بزاز کی لڑکی سے شادی کرکے اپنے [illegible] پہاڑوں اور اپنی مٹی کو خیرباد کہا تو میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا [illegible] لیکن جب مجھے پتا چلا کہ عبدالرحیم خان پر جنت گل نے ڈورے [illegible] ڈالے ہیں تو میں مخالف ہوگیا۔ میں چھوٹے خان کو اصلیت نہیں [illegible] بتاسکا۔ وہ بے چارہ آخر وقت تک یہی سمجھتا رہا کہ اس کا ماموں [illegible] ظالم اور خود غرض ہے۔ اپنے بھائی کو قندھار والوں کی برادری میں [illegible] دے کر بھی خاموش رہا لیکن بھانجے کو نسب برقرار رکھنے کے لیے [illegible] پسند کی شادی سے روک رہا ہے۔ خرابی یہ تھی کہ میں جنت گل [illegible] گندے خون کو اپنے خاندان میں لا ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ ہر وقت [illegible] میرے سامنے رہتی تو گناہ کا احساس مجھے زندہ درگور کردیتا اور [illegible] میل جول ہونے سے ہر تنگاری کو معلوم ہوجاتا کہ اس کے سردار [illegible] نے اپنی جوانی میں کیسے گھناؤنے گناہ کا ارتکاب کیا تھا۔ اس جرم [illegible] میں خود اپنی زبان سے بارہ تنگاری عورتوں اور مردوں کو پہاڑی [illegible] گھاٹیوں میں دھکیل کر قتل کرنے کے فرمان جاری کرچکا ہوں۔"

کہانی کے اختتام پر اس کا لہجہ غیر ارادی طور پر نرم اور [illegible] ہوگیا تھا۔ شاید اس کے غیظ و غضب پر احساسِ جرم حاوی ہو [illegible] تھا۔ میں نے اس کے مزاج میں رونما ہونے والی تبدیلی سے فائدہ [illegible] اٹھاتے ہوئے کہا "لیکن بہتیرے تنگاری باہر کی دنیا میں تمہارے [illegible] لیے کام کرتے ہیں' وہ اس معاملے سے اتنے بے خبر نہیں [illegible] ہوسکتے۔"

"ساکھ اور سرداری ان عورتوں سے چلتی ہے جن کی گود [illegible] میں ہمارے بچے پلتے ہیں اور آج تک تنگاراولی سے کسی عورت [illegible]

باہر قدم نہیں نکالا ہے۔ مردوں کی اور بات ہوتی ہے۔ وہ جو جہاں بنتے ہیں وہیں اپنے سینوں میں دفن کر لیتے ہیں۔ پھر جو باہر جاتے ہیں' وہ باہر کے چلن سے بھی واقف ہو جاتے ہیں۔ بازاروں سے باہر کی بستیوں میں دن رات کیا کچھ نہیں ہوتا؟ وہاں کسی کو سزا ملتی ہے؟ بلکہ میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ بڑے شہروں میں آوارہ عورتوں کی بہت زیادہ عزت کی جاتی ہے۔ ہر معزز آدمی ان سے دوستی کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ ان کے ایک اشارے پر ہر وہ کام ہو جاتا ہے جو لاکھوں کی رقم خرچ کر کے بھی نہیں کرایا جا سکتا۔ اس ماحول کو دیکھتے ہوئے ہر شنگاری میری اکلوتی بھول کو نظر انداز کر دیتا ہوگا۔ اس بارے میں آج تک کسی نے میرے سامنے کوئی ذکر نہیں کیا۔ سب میری عزت کرتے ہیں۔"

"باہر کی دنیا سے تم اچھی طرح واقف ہو" میں نے پینترا بدل کر کہا "اس ماحول میں رہ کر جنت گل بھی بگڑ جائے گی۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ وہ کسی حیلے بہانے سے تمہارے ہی زیر سایہ آجاتی؟"

"وہ نہ بگڑی ہوتی تو بہت کچھ ہو سکتا تھا" وہ تیزی سے بولا۔ "لیکن وہ بگڑ چکی ہے۔ جو لڑکی ہتھیار کی نوک پر کسی یرغمالی کو اپنے نفس کا شکار بنانے لگے' وہ اور کیا بگڑے گی؟ اس ناسور کا اب ایک ہی علاج رہ گیا ہے کہ اسے یہاں لایا جائے اور چھوٹے خان کو قتل کرنے کے جرم میں اس کا قصہ ہمیشہ کے لیے پاک کر دیا جائے۔ نہ وہ رہے گی' نہ اس کی بے راہ روی کی کہانیاں سن سن کر مجھے سینہ کوبی کرنی پڑے گی۔ اس سے عجیب رشتہ ہے میرا۔ میں اسے بھول جانا چاہتا ہوں مگر اس کی آوارگی کے بارے میں سن کر میرا خون کھول اٹھتا ہے جیسے وہ میری ہی بیٹی ہو۔"

"جائز اور ناجائز کی بات دوسری ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ تمہارا ہی خون ہے۔"

"گندہ خون" وہ منہ بنا کر حقارت سے بولا "ایسا خون جسے فصد کھول کر بہا دیا جاتا ہے۔"

"تمہاری دوسری اولادیں اس بارے میں کیا کہتی ہیں؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"دوسری اولادیں!" اس نے اپنے سینے کی گہرائی سے ایک سانس لے کر کہا "میرے تین بیٹے تھے لیکن تینوں جائز اور نرینہ اولادیں ایک برس کی عمر کو پہنچنے سے پہلے' قدرت نے مجھ سے چھین لیں۔ اور جس ناجائز لڑکی کو پیدا ہوتے ہی مرجانا چاہیے تھا وہ میرے سینے پر مونگ دلنے کے لیے ابھی تک زندہ ہے۔ لنگڑا ضیغم خان اس کی شادی کے عوض پانچ لاکھ روپے کمانے کے خواب دیکھ رہا ہے لیکن وہ ایک پیسہ بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔"

"لنگڑا؟" میں نے حیرت سے کہا "تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ بہت حسین اور تنومند آدمی تھا؟"

"وہ پرانا قصہ تھا۔ جب سے اس نے اپنی عزت کو خیرباد کہا ہے' اس کے ہر نقش سے خباثت ٹپکنے لگی ہے۔ ایک بار اس کی بیوی نے مشتعل ہو کر اسے مارنے کی کوشش کی تھی۔ ضیغم خان کو دوسری منزل سے نیچے دھکا دے دیا تھا لیکن وہ بے غیرت زندہ رہا۔ بس اس کے ایک کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی جو علاج کے بعد جڑ چکی ہے لیکن اس چوٹ کے نتیجے میں وہ کسی مینڈک کی طرح ایک ٹانگ پر اچھل اچھل کر چلتا ہے۔ وہ اپنی بیوی کی آبرو کا محافظ تھا لیکن اس نے خود اپنی ہی سازش سے اس کا دامن تار تار کرا دیا۔ اس کی پوری کہانی سے واقف لوگ کہتے ہیں کہ اب قدرت نے اسے عبرت کا شاہکار بنا کر زندہ رکھا ہوا ہے۔ اس کی بیوی غصے میں ہوتی ہے تو اسے جھاڑو اور جوتیوں سے مار مار کر گھر سے نکال دیتی ہے۔ زبان سے محروم ہو جانے کی وجہ سے اس جاہل عورت کا دکھ اندر ہی اندر پل رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ لنگڑا ضیغم خان ایک دن اسی کے ہاتھوں مارا جائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب تم نے بھی اُس سے اپنی دوستی ختم کر دی ہے؟"

"ایسے بے کردار آدمی کو کون دوست رکھے گا۔ مجھے آج بھی حیرت ہے کہ میں نے اس کی گھناؤنی تجویز کیوں قبول کی تھی۔ اپنی جوانی کے دنوں میں' میں بھی پارسا نہیں تھا۔ اس عمر میں وہی مرد متقی اور پرہیزگار ہوتے ہیں جنہیں کوئی عورت گھاس نہیں ڈالتی یا پھر وہ اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے کبھی اپنے قبیلے' برادری اور دوستوں کی عورتوں پر بری نظر نہیں ڈالی۔ میں پرایوں میں شکار کھیلتا تھا اور میں نے زندگی بھر اس اصول پر سختی سے عمل کیا ہے مگر ضیغم خان کی خوشامدانہ باتوں نے میری عقل پر شاید پردے ڈال دیئے تھے۔"

اسی وقت باہر بجلی کوندی۔ ہولناک تڑاخوں کے ساتھ' جھریوں اور درازوں سے نیلگوں روشنی اس کمرے میں در آئی۔ سردار پائندہ گل خاموش ہو کر شراب نوشی میں مصروف ہو گیا۔ اس نے مجھے شریک کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ میں بھی اس بارے میں بے پروائی کا مظاہرہ کرتا رہا۔

"کل میرے آدمی تمہیں واپس لے جائیں گے" گرج اور چمک ختم ہو جانے کے بعد وہ کہنے لگا "ابھی وہ کابل میں ہے۔ تمہیں کابل پہنچا دیا جائے گا۔ اپنے طریقۂ کار کا انتخاب تمہیں خود ہی کرنا ہوگا۔"

"اس سفر نے میرے بدن کا جوڑ جوڑ ہلا دیا ہے" میں نے دبی زبان سے کہا "اگر سفر سے پہلے مجھے چند روز تک آرام کرنے کی مہلت مل جائے تو میں بہتر طور پر اپنے کام کا آغاز کر سکوں گا۔"

"تم دو تین دن آرام کر لو" اس نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا۔ "مگر یہ یاد رکھنا کہ ابھی تک تم ہمارے دوستوں میں ہو' نہ دشمنوں میں۔ تمہیں ایک کمرا دے دیا گیا ہے۔ کھانے پینے کی ہر چیز بھی ملتی رہے گی لیکن اگر تم نے کوئی سازش کرنے کی کوشش کی تو پھر کھلی دشمنی شروع ہو جائے گی اور تم لوگوں کو ان تمام سہولتوں سے محروم

کر کے' وادی میں بیگار پر لگا دیا جائے گا۔"

"تمہیں' ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ بس اتنا ضرور بتادو کہ ہمیں کوئی شراب بھی مل سکے گی۔ میرے علاوہ فرزانہ بھی شراب پینے کی عادی ہے" میں نے موقع پاتے ہی اپنا وہ مطالبہ بھی پیش کر دیا۔

"فی کس ایک بوتل یومیہ سے زیادہ نہیں ملے گی" اس نے سختی سے کہا اور میرا دل خوش ہوگیا۔ ہوسکتا ہے کہ بوتل سے منہ لگا کر پینے والے شنگاریوں کے لیے ایک بوتل کی کوئی وقعت ہی نہ ہو مگر ہم لوگوں کے لیے وہ مقدار کافی سے زیادہ تھی۔ سارا دن ہلکی ہلکی چسکیاں لینے کے بعد بھی رات کو آخری محفل جمانے کا سامان ہوسکتا تھا اور گالان کی سطحِ مرتفع پر ہمارے چند دن خوشگوار انداز میں گزر سکتے تھے۔

"تم بہت نرم دل اور مہمان نواز ہو" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا "راستے کی قید و بند کی صعوبتوں کے بعد یہ مہربانیاں ہمیں تمہارا غلام بنادیں گی۔"

"یہ نہ سمجھنا کہ میں اپنے ڈیرے میں بند ہونے کے بعد ہر چیز سے لاتعلق ہوگیا ہوں" وہ مجھے گھورتے ہوئے ترشی سے بولا "مجھے معلوم ہے کہ تم نے راستے میں بازی الٹنے کی ناکام کوشش کی تھی پھر چیغا سرائے میں تم نے صندل خان سے معاہدہ کر کے کچھ رعایتیں حاصل کی تھیں۔ تم اور تمہارے ساتھ والی گوری عورت راستے بھر صندل خان کی سفید شراب پیتی آئی ہے۔ تمہارا سفر اتنا کٹھن اور خشک نہیں تھا۔"

"صندل خان بھی بہت نیک نفس آدمی ہے" میں نے ڈھٹائی کے ساتھ اس کے طنز کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ میرے کابل چلے جانے کے بعد' میرے ساتھیوں کی اسی طرح دیکھ بھال ہوتی رہے گی۔"

"اس کا انحصار ان کے رویّے پر ہوگا" پائندہ گل نے اپنا سر جھٹک کر کہا "انہوں نے ہماری مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز نہ کیا تو وہ سُکھ سے رہیں گے۔ خلاف ورزی کی صورت میں ان کے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ یہ تمہارا فرض ہے کہ میرا پیغام انہیں اچھی طرح ذہن نشین کرادو۔"

"کیا انہیں تم شرفِ باریابی نہیں بخشوگے؟" میں نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"فی الحال میں اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا" اس نے بے اعتنائی سے کہا۔

"یہاں ہم لوگوں کو ایک بدترین الجھن کا سامنا ہے جسے تم ہی دور کرسکتے ہو" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیسی الجھن؟" اس نے اپنا گلاس خالی کرنے کے بعد تلخی سے پوچھا۔

"اس کی وجہ سے ہم لوگوں کے اعصاب متاثر ہو رہے ہیں۔ میرے ساتھیوں نے بتایا ہے کہ میں رات کو سوتے سوتے بھی اس بارے میں بڑبڑاتا رہا تھا۔ لیکن تمہارے آدمیوں نے اس بارے میں سختی کے ساتھ اپنی زبانیں بند کی ہوئی ہیں۔ ہمیں کوئی کچھ بتانے کے لیے تیار نہیں ہے۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہنا شروع کیا "اچانک گھنٹی بجتی رہے اور پھر ہر شنگاری کے ہتھیار آگ اگلنے لگتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی آسیب ہمارا پیچھا کر رہا ہو۔"

"وہ کوئی آسیب نہیں ہے" پائندہ گل یک بیک بھڑک کر بولا "وہ کچھ بدمعاش لوگ ہیں جو شنگاریوں میں خوف و ہراس پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن وہ بہت جلد جہنم کا ایندھن بنادیے جائیں گے۔ وہ ہمارا اندرونی معاملہ ہے۔ تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں اب بھی اس سے کوئی غرض نہ ہوتی لیکن اتفاقات نے ہمیں خوف زدہ کیا ہوا ہے۔ ہم چیغا سرائے سے چلنے والے تھے تو ایک بھیڑ نکل آئی جس کے گلے میں گھنٹی بندھی ہوئی تھی۔ پھر ہم درّے سے وادی میں داخل ہوئے تو گھنٹی بجنے لگی اور آج یہاں گالان میں آتے ہی وہی منحوس آواز سنائی دینے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ وہ آواز ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔ ہم جہاں بھی جاتے ہیں' وہاں گھنٹی بجنے لگتی ہے۔"

"میں اس کا مطلب سمجھتا ہوں" وہ اپنی مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "وہ تم لوگوں کو بھڑکانا چاہ رہے ہیں لیکن وہ اپنے بال نوچتے رہ جائیں گے۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہوگا کہ گھنٹی کی آواز پر ہر شنگاری جہنم کا دہانہ کھول دیتا ہے۔ یہ سب میرے حامی ہیں اور ان کی طاقت گھنٹی والوں کو کچل کر رکھ دے گی۔"

"چاہو تو تم اس بارے میں ہم پر اعتماد کرسکتے ہو" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"مگر کیوں؟ اس بارے میں بھلا تم کیا کرسکو گے؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"میرا اندازہ ہے کہ وہ شنگارا ویلی کے کچھ سرپھرے باغی ہیں جو دور دور سے گھنٹیاں بجا کر دوسرے شنگاریوں کو یہ جتانا چاہتے ہیں کہ تمہارے نمک خوار ان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اندر ہی اندر طاقت پکڑ رہے ہوں اور ایک دن تمہارا سامنا کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں" میں نے نپے تلے الفاظ میں اپنی رائے ظاہر کی۔

سردار پائندہ گل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور اس نے اضطراری طور پر سرگوشیانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا "تم بہت چالاک آدمی ہو۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ یہ باغیوں کی حرکت ہے مگر وہ روپوش ہیں۔ ابھی تک ان میں سے کسی کو شناخت نہیں کیا جاسکا۔ وہ گھنٹی بجا کر چھلاوے کی طرح غائب ہوجاتے ہیں۔ شناخت کیے بغیر ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑا جاسکتا۔ تم اس بارے میں کیا

ہے؟"
ہو سکتا ہے کہ ہم ان کی نشان دہی کرنے میں کامیاب
"میں" نے پُرامید لہجے میں کہا۔
سردار پائندہ گل بے اعتباری سے ہنس پڑا۔ اس اثنا قات میں
بہنی بار ہنسا تھا۔ گلابی ہونٹوں کے پیچھے چمکتے ہوئے سفید دانتوں
کی ہوئی قطاروں کی وجہ سے اس کا چہرہ کسی بھیڑیئے کی طرح
نظر آنے لگا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "تم کو وہ گاجر مولی کی طرح
کر رکھ دیں گے۔ تم تو مقامی بولی بھی نہیں جانتے۔"
"اگر ہمیں نقل و حرکت کی آزادی مل جائے تو شاید ہم ان
رسائی حاصل کرلیں۔"
"یہاں؟ گالان میں؟" پائندہ گل نے حیرت سے کہا "یہ
ہیں ہے۔ یہاں کا بچہ بچہ میرا وفادار اور جاں نثار ہے۔ گالان میں
ہی ان کا سایہ بھی نہیں مل سکے گا۔"
"اپنے لوگوں کو تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو" میں نے سر جھکا کر
گل سے کہا "لیکن میں پورے ادب اور احترام کے ساتھ کہوں
میری رائے تم سے مختلف ہے۔"
"کیا مختلف ہے۔ اب بات چھڑ ہی گئی ہے تو کھل کر بتاؤ کہ تم
کہنا چاہ رہے ہو؟"
"باہر سے کبھی کوئی سازش یا بغاوت کامیاب نہیں ہوتی۔
غلاموں اور غداروں کی مدد سے سازشیں پروان چڑھتی ہیں۔
سوچو کہ انہیں ہماری آمد یا روانگی کے بارے میں کیسے معلوم
یقیناً اندر کا کوئی آدمی مخبری کر رہا ہے۔ ہم جہاں بھی پہنچے، ہم
پہلے وہاں گھنٹی بجانے کا بندوبست موجود تھا۔ یہ اتفاق نہیں
تھا۔"
سردار پائندہ گل کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ وہ دھیمی آواز میں بولا۔
ٹھیک کہتے ہو۔ یہ بات تو میں نے سوچی ہی نہیں تھی کہ میرے
آدمی مجھے دغا دے سکتے ہیں۔"
"تم سوچ بھی نہیں سکتے تھے" میں نے اس کی دل جوئی کے
کہا "خاموشی سے مخبری کرنے کے بعد جب فضا میں گھنٹی کی
گونجتی ہے تو مخبر بھی تمہارے وفاداروں کے ساتھ گولیاں
چلانے لگتے ہیں۔ وہ آخر وقت تک سامنے نہیں آئیں گے اور جب
سامنے آئے تو تم انہیں پہچان کر شاید سکتے میں رہ جاؤ گے۔"
"اچھا ہوا کہ تم سے بات ہوگئی۔ اب میں اس طرف بھی
دھیان دوں گا۔" وہ بولا۔
"اگر ہمیں تھوڑی سی آزادی دے دی جائے تو مجھے امید ہے
ان میں سے کوئی ہم سے مل بیٹھنے کی کوشش ضرور کرے گا۔
آمد کے بعد چوبیس گھنٹوں میں تین بار اس آواز کا سنائی دینا
بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ لوگ کسی وجہ سے ہم چاروں میں
دلچسپی لے رہے ہیں۔ ان کا ایک آدمی تمہارے ہاتھ آگیا تو
تمہارے سازشیوں کی گردنیں توڑنے کے قابل ہو سکو گے ورنہ
چوہے اور بلی کا یہ کھیل نہ جانے کب تک چلتا رہے گا۔"
وہ سوچ میں پڑ گیا۔ چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد اس نے فیصلہ کن آواز میں کہا "یہ نہیں ہو سکتا۔ میرے لیے جنت گل کا معاملہ بھی بہت اہم ہے۔ سب جانتے ہیں کہ میں چھوٹے خان کے خون کا انتقام لیے بغیر اپنی گوشہ نشینی ترک نہیں کروں گا۔ میری غیر حاضری میں یہ فتنہ زور پکڑتا رہے گا۔ جنت گل کو جہنم واصل کرنے کے بعد میں خود میدان میں اتروں گا اور ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔ اس وقت میں گھنٹیوں والوں کے دباؤ کی وجہ سے تم کو ڈھیل دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ تم بہت چالاک اور مکار آدمی ہو۔ تم گھنٹیوں والوں سے کوئی جوڑ توڑ کر کے یہاں سے نکل بھاگے تو جنت گل کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا کام بہت پیچھے چلا جائے گا۔"
"میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں صرف تمہارے لیے کام کروں گا۔ ہم چاروں کے لیے یہاں سے نکلنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ وہ تو چھپ کر کام کر رہے ہیں۔ وہ فرار میں ہماری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔"
"میں صاف گو آدمی ہوں" پائندہ گل نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "سیدھی سی بات ہے کہ مجھے تم پر بھروسا نہیں ہے۔ تم اپنی مطلب برآری کے لیے کسی کو بھی داؤ پر لگا سکتے ہو۔ اس لیے اب اپنی تجویز پر اصرار نہ کرو۔ مجھے یہ اعتراف ضرور ہے کہ تمہاری باتوں نے میری آنکھیں کھول دی ہیں لیکن تم ان باتوں کا کسی سے ذکر نہ کرنا" پھر اس نے قدرے توقف کے بعد جھکتے ہوئے کہا "صندل خان سے بھی نہیں۔ اب مجھے اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہنا پڑے گا۔"
میں دل ہی دل میں اس کی ذہنی حالت پر ہنس کر رہ گیا۔ ایک طرف وہ کھل کر مجھ پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار کر رہا تھا دوسری طرف مجھ سے رازداری کا بھی خواہاں تھا۔
"میں تمہارا قیدی ہوں۔ جیسا تم چاہو گے، ویسا ہی ہوگا" میں نے ڈھیلی آواز میں کہا۔
باہر بارش کا زور ٹوٹ چلا تھا۔ بادلوں کی تیز گرج اور بجلی کی کڑک بھی دم توڑ گئی تھی۔ پائندہ گل نے اپنے خالی گلاس میں سفید شراب انڈیل کر، اس کا ایک گھونٹ لیا پھر منہ چلاتے ہوئے بولا۔ "اب تم دو تین دن یہاں آرام کرو پھر تمہیں کابل بھجوادیا جائے گا۔ اس دوران میں تمہارے مقدر نے یاوری کی اور میرے آدمیوں نے اس جنم جلی کو پکڑ لیا تو تمہیں اسی وقت آزادی نصیب ہو جائے گی۔"
وہ واضح طور پر پائندہ گل کے الوداعی فقرے تھے۔ میں مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے اٹھ گیا لیکن کمرے کے وسط میں پہنچتے ہی ایک خیال کے تحت فوراً پلٹ پڑا۔ سردار پائندہ گل نے تیور چڑھا کر میری طرف دیکھا۔
"میں ایک بات کی وضاحت چاہتا ہوں" میں نے اپنا گلا صاف کر کے کہا "گھنٹی والوں کے بارے میں، میں کسی کو بھی اپنے

شبہات کی ہوا نہیں لگنے دوں گا لیکن میں یہ تو بتا سکتا ہوں ناکہ گھنٹی والے کچھ بدمعاش شنگاری ہیں جو اس وادی میں سنسنی پھیلا رہے ہیں؟"

"یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں" اس نے کہا "لیکن بدمعاش شنگاریوں کا ذکر نہ کرنا۔ اس سے بے اعتمادی پھیل سکتی ہے۔ بس وہ کچھ بدمعاش ہیں جو شنگاری ہونے کے علاوہ باہر کے کوہستانی بھی ہوسکتے ہیں۔"

"شکریہ!" میں نے سر کو قدرے خم دے کر کہا "بعد کی کسی غلط فہمی سے بچنے کے لیے یہ وضاحت ضروری تھی۔ میرے ساتھی اور خاص طور پر سفید فام عورت ان واقعات سے دہشت زدہ ہوئی جارہی ہے۔"

میں منقش چوبی دروازے سے باہر نکلا تو قالینوں والی چوپال میں وہ شخص میرا منتظر تھا جو مجھے وہاں تک لایا تھا۔ وہاں موجود لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوچکا تھا اور وہ کئی ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے۔ کوئی گرم گرم قہوہ پی رہا تھا۔ کہیں سے چائے کی اشتہا انگیز خوشبو آرہی تھی اور ایک ٹولی کے وسط میں مختلف قسم کی شرابوں کی ملی جلی بوتلیں نظر آرہی تھیں۔ خاص بات یہ تھی کہ وہاں بیٹھے ہوئے خوش باش شنگاریوں میں سے کوئی بھی غیر مسلح نہیں تھا۔ ہر ایک کے شانے سے کوئی نہ کوئی آتشیں ہتھیار جھول رہا تھا۔

میرے باہر نکلتے ہی صندل خان کسی طرف سے لپک کر آیا اور میری طرف ہاتھ لہراتا ہوا، سردار پائندہ گل کے خاص کمرے میں جا گھسا۔ شاید سردار کو تنہائی کے عذاب سے محفوظ رکھنے کی ذمے داری اس نے اپنے سر لی ہوئی تھی اور وہ اپنا فرض بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہا تھا۔

میں واپس پہنچا تو میرے سر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ چکا تھا اور شاید اس کے اثرات میرے بشرے پر بھی واضح تھے کیونکہ ویرا نے مجھے دیکھتے ہی ہانک لگائی تھی "خاصے سرخرو نظر آرہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ خان بابا نے تمہیں کوئی اچھی خبر سنائی ہے" مجھے وہاں لانے والا ویرا کی بات کو سنی ان سنی کرکے واپس چلا گیا اور میں اس تخت پر جا بیٹھا جہاں وہ تینوں کارڈز کھیلنے میں مصروف تھے۔

"چہرے کی سرخی پر مت جاؤ" میں نے ویرا سے کہا "اگر ہم اس صحت افزا مقام پر اتنی ہی بے رحمی کے ساتھ کھاتے پیتے رہے تو ہماری جلد کی تمام باریک شریانوں سے خون باہر آنے لگے گا۔ سردار پائندہ گل کے عزائم خوفناک ہیں۔ وہ پوری سنجیدگی سے ان پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

"وہ کیا چاہتا ہے؟ تفصیل سے بتاؤ نا!" غزالہ کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"جب تک میں جنت گل کو اس کے سامنے پیش نہیں کروں گا، تم لوگ اس کے یرغمالی رہوگے" میں نے مختصر ترین الفاظ میں انہیں آگاہ کیا "تمہاری دیکھ بھال پوری توجہ سے کی جائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں بلاوجہ نہیں اٹھایا گیا... نے شروع ہی سے اپنا منصوبہ تیار کرلیا تھا" سلطان شاہ... سانس لے کر بولا "اب جنت گل کی تلاش میں تم کہاں کہاں... پھروگے؟"

"اس بارے میں اس کے آدمی میری رہنمائی کریں گے... الحال وہ لڑکی کابل میں ہے۔"

"کابل کے راستے بھیانک جنگ کی زد میں آئے ہوئے... وہاں تک پہنچنا اور پھر وہاں سے صحیح سلامت واپس نکل... جوکھوں کا کام ہوگا" غزالہ بدستور پریشان تھی "یہ کوئی اچھ... نہیں ہے۔"

"احتیاط!" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "اس کا نام... اس کے لیے خان بابا کا خطاب ہی بہتر ہے۔"

"تم نے خان بابا سے اپنے اور بدرو دادا کے پرانے... ذکر کیا تھا؟" ویرا نے پوچھا۔

"اس بارے میں میری ہر بات رائیگاں جاتی" میں... "اب تو بدرو دادا ہی کی طرف سے میری سفارش آئے تو با... سکتی ہے۔ خان بابا میری کوئی بات نہیں سنے گا۔"

"اور اس کے آدمیوں کو ہم نے اپنی ناکام کارروائی... بدظن کردیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ عبدل اور ولی واپس جا کر... تمہارے بارے میں ایک لفظ بھی نہ بتائیں" سلطان شاہ نے...

"ہاں! موجودہ صورتِ حال بہت مایوس کن ہے" می... انہیں آنکھ مارتے ہوئے کہا "یہ بتاؤ کہ تمہیں کارڈز کہاں... گئے؟"

"ایک شنگاری دو گڈیاں دے گیا تھا۔ تاش کھیلتے ہ... وقت آسانی سے گزر گیا" ویرا کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے... "بارش رکنے کے آثار ہیں۔ مطلع بھی صاف ہوتا جارہا ہے... بہتر ہونے کے بعد ہمیں باہر نکلنے کی اجازت تو مل جائے گی نا؟"

میں نے مایوسی سے سرہلاتے ہوئے کہا "یہ نہ بھولو کہ ہ... قیدی ہیں اور پھر یہاں کے حالات بھی مخدوش ہیں۔ وہ گھنٹیا... بھی وقت بج سکتی ہیں۔ خان بابا ان بدمعاشوں کی طرف سے... ہے۔"

"گھنٹیوں کے بارے میں تم نے خان بابا سے بات کی..." ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، وہ کچھ نامعلوم بدمعاش ہیں جو شنگاریوں م... دہراس پھیلاتے پھر رہے ہیں۔ جس دن بھی ان کا کوئی... گیا' ان کی پوری ٹولی موت کے گھاٹ اتار دی جائے گی..." میں ان کے ساتھ اس قسم کی باتیں کرتا رہا جن کے بار... پائندہ گل نے اجازت دی تھی لیکن میں نے انہیں اشارو... میں یہ سمجھا دیا تھا کہ میں بقیہ باتیں موقع ملنے پر بتاؤں گا۔

اس بڑے کمرے میں ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی...

ہر وہاں جدید مواصلاتی وسائل کی کوئی جھلک بھی نظر نہیں آئی
س کی بنا پر وہاں گفتگو سننے والے حساس آلات کی موجودگی کا
ان حالات میں میرا حد سے زیادہ محتاط رویہ ان تینوں کے
الجھن کا سبب بن گیا لیکن غنیمت یہ ہوا کہ کسی نے مجھ سے
الجھنے کی کوشش نہیں کی اور ہم چاروں تاش کھیلنے میں
ہو گئے۔

اسی دوران میں ایک تنگاری واڈکا کی دو بوتلیں' برف سے
بھرا ہوا گلاس اور ڈرائی فروٹ کی ٹوکری لے کر آیا تو وہ تینوں اس
مہمان نوازی پر حیران رہ گئے۔

"یہ نوازشیں مدارات ہیں" میں نے ہنس کر کہا "خان بابا سے
بوتل کی کس یومیہ کا معاہدہ ہوا ہے۔ یہ آج کا کوٹا ہے۔ کل نیا
کوٹا آئے گا۔ خان بابا کو ہر بات کا علم ہے۔ وہ یہاں تک
ہے کہ ہم راستے میں صندل خان کی بوتلوں پر ہاتھ صاف
کرتے ہوئے آئے ہیں۔"

"خان بابا تو شراب نہیں پیتا ہو گا؟" غزالہ نے تائید طلب
لہجے میں پوچھا۔

"مجھے تو وہ بلانوش لگتا ہے۔ جو خود نہ پیے وہ مہمانوں یا قیدیوں
کو پلا سکتا ہے۔" میں ہنس پڑا۔

"غضب خدا کا" غزالہ اپنے اضطراری ردعمل پر قابو نہ رکھ
سکی "اس کی نورانی صورت اور شرعی لباس دیکھ کر تو یہ اندازہ ہوتا
ہے کہ وہ کوئی باعمل عالم ہو گا لیکن تم کچھ اور ہی بتا رہے ہو۔"

"خان بابا تو پھر بھی پہاڑی قبیلے کا سردار ہے۔ افغانستان میں
داڑھی اور شرعی لباس کی کچھ روایتی حیثیت ہو گئی ہے" میں نے کہا۔
"صوفی اور قاضی' زاہد اور رند' سب ہی کا ایک حلیہ ملے گا۔ لباس
اور وضع قطع سے کسی کے بارے میں کچھ اندازہ لگانا بہت مشکل
ہے۔ تنگاریوں میں مجھے ابھی تک کوئی بے ریش مرد نظر نہیں آیا
ہے۔"

ویرا نے ندیدے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً ہی ایک بوتل
کھول لی۔ پانی کا جگ' گلاسوں سمیت پہلے سے موجود تھا۔ وہ دو
پیگ بناتے ہوئے بولی "ایسے موسم میں بوتل کا دیدار کرتے رہنا
بھی نعمت ہے۔ پینے کے بعد کھیل میں لطف آئے گا۔ تم نے یہ
بہت زبردست کیا ہے۔ اس طرح قید کی بوریت کم ہو جائے
گی۔"

"تم چاہو تو مزید لطف پیدا کرنے کے لیے صندل خان کو بھی
بلا سکتا ہے" سلطان شاہ جل کر بولا۔

"تم بلاوجہ سلگتے رہو" ویرا اپنے لب تر کرتے ہوئے ہنسی "یہ
تو میرے خدا نے مجھے ان ویران پہاڑوں میں بھی اپنا شوق
پورا کرنے کا موقع دیا ہے۔ یہ میری طلب کی سچائی نہیں تو اور کیا
ہے۔"

"خدا ایک ہی ہے۔ وہ میرا یا تمہارا نہیں بلکہ سب کا
پروردگار ہے" سلطان شاہ کو ویرا کے استہزا پر غصہ آگیا "اس نے
یہ نعمت نہیں بھیجی ہے بلکہ تمہاری رسی ڈھیلی چھوڑی ہے۔ جب وہ
اس رسی کو ایک خفیف سا جھٹکا دے گا تو تمہاری آنکھیں اپنے
حلقوں سے باہر ابل پڑیں گی اور....."

میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔ مجھے ڈر تھا کہ
سلطان شاہ جوشِ خطابت میں توحید اور تثلیث کے مسئلے پر بولنا نہ
شروع کر دے۔ اس وقت تک ویرا فرزانہ بنی ہوئی تھی اور اسلام
کی دعوے دار بن کر اپنا کردار بخوبی ادا کرتی چلی آرہی تھی۔ باہمی
چپقلش کے نتیجے میں' میں کسی انکشاف سے گریز کرنا چاہ رہا تھا۔

ابتدا میں غزالہ میری پارٹنر تھی۔ سلطان شاہ' ویرا کے ساتھ
تھا۔ نوک جھونک کے بعد شاید سلطان شاہ کی کھوپڑی میں ابال
برقرار رہا۔ ویرا نے اسے کئی غلط چالوں پر ٹوکا لیکن سلطان شاہ کا
کھیل بگڑتا ہی چلا گیا۔ آخر ویرا نے اکتائے ہوئے انداز میں اپنے
پتے پھینک دیے۔

"ہمیں جاڑوں کے موسم میں یہاں آنا چاہیے تھا" اس نے
ہلکی سی انگڑائی لیتے ہوئے کہا "بعض لوگوں کے لیے آج کل کا
معتدل موسم بھی سخت ناسازگار ہے۔ گرمی لگتی ہے تو سارے
بخارات دماغ میں چڑھ جاتے ہیں۔"

"یہ حد سے بڑھ رہی ہے" سلطان شاہ مجھ سے مخاطب ہو کر
غرایا "اسے خاموش رکھو ورنہ بات بہت بڑھ جائے گی اور میں ذمے
دار نہیں ہوں گا۔" اس کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار نمایاں
تھے۔

"مجھے کون خاموش کرے گا؟" ویرا نے غزالہ کو آنکھ مارتے
ہوئے بے پروائی سے کہا "میں خود بھی باؤلے مردوں کے منہ لگنا
پسند نہیں کرتی۔ کیا پتا کب غراتے غراتے اچانک دانت
مار بیٹھیں۔"

سلطان شاہ نے کوئی تلخ جواب دینا چاہا لیکن غصے کی زیادتی کی
وجہ سے الفاظ اس کے دہانے میں ہی گڈمڈ ہو کر رہ گئے۔ ان مضحکہ
خیز اور بے معنی آوازوں پر میں نے بہت مشکل سے اپنے بے ساختہ
قہقہے کو روکا تھا۔ غزالہ بہت محبت اور نرمی سے سلطان شاہ کا بازو
تھام کر اسے دوسرے تخت کی طرف لے گئی۔

"بعض اوقات تم اس کے ساتھ بہت زیادتی کر بیٹھتی ہو" ان
دونوں کے دور نکل جانے کے بعد میں نے نیچی آواز میں ویرا کو
ملامت کرتے ہوئے کہا "یہاں ہمیں ایسی رنجشوں سے بچنے کی
کوشش کرنی چاہیے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں تھوڑی دیر بعد اسے منالوں گی۔ دراصل
وہ بات بے بات چڑنے لگتا ہے اس لیے اسے چڑانے میں مزہ آتا
ہے۔ اس بے کیف قید میں یہی تو ایک رنگینی ہے۔ اگر سلطان شاہ
بھی تمہارے ساتھ روانہ کر دیا گیا تو میرے لیے یہاں وقت کاٹنا
دشوار ہو جائے گا۔"

"حالات نے ایک دم ایسا پلٹا کھایا ہے کہ ہم ڈون کوانگ فو کے آدمیوں کو بالکل بھول گئے ہیں۔ وہ لوگ ہمیں شہر کے ہر گوشے میں تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے" میں نے اسی نیچی آواز میں کہا۔

"یہاں سے واپسی کی نوبت آئے گی تو ان لوگوں کے بارے میں بھی سوچ لیا جائے گا۔ فی الحال ان فضول باتوں میں سر نہ کھپاؤ اور اسی دھیمے انداز میں مجھے وہ سب بتاتے چلے جاؤ جو خان بابا کے ذریعے تمہارے علم میں آیا ہے۔ اس وقت قرب و جوار میں ان کا کوئی آدمی نہیں ہے۔"

جنت گل اور اس کے خاندان کے بارے میں پائندہ گل نے جو کچھ کہا' وہ حیران کن اور سنسنی خیز ضرور تھا لیکن اس کا ہماری قید سے کوئی براہِ راست تعلق نہیں تھا اس لیے میں نے وہ ذکر سرے سے گول کرتے ہوئے' گھنٹیوں والوں کی کہانی چھیڑ دی جو ویرا کے لیے متوقع ہونے کے باوجود دلچسپ تھی۔

"گھنٹی کی آواز پر جس بے دردی سے چو طرفہ فائرنگ کی جاتی ہے اسی سے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ خان بابا کے بہی خواہوں میں سے نہیں ہوسکتے۔" میری روداد سن لینے کے بعد ویرا نے سرگوشیانہ آواز میں کہا "ہمارے لیے یہ بات بہت خوش آئندہ ہے کہ شنگارا ویلی میں خان بابا ہی طاقت اور اختیار کا منبع نہیں ہے بلکہ یہاں اس کے طاقتور حریف بھی موجود ہیں جو بظاہر ہمیں اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی کوشش کررہے ہیں۔"

ویرا کے آخری فقرے نے مجھے بری طرح چونکا دیا "گھنٹیوں والے جو بھی ہوں' مقامی لوگ ہی ہوں گے۔ یہ ان کے آپس کے معاملات ہیں۔ ان میں ہماری کیا اہمیت ہوسکتی ہے؟ وہ ہمیں اپنی موجودگی یا طاقت کا احساس دلا کر کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں؟"

"کمال ہے کہ اتنی موٹی سی بات ابھی تک تمہاری عقل میں نہیں آسکی۔ اس وقت ساری اہمیت ہی ہماری ہے۔ عبدالرحیم خان کے قتل کے بعد خان بابا گوشہ نشین ہوکر عملاً سرداری سے دستبردار ہوچکا ہے۔ اس کے اندھے پیرو کاروں نے اس کی سرداری کا بھرم رکھا ہوا ہے۔ جب تک وہ چھوٹے خان کے قتل کا انتقام نہیں لے لیتا' اپنے پورے اختیار کے ساتھ گھنٹیوں والوں کا پیچھا نہیں کرسکتا۔ اسے کمزور پاکر اس کے حریفوں نے اپنی سرگرمیاں تیز کردی ہیں۔ شاید وہ خان بابا کا انتقام پورا ہونے سے پہلے' اسے معزول کرکے اقتدار پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ خان بابا کے خلاف کسی بھی بغاوت کے لیے یہ وقت بہت سازگار ہے۔" وہ سرگوشیانہ لہجے میں مسلسل بولے جارہی تھی "شاید ان لوگوں کو معلوم ہوگیا ہے کہ ہمیں جنت گل کا گھیراؤ کرنے کے لیے شنگارا ویلی لایا گیا ہے اسی لیے انہوں نے ہمارے سفر کے تین اہم ترین مرحلوں پر گھنٹیاں بجاکر خان بابا کے وفاداروں کے ساتھ ہمیں بھی وارننگ دی ہے کہ ہم اقتدار کی ہوس کی اس جنگ سے دور رہیں جب کہ خان بابا تمہیں داؤ پر لگانے پر تل گیا ہے..."

"تمہاری بات میری سمجھ میں آرہی ہے" میں نے لہجے میں کہا "لیکن ہم ان اطراف میں اجنبی ہیں۔ وارننگ ہمارے لیے کیسے قابل فہم ہوسکتی ہے؟ اگر درست ہے کہ گھنٹیوں والے ہم کو جنت گل کا پیچھا کر' خان بابا کو ذلیل و رسوا کرنا چاہتے ہیں تو تم میری ایک بات کہ وہ بہت جلد ہم سے رابطہ کرنے کی کوشش کریں گے پیغام ہم تک پہنچا سکیں۔"

"ہوسکتا ہے" اس نے میری بات کو اہمیت دیے بغیر کے لیے سہل راستہ یہ ہوگا کہ جب تم کابل کے ارادے سے نکلو تو وہ راستے میں کہیں بھی حملہ کرکے پورے کارواں کو کردیں۔ تم دیکھ ہی چکے ہو کہ چیغا سرائے سے یہاں تک راستہ ایسی گوریلا کارروائیوں کے لیے بہت سازگار ہے۔"

"خان بابا تو کل ہی مجھے کابل کی طرف بھیجنے کا ارادہ تھا۔ غنیمت ہے کہ میں نے اس سے دو تین روز تک آرام مہلت مانگ لی۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت تک صورت حال خاصی صاف ہوجائے گی۔ اب ہمیں ہر قدم پر اپنی آنکھیں رکھنی پڑیں گی۔ اندازے یا فیصلے کی ذرا سی غلطی ہم واصل کردے گی۔"

"تم لوگ مسلسل کیا باتیں کیے جارہے ہو؟" غزالہ کی آواز نے ہم دونوں کو بری طرح چونکا دیا۔ وہ سلطان شاہ کو اس کے پر چھوڑ کر خاموشی سے ہماری طرف لوٹ آئی تھی۔

"آپس کی باتیں ہیں۔ چاہو تو تم بھی شامل ہوسکتی ہو" ویرا نے خوش دلی سے کہا۔

"سلطان شاہ کا خون کھول رہا ہے" اس نے بتایا "وہ سمجھ ہے کہ اب تم اس کے خلاف ڈینی کے کان بھرنے کی کوشش کر ہو۔ میں نے بہت مشکل سے اسے دوبارہ ادھر آنے سے ہے۔"

"غصے میں اس کی عقل واقعی خوب چلنے لگتی ہے" ویرا نے گہری سنجیدگی سے کہا "میں ڈینی سے کہہ رہی تھی کہ سلطان شاہ اب ہمارے لیے ناقابل برداشت ہوتا جارہا ہے اس لیے موقع ہی اسے کسی خطرناک چوٹی سے نیچے دھکیل دیا جانا چاہیے۔ قصہ یہیں دفن ہوجائے گا لیکن ڈینی میری مخالفت کررہا ہے۔ کہتا ہے کہ تم سلطان شاہ کی موت کا صدمہ برداشت نہیں کرسکو گی۔ وہ تمہیں سگے بھائی کی طرح عزیز ہے۔"

غزالہ حیرت اور صدمے سے منہ پھاڑے' ویرا کی بکواس سنتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے ملامت آمیز رہی تھی جیسے اسے ویرا سے ایسی سنگدلی کی امید نہ رہی ہو کے یاقوتی ہونٹوں کے گوشے فرطِ جذبات سے کپکپا رہے جب اس کی آنکھوں کے گوشوں میں نمی چمکنے لگی تو میں اپنی برقرار نہ رکھ سکا۔

"سلطان شاہ کا دماغ خراب ہے اور یہ بھی نری بکواس کر رہی ہے۔ ہم یہاں کے خطرناک حالات پر غور و خوض کر رہے تھے۔ موقع پا کر یہ تمہیں بھی بریف کر دے گی۔ اس بار ہم بہت برے پھنسے ہیں۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے دونوں ہتھیلیوں سے رگڑ کر آنکھوں کی نمی کو خشک کرتے ہوئے ویرا سے کہا "تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم سلطان شاہ کے بارے میں ایسے بے رحمانہ انداز میں سوچو گی۔ وہ مجھے واقعی اپنے بھائی کی طرح عزیز ہے۔"

"لیکن تھوڑا سا کریک بھی ہے" ویرا تیزی سے بولی "اس سے کہو کہ وہ میرے بارے میں اوٹ پٹانگ باتیں نہ سوچا کرے ورنہ اس کی ننھی سی کھوپڑی کسی خود کار بم کی طرح ایک دن اچانک پھٹ جائے گی۔"

"اب تم اسی کے پاس لوٹ جاؤ" میں نے غزالہ کو پچکارتے ہوئے کہا "اس وقت اس کے دماغ میں شیطان گھسا ہوا ہے۔ وہ سوچے گا کہ تم بھی اس کے خلاف ہونے والی سازش میں شامل ہو گئی ہو۔ ہم دونوں بھی تھوڑی سی پینے کے بعد ادھر ہی آتے ہیں تاکہ ان دونوں میں صلح صفائی کرائی جا سکے۔"

غزالہ بے چون و چرا کیے واپس چلی گئی اور ہم دونوں نے اپنے اپنے گلاس اٹھا لیے۔

○☆○

دیر سے کیے جانے والے مرغن اور ثقیل ناشتے نے ہم چاروں کو دوپہر کے کھانے کی ضرورت سے بے نیاز کر دیا تھا۔ جب اشتہا انگیز کھانوں سے لدے ہوئے تھال لائے گئے تو میں نے انہیں جوں کا توں لوٹانا چاہا لیکن ویرا نے ایک تھال میں سے بھنے ہوئے گوشت کی قاب نکال لی۔ ریشے سے عاری، لذیذ اور گلے ہوئے گوشت نے ویرا کو پاگل کیا ہوا تھا۔ اس وقت تک وہ سلطان شاہ کو منا چکی تھی اس لیے اس نے اپنے ہاتھ سے گوشت کا ایک پارچہ اسے کھلایا پھر اس قاب کی مدد سے اپنی شراب کا نشہ دو آتشہ کرنے میں مصروف ہو گئی۔

اس دوران میں غزالہ اور سلطان شاہ کو شنگارا دیلی کے خطرناک حالات کے بارے میں بریف کیا جا چکا تھا اور سب ہی اس بارے میں فکر مند تھے۔ ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم چاروں کو شرف آباد والے فلیٹ سے اغوا کرنے کے بعد ایک ایسے آتش فشاں کے دہانے پر باندھ کر بٹھا دیا گیا ہو جو کسی بھی لمحے پھٹنے والا تھا۔

شنگارا دیلی میں پائندہ گل کے خلاف جو سازش پروان چڑھ رہی تھی وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے حیران کن تھی۔ کسی بھی حکمران کے خلاف میدان میں اترنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ سب سے پہلے متبادل قیادت کو سامنے لایا جائے اور لوگ اس کی ذات پر اعتماد کرتے ہوئے مخالف دھڑے کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیں لیکن شنگارا دیلی میں معاملہ ہی بالکل الٹا تھا۔ گھنٹی والوں کی تحریک موجود تھی۔ وہ اہم مواقع پر فعال ہو کر سردار پائندہ گل کے وفاداروں کو چیلنج بھی کر رہے تھے لیکن ان کے سربراہ کا کوئی پتا نہیں تھا۔ میں یہ بات سمجھنے سے قاصر تھا کہ متبادل قائد کے علاوہ، وہ کون سا عنصر تھا جس نے کچھ لوگوں کو پائندہ گل کے خلاف صف آرا ہونے پر آمادہ کر لیا تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گھنٹیوں والے صرف پائندہ گل کو اکھاڑ پھینکنے میں دلچسپی رکھتے ہوں۔ اس کے بعد شنگارا دیلی کی حکمرانی جس کے بھی قبضے میں آئے، اس سے انہیں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔

آزاد فطرت اور روایت پرست قبائلیوں کا وہ رویہ ہر اعتبار سے ناقابلِ فہم تھا۔ کسی قائد کے بغیر لوگوں کا بغاوت پر آمادہ ہونا اس کے لیے کسی بھی بہت بڑے خطرے کی نشان دہی کر رہا تھا۔

لیکن وہ مسائل ان کے اپنے تھے۔ میرے لیے تشویش کی بات یہ تھی کہ ہم لوگ وہاں آ کر پھنس چکے تھے سب سے امید افزا امکان وہی رہ گیا تھا جس کی نشان دہی خود سردار پائندہ گل نے کی تھی یعنی ہمارا اس کے مخالفین سے ہو جاتا اور پھر ہم ان سے ساز باز کر کے وہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتے۔ پائندہ گل ایک گرگِ باراں دیدہ تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے مخالفین ہمیں شنگارا دیلی سے نکالنے کی کوشش کر سکتے ہیں اس لیے اس نے ہماری نقل و حرکت پر پابندی لگا کر ہمیں اسی کمرے تک محدود کر دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پائندہ گل کے وفاداروں سے بھری ہوئی اس حویلی میں مخالف گروہ کا کوئی آدمی کس طرح داخل ہو سکے گا۔ ہماری آرزو اور گھنٹیوں والوں کی خواہش اپنی جگہ، لیکن بظاہر اس کے پورے ہونے کے آثار بہت موہوم اور تقریباً نہ ہونے کے برابر تھے۔

ہمارے پاس کوئی مصروفیت نہیں تھی اس لیے ہم تھوڑے تھوڑے وقفے سے اسی مسئلے پر سر کھپاتے رہے۔ باتوں کا ایک دور ختم ہوتا پھر کسی کو کوئی نئی بات سوجھتی اور دوبارہ پورے جوش و خروش سے بحث کا نیا سلسلہ چل پڑتا لیکن ہر بار آخر میں ہم خود کو اسی بند دروازے کے سامنے پاتے جس میں ہم محصور تھے۔

باہر ہونے والی دھواں دھار بارش کا سلسلہ موقوف ہونے کے بعد وہاں تیز دھوپ بھی چمکنے لگی۔ باہر سے آنے والی روشنی سے ہمارے کمرے میں اس قدر اجالا پھیل گیا کہ مشعل کی روشنی قطعی غیر ضروری ہو کر رہ گئی اور ہم نے اسے گل کر دیا۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ باہر شام کا دھندلکا پھیلنے لگا جو بہت تیزی کے ساتھ اندھیرے میں معدوم ہوتا چلا گیا۔ ویرا کے اشارے پر سلطان شاہ نے مشعلیں روشن کر دیں۔

اندھیرا ہونے کے ساتھ ہی صندل خان ایک آدمی کے ساتھ ہمارے کمرے میں آ موجود ہوا۔ اس کا ساتھی ایک ٹوکری چھوڑ کر

فوراً واپس لوٹ گیا۔ صندل خان نے آتے ہی زبانی گرم جوشی کا اظہار کیا۔ یہ دیگر بات ہے کہ اس نے ہم میں سے کسی سے ہاتھ ملانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں فوراً ہی اسے لے کر ایک خالی تخت پر بیٹھ گیا۔ ویرا' غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ الگ تخت پر بیٹھی رہی۔ اس نے اپنے سامنے مے نوشی کے لوازم سجائے ہوئے تھے اور وہ کسی بھی لمحے شام کا پہلا پیگ پینے کے موڈ میں نظر آرہی تھی۔

"آج خان بابا سے تمہاری ملاقات کیسی رہی؟" صندل خان نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"کابل کے سفر کا حکم ملا ہے۔ کیا اس نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟" میں نے جوابی سوال داغ دیا۔

"خان بابا کم گو آدمی ہے اور ہم اس کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔ جو کچھ اس نے کہا' وہ میں نے سن لیا مگر میں اس سے کوئی سوال نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ تم کو دو تین دن بعد کابل روانہ ہونا ہے اور خان بابا نے تمہیں گھنٹی والوں کی بدمعاشی کے بارے میں بھی بتادیا ہے۔"

"ہاں!" میں نے اقرار کیا "اس میں کوئی راز کی بات نہیں تھی۔ میرا خیال ہے کہ تم لوگ اس بارے میں ضرورت سے زیادہ احتیاط سے کام لیتے رہے ہو۔ دھواں دھار فائرنگ سے ہی ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ خان بابا کے دوست نہیں ہوسکتے۔ اب میرا ذہن بالکل صاف ہوگیا ہے۔ خان بابا نے اس بارے میں میرے سوال کا برا نہیں مانا تھا۔"

"خان بابا عظیم ہے۔ وہ پل بھر میں فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہم تو اس کے حکم کے غلام ہیں" وہ ہنس کر بولا پھر اچانک ہی ویرا کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "فرزانہ خانم! تم وہاں بیٹھ کر ان پارساؤں کا ایمان کیوں آزما رہی ہو۔ سارا ساز و سامان لے کر ادھر ہی کیوں نہیں آجاتیں؟ میں بھی ٹوکری میں اپنا مال لے آیا ہوں۔ مل بیٹھ کر پینے میں کچھ عجیب ہی لطف آتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ساتھ دینے والی ایک عورت بھی ہو تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے" میں نے سرہلاتے ہوئے کہا۔ "دنیا کے سارے ہی مرد پینے کے بعد ایک جیسی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ ان میں دشمنوں کی سرکوبی اور عورتوں کی رنگین کہانیوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔"

"تم نے تجربے کی بات کی ہے۔ ہر شرابی اپنی کامرانیوں کے قصے سنانے پر اصرار کرتا ہے۔ اور شنگاری مرد تو خدا کی پناہ! میں ان سے بہت محبت کرتا ہوں۔ ان میں سے بہتیرے میرے بچپن کے ساتھی ہیں لیکن نشے کی حالت میں وہ کاٹھ کے الو کی طرح ٹھس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ بولنا چالنا بھول کر' خالی خالی نظروں سے کسی ایک سمت میں دیکھنے لگتے ہیں اور پھر ادھر ہی دیکھتے رہتے ہیں۔ اپنی بات سنانے کے لیے عام طور پر انہیں جھنجوڑنا پڑتا ہے۔ راستے میں' میں نے زندگی میں پہلی بار کسی عورت کے ساتھ شراب پی تھی اور بخدا فرزانہ کے ساتھ پینے میں لطف آگیا تھا۔ تم لوگ چلے گئے تو میں ان محفلوں کو برسوں یاد رکھوں گا" وہ پینے سے پہلے ہی ترنگ میں آیا ہوا تھا۔

"ان حسرتوں سے بچنے کے لیے تمہیں دو کام کرنے ہوں گے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"دو نہیں' تم چار کام بتاؤ" وہ متجسس انداز میں میری طرف جھک آیا۔

"تمہیں فرزانہ کے ساتھ مے نوشی میں لطف آتا ہے اس لیے ہم' تم دونوں کو یہاں چھوڑنے پر آمادہ ہیں۔ تم ہمارا بندوبست کسی اور کمرے میں کروادو۔" میں نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "دوسرے مسئلے کا حل یہ ہے کہ جب ہم یہاں سے واپس لوٹیں تو تم فرزانہ کی ممی بنا کر اسے یہیں روک لینا...."

"ممی؟" صندل خان نے حیرت سے دہرایا "مگر کس کی ممی؟ شنگاری غیر قبیلے کی عورتوں سے شادی تو کرسکتے ہیں مگر انہیں یہاں نہیں رکھ سکتے۔ فرزانہ کو کون اپنے بچوں کی ممی بنائے گا؟"

سلطان شاہ کے حلق سے ایک بے ساختہ قہقہہ ابل پڑا اور وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بولا "برادر صندل خان! تم واقعی پکے شنگاری ہو۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ پٹھان کی کھوپڑی میں کوئی بات ایک بار گھس جائے تو اس کا باہر نکلنا مشکل ہوتا ہے۔ تم نے فرزانہ کو اپنی نہیں' کسی اور ہی کی بیوی بنانے کا منصوبہ بنالیا۔ ڈینی نے بچے پالنے والی ممی کا ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ فرعونوں والی ممی کی بات کررہا تھا۔ تم فرزانہ کو مار کر مسالوں میں اس طرح جماسکتے ہو کہ یہ ہمیشہ اسی طرح ترو تازہ نظر آئے گی۔ اسے دیکھتے دیکھتے اکتا جاؤ تو کسی گھاٹی میں لڑھکا دینا۔"

صندل خان نے خفت آمیز انداز میں زور زور سے ہنسنا شروع کردیا۔

ویرا ہمارے ساتھ ہی آبیٹھی۔ سلطان شاہ نے دوبارہ ہانک لگائی "فرزانہ بھی تھوڑی دیر پہلے تمہیں یاد کررہی تھی۔ شاید اسے تمہاری مردانگی پسند آگئی ہے۔ کئی بار تمہاری تعریف بھی کرچکی ہے۔"

اس وقت تک صندل خان' سلطان شاہ کا مذاق سمجھ چکا تھا۔ وہ بدستور ہنستے ہوئے بولا "اپنے لب و لہجے سے تو تم بھی پٹھان معلوم ہوتے ہو۔ کمال ہے کہ تم عورتوں سے بھی ایسا کھلا کھلا مذاق کرلیتے ہو۔"

"یہ بس چند گز کے فرق سے پٹھان ہوتے ہوتے رہ گیا" ویرا نے منہ بنا کر کہا "ہری پور کے علاقے سے ذرا آگے پیدا ہوا ہوتا تو یہ بھی تمہارے خان بابا کی طرح کڑک پٹھان ہوتا۔"

"خان بابا کا نام درمیان میں مت لاؤ" صندل خان یک بیک سنجیدہ ہوگیا "ہم لوگ اپنے سردار کے بارے میں ایسی باتیں

برداشت کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ ہزار سلطان شاہ مل کر بھی ایک خان بابا کے برابر نہیں ہوسکتے۔"

"اوہ! تم برا مان گئے" ویرا جلدی سے بولی "میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ میں آئندہ محتاط رہوں گی۔"

ویرا کے ایک غیر محتاط تبصرے کی وجہ سے خوشگوار فضا میں چند لمحوں کے لیے تناؤ پیدا ہوگیا۔ اس نے خاموشی کے ساتھ تینوں کے لیے گلاس تیار کیے اور خاموشی سے ہی پینے کی ابتدا ہوئی۔ میں نے اپنے اور ویرا کے لیے سگریٹ سلگائی تو صندل خان اچانک بول پڑا "تم نے اپنے ساتھ فرزانہ کو بھی سگریٹ پینی سکھادی ہے۔"

"اسے کوئی کچھ نہیں سکھا سکتا" میں نے ایک کش لے کر کہا۔ "میری اور اس کی ملاقات ہوئی تو یہ سگریٹ نوشی کی عادی تھی۔ شراب تو شاید اس نے پیدا ہوتے ہی پینی شروع کردی تھی۔"

"تمہیں اس کے بارے میں اس قدر مبالغہ نہیں کرنا چاہیے" صندل خان نے کہا۔

"ڈینی درست کہہ رہا ہے" ویرا نے فوراً میری حمایت کرتے ہوئے کہا "پیدائش کے فوراً بعد ہی مجھے برانڈی کے دو چمچے پلائے گئے تھے اور وہ میری پہلی غذا تھی۔ شاید میری وہ طلب آج تک اپنی جگہ برقرار ہے۔"

"یہ تمہارے حق میں اچھا ہی ہوا کہ صبغت اللہ چینغا سرائے سے واپس چلا گیا۔ وہ عورتوں سے بہت بدکتا ہے اور پھر فرزانہ کی شراب اور سگریٹ نوشی تو وہ بالکل بھی برداشت نہ کرتا" وہ بولا۔

"لیکن ہمیں اغوا کرنے والوں میں شاید وہی پیش پیش تھا؟" میں نے طنز سے کہا۔

"ہاں۔ وہ ہمارا پارٹی لیڈر تھا۔ اس کے چلے جانے کے بعد ہی میں نے معاملات سنبھالے تھے۔"

"اس کا جانا ہمارے ساتھ ساتھ تمہارے لیے بھی بہتر ثابت ہوا کہ تم کسی بدمزگی کے بغیر، ہمیں بہت کامیابی سے گالان کی بستی میں لے آئے پھر تمہیں فرزانہ جیسی شاندار عورت سے بھی دوستی کرنے کا موقع مل گیا۔"

اس نے فوراً ہی میری تصحیح کرنی ضروری سمجھی "نہیں، میری تم میں سے کسی کی دوستی نہیں ہے۔ بس تم واقفیت یا شناسائی کہہ سکتے ہو۔ دوستی یا دشمنی کا فیصلہ تمہاری کابل سے واپسی پر ہوگا۔"

"کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ہم پر دوستوں سے زیادہ مہربان ہو۔ ہمارے ساتھ گھل مل کر باتیں کرتے ہو لیکن دوستی سے انکاری ہو۔ ایک ساتھ کھانے پینے کے بعد دوستی میں کیا کمی رہ جاتی ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"شراب خانوں میں بہت سے لوگ جمع ہو کر شراب پیتے ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کے دوست نہیں ہوتے۔"

"وہ اپنے اپنے پیسوں سے خرید کر پیتے ہیں۔ یہاں تو تم ہماری پُرتکلف میزبانی کر رہے ہو۔"

"یہ ہماری روایت ہے۔ ہم اپنے دشمن کو بھی بھوکا نہیں مارتے۔ ابھی تک ہم تمہیں کھلا پلا رہے ہیں لیکن ہم نے تمہارا نمک تک نہیں چکھا ہے۔ یہی ہماری دوستی اور دشمنی کی کسوٹی ہے۔ خان بابا کی خواہش ہو تو ہم کتوں کے ساتھ بھی کھانا کھا سکتے ہیں۔ میں نے اس کھلی اجازت کی روشنی میں ہی تم کو چینغا سرائے میں اپنے دسترخوان میں شریک کیا تھا لیکن خان بابا نے تم سے ایک پیالی پانی کو بھی نہیں پوچھا ہوگا۔"

"ہاں، مجھے حیرت ہوئی تھی" میں نے کہا "تم نے راستے میں ہمیں حلق تک شراب پلائی تھی لیکن خان بابا نے مجھ سے جھوٹوں بھی نہ پوچھا حالانکہ وہ خود واڈکا پیتا رہا تھا اور وہاں بوتل بھی موجود تھی۔"

"بس، شنگارادیلی کے سردار اور عام آدمی میں یہی فرق ہے۔" وہ بولا۔

"لیکن تم عام آدمی تو نہیں معلوم ہوتے" میں نے اس کی انا کو ابھارنے کے لیے کہا "خان بابا تم سے خلوت میں باتیں کررہا تھا۔ عام شنگاری تمہارا احترام کرتے ہیں۔ تم خان بابا کے مقربین میں سے معلوم ہوتے ہو۔"

"اس نے تم سے بھی خلوت میں باتیں کی تھیں" وہ مسکرا کر بولا "اپنے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"باتوں میں تم سے جیتنا بہت مشکل ہے" ویرا مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "یہ تو بتاؤ کہ ہم پر گھومنے پھرنے کی پابندی ہے لیکن کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ تمہارے آدمیوں کی نگرانی میں ہمیں پورے گالان کی سیر کرادی جائے؟"

"گالان کی سیر؟" اس نے حیرت سے دہرایا "یہاں رکھا ہی کیا ہے جس کی سیر کروگی؟"

"حویلی سے پہلے نظر آنے والی آبادی بہت شاندار ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کا ہر مکان قابل دید ہوگا..."

"تم لوگ ادھر نہیں جاسکتے" صندل خان نے ویرا کی بات کاٹ کر کہا "گالان سردار کا رہائشی علاقہ ہے۔ وہ اپنے تمام لشکریوں اور جرگے کے ساتھ اس حویلی میں رہتا ہے اور اس کے سارے رشتے دار اس آبادی میں رہتے ہیں جس کا تم ذکر کررہی ہو۔ اس آبادی میں باہر والوں کا داخلہ منع ہے۔"

"بے پردگی کا معاملہ ہو تو تم صرف مجھے اور غزالہ کو وہاں لے جاسکتے ہو۔ مرد یہیں رہیں گے۔"

"باہر والی عورتیں بھی وہاں نہیں جاسکتیں۔ انہیں دیکھ کر گالان والیاں بگڑ سکتی ہیں۔ تمہارے لباس، بال، چال ڈھال یا کسی بھی بات سے ان کے ذہنوں میں فتور پیدا ہوسکتا ہے۔ ہم لوگ اس برے وقت سے ڈرتے ہیں جب گالان والیاں رات کے اندھیرے میں اپنے مردوں کے کانوں میں انوکھی سرگوشیاں کرنے لگیں۔"

"آبادی نہ سہی۔ وہ اونٹ یا زرافہ کی گردن جیسی پہاڑی بھی

دیکھی جاسکتی ہے" ویرا مُصررہی۔

"نادانی کی باتیں نہ کرو" وہ ہنس کر بولا "ادھر جانے کے نام سے شنگکاری تک لرزہ براندام ہوجاتے ہیں۔ وہاں خان بابا کے خاص محافظ جاتے ہیں یا پھر وہ مجرم لے جائے جاتے ہیں جنہیں اس چوٹی سے درے میں گرا کر موت کی سزا دینی ہوتی ہے۔ وہ تفریح کا نہیں، دہشت اور عبرت کا مقام ہے۔"

"ہمیں اسی چھت کے نیچے اپنا وقت گزارنے کی عادت ڈالنی ہوگی" میں نے مایوسی سے کہا۔

"تمہیں نہیں، ان تینوں کو" صندل خان نے اپنے لبوں سے سگار ہٹا کر کہا "تمہارے لیے تو کابل کی کھلی فضائیں منتظر ہیں۔ وہاں لڑائی ضرور ہورہی ہے لیکن سنا ہے کہ بعض محفوظ علاقوں میں راتیں جاگتی ہیں۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ مجھے کابل کیوں بھیجا جارہا ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ ایک کھلا ہوا راز ہے۔ خان بابا کو جنت گل کا سرور کار ہے۔ باہر آنے جانے والے ہر شنگکاری کو یہ راز معلوم ہے لیکن کوئی اس بارے میں بات نہیں کرتا۔ میں بھی تم سے انجان بن جاتا لیکن مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ خان بابا نے یہی مقصد حاصل کرنے کے لیے تم چاروں کو یہاں بلوایا ہے۔"

"مجھے کون بتاسکے گا کہ جنت گل کابل کے کس علاقے میں مل سکے گی؟" میں نے پوچھا۔

"خان بابا ہی کسی کو نامزد کرے گا۔ ویسے تو صبغت اللہ بھی آج شام ہی واپس آیا ہے۔ وہ جلال آباد میں اپنا کام پورا کرنے کے بعد کابل کی طرف نکل گیا تھا۔ اس کے پاس تازہ ترین اطلاعات ہوں گی۔"

میرے لیے وہ اطلاع تشویش انگیز تھی۔ اس وقت تک میں نے صبغت اللہ کو نہیں دیکھا تھا لیکن دورانِ سفر بدرو دادا کے ٹرانزٹ کیمپ میں صندل خان نے ہم سے نرم اور مفاہمانہ رویّہ اختیار کیا تھا۔ یہ اسی کا دم تھا کہ اس کے بعد سے ہمیں کوئی پریشانی نہیں اٹھانی پڑی تھی۔ ہم لوگ شکاریوں کی قید میں ہوتے ہوئے بھی ہر قسم کی آسائشوں سے فیض یاب ہورہے تھے۔ اگر ہمیں صندل خان کی براہِ راست نگرانی سے نکال کر صبغت اللہ کے حوالے کردیا جاتا تو وہ ہمارے لیے بہت سے مصائب پیدا کرسکتا تھا۔

ہماری وہ محفل زیادہ دیر تک نہیں چل سکی کیونکہ اندھیرا گہرا ہونے کے ساتھ ہی رات کا کھانا آگیا۔ اس بار صندل خان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہوا بلکہ الگ بیٹھا شراب پیتا رہا۔ اس دوران میں اس نے گھما پھرا کر کئی بار یہ جاننے کی کوشش کی کہ گھنٹیوں والوں کے بارے میں میرے اور سردار پائندہ گل کے درمیان کیا بات ہوئی تھی لیکن میں نے سردار پائندہ گل کی بتائی

ہوئی حد سے ذرا بھی تجاوز نہیں کیا۔

صندل خان ہر معاملے میں خود کو اپنے سردار کا فرماں بردار ثابت کرتا چلا آیا تھا لیکن پائندہ گل کے باغیوں کے بارے میں اس کی غیر معمولی دلچسپی نے میرے دل میں شبہات پیدا کردیئے۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ اپنے سردار کا معتمد ہونے کے ساتھ ساتھ باغیوں سے بھی ملا ہوا تھا اور ان کے مفادات کے تحفظ کے لیے مجھ سے یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ پائندہ گل ان کی سرکوبی کے لیے کیا حکمتِ عملی اختیار کرنے والا تھا۔

ہم لوگ کھانے سے فارغ ہوگئے پھر بھی صندل خان کافی دیر تک ہمارے پاس بیٹھا اِدھر اُدھر کی ہانکتا رہا۔ ویرا اس کی توجہ کا خاص مرکز تھی۔ اس نے نچلی وادی میں پہنچنے کے بعد ویرا سے جس بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا تھا وہ یکسر ختم ہوچکی تھی۔ میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ویرا نے مردوں کو لبھانے اور رجھانے والی حرکتوں سے اس کے دل ودماغ پر قبضہ جمالیا تھا لیکن وہ دوسروں کے سامنے خود کو ویرا سے بے نیاز ظاہر کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ البتہ شراب کے خمار سے کھوپڑی گرم ہونے کے بعد وہ ساری احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر بے تکلفی پر اتر آیا تھا۔ اس کی حوصلہ افزائی میں اس امر کا بھی خاصا دخل تھا کہ ہمارے اس کمرے میں صندل خان کے علاوہ کوئی دوسرا شنگکاری نہیں تھا۔

صندل خان جھومتا اور لڑکھڑاتا ہوا اٹھا تو ایک طرف سے ویرا نے اسے سہارا دیا، دوسری طرف سے میں نے اس کا بوجھ سنبھالنے کی کوشش کی لیکن وہ بدمعاش مخمور ہونے کے باوجود اس قدر چالاک تھا کہ اس نے سارا زور ویرا پر ڈال کر اپنا بازو اس کے شانے پر رکھ لیا۔

ہم دونوں اسے لے کر بمشکل نکاسی کے دروازے تک ہی پہنچے ہوں گے کہ اچانک سامنے سے وحشت زدہ چہروں والے دو شنگکاری ہمارے سامنے آگئے۔ انہوں نے جھک کر صندل خان کو تعظیم دی لیکن اسے اپنے گردوپیش کا کچھ ہوش ہی نہیں تھا۔ ان دونوں نے ہمیں فارغ کرکے صندل خان کو اپنی تحویل میں لے لیا اور وہاں سے چلے گئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نادیدہ موکھلوں یا سوراخوں سے اس کمرے کی نگرانی کی جارہی ہے" ویرا نے واپس لوٹتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا "ایسا نہ ہوتا تو اچانک وہ شنگکاری نہ آتے۔"

"نگرانی ہوتی ہے تو ہو، ہمیں فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم یہاں کون سی گڑبڑ کررہے ہیں؟"

"ان سوراخوں سے ہماری آوازیں بھی سنی جاسکتی ہیں۔ ہمیں اہم باتوں کے لیے سرگوشیوں پر انحصار کرنا پڑے گا۔" وہ بولی "یہ بددماغ لوگ ہماری طرف سے بھڑک گئے تو انہیں سنبھالنا مشکل ہوجائے گا۔"

"احتیاط اپنی جگہ ہے لیکن نگرانی کرنے والے بالکل ہوش

ہیں۔ وہ اردو نہیں سمجھ سکیں گے۔"

"زیادہ اہم باتیں انگریزی میں بھی کی جا سکتی ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہاں دور دور تک کوئی انگریزی جاننے والا نہیں مل سکے گا" اس نے فوری خیال کے تحت پُرجوش لہجے میں کہا اور میں فوراً ہی اس کے مشورے کی افادیت کا قائل ہو گیا۔ انگریزی زبان ہمارے لیے بلاشبہ محفوظ ترین تھی۔

اس وقت سلطان شاہ نے میری توقع کے برعکس ویرا کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا۔ شاید اس نے سمجھ لیا تھا کہ ہماری ضروریات کے تقاضے کیا تھے۔ ویرا' صندل خان کے ساتھ جس آزادروی کا مظاہرہ کر رہی تھی' وہ اس کے ماحول اور مزاج کے خلاف نہیں تھا۔ وہ مغرب کے آزاد معاشرے میں پلی بڑھی تھی۔ وہاں مردوزن کے آزادانہ میل جول پر کوئی قدغن نہیں تھی۔ پھر صندل خان تو بس اس کے لمس ہی سے مدہوش ہوا جا رہا تھا۔ اس بارے میں ویرا کو اپنے اوپر کوئی جبر نہیں کرنا پڑا تھا۔ ہاں' صندل خان کی توجہ اگر غزالہ کی طرف مبذول ہو جاتی تو نہ میں اسے حد سے تجاوز کرنے کی اجازت دیتا' نہ وہ اپنے بدن پر کسی اجنبی کے گھناؤنے ہاتھوں کا لمس برداشت کر پاتی۔ اس لیے جو کچھ ہو رہا تھا' اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا ہی سب سے بہتر تھا۔

شنگاریوں کو قدرت نے کشادہ قدوقامت سے نوازا تھا اور انہوں نے اپنے استعمال کی ہر چیز کا سائز ضرورت سے بڑا رکھا تھا۔ مجھے چیغا سرائے کے برآمدے میں پڑی ہوئی وہ دیوہیکل چارپائیاں یاد تھیں جن پر بیک وقت دسیوں افراد آرام سے سو سکتے تھے۔ یہی صورت ہمارے بستروں کی تھی۔ کمرے میں موجود ہر تخت اس قدر بڑا تھا کہ ہم چاروں ہی بہت آرام سے ایک تخت پر سو سکتے تھے لیکن شنگاریوں نے ہمارے لیے چار تخت الگ الگ ڈالے ہوئے تھے اور ہر تخت آرام دہ بستر اور کمبلوں سے آراستہ تھا۔

سونے کا مرحلہ آیا تو میں نے تجویز پیش کی کہ ہم صرف دو تخت استعمال کریں تاکہ کسی ناگہانی مصیبت کی صورت میں آپس کا رابطہ برقرار رہے۔ الگ الگ سونے میں یہ خرابی تھی کہ کسی ایک پر کوئی آپڑتا تو دوسروں کو اس کے انجام کی بھنک بھی نہ مل پاتی۔

"یہ نہیں ہو سکتا" میری تجویز سنتے ہی ویرا سنک گئی "تم دونوں تو خیر میاں بیوی ہو۔ ایک تخت بلکہ ایک ہی بڑے کمبل میں لپٹ کر سو جاؤ گے۔ شاید تم خود بھی یہی چاہ رہے ہو۔ شراب اور مرغن غذاؤں کو کہیں نہ کہیں تو اثر دکھانا ہی ہے مگر یہ ناممکن ہے کہ میں سلطان شاہ کے ساتھ سوؤں..."

"میں لعنت بھیجتا ہوں تمہارے ساتھ سونے والے پر" سلطان شاہ نے بھڑک کر اس کی بات کاٹ دی "تمہارے ساتھ بستر کا اشتراک کرنے سے بہتر تو یہ ہوگا کہ میں کھلے آسمان کے نیچے کسی پتھریلی چٹان پر رات گزار دوں۔ میں تم پر بالکل بھروسا نہیں کر رہا۔ تم نے آج دن بھر شراب نوشی کی ہے۔"

"اب تو روز ایسا ہی ہوگا" ویرا سینہ تان کر بولی "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں خان بابا کی طرف سے آنے والی بوتل کو خالی نہ کروں؟ ہم دونوں کا الگ الگ سونا ہی بہتر رہے گا۔"

"تم میری پوری بات سنے بغیر آپس میں الجھ رہے ہو" میں نے سختی سے کہا "میں نے یہ رائے خودغرضی کے تحت پیش نہیں کی تھی۔ تم غزالہ کے ساتھ سو گی۔ میں سلطان شاہ کے تخت پر رات بسر کروں گا۔ مردانہ اور زنانہ بستر الگ ہونے کے بعد کسی کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔"

وہ دونوں حیرت سے میری شکل دیکھنے لگے۔ انہیں یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ میری تجویز اتنی سادہ اور سہل ہو سکتی ہے۔

"تم نے ہمارے اعتراض کے بعد قلابازی کھائی ہے" ویرا نے بے اعتباری سے کہا "ورنہ تم وہی سوچ رہے تھے جو میں نے سمجھا تھا۔ کئی راتوں کی بے آرامی کے بعد تمہیں اس طرح سوچنے کا پورا پورا حق ہے۔ تم شادی شدہ ہو اور تمہاری بیوی بھی یہاں موجود ہے۔"

"چپ رہو" میں نے اسے پھنکار دیا "میں اس وقت بھولا ہوا تھا کہ میں شادی شدہ ہوں۔ ان نخروں میں پڑ کر ہم اپنی مٹی پلید کرا لیں گے۔ تم دونوں کو تعصب اور تنگ نظری کو خیرباد کہنا ہوگا۔"

"میں نے تمہاری تجویز پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا" سلطان شاہ نے منہ لٹکا کر کہا "میں نے تو اس کی بات کا جواب دیا تھا۔ اسے میری بے عزتی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"اب چپ ہو جاؤ ورنہ میں اپنا سر پھوڑ لوں گا" میں نے غراتے ہوئے کہا "تم بھی اس سے کم نہیں ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہیں کس طرح راہِ راست پر لا سکوں گا۔"

میرے مصنوعی تیور دیکھ کر ان دونوں نے چپ سادھ لی۔ غزالہ نے اندرونی تخت کا رخ کیا تو ویرا بھی اس کے پیچھے ہو لی۔ میں نے کھڑکی والی دیوار کے ساتھ بچھے ہوئے تخت کا انتخاب کر لیا۔

سلطان شاہ نے کمرے میں ایک مشعل روشن رہنے دی تو غزالہ نے اعتراض جڑ دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ مشعل کی چراند اور روشنی میں وہ ایک پل بھی نہیں سو سکے گی۔ اس کی فرمائش پر کمرے میں مکمل اندھیرا کر دیا گیا اور سلطان شاہ کھڑکی سے آنے والی ہلکی ہلکی روشنی کے سہارے میرے تخت پر آ گیا۔

میں تخت پر چت لیٹا ہوا' اپنے خیالوں میں گم تھا۔ سلطان شاہ کچھ دیر تک بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا پھر میرے کان کے نیچے منمنایا "تم نے غزالہ کو ویرا کے ساتھ سلا کر بہت عقل مندی کی ہے۔"

"تم کیوں بھول رہے ہو کہ وہ ویرا نہیں' فرزانہ ہے" میں نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں آہستہ سے کہا "جو منہ میں آتا ہے وہ بکتے چلے جاتے ہو۔ کبھی تو اپنی عقل پر بھی تھوڑا سا زور دے لیا

کرو۔"

"میں مانتا ہوں کہ کبھی کبھی مجھ سے غلطی ہوجاتی ہے لیکن جب سے ہم گالان پہنچے ہیں' تم بہت چڑچڑے ہوگئے ہو۔ اس وقت تم مجھے آرام سے بھی سمجھا سکتے تھے" اس نے شکوہ کیا۔

"میں ساری عمر تمہیں سمجھاتا اور سکھاتا رہوں گا۔ تم اپنی عقل سے کب کام لینا شروع کرو گے؟"

"آئندہ میں محتاط رہوں گا۔ تمہارا یہ زہریلا لہجہ مجھے کسی دن خون کے آنسو رلادے گا" اس کی آواز دل گرفتہ ہوگئی تھی لیکن مجھے اس پر ذرا بھی ترس نہیں آیا۔ غلطی کرنے کے بعد خود پر مظلومیت طاری کرنے کی عادت میرے لیے کبھی بھی قابلِ برداشت نہیں رہی تھی۔

میں کافی دیر تک منتظر رہا کہ وہ میری عقل مندی کی وضاحت کرے لیکن وہ اپنی جگہ پر خاموش اور بے سدھ پڑا رہا۔ تنگ آکر میں نے اسے جھنجوڑ ڈالا "کب بتاؤ گے کہ میں نے کیا عقل مندی کی ہے؟"

"اس وقت تم چڑچڑے ہو رہے ہو۔ تم سے بات کرنی بے کار ہے" اس کی آواز بھاری تھی۔

"میرا غصہ وقتی ہوتا ہے" میں نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے کہا "جلدی بتاؤ کہ تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"غزالہ' فرزانہ کا خیال رکھے گی۔ اگر وہ الگ سوتی تو رات میں صندل خان بہت خاموشی سے اسے اٹھوا سکتا تھا۔" اس نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا "موقع ملا تو میں غزالہ کو بھی ہوشیار کردوں گا۔"

اس بار مجھے اپنا غصہ پینا پڑ گیا۔ میرے لیے ویرا ایک عذاب بن کر رہ گئی تھی۔ ایک طرف صندل خان اس پر مرا جارہا تھا تو دوسری طرف سلطان شاہ بھی اس سے بے پناہ نفرت جتانے کے باوجود اسی کی فکر میں گھلا جارہا تھا اور وہ اطمینان سے اپنے بستر پر دراز تھی۔

میں نے انتہائی تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا "غزالہ کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں' تم بھی آرام سے سوجاؤ۔ میں فرزانہ کی نگرانی کرتا رہوں گا۔ صندل خان کو ایسی حرکت کرنی ہوتی تو کل رات وہ وادی میں خود مختار تھا۔ گالان میں خان بابا سے قریب رہتے ہوئے وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گا۔"

اس کے بعد وہ خاموش ہوگیا۔ ویرا اور غزالہ کی جانب سے کچھ دیر تک دبی دبی سرگوشیاں سنائی دیتی رہیں۔ آخر کار اُدھر بھی سکوت طاری ہوگیا۔ کافی دیر گزرنے کے بعد میں نے ہولے سے سلطان شاہ کو پکارا لیکن کہیں سے کوئی جواب نہ آیا۔ وہ تینوں گہری نیند سوچکے تھے۔ اس وقت تک فضا میں خاصی خنکی ہوچلی تھی۔ میں نے سر سے پیر تک دبیز اونی کمبل تان کر آنکھیں موند لیں کیونکہ مجھ پر بھی نیند کا غلبہ ہوچلا تھا۔

میں کب تک سویا اور کتنی دیر تک سوتا رہا' اس بارے میں مجھے کوئی اندازہ نہیں ہوسکا۔ بس دم گھٹنے کے اذیت ناک احساس سے میں ہڑبڑا کر بیدار ہوگیا۔ بیدار ہوتے ہی مجھے معلوم ہوگیا کہ وہ میرا وہم نہیں تھا بلکہ میرے منہ پر ایک بڑا سا ہاتھ پوری طاقت کے ساتھ جما ہوا تھا۔ میرے دونوں ہاتھ غیر ارادی طور پر اپنے دہانے کی طرف گئے تو میں نے بڑے بڑے بالوں سے بھری ہوئی ایک چوڑی کلائی کو اپنی گرفت میں پایا۔

"شور مت کرنا۔ ہم تمہارے دوست ہیں۔ گھنٹیوں والے۔" میرے کان میں ایک خفیف اور نامانوس سی بھنبھناہٹ گونجی اور میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میرے اندازے کے عین مطابق ان لوگوں نے مجھ تک پہنچنے میں حیرت ناک سرعت سے کام لیا تھا۔ وہ سردار پائندہ گل کے باغی تھے۔ سردار کو ان کا کوئی نام ونشان نہیں مل رہا تھا لیکن اس کی اپنی چھت کے نیچے ایک باغی مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

مجھے نہایت بھونڈے انداز میں گہری نیند سے بیدار کیا گیا تھا مگر وہ صورتِ حال اس قدر لرزہ خیز تھی کہ میرے ذہن نے فوراً ہی بہت تیزی کے ساتھ کام کرنا شروع کردیا۔

اگر وہ واقعی گھنٹی والوں کا آدمی تھا تو ہمارے لیے نجات کی راہ پیدا ہونے کا امکان سامنے آسکتا تھا لیکن وہ سردار پائندہ گل کی کوئی چال بھی ہوسکتی تھی۔ اگر وہ اس طرح میرا امتحان لینا چاہ رہا تھا تو اس شخص سے تعاون پر آمادگی کا نتیجہ ہم سب کے لیے تباہ کن ہوسکتا تھا۔

وہ پوری قوت سے میرا دہانہ بند کیے' میرے کسی جوابی ردعمل کا منتظر تھا۔ غلط فیصلہ یا میرا غلط جواب اسی لمحے ہماری تقدیروں کے فیصلے کرسکتا تھا۔ میرے پاس بالکل بھی وقت نہیں تھا۔ میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ان امکانات کا تجزیہ کیا اور پھر اپنے سر کو اثبات میں ہلادیا۔

میرے دہانے کو اس وحشیانہ گرفت سے فوراً ہی آزادی مل گئی۔ میں نے چند گہرے گہرے سانس لیے تو مجھے اپنی سانسوں کی آواز اس کمرے میں گونجتی ہوئی محسوس ہوئی۔ کمرے میں گہرا سکوت طاری تھا۔ وہ تینوں بے خبر سو رہے تھے۔

"بستر چھوڑ کر بے آواز قدموں سے میرے پیچھے چلے آؤ" گرم گرم سانسوں کے لمس کے ساتھ میرے بائیں کان میں وہی بھنبھناہٹ سنائی دی "یہاں کا چپّہ چپّہ میرا دیکھا بھالا ہے۔"

تخت پر سے اٹھتے ہوئے میرے دل میں خیال آیا کہ میں کہنی مار کر سلطان شاہ کی نیند خراب کردوں لیکن میں نے وہ ارادہ فوراً ہی مسترد کردیا۔ سلطان شاہ بوکھلاہٹ میں غیر ضروری آوازیں نکال کر پورا کھیل خراب کرسکتا تھا۔ میں نے اس پُراسرار اجنبی کی بات مان کر جو سنگین خطرہ مول لیا تھا' اسے آخری نتیجے تک پہنچانے کے لیے ضروری تھا کہ کسی مداخلت کے بغیر اسے اپنی کارروائی مکمل

کرنے کا موقع دیا جائے۔ آخر میں جو کچھ بھی سامنے آتا' اس کی روشنی میں' میں کوئی بھی ہنگامی فیصلہ کر سکتا تھا۔

میں تخت سے نیچے اترا تو میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور موسم میں خنکی ہونے کے باوجود میرے بدن کے مساموں سے پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ میرے لیے سب سے زیادہ پریشان کن بات یہ تھی کہ ان نازک لمحات میں' ہتھیار کے نام پر میرے پاس ایک پرانا بلیڈ تک نہیں تھا جب کہ میں ہر طرف سے دشمن کی بھاری' مسلح اور خون آشام نفری میں گھرا ہوا تھا۔ میری یا پُراسرار اجنبی کی کسی بھی آہٹ یا لغزش کے نتیجے میں وہ خوابناک ماحول بگڑتا تو درودیوار سے نکلنے والے خونخوار شنگاری مجھے لمحہ بھر میں ٹھکانے لگا سکتے تھے۔

اس کمرے کے دروازے سے باہر قدم رکھتے ہوئے میں خوف زدہ تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں خفیہ سوراخوں سے نگرانی کرنے والے اچانک سامنے نہ آجائیں لیکن وہ بھی شاید سوئے ہوئے تھے۔ میں اس دیو قامت سائے کے پیچھے راہداری میں نکل آیا مگر کہیں سے کوئی نمودار نہیں ہوا۔ ہر طرف موت کا سا سناٹا طاری تھا۔

ہمارے کمرے میں کھڑکی ہونے کی وجہ سے باہر سے تھوڑی بہت روشنی اندر آرہی تھی لیکن راہ داری میں آسیبی سناٹے کے ساتھ ہی پُرہول اندھیرا بھی پھیلا ہوا تھا جس میں اس آدمی کا ہیولا ایک تاریک تر دھبے کی صورت میں متحرک نظر آرہا تھا۔ میں اس پر نظریں جمائے' چند قدم کے فاصلے سے پنجوں کے بل اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ اچانک وہ ایک جگہ بائیں طرف گھوما اور اندھیرے میں تحلیل ہوگیا۔ لمحہ بھر کے لیے میں چکرا کر رہ گیا۔ اسے شاید میرے ردعمل کا اندازہ تھا۔ وہ ایک مرتبہ پھر نظر آیا پھر دوبارہ غائب ہوگیا۔ اس بار میں بڑھ کر اس مقام پر پہنچا تو مجھے بائیں طرف ایک خلا نظر آیا اور میں گھوم کر اسی میں داخل ہوگیا۔

وہ ایک تنگ سی کوٹھری تھی۔ وہ آگے کسی چیز پر جھکا ہوا کام کر رہا تھا۔ پھر اس نے بغیر کوئی آواز پیدا کیے ایک دروازہ کھول دیا جو اس تنگ کوٹھری کو کسی اور حصے سے ملاتا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی دوسری طرف سے حبس اور سیلن کا ایک تیز بھبکا آیا مگر وہ کوئی تردد کیے بغیر دروازے میں داخل ہوگیا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔

اس دروازے سے گزرنے کے بعد میں نے خود کو ایک اور بڑے کمرے میں پایا۔ اندھیرے کی وجہ سے اس کی وسعت کا اندازہ نہیں ہوسکا لیکن وہ اتنا بڑا ضرور تھا کہ اس کی آخری دیواریں نظر نہیں آرہی تھیں۔ مجھے لانے والے نے میرے آنے کے بعد کوٹھری کا دروازہ احتیاط سے بند کر دیا۔

میں اپنے گرد و پیش کے جائزے میں ہی مصروف تھا کہ اچانک کہیں سے ایک نقاب پوش میرے سامنے آکھڑا ہوا۔ اس کے بھاری بھرکم وجود پر شنگاریوں جیسا لباس تھا۔ ہاتھ میں میگزین چڑھی ہوئی کلاشنکوف دبی ہوئی تھی لیکن اس کے چہرے پر سیاہ رنگ کا ایک چست نقاب چڑھا ہوا تھا۔

"مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تم کسی مزاحمت کے بغیر یہاں آنے پر آمادہ ہوگئے۔" نقاب پوش نے سکوت توڑتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنی آواز بدلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ اسے میری جانب سے پہچان لیے جانے کا خدشہ تھا۔ جب کہ میں اردو جاننے والے گنے چنے شنگاریوں سے ہی واقف تھا۔ میں نے فوری طور پر یہ اندازہ لگانے کی کوشش شروع کردی کہ وہ میرے دیکھے ہوئے شنگاریوں میں سے کون ہوسکتا ہے۔ گہرے اندھیرے کی وجہ سے مجھے صرف یہ معلوم ہوسکا تھا کہ وہ خاصا تنومند اور دراز قامت تھا اور یہ خواص کم و بیش پورے قبیلے میں مشترک تھے۔

"مجھے اس طرح یہاں کیوں لایا گیا ہے؟" میں نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ "سردار پائندہ گل کو اس ملاقات کا علم ہوگیا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ تمہیں علم ہوگا کہ میں اس کا قیدی ہوں۔"

وہ میرا ہاتھ تھام کر اُس تاریک کمرے کے دور افتادہ حصہ کی طرف چل دیا۔ اس کے سخت اور کھردرے ہاتھ کی گرفت دوستانہ تھی۔ چلتے چلتے وہ کہنے لگا۔ "پائندہ گل کا خوف اپنے سر سے اتار دو۔ اب وہ مردار خور گدھ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ وہ ہمیں پوری وادی میں ڈھونڈتا پھر رہا ہے لیکن تم دیکھ لو کہ میں اس کی چھت کے نیچے موجود ہوں اور اس کے فرشتوں کو بھی میری یہاں موجودگی کا علم نہیں ہے۔"

"تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے پوری احتیاط سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔

"دھکنیوں والے میرے آدمی ہیں۔ انہوں نے گالان کی اس حویلی میں چھپے ہوئے بوڑھے گدھ کا سکھ اور چین برباد کر دیا ہے۔ وہ میرے ایک اشارے کے منتظر ہیں لیکن میں بڑی خونریزی سے بچنا چاہتا ہوں۔ عید قریب ہے جب وہ نیچے وادی میں ہونے والے میلے میں آئے گا تو اس کی گردن اتار کر نیزوں پر ٹانگ دی جائے گی۔ لیکن تم ہمارا ساتھ دو تو یہ بڑا کام عید سے پہلے بھی پورا ہوسکتا ہے۔ اس زرخیز وادی کو اب پائندہ گل کے عذاب سے نجات ملنی چاہیے۔ وہ یہاں پیدا ہونے والی افیم سے ہیروئن بنا کر کروڑوں کا غبن کر رہا ہے۔ اس بھاری آمدنی سے شنگاریوں کو ذرا بھی فیض نہیں پہنچ رہا ہے۔ بس وہ اپنے خوشامدی کتوں کو نوازتا رہتا ہے۔"

ان پہاڑوں میں بھی اقتدار کی وہی جنگ چلتی ہوئی نظر آرہی تھی جو باہر کی دنیا میں بہت سے ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔ حکمرانوں کا حریف انہیں بددیانت اور غاصب قرار دے کر' خود اختیاری کا طالب تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ہر مہذب ملک میں جائز وسائل کی لوٹ کھسوٹ پر اجارہ داری کا جھگڑا تھا اور اس وادی میں ہیروئن کی اندھی آمدنی نے نفرتوں کے بیج بو دیے تھے۔

"میں بار بار یہی پوچھ رہا ہوں کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے اس سے کہا۔

"تم جنت گل کی تلاش میں کابل جانے کے بجائے' یہاں سے

فرار ہو جاؤ۔" اس نے کافی دور نکل آنے کے بعد ایک جگہ رک کر آہستگی سے کہا۔ "پائندہ گل نے قسم کھائی ہے کہ وہ جب تک اپنے بدمعاش بھانجے کے قاتل کو سزا نہیں دے گا' گوشہ نشینی سے نکل کر اپنے اختیارات استعمال نہیں کرے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس کا ساتھ نہ دو۔ وہ اپنے ڈیرے میں بند رہے اور ہم ہتھیار لے کر نکل پڑیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم وادی کو اس کے ظلم سے نجات دلانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور وہ ذلت کی موت مارا جائے گا۔" "میں ان پہاڑوں میں اجنبی ہوں۔ مجھے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہوگا۔"

"وہ جنت گل کو موت کی سزا دینے میں کامیاب ہو گیا تو شنگارا ولی کی آدھی سے زیادہ جوان اور بوڑھی عورتوں کے سر مونڈ کر چالیس دن کے لیے ان کی چھاتیاں برہنہ کرا دی جائیں گی۔" وہ پُرجوش مگر دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔ "اس دہشت نے پوری وادی میں اندر ہی اندر اضطراب کی لہر دوڑا دی ہے۔ عبدالرحیم خان کا پائندہ گل کے علاوہ اور کوئی مرد وارث نہیں ہے۔ سب کو یقین تھا کہ پائندہ گل کی بوڑھی ہڈیاں سیکڑوں میل دور چھپے ہوئے قاتل سے انتقام لینے کے قابل نہیں ہیں۔ اس لیے بے شمار عورتیں عبدالرحیم خان کی میت پر اپنے بال کھول کر گریہ و ماتم کرتی رہی تھیں۔ اب ان سب کی عزت خطرے میں ہے۔ جن عورتوں کے ناخن بھی نامحرموں کی نگاہوں سے محفوظ تھے' انہیں چالیس دن تک اپنی چھاتیاں برہنہ کر کے بستیوں کی خاک چھاننی ہوگی۔ وہ وقت آنے سے پہلے ہی جانے کتنے غیرت مند شنگاری اپنے ہاتھوں سے اپنی عورتوں' ماؤں اور بچیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اس وادی میں بچے جننے والیوں کا کال پڑ جائے گا اور پھر باہر سے لائی جانے والی عورتوں کے بوجھ سے یہ چٹانیں رو پڑیں گی۔ شنگارا ولی کو اس تباہی سے بچانے کے لیے ہم نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔ ہم کامیاب ہو گئے تو تم کو بھی فوراً آزادی مل جائے گی ورنہ پائندہ گل نے تمہیں کابل بھیج کر تمہارے ساتھیوں کو یرغمال بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہمارا ساتھ دے کر تم خسارے میں نہیں رہو گے۔ یہ میرا وعدہ ہے اور شنگاری اپنے قول کے دھنی ہوتے ہیں۔"

وہ جو کچھ کہہ رہا تھا' درست کہہ رہا تھا۔ سردار پائندہ گل نے بھی مجھ سے اپنے ان ہی عزائم کا ذکر کیا تھا۔ ان میں کوئی مبالغہ نہیں تھا۔ پائندہ گل نے جب مجھ سے وہ باتیں کیں تو وہ بہت مظلوم اور دل گرفتہ نظر آ رہا تھا لیکن وہی باتیں اس نقاب پوش نے دہرائیں تو پائندہ گل یک بیک' ایک خود غرض درندہ معلوم ہونے لگا تھا۔ "تم نے مجھے یہاں تک بلوایا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ "فی الحال میں تمہاری پیشکش پر غور کروں گا۔ فرض کرو کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دیتا تو تم ہم لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟"

"وہی جو پائندہ گل اور اس کے حامیوں کے ساتھ کریں گے۔" اس نے بلاتوقف جواب دیا۔ "ہم کسی قیمت پر تم کو کابل نہیں جانے دیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ راستے میں ہی تمہارا کام تمام کر دیا جائے۔"

"یا پھر ہمیں کسی بھی وقت خاموشی سے ٹھکانے لگا دیا جائے؟" میں نے پوچھا۔

"ہم بزدلی کے کام نہیں کرتے۔ چھپ کر وار کرنا ہماری سرشت میں ہی نہیں ہے۔" اس کا لہجہ قدرے تیز ہو گیا۔ "ہم اپنے دشمن کو للکار کر اس پر سامنے سے وار کرتے ہیں۔ نتیجہ کچھ بھی نکلے' ہماری دلیری اور بے خوفی پر حرف نہیں آتا۔ اس بارے میں تمہیں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ جب طبل بجے گا اور ہم آگ برساتے ہوئے اس حویلی میں گھسیں گے تو ہماری راہ میں آنے والا ہر شخص بھون دیا جائے گا۔ تمہارا حشر ان ہی کے ساتھ ہوگا۔"

"مجھے کل تک کی مہلت درکار ہے۔ میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے ہی کوئی فیصلہ کر سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اتنا انتظار کر سکتا ہوں مگر فیصلہ کرتے ہوئے یہ یاد رکھنا کہ میرا دوستی کا ہاتھ ٹھکرانے کے بعد تمہیں شنگارا ولی کی زمین پر کہیں امان نہیں مل سکے گی۔" اس نے سختی سے کہا۔

"میں یہ بات اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔ کیا تم مجھے اپنی صورت نہیں دکھاؤ گے؟"

"ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔" وہ سرسری لہجے میں کہتے کہتے ایک دم چونک کر بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یہ تو بتاؤ کہ جنت گل اپنے اور تمہارے بارے میں جو کہانی سناتی پھر رہی ہے اس میں کتنی صداقت ہے؟"

"کون سی کہانی؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔ "میری اس سے بہت سی باتیں ہوئی تھیں۔"

"صرف باتیں نہیں' وہ مرد اور عورت کے ازلی تعلق کی باتیں کر رہی ہے۔ کیا یہاں لائے جانے سے پہلے بھی تم پائندہ گل یا عبدالرحیم خان کے یرغمالی رہ چکے ہو؟" وہ بہت زیادہ متجسس ہو چکا تھا۔ "دونوں باتیں درست ہیں۔" میں نے ہولے سے کہا۔ "شاید یہی بات پائندہ گل کو ڈس رہی ہے کہ جنت گل نے مجھ کو اپنے وجود کی خوشبو سے روشناس کیوں کیا۔ یہ اس کی مرضی تھی اور تم جانتے ہو کہ جب جنت گل جیسی عورت پیش قدمی کرنے پر تل جائے تو دنیا کا کوئی مرد مقابلہ پر نہیں رک سکتا۔ شاید تمہیں جنت گل اور پائندہ گل کے رشتے کے بارے میں تو معلوم ہی ہوگا۔"

"مجھے سب معلوم ہے لیکن ہم لوگ کیچڑ میں سنگ باری نہیں کرتے۔ چھینٹوں سے اپنا دامن بھی داغ دار ہونے کا ڈر لگا رہتا ہے۔ شہروں کی خاک چھاننے والے مرد کہیں نہ کہیں ڈگمگا ہی جاتے ہیں۔ یہ پائندہ گل کا ایسا قصور نہیں ہے کہ اسے بستیوں میں بدنام کیا جائے۔ اس کی لڑکی نسل کے ساتھ مزاج کے اعتبار سے بھی حرام زادی ہے ورنہ کون اپنے گندے نسب کو بازاروں میں اچھالتا پھرتا ہے؟ سرداری کا جھگڑا نمٹ جائے پھر میں خود ہی اسے سزا دوں گا۔ جنت گل نے ایک یرغمالی کے بستر پر جا کر سارے شنگاریوں کے منہ پر تھوکا ہے۔ یہ صرف پائندہ گل کا معاملہ نہیں

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے اس پر جبر نہیں کیا تھا۔" اس کے تیور دیکھتے ہوئے میں نے فوراً اپنی صفائی میں پرانی کہانی دہرانی ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔" اس نے میرے ساتھ زبردستی کی تھی۔"

"تمہارے بتائے بغیر بھی یہ اندازہ ہو جاتا ہے۔ زبردستی کا نشانہ بننے والی عورتیں عزت کے خوف سے خاموش رہتی ہیں یا پھر کسی شہ زور سے فریاد کرتی ہیں لیکن وہ تو خود اپنی کہانی سناتی پھر رہی ہے۔ اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا' اس کی مرضی سے ہوا۔ جب سے طغیم خان لنگڑا ہوا ہے' وہ بالکل ہی بے حجاب اور بے لگام ہو گئی ہے۔ اب اس بے شرم لڑکی کی بات مت کرو۔ وہ پائندہ گل کے ہاتھوں اس جرم میں نہیں ماری جائے گی کہ وہ عبدالرحیم خان کی قاتل ہے اب میں اسے ماروں گا کہ اس نے ایک قیدی کے ساتھ اپنا منہ کالا کیا تھا۔"

"کیا اب میں واپس جا سکتا ہوں؟" میں نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"اکیلے لوٹے تو مارے جاؤ گے۔ میرا آدمی تمہارے ساتھ جائے گا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے دہانے سے جھینگر کی ہلکی سی آواز نکالی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے تمہیں سوچنے کے لیے کل تک کا وقت دیا ہے۔ اب میری تم سے ملاقات نہیں ہوگی۔ تمہارا فیصلہ کل رات کے کھانے کے وقت مجھ تک پہنچ جائے گا۔ تمہیں میری تجویز منظور ہو تو بڑی قاب خالی کر کے تھال میں اوندھی کر دینا۔ یہ نشانی نہ ہوئی تو تم پائندہ گل کے ہم نوا سمجھے جاؤ گے۔"

اس اثنا میں اس کا آدمی میرے قریب آ کر خاموشی سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"تو کیا کھانا لانے والوں میں بھی تمہارے وفادار موجود ہیں۔" میں اضطراری لہجے میں پوچھ بیٹھا۔

"غیر ضروری سوال مت کرو۔" وہ غرایا۔ "میری کچھ نہ کچھ بنیاد ہے جس کے زور پر میں نے پائندہ گل کو مار گرانے کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے۔ میرے لیے کون کون کام کر رہا ہے' تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ تم بس وہ کرو جو میں نے تمہیں بتایا ہے۔ اس سے آگے دیکھنا میرا کام ہے۔"

یہ کہہ کر وہ اندھیرے کمرے میں اندر کی طرف بڑھتا چلا گیا اور دوسرا آدمی مجھے اپنے ساتھ لے کر واپس اسی دروازے کی طرف چل دیا' جدھر سے ہم داخل ہوئے تھے۔

کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اس نے بہت احتیاط سے باہر کی سن گن لی پھر پہلے مجھے باہر نکال دیا۔ دروازہ بند کرنے کے بعد وہ راہداری میں ہو لیا۔ وہاں بدستور تاریکی اور سناٹے کی حکمرانی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس حصہ میں رہنے والے شنگاری افیم کھا کر گہری نیند سوئے ہوں۔

اس نے مجھے بحفاظت میرے کمرے میں پہنچا دیا اور خود دروازے سے ہی ایک طرف غائب ہو گیا۔ تاریک کمرے میں وہ تینوں بدستور گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ میں خاموشی کے ساتھ سلطان شاہ کے برابر میں اپنی جگہ پر دراز ہو گیا مگر میری نیند اچاٹ ہو چکی تھی۔ مجھے رہ رہ کر اس آدمی کی صورت یاد آ رہی تھی جو مجھے نقاب پوش تک لے گیا تھا۔

سردار پائندہ گل کا معاملہ ابتدا ہی سے کچھ اوٹ پٹانگ انداز میں سامنے آیا تھا۔ اس کے اصل مراسم مافیا کے سیٹھ حبیب جیوانی سے تھے۔ ان دونوں میں ہیروئن کا لین دین چلتا رہتا تھا پھر اسپیشل ٹاسک فورس اور مقامی حکام نے مافیا کے اڈے 'ٹریڈ لائن' پر بھرپور کارروائی کر کے ان کا صفایا کیا تو سردار پائندہ گل کو اس رقم کی فکر ہو گئی جو اسے حبیب جیوانی سے وصول کرنی تھی۔ حبیب جیوانی مارا جا چکا تھا اس لیے پائندہ گل میرے پیچھے لگ گیا۔ وہ کہانی اپنی جگہ پر خاصی بے تکی تھی لیکن وہ لوگ بھاگ دوڑ کر کے مجھے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے اور زبردست سودے بازی کے بعد' اول خان نے ان لوگوں کو وہ ہیروئن واپس کر دی جو مافیا کے اڈے پر چھاپے کے دوران پکڑی گئی تھی۔ پائندہ گل رقم یا مال کا طلب گار تھا۔ مال واپس مل جانے پر اس نے میری آزادی کا حکم جاری کر دیا لیکن عین اسی وقت جنت گل مجھے اپنے وجود کی رعنائیوں سے لذت آشنا کرانے کے بعد مجھے فرار میں مدد دینے پر آمادہ ہو چکی تھی۔ اسی الجھاؤ میں عبدالرحیم خان مارا گیا اور میں وہاں سے نکل

آنے کے باوجود پائندہ گل کی مخاصمت سے جان نہ بچا سکا۔ رہی سہی کسر جنت گل نے پوری کردی۔ اس نے اپنی کہانی پھیلا کر پائندہ گل کو میری طرف متوجہ ہونے پر مجبور کردیا۔ اس کہانی میں زن اور زر کا تنازعہ تھا۔ محبت اور مخالفت کی پرانی گھسی پٹی کارفرمائیوں نے جنت گل کو پائندہ گل کے خلاف لا کھڑا کیا تھا لیکن ہمارے گالان پہنچنے کے بعد اس روایتی اختلاف نے یک بیک پیچیدگی اختیار کرلی تھی۔ ہم عملاً پائندہ گل اور اس کے وفاداروں کی تحویل میں تھے لیکن ہماری بہتری گھنٹیوں والوں سے مل جانے میں نظر آرہی تھی۔

میں دیر تک بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا لیکن نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ میں نے سگریٹ سلگا کر کمرے میں ٹہلنا شروع کردیا۔ مجھے ٹہلتے ہوئے چند منٹ بھی نہیں گزرے ہوں گے کہ کوئی دروازے پر آپہنچا اور اس نے ٹارچ کی تیز روشنی میرے اوپر مرکوز کردی۔ میں ٹھٹک کر اپنی جگہ پر رک گیا۔

تیز روشنی کی وجہ سے میں آنے والے کو نہیں دیکھ سکا۔ روشنی کا دائرہ میرے بدن پر چند ثانیوں تک حرکت کرتا رہا پھر وہ شخص ٹارچ بجھا کر واپس لوٹ گیا۔ مجھے سخت حیرت ہوئی کہ میری بے ضرر چہل قدمی نے کسی محافظ کو میری طرف متوجہ کردیا تھا لیکن جب میں ایک باغی کے ساتھ اس کمرے سے نکل کر باہر گیا تھا تو کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رینگی تھی۔ میرے لیے وہ بات فکر انگیز تھی۔ گھنٹیوں والوں کو پائندہ گل کی حویلی میں بہت زیادہ اثر و رسوخ حاصل تھا اور ان کی دوستی کی پیشکش کو مسترد کردینا آسان نہیں تھا۔

ان تینوں کے لیے وہ معمول کی ایک اور صبح تھی۔ وہ رات بھر گہری نیند سوتے رہے تھے اس لیے بیدار ہونے کے بعد بہت تازہ دم اور ہشاش بشاش تھے مگر غزالہ مجھے دیکھتے ہی فکر مند ہوگئی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم ساری رات جاگتے رہے ہو۔" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تشویش سے کہا۔

"کچھ لوگوں نے سونے نہیں دیا۔" میں نے اس کے قریب ہوکر انگریزی میں کہا۔

"کیا مطلب؟" میرے جواب پر ویرا چونکے بغیر نہ رہ سکی۔

"کیا رات کو یہاں کوئی اور بھی تھا؟"

"گہری نیند میں میرا منہ دبوچ کر مجھے بیدار کیا گیا تھا۔" میں نے اپنے لب و لہجے کو سپاٹ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ حیرت یا کسی جوش و خروش کا مظاہرہ کیے بغیر انگریزی زبان استعمال کرسکتے ہو۔ ہماری اس وقت بھی کڑی نگرانی ہورہی ہوگی۔ ان لوگوں کو ہم پر کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"ہم سب ہی محتاط ہیں۔ تم احتیاطی تدابیر پر لیکچر دینے کے بجائے اپنی کہانی سناؤ۔ یہاں منتقم مزاج بوڑھے کے آدمیوں کے علاوہ اور کون آسکتا ہے؟"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ پُراسرار باغیوں کے بارے میں تمہارا خدشہ درست ثابت ہوا ہو؟" غزالہ کے ذہن میں وہ خیال اچانک ہی آیا تھا لیکن اس کے لہجے سے حیرت کا کوئی تاثر نہیں ملتا تھا۔

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "یہی ہوا ہے۔ وہ لوگ بغاوت پر تلے بیٹھے ہیں۔ اندر ہی اندر لاوا پک رہا ہے مگر اب وہ اپنے پروگرام کو جلد از جلد عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں۔ اس بارے میں ویرا نے کل جن خیالات کا اظہار کیا تھا وہ حقائق سے بہت قریب ہیں۔ میری ان کے سربراہ سے بات ہوئی تھی۔"

"اس سے پہلے کہ باہر سے کوئی مداخلت ہو، پوری بات سناتے چلے جاؤ۔" ویرا نے کہا۔

میں نے بظاہر غزالہ کو خطاب کرتے ہوئے پچھلی رات کے واقعات دہرانے شروع کردیے۔

"یہ ہمارے لیے غیبی امداد ہے۔" میرے خاموش ہونے پر غزالہ بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں اپنی خوشی کو کس طرح قابو میں رکھوں! ہم میں سے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان بے رحم پہاڑوں میں ہمارا کوئی ہمدرد پیدا ہوجائے گا۔ آج رات بڑی قاب کو اوندھا ہی ہونا چاہیے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" ویرا نے اپنی جگہ سے تائید کی۔ "ہمیں یہ موقع نہیں گنوانا چاہیے۔"

اس سے پہلے کہ میں ان دونوں کی رائے پر کوئی تبصرہ کرتا، راہداری میں تیز تیز قدموں کی دھمک سنائی دی۔ ہم چاروں چونک کر ادھر دیکھنے لگے۔ آنے والوں میں صندل خان پیش پیش تھا۔

وہ بہت تیزی سے اندر آیا اور اس نے بگڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "ابھی تم لوگ کس خفیہ زبان میں باتیں کررہے تھے؟" اس کی آنکھوں میں گہرے شکوک و شبہات جھلک رہے تھے۔

ایک لمحے کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے پچھلی رات نقاب کی اوٹ سے میں نے اسی کی آواز سنی ہو مگر میں پُریقین نہ ہوسکا۔ آپس کی شادیوں کی وجہ سے شنگاریوں کی نسلی خصوصیات بڑی حد تک یکساں تھیں۔ وہ سب ہی جسیم اور قد آور تھے۔ بدلی ہوئی آواز کی وجہ سے یہ کہنا ناممکن تھا کہ صندل خان ہی نقاب پوش کے روپ میں مجھ سے ملا تھا۔ وہ اردو جاننے والے شنگاریوں میں سے کوئی بھی ہوسکتا تھا۔

"خفیہ زبان؟" ویرا ہنس کر صندل خان سے کہہ رہی تھی۔ "ہم انگریزی بول رہے تھے۔"

"جب تم سب اردو بول اور سمجھ سکتے ہو تو انگریزی میں باتیں کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" صندل خان کے تلخ لب و لہجے میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔

"یہ لوگ میرے ایک تحقیقی مقالے پر بات کررہے تھے۔" ویرا کے پاس فوراً ہی جواب تیار تھا۔ "وہ مقالہ انگریزی میں لکھا گیا

یہاں فرصت ہے تو اسی پر تبادلۂ خیال چل پڑا......"
"نہیں!" اس نے ویرا کی بات کاٹ دی۔ "تم مجھ سے اصل بات چھپا رہی ہو۔"
"ہم یہاں مجبور اور بے بس ہیں۔" میں نے کہا۔ "تمہارے آدمی ہر وقت ہماری نگرانی کررہے ہیں۔ آخر تمہیں ہماری طرف سے کس قسم کا اندیشہ یا خطرہ لاحق ہے؟ ہم انگریزی میں باتیں کرکے تمہارا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟"
"اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ تم نے کوئی بھی غلط قدم اٹھانے کی کوشش کی تو اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "ایک بار خان بابا کے سامنے پہنچانے کے بعد اب میں تمہارے بارے میں ہر پابندی سے آزاد ہوچکا ہوں۔ یہاں کے محافظ بہت ذمہ دار اور بااختیار ہیں۔ وہ تمہیں گولی بھی مار سکتے ہیں۔"
"اگر ہمارے مقدر میں یہی لکھ دیا گیا ہے تو اسے کوئی نہیں ٹال سکتا لیکن تم یقین کرو کہ میں سچ بول رہی ہوں۔ گالان کی فضا تخلیقی کام کے لیے بہت عمدہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میں بعد میں بھی یہاں آکر رہنا چاہوں۔"
"تخلیق؟" صندل خان ہونٹ سکوڑ کر پھنکارا۔ "ان پہاڑوں میں عورتیں بس بچے تخلیق کرتی ہیں یا گھر سنبھالتی ہیں۔ تم لوگ یہ یاد رکھنا کہ خان بابا کے نمک خوار تم سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہیں۔"
اس وقت وہ ایک مرتبہ پھر ویرا سے بے پروا نظر آرہا تھا۔ ویرا کے ساتھ اس کا دُہرا رویّہ میری سمجھ سے باہر تھا۔
وہ واپسی کے لیے پلٹا تو ویرا نے نرمی سے پوچھا۔ "اب ہمیں انگریزی زبان کے استعمال کی آزادی ہے یا اس پر پابندی لگادی گئی ہے؟ ہم تمہیں کسی قیمت پر بھی ناراض نہیں کرنا چاہتے۔"
"تم کتوں اور بلیوں کی زبان بھی استعمال کرسکتی ہو لیکن یہ یاد رکھنا کہ یہاں لائے جانے والے خان بابا کی مرضی کے بغیر نیچے کی وادی میں بھی قدم نہیں رکھ سکتے جہاں ہمارے قیدی اور غلام کام کرتے ہیں۔"
وہ جتنی تیزی کے ساتھ آیا تھا اس سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ اس کے دونوں مسلح ساتھی اس کی تقلید کررہے تھے۔ میں نے ان دونوں کا بہت غور سے جائزہ لیا لیکن ان میں سے کسی میں اس شخص کی شباہت نہیں تھی جس نے رات کو مجھے سوتے سے بیدار کیا تھا۔
"اب ہم تمہارے مقالہ پر کس زبان میں بات کریں؟" کچھ دیر کے بعد غزالہ نے ویرا سے پوچھا۔
"انگریزی ہی استعمال کرنی پڑے گی۔" ویرا نے تفکر آمیز لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہم نے صندل خان کی غلط فہمی دور کردی ہے۔" صاف ظاہر تھا کہ وہ نگرانی کرنے والوں کو سنانے کے لیے ایسی بات کررہی تھی۔
"تم نے نقاب پوش کی صورت نہیں دیکھی۔" سلطان شاہ خاصی روانی سے انگریزی میں کہنے لگا۔ "لیکن تم دوسرے آدمی کو پہچان سکتے ہو۔ وہ زیادہ دیر تک تمہاری نظروں سے نہیں بچ سکے گا۔"
"اسے پہچان کر ہم کون سا تیر مارلیں گے؟" میں نے جواب دیا۔ "ویسے بھی ہم نے ان سے مل جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"
"تو یہ بالکل طے ہوگیا؟" ویرا نے پوچھا اور میں نے تائید میں سرہلادیا۔
"اگر یہ لوگ انگریزی کو پسند نہیں کرتے تو ہمیں اردو میں باتیں کرنی چاہئیں۔" ویرا نے پٹڑی بدل کر اردو میں کہا۔ "میرے مقالہ پر بعد میں بات ہوسکتی ہے۔ کیونکہ میرا مسودہ کراچی میں ہے۔ اس پر میں واپس لوٹنے کے بعد ہی کام کرسکوں گی۔ اس وقت خان بابا اور اس کے آدمیوں کی خوشنودی ہمارے لیے زیادہ اہم ہے۔"
وہ دن بہت پھیکا اور بے کیف گزرا۔ ہم میں سے ہر ایک خاموش اور اپنی جگہ پر سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر شخص جانتا تھا کہ ہاتھیوں کی لڑائی میں مینڈک بھی کود پڑیں تو ان کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ سردار پائندہ گل بظاہر بہت زیادہ قوت اور اختیارات کا مالک تھا لیکن دوسری طرف اس کے حریفوں کو بھی حیرت ناک حمایت حاصل تھی۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ گھنٹی کی آواز پر فضا کو جلے ہوئے بارود کی بو سے بھردینے والوں میں سے کتنے ان کے ساتھ تھے۔ ان دونوں فریقوں کے کسی بھی تصادم میں ہماری حیثیت خاصی مخدوش ہوسکتی تھی۔ شاید ان ہی خدشات نے ہر ایک کو سنجیدہ اور فکرمند کیا ہوا تھا۔ پائندہ گل کے وعدہ کے مطابق ہمیں واڈکا کی دو نئی بوتلیں پہنچا دی گئی تھیں لیکن ویرا نے دوپہر گزر جانے کے باوجود انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ میں بیشتر وقت بستر پر پڑا اپنی سوچوں میں ڈوبا رہا۔
گالان کی فضاؤں میں آخری بار گھنٹی کی آواز کو بلند ہوئے ڈیڑھ دن سے زائد مدت گزر چکی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ وہ خاموشی کسی طوفان کی آمد کا پیش خیمہ تھی۔ اس طوفان میں اُس بڑی قاب کو خاص اہمیت حاصل تھی جو ہمارے رات کے کھانے کے ساتھ آتی تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ ہماری طرف سے قاب کو الٹنے کے بعد گھنٹیوں والے کیا حکمتِ عملی اختیار کرتے ہیں اور ہم تک اپنی ہدایات پہنچانے کے لیے کون سا ذریعہ استعمال کرتے ہیں؟
جوں ہی سورج کی روشنی کی جگہ مشعلوں کے زرد شعلوں نے سنبھالی، صندل خان اپنی ٹوکری سمیت ہمارے کمرے میں آموجود ہوا۔ اس وقت وہ بہت خوشگوار موڈ میں نظر آرہا تھا۔
"کیا بات ہے؟ آج تم سب سست اور بیمار نظر آرہے ہو۔" وہ آتے ہی ویرا سے مخاطب ہوکر چہکا۔
"تمہاری پھنکار نے صبح سے اب تک طبیعت کو بے مزہ کیا ہوا

ہے۔" ویرا موقع دیکھ کر چوکنے والی نہیں تھی۔

"اوہ!" وہ بے ڈھنگے انداز میں ہنس دیا۔ "ہماری طبیعتوں میں فطری تجسس موجود ہے۔ کوئی بھی نئی بات سامنے آتی ہے تو ہمارا ردِعمل بہت پُرجوش ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے اس وادی میں کوئی بھی انگریزی زبان سے واقف نہیں ہے۔ ہمارے آدمیوں کو وہ زبان بہت عجیب محسوس ہوئی تھی۔"

"یہ نئی بات نہیں تھی۔" اسے وضاحتوں پر آمادہ پا کر ویرا کا حوصلہ بڑھ گیا۔ "چیغا سرائے سے یہاں تک کے سفر میں تم ہم پر بہت مہربان رہے تھے لیکن سفر ختم ہوتے ہی تمہارا رویّہ درشت ہو گیا تھا۔ تم اپنے مزاج کے مالک ہو۔ جب چاہتے ہو عزت سے نوازنے لگتے ہو' اکتا جاؤ تو عزت اتار کر رکھ دیتے ہو۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔" وہ مدافعانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "خان بابا کے غلاموں میں میرا منصب بہت اونچا ہے مگر پھر بھی میری کچھ حدود ہیں۔ مجھے ہر وقت اپنے آس پاس کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔"

میں بظاہر سکون سے بیٹھا رہا لیکن اس کی بات نے مجھے چونکا دیا۔ اس کے الفاظ سے خان بابا سے قدرے برگشتگی کی بو آ رہی تھی۔ جب کہ خان بابا نے مجھے خاص طور پر بعض باتیں صندل خان کو بتانے سے منع کیا تھا۔ وہ محض اتفاقات نہیں ہو سکتے تھے۔ میرے ذہن نے خود بخود نقاب پوش اور صندل خان کا موازنہ کر کے ان میں شباہت تلاش کرنے کا عمل شروع کر دیا جس کے نتائج سنسنی خیز تھے۔

"تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم یہاں اپنی مصلحتوں کے قیدی ہو؟" ویرا نے مسکرا کر پوچھا۔

"یہاں صرف خان بابا اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اس کے علاوہ ہر شخص کو محتاط رہنا پڑتا ہے۔" اس کی آواز دھیمی ہو گئی اور نگاہیں بے چینی سے کمرے کی خالی دیواروں کا طواف کرنے لگیں۔ "جب سے گھنٹیوں والوں نے سر اٹھایا ہے ہر شنگاری خان بابا کی برہمی سے خوف زدہ رہتا ہے۔ وہ اس عمر میں بھی اتنا توانا ہے کہ اپنی انگلیوں کی گرفت سے انسانوں کی کھوپڑیاں چٹخا دیتا ہے۔"

"پتا نہیں تم صبح احتیاط سے کام لے رہے تھے یا اب محتاط ہو!" ویرا شانے اچکا کر بولی۔

"اجالے میں جو شخص حویلی کا نگران ہوتا ہے وہ بچپن سے میری ٹوہ میں رہتا ہے۔ سورج غروب ہونے سے لے کر صبح نمودار ہونے تک میرے آدمی انتظام سنبھالے رہتے ہیں۔ اس وقت میں بے فکر ہوتا ہوں اور تمہارے ساتھ آ بیٹھتا ہوں۔ میری یہاں موجودگی میں انہیں بے فکری میسر آ جاتی ہے۔"

"لیکن آج صبح تو تم ہی ڈانٹ پھٹکار کے لیے آئے تھے۔" ویرا اس کی جان کو آ گئی تھی۔

"شاہ وزیر سمیت دن والے نگراں اردو سے نابلد ہیں۔ تمہاری انگریزی سن کر اس نے مجھے خان بابا کے ڈیرے سے بلوایا تھا تاکہ میں تم سے پوچھ گچھ کر سکوں۔ وہ میرے ساتھ ہی یہاں آیا تھا اور کسی احمق کی طرح خاموش کھڑا ہوا تھا۔" صندل خان شراب کو چھوئے بغیر ہی موج میں آیا ہوا تھا۔

اس کی باتوں میں مجھے اس کے خلاف ایک اور نکتہ مل گیا تھا۔ رات کی نگرانی والا عملہ اس کی کمان میں ہوتا تھا اور نقاب پوش نے مجھ سے ملاقات کے لیے رات ہی کا انتخاب کیا تھا۔ اگر صندل خان ہی گھنٹی والوں کا سرغنہ تھا تو اس کے لیے بہت آسان تھا کہ ہمارے کمرے کی خفیہ دیکھ بھال کرنے والوں کو مقررہ اوقات میں کہیں اور الجھا کر مجھے خواب گاہ سے نکلوا کر نقاب پوش کی حیثیت سے ملاقات کرتا اور پھر خاموشی سے واپس بھجوا دیتا۔ میں ان تمام نکات پر جتنا غور کر رہا تھا' یہ امکان کہ صندل خان ہی باغیوں کا سربراہ تھا' پختہ ہوتا نظر آ رہا تھا۔ وہ پائندہ گل کی ناک کے عین نیچے اپنا کھیل کھیل رہا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ پائندہ گل بھی اس سے مطمئن نہیں تھا۔

صندل خان اپنا دل بہلانے کے لیے ہماری طرف آتا تھا۔ اس نے ویرا کی تابڑ توڑ جرح سے فارغ ہوتے ہی ویرا سے ساقی گری کی فرمائش کی۔ وہ بھی دن بھر کی اکتائی ہوئی تھی۔ اس نے بسروچشم صندل خان کی فرمائش کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔ میں اس رات پوری طرح چاق و چوبند رہنا چاہتا تھا اس لیے میں نے طبیعت کی گرانی کا بہانہ کر کے اپنی رفتار بہت سست رکھی لیکن وہ دونوں تھوڑی ہی دیر میں رنگ پر آ گئے۔

باتوں ہی باتوں میں صبغت اللہ کا ذکر نکل آیا تو صندل خان نے بتایا ہم لوگوں کے ساتھ نرم رویّہ اپنانے پر اسے صبغت اللہ کی برہمی کا سامنا کرنا پڑا لیکن گالان میں وہ ہم پر سختی کرنے سے قاصر تھا کیونکہ ہمیں ہر سہولت پائندہ گل کی مرضی اور اجازت سے فراہم کی جا رہی تھی۔

اس نے جلال آباد کی کارروائی میں ہماری رسد پر قبضہ کیا تھا۔ اس نے سارے ہتھیار اور ان کے بے شمار راؤنڈز پاکستان کے سرحدی علاقوں کی طرف روانہ کر دیے تھے جہاں ان کے دام کھرے کر لیے گئے تھے۔ اناج کی بوریوں سے لدے ہوئے دو ٹرک لے کر وہ کابل کی طرف نکل گیا تھا جہاں اشیائے خورد و نوش کا شدید بحران آیا ہوا تھا۔ کابل میں وہ ٹرک بہت مہنگے فروخت ہو گئے۔ اس رقم سے صبغت اللہ نے ہیروئن کی تیاری میں کام آنے والے کیمیکلز کے تین ڈرموں کا سودا کیا تھا۔ کابل میں مقیم ایک سکھ ادویہ سازی کے خام مال کے نام پر وہ کیمیکل درآمد کر کے چور بازار میں بیچتا تھا اور افیم کی تیاری کے موسم میں اس پر دس گنا نفع کماتا تھا۔ صبغت اللہ کی ان کامیابیوں نے خان بابا کو بہت خوش کر دیا تھا' جس کے نتیجے میں اسے بادران جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ بادران' شنگارا ویلی ہی کی ایک دور افتادہ بستی تھی جہاں

صبغت اللہ کا خاندان آباد تھا۔ صندل خان نے بتایا کہ صبغت اللہ ہم لوگوں سے ملاقات کا خواہش مند تھا لیکن اگلی صبح بادوران روانہ ہونے کی تیاریوں میں مصروف ہونے کی وجہ سے وہ ادھر نہیں آسکا تھا۔ میرے لیے صبغت اللہ کی ذات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن اس ذکر میں موت کے سوداگروں کی درونِ خانہ مصروفیات بھی شامل تھیں' اس لیے میں نیم دلی سے اس میں حصہ لیتا رہا پھر ویرا اور صندل خان سے معذرت کرکے اس تخت کی طرف چل دیا جہاں سلطان شاہ وقت کاٹنے کے لیے غزالہ کے ساتھ رمی کھیل رہا تھا۔

"کمال ہے' آج تم اپنی من پسند محفل چھوڑ کر ادھر آگئے۔" غزالہ نے خوشگوار حیرت سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ دن بھر کی بیکاری تمہارے موڈ پر بہت زیادہ اثرانداز ہوئی ہے۔"

"مجھے اس مردود پر شبہ ہے۔" میں نے بیٹھتے ہوئے' انگریزی میں سرگوشی کی۔

"نقاب پوش؟" غزالہ نے زیرِلب بڑبڑا کر انگریزی ہی میں استفسار کیا۔

"ہاں! میرا خیال ہے کہ یہ اس وقت ہمیں ٹٹولنے کی نیت سے آیا ہے۔ تم پتے ملا کر دوبارہ کارڈ بانٹنے شروع کردو تاکہ وہ ہمیں کھیل میں مصروف سمجھتا رہے۔" میں ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔

"وہ ویرا کے ساتھ راز و نیاز میں منہمک ہے۔ اسے ہمارا خیال بھی نہیں آئے گا۔" سلطان شاہ منمنایا۔

"اسے کباب میں سے ہڈی نکل جانے کی خوشی ہوگی۔" غزالہ نے پتے پھینٹتے ہوئے کہا۔ مگر میرا ذہن خلا میں اڑ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہمارے ساتھ کس قسم کا کھیل کھیلا جارہا تھا۔

کڑیاں ملانے پر' میرے ذہن میں ایک نیا شبہ سرابھار رہا تھا کہ شاید گھنٹی والوں میں سے کوئی ہمارے قریب نہیں پھٹک سکا تھا۔ صندل خان نے اپنے آدمیوں کی ملی بھگت سے رات والا ڈراما رچایا تھا۔ وہ مجھے سہل تر آزادی کا لالچ دے کر اپنے جال میں پھانسنا چاہ رہا تھا تاکہ مجھے بدنیت اور سازشی قرار دے کر پائندہ گل کی نظروں سے گرا سکے۔ وہ پائندہ گل کو ہمارے عزائم کے بارے میں بدگمان کردیتا تو وہ مغلوب الغضب سردار ہماری موت کا فیصلہ بھی صادر کرسکتا تھا۔ ہم اس سرزمین پر اجنبی تھے اور وہ اپنی قسم توڑے بغیر ہمیں سزا سنا سکتا تھا۔ شاید صندل خان ہم تینوں سے چھٹکارا حاصل کرکے' ویرا کو مالِ غنیمت کے طور پر اپنی تحویل میں لینے کی منصوبہ بندی کررہا تھا۔

ہم تینوں مشینی انداز میں پتے پھینکتے اور سمیٹتے رہے۔ ہماری باتیں جاری تھیں لیکن میں نے اپنے نئے شبہات کا ذکر کرکے انہیں مزید پراگندہ نہیں کیا تھا۔ ان دونوں کی ساری ذہنی ورزش اسی ایک نکتہ پر مرکوز تھی کہ صندل خان باغیوں کا سربراہ تھا یا نہیں؟

وقت رینگ رینگ کر گزر رہا تھا مگر پھر بھی کھانے کا وقت آہی گیا۔ تھال کے گرد بیٹھتے ہی میں نے دیکھ لیا کہ سب سے بڑی قاب میں پہاڑی تیتروں کے بُھنے ہوئے پارچوں کا ڈھیر موجود تھا۔ ہم چاروں کو بڑی قاب کی اہمیت کا اندازہ تھا اس لیے سب ہی نے حیرت اور اشتیاق کے ساتھ ان پارچوں پر دھاوا بولا اور کسی دوسرے کھانے کو چھیڑنے سے پہلے بڑی قاب کو بالکل خالی کردیا۔

میں نے کن انکھیوں سے صندل خان کی طرف دیکھا تو وہ پچھلے روز کے معمول کی طرح ایک طرف بیٹھا شراب پی رہا تھا مگر اس کی نگاہیں ہم لوگوں کی طرف ہی مرکوز تھیں۔ میں فوراً ہی تھال کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ہم لوگ یکے بعد دیگرے کھانے سے فارغ ہوتے چلے گئے۔ میں دانستہ ہاتھ روک کر کھا رہا تھا تاکہ آخر تک مصروف رہ سکوں۔ پھر میں اکیلا رہ گیا۔ میں نے چند لقموں میں اپنی رکابی صاف کی اور پانی پینے کے بعد برتن سمیٹتے ہوئے' نہایت سرسری انداز میں بڑی قاب کو تھال میں الٹا کردیا۔

معاً صندل خان کے حلق سے ایک عجیب سی غراہٹ بلند ہوئی اور اس نے اپنے کندھے سے جھولتی ہوئی سب مشین گن ہاتھوں میں تھام کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ شاید صندل خان اسی لمحہ کے انتظار میں اپنا جال پھیلائے بیٹھا تھا۔ میں نے نقاب پوش سے یک جہتی کا اظہار کرکے شاید اپنی گردن میں خود پھندا ڈال لیا تھا۔

صندل خان کی تحیرزدہ آنکھیں تھال میں رکھی ہوئی بڑی قاب پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر وہ خودکلامی کے انداز میں بولنے لگا۔ "میں اندھا ہوں نہ میں نے بہت زیادہ شراب پی ہوئی ہے۔ پھر بھی میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہ ناقابلِ یقین ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟"

پھر وہ چونک کر اپنے قدموں پر لمحہ بھر کے لیے لڑکھڑایا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی گن کی نال ہماری طرف سیدھی کی اور براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوگیا۔ "سچ سچ بتاؤ' اندر کون غدار ہے جو تم سے ملا ہوا ہے؟ تم کس نمک حرام کے ساتھ پیغام رسانی کی کوشش کررہے ہو؟"

"تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" میں نے عاجزی سے کہا۔ "ہم نے کچھ بھی تو نہیں کیا۔ تمہیں ہماری کس بات نے اچانک اشتعال دلایا ہے؟" یہ کہہ کر میں نے سوالیہ نظروں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا لیکن ان سب کے چہرے سپاٹ اور نامی ہونے کی حد تک سنجیدہ تھے۔ اسی وقت مزید تین شنگاری کلاشنکوفیں تانے اندر گھس آئے۔

صندل خان کی آنکھیں پھر بڑی قاب پر جم گئیں۔ "خدا کی قسم یہ وہی حرکت ہے جو بادوران والے دشمن کی قید سے اپنے پیغام باہر پہنچانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان کا جدّی پشتی راز

ہے مگر میں اس سے خوب واقف ہوں۔ سچ سچ بتاؤ کہ بڑی قاب کو تم نے کس کے لیے الٹا کیا ہے؟"

صندل خان کا وہ ردِعمل اس قدر بے ساختہ تھا کہ میں الجھن میں پڑ گیا۔ وہ اس کی سازش ہوتی تو وہ اتنی اضطراری اداکاری کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سچ بول رہا تھا۔ میں نے کمزور آواز میں کہا۔ "یہ محض اتفاق ہے کہ میں نے خالی قاب کو الٹ دیا۔ اس میں کوئی گڑبڑ پوشیدہ ہے تو میں اسے سیدھا کیے دیتا ہوں۔ ہم دن رات تمہارے سامنے ہیں۔ حویلی میں ہمارا کس سے رابطہ ہو سکتا ہے؟ میں نے بادران کا ذکر تمہاری زبان سے پہلی بار سنا ہے۔ ان کا کوئی راز ہمارے علم میں نہیں ہے۔"

"یہ کسی بات کا کھلا کھلا مثبت جواب ہے۔" وہ نشے کی جھونک میں غرایا۔ "بڑی قاب سیدھی ہو تو انکار اور الٹی ہو تو اقرار ہوتا ہے۔ صبغت اللہ اس بات کی گواہی دے گا کہ میں غلط نہیں کہہ رہا۔ بادران اس کا آبائی علاقہ ہے۔ وہ وہاں کے ہر راز سے واقف ہے مگر میں بھی اتنا انجان نہیں ہوں کہ تم میری آنکھوں میں دھول جھونک سکو۔"

میں دل ہی دل میں اس نقاب پوش کو کوس کر رہ گیا جس نے مجھے اس قدر خطرناک طریقہ بتایا تھا کہ میں اس پر عمل کرتے ہی پکڑا گیا تھا۔ وہ کوئی بادرانی ہی ہو سکتا تھا جسے یہ زعم رہا ہو کہ اس کے گاؤں کا جنگی راز کسی دوسرے شنگاری کے علم میں نہیں ہوگا۔ اس صورت حال سے میرے اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا تھا۔

میں نے خالی الذہنی اور ناامیدی کے عالم میں، صندل خان کے پیچھے کھڑے ہوئے مسلح شنگاریوں کی طرف دیکھا تو یکبارگی میرا حوصلہ بندھ گیا۔ ان تینوں میں سے ایک شخص وہی تھا جس نے مجھے پچھلی رات زبردستی بیدار کیا تھا۔ میں نے اپنے کمرے میں آنے والے ستاروں کے موہوم سے انعکاس میں اس کی صورت دیکھی تھی لیکن اس کا ایک ایک نقش میرے دماغ میں پوری طرح محفوظ تھا۔ مجھے آس ہو گئی کہ ہمارا ایک حمایتی وہاں موجود تھا۔

"مجھے صدمہ ہے کہ تم ابھی تک ہماری طرف سے مطمئن نہیں ہو۔" میں نے کھرے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "خان بابا کی چھت کے نیچے کس میں حوصلہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہم جیسے مجبوروں کے ساتھ کوئی سازش یا ہمدردی کرے؟ ہمارے پاس کسی کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ کون ہمارا ساتھ دینے کی حماقت کرے گا؟"

اس نے دو تین مرتبہ اپنی پلکیں جھپکائیں پھر ویرا سے مخاطب ہو کر بولا۔ "تم کیوں خاموش ہو؟ تمہارے پاس میرے سوالوں کا کیا جواب ہے؟ تمہارا یہ ساتھی بہت چالاک اور مکار لومڑ معلوم ہوتا ہے۔"

"میں ڈینی سے بہتر جواب نہیں دے سکتی اس لیے خاموش ہوں۔ ویسے بھی تم ڈینی سے مخاطب رہے ہو۔ یہ چالاک ضرور ہے۔ مگر تم سے کسی مکاری کی حماقت نہیں کر سکتا۔ ہم سب یہ بات جانتے ہیں کہ یہاں ہماری زندگیاں تمہارے ایک اشارہ کی محتاج ہیں۔ اس قدر کمزور پوزیشن میں ہم کیا سازش کر سکتے ہیں۔"

میرے پہچانے ہوئے شنگاری نے اچانک مقامی بولی میں کچھ کہنا شروع کر دیا۔ صندل خان اس کی طرف متوجہ ہو کر اپنا سر ہلانے لگا۔ جیسے اس کی بات معقول ہو۔ اس کے خاموش ہونے پر صندل خان نے بولنا شروع کر دیا۔ ان دونوں میں چند مکالموں کا تبادلہ ہوا۔ پھر صندل خان ایک تخت کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ بقیہ تینوں شنگاری بدستور کلاشنکوفیں تانے کھڑے رہے۔ میں نے صندل خان سے بات کرنے والے شنگاری سے نگاہیں چار کر کے، نظروں ہی نظروں میں کوئی کنایہ لینے کی کوشش کی لیکن وہ مجھے بری طرح نظرانداز کر رہا تھا۔

"قاب سیدھی کر کے برتن اٹھالو۔" کچھ دیر تک سوچ میں مستغرق رہنے کے بعد صندل خان نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "میں خان بابا سے بات کر کے ان لوگوں کے بارے میں آج ہی کوئی فیصلہ کرتا ہوں۔"

شاید بقیہ دو شنگاری اردو سے نابلد تھے۔ صندل خان سے بات کرنے والے نے اپنی بولی میں ان سے کچھ کہا۔ ایک نے بڑھ کر برتن اٹھا لیے۔ ان کے جانے سے پہلے صندل خان ہمارے کمرے سے چلا گیا۔ بعد میں وہ تینوں بھی کچھ کہے بغیر وہاں سے نکل گئے اور ہم چاروں خالی خالی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

صندل خان کے غیر متوقع ردِعمل نے سب کچھ گڈمڈ کر کے رکھ دیا تھا۔ لیکن ایک بات بہرحال صاف ہو گئی تھی کہ نقاب پوش والے قصے سے اس کا دور کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔

"حیرت ہے کہ یہاں قاب کو الٹانے سے اتنی دور کی بات نکل آئی۔" کچھ دیر بعد غزالہ نے معصومانہ انداز میں کہا۔ "اپنی چمڑی محفوظ رکھنے کے لیے ہمیں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا ہوگا۔" وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، وہ چھپے ہوئے نگرانوں کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کے لیے تھا ورنہ ہم چاروں کے دلوں میں چور موجود تھا۔

"کراچی وغیرہ کی ہنگامہ خیز زندگی کے بعد یہاں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میں خواب دیکھ رہی ہوں۔ آج کی زندگی کی حقیقتوں کے مقابلہ میں گالان کے تجربات فکشن محسوس ہو رہے ہیں۔ صدیوں سے یہاں کچھ بھی نہیں بدلا۔" ویرا نے غزالہ کا مقصد بھانپ کر گرہ لگائی۔ "روزمرہ کے لگے بندھے معمولات میں خفیف سی تبدیلیوں کے ذریعہ پیغام رسانی کا طریقہ دنیا بھر میں متروک ہو جانے کے باوجود یہاں آج بھی رائج ہے۔"

"کیا پتا کہ پانی کا گلاس داہنے کے بجائے بائیں ہاتھ میں پکڑنے سے کوئی خفیہ پیغام بنتا ہو۔" سلطان شاہ نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آج صندل خان نے کم از کم میری تو جان ہی نکال دی تھی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پتھر کے زمانے سے پیغام رسانی کے روایتی طریقے چلے آ رہے ہیں۔" ویرا بولی۔ "لیکن اب یہ فن بلکہ

ایک باقاعدہ سائنس بن چکی ہے۔ جس کی ابتدا مورس کوڈ سے ہوئی تھی۔"

میں خاموشی سے ان کے تبصرے سنتا رہا۔ ویرا اچانک ہی میری طرف متوجہ ہو گئی۔ "تم نے کیوں اداس بکرے کی طرح منہ لٹکایا ہوا ہے؟ آنکھوں سے ایسی تشویش ٹپک رہی ہے جیسے آسمان گرنے والا ہو۔"

"تمہارے ذہن پر شراب کا سرور طاری ہے اس لیے تمہیں سات خون معاف ہیں۔ میری چھٹی حس نئی صورتِ حال سے مطمئن نہیں ہے۔ کاش یہ رات خیریت سے گزر جائے!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

ہم لوگ سونے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ چار مسلح شنگاری دندناتے ہوئے ہمارے کمرے میں گھس آئے۔ ان میں وہی شخص سب سے آگے تھا جسے میں اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اس نے اس وقت تک اردو کا ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا مگر پچھلی رات کے تجربے کی بنا پر معلوم تھا کہ وہ اردو پر قادر تھا لیکن مجھے اس سے گفتگو کی ابتدا کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے ایک قدم آگے بڑھ کر مجھے آنکھ ماری پھر تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "تم لوگوں کو بھیڑوں کے پرانے باڑے میں چلنا ہے۔ یہ خان بابا کا حکم ہے۔"

ہم بے چون و چرا اکیجا ہو گئے۔ مجھے اس کی طرف سے الجھن تھی۔ اس لیے میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم ہماری بولی جانتے ہو۔ تمہارا احسان ہوگا اگر تم اپنا نام بھی بتا دو۔"

"قندوز خان۔ اب زیادہ بک بک نہ کرو اور باہر کی طرف چل پڑو۔" اس نے اپنی کلاشنکوف کی نال سے اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ہم لوگ بے زبان چوپایوں کی طرح نکاسی کے راستے کی طرف چل دیے۔

وہ پچھلی رات والا راستہ تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ راہداری میں اندھیرا دور کرنے کے لیے، اس وقت دیوار گیر مشعلیں روشن تھیں۔ راہداری میں کچھ دور جانے کے بعد وہ اچانک بائیں جانب اسی کوٹھری میں گھس گیا جہاں سے میں پچھلی رات گزرا تھا۔ وہ راستہ تنگ تھا اس لیے ہم ایک قطار کی صورت میں مڑے۔ اس وقت تک وہ کوٹھری کا بے آواز دروازہ کھول چکا تھا۔ ہم اس سے گزر کر دوسری طرف نکلے تو ہمارے عقب میں بقیہ تینوں شنگاری بھی اسی طرف آ گئے۔ وہ ایک وسیع اور سایہ دار احاطہ تھا۔ وہاں بھی چند مشعلیں روشن تھیں لیکن اس رقبے کے لیے ان کی روشنی ناکافی تھی۔ اس وقت مجھے وہاں رچی ہوئی بساند اور سیلن کو پہچاننے میں دشواری نہیں ہوئی۔ وہ یقینی طور پر بھیڑوں کا کوئی متروک باڑہ تھا جہاں بیک وقت سیکڑوں بھیڑیں سما سکتی تھیں۔ پتھریلی زمین پر جمی ہوئی گھاس اور خشک غلاظت کی تہوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ جگہ خاصی مدت سے زیر استعمال نہیں تھی۔

"تم دونوں الگ ہو جاؤ۔" قندوز خان نے ایک جگہ رک کر عورتوں سے کہا۔ "ہم عورتوں پر ہاتھ اٹھانا مردانگی کے خلاف سمجھتے ہیں لیکن تم نے ہمارے کام میں دخل اندازی کی تو ہم تمہارے ہاتھ پیر باندھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔" وہاں پھیلی ہوئی ناکافی روشنی میں اس کا چہرہ خشمناک اور ڈراؤنا نظر آ رہا تھا۔

ایک شخص کہیں سے رسی کی کئی لچھیاں لے آیا۔ میرے اور سلطان شاہ کے ہاتھ پشت پر لے جا کر باندھے گئے تو ہم نے زیادہ احتجاج نہیں کیا کیونکہ ہمیں آنے والی مصیبت کے بارے میں ذرا بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ ہمارے ہاتھ باندھنے کے بعد اچانک دو شنگاریوں نے اپنی کلاشنکوفیں زمین پر ڈالیں اور ہم سے لپٹ پڑے۔ وہ دونوں بہت توانا اور جسیم تھے۔ شاید ہم ان کا مقابلہ کر ہی لیتے لیکن ہاتھ بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے ہم دونوں ہی بے بس تھے۔ ہم چیخ چلا کر اپنی مدافعت کی کوششیں کرتے رہے لیکن زیادہ دیر تک اپنے قدموں پر کھڑے نہ رہ سکے۔ انہوں نے ہمیں زمین پر گراتے ہی پوری مہارت اور پھرتی کے ساتھ ہمارے پیر بھی باندھ ڈالے۔

دونوں عورتوں نے اس وحشیانہ سلوک پر احتجاج کرتے ہوئے، ہماری طرف بڑھنے کا ارادہ کیا لیکن قندوز خان نے ایک ہلکا سا برسٹ مار کر انہیں اپنی جگہ رکے رہنے پر مجبور کر دیا۔ کلاشنکوف کی مہلک گولیاں سنگلاخ زمین سے اچٹ کر ادھر ادھر تیر گئیں۔ معاملہ یک بیک بہت گمبھیر ہو گیا تھا۔

ان دونوں نے ہمیں بے بس کر کے اپنے کندھوں پر لادا اور ایک ایسے مقام پر لے گئے جہاں کی چھت کو سہارنے والے شہتیر سے کئی رسیاں جھول رہی تھیں۔ دو رسیوں کے سروں سے ہمارے پیر مزید جکڑے گئے پھر بے رحمانہ جھٹکوں کے ساتھ ہم سر کے بل فضا میں معلق ہوتے چلے گئے۔ ہماری کھوپڑیاں زمین سے چند فٹ بلند کرنے کے بعد رسیاں باندھ دی گئیں اور ہم الٹے لٹکے رہ گئے۔ الٹی قاب نے چند ہی گھنٹوں میں ہمیں اس حال کو پہنچا دیا تھا۔

ویرا ہذیانی انداز میں ان پر برستی رہی۔ اس کی گالیاں تینوں شنگاریوں کی سمجھ سے باہر تھیں۔ قندوز خان خاموشی سے اس کی بے بسی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ ہمیں لٹکانے کے بعد تینوں شنگاریوں نے ایک طرف بیٹھ کر اس طرح سگریٹیں جلائیں جیسے وہ کسی اہم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر فارغ ہوئے ہوں۔

قندوز خان نے اپنی بولی میں ان سے کچھ کہا پھر نپے تلے قدموں سے چلتا ہوا ہمارے قریب آ کھڑا ہوا۔

"جب تک تم لوگ حویلی والے غدار کے بارے میں زبان نہیں کھولو گے، اسی حالت میں بھوکے پیاسے لٹکے رہو گے۔ حتیٰ کہ تمہاری روحیں جسم کا ساتھ چھوڑ دیں گی۔" وہ اونچی اور نفرت انگیز آواز میں بولا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" میں نے پھنسی پھنسی اور نیچی آواز میں کہا۔ "ہم زیادہ دیر تک یہ اذیت برداشت نہیں کر سکیں گے۔

پھر ہماری زبانیں چل پڑیں گی۔ کیا تم یہی چاہ رہے ہو؟" میں نے مبہم الفاظ استعمال کیے تھے تاکہ وہاں کوئی اور بھی ہماری بات سن یا سمجھ رہا ہو تو کوئی حتمی نتیجہ اخذ نہ کر سکے۔

"صبر اور ہمت سے کام لو۔" اس بار اُس کی آواز اونچی نہیں تھی لیکن وہ سرگوشی کی حد تک دھیمی بھی نہیں ہوئی تھی۔ "اُس کمرے میں پل پل تمہاری نگرانی ہو رہی تھی۔ یہاں کوئی دیکھنے اور سننے والا نہیں ہے۔ صبح تک نقشہ بدل جائے گا اور تم اپنی اس تکلیف کو بھول جاؤ گے۔ صندل خان کی ہوشیاری نے تمہیں اس ناگہانی مصیبت میں ڈالا ہے۔"

"کھایا پیا منہ کو آ رہا ہے۔ صبح تک کون یہ اذیت سہہ سکے گا؟" میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ نقشہ بدلنے تک ہماری روحیں قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہوں۔ کاش میں نے تم لوگوں کے بہکاوے میں آ کر قاب الٹی نہ کی ہوتی۔"

"مایوسی اور بدگمانی کی باتیں مت کرو۔ تم دونوں اتنے بودے نظر نہیں آتے جتنے بنتے ہو۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ قندوز بھائی تمہارا رات والا دوست ہے۔" سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اس سے کہو کہ یہ تھوڑی دیر کے لیے الٹا لٹک کر دیکھے کہ اس حالت میں رات گزارنی کتنی مشکل ہے۔"

"بس زیادہ باتیں نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری خواہش پوری ہو جائے۔" پھر اس کی آواز کرخت اور بلند ہو گئی۔ "تمہاری ضد زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکے گی۔ تم نے صبح تک ہٹ دھرمی نہ چھوڑی تو تمہاری کھوپڑیوں کے نیچے الاؤ دہکا دیے جائیں گے اور تمہارے بھیجے پگھل کر ناک کے راستے باہر آ جائیں گے۔"

"کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟" سلطان شاہ نے بوکھلائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

وہ کوئی جواب دیے بغیر ایک طرف چلا گیا۔ میں جس رسّی کے سہارے لٹکایا گیا تھا اس میں کچھ بل موجود تھے جو میرے بوجھ سے آہستہ آہستہ کھل رہے تھے اور میں اسی رفتار سے گھومتا جا رہا تھا۔ میرے لیے وہ حالت مضحکہ خیز ہی نہیں، بہت زیادہ تکلیف دہ بھی تھی۔ میں نے دیکھا کہ قندوز خان اپنے تینوں ساتھیوں کے پاس جا بیٹھا تھا۔ ویرا اور غزالہ بھی تھک ہار کر نیچے بیٹھ چکی تھیں۔ ان دونوں نے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے صرف زبان کا سہارا لیا تھا۔ عملی طور پر انہوں نے قندوز خان کی ہدایات سے انحراف نہیں کیا تھا۔ میری دانست میں ان کا وہ رویّہ دانشمندانہ تھا کیونکہ وہ دونوں ان شنگاریوں کی وحشیانہ طاقت کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں تھیں۔ اگر ان لوگوں کو ایک بار عورتوں سے بھڑنا پڑ جاتا تو وہ ان کی توہین و تذلیل کے لیے کوئی بھی حد عبور کر سکتے تھے۔

گھومتی ہوئی رسّی کی وجہ سے میں اس باڑے کے تقریباً ہر حصے کا جائزہ لے رہا تھا۔ تیسرے چکر میں مجھے قندوز خان اپنی جگہ پر نظر نہیں آیا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہر طرف دیکھا لیکن وہ کہیں بھی موجود نہیں تھا اور ہم سب، اردو سے ناواقف شنگاریوں کے رحم و کرم پر رہ گئے تھے۔ قندوز خان کی موجودگی کی وجہ سے میرے دل کو جو ڈھارس تھی، وہ تشویش میں بدل گئی کیونکہ مشعلوں کی لرزاں روشنی میں دونوں عورتوں کے چہرے زرد اور ستے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ بدقسمتی یہ تھی کہ انہیں قندوز خان کے دوہرے کردار کا بالکل علم نہیں تھا۔ اسی وجہ سے وہ ہم دونوں کے مقابلے میں زیادہ فکرمند اور متوحش نظر آ رہی تھیں۔

وقت دھیمے دھیمے سرکتا رہا۔ ماحول اور مناظر میں ذرا بھی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے سب کچھ اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گیا ہو اور مجھے الٹا لٹکے ہوئے گھنٹوں گزر چکے ہوں۔ میری رسّی کے بل ختم ہو چکے تھے لیکن پنڈلی کی جلد میں پیوست ہوتی ہوئی رسی نے مجھے بے چین کیا ہوا تھا۔

"کیا ہم واقعی ساری رات چمگادڑوں کی طرح الٹے لٹکے رہیں گے؟" سلطان شاہ نے مایوسانہ لہجے میں سکوت کو توڑا تو میں چونک پڑا۔ "اب تو قندوز خان بھی یہاں موجود نہیں ہے۔"

"مقدرات کو ٹالنا انسانی بساط سے باہر ہے....." میں نے دلاسا دینے کے لئے زبان کھولی ہی تھی کہ اس نے بیزاری کے ساتھ میری بات کاٹ دی۔

"حیرت ہے کہ تم الٹے لٹکنے کے باوجود فلسفہ بول رہے ہو۔ مجھے ان باتوں سے قطعی دلچسپی نہیں ہے۔ ان میں سے کوئی بھی میرے قریب آیا تو میں اس سے الجھ پڑوں گا۔"

"تم ایسا کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ تمہارے ہاتھ بھی بندھے ہوئے ہیں۔" اس کی باتوں کے ردِّ عمل میں میرا لہجہ چڑانے والا ہو گیا۔ "یہ تینوں اردو زبان نہیں سمجھتے اس لئے تمہاری گالیاں اور کوسنے بھی رائگاں جائیں گے۔"

کافی وقت گزر گیا۔ دہشت اور بے یقینی کے باوجود ہر ایک تکان کا شکار ہو چلا تھا۔ پہلے ویرا اسی گندی اور کھردری زمین پر دراز ہوئی پھر شنگاریوں نے باری باری پہرا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ ان میں سے ایک پہلے بیٹھا رہا۔ بقیہ دو نے اپنی پگڑیاں کھول کر زمین پر بچھائیں اور ان پر لیٹ گئے۔ اس کے بعد غزالہ بھی زیادہ دیر تک بیٹھی نہیں رہ سکی۔ میرا اندازہ تھا کہ آدھی رات گزر چکی تھی۔ ہر طرف سکوت کی حکمرانی تھی۔ جس سے ماحول کی ہیبت میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔ اس وقت بھی قندوز خان کی آمد کے کوئی آثار نہیں تھے۔ صندل خان نے شاید نشے میں ہونے کی وجہ سے ہمیں رات بھر کے لئے اس ٹولی کے حوالے کر دیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ صبح وہ ضرور آئے گا اور اگر اس وقت تک قندوز کی یقین دہانی کے مطابق نقشہ بدلنے والی کوئی کارروائی شروع نہ ہوئی تو ہم پر تشدد کا ناقابلِ برداشت اور لامتناہی سلسلہ شروع ہو سکتا تھا جس میں ہمارے سروں کے نیچے آگ دہکانے کا عمل بھی شامل ہوتا۔

پھر میں چونک پڑا۔ مجھے شبہ ہوا کہ وہ میرا وہم تھا۔ رات کے پُرہول سناٹے میں مجھے دور سے کئی گھنٹیوں کی آوازیں گونجتی ہوئی

نیں پھر حیرت ناک طور پر فضا میں بے شمار گھنٹیاں بجنے
ہرے پر مامور محافظ اچھل کر اٹھا اور اس نے اپنی
فل کی نال اوپر اٹھا کر گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ اس کے
ساتھی ہڑبڑا کر اٹھے اور انہوں نے بھی اندھا دھند ہوائی
شروع کر دی۔ ان کی گولیاں پھوس کی چھت کو چیر کر اوپر
ہی تھیں۔ باہر سے بھی فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا جو
کے ساتھ شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ
والے نیند سے بیدار ہو کر اس چاند ماری میں شریک ہوتے
ہے تھے۔

ایک طرف دھواں دھار فائرنگ کے شور سے کان پڑی آواز
سنائی دے رہی تھی اور دوسری طرف سے لاتعداد گھنٹیاں
جاری تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گھنٹی والوں نے گالان
اچھل کر ایک ساتھ گھنٹیاں بجانی شروع کر دی تھیں اور
والے اپنی اپنی جگہوں سے گولیاں چلا کر سردار پائندہ گل سے
وفاداری کا اعلان کرنے میں مصروف تھے۔ ویرا اور غزالہ نے
خوف زدہ ہو کر اپنی جگہیں چھوڑ دی تھیں۔

اس وقت تک میں نے جو کچھ سنا تھا' اس کے مطابق شنگارا
کے کسی بھی حصے میں اچانک ایک گھنٹی بجنے لگتی تھی اور تھوڑی
فائرنگ کے بعد گھنٹی بجانے والا پُراسرار طور پر کہیں روپوش
ہوتا تھا مگر اس رات بے شمار گھنٹیاں مسلسل بج رہی تھیں۔ وہ
ہوائی فائرنگ سے خوف زدہ ہو کر بھاگتے ہوئے نظر نہیں آ رہے
تھے شاید قندوز خان کی پیش گوئی درست ثابت ہونے کی گھڑی سر
آ گئی تھی۔

ہمارے ساتھ موجود تینوں شنگاری وحشیانہ چیخ و پکار کے ساتھ
اپنے میگزین لوڈ کر کے بے مقصد گولیاں چلاتے رہے۔ وہ کسی طویل
لڑائی کی تیاری کر کے نہیں آئے تھے۔ اس لئے تھوڑی ہی دیر
میں ان کا گولیوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا مگر گھنٹیوں کا شور اپنی جگہ برقرار
رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان کی گھنٹیوں کی ملی جلی آواز نے
ایک ہم آہنگی ترنم اختیار کر لیا تھا۔

میگزین خالی ہوتے ہی ان میں سے ایک شنگاری اچھل کر
باہر کے راستے کی طرف دوڑ پڑا۔ بقیہ دونوں افراد نے وہیں
کھڑے کھڑے جوش و خروش سے باتیں کرنی شروع کر دیں۔ شاید
وہ ملی جلی ہوئی ہڑبونگ پر تبادلہ خیال کر رہے تھے اور جذبات میں
بہت باہر ہوئے جا رہے تھے۔

"ان سے ہرگز نہ الجھنا۔" ویرا کو دبے قدموں ان کی طرف
بڑھتے دیکھ کر میں دہشت زدہ ہو کر چیخ پڑا "اس وقت ان پر درندگی
سوار ہو چکی ہے۔ یہ لحاظ کئے بغیر تمہیں ادھیڑ ڈالیں گے۔"

ویرا اپنی جگہ پر رک گئی۔ دونوں آدمیوں نے لمحہ بھر کے لئے
اس کی طرف دیکھا اور پھر اپنے مباحثے میں الجھ گئے۔ اُن کے نزدیک
ہماری حیثیت ثانوی ہو چکی تھی۔ اصل اہمیت گھنٹیوں کی آواز کی

"مشاعرہ ہو رہا ہے۔" سلطان شاہ مسرت سے بولا "گھنٹیاں بج
رہی ہیں' گولیاں چل رہی ہیں۔ اگر ہمیں یہاں سے زندہ واپس
لوٹنے کا موقع مل سکا تو ہمیں اپنے تجربات پر خود یقین نہیں آئے
گا۔ تصادم کا سلسلہ چل نکلا ہے تو اب کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔
قندوز خان جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ ابھی تصادم نہیں ہوا۔ چھیڑ چھاڑ چل رہی
ہے۔" میں نے ہولناک شور پر سے دھیان ہٹائے بغیر کہا "تم غور
کرو تو گولیوں اور گھنٹیوں کی آوازوں میں مرنے یا زخمی ہونے والوں
کی دردناک چیخیں شامل نہیں ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے فوراً ہی تائید کی
"مقابلہ ہو رہا ہوتا تو وہ لوگ بھی گھنٹیاں چھوڑ کر ہتھیار سنبھال چکے
ہوتے۔ ویسے بھی گھنٹیوں کی آواز قدرے دور سے آ رہی ہے اور
ایک ہی فاصلے پر ٹھہری ہوئی ہے۔ بس ہوا کے ساتھ اس میں کچھ
کمی بیشی ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔"

"باغی بہت چالاک معلوم ہوتے ہیں۔ وہ پائندہ گل کے
حامیوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اُن کا بھاری ایمونیشن ضائع
کرا رہے ہیں۔ یہ گدھے اسی رفتار سے گولیاں برساتے رہے تو چند
گھنٹوں میں نہتے رہ جائیں گے۔"

"اس مقصد کے لئے ایک گھنٹی کی آواز بھی کافی تھی۔ انہوں
نے اتنا بکھیڑا کیوں پھیلایا ہے؟"

"ایک گھنٹی بج رہی ہوتی تو پائندہ گل کے حامی ابھی تک اس
آواز کی سمت میں نکل پڑے ہوتے۔ ہر طرف سے آنے والی
آوازوں نے انہیں بُری طرح بدحواس کر دیا ہے۔ بس وہ اپنی اپنی
جگہ پر رک کر گولیاں برباد کیے جا رہے ہیں۔ باغیوں کو اپنے مقصد
میں نمایاں کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔"

"تم نے کہا تھا کہ باغی ان پر للکار کر وار کریں گے لیکن یہ تو
شب خون مارا گیا ہے۔"

"جب تصادم ہی شروع نہیں ہوا تو شب خون کیسا؟ ہو سکتا
ہے کہ یہ بے شمار گھنٹیاں للکارنے ہی کے لئے بجائی جا رہی ہوں۔
جنگ و جدل کے لئے بھی ان لوگوں نے اپنے اصول بنائے ہوئے
ہوں گے۔"

اچانک کوٹھری والے دروازے سے کوئی ہانپتا ہوا اندر
داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل دبی ہوئی تھی۔ اس نے وہیں
رک کر اپنی بولی میں زور سے کچھ کہا' ہمارے دونوں نگراں پلٹ کر
اس کی بات سنتے رہے۔ بات ختم کر کے وہ آدمی اسی تیزی سے
واپس چلا گیا' جس تیزی سے نمودار ہوا تھا۔ دونوں نگراں بھی
بگٹٹ اسی طرف دوڑ پڑے۔ انہوں نے ہماری طرف نظر اٹھا کر بھی
نہیں دیکھا تھا۔

میدان صاف ہوتے ہی ویرا ہم دونوں کی طرف دوڑی چلی
آئی۔ غزالہ اس کے پیچھے تھی۔

"اس سے پہلے کہ وہ لوگ واپس آئیں' ہماری رسیاں کاٹ

دو" سلطان شاہ بولا۔

"اتنی عقل مجھے بھی ہے۔ تھوڑی دیر تک چپ چاپ لٹکے رہو۔" ویرا نے ترشی سے کہا پھر غزالہ کے ساتھ مل کر میرے پیروں سے بندھی ہوئی رسی کھولنے میں مصروف ہوگئی۔ میں نے ان دونوں کو یاد دلایا کہ میرے ہاتھ بھی بندھے ہوئے ہیں اگر پہلے میرے ہاتھ آزاد کردیے جائیں تو میں خاصی حد تک اپنا بوجھ سہار سکتا ہوں۔

سلطان شاہ کی زبان پھر چل پڑی۔ باہر افراتفری پھیلنے کے بعد وہ کچھ بشاش نظر آنے لگا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس تبدیلی سے مجھے بھی خوشی ہوئی تھی۔ اگر باغیوں کو کامیابی حاصل ہو جاتی تو ہمیں بدترین ذہنی اذیت سے فی الفور نجات مل سکتی تھی۔ بصورت دیگر مجھے کابل کی خاک چھاننی پڑتی جس کے نتیجہ خیز ہونے کے بعد ہم لوگوں کو پائندہ گل کے آہنی چنگل سے آزادی مل سکتی تھی۔

میں چند ہی منٹ میں اپنے قدموں پر کھڑا ہوا گیا۔ کئی گھنٹوں تک مسلسل الٹا لٹکا رہنے کی وجہ سے میری پنڈلیاں دُکھنے لگی تھیں اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا لیکن وہ وقت ان عارضی تکلیفوں پر دھیان دینے کا نہیں تھا۔ ہم تینوں مل کر سلطان شاہ کو آزاد کرانے میں مصروف ہوگئے۔

سلطان شاہ پوری طرح آزاد نہیں ہوپایا تھا کہ کوٹھری کی طرف سے دھمک سنائی دی۔ ہم سب چوکنے ہوگئے۔ آنے والا قندوز خان تھا۔ اس کی پشت پر ایک تھیلا لدا ہوا تھا۔ اس نے دروازہ عبور کرتے ہی وہ تھیلا زمین پر رکھا تو لوہے کی ہلکی سی کھنک فضا میں گونج کر رہ گئی۔

"اس تھیلے میں ہتھیار اور فاضل راؤنڈز ہیں۔" اس نے وہیں سے کہا "تم لوگ مشعلیں گل کرکے یہیں چھپے رہو۔ اگر کوئی ادھر آئے تو بے دریغ بھون دینا۔ حالات قابو میں آنے کے بعد میں واپس آؤں گا۔ اس وقت تک تمہیں ہر قیمت پر یہیں چھپے رہنا ہے۔ تم باہر نکلے تو تمہاری زندگی کی کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی میں دوڑتا ہوا اس کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ میں نے اس کا بازو تھام کر پوچھا "کم از کم اتنا تو بتاتے جاؤ کہ یہ سب کیا ہورہا ہے اور آگے کیا ہونے والا ہے؟"

اس وقت میں نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ حویلی میں اندرونی حفاظت اور نگرانی کا سارا نظام درہم برہم ہوچکا تھا۔ بیرونی خطرے نے پائندہ گل کے ہر آدمی کے اوسان خطا کردیے تھے۔

"ابھی صرف گھنٹیاں بج رہی ہیں اور دشمن اپنا ایمونیشن برباد کررہا ہے۔ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ طبل بجا دیا جائے گا اور دن چڑھے گا لان پر یلغار شروع ہوجائے گی۔" وہ جلدی جلدی بولنے لگا۔ "سب کچھ منصوبے کے مطابق ہوتا چلا گیا تو اندھیرا پھیلنے سے بہت پہلے ہم یہاں قابض ہوچکے ہوں گے۔"

وہ فوراً ہی واپس چلا گیا۔ اس اثنا میں سلطان شاہ بھی سیدھا کھڑا ہوچکا تھا۔ وہ تینوں بہت تیزی سے میری طرف [illegible] تھیلے میں سے سب مشین گنیں نکالنے لگا۔ ہماری تعداد [illegible] لیکن تھیلے میں چھ سب مشین گنیں تھیں۔ فاضل میگزین [illegible] گولیوں سے بھرے ہوئے ڈبوں کی تعداد بہت کافی تھی۔

چاروں نے فوراً ہی اپنی اپنی گنوں میں بھرے ہوئے میگزین چڑھا لیے۔

"مشعلیں بجھا دو۔ ہم اندھیرے میں دروازے کے قریب رہیں گے تاکہ آنے والوں پر پیچھے سے برسٹ مار سکیں۔" [illegible] کہا "سناٹا ہونے تک ہم یہیں چھپے رہیں گے۔"

ہتھیار وغیرہ مل جانے کے بعد ہر ایک کا حوصلہ بلند ہوگیا [illegible] آناً فاناً میں اس متروک باڑے کی تمام مشعلیں بجھادی گئیں اور دو دو کی ٹولیوں میں دروازے کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ [illegible] غزالہ میرے ساتھ تھی اور ویرا، سلطان شاہ کی طرف جا [illegible]

باہر ہونے والی فائرنگ ماند پڑتے پڑتے رک گئی۔ لوگوں [illegible] پاس فالتو گولیوں کے ذخائر ختم ہوگئے تھے یا نیند کی جھونک [illegible] بستروں سے نکلنے والے مقامیوں کو ہوش آگیا تھا کہ وہ [illegible] گولیاں برباد کرکے خود اپنی قبر کھود رہے تھے۔ حویلی میں [illegible] جانے والی فائرنگ چند منٹ کے بعد ہی روکی جاچکی تھی۔ شاید [illegible] والوں کو اپنے میگزین اور جیبیں خالی کرنے کے بعد کمک [illegible] موقع پر ضروری ہدایات دے دی گئی تھیں۔

ہر طرف سے صرف گھنٹیوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ [illegible] بھانت کے لاتعداد ہتھیاروں کے بھیانک شور کے بعد وہ [illegible] آوازیں کم از کم مجھے بہت خوش گوار محسوس ہورہی تھیں۔ [illegible] نگرانی کرنے والوں کی مجنونانہ فائرنگ نے پھوس اور مٹی [illegible] ہوئی چھت میں کافی بڑا شگاف ڈال دیا تھا جس میں سے تاریک [illegible] آسمان نظر آرہا تھا۔ گھور سیاہی میں صبح کے اجالے کی کوئی [illegible] موجود نہیں تھی۔

"میں دہل کر رہ گئی ہوں" غزالہ میرے شانے سے سر [illegible] تھکی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "اکا دکا جنونی سے تو میرا [illegible] پڑ چکا ہے لیکن یہ تو پورا کا پورا قبیلہ وحشی اور خون آشام [illegible] ہورہا ہے۔"

"ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ صبح کی روشنی پھیلنے کے سا[illegible] یہ پہاڑیاں خون میں نہا جائیں گی۔ ان میں آپس کی رشتے دا[illegible] چلتی ہیں۔ میری سمجھ نہیں آتا کہ دونوں حریف کس جگر کے [illegible] ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوسکیں گے۔" میں نے [illegible] اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"فائرنگ تھم گئی ہے۔ کیا ہمارا یہاں رہنا ضروری ہے؟" [illegible] نے لحظہ بھر سکوت کے بعد پوچھا۔

"حویلی کا کنٹرول ابھی تک پائندہ گل کے ہاتھوں میں [illegible] وہ ہم سے برہم ہے۔ ہم نے اندر جانے کی کوشش کی تو [illegible] لوگ ہمیں الٹا لٹکانے کے بجائے جھلاہٹ میں ماہی ڈالیں [illegible]

اگر یہ مویشیوں کا باڑہ ہی ہے تو اس میں ریوڑ لانے کا کوئی
بھی ہوگا۔ کیا ہم اُدھر سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کر سکتے۔
بے کچھ نہ کچھ کرنا ہمارے حق میں بہتر ہو سکتا ہے۔"
گھنٹیوں کی آواز بتا رہی ہے کہ باغی گالان کی ڈھلانوں پر ہر
پھیلے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حویلی کے گرد پائندہ گل کے
بھی گھیرا قائم کر چکے ہوں۔ اندھیرے میں ہم ان میں سے
کسی بھی گولی کا نشانہ بن سکتے ہیں۔ ہمیں یہیں رہ کر بازی الٹنے کا
انتظار کرنا ہوگا۔ مناسب وقت پر قندوز خان خود ہمیں نکالے گا۔"
"اوہ! میں تو بھول ہی گئی تھی۔ تم نے اتنی بھیڑ میں اس قبا ئلی
کو کیسے رام کر لیا؟"
میں اسے قندوز خان کے بارے میں بتانے لگا۔ دروازے کی
دوسری جانب سے بھی دبی دبی سرگوشیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔
غزالہ اور سلطان شاہ کے لئے یکجا ہو کر خاموش رہنا بہت دشوار تھا۔
کہیں قریب ہی اکا ایکی رائفل کے دو فائر ہوئے پھر سناٹا
چھا گیا۔ شاید پائندہ گل کے آدمی باغیوں کو یہ جتانا چاہ رہے تھے کہ وہ
کس طرح چوکنے ہیں اور ان کی چال کو سمجھ چکے ہیں۔ اس لئے
باغی فائرنگ موقوف کر کے اُن کے خوں ریز استقبال کے لیے
گھات لگائے بیٹھے تھے۔
"کیا تمہیں یہ بات عجیب نہیں معلوم ہو رہی کہ خنک رات
میں بہت سے آدمی چٹانوں پر بیٹھے گھنٹیاں بجائے چلے جا رہے ہیں
جبکہ ان کا خاطر خواہ ردِ عمل کافی دیر سے موقوف ہو چکا ہے؟"
غزالہ نے پوچھا۔
"یہاں کی ہر بات عجیب بلکہ ناقابلِ فہم ہے۔ تمہیں کوئی
معقول بات نظر آئی ہو تو بتاؤ!"
مجھے اپنے سوال کا جواب چند منٹ بعد مل گیا۔ باغیوں نے
کسی کے انداز میں اپنی حرکتوں کا ناقدانہ جائزہ لے کر گھنٹیاں
بجانا بند کر دیں۔ ان کی اس عقل مندی کے نتیجے میں ہر طرف گہرا
سکوت طاری ہو گیا۔ مجھے اس خاموشی سے الجھن ہونے لگی۔ جب
تک اندھا دھند فائرنگ چل رہی تھی، ہم لوگ بھی اپنے کسی حریف
کو بے فکری سے باڑھ پر رکھ سکتے تھے۔ افراتفری اور شور میں کسی
کو اندازہ نہ ہو پاتا کہ ہم نے متروک باڑے میں آتشیں ہتھیار
استعمال کئے ہیں۔ سناٹے میں چلائی جانے والی ایک گولی بھی بھڑکے
ہوئے شکاریوں کو دیوانہ بنا سکتی تھی۔
"شاید میری بات باغیوں تک پہنچ گئی۔" خاموشی چھا جانے
کے بعد غزالہ بولی۔ میرا ساتھ میسر آ جانے پر اس کے لب و لہجے میں
اعتماد اور طمانیت کے ساتھ شیرینی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی
باتوں سے اندازہ ہی نہیں ہو رہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر پہلے بہت زیادہ
پریشان اور پریشان تھی۔
"اب اگر کوئی اِدھر آ نکلا تو ہم اسے گولیوں کا نشانہ نہیں بنا
سکیں گے۔"
"اتنی سوچ بچار نہ کرو۔" وہ بے پروایانہ لہجے میں بولی "کوئی
آئے تو آنکھیں بند کر کے اسے بھون دو۔ قندوز خان کے لائے
ہوئے تھیلے میں گولیوں کی اتنی وافر مقدار ہے کہ ہم بہت دیر تک
اپنا دفاع کر سکتے ہیں۔"
"مجھے خوشی ہے کہ تمہارا حوصلہ اتنا بلند ہے لیکن دعا کرو کہ
ہمیں اس آزمائش سے نہ گزرنا پڑے۔"
"یہ دعا تو میں نے زبان نہ کھولنے سے پہلے ہی مانگ لی تھی۔"
اس نے کہا اور دبی دبی آواز میں ہنس پڑی۔ مجھے یوں محسوس ہوا
جیسے میرے کانوں میں ہزاروں جلترنگ دھیمے سروں میں بج اٹھے
ہوں میں اسی سُرور میں کھویا ہوا تھا کہ کسی ہیولے نے مجھے بری
طرح چونکا دیا۔ میرا ہاتھ بے اختیار اپنی سب مشین گن پر گیا لیکن
اسی لمحے سلطان شاہ بول پڑا "یہاں تو سارا کھیل ہی ماند پڑ گیا۔ ہم
کب تک اندھیرے میں دبکے بیٹھے رہیں گے؟ مجھے وحشت ہو رہی
ہے۔ تم نے کہا تھا کہ ہمیں سناٹا ہونے تک یہاں رہنا ہوگا۔"
"یہ عارضی سناٹا ہے۔ اصل گڑ بڑ اجالا پھیلنے کے بعد شروع
ہوگی۔ فی الحال خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھے رہو۔"
"عجیب مصیبت ہے۔" وہ بڑبڑایا "پھر ایسا کرو کہ ویرا کو میرے
پاس سے ہٹا دو۔"
"کیوں؟ کیا وہ تمہیں کھا رہی ہے؟" اس کی بے وقت کی راگنی
پر مجھے غصہ آ گیا۔
"تھوڑی سی آزادی اور ایک گن مل جانے کے بعد اس پر
خرمستیاں سوار ہو رہی ہیں۔" اس کی آواز سے بے بسی مترشح
تھی۔ "ہر پانچ منٹ کے بعد اسے اپنے کپڑوں میں کسی کیڑے کے
گھس جانے کا وہم ہو رہا ہے۔ اتنے گہرے اندھیرے میں کیڑوں کو
تلاش کرنا میرے بس سے باہر ہے مگر وہ مجھے تنگ کرنے پر تلی ہوئی
ہے۔ تم تھوڑی دیر کے لئے غزالہ کو ادھر بھیج دو تاکہ یہ اس کے
سارے کیڑے جھاڑ دے۔ میں تمہارے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں۔"
"میں نے دانستہ دونوں عورتوں کو یکجا نہیں کیا۔ کوئی اِدھر آ نکلا
تو حملے میں پہل مجھے یا تم کو کرنی ہوگی۔ ان وحشیوں کو زیر کرنا ان
عورتوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ چلو، واپس اپنی جگہ پر جاؤ۔"
"وہ عورت نہیں، پوری پوری مصیبت ہے۔ تم ہی ادھر چلے
جاؤ۔" وہ ڈھٹائی سے وہیں بیٹھ گیا۔
"کبھی کبھی اس کی بات بھی مان لیا کرو۔" غزالہ نے نرمی سے
اس کی سفارش کی۔ "تمہیں معلوم ہے کہ وہ اکثر اس کے ساتھ
شرارتوں پر تلی رہتی ہے اور یہ بے زار ہو جاتا ہے۔"
میں نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی جگہ چھوڑ دی اور وزنی
تھیلا اٹھا کر ویرا کی طرف چل دیا۔
"گڈ!" ویرا نے سرگوشیانہ لہجے میں میرا استقبال کیا "مجھے
معلوم تھا کہ اب تم میرے پاس آؤ گے۔"
"تم پاگل ہو۔ مجھے سلطان شاہ نے زبردستی ادھر بھیجا ہے۔"
میں نے جھلا کر کہا۔
"کیا میں اسے کاٹ رہی تھی؟" اس نے تند لہجے میں سوال

کیا۔

"تم نے اس کے ساتھ کیڑوں کا کیا چکر چلایا ہوا تھا؟" میں نے برہمی سے پوچھا۔

"کیڑے؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔ "میں اسے یہ بتا رہی تھی کہ کبھی کبھی اس کے دماغ کے کیڑے مجھے اپنے بدن پر رینگتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اس نے یہ بات تمہارے کان میں بھی پھونک دی؟"

"بعض اوقات تمہاری یہ حرکتیں ناقابلِ برداشت......" میں بولتے بولتے یکایک خاموش ہوگیا کیونکہ میرے کانوں نے کسی کے قدموں کی دھمک محسوس کی تھی۔ شاید کوٹھری سے باہر والی راہداری میں کوئی موجود تھا۔

اس وقت تک میں ان لوگوں سے جو کچھ بھی کہتا رہا' اس سے قطع نظر مجھے یہ اطمینان تھا کہ ہم لوگ حویلی کے عقب میں بنے ہوئے باڑے میں موجود تھے اور کوٹھری سے ملحق راہداری عموماً ویران ہی رہتی تھی پھر گھنٹیوں کے شور نے جو فضا پیدا کردی تھی' اس کے نتیجے میں سارے شناریوں کا رخ پائندہ گل کے کمرے یا حویلی کے کھلے صحن کی طرف ہونا چاہئے تھا جہاں فیصلے کیے جاسکتے تھے۔ اس دور افتادہ حصے میں کسی کی غیر ضروری آمدورفت کا امکان کم ہی تھا لیکن باہر سے سنائی دینے والی آہٹوں نے مجھے مضطرب کردیا تھا۔

وہ آہٹیں قریب آنے کے ساتھ ہی واضح ہوگئیں۔ کوئی تنگ کوٹھری میں داخل ہوا اور میں اپنی سب مشین گن تھام کر سیدھا کھڑا ہوگیا۔ بند دروازہ کھلا لیکن فوراً کوئی نمودار نہیں ہوا۔ شاید وہ کوٹھری میں رک کر باڑے میں پھیلی ہوئی تاریکی کا جائزہ لے رہا تھا۔ ویرا بھی اس وقت تک میرے ساتھ پوزیشن لے چکی تھی۔

کوٹھری میں سے ایک دھیمی مردانہ آواز ابھری۔ اس کا مختصر سا فقرہ ناقابلِ فہم تھا لیکن لہجہ استفسار طلب تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے مقامی بولی میں کوئی سوال کیا ہو۔

لمحہ بھر انتظار کرنے کے بعد اس نے باڑے میں آنے کا فیصلہ کرلیا۔ جوں ہی اس کا سر' دروازے کے تاریک خلا میں سے نمودار ہوا' میں نے اپنی سب مشین گن کی نال تھام کر اس کا وزنی دستہ پوری قوت سے اس پر رسید کردیا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں مجھ سے پہلے کوئی فائر نہ کھول بیٹھے کھٹ کی آواز کے ساتھ ہی آنے والے کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی اور وہ منہ کے بل زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کی پنڈلیاں کوٹھری میں ہی رہ گئیں تھیں۔

وہ باریش وجود بہت وزنی تھا۔ سلطان شاہ کی مدد سے میں نے اسے باڑے میں گھسیٹ کر دروازہ بند کردیا۔ دونوں عورتوں کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کرکے ہم اپنے شکار کو گھسیٹتے ہوئے ایک دور افتادہ گوشے میں لے گئے جہاں وہ آسانی سے نظر نہیں آسکتا تھا۔

"نرخرا دبا کر اس کا قصہ تمام کردو۔" میں نے سرد لہجے میں سلطان شاہ سے کہا۔

وہ جھکا اور کوئی مشقت کیے بغیر چند ثانیوں بعد

"اس کی کھوپڑی کا حشر کسی خربوزے جیسا ہوا ہے اور دل بے جان۔ آؤ' واپس چلتے ہیں۔"

وہ کون تھا اور کس ارادے سے وہاں آیا تھا' اہم تھے۔ اطمینان بخش بات یہ تھی کہ ہماری آزادی والا ایک سنگین خطرہ بہت خوش اسلوبی کے ساتھ والے نے واحد جملہ مقامی بولی میں ادا کیا تھا۔ مطلب تھا کہ اسے باڑے میں کسی شناری کی تلاش توقع تھی۔ وہ اکیلا ہی اس طرف آیا تھا لیکن اس کے اسی امید یا تلاش میں ادھر نازل ہوسکتا تھا۔ میں نے یکجا کرکے سخت لہجے میں اس خطرے سے آگاہ کردیا کہ میری طرف سے اجازت کے بغیر کوئی گولی نہیں چلائے پہلی کامیابی کے بعد اس فیصلے پر اعتراض کی کوئی گنجائش تھی۔ پائندہ گل کے حامیوں کی طرف سے گاہے گاہے ہوتے رہے لیکن گھنٹیوں کا شور ایک بار ختم ہونے کے بعد سنائی نہیں دیا۔ اپنی سزایابی کے دوران وقت ایک جگہ معلوم ہورہا تھا لیکن آزادی ملنے کے بعد وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ چھت کے چوڑے شگاف میں پر ہلکی سی سفیدی نظر آنے لگی اور گالان کی فضا میں گرجدار نقارہ دن دنا دن گونجنے لگی۔ اس وقت تک قندوز خان کا کہا ہوا درست ثابت ہوتا چلا آیا تھا۔ باغیوں کی طرف سے طبل جنگ دیا گیا تھا اور سردار پائندہ گل کی قلعہ بند حویلی پر کسی بھی لمحہ کشی کا آغاز ہوسکتا تھا جو دونوں میں سے کسی ایک فریق کی تک جاری رہتی۔

جنگی نقارے کی بلند آواز میں موت کی ہیبت رچی ہوئی تھی۔ باڑے کے درودیوار سے مجھے اچانک ہی حسرت جھلکتی نظر آنے لگی۔ شناراویلی میں سردار پائندہ گل کی عظمت وجبروت کی نشانیاں کسی بھی وقت گھنٹیوں والوں کے ہاتھوں پامال ہونے والی تھیں۔ معاً مجھے خیال آیا کہ میں اس جنگ کے پہلے مقتول کو میرے ہاتھوں مارا گیا تھا' دن کے اجالے میں دیکھ لوں تاکہ معلوم ہوسکے کہ وہ کون تھا۔

میں اپنی سب مشین گن سمیت اس طرف چل دیا جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ سینہ تک آئی ہوئی بے ترتیب داڑھی گھونگریالے بالوں کی بنا پر میں نے اسے دور ہی سے پہچان لیا۔ ان دو مقامیوں میں سے ایک تھا جو پچھلی صبح صندل خان کے ہماری انگریزی بول چال کی تحقیقات کرنے آئے تھے۔ وہ صندل خان کا حریف' شاہ وزیر نہیں تو اس کا ساتھی ضرور تھا۔ کھلے ہوئے پپوٹوں میں پتلیاں اوپر چڑھی ہوئی تھیں اور جھانکتی ہوئی غیر فطری سفیدی بہت بھیانک لگ رہی تھی۔ زمین پر چت پڑا ہوا تھا۔ اس کی پچکی ہوئی کھوپڑی سے بہنے خون خاصی دور تک لوتھڑوں کی صورت میں جم گیا تھا۔

عجیب اتفاق تھا کہ صندل خان' پائندہ گل کے وفاداروں کی
صف میں شامل تھا اور میں نے باغیوں سے ساز باز کرنے کے باوجود'
فائرنگ میں سب سے پہلے اسی کے حریف یا اس کے کسی قریبی
ساتھی کو ہلاک کیا تھا۔

میں اپنی جگہ پر واپس لوٹ آیا۔ اجالا تیزی کے ساتھ پھیلتا
جا رہا تھا۔ رات کے اندھیرے میں ہمارے لئے خود کو چھپائے رکھنا
آسان تھا لیکن روشنی پھیلنے کے بعد وہ آسانی ہم سے رخصت
ہو رہی تھی۔ سایہ دار باڑے میں سپاٹ زمین اور چوبی سہاروں پر
رکے ہوئے چھپر کے علاوہ کوئی ایسی آڑ نہیں تھی جو ہمیں پناہ فراہم
کرتی۔ بس وہ کوٹھری تھی جو ایک صندوق کی صورت میں باڑے
کے بیچ میں بنی ہوئی تھی۔ ہمارے لئے اس کی بغلی دیواروں کی اوٹ کے
علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔ ہم سامنے سے ہٹ کر دیواروں کے
ساتھ بیٹھ گئے۔

جنگی نقارہ کافی دیر تک گونجتا رہا۔ پھر حویلی کے کسی حصے میں
یکے بعد دیگرے' رائفل کے تین فائر ہوئے اور نقارہ خاموش
ہو گیا۔ وہ عمل اتنا ہم آہنگ تھا کہ لمحہ بھر کے لئے شبہ ہوتا تھا کہ
رائفل کی تیسری گولی نے نقارے پر ستنے ہوئے چمڑے کو پھاڑ ڈالا
تھا لیکن ایسا نہیں تھا کہ نقارہ دور بج رہا تھا۔ گولیاں حویلی سے
ہی چلی تھیں۔ اس خوں آشام قبائلی ماحول میں کئی دن گزارنے
کے بعد میرے لئے یہ سمجھنا بہت مشکل نہیں رہا تھا کہ باغیوں نے
نقارہ پیٹ کر اعلان جنگ کیا تھا اور حویلی والوں نے گولیاں داغ کر
مقابلہ کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔

یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ الٹا لٹکائے جانے کے دوران میں
مجھے یا سلطان شاہ کو قے نہیں ہوئی تھی اس لئے ہمارے پیٹ
بھرے ہوئے تھے۔ بڑی قاب کو خالی کرنے کے چکر میں ہم چاروں
نے پرخوری کا مظاہرہ کیا تھا اس لئے کسی کو بھوک نہیں لگ رہی
تھی البتہ رات کی بسیار نوشی کی وجہ سے ویرا کو پیاس ستانے لگی
تھی۔ اندھیرے میں دیا سلائی کی روشنی اور جلتی ہوئی سگریٹ کے
روشن شرارے کے دیکھ لئے جانے کے خوف سے میں نے رات بھر
سگریٹ نوشی سے احتراز کیا تھا۔ سورج کی روشنی میں وہ خطرہ نہیں
رہا تھا۔ میں نے اپنے لئے سگریٹ سلگائی تو ویرا نے بھی بے تابانہ
انداز میں ایک سگریٹ مانگ لی۔

صبح کا ملگجا اجالا بہت سرعت کے ساتھ چمکیلی دھوپ میں بدلتا
جا رہا تھا۔ میرے لئے ایک ایک لمحہ اعصاب شکن ثابت ہو رہا تھا۔
دفعتاً باہر سے بہت بڑے غول کے شور و غل کے ساتھ زبردست
فائرنگ شروع ہو گئی۔ جواب میں ہونے والی فائرنگ نے قیامت کا
سماں باندھ دیا۔ اس بار ہیجانی شور میں کربناک انسانی چیخیں بھی
شامل تھیں۔ انسانوں کی آزادی اور بہبود کے نام پر خون کی ہولی
شروع ہو چکی تھی۔

اس باڑے میں بیٹھ کر میں باہر کی صورت حال کے بارے میں
صرف قیاس ہی کر سکتا تھا اور وہ قیاس بہت لرزہ انگیز تھا۔ فائرنگ
میں ملتے جلتے ہتھیار استعمال ہو رہے تھے۔ حملہ آوروں کی طرف
سے شاید راکٹ لانچرز بھی استعمال کئے جانے لگے تھے۔ زناٹے کی
آوازوں کے ساتھ ہلکے دھماکے سنائی دینے لگے تھے۔ ان کے
جواب میں حویلی والوں نے بھاری ہتھیار آزمانے شروع کر دیئے
تھے۔ ان کی گھن گرج سے باڑے کی چوڑی دیواریں تک لرز رہی
تھیں۔ فائرنگ اور بارودی دھماکوں کی شدت سے اندازہ ہو رہا تھا
کہ باہر گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا۔ ہم سب ایک جگہ جمع ہو چکے
تھے۔

"خدا کی پناہ!" ویرا بڑبڑائی۔ "یوں معلوم ہوتا ہے جیسے آج
گالان کی پوری آبادی نیست و نابود ہو جائے گی۔ آبادی والے حصے
میں تو اب تک بہت بڑی تباہی پھیل چکی ہوگی۔"

"یہ سب مکافات عمل کا ایک حصہ ہے۔" میں نے سرد لہجے
میں کہا "یہ لوگ ناقابل تسخیر پہاڑوں میں بیٹھ کر ہمارے شہروں میں
موت کی سوداگری کر رہے ہیں۔ اس وادی میں تیار ہونے والی
ہیروئن' نہ جانے کتنے جوانوں کو کراہت انگیز موت کی اندھی
وادیوں میں دھکیل چکی ہے۔ آج ان کا بھیانک جرم ان کے سروں
پر موت کا شیطانی ناچ ناچ رہا ہے۔ جن خود غرض درندوں کے
سامنے دنیا کا ہر قانون بے بس ہو چکا ہے ان کی سرکوبی کے لئے
قدرت کا اپنا قانون حرکت میں آ جاتا ہے۔ دیکھ لو کہ افیم پیدا
کر کے' اس سے ہیروئن کشید کرنے والے آج آپس میں ٹکرا رہے
ہیں۔ یہ لڑائی شاید اندھیرا پھیلنے سے پہلے اپنے انجام کو پہنچ جائے
لیکن یہ لوگ برسوں اپنے زخم چاٹتے رہیں گے۔"

"مجھے اپنی عافیت کی فکر ہے اور تم اس کڑے وقت میں بھی یہ
سوچ رہے ہو؟" ویرا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا "یہاں بسنے
والے سب لوگ موت کے سوداگر نہیں ہیں' یہ دھندا تو پائندہ گل
چلا رہا ہے۔"

"باغیوں کی نظریں بھی ہیروئن کی اندھی آمدنی پر لگی ہوئی
ہیں۔" میں نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا "یہ سب ایک ہی تھیلی
کے چٹے بٹے ہیں۔ ہر شخص ہیروئن کی تباہ کاریوں سے واقف ہے
اس لئے ان پہاڑوں میں ایک گرام ہیروئن بھی استعمال نہیں
ہوتی۔ پتھر کے آرام دہ اور خوب صورت مکانوں میں دن رات اپنی
عورتوں اور بچوں کے ساتھ مست رہنے والے یہ کیوں نہیں سوچتے
کہ پائندہ گل ان سے کوئی کام لئے بغیر' انہیں ساری آسائشیں
کہاں سے فراہم کرتا ہے؟ یہ سب اس جرم میں شریک ہیں۔
انہوں نے اپنے عیش و آرام کے لئے دوسروں کو تباہ کرنے پر کمر
باندھی ہوئی ہے اور آج ان کی تباہی کی باری ہے۔ تم خاموشی سے
تماشا دیکھتی رہو۔ شاید اس گھناؤنے دھندے کا یہی ایک رخ آج
تک میری نگاہوں سے اوجھل تھا جو اب سامنے آگیا ہے۔"

"ڈیئی!" اچانک باہر سے ایک بگڑی ہوئی اور وحشت زدہ آواز
گونجی۔ "میں قندوز خان ہوں۔"

بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز کے ساتھ کوٹھری کا دروازہ کھلا

اور قندوز خان ابتر حالت میں باڑے میں آگیا۔ اس کی رائفل کی نال اور لباس سے ملے جلے بارود کی تیز بو آرہی تھی۔ ہم چاروں نے بھرپور تجسس کے ساتھ اسے گھیر لیا۔ وہ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان بولا "بہت لوگ مر رہے ہیں۔ ہمارے سردار، صبغت اللہ نے اپنے آدمیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے سامنے آنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اب حویلی میں بھی بارود چلے گا ــــ تم لوگ باہر آکر راہداریاں سنبھال لو۔ جو بھی ادھر کا رخ کرے اسے گرا دو۔ ہمارے آدمی ادھر نہیں آئیں گے۔ ہم سب پائندہ گل کا گھیراؤ کریں گے۔ اس کی لاش گرتے ہی لڑائی بند ہو جائے گی۔"

صبغت اللہ کا نام سنتے ہی مجھے ذہنی جھٹکا لگا۔ پچھلی رات تک وہ کسی خوشامدی کی طرح پائندہ گل کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگا ہوا تھا لیکن درپردہ اس کے خلاف سازش کا جال تیار کررہا تھا۔ وہ بادرانی تھا اور اس نے سوچے سمجھے بغیر مجھے قاب الٹی کرکے اپنا پیغام پہنچانے کا مشورہ دیا تھا۔ صندل خان نے بالکل صحیح کہا تھا کہ بادران والوں کا خفیہ طریقہ تھا اور حویلی میں موجود کوئی بادرانی پائندہ گل سے نمک حرامی کررہا تھا۔

قندوز خان اس وقت اعصاب زدہ ہورہا تھا۔ وہ مجھے تقریباً کھینچتا ہوا، اپنے ساتھ راہداری میں لے گیا "بس یہ تمہارا مورچا ہے۔ یہاں ڈٹ کر آنے والوں کا مقابلہ کرو۔"

وہ میرا جواب سنے بغیر، دوڑتا ہوا واپس چلا گیا۔ سلطان شاہ فاضل راؤنڈز اور میگزین کا تھیلا کوٹھری میں لے آیا تھا۔ ہم سب نے اپنے لباسوں میں فاضل راؤنڈز بھرنے شروع کردیئے۔ بھرے ہوئے میگزین نیفوں میں اڑس لئے گئے اور ہم نے راہداری کے دونوں سروں پر اپنی نظریں جمادیں۔

باہر سے آنے والی آوازیں اپنے عروج پر تھیں۔ چھوٹے اور بڑے بور کے ہتھیار گرج رہے تھے۔ انسانی چیخوں اور آہ و بکا کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔ پھر ہم سے بہت قریب، ایک زوردار دھماکا ہوا۔ ہم اپنی جگہ پر لرز کر رہ گئے۔ سلطان شاہ نے کوٹھری کا دروازہ کھولا اور فوراً ہی بند کردیا۔ شاید کوئی راکٹ اس باڑے پر آکر گرا تھا۔ اس کا بڑا حصہ منہدم ہوچکا تھا اور فضا گرد و غبار سے اٹی ہوئی تھی۔ قندوز خان کو گئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ حویلی کے اندرونی حصوں میں بھی گولیاں چلنے لگیں۔ ویرا نے فوراً ہی اپنی سب مشین گن سیدھی کرکے راہداری میں ہلکا سا برسٹ ماردیا۔

"یہ کیا کررہی ہو؟" میں نے اضطراری لہجے میں کہا "ہم میدان میں اتر چکے ہیں۔ اس وقت ایک ایک گولی بہت قیمتی ہے ہم تھیلا اپنے ساتھ لٹکائے نہیں پھریں گے۔"

اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی تھی۔ وہ ہنس کر بولی "کافی دنوں بعد سب مشین گن چلائی ہے۔ مزہ آگیا۔ تم فکر نہ کرو۔ میں تھیلے کی آخری گولی بھی استعمال کرکے رہوں گی۔ قندوز خان نے ڈھیل دی ہے تو اب میں تمہیں اپنا تماشا دکھاؤں گی۔ ہمیں دونوں حریفوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا ہوگا۔"

گولیوں کی تڑتڑاہٹ سن کر میں تیزی سے پلٹا تو سلطان شاہ راہداری کے دوسرے سرے کی طرف برسٹ مار رہا تھا جبکہ راہداری آخر تک خالی پڑی تھی۔

"کیا ہم سب پاگل ہوگئے ہیں؟" میں غصے کے عالم میں چیخ پڑا۔

"خون گرم کررہا تھا۔" سلطان شاہ بولا۔ "ادھر ہمارا کمرا ہے۔ وہاں ایک بوتل میں کافی شراب بچی ہوئی ہے۔ میں ویرا کے لیے وہ بوتل لے کر آتا ہوں۔" وہ میرے کچھ بولنے سے پہلے کمرے کی طرف ہولیا۔

"اس وقت کوئی تمہاری بات نہیں سنے گا۔ ہر ایک کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ جو زندہ بچے گا وہ کراچی لوٹ جائے گا۔ تم نے سنا نہیں کہ مجھ سے ہروقت بھڑکنے والا میرے لیے شراب لانے کے لیے گیا ہے!" ویرا استہزائیہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "ہم لوگوں نے تمہاری سوچ اپنالی ہے تو اب تم فکرمند کیوں ہورہے ہو؟"

میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ پتا نہیں وہ شکاریوں سے اپنے مصائب کا انتقام لینے پر تل گئے تھے یا واقعی انہیں ہیروئن کے فروغ کی سزا دینے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ان کی نیتوں کا حال ان ہی کو معلوم تھا۔ مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ ویرا کی پیاس بجھانے کے لیے سلطان شاہ کمرے سے پانی کے بجائے شراب لینے گیا تھا جبکہ وہ ہروقت میری اور ویرا کی مے نوشی پر کڑی تنقید کرتا رہتا تھا۔

حویلی کے اندر تواتر سے فائرنگ ہونے لگی تھی۔ سلطان شاہ بوتل لے کر آیا تو ویرا نے دو گھونٹ لینے کے بعد میری طرف دیکھا۔ میں نے غزالہ سے نظریں چرا کر ایک لمبا گھونٹ اپنے حلق میں انڈیل لیا۔ اسی وقت سامنے سے دو آدمی دوڑتے ہوئے نمودار ہوئے۔ ویرا نے بایاں گھٹنا زمین پر ٹیک کر ان دونوں کو باڑھ پر لیا۔ ان کے جسموں سے خون کے کئی فوارے ابل پڑے اور وہ دلخراش چیخوں کے ساتھ وہیں ڈھیر ہوگئے۔

"میں پائندہ گل کی طرف جارہا ہوں۔ یہ باڑہ شاید فرار کا راستہ ہے۔ تم لوگ یہاں سے نہ ہلنا۔" میں نے یہ کہہ کر آگے بڑھنا چاہا لیکن غزالہ نے میرا بازو پکڑ لیا۔ اس کا کہنا تھا کہ ان منفرد خدوخال کی وجہ سے میرا خونخوار مقامیوں کی بھیڑ میں سے نکلنا محال تھا۔

ایک مرتبہ پھر راہداری میں کچھ لوگ نمودار ہوئے لیکن اپنے دونوں ساتھیوں کی لاشیں دیکھتے ہی وہ زمین پر گر گئے۔ میں پیٹ کے بل زمین پر لیٹ گیا۔ ویرا، غزالہ کا ہاتھ تھام کر بجلی کی سی سرعت سے بغلی کوٹھری میں رینگ گئی۔ میں نے اپنی سب مشین گن کا منہ کھول دیا۔ دوسری طرف سے جوابی فائرنگ ہوئی اور گولیاں میرے اوپر سے گزر گئیں۔ اسی وقت ویرا اپنی کمین گاہ سے نکلی اور دیوار کے سہارے کھڑے ہو کر ان لوگوں پر پورا میگزین خالی کردیا اور فضا ان کی دلدوز چیخوں سے لرز اٹھی۔ ویرا دوبارہ کوٹھری

ب ہوگئی۔

حویلی میں ہونے والی بغاوت نے پائندہ گل کے آدمیوں کے پیر
اکھاڑ دیے تھے کیونکہ دوسری طرف سے پہلا شکار آیا اور سلطان
نے سفاکانہ انداز میں اس کا پورا بدن چھلنی کردیا۔ پائندہ گل کی
زیرِ سرپرستی میں حویلی کے اندر پرورش پانے والے جرم کی
یقینی ہر شک و شبہ سے بالا تر تھی۔

ویرا میگزین لوڈ کرکے ایک بار پھر باہر نکل آئی۔ اس نے مسلح
دشمنوں کے سامنے کھڑے ہوکر اپنی جان کی بازی لگائی تھی۔ ویرا
کے بجائے مقامیوں کو فائرنگ کرنے میں پہل کرنے کا موقع مل جاتا
تو اس کے جسم کے چیتھڑے اڑ جاتے لیکن اس وقت ویرا کے سر پر
جنون سوار ہوچکا تھا اس لیے اسے سمجھانا بے سود تھا۔

ہم لوگ اس چوہے دان میں گھات لگائے بیٹھے رہے۔ مقابلے
سے بھاگنے والوں کی کئی ٹولیاں آئیں اور بری طرح لہولہان
ہوئیں۔ کچھ مارے گئے، بعض زخمی ہوکر وہیں تڑپتے اور گھٹتے
رہے۔ اکا دکا افراد دور ہی سے خطرہ بھانپ کر واپس بھاگ لیے۔ وہ
راہداری خاصی کشادہ تھی لیکن ہر سرے پر متعدد دیوہیکل جسموں
کے ڈھیر ہونے سے راستہ بالکل مسدود ہوکر رہ گیا تھا۔ پھر شاید
واپس بھاگنے والوں نے بھی اس راہداری پر ہمارے قبضے کی خبر پھیلا
دی۔ اس لیے تھوڑی دیر بعد ہی بھگوڑوں کی اس طرف آمد کا
سلسلہ رک گیا۔ اس خونریزی میں غزالہ نے سرے سے حصہ نہیں
لیا تھا۔ ہم تینوں کو بھی اس کی مدد کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی
تھی۔

حویلی کے اندر اور باہر لڑائی جاری رہی۔ فائرنگ کا ابتدائی
زور ٹوٹ گیا تھا۔ جوش و خروش میں اندھا دھند گولیاں برسانے
کے بجائے شاید نشانوں کو تاک تاک کر فائر کیے جانے لگے تھے۔
کافی دیر بعد حویلی میں ایک غلغلہ بلند ہوا۔ آثار نعرہ بازی کی طرف
اشارہ کررہے تھے۔ حویلی کے اندر ہونے والی جنگ پر اس شور کا
نمایاں اثر ہوا۔ تھوڑی ہی دیر میں بارودی شور دم توڑنے لگا اور
بتدریج وہ سلسلہ ختم ہوتا نظر آنے لگا۔

بھگوڑوں کی آمد کا سلسلہ موقوف ہوجانے کے باوجود ہم تیار
بیٹھے ہوئے تھے کہ قندوز خان لاشوں اور زخمیوں کو پھلانگتا ہوا
ہمارے پاس آپہنچا۔ اس نے سب سے پہلے ویرا سے ہاتھ ملایا پھر
نہایت گرم جوشی سے مجھ سے لپٹ کر فرطِ جذبات سے رندھی ہوئی
آواز میں بولا۔ "مبارک ہو، ہم نے پائندہ گل کو مار لیا ہے۔ اس
کے ساتھی بہت تیزی کے ساتھ ہتھیار ڈال رہے ہیں۔ یہ جنگ ہم
نے جیت لی ہے۔" میرے سینے سے الگ ہوکر اس نے دونوں ہاتھ
سے میرے ساتھ مصافحہ کیا تو میری انا کو بہت سکون ملا۔ وہ پہلا
شکاری تھا جس کی نرم و گداز ہتھیلیوں کا دوستانہ دباؤ میں نے
محسوس کیا تھا۔ اس نے سلطان شاہ سے بھی معانقہ اور مصافحہ کیا۔
غزالہ سے نرماہٹ سے ہاتھ ملایا پھر ہمارے ساتھ راہداری میں
پڑے ہوئے لوگوں کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا۔

ان کی کل تعداد چودہ تھی۔ ان میں سے آٹھ زندگی کے
بکھیڑوں سے نجات پاچکے تھے۔ چھ افراد بری طرح زخمی اور بے
ہوش تھے۔ بے رحمانہ فائرنگ کی وجہ سے ساری لاشیں بری طرح
ادھڑی ہوئی تھیں۔

"ان کا بھی قصہ تمام کردیا جائے؟" ویرا نے مشین گن کی
نال سے زخمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے سختی سے کہا۔ "ہمارے رواج کے مطابق
ہتھیار ڈالنے والوں کے زخمی اب ہماری امان میں ہیں۔"

ان لوگوں کی ہر بات انوکھی اور نرالی تھی۔ وہ ایک طرف
غدار اور سازشی تھے اور دوسری طرف اعلیٰ ترین جنگی اصولوں کے
پیروکار بھی۔ بیرونی دنیا سے منقطع خطے میں محصور ہونے کی وجہ سے
وہ بدترین تضادات میں مبتلا تھے۔

وہ ہمیں اپنے ساتھ لے کر ایک طرف چل دیا۔ حویلی میں ہر
طرف خون اور گولیوں کے نشانات بکھرے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں
خون آلود لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ کچھ مایوس اور نہتے لوگ زخمیوں
کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔

"یہ ہارنے والے ہیں جو ہتھیار ڈالنے کے بعد اپنے زخمی
الگ کرتے پھر رہے ہیں۔" قندوز خان نے بتایا۔ "جنگ ختم ہونے
کے بعد ہمارے ساتھی بھی یہی کام کررہے ہیں لیکن وہ ہتھیار بند
ہیں۔"

وہ پُرشوق لہجے میں ہمیں بتا رہا تھا کہ ان لوگوں کے حویلی میں
موجود ہونے کی وجہ سے حملہ آوروں نے حویلی کے آس پاس
راکٹ برسائے تھے۔ وہ براہ راست حویلی کو نشانہ بناتے تو جنگ
بہت جلد ختم ہوگئی ہوتی مگر اس اقدام میں صبغت اللہ اور اس کے
ساتھیوں کی جانوں کو سخت خطرہ لاحق ہوسکتا تھا۔

مختلف پُرپیچ راستوں سے گزار کر وہ ہمیں حویلی کے صحن میں
لے گیا، جہاں پائندہ گل کی زخموں سے چور لاش ایک تخت پر رکھی
ہوئی تھی۔ موت کے اس سرگرم سوداگر کا بدن سر سے پیر تک
چھلنی تھا صرف چہرے پر پانچ گولیوں کے سوراخ تھے جو بائیں آنکھ،
پیشانی اور جبڑوں میں گھس کر شاید کھوپڑی سے نکل گئی تھیں۔ تخت
کے گرد لاتعداد ہتھیاروں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ پائندہ گل کے اکا دکا
حامی اس وقت بھی اپنے ہاتھوں میں دبے ہوئے ہتھیار خاموشی سے
اس ڈھیر پر ڈالنے آرہے تھے۔

تخت کے قریب ایک آراستہ مسند پر نیا سردار براجمان تھا۔
میں اسے دیکھتے ہی چونک پڑا۔ اسی وقت ہم دونوں کی نگاہیں چار
ہوئیں۔ میری نظروں میں تحیر کی جھلکیاں دیکھ کر اس کا مسکراتا ہوا
چہرہ کسی پتھر کی طرح سخت اور بے جان ہوتا چلا گیا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" مسند پر بیٹھے ہوئے سردار نے سرد اور سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں، تمہیں دیکھ کر میرے حافظے میں ماضی کی ایک تصویر اُبھر آئی تھی" میں نے دھیرے سے کہا۔

"میرا خیال تھا کہ تم وہ سب بھول چکے ہوگے" اس کی آواز کاٹ دار ہوگئی "ماضی یاد رکھنے کے لیے نہیں ہوتا۔ تمہیں بھی وہ سب بُھلا دینا چاہیے۔"

"میں پوری کوشش کروں گا" میں نے سر جھکا کر کہا۔ وہاں اس سے بحث کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔ وہاں ہتھیار ڈالنے والے بھی آ رہے تھے اور اس کے مسلح ساتھی بھی اپنے نئے سردار کے وقار اور احترام کے علم بردار بنے، مستعد کھڑے ہوئے تھے۔ ہم دونوں کے براہِ راست مکالمے سے قندوز خان حیرت سے بے حال ہوا جا رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کا آقا نقاب پوش کے روپ میں مجھ سے مل چکا تھا اور مجھے اچھی طرح پہچانتا تھا لیکن یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ ان کا نیا سردار میرے لیے اجنبی نہیں ہوگا۔

اس وقت جنگی ماحول برقرار تھا۔ ہتھیار ڈالے جا چکے تھے لیکن پھر بھی دونوں فریقوں کی وحشت ناک آنکھوں میں خون کی پیاس چھلک رہی تھی۔ فضا جلے ہوئے بارود کی تیز بو سے زیادہ بوجھل تھی۔ صحن کے بعض حصوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔ کئی مقامات سے دُھواں اٹھ رہا تھا۔ اس نازک ماحول میں، میں ذرا بھی لغزش کا مظاہرہ کرتا تو ان بے شمار قبائلیوں میں سے کسی کے بھی غیظ و غضب کا نشانہ بن سکتا تھا۔

میرے جواب پر نئے سردار کے تیور نرم پڑ گئے "پھر آؤ! شنگارا ویلی تم چاروں کو اپنے مہمان کے طور پر خوش آمدید کہتی ہے۔ جہالت اور بربریت کا پرانا دور ختم ہوگیا۔ اب تم قیدی یا یرغمالی نہیں ہو۔"

اس نے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا دیے۔ میں اس مردود کے احترام میں لپک کر آگے بڑھا اور اس نے اپنی مسند چھوڑ کر مجھے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔ اس کی گرم جوشی سے میری پسلیاں کڑکڑا اٹھیں۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ گرم جوشی کی آڑ لے کر مجھے اپنی وحشیانہ طاقت سے مرعوب کرنا چاہ رہا تھا۔

میں اس سے الگ ہوا تو میرے پیچھے ویرا تھی اور نیا سردار اسی پوزیشن میں کھڑا ہوا تھا۔ مجھے ویرا کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی۔ وہاں پائے جانے والے جنگی ماحول میں کسی کا بھی جنسی شوق بیدار ہونے کا قطعاً کوئی امکان نہیں تھا لیکن وہ جوش میں ویرا کو اپنی زور آزمائی کا نشانہ بنا سکتا تھا۔

ویرا اس کی طرف بڑھی تو اس کے بدن نے ایسی پوزیشن لے لی تھی کہ وہ نئے سردار سے بہ آسانی بغل گیر ہو سکے لیکن سردار نے ویرا سے صرف ہاتھ ملا کر خیر مقدمی کلمات کہنے پر اکتفا کیا۔

"تمہیں سرداری کا اعزاز مبارک ہو۔ تم نے بہت بھیانک جنگ جیت کر یہ مقام حاصل کیا ہے۔" ویرا نے اسے مبارک باد دیتے ہوئے کہا۔ میرے مقابلے میں اس نے حاضر دماغی سے کام لینے کی کوشش کی تھی۔

"مرنے والا خود کو خان بابا، سردار بابا اور خان اعظم کہلوانا پسند کرتا تھا" اس نے پائندہ گل کے بے جان جسم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "خدا اس کی روح کو نہ شرمائے۔ اب وہ ہم سے اچھی جگہ ہے لیکن میں اپنے لوگوں کو بتا چکا ہوں اور تم بھی سُن لو کہ میرا کوئی لقب نہیں ہوگا۔ میں صرف سردار صبغت اللہ شنگاری کہلوانا پسند کروں گا۔ میں تمہاری مبارک باد پر تم کو سلام کرتا ہوں۔"

"وعلیکم السلام" ویرا نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ وہ آگے بھی کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن فوراً ہی صبغت اللہ کا منہ بگڑ گیا اور وہ ویرا کی بات کاٹ کر بولا "میں نے تم کو سلام نہیں کیا تھا" اس کی آواز میں ہلکی سی جھنجلاہٹ تھی۔

"تم ہی نے تو کہا تھا کہ میں تمہاری مبارک باد پر تم کو سلام کرتا ہوں" ویرا معصومیت سے بولی۔

"سردار صبغت اللہ نے تمہاری تعریف کی تھی" قندوز خان نے جلدی سے وضاحت کی "یہاں مرد، عورتوں کو سلام نہیں کرتے۔ سلام میں پہل عورتوں کو کرنی پڑتی ہے۔"

"اوہ!" ویرا بے خوفی سے بولی "شاید دوسرے قبائل کی طرح یہاں بھی عورت کو مرد سے کم تر سمجھا جاتا ہے؟"

"عورت اور مرد میں کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے" صبغت اللہ نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا "مرد کما کر لاتا ہے تو عورت چولہا روشن کرتی ہے۔ جنگ، دفاع، زراعت، کاروبار یہ سب مردوں کا کام ہے۔"

"لیکن ہر مرد کو عورت ہی جنتی ہے۔ سردار صبغت اللہ!" ویرا اُڑی رہی۔

"ہر مرد کو ساری عورتیں مل کر نہیں جنتیں۔ ہر مرد کی صرف ایک ماں ہوتی ہے۔ ان پہاڑوں کے فرزند اپنی ماؤں کے آگے جھک کر سلام کرتے ہیں، ان کے قدم چھوتے ہیں۔ لیکن وہ ساری عورتوں کو اپنی ماں جیسی عزت نہیں دے سکتے۔ عام عورتوں کو ... اور کمانے والوں کا احترام کرنا پڑتا ہے۔"

"شاید یہی وجہ ہے کہ تم نے ڈینی کو گلے لگایا لیکن مجھے کم ... سمجھ کر اس اعزاز سے محروم رکھا" ویرا بہت سنجیدگی کے ساتھ ... شنگارا ویلی کے نئے حکمران کی ٹانگ کھینچنے پر تُل گئی تھی۔

"تم احمق معلوم ہوتی ہو یا شاید تم کو یہاں کے رسوم و رواج کا علم نہیں ہے۔ یہاں ولایت جیسی بے حیائی نہیں ہے۔ اجنبی ... اور عورت گلے ملتے ہیں تو فوراً ہی گناہ کا بیج پروان چڑھنے لگتا ... یہ احمقانہ باتیں نہ کرو اور اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی آگے ...

موقع دو۔"

صبغت اللہ نے غزالہ سے ہاتھ ملایا' سلطان شاہ کو گلے سے لگایا اور پرانی مسند پر بیٹھ گیا۔ اس دوران میں وہاں ہتھیار ڈالنے والوں کی خاصی تعداد جمع ہو چکی تھی۔ ہم چاروں کے ہٹتے ہی انہوں نے ایک منظم قطار کی صورت میں پیش قدمی شروع کر دی

صبغت اللہ نے اپنے داہنے ہاتھ کی پشت آگے پھیلا دی۔ پائندہ گل کے نہتے اور شکست خوردہ حمایتی' یکے بعد دیگرے صبغت اللہ کے ہاتھ کی پشت کا بوسہ لے کر اس سے وفاداری کا اظہار کرتے اور آگے بڑھتے رہے۔

"انہیں مہمان خانے میں لے جاؤ" اسی اثنا میں صبغت اللہ نے قندوز خان کو ہدایت کی اور یوں ہمیں وہاں سے جلد ہی روانہ ہونے کا موقع مل گیا۔

اس خوں آشام لڑائی میں مارے جانے والوں کی لاشیں یکجا کی جا چکی تھیں اور بہت سے لوگ مل جل کر زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے میں مصروف تھے۔ مسلح اور نہتے لوگوں میں ہتھیاروں کے علاوہ کوئی ایسا فرق نظر نہیں آرہا تھا جس کی بنا پر یہ اندازہ کیا جا سکتا کہ وہ تھوڑی دیر پہلے ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہو رہے تھے۔

ان کے جنگی اصولوں کے بارے میں پہلی بات اس وقت سامنے آئی تھی جب قندوز خان نے دشمن کے بے بس قیدیوں کو اپنی امان میں قرار دے کر ویرا کو ان کے قتلِ عام سے روک دیا تھا۔ دوسری اچھی بات یہ تھی کہ مرنے کے بعد پائندہ گل کی لاش کی بے حرمتی یا تذلیل نہیں کی گئی تھی۔ بس اس کے وفاداروں کے حوصلے پست کرنے کے لیے اس کی لاش کی خاموش نمائش کی جا رہی تھی۔

ان لوگوں میں انفرادی سوچ یا وفاداری کے رجحانات سرے سے موجود نہیں تھے۔ وہ اطاعت یا بغاوت بھی باجماعت کرتے تھے اور ان میں غیر جانب دار طبقے کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔ اطاعت اور بغاوت کی ہر دو صورتوں میں وہ صرف اپنے سربراہ کے حکم کے پابند ہوتے تھے اور اپنے سروں سے سردار کا سایہ اٹھنے کے ساتھ ہی بے چون و چرا دوسرے فریق کی بالادستی کو تسلیم کر لینے کے عادی معلوم ہوتے تھے۔ ان کے قدیم اور نسبتاً محصور معاشرے میں امن و عافیت کے ساتھ زندہ رہنے کے لیے وہ رویّہ ناگزیر تھا۔ اگر وہ اقتدار کی جنگ کو انفرادی انا کا مسئلہ بنانے کے عادی ہوتے تو گالان اور اس کے مضافات میں چھڑنے والی جنگ دور دراز کی آبادیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے کر تہس نہس کر سکتی تھی اور ایسی دو چار ہی جنگیں ان کی پوری نسل کو فنا کے گھاٹ اتارنے کے لیے کافی ہوتیں۔

مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ حویلی میں جنگ کی خوں ریزی اور تباہ کاری کے جو دردناک مناظر نظر آرہے تھے وہ اس تباہی کا عشرِ عشیر بھی نہیں تھے جو حویلی سے باہر پھیلی ہو گی۔ دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کو گرمانے کے بعد کئی گھنٹوں تک جم کر آگ اور خون کی بھیانک ہولی کھیلی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ قبائلی اقتدار کی اس لڑائی میں مرنے اور زخمی ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو سکتی تھی۔

قندوز خان اس بار ہمیں حویلی میں ایک مختلف سمت میں لے جا رہا تھا۔ چند منٹ کے بعد ہم ایک خوب صورت چوبی دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ وہ دروازہ بھی سردار کے کمرے کے دروازے کی طرح بہت وزنی اور نقش دار تھا۔ وہاں ایک چاق وچوبند شنگاری چوکی داری پر مامور تھا۔ قندوز خان کو دیکھ کر اس نے اپنا داہنا ہاتھ پیشانی تک لے جا کر اسے سلام کیا۔ قندوز خان نے سر کی جنبش سے اس کے سلام کا جواب دینے کے ساتھ ہی مقامی بولی میں کچھ کہا اور اس چوکی دار نے مستعدی کے ساتھ منقش دروازہ کھول دیا۔

کچھ دیر پہلے جنگ چھڑی ہوئی تھی تو ہر شخص پورے جوش و خروش کے ساتھ اس میں ملوث تھا لیکن چوکی دار کی وہاں موجودگی سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ پائندہ گل کی ہلاکت کی خبر پھیلنے کے بعد' نہ صرف جنگ بند ہو گئی تھی بلکہ جنگ کا ایندھن بننے سے بچ جانے والے شنگاریوں نے اپنی پرانی وفاداریوں کو بھول بھال کر' نہایت نیک نیتی سے اپنی اپنی ذمے داریاں سنبھال لی تھیں۔

اس دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ شنگارا ویلی کے سردار کا مہمان خانہ تھا۔ اس دروازے کے ساتھ ہی ایک بڑا سا پائیدان پڑا ہوا تھا۔ قندوز نے اپنے جوتے وہاں چھوڑ دیے۔ ہم چاروں کو نیند کے عالم میں بے ہوش کر کے فلیٹ کی خواب گاہوں سے اغوا کیا گیا تھا اس لیے ہم ابتدا ہی سے برہنہ پا چلے آرہے تھے۔ ہم اس پائیدان پر اپنے تلوے رگڑ کر آگے بڑھتے چلے گئے' جہاں ایک ہی قسم اور نمونے کے کئی بڑے بڑے اونی قالینوں نے فرش کا چپہ چپہ چھپایا ہوا تھا۔ اس کمرے کا عرض بیس فٹ اور طول کم و بیش تیس فٹ رہا ہو گا۔ اس کے درمیانی حصے میں موٹے موٹے گاؤ تکیے اور متعدد گدّیاں ایک خصوصی ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ دروازے کی مخالف سمت والی سنگی دیوار سپاٹ تھی البتہ اس کے دونوں سروں پر اتنی جگہ چھوڑ دی گئی تھی جس میں سے ایک آدمی آسانی سے گزر سکتا تھا۔ ان خالی جگہوں میں کوئی پٹ یا دروازہ نہیں تھا۔ داہنی اور بائیں جانب کی دیواروں میں تین تین یکساں دروازے نظر آرہے تھے۔

قندوز خان باوقار انداز میں چلتا ہوا اس کمرے کے وسط میں پہنچا اور ایک گدّی لے کر قالین پر بیٹھ گیا۔ "تم لوگ بھی تھوڑی دیر یہاں آرام کرو" اس نے فخر آمیز نظروں سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا "داہنی اور بائیں جانب تم کو جو چھ دروازے نظر آرہے ہیں' یہ سب سونے کے الگ الگ کمروں میں کھلتے ہیں۔ تم چاہو تو الگ الگ کمروں میں رہ سکتے ہو' چاہو تو عورتیں ایک جگہ اور مرد

اک جگہ رہ سکتے ہیں۔ ویسے ہر کمرے میں تین آرام دہ مسہریاں ہیں۔ ان سب کو جھاڑ پونچھ کر تیار کردیا جائے گا۔ سامنے والی دیوار کے پیچھے غسل خانے وغیرہ ہیں۔"

میں نے وہاں بیٹھتے ہوئے دیکھا کہ وہاں خشک میووں سے بھری ہوئی کئی ٹوکریاں رکھی ہوئی تھیں۔ مجھے شدت سے احساس ہوا کہ اس روایتی فرشی نشست گاہ میں حقّہ موجود نہیں تھا۔

"چاہو گے تو تھوڑی دیر میں تازہ حقّہ بھی فراہم کردیا جائے گا" میری خواہش سُن کر قندوز خان ہنستے ہوئے بولا "ہم لوگ پہلے حقّہ ہی پیتے تھے لیکن جب سے ہم نے پہاڑوں سے باہر قدم نکالے ہیں، لوگوں میں سگریٹ پینے کا شوق پیدا ہوگیا ہے۔ شاید ہر فیشن اسی طرح نئی آبادیوں میں اپنی جگہ بناتا ہے۔ اب تمہیں ہمارے علاقوں میں بڑی عمر کے بھی سگریٹ پیتے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہاں حقّہ بہت تیزی کے ساتھ ترک کیا گیا ہے۔"

سردار پائندہ گل کی زندگی میں ہم چاروں کو صندل خان کا قرب حاصل تھا صندل خان کا شمار پائندہ گل کے چہیتے لوگوں میں ہوتا تھا۔ وہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر نہ صرف شراب پیتا رہتا تھا بلکہ چند ممنوعہ موضوعات کے علاوہ دیگر موضوعات پر کھل کر باتیں کرتا رہا تھا۔ ہم نے اس سے گھما پھرا کر کچھ ایسی باتیں بھی معلوم کرلی تھیں جو شاید عام حالات میں آسانی کے ساتھ ہمارے علم میں نہ آتیں۔ اس سے میل جول میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا تھا کہ مجھے اس پر سازشیوں کا سرغنہ ہونے کا شبہ ہونے لگا تھا لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کردیا تھا کہ صندل خان دل وجان سے پائندہ گل کا وفادار تھا۔ وہ پائندہ گل کے لیے اپنی جان دے سکتا تھا لیکن اس سے دغا نہیں کرسکتا تھا۔

مجھے شدید حیرت تھی کہ پائندہ گل کے اقتدار اور زندگی کے لیے وہ شخص زہریلا ناگ ثابت ہوا تھا جو پچھلے روز تک اپنی اعلیٰ کارکردگی اور جانبازی کے قصے سُنا کر پائندہ گل کو مسحور و مرعوب کرتا رہا تھا۔ وہ جلال آباد سے لُوٹ کے مال کو ٹھکانے لگا کر، اپنے سردار کے لیے نہ صرف بھاری رقم لایا تھا بلکہ ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے اہم ترین کیمیکل کے تین ڈرم بھی خرید لایا تھا۔ وہ اس قدر چالاک اور مکار تھا کہ اس نے گالان پہنچنے کے بعد ہم لوگوں کا رخ کئے بغیر ہی اپنے سردار سے بادران جانے کی اجازت لے لی تھی اور بظاہر اپنے سفر کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا تھا۔ پائندہ گل اور دوسرے شنگاریوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے وہ سفر کی تیاریوں میں اُلجھا رہا تھا لیکن رات کے اندھیرے میں موقع پا کر حویلی میں گھس آیا اور کسی چور کی طرح مجھ سے ملاقات کرکے واپس لوٹ گیا۔

گھنٹیوں والوں کی بغاوت کے سلسلے میں ہمیں جو شخص ابتدا ہی سے مشکوک نظر آتا رہا وہ بالکل بے گناہ ثابت ہوا تھا اور اس معاملے سے لاتعلق نظر آنے والا صبغت اللہ اس سازش کا روحِ رواں ثابت ہوا تھا۔

صندل خان کے انجام کے بارے میں ہمیں کچھ علم نہیں تھا نہ ہی میں اس موقعے پر اس کا ذکر چھیڑ کر قندوز خان کو کسی بھی طرح چونکانا چاہتا تھا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ شنگارا ویلی یا گالان میں ہماری قیدیوں والی حیثیت ختم ہوچکی تھی۔ اور ہم آزاد مہمانوں کی طرح وہاں مقیم تھے۔ ہمیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے صندل خان کے تبادل کے طور پر قندوز خان مل چکا تھا۔ ہمارے لیے بہتر یہی تھا کہ ہم اس سے ازسرنو معلومات حاصل کرنے کی کوششیں کرتے اور پھر ان ہی کی روشنی میں اپنی جلد از جلد روانگی کا منصوبہ مرتب کرتے۔

لیکن ان دنوں میری اور ویرا کی سوچ ایک ہی رُخ پر چل رہی تھی۔ ابھی وہ سوال میرے ذہن ہی میں تھا کہ ویرا نے قندوز خان سے سوال کر ڈالا "مجھے حیرت ہے کہ شنگارا ویلی کے بزرگوں نے یہاں سگریٹ نوشی کے رواج کی مخالفت نہیں کی۔ آگے چل کر یہ رواج تباہ کن بھی ثابت ہوسکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟" قندوز خان نے حیرت سے اپنی پلکیں جھپکاتے ہوئے سوال کیا۔

"ان پہاڑوں میں افیم اور ہیروئن کی بہتات ہے" ویرا نے کاغذی باداموں والی ٹوکری اپنی طرف سرکاتے ہوئے کہا "یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ محلول کی صورت میں سرنج سے لینے کے بجائے دنیا بھر میں ہیروئن کو سگریٹ کے ساتھ پینے کے طریقے مقبول ہیں۔ سگریٹ کی آمد کے بعد تمہارے نوجوان لڑکے بھی ہیروئن پینے کی طرف مائل ہوجائیں گے۔ ویسے بھی دنیا بھر میں سگریٹ نوشی کو معاشرتی عیب قرار دے کر، اس کے خلاف مہم چلائی جارہی ہے۔ یورپ کو چھوڑدو۔ تمہارے اس برصغیر سے ذرا اور مشرق میں عادی سگریٹ نوشوں پر قرنطینہ جیسی پابندیاں عائد کی جاچکی ہیں۔ وہ ہوائی اڈوں وغیرہ پر سرعام سگریٹ نہیں پی سکتے۔ اپنا شوق پورا کرنے کے لیے انہیں شیشے کی دیواروں والے مخصوص اور دور افتادہ کمروں کا رخ کرنا پڑتا ہے جہاں ہر رنگ، نسل اور طبقے کے لوگ ندیدوں کی طرح سگریٹوں کے سرے چوس چوس کر ایک دوسرے پر غلیظ دُھواں اُگلتے رہتے ہیں لیکن شنگارا ویلی میں اس کا اُلٹ ہورہا ہے۔ لوگ تیزی کے ساتھ حقّے کو بھول کر سگریٹ نوشی میں مبتلا ہوتے جارہے ہیں۔"

"تم اپنے حساب سے ٹھیک کہہ رہی ہو" قندوز خان کے ہونٹوں پر عارفانہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے براہِ راست ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "شنگارا ویلی میں قانون اور اختیار کے دو سرچشمے ہیں۔ ایک سردار اور دوسرا جرگہ۔ سردار کا ہر فیصلہ اٹل اور آخری ہوتا ہے لیکن جہاں وہ ضرورت محسوس کرتا ہے وہاں جرگے سے رائے لے لیتا ہے۔ مرحوم پائندہ گل نے جرگے کے مشورے کے بعد شنگارا ویلی میں سگریٹ لانے اور پینے کی

اجازت دی تھی لیکن یہاں کا کوئی بچّہ بھی ہیروئن کی ایک چٹکی استعمال کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔"

میں نے محسوس کیا کہ اس نے پائندہ گل کے نام کے ساتھ مرحوم کا سابقہ لگا کر اپنی اس روایتی رواداری کو برقرار رکھا تھا جو جنگ ختم ہونے کے بعد دونوں فریقوں میں نمایاں طور پر کارفرما نظر آ رہی تھی۔

ادھر ویرا اس سے اُلجھی ہوئی تھی "میں وہی جاننا چاہتی تھی۔ وہ کون سی چیز یا کس قسم کا خوف ہے جو مقامیوں کو ہیروئن کے استعمال سے روکتا ہے۔ یہاں سب جانتے ہیں کہ ہیروئن ایک قیمتی نشہ ہے۔ یہاں لوگ شراب، چرس اور نسوار کا نشہ بھی کرتے ہیں، کیا ان کے دل میں ہیروئن کا گہرا سرور آزمانے کی خواہش پیدا نہیں ہوتی ہوگی؟"

"یہاں ہیروئن چند گنے چُنے لوگ تیار کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں سے گزر کر سارا مال سردار کے پاس آ جاتا ہے" وہ ویرا کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگا "سردار پہلی فرصت میں اس مال کو آگے روانہ کر دیتا ہے۔ پھر ہمارے مولویوں نے لوگوں کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ ہیروئن، خنزیر سے زیادہ حرام ہے۔ تم جانتی ہوگی کہ مسلمانوں میں خنزیر کتنا بُرا سمجھا جاتا ہے۔ ویسے تو شراب بھی حرام ہے لیکن لاکھوں مسلمان شراب پیتے ہیں مگر تم نے کسی مسلمان کو جانتے بوجھتے ہوئے خنزیر کا گوشت چباتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔ ہر شنگاری پورے خلوصِ دل سے یہ یقین رکھتا ہے کہ ہیروئن پینے کے بعد وہ عذاب کی لپیٹ میں آ جائے گا۔ دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ یہاں ہیروئن کا ایک کش بھی لگانے والا بدترین سزا سے نہیں بچ سکتا۔ اسے چھاتی تک زمین میں زندہ گاڑ کر اس پر بھوکے ریچھ چھوڑے جا سکتے ہیں، اس کے بیوی بچّے عمر بھر کے لیے سردار کے غلام بنائے جا سکتے ہیں، اس کے گھر کے ایک ایک تنکے کو مسمار کر کے جلایا جا سکتا ہے۔ یہ ایسی بھیانک سزائیں ہیں کہ ہر شخص ہیروئن سے پناہ مانگتا ہے۔ پچھلے برسوں میں یہاں ایک بار بھی کسی کو ہیروئن پینے کے جرم میں سزا نہیں دی گئی۔ اور شاید آئندہ بھی اس کی نوبت نہیں آئے گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" سلطان شاہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "تمہارے مولویوں کی محنت اور سخت ترین سزائیں اپنی جگہ پر ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ ہیروئن پر یہاں سخت کنٹرول ہے۔ اسے تیار کرنے والے لوگ سردار کے خاص آدمی ہوں گے۔ ہیروئن عام شنگاری کی تحویل میں آتی ہے نہ یہاں کے بازاروں میں پہنچتی ہے۔ کارخانے سے نکل کر سیدھی سردار کے پاس اور وہاں سے گاہک کے پاس چلی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے تمہاری وادیوں کی خوشگوار فضاؤں میں موت کا دُھواں کہیں نہیں منڈلاتا۔ تم لوگ اس کی تباہ کاری سے پوری طرح باخبر ہو اور تم نے اپنے سارے وسائل استعمال کر کے اپنے بچّوں اور نوجوانوں کو موت کے اس نشے سے بچایا ہوا ہے۔ جو کچھ بناتے ہو اسے ہماری بستیوں اور شہروں کی طرف روانہ کر دیتے ہو اور اس آمدنی سے شنگاراویلی میں بہتر سہولتیں پیدا کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو۔"

"بالکل، بالکل!" قندوز خان نے سہلا کر کہا۔ وہ جنگ جو اور تندرست ہونے کے باوجود خاصا سادہ لوح تھا۔ وہ سلطان شاہ کے آخری فقروں میں پنہاں طنز کو سرے سے سمجھ ہی نہیں سکا تھا۔

"کبھی تم نے یہ سوچا ہے کہ شنگاراویلی سے باہر نکلنے کے بعد یہ مہلک ہیروئن، جو یہاں خنزیر سے زیادہ حرام سمجھی جاتی ہے، پیسے کے لالچ میں تمہارے مسلمان بھائیوں کو بھی بیچی اور پلائی جاتی ہوگی" میں نے موقع پا کر اس کی سمجھ کے مطابق ایک کُھلا کُھلا سوال کر ڈالا۔

وہ آہستہ سے ہنس پڑا اور ہنستے ہوئے بے پروائی سے بولا "یہ کاروبار ہے۔ جو لوگ ہم سے مال خریدتے ہیں، وہ اسے سمندر میں تو نہیں ڈبوتے ہوں گے۔ زیادہ داموں پر کہیں نہ کہیں بیچتے ہی ہوں گے۔ ان کے خریداروں میں ہندو، مسلمان، عیسائی سب ہی ہوتے ہوں گے۔ اس سے ہمیں کیا لینا؟"

"میں شکایت نہیں کر رہا لیکن تمہیں شاید یہ سُن کر حیرت ہو کہ پاکستان میں لاکھوں نوجوان اس مہلک نشے کے عادی ہو چکے ہیں اور کوڑا گھروں یا گندے نالوں میں جانوروں سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں۔"

"اتنی تفصیل نہیں معلوم" اس پر میری بات کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ سرسری لہجے میں بولتا رہا "ہاں، یہ ضرور معلوم ہے پاکستانی بیوپاری ہمارے مال کے اچھے دام دیتے ہیں اور ان کے پاس کھپت بھی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ اپنے ان پاکستانی بھائیوں کو اس خنزیری نشے سے محفوظ رکھنے کے لیے تم لوگ کچھ کر سکو؟" میں نے نہایت دردمندانہ عاجزی کے ساتھ کہا۔

اس کے چہرے پر یک بیک گہری سنجیدگی طاری ہو گئی اور وہ مضبوط آواز میں بولا "مجھے زیادہ تفصیلات کا علم نہیں ہے۔ مگر ہم سُنتے رہتے ہیں کہ افغانی اور پاکستانی مسلمان بھائیوں کے حوالے سے مرحوم پائندہ گل سے شکایتیں کی جاتی تھیں" اس مرحلے پر اس کی آواز میں تلخی کا زہر سرایت کر گیا "شکوے کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر افغانی اور پاکستانی ہمارے بھائی ہیں تو ہم بھی ان کے بھائی ہیں۔ وہ ہمارے بارے میں کیوں نہیں سوچتے۔"

"وہ تمہارے بارے میں کیا سوچ سکتے ہیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ان سنگلاخ پہاڑوں میں زرخیز زمینیں بنانا بہت مشکل کام ہے۔ جنگل اور جھاڑیاں کاٹ کر، جو چھوٹے چھوٹے قابلِ کاشت ٹکڑے بنائے گئے ہیں، ان پر ہم گنتی کی چند ہی فصلیں بو سکتے ہیں۔ ان میں افیم کی فصل سب سے زیادہ نفع بخش ہوتی ہے۔ ہم وہی

اُگاتے ہیں اور اس سے ہونے والی آمدنی کے ذریعے شنگارا دیلی کے ہزاروں چولہے روشن رکھتے ہیں۔ کسی نے کبھی یہ سوچا کہ اگر ہم اپنی ان فصلوں کو آگ لگا دیں تو ہم اپنے بچّوں کا پیٹ کہاں سے پالیں گے؟ افیم کی آمدنی کے بغیر ہم زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے شیر خوار بچے اپنی ماؤں کی سوکھی چھاتیاں چچوڑ چچوڑ کر لہولہان کر دیں گے لیکن اپنے حلق تک تر نہیں کر سکیں گے۔"

"افیم کی کاشت ختم کرنے پر نقد امداد بھی تو دی جاتی ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"یہ میرے بجائے ان پاکستانیوں سے پوچھو جنہوں نے مردان اور صوابی کے علاقوں میں یہ زخم کھائے ہیں۔ وہ لوگ امداد بھیک کی طرح دیتے ہیں جو پورے ایک سیزن بھی نہیں چلتی۔ زمین اور فصل برباد کرنے کے بعد ان میں سے زیادہ تر بے خانماں برباد ہو گئے۔ کچھ دوسرے علاقوں میں ہجرت کر گئے اور بعض کو کارخانوں میں چھوٹی چھوٹی نوکریاں مل گئیں لیکن وہ سب پریشان رہے۔ جو ہوشیار تھے انہوں نے سارے وعدوں پر لات مار کر دوبارہ اپنی زمینیں آباد کر لیں۔ ایسے لوگ دوبارہ خوش حالی کا منہ دیکھ رہے ہیں۔ ہم ان جیسا انجام نہیں چاہتے۔ ہم افیم کے جدی پشتی کاشتکار ہیں۔ ہم اسی میں خوش اور خوش حال رہ سکتے ہیں۔ یہ قدرت کا انعام ہے کہ ہمارے صبر اور شکر کے نتیجے میں اس نے ہمیں ہیروئن کی راہ دکھا دی۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہماری فصلیں کبھی اتنی آمدنی دے سکیں گی۔ پہلے یہ اندھی آمدنی لوٹی جا رہی تھی۔ اب یہاں انقلاب آیا ہے تو تم دیکھنا کہ چند برس میں شنگارا دیلی کس طرح پھلتی پھولتی ہے۔"

"ان پہاڑوں سے باہر نکلنے کے بعد ہیروئن جو مہلک تباہی پھیلا رہی ہے، اس پر تمہیں کوئی ملال نہیں ہے؟" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس سے سوال کیا۔

"ہمیں ملال کیوں ہو؟" اس نے اُلٹا مجھ سے سوال کر ڈالا "تم سب شہری اور پڑھے لکھے ہو، تمہیں مجھ سے زیادہ معلوم ہو گا کہ افغانستان میں روسیوں نے ہتھیاروں اور بارود کے انبار لگا دیے ہیں۔ وہاں امریکا وغیرہ سے بھی اندھا دھند جنگی امداد چلی آ رہی ہے۔ ہر ملک یہ خدمت افغانیوں کی عزت اور آزادی کے لیے سرانجام دے رہا ہے لیکن اس کا نتیجہ کیا ہے؟ ہر گولی افغانوں کو ہی موت کی نیند سُلا رہی ہے۔ شنگارا دیلی والے تو کھل کر کہتے ہیں کہ دونوں خونی بھیڑیوں میں سے کسی کو افغانیوں یا افغانستان سے محبت نہیں ہے۔ وہ پرائے گھر میں گھس کر اپنی وحشیانہ جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس جنگ میں وہ گھر اور گھر والوں کو تہس نہس کیے دے رہے ہیں اور ان کے سر فخر سے اونچے ہیں۔ ہم افیم کو صاف کر کے ہیروئن بناتے ہیں۔ تم چاہو تو تم بھی اپنے نوجوانوں کو اسی طرح ہیروئن سے بچا سکتے ہو جیسے ہم نے بچایا ہوا ہے۔ ساری ہیروئن ولایت بھیج دو۔

وہ تمہارے بھائیوں اور پڑوسیوں کو گولہ بارود سے مار رہے ہیں تم ان کی گلی گلی میں ہیروئن پھیلا کر انہیں اپاہج بنا دو۔ ہم لوگوں نے ہیروئن بنائی ہی گوروں کے لیے تھی۔ ایک کلو کے ایک کروڑ پاکستانی روپے وہی دے سکتے تھے لیکن شہری دلالوں نے ہمیں [illegible] سے اُتار دیا۔ ہمیں کم دام ملتے ہیں۔ وہ ملاوٹ کر کے کچھ مال مقامی منڈیوں میں پھینکتے ہیں، جو بچ جاتا ہے اسے باہر لے جاتے ہیں اور ہم سے کئی گنا زیادہ نفع کماتے ہیں۔"

"تمہاری معلومات حیرت ناک ہیں" ویرا نے اعتراف کیا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ عام شنگاریوں میں بھی اتنی سوجھ بوجھ پائی جاتی ہو گی۔ تمہارا اصل مسئلہ کسی منافع بخش متبادل روزگار کا ہے۔"

"میں عام شنگاری نہیں ہوں" قندوز خان نے ویرا کی فوری تصحیح کرتے ہوئے کہا "عام شنگاری اردو نہیں بولا کرتے۔ اردو بولنے والے وہ لوگ ہیں جو سردار کی ہدایت پر باہر جاتے آتے رہتے ہیں۔ میں بارہا کابل، جلال آباد، پشاور اور نوشہرہ تک جا چکا ہوں۔ ہمیں اصل کہانیوں کا علم باہر جا کر ہی ہوتا ہے..... اور تم نے متبادل روزگار کی جو بات کی، وہ دیوانے کا خواب ہے۔ ان پہاڑوں میں کوئی ٹرک تک نہیں آسکتا۔ یہاں پانی ہے نہ بجلی۔ یہاں کارخانے لگ ہی نہیں سکتے۔ ہم سے جو بھی بات کرتا ہے، یہی کہتا ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کی ہڈیوں کو ان پہاڑوں میں لاوارث چھوڑ کر میدانی علاقوں میں چلے جائیں۔ یہ جبری ہجرت ہمیں گوارا نہیں ہے۔ مرحوم پائندہ گل نے شنگارا دیلی کی آمدنی میں زبردست دھاندلی مچائی ہوئی تھی لیکن پھر بھی کوئی شنگاری بھوکا نہیں سوتا تھا۔ ہمارے ان پڑھ قبیلوں کی تو بات چھوڑو، سرحد کے دونوں طرف ہزاروں پڑھے لکھے لڑکوں کو روزگار نہیں ملتا۔ ہمارے بچے ہوئے، بہترین گاہک ہتھیاروں کے سب سے بڑے خریدار ایسے ہی بے روزگار لڑکے ہیں۔ عزت کی روزی حاصل کرنے میں ناکام ہونے کے بعد وہ چوری، ڈکیتی، اغوا، رہزنی اور تاوان جیسے گندے کاموں کا رُخ کر رہے ہیں۔ ایک کامیاب واردات ان کی زندگی کے سارے دلدر دور کر دیتی ہے۔ ان میں کلاشنکوف بہت مقبول ہوئی ہے۔ تم ہی بتاؤ کہ جہاں پڑھے لکھے مقامیوں کو نوکری نہیں ملتی تو پہاڑوں سے اُترنے والے، جاہل اور تند خو شنگاریوں کو کہاں روزگار ملے گا؟ یہ اپنا مسکن چھوڑنے کے بعد چور، ڈاکو، رہزن اور قاتل بن جائیں گے۔ ہمارے بوڑھوں کو کشکول تھام کر بھیک مانگنی پڑے گی۔ یہ سب اس قدر بھیانک نظر آتا ہے کہ ہم جہاں اور جس حال میں ہیں، بس خوش ہیں۔ ہم کسی قیمت پر دربدر بھٹکنا پسند نہیں کریں گے۔ ہماری قدیم روایتیں خاک میں مل جائیں گی۔ جب شہروں کے اوباش اور لفنگے ہماری عورتوں کو ڈھٹائی سے گھوریں گے تو ان کی عزتیں تاراج ہو جائیں گی، چند لاشیں گریں گی۔ کچھ دنوں تک فتنہ و فساد چلتا رہے گا پھر ہماری عورتیں بھی شہر والیوں کے

پر ہمارے چہروں پر تھوک دیں گی۔ یہ تمام باتیں کوئی بھی ہاری برداشت نہیں کرسکتا۔"

ن کی باتیں معقول اور دلائل پر مبنی تھیں۔ شہروں میں بیٹھ محسوس ہوتا تھا جیسے تعزیری قوانین سے آزاد قبائل میں والا ہر فرد افیم کی کاشت اور ہیروئن کی تیاری میں ملوث ت کی سوداگری کررہا ہے اور جلد سے جلد' زیادہ سے زیادہ کمانے کے جنون میں مبتلا ہے لیکن گالان کے اس آرام دہ میں قندوز خان سے باتیں کرنے کے بعد مجھے شدت کے ان کی مجبوریوں کا احساس ہونے لگا تھا۔ دولت کمانے اور جمع کی ہوس پائندہ گل اور اس کے چند ساتھیوں کو تو ہوسکتی تھی م شنگاریوں کے لیے وہ عیش وعشرت یا دولت وثروت کا نہیں تھا بلکہ ان کی بقا' رزق اور روزی کا مسئلہ تھا۔ ان خ پہاڑوں میں اپنی قدیم روایات میں محصور رہ کر زندگی نے والے شنگاری کسی کم قیمت والی فصل پر محنت کرتے تو کے گھروں میں فاقوں کی نوبت آسکتی تھی۔ اپنے گھروں کے لہن وقت روشن رکھنے کے لیے وہ اپنے سردار اور جرگے کی ت کے مطابق افیم کی فصلوں کی آبیاری کرنے پر مجبور تھے۔ ربات تھی کہ انہیں ہیروئن سے ہونے والی بے اندازہ آمدنی ت کم فیض حاصل ہورہا تھا اور اس ہنرکاری کے نتیجے میں ان ں میں بھی ایک مراعات یافتہ طبقہ اُبھرتا جارہا تھا جو اقتدار پر ہونے کے ساتھ ساتھ ساری دولت بھی اپنی تحویل میں لیے رہا تھا۔

قندوز خان نے بہت عمدہ مثال دی تھی۔ افغانستان میں گھس روس اور امریکا کے حمایت یافتہ حلیف ایک خوں ریز جنگ لڑ تھے۔ دونوں فریق اس ملک اور اس کے باسیوں کی خیرخواہی دعوے دار تھے لیکن ان دونوں کو بھی بہت زیادہ نقصان رہے تھے۔ عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل کی جارہی تھیں' یاں تاخت وتاراج کی جارہی تھیں' سرسبز فصلوں کو گڑگڑاتے ٹینک روند رہے تھے' ہر طرف موت اور بربادی کی طاغوتی تماشا پا شیطانی ناچ ناچ رہی تھیں لیکن جنگ آزما فریقوں کے لوں میں کوئی فرق رونما نہیں ہورہا تھا۔ کچھ یہی کیفیت شنگارا دی کی بھی تھی۔ پائندہ گل اس وادی کا بزرگ' مربی اور سردار ہونے کی بنا پر اپنے لوگوں کی خیرخواہی اور آبرومندی کے تذکرے کرتا رہتا تھا لیکن اس کے مار ڈالے جانے سے ذرا پہلے' مجھے بتایا گیا کہ وہ بے ایمان تھا اور وادی کی دولت کو لوٹ کر اپنے گھر بھر رہا تھا۔ صبغت اللہ نے اپنے حامیوں کی مدد' طاقت اور جانی قربانیوں کے نتیجے میں اس نام نہاد خیرخواہ کو مار ڈالا تھا ر شنگاراویلی کا سردار بن بیٹھا تھا۔ کون جانتا تھا کہ اس کے ن بنا پا تھا؟ اسے شنگاراویلی کے مظلوم اور بے مایا انسانوں سے تا تھی یا اس کی نظریں پائندہ گل کی جیب میں جانے والے پیسے پر جمی ہوئی تھیں؟ یہ فیصلہ اس کی زندگی یا کم از کم اس کے عہدِ سرداری میں ہونے والا نہیں تھا۔

"تمہاری باتیں دل کو لگتی ہیں" ویرا اس کی باتوں سے قائل ہو کے کہہ رہی تھی "تم لوگ بہت مجبور ہو۔ تمہارے مذہب کے بارے میں میری معلومات خاصی ناقص ہیں مگر میں یہ بات اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم لوگوں کی مجبوری اپنی انتہا کو پہنچ جائے تو تم پر حرام بھی حلال ہوجاتا ہے۔ شاید تم اس لیے ہیروئن بنانے پر..."

"بس!" قندوز خان نے اپنا ایک ہاتھ فضا میں بلند کرکے' برہمی سے اس کی بات کاٹ دی۔ غصے کی وجہ سے اس کا سرخ وسفید چہرہ لال بھبوکا ہوگیا تھا۔ وہ اونچی آواز میں کہہ رہا تھا "ہم اتنے گئے گزرے نہیں ہیں کہ زندہ رہنے کے لیے حرام کھانے پر آمادہ ہوجائیں' تم نے ہیروئن بنانے کو حرام کیسے کہا؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ فرزانہ بس نام کی مسلمان ہے۔" میں نے ویرا کو حیرت اور خوف سے گنگ پاکر' جلدی سے بات سنبھالتے ہوئے کہا "جو پاکستانی مرد باہر جاکر سفید عورتوں سے شادیاں کرتے ہیں' ان کی اولادیں ایسی ہی نکلتی ہیں۔ فرزانہ عملاً پوری مسلمان ہے نہ عیسائی۔ یہ ہر بات کو اسی طرح گڈمڈ کردیتی ہے۔"

"میں مانے لیتا ہوں کہ اس نے حرام کا لفظ اپنی کم فہمی کی بنا پر استعمال کرلیا ہوگا مگر اس کے ساتھ تم کو بھی یہ اعتراض تھا کہ ہماری ہیروئن پاکستانیوں کو تباہ کررہی ہے۔ تم بتاؤ کہ اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟"

اس کے بگڑے ہوئے تیوروں نے مجھے فوری طور پر محتاط ہونے پر مجبور کردیا اور میں نے دبے لہجے میں کہا "اصل بات تو یہ ہے کہ ہمیں اپنے گھر میں ہیروئن کی روک تھام کرنی چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہیروئن کہیں بنتی ہے تو بازار میں آتی ہے۔ اس اعتبار سے تھوڑا بہت قصور تم لوگوں کا بھی ہے۔"

"استغفراللہ!" وہ دہاڑا "مجھے تم سے ایسی بودی دلیل کی اُمید نہیں تھی۔ دنیا میں سب سے زیادہ انسان ہتھیاروں کے استعمال سے مرے ہیں لیکن آج تک کسی نے ہتھیار سازی کو حرام قرار دیا نہ ہتھیار بنانے والوں کو قصوروار قرار دیا۔ ہتھیار دفاع کے لیے بنتے ہیں۔ تم رائفل کی گولی اپنے سینے میں اُتارلو تو یہ ہتھیار بنانے والے کا قصور نہیں ہوگا۔ ہیروئن سے دوائیں بناؤ تو وہ جان بچانے کے کام آتی ہیں۔ انہیں نادرونایاب سمجھا جاتا ہے۔ ہیروئن دشمن کو پلاؤ تو وہ چند روز میں تمہارا مطیع بلکہ غلام بن جاتا ہے لیکن تم یہ نشہ اپنے ہی بچوں کو پلانے لگو تو اس میں قصور کس کا ہوگا؟ یہ سراسر تمہارا لالچ اور تمہاری گمراہی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا "شاید ہماری سوچ ہی بگڑی ہوئی ہے۔"

"شاید نہیں' یہ یقینی بات ہے" اس نے اپنی شہادت کی انگلی زور زور سے لہراتے ہوئے کہا "فوج' پولیس' قانون اور طاقت کے

ہوتے ہوئے بھی تم کسی بُرائی کو پھیلنے سے نہیں روک سکتے تو یہ تمہاری اپنی خرابی ہے۔ کل کو تمہارے نوجوان اپنے سینوں میں چاقو کے پھل اُتارنے لگیں تو تم چاقو بنانے والوں کو کوسنے لگو گے۔ ان سے کہو گے کہ وہ اپنا کاروبار بند کر کے بھوکے پیاسے مرنے لگیں؟ یہ عجیب مذاق ہے۔ جس دن تم ہیروئن خریدنا بند کردو گے' پہلے اس کے دام گرنے شروع ہوں گے اور پھر ایک دن ہیروئن خود ہی ناپید ہو جائے گی۔ جب تک اس کی منڈیاں اور خریدار موجود ہیں' یہ کام دن بہ دن ترقی کرتا رہے گا کیونکہ اس سے ہزاروں آدمیوں کی روزی وابستہ ہے۔"

بابائے معاشیات' آدم اسمتھ نے طلب اور رسد کا جو اصول اپنی کتاب میں درج کیا تھا وہ قندوز خان کو کسی تعلیم کے بغیر ازبر تھا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ ہیروئن کے انسداد کا کام کرنے والے علاقائی اور بین الاقوامی اداروں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ اس اصول پر غور کیوں نہیں کرتے تھے؟ ہیروئن کے معاملے میں وہ ہر معاشی اور اقتصادی اصول کو پس پشت ڈال کر' منڈیوں اور خریداروں کے خاتمے کے بجائے پیداوار کے ہر منبع کو نیست و نابود کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ شاید اس لیے کہ افیم یورپ' امریکا یا آسٹریلیا میں پیدا نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کی تمام تر عالمی پیداوار چند غریب ایشیائی ملکوں تک محدود تھی۔ انہیں کچلنے کے لیے وہ دولت سے لے کر دھونس' دھمکی اور تشدد تک کا سہارا لینے کے لیے کمربستہ تھے۔

اس بارے میں قندوز خان کا ذہن کُھل کر ہمارے سامنے آگیا تھا۔ ویسے بھی وہ موضوع تلخی اختیار کرتا جا رہا تھا' اس لیے میں فضا کا بوجھل پن دور کرنے کے لیے اچانک ہی ہنس پڑا "ہم سب بلاوجہ جذباتی ہوئے جا رہے ہیں۔ ہم نے پورے پاکستان یا افغانستان کا ٹھیکا تو نہیں لیا ہوا ہے۔ تم جو کچھ کر رہے ہو' محنت اور شوق سے کرتے رہو۔ ہمیں تم لوگوں کی روزی کے ذرائع پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہاں سے واپس جانے کے بعد ہم اپنے بااثر لوگوں سے بھی بات کریں گے کہ وہ ہیروئن کے خلاف میدان میں اُتر آئیں۔"

"ہیروئن کے خلاف نہیں" اس نے فوری طور پر میری تصحیح کرتے ہوئے کہا "اپنے ملک میں ہیروئن کے استعمال کے خلاف۔ تم یقین کرو کہ گئے گزرے مسلمان پر بھی مولوی کا زبردست اثر ہوتا ہے۔ تمہارے مولویوں نے ایک بار لوگوں کو یہ یقین دلا دیا کہ ہیروئن خنزیر کے گوشت سے زیادہ حرام ہے تو تمہارے لڑکے ہیروئن سے توبہ کرنی شروع کر دیں گے اور ہمارا سارا مال راستے میں رُکے بغیر ولایت جانے لگے گا۔"

"ہم ایسا ہی کریں گے" میں نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس کے زورِ بیان سے پورا پورا اتفاق نہیں تھا۔ مذہب میں حلال اور حرام کے درمیان بہت واضح حدِ فاصل موجود تھی۔ جو اشیا حرام تھیں' وہ سب
تھیں۔ ایسا نہیں تھا کہ کوئی کم حرام اور کوئی زیادہ حرام
شراب پیتے تھے اور سؤر کا گوشت نہیں کھاتے تھے تو
مذہب کے اعتبار سے کوئی خاص نکتہ نہیں تھا بلکہ اس کا تعلق
کراہت سے بھی ہو سکتا تھا۔ اس قسم کی کمزور تاویلیں
شنگاریوں کو متاثر کر سکتی تھیں لیکن جدید تہذیب و تمدن کا
رکھنے والے' پڑھے لکھے نوجوانوں کو ہیروئن اور خنزیر کے موا
سے نہیں ڈرایا جا سکتا تھا۔

"تم مولویوں کی بات کر رہے ہو تو معلوم ہو رہا ہے کہ ہم
کو بھی پورا مولوی سمجھ رہے ہو" سلطان شاہ نے بات
نکال کر موضوع کو کسی اور پٹڑی پر ڈالنے کی کوشش کرتے
کہا۔

"نعوذ باللہ!" اس نے اپنا داہنا کان مروڑ کر ہولے
رخسار پر اپنی انگلیاں مارتے ہوئے' بُرا سا منہ بنا کر کہا "یہ تم
کہہ دیا؟ کل رات میں برتن لینے آیا تو وہاں شراب کی بوتل
تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ فرزانہ اور ڈینی شرابی ہیں۔ ان کو
احمق مولوی سمجھ سکتا ہے؟"

"پھر ان کی بوتلیں کہاں ہیں؟" سلطان شاہ نے بے
سوال کیا اور سب لوگ ہنس پڑے۔

"اوہ! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ باتوں میں اُلجھ کر میں
بھول گیا تھا" قندوز خان سٹپٹا کر بولا "تم لوگوں پر رات بہت
گزری ہے پھر صبح لڑائی چھڑ جانے کی وجہ سے ناشتے یا کھا
نوبت بھی نہیں آسکی۔ مجھے تمہارے لیے کچھ نہ کچھ بندوبست
چاہیے تھا کیونکہ باقاعدہ کھانا رات گئے تک ہی مل سکے گا۔"

"فکر نہ کرو۔ ہم لوگ بھوک کے کچے نہیں ہیں" سلطان
بے پروائی سے بولا "کھانا ملنے تک ڈرائی فروٹ ٹھونگ
کرتے رہیں گے۔ البتہ ان دونوں کے لیے ایک آدھ
بندوبست نہ ہوا تو یہ جمائیاں لے لے کر ہمیں بیزار کر دیں
کا نشہ ٹوٹنے لگے تو یہ دونوں فلسفی بن کر بور کرنے لگتے ہیں"

قندوز خان کے دانت نکل پڑے "یہ اچھی بات
سب آپس میں بہت بے تکلف ہو۔ میں انتظامات کا جائزہ
ابھی چند منٹ میں واپس آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اُٹھا اور اسی ہال میں بنی ہوئی خواب گا
سے ایک کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

ہماری گفتگو کے دوران میں متعدد شنگاری بڑے
سمیت ان تمام خواب گاہوں میں جا چکے تھے اور شاید
ساتھ ہی ان خواب گاہوں کی مناسب تزئین میں مصروف

"آج میں تم میں ایک حیرت ناک تبدیلی دیکھ رہی ہوں
خان کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے سلطان شاہ سے
لہجے میں کہا "کہیں تمہاری کایا پلٹ تو نہیں ہو گئی ہے؟"

"...کیسی تبدیلی؟" غزالہ کے اس غیر متوقع وار پر شاہ بوکھلا گیا۔ اس کی ویرا سے ہر وقت نوک جھونک چلتی تھی لیکن غزالہ اس کے ساتھ ہمیشہ سنجیدہ رہتی تھی۔ کسی اس کی حمایت کرنے کا موقع نہ مل سکے تو خاموش رہ کر اس تو رہنے کی کوشش کرتی تھی۔ اس وقت غزالہ کے اچانک نے سلطان شاہ کو بہت زیادہ حیران کر دیا تھا۔

"باڑے سے نجات ملنے کے بعد تم خود فرزانہ کے لیے واڈکا اٹھا کر لائے تھے اور اب تم نے دوسری بار اس کے لیے کا بندوبست کرنے کی بات اُٹھائی ہے۔ مجھے دال میں کچھ کالا ہو رہا ہے" غزالہ بولی۔

"میں نے ڈینی کا بھی نام لیا تھا" سلطان شاہ مدافعانہ آواز میں "بری جوتی کو بھی فرزانہ کی پروا نہیں ہوتی تو پھر دال میں کالا کیا یہ تمہاری غلط فہمی ہے..."

"جوتی کو پروا ہو بھی نہیں سکتی" میں نے غزالہ کی بات اُچک کراتے ہوئے کہا "کیونکہ ابھی تک ہم چاروں ننگے پاؤں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرزانہ کے لباس میں سے کیڑے نکالتے، تم دونوں میں کسی نہ کسی قسم کی مصالحت ہو چکی بہتر ہوگا کہ تم خود ہی اس معاملے پر روشنی ڈال دو۔"

"میں فرزانہ کے لیے صبح بوتل اس لیے لایا تھا کہ اس کی راز داری کرسکوں۔ اس وقت ہم میں سے کسی کو بھی جنگ کا معلوم نہیں تھا۔ یہ ترنگ میں آئی ہوئی تھی اور میں اسے لبی کے لیے تیار کر رہا تھا" سلطان شاہ نے کھسیائے ہوئے انداز نجات کرنے کی کوشش کی۔

"اور اس وقت فرزانہ کو کیوں پلانی چاہتے ہو؟" میں نے نکیلے میں پوچھا۔

"فرزانہ کی نہیں، میں نے تم دونوں کی بات کی تھی تاکہ بدل سکے۔ اس وقت تم بھی یہی چاہ رہے تھے" وہ بے بسی سے بولا "معلوم ہوتا ہے کہ فرزانہ نے تم دونوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے" اس بار ویرا بول پڑی "ہم تینوں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ بس تم ہی مجھ سے بدکتے ہو۔ صبح ہونے سے پہلے باڑے میں خشک اور گندی گھاس میں والے کیڑے میرے بدن پر چڑھ رہے تھے تو تم نے انہیں سے صاف انکار کر دیا تھا اور بھاگ گئے تھے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں نامحرم عورتوں کے بدن کو ہاتھ نہیں" سلطان شاہ بُرا سا منہ بنا کر بولا "وہ سب تمہارا فراڈ تھا۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ تمہارے جسم پر کیڑوں نے یلغار کی ہوئی ہو اور جسم پر ایک چیونٹی بھی نہ آئی ہو؟"

"کیڑے آدمی کو دیکھ بھال کر منتخب کرتے ہیں" میں نے کہا "موذی کیڑا بھی ہر ایک کو نہیں کاٹتا۔ ان ہی لوگوں کو ناک تاک کر پریشان کرتا ہے جن کا خون میٹھا ہو۔"

"یعنی میرا خون کڑوا ہے؟" سلطان شاہ مجھ پر آنکھیں نکالنے لگا۔

"میں نے تمہارے خون کو کچھ نہیں کہا، مچھروں کی مثال دی تھی۔ رات والے باڑے میں تو سرے سے مچھر ہی نہیں تھے۔ فرزانہ کو تنگ کرنے والے کیڑے شاید اس کی بُو پر گئے ہوں گے۔"

"بُو نہیں بدبُو!" سلطان شاہ اتنی اونچی آواز میں بڑبڑایا کہ ویرا کو وہ تبصرہ سُن کر غصہ آگیا۔

"اس سے پوچھو کہ یہ نامحرم عورتوں کو چھونے سے ڈرتا ہے تو چوروں کی طرح ان کا پیچھا کیوں کرتا ہے؟" ویرا نے غصیلے لہجے میں مجھ سے کہا۔ میں اس کی بات سننے کے بعد استفسار طلب نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ جھوٹ بول رہی ہے۔ ہم ہر وقت ایک دوسرے کے سامنے رہے ہیں۔ غزالہ کسی ضرورت سے باہر جاتی ہے تو میں اس کے ساتھ باہر تک ضرور جاتا ہوں اور اسے ساتھ لے کر آتا ہوں لیکن فرزانہ غسل خانے وغیرہ جاتی ہے تو میں جان بوجھ کر اس کے پیچھے نہیں جاتا۔ کیا پتا وہ مجھ پر کس وقت کوئی الزام لگا بیٹھے۔"

"میں نہیں، تم جھوٹے ہو" ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "دو جیپوں میں جیغا سرائے سے یہاں آتے ہوئے جب ہم نے بادوباراں کے طوفان میں گھرنے کے بعد غاروں میں پناہ لی تھی تو تم اندھیرے میں میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ تم نے خود ڈینی سے اقرار کیا ہے کہ تم اندھیرے میں چھپ کر مجھے دیکھتے رہے تھے۔"

"میں شراب کے نشے میں دھت، صندل خان کی کسی دست درازی کے خوف سے تمہاری حفاظت کر رہا تھا۔ میری نیک نیتی کو غلط رنگ دینے کی کوشش مت کرو۔ اس رات صندل خان کے عزائم اچھے نہیں تھے۔"

"جو ہاتھی پر سواری گانٹھنے کا شوقین ہوتا ہے، وہ اسے اپنے قابو میں کرنا بھی جانتا ہے۔ وہ میری مرضی کے خلاف کوئی بھی حرکت کرتا تو میں ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اسے بے ہوش کرسکتی تھی۔ تم جانتے ہو کہ مارشل آرٹس میں میری مہارت ہر شعبے سے بالاتر ہے پھر تمہیں میری حفاظت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"لعنت ہے میرے اوپر!" سلطان شاہ لاجواب ہو کر خود ملامتی پر اُتر آیا اور بھنّائے ہوئے لہجے میں بولا "اب کوئی شنگاری تمہیں زبردستی بھی اٹھا لے گیا تو میں اپنی آنکھیں بند کرلوں گا مگر اپنی جگہ سے نہیں ہلوں گا۔ میں نے تمہارے ساتھ نیکی کی اور تم میرے اسی فعل پر الزام تراشی کر رہی ہو۔"

"باتوں کا ہیر پھیر نہ چلاؤ۔ ایک طرف تم میرے بدن کو ہاتھ لگانے سے ڈرتے ہو اور دوسری طرف صندل خان سے جلتے ہو۔

تمہارے سینے پر یہ سانپ لوٹ رہا ہوگا کہ میں اس کے بجائے تمہارے ساتھ جیپ میں کیوں نہیں گئی۔ یہ کھلی کھلی رقابت تھی۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ میں نے اسے قابو میں کئے رکھا۔ وہاں ذرا سی بھی بے اعتدالی ہوتی تو تمہیں اپنے رقیب کو مارنے کا ایک معقول بہانہ مل جاتا" اسے کمزور پڑتا دیکھ کر ویرا حاوی ہونے کی کوشش کرنے لگی۔

"لاحول ولا قوۃ" سلطان شاہ اپنا سر جھٹک کر غرایا "اگر میں صندل خان کو اپنا رقیب سمجھ رہا تھا تو پھر باڑے میں، میں نے تمہاری دل جوئی کی کوششیں کیوں نہیں کیں؟ تمہارے تو پورے لباس میں کیڑے ہی کیڑے گھس گئے تھے۔"

"اصل بات یہی ہے" ویرا ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی "تمہارے رویے میں یہ تضاد کیوں ہے؟ میں اسی کا سبب جاننا چاہتی ہوں تاکہ تم سے اپنے مراسم اسی کے مطابق رکھوں۔"

"شاید میں پاگل ہوں جو بلاوجہ تم سے ہمدردی کرتا پھرتا ہوں۔" وہ بے زاری کے عالم میں بولا "میری خطا معاف کرو۔ آئندہ میں محتاط رہوں گا۔ تم چاہو تو ابھی اور اسی لمحے صندل خان کے پاس جاسکتی ہو۔"

"یہ صندل خان کا کیا ذکر ہو رہا ہے؟" اچانک میرے عقب سے قندوز خان کی آواز اُبھری۔ شاید اس نے واپس آتے ہوئے سلطان شاہ کی زبان سے صندل خان کا نام سُن لیا تھا۔

"وہ اچھا آدمی تھا اور ہمارا دوست بن گیا تھا" میں نے کہا "پتا نہیں، اب وہ زندہ ہے یا مارا جاچکا ہے؟"

"اسے میں نے جنگ ختم ہونے کے بعد زندہ مگر زخمی حالت میں دیکھا۔" وہ قریب آکر بولا "مگر تم لوگ بہت سادہ لوح ہو کہ اسے اپنا دوست سمجھ رہے ہو۔"

"اس نے ہماری بہت دیکھ بھال کی تھی" میں نے کہا "وہ نہ ہوتا تو ہم یہاں بہت پریشان ہوجاتے۔"

"تھال میں بڑی قاب کو اوندھا دیکھتے ہی اس کی کھوپڑی بھک گئی تھی۔ اس نے تم چاروں کو ایک قطار میں کھڑا کرکے تمہاری پنڈلیوں کو گولیوں کی باڑھ سے چھلنی کرنے کا ارادہ کرلیا تھا تاکہ تم ہلنے جلنے سے بھی معذور ہوجاؤ۔ مجھے معاملات کی نزاکت کا اندازہ تھا اس لیے میں وقت سے چند منٹ پہلے ہی خالی برتن لینے آگیا۔ میں نے اسے مشورہ دیا کہ پائندہ گل سے مشورہ کئے بغیر کوئی قدم اُٹھانا مناسب نہیں ہوگا۔ غنیمت ہوا کہ اس نے میری بات مان لی اور تمہاری ٹانگیں بچ گئیں۔ بعد میں تمہیں چند گھنٹوں کے لیے اُلٹا لٹک کر جو تکلیف اٹھانی پڑی، وہ ٹانگوں سے ہمیشہ کے لیے محرومی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی" اس نے فخر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ انکشاف کیا۔

"غنیمت ہے کہ پچھلی رات خیریت سے گزر گئی" میں نے ان سنسنی خیز لمحات کو یاد کرتے ہوئے پُرخیال انداز میں کہا "ویسے تم

ایمان داری سے سوچو کہ وہ پائندہ گل کا وفادار تھا اور اُلٹی قاب دیکھ کر بالکل صحیح بھڑکا تھا۔ صبغت اللہ بادرانی نے کسی جھونک میں ہمیں اپنا روایتی طریقہ اختیار کرنے کی دے ڈالی تھی اور صندل خان اُلٹی قاب کا مطلب اچھی طرح جانتا تھا۔ تم اس کی جگہ ہوتے تو تمہارا ردِعمل شاید اور بھی شدید ہوتا۔ اس اکلوتے واقعے کے علاوہ صندل خان شروع سے آخر تک ہمارے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آتا رہا تھا۔"

"تم اس سے اتنے ہی مانوس ہو تو فکر نہ کرو، اسے تمہاری خدمت پر مامور کردیا جائے گا۔" اس کی آواز میں ہلکی سی تلخی پیدا ہوگئی "جنگ کا فیصلہ ہوجانے کے بعد اب وہ نئے سردار کا وفادار ہوچکا ہوگا" یہ کہہ کر وہ واپس مڑ گیا "آؤ! اب اپنے کمروں میں آرام کرو۔ وہاں تمہاری آسائش کی ہر چیز موجود ہے۔"

ہم چاروں خاموشی سے اس کے پیچھے ہولیے۔ وہ ایک ... کے درمیانی دروازے میں داخل ہوا تو ہم اس کے ساتھ ... گالان کے معیار کے مطابق وہ واقعی ایک شاندار خواب گاہ کہی جاسکتی تھی۔ جس طرح وہ قبائلی، ہم لوگوں کے مقابلے میں جسم اور قد آور تھے اسی طرح ان کے یہاں ہر چیز ضرورت سے زیادہ ملتی۔ بڑے بڑے کمرے، سونے کے لیے بڑے تخت، کھانے کے لیے چار کے برابر ایک تندوری روٹی، لباس اتنے ڈھیلے ڈھالے کہ ان میں بیک وقت دو آدمی سما سکیں۔ حد یہ تھی کہ ان کے کھانے اور پینے کے برتن بھی غیر معمولی طور پر بڑے ہوتے تھے۔ اس کشادہ خواب گاہ کا پورا فرش قالین سے ڈھکا ہوا تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ قطار کی صورت میں تین بڑے تخت، ایک دوسرے سے قدرے فاصلے پر بچھے ہوئے تھے۔ یہ تخت ہماری پچھلی خواب گاہ والے جہازی تختوں سے چھوٹے ہونے کے باوجود، ایک شخص کی ضرورت سے کہیں زیادہ بڑے تھے۔ ہر تخت پر ایک دبیز گدا اور اس پر سفید چادر بچھی ہوئی تھی۔ دو پھولے ہوئے نرم تکیے ... کے لحاف اور ہلکے اونی کمبل اس کے علاوہ تھے۔ ہر تخت کے سرہانے ایک چوبی تپائی رکھی ہوئی تھی، جس پر انواع و اقسام کے خشک پھلوں سے لدی ہوئی ٹوکری، پانی سے بھرے ہوئے جگ اور گلاس کے علاوہ واڈکا کی سربمہر بوتل بھی رکھی ہوئی تھی۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرے آدمی اتنے ذہین ہیں" قندوز خان نے ہنستے ہوئے کہا "دیکھ لو، انہوں نے ہر بستر کے ساتھ ... کی بوتل کا بندوبست کیا ہوا ہے۔ تم چاروں کی خواب گاہیں ... ہی لوازم سے آراستہ ہوچکی ہیں۔"

"تین بستروں والا یہ کمرا ایک آدمی کے لیے استعمال ہوگا؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔ قندوز خان کی بروقت آمد سے وہ اپنی اور ویرا کی لڑائی کو شاید یکسر فراموش کرچکا تھا۔

"ہمارا کوئی مہمان اکیلا نہیں آتا۔ اس کے ساتھ ایک ... محافظ یا خدمت گار ضرور ہوتے ہیں جو دن رات اپنے مالک

ساتھ رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے تمہیں یہاں تین بستر نظر آرہے ہیں ورنہ حقیقتاً یہ ایک مہمان کا کمرا ہے۔"

"چار بڑے بڑے کمرے اور بارہ بوتلیں!" غزالہ تحیر زدہ آواز میں بڑبڑائی "اتنا عیش و آرام ہمیں راس نہیں آسکے گا۔ میرا تو خیال ہے کہ اسی کمرے میں ایک بستر کا اضافہ کردیا جائے تو ہم چاروں آرام سے گزارا کرسکتے ہیں۔"

ویرا نے فوراً ہی غزالہ کے خیال کی تائید کی اور قندوز خان عجب انداز میں ہنس پڑا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس کی ہنسی میں تضحیک کا خفیف سا عنصر شامل تھا۔

"شہر والے سب ایک جیسے ہوتے ہیں" ہنسنے کے بعد وہ سنجیدگی سے بولا "عبدالرحیم خان کی میت پر شہروں سے پائندہ گل کے تین مہمان آئے تھے تو وہ بھی ایک ہی کمرے میں رہے تھے۔ انہیں بڑے بڑے اور خالی کمروں سے خوف آرہا تھا۔ تم بھی شاید ڈر رہے ہو لیکن یقین رکھو کہ گالان میں تم سب محفوظ و مامون ہو۔ تمہاری عورتوں تک پر کوئی بُری نگاہ ڈالنے کی جرأت نہیں کرسکے گا۔ سب جانتے ہیں کہ اس وادی کے سردار کی مہمان عورتوں سے بدنگاہی کرنے والوں کی آنکھیں کالی چیلوں سے نچوادی جاتی ہیں۔"

"ہمیں پہلے بھی کوئی خوف لاحق نہیں تھا" میں نے بے پروائی سے کہا "شہری لوگ اپنی اپنی ذات کے خول میں بند رہنے کے بجائے، مل جل کر وقت گزارنا پسند کرتے ہیں۔ یہاں ہمیں ایک دوسرے سے ہنسنے بولنے کی سہولت حاصل رہے گی، ہر بات کو اپنے معیار سے پرکھنے کی عادت اچھی نہیں ہوتی۔"

"اوہ! تم بُرا مان گئے" وہ جلدی سے بولا "ہم لوگ بھی مردم بیزار نہیں ہیں لیکن بہت زیادہ میل جول سے جلد ہی اکتا جاتے ہیں۔ جاڑوں کی لمبی اور اندھیری راتوں میں جب ہم چیڑ کے الاؤ روشن کرکے ان کے شعلوں پر سالم جانور بھونتے ہیں اور نقارے کی آواز پر رقاص ناچتے ہیں تو ہم رات بھر وہاں سے نہیں ہلتے۔ عجیب کھیل تماشے ہوتے رہتے ہیں لیکن عام دنوں میں ایک شنگاری کا خواب یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی اونچی چٹان پر اکیلا بیٹھ کر اپنی بانسری بجارہا ہو، اس کی بھری ہوئی رائفل پہلو میں رکھی ہو، اس کی نگاہیں ڈوبتے ہوئے سورج کی خوں رنگ شعاعوں پر مرکوز ہوں اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف سے گہرے اندھیرے کی چادر اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لے۔ فضا میں اس کی بانسری کے سُر گونج رہے ہوں یا پھر پالتو بھیڑوں کے ممیانے کی آوازیں۔ ان علاقوں میں بہت سے لوگ ہر رات کھلے آسمان کے نیچے سُر الاپتے الاپتے اسی طرح ننگی چٹانوں پر گہری نیند سوجاتے ہیں اور پھر اگلی صبح کے سورج کی کرنیں ہی انہیں بیدار ہونے پر مجبور کرتی ہیں۔"

"شاید تمہارے رومان میں بھی سورج، بانسری، رائفل، بھیڑوں اور چٹانوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے" ویرا نے اس کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ اس وقت تک ہم پانچوں قالین پر بیٹھ چکے تھے۔

اس کی آنکھوں میں بے نام سی اُداسی اُتر آئی "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یہاں رہنے والوں کے رومان کی انتہا یہی ہے کیونکہ غیر منکوحہ عورت یہاں شجر ممنوعہ ہے۔ پہاڑوں میں مقید زندگی گزارنے والے اسی خشک اور سنگلاخ رومان کے عادی ہیں لیکن باہر آنے جانے والوں کو یہ سب بہت بے کیف معلوم ہوتا ہے۔"

اس وقت میرا ذہن پائندہ گل کے ان تین مہمانوں میں اُلجھا ہوا تھا جو عبدالرحیم خان کی میت پر آئے تھے۔ قندوز خان کی زبان سے ان کا ذکر سنتے ہی میرا ذہن بدرو دادا کی طرف بھٹک گیا تھا۔

گالان کے حالات ڈرامائی طور پر بدل چکے تھے اور ہمیں وہاں سے آزادی ملنے کے آثار بھی پیدا ہو چلے تھے مگر پھر بھی مجھے خلش تھی کہ بدرو دادا نے میری حمایت میں کوئی پیش رفت نہیں کی تھی۔ اس کی طرف سے مکمل خاموشی سے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ عبدل اور ولی نے ہم سے مار کھانے کے بعد انتقام کے طور پر اپنے آقا کو ہمارے بارے میں آگاہ نہیں کیا تھا۔

ویرا نے قندوز خان کی کمزوری بھانپ لی تھی اور شہروں کی ملی جلی رونقوں کے حوالے سے اس کے محروم جذبوں سے بہت بے رحمی سے کھیل رہی تھی۔ میں خاموشی سے کسی وقفے کا منتظر رہا اور موقع ملتے ہی گفتگو میں اپنی ٹانگ اڑا بیٹھا۔ "چھوٹے خان کی تدفین میں باہر سے شرکت کرنے والوں میں بدرو بھی رہا ہوگا؟"

"وہی تو اپنے ٹرک میں لاش کو جیجغا سرائے تک لایا تھا" قندوز خان نے بلاتوقف جواب دیا "وہ ہمارے لیے بھی بہت اہم آدمی رہے گا۔ مگر تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

"وہ میرا بہت پُرانا دوست ہے۔ اسے علم ہوجاتا کہ پائندہ گل میرے پیچھے لگا ہوا ہے تو وہ درمیان میں پڑ کر مصالحت کی کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتا اور ہمیں یہاں تک کا سفر نہ کرنا پڑتا۔"

"پشاور سے اس کا پیغام آیا ہوا ہے" وہ چونک کر بولا "وہ پائندہ گل سے ملنا چاہتا تھا۔ ہم لوگ اپنے معاملوں میں مصروف تھے اس لیے جواب میں خاموشی اختیار کرلی۔ وہ کسی بھی وقت جیجغا سرائے پہنچ سکتا ہے۔ سردار صبغت اللہ کو حیرت ہے کہ وہ اتنی کم مدت میں دوبارہ یہاں کیوں آنا چاہ رہا ہے۔ اب بات سمجھ میں آئی کہ وہ تمہارے لیے سفارش لے کر آیا ہوگا۔ اسے کیا پتا کہ پائندہ گل بے چارہ اب مرحوم و مغفور ہوچکا ہے۔"

میری اور قندوز خان کی گفتگو کے دوران میں ویرا کو وقت مل گیا اور اس نے پھرتی کے ساتھ ایک بوتل کھول کر تین گلاس صاف کرلیے۔ اس نے دو گلاس تیار کرلیے لیکن تیسرے کو خالی رہنے دیا۔

"میری اس سے ملاقات نہ ہوسکے تو تم اسے میرا سلام پہنچادینا۔ تم سے معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ ہماری پوری کہانی سمجھ جائے گا۔ یہاں گھنٹیوں والا قصہ نہ چل پڑا ہوتا تو ہماری

ساری اُمیدیں اسی کی ذات سے وابستہ تھیں۔ مجھے راستے میں معلوم ہوا کہ ہمیں اغوا کر کے یہاں لانے کے لیے اسی کا ٹرک اور عملہ استعمال کیا گیا تھا۔ یہ بات کراچی میں ہی معلوم ہو جاتی تو بات وہیں نمٹ جاتی۔"

"فرزانہ خانم! تیسرا گلاس بھی بھر دو!" قندوز خان نے ویرا کے پس و پیش کو سمجھتے ہوئے کہا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ جو شنگاری اردو بول لیتے ہیں، ان کا باہر آنا جانا لگا رہتا ہے اور ان پہاڑوں سے باہر نکلنے والے شراب کے جادو سے کسی طرح نہیں بچ سکتے۔ تھوڑی دیر تک میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔"

ویرا، شنگاریوں میں اپنا ایک اور ہم ذوق دریافت کر کے خوش ہو گئی۔

میں نے چند ثانیوں تک دیوار گیر مشعلوں کا جائزہ لینے کے بعد ایک سوچا سمجھا سوال کر ڈالا "مجھے حیرت ہے کہ ہیروئن سے بے تحاشا پیسہ کمانے کے باوجود پائندہ گل نے یہاں بجلی جیسی بنیادی سہولت فراہم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بجلی آجانے کے بعد تمہیں نہ صرف ان مشعلوں سے نجات مل سکتی ہے بلکہ تمہاری بستیوں میں ٹیلی وژن جیسی تفریحی سہولتیں بھی میسر آسکتی ہیں۔"

"اپنے سوال کا جواب تم نے خود ہی دے ڈالا ہے" قندوز خان نے بھونڈے انداز میں، ایک ہی سانس میں آدھا گلاس خالی کرنے کے بعد کہا "بجلی بہت سی مصیبتوں کی جڑ ہے۔ پائندہ گل نے اس بارے میں سوچا تھا۔ اس کے کمرے میں ایک جنریٹر آج بھی پوشیدہ ہے۔ یہاں کے لوگ روشنی دینے والی شیشے کی گیندوں کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے تھے۔ پھر پائندہ گل نے اپنے جرگے کے ساتھ پوری چار راتوں تک بند کمرے میں ٹیلی وژن کے سارے پروگرام دیکھے اور فیصلہ کیا کہ یہاں بجلی تباہی پھیلا دے گی۔ لوگ کاہل اور کام چور ہو جائیں گے۔ یہاں جرائم ہونے لگیں گے اور عورتیں بالکل ہی بے لگام بلکہ آوارہ ہو جائیں گی۔ بنی سنوری عورتوں کو نامحرم مردوں سے عشق و محبت کرتے ہوئے دیکھ کر وہ بھی آنکھیں لڑانے لگیں گی اور کچھ پتا نہیں چل سکے گا کہ کس کی کوکھ میں کس کا گناہ پروان چڑھ رہا ہے۔ یہ بے اعتباری خون کے رشتوں کو نگل جائے گی اور شنگارا ویلی کا امن و سکون غارت ہو جائے گا۔ بجلی کی روشنی کے ساتھ آنے والی اس بربادی کے امکان نے ہر ایک کو دہشت زدہ کر دیا۔ وہ جنریٹر پائندہ گل کے کمرے میں چھپا ہوا ہے اور شنگارا ویلی کا واحد ٹیلی وژن اسی حویلی کے ایک تہ خانے میں بند ہے۔ پائندہ گل نے جشن میں آکر روشن قمقموں کا تماشا ضرور لگایا تھا لیکن ٹیلی وژن کی کسی کو کانوں کان بھی خبر نہیں ہو سکی۔"

"یہ بہت عجیب بات ہے۔ تم لوگوں کی سوچ اسی قدر سوقیانہ رہی تو شنگارا ویلی میں دس خونی انقلاب بھی کوئی بڑی تبدیلی نہیں لا سکیں گے" میں نے ملامت بھرے لہجے میں کہا "بجلی تو ترقی کی بنیاد ہوتی ہے۔"

"بڑی تبدیلیوں سے ہم خود ڈرتے ہیں۔" وہ کسی جھجک کے بغیر بولا۔ "ترقی اپنے ساتھ تباہی بھی لاتی ہے۔ اس کا سب سے کاری وار انسانوں اور انسانیت پر ہوتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ شنگارا ویلی میں ہم، تم لوگوں سے ڈیڑھ دو سو سال پیچھے جی رہے ہیں مگر ہم اس پُر مشقت زندگی سے خوش ہیں کیونکہ ہمیں اپنی رسمیں اور قدیم روایات اپنی جانوں سے بڑھ کر عزیز ہیں۔ اپنی عورتوں کی شرم و حیا اور عصمت و عفت کو ہم کسی قیمت پر قربان نہیں کر سکتے۔ جب تک ہم زندہ ہیں، ان ہی مشعلوں کی روشنی میں اپنی شامیں گزارتے رہیں گے۔"

اپنی بات ختم کرتے ہی اس نے دوسرے گھونٹ میں اپنا گلاس خالی کر ڈالا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے اس جذباتی گفتگو نے یک بیک ہی اس کی پیاس بہت زیادہ بڑھا دی ہو۔

"بُرا نہ مانو تو میں یہ کہوں گی کہ تم ندیدے پن سے شراب پی رہے ہو۔" ویرا دلکش مسکان کے ساتھ بولی۔

اس نے اپنی پیشانی کو دونوں ہتھیلیوں میں دبا کر زور سے ہلایا پھر بولا۔ "نازک مزاج لوگوں کے ساتھ ہمیں بھی تکلف کرنا پڑتا ہے۔ جب شنگاری مل کر پیتے ہیں تو رنگ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

"کیا شراب پینے کے ساتھ بوتلیں بھی چبا جاتے ہو؟" ویرا مسلسل اس کی آنکھوں میں جھانکے جا رہی تھی۔

"کوئی خدمت گار نہ ہو تو شاید ہم بوتلیں بھی چبا ڈالیں، فرزانہ خانم!" وہ ویرا کی بات کا بُرا مانے بغیر، اس کی طرف جھک کر بولا۔ "الگ الگ ہر شراب دھیمی ہوتی ہے۔ ان سب کو ملا لو تو بس کمال ہو جاتا ہے۔ ایک خدمات گار بڑی سی بالٹی میں بھانت بھانت کی شرابوں کی کئی کئی بوتلیں اُلٹ کر، انہیں چشمے کے ٹھنڈے پانی میں گھولتا رہتا ہے اور ڈونگے سے ہمارے خالی پیالے بھرتا رہتا ہے۔ ہم بالٹی، ڈونگوں اور پیالوں سے پینے والے لوگ ہیں۔ یہ گلاس تو ہمارے پیالوں کے چوتھائی سے بھی چھوٹے ہیں۔"

میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ مجھے ایک بہت پُرانا واقعہ یاد آ گیا تھا۔ وہ ہمارے بھلے دن تھے۔ ایک دوست کو شراب نوشی کی تحریک ہوئی تو اسے پینے کے آداب کا مطلق علم نہیں تھا۔ بیئر کی بوتل چُھپا کر بیت الخلا میں لے گیا۔ بوتل لوٹے میں خالی کی اور اسے پانی سے بھر دیا۔ ٹونٹی سے منہ لگا کر لوٹا خالی کر دینے پر بھی اسے سرور نہ آیا تو اس نے اندازہ لگا لیا کہ اس کے اعصاب بہت مضبوط تھے۔ کافی دنوں بعد اسے علم ہوا کہ بیئر میں الکحل کا تناسب ہر شراب سے بہت کم ہوتا ہے اور وہ خالص شکل میں پی جاتی ہے۔ پانی میں ملا کر نہیں۔ آداب مے نوشی سے واقف ہونے کے بعد موصوف اسکاچ کا دوسرا پیگ پیتے ہی جذبات زدہ ہو جایا کرتے تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں لوٹے سے بیئر پینے کا وہ پہلا قصہ سُنا تھا اور قندوز خان اپنے قبیلے میں بالٹی اور پیالوں کی داستان

سُنا رہا تھا۔

"بالٹی سے کاک ٹیل پینے کے بعد تم لوگوں کو کون سنبھالتا ہوگا؟" ویرا نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"ایسی محفلیں روز روز نہیں جمتیں۔ ہم لوگ جب بھی کہیں بیٹھتے ہیں تو خود سے اٹھنے کی باری نہیں آتی۔ ہر ایک ہی شراب پی کر اپنی جگہ پر ڈھیر ہوتا چلا جاتا ہے۔ آخر میں بچنے والی شراب خدمت گار کے حصے میں آتی ہے اور وہ بھی بالٹی اپنے معدے میں خالی کرکے وہیں اوندھا ہو جاتا ہے۔" وہ سرور کے عالم میں بتانے لگا۔ "جب تک شراب دل بھر کر نہ پی جائے مزہ آ ہی نہیں سکتا۔ تھوڑی بہت پینے کے بعد تو شنگاریوں کی کھوپڑیاں سُن ہو جاتی ہیں اور وہ پتھر کے بُت بن کر رہ جاتے ہیں۔ انہیں وقت پر مزید شراب مل جائے تو ان سے بہتر لطیفہ گو اور خوش مذاق لوگ روئے زمین پر کہیں نہیں مل سکتے۔ دوسری صورت میں وہ کاٹھ کے اُلو سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔"

"ایسے مواقع پر پائندہ گل کے تہ خانے والا ٹیلی وژن بھی دیکھا جاتا ہوگا؟" میں نے کریدا۔

"نہیں" اس نے سختی سے کہا۔ "پائندہ گل اپنے جرگے کے ساتھ ہر روز تہ خانے میں جاتا تھا اور بہت دیر سے واپس آتا تھا۔ اس وقت فضا میں جنریٹر کی آسیبی آواز بھی دور تک گونجتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ تہ خانے میں چُھپ کر ٹیلی وژن دیکھتے تھے کیونکہ ان کے لیے شراب اور کھانے کی ساری چیزیں نیچے ہی رکھ دی جاتی تھیں۔ پائندہ گل کے اندر اُترنے کے بعد کسی کو اس تہ خانے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ چھوٹے خان کی موت کے بعد سے اس نے اپنے پسندیدہ تہ خانے میں جانے کا سلسلہ ختم کیا ہوا تھا۔ کبھی کبھی میرا دل بہت مچلتا ہے لیکن گالان میں میں نے آج تک ٹیلی وژن کی صورت نہیں دیکھی۔ پشاور سے وی سی آر اور ایک پشتو فلم لاکر یہاں کے مردوں کو دکھادی جائے تو مجھے پورا یقین ہے کہ سارے شنگاری بدمست ہاتھیوں کی طرح بے قابو ہو جائیں گے۔ تمہاری پشتو فلموں میں بے حجاب عورتوں کے ناچ؟ الاماں! مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ سینماؤں میں تماشائی بے قابو ہو کر پردے سے کیوں نہیں لپٹ جاتے۔ میں کبھی کوئی پورا ناچ نہیں دیکھ سکا۔ پتا نہیں سرحد کی کس تحصیل میں یہ سب ہوتا ہوگا۔"

"تم اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔" ویرا نے دوبارہ اس کا گلاس لبریز کرتے ہوئے کہا۔ "اب صبغت اللہ یہاں کا سردار ہے۔ وہ پائندہ گل کی ہر چیز پر قابض ہے۔ تم روز ٹیلی وژن دیکھ سکو گے۔ چاہو تو تم کابل یا پشاور سے وی سی آر اور کچھ پشتو فلمیں بھی لاسکتے ہو۔ اب تمہیں ہر طرح کی آزادی حاصل ہو جائے گی۔"

"صبغت اللہ بہت سخت آدمی ہے۔ وہ نئی روشنی کا کٹر مخالف ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ وہ اب تک جنریٹر اور ٹیلی وژن کو توڑ پھوڑ کر برباد کر چکا ہوگا۔ وہ صاف کہتا ہے کہ پہلے لوگ گانا سُننے کے لیے رات کے اندھیرے میں چوروں کی طرح منہ چھپا کر گانے والیوں کے کوٹھے پر جاتے تھے۔ آج ٹیلی وژن نے ان کوٹھوں کو نئی دنیا کی ہر کوٹھی میں پہنچا دیا ہے۔ ماں، باپ، میاں، بیوی، بہن، بھائی کی کوئی شرم یا چوری باقی نہیں رہی۔ سب ایک ساتھ بیٹھ کر ان مراثیوں کو دیکھتے اور سنتے ہیں اور ان کی تعریفیں کرتے ہیں۔ اس میٹھے زہر نے انہیں اتنا بے حس اور بے غیرت بنا دیا ہے کہ اب انہوں نے برائی کو برائی نہیں بلکہ اچھائی سمجھنا شروع کر دیا ہے اور یہ قیامت قریب ہونے کی ایک نشانی ہے۔ ایسے سب لوگ کندۂ جہنم بنائے جائیں گے۔ صبغت اللہ دوسروں سے چھپ کر کوئی کام نہیں کرے گا۔" اس مرحلے پر وہ اچانک ہی میری طرف متوجہ ہوا تو اس کی آنکھیں کسی اندرونی جذبے کے تحت چمک رہی تھیں۔ اس نے قدرے نیچی آواز میں مجھ سے پوچھا "یہ بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکی کہ تمہاری اور سردار صبغت اللہ کی پرانی شناسائی کہاں سے نکل آئی۔ وہ نقاب لگا کر تم سے ملا تو بالکل اجنبی تھا لیکن آج تم دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو تمہارے درمیان رمزیہ گفتگو شروع ہوگئی۔ یہ بات رہ رہ کر میرے دماغ پر کچوکے لگا رہی ہے۔"

"تم اپنے سردار کے بارے میں متجسس ہو رہے ہو؟" میں نے ہلکے سے طنز سے کہا۔ "شاید تم یہ بات فراموش کر بیٹھے ہو کہ اس نے مجھے ماضی کو بھول جانے کی ہدایت کی تھی۔"

"نہیں، نہیں! میری کیا مجال کہ میں سردار صبغت اللہ کے بارے میں تجسس کرسکوں۔" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ پیٹنے لگا۔ ویرا نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑنے کے لیے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا مگر میں نے آنکھ کے اشارے سے اسے روک دیا اور خاموشی سے اس کا تماشا دیکھتا رہا۔

"نہیں، نہیں، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔" چند ثانیوں بعد وہ اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے، بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اپنے سردار کی باتوں کا کھوج لگاتا پھروں؟ تم بھول جاؤ کہ میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا۔"

"تم فکر مت کرو۔ یہ بات یہیں ختم ہوگئی۔" میں نے مربیانہ انداز میں اس کی پشت پر ہلکی سی تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "میرا فرض تھا کہ سردار صبغت اللہ کی ہدایت تمہیں یاد دلادوں۔ تم اس کے باوجود اصرار کرتے تو میں پوری کہانی تمہارے سامنے دُہرا دیتا۔ اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔"

قندوز خان نے متاسفانہ انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے، اپنا گلاس غٹاغٹ خالی کر دیا جس کے نتیجے میں اس کی دونوں آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیرنے لگی پھر وہ وہاں سے اُٹھ گیا۔

"کہاں چل دیے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔ "تھوڑی دیر تک ہمارا ساتھ نہیں دوگے؟"

"میرا دل مجھے ملامت کر رہا ہے کہ میں نے پہلے ہی دن اپنے سردار کی ہدایت بھلا دی۔" اس کی آواز دل گرفتہ ہو چلی تھی۔

"میں باہر جا کر دوسرے کام دیکھوں گا۔ اگر صندل خان اس قابل ہوا تو میں تمہاری دیکھ بھال کے لیے اسے یہاں بھیجے دیتا ہوں۔ تمہیں اُس سے ڈرنے یا شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"ہو سکے تو جانے سے پہلے اسی کمرے میں چوتھے بستر کا بندوبست بھی کراتے جاؤ تاکہ ہم سب یکجا رہ سکیں۔ رات بھر کی تھکان کے بعد اب ہم تھوڑی دیر سونا چاہیں گے۔" سلطان شاہ نے کہا اور وہ اثبات میں سہلاتا ہوا' ہمارے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

"اس وقت تم نے اس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ ڈال دیا۔" اس کے چلے جانے کے بعد غزالہ بولی۔ "ویسے مجھے بھی تمہاری اور صبغت اللہ کی گفتگو سن کر بہت حیرت ہوئی تھی۔ وہ کس ماضی کا ذکر کر رہا تھا؟"

"صبغت اللہ نے اپنے تایا زاد بھائی کو ایک جگہ نوکر رکھوایا تھا۔" میں نے مافیا کے ہیڈ کوارٹرز' ٹریڈ لائن کا نام لیے بغیر رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "میں نے اسے بس ایک دفعہ ہی دیکھا تھا لیکن آج دوبارہ دیکھتے ہی اسے پہچان لیا۔"

"ایک جگہ کیوں کہہ رہے ہو؟" ویرا جھنجلائی ہوئی آواز میں بولی۔ "کھل کر ٹریڈ لائن کا نام کیوں نہیں لیتے؟ اب تو یہ بات کھل ہی چکی ہے کہ تم نے اُن کے ساتھ مل کر انہیں مروایا تھا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کون سی جگہ تھی۔" میں نے ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "تمہاری تسلی کے لیے' ہم اس ادارے کو ٹریڈ لائن کہہ لیتے ہیں۔ صبغت اللہ کے کزن کو اپنے نامعلوم دشمنوں کا خوف تھا اور اسے کراچی میں کوئی ایسی کمین گاہ درکار تھی جہاں وہ لوگ نہ پہنچ سکیں۔ مافیا مشکوک ماضی رکھنے والے لوگوں کو ہمیشہ خوش آمدید کہتی رہی تھی' اس لیے اسے چوکیدار رکھ لیا گیا۔ وہ اپنی ڈیوٹی ختم کرنے کے بعد بھی وہیں رہتا تھا۔"

"یہ بہت معمولی سی بات تھی۔ اس کے لیے صبغت اللہ کو رازداری کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟" اس بار ویرا نے سوال کیا تھا۔ "تمہاری نگاہوں میں اپنے لیے شناسائی کی جھلک دیکھتے ہی صبغت اللہ نے غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ شاید اسے امید نہیں تھی کہ تم اسے پہچان لوگے۔"

"ماضی کے حوالے سے میرے اور اس کے درمیان وہی ایک مشترکہ معاملہ تھا۔ صبغت اللہ کے ذہن میں کوئی دوسری بات رہی ہو تو میں اس سے ناواقف ہوں۔" میں نے نئے پیکٹ سے ایک سگریٹ منتخب کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ادھر پیچھے کیا ہے؟" غزالہ اس کمرے کے عقبی دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بقیہ لوگوں نے بھی اس کا ساتھ دیا کیونکہ ہر ایک ہی اپنی نئی قیام گاہ کا تفصیلی جائزہ لینے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کام کے لیے وہ وقت بہت موزوں تھا۔

اُس کمرے کا پچھلا دروازہ ایک چھپر سے ڈھکے ہوئے برآمدے میں کھلتا تھا۔ اس سے آگے کھلا صحن تھا جو پتھروں کی دیوار سے گھرا ہوا تھا۔ اُس برآمدے میں' اِس سمت کی تینوں خوابگاہوں کے دروازے کھلتے تھے۔ آگے جا کر وہ برآمدہ صحن کے اس حصے میں ختم ہو جاتا تھا جہاں غسل خانے وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ وہ بندوبست بہت اچھا تھا۔ کمروں میں رہنے والے لوگ وسطی ہال میں داخل ہوئے بغیر' عقبی دروازوں سے کہیں بھی آ جا سکتے تھے۔ ہم لوگ واپسی میں وسطی ہال سے گزر کر اپنے کمرے میں پہنچے تو دو تنومند شکاری وہاں چوتھا بستر جما رہے تھے۔

ان لوگوں کے فارغ ہونے تک ہم چاروں ڈرائی فروٹ کھاتے رہے۔ مجھے اور ویرا کو واڈکا کے ساتھ لذیذ بادام اور نمکین پستے بہت لطف دے رہے تھے۔ کیونکہ ہمارے معدوں نے فریاد کرنی شروع کر دی تھی۔

قندوز خان ہمیں نہ بھی بتاتا تو یہ بہت سامنے کی بات تھی کہ پورے گالان کے ساتھ' اس حویلی میں بھی رات بھر کشیدگی کی فضا طاری رہی تھی اور سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی خوں ریزی کی ابتدا ہو گئی تھی۔ گھنٹوں طویل لڑائی کا اختتام اس وقت ہوا جب پائندہ گل موت کے گھاٹ اتار دیا گیا لیکن جنگ ختم ہونے کے ساتھ ہی مُردوں کی تدفین اور زخمی ہونے والوں کی دیکھ بھال کا مسئلہ چل پڑا تھا۔ لڑنے والوں کا تعلق ایک ہی قبیلے سے تھا اور شاید ان میں آپس کی رشتے داریاں بھی تھیں۔ اس لیے جیتنے والوں کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ان لاشوں اور زخمیوں کو بھول بھال کر اپنی فتح یابی کا جشن منانا شروع کر دیں۔ جب تک وہ دونوں طرف کے مُردوں کو ٹھکانے نہ لگا لیتے' کھانے پینے کی باقاعدہ تیاریوں کا امکان ہی نہیں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ آدھی رات سے پہلے کھانا ملنے کے کوئی آثار نہیں تھے۔ بہتر یہی تھا کہ ہم لوگ اس دوران میں اپنی نیند پوری کر لیتے۔ ویرا تیسرا گلاس خالی کر کے' عقبی دروازے کی طرف چلی تو ہم تینوں نے الگ الگ بستر سنبھال لیے جو بہت نرم اور آرام دہ تھے۔

ویرا خاصی دیر بعد آئی تو بالکل تازہ دم تھی۔ اس کی زبانی پتا چلا کہ غسل خانوں میں تازہ پانی سے بھرے ہوئے ڈرم موجود تھے اور غسل خانوں کی تعداد بھی خوابگاہوں کے برابر تھی۔ وہ خوش خبری ایسی تھی کہ ہم تینوں ہی بستر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

اِس بار ہمیں واقعی مہمان سمجھا جا رہا تھا کیونکہ پچھلے برآمدے میں چوکھٹ کے ساتھ چپلوں کے چار جوڑے بھی رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک جوڑا گیلا تھا جو شاید ویرا نے استعمال کیا تھا۔

میل اور مٹی میں اٹے ہوئے پیروں میں چپلیں ڈالنے کے بعد

ہمیں بہت خوشی ہوئی کیونکہ اب ہم گالان کی کرکراہٹ سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ ہم تینوں باجماعت اس سمت میں چل پڑے جدھر غسل خانے وغیرہ واقع تھے۔

○☆○

گہری نیند سے میری آنکھ کھلی تو کمرے کی فضا میں حیوانی چربی جلنے کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے کسل مندی کے عالم میں دیوار گیر مشعل کی طرف سر گھمایا تو دیرا اپنے تخت پر ایک شناری کے ساتھ براجمان نظر آئی اور فوراً ہی میرے ذہن پر چھایا ہوا خمار کافور ہوگیا۔

اس شناری کی پشت میری طرف تھی اس لیے میں اسے نہیں پہچان سکا لیکن ہاڑ اور لباس سے وہ واضح طور پر کوئی شناری ہی نظر آرہا تھا۔

"کس سے باتیں ہو رہی ہیں؟" میں نے تخت سے اٹھ کر اونچی آواز میں سوال کیا تو وہ دونوں ہی چونک کر میری طرف متوجہ ہوگئے۔ اس وقت میں نے اسے فوراً پہچان لیا۔ وہ صندل خان تھا۔

اس کا چہرہ زخمی تھا۔ بائیں کلائی پر بھی پٹی بندھی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اس نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "مجھے تم لوگوں کی خدمت اور دیکھ بھال پر مامور کیا گیا ہے۔"

"اور تم ہمیں ایک بار پھر الٹا لٹکا دو گے!" میں نے اپنے بستر سے اترتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

"رات گئی بات گئی۔ اب اسے بھول جاؤ۔ میں پوری طرح سردار صبغت اللہ کا وفادار ہوں۔ پورے گالان نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے اور تم اس کے خاص مہمان قرار دیے جاچکے ہو۔" اس نے کہا۔

"میں مذاق کر رہا تھا۔" میں نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے زخموں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "ہمیں تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے زخم کیسے ہیں؟ کلائی کی ہڈی تو سلامت ہے نا؟"

"دو چار دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم لوگوں کے زخم حیرتناک سرعت کے ساتھ بھرتے ہیں۔ یہ اچھا کیا کہ تم لوگوں نے نیند بھرلی۔ میں تو کل رات سے پلکیں بھی نہیں جھپکا سکا ہوں۔"

"شاید دن ڈھلے کافی دیر ہو چکی ہے۔" میں نے عقبی کھڑکی سے باہر پھیلی ہوئی تاریکی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "اس وقت باہر کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں کے کیا حال چال ہیں؟"

"سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ ہم لوگوں میں سب سے بڑی خوبی یا خرابی یہ ہے کہ ہم جس بات کو درست سمجھتے ہیں، اس کے حق میں پوری قوت سے لڑتے ہیں اور اگر ہار جاتے ہیں تو پوری خندہ پیشانی سے اپنی شکست تسلیم کرکے، خود کو فاتح حریف کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ستاسی شناریوں کی تدفین کے بعد چولہے جلالیے گئے ہیں، تنور روشن ہونے والے ہیں۔ اب جلد ہی سب کی شکم پری کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔"

"جیتنے والے جشن بھی منائیں گے؟" میں نے رازدارانہ سرگوشی میں سوال کیا۔

لمحہ بھر کے لیے اس نے گہری نظروں سے مجھے گھورا پھر بولا۔ "نہیں، آپس کی لڑائیوں میں مرنے اور مارنے، جیتنے اور ہارنے والے ایک دوسرے سے اتنے قریب ہوتے ہیں کہ فتح بھی سوگوار ہو کر رہ جاتی ہے۔ ستاسی لاشوں میں یہ شناخت کرنا مشکل ہے کہ کون کس کے ساتھ تھا۔ ستاسی شناریوں کے خون کا نذرانہ دے کر بادرانی اقتدار میں آگئے ہیں۔ اللہ اُن کا اقتدار مستحکم کرے اور ہماری زمین کو جلد ہی ایسی کسی اور خوں ریزی کا سامنا نہ کرنا پڑے!"

ستاسی انسانوں کی موت کے ذکر پر میرا دل بھاری ہوگیا۔ وہ جنگ جس پیمانے پر لڑی گئی تھی، اس کے لحاظ سے وہ بہت بھاری جانی نقصان تھا۔ جنگ کے بعد شناریوں کے ردِعمل کے بارے میں وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، اس سے قندوز خان کی باتوں کی تائید ہوتی تھی مگر وہ باتیں میری سمجھ سے بالاتر تھیں۔ ابھی کسی کے خون کا پیاسا ہونا اور اگلے ہی لمحے میں اس کا مطیع و فرماں بردار بن جانا انسانی فطرت کے خلاف تھا۔ انسان کا رویہ مشینی کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک بٹن دبا کر انسان کو کسی سے نفرت پر ابھارا جائے اور دوسرا بٹن دبا کر اسے، اسی فرد یا شے سے محبت کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا کہ شناریوں نے اپنی لڑاکا نسل معدوم ہو جانے کے خوف سے وہ معاشرتی سمجھوتا کرلیا تھا اور زبان سے بھی اسی کا اظہار و اقرار کرتے رہتے تھے ورنہ ان کے دلوں کا حال اندر ہی اندر پکنے والے آتش فشانوں سے مختلف نہیں ہو سکتا تھا۔

"تمہاری سوچ بہت اچھی اور دعا بہت معصومانہ ہے۔ تم لوگوں کے بارے میں میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن شہروں میں لوگ بہت کینہ پرور ہوتے ہیں۔ ایک بار کسی خرابی کی بنیاد پڑ جائے تو برسوں جھگڑے چلتے رہتے ہیں۔ لوگ دلوں میں کدورت چھپائے، اپنے حریفوں کی گھات میں لگے رہتے ہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"ہم لوگ بھی عام انسانوں سے مختلف نہیں ہیں۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی تلخی در آئی۔ "عبدالرحیم خان مارا گیا تو پائندہ گل آخری سانس تک اس کے انتقام کو نہیں بھول سکا تھا لیکن بعض معاملات میں بہتیرے سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں، اپنی انا اور خود پرستی کو خاک میں ملانا پڑتا ہے۔ یہ جنگ بھی ایسے ہی معاملات میں شامل تھی۔ چالیس برس پہلے، ہمارے بڑوں نے شناراولی کو ہمیشہ آباد رکھنے کے لیے جو فیصلے کیے تھے، ہم آج بھی اُن پر عمل

کرتے ہیں۔ شاید تمہیں یہ معلوم نہ ہو کہ سورج ڈھلنے تک اگر کسی ایک فریق کا بڑا نہ مارا جاتا تو یہ لڑائی برابری پر تھم جاتی۔ ہماری آپس کی جنگیں ایک سورج کی روشنی میں لڑی جاتی ہیں۔ سورج غروب ہوتے ہی فائرنگ بند ہو جاتی ہے اور جرگہ بیٹھ جاتا ہے۔ لڑائی اگلے دن جاری نہیں رہتی بلکہ دونوں فریق حکمرانی میں حصے دار بن جاتے ہیں۔"

جو مثال میں نہیں دینی چاہ رہا تھا' وہ اس نے خود دہرا دی تھی۔ اس کی وہ گفتگو دلچسپ ہونے کے ساتھ ہی اس کے دلی جذبات کی بھرپور غمازی کر رہی تھی۔ میں نے بات آگے بڑھانے کے لیے حیرت سے کہا۔ "ایک دن کی لڑائی کا تصور بہت عجیب ہے۔ کیا یہ بھی تمہارے بزرگوں کا فیصلہ تھا؟"

"ہاں!" اس نے پُر خیال انداز میں فضا میں کسی نقطے کو گھورتے ہوئے کہا۔ "چالیس برس پہلے اس وادی پر پیرکوٹ والے حکمراں تھے۔ مرحوم پائندہ گل کے باپ نے پیرکوٹیوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے تو گیارہ روز تک پوری شنگاراویلی خون اور بارودی شعلوں میں نہاتی رہی۔ ساڑھے تین سو جوان مارے گئے تو دونوں طرف کے بڑے بلبلا اٹھے۔ انہیں صاف نظر آرہا تھا کہ شنگاری آپس ہی میں ٹکرا کر فنا ہو جائیں گے۔ انہوں نے عورتوں کی سفید چادریں لہرالہرا کے دونوں حریفوں کو خوں ریزی سے روکنا چاہا لیکن سب کے سروں پر خون سوار تھا۔ گیارہویں شام سردار شہباز پیرکوٹی مارا گیا تو ہماری تاریخ کی وہ بدترین جنگ بند ہوئی۔ اس لڑائی نے پوری وادی کو لہولہان اور نڈھال کر دیا تھا۔ اس بربادی کے بعد سارے قبیلوں کے بزرگ نئے سردار' خستہ گل کے پاس آئے' جرگہ بھی بیٹھ گیا اور تین دن بعد وہ فیصلے کیے گئے جو آج بھی یہاں رائج ہیں۔ وہ تباہی اس قدر بھیانک تھی کہ خستہ گل کی موت پر یہاں کسی شورش نے سر نہیں اٹھایا اور اس کا بڑا بیٹا' پائندہ گل یہاں کا سردار بن گیا۔ چالیس برس بعد' آج سرداری کے لیے پہلی لڑائی ہوئی ہے اور خوشی کی بات ہے کہ شنگاریوں کو اپنے بزرگوں کے کیے ہوئے فیصلے یاد ہیں۔ ہماری یہ عہد پرستی اپنا رنگ ضرور دکھائے گی اور سردار صبغت اللہ انصاف سے سرداری کرے گا۔"

"بادرانیوں کے بعد میں تمہاری زبان سے پیرکوٹیوں کا ذکر سن رہا ہوں۔ اس وادی میں کتنے قبیلے آباد ہیں؟"

"شنگاراویلی میں چھوٹے اور بڑے بائیس قبیلے آباد ہیں لیکن سب مل جل کر رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی رسوم و روایات کا پورا پورا احترام کرتے ہیں۔" اس نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد جواب دیا۔

"اور گالان میں کون سا قبیلہ رہتا ہے؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"گالان اس وادی کا پایہ تخت ہے۔ یہاں شنگاراویلی کا سردار اور اس کا خاندان وغیرہ رہتا ہے۔ آج کی جنگ ہارنے کے بعد مرحوم پائندہ گل کے خاندان اور قبیلے والے یہاں سے اپنی اس پرانی بستی کی طرف کوچ کر جائیں گے جہاں سے وہ چالیس برس پہلے آئے تھے اور گالان کی بستی کو بادران والے آباد کریں گے۔"

"تو تم بھی ان ہی کے ساتھ چلے جاؤ گے؟" میں نے چبھتا ہوا سا سوال کیا۔

"نہیں' میں پرانے سردار کا لشکری تھا' جب تک نیا سردار مجھے فارغ نہ کرے' میں گالان سے نہیں جا سکتا۔" اس کی آواز پر خیال اور ذومعنی ہو گئی اور وہ آہستگی سے بولا۔ "کاش! سردار صبغت اللہ مجھے فارغ ہی کر دے۔"

"کیوں؟ کیا تم نئے سردار سے خوش نہیں ہو؟" میں نے اس کے قریب سرک کے سرگوشی میں پوچھا۔

"یہ خوشی اور ناخوشی کی بات نہیں ہے۔ مجھے میرے بڑوں کے فیصلے نے باندھا ہوا ہے لیکن میں ایک عام انسان ہوں۔ میں نے ساری عمر مرحوم پائندہ گل کی خدمت اور اطاعت کی' اس کا نمک کھاتا رہا۔ وہ میرا محسن اور مربی تھا۔ میں جب تک یہاں رہوں گا گالان کا ہر سنگ ریزہ مجھے اس کی یاد دلاتا اور خون کے آنسو رلاتا رہے گا۔ میرے لیے یہاں سے چلا جانا ہی میرے حق میں بہتر ہوگا۔" وہ نیچی آواز میں بولتے بولتے یک بیک بہت زیادہ جذباتی ہو گیا اور رقت سے اس کی آواز رندھنے لگی۔ اس کی کیفیت دیکھ کر میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"خود پر قابو رکھو' صندل خان!" میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "روزنوں میں سے کسی نے تمہیں مرحوم کے لیے روتے دیکھ لیا تو تمہارے ساتھ ہم بھی صبغت اللہ کے عتاب میں آجائیں گے۔"

اس نے جلدی سے اپنے دامن سے اپنی آنکھوں میں آئی ہوئی نمی خشک کر لی اور دل گرفتہ آواز میں بولا۔ "ڈرو نہیں' یہاں ٹھہرائے جانے والوں کی نگرانی نہیں ہوتی۔ دیکھ یا سن لیے جانے کا شبہ بھی ہوتا تو میں ہرگز اپنے دل کی بات زبان پر نہ لاتا لیکن اب ڈر رہا ہوں کہ کہیں تم صبغت اللہ یا قندوز خان سے میری مخبری نہ کر دو۔"

"تم بالکل فکر نہ کرو۔ یہ بات آگے نہیں جائے گی۔ ہم بھی اِن حالات سے بہت پریشان ہیں۔" اُس کے دل میں نئے سردار کے خلاف بغض و عناد کے جذبات پرورش پا رہے تھے اس لیے میں نے اسے اپنے ہاتھ میں رکھنا ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔ مجھے خوشی تھی کہ میری چھیڑ چھاڑ نے اسے پھٹ پڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"میں تم پر کیسے اعتماد کر لوں؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ "تم نے کھانے کے بعد بڑی قابِ شاباش صبغت اللہ بادرانی ہی کو کوئی پیغام پہنچانے کے لیے اوندھی کی تھی۔"

"اب تو سارا کھیل تمہارے سامنے آگیا ہے۔ گھنٹیوں والے نہ جانے کب سے پائندہ گل کے خلاف تیاریاں کر رہے تھے۔ اس اندرونی بغاوت میں ہمارا کیا کردار ہو سکتا تھا؟ ہم بادرانیوں کے کس کام آسکتے تھے؟"

"کچھ نہ کچھ ضرور تھا۔" وہ بے اعتباری سے بولا۔ "ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ مردے دفنانے سے پہلے تم کو ویران باڑے سے نکال کر اس مہمان خانے میں پہنچا دیتے؟ میں تمہیں ایک بات اور بتادوں کہ سردار پائندہ گل گوشہ نشین نہ ہوتا تو آج کی لڑائی کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ وہ آخر میں اپنے کمرے سے نکلا تھا اور صبغت اللہ نے اس پر اپنا پورا میگزین خالی کر کے جنگ جیت لی۔ وہ صبغت اللہ کو اپنے مقابل دیکھ کر بھونچکا رہ گیا تھا۔"

"ہم پر یہ مہربانی قندوز خان نے کی ہے۔" ویرا اچانک ہی بولنے لگی اور میں سمجھ گیا کہ اسے صندل خان کے ذہن کی دھند صاف کرنے کے لیے کوئی مضبوط نکتہ سوجھ گیا ہے۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "اس نے الٹی قاب پر تمہاری برہمی اور ہماری درگت بھی دیکھی تھی۔ اسے قلق تھا کہ ہم لوگ اپنی ایک اتفاقی حماقت کی وجہ سے بادرانیوں کے حامی سمجھ لیے گئے ہیں۔ پچھلی رات کو جب گھنٹیوں کا شور تیز ہوا تو سارے محافظ ویران باڑے سے چلے گئے تھے اور ہم دونوں عورتوں نے اپنے ساتھیوں کے پیر کھول کر انہیں اس عقوبت سے نجات دلادی تھی۔ پھر ہم نے چند ہتھیار تلاش کرلیے اور وہیں اندھیرے میں دبک کر اپنے انجام کا انتظار کرنے لگے۔ باڑے پر ایک راکٹ گرا تو ہمیں راہ داری میں گھسنا پڑا۔ ہمیں کچھ پتا نہیں تھا کہ حویلی میں کیا ہو رہا ہے۔ کچھ لوگ رائفلیں تانے ہماری طرف آئے تو ہم نے اپنی جانوں کے خوف سے اُن پر فائر کھول دیا۔ ہم کو مطلق علم نہیں تھا کہ وہ کس کے حامی تھے۔ بعد میں قندوز خان نے بتایا کہ ہمارے ہاتھوں مرنے اور زخمی ہونے والے پائندہ گل کے حامی تھے جو باڑے میں گھس کر باہر فرار ہونا چاہ رہے تھے۔ اللہ ہمیں معاف کرے، ہم سے وہ سب بے خبری میں ہوا لیکن قندوز خان اس بات سے بہت خوش ہوا کہ ہم نے صبغت اللہ کی حمایت میں ہتھیار اٹھائے تھے۔ ان دو باتوں کی وجہ سے ہم اس مہمان خانے میں نظر آرہے ہیں۔" اس دوران میں غزالہ، پھر سلطان شاہ بھی بیدار ہو چکا تھا۔

صندل خان اس کا ایک ایک لفظ بہت غور سے سن رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر اداسی سے بولا۔ "میں تم کو اسی لیے پسند کرتا ہوں کہ تم بہت معصوم اور بھولی بھالی ہو۔ سادگی سے ہر بات سچ سچ بتادیتی ہو۔ تم نہ بتاتیں تو دو چار دن میں مجھے پتا چل جاتا کہ وہ راستہ کس نے روکا ہوا تھا۔ شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ حویلی کا سب سے اہم مورچا تم ہی نے سنبھالا ہوا تھا۔ اس باڑے کے ایک خفیہ تہ خانے میں آگ لگانے والے بموں کی پیٹیاں چھپی ہوئی تھیں۔ وہ بم ہمارے ہاتھ آجاتے تو بادرانیوں کے جسموں میں آگ لگ جاتی اور وہ بری طرح پسپا ہو جاتے لیکن افسوس کہ تم نے اپنی حفاظت کے خوف سے کسی کو اُدھر نہیں جانے دیا اور ہم ہار گئے۔"

"تم بھول رہے ہو تمہاری ہار باہر نہیں ہوئی۔" میں نے کہا۔ "اندر پائندہ گل کے مارے جانے کے بعد تم نے ہتھیار ڈالے ہیں۔ صبغت اللہ اسی گھات میں تھا۔ اس واقعے کو کسی بھی طرح نہیں ٹالا جا سکتا تھا۔"

"یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔" اس کی مایوسی اور گہری ہو گئی۔ "سردار پائندہ گل اپنے کمرے میں محصور تھا۔ وہ باہر اپنے لشکریوں کے پیر اکھڑنے کی خبر سننے کے بعد، ان کو حوصلہ دینے کے لیے باہر آیا تھا اور مارا گیا۔ اگر وہ بم ہمارے ہاتھ لگ گئے ہوتے تو باہر ہمارا پلہ بھاری رہتا اور سردار پائندہ گل کو باہر آنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ پٹتے ہوئے بادرانیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے صبغت اللہ کو سامنے آنا پڑتا اور ہمارے حامی، باغیوں میں اس کی حیثیت پہچانتے ہی اسے مار گراتے۔ اس جنگ کا نقشہ تم لوگوں نے اپنی بے وقوفی سے پلٹا ہے۔ خیر، جو ہو گیا، سو ہو گیا۔ اب اسے لوٹانا ناممکن ہے۔ کاش! صبغت اللہ تمہارے اس احسان کا بدلہ دے سکے۔"

اس کے انکشاف سے میری کھوپڑی سن ہو کر رہ گئی۔ شاید ان لوگوں کے ذہن میں جنگی اسکیم کا خاکہ پہلے سے تیار تھا اور قندوز خان نے صبغت اللہ سے ملنے والی ہدایات کے عین مطابق، الٹی قاب دیکھتے ہی صندل خان کو فوری کارروائی سے روک کر ہمیں متروک باڑے میں لے جانے کا مشورہ دیا اور صندل خان نے سردار پائندہ گل کی تائید حاصل کرتے ہی ہمیں اس ویران احاطے میں بھجوا دیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ سردار پائندہ گل اور اس کے وفاداروں پر وہ رات بھاری گزرنے والی ہے۔ پھر جب گھنٹیوں کا شور تیز ہوا تو ہماری نگرانی پر مامور شکاری حویلی میں بلوا لیے گئے۔ اس سنہرے موقعے سے فائدہ اٹھا کر قندوز خان نے ہتھیاروں کا وزنی تھیلا ہمارے حوالے کر کے، وہ محاذ ہمیں سونپ دیا۔ شاید حویلی کے اندر ان کے پاس قابل اعتماد نفری کی کمی تھی جب کہ ہم بڑی قاب کو الٹ کر، انہیں اپنی پوری حمایت کا یقین دلا چکے تھے۔ صبغت اللہ نے بہت چالاکی کے ساتھ ہمیں سردار پائندہ گل کے خلاف استعمال کر ڈالا تھا۔ اگر صندل خان ہم سے نہ کھلتا تو ہمارے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو پاتا کہ ہم نے گھنٹیوں والوں کے لیے کیسا عظیم کارنامہ انجام دیا تھا۔

"صبغت اللہ کے تیور اچھے نہیں ہیں۔" میں نے اس سے چند گھنٹے پہلے ہونے والی ملاقات کو یاد کرتے ہوئے، رازدارانہ سرگوشی میں کہا۔ "اگر اس نے فوری طور پر ہمیں یہاں سے روانہ ہونے کی اجازت نہیں دی تو ہم کچھ اور سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ہم غیر معینہ مدت تک اس مہمان خانے میں قید نہیں رہ سکتے۔"

"یہ بڑی سفاک سرزمین ہے۔ یہاں تم کچھ نہیں کر سکو گے۔ اگر تم شہر میں میرے اخراجات اٹھانے کی ذمّے داری قبول کر دو تو پھر سوچنے کا کام مجھ پر چھوڑ دو۔ یہ لوگ تمہیں، تمہاری مرضی کے خلاف یہاں نہیں روک سکیں گے۔"

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ پتھر میں جونک لگ رہی تھی میرے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ پہاڑوں سے گھری ہوئی اس بے رحم وادی میں کوئی شنگاری ہمارا دوست اور ہمدرد بن جائے گا۔

"اخراجات ہی نہیں، ہم تمہیں مالا مال کر دیں گے۔" میں نے دبے جوش کے ساتھ کہا۔

"پھر یہ بات طے ہے۔" اس نے اپنا داہنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔ صندل خان کی سخت، کھردری اور چوڑی ہتھیلی میں میرے ہاتھ کی ہڈیاں چیخ اٹھیں۔ میری انگلیوں کا دباؤ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا۔

"ایک بات بتاؤ!" اس سے مفاہمت ہو جانے کے بعد اچانک ہی غزالہ اسے مخاطب کر بیٹھی اور وہ پوری طرح غزالہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ قدرے توقف کے بعد بولی۔ "میں نے سنا ہے کہ شنگارا کے بزرگ اس علاقے میں بجلی کی فراہمی کے کٹر مخالف ہیں۔ پھر یہاں ہیروئن کیسے بنتی ہوگی؟ اس کی تیاری کے لیے کچھ برقی آلات تو ناگزیر ہوتے ہیں۔"

"پہلے اس کام کے لیے کم آواز والے جاپانی جنریٹر استعمال کیے جاتے تھے۔ جن غاروں میں ہیروئن بنائی جاتی تھی وہاں عام لوگوں کا داخلہ یا گزر منع تھا۔" وہ بتانے لگا۔ "اب بگڑتے ہوئے حالات کی وجہ سے ہیروئن سازی کا کام ایسے بند فوجی ٹرکوں میں منتقل کر دیا گیا ہے جو زخمیوں کو لے جانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ فولادی کیبن والے دو روسی ٹرکوں کے انجن جنریٹر بھی چلاتے ہیں۔ ان ٹرکوں پر مٹیالا رنگ پھیر کر، انہیں شنگارا ویلی کی حدود سے باہر، پہاڑوں میں چھپا دیا گیا ہے۔ ان کی حفاظت کے لیے چار جیپوں میں مسلح محافظ رہتے ہیں اور دس محافظ انجنوں کے لیے نیچے سے ڈیزل لاتے ہیں۔ کھیپ تیار ہوتے ہی گالان پہنچا دی جاتی تھی اور پھر سردار پائندہ گل اسے آگے بڑھا دیتا تھا۔"

"یعنی وہ لوگ مستقل طور پر وادی سے باہر پہاڑوں میں رہتے ہیں؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، خطرات بڑھ جانے کی وجہ سے ایسا بندوبست ضروری ہو گیا تھا۔" وہ بولا۔

"خطرات؟" سلطان شاہ نے حیرت سے دہرایا۔ "ان آزاد علاقوں میں کیسے خطرات ہو سکتے ہیں؟"

"پہلے ہیروئن سازوں کے لیے ہماری حوصلہ افزائی کی گئی تھی۔" اس نے تلخی سے کہا۔ "باہر سے آنے والے ماہروں نے ہمارے لڑکوں کو افیم سے ہیروئن بنانے کے طریقے سکھائے مگر اب یہ نشہ ان کے ملکوں میں مقبول ہو گیا ہے تو وہ چاہتے ہیں کہ ہم اس

نفع بخش کام کو ختم کر دیں لیکن وہ بھول گئے ہیں کہ وقت کا پہیہ الٹا نہیں چلایا جا سکتا۔ انہیں معلوم ہے کہ شنگارا ویلی میں افیم کاشت ہوتی ہے اور اس سے ہیروئن بنتی ہے۔ ان کے جہاز ہماری لیبارٹریوں کا پتا چلانے کے لیے وادی پر نیچی پروازیں کرتے ہیں۔ سنا ہے کہ انہوں نے پاکستان میں افیم اور ہیروئن پر قابو پانے کے لیے جبری کام بھی کروائے ہیں۔ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ جہازوں سے اپنی مسلح چھاتہ فوج ان پہاڑوں میں نہ اتار دیں۔ اس خوف سے ہم نے ہیروئن بنانے کا کام وادی سے باہر منتقل کر دیا ہے۔"

وہ قندوز خان کی سنائی ہوئی ادھوری کہانی کا بقیہ حصہ تھا۔ وہ لوگ بیرونی دنیا سے بالکل کٹ کر اپنے حال میں مست رہنے کے لیے کوشاں تھے لیکن پھر بھی وہ بیرونی دباؤ سے آزاد نہیں تھے۔ انہیں غیر ملکیوں کی طاقت اور حربی برتری نے خوف میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ صندل خان جن خدشات کا اظہار کر رہا تھا وہ بے بنیاد نہیں تھے۔ جو لوگ ہیروئن کے خلاف عالمی مہم کی سربراہی کر رہے تھے، ان کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔ وہ کسی خوف کے بغیر، شنگارا ویلی میں بڑے پیمانے کی فوجی کارروائی کر سکتے تھے مگر اطمینان کی بات یہ تھی کہ اس وقت تک وہ لوگ عملاً افغانستان یا اس کے قرب و جوار میں موجود نہیں تھے جب کہ شنگارا ویلی پر دھاوا بولنے کے لیے انہیں آس پاس کے علاقے میں کسی اڈے یا ٹھکانے کی شدید ضرورت تھی۔ اس کے بغیر وہ اس پہاڑی وادی کے لیے کوئی حقیقی خطرہ پیدا نہیں کر سکتے تھے۔

سلطان شاہ شاید ان امکانات سے بے خبر تھا اس لیے وہ صندل خان سے پوچھ رہا تھا۔ "اگر وہ لوگ ایسی مخالفت پر کمربستہ ہیں تو وہ تمہارے ایمبولنس ٹرکوں کا بھی سراغ لگا لیں گے۔"

"انہیں نشانہ بنانا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ اجنبیوں کے لیے ان پہاڑوں میں قدم قدم پر موت اپنا جال پھیلائے بیٹھی رہتی ہے۔ نئے لوگوں کو یہاں پھونک پھونک کر پیش قدمی کرنی پڑے گی جب کہ ہماری وہ گاڑیاں بہت تیزی کے ساتھ اپنی جگہ بدل سکتی ہیں۔ وہ اس راستے سے بہت دور اور الگ تھلگ ہیں، جو چیغا سرائے سے یہاں تک کے سفر میں تم نے دیکھا ہوگا۔ ان پر کوئی کڑا وقت آ بھی گیا تو محافظوں کے پاس، دشمن کو مار بھگانے کے لیے اسٹنگر میزائل ہیں جو کندھے پر رکھنے والے لانچروں سے فائر کیے جاتے ہیں۔"

اس کے دل و دماغ پر ویرانے ایسا سحر طاری کیا ہوا تھا کہ وہ ویرا کو راست گو، معصوم اور بھولی بھالی قرار دے چکا تھا۔ ویرانے اس پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے، اس کے ساتھ الٹی سیدھی باتیں کرنی شروع کر دیں۔ کراچی سے اپنے اغوا کے بعد، اس وقت مجھے پہلی بار اطمینان ہوا تھا کہ ہماری حکمت عملی کامیاب ثابت ہوئی تھی اور ہم بیک وقت نئے سردار اور اس کے ایک باغی کا اعتماد جیتنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

میں نے سوچا کہ میں، صندل خان سے صبغت اللہ کے

تایازاد بھائی، ارسلا خان کا ذکر چھیڑوں۔ مجھے یقین تھا کہ اس نام
سے بھی کوئی نہ کوئی عجیب کہانی وابستہ رہی ہوگی ورنہ صبغت اللہ
اسے کراچی میں کوئی معمولی نوکری دلانے کے لیے مانیا۔ سے رجوع نہ
کرتا لیکن میں نے اپنے اس خیال کو خود ہی مسترد کردیا۔

اس وقت تک ہم نے صندل خان کو یہ کامیاب تاثر دیا تھا کہ
صبغت اللہ اور اس کے حواریوں سے ہماری کوئی ملی بھگت نہیں
تھی بلکہ ہم نادانستگی میں اس کے آلہ کار بن گئے تھے جس کے نتیجے
میں اس نے ہمیں بعض فوری مراعات سے نوازا تھا۔ اگر اس
موقعے پر میں ارسلا خان کا پرانا ذکر چھیڑتا تو صندل خان یہ سوچنے پر
مجبور ہوجاتا کہ مہینوں پہلے شکارا ویلی سے کوچ کرجانے والے
ارسلا خان سے میرا کیا تعلق تھا۔ وہ صبغت اللہ کا قریبی رشتے دار
تھا اس لیے صندل خان کو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ میری اور صبغت
اللہ کی کوئی پرانی شناسائی ہے جسے میں اس سے چھپا رہا ہوں۔ یہ
ایک بات اسے ہم چاروں سے بدظن کردینے کے لیے بہت کافی
ہوتی اور ہم اس اجنبی ماحول میں ایک مضبوط متبادل سہارے سے
محروم ہوجاتے۔

ویرا اپنے اس سفر کی یادوں کو دہرا رہی تھی جو اس نے چیغا
سرائے سے وہاں تک پہنچنے کے لیے طے کیا تھا۔ وہ بہت زیادہ
خوابناک انداز میں شکارا ویلی کے قدرتی حسن اور مناظر کی تعریف
کررہی تھی۔ اسے وہ تمام سزائیں سنسنی خیز اور ہیجان انگیز معلوم
ہورہی تھیں جو پائندہ گل نے اپنی سرکش رعایا کے لیے نافذ کی ہوئی
تھیں۔ وارثوں والی میت پر بین اور نوحہ کرنے والی ماتم گسار
عورتوں کو گنجا کرکے چالیس روز تک برہنہ چھاتیوں کے ساتھ دربدر
ذلیل و خوار کرنا، ہیروئن پینے والوں کو سینے تک سنگلاخ زمین میں
دفن کرکے بھوکے ریچھوں سے نچوانا اور بدنگاہ مردوں کی آنکھوں کو
کالی چیلوں سے نکلوانا اسے اچھوتا اور تحیّرخیز معلوم ہورہا تھا اور
صندل خان اپنے محبوب و مرحوم سردار کی وہ توصیف سن کر ویرا پر
نظروں ہی نظروں میں قربان ہوا جارہا تھا۔

سلطان شاہ کے بشرے سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ اسے ان
دونوں کا باہمی رویہ بری طرح کھل رہا تھا۔ جوں ہی ویرا نے اپنی
بات ختم کی، وہ براہ راست صندل خان سے مخاطب ہوگیا۔ "یہ کن
خاص چیلوں کا ذکر ہورہا ہے؟ میرا تو خیال ہے کہ ساری ہی چیلیں
کالی ہوتی ہیں۔ میں نے اپنی پوری عمر میں کبھی کوئی سفید چیل نہیں
دیکھی۔ ہاں ابابیلوں کی بات ذرا مختلف ہے۔"

"تمہارا مشاہدہ یا پھر نظریں کمزور ہیں۔" صندل خان سے پہلے
ویرا بول پڑی۔ "عام چیلیں کالی نہیں، سرمئی ہوتی ہیں اور اس میں
بھی گہرے کتھئی رنگ کی آمیزش ہوتی ہے۔ وہ دور سے سیاہ نظر
آنے کے باوجود گہرے کالے رنگ کی نہیں ہوتیں۔ کالی چیل تو چیز
ہی کچھ اور ہوگی۔"

"تم اپنی قابلیت مت جھاڑو۔ میں نے سوال صندل خان سے
کیا تھا۔" سلطان شاہ چڑ کر بولا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" صندل خان نے ویرا کی تائید کی۔
"اتنی وضاحت تو شاید میں بھی نہیں کرسکتا تھا۔" پھر وہ ویرا سے
مخاطب ہوگیا۔ "تمہیں چیلوں کے بارے میں اتنی معلومات کیسے
حاصل ہیں؟"

"یہ کون سی خاص معلومات ہیں؟" سلطان شاہ نے پھر اپنی
ٹانگ اڑادی۔ "جس کے پاس کرنے کے لیے کوئی کام نہ ہو، وہ
دوچار گھنٹے چیلوں کو دیکھتا رہے۔ ان کے بارے میں اس سے زیادہ
جان جائے گا۔"

"تم فرزانہ کے ساتھ زیادتی کررہے ہو۔" صندل خان نے
احتجاج کیا اور مستفسرانہ نگاہوں سے ویرا کی طرف دیکھنے لگا۔

"جب میں یورپ میں تھی تو مجھے چیلیں پالنے کا خبط ہوگیا
تھا۔" ویرا نے سلطان شاہ کو سلگانے کے لیے معصومانہ سنجیدگی سے
کہا۔ "اسی زمانے میں، میں نے ان کے بارے میں بہت کچھ سیکھا
تھا۔"

"مرحوم سردار کو یہ جان کر بہت خوشی ہوتی۔" صندل خان
نے حسرت سے کہا۔ "دراصل کالی چیلیں اسی نے پالی ہوئی تھیں۔
وہ صرف مینڈک یا پھر ہمارے لیے ذبح ہونے والے جانوروں کی
آنکھیں کھاتی تھیں۔ میں نے بس ایک بار ہی وہ بھیانک منظر دیکھا
تھا۔ ایک کالی چیل کو پنجرے سے نکال کر بند کمرے میں چھوڑا گیا
پھر مجرم کو اندر دھکیل دیا گیا۔ چیل فوراً ہی اپنے پنجے نکال کر اس
کے چہرے پر حملہ آور ہوئی اور اس کے ہاتھوں کو زخمی کرکے اپنے
دونوں پنجوں سے اس کی آنکھیں نکال لے گئی۔ وہ بدنصیب آج بھی
گالان میں چٹائیاں بنتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اسے اندھا
کرنے کے بعد چیل نے دوبارہ اس کے بدن کے کسی حصے پر حملہ
نہیں کیا اور ایک کونے میں بیٹھ کر اس کی دونوں آنکھیں کھاتی
رہی۔ مرحوم سردار عبرتناک سزائیں دینے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا
تھا۔"

شاید وہ گفتگو اور نوک جھونک مزید آگے بڑھتی لیکن اسی وقت
فضا کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبو سے مہک اٹھی۔ بھنے ہوئے گوشت
کی بو ہر خوشبو پر غالب تھی۔ ہم سب ہی بے چین ہوگئے۔

میرا خیال تھا کہ ہمارا کھانا اسی خواب گاہ میں پہنچایا جائے گا
لیکن چند ساعتوں کے بعد ایک شکاری نے اندر کی سمت والے
دروازے سے نمودار ہوکر کچھ کہا اور صندل خان نے فوراً ہی اپنی
جگہ چھوڑ دی۔ "آؤ! باہر والے کمرے میں کھانا تمہارا انتظار کررہا
ہے۔"

ہماری طرح صندل بھی صبح سے بھوکا تھا۔ اس نے ہمارے
ساتھ کھانے میں شریک ہونے سے گریز کرنا چاہا لیکن وہ ویرا کے
اصرار کو نہیں ٹال سکا۔ دو شکاری ضرورت کی کوئی بھی چیز فراہم
کرنے کے لیے مستعد کھڑے ہوئے تھے۔

"پچھلے چوبیس گھنٹوں میں یہ پہلا کھانا ہے جو میسر آیا ہے۔" میں نے صندل خان سے کہا۔ "یہ دونوں بھی جنگ سے تھکے ہوئے اور بھوکے ہوں گے۔ انہیں بھی ساتھ بٹھالو۔ کھانا بہت زیادہ ہے۔"

"اپنا پیٹ بھرو اور ان فضول باتوں کو چھوڑو۔" صندل خان نے قدرے تیزی سے کہا۔ "یہاں کچھ بچ گیا تو یہ بعد میں کھالیں گے ورنہ انہیں لنگر سے کھانا ملے گا۔ یہ مہمانوں کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے۔"

میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کھانے سے انصاف کرنے میں مصروف ہو چکا تھا۔

"آرام سے پیٹ بھرلو اور یہ بھی سن لو کہ کھانے کے بعد تمہیں نئے سردار کے پاس جانا ہے۔" تھوڑی دیر بعد صندل خان نے وہ انکشاف کر کے مجھے چونکا دیا۔ "وہ صرف تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"یہ خبر تمہیں کب اور کیسے ملی؟" میں نے بے تکلفی سے پوچھا کیونکہ دونوں شگاری خدمت گار اردو سے بے بہرہ نظر آرہے تھے۔

"کھانے کی اطلاع دینے والے نے بتایا تھا لیکن میں نے شروع میں یہ ذکر کر کے تمہاری بھوک خراب کرنے سے گریز کیا تھا۔" وہ تندوری نان کے ساتھ نمکین گوشت کا ایک بڑا سا پارچہ نگلنے کے بعد بولا۔

اس کے بعد کھانے کے دوران میں خاموشی رہی۔ سب پورے انہماک سے کھانے میں مصروف رہے۔ اچھی طرح شکم سیر ہونے کے بعد میں نے سگریٹ سلگائی تو ویرا نے بھی میرا ساتھ دیا۔ میرے لیے صبغت اللہ کی وہ طلبی غیر متوقع نہیں تھی۔ جب اس سے میری ملاقات ہوئی تو اس نے میری آنکھوں میں شناسائی کی جھلکیاں دیکھ کر مختصر طور پر بات ختم کر دی تھی۔ شگاریوں کی بھیڑ میں وہ مجھ سے زیادہ باتیں کر بھی نہیں سکتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اسی معاملے پر کچھ گفتگو کرے گا اور پھر ہماری واپسی کا معاملہ طے پاجائے گا۔

خدمت گار برتن وغیرہ سمیٹ کر لے گئے تو میں صندل خان کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میری واپسی تک کوئی مسئلہ کھڑا نہ کر دینا۔" میں نے خشمگیں نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج تم فرزانہ سے کچھ زیادہ ہی الجھ رہے ہو۔"

"یہاں گڑبڑ کا امکان ہو تو فرزانہ کو بھی اپنے ساتھ لے چلتے ہیں۔" میری پریشانی سے آگاہ ہوتے ہی صندل خان نے اپنی تجویز پیش کر دی۔ "تمہیں سردار صبغت اللہ کے پاس تنہا جانا ہوگا۔ جب تک تم وہاں سے فارغ ہو گے، اتنی دیر میں میں فرزانہ کو حویلی اور کالی چیلوں والے پنجرے کی سیر کرادوں گا۔"

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔" سلطان شاہ فوراً ہی خشک لہجے میں بول پڑا۔ "ہمارے درمیان اتنے زیادہ اختلافات نہیں ہیں کہ ہم تھوڑی دیر بھی سکون سے نہ رہ سکیں۔" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "تم بے فکر ہو کر صندل بھائی کے ساتھ جاؤ۔ چاہو تو واپسی میں فرزانہ کے بدلے حویلی کی سیر بھی کرتے آنا۔"

ویرا وہاں رہ کر صندل خان کو اپنے قابو میں کرنے کے ساتھ ساتھ، سلطان شاہ کو جلانے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔ اس لیے صندل خان کے ساتھ اس کا رویہ فیاضانہ تھا۔ ورنہ وہ خود بھی اس شگاری سے ایک مخصوص فاصلہ برقرار رکھنا چاہتی تھی۔ اس نے بھی سلطان شاہ کی رائے کی تائید کی اور میں صندل خان کے ساتھ نئے سردار سے پہلی تفصیلی ملاقات کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس بار میں ننگے پاؤں نہیں تھا۔

راستے میں ہر جگہ مشعلوں کی زرد اور لرزتی ہوئی روشنی نے ایک پراسرار سماں باندھا ہوا تھا۔ وہ لوگ سورج غروب ہوتے ہی رات کا کھانا کھانے اور جلد سو جانے کے عادی تھے لیکن اس وقت آدھی رات گزر جانے کے باوجود حویلی میں، ڈھیلے ڈھالے لباسوں والے شگاری اپنے شانوں سے ہتھیار لٹکائے، آسیبی سایوں کی طرح گھومتے پھر رہے تھے۔ ان لوگوں نے حویلی کے ہر حصے سے خون اور لڑائی کے دیگر آثار کو اتنی صفائی سے مٹادیا تھا کہ یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ چند گھنٹوں قبل وہ حویلی جنگ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ راستہ طے کرتے ہوئے میری بے چین نگاہیں قندوز خان کو تلاش کرتی رہیں لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ مجھے اس کی طویل غیر حاضری سے قدرے تشویش ہونے لگی تھی۔ پہلے وہ مسلسل ہمارے ساتھ چپکا رہا تھا لیکن صندل خان کو بھیجنے کے بعد وہ ایک دم غائب ہو گیا تھا۔ شاید اسے صندل خان کے لیے ہماری ہمدردیاں پسند نہیں آئی تھیں۔

"تمہیں اب ہر وقت گھنٹیوں کی آوازیں نہیں ڈرائیں گی۔" راستے میں صندل خان نے کہا۔ "پہلے تم نے بار بار آسیب اور بدروحوں کا ذکر کر کے مجھے بھی اعصاب زدہ کر دیا تھا اور میں تم پ جھپٹ کر تمہیں خاموش کرانے پر مجبور ہو گیا تھا۔"

"وہ صورت حال ہی ایسی تھی۔ گھنٹیاں خود بخود بجتی تھیں اور معدوم ہو جاتی تھیں۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ سب کیوں ہو ہے۔" بات کرتے کرتے، اچانک مجھے بدروحوں کے بارے میں ا کا نظریہ یاد آگیا اور میں نے پوچھا۔ "تم کہہ رہے تھے کہ بدروحیں تمہارے مُردوں کے پیٹ میں گھس کر لوگوں کو پریشان کرتی ہیں اس لیے تم مرنے والوں کے پیٹ چاک کر کے، ان کی سار آلائشیں مغربی ڈھلانوں پر پھینک دیتے ہو جہاں گدھ وہ سب کھا جاتے ہیں۔ بدروحوں کا مُردوں کے پیٹ میں بھری ہوئی آلائشوں سے کیا تعلق ہے؟"

"بدروحیں ہمیشہ بھوک اور پیاس سے بلبلاتی پھرتی ہیں۔ اچ

اس چکر میں وہ زندہ انسانوں کو نہیں ستاتیں۔ مُردہ انسانوں کے پیٹ کی آلائش ان کی مرغوب غذا ہوتی ہے۔ جوں ہی کوئی مرتا ہے' وہ اس کے پیٹ میں گھسنے کی کوشش شروع کر دیتی ہیں۔ لاش پر دوسرا پہر گزر جائے تو انہیں پناہ گاہ مل جاتی ہے اور وہ اپنا پیٹ بھرنے کے بعد دہشت زدہ کرنے والی حرکتیں شروع کر دیتی ہیں۔ اسی لیے ہم مُردوں کا پیٹ فوراً صاف کر دیتے ہیں۔" اس نے وضاحت کے ساتھ اپنا نظریہ پیش کیا جو حیران کن ہونے کے باوجود نیا نہیں تھا۔ اس سے ملتے جلتے نظریات افریقہ کے بہت سے قبائل میں بھی عام تھے۔ خاص بات یہ تھی کہ علم اور تہذیب سے دور' اپنے خول میں بند رہ کر زندگی گزارنے والے ہی اس قسم کے جاہلانہ توہمات کا شکار پائے جاتے تھے۔

"اس کا مطلب ہے کہ اس وقت گالان میں ستاسی بد روحیں اپنے پنجے گاڑ چکی ہیں؟" میں نے کہا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟" وہ بوکھلا کر بولا۔ اس کی آنکھوں سے یک بیک خوف اور وحشت کا اظہار ہونے لگا تھا۔ "کیا تم پر دوبارہ اسی قسم کا دورہ پڑ رہا ہے؟"

"یہ دورہ نہیں ہے۔ میں ان ستاسی شکاریوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو آج کی لڑائی میں مارے گئے ہیں اور انہیں دفنایا جا چکا ہے۔ ان کے پیٹ تو صاف نہیں کیے گئے ہوں گے؟"

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟ مُردوں کو غسل دینے سے پہلے پیٹ خالی کر دیے گئے تھے۔ ہر شکاری اس عمل کی اہمیت سے پوری طرح واقف ہے۔ جان بوجھ کر کوئی بھی مصائب کو دعوت دینا پسند نہیں کرتا۔"

میرے اندازے کے حساب سے ان لوگوں نے پیٹ وغیرہ صاف کر کے' اتنی بڑی تعداد میں مُردے دفن کرنے میں غیر معمولی مہارت اور پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جنگی معاشرے سے تعلق رکھنے کی بنا پر شاید وہ ایسے غیر معمولی کام تیزی سے سرانجام دینے کے عادی ہو گئے تھے۔

صندل خان نے بتایا کہ صبغت اللہ کی حمایت میں لڑنے کے لیے گردونواح کے کئی قبائل سے مسلح لوگوں کی بھاری نفری نے گالان پر لشکر کشی کی تھی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد' ان میں سے بہت سے لوگ حویلی میں ٹھہرے ہوئے تھے' جن کی وجہ سے راستوں اور راہداریوں میں زیادہ چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ بقیہ لوگ حویلی کے سامنے والے میدان میں ہی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔

آخر کار ہم اندر ہی اندر چلتے ہوئے' قالینوں سے آراستہ اس دربار ہال میں پہنچ گئے جس کے ایک سرے پر منقش چوبی دروازہ موجود تھا۔ میں نے پائندہ گل سے اسی دروازے کے پیچھے ملاقات کی تھی۔

اس وقت دربار ہال لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ شاید وہاں کھانے کا دور ختم ہو چکا تھا مگر فضا میں اشتہا انگیز خوشبوئیں چکراتی پھر رہی تھیں۔ ساتھ ہی ہال کی فضا سگریٹوں کے دھوئیں سے بھری ہوئی تھی کیونکہ بیشتر شکاری لیٹ یا بیٹھ کر خوش گپیاں کرنے کے ساتھ ساتھ سگریٹ نوشی بھی کر رہے تھے۔

وہ سب ہی صندل خان کے جانے پہچانے لوگ تھے۔ وہ کسی سے ہنستا بولتا اور کسی کو اشارے کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ بند دروازے کے قریب پہنچ کر' اس نے وہاں موجود مسلح شکاری سے کچھ کہا۔ وہ فوراً ہی دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ واپسی پر اس نے جو کچھ کہا' وہ سن لینے کے بعد صندل خان مجھے لے کر دیوار کے ساتھ' ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ اندر نیا سردار کچھ لوگوں کے ساتھ ملاقات میں مصروف تھا اور ہمیں باہر رک کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنا تھا۔ مجھے وقت کی ستم ظریفی کا اندازہ ہوا کہ پچھلی رات تک صندل خان' سردار پائندہ گل کے خاص الخاص لوگوں میں شامل تھا۔ اسے سردار کے کمرے میں داخل ہونے کے لیے کسی کی اجازت یا انتظار کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ جب چاہتا' دروازہ کھول کر بے دھڑک اندر جا سکتا تھا لیکن گالان میں برپا ہونے والے خونی انقلاب نے اس قلیل سی مدت میں اسے اس بلند مقام سے ایسی جگہ لا پھینکا تھا جہاں وہ ایک عام شکاری کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

وہاں بیٹھے ہوئے میری نظر ان دو آدمیوں پر پڑی جو بڑی بڑی بالٹیوں میں سے کوئی مشروب طالب گاروں کو بانٹتے پھر رہے تھے۔ میرے استفسار پر صندل خان نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا کہ اس بڑے اجتماع میں شراب پینے والوں کو ان بالٹیوں کے ذریعے شراب تقسیم کی جا رہی تھی۔

"تم چاہو تو وقت گزاری کے لیے ایک آدھ گلاس بھروالو۔" اس نے ایک طرف رکھے ہوئے خالی گلاسوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "پتا نہیں سردار صبغت اللہ کتنی دیر میں فارغ ہو۔"

"اس وقت موڈ نہیں ہے۔" میں نے مسکرا کر اس کی پیشکش کو ٹال دیا۔

کچھ دیر بعد سردار کے کمرے کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ڈھیلے ڈھالے اور لمبے لباسوں والے لوگوں کی بھیڑ ایک قطار کی صورت میں باہر آنے لگی۔ باہر آ کر وہ لوگ اپنے اپنے شناساؤں کے ساتھ بیٹھتے جا رہے تھے۔ وہ سلسلہ ختم ہونے کے بعد محافظ نے ہماری طرف اشارہ کیا اور ہم نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

میں دروازے کی طرف بڑھا تو صندل خان بھی میرے ساتھ تھا مگر محافظ نے اسے روک کر نرمی سے کچھ کہا تو صندل خان کے چہرے پر خجالت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے مجھ سے کہا۔ "سردار نے تمہیں تنہا طلب کیا ہے۔ میں یہیں رک کر تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا۔"

"انتظار کی ضرورت نہیں' تم جا کر آرام کرو۔ میں خود واپس

لوٹ جاؤں گا۔"

"تم چاہو تو میں یہاں رکا رہ سکتا ہوں۔" اس نے اپنے شانے اچکا کر بے بسی سے کہا۔ "مجھے تمہاری دیکھ بھال پر مامور کیا گیا ہے۔ حویلی بہت وسیع اور پر پیچ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ واپسی پر تم بھٹک جاؤ۔"

"نہیں، تم جاکر آرام کرو!" میں نے سختی سے کہا۔ "میں بھٹک کر کہاں جاؤں گا؟ ویسے بھی یہ مردانہ حویلی ہے۔ یہاں کسی عورت کی پرچھائیں تک نظر نہیں آئی ہے۔ میرے بھٹکنے سے کسی کی بے پردگی نہیں ہوگی۔"

مسلح محافظ میرے اندر جانے کے انتظار میں دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ دیر ہونے پر اُس نے میرے شانے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالا اور میں صندل خان پر الوداعی نظریں ڈالتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔

اندر مشعلوں کا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ شیشے کی عقبی دیوار پر پردے کھنچے ہوئے تھے اور صبغت اللہ دبیز قالین پر گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی اور اس کی عقابی نگاہیں میری طرف جمی ہوئی تھیں۔

"آؤ! میں تمہاری کارکردگی سے بہت خوش ہوں۔ قندوز خان نے مجھے بتایا ہے کہ تم چاروں نے کسی کو ویران باڑے کی طرف نہیں آنے دیا تھا۔ وہاں موجود بموں کا ذخیرہ اب ہمارے قبضے میں ہے۔"

"ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ہمیں بموں کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے۔" میں نے ہلکے سے شکایتی لہجے میں کہا۔ "ہم سے ذرا سی بھی لغزش ہوجاتی تو نہ جانے کیا ہوتا۔ غنیمت ہے کہ ہماری عزّت رہ گئی۔"

"جنگ میں ہر ایک کو ہر بات کا علم ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ اہم بات یہ ہے کہ تم نے اپنے ذمے لگایا ہوا کام بہت اچھے طریقے سے سرانجام دیا۔ تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے....؟ کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھ جاؤ!"

"فی الحال کوئی تکلیف نہیں ہے۔" میں نے بیٹھنے کے بعد کہا۔ "لیکن کل ہماری واپسی کا بندوبست ہوجائے تو بہت اچھا ہوگا۔ ہمیں گھر سے نکلے ہوئے کئی دن ہوچکے ہیں....."

"نہیں۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تمہیں میری خاطر چند روز یہاں رہنا ہوگا۔ میں تمہاری ضرورت کی ہر چیز تم کو مہیا کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے بعد تمہیں پوری عزت کے ساتھ رخصت کردیا جائے گا۔"

"لیکن یہاں کے حالات تمہارے قابو میں آچکے ہیں۔ ہم بے مقصد یہاں رہ کر کیا کریں گے؟"

"ابھی ایک دو اہم کام باقی ہیں جن کے لیے تمہاری ضرورت ہوگی۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

"اہم کام؟" میں چونک پڑا۔ "اس وادی میں میرے لیے کیا اہم کام ہوسکتا ہے؟"

"اُن کی اہمیت میرے لیے ہے.... یہ بتاؤ کہ میری ہدایت سے پہلے تم نے کسی سے ارسلا خان کے بارے میں بات تو نہیں کی تھی؟" اس کا لہجہ دھیما اور تجسس آمیز تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ وہ مجھ سے مکمل تخلیئے میں بات کررہا تھا۔ حد یہ تھی کہ اس گفتگو میں قندوز خان تک کو شریک نہیں کیا گیا تھا۔

"نہیں، اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ تم کراچی میں مجھ سے کسی اور نام سے ملے تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ارسلا خان شنگارا ویلی کا رہنے والا ہے۔ آج میں نے تمہیں دیکھ کر پہچانا تو میرے ذہن میں ارسلا خان کی تصویر ابھر آئی۔ پھر میں نے تمہاری ہدایت پر ماضی کو یکسر بھلادیا اس لیے قندوز خان سے بھی پرانی باتوں کا ذکر نہیں کیا۔"

"تم بہت سمجھ دار آدمی ہو، مجھے تم سے یہی امید تھی" اتنا کہہ کر اس نے پہلو تبدیل کیا اور گمبھیر لہجے میں بولنے لگا "مجھے تمہاری اور جنت گل کی کہانی کا بخوبی علم ہے۔ کل رات، جب میں نقاب لگا کر تم سے ملا تھا، تم نے مجھے بتایا تھا کہ جنت گل نے گناہ کے لیے تم پر جبر کیا تھا۔ مجبور آدمی کا کوئی گناہ نہیں گنا جاتا۔ جب وہ گنا نہیں جاتا تو اسے بھلایا بھی جاسکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم جرگے کے سامنے ایسے کسی واقعے سے انکار کردو جس سے جنت گل پر حرف آتا ہو۔"

اس کی خواہش نے مجھے حد سے زیادہ حیران کردیا، میں نے کہا "تم کل رات بھی اس پر بہت برہم تھے۔ تم نے کہا تھا کہ جنت گل نے ایک یرغمالی کی آغوش میں گر کر ہر شنگاری کے منہ پر تھوکا ہے اور تم سرداری کا جھگڑا نمٹانے کے بعد اسے خود اس سنگین جرم کی سزا دوگے۔"

"مجھے میری کہی ہوئی باتیں یاد دلانے کی کوشش مت کرو" وہ خشک لہجے میں بولا "میں نے تو یہ بھی کہا تھا کہ ہم لوگ کیچڑ میں پتھر نہیں پھینکتے کیونکہ اپنے اوپر بھی چھینٹیں آنے کا ڈر ہوتا ہے لیکن میں اپنے پرانے زخم کیسے بھلا سکتا ہوں؟ یہ وادی اور یہاں کی سخت روایات اپنی جگہ ہیں مگر میں اپنی انا کو کہاں لے جاؤں؟ تمہارے لیے یہ سب باتیں بے کار ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم میری تجویز کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

بات یک بیک بہت گمبھیر ہوگئی تھی۔ میں نے سنبھل کر کہا "میرے خیال میں بہتر تو یہ ہوتا کہ اس معاملے کو نہ اٹھایا جاتا۔ میں تمہارے کہنے پر جھوٹ بول بھی دوں تو کیا فرق پڑے گا؟ جنت گل اپنی کہانی پھیلاتی رہے گی۔"

"تم اپنے انکار پر ڈٹ جاؤ تو اسے میں سنبھال لوں گا۔ اُس کی بکواس کو یہ کہہ کر حقارت سے مسترد کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے ناجائز باپ کے قبیلے کو رُسوا کرنے کے لیے جھوٹ بول رہی ہے

میں تمہیں اسی لیے یہاں روکنا چاہتا ہوں کہ اسے پکڑ کر یہاں لایا جائے۔ تم جنت گل' اس کی گونگی ماں اور لنگڑے ضیغم کے سامنے اپنا بیان دوگے اور ہر ایک تمہارے بیان پر یقین کرلے گا" اس کے ذہن میں ایک باقاعدہ منصوبہ پرورش پا رہا تھا۔
مجھے خیال آیا کہ صبغت اللہ کی نیت خراب ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے حریف کو مار کر اس کی مسند اقتدار پر قبضہ جمالیا تھا اور اب اس کی خوش جمال' خوش ادا' سبک اندام اور سیم تن لڑکی پر اپنی ہوسناک نگاہیں گاڑے بیٹھا تھا۔ میرے بیان کے ذریعے اسے زبردستی پاک دامن قرار دے کر شاید وہ اس پر بھی قابض ہونا چاہتا تھا ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ جس لڑکی کو وہ پچھلی رات تک واجب القتل قرار دیتا رہا تھا' اقتدار کا نشہ چڑھتے ہی اس کا سازشی ذہن اس لڑکی کو آبرومند قرار دلوانے کی ترکیبیں سوچنے میں مصروف ہوگیا تھا۔
"اس کا مطلب ہے کہ جب تک وہ تینوں گالان نہیں لائے جاتے' ہمیں یہیں رہنا ہوگا؟" میں نے اپنی ذہنی کیفیت کو چھپاتے ہوئے پرتشویش لہجے میں سوال کیا۔
"ضیغم اور گونگی کو کسی بھی وقت کابل سے اٹھا کر یہاں لایا جاسکتا ہے۔ اصل مسئلہ جنت گل کا ہے۔ وہ تشنگاریوں سے چھپتی پھر رہی ہے لیکن وہ زیادہ دنوں تک نہیں بچ سکے گی۔ جب اسے پائندہ گل کی موت کی خبر ملے گی تو وہ سامنے آنے کی حماقت کرگزرے گی اور اس کی تاک میں لگے ہوئے' میرے آدمی اس پر ہاتھ ڈال دیں گے" وہ خود ہی اپنے منصوبے کے خدوخال واضح کرتا جارہا تھا۔ اس نے اضطراری طور پر میرے قریب سرک کر کہا "یہ سب کام چند روز میں ہوجائے گا۔ بیخفا سرائے میں گاڑی تیار رہے گی۔ جنت گل کے ہاتھ آتے ہی' وقت ضائع کیے بغیر وہ تینوں یہاں پہنچادیے جائیں گے۔ اس دوران میں تمہیں یہاں ہر طرح کا آرام حاصل رہے گا۔"
"برا نہ مانو تو میں ایک بات جاننی چاہتا ہوں" میں جھجکتے ہوئے کہا۔
"اگر تمہارا سوال تہذیب اور رواداری کی حد میں ہوا تو میں اس کا جواب ضرور دوں گا۔"
"جنت گل کو اس کے ایک پاپ سے بری الذمہ قرار دے کر تم کیا حاصل کرنا چاہتے ہو؟" وہ سوال کرتے ہوئے' میرے ذہن میں ارسلا خان کا نام بچھو کے ڈنک کی طرح چبھ رہا تھا۔ اس وقت تک میری اور صبغت اللہ کی جو بھی باتیں ہوئی تھیں' ان میں ارسلا خان کا کوئی کردار سامنے نہیں آسکا تھا۔
"اس کی رگوں میں ایک تشنگاری کا خون دوڑ رہا ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "میں اسے ہر قیمت پر اس وادی میں واپس لانا چاہتا ہوں۔ اسے بے لگام نہیں چھوڑا جاسکتا۔"
"اپنی ہرزہ سرائیوں کی بنا پر وہ اقبالی مجرمہ بن چکی ہے۔ تم اتنے بکھیڑے میں پڑنے کے بجائے اسے یہاں لاکر پر غمالی کے ساتھ بدکاری کے جرم میں سزائے موت دے سکتے ہو" میں نے اس کے گرد گھیرا تنگ کردیا۔
"میں اسے زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟" وہ میری طرف جھک کر تیز لہجے میں بولا "وہ مرگئی تو چند برسوں بعد لوگ سب کچھ بھول جائیں گے مگر میں اپنی آگ میں جلتا رہوں گا۔ اس کی موت میرے درد کا درماں نہیں ہے۔ وہ زندہ رہے اور زندگی بھر کسی بادرانی کے بچے جنتی رہے' تو مجھے سکون مل سکے گا۔ میں نے تم کو اپنے دل کی بات بتادی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب تم سب کچھ سمجھ گئے ہوگے۔"
"یعنی... یعنی تم اسے اپنی بیوی بنانا چاہتے ہو؟" میں نے اس کا چہرہ تکتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔
"نہیں!" وہ دہاڑا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا "میں اسے اتنی عزت نہیں دے سکتا۔ میں یہاں کا سردار ہوں۔ بادران کی کوئی پاک باز لڑکی ہی میری بیوی بن سکے گی۔ پائندہ گل نے میرے تایا زاد پر گھناؤنا اور جھوٹا الزام لگا کر میرے سینے میں برچھی اتاری تھی۔ میں وہ تڑپ آج تک محسوس کررہا ہوں۔ اس الزام تراشی کے بعد ہی میرے دل میں پائندہ گل کے خلاف نفرت اور بغاوت کا بیج پھوٹا تھا۔ اس وقت وہ سردار تھا اور میں اس کا لشکری۔ میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ میں نے اس کے ظلم پر چپ سادھ لی اور دل و جان سے اس کے احکام کی تعمیل میں لگ گیا مگر ساتھ ساتھ میں نے وادی میں اپنے ہم خیالوں کو گھنٹی والوں کے روپ میں اکٹھا کرنا شروع کردیا اور تم نے دیکھ لیا کہ آج پائندہ گل ایک غیرت مند بادرانی کے ہاتھوں' منوں مٹی کے نیچے جاسویا ہے لیکن اس کی موت بھی میرا دل ٹھنڈا نہیں کرسکی ہے۔ اس کی کوئی جائز اولاد زندہ نہیں ہے۔ ایک جنت گل ضرور موجود ہے۔ اسے کسی وحشی بادرانی کو سونپ کر ہی مجھے سکون مل سکے گا۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب جنت گل کا دامن بے داغ ثابت ہو۔ داغ دار عورت کو تو کسی تشنگاری کے غلام بھی قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔"
اس کی باتیں وحشیانہ اور لرزہ خیز تھیں۔ میں ان اشاروں کنایوں سے کافی کچھ سمجھ گیا تھا لیکن پوری کہانی پھر بھی سامنے نہیں آسکی تھی اس لیے میں نے کند ذہنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "شاید پائندہ گل نے ارسلا خان کے ساتھ کوئی زیادتی کی تھی جس نے تمہیں تڑپایا ہوا ہے۔ اگر تم کھل کر نہیں بتانا چاہتے تو میں تم کو زیادہ کھل کر بولنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ تم نے اسی آگ کی جلن سے پائندہ گل کو مار کر سرداری پر قبضہ کیا ہے..." میری نگاہیں اس کے باریش چہرے پر مرکوز تھیں۔ میری باتوں پر اس کے چہرے کا رنگ بہ تدریج سرخ تر ہوتا جارہا تھا۔ اس کی عقابی آنکھوں کی منتقمانہ چمک گہری ہوتی جارہی تھی ادھر میں اس کے صبر کا پیمانہ

چھلکانے کی نیت سے اپنی بات کو طول دیتا جا رہا تھا۔ پھر وہی ہوا جو میں چاہتا تھا۔ صبغت اللہ کی برداشت جواب دے گئی اور اس نے میری بات کاٹ دی۔

"جلیبی کی طرح الجھی ہوئی باتیں مت کرو" وہ غراتے ہوئے بولا "میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ آج تک بس قندوز خان میرا راز جانتا تھا' اب تم بھی کان کھول کر سن لو کہ پائندہ گل نے ارسلا خان کو اس کے ناکردہ جرم پر اسے اونٹ کی گردن جیسی چوٹی سے درّے میں گرانے کی بھیانک سزا دی تھی مگر میں نے اس سزا پر عمل ہونے سے پہلے ارسلا خان کو راتوں رات یہاں سے نکال دیا۔ اس نے قسمیں کھائیں' مقدس کتاب پر حلف لے کر کہا کہ اس نے زرتاشہ کو بے آبرو نہیں کیا تھا مگر زرتاشہ نے اس کا گریبان نہیں چھوڑا۔ اُس بدنصیب لڑکی کو مرتے دم تک پورا یقین رہا کہ جب وہ اپنی بھیڑیں چرا رہی تھی تو پیچھے سے ارسلا خان نے اس کے سر پر چوٹ مار کر اسے بے ہوش کیا اور کسی خونی درندے کی طرح اسی حالت میں اُس کے بدن کو روند ڈالا مگر ارسلا خان کہتا تھا کہ یہ زرتاشہ کی بھیانک غلط فہمی تھی۔ وہ اتفاقاً ادھر جا نکلا تھا۔ اس نے زمین پر ناگفتہ حالت میں پڑی ہوئی زرتاشہ پر عبدالرحیم خان کو جھکے دیکھا تو خاموشی سے اس کے سر پر پہنچنے کے بجائے اسے دور سے ہی للکار بیٹھا اور عبدالرحیم خان وہاں سے بھاگ نکلا۔ اصل بھیڑیا وہ تھا جو اپنے ماموں کے گھمنڈ میں مبتلا رہتا تھا۔ ارسلا خان کچھ دور تک اس کا ناکام پیچھا کرنے کے بعد واپس لوٹا تو زرتاشہ کسی بیوہ کی مانگ کی طرح اُجڑی ہوئی' پتھروں پر بے ہوش پڑی تھی۔ اس کے سر سے خون جاری تھا۔ ارسلا خان نے اس کا زخم سنبھال کر اسے بستی کی طرف اٹھالانے کا ارادہ کیا تو وہ اچانک ہوش میں آگئی اور بپھری ہوئی شیرنی کی طرح ارسلا خان پر ٹوٹ پڑی۔ ارسلا خان نے اسے حقیقت بتائی مگر اس نے اعتبار نہیں کیا کیونکہ ان ویران ڈھلانوں پر دور دور تک کوئی تیسرا شخص نہیں تھا اور ارسلا خان کے پاس وہاں موجود ہونے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

"زرتاشہ اس کا گریبان تھام کر اسے تھپڑ مارتی اور پوری قوت سے چیختی چلاتی رہی۔ اس پر ہذیان کا عالم طاری تھا اور ویران آنکھوں میں دیوانگی اتر آئی تھی۔ اس کی اونچی آوازوں کی بازگشت پہاڑوں سے ٹکرا کر بستی تک پہنچی تو بہت سے لوگ اُدھر دوڑ پڑے۔ سب نے بدنصیب اور مظلوم زرتاشہ کی بات پر یقین کر لیا۔ ارسلا کی صفائی پر کسی نے دھیان نہیں دیا۔ سردار کے سامنے پیشی پر وہ کہانی دہرائی گئی' ارسلا خان کے الزام پر عبدالرحیم خان کو طلب کیا گیا تو اس نے معصومیت سے الزام ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ پوری دوپہر اپنے گھر میں سوتا رہا تھا۔ اس کی ماں نے اپنے بیٹے کے حق میں گواہی دی۔ پائندہ گل نے اپنی بہن کی گواہی پر ارسلا خان کی ہر فریاد کو موت سے دہشت زدہ ہو جانے والے مجرم کی چیخ وپکار قرار دے کر مسترد کر دیا اور اسے موت کی سزا سنا دی۔ میں تنہائی میں ارسلا خان سے ملا تو اس نے مجھے اصل کہانی سنائی مگر بدقسمتی یہ تھی کہ اُس کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا۔ لٹنے والی زرتاشہ بھی اسی کو اپنا مجرم قرار دے رہی تھی۔ سب راستے بند تھے۔ میں ارسلا خان کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔ پھر موت کی دہلیز پر تو ہر پاپی کی زبان آنچ اگلنے لگتی ہے۔ اس کی بے گناہی کا یقین کر لینے کے بعد میں نے اسی رات اسے قید خانے فرار کرا دیا۔ صبح اسے سزائے موت کے لیے لے جانے والے لشکری وہاں پہنچے تو کوٹھری خالی تھی۔ بعد میں' میں نے کراچی میں اسے تمہارے پاس نوکر کرا دیا۔ میں نے میں اپنا نام اور حلیہ بدل کر قیام کیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ تم مجھے نہیں پہچان سکو گے لیکن تم نے پہلی ہی نظر میں مجھے پہچان لیا تو مجھے تم سے کچھ تلخ باتیں کرنی پڑیں۔"

اس نے خاموش ہو کر شراب کی بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا تو میں نے احتراماً بوتل اٹھا کر اس کے لیے گلاس لبریز کر دیا کیونکہ شنکاریوں کے پینے کا انداز وہی تھا۔

"اپنے لیے بھی لے لو" اس نے کھوئی کھوئی آواز میں کہا اور اپنا گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ شاید ماضی کی یادوں نے غصے اور ہیجان کے بعد اس پر کچھ اداسی طاری کر دی تھی۔ میں نے اپنے لیے پانی ملا کر گلاس بنایا اور ایک بڑا گھونٹ لے کر خاموشی کے ساتھ' اس کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرتا رہا۔

"ارسلا خان فرار ہو گیا۔ زرتاشہ سر کے زخم میں کیڑے پڑنے اور زیادتی کے صدمے سے تیسرے دن پاگل ہو گئی۔ اس نے اسی رات اونٹ کی گردن والی پہاڑی سے نیچے کود کر اپنی جان دے دی۔ گالان میں چرچے ہونے لگے۔ گھاگ اور دور اندیش لوگوں کا خیال تھا کہ پائندہ گل نے زرتاشہ کے قصے میں عجلت سے فیصلہ سنا کر انصاف کا خون کیا تھا" صبغت اللہ نے اپنا حلق تر کر کے دوبارہ بولنا شروع کیا تو اس کی آواز پہلے کے مقابلے میں قدرے دھیمی اور پرسکون تھی "دبی زبان میں لوگ اُقرباپروری کی بات بھی کرتے تھے کیونکہ پائندہ گل کو اپنے بھانجے سے بہت محبت تھی مگر گالان میں عبدالرحیم خان کی شہرت اچھی نہیں تھی۔ وہ لڑکیوں سے سامنا ہونے پر نظریں جھکا لینے کے بجائے انہیں گھورا کرتا تھا۔ عورتوں کی بعض گزرگاہوں پر وہ پہلے سے بیٹھ کر ان کے آنے جانے کا انتظار کیا کرتا تھا۔ زرتاشہ کے واقعے کے بعد گالان کی عورتوں اور لڑکیوں نے اکیلے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ وہ ٹولیوں میں باہر آتی تھیں اور سورج غروب ہونے سے پہلے گھروں میں بند ہو جاتی تھیں۔ وہ گالان میں خوف ودہشت کے عجیب دن تھے۔ پھر عبدالرحیم خان کی ماں کو اچانک کوڑھ نکل آئی تو لوگوں نے اسے قدرت کی طرف سے جھوٹی گواہی کی سزا قرار دیا۔ پائندہ گل اپنی بہن کی عیادت کے لیے بستی میں گیا تو اسے لوگوں میں ہونے والی باتوں کا اُڑتا اُڑتا علم ہوا اور اس نے عبدالرحیم خان کو ہمیشہ کے لیے وادی سے باہر بھیج

دیا۔ عام لوگوں کو یہ پتا تھا کہ وہ سردار کے کسی کام سے گیا ہے مگر میں اپنی جان سوزی سے پائندہ گل کے اتنے قریب ہو چکا تھا کہ اس نے مجھے اصل بات بتادی۔ میری ہدایت پر قندوز خان نے پائندہ گل کے فیصلے پر پوشیدہ تنقید کرنے والوں سے ملنا شروع کردیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ پائندہ گل سچا انصاف کرنا چاہتا تو پیرکوٹ کے نباض کو طلب کر سکتا تھا۔ وہ شنگارا دلی کا اکلوتا حکیم ہے اور کلائی کی دھڑکتی ہوئی رگ پکڑ کر تین دن کا کھایا پیا تک بتادیتا ہے۔ وہ پورے یقین سے فیصلہ دے سکتا تھا کہ ارسلا خان اور عبدالرحیم خان میں سے کس نے زرتاشہ کے ساتھ درندگی کی تھی مگر وہ بعد کی باتیں تھیں۔ ایک بادرانی کی پرنور پیشانی پر رسوائی کی سیاہی مل دی گئی تھی۔ میں نے کابل میں جنت گل کے پیچھے آدمی لگایا اور اس نے جنت گل کو پشاور جاکر عبدالرحیم خان پر ڈورے ڈالنے پر آمادہ کرلیا۔ وہ خود بھی اپنی پسند کے کسی تنگاری کی تلاش میں رہتی تھی۔ وہ ایک لمبی کہانی ہے۔ اس کا مختصر انجام تمہارے سامنے ہے کہ آخر کار جنت گل کے ہاتھوں عبدالرحیم خان اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا" اس نے رک کر ایک اور گھونٹ لیا اور اس کا گلاس آدھے سے بھی کم رہ گیا۔

"یہ تفصیلات سن کر میرا رواں رواں لرز اٹھا ہے" میں نے پھریری لے کر کہا "یقین نہیں آتا کہ دل نواز اور سادہ لوح پہاڑی لوگوں کی زندگی میں بھی ایسے ہیبت ناک واقعات رونما ہوتے ہوں گے۔"

"ایسا برسوں، قرنوں میں کبھی کبھار ہی ہوتا ہے۔ انسان اپنے گندے کھیل کھیلتا ہے اور قدرت کی بے آواز لاٹھی اپنے معجزے دکھاتی رہتی ہے" وہ بولا "عبدالرحیم خان کی ماں اور پائندہ گل کی بہن بھی چند ہفتوں کی بیماری کے بعد چٹ پٹ مرگئی۔ اس نے مرنے سے پہلے بہت سے لوگوں کے سامنے کہا کہ میں جھوٹی تھی۔ اس نے تین مرتبہ اس جملے کی تکرار کی لیکن کوئی وضاحت نہیں کی۔ سننے والوں نے وہ بات آگے پھیلادی کہ اس مکار بڑھیا نے زرتاشہ کے معاملے میں اپنی جھوٹی گواہی کا اعتراف کرلیا ہے۔ اس کے بعد قندوز خان سے ملنے والوں کی تعداد تیزی سے بڑھنے لگی اور ہم نے پائندہ گل کو ہراساں کرنے کے لیے چوری چھپے گھنٹیاں بجوانے کا سلسلہ شروع کردیا جو آج اس کی موت پر ختم ہوا ہے۔ تینوں ظالم اور بے ایمان جہنم واصل ہو چکے ہیں۔ ارسلا خان آج بھی زندہ ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ جنت گل کو یہاں لاؤں۔ تم اس کے اعتراف کا انکار کرو اور پھر میں اس کو ارسلا خان کے حوالے کردوں۔ عبدالرحیم خان کی ماں کے اعتراف کے بعد شنگارا کے بیشتر لوگوں کو ارسلا خان کی بے گناہی کا یقین آچکا ہے۔ وہ اسے قبول کرلیں گے۔ کینہ پرور اور حاسد فطرت والے لوگ میری طاقت کی وجہ سے اپنی زبانیں بند رکھیں گے اور میں اس کے خلاف صادر کیا ہوا' پائندہ گل کا فیصلہ منسوخ کردوں گا۔ اسی طرح ارسلا خان اور بادران کی عزت بحال ہوسکتی ہے۔ پائندہ گل کے خاندان میں اب کوئی مرد باقی نہیں رہا۔ جو عمر رسیدہ عورتیں رہ گئی ہیں' وہ ہر برس جنت گل کی کوکھ سے ارسلا خان کے بادرانی بیٹے یا بیٹی کی پیدائش کی خبر سن کر انگاروں پر لوٹتی رہیں گی۔"

"لڑکیاں تو مائیں ہی بنتی ہیں۔ اس سے انہیں کیا تکلیف ہوگی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تم آج سب کچھ جان لینے پر تل گئے ہو؟" اس کے ہونٹوں پر پہلی بار پھیکی اور ہلکی سی ہنسی نمودار ہوئی "پائندہ گل کا پورا خاندان اپنی برتری کے گھمنڈ میں برباد ہوا ہے۔ یہ لوگ شنگارا دلی کے دوسرے قبیلوں کی لڑکیاں تو بیاہ لاتے تھے مگر انہوں نے پچھلے پچاس سال سے اپنی کوئی لڑکی کسی دوسرے قبیلے میں نہیں بیاہی۔ اپنی لڑکیوں کو خاندان میں کھپانے کے لیے وہ چار چار شادیاں کرتے رہے مگر قدرت بھی ان میں لڑکوں سے زیادہ لڑکیاں پیدا کرتی رہی۔ یہ پچاس برس میں پہلا واقعہ ہوگا کہ پائندہ گل کے خاندان کی کوئی جائز یا ناجائز لڑکی بادران والوں کی بہو بنے گی۔ پہاڑوں میں بسنے والوں کے لیے یہ بھی اعزاز کی بات ہوگی۔ اسی لیے میں تمہیں جھوٹ بولنے کی ترغیب دے رہا ہوں۔ وہ ایک بار ارسلا خان کے نکاح میں آگئی تو وہ جنت گل کے سارے کس بل نکال دے گا۔ تم جانتے ہو کہ پائندہ گل نے تمہیں کیوں نہ مارا اور جنت گل کے لہو کا پیاسا کیوں ہو رہا تھا؟"

میں نے اپنے سر کو نفی میں ہلادیا۔ قبائلی رسوم ورواج کے سامنے دلیل کا کوئی کام نہیں تھا۔

"جنت گل کابل میں جو کچھ کہتی پھر رہی ہے' اس کے نتیجے میں تم پائندہ گل کے نیم داماد بن چکے تھے اور ہماری طرف داماد پر وار کرنا بزدلی' کمینگی اور گالی سمجھا جاتا ہے۔ تم اسے تھپڑ بھی ماردیتے تو وہ تمہارے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا تھا اور جنت گل پر اسے اس لیے غصہ تھا کہ اس نے پائندہ گل کا خون ہوتے ہوئے بھی تم جیسے اجنبی سے اپنا رشتہ استوار کیا تھا۔ وہ زندہ رہتی تو کسی سے بھی شادی کرکے پائندہ گل کی عزت کو خاک میں ملا سکتی تھی۔ وہ عقل مند ہوتا تو اپنی جوانی کی بھول کو اسی وقت زندہ درگور کردیتا جب لوگوں نے جنت خانم کی شکل وصورت میں پائندہ گل کی شباہت دیکھ کر اسے جنت گل کہنا شروع کیا تھا۔ شاید اسے یہ تسکین ملتی ہوگی کہ اس کی سگی اولادیں زیادہ دن نہ جی سکیں تو جنت گل کی بھرپور زندگی اس کی مردانگی کا انعام ہے جسے اپنی قدرتی عمر پوری کرنے کا حق ملنا چاہیے۔"

"تمہاری ساری باتوں نے مجھے متاثر کیا ہے۔ میں وہی کروں گا جو تم چاہو گے۔ مگر مجھے یہ کہنے دو کہ آج گالان میں جو خونریز معرکہ ہوا ہے' اس کی بنیاد تم نے نہیں رکھی تھی..."

اس نے برہمی سے میری بات درمیان میں سے ہی اڑادی "یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟ قندوز خان ہر بات کا گواہ ہے۔ سرداری میں

نے حاصل کی ہے۔ اس خونی انقلاب کا بانی کوئی اور ہوتا تو وہ کسی بھی قیمت پر مجھے آگے بڑھ کر شنگاریوں سے بیعت نہ لینے دیتا۔ اس وقت میری جگہ وہ بُراجمان ہوتا۔"

"تم بلاوجہ جذباتی ہو رہے ہو۔ میں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ یہ بنیاد عبدالرحیم خان نے اس وقت ڈالی تھی جب اس نے بدنیتی سے زرتاشہ کے سر پر ضرب لگائی تھی۔ اس ضرب نے آج اس کے ماموں کے سارے جاہ و جلال کو پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولا "اسی لیے میں کہتا ہوں کہ تم شہری لوگ سیدھی بات کرنے کے بجائے الفاظ کی جلیبیاں بناتے ہو۔ اس میں سے مطلب تلاش کرنا پڑتا ہے جب کہ ہم لوگوں کی آدھی بات بھی اپنی جگہ پر مکمل اور سیدھی ہوتی ہے۔ اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہوتا۔ بہرحال، مجھے خوشی ہے کہ تم مجھ سے متفق ہو گئے ہو۔"

"میں جنت گل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے دعوے کی تردید کروں گا۔ مگر یہ بتاؤ کہ ارسلا خان کو تم کیسے یہاں لاؤ گے؟ تم اس چھاپے کو بھول رہے ہو جس میں تم لوگوں کی ہیروئن پکڑی گئی تھی اور ہیروئن کی واپسی یا اس کی قیمت کی ادائیگی کے لیے عبدالرحیم خان نے مجھے یرغمال بنائے رکھا تھا۔"

"ارسلا خان کا اس چھاپے سے کیا تعلق نکل آیا؟" اس نے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ وہاں تباہی پھیلنے کے بعد سب کچھ پولیس کے قبضے میں چلا گیا۔ اخباروں سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہاں سے زخمی حالت میں پکڑے جانے والوں میں ارسلا خان بھی تھا۔ اب تک اسے کسی نہ کسی جیل میں پہنچا دیا گیا ہوگا۔ تم اسے وہاں سے کیسے لاؤ گے؟" میں نے اسے اصل مسئلے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم فکر نہ کرو" وہ مسکراتے ہوئے بولا "تمہاری کوئی جیل پائندہ گل کے قید خانے سے زیادہ خطرناک اور محفوظ نہیں ہو سکتی۔ وہ یہاں سے فرار ہو گیا تھا تو وہاں سے بھی نکال لیا جائے گا۔ ہم لوگ اپنی داڑھیاں بے ترتیبی سے بڑھا کر الجھا لیں تو ہم سب ایک جیسے نظر آنے لگتے ہیں۔ ایک دفعہ میرا کوئی آدمی جیل میں اس سے مل کر، اس کا حلیہ دیکھ آئے۔ اس کے چند دن بعد ہی ارسلا خان کا کوئی ہم شکل جیل میں بیٹھا ہوگا اور وہ گالان کی طرف آ رہا ہوگا۔"

"یعنی تم جیل میں آدمی ہی بدل دو گے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"اس کا ہم شکل ملاقاتی جا کر وہیں رہ جائے گا۔ ملاقاتی کے بجائے ارسلا خان اطمینان سے باہر آ جائے گا۔ پہرے والے بس صورت شکل دیکھتے ہیں۔ اسی میں وہ دھوکا کھا جائیں گے۔ دوسرا آدمی ارسلا خان نہیں ہوگا اس لیے کوئی بھی اچھا وکیل پہلی ہی پیشی پر اسے عدالت سے آزاد کرا لے گا" اس نے اطمینان سے کہا اور مجھے بے اختیار مافیا کے سیٹھ حبیب جیوانی کا نام یاد آ گیا۔ اسے بھی جرمنی میں قید کی سزا سنائی گئی تھی مگر سسلی کی مدر مافیا نے اس کے ایک ہم شکل کو بھاری معاوضے پر جیل میں پہنچا کر اسے وہاں سے باہر نکال لیا تھا۔

"اور لباس؟ جیل میں قیدیوں کو نمبروں والا خاص لباس پہنایا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ارسلا خان کو ہتھکڑیاں بھی لگائی گئی ہوں۔ یہ کھیل اتنا سادہ اور سہل نہیں ہوگا جتنا تم سمجھ رہے ہو۔"

"جیلوں میں خالص چرس اور ہیروئن سونے کے دام بکتی ہے۔ یہ دونوں ہمارے گھر کی کھیتیاں ہیں۔ ان کی رشوت دے کر ہر کام کرا لیا جائے گا۔ پیسے سے زیادہ خالص مال کی عزت کی جاتی ہے۔"

"میری دعا ہے کہ تمہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو۔ قندوز خان کہاں غائب ہے؟ وہ شام سے نظر نہیں آیا" بات پوری کرتے کرتے، اچانک مجھے قندوز خان یاد آ گیا۔

"صندل خان تمہاری واپسی کے انتظار میں باہر بیٹھا اونگھ رہا ہوگا اور قندوز خان تمہارے ساتھیوں سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا ہوگا۔ اس نے تم لوگوں کے ساتھ کافی وقت گزارا ہے۔ کیا کہتا ہے؟"

"وہ پائندہ گل کا خاص آدمی تھا اس لیے تبدیلی پر مایوس نظر آ رہا ہے لیکن تمہاری اطاعت قبول کر چکا ہے۔"

صبغت اللہ زہریلے انداز میں اتنی زور سے ہنسا کہ اس کے سفید دانتوں کی قطاریں چمکنے لگیں "پائندہ گل کا خاص آدمی میں تھا۔ وہ میرا ماتحت تھا۔ میں اس کے دماغ کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ ذرا محنت اور توجہ سے اسے ٹٹولو اور نتیجے سے مجھے آگاہ کرو۔ مجھے اس پر بالکل بھروسا نہیں رہا ہے۔ میں نے دانستہ اسے باہر بٹھائے رکھا ہے۔"

وہاں بھی محلاتی سازشوں اور جوڑ توڑ کا سلسلہ پوری شدت سے چل رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ایک دوسرے کے عزائم پر ہر لحظہ شک و شبہ کرنا، مخالفوں کو آپس میں لڑوانا اور حلیفوں کو ہر لمحے کڑی آزمائشوں سے گزارنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے ناگزیر تھا۔ اقتدار بڑی سلطنت کا ہو یا شنگارا ویلی جیسے محدود قبائلی علاقے کا، اس کی خوراک ہمیشہ یکساں رہتی ہے۔ وہ سب سے پہلے باہمی اعتماد کو نگلتا ہے اور جوں جوں حکمراں ہر بات کو شبہ کی نظر سے دیکھنے کے عادی ہوتے جاتے ہیں، ان کی کرسی مستحکم ہوتی چلی جاتی ہے۔ جس دن وہ کسی پر اعتبار کر بیٹھتے ہیں، انہیں کرسی سے نیچے گھسیٹ کر کوئی اور اوپر چڑھ بیٹھتا ہے۔

"وہ باہر رک کر انتظار کرنے پر مُصر تھا مگر میں نے اسے واپس جا کر آرام کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ پتا نہیں وہ بیٹھا ہے یا چلا گیا" میں نے کہا "ویسے وہ بہت گہرا معلوم ہوتا ہے۔ اپنے دل کی بات آسانی سے زبان پر نہیں لائے گا۔ اس کے ساتھ کوئی چال چلنی پڑے گی۔"

"اس سے اچھی چال کیا ہوگی کہ تم میری برائیاں کر کے مجھ پر

عنادی ظاہر کرنے لگو۔ اس کے دل میں چور ہوا تو وہ تم کو اپنا
...سمجھ کر فوراً کھل جائے گا۔" اس نے کسی تردّد کے بغیر
...بال

سازشی خود اپنے دام میں آگیا تھا۔ میں پہلے ہی وہ حربے
...کر کے صندل خان کو اپنے اعتماد میں لے چکا تھا۔ صبغت
...کی اجازت سے مجھے ایک کھلی ڈھال میسر آگئی تھی۔ صندل
...میری مٹھی میں آچکا تھا مگر میں بے خوف ہوگیا تھا۔ وہ میری
...کھول بھی دیتا تو میں صبغت اللہ کے سامنے جواز پیش کر سکتا
...میں نے صندل خان کی نیت کا اندازہ لگانے کے لیے' اس کی
...کے مطابق مخالفانہ باتیں کی تھیں۔
گالان کی اس چھوٹی سی سطح مرتفع پر میں اقتدار کے ایسے
...اور رموز سے واقف ہو رہا تھا جو پہلے میری سمجھ میں نہیں آتے
...صبغت اللہ نے اپنی مجبوری کے تحت مجھے ایک ایسا ہتھیار
...دیا تھا کہ میرے اور صندل خان کے کسی تنازعے کی صورت
اس کے فرشتے بھی سچ اور جھوٹ کا سراغ نہیں لگا سکتے تھے۔
ہمیشہ اور ہر جگہ یہی ہوتا تھا کہ حکمراں اپنی ناگزیر ضرورتوں کی
...ے اپنے گرد مصلحتوں کا ایسا بھیانک جال بن لیتے ہیں کہ
...ں سچ کا پتا چلتا ہے نہ جھوٹ کی تمیز باقی رہ جاتی ہے۔ وہ سب
...ں کے درمیان رہ کر بھی حقائق سے بے خبر رہتے ہیں۔ سچ اور
...ٹ کے ملغوبے میں سے حقیقت کو برآمد کرنے کے لیے انہیں
...ے اعتماد کے لوگوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے اور اگر ان کی صفوں
...مجھ جیسا کوئی شاطر اور خود غرض شخص گھس جائے تو انہیں ایسی
...لے جا کر مار سکتا ہے جہاں پانی بھی نہ ملے۔
"تمہاری یہ تجویز بہت معقول ہے" میں نے پورے خلوص
...کہا "میں اس پر ضرور عمل کروں گا۔"
"اُس کے ساتھ نرمی نہ برتو۔ اسے خوب رگڑو۔ اب وہ پرانا
...ندل خان نہیں بلکہ تمہارا خدمت گار ہے۔ میں تمہارے ذریعے
...اُس کی اصل اوقات کا احساس دلانا چاہتا ہوں۔ ایک بار وہ
...ندر سے بالکل ٹوٹ پھوٹ جائے گا تو میں دوبارہ اسے اپنے لیے
...کارآمد بنالوں گا۔ وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے میری بالادستی قبول
...لے تو بہت کام کا آدمی ثابت ہو سکتا ہے" وہ رفتہ رفتہ مجھ سے
...کھلتا جا رہا تھا۔
"تمہاری ہر ہدایت میرے دل پر نقش ہوتی جارہی ہے" میں
...نے اسے یقین دلایا "میں اب تمہارے مقاصد کو سمجھتا جا رہا ہوں۔
...اپنا قیام کے چند دنوں میں' میں ان ہی کے مطابق کام کرنے کی
...کوشش کروں گا... ویسے ایک بات اب بھی میرے ذہن میں چبھ
...رہی ہے کہ تم جنت گل کے معاملے میں اس کے ماں باپ کو بلاوجہ
...گھسیٹ رہے ہو۔ تم جنت گل کو یہاں لا کر بھی اپنا مقصد حاصل
...کر سکتے ہو۔ ان دونوں کی کوئی افادیت میری سمجھ میں نہیں آتی۔"
"بہت سی باتیں آسانی سے سمجھ میں نہیں آتیں۔ جس کا
معاملہ ہو' اس کے ذہن میں پوری بساط جمی ہوئی ہوتی ہے اور اسے
معلوم ہوتا ہے کہ کس مہرے کو کب اور کہاں کھیلنا ہے۔ میں اپنے
لوگوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ جنت گل کے وجود اور
اصلیت سے صرف سترہ شنگاری واقف تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو
پائندہ گل کے کاموں کے لیے باہر آتے جاتے رہتے تھے۔ ان
لوگوں نے باہر کی ہر بات اپنے سینوں میں دفن رکھی ہوئی ہے۔ ان
میں سے پانچ آج کی لڑائی میں مارے گئے۔ اب ان کی تعداد بارہ رہ
گئی ہے۔ ان بارہ میں' میرے علاوہ قندوز خان اور صندل خان بھی
شامل ہیں۔ ان کے علاوہ' پوری وادی کے ہزاروں باسیوں میں
پائندہ گل کی عزت اور ساکھ تھی۔ اب اچانک اعلان کیا جائے گا
کہ کابل میں پائندہ گل کی ایک ناجائز بیٹی پل رہی تھی جو اب جوان
ہو چکی ہے تو لوگوں پر بے یقینی اور حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے۔
وہ جنت گل کی شکل میں پائندہ گل کی ہلکی سی شباہت کی بنیاد پر اسے
اپنے پرانے سردار کی اولاد نہیں مانیں گے۔ تم ہماری عورتوں کے
مزاج سے واقف نہیں ہو۔ اس اعلان سے ان میں بھونچال
آجائے گا۔ وہ سر جوڑ کر زبان درازیاں اور طعنہ زنی کریں گی۔
پوری وادی میں بے چینی اور اضطراب کی ایک نئی لہر دوڑ جائے
گی۔ لوگ اس اعلان کو میری بدنیتی سمجھ کر میرے خلاف بھی
ہو سکتے ہیں۔ میں اپنے اقتدار کے لیے اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے
سکتا اسی لیے کچا کھیل نہیں کھیلنا چاہتا۔ گالان کی پوری بستی کے
سامنے جنت گل کو پیش کیا جائے گا تو لنگڑا ضیغم خان برسوں پرانی'
اس رات کی کہانی سنائے گا جب پائندہ گل اس کے گھر میں مہمان
ہوا تھا۔ اس کی بیوی اس کی باتوں کی تصدیق کرے گی۔ ضیغم خان
دروغ گوئی کرے گا تو وہ اشاروں سے سب کو آگاہ کردے گی اور
ضیغم خان راست گوئی پر آمادہ نہ ہوا تو اسے بھرے مجمع میں الٹا
ٹانگ دیا جائے گا۔ جب تک اس کہانی کے سارے زندہ کردار
گالان میں جمع نہیں ہوتے' حجتیں تمام نہیں ہوں گی۔ اتنے ثبوتوں
کے بعد کوئی جنم جلی بوڑھی بھی حقیقت سے منہ نہیں پھیر سکے گی
اور میں کسی کو حرف گیری کا موقع دیئے بغیر ارسلا خان اور
بادرانیوں کے سر پر برتری کا تاج سجا دوں گا۔ میرے منصوبے کی
پرامن تکمیل کے لیے ان تینوں کا یہاں لایا جانا ناگزیر ہے۔"
"تم واقعی بہت دور کی کوڑی لاتے ہو" میں اس کی دوراندیشی
کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا "مجھے حیرت ہے کہ تم جیسا زیرک شخص
اتنے عرصے تک شگارا ویلی کا سردار کیوں نہیں بن سکا۔ پائندہ گل
کے خاندان کی عزت و آبرو پر تمہارا پہلا ہی وار کاری اور آخری
ثابت ہوگا۔ سب کے منہ بند ہو جائیں گے اور پائندہ گل کی آزاد
خیال بیٹی بادرانیوں کی بہو بنا کر پابندیوں میں جکڑ دی جائے گی۔
تمہارا منصوبہ واقعی شاندار اور بے داغ ہے۔"
وہ نسل در نسل چلنے والی قبائلی دشمنیوں اور رقابتوں کی ایک
المناک کہانی تھی۔ زرتاشہ شاید گالان کی کوئی عام سی چرواہی تھی

لیکن اس کے سر سے بہنے والے خون نے بڑے ہولناک انداز میں اپنا رنگ دکھایا تھا۔ وہ خود مری' عبدالرحیم خان مارا گیا' ستاسی شنگاری جنگ میں پیوند خاک ہوئے۔ اور اب جنت گل کو انتقام کی اس بھڑکتی ہوئی آگ کا ایندھن بنایا جانے والا تھا۔ وہ کابل جیسے روشن خیال شہر میں' پائندہ گل کے بھیجے ہوئے پیسوں سے پروان چڑھتی رہی۔ وہ تعلیم یافتہ' آزاد خیال اور قدرے رنگین مزاج تھی۔ وہ اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ مجبوریوں اور غلط فہمیوں کی پیداوار تھی اور اسے اچھی طرح بتادیا گیا تھا کہ زمین پر اس کا وجود ایک گالی سے کم نہیں ہے۔ اس نے عزت دار بننے کی کوئی کوشش کرنے کے بجائے پوری طرح کیچڑ میں لتھڑ کر زندہ رہنے کو ترجیح دی تھی اور اپنی زبان سے اپنے نسب کی کمزوری کا برملا اعتراف کرتی پھرتی تھی۔ میرے معاملے میں بھی اس نے پوری بے خوفی کا اظہار کیا تھا۔ مجھے یہ سوچ کر ہی خوف آنے لگا تھا کہ جنت گل جیسی نرم و نازک لڑکی کو ایک تندخو اور سخت گیر بادرانی کے حوالے کیا جانے والا تھا۔ پوری زندگی آزاد رہنے والی وہ لڑکی' شنگارا دیلی کی کڑی پابندیوں اور گھٹے ہوئے ماحول کو کسی بھی قیمت پر قبول نہیں کرسکتی تھی لیکن میں اقتدار کے تازہ نشے میں مست' صبغت اللہ خان کی رضا کے خلاف زبان ہلا کر اپنی اور اپنے تینوں ساتھیوں کی عافیت خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ میرا ذہن جنت گل کے مسکراتے ہوئے شریر چہرے اور دلفریب پیکر میں الجھا رہا مگر میں اس بارے میں کچھ کہے بغیر سردار صبغت اللہ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ میری غائب دماغی زیادہ دیر تک اس سے پوشیدہ نہ رہ سکی اور اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں مجھے ٹوک ہی دیا۔

"تم کہاں کھوئے ہوئے ہو؟ میں کچھ کہہ رہا ہوں اور تم کچھ اور ہی بول رہے ہو۔"

"معاف کرنا۔ میرے دماغ پر نیند کا غلبہ ہورہا ہے۔ کل کی پوری رات کی بے خوابی اب پریشان کررہی ہے۔"

"میں بھی کئی راتوں کا جاگا ہوا ہوں لیکن تمہاری طرح بہک نہیں رہا۔ خیر! تم جاؤ اور آرام کرو۔ صندل خان کے بارے میں' میں نے جو کچھ کہا ہے' اسے ذہن میں رکھنا۔ میں اس کی طرف سے فکر مند ہوں۔"

"تم بالکل بے فکر رہو۔ اب یہ میرا اپنا کام ہے" میں وہاں سے چلنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہاں جو باتیں ہوئی ہیں' وہ اپنی ذات تک محدود رکھنا۔ میں کسی سے نہیں ڈرتا لیکن خفیہ باتوں کی غیر ضروری تشہیر کو پسند نہیں کرتا۔ لوگوں کو فارغ وقت میں سر جوڑ کر باتیں بنانے کا موقع مل جاتا ہے۔"

"میں سب کچھ چھپالوں گا مگر جنت گل کے بارے میں اپنے انحراف کا کوئی نہ کوئی سبب تو اپنے ساتھیوں کو بتانا ہی ہوگا۔ وہ تینوں میرے ساتھ پیش آنے والے واقعات سے آگاہ ہیں" میں

نے کہا۔

"تم اپنے ساتھیوں کو اعتماد میں لے سکتے ہو لیکن کسی اور بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ قندوز خان میرا ... ہے تو اس سے کوئی بات چھپانے کی ضرورت نہیں ہے" ا... تاکید کرتے ہوئے کہا۔

میں اس کو یقین دہانی کرا کے وہاں سے رخصت ہوگیا۔ ... تو ہال میں لوگوں کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ بیشتر ... قالینوں پر آڑے سیدھے لیٹے ہوئے گہری نیند سو رہے تھے ... کے خراٹوں نے فضا میں ناخوشگوار شور پیدا کیا ہوا تھا۔ جو ... رہے تھے' وہ بھی ست اور غنودگی کا شکار نظر آرہے تھے۔ ... والے دونوں ساقیوں کا پتا نہیں تھا۔ صندل خان بھی موجود ... تھا۔

وہاں نظر آنے والی نمایاں تبدیلیوں سے مجھے اندازہ ہوا ... نے صبغت اللہ کے پاس کافی دیر لگادی تھی۔

میں اپنا راستہ بناتا ہوا' وہاں سے نکلا تو حویلی میں ... کا طلسماتی سحر طاری تھا۔ روشن مشعلوں کی تعداد کم کردی گئی ... اور اِکا دکا محافظوں کی موجودگی کے علاوہ' راستوں میں کوئی ... موجود نہیں تھا۔ پچھلی شب بیداری اور پھر صبر آزما جنگ کی ... سے نڈھال ہوکر سارے ہی لشکری گہری نیند سوچکے تھے۔

اپنی قائم کی ہوئی نشانیوں کے سہارے' مجھے مہمان خا... پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہاں بھی وسطی ہال میں ... راج تھا البتہ فضا میں تمباکو کی خوش گوار مہک رچی ہوئی ... مجھے حقہ بھی نظر آگیا جو شاید ہماری فرمائش کے نتیجے میں وہاں ... کیا گیا تھا۔ میں نے حقے کی اسٹک اٹھا کر ایک گہرا کش لیا ... ٹھنڈا ہوچکا تھا۔ اس کی بڑی سی چلم میں رکھے ہوئے انگار... میں تبدیل ہوچکے تھے۔ اس سرسری سے جائزے سے نمٹ ... اپنی خواب گاہ کی طرف چل دیا۔ وہاں وہ تینوں بیدار او... بارے میں فکر مند تھے۔

مجھے دیکھتے ہی انہوں نے اپنے بستر چھوڑ دیے اور ... اتنی زیادہ تاخیر کے بارے میں مجھ پر سوالات کی بھرمار کردی ... خاموش مسکراہٹ کے ساتھ ان کی بولیاں سنتا رہا پھر ان ... بات کا جواب دینے کے بجائے قندوز خان کے بارے میں ... کرڈالا۔ غزالہ نے بتایا کہ وہ بہت دیر تک ان تینوں کے ... اور میرے طویل انتظار سے اکتا کر تھوڑی ہی دیر پہلے ستا... لیے گیا تھا کیونکہ میرے فارغ ہونے کے بعد اسے دوبارہ ... اللہ کے پاس جانا تھا۔

ان لوگوں سے مجھے معلوم ہوا کہ صندل خان اس ... خانے کے دو خدمت گاروں کے ساتھ دوسری قطار کی ایک ... گاہ میں سو رہا تھا۔ سونے کے لیے جانے سے پہلے' اس نے ... کمرے میں پانی وغیرہ کا بندوبست کردیا تھا مگر پھر بھی تاکید کی

ے کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے جگا لیا جائے۔ اپنے
ی خرابی کی وجہ سے وہ بے چارہ ہم لوگوں کے حاکم ۔۔۔ ب
ب یک حقیقی خدمت گزار کے درجے پر پہنچ ۔۔۔
بری واپسی سے ان لوگوں کی فکرمندی سن ۔۔۔
ا میں سب کچھ جان لینے کا تجسس بیدار ہو گیا تھا۔ میں نے
گایا کہ انہیں فوراً اعتماد میں نہیں لیا گیا تو وہ رات کے بقیہ
یں بھی نہیں سو سکیں گے۔

"انقلاب آتے ہی یہاں سازشوں کا سلسلہ چل نکلا ہے" میں
نوں دروازوں کا جائزہ لینے کے بعد دھیمی آواز میں کہا۔ شام
میں خود کو وہاں مطمئن اور پُراعتماد محسوس کر رہا تھا لیکن رات
ہیرا اور سناٹا پھیلنے کے بعد میرے دل میں عجیب سی، خوف اور
عتمادی سرایت کرنے لگی تھی۔

"ایک طرف صندل خان ہم سے ساز باز کر رہا ہے تو دوسری
صبغت اللہ مجھ سے اُس کی مخبری کرانی چاہ رہا ہے۔" میں
اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "یہ ان کی آپس کی باتیں ہیں مگر
حالات میں ہماری پوزیشن بہت مخدوش ہو گئی ہے۔ ہمیں بہت
ممکن ہے اگلے چند روز گزارنے ہوں گے کیونکہ یہاں سے فوری طور
ہماری گلو خلاصی کی کوئی امید نہیں ہے۔ صبغت اللہ چند دنوں
نہیں یہاں سے جانے کی اجازت دے گا۔"

"مگر کیوں؟ یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے" ویرا بگڑ کے بولی
سے طے ہوا تھا کہ تم بغاوت میں اس کا ساتھ دو گے تو وہ ہم
کو فوراً یہاں سے رہائی دے دے گا۔ اب وہ اپنی بات سے
کیوں پھر رہا ہے؟"

"وہ مکار اور سازشی ذہن کا مالک ہے اس لیے میں اس سے یہ
بات نہیں کر سکا" میں نے ایمان داری سے کہا۔ "وہ کینہ پرور بھی
ہے میری بات دل میں رکھ کر، بعد میں اس کا بدلہ لے سکتا ہے۔
اگر یہ پتا چل جائے کہ آج کی لڑائی کی اصل وجہ کیا تھی تو حیرت
سے تمہاری آنکھیں پیشانیوں پر جا چڑھیں گی۔"

"ہمیں مزید چند روز یہاں روکنے میں اس کی کیا مصلحت
ہے؟" سلطان شاہ کی آنکھوں سے تشویش جھلک رہی تھی۔

"وہ چاہتا ہے کہ میں جنت گل کی پھیلائی ہوئی بدنامی کی تردید
کروں" میں اپنی بات پوری نہیں کر سکا۔ ویرا نے درمیان میں
میری بات اچک لی تھی۔

"یعنی جو کچھ ہوا تھا، اس سے انکار کر دو؟" ویرا کو میری بات
سمجھ نہیں آ سکا تھا۔

"بدقسمتی سے ایسا ہی ہے" میں نے سر جھکا کر افسردگی سے کہا
"جنت گل کو جھوٹی مگر باعفت قرار دے کر اپنے تایا زاد بھائی کے
ساتھ بیاہنا چاہتا ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے اس کی مرضی کے
آگے سر جھکانا پڑے گا۔"

اس تکلیف دہ موضوع کے سامنے آتے ہی غزالہ میرے پاس
سے ٹل کر بستر کی طرف چلی گئی۔ اسے اندازہ تھا کہ جنت گل کا ذکر
مجھے اس کے سامنے شرمندگی سے دوچار کر دے گا۔ وہ مجھے ان
دونوں سے کھل کر بات کرنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔

"یہ تو انوکھی ہی بات ہے" ویرا تحیرزدہ آواز میں بولی "ان
علاقوں میں ایسے جرم کا شبہ ہونے پر خون کی ندیاں بہہ جاتی ہیں اور
تم کہہ رہے ہو تو وہ سب کچھ جھٹلا کر جنت گل کو اپنے خاندان میں
لانا چاہتا ہے۔ یہ بالکل ہی الٹی بات ہے۔"

"یہ کینہ پروری، انا، انتقام اور اندھی دشمنی کے جذبات ہیں
جو تمہاری سمجھ میں نہیں آسکیں گے" میں نے ایک گہرا سانس لے
کر کہا مگر پھر مجھے اختصار سے وہ باتیں دہرانی ہی پڑیں جو میرے اور
صبغت اللہ کے درمیان ہوئی تھیں۔ پہلے میں نے زرتاشہ،
عبدالرحیم اور ارسلا خان کی مثلث کا ذکر گول کر دیا لیکن اس کے
بغیر کہانی مکمل نہیں ہوتی تھی۔ ان دونوں نے سوالات کی بھرمار
کر دی کہ ارسلا خان تنگارا دیلی سے کراچی کیوں گیا تھا؟ صبغت
اللہ کسی اور باورانی کے بجائے اسی کو جنت گل کا شوہر کیوں بنانا
چاہتا تھا؟

مجھے وہ دردناک قصہ بھی سنانا پڑ گیا۔ سارے واقعات ایک
دوسرے سے اس قدر پیوستہ تھے کہ ان میں اختصار سے کام لینے کی
گنجائش ہی نہیں تھی۔ رات کے دو بج چکے تھے اس لیے میں نے
وقت بچانے کے لیے کچھ باتیں حذف کیں جس کے نتیجے میں
سوالات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور وہ رات ان ہی تذکروں کی نذر
ہو گئی۔

صبح کا اجالا پھیلنے کے بعد صندل خان بیدار ہونے کے بعد
ہماری طرف آیا تو ہماری بیٹھک دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سگریٹوں کے
ادھ جلے ٹکڑوں کا ڈھیر، بکھرے ہوئے گلاس، بے خوابی سے متورم
آنکھیں ہماری رات کی کہانی سنا رہی تھیں۔

"کیا تم لوگوں نے پوری رات جاگ کر گزاری ہے؟" اس نے
اندر آکر حیرت سے پوچھا۔

"قیدی سے مہمان بننے کے بعد ہماری نیندیں اچاٹ ہو گئی
ہیں۔" ویرا نے تھکن آلود مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مجھے سچ سچ بتاؤ کہ کیا بات ہے؟" اس نے ہمارے قریب بیٹھ
کر رازدارانہ سرگوشی میں پوچھا۔

"صبغت اللہ فی الحال ہمیں جانے کی اجازت دینے پر آمادہ
نہیں ہے" میں نے آہستگی سے کہا۔ اجالا بڑھنے کے ساتھ ساتھ،
میرے اعتماد میں خود بخود اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ دل سے یہ خوف جاتا
رہا تھا کہ کہیں کسی تاریک گوشے میں کوئی مخبر ہماری باتیں سننے کے
لیے چھپا ہوا نہ ہو۔

"مگر کیوں؟" اس کے چہرے سے الجھن مترشح ہونے لگی
"خان بابا تم سے ایک کام لینا چاہتا تھا اس لیے اس کے روکنے کا
جواز تھا مگر سردار صبغت اللہ تم سے کیا چاہتا ہے؟ یہاں مہمان

داری بہت مہنگی پڑتی ہے کیونکہ ضرورت کی ہر چیز چیغا سرائے یا اس سے بھی آگے کے میدانی بازاروں سے لائی جاتی ہے اور صبغت اللہ کے حمایتیوں کی بڑی تعداد کے آجانے سے گالان میں موجود خوراک اور رسد کے ذخائر پر ایک دم دباؤ آگیا ہے۔ یہاں کا راشن بس آج ساتھ دے سکے گا۔ شام تک نیچے سے گاڑیاں رسد نہ لائیں تو کل صبح مرغن ناشتے کے بجائے سب کو صرف پانی پر گزارا کرنا ہوگا۔"

وہ بات میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔ اضافی نفری کے خوردونوش کے انتظامات کا معاملہ آسان نہیں تھا "ہاں۔ ہمیں روانہ کرکے وہ چار آدمیوں کا راشن بچاسکتا ہے مگر ایسا نہیں کررہا۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ کسی بہانے سے تم چاروں کو مروادینے کے ارادے سے باندھ رہا ہو" اس کی آواز مزید دھیمی اور ہیجان آمیز ہوگئی "رات وہ اتنی دیر تک تم سے کیا باتیں کرتا رہا تھا؟ تم بہت دیر سے واپس آئے تھے۔ اس وقت میں پانی پینے کے لیے جاگا ہوا تھا۔"

اس بارے میں مجھے کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا اس لیے میں اس کے سوال پر سٹپٹا گیا مگر پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا "میرے پہنچنے تک وہ بہت زیادہ شراب پی چکا تھا۔ بس بار بار ہم لوگوں کی دلیری اور ثابت قدمی کی تعریف کیے جارہا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اقرار کیا کہ اس نے ہم سے باڑے میں پوشیدہ بموں کے ذخیرے کی حفاظت کا کام لیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ہماری اچھی طرح خاطر تواضع کیے بغیر وہ ہمیں واپس نہیں جانے دے گا۔"

"میرے بارے میں بھی ضرور کچھ نہ کچھ بات ہوئی ہوگی؟" وہ مضطرب ہوا جارہا تھا۔

"ہاں" میں نے اقرار کیا "اس نے مجھ سے دیکھ بھال کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس کے لہجے سے اس خواہش کا اظہار ہورہا تھا کہ وہ میری زبان سے تمہاری شکایت سننی چاہتا ہو۔ میں نے تمہاری مستعدی اور وفاداری کا ذکر کیا تو مایوسی سے اس کا چہرہ لٹک گیا تھا۔ اس کے دل میں تمہارے خلاف ضرور کوئی رنجش موجود ہے۔"

"یہ دو لومڑوں کا مقابلہ ہے" وہ زہرخند کے ساتھ بولا "میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں اور وہ میرے مزاج سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہم زیادہ دنوں تک ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ تم یہاں سے فرار ہونے پر رضامند ہو تو میں آج ہی سے اپنا کام شروع کردوں؟ پانچ آدمیوں کے فرار کی تیاری میں خاصا وقت لگ جائے گا۔"

اس کی زبان سے وقت لگنے کی بات سنتے ہی میں نے بے دھڑک کہہ دیا "ہاں، تم تیاریاں شروع کردو۔ وقت کا زیاں مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔ حالات سازگار نظر آئے تو فرار کا ارادہ ملتوی بھی کیا جاسکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے" وہ میری ذومعنی رضامندی کا مفہوم سمجھے بغیر مطمئن ہوگیا۔ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "اس نے تم سے جنت گل کے بارے میں پوچھ گچھ کی تھی؟"

"میں اس کے لیے تیار تھا مگر اس نے وہ ذکر ہی نہیں میں صاف مکر گیا۔ اس وقت تک صندل خان سے ہمارا بہت زیادہ میل جول رہا تھا مگر یہ بات ہمارے حق میں تھی کہ اس سے جنت گل والے معاملے پر کبھی بھی کھل کر بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ پائندہ گل کا اندھا پیروکار تھا اور اس کے احترام کی وجہ سے جنت گل کے بارے میں بات کرنے سے گریزاں رہتا تھا۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ پائندہ گل سے اپنی ملاقات کے بعد میں نے اسے یہ بتادیا تھا کہ پائندہ گل مجھے جنت گل کی تلاش میں کابل بھیجنے کا خواہاں تھا۔ بات کسی بھی اعتبار سے قابل گرفت نہیں تھی۔

وہ سینہ بہ سینہ چلنے والی کہانیوں کے ذریعے اس بات سے واقف رہا ہوگا کہ جنت گل میرے بارے میں کیا کہتی پھر رہی لیکن یہ نوبت نہیں آئی تھی کہ مجھے صندل خان کے روبرو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا۔ میری جو کچھ بات ہوئی، وہ پائندہ گل سے ہوئی تھی جو مارا جاچکا تھا۔ میرے منکر ہوجانے کی صورت میں اس جانب کوئی ایسا حریف موجود نہیں تھا جو یہ کہہ سکتا کہ میں پہلے جس بات کا اقرار کیا تھا، اُس سے منحرف ہورہا تھا۔

"یہ ناقابلِ یقین ہے" صندل خان خودکلامی کے انداز میں بڑبڑایا "سردار ضرور بدل گیا ہے لیکن اس وادی اور یہاں کے باسیوں کی قدیم روایات بدستور برقرار ہیں۔ اس پر عبدالرحیم خان کے خون کا بدلہ واجب نہیں ہے لیکن شنگاریوں کی بدترین بے عزتی کا بدلہ لینا اس پر فرض ہے۔ پتا نہیں وہ اس بارے میں کیا سوچ رہا ہے؟ شاید وہ ضرورت سے زیادہ چالاک بننے کی کوشش کررہا ہے۔ بھول گیا ہے کہ اس طرح وہ خسارے میں رہے گا۔"

گفتگو بہت نازک موڑ پر آگئی تھی۔ شنگاریوں کی بدترین بے عزتی والا اشارہ واضح طور پر میری جانب تھا۔ اس بارے میں کوئی بھی سوال فیصلہ کن ثابت ہوسکتا تھا۔ میں نے ان کڑے لمحات کو ٹالنے کے لیے سگریٹ سلگانی شروع کردی۔ ویرا اور سلطان شاہ بھی اس موقعے کی نزاکت کا پورا پورا احساس تھا اس لیے وہ دونوں بھی خاموش ہی رہے۔ غزالہ پہلے ہی وہاں سے اٹھ کر دروازے سے باہر نکل چکی تھی۔

فضا پر کچھ دیر تک بوجھل اور اعصاب شکن خاموشی طاری رہی۔ ہم تینوں موضوع کے تسلسل سے خائف تھے اور وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا۔ آخر کار وہ بوجھل انداز میں اٹھ کھڑا ہوا اور بولا "اب میں چلتا ہوں، میں تیاری کے سلسلے میں یہاں سے چند گھنٹوں کے لیے غائب رہوں گا۔ تم سے کوئی پوچھے تو لاعلمی ظاہر

رتے ہوئے' بس اتنا کہہ دینا کہ تم نے مجھ سے سونف کی شراب کی خواہش ظاہر کی تھی۔"

"اور سونف کی شراب کا مطالبہ تمہاری غیرحاضری کا جواز پیدا کرے گا؟" ویرا نے پوچھا۔

"ہاں' اس کے لیے مجھے گالان سے نیچے جانا پڑے گا" وہ سنجیدگی سے بولا "سب جانتے ہیں کہ سونف کی بہترین شراب کھنار والے بناتے ہیں اور وہ بستی یہاں سے ذرا لمبی مسافت پر ہے۔"

"جاؤ' میں سونف کی شراب کی منتظر رہوں گی" ویرا اونچی آواز میں بولی۔

وہ چلا گیا اور ایک بار پھر ہم تینوں وہاں بیٹھے رہ گئے۔ سب کی کھوپڑیوں پر جمود طاری ہو چلا تھا۔ شاید کسی کے پاس کہنے کے لیے کوئی بات باقی نہیں رہی تھی اس لیے تینوں خالی خالی نظروں سے ایک دوسرے کے چہرے تکتے رہے۔ لیکن وہ مضحکہ خیز صورت حال زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی۔ ویرا نے اچانک ہی کھلکھلا کر ہنسنا شروع کر دیا۔ اس پر پڑنے والا ہنسی کا دورہ اتنا شدید تھا کہ وہ میری یا سلطان شاہ کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکی اور ہم دونوں کچھ نہ سمجھنے کے باوجود مسکرانے پر مجبور ہو گئے۔

"ہم تینوں ایک دوسرے کو ہونقوں کی طرح یوں دیکھ رہے تھے جیسے سب ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوں" غزالہ کے آنے پر ویرا نے اپنی بے ساختہ ہنسی کا سبب بتاتے ہوئے کہا "خاص طور پر سلطان شاہ ایسے برے برے منہ بنا رہا تھا جیسے اسے بدہضمی ہو گئی ہو۔ یہی دیکھ کر میری ہنسی چھوٹ گئی۔"

ویرا کی وضاحت سنتے ہی سلطان شاہ کے ہونٹوں سے مسکراہٹ کافور ہو گئی اور وہ اٹھ کر اس دروازے کی طرف چل دیا جو وسطی ہال میں کھلتا تھا۔

اس دن کا ناشتا بھی بہت بھرپور اور پرتکلف تھا۔ کسی چیز سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ گالان میں صرف رات تک کی خوراک کے ذخائر باقی رہ گئے۔ ہم چاروں نے آنے والی متوقع قلت کے پیش نظر بسیار خوری کا مظاہرہ کیا جو ہمارے حق میں اس اعتبار سے مفید ثابت ہوا کہ شکم سیر ہوتے ہی ہم پر نیند کا خمار طاری ہونے لگا اور ہم رات کی بیداری کا حساب پورا کرنے کے لیے بستروں پر دراز ہو گئے۔

میری کب آنکھ لگی' مجھے علم نہیں۔ بیدار ہوا تو مجھ سے پہلے وہ تینوں اپنی نیند پوری کر چکے تھے اور نہا دھو کر قندوز خان کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ میں اس سے سلام دعا کر کے نہانے کے لیے چل دیا۔

میں واپس آ کر ان لوگوں کی محفل میں شریک ہوا تو ایک بری خبر میری منتظر تھی۔

صبغت اللہ کے [illegible] مخبر نے صندل خان کو گالان کی ڈھلانوں سے اتر کر کھنار کی طرف جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اسے واپسی پر اس بارے میں سخت سرزنش کی گئی تھی۔ ان تینوں نے قندوز خان سے وہ خبر سننے کے بعد کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا اس لیے وہ بات وہیں رہ گئی تھی۔ جب قندوز خان نے وہ خبر میرے سامنے دہرائی تو میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا "اس کی نیت میں یقیناً کوئی فتور آیا ہوا ہے۔ صبح میں نے اس سے سونف کی شراب کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس کے بعد میں اس کا انتظار کرتا رہا مگر وہ یوں غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ یہ پتا چلا کہ وہ یہاں سے نکل کر کھنار نامی بستی کی طرف کیوں گیا تھا؟"

"پھر وہ سچ بول رہا ہے" میری بات سن کر قندوز خان سنجیدہ ہو گیا "اس نے یہی کہا ہے کہ تم میں سے کسی نے سونف کی شراب پینے کی خواہش ظاہر کی تھی اور وہ کھنار کی طرف دوڑا چلا گیا۔ وہ کھنار سے ایک گیلن بھر لایا ہے۔ سونف کی شراب وہاں بہت عمدہ بنتی ہے۔"

"تم نے ان لوگوں سے صندل خان کے بیان کی تصدیق نہیں کرائی؟" میں نے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حیرت سے کہا "یہ بات ان کے سامنے ہوئی تھی۔"

"میں نے خاص طور پر ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ میرا خیال تھا کہ باتوں باتوں میں سچ اور جھوٹ کا پتا چل جائے گا۔" قندوز خان نے بے پروائی سے کہا "ویسے بھی تحقیق کے لیے ایک آدمی کھنار کی طرف بھیج دیا گیا ہے۔"

"اتنی سختی سے وہ بھڑک جائے گا" میں نے کہا کیونکہ صبغت اللہ مجھے بتا چکا تھا کہ قندوز خان بھی غزالہ وغیرہ سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے آیا تھا اور اسے صندل خان پر اپنے سردار کی بے اعتمادی کا علم تھا۔

"بھڑکے گا تو وہ مارا جائے گا" قندوز خان نے بے رحمانہ سرد مہری سے کہا "وہ تمہاری زبان جانتا ہے۔ اسے ہر قیمت پر تمہاری خدمت میں رہنا چاہیے تھا۔ شراب لینے کے لیے کسی اور کو کھنار بھیجا جا سکتا تھا۔"

میں نے آگے کچھ نہیں کہا۔ میرا کوئی بھی اعتراض' صندل خان کی بے جا حمایت پر محمول سمجھا جا سکتا تھا۔

قندوز خان نے باہر سے ایک خدمت گار کے ذریعے وہ کنستر اندر منگوالیا جس میں صندل خان کی لائی ہوئی شراب موجود تھی۔ ڈھکن کھولتے ہی دیسی شراب کی تیز بو کے بھبکے فضا میں پھیل گئے۔ قندوز خان نے ندیدے پن سے تین گلاس بنائے ہمارے گلاسوں میں تین چوتھائی سے زیادہ پانی ڈالا گیا۔ اس نے اپنا گلاس کنستر ہی سے لبریز کیا تھا۔ میرے اور ویرا کے لیے وہ سیال اپنے حلق سے اتارنا دوبھر ہو رہا تھا۔ قندوز خان غٹاغٹ پیے جا رہا تھا۔

"یہ پورا کنستر تم ہی لے جانا" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "مجھے اس میں مٹی کے تیل سے زیادہ گندی بو آ رہی ہے۔ میں

نے خود پر جبر کیا تو ابکائی کر بیٹھوں گا۔" ویرا نے فوراً ہی میری تائید کر ڈالی۔

قندوز خان میری پیش کش پر کھِل اٹھا "میں بڑے شوق سے لے جاؤں گا۔ تمہیں شاید تیز شرابوں کا شوق نہیں ہے۔ یہ اس وادی کی بہترین سوغات سمجھی جاتی ہے۔ دور دور سے اس کی فرمائشیں آتی رہتی ہیں۔"

"شراب اور بند کمروں سے میری طبیعت اکتا گئی ہے" غزالہ نے بُرا سا منہ بنا کر قندوز خان سے کہا "کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم اپنا کچھ وقت گالان کی کھلی اور صحت افزا فضا میں گزار سکیں؟"

"ابھی چلتے ہیں" قندوز خان نے کہا اور پھر اپنا گلاس خالی کردیا۔ اپنے دل پسند مشروب کے بارے میں میری اور ویرا کی رائے سے وہ واقف ہو چکا تھا لہٰذا اس نے ہم دونوں کے گلاس بھی خالی کردیئے۔ وہ ہمیں باہر لے جانے کے ارادے سے اٹھا تو اس کی آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔

باہر سورج کی تیز روشنی کے باوجود خنکی پھیلی ہوئی تھی۔ حویلی کے صحن اور دالانوں میں لوگوں کی بھیڑ بھاڑ میں قدرے کمی واقع ہو چکی تھی۔ شاید بعض لشکریوں کی واپسی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ حویلی سے باہر، کھلے میدان میں قصباتی میلے کا سا سماں تھا۔ وہاں خطرناک صورتوں، ڈھیلے ڈھالے لباسوں اور کرخت آوازوں والے لحیم شحیم قبائلیوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ ان کے جسموں پر سجے ہوئے ہتھیاروں سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ وہاں صرف لڑنے مرنے کی نیت سے آئے تھے۔ وہ سب ہی جسموں میں اترنے والی تیز نگاہوں سے ہم چاروں کو گھور رہے تھے۔ قندوز خان لوگوں سے ملتا ملاتا ہمارے پیچھے آرہا تھا اور غزالہ میرا بازو تھام کر مجھے اس بھیڑ سے باہر کھینچے جارہی تھی۔

"مجھے ان سب سے خوف آرہا ہے" وہ میرے کان کے نیچے منمنائی "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے یہ ہمیں آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جائیں گے اور قندوز خان کہہ رہا تھا کہ یہاں ہمارے ساتھ کوئی بد نگاہی نہیں ہوگی۔"

"تم ہی کو باہر کی ہوا کھانے کا شوق تھا" سلطان شاہ اس کی منمناہٹ سن کر بولا "میری دانست میں یہ بہت زیادہ تہذیب اور شائستگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ہمارے پیچھے قندوز خان نہ آرہا ہوتا تو اب تک کئی من چلے جنگ جو تم دونوں کے بازو تھام چکے ہوتے۔"

"واپس لوٹ چلو۔ بند دیواروں میں ہم زیادہ محفوظ رہیں گے" غزالہ بولی۔ وہ واقعی گھبرا گئی تھی۔

"میں تو تمہیں ساتھ لے کر بستی کی طرف جانے کا ارادہ کر رہی تھی" ویرا نے اسے چڑانے والے لہجے میں کہا "یہ دونوں قندوز خان کے ساتھ یہیں کہیں بیٹھ کے ہمارا انتظار کرسکتے ہیں۔ بستی کی سیر بہت دلچسپ ہوگی۔ وہاں مرد ہی نہیں، ان کی عورتیں اور بچے بھی ہوں گے۔ ہم ان کا رہن سہن بھی دیکھ لیں گے۔"

"مجھے اپنا تماشا بنانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے" غزالہ چڑ کر بولی "ان کا رہن سہن ان ہی کو مبارک ہو۔"

"وہ ہماری فرمائش پر ہمیں باہر لایا ہے" میں نے نرمی سے کہا "اب فوراً واپس لوٹنے میں سبکی ہوگی۔ تھوڑا سا وقت گزار کر واپس لوٹ جائیں گے" ہم لوگ ان شکاریوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے اپنی باتیں کرتے جارہے تھے اور وہ اپنی بولی بول رہے تھے لیکن ہم ان کی بات سمجھ رہے تھے نہ وہ ہماری باتیں سمجھ پا رہے تھے۔

چند منٹ بعد ہم اس بھیڑ سے باہر نکل گئے۔ قندوز خان بھی تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ہم سے آملا۔ اس کی چال ہی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کھنار کی تیز شراب کے بخارات نے اس کے معدے سے نکل کر اس کی کھوپڑی پر اپنا اثر جمانا شروع کردیا تھا۔

"تم دعویٰ کر رہے تھے کہ گالان میں کوئی ہم دونوں عورتوں پر نگاہ نہیں ڈالے گا مگر یہاں سب ہی ہمیں دیدے پھاڑ پھاڑ کر گھور رہے تھے۔" ویرا نے اس کی کیفیت کا اندازہ لگا کر بے تکلفی سے کہا۔

"وہ گالان کے باسیوں کی بات تھی" قندوز خان نے اس کی شکایت کا بُرا مانے بغیر کہا "یہ باہر سے آئے ہوئے ہیں۔ ان کو تم لوگوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ ان میں سے بیشتر اس وادی کے دہقان ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ وہ کھلے آسمان کے نیچے اپنی پگڑیاں بچھائے، پتھر کے سرہانوں پر کتنے اطمینان سے لیٹے اور بیٹھے ہوئے ہیں۔ تم لوگوں کے اجنبی خدوخال اور چھوٹے بدن انہیں حیران کر رہے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بڑوں نے بھی کبھی ان پہاڑوں سے باہر کی دنیا نہیں دیکھی تھی۔ ان کی حیرت زدہ نگاہوں سے تمہیں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔"

حویلی کے احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ ہم لوگ بغلی سمت میں مُڑے تو چند ہی لمحوں میں وہ بھیڑ بھاڑ ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ اس طرف دور تک سبزے اور درختوں کی بہار پھیلی ہوئی تھی۔ ہم مزید آگے جانے کے بجائے، اسی جگہ ابھرے ہوئے پتھروں پر ٹک کر بیٹھ گئے۔

"ہم اسی طرف آگے چلیں تو وہ ویران باڑہ آجائے گا جہاں پرسوں رات تمہیں لٹکایا گیا تھا" کچھ دیر کی فرحت افزا خاموشی کے بعد قندوز خان ہمیں بتانے لگا "راہداری میں کھلنے والی کوٹھری کا مضبوط دروازہ اندر سے مقفل کردیا گیا ہے ورنہ اِدھر سے بھی حویلی میں داخل ہوسکتے تھے۔"

"تو کیا آگ لگانے والے بموں کا ذخیرہ اس باڑے سے نکال لیا گیا ہے؟" میں نے محض بات بڑھانے کی نیت سے کہا مگر قندوز خان فوراً ہی بری طرح چونک پڑا۔

"تمہیں ان بموں کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

ہ بھر کے لیے میں بوکھلا گیا۔ مجھے پہلا خیال یہ آیا کہ میں نے ...ے وہ سوال کر کے فاش غلطی کی تھی کیونکہ آتش گیر بموں کے ...ے کی بات صندل خان نے بتائی تھی۔ قندوز خان نے اس ...ے تک بموں کے بارے میں زبان نہیں کھولی تھی مگر اگلے ہی ...ے مجھے یاد آگیا کہ صبغت اللہ نے ہم چاروں کی کارکردگی کی ...یف کرتے ہوئے، بموں کے اس ذخیرے کو پائندہ گل کے ...ہوں سے بچائے رکھنے کا خصوصی ذکر کیا تھا‘ میں نے کہا ”رات ...سردار صبغت اللہ نے بتایا تھا ورنہ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ تم ...ہیں کس مقصد کے لیے وہاں روک کے رکھا تھا۔“

اس کے چہرے کے تنے ہوئے عضلات یک لخت ڈھیلے پڑ گئے ...سکراتے ہوئے بولا ”تمہیں معلوم ہو جاتا کہ تم جہنم کے دہانے پر ...ے ہوئے ہو تو باڑے پر راکٹ گرتے ہی تم وہاں سے بھاگ نکلتے۔ ...تمہاری بے خبری ہی کا کمال تھا کہ تم نے آخر تک وہ مورچا نہیں ...وڑا۔ اس راکٹ نے باڑے کے ایک حصے کو تباہ کر دیا تھا مگر وہ ...ہ محفوظ رہا۔ اگر راکٹ اسے بھی لپیٹ میں لے لیتا تو بہت ...یانک تباہی پھیل جاتی۔ حویلی کا تنکا تنکا راکھ ہو جاتا اور اندر پھنسے ...ے سارے آدمی جل کر کوئلہ بن جاتے۔ یہ سردار صبغت اللہ ...کا خیال تھا کہ تمہیں بے خبر رکھا جائے۔ شنگاریوں کو اس ...یرے کے بارے میں معلوم تھا اس لیے ہمارے آدمی بھی زیادہ دیر ...ں وہاں نہ ٹکتے۔ کوئی بہت زیادہ ہمت کر بھی لیتا تو راکٹ گرنے ...ے بعد میدان چھوڑ کر وہاں سے بھاگ نکلتا۔ وہ ذخیرہ اب باڑے ...ے سے نکال لیا گیا ہے۔“

گالان میں سب کچھ اسرار کے تہ در تہ پردوں میں چھپا ہوا ...۔ اصلیت بہت آہستگی سے اور مرحلہ وار ہمارے علم میں آرہی ...تھی۔ پہلے میرا خیال تھا کہ اس جنگ میں ہمارا کوئی کردار نہیں تھا۔ ...صندل خان کے انکشاف اور صبغت اللہ کی تائید سے یہ اندازہ ...ہوا کہ حویلی کے اندر قابل اعتمادیا باغی نفری کی کمی کی وجہ سے اس ...مورچے کی حفاظت کا کام ہم چاروں سے لیا گیا تھا اور اب سرور ...میں آیا ہوا قندوز خان کچھ اور ہی بتا رہا تھا۔ اس باڑے اور اس ...ے ملحق راہداری میں اس قدر سنگین خطرہ تھا کہ وہ خود بھی ...ہتھیاروں کا تھیلا ہمارے حوالے کر کے واپس بھاگ گیا تھا۔ دیدہ ...دانستہ کوئی بھی شنگاری موت کے اس بھیانک دہانے پر نہیں ٹھہر ...سکتا تھا۔ صندل خان نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس ذخیرے تک رسائی ...نہ ہونے کی وجہ سے پائندہ گل کے حامیوں کو شکست کا منہ دیکھنا ...ا۔ وہاں تک پہنچنے کے راستے کاٹنے کے لیے ہمیں چارا بنایا گیا ...اور یہی وجہ تھی کہ ہماری طرف سے سازش میں شرکت کا خفیہ ...اشارہ ملتے ہی صبغت اللہ نے گالان کے گرد چھپے ہوئے باغیوں کو ...حرکت سے حرکت میں لا کر اگلی ہی صبح حویلی پر دھاوا بول دیا۔

قندوز خان کے بیان نے آخر کار اس کہانی کو مکمل کر کے میری ...غلط فہمی بالکل دور کر دی تھی۔

تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ کچھ فاصلے پر نشیب سے ایک آدھ متحرک دھبا نمودار ہوا پھر اس نے بوریوں وغیرہ سے لدے ہوئے خچروں کی ایک قطار کی صورت اختیار کر لی۔ میں نے قندوز خان کو اس طرف متوجہ کیا تو اس کے منہ سے بے اختیار تشکر آمیز کلمات نکل پڑے اور میں حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگا۔

”یہاں خوراک ختم ہونے والی تھی“ میری استفسار طلب نگاہوں کو پڑھ کر اس نے بتایا ”میدانی منڈیوں سے گاڑیاں لوٹ آئی ہیں۔ ان خچروں پر کھانے کا سامان آرہا ہے۔ سردار صبغت اللہ کو بہت بے چینی سے اس کارواں کی آمد کا انتظار تھا۔ ابھی تھکے ہوئے خچر دور ہیں۔ آؤ، چل کر اسے خوش خبری سنا دیں۔“

ہم لوگ خود بھی زیادہ دیر تک باہر رہنے کے موڈ میں نہیں تھے اس لیے فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

”اِدھر سے اوپر آنے کا کون سا راستہ ہے؟“ تیز تیز قدموں سے اس کے ساتھ چلتے ہوئے میں نے سوال کیا ”ہم لوگوں کو تو کسی اور راستے سے اوپر لایا گیا تھا جو بستی سے ہو کر حویلی کی طرف آتا ہے۔“

”اب تم دوست ہو اس لیے تمہیں یہ بتانے میں کوئی ہرج نہیں ہے کہ گالان کی بلندی سے نیچے آنے جانے کے کئی آسان راستے ہیں جن سے لوگ پیدل اور خچروں پر سوار ہو کر آتے جاتے رہتے ہیں۔“ وہ بولا ”پائندہ گل نے تمہیں قیدی بنا کر بلایا تھا اس لیے تمہیں سب سے لمبے اور خطرناک راستے سے اوپر لایا گیا تھا تاکہ تم گالان سے فرار ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکو۔ مرنے والا مکاری اور سفاکی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔“

میرا خیال تھا کہ مکاری میں وہ سب ہی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔

واپسی میں ہمیں ایک بار پھر پھٹی پھٹی اور وحشت زدہ آنکھوں کے ہجوم میں سے گزرنا پڑا۔ اس بار میں نے ان بے حجاب نظروں کا گہرا جائزہ لیا تو مجھے وہاں تحیّر کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آیا۔

حویلی میں پہنچنے کے بعد قندوز خان اپنے نئے آقا سے ملنے کے لیے چلا گیا اور ہم چاروں راستہ تلاش کرتے ہوئے اپنے مہمان خانے تک پہنچ گئے۔ وہاں صندل خان پریشانی کے عالم میں ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے لٹکے ہوئے چہرے سے تھکان اور مایوسی مترشح تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”تم سب کہاں چلے گئے تھے؟ میں کب سے نئے کپڑوں کے ساتھ تمہارا انتظار کر رہا ہوں“ اس نے شکوہ کیا۔

”ہم قندوز خان کے ساتھ باہر کھلی فضا میں گئے ہوئے تھے“ میں نے اسے بتایا۔

”میرے ساتھ بدمعاشی شروع کر دی گئی ہے“ وہ جھلا کر بولا ”میں ایک ایک سے پوچھتا پھر رہا ہوں لیکن کسی نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ تم لوگ قندوز خان کے ساتھ باہر نکلے ہو۔ میری کچھ سمجھ میں

نہیں آرہا کہ میرے ساتھ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے؟" وہ بہت زیادہ پریشان اور کبیدہ خاطر دکھائی دینے لگا تھا۔

میں اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا لیکن اس وقت زبان سے کچھ نہیں بولا اور خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ وہ بھی ایک تھیلا اٹھا کر ہمارے ساتھ ہولیا۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے وہ تھیلا ایک بستر پر الٹ دیا اور وہاں کئی رنگوں کے مردانہ جوڑے پھیل گئے۔ وہ نئے نہیں تھے لیکن دھلے ہوئے اور بے داغ ضرور تھے۔ ان کی تراش خراش مقامی وضع کی تھی۔ اس وقت تک ہم لوگوں کے جسم پر وہی لباس منڈھے ہوئے تھے جن میں ہمیں اغوا کیا گیا تھا۔ گرد و غبار سے اٹے ہوئے راستوں کے طویل سفر، مار دھاڑ اور مسلسل استعمال کی وجہ سے ہمارے کپڑے بہت گندے ہو چکے تھے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ صندل خان نے ہماری اس ضرورت کو ہمارے مطالبے سے پہلے محسوس کر لیا تھا۔

"یہ سب مردانہ کپڑے ہیں۔ ہم دونوں کیا کریں گی؟" غزالہ نے اس ڈھیر کو الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد کہا۔

"عورتوں کے کپڑے کسی کو نہیں دیئے جا سکتے۔ میں چھوٹے بڑے ناپ کے دس جوڑے لے آیا ہوں۔ تم کو بھی ان ہی میں سے دو جوڑے چھانٹ کر گزارا کرنا ہوگا" اس نے نرمی سے کہا "یہاں سے نکلنے میں تمہارے یہ لباس مددگار ثابت ہوں گے۔ تم کو دور سے دیکھ کر کوئی نہیں پہچان سکے گا کہ تم مقامی نہیں ہو۔"

عورتوں کو اس کام میں الجھا ہوا چھوڑ کر میں صندل خان کو ایک طرف لے گیا اور آخری بستر پر جا بیٹھا تاکہ کوئی آنے والا ہم دونوں پر شبہ نہ کر سکے۔ وہاں بیٹھنے کے بعد میں نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا "سنا ہے کہ آج تم کو سرزنش کی گئی ہے؟ کسی مخبر نے تم کو گالان سے نکل کر کھنار کی طرف جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا؟"

"میں جوش میں یہ بھول گیا تھا کہ شنگاریوں کے اعصاب اور ماحول پر ابھی تک جنگ طاری ہے اور چپے چپے پر نئے سردار کے مخبروں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ میں اپنی ساری احتیاط کے باوجود خود کو پوشیدہ رکھنے میں ناکام رہا لیکن میں فکرمند نہیں ہوں۔ سونف کی شراب کی کہانی سنا کر میں نے سردار صبغت اللہ کا غصہ ٹھنڈا کر دیا ہے" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔

"بات ختم نہیں ہوئی بلکہ اب چل پڑی ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "کسی کو تحقیقات کے لیے کھنار بھیجا گیا ہے۔"

میری بات پر اس کا چہرہ دھواں ہوگیا اور وہ کھوئی کھوئی سی آواز میں بولا "اس کا مطلب ہے کہ میری بات پر اعتبار نہیں کیا گیا۔ کیا انہوں نے تم سے بھی کوئی پوچھ گچھ کی تھی؟"

میں نے اسے اپنی اور قندوز خان کی باتیں بتا دیں "تمہیں بہت محتاط اور چوکنا رہنا ہوگا۔ شاید وہ لوگ تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں۔ تمہاری ذرا سی بھی لغزش ہم سب کو ایک ساتھ لے ڈوبے گی۔"

"آج میں خچروں کا بندوبست کرنے کے لیے گیا تھا" اس نے رازداری سے کہا "خچروں کے بغیر ہمارا گالان سے نکلنا مشکل ہے۔ ان کے ذریعے ہم چند میل کا سفر کر کے اس مقام تک جائیں گے جہاں ایک جیپ ہماری منتظر ہوگی۔ سدھائے ہوئے خچروں کے انتظام کے بارے میں مجھے کل تک جواب مل جائے گا۔ وہ آدمی بہت مضبوط اور بھروسے والا ہے۔ تحقیقات کے لیے جانے والا آدمی اس تک پہنچ بھی گیا تو کچھ اگلوا نہیں سکے گا۔ اس کٹھن موڑ پر ہمیں ایک دوسرے سے عہد کرنا ہوگا کہ کسی ایک فریق کا ستارہ گردش میں آگیا تو وہ دوسرے کو نہیں پھنسوائے گا۔"

"میری طرف سے تم پورا یقین رکھو" مجھے اس سے ہمدردی سی محسوس ہونے لگی۔ میں نے اسے نہیں بتایا تھا مگر میں جانتا تھا کہ صبغت اللہ اور قندوز خان اس کی نیت اور ارادوں کے بارے میں مطمئن نہیں ہیں اور کسی بھی وقت اس پر ہاتھ ڈالنے کے عزائم لیے بیٹھے ہیں۔

"میں بھی تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ پکڑا گیا تو تمہارے ارادوں کے بارے میں ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکالوں گا" وہ یک بیک جذباتی ہوگیا "مجھے امید ہے کہ ایسا برا وقت نہیں آئے گا اور ہم ایک ساتھ بادرانیوں کی لائی ہوئی نحوست سے آزاد ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے' میں نے خان بابا کی زندگی میں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہو تو مجھے سچے دل سے معاف کر دینا۔ آج کے بعد تم مجھے ہمیشہ اپنا خیر خواہ اور ہمدرد پاؤ گے۔"

میرے الفاظ حلق ہی میں پھنس کر رہ گئے مگر اس نے میری نظروں میں پوشیدہ پیغام پڑھ لیا اور ہمارے کمرے سے چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی میری نگاہ اس کنستر پر پڑی جو وہ ہمارے لیے کھنار سے لایا تھا۔ میں فوراً ہی باہر نکلا تاکہ اس کے ذریعے وہ بدبودار کنستر قندوز خان کو بھجوا سکوں۔ باہر آکر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ ان چند ثانیوں میں ہی بہت دور نکل چکا تھا اور غیر معمولی تیز رفتاری کے ساتھ مہمان خانے سے نکاسی کے راستے کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے اسے آواز دی تو وہ فوراً ہی پلٹ پڑا اور رک کر میری طرف دیکھنے لگا۔

وہ میری طرف واپس نہیں آیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کہیں جانے کی عجلت ہو۔ میں نے اسے کنستر کے بارے میں آگاہ کیا تو اس نے وہیں سے جواب دیا کہ وہ باہر سے کسی کو اس کام کے لیے بھیج دے گا۔ یہ کہہ کر وہ الوداعی انداز میں ہاتھ لہرا کر سیدھا باہر نکلتا چلا گیا۔

اس وقت صندل خان کا رویہ بہت عجیب اور ناقابل فہم تھا۔ کوئی بات میرے لاشعور میں کھٹک رہی تھی مگر میں اسے سمجھنے سے قاصر تھا۔ میں اپنی اس بے نام خلش کو کوئی معنی پہنانے کے چکر میں الجھا رہا اور ان تینوں نے اپنے میلے کپڑے مردانہ شنگاری لباس سے بدل ڈالے۔ خوش قسمتی سے دونوں عورتوں کو ان کی ناپ کے

باہم مل گئے تھے جن میں ان کا رنگ روپ اس قدر نکھر آیا تھا کہ
ان پر نگاہ نہیں ٹھہر رہی تھی۔
میں نے بھی غسل خانے میں جاکر اپنے میلے کپڑوں سے
چھٹکارا حاصل کرلیا۔
شام کی ہوا خوری سے واپسی پر قندوز خان ایسا غائب ہوا کہ
دوبارہ اس کی جھلک ہی نہیں دکھائی دی۔ میں نے رات کے کھانے
تک کئی بار صندل خان کو بیرونی ہال اور اس کے کمرے میں تلاش
کیا لیکن اس کا بھی سراغ نہیں مل سکا۔ کھانا لانے والا شنگاری
اردو سے نابلد تھا۔ میں نے اس سے اشاروں کنایوں میں صندل
خان کے بارے میں معلوم کرنا چاہا لیکن وہ میری بات سمجھ سکا نہ
مجھے کچھ سمجھا سکا۔

ایک طرف یہ صورتِ حال تھی کہ ان دونوں میں ایک
ہمارے پاس سے جاتا تھا تو دوسرا فوری طور پر آموجود ہوتا تھا۔ ان
دونوں سے عمومی اور پُرپیچ مسائل پر تبادلۂ خیال میں مصروف رہ کر
ہمیں یہ اندازہ ہی نہیں ہوپاتا تھا کہ ہم کسی اجنبی ماحول میں پھنسے
ہوئے تھے۔ دوسری طرف وہ دونوں ہی ایک ساتھ غائب ہوگئے
تھے۔ وہاں کیا ہورہا تھا' یہ ہمارے علم میں نہیں تھا کیونکہ ہمیں اندر
کی تمام خبریں ان ہی دونوں سے ملتی تھیں۔

ہم کھانے میں مصروف تھے تو تھوڑے تھوڑے وقفے سے تین
شنگاری ہمارے کمرے میں آئے۔ انہوں نے دروازہ کھول کر
تجسس نگاہوں سے پورے کمرے کا جائزہ لیا اور واپس لوٹ گئے۔
ان کے انداز سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ انہیں ہمارے کمرے میں
کسی فرد یا چیز کی تلاش تھی۔ اس آمدورفت نے ہمارے دلوں میں
موجود تجسس کو اور بڑھادیا۔ وہاں کوئی ایسا فرد موجود نہیں تھا جو
ہمارا اطمینان کراسکتا۔ میرے ذہن میں ایک موہوم سی امید تھی
کہ شاید کھانے کے بعد سردار صبغت اللہ مجھے بلالے۔ اس سے
ملاقات ہوجاتی تو مجھے اپنے سوالوں کے جوابات مل سکتے تھے۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہوتے ایک چوتھے آدمی نے بھی
ہمارے کمرے کا جائزہ لے ڈالا۔ اس نے ہر تخت کے نیچے جھانک
کر اپنا اطمینان کیا اور لوٹ گیا۔ میں خالی برتن وہیں چھوڑ کر وسطی
ہال میں جا بیٹھا جہاں حقہ تازہ کردیا گیا تھا اور فضا تمباکو کی خوشگوار
بو سے مہک رہی تھی۔

"کچھ دیر سے یہاں پُراسرار نقل و حرکت شروع ہوگئی ہے۔
کیا تمہیں اس پر تشویش نہیں ہے؟" سلطان شاہ نے میرے قریب
بیٹھتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

"نقل و حرکت سے زیادہ پریشانی اس بات کی ہے کہ
قندوز خان کے ساتھ ہی صندل خان بھی غائب ہوگیا ہے اور ہم ان
شنگاریوں میں گھرے رہ گئے ہیں جو ہمارے لیے بالکل گونگے اور
بہرے ہیں۔"

"کیوں نہ باہر نکل کر ان دونوں میں سے کسی کو تلاش کرنے کی
کوشش کی جائے؟" اس کی تجویز معقول تھی مگر ان غیر یقینی حالات
میں ہمارا ادھراُدھر بھٹکنا خطرناک بھی ثابت ہوسکتا تھا۔ میرے
ذہن میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ صندل خان کو ہماری مہمان داری
کی کل وقتی ذمے داری سونپی گئی تھی۔ اگر وہ کسی کام سے چلا گیا تھا
تو اسے جلد ہی لوٹ آنا چاہیے تھا۔ اس کی طویل ہوتی ہوئی
غیر حاضری کسی سنگین گڑبڑ کی نشان دہی کررہی تھی جو کسی چھوٹی
موٹی جوابی بغاوت کی کوشش بھی ہوسکتی تھی۔

میں حقے کے کش لے کر ان ہی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش
کررہا تھا کہ اچانک قندوز خان عجلت سے ہال میں داخل ہوتا ہوا
نظر آیا اور میرا دل خوش ہوگیا۔ ہمیں ہال میں موجود دیکھ کر وہ
ہمارے کمرے کی طرف جانے کے بجائے' وہیں آگیا۔ اس کے
چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔ میں اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"صندل خان کہاں ہے؟" اس نے کسی تمہید کے بغیر مجھ سے
سوال کیا۔ اس نے میرے بدلے ہوئے لباس کو نظر انداز کردیا تھا۔

"تم سے الگ ہونے کے بعد اس سے سرسری ملاقات ہوئی
تھی۔ وہ ہمیں صاف کپڑے دے کر کہیں چلا گیا تھا" میں نے جواب
دیا۔ "میں خود کئی گھنٹوں سے اس کی تلاش میں ہوں۔ اس دوران
میں چار شنگاری ہمارے کمرے کی تلاشی لے چکے ہیں لیکن کوئی بھی
ہمیں کچھ نہیں بتاسکا۔ مجھے بے چینی سے تمہارا انتظار تھا۔"

"وہ غائب ہے" قندوز خان نے قدرے جھلاّہٹ کے ساتھ کہا
"حویلی اور گالان میں تلاش کے باوجود اس کا سراغ نہیں مل سکا۔
شاید وہ اپنے سر پر بھیانک خطرات منڈلاتے ہوئے دیکھ کر یہاں
سے فرار ہوگیا ہے۔ اس نے آخری ملاقات میں تم سے کوئی خاص
بات کی تھی؟ میرا اشارہ اس کی سرزنش کی طرف ہے۔"

"نہیں.... وہ پُرسکون نظر آرہا تھا۔ میں نے سونف کی شراب
لانے پر اس کا شکریہ ادا کرکے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ اس
پر بھی اس نے زبان نہیں کھولی۔ بعد میں ایک خدمت گار وہ کنستر
لے گیا تھا۔"

"اس کی تلاش جاری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ رات کے سناٹے
کے انتظار میں کہیں چھپا ہوا ہو۔ حویلی میں آدمی پھیلادیے گئے
ہیں۔ کچھ ٹولیاں وادی سے نکاس کے خفیہ راستوں کی طرف دوڑا
دی گئی ہیں۔ اگر وہ نکل بھاگا ہے تو ہمارے آدمی جلد ہی اسے جالیں
گے۔ احتیاطاً تم لوگ اسی مہمان خانے میں رہو۔ باہر کے حالات
تمہارے لیے سازگار نہیں ہیں۔"

"کچھنار جانے والا کیا خبر لایا؟ کیا وہ وہاں صرف شراب لینے
ہی گیا تھا؟" میں نے خوف کی ایک اندرونی لہر کے ساتھ پوچھا۔

اس نے تیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور زہریلی آواز میں
بولا "وہ کچھنار میں تین آدمیوں سے ملا تھا۔ ان میں سے ایک بہت
مشتبہ آدمی ہے جو خچروں کو سدھانے کا کام کرتا ہے۔ شاید صندل

خان کو کسی طرح کھنار جانے والے کے بارے میں بھنک مل گئی اور وہ خطرہ بھانپ کر' بُرا وقت آنے سے پہلے ہی یہاں سے نکل گیا۔ سردار صبغت اللہ اس کے اچانک غائب ہوجانے پر بہت برہم ہے۔ اس نے کھنار کے ان تینوں آدمیوں کی گرفتاری کا فرمان جاری کردیا ہے۔ جن سے صندل خان نے ملاقات کی تھی۔ جلادوں کے بھیانک حربوں کے سامنے وہ زیادہ دیر تک جھوٹ نہیں بول سکیں گے۔"

صندل خان کا ہانکا شروع ہوچکا تھا۔ وہ مہم ہمارے لیے بھی خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ مجھے خیال ہوا کہ وہ گھبرا کر بھاگ نکلنے کے بجائے میدان میں ڈٹا رہتا تو شاید اس کے بچے رہنے کے امکانات روشن رہتے۔ روپوشی یا فرار کی راہ اختیار کرکے اس نے خونی بھیڑیوں کے ایک غول کو اپنے پیچھے لگالیا تھا۔ لیکن وہ ان ہی پہاڑوں میں پلا بڑھا تھا اور اپنے لوگوں کی فطرت سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ میرے خیال کے برعکس یہ بھی ہوسکتا تھا کہ صبغت اللہ کے آدمی بالا ہی بالا خچر سدھانے والے کھناری کو پکڑ کر اپنے تشدد کا نشانہ بناتے اور اس کی زبان سے سچ سنتے ہی صندل خان کو بے خبری میں دبوچ لیتے۔ اس صورت میں وہ کوئی مزاحمت کیے بغیر' اپنے مخالفوں کے سفاکانہ عزائم کی بھینٹ چڑھ جاتا اور کوئی اس کا پُرسانِ حال نہ ہوتا۔

قندوز خان عجلت میں تھا۔ مجھ سے معلومات حاصل کرنے اور اپنی ہدایت دینے کے بعد وہ وہاں نہیں رکا۔ جس رفتار سے آیا تھا۔ اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ واپس چلا گیا۔

ہم لوگ جب تک جاگتے رہے' مجھے یہ امید رہی کہ کسی بھی لمحے صبغت اللہ کی طرف سے بلاوا آسکتا ہے لیکن باہر کسی کے قدموں کی چاپ نہ گونجی اور ہم نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

اگلا دن اس سے کہیں زیادہ بے یقینی اور تذبذب کے عالم میں شروع ہوا۔ مجھے افسوس ہورہا تھا کہ میں نے قندوز خان سے صندل کی جگہ اردو جاننے والے کسی اور شنگاری کی بندوبست کی بات کیوں نہیں کی۔ وہ رابطہ ختم ہونے کے بعد ہم اپنے گردوپیش سے بری طرح کٹ کر رہ گئے تھے۔

اس وقت ہماری کوفت اور تشویش میں مزید اضافہ ہوگیا جب اس مہمان خانے کے کمروں میں بھی وحشت ناک چہروں اور بڑی بڑی پگڑیوں والے نیم مہذب شنگاری آنے لگے ان کی وجہ سے ہم اپنے کمرے میں محبوس ہوکر رہ گئے۔ شام ہونے تک بقیہ پانچوں کمرے آباد ہوچکے تھے اور حویلی کا وہ حصہ شنگاریوں کی اونچی اور نامانوس آوازوں کے ساتھ ہی وحشیانہ قہقہوں سے گونجنے لگا تھا۔ ان لوگوں کے آجانے کی وجہ سے خدمت گار بہت زیادہ مصروف ہوگئے تھے یا پھر وہ اپنے لوگوں کے آجانے کے بعد ہمیں نظرانداز کررہے تھے کیونکہ ان کی آمدورفت کا سلسلہ بھی معدوم ہوچکا تھا۔

"ان وحشیوں میں گھر کر میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوسکوں گی" غزالہ نے شام کو خوف زدہ آواز میں کہا "ہر بستر کے ساتھ موجود شراب کی بوتل انہیں آپے سے باہر کرسکتی ہے۔ ہماری احتیاط کے باوجود انہیں معلوم ہوچکا ہوگا کہ اس کمرے میں دو شہری عورتیں بھی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تجسس یا بدمستی سے مغلوب ہوکر کوئی رات میں یہاں گھس آئے۔"

"پتا نہیں تم اتنی بودی کیوں بن رہی ہو؟" ویرا نے کاٹ دار لہجے میں کہا "یہ لوگ ہمیں بھون کر نہیں کھاجائیں گے۔ تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ ہم چاروں بھی سردار کے معزز مہمان ہیں۔ یہ لوگ اپنے سردار کے مہمانوں کے ساتھ کسی بدسلوکی کی جرأت نہیں کرسکیں گے۔ اس چھت کے نیچے یہ مسلح شنگاری بالکل بے ضرر ہیں۔"

"میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ ہمیں اس مہمان خانے کے بجائے پرانے کمرے میں منتقل کردیا جائے تو شاید ہم سکون سے رہ سکیں گے" غزالہ نے بے بسی کے ساتھ میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اول تو یہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس سے میں اس بارے میں بات کرسکوں۔ قندوز خان آبھی جائے تو وہ اس بات کا بُرا مان سکتا ہے کہ ہم اس کے ہم وطنوں کو حقیر اور ناقابلِ برداشت سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کو اس مہمان خانے میں رکھا جارہا ہے تو یہ ضرور اس وادی کے معززین میں شمار ہوتے ہوں گے۔"

"معززین!" سلطان شاہ نے سر جھٹک کر زہرخند کے ساتھ کہا "تم نے ان معززین کا حال دیکھا ہے؟ کپڑے میلے کچیلے اور شاید بدبودار ہیں۔ بڑھے ہوئے ناخنوں میں میل بھرا ہوا ہے۔ اکھڑ لہجے میں اس طرح زور زور سے بول رہے ہیں جیسے ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے ہوں۔ گالان میں رہنے والے ان سے بہت بہتر ہیں۔"

"چند روز میں تم ان سے بھی مانوس ہوجاؤ گے" میں نے مسکرا کر کہا "صندل خان کے ساتھ فرار ہونے کے امکانات ختم ہوچکے ہیں۔ اب ہم صبغت اللہ کی مرضی سے ہی یہ وادی چھوڑ سکیں گے۔"

"دعا کرو کہ ڈینی کی چہیتی جلد از جلد ان لوگوں کے ہاتھ آجائے ورنہ ہماری مٹی پلید ہوکر رہ جائے گی" ویرا نے غزالہ سے مخاطب ہوکر کہا "جنت گل کا دیدار کیے بغیر ہم یہاں سے باہر نہیں جاسکیں گے۔"

"جنت گل!" سلطان شاہ نے حسرت سے ایک گہرا سانس لے کر کہا "مجھے حیرت ہے کہ دنیا کی ہر عجیب لڑکی ڈینی ہی سے ٹکراتی ہے۔ لوگ خربوزے کو قابو میں کرکے چھری کا شکار بناتے ہیں۔ میں نے یہ کہیں نہیں دیکھا کہ کوئی خربوزہ خود لڑھک کر چھری پر آگرا ہو۔ دیکھو' یہ کہانی کیا رنگ دکھاتی ہے؟"

"یہ تم سے ٹکرائی ہوئی ہے" میں نے خفت آمیز مسکراہٹ

کے ساتھ ویرا کی طرف اشارہ کر کے کہا "میرا خیال ہے کہ اس سے زیادہ عجیب لڑکی روئے زمین پر نہیں مل سکے گی۔"

"یہ بھی تمہارے ذریعے ہی میرے گلے پڑی ہے" سلطان شاہ نے منہ بنا کر برجستگی سے کہا اور ہم سب شنگاریوں کی طرح بے ساختہ ہنس پڑے۔ چند لمحوں کے لیے فضا کا بوجھل پن دور ہو گیا تھا۔

اس رات جب ہم بستروں پر دراز ہو چکے تھے تو قندوز خان آپہنچا۔ میں نے بہت تپاک سے اسے خوش آمدید کہا لیکن اس نے جواب میں کسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کیا اور خاموشی سے میرے پاس آبیٹھا۔

"کیا بات ہے؟ آج تم اداس اور پریشان نظر آرہے ہو" میں نے آہستگی سے پوچھا۔

"ہمیں اپنی پریشانیاں بہت جلد ان لوگوں کو لوٹا دوں گا جو ان کا سبب بنے ہیں" اس نے سرد مہری سے کہا "دوست بن کر دغا دینے والے، کھلے دشمنوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ میں ان کو نہیں بخشوں گا۔"

"تم کس کا ذکر کر رہے ہو؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔

"وقت آنے پر سب سامنے آجائے گا" اس نے اسی بے اعتنائی سے جواب دیا "اس وقت میں تمہاری خیر خبر لینے اور یہ بتانے آیا ہوں کہ صندل خان شنگارا ویلی سے کسی چور کی طرح بھاگتے ہوئے پکڑا گیا۔ کچنار کا نچروں والا بھی اس وقت ہمارے قید خانے میں ہے۔ وہ جلد ہی سب کچھ اگل دیں گے۔"

اس بری خبر سے میرا دوران خون یک بیک تیز ہو گیا مگر میں نے بظاہر پُرسکون رہتے ہوئے کہا "یہ اچھی بات ہے کہ تمہارے مجرم تمہارے قبضے میں آگئے۔ یہ تمہارا اندرونی معاملہ ہے۔ مجھے صرف اتنی سی فکر تھی کہ صندل خان کے غائب ہو جانے کے بعد یہاں اردو جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ تم کسی اور کا بندوبست کر دو تو بہت مہربانی ہو گی۔"

"یہ ناممکن ہے" مجھے اس کا لہجہ روکھا محسوس ہوا "اردو جاننے والے باہر کے کاموں پر گئے ہوئے ہیں۔ گالان میں سردار کے علاوہ صرف میں تمہاری بولی جانتا ہوں اسی لیے یہاں کا چکر لگانے آیا ہوں۔ تمہیں کھانے پینے کی کوئی شکایت ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں خدمت گاروں کو سمجھا دوں گا۔"

"ہمیں ہر طرح کا آرام میسر ہے۔ کسی مقامی سے بات چیت نہ ہونے کی وجہ سے ہم سب خود کو اکیلا اور اجنبی محسوس کرنے لگے ہیں۔ تم بھی بہت زیادہ مصروف نظر آنے لگے ہو ورنہ تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزر رہا تھا۔"

"میں اس وقت بھی مشکل سے وقت نکال کر یہاں آیا ہوں۔ یہ چند روز سردار صبغت اللہ کے لیے بہت اہم ہیں۔ کہیں بھی ذرا سی بے پروائی ہوئی تو ہماری ساری محنت رائیگاں جا سکتی ہے۔"

"سردار سے ہماری ملاقات کب ہو سکے گی؟" میں اپنے ذہن میں اٹکا ہوا دوسرا سوال بھی زبان پر لے آیا۔

"کیوں؟" میرے سوال پر اس کی تیوریاں چڑھ گئیں "ایسی کون سی بات ہے جو تم میرے بجائے سردار صبغت اللہ سے کرنی چاہتے ہو؟ اگر میری ہی کوئی شکایت ہے تو دوسری بات ہے۔"

"ارے، تم تو ناراض ہو رہے ہو" میں نے اس کا بازو دباتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں کہا "میں سردار سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہم یہاں سے کب تک روانہ ہو سکیں گے۔ ہمیں یہاں آئے ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے۔"

"وہ بہت مصروف ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ مہمان خانہ بھر چکا ہے۔ تبدیلی کے بعد دور دراز کے قبیلوں سے معززین آئے ہوئے ہیں۔ وہ ان سے ملاقاتوں میں پرانے اور نئے معاملات طے کرنے میں لگا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کئی دن تک وہ تم کو وقت نہ دے سکے۔ موقع ملا تو میں تمہارا سوال اس تک پہنچا دوں گا۔"

"اگر مہمانوں کے لیے ضرورت ہو تو ہم یہ کمرا چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہونے کے لیے تیار ہیں" ویرا نے موقع پاتے ہی غزالہ کی خواہش کی خوب صورت ترجمانی کرتے ہوئے کہا۔

"فی الحال تم یہیں رہو۔ واپس جانے والے نئے آنے والوں کے لیے جگہ خالی کرتے رہیں گے۔ بعد میں ضرورت پیش آئی تو دیکھا جائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ غزالہ کو ان کی آنکھیں ڈراؤنی لگتی ہیں۔ اس کا بہتر علاج یہ ہے کہ دونوں عورتیں ضرورت کے بغیر باہر نہ نکلیں۔ مردانہ شنگاری لباس میں ان پر زیادہ نگاہیں اٹھیں گی" ویرا کی بات کا جواب دیتے ہوئے اس نے یہ بھی جتا دیا کہ وہ غزالہ کا پچھلے روز کا ردِّ عمل بھولا نہیں تھا۔

وہ ہمیں مزید فکر و تشویش میں مبتلا کر کے لوٹ گیا۔ اس وقت تک مہمان خانے میں خاصی خاموشی پھیل چکی تھی۔ اِکا دُکا ہی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ غالباً وہ سب ہی جلد سو جانے کے عادی تھے۔ ہمارے لیے وہ خوشی کی بات تھی کہ ہم رات کے سناٹے میں پوری یکسوئی کے ساتھ مشورے کر سکتے تھے۔

صبغت اللہ نے ہم لوگوں کی واپسی جنت گل کی آمد سے مشروط کرنے کے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس معاملے کو ہر ایک حتیٰ کہ قندوز خان سے بھی پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے اس لیے میں قندوز خان سے یہ نہیں پوچھ سکا کہ جنت گل اور اس کے والدین کو گالان لانے کے سلسلے میں کیا پیش رفت ہوئی تھی۔

"اس وقت قندوز خان ہم لوگوں سے بھڑکا ہوا نظر آرہا تھا؟ باتوں باتوں میں سلطان شاہ نے کہا "اس کے رویے میں پہلے جیسی گرم جوشی اور بے تکلفی نہیں تھی۔ وہ صرف اپنے مطلب کی بات کر رہا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ کام کی زیادتی کے اثرات ہوں۔ بغاوت

کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا بعد کے حالات کو سنبھالنا۔" میں نے جواباً ان تینوں کی تشویش رفع کرنے کے لیے بے پروائی سے کہا۔

"صندل خان اور خچروں والے پر تشدد ہو رہا ہے۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ان کے منہ سے ہمارے خلاف کوئی بات نکل گئی ہو۔ اس کی بعض باتیں ذومعنی تھیں جو ہم پر بھی لاگو ہوسکتی ہیں۔"

"ان باتوں پر بہت زیادہ سر کھپانا بے سود ہے۔ یہاں ہم سب ہی اوکھلی میں سر دیئے بیٹھے ہیں۔ آگے جو کچھ ہوگا اس کا مقابلہ کرنا ہی ہوگا۔ ہمیں اپنی توانائیاں آنے والے وقت کے لیے محفوظ رکھنی چاہئیں۔"

سلطان شاہ مجھ سے الجھتا رہا۔ وہ صورتِ حال سے اتنا بے خبر نہیں تھا جتنا خود کو ظاہر کرتا رہا تھا۔ میں اسے ٹالتا رہا۔ وہ رات ہمارے لیے پچھلی رات سے زیادہ بھاری تھی۔ تفکرات اپنی جگہ پر تھے۔ غزالہ بار بار چونک رہی تھی۔ غسل خانوں وغیرہ کی طرف جانے والی راہداری میں وقفے وقفے سے جاری رہنے والی آمدورفت اس کے اعصاب پر اثرانداز ہو رہی تھی۔ اس کی تسلی کے لیے میں نے دونوں دروازوں کے کھانچوں میں بلیاں پھنسا کر انہیں اندر سے مقفل کرادیا تھا مگر پھر بھی کوئی گہری نیند نہیں سوسکا اور وہ رات اونگھتے اور باتیں کرتے ہوئے گزر گئی۔

صبح سویرے ہمارے دروازے پر ہلکا سا دھماکا ہوا پھر دروازہ پیٹا جانے لگا۔ ہم چاروں ہڑبڑا کر بستروں سے نیچے اتر آئے پھر باہر سے قندوز خان کی غصیلی آواز آئی۔ وہ دروازہ کھولنے کا مطالبہ کر رہا تھا۔

میں نے دروازے سے بلی ہٹا کر پٹ کھول دیا۔ قندوز خان مجھے پیچھے دھکیلتا ہوا اندر گھس آیا۔ اس کے پیچھے تین خونخوار شنگاری بھی اندر آگئے۔ ان کے ہاتھوں میں میگزین چڑھی ہوئی کلاشنکوف موت کے قہقہے اگلنے کے لیے تیار تھیں۔ ان سب کے تیور بہت جارحانہ اور خطرناک نظر آ رہے تھے۔

"باہر چلو!" قندوز خان میرے سینے پر ہاتھ مار کر نفرت آمیز آواز میں پھنکارا "میں سردار صبغت اللہ شنگاری کے نام پر تم چاروں کو گرفتار کر رہا ہوں۔ تم میں سے جس نے بھی چون وچرا کی اسے بھون ڈالا جائے گا۔"

میری زبان خشک ہونے لگی۔ غزالہ، ویرا اور سلطان شاہ کے چہروں کے رنگ فق ہوگئے تھے۔ ان تینوں نے قندوز خان کے حکم کے بغیر مشینی انداز میں اپنے ہاتھ اوپر اٹھالیے تھے۔

قندوز خان کی آنکھوں میں اس وقت قہر و نفرت کے شعلے لپک رہے تھے۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں نے ذرا بھی زبان کھولی تو وہ وحشی اپنے آدمیوں کو فائر کرنے کا اشارہ دے دے گا۔ وہ بالکل ہی بدلا ہوا اور کسی خونی درندے سے مشابہ نظر آ رہا تھا۔ میں سر جھکا کر خاموشی سے کھلے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اس مختصر سے مسلح دستے کی آمد اور غیر معمولی آوازوں کی وجہ سے ہمارے دروازے پر متجسس شنگاری جمع ہونے لگے تھے۔ حیران و پریشان آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر سرگوشیاں کر رہے تھے۔ ہمارا محروم و مجبور جلوس باہر نکلا تو بڑھتی ہوئی وہ بھیڑ کائی کی طرح چھٹتی چلی گئی اور ہمارے لیے خود بخود راستہ بن گیا۔

قندوز خان نے دوست بن کر ہمیں جس تحقیر و ذلت سے دوچار کیا تھا، صندل خان نے دشمن ہوتے ہوئے بھی ہمیں اس سے محفوظ رکھا تھا۔ سردار پائندہ گل کی زندگی میں وہ ہمیں ایک مہربان ساتھی کی طرح گپ شپ کی خوش گوار فضا میں پینغا سرائے سے گالان تک لایا تھا اور بعد میں بھی اس کا رویہ مفاہمانہ رہا تھا۔

اس بار ہمارا رخ کسی اور ہی سمت میں تھا۔ حویلی کے وہ راستے نسبتاً ویران پڑے ہوئے تھے۔ چند منٹ کی مسافت کے بعد میرے نتھنوں میں آلو، پیاز اور اناج کی ملی جلی بو آئی۔ شاید وہیں کہیں غذائی اشیاء کو ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ آخر کار ہم حویلی سے نکل کر کھلے آسمان کے نیچے پہنچ گئے۔

خودرو گھاس سے ڈھکے ہوئے اس میدان میں ہم ایک سائبان کے نیچے رک گئے۔ مسلح شنگاریوں نے زمین پر جما ہوا مسطح چٹان کا ایک ٹکڑا ہٹایا اور زمین میں بے ہنگم سیڑھیاں نمودار ہوگئیں۔

"جاؤ، اب سردار صبغت اللہ کے سامنے پیشی تک یہ زنداں تمہارا مقدر ہے" قندوز خان دہاڑا۔

اس کی بات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہمیں اس زمین دوز قید خانے میں اتار کر خود رخصت ہونے کا ارادہ رکھتا ہے اس لیے میں نے مڑ کر بہت عاجزی سے کہا "مگر ہمارا قصور تو بتادو....."

قندوز خان نے مجھے مزید بولنے کی اجازت نہیں دی اور دانت پیس کر بولا "جاؤ! اندر اترو گے تو تمہیں خود بخود سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔ انجان بن کر اپنے سیاہ کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش مت کرو۔"

ہم چاروں بے زبان بھیڑوں کی ایک قطار کی صورت میں ان ناہموار سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگے۔ آخری فرد کے اترنے کے بعد اس تہ خانے کا دہانہ بند کردیا گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ دہانہ بند ہوتے ہی اندر گھور اندھیرا پھیل جائے گا مگر آگے ہلکی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی جس کا مخرج ہمارے سامنے نہیں تھا۔

سیڑھیوں کا اختتام صندوق نما ایک کمرے میں ہوا۔ پہاڑ کے سینے میں تراشا ہوا وہ کمرا بیس فٹ لمبا اور تقریباً اتنا ہی چوڑا تھا۔ اس کی چھت میں ہوا اور روشنی کے لیے ایک کھڑکی بنی ہوئی تھی جو ایک سرنگ کی طرح موٹی چھت سے گزر کر شاید سائبان کے نیچے ہی کھلتی تھی۔ اس ہوادان کے اوپری حصے پر مضبوط چوبی رکاوٹیں لگی ہوئی تھیں۔

ایک طرف کوئی دیوہیکل انسانی وجود بے حس وحرکت پڑا ہوا

سنائی محسوس ہوا جیسے اس قید خانے کے کسی گوشے میں کراہا ہو۔ میں سرعت سے اس آواز کی طرف گھوما تو میں دو انسانی ہیولے گٹھریوں کی طرح سکڑے اور سمٹے ہوئے وہ بالکل کونے سے لگے ہوئے بیٹھے تھے۔

"ارے' یہ تو صندل خان ہے" ویرا کی خوف اور تحیّر میں ڈوبی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ زمین پر ساکت پڑے ہوئے انسانی کے سرہانے کھڑی ہوئی تھی۔ میں فوراً اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس کا لباس تار تار تھا اور پورا بدن خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ تشدد سے اس کی ایک آنکھ ضائع ہوچکی تھی دوسری مگر بند کی ہوئی تھی۔ وہ کسی لاش کی طرح ساکت تھا۔ اس دونوں ٹانگیں غیر فطری انداز میں ایک دوسرے سے کافی فاصلے تھیں۔

وہ ویرا کو پسند کرتا تھا۔ اسے ایسی ابتر حالت میں دیکھ کر ویرا دل میں ہمدردی کے جذبات امڈ آئے اور اس نے نیچے بیٹھ کر کے بائیں پہلو پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے دل کی دھڑکن محسوس کے وہ پرجوش آواز میں بولی "یہ زندہ ہے مگر بے ہوش ہوگیا خدا کی پناہ! ان درندوں نے اس کا قیمہ بنا کر رکھ دیا ہے۔"

صندل خان کے بدن پر بھی زخموں کے متعدد نشان موجود اس کی دونوں کلائیوں اور پنڈلیوں پر بہت زیادہ ورم آیا ہوا اس کی زبان کھلوانے کے لیے اس پر تشدد کی انتہا کردی گئی۔ وہ اس عقوبت کو نہیں سہہ سکا تھا۔ اس نے اعترافات کرلیے اور اسی وجہ سے ہم کو اس کے پاس پہنچادیا گیا تھا۔

اس کی حالت دیکھ کر میرا دل خراب ہونے لگا۔ چیغا سرائے کلان تک وہ ہمارا دشمن بھی رہا اور پھر دوست بھی بنا مگر اس نہیں کبھی کسی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ اس کے دونوں روپ کئے جانے کے قابل تھے۔ تحمل اور رواداری سے مالا مال' اس شکاری کا وہ انجام لرزہ خیز تھا۔ وہ کسی بھی طرح اس بربریت کا دار نہیں تھا۔

ویرا اس کے سرہانے بیٹھی ہوئی' اس کے دونوں رخسار تھپتھپا رہی تھی اور بار بار اسے پکارے جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد ویرا کی کوششیں رنگ لائیں۔ صندل خان کے ہونٹوں سے بے مقصد بڑبڑاہٹ بلند ہوئی پھر اس کی گردن جنبش کی اور آخر کار اس کی اکلوتی آنکھ نیم وا ہوگئی۔ اس کی صورت بے حد ڈراؤنی لگنے لگی۔

"صندل خان!" چند لمحوں تک ویرا کی طرف دیکھنے کے بعد وہ ڈوبی ہوئی آواز میں رک رک کر بولا "مجھے معاف کردینا۔ میں تم سے کیے ہوئے عہد پر قائم نہیں رہ سکا۔ ان ظالموں نے میرے ساتھ ایسی درندگی کی ہے جو ہم خونی بھیڑیوں سے بھی روا نہیں رکھتے۔ کاش! کاش' میں زبان کھولنے سے پہلے مرگیا ہوتا" اس کی اٹکتی ہوئی آواز پر گہری نقاہت طاری تھی۔ وہ تھک کر خاموش ہوگیا۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی اور اس نے اپنی آنکھ موندلی۔

غزالہ اپنی انگلیاں منہ میں دیئے پھٹی پھٹی آنکھوں سے صندل خان کی طرف دیکھے جارہی تھی۔ اس کے جسم پر تشنج کی سی کیفیت طاری تھی۔ سلطان شاہ بھی بدترین صدمے کی حالت میں نظر آرہا تھا۔ ہم چاروں اس کے گرد موجود تھے مگر بے بس تھے۔ اس کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتے تھے۔

"مجھے اس پر بہت مان تھا" صندل خان اسی حالت میں رک رک کر' ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں' ہولے ہولے بڑبڑانے لگا "مگر مچھروں والے نے میرا مان توڑ دیا۔ اس نے میری ہر بات اگل دی۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ میں پھر بھی ہار نہ مانتا۔ انہوں نے میری دونوں کلائیاں توڑ دیں۔ ایک پنڈلی توڑ ڈالی میں پھر بھی خاموش رہا تو انہوں نے میری ٹانگیں چیر کر مجھے چابک سے ادھیڑنا شروع کردیا۔ میری ٹانگیں اتنی چیری گئیں کہ میری کھال پھٹ گئی اور خون کے فوارے بہہ نکلے پھر میری قوت برداشت جواب دے گئی۔ میں ڈینی سے اپنا قول ہار گیا۔ مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں نے انہیں کیا کیا بتا ڈالا۔ میں نے سب ہی بتایا ہوگا جو وہ تمہیں بھی یہاں لے آئے۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ بادرانی بہت مکار ہیں۔ یہ کسی بہانے سے تم سب کو مار ڈالیں گے۔ میں مر رہا ہوں' میرے بدن سے اتنا خون بہہ چکا ہے کہ میں بچ ہی نہیں سکتا۔ مگر مجھے دکھ ہے کہ میری وجہ سے وہ چار بھی مارے جائیں گے جنہوں نے میری زبان پر بھروسا کیا تھا۔ میں یہاں سے اکیلا اسی لیے بھاگا تھا کہ میری بدقسمتی کے سائے تمہیں بھی نہ لے ڈوبیں مگر یہ ہو کر رہا۔ میں کس قدر بدنصیب ہوں کہ اپنے سینے پر بدعہدی کا سیاہ داغ لے کر بادرانیوں کی قید میں مر رہا ہوں" وہ پھر خاموش ہوگیا۔

ویرا کی بڑی بڑی اور چمک دار آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ وہ اس شکاری کے لیے دکھی تھی جسے ابتدا ہی سے اپنا کھلونا بناتی چلی آئی تھی۔ پھر شاید اس کے گرم گرم آنسو صندل خان کے چہرے پر گرنے لگے۔

صندل خان کی آنکھ پوری کھل گئی۔ موت کے بھیانک خواب میں ڈوبی ہوئی اس آنکھ نے ویرا کا روتا ہوا چہرہ حیرت سے دیکھا اور صندل خان کے ہونٹ لرز اٹھے "آ..... آں... آنسو! فف..... فرزانہ!" پھر اس کی گردن کو ایک سخت جھٹکا لگا اور وہ آنکھ وہیں پتھرا گئی۔ صندل خان مرچکا تھا۔ شاید اسے اطمینان ہوگیا تھا کہ اس کی لاش پر کوئی رونے والا بھی موجود تھا۔

سلطان شاہ نے جھک کر اس کی پتھرائی ہوئی آنکھ بند کی تو ویرا ضبط نہ کرسکی اور بلک کر رو پڑی۔ میں نے اتنی مدت میں اسے پہلی بار روتے دیکھا تھا۔ وہ صندل خان سے زیادہ بھیانک لاشیں دیکھ کر بھی کبھی متاثر نہیں ہوئی تھی مگر اس وقت رو رہی تھی۔

"کیا مرگیا؟" ویرا کے رونے پر قید خانے کے تاریک گوشے

سے ٹوٹی پھوٹی اردو میں ایک سہمی ہوئی مردانہ آواز ابھری۔ ہم سب ہی ایک لمحے کے لیے صندل خان کا کرب بھول کر ادھر متوجہ ہوگئے۔ ہمارے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ اس زنداں میں ہمارے علاوہ بھی کوئی اور قیدی اردو سے واقف تھا۔

"ہاں مرگیا" میں نے لحظہ بھر بعد اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے پوچھا "مگر تم کون ہو؟"

"ضیغم خان!" خوف زدہ آواز میں آنے والے اس جواب نے میرے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ کہہ رہا تھا "ادھر آؤ! شاید وحشت سے یہ عورت بھی بے ہوش ہوگئی ہے۔ مجھے مدد کی ضرورت ہے۔"

ان ٹوٹے پھوٹے فقروں نے میرے وجود میں ہلچل مچادی۔ شاید جنت گل بھی وہیں موجود تھی!

صندل خان جب اپنے سانسوں کی ٹوٹتی ہوئی لڑی کو سنبھالنے کی جاں گسل جدوجہد میں الجھا ہوا تھا اور اسے مدد کی شدید ضرورت تھی اس وقت ہم اس کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتے تھے۔ بس اس کی ہمدردی میں اس کے گرد جمع ہوکر اپنے تجسس کی پیاس بجھاتے اور اس کے مرنے کا تماشا دیکھتے رہے۔ اس وقت اس کی بے جان لاش گور و کفن کے علاوہ ہر ضرورت سے بے نیاز ہوچکی تھی، ہم مُردے کی وہ ضرورتیں پوری کرنے کے قابل نہیں تھے جب کہ صندل خان کا دم نکلتے ہی ضیغم خان نے اپنی موجودگی اور پھر کسی عورت کی بے ہوشی کا اعلان کرکے گویا ہمارے سروں پر لٹھ دے مارا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قید خانے میں صندل خان کے ساتھ ضیغم خان بھی بند ہوگا۔

تہ خانے کی پتھریلی سیڑھیاں اترتے ہوئے میں نے یہ ضرور سوچا تھا کہ ہمارا سامنا صندل خان اور کچھنار کے خنجروں والے سے ہوگا۔ اسی لئے جب میں نے تہ خانے کے ایک تاریک کونے میں انسانی ہیولے دیکھے تو سرسری طور پر انہیں نظرانداز کردیا تھا۔ کیونکہ اس وقت ہمارے لئے صندل خان سب سے اہم تھا۔

جوں ہی ضیغم خان کی زبان سے عورت کا لفظ نکلا، میری نظروں میں مسکراتی ہوئی جنت گل مجسم ہوگئی۔ اسی کے ساتھ میرے ذہن میں یہ خوف بھی ابھر آیا کہ تہ خانے کی نیم تاریک خلوت میں ہم سب کا یوں یکجا ہونا سنگین خطرے سے کم نہیں تھا۔ ویرا اور غزالہ کو پہلے ہی سے جنت گل کے بارے میں تجسس تھا۔ وہ اس سے مل بیٹھتیں تو اس سے سچ اگلوانے کی پوری پوری صلاحیت رکھتی تھیں۔ اس سچ کے انکشاف کے بعد میرے لئے سر اٹھانے کی بھی گنجائش نہ رہتی۔ عبدالرحیم خان کے فلیٹ کی رومان پرور خواب گاہ میں جنت گل کی دعوت انگیز پیش قدمیوں کو اپنے گلے کا ہار بناتے ہوئے میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک دن دنیا اتنی مختصر ہوجائے گی کہ وہ کابلی دوشیزہ غزالہ کے روبرو آبیٹھے گی۔

صندل خان کی لاش سے اس تاریک گوشے کی طرف بڑھتے ہوئے میرے دل میں شدت سے اس آرزو نے سر ابھارا کہ کا
بے ہوش ہونے والی عورت جنت گل نہ ہو۔ شاید یہ میرے ا
گہرائیوں سے نکلی ہوئی اس آرزو کا کرشمہ تھا کہ جب میں ا
کونے میں پہنچا تو وہاں مرد کے کندھے سے لگی ہوئی ایک بھار
عورت ساکت بیٹھی ہوئی تھی جو جنت گل ہو ہی نہیں سکتی تھ
اس پر پہلی نظر ڈالتے ہی میرے دل میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

اس نیم تاریک، بدبودار اور سیلن زدہ قید خانے میں ضیغ
اور ایک عورت کی موجودگی کے انکشاف نے ان تینوں کو
میرے پیچھے آنے پر مجبور کردیا تھا اور ہم چاروں ہی ایک سات
جوڑے تک پہنچے تھے۔

مرد قد آور اور جسیم تھا۔ بیٹھا ہوا ہونے کے باوجود ا
پرشکوہ شخصیت نمایاں ہورہی تھی۔ اس کے پکے بال انگریز
میں کٹے ہوئے تھے اور چہرہ داڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔
گل کی کہانی درمیان میں حائل نہ ہوتی تو اسے آسانی سے جن
کا باپ سمجھا جاسکتا تھا۔ اس کے شانے سے لگی ہوئی بے
عورت قدرے پستہ قامت اور فربہی مائل تھی۔ اس کے ل
بال اس کے شانوں اور سینے پر بے ترتیبی سے بکھرے ہو
لیکن ناکافی روشنی کی وجہ سے ان دونوں کے خدوخال واض
ہورہے تھے۔

"یہ عورت کون ہے؟" اپنے فطری تجسس سے مجبور ہو
سوال غزالہ نے کیا تھا۔

"میری بیوی!" ضیغم خان نے بے بسی سے کہا "وہ لوگ
بے چارے کو ہم دونوں کے سامنے روئی کی طرح دھن رہے
اس کی موت کے صدمے سے بے ہوش ہوئی ہے اسے سہا
کر نیچے لٹانے میں میری مدد کرو۔ میری ایک ٹانگ خراب
کی وجہ سے مجھے بوجھ اٹھانے اور چلنے پھرنے میں تکلیف ہوتی
وہ بگڑے ہوئے تلفظ کے ساتھ ٹوٹی پھوٹی اردو میں ا
اظہار کررہا تھا، زبان پر پوری طرح قادر نہ ہونے کے باو
نے جو طویل جواب دیا اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ بس
زبان اور باتونی ہے۔

"اگر یہ تمہاری بیوی ہے تو پھر گونگی بھی ہوگی؟"
خاموش ہوتے ہی ویرا پوچھ بیٹھی۔

ویرا کی قیاس آرائی نے اسے حیران کردیا "تمہیں ک
کہ یہ گونگی بھی ہے؟"

"زبان ہوتی تو یہ چیخے بغیر اتنی آسانی سے بے
ہوتی۔" ویرا کے ذہن سے صندل خان کی موت کے صد
فوری اثرات زائل ہوچلے تھے اور وہ نارمل ہوتی جارہی
نے کہا "تم اندھیرے سے نکل کر روشنی میں آؤ۔ ہم تمہار
بھی وہیں لے آتے ہیں۔" پھر اس نے بڑھ کر اس عور
دونوں شانے تھام کر اسے دیوار سے لگادیا۔

ضیغم خان ہتھیلیاں فرش پر ٹیک کر بدقت تمام اپنے پیروں پر ہوا اور پھر عملی طور پر تقریباً پھدکتا ہوا اس طرف چل دیا ہوادان سے آنے والی روشنی پڑ رہی تھی۔ ویرا' سلطان شاہ ساتھ مل کر اس عورت کو بھی روشنی میں لے آئی۔ وہ جگہ خان کی لاش سے بہت قریب تھی۔

روشنی میں سامنے آنے کے بعد عورت کے چہرے کے ہوتے ہوئے نقوش ماضی کی کسی حسین و جمیل دوشیزہ کا سراغ رہے تھے۔ اگر سردار پائندہ گل اپنے عالم شباب میں ضیغم کے ایما پر اس کی طرف مائل ہوگیا تھا تو اس میں اسے بہت قصوروار نہیں گردانا جاسکتا تھا۔ حسین عورت کسی پہاڑی ندی کی طرح ہوتی ہے جہاں سارے مرد آب رواں کی طرح اس سے بہہ بہہ کر چلے آتے ہیں۔ گھاٹی سیراب ہو تو وہاں رک پانی دوسری ڈھلانوں پر بہہ نکلتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ نشیب طرف قبولیت نہ ملنے پر پانی دوبارہ اپنے منبع کی طرف سفر شروع ہے۔ اس کا سفر نشیب ہی کی طرف رہتا ہے جہاں جا بجا جوہڑ ندی نالے اور کھیت کھلیان اسے قبول کرتے رہتے ہیں۔

دونوں عورتیں ضیغم کی بیوی کو ہوش میں لانے کی تدبیریں لگیں اور میں دوبارہ صندل خان کی لاش کے پاس پہنچ گیا ضیغم خان اپنے متاسفانہ چہرے کے ساتھ پہلے سے موجود

"تم یہاں کیسے پہنچے؟" میں نے اس سے پوچھا "سنا ہے کہ تم ہمیں ہوا کرتے تھے۔"

"میں حیران ہوں کہ تم لوگ میرے بارے میں اتنا کچھ جانتے جب کہ میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" اس نے اپنی عادت کے مطابق لمبی بات چھیڑ دی "میں کابلی ہی ہوں کل یا پرسوں رات کو اپنے گھر میں سویا ہوا تھا۔ سب کچھ سوتے میں ہی ہوگیا۔ رات آنکھ کھلی تو ہم دونوں یہاں بند تھے اور اسے مار پڑ رہی ابھی تک کسی نے مجھ سے کوئی بات کرنے کی ضرورت ہی سمجھی۔ پتا نہیں ہم کتنی دیر یا دنوں تک مسلسل بے ہوش رہے ہیں۔"

میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اپنے حریفوں کو بے ہوش کر کے خاموشی سے اپنے ٹھکانوں پر لے آنا شنگاریوں کا محبوب مشغلہ تھا۔ میں نے سوال کیا "تمہیں علم ہے کہ تم اب کہاں ان لوگوں کے درمیان ہو؟"

"قبیلے کا اندازہ نہیں لیکن یہ شنگاری معلوم ہوتے ہیں' میں ان کی زبان جانتا ہوں۔"

مجھے اس کے کہے بغیر ہی سمجھ لینا چاہیے تھا کہ وہ پائندہ گل کا ہمراز دوست رہ چکا تھا اس لئے اسے شنگاری زبان سے کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور ہونی چاہیے تھی۔ میں نے اس سے کہا "اس تہ خانے کے باہر کوئی نہ کوئی محافظ ضرور ہوگا۔ تم ہوادان کے نیچے سے چیخ کر اسے اپنی طرف متوجہ کر کے اس قیدی کی موت کی خبر دے دو۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ جلدی سے بولا "مُردے کی موجودگی کی اطلاع ملنے پر وہ فوراً یہاں آئیں گے۔ یہ لوگ توہم پرست ہیں۔ فوراً مُردے کا پیٹ چیر کر اس کی آلائشیں ضائع کردیں گے۔ انہیں یقین ہے کہ کوئی مُردہ پورے دوپہر تک جوں کا توں پڑا رہے تو اس کے پیٹ میں بدروحیں گھس جاتی ہیں اور پوری بستی عتاب میں آجاتی ہے۔"

"تم بہت بولتے ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر عمل کرو۔ یہ فضول باتیں بعد میں بھی کی جاسکتی ہیں۔ پتا نہیں ہمیں کب تک یہاں رہنا پڑے؟"

وہ پھدکتا ہوا ہوادان کے نیچے پہنچ گیا۔ اس کی دوسری آواز پر ہی اوپر سے ایک شنگاری کا چہرہ جھانکنے لگا۔ دونوں میں مختصر سے مذاکرات ہوئے اور شنگاری وہاں سے غائب ہوگیا۔

اس کی بیوی اس اثنا میں ہوش میں آچکی تھی۔ اسے قوت گویائی سے محروم کردیا گیا تھا مگر آنکھوں سے خوف و دہشت کا نمایاں اظہار ہو رہا تھا۔ اس کی خوف سے ابلتی ہوئی آنکھیں صندل خان کی لاش پر جمی ہوئی تھیں۔

"ڈرو نہیں" غزالہ نے اس مظلوم عورت کو تسلی دیتے ہوئے کہا "ہم قید ضرور ہیں لیکن فی الحال ہمیں زیادہ خطرہ نہیں ہے۔ ویسے بھی ہماری تعداد چھ ہوگئی ہے۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟"

گونگی نے اثبات میں سرہلایا۔ اسی کے ساتھ اس کے شوہر کی زبان چل پڑی "گوہر جان اردو اور پشتو اچھی طرح سمجھ لیتی ہے مگر میری طرح شنگاری بولی نہیں سمجھ سکتی۔ زبان غائب ہونے کی وجہ سے یہ بول نہیں سکتی۔"

ہم میں سے کسی کے کچھ کہنے سے پہلے گوہر جان نے اپنا پورا دہانہ کھول دیا۔ ہم سب ہی اس کی المناک کہانی سے واقف تھے۔ اس لئے میں بھی اس کے کھلے ہوئے دہانے میں جھانکنے کی خواہش پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس کے دانتوں کے پیچھے ایک بھیانک خلا تھا۔ بس حلق کی جڑ میں ایک لوتھڑا سا ہل رہا تھا۔

اس عورت کو دلاسا دینے کے بعد اس کے شوہر کے حوالے کردیا گیا۔ اس اثنا میں تین مسلح شنگاری تہ خانے میں اتر آئے اور خاموشی کے ساتھ صندل خان کی خون آلود لاش کو اٹھا کر لے جانے لگے۔ اس موقع پر بھی ضیغم خان اپنی زبان کی خارش پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نے ان کو مخاطب کر کے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اسے بری طرح دھتکار دیا گیا۔ جواب میں کہی جانے والی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن جوابی لب و لہجے اور ضیغم خان کے خائفانہ ردِعمل نے پوری صورت حال واضح کردی تھی۔ وہ کسی خوف زدہ چوہے کی طرح دبک کر بیٹھ گیا تھا۔

وہ تینوں لاش لے کر چلے گئے۔ دہانہ بند کردیا گیا مگر صندل

خان کے جسم سے بہنے والے خون کے بڑے بڑے لوتھڑے وہیں فرش پر جمے رہ گئے تھے۔ چند گھنٹوں بعد ان لوتھڑوں سے پیدا ہونے والا تعفن ناقابل برداشت ہو سکتا تھا۔

ضیغم خان اور گوہر جان کی اردو فہمی کی وجہ سے ہم کھل کر باتیں نہیں کر پا رہے تھے اس لئے میں اپنے ساتھیوں کو ان دونوں سے بعید ترین گوشے میں لے گیا۔ وہاں بیٹھتے ہی ویرا نے دو سگریٹیں سلگا کر ایک میری طرف بڑھا دی۔

"تم فرار کے معاملے میں سنجیدہ نہیں تھے پھر بھی تمہاری اور صندل خان کی باہمی رضامندی عذاب بنتی نظر آ رہی ہے۔ قندوز خان ہمیں پھاڑ کھانے پر تلا ہوا تھا۔" ویرا نے اس معاملے پر اپنی تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"تم کو ہر ایک سے بلاوجہ باتیں کرنے اور جوڑ توڑ کرنے کا شوق ہے۔" غزالہ نے ویرا سے زیادہ سخت انداز اختیار کرتے ہوئے اپنی زبان کھولی "جس راستے نہیں چلنا اس کے کوس گننے کا کیا فائدہ؟ لیکن تم اپنی دھن میں لگے رہتے ہو۔ وہاں اچھے خاصے رہ رہے تھے۔ اب یہاں نہ جانے کیا کچھ بھگتنا پڑے گا؟؟"

"یہ تمہاری دعاؤں کا اثر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے غزالہ کو چڑاتے ہوئے کہا "تم مہمان خانے میں تشنگاریوں کی بھیڑ سے بچ کر کہیں اور رہنا چاہ رہی تھیں۔ یہاں ایک کابلی جوڑے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

"یہ نہ بھولو کہ وہ جلد ہی ہمارے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو صندل خان کے ساتھ کیا ہے۔" غزالہ چڑ کر بولی "اس مہلت کو مذاق میں ضائع کرنے کے بجائے گلو خلاصی کی کوئی تدبیر سوچو۔"

"ہم پر تشدد نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے اپنی سوچی سمجھی رائے ظاہر کی۔ صندل خان سے وہ بہت کچھ اگلوانا چاہتے تھے۔ ہم انہیں کچھ نہیں بتا سکتے۔ وہ لوگ ہماری اس خواہش سے باخبر ہیں کہ ہم جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم سے بگاڑ پیدا کر کے صبغت اللہ، جنت گل والے منصوبے سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرے گا۔ اس معاملے سے اس کی ذاتی اور قبیلے کی انا منسلک ہے۔ میری اس سے دوبدو بات ہوئی ہے۔ میں اس کے جذبات کی شدت سے پوری طرح آگاہ ہوں۔ میں تم لوگوں سے یہ ذکر کرنا بھول گیا تھا کہ اس نے مجھے صندل خان کی نیت کا کھوج لگانے کا جو کام سونپا تھا، اس سلسلے میں مجھے کوئی فرضی سازش کرنے یا اس کی برائیاں کرنے کی اجازت بھی دے دی تھی تاکہ صندل خان مجھے اپنا ہم نوا سمجھ کر کھل سکے......

"لیکن تم صبغت اللہ سے ملنے سے پہلے ہی صندل خان کو فرار کے منصوبے پر کام کرنے کے لئے کہہ چکے تھے۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا "وقت کے اس فرق کو تم کہاں لے جاؤ گے؟؟"

"کہیں بھی نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا "انہیں صندل خان کی سازش پکڑنے سے دلچسپی تھی۔ انہیں وقت وغیرہ کا ہوش ہی نہیں رہا ہو گا۔ پھر یہ بھی نہ بھولو کہ صندل خان نے میری اور صبغت اللہ کی ملاقات کے اگلے دن کچھنار کا سفر کیا تھا۔ یہ سب باتیں ہمارے حق میں جاتی ہیں۔ صندل خان کی موت کا مجھے بہت دکھ ہے۔ وہ ہمارے لئے فرشتہ ثابت ہوا تھا مگر اس کے مرنے کے بعد میں حقائق کو اپنی سہولت کے مطابق توڑ مروڑ سکتا ہوں۔ وہ میری کسی بات کی تردید کے لئے قبر سے اٹھ کر نہیں آئے گا۔"

"اگر صبغت اللہ نے تمہیں چھوٹ دی تھی تو پھر اب ہمیں یہاں کیوں ڈالا گیا ہے؟" ویرا نے پوچھا۔ وہ تینوں مشترکہ محاذ بنا کر میرے پیچھے پڑ گئے تھے اور اپنی ہر بات کا معقول جواب سننا چاہتے تھے۔

"قندوز خان میری اور صبغت اللہ کی مفاہمت سے لاعلم ہے۔ اسے جنت گل والے قصے کی تو ہوا بھی نہیں لگی ہے۔" میں نے اپنے ذہن میں کڑیوں کو یکجا کرتے ہوئے کہا "اس کے بعد میں بھی صبغت اللہ سے ملنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ میرا خیال ہے کہ صندل خان کے اعترافات سننے کے بعد قندوز خان نے اشتعال کے عالم میں اپنے طور پر یہاں لا ڈالا ہے۔ صبغت اللہ بہت مصروف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قندوز خان نے یہ بات اسے بتائی ہی نہ ہو۔"

"تم پھر بھول رہے ہو کہ ہمیں حراست میں لیتے ہوئے قندوز خان نے واضح طور پر اپنے سردار کا پورا نام لیا تھا۔" سلطان شاہ کے ذہن میں واقعات کی ہر تفصیل پورے تسلسل کے ساتھ محفوظ تھی۔

"سپاہی ہر ایک کو قانون کے نام پر گرفتار کرتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ چیف جسٹس اپنی زبان یا دستخطوں سے فرمان جاری کرے تب ہی گرفتاری ہو سکتی ہے۔ قندوز خان اس کا نمائندہ ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اسے صبغت اللہ کی پوری پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ہمارے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ تہ خانے میں داخل ہونے تک میں بھی بہت پراگندہ ذہنی کا شکار تھا لیکن اب پوری صورت حال کا تجزیہ کرنے کے بعد میں مطمئن ہوں کہ ہمارا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔ قندوز خان کو ہمارے سامنے ندامت اور شرمندگی کا منہ دیکھنا ہو گا۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔" سلطان شاہ بولا "ابھی تک ایک ہی بات کا اطمینان ہے کہ انہوں نے ہمیں صرف قید میں ڈالا ہے۔ تشدد کرنا ہوتا تو ہمیں مہمان خانے سے ہی برے سلوک کا نشانہ شروع کر دیتے۔"

"مجھے حیرت اس بات کی ہے کہ کابلی ہنسوں کا جوڑا ابھی یہاں موجود ہے۔" ویرا نے اپنی طرف سے بے فکر ہوتے ہی آگے [illegible] شروع کر دیا۔ "ان کی یہاں موجودگی کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟؟"

"اس نے خود ہی بتایا ہے پچھلی رات ان دونوں کو ہوش [illegible] وہ یہیں تھے اور صندل خان پر تھرڈ ڈگری آزمائی جا رہی تھی۔"

نے اپنے تجزیے کی روشنی میں کہا "ان دونوں سے ابھی تک کسی نے کوئی بات بھی نہیں کی ہے۔ اس سے صرف یہی ظاہر ہوتا ہے کہ فی الحال انہیں صرف بُرے انجام سے ڈرایا جارہا ہے۔ ان دونوں کو گالان لایا گیا تو صندل خان کو خون میں نہلایا جارہا تھا۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے کا سنہرا موقع تھا۔ اس سے زیادہ ڈرامائی صورت حال اور کیا ہوسکتی ہے کہ اپنے بستر پر سونے کے بعد آدمی ہوش میں آئے تو ٹارچر سیل میں موجود ہو اور اس کی نگاہوں کے سامنے کسی کو مرحلہ وار قتل کرنے کی سست کارروائی جاری ہو۔ اب بادرانی ان دونوں سے جو چاہیں گے وہ کہلوالیں گے۔ صندل خان کا دہشت ناک انجام ضیغم خان کا حوصلہ پست کرچکا ہے۔"

"تم میں یہی سب سے بڑی خرابی ہے کہ بعض اوقات تم بہت تیزی سے سوچنے لگتے ہو۔" ویرا بُرا سا منہ بنا کر بولی "تم نے اتنی جلدی نتائج پر چھلانگ نہ لگائی ہوتی تو ہم اس مسئلے پر سر کھپا کر آرام سے اپنا کافی وقت گزار سکتے تھے۔ دونوں باتیں طے ہوجانے کے بعد ہم اب انتظار کی کوفت میں مبتلا رہیں گے۔"

"ان دونوں سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی جاسکتی ہے۔" سلطان شاہ نے ضیغم خان اور گوہر جان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ابھی تک ہم دوسروں سے ان کی کہانی سنتے آئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے اعترافات زیادہ دلچسپ ہوں۔ ایک بار بات چل نکلی تو کسی نہ کسی طرح جنت گل کا ذکر بھی نکال لیا جائے گا۔"

"یہ تجویز مناسب ہے۔" ویرا اور غزالہ نے بیک آواز کہا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ عورت کہیں کی اور کیسی ہی ہو' اسے دوسروں کی نجی زندگی میں جھانکنے کی شدید خواہش رہتی ہے۔ مشرق و مغرب' شہر اور دیہات' کراچی اور گالان' جہالت اور اعلیٰ تعلیم سے اس فطری تجسس میں کوئی فرق نہیں پڑتا جو شاید عورت کے خمیر ہی میں شامل ہوتا ہے اور اس کے جسم سے روح کا رشتہ منقطع ہونے تک رنگ دکھاتا رہتا ہے۔

"اے! تم دونوں اُدھر کیوں چھپے ہوئے ہو؟" بات طے ہوتے ہی ویرا نے قدرے اونچی آواز میں اُن دونوں کو پکارا "اِدھر روشنی میں آکر ہمارے ساتھ کیوں نہیں بیٹھتے؟ ہم سب آپس میں باتیں کرکے اس ماحول کی دہشت کو کافی کم کرسکتے ہیں۔ اٹھ کر آگے آجاؤ۔"

ان دونوں کی طرف سے ایک مرتبہ پھر وہی سانپ کی دبی دبی پھنکار سی سنائی دی جو میں اس زیرزمین قید خانے میں داخل ہوتے وقت بھی سن چکا تھا۔ اس بار میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ آواز ضیغم خان کی گونگی بیوی گوہر جان کے ہونٹوں سے برآمد ہوئی تھی۔ زبان نہ ہونے کی وجہ سے' اس کے دہانے سے وہ آوازیں شاید اس وقت نکلتی تھیں جب وہ اضطراری طور پر کوئی مخصوص الفاظ ادا کرنے کی کوشش کرتی تھی۔

چھت میں بنے ہوئے ہوادان سے آنے والی روشنی کا رخ غیرمحسوس انداز میں بدلتا جارہا تھا مگر اس کے قرب وجوار میں بھی اتنی روشنی تھی کہ ہم آسانی سے ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ ہم صندل خان کے خون سے آلودہ حصے سے بچ کر ایک ہی جگہ بیٹھ گئے۔ اس وقت دن کا وقت تھا اور ہم سب ہی اپنے تفکرات کے باوجود خاصے حوصلے دکھارہے تھے لیکن میں اس بارے میں فکرمند تھا کہ ہمیں رات بھی اسی تہ خانے میں گزارنی پڑی تو گھور اندھیرے اور سیلن میں ہم کیا کریں گے۔ مجھے دوسرا خوف ان حشرات الارض کی طرف سے دامن گیر تھا جو اندھیرا پھیلتے ہی اپنی خوراک کی تلاش میں زمین دوز بلوں اور سوراخوں سے ابل پڑتے۔

"تم لوگ ہم دونوں کے بارے میں بہت سی باتیں جانتے ہو لیکن تم نے اپنے بارے میں ابھی تک کچھ بھی نہیں بتایا۔ تم یہاں کے لوگوں کے لباس میں ہونے کے باوجود ان میں سے نظر نہیں آرہے۔ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ اور کس جرم کی سزا میں اس عقوبت کدے میں ڈالے گئے ہو؟" سکون سے بیٹھنے کے بعد لنگڑے ضیغم خان نے ایک ہی سانس میں بیک وقت کئی سوالات کر ڈالے۔

ضیغم خان کے گھناؤنے کردار سے بخوبی واقف ہونے کی وجہ سے میں کسی بھی طرح اسے قبول ہی نہیں کرپارہا تھا۔ میرے دل میں اس کے لئے نفرت' بغض اور تحقیر کے کینہ انگیز جذبات پرورش پارہے تھے۔ ایک ایسا شخص جو اپنی جھوٹی خودپرستی کی خاطر' اپنی جوان اور حسین بیوی کو زبردستی اپنے ایک دوست کی گود میں دھکیل دے' وہ کسی بھی طرح عزّت اور محبّت کے قابل نہیں ہوسکتا۔ میں نے اپنے چہرے پر نمودار ہونے والے تاثرات کو ضیغم خان سے پوشیدہ رکھنے کے لئے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا مگر ویرا نے اس کے ساتھ بات جاری رکھی۔

"ہمیں کراچی سے اغوا کرکے شنگارا ویلی لایا گیا ہے۔" ویرا نے شاید تفصیل میں جانے کا ارادہ کرتے ہوئے' بات شروع کی تھی کہ ضیغم خان نے حسب عادت اس کی بات وہیں سے اچک لی۔

"اوہ! تو اس وقت ہم شنگارا ویلی والوں کے قیدی ہیں۔" اس کی آواز تحیرزدہ تھی "کیا نام ہے اس جگہ کا؟ ابھی تک تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ شنگاریوں نے ہمیں افغانستان ہی کے کسی علاقے میں قید کیا ہوا ہے۔"

"تو کیا شنگارا ویلی افغانستان میں شامل نہیں ہے؟" اس بار ویرا نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"کاغذ پر لکیریں لگانے سے کہیں بھی سرحدیں نہیں بنا کرتیں۔" اس کا جواب بہت فکرانگیز تھا "جب ان لکیروں میں رہنے والے ہی خود کو ان سرحدوں کا پابند نہ سمجھتے ہوں تو ان کا ہونا یا نہ ہونا یکساں ہوتا ہے۔ اس لئے ایسا جھوٹ بولنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ شنگاری افغانستان کو مانتے ہیں' نہ اس کے آئین اور قانون کو۔ وہ اپنے سرداری نظام سے خوش چلے آرہے ہیں۔ اس

علاقے میں سردار کی رضا ہی قانون کا درجہ رکھتی ہے۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ ہم شنگارا دیلی کے کس علاقے میں قید کئے گئے ہیں؟" اس کی زبان بمشکل رکنے پر آئی تھی۔

"شاید اسے گالان کہتے ہیں۔" ویرا نے سرسری لہجے میں کہا "ہم کئی دن سے یہاں قید ہیں۔"

"اوہ! پھر تو یہ شنگارا دیلی کا دارالخلافہ ہے۔ یہاں تم سردار پائندہ گل سے بھی ملی ہوگی؟"

"ابھی تک سردار کا ذکر ہی سنتے رہے ہیں' اس سے ملنے کی نوبت نہیں آئی۔" ویرا نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے گول مول جواب دیا "کیا تم یہاں کے سردار سے واقف ہو؟" آخری سوال کرتے ہوئے بھی اس نے خونی انقلاب کے بعد برسراقتدار آنے والے صبغت اللہ کا نام نہیں لیا۔

"جانتا ہوں۔ میں اسے جانتا ہوں۔" اس کی آواز فکر آمیز اور گہری ہوگئی "لیکن میں حیران ہوں کہ یہاں سے جس آدمی کی لاش اٹھائی گئی' اس کا نام صندل خان تھا۔ صندل خان تو سردار پائندہ گل کا خاص مصاحب اور خوشامدی ہوا کرتا تھا۔ پھر اس پر تشدد کرکے موت کے منہ میں دھکیلنے والے اس سے ایسے سوال کررہے تھے جیسے اس نے بغاوت کی ہو۔ اس وادی کے باسی آسانی کے ساتھ اپنی وفاداریاں نہیں بدلا کرتے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہاں کوئی خون خرابہ ہوا ہو اور اب سب کچھ بدل گیا ہو۔ میرے سر پر ان باتوں کا بہت بوجھ سوار ہے۔ تم کچھ جانتی ہو؟"

اس نازک موڑ پر میں نے گفتگو میں شریک ہونے کا فیصلہ کرکے کہا "یہ کیا بتائے گی؟ مجھ سے سنو کہ یہاں کچھ نہ کچھ ضرور ہوا ہے۔ گولیاں چلی ہیں تو خون ریزی بھی ہوئی ہوگی۔ مگر ہمیں یہ نہیں معلوم کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا تھا اور اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ ہمیں خود بھی صندل خان کو یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔"

"اس نے مرنے سے پہلے تم سے بہت باتیں کی تھیں۔" ضیغم خان نے متجسس لہجے میں پوچھا "اس کی آواز بہت کمزور اور دھیمی تھی جو مجھ تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ اس نے تمہیں کچھ نہ کچھ تو بتایا تھا۔ تم مجھے وہی بتادو۔ شاید میں یہاں کے حالات کا اندازہ لگانے میں کامیاب ہوجاؤں۔" وہ بہت کائیاں معلوم ہورہا تھا۔

"حالات کا اندازہ لگالینے سے کیا فرق پڑے گا؟" ویرا نے میری لائن پر چلتے ہوئے پوچھا۔

"بہت کچھ!" ضیغم خان کی آواز پرجوش ہوگئی "اگر پائندہ گل زندہ ہے تو تم یقین کرو کہ میں اس سے سامنا ہوتے ہی تم سب کو بچالوں گا۔ وہ میری بات نہیں ٹال سکے گا۔ اگر وہ معزول کیا جاچکا ہے تو میں کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ میری امیدیں اسی کی زندگی سے وابستہ ہیں۔" اس مرحلے پر اس کی بیوی نے اپنے حلق سے خرخر کی بے معنی آوازیں پیدا کرکے اپنے شوہر کی پشت پر زور سے ایک ہاتھ مارا تو وہ خفت آمیز انداز میں ہنستے ہوئے اس سے ذرا دور سرک گیا۔

"میری بیوی پائندہ گل کو پسند نہیں کرتی۔" اس نے اپنی بات کا تسلسل جاری رکھتے ہوئے کہا "بلکہ شاید نفرت کرتی ہے مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پائندہ گل گوہر جان کے جذبات کو خوب سمجھتا ہے۔"

"یہ بہت عجیب اور دلچسپ بات ہے۔" غزالہ بول پڑی "تمہیں اس پر ناز ہے اور تمہاری بیوی اس سے نفرت کرتی ہے تو اس کی کوئی بہت گہری وجہ ہوگی۔ ہمیں اس کے بارے میں بتاؤ۔"

"اس میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا۔" وہ ٹالنے کے انداز میں بولا "وہ ہم تینوں کا آپس کا معاملہ ہے۔ جس کا ذکر کرنا بھی اچھا نہیں لگتا۔ تم مجھے صندل خان کی آخری باتوں کے بارے میں بتاؤ۔ ہم سب کی بقا کے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ گالان میں اس وقت کون حکمراں ہے اور یہاں کے کیا حالات ہیں۔"

"اس کی ایک ہی بات میری سمجھ میں آسکی کہ اسے بادرانیوں کی قید میں مرنے کا افسوس تھا۔" اس کی ضد دیکھتے ہوئے میں نے تھوڑا سا کھلنے کا فیصلہ کرلیا "اس کی بقیہ باتیں بے ربط سی تھیں۔"

میرے الفاظ پر وہ لنگڑا اچھل پڑا "اس کا مطلب ہے کہ صرف چالیس برس بعد گالان کی زمین پھر خون میں نہاگئی۔ پائندہ گل کا باپ' شہباز پیر کوٹی کو فنا کرکے اقتدار پر قابض ہوا تھا اور اب بادرانیوں نے پائندہ گل کو مار ڈالا ہے۔ اگر وہ مارا جاچکا ہے اور یہاں بادرانی حکمراں ہیں تو سمجھ لو کہ ہم سب بھی مارے جائیں گے۔"

"بادرانیوں کو ہم سے کیا پرخاش ہوسکتی ہے؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم سے نہ ہو لیکن وہ ہم دونوں میاں بیوی کو نہیں بخشیں گے۔ تم نے میرے دل میں ہول پیدا کردیا ہے۔"

"کیوں؟ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔" غزالہ نے اصرار کیا۔

وہ چند ثانیوں تک اپنا سر تھامے بیٹھا رہا۔ گوہر جان نے اسے دو مرتبہ جھنجوڑ کر تھپڑ لگائے مگر ضیغم خان اسے جھڑک کر رہ گیا۔ وہ ان دونوں کے مراسم کا عجیب پہلو تھا جو دونوں عورتوں کے لئے دلچسپی کا باعث تھا۔

"سردار پائندہ گل مرگیا....." آخرکار ضیغم خان نے اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے سپاٹ آواز میں کہا "اب تو تیرے دل میں ٹھنڈ پڑگئی ہوگی' تجھے سکون مل گیا ہوگا۔"

گوہر جان کی آنکھیں اندرونی جوش سے چمکنے لگیں۔ ہونٹوں پر بہت جاندار مگر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر آئی اور اس نے اپنے حلق سے عجیب وغریب آوازیں نکالتے ہوئے اپنے سر کو اثبات میں ہلانا شروع کردیا۔ جنت گل کی گونگی ماں کی طرف سے خوشی کا وہ نرالا اظہار فطری اور قابل فہم تھا۔

"وہ مرچکا ہے۔" ضیغم خان بدستور گوہر جان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "بادرانیوں سے جان بچانے کے لئے ہمیں وہی کہنا ہوگا جو میں اب کہہ رہا ہوں' کان کھول کر سن لے کہ پائندہ گل دوبارہ زندہ نہیں ہوسکتا۔ تونے میرا ساتھ دیا تو میری بات کو کوئی نہیں جھٹلا سکے گا۔ تھوڑی سی ردوبدل کرکے ہم سارا الزام اسی کے سر ڈال سکتے ہیں۔" شاید اس خبیث کا سازشی ذہن کوئی اور ہی کہانی سوچ رہا تھا۔

میں نے اس کا ذہنی ارتکاز ختم کرنے کے ارادے سے سوال کیا "تم نے یہ کیسے فرض کرلیا کہ پائندہ گل زندہ نہیں ہے؟ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ بادرانیوں نے اسے معزول کرکے اپنا قیدی بنالیا ہو۔"

گوہر جان نے سرہلا کر میرے سوال کی معقولیت کی تائید کی اور جواب طلب نظروں سے اپنے شوہر کو گھورنے لگی۔

"شنگارا ویلی میں اقتدار کی لڑائی کا فیصلہ کسی ایک بڑے کی موت کے بغیر نہیں ہوتا۔" لمحہ بھر بعد ضیغم خان کی زبان چلنے لگی "بادرانیوں کو پائندہ گل کی موت کے بعد ہی فتح حاصل ہوئی ہوگی اور اس کے حامیوں نے ہتھیار ڈالے ہوں گے۔ اگر اس کے لشکری میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے اور وہ اکیلا رہ جاتا' تب بھی وہ جنگی قیدی بننے کی ذلت اٹھانے کے بجائے خودکشی کرلیتا۔ یہ اس وادی کی روایت ہے اور پائندہ گل مجھے اپنی روایتوں کے بارے میں بہت کچھ بتاتا رہتا تھا۔" پھر وہ اچانک ہی جھنجلا گیا "یہ تم کیا خرافات لے بیٹھے؟ مجھے یکسوئی کے ساتھ اپنی بیوی سے بات کرنے دو۔"

ضیغم خان کے جواب سے گوہر جان کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی تھی۔ ضیغم خان فوراً ہی اس سے مخاطب ہوگیا "تو سن رہی ہے نا" اپنی بیوی سے تائیدی اشارہ پاکر اس نے اپنی بات جاری رکھی "وہ میرا دوست تھا اور اکثر مجھ سے ملنے کے لئے ہمارے گھر آتا رہتا تھا۔ اسے بڑا دکھ تھا کہ اس کی اولادیں پیدا ہوکر مرجاتی ہیں۔ وہ نئی شادی کرنے سے پہلے یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس کے بچوں کی موت کہیں اس کی کجی یا کمزوری کے باعث تو نہیں ہوتی۔ میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ حرامی میرا ہی گھر تاک رہا ہے۔ ایک رات اس نے ہم دونوں کے پینے کے دودھ میں بہت سی افیم ملادی اور ہم نشے میں گہری نیند سوگئے تو وہ تیرے پاس پہنچ گیا۔ صبح تونے مجھ پر الزام لگایا کہ میرے بلائے ہوئے دوست نے تیرے ساتھ بدسلوکی کی ہے اور اس الزام تراشی پر مجھے طیش آگیا۔ میں نے تجھے گرا کر تیری زبان کاٹ دی اس طرح سب کچھ وہی رہے گا بس میری پیشانی کا داغ ہلکا ہوجائے گا۔ بادرانی فوراً مان لیں گے کہ سردار پائندہ گل نے کابل کے ایک گھرانے کو تباہ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

گوہر جان نے ہاتھ کے اشاروں اور بے معنی آوازوں کے ذریعے کچھ کہا جو ہم میں سے کسی کے لئے بھی قابل فہم نہیں تھا مگر ضیغم خان پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔ اس کی بات مکمل ہونے پر وہ مفاہمانہ انداز میں کہنے لگا "اس میں بیس اور بائیس برس کی بات ہی نہیں ہے۔ مجھ سے آج تک کسی نے کچھ پوچھا' نہ میں نے کسی کو کچھ بتایا۔ تو گونگی ہوچکی ہے۔ لوگوں کی باتیں سن کر اقرار یا انکار ہی کرسکتی ہے۔ لوگ اپنی اپنی باتیں بناتے رہے اور وہی آگے پھیلتی رہیں۔ پہلے بھی پائندہ گل گناہ گار تھا۔ میری کہانی میں بھی وہ گناہ گار ہے۔ اس سے کچھ بھی نہیں بدلتا۔ ہمیں یہاں اسی لئے لایا گیا ہے کہ بادرانی پرانی راکھ کو کریدنا چاہتے ہیں۔ وہ اس بارے میں ضرور بات کریں گے۔ بات چھیڑی تو ہم دونوں اسی کہانی پر جم جائیں گے۔ میں صاف کہہ دوں گا کہ ہمیں پائندہ گل سے ڈر لگتا تھا۔ اگر ہم کابل میں پھیلنے والی شرمناک کہانی کی تردید کرکے اسے لٹیرا قرار دیتے تو وہ ہمیں مروا دیتا۔ اس لئے ہم بھی حقیقت زبان پر نہ لائے کیونکہ جو بے آبروئی ہونی تھی' وہ پہلے ہی ہوچکی تھی۔ میں نے تیرے ہاتھوں اتنی مار کھائی ہے اور ایسے ایسے دکھ اٹھائے ہیں کہ میری سزا پوری سے بھی زیادہ ہوچکی ہے۔ اب تجھے ہر حال میں میری بات کو اونچا رکھنا ہوگا۔"

گوہر جان نے اس کے سینے پر زوردار الٹا ہاتھ مارا اور ساتھ ہی اس کے حلق سے ایک بھیانک آواز برآمد ہوئی۔ اس نے منہ کھول کر زوردار قہقہہ لگایا تھا۔ پھر وہ فوراً ہی سنجیدہ ہوگئی۔ ضیغم خان بُرے بُرے منہ بنا کر اپنا سینہ سہلا رہا تھا۔ شاید وہ ہر وقت ہی اپنی بیوی سے پٹنے کا عادی ہوچکا تھا۔ اس کے احساس جرم نے اس سے ہر جوابی کارروائی کی قوت چھین لی تھی۔ وہ دونوں اپنے اپنے زخموں سمیت ایک دوسرے کے ساتھ رہنے پر مجبور تھے۔

میں ان کی پوری کتھا سے بخوبی واقف تھا۔ اس لئے آسانی سے سمجھ گیا کہ ضیغم خان نئی کہانی کے ذریعے اپنے گھناؤنے کردار کو پارسائی کا لبادہ پہنانا چاہ رہا تھا۔ کمال کی بات یہ تھی کہ اس نے اس پوری مدت میں ایک بار بھی جنت خانم یا جنت گل کا نام نہیں لیا تھا۔

میں نے انجان بن کر' ضیغم خان کو گھورتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں اپنی جان بچانے کے لئے' مرے ہوئے پائندہ گل پر بہتان طرازی کا منصوبہ بنا رہے ہو۔ تھوڑی دیر پہلے تمہاری ساری امیدیں پائندہ گل کی ذات سے وابستہ تھیں۔ بادرانیوں کی حکمرانی کا اندازہ لگاتے ہی تم نے اسے حرامی' مار آستین اور دوستوں کی عزت کا قاتل قرار دینا شروع کردیا۔ ہوسکتا ہے کہ اس بے چارے نے تمہاری بیوی کی شکل بھی نہ دیکھی ہو۔ تم بلاوجہ ایک شریف مُردے کے خلاف ناپاک سازش تیار کررہے ہو۔"

وہ الجھن آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "تم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے اس لئے میرا راستہ کاٹ کر مجھے مصائب میں مبتلا کرنے کی کوشش مت کرو۔ آؤ! میں علیحدگی میں تمہیں کچھ اور بھی بتاتا ہوں۔ میری پوری بات سن کر تم حیرت سے اپنی انگلیاں چبا ڈالو گے۔ تمہاری عورتوں کے سامنے یہ بات

مناسب نہیں ہوگی۔"

"نہیں، ہربات ہمارے سامنے ہوگی۔" ویرا نے سختی سے احتجاج کیا "تم اتنی دیر سے ہمارے سامنے گندی اور بے ہودہ باتیں کررہے ہو۔ اس وقت ہماری موجودگی کا خیال نہیں آیا تو اب کیوں شرما رہے ہو؟"

"مجھے اپنی عزت بھی عزیز ہے۔" وہ بے بسی کے ساتھ بولا۔ اس کا چہرہ لٹک گیا تھا۔

"ابھی تم خود ہی بتا چکے ہو کہ پائندہ گل نے تمہاری عزت کے ساتھ غیرت کے بھی چیتھڑے اڑا دیئے تھے۔" ویرا نے بے رحمی سے کہا "تمہارے پاس اب رہ ہی کیا گیا ہے جسے تم بچانا چاہ رہے ہو۔"

"تم مجبور کررہی ہو تو سنو!" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد اس نے شکست خوردہ آواز میں کہنا شروع کیا "وہ رات گزر گئی۔ جو ہونا تھا، وہ ہوگیا۔ میں لاولد تھا۔ میں نے پائندہ گل کی اس ذلیل حرکت کو اپنی قسمت کا لکھا سمجھ کر تسلیم کرلیا۔ اپنی اس المناک پامالی کے بعد گوہر جان ایک بچی کی ماں بنی اور ہم نے اس کا نام جنت خانم رکھا مگر دیکھنے والوں کو اس لڑکی کے چہرے مہرے میں پائندہ گل کے خدوخال نظر آنے لگے۔ اس کا نام خود بخود جنت گل پڑ گیا۔ ہم نے بڑی محنت سے اسے پالا پوسا لیکن ہم اس کے گندے شنگاری خون کو نہیں سنبھال سکے۔ وہ بگڑ چکی ہے۔ ہمارے ساتھ رہنے کے بجائے اپنے مرضی کے لوگوں میں گھری رہتی ہے۔ کچھ دنوں سے وہ کابل کی مجلسوں میں ایک انوکھی ہی بات پھیلاتی پھر رہی ہے۔ اس نے پائندہ گل کے کسی رِ غمالی سے منہ کالا کر کے تمام شنگاریوں کے منہ پر تھوک دیا ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اس نے پائندہ گل کے اکلوتے بھانجے کا خون کیا ہے۔ پائندہ گل کے آدمی کابل میں اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں مگر وہ کہیں چھپ گئی ہے۔ وہ لڑکی میرے لئے اولاد سے زیادہ عذاب بن چکی ہے۔"

"بدبودار کیچڑ میں گلاب نہیں کھلا کرتے۔" غزالہ نے ترشی سے کہا "تم نے پائندہ گل کی حوصلہ افزائی کی ہو یا اس نے خود گوہر جان پر بری نظر ڈالی ہو، اس کا نتیجہ اچھا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ تم نے اس فتنے کو پال پوس کر اپنے ہی نہیں اور نہ جانے کس کس کے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔" غزالہ کے لئے جنت گل کا نام ہی ناقابل برداشت تھا۔ اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔

"کابل میں شنگاریوں نے اسے تلاش کرنا شروع کیا تو میں نے سکھ کا سانس لیا تھا کہ اب ہمیں اس کی ذات سے پیدا ہونے والی رسوائیوں سے نجات مل جائے گی۔ یہ بدبخت بادرانی اس کے بجائے ہمیں یہاں اٹھا لائے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہورہا ہے؟" وہ الجھا ہوا اور آزردہ نظر آرہا تھا۔

"تم نے اسے جوان ہونے سے پہلے ہی کسی کے ہاتھ بیچ کیوں نہیں دیا؟" اچانک ویرا پوچھ بیٹھی "تمہارے یہاں تو شاید دلور کی رسم ہوتی ہے۔ دو چار لاکھ بھی ہاتھ آجاتے اور اس سے پیچھا بھی چھوٹ جاتا۔"

"کاش! تم نے اس کی باتیں سنی ہوتیں!" ضیغم خان ایک گہرا سانس لے کر درد بھری آواز میں بولا "وہ ہربات وقت اور اپنی عمر سے پہلے جانتی رہی ہے۔ مجھے دھمکیاں دیتی رہتی ہے کہ میں نے اس کی مرضی کے خلاف اس کی بات چلائی تو وہ روپوش ہوجائے گی پھر سنا کہ وہ پشاور میں پائندہ گل کے بھانجے سے عشق لڑا رہی ہے۔ آخر میں خبر آئی کہ اس نے عبدالرحیم خان کو مار ڈالا......"

گوہر جان نے حلق سے آواز نکال کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور شہادت کی انگلی سے بار بار اس کی طرف اشارہ کرکے دونوں ہاتھ چلانے لگی۔ اس جوش و خروش میں اس کے منہ سے عجیب اور ڈراؤنی آوازیں بھی نکل رہی تھیں۔ ضیغم خان کی تیوریوں پر بل پڑنے لگے۔ وہ بے زاری کے عالم میں گوہر جان کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بے رخی سے بولا "ہاں یہ میرا گناہ ہے جو میرے سر پر ناچ رہا ہے۔ تو ہمیشہ ایسی ہی باتیں کرکے میرا خون جلاتی رہ۔ جب اسے جان سے مارنے کا ارادہ کیا تھا تو تیری ممتا تڑپ اٹھی تھی، اب طعنے دے رہی ہے۔"

گوہر جان کے ردِعمل سے پتا چل گیا کہ ضیغم خان نے اس کا مفہوم سمجھنے میں غلطی نہیں کی تھی۔ وہ عورت زبان سے محروم ہوجانے کے باوجود اپنے شوہر سے برابر کا مقابلہ کررہی تھی۔ دونوں عورتیں حیران نظروں سے وہ منظر دیکھنے لگیں اور میں وہاں سے اٹھ گیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری تشویش میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ قندوز خان کے ذریعے جوں ہی صبغت اللہ کو یہ معلوم ہوگا کہ ہمیں قید کردیا گیا ہے وہ فوراً ہماری رہائی کا فرمان جاری کردے گا۔ اس عمل میں زیادہ دیر نہیں لگنی چاہیے وہاں کے ماحول میں یہ ممکن نہیں تھا کہ قندوز خان وہ اہم خبر کئی گھنٹوں تک اپنے سردار کو نہ پہنچا سکے۔ صبغت اللہ لوگوں سے ملنے ملانے میں ضرور مصروف تھا مگر یہ بات ناقابل فہم لگتی تھی کہ قندوز خان کو اس کے پاس پھٹکنے کا موقع ہی نہ مل رہا ہو۔

شنگاریوں کا دن سورج کی پہلی کرن کے ساتھ شروع ہوتا تھا اور سورج ڈھلتے ہی ان کے یہاں رات آجاتی تھی۔ وہ کھانے پینے سے فارغ ہوکر جلد سو جانے کے عادی تھے۔ جنگ کی تیاریوں اور بعد کی مصروفیات نے ان سب کو کافی سے زیادہ تھکایا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ پہلی فرصت میں تھکان اتارنے کے لئے سرِشام ہی بستروں میں جا گھسیں گے۔ کچھ اور وقت گزر جاتا تو ہماری رہائی کا معاملہ اگلے دن پر ٹل جاتا اور ہم رات کے گھور اندھیرے میں خطرناک حشرات الارض کے رحم و کرم پر رہ جاتے۔ صندل خان کے سڑتے ہوئے خون کی بو انہیں ہماری کمین گاہ کی طرف متوجہ کرسکتی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ ہمیں مرحوم صندل خان کی مہربانی سے صاف ستھرے مقامی ملبوسات میسر آگئے تھے اور ہمارے پیر بھی

چیلوں سے محروم نہیں تھے۔

جب اجالا بالکل ہی ماند پڑنے لگا اور ہم سب شنگاریوں کے طویل انتظار سے یکسر مایوس ہو چکے تھے تو باہر سے کچھ لوگوں کے زور زور سے بولنے کی آوازیں آئیں پھر ہمیں اپنے سروں پر قدموں کی دھمک سنائی دینے لگی۔ ہم سب کے چہروں پر بحالی کی لہر سی دوڑ گئی۔ گو نگی گوہر جان کی آنکھیں وحشیانہ انداز میں چمکنے لگی تھیں۔

پھر ہوادان سے آنے والی روشنی یک لخت کم ہو گئی۔ میں نے اوپر دیکھا تو وہاں کوئی تنومند شنگاری موجود تھا جس کی پشت سورج کی طرف اور چہرہ دھندلکے میں تھا۔ میں اسے نہیں پہچان سکا۔

"دہانہ کھل رہا ہے۔" ہوادان کے راستے قندوز خان کی سرد آواز آئی "تم سب ایک ایک کر کے باہر آؤ گے۔ جس نے کوئی چال بازی دکھانے کی کوشش کی' اسے گولی ماردی جائے گی۔"

سیڑھیوں پر بھی پھیکی روشنی نظر آنے لگی۔ سب سے پہلے گوہر جان نے ادھر دوڑ لگائی تھی۔ تینوں عورتوں کے بعد میں باہر نکلا تو قندوز خان سات مسلح شنگاریوں کے ساتھ عورتوں کو اپنے نرغے میں لئے کھڑا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہیں ہمارا خیال آگیا۔" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا "شاید سردار نے ہمارے قید ہو جانے کی خبر ملتے ہی ہماری رہائی کا حکم دے دیا ہو گا۔"

قندوز خان نے غصیلی نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا "بک بک مت کرو۔ سردار ہر بات سے باخبر رہتا ہے۔ تم کو اسی کے حکم سے یہاں ڈالا گیا تھا اور اب تم اس کے سامنے پیش کئے جاؤ گے۔"

اس کے الفاظ نے مجھے ہراساں کر دیا۔ اپنی قید کے بارے میں' میں نے جو مفروضہ قائم کیا ہوا تھا وہ غلط ثابت ہو رہا تھا۔ اگر صبغت اللہ ہی نے ہمیں اس حال کو پہنچانے کا حکم دیا تھا تو معاملہ بہت سنگین تھا۔ میں قندوز خان سے مزید ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکا۔ میرا ذہن ایک مرتبہ پھر بُری طرح الجھ چکا تھا۔

میرے بعد سلطان شاہ اور آخر میں لنگڑا ضیغم خان کُھد کتا ہوا تہ خانے سے باہر آیا۔ ضیغم خان کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کولہے کی مضروب ہڈی کی وجہ سے' اس کے لئے زینے چڑھنا عذاب سے کم نہیں تھا۔ اپنے غلیظ اور مکروہ فعل کے نتیجے میں وہ سر سے پیر تک عبرت کا نمونہ بن کر رہ گیا تھا۔

سب لوگوں کے یکجا ہوتے ہی تہ خانے کا دہانہ بند کر دیا گیا اور قندوز خان کی رہنمائی میں پورا قافلہ حویلی کی طرف چل پڑا۔ میری پریشانی میری اپنی ذات تک محدود تھی کیونکہ قندوز خان کے انکشاف کے بعد مجھے اپنے ساتھیوں سے تبادلہ خیال کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔

ہمارا سفر خاموشی سے جاری رہا۔ حویلی کے ایک نیم تاریک حصے میں' جہاں راہداری دو سمتوں میں تقسیم ہو رہی تھی' قندوز خان' ضیغم اور اس کی بیوی کو دو شنگاریوں کی معیت میں لے کر ہم سے الگ ہوا اور دوسری سمت میں مڑ گیا۔ بقیہ پانچ شنگاری ہمیں لے کر اسی سمت میں چلتے رہے جدھر ان کا رخ تھا۔ اس تقسیم نے میری تشویش میں کچھ اور اضافہ کر دیا لیکن میں کچھ بولنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ اس بار ہم پانچ اجنبی شنگاریوں کے رحم و کرم پر رہ گئے تھے۔ وہ سب ہی اردو زبان سے نابلد تھے۔ خطرہ یہ تھا کہ کہیں وہ میری بات کا جواب دینے کے لئے اپنے ہتھیاروں کی زبان استعمال کرنا نہ شروع کر دیں۔ دربار ہال میں پہنچنے کے بعد ہمیں اشاروں سے ایک جگہ روک دیا گیا۔ اس وقت ہال خالی تھا۔ اس کے ایک گوشے میں کھانا کھانے کی کئی چوکیاں ایک ترتیب سے بجی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں دعوت ہو چکی ہو یا ہونے والی ہو۔ ان چوکیوں کے مقابل ایک آراستہ مسند تھی جو عملاً فرشی ہونے کے باوجود فرشی قالین کی سطح سے کئی انچ اونچی تھی۔ اس مسند کے دائیں بائیں بھی کئی اور نشستیں تھیں جو اس سے نیچی اور غیر آراستہ تھیں۔

صبح تک حویلی میں خاصی بھیڑ بھاڑ تھی۔ جب میں صبغت اللہ سے ملاقات کے لئے وہاں پہنچا تو دربار ہال شنگاریوں سے بھرا ہوا تھا۔ بعد میں اس کے مہمان خانے میں بھی دور دراز سے آئے ہوئے مہمان بھرتے چلے گئے تھے۔ اس وقت دربار ہال کو خالی پاکر مجھے اندازہ ہوا کہ گالان سے باہر کے قبائلی جتنی تیزی کے ساتھ وہاں وارد ہوئے تھے اسی تیزی کے ساتھ اپنی اپنی بستیوں کی طرف لوٹ گئے تھے۔ اس کے دو ہی اسباب ہو سکتے تھے۔ اول ان لوگوں کا مزاج اور دوم گالان میں رسد کی فراہمی کے ذرائع پر اچانک آپڑنے والا دباؤ۔ اسباب کچھ بھی رہے ہوں' ہمارے لئے یہ بات اطمینان بخش تھی کہ کھردرے مزاج' بے باک نگاہوں' اکھڑ عادات اور خطرناک چہروں والے شنگاریوں کی بھاری تعداد میں غیر معمولی کمی آچکی تھی۔ شاید یہ اسی تبدیلی کا نتیجہ تھا کہ صبغت اللہ کو ہمارا خیال آگیا تھا۔

ہمیں لانے والوں میں سے ایک مسلح شخص اس منقش چوبی دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا جو سردار کے کمرے میں کھلتا تھا۔ بقیہ شنگاری ہمیں اپنی تحویل میں لئے وہیں کھڑے رہے۔

"سب سالے گاؤدی لگ رہے ہیں۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔ سلطان شاہ کی لب کشائی کے ساتھ ہی ہم سب کی نگاہیں شنگاریوں کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ چونک کر سلطان شاہ کی طرف متوجہ ضرور ہوئے تھے لیکن ان کے بشروں پر ناگواری کے تاثرات تھے' انہوں نے سلطان شاہ کے بولنے پر اعتراض کیا تھا۔

"خدا کا شکر ادا کرو کہ یہ چاروں اردو سے ناواقف ہیں۔" ویرا نے ان کی خاموشی سے حوصلہ پاکر کہا "ورنہ یہ مار مار کر تمہارا حلیہ بگاڑ دیتے۔ تم سب سے آخر میں تہ خانے سے باہر نکلے تھے اس لئے تمہیں علم نہیں ہے کہ ڈپٹی صاحب کی تھیوری دھری رہ گئی ہے۔ ہمیں صبغت اللہ کے ایما پر قید خانے میں ڈالا گیا تھا۔"

"ہمیں اشاروں سے روکا گیا تو میں نے اسی وقت اندازہ لگالیا تھا کہ یہ بے چارے اردو سے پیدل ہیں۔" ویرا کی بات کا جواب دے کر وہ میری طرف متوجہ ہوگیا "کیا یہ ٹھیک کہہ رہی ہے؟"

میں نے اپنے سر کو اثباتی جنبش کے ساتھ کہا "قندوز خان نے یہی بتایا ہے۔ معاملات الجھے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ اب اندر جانے کے بعد ہی صحیح صورت حال کا اندازہ ہوسکے گا۔"

"اب تو صندل خان بھی مارا جاچکا ہے۔" ویرا پرتشویش آواز میں بولی "ہماری جانوں پر بن آئی تو ہم یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکیں گے۔ صندل خان جیسا پہاڑوں کا کیڑا یہاں سے نکلتے ہی پکڑا گیا تو ہم کس گنتی میں ہیں؟ بے بسی کے ساتھ موت کا انتظار کرنے کے بجائے ہمیں لڑمرنے کے لئے تیار ہوجانا چاہیے۔"

"فی الحال اتنی دور کی باتیں نہ سوچو۔" سلطان شاہ نے بزرگانہ لب و لہجے میں کہا "ہوسکتا ہے کہ اوپر والا' اندر والے کے دل میں کوئی نیکی ڈال دے۔ ویسے ہم تینوں تمہارا عطیہ دے کر بھی بچ سکتے ہیں۔ تم نے صندل خان کے سرہانے آنسو بہا کر یہ ثابت کردیا ہے کہ تم ان وحشت ناک قبائلیوں میں خوش رہ سکتی ہو۔ یہ لوگ بھی بہت جلد تم سے مانوس ہوجائیں گے۔ زرتاشہ کی خودکشی کے بعد انہیں ویسے بھی ایک عورت کا خسارہ ہوچکا ہے۔"

"میں تمہارے منہ پر تھپڑ ماردوں گی۔" ویرا غصے سے بولی "ایک مرے ہوئے آدمی کے بارے میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے۔ وہ سچے دل سے ہمارا ہمدرد اور بہی خواہ تھا۔ میں اتنی سنگ دل نہیں ہوں کہ اپنے کسی خیرخواہ کو اتنی خراب حالت میں دیکھ کر بھی اپنے جذبات پر قابو رکھ سکوں......"

"اصل خرابی یہی ہے کہ تمہیں کہیں بھی اپنے جذبات پر قابو نہیں رہتا۔" شنگاریوں کی خاموشی کی وجہ سے وہ دونوں انہیں فراموش کرکے ایک مرتبہ پھر آپس میں الجھ پڑے تھے۔ سلطان شاہ نے ویرا کی بات پوری ہونے سے پہلے بولنا شروع کردیا تھا "جہاں موقعہ ملتا ہے پہلی فرصت میں پھسل پڑتی ہو اور اب ایک مردہ آدمی کی آڑ لے رہی ہو۔ میں نے تو اس کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ تم نے اس کی عقل کو ماؤف کردیا تھا۔ وہ تمہاری لچھے دار باتوں میں نہ پھنسا ہوتا تو ہمارے ساتھ ضرورت سے زیادہ ہمدردی دکھاتا اور نہ یوں بے بسی سے مارا جاتا۔"

"تم بھاڑ میں جاؤ۔" ویرا بھنا کر بولی "تمہارے منہ لگنے سے بہتر ہے کہ آدمی اپنا سر کسی پتھر پر دے مارے۔"

"اب تو جہاں بھی جانا ہوگا' ساتھ ہی جانا ہوگا۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا "پتھروں سے سر لڑانے کا موقع بھی ہر ایک کو حاصل رہے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم نے ہم تینوں کو چھوڑ کر پندرہ پندرہ پونڈ کے بادرانی بچوں کی ماں بننے کا فیصلہ کرلیا ہو۔"

غزالہ نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو منہ پھیر کر ویرا کی نظروں سے چھپایا۔ میں نے ہنسی روکنے کے لئے بلاوجہ کھانسنا شروع کردیا۔ سلطان شاہ نے اپنی رو میں آکر ویرا کے تن بدن میں آگ لگادی تھی۔ غصے کی شدت سے اس کا چہرہ بگڑ چکا تھا اور وہ کسی بھوکی شیرنی کی طرح اسے گھور رہی تھی۔ سلطان شاہ صورت حال کی نزاکت کو بھانپتے ہی ہم سب سے الگ کھسک کر چاروں شنگاریوں کے درمیان جا کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے بائیں ہاتھ کی دیگر تمام انگلیاں بند کرکے چھوٹی انگلی بلند کی ہوئی تھی اور چہرے پر بیچارگی طاری کرلی تھی۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ اشارہ گالان جیسی دور افتادہ بستی میں بھی اسی طرح قابل فہم تھا جس طرح کراچی میں۔ زبان سے کچھ کہے بغیر' ایک شنگاری نے سلطان شاہ کا بازو تھاما اور نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ویرا اپنی جگہ پر پیچ و تاب کھاتی اور غصے سے دانت پیستی رہ گئی۔

"صبر کرو" میں نے ویرا کے قریب ہوکر کہا "اب وہ بھی بہت طرار ہوگیا ہے۔ بعض اوقات ایسی برجستہ چوٹ کرجاتا ہے کہ آدمی لاجواب ہوکر اپنی بغلیں جھانکتا رہ جاتا ہے۔ تمہیں بُرا ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اسے طراری نہیں بدتمیزی کہتے ہیں۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے غرائی "تمہاری خاموشی اور بے جا حمایت نے اب اسے ہر ایک پر حاوی کردیا ہے۔ میں کسی وقت اُس پر ہاتھ چھوڑ بیٹھوں گی۔" پھر یکایک ہی اس کا منہ بگڑ گیا اور وہ تنفر آمیز لہجے میں بڑبڑائی "ہونہہ! پندرہ پونڈ کے بادرانی بچے! الّو کا پٹھا!"

پھر سردار کے کمرے سے وہ شنگاری نمودار ہوا جو کچھ دیر پہلے ہم سے الگ ہوکر اندر گیا تھا۔

اس نے دور ہی سے ڈیتی کا نعرہ لگایا اور میں اپنی جگہ چھوڑ کر چند قدم آگے بڑھ گیا۔ اس نے ہاتھ ہلا کر مجھے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا اور مقامی بولی میں اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہونے لگا۔ میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اس نے اپنی بات ختم کرلی اور مجھے لے کر دوبارہ سردار کے کمرے کی طرف چل دیا۔ اس نے دروازہ کھول کر مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا مگر خود باہر ہی رکا رہا۔

اندر سردار صبغت اللہ مشعلوں کی روشنی میں اپنی جگہ پر براجمان تھا اور سگریٹ سلگائے شراب نوشی میں مصروف تھا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی اور پپوٹوں کے ورم سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ بہت زیادہ شراب پئے ہوئے تھا۔ آگے بڑھنے پر مجھے کئی خالی بوتلیں بھی نظر آگئیں جو میرے اندازے کی تائید کررہی تھیں۔

"آؤ! میرا خیال ہے کہ زنداں میں تمہارا وقت اچھا نہیں گزرا ہوگا۔" اس کا لہجہ دوستانہ اور نشے کے اثرات سے عاری تھا "لیکن یہ بہت ضروری تھا۔ بیٹھو' اور اپنے لئے شراب انڈیلو۔"

اس نے اپنے ابتدائی کلمات ہی سے اس بات کی تصدیق کردی کہ قندوز خان نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ ہمیں اسی کی اجازت سے تہ خانے میں ڈالا گیا تھا۔ مجھے یک بیک اس کی صورت سے نفرت محسوس ہونے لگی۔ وہ سب ہی پاگل اور فاتر العقل

معلوم ہوتے تھے۔ انہیں اپنی کسی بات کا پاس نہیں تھا۔ کسی کو معزز و محترم مہمان کا درجہ دینے کے بعد بدترین قید خانے میں ڈلوا دینا ایک عام آدمی کے لئے ممکن نہیں تھا۔ میرا دل چاہا کہ میں ساغر و مینا کو لات مار کر اس پر ٹوٹ پڑوں اور اس کا گلا دبا دوں لیکن میرے دل کے چور نے اس ابال کو فوراً ہی ٹھنڈا کر دیا۔ میں نے صبغت اللہ کی دی ہوئی ایک چھوٹ کی آڑ لینے کا فیصلہ ضرور کیا ہوا تھا مگر حقیقت یہ تھی کہ میں نے صندل خان کے ساتھ مل کر گالان سے فرار ہونے کی سازش کی تھی۔ صندل خان کی ہلاکت کے ساتھ ہی وہ ادھوری سازش بھی دم توڑ چکی تھی اور میں صبغت اللہ کی دی ہوئی رعایت کا فائدہ اٹھا کر خود کو معصوم ظاہر کر سکتا تھا۔

میں کسی ردِعمل کا مظاہرہ کئے بغیر اپنے لئے ایک گلاس تیار کرنے میں مصروف ہو گیا۔

"گالان بہت خطرناک جگہ ہے۔ مجھے اب یہاں گھٹن محسوس ہونے لگی ہے۔" صبغت اللہ کے ساتھ پہلا گھونٹ لینے کے بعد میں نے لب کشائی کی "ہمیں جلد از جلد روانگی کی اجازت ملنی چاہیے۔"

مدافعت کے بجائے، میری طرف سے جارحانہ لب و لہجے نے صبغت اللہ کو حیران کر دیا "تم روانگی کی بات کر رہے ہو، کیا تمہیں یہ فکر نہیں ہے کہ میں نے تمہیں قید خانے میں کیوں ڈلوایا تھا۔ تم پر صندل خان کے ساتھ فرار کی سازش کرنے کا الزام تھا۔ کچھنار کے خچروں والے نے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ صندل خان نے پانچ سدھائے ہوئے اور تیز رفتار خچروں کی فراہمی کے سلسلے میں اس سے بات چیت کی تھی۔ صندل خان کے چار ساتھی تم ہی لوگ ہو سکتے تھے۔"

"اگر تم پچھلی ملاقات میں طے ہونے والی باتیں بھول گئے ہو تو مجھے فکرمند ہونا پڑے گا۔" میں نے اس کی مخمور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سپاٹ لہجے میں کہا "یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ تم نے خود مجھے صندل خان کے دل کی بات اگلوانے کے لئے جھوٹ بولنے اور تمہاری برائیاں کرنے کی اجازت دی اور جب میں نے اس پر عمل کر کے صندل خان کو بے نقاب کر دیا تو تم نے اپنا وعدہ بھول کر مجھے اس ہولناک تہ خانے میں بند کرا دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ یہاں ہماری حیثیت کا کوئی تعین نہیں ہے۔ ہم کسی وقت بھی تمہارے عتاب میں آ سکتے ہیں۔"

وہ صبر و سکون سے میری بات سنتا رہا۔ میرے آخری فقروں پر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ میری بات ختم ہونے پر اس نے سوال کیا "اگر تم نے میرے ایما پر، اس کے دل کا بھید پانے کے لئے، اسے کسی سازش پر اکسایا تھا تو تم نے اس اہم بات سے مجھے باخبر کیوں نہیں کیا؟"

"تم سے ملنے کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ قندوز خان گواہ ہے کہ میں بار بار تم سے ملنے کی خواہش ظاہر کرتا رہا مگر تم مصروف تھے۔ تم نے مجھے منع کر دیا تھا کہ میں قندوز خان کو کچھ نہ بتاؤں اس لئے میں نے قید خانے میں اترتے ہوئے بھی اپنی زبان بند رکھی۔ میں تم سے ملاقات کے انتظار میں اس حال کو پہنچا ہوں۔"

اس کے چہرے سے اچانک نرماہٹ جھلکنے لگی۔ اس نے گلاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "مشتعل ہو کر تم نے پینے سے ہاتھ کیوں روک لیا؟ پیتے رہو، یہ معدے میں اتر کر تمہارا سارا غصہ چوس لے گی۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ صندل خان کو تم نے کس طرح اپنے ساتھ ملایا تھا؟"

میں نے گلاس سے ایک گھونٹ بھر کر کہا "پہلے میں نے محتاط الفاظ میں تمہاری برائی کی۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا تو میں نے انقلاب کو غلط قرار دے کر تم پر اپنی بے اعتمادی کا کھلا اظہار کر ڈالا۔ اس پر صندل خان نے پائندہ گل سے اپنی لازوال وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے، مشترکہ فرار کی پیشکش کی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ کسی خطرے کے بغیر ہم سب کو گالان سے نکال لے جائے گا۔ میں رضامند ہو گیا اور وہ سونف کی شراب لانے کے بہانے کچھنار کی طرف چل دیا۔ میں اسی وقت تم سے ملنا چاہتا تھا لیکن قندوز خان غائب تھا۔ وہ آیا تو اس نے تمہاری بے پناہ مصروفیت کی کہانی سنائی، پھر آج صبح اس نے ہماری حد سے زیادہ تذلیل کر کے ہمیں تہ خانے میں بند کر دیا۔"

وہ ہنسنے لگا اور ڈھٹائی سے بولا "سب کچھ اسی طرح ہوا جس طرح میں نے سوچا تھا۔ جب سے صندل خان کو کچھنار کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا، قندوز خان مجھے پل پل کی خبریں پہنچا رہا تھا۔ جب صندل خان اچانک لاپتا ہوا تو اس نے کچھنار والے کی گردن دبوچ لی اور اس نے معافی کا وعدہ لے کر پوری کہانی اگل دی اور صندل خان اکیلا فرار ہوتے ہوئے پکڑا گیا۔ اس پر بڑا وقت برباد ہوا۔ جب اسے موت سر پر نظر آنے لگی تو اس کی زبان بھی چل پڑی۔ قندوز خان نے اس کی اور تم لوگوں کی ملی بھگت کے بارے میں بتایا تو میں نے اس پر اپنا بھرم رکھنے کے لئے تمہیں بھی قید میں ڈالنے کا حکم دے دیا۔ اب میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے تمہاری خطا معاف کر دی ہے کیونکہ صندل خان نے تم لوگوں کو میرے خلاف ورغلایا تھا۔" اس نے خاموش ہو کر اپنا گلاس خالی کیا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا "یہ صرف بھرم ہی کی بات نہیں ہے۔ میں نے ضیغم خان اور اس کی بیوی کو بھی زنداں میں ڈلوا دیا تھا تاکہ صندل خان کا عبرت ناک انجام ان کے حوصلے پست کر سکے اور وہ میری بات سے سرتابی کی جرأت نہ کر سکیں۔ ضیغم خان کے لئے بہت مشکل ہوتا کہ وہ بھرے جرگے کے سامنے اپنے اور پائندہ گل کے گھناؤنے گٹھ جوڑ کی کہانی سنا سکے مگر اب وہ رکے بغیر بولے گا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ دونوں اسی حالت میں تم چاروں کو بھی دیکھ لیں تاکہ جرگے میں تم سب ایک دوسرے سے اجنبی نہ رہو۔ تمہارے قید کئے جانے کے بعد کوئی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ میری اور تمہاری کوئی سازباز ہے۔ یہ بتاؤ کہ زنداں میں ضیغم خان سے تمہاری کیا باتیں ہوئیں؟ وہ کیا سوچ رہا ہے؟"

"ابھی تک وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔" میں نے اس کی نئی کہانی کا ذکر گول کر کے کہا "وہ جنت گل کی پھیلائی ہوئی کہانی سے باخبر ہے لیکن میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ اس کی بیٹی کے نازک وجود کی حرارت سے آشنا ہونے والا یرغمالی میں ہی ہوں۔ اسے یہ حیرت ضرور ہے کہ ہم لوگ اس کے بارے میں کیسے جانتے ہیں۔"

اس نے اپنی ران پر ہاتھ مار کر والہانہ انداز میں کہا "سب کچھ اسی طرح ہو رہا ہے۔ تم بہت عقل مند انسان ہو۔ اس وقت قندوز خان اس بے غیرت کابلی کو یہ سمجھا رہا ہوگا کہ صبح اسے کیا کہنا ہے۔ تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ جنت گل بھی آج اسی چھت کے نیچے ہے۔ اس سے کوئی بات نہیں کی گئی۔ بس کل صبح اسے اچانک ہی جرگے کے روبرو پیش کیا جائے گا۔ وہاں ڈرامائی کھیل شروع ہوگا اور تمہارے انکار کے بعد میری مرضی کا فیصلہ ہو جائے گا۔"

جنت گل کی موجودگی کا ذکر سنتے ہی، میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو گئیں۔ کوہساروں کی اس دوغلی شہزادی سے ایک بار قربِ آشنا ہونے کے بعد آسانی سے بھلا دینا ممکن نہیں تھا۔ مجھے بے اختیار وہ سنسنی خیز لمحات یاد آ گئے جب میں نے عبدالرحیم خان سے نظر بچا کر جنت گل کے ساتھ خاموش چھیڑ خانی کا آغاز کیا تھا اور اس طرح دار حسینہ نے بھی اپنے محبوب سے شکایت کرنے کے بجائے، بالا ہی بالا جوابی چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ جنت گل کے اِس حوصلہ افزا ردِعمل نے میرے دل میں گناہ کی پہلی چنگاری سلگائی تھی جس نے بعد میں جذبوں کی ہولناک آگ کا روپ دھار کر ہم دونوں ہی کو اپنے لہو رنگ شعلوں کا ایندھن بنا لیا تھا۔

"اُس سے میری ملاقات ہو سکتی ہے؟" میں نے بے تابانہ لہجے میں صبغت اللہ سے پوچھا۔

"نہیں!" اس نے سرہلاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا "میں نے اسے اجنبی نظروں سے بچانے کے لئے زنداں میں نہیں ڈالا تھا۔ وہ بادرانیوں کی ہونے والی بہو ہے۔ اب اس پر کسی اجنبی مرد کی نظریں بھی نہیں پڑ سکتیں۔ بستی کی دو دایا دس کی نگرانی میں وہ ایک علیحدہ کمرے میں بند ہے اور تم؟ تم سے تو اس کے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم وہ ہو جسے اس نے اپنے بدن کی خوشبو چرانے کی دعوت دی تھی۔"

"وہ سب اس کی زبردستی تھی۔ تم جانتے ہو کہ میں بدنگاہ نہیں ہوں۔ کل جرگے میں بھی وہ میرے سامنے آئے گی۔ پھر آج مل لینے میں کیا ہرج ہے؟" میں نے سوچے سمجھے بغیر اصرار کیا۔

"تم اُس سے ملنے پر مصر کیوں ہو؟" صبغت اللہ نے اپنی عقابی نظریں میرے چہرے پر گاڑ دیں "کہیں ایسا تو نہیں کہ جنت گل کے جبر کے تحت کئے ہوئے گناہ کی کچھ یادیں تمہارے ذہن میں سانپ بن کر کلبلا رہی ہوں؟ تم اسے ایک بار پھر دیکھنا چاہتے ہو؟ کوئی پیمان و اقرار کرنا چاہتے ہو؟ یا پھر......"

اس کے زہریلے فقروں نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے اور میں نے اضطرار کی حالت میں اس کی بات کاٹ دی "مجھ پر ایسے الزامات عائد نہ کرو۔ بادرانیوں کی ہونے والی بہو اب میرے لئے بھی بہت محترم ہے۔ جب اس کے ذہن پر شیطان سوار ہوا تھا تو میں نے اپنے دامن کو سیاہ داغ سے بچانے کے لئے اس کو اپنی تلخ کلامی سے بہت ذلیل کیا تھا۔ میں اس سے اپنی بدزبانی کی معافی مانگنی چاہتا تھا...... لیکن نہیں، اب میں اُدھر کا رخ بھی نہیں کروں گا۔ خدا کی پناہ! تم کیسی کیسی باتیں سوچ رہے ہو۔ وہ عورت تم کو مبارک ہو۔ میں اس کے سائے سے بھی دور رہوں گا۔"

صبغت اللہ کسی بھیڑیئے کی طرح اپنے سفید دانتوں کی قطاریں چمکاتے ہوئے، منہ کھول کر ہنسا پھر بولا "غنیمت ہے کہ تم نے اپنی غلطی کا احساس کر لیا۔ آئندہ کبھی کسی ایسی عورت کے بارے میں نہ سوچنا جس پر کسی دوسرے کے نام کی مہر لگ چکی ہو۔ ضیغم خان لاکھوں میں ایک بے غیرت تھا جس نے پائندہ گل کو منہ تک غلاظت میں تھیڑ دیا۔ بادرانی ایسے نہیں ہوتے۔ اپنی عورتوں کے بارے میں تجسس کرنے والے اجنبیوں کو وہ قبر سے بھی کھینچ لاتے ہیں اور لاش پر کالی چیلیں چھوڑ دیتے ہیں۔ شاید تمہیں معلوم نہ ہو کہ گالان کی یہ پالتو چیلیں صرف آنکھوں اور مغز پر پرورش پا رہی ہیں۔ ایسے حیوانی اعضا انہیں روز ملتے ہیں۔ کبھی کبھی انسانی کھوپڑی سامنے آ جائے تو ان کی عید ہو جاتی ہے۔"

لمحہ بھر میں جنت گل کے وجود کی زندگی کی حرارت سے بھرپور رعنائیاں میرے ذہن سے کافور ہو گئیں۔ دل کی دھڑکنیں اعتدال ہی پر نہیں آئیں بلکہ کالی چیلوں کے ذکر پر مزید سست ہو گئیں۔ مجھے اپنے بدن کے مسامات سے پسینہ پھوٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے خود کو تقویت پہنچانے کے لیے گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

"آج کی رات تم مہمان خانے میں گزارو گے۔" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد اس کی آواز ابھری "صبح کے ناشتے پر جرگے کے معززین میرے مہمان ہوں گے۔ نو بجے تم کو پیش کیا جائے گا۔"

"اور میرے ساتھی؟" میں نے خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کمزور آواز میں سوال کیا "انہیں تم نے ابھی تک شرفِ باریابی نہیں بخشا۔ وہ بے چینی کے ساتھ اس عزت افزائی کے منتظر ہیں۔"

انا پرست سردار کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ تو ایک انسان تھا۔ خوشامد پتھر تک کو موم میں بدل کر رکھ دیتی ہے۔ وہ آہستگی سے بولا "اس وقت میرا ان سے ملنا قرین مصلحت نہیں ہے۔ کل جرگے میں تم سب آؤ گے۔ وہاں فیصلہ ہونے تک ہر ایک کے ساتھ عزت اور برابری کا سلوک کیا جاتا ہے۔"

"لیکن کارروائی مقامی یا پھر پشتو زبان میں ہوگی ہم کچھ بھی نہیں سمجھ پائیں گے۔"

"قندوز خان تمہیں ہر بات سے باخبر رکھے گا۔" وہ مکّارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "میرے دماغ میں صبح کا پورا نقشہ تیار ہے۔ جرگے والوں کے لیے کسی کا بندوبست کرنا پڑے گا کیونکہ ان میں سے زیادہ تر لوگ مقامی بولی کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں جانتے...... بس ایک بات یاد رکھنا کہ تم جنت گل سے براہ راست بات کرو گے نہ اس کی کسی بات کا جواب دو گے۔ اس طرح میں پورے مقدمے کو اپنی مرضی کے مطابق چلا سکوں گا۔"

میرا گلاس خالی ہونے تک وہ تحمل سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ جوں ہی میرا گلاس خالی ہوا' اس نے مصافحے کے لیے اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا کر کہا "اب تم جا کر آرام کرو۔ مجھے ضیغم خان سے بھی کچھ باتیں کرنی ہیں۔ قندوز خان میرے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا ہوگا۔"

میں نے رکوع کی حالت میں' پورے ادب و احترام سے اس مکّار بادرانی سے ہاتھ ملایا اور واپس چل دیا۔

دروازے سے باہر' قندوز خان اپنے دونوں قیدیوں سمیت قالین پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے لحہ بھر کے لیے رعونت سے میری طرف دیکھا۔ میں بھی اسے نظرانداز کرتا ہوا اُس سمت میں چل دیا جہاں میرے ساتھی' شنگاریوں کی نگرانی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے آدھا فاصلہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ مجھے اپنے عقب سے قندوز خان کی اونچی آواز سنائی دی۔ میں چونک کر پلٹا تو وہ مقامی بولی میں اپنے ان ساتھیوں کو' جو ہماری نگرانی کر رہے تھے' کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ چند ثانیوں کے لیے رکنے کے بعد میں پھر آگے چل دیا۔ میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی قندوز خان کی بات ختم ہو چکی تھی۔

میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ سب قالین سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں غزالہ سب سے آگے تھی۔ اس نے کئی فٹ کے فاصلے سے میری کیفیت بھانپ کر معنی خیز لہجے میں کہا "تمہارے سانسوں سے شراب کی بو آ رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اندر بات بن گئی ہے۔"

میرے پہنچتے ہی شنگاریوں نے ہم سب کو اشاروں سے باہر کی طرف ہانکنا شروع کر دیا۔ میں نے باہر نکلتے ہوئے کہا "یہ بڑی بات ہے کہ ہم آج کی رات تہ خانے کے بجائے مہمان خانے میں بسر کریں گے۔ جنت گل بھی آج اسی حویلی کے کسی کمرے میں بند ہے۔ سارے کردار جمع ہو چکے ہیں۔ صبح جرگے کا ڈراما رچایا جائے گا۔"

"جنت گل یہاں موجود ہے؟" تینوں نے تقریباً بیک آواز وہی ایک سوال کیا۔

"پھر تو ہمیں تہ خانے ہی کا رخ کرنا چاہیے۔" ویرا اپنے تحیر زدہ سوال کے بعد بھی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "جنت گل حویلی میں ہے تو تم رات بھر کسی چوپائے کی طرح اس کی بو کی تلاش میں بھٹکتے رہو گے۔ پہلے اس نے تم پر جبر کیا تھا۔ اب تم اس پر جبر کر کے حساب برابر کر سکتے ہو۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا۔"

"غیر ضروری باتیں مت کرو۔" میں نے غرّا کر کہا "یہ لوگ جنت گل کے بارے میں بہت حساس ہیں۔ تمہاری باتوں کی بھنک کسی شنگاری کے کانوں میں پڑ گئی تو ہم سب کو کالی چیلوں کی خوراک بنا دیا جائے گا۔"

"بعض اوقات تم لوگوں کی حد سے بڑھی ہوئی بے تکلفی میرے لیے اذیت دہ ہو جاتی ہے۔" غزالہ نے مجروح لہجے میں مجھ سے پہلی بار احتجاج کیا "کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم ایک دوسرے کے جذبات کا پاس کرتے رہیں؟"

غزالہ کے سنجیدہ ردِّعمل پر ویرا بوکھلا گئی اور جلدی سے اس کے قریب ہو کر خوشامدانہ لہجے میں بولی "مجھے معلوم ہے کہ تم نے ڈینی پر رکھ کر مجھے لتاڑا ہے۔ مجھے افسوس ہے' ڈارلنگ! تم دیکھو نا۔ یہ لوگ میری کیسی درگت بناتے رہتے ہیں؟ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ لفنگا مجھے کسی بادرانی کے بچوں کی ماں بنا رہا تھا پھر میرا گندہ جواب سننے کی باری آئی تو پیشاب کرنے کے بہانے باہر بھاگ گیا۔ میں کس سے بدلہ لوں؟ ان لوگوں نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟ میں مانتی ہوں کہ میں جھلاہٹ میں کبھی کبھار بہک بھی جاتی ہوں مگر تمہیں فراخ دلی سے مجھے معاف کر دینا چاہیے۔ ہم سب ہی تمہارا بہت زیادہ لحاظ کرتے ہیں اور تمہیں اپنے بے رحمانہ مذاق کا نشانہ نہیں بناتے۔"

"ماضی کے حوالے سے تمہاری یہ بات شاید درست ہو لیکن گالان کا پانی پی کر شاید ہم سب ہی سنگدل اور انا پرست ہوتے جا رہے ہیں۔" غزالہ کی آواز سے آزردگی مترشح تھی "سچ بتاؤ کہ کیا تم ڈینی کو اتنا ہی گھٹیا سمجھتی ہو کہ یہ رات بھر اس کمینی کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہے گا۔"

"ڈارلنگ! آئی ایم سو سوری!" ویرا محبت کے ساتھ اسے پچکارتے ہوئے بولی "اس وقت میں ڈینی کو رگیدنا چاہ رہی تھی۔ تمہاری دل آزاری کا موہوم سا ارادہ بھی نہیں تھا۔ آئندہ میں محتاط رہوں گی۔ اس بار مجھے معاف کر دو۔ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ جنت گل کے بارے میں کوئی سنگین مذاق سہنا تمہارے لیے کتنا مشکل ہے۔"

"اب مجھے رگیدنے کی خواہش نہ کرنا۔" میں نے ویرا سے کہا "تم دیکھ رہی ہو کہ چاند پر تھوکا ہوا سیدھا اپنے ہی منہ پر آگرتا ہے۔ جنت گل کا نام سنتے ہی تم آپے سے باہر ہو گئی تھیں۔"

"شٹ اپ!" ویرا آنکھیں نکال کر غرّائی "اب ہم جنت گل کے بارے میں بات نہیں کریں گے۔"

"میں تمہیں اس کے بارے میں بات کرنے سے نہیں روکتی۔" غزالہ نے خود کو سنبھال لیا تھا "میں حقیقت سے منہ نہیں موڑ سکتی۔ وہ بات کرو جو حقیقت سے قریب ہو۔ بے بنیاد الزام تراشیاں ہمیں پراگندہ کر کے رکھ دیں گی۔"

"جنت گل کو جہنم میں ڈالو اور یہ بتاؤ کہ اندر کیا طے ہوا ہے؟" سلطان شاہ نے دخل اندازی کی۔

میں نے اُس کے سوال کا جواب دینا شروع کیا ہی تھا کہ ہم مہمان خانے کے وسطی ہال میں داخل ہو گئے۔ ہال ویران پڑا ہوا تھا۔ کہیں کہیں سے اکا دکا خراٹوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ شاید باہر سے آئے ہوئے بیشتر قبائلی معززین واپس جا چکے تھے۔ جو رہ گئے تھے وہ سرِ شام ہی اپنے کمروں میں جا سوئے تھے کیونکہ اس وقت تک سورج کو غروب ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ جنگی جنون دھیما ہونے کے ساتھ ہی وہ تیزی سے اپنے معمولات کی طرف لوٹ رہے تھے۔

ہمیں لانے والے ہم کو کمرے تک پہنچا کر واپس لوٹنے لگے تو مجھے اچانک یاد آیا کہ ہم نے وہ پورا دن فاقے کی حالت میں گزارا تھا۔ صبح ناشتے کی نوبت نہیں آنے پائی تھی کہ قندوز خان نے اپنے آدمیوں کے ساتھ ہمارے کمرے پر دھاوا بول کر ہمیں اپنی حراست میں لے لیا تھا پھر قید خانے میں دن بھر کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ اگر وہ لوگ چلے جاتے تو مجھے مہمان خانے پر مامور خدمت گاروں کو تلاش کرنا پڑتا جو نہ جانے کس کمرے میں گھسے ہوئے تھے۔ حویلی میں جنت گل کی موجودگی کی وجہ سے میری اس نقل و حرکت کو شک و شبے کی نظر سے دیکھا جا سکتا تھا۔ اگر میں غلط فہمی میں کسی شنگاری سردار کی نیند میں خلل ڈالنے کا مرتکب ہو بیٹھتا تو وہ اپنی بددماغی کے باعث کوئی ہنگامہ بھی کھڑا کر سکتا تھا۔ بات صرف ہماری بھوک کی تھی لیکن اس سے پیوستہ امکانات خاصے حوصلہ شکن ہو سکتے تھے۔ میں نے لپک کر ایک شنگاری کو پکڑ لیا۔

وہ بھڑک کر وار کرنے کی پوزیشن میں میری طرف پلٹا۔ میں نے فوراً ہی اپنے پیٹ اور دہانے کی طرف اشارے کر کے اس پر اپنا مدعا ظاہر کیا اور وہ تفہیمی انداز میں سر ہلاتا ہوا واپس چلا گیا۔

اس کمرے میں حسبِ معمول چار بوتلیں موجود تھیں۔ میری طرح ویرا بھی طویل بھوک اور پیاس سے پریشان تھی میں واپس ہوا تو وہ اپنی پیاس بجھانے کی کوششوں کا آغاز کر چکی تھی۔ میں تھکے ہارے انداز میں ایک بستر پر گر گیا۔

"تمہاری کہانی ادھوری رہ گئی تھی۔" سلطان شاہ نے اسی بستر پر بیٹھتے ہوئے مجھے یاد دلایا "میں نے دیکھ لیا ہے کہ تم نے اُن سے کھانے کی فرمائش کی ہے۔ کھانا آنے سے پہلے یہ کہانی پوری کر لی جائے تو بہتر ہوگا۔"

"دن بھر کے فاقے کا خیال آتے ہی مجھے نقاہت محسوس ہونے لگی ہے۔ کھانے کے بعد بات کریں گے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"یہ لوگ مہربان ہونے پر آتے ہیں تو حلق تک شکم سیر کرا دیتے ہیں۔ برہم ہوتے ہیں تو بھوکا مار دیتے ہیں۔"

"آج ہم نے پہلا دن بھوک اور پیاس کی حالت میں گزارا ہے۔" غزالہ بولی "ورنہ چیغا سرائے میں صندل خان سے ملاقات ہونے کے بعد ہم مسلسل اپنے معمول سے زیادہ کھا پی رہے ہیں۔"

"پرخوری کی عادت پڑ جانے کے بعد یہ دن بہت بھاری گزرا ہے۔" ویرا اپنا گلاس لے کر وہیں آ گئی "ہم شروع سے خوراک کی قلت سے دوچار رہتے تو آج کا دن اتنا گراں نہ گزرتا۔ بھلے وقتوں کے بعد بُرا وقت آجائے تو قیامت ہی آجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارب پتی اپنے دیوالہ نکلنے کی خبر سن کر نتائج کا انتظار نہیں کرتے بلکہ چپکے سے خودکشی کر لیتے ہیں۔ ان کے لیے اپنے معیارِ زندگی میں کمی لانے کا تصور ہی انہیں جاں کنی میں مبتلا کر دیتا ہے۔"

"تم جو کچھ پی رہی ہو' اس میں پانی کے ساتھ غذائیت بلکہ کیلوریز بھی ہوتی ہیں۔ تم اور ڈینی تو اس پر گزارہ کر سکتے ہو' ہم دونوں کا کیا بنے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت کھانا نہ مل سکے۔"

"صبر کرو۔ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔" ویرا ہنس کر بولی "ہماری خواہشات کا پھل مل ضرور رہا ہے لیکن بے حد تلخ ہے۔ اس میں کیلوریز ہوتی ضرور ہیں لیکن جب یہ سیال معدے میں اترتا ہے تو وہاں آگ لگا دیتا ہے۔ ہر گھونٹ کے ساتھ اشتہا میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی لیے مے نوش بسیار خور بھی ہوتے ہیں۔"

ان کی مایوسی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ مہمان خانے کے دو خدمت گار ہمارے لیے کھانا لے آئے۔ ہمیں لانے والوں میں سے کوئی واپس نہیں آیا تھا۔ شاید وہ خدمت گاروں کو ہمارے کھانے کا بندوبست کرنے کی ہدایات دے کر چلے گئے تھے اور ان کی واپسی کی امید نہیں تھی۔

کھانا گرم نہیں تھا۔ بس اس میں ہلکی سی حرارت باقی تھی۔ لیکن شنگاریوں کا مخصوص ذائقہ اس حالت میں بھی برقرار تھا۔ ہم چاروں ہی بے صبرے پن کے ساتھ کھانے پر ٹوٹ پڑے۔

ہم چاروں ہی یکساں انداز میں تھالیوں کو خالی کر دینے میں جتے ہوئے تھے مگر اسی کے ساتھ ساتھ میرا ذہن بھی کام کر رہا تھا۔ میری دانست میں صبح کے متوقع ڈرامے کے پانچ فریق تھے اور ہر ایک زبان کے بدترین مسئلے سے دوچار تھا۔ جرگے کے بیشتر اراکین مقامی بولی کے علاوہ کوئی اور زبان سمجھنے سے قاصر ہوتے۔ شاید ان میں سے چند ایک پشتو بھی سمجھ لیتے ہوں۔ مگر سردار صبغت اللہ کو شنگاری بولی کے ساتھ ہی پشتو اور اردو پر بھی پورا پورا عبور حاصل تھا۔ یہی حال قندوز خان کا بھی تھا۔ جنت گل ڈرامے کی تیسری فریق تھی۔ وہ پشتو کے علاوہ صرف انگریزی بول سکتی تھی۔ وہ اردو سمجھ ضرور لیتی تھی لیکن اسے بولنے پر قادر نہیں تھی۔ اگر وہ کسی بھی مرحلے پر انگریزی بولنی شروع کر دیتی تو پوری وادی میں کوئی بھی اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا تھا۔ جنت گل کے ماں باپ چوتھے فریق تھے۔ ان میں ضیغم خان واحد آدمی تھا جو پشتو اور اردو کے ساتھ شنگاری زبان پر دسترس رکھتا تھا۔ اس کی بیوی صرف اردو اور پشتو سمجھ سکتی تھی لیکن وہ بول نہیں سکتی تھی۔ ہم چاروں کے لیے صرف اردو یا انگریزی قابلِ فہم ہوتی۔ صرف سلطان شاہ پشتو بول اور سمجھ سکتا تھا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ صبح ان معاملات پر کیسے قابو پایا جائے گا۔

ہم لوگ کھانا کھانے میں مصروف تھے اور خدمت گار کچھ دور

کھڑے ہمارے فارغ ہونے کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک مہمان خانے کی پرسکون فضا میں کہیں سے ایک تیز رسیلی آواز گونج اٹھی "یہاں کوئی ہے جو مجھے رات کی ہولناک تنہائی سے نجات دلا سکے؟" وہ سوال انگریزی میں کیا گیا تھا۔ وہ آواز سن کر میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا کیونکہ جنت گل کی آواز میں ہزاروں میں بھی پہچان سکتا تھا۔

جنت گل کی دعوت انگیز آواز سنتے ہی دونوں خدمت گاروں کے چہروں پر زلزلے کے آثار نظر آئے اور انہوں نے تیزی کے ساتھ باہر کی طرف دوڑ لگادی۔ میرے تینوں ساتھیوں کی معنی خیز اور استفہامیہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ میں انہیں نظرانداز کر کے کھانا کھاتا رہا۔

"شاید جنت گل اسی مہمان خانے میں بند ہے۔ تم اس کی آواز تو پہچانتے ہو گے؟" غزالہ نے مجھے خاموش پا کر پوچھا "یہ اسی کی آواز ہو سکتی ہے۔" غزالہ کے لہجے میں تحیر اور سنسنی کا ملا جلا اثر نمایاں تھا۔

"وہی ہے" میں نے سر ہلا کر اعتراف کیا "لیکن ہم میں سے کوئی اس کی کسی بات کا جواب نہیں دے گا۔"

"پورے گالان میں ہم چاروں کے علاوہ کوئی اور انگریزی نہیں سمجھ سکتا۔" ویرا نے سنسنی خیز لہجے میں سرگوشی کی "اس نے یقیناً ہم لوگوں کو، بلکہ شاید تم کو مخاطب کیا ہے۔"

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا "اسے کیا پتا کہ ہم لوگ بھی یہاں موجود ہیں اس کے لیے گالان اور یہاں کے سارے معاملات اجنبی ہیں۔ وہ پشتو کے علاوہ صرف انگریزی بول سکتی ہے اس لیے اس نے انگریزی کا سہارا لیا ہے اس نے اندازہ لگایا ہو گا کہ ان قبائلیوں میں انگریزی جاننے والوں کی تعداد بہت کم ہو گی اور ان میں سے کوئی بھی اس کی بات کا جواب دے سکتا ہے۔"

"وہ یہاں کے حالات سے بے خبر ہو سکتی ہے مگر تم تو سب کچھ جانتے ہو تمہیں اس کی بات کا جواب دینا چاہیے۔ اس سے تمہارا عارضی ہی سہی مگر قریبی تعلق رہ چکا ہے۔" ویرا نے کہا۔

"میرے تعلق کو جہنم میں ڈالو" میں نے جھنجلا کر کہا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ سردار صبغت اللہ نے مجھے جنت گل سے براہ راست بات کرنے سے سختی سے منع کیا ہے۔ ہم میں سے کسی نے ذرا بھی زبان کھولی تو یہی سمجھا جائے گا کہ ہم جنت گل کے ساتھ مل کر کوئی سازش کر رہے ہیں۔"

"ڈیڈی کا خیال درست ہے۔" غزالہ نے میری تائید کرتے ہوئے کہا "ہمیں چپ سادھ لینی چاہیے۔"

"مجھے ان بوڑھی لاشوں سے گھن آ رہی ہے۔ ان دونوں عورتوں کو یہاں سے لے جاؤ ورنہ میں انہیں زخمی کر بیٹھوں گی۔" فضا میں جنت گل کی غصیلی آواز دوبارہ گونجی۔ شاید خدمت گار اس کے کمرے میں پہنچ چکے تھے اور وہ ان سے انگریزی میں اپنی بے زاری کا اظہار کر رہی تھی۔

جواب میں کسی شنگاری مرد نے تیزی سے کچھ کہا۔ مجھے یقین تھا کہ مقامی بولی میں ادا کیے گئے وہ الفاظ ہماری طرح جنت گل کے لیے بھی ناقابل فہم رہے ہوں گے۔ وہ آوازیں اتنی بلند تھیں کہ قرب و جوار میں سوئے ہوئے کسی شنگاری مہمان کی نیند اچٹ گئی اور اس کی غنودہ اور بے زار آواز فضا میں گونج کر رہ گئی۔

غیر ارادی طور پر ہم لوگوں کے ہاتھ تیزی کے ساتھ چلنے لگے۔ مہمان خانے کی چھت کے نیچے جو ڈراما شروع ہو چکا تھا اس سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے ہمارا جلد از جلد کھانے سے فارغ ہونا ضروری تھا۔

"تم سب حرام زادے ہو۔" جنت گل انگریزی میں گرجی پھر تیز اور غصیلے لہجے میں پشتو بولنے لگی۔

ویرا نے کھانا ختم کر کے کچھ سیال اپنے معدے میں اتارا اور فیصلہ کن انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی "میں تماشا دیکھنے جا رہی ہوں۔ جنت گل بہت دلچسپ اور دلیر لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ اسے دیکھے بغیر میرا تجسس دور نہیں ہو سکے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ غصے میں آپے سے باہر ہو کر خدمت گاروں پر حملہ کر بیٹھے۔"

"نہیں!" میں نے سختی سے کہا "کوئی اس کمرے سے باہر نہیں جائے گا۔ اس وقت ہماری پوزیشن بہت نازک ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ہماری ذرا سی بے احتیاطی ہمیں دوبارہ زمین دوز قید خانے میں پہنچا سکتی ہے۔ سردار صبغت اللہ، جنت گل کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ حساس ہو چکا ہے۔"

"میں اس سے بات نہیں کروں گی۔ بس ایک نظر ڈال کر لوٹ آؤں گی۔" ویرا نے اصرار کیا۔

"ایک ہی بات ہے، خونخوار مقامیوں کے درمیان تمہارے نرم اور دلکش خدوخال دیکھ کر اس کے دل میں امید کی ایک نئی چنگاری بھڑک اٹھے گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تم تک پہنچنے کی کوشش میں رات بھر ہنگامہ آرائی کرتی رہے۔ میں تمہیں ایسے کسی چکر میں ملوث ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

غزالہ اور سلطان شاہ بات کی پیچیدگی کو بخوبی سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے اس بحث میں میرا ساتھ دیا اور ویرا شدید خواہش کے باوجود خواب گاہ سے باہر جانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

دوسری طرف جنت گل کی برہمی کا سلسلہ جاری تھا۔ اس نے اپنی انگریزی کو بے اثر پا کر پشتو کا سہارا لیا ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے بتایا کہ اس کی پشتو بھی انگریزی کی طرح رائیگاں جا رہی تھی کیونکہ دوسرے فریق کی جانب سے بولی جانے والی زبان اس کے لیے ناقابل فہم تھی پھر شاید وہاں دھینگا مشتی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ساتھ ہی دو عورتوں کی تیز و تند آوازیں آنے لگیں۔ وہ مقامی بولی بول رہی تھیں۔

جنت گل نرم و نازک ہونے کے ساتھ چالاک ضرور تھی مگر

اس میں لڑنے بھڑنے کی جسمانی صلاحیت نہیں تھی۔ چند ہی لمحوں بعد، یکے بعد دیگرے اُس کی دو چیخیں سنائی دیں۔ اس کی مظلومیت اور بے بسی سے ہم سب ہی ہمدردی محسوس کر رہے تھے لیکن اس کی حمایت کر کے خود کو مشکلات میں پھنسانے کے لیے آمادہ نہیں تھے۔

مار کھانے کے بعد جنت گل کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا لیکن اس دوران میں مہمان خانے میں سوئے ہوئے کئی افراد بیدار ہو چکے تھے اور باہر سے ان کی خمار آلود اور استعجابیہ آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ایک خدمت گار آیا اور کھانے کے خالی برتن اٹھا کر لے گیا۔

ہم چاروں سر جوڑ کر اس نئی صورت حال پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔ میرا اندازہ تھا کہ گالان میں وہ ہماری آخری خطرناک رات تھی۔ اگر ہم اپنے اعصاب پر قابو رکھ کر وہ رات غیر جانبداری سے گزار لیتے اور صبح منعقد ہونے والے جرگے کے ذریعے صبغت اللہ اپنے طے شدہ مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو ہمیں گالان کے پرہول ماحول سے فوری طور پر نجات مل سکتی تھی۔ ہم جذبات کی رو میں بہہ کر اس امکان کو دھندلانے کی حماقت نہیں کر سکتے تھے۔

ہم اطمینان سے باتیں کر رہے تھے۔ باہر پھیلے ہوئے تجسس اور اضطراب میں بھی خاصی کمی رونما ہو چکی تھی کہ اچانک ہمارے دروازے پر دستک ہوئی اور لمحہ بھر کے بعد ہی قندوز خان اندر گھس آیا۔

اس نے ہم لوگوں سے دور رک کر اشتباہ آمیز نظروں سے ہمارا اور کمرے کا جائزہ لیا پھر بولا "تمہیں معلوم ہے کہ یہاں کیا گڑبڑ ہوئی تھی؟"

"ہاں!" ویرا کے اقرار پر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کہ کہیں وہ جنت گل کا نام نہ لے بیٹھے۔ میں نے اسے مزید بولنے کا موقع دیے بغیر بات خود ہی سنبھال لی۔

"حیرت ناک طور پر کسی عورت نے انگریزی میں مدد کے لیے پکارنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے بعد کچھ گڑبڑ ہونے لگی تھی۔ کیا اس وقت گالان میں ویرا کے علاوہ بھی کوئی اور سفید فام عورت موجود ہے؟"

اس نے بے اعتباری سے میری طرف دیکھا پھر پوچھا "تم نے باہر نکل کر اصل صورت حال سے واقف ہونے کی کوشش نہیں کی؟"

"زمین دوز تہ خانے میں پورا دن گزارنے کے بعد ہم میں کوئی اور خطرہ مول لینے کی ہمت نہیں رہی۔ متجسس ہونے کے باوجود ہم اسی کمرے میں محدود رہے۔ تم لوگوں کے معاملات میں دخیل ہوتے ہوئے اب خوف آنے لگا ہے۔ تم کو شاید اسی گڑبڑ کی وجہ سے یہاں آنا پڑا ہے۔" میں نے کہا۔

"اُس عورت نے فرنگی زبان میں کیا کہا تھا؟" وہ میری کسی بھی بات کا جواب دیے بغیر اپنی ہانکے جا رہا تھا۔

"رات کی تنہائی سے نجات پانے کے لیے مدد چاہ رہی تھی۔ پھر کچھ گندی گالیاں دیتی رہی۔ تمہارے آدمیوں کی مداخلت کے بعد اس نے پشتو بولنی شروع کر دی تھی۔ کون ہے وہ؟" میں نے پھر پوچھا۔

"اور تم نے اس کی بات سمجھ لینے کے باوجود کوئی جواب نہیں دیا؟" وہ میرے ہر سوال کو بُری طرح نظر انداز کیے جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہماری طرف سے اس کا دل صاف نہ ہوا ہو۔

"فرنگی زبان بولنے والی تم لوگوں میں سے نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے ہمارے جواب کی گنجائش ہی نہیں تھی" میں نے کہا "ہم آج کی رات زندان کے سخت اور ٹھنڈے فرش کے بجائے ان ہی بستروں پر گزارنا چاہتے ہیں۔"

اُس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ ابھر آئی۔ "مجھے خوشی ہے کہ زندان میں گزارے ہوئے چند گھنٹوں نے تمہاری عقلیں بہت تیز کر دی ہیں۔ تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ اس لڑکی کے سائے سے بچتے رہو۔"

"لڑکی؟" ویرا بے ساختہ اپنی حیرت کا اظہار کر بیٹھی۔ "آواز سے تو وہ عورت معلوم ہو رہی تھی۔"

"ایک ہی بات ہے۔" قندوز خان جھلا کر بولا "عورت اور لڑکی میں کیا فرق ہوتا ہے؟"

آخری فقرہ قندوز خان کی جھلاہٹ کی پیداوار تھا مگر ویرا نے پوری سنجیدگی سے اس کا جواب دینا شروع کر دیا۔ "ان اطراف کے ملکوں میں ساٹھ برس کی غیر شادی شدہ عورت کو بھی لڑکی کہا جاتا ہے جبکہ بارہ، پندرہ سال کی عمر میں شادی ہونے کے بعد لڑکی، عورت کہلانے لگتی ہے......"

"بس، بس!" قندوز خان نے اکتائے ہوئے انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔ "تم بہت چرب زبان ہو۔ اس طرح تم مجھ سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکو گی۔ میں تمہاری چالاکی کو سمجھ رہا ہوں۔"

جیسے ہی وہ واپسی کے لیے پلٹا، میں نے اسے روک لیا۔ "ہم اس لڑکی یا عورت سے دور رہنے کی پوری پوری کوشش کریں گے لیکن غسل خانے وغیرہ کی طرف جاتے ہوئے، پچھلی راہداری میں اس سے سامنا ہو گیا تو ہم کیا کریں گے؟"

"انجان بن کر خاموشی اور تیزی سے گزر جانا۔" اُس نے مڑ کر کہا پھر چونکتے ہوئے بولا "اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات یاد دلا دی۔ جب اسے باہر نکالا جائے گا تو تمہارا پچھلا دروازہ باہر سے بند کر دیا جائے گا۔ میں یہ بندوبست کر کے جاؤں گا۔ اسی میں تمہاری بہتری پوشیدہ ہے۔"

وہ چلا گیا تو ویرا ایک گہرا سانس لے کر، جگالی کرنے کے انداز میں اپنا منہ چلانے لگی۔

"اب جلدی سے اپنی ادھوری کہانی مکمل کر ڈالو۔" سلطان

شاہ نے مجھے ٹوکا۔ "ایسا نہ ہو کہ صبح جرگے میں پیشی ہونے تک ہمیں معاملات کے سر پیر ہی کا کچھ پتا نہ چل سکے۔"

"جرگے میں تم تینوں خاموش تماشائی کی حیثیت سے شامل ہوگے۔" میں نے آنے والے کٹھن وقت کا اندازہ لگاتے ہوئے بوجھل آواز میں کہا "اس ناٹک کا مقصد وہی ہوگا جو میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں۔ جنت گل کو پائندہ گل کی ناجائز بیٹی قرار دینا اور پھر اسے عفت وحیا کا پاکیزہ پیکر قرار دے کر ارسلا خان کی بیوی بننے پر مجبور کرنا۔"

انہوں نے سوالات کا سلسلہ شروع کردیا۔ اس دوران میں، میں کن انکھیوں سے غزالہ کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ بالکل خاموش اور اداس تھی۔ میں اُس کی خالی خالی آنکھوں میں اس کے اندرونی دکھ کی تحریر بخوبی پڑھ رہا تھا۔

دیر تک جاگتے رہنے کے بعد ہم چاروں، تمام مشعلیں گل کرکے اپنے اپنے بستروں پر دراز ہوگئے۔ غزالہ نے نہایت ہی باوقار رویئے کا مظاہرہ کرتے ہوئے، مجھے جنت گل کے سلسلے میں شرمندہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ وہ اس موضوع سے بالکل ہی الگ تھلگ رہی تھی لیکن میرے دل کا چور میرے ذہن میں رہ رہ کر کچوکے لگا رہا تھا۔

میں نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے ویرا کو جنت گل کے جبر کی کہانی سنائی تھی اور وہی بات غزالہ کے کانوں تک بھی پہنچی تھی لیکن میں اپنی داستان طرازی سے بخوبی واقف تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ جنت گل نے پائندہ گل اور عبدالرحیم خان سے اپنی محرومیوں کا انتقام لینے کے لیے حریری لباس پہن کر میری آتش شوق کو ہوا دینے کا زہد شکن سوانگ رچایا تھا اور میں فوری طور پر اس سوانگ سے خوف زدہ بھی ہوگیا تھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ چھوٹا خان، اپنے وحشی مددگار کے ساتھ مل کر مجھے موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا تھا جبکہ پائندہ گل مجھے زندہ سلامت اپنا قیدی بنانے کا خواہش مند تھا۔ پائندہ گل کی ہدایت سے انحراف کے لیے، اُن دونوں نے جنت گل کو اپنا آلہ کار بنا کر میرے پاس بھیجا تھا کہ میں اس کے حسن اور دلربا پیکر کی رعنائیوں سے مدہوش ہوکر اس کی طرف پیش قدمی کروں اور وہ جنت گل کی عزت بچانے کے بہانے مجھے ہلاک کرسکیں۔

لیکن جنت گل نے میرا ذہن پڑھ کر میرا وہ خوف دور کردیا۔ وہ پائندہ گل سے متنفر تھی کیونکہ وہ اپنے بھانجے کو ہر قیمت پر اس سے شادی کرنے سے روک رہا تھا اور وہ اپنے محبوب، عبدالرحیم خان سے بھی بدظن تھی کیونکہ وہ بزدل تھا۔ جنت گل اپنے جذبوں کی چتا میں نجانے کب سے دھیمے دھیمے سلگ رہی تھی۔ اسے انتظار تھا کہ کب اس کا محبوب اسے اپنی بانہوں میں لے کر محبت کی نئی منزلوں سے آشنا کراتا ہے۔ لیکن وہ سعادت مند بھانجا اپنے ماموں کی اجازت کے بغیر کچھ بھی سوچنے پر قادر نہیں تھا۔ اس کے ذہن پر برف کی گہری تہ جمی ہوئی تھی۔ وہ بھولا ہوا تھا کہ جنت گل اپنے جسم وجمال کے لیے اُس کے خراج کی طلب گار تھی۔ ان دونوں سے اسی نفرت اور بے زاری نے جنت گل کو میرے روبرو لا کھڑا کیا تھا۔ پوری صورت حال کا ادراک ہونے کے بعد، عبدالرحیم خان کے کراچی والے فلیٹ میں جو کچھ ہوا، اس میں جنت گل کا جبر تھا نہ میری زبردستی۔ وہ جذبوں کی ایک وحشیانہ اور بہت اونچی لہر تھی جو تنہائی کے سمندر میں ہم دونوں کو اپنے ساتھ بہا لے گئی اور پھر ہمارے راستے جدا ہوگئے۔

میرا وہ رنگین اور مسحور کن خواب اگلی صبح ایک بھیانک حقیقت کا روپ دھار کر میرے سامنے آنے والا تھا۔ میں ابتدا سے ہی جنت گل کے جبر کی تکرار کرتا چلا آیا۔ لیکن اگلی صبح جبر و رضا کی بات نہیں ہونی تھی۔ صبغت اللہ کے سینے میں پروان چڑھنے والے کینہ پرور انتقام نے مجھے مجبور کردیا تھا کہ جب جنت گل اپنی بھیانک لغزش کا اعتراف کرے تو میں کھل کر اس سے انکار کردوں۔ غزالہ کی موجودگی میں جنت گل کا سامنا کرنا اور پھر اس کی سچ بات کی تردید کرنا مجھے ایک دشوار مرحلہ نظر آرہا تھا لیکن ہم چاروں کی سلامتی کا تقاضا تھا کہ میں دل پر جبر کرکے، آنکھیں بند کرکے، وہی کچھ کرگزروں جو شنگارا ویلی کا نیا سردار چاہتا تھا۔ اندھیرے اور بستر کی تنہائی میں میرا ذہن ان ہی الجھنوں میں کھویا رہا۔ اس وقت مجھے ہر حقیقت اپنے وجود سے سیکڑوں گنا بڑی محسوس ہورہی تھی۔ پھر ان ہی پریشانیوں میں، میں نیند کی سکون پرور دلدلوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

اگلی صبح ہمیں سات بجے بیدار کردیا گیا۔ ہم چاروں منہ ہاتھ دھو کر پوری طرح بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ناشتا آگیا جو مقدار اور معیار دونوں اعتبار سے معمول سے کم تھا لیکن زیر زمین قید خانے کی فاقہ کشی سے ہزار درجے بہتر تھا۔

جوں جوں ہماری پیشی کا وقت قریب آتا جارہا تھا، ہم سب پر اعصابی تناؤ طاری ہوتا جارہا تھا۔ میرے ساتھ ویرا بھی بے چینی سے ٹہل ٹہل کر سگریٹ پہ سگریٹ پھونک رہی تھی۔ نو بجے قندوز خان ہمیں لینے آگیا۔ اس وقت اس کے چہرے سے بشاشت اور تازگی کے بجائے تشویش اور پریشانی ہویدا تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں جرگے میں کیا کرنا ہے؟" اس نے میرے قریب آکر آہستگی سے پوچھا۔ اُس کے لہجے کی بے اعتمادی سے ظاہر ہورہا تھا کہ اسے جرگے میں میرے کردار کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

"اچھی طرح۔" میں نے سرہلا کر پورے اعتماد سے کہا "سردار صبغت اللہ نے تمہیں بتا ہی دیا ہوگا" میں نے اس کے دل میں بدگمانی کا بیج بونے کے لیے اپنی بات میں اضافہ کیا ورنہ صبغت اللہ مجھے بتا ہی چکا تھا کہ جو کچھ میرے اور اس کے درمیان طے پایا تھا، وہ ایک راز تھا جس میں قندوز خان کو شریک نہیں کیا گیا تھا۔

"مجھے کسی نے کچھ نہیں بتایا" اس نے مجروح آواز میں کہا "نہ

میں جاننا چاہتا ہوں۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم کو ہر بات بتا دی گئی ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ جرگے میں بلا ضرورت اور اونچی آواز میں بولنا جرم ہے۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔" میں نے بلا وجہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس سے اپنے قرب کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔ ویسے جرگے میں تم کو ہمارے ساتھ ہی بیٹھنا ہے۔ کوئی غلطی ہو رہی ہو تو تکلف کیے بغیر فوراً ہی ٹوک دینا۔ ہم میں سے کوئی بُرا نہیں مانے گا۔"

اس نے الجھن آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور پوچھا "میں تمہارے ساتھ کیوں بیٹھوں گا؟"

"معاف کرنا۔ یہ بات روانی میں میرے منہ سے نکل گئی۔ میرا خیال ہے کہ زبان کی مجبوری کی وجہ سے ہم کو جرگے کی کارروائی بتاتے رہو گے۔" اس پر میری اس سوچی سمجھی بات کا اثر میری توقع کے عین مطابق ہوا۔ اس کا منہ یوں بگڑ گیا جیسے اس نے بے خبری میں کوئی کڑوی کسیلی چیز چبا ڈالی ہو۔

"چلو!" وہ ایک جھٹکے سے دروازے کی طرف چل دیا۔ میں اس کے پیچھے ہولیا۔

سردار صبغت اللہ کے کمرے کے بیرونی دربار ہال میں ماحول بہت گمبھیر تھا۔ لکڑی کی چوکیوں کے ایک طرف دس معمر اور باریش شنگاری بیٹھے ہوئے تھے، جن کے سینوں پر لہراتی ہوئی گھنی اور سفید داڑھیاں ان کے قوی ہیکل جسموں کو پرشکوہ بنا رہی تھیں۔ ان کے جسموں پر ڈھیلے ڈھالے لباس اور سروں پر بڑی بڑی پگڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ ان سے الگ مختلف عمروں کے پندرہ بیس شنگاری ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے پڑی ہوئی آراستہ مسند پر سردار صبغت اللہ براجمان تھا۔ سفید داڑھیوں والے شنگاریوں کی دوسری طرف ضیغم خان، اس کی گونگی بیوی اور جنت گل نظر آ رہی تھی۔ جنت گل کے چہرے پر شدید حیرت نظر آ رہی تھی جیسے اس کے لیے وہ تماشا غیر متوقع رہا ہو۔ وہ حیران اور خوف زدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

ہم لوگوں کے داخل ہوتے ہی ساری نظریں ہماری طرف اٹھ گئیں۔ میں نے چور نظروں سے دیکھا کہ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی جنت گل ششدر رہ گئی تھی۔ نگاہیں چار ہونے کی امید میں وہ ایک ٹک میری ہی طرف دیکھتی رہی لیکن میں اس سے نظریں ملائے بغیر قندوز خان کے پیچھے چلتا رہا۔

ہمیں ضیغم خان وغیرہ سے قدرے فاصلے پر بٹھانے کے بعد قندوز خان، صبغت اللہ کی طرف گیا۔ مسند نشین سردار نے نیچی آواز میں اسے کچھ ہدایات دیں اور وہ واپس لوٹ کر ہمارے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس کی پیشانی پر پڑی ہوئی کئی شکنیں یہ ظاہر کر رہی تھیں کہ اسے آخری لمحات پر اپنا اعتماد میں لیا جانا گراں گزرا تھا۔

آخر سردار صبغت اللہ نے دھیمے لہجے میں بولنا شروع کر دیا۔ قندوز خان نے ہمیں اس کی باتوں کا ترجمہ سنانا شروع کر دیا۔ وہ جرگے کے اراکین اور گالان کے مقتدر لوگوں کو بتا رہا تھا کہ انہیں چند اہم فیصلوں کے لیے وہاں جمع کیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک فیصلے کا تعلق مرحوم پائندہ گل کی ذات سے تھا۔

سردار صبغت اللہ کی مقامی بولی میں کی جانے والی تقریر شنگاریوں کے لیے قابل فہم تھی۔ ہمارے لیے اس کے ترجمے کا بندوبست تھا۔ ضیغم خان اس بولی سے واقف تھا۔ صرف گوہر جان اور جنت گل کو کچھ پتا نہیں چل رہا تھا اور دونوں حیران و پریشان نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں۔ صبغت اللہ کی گھومتی ہوئی عقابی نظروں نے ان کی پریشانی کو بھانپ لیا اور اپنی تقریر میں وقفہ دے کر، ان دونوں سے پشتو میں مخاطب ہو گیا۔ اس نے ان دونوں کو قندوز خان کے قریب بیٹھنے کی ہدایت کی تھی۔

وہ دونوں عورتیں اس بات سے بخوبی آگاہ تھیں کہ ساری نگاہیں ان پر ہی مرکوز ہو گئی تھیں۔ وہ آئیں تو میں جنت گل سے نظریں نہ بچا سکا۔ نگاہیں چار ہوتے ہی اس کا چہرہ کسی اندرونی خوشی سے دمک اٹھا۔ وہ زبان سے کچھ کہے بغیر بیٹھی تو میرے اور اس کے درمیان میں قندوز خان حائل تھا۔

صبغت اللہ نے اپنی دھیمی تقریر دوبارہ شروع کر دی۔ قندوز خان کی زبان بھی ساتھ چل پڑی۔ "مجھے دکھ ہے کہ پائندہ گل، جو اپنے نسب کو چلانے والا آخری مرد تھا، میرے ہاتھوں مارا گیا اور اب شنگار اولی میں اس کے خاندان کا نام و نشان مٹ جائے گا۔"

صبغت اللہ غم و اندوہ سے بھرپور اداکاری کرتے ہوئے کہہ رہا تھا "لیکن اس وادی کے ہر باسی کے بہتری کے لیے ایسا ہونا ہی تھا۔ پائندہ گل خود غرض، ضدی اور ہٹ دھرم ہو گیا تھا۔ افیم کا سارا پیسہ وہ ہڑپ کر رہا تھا۔ جنگ ہوتی ہے تو سورما ہی مارے جاتے ہیں۔ بستروں میں منہ اوندھے کیے ہوئے لوگ، بیمار اور معذور نہیں مرا کرتے۔ ہم نے دن کا سورج ڈھلنے سے بہت پہلے جنگ جیت لی تھی۔ دونوں طرف کے ستاسی آدمی مارے گئے۔ میں ان سب کے گاڑھے خون کو سلام کرتا ہوں۔ چھیاسی سورماؤں کی میتوں کو عزت سے دفنا دیا گیا۔ ان کی لاشوں پر کوئی گریہ یا ماتم نہیں ہوا لیکن سب گواہ ہیں کہ پائندہ گل کی لاوارث لاش گالان کی بستی میں رکھی گئی تو اس کے خاندان کی چھ بدنصیب بوڑھی عورتوں نے اپنے بال کھول کر ماتم سے اپنے سینے زخمی کر ڈالے۔ ان میں چار بیوائیں تھیں اور دو ایسی معمر کنواریاں جن کے لیے پائندہ گل کو کبھی کوئی شنگاری پسند نہیں آیا۔ ان بے سہارا عورتوں کو برادران والوں نے اپنی کفالت میں لے لیا ہے۔ ان کے مقدر نے یاوری کی تو انہیں گالان ہی کی مٹی ملے گی اور شاید ساتویں کو بھی۔ سب کی آنکھیں حیرت سے پیشانیوں پر جا چڑھی ہیں لیکن میں وہی کہتا ہوں جس کا مجھے یقین ہوتا ہے۔ مجھے پتا چلا ہے کہ بائیس برس پہلے پائندہ گل نے کابل شہر میں اپنے ایک جگری دوست کی بیوی کی کوکھ میں تھوکا تھا اور آج اس کی وہ لغزش اس جوان لڑکی کی صورت میں ہمارے درمیان موجود ہے۔" اس نے داہنا ہاتھ اٹھا کر جنت گل کی طرف

اشارہ کیا تھا۔
فضا میں تحیّر زدہ سرگوشیاں گونجنے لگیں۔ جرگے کے اراکین سمیت' سب لوگ حیرت اور بے یقینی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پہاڑوں کے حصار میں اپنی زندگیاں گزار دینے والے تجربے کار شنگاریوں کے لیے وہ انکشاف ایک دھماکے سے کم نہیں تھا۔
جنت گل کا چہرہ یک بیک سرخ ہوگیا اور وہ کسی کی پروا کیے بغیر' اضطرار کے عالم میں اٹھ کھڑی ہوئی اور انگریزی میں چلانے لگی۔ "ہاں' میں باسٹرڈ ہوں۔ مجھے فخر ہے کہ میں پائندہ گل کی اولاد ہوں' اس بے غیرت لنگڑے کی نہیں' جو دوسرے کی پگڑی اپنے سر پر جما کر عزّت دار بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔" پھر اس نے یک بیک پھر کر پشتو میں بولنا شروع کردیا۔ ایک شنگاری اٹھ کر اس کے ساتھ بولنے لگا۔ شاید وہ جنت گل کی کہی ہوئی باتوں کو مقامی بولی میں ڈھال رہا تھا۔
چند منٹ کے لیے سارا ماحول درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ کئی لوگ زور زور سے بولنے لگے۔ ضیغم خان کا چہرہ تاریک ہوگیا۔ گوہر جان کے ہونٹوں پر زہر میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس کے دہانے سے چند بے مقصد آوازیں بھی برآمد ہوئیں۔ شاید وہ اس بحران پر اپنی خوشی کا اظہار کررہی تھی۔
میں نے محسوس کیا کہ صبغت اللہ دیدہ دانستہ ڈھیل دے رہا تھا۔ جب جنت گل کچھ ایسی باتیں' جو وہ اس کی زبان سے سب کو سنوانی چاہتا تھا' کہہ چکی تو وہ ہاتھ اٹھا کر غصیلی آواز میں بولنے لگا۔
قندوز خان نے جنت گل کے دونوں شانے دبوچ کر اسے زبردستی بیٹھنے پر مجبور کردیا۔
"یہ سب لوگوں کے لیے انوکھی بات ہے" قندوز خان اپنے سردار کی غضب ناک باتیں دہرانے لگا "اس لیے میں اس بار سب کی گستاخی معاف کررہا ہوں۔ اونچی آواز میں یا بلا ضرورت بولنا' جرگے کی بے عزتی ہے' جس کی سزا مل کر رہتی ہے۔ اب کسی نے زبان کھولی تو میں اسے معاف نہیں کروں گا۔" پھر وہ ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر براہ راست اردو میں بولنے لگا "سب خاموشی سے سنو۔ باری آنے پر ہر ایک کو بولنے کا موقع دیا جائے گا۔"
جب صبغت اللہ اردو بول رہا تھا تو قندوز خان خاموش ہوگیا لیکن پہلے والے شنگاری نے فوراً ہی اردو کا مقامی بولی میں ترجمہ شروع کردیا تاکہ ہر شخص ہر بات سے باخبر رہ سکے۔
"پائندہ گل فرشتہ نہیں' ہم سب جیسا ایک انسان تھا اور ہر انسان خطا کا پتلا ہوتا ہے" صبغت اللہ نے اپنی بات دوبارہ شروع کردی "اس زیرک اور جہاں دیدہ انسان سے بھی ایک غلطی ہوئی۔ اس کا کوئی ولی وارث ہوتا تو خود اس لڑکی کی خبر گیری کرتا رہتا لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہے۔ یہ لڑکی جیسی بھی ہے' اس کی رگوں میں ایک مرحوم شنگاری کا خون دوڑ رہا ہے۔ پائندہ گل کے مرنے کے بعد جنت گل کی دیکھ بھال ہماری ذمّے داری ہے۔"

"اس پر عبدالرحیم خان کے قتل کا الزام ہے" ایک شنگاری نے جرگے سے مخاطب ہو کر کہا "پائندہ گل نے مجھے خود بتایا تھا کہ عبدالرحیم خان کو جنت گل نام کی ایک لڑکی نے مارا ہے اور وہ اسے گالان میں لا کر اپنے بھانجے کے قتل کا بدلہ لے گا۔ اس کی ہم پر کیا ذمّے داری ہو سکتی ہے؟"
"عبدالرحیم خان کے خون کا بدلہ لینا اس کے وارثوں کی ذمے داری تھی۔ پائندہ گل خود لاوارث مرگیا۔ کیا اب تم اس کے وارث ہونے کا دعویٰ کررہے ہو؟" صبغت اللہ کے الفاظ زہر میں بجھے ہوئے تھے۔ پائندہ گل کی وراثت کے اقرار کا مطلب صبغت اللہ سے بے وفائی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔
"میں اپنا اعتراض واپس لیتا ہوں" اس شنگاری کا منہ اتر گیا۔ جنت گل کے نام پر پیدا ہونے والا ابال صبغت اللہ کے تیور دیکھتے ہی بیٹھ گیا تھا۔
"مجھے معلوم ہے کہ میں خلاصہ سنا رہا ہوں۔ بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں کئی سوالات کلبلا رہے ہوں گے۔ شاید تم میں سے بعض کو میری بات پر پورا یقین نہ آیا ہو۔ اسی لیے میں نے باہر سے کئی لوگوں کو یہاں بلایا ہوا ہے۔ ان میں پائندہ گل کا وہ دوست بھی ہے جس کے گھر میں جنت گل پیدا ہوئی اور پروان چڑھی۔ میرا خیال ہے کہ جرگہ اجازت دے تو ہم سب ضیغم خان کی کہانی سن لیں جو پائندہ گل کے گناہ سے پردہ اٹھادے گی" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگیا اور جرگے کے اراکین نے ایک دوسرے سے مشورہ کرنا شروع کردیا۔
"تم یہاں کیسے آ پھنسے؟" صبغت اللہ کی تقریر کا تسلسل ختم ہونے کے بعد جنت گل نے حیرت سے مجھ سے پوچھا۔ میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھ کر اپنا سر جھکا لیا۔ قندوز خان اس کی زبان سے فرنگی بولی سن کر یک بیک چوکنا نظر آنے لگا تھا اور باری باری ہم دونوں کا جائزہ لے رہا تھا۔
"تم بولتے کیوں نہیں؟" چند ثانیوں کے بعد جنت گل جھلا کر دوبارہ بولی "کسی چور کی طرح منہ چھپائے کیوں بیٹھے ہو؟"
"یہ لڑکی یوں ہی مجھے تنگ کرتی رہے گی" میں نے قندوز خان سے مخاطب ہو کر کہا "اسے بتادو کہ مجھے اس سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ میں اس کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا۔"
"اوہ! تو اب یوں مجھ سے انجان بنوگے؟" جنت گل' قندوز خان کی ترجمانی کے بغیر' آنکھیں نکال کر بولی "کم از کم یہ تو بتادو کہ تمہیں کس سلسلے میں یہاں لایا گیا ہے؟ اس وقت تو تم بچ کر نکل گئے تھے۔"
میں نے بے بسی سے قندوز خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم گواہ رہنا کہ میں نے بالکل خاموشی اختیار کی ہوئی ہے اور یہ مسلسل بولے جارہی ہے۔ کیا تم اسے خاموش نہیں کرواسکتے؟"
"یہ تم سے کیا کہہ رہی ہے؟" قندوز خان نے مجھ سے پوچھا

"فرنگی زبان میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"بس بلا وجہ باتیں کرنے کی کوشش کر رہی ہے" میں نے قندوز خان کی نظر بچا کر جنت گل کو آنکھ مارتے ہوئے کہا "یہ مجھے پہلے سے جانتی ہے۔ پتا نہیں سردار صبغت اللہ نے اسے میرے قریب کیوں بھیج دیا؟"

جرگے کے اراکین میں سے کسی نے بولنا شروع کردیا۔ قندوز خان نے بتایا کہ وہ لوگ سردار پائندہ گل کے بارے میں ضیغم خان کا بیان سننے پر آمادہ ہو چکے ہیں۔ اس کی بیوی اس کے ساتھ رہے گی تاکہ اشاروں کی مدد سے اپنے شوہر کے حقیقی بیان کی تائید اور جھوٹ کی تردید کرسکے۔

ضیغم خان اپنی مخصوص پُھدکتی ہوئی چال میں جرگے کے اراکین کے روبرو جا کھڑا ہوا۔ گوہر جان اس کے ساتھ تھی لیکن اس نے اپنے شوہر کو کوئی مدد دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ضیغم خان نے ایک گہرے متاسفانہ سانس کے ساتھ ان دنوں کا ذکر چھیڑ دیا جب اس کی اور پائندہ گل کی گہری دوستی تھی۔ پائندہ گل کا باپ زندہ اور شنگرا ویلی کا حکمراں تھا اور اس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو جدید تہذیب و تمدن سے روشناس کرانے کے لیے پورے وسائل اور آزادی کے ساتھ اسے کابل میں چھوڑا ہوا تھا۔

مجھے کہانی کے دونوں رخ معلوم تھے۔ حقیقت کے بارے میں پائندہ گل نے خود مجھے ہربات بتائی تھی اور ضیغم خان جو کچھ کہنے والا تھا' اس نے وہ ہم چاروں کے سامنے تہ خانے میں اپنی بیوی کے ساتھ طے کیا تھا۔ وہ اپنی نو تراشیدہ کہانی سناتا رہا۔ اس کی بیوی مغموم انداز میں سرہلا کر اس کی تائید کرتی رہی۔ ضیغم خان نے بہت چالاکی کے ساتھ اپنے گھناؤنے کردار کا ذکر حذف کرکے' جرم و گناہ کا سارا بوجھ پائندہ گل کے مُردہ کندھوں پر لاد دیا تھا۔ اُس کی گونگی بیوی شروع سے آخر تک اس کی تائید میں سرہلاتی رہی۔ حتیٰ کہ ضیغم خان کے پاس الفاظ کا ذخیرہ ختم ہوگیا اور اس کی کہانی پوری ہوگئی۔

اس کھیل میں جنت گل کا کوئی کردار نہیں تھا۔ وہ اپنی مرضی سے اس دنیا میں نہیں آئی تھی۔ نہ ہی وہ یہ جان سکتی تھی کہ اس کی پیدائش میں کن دو فریقوں نے حصہ لیا تھا۔ وہ جو کچھ بھی کہتی' وہ سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہوتا۔ اس کے باپ نے اس سے کہیں زیادہ حقائق بیان کردئے تھے۔ اس نے جرگے کے اراکین کو یہ بھی بتادیا تھا کہ کابل والوں نے جنت خانم کے خدوخال میں پائندہ گل سے گہری مشابہت دیکھنے کے بعد اسے طنزیہ پیرائے میں جنت گل کہنا شروع کردیا تھا اور پھر اس کا وہی نام چل نکلا۔

جنت گل کی پیشی کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ جرگے کے اراکین دیر تک آپس میں مشورے کرتے رہے۔ اس دوران میں جنت گل بہت پریشان رہی۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ وہ لوگ گڑے مُردے اکھاڑنے پر کیوں تلے ہوئے تھے۔ اس نے کئی بار مجھے اور قندوز خان کو مخاطب کرنا چاہا لیکن ہم میں سے کسی نے اس کے سوالات کا جواب نہیں دیا۔ میرے تینوں ساتھیوں کے لیے جنت گل کی ذات گہری دلچسپی کا باعث بنی ہوئی تھی۔ ان میں سے کسی نے اس سے مخاطب ہونے کی مجرمانہ حماقت نہیں کی لیکن وہ جھک جھک کر اور مڑ مڑ کر' باربار جنت گل کو دیکھے جارہے تھے۔ وہ حسین و جمیل کابلی دوشیزہ ایسی بھری محفل میں یکہ و تنہا ہونے کے باوجود بے خوف نظر آرہی تھی۔ شاید وہ پائندہ گل کے خون کا اثر تھا کہ اسے بدترین حالات میں بھی اپنے انجام کی کوئی فکر نہیں تھی۔

جرگے کے اراکین تبادلہ خیال میں مصروف تھے۔ چند شنگاری صبغت اللہ کے پاس جا بیٹھے تھے اور دھیمی آواز میں اس سے باتیں کررہے تھے۔ جرگے کی موجودگی میں وہاں سگریٹ نوشی کی ممانعت تھی اس لیے بے کاری کے عالم میں میرے کان ویرا اور غزالہ کی سرگوشیوں پر لگے ہوئے تھے۔

جنت گل کے حُسن و جمال نے ان دونوں کو مرعوب کیا ہوا تھا۔ قدرت نے اسے گوری چٹی رنگت کے ساتھ ہی کشیدہ قامت' مرمر سے تراشے ہوئے سبک و نازک بدن' تیکھے نقوش' غزالی آنکھوں' یاقوتی ہونٹوں اور دراز زلفوں سمیت ہراُس خوبی سے نوازا ہوا تھا جو کسی بھی نسوانی پیکر کو مرکز نگاہ بنا سکتی ہے۔ ان دونوں کو حیرت تھی کہ اس قدر خوب رو اور خوش بدن لڑکی کے ذہن پر اندھے انتقام نے ایسے پردے ڈالے تھے کہ وہ خود ہی اپنی عزّت و آبرو کی دشمن ہوگئی تھی۔ ویرا کو مزید حیرت اس بات پر تھی کہ اس قتالۂ عالم نے اپنے باپ کی رسوائی کے لیے جس کھیل کا انتخاب کیا تھا اس میں مرکزی کردار کے لیے اس کی نگاہ میری ذات پر پڑی تھی۔

آخر کار جرگے کے ایک معمر رکن کی آواز پر ہر طرف خاموشی چھاگئی۔ قندوز خان اس کے فیصلے سے ہم کو آگاہ کرنے لگا' وہ کہہ رہا تھا۔ "پائندہ گل منوں خاک کے نیچے جاسویا ہے لیکن ہم نے جو کچھ سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے' اس پر شبہ کرنے کی کوئی کمزور سی وجہ بھی موجود نہیں ہے۔ اس وادی میں سینہ بہ سینہ پھیلنے والی اس کہانی سے میرے بعض معزز ساتھی پہلے ہی واقف تھے۔ ان باتوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔ پائندہ گل کے دل میں شیطان نے سر ابھارا یا ضیغم خان نے اسے اکسایا' یہ بات غیر اہم ہے۔ دونوں کا نتیجہ ایک ہی نکلنا تھا اور وہ نکل کر رہا۔ جنت گل کو پائندہ گل اور گوہر جان کی اولاد قرار دینے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہے۔ جنت گل کی رگوں میں شنگاری خون دوڑ رہا ہے۔ اب اس کے نصیب کا فیصلہ سردار صبغت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

جرگے کے رکن کے خاموش ہوتے ہی سردار صبغت اللہ نے بولنا شروع کردیا "میں اس شنگاری لڑکی کو شہر کی غلاظتوں میں بھٹکنے کے لیے بے سہارا نہیں چھوڑ سکتا۔ پائندہ گل کی موت کے ساتھ ہی میرے اور اس کے اختلافات ختم ہوگئے۔ اب اس کی

اولاد کی دیکھ بھال میں کروں گا۔ جنت گل گالان میں رہے گی۔ میں ان کی شادی کراؤں گا۔ اگر اس کے نسب کی خرابی کی وجہ سے کسی شنگاری نے اس کا پیغام نہ ڈالا تو میں ارسلا خان کو مجبور کروں گا کہ وہ اسے عزت سے اپنی بیوی بنالے۔ وہ کسی بھی دن یہاں پہنچنے والا ہے۔ عبدالرحیم خان اور پائندہ گل کی موت نے اس کی بے گناہی پر مہر لگادی ہے۔ جب عبدالرحیم خان کی ماں کو قدرت نے جھوٹی گواہی دینے کے جرم میں کوڑھ جیسے موذی مرض میں مبتلا کر دیا تو اسی وقت سب نے جان لیا تھا کہ زرتاشہ کو غلط فہمی ہوئی تھی ارسلا خان بے قصور تھا۔ سارا گناہ عبدالرحیم خان کا تھا۔ اس کے ماموں نے کابل میں گوہر جان کو خراب کیا اور اس نے گالان کے ویرانے میں زرتاشہ کو اپنا نشانہ بنایا۔ ارسلا خان پر الزام لگانے والے سب لوگ اپنے اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ پائندہ گل کی زندگی میں وحشت اور خوف سے شنگاریوں کی زبانیں گنگ تھیں لیکن آج میں ارسلا خان کا وارث ہوں۔ میں جرگے کے ارکان سے التجا کرتا ہوں کہ وہ ارسلا خان کے لیے امان کا اعلان کریں۔"

"یہ سب بکواس ہے" جنت گل اچانک ہی چیخ پڑی۔ دہشت اور صدمے سے اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا "مجھے پائندہ گل کی بیٹی قرار دے کر تم ان پہاڑوں میں عمر قید کی سزا نہیں دے سکتے۔ میں تم جیسے وحشیوں میں چند روز بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ میں کسی ارسلا خان کو نہیں جانتی۔ وہ درندہ میرے قریب بھی آیا تو میں اس کا نرخرا پھاڑ ڈالوں گی۔ مجھے تم لوگوں کی ہوس ناک ہمدردیاں نہیں چاہئیں۔ میں اپنی حفاظت خود کرسکتی ہوں۔ میں وہیں واپس جاؤں گی جہاں میں پلی بڑھی ہوں۔ ضیغم خان میرا باپ نہیں تو کیا؟ گوہر جان میری ماں ہے۔ میں اپنے شہر میں اپنی ماں کے ساتھ رہوں گی۔ تم کسی قیمت پر مجھے یہاں نہیں روک سکتے۔"

"نسب خراب ہو جائے تو جوان خون اسی طرح بڑوں کے منہ آنے لگتا ہے" سردار صبغت اللہ کی آواز موت کی طرح سرد اور بے رحم تھی۔ "معزز جرگے نے تمہیں شنگاری تسلیم کرلیا ہے اور ان پہاڑوں میں لڑکیوں کو بولنے کا حق نہیں ہوتا۔ ان کی بہتری کے فیصلے ان کے بڑے کرتے ہیں۔ ابھی تم پر شہر کا جنون طاری ہے۔ تم غصے میں ہذیان بک رہی ہو۔ میں کھلے دل سے تم کو معاف کرتا ہوں۔ جب تمہارے دل کی بھڑاس نکل جائے گی تو تم میرے فیصلے کے سامنے سر جھکا دو گی۔ اپنے سر پر چادر ڈال لو۔ شنگاری لڑکیاں گالان میں ننگے سر نہیں رہتیں....."

جنت گل جوش میں اپنی جگہ چھوڑ کر کئی قدم آگے بڑھ گئی اور صبغت اللہ کی بات کاٹ کر بولی "تم مکار اور سازشی درندے ہو۔ جھوٹ بول رہے ہو کہ پائندہ گل کی موت کے بعد تمہارے اور اس کے اختلافات ختم ہو گئے۔ تمہارے قبائلی خون میں ایک بار نفرت اور انتقام کا زہر گھل جائے تو وہ نسل در نسل چلتا ہے۔ میرے باپ کو مارنے کے بعد تم مجھے مال غنیمت سمجھ کر لوٹنا چاہتے ہو۔ میں فنا ہو جاؤں گی مگر تمہیں اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔"

سب لوگ جنت گل کی اس جسارت پر دم بخود رہ گئے تھے۔ جرگے کے اراکین خوف ناک نگاہوں سے اسے گھور رہے تھے۔ صبغت اللہ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ تیزی کے ساتھ بولتے ہوئے قندوز خان کی زبان لڑکھڑانے لگی تھی۔ میری دانست میں جنت گل نے صبغت اللہ کی دکھتی رگ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ وہ اپنے باپ کے قاتل کے دل کی گہرائیوں میں جھانک رہی تھی لیکن میں بے بس تھا۔ اس مخاصمانہ ماحول میں اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔

"تم ہمارے منہ پر ہمیں برا بھلا کہہ رہی ہو" جرگے کے معمر ترین شخص نے غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "غیرت اور انتقام ہمارے خون میں شامل ہے لیکن تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں سردار صبغت اللہ جیسا مربّی مل رہا ہے۔ وہ تمہاری عزّت و آبرو کا محافظ ہوگا۔ ڈرو اس وقت سے جب تمہارا گستاخ لہجہ اور سرکش الفاظ شنگاریوں کے غضب کو بیدار کردیں۔ ان کی بے عزتی کرکے تم کچھ بھی حاصل نہیں کرسکو گی۔"

"میں تم سب کی بدترین بے عزتی کرچکی ہوں" جنت گل نے تڑپ کر کہا اور میں سناٹے میں آگیا "یہ پائندہ گل کا یرغمالی تھا" اس نے میری طرف ہاتھ اٹھا کر کہا "میں پائندہ گل اور چھوٹے خان سے بدظن تھی۔ میں نے خود کو اس یرغمالی کے حوالے کردیا۔ میں نے تم سب کے منہ پر رسوائی مل دی ہے۔ میں پارسا نہیں ہوں۔ میرا نسب خراب تھا اس لیے میں نے خود کو بھی خراب کرلیا۔ اب بتاؤ، کون ہے وہ شنگاری جو مجھے اپنی بیوی بنائے گا؟"

اٹھی ہوئی غضب ناک نگاہیں جھک گئیں، تیور ماند پڑ گئے۔ دربار ہال میں ایسا گہرا سناٹا چھا گیا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ جنت گل کے انکشاف نے سب کی زبانیں گنگ کردی تھیں۔

"شاید تم یہاں سے جان بچا کر نکلنے کے لیے جھوٹ بولنے پر اتر آئی ہو" سردار صبغت اللہ سرد اور سفاکانہ آواز میں بولا "تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارا یہ اعتراف جرم درست ثابت ہوا تو کیسی بھیانک موت تمہارا مقدّر بنے گی۔ یرغمالی تک کسی عورت کی رسائی پوری شنگاری قوم کے لیے ننگی گالی ہے...."

"ہاں، میں جانتی ہوں۔" جنت گل پر جنون کی سی کیفیت طاری ہوتی جارہی تھی "میں نے اپنے ظالم باپ سے انتقام لینے کے لیے تم سب کو یہ گالی دی تھی۔ زندگی بھر ارسلا خان یا کسی اور شنگاری کی قید میں سسکنے سے بہتر ہے کہ میری زندگی ختم کردی جائے۔ میں اپنے جرم کا اعتراف کررہی ہوں۔ چھلنی کردو میرے بدن کو۔"

جھکی ہوئی نگاہیں اوپر نہیں اٹھ سکیں۔ ہم لوگ ایک دوسرے کے سانسوں کی آواز صاف سن رہے تھے۔ صبغت اللہ سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ جنت

گل شرم وحیا کی ہر حد توڑنے پر تلی ہوئی تھی اور جرگے کی
کارروائی صبغت اللہ کی گرفت سے باہر نکلتی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"یہ ریغمالی تمہیں کہاں ملا تھا؟ آگے آؤ اور جرگے کے روبرو
پوری کہانی سناؤ" صبغت اللہ نے حکم دیا۔

جنت گل نے کسی جھجک کے بغیر عبدالرحیم کے فلیٹ میں پیش
آنے والے واقعات بیان کرڈالے۔

"تم نے یہاں کی زندگی سے بچنے کے لیے یہ اعتراف کیا ہے
اس لیے اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا....." صبغت اللہ نے گمبھیر
لہجے میں اپنی بات شروع کی لیکن جنت گل نے پھر کر بات کاٹ
دی۔

"ضیغم خان اور گوہر جان کے بیان پر تم سب نے مان لیا کہ
میں پائندہ گل کا خون ہوں۔ اب میں اقرار جرم کررہی ہوں۔
ریغمالی بھی یہاں موجود ہے۔ اس سے پوچھ لو' فیصلہ ہوجائے گا۔ یہ
لکھ لو کہ میں یہاں رہوں گی' نہ کسی وحشی شنگاری کو اپنے قریب
آنے دوں گی۔ مجھے اس عذاب کے مقابلے میں اپنی موت زیادہ
آسان لگتی ہے" جنت گل نے فاتحانہ لہجے میں کہا "ہر رات مرمر کر
برسوں زندہ رہنے سے ایک بار مرجانا بہت بہتر ہوگا۔ میں تمہاری
مجرم ہوں' مجھے مار ڈالو۔"

وہ اس جرگے کا نازک ترین موڑ تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں
تیز ہوگئیں اور بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑنے لگیں۔ آخر کار
میری باری بھی آہی گئی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے چھوٹے خان کی
ماں یاد آگئی جس نے اپنے بیٹے کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے
جھوٹی گواہی دی تھی پھر کوڑھ میں مبتلا ہوکر چل بسی تھی لیکن پھر
میرے ذہن پر دوسری باتیں غالب آگئیں۔

میں نے سوچا کہ میں جھوٹ بولنے کے بجائے حقیقت کا
اعتراف کرلوں لیکن اس وقت تک مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس
اعتراف کے نتیجے میں میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ اگر
اعتراف جرم کے نتیجے میں مجھے مجبور ریغمالی قرار دے کر معاف بھی
کردیا جاتا تو جنت گل بہرحال موت کی سزاوار ٹھہرائی جاتی اور میں
صبغت اللہ کے قہر کا نشانہ بن جاتا۔ اس نے صندل خان کو جس
بے رحمی کے ساتھ مروایا تھا اس کے پیش نظر یہ بات بہت واضح
تھی کہ میں بے بس ریغمالی قرار دے کر شنگاری جرگے کی طرف سے
بری کردیا جاتا' تب بھی صبغت اللہ کے عتاب سے نہیں بچ سکتا
تھا۔ نہ صرف میری جان خطرے میں پڑتی بلکہ دیرا' غزالہ اور
سلطان شاہ کو بھی دردناک انجام سے دوچار ہونا پڑتا۔ کینہ پرور
صبغت اللہ کسی نہ کسی حیلے سے ہم چاروں کو موت کی اندھی
وادیوں میں دھکیل دیتا۔

میں سچ بولتا تو پانچ انسانی جانیں ضائع ہوجاتیں۔ صبغت اللہ
کی مرضی اور ہدایت کے مطابق بولا ہوا ایک جھوٹ پانچ جانیں
بچاسکتا تھا۔ یہ دیگر بات تھی کہ اس جھوٹ کے نتیجے میں جنت گل کو
اس کی مرضی کے خلاف ارسلا خان کی بیوی بن کر بادرانیوں کی
افزائش نسل کا عذاب سہنا پڑتا۔

ایک بے گناہ انسانی زندگی کی حرمت بہرحال ہر چیز پر افض
تھی۔ جنت گل ماردی جاتی تو اس کی کہانی اسی لیے ختم ہوجاتی ل
زندہ رہتی تو اس کے ہر سانس کے ساتھ امید کا بندھن باقی رہ
کبھی بھی کچھ بھی ہوسکتا تھا اور اس کے دن پلٹ سکتے تھے۔ سا
سے آس قائم رہتی ہے اس لیے اس وقت تباہ کن سچ کے مقا
میں دروغ مصلحت آمیز ہر لحاظ سے مناسب تھا مگر میں پھر
تذبذب میں مبتلا تھا۔

"ڈینی!" سردار صبغت اللہ کی گونجیلی آواز نے مجھے چونکا
"تم نے قندوز خان سے سن لیا ہوگا کہ یہ عورت کیا کہہ رہی ہے
پائندہ گل اور عبدالرحیم خان کے ریغمالی تھے۔ سچ سچ بتاؤ
حقیقت کیا تھی؟"

"یہاں آکر بیان دو" جرگے کے معمر ترین رکن نے ا
سامنے اشارہ کرکے کہا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور جرگے
اراکین کی طرف چل دیا۔ اس وقت میرے قدم منوں وزنی ہو
تھے اور ذہن میں خیالات کے ہولناک گرداب چکرا رہے تھے
یا جھوٹ؟ کربناک موت یا زندگی؟ اس وقت یہی دو سوال ہر خ
کا محور تھے۔

جرگے کے سامنے پہنچ کر مجھے یاد آیا کہ اس اجلاس کے با
میں صبغت اللہ نے قندوز خان کو اپنے اعتماد میں نہیں لیا
میری باتوں نے اس کے دل میں قدرے بدگمانی بھی پیدا کردی
لیکن سوال یہ سامنے آتا تھا کہ کیا قندوز خان اپنے سردار
برگشتہ ہوکر ہمارے ساتھ اس حد تک جاسکتا تھا جس حد تک صن
خان نے پیش قدمی کی تھی؟ بدقسمتی سے اس سوال کا جواب
میں تھا۔ میں بے بسی سے اپنے برابر میں کھڑے ہوئے قندوز خا
طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"یہ جھوٹی ہے" میری زبان غیر ارادی طور پر چل پڑی "یہ
پر سراسر بہتان ہے۔"

"کیا؟" جنت گل بے اعتباری سے دہاڑی "کسی نے
پہاڑوں کے سنگریزوں کو اس طرح نہ چھانا ہوگا جیسے تم نے میر
بدن کو دیکھا بھالا تھا اور اب تم کہہ رہے ہو کہ میں جھوٹی ہوں

"اسے خاموش کردو!" جرگے کے ایک رکن نے تیو
چڑھا کر غصیلے لہجے میں کہا "یہ عورت اپنی بات کہہ چکی ہے۔ ا
گواہ کے بیان میں دخل انداز ہونے کا حق نہیں ہے۔ اگ
بدکلامی اور زبان درازی جاری رہی تو ہم ایک ہفتے تک بھی
فیصلے پر نہیں پہنچ سکیں گے۔"

وہ ہدایت جاری ہوتے ہی ایک شنگاری بجلی کی سی تیزی
اپنی جگہ سے اٹھا اور جنت گل کی طرف دوڑ پڑا۔ جنت گل نے
کے جارحانہ تیور بھانپ لیے۔ اس وقت قندوز خان میرے
کھڑا ہوا' ترجمانی کررہا تھا اس لیے جنت گل کو یہ معلوم نہیں
کہ جرگے کی طرف سے کیا حکم صادر کیا گیا تھا لیکن اس کی

پوری طرح کام کر رہی تھی۔ اس نے اپنی طرف آنے والے
رفتار شنگاری سے خوف زدہ ہو کر وسیع و عریض دربار ہال کے
سے کی طرف دوڑ لگانے کے بجائے اپنی جگہ پر حملہ کرنے کا
انتخاب کر لیا۔

وحشی شنگاری اپنی طاقت اور بھاری جسامت کے زعم میں
شکاری عقاب کی طرح بڑھتا رہا جو فضا میں غوطہ مار کر' اپنے
پنجے کی ایک ہی کاری ضرب سے اپنے شکار کو نیم مردہ کر کے پنجوں
میں دبوچ لیتا ہے۔ پھر جو کچھ ہوا وہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں
تھا۔ شنگاری جنت گل سے ذرا ہی دور تھا کہ وہ اپنے قدموں پر
فضا میں اچھلی اور اس کے پیروں کا رخ شنگاری کی طرف ہو گیا۔ وہ
اڑتی ہوئی آئی کچھ اس کی رفتار اور پھر شنگاری کے دیوہیکل وجود کی
وجہ سے' جنت گل کی لاتیں ایک دھماکے کے ساتھ اس شنگاری کے
سینے پر پڑیں اور وہ بری طرح ڈکارتا ہوا قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ جنت
گل نے ہتھیلیاں ٹیک کر اپنا توازن سنبھالا اور بہت پھرتی کے
ساتھ اگلے وار کے لیے تن کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی برق رفتار
کارکردگی پر کئی لوگوں کے منہ سے بے ساختہ تحیر زدہ آوازیں نکل
گئیں۔

جسمانی طاقت اور ہتھیاروں کے بل پر لڑنے والے شنگاریوں
کے لیے جنت گل جیسی نرم و نازک لڑکی کی وہ مہارت حیرت ناک
تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ جنت گل اپنے وجود سے کئی
گنا بھاری حریف کو یوں آناً فاناً میں ڈھیر کر دے گی۔ قالین پر گرنے
والا شنگاری خفت اور جھلاہٹ کے عالم میں قالین سے اٹھا ہی تھا کہ
جنت گل نے دوبارہ فضا میں اڑ کر اس پر لاتیں چلائیں۔ اس بار
اس نے شنگاری کے سر اور چہرے کو نشانہ بنایا تھا۔ وہ غضب ناک
کراہوں کے ساتھ ایک مرتبہ پھر قالین پر الٹ گیا۔ مجھے خود بھی
جنت گل کی اس مہارت کا علم نہیں تھا۔ میری دانست میں دیرا کو
مارشل آرٹس پر قابل رشک عبور حاصل تھا اور وہ کئی نازک مواقع
پر اس کا بھرپور مظاہرہ کر چکی تھی لیکن ہر طرف سے گھری ہوئی
جنت گل نے چند ہی لمحوں میں اپنی مہارت کی دھاک بٹھا دی تھی۔

جنت گل ایک جگہ رکنے کے بجائے دونوں ہتھیلیاں کھول کر
والہانہ انداز میں اپنے گرے ہوئے حریف کے گرد تھرک رہی
تھی۔ گھومتے ہوئے وہ غیر ارادی طور پر قندوز خان کے قریب سے
گزری تو اپنے شکار کی طرف متوجہ تھی۔ اس کی پشت قندوز خان
کی طرف تھی۔ معاً قندوز خان کسی چیتے کی سی خاموشی سے حرکت
میں آیا اور اس نے پیچھے سے جنت گل کی داہنی کنپٹی پر اپنا فولادی
مکا جڑ دیا۔ جنت گل ایک چیخ کے ساتھ لڑکھڑا کر قالین پر گری اور
پھر ساکت ہو گئی۔ قندوز خان کی مردانہ ضرب نے اسے بے
ہوش کر دیا تھا۔ گوہر جان دوڑ کر اس کے بدن سے لپٹ گئی۔

ایک بے بس اور کمزور عورت کے خلاف دو دیوپیکر شنگاریوں
کی محاذ آرائی شرم ناک تھی لیکن وہاں اس کھلی ہوئی دھاندلی اور
بے رحمی پر احتجاج کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ قندوز خان بے
پروایانہ انداز میں اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔ جنت گل سے مار کھانے
والا شنگاری قالین سے اٹھا تو اس کے چہرے پر کئی خون آلود لکیریں
پھیلتی جا رہی تھیں۔ جنت گل کے چرمی جوتوں نے اس کا چہرہ خاصا
بگاڑ دیا تھا۔

وہ غضب ناک انداز میں جنت گل کے بے ہوش جسم کی
طرف بڑھا مگر صبغت اللہ کی درشت آواز نے اسے رکنے پر مجبور
کر دیا۔ صبغت اللہ نے تسلسل کے ساتھ کئی تحکمانہ فقرے ادا
کیے لیکن قندوز خان نے ان کا ترجمہ نہیں کیا۔ وہ خاموش ہوا تو
قندوز خان نے مجھے اپنا بیان جاری رکھنے کے لیے کہا۔

"جنت گل بلاشبہ ایک نڈر اور بے باک لڑکی ہے" میں نے
اس کی جائز تعریف سے اپنا سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہا "لیکن
میرے بارے میں اس نے جو کچھ کہا' وہ ایک شرمناک افسانے سے
زیادہ نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ پائندہ گل نے مجھے اغوا کروایا
تھا' عبدالرحیم خان نے مجھے اپنے گھر میں محبوس رکھا تھا اور وہاں
میں نے پہلی بار جنت گل کو دیکھا تھا۔ یہ اسی گھر میں چھوٹے خان
کے ساتھ رہتی تھی۔ میں الگ کمرے میں بند رہتا تھا۔ چند ملاقاتوں
کے علاوہ ہمارے درمیان کوئی دوسرا رشتہ یا تعلق موجود نہیں تھا۔
وہ کسی شنگاری یا بادرانی کی عورت بننے سے مرجانا بہتر سمجھتی ہے
اس لیے اس نے ایسی کہانی تراشی ہے جس کا نتیجہ اس کی موت کی
صورت میں نکلے۔"

"اگر وہ عبدالرحیم خان کے ساتھ رہتی تھی تو پھر اس نے اس
کا خون کیوں کیا؟ کہا جاتا ہے کہ جنت گل نے وہ خون تمہاری
موجودگی میں کیا تھا؟" جرگے کی طرف سے سوال کیا گیا۔

جنت گل بے ہوش تھی اور اس کی طرف سے میرے بیان
میں مداخلت کا کوئی خطرہ نہیں تھا اس لیے میں نے اختصار کی نیت
سے کہا "قتل میری موجودگی میں ضرور ہوا مگر میرے سامنے نہیں
ہوا۔ میں اپنے کمرے میں بند تھا۔ میں نے ان دونوں کے زور زور
سے بولنے کی آوازیں سنی تھیں۔ شاید وہ کسی بات پر لڑ رہے تھے
لیکن ان کی بولی میری سمجھ سے باہر تھی۔ پھر ایک فائر اور چیخ کی
آواز آئی۔ کوئی فرش پر گرا' اس کے بعد سناٹا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد
جنت گل نے میرے کمرے کا تالا کھول کر بتایا کہ عبدالرحیم خان
مر چکا تھا۔ وہ فلیٹ سے فرار ہو رہی تھی۔ اس نے مجھے بھی آزاد
کر دیا اور میں وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ جنت گل نے
چھوٹے خان کو مارا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی ساتھی پہلے
ہی چھوٹے خان کو مار کر میری لاعلمی میں بھاگ نکلا ہو۔ میں اس
بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تم یرغمالی بنائے گئے تو قصہ کچھ اور تھا" جرگے کی طرف سے
اگلا سوال کیا گیا "تم بھاگے یا تمہیں چھوڑا گیا' وہ قصہ وہیں نمٹ
گیا تھا۔ پھر تمہیں دوبارہ اغوا کر کے یہاں لانے کی کیا ضرورت
پیش آئی؟"

"یہ سردار صبغت اللہ کو معلوم ہے۔ وہ ہمیں لانے والوں کا

سرخیل تھا" میں نے کہا۔

"سردار فریق نہیں بنایا جاسکتا۔ سوال تم سے کیا گیا ہے۔ اس کا جواب تم ہی دو گے۔" "پائندہ گل چاہتا تھا کہ میں جنت گل کو تلاش کرکے گالان لانے میں اس کی مدد کروں۔"

"کیوں؟" جرگے کے ایک رکن نے اس باریک نکتے کو پکڑلیا تھا اور مجھے وحشت ہونے لگی تھی۔

"وہ جنت گل سے اپنے بھانجے کے خون کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ چھوٹے خان کو جنت گل نے مارا ہے۔"

"کیا یہ کام وہ اپنے آدمیوں سے نہیں لے سکتا تھا؟" مجھ سے وہ چبھتا ہوا سوال پوچھا گیا۔

"اس کا جواب وہی دے سکتا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ شنگاری دور سے پہچان لیے جاتے ہیں اس لیے وہ جنت گل تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ میں آسانی سے اسے گھیرلوں گا۔"

"تم ہی کیوں؟ اس کام کے لیے کابل میں کرائے کے آدمی مل سکتے تھے۔ تم لوگوں کو کس مقصد کے لیے سیکڑوں میل دور سے اٹھا کر لایا گیا تھا؟ پائندہ گل نے تم سے تخلیئے میں کیا راز ونیاز کیئے تھے؟"

جرگے کے اس رکن نے مجھے سخت امتحان میں ڈال دیا تھا۔ صبغت اللہ نے میرے ساتھ جو کچھ طے کیا تھا' بات ان حدود سے تجاوز کر رہی تھی۔ جنت گل کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے وہ سوال کلیدی اہمیت رکھتا تھا اور مجھے علم نہیں تھا کہ صبغت اللہ جواب میں میری زبان سے کیا سننا پسند کرے گا۔ چند ثانیوں کے لیے میرا ذہن چکرا کر رہ گیا تھا۔ کیا کہوں؟ کیا نہ کہوں؟ میں ایک بنیادی جھوٹ بول چکا تھا۔ اب اسے نبھانے کی باری تھی۔ میرے سامنے صرف ایک بات واضح تھی کہ سردار صبغت اللہ ہر قیمت پر جنت گل کو زندہ رکھ کر ارسلا خان کی بیوی بنانا چاہتا تھا اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب جنت گل کا دامن بالکل بے داغ ثابت ہوتا۔

اگر میں یہ اعتراف کرلیتا کہ پائندہ گل نے بھی اسی کہانی پر بات کی تھی جسے میں جھوٹ قرار دے چکا تھا تو میرا وہ جواب کہ جنت گل نے کسی بادرانی کی بیوی بننے سے بچنے کے لیے موت کے راستے کا انتخاب کیا تھا' غلط ثابت ہوجاتا۔ جرگے کو یقین ہوجاتا کہ جنت گل نے وہ کہانی فی البدیہہ نہیں تراشی تھی بلکہ اس کی کچھ نہ کچھ بنیاد تھی اور پائندہ گل کو بھی ان قصوں کی سن گن مل چکی تھی۔ وہ بات طے ہوجانے کے بعد جنت گل کو الزام سے بچانا ناممکن ہوجاتا اور جنت گل کے ساتھ ہی ہم چاروں کی جانیں بھی خطرے میں پڑجاتیں۔

میری خاموشی سے صبغت اللہ نے میری الجھن بھانپ لی' اس نے کہا "اس وقت جرگے کے سامنے جنت گل کی پارسائی کا معاملہ درپیش ہے۔ شاید اسی مقصد کے لیے اب ہم نے بھٹکنا شروع کردیا ہے۔"

"میرا ہر سوال بہت اہم ہے" مجھے بند راستے پر لانے والے رکن نے قدرے برہمی سے کہا "ڈینی کہہ چکا ہے کہ جنت گل [illegible] سردار صبغت اللہ کے ارادوں سے واقف ہونے کے بعد مر[illegible] ارادہ کرکے ایک کہانی گھڑلی ہے۔ اگر پائندہ گل کی زندگی میں [illegible] سوال اٹھایا گیا تھا تو گواہ جھوٹا ثابت ہوجاتا ہے۔"

وہ ان ہی خطوط پر سوچ رہا تھا جو مجھے خوف زدہ کررہے تھے۔

"فلک شیر خان!" جرگے میں سے ایک اور آواز ابھ[illegible]

"سردار صبغت اللہ کا خیال درست ہے۔ تم معاملہ سلجھانے [illegible] بجائے الجھانے کی کوشش کررہے ہو۔ اگر جنت گل بدکار ہوتی [illegible] بھی پائندہ گل کو کیسے پتا چل سکتا تھا کہ ایسی کوئی بات ہوئی ہے؟ [illegible] خودسر اور ضدی آدمی تھا ذرا ذرا سی بات کو انا کا مسئلہ بنالیتا [illegible] ہوسکتا ہے کہ ان چاروں کو یہاں لانے میں بھی اس کی ایسی ہی [illegible] ضد کارفرما رہی ہو۔"

"یہ فلک شیر خان پر الزام ہے" جرگے سے اٹھنے والی تی[illegible] آواز سے برہمی مترشح تھی "فلک شیر کی پائندہ گل سے گہری دو[illegible] تھی تو اس سے کڑی باز پرس کرنے کا حق نہیں چھینا جاسک[illegible] جرگے کے ہر رکن کو اپنی اپنی صوابدید کے مطابق حقیقت کا کھ[illegible] لگانے کا پورا پورا اختیار ہے۔ اس کی زبان بندی نہیں کی جاسکتی۔"

"زہریلی باتیں مت کرو ورنہ یہاں لاشیں گرجائیں گ[illegible]" جرگے میں ایک شخص جوش میں آکر اٹھ کھڑا ہوا "ہمیں جلد از [illegible] کوئی فیصلہ کرنا ہے۔ جرگے کا ہر آدمی فلک شیر خان کی طرح بال [illegible] کھال نکالتا رہا تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔ یہ زبان بندی [illegible] عقل مندی کی راہ ہے جس پر چلنا سب کا فرض ہے۔"

پھر بہت سے اراکین ایک ساتھ بولنے لگے اور تقریباً سب [illegible] اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے لہجوں میں تیزی [illegible] اور وہ اونچی آوازوں میں بول رہے تھے۔ فضا بہت خطرناک ہو [illegible] تھی۔

جنت گل اس وقت بھی بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ اس کی [illegible] اسے کھینچ کر ایک کونے میں لے گئی تھی اور اس کا سر اپنے زا[illegible] رکھ کر ہولے ہولے سہلا رہی تھی۔ کسی نے بھی گوہر جان کو رو[illegible] یا ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس کے چہرے [illegible] کا کرب جھلک رہا تھا اور پرامید نگاہیں اپنی بیٹی کے چہرے پر [illegible] تھیں۔

ادھر جرگے کے اراکین میں تلخ کلامی بڑھتی ہی چلی گئی۔ غصیلے معززین نے اپنے بدن پر سجے ہوئے آتشیں ہتھیار [illegible] ہاتھوں میں لے لیے۔ رفتہ رفتہ اس تکرار نے چیخ پکار یا شاید [illegible] گلوچ کی صورت اختیار کرلی۔ پھر اچانک ہی کسی نے مشتعل ہو [illegible] ہوائی فائر کردیے۔

بارود کی بدبو اور سرمئی دھوئیں کی لہراتی ہوئی لکیریں چھو[illegible] ہوئی گولیاں پھوس کی چھت پھاڑ کر اوپر نکل گئیں۔ جواب [illegible] بیک وقت کئی اور ہتھیار بھی گنگنا اٹھے۔ لمحہ بھر بعد وہ سب [illegible] دوسرے پر آنکھیں نکال کر غراتے ہوئے ہوائی فائرنگ کررہ[illegible]

اور فضا میں دھواں بھرتا جارہا تھا۔
صورت حال بہت تیزی سے بگڑ رہی تھی۔ چھت کی طرف اٹھی ہوئی، آگ اگلتی ہوئی بے رحم نالوں کا رخ کسی بھی لمحے کشادہ چھاتیوں کی طرف ہو سکتا تھا۔ سردار صبغت اللہ غصے میں دھاڑتا ہوا اپنی مسند سے اٹھ کھڑا ہوا۔
اس کی آواز میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ فائرنگ کا سلسلہ فوراً ہی موقوف ہو گیا۔ جرگے کے چند لوگوں نے شکایتی لب و لہجے میں صبغت اللہ سے کچھ کہا۔ اس نے تیور بدلے بغیر انہیں جوابات دیے اور پھر بگڑے ہوئے تیور سدھرنے لگے۔ رفتہ رفتہ جرگے کے اراکین نے اپنی جگہیں سنبھالنی شروع کر دیں۔
چند ثانیوں تک فضا میں ان سب کی ہلکی آوازوں کی بھنبھناہٹ گونجتی رہی پھر فلک شیر خان نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا "میری بات کا جواب دو۔ پائندہ گل نے تنہائی میں تم سے کیا باتیں کی تھیں؟"
قندوز خان سے فلک شیر خان کے سوال کا ترجمہ سن کر میں نے اندازہ لگا لیا کہ بگڑی ہوئی صورت حال کو سنبھالنے کے لیے صبغت اللہ کو اپنے حریفوں کا حق تسلیم کرنا پڑا تھا۔ جرگے میں ہڑبونگ اور افراتفری پھیلنے کے باوجود میرے سر پر مسلط سوال نہیں ٹالا جا سکا تھا۔
ان لوگوں کی باہمی تکرار کی وجہ سے مجھے اس بارے میں سوچنے کا موقع مل گیا تھا اس لیے دوسری بار میں نے زیادہ وقت لیے بغیر کہنا شروع کر دیا "بات بہت عجیب سی تھی۔ میں اس کا ذکر زبان پر لا کر مرحوم پائندہ گل کی روح کو شرمانے سے گریز کر رہا ہوں۔ اب مجبور کر دیا گیا ہوں تو بولنا پڑ رہا ہے....."
"تم پائندہ گل کی روح کے شرمانے کی فکر نہ کرو" فلک شیر خان نے تلخی سے کہا "اس کی ہمدردی میں یہاں اب تک جو کچھ کہا گیا ہے، وہ قالین میں لپٹے ہوئے جوتوں سے کم نہیں تھا۔ تمہارے بیان سے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی کیونکہ تم باہر کے باسی ہو۔ تم بے فکر ہو کر اپنی بات کہہ جاؤ۔"
صبغت اللہ نے اپنی مسند پر پہلو بدل کر زور سے کھنکھارا۔ میں نے لحہ بھر کے لیے اس کی طرف گردن گھمائی تو وہ اپنی دونوں مٹھیاں بھینچے، چھت میں پیدا ہو جانے والے شگافوں کو گھور رہا تھا۔
"وہ چاہتا تھا کہ میں جنت گل کو تلاش کر کے گالان لاؤں اور پھر اس سے شادی کرنے کا دعوے دار بن جاؤں" میرے وہ الفاظ ہر ایک کے لیے دھماکا خیز ثابت ہوئے اور وہاں ایک بار پھر تحیر زدہ سرگوشیاں پھیلنے لگیں۔ سردار صبغت اللہ بھی شدید حیرت اور بے یقینی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر جھلاہٹ اور تشویش کے بجائے فتح مندانہ سی مسکراہٹ ناچنے لگی تھی۔
"وہ جنت گل کو ہلاک کر کے اس سے چھوٹے خان کے خون کا بدلہ لینا چاہتا تھا اور تم کہہ رہے ہو کہ وہ تمہاری اور جنت گل کی شادی کا آرزومند تھا۔ تم یہ کیا بک رہے ہو؟" فلک شیر خان

"یہ بات کوئی نہیں سمجھ سکے گا اسی لیے میں نے اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "اس نے مجھ سے کھل کر باتیں کی تھیں۔ اس کے کرب کی ابتدا اس وقت ہوئی جب اس کو کمزور اور بوڑھا سمجھ کر گالان کی عورتوں نے چھوٹے خان کی میت پر گریہ وماتم کیا تھا۔ انہوں نے مرنے والے کو لاوارث سمجھ کر پائندہ گل کی تذلیل کی تھی۔ وہ اپنی ساکھ بگڑنے پر افسردہ ہونے کے ساتھ ساتھ برہم بھی تھا۔ اس نے اپنی ساکھ بحال کیے بغیر اپنے اختیارات کے استعمال سے دستبردار ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اسے بری طرح احساس ہوا تھا کہ اپنی رعایا پر اس کی گرفت کمزور ہو گئی ہے۔ اپنے جاہ و جلال کی بحالی کے لیے وہ عبدالرحیم خان کی قاتلہ کو گالان لانا چاہتا تھا مگر اس کے دل میں اپنی بیٹی کے لیے نرم گوشہ بھی موجود تھا۔ اس نے مجھے سمجھایا کہ جب جنت گل کو مجرم قرار دے کر موت کی سزا سنائی جائے تو میں اس سے شادی کی خواہش کا اظہار کروں۔ ساتھ ہی اس کی طرف سے چھوٹے خان کا خون بہا دینے کی پیش کش کروں۔ وہ پانچ لاکھ کے خوں بہا کا مطالبہ کرے اور میں اسے فوراً مان لوں۔ یہ رقم وہ مجھ کو خفیہ طریقے سے خود ہی فراہم کرتا اور میں کھلے جرگے میں رقم اس کے حوالے کر کے جنت گل کو حاصل کر لیتا۔ اس طرح اس کی ساکھ بحال ہو جاتی اور جنت گل بھی موت کے چنگل میں جانے سے بچ جاتی۔"
"مگر تم شادی شدہ ہو" اپنے سوال کا جواب آنے پر فلک شیر خان بہت زیادہ نادم نظر آنے لگا تھا "تم نے یہ بات کیسے مان لی؟ شنگار اولی میں انتقام یا خون بہا کا قانون رائج ہونے کے باوجود خون بہا لینے یا دینے کی کوئی روایت نہیں رہی ہے۔ پھر پانچ لاکھ کی رقم پوری وادی میں کوئی نہیں دے سکتا تھا۔"
میں نے اپنی کہانی کا تانا بانا ان باتوں کے گرد بنا تھا جو میں سنتا چلا آیا تھا اس لیے میں نے اطمینان سے کہا "میری بیوی بھی یہاں موجود تھی۔ میں نے پائندہ گل سے سب کچھ کہا مگر وہ انا پرست اور ضدی آدمی تھا۔ اپنے سر میں سما جانے والی ہر بات کو ہر قیمت پر پورا کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا کہ میں ایک نہیں بلکہ چار شادیوں کا حق رکھتا ہوں۔ میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ اپنی بات مان لینے کی صورت میں وہ مجھے پانچ لاکھ کا خفیہ انعام بھی دیتا۔ ایک طرف جنت گل جیسی حسین و جمیل دوشیزہ اور پانچ لاکھ کے ساتھ باعزت آزادی کا راستہ تھا دوسری طرف ہم چاروں کی حادثاتی موت کا خطرہ تھا۔ مجھے اس کی خواہش کے سامنے سر جھکانا پڑا۔ یہ اور بات ہے کہ پھر حالات بدلتے چلے گئے اور اس کی سوچی ہوئی کوئی بات پوری نہ ہو سکی۔ میں دوبارہ اس سے نہیں مل سکا۔"
"شاباش!" صبغت اللہ کی تحسین آمیز آواز گونجی "تم نے اس حقیقت پر سے پردہ اٹھایا ہے جو میری آنکھوں سے بھی اوجھل تھی۔ کسی قاتل سے خون بہا لے کر پائندہ گل یہاں ایک خطرناک روایت کی داغ بیل ڈال دیتا۔ پیسے والے غریبوں کو پیس کر رکھ دیتے۔ جب چاہتے 'ان کے خون سے ہولی کھیلنی شروع کر دیتے اور

مرنے والوں کے وارثوں کے منہ پر رقم دے مارتے۔ وہ ضدی اور انا پرست ہی نہیں، بلا کا مکار اور خود غرض بھی تھا۔ اس کی نسل فنا ہو رہی تھی اور وہ دوسروں کی نسلیں ختم کرنے کا بھیانک منصوبہ بنا رہا تھا۔"

پھر وہ جرگے سے مخاطب ہو گیا "فلک شیر خان! تم نے اپنے دوست کے کرتوت سن لیے؟ تمہارا دل بھر گیا یا اب بھی دبی ہوئی چنگاریوں کو کریدنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"مجھے پائندہ گل سے دوستی کا طعنہ نہ دو" فلک شیر خان نے شکست خوردہ آواز میں کہا "جرگے میں بیٹھنے کے بعد کوئی کسی کا دوست یا دشمن نہیں رہتا۔ وہ صرف منصب ہوتا ہے اور انصاف کے لیے سچائی کو تلاش کرنا اس کا فرض ہوتا ہے۔ میں نے اپنا فرض پورا کیا ہے۔ مجھے اس پر کوئی ملال نہیں ہے۔"

"تمہارا بیان ہو گیا۔ اپنی جگہ پر لوٹ جاؤ!" جرگے کے معمّر ترین رکن کی طرف سے میرے لیے ہدایت آئی اور میں اس کڑے امتحان میں سرخرو رہنے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوا اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔ اس بار قندوز خان نے میرا پیچھا کرنے کے بجائے صبغت اللہ کی مسند کا رخ کیا تھا۔

جنت گل کی ولدیت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس وقت جرگے کے ارکان سر جوڑ کر اس کی بے گناہی اور پاکبازی کے بارے میں کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے جب کہ جنت گل، قندوز خان کی لگائی ہوئی وحشیانہ ضرب کے نتیجے میں بدستور بے ہوش تھی اور اس کی گونگی ماں ایک علیحدہ گوشے میں اسے سنبھالے ہوئی بیٹھی تھی۔ ضیغم خان کسی یتیم اور لاوارث کی طرح اکیلا بیٹھا ہوا، خالی خالی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

"تم بہت گہرے نکلے" میرے واپس لوٹتے ہی ویرا پھٹ پڑی "اگر پائندہ گل نے تمہیں جنت گل سے شادی کرنے پر مجبور کیا تھا تو یہ بات چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟ تم تو شادی سے پہلے ہی اسے حاصل کر چکے تھے۔ اس وقت تمہیں کس نے روکا تھا جو شادی پر ہم میں سے کوئی تمہارے آڑے آتا؟"

"خرافات سے پرہیز کرو" میں آنکھیں نکال کر غرّایا "میرے اور جنت گل کے تعلق کے بارے میں اب تم ایک لفظ بھی نہیں بولو گی۔ تم دیکھ چکی ہو کہ یہ انتہا پسند لوگ ذرا ذرا سی بات پر وحشت اور بربریت کے مظاہرے پر اتر آتے ہیں۔ شادی والی بات میرے ذہن کی پیداوار ہے۔ پائندہ گل نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس بارے میں ہم بعد میں بات کر سکتے ہیں۔ فی الحال اس بات کو غنیمت سمجھو کہ یہاں سب کچھ صبغت اللہ کے منصوبے کے مطابق ہوا ہے۔ اس کے پروگرام میں خلل پڑتا تو ہم دشواریوں میں گھر سکتے تھے۔"

"بلاوجہ غصہ نہ دکھاؤ" ویرا مرعوب ہوئے بغیر بولی "تمہارا رول ختم ہو جانے کے بعد اب کوئی بھی اِدھر متوجہ نہیں ہے۔ قندوز خان سمیت ہر شخص اپنے اپنے دھندے میں مصروف ہو چکا ہے۔ میں یہ مان ہی نہیں سکتی کہ تم نے اس وقت کے ذہنی دباؤ میں وہ کہانی فی الفور گھڑی ہوگی۔ اس میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور رہی ہوگی۔ تم نے ہم تینوں کو اندھیرے میں رکھ کر اپنا کھیل کھیلنے کی جو کوشش کی ہے اس پر تمہیں شرم آنی چاہیے۔"

"ہمارے یہاں مرد کو چار شادیوں کا حق حاصل ہے" غزالہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر اداسی سے کہا "کوئی مرد اپنے اس حق کو استعمال کرنے پر تل جائے تو عورت اسے کسی قیمت پر باز نہیں رکھ سکتی۔"

"تم بھی اس کی باتوں میں آ کر بہک رہی ہو" میں نے حیرت اور بے بسی سے غزالہ سے کہا "میں جرگے کے سامنے پائندہ گل کی اصل باتیں دہرا کر تباہی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں قسم کھا رہا ہوں کہ میں نے جو کچھ کہا وہ من گھڑت تھا۔ اس کا حقیقت سے دور کا تعلق بھی نہیں تھا۔ تم بلاوجہ آزردہ ہو رہی ہو۔"

"قسم کھانے کے بعد میں کچھ نہیں کہہ سکتا" سلطان شاہ نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "تم نے جو کچھ کہا وہ حقیقت سے بہت قریب معلوم ہوتا ہے۔ انا اور پدری محبت کی جنگ میں الجھ کر پائندہ گل صرف وہی فیصلہ کر سکتا تھا جو تم نے سنایا ہے۔ اس کہانی کی سچائی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ جرگے کے اراکین بھی اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے؟ خوشی کی بات یہ ہے کہ اب پائندہ گل کی جگہ صبغت اللہ مسند نشین ہے اور وہ جنت گل کو ارسلا خان کی بیوی بنانے پر تلا ہوا ہے ورنہ واپسی کے سفر میں ہماری نفری میں اس کا اضافہ ہو سکتا تھا۔"

"تم پر لعنت ہو" میں دانت پیستے ہوئے بولا "پھر وہی راگ الاپے جا رہے ہو۔ میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔ تم دونوں مل کر غزالہ کو بھڑکانے کی کوشش کر رہے ہو۔ وہ میری بات سمجھ چکی ہے۔"

"مشکل یہ ہے کہ بعض اوقات تم پورے اعتماد کے ساتھ اتنا مدلل جھوٹ بولنے لگتے ہو کہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنی دشوار ہو جاتی ہے۔" غزالہ نے پھیکی اور افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میں نے تمہاری قسم پر اعتبار کر لیا ہے لیکن جنت گل پانچ لاکھ کی انعامی رقم کے ساتھ میرے ذہن میں پنجے گاڑے بیٹھی ہے۔"

"تم اِدھر کیا لینے آ رہے ہو؟" ویرا کی غصیلی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ ضیغم خان کو گھور رہی تھی جو اپنی جگہ چھوڑ کر ہماری طرف چلا آ رہا تھا۔ ہر قدم کے ساتھ اُس کے چہرے کے نقوش بن اور بگڑ رہے تھے۔

"میں اکیلا بیٹھا بے زار ہو رہا ہوں۔ گوہر جان اپنی بیٹی کی تیمارداری میں لگی ہوئی ہے۔ اجازت ہو تو میں بھی تمہارے پاس بیٹھ کر اپنے دل کا غبار ہلکا کر لوں۔ ہمارے دکھ کچھ ایک جیسے ہی معلوم ہوتے ہیں" وہ مسکین صورت بنا کر بولا۔

"خبردار، جو ہمیں اپنے ساتھ ملایا" سلطان شاہ غرّایا "ہم میں سے کوئی جعلی باپ نہیں ہے۔"

وہ آہستگی سے ہمارے ساتھ آ بیٹھا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "میرا یہ مقصد نہیں تھا۔ میرا اشارہ خسارے کی طرف تھا۔ ہم لوگوں کا مساوی نقصان ہوا ہے۔ ان ذلتوں اور صعوبتوں کے

پہنچ میں کچھ بھی ہاتھ نہیں آسکے گا۔"

"تم کس نقصان کا رونا رو رہے ہو؟" ویرا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے طنز سے پوچھا۔

"کابل میں مجھے جنت گل کی شادی کے عوض پانچ لاکھ آسانی سے مل سکتے تھے۔ وہ یہاں رہ گئی تو میری رقم ماری جائے گی اور تم تو پائندہ گل کے مرنے کے بعد انعام کی رقم سے محروم ہو ہی چکے ہو۔ اس نے بھی تم سے اتنی ہی رقم کا وعدہ کیا تھا۔ کیا یہ عجیب اتفاق نہیں ہے؟" اُس کی آواز سے حسرت جھلک رہی تھی۔

"تم لاولد اور زندگی کے آخری حصے میں پہنچے ہوئے ہو۔ تمہیں رقم کی ہوس کیوں ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"رقم کی کسے ضرورت نہیں ہوتی؟" اس کی آواز بدستور حسرت زدہ تھی "کابل میں دس پانچ ہزار کے بغیر آدمی عزت سے مر بھی نہیں سکتا۔ اچھا کفن ملتا ہے نہ صاف ستھری قبر۔ بعد میں فاتحہ درود بھی نہیں ہوتا۔ رقم ہاتھ آجاتی تو ایک لاکھ میں میری مانگ ٹھیک ہو سکتی تھی۔ جنت گل کسی کی بھی اولاد ہو لیکن اسے میں نے پالا پوسا ہے۔ اب میں اپنے پروان چڑھائے ہوئے پودے کے ثمر سے بالکل محروم رہ جاؤں گا۔ وہ مجھ سے مفت میں چھین لی جائے گی۔"

"میں نے سنا ہے کہ جنت گل کی تعلیم و تربیت کے لیے پائندہ گل تمہیں وظیفہ دیتا تھا" سلطان شاہ بولا۔

"کون سا احسان کرتا تھا؟" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا "آخر وہ اسی کی اولاد تھی۔ دیکھ لو کہ میں نے وہ رقم برباد نہیں کی۔ اسے بہترین تعلیم دلائی۔ جنگی فنون کی تربیت دلائی۔ اُس نے اپنے سے کئی گنا طاقتور شنگاری کی جو درگت بنائی‘ اس پر سب ہی انگشت بدنداں رہ گئے تھے۔"

وہ بے غیرت ہی نہیں‘ ڈھیٹ بھی تھا۔ شرم سے زمین میں گڑ جانے کے بجائے ایسے اطمینان اور بے تکلفی سے باتیں کر رہا تھا جیسے اس کی نظر میں تلخ حقائق کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ میں کوشش کے باوجود‘ خود کو اس سے بات کرنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ مجھے اس کی صورت ہی سے خباثت ٹپکتی نظر آرہی تھی۔

آخر کار جرگے کے سب سے بوڑھے شخص نے بولنا شروع کر دیا "ہم کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے" سردار صبغت اللہ کا چہرہ یکلخت تاریک پڑ گیا۔ سفید بالوں والا کہہ رہا تھا "دونوں کا بیان برابر ہے۔ ایک کا اعتراف اور دوسرے کا انکار انصاف کے لیے ناکافی ہے۔ تینوں عورتوں کو یہاں سے بھیج دیا جائے۔ ہم جنت گل کے ہوش میں آنے کا انتظار کریں گے۔ اس سے پوچھ کچھ کے دوسرے مرحلے کے بعد ہی کوئی فیصلہ ہو سکے گا۔"

میرے لیے وہ اعلان غیر متوقع ہی نہیں‘ سنسنی خیز بھی تھا۔ صبغت اللہ جرگے کے اراکین پر اپنی مرضی تھوپنے میں ناکام رہا تھا۔ پتا نہیں وہ لوگ جنت گل سے مزید کیا پوچھنا چاہ رہے تھے۔ جرگے نے ویرا اور غزالہ کو وہاں سے بھیجنے کی ہدایت دے کر بات کو مزید الجھا دیا تھا۔ مردانہ محفل میں شاید جنت گل سے زیادہ ہی کھلی کھلی باتیں ہونے والی تھیں۔

جرگے کی ہدایت پر قندوز خان سرگرم ہو گیا۔ ایک شنگاری ہمارے سروں پر مسلط ہوا۔ وہ ویرا اور غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر گوہر جان کی طرف گیا پھر ان تینوں عورتوں کو دربار ہال سے باہر لیتا چلا گیا۔ دو شنگاریوں نے جنت گل کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر اسے جلد از جلد ہوش میں لانے کی کوششوں کا آغاز کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جنت گل ہوش میں آتے ہی بدک کر قالین سے اٹھی تھی لیکن تیورا کر دوبارہ وہیں بیٹھنے پر مجبور ہو گئی۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ چند ثانیوں بعد اس کی اعصابی قوت بحال ہوئی تو شنگاریوں نے اسے اس کے قدموں پر کھڑا کر کے کچھ کہا۔ جنت گل اور ان دونوں کے درمیان چند مکالمات کا تبادلہ ہوا۔ پھر جنت گل جرگے کی طرف چل دی۔ شاید اسے یہ جان کر اطمینان ہوا تھا کہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکا تھا۔

"جھوٹ اور سچ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے ہیں" جنت گل کے پہنچنے کے بعد جرگے میں سے ایک شخص نرمی سے بولنے لگا "کسی فیصلے پر پہنچنے کے لیے ہم تم سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"میں تیار ہوں" جنت گل نے اپنے دائیں بائیں نگاہیں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"وادی کا نباض اعظم تمہاری کلائی کی دھڑکتی ہوئی رگ پر انگلیاں رکھ کر سچ اور جھوٹ کا فیصلہ کرے گا" اسی شخص نے کہا "جب عورت کوئی خطا کرتی ہے تو اس کے سانسوں میں ایک اور دھڑکن جنم لیتی ہے۔ شنگارا ویلی کا نباض دوہری دھڑکن کو پہچاننے میں یدطولیٰ رکھتا ہے۔ اب وہی سچ اور جھوٹ کا فیصلہ صادر کرے گا۔"

جنت گل کے چہرے پر وحشت لہرانے لگی "اسے میری نبض میں میرے دل کی دھڑکن کے سوا کچھ نہیں ملے گا" اس نے تیزی سے کہا "میں دوسری دھڑکن سے چھٹکارا حاصل کر چکی ہوں۔ شہروں کے لیے یہ باتیں بہت پرانی ہو گئی ہیں۔ اس طرح تم کبھی بھی انصاف نہیں کر سکو گے۔ میں گناہ گار تھی۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں‘ وہ مان لو۔ یہی انصاف ہو گا۔"

"یعنی تم نے اس کا خون کر دیا؟" اس نے حیرت اور تیزی کے ساتھ پوچھا۔

"اس طرح بات واضح ہو سکتی ہے تو تم یہی سمجھ لو" جنت گل نے آہستگی سے کہا۔

"پھر تم اعتبار کے قابل نہیں ہو" وہ ایک دم ہی طیش میں آگیا "گوہر جان بھی یہی کر سکتی تھی۔ وہ پائندہ گل کے گناہ کا ہر نشان مٹا سکتی تھی۔ اس نے ایسا کیا ہوتا تو آج یہاں یہ جرگہ منعقد کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی ہوتی۔ کوئی عورت اپنی اولاد کا خون نہیں کر سکتی۔ جو ایسا کرے‘ اس کے قول و فعل پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ تم نے اپنی باتوں سے خود کو کسی اعتبار کے لائق نہیں چھوڑا۔ تمہارا مقصد صرف اور صرف اس وادی کے باسیوں کو

ذلیل اور رسوا کرنا ہے۔ ہم تمہارے اعتراف کو مسترد کرتے ہیں۔ یہ سراسر جھوٹ ہے کہ تم نے پائندہ گل کے یرغمالی کی خلوت میں رسائی حاصل کی تھی۔ یرغمالی خود انکاری ہے تم ناقابل اعتبار ہو اور یہی ہمارا فیصلہ ہے۔"

پہلے جرگے کی کارروائی رینگ رینگ کر آگے بڑھ رہی تھی۔ فیصلہ ہونے کا وقت آیا تو بات اتنی تیزی سے آگے بڑھی کہ سب ششدر رہ گئے۔ لوگوں نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ دربار ہال کی فضا میں ملی جلی آوازیں گونجنے لگیں۔ صبغت اللہ کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا۔ جنت گل غصے اور مایوسی کے عالم میں پشتو اور انگریزی میں چیخ رہی تھی اور اسے ہوش میں لانے والے دونوں شنگاری اسے کشاں کشاں دروازے کی طرف لے جا رہے تھے۔

"میں عقل اور دانش کی فتح پر جرگے والوں کو مبارک باد دیتا ہوں" صبغت اللہ اونچی آواز میں اپنی بولی میں کہہ رہا تھا اور قندوز خان مسرت بھری آواز میں مجھے بتا رہا تھا "پائندہ گل کی بیٹی کو پاکباز قرار دے کر جرگے نے اپنی دھاک بٹھا دی ہے۔ اب جنت گل بادرانیوں کی امان میں رہے گی۔ میں ارسلا خان کا وارث ہوں۔ میں نے اس کی طرف سے جنت گل کو مانگنے میں پہل کی ہے۔ اب یہ اسی کی بیوی بنے گی۔ میں پھر کہے دیتا ہوں کہ ارسلا خان کے معاملے میں پائندہ گل نے بدنیتی کی تھی۔ وہ ہر قیمت پر اپنے بھانجے کو بچانا چاہتا تھا اس لیے اس نے وادی کے نباض اعظم کی مدد نہیں لی۔ وہ آجاتا تو عبدالرحیم خان اور ارسلا خان کی نبضیں تھام کر ایک پل میں بتا دیتا کہ ان دونوں کنواروں میں سے کس نے زرتاشہ کے ساتھ زیادتی کی تھی۔ ارسلا خان کے ساتھ آج جیسا انصاف نہیں ہوا۔ اس کے لیے امان دی جائے۔ میں سردار ہوں اور اس کا وارث بھی۔ یہ میری انصاف پسندانہ آرزو ہے‘ اسے پورا ہونا چاہیے۔"

"یہ بڑی بات ہے کہ تم سردار ہوتے ہوئے بھی اسے امان دینے کا اپنا حق استعمال کرنے کے بجائے ہم سے التجا کر رہے ہو" سفید بالوں والے معتبر ترین شنگاری نے کہا "میں اس جرگے کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ ارسلا خان ہمارا بھائی ہے اس کے لیے پوری وادی کھلی ہے۔ اسے یہاں امان ملے گی‘ اب جرگہ ختم ہوتا ہے۔"

دیوپیکر شنگاری جھٹ جھٹ کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہونے لگے۔ بہت سے لوگوں نے صبغت اللہ کو گھیر لیا اور قندوز خان ہم دونوں کو لے کر باہر چل دیا۔ صبغت اللہ کی دلی مراد پوری ہو جانے کے بعد وہاں ہماری کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی البتہ ضیغم خان وہیں بیٹھا رہ گیا تھا۔

"آج تم نے بازی بالکل الٹ دی" قندوز خان نے مہمان خانے کا راستہ اختیار کرتے ہوئے مسرت آمیز سرگوشیانہ آواز میں کہا "باہر آنے جانے والے شنگاری کئی دن سے کابل کی وہ کہانی سن رہے تھے جو آج جنت گل نے سنائی ہے۔ دوسروں سے کچھ کہے بغیر‘ ہم سب شرمسار تھے۔ ہمیں گمان بھی نہیں تھا کہ جنت گل اتنا بڑا جھوٹ بول رہی ہوگی۔ آج تم نے ہر شنگاری کو فخر سے اپنا سر اونچا کرنے کا موقع دیا ہے۔ بادرانی تو آج خوشی میں شراب سے نہائیں گے۔ جنت گل ان کے قبیلے کو مل گئی ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ پائندہ گل اور اس کے بڑے‘ بادرانیوں کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے۔"

"وہ دونوں جنت گل کو کہاں لے گئے ہیں؟" سلطان شاہ نے اس سے پوچھا۔

"اب وہ بادرانیوں کی عزت ہے۔ وہ گالان کی بستی میں رہے گی۔ اسے لے جانے والے ارسلا کے بھتیجے تھے۔"

"اور ہمارا کیا بنے گا؟" وہ قصہ نمٹنے کے بعد مجھے اپنی فکر لاحق ہوگئی تھی۔

"تم نے بہت پامردی سے جرگے کا سامنا کر کے سچ بولا ہے۔ سردار صبغت اللہ تم سے خوش ہو گیا ہوگا۔ اب تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف یہاں نہیں روکا جائے گا۔ تم جب بھی اس وادی کا رخ کرو گے‘ یہاں کے بچے بچے کو اپنا دوست بلکہ احسان مند پاؤ گے۔ صبح تک جنت گل کی زہرفشانی کے گنے چنے لوگ ہی واقف تھے لیکن جرگے کے بعد سب کو معلوم ہو جائے گا کہ جنت گل نے ان کے لیے کیسی بھیانک رسوائی کا سامان کیا تھا۔ تم حقیقت بیان نہ کرتے تو سب کچھ خاک میں مل جاتا۔"

ویرا اور غزالہ کو توقع نہیں تھی کہ ہم جرگے سے اتنی جلدی واپس لوٹ آئیں گے۔ ویرا نے اپنی فکرمندی رفع کرنے کے لیے شراب نوشی شروع کر دی تھی۔ غزالہ منہ لپیٹے بستر پر دراز تھی۔ گوہرجان وہاں موجود نہیں تھی۔

"کیا فیصلہ ہوا؟ تم لوگ بہت جلد فارغ ہو گئے؟" ہمیں دیکھتے ہی غزالہ نے بستر چھوڑ کر پوچھا۔

"جنت گل کو جھوٹا قرار دے دیا گیا۔ اب وہاں سب خوشیاں منا رہے ہیں" سلطان شاہ نے منہ بنا کر کہا کیونکہ قندوز خان ہمیں چھوڑ کر مہمان خانے کے دروازے سے ہی واپس لوٹ گیا تھا۔

"ہم لوگوں کے آنے کے بعد وہاں کیا ہوا تھا؟" ویرا نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

سلطان شاہ اسے جرگے کی بقیہ کارروائی کے بارے میں بتانے لگا اور میں بستر پر دراز ہو گیا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات تیرہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

حصہ 13

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی
خود نوشت اس نے منشیات
کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی
طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک
دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر،
ملک ملک، اور براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے
لئے خاک اڑانا اس نوجوان کا شغل ہوگیا مگر موت کے سوداگر
بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے
کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا تعمیری سلسلہ۔ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں

سرِ شام ہم دوبارہ دربار ہال میں بلائے گئے تو وہاں چراغاں کا سا سماں بندھا ہوا تھا۔ مشعلوں سے پیدا ہونے والا دھواں، ہوا کی آزادانہ آمد ونکاس کے باوجود فضا میں رچا ہوا تھا اور سردار صبغت اللہ، قندوز خان کے علاوہ مزید دو افراد کے ساتھ ہمارا انتظار کر رہا تھا۔

اس نے مجھے اور سلطان شاہ کو بہت تپاک کے ساتھ اپنے سینے سے لگایا۔ دیرا اور غزالہ سے احترام کے ساتھ ہاتھ ملایا اور ہم فرشی قالین پر پڑے ہوئے دبیز گدوں پر بیٹھ گئے۔ ہمارے بیٹھتے ہی ایک تھالی میں شراب کی بوتلیں پیش کی گئیں۔ قندوز خان نے شاید پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہم میں سے صرف دو افراد مے نوشی کے عادی تھے۔ اس لیے تھالی میں گلاسوں کی تعداد اسی اعتبار سے رکھی گئی تھی۔

تھالی میں بھانت بھانت کی کئی شرابیں موجود تھیں۔ دیرا روسی واڈکا پی پی کر اکتا گئی تھی۔ اسی کی فرمائش پر بلیک لیبل اسکاچ کی بوتل کھولی گئی اور فضا میں الکحل کی خمار انگیز بو پھیلنے لگی۔

سردار صبغت اللہ کچھ دیر تک جرگے کی کارروائی پر اپنی خوشی کا اظہار کرتا رہا۔ وہ بار بار میرے حوصلے کی تعریف بھی کرتا جا رہا تھا لیکن قندوز خان کی موجودگی کی وجہ سے اس نے اشارے کنائے میں بھی ایسی کوئی بات نہیں کہی جس سے میری اور اس کی سازباز کا سراغ ملتا ہو۔

''اب ضیغم خان اور گوہر جان کا کیا بنے گا؟'' موقع پا کر غزالہ نے سوال کیا۔

''اِس وادی میں ثبوت اور گواہی کے بغیر کوئی دعویٰ قبول نہیں کیا جاتا۔'' صبغت اللہ نے کہا ''اس لیے ان دونوں کا یہاں لایا جانا بہت ضروری تھا۔ ابھی تک ہم یہ سنتے آئے تھے کہ پائندہ گل کے ساتھ ضیغم خان ملا ہوا تھا۔ آج یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ جو کچھ ہوا اس کی ذمے داری پائندہ گل پر تھی۔ اب ان دونوں کا کام ختم ہوگیا۔ انہیں کسی بھی وقت یہاں سے جانے کی آزادی ہے مگر شاید وہ رکے رہیں۔ گوہر جان، ارسلا خان کی واپسی کا انتظار کرے گی کیونکہ وہ اپنی بیٹی کی شادی تک یہیں رہنا چاہتی ہے۔''

''قدرتی بات ہے۔'' دیرا نے لقمہ دیا ''جنت گل کی پسند اور ناپسند اپنی جگہ پر ہے مگر گوہر جان اپنی بیٹی کی شادی چھوڑ کر واپس نہیں لوٹ سکتی۔ وہ نہ جانے کب سے اس دن کے خواب دیکھتی رہی ہوگی۔''

''میں نے سنا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی خدمت کرنے کے لیے ہمیشہ یہیں رہنے کا ارادہ ظاہر کر چکی ہے۔'' قندوز خان

نے درمیان میں دخل دیتے ہوئے کہا ''اس بات پر ضیغم خان بہت پریشان ہے۔''

''اچھا!'' صبغت اللہ چونک کر بولا ''وہ مظلوم عورت ہے۔ اگر اس نے ایسی خواہش ظاہر کی تو اسے یہاں ٹھکانا مل جائے گا۔ میں ضیغم خان کی ذرا بھی پروا نہیں کروں گا۔'' پھر وہ ہنس کر مجھ سے مخاطب ہوگیا ''آج رات اس جوڑے کو بھی مہمان خانے میں پہنچا دیا جائے گا۔ تم دیکھو کہ ضیغم خان کتنا خود غرض آدمی ہے۔''

''مجھے اس کی صورت سے نفرت ہے۔ وہ مجھے اس وادی سے باہر ملا ہوتا تو میں نے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہوتا۔'' میں نے حقارت سے کہا ''اسے افسوس ہے کہ اب جنت گل اس کے قبضے سے نکل جائے گی اور وہ اس کی شادی کے بدلے میں لاکھوں کی رقم وصول کرنے سے محروم ہو جائے گا۔''

صبغت اللہ تحقیر آمیز انداز میں ہنس دیا ''وہ لنگڑا رقم کا اتنا حریص ہے؟ طبیعت چاہتی ہے کہ اس لالچی شخص کی دوسری ٹانگ بھی توڑ دی جائے۔ ایسے آدمی زمین کا بوجھ ہوتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ گوہر جان اس کے ساتھ اب تک کیسے رہ رہی ہے؟ وہ آسانی سے اسے چھوڑ کر دوبارہ اپنا گھر بنا سکتی تھی۔''

اس مرحلے پر قندوز خان نے آنکھ سے اشارہ کیا اور وہاں موجود دونوں شنگاری عجلت میں اپنے گلاس خالی کر کے، وہاں سے چل دیئے۔ ان کا رخ واپسی کے راستے کی طرف تھا۔

''جنگ ختم ہوئے کئی دن گزر گئے، آج جنت گل کا فیصلہ بھی ہوگیا۔ اب ہمارے بارے میں تمہارا کیا حکم ہے؟'' میں نے صبغت اللہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''چند روز اور ٹھہر جاؤ۔ ارسلا خان کسی دن بھی یہاں پہنچ جائے گا۔ اس کی شادی کا جشن قابل دید ہوگا۔ تم مدتوں تک اس روایتی تقریب کو نہیں بھلا سکو گے۔'' اس نے نہایت اطمینان سے کہا۔

اس کی خواہش پر میرا خون خشک ہوگیا۔ وہ سب ہی خوں خوار اور متلون طبیعتوں کے مالک تھے۔ ان کے درمیان رہ کر میں نے دیکھ لیا تھا کہ ان کی برہمی کے لیے کسی معقول جواز کی موجودگی ضروری نہیں تھی۔ وہ کسی وقت بلاوجہ بھی بھڑک سکتے تھے۔ خود صبغت اللہ ہمیں پچھلے دن زندان میں ڈلوا چکا تھا۔ بہت مشکل سے وہ مبارک ساعتیں آئی تھیں کہ ہم اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے تھے۔

ہماری عافیت اسی میں تھی کہ کوئی نئی بدمزگی پیدا ہونے سے پہلے ہی عزت کے ساتھ گالان سے کوچ کر جائیں بصورت دیگر وہ کسی بھی وقت ہم سے نظریں بدل سکتا تھا۔

''یہ تمہاری مہربانی ہے کہ تم اس طرح سوچ رہے ہو۔'' میں نے منکسر المزاجی سے کام لیتے ہوئے کہا ''لیکن ہمیں کراچی سے نکلے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے۔ ہمیں جلد از جلد واپس لوٹنا ہوگا۔''

''کیا تم بدرو کا بھی انتظار نہیں کرو گے؟'' صبغت اللہ نے وہ ذکر چھیڑ کر مجھے چونکا دیا ''پشاور سے اس کا پیغام آیا تھا۔ وہ ہر بات سے بے خبر ہے اور پائندہ گل سے ملنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ہم نے اس کے جواب میں خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ اب سوچتا ہوں کہ اسے بلالوں۔ قندوز خان کہہ رہا تھا کہ وہ تمہاری سفارش لایا ہوگا۔''

''سفارش کی ضرورت اس وقت تھی جب ہم پائندہ گل کے قیدی تھے۔ تم سے تعاون کے بعد ہمیں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہی۔ میں بدرو داد سے کراچی میں ملاقات کرلوں گا۔''

''مجھے اسے بلانا پڑے گا۔'' اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا ''مجھے وادی کے کاروباری انتظامات کی دیکھ بھال کرنی ہوگی۔ پائندہ گل اپنی بے ایمانی کی وجہ سے کئی جگہ مار کھا رہا تھا۔''

اس وادی میں رہنے والے لوگ بیرونی وسائل پر زیادہ انحصار نہیں کرتے تھے۔ ان کے رہنے سہنے کا ڈھب سامنے آیا تھا اس میں امداد باہمی کا رنگ نمایاں تھا۔ ان حالات میں یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ صبغت اللہ ہیروئن کے کاروبار کا ذکر کر رہا تھا جس پر وادی کی بیرونی آمدنی کا دارومدار تھا۔

''مجھے شبہ ہے کہ بدرو یہاں سے لے جانے والے مال میں چوری کر رہا تھا اور اس کمی کو ملاوٹ کر کے پورا کر دیتا تھا۔'' وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا ''ملاوٹ کی شکایت کی وجہ سے ہم دو گاہکوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ مجھے اس کو بتانا ہوگا کہ اس کی حرکتیں میری نظروں سے اوجھل نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کمپنی بھی برباد ہو چکی ہے جس میں تم کام کرتے تھے۔ نئے خریداروں کی تلاش میں تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟''

''اس وقت میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔'' میں نے اپنی جان بچانے کے لیے کہا ''کراچی لوٹنے کے بعد کوئی راستہ نظر آیا تو میں تم کو پیغام بھجوا دوں گا۔ کراچی میں تمہارا کوئی نہ کوئی آدمی تو رہتا ہی ہوگا؟''

''کراچی میں بھی بہت کام نکل آیا ہے۔ سہراب گوٹھ کے جس کوچی کیمپ پر چھوٹے خان کا قبضہ تھا، اب وہاں ہمارا کوئی آدمی نہیں ہے۔ اس اڈے کے نکل جانے سے ہمیں بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ ہوسکتا ہے کہ میں قندوز خان کو وہاں مامور کردوں۔ اس کے ذریعے تم ہر وقت مجھ سے رابطہ کرسکو گے۔''

''ہوسکتا ہے کہ کراچی پہنچنے کے بعد ہم تمہارے لیے کوئی بڑا خریدار تلاش کرسکیں۔'' ویرا نے پرخیال لہجے میں کہا ''ہمارے پاس تمہارے مال کے نمونے اور دام ہوں تو بات آگے بڑھ سکتی ہے۔''

''مجھے معلوم تھا کہ بات اس حد تک ضرور جائے گی۔'' وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا پھر اس نے اپنے قریب رکھی ہوئی ایک تھالی پر سے کپڑا الٹ دیا۔ اس میں تین جگمگاتی ہوئی پیالیوں میں ہیروئن کے نمونے موجود تھے۔ ان میں سے ایک بالکل سفید اور بقیہ دو بھورے تھے۔ ان دونوں کے رنگ میں بھی ہلکا سا فرق تھا جسے صرف تجربے کار نگاہیں پہچان سکتی تھیں۔ ویرا نے گہری دلچسپی کے ساتھ وہ تھالی اٹھالی۔

''نمونے مل جائیں گے، فی الحال ہم براؤن شوگر بنا رہے ہیں۔ سفید مال بنانے میں کچھ دشواری ہے جس پر جلد ہی قابو پالیا جائے گا۔ جو مال چاہو، وہ ملے گا۔ دام منڈی کے مطابق ہوں گے۔'' وہ خالص کاروباری باتوں پر اتر آیا۔

مجھے یاد تھا کہ ویرا نے جب جمی لائیڈ سے فون پر بات کی تھی تو اس نے ویرا کو پاکستان سے عمدہ قسم کی ہیروئن کی خریداری کی ہدایت کی تھی۔ نامعلوم وجوہ کی بنا پر شی کی ترجیحات میں تبدیلی رونما ہوچکی تھی۔ وہ لوگ پاکستان اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں تیار ہونے والی ہیروئن کو پاکستان میں پھیلانے کے منصوبوں سے دستبردار ہوکر، اس موت کا رخ یورپ کی بستیوں اور شہروں کی طرف موڑنے پر تل گئے تھے اور شاید ویرا اسی نقطہ نظر سے صبغت اللہ کی دلچسپی کی باتیں کررہی تھی۔

ہم لوگوں نے اس وقت تک شنگاریوں کو ویرا کی اصلیت کی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔ ان کے لیے وہ فرزانہ بنی ہوئی تھی۔ سردار صبغت اللہ بھی اسے دوغلی نسل کی ایک عام سی لڑکی سمجھ رہا تھا۔ ایسی لڑکی جس نے پاکستان کی مٹی سے اپنا رشتہ ہونے کے باوجود مغرب کی آزاد فضاؤں میں پرورش پائی ہو۔ اسے بھنک بھی مل جاتی کہ وہ شی کے سربراہ، جمی لائیڈ کی منظور نظر ہے تو صبغت اللہ کی گفتگو کا رنگ ہی بدل جاتا۔

ان باتوں میں بہت زیادہ پیچیدگی نہیں تھی۔ سردار صبغت اللہ ہیروئن کی فروخت کے نئے انتظامات کا خواہاں تھا۔ اسے مرحوم پائندہ گل کے کاروباری ساتھیوں پر اعتماد نہیں تھا۔ دوسری طرف ویرا نے اپنی جانب سے کسی غیر معمولی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا اس لیے وہ گفتگو جلد ہی نمٹ گئی۔ یہ طے پاگیا کہ ہماری واپسی پر، شنگارا ولی میں تیار کی جانے والی ہیروئن کے نمونے ہمارے ساتھ ہوں گے اور اگر ویرا اس کی فروخت کے لیے مستقل بنیادوں پر کوئی سودا طے کرانے میں کامیاب ہوگئی تو اسے اس کی خدمات کا معقول معاوضہ دیا جائے گا۔

''تم میرے ساتھ آؤ۔'' سردار صبغت اللہ اپنا بھرا ہوا گلاس لے کر اچانک ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے اشارہ کرنے کے بعد اس نے دوسروں سے مخاطب ہوکر کہا ''تم کھاتے پیتے رہو۔ ہم ابھی آتے ہیں۔''

میرے لیے اس کی وہ حرکت غیر متوقع تھی۔ میں الجھن میں پڑگیا لیکن اس کی خواہش کی تعمیل ہر حالت میں ضروری تھی۔ میں بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے پیچھے چل دیا۔ اس کا رخ اپنے کمرے کی جانب تھا۔

خلاف معمول اس وقت صبغت اللہ کے کمرے کے باہر کوئی محافظ یا خدمت گار موجود نہیں تھا۔ اس نے خود ہی دروازہ کھولا اور میرے داخل ہونے کے بعد بند کردیا۔ کمرے میں اپنی جگہ پر پہنچ کر اس نے ایک گھونٹ لینے کے بعد اپنا گلاس تپائی پر رکھا اور پھر مجھ سے لپٹ گیا۔

''تم میرے بھائی ہو۔'' اس نے وارفتگی کے عالم میں کہا ''میرا خیال تھا کہ فلک شیر خان تمہیں اپنی باتوں میں بری طرح پھانس لیا تھا۔ سچ سچ بتاؤ کہ کیا پائندہ گل واقعی تمہاری اور جنت گل کی شادی کروانی چاہتا تھا؟'' وہ مجھ سے الگ ہوگیا مگر میرے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر تحسین آمیز نگاہوں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر اس وقت مسرت پھوٹی پڑرہی تھی۔

''اصل بات تم کو بھی معلوم ہے۔ میں جرگے کے سامنے وہ باتیں نہیں دہرا سکتا تھا۔ اس وقت ایسی کہانی کی ضرورت تھی جو میرے اور پائندہ گل کے درمیان تخلیے میں گفتگو کا جواز فراہم کرسکے۔'' میں نے سادگی سے کہا ''میں نے سوچا اور پھر وہی ایک کہانی جاندار نظر آئی۔ خدا کا شکر ہے کہ کوئی مجھے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔''

''تم نے بہت پامردی سے ہر بات کا سامنا کیا۔'' وہ نہایت فراخ دلی سے میری تعریف کیے جارہا تھا ''میرے منصوبے کی ناکامی یا کامیابی کا دارومدار تمہاری ثابت قدمی پر تھا۔ تم نے مجھے ہی نہیں، پورے بادرانی قبیلے کو سرخ رد کیا

ہے۔ تم بول رہے تھے تو میں خود حیران تھا کہ وہ باتیں میرے علم میں کیوں نہیں ہیں۔ تمہارے ہر لفظ سے سچائی کی مہک پھوٹ رہی تھی۔ قسم بخدا، میں نے اپنی پوری زندگی میں تم جیسا عظیم الشان جھوٹا نہیں دیکھا۔ کاش! میں پوری بستی کے سامنے تمہاری اس خوبی کا اعتراف کرنے کے قابل ہوتا۔''

''یہ تمہاری ذرہ نوازی ہے۔'' میں نے اس کی صاف گوئی پر اپنی حیرت کا اظہار کیے بغیر کہا ''میں موت اور زندگی کی کشمکش سے دوچار تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ جنت گل کو باعفت قرار دے کر، ارسلا خان کی تحویل میں دینے کا فیصلہ نہ ہوسکا تو تمہارا خون کھول اٹھے گا۔ تمہارے منصوبے کی کامیابی کے ساتھ ہی مجھے اپنی جان بھی عزیز تھی۔ اِسی مجبوری نے مجھے کھلے جھوٹ کی راہ دکھائی ورنہ جھوٹ بولنے سے مجھے شدید نفرت ہے۔''

وہ میرے شانے پر ہاتھ مار کر زور زور سے ہنسنے لگا ''تم ہوشیار ہی نہیں، دُور اندیش بھی ہو۔ فکر نہ کرو، اب میں تمہارا پکا دوست ہوں۔ بادرانی جسے دوست بنا لیتے ہیں، وہ قبر تک ان کا دوست ہی رہتا ہے۔ جرگے میں بولے گئے جھوٹ کی وجہ سے میں تمہاری دوسری باتوں کو نہیں جھٹلاؤں گا۔ ہر وقت جھوٹ بولنے والے مکار اور فریبی ہوتے ہیں۔ ضرورت اور مصلحت کی خاطر جھوٹ بولنا دانش مندی میں شمار ہوتا ہے۔''

''میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے یہ وضاحت کردی۔ میرے دل میں یہی خوف تھا کہ اب میں تمہیں اپنی سچائی کا یقین نہیں دلاسکوں گا۔ تم نے مجھے دوست کہا ہے تو مجھے ہمیشہ اپنا خیر خواہ ہی پاؤ گے۔''

''ہم ایک دوسرے کے دوست اور راز دار بن چکے ہیں تو مجھے یہ بھی بتادو کہ تمہارے ساتھ والی سفید لڑکی کون ہے۔ وہ ہیروئن کے بارے میں اتنا کچھ جانتی ہے جو قندوز خان بھی نہیں جانتا۔'' اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

''وہ ہماری زبان اور رہن سہن پر تحقیقات کرنے کے لیے یہاں آئی تھی۔'' میں نے اپنی پرانی کہانی پر قائم رہتے ہوئے، دھڑکتے دل کے ساتھ کہا ''یہ بات میں اور کئی بار دہرا چکا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اپنے ملک میں اس نے ہیروئن کے بارے میں سنا اور دیکھا ہو۔ تم جانتے ہو کہ ہیروئن ولایت میں بہت مقبول ہے۔''

''اس سے مجھے کوئی غرض نہیں۔'' اس نے بے پروائی سے کہا ''یہ بتاؤ کہ وہ تمہاری کون ہے؟''

''کوئی بھی نہیں۔ اسے یہاں کام کرنے کے لیے مقامی دوستوں کی ضرورت تھی۔ ہم نے ملاقات ہونے پر اسے اپنے ساتھ رہنے کی پیشکش کی اور وہ فوراً راضی ہوگئی۔ ہماری وجہ سے اس بے چاری کو یہاں آنا پڑا ہے۔''

''اس کی نظریں عجیب لگتی ہیں۔'' سردار صبغت اللہ نے معنی خیز ہنسی کے ساتھ کہا ''تم بولتے ہو تو وہ فریفتہ ہوجانے والی نظروں سے تمہاری طرف دیکھتی رہتی ہے جیسے تم پر مرمٹی ہو......''

''یہ نہ کہو۔'' میں اس کی بات کاٹ کر اضطراری لہجے میں بول اٹھا ''تمہیں معلوم ہے کہ میں شادی شدہ ہوں اور میری بیوی بھی میرے ساتھ آئی ہوئی ہے۔ اس کی موجودگی میں، میں کسی دوسری عورت سے کیسے دوستی کرسکتا ہوں؟ یہ تمہاری نظر کا فریب بھی ہوسکتا ہے۔''

''مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ تمہاری بیوی کی موجودگی کی وجہ سے ہی وہ میری نظر میں آئی ہے۔ اس جیسی والہانہ نظروں سے تو تمہاری بیوی بھی تم کو نہیں دیکھتی۔ ہوسکتا ہے کہ اس فرنگی لڑکی نے تم سے محبت کا اظہار نہ کیا ہو مگر میں بتائے دیتا ہوں کہ اس کے ارادے خطرناک ہیں۔ ذرا اس سے ہوشیار رہنا۔''

''تمہارے مخلصانہ مشورے کا شکریہ۔ اب میں اس کی طرف سے غافل نہیں رہوں گا۔''

''تم چاہو تو تمہارا پیچھا چھڑانے کے لیے میں اسے یہاں بھی روک سکتا ہوں۔'' سردار صبغت اللہ کی روشن اور چمک دار آنکھوں میں ایک عجیب سا خودغرضانہ تاثر سمٹ آیا ''وہ کچھ بھی نہیں کرسکے گی۔''

اس کے ارادے نیک نہیں تھے۔ وجود زن سے ایک نئے رنگ کا فتنہ جنم لیتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس موقعے پر میری زبان کی ذرا سی لغزش ویرا کی آزادی کا خاتمہ کرسکتی تھی۔ میں نے پورے اطمینان سے کہا ''وہ ہماری ذمے داری نہ ہوتی تو مجھے اس کے یہاں رہنے یا یہاں سے واپس جانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی مگر ہم اس کی سلامتی کے لیے جواب دہ ہیں۔ ہم اس کے بغیر کراچی پہنچے تو ناقابل تصور مصائب سے دوچار ہوجائیں گے۔''

''وہ اتنے دنوں سے کراچی سے غائب ہے۔ واپس لوٹی تو تم پر کیا اثر پڑے گا؟'' وہ سنجیدہ ہوچکا تھا اور اس سنجیدگی میرے لیے خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھی۔ وہ رفتہ رفتہ کھل کر سامنے آرہا تھا۔

''ابھی تک ہم سب اکٹھے ہیں۔ جو کچھ ہورہا ہے، وہ بھی اس کی عینی شاہد ہے۔ ہم سے کوئی بھی باز پرس کی تو فرزانہ خود ہماری ڈھال بن جائے گی۔ ہم اسے چھوڑ کر دا

گئے تو ہمارے کسی بھی بیان پر یقین نہیں کیا جائے گا اور ہماری مٹی پلید ہو کر رہ جائے گی۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ اب میں اس سے ہوشیار رہوں گا۔ وہ مجھ پر ڈورے ڈالنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ کراچی پہنچتے ہی میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"خیر، بعد میں دیکھا جائے گا۔" غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے وہ فقرہ نکل گیا مگر وہ فوراً ہی سنبھل کر بولا "میرا مطلب ہے کہ میں تمہیں کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اگر بعد میں تم نے چاہا تو مجھے تمہاری مدد کر کے خوشی ہوگی۔ وہ یہاں رہ بھی جائے تو اسے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ شہروں کے مقابلے میں یہاں کی زندگی کس قدر سہل و سادہ ہے۔ قندوز خان بتا رہا تھا کہ فرزانہ کو یہاں کا قدرتی حسن بہت پسند آیا ہے اور وہ دوبارہ یہاں آنے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

"بالکل۔" میں نے فوراً ہی اس کی تائید کی "میرا خیال ہے کہ وہ کراچی پہنچتے ہی تیاری شروع کر دے گی اور شاید چند ہفتوں میں دوبارہ یہاں آ موجود ہوگی۔ اس وقت تم اسے یہیں کسی بادرانی سے شادی کرنے کا مشورہ دے سکتے ہو۔ وہ یہاں والوں کی مردانہ وجاہت اور حوصلہ مندی سے بہت متاثر ہے۔" اس نے اپنا گلاس اٹھا کر ایک لمبا گھونٹ لیا اور بولا "لیکن بھرے جرگے میں جنت گل کے ہاتھوں مار کھانے والے نے ہم سب کو شرمندہ کر دیا تھا۔ وہ لڑکی اس قدر تیز اور پھرتیلی نکلی کہ اس نے ہمارے کڑیل جوان کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ فرزانہ اس کے بارے میں کیا کہہ رہی تھی؟" اسے رفتہ رفتہ ہر بات کے بارے میں دیرا کی رائے کی فکر ہونے لگی تھی۔

"اس کے خیال میں وہ برابر کا مقابلہ نہیں تھا۔ جنت گل ایک ایسے فن میں مہارت رکھتی ہے جس سے تمہارا آدمی واقف ہی نہیں تھا۔ فرزانہ خود اس کھیل کی ماہر ہے۔ تیر اندازی اور گھڑ سواری بھی کر لیتی ہے۔"

"پائندہ گل کے شکنجے سے وادی کو آزاد کرانے کے بعد میرا ایک اور مشن بھی ہے۔" اس کی سیاہ آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوب گئیں "ابھی تک شنگارا دیلی میں باہر کی کسی عورت کو نہیں بسایا گیا ہے۔ کئی شنگاریوں نے اپنی پسند سے باہر کی عورتوں سے شادیاں کی ہیں لیکن وہ عورتیں اور ان کی اولادیں باہر ہی رہتی ہیں۔ میں نے جنت گل کو یہاں روک کر ایک بڑے انقلاب کی داغ بیل ڈالی ہے۔ جنت گل، پائندہ گل کی اولاد قرار دی جا چکی ہے اس لیے یہاں کے لوگوں کو یہ خیال نہیں رہا ہے کہ وہ وادی سے باہر کی عورت ہے۔ اس کی ارسلا خان سے شادی ہونے کے بعد جہاں بادران والوں کی عزت میں اضافہ ہوگا، وہیں ایک پرانی ریت بھی ٹوٹ جائے گی۔ جنت گل کے بعد باہر کی عورتوں کو یہاں بسانے کا راستہ کھل جائے گا۔"

وہ بہت دور کی بات سوچ رہا تھا اور درحقیقت اتنا سادہ لوح نہیں تھا جتنا بننے کی کوشش کرتا تھا۔ دیرا کی ذات میں اس کی بڑھتی ہوئی دلچسپی سے یہ بات عیاں ہو رہی تھی کہ اس وقت صبغت اللہ کے ذہن میں باہر کی کسی اور عورت کا خیال نہیں تھا لیکن وہ شنگارا دیلی کی قدامت پرست اور بھاری بھرکم عورتوں کے مقابلے میں باہر کی تیز و طرار اور سبک اندام عورتوں کی طرف جھکاؤ رکھتا تھا۔ ایک بار جنت گل بادرانیوں کی بہو بن جاتی تو صبغت اللہ آسانی کے ساتھ، اپنی پسند کی عورت کو گالان میں بسا سکتا تھا۔

"وہ صرف نام کی فرزانہ ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "اصل فرزانگی تو تم پر ختم ہے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ تم نے جنت گل کے ذریعے ایک تیر سے دو شکار کیے ہیں۔ شنگاریوں کے گھروں میں باہر کی عورتیں آئیں گی تو اس میل جول کے نتیجے میں ایک نئی نسل جنم لے گی جو شنگاریوں جیسی طاقت اور شہریوں جیسی ذہانت کی مالک ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے برسوں میں شنگاریوں کی سلطنت ان پہاڑوں سے نکل کر دور تک پھیل جائے۔"

"میں نے اپنے لڑکپن ہی سے بہت زیادہ وقت کی دنیا میں گزارا ہے۔" وہ بدستور اپنی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا "باہر کی ہر عورت اس قابل نہیں ہوتی کہ اسے منہ لگایا جائے۔ ہزاروں میں ایک آدھ ہی پرکشش ہوتی ہے اور مجھے تمہارے سامنے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ فرزانہ ایک بے مثال لڑکی ہے۔ خوب صورت، ذہین اور نازک اندام ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مردوں کو لبھانے کا فن بھی جانتی ہے۔ سنا ہے کہ صندل خان بھی اس پر مرتا تھا؟"

اس کا آخری، استفسار طلب فقرہ سن کر میں مصنوعی انداز میں ہنس پڑا "فرزانہ باہر کی نہیں، بہت باہر کی لڑکی ہے۔ وہ فرنگیوں کے مادر پدر آزاد ماحول میں پلی بڑھی ہے۔ اس لیے ہر مرد سے آزادی اور بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرتی ہے اور لوگوں کو غلط فہمیاں ہونے لگتی ہیں۔ شروع میں مجھے بھی خیال ہوا تھا کہ وہ مجھ پر عاشق ہو گئی ہے۔ میں نے تنہائی میں ایک بار اس سے قریب ہونا چاہا تو اس نے ذرا سی دیر میں میرے اوسان خطا کر دیئے۔ ہوا میں گھوم گھوم کر ایسے کرارے ہاتھ جمائے کہ مجھے خوف آنے لگا۔ وہ اپنے دوست کے علاوہ کسی

مرد کو برداشت نہیں کر سکتی۔"

"دوست!" صبغت اللہ نے حیرت سے دہرایا "کیا اس کا کوئی دوست بھی ہے؟"

"ہاں!" میں نے بے پروائی سے کہا "ولایت میں شادی سے پہلے بلکہ بعد میں بھی مردوں اور عورتوں کی دوستی کا رواج ہے۔ بعض جوڑے تو شادی کیے بغیر، کئی کئی بچوں کے ماں باپ بھی بن جاتے ہیں۔ فرزانہ کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ ولایت میں ایسی باتوں کو معیوب نہیں سمجھا جاتا۔"

"استغفر اللہ!" میرا وار کارگر رہا اور وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا "لعنت ہے ایسی عورت پر۔ شکل و صورت اتنی معصوم اور حرکتیں اتنی گندی۔ یہ تو بالکل صورت حرام نکلی۔ اسے تم اپنے ساتھ ہی لے جاؤ تو بہتر رہے گا۔"

"ایک بار اسے یہاں رہنے پر آمادہ کر لیا گیا تو ماضی سے اس کا ہر رشتہ ٹوٹ جائے گا۔" میں نے اسے پسپائی پر آمادہ پا کر اپنا پینترا بدل دیا "وہ یہاں کے رسم و رواج کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائے گی۔"

"نہیں، اس بارے میں اب تمہاری کوئی وکالت کام نہیں آئے گی۔" اس نے سختی سے کہا "داغدار ماضی رکھنے والی کسی عورت کی اس وادی میں گنجائش نہیں ہے۔ تم شاید جنت گل کے معاملے کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر رہے ہو۔ نسلی برتری اور قبائلی ضد کی بنا پر میں نے اس کے ماضی کی پردہ پوشی کر کے اسے قبول کیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ وہ آبرومند نہ ثابت ہوتی تو دنیا کی کوئی طاقت اسے کسی شنگاری کی بیوی نہیں بنا سکتی تھی۔ شنگاری مرد، بیوہ عورتوں سے بخوشی شادی کر لیتے ہیں لیکن اوباش عورتوں پر یہ زمین بہت تنگ ہے۔ اگر فرزانہ نے شادی کے بغیر کسی مرد سے دوستی کی ہوئی ہے تو اس کے بارے میں کچھ سوچنا یا کہنا ہی فضول ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ دوسری بار یہاں آئے تو تمہاری رائے بدل جائے۔" میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات درمیان میں سے ہی اچک لی۔

"اسے منع کر دینا۔ وہ دوبارہ یہاں آئی تو کوئی اسے خوش آمدید نہیں کہے گا۔ جس عورت کے سر پر کسی شنگاری کا ہاتھ نہ ہو، وہ مال غنیمت بن کر رہ جاتی ہے اور جس کا زور چلتا ہے وہ اسے اڑا لے جاتا ہے۔ اس نے دوبارہ ادھر کا رخ کیا تو اس کا سراغ بھی نہیں مل سکے گا کہ اسے کون اور کہاں لے گیا۔ لاوارث عورتوں کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی پر ہمارا کوئی قانون حرکت میں نہیں آتا۔ یہاں کے تمام تعزیری قوانین مقامیوں کے مفادات اور عزت و حمیت کے تحفظ کے لیے بنائے گئے ہیں۔"

"اس لحاظ سے زرتاشہ خوش نصیب تھی کہ اس کی دادرسی ہوئی۔ پہلے ارسلا خان کو جلاوطن ہونا پڑا اور اب اس کی بے گناہی کا فیصلہ صادر ہونے کے بعد سارا بوجھ عبدالرحیم خان کی گردن پر چلا گیا۔"

"ہاں۔ زرتاشہ بھیڑیں چرانے والی ایک بے بساط لڑکی تھی مگر وہ اسی زمین کی بیٹی تھی۔ یہاں کا قانون اس زمین کی اولادوں کے حقوق کی نگہبانی کرتا ہے۔ آپس کے معاملات میں ہر قیمت پر انصاف کیا جاتا ہے۔ ہم باہر سے آنے والوں کو یہ حق نہیں دے سکتے۔ انہیں مقامیوں کی بالادستی قبول کرنی پڑتی ہے۔"

اس نے پرجوش انداز میں اپنے قبائلی نظام کی وکالت کرتے ہوئے وضاحت کی۔ وہ مہذب دنیا سے بالکل الگ تھلگ، ایک جنگ جو قبائلی معاشرے میں رہ رہا تھا اس لیے پوری بے خوفی کے ساتھ اپنے دل کی بات کہہ رہا تھا۔ وہ اس منافقت سے پوری طرح آشنا نہیں تھا جو نام نہاد مہذب معاشروں میں ایک اہم قدر کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ ان معاشروں کے تحریری قوانین میں ہر انسان کے برابر کے حقوق تسلیم کیے جاتے ہیں لیکن ان کے نفاذ کے عمل میں اس قدر سنگ دلی بلکہ بے رحمی برتی جاتی ہے کہ مقامی اور غیر مقامی کی تفریق ایک برہنہ حقیقت بن جاتی ہے۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے بے جان آواز میں کہا "میں اسے سمجھاؤں گا کہ یہاں کے خالص مردانہ ماحول میں اس کو بھرپور تحفظ نہیں مل سکے گا۔ میری کوشش ہوگی کہ وہ دوبارہ ادھر کا رخ نہ کرے۔"

"اس کے حق میں یہی بہتر ہوگا۔" وہ ہلکی سی تلخی کے ساتھ بولا "مگر تم میری باتیں فراموش نہ کرنا۔ میں عقابی نظریں رکھتا ہوں۔ میں نے اس کی والہانہ نظروں میں جو کچھ پڑھا ہے، وہ تم کو بتا دیا ہے۔ تم بھی اس سے ہوشیار رہنا۔ کہیں وہ دیمک کی طرح، اندر ہی اندر تمہاری گھریلو زندگی کو نہ چاٹ جائے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں نے تمہاری بات گرہ سے باندھ لی ہے۔ یہ بتاؤ کہ ہمیں گالان سے کب روانہ کرو گے؟" گفتگو میں موڑ آتے ہی میں نے اپنا پرانا سوال دوبارہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"میری خواہش تھی کہ تم ارسلا خان کی شادی کے جشن میں ضرور شریک ہوتے لیکن تم واپسی میں عجلت دکھا رہے ہو تو پھر کل ہی چلے جاؤ۔ میں تمہیں سرحد پار پہنچانے کا بندوبست کرا دوں گا۔"

"تم بہت عظیم اور فراخ دل ہو۔" میں نے ممنونیت سے

میں کہا ''تم یقین کرو کہ کراچی سے ہماری طویل غیر حاضری کی بنا پر کئی اہم کام بگڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور یہاں رکتا......''

اس نے میری بات کاٹ دی ''اب بار بار رکنے کا ذکر زبان پر نہ لاؤ، چلنے کی بات کرو۔ میں جانتا ہوں کہ ان بے جان اور ویران پہاڑوں میں تم جیسے لوگ دو چار دن تو خوش رہ سکتے ہو۔ اس سے زیادہ وقت گزارنا، ان کے بس سے باہر ہے۔ پرندوں کی طرح ہر انسان بھی اپنے گھر اور ماحول میں ہی خوش رہ سکتا ہے۔''

وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر کمرے سے باہر آ گیا۔ وہاں ویرا نے سب کو اپنی باتوں میں الجھایا ہوا تھا۔

''صبح بستی میں منادی کرا دو کہ میرے یہ مہمان سورج چڑھنے کے بعد یہاں سے کوچ کریں گے۔'' صبغت اللہ نے اپنی جگہ سنبھالنے کے بعد قندوز خان سے کہا ''انہیں شایان شان طریقے سے رخصت کیا جائے گا۔ روانگی کے لیے نیچے گاڑیاں تیار رہنی چاہئیں۔ ہر چیز پہلے دیکھ بھال لی جائے تاکہ راستے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔''

''میں پورا بندوبست کر لوں گا۔'' قندوز خان نے اپنے سر کو خم دے کر کہا۔

اس بار صبغت اللہ نے ویرا کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے ابھارے ہوئے تاثرات کی بنا پر صبغت اللہ کی رغبت ختم ہو چکی تھی اور وہ جان بوجھ کر ویرا کو نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اگلے روز روانگی کی خوش خبری سننے کے بعد وہ تینوں ہی بہت زیادہ مطمئن اور مسرور نظر آنے لگے تھے اس لیے کسی نے بھی ویرا کے بارے میں صبغت اللہ کے رویے کی تبدیلی کو محسوس نہیں کیا۔ خود ویرا بھی بے تکلفی کے ساتھ مے نوشی میں مصروف تھی اور اس کی آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے تیرنے لگے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد، صبغت اللہ کے ایما پر انواع و اقسام کے گرم گرم اور اشتہا انگیز کھانے لائے جانے لگے۔ شنگاریوں کے معمول کے مطابق، کھانوں میں زیادہ زور گوشت پر تھا۔ پرندوں سے لے کر بھیڑوں تک کے بھنے ہوئے گوشت کی کثرت تھی۔ صبغت اللہ نے پورا دستر خوان سجنے کا انتظار کیے بغیر ہی ایک گرم گرم ران اٹھا کر اپنے دانتوں سے کھانی شروع کر دی۔ ہم لوگوں نے بھی اس کی تقلید میں کھانے کا آغاز کر دیا۔

وہ لوگ ہر اعتبار سے نیم مہذب اور شائستہ تھے لیکن کھانے کے بارے میں ان کا ذوق بہت بلند تھا۔ وہ کھانے کے اعلیٰ معیار اور وافر مقدار میں یقین رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کھاتے کھاتے، ہم چاروں نے نڈھال ہو کر ہاتھ روک لیے مگر صبغت اللہ اور قندوز خان کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ انواع و اقسام کے بھنے ہوئے گوشت کے پارچوں سے بھری ہوئی قابیں یکے بعد دیگرے خالی کرتے رہے۔ اپنے مضبوط معدوں میں خوراک کی تہیں جمانے کے لیے وہ وقفے وقفے سے سرخ وائن کے لمبے لمبے گھونٹ بھی لیتے جا رہے تھے۔ جب ان کے سامنے ہڈیوں کے انبار کے سوا کچھ باقی نہیں رہا تو ان دونوں نے آسودہ انداز میں لمبی لمبی ڈکاریں لے کر اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔

ہم میں سے ہر شخص ضرورت سے زیادہ شکم سیر ہو چکا تھا پھر سردار صبغت اللہ کاہلی کے انداز میں اپنی مسند پر نیم دراز ہوا تو میرے لیے آرام کی خواہش پر قابو پانا دشوار ہو گیا۔

''ہم نے اس قدر کھا لیا ہے کہ اب لیٹنے کی سوجھ رہی ہے۔'' میں نے بے بسی سے قندوز خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''اجازت ہو تو ہم اپنے کمرے میں چلے جائیں۔ آج کی یہ دعوت ہم کبھی نہیں بھول سکیں گے۔''

صبغت اللہ فاخرانہ انداز میں ہنس پڑا ''غنیمت ہے کہ تمہیں صرف لیٹنے کی سوجھ رہی ہے۔ کچھ لوگ تو اتنے پر خور ہوتے ہیں کہ کھاتے کھاتے پھٹ مرنے کی آرزو میں جیتے رہتے ہیں۔ جاؤ اور جا کر آرام کرو۔ اب تم چاروں سے صبح ملاقات ہو گی۔'' اس نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر ہم چاروں سے مصافحہ کیا اور ہم وہاں سے رخصت ہو گئے۔

''تم لوگ بہت خوش نصیب ہو۔ سردار صبغت اللہ نے تمہیں بہت عزت سے نوازا ہے۔'' باہر نکلنے کے بعد قندوز خان نے رشک آمیز آواز میں کہا ''کالان میں اتنی عزت گنتی کے لوگوں کو ملی ہے۔''

''آج کا دستر خوان واقعی بہت شان دار تھا۔ میں اس عزت افزائی کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔'' سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''کالان میں کہاں کسی کو ایک وقت میں اتنے کھانے نصیب ہوتے ہوں گے۔''

قرب و جوار میں جلتی ہوئی مشعلوں کی ناہموار روشنی میں قندوز خان نے برا سا منہ بنا کر سلطان شاہ کو گھورا اور چلتے چلتے کہا ''تمہارے اعصاب پر صرف کھانا سوار ہو کر رہ گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کراچی میں فاقوں پر گزارہ کرتے رہے ہو۔ وادی کے سردار کا دستر خوان ہر شام اسی طرح بارونق ہوتا ہے۔ آج تمہاری وجہ سے دوسروں کو مدعو نہیں کیا گیا ورنہ اس وقت وہاں پچیس تیس شنگاری ضرور موجود ہوتے۔''

''اس بے چارے کو معاف کر دو۔'' قندوز خان کی تنقید

نے ویرا کو بولنے کا موقع فراہم کر دیا" کراچی میں اسے دو وقت کی دال بھی مشکل سے ملتی ہے۔ بھوکے کے سامنے ایک وقت میں بیسیوں عمدہ کھانے آجاتیں تو کئی روز کے لیے اس کی عقل چوپٹ ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کس عزت کا ذکر کر رہے تھے؟"

قندوز خان نے ویرا کے اس مذاق سے محظوظ ہوتے ہوئے قہقہہ مار کر کہا "تم اچھی چوٹیں کر لیتی ہو۔ میں اس عزت کی بات کر رہا تھا جو سردار تمہیں دینے والا ہے۔ تم لوگوں کو اندازہ نہیں ہے کہ صبح گالان میں تمہاری روانگی کی منادی کرانے کا کیا مطلب ہے۔ صبح تمہیں انعام واکرام سے نوازا جائے گا اور پھر بستی کے سارے مرد تمہیں پورے اعزاز کے ساتھ یہاں سے رخصت کریں گے۔ ایسا کسی کسی مہمان کے ساتھ کیا جاتا ہے۔"

"مجھے اس بات کا افسوس رہے گا کہ میں گالان میں کئی دن تک رہنے کے باوجود کسی مقامی عورت کی جھلک بھی نہیں دیکھ سکی۔ کل صبح پھر مرد ہی مرد ہوں گے۔ عورتوں کو تم اتنا کیوں چھپاتے ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"حیا ہماری عورتوں کا زیور ہے۔" قندوز خان نے اپنا سینہ پھلا کر کہا "اور ہم سب غیرت مند لوگ ہیں۔ ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ ہماری عورتیں غیر مردوں یا آزاد خیال عورتوں کے سامنے آئیں۔ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ اس بارے میں بار بار سوالات کر کے بھی تم کوئی نئی بات معلوم نہیں کر سکو گی۔"

وہ ہمیں لے کر مہمان خانے میں داخل ہوا تو ضیغم خان اپنی گونگی بیوی کے ساتھ باہر والے وسیع کمرے میں قالین پر دراز تھا۔ ہماری آوازیں سن کر وہ دونوں ہی اٹھ گئے۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم لوگ لوٹ آئے۔" ضیغم خان نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میری زبان خاموشی کی وجہ سے اینٹھنے لگی تھی۔ یہاں بات کرنے کے لیے کوئی بھی نہیں ہے۔ تم آ گئے ہو تو اب باتیں کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال سکوں گا۔ شاید تم کسی دعوت میں گئے ہوئے تھے؟"

"زیادہ باتیں مت کرو۔" میرے بولنے سے پہلے قندوز خان نے اسے جھڑک دیا "ان لوگوں کو صبح یہاں سے روانہ ہو جانا ہے اس لیے ابھی سے اپنی گونگی بیوی کے ساتھ وقت گزارنے کی عادت ڈالو۔ وہ زبان سے نہ سہی، اشاروں سے تو تمہاری باتوں کا جواب دے دیتی ہے۔"

"کیا تم سب یہاں سے واپس جا رہے ہو؟" اس نے مایوسانہ لہجے میں ہم لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ قندوز خان اس کے ردعمل کی پروا کیے بغیر وہاں سے واپس چل دیا تھا۔

"تم تو اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے خود ساری عمر یہیں رہنا چاہتے ہو۔" میں نے طنز سے کہا۔

"میں اس عورت سے عاجز آیا ہوا ہوں۔" وہ گوہر جان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "یہ اپنی بیٹی کی شادی ہونے تک یہاں رکنے پر مصر ہے۔ کون جانے کہ یہ اس کے بعد بھی یہاں سے جانے پر آمادہ ہو سکے گی؟"

"گالان سے ایسے ہی بیزار ہو تو گوہر جان کو یہاں چھوڑ کر کابل کیوں نہیں چلے جاتے؟" سلطان شاہ نے کہا۔

"بیوی کو اکیلا چھوڑ کر میں کیسے جا سکتا ہوں؟" اس نے بے ساختہ کہا "اجنبیوں کی بستی میں اپنی عورت کو غیر مردوں کے رحم و کرم پر چھوڑنا میری حمیت کے خلاف ہوگا۔ میں اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔"

"تم بہت ملعون اور حیلہ جو آدمی ہو۔" سلطان شاہ نفرت سے بولا "تمہاری حمیت اس وقت کہاں جا سوئی تھی جب تم نے اپنے سر پر باپ بننے کا جعلی تاج سجانے کے لیے پائندہ گل سے سازش کی تھی؟"

اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے خوف زدہ آواز میں بولا "آہستہ بولو، کسی نے یہ باتیں سن لیں تو میری جرگے والی کہانی کا بھرم جاتا رہے گا۔ انسان سے زندگی میں کبھی کبھار بھول ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس بھول پر اسے ساری زندگی نشتر زنی کا نشانہ بنایا جاتا رہے۔"

سلطان شاہ کے جلے کٹے تبصرے پر گوہر جان کا چہرہ کھل اٹھا اور آنکھوں میں حیوانی چمک عود کر آئی۔ اس نے اپنے حلق سے بے معنی آوازیں نکال کر بیک وقت دونوں ہاتھ فضا میں لہرانے اور گھمانے شروع کر دیے۔ وہ اپنے مخصوص اشاروں کی مدد سے کچھ کہہ رہی تھی جو ہمارے پلے نہ پڑ سکا لیکن ضیغم خان کے لیے اشاروں کی وہ زبان اجنبی نہیں تھی۔ اپنی بیوی کا مقصد سمجھ کر اس نے اسے بری طرح جھڑک دیا "خاموش بیٹھی رہ! میں ایسی کڑوی کسیلی باتوں سے مرنے والا ہوتا تو تو آج سے برسوں پہلے بیوہ ہو چکی ہوتی۔ فکر نہ کر، میں تجھے قبر میں اتارنے کے بعد بھی برسوں زندہ رہوں گا اور تیرے ارمان کبھی پورے نہیں ہو سکیں گے۔"

وہ شاید روئے زمین کا عجیب ترین جوڑا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے، ایک دوسرے کو کوستے پیٹتے رہتے تھے، دوسروں کے سامنے بے عزت کرتے تھے اور بد دعائیں دیتے تھے لیکن ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے۔ خوں خوار جونکوں کی طرح آپس میں لپٹے ہوئے تھے۔ میں اس جذبے کا سراغ لگانے سے قاصر تھا جس

نے ان دونوں کو یکجا رہنے پر مجبور کیا ہوا تھا۔ ان میں دور دور تک کوئی قدر مشترک نظر نہیں آ رہی تھی۔

گوہر جان چند ثانیوں تک قہر بھری نظروں سے اپنے شوہر کو گھورتی رہی پھر کسی چیل کی طرح اس پر جھپٹ پڑی اور اس کے جسم پر تھپڑوں کی برسات شروع کر دی۔ وہ تماشا خاصا دلچسپ اور عبرت انگیز تھا لیکن ہم وہاں رکنے اور اس جھگڑے میں ملوث ہونے کے بجائے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ لنگڑے ضیغم خان نے اپنی بیوی کے حملوں سے بچاؤ میں ناکام رہنے کے بعد جوابی وار کرنے شروع کر دیئے تھے۔ فضا ان کی لڑاکا بلوں جیسی غصیلی غراہٹوں اور تیز آواز سے گونج رہی تھی۔

کمرے میں رازدارانہ گفتگو کا موقع میسر آتے ہی ویرا نے ایک متوقع سوال کر ڈالا ''سردار صبغت اللہ نے تمہیں اپنے کمرے میں لے جا کر کیا راز و نیاز کیے تھے؟ واپسی پر وہ کچھ اکھڑا اکھڑا نظر آ رہا تھا۔''

''وہ ہمیں روکنے پر مصر تھا اور میں فوری واپسی پر ضد کر رہا تھا۔'' میں نے اسے ٹالنے کی نیت سے کہا ''ہماری اس تکرار کا نتیجہ تم سن ہی چکی ہو۔ اس نے خود ہماری کل روانگی کی خبر سنائی تھی۔''

''لیکن تم دونوں بہت دیر بعد باہر آئے تھے۔'' غزالہ نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا ''کتنی بھی حجت اور تکرار ہوتی، اتنی سی بات میں اتنا وقت نہیں لگ سکتا تھا اور کیا باتیں ہوتی رہی تھیں؟''

غزالہ کے سوال سے ویرا کو شہ مل گئی اور اس نے قدرے خفگی سے کہا ''اب ڈینی کا رویہ بدل رہا ہے۔ اس نے بہت سی باتیں چھپانی شروع کر دی ہیں حالانکہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا۔ ہم مل جل کر مشورے کرتے تھے۔''

''روانگی کے علاوہ جو باتیں ہوئیں وہ اتنی خوشگوار نہیں تھیں کہ انہیں دہرایا جا سکے۔'' میں نے ویرا سے کہا ''تم بلاوجہ میری نیت پر شبہ کر رہی ہو۔ میں ضروری باتیں ہمیشہ بتا دیتا ہوں۔''

''میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی ''پہلے ہر بات بلاکم و کاست زیر بحث آتی تھی۔ اب تم ضروری اور غیر ضروری کی آڑ لے کر قطع برید کرنے لگے ہو۔ سچ سچ بتاؤ کہ وہ کیا کہہ رہا تھا؟''

میں لمحہ بھر خاموش رہ کر اس صورت حال پر زیر لب مسکراتا رہا پھر آہستگی سے بولا ''تم اصرار کر رہی ہو تو سنو کہ ان سنگلاخ ویرانوں میں خشک اور سپاٹ زندگی گزارنے والے قبائلیوں کو تم نے اعصاب شکن امتحان میں ڈالا ہوا ہے۔ صبغت اللہ تم کو گالان ہی میں روکنے کے عزائم لیے بیٹھا تھا۔''

''مبارک ہو!'' اس بار سلطان شاہ کو ویرا کو چڑانے کا سنہرا موقع مل گیا ''نیم وحشیوں میں پہنچتے ہی عاشقوں کی برسات ہونے لگی ہے۔ صندل خان اپنی حسرتیں دل میں لے کر چل بسا اور اب نیا امیدوار سامنے ہے۔''

''تم مجھ سے اپنی بھڑاس نکالنے کے لیے جھوٹ بول رہے ہو۔'' ویرا نے سلطان شاہ کے تبصرے کو نظر انداز کر کے بے اعتباری سے کہا ''صبغت اللہ اس قماش کا آدمی نظر نہیں آتا۔''

''پائندہ گل بھی نورانی صورت آدمی تھا مگر گوہر جان پر پھسل پڑا۔ تمہارے ٹائپ کی عورتوں میں خرابی یہی ہوتی ہے کہ انہیں دیکھ کر اچھے خاصے شریف مردوں پر بدمعاشی سوار ہو جاتی ہے۔'' سلطان شاہ پھر بول پڑا۔

''تم چپ رہو ورنہ میں چانٹا مار دوں گی۔'' ویرا کو یک بیک غصہ آ گیا ''ہم اس وقت اہم بات کر رہے ہیں۔ تم موقع محل دیکھے بغیر ہر وقت ایک ہی راگنی الاپتے رہتے ہو جو کبھی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔''

سلطان شاہ نے پھر منہ کھولنے کا ارادہ کیا تھا لیکن غزالہ نے صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر اشارہ کر کے اسے خاموش کر دیا اور مجھے بولنے کا موقع مل گیا ''مرد اور عورت کے درمیان قدرت نے ایک ازلی کشش رکھی ہے۔ اس میں قماش اور حلیے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ بعض گھنے مرد کسی کو اپنے دل کا بھید نہیں پانے دیتے۔ تم کو اندازہ نہیں ہے کہ وہ تمہارے لیے کس قدر دور کی باتیں سوچ رہا تھا۔ اگر مجھے بروقت تمہارے ایک فرضی بوائے فرینڈ کا ذکر نہ سوجھ گیا ہوتا تو تمہیں یہاں سے نکال لے جانا ناممکن ہو کر رہ جاتا۔ غنیمت ہے کہ ہمیں کل یہاں سے نکل جانے کی اجازت مل گئی ہے ورنہ تمہاری وجہ سے اور بھی مسائل کھڑے ہو سکتے تھے۔''

''پھر تو یہ معجزہ ہی نظر آ رہا ہے کہ میں کسی بڑی الجھن سے دوچار ہوئے بغیر یہاں سے جا رہی ہوں۔'' ویرا نے فکرمندی کے ساتھ اعتراف کیا ''اگر صبغت اللہ نے ایسا گل کھلایا ہے تو میں یہاں کے کسی مرد پر اعتبار نہیں کر سکتی۔''

''وہ شادی کرنے کا ارادہ رکھتا تھا یا اپنے پیش رو کی روایت کی تجدید کرنی چاہتا تھا؟'' سلطان شاہ نے سوال کیا تو ویرا نے بھڑک کر اس کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی کی علامات پا کر ناک منہ چڑھا کر دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

میں نے سلطان شاہ کے اس سنجیدہ سوال کا مقصد سمجھے

بغیر کہا ''وہ جنت گل اور ارسلا خان کی شادی کے ذریعے باہر کی عورتوں کو شنگارا ویلی میں آباد کرنے کی بات کررہا تھا۔ اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ شادی کی راہ اختیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''یہ لوگ جیسے بھی ہیں، ان کی مسلمانی ہر شبہ سے بالاتر ہے۔'' وہ پرتشویش آواز میں بولا ''وہ فرزانہ خانم کو مسلمان کیے بغیر ہرگز شادی نہ کرتا۔ تم نے بوائے فرینڈ کا قصہ گھڑ کر ثواب کمانے کا ایک موقع ضائع کردیا۔''

اس وقت ویرا کے قریب ہی تپائی پر خالی گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اس نے بھنا کر ایک خالی گلاس سلطان شاہ پر کھینچ مارا۔ اس نے ڈھٹائی کے ساتھ اس گلاس کو فضا ہی میں لپک کر پھرتی سے قریبی بستر پر اچھالا اور ویرا کے حرکت میں آنے سے پہلے ہولے ہولے سیٹی بجاتا ہوا باہر نکل گیا۔

''اس نے ناک میں دم کیا ہوا ہے۔'' اس کے چلے جانے کے بعد ویرا اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے بولی ''ان پہاڑوں کی آب و تاب نے اس کے دل و دماغ پر عجیب ہی اثر ڈالا ہے۔ یہ کچھ دن اور یہاں رکا رہتا تو ہاتھ سے ہی نکل جاتا۔''

''تم لوگوں کی آپس کی نوک جھونک نے یہاں کی بے کیف زندگی میں دلچسپی پیدا کی ہوئی ہے ورنہ ہم اپنا سارا وقت بے بسی پر کڑھتے ہوئے گزارنے پر مجبور ہوجاتے۔ حالات سدھرنے کے ساتھ سلطان شاہ بھی راہ راست پر آجائے گا۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''اس وقت وہ مایوسی کے عالم میں، اپنی ذات سمیت ہر ایک کا مضحکہ اڑانے پر تلا ہوا ہے۔ تمہیں اس کو معاف کردینا چاہیے۔''

''میں کون سا اسے سولی پر لٹکا رہی ہوں؟'' وہ تنک کر بولی ''ہم سب ایک جیسے حالات سے گزر رہے ہیں۔ اس میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ اسے ہر وقت رعایتیں دی جاتی رہیں؟ دیکھا جائے تو تم تینوں کے مقابلے میں مجھ پر سب سے زیادہ ذہنی دباؤ ہے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ کبھی برا وقت آیا تو تم دونوں مجھے بھول کر صرف غزالہ کو بچا لے جانے کی کوشش کروگے اور مجھے اپنا راستہ خود بنانا ہوگا۔''

''یہ تمہاری زیادتی ہے۔'' غزالہ نے اس کے آخری فقروں پر احتجاج کرتے ہوئے کہا ''مجبوری میں کچھ بھی ہوسکتا ہے لیکن دیدہ و دانستہ تمہیں یکہ و تنہا نہیں چھوڑا جاسکتا۔ تم بھول رہی ہو کہ یہاں آتے ہوئے جب ہمارے قافلے نے بارانی طوفان سے پناہ لینے کے لیے تاریک غار میں سر چھپایا تھا تو سلطان شاہ ایک لمحے کے لیے تاریک غار میں سر چھپایا تھا تو سلطان شاہ ایک لمحے کے لیے بھی تمہاری طرف سے غافل نہیں ہوا تھا۔ ہم اس کی فکرمندی اور خلوص کو مذاق میں نہیں ٹال سکتے۔''

''اس کا مضحکہ اڑانے کے باوجود، میں دل ہی دل میں اس کی احسان مند تھی۔'' ویرا نے اعتراف کیا ''لیکن بعض اوقات وہ اپنی تلخ کلامی سے بلاوجہ تاؤ دلا دیتا ہے۔ تم میرے بجائے اسے سمجھانے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟ وہ ڈیڈی کے مقابلے میں تم کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔''

''میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں تنہائی میں اسے کیا کچھ نہیں کہتی۔'' غزالہ نے بے چارگی سے کہا ''وہ اپنی غلطیاں بھی تسلیم کرلیتا ہے لیکن تم سے آمنا سامنا ہوتے ہی اس کی کوئی نہ کوئی رگ پھڑک اٹھتی ہے اور کوئی نہ کوئی نیا تنازع اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس وقت میں بالکل بے بس ہوکر رہ جاتی ہوں۔''

''میرے لیے یہ انکشاف حیران کن ہے کہ وہ اپنی غلطی مان لیتا ہے۔'' ویرا بڑبڑا کر رہ گئی۔

غزالہ اور ویرا کے درمیان سلطان شاہ کے بارے میں گفتگو چھڑ گئی۔ میں بستر پر دراز ہوگیا۔ صبغت اللہ کے مرغن کھانوں سے فیض یاب ہونے کے بعد مجھے شدت سے آرام کرنے کی حاجت محسوس ہورہی تھی لیکن نیند کا پتا نہیں تھا۔ اس دوران میں سلطان شاہ واپس نہیں آیا تو غزالہ کو اس کی فکر لاحق ہوگئی۔ وہ دونوں جس انداز میں ایک دوسرے کی خبر گیری کرتے رہتے تھے، وہ میرے لیے ہمیشہ دلچسپی کا سبب بنتا تھا۔

غزالہ نے دروازے سے ہی واپس لوٹ کر ویرا کو بتایا کہ سلطان شاہ وسطی ہال میں ضیغم خان اور گوہر جان کے ساتھ چوپال جمائے بیٹھا تھا۔ شاید وہ ویرا کے سوجانے کا منتظر تھا تاکہ بعد میں خاموشی سے واپس لوٹ کر اپنے بستر میں دبک سکے۔ میں کافی دیر تک بستر پر پڑا اپنے خیالات میں ڈوبا رہا لیکن تھکان کے احساس کے باوجود نیند نہ آسکی اور میں دونوں عورتوں کی باتوں میں شامل ہوگیا۔ وہ دونوں بھی اپنے اپنے بستر پر سنبھال چکی تھیں اور اس وادی سے روانگی کی خوشی ان پر غالب آئی ہوئی تھی۔

شنگارا ویلی میں ہماری وہ آخری رات بیداری کے عالم میں گزری، سلطان شاہ اپنی دانست میں بہت تاخیر سے اندر آیا اور ہم تینوں کو باتوں میں مصروف پاکر حیران رہ گیا۔ جب تک ہم شنگارا ویلی میں رہے، وہاں کی معاشرت اور روایات ہمارے اعصاب پر اس بری طرح سوار رہیں کہ ہم سب خود کو اسی ماحول کا ایک جزو سمجھتے رہے لیکن وہاں سے روانگی کا وقت قریب آنے کے ساتھ ساتھ ہمیں یقین نہیں آرہا تھا کہ ہم نے ان خطرناک حالات میں کسی خسارے سے دوچار ہوئے بغیر خاصی طویل مدت گزار لی تھی۔

ایک طرف کراچی اور مشرق و مغرب کے دوسرے ترقی یافتہ شہروں کی رنگین اور فسوں کار یادیں تھیں اور دوسری طرف شنگاراویلی کے دشت وجبل کی سنگلاخ حقیقتیں، جن کا آپس میں کوئی موازنہ کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ ان میں سے کسی ایک کو حقیقت مان لینے کے بعد دوسرا خود بخود خواب قرار پاجاتا تھا لیکن ان دونوں متضاد حدوں میں ہمارے چار کردار مشترک تھے جن کے تجربات اپنی جگہ پر اٹل تھے۔

شب بیداری کے بعد طلوع ہونے والی صبح ہمارے لیے ہیجان انگیز تھی۔ ہم چاروں صبح کے ملگجے اجالے میں ہی نہادھو کر تازہ دم ہوگئے اور جب قندوز خان کا آدمی ہمیں بیدار کرنے کے لیے اونگھتا ہوا آیا تو ہمیں چاق و چوبند پاکر شرمندگی سے اپنا سر جھکا کر واپس لوٹ گیا۔

باہر خوب اجالا پھیل جانے کے بعد قندوز خان آموجود ہوا۔ اس کے پیچھے دو خدمت گار ہمارے کمرے میں چلے آئے۔ ان دونوں نے معمول کے مطابق گرما گرم ناشتے سے بھری ہوئی تھالیاں اٹھائی ہوئی تھیں۔

''معلوم ہوتا ہے کہ اپنے گھر لوٹنے کی خوشی میں تم چاروں ساری رات جاگتے رہے ہو۔'' قندوز خان نے ہماری خمار سے بھری ہوئی آنکھوں کا جائزہ لے کر گرم جوشی سے کہا۔

''جانے کی خوشی کے ساتھ اس بات کا صدمہ بھی ہے کہ ہم، تم جیسے پرخلوص دوستوں سے بچھڑ جائیں گے۔ بعد میں نہ جانے ہم ایک دوسرے سے مل بھی سکیں گے یا یہ ہماری آخری ملاقات ہوگی۔'' میں نے جواب دیا۔

''ہمارے درمیان کوئی کاروباری معاملہ طے ہوگیا تو ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔'' قندوز خان نے ہمارے ساتھ ناشتے میں شریک ہوتے ہوئے کہا ''ہم لوگ کراچی تک آتے جاتے رہتے ہیں۔ جنگ میں پرانے آدمیوں کے کام آجانے کے بعد ہم چند آدمیوں پر باہر کے کام کا دباؤ بڑھ جائے گا۔ جب تک نئے آدمی باہر کے رسم ورواج اور زبان سے واقف نہیں ہوجاتے، گنتی کے چند افراد ہی کو باہر کے پھیرے لگانے ہوں گے۔''

''وہ کاروباری ملاقاتیں ہوں گی۔ دوستی تو بے غرض اور دائمی ہوتی ہے۔''

قندوز خان دھیمے سے ہنس پڑا ''غور کرو تو ہماری دوستی کی بنیاد بھی لین دین پر استوار ہوئی ہے۔ تم نے پائندہ گل کے خلاف ہمارا ساتھ دیا اور ہم نے تمھیں اپنا معزز مہمان بنالیا۔ یہی کاروبار میں ہوتا ہے۔''

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ مادہ پرستی کے اس دور میں دوستی تو درکنار، رشتے بھی مشترکہ مفادات کے سائے میں پروان چڑھتے ہیں۔ جہاں کوئی فائدہ ہونے کی امید نہ ہو، محض وضع داری کی بنا پر سگے رشتے دار بھی ایک دوسرے سے ملنے میں کوئی گرم جوشی نہیں دکھاتے۔ اگر اس وقت قندوز خان کی بات غلط بھی ہوتی تو میں ہرگز اس کی تردید نہ کرتا۔ اپنی روانگی کے آخری مرحلے پر میں اس پرہول وادی کے کسی خارش زدہ کتے کو ناراض کرنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ وہ تو سردار صبغت اللہ کا منہ چڑھا مشیر اور معاون تھا۔

اس نے ہمیں بتایا کہ گالان میں ہمارے بارے میں منادی کرادی گئی تھی۔ تیاریاں جاری تھیں اور بستی کے لوگ اپنے مہمانوں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے میدان میں جمع ہونے شروع ہوگئے تھے۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد قندوز خان اٹھ کھڑا ہوا۔ ہم نے اپنے کمرے پر الوداعی نظریں ڈالیں، پھر تن کے کپڑوں کے ساتھ اس کمرے سے باہر نکل آئے۔ ہمیں پائندہ گل کے وفاداروں نے شب خوابی کے لباس میں، ننگے پیروں کراچی سے اغوا کیا تھا مگر مرحوم صندل خان کے طفیل اس وقت ہمارے جسموں پر صاف ستھرے شنگاری لباس موجود تھے اور پیر بھی جوتیوں سے محروم نہیں تھے۔

باہر ضیغم خان اور گوہر جان کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید وہ دونوں آپس کی بک بک اور جھک جھک سے نمٹ کر کسی کمرے میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ قندوز خان مہمان خانے سے باہر نکلنے کے بعد ایک سیدھی راہداری میں ہولیا جو کافی فاصلے کے بعد دو سمتوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ اس روز میں نے پہلی بار یہ تماشا دیکھا کہ راستے میں نظر آنے والا ہر شنگاری ہمارے سامنے سے احتراماً سر کو خفیف سا خم دے کر گزر رہا تھا اور مجھے دلی خوشی ہورہی تھی کہ اس وقت تک سب کچھ ہمارے حق میں نظر آرہا تھا۔ بظاہر ہماری روانگی میں کسی رخنہ اندازی کا امکان نہیں تھا۔

ایک طویل راستہ طے کرنے کے بعد ہم حویلی کے مغربی دروازے سے باہر نکلے تو دور تک پھیلے ہوئے پتھریلے اور ہموار میدان میں ایک میلے کا سا سماں بندھا ہوا تھا۔ سورج مشرق سے بتدریج بلندیوں کی طرف اٹھتا جارہا تھا۔ اسی کے ساتھ فصیل کے لمبے لمبے سائے غیر محسوس انداز میں سکڑتے جارہے تھے۔ فصیل کے ساتھ ہی چند تخت جوڑ کر اسٹیج بنایا گیا تھا۔ اس پر قالین ڈال کر مسندیں لگائی گئی تھیں۔ ان میں سے وسطی مسند بہت آراستہ اور کشادہ تھی۔ وہ یقینی طور پر صبغت اللہ کے لیے رکھی گئی تھی۔ قندوز خان ہمیں لے کر تخت پر چڑھا تو میدان میں دور تک بے شمار شنگاری بچے، جوان اور بوڑھے رنگا رنگ مقامی ملبوسات پہنے، پھیلے ہوئے تھے اور آہستہ

آہستہ ان کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔
قندوز خان ہمارے ساتھ چھوٹی مسندوں پر بیٹھا ہی تھا کہ کسی نادیدہ نقارے پر ضرب لگائی گئی۔ فضا دہل اٹھی۔ اسی کے ساتھ ساری نگاہیں حویلی سے نکاس کے راستے کی طرف اٹھنے لگیں۔
چند منٹ بعد سردار صبغت اللہ، مسلح شنگاریوں کے جھرمٹ میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا نمودار ہوا اور فضا ہولناک چیخوں سے لرز اٹھی۔ شنگاری اپنے ہونٹوں کو دائرے کی صورت میں سکوڑ کر پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چلا رہے تھے اور اپنے دہانوں میں ایک انگلی ڈال کر زور زور سے ہلا رہے تھے۔ سردار صبغت اللہ مربیانہ انداز میں ہاتھ لہراتا ہوا تخت پر چڑھ آیا۔ اس کے ساتھ چند شنگاری بھی اوپر آ گئے۔ بقیہ اسٹیج کے پیچھے چلے گئے۔
صبغت اللہ نے اوپر آتے ہی مجھے پوری قوت سے اپنے سینے سے لگالیا۔ اس کے ہمراہیوں نے بھی باری باری، میرے اور سلطان شاہ کے ساتھ وہی عمل دہرایا۔ عورتوں کے ساتھ صرف ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا گیا۔ اس رسم کے خاتمے پر صبغت اللہ نے ہم سب کو بیٹھنے کے لیے کہا اور خود مجمع کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کا سامنا ہوتے ہی مجمع پر سناٹا چھا گیا اور دور دور تک پھیلے ہوئے شنگاری، تیزی سے اسٹیج کے قریب سمٹنے لگے۔
صبغت اللہ نے گونجیلی آواز میں اپنا خطاب شروع کیا تو اس کا مفہوم ہماری دسترس سے باہر تھا۔ وہاں کسی بات کی تائید یا تردید کا مسئلہ درپیش نہیں تھا، اس لیے ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ البتہ وہ اپنی تقریر کے دوران میں بار بار ہماری طرف اشارے کرتا جا رہا تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہمارے ہی بارے میں رطب اللسان تھا۔ وہ کئی منٹ تک بے تکان بولتا رہا اور لوگ صبر و سکون سے سنتے رہے۔ اس کے خاموش ہوتے ہی ایک بار پھر کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی چیخوں کا عجیب و غریب سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسی بے پناہ شور میں اسٹیج کے نیچے سے چار سجے ہوئے تھال نکال لے گئے اور پھر صبغت اللہ نے ایک جھلملاتا ہوا لبادہ کھول کر میرے شانوں پر ڈال دیا۔ اس وزنی لبادے پر دل کھول کر طلا کاری کی گئی تھی۔ وہ اعزازی لبادہ پہنانے کے بعد اس نے تھال میں سے ایک تھیلی اٹھا کر میرے حوالے کرتے ہوئے کہا "ان پہاڑوں میں صرف جنس چلتی ہے۔ یہاں کوئی سکہ نہیں ہے۔ اس لیے اس تھیلی میں پانچ ہزار ڈالر کا حقیر نذرانہ ہے جو ہماری محبت کی بس ایک علامت ہے۔" یہ کہہ کر اس نے دوبارہ مجھے گلے سے لگایا۔ چیخوں کا ماند پڑتا ہوا وحشیانہ سلسلہ پھر جون آمیز ہو گیا۔
سردار صبغت اللہ نے سخاوت اور دریا دلی سے کام لیتے ہوئے ہم چاروں کو وہ اعزازی لبادے اور مساوی ڈالروں کی تھیلیاں عطا کیں تو میرے ذہن میں مغلوں کے درباروں کی کہانیاں تازہ ہو گئیں۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ بیسویں صدی کے آخری حصے میں بھی صدیوں پرانی روایات اتنی شان و شوکت سے زندہ ہو سکتی ہیں۔ اس وقت ماحول اس قدر گرم اور جذباتی ہو رہا تھا کہ ہم میں سے کوئی بھی ان لبادوں کو جسم سے الگ نہیں کر سکا۔
دیرا کی خلعت پوشی سے فارغ ہوتے ہی صبغت اللہ تخت سے نیچے اتر گیا۔ سب لوگوں نے اس کی تقلید کی۔ نیچے رک کر وہ جذباتی انداز میں ہماری خدمات اور رفاقت کا ذکر کرنے لگا۔ اسی اثنا میں قد آور اور مضبوط خچروں کی ایک قطار حویلی سے برآمد ہوئی اور صبغت اللہ نے فضا میں ہاتھ بلند کر کے دعائیہ انداز میں کہا "جاؤ، میرے دوستو، تمہاری مٹی تمہیں یاد کر رہی ہے۔ قندوز خان تمہیں سرحد پار پہنچائے گا۔ میری ذات سے تمہیں جو بھی دکھ پہنچے ہوں، ان کے لیے مجھے معاف کر دینا پھر ملا تو میں ان کی تلافی کر دوں گا...... فی امان اللہ!"
قندوز خان اچھل کر ایک خچر کی پشت پر سوار ہو گیا۔ مزید چار مسلح شنگاری بھی زینوں پر سوار نظر آنے لگے۔ بقیہ چار خچر ہمارے لیے تھے۔ ہم بھی کسی نہ کسی طرح ان پر سوار ہو ہی گئے۔ خچر حرکت میں آئے تو شنگاریوں کی چیخوں کا سلسلہ پھر انتہا کو پہنچ گیا۔ اس بار وہ سب اپنے سردار کے ساتھ ہماری طرف ہاتھ بھی ہلا رہے تھے۔
گالان سے اس قدر پرشکوہ روانگی کے بارے میں ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔ بہت سے بچے ہمارے خچروں کے ساتھ ساتھ بھاگ رہے تھے پھر خچروں نے رفتار پکڑنی شروع کر دی۔ آوازیں رفتہ رفتہ پیچھے ہونے لگیں اور سنگلاخ زمین پر خچروں کے سموں کی آواز تیز ہونے لگی۔ ڈھلان کا سلسلہ شروع ہوا تو پیچھے کا ہر منظر نگاہوں سے اوجھل ہوتا چلا گیا لیکن ہمارے اعزاز میں جمع ہونے والے شنگاریوں کی آوازیں پھر بھی سنائی دے رہی تھیں۔
مجھے گالان پہنچنے کے روح فرسا تجربات یاد تھے اس لیے میں دیر تک ان خطرناک، کھڑی ڈھلانوں کا انتظار کرتا رہا جنہیں ہم نے آتے وقت عبور کیا تھا لیکن ان ڈھلانوں کا عشر عشیر بھی کہیں نظر نہیں آیا۔ گھنے جنگل میں خچروں کی سست روی سے ڈھلان اترنے کا احساس ہو رہا تھا لیکن اس میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔
"وہ تمہیں لانے والوں کی بدمعاشی تھی۔" میرے

استفسار پر قندوز خان نے بھی وہی بات بتائی جو صندل خان مجھے بتا چکا تھا ''وہ تمہیں بدترین راستے سے اوپر لے گئے تھے تاکہ تم فرار کے بارے میں سوچ بھی نہ سکو۔ جنگلات کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد سرسبز وادی نظر آنے لگے گی۔''

اس کا کہنا درست ثابت ہوا۔ چھدرے درختوں سے نکلنے کے بعد پیالے جیسی وادی کا منظر ہماری نگاہوں کے سامنے تھا۔ وہ راستہ محفوظ ہی نہیں، مختصر بھی ثابت ہوا تھا۔ ایک لمبی اور ہموار ڈھلان کو عبور کرنے کے بعد ہمارے خچر گالان کی سطح مرتفع سے وادی میں اتر چکے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ اس بار ہم وادی کے کسی اور ہی حصے میں اترے تھے۔

ہموار زمین سے پیر ٹکراتے ہی خچروں کی رفتار میں دوبارہ تیزی آ گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ وادی میں سے نکلنے کے لیے ہمیں اسی مقام تک پہنچنا ہوگا جہاں سے ہم نے پچھلی بار اپنے سفر کا آغاز کیا تھا مگر اس کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

میدانی علاقے میں نسبتاً کافی طویل چکر کاٹنے کے بعد ہمیں پتھروں سے بنے ہوئے وہ مکانات نظر آئے جو وادی میں داخلے کے واحد راستے کے سامنے ایک ناقابلِ تسخیر فصیل کی طرح حائل تھے۔ گالان کی سیدھی ڈھلان سے کھیتوں کی طرف مڑتے ہوئے، قندوز خان نے بتایا کہ صبغت اللہ نے شنگارا دیلی کا اقتدار سنبھالتے ہی عورتوں کو برہنہ چھاتیوں کے ساتھ بیگار کرنے کی سزا کالعدم قرار دے دی تھی کیونکہ اس سے وادی ہی کی عورتوں کی بے حرمتی ہوتی تھی۔ میری دانست میں وہ ایک خوش گوار تبدیلی تھی جسے بہت پہلے نافذ ہو جانا چاہیے تھا۔

افیم کے لہلہاتے ہوئے پودوں کی دیکھ بھال کرنے والے دہقانوں نے حیرت بھری نظروں سے ہمارے قافلے کو دیکھا اور ہم کھیتوں کے بعد ایک بڑے سنگی مکان میں سے گزرتے ہوئے اس میدان میں پہنچ گئے جہاں تین صاف ستھری جیپیں پہلے سے تیار تھیں۔

قندوز خان نے اپنے خچر کو آزاد کرتے ہی وہاں موجود لوگوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی پھر اس کے معائنے کے بعد دو گاڑیوں کے انجن چلا دیئے گئے۔

''کیا جاتے ہوئے کچھ دیر کے لیے یہاں نہیں رکو گے؟'' قندوز خان کو فوری روانگی پر آمادہ پا کر میں نے پوچھا۔

''شاید تم اس طوفانی برسات کو بھول گئے جس نے آتے ہوئے تمہیں رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔'' وہ ہنس کر بولا ''تم چاہو تو ہم رک سکتے ہیں لیکن یہاں سے جلد از جلد نکلنا ہی بہتر ہوگا۔ ابھی تیز اور چمک دار دھوپ نکلی ہوئی ہے لیکن ان پہاڑوں میں موسم کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ گاڑیوں میں خورد و نوش کا سامان موجود ہے۔ بے فکری سے راستے میں کھاتے پیتے سفر کریں گے۔''

میں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ہم لوگ جیپوں میں سوار ہونے لگے۔ اس بار صرف قندوز خان ہی اردو بول اور سمجھ سکتا تھا اور بدقسمتی سے وہ بھی بے نوش تھا۔ بقیہ چار آدمی اردو سے نابلد تھے۔ اس وجہ سے ترتیب وہی رہی جو آتے ہوئے تھی۔ یعنی ایک گاڑی میں غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ تین مقامی تھے اور دوسری جیپ میں میرے اور ویرا کے علاوہ قندوز خان اور ایک شنگاری تھا۔ ہماری جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ قندوز خان نے سنبھال لی تھی۔

ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو زرافے کی گردن کی طرح اوپر اٹھی ہوئی پہاڑی ہمارے سروں پر موجود تھی۔ درے سے کچھ آگے نکلنے کے بعد قندوز خان نے جیپ کا انجن بند کر دیا۔ واپسی کے سفر میں وہ لوگ ڈیزل کی بچت کے لیے وہی طریقہ استعمال کرنے کے عادی تھے۔ ڈھلان اتنی زیادہ تھی کہ راستے کی ناہمواری اور رکاوٹوں کے باوجود، رفتار پر قابو رکھنے کے لیے جابجا بریک استعمال کرنے پڑتے تھے۔ انجن کے شور سے عاری، قدرتی ماحول میں سفر بہت خوشگوار اور فرحت بخش محسوس ہو رہا تھا۔

خطرناک اور پرپیچ راستوں پر ہم نے چند میل ہی طے کیے ہوں گے کہ اچانک فضا میں کسی نقارے کی ماتمی سی آواز کی بازگشت سنائی دینے لگی اور قندوز خان نے اضطراری طور پر بریک لگا کر جیپ ایک طرف روک لی۔

''کیا بات ہے؟ رک کیوں گئے؟'' میں نے کسی انجانے خوف کے زیرِ اثر سوال کیا۔

''رکنا ہی پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ واپس لوٹنا پڑے۔'' وہ کھوئی کھوئی آواز میں بولا ''یہ گالان کے ماتمی نقارے کی گونج ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کوئی المناک سانحہ رونما ہو گیا ہے۔''

اس کی زبان سے وہ بری خبر سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ مجھے پہلا خیال یہی آیا کہ شاید ہمیں رخصت کرنے کے لیے جمع ہونے والے ہتھیار بند شنگاریوں نے سردار صبغت اللہ کو مار دیا ہے یا اس کے خلاف بغاوت کر دی ہے اور بازی دوبارہ پائندہ گل کے حامیوں کے ہاتھ میں آ گئی ہے۔ ہمارے لیے وہ اندیشہ بہت ہولناک تھا۔

اقتدار کی جنگ میں ایک بار خون بہہ نکلے تو وہ بار بار اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ شاید پائندہ گل اور اس کے وفاداروں کا خون بھی گالان کے باسیوں سے اپنا خراج لے رہا تھا۔

☆☆☆

قندوز خان نے فوراً ہی جیپ کنارے سے لگا کر کھڑی کر دی تھی۔ پیچھے آنے والی جیپ کے ڈرائیور نے اس کی تقلید کی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے گالان کے شاہی نقارے کی ماتمی گونج سن لینے کے بعد سفر موقوف کرنے کا تعلق بھی ان کی کسی قدیم روایت سے تھا۔

"تو کیا اب ہم واپس گالان جائیں گے؟" میں نے وحشت زدہ آواز میں اس سے پوچھا۔

"فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" اس نے مغموم انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ بات طے ہے کہ کوئی فیصلہ ہونے سے پہلے ہم یہاں سے آگے نہیں جا سکیں گے۔ رہا گالان واپسی کا راستہ، تو وہ اب بھی کھلا ہوا ہے۔ ہم اسی لمحے واپس لوٹ سکتے ہیں۔"

"تم نے کیا سوچا ہے؟" ویرا نے اضطرار کے عالم میں سوال کیا۔ "اس مختصر سے کارواں میں فیصلہ کرنے کا اختیار صرف تم ہی کو حاصل ہے۔ باقی سب لوگ تمہارے حکم کی تعمیل کریں گے۔"

"میں انتظار کروں گا۔" اس نے گہری نظروں سے ویرا کی طرف دیکھنے کے بعد گمبھیر آواز میں کہا۔ اس وقت قندوز خان کی چمکیلی آنکھوں میں، دل کو متاثر کرنے والی افسردگی پھیلی ہوئی تھی۔

"انتظار...... مگر کس کا انتظار؟" ویرا جلد از جلد سب کچھ جان لینے کے لیے بے تاب تھی۔ اس نے گردن تان کر تیکھی نظروں سے قندوز خان کو باقاعدہ گھورنا شروع کر دیا تھا۔

"گالان کی بلندی سے جب نقارے کی ایسی کربناک چیخ بلند ہوتی ہے تو جو جہاں اور جس حال میں ہے، اسی حال میں ٹھہر جاتا ہے یا پھر واپس گالان کی طرف چل دیتا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ نقارۂ مرگ کی سوگوار آواز سن لینے کے بعد کوئی بھی مسافر اپنا سفر جاری رکھ سکے۔ ایسے مسافروں کی آگاہی کے لیے گالان سے قاصد دوڑائے جاتے ہیں جو راستے میں رکے ہوئے مسافروں کا تجسس دور کر کے انہیں پوری بات سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد مسافروں کی اخلاقی ذمے داری ختم ہو جاتی ہے۔ پوری بات جان لینے کے بعد وہ واپس لوٹیں یا اپنی منزل کی طرف بڑھ جائیں، اس کا انحصار ان کے جذباتی ردّعمل پر ہوتا ہے۔ میں یہاں رک کر گالان کے قاصد کا انتظار کروں گا۔ گالان والوں کو معلوم ہے کہ ہم اتنی جلدی نقارے کی بازگشت سے دور نہیں نکل سکے ہوں گے۔"

اسی لمحے غزالہ بھی پچھلی جیپ سے اتر آئی۔ اسے دیکھ کر ہم سب بھی ناہموار اور سنگلاخ زمین پر اتر گئے۔ دوسری جیپ بھی رفتہ رفتہ خالی ہو رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ وہ آواز کیسی تھی؟ ہم اس ویرانے میں کیوں رک گئے ہیں؟" اس نے آتے ہی سہمی سہمی آواز میں بیک وقت کئی سوال داغ دیے۔ وہ بہت ہراساں نظر آ رہی تھی۔

"تسلی رکھو، کچھ نہیں ہوا۔" میں نے اس سے سختی سے کہا پھر ویرا سے مخاطب ہو گیا۔ "تم غزالہ اور سلطان شاہ کو ایک طرف لے جا کر پوری صورت حال سمجھا دو۔ مجھے قندوز خان سے کچھ سمجھنے دو۔"

"تم لوگوں کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" قندوز خان نے لقمہ دیا۔ "یہ خالص ہمارا اندرونی معاملہ ہے۔ تم پر زیادہ سے زیادہ یہ اثر پڑ سکتا ہے کہ سوگ کی وجہ سے تمہاری روانگی دس پانچ روز کے لیے ملتوی ہو جائے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو گا۔ تھوڑی دیر میں پوری بات سامنے آ جائے گی۔"

وہ اپنی دانست میں ٹھیک ہی کہہ رہا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ ہم چاروں کو شنگاریوں کے سیمابی مزاج اور ان کے مروجہ طور طریقوں سے وحشت ہونے لگی تھی اور ہم مزید ایک لمحے کے لیے بھی اس ماحول میں واپس لوٹنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمیں رخصت کرنے کے بہانے، پائندہ گل کے حامیوں نے جتھے بنا کر جوابی بغاوت کر دی ہو؟" میں نے بچھو کے زہریلے ڈنک کی طرح اپنے ذہن میں چبھنے والے خوف کو الفاظ کی شکل میں ڈھال دیا۔ "اور اب وہاں پھر خون بہنا شروع ہو گیا ہو۔"

"شنگارا ویلی میں ایسی بغاوت کا تصور ہی نہیں ہے" اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "دو افراد یا گروہوں میں اختلاف ہو جائے تو وہ للکار کر ایک دوسرے پر وار کرتے ہیں۔ چوری چھپے وار کرنا شنگاریوں کی مردانگی کی توہین ہے۔ یہ خیال اپنے ذہن سے بالکل نکال دو۔ تمہیں یاد نہیں کہ پائندہ گل کے وفاداروں سے ٹکر لینے سے پہلے، گھنٹیوں والوں نے ساری رات انہیں خبردار کیا اور بھرپور تیاری کا موقع دیا تھا؟"

"پھر وہ حادثہ کیا ہو سکتا ہے؟ ہمارے نکلتے ہی گالان میں کون سی بلا آ گئی؟" میرا لہجہ الجھن آمیز تھا۔

"اپنے ذہن پر بلاوجہ زور نہ دو۔ اس انداز میں نقارہ اسی وقت بجایا جاتا ہے جب کسی کی موت واقع ہو جائے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہاں کون مرا ہے۔ اگر وہ سردار صبغت اللہ ہے تو ہمیں فوراً لوٹنا ہو گا اور اس کا سوگ ختم ہونے سے پہلے کسی سفر کا آغاز نہیں کیا جا سکے گا۔"

میں اس کی بے پروایانہ گفتگو پر حیران رہ گیا۔ "کیوں بدشگونی کی باتیں کر رہے ہو؟"

"کیسی بدشگونی؟" اس نے آنکھیں نکال کر مجھ سے زیادہ حیرت سے پوچھا۔

"خدا، سردار صبغت اللہ کو لمبی زندگی دے۔ تمہیں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے۔"

"کسی کو کتنی بھی زندگی ملے، آخر کار ایک دن مہلت پوری ہو ہی جاتی ہے۔ جو چیز اتنی اٹل اور برحق ہے، اس کا ذکر بدشگونی کیسے کہلا سکتا ہے؟ اس معاملے میں ہم لوگ توہم پرست نہیں ہیں۔

زندگی اور موت اللہ کے حکم سے ملتی ہے۔ پائندہ گل اپنی ہزار خواہشوں کے باوجود جنت گل کو نہیں مار سکا کیونکہ قدرت کو اسے بادرانیوں کی بہو بنانا تھا۔ وہ خود زندگی کی آرزو اپنے دل میں لیے مرگیا۔ جن معاملات میں انسان اتنا حقیر اور بے بس ہو' وہ میرے ایک دو جملوں سے بدل نہیں سکتے۔ گالان میں جسے مرنا تھا وہ مرچکا۔ اس حقیقت کو کوئی نہیں بدل سکتا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ بعض معاملات میں تم اتنے روشن خیال ہو۔" میں نے طنز سے کہا۔ "بدروحوں سے اس قدر دہشت زدہ رہتے ہو کہ اپنے مُردوں کے پیٹ چیر کر بالکل خالی کردیتے ہو تاکہ بھوکی بدروحیں خوراک کی تلاش میں وہاں نہ گھس بیٹھیں۔"

"اس وقت اس معاملے کا کیا ذکر تھا؟" وہ مجھ پر آنکھیں نکال کر نیم دوستانہ انداز میں غرایا۔

"توہم پرستی کی بات ہو رہی تھی نا۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"اور گالان میں ایک مُردہ بھی تیار ہے۔" اس کی زبان سے اپنے شبہات کی تردید سن لینے کے بعد میرا ذہن ہلکا ہوچکا تھا۔

"شہروں کا ماحول ہی ایسا ہے کہ وہاں کی رنگینیوں اور چکاچوند میں آدمی اس طرح ڈوبا رہتا ہے کہ اسے سامنے کی بہت سی باتیں نہیں بھائی دیتیں۔" وہ ناراض لہجے میں بولا۔ "دوا دردو چار کرنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ چوری' ڈاکے اور رشوت سے مال جمع کرکے' اس پر اتراتا پھرتا ہے اور جان کو کوئی روگ لگتا ہے تو اسے اپنی بدمعاشیوں کی سزا سمجھ کر سچی توبہ کرنے کے بجائے بدیسی ڈاکٹروں کے پیچھے خوار ہوتا پھرتا ہے۔ وہاں جاکر ہم لوگ بھی اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں لیکن اپنی مٹی میں پہنچتے ہی میں سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہوں کہ شہروں پر جو آفتیں اور بلائیں نازل ہوتی رہتی ہیں' ان کا سبب وہی بدروحیں ہیں جو تمہارے مردوں کے گندے پیٹ میں پناہ لیتی ہیں۔ جس دن تم لوگوں نے تدفین سے پہلے اپنے مُردوں کے پیٹ چاک کرکے صاف کرنے شروع کردیے' شہروں میں سکون کا دور دورہ ہوجائے گا اور لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد کو اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کرنے لگیں گے۔"

اُس کا یقین اس علاقے کے پہاڑوں کی طرح راسخ تھا۔ اس کی گہری سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے' میں نے اس کا مضحکہ اڑانے کا ارادہ ترک کردیا اور ایک چٹان پر ٹک کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔

"ہمیں اس نحوست سے کب نجات ملے گی؟" تھوڑی دیر بعد ہی غزالہ غصیلے تیوروں کے ساتھ میرے سر پر آموجود ہوئی۔ "وہاں کچھ بھی ہوا ہو' ہمیں اس سے کیا لینا......؟ ہم نے ایک بار گالان کو برباد کہہ دیا ہے تو ہم اپنا سفر جاری کیوں نہیں رکھ سکتے؟ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ لوگ ایسے ہی بہانوں سے ہمیں روکتے رہیں گے اور پھر ہماری کسی بات پر مشتعل ہوکر ایک دن ہمیں مار دیں گے۔"

"تمہارا اعتراض بہت معقول ہے۔" میں نے اسے تاؤ دلانے کے لیے اشتعال انگیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "لیکن یہاں رکنے کا فیصلہ میرا نہیں' قندوز خان کا ہے۔ میں اس کی کھوپڑی میں اپنا یا تمہارا بھیجا نہیں ڈال سکتا۔"

"بھیجا نہیں ڈال سکتے لیکن شکریے کے ساتھ انہیں واپس تو لوٹا سکتے ہو۔" وہ دانت پیس کر بولی۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکا" میں نے حیرت سے دیدے نچاتے ہوئے کہا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت سارے ہی شنگاری ہم سے دور' سر جوڑے کھڑے تھے۔ شاید وہ سب مرنے والے کے نام کے بارے میں قیاس آرائیاں کررہے تھے۔ ان میں صرف قندوز خان ہی اردو سمجھ سکتا تھا لیکن وہ بھی ہماری آوازیں نہیں سن سکتا تھا۔ دوسری طرف ویرا نے ایک جیپ کے قریب سلطان شاہ کو گھیرا ہوا تھا اور وہ دونوں پورے انہماک کے ساتھ کسی بحث میں الجھے ہوئے تھے۔ اس وقت انہیں اپنے گرد و پیش کا بالکل ہوش نہیں رہا تھا۔

"میرا مطلب بہت سیدھا ہے لیکن اس وقت تم پر شنگاریوں کی اطاعت کا بھوت سوار ہے۔ تم میری بات نہیں سمجھ سکو گے۔ ہم دودھ پیتے بچے نہیں ہیں۔ یہاں سے چیغا سرائے تک کا ایک ہی راستہ ہے۔ جو ہم تلاش کرسکتے ہیں۔ ان سے کہو کہ ان کی بستی میں کوئی سوگ یا سانحہ ہوگیا ہے تو انہیں وقت برباد کرنے کے بجائے فوراً اپنے لوگوں میں جانا چاہیے۔ بس وہ ایک گاڑی کی چابی ہمارے حوالے کردیں۔ ہم خود یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"ویری گڈ!" میں نے ستائشی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے بہت دور کی بات سوچی ہے لیکن یہ بھول رہی ہو کہ ہماری منزل چیغا سرائے نہیں' کراچی ہے۔ ہمیں سفری دستاویزات کے بغیر' افغانستان کے جنگ زدہ علاقے سے گزر کر دو سرحدیں عبور کرنی ہیں جن کے درمیان نو مینز لینڈ واقع ہے۔ مگر میں نے تمہاری تجویز نوٹ کرلی ہے۔ موقع ملنے پر میں اس سے ضرور استفادہ کروں گا۔"

"اگر ان لوگوں کی نیت ٹھیک ہے تو انہیں تمہاری تجویز قبول کرلینی چاہیے۔" غزالہ بدستور شکوک و شبہات میں مبتلا تھی۔

"ڈالروں کی صورت میں' ہمارے پاس صبغت اللہ کی دی ہوئی خاصی بڑی رقم موجود ہے۔ ہم چیغا سرائے سے آگے کے سفر کے لیے بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کرلیں گے۔ آج کل پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر زیادہ دیکھ بھال نہیں ہوتی۔ سرحدی چوکیوں پر مامور فوجیوں کی نظروں میں آئے' بغیر' ہزاروں افغان پاوندے اور کوچی روزانہ پاکستان سے آتے جاتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی کسی قافلے کے ساتھ ہم بھی نکل جائیں گے۔"

پے در پے رکاوٹوں سے دل برداشتہ ہوکر' اس نے شنگارادیلی سے نکل جانے کا ایک مکمل خاکہ سوچ لیا تھا اور اس پر فوراً ہی عمل

در آمد کروانا چاہتی تھی۔ میں نے اس کے تیور دیکھتے ہوئے اسے ان باتوں سے آگاہ کرنا شروع کردیا جو ویرا کے ذریعے اس کے علم میں نہیں آسکی تھیں۔

"ٹھیک ہے!" پوری صورت حال سے واقف ہونے کے بعد وہ ٹھنڈی پڑگئی اور سکون سے بولی۔ "تھوڑی دیر تک انتظار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ قاصد کے آجانے کے بعد' وہ واپس لوٹنے کا عندیہ دے تو تم میری تجویز پیش کردینا۔ میں محسوس کررہی ہوں کہ یہ لوگ اندر سے اتنے سیدھے اور مخلص نہیں ہیں جتنا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی نیت میں کہیں نہ کہیں' کوئی نہ کوئی کھوٹ ضرور موجود ہے۔ ہمیں کوئی بڑا خطرہ مول لئے بغیر' خوش اسلوبی کے ساتھ یہاں سے نکل بھاگنے کی فکر کرنی چاہیے۔"

"تم یہ باتیں کس بنا پر کہہ رہی ہو؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بس چھٹی حس کہہ لو۔" میں نے اس کی آواز سے فوراً ہی بھانپ لیا کہ وہ مجھ سے کوئی بات چھپانے کی کوشش کررہی تھی۔ میرے زور ڈالنے پر اسے زبان کھولنی ہی پڑگئی۔

"میں اب بھی کہتی ہوں کہ خدا کرے میرے خدشات غلط ثابت ہوں لیکن موجودہ حالات میں' میں اپنے مشاہدے کو نظر انداز نہیں کرسکتی۔ جب صبغت اللہ نے ویرا کو خلعت اور انعام سے نوازا تھا تو میں نے لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں عجیب سی حیوانی چمک دیکھی تھی۔ ایسی چمک جو بے بس شکار کو اپنی دسترس میں پاکر' بلی کی آنکھوں میں نمودار ہوتی ہے۔ میں اسی وقت سے خیر کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ مگر میں نے اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی۔ تم خود بتاؤ کہ اس حالت میں' میں ان فنکاریوں پر آنکھیں بند کرکے اعتماد کیسے کرسکتی ہوں؟"

غزالہ کی وہ باتیں سن کر میرے بدن میں سنسنی سی سرایت کرگئی۔ مجھے بے اختیار سردار صبغت اللہ کی وہ حریصانہ باتیں یاد آگئیں جو اس نے تخلیئے میں ویرا کے بارے میں کی تھیں۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو سرسری انداز میں ان باتوں سے آگاہ کردیا تھا۔ یہ جان لینے کے بعد کہ ویرا کے وطن میں اس کا کوئی بوائے فرینڈ اس کی واپسی کا منتظر تھا' صبغت اللہ نے ویرا یا فرزانہ کی ذات میں دلچسپی لینے کا سلسلہ ترک کردیا تھا اور اس بات نے ان تینوں کو مطمئن کردیا تھا کہ ویرا ان لوگوں کے کسی جور و ستم کا نشانہ نہیں بنائی جائے گی لیکن غزالہ نے چند گھنٹے قبل کے مشاہدے کا ذکر چھیڑ کے اس خطرے کو ایک مرتبہ پھر تازہ کردیا تھا۔

"مجھے محسوس ہورہا ہے کہ صبغت اللہ کسی لومڑی کی طرح چالاک اور مکار ہے۔" غزالہ نے چند ثانیوں کے پُرتشویش توقف کے بعد' اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس نے تم سے اپنی خواہش کا اظہار کیا' تم نے خوبصورتی سے ایک عدد بوائے فرینڈ کا مفروضہ گھڑ لیا اور اس نے فوراً ہی اپنی روایتی غیرت و حمیت کی بنیاد پر پسپائی اختیار کرلی۔ ان تمام باتوں نے ویرا کو مطمئن کردیا ہے۔ شاید اسے خطرے کا ادراک بھی نہ ہو مگر میری چھٹی حس کسی انجانے خطرے سے خبردار کررہی ہے۔ تم یقین کرو کہ اس وقت ویرا نے خلعت و انعام لیتے ہوئے پوری توجہ سے صبغت اللہ کی آنکھوں میں جھانک لیا ہوتا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہاں سے بگٹٹ بھاگ لی ہوتی۔"

"مجھے امید نہیں کہ صبغت اللہ ہمارے ساتھ کوئی کمینگی دکھائے گا۔" میں نے غزالہ کے قریب ہو کر مشفقانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن پھر بھی ہم محتاط رہیں گے۔ میں کوشش کروں گا کہ ان لوگوں سے کسی حیلے بہانے سے ایک دو ہتھیار اور ان کے راؤنڈز حاصل کرلیے جائیں تاکہ برے وقت میں ہم اپنی حفاظت آپ ہی کرسکیں......"

"اگر ان کے ارادے خطرناک ہیں تو یہ کسی قیمت پر ہمیں مسلح نہیں کریں گے۔"

"قندوز خان سے بات کرنے کے بعد ہی صورت حال واضح ہوسکے گی۔" میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "جب تک ہم سرحد پار نہیں کرلیتے' ہمیں چوبیس گھنٹے چوکنا رہنا ہوگا۔ رات میں بھی ہم چاروں باری باری جاگ کر پہرا دیں گے تاکہ بے خبری میں نہ مارے جائیں' ہم میں سے ہر ایک کو اپنی دو گھنٹے کی نیند کی قربانی دینی پڑے گی۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح ہم کسی بھی امکانی خطرے کا موثر سدباب کرلیں گے۔"

غزالہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن گاڑیوں کی طرف دیکھ کر فوراً ہی خاموش ہوگئی۔

ادھر سے ویرا' سلطان شاہ کے ساتھ تیزی سے ہماری طرف چلی آرہی تھی۔

"خدا خیر کرے!" میں آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ان دونوں کے تیور اچھے نہیں ہیں۔"

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ "یہ جب بھی ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی گھات میں لگے رہتے ہیں۔ اس وقت ان کی رفتار سے ظاہر ہورہا ہے کہ انہیں اپنا تنازع حل کرنے کے لیے کسی تیسرے فریق کی اشد ضرورت آن پڑی ہے۔ دونوں ہی کے منہ سوجے ہوئے ہیں۔"

"تم نے کچھ سنا؟" سلطان شاہ نے دور ہی سے اونچی اور ہیجان آمیز آواز میں کہا۔

"تم ہی کو سنانا پڑے گا۔" غزالہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "دونوں کی آوازیں ہم تک نہیں آرہی تھیں۔"

"ہم دونوں پر لعنت بھیجو!" ویرا چڑچڑے لہجے میں بولی۔ "ہر وقت ہماری ہی نگرانی کرتی رہتی ہو۔ ہم اوپر سے آنے والی تاپو کی آواز کا ذکر کررہے ہیں۔ غور کرو تو تم بھی یہ آواز سن سکتی ہو۔"

ہم سب نے خاموش ہو کر اپنے کان فضا پر لگا دیے۔ چند ہی ثانیوں میں میں نے کسی دوڑتے ہوئے چوپائے کے سموں کی وہ ڈوبتی ابھرتی آوازیں سن لیں جو بتدریج قریب آتی جا رہی تھیں۔

"معلوم ہوتا ہے کہ گالان والوں کا خچر سوار قاصد قریب آپہنچا ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ اس وقت تک شنگاریوں نے بھی وہ آوازیں سن لی تھیں۔ ان میں سے ایک نے اپنے دہانے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اونچی آواز میں کچھ کہا جیسے وہ اپنی آواز دور تک پہنچانی چاہتا ہو پھر وہ سب ہی گردنیں اچکا اچکا کر اس سمت میں دیکھنے لگے جدھر سے ڈھلان اتر کر ہم وہاں تک پہنچے تھے۔

"خدا کرے کہ گالان میں تمہاری کسی عزیز ہستی کی وفات نہ ہوئی ہو۔" میں نے قندوز خان کی پشت پر پہنچ کر، اپنی آواز کو قدرے گلوگیر بناتے ہوئے کہا۔

وہ چونک کر میری طرف گھوما اور گھورتے ہوئے بولا۔ "ابھی مرنے والے کا نام بھی معلوم نہیں ہوا ہے اور تمہاری آواز خوا مخواہ رندھی جا رہی ہے۔ کہیں تم اس طرح کوئی بدشگونی تو نہیں کرنا چاہتے؟"

"جسے مرنا تھا، وہ گالان کا نقارہ مرگ بجنے سے پہلے مر چکا ہے۔ زندگی اور موت خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس پر واویلا کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔" میں نے اس کا پرانا جواب اسی پر لوٹاتے ہوئے کہا۔ "میری رندھی ہوئی آواز سے گالان میں کوئی نیا مردہ تو دریافت ہونے سے رہا۔ میرا دل آنے والے وقت کے تصور سے بھاری ہو رہا تھا......"

"آنے والے وقت میں تمہیں مقدر کی کون سی سیاہی نظر آرہی ہے؟" اس نے میری بات کاٹ کر، برہمی کے عالم میں سوال کیا۔ اس وقت اس کی تیوریاں یک بیک چڑھ گئی تھیں۔

"وہ تمہارا عزیز ہوا تو تم اسے مٹی دینے ضرور جاؤ گے اور ہمیں اسی مقام سے تمہیں الوداع کہنا پڑے گا۔"

"تو کیا تم ہمارے ساتھ گالان واپس نہیں جاؤ گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں!" میں نے دردناک آواز میں کہا۔ "سردار صبغت اللہ نے ہمیں یہاں سے جانے کی اجازت دے دی ہے۔ ہم سفر پر نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اب ہم سفر ادھورا چھوڑ کر واپس گئے تو تم تصور نہیں کر سکتے کہ ہم کیسی کیسی آفتوں میں پڑ جائیں گے" اسی اثنا میں میرے تینوں ساتھی بھی قریب آچکے تھے۔ میں نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "میں ان توہمات پر یقین نہیں رکھتا مگر میری زوجہ اور اس کے بھائی کو دنیا کی کوئی طاقت قائل نہیں کر سکتی۔ ان دونوں کو پورا یقین ہے کہ سفر ادھورا چھوڑنے والوں کو کالا ناگ ڈس لیتا ہے یا پھر خونی چمگادڑیں ان کے حلقوم کو ادھیڑ کر رکھ دیتی ہیں۔"

"نہیں...... واپسی کا نام بھی نہ لینا۔" سلطان شاہ نے میرے خاموش ہوتے ہی خوف زدہ آواز میں ٹکڑا لگایا۔ "بھائی قندوز ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ گالان کی بد روحیں تو مُردوں کے پیٹ میں ٹھکانا بناتی ہیں مگر خونی چمگادڑیں زندہ انسان کے نرخرے سے خون کی دھاریں بہا ڈالتی ہیں۔ گالان میں تو ویسے بھی کالی چڑیلیں پلی ہوئی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہی آزاد ہو کر ہم پر حملہ آور ہو جائیں۔"

"تم لوگ عجیب باتیں کر رہے ہو۔" قندوز خان ڈری ڈری ہنسی کے ساتھ بولا۔ "شہر والوں کی زبان سے میں پہلی بار اس قسم کی باتیں سن رہا ہوں...... میں تمہیں واپس چلنے پر مجبور نہیں کروں گا۔"

"تم بہت اچھے آدمی ہو۔" سلطان شاہ بے ساختہ اس سے بغل گیر ہو گیا۔ "یہ عجیب باتیں نہیں ہیں۔ دنیا کے ہر شہر اور ویرانے میں خبیث روحوں اور پلید آسیبوں کا وجود ہوتا ہے۔ عقل مند لوگوں ان نادیدہ قوتوں سے کوئی نقصان اٹھائے بغیر ان پر یقین رکھتے ہیں۔ جو احمق ان کا مذاق اڑاتے ہیں ان کا حشر خراب ہوتا ہے۔ ان کے سروں پر عمر بھر بد روحوں کے نحوست انگیز سائے طاغوتی ناچ ناچتے رہتے ہیں......"

"بب...... بس کرو، بھائی سلطان شاہ!" قندوز خان نے کپکپاتی ہوئی آواز میں اسے خاموش کرا دیا۔ "تم بلاوجہ مجھے ڈرائے دے رہے ہو۔ ہم لوگ بہت بے جگر اور حوصلہ مند ہیں مگر ایسی باتوں سے ڈرتے ہیں۔ ہوا سے کون لڑ سکتا ہے؟ مقابلہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب دشمن سامنے ہو اور نظر آرہا ہو۔"

"کبھی کبھی بد روحیں انسانی روپ دھار کر سامنے بھی آجاتی ہیں۔ تم اس وقت اپنا شوق مپ...... پورا...... مپ" سلطان شاہ کی آواز حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئی کیونکہ قندوز خان نے اپنی چوڑی ہتھیلی سے اس کا دہانہ پوری قوت سے دبوچ لیا تھا۔

"اب اس بارے میں اپنے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکالنا۔" وہ سلطان شاہ کے دہانے سے ہاتھ ہٹائے بغیر، پھنسی پھنسی آواز میں غرایا۔ "تم نے زبان کھولی تو میں تمہارا ٹینٹوا دبا دوں گا۔"

سلطان شاہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی تیر رہی تھی۔

"دو چار ہتھیار ہمیں بھی دے دو!" میں نے آہستگی سے کہا۔ "بُرے وقت میں دل کو ڈھارس رہے گی۔"

قندوز خان نے مجھ سے بُرے وقت کی کوئی وضاحت طلب کیے بغیر، اپنے شانے سے لٹکی ہوئی، کلاشنکوف اتار کر میری طرف اچھال دی۔ اس میں تیس راؤنڈز والا بڑا میگزین چڑھا ہوا تھا۔

ہماری گفتگو شنگاریوں کی سمجھ سے باہر تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ ہم ان کے سردار کے معزز مہمان تھے۔ اس لیے انہوں نے ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ کر، قدرے فاصلے پر اپنی منڈلی جما لی تھی اور بڑی بے تابی کے ساتھ گالان سے آنے والے قاصد کے

نمودار ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

قندوز خان غیر مسلح ہونے کے بعد ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدا رہا تھا۔ میں یہ سوچ کر کہ وہ خود کو بد روحوں کے کسی ممکنہ عتاب سے محفوظ رکھنے کے لیے کوئی دعا یا وظیفہ پڑھ رہا ہوگا' اپنے دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ میری اور سلطان شاہ کی فی البدیہہ گفتگو نے اس بے چارے کے ذہن کو اس بری طرح ماؤف کیا تھا کہ اس نے کوئی چون و چرا کیے بغیر اپنی کلاشنکوف تک میرے حوالے کر دی تھی۔

میں نے کلاشنکوف اپنے شانے سے لٹکاتے ہوئے' معنی خیز نگاہوں سے غزالہ کی طرف دیکھا تو وہ شنگاریوں کی طرف سے اپنی بدگمانی پر نادم نظر آرہی تھی۔ اس کی ایک مضبوط دلیل یہ تھی کہ شنگاری ہم لوگوں کے بارے میں نیک ارادے نہیں رکھتے تھے اس لیے وہ ہمیں کسی بھی قیمت پر مسلح کرنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔ قندوز نے اپنی بھری ہوئی کلاشنکوف میرے حوالے کر کے غزالہ کی اس دلیل کی نفی کر دی تھی۔

چند منٹ بعد اوپر کے ایک موڑ پر ایک خچر سوار شنگاری نمودار ہوا۔ اسے دیکھتے ہی قندوز خان کے ساتھی جوش و خروش سے اپنے ہاتھ فضا میں لہرانے لگے۔ آنے والے نے اپنے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکال کر ان کے خیر مقدمی اشاروں کا جواب دیا اور ڈھلان کے پر خطر ہونے کے باوجود اپنے خچر کی رفتار تیز کر دی ایڑ لگتے ہی خچر نے اپنی رفتار بڑھائی' پھر شاید اس کا سم کسی ڈھیلے پتھر پر پڑ کر پھسلا اور خچر بری طرح لڑکھڑا کر رہ گیا۔ میرا سانس چند ثانیوں کے لیے سینے ہی میں رک گیا۔ اگر اس بلندی پر خچر اپنا توازن کھو بیٹھتا تو اپنے سوار سمیت' کسی گیند کی طرح گہری کھائیوں میں لڑھکتا چلا جاتا۔

اس جھٹکے کے نتیجے میں' خچر کی حیوانی جبلت نے اسے ست روی پر مجبور کر دیا۔ اس خطرناک پتھریلی ڈھلان پر تیز رفتاری' کشش ثقل کے ساتھ مل کر کربناک موت کا سبب بن سکتی تھی۔

کالان سے پیغام لانے والا بتدریج نزدیک آتا جا رہا تھا۔ خچر نے ایک جھٹکا کھانے کے بعد خود کو سنبھال لیا تھا لیکن شاید آنے والے کے ستارے گردش میں آچکے تھے۔ وہ ہم لوگوں سے بمشکل چند سو فٹ دور رہا ہوگا۔ ہمارے اور اس کے درمیان ایک سیدھی ڈھلان حائل تھی جس پر خچر دوڑا چلا آرہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے خچر کا اگلا پیر اس بری طرح رپٹا کہ پھر وہ سنبھل ہی نہ سکا۔

شنگاری اس کی پشت سے اچھل کر دور جا گرا۔ فضا خچر کی بھیانک چیخوں سے لرز اٹھی۔ وہ بہت تیزی کے ساتھ داہنی جانب کی کھائی کی طرف لڑھکتا ہوا ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا اور اس کی دردناک آوازیں گہری کھائی میں نیچے ہی نیچے اترتی چلی گئیں۔

خچر کی لرزہ خیز چیخوں کے ساتھ ہی وزنی پتھروں کے نیچے لڑھکنے اور درختوں کے ٹوٹنے کی آوازیں اتنی پرشور تھیں کہ کچھ دیر کے لیے نووارد شنگاری کی چیخیں اس میں دب کر رہ گئیں۔ مگر پھر سب ہی کو بیک وقت ہوش آیا کہ سواری کو اندھی کھائیاں نگل چکی تھیں لیکن سوار کو ادھر گرنے سے بچایا جا سکتا تھا۔ شنگاریوں کے ساتھ ہی ہم چاروں نے بھی کھائی کے کنارے کنارے' اوپر کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔

بدنصیب قاصد کی راہ میں کوئی ایسی رکاوٹ نہیں تھی جو اسے سہارا دے سکتی۔ وہ سنگلاخ راستے پر' پتھروں میں لڑھکتا اور خون میں لتھڑا ہوا' آہستہ آہستہ کھائی کے رخ پر جا رہا تھا۔ قندوز خان زور لگا کر سب سے آگے نکل گیا۔ اس نے عین اس وقت لہولہان قاصد کی لمبی قمیص کا لہراتا ہوا دامن تھاما' جب اس کی ٹانگیں کھائی کی فضا میں معلق ہو چکی تھیں۔ اس کا نیچے جاتا ہوا' دیوہیکل وجود ایک جھٹکے سے فضا میں ٹھہر گیا مگر وہ جھٹکا اتنا پرزور تھا کہ قندوز خان کے قدم اپنی جگہ سے ہل کر رہ گئے۔

وہ بہت نازک مرحلہ تھا۔ قندوز خان اس کا دامن تھامے رہتا تو لڑکھڑا کر خود بھی اسی کے ساتھ کھائی میں گر جاتا اور اگر دامن چھوڑ دیتا تو دنیا کی کوئی طاقت اس شنگاری کی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ ہونے سے نہیں بچا سکتی تھی۔ وہ ایک سیکنڈ کا بس ہزارواں حصہ تھا' جو فیصلہ کن ثابت ہوتا اور اسی قلیل سی مہلت میں کئی شنگاریوں نے اپنے زخمی قاصد کے بال اور بازو تھام لیے۔ وہ ہر قیمت پر اسے بچانا چاہتے تھے۔ اس لیے جس کا جہاں ہاتھ پڑا' اس نے زخمی کے بدن کا وہی حصہ گرفت میں لے لیا اور پھر ان سب نے خون آشام درندوں جیسی یک آواز غراہٹ کے ساتھ زخمی کو کھائی کے سرے سے دور کھینچ لیا۔

اعصاب شکن لمحات گزر گئے لیکن سب خاموش کھڑے ہانپتے رہے۔ سب کی نگاہیں نووارد کے جسم پر مرکوز تھیں۔ ناہموار اور نوکیلے پتھروں سے بھری ہوئی ڈھلان پر لڑھکنے کی وجہ سے اس کے چہرے سمیت پورے بدن پر گہرے زخم آئے تھے' جن سے خون جاری تھا۔ شاید اس کی ہڈیوں پر بھی شدید ضربات آئی تھیں کیونکہ وہ بظاہر آنکھیں موندے ہوئے' بے ہوش پڑا ہوا تھا مگر مشینی انداز میں کراہے جا رہا تھا۔

قندوز خان نے زمین پر بیٹھ کر اسے ہلایا جلایا لیکن اس کی بے ہوشی دور کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ آخر کار اس نے اپنے آدمیوں کی طرف مڑ کر مقامی بولی میں کچھ کہا اور دو شنگاری دوڑتے ہوئے' جیپوں کی طرف اترتے چلے گئے۔ بقیہ آدمی وہیں رک کر زخمی کو ہوش میں لانے کی کوششیں کرنے لگے۔

میرے لیے وہ صورت حال تشویش ناک اور مایوس کن تھی زخمی قاصد سے تمام تر انسانی ہمدردی ہونے کے باوجود میرے دل میں شدت سے یہ آرزو مچل رہی تھی کہ اسے مرنا ہو تو وہ ضرور مرجائے لیکن قدرت اسے اتنی مہلت ضرور دے دے کہ وہ گالا

سے لانے والا پیغام قندوز خان کو سنا سکے۔ وہ پیغام دیے بغیر موت کی دلدلوں میں اتر جاتا تو ہمیں لامحالہ قندوز خان کے ساتھ گالان کی طرف جانا پڑتا اور ایک بار وہاں پہنچنے کے بعد کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ سردار صبغت اللہ کب ہمیں دوبارہ واپسی کی اجازت دے گا۔

دونوں جیپیں اس مقام پر آنے تک بھی بے ہوش شنگاری کو ہوش نہیں آسکا۔ آخر کار قندوز خان نے اپنے ساتھیوں کو کوئی ہدایت دی۔ وہ مل کر اسے زمین سے اٹھا رہے تھے تو وہ ہماری طرف مڑ کر افسردہ آواز میں بولا۔ "ہمارے سامنے واپسی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ گالان میں کس کی موت ہوئی ہے۔ قاصد خبر سنانے سے پہلے ہی بری طرح زخمی ہو کر بے ہوش ہوچکا ہے۔ اس کی جان بچانے کے لیے طبی امداد بہت ضروری ہے۔ ہم فوراً گالان کی طرف لوٹ رہے ہیں۔"

میں نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ زخمی کو اٹھانے والے شنگاریوں کی طرف سے ایک غلغلہ بلند ہوا۔ معلوم ہوا کہ بے ہوش قاصد ہوش میں آچکا تھا اور قندوز خان سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

قندوز خان لپک کر اس جیپ کے قریب پہنچ گیا جس کے عقبی حصے میں زخمی کو ڈالا گیا تھا۔

بند آہنی باڈی والی جیپ کے عقبی حصے میں زیادہ جگہ نہیں تھی۔ وہاں شنگاریوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ ہم چاروں صبر اور اطمینان سے الگ کھڑے وہ تماشا دیکھتے رہے۔

شنگاری خاموش تھے۔ ان کی غیر فطری خاموشی سے فضا بوجھل اور سنسنی خیز ہوگئی تھی۔ پھر اس سکوت میں زخمی قاصد کی اٹکی اٹکی اور مجروح آواز ابھرنے لگی۔ میں نے اس کے ہر لفظ پر کان جمائے ہوئے تھے۔ ہرچند کہ اس کی زبان میرے لیے قابل فہم نہیں تھی لیکن پھر بھی میں نے اس کے ٹوٹتے ہوئے سانسوں سے ابھرتے ہوئے جنت گل کے الفاظ سن لیے۔ جو کچھ ہوا تھا' اس کا جنت گل کی ذات سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔

سرکشی اور بغاوت' جنت گل کی سرشت میں داخل تھی۔ اس نے جرگے کے دوران میں بھی کسی کا لحاظ کیے بغیر ایک شنگاری کو اپنی آتش انتقام کا نشانہ بنا ڈالا تھا۔ مجھے پہلا خیال یہی آیا کہ شاید جنت گل نے اشتعال کے عالم میں کسی شنگاری کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

میرا ذہن اسی ضدی اور منہ زور لڑکی کی ذات میں الجھ گیا۔ اپنے مخصوص پس منظر کی وجہ سے اس کا کردار بہت الجھا ہوا تھا۔ وہ اپنے وجود کی تمام تر دل فریبی اور رعنائی کے باوجود' فریق ثانی کو کسی بھی وقت متحیر کردینے کی منفی صلاحیتوں سے مالا مال تھی۔ اگر اس نے باورانیوں کی تحویل میں پہنچتے ہی کسی کو جان سے مار ڈالا تھا تو اس کا مستقبل غیر یقینی ہوچکا تھا۔ سردار صبغت اللہ کی' اسے بہو بنانے کی خواہش اپنی جگہ پر تھی لیکن ایک قاتل کے لیے شنگارا ویلی کا تعزیری قانون یقیناً سخت رہا ہوگا۔ ارسلا خان کی منکوحہ کے طور پر نامزدگی کے بعد جنت گل غیر نہیں رہی تھی' مقامی ہوگئی تھی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ جب بھی ظالم اور مظلوم' دونوں مقامی ہوں تو وادی کا جرگہ عموماً انصاف سے کام لیتا تھا۔ کیا جنت گل کو قتل کے جرم میں سزائے موت سنادی جائے گی؟ میرے ذہن پر وہ سوال رہ رہ کر ہتھوڑے برسانے لگا۔

میں نہ جانے کتنی دیر تک ان ہی خیالوں میں ڈوبا رہا۔ میں اس وقت بری طرح چونکا جب شنگاریوں نے یک بیک بلند آواز میں... اناللہ وانا الیہ راجعون کے قرآنی الفاظ ادا کیے۔

"کیا وہ مرگیا؟" میں نے خاص طور پر کسی کو مخاطب کیے بغیر اضطرار کے عالم میں پوچھا۔

قندوز خان دل گرفتہ انداز میں ہماری طرف گھوما۔ اس کی آنکھوں میں سارے جہاں کا کرب سمٹ آیا تھا۔ اس نے سرد اور گمبھیر آواز میں کہا۔ "ہاں! فرشتہ گل کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرچکی ہے۔ اس کا دم اپنے فرض کی ادائیگی میں اٹکا ہوا تھا۔ جنت گل کی خودکشی کی خبر سنانے کے بعد وہ سکون سے مرگیا۔"

ہم سب کے لیے وہ خبر ایک صدمے سے کم نہیں تھی۔ ہم چاروں نے ہی یک بیک آواز سوال کیا۔ "کیا جنت گل نے خودکشی کرلی؟" پھر میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ واقعہ کب اور کیسے ہوا؟"

"اس نے زرافے کی گردن جیسی پہاڑی سے نیچے درے میں کود کر جان دے دی۔" قندوز خان نے متاسفانہ لہجے میں کہا "گالان سے نقارہ بجا کر اسی کی موت کا اعلان کیا گیا تھا۔ فرشتہ گل اس سے زیادہ کچھ نہیں بتاسکا۔ موت نے بہت بے رحمی کے ساتھ اسے ہم سے چھین لیا ہے۔"

"وہ اپنے فرض کی ادائیگی کرتے ہوئے مارا گیا ہے۔ خدا اسے شہادت کا رتبہ عطا کرے۔" سلطان شاہ نے دعائیہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر ہمدردانہ لہجے میں کہا اور قندوز خان آمین کہہ کر رہ گیا۔

وہ بہت عجیب اور پیچیدہ موڑ تھا۔ چند منٹ پہلے تک فرشتہ گل کی جان بچانے کے لیے گالان کی طرف واپسی ناگزیر ہوگئی تھی لیکن جنت گل کی خودکشی کی خبر ملنے اور پھر فرشتہ گل کی موت کے بعد صورت حال یکسر تبدیل ہو کر رہ گئی تھی۔ اب معاملہ دو میتوں کی تدفین میں شرکت تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ دونوں مرنے والوں میں سے کوئی بھی اتنا اہم نہیں تھا کہ اس کے جنازے میں شرکت لازمی ہوتی۔ ہم لوگ واپس لوٹتے یا نہ لوٹتے' ان دونوں کی تدفین ہر حال میں اپنے وقت پر ہونی تھی۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ فرشتہ گل کی لاش کو اس ویران مقام سے گالان تک لے جانا تھا اور یہ فرض قندوز خان کے ساتھی سرانجام دے سکتے تھے۔

"پھر اب کیا ارادہ ہے؟" میں نے وقت ضائع کرنے کے بجائے قندوز خان سے سوال کر ڈالا۔

"واپسی۔" اس نے پُر تشویش نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "فرشتہ گل کی لاش کو گالان پہنچانا ہے۔ یہاں مرنے والوں کی مٹی میں ہر مرد شریک ہوتا ہے۔ تدفین تک ہمیں رکنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "فی امان اللہ' تم لوگ ایک گاڑی لے جاؤ۔ دوسری جیپ کی چابی ہمیں دے دو تاکہ ہم اپنا سفر جاری رکھ سکیں۔"

"تم گالان نہیں چلو گے؟" اس نے حیرت اور بے اعتباری سے پوچھا۔

"نہیں!" میں نے اسے دو ٹوک جواب دیا۔ "میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں کہ سفر کو ادھورا چھوڑنے سے بہت بڑی اور تباہ کن بدشگونی......"

"خاموش رہو!" وہ حلق پھاڑ کر ہذیانی انداز میں اس بری طرح چیخا کہ اس کے الفاظ کا مفہوم نہ سمجھنے کے باوجود سارے شنگاری اچھل پڑے اور ان کے ہاتھ اپنے اپنے ہتھیاروں تک پہنچ گئے۔

"تمہاری ان منحوس باتوں نے فرشتہ گل کی جان لے لی ہے۔" وہ بھڑکے ہوئے انداز میں بولتا رہا۔ "تمہیں شروع سے پوری بات دہرانے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں۔ ہم ان طاقت ور اور ڈراؤنی چیزوں کا نام لیے بغیر اشاروں کنایوں میں بھی بات جاری رکھ سکتے ہیں۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سدھایا ہوا کوئی خچر کسی ڈھلان پر سے اس بری طرح پھسلا ہو لیکن تم نے جب سے نحوست زدہ باتیں کرنی شروع کی ہیں' ان ہونی بھی ہونے لگی ہے۔ تم نہیں لوٹتے تو نہ لوٹو۔ میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ میرا فرسودہ بلکہ احمقانہ حربہ اس پر حد سے زیادہ کارگر ثابت ہو رہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "تم بلاوجہ ہی بھڑک رہے ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ بعض اوقات برے کلمات اور تذکرے بھی اپنا اثر دکھا جاتے ہیں۔ تم کو خود اندازہ ہے کہ غزالہ اور سلطان کے وہم میں کتنی سچائی ہے۔ بے چارہ فرشتہ گل چند منٹ کی مسافت طے کیے بغیر' ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے مر گیا۔ خدا اس کی مغفرت کرے۔ لاؤ جیپ کی چابی مجھے دے دو۔"

قندوز خان کا چہرہ مضحکہ خیز حد تک بگڑ چکا تھا۔ اس نے مزید منہ بنا کر بے اعتنائی سے کہا۔ "موت برحق ہے۔ شنگاریوں کی اٹل روایات بھی اپنی جگہ پر ہیں مگر تم یہ بات بھول رہے ہو کہ تم سردار کے معزز مہمان ہو اور تمہیں سرحد کے اس پار تک پہنچانے کی

طرح اڑے ہوئے ہو تو میں تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا۔"

"مجھے واپس لوٹنے میں کوئی اعتراض نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "تم غزالہ اور سلطان شاہ کو قائل کر لو تو میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔ ان کے ذہن سے بُری اور کالی چیزوں کا خوف دور ہونا چاہیے۔"

"بس!" اس نے ہاتھ اٹھا کر بے تابی سے مجھے خاموش کر دیا۔ "میں اس بارے میں مزید ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتا۔ اگر تم لوگ اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہو تو میرے آدمی ایک گاڑی میں فرشتہ گل کی لاش واپس لے جائیں گے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

وہ اپنے آدمیوں کو وہاں سے واپس روانہ کرنے میں مصروف ہو گیا اور ہم چاروں وقت گزارنے کے لیے ایک طرف بیٹھ گئے۔ جنت گل کی خودکشی کی خبر ویسے تو ہر ایک کے لیے حیرت ناک ثابت ہوئی تھی۔ لیکن غزالہ اور ویرا نے اس اطلاع کا کچھ زیادہ ہی اثر لیا تھا۔ ان کی دانست میں جنت گل امنگوں اور ولولوں سے بھرپور زندگی گزارنے والی لڑکی تھی اور ہر قیمت پر حالات سے مقابلہ کر کے اپنا راستہ بنانے کا حوصلہ رکھتی تھی۔ اس سے یہ توقع تو کی جا سکتی تھی کہ وہ بادرانیوں کی تحویل میں جانے کے بعد اپنی مار دھاڑ اور دیگر حرکتوں سے ان کی زندگیاں اجیرن بنا دیتی لیکن یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ سردار صبغت اللہ کے فیصلے سے مایوس اور دل برداشتہ ہو کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لے گی۔

اس کی خودکشی کا دوسرا پہلو زیادہ اثر انگیز تھا۔ سردار صبغت اللہ کو یہ گھمنڈ تھا کہ وہ طاقت کے زور پر سردار پائندہ گل کی ناجائز بیٹی کو ارسلا خان کی بیوی بنا کر' اپنے بادرانی قبیلے کو شنگارا ویلی کی تاریخ کا ایک انوکھا اعزاز عطا کرے گا مگر جنت گل نے اپنی جان قربان کر کے اس کا وہ جبر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اپنی جان پر کھیل گئی لیکن اس نے کسی بادرانی کی بیوی بننا گوارا نہیں کیا۔ اس کی جگہ کوئی اور بے حوصلہ لڑکی ہوتی تو چند روز تک رونے دھونے کے بعد حالات سے سمجھوتا کر لیتی اور ساری عمر کے لیے بادرانیوں کی افزائش نسل میں مصروف ہو جاتی۔ اس اعتبار سے جنت گل نے خطرناک پہاڑی سے نیچے چھلانگ لگا کر سردار صبغت اللہ کے گھناؤنے منصوبے کو بری طرح ناکام بنا دیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اس کی خودکشی میں صبغت اللہ کے فیصلے سے زیادہ' گالان میں رونما ہونے والے خونیں انقلاب کا دخل ہے۔" باتوں باتوں میں سلطان شاہ نے دور کی کوڑی لاتے ہوئے کہا۔

"شاید تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ گھٹیوں والوں کی شورش کامیاب نہ ہوئی ہوتی تو سردار صبغت اللہ کو اپنے عزائم پر عمل

"یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے۔" سلطان شاہ سوچتے ہوئے بولا۔ "میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ بہت سے لوگ کسی نیک اور مثبت جذبے کے تحت زندگی گزارتے ہیں۔ بعض افراد منفی جذبوں سے مغلوب رہتے ہیں۔ جنت گل کو اپنے بچپن سے جو محرومیاں سہنی پڑیں' ان کے نتیجے میں وہ انتقام کے راستے پر چل نکلی۔ جب تک سردار پائندہ گل زندہ تھا' وہ اسے بدنام بلکہ رسوا کرنے کا منصوبہ بناتی رہی۔ اگر اسے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ کسی بادرانی سے شادی کر کے وہ اپنے باپ کو دلی اذیت پہنچا سکے گی تو شاید وہ یہ کام بھی کر گزری ہوتی لیکن خونی انقلاب کے نتیجے میں پائندہ گل مارا گیا۔ اب جنت گل کے سامنے کوئی مقصد نہیں رہا تھا۔ وہ جسے سلگا کر تسکین حاصل کر رہی تھی' وہ خود ہی راہی ملک عدم ہو چکا ہے۔ اس حقیقت نے اس کی ترجیحات بدل دیں اور اس نے گالان میں ازدواجی قید کی ذلت قبول نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا......"

"شاباش!" ویرا نے اس کی پشت تھپکتے ہوئے کہا۔ "مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم کسی بات پر دماغ سوزی بھی کر سکتے ہو۔ جنت گل بہت خوش نصیب تھی کہ تم اس کے بارے میں اپنے ذہن پر اتنا زور ڈال رہے ہو۔ دیکھا جائے تو یہ فرض ڈیمی پر عائد ہوتا تھا کیونکہ جنت گل نے اس کے ساتھ ایک خوشگوار جبری تجربہ کیا تھا۔ تمہاری اس کے ساتھ کیا رشتے داری نکل آئی کہ تم اس کے لیے اپنا ذہن تھکا رہے ہو؟"

ویرا حسب عادت بہکنے لگی تھی۔ اس کے نزدیک وہ مذاق کی بات تھی لیکن میں سرے سے اس ذکر کو پسند ہی نہیں کرتا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ایسی باتوں سے غزالہ کو گہرا رنج پہنچے گا۔ میں نے ملامت آمیز نظروں سے ویرا کو گھورا تو اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے میرے متوقع ردِعمل سے محظوظ ہونے کے لیے وہ بات نکالی تھی۔

"مجھے کیوں گھور رہے ہو؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "غزالہ کوئی الہڑ اور نوخیز دوشیزہ نہیں ہے جو ذرا سی بات پر بپھر جائے گی۔ وہ اپنی بردباری کی وجہ سے حقائق کے ساتھ زندہ رہنا جانتی ہے۔ میں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ سلطان شاہ کو ایک حقیقت یاد دلائی ہے۔"

"بہت سے حقائق ایسے ہوتے ہیں جن کے ذکر سے گریز کرنا ہی بہتر ہوتا ہے" غزالہ نے گہری سنجیدگی سے کہا "دوسری بات یہ ہے کہ ہم لوگ زندگی کے بکھیڑوں کو موت کے بعد تک نہیں گھسیٹتے۔ موت کے بعد دشمن کی برائیوں تک کا ذکر کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ جنت گل اگر ڈیمی کی دوست نہیں تو دشمن بھی نہیں تھی۔ اپنے دردناک انجام کی وجہ سے وہ ہر ایک کی ہمدردی کی مستحق بن چکی ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں بے رحمانہ رائے زنی نہیں کرنی

گناہ کا کفارہ ادا کر چکی ہے۔"

"بعض اوقات تم دونوں یک بیک اس قدر سنجیدہ ہو جاتے ہو کہ وحشت ہونے لگتی ہے" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "ابھی تک ہم جن حالات سے دوچار ہیں' ان کا غم بھلانے کے لیے کبھی کبھی تو خود اپنا مضحکہ اڑا کر قہقہے لگانے کو دل چاہنے لگتا ہے۔ ایسی مایوسی اور بے زاری میں اگر میں نے جنت گل کے لیے کچھ کہہ دیا تو اس پر اتنا دل گرفتہ ہونا مناسب نہیں ہے۔"

"اور تم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تم کبھی بھی سنجیدہ نہیں ہوتیں" سلطان شاہ نے موقع پاتے ہی ٹکڑا لگا دیا "معلوم ہوتا ہے کہ سنجیدگی کا تمہاری سرشت میں سرے سے دخل ہی نہیں ہے۔"

"سنجیدہ بننے کی کوشش میں اس وقت تمہارے چہرے پر پھٹکار برس رہی ہے" ویرا جل کر بولی "رونی صورت بنائے رکھنے والوں سے مجھے نفرت ہے۔ میں ہنس کھیل کر زندگی گزارنی پسند کرتی ہوں۔"

"جو پسند کرتی ہو' وہی کرو۔ اپنے اوپر ہنسو اور اپنی دسترس میں آنے والے کھلونوں سے کھیلتی رہو۔ ان حدود سے جب بھی تجاوز کرو گی تو دوسروں کے لیے تکلیف دہ بن جاؤ گی" سلطان شاہ نے نہایت برجستگی کے ساتھ کہا "تم عام طور پر یہی کرتی ہو کہ اپنی حد سے باہر نکل جاتی ہو۔"

اسی وقت ایک جیپ کا انجن جاگ اٹھا۔ ویرا کو سلطان شاہ پر کوئی جوابی وار کرنے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ سب کی توجہ جیپ کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ قندوز خان کے تمام ساتھی' فرشتہ گل کی لاش کے ساتھ ایک جیپ میں لد چکے تھے اور جیپ رینگتی ہوئی' بلندی کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔ قندوز خان دوسری جیپ کے قریب کھڑا ہاتھ لہرا کر جانے والوں کو الوداع کہہ رہا تھا۔

"تم لوگوں کی بک بک میں مجھ سے ایک چوک ہو گئی" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"وہ کیا؟" غزالہ نے چونک کر پوچھا۔ میرے لہجے نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ضرور حاصل ہو گئی ہے کہ قندوز خان ہمیں گالان واپس لے جانے کے بجائے' جیغا سرائے کی طرف لے جائے گا لیکن میرے پاس صرف ایک کلاشنکوف ہے۔ اگر مجھے خیال رہتا تو واپس جانے والوں کے ہتھیار ہماری تحویل میں آ سکتے تھے۔"

"لیکن قندوز خان بہت چالاک نکلا" سلطان شاہ بولا "اپنی کلاشنکوف تمہارے حوالے کرنے کے بعد وہ غیر مسلح ہو گیا تھا لیکن اس وقت اس کا شانہ خالی نہیں ہے' وہ دوبارہ مسلح ہو چکا ہے۔"

میں نے اس طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ اگر ... توجہ

رائفل جھول رہی تھی۔ ان افغان قبائلیوں کے نزدیک، ہتھیار مرد کا زیور تصور کیے جاتے تھے۔ قندوز خان نے افراتفری کے اس عالم میں بھی اپنی مردانہ تزئین کو نظرانداز نہیں کیا تھا۔

ہم چاروں اس کے قریب پہنچے تو وہ اپنی محویت سے چونک کر ہماری طرف متوجہ ہو گیا۔

"میں نے وہی کیا ہے جو تم چاہتے تھے" اس نے پیش بندی کے طور پر مدافعانہ انداز میں کہا "وہ لوگ فرشتہ گل کی لاش گالان لے گئے ہیں۔ میں تمہیں آگے لے جاؤں گا لیکن اب نحوست کی کوئی بات منہ سے نہ نکالنا۔ ان کے چلے جانے کے بعد میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ مجھ پر کوئی مصیبت نازل ہوئی تو یہ یاد رکھنا کہ تم زندگی بھر ان پہاڑوں سے سر ٹکراتے رہ جاؤ گے لیکن کبھی بھی چینفا سرائے نہیں پہنچ سکو گے۔ یہاں ایک جیسے اندھے راستوں کی بھرمار ہے۔ تم ایک دفعہ کوئی غلطی کر بیٹھے تو چلتے چلتے تمہارے بدن کھاد میں بدل جائیں گے اور تم واپسی کی راہ نہیں پا سکو گے۔"

"تم شاید ڈر رہے ہو" میں نے دانستہ ایک جارحانہ قہقہے کے ساتھ کہا "بادرانیوں کی ہونے والی بہو، گوشت اور خون کے لوتھڑوں میں بدل گئی۔ فرشتہ گل خاک و خون میں نہا کر فرشتہ اجل کی گود میں جا بیٹھا۔ تم سمجھ رہے ہو کہ اب تمہاری باری ہے۔ شاید اسی لیے تم نے اپنے کسی ساتھی سے یہ رائفل لے لی ہے؟"

"مجھ سے الٹی سیدھی باتیں نہ کرو" وہ برہم ہو کر بولا "شنگاری شیروں کی طرح زندہ رہتے ہیں یا زندگی کے لیے لڑتے ہوئے، بے خوفی سے مرجاتے ہیں۔ میں کس حرامی سے ڈروں گا؟ اور یہ... یہ رائفل میں نے صرف اپنے لیے ہی نہیں لی ہے، واپس جانے والوں کے ہتھیار اور میگزین خالی جیپ میں رکھے ہوئے ہیں تاکہ تم چاروں کے بدن سورماؤں کی طرح سج سکیں۔ ان علاقوں میں ہتھیار صرف مرنے مارنے کے لیے ہی استعمال نہیں ہوتے، ان سے انسان کی شان بڑھتی ہے۔ مرد کے پہلو میں ہتھیار نہ ہو تو وہ نامرد معلوم ہوتا ہے۔"

مجھے یہ جان کر تحیر آمیز خوشی ہوئی کہ اس نے ہم چاروں کو پوری طرح ہتھیار بند کرنے کا بندوبست کیا ہوا تھا لیکن وہ ایک نازک موقع تھا۔ اپنے ساتھیوں کے چلے جانے کے بعد وہ اچانک ہی تنہائی کے احساس میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن پر ارواحِ خبیثہ کی دہشت مسلط تھی۔ یہ ضروری تھا کہ اس کے ذہن پر طاری ہونے والے دباؤ کو اس حد تک بڑھا دیا جائے کہ وہ پورے سفر میں ہم پر بالادستی قائم کرنے کے بارے میں نہ سوچ سکے اور بے چون و چرا ہماری بحفاظت واپسی کے پروگرام پر عمل کرتا رہے۔

میں نے اپنی خوشی کو چھپاتے ہوئے خشک لہجے میں کہا "پہلے تم نے اپنے اکیلے رہ جانے کی بات کی اور اب لڑ کر مرجانے کی دھمکی دے رہے ہو۔ دوسری طرف ہمیں مسلح کرنے کا بندوبست بھی کر چکے ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ فرشتہ گل کو سسک سسک کر مرتے ہوئے دیکھ کر تمہارا دماغ چل گیا ہو؟"

"اوئے، ڈپٹی خان!" وہ غضبناک ہو کر غرایا "مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو۔ میں سردار صبغت اللہ کا داہنا بازو ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ تم چاروں کے مقابلے میں، میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ قسم قرآن کی، اگر میرا دماغ پھر گیا تو تم چاروں کو جہنم میں بھی مجھ سے پناہ نہیں مل سکے گی۔ میں اپنے دشمنوں کو مارتا کم اور گھسیٹتا زیادہ ہوں تاکہ ان کے حشر سے دوسرے دشمن عبرت حاصل کر سکیں۔"

اس کی برہمی کو دیکھتے ہوئے، میں فوراً ہی ہنس دیا اور بولا "تم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تم ذرا ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتے ہو۔ میں اپنی اور تمہاری بات نہیں کر رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ تم بھی ان کالی اور بری چیزوں سے دہشت زدہ ہو جن سے غزالہ اور سلطان شاہ کو ڈر لگ رہا ہے۔ اسی خوف کی وجہ سے تمہارے ذہن میں ہمارے بارے میں بُرے بُرے خیالات آ رہے ہیں۔"

"ہم سیدھے سادے جنتی لوگ ہیں" میرے خاموش ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا "اول تو ہمارا اور تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اگر کبھی کوئی غلط فہمی پیدا ہو بھی گئی تو ہم جہنم میں تمہارے ہاتھ نہیں آ سکیں گے کیونکہ ہمارا ٹھکانا جنت میں ہو گا۔ تم ان فضولیات پر سر کھپانے کے بجائے روانگی کی فکر کرو۔"

"گالان میں ہم نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی" وہ اپنا سر جھٹکتے ہوئے بولا "سردار صبغت اللہ نے تمہیں عزت و انعام سے نواز کر رخصت کیا ہے۔ ہمارے درمیان کوئی بدگمانی پیدا ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس وقت میں نے صرف تمہاری دلجوئی کی خاطر جنت گل اور فرشتہ گل کے جنازوں میں شرکت کا ارادہ ترک کیا ہے۔ تم کو میرے اس جذبے کی قدر کرنی چاہیے۔ میں ایک گاڑی تمہارے سپرد کر کے واپس چل دیتا تو تم کسی حالت میں چینفا سرائے تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اجنبیوں کے حق میں یہ پہاڑ اور پہاڑی راستے بہت بے رحم اور غدار ہیں۔ ایک بار راستے کا سراغ کھو دینے کے بعد تم شاید گالان بھی نہیں لوٹ پاتے۔"

"اگر تم واپسی پر تل ہی جاتے تو ہمیں ان خطرات سے واقف ہوتے ہوئے بھی، اپنے طور پر سفر جاری رکھنے کا خطرہ مول لینا پڑتا۔ اب میں ان توہمات کا ذکر....."

میری بات ادھوری رہ گئی۔ وہ میری بات کاٹ کر مضطربانہ لہجے میں بولا "مجھے سب معلوم ہے۔ چلو، جیپ کے پچھلے حصے سے اپنے ہتھیار سنبھالو تاکہ ہم چینفا سرائے کی طرف روانہ ہو سکیں۔ واپسی کے سفر میں کم وقت لگتا ہے لیکن پھر بھی ہمیں جلد از جلد روانہ ہو جانا چاہیے۔"

اس وقت تک واپس جانے والی گاڑی، ان پہاڑوں کے پُرپیچ راستوں میں گم ہو چکی تھی البتہ اس کے انجن کی دم توڑتی ہوئی موہوم سی بازگشت فضا میں سنائی دے رہی تھی۔ میرے ذہن میں بس ایک ہی خیال جما ہوا تھا کہ ہم لوگوں کو گالان سے جلد از جلد

اتنی دور نکل جانا چاہیے کہ گالان والے نقارے پر ضرب لگا کر، سنکھ پھونک کر، یا کسی اور ذریعے سے قندوز خان کو صوتی اشاروں کی صورت میں کوئی پیغام پہنچانے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ ایک تجربے سے گزرنے کے بعد، میں سفر میں کسی دوسری رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو سب مسلح تھے۔ قندوز خان جیپ چلا رہا تھا۔ میں نے اخلاق اور مصلحت، دونوں ہی تقاضوں کا لحاظ کرتے ہوئے ویرا کو اس کے برابر والی نشست پر بٹھادیا تھا اور خود ویرا اور سلطان شاہ کے ساتھ جیپ کی پچھلی نشستوں پر براجمان ہوگیا تھا۔

جیپ پہاڑی ڈھلانوں پر بنے ہوئے ناہموار اور کچے راستے پر اچھلتی کودتی، نشیب کی طرف رواں تھی۔ پچھلی برسات کی تباہ کاریوں کی وجہ سے وہ راستہ کچھ زیادہ ہی پرخطر ہوگیا تھا۔ زمین پر زوروشور سے بہنے والے برساتی پانی کے گہرے کٹاؤ کی وجہ سے راستے میں جا بجا آڑی ترچھی نالیاں وجود میں آگئی تھیں جن کو عبور کرنے کے لیے رفتار اور اسٹیئرنگ وہیل پر قابو رکھنا پڑ رہا تھا۔ راستے میں حائل ہوجانے والے پتھروں اور چٹانی ٹکڑوں کو غالباً ان ٹھنگاریوں نے، جو ان راستوں پر سفر کرتے رہتے تھے، کھائیوں میں لڑھکادیا تھا۔

صاف موسم میں، سورج کی تیز اور چمک دار روشنی میں ہم چیغا سرائے کی طرف بڑھتے رہے۔ اس دوران میں ویرا، قندوز خان سے مسلسل باتیں کرتی رہی۔ وہ ویرا کی باتوں میں دلچسپی ضرور لے رہا تھا لیکن اس کے انداز میں صندل خان جیسا والہانہ پن نہیں تھا کیونکہ قندوز خان کا مزاج صندل خان سے بہت مختلف تھا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ وہ صندل خان کی طرح بلانوش نہیں تھا۔ وہ گالان میں مے نوشی کرتا رہا تھا لیکن سفر شروع کرنے کے بعد اس نے اس بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ جب کافی وقت گزرنے کے بعد ویرا نے اس بارے میں شکوہ کیا تو اس نے اپنی نشست کے نیچے سے ایک بوتل نکال کر خاموشی سے اس کی طرف بڑھادی۔

ویرا نے تحسین آمیز کلمات کے ساتھ بوتل سے استفادہ کیا اور اس کا منہ بند کیے بغیر بوتل قندوز خان کی طرف بڑھادی۔ قندوز خان نے راستے پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا "میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے اب نہیں پیوں گا۔ بوتل ڈیڈی کو دے دو یا منہ بند کرکے اپنے پاس رکھ لو۔"

"اس کی بو سے مجھے ابکائیاں آنے لگتی ہیں" مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "اِدھر دینے کے بجائے یہ بوتل اپنے ہی پاس رکھ لو" میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر سختی کے آثار نمایاں تھے۔

"غزالہ ٹھیک کہہ رہی ہے" میں نے غزالہ سے نظریں چار ہوتے ہی کہا "اس وقت میرا موڈ نہیں ہو رہا۔ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔"

"سبحان اللہ!" میرا جواب سن کر سلطان شاہ نے ہانک لگائی "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی مچھلی پانی میں اترنے سے انکار کردے گی۔ ان پہاڑوں میں آکر عجیب وغریب تجربات ہو رہے ہیں۔"

قندوز خان دھیمے سے ہنس پڑا "تم لوگوں کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ کبھی تم چاروں ایک دوسرے سے سر لگا کر بولتے ہو اور کبھی بے رحمی کے ساتھ ایک دوسرے کا مذاق اڑانے لگتے ہو۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ تم ایک دوسرے کے جاں نثار ہو یا گہرے دشمن ہو۔"

"یہ بات ہم آج تک خود بھی نہیں سمجھ سکے" ویرا نے سنجیدگی سے کہا "جس دن دوستی اور دشمنی کا یہ راز سمجھ میں آگیا، اس دن ہمارے آدھے مسائل خودبخود ختم ہوجائیں گے۔ ویسے تم برا نہ مانو تو میں تم سے ایک سوال پوچھ لوں۔ یہ سوال شروع ہی سے میرے ذہن میں کلبلا رہا ہے۔"

"کیسا سوال؟" جیپ میں قندوز خان کی اشتباہ آمیز آواز گونجی "کہیں تمہارے سوال کا تعلق اسی منحوس موضوع سے تو نہیں ہے جس سے میں گریز کرنا چاہ رہا ہوں؟"

"بھلا ایسا ہوسکتا ہے کہ میں تمہاری مرضی کا احترام نہ کروں؟" ویرا نے چالاکی سے کہا "یہ سوال تمہارے نئے سردار

صبغت اللہ کی نجی زندگی کے بارے میں ہے۔"
"پوچھ لو!" قندوز خان نے نیم دلی سے کہا "مگر یہ یاد رکھنا کہ ہم لوگ کسی اجنبی کی زبان سے اپنے سردار کی شان میں کوئی نازیبا کلمہ نہیں سن سکتے۔ تمہارے دماغ میں کوئی غلط بات رینگ رہی ہے تو بہتر یہ ہوگا کہ تم اپنی زبان بند رکھو۔ بڑوں کا قول ہے کہ ایک خاموشی ہزار دکھوں سے محفوظ رکھتی ہے۔"
"میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تمہارے نئے سردار نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟" ویرا کے الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔ اس سوال کا مطلب تھا کہ وہ خود بھی اپنے بارے میں صبغت اللہ کے عزائم کو فراموش نہیں کر سکی تھی۔
"شادی گھر بسانے اور گھریلو زندگی گزارنے کا نام ہوتا ہے" قندوز خان نے کسی توقف کے بغیر کہنا شروع کردیا "وہ کیا' میں خود بھی کنوارا ہوں۔ سردار پائندہ گل اس وادی کا بہت مضبوط حکمراں تھا۔ لوگوں کو اس کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر تیار کرنے کے لیے سردار صبغت اللہ نے برسوں تک دن رات کام کیا ہے۔ اس کی جان توڑ محنت کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتے ہو کہ پائندہ گل کو آخری لمحے تک یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ گھٹیوں والوں کی قیادت سردار صبغت اللہ کر رہا ہے۔ یہی ہماری تحریک کی کامیابی کا راز تھا۔ اگر وہ شادی کر لیتا تو تحریک کو اتنا وقت ہرگز نہ دے پاتا اور اگر شادی کے بعد تحریک کے لیے جتا رہتا تو اپنی بیوی سے ناانصافی کا مرتکب ہوتا۔ اب اس کا خواب پورا ہو گیا ہے۔ وہ کسی بھی وقت شادی کر سکتا ہے۔ مگر تم کو اس بارے میں کیا تجسس ہے؟"
"اس نے اپنے لیے کوئی نہ کوئی لڑکی تو پسند کی ہوگی؟" ویرا نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔
"وہ بہت گہرا ہے۔ اس کے دل کی بات کوئی نہیں جان سکتا۔ کم از کم اس کے ساتھیوں کو ایسی کسی خوش نصیب لڑکی کے وجود کا علم نہیں جو سردار صبغت اللہ کے دل کی وادی میں بستی ہو۔"
"کسی مقصد کے لیے اتنی بڑی قربانی دینے والے لوگ کم ہی نظر آتے ہیں" ویرا نے رشک آمیز لہجے میں کہا "تم لوگ خوش نصیب ہو کہ تمہاری تحریک کو اتنا مخلص سربراہ میسر آیا' جس نے تم لوگوں کو سردار پائندہ گل کے مظالم سے نجات دلانے کے جوش میں اپنی ذات اور ذاتی ضروریات تک کو فراموش کیا ہوا تھا۔"
"یہ واقعی مقدر کی بات ہے" قندوز خان کا لہجہ احسان مندی کے جذبے سے بوجھل تھا "وہ بہت بے لوث آدمی ہے۔ جب جرگے میں جنت گل کی بے گناہی کی حیران کن بات شروع ہوئی تو میرا خیال یہ تھا کہ سردار پائندہ گل کی نسل کے اس آب دار موتی کو سردار صبغت اللہ اپنی ملکیت بنانے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن وہ اپنی بے لوثی سے ہر ایک کو ششدر کردینے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہے۔ تم دیکھ لو کہ اپنے بجائے' وہ اپنے اس جلاوطن تایا زاد بھائی کی عزت کی بحالی کے بارے میں فکر مند تھا جو عبدالرحیم خان اور پائندہ گل کی گھناؤنی سازش کی وجہ سے مفرور بنا ہوا تھا۔"
"ہاں!" ویرا کو خاموش پاکر میں نے لقمہ دیا "سردار صبغت اللہ کی سوچ بہت اچھی تھی۔ وہ شنگارا ویلی میں ارسلا خان کو سرخ رو کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا لیکن جنت گل نے خود کو ختم کر کے اس خواب کو چکنا چور کر دیا۔ وہ اپنے باپ ہی کی طرح خود سر اور ہٹ دھرم نکلی۔ اس نے جان دے دی لیکن ایک بادرانی کی بیوی بننا قبول نہیں کیا۔"
"اس کی قصیدہ خوانی مت کرو" وہ تلخی سے بولا "دنیا میں وہ خود بدنام تھی اور اپنے باپ کے لیے ایک گالی بنی ہوئی تھی۔ اپنے لیے حرام موت کا انتخاب کر کے اس نے اپنی عاقبت بھی بگاڑ لی ہے۔"
"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں اپنے جرگے کے فیصلے پر اعتبار نہیں ہے؟" ویرا نے پھرتی سے سوال داغ دیا۔
"یہ میں نے کب کہا ہے؟" وہ چڑ کر بولا "تم خوا مخواہ بات سے بات نکالنے کی ناکام کوشش کر رہی ہو۔ ڈینی نے الزام سے انکار کیا' جرگے نے دلائل کے ساتھ اسے باعزت قرار دے دیا۔ اس میں کوئی شبہ کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس نے اپنی آزاد روی اور بسیار گوئی سے اپنی شہرت داغ دار کی ہوئی تھی۔ اگر وہ اپنی زبان بند رکھتی اور عزت دار لڑکی کی طرح زندگی گزارتی تو بولنے والوں کی زبانیں بند ہو جاتیں۔ لوگ غلاظت کے ڈھیر سے بہت بچ کر گزرتے ہیں لیکن اس احمق لڑکی نے یہ گندگی اپنے چہرے پر ملنے کی کوشش کی تھی۔ ڈینی کے بارے میں جھوٹا دعویٰ کرتے ہوئے' وہ یہ بات بھول گئی کہ اس کی ہرزہ سرائی سے جہاں اس کے باپ کی بدترین بے عزتی ہوگی' وہاں وہ خود بھی رسوا ہو جائے گی۔ گلالن کے جرگے نے اسے باعزت قرار دے دیا۔ اسے عزت دار عورت ہی کی طرح دفن کیا جائے گا۔ اس کی قبر پر پھول کے خشک ڈنٹھل نہیں گاڑے جائیں گے لیکن کابل میں کون ہمارے جرگے کے فیصلے کی تشہیر کرے گا؟ کابل کے قہوہ خانوں میں لوگ مزے لے لے کر جنت گل کی پھیلائی ہوئی کہانیاں دہراتے رہیں گے۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "عاقبت نااندیشی کا یہی انجام ہوتا ہے۔"
اس گفتگو کے بعد جیپ میں خیال انگیز خاموشی پھیل گئی۔ میرا اندازہ تھا کہ میری ہی طرح' ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔ جنت گل کے معاملے میں سچ اور جھوٹ اس بری طرح گڈمڈ ہوا تھا کہ حقیقت کا سراغ لگانا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ جنت گل کے ساتھ جو کچھ ہوا' میں اس میں ایک سرگرم فریق کی حیثیت رکھتا تھا۔ میرے ساتھ ساتھ' جنت گل اور صبغت اللہ کو بھی معلوم تھا کہ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ بظاہر وہ جنگ صبغت اللہ نے جیت لی تھی اور جرگے سے اپنی مرضی کا فیصلہ حاصل کر لیا تھا لیکن جنت گل سمجھ گئی تھی کہ میں اپنے مفاد کی خاطر صبغت اللہ سے مل

گیا تھا۔ اس نے خودکشی کر کے نہ صرف صبغت اللہ کا منصوبہ خاک میں ملا دیا تھا بلکہ میرے منہ پر بھی بھرپور طمانچہ رسید کیا تھا کہ میں صبغت اللہ سے سازباز کرنے کے باوجود جنت گل کو باورانیوں کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبور نہیں کر سکا تھا۔ جنت گل کے اس خاموش جواب کی تپش بس میں ہی محسوس کر سکتا تھا۔

سورج سر پر آنے کے بعد تیزی کے ساتھ آسمان کے مغربی گوشوں کی طرف جھکتا جا رہا تھا اور سائے سکڑنے کے بعد دوبارہ دراز ہونے لگے تھے۔ آخر کار ہمیں چیغا سرائے کے اس کیمپ کے موہوم سے آثار نظر آنے لگے جہاں سے ہم نے گالان کی طرف اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔

ڈھلان کا سلسلہ رفتہ رفتہ معدوم ہو چلا تھا اور جیپ کا غراتا ہوا انجن کم و بیش مسطح پہاڑی راستے پر پہیوں کو طاقت فراہم کرنے میں مصروف تھا۔ آخری چند سو میٹر کا فاصلہ تیزی کے ساتھ طے کیا گیا۔ اس ویرانے میں انجن کی آواز دور تک پھیل رہی تھی اس لیے ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی تین افراد پتھریلی عمارت سے باہر نظر آنے لگے تھے۔ وہ اپنی روایات کے مطابق آتشیں ہتھیاروں سے لیس تھے لیکن وہ ہتھیار ان کے شانوں ہی سے جھول رہے تھے۔ سفر کی سمت اور اپنی ساخت کی بنا پر قندوز خان کی جیپ غالباً دور ہی سے پہچان لی گئی تھی۔

جیپ رکنے کے بعد قندوز خان جوں ہی اپنی نشست سے نیچے کودا، تینوں افراد نے پرتپاک انداز میں اس سے باری باری بغل گیر ہونا شروع کر دیا۔ معانقہ کرتے ہوئے وہ بلند اور پُرجوش آواز میں کچھ بولتے بھی جا رہے تھے جو میری سمجھ سے باہر تھا۔ میں نے اترنے سے قبل استفسار طلب نگاہوں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا تو وہ جواب میں برا سا منہ بنا کر رہ گیا اور میں غصیلی نظروں سے اسے گھورنے پر مجبور ہو گیا۔

"یہ سب شنگاریوں کی بولی بول رہے ہیں۔ اس کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑتا" سلطان شاہ نے نیچے اترتے ہوئے میرے کان میں سرگوشی کی "معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یہی تین نفوس ہیں۔"

ان تینوں نے ہمارے ساتھ بھی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ ہاتھ ملاتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش بھی کی جس کے جواب میں ہم صرف باچھیں پھیلا کر رہ گئے۔ میری بے بسی سے بھرپور مسکراہٹ کو دیکھتے ہی قندوز خان کو صورت حال کا ادراک ہوا اور وہ ایک جان دار قہقہہ مار کر بولا "یہ تینوں اردو نہیں جانتے اور تم چاروں ہماری بولی سے ناواقف ہو۔ اب ترجمانی کا کام مجھے ہی سرانجام دینا پڑے گا۔ یوں سمجھ لو کہ یہ لوگ تمہیں خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔"

"ہماری طرف سے ان کا شکریہ ادا کر دو اور بتا دو کہ ہم معقول مہمان ثابت ہونے کی پوری کوشش کریں گے" میں نے رسمی لہجے میں کہا "یہ بتاؤ کہ اب کیا پروگرام ہے؟"

"آج یہیں آرام کریں گے" وہ اطمینان سے بولا "شام ہونے والی ہے۔ ان پہاڑوں میں رات بہت تیزی کے ساتھ پھیلتی ہے۔ تمام لوگ نہا دھو کر آرام کرو۔ تمہیں وقت پر کھانا مل جائے گا۔ میں ذرا آبادی کا چکر لگاؤں گا تاکہ کل کی روانگی کے امکانات کا جائزہ لے سکوں۔ یہاں سے سرحد کی طرف کارواں جاتے رہتے ہیں۔"

"تو تم آج کی رات باہر گزارو گے؟" ویرا نے بری طرح چونک کر سوال کیا۔

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں" وہ ویرا کی پریشانی سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا "ہو سکتا ہے کہ مجھے واپسی میں دیر ہو جائے۔ ہر شخص میری زبان سے گالان کے انقلاب کی کہانی سننے کا خواہاں ہو گا۔ میں اپنے پرانے دوستوں کو مایوس نہیں کر سکتا۔ اگر میں رات کو ان میں رہ بھی گیا تو صبح سویرے لوٹ آؤں گا۔"

"لیکن یہ تینوں اردو سے واقف نہیں ہیں۔ ہم ان سے بات کیسے کریں گے؟" غزالہ بولی۔

"بات کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ تمہارے بستر لگائیں گے۔ وقت پر لذیذ کھانا فراہم کریں گے۔ فاضل وقت میں تم آس پاس گھومنے یا آرام کرنے کے لیے آزاد ہو گے۔ اس بار تم یہاں کے قیدی نہیں، مہمان ہو۔ تم اپنی مرضی کے مطابق نقل و حرکت کر سکو گے۔ بس یہاں سے زیادہ دور نہ جانا۔"

وہ لوگ ہمیں پتھروں کی موٹی دیواروں والے ایک کمرے میں لے گئے۔ باہر کی فضا میں خنکی رچی ہوئی تھی لیکن کمرے میں آرام دہ حرارت کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کمرے کا فرش قالین سے مزین تھا۔

جیپ میں طے کی جانے والی طویل پہاڑی مسافت نے ہمارے انجر پنجر ہلا دیے تھے۔ مسطح اور دبیز قالین نظر آتے ہی میں اس پر دراز ہو گیا۔ قندوز خان اپنے ساتھیوں کو تیز تیز لہجے میں کچھ سمجھانے لگا۔

"یہ لوگ ابھی بستر لگائے دیتے ہیں" ان کے لوٹ جانے کے بعد قندوز خان نے ہم سے کہا "فوری طور پر چائے آئے گی۔ سات بجے کھانا تیار ملے گا۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ جلد از جلد لوٹ آؤں لیکن تم لوگ میری واپسی کا انتظار نہ کرنا۔ معاملات طے ہو گئے تو تمہیں کل بھی طویل سفر کرنا ہو گا۔"

اتنا کہہ کر قندوز خان بھی باہر چلا گیا اور وہاں صرف ہم چاروں رہ گئے۔

"یہاں قالین ضرور بچھا ہوا ہے لیکن یہ کمرا زیادہ آرام دہ نہیں ہے۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد ویرا پر تشویش انداز میں بولی۔ "یہاں ہم آرام سے نہیں سو سکیں گے۔ رات کو سردی بہت بڑھ جائے گی۔"

"ایک رات گزارنے کے لیے ہم کہیں بھی پڑ سکتے ہیں۔ اتنے نخرے اچھے نہیں لگتے" سلطان شاہ بولا۔

"یہ نخرا نہیں ہے" ویرا جل کر بولی "تم تینوں کے حافظے کمزور ہیں یا پھر تمہاری عقلیں چرنے گئی ہوئی ہیں۔ تمہیں یاد نہیں کہ پچھلی بار ہم صندل خان کے قیدی تھے لیکن اس سے محدود مصالحت ہو جانے کے بعد ہمیں یہاں کے بہترین کمرے میں ٹھہرایا گیا تھا؟ یہ کمرا اس سے کئی درجے کم تر ہے۔"

اس کے ٹوکنے پر میرا حافظہ تازہ ہوگیا۔ پچھلی بار ہماری آنکھیں ایسے کمرے میں کھلی تھیں جہاں پیال کے بستروں، فرشی چٹائی، پھوس کے چھپر، پتھریلی دیواروں اور ٹاٹ کے پردے کے علاوہ کچھ نہیں تھا لیکن ہم لوگوں سے دیانت دارانہ تعاون کا حلف لینے کے بعد صندل خان نے ہمیں اس سنگلاخ کمرے سے قدرے نشیب میں بنی ہوئی ایک ایسی عمارت میں منتقل کردیا تھا جس کے احاطے میں رنگا رنگ پھولوں کی بہار پھیلی ہوئی تھی اور وہاں دالان کے پیچھے بنے ہوئے متعدد کمروں میں سے ایک بہترین کمرا ہمارے تصرف میں دے دیا گیا تھا۔ پچھلی بار ہمارے سفر کی ابتدا بھی اسی حویلی نما عمارت کے سامنے والے مسطح قطعہ زمین سے ہوئی تھی لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ اس بار چیغا سرائے پہنچ جانے کے باوجود ہمیں اس آرام دہ عمارت یا پیالوں والے جھونپڑے کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔

"اب تمہاری عقل کام کررہی ہے۔ قندوز خان کے سامنے تمہیں کیا ہوگیا تھا؟" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا "صرف وہی ہماری بات سمجھ سکتا تھا۔ یہاں رہ جانے والوں سے ہم کیسے بات کریں گے؟"

"میں نے عقل کے استعمال کا ٹھیکہ نہیں لیا ہوا ہے" وہ چیخ کر بولی "ہماری یہاں سے روانگی کا قصہ اتنا پرانا نہیں ہے کہ ذہنوں سے اتر سکے۔ میں نے یہ سوچ کر اپنی زبان بند رکھی کہ کہیں تم نے کسی مصلحت کی وجہ سے وہ ذکر گول نہ کیا ہوا ہو۔ تم بات بات میں دلیل، منطق اور مصلحت تلاش کرلیتے ہو؟"

اس پر غصہ آنے کے باوجود میں بے بسی سے ہنس پڑا "بے وقوف لڑکی! تم نے بات تو چھیڑی ہوتی۔ اس کمرے میں قالین کے بجائے اونی کمبلوں کی کئی تہیں بچھی ہوئی تھیں۔ وہ خوشنما احاطے میں دوسرے کمروں سے متصل تھا۔ یہاں صرف یہی ایک کمرا نظر آرہا ہے۔ پتا نہیں تینوں شنگاری کہاں رات بسر کریں گے؟"

"ابھی اجالا باقی ہے" غزالہ نے دخل انداز ہوتے ہوئے کہا "وہ لوگ بستر لے کر آئیں گے تو کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لی جائے گی۔ وہ کمرا نہیں ملا تو رات یہاں بھی بسر کی جاسکتی ہے۔"

"دیواروں میں ایسی بھیانک کھڑکیاں ہیں کہ ان میں سے کوئی آدم خور تک آسانی سے اندر کود سکتا ہے" ویرا دو کھلی ہوئی کھڑکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"فکر نہ کرو۔ سونے سے پہلے پٹ بند کرلیں گے۔ دروازہ بھی اندر سے بند کرلیا جائے گا" غزالہ تحمل سے بولی۔

ویرا تمسخرانہ انداز میں ہنس پڑی "کھڑکیوں کے پٹ دکھاوے کے ہیں۔ ایک دوسرے پر جمے ہوئے پتھروں کے درمیان میخیں پھنسا کر انہیں روکا گیا ہے۔ یہ پٹ ہوا کو ضرور روک سکتے ہیں لیکن ذرا سا زور پڑتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر نیچے آگریں گے۔ مجھے کسی کا خوف نہیں ہے۔ بس تمہاری خوش فہمی دور کررہی ہوں۔"

"خوف نہیں لیکن مجھے تشویش ضرور لاحق ہے" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "میں اپنی تشویش کا سبب بتانے سے قاصر ہوں لیکن ہم آج کی رات غافل نہیں رہیں گے۔ پہلے میں جاگ کر نگرانی کرتا رہوں گا۔ مجھے نیند آنے لگی تو سلطان شاہ کو بیدار کردوں گا۔"

"اس وقت کی بات اور ہے۔ رات گئے جس کسی نے کھلے آسمان کے نیچے رک کر پہرے داری کرنے کی کوشش کی، صبح اس کی سردی سے اکڑی ہوئی لاش ہی ملے گی" سلطان شاہ بوکھلا کر بولا "اس وقت بھی ہم صبغت اللہ کے مراعات یافتہ مہمانوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ کھل کر بتاؤ کہ تم کیا خطرہ محسوس کررہے ہو یا تمہیں کس بارے میں تشویش لاحق ہے؟"

"چھٹی حس کچھ کہہ رہی ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا "میرے ذہن میں جب بھی خطرے کی ایسی گھنٹی بجتی ہے، کچھ نہ کچھ ہوکر رہتا ہے۔ ہم میں سے کوئی باہر رہ کر اپنی رات برباد نہیں کرے گا۔ اپنی اپنی باری پر ہم دونوں میں سے ایک آدمی کو اپنے بستر میں دبک کر چوکنا رہنا ہوگا۔ اگر کوئی ہماری نگرانی کررہا ہو تو اسے علم نہیں ہونا چاہیے کہ ہم میں سے کوئی جاگ بھی رہا ہے۔ صبح ہمیں یہاں سے روانہ ہو ہی جانا ہے۔"

"خدا ہم چاروں کی حالت زار پر رحم کرے!" سلطان شاہ منہ بنا کر گھگیایا۔

"ڈیبی ٹھیک کہہ رہا ہے۔" ویرا نے سپاٹ لہجے میں کہا "میں بھی اندر سے مضطرب ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں، تم لوگوں کو اپنی کیفیت سے کیسے آگاہ کروں۔ کھڑکیوں کی بات میں نے بلاوجہ نہیں کی تھی۔"

"کھڑکی کے راستے، کوئی آدم خور تمہیں لے بھی گیا تو ذلیل و خوار ہوکر خودکشی کر بیٹھے گا" سلطان شاہ مفروضوں کو ماننے پر آمادہ نہیں تھا "تمہارا خیال ہے کہ یہ شنگاری آدم خوروں کے علاقے میں رہتے ہیں؟"

"بات کو طول مت دو" غزالہ نے خشک لہجے میں سلطان شاہ کو خاموش کرادیا "مکاری شنگاریوں کے خون کا ایک نمایاں وصف ہے۔ ہم محض اس خیال سے مگن نہیں رہ سکتے کہ ہم ان کے سردار کے مراعات یافتہ مہمان ہیں یا ہمیں گالان میں خلعت فاخرہ سے نوازا گیا ہے۔ یہاں سے نکلنے تک ہمیں چوکنا رہنا ہوگا۔"

"اگر تم سب ہی یک زبان ہوگئے ہو تو میری مغز زنی بے سود ہے" سلطان شاہ نے بے چارگی سے کہا۔
تھوڑی دیر بعد تینوں شنگاری موٹے موٹے گدوں اور لحافوں کے گٹھر لے کر واپس آگئے اور انہیں قالین پر ڈال کر بچھانے میں مصروف ہوگئے۔ ویرا دلچسپی کے ساتھ ان کا مشاہدہ کرتی رہی۔ قرینے سے بستر لگانے کے بعد وہ جوں ہی سیدھے ہوئے' ویرا نے مسکراتے ہوئے ان میں سے ایک سرخ و سفید نوجوان کو آنکھ ماردی اور وہ سٹپٹا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس کے کانوں کی لویں اور رخساروں کا نظر آنے والا حصہ یک بیک سرخ بھبوکا ہوگیا تھا۔
اس شخص کے دونوں ساتھی اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعے سے بے خبر تھے۔ وہ ہمارے ہتھیاروں کی طرف بڑھے۔ انہوں نے جوں ہی ہتھیاروں کو ہاتھ لگایا' سلطان شاہ نے جھپٹ کر انہیں روک دیا۔
"انہیں ہرگز ہاتھ نہ لگانا" اشاروں کے ساتھ' غیر ارادی طور پر اس کی زبان بھی چل پڑی "یہ بھائی قندوز خان کا تحفہ ہے۔ اسے ہم کسی قیمت پر جدا نہیں ہونے دیں گے۔"
ویرا کے شکار نے آہستہ آہستہ گردن گھما کر کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھا اور ویرا نے پھر وہی حرکت دہرادی۔ اس پر وہ شخص پیر پٹختا اور کچھ بڑبڑاتا ہوا سیدھا باہر نکلا چلا گیا۔ اس کی آوازیں اتنی مبہم تھیں کہ اس کے دونوں ساتھی کچھ سمجھے بغیر مشینی انداز میں اس کے پیچھے ہولیے۔
"یہ کیا حرکت تھی؟" میں نے دبیز گدے پر منتقل ہوکر' ویرا پر آنکھیں نکالیں۔
وہ مسکرانے لگی "بس دل چاہ رہا تھا۔ تم دیکھنا کہ وہ دوبارہ اندر آئے گا۔"
"کیا ہوا تھا؟" سلطان شاہ نے متجسس ہوکر دریافت کیا۔ اس نے وہ منظر نہیں دیکھا تھا۔
"فی الحال کچھ بھی نہیں ہوا۔ نہ ہونے کی توقع ہے" ویرا اسے جواب دے کر اچانک ہی غزالہ کی طرف متوجہ ہوگئی۔ "کیوں غزالہ! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟ میرا مطلب ہے کہ ابھی تو تم نے اچار کا استعمال بھی شروع نہیں کیا اور یہ بدتمیز ابھی سے ہونے یا نہ ہونے کی فکر میں دبلا ہوا جارہا ہے۔"
"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" غزالہ اس کے سوال پر چراغ پا ہوگئی "پتا نہیں تم دونوں آپس کے مذاق میں میری ٹانگ کیوں کھینچنے لگتے ہو؟ میں ایسی بے ہودگی بالکل پسند نہیں کرتی۔"
"اوہ' آئی ایم سوری!" ویرا معذرت خواہانہ لہجے میں بولی "مجھے معلوم نہیں تھا۔ کیا تم یہ بتاؤ گی کہ تمہیں کس قسم کی بے ہودگی پسند ہے۔ آئندہ میں اسی کا اہتمام کیا کروں گی۔"
"تم جہنم میں جاؤ!" غزالہ نے بھنا کر کہا اور غصے میں بل کھاتی ہوئی' باہر نکلتی چلی گئی۔

"دیکھ لو' یہ بھی چلی گئی" ویرا مجھ سے مخاطب ہوکر مغموم لہجے میں بولی "اس بار تو میں نے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔"
"بعض اوقات تم اپنی حرکتوں سے لوگوں کی ہڈیاں تک سلگا کر رکھ دیتی ہو۔"
"اب میں کچھ نہیں بولوں گی" ویرا نے اداسی سے کہا "مجھے معلوم ہے کہ اب سلطان شاہ غزالہ کی خبرگیری کے بہانے باہر جائے گا۔ میں کچھ بولی تو تم بھی لڑ کر باہر چلے جاؤ گے اور میں اکیلی رہ جاؤں گی۔"
"بعض اوقات تم واقعی زچ کردیتی ہو" میں نے غصے اور بے بسی سے کہا۔
سلطان شاہ نے ویرا کو قہربار نظروں سے گھورا اور اس کے ردعمل کی پروا کیے بغیر غزالہ کے پیچھے چلا گیا۔
ویرا نے شرارت میں کامیاب رہنے والے شریر بچے کی طرح بھرپور قہقہہ لگایا اور میرا ہاتھ تھام کر مجھے گدے پر سے کھینچتے ہوئے بولی "آؤ' ان کی واپسی تک ہم دونوں بھی ڈوبتے سورج کی شفق رنگ روشنی میں اس مسطح چٹان پر راک اینڈ رول ناچتے ہیں۔ اس سے بدن چاق و چوبند رہتا ہے۔"
مجھے راک اینڈ رول سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ ویرا مذاق کررہی تھی۔ دن کا بہت کم حصہ باقی رہ گیا تھا۔ ہم اس مدت میں اپنی نئی قیام گاہ کے قرب و جوار کا خاصا جائزہ لے سکتے تھے۔ میں قدرے مزاحمت کے بعد اپنے قدموں پر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
دروازے کی چوکھٹ پر ہی وہ شنگاری ہم سے آ ٹکرایا جو ویرا کی نظربازی کا شکار ہوا تھا۔ مجھ سے ٹکراتے ہی وہ باہر رک گیا اور جوں ہی ہم دونوں باہر نکلے' اس نے اپنے داہنے ہاتھ میں دبی ہوئی' واڈکا کی بوتل ایک جھٹکے سے ویرا کی طرف بڑھادی۔ ویرا نے جوں ہی بوتل تھامی' وہ تیز تیز قدموں سے واپس لوٹ گیا۔
"یہ میرے لیے آئی ہے" ویرا بوتل کو فضا میں لہراتے ہوئے بولی "میں نے کہا تھا نا کہ یہ واپس آئے گا۔ حرامی سمجھ رہا ہوگا کہ جو عورت شراب پیے بغیر اسے آنکھ مار سکتی ہے' وہ نشے میں دھت ہونے کے بعد پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی بانہوں میں آگرے گی۔ لاحول ولا قوۃ.... پتا نہیں دنیا کے سارے ہی مردوں کی سوچ یکساں کیوں ہوتی ہے۔ خود راہ چلتے' محض تفریحاً اتنی خوش شکل لڑکیوں کو آنکھ مار کے خوش ہوتے ہیں کہ بعد میں ان کے چہرے بھی یاد نہیں رہتے لیکن یہی حرکت کوئی عورت کرگزرے تو ہاتھ دھوکر اس کے پیچھے پڑجاتے ہیں۔ ایسے پست ذہنیت لوگ یہ سوچ ہی نہیں سکتے کہ کوئی عورت بھی تفریحاً یا عادتاً ایسا کرسکتی ہے۔"
"دیکھو' سلطان شاہ کے منانے کے باوجود' غزالہ سیدھی چلی جارہی ہے۔"
"اس وقت وہ کڑک مرغی کی طرح پھولی ہوئی ہے۔ جتنا

چھیڑو گے' اتنا ہی پھیلتی جائے گی۔ وہ کہاں تک جائے گی؟ ذرا اندھیرا ہونے دو' خود ہی کمرے میں لوٹ آئے گی" وہ بے فکری سے بولی۔

"شرم کرو... اب تم میرے منہ پر اسے بُرا بھلا کہنے پر اتر آئی ہو۔"

"تو کیا ہوا....؟" وہ ڈھٹائی کے ساتھ بولی "تم مدت سے اس کے سامنے مجھے ڈانٹتے پھٹکارتے رہے ہو۔ ایمانداری سے بتاؤ کہ مجھ میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ صرف اتنا کہ ایک دہشت زدہ چینی مولوی نے ڈون کوانگ فو کی حویلی میں تمہیں اس کے حوالے کیا تھا اور میں نے از خود تمہارا ہاتھ تھاما تھا۔"

"اس وقت تم بہت زیادہ بہک رہی ہو۔ بوتل کھول کر تھوڑی سی الکحل لے لو تو اعتدال پر آجاؤ گی" میں نے تنگ کر کہا "اس وقت تک تمہارا خاموش رہنا ہی ہم دونوں کے حق میں سود مند ثابت ہوگا۔"

اس نے ایک قہقہہ لگایا "بڑا نازک نکتہ پیدا کیا ہے تم نے۔ چرچ میں راہب بتاتا ہے کہ لوگ پی کر بہکتے ہیں اور تمہارا خیال ہے کہ مجھے بہک کر پینی چاہیے تاکہ نارمل ہو سکوں۔ پی کر بہکنا یا بہک کر پینا.....! واہ' کیا بات ہے۔ اس وقت تم نے میرا دل خوش کردیا۔"

"عادی شرابیوں کی پہچان یہی ہوتی ہے کہ ان کا معدہ الکحل سے خالی ہو تو عقل' کھوپڑی سے سرک کر' پیٹ میں اتر جاتی ہے" میں نے تلخی سے کہا "اس وقت تم اسی منزل پر فائز ہونے والی ہو۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو" وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی "اس وقت ہم نے کمرا خالی چھوڑ کر غلطی کی ہے۔ ہم میں سے کسی نہ کسی کو وہاں رکنا چاہیے تھا۔"

"وہاں رکھا ہی کیا ہے؟ سردار صبغت اللہ سے ملی ہوئی خلعتیں چرا بھی لی جائیں تو کیا فرق پڑے گا۔؟ نقد ڈالر تو ہماری جیبوں میں موجود ہیں۔ گالان سے باہر وہی ہمارے کام آسکتے ہیں۔"

"تم ہتھیاروں کو بھول رہے ہو.... ان لوگوں نے بستر بچھاتے ہی ہمارے ہتھیار سمیٹنے کی کوشش کی تھی" وہ معنی خیز لہجے میں بولی "میدان صاف پا کر وہ اپنا کام دکھا جائیں گے اور ہم نہتے رہ جائیں گے۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے منع کرنے کے بعد وہ ایسی کوئی حرکت کریں گے" میں نے بے پروائی سے کہا "وہ سب چیزیں لے بھی گئے تو ہم دوبارہ منگوا لیں گے۔ وہ ہماری حکم عدولی نہیں کر سکیں گے۔"

"انہیں اپنی بات کیسے سمجھاؤ گے؟ وہ اردو میں بالکل ہی کورے ہیں۔"

"بس' تم دیکھتی جاؤ۔ وہ اشاروں پر ناچیں گے' اشاروں پر۔"

میں ایک بار اس کمرے سے نکل ہی آیا تھا تو قرب وجوار کا تفصیلی جائزہ لیے بغیر واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ ہموار پہاڑی ٹیلا بہت وسیع نہیں تھا۔ غزالہ اور سلطان شاہ نے اس کے کنارے پر پہنچ کر جس طرح اپنا رخ تبدیل کیا تھا اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ آگے کھائیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

مجھے قرب وجوار میں پتھروں کی حویلی یا اس کے باورچی خانے کی دھواں اگلنے والی چمنی سمیت' کسی چیز کے جانے پہچانے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ اس مسطح قطعہ زمین پر ہمارے کمرے سے کچھ فاصلے پر پتھروں کے کئی کمرے ضرور نظر آرہے تھے۔ شاید ان میں شنگاریوں کا قیام تھا۔ ان ہی میں سے کوئی کمرا بیت الخلاء اور غسل خانے کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہوگا۔ خاص بات یہ تھی کہ باہر جیپ موجود نہیں تھا۔ شاید قندوز خان اسی سے گیا تھا۔

آخر کار ہم دونوں بھی اس پلیٹو کے کنارے پر پہنچ گئے۔ آگے خودرو جھاڑیوں سے بھری ہوئی ناہموار' نشیبی زمین تھی اور اس طرف نیچے اترنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ ہم دونوں نے بھی غزالہ اور سلطان شاہ کی طرح' ان بے ہنگم گڑھوں کے کنارے کنارے چلنا شروع کردیا۔ میری عقابی نگاہیں دور دور کا طواف کررہی تھیں لیکن میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھا کہ چینغا سرائے میں ہماری قیام گاہ کس رخ پر واقع تھی۔

ایک بہت طویل چکر کاٹنے کے بعد ہم دوبارہ اسی مقام پر پہنچ گئے جہاں سے ہم نے اپنے تجسس آمیز سفر کی ابتدا کی تھی۔ اس دوران میں مجھ پر انکشاف ہوا کہ اس مسطح ٹیلے تک آمدورفت کے لیے وہی ایک کچا راستہ تھا جس سے ہماری جیپ وہاں پہنچی تھی۔ بقیہ اطراف میں جنگلی پودوں وغیرہ سے بھرے ہوئے کھڈ اور کھائیاں ہی پھیلی ہوئی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ پچھلی بار جب ہم نے چینغا سرائے میں قیام کیا تھا تو وہاں بلندی کے ساتھ ہی نشیب میں بھی تعمیرات موجود تھیں اور وہاں آمدورفت کے لیے ایک پر پیچ مگر خوب صورت راستہ بھی موجود تھا لیکن اس بار ان میں سے کوئی بھی نشانی موجود نہیں تھی۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ جگہ چینغا سرائے نہ ہو" ویرا نے میرے ذہن کو پڑھتے ہوئے کہا۔

"قندوز خان اتنا سفید جھوٹ نہیں بول سکتا" میں نے وثوق سے کہا۔

"پھر اندر چل کر آرام کرو۔ ہو سکتا ہے کہ پچھلے چند دنوں میں اس علاقے کا جغرافیہ تبدیل ہو گیا ہو" ویرا تمسخرانہ لہجے میں بولی "قندوز خان ہی اس پہیلی پر کوئی روشنی ڈال سکے گا۔"

غزالہ پہلے ہی سلطان شاہ کے ساتھ کمرے میں جا چکی تھی۔ ہم دونوں بھی ٹہلتے ہوئے واپس چلے گئے۔ غزالہ بستر پر دراز تھی۔ سلطان شاہ اسی شنگاری کے ساتھ مغز زنی کررہا تھا جسے ویرا نے

آنکھ مار کر بھگا دیا تھا۔ ہمارے قدموں کی آہٹ پا کر وہ پلٹا اور ویرا کو دیکھتے ہی اس نے خوشامدانہ انداز میں اپنی باچھیں پھیلا دیں۔

"ممو تو کا پٹھا مجھے دیکھ کر یوں مسکرا رہا ہے جیسے میرا برسوں پرانا دوست ہو" ویرا منہ بنا کر بڑبڑائی پھر اس ہونق کو یکسر نظرانداز کر کے سلطان شاہ سے مخاطب ہوگئی "تم اس نابجار کو کیا سمجھانے کی کوشش کر رہے ہو؟ یہ تمہارا بھیجا کھا جائے گا اور کچھ سمجھ کر نہیں دے گا۔"

"بھوک چمک اٹھی ہے۔ میں اسے بتانا چاہ رہا تھا کہ تم دونوں کے آتے ہی کھانا لگا دیا جائے۔ اتنی سی بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی" سلطان شاہ نے بے بسی سے کہا۔

اس دوران میں، میں نے دیکھ لیا تھا کہ ہمارے جملہ ہتھیار جوں کے توں موجود تھے۔

"اب ہم آہی گئے ہیں تو مختصریات کرو" یہ کہہ کر ویرا اس شنگاری کی طرف بڑھی۔ اس نے داہنے ہاتھ سے لقمہ منہ میں لے جانے کی اداکاری کرتے ہوئے بائیں ہاتھ سے کسی کو بلانے کا پرزور اشارہ کیا اور وہ شخص تفہیمی انداز میں سرہلا کر پھرتی سے واپس چلا گیا۔

"کمال ہے" سلطان شاہ نے خودکلامی کے انداز میں کہا "یہی بات میں سمجھا رہا تھا تو وہ اودبلاؤ کی طرح حیرت سے میرا منہ تک رہا تھا اور اب کسی سعادت مند ملازم کی طرح دوڑتا ہوا گیا ہے۔"

"آدمی آدمی کی بات ہوتی ہے لیکن مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ اس وقت غزالہ ڈارلنگ مجھ سے ناراض ہے" وہ بے تکلفانہ انداز میں غزالہ کے بستر پر ہی بیٹھ گئی "بعض اوقات یہ ہلکے پھلکے مذاق کو بھی برداشت نہیں کر پاتی۔ یہ اس کی بہت بڑی کمزوری ہے۔"

"مجھ سے الجھنے کی کوشش مت کرو" غزالہ کسی کٹکھنی بلی کی طرح غرائی "تم بولنے پر آتی ہو تو تمہیں پتا ہی نہیں چلتا کہ تم کب مذاق کی حدود کو پھلانگ کر دل آزاری پر اتر آئی ہو۔"

"میں شرمندہ ہوں" ویرا دونوں ہاتھوں سے اس کے پاؤں داہنے لگی "مجھے معاف کردو۔ کبھی کبھی میری کھوپڑی واقعی بے قابو ہو جاتی ہے۔ تم کراچی پہنچ کر مجھ سے بدلہ لے لینا لیکن یہاں غصہ تھوک دو۔"

غزالہ بے بسی سے ہنس پڑی "تمہاری ڈھٹائی کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے۔"

باہر مٹرگشت کرتے ہوئے ہمیں ایک کمرے میں سے دھواں خارج ہوتا ہوا ضرور نظر آیا تھا لیکن فضا میں گوشت بھننے کی اشتہا انگیز خوشبو مفقود تھی۔ کھانا آیا تو وہ تازہ اور گرم ضرور تھا لیکن دال اور سبزیوں پر مشتمل تھا۔ وہ معاملہ اتنا پیچیدہ تھا کہ اشاروں کی زبان میں شنگاریوں سے کچھ پوچھنا بے سود تھا۔ ہم چاروں بادل ناخواستہ کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ ابھی چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ فضا میں کسی انجن کی جانی پہچانی گونج ابھرتی ہوئی سنائی دی۔ اس وقت ایک شنگاری دیوار گیر مشعلیں روشن کرنے میں مصروف تھا۔ اس آواز پر وہ بھی چونکا۔ انجن کی آواز تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ قندوز خان ہماری توقع سے بہت پہلے واپس آرہا تھا۔ اس کی آمد سے فوری طور پر کئی الجھنیں رفع ہو سکتی تھیں۔

ہم آہستہ آہستہ اپنی شکم پری کرنے میں مصروف تھے کہ جیپ کی پرشور آواز ہمارے کمرے کے قریب آکر دم توڑ گئی۔ چند ثانیوں بعد قندوز خان السلام علیکم کا بلند آہنگ نعرہ لگاتا ہوا کمرے میں آگیا۔

"ٹھہرو!" ہمیں کھانے میں مصروف پا کر اس نے دروازے ہی سے ہانک لگائی "خالص دال اور سبزیاں کھا کر تمہارے ایمان کمزور ہو جائیں گے۔ میں رات کے کھانے کے لیے سالم ونبہ لے کر آیا ہوں۔"

ایک شنگاری کاغذوں میں لپٹا ہوا ونبہ لے کر اندر آیا تو فضا بھنے ہوئے گوشت کی بو سے مہک اٹھی۔

"جلدی لے آؤ!" سلطان شاہ نے بے صبری سے کہا "تمہیں اس کار ثواب کا اجر عظیم ملے گا۔ اس روکھے پھیکے کھانے نے سردار صبغت اللہ کے انعام واکرام کا لطف غارت کیا ہوا تھا۔ تم بروقت پہنچے ہو۔"

"مجھے معلوم تھا کہ آج یہاں ذبح کرنے کے لیے کوئی جانور

دستیاب ہے نہ پرندے۔ اسی لیے میں جان چھڑا کر جلد لوٹ آیا“
قندوز خان جوتے اتار کر ہمارے ساتھ آبیٹھا اور اس کے آدمی نے سالم دنبہ دسترخوان پر رکھ کر اس پر سے کاغذ اتارنا شروع کردیا۔

مرغوب غذا کی آمد کی نوید پاتے ہی ویرا نے اپنی تحویل میں موجود بوتل کی مہر توڑی اور اسے منہ سے لگالیا۔ اس وقت تک ویرا نے بوتل سے ایک گھونٹ بھی نہیں لیا تھا۔

”مرحبا!“ قندوز خان نے ویرا کی حرکت پر نعرۂ تحسین بلند کیا ”تم شیر کی بچی ہو۔ شراب پی کر دال اور سبزی کھانے سے بہتر ہے کہ آدمی بوتل مار کر اپنا سر کھول لے۔ اب کھانے پینے کا لطف آئے گا۔ میرا خیال تھا کہ تم لوگ اتنی جلدی کھانا نہیں کھاؤ گے.... لاؤ، ذرا بوتل مجھے بھی دینا۔“

”بڑے بھائی!“ سلطان شاہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا ”تمہاری غیر حاضری میں ہم چاروں اداس الوؤں کی طرح ایک دوسرے سے لڑ کر، اس ویرانے میں بھٹک رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے کہ چند روز میں چیغا سرائے کے خوب صورت کیمپ کو کس کی نظر کھاگئی؟ یہ تو بڑی خوب صورت جگہ تھی لیکن اب یہاں سب کچھ بدلا ہوا ہے۔ ہر طرف دل اڑانے والی ویرانی کا راج نظر آرہا ہے۔“

قندوز خان نے جناتی انداز میں بوتل سے بیک وقت کئی بڑے بڑے گھونٹ لیے پھر اپنی آستین سے دہانہ صاف کرتے ہوئے بولا ”پچھلی بار تم چیغا سرائے کے جنوبی حصے میں تھے۔ اس بار ہم شمال میں ہیں۔ وہ مقام یہاں سے کچھ دور ہے اور وہاں ہمارا ایک لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ میں تمہیں اس بھیڑ بھاڑ سے بچا کر یہاں لایا ہوں۔ ان دونوں عورتوں کی وجہ سے تم اس لشکر میں تماشا بن جاتے یا تمہارا جھگڑا ہو جاتا۔“

”تم بہت سمجھ دار ہو لیکن ہمیں بے خبر رکھ کر تم نے چکر میں ڈال دیا تھا“ ویرا ہنس کر بولی۔

”ایک رات کی بات ہے۔ ذرا سی بے آرامی سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اصل اہمیت ذہنی سکون کی ہوتی ہے۔ ان بے لگام لشکریوں میں تم ایک پل کے لیے بھی سکھ کی نیند نہیں سو سکتے تھے۔ وہ جنگی مورچوں سے نکل کر آتے ہیں تو کبھی کبھی تفریح کے چکر میں بدمعاشیوں پر اتر آتے ہیں۔ کل تم یہاں سے نکل جاؤ گے۔“

”کیا تم ہماری روانگی کا بندوبست کر آئے ہو؟“ میں نے مسرت آمیز تجسس کے ساتھ سوال کیا۔

”ادھوری بات ہوئی ہے۔ کل والے کارواں میں دو گورے بھی شامل ہیں۔ ان کی اجازت کے بغیر نفری میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ معاملات طے کرنے کے لیے مجھے دوبارہ شہر جانا ہے“ قندوز خان نے بتایا۔

”ہم لوگوں کو بھی ساتھ لے چلو۔ ہو سکتا ہے کہ ہم گوروں کو آمادہ کرلیں“ ویرا بولی۔

”وہ مان جائیں گے“ قندوز خان نے پورے اعتماد سے کہا ”آج کل یہ علاقے ہر قانون کی عمل داری سے باہر ہیں۔ ادھر کا رخ کرنے والے غیر ملکی اچھی طرح جانتے ہیں کہ مقامیوں کی کوئی التجا بھی حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ نہیں مانیں گے تو آبادی سے باہر نکلتے ہی کتوں کی طرح بھون ڈالے جائیں گے۔ کھانے کے بعد میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ تم چاروں میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے سے بات بگڑ بھی سکتی ہے۔“

”ہم تمہاری رضا میں خوش رہنے والوں میں سے ہیں“ میں نے بلاحیل وحجت ہتھیار ڈال دیے۔ اس کی غیر متوقع واپسی سے جہاں میرے کئی سوالوں کے جوابات مل گئے تھے وہیں ہمیں خاصی ڈھارس بھی ملی تھی۔

غزالہ دوسروں سے نظریں بچا کر مجھے بار بار گھورے جارہی تھی۔ وہ مجھے شراب نوشی سے باز رکھنا چاہتی تھی۔ میں اس کی نگاہوں کا مطلب خوب سمجھ رہا تھا۔ کمال کی بات یہ تھی کہ ویرا یا قندوز خان کو مجھے شریک کرنے کا خیال نہیں آیا تھا۔ وہ دونوں ہی ندیدوں کی طرح بوتل نچوڑنے کے چکر میں تھے۔

دنبے پر سے کاغذ کی تہیں اترنے تک قندوز خان نے خالی بوتل قالین پر لڑھکادی تھی۔ کھانا شروع کرنے سے پہلے اس نے آسودہ انداز میں ایک لمبی ڈکار لی، اپنی گھنی اور بے ترتیب داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور دنبے پر حملہ آور ہوگیا۔ ہم چاروں نے بھی کھانے کا رکا ہوا سلسلہ دوبارہ جاری کردیا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد قندوز خان جیپ لے کر واپس چلا گیا۔ اس وقت تک باہر گہرا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ وقت زیادہ نہیں ہوا تھا لیکن مشینی شور شرابے سے محفوظ، اس سکون پرور ویرانے میں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کافی رات گزر چکی ہو۔

شام ہونے کے ساتھ ہی وہاں موسمی تبدیلی کے آثار رونما ہو چلے تھے۔ رات گہری ہونے کے ساتھ فضا میں خنکی بڑھتی جارہی تھی۔ ہم نے کھڑکیاں بند کردیں تاکہ باہر کا موسم ہم لوگوں پر زیادہ اثر انداز نہ ہو سکے۔ کھانے کے برتنوں کی واپسی کے بعد، سلطان شاہ نے دروازہ بھی بند کردیا۔

ہم چاروں اپنے اپنے بستروں پر دراز تھے۔ پروگرام کے مطابق مجھے بیدار رہ کر چوکیداری کرنی تھی لیکن میرے ساتھ ساتھ وہ تینوں بھی جاگتے رہے۔ کچھ دیر بعد سب نے محسوس کیا کہ کھڑکیاں اور دروازہ بند ہونے کی وجہ سے مشعل کے خام ایندھن کا کثیف دھواں، کمرے میں گھٹ کر ناگوار اثرات مرتب کر رہا تھا۔

میں نے بیس راؤنڈز والا میگزین چیک کرکے اپنی بھری ہوئی کلاشنکوف اپنے اور سلطان شاہ کے گدوں کے درمیان میں اس طرح چھپالی کہ اندھیرے میں ہم دونوں کسی دقت کے بغیر اس تک رسائی حاصل کرسکیں۔ پھر مشعل گل کردی گئی۔ کمرے میں گھور اندھیرا پھیل گیا۔

میں نے اصرار کیا کہ وہ لوگ میری فکر کیے بغیر آرام سے سو جائیں لیکن ان میں سے کسی کو نیند نہیں آرہی تھی۔ میں نے ان کا ذہنی تناؤ دور کرنے کے لیے دھیمی آواز میں وضاحت کی کہ ہم

لوگ کسی حقیقی خطرے سے دوچار نہیں تھے بلکہ غیر یقینی حالات کی وجہ سے خود کو خطرات میں گھرا ہوا محسوس کر رہے تھے۔

"ہمیں شنگاریوں پر بھرپور اعتماد ہوتا تو کسی کو بھی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں تھی" اندھیرے میں سلطان شاہ کی آواز ابھری "باہر تین شنگاری موجود ہیں۔ یہ ان کا علاقہ ہے۔ اصولاً تو ان کی مرضی کے بغیر پرندہ بھی یہاں پر نہیں مار سکتا۔ مشکل یہ ہے کہ تم ان پر اعتماد کھو بیٹھے ہو۔ اسی وجہ سے سب متفکر ہیں۔"

میں خاموش رہا۔ اس وقت کے گمبھیر ماحول میں اپنے اندیشوں کو دہرا کر، میں ان لوگوں کی اعصابی کشیدگی میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ ویرا کے ذہن پر خورونوش کا گہرا خمار طاری تھا اس لیے سب سے پہلے اسی کو نیند آئی۔ پھر غزالہ کے تبصرے بھی مفقود ہو گئے۔ ان دونوں کی نیند میں خلل پڑنے کے اندیشے سے میں خاموش رہا مگر اندھیرے میں بھی میں دیکھ سکتا تھا، سلطان شاہ اپنے بستر پر پڑا پڑا کروٹیں بدل رہا تھا۔

کافی دیر بعد سلطان شاہ بھی سو گیا۔ میں اس کے ہموار اور گہرے گہرے سانسوں کی آوازیں بخوبی سن رہا تھا مگر نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ باہر گہرا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ بس کبھی کبھی کسی جھینگر کی آواز اس سناٹے کو مجروح کر دیتی تھی ورنہ پھر وہی بے کراں خاموشی ماحول پر محیط ہو جاتی تھی۔

پتا نہیں کتنی دیر تک میں اسی طرح خاموش لیٹا رہا۔ کافی وقت گزرنے کے بعد میری پلکیں بھی بوجھل ہونے لگیں۔ میں نے سوچا کہ ذہن پر حاوی ہوتا وہ خمار ذرا گہرا ہو لے تو میں سلطان شاہ کو جگا دوں گا۔

وہی میری اس رات کی سب سے بڑی بھول تھی۔ پتا نہیں کب غنودگی کی لہر اچانک مجھ پر غالب آ گئی اور سلطان شاہ کو بیدار کرنے سے پہلے ہی میری آنکھ لگ گئی۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ میں کتنی دیر سوتا رہا۔ خوف اور سنسنی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ میری آنکھ کھلی تو میں اپنی جگہ پر بے حس و حرکت پڑا، اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کچھ دیکھنے کی کوشش کرتا رہا لیکن ناکام رہا۔ پھر اچانک ہی مجھے اپنے سرہانے سے ایک موہوم سی آواز آئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے بوجھ اٹھاتے ہوئے کسی کے منہ سے خفیف سی آواز غیر ارادی طور پر آزاد ہو گئی ہو۔

میں نے آواز کی سمت میں سر گھمانے کی کوشش کی مگر اس وقت میرا سر منوں بوجھل ہو گیا۔ میرے لاشعور میں یہ خوف جما ہوا تھا کہ اس اندھیرے کمرے میں ہمارے علاوہ کوئی پراسرار اجنبی بھی موجود تھا جو کسی بھی طرح ہمارا خیر خواہ نہیں ہو سکتا تھا۔ غالب گمان یہی تھا کہ مجھے حرکت کرتے دیکھ کر وہ مجھے کوئی نقصان پہنچانے پر تل جاتا۔

گلالان سے واپسی پر میرے اور غزالہ کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی اس کے بعد میں ویرا کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ بادرانی فطرتاً عیاش رہے ہوں یا نہ رہے ہوں، یہ بات طے تھی کہ وہ بلا کے انا پرست تھے۔ یہ صبغت اللہ بادرانی کی انا پرستی ہی تھی جس نے اسے اپنے محسن اور سردار کے مقابل لا کھڑا کیا تھا۔ پھر اسی انا پرستی کی وجہ سے اس نے بے نسب، بدکار اور آزاد خیال جنت گل کو جرگے کے ذریعے پاکیزہ اور آبرومند قرار دلوا کر یکطرفہ طور پر اپنے تایا زاد بھائی، ارسلا خان سے منسوب کیا تھا۔ اس نے میرے سامنے کھل کر اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ ویرا کو اپنے تصرف میں لینے کا متمنی تھا۔ میں نے ویرا کے بارے میں ایک کہانی تراش کر اسے اپنے ارادے سے دستبردار ہونے پر تو آمادہ کر لیا تھا مگر میرا خیال تھا کہ ویرا کا تصور اس کے دل میں ایک پھانس بن کر پیوست ہو گیا تھا۔ صبغت اللہ نے ویرا کو مستقل طور پر اپنانے کا ارادہ ضرور ترک کر دیا تھا لیکن اس کی قبائلی انا ویرا کو مسخر کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ جب تک ہم افغانستان کی سرحدوں میں موجود تھے، صبغت اللہ کی طرف سے کسی جبری کارروائی کے خطرے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ خطرے کی وہ گھڑی آخر کار سر پر آ ہی گئی تھی۔

میں نے بہت آہستگی سے اپنا سر گھمایا تو تاریکی میں مجھے ایک دیو قامت انسانی ہیولا نظر آیا۔ اس کی پشت میری جانب تھی اور اس نے کسی کو اپنی کمر پر لادا ہوا تھا۔ وہ دبے قدموں دیوار کی طرف جا رہا تھا جہاں کھڑکی کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ اس تاریک خلا کا بیشتر حصہ اس شخص کے وجود کی آڑ میں تھا۔

میں نے اضطراری طور پر بستر پر نگاہ ڈالی۔ سلطان شاہ اپنی جگہ پر بے خبر سویا ہوا تھا۔ غزالہ کا لحاف بھی پھولا ہوا تھا البتہ ویرا کا بستر خالی تھا۔ اس کا لحاف ایک طرف پڑا ہوا تھا۔

ویرا نے کتنی ہی الکحل لی ہوئی ہو، وہ اتنی غافل نہیں ہو سکتی تھی کہ کوئی اسے اپنی پشت پر لاد کر لے جائے اور اسے ہوش ہی نہ آئے۔ اسے اٹھا کر لے جانے والے نے یقینی طور پر اس پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے اسے بے ہوش کر دیا تھا، جب ہی وہ اسے اتنے اطمینان سے اٹھائے لیے جا رہا تھا۔

میں نے پھرتی کے ساتھ اپنی پوزیشن تبدیل کی اور گدے کے نیچے سے لوڈ کی ہوئی کلاشن کوف نکال لی۔

لمحہ بھر کے لیے وہ شخص ایک طرف جھکا اور مجھے کھڑکی کے باہر کھڑے ہوئے ایک اور شخص کی جھلک بھی نظر آ گئی۔ باہر اندھیرا ضرور تھا لیکن تاروں بھرے آسمان کے سائے میں مجھے اس کے خدوخال بھی نظر آ گئے۔ میں یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ وہ شخص میرے لیے اجنبی نہیں تھا، اسے میں صبغت اللہ کے حواریوں میں دیکھ چکا تھا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ویرا کو اٹھا لے جانے والا اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھی کو میں دیکھ ہی چکا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ باہر مزید آدمی موجود رہے ہوں۔ ویرا کو ایک بار کھڑکی سے باہر پہنچا جاتا تو اسے کسی بھی صورت میں بازیاب نہیں کرایا جا سکتا تھا۔

میری کلاشنکوف میں بیس راؤنڈز والا میگزین چڑھا ہوا تھا مگر باہر کی صورت حال غیر یقینی تھی۔ راؤنڈز کے استعمال میں کفایت ناگزیر تھی۔ میں نے اپنی رائفل کا خود کار بٹن کھسکائے بغیر' نال سیدھی کر کے ویرا کو لے جانے والے شخص کی ٹانگوں کا نشانہ لیا اور ٹریگر دبا دیا۔ ایک دھماکے کے ساتھ وہ شخص کراہتا ہوا قالین پر ڈھیر ہو گیا۔

میرے فائر کرتے ہوئے' میرا حریف بالکل بے خبر تھا۔ میں چاہتا تو پشت سے اس کے اوپری دھڑ پر گولی چلا سکتا تھا لیکن وہ متحرک تھا اور اندیشہ یہ تھا کہ نشانہ خطا ہونے کی صورت میں ویرا بری طرح زخمی نہ ہو جائے۔ میں نے لمحوں ہی لمحوں میں فیصلہ کر کے اس کی کوئی ٹانگ بری طرح ادھیڑ ڈالی تھی۔

اس کے گرتے ہی کھلی ہوئی کھڑکی پوری طرح میری نظروں میں آ گئی۔ فائر اور اپنے ساتھی کی دردناک کراہ سن کر باہر والا اضطراری انداز میں کھڑکی کے راستے اندر کودنا چاہ رہا تھا کہ میں نے اس پر بھی گولی چلا دی۔

اس بار میرا نشانہ خطا ہو گیا مگر ایک فائدہ ہوا کہ وہ اندر آنے کے بجائے خوف زدہ ہو کر باہر کی طرف گر گیا۔ پھر باہر کی فضا کئی پے در پے فائروں سے لرز اٹھی۔ باہر والے نے جھلاہٹ میں شاید اپنے پستول کا پورا میگزین ہوا میں خالی کر دیا تھا۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ باہر کا ردِعمل بہت محدود تھا۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ ہمارے مقابلے میں ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا متنفس نہیں تھا۔

سلطان شاہ پہلے فائر کے ساتھ ہی ہڑبڑا کر بستر سے نکل پڑا تھا اور اندازے سے اس طرف جھپٹا تھا جدھر ہمارے بقیہ بکھرے ہوئے ہتھیار رکھے ہوئے تھے لیکن مجھے اس بات پر سخت حیرت تھی کہ باہر سے جوابی فائرنگ ہونے تک غزالہ نے کوئی جنبش نہیں کی تھی۔ نہ ہی وہاں رہنے والے تینوں شنگاریوں کا کوئی ردِعمل سامنے آیا تھا۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اپنے زخمی حریف کی طرف چھلانگ لگا دی۔

ویرا قالین پر جس طرح گری تھی' اسی طرح بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے حریف کے ڈیل ڈول کو دیکھتے ہوئے اس سے دست بدست مقابلہ کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اس کے بائیں پہلو پر فائر کیا مگر وہ خطرہ بھانپ کر اسی لمحے داہنی طرف جھکا اور گولی پتھروں کی دیوار کے کسی جوڑ میں پیوست ہو گئی۔

وہ داہنی طرف جھکتے ہی پلٹا اور کسی پھرتیلے چیتے کی طرح جست لگا کر میرے اوپر آ رہا۔

میرے لیے اس کے اڑتے ہوئے وجود کی جھونک کو سنبھالنا ناممکن تھا۔ میں اس کے ساتھ ہی قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ غراتے ہوئے' کسی اجنبی زبان میں کچھ بکے جا رہا تھا اور مجھے بری طرح جھنجوڑ رہا تھا۔

"ہینڈز اپ! میں گولی مار دوں گا" اندھیرے میں سلطان شاہ کی غراہٹ گونجی۔ اس کی آواز میں نیند کے خمار کا دور دور تک پتا نہیں تھا لیکن مجھے خوف تھا کہ وہ اسی وقت گہری نیند سے بیدار ہوا ہے اور اسے سچویشن کا پورا ادراک نہیں ہے۔ اگر اس نے اندھا دھند گولیاں برسائیں تو میرے علاوہ ویرا کی جان کو بھی سنگین خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ اس بارے میں سوچتے ہوئے' میرا دھیان بٹا ہی تھا کہ میرے حریف نے فائدہ اٹھا لیا۔

"گولی نہ چلانا" میں نے اپنی کمر کو اس شخص کی گرفت سے محفوظ رکھنے کے لیے ہاتھ پیر مارتے ہوئے چیخ کر کہا "ہم بری طرح الجھے ہوئے ہیں۔ تم کھڑکی کا خیال رکھو۔ ایک بدمعاش ادھر بھی موجود ہے۔"

اس اثنا میں میرا حریف میری کمر میں ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے مجھے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور اپنے قدموں پر کھڑا ہوتا چلا گیا۔ میرے حلق سے خود بخود بے معنی آوازیں برآمد ہونے لگیں۔

سلطان شاہ کھڑکی کی طرف جانے کے لیے جوں ہی ہمارے قریب سے گزرا' میرے حریف نے مجھے بے رحمی سے اس پر اچھال دیا اور ہم دونوں ایک دوسرے سے الجھ کر قالین پر ڈھیر ہو گئے۔

زخمی حریف لنگڑاتا ہوا کھڑکی کی طرف بھاگ نکلا۔ سخت مزاحمت سے دوچار ہونے کے بعد اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے اور وہ ویرا کو تقریباً بھول ہی بیٹھا تھا۔

اس مقابلے میں کلاشنکوف میرے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ باہر والے کو ہم لوگوں کی طرف سے کسی مقابلے کی توقع نہیں تھی۔ وہ بوکھلاہٹ کے عالم میں میگزین لوڈ کر کے بار بار ہوائی فائرنگ کیے جا رہا تھا لیکن اس نے دوبارہ کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے آنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ وہ فائرنگ کرنے کے ساتھ ہی رہ رہ کر کچھ چیختا جا رہا تھا۔ شاید وہ اپنے اندر والے ساتھی کا حوصلہ بڑھانے اور اسے ہدایات دینے میں مصروف تھا۔

جب تک میں سنبھل کر اپنے حریف کی طرف لپکا' وہ کھڑکی تک پہنچ چکا تھا۔

"رک جاؤ ورنہ میں گولی مار دوں گا" میں نے خالی ہاتھ ہونے کے باوجود' چیخ کر اسے دھمکی دی۔ وہ اردو سے ناواقف تھا یا پھر اس پر اپنی جان بچانے کی دھن سوار تھی کہ وہ کسی زخمی درندے کی طرح غراتا ہوا' دیوار پر ہاتھ ٹکا کر اچھلا اور پھر کھلی ہوئی کھڑکی کے خلا سے گزرتا ہوا باہر اندھیرے میں کود گیا۔

اچانک کچھ فاصلے سے کسی کی خوابیدہ آواز گونجی۔ الفاظ نامانوس تھے مگر لہجہ استفسار طلب تھا۔ شاید باہر والے تینوں شنگاریوں میں سے کسی کو ہوش آ ہی گیا تھا لیکن وہ مداخلت بے سود تھی۔ اس وقت تک سنگلاخ زمین پر دو افراد کے دوڑتے ہوئے

قدموں کی آوازیں کافی دور جا چکی تھیں۔

"یہ کک..... کیا ہو رہا تھا؟" سلطان شاہ میرے عقب میں آ کر منمنایا۔ فطری اور غیر ارادی ردِ عمل کا جوش فرو ہوتے ہی اس پر فکر اور تشویش غالب آ گئی تھی۔ شاید وہ کچھ خوف زدہ بھی ہو گیا تھا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو اس کے داہنے ہاتھ میں کلاشن کوف دبی ہوئی تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر وہ اپنے قبضے میں لے لی "یہ مجھے دے دو اور تم مشعلیں روشن کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

"وہ اندھیرے میں ہیں۔ ہم نے ذرا بھی روشنی کی تو وہ ہمیں باڑھ پر رکھ لیں گے۔"

"چوروں کے پاؤں نہیں ہوتے۔ وہ بھاگ چکے ہیں" میں نے سختی سے کہا "میں جیسا کہہ رہا ہوں، تم ویسا ہی کرو۔ ہم خطرے سے نجات حاصل کر چکے ہیں۔"

میں رائفل کو خودکار پوزیشن میں شفٹ کر کے، کھلی ہوئی کھڑکی کے قریب گیا اور نال موٹی دیوار کے سرے پر ٹکا کر فرش پر بیٹھتے ہوئے، گھوڑا دبا دیا۔ میگزین میں موجود دس کی دس گولیاں چند سیکنڈ میں آسمان کی طرف تیرتی چلی گئیں۔ میرے اس برسٹ نے تاریک اور ویران فضا کو لرزا کر رکھ دیا۔

سلطان شاہ نے ایک مشعل روشن کر دی۔ میں اس کی طرف پلٹا تو وہ حیرت سے ویرا اور غزالہ کو دیکھے جا رہا تھا۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے تحیّر زدہ آواز میں پوچھا "ان دونوں کو کیا ہوا؟ اتنی مار دھاڑ سے تو مُردے بھی اپنی قبریں پھاڑ کر باہر نکل آتے۔ یہ دونوں بالکل بے سدھ پڑی ہوئی ہیں۔"

"انہیں کوئی زود اثر دوا سنگھا کر بے ہوش کیا گیا ہے" میں نے کہا "شنگاری اپنے حریفوں کو بے ہوش کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ آنے والوں کی بدقسمتی تھی کہ انہوں نے صرف عورتوں کو بے ہوش کرنے پر اکتفا کیا۔ ہم بھی بے ہوش ہوتے تو وہ ویرا کو اٹھا لے جانے میں کامیاب ہو جاتے۔"

"عورتیں ہم سے دور مگر ایک دوسرے کے ساتھ دراز تھیں اس لیے آسانی سے شکار ہو گئیں۔ لیکن تم نے کیسے سمجھ لیا کہ یہ شنگاریوں کی حرکت تھی؟ کیا ہم ان کے سردار کے مہمان نہیں ہیں؟"

"مہمان ہونا اور بات ہے، صبغت اللہ کی ویرا پر نظر تھی۔ تازہ واقعات اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔"

"ہم گالان سے یہاں تک اسی کے رحم و کرم پر تھے۔ وہ ویرا کو زبردستی بھی چھین سکتا تھا۔ اسے اتنے ہیر پھیر اور ڈھکوسلے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا کیونکہ وہ تفصیلات سے باخبر نہیں تھا۔

"دوہری شخصیت رکھنے والے لوگ ہیر پھیر کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ وہ ڈنکے کی چوٹ پر ویرا پر ہاتھ ڈالتا تو پوری شنگارا ولی میں بدنام ہو جاتا۔ اس کی نئی نویلی سرداری ایسی بدنامی کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ رات کے اندھیرے میں یہاں رونما ہونے والی واردات نامعلوم مجرموں کے سر ڈال دی جاتی۔ جب ویرا سے اس کا دل بھر جاتا تو وہ ویرا کو مروا دیتا یا پھر بے ہوش کر کے کسی دور افتادہ ویرانے میں پھنکوا دیتا۔ اس طرح وہ کوئی بدنامی مول لئے بغیر اپنی انا کو تسکین پہنچا سکتا تھا۔"

"پھر اب کیا ہوگا؟ اپنے آدمیوں کی ناکامی اسے مشتعل کر دے گی۔ ہم پر کوئی اور وار بھی ہو سکتا ہے۔"

"اس کا امکان بہت کم ہے" میں نے سوچتے ہوئے کہا "ہر قسم کے وسائل پر دسترس رکھنے کے باوجود، یہ لوگ لاسلکی مواصلاتی سہولتوں سے بے بہرہ ہیں۔ رات میں یہاں سے گالان کا سفر اختیار کرنا ناممکن ہے۔ صبغت اللہ کو دن چڑھنے سے پہلے اس ناکامی کی اطلاع نہیں مل سکتی۔ ان لوگوں کی، نئی ہدایات کے ساتھ واپسی دوپہر سے پہلے نہیں ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک ہم یہاں سے کافی دور نکل چکے ہوں۔"

سلطان شاہ غزالہ کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا۔ میں ویرا کے قریب جا بیٹھا۔ میں نے ویرا کی آنکھوں کے پپوٹے الٹ کر دیکھا تو اس کی دونوں پتلیاں اوپر چڑھی ہوئی تھیں اور آنکھوں کی سفیدی بھیانک معلوم ہو رہی تھی۔

اس وقت موسم خاصا خنک تھا۔ میں ویرا کو قالین سے کھینچ کر اس کے بستر تک لے جانے کی کوششوں میں مصروف تھا کہ کھلی ہوئی کھڑکی سے ایک آواز سن کر بری طرح بھڑک اٹھا۔

وہ وہیں مقیم شنگاریوں میں سے ایک تھا اور ہم سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ غالباً اس نے بند دروازے پر طبع آزمائی کے بعد روشن کھڑکی کا رخ کیا تھا۔ میں نے ویرا کو چھوڑ کر غصیلی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ہوا سے ہولے ہولے بھڑکتی ہوئی مشعل کی روشنی براہ راست اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ میں اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں تیرتے ہوئے خمار کے سرخ ڈورے بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔

میں نے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا اور وہ کھڑکی سے گزر کر اندر آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی بقیہ دونوں شنگاری بھی اندر آ گئے۔ تینوں کی آنکھیں گہری نیند کے اثرات سے بوجھل ہو رہی تھیں مگر اس وقت وہ سب اسلحہ بند تھے۔

میرے اشارے پر ان میں سے ایک نے کھڑکی کے کھلے ہوئے چوبی پٹ بند کر دیئے۔

"ان حرام زادوں سے پوچھو کہ جب فائرنگ شروع ہوئی تو یہ کہاں مرے ہوئے تھے؟" سلطان شاہ نے غصے سے کہا۔

"اگر ہمارے ساتھ کوئی سازش ہوئی ہے تو یہ اس میں شامل نہیں تھے۔ تینوں بے چارے، گہری نیند سے اٹھ کر آئے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں اور چہروں پر حیرت کے آثار نمایاں نظر آ رہے ہیں۔" میں نے ان کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "اندھیرے میں ان کو اندازہ ہی نہیں ہو سکا ہوگا کہ یہاں باہر کے لوگ آئے ہوئے

ہیں۔"

میرے خاموش ہوتے ہی ان میں سے ایک شخص بولنے لگا۔ اس کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑ سکا۔

اشاروں اور اداکاری کے ذریعے میں بدقت تمام انہیں صورت حال سے آگاہ کرنے میں کامیابی حاصل کر سکا۔ پتا نہیں وہ میرا صحیح مدعا ہی سمجھے یا کسی اور نتیجے پر پہنچے لیکن اتنا ضرور ہوا کہ ان کی متجسس اور خوابیدہ نگاہوں میں تفہیمی آسودگی جھلکنے لگی اور انہوں نے سوالات کرنے کا سلسلہ ختم کر دیا۔

ان کی مدد سے میں نے ویرا کو بستر پر منتقل کر کے اس کے بدن پر لحاف ڈال دیا۔ سلطان شاہ نے غزالہ کو ہوش میں لانے کے چکر میں، پانی کے چھینٹے مار مار کر اس کے چہرے کے ساتھ ہی تکیہ بھی بھگو دیا تھا۔

"سب کوششیں بے سود ہیں" میں نے ایک طرف بیٹھتے ہوئے کہا "اپنی توانائی ضائع مت کرو۔ بے ہوشی کی دوا کا اثر اترنے سے پہلے انہیں ہوش نہیں آئے گا۔ یہ اتفاقی بے ہوشی نہیں ہے جو امدادی کوششوں سے ختم ہو جاتی ہے" یہ کہہ کر میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ ساڑھے تین بجا رہی تھی۔

تینوں شنگاری مجرمانہ احساس کے ساتھ سر جھکائے، خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ شنگاریوں سے اجتماعی طور پر کوئی لگاؤ یا ہمدردی نہ ہونے کے باوجود مجھے ان پر ترس آنے لگا لیکن سلطان شاہ برہمی سے بولا "ان کی ناک کے نیچے اتنا بڑا واقعہ ہو گیا اور یہ گدھے گھوڑے بیچ کر سوتے رہے۔ اب میں ان سالوں کی رات خراب کروں گا۔"

یہ کہہ کر وہ ان تینوں کو گھورنے لگا پھر "قندوز خان" کہہ کر اپنا ہاتھ فضا میں ہلانے لگا۔

اس کا سوال فوری طور پر سمجھ لیا گیا۔ اشاروں کی مدد سے جو جواب دیا گیا، وہ بھی قابل فہم ثابت ہوا۔ قندوز خان جیپ کے ذریعے گیا ہوا تھا اور اس وقت تک واپس نہیں لوٹا تھا۔ سلطان شاہ نے انہیں قندوز خان کی واپسی تک باہر پہرا دینے کی ہدایات دیں۔ اس بار اسے کافی محنت کرنی پڑی اور پھر تینوں شنگاری دروازہ کھول کر باہر چلے گئے۔ وہ جاتے ہوئے بھی شرمسار نظر آ رہے تھے۔

چند منٹ بعد سلطان شاہ ان کا جائزہ لینے کے لیے باہر گیا اور واپس آ کر اس نے اطلاع دی کہ ان تینوں میں سے ایک، دروازے کے سامنے جما بیٹھا تھا اور بقیہ دو کھڑکیوں کے نیچے چوکیداری کر رہے تھے۔

"اب کچھ نہیں ہوگا۔ آخری پہر کی ٹھنڈ میں وہ اکڑ کر رہ جائیں گے" میں نے کہا۔

"وہ مقامی باشندے ہیں۔ یہاں کی گلابی سردی ان کا کچھ نہیں بگاڑے گی۔ بستر کی گرمی دستیاب ہوئی تو وہ ایک مرتبہ پھر گدھے گھوڑے بیچ کر سو جائیں گے۔ اس بارے میں تمہیں دخل دینے کی ضرورت نہیں" یہ کہنے کے بعد وہ دوبارہ غزالہ کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا۔

"تم بلاوجہ اس کا منہ گیلا کر رہے ہو۔ سردی میں اسے نمونیا ہو جائے گا۔"

"پتا نہیں یہ دونوں کب تک اسی حال میں پڑی رہیں گی؟" وہ پُرتشویش لہجے میں بڑبڑایا۔

"تم فکر نہ کرو۔ قندوز خان روانگی کا بندوبست کر کے واپس آیا تو ہم انہیں اپنے کاندھوں پر لاد کر بھی دوڑ لگا سکتے ہیں۔ ان کی بے ہوشی ہماری روانگی میں مانع نہیں ہو سکے گی۔"

وہ پتھر کے کسی تشویش زدہ بت کی طرح غزالہ کے سرہانے جما بیٹھا رہا۔ میرے لیے یہ ایک خوش گوار بات تھی کہ سلطان شاہ، غزالہ کی ذرا سی بھی پریشانی پر اس قدر فکر مند ہو جاتا تھا جیسے ان دونوں کے درمیان خون کا کوئی قریبی رشتہ رہا ہو۔ میں اطمینان سے اپنے بستر پر دراز ہو کر لحاف میں دبک گیا۔

"کیا تم سو رہے ہو؟" اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"میں نے اپنی ڈیوٹی پوری سے زیادہ ادا کی ہے۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔ میں ذرا ایک جھپکی لے لوں۔"

خطرے کی وجہ سے میرے ذہن اور عضلات پر طاری ہونے والا دباؤ ختم ہونے کے ساتھ ساتھ مجھے نیند ستانے لگی تھی۔ بستر کی نرم اور آرام دہ حرارت پا کر میں نے آنکھیں موندیں تو ذہن نیند کی دلدل میں دھنستا ہی چلا گیا۔

○☆○

ہم چاروں صبح کے معمولات سے فارغ ہوئے تو شنگاریوں نے ناشتا پیش کر دیا۔ وہ سخت جان کو ہستانی وقت سے سونے اور وقت پر جاگنے کے عادی تھے۔ سلطان شان نے رات کے آخری حصے میں انہیں شب بیداری میں مبتلا کر کے سخت اذیت سے دوچار کر دیا تھا۔ وہ چل پھر ضرور رہے تھے لیکن ان کی چال بگڑی ہوئی تھی۔

ویرا اور غزالہ کو سورج طلوع ہونے سے پہلے ہوش آگیا تھا۔ سلطان شاہ کی زبانی، رات کی کہانی سن کر دونوں ہی خوف زدہ ہو گئیں لیکن ان میں سے کسی نے میری نیند میں خلل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ میں آٹھ بجے کے قریب اپنی نیند پوری کر کے ہی بیدار ہوا تھا۔

ہم ناشتے سے فارغ ہو کر باہر دھوپ میں آ بیٹھے۔ گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں دونوں عورتوں کے سوالات کا سلسلہ جاری تھا کہ دور سے جیپ آتی ہوئی نظر آئی۔ انجن کا شور سن کر تینوں شنگاری بھی اپنے کمرے سے باہر نکل آئے اور قریب آتی ہوئی جیپ کا نظارہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔

شنگاریوں نے بے تابی سے ہاتھ لہرا کر جیپ کو راستے میں ہی

روک لیا۔ قندوز خان کچھ دیر ان سے باتیں کرتا رہا پھر جیپ دوڑا کر ہمارے پاس آ پہنچا۔ وہ نیچے اترا تو اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خوب گہری نیند لے کر واپس آیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے نچلے پپوٹوں پر چھایا ہوا ورم اس کی بسیار نوشی کی کہانی سنا رہا تھا۔

"میں حیران ہوں کہ پچھلی رات کسی بدمعاش نے فرزانہ کو اٹھا لے جانے کی کوشش کی تھی" وہ ہمارے قریب آتے ہی غصیلے لہجے میں بولا "خدا کا شکر ہے کہ تم نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا ورنہ میں سردار صبغت اللہ کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہ رہتا۔ مہمانوں کی اپنی جان سے زیادہ حفاظت کرنا ہماری پرانی روایات کا حصہ ہے اور پھر تم چاروں تو ہمارے سردار کے اعزاز یافتہ مہمان ہو۔"

"کیا تمہاری خوشنودی کے بغیر بھی کوئی اِدھر کا رخ کر سکتا ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"آج تک ایسا نہیں ہوا لیکن پچھلی رات تم نے خود دیکھ لیا۔ بہت برا وقت آلگا ہے۔ نئے زمانے کے لوگ پرانی روایات، عزت اور وضع داری کا ذرا بھی پاس نہیں کرتے۔ ہر قیمت پر اپنی من مانی کر گزرتے ہیں۔"

ہم چاروں کے لیے وہ بہت نازک موقع تھا۔ میں نے اسے یہ جتانے کی کوشش نہیں کی کہ رات کو آنے والوں میں سے ایک تومی کو میں نے صبغت اللہ کے حواری کی حیثیت سے پہچان لیا تھا۔ میرے اس انکشاف سے کوئی فائدہ ہونے کی امید نہیں تھی البتہ قندوز خان برا مان جاتا تو بات بہت تیزی سے بگڑ سکتی تھی۔ میں نے نرمی سے کہا "جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب اسے لوٹایا نہیں جا سکتا۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ پائندہ گل کے ہمدردوں کی کارستانی تھی۔"

"لشکاری دوست ہوں یا دشمن، ایسی گھٹیا حرکت نہیں کر سکتے" اس نے دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے مربی، صبغت اللہ کا دفاع کرتے ہوئے کہا "یہ حرکت ان لشکریوں میں سے کسی کی ہو سکتی ہے جو جنوبی حصے میں خیمہ زن ہیں۔ شاید انہیں بھنک مل گئی ہو گی کہ اِدھر دو خوبرو غیر ملکی لڑکیاں ٹھہری ہوئی ہیں۔ لڑائی میں سرگرمی سے حصہ لینے والے اکثر گوریلے لڑکیوں اور پیسے کے بارے میں بہت حریص ہوتے ہیں۔ گھربار اور بال بچوں سے لمبی مدت تک دور رہنے کی وجہ سے ان کے مزاج پر عجیب و غریب حیوانی جذبوں کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ ان میں سے جو لوگ نشے کے عادی ہو جاتے ہیں وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ یہ خیر ہوئی کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکے..."

"اس واقعے کو بھول جاؤ" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "یہ بتاؤ کہ تم کیا بندوبست کر کے آئے ہو؟"

"سودا ذرا مہنگا ہوا ہے۔ سرحد پار کرانے والے عام طور سے پچاس سے سو امریکی ڈالر فی کس لیتے ہیں لیکن آج کل کے برے حالات کی وجہ سے دو سو ڈالر فی کس میں بات طے ہوئی ہے۔ قافلہ گیارہ بجے روانہ ہو گا۔"

"تو انتظار کس بات کا ہے۔ ہم روانگی کے لیے تیار ہیں" میں نے اپنی بے پایاں خوشی کو چھپاتے ہوئے کہا "سردار صبغت اللہ سے ملی ہوئی انعام کی رقم کا اس سے بہتر کیا استعمال ہو سکتا ہے؟"

"شرمندہ نہ کرو۔ یہ رقم ہم ہی کو ادا کرنی تھی مگر میں گالان سے پانچ سو ڈالر لے کر چلا تھا۔ میرا خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ چار سو کی ضرورت پڑے گی لیکن یہاں بات آٹھ سو پر ٹکی ہے، تین سو تم دے دینا۔"

"ہم آٹھ سو بھی خوشی سے دے دیں گے" ویرا بولی "لیکن مجھے حیرت ہے کہ تین سو ڈالر کی حقیر رقم کے لیے تم اتنے مجبور ہو کہ یہاں سے اپنے طور پر بندوبست نہیں کر سکتے۔"

ویرا کے تبصرے پر قندوز خان کا چہرہ چقندر کی طرح سرخ ہو گیا مگر وہ اپنا غصہ پیتے ہوئے بولا "میرے ایک اشارے پر مقامی کرنسی میں لاکھوں جمع ہو سکتے ہیں لیکن آج کل اس کی کوئی قدر نہیں ہے۔ مارکیٹ میں ڈالروں کا کال پڑا ہوا ہے۔ بڑے شہروں کے تاجر اور دکاندار منہ مانگے دام پر ڈالر سمیٹ لیتے ہیں۔ مجھے ڈالروں میں ادائیگی کرنی ہے۔ چیغا سرائے جیسی چھوٹی سی آبادی میں ڈالر کسی قیمت پر دستیاب نہیں ہیں۔"

"تم فرزانہ کی بات کا برا نہ ماننا۔ یہ بہت منہ پھٹ ہے" سلطان شاہ نے بات کو سنبھالتے ہوئے جلدی سے کہا "سوچے سمجھے بغیر بونگی بات کہہ جاتی ہے۔ بعد میں کئی کئی دن تک تنہائی میں اپنا منہ پیٹتی رہتی ہے۔"

ویرا نے آنکھیں نکال کر اسے گھورا مگر منہ سے کچھ نہ بولی کیونکہ وہ اپنی بات پر قندوز خان کا ردعمل دیکھ چکی تھی۔

"تنہائی میں منہ پیٹنے سے بہتر ہے کہ آدمی سوچ سمجھ کر بات کرے" قندوز خان کا لہجہ قدرے ترش تھا "میں نے اس کی بات کا برا نہیں مانا لیکن یہ بولتی بہت ہے۔ زیادہ بولنے والا عموماً غلط ہی بولتا ہے۔"

"خدا تمہارا بھلا کرے" سلطان شاہ خوش ہو کر بولا "تم نے لاکھ روپے کی بات کہی ہے۔ اس کا نام دیوانی یا باؤلی ہوتا تب بھی بے تکی باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ بدقسمتی سے اس کا نام فرزانہ ہے۔ اسے اپنے نام کی لاج ضرور رکھنی چاہیے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب فرزانہ بسیار گوئی سے پرہیز کرے۔"

قندوز خان زور زور سے ہنسنے لگا "میں تمہاری چالاکی سمجھ ہوں۔ میری آڑ لے کر اس بے چاری کا مذاق اڑانے کی کوشش کرو۔ وہ ایسی بھی بے وقوف اور نکمی نہیں ہے۔"

ویرا کی کہی ہوئی بات مذاق میں پڑ کر آئی گئی ہو گئی اور ہم فوری طور پر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

"تم یہاں سے جا رہے ہو مگر راستے میں محتاط رہنا" قندوز خان

ہمیں ہمدردانہ لہجے میں سمجھانے لگا "ہر شخص کو اپنی اپنی فکر کرنی پڑتی ہے۔ کسی پر اعتماد کیا تو نقصان اٹھاؤ گے۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتادیا۔ اپنی تعداد کی وجہ سے ہمیں دوسروں سے گھلنے ملنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی" میں نے کہا "غیر قانونی سفر میں ہر ایک دوسروں کی گردن کٹوا کر، خود بچ نکلنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔"

"ویسے تو دونوں گورے بہت چالاک ہیں لیکن ایلن خان سے ہوشیار رہنا۔ وہ مردود اردو بھی سمجھ اور بول لیتا ہے۔ اس کے سامنے ہم لوگوں کے کاروباری معاملات کا کوئی ذکر نہ کرنا۔ وہ اکثر یہاں سے پشاور آتا جاتا رہتا ہے مگر ہم اس سے کسی قسم کا لین دین پسند نہیں کرتے۔ اتفاق سے تمہاری کوسٹر اسی نے کرائے پر لی ہے۔"

"ایلن خان؟" میں نے متحیر ہو کر پوچھا "یہ کیا نام ہوا؟ کیا وہ کوئی دوغلا ہے؟"

قندوز خان ہنس پڑا "اس کا نام ایلن ہے۔ آگے بھی کچھ لگا ہوا ہے جو خاصا مشکل ہے۔ ہم لوگ عادتاً ہر نام کے آگے خان کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ یہ ہماری جدت ہے ورنہ وہ خالص گورا ہے۔"

"اور کرائے کی کوسٹر کا کیا چکر ہے؟" میں نے اس سے اگلا سوال کر ڈالا۔

"چیغا سرائے سے سرحد پار کے لیے جو گاڑیاں چلتی ہیں، انہیں کوئی ایک پارٹی کرائے پر لیتی ہے پھر اپنی مرضی سے مسافر پورے کرتی ہے۔ مسافروں سے کرائے کا مول تول اور نفع نقصان پارٹی کے ذمے ہوتا ہے۔ آج کل لڑائی میں تیزی آگئی ہے اس لیے روسیوں کا مقابلہ کرنے والے مقامیوں اور غیر ملکیوں نے بڑی تعداد میں پرائیویٹ گاڑیاں کرائے پر لی ہوئی ہیں۔ ان غیر فوجی گاڑیوں کے ذریعے گوریلوں کے علاوہ گولہ بارود بھی حفاظت سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔ اس دباؤ کی وجہ سے گاڑیوں کی قلت ہو گئی ہے۔ ایلن خان کی کوسٹر کے بعد اگلے چار پانچ دن تک کوئی گاڑی میسر نہیں ہے۔ اتفاق سے کوئی گاڑی واپس لوٹ آئے تو اور بات ہے۔"

"یہ اہم معلومات ہمارے کام آئیں گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایلن خان اور اس کا ساتھی اس کارواں کا ٹھیکے دار ہے اور دوران سفر ہمارا انہی سے واسطہ رہے گا؟"

"تم ٹھیک سمجھے۔ ڈرائیور اور کلینر گاڑی کے مالک کے تنخواہ دار ہوتے ہیں لیکن سفر شروع ہونے کے بعد وہ صرف ٹھیکے دار کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔ راستے میں کھانے پینے کا خرچ مسافروں کے ذمے ہوتا ہے۔"

پہاڑوں سے گھری ہوئی وادیوں سے باہر نکل کر جب جیپ نے آبادی کا رخ کیا تو اپنے گرد و پیش میں پھیلے ہوئے بے پایاں قدرتی حسن سے ہم سب ہی مسحور ہو کر رہ گئے۔ آتے ہوئے ہم لوگ ایک باربردار ٹرک کے بند عقبی حصے میں بے ہوش پڑے ہوئے تھے اس لیے ہمیں راستوں وغیرہ کے بارے میں کچھ علم نہیں ہو سکا لیکن اس بار ہم سفر سے پوری طرح لطف اندوز ہو سکتے تھے۔ ہماری محویت اور دلچسپی دیکھ کر قندوز خان نے ہماری معلومات میں اضافہ کرنا شروع کر دیا۔ ہماری دلچسپی سے اسے بہت خوشی ہوئی تھی۔

چیغا سرائے، جلال آباد سے شمال مشرق کی طرف آنے والی پختہ پہاڑی سڑک کا آخری قصبہ تھا۔ شنگارا ویلی سے بھی اوپر، ہزارہا فٹ بلند پہاڑوں سے آنے والے دریائے کنار کے بائیں کنارے پر واقع اس سرسبز قصبے کی آبادی کسی زمانے میں بہت مختصر اور خوش حال تھی لیکن افغان جنگ کی ہولناک تباہ کاریوں نے اس دور افتادہ قصبے کے باسیوں کا سکھ چین نگل لیا تھا۔ منڈیوں کی تباہی اور خوفناک افراط زر نے ہر طرف افلاس کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔ جنگ زدہ علاقوں سے بھاگ کر آنے والے افغان پناہ گزینوں نے قصبے کے وسائل پر زبردست دباؤ ڈالا ہوا تھا۔ پختہ سڑک سے منسلک ہونے کی وجہ سے چیغا سرائے کی آبادی بہت تیزی سے بڑھی تھی۔ آمدنی کے محدود وسائل جنگ سے متاثر ہوئے تھے۔ اس لیے وہاں جرائم بہت تیزی کے ساتھ پھل پھول رہے تھے۔ بظاہر عزت و غیرت کے نام پر لڑ مرنے کے لیے آمادہ ہو جانے والے متعدد افغان کوچی چوری، رہزنی، جیب تراشی، فریب دہی اور عصمت فروشی کے گھناؤنے دھندوں میں ملوث ہوتے جا رہے تھے۔ خندقوں اور مورچوں میں کئی کئی مہینوں تک موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ڈٹے رہنے والے گوریلے جب چند دنوں کے آرام کے لیے اس علاقے میں آتے تھے تو بکثرت ان جرائم کا شکار ہوتے رہتے تھے۔

آخر کار ہماری جیپ چیغا سرائے کی بستی کے تنگ راستوں سے گزرنے لگی۔ وہاں تاحد نظر کسی کثیر المنزلہ عمارت کا وجود نہیں تھا۔ سارے مکانات کچے یا نیم پختہ تھے۔ خال خال پکے مکان بھی نظر آ رہے تھے لیکن ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ بے رونق بازاروں اور راستوں پر ڈھیلے ڈھالے لباسوں میں لپٹے ہوئے مردوں اور بچوں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ ضرورت سے مجبور ہو کر بہت سی عورتیں بھی اپنے گھروں سے نکلی ہوئی تھیں۔ ان کے سروں پر چادریں سایہ فگن تھیں۔ نوخیز لڑکیوں اور درمیانی عمر کی خوبرو عورتوں نے ان ہی چادروں کے ایک گوشے کو نقاب کے طور پر استعمال کرتے ہوئے، آنکھوں سے نیچے پورا چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ ان میں سے ہر آنکھ میں ایک سوال مجسم تھا، جنگ کب ختم ہو گی؟

کرب و الم میں ڈوبے ہوئے اس خاموش سوال کا جواب ان سرفروشوں کے پاس بھی نہیں تھا جو اپنی سرحدوں پر وزنی جوتوں کی اجنبی دھمک اور اپنی فضاؤں میں جنگی مشینوں کی وحشیانہ گونج سن کر اپنے سروں سے کفن باندھ کر میدان میں کود پڑے تھے۔ جنگ ا
زد میں آنے والی ہر چیز کو بے رحمی کے ساتھ اپنا ایندھن بنا۔

جارہی تھی۔ اخلاق تباہ ہو رہا تھا۔ مروتیں مٹ رہی تھیں۔ خوشحالی
ایک خواب میں بدلتی جارہی تھی، لہلہاتی اور تیار فصلیں ٹینکوں کی
آہنی زنجیروں تلے روندی جارہی تھیں، انسان گاجر مولی کی طرح
کٹ رہے تھے اور اس وقت کسی کو بھی اس خوں ریزی کے انجام
کا علم نہیں تھا۔ وہ خاموش سوال، جواب کے انتظار میں چیغا
سرائے کی فضاؤں میں تیرتا پھر رہا تھا۔ وہاں ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ
اور توپوں کی گھن گرج نہیں تھی لیکن جنگ کے سائے ہر طرف
منڈلا رہے تھے۔

قندوز خان ہمیں قصبے کا بیشتر حصہ دکھاتا ہوا، جیپ کو اس
سڑک پر لے آیا جو دریائے کنار کے صاف و شفاف پانی کے ساتھ
ساتھ سفر کرتی ہوئی، جلال آباد سے گزرنے والی شاہراہ سے جاملتی
تھی۔

کچھ دیر بعد جیپ ایک سرائے نما ہوٹل کے پاس روک دی
گئی۔ سائبان کے نیچے، بڑی بڑی چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے
چونک کر جیپ کی طرف دیکھا پھر قندوز خان پر نظر پڑتے ہی ایسے بن
گئے جیسے انہوں نے ادھر دیکھا ہی نہ ہو۔ میرے لیے یہ بات خاصی
عجیب تھی کہ گالان کے ایک نیم وحشی قبائلی سے چیغا سرائے کے
لوگ بھی خوف کھاتے تھے۔ ہم چاروں جیپ سے اترے تو ہمیں
کسی کی چبھتی ہوئی نظروں کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

ہوٹل کے ساتھ ہی بائیس نشستوں والی ایک چیک دار کوسٹر
تیار کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ہمیں اسی نیلی کوسٹر میں
روانہ ہونا تھا۔ اس کی کشادگی کا مطلب یہ تھا کہ ایلن کے کارواں
کی نفری بیس بائیس افراد کے لگ بھگ ہونی چاہیے تھی۔

قندوز خان کسی بگڑے ہوئے شہزادے کی طرح اکڑتا ہوا
ہوٹل میں داخل ہوگیا۔ میرے لیے اس کا وہ انداز نیا تھا۔ شاید
چیغا سرائے کے اوباش لوگوں پر اپنی ہیبت برقرار رکھنے کے لیے
اس نے ایسی اداکاری کو ضروری سمجھا تھا۔ وہ جدھر سے گزر رہا تھا،
لوگ فضا میں ہاتھ اٹھا اٹھا کر اسے تعظیم دے رہے تھے۔

ٹین کی ڈھلوان چھت والے اس ہوٹل میں داخل ہونے کے
بعد میں اس کی صفائی ستھرائی سے مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس
وسیع ہال کے تین اطراف میں کیبن نما کمرے بنے ہوئے تھے۔ باقی
جگہ میں چوبی بینچیں اور میزیں پڑی ہوئی تھیں۔ ہر میز پر سفید میز
پوش بہت نمایاں اور ستھرا لگ رہا تھا۔ میز پوش کی حفاظت کے
لیے ہر میز پر پورے سائز کا شفاف شیشہ رکھا ہوا تھا۔ ہوٹل کے
کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا گیم سخیم شخص، قندوز کو دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ
کھڑا ہوا۔ قندز خان نخوت سے سر کو جنبش دیتا ہوا ایک بند کمرے
کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے پر دستک کے جواب میں اندر سے کسی نے
"آجاؤ" کہا اور قندوز خان دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ میرا خیال
تھا کہ وہ کمرا بہت مختصر ہوگا اور ہم پانچوں اس میں نہیں سما سکیں گے
لیکن اندر پہنچنے پر میرے اس خیال کی تردید ہوگئی۔ چوڑائی کے
مقابلے میں اس کمرے کی گہرائی تین گنا سے بھی زیادہ تھی۔ اس
کے انتہائی اندرونی سرے پر دو متوازی بستر لگے ہوئے تھے۔ ان
سے پہلے، دیواروں کے ساتھ کئی چوبی بینچیں پڑی ہوئی تھیں۔ بستر پر
سرخ ٹی شرٹ اور خاکی نیکر میں ملبوس ایک معنک سفید فام بیٹھا
ہوا تھا۔

"ہیلو کانڈوز کھان" وہ عینک کے شفاف عدسوں کے پیچھے اپنی
نیلی آنکھوں کو نچاتے ہوئے بولا "یہ ٹم لوگ کا پسنجر ہے۔ ویری
گڈ!" پھر اس کی نظریں باری باری ہمارا جائزہ لینے لگیں۔

ویرا اور غزالہ کو دیکھتے ہی وہ چونک پڑا اور اپنے سر کو متاسفانہ
انداز میں ہلاتے ہوئے بولا "اوہ! یہ تو لیڈیز ہے۔ ٹم نے ام کو یہ
نائیں بولا۔ لیڈی لوگ کا چار سو ڈالر ہوگا۔"

اس وقت تک میں اس گورے کی اردو دانی اور بگڑے ہوئے
تلفظ سے محظوظ ہو رہا تھا لیکن عورتوں کے بارے میں اس کا تبصرہ
سن کر میں چونک پڑا۔ وہ بلا کا لالچی اور مکّار معلوم ہوتا تھا۔

"کیوں؟" قندوز خان بگڑ کر بولا "عورت اور مرد سے کیا فرق
پڑتا ہے؟"

"اوہ مائی بوائے!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "لیڈی لوگ
کا پریشانی زیادہ ہوتا، کرایہ بھی ڈبل ہوتا۔ ٹم نائیں مانتا، ڈوسرا کوسٹر
لے لو، جیپ لے لو....."

قندوز خان نے پھر کر اس کو بات پوری نہیں کرنے دی اور بولا
"دیکھو، ایلن خان! تم حرامی ہے تو میں تم سے بڑا حرامی ہوں۔
عورتوں کو دیکھ کر تم نے پھیلنے کی کوشش کی تو تمہاری کوسٹر قیامت
تک جلال آباد نہیں پہنچ سکے گی۔ میں تمہیں کنار کے ٹھنڈے اور
شفاف پانی میں غرق کردوں گا۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔"

"جانٹا ہائے!" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر خوف زدہ انداز میں پیچھے
سرکتے ہوئے بولا "ام چیغا سرائے بزنس کرنے آیا، لرائی نائیں
کرے گا۔ ٹم امارا بلڈ پریشر اپ نائیں کرو۔ ابی ٹم پسٹل نکال کر
بولے گا، یہ فری پسنجرز ہے۔ نو، مسٹر کانڈوز کھان۔ ام یہ نائیں
ہونے مانگٹا۔"

"میں تم کو دھونس نہیں دے رہا" قندوز خان دانت پیستے
ہوئے غرایا "عورتیں بھی ایک سیٹ لیتی ہیں۔ میں تم کو چار سو ڈالر
کس بات کے دوں؟ یہاں کا زیادہ سے زیادہ ریٹ سو ڈالر ہے۔ تم
نے دو سو مانگے۔ تم کرائے کی بلیک کر رہے ہو۔ میں نے اس پر ایک
لفظ نہیں کہا۔ اب تم میری نرمی سے ضرورت سے زیادہ فائدہ اٹھانا
چاہتے ہو تو یہ نہیں ہوسکے گا۔ تم زبان دے کر نہیں پھر سکتے۔ میں
تمہارا بیڑہ غرق کردوں گا۔"

"لرائی نائیں۔ تین سو ڈالر پر کمٹم کرو۔ بزنس از بزنس۔"

"میں دو سو سے ایک پیسہ زیادہ نہیں دوں گا" قندوز خان اڑ
گیا۔ "لوگوں کو میرے اور تمہارے جھگڑے کا علم ہوگیا تو تمہاری

کوسٹر کے سارے مسافر جانے سے انکار کردیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس علاقے میں قندوز خان سے جھگڑے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ تم ایک پیسے کا بزنس نہیں کرسکو گے۔ یہاں بیٹھے اپنا انگوٹھا چوستے رہو گے۔"

ایلن نے شہادت کی انگلی سے اپنے سینے پر کراس بنا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا "ام بلیک کرتا' تم بلیک میلنگ کرتا ہے۔ کرائسٹ تم کو ڈیکھے گا۔ تم امارا بزنس نائیں مار سکتا۔ ابی جلدی آٹ سو ڈالر نکالو۔"

قندوز خان نے اپنی جیب سے ربربینڈ میں لپٹے ہوئے ڈالر نکال کر حقارت سے اس کی گود میں پھینک دیے اور میری طرف مڑ کر بولا "اسے تین سو اور دے دو۔ دماغ درست ہوگیا سالے کا۔"

"تھینکو یو پلیز!" ایلن ربربینڈ ہٹا کر ڈالر گنتے گنتے کراہا "جنٹل مین گالی نائیں ڈیٹا۔"

"تم قندوز خان کے منہ نہ لگو۔ یہ پکا کتیا کا پلا ہے۔" اچانک ویرا انگریزی میں بول پڑی۔

ایلن کا منہ حیرت سے کھل گیا اور آنکھیں کشادہ ہوگئیں "اوہ گڈ لارڈ! تم تو اپنی ہی طرف کی معلوم ہوتی ہو۔ میں اب تک تمہیں مقامی سمجھ رہا تھا' چلو میرا حساب پورا ہوگیا۔ میں سمجھوں گا کہ تم کو مفت میں لے جارہا ہوں۔ دوسری لڑکی کے پورے چار سو وصول کئے ہیں۔ یہ کانڈوز بھی کیا یاد کرے گا کہ کس سے پالا پڑا تھا۔" اس نے نہایت مسرت کے ساتھ انگریزی ہی میں کہا اور بقیہ تین سو ڈالروں کے لئے میری طرف ہاتھ پھیلا دیا۔

"یہ کیا گٹ پٹ ہو رہی ہے؟" قندوز خان نے ویرا کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں' اسے سمجھا رہی تھی کہ بلاوجہ تم سے نہ الجھے ورنہ خسارے میں رہے گا۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"اور یہ کیا کہہ رہا تھا؟" قندوز خان کا لہجہ اشتباہ آمیز تھا۔

"دل ہی دل میں تم سے ڈر رہا ہے مگر زیادہ سے زیادہ پیسے بٹورنے کے چکر میں الجھ رہا تھا۔"

ایلن ایسا بنا رہا جیسے اس نے ویرا کی بات ہی نہ سنی ہو۔ میرے دیے ہوئے ڈالر گننے کے بعد اس نے پوری رقم اپنے نیکر کی بیلٹ میں اندر کی طرف بنی ہوئی جیب میں اڑس لی۔

"آؤٹ!" ڈالر سنبھالنے کے بعد اس نے اپنے کمرے کے اکلوتے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "تھوڑی دیر میں دوسرے مسافر آنے لگیں گے اور نشستوں کا جھگڑا چل پڑے گا۔ تم لوگ ابھی سے اپنی جگہیں پسند کرکے ان پر قبضہ کرلو۔ بعد میں' میں تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکوں گا۔" اس نے بگڑے ہوئے تلفظ کے ساتھ' ٹوٹی پھوٹی اردو میں اپنا مافی الضمیر پوری طرح واضح کردیا تھا۔ اردو زبان پر اس کی گرفت خاصی معقول تھی۔

قندوز خان دروازے کی طرف جاتے جاتے ایک بار پھر پلٹ پڑا اور ایلن خان کو گھورتے ہوئے تلخی سے بولا "کرائے میں راستے کے سارے اخراجات شامل ہیں۔ تم ٹول ٹیکس یا چیک پوسٹ والوں کو رشوت دینے کے بہانے ان سے ایک پیسہ بھی نہیں اینٹھو گے۔ تم نے ایسی کوئی زیادتی کی تو وہ دو چار دن سے زیادہ مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکے گی۔ میں مار مار کر تمہارا پلیتھن نکال دوں گا۔"

"او کے' او کے!" وہ مفاہمانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "نو ایکسٹراز۔ میں سفر کے لئے ان سے مزید کوئی رقم نہیں لوں گا مگر انہیں یہ سمجھا دینا کہ راستے میں قیام اور کھانے پینے کے اخراجات یہ خود ادا کریں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ میرے اور دوسرے مسافروں کے معاملات میں بالکل دخل نہیں دیں گے۔"

"تمہارے اور دوسرے مسافروں کے معاملات؟" قندوز خان نے استفہامیہ انداز میں کہا۔

ایلن کے ہونٹوں پر جمی ہوئی مکارانہ مسکراہٹ گہری ہوگئی "ہاں۔ تمہیں معلوم ہے کہ جو لوگ یہاں سے غیرقانونی طور پر سرحد پار جاتے ہیں ان کے کیا مفادات ہوتے ہیں۔ جو شخص برے وقت میں اپنی مدرلینڈ سے وفا نہیں کرتا وہ کسی رعایت یا ہمدردی کا حق دار نہیں ہوتا۔ میں راستے میں بھی ان سے پیسے لوں گا۔ ان چاروں کو ایسے کسی بھی موقع پر غیرجانبدار رہنا ہوگا۔ میں دوسروں پر یہ ظاہر کروں گا کہ میں نے ان سے پیسے لے لئے ہیں۔"

"یہ کھلی کھلی بے ایمانی اور بدعہدی ہے۔" قندوز خان نے کاٹ دار لہجے میں کہا "کسی بھی جنس یا سہولت کا سودا طے ہوجانے کے بعد' ہیر پھیر کرنا جائز نہیں ہوتا۔ تم ایسی حرکتیں کرکے جہنم مول لے رہے ہو۔"

وہ محتاط انداز میں ہنس پڑا اور آہستگی سے بولا "تمہارے پاس وقت ہو تو میں اس بارے میں اپنے نظریے کی وضاحت بھی کرتا چلوں؟ اس ذرا سی بات پر کوئی بھی انصاف پرست مجھے جہنم میں نہیں ڈال سکتا اور پھر ہولی کرائسٹ کا باپ تو سراپا انصاف ہے۔ وہ میری گرفت کیوں کرے گا؟ سودے بازی ہر ایک کا حق ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے پہلی بار گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"ہم نہیں تھے تو ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ہم کیا ہوں گے۔" اس نے گہری سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے' فلسفیانہ لہجے میں کہا "میری بات اس طرح سمجھ سکتے ہو کہ ہم اپنی ماں کے رحم میں ایک نقطے کی طرح وجود میں آتے ہیں تو ہمیں اس سے پہلے کا کچھ علم ہوتا ہے نہ ہم آنے والی باتوں کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ ہم پیدا ہوتے ہیں تو ہمیں کچھ علم نہیں ہوتا کہ پیدا ہونے سے پہلے ہم کن کن مراحل سے گزرے ہیں۔ ہم پر جو بھی دکھ سکھ نازل ہوتا ہے ہم ہنس کھیل کر یا روتے بسورتے ہوئے اسے جھیل لیتے ہیں اور وہ وقت آن پہنچتا ہے جب ہماری مہلت ختم ہوجاتی ہے۔ قزاق اجل

چھپنا ہے اور پل بھر میں ہم وجود سے عدم میں چلے جاتے ہیں۔
تیسرے دور میں ہم پر جو کچھ گزرے گی شاید ہم اسے نوشتہ تقدیر
کر کبھی نہ کسی طرح گزار ہی لیں گے۔ ہمیں پیدا کرنے والا اگر
رو قہار ہے تو رحیم و کریم بھی ہے۔ ہمارا پروردگار ہم پر ہماری
طاور برداشت سے زیادہ مصائب لادہی نہیں سکتا۔ وہ خالق ہے
رہم مخلوق۔ اسے معلوم ہے کہ اس کی بنائی ہوئی کٹھ پتلیوں میں
نا دم خم ہے وہ ان پر برداشت سے زیادہ عذاب لادہی نہیں
۔ وہ تو خالق اور بہت بڑی شے ہے۔ تم صرف ماں کو دیکھ لو۔ وہ
لق نہیں ہوتی مخلوق کو اس دنیا میں لانے کا بس ایک وسیلہ ہوتی
ہے۔ وہ نو ماہ تک نومولود کو اپنے بدن میں پروان چڑھاتی ہے بعض
ن کا پتا ہی نہیں چلتا اور کچھ بچے اپنی ولادت سے پہلے 'اپنی ماؤں
آٹھ آٹھ آنسو رلادیتے ہیں۔ تم نے آج تک یہ نہیں دیکھا ہوگا
ہ کوئی ماں اپنے نومولود بچے کو صرف اس لئے مارتی اور سزا دیتی
کہ وہ اس کی کوکھ کو اذیت ناک طریقوں سے کریدتا اور کھنگالتا رہا
۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ میری سرشت میں داخل ہے۔ سرشت
انتخاب میں نے خود سے نہیں کیا۔ قدرت نے مجھے جیسا اور جو
بنایا میں بن گیا۔ پھر وہ مجھے سزا کیوں دے گا؟ آگ سے مجھے
وف آتا ہے آگ دور کی بات ہے 'میں موسم کی سختی بھی برداشت
ہیں کر سکتا۔ یہ میرا یقین ہے کہ جو سزا میری برداشت سے باہر ہے
ہ مجھے نہیں دی جائے گی۔ اس لئے میں جہنم سے محفوظ رہوں گا۔"
"تم پر خدا کی لعنت ہو۔" قندوز خان اس کی شکستہ اردو سننے
کے بعد دانت پیستے ہوئے بولا "میری بات لکھ کر رکھ لو کہ تم جیسے
پاپیوں اور منکروں کا ٹھکانا جہنم کے علاوہ کہیں نہیں ہوگا۔ تمہاری
سرشت قدرت نے نہیں بنائی ہے۔ یہ تمہارے کرتوتوں کا نتیجہ ہے
اور تمہیں ان کی سزا مل کر رہے گی۔"

وہ تلخی سے ہنس پڑا "مشکل یہ ہے کہ ہر آدمی کو ایک ہی زندگی
تی ہے۔ وہ کسی پر کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ ڈاکو کے گھر پیدا
ونے والا بچہ ڈاکو 'لٹیرا' چور یا پھر بد معاش ہی ہوگا۔ اس میں اسے
صور وار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ اگر اسی بچے کو دوسری بار کسی
راہب کے گھر میں پیدا ہونے کا موقع ملے تو وہ عبادت گزار اور
پارسا ہو یا نہ ہو' بد معاش نہیں ہوگا۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے
کہ کسی بھی شخص کو دوسری بار پیدا ہونے کی آزادی نہیں ہے۔
س لئے جو کچھ اور جیسا کچھ ہوتا ہے اسے من و عن مان لینا پڑتا
ہے۔"

"اپنی کھوپڑی پر دُم اگا کر ہندو بن جاؤ تو تم بھی آواگون کے چکر
میں آجاؤ گے۔ مر مر کر جیتے رہو گے اور ہر جنم میں تمہارا ایک نیا
روپ ہوگا۔" غزالہ نے اس کی تقریر سے اکتا کر جلے کٹے لہجے میں
کہا۔

"بے سود ہوگا۔" ایلین مایوسانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا

"اس میں بھی موجودہ جنم کے اعمال کی جزا یا سزا کا تصور کارفرما
ہے۔ میں یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ میری پیدائش مختلف حالات اور
ماحول میں ہوئی ہوتی تو میں ایک الگ ہی انسان ہوتا۔ مجھے اس
بات پر اختیار نہیں ہے اسی لئے میں جہنم کے تصور سے بہت زیادہ
خوف زدہ یا مرعوب نہیں ہوں۔ میرے ساتھ جو کچھ ہونا ہے اس
کی حد مجھے معلوم ہے۔ وہ میری برداشت سے باہر نہیں ہوگا۔"
"اپنی ان باتوں سے تم نے ثابت کردیا ہے کہ تم ایک گمراہ
انسان ہو۔" قندوز خان نے مشتعل ہو کر کہا "تمہارا ٹھکانا صرف
اور صرف جہنم میں ہوگا۔ تم دوسروں کے ساتھ اپنی من مانی
مکاریاں کرتے رہو لیکن ان چاروں کے ساتھ کوئی بھی زیادتی ہوئی
تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ تمہیں اتنی بات یاد رکھنی
چاہئے۔"
"تم فکر نہ کرو۔ تمہیں یا ان کو مجھ سے کوئی شکایت کا موقع
نہیں ملے گا۔"
اس کی پرخلوص یقین دہانی پر ہم سب وہاں سے لوٹ آئے۔
باہر کھڑی ہوئی نیلی کوسٹر کی دیکھ بھال پر مامور عملہ 'قندوز خان کو
دیکھتے ہی مودب ہوگیا۔ قندوز خان نے پشتو میں ان کی مزاج پرسی کی
اس مرتبہ سلطان شاہ نے بھی ہم زبانی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان
سے دعا سلام کرنی ضروری سمجھی اور پھر قندوز خان کے پیچھے آرام
دہ کوسٹر میں داخل ہوگیا۔
قندوز خان نے عملے کے افراد کو اگلی چار نشستیں روکنے کی
ہدایت کی اور ہمیں لے کر نیچے اتر گیا۔
"دس بجے ہیں۔" نیچے آنے کے بعد اس نے اپنی رسٹ واچ
دیکھتے ہوئے کہا "گاڑی روانہ ہونے میں کافی دیر ہے۔ تم یہ وقت
کس طرح گزارنا پسند کرو گے؟" اس نے مجھ سے تخاطب کیا تھا۔
"پیچنغا سرائے اور دریائے کنار ہم دیکھ چکے ہیں۔" میں نے
پرسکون لہجے میں کہا "اس مختصر سے قصبے میں جو قدرتی حسن پنہاں
ہے وہ ہم دیکھ ہی چکے ہیں۔ ادھر اُدھر مارے مارے پھرنے کے
بجائے ہم یہیں کہیں بیٹھ کر وقت گزار لیں تو مناسب رہے گا۔ ایک
بار مسافروں کی آمد شروع ہوگئی تو شاید ہمیں اپنی جگہوں پر بیٹھنا
پڑے گا۔"
"جگہوں کی تم فکر نہ کرو۔" وہ پورے اعتماد سے بولا "وہاں
کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں ان چھچھورے اور
بازاری لوگوں میں نہیں بیٹھ سکتا۔ اس طرح بھرم جاتا رہتا ہے۔ تم
چاہو تو ہم جیپ میں بیٹھ کر ظاہر شاہ پبلک پارک کا رخ کرسکتے ہیں۔
بڑی خوب صورت جگہ ہے۔ اس وقت وہاں سناٹا ہوگا۔"
میں نے سمجھ لیا کہ اسے وہاں رکے رہنے میں تامل تھا۔ میں
نے پورے خلوص کے ساتھ کہا "وقت اتنا کم رہ گیا ہے کہ ہم پبلک
پارک سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو سکیں گے۔ تم چاہو تو

واپس چلے جاؤ۔ ہم یہیں بیٹھ کر وقت گزار لیں گے۔ یہاں رک کر ہمیں سفر کے ماحول کا اندازہ کرنے کا موقع مل سکے گا۔"

"پھر فی امان اللہ" وہ مسکرا کر بولا "تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ تمہارے آرام کے لئے میں جو کچھ کر سکتا تھا' وہ کر گزرا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اب ایلن تمہارے ساتھ کوئی بدمعاشی نہیں کرے گا۔"

وہ بہت گرم جوشی کے ساتھ ہمیں الوداع کہہ کر اپنی جیپ میں رخصت ہو گیا۔

"مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے سر سے ٹنوں وزنی بوجھ ہٹ گیا ہو۔" قندوز خان کے کچھ دور نکل جانے کے بعد ویرا نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر آہستگی سے کہا۔

"تم ایسی بات کر رہی ہو جیسے قندوز خان تمہارے سر پر سوار رہا ہو۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"تم اپنی دانست میں میرا مذاق اڑا رہے ہو لیکن حقیقت یہی تھی۔" ویرا نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا "کراچی سے اغوا ہونے کے بعد ہم لوگ مسلسل شنگاریوں کے دباؤ میں رہے ہیں۔ صندل خان' پائندہ گل' صبغت اللہ اور قندوز خان ایک ہی زنجیر کی متعدد کڑیاں تھیں۔ قندوز خان کے چلے جانے کے بعد مجھے پہلی بار آزادی اور خود مختاری کا احساس ہوا ہے۔ شنگاریوں کے چنگل میں ہم سب ہی بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔"

"ویرا ٹھیک کہہ رہی ہے۔" غزالہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "مجھے آزادی کا صحیح احساس اس وقت ہو گا جب میں سرحد عبور کر کے پاکستان پہنچ جاؤں گی۔ میرے لئے یہ لوگ آسیب بن کر رہ گئے تھے۔"

ہمیں چائے وغیرہ کی کوئی خواہش نہیں تھی اس لئے ہم باتیں کرتے ہوئے کوسٹر کی طرف گئے اور اس میں داخل ہو کر اپنی پسندیدہ نشستوں پر براجمان ہو گئے۔ سب سے اگلی سیٹ پر دونوں عورتیں بیٹھ گئیں۔ ہم دونوں نے ان کے پیچھے والی سیٹ سنبھال لی۔

"میرا خیال ہے کہ میں پیچھے چلا جاؤں تو بہتر رہے گا۔" چند ثانیوں کے بعد سلطان شاہ بولا "الگ بیٹھ کر ہم بہتر طور پر ایک دوسرے کا دھیان رکھ سکیں گے۔"

"معرکہ آرائیوں کا ماحول ہم پیچھے چھوڑ آئے۔ یہاں ہمیں کسی سے کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ ایک ساتھ ہی رہو۔ تمہاری خالی کی ہوئی جگہ پر کوئی بے ڈھب آدمی آ بیٹھا تو سارا سفر کوفت میں گزرے گا۔"

"ایلن دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے۔" غزالہ نے خیال ظاہر کیا "ویرا نے انگریزی میں قندوز خان کی برائی کر کے اس کا دل موہ لیا ہے۔ اس سے گپ شپ شروع ہو گئی تو سفر اچھا گزرے گا۔"

"وہ مجھ سے ضرور قریب ہونے کی کوشش کرے گا۔" ویرا

ہنس کر بولی "وہ باتونی ہونے کے ساتھ ساتھ بلا کا مکار بھی ہے۔ نہیں اس کا دوسرا ساتھی کون ہے' وہ کہیں نظر نہیں آیا۔"

"اسے ٹٹولنے کی کوشش کرنا کہ وہ کس چکر میں پاکستان جا رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم تینوں انگریزی سے ناواقف بنے رہو تو وہ مجھ سے زیادہ آزادی کے ساتھ بات کر سکے گا۔ وہ بظاہر آزاد خیال بن رہا تھا لیکن وہ نسلی تعصب میں مبتلا معلوم ہوتا ہے۔"

"جیسا چاہو' کہہ دینا۔ اس سے ہماری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

پھر کوسٹر میں مسافروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس وقت تک میں سمجھ رہا تھا کہ جنگ سے متاثرہ یا جرائم پیشہ مقامی ہمارے ہم سفر ہوں گے لیکن ابتدا میں ہی میرے اس خیال کی تردید ہو گئی۔ پہلی کھیپ میں چار متمول افغان آئے تھے۔ ان کی کار کوسٹر کے قریب آ کر رکی تھی۔ کار سے اتر کر کوسٹر میں سوار ہونے والوں میں دو مرد' ایک باپردہ عورت اور ایک لڑکا شامل تھا۔ دونوں مرد سر سفید اور صاف ستھرے' قیمتی لباس میں ملبوس تھے۔ ڈھیلے ڈھالے برقع میں لپٹی ہوئی عورت کو دیکھنا ممکن نہیں تھا لیکن برقع کا پھیلاؤ اس عورت کی بھاری جسامت کا اظہار کر رہا تھا۔ ان کے طور طریقوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کا تعلق چیغا سرائے کے بااثر طبقے سے تھا۔ اگلی نشستوں پر ہمیں قابض دیکھ کر وہ خاموشی سے پیچھے چلے گئے۔

بعد میں آنے والوں میں کوئی بھی گرا پڑا شخص نظر نہیں آیا۔ ایک ظاہری بات جو مجھے پہلے ہی سمجھ لینی چاہئے تھی' یہ تھی کہ اس علاقے سے نکال لے جانے کے لئے ڈالروں کی صورت میں رقم وصول کی جا رہی تھی اس کی ادائیگی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی۔ قندوز خان نے چیغا سرائے میں ڈالروں کے کال کی جو صورت حال بتائی تھی اس میں وہی لوگ زر مبادلہ حاصل کر سکتے تھے جو باحیثیت ہونے کے ساتھ ساتھ بارسوخ بھی ہوں۔ میرے لئے یہ بات باعث اطمینان تھی کہ اس طویل سفر میں اور گندے لوگوں کے بجائے صاف ستھرے معززین ہمارے ہم سفر ہوں گے لیکن وہی بات ویرا کے لئے قدرے پریشان کن ثابت ہوئی۔ اگر کوسٹر میں عام طبقے کے جاہل لوگ سوار ہوتے تو وہ سب ہی انگریزی سے نابلد ہوتے اور وہ پوری آزادی کے ساتھ ایلن کے ساتھ انگریزی میں گفت و شنید کرتی رہتی۔ کوسٹر میں سوار ہونے والے نستعلیق افغانوں میں کئی ایسے تعلیم یافتہ چہرے بھی نظر آئے تھے جو انگریزی سے پوری طرح واقف ہو سکتے تھے۔

ٹھیک گیارہ بجے کوسٹر کا انجن چلا دیا گیا۔ سرد موسم میں روانگی سے پہلے انجن کو رواں کرنا شاید پیشہ ور افغان ڈرائیوروں کی عادت میں شامل تھا۔ انجن چلنے کے بعد ایلن بھی آ گیا۔ اس کے جسم پر بے ہودہ لباس تھا جو ہم پہلے ہی دیکھ چکے تھے البتہ اس کے

ملے اور دراز قامت ساتھی کے بدن پر مقامیوں جیسی قمیص شلوار ظر آرہی تھی۔ وہ استخوانی چہرے اور سرد آنکھوں کی وجہ سے خاصا طرناک نظر آرہا تھا۔

ایلن نے دروازے کے قریب رک کر مسافروں کی گنتی کی اور طمئن ہو کر دروازہ بند کردیا۔ کلینر نے ان دونوں کے لئے آگے ہی و نشستیں روکی ہوئی تھیں ان کے بیٹھتے ہی کوسٹر آہستہ آہستہ پیچھے ینگنے لگی۔ بعض مسافروں کو رخصت کرنے کے لئے آئے لوگ اہر سے پرجوش انداز میں ہاتھ ہلا ہلا کر دعائیہ کلمات ادا کرنے لگے۔ یہ بات مجھے سلطان شاہ سے معلوم ہوئی کیونکہ میں پشتو سے اواقف تھا۔

"گاڑی چل پڑی ہے لیکن اس بار پھر کوئی نقارہ گونج اٹھے تو کیا ہوگا؟" غزالہ نے مڑکر مسرت اور جوش سے لبریز لہجے میں کہا۔

"کچھ بھی نہیں کیونکہ اب ہم قندوز خان کے رحم و کرم پر نہیں ہیں۔" سلطان شاہ کے پاس جواب تیار تھا۔ سب نے مل کر ایک قہقہہ لگایا اور پھر خاموشی چھاگئی۔

کوسٹر سڑک پر آنے کے بعد کسی مست خرام شیرنی کی طرح غراتی ہوئی آگے چل دی تھی۔

وہ ہوٹل اور بس اسٹینڈ شاید چینغا سرائے کے آخری سرے پر واقع تھا کیونکہ کوسٹر چند لمحوں میں ہی آبادی سے باہر آگئی۔ ہمارے دونوں طرف سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ بائیں کنارے پر کہیں کہیں نشیب میں دریائے کنار کے پانی کی جھلک نظر آرہی تھی۔

"ہیلو!" ایک بار نگاہیں چار ہوتے ہی ایلن ویرا کو مخاطب کر بیٹھا "مجھے خوشی ہے کہ تمہیں اپنے تند خو بلکہ خونی میزبان سے نجات مل گئی۔ اس لفنگے سے یہاں کا ہر شریف آدمی تھراتا ہے۔"

"غنیمت ہے کہ تم نے یہ تبصرہ انگریزی میں کیا ہے۔ اردو میں یہی بات کہی ہوتی تو میرے تینوں ساتھی بپھر گئے ہوتے۔ یہ اس جنگلی کے حسن اخلاق کے گرویدہ ہیں اور اس کی برائی نہیں سن سکیں گے۔"

"تو کیا یہ سب انگریزی سے پیدل ہیں؟" ایلن کا لہجہ تحیرزدہ سا تھا۔

"خوش قسمتی سے ایسا ہی ہے۔" ویرا نے مسکرا کر کہا "اردو میں قندوز خان کو برا بھلا نہ کہہ بیٹھنا۔"

"ہاؤ سوئیٹ!" وہ والہانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "میں تمہارے اس ہمدردانہ مشورے کو یاد رکھوں گا ..... یہ تو بتاؤ کہ تم ان کالوں میں کیسے پھنس گئی ہو؟ تمہاری اردو بھی بہت اچھی ہے۔"

"بزنس کے لئے سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔" ویرا اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولی۔

"بزنس؟" وہ اپنی کہنیاں گھٹنوں پر لگا کر متجسس انداز میں آگے جھک آیا اور دھیمی آواز میں بولا "کیسا بزنس؟ قندوز خان ویسے تو پارسا بنا پھرتا ہے لیکن سب جانتے ہیں کہ شنگارا ویلی افیم اور ہیروئن کی پیداوار کا گڑھ ہے۔ کیا تم اس سے ہیروئن خریدتی ہو؟"

"تم اپنی مرضی کے نتائج اخذ کرسکتے ہو۔ میں اس بارے میں زیادہ لب کشائی نہیں کرسکتی۔ تم یہاں رہ کر کیا کرتے ہو؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں والوں سے تمہاری پرانی جان پہچان ہے۔" ویرا نے بہت خوب صورتی کے ساتھ اس کا سوال ٹال کر اسے اپنی جوابی گرفت میں لے لیا۔

"میرا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی سمجھو۔" وہ مکارانہ ہنسی کے ساتھ بولا "کھل کر بات نہیں کرسکتا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ میں تمہارے ساتھ والی لڑکی سے سیٹ بدل لوں؟ یہ غضب کی خوب صورت ہے۔ مردانہ کپڑوں نے اس کی زنانہ کشش کو چار چاند لگادیے ہیں۔ پیٹر اس کے ساتھ بیٹھ کر خوشی محسوس کرے گا۔"

میں تلملا کر خوا مخواہ کھانسنے لگا۔ ویرا بوکھلا کر بولی "تمہیں افغانوں کے عزت اور غیرت کے تصور کا بخوبی اندازہ ہوگا۔ اپنی عورتوں کی حفاظت کے سلسلے میں پاکستانی ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ کسی نے بھی اس لڑکی سے چھیڑ چھاڑ کی کوشش کی تو خطرناک ہنگامہ کھڑا ہوجائے گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ایسے مواقع پر ہم لوگ مقامی زبان سے اپنی سرسری واقفیت کی آڑ لے کر بچ جاتے ہیں۔ تم اسے میری جگہ بیٹھنے پر آمادہ کرلو۔ میں تم سے مزید باتیں کرنی چاہتا ہوں..... تم نے ابھی تک نام نہیں بتایا اپنا۔" بات کرتے کرتے اس نے چونک کر کہا "اصولاً تو پہلے ہمارا تعارف ہونا چاہئے تھا۔"

"مجھے تم فرزانہ کہہ سکتے ہو۔" ویرا نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مگر یہ تو مقامی نام معلوم ہوتا ہے؟" اس نے چونک کر کہا۔

"ہر علاقے کی ضروریات کے تحت میرا نام بدلتا رہتا ہے۔ آج کل میں فرزانہ کہلاتی ہوں۔"

"لیکن تمہارا اصل نام کیا ہے؟" ویرا نے اسے حد سے زیادہ متجسس کردیا تھا۔

"بھول چکی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم بھی اب خود کو ایلن سمجھنے لگے ہوگے۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ یہ تمہارا اصل نام نہیں ہوگا۔ پراسرار سرگرمیوں میں ملوث رہنے والے لوگ عام طور پر اپنا اصل نام بھولے رہتے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہے۔ میرا نام ایلن سیمفربال ہے۔ تم میرا پاسپورٹ دیکھ سکتی ہو۔ میرے ساتھی کا نام پیٹرگنگ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ معاشی مجبوریوں نے اسے بھنگی بنایا ہوا ہے۔ اسے دنیا میں بس دو ہی چیزیں پسند ہیں، ملک ملک کی حسین عورتیں اور قیمتی شراب۔" اس نے پیٹر کی طرف سر گھمایا اور پیٹر ویرا کی طرف دیکھ کر دعوت انگیز انداز میں مسکرانے لگا۔ وہ مسکراہٹ شاید اس کی

عادت بن کر رہ گئی تھی۔

"ویانا میں میرے فلیٹ میں گیارہ مختلف ناموں کے پاسپورٹ موجود ہیں۔" ویرا نے سمجھتے ہوئے لہجے میں کہا "مجھے ان گھسی پٹی باتوں میں ٹالنے کی کوشش مت کرو۔ مجھے تمہارے بارے میں جاننے کا کوئی خاص شوق نہیں ہے۔ میں یہ جتانا چاہ رہی تھی کہ تمہاری ہی طرح میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں اس لئے مجھے وہی سمجھتے رہو جو میں بتارہی ہوں۔ زیادہ باریکی میں جانے کی کوشش کی تو کوئی بدمزگی بھی پیدا ہوسکتی ہے۔"

"دلچسپ' بہت زیادہ دلچسپ" وہ بڑبڑایا "تم بہت کارآمد عورت معلوم ہوتی ہو۔ تمہارے ساتھ تفصیل سے باتیں ہوں گی۔ مجھے اپنی ہم ذوق اور ہم پیشہ عورتیں کم ہی ٹکراتی ہیں۔ تم اپنی لائن کی معلوم ہوتی ہو۔"

"کیا تم کو عورتوں سے باتیں کرنے میں زیادہ مزہ آتا ہے؟" میں نے اچانک ایلین کی طرف مڑ کر خشک لہجے میں کہا "جب سے گاڑی چلی ہے تم مسلسل فرزانہ کے کان کھائے جارہے ہو۔"

"اوہ! ایلین کی باتوں میں لگ کر میں بھول ہی گئی تھی کہ اس وقت تمہارے ساتھ سفر کررہی ہوں۔" ویرا چونک کر اردو میں مجھ سے مخاطب ہوگئی "بے چارہ ایلین اپنی یتیمی کی درد بھری داستان سنا رہا تھا۔ تم اس کی دردناک کہانی سنو گے تو رو پڑو گے۔ کار کے حادثے میں باپ کی وفات کے بعد اس کی ماں نے تین برس میں سات شادیاں کرکے اس کی مٹی پلید کرڈالی تھی اور یہ گھر سے بھاگ نکلا تھا......"

ایلین بوکھلائے ہوئے انداز میں' ویرا کی تائید میں سر ہلا رہا تھا۔ میں نے سے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا "یہ سب تمہاری ذاتی اور پرانی باتیں ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اپنی مظلومیت کی نقشہ کشی کرکے فرزانہ کی ہمدردیاں حاصل کرسکو گے؟ باتیں کرنے کے لئے تمہیں کوئی اور نظر نہیں آرہا؟"

"بہت مدت کے بعد میں نے ایک یورپین کو دیکھا ہے۔ اس لئے باتوں میں الجھتا چلا گیا۔ اس نے تمہیں بتا ہی دیا ہے کہ میں کیا کہہ رہا تھا۔ تمہیں اعتراض ہے تو آئندہ میں اس سے بات نہیں کروں گا۔" ایلین ہکلاتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی اردو میں بولا۔ میرے تیور دیکھ کر وہ ہراساں نظر آنے لگا تھا۔

"جب قندوز خان موجود تھا تو تمہیں یہ یورپین لڑکی نظر نہیں آئی تھی؟" میں نے غرا کر پوچھا۔

"تم بلاوجہ برہم ہورہے ہو۔" اس بار پیٹر نے بھی زیادہ بگڑی ہوئی اردو میں دخل اندازی کی "ایلین باتیں ہی کررہا تھا اس نے کوئی دست درازی تو نہیں کی۔ اگر تم اتنے ہی گرم مزاج ہو تو تمہیں اپنی ساتھی پر قابو رکھنا چاہئے۔ وہ ایلین کی حوصلہ افزائی کیوں کررہی ہے؟"

"مجھے باتیں کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" پیٹر کے دندان شکن جواب پر میں نے نرمی اختیار کرتے ہوئے کہا "لیکن یہاں صرف ویرا ہی نہیں' اور لوگ بھی موجود ہیں۔"

"ویرا؟" ایلین کا منہ کسی بھاڑ کی طرح کھل گیا "تو اس کا نام ویرا ہے؟"

میرا دل چاہا کہ میں اپنا منہ پیٹ لوں۔ گفتگو کی روانی میں مجھ سے ایک بھاری لغزش ہوگئی تھی۔ ویرا کے علاوہ غزالہ اور سلطان شاہ بھی حیرت سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "میری بات مت پکڑو۔ ویرا میری ایک دیسی گرل فرینڈ کا نام ہے۔ اس وقت میں تم سے فرزانہ کی بات کررہا تھا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہم معزز لوگ ہیں۔ مشرقی تہذیب میں یہ بات سخت معیوب سمجھی جاتی ہے کہ کسی مخلوط محفل میں ایک مرد دوسرے مردوں کو نظرانداز کرکے کسی عورت سے باتیں کرتا رہے......"

"تمہیں اندازہ نہیں کہ چیغا سرائے میں اردو بول بول کر میری زبان کا کیا حشر ہوا ہے۔" میری بات ادھوری رہ گئی۔ ایلین اپنی سیٹ سے اٹھتے ہوئے بولا "یہاں کے اجڈ لوگوں کو اردو میں بھی اپنا مطلب سمجھانا محال ہے۔ ویرا یا فرزانہ سے انگریزی میں باتیں کرکے مجھے دلی مسرت حاصل ہورہی تھی ورنہ مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں ایک اجنبی عورت کو اپنی ماں اور اس کے آٹھ شوہروں کے بارے میں بتاتا پھروں؟ تم سے مخاطب نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ تم تینوں انگریزی میں کورے ہو۔ تم سے بات کرنے کے لئے مجھے زبان' حلق اور جبڑوں پر زور ڈالنا پڑتا ہے۔"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے کہ تم آٹھ باپوں کے اکلوتے فرزند رہے ہو۔" میں نے نہایت سنجیدگی سے اسے گھورتے ہوئے کہا "تم فرزانہ سے بات کرسکتے ہو لیکن یہ ضرور یاد رکھنا کہ وہ اکیلی سفر نہیں کررہی' ہم تینوں بھی اس کے ہم سفر ہیں۔ وہ چاہے تب بھی ہم اسے کسی آزاد روی کی اجازت نہیں دیں گے۔"

اس اثنا میں پیٹر بھی اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہوچکا تھا۔ اس نے نہایت ملائمت سے کہا "اگر تم برا نہ مانو تو میں ایک تضاد کی نشاندہی ضرور کروں گا۔ ایک طرف تم قدامت اور مشرق کی روایات پر کاربند ہونے کے دعوے دار ہو اور دوسری طرف اپنی گرل فرینڈ کے وجود کا اعتراف کررہے ہو۔ میرا مشورہ ہے کہ ذرا سکون سے اپنے ذہن کو ٹٹول لو۔ ایسا نہ ہو کہ ویرا تمہارے ذہن کی ایک اختراع ہو۔"

ایلین نے وہیں کھڑے کھڑے' کوسٹر کے مسافروں سے اردو میں خطاب کرنا شروع کردیا۔ وہ انہیں بتا رہا تھا کہ اس نے ان پر بھروسا کرتے ہوئے' ان کا سامان کسی دیکھ بھال کے بغیر کوسٹر کی چھت پر لگے ہوئے آہنی جنگلے میں رکھوادیا تھا لیکن راستے میں آنے والی متعدد فوجی اور نیم فوجی چوکیوں پر اس سامان کی تفصیلی جانچ پڑتال ہوسکتی تھی۔ اگر کسی کے سامان میں کوئی ممنوعہ چیز موجود تھی تو ایلین کو پہلے سے اس کا علم ہونا چاہیے تھا تاکہ وہ چیکنگ کا مرحلہ

نے پر متعلقہ افسران سے بات چیت کر کے ایسے سامان کی تلاشی کی نوبت نہ آنے دے۔ اس نے خبردار کیا کہ تلاشی کے مراحل میں کسی مسافر کے سامان سے کچھ برآمد ہوا تو اسے سنگین نتائج بھگتنے ہوں گے۔ اس میں سامان کی ضبطی اور گرفتاری کے ساتھ بھاری غیر سرکاری جرمانہ ہونے کے بھی قوی امکانات تھے۔ اس نے مزید کہا کہ کوئی بھی تنازع ہونے کی صورت میں وہ سفر کو التوا میں نہیں ڈالے گا بلکہ متاثرہ مسافر کو ساز و سامان سمیت حکام کے حوالے کر کے آگے چل پڑے گا۔

مجھے اس کی تقریر کے آغاز ہی سے اندازہ ہو گیا کہ اس نے معزز مگر سادہ لوح افغانوں کو فرضی خطرات سے ذرا دھمکا کر مزید ڈالر بٹورنے کی کوششوں کا آغاز کر دیا تھا۔ اس کی مکمل گفتگو نے میرے اندازے کی سو فیصد تصدیق کر دی۔

ایلین کے خاموش ہوتے ہی کوسٹر میں مسافروں کی دبی دبی اور تیز سرگوشیوں نے بھنبھناہٹ کی صورت اختیار کر لی۔ لوگ استعجابیہ انداز میں ایک دوسرے سے مخاطب ہو گئے تھے۔ ایلین اپنی جگہ پر کھڑا گہری اور مستفسرانہ نگاہوں سے مسافروں کا جائزہ لیتا رہا۔

آخر کار سب سے پہلے سوار ہونے والے چار نفری، عیال دار گروپ کے ایک سربراہ نے ایلین کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ وہ آسودہ انداز میں نشستوں کے درمیان سے گزرتا ہوا، اس شخص سے تقریباً جڑ کر پائیدان پر بیٹھ گیا۔ میرے لیے وہ تماشا بہت دلچسپ تھا اس لیے میں نے اپنی پوزیشن اس طرح تبدیل کر لی تھی کہ کسی کو اعتراض کا موقع دیے بغیر، میں اس گفت و شنید کا جائزہ لیتا رہوں۔

ایلین کے مختصر خطاب نے کوسٹر کے سرد پھیکے اور بے کیف ماحول میں سرگرمی کی لہر دوڑا دی تھی۔ کسی بھی استثنیٰ کے بغیر، ہر چہرے پر فکر و تشویش کے سائے لہرانے لگے تھے اور لوگ دبی دبی آوازوں میں ایک دوسرے سے مشورہ کرنے میں مصروف تھے۔

ایک دو مسافروں نے مڑ کر ایلین اور معزز افغان کے درمیان ہونے والے سرگوشیانہ مذاکرات کے بارے میں تجسس کا مظاہرہ کیا تو پیٹر کنگ نے سرد لہجے میں انہیں ٹوک دیا۔ "دوسروں کو گھورنے کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص کو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے۔ جو کوئی بھی عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیں اعتماد میں لے لے گا۔ وہ فائدے میں رہے گا۔ ہم کسی کے ساتھ کوئی زبردستی یا زیادتی نہیں کریں گے۔"

اس کی بگڑی ہوئی اردو کو افغان مسافروں نے سانس روک کر گہری توجہ سے سنا اور مجھے اندازہ ہوا کہ اس دور افتادہ علاقے میں بھی اردو زبان اتنی اجنبی نہیں تھی جتنی میں سمجھ رہا تھا۔

ایلین کے مذاکرات بدستور جاری تھے۔ اعتماد اور مفاہمت کی فضا میں شروع ہونے والی گفتگو نے بتدریج تکرار کی صورت اختیار کر لی تھی۔ ایلین کچھ کہہ رہا تھا اور افغان اس سے متفق نہیں تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی بھی اس کی مدد کے لیے گفتگو میں شامل ہو چکا تھا۔ پھر ایک ادھیڑ عمر مسافر نے سخت اضطراب کے عالم میں پیٹر کو اپنے پاس بلا لیا۔ میں دل ہی دل میں ان دونوں گوروں کی مکاری اور افغانوں کی سادہ لوحی کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ انہوں نے سفر کے آغاز پر کوئی اعتراض کیے بغیر، ہر قسم کا سامان لاد لیا تھا اور جیغا سرائے کے بعد نارنگ نامی آبادی سے گزرتے ہی متوقع خطرات کا ڈھنڈورا پیٹ کر اپنی بلیک میلنگ کا آغاز کر دیا تھا۔

"یہ دونوں اعلیٰ ترین درجے کے ٹھگ معلوم ہوتے ہیں" غزالہ نے ہماری طرف مڑ کر دھیمی آواز میں کہا۔ "تم دیکھ لینا کہ یہ اس بار کرائے سے بھی زیادہ ڈالر بٹور لیں گے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کی دیدہ دلیری پر کوئی بھی معترض نہیں ہے۔ وہ دو پارٹیوں سے بات کر رہے ہیں اور بقیہ مسافر بے چینی سے اپنی باری کے منتظر ہیں۔"

"چور پر مور کی مثال ایسے ہی مواقع پر استعمال کی جاتی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "یہاں ہیروئن اور آتشیں ہتھیار ٹکے ٹوکرے کے حساب سے مل جاتے ہوں گے۔ ہر شخص سفر کے اخراجات نکالنے اور نفع کمانے کے چکر میں کچھ نہ کچھ لے جا رہا ہے۔ جب سب ہی کے من میں چور ہو تو ٹھگوں کی ٹھگی پر کون اعتراض کرے گا؟"

کوسٹر کے ڈرائیور اور کلینر نے اس صورت حال سے بالکل لاتعلقی اختیار کی ہوئی تھی۔ ان کی مکمل غیر جانب داری کو دیکھتے ہوئے مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ دوران سفر، مسافروں سے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں ان کا حصہ پہلے ہی مقرر کیا جا چکا تھا۔ وہ سفر ایسا تھا کہ اس پر جانے والے مسافر ہر بار تبدیل ہو جاتے تھے۔ روز یا ہر بار کے آنے جانے والوں سے عملہ مروت بھی برت سکتا تھا لیکن جب ہر مرتبہ نئے مسافر ہم رکاب ہوں تو لحاظ و مروت خود بخود ناپید ہو جاتی ہے اور ہر ایک کی دلچسپی رقم تک مرکوز و محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔

ایلین اور پیٹر کچھ خفیہ لین دین کے بعد دوسروں کے ساتھ مصروف ہو چکے تھے۔ کوسٹر کولتار کی سیاہ اور ہموار سڑک پر تیز رفتاری سے فراٹے بھر رہی تھی۔ فضا میں طاقت ور ڈیزل انجن کی یکساں غراہٹ کے علاوہ کوئی اور آواز نمایاں نہیں تھی۔ نارنگ کے بعد سڑک کی داہنی جانب نور گل نامی آبادی کے آثار نمودار ہوئے۔ اس مقام پر سڑک اور دریائے کنار کا فاصلہ اتنا کم ہو گیا کہ دریا کا چوڑا پاٹ صاف نظر آنے لگا۔ نور گل کے قصبے سے باہر نکلتے ہی سڑک اور دریا کا درمیانی فاصلہ ایک بار پھر بڑھنے لگا۔

"یہ بُرا ہوا کہ تم نے ہمیں انگریزی سے نابلد ظاہر کر دیا۔" طویل خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے ویرا سے شکوہ کیا۔ "اب وہ انگریزی میں دل کھول کر اپنی بھڑاس نکالتے رہیں گے اور ہم خون کے گھونٹ پینے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ انہیں ہم پر ایک زبردست سبقت حاصل ہو گئی ہے۔"

"وہ کیا بھڑاس نکالیں گے؟" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

"جو بولتے ہیں، انہیں بولنے دو۔"

"تم ڈھیٹ اور بے شرم ہو گئی ہو" سلطان شاہ تاؤ کھا کر بولا

"تم نے سنا نہیں کہ وہ خبیث غزالہ کے بارے میں کیسی واہیات باتیں کر رہا تھا؟ کم از کم میں تو یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔"

"واہیات باتیں؟" ویرا ہنس پڑی۔ "تم بالکل ڈفر اور ذہنی اعتبار سے ایک چوزے کی طرح نابالغ ہو۔ ایلن نے غزالہ کے حسن کی تعریف کرنے کے علاوہ اور کیا کہا تھا؟ وہ ایسی باتیں ہیں جو ہر جوان، زندہ دل اور صحت مند مرد کسی بھی دوشیزہ کو دیکھ کر سوچتا ہے۔ تم یقین کرو کہ بعض لڑکیاں اس قدر دل کش ہوتی ہیں کہ میرا ان سے والہانہ انداز میں لپٹ پڑنے کو جی چاہتا ہے۔ اگر ایلن نے اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے خیالات کو الفاظ کا روپ دے دیا تو اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے؟ غزالہ سے پوچھ لو، اسے ایلن کے تبصرے سے خوشی ہوئی ہوگی۔"

"ہم لوگ ترقی کی اس منزل سے بہت پیچھے ہیں جہاں آدمی گالیاں کھا کے بھی بے مزہ نہیں ہوتا۔" غزالہ مسکرا کر بولی۔ "تم دونوں مجھے اپنی لڑائی سے باہر ہی رکھو تو یہ مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا۔"

"تمہاری عادات اور حرکتوں کی بنا پر مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارا شجرہ کہیں نہ کہیں قلوپطرہ سے ضرور ملتا ہوگا۔" سلطان شاہ جل کر بولا۔ "تمہارے ایک ایک لفظ سے عیاشی اور آوارگی کی بو آتی ہے۔"

"بو نہیں، خوشبو کہو۔" ویرا اسے سلگانے پر تل گئی۔ "اگر سب لوگ ہی سیدھے اور سچے راستے پر چلنے لگیں تو یہ دنیا جنّت بن سکتی ہے لیکن جنت الگ ہی بنائی گئی ہے جہاں سارے متقی اور پرہیز گار جمع کیے جائیں گے۔ یہاں کی رونق تو اسی خوشبو سے ہے جو تم کو ہضم نہیں ہوتی۔ میری دانست میں ایلن نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جس پر تم کو غصہ آئے۔ غزالہ بے پناہ خوبصورت ہے اور وہ یہی کہہ رہا تھا۔"

"تم بلاوجہ بحث میں الجھ رہی ہو۔" غزالہ نے گفتگو کو نازک رخ اختیار کرتے دیکھ کر آہستگی سے کہا۔ "میرے لیے اہم ترین بات یہ ہے کہ ڈیٹی غلطی سے تمہارا اصل نام لے بیٹھا۔ تمہارا نام سن کر وہ جس طرح چونکا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہ اس بارے میں ضرور بات کرے گا۔"

"مجھے اندازہ ہے کہ باتوں کی روانی میں مجھ سے ایک چوک ہوگئی۔ ایلن کے ذہن میں وہ بات بیٹھ چکی ہے۔ وہ بعد میں بھی اسے ویرا یا فرزانہ کہہ رہا تھا۔" میں نے کھلے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "اب اس غلطی کا ازالہ یہی ہے کہ ویرا سختی سے فرزانہ بنی رہے۔ کچھ پتا نہیں کہ یہ دونوں کون ہیں اور کس کیمپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب ہمیں ان دونوں بدمعاشوں سے ہوشیار رہنا ہوگا۔"

"تم نے بلاوجہ اپنی گرل فرینڈ کی بات نکالی۔" ویرا متاسفانہ لہجے میں بولی۔ "اصل نام کے ساتھ ساتھ گھریلو نام مغرب میں بھی چلتا ہے۔ میں بیک وقت ویرا اور فرزانہ ہو سکتی ہوں۔ ضروری تو نہیں تھا کہ ویرا کے حوالے سے وہ میری اصلیت ہی جان لیتا۔ یورپ میں ویرا نام کی ہزاروں لڑکیاں ماری ماری پھر رہی ہوں گی۔"

"میرا تجربہ بتاتا ہے کہ ایلن اور پیٹر وہ نہیں ہیں جو بن رہے ہیں۔" میں نے سر گھما کر ان دونوں کی مصروفیات کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔ "پیشہ ور مجرم اپنی لائن کے ہر اہم نام اور آدمی کے بارے میں ضروری معلومات رکھتے ہیں۔ وہ میری زبان سے ویرا کا نام سن کر جس بری طرح چونکا، اس سے ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ تمہارے بارے میں خاصا کچھ جانتا ہے۔ تم میری بات لکھ کر رکھ لو کہ وہ اس بارے میں تم سے ضرور بات کرے گا۔"

"بات کرے گا تو منہ کی کھائے گا۔" ویرا بے پروائی سے بولی۔ "میں اسے چٹکیوں میں اڑا کر رکھ دوں گی۔"

"تمہاری یہی خوش فہمی کسی دن تمہیں لے ڈوبے گی۔" سلطان شاہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "بات بات پر ایسا گھمنڈ دکھاتی ہو کہ سننے والے کو تمہاری بے عقلی پر ترس آنے لگتا ہے۔"

"کیا لے ڈوبے گی؟ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ کوئی ایلن یا پیٹر مجھے لے اڑے گا۔ ایک نہ ایک دن یہ تو ہونا ہی ہے۔ مجھے بھی اپنے بڑھاپے کے لیے کسی سہارے اور ٹھکانے کی ضرورت ہوگی۔" ویرا اسے سلگانے پر تلی ہوئی تھی۔ "آدمی ہو یا عورت جوانی میں ہر ایک بے اعتدالی کرتا ہے۔ عمر ڈھلتی ہے تو سہاروں کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ میں اگر وہ مرحلہ آنے سے پہلے ہی اپنا کوئی بندوبست کرلوں تو تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

"اعتراض کرنے والے پر خدا کی لعنت ہو۔ میں کیوں اعتراض کروں گا؟" سلطان شاہ چیخ کر بولا۔ "میری طرف سے تم ابھی اور اسی وقت ایلن کے ساتھ چلی جاؤ۔ تمہارے ساتھ تو ہمدردی کرنا بھی گناہ سے کم نہیں......"

"اعتدال!" میں نے سلطان شاہ کی بات کاٹ کر بہت نیچی آواز میں کہا کیونکہ غصے کی وجہ سے اس کی آواز قدرے اونچی ہو چلی تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ ایلن یا پیٹر کو ہمارے اس باہمی تنازع کی کوئی بھنک مل سکے۔

"میری طرف سے تم دونوں ایک دوسرے کو پھاڑ کھاؤ۔" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ جھگڑا ان ہی چار نشستوں تک محدود رہنا چاہیے۔ پانچویں آدمی کو علم نہیں ہونا چاہیے۔"

"یہ مجھے پھاڑ سکتا ہے نہ کھا سکتا ہے۔" ویرا دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ، سلطان شاہ کو مزید بھڑکاتے ہوئے بولی۔ "اسے میرے سائے تک سے تھرتھری چڑھ جاتی ہے۔ اب تو مجھے ہی اس کا کوئی بندوبست کرنا ہوگا تاکہ یہ عورتوں کے بارے میں اپنی نانی کی سنائی ہوئی کہانیوں کے سحر سے نکل سکے......"

"بہت ہوگئی۔ اب اسے روک لو۔" سلطان شاہ اس کی بات

کاٹ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں اس کی زبان سے اپنے بیٹوں کی بے عزتی ہرگز برداشت نہیں کرسکتا میں اس کی گردن توڑ کر رکھ دوں گا۔"

"ٹوٹی ہوئی گردن کو ذرا احتیاط سے رکھنا۔" ویرا نے کسی جوابی اشتعال کا مظاہرہ کیے بغیر کہا۔ "وہ اپنی جگہ سے ہل گئی تو میں تمہیں اپنا خون معاف نہیں کروں گی۔"

ہم پچھلی نشست پر ہونے کی وجہ سے آگے متوجہ تھے۔ ویرا اور غزالہ اگلی نشست سے پیچھے مڑ کر باتیں کررہی تھیں اس لیے غزالہ نے ایلین اور پیٹر کو واپس آتے ہوئے دیکھ کر ہمیں ٹوکا۔

"اب یہ لڑائی ختم کرو۔ وہ دونوں رقم بٹور کر واپس آرہے ہیں۔ انہیں ہمارے اختلافات کا علم نہیں ہونا چاہیے۔"

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس کوسٹر کے مسافروں میں ہم تینوں کے علاوہ کوئی بھی انگریزی سے واقف نہیں ہے۔" ایلین اپنی جگہ پر براجمان ہوتے ہوئے انگریزی میں چہکا۔ "ہم پوری بے فکری اور آزادی کے ساتھ آپس میں باتیں کرسکتے ہیں۔ کوئی الّو کا پٹھا ہماری باتوں میں دخل انداز نہیں ہوسکے گا۔"

اس نے واضح طور پر ویرا کو مخاطب کیا تھا۔ وہ ہنس کر بولی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے مفروضہ تلاشی کا ہوا کھڑا کرکے خاصی رقم جمع کرلی ہے۔ قندوز خان تمہاری ایسی ہی حرکات کے بارے میں برہم تھا۔"

"تمہارے ہاتھ صاف ہیں۔ ہم نے تم سے ایک سینٹ بھی طلب نہیں کیا۔" وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔ "اس کوسٹر میں سفر کرنے والے سارے افغان چور ہیں۔ ہم نے صرف اعلان کیا تھا۔ انہوں نے ہمیں بلا بلا کر اپنی کمزوریاں بتائی ہیں۔ اس وقت کوسٹر کی چھت پر پورا اسلحہ خانہ لدا ہوا ہے۔ تین کلو ہیروئن کی موجودگی کا اعتراف کیا گیا ہے جب کہ مجھے یقین ہے کہ ہیروئن کی مقدار دوگنی سے بھی زیادہ ہوگی۔ جنگ کی وجہ سے افغانستان میں سارے دھندے ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔ ہیروئن اور ہتھیاروں کا دھندا عروج پر ہے۔ اس اندھی کمائی نے سیکڑوں مفلوک الحال لوگوں کو باثروت اور عزت دار بنادیا ہے۔ ان میں سے چند ہمارے ہاتھ لگ گئے ہیں۔"

"سچ سچ بتانا کہ تم نے ان گدھوں سے کتنی رقم اینٹھی ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

ایلین نے پیٹر کی طرف جھک کر کچھ پوچھا پھر فخریہ لہجے میں بولا۔

"سات ہزار ڈالر۔ ہمارے لیے یہ سفر بہت نفع بخش ثابت ہوگا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ ہمیں رقم دے کر بھی خوش ہیں کیونکہ سرحد عبور کرتے ہی ان کا مال چھ سے دس گنا دام حاصل کرے گا۔ ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ ہم نے کسی رسک کے بغیر معقول کمائی کرلی ہے۔ چوکیوں پر تھوڑی بہت رقم لے دے کر گاڑی نکلتی چلی جائے گی۔ کہیں کوئی خردماغ افسر ٹکرا گیا تو ہم ان سب کو اس کے حوالے کرکے صاف نکل جائیں گے۔"

"اس بدعہدی کے لیے یہ لوگ تمہیں معاف کردیں گے؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"مجبوراً معاف کرنا ہی پڑے گا۔" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اس بار ہمارا واپسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ پاکستان میں اپنا کام ختم کرکے ہم یورپ چلے جائیں گے۔"

"پاکستان میں تمہارا کیا کام ہے؟" اس کے جواب نے ویرا کو متجسس کردیا۔

"بہت اہم اور خفیہ کام ہے۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "اس بارے میں زبان کھولنے سے پہلے میں تم سے چند کھلی کھلی باتیں کرنی چاہتا ہوں۔ مجھ پر اعتماد کرکے تم فائدے میں رہو گی۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم کھلی کھلی باتیں ہی کررہے ہیں۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"تمہاری اصلیت کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" وہ بغور ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میری اصلیت وہی ہے جو تم جانتے ہو۔ راستے کی مختصری شناسائی میں، میں اپنا شجرہ نہیں بتاسکتی۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ چند لمحوں کے لیے خاموشی چھائی پھر دفعتاً وہ بولا۔ "تمہارے نام کا کیا مسئلہ ہے؟"

"اوہ! میں سمجھ گئی۔" ویرا بے پروایانہ انداز میں بولی۔ "میرے ساتھی نے روانی میں جو دوسرا نام استعمال کیا تھا، تم اس کی وجہ سے الجھن میں پڑ گئے ہو۔ وہ ایک غیراہم سی بات تھی۔ میرا ساتھی اس کی وضاحت کرچکا ہے۔ تمہیں اس کی وضاحت قبول کرنے میں کیا ہچکچاہٹ ہے؟"

"وہ کوئی معمولی نام نہیں تھا۔ اس علاقے میں اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔"

"مجھے مکمل کر بات کرنے کا مشورہ دے کر تم خود پہیلیوں میں بات کر رہے ہو۔" ویرا نے ہلکے سے طنز کے ساتھ کہا۔ "ویرا کے نام کے بارے میں تمہارے خیالات معلوم ہونے کے بعد ہی میں کچھ کہہ سکوں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم میرے کچھ کہے بغیر بھی پوری بات سمجھ رہی ہو۔" وہ پُرخیال انداز میں بولا۔ "اگر تم وہی ہو جو میں سمجھ رہا ہوں تو ہم دونوں ایک دوسرے کے کام آسکتے ہیں۔ مجھے پاکستان میں اپنے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کسی کی مدد کی ضرورت ہوگی۔ میرا یہ کام تم بخوبی سرانجام دے سکو گی۔"

"تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کرلیا جائے کہ میں ویرا ہی ہوں تو مجھے اس بات سے گہری دلچسپی ہوگی کہ چینغا سرائے جیسے دورافتادہ علاقے میں ملنے والا ایک اجنبی میرے بارے میں کیا جانتا ہے۔"

وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "ویرا ایک عام سا نام ہے لیکن ان اطراف میں پائی جانے والی ویرا ایک ہی ہوسکتی ہے۔ ان علاقوں میں شی ایک مدت سے کام کررہی ہے۔ پاکستان میں شی کو مستحکم کرنے کے لیے ویرا لائیڈ نے بہت زیادہ کام کیا ہے اور اہم روابط قائم کیے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ ویرا، شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی بیٹی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم کو تعاون کی راہ پر لانے کے لیے اتنے اشارے کافی ہیں۔ تم یقین کرو کہ تمہارا اعتراف سن کر مجھے دلی مسرت ہوگی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ زیرزمین دنیا کی ایک تہلکہ خیز ہستی مجھے یوں اچانک مل جائے گی۔"

ویرا چند لمحوں تک اس کی طرف دیکھ کر پُرکشش انداز میں مسکراتی رہی۔ اس موڑ پر میں اسے مشورہ دینا چاہتا تھا کہ وہ حقیقت کا اعتراف کرلے تاکہ ایلن کے عزائم کھل کر سامنے آسکیں۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ شنگاریوں کے چنگل سے نکلتے ہی ایک پراسرار غیر ملکی ہم سے آٹکرایا تھا۔ شی، جمی لائیڈ اور ویرا کے حوالے سے اس نے جو کچھ کہا، وہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کہ وہ خود بھی بین الاقوامی زیرزمین تنظیموں سے گہرا تعلق رکھتا تھا۔ اگر اس نے کسی خاص مقصد سے پاکستان کا رخ کیا تھا تو ہمارے لیے اس کے عزائم سے واقف ہونا ضروری ہوگیا تھا۔ اس حیران کن اور دلچسپ صورت حال میں، اس کے ارادوں سے واقف ہونے کے بعد، ہم اپنے لیے کوئی موثر لائحہ عمل تیار کرسکتے تھے۔ مگر دشواری یہ آن پڑی تھی کہ ایلن اور پیٹر کی دانست میں ہم تینوں انگریزی زبان سے ناواقف تھے اور وہ دونوں اردو بخوبی سمجھ لیتے تھے۔ اس وجہ سے میں مداخلت کرتے ہوئے، ویرا کو کوئی مشورہ نہیں دے سکتا تھا۔

میری اور ویرا کی مفاہمت کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ بھی ہر مسئلہ کا اسی انداز میں تجزیہ کرتی تھی جس طرح میرا ذہن کام کرتا تھا۔ میں لاتعلقانہ انداز میں کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے، اپنی ادھیڑ بن میں لگا رہا اور ویرا نے اپنے طور پر وہی فیصلہ کرڈالا جو میں چاہتا تھا۔

"اگر تم اسی قدر مصر ہو تو میں مانے لیتی ہوں کہ تمہارا اندازہ درست ہے۔" ویرا نے کہا۔ "اب تم اپنے بارے میں بتاؤ کہ تم کون ہو اور زیرزمین دنیا سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

یک بیک ایلن کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ پیٹر کی طرف دیکھتے ہوئے فخریہ لہجے میں بولا۔ "میرے اندازے اکثر درست ثابت ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس چار نفری گروپ میں شامل غیر ملکی لڑکی کا کردار پراسرار ہے اور میں اس کا کھوج لگا کر رہوں گا۔ تم نے دیکھ لیا کہ یہ کیا نکلی ہے۔ یورپ میں ہماری برادری کے نامی گرامی لوگ بھی اس کا راستہ کاٹنے سے گریز کرتے ہیں۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ویرا، ان تین کالوں کے ساتھ یہاں کیا کرتی پھر رہی ہے۔" پیٹر بولا۔

"سفید سفوف کی تجارت میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ علاقہ بہت پرکشش ہے۔" ایلن نے کہا۔ "ویرا یا شی کے کسی اہم آدمی کی یہاں موجودگی میرے لیے ذرا بھی تعجب خیز نہیں ہے۔ ان لوگوں کو مجھ تک لانے والے قندوز خان کا پورا قبیلہ افیم کی کاشت اور ہیروئن کی تیاری کے لیے دور دور تک شہرت رکھتا ہے لیکن ہمیں ان معاملات سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ویرا کے اپنے مسائل ہیں اور......"

ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ طریقہ اب بہت فرسودہ ہوگیا ہے۔ آپس کی اس گفتگو کے ذریعے تم مجھ سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکو گے۔ میرے معاملات کو مجھ ہی تک رہنے دو اور اب اپنے بارے میں بتاتے چلے جاؤ۔ پورے تعارف کے بغیر، اب بات آگے نہیں بڑھ سکے گی۔"

"تم واقعی چالاک لومڑی ہو۔" ایلن نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "تمہاری حاضر دماغی اور برجستگی کے بارے میں جو کچھ سنا تھا، تم کو ویسا ہی پایا ہے۔ میرے لیے یہ بہت خوشی کا مقام ہے کہ اتفاقاً تم سے مل بیٹھنے کا موقع مل گیا ہے۔"

"اب چرب زبانی کا سلسلہ بند کرو ورنہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہوجاؤں گی کہ میرا واسطہ کسی مکار بھیڑیئے سے پڑا ہے، جو صرف اور صرف اپنا مطلب نکالنا چاہتا ہے۔" ویرا نے خشک لہجے میں کہا۔

"تم نے ڈیوڈ اسٹارز کا نام تو سنا ہی ہوگا؟" ایلن کے اس سوال نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دنیا یک بیک اتنی مختصر ہوجائے گی کہ اسرار کے پردوں میں لپٹی ہوئی پُرپیچ کہانیاں خود بخود بےنقاب ہونے لگیں گی۔

میرا ذہن بے اختیار ان بندروں کی طرف چلا گیا جن کے جسموں میں خود کار کیمروں کے ساتھ آتش گیر مادہ بھی چھپایا جا رہا تھا۔ وہ البرٹو۔ ملیسا نامی، رسوائے زمانہ دہشت گرد کی ایک بھیانک

سازش تھی۔ وہ خود کرنل جیسی جونز کا دستِ راست تھا اور ایک
بڑی منصوبہ بندی کے ذریعے اسپیشل ٹاسک فورس میں ظفر کے
روپ میں قدم جمانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس نے ان تباہ کن
بندروں کے ذریعے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو ناقابلِ تلافی نقصان
پہنچانے کی تیاریاں کرلی تھیں لیکن میری بروقت مداخلت اور سرکوبی
کی وجہ سے وہ منصوبہ ناکام بنادیا گیا تھا۔ البرٹو ویلیسا کی شناخت کے
بعد یہ ثابت ہوگیا تھا کہ پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشوں کی
کڑیاں، کولبیا کے رسوائے زمانہ دہشت گرد، کرنل جیسی جونز نے
تیار کی تھیں اور البرٹو ویلیسا اسی کے ایما پر پاکستان میں اپنے پنجے
گاڑنے کی مذموم کی کوششوں میں مصروف تھا۔

ملکی سلامتی کے نگراں، مسلح اداروں کی کارروائی کے نتیجے میں
ہاتھ آنے والے دھماکا خیز بندروں میں سے چند کی تباہی کے بعد ہر
شخص بقیہ بندروں سے خوف زدہ تھا۔ ان کے جسموں میں پوشیدہ
کیمروں اور دھماکا خیز مادّوں کا سراغ لگانے کے لیے جب عالمی
پیمانے پر ماہرین سے مدد طلب کی گئی تو صرف امریکا کا جواب مثبت
تھا۔ انٹیلی جنس بیورو کی کوششوں سے ڈلاس کی ایک نجی اسلحہ ساز
فیکٹری کے دو ماہر پاکستان پہنچے تو مجھے اقوام متحدہ کے آب رسانی
کے ایک مقامی پراجیکٹ کے سربراہ، اولیانو کے ذریعے یہ سراغ مل
چکا تھا کہ وہ کرنل جیسی جونز کے آدمی ہوں گے۔ میں ان دونوں کی
راہ پر لگ گیا اور انہیں گھیر کر ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہوگیا۔

ان میں سے ایک پال ایتھرٹن تھا اور دوسرا بل جونز۔ بل جونز
ایک دلیر اور صاف گو نوجوان تھا۔ گھر جانے کے بعد اس نے جس
خندہ پیشانی سے موت کو گلے لگایا، اس سے میں بھی متاثر ہوئے بغیر
نہ رہ سکا۔ بل جونز نے میرے ہاتھوں مرنے سے پہلے جو اعترافات
کیے، وہ بہت سنسنی خیز اور چونکا دینے والے تھے۔

بل جونز کولبیا کے عالمی شہرت یافتہ دہشت گرد، کرنل جیسی
جونز کا اکلوتا لڑکا تھا۔ کراچی کے ایک ویرانے میں موت کو سامنے
پاکر اس نے کھلے دل کے ساتھ مجھے آگاہ کیا تھا کہ پاکستان کے
خلاف کرنل جیسی جونز کی سازشوں کو نیویارک میں بنی ہوئی، ایک
طاقت ور اور مالی اعتبار سے مستحکم یہودی تنظیم کی پشت پناہی
حاصل تھی۔ ڈیوڈ اسٹارز نامی وہ نسل پرست اور متعصب تنظیم دنیا
بھر میں صیہونی مفادات کی درپردہ نگہبانی کے فرائض انجام دے
رہی تھی اور اسی سلسلے میں پاکستان ان کی نظروں میں کھٹک رہا تھا۔

بل جونز نے مجھے بتایا کہ کرنل جیسی جونز بذاتِ خود یہودی اور
ڈیوڈ اسٹارز کا سرگرم کارکن تھا۔ ڈیوڈ اسٹارز کی داغ بیل ڈالنے اور
اس کی عالمی سرگرمیوں کے لیے خطیر سرمایہ فراہم کرنے والوں میں
نیویارک کے ارب پتی، یہودی تاجر راس المیڈا کا نام سرِفہرست
تھا۔ عملی طور پر اسی کو ڈیوڈ اسٹارز کا بانی تصور کیا جاتا تھا۔

ڈیوڈ اسٹارز اور راس المیڈا کے نام سامنے آنے کے بعد وہ
کہانی وہیں دم توڑ گئی تھی۔ میرے ذہن میں ان دونوں ناموں کے

خلاف کینہ پرورش پا رہا تھا مگر پھر حالات کسی اور ہی نہج پر چل نکلے۔ مافیا کی مکمل تباہی کے نتیجے میں سردار پائندہ گل کی بھاری رقم ڈوب گئی تو اس نے اپنا خسارہ پورا کرنے کے لیے میرا پیچھا پکڑلیا۔ اول خان نے اپنے رسوخ سے اس کی ہیروئن اسے واپس لوٹا کر میری رہائی کا بندوبست کیا تو اس وقت تک میں ایک اور اسکینڈل میں ملوث ہو چکا تھا۔

سردار پائندہ گل کے بھانجے، عبدالرحیم خان کی قید میں جنّت گل ایک خوشگوار خواب کی طرح، چپکے سے میری زندگی میں داخل ہوئی اور میری سیج پر اپنے وجود کی خوشبو رچا کر فرار ہوگئی۔ جاتے جاتے اس نے اپنے بزدل محبوب، عبدالرحیم خان کو بھی بزدلی اور بے آبروئی کے طعنے دے کر مارڈالا تھا۔

جواں سال بھانجے کی لاش وصول کرنے والے سردار پائندہ گل کی نظروں سے اندر کی کہانی پوشیدہ نہ رہ سکی۔ اس نے اپنے برسوں کے تجربے اور گہرے مشاہدے کی بنا پر مجھ سے حقائق اگلوالیے۔ جب تک جنت گل کی زبان بند رہی، سردار پائندہ گل مجھے بھولا رہا لیکن جب جنت گل نے میرے حوالے سے اس کے گلے میں رسوائی کا ہار ڈالنے کی کوششیں شروع کیں تو پائندہ گل نے اپنے آدمیوں کے ذریعے صرف مجھ ہی کو نہیں، میرے ساتھیوں کو بھی اغوا کرالیا۔

گالان میں خوف و ہراس اور بے یقینی کے سایوں میں طویل شب و روز گزار کر ہم لوٹ رہے تھے تو ایلن نے اچانک ہی ڈیوڈ اسٹارز کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔ بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ایلن کو قدرت نے ہماری کہانی کا ٹوٹا ہوا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے چیغنا سرائے بھیجا ہو۔

"ڈیوڈ اسٹارز کیا بلا ہے؟" ویرا نے بالکل انجان بن کر بے پروائی سے پوچھا۔

وہ بے اعتباری سے ہنس پڑا۔ "کیوں مجھے گھنے کی کوشش کر رہی ہو؟"

"مجھے گھنے کی کیا ضرورت ہے؟ تم دونوں پہلے ہی گھسے گھسائے لگ رہے ہو۔ تمہارا ساتھی تو گڑھے کھا کھا کر کسی بندر کی طرح سوکھ گیا ہے۔" ایلن نے ویرا کو چالاک لومڑی کہہ کر جس بے تکلفی کا مظاہرہ کیا تھا، وہ اسے مہنگی پڑ رہی تھی۔ ویرا نے اسے بھیڑیا قرار دے دیا تھا اور اب پیٹر کو بندر سے تشبیہ دے رہی تھی۔

ایلن چالاک ہی نہیں، موقع شناس بھی تھا۔ وہ فوراً ویرا کی برہمی کا سبب بھانپ گیا اور جلدی سے بولا۔ "معاف کرنا۔ میں نے چالاک لومڑی کا لقب محاورتاً استعمال کیا تھا۔ میں تمہاری توہین کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"ذرا ذرا سی باتوں سے میری توہین نہیں ہوتی۔ میں نے کب اس کا شکوہ کیا ہے؟"

"تم نے پیٹر کو سوکھے ہوئے بندر سے مشابہ قرار دے کر اداس کردیا ہے......"

ویرا نے استہزائیہ انداز میں پیٹر کی طرف دیکھا اور ایک بے ساختہ قہقہے کے ساتھ بولی۔ "اداسی طاری ہونے کے بعد تو یہ بے چارہ بالکل ہی بندر بن کر رہ گیا ہے۔ اس کی کھوپڑی میں سے مغز نکال کر کیمرا اور پیٹ سے آنتیں نکال کر بارود بھر دی جائے تو اسے نہایت اطمینان سے کہوٹہ کی طرف روانہ کیا جاسکتا ہے۔"

"میرے خدا!" ایلن تحیّر زدہ آواز میں بڑبڑایا۔ "اور تم کہہ رہی ہو کہ تم ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں؟" حیرت سے اس کی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔ ویرا کا استعارہ کارگر رہا تھا۔

"صرف اتنا جانتی ہوں کہ یہ چھ کونوں والا ایک ستارہ ہے جسے یہودی بہت مقدس سمجھتے ہیں لیکن یہ ان کی خوش فہمی ہے۔ ان سے زیادہ تو پاکستانی اس ستارے کی پرستش کرتے ہیں۔ یقین نہ ہو تو سرحد عبور کرنے کے بعد کراچی چلے جاؤ۔ وہاں قومی شاہراہ سے ائرپورٹ جانے والے راستے پر ڈیوڈ اسٹار مدتوں سے سایہ فگن ہے۔ احمقوں نے اس مقام کا نام صرف اسٹار گیٹ رکھا ہوا ہے۔ میں کسی بارسوخ پاکستانی سے ملی تو یہ سفارش ضرور کروں گی کہ اس مقام کا نام ڈیوڈ اسٹار گیٹ رکھ دیں اور پھر دیکھیں کہ دنیا بھر سے مال دار یہودی سیاح کس طرح اس پاکستانی زیارت گاہ کا رخ کرتے ہیں۔ ان کے لیے یہ بات دلی مسرّت کا باعث بنے گی کہ پاکستان اپنے باشندوں کی یہود و ہنود دشمنی کے باوجود، ان کی روایات اور نشانیوں کو فروغ دینے کی بساط بھر کوشش کر رہا ہے۔ تمہیں دنیا بھر میں ایسی بے مثال رواداری دیکھنے کو نہیں ملے گی۔ یہی ستارہ کسی آزاد منش ملک میں ہوتا تو لوگ اب تک اسے منہدم کر کے پیروں تلے روند چکے ہوتے۔"

"تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔" وہ مرعوب ہو کر سہلاتے ہوئے بولا۔ "پاکستان میں داؤدی ستارے کی کسی یادگار کا وجود واقعی حیران کن ہے۔ میں نے تو یہ سنا ہے کہ یہودیوں کی مخالفت میں پاکستانی بدترین جنون کا شکار ہیں۔ کچھ عرصے پہلے یہودی کمپنیوں کے مشروبات کو پیشاب کے برابر قرار دیا جاتا تھا۔ ایسے ماحول اور معاشرے میں داؤدی ستارے کا اپنی جگہ برقرار رہنا اس کی ماورائی قوتوں کا ایک کھلا ثبوت ہے۔ لیکن یہ ایک الگ موضوع ہے۔ میں نیویارک کی طاقتور اور مال دار یہودی تنظیم کی بات کر رہا تھا۔ تم یقیناً ان کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو ورنہ خفیہ کیمروں اور بارودی مادّے سے لیس بندروں کا حوالہ ہرگز نہ دیتیں۔"

"میری معلومات کے تجسس میں پڑے بغیر تم اپنی کہانی شروع کردیا پھر مجھے باہر پھیلے ہوئے قدرتی نظاروں سے محظوظ ہونے دو۔ میں کیا جانتی ہوں اور کیا نہیں جانتی، یہ میرا مسئلہ ہے۔ تمہیں ان فضول باتوں پر اپنا سر نہیں کھپانا چاہیے۔ تم کو مذاکرات سے دلچ

بھی بھول جاؤ کہ میرا نام ویرا ہے۔"
ہو تو پھر یہ تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ میں ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کر رہا ہوں۔" وہ سرعت کے ساتھ بولا۔ "میرا خیال ہے کہ مجھے ان کا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں تم مجھ سے زیادہ جانتی ہو۔"
"ان بدمعاشوں سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" ویرا نے سفاکانہ بے رحمی کے ساتھ سوال کیا۔
"پیسے کے علاوہ اور کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "ہم میدان میں کام کرنے والے لوگ ہیں۔ وہ ہمیں مُنہ مانگا معاوضہ دیتے ہیں اس لیے ہم ان کی خاطر دنیا بھر کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ڈیوڈ اسٹارز والوں کے دو آدمی پاکستان پہنچنے کے بعد لاپتا ہو گئے ہیں۔ پہلے ہمیں ان کا سراغ لگانا ہے۔"
"وہ دونوں بِل جونز اور پال ایتھرٹن ہوں گے۔" ویرا نے نہایت سرسری لہجے میں کہا۔ "تم میری یقین دہانی پر تصدیق کر دو کہ وہ دونوں مارے جا چکے ہیں۔ بِل جونز، کرنل جیسی جونز کا بیٹا تھا اس لیے اُسے حقائق پر پورا عبور حاصل تھا۔ وہ جو کچھ کہتا رہا تھا وہ حقائق کی دنیا سے بہت دور نہیں تھا۔ میری معلومات کے مطابق وہ پاکستان پہنچنے کے... چند ہی گھنٹوں بعد جہنم واصل ہو گئے تھے۔"
ایلن کی حیرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ "تمہاری معلومات واقعی قابلِ رشک ہیں۔ ان کے نام بِل جونز اور پال ایتھرٹن ہی تھے۔ ہمیں کراچی پہنچ کر ان کا کھوج لگانا تھا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ وہ دونوں پاکستان پہنچتے ہی مارے گئے ہوں گے۔ بندروں والے منصوبے کی ناکامی کے بعد انہیں ایک متبادل منصوبہ دے کر بھیجا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ متبادل منصوبہ بھی ناکامی کا شکار ہو چکا ہے۔"
"تم ابھی تک اشاروں کنایوں میں بات کر رہے ہو۔" ویرا برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔ "مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ بِل جونز کس متبادل منصوبے کے ساتھ آیا تھا۔ پرندوں کے ذریعے تباہی نازل کرنے کا معاملہ شروع ہی نہیں ہو سکا۔ وہ خالص بارودی بموں کے کریٹ وصول کرنے سے پہلے ہی موت کا شکار ہو گیا تھا۔"
"یہ خبر بہت تشویش ناک ہے۔ تم نے اپنی معلومات کے سہارے میرا کام بہت آسان کر دیا ہے۔ تمہیں اتنا کچھ معلوم ہے تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ ان دونوں کو ہلاک کرنے میں کون لوگ ملوث تھے۔"
"ایسے کاموں میں کوئی کھُل کر سامنے نہیں آتا۔ لاشیں ایک ویرانے سے دستیاب ہوئی تھیں۔ ایک اجنبی ملک میں باہر سے آنے والوں کی کسی سے دشمنی نہیں ہوتی۔ ان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ کسی وجہ سے پاکستانی ایجنسیوں کو ان پر شبہ ہو گیا تھا اور انہوں نے سرکاری سطح پر تحقیق و تفتیش کے بکھیڑوں میں پڑنے کے بجائے ان کا پتّا ہی صاف کر دیا۔"
"جیسی جونز کے لیے یہ خبر اندوہناک ثابت ہوگی۔" ایلن پُر تشویش انداز میں بڑبڑایا۔ "بِل جونز اس کا اکلوتا بیٹا تھا اور وہ اس سے والہانہ پیار کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ خبر اسے اپنے موجودہ پیشے سے ہی دل برداشتہ کر دے۔ اس نے پاکستان کو محفوظ علاقہ تصور کر کے اپنے بیٹے کو وہاں بھیجا تھا۔"
"یہ مسئلہ ہر ایک کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ ہم لوگ یورپ اور امریکا میں بیٹھ کر، پاکستانیوں کو بالکل ڈفر سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ لوگ بہت خاموشی اور سفاکی کے ساتھ اپنے مفادات کی حفاظت کرتے ہیں۔" بات کرتے کرتے، اس نے چونک کر پوچھا۔ "پہلے تم نے کہا تھا کہ تم ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کر رہے ہو اور اب تمہیں کرنل جیسی جونز کی فکر لاحق ہو رہی ہے۔ تم ان میں سے کس کو جواب دہ ہو؟"
"دراصل ہم دونوں ہی فری لانسرز ہیں۔" وہ قدرے توقف کے بعد بولا۔ "پہلے راس المیڈا نے بذاتِ خود مجھ سے بات کی تھی۔ اس سے معاملات طے ہو جانے کے بعد میں نے جیسی جونز سے رابطہ کیا تھا۔ وہ بِل جونز کے بارے میں بہت متفکر تھا۔ میں نے اس کے بیٹے کی تلاش کے لیے اُس سے بھی بیس ہزار ڈالر میں سودا

کرلیا" اس وقت ہم دونوں ہی کے لیے کام کر رہے ہیں۔"
"اگر تمہیں بل جونز ہی کی تلاش تھی تو اس کی موت کی خبر کے ساتھ تمہارا کام ختم ہو چکا ہے۔ تم پاکستان جا کر کیا کرو گے؟" ویرا نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔
"دونوں پارٹیوں سے ملنے والا معاوضہ حلال کرنے کے لیے وہاں جانا ہی ہوگا۔" ایلین مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اگر بل زندہ ہوتا تو مجھے اس کے ساتھ مل کر کام کرنا تھا۔ اب صورتِ حال بالکل ہی بدل کر رہ گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بل جونز کی موت کی اطلاع دینے کے بعد مجھے کوئی اور کام سونپ دیا جائے۔"
"تم دونوں کی گفتگو ضرورت سے زیادہ طول پکڑتی جا رہی ہے۔" میں نے اردو میں مداخلت کرتے ہوئے' خشک لہجے میں کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے میری ہدایت کو تھوڑی ہی دیر میں بھلا دیا ہے۔"
"پرانی یادیں ہمیشہ خوشگوار ثابت ہوتی ہیں۔" ایلین ملائمت سے بولا۔ "کچھ ایسی ہی باتیں چھڑ گئی تھیں۔ تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم مہذب لوگ ہیں اور شائستہ گفتگو کر رہے تھے۔"
"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم اردو میں بات کرو تاکہ ہم بھی تمہاری شائستہ گفتگو سے لطف اندوز ہو سکیں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے طنز سے کہا۔ "اچھی باتوں میں دوسروں کو شریک کرنے میں کیا ہرج ہے؟"
"تلفظ کے اعتبار سے اردو ایک مشکل زبان ہے۔" اُس نے بگڑی ہوئی اور شکستہ اردو میں جواب دیا۔ "میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ اردو بولنے سے میرے مُنہ کے تمام عضلات تھک جاتے ہیں۔ ویسے اب تم فکر نہ کرو۔ میں نے فرزانہ سے کافی باتیں کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی ہے۔ اب میں خیال رکھوں گا کہ ہمارے درمیان طویل گفتگو نہ ہو۔"
وہ پشت گاہ سے ٹیک کر اپنے ساتھی سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا اور میں نے سگریٹ سلگا لی۔
اس کی ویرا سے ہونے والی گفتگو نے مجھے بے چین کر دیا تھا مگر ان دونوں خبیثوں کی موجودگی کی وجہ سے میں ویرا سے تبادلۂ خیال کرنے سے قاصر تھا۔ میرے لیے فکر مندی کی بات یہ تھی کہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات میں عالمی قوتوں کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی دلچسپی کا سلسلہ ختم نہیں ہو رہا تھا۔ بلیو کراس ڈیل کے تحت ایران سے آنے والا ساز و سامان تباہی سے بچا لیا گیا تھا۔ البرٹو ویلیسا کے' بندروں کے ذریعے تباہی پھیلانے کے منصوبے کو بروقت ناکام بنا دیا گیا تھا۔ بل جونز کو مخصوص پرندوں کے سہارے سب کچھ تباہ کر دینے کے پلان پر کام شروع کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا لیکن ان ناکامیوں کے باوجود بیرونی طاقتوں کی سازشوں کا سلسلہ جاری تھا۔

ایلین کو ویرا کے بارے میں خاصی معلومات حاصل تھیں ویرا نے جوابی معلومات کا اظہار کر کے اسے مرعوب کر لیا تھا لیکن میں اس بارے میں فکر مند تھا کہ کہیں وہ میرے بارے میں بھی جانتا ہو۔ میرے اور ویرا کے بارے میں اتنی زیادہ باتیں اچھالی گئی تھیں کہ پاکستان کی حد تک ویرا کے ساتھ میرا نام لازم و ملزوم ہو چکا تھا مگر غنیمت یہ تھا کہ ایلین نے اس بارے میں ویرا سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ مگر میں اس بارے میں مطمئن نہیں تھا۔ ایلین کسی بھی وقت اس بارے میں بات نکال سکتا تھا۔ احتیاط کا تقاضا تھا کہ ان لوگوں کو اس بات کی ہوا ہی نہ لگنے دی جائے کہ ہم میں سے کسی کا نام ڈینی ہے۔
"اب سے میرا نام تنویر ہے۔ یہ بات غزالہ کو بھی بتا دینا۔" میں نے اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے سلطان شاہ کے کان میں سرگوشی کی تو وہ چونک کر مجھے گھورنے لگا۔ میں نے پھر کہا۔ "اس طرح دیدے نہ پھاڑو۔ کچھ عرصے کے لیے میرے اصل نام کا استعمال ناگزیر ہو گیا ہے۔" اس وضاحت کے بعد میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔
مجھے اٹھتے دیکھ کر دونوں سفید فام پوری طرح میری طرف متوجہ ہو گئے مگر میں ان کو نظر انداز کر کے اگلی سیٹ پر گیا اور غزالہ کو اپنی جگہ بھیج دیا۔ ویرا کے ساتھ بیٹھ کر میں سرگوشیوں میں کچھ نہ کچھ بات کر سکتا تھا۔
"ان لوگوں کے بارے میں تمہارے اندازے بالکل درست نکلے۔" میرے بیٹھتے ہی ویرا نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "تم نے ساری باتیں سن ہی لی ہوں گی۔ اب ان کے بارے میں کیا ارادہ ہے؟"
"یہ طے کرنے کے لیے کافی وقت پڑا ہوا ہے۔ غنیمت ہے کہ ابھی تک انہیں میرا نام جاننے کا خیال نہیں آیا۔ حیرت دور ہونے کے بعد وہ اس بارے میں بھی باز پرس کریں گے۔ تم انہیں میرا اصل نام بتاؤ گی۔"
"تو تمہارا کوئی اصل نام بھی ہے؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔
"مذاق کی ضرورت نہیں۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میرا اصل نام تنویر علی ہے۔"
"تمہاری عرفیت کے چکر میں پڑ کر' میں اصل نام بھول ہی گئی تھی۔" وہ ہنس کر بولی۔
"سفر کب تک جاری رہے گا؟" میں نے ایلین کی طرف مڑ کر سوال کیا۔
اس نے ایک نظر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ وہاں پھیلی ہوئی دھوپ میں زردی آتی جا رہی تھی اور سورج مغرب میں کافی نیچے اتر آیا تھا۔ جائزہ لینے کے بعد وہ بولا۔ "اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہم جلال آباد پہنچ جائیں گے اور رات وہیں گزارنے کے بعد' کل آگے چل

ہیں گے۔ کل رات کا اندھیرا پھیلتے ہی ہم خاموشی سے سرحد پار کر جائیں گے۔"

"جلال آباد میں رات ضائع کرنے کے بجائے سفر جاری رکھا جائے تو کیسا رہے گا؟" پچھلی نشستوں سے ایک افغان نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں وہ بات پوچھی جو میرے ذہن میں بھی آئی تھی۔

"سفر کا پروگرام بہت سوچ سمجھ کر اور تجربے کار لوگوں کے مشورے سے طے کیا گیا ہے۔" ایلن نے کہا۔ "رات کو سفر جاری رکھا گیا تو ہم اجالے میں طورخم پہنچیں گے۔ ہم کو سرحد پار کرنے کے لیے اندھیرا پھیلنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔ بہتر یہی ہے کہ ہم جلال آباد میں قیام کرکے آگے روانہ ہوں۔ چینغا سرائے سے وہاں تک کا سفر خاصا تھکا دینے والا ہوتا ہے۔ جلال آباد پہنچنے تک ہر ایک کو آرام کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگے گی۔"

"آج کل رات کا سفر بہت خطرناک ہوگیا ہے۔" کسی اور مسافر نے ایلن کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "رات کو لڑنے والے دونوں فریقوں کے رسد کے قافلے بھی سفر نہیں کرتے کیونکہ اندھیرے میں مسلح ٹولیاں گھات لگائے مورچا بند رہتی ہیں اور اپنے علاقے میں آنے والی ہر گاڑی کو چھلنی کرکے لوٹ لیتی ہیں۔ جلال آباد میں ٹھہرنا ہی بہتر ہوگا۔"

کوسٹر کی فضا میں چھایا ہوا جمود ٹوٹتے ہی بہت سے مسافروں نے ایک دوسرے سے بولنا شروع کردیا۔ ممنوعہ سامان کے لیے اضافی معاوضے کی بات پر شروع ہونے والی گفتگو کا سلسلہ بہت دیر پہلے منقطع ہوچکا تھا۔ باتوں کے اس نئے دور کی وجہ سے کوسٹر میں خاصی رونق کا احساس ہونے لگا تھا۔

سفر جاری رہا۔ ڈرائیور نے مسافروں کا دل بہلانے کے لیے پشتو اور ہندوستانی نغموں کا ایک ملا جلا کیسٹ لگادیا تھا۔ ایلن اور پیٹر، قلم کاغذ لے کر کچھ لکھنے پڑھنے میں مصروف ہوگئے تھے۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ مسافروں کے سامان میں موجود ممنوعہ اشیا کی مقدار کا حساب کتاب کررہے تھے تاکہ دریائے کابل کے پل سے پہلے پڑنے والی چوکی پر متعین اہل کاروں سے اسی حساب سے لین دین کے معاملات طے کرسکیں۔

آخر کار وہ چوکی بھی آہی گئی۔ کلینر نے بولٹ گرا کر دروازہ کھول دیا۔ ڈرائیور نے کوسٹر کچے میں اتار کر انجن بند کیا اور نیچے اتر گیا۔ ایلن اور پیٹر بھی اپنے کاغذات سمیٹ کر نیچے اتر گئے۔ نیچے کھڑے ہوئے دو باوردی افغان عقابی نظروں سے کوسٹر اور اس کی چھت پر لدے ہوئے سامان کا جائزہ لے رہے تھے۔ ڈرائیور ان کے ساتھ جا کھڑا ہوا تھا۔ ایلن اور پیٹر کے پہنچنے پر وہ تینوں، انہیں ساتھ لے کر اس بوسیدہ سے کمرے میں داخل ہوگئے جو شاید دفتر کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

"یہ دونوں پاکستان پہنچنے کے بعد خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں۔" ان دونوں سے نجات مل جانے پر ویرا نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "کیوں نہ آج رات جلال آباد میں ہی ان کا کام تمام کردیا جائے؟"

"تم بھول رہی ہو کہ ہم ایک بار پھر غیر مسلح ہوچکے ہیں۔ قندوز خان ہمارے ہتھیار اپنی جیپ میں واپس لے جاچکا ہے......"

ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "ہاتھ پیروں سے زیادہ خطرناک ہتھیار کوئی نہیں ہوتا۔ گلا گھونٹ کر یا گردن کی ہڈی توڑ کر، انہیں نہایت خاموشی سے ٹھکانے لگایا جاسکتا ہے۔"

"یہ میں بھی جانتا ہوں۔" میں نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "لیکن وہ دونوں مٹی کے بنے ہوئے نہیں ہیں۔ ہمارا وار ذرا بھی اوچھا پڑا تو ہمیں تارے نظر آجائیں گے۔ وہ پوری تیاری کے ساتھ اس سفر پر نکلے ہوں گے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس سفر کی کامیابی کے لیے ان کا زندہ رہنا بہت ضروری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی موت کے بعد ڈرائیور آگے جانے سے انکار کردے۔ ہم یہ خطرہ کسی بھی قیمت پر مول نہیں لے سکتے۔"

ایک دو مسافر اپنی ٹانگیں سیدھی کرنے کے لیے کوسٹر سے نیچے اترے ہی تھے کہ ایلن، پیٹر اور ڈرائیور کے ساتھ اس سال خوردہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس چوکی پر ہونے والی سودے بازی سے وہ تینوں ہی مطمئن نظر آرہے تھے۔

چند منٹ بعد کوسٹر ایک بار پھر سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔

جب ہم دریائے کابل عبور کررہے تھے سورج داہنی طرف غروب ہورہا تھا۔ اوپر سے آنے والے، دریا کے نیلگوں پانی میں

ڈوبتے ہوئے سورج کی کرنوں نے رنگ ہی رنگ بکھیرے ہوئے تھے۔ ویرا پوری طرح اس منظر کے نظارے میں منہمک تھی۔

دریا عبور کرنے کے بعد تھوڑی ہی مسافت طے کی گئی تھی کہ کابل سے جلال آباد ہو کر طورخم تک جانے والی شاہراہ سامنے آگئی۔ اس مقام سے داہنی طرف کابل کا راستہ تھا اور بائیں طرف جلال آباد۔

"تم نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا۔" ایک بار مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی پیٹر بول پڑا۔ اس کی اردو ایلن سے بھی گئی گزری تھی لیکن کام چلانے کے لیے کافی تھی۔

"میں تنویر ہوں' یہ سلطان اور یہ غزالہ" میں نے ہر ایک کی طرف اشارے کر کے اسے بتایا۔

"تم چاروں نے ایک جیسے مردانے کپڑے کیوں پہنے ہوئے ہیں؟" اس بار وہ غزالہ سے مخاطب ہوا تھا۔

"یہ ہماری یونیفارم ہے۔" غزالہ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

ہم سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ پیٹر بھی خفت آمیز انداز میں ہنسنے لگا لیکن غزالہ کی سنجیدگی میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔

"یونیفارم انگریزی کا لفظ ہے لیکن یہ بات حیرت ناک ہے کہ تم انگریزی سے ناواقف ہو۔" پیٹر دوبارہ ڈھٹائی سے بولا۔

"اردو میں انگریزی کے بہت سے الفاظ جوں کے توں استعمال ہوتے ہیں۔ یونیفارم بھی ان ہی میں شامل ہے۔" غزالہ نے اتنے خشک لہجے میں جواب دیا کہ وہ خواہش رکھنے کے باوجود بات جاری رکھنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی کوسٹر کے ہیڈ لیمپس اور اندر کی بتیاں جلادی گئیں پھر جلال آباد کی مضافاتی بستیوں کے آثار بھی نظر آنے لگے۔ سڑک کے دونوں طرف بنے ہوئے مکانات اور بازاروں کے درمیان سے گزرتے ہوئے' میں نے محسوس کیا کہ اس شہر کے ماحول پر جنگ کے اثرات زیادہ گہرے اور نمایاں تھے۔ کئی جگہ جلی یا گری ہوئی عمارات کے ملبے سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ متحارب فریق اس شہر کی حدود میں بھی مرتے مارتے رہتے ہیں۔

ڈرائیور کے لیے وہ سفر نیا تھا اور نہ ہی شہر اجنبی تھا۔ اس وقت سورج غروب ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی لیکن سڑکوں پر برائے نام ٹریفک نظر آ رہا تھا۔ ڈرائیور نے تیز رفتاری سے جانے بوجھے راستے طے کرتے ہوئے' کوسٹر ایک تین منزلہ ہوٹل کے سامنے لے جا کر روک دی۔

غزنی ہوٹل ایک معقول اور صاف ستھرا رہائشی ہوٹل تھا لیکن اس وقت ویران پڑا ہوا تھا۔ وہاں کے عملے نے بہت تپاک سے کوسٹر ڈرائیور کا استقبال کیا۔ غیر متوقع طور پر اتنے مہمانوں کو دیکھ کر سب ہی خوش ہو گئے تھے۔

ہوٹل کے اخراجات ہر مسافر کو خود ادا کرنے تھے۔ ہمارے پاس مقامی کرنسی نہیں تھی۔ مجھ سے ڈالر وصول کرتے ہوئے'

کلرک کی نظروں میں حریصانہ چمک پیدا ہو گئی۔ میں نے برا... والے دو کمرے بک کرا لیے۔

ہم لوگوں کے پاس کوئی ساز و سامان نہیں تھا۔ اس لیے ... نے دوسری منزل پر واقع کمروں کی طرف جانے کے بجائے ... کے ریستوران کا رخ کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ ہم لوگ خورد و... سے فارغ ہو کر ایک ہی بار اوپر جائیں اور بستروں پر دراز ہو جائیں۔ پیٹر اور ایلن بھی ہمارے ساتھ ہو لیے۔ انہیں میری ... پسند آئی تھی۔

ریستوران کا وسیع ہال خالی پڑا ہوا تھا۔ ہم چاروں ایک ... کے گرد بیٹھ گئے۔ ایلن اور پیٹر نے میرے پیچھے والی میز سنبھال ... موٹے بیرے کو آرڈر نوٹ کرانے کے بعد ویرا نے باتھ روم کے بارے میں استفسار کیا۔ بیرے کے نشان دہی کے بعد وہ ا... غزالہ بھی اس کے ساتھ ہو لی۔ سلطان شاہ قدرے مضطرب ... آنے لگا۔

چند ثانیوں کے تردد کے بعد اس سے نہ رہا گیا اور وہ بھی کھڑا ہوا۔ "میں ابھی آیا..... اس نئی جگہ پر عورتوں کو یوں ... چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔"

وہ بھی چلا گیا اور میں اپنی میز پر اکیلا بیٹھا رہ گیا۔ سگ... سلگاتے ہوئے' میرے کان ایلن اور پیٹر کی طرف لگے ہوئے ... وہ دونوں انگریزی میں اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ ویرا کے ساتھیوں سے آج رات چھٹ... حاصل کر لینا چاہیے۔" پیٹر کے ان الفاظ پر میرے کان کھ... ہو گئے اور میں بے اختیار ایک جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔

"آج رات کی کیا ضرورت ہے۔ اس وقت یہ گھامڑ اکیلا ہوا ہے۔ اس کی کمر سے پستول لگا کر' میں ابھی اسے اوپر لے ... ہوں۔ اس کے دہانے میں پستول کی نال اڑا کر گولی چلاتے ہی ... تمام ہو جائے گا۔" ایلن کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دو... اس بارے میں پہلے ہی کچھ طے کر چکے تھے۔

میرے لیے اسی طرح بیٹھے رہنا دشوار ہو گیا۔ لحظہ بھر کے ... وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ اگر وہ پستول ہی نکال رہے تھے تو ا... مزید مہلت نہیں دی جا سکتی تھی۔

میں کرسی سے اٹھ کر تیزی سے ان کی طرف پلٹ پڑا۔ ... کے ہاتھ میں سیاہ پستول چمک رہا تھا۔ اس نے میزپوش کی آ... کر' نال میری طرف اٹھائی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر استہ... مسکراہٹ تھی اور سفید عدسوں کے پیچھے چمکتی ہوئی آنکھیں مرکوز تھیں۔

میرے تیور دیکھ کر پیٹر بھی اپنی کرسی چھ... ...ڑا ہو چکا تھا

"تم اپنے ناپاک عزائم میں اتنی آسانی سے کامیاب ہو سکو گے؟" میں نے ایلن کو گھورتے ہوئے' زہریلے لہجے میں

میں اس کے ہاتھ میں موجود پستول کی نال سے غافل نہیں ہوا تھا۔

"ابھی چند منٹ میں سب کچھ سامنے آجائے گا۔" ایلن غرّایا۔

"ہم ہوٹل کے اس ہال میں کوئی ہنگامہ کھڑا نہیں کرنا چاہتے۔ خاموشی سے اپنی کرسی پر بیٹھ جاؤ۔ تم سے اوپر چل کر بات ہوگی۔"

"تمہاری گفتگو سن لینے کے بعد' اب اوپر جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جو کچھ ہونا ہے' یہیں ہوکر رہے گا۔"

"اوہ!" ایلن نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم ہمارے سامنے بلاوجہ ہی انگریزی سے انجان بنے ہوئے تھے۔"

یہ بات شروع سے میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی۔ میری معلومات کے مطابق پاکستان کا ہر پڑھا لکھا شخص انگریزی میں کچھ نہ کچھ مہارت ضرور... رکھتا ہے اور تم کسی طرح بھی جاہل نظر نہیں آتے۔"

"تم نے اپنی اسی بے خبری کی وجہ سے مار کھائی ہے ورنہ تم خاموشی سے اپنے منصوبے پر عمل کر گزرتے اور ہمیں آخر تک تمہارے ارادوں کی بھنک نہ مل پاتی۔" میں نے غصے سے کہا۔

"مار ہم نے نہیں تم نے کھائی ہے۔" ایلن نے قہقہہ لگاتے ہوئے' پستول میری طرف اچھال دیا۔

میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے' شدید حیرت کے عالم میں پستول کو فضا میں لپکا تو طبیعت صاف ہوگئی۔ جھلاہٹ کے عالم میں میرا دل چاہا کہ اپنا سر کسی دیوار سے دے ماروں۔ وہ پلاسٹک کا بنا ہوا کھلونا پستول تھا لیکن اس کی بناوٹ اتنی عمدہ تھی کہ دور سے دیکھنے پر وہ اصلی پستول معلوم ہوتا تھا۔

"ہم صرف یہ جاننا چاہتے تھے کہ انگریزی زبان کے بارے میں تمہارا دعویٰ درست ہے یا نہیں۔" ایلن فاتحانہ موڈ میں کہہ رہا تھا۔ "ہماری خطرناک گفتگو نے تم کو کھل کر سامنے آنے پر مجبور کردیا۔ اب تم آرام سے اپنی جگہ بیٹھ کر یہ بتاؤ کہ تم ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہے تھے؟"

میرے لیے یہ صورتِ حال اس قدر خفت آمیز تھی کہ میں فوری طور پر اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ ان دونوں نے بہت خوبصورتی کے ساتھ ملی بھگت کرکے مجھے چکما دیا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ میرے بارے میں انہوں نے کوئی اندازہ نہیں لگایا تھا بلکہ میں نے خود ہی' انگریزی زبان سے واقفیت کا اعتراف کیا تھا جب کہ چینغا سرائے سے وہاں تک کے سفر میں ہم تینوں ہی انگریزی زبان سے یکسر لاعلمی کا اظہار کرتے چلے آئے تھے۔

میں احساسِ بے بسی کے ساتھ قریبی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایلن کا دیا ہوا نقلی پستول میرے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "جو کچھ ہوا' اس میں ہمارے کسی ارادے کا دخل نہیں تھا۔ ویرانے میں محض تفریحاً تم سے ایک بات کہہ دی اور ہم تینوں کو اس بات کو نبھانا پڑا۔"

"لیکن بعد میں تم بہت کچھ جان چکے ہو۔" ایلن معنی خیز لہجے میں بولا۔ "ہمیں شبہ بھی ہوتا کہ تم تینوں انگریزی سمجھ لیتے ہو تو میں ویرا سے ہرگز کھل کر بات نہ کرتا۔ ہم دونوں کے لیے نئی صورتِ حال بہت زیادہ مخدوش ہوگئی ہے۔"

"ہمیں تم پر کوئی شبہ تھا اور نہ ہم تمہارے بارے میں کسی تجسس میں مبتلا تھے۔" میں نے سنبھالا لیتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہاری غلطی تھی کہ تم باتوں کی روانی میں بہتے چلے گئے لیکن ہمیں ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ سرحد عبور کرنے تک ہمارا اور تمہارا ساتھ ہوگا۔ اس کے بعد ہم تمہیں بھول جائیں گے۔ البتہ میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ تمہارے ذہن میں ہمارے بارے میں شبہ کیوں پیدا ہوا؟"

"ہمیں تم پر شبہ کیوں ہونے لگا؟" اس نے فوراً ہی مدافعانہ

لہجے میں کہا۔ "میں نے اب تک ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے کسی بے اعتمادی یا عناد کا اظہار ہوتا ہو۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "اس وقت تم بھی میری ہی طرح بھڑکے ہوئے ہو۔ میرا مطلب تھا کہ تمہیں یہ شبہ کیوں ہوا کہ میں انگریزی سمجھ سکتا ہوں؟ تم نے اس وقت یہ ڈراما اسی لیے رچایا تھا کہ میرے بارے میں اپنے شبے کی تردید یا تصدیق حاصل کر سکو اور تم اپنے منصوبے میں کامیاب رہے ہو۔"

"سچ پوچھو تو مجھے تم نے چوکنا کیا تھا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "جب میں ویرا سے بات کر رہا تھا تو تم ہر اہم موقعے پر کسی نہ کسی طرح اپنے رد عمل کا مظاہرہ کر رہے تھے اور ہم دونوں کی گفتگو میں رخنہ انداز ہونے کی کوششیں کر رہے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ہماری باتوں پر تم اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہے ہو۔ حقیقت معلوم کرنے کے لیے ہم دونوں نے ایک مختصر سا ناٹک رچایا اور میرے شبے کی تصدیق ہو گئی۔"

"ایک غلط فہمی دور ہو جانے کے بعد ہمارے درمیان کوئی تلخی نہیں پیدا ہونی چاہیے۔" میں نے کہا۔

"اس کا انحصار تمہارے رویے پر ہوگا۔" اس نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔ "ایک بات تمہارے حق میں جاتی ہے کہ ویرا نے تم تینوں کو اس وقت انگریزی سے نابلد ظاہر کیا تھا جب سفر کی ابتدا ہوئی تھی اور ہمارے درمیان کسی رازدارانہ گفتگو کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو کر اپنی عینک کے شفاف عدسوں کے پیچھے سے میری آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر قدرے دھیمی آواز میں بولا۔ "یہ بتاؤ کہ ویرا کے ساتھ تم لوگ ان اطراف میں کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "تم بلاوجہ بازاری انداز میں اپنی گفتگو کو پراسرار بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔ اس وقت ہوٹل کے اس ہال میں، ہم تینوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے جو ہماری باتیں سن سکے....."

"اوہ!" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ "تمہارا اعتراض درست ہے۔ غالباً میں اپنے حد سے بڑھے ہوئے تجسس سے مغلوب ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود میرے سوال کی اہمیت اپنی جگہ پر برقرار ہے۔"

"میری نظر میں تمہارے سوال کی کوئی بھی اہمیت نہیں ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "خوفناک گوریلا جنگ کی زد میں آئے ہوئے ان آفت رسیدہ علاقوں میں لوگ تیتر کا شکار کھیلنے نہیں آتے۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ جلال آباد کی عمارتوں اور راستوں پر کیسی ہولناک وحشت کا راج [illegible] ماحول میں کوئی بھی ناگزیر ضر[ورت] کے بغیر ادھر کا رخ [illegible] لیکن کون کس رنگ میں ہے، [یہ] وہ خود ہی جانتا ہے، دوسرو[ں کو] اپنے رازوں میں شریک نہیں کرتا۔"

"لیکن میں اپنے بارے میں ویرا کو بہت کچھ بتا چکا ہوں۔" اس نے احتجاج کیا۔

"وہ تمہاری ضرورت یا مجبوری تھی۔ تم اسے اعتماد میں لے کر اس کی مدد حاصل کرنا چاہتے تھے اور اس نے آناً فاناً میں تمہارے کئی مسائل حل کر دیے لیکن مجھے ایسی کوئی مجبوری لاحق نہیں ہے۔" میں نے بے رخی سے کہا۔

وہ چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "تم کم از کم اتنا تو بتا سکتے ہو کہ ویرا تمہارے لیے کام کر رہی ہے یا تم اس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

میں نے نقلی پستول میز پر ڈال کر ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا۔ "تم بچوں اور اناڑیوں جیسے سوالات کر رہے ہو۔ مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ڈیوڈ اسٹارز اور کرنل جیسی جونز کے بارے میں تمہاری کہانی بے بنیاد ہے۔ ان لوگوں کے لیے کام کرنے والوں کی ذہنی سطح اتنی پست نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں؟ اس میں ذہنی سطح کی پستی ظاہر کرنے والی کون سی بات ہے؟" اس بار پیٹر غرایا تھا۔

"ہر پارٹی میں ٹیم لیڈر کی اہمیت ہوتی ہے۔ وہ سامنے آجائے تو حریف اسی کی ذات کو ہر قسم کے دباؤ کا نشانہ بنانے لگتے ہیں۔ تمہارے لیے صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔"

"اور تمہارا نام؟" اس نے پرخیال لہجے میں پوچھا۔ اس کے ذہن میں یقیناً کوئی بات چبھ رہی تھی۔

"تنویر۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں پہلے بھی اپنا نام بتا چکا ہوں۔"

"نام چھپانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" پیٹر نے ایلن سے مخاطب ہو کر قدرے تیز لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کے بارے میں تمہارا اندازہ سو فیصد سے بھی زیادہ درست ہے۔"

"میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ میرے بارے میں ایلن سیمفر پال کی کیا رائے ہے۔" میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ایک بار تمہارا داؤ چل گیا۔ اب تم بار بار مجھے جھانسا نہیں دے سکتے۔"

"ایک بار نہیں، دوبار۔" ایلن نے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "پہلی بار تم غیر ارادی طور پر ویرا کا اصل نام لے بیٹھے تھے اور ابھی ابھی ہماری مفروضہ سازش پر مضطرب ہو کر اپنی انگریزی دانی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔"

"اور اگر میں یہ کہوں کہ میں نے دانستہ ویرا کا نام لیا تھا تو کیا کہو گے؟"

"پھر مجھے سوچنا پڑے گا کہ تمہارے عزائم کیا ہیں۔" وہ یکایک سنجیدہ ہو گیا۔ "ویرا کا نام سننے کے بعد ہی میں نے مکمل گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ تم ویرا کا نام نہ لیتے تو میری زبان ہرگز نہ کھلتی۔"

"میرا بھی یہی اندازہ تھا۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا

"مغرب میں جرائم کی دنیا سے موہوم سا رابطہ رکھنے والوں کے لیے بھی ویرا لائیڈ کا نام جانا بوجھا ہوتا ہے۔ تم شریف آدمی ہوتے تو ویرا کے نام پر کسی ردعمل کا اظہار نہ کرتے۔ سفید فاموں میں ویرا' ایک مقبول نسوانی نام ہے۔ یورپ میں ہزاروں ویرائیں گلی کوچوں میں ماری ماری پھرتی ہیں۔"

ہماری باتوں کا وہ سلسلہ وہیں موقوف ہوگیا کیونکہ سلطان شاہ دونوں عورتوں کے ساتھ دوبارہ ہال میں داخل ہو رہا تھا اور دوسرے دروازے سے' ہمارے چند ہم سفر افغان اندر آرہے تھے۔

مجھے ان دونوں کی میز کے گرد بیٹھا ہوا دیکھ کر' وہ تینوں دور ہی سے چونک پڑے۔ غنیمت یہ تھا کہ ہال میں دیگر لوگوں کی آمد شروع ہوتے ہی ایلین نے پلاسٹک کا بنا ہوا نقلی پستول' میز سے اٹھا کر اپنے نیکر کی جیب میں اڑس لیا تھا ورنہ دور سے اس میز کی پچویشن سنگین نظر آسکتی تھی۔

"ہماری غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر تم لوگوں نے کیا چکر چلایا ہوا ہے؟" سلطان شاہ نے اپنی پرانی میز کے قریب رکتے ہوئے' قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"تمہارے جانے کے بعد یہاں کئی حیرت ناک واقعات رونما ہوئے۔" ایلین نے خوش دلی سے جواب دیا۔ "اغوا کی ایک واردات ہوتے ہوتے رہ گئی اور تمہارے ساتھی نے یک بیک انگریزی بولنی اور سمجھنی شروع کردی۔"

ایلین کے آخری فقرے پر وہ تینوں ہی چونک کر' تحیر زدہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگے۔ ان کی نگاہوں میں حیرت کے ساتھ ہی مستفسرانہ انداز بھی نمایاں تھا۔ ویرا سب سے زیادہ متعجب نظر آرہی تھی۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" میں نے مغموم انداز میں اپنا سر سہلاتے ہوئے' انگریزی میں کہا۔ "ان دونوں نے انگریزی میں' میرے اغوا کی منصوبہ بندی کرنی شروع کی تو مجھے اضطراری طور پر ردعمل کا مظاہرہ کرنا پڑا۔ وہ ان دونوں کی ایک چال تھی اور مجھے اعتراف ہے کہ ان کی چال کامیاب رہی۔ ویسے بھی ہماری نیت میں کوئی فتور نہیں تھا۔ ویرا نے ان دونوں سے لطف لینے کے لیے' ہم تینوں کو انگریزی زبان سے لاعلم ظاہر کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ یہ دونوں کچھ زیادہ ہی کھل گئے۔"

میرے جواب نے ان تینوں پر پوری صورتِ حال واضح کردی۔ ویرا نے کوئی سوال کیے بغیر' سرسری لہجے میں کہا۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ شاید یہ دونوں ہم لوگوں کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔ یہ جرائم پیشہ لوگوں کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے کہ وہ اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔ بعض اوقات ان کے خدشات درست بھی ثابت ہوتے ہیں۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم کچھ بھی کہتے اور کرتے رہے ہوں' ہمیں ان دونوں سے کوئی عناد نہیں ہے۔"

"عناد یا دشمنی کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔ ہمارے راستے جدا ہیں۔ سرحد عبور کرنے کے بعد ہم اپنی راہ ہولیں گے۔ یہ اپنے آقاؤں کے لئے جو چاہیں کرتے پھریں۔ ہماری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" سلطان شاہ نے ویرا کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ہماری گفتگو ایک نازک موڑ پر پہنچی ہوئی تھی۔" ایلین نے ویرا سے مخاطب ہو کر' معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تم لوگوں کے آجانے سے ایک اہم بات تشنہ بلکہ ادھوری رہ گئی ہے۔"

اس اثنا میں' میں ان دونوں کی میز سے اٹھ کر اپنے ساتھیوں میں آبیٹھا تھا۔ میں نے اس کی بات سنتے ہی اپنے ذہن پر زور دیا لیکن اس کے فقروں کا جواز پانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ بات ویرا کی ذات کے بارے میں ہو رہی تھی اور میں نے اپنی بات مکمل کرلی تھی۔ ایلین نہ جانے کس ادھوری بات کا حوالہ دے رہا تھا۔

"اپنی تشنگی فوراً دور کرلو۔" مجھے خاموش پاکر' ویرا نے ایلین کو جواب دیا۔ "اس وقت ہم جلال آباد میں ہیں جہاں موت کسی بھی وقت نازل ہوسکتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی وقت کوئی میزائل' ہوٹل کی دیوار کو پھاڑتا ہوا اس ہال میں آگرے اور اس کے دھماکے کے ساتھ تمہارے چیتھڑے اڑ جائیں۔ تم مرنے کے بعد بھی اسی خلش میں مبتلا رہو گے....."

"تم میرے بارے میں بہت بے رحمانہ تبصرہ کررہی ہو" ایلین اس کی بات کاٹ کر بولا "یہ نہ بھولو کہ اس جنگ زدہ اور آسیبی شہر میں ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ہمارے ساتھ کچھ ہوا تو تم بھی اسی انجام سے دوچار ہو کر رہو گی۔ شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ اس سرزمین کے لیے لڑنے والے دونوں فریق بھاری اور تباہ کن ہتھیار استعمال کررہے ہیں۔ گولیاں بعد میں چلتی ہیں۔ پہلے بم پھٹتے ہیں جو پوری پوری عمارتوں کو پلک جھپکتے میں زمین بوس کردیتے ہیں۔"

"دراصل میں' ایلین سے کہہ رہا تھا کہ تمہارے ساتھی کے بارے میں اس کا اندازہ درست معلوم ہوتا ہے۔" پیٹر نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "اور یہ شخص جو خود کو تنویر کہتا ہے' میری اس بات کو بھی جھانسا قرار دے رہا تھا۔"

"ایلین کی رائے بتاؤ گے تب ہی فیصلہ ہوسکے گا کہ حقیقت کیا ہے۔" ویرا منہ بنا کر بولی۔

تنومند اور دراز قامت افغان بیرے' ہمارے لیے کھانوں کی قابیں اور خالی پلیٹیں لے آئے اور انہیں قرینے سے میز پر سجانے میں مصروف ہوگئے۔ گرم گرم کھانوں سے اٹھنے والی خوشبوئیں بہت بھلی اور اشتہا انگیز تھیں۔

چند ثانیوں کے توقف کے بعد ایلین بولا۔ "اگر یہ انگریزی سے ناواقف ثابت ہوتا تو میں زبان بھی نہ کھولتا لیکن اب مجھے پورا یقین ہے کہ یہ شخص تنویر نہیں بلکہ ڈینی ہے۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ آج کل تم دونوں میں گاڑھی چھن رہی ہے۔ شی کے بڑے' ڈینی کے خون کے پیاسے ہیں لیکن تم ذاتی طور پر اس کی دوست ہو اور اسے بہت عزیز رکھتی ہو' اسی وجہ سے تشنگارا دیلی

کے اہم سفر میں ڈینی تمہارا اہم رکاب ہے۔"

میں نے ایک بے ساختہ قہقہہ لگایا اور کہا۔ "یہ میرے لیے عزت کی بات ہے کہ تم مجھے کسی بھی وجہ سے ڈینی سمجھ رہے ہو۔ وہ ویرا سے واقعی بہت قریب ہے لیکن بدقسمتی سے اس وقت ویرا کا ہم سفر نہیں ہے۔ میرا صحیح نام تنویر ہی ہے۔ اگر تم مجھے ڈینی کے نام سے مخاطب کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں" ویرا نے کہا "میرے حوالے سے ڈینی کا ذکر کرکے تم نے یہ ثابت کردیا ہے کہ تم کوئی معمولی چور اُچکے نہیں ہو۔ اپنے کام کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔ ایک اچھے فری لانس ایجنٹ کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ جس علاقے میں کام کرنے جارہا ہو' وہاں کے ممتاز اور طاقتور لوگوں سے باخبر ہو تاکہ نادانستگی میں ان سے ٹکراؤ نہ ہوسکے۔ لیکن میں حیران ہوں کہ تنویر کی کس خوبی کی بنا پر تم اسے ڈینی سمجھ بیٹھے تھے؟"

"سنا ہے کہ اپنے نسلی پس منظر سے محرومی کی وجہ سے تمہارے ذہن میں کچھ گرہیں موجود ہیں۔" ایلن نے جھجکتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔ "اور تم اپنی برتری کے گھمنڈ میں مبتلا رہتی ہو۔ رنگ دار نسلوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ساتھ تمہارا رویہ' عام طور پر تحکم آمیز ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ تم جس طرح گھل مل کر رہ رہی ہو' اس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان میں کوئی نہ کوئی مرد تمہارا پسندیدہ ہے اور وہ ڈینی ہی ہوسکتا ہے۔"

"باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی' کھانا کھاؤ ورنہ یہ ٹھنڈا ہوکر بے مزہ ہوجائے گا۔" غزالہ نے اپنی خالی پلیٹ کو چمچے سے بجاکر ہم سب کو کھانے کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کردیا۔ شاید میرے اور ویرا کے مراسم کے بارے میں' ایلن کی بے لاگ باتیں اسے گراں گزر رہی تھیں۔ میں خود بھی اس موضوع کو وہیں ختم کردینے کے موقعے کی تلاش میں تھا۔ میں نے ان دونوں کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

"منہ میں پانی آرہا ہے۔" ویرا قابوں کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ "ان مرغن اور لذیذ کھانوں کے ساتھ کوئی عمدہ سی وائن مل جائے تو کھانے کا لطف دوبالا ہوجائے گا۔"

"اس ہوٹل میں وائن ہی نہیں' بیئر اور وھسکی بھی مل جاتی ہے۔" ویرا کی خواہش سن کر' ایلن ایک بار پھر اپنی ٹانگ اڑا بیٹھا۔ "جنگ کی لپیٹ میں آئے ہوئے تمام علاقوں میں ہر وہ اچھی اور بری چیز بہ آسانی مل جاتی ہے جو روسیوں کو مرغوب ہو۔ روسی شاید دنیا میں الکحل کے سب سے بڑے شیدائی ہیں۔ تم چاہو تو میں ابھی ریڈ وائن کی دو چار بہترین بوتلوں کا بندوبست کرا سکتا ہوں۔"

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔" ویرا نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔ "فوراً کسی سے بات کرو۔"

ایلن اٹھ کر نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"تم بہت بری طرح شراب کی لت میں مبتلا ہو۔" غزالہ نے نچی آواز میں ویرا کو پھٹکارنا شروع کردیا۔ "ہر وقت اور ہر جگہ شراب کی جستجو میں رہتی ہو اور تمہاری آڑ میں تنویر کو بھی اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملتا رہتا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں اسے وائن کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دوں گی۔" ویرا مسکرا کر بولی۔

"وائن میں ہوتا ہی کیا ہے؟" میں نے صفائی پیش کی۔ "اس میں الکحل کا عنصر نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ وائن کے بغیر' سفید فام شرفا کے ڈنر کا دسترخوان نامکمل تصور کیا جاتا ہے۔ وہ اسے پانی کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ ایک ڈیڑھ بوتل معدے میں اترنے کے بعد ہلکا سا سرور آتا ہے جسے بلیک کافی کی ایک پیالی صاف کردیتی ہے۔ بعض...."

"بس!" غزالہ نے مجھ پر آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ "مجھے انسائیکلو پیڈیا سنانے کی کوشش مت کرو۔ اس بارے میں' میں بہت کچھ جانتی ہوں۔ تم بھول رہے ہو کہ میں لندن کے ایک پب میں بھی ملازمت کرچکی ہوں۔ پب کے منیجر نے پہلے دن پورے پانچ گھنٹے تک مجھے یہی سمجھایا تھا کہ مختلف قسم کی شرابوں میں الکحل کی اوسط مقدار کیا ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے سے مل کر کیا اثرات پیدا کرتی ہیں۔ کاک ٹیل بنانے کے لیے یہ سب جاننا بہت ضروری ہوتا ہے۔"

"پھر کسی دن اپنے ہاتھ سے تیار کی ہوئی کاک ٹیل پلاؤ۔ عمدہ کاک ٹیل پیے ہوئے ایک مدت ہوگئی ہے۔"

"یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ لندن اور برطانیہ کے دوسرے شہروں میں سیکھی ہوئی بہت سی باتیں میں وہیں بھول آئی تھی۔"

"ڈینی کی فرمائش پر بھی نہیں؟" ویرا نے سرگوشیانہ لہجے میں اصرار کیا۔

"ہمت ہے تو یہ فرمائش کرکے دیکھیں.... میں اس کے بعد ہی کوئی یقینی جواب دے سکوں گی۔"

ہمیں کھانا شروع کیے ہوئے چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ ایلن دوبارہ ہال میں داخل ہوتا ہوا نظر آیا۔ اس کے پیچھے ایک سرخ و سفید' افغان لڑکا' تولیے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز لیے چلا آرہا تھا۔

ہماری میز کے قریب آکر اس نے تولیے سے نکال کر' ریڈ وائن کی دو بوتلیں میز پر رکھ دیں اور خاموشی سے واپس چلا گیا۔ ویرا نے اس غیر متوقع بندوبست پر ایلن کا شکریہ ادا کیا تو اس نے ویرا کو احتیاط کا مشورہ دیا۔

اس کے ایما پر میں نے کن انکھیوں سے ہال کا جائزہ لیا تو وہاں بیٹھے ہوئے افغان مسافروں کو اپنی طرف متوجہ پایا۔ ان سب کی متجسس نگاہیں ہماری میز پر رکھی ہوئی بوتلوں پر مرکوز تھیں۔

مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں کوئی سرپھرا' کوئی بدمزگی پیدا نہ کردے۔ ویسے تو وائن ہوٹل والوں نے مہیا کی تھی اور اپنے دوسرے گاہکوں کے جذبات یا ردعمل پر قابو رکھنا' ان کا کام تھا لیکن میں اس مرحلے پر کسی بھی تکرار سے بچنا چاہتا تھا۔ میں نے

ننگی سے وہ دونوں بوتلیں میز پر لنڈا دیں۔

ویرا نے ایک بوتل کی سیل توڑ کر اپنا گلاس لبریز کیا اور منہ بند کر کے بوتل دوبارہ میز پر لنڈا دی۔ میں نے غزالہ کی طرف دیکھے بغیر ...نا حصہ بھی لے لیا۔

ہمارے فارغ ہونے سے پہلے ایلن اور پیٹر کی میز پر بھی کھانا ...ا دیا گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ غزالہ کچھ بے زار اور اکتائی ہوئی ...ی نظر آنے لگی تھی۔ اس نے شکم سیر ہونے سے پہلے ہی کھانے سے ہاتھ روک لیا اور ہم تینوں کے اصرار کے باوجود مزید کھانا کھانے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ...ہ جلد وہاں سے اٹھ جانے کے موڈ میں تھی اور گرد و پیش سے ...ا تعلق رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ہم لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو ایلن نے ایک مرتبہ پھر ہم سے مخاطب ہونے کی کوشش کی لیکن غزالہ نے خشک لہجے میں اسے اپنے کھانے پر دھیان دینے کا مشورہ دے کر خاموش کر دیا۔

ویرا نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولی۔

سلطان شاہ نے قہوہ پینے کی خواہش کا اظہار کیا تو غزالہ، کرسی چھوڑ کر اٹھ گئی۔ "قہوہ کمرے میں منگوا لینا۔ میں اب بستر پر جانا چاہتی ہوں۔" ہمارے پاس اس کا ساتھ دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

ہمیں اٹھتا ہوا دیکھ کر بیرا ہمارے قریب آ پہنچا۔ غالباً وہ ہوٹل کے بل سے زیادہ، اپنی ٹپ کے لیے فکر مند تھا۔ میں نے اسے بل کے ساتھ قہوہ کمرے میں بھجوانے کی ہدایت کی اور وہاں سے چل دیا۔

ہم نے شب بسری کے لیے اس ہوٹل میں ڈبل بیڈ والے دو کمرے مخصوص کرائے تھے جو ایک دوسرے سے ملحق تھے لیکن پہلی منزل پر پہنچنے کے بعد ہم چاروں ایک ہی کمرے میں داخل ہو گئے۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ خاموش اور بھری بھری سی نظر آ رہی ہو" کمرے میں پہنچنے کے بعد ویرا نے ٹٹولنے والے انداز میں غزالہ کو چھیڑا "کہیں میری کوئی بات تو تمہیں ناگوار نہیں گزری ہے؟"

"مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔" غزالہ نے اداس اور مغموم لہجے میں کہا۔ "بلکہ میں تو کسی سے بھی شکوہ نہیں کر سکتی۔ مجھے پہلے ہی اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ ماضی کی کہانیاں وقتاً فوقتاً اپنا رنگ دکھاتی رہیں گی اور میں اس کے سدباب کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکوں گی۔ یہ کسی کا نہیں، میری کم فہمی کا قصور ہے۔"

"تم کیوں آزردہ ہو رہی ہو؟" سلطان شاہ مضطرب ہو کر بولا۔ "اس وقت کس بات نے تمہیں پریشان کیا ہے؟"

غزالہ نے مجروح نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو میں دل ہی دل میں نادم ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"کمال ہے کہ سب کچھ سن لینے کے بعد بھی تم کو مجھ سے سوال کرنے کی ضرورت پیش آ رہی ہے۔" غزالہ اس سے کہہ رہی تھی۔ "اگر تمہاری ذات پر ہر وقت کسی اور کا سایہ چھایا رہے اور تم اسی سائے کو اپنی پہچان سمجھنے پر مجبور کر دیئے جاؤ تو کیا تمہیں اپنے وجود اور اپنی ذات کے خالی پن کا احساس نہیں ستائے گا؟"

غزالہ کے اس پُر پیچ سوال پر سلطان شاہ کی کھوپڑی گھوم کر رہ گئی۔ شاید اس نے بجا طور پر ایلن کی باتوں پر زیادہ دھیان نہیں دیا تھا لیکن ویرا کو صورتِ حال کا پورا پورا ادراک تھا۔ وہ فوراً ہی ہنس پڑی۔

"میں تمہارے کرب کو بہت اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔" ویرا کہہ رہی تھی۔ "تم نے اشارے کنائے میں بات کر کے، بیچارے سلطان شاہ کو الجھن میں ڈال دیا ہے۔ تم نے سائے کا ذکر کیا ہے مگر میں سائے سے بڑھ کر، ایک زندہ اور متحرک وجود کی مالک ہوں۔ اس وقت جو کچھ ہوا ہے، اس میں میری نیت یا ارادے کا ذرا بھی دخل نہیں تھا۔ وہ سب ایلن کی خیال انگیزی تھی۔ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ دنیا کی کوئی عورت یہ بات برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کا مرد کسی دوسری عورت کے حوالے سے پہچانا جائے اور اس وقت تمہارے ساتھ یہی ظلم ہوا ہے۔ ایلن کی تردید کرنے کے باوجود، حقائق اپنی جگہ پر اٹل ہیں۔ انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں جھٹلا سکتی۔ مگر میں حیران ہوں کہ میرے اور ڈینی کے بارے میں باتیں اتنی دور تک پھیل چکی ہیں کہ ایلن جیسا ایک اجنبی بھی میرے ساتھ کسی مقامی مرد کو دیکھ کر، اس کا نام ڈینی رکھ سکتا ہے۔"

"یہ ہوتا ہی آیا ہے۔" غزالہ زخمی لہجے میں بولی۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم دونوں کے مراسم اتنے گہرے رہے ہیں کہ تم ایک دوسرے کی پہچان بن کر رہ گئے ہو۔ لیلیٰ کا ذکر آتے ہی ذہن میں مجنوں کا نام ابھر آتا ہے۔ جولیٹ کا نام لیا جائے تو فوراً رومیو کی ذات سامنے آ جاتی ہے۔ اگر تم دونوں کے مراسم اتنے ہی گہرے تھے تو ڈینی کو میرے ساتھ محبت اور شادی کا ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت تھی؟ میں اکیلی رہ کر بھی دوسروں سے اپنا وجود منوا سکتی تھی۔"

"تم بھول رہی ہو کہ تم دونوں کی شادی، مکاؤ کے ڈون کوانگ فو نے زبردستی کرائی تھی۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے، مزاحیہ انداز میں کہا۔ "اور اس کام کے لیے ایک ڈرپوک چینی مولوی درآمد کیا گیا تھا۔"

میں اس موضوع کی سنگینی بھانپ رہا تھا۔ ویرا کا یہ بے تکا تبصرہ غزالہ کو برہم کر سکتا تھا اس لیے میں غیر ارادی طور پر بول پڑا۔ "ڈون کوانگ فو جیسے متلون مزاج اور خون خوار آدمی کے سامنے بڑے بڑے سورما چوکڑی بھول سکتے ہیں۔ تم چینی مولوی کو ڈرپوک نہیں کہہ سکتیں۔ وہ ایک سلجھا ہوا، شریف آدمی تھا اور ہر شریف آدمی، بدمعاشوں سے ڈرتا ہے۔ [illegible] کے حکم پر اس نے ہم دونوں کا نکاح نہ پڑھایا ہوتا تب بھی میں ایک نہ ایک دن غزالہ ہی

سے شادی کرتا۔ ماضی کی لغزشوں پر اپنے دل کی گہرائیوں سے شرمندہ ہونے کے باوجود مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ زندگی کے کٹھن راستوں پر طویل سفر طے کرنے کے لیے میں نے پہلے ہی دن سے غزالہ کا تصور اپنے دل و دماغ میں سجایا ہوا تھا۔ ویرا اس بات کی گواہی دے گی کہ میری اس سوچ میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔"

"یہ حقیقت ہے۔" ویرا نے گہری سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "لیلیٰ مجنوں والی مثال تم دونوں پر صادق آتی ہے۔ تم ہر بات پر ڈینی کی طرف دیکھتی تھیں اور ڈینی ہر وقت تمہارا دم بھرتا تھا۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ تم دونوں عام شہری تھے۔ اس لیے تمہاری گہری محبت خاموشی سے پروان چڑھتی رہی‘ اس کی کوئی تشہیر نہیں ہوئی۔ میں اپنے کردار کی وجہ سے بہت سے حلقوں میں جانی پہچانی جاتی تھی اور پھر میرے شب و روز پر کڑی نگاہ رکھی جاتی تھی اس وجہ سے میری اور ڈینی کی دوستی کی غیر ضروری تشہیر ہوتی چلی گئی۔ اس شہرت کو اس وقت اور ہوا ملی جب ڈینی نے بھی شی کی مخالفت میں کمربستہ ہو کر زیرِ زمین دنیا کے سرکردہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کردیا۔" وہ مسلسل غزالہ ہی سے مخاطب تھی اور کہہ رہی تھی۔ "ایلن جیسے لچے کی باتوں میں آکر تم بلاوجہ اپنا دل چھوٹا کررہی ہو۔ ڈینی کی زندگی میں تمہاری حیثیت آسمان کی سی ہے جو اپنے ایک ہی روپ میں سدا‘ ہر جگہ سایہ فگن رہتا ہے۔ میرا کیا ہے؟ میں تو اس کی ایک دوست ہوں۔ آوارہ بادل کی طرح۔ بادلوں کو ہوائیں جدھر لے جاتی ہیں‘ وہ ادھر ہی چل پڑتے ہیں۔ ان کا کوئی مستقل ٹھکانا نہیں ہوتا۔ آج یہاں برس رہے ہیں تو کل کسی اور سبزے کو سیراب کررہے ہوں گے۔ ان کی کوئی شناخت ہوتی ہے اور نہ وہ کسی کی پہچان بن سکتے ہیں....."

"بس‘ یہ فلمی ڈائیلاگ بند کرو۔" سلطان شاہ نے اچانک اس کی بات کاٹ دی۔ "آوارہ بادل اور آسودہ آسمان ہونہہ! معلوم ہوتا ہے کہ غزالہ کے بعد اب تم اپنی ڈفلی پر کوئی نیا راگ چھیڑنے والی ہو۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے یہ سوچو کہ ایلن نے ڈینی کو پہچان لیا ہے۔ ان حالات میں ہمارا ردعمل کیا ہونا چاہیے؟ اس وقت غزالہ نے اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع نہیں دیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کل کے سفر میں اس موضوع پر دوبارہ بات کرے گا۔"

"اس کے بارے میں میرا ذہن صاف ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ جو کچھ سمجھتا ہے‘ سمجھتا اور کہتا رہے۔ میں اپنی بات پر اڑا رہوں گا کہ میں ڈینی نہیں‘ تنویر ہوں....."

"اور یہ حقیقت بھی ہے۔" ویرا نے میری بات کاٹ کر‘ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ لقمہ دیا۔ "اپنی بے روزگاری سے تنگ آنے کے بعد‘ تم نے شی میں شامل ہونے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو آج تم تنویر ہی ہوتے....."

"بدنام لوگوں کی دنیا میں نام کے بجائے عرفیت چلتی ہے لیکن حیرت ہے کہ تم ابھی تک ویرا ہی کہلاتی ہو۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آج تک تمہاری کوئی عرفیت نہیں چل سکی۔"

"میرے لیے کوئی موزوں عرفیت تلاش کرنا آسان کام نہیں ہے۔" ویرا نے فخر آمیز لہجے میں کہا۔ "بڑے بڑے بڑبولوں اور فقرے بازوں سے میرا واسطہ پڑتا رہا ہے لیکن کوئی بھی میرا نام نہیں رکھ سکا۔"

"میری دانست میں یہ دنیا کا سب سے آسان کام ہے۔" سلطان شاہ نے منہ بنا کر بے پروائی سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ یورپ میں لوگوں کو اس فن میں مہارت نہیں ہے۔"

"تو اب تم اپنی فن کاری دکھادو۔" ویرا نے جل کر کہا۔ "تم گورے تو کیا‘ پوری طرح کالے بھی نہیں ہو۔"

"باپ کا گناہ عرف بلیک کوئین۔" سلطان شاہ نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔ "اس عرفیت میں مبالغے کا سرے سے دخل ہی نہیں ہے۔ بس حقائق کو یکجا کردیا گیا ہے۔"

سلطان شاہ کا وہ تبصرہ ویرا پر اس بری طرح چپکا کہ اس کا منہ بن گیا اور غزالہ کے لیے اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو پانا دشوار ہوگیا۔ سلطان شاہ نے مغربی فلموں کے ناموں کو اردو قالب میں ڈھالنے والے نیم جاہل‘ مترجم سیٹھوں کی تقلید کرکے اس وقت ایک دلچسپ صورتِ حال پیدا کردی تھی۔

مگر میرا ذہن کہیں اور ہی پہنچا ہوا تھا اس لیے میں اس سچویشن سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو سکا۔

ویرا نے میری بے روزگاری کا ذکر کر کے مجھے ان پرانی یادوں کی طرف دھکیل دیا تھا جو ذہن کے نہاں خانوں میں اس طرح جا سوئی تھیں کہ عرصۂ دراز سے ان کی کسک بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ گردشِ دوراں اور حالات کے بھنور میں پھنس کر میں اپنے ماضی کو بڑی حد تک فراموش کر چکا تھا اور ذہن پر یہ خیال سوار رہتا تھا کہ میں ہمیشہ سے ویسا اور وہی کچھ تھا جو اس وقت نظر آتا تھا۔

لیکن حقائق بہت سنگین اور دردناک تھے۔ باپ کی موت کا صدمہ اور سوتیلی ماں کے ستم سہنے کے بعد، جب میں اپنی سگی ماں کے محبت بھرے سائے سے بھی محروم ہو گیا تو مجھ پر اپنی زمین تنگ ہوتی چلی گئی۔ مجھے اپنے شہر میں دو وقت کی روٹی میسر نہیں تھی۔ افلاس اور محرومی کے اس عالم میں، میں اپنا شہر چھوڑ کر کراچی پہنچا۔ اس شہر نے مجھے بہت سہارا دیا مگر مجھے ڈھنگ کا کوئی روزگار نہیں مل سکا۔ پھر میرے ساتھ وہی ہوا جو بیشتر مجبور و محروم نوجوانوں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے اور آج بھی ہو رہا ہے۔ شی کے مقامی کارندوں نے مجھے اور میرے تین ساتھیوں کو نہایت پراسرار انداز میں اپنے نرغے میں لے لیا۔ نادر اور داؤد مر چکے تھے۔ بس جہانگیر زندہ تھا۔ وہ ان تمام چکروں سے آزاد ہو کر، قدرے متلاطم خانگی زندگی بسر کر رہا تھا لیکن میں بدستور اپنی تقدیر کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھا۔ میں پے در پے جن ہوش ربا حالات سے دوچار ہوتا چلا جا رہا تھا، ان کا سلسلہ کہیں بھی رکتا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا۔ کبھی کبھی تو یوں محسوس ہونے لگتا تھا جیسے میں جرائم اور سازشوں سے لڑنے کے لیے زندہ تھا اور یہی جنگ لڑتے لڑتے، ایک دن مجھے بھی موت کی ان اندھی وادیوں کے سفر پر نکل جانا تھا جہاں میرے پرانے رفیق اور غم گسار مدتوں سے میرے منتظر تھے۔

"تم کیا سوچ رہے ہو؟" ویرا نے بے زاری سے میرا شانہ جھنجوڑ کر مجھے چونکا دیا۔ "تم نے سنا نہیں کہ تمہارا چیتا کیا بکواس کر رہا ہے؟ میں اس کی زبان گدی سے کھینچ لوں گی۔"

میں نے پُرخیال نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر غصّے کی تمتماہٹ دیکھ کر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "میرا خیال ہے کہ تم نے خود ہی اسے طبع آزمائی کی دعوت دی تھی۔"

"اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ یہ مجھے گالیاں دینے لگے۔" وہ بپھر کر بولی۔ "میں خود ڈنکے کی چوٹ پر کہتی پھرتی ہوں کہ میرا وجود جمی لائیڈ کے ایک گناہ کا شاہکار ہے۔ وہ میرا باپ ہے مگر ہزاروں شہ زوروں اور خونیوں پر راج کرنے کے باوجود اس مردانہ جرأت سے محروم ہے کہ سرِعام مجھے اپنی بیٹی تسلیم کر لے لیکن میں کسی اور کو یہ اجازت نہیں دے سکتی کہ وہ اس حوالے سے مجھے گالیاں دیتا رہے۔ میں ایسا کرنے والے کا منہ نوچ لوں گی۔ تم خود ہی بتاؤ کہ کیا میں اپنی مرضی سے پیدا ہوئی تھی؟ کیا میں اپنی مرضی سے اپنی بن بیاہی ماں کی کوکھ میں جا گھسی تھی؟"

ویرا کے مزاج کی ترشی کو اعتدال پر لانے کے لیے اس بار مجھے دانستہ زور سے ہنسنا پڑا اور میں نے کہا۔ "تم بلاوجہ جذباتی ہو رہی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایلن نے چیفا سرائے کے ہوٹل میں بے ایمانی اور موقع پرستی کے موضوع پر قندوز خان کے سامنے جو تقریر کی تھی، وہ تمہارے ذہن سے چپک کر رہ گئی ہے۔ وہ بھی یہی کہہ رہا تھا کہ اسے اپنے والدین کے انتخاب کے لیے کوئی آزادی حاصل نہیں تھی۔ اس نے ماں کی کوکھ کی بھی کوئی بات کی تھی۔ اس وقت تم لاشعوری طور پر اسی کے جملے اور ترکیبیں استعمال کر رہی ہو....."

"بھاڑ میں گیا ایلن اور میرا لاشعور!" اس نے تلملا کر میری بات اڑا دی۔ "تم یہ بتاؤ کہ میری شکایت درست ہے یا میں غلطی پر ہوں؟ یہ کب تک مجھے اسی طرح ستاتا رہے گا؟"

اس کے تیور دیکھتے ہوئے، میں کھل کر کچھ نہ بول سکا۔ میں نے گول مول الفاظ میں کہا۔ "تمہاری شکایت بالکل ٹھیک ہے لیکن سلطان شاہ بھی زیادہ قصوروار نہیں ہے۔ کسی کا اصل نام بگاڑنے یا عرفیت دینے کے دو ہی مقاصد ہوتے ہیں۔ تعریف یا تضحیک و تذلیل۔ سلطان شاہ کی غلطی یہ ہے کہ اس نے دونوں کو ملا دیا۔ و چاہتا تو تمہارے باپ کا ذکر درمیان میں لائے بغیر، صرف بلیک کوئین بھی کہہ سکتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ تم دونوں کی شادی سے پہلے یہ ذہنی کج روی ختم نہیں ہو سکے گی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اب تمہارا دماغ چل گیا ہے۔" و آنکھیں نکال کر غرائی۔ "میں اس بندر سے شادی کروں گی؟ میں کنواری مرجانا پسند کروں گی لیکن اس جیسے جاہل اور اجڈ مرد کو زندگی نہیں سونپوں گی۔"

"انشاء اللہ!" سلطان شاہ نے جلے کٹے لہجے میں کہ "تمہاری خواہش ضرور پوری ہوگی۔" ویرا کو سنا کر وہ بھی م طرف متوجہ ہو گیا۔ "کان کھول کر سن لو کہ جو کچھ تم چاہ رہے ہ قیامت تک نہیں ہو سکے گا۔ میں کسی عورت سے شادی کرو عورت سے! چڑیلوں سے مجھے شدید نفرت ہے۔"

میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور باری بار دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے، نحیف و نزار آواز میں بولا۔ " جان بخش دو، میرا وہ مطلب نہیں تھا جو بیک وقت تم دونوں ہو۔ میں تمہاری آپس کی شادی کی بات نہیں کر رہا تھا۔ میرا م تھا کہ جب تک تم دونوں کی، الگ الگ شادی نہیں ہو جاتی، تم بدماغی ختم نہیں ہوگی۔"

دونوں کے چہروں پر خفت اور بوکھلاہٹ طاری ہو گئی۔ ا نے سٹپٹا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور نظریں چار ہو ویرا جھینپے ہوئے انداز میں ہنس پڑی۔ سلطان شاہ منہ بنا کر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"اگر ہم لوگ اسی انداز میں، ایک دوسرے سے الجھ

رتے رہے تو یقین رکھو کہ ایلن اور پیٹر کے ہاتھوں ہمیں کوئی بڑا نقصان پہنچ جائے گا۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ وہ دونوں بیک وقت ڈیوڈ اسٹارز اور کرنل جیسی جونز کے لیے کام کررہے ہیں' ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔" غزالہ نے دھیمی مگر ملامت آمیز آواز میں کہا۔

"اس وقت وہ ہمارے سامنے بے نقاب ہو چکے ہیں۔ کم و بیش یہی حالت ہماری بھی ہے۔" ویرا نے کہا۔ "ڈیبی لاکھ تنویر ہونے کا دعویٰ کرتا رہے' ان لوگوں کے ذہنوں سے ڈیبی کا نام نہیں کھرچا جا سکتا لیکن سفر کے دوران میں وہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اسی طرح ہم بھی سرحد عبور کرنے کے لیے ان پر انحصار کررہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ جب تک ہم لوگ افغانستان میں موجود ہیں' ہمیں ایک دوسرے سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ہاں' سرحد پار کرنے کے بعد ہمیں ہر وقت ہوشیار رہنا ہوگا۔"

"غزالہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" سلطان شاہ ہمارے قریب آکر' دوبارہ گفتگو میں شمولیت اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "یہ فیکس اور تیز ترین مواصلاتی رابطوں کا دور ہے۔ وہ دونوں ہمارے بارے میں اپنے ساتھیوں کو باخبر کرسکتے ہیں۔ راستے بھر وہ ہمارے دوست بنے رہیں گے لیکن ہم اچانک ہی کہیں گھیر لیے جائیں گے۔ ہمیں ان خطرات کا ادراک کرنے کے بعد' ان کے سدباب کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ ہم نے غفلت برتی تو بعد میں پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔"

"ویرا سے ہونے والی ہر جھڑپ کے بعد تمہارا ذہن بہت تیزی سے کام کرنا شروع کردیتا ہے۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "تمہاری بات معقول ہے۔ ہمیں ان دونوں کی سرگرمیوں کی نگرانی ضرور کرنی چاہیے۔" بات کرتے کرتے' میں جھلا کر خاموش ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ سلطان شاہ میری طرف متوجہ نہیں تھا بلکہ مسلسل' کمرے کے بند دروازے کی طرف گھورے جارہا تھا جیسے اسے وہاں کوئی عجیب و غریب چیز نظر آگئی ہو۔

اس کی محویت دیکھ کر میں بھی دروازے کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گیا لیکن مجھے وہاں کوئی قابلِ ذکر چیز نظر نہیں آئی تو میں نے تیکھے لہجے میں اس سے پوچھا۔ "دیدے پھاڑ پھاڑ کر ادھر کیا دیکھ رہے ہو؟ میں تم سے بات کررہا ہوں اور تم اِدھر اُدھر متوجہ ہو۔ کیا پھر تمہاری کوئی رگ اپنی جگہ سے سرک گئی ہے؟"

اس نے اضطراری طور پر اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کا وہ رویّہ چونکا دینے والا تھا۔ ان چند ثانیوں میں میری متجسس نگاہوں نے فرش اور دروازے کی درمیانی جھری کی روشنی میں وہ تاریک دھبّا دیکھ لیا جو غیر معمولی تھا۔

عام حالات میں وہ دھبّا محسوس ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ سلطان شاہ نے اسے نوٹ کرلیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ باہر کی روشن راہداری میں کوئی شخص ہمارے دروازے پر کھڑا ہوا' اندر کی سن گن لینے کی کوشش کررہا تھا اور اس کے سائے کے ایک حصے نے روشن جھری کے تسلسل کو توڑا ہوا تھا۔

سلطان شاہ نے دروازے کا ہینڈل گھما کر اتنی تیزی سے دروازہ کھولا کہ ہمارے دروازے پر کھڑے ہوئے وردی پوش بیرے کو سنبھلنے یا اپنی جگہ چھوڑنے کا موقع نہیں مل سکا۔ سلطان شاہ سے سامنا ہوتے ہی' اس کے چہرے پر سراسیمگی پھیل گئی۔ سلطان شاہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کا گریبان تھاما اور اسے کمرے میں کھینچ کر' دروازہ دوبارہ بند کردیا۔ دراز قامت اور سرخ و سفید' افغان بیرے کے ہاتھوں میں ٹرے موجود تھی جس میں تین پیالیوں کے ساتھ چائے کے دیگر لوازم سجے ہوئے تھے۔ یوں مشتبہ انداز میں پکڑے جانے پر اس کے ہاتھوں پر ہلکی سی کپکپی طاری ہوگئی تھی جس کا اثر ٹرے پر بھی پڑ رہا تھا۔ سلطان شاہ نے اسے اندر لانے کے بعد گریبان چھوڑ دیا تھا۔

"ہمارے دروازے پر تم کیا کررہے تھے؟" سلطان شاہ نے پلٹ کر' اسے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے' تیز لہجے میں سوال کیا۔ سوال کرتے ہوئے اس نے ٹی کوزی اٹھا کر اپنا اطمینان کیا کہ اس کے نیچے چائے دانی ہی موجود تھی اور ٹی کوزی دوبارہ ٹی پاٹ پر ڈھانک دی۔

اس وقت تک بیرے کا چہرہ خوف سے زرد پڑ چکا تھا۔ لمحہ بھر تو وہ اس انداز میں سلطان شاہ کی طرف دیکھتا رہا کہ مجھے شبہ ہوا کہ کہیں وہ اردو زبان سے نابلد ہی نہ ہو لیکن پھر اس نے اپنی خاموشی توڑ کر میرے خیال کی تردید کردی اور ہکلاتے ہوئے بولا۔ "سس..... صاحب! چائے لے کر آیا تھا۔"

"لیکن ہم نے چائے کا آرڈر نہیں دیا تھا۔" سلطان شاہ غرّایا۔ ویرا اس کے برابر جاکھڑی ہوئی تھی اور تحیر زدہ نظروں سے بیرے کو دیکھے جارہی تھی جیسے وہ انسان نہیں' کوئی عجیب الخلقت وجود ہو۔ غزالہ بھی اس واقعے پر بھونچکارہ گئی اور اس کے چہرے پر تشویش کے سائے پھیل گئے۔ سلطان شاہ کا تیر کارگر رہا تھا۔ اس نے چائے کے آرڈر کی بالکل صحیح تردید کی تھی کیونکہ ہم نے ہال میں قہوے کا آرڈر دیا تھا۔

"مجھ سے کہا گیا تھا کہ اس کمرے میں یہ ٹرے لے جاؤں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی ہے۔" وہ سر جھکا کر گھگیایا۔

"اگر چائے ہی لائے تھے تو خاموشی سے باہر کیوں کھڑے ہوئے تھے؟ دستک دے کر اندر کیوں نہیں آئے؟" سلطان شاہ نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔ "سچ سچ بتاؤ ورنہ میں ابھی منیجر کو بلاتا ہوں۔"

اس نے فوراً ہی ٹرے ایک تپائی پر رکھ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ "خدا کے لیے منیجر سے میری شکایت نہ کرنا۔ وہ مجھے اسی وقت نوکری سے نکال دے گا۔ میں نے بہت دنوں تک دھکے کھانے کے بعد یہ روزگار حاصل کیا ہے۔ جنگ نے سب کچھ تباہ کردیا ہے۔ دفتر اور کارخانے کھنڈر بنتے جارہے

ہیں۔ نوکریوں کا کال ہے اور دن بہ دن بے روزگاروں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ میری نوکری چلی گئی تو میرا خاندان بھوکا مر جائے گا۔"

"خاندان کی اتنی فکر تھی تو دروازے پر کھڑا اپنی ایسی کی تیسی کیوں کرا رہا تھا؟" ویرا نے آنکھیں نکال کے برہمی سے پوچھا۔ "ہوٹل میں بیرا گیری کر رہا ہے اور باتیں لمبی لمبی بنا رہا ہے۔" پھر وہ میری طرف متوجہ ہوگئی۔ "میرا تو خیال ہے کہ یہ بیرا ہی نہیں ہے۔ بیرے کی وردی میں باہر کا کوئی آدمی ہے جسے ہمارے لیے بھیجا گیا ہے۔"

"قسم بخدا، میں اسی ہوٹل کا بیرا ہوں۔" وہ تقریباً رو پڑا۔ "تم میری باتوں پر نہ جاؤ۔ میں نے کابل یونیورسٹی سے سیاسیات میں ایم اے کیا ہوا ہے۔ وقت کی بات ہے کہ اپنے بچوں کو پالنے کے لیے میں یہ نوکری کر رہا ہوں۔ انعام کے لالچ نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔ میں تمہارے پیر پکڑتا ہوں۔ خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔"

اس نے واقعی قالین پر گر کر سلطان شاہ کے پیر پکڑ لیے اور اپنا سر ان پر رگڑنے لگا۔

میں نے پیچھے سے اس کا کالر کھینچ کر، اسے سیدھا کھڑا کر دیا۔ "پوری بات بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے تھے؟ تمہیں کس نے بھیجا تھا؟ تمہیں انعام دینے والا کون ہے؟ تم نے اپنی زبان نہ کھولی تو پہلے ہم تمہاری کھال ادھیڑیں گے اور پھر تمہیں منیجر کے حوالے کر دیں گے۔" میں نے کہا۔

"ہم... مجھے پچاس روپے دے کر تمہاری جاسوسی کے لیے یہاں بھیجا گیا تھا۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولا۔

"کس نے بھیجا تھا؟" اس کے مزید بولنے سے پہلے ہی سلطان شاہ غرّایا۔

"پیخا سرائے سے آنے والی کوسٹر کے ڈرائیور نے مجھے اس کام پر آمادہ کیا تھا۔" اس نے رندھی ہوئی آواز میں اپنی بات جاری رکھی۔ "یہ اسی کی تجویز تھی کہ میں چائے کی ٹرے لے کر تمہارے دروازے پر کھڑا رہوں۔ کوئی مجھے دیکھ بھی لیتا تو یہی سمجھتا کہ میں دروازہ کھلنے کے انتظار میں باہر کھڑا ہوا ہوں۔"

"یہاں سے واپس جا کر تم اس کے سامنے ہماری تمام باتیں دُہرا دیتے...؟" سلطان شاہ کا سوال مکمل ہونے سے پہلے ہی اس نے خوف زدہ انداز میں اپنے سر کو نفی میں ہلانا شروع کر دیا۔

"تم وعدہ کرو کہ مجھے نوکری سے نہیں نکلواؤ گے تو میں سب کچھ صاف صاف بتا دوں گا۔" وہ بولا۔

ویرا نے مشتعل ہو کر اس کے پیٹ میں مُکّا رسید کر دیا۔ "بدمعاش... چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر یہ حال ہے کہ اب ہم سے اپنی شرط منوانے کی کوشش کر رہا ہے...."

ویرا نے دوبارہ جارحانہ انداز میں اپنا ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ میں نے اسے روک دیا۔ اس کے ایک ہی مُکّے نے اس پڑھے لکھے افغان بیرے کو دُہرا کر دیا تھا۔

"منیجر تک یہ معاملہ لے جانے یا نہ لے جانے کا انحصار ہم پر ہے۔ تم صرف سچ بولو گے تو بچ سکو گے ورنہ ہم تمہارے بدن سے خون کی ایک بوند بھی بہائے بغیر، تمہیں معذور کر کے رکھ دیں گے۔" میں نے کہا۔

اس نے رحم طلب نظروں سے باری باری ہم سب کی طرف دیکھا پھر نحیف آواز میں بولا۔ "میں باہر رک کر تم لوگوں کی باتیں ریکارڈ کر رہا تھا۔ واپسی پر مجھے مزید پچاس روپے ملنے والے تھے۔"

سلطان شاہ اس کی جامہ تلاشی کے ارادے سے اس کی طرف لپکا لیکن وہ پیچھے سرکتے ہوئے جلدی سے بولا۔ "میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ کیسٹ ریکارڈر ٹرے میں ہے۔"

ہم سب کی توجہ ٹرے کی طرف مبذول ہوگئی لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

ہماری غصیلی نظروں کا سامنا کرنے سے پہلے ہی وہ دوبارہ بول پڑا۔ "ٹی کوزی ہٹا کر ٹی پاٹ میں دیکھو، ریکارڈر ابھی تک چل رہا ہوگا۔ یہ مجھے واپس اسی کو پہنچانا تھا۔ وہ میرا انتظار کر رہا ہوگا۔"

ہم سب ہی بیک وقت ٹرے پر جھک پڑے۔ ٹی کوزی کے نیچے سے برآمد ہونے والی چائے دانی بالکل ٹھنڈی پڑی ہوئی تھی۔ اس کا ڈھکنا اٹھایا تو وہ اندر سے بھی خشک پڑی ہوئی تھی لیکن اس میں سیاہ رنگ کا ایک مختصر سا ریکارڈر پڑا ہوا تھا جس میں دو ننھے ننھے سرخ نقطے روشن نظر آرہے تھے۔

ویرا نے نہایت بے تابی سے چائے دانی کو الٹ کر وہ ریکارڈر اپنی ہتھیلی پر نکال لیا۔

جیبی سائز کا وہ کیسٹ ریکارڈر جاپانی ساخت کا تھا اور اس وقت بھی چل رہا تھا۔ ویرا کے لیے ایسے شعبدے نئے نہیں تھے وہ ان کے مصرف اور استعمال سے خوب واقف تھی۔ اس نے چند ننھے ننھے بٹنوں سے چھیڑ چھاڑ کی اور دوبارہ بیرے کی طرف متوجہ ہوگئی۔ "کیسٹ ری وائنڈ ہو لینے دو۔ اسے سننے کے بعد ہی پتا چل سکے گا کہ تم کتنی دیر سے باہر موجود تھے۔ میرا جی چاہ رہا ہے کہ اس وقت تمہاری گردن توڑ کر تمہاری لاش کسی مسہری کے نیچے ڈال دی جائے۔ جب تک تمہاری لاش میں پیدا ہونے والا تعفن لوگوں کو اس طرف متوجہ کرے گا، ہم سرحد پار کر کے انسانوں کے سمندر میں گم ہو چکے ہوں گے۔"

وہ ایک بار پھر رو پڑا۔ اس بار اس کی آنکھوں سے آنسو بھی بہہ نکلے تھے۔

کیسٹ ری وائنڈ ہونے پر ایک خفیف سا کھٹکا ہوا اور پھر آلہ خود بخود چل پڑا۔

"میں تمہارے کرب کو بہت اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔" اسپیکر سے ابھرنے والی ویرا کی آواز دھیمی ہونے کے باوجود بہت صاف اور واضح تھی۔ اس وقت وہ غزالہ سے مخاطب تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم لوگوں کے کمرے میں پہنچنے کے چند منٹ بعد ہی بیرا باہر آموجود ہوا تھا۔

ویرا نے آواز بڑھادی۔ وہ کوئی عام ریکارڈر نہیں تھا بلکہ بہت ہی حساس پرزوں پر مشتمل تھا۔ اس نے ہم لوگوں کے گہرے سانسوں کی ان موہوم آوازوں کو بھی مقناطیسی فیتے پر محفوظ کرلیا تھا جنہیں بیرا بھی نہ سن سکا ہوگا۔

کیسٹ میں محفوظ آوازیں سن لینے کے بعد بیرے کی حرکت کا مقصد واضح ہوچکا تھا اس لیے ویرا نے اسے بند کردیا مگر اسی لمحے ایک عجیب بات ہوئی۔ خوف زدہ بیرے نے اچانک اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور ویرا کے ہاتھ سے کیسٹ ریکارڈر چھینتا ہوا آگے نکل گیا۔ ہم سب ہی ہائیں ہائیں کرتے ہوئے اس کے پیچھے لپکے لیکن اتنی دیر میں اس نے وہ کیسٹ ریکارڈر باتھ روم کی دیوار پر دے مارا اور وہ ریزہ ریزہ ہوکر قالین پر بکھر گیا۔ پلاسٹک کے ٹکڑے اور چھوٹے چھوٹے برقی آلات دور تک پھیل گئے۔ چھوٹے سیل لڑھک کر دور جا گرے۔ ٹیپ کا خول ٹوٹنے کی وجہ سے بادامی رنگ کا فیتہ مکمل کربری طرح الجھ گیا۔

بیرے نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ ہمارے قابو میں آنے سے پہلے' وہ کود کر' بکھرے ہوئے ٹیپ پر چڑھ گیا اور دیوانگی کے عالم میں اسے اپنے جوتوں سے مسلنے لگا۔

سلطان شاہ نے اس کا بازو پکڑ کر' اس کی گردن پر ایک ہاتھ جمایا تو وہ خالی خالی نظروں سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے' نیم ہذیانی لہجے میں کہنے لگا۔ "اب تم مجھے نوکری سے نہیں نکلوا سکتے۔ میں نے یہ ثبوت تباہ کردیا ہے۔ تم اپنی شکایت کے ساتھ منیجر کو کوئی ثبوت نہیں دے سکتے۔ تم نے بات اس تک پہنچائی تو میں ہربات سے صاف مکر جاؤں گا اور کہہ دوں گا کہ میں باہر سے گزر رہا تھا تو تم لوگوں نے مجھے زبردستی اپنے کمرے میں کھینچ لیا۔"

"بیٹے! تم بھول رہے ہو کہ ٹرے میں خشک اور صاف ستھری چائے دانی بھی موجود ہے۔" سلطان شاہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "ویسے بھی تمہیں نوکری سے نکلوانے کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ منیجر کے لیے اتنا ہی کافی ہوگا کہ اس کے چار گاہکوں کو تم سے سنگین شکایت ہے۔"

بیرے نے خوف زدہ نظروں سے اپنی لائی ہوئی ٹرے کی طرف دیکھا اور سلطان شاہ سے بازو چھڑانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔ اس وقت اس کی حالت ابتر ہورہی تھی۔

میں ترحم آمیز نظروں سے اس کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ اضطرار کے عالم میں عجیب و غریب حرکات کرتا رہا اور ایک مرتبہ پھر خوشامدوں پر اتر آیا۔ "تمہیں خدا اور رسولؐ کا واسطہ۔ مجھے معاف کردو۔ میرے پیٹ پر لات نہ مارو۔ میں نے سب کچھ ختم کردیا۔ اب میری وجہ سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا پھر تم بھی مجھے کوئی نقصان نہ پہنچاؤ۔ اس بار میری نوکری گئی تو میں اپنے گھر والوں کو منہ نہیں دکھا سکوں گا۔ مجھے اپنے آپ کو ختم کرنا پڑے گا۔۔۔۔"

مجھے اس کی ذہنی حالت پر ترس آنے لگا۔ انعام کے لالچ میں اس نے جو کچھ کیا تھا' وہ اپنی جگہ پر تھا لیکن ناکامی کا منہ دیکھنے کے بعد اس کے ذہن پر صرف ایک ہی خوف سوار ہوکر رہ گیا تھا کہیں وہ بے روزگار نہ ہوجائے۔ اس کی تمام حرکات د... اس وقت وہی ایک خیال غالب تھا۔

"کیسٹ ریکارڈر توڑ کر تم نے اپنے حق میں اچھا نہیں کیا۔" ... نے کچھ دیر کے توقف کے بعد ملامت بھرے لہجے میں کہا "ہم تمہیں چھوڑ بھی دیں تو تم کوسٹر کے ڈرائیور سے نہیں بچ سکو گے۔ ... خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ پوری صورتِ حال جاننے کے ... وہ مار مار کر تمہارا بھرکس نکال دے گا۔ ہوسکتا ہے کہ گولی ... مار دے۔"

"بس تم مجھے معاف کردو۔ اسے میں چکر دے دوں گا۔ ... وعدہ کرتا ہوں کہ اسے تمہارے بارے میں ایک لفظ بھی نہ... بتاؤں گا۔ بات بگڑ بھی گئی تو تمہارا نام درمیان میں نہیں آئے... گلوخلاصی کی امید پیدا ہوتے ہی اس کے چہرے پر بحالی کی لہر دو... اور آواز میں بھی تازگی آگئی۔

"تم اسے کیا چکر دوگے؟ ریکارڈر تو ٹوٹ ہی چکا ہے" ... نے گفتگو میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

اس نے چند ثانیوں تک خاموش رہ کر اپنے خیالات کو یکجا... پھر بتانے لگا "میں اسے بتاؤں گا کہ میں نے اس کی ہدایت ... مطابق بیس منٹ تک تمہارے کمرے سے آنے والی آوازوں ... ریکارڈنگ کی پھر واپس چل دیا۔ واپسی پر ... سروس روم میں ... رکھ کر باتھ روم میں گیا تھا۔ شاید کسی نے اسی وقت چائے دانی ... سے ریکارڈر اڑا لیا۔ ہوٹل میں ایسی چھوٹی موٹی چوریاں ہوتی ... ہیں۔ وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکے گا۔"

میں اس کی مفروضہ کہانی سن کر حیران رہ گیا۔ آدمی ... مصیبت میں مبتلا ہوجائے تو بظاہر پراگندگی میں مبتلا نظر آنے ... باوجود' اس کا ذہن اپنے حق میں مسلسل کام کرتا رہتا ہے۔ اس... عذر واقعی سیدھا سادا اور بے داغ تھا۔ اسی لمحے میرے ذہن ... ایک نیا خیال آیا اور میں نے کہا "شاید تمہارا یہ بہانہ چل ہی جا... مگر ہماری ایک شرط ہے۔ تم نے کوسٹر سے آنے والے ... گوروں کو دیکھا ہوگا؟"

"ہاں!" اس نے اپنے سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے کہا "... ہال میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"بس' تو تم ڈرائیور سے یہ کہو گے کہ تم نے واپسی پر ... سروس روم میں نہیں بلکہ ان دونوں کے قریب والی ایک خالی ... چھوڑی تھی' ریکارڈر وہیں سے غائب ہوا ہے" میں نے کہا۔

اس کی آنکھوں سے الجھن جھانکنے لگی "اس طرح تو ڈرا... کو ان گوروں پر شبہ ہوگا۔ وہ بھی اسی کی کوسٹر میں سفر کررہے ہ... وہ ان سے پوچھ بیٹھا تو میرا کیا بنے گا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ اوّل تو وہ ان سے نہیں پوچھے گا۔ پوچھ... لیا تو وہ انکار کریں گے۔ ڈرائیور تم سے دوبارہ رجوع کرے تو تم... سکتے ہو کہ چوری کرنے والے اتنی آسانی سے اپنی حرکت...

اعتراف نہیں کرتے۔ یہ زیادہ سے زیادہ رات بھر کی بات ہے۔ صبح کوسٹر یہاں سے روانہ ہو جائے گی۔ یہ رات تم ٹال مٹول میں گزار سکتے ہو۔"

"شاید تم ڈرائیور کو گوروں سے لڑانا چاہتے ہو!" وہ پُرخیال لہجے میں بولا۔ پھر اس نے اپنا سر جھٹکتے ہوئے کہا "خیر مجھے اس سے کیا؟ یہ تم لوگوں کی اپنی باتیں ہیں۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم نے مجھے معاف کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ تم بہت مہربان اور نرم دل آدمی ہو۔ اب میں جاسکتا ہوں؟"

میں نے سر کی جنبش سے اسے جانے کی اجازت دے دی۔
سلطان شاہ نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔ وہ تیر کی طرح تپائی کی طرف گیا اور ٹرے اٹھا کر اتنی تیزی کے ساتھ کمرے سے گیا جیسے اسے ڈر رہا ہو کہ تاخیر ہونے کی صورت میں ہم اسے دوبارہ وہیں نہ روک لیں۔

"تم بھی نیچے چلے جاؤ" میں نے سلطان شاہ سے کہا "اور ایلین کے قرب وجوار میں منڈلاتے رہو۔ جب تک وہ دونوں اپنے کمرے میں نہ چلے جائیں، تم اوپر نہ آنا۔ ہم اسی کمرے میں رہ کر تمہاری واپسی کا انتظار کریں گے۔"

"میرے ساتھ تم ویرا کو بھی کسی کام سے روانہ کرتے تو میں کوئی سوال کیے بغیر تمہارا مطلب سمجھ جاتا" سلطان شاہ نے شوخی سے کہا "ویرا یہاں رہ کر تمہارے رنگ میں بھنگ ڈالتی رہے گی....."

"تم بہت مردود اور بے لگام ہوتے جارہے ہو" میں اس کی بات کاٹ کر غرّایا "تم نے غزالہ کو اپنی منہ بولی بہن بنایا ہوا ہے، اس کے سامنے تمہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔"

"آتی ہے مگر ذرا کم کم" سلطان شاہ اچانک ہی موڈ میں آگیا تھا "رشتے کے اعتبار سے تم میرے منہ بولے بہنوئی بھی ہو۔ مجھے کچھ مذاق کرنے کا حق بھی حاصل ہے۔ ویسے بھی ہر جوڑے کو کسی کسی وقت..."

"اب چپ رہو" ویرا نے اسے خاموش کردیا "میں تمہارے ساتھ نیچے چل رہی ہوں۔"

"تم نہیں جاؤ گی" میں نے غصیلے لہجے میں احتجاج کیا "سلطان شاہ کو اکیلا جانے دو۔"

"تم بلاوجہ ناراض ہو رہے ہو" وہ مجھے پچکارتے ہوئے بولی "میں خود بھی تمہیں تخلیہ فراہم نہ کرتی لیکن یہ بے چارہ اکیلا ہوگا تو کسی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح پورے ہوٹل میں چکراتا رہے گا۔ ہم دونوں مل کر ان بدمعاشوں کی بہتر نگرانی کرسکیں گے۔ تم دیکھ لو کہ غزالہ بھی یہی چاہ رہی ہے۔ کسی معصوم گائے کی طرح، سر جھکائے خاموش کھڑی ہوئی ہے۔ اب تم دونوں آرام کرو۔ میں جارہی ہوں، ٹاٹا" اس نے فضا میں ہاتھ لہرا کر آنکھ ماری اور سلطان شاہ کے پیچھے نکاسی کے راستے کی طرف چل دی۔ غزالہ کوشش کے باوجود کچھ کہنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔

"خدا کی پناہ!" ان کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے ایک گہرا سانس لے کر دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "کبھی یہ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں اور کبھی مل کر ہماری مٹی پلید کرکے رکھ دیتے ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں کیا خیالات موجزن ہیں۔"

"انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ایک نہ ایک دن یہ گتھی خود بہ خود سلجھ جائے گی۔"

میں نے معنی خیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا "انہوں نے ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیا ہے تو ہمیں بھی ان کو ان کے حال پر چھوڑنا پڑے گا۔ ہمیں اس فرصت کو غنیمت جان کر کچھ آرام کرلینا چاہیے۔"

"تمہارے ذہن پر ہمیشہ اور ہر وقت آرام کی دُھن سوار رہتی ہے۔ میں تمہارے آرام کا مطلب اچھی طرح سمجھتی ہوں" غزالہ نے سر جھکا کر ایک ادا سے کہا اور میں نے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ میری گرفت سے بچ نکلنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکی تھی۔ میرا ارادہ بھانپتے ہی اس نے مچل کر نکل جانے کی کوششیں شروع کردیں۔

اسی وقت دروازے پر تیز دستک ہوئی اور میں بری طرح چونک پڑا۔

"خدا خیر کرے، اب کون آگیا؟" غزالہ فکرمندانہ لہجے میں ہولے سے بڑبڑائی۔

"تم یہیں ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں۔" میں نے سرگوشیانہ انداز میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے دروازہ کھولنے سے پہلے استفسار کیا تو پتا چلا کہ اس بار ہال میں ہمیں کھانا فراہم کرنے والا بیرا ہمارے لیے قہوہ لے کر آیا تھا۔ میں نے احتیاط سے دروازہ کھول دیا اور وہ فوراً ہی اندر آگیا۔

"اتنی دیر بعد تمہیں قہوے کا خیال آیا ہے" میں نے بیرے سے تیزی سے کہا "ہمارے دو ساتھی طویل انتظار سے اکتا کر باہر جاچکے ہیں۔ اب ہم چار پیالیوں کا کیا کریں گے؟"

"صاحب! میں معافی چاہتا ہوں" اس نے سر جھکا کر معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "کچن میں ہمارے ایک ساتھی پر کھولتے ہوئے دودھ کا برتن گر گیا تھا۔ سب لوگ اس کی دیکھ بھال میں لگ گئے تھے۔"

اس کا وہ عذر مسترد کرنا آسان نہیں تھا مگر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ کھولتے ہوئے دودھ کا برتن گرنے کا واقعہ اتفاقی نہیں تھا۔ کچن اور ہوٹل کے عملے میں جان بوجھ کر افراتفری پھیلائی گئی تھی تاکہ سب لوگ اپنی جگہیں چھوڑ کر جھلسنے والے کارکن کے گرد جمع ہوجائیں اور ہماری گفتگو ریکارڈ کرنے والے کو اطمینان سے اپنا کام کرنے کا موقع مل سکے۔

آنے والے بیرے نے ٹرے میز پر رکھ کر، نہایت ادب کے ساتھ وہ پلیٹ میرے سامنے پیش کردی جس میں کھانے کا بل رکھا ہوا تھا۔ اس بل میں قہوے کی رقم بھی شامل تھی۔

ہوٹل میں حاصل کیے جانے والے کمروں کا پیشگی کرایہ ڈالروں کی صورت میں ادا کرنے کے نتیجے میں مجھے خاصی مقامی کرنسی واپس کردی گئی تھی اور وہ بل کی رقم سے کافی زیادہ تھی۔ میں نے جیب سے وہ ساری رقم نکال کر' گننے کے بعد پلیٹ میں ڈالی تو اپنی ٹپ کا حساب لگاتے ہی اس بیرے کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں۔ وہ مشینی انداز میں بار بار جھک کر مجھے سلام کرنے لگا۔

اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح وہ بھی ہولناک جنگ کی ہمہ جہت تباہ کاریوں کو بہت قریب سے دیکھ اور بھگت رہا تھا اور اسے عسرت و بدحالی کے اس دور میں پیسے کی قدر و قیمت کا خوب اندازہ تھا۔ ٹپ ملنے کے بعد اس نے ناقدانہ نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا اور اس طرف بڑھ گیا جہاں چھوٹے سے کیسٹ ریکارڈر کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔

وہ اس بیرے کی مشرقیت تھی کہ توقع سے زیادہ ٹپ ملنے پر وہ احسان مندی کے جذبے سے زیربار ہو کر' اپنے طے شدہ فرائض کے علاوہ دوسرا کام کرنے پر بھی آمادہ ہو گیا۔ یہی واقعہ کسی آسودہ حال مغربی ویٹر کے ساتھ پیش آیا ہوتا تو وہ ٹپ لینے کے بعد شکریہ ادا کر کے واپس چل دیتا۔ اس سے صفائی کی فرمائش کی جاتی تو وہ خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ آگاہ کرتا کہ کمروں کے فرشی قالین وغیرہ کی صفائی اس کے فرائضِ منصبی میں شامل نہیں ہے۔ وہ بہت زیادہ بامروت ہوتا تو بس اتنا وعدہ ضرور کر لیتا کہ فوری طور پر متعلقہ سپروائزر کو کمرے کی صفائی کی ضرورت سے آگاہ کر دے گا۔

"میرا نام مرشد خان ہے۔ میں رات کو یہیں سوتا ہوں۔ کوئی بھی ضرورت ہو تو مجھے بلوا لینا۔ روم سروس والے مجھے نیند سے جگا دیں گے" صفائی اور باتھ روم کے جائزے سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ادب سے کہا۔ اس دوران میں ہم دونوں قہوہ پی چکے تھے۔

"ہماری کوسٹر کے ڈرائیور کی یہاں بہت جان پہچان معلوم ہوتی ہے۔ وہ عملے سے بہت گھل مل کر باتیں کر رہا تھا" موقع پا کر میں نے اس سے اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی "کیا وہ جلال آباد کا رہنے والا ہے؟"

"روشن خان ہرات کا رہنے والا ہے۔ وہ جب بھی طورخم کی طرف جاتا ہے تو اپنی کوسٹر کے مسافروں کو اسی ہوٹل میں لاتا ہے۔ اسے گرمیوں میں ٹھنڈا اور جاڑوں میں گرم کمرا دیا جاتا ہے۔ مفت کمرے کے علاوہ اس کے سارے اخراجات بھی ہوٹل کے ذمے ہوتے ہیں۔ ہم لوگوں سے اس کے گہرے دوستانہ مراسم ہیں" مرشد خان نے بتایا۔

"وہ کوسٹر چلانے کے علاوہ کوئی اور کام بھی کرتا ہے؟" میں نے بات آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

مرشد خان کے چہرے پر تذبذب کی علامات نظر آئیں۔ چند ثانیوں کی ہچکچاہٹ کے بعد وہ بولا "کہانیاں تو بہت سی ہیں لیکن اس کے بارے میں کسی کو زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ بس یہ سننے میں آیا ہے کہ مرشد خان پیسے لے کر مخبری کرتا رہتا ہے۔ اسی وجہ س... اس خراب دور میں بہت خوشحالی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔"

"مخبری؟" میں نے حیرت سے دُہرایا "وہ کس کے لیے اور ... کی مخبری کرتا ہوگا؟"

"پتا نہیں" وہ غیرارادی طور پر اپنے گرد و پیش کا جائزہ ... ہوئے بولا "مجھے کچھ معلوم نہیں۔ یہ سنی سنائی باتیں ہیں۔ کیا ... نے تم کو پریشان کرنے کی کوشش کی ہے؟" آخری سوال اس نے ... چونک کر کیا تھا۔

"ارے نہیں" میں نے بے پروایانہ ہنسی کے ساتھ کہا "... بے چارہ ہمیں کیوں ستائے گا۔ دراصل میں نے دو افغانوں ... کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ اس کی طرف سے ... پریشان تھے۔ اگر تم کچھ نہیں جانتے تو لعنت بھیجو۔ ہمیں اس ... سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ وہ اپنی چال بازیوں سے چار پیسے ... ہے تو یہ اس کا اپنا فعل ہے۔"

"صاحب! ایک بات بتا دوں" وہ ہمدردانہ لہجے میں بولا "... افغان بہت مکار ہوتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ ہر جگہ سب ہی لوگ اچھے یا برے نہیں ہوتے۔ تم جب تک اس سر... پر ہو' بھول کر بھی مقامیوں کے کسی جھگڑے میں نہ پڑنا۔ بارہا ہوا ہے کہ مقامیوں کے جھگڑے میں کسی ایک فریق سے ہم... جتانے والے غیر ملکی اپنی ساری پونجی سے محروم ہو گئے۔ ... موقعے پر' لڑنے والے افغان اپنا جھگڑا بھول کر کسی جونک کی ... اپنے ثالث سے چمٹ جاتے ہیں۔ دھکم پیل اور مار دھاڑ ... جب ثالث کے اوسان بحال ہوتے ہیں تو اس پر انکشاف ہو... کہ وہ لُٹ چکا ہے۔ مسلسل بے روزگاری اور فاقہ کشی سے ... آئے ہوئے لوگوں نے اپنی ضروریات پوری کرنے کے نت ... طریقے ایجاد کر لیے ہیں۔ ایسی دھوکے بازیوں میں وہ اپنی ... تک کو شامل کرنے میں عار نہیں سمجھتے۔"

"تو کیا عورتیں بھی ایسی وارداتوں میں لوٹ مار کرتی ..." اس انکشاف پر غزالہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

"ان کے چکر اور ہوتے ہیں۔" مرشد خان نے ٹالنے ... انداز میں کہا "وہ بری باتیں ہیں۔"

"یہی تو زندگی کے تجربات ہوتے ہیں' تم کھل کر بتا... عورتیں کس طرح لوٹتی ہیں؟"

اس نے شکست خوردہ انداز میں میری طرف دیکھا ... جاننے والے کئی آدمی یہ شرمناک کام کر رہے ہیں۔ وہ ا... جہنم بھرنے کے لئے دوزخ کمانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ا... لوگ ان کی حرکتوں سے چشم پوشی کرتے ہیں لیکن دل میں ... سمجھتے ہیں۔" اس نے ایک لمبی تمہید کے ساتھ کہنا ...

"یہاں کی عورتیں عام طور پر صحت مند اور سرخ و سفید ... ساتھ خوبرو بھی ہوتی ہیں۔ ان کی لڑکیاں غیر ملکیوں کی گھا... رہتی ہیں اور جب کوئی شکار پھندے میں پھنس جاتا ہے تو ...

صوبت سے اپنے ٹھکانے پر لے آتی ہیں۔ وہاں اچانک اس
ر کا کوئی اسلحہ بردار مرد پہنچ جاتا ہے اور اپنی غیرت و حمیت کے
ر دونوں کو گولی سے اڑا دینے پر تل جاتا ہے۔ غیر ملکی کتنے بھی
بجر اور زور آور ہوں، اجنبی زمین پر اپنا حوصلہ کھو بیٹھتے ہیں اور
ت خاموشی کے ساتھ اپنی جیبیں خالی کر کے بے نیل و مرام
ں جاتے ہیں۔ واردات کے اس نئے طریقے سے یہ لوگ بھاری
کما لیتے ہیں اور ان کی عورتوں کی عزت و عصمت بھی محفوظ
ں ہے لیکن رہزنی اور لوٹ مار کی ایسی وارداتیں کرنے والے
ں حال نہیں ہیں۔"

"ان کی لوٹی ہوئی لمبی لمبی رقمیں کہاں جاتی ہیں؟" میں نے
رے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں روز روز شکار نہیں ملتا۔ ہر طرف پھیلی ہوئی جنگ اور
ں کی وجہ سے یہاں خوش حال غیر ملکیوں کا آنا جانا بھی ختم ہو گیا
ہے۔ کبھی کبھار کوئی بھولا بھٹکا مسافر آنکلتا ہے تو اس کی درگت
ری جاتی ہے۔ یہاں روس سے لڑنے والوں کی صفوں میں بھی
ت سے غیر ملکی شامل ہیں، ان میں ہر طرح کے لوگ ہیں۔ کئی بار
ری لڑکیوں نے غلط فہمی میں ان نظربازوں کو بھی گھیرنے کی کوشش
ں لیکن آخر میں پتا چلا کہ وہ خود کنگال ہوتے ہیں اور لوٹ کے اس
ل پر گزارہ کرتے ہیں جسے وہ مالِ غنیمت قرار دیتے ہیں۔ اب
میار بند غیر ملکیوں پر کوئی نظر نہیں ڈالتا۔ جب مہینوں میں ایک
دہ شکار ملتا ہو تو لڑکیوں کی آڑ میں لوٹ مار کرنے والوں میں خوش
الی کیسے آسکتی ہے۔"

روشن خان کی سرگرمیوں سے شروع ہونے والی گفتگو بظاہر
بے مقصد ہو چلی تھی مگر میری نگاہ میں اس کی بھی اہمیت تھی۔ مجھے
افغانستان کے جنگ زدہ علاقے اور لوگوں کے بدلے ہوئے کردار
کے بارے میں جستہ جستہ معلومات حاصل ہو رہی تھیں۔ وہ جنگ کا
زدہ بلکہ مرکز و محور تھا۔ وہاں رونما ہونے والے واقعات کے منفی
ثرات تو کراچی جیسے دور دراز مقام تک بھی محسوس کئے جا رہے
تھے۔ اس جنگ نے علاقے میں پیسے کی اہمیت کو ضرورت سے زیادہ
اجاگر کیا ہوا تھا۔ بہت سے لڑنے والے اپنے فاضل ہتھیار اور
بکرین سستے داموں بیچ کر رقوم حاصل کرنے پر تلے رہتے تھے۔
آمدنی میں اضافے کے لئے ہر ملک اور خان اپنے علاقے میں افیم
سے ہیروئن کی تیاری پر زور دیتا تھا۔ اس طرح ہیروئن اور غیر قانونی
ہتھیار بہت تیزی کے ساتھ ملحقہ سرحدیں عبور کر کے کراچی تک
پہنچ رہے تھے جہاں کے آسودہ حال معاشرے کے مادیت پرست اور
جرائم پیشہ عناصر ان اشیا کے بھاری دام ادا کرنے کی استطاعت
رکھتے تھے۔ لڑائی جلال آباد، کابل، قندھار، مزار شریف اور ہرات
کے علاقوں میں لڑی جا رہی تھی لیکن اس کے سائے بحیرۂ عرب کے
ساحل پر آباد، کراچی کی بستی پر پڑ رہے تھے جو میدانِ جنگ سے
ہزاروں میل دور بسی ہوئی تھی۔ میں عالمی بساط پر شی اور مافیا کو قوت
و وسائل فراہم کرنے والے خطے میں بیٹھ کر وہاں کی اجنبی کہانیاں

سن رہا تھا۔ میرے لئے یہ بات حیرت انگیز تھی کہ جلال آباد کے
غزنی ہوٹل کے شاید تمام ہی بیرے تعلیم یافتہ اور شائستہ تھے۔
ہماری گفتگو ریکارڈ کرنے کی کوشش کرنے والا سیاسیات میں ایم
اے تھا اور مرشد خان بھی اپنے لب و لہجے اور معلومات کی بنا پر
پڑھا لکھا معلوم ہو رہا تھا۔ یہ بھی جنگ کا نتیجہ تھا کہ پڑھے لکھے، غیور
افغان نوجوانوں کو اپنی گزر بسر کے لئے دوسروں کی بخشش کا سہارا
لینے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ میں نے مرشد خان سے اس کے تعلیمی پس
منظر کے بارے میں دانستہ کوئی سوال نہیں کیا۔

میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں مرشد خان سے دیر تک باتیں کرتا
رہوں لیکن غزالہ کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار دیکھ کر میں اپنی
خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی ہمت نہیں کر سکا۔

"تم خوش نصیب ہو کہ اخلاق و شرافت سے عاری، اس جنگی
ماحول میں بھی عزت سے اپنی روزی کما رہے ہو....." میں نے بات
ختم کرنے کی نیت سے کہنا شروع کیا لیکن اس نے میری بات
درمیان سے ہی اچک لی۔

"میں خوش نصیب ضرور ہوں لیکن صرف اس لئے کہ مجھے یہ
نوکری ملی ہوئی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں آج بھی بے روزگار
ہوتا تو کیا کر رہا ہوتا۔ شاید دوسرے لوگ تم کو میری کہانیاں سنا رہے
ہوتے۔" وہ فقرے ادا کرتے ہوئے اس کا لہجہ خود بخود تلخ ہوتا چلا
گیا "پوری قوم کو جنگ کا ایندھن بنانے والوں نے صرف اپنی فتح
کے خواب ہی دیکھے تھے۔ انہوں نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی
تھی کہ وہ چند ہفتوں میں اپنے ہدف حاصل نہ کر سکے تو انجام کیا
ہوگا۔ آج ہم اپنے رہنماؤں کی اسی کور چشمی کا بھیانک عذاب
جھیل رہے ہیں۔"

"یہ برے دن بھی جلد ہی گزر جائیں گے۔" میں نے اسے
حوصلہ دیتے ہوئے کہا "تم لوگوں نے امید کا دامن نہ چھوڑا اور
حوصلے سے کام لیتے رہے تو ایک دن تم بھی آزمائش کی اس بھٹی

سے کندن بن کر سرخرو نکلو گے۔ قوموں کی تاریخ میں ایسا کڑا وقت آتا ہی رہتا ہے۔ ایسے حالات سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔"

"کاش ایسا ہو سکے!" اس نے سر جھکا کر کہا اور میرا اشارہ سمجھ کر بوجھل قدموں سے دروازے کی طرف چل دیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ وہ ٹل گیا۔" اس کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر کہا "اس کی باتوں میں تمہاری حد سے بڑھی ہوئی دلچسپی دیکھ کر مجھے تو خدشہ ہونے لگا تھا کہ تم ساری رات اسی کے ساتھ باتوں میں گزار دو گے۔ ویرا اور سلطان شاہ کو گئے ہوئے خاصی دیر ہو گئی ہے ہمیں ان کی بھی خبر لینی چاہئے۔"

"وہ دودھ پیتے بچے نہیں ہیں۔ خود اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ تمہیں ان کی فکر میں دبلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم ویسے ہی بہت نازک سی لگتی ہو۔" میں نے اٹھ کر اپنا ایک بازو اس کی کمر کے گرد ڈال دیا "اب فرصت کے باقی لمحات ہم آپس کی باتوں میں گزاریں گے۔ کیا پتا زندگی میں دوبارہ ادھر آنا نصیب بھی ہوتا ہے یا نہیں۔"

"دور بیٹھ کر شرافت سے بات کرو۔" غزالہ نے مجھے دھکیلتے ہوئے کھسیانی ہنسی کے ساتھ کہا۔

میں اسے ازدواجی شرافت کی حدود کے بارے میں کچھ بتانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک ہولناک دھماکے سے ہمارے کمرے کا فرش لرز اٹھا اور کمرا تاریکی میں ڈوب گیا۔ غزالہ سہم کر میرے سینے سے لگ گئی۔

وہ کسی طاقتور بم کا دھماکا تھا جو ہوٹل کے قرب و جوار میں ہوا تھا۔ اگر ہوٹل کی عمارت کو نشانہ بنایا گیا ہوتا تو اس کا ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہونا یقینی تھا۔ دھماکے کے ساتھ ہی باہر سے متعدد خوف زدہ چیخوں کا شور سنائی دیا پھر راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں کا شور گونجنے لگا۔ ساتھ ہی شہر کے کسی حصے سے فائرنگ کا شور بھی ابھرنے لگا۔

وہ تمام واقعات تواتر سے ہوتے چلے گئے۔ برقی رو کی فراہمی کا سلسلہ بدستور منقطع تھا۔ میں غزالہ کو اپنے پیچھے لے کر سنبھلتا ہوا' دروازے کی طرف بڑھا تاکہ باہر نکل کر اس ناگہانی افتاد کے بارے میں معلومات حاصل کر سکوں۔ میں نے دروازہ کھولا تو راہداری گھور اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی اور اکادکا دہشت زدہ مسافر راہداری میں دوڑ رہے تھے۔ بھاگنے والوں کی دہشت زدہ آوازوں میں نسوانی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

خوف و دہشت کے عالم میں وہ سب اپنی مادری زبان میں بول رہے تھے۔ اس لئے میرے پلے نہ پڑ سکا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ میں نے اپنا دھڑ باہر نکالا ہی تھا کہ دیوار کے ساتھ دوڑتا ہوا ایک بھاری وجود مجھ سے ٹکرایا اور چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ میں گھبرا کر فوراً ہی اندر سٹ گیا اور پھرتی سے دروازہ بند کر دیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں مجھ سے ٹکرانے والا لڑنے مرنے پر آمادہ نہ ہو جائے۔ چند ثانیے اسی طرح گزر گئے کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہاں نفسا نفسی کا عالم تھا کسی کو اپنے سر پیر تک کا ہوش نہیں تھا تو ٹکرانے والا مجھے کہاں تلاش کرتا۔

میں نے دوبارہ دروازہ کھول دیا لیکن باہر نکلنے کے بجائے اندر ہی رکا رہا۔

"یہاں کیوں اڑ کر کھڑے ہو گئے؟ باہر نکلو نا۔" غزالہ میری پسلیوں میں ٹھوکا دے کر منمنائی۔

"اس وقت باہر نکلے تو کسی بدحواس افغان کی زد میں آ کر ہم اپنا ہاتھ منہ تڑوا بیٹھیں گے۔ اس منزل پر زیادہ لوگ نہیں ہیں' تھوڑی دیر میں راہداری صاف ہو جائے گی تو اطمینان سے باہر نکلیں گے۔" میں نے مڑ کر کہا۔

"تم ان بھیانک لمحات میں بھی اطمینان کی بات کر رہے ہو؟" غزالہ کی آواز سے بے یقینی مترشح تھی۔

"تم بھول رہی ہو کہ اس وقت ہم جنگ کی زد میں آئے ہوئے ایک شہر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یہاں ایسے دھماکے ہوتے رہتے ہوں گے۔ چیغا سرائے سے آنے والے بلاوجہ دہشت زدہ ہو رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ چھاپا ماروں نے ہوٹل سے ملحقہ علاقے میں کوئی تخریبی کارروائی کی ہے۔ یہ اندھیرا بھی اسی کارروائی کا شاخسانہ معلوم ہوتا ہے۔"

تھوڑی ہی دیر میں راہداری ویران ہو گئی۔ وہاں کسی متنفس یا آواز کا کوئی سراغ باقی نہیں رہا تھا۔ مسافروں کی پھیلائی ہوئی افراتفری میں ہوٹل کا عملہ بھی وہ فلور چھوڑ گیا تھا۔ میں غزالہ کا ہاتھ تھام کر تاریک راہداری میں رینگ گیا۔

ہم دونوں دیوار کے سہارے ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ کئی جگہ' بھاگنے والوں کے چھوڑے ہوئے جوتے اور دیگر چیزیں ہمارے پیروں سے ٹکرائیں مگر ہم اپنی محتاط روی کی وجہ سے کسی حادثے سے دوچار ہونے سے بچے رہے۔

ہم زینے طے کر کے نیچے پہنچے تو ہوٹل میں پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں چند لائٹرز اور دیا سلائیوں کی یرقان زدہ روشنیاں کانپ رہی تھیں۔ ہوٹل کی بڑی بڑی کھڑکیوں سے باہر بھی مکمل تاریکی کا راج تھا۔ برقی رو کی فراہمی میں پیدا ہونے والے خلل سے کافی بڑا علاقہ متاثر معلوم ہو رہا تھا۔

غزنی ہوٹل میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں بیک وقت اتنے آدمی سما سکیں اس لئے وہ بھیڑ ریستوران کے ہال میں جمع ہو گئی تھی۔ لوگ میزوں کے درمیان ٹولیوں کی شکل میں جمع تھے۔ ہمارے پہنچنے تک ہوٹل کے عملے نے چند میزوں پر موم بتیاں روشن کر دیں اور کوئی اونچی آواز میں کچھ بولنے لگا۔ پھر بولنے والا ایک میز پر چڑھ گیا۔ وہ ہوٹل کا منیجر تھا۔ اس کے ہاتھوں کے مسلسل اور خوشامدانہ اشاروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پشتو میں سب لوگوں سے میزوں کے گرد بیٹھ جانے کی اپیل کر رہا تھا لیکن مجمع پر اس کی اپیلوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ باہر سے آنے والی فائرنگ کی آوازوں سے متوحش تھے۔

سی اثنا میں مجھے ایلین کی جھلک نظر آئی اور میں بھیڑ میں راستہ بنا کر دھیرے دھیرے اس کی طرف کھسکنے لگا لیکن اسی وقت غزالہ نے مجھے روک لیا۔ اس کے ایما پر میں نے داہنی طرف دیکھا تو ہوٹل کے دور افتادہ سرے پر ویرا اور سلطان شاہ دیوار سے لگے نظر آئے۔ موم بتیوں کی ناکافی روشنی میں ان کے چہروں سے کسی پریشانی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی اپنا رخ بدل لیا اور ان دونوں کی طرف بڑھنے لگا۔

ہمارے ان تک پہنچنے سے پہلے ہی ہوٹل کے اندرونی حصے میں روشنی نظر آئی جو بتدریج تیز اور واضح ہوتی چلی گئی پھر ہوٹل کے دو ملازمین' اپنے سروں پر پٹرومکس لیمپ لئے نمودار ہوئے اور تاریک ہال کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا۔ وہ دونوں روشن لیمپ اونچی اور مناسب جگہوں پر رکھ دیے گئے۔ منیجر تھک ہار کر میز پر سے اتر گیا تھا۔ اِکا دُکا افغان مرد اور سہمی ہوئی خواتین کرسیوں پر بیٹھ گئی تھیں لیکن بیشتر مرد کھڑے ہوئے تبادلۂ خیال میں مصروف تھے۔

پٹرومکس لیمپ آتے ہی ویرا نے ہمیں دیکھ لیا اور ہم چاروں اس سمت کی آخری میز کے گرد جم گئے۔

"یہ جلال آباد میں اہم واقعات کی رات معلوم ہوتی ہے۔" بیٹھنے کے بعد ویرا بڑبڑائی۔

"کن واقعات کی بات کر رہی ہو؟" غزالہ نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"بے چاری میری کہی ہوئی بات اگل رہی تھی۔" اس سے پہلے سلطان شاہ بول پڑا "منیجر ابھی میز پر چڑھ کر پشتو میں تقریر کر رہا تھا۔ اس کا خیال ہے کہ مزاحمت کرنے والوں نے ایریا وار کونسل پر کوئی بڑی کارروائی کی ہے۔ وہ لوگوں سے پُرسکون رہ کر ہوٹل کی حدود میں ٹھہرے رہنے کی اپیل کر رہا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ اس وقت جو بھی باہر نظر آیا وہ دونوں میں سے کسی فریق کے ہاتھوں بھون ڈالا جائے گا۔"

"اسے کیسے پتا چلا کہ ایریا وار کونسل پر کارروائی کی گئی ہے؟" میں نے پوچھا "نام سے تو یہ کوئی سرکاری ادارہ معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس پر بھی روسی قابض ہوں۔"

"وہ کیا ہے اور اس پر کون قابض ہے' یہ میرے علم میں نہیں ہے۔ منیجر کا کہنا ہے کہ ہوٹل کو اس سب اسٹیشن سے بجلی فراہم کی جاتی ہے جو ایریا وار کونسل کی عمارت کے احاطے میں واقع ہے۔ دھماکے کے ساتھ بجلی غائب ہونے کی وجہ سے اسے شبہ ہے کہ اس عمارت کے کسی حصے کو اڑا دیا گیا ہے۔"

"منیجر اس ہڑبونگ سے خاصا بوکھلایا ہوا ہے۔ اسے گھیر کر ادھر لاؤ تاکہ مزید کچھ معلومات مل سکیں۔" میں نے کہا "اس سے ذرا سی ہمدردی جتا کر تم اسے اپنا دوست بنا سکتے ہو۔ پوری بھیڑ میں وہ اکیلا ہو کر رہ گیا ہے۔"

"مقدر آزمائی کئے لیتا ہوں۔" سلطان شاہ نے مسکراتے ہوئے کرسی چھوڑ دی۔

"میرا خیال ہے کہ جو کچھ ہوا ہے وہ ہمارے حق میں بہتر ہے۔" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"ہم اسی ہوٹل میں پھنسا ہوتا تو ہمارے حق میں زیادہ بہتر ہوتا۔" میں نے جل کر کہا۔

"بعض اوقات تم ذرا ذرا سی بات پر چڑ جاتے ہو۔ تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ایلین نے تھوڑی دیر پہلے ہوٹل میں فیکس مشین کی موجودگی کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اس کے بعد وہ دونوں کچھ لکھنے میں منہمک ہو گئے تھے۔ دھماکے کی وجہ سے ان کا کام ادھورا رہ گیا۔ اب جب تک بجلی نہیں آجاتی وہ فیکس مشین استعمال نہیں کر سکتے۔ باہر نکلنے کے خطرات کے بارے میں منیجر بتا ہی چکا ہے۔ شہر کی سڑکوں پر اس وقت صرف لڑنے والوں کا راج ہے۔ وہ کسی کو بھی دیکھتے ہی باڑھ پر لے لیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر وہ اتنے احمق نہیں ہیں کہ بجلی بحال ہونے کا انتظار کرتے ہوئے وقت گزار دیں۔ وہ فون پر بھی اپنے لوگوں سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ فون کا بجلی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔" غزالہ نے جواب دیا۔

ویرا دل آویز انداز میں مسکراتے ہوئے بولی "تمہاری عقل کام کر رہی ہے تو تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ دھماکے سے ٹیلی فون کی لائنوں کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ غزنی ہوٹل کے تینوں فون بے جان ہو چکے ہیں۔ باہر کی صورتِ حال کے بارے میں منیجر کسی سے کوئی رابطہ نہیں کر سکا۔ اندھیرا چھٹنے سے پہلے کچھ معلوم نہیں ہو سکتا کہ ایریا وار کونسل پر کیا گزری ہے۔"

وہ اطلاع واقعی اہم تھی۔ بجلی بحال ہو بھی جاتی تو فون ناکارہ ہونے کی وجہ سے کسی سے کوئی رابطہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس صورتِ حال سے ہم سراسر فائدے میں تھے۔ اگلی صبح ہم ہوٹل سے روانہ ہو جاتے اور ان دونوں کو ہمارے بارے میں کسی کو باخبر کرنے کا موقع نہیں مل پاتا۔ اگلی رات کے اندھیرے میں سرحد پار کر لینے کے بعد ہم انہیں جُل دے کر غائب ہو جاتے اور وہ محرومی کے عالم میں اپنے سر پیٹتے رہ جاتے۔

روشنی ہو جانے کے بعد لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے لیکن ان کے خوف اور اضطراب میں کوئی کمی نہیں آسکی تھی۔ اس بھیڑ میں کئی چہرے ایسے بھی تھے جو کوسٹر میں ہمارے ہم سفر نہیں تھے' میرا خیال تھا کہ وہ لوگ ہماری آمد سے قبل اس اقامتی ہوٹل میں مقیم رہے ہوں گے۔

آخر کار ہمیں سلطان شاہ اپنی طرف لوٹتا ہوا نظر آیا۔ ہوٹل کا منیجر اس کے ساتھ تھا۔ ایلین اور پیٹر بھی ان دونوں کے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے۔ ان دونوں بدمعاشوں کو آتا ہوا دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنک گیا۔

آنے والے خالی کرسیاں لے کر ہماری ہی میز کے گرد آ گئے۔ ہم نے پیچھے سرک کر دائرہ بڑھا لیا۔

"اس بھیانک صورتِ حال کے بارے میں ہم بالکل اندھیرے

میں تھے۔" ایلن نے بیٹھتے ہی وضاحت پیش کر ڈالی "یہاں ساری گفتگو مقامی زبان میں ہو رہی ہے۔ ابھی سلطان نے ہمیں تھوڑی بہت معلومات فراہم کی ہیں۔ ہم مزید معلومات حاصل کرنے کی امید میں یہاں آئے ہیں۔ ویسے بھی ہم سب ایک ہی کشتی بلکہ کوسٹر کے سوار ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم برا نہیں مانو گے۔" اس نے اپنے مدعا کے اظہار کے لئے بگڑی ہوئی اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی بھی استعمال کی تھی۔

"اگر تم امید سے ہو تو یہ کون سا مہینہ ہے؟" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے خالص اردو میں پوچھا۔

"نواں!" ایلن نے حیرانی سے کہا "لیکن امید کا مہینے سے کیا تعلق ہے؟"

"کوئی امید سے ہو تو اس کی امید نویں مہینے سے پہلے بر نہیں آتی۔" ویرا نے اتنی برجستگی سے جواب دیا کہ ہوٹل کا منیجر مضمحل اور پریشان ہونے کے باوجود بے ساختہ ہنس پڑا۔

"کمال ہے کہ تم لوگ ایسے سنگین ماحول میں بھی ایسا مذاق کر رہے ہو۔" وہ تعریفی لہجے میں بولا۔ پوری بات سمجھ میں آنے کے بعد ایلن بھی کھسیائے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا اور تھوڑے فاصلے پر بیٹھے ہوئے خوف زدہ افغان یوں چونک کر اسے گھورنے لگے جیسے انہیں اس کے ذہنی توازن پر شبہ ہو رہا ہو۔

ویرا نے فوراً ہی ایلن کو ٹوک دیا "اب دانت بند کر کے بیٹھو تاکہ ہم بات چیت کر کے موجودہ صورتِ حال کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکیں۔ ہمارے قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے لوگ تمہیں حیرت اور غصّے سے گھور رہے ہیں۔"

اس ہال میں پٹرومکس لیمپس کی روشنی پھیل جانے کے بعد باہر پھیلا ہوا اندھیرا کچھ زیادہ ہی گہرا اور ہیبت ناک نظر آنے لگا تھا۔ رات کے مہیب سناٹے میں ابھرنے والی فائرنگ کی آوازیں بدستور فضا میں موت کے آسیبی نغموں کی طرح گونج رہی تھیں۔ ہماری میز کے گرد بیٹھے ہوئے افراد کے علاوہ بقیہ سب لوگ اس صورتِ حال سے فکر مند نظر آ رہے تھے۔

"وہ دھماکا کیسا تھا؟" جمود توڑنے کے لئے میں نے منیجر سے سوال کرنے میں پہل کی۔

"وہ کوئی بہت طاقتور بم تھا۔" منیجر سگریٹ کا ایک گہرا کش لینے کے بعد بولا "میرا خیال ہے کہ آج رات ایریا وار کونسل کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ مزاحمت کرنے والے ایک مدت سے اس عمارت کے دشمن ہیں۔"

"میں کسی اور سے بھی یہی بات سن چکا ہوں۔" میں نے گہری دلچسپی کے ساتھ کہا "یہ ایریا وار کونسل کیا بلا ہے؟"

"اس کا اصل نام فرینڈ شپ ہاؤس ہے۔" منیجر نے اپنی کرسی میں پہلو بدلتے ہوئے کہا "وہ کئی ایکڑ رقبے پر پھیلی ہوئی عمارات پر مشتمل ہے۔ گڑبڑ شروع ہونے سے پہلے وہاں روسی قونصلیٹ کے دفاتر ہوا کرتے تھے۔ بعد میں وہاں ایریا وار کونسل کا مرکزی دفتر قائم کر دیا گیا۔ یہ کونسل اس علاقے میں جنگی کارروائیوں کو کنٹرول کرتی ہے۔ وہاں ہر وقت ہزار، آٹھ سو روسی فوجی رہتے ہیں۔ شمال سے آنے والے روسی فوجی دستے چند روز تک وہاں آرام کرنے کے بعد اندرونی علاقوں کا رخ کرتے ہیں۔ وہاں کے سخت حفاظتی انتظامات کی وجہ سے آج تک کوئی تخریبی کارروائی کامیاب نہیں ہو سکی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آج مزاحم فوج کا وار کامیاب رہا ہے۔ روسی فوجی کاہل اور آرام طلب ہونے کے باوجود بہت منتقم مزاج ہیں۔ اس وقت وہ اپنے سامنے آنے والے ہر افغان کو بھون ڈالیں گے۔ اگر انہیں زیادہ نقصان پہنچا ہے تو جلال آباد کے باسیوں کے لئے آنے والے چند روز بہت بھاری ہوں گے۔ محض شبے کی بنا پر ہمارے بے شمار نوجوان مار دیے جائیں گے۔"

"ایریا وار کونسل کو مقامی حکومت کے تابع ہونا چاہئے، اس پر روسی کیوں قابض ہیں؟"

منیجر تلخی سے ہنس پڑا اور کہنیوں کے بل میز پر جھک کر نیچی آواز میں بولا "یہ سوال کسی اور سے نہ پوچھ بیٹھنا۔ ان الفاظ سے بغاوت کی بُو آتی ہے۔ آج کل حکومت اور روسی طاقت کو ایک ہی سکّے کے دو رخ قرار دیا جاتا ہے۔ موجودہ حکمرانوں کو روسی ٹینکوں اور توپوں کی پوری پشت پناہی حاصل ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہم یہاں پھنس کر رہ جائیں گے؟" پیٹر نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔ اس کی بگڑی ہوئی اردو میں انگریزی کے کسی لفظ کی ملاوٹ نہیں تھی "سنا ہے ہوٹل کے فون بھی ناکارہ ہو گئے ہیں۔"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ صرف فون ہی خراب ہوئے ہیں جو دو چار دن میں بحال ہو جائیں گے۔" منیجر نے کہا "بعض علاقوں میں تو مہینوں سے شہری سہولتوں کی فراہمی کا سلسلہ منقطع ہے۔ آب رسانی اور گندے پانی کی نکاسی کے نظام تک تباہ ہو چکے ہیں اور لڑائی ختم ہونے سے پہلے ان کی مرمت کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ روسی کُتّے رات بھر ٹینکوں پر سوار ہو کر شہر میں دندناتے رہیں گے۔ کچھ مکانوں کو روندیں گے، چند لڑکوں کے چیتھڑے اڑائیں گے، بہت سے لوگوں کو پکڑ کر اپنے ٹارچر سیل میں ڈالیں گے۔ صبح تک بہت کچھ معمول پر آ جائے گا۔ کوئی اور غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا تو صبح تم لوگوں کی روانگی میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب لوگ کب تک اس ہال میں بیٹھے رہیں گے۔"

"اندھیرے کمروں کے مقابلے میں یہ روشن ہال ڈراونا نہیں لگ رہا۔ اپنے خوف و ہراس پر قابو پانے کے بعد جب ان پر تھکن کا حملہ ہو گا تو یہ خود ہی اپنے بستروں کی راہ لیں گے۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

پھر ہال میں یکلخت سناٹا چھا گیا اور فضا میں صرف پٹرومکس لیمپوں کی شوں شوں گونجتی رہ گئی۔ باہر سے بھاری فوجی گاڑیوں کے انجنوں کی دہشت ناک گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی تھی۔ اس مہیب

مشینی شور کے ساتھ ہی خودکار ہتھیاروں سے فائرنگ کی آوازیں بھی قریب آنے لگی تھیں۔

"خدا خیر کرے!" منیجر ہولے سے بڑبڑایا۔ اس کی آنکھوں سے گہری تشویش جھلکنے لگی تھی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ روسی بھیڑیے اپنے شکار پر نکل پڑے ہیں۔ وہ اسی طرح ہماری ہوائی فائرنگ کر کے دہشت پھیلاتے ہوئے آتے ہیں۔"

رفتہ رفتہ غضب ناک انجنوں کی غراہٹیں اور ٹنوں وزنی آہنی پٹوں کی جھنجھناہٹیں اس قدر قریب آگئیں کہ ان کی گونج سے ہال کا فرش لرزنے لگا۔ سب متجسس اور خوف زدہ نگاہیں ان کھڑکیوں کی طرف اٹھ گئیں جن سے تاریک سڑک کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ اس وقت تک سڑک تاریک اور ویران پڑی ہوئی تھی۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ تاریکی میں روشنی کی چادر' دور تک پھیل گئی پھر تاریکی میں ایک تاریک تر ٹینک نمودار ہوا۔ ٹینک کے کسی حصے سے تیز روشنی خارج ہورہی تھی۔ ہوٹل کی روشن کھڑکیوں کو دیکھ کر کسی فوجی نے فضا میں گولیوں کی باڑھ ماری۔ ٹینک اپنی آہنی زنجیر سے سڑک کو ادھیڑتا اور اچھلتا ہوا' آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس کے پیچھے کئی وزنی بکتر بند گاڑیاں تھیں۔ ان کی تمام روشنیاں گل تھیں۔ وہ سب گاڑیاں بس ٹینک کے پیچھے چلی جارہی تھیں۔ بکتر بند گاڑیوں کے پیچھے دو بڑے فوجی ٹرک تھے اور آخر میں ایک جیپ چلی آرہی تھی۔

اچانک ہی وہ کارواں رک گیا۔ اس وقت آخری جیپ ہوٹل کے سامنے تھی۔ جیپ اور ٹرکوں سے متعدد دیوہیکل فوجی نیچے کودے اور فضا ان کی دھواں دھار فائرنگ سے لرز اٹھی۔ وہ سب گولیاں برساتے ہوئے ہوٹل کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے۔ لوگ سانس روک کر آنے والی بدقسمتی کا انتظار کرنے لگے۔

فائرنگ تھم گئی۔ فضا میں صرف وزنی فوجی جوتوں کی دھمک باقی رہ گئی۔ پھر ہوٹل کے دروازے پر دھماکا ہوا۔ دروازے کو نرمی اور شرافت سے کھولنے کے بجائے' غالباً لات مار کر توڑ دیا گیا تھا۔ پھر روسی فوجی ہوٹل میں گھس آئے۔ ہال میں پھیلی ہوئی روشنی کی وجہ سے ان کو راستہ تلاش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

آنے والے بیشتر فوجی روسی تھے۔ ان میں افسروں سے عام فوجی تک شامل تھے لیکن دو افسران واضح طور پر افغان نظر آرہے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بھرے ہوئے پستول موجود تھے جبکہ دوسرے فوجی خودکار رائفلوں اور ہلکی مشین گنوں سے لیس تھے۔ دونوں افغان فوجی افسروں نے ہال کے ابتدائی سرے پر رک کر لحہ بھر ڈرامائی توقف کیا پھر دونوں نے بیک وقت چھت کی طرف ایک ایک فائر کردیا۔ فائر کرتے ہی ان میں سے ایک نے کڑک کر کوئی حکم دیا۔

سب لوگ پشتینی غلاموں کی طرح اپنے ہاتھ سروں سے بلند کر کے کھڑے ہوتے چلے گئے۔ منیجر کے ساتھ سلطان شاہ بھی ان میں شامل تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی ہم لوگ بھی ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہوگئے۔ فوجیوں نے تیزی کے ساتھ اندر داخل ہو کر میزوں کے درمیان پھیلنا شروع کردیا۔ ان کی چمکتی ہوئی سفاک نگاہیں بہت بے رحمی سے ایک ایک فرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔

تین روسی فوجیوں کی ایک ٹولی ہماری طرف آئی تو فضا میں ناگوار سی بُو پھیل گئی۔ ان کے شلجم کی طرح سفید مگر پھیکے چہروں سے شقاوت برس رہی تھی۔ ان کی گردنوں اور کانوں پر جما ہوا میل دور ہی سے نظر آرہا تھا۔ پتا نہیں وہ کب سے نہیں نہائے تھے شاید اسی وجہ سے ان کی وردیوں اور جسم سے متعفن سی بُو آرہی تھی۔

انھوں نے اپنے سخت اور کھردرے ہاتھوں سے ہمارے جسموں کو اچھی طرح ٹٹول کر تلاشی لی۔ اس عمل سے عورتیں بھی گزریں لیکن یہ غنیمت تھا کہ عورتوں کے ساتھ وہ عمل ایک مشینی انداز میں کیا گیا اور ہم سب کو حالات کے جبر کے سامنے اسے برداشت کرنا پڑا۔ روسیوں کے خطرناک تیوروں سے ظاہر ہورہا تھا کہ جس کسی نے زبان کھولنے کی جرأت کی' وہ بے رحمی سے اسے گھسیٹتے ہوئے اپنے ساتھ لے جائیں گے اور پھر شاید اس کا کوئی سراغ بھی نہ ملتا۔

ایک روسی نے پیٹر کی تلاشی لینے کے بعد غُرّا کر کچھ کہا۔ پیٹر کے خوف زدہ چہرے پر بے بسی لہرا کر رہ گئی۔ ہم سب کی طرح وہ بھی روسی زبان سے ناواقف معلوم ہوتا تھا۔ روسی نے ڈپٹ کر اپنی بات دُہرائی تو پیٹر نے بے ساختہ انگریزی میں ہکلانا شروع کردیا۔ اس موقع پر ہوٹل کے منیجر نے کھنکھار کر اپنا گلا صاف کیا اور رک رک کر کوئی اجنبی بولی بولنے لگا۔

روسی فوجیوں کو اس کی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ اس قسم کے واقعات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے منیجر نے نظریۂ ضرورت کے تحت کچھ روسی زبان سیکھ لی تھی۔ پیٹر کی گلوخلاصی ہوگئی۔ روسی' منیجر سے بازپرس کرتے رہے۔ وہ بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر' دہشت زدہ انداز میں جواب دیتا رہا۔ پھر اچانک ہی فضا ایک دردناک چیخ سے لرز اٹھی۔

سب لوگ اپنی جگہوں پر کھڑے ہوئے تھے اس لئے فوری طور پر ہمیں اصل واقعے کا علم نہیں ہوسکا البتہ تواتر سے ابھرنے والی کرب آلود چیخوں سے یہ اندازہ ضرور ہوگیا کہ کوئی بدنصیب ان وحشیوں کی درندگی کا نشانہ بن گیا تھا۔

چند ہی سیکنڈ میں وہ منظر بھی ہمارے سامنے آگیا۔ ہوٹل کا ایک لہولہان بیرا پناہ کے لئے میزوں کے درمیان راستہ پانے کی ناکام کوشش کررہا تھا اور کئی مشٹنڈے روسی اسے ٹھوکروں سے ادھیڑ رہے تھے۔ بیرے کے چہرے کا داہنا حصہ خون میں نہایا ہوا تھا۔ شاید اس کے چہرے کو کسی ٹھوس دستے سے زخمی کیا گیا تھا' جس کی وجہ سے اس کی شناخت تک دشوار ہوگئی تھی۔

منیجر نے وہ منظر دیکھ کر سختی سے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ ہمارے قریب کھڑے ہوئے روسی فوجیوں کی آنکھوں میں وحشیانہ مسرت ناچنے لگی اور وہ ہمیں بھول کر اسی بدنصیب بیرے کی طرف

ہو لئے۔
مجبور و مجروح ہیرا زیادہ دیر تک مدافعت نہیں کر سکا۔ ایک روسی اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا باہر لے جانے لگا۔
فوجیوں کی وہ بھیڑ جتنی تیزی کے ساتھ ہال میں داخل ہوئی تھی اس سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ باہر نکل گئی۔
میں تھکے ہوئے انداز میں اپنی کرسی پر گر گیا۔ دوسروں نے بھی میری تقلید کی لیکن ہال میں بہتیرے لوگ اسی انداز میں ہاتھ اٹھائے کھڑے رہے، روسیوں کے چلے جانے کے باوجود وہ ان کے خوف کے طلسم سے نہیں نکل سکے تھے۔
"میں اس لڑکے کی معصومیت کی قسم کھا سکتا ہوں۔" منیجر نے رندھی ہوئی، سرگوشیانہ آواز میں کہا "وہ بے گناہ پکڑا گیا ہے۔ وہ تین یتیم بہنوں اور بیوہ ماں کا اکلوتا سہارا ہے۔ وہ کام کے علاوہ کسی چیز میں دلچسپی نہیں لیتا....."
اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ باہر ایک برسٹ فائر ہوا اور فضا ایک دلدوز مگر ادھوری انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔ چیخ معدوم ہو گئی لیکن برسٹ چند ثانیوں تک جاری رہا شاید کسی مشتعل وحشی نے اپنا پورا میگزین بدنصیب قیدی کے خستہ و شکستہ جسم میں خالی کر دیا تھا۔
"ظالموں نے اسے مار دیا۔" منیجر کرب کے عالم میں کراہا "اب صبح تک اس کی لاش یوں ہی پڑی رہے گی۔"
اس قسم کے بہیمانہ واقعات ان لوگوں کے معمولاتِ زندگی کا ایک حصہ بن چکے تھے۔ اپنے تمام تر غم و غصے کے باوجود وہ زیادہ دیر تک کسی دکھ کو گلے لگائے رکھنے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے چند منٹ بعد ہی منیجر کے غم و اندوہ پر اس کے اپنے مسائل غالب آ گئے اور وہ حسرت بھری نظروں سے ہال کا جائزہ لیتا ہوا بولا "میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں انہیں کس طرح ان کے کمروں میں واپس بھیجوں؟ مجھے اور میرے آدمیوں کو آرام کی ضرورت ہے، ہم لوگ پتھر کے بتوں کی طرح ساری رات یوں ہی بیٹھے رہے تو کل دن بھر ہم کوئی کام نہیں کر سکیں گے۔" اس نے بے بسی سے اپنا سر ہتھیلیوں پر ٹکا لیا۔
"اندھیرے کمروں کے مقابلے میں یہ لوگ یہاں اطمینان محسوس کر رہے ہیں تو انہیں بیٹھا رہنے دو۔ تم جا کر آرام کرو۔" ویرا نے اسے مشورہ دیا "کمرے کی تنہائی کے مقابلے میں یہاں ایک دوسرے کو دیکھ کر لوگوں کو ڈھارس رہے گی۔"
"میں انہیں بتا چکا ہوں کہ میں نے ہر کمرے میں موم بتیوں کی وافر مقدار پہنچا دی ہے لیکن میری کوئی بات اثر نہیں کر رہی۔ تم یہاں کے حالات سے واقف نہیں ہو اس لئے ایسا مشورہ دے رہی ہو۔ جب تک اس ہال میں اندھیرا نہیں ہو گا۔ ادھر سے گزرنے والا ہر فوجی دستہ یہاں آتا رہے گا اور ہر بار ایک دو آدمی عتاب میں آتے رہیں گے....." وہ مضطربانہ لہجے میں بولا مگر ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔
"یہاں کوئی چور، اُچکا یا دہشت گرد نہیں ہے پھر بلاوجہ پکڑ دھکڑ کیوں ہو گی؟"
"جب انسانوں کے سر پر خون سوار ہو جائے تو انہیں اپنے سایوں پر بھی شبہ ہونے لگتا ہے۔ یہ فوجی جس عمارت میں بھی گھس جاتے ہیں وہاں سے خالی ہاتھ کبھی نہیں لوٹتے۔ وہاں فرشتے رہ رہے ہوں تو بھی یہ ایک، دو کو پکڑ کر لے جاتے ہیں اور پھر وہ کبھی نظر نہیں آتے۔ میرا یہاں رہنا ضروری ہے کیونکہ میں تھوڑی بہت روسی زبان جانتا ہوں۔ انہیں اپنے کسی بے ہودہ سوال کا جواب نہیں ملا تو وہ مشتعل ہو کر میرے ہوٹل ہی کو تباہ و برباد کر ڈالیں گے۔"
اس کی مجبوریاں حقیقی اور قابل فہم تھیں۔ میں نے مستفسرانہ نگاہوں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا لیکن اس کے پاس بھی منیجر کے مسئلے کا کوئی حل نہیں تھا۔ اس مرحلے پر غزالہ اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی "میرا خیال ہے کمروں کی طرف واپسی کے سلسلے میں ہمیں پہل کرنی چاہئے۔ ہم چھ افراد ہیں، ہو سکتا ہے کہ ہماری تقلید میں دوسروں میں بھی واپسی کی تحریک پیدا ہو جائے۔"
پھر وہ منیجر سے مخاطب ہو کر بولی "تم انہیں بتاؤ کہ سڑک کے رخ پر واقع یہ ہال اسی طرح روشن اور آباد رہا تو ہر تھوڑی دیر بعد یہاں چھاپا پڑتا رہے گا۔ ضروری نہیں کہ ہر بار عملے کے ستارے گردش میں آئیں۔ آنے والے فوجی کسی مہمان مرد یا عورت کو بھی اسی طرح پکڑ کر لے جا سکتے ہیں۔"
"کوشش کئے لیتا ہوں۔" منیجر نے نیم دلی سے کہا "شاید عورتوں کی گرفتاری کا ذکر کام کر جائے۔"
ہم چاروں وہاں سے اٹھ کر چل دیے۔ ایلن اور پیٹر نے بھی غزالہ کے مشورے کو قبول کر لیا تھا۔ ہال میں موجود لوگ گردنیں گھما گھما کر ہمیں دیکھ رہے تھے۔ ہمارے باہر نکلنے سے پہلے ہی منیجر نے بلند آواز میں اپنی تقریر شروع کر دی تھی۔
منیجر کے عملے کو ہنگامی حالات پر قابو پانے میں خاصی مہارت حاصل تھی کیونکہ اس بار زینے بالکل ہی تاریک نہیں تھے بلکہ تیل وغیرہ کے خالی ڈبوں کو مناسب مقامات پر اوندھا کر کے ان کے پیندوں پر بڑی بڑی موم بتیاں روشن کر دی گئی تھیں۔ گھور اندھیرے میں وہ زرد اور ناکافی روشنی بھی بہت غنیمت معلوم ہو رہی تھی۔
ہم آخری زینے پر تھے کہ پیچھے کسی کے تیز قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو چونک پڑا۔ وہ ہماری کوسٹر کا ڈرائیور، روشن خان تھا۔ اس کے تیوروں سے برہمی مترشح ہو رہی تھی۔ تیزی کے ساتھ درمیانی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ راہداری میں ایلن کے ساتھ ہو لیا۔
"کیا بات ہے؟ تم عجلت میں نظر آ رہے ہو؟" ایلن نے اپنی شکستہ اردو میں معنی خیز لہجے میں کہا۔
"کمرے میں چل کر تم سے بات کرنی ہے۔" روشن خان نے بگڑے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

ان دونوں کے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوئی لیکن میں نے اندازہ لگالیا کہ حالات میری توقع کے مطابق جارہے تھے۔ ہماری گفتگو ریکارڈ کرنے کی ناکام کوشش کرنے والے بیرے نے غالباً روشن خان سے وہی کچھ کہا تھا جو اسے بتایا گیا تھا۔ روشن خان کو یہ شبہ ہونا یقینی تھا کہ ویٹر کے ٹی پاٹ سے کیسٹ ریکارڈر ان ہی میں سے کسی نے اڑایا ہے۔ شاید روشن خان ان سے اسی معاملے پر بات کرنے آیا تھا۔

ہم لوگ ایک ہی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئے۔

وہ تینوں نیم روشن راہداری میں آگے بڑھتے چلے گئے۔

"روشن خان غصے میں تھا۔ شاید تم ان میں پھوٹ ڈلوانے میں کامیاب ہوگئے ہو۔" کمرے میں بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی ایک موم بتی روشن کرنے کے بعد سلطان شاہ نے کہا "لیکن اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"ہمیں فائدہ ہو یا نہ ہو' انہیں تو نقصان پہنچے گا نا؟" غزالہ نے ہنس کر کہا۔

اس وقت رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ رات کا باقی حصہ یکجا رہ کر ہی بسر کیا جائے تاکہ ہم ایک دوسرے کی دیکھ بھال کرسکیں۔ عورتوں کو بستر دے دیا گیا۔ سلطان شاہ فرش پر کمبل بچھا کر دراز ہوگیا۔ وہ اپنی ضرورت کے لئے برابر والے کمرے سے کمبل' تکیے اور بستر کی چادر تک وہیں لے آیا تھا۔ میرے حصے میں کمرے کا واحد صوفہ آیا جو لمبائی میں میرے قد سے چھوٹا ہونے کے باوجود آرام دہ تھا۔

مجھے کچھ علم نہیں کہ باتیں کرتے ہوئے کس وقت میری آنکھ لگی۔ ہاں اتنا ضرور یاد ہے کہ تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے کے تسلسل کے بعد فائرنگ ختم گئی تھی۔ بس وقفے وقفے سے گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

صبح دس بجے مجھے جھنجوڑ کر بیدار کیا گیا کیونکہ بارہ بجے کوسٹر کو غزنی ہوٹل سے روانہ ہونا تھا۔

میں ہاتھ منہ دھو کر تیار ہوا تو سلطان شاہ نے خوش خبری سنائی کہ ایلن اور پیٹر کے چہروں کا حال بگڑا ہوا تھا۔ ان دونوں کے چہروں پر شدید ضربات کے نمایاں نشان موجود تھے جب کہ ایلن کے چہرے پر ایک زخم بھی موجود تھا۔ اپنی مزاج پُرسی کرنے والوں کو وہ بتاتے پھر رہے تھے کہ رات کے اندھیرے میں وہ غلط فہمی کی بنا پر آپس میں لڑ پڑے تھے۔ ایک دوسرے کی خاصی ٹھکائی کرنے کے بعد نیند کا خمار دور ہوا تو وہ دونوں اس حال کو پہنچ چکے تھے۔ شاید دوسروں نے اس بے سروپا کہانی پر یقین کرلیا ہو لیکن ہم سب کو پورا یقین تھا کہ پچھلی رات روشن خان ان لوگوں سے لڑ پڑا ہوگا اور اسی نے ان دونوں کی مرمت کی ہوگی۔ جسمانی طور پر وہ ان دونوں سے بہت بھاری اور توانا تھا۔

دن کے اجالے میں خوف' دہشت اور تشویش کے اثرات بڑی حد تک معدوم ہوچکے تھے۔ ہوٹل میں معمول کی سرگرمیاں جاری تھیں اور پچھلی رات کے واقعات ایک بھیانک خواب کی صورت میں یاد رہ گئے تھے۔ مجھے بے اختیار وہ کہاوتیں یاد آنے لگیں جن میں سورج کو امید' زندگی اور خوش حالی کا پیغام بر قرار دیا جاتا ہے۔ رات کا اندھیرا جہاں لاکھوں جرائم اور گناہوں کی پردہ پوشی کرتا ہے وہیں ڈر' خوف اور دہشت کے ان بھیانک تخیلات کو بھی جنم دیتا ہے جو کمزور انسانوں کی شخصیت کو بری طرح تباہ کرکے مسخ کردیتا ہے اور جب رات کا اندھیرا' اجالے کی بانہوں میں سسک سسک کر دم توڑنے لگتا ہے تو بڑھتے ہوئے اجالے کے ساتھ' رات کے لرزہ خیز تصورات خود بخود معدوم ہونے لگتے ہیں اور کمزور ترین انسانوں میں بھی حالات سے لڑ مرنے اور زندہ رہنے کا کچھ نہ کچھ حوصلہ بیدار ہوجاتا ہے۔

ہمارے پاس کوئی سازوسامان نہیں تھا۔ ہم آخری بار اپنے کمرے کا ناقدانہ جائزہ لے کر باہر نکل آئے۔ اس وقت کوسٹر کے تقریباً سارے ہی مسافر ہال میں موجود تھے۔ ان ہی کے درمیان ایلن اور پیٹر بھی نظر آرہے تھے۔ ان دونوں کے چہروں پر مضحکہ خیز ورم اور نیل کے نشانات نمایاں تھے۔ ایلن کے بائیں رخسار کی ہڈی پر زخم نظر آرہا تھا جس پر خون جما ہوا تھا۔ میں نے دور ہی سے ان کی طرف ہاتھ لہرایا تو ایلن کے متورم ہونٹ عجیب انداز میں پھیل گئے۔ شاید وہ اس کی بدلی ہوئی جوابی مسکراہٹ کا نیا انداز تھا۔

"میں شرط لگاتا ہوں کہ اس مار دھاڑ میں روشن خان بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا ہوگا۔" ناشتا آجانے کے بعد میں نے ویرا سے کہا "مجھے افسوس ہے کہ ہمیں وہ تماشا دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔"

"تم ہر بات اتنے وثوق سے کہہ دیتے ہو جیسے تمہارے پاس کوئی طلسمی آنکھ ہے جو وقت اور ماحول کے دبیز پردوں کے اس پار بھی دیکھ سکتی ہے۔" ویرا نے میرے پُراعتماد لہجے سے چڑ کر کہا "روشن خان لمبا چوڑا اور ان دونوں سے کہیں زیادہ طاقت ور ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اسے ہاتھ بھی نہ لگا پائے ہوں۔"

"دیکھتی جاؤ۔" میں نے اسے سلگانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تم بھول رہی ہو کہ میرے پاس سلور آئی ہے جو کسی طلسمی آنکھ سے کم نہیں ہے۔ روشن خان یہاں نظر نہیں آرہا لیکن کوسٹر میں موجود ہوگا۔ تم دیکھ لینا کہ میرا اندازہ سوفیصد درست ثابت ہوگا۔ مجھے حیرت ہے کہ بعض اوقات تم میری ضد میں آکر سامنے کی باتوں کو ماننے سے انکار کردیتی ہو۔"

"مجھے تمہاری قیاس آرائیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولی "اور اب تم اقرار کررہے ہو کہ سلور آئی تمہارے پاس ہے' جب میں نے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا تو تم صاف مکر گئے تھے۔"

"اس وقت کی بات اور تھی۔" میں نے ہنس کر کہا "تم میری دوست ہونے کے بجائے جی لائیڈ کی نمائندگی کررہی تھیں پھر بھی میں نے دو میں سے ایک سلور آئی تمہیں لوٹا دی تھی۔ میرے حساب سے تم اس وقت دو سلور آئیز پر قابض ہو جبکہ میرے پاس

صرف ایک سلور آئی ہے جو میں نے کسی آڑے وقت کے لئے رکھی ہوئی ہے۔"

"وہ وقت گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔" ویرا نے اردو کے ایک مستند محاورے پر برجستہ تصرف کرکے مجھے حیران کردیا "اب تم سلور آئی استعمال کرکے آئی مین کا روپ نہیں دھار سکتے۔ تمہاری یہ حرکتیں اسی وقت کامیاب تھیں جب تم گمنام تھے۔ اب شی میں تم شیطان کی طرح مشہور ہوچکے ہو۔"

"کامیابی اور ناکامی کا دارومدار حالات پر ہے۔ جب تک سلور آئی میرے قبضے میں ہے میں آئی مین بننے کی کوشش ضرور کرسکتا ہوں۔ تم میرا یہ حق نہیں چھین سکتیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"بار بار سلور آئی کا ذکر کرکے میرا خون نہ جلاؤ۔" ویرا اکھڑ کے بولی "شنگارا ویلی کے سردار صبغت اللہ نے بہت سوچ سمجھ کر تم کو عظیم الشان جھوٹے کا خطاب دیا تھا۔ اگر میں نے اس وقت تمہارے جھوٹ پر یقین نہ کیا ہوتا تو آج تم کو باتیں بنانے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔"

"چھوڑو' اب پرانی باتیں یاد کرکے اپنا خون نہ جلاؤ۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا "سانپ گزر جانے کے بعد لکیر کو پیٹنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اپنے ہی بازو شل ہونے لگتے ہیں۔"

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد' میں کسی سے کچھ کہے بغیر' اپنی جگہ چھوڑ کر اس میز کی طرف چل دیا جس پر ایلین اور پیٹر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ہم لوگوں سے غافل نہیں تھے اس لئے وہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی میرے استقبال کے لئے تیار ہوگئے۔ میں وہاں پہنچتے ہی ایک خالی کرسی لے کر پیٹر کے برابر بیٹھ گیا اور متاسفانہ انداز میں اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس کا داہنا جبڑا کافی ورم زدہ تھا۔ داہنی آنکھ کا نچلا حصہ بھی سوج کر نیلا ہو رہا تھا۔ سوجن کی وجہ سے اس کی داہنی آنکھ تقریباً بند ہوکر رہ گئی تھی۔ میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "مجھے تمہاری قابلِ رحم حالت دیکھ کر اس مردود پر سخت غصہ آرہا ہے۔"

"تم کس مردود کی بات کررہے ہو؟" میری بات سنتے ہی وہ بھڑک اٹھا "ہم دونوں غلط فہمی میں ایک دوسرے سے لڑپڑے تھے۔ صبح سے یہ بات دُہرا دُہرا کر میرے جبڑوں میں درد ہونے لگا ہے۔"

میں نے تفہیمی انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا "ہونا ہی چاہئے..... تمہارے جبڑے پر بھی سخت چوٹیں آئی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگوں میں خواہ مخواہ شیخیاں بگھارتا پھر رہا ہے....."

اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی برس پڑا "تم بار بار کس کا ذکر کررہے ہو؟ وہ ہمارے بارے میں کیا بکواس کرتا پھر رہا ہے؟"

"پیٹر! کھوپڑی ٹھنڈی رکھو!" ایلین نے سرد لہجے میں اسے انگریزی میں تنبیہہ کی "شور مچا کر بلاوجہ خود کو تماشا نہ بناؤ بلکہ یہ جاننے کی کوشش کرو کہ ڈینی کیا کہہ رہا ہے۔"

"میرا نام ڈینی نہیں' تنویر ہے۔" میں نے اس بار انگریزی ہی میں احتجاج کیا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھو بیٹھو!" پیٹر میرا ہاتھ تھام کر اضطراری لہجے میں بولا "مجھے یہ بتاؤ کہ تم کس کی بات کررہے تھے؟"

"روشن خان کہتا پھر رہا ہے کہ اس نے تم دونوں کی ٹھکائی کی ہے۔" میں نے سادگی سے کہہ ڈالا۔

"وہ پکا باسٹرڈ ہے۔" ایلین دانت پیس کر غرّایا "یہ درست ہے کہ اس کے اور ہمارے درمیان غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی لیکن ہم نے اسے اس بات کی تشہیر سے منع کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہرزہ سرائی کے شوق میں وہ اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکا۔"

"اس کتیا کے پلّے نے تم سے اور کیا کہا ہے؟" پیٹر نے غصّے سے مٹھیاں بھینچ کر پوچھا۔

"اس نے مجھ سے تو کچھ بھی نہیں کہا۔" میں نے ان سے اعتراف کراتے ہی پھرتی سے بات بدل دی "میں سنی سنائی بات دُہرا رہا تھا۔ دو بیرے تمہارے اور روشن خان کے جھگڑے کی باتیں کررہے تھے وہ میرے کان میں پڑ گئی تھیں۔"

پیٹر کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ وہ غصّے سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا "میں روشن خان کو بتاؤں گا کہ تم اس پر وعدہ خلافی کا الزام لگاتے پھر رہے ہو' وہ خود ہی تم سے نمٹ لے گا۔ وہ بہت غصیل اور طاقتور آدمی ہے۔ تمہاری ہڈیاں توڑ کر رکھ دے گا۔"

"اس کے غصّے اور طاقت کا اندازہ تو تمہاری بگڑی ہوئی صورتوں سے ہو رہا ہے۔" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا "لیکن تم اسے میرے خلاف بھڑکانے میں کامیاب نہیں ہوسکو گے۔ میں اس سے کہہ دوں گا کہ کیسٹ ریکارڈر پر ہونے والے جھگڑے کے بارے میں تم نے خود ہی مجھے بتایا تھا اور اب روشن خان سے بدلہ لینے کے لئے اسے ہم لوگوں سے لڑوانا چاہتے ہو....."

میری زبان سے کیسٹ ریکارڈر کا نام سنتے ہی وہ یوں اچھل پڑے جیسے انہیں کوئی برقی جھٹکا لگا ہو پھر ایلین نے میری طرف جھک کر خوشامدانہ لہجے میں پوچھا "سچ سچ بتاؤ کہ تمہیں کیسٹ ریکارڈ کے بارے میں کس نے بتایا؟"

"بے سود ہے۔" میں نے منہ بنا کر کہا "اگر میں کہوں کہ میں نے یہ بات بھی ان بیروں سے سنی تھی تو تم اعتبار نہیں کرو گے۔"

"کیسٹ ریکارڈر کا معاملہ بہت خفیہ تھا۔" وہ بولا "اس کا حوالہ دے کر تم نے ثابت کردیا ہے کہ تم جھوٹ نہیں بول رہے۔ روشن خان نے یقیناً ہم سے بدعہدی کی ہے۔ کیا تم ان بیروں کو شناخت کرسکتے ہو جو اس بارے میں باتیں کررہے تھے؟"

"مشکل ہوگا لیکن ناممکن نہیں ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "تم انہیں پہچان بھی لو تو کیا کرلو گے؟"

وہ سوچ میں پڑ گیا اور قدرے توقف کے بعد بولا "تم ٹھیک کہ

رہے ہو۔ کیا تمہیں اس کیسٹ ریکارڈر کی نوعیت کے بارے میں کوئی بات معلوم ہوئی تھی؟"

میں نے سختی سے انکار میں سرہلادیا "میرا اندازہ تھا کہ روشن کا کوئی قیمتی کیسٹ ریکارڈر چوری ہوگیا ہے جس کے بارے میں وہ تم دونوں پر شبہ کررہا ہے۔ جنگ سے اکتائے ہوئے افغان گانے سننے کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔"

میری طرف سے لاعلمی کے اظہار پر ان دونوں کے چہروں سے اطمینان جھلکنے لگا پھر ایلن بولا "رات کو مارکٹائی کے بعد ہم نے اسے اپنے تھیلوں کی تلاشی تک دے ڈالی تھی اور ہمارے درمیان سمجھوتا ہوگیا تھا کہ باہمی اختلاف کی کہانی زبان پر نہیں لائیں گے مگر یہ افغان بالکل ناقابلِ اعتماد ہوتے ہیں۔ دیکھ لو کہ اس نے بات پھیلا ہی دی۔ اب تم اس بات کا چرچا نہ کرنا۔ ہمارے درمیان دوبارہ کوئی بدمزگی پیدا ہوئی تو وہ طورخم کے بجائے بیغا سرائے کی طرف چل دے گا اور ہمیں بھاری مالی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ مسافر بھی اپنے وقت کی بربادی پر ہنگامہ کھڑا کردیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔" میں نے دوستانہ لہجے میں کہا "ہمیں بھی سرحد پار پہنچنے کی عجلت ہے۔ میں اپنی زبان بند رکھوں گا لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ اس کیسٹ ریکارڈر میں کیا خاص بات تھی کہ اس کے لئے روشن خان لڑنے مرنے پر آمادہ ہوگیا۔"

"رات کو روشن خان کے آنے تک ہمیں اس قصّے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔" چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد ایلن بتانے لگا "بات ریکارڈر کی نہیں، اس کیسٹ کی تھی جو اس میں موجود تھا۔ روشن خان کا دعویٰ تھا کہ اس کیسٹ میں اہم معلومات تھیں جو ہمارے لئے بیش قیمت ثابت ہوسکتی تھیں۔ وہ بھاری معاوضہ لے کر وہ کیسٹ ہمیں فروخت کرنا چاہتا تھا۔ پھر وہ کیسٹ اپنے ریکارڈر سمیت غائب ہوگیا۔ کسی وجہ سے روشن خان کو وہم ہوگیا کہ ہم نے موقع پاکر وہ کیسٹ چرالیا ہے اور وہ ہم سے لڑنے کے لئے آپہنچا۔ وہ اپنے مفروضہ نقصان پر آتش زیرپا ہورہا تھا، ہم نے بھی اس کی خاصی درگت بنائی تھی۔"

اس نے پوری کتھا بتاتے ہوئے یہ بات بہت خوب صورتی سے چھپالی تھی کہ اس کیسٹ میں ہم لوگوں کی آوازیں محفوظ کی گئی تھیں۔ میں نے بھی اس بارے میں کسی تجسس کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ ان سے جھگڑے کے حقائق کا اعتراف کرالوں اور میں اپنی اس کوشش میں پوری طرح کامیاب رہا تھا۔ میں اپنی میز پر لوٹ آیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم بس میں سوار ہونے کے لئے اٹھے تو ویرا بدستور یہ جاننے پر مصر تھی کہ ایلن اور پیٹر سے میری کیا گفتگو ہوتی رہی تھی لیکن میں نے مسلسل چپ سادھ رکھی تھی۔ میں اسے نہیں بتانا چاہ رہا تھا کہ ان دونوں نے مجھ سے کیا اعترافات کئے تھے۔ راستے کی چھیڑ چھاڑ کے لئے وہ موضوع خاصا دلچسپ ثابت ہوسکتا تھا۔

باہر کوسٹر کا انجن اسٹارٹ تھا۔ ہوٹل کے سامنے والی فٹ پاتھ پر جمے ہوئے خون کا ایک بہت بڑا دھبّا دور ہی سے نمایاں نظر آرہا تھا۔ شاید رات کو مارے جانے والے بیرے کی لاش وہاں سے اٹھالی گئی تھی اور راہ گیر احتراماً فٹ پاتھ کے اس خون آلود حصے سے بچ کر گزر رہے تھے۔ روشن خان اپنی کوسٹر کی اوٹ میں 'اگلے بمپر پر ٹکائے چند مقامیوں کے ساتھ باتیں کررہا تھا۔ میرے لئے دلچسپ بات یہ تھی کہ اس کے چہرے پر بھی کئی خراشیں نظر آرہی تھیں۔ مار کھانے کے بعد گو اس کے خدوخال بگڑے نہیں تھے مگر وہ بالکل ہی محفوظ و مامون نہیں رہا تھا۔ گوروں نے اپنی جسمانی کمتری کے باوجود اسے چرکے لگائے تھے۔

ویرا نے روشن خان کو کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا لیکن بالکل انجان بنی رہی۔ میں اس کی مکاری پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ چند منٹ بعد سفر کا آغاز ہوتا تو وہ اپنی اداکاری جاری نہیں رکھ سکتی تھی۔

ہوٹل کے سامنے والی سڑک کی حالت بہت ابتر تھی لیکن اس میں تازہ ادھڑی ہوئی وہ پٹیاں نمایاں تھیں جو پچھلی رات گشت پر نکلنے والے ٹینک کی چوڑی چوڑی آہنی زنجیروں نے بنائی تھیں۔ مسافروں کی گنتی کے بعد ایلن نے ڈرائیور کو آواز دی۔ وہ اپنی نشست پر آیا اور کوسٹر نے رینگتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

میری اور ویرا کی نظریں چار ہوئیں تو میں اپنی بے ساختہ مسکراہٹ پر قابو نہیں رکھ سکا۔

"بلاوجہ اترانے کی ضرورت نہیں۔" وہ کسی تمہید کے بغیر غرّائی "آدمی مسلسل قیاس آرائیاں کرتا رہے تو ہزار میں سے ایک آدھ بات درست نکل ہی آتی ہے۔ اپنی الل ٹپ باتوں پر تم کوئی کریڈٹ نہیں لے سکتے۔"

ایلن نے اپنی عینک کو مجروح ناک کے سرے پر سرکا کر بغور میری طرف دیکھا اور حیرت سے بولا "کمال ہے تم دونوں میں تکرار ہورہی ہے' میرا خیال تھا کہ تم چاروں آنکھیں بند کرکے ایک دوسرے کی تائید کرنے کے عادی ہو۔"

"تکرار دوطرفہ ہوتی ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میں خاموش ہوں اور ویرا بول رہی ہے۔ اردو میں اسے تکرار نہیں' ڈانٹ پھٹکار کہتے ہیں۔ ہماری طرف کے مرد ایسی باتیں سننے کے عادی ہوتے ہیں۔"

وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنا سر جھٹک کر رہ گیا۔ اسی وقت پیٹر ڈرائیور سے مخاطب ہوا "ذرا کوسٹر اس طرف سے نکال لو۔ جدھر پچھلی رات بم پھٹا تھا' سب لوگ اپنی آنکھوں سے تباہی کا منظر دیکھ لیں گے۔"

ڈرائیور نے مڑکر اس کی طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا۔

"ارے' تمہارے چہرے پر چوٹوں کے نشان کیسے ہیں؟" ویرا کو ڈرائیور سے سوال کرنے کا موقع مل گیا۔

"معمولی چوٹیں ہیں۔" ڈرائیور بادل ناخواستہ بولا "اندھیرے میں سیڑھیوں پر سے پھسل گیا تھا۔"

"خدا رحم کرے۔ پچھلی رات کے اندھیرے میں عجیب اتفاقات رونما ہوئے ہیں۔" ویرا خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی "دو آپس میں لڑ پڑے، تیسرا سیڑھیوں پر سے پھسل گیا۔ چوتھا فوجیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اب دیکھو کس کی باری آتی ہے۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ کوسٹر چلتی رہی۔ پیٹر کی ہدایت کے بعد اس کا رخ گلیوں اور نسبتاً تنگ سڑکوں کی طرف تھا۔ ان راستوں پر جابجا مقامیوں کی ٹولیاں جمع تھیں۔ لوگ جنگ و جدل کے سائے میں زندگی گزارنے کے باوجود، اچانک رونما ہونے والی تخریبی اور دہشت گردی کی کارروائیوں کے عادی نہیں ہوسکے تھے اور غالباً پچھلی رات کے دھماکے پر اپنے ردعمل کا اظہار کررہے تھے۔

آخر کار کوسٹر ایک چوڑی سڑک پر پہنچی تو آگے راستہ بند تھا۔ وہاں فوجی گاڑیاں کھڑی کردی گئی تھیں اور مسلح فوجیوں کی بھاری نفری پہرے پر مامور تھی۔ اس بند راستے سے آگے متعدد عمارات کے درمیان ایک گری ہوئی عمارت کا ملبہ نظر آرہا تھا جس کے کئی حصوں سے دھوئیں کے گہرے بادل اڈ رہے تھے۔

کوسٹر تیزی سے داہنی طرف گھوم گئی۔ ہمیں تباہ شدہ عمارت کا گہرا جائزہ لینے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ کوسٹر کا رخ بدلتے ہی تباہ شدہ عمارت دوسری تعمیرات کی اوٹ میں چھپ گئی۔

"منیجر ٹھیک کہہ رہا تھا۔" ایلن نے انگریزی میں مجھے آگاہ کیا "آج کے کابل ٹائمز نے رات کے دھماکے کی تفصیلی خبر چھاپی ہے۔ بم سے فرینڈشپ ہاؤس کا مرکزی بلاک مکمل طور پر تباہ ہوا ہے۔ سرکاری طور پر کسی جانی نقصان کا اعتراف نہیں کیا گیا لیکن عینی شاہدین کے مطابق کم از کم دو سو روسی فوجی جو اس بلاک میں مقیم تھے، ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں۔ رات بھر ایمبولینسیں خاموشی سے زخمیوں اور لاشوں کو ڈھوتی رہیں۔ فرینڈشپ ہاؤس کے احاطے سے ملحق گرڈ اسٹیشن کی تنصیبات تباہ ہوئی ہیں اور اس سے منسلک سات سب اسٹیشن بند ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے آدھا جلال آباد تاریک پڑا ہوا ہے۔"

ایلن کی زبانی وہ تفصیلات سن کر مجھے اپنے اوپر غصہ آیا کہ میں نے خود کسی اخبار کے حصول کی کوشش کیوں نہیں کی۔ ہم اس شہر میں مسافر اور رات بھر کے مہمان تھے اس لئے لاشعوری طور پر ہم مقامی حالات سے کوئی جذباتی وابستگی نہیں رکھتے تھے اسی وجہ سے کسی نے اخبارات وغیرہ کے حصول کی کوشش نہیں کی تھی۔ زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ کوسٹر کے کسی بھی مسافر کے پاس کوئی اخبار نظر نہیں آرہا تھا۔ دوسرے مسافروں کا ردعمل بھی ہم سے ملتا جلتا ہی تھا۔

"دھماکے کے بعد روسیوں کی پھیلائی ہوئی دہشت گردی کے بارے میں کابل ٹائمز کی کیا رائے ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ اخبار نے چشم دید گواہوں کے حوالے سے دو سو روسی فوجیوں کے ہلاک یا مجروح ہونے کا ذکر کردیا ورنہ میں نے سنا ہے کہ روسی اپنی ناکامیوں کی ہر خبر کو سختی سے دبا دیتے ہیں تاکہ ان کے فوجیوں کا مورال بلند رہے۔ کسی اعلیٰ مقصد کے بغیر لڑنے والوں میں یہی کمزوری ہوتی ہے کہ وہ ناگہانی موت سے خوف زدہ رہتے ہیں۔" ایلن نے اطمینان سے کہا "مجھے اس سرزمین پر روسیوں کا انجام زیادہ خوشگوار نظر نہیں آتا۔"

"ان کا انجام جو بھی ہو، یہاں رہنے والے برسوں اپنے زخموں کو سہلاتے رہیں گے۔" میں نے کہا۔

"ہاتھیوں کی لڑائی میں حصہ لینے والے مینڈک اسی طرح پسا کرتے ہیں۔" ایلن نے بے نیازی سے جواب دیا "افغانوں نے روس کے خلاف، امریکیوں کو اپنی زمین استعمال کرنے کی اجازت دے کر ایک لمبی تباہی کو دعوت دی ہے۔"

"لیکن مجھے تو ابھی تک یہاں کوئی امریکی نظر نہیں آیا۔" ویرا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"یہاں امریکی فوج نہیں، ان کا سرمایہ اور ہتھیار لڑ رہے ہیں۔" سیاست پر ایلن کی گہری نظر تھی "امریکی ایجنٹ یہاں امدادی اور رفاہی تنظیموں کی آڑ میں جنگ کو کنٹرول کررہے ہیں۔ جنگی زخمیوں کی دیکھ بھال کے ہر یونٹ میں بظاہر بے ضرر سے دو چار امریکی مشنری نظر آئیں گے لیکن درحقیقت وہ سب پنٹاگون یا سی آئی اے کے تنخواہ دار ہیں۔"

"سیاست کے علاوہ کوئی اور بات کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اپنے زخموں کو کریدنے سے اذیت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ دیکھو، ہماری داہنی سمت پر کس قدر حسین اور سرسبز باغ ہے۔ جلال آباد والے خوش نصیب ہیں کہ جنگ نے ابھی تک ان کے خوب صورت باغوں کو نہیں اجاڑا ہے۔ مایوسی کے گھور اندھیرے میں زندہ رہنے کے لئے انسان کو امید کی ہر کرن کی طرف لپکنا چاہئے بالکل اسی طرح جیسے ہم پچھلی رات موم بتیوں پر جھپٹ رہے تھے۔"

"اب امید کا نام لیتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ ویرا فوراً نویں مہینے کا حوالہ دے بیٹھے گی۔" ایلن میرے اعتراض پر بے مزہ ہونے کے بجائے، خوش طبعی کے مظاہرے پر مائل ہوگیا۔ پیٹر اپنی جگہ چھوڑ کر ڈرائیور اور کلینر کے قریب انجن کے ڈھکنے پر جا بیٹھا تھا۔

میری معلومات کے مطابق جلال آباد سے طورخم تک کا راستہ بہت خطرناک تھا نہ زیادہ طویل۔ میرے لئے یہ بات ناقابلِ فہم تھی کہ سو میل سے بھی کم مسافت طے کرنے کے لئے ہم بارہ بجے کیوں نکل کھڑے ہوئے تھے جب کہ سرحد عبور کرنے کے لئے ہمیں ہرحال میں اندھیرا گہرا ہونے کا انتظار کرنا تھا۔ میں نے یہی سوال کیا تو ایلن نے بتایا کہ طورخم جلال آباد شاہراہ پر جب رسد کے قافلے رواں ہوتے ہیں تو روسیوں سے لڑنے والے گوریلوں کے دستے اس سڑک کو بالکل بند کردیتے ہیں اور اس راستے پر سفر کرنے

والی گاڑیوں کو گھنٹوں سڑک سے نیچے رہ کر انتظار کرنا پڑتا ہے۔
ایسی کسی ناگہانی صورت حال سے نمٹنے کے لئے وقت کی گنجائش ضروری تھی۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ شاہراہ بہت دشوار گزار نہیں تھی لیکن پھر بھی پہاڑی راستوں پر متعدد کھائیاں اور خطرناک موڑ ہونے کی وجہ سے سفر کی وہ رفتار رکھنی ممکن نہیں تھی جو ہموار میدانی راستوں پر ہوتی ہے۔

جلال آباد سے نکلتے ہی بھوری پہاڑیاں ہمارے سامنے تھیں۔ اس لہراتی اور بل کھاتی ہوئی سیاہ سڑک پر مزید چند میل کے سفر کے بعد ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس راستے پر بے فکری اور تیز رفتاری سے ڈرائیونگ ممکن نہیں تھی۔

ڈیڑھ بجے کے قریب جب سڑک پر دور دور تک ہماری کوسٹر کے علاوہ کوئی اور گاڑی نظر نہیں آرہی تھی' اچانک فضا میں سائرن کی آواز سنائی دینے لگی جو تیزی سے قریب آتی جارہی تھی۔

"بس مارے گئے۔ اب مصیبت آنے والی ہے۔" ڈرائیور اونچی آواز میں بڑبڑایا۔

دیکھتے ہی دیکھتے مخالف سمت سے دو گاڑیاں' ایک دوسرے کے برابر میں آتی ہوئی نظر آئیں۔ ان کی رفتار اتنی تیز تھی کہ چند ہی لمحوں میں ان کی ساخت واضح ہوگئی۔ وہ کھلی ہوئی فوجی جیپیں تھیں جن پر مشین گنیں نصب تھیں۔ دونوں جیپوں پر سرخ رنگ کی روشنی گردش کررہی تھی۔ ان ہی میں سے کسی جیپ کا سائرن بج رہا تھا۔ دونوں جیپوں پر بہت سے مسلح افراد لدے ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر گول' چترالی ٹوپیاں تھیں اور ان کی لمبی لمبی قمیصوں کے دامن ہوا میں تیزی سے پھڑپھڑا رہے تھے۔ ان جیپوں نے سڑک کی پوری چوڑائی کو جس طرح گھیرا ہوا تھا اس سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ لوگ سڑک کو خالی کرانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ہماری کوسٹر کو دیکھتے ہی جیپ کے مسلح سواروں نے رائفلیں لہرا لہرا کر کوسٹر کو سڑک سے نیچے اتارنے کے اشارے کرنے شروع کردیئے۔ اس وقت کوسٹر ایک گہری کھائی کے کنارے سے گزر رہی تھی۔ دوسری طرف ناہموار اور پتھریلا میدان تھا۔ دونوں جیپیں برق رفتاری سے ہمارے سروں پر چلی آرہی تھیں۔ ہمارے ڈرائیور نے کوسٹر کی رفتار کم کرکے اسے پتھریلے میدان میں اتار لیا۔ تیز جھٹکوں سے کوسٹر کے سارے مسافر بری طرح ہل کر رہ گئے۔

ہمارے ڈرائیور نے بریک لگائے ہی تھے کہ وہ دونوں' چنگھاڑتی ہوئی جیپیں زناٹے کے ساتھ ہمارے قریب سے گزر گئیں۔ جیپ پر سوار مسلح افراد وحشیانہ انداز میں چیخ رہے تھے۔ ان میں سے کسی زیادہ جوشیلے شخص نے ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے ایک فائر بھی کیا جس کی سمت کا شاید اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا۔

خاص بات یہ تھی کہ ان جیپوں پر کوئی باوردی شخص سوار نہیں تھا۔ سب لوگ بھانت بھانت کے شہری لباسوں میں تھے مگر ان کے تیور ان کے خطرناک جنگی عزائم کی عکاسی کررہے تھے۔

وہ جیپیں جتنی تیزی سے نمودار ہوئیں' اتنی ہی تیزی سے پیچھے غائب بھی ہوگئیں۔

"وہ لوگ جاچکے ہیں۔ کچھ اور فاصلہ طے کرڈالو۔ شاید انتظار کرنے کے لئے آگے کوئی بہتر جگہ مل جائے۔" میں نے ڈرائیور سے مخاطب ہوکر کہا اور وہ اس انداز میں میری طرف دیکھنے لگا جیسے میں نے کوئی مضحکہ خیز بات کہہ دی ہو۔

"ایمرجنسی اسکواڈ گزرنے کے بعد کوئی گاڑی سڑک پر نہیں آسکتی۔" چند ثانیوں بعد وہ ناصحانہ لہجے میں بتانے لگا "جب تک کانوائے کے آخر میں چلنے والی فیلڈ وین نہیں گزر جاتی ہمیں سڑک سے نیچے رہ کر انتظار کرنا ہوگا۔"

"یہ فیلڈ وین کیا ہوتی ہے؟" یہ سوال ایلن نے کیا تھا۔ اس شاہراہ پر سفر کے ضابطوں سے وہ بھی میری ہی طرح لاعلم معلوم ہورہا تھا "کیا اس کی کوئی خاص نشانی ہوتی ہے؟"

"وہ کوئی بھی وین' جیپ یا گاڑی ہوسکتی ہے۔ اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ اس پر سفید پرچم لہرا رہا ہوتا ہے اور سبز روشنی گھوم رہی ہوتی ہے۔ اس کے گزرتے ہی راستہ کھل جاتا ہے۔" ڈرائیور نے بتایا۔

"اور فیلڈ وین رسد کے قافلے کے پیچھے چلتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ضروری نہیں کہ وہ رسد یا کمک ہی ہو۔" ڈرائیور نے بے پروائی سے کہا "فیلڈ وین ہر اس کانوائے کے پیچھے چلتی ہے جس کے لئے راستے بند کرائے جاتے ہیں۔ ان علاقوں میں تو ویسے بھی حکومت کے باغیوں کا زور ہے۔"

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ کوسٹر کے مسافروں میں بے چینی کی لہر سرایت کرتی رہی۔ متعدد مرد نیچے اتر گئے۔ لوگوں نے ہر طرح سے ڈرائیور کو اکسانے کی کوشش کرڈالی لیکن وہ کسی بھی قیمت پر سفر جاری رکھنے پر آمادہ نہیں ہوا۔

کافی دیر گزرنے کے بعد جلال آباد کی سمت سے ایک گاڑی آتی ہوئی نظر آئی۔ اس پر کوئی روشنی نصب نہیں تھی' نہ سائرن بج رہا تھا لیکن قریب آنے پر وہ بھی مشین گن سے لیس' کھلی ہوئی جیپ ثابت ہوئی۔ اس پر صرف چار مسلح افراد تھے اور جیپ کے پیچھے کئی گز اونچا ریڈیو انٹینا لہرا رہا تھا۔ ڈرائیور کے برابر میں بیٹھے ہوئے شخص نے ہیڈ فون پہنا ہوا تھا اور اس کے ہونٹ مسلسل ہل رہے تھے۔

"یہ بھی ان ہی کے ساتھی ہیں اور سڑک کا جائزہ لینے کے لئے نکلے ہوئے ہیں۔" ڈرائیور نے ویرا کے استفسار پر بتایا "اصل کانوائے کے گزرنے تک ایسی گاڑیاں آتی جاتی رہیں گی' اس وقت پوری سڑک پر صرف ان ہی لوگوں کا راج ہے۔ کوئی اور سڑک پر پھٹکنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔"

ہم لوگ باتیں کرہی رہے تھے کہ اچانک لوگوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ پلٹ کر دیکھا تو آگے نکل جانے والی جیپ رکنے کے

بعد واپس گھوم رہی تھی۔ سمت بدلنے کے بعد جیپ نے رفتار پکڑی اور ہمارے قریب آکر سڑک پر ہی تھم گئی۔ اس کا انجن چلتا رہا۔ ڈرائیور کے ساتھ' ہیڈ فون والا بھی اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ وہ ہیڈ فون سے اپنے دہانے کے سامنے آئے ہوئے ماؤتھ پیس میں وقفے وقفے سے بولتا جارہا تھا۔ بقیہ دو آدمی اپنی رائفلوں سمیت نیچے کود آئے۔

روشن خان ان کی پیشوائی کے لئے سڑک کی طرف بڑھ گیا۔ ان دونوں نے روشن خان سے ہاتھ ملائے اور چند ثانیوں تک وہیں رک کر اس سے کچھ پوچھ گچھ کرتے رہے پھر کوسٹر کی طرف بڑھ آئے۔

انہوں نے گہری اور عقابی نظروں سے ایک ایک مسافر کا جائزہ لیا۔ افغان مسافروں نے ان سے کچھ گفتگو بھی کرنی چاہی لیکن وہ خشک لہجے میں مختصر جواب دے کر کوسٹر میں گھس گئے۔ اس وقت کوسٹر میں صرف عورتیں رہ گئی تھیں۔ سارے مرد نیچے اترے ہوئے تھے۔ اپنا اطمینان کرنے کے بعد وہ سادہ پوش کسی سے کچھ کہے بغیر جیپ کی طرف لوٹ گئے۔

ان کے سوار ہوتے ہی جیپ نے تیزی سے خطرناک یوٹرن لیا اور دوبارہ طورخم کی سمت میں روانہ ہوگئی۔

میں دل ہی دل میں ان لوگوں کی چالاکی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ مسافروں کے بھیس میں ان کے مخالف کیمپ کے تخریب کار بھی ہوسکتے تھے جو اپنی جانوں پر کھیل کر ان کے کانوائے کو نیست ونابود کر ڈالتے۔ وہ خطرے کے ہر امکان کی دیکھ بھال کرنے کے عادی تھے اور شاید اسی لئے کامیابی سے جنگ کو طول دیتے چلے جارہے تھے۔

وقت گزرتا چلا گیا۔ متعدد گاڑیاں آئیں اور گزر گئیں لیکن کارواں نہ آیا۔ ڈرائیور نے سب کو تسلی دی کہ نامساعد حالات میں ایسی تاخیر ہوتی ہی رہتی تھی۔ کبھی کبھار پورا پورا دن اسی انتظار میں کٹ جاتا تھا۔ ان دنوں وہ کوئی نئی بات نہیں تھی اس لئے سب کو صبر سے کام لینا چاہئے تھا۔

راہوارِ مشرق اپنے دن بھر کے سفر سے تھک ہار کر آسمان کے مغربی گوشوں کی طرف جھکتا جارہا تھا۔ چمکیلی دھوپ میں زردی کا رچاؤ بڑھنے لگا تھا کہ فضا میں کسی ہیلی کاپٹر کی گونج سنائی دی پھر وہ دیو ہیکل مشینی پرندہ ہماری نظروں میں بھی آگیا۔ وہ سڑک کے ساتھ ساتھ خاصی کم بلندی پر پرواز کررہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس کی بلندی صرف اتنی رکھی گئی تھی کہ اسے زمین سے کسی رائفل کا نشانہ نہ بنایا جاسکے۔

وہ ہیلی کاپٹر طورخم کی طرف سے نمودار ہوکر جلال آباد کی سمت میں غائب ہوگیا۔

میں روشن خان کی دور اندیشی کا قائل ہوگیا۔ اتنی کڑی دیکھ بھال میں کوئی فاترالعقل شخص ہی ان مسلح جتھوں کے نافذ کئے ہوئے ضابطوں کی خلاف ورزی کی ہمت کرسکتا تھا۔

ہم چاروں دوسرے مسافروں سے الگ ہوکر' بڑے بڑے پتھروں پر جا بیٹھے۔

"اچھا ہی ہوا کہ ہم بارہ بجے چل پڑے تھے۔" سلطان شا[illegible] تھکی ہوئی آواز میں کہا "ہم دن کے اجالے میں تو صرف [illegible] سفر طے کرچکے ہیں' اب بقیہ سفر طے کرنے کے بعد ہم سرحد [illegible] کرنے تک کہیں نہیں رکیں گے۔"

"دعا کرو کہ آج کی تاریخ میں سفر کا باقی حصہ پورا کر[illegible] نوبت آسکے" ویرا کی آواز سے بھی اضمحلال جھلک رہا تھا "[illegible] ہوتا ہے کہ ادھر سے کوئی بہت اہم یا بڑا کانوائے آنے والا ہے"

"تم کدھر کی بات کررہی ہو؟" غزالہ نے سوال کیا۔ وہ [illegible] طرح چاق وچوبند نظر آرہی تھی۔

"ظاہر ہے کہ لڑنے والوں کے لئے ہتھیار اور بیشتر امد[illegible] سامان طورخم کے راستے ہی آتا ہے۔" ویرا بولی۔

"یہ تمہارا اندازہ ہے ورنہ ہوسکتا ہے کہ آج جلال آبا[illegible] سمت سے کوئی کارواں سرحد کی طرف جارہا ہو۔"

"ہونے کو تو کچھ بھی ہوسکتا ہے لیکن جلال آباد سے پاکس[illegible] کے لئے کیا بھیجا جاسکتا ہے؟"

میں خاموشی سے ان دونوں کی بحث سے لطف اندوز ہو[illegible] ہوئے' سگریٹ کے کش لگاتا رہا۔

"تم بھول رہی ہو کہ روسیوں سے چھینے ہوئے ہتھیاروں [illegible] ذخائر کی پاکستان میں بہت مانگ ہے۔" غزالہ نے معنی خیز لہجے [illegible] کہا "روسیوں سے چھینے ہوئے ہتھیاروں کے لئے جنگی سا[illegible] میگزین حاصل کرنا آسان نہیں ہوگا جب کہ بارودی میگزین [illegible] ہر ہتھیار لوہے کے ایک معمولی ٹکڑے کی طرح حقیر ہوتا [illegible] تھوڑے بہت میگزین کے ساتھ یہ ہتھیار آسانی سے پاکستان [illegible] چور بازاروں میں کھپ جاتے ہیں۔ انہیں اپنے لئے وافر مقدار [illegible] امریکی ہتھیار اور میگزین ملتے رہتے ہیں۔"

"تم بہت دور کی کوڑی لائی ہو۔" ویرا بولی "میں نے سیکڑ[illegible] جنگی واقعات پڑھے ہیں جن میں پسپائی کے وقت ہوشیار کمانڈرا[illegible] توپیں اور ٹینک تو چھوڑ دیتے ہیں لیکن گولہ بارود اور میگزین [illegible] ذخائر کو تباہ کردیتے ہیں۔ اپنے کیلیبر کے گولے کے بغیر دنیا کی توپ لوہے کا انبار بن کر رہ جاتی ہے۔ تم نے ایک جملے سے م[illegible] آنکھیں کھول دی ہیں۔"

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ شراب کے علاوہ کوئی فقرہ [illegible] تمہاری آنکھیں کھول سکتا ہے۔" سلطان شاہ اچانک بول پڑا "[illegible] نے آج کا پورا دن شراب کے فاقے میں گزارا ہے۔ اصولاً تمہ[illegible] اس وقت اتنا غلیل ہونا چاہئے تھا۔"

"یہی میرا کمال ہے کہ میں بلانوش ہونے کے باوجود الکحل [illegible] عادی نہیں ہوں۔" ویرا نے فخر سے کہا "ملے تو روز دل کھول کر [illegible] ہوں' نہ ملے تو مجھے ہفتوں بھی پروا نہ ہوگی۔ عادی شرابیوں سے [illegible] سخت نفرت ہے۔"

"اتفاق سے بڑے بھائی کا بھی یہی حال ہے۔" سلطان شاہ۔

میری طرف اشارہ کرتے ہوئے تمسخرانہ لہجے میں کہا "خود ہی دیکھ لو کہ کتنے اطمینان سے سوکھی سگریٹ چوسے جا رہے ہیں۔"

ذہن بوجھل ہونے کے باوجود سب ہی بے ساختہ ہنسنے پر مجبور ہو گئے۔

سورج اپنے آخری سانسوں پر تھا کہ فضا میں فوجی ٹرکوں کے انجنوں کی بھاری اور مخصوص گڑگڑاہٹ گونجنے لگی۔ میں غیرارادی طور پر اپنے پتھر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ فضا پر کان لگانے سے اندازہ ہوا کہ متعدد ٹرکوں کی وہ دھیمی آوازیں جلال آباد کی سمت سے ہماری طرف بڑھی چلی آ رہی تھیں۔

کچھ دیر کے انتظار کے بعد وہ کارواں قریب آ گیا۔ سب سے آگے آنے والی جیپ پر ایک دو سار رائفل نصب تھی۔ جیپ پر ڈرائیور کے علاوہ چار ہتھیار بند سادہ پوش فائرنگ کی پوزیشن لئے کھڑے تھے۔ جیپ کے پیچھے مہیب آہنی باڈیوں والے' چار اونچے فوجی ٹرک قطار میں چلے آ رہے تھے۔ آخر میں ایک کھلا ہوا فوجی ٹرک تھا جس کی آہنی باڑھ کے تین اطراف میں متعدد افراد اپنی رائفلیں تانے' تیار بیٹھے ہوئے تھے۔ اگلی جیپ اور پچھلے ٹرک پر لاسلکی مواصلاتی آلات کے اونچے اونچے ایریل لہرا رہے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ روایتی فیلڈ وین کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

میں دوڑ کر روشن خان کے قریب پہنچا تو وہ پیٹر کو بتا رہا تھا "یہ اصل کارواں نہیں تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ موقع دیکھ کر اس کانوائے کو گزار دیا گیا ہے۔ جب تک فیلڈ وین نہیں آئے گی' سڑک بند رہے گی۔"

"تھوڑی ہی دیر میں اندھیرا پھیلنے لگے گا اور پتھریلی زمین سے حشرات الارض ابل پڑیں گے۔ ہمیں مزید کتنا انتظار کرنا ہو گا؟" میں نے مایوسانہ لہجے میں پوچھا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" وہ آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بولا اور پھر اپنی بولی میں ان متردّد افغانوں سے جو اس کے گرد جمع ہونے لگے تھے' مخاطب ہو گیا۔

کھلی فضا میں خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں اپنے ساتھیوں کو ہانک کر کوسٹر میں لے گیا۔

اندھیرا ہونے کے ساتھ ساتھ اس چٹیل پہاڑی ویرانے میں خنکی نے بڑھ کر ہلکی سی سردی کی صورت اختیار کر لی۔ یکے بعد دیگرے کوسٹر کے شیشے بند کئے جانے لگے پھر باہر ٹہلنے والے مسافر بھی اندر آ گئے۔ ڈرائیور نے عقبی حصے کی ایک اندرونی بتی روشن کر دی تاکہ مسافروں کو اپنی اشیا اور ساتھیوں کو پہچاننے میں دشواری نہ ہو۔

مزید ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اس دوران میں سڑک پر پُرہول سناٹا چھایا رہا۔ آخر کار پھر ویسی ہی آوازیں سنائی دینے لگیں جو چار ٹرکوں والے قافلے کے نمودار ہونے سے پہلے سنائی دی تھیں۔ اس بار آوازیں اس طرف سے آ رہی تھیں جدھر ہمیں سفر کرنا تھا۔

اس بار آوازیں زیادہ پُرشور تھیں۔ جب بہت سے طاقتور انجن یکساں رفتار سے چل رہے ہوں تو ان کی آواز میں خود بخود ایک ہیبت ناک گونج پیدا ہونے لگتی ہے' اس وقت بھی کچھ ایسی ہی صورتِ حال تھی۔

جلال آباد کی طرف جانے والے اس کارواں کی ترتیب بھی پچھلے کانوائے کی طرح تھی۔ اندھیرا گہرا ہو چکا تھا اس لئے صرف اگلی جیپ کے ہیڈ لیمپس روشن تھے۔ بقیہ بند ٹرکوں میں مکمل بلیک آؤٹ تھا۔ شاید ان کی روشنیوں کے تمام فیوز نکال لئے گئے تھے۔ ٹرکوں کے ڈرائیور محض اپنی بینائی کے سہارے ایک مستقل فاصلے سے اگلے ٹرک کے پیچھے چل رہے تھے۔ مجموعی طور پر اس کانوائے کی رفتار بہت تیز تھی۔

جیپ کے پیچھے چلنے والے آہنی ٹرکوں کی تعداد بیس تھی۔

ٹرکوں کی کمانیوں سے پیدا ہونے والی آوازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ٹرکوں پر ان کی گنجائش سے زیادہ بوجھ لدا ہوا تھا۔ آخر میں آنے والے کھلے ہوئے ٹرک کی داہنی' بائیں اور عقبی سمتوں میں متعدد ہیولے مورچہ بند تھے۔ یہ دیکھ کر میرا دل ڈوبنے لگا کہ اس کارواں کے پیچھے بھی فیلڈ وین نہیں تھی مگر پھر کچھ دور ہونے والے جھماکوں نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی۔

کھلے ہوئے ٹرک سے تقریباً ایک ڈیڑھ فرلانگ دور ایک اور گاڑی چلی آ رہی تھی۔ اس کی اگلی ہیڈ لائٹس بند تھیں کیونکہ ان کی وجہ سے پورا کانوائے روشنی میں نہا سکتا تھا۔ وہ گاڑی دھیمی پارکنگ لائٹس کی روشنی میں کانوائے کی رفتار سے سفر کر رہی تھی۔ اہم ترین بات یہ تھی کہ اس بند گاڑی کے عقب میں سبز روشنی گردش کر رہی تھی۔

بیس ٹرکوں پر مشتمل وہ کانوائے یقیناً بہت زیادہ اہم تھا جبھی اسے مکمل رازداری اور بلیک آؤٹ کے ساتھ نامعلوم منزل کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ ان ٹرکوں کو فیلڈ وین کی سبز گردشی روشنی کے انعکاس سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ بندوبست کیا گیا تھا کہ سبز روشنی فیلڈ وین کی چھت کے بجائے عقبی حصے پر نصب کی گئی تھی۔

فیلڈ وین ہمارے سامنے سے گزری تو سبز روشنی کے انعکاس میں اس کے بونٹ پر لہراتا ہوا سفید پرچم بھی نظر آ گیا۔

روشن خان نے انجن کے ہیٹر شاید پہلے ہی سے آن کئے ہوئے تھے۔ فیلڈ وین کے گزرتے ہی اس نے ایک مستانہ نعرہ مار کر سیلف لگایا اور کوسٹر کا ڈیزل انجن ایک ہچکی لے کر بیدار ہو گیا۔

کوسٹر پتھریلی زمین پر کسی مست خرام دوشیزہ کی طرح ہچکولے لیتی ہوئی سڑک پر آئی تو روشن خان جوش میں آ کر تیزی سے گیئر بدلتا چلا گیا اور جب کوسٹر آخری گیئر کی رفتار پر آئی تو گیئر بدلتے ہی کوسٹر کے ایکسیلیٹر پر اپنے پاؤں کا دباؤ بڑھاتا چلا گیا۔

مسافروں میں سے کسی نے اس کی تیز رفتاری پر اعتراض نہیں کیا۔ شاید سب ہی خوش تھے کہ روشن خان کسی فرمائش کے بغیر ان کے جذبات کو سمجھ رہا تھا۔

چار ٹرکوں پر مشتمل قافلے کو ہم سے آگے گئے ہوئے کافی وقت گزر چکا تھا لیکن پھر بھی میرے دل کے کسی گوشے میں یہ خواہش جاگ اٹھی کہ کاش ہم اس قافلے کے پیچھے پہنچ کر یہ جان سکیں کہ وہ کہاں جا رہا تھا۔

کوسٹر غراتی اور سڑک پر ہلکورے لیتی ہوئی آگے بڑھتی رہی اس کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں سیاہ سڑک دور تک ویران نظر آ رہی تھی۔ لوگ درست ہی کہتے تھے کہ سمجھدار افغان رات کے اندھیرے میں سنسان شاہراہوں پر سفر کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

○☆○

"ہالٹ" کی کرخت آواز سنتے ہی روشن خان نے پوری قوت سے کوسٹر کے بریک لگا دیے اور سارے مسافر اپنی نشستوں سے اچھل کر اگلی پشت گاہوں یا دوسروں پر جا پڑے۔ خوف سے کئی عورتوں کی چیخیں بھی نکل گئیں مگر روشن خان کی وہ کارروائی ناگزیر تھی۔ جب طورخم سے پہلے پڑنے والی چیک پوسٹ پر الین لین دین کے معاملات طے کر کے آیا تو روشن خان نے واضح الفاظ میں سب کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ ان پُرپیچ اور خطرناک پہاڑی چڑھائیوں میں' طورخم جانے والی پختہ سڑک کو چھوڑ کر ایک خفیہ کچے راستے سے سرحد کی طرف جائے گا۔ اس راستے پر غیر متوقع واقعات پیش آنے کے امکانات تھے مگر اس کی ہدایت تھی کہ کوئی بھی اہل کار کوئی حکم دے تو بے چون و چرا اس کی تعمیل کی جائے۔ افہام و تفہیم اور سودے بازی کے معاملات وہ خود سنبھالے گا۔

پتھریلی اور ناہموار پہاڑی ڈھلانوں پر کافی دیر تک چڑھنے اور اترنے کے بعد کوسٹر بمشکل ایک مسطح علاقے میں داخل ہوئی تھی کہ ہالٹ کی ایک تحکمانہ آواز نے سفر کا سلسلہ روک دیا۔ روشن خان نے صرف بریک ہی نہیں لگائے بلکہ روشنیاں گل کر کے انجن بھی بند کر دیا اور پھرتی سے نیچے اتر گیا۔

باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں کسی نے لمحہ بھر کے لئے اپنی ٹارچ چمکا کر کچھ کہا۔ جواب میں روشن خان کی آواز سنائی دی۔ سوال جواب کی زبان میری سمجھ سے باہر تھی مگر مجھے یہ جاننے کی خواہش ضرور تھی کہ اس وقت ہم افغان سرزمین پر ہی تھے یا سرحد پار کر چکے تھے۔ قیاس کہتا تھا کہ افغان نگہبان اپنا حصہ لئے بغیر پوری کوسٹر کو گزرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے اس لئے وہ پہلا سرحدی لین دین ان ہی کے ساتھ ہو سکتا تھا۔

روشن خان تقریباً آدھے گھنٹے تک باہر اندھیرے میں مذاکرات کرتا رہا۔ کوسٹر میں اضطراب آمیز سکوت چھایا ہوا تھا۔ میں بھی امید و بیم کے عالم میں تھا۔ پہلے سے سب کچھ طے ہوتا تو سرحد پار کر لینے کا پورا یقین ہوتا لیکن وہاں تو موقع پر ہی معاملات طے کئے جا رہے تھے۔ بات بن جانے کی صورت میں کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن بات بگڑنے پر رنگے ہاتھوں گرفتاری کا خطرہ میرے سر پر تلوار کی طرح منڈلا رہا تھا۔

خدا خدا کر کے روشن خان خوش و خرم واپس لوٹ آیا۔ اندھیرے میں کسی نے تیز وسل بجا کر کسی کو کوئی اشارہ دیا اور روشن خان نے کوسٹر کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اس بار اس نے ہیڈ لیمپس روشن کئے بغیر گاڑی آگے بڑھائی تھی اس لئے رفتار بہت سست تھی۔ پارکنگ لیمپس کی روشنی زیادہ دور تک کام نہیں کر رہی تھی۔

باہر پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں ہمیں سنسناتے ہوئے تاریک تر درختوں کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن روشن خان کچے راستے پر اسٹیئرنگ وھیل کو دائیں بائیں گھما کر یوں ڈرائیونگ کر رہا تھا جیسے اس علاقے کا چپا چپا اس کا دیکھا بھالا ہو۔ ڈیش بورڈ کی رنگ برنگی روشنیوں کے مدھم انعکاس میں اس کا چہرہ پُراعتماد لگ رہا تھا۔

"اب ہم افغانستان سے نکل کر آزاد پٹی میں آ گئے ہیں۔" چند منٹ بعد روشن خان نے وہ انکشاف کر کے مجھے ایک عجیب سی سنسنی میں مبتلا کر دیا۔ شنگرا ولی میں گزارے ہوئے خوابناک شب و روز کے بعد یہ احساس بہت ہیجان انگیز تھا کہ ہم اپنی سرزمین سے بس چند قدم کے فاصلے پر ہیں۔

"ساری روشنیاں بجھا دو۔" ویرا نے نیم ہذیانی لہجے میں روشن خان سے سرگوشی کی۔

"کیوں؟" اس نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

"کہیں پاکستان والے کوسٹر کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر فائر نہ کھول دیں۔"

وہ زور سے ہنس پڑا "دکھ کی بات یہی ہے کہ ہمیں اپنوں کو رشوت دینا پڑتی ہے' دوسری طرف والے کچھ نہیں مانگتے بلکہ چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ انہیں ہدایت ہے کہ جنگ کے ستائے ہوئے خاندانوں کو سرحد پار کرنے سے نہ روکا جائے۔ اس طرف پہنچتے ہی ہم پکی سڑک پکڑ لیں گے۔"

"لیکن اس کوسٹر میں تو کوئی بھی جنگ کا ستایا ہوا نہیں ہے۔" غزالہ حیرت سے بولی۔

"نہ ہو مگر وہ ہر آنے والے کو ستم زدہ مہاجر سمجھتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے تم بھی یہی سمجھ لو۔"

"لیکن یہ اصل مہاجروں کی حق تلفی ہے۔" غزالہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تم کہاں کی باتیں سوچ رہی ہو۔ اس دور میں وہی کامیاب رہتا ہے جو اپنا الّو سیدھا کرنے کے لئے ہر ایک کو روندتا ہوا آگے نکل جائے۔ اس وقت اصول کی نہیں' بس اپنے فائدے کی بات سوچو۔" ویرا تلخی سے بولی۔

غزالہ خاموش ہو گئی۔ کوسٹر ہچکولے کھاتی ہوئی پاکستانی علاقے میں داخل ہو چکی تھی۔ ادھر پہنچتے ہی روشن خان نے کوسٹر کے ہیڈ لیمپس روشن کر کے اپنی کامیابی کا اعلان کیا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

کچے راستے پر زیادہ دیر سفر نہیں کرنا پڑا۔ روشن خان اس

علاقے سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کس کس رخ پر مڑنے کے بعد پختہ سڑک تک پہنچنا ممکن ہو سکتا ہے۔ جوں ہی کوسٹر سڑک پر چڑھی، روشن خان نے اندرونی بتیاں بھی روشن کردیں اور تھکے ہارے مسافروں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔

طورخم کی سرحدی چیک پوسٹ پیچھے رہ گئی تھی اور ہمارا قافلہ کوہ سلیمان میں واقع درۂ خیبر کی تاریخی گزرگاہ سے لنڈی کوتل کی طرف جارہا تھا۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں صرف سڑک پر ملکی قوانین کا نفاذ ہوتا تھا اور سڑک سے نیچے آزاد قبائل کے اپنے روایتی قوانین کا اطلاق ہوتا تھا۔ آزاد قبائل کے معاشرتی نظام میں دورِ جدید کی عدالتوں اور پُرپیچ قانونی موشگافیوں یا وکالت و روکالت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ قانون کی سربلندی اور نفاذ کی ذمّے داری معزّز جرگے پر ہوتی ہے اور جرگہ فریقین کے بیان سننے اور سادہ عقلی طریقوں سے جرح کرکے اپنا فیصلہ صادر کردیتا ہے، جسے تسلیم کرنا ہر قبائلی پر فرض ہوتا ہے۔ جرگے کے فیصلوں سے انحراف کرنے والے کو اس زمین پر کہیں امان نہیں ملتی۔

رات کی تاریکی میں وہ اونچے اونچے پہاڑ، بہ زبانِ خاموشی اپنی عظمت کی کہانیاں سنا رہے تھے۔ ان راستوں سے کتنے ہی فاتح اور سورما گزر کر برِصغیر کی طرف آئے تھے۔ ان کے گھوڑوں کے سموں سے نکلنے والی چنگاریوں نے خیبر کی ان گنت تاریک راتوں میں ہیبت و جبروت کے رنگ بھرے تھے مگر پھر چشمِ فلک نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی بھی متکبر فاتح ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکا۔ بس تاریخ میں اپنا برا بھلا نام لکھوا کر منوں مٹی کے نیچے جا سویا۔

وہ قہر اور دبدبے کے لئے شہرت رکھنے والے جنگجو حکمراں تھے جو زمین اور دولت کی ہوس میں اس راستے کو پامال کرتے رہے تھے لیکن ہماری کوسٹر میں نئے عہد کے وہ فری لانسر سوار تھے جو اپنے دلوں میں ان سفاک سورماؤں سے زیادہ خطرناک عزائم لے کر خیبر کے اس راستے پر محوِ سفر تھے۔ افغان علاقے سے اپنی سرحد میں آجانے کے بعد مجھے پورا یقین تھا کہ دوسروں کی طرح ایلن اور پیٹر بھی عبرت ناک انجام سے دوچار ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

ڈھلوان اور خمدار پہاڑی سڑک پر سفر کرتے ہوئے، آخرکار ہم لنڈی کوتل پہنچ ہی گئے۔

کسی زمانے میں وہ سرحدی تجارت اور غیرملکی اشیائے تعیش کی خرید و فروخت کا واحد مرکز ہوا کرتا تھا، جہاں تند خود کاندار اپنی شرائط پر مال فروخت کیا کرتے تھے لیکن رفتہ رفتہ لنڈی کوتل نے ایک بڑے قصبے کی صورت اختیار کرلی تھی جہاں خاصی آبادی ہونے کے ساتھ روزمرہ زندگی کی دیگر سہولیات بھی میسر آنے لگی تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہاں رہنے والوں کی معاشرت پر بیرونی اثرات کی چھاپ خاصی گہری ہوچلی تھی۔

لنڈی کوتل سے گزرنے والی سڑک کے کنارے ٹرکوں اور گاڑیوں کی مرمت کے متعدد ورکشاپ بند پڑے ہوئے تھے لیکن چند مقامات پر برقی روشنی میں اس وقت بھی کام ہورہا تھا۔ اپنی گاڑیوں کا کام ختم ہونے کے انتظار میں، ٹرکوں کا عملہ بے فکری سے بان کی چارپائیوں پر لیٹا بیٹھا ہوا تھا۔ اسی بارونق ٹکڑے میں ایک چائے خانہ بھی کھلا ہوا تھا جہاں اونچے چبوترے پر کوئلوں کا چولھا روشن تھا اور اس پر چائے کھول رہی تھی۔

جلال آباد کے غزنی ہوٹل سے روانہ ہونے کے بعد کسی نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ کولر میں بھرا ہوا پانی کب کا ختم ہوچکا تھا۔ بعض دور اندیش مسافر اپنے ساتھ خورد و نوش کا سامان لے آئے تھے مگر راستے میں دیر تک رکے رہنے کی وجہ سے وہ سامان بھی ساتھ چھوڑ چکا تھا، متعدد مسافروں کی فرمائش پر روشن خان نے کوسٹر کنارے سے لگادی۔ ہوٹل کے عملے میں ہلچل پیدا ہوگئی۔ چارپائیوں پر ستاتے ہوئے لوگ اشتیاق اور دلچسپی سے اٹھ بیٹھے لیکن ان میں سے کسی نے، کوسٹر سے اترنے والے مسافروں سے بول چال میں پہل نہیں کی۔

ان دنوں پشاور اور صوبۂ سرحد کی تہذیب و معاشرت اور معیشت پر بدحال و ناخواندہ افغان مہاجرین کی بھاری یلغار کے منفی اثرات بہت زیادہ اجاگر نہیں ہوسکے تھے لیکن دونوں طرف سردمہری اور محتاط میل جول کا رویّہ نمایاں تھا۔

چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے افراد، کوسٹر کی کھڑکیوں میں نظر آنے والے نسوانی چہروں کو انہماک اور ڈھٹائی سے تاک رہے تھے۔ سنگلاخ اور خطرناک راستوں پر سفر اور دوسروں کا بوجھ ڈھونے میں زندگی گزار دینے والے ان جفاکش مردوں کے لئے ہر بے حجاب نسوانی چہرہ نظربازی کی ایک سنسنی خیز دعوت کا عنوان بن جاتا تھا۔ وہ اپنی عورتوں کو سخت اور مکمل پردہ کراتے تھے اور بن سنور کر گھروں سے باہر نکلنے والیوں کو دیکھ کر دل خوش کرنا اپنا حق سمجھتے تھے۔ ان میں سے کسی نے کوئی بدتمیزی نہیں کی لیکن فرسودہ روایات کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے کسی ذہن کے الٹنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی اس لئے میں نے ویرا اور غزالہ کو کوسٹر سے نیچے اترنے سے روک دیا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ نیچے اترا تو ایلن ہماری طرف چلا آیا۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" اس نے دوستانہ لہجے میں انگریزی میں سوال کیا۔

"پشاور کے کسی اچھے ہوٹل میں عیش کریں گے۔" میں نے گول مول سا جواب دیا۔

"ہمارے لئے کام کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"مشکل ہے، تم خود کسی کے لئے کام کررہے ہو۔ اس سفر میں ہم تمہاری مالی حالت کا اندازہ کرچکے ہیں۔ تم ہمارے اخراجات بھی برداشت نہیں کرسکو گے۔" میں نے ہوٹل والے کو چائے اور کھانے کی چند چیزوں کا آرڈر دینے کے بعد کہا "ویسے تم ہم سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟ تمہیں بل جونز اور پال ایچرٹن کا سراغ لگانا تھا۔

ویرا تمہیں ان کے انجام سے آگاہ کر چکی ہے۔ اب تم پاکستان میں رہ کر کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"ویرا کے بارے میں، میں بہت کچھ جانتا ہوں۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "لیکن تم تینوں کے بارے میں میری معلومات صفر ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ تم بھی ویرا کی لائن کے لوگ ہو گے۔ میرے لئے بنیادی طور پر یہ بات بہت اہم ہے کہ تم پاکستان کی زیرِ زمین دنیا کے پڑھے لکھے لوگ ہو۔ تمہارے ساتھ رہ کر مجھے کام کرنے میں آسانی ہو گی۔"

"میں نے تمہارے کام کی نوعیت کے بارے میں پوچھا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"سچ پوچھو تو مجھے بھی کام کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس نے کھلے دل سے اعتراف کر لیا "میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ جس کام کے لئے کرنل جیسی جونز اپنے اکلوتے بیٹے کو پاکستان بھیج سکتا ہے، اس کام میں بہت پیسہ ہو گا اور پھر اس الیڈا جیسا ارب پتی اس کام میں دلچسپی لے رہا ہے۔ اس سے ہماری کوئی ڈیل بن گئی تو ہم سب کے وارے کے نیارے ہو جائیں گے۔ تم ہیروئن کو بالکل بھول جاؤ گے۔"

"ہم سے کس نے کہا کہ ہم ہیروئن میں ڈیل کرتے ہیں؟" میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"میرا اندازہ ہے۔" وہ اطمینان سے بولا "ویرا ہیروئن کی شہزادی ہے۔ تم لوگ اس کے ساتھ ہو۔ قندوز خان تمہارا میزبان تھا۔ اس کا تعلق شنگارا ویلی سے ہے اور وہاں افیم کی سب سے زیادہ فصلیں ہوتی ہیں۔ وہ ساری افیم، ہیروئن بنانے کے کام آتی ہے۔ یہ سارے حقائق ایک خاص سمت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ تم ڈی ٹی ہوتے تو مجھے سب کچھ سمجھنے میں آسانی ہو جاتی کیونکہ ڈی ٹی سے باغی ہونے کے باوجود ویرا کا بہترین دوست بلکہ شاید محبوب بھی ہے مگر تم مصر ہو کہ تم ڈی ٹی نہیں، تنویر ہو۔ ایسی صورت میں، میں اندازے ہی لگا سکتا ہوں۔"

میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ ہم نے شنگارا ویلی کا سفر اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا بلکہ ہمیں اغوا کر کے وہاں لے جایا گیا تھا۔ اس کی کسی بات کی تردید کئے بغیر، میں نے بس اتنا کہا کہ وہ چاہے تو ہمیں اپنے ٹھکانے سے آگاہ کر دے۔ اس کے ساتھ کام کرنے کا موڈ ہوا تو اس سے رابطہ کر لیا جائے گا۔ اس نے اپنے ساتھی سے مشورہ کر کے جواب دینے کا وعدہ کیا اور میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ باتیں کرتا ہوا ٹہل رہا تھا کہ اچانک سامنے سے ایک کڑیل پٹھان مجھے زور سے شانہ مارتا ہوا گزر گیا۔ اس کے کندھے پر پڑی ہوئی چادر میں سے کلاشنکوف کی نال واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ اس کے گزرنے کے لئے کافی جگہ موجود تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ اس نے دانستہ میرے ساتھ شرارت کی تھی۔ سلطان شاہ نے پلٹ کر اسے خونخوار نظروں سے گھورا مگر میں نے فوراً ہی اسے روک لیا "اس وقت ہم علاقہ غیر میں ہیں۔ اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھو۔ یہاں کسی سے الجھنے کی کوشش ہمیں مہنگی پڑ سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نشے میں ہو اور اپنی جھونک میں مجھ سے آ ٹکرایا ہو۔ وہ مسلح ہے۔ تلخی بڑھی اور وہ فائرنگ پر تل گیا تو یہ سفر یہیں ختم ہو جائے گا۔"

"کمال کی بات یہی ہے کہ یہاں کوئی نشہ نہیں کرتا۔" سلطان شاہ بولا "یہاں بر سرِ عام چرس اور ہیروئن کا لین دین ہوتا ہے لیکن کوئی ان منشیات کو استعمال نہیں کرتا۔ جرگے نے ان منشیات کے استعمال پر کڑی سزائیں مقرر کی ہوئی ہیں۔"

"لیکن شراب تو پی جاتی ہو گی؟" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"اس بارے میں مجھے علم نہیں۔ وہ بدمعاش اگر شرابی ہوتا تو اس کے منہ سے الکحل کے بھبکے آ رہے ہوتے۔ اس نے بلاوجہ تمہاری تضحیک کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے اڑنے کے موڈ میں ہو۔"

"اپنا ردعمل ظاہر کر کے تم اس کے جال میں پھنس جاتے۔ میں نے اسی وجہ سے تمہیں روکا ہے۔"

کسی سرپھرے مقامی سے تکرار کا اندیشہ اتنا سنگین تھا کہ میں ہوٹل والے کو چائے اور دیگر لوازم کوسٹر میں بھجوانے کی ہدایت کر کے واپس چل دیا۔ واپسی پر وہی نوجوان ایک چارپائی پر براجمان نظر آیا۔ اس کی چیلنج کرتی ہوئی، چمک دار آنکھیں میری طرف مرکوز تھیں۔ جوں ہی میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں، اس نے تحقیر آمیز انداز میں ہمارے آگے نسوار زدہ تھوک کی پچکاری ماری مگر میں اسے درگزر کر کے تیزی سے آگے نکل گیا۔ اس وقت میں کسی بھی جھگڑے سے بچنے کے لئے کوشاں تھا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ سارے مسافروں کو چھوڑ کر ہم پر ہی کیوں مہربان ہو رہا ہے؟" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا "تم ٹھیک کہہ رہے تھے، اس کی چمکیلی آنکھیں بتا رہی ہیں کہ اس وقت وہ نشے میں نہیں ہے۔"

"اور بظاہر اکیلا ہے۔" سلطان شاہ نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"اسے اکیلا نہ سمجھو۔ بات بڑھتے ہی اس کے دسیوں حامی سامنے آ جائیں گے...... عورتوں کے سامنے اس بدمزگی کا ذکر نہ کرنا۔" اسے ہدایت کر کے میں کوسٹر میں چلا گیا۔ اس وقت وہی جگہ سب سے بہتر تھی۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔

اس وقت کوسٹر میں ایک دو مرد موجود تھے۔ عورتوں میں سے کسی نے نیچے قدم رکھنے کی غلطی نہیں کی تھی۔ وہ سب دن بھر کی بھوکی پیاسی تھیں اور دل کھول کر اشیائے خوردونوش سے انصاف کر رہی تھیں۔ بعد میں غزالہ اور ویرا بھی ان ہی کے ساتھ شریک ہو گئیں۔ شدید طلب کے عالم میں باسی ٹوسٹ اور بھبکے دار مکھن بھی انہیں اندھادھند خوردونوش سے نہیں روک سکے۔

تقریباً نصف گھنٹے تک وہاں قیام کے بعد کوسٹر لنڈی کوتل سے آگے چل پڑی اور راستہ ...ن ہونے کی وجہ سے چند ہی منٹ میں آبادی سے باہر نکل آئی۔ ...ئیور اپنی دُھن میں گاڑی دوڑائے جارہا تھا۔ خیبر کے سلسلۂ کو... سے گزرنے والی بل دار سڑک کے پیچ و خم اس کے دیکھے بھا...ے اس لئے اسے اپنی رفتار برقرار رکھنے میں کوئی دشواری پیش نہ... آرہی تھی لیکن کچھ ہی دیر بعد وہ الجھن میں مبتلا نظر آنے لگا۔

راستہ صاف ہونے کے باو... ...ن نے کوسٹر کی رفتار کم کردی اور اپنے سامنے' ونڈ شیلڈ کے ساتھ نصب متعدد عقب نما آئینوں سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف ہوگیا۔ و... ...ر کے ساتھ آئینوں کے زاویے تبدیل کررہا تھا اور بار بار اپ... ...ست میں بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ اس کی حرکات سے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ کوسٹر کے عقب میں کسی نادیدہ شے کو ان آئینوں کی گرفت میں لینے کی ناکام کوششیں کررہا ہو۔

روشن خان کی مضطربانہ حرکات اتنی واضح تھیں کہ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا اور تجسس کے عالم میں پلٹ کر پیچھے کا جائزہ لینے لگا۔ عقبی گلاس شیلڈ میں کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ سڑک تاریک اور ویران پڑی ہوئی تھی۔ میں الجھن کا شکار ہوگیا کہ روشن خان کیا تلاش کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

میرے اضطراب کو دیکھتے ہوئے پیٹر بھی چونک پڑا "تم بار بار پیچھے مڑ کر کیا دیکھ رہے ہو؟"

"میں کچھ نہیں دیکھ رہا۔ مجھے روشن خان کی طرف سے فکر لاحق ہے۔" میں نے کہا "اسے پیچھے کی فکر ہے لیکن مجھے کوسٹر کے پیچھے کچھ بھی نظر نہیں آرہا۔ سڑک بالکل ویران اور سنسان پڑی ہوئی ہے۔"

ہم دونوں کی گفتگو انگریزی میں ہوئی تھی جو شاید روشن خان کے پلے نہ پڑ سکی ہو لیکن میرے خاموش ہوتے ہی ایلن اس سے مخاطب ہوگیا "روشن خان! ڈینی تمہارے بارے میں کیا کہہ رہا ہے؟ تم پریشان کیوں ہو؟"

"پھر وہی ڈینی!" میں نے پُرزور لہجے میں احتجاج کیا "میں بتا چکا ہوں کہ میرا نام تنویر ہے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" ایلن نے انگریزی میں معذرت کرتے ہوئے کہا "تمہاری ذات کے حوالے سے ڈینی کا نام میرے ذہن سے کسی بچھو کی طرح چپک کر رہ گیا ہے۔ آئندہ میں محتاط رہوں گا مگر تم میری یہ کمزوری نوٹ کرلو کہ میں ڈینی کہوں یا تنویر' مقصد تمہاری ذات سے ہوگا۔"

"پھر تم بھی میری یہ کمزوری نوٹ کرلو کہ میں بچھو کہوں یا ایلن' حوالہ تمہاری ذات کا ہوگا۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

ایلن ہولے سے ہنس پڑا "اوہ! تم تو ناراض ہوگئے۔ میں تمہاری توہین یا تضحیک کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اگر تم اس بارے میں اتنے ہی حساس ہو تو میں کوشش کروں گا کہ تمہارا ذکر تنویر کے نام سے کروں۔"

"میں پریشان نہیں ہوں۔" ایلن کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی روشن خان بول پڑا۔

"پھر تم پہلو بدل بدل کر عقب نما آئینے میں کیا دیکھنے کی کوشش کررہے ہو؟" ایلن نے پوچھا۔

"اوہ!" وہ ایک طویل سانس لے کر بولا "میرا اندازہ ہے کہ کوئی کار اپنے ہیڈ۔لیمپس روشن کئے بغیر اس خطرناک راستے پر ہمارا پیچھا کررہی ہے۔ اس راستے پر یوں سفر کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔"

"روشنیاں گل ہیں تو تمہیں کیسے پتا چلا کہ پیچھے کوئی کار آرہی ہے؟" ایلن نے پوچھا۔

"ہم بلندی سے نشیب کی طرف جارہے ہیں۔" روشن خان بولا "وہ موڑ پر بریک لگاتے ہیں تو ان کی عقبی سرخ روشنیاں جل اٹھتی ہیں اور ان کا سرخ انعکاس مجھے چونکا دیتا ہے۔ پتا نہیں وہ کون لوگ ہیں۔"

"اور کیا چاہتے ہیں؟" ایلن نے لقمہ دیا اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔

"بظاہر سڑک ویران نظر آرہی ہے۔" ایلن پُرتشویش لہجے میں بڑبڑایا "اس وقت دور دور تک ہماری کوسٹر کے سوا کوئی اور گاڑی نہیں ہے جو یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ اس کا پیچھا کررہے ہیں....."

"وہ ہمارے پیچھے آرہے ہیں۔" روشن خان اس کی بات کاٹ کر بولا "انہیں آگے نکل جانے کا موقع دینے کے لئے میں کئی بار اپنی رفتار کم کرچکا ہوں لیکن وہ آگے نکلنے کے بجائے خود بھی رفتار کم کرلیتے ہیں۔ لنڈی کوتل تک میدان بالکل صاف تھا۔ یہ لوگ وہیں سے ہمارے پیچھے لگے ہیں۔ اگر وہ راستے میں ہم سے الجھ بیٹھے تو ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میرا پستول ٹول بکس میں پڑا ہوا ہے۔ تم میں سے کسی کے پاس کوئی ہتھیار ہے؟"

"راستے کی تلاشیوں کے خوف سے سب ہی کو غیر مسلح کرا د... گیا تھا۔" ایلن نے کہا "ہمارے ہتھیار تھیلے میں ہیں جو کوسٹر ک... چھت پر ہے۔ تم دوسرے مسافروں سے پوچھ لو۔ شاید کسی نے کو... ہتھیار چھپایا ہوا ہو۔"

روشن خان نے کوسٹر کے مسافروں سے کسی آتشیں ہتھیار کے بارے میں دریافت کیا تو پتا چلا کہ ا... کی ہدایت کی روشنی میں سب نے غیر مسلح ہو کر اپنے ہتھیار سامان میں ڈال دیئے تھے اور اس وقت کسی کے پاس کوئی ہتھیار موجود نہیں تھا۔ اس سوال کے ... میں مسافروں میں چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ کئی متر... مسافر اپنی جگہیں چھوڑ کر آگے آ... تاکہ کلینزا اور ڈرائیور سے ک... معلومات حاصل کرسکیں۔

ڈرائیور نے انہیں اپنے ...ب میں آنے والی مشتبہ کار کے بارے میں آگاہ کرنے کے بعد کل... چلتی ہوئی گاڑی کی چھت ... بھیجنے کا فیصلہ کرلیا۔ کوسٹر کے روف... تک رسائی کے لئے عقب...

میں آہنی زینہ موجود تھا۔ کلینز کو دروازے سے وہاں تک پہنچنے کے لئے سنگین خطرہ مول لینا پڑتا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ ہمارے پیچھے آنے والے اس کو دیکھ کر فوری طور پر کسی کارروائی کا آغاز کر بیٹھتے لیکن اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے وہ خطرہ مول لینا ناگزیر ہو چکا تھا۔ مسافروں نے کلینز کو بخوشی اجازت دے دی تھی کہ وہ جس بیگ سے چاہے ہتھیار نکال لائے۔

ڈرائیور نے کلینز کی سہولت کے لئے کوسٹر کی رفتار قدرے کم کر لی اور وہ دروازہ کھول کر کھڑکیوں اور باڈی کے کناروں کا سہارا لیتا ہوا' باہر تاریکی میں رینگ گیا۔

کلینز بمشکل پیچھے پہنچا ہوگا کہ تعاقب کرنے والوں نے اندھیرے کے باوجود اس کی جھلک دیکھ لی اور اچانک ہی اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس روشن کر دیے اور وہ ویرانہ تیز روشنی میں نہا گیا۔ اسی لمحے کسی خود کار مگر ہلکی مشین گن سے تین گولیوں کا ایک ہلکا سا برسٹ مارا گیا اور مسافروں میں خوف و اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔

وہ فائر کلینز کو خوف زدہ کرنے کے لئے کئے گئے تھے کیونکہ ان میں سے کوئی گولی کوسٹر کے کسی حصے میں نہیں لگی تھی۔ فائر ہونے کے بعد پیچھے والی گاڑی کی رفتار اچانک تیز ہوگئی۔ اسی کے ساتھ ہیڈ لیمپس بھی تواتر کے ساتھ دھیمے اور تیز کئے جانے لگے پھر وہ کار سرعت سے کوسٹر کے عقبی حصے کے برابر میں آئی اس میں سے کسی نے وحشیانہ لب و لہجے میں چیخ کر کچھ کہا اور کوسٹر کی آہنی سیڑھی سے لٹکا ہوا کلینز اوپر جانے کے بجائے دروازے کی طرف واپس لوٹنے لگا۔

کلینز کے پیچھے سے لوٹنے تک وہ کار کوسٹر کے عقبی حصے سے تقریباً چپک کر دوڑتی رہی۔ جب انہیں اطمینان ہوگیا کہ کلینز دروازے کی طرف لوٹ رہا ہے تو انہوں نے یک لخت کار کی رفتار بڑھا دی اور پھر داہنی طرف سے کوسٹر کو اس طرح دبانا شروع کیا کہ ہمارے ڈرائیور کو کنارے کی طرف ہو کر' رفتار میں کمی کرنا پڑ گئی۔

روشن خان مہارت اور حاضر دماغی سے کام نہ لیتا تو اس کار اور کوسٹر میں خاصا خطرناک تصادم ہو سکتا تھا۔ یہ ایک بدیہی امر تھا کہ اس تصادم میں کار کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا۔ شاید اس کے مسافر بھی مجروح ہو جاتے لیکن ایسے تصادم کے نتائج خاصے سنگین ہو سکتے تھے۔ وہ لوگ ہتھیاروں سے لیس تھے اور روشن خان کی کسی بھی ہٹ دھرمی پر برہم ہو کر' کوسٹر کے مسافروں کو خون میں نہلا سکتے تھے۔

وہ نئے ماڈل کی سفید کرولا تھی۔ اس نے سامنے آکر کوسٹر کا راستہ اس طرح مسدود کیا کہ روشن خان کو رفتار کم کرتے کرتے کوسٹر کو بالکل روک لینا پڑا۔ اس اثنا میں اگلی کار سے تین مسلح مقامی پھرتی سے نیچے آ چکے تھے۔

ان تینوں کے ہاتھوں میں کلاشنکوفیں تھیں جن میں بڑے میگزین چڑھے ہوئے تھے۔ شاید وہ کوسٹر کو روکنے سے پہلے ہی اپنی حکمتِ عملی طے کر چکے تھے کیونکہ انہوں نے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا۔

ایک شخص' بجلی کی سی سرعت سے روشن خان والے دروازے پر پہنچا اور دروازہ کھول کر اسے بے رحمی سے نیچے گھسیٹ لیا۔ بقیہ دو افراد سواریوں کے لئے مخصوص دروازے کی طرف لپکے۔ ایک اپنی کلاشنکوف تانے باہر کھڑا رہا۔ دوسرا دروازہ کھول کر اندر گھس آیا۔ اس وقت سب کی توجہ اس طرف مرکوز تھی۔ میں بھی اس سنسنی خیز ڈرامے کی طرف متوجہ تھا۔ اندر آنے والے کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی میرے وجود میں سنسنی سرایت کر گئی کیونکہ وہ یہی لفنگا تھا جو لنڈی کوتل میں مجھے اشتعال دلانے کی ناکام کوشش کر چکا تھا۔ اس کی کلاشنکوف کی نال کوسٹر کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور سفاکانہ نگاہیں مسافروں پر دوڑ رہی تھیں۔

مجھ پر نگاہ پڑتے ہی اس نے اپنی کلاشنکوف کی نال کا رخ میری طرف پھیر دیا اور زہریلے لہجے میں بولا "اپنے ہاتھ اٹھا کر خاموشی سے نیچے آجاؤ' چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں تمہارے بخیے ادھیڑ ڈالوں گا۔"

اس کے خطرناک تیور دیکھتے ہوئے میں نے فی الفور اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لئے اور نرمی سے کہا "برادر! تم کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تم مجھے نیچے اترنے کا حکم دے رہے ہو؟"

اس نے اپنی کلاشنکوف کی نال قدرے ترچھی کر کے ٹریگر دبا دیا۔ یکے بعد دیگرے کئی گولیاں کوسٹر کی چھت کو پھاڑتی ہوئی آسمان کی طرف نکل گئیں۔ فائر کرنے کے بعد وہ غراتی ہوئی آواز میں بولا "نیچے اترو اور ہماری گاڑی میں سوار ہو جاؤ ورنہ اگلا برسٹ تمہارے بدن کو چھلنی کر دے گا۔ مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔ میں اپنے شکار کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔"

اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر عمل کرنے پر بھی قادر تھا۔ لنڈی کوتل میں مجھ سے تضحیک آمیز انداز میں ٹکرا کر وہ اپنی نیت کا عندیہ دے چکا تھا اس لئے میں نے خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

میرے اٹھتے ہی غزالہ نے بھی اضطراری طور پر اپنی نشست چھوڑ دی۔

کلاشنکوف بردار شخص کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ ابھر آئی اور وہ استہزائیہ لہجے میں گویا ہوا "عورت! تم بیٹھ جاؤ۔ ہم عورتوں سے نہیں' صرف مردوں سے لڑتے ہیں۔ ہمارا معاملہ صرف ڈینی سے ہے۔"

میں اس کی زبان سے اپنا نام سن کر چونک پڑا۔ میں نے کوسٹر سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "میں تمہاری غلط فہمی دور کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میرا نام ڈینی نہیں' تنویر ہے...... سید تنویر علی!"

وہ بے اعتباری سے ہنس پڑا "مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم سید ہو یا قصائی۔ نام دھوکا دے سکتے ہیں لیکن تصویر کبھی جھوٹ

نہیں بولتی۔ میں نے تصویر کی مدد سے تمہیں پہچانا ہے۔ ہم ڈیڑھ ہفتے سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم شنگارا ولی سے زندہ لوٹو یا مردہ' اسی راستے سے لوٹو گے۔ تم ڈیپی یا سید تنویر علی کے بجائے پھولن دیوی کا سسر ہونے کا دعویٰ کرو تب بھی تمہاری گلوخلاصی نہیں ہو سکے گی۔ شرافت سے نیچے اتر جاؤ۔"

وہ چالاک اور باخبر تھا۔ میں مزید کچھ کہے بغیر کوسٹر سے نیچے اتر گیا۔

میرے اترتے ہی باہر والے نے مجھے کور کر لیا اور اپنی کلاشنکوف کے زور پر مجھے سفید کرولا کی طرف ہانکنے لگا۔ بدتمیز نوجوان بدستور کوسٹر میں رکا رہا۔ اس کی غراتی ہوئی تلخ آواز باہر تک سنائی دے رہی تھی۔ وہ پشتو میں بول رہا تھا اس لئے اس کی باتیں میری سمجھ سے باہر تھیں لیکن مجھے یہ ادراک ہو چکا تھا کہ وہ لوگ بھری کوسٹر میں سے صرف مجھے اغوا کر کے اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔

مجھے لے جانے والا میرے ساتھ ہی سفید کرولا کی عقبی نشست پر براجمان ہو گیا پھر حیرت ناک سرعت سے بقیہ دو افراد بھی اگلی نشستوں پر آبیٹھے اور وہ گاڑی' کوسٹر کو پیچھے چھوڑ کر' برق رفتاری سے آگے روانہ ہو گئی۔

"تم لوگ کون ہو اور مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" گاڑی کے حرکت میں آنے کے بعد میں نے احتجاجی لہجے میں پوچھا۔

"قصہ خوانی بازار کے ایک ہوٹل میں اپنے میزبان سے ملنے کے بعد تم کو بہت سی باتیں خود بخود معلوم ہو جائیں گی۔" مجھے کوسٹر سے اتارنے والے شخص نے کہا۔ اس وقت وہ کرولا کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود تھا۔ مجھے جواب دینے کے بعد اس نے یک بیک پشتو بولنی شروع کر دی جو میری سمجھ سے باہر تھی۔

اس کی پشتو کا مفہوم میری سمجھ میں آیا تو قدرے تاخیر ہو چکی تھی۔ میرے برابر میں بیٹھا ہوا شخص تیزی سے حرکت میں آیا اور اس کی کلاشنکوف کا آہنی دستہ میری کنپٹی پر بج اٹھا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر' لہراتے ہوئے خود کو سنبھالنے کی کوششیں کیں لیکن ناکام رہا اور غیر ارادی طور پر اپنی نشست میں ایک طرف ڈھلکتا چلا گیا۔

مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ میں کتنی دیر تک بے ہوش رہا۔ میری بے ہوشی کے دوران وہ سفید کرولا' جمرود روڈ کے ذریعے اپنا سفر طے کر کے کسی منزل پر پہنچ چکی تھی۔ مجھے ہوش آیا تو میں اوسط درجے کے ایک کمرے میں نرم اور صاف ستھرے بستر پر دراز تھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ شاید مجھے قصہ خوانی بازار کے اس ہوٹل میں پہنچا دیا گیا ہے جہاں میرا کوئی پراسرار میزبان میری آمد کا منتظر تھا۔

ہوش میں آجانے کے باوجود میرا سر بھاری ہو رہا تھا اور داہنی کنپٹی کا وہ حصہ جہاں ضرب لگائی گئی تھی' بری طرح دکھ رہا تھا مگر اپنی زندگی کو درپیش خطرے کے پیش نظر میں فوراً ہی بستر سے اتر پڑا۔

وہ درمیانے درجے کے کسی ہوٹل کا عام سا کمرا تھا جہاں ڈ بیڈ کے علاوہ مختصر سا فرنیچر بھی موجود تھا۔ کمرے کے اندرونی میں نظر آنے والے بند دروازے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ باتھ ر اس کمرے سے ملحق تھا۔ اس وقت میرے لئے اہم ترین بات تھی کہ میں کمرے میں اکیلا تھا۔ وہاں کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا۔

میرے لئے وہ سنہرا موقع تھا۔ میں تیزی کے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھا۔ میں نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولنا چاہا تو اپنی جگہ ایک جھٹکا لے کر رہ گیا۔ فوراً ہی میری نظر دروازے کے بولٹ کی طرف گئی جو چڑھا ہوا تھا۔ لمحہ بھر میں پوری صورت حال مجھ پر عیاں ہو گئی۔ وہ میری خوش فہمی تھی کہ اس کمرے میں کو اور نہیں تھا۔ وہ جو بھی تھا' کمرے کا بولٹ چڑھا کر غالباً باتھ ر میں گھسا ہوا تھا' اس اعتبار سے میرے پاس بہت کم مہلت تھ میں نے پھرتی کے ساتھ سخت بولٹ کو کھٹکے کی آواز کے ساتھ گرا دیا۔

کمرے میں پھیلے ہوئے سکوت میں بولٹ گرنے کی پُرشور آو کا فوری ردعمل ہوا۔ میں دروازے کے پٹ کو ہلا بھی نہ پایا تھا عقب سے ایک زہریلی آواز گونجی "رک جاؤ ورنہ میں گولی مار گا۔"

میں چند ثانیوں کے لئے اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا۔ پھر میں آہ آہستہ پیچھے گھوما تو مجھے وہی چھوکرا نظر آیا جس نے لنڈی کوتل میں سے الجھنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا چہرہ خشمناک ہو رہا تھا اور ا کے داہنے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول دبا ہوا تھا جس کی نال میری ط اٹھی ہوئی تھی۔

"دروازہ بولٹ کر کے بستر پر لوٹ آؤ!" اس نے سرد لہجے مجھے حکم دیا "یہ یاد رکھنا کہ مجھے تم کو زندہ رکھنے کی کوئی خا ضرورت نہیں ہے۔ تم نے میری ذرا بھی حکم عدولی کی تو میر پستول کی بے آواز گولی تمہارے سینے میں سوراخ کر دے گی او کمرا تمہارا مقبرہ بن جائے گا۔"

اس کی دھمکی بے بنیاد نہیں تھی۔ اس کے پستول پر چڑھا بے ہنگم سا سائلینسر دور ہی سے نظر آرہا تھا۔

میں احتیاط سے دروازے کا بولٹ چڑھا کر اپنے بستر پر لو آیا اور مسہری کے کنارے پر بیٹھ گیا۔

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ لنڈی کوتل میں تم ہی نے مجھ سے الجھ کوشش کی تھی۔" میں نے چند ثانیوں تک خاموشی سے ا گھورتے رہنے کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میری سمجھ نہیں آتا کہ تمہیں مجھ سے کیا پرخاش ہے۔"

"کوئی تمہیں ہر قیمت پر اپنی تحویل میں دیکھنا چاہتا ہے۔" اپنی جگہ چھوڑ کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "اسے اس بات سے دلچسپی نہیں کہ تم زندہ پکڑے جاتے ہو یا مردہ۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم ابھی تک زندہ ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم کوئی بد

کر کے اپنی زندگی کو مختصر کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"
"تم کس کے لئے کام کر رہے ہو؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے پوچھا۔
"وہ آتا ہی ہوگا۔" اس نے زہرخند کے ساتھ کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا اور اس کا کوئی پرانا حساب چل رہا ہے۔"
"وہ اسی ہوٹل میں آئے گا؟" میں نے دانستہ وہ ذو معنی سوال کیا۔ اس کے جواب سے مجھے یہ پتا چل سکتا تھا کہ میں واقعی کسی ہوٹل میں قید کیا گیا تھا۔
وہ بہت چالاک تھا۔ فوراً ہی میرا مدعا بھانپ گیا اور تیزی سے بولا "اس خیال میں نہ رہنا کہ تم ہوٹل میں اودھم مچا کر میرے لئے پریشانیاں کھڑی کر سکو گے۔ اس عمارت میں میرا راج چلتا ہے۔ میں تمہیں ذبح بھی کر دوں تو کوئی دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔"
"تمہاری باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم کسی کے لئے کام کر رہے ہو۔" چند ثانیوں بعد میں نے ایک اور رخ سے بات چھیڑی "تمہارا اس سے جو بھی معاوضہ طے ہوا ہو' میں تمہیں اس سے زیادہ رقم ادا کر سکتا ہوں۔"
اس نے سختی سے میری پیشکش کو رد کر دیا "ہم لوگ عہد شکنی نہیں کرتے۔ کسی سے وعدہ کر لیں تو پھر اسے پورا کر کے دم لیتے ہیں۔ اس لائن میں زیادہ پیسوں کا لالچ کرنے والے تھوڑے ہی دنوں میں اپنی ساکھ کھو بیٹھتے ہیں۔"
"تم نے بتایا تھا کہ تمہیں میری تصویر دی گئی تھی۔" میں اسے باتوں میں الجھا کر یہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ میں کن لوگوں کے قبضے میں ہوں اس لئے میں نے اپنی شناخت کا قصہ چھیڑ دیا "غالباً تصویر دے کر ہی تمہیں میرا نام بتایا گیا ہوگا۔ اگر ہماری کوسٹر لنڈی کوتل کے مختصر سے بازار میں نہ رکتی تو تم وہیں بیٹھے رہ جاتے اور میں پشاور پہنچ جاتا......"
اس نے تکبر آمیز ہنسی کے ساتھ میری بات کاٹ دی اور بولا "اکبر خان پٹھان ضرور ہے لیکن اتنا بے وقوف نہیں ہے۔ لنڈی کوتل سے اگلی چیک پوسٹ پر ہر گاڑی کے مسافروں کی دیکھ بھال ہوتی ہے۔ میرا ایک آدمی وہاں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ تم لنڈی کوتل سے نکل جاتے تو وہاں پہچان لئے جاتے۔ میں کچا کام نہیں کرتا۔ ویسے بھی اس راستے پر سفر کرنے والے چائے پانی کے لئے لنڈی کوتل میں ضرور رکتے ہیں۔ دن کے وقت اس بازار میں پھیری لگانے والے قیمتی چیزیں سستے داموں بیچتے ہیں۔ ان خریداریوں کے لالچ میں ہر شخص یہاں رکنا ضروری سمجھتا ہے۔"
کہانی دھیرے دھیرے مکمل ہو رہی تھی۔ کسی کو نہایت شدت سے میری تلاش تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا' اس امر سے بخوبی واقف تھا کہ میں شنگارا ویلی گیا ہوا تھا۔ اس کو شنگارا ویلی کی کٹر روایات کا بھی علم رہا ہوگا کیونکہ اس نے شنگارا ویلی تو درکنار' افغان

علاقے میں بھی مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ ویسے بھی شنگارا دیلی میں ہم لوگوں کی حیثیت بدلتی رہی تھی۔ ابتدا میں صندل خان ہمیں سردار پائندہ گل کا قیدی بنا کر گالان لے گیا تھا اور سردار پائندہ گل نے میرے تینوں ساتھیوں کو یرغمال بنا کر مجھے اپنی ناجائز بیٹی' جنت گل کی تلاش میں بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا مگر کاتب تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ سردار پائندہ گل کے منصوبے کے روبہ کار آنے سے پہلے ہی گالان میں گھٹنیوں والوں نے طبلِ جنگ بجا کر بغاوت کا اعلان کردیا۔ اس خون ریز بغاوت میں اور جو کچھ ہوا' وہ اپنی جگہ پر تھا لیکن ہم چاروں کے لئے اہم ترین بات یہ ہوئی کہ ہم شنگارا دیلی کی معزول و معتوب قیادت کے قیدیوں سے' سردار صبغت اللہ کے معزز مہمانوں کے درجے پر فائز کردیے گئے۔ گو ہمارا وہ منصب بھی خطرات سے دوچار ہوتا رہا مگر یہ حقیقت تھی کہ جب ہمیں گالان سے رخصت کیا گیا تو ہم پر عنایات خسروانہ کا فیاضانہ نزول جاری تھا۔

ہم گالان میں اپنے شب و روز میں کھوئے رہے اور ہمارا پراسرار دشمن نہایت سکون و اطمینان سے ہماری واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ اس نے اکبر خان کی خدمات حاصل کی ہوئی تھیں اور اکبر خان تنہا نہیں تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ ہمیں شنگارا دیلی میں ہلاک بھی کردیا گیا تو شنگاری ہماری لاشوں کو واپس ضرور بھیجیں گے۔ ان اکھڑ اور بدمزاج لوگوں کی روایت تھی کہ موت کے ساتھ ہی وہ اپنا ہر حساب بے باق تصور کر بیٹھتے تھے اور اپنے بدترین دشمن کے مردے کو بھی عزت و تکریم کے ساتھ اس کے ورثا کے حوالے کرنے پر آمادہ ہوجاتے تھے۔ اکبر خان اپنے آقا کے اشارے پر ہماری بلکہ میری زندہ یا مردہ واپسی کا منتظر تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ مجھے جلد یا بدیر' اسی زمینی سرحدی راستے سے گزرنا ہوگا جو لنڈی کوتل سے ہو کر پشاور تک جاتا تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ میں زندہ سلامت اس کی نگاہوں میں آگیا اور اس نے کمال ہوشیاری سے مجھے اپنی تحویل میں لے کر قید کرلیا تھا۔

اس سے گفتگو کرنے کے بعد وہ باتیں میری سمجھ میں آچکی تھیں لیکن میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھا کہ میرا اصل دشمن کون تھا؟

شنگاریوں نے جب ہم لوگوں کو کراچی سے اغوا کرکے' بدرو دادا کے آدمیوں کی مدد سے افغانستان کی طرف روانہ کیا تو کراچی میں مجھے صرف ایک حریف کی طرف سے خطرہ لاحق تھا جس کی تصدیق جمی لائیڈ نے بھی کردی تھی۔ وہ خطرہ مکاؤ کے ڈون کوانگ فو کی طرف سے تھا۔ جمی لائیڈ نے مزے لے لے کر بتایا تھا کہ مکاؤ میں پے درپے پیش آنے والے پراسرار خونین واقعات اور پھر ڈون کوانگ فو کی عظیم الشان حویلی کے احاطے میں مافیا کے ڈان نیشی کاؤ کے دلیرانہ قتل کی واردات کے سلسلے میں ڈون کوانگ فو کو مجھ پر شبہ ہوگیا تھا اور اس نے مجھے پکڑوانے کے لئے اپنے آدمی کراچی بھیج دیے تھے۔ جمی لائیڈ نے مجھ سے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ اس تنازعے میں اسے یا شی کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ میرا اور ڈون کوانگ فو کا جھگڑا تھا جس سے مجھے اپنے طور پر نمٹنا تھا۔

اس تمام پس منظر پر غور کرنے کے بعد میں نے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا کہ ڈون کوانگ فو کے ہرکاروں کو میری افغانستان کی طرف روانگی کی بھنک مل گئی تھی اور انہوں نے اپنے آقا کی خوشنودی کے لئے اکبر خان کو میری بُو پر لگادیا تھا۔ ان دنوں افغانستان کا علاقہ اس قدر ہولناک بربادی اور بے یقینی کی زد میں آیا ہوا تھا کہ مکاؤ کے عیش پرست غنڈے میرے تعاقب میں سرحد عبور کرنے کی ہمت نہیں کرسکتے تھے۔

وہ صورتِ حال کا طویل اور پُرپیچ تجزیہ تھا جو میں نے خاموشی کے چند لمحات میں مکمل کرلیا اور پورے اعتماد سے اکبر خان سے کہا "تم نے اچھا کیا کہ اپنا تعارف کرادیا۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ تم انتہائی ظالم شے ہو۔ تم نے جس سرعت سے مجھے پہچان کر اپنی کارروائی کی' اس کی بنا پر مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں کہ تمہیں بے وقوف گرداننے والے احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم سے کام لینے والے نکٹے چپٹے لوگ بھی تمہاری کارکردگی دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔"

میرے توصیفی کلمات نے اس کے چہرے پر سرخی کی لہر دوڑا دی مگر وہ اپنے تاثرات کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے' منہ بنا کر بڑبڑایا "تم کن نکٹے چپٹے لوگوں کی بات کررہے ہو۔ میں کسی چھوٹی موٹی پارٹی کے لئے کام نہیں کرتا۔"

"میں نے تحقیر کے لئے یہ بات نہیں کہی تھی۔" میں نے جلدی سے وضاحت کی "میرا اندازہ ہے کہ تم مکاؤ' ہانگ کانگ یا پھر چین سے آئے ہوئے کچھ لوگوں کے لئے کام کررہے ہو۔ ان کے خدوخال نکٹے چپٹے ہی ہوتے ہیں۔"

"خدا کی پناہ!" وہ فرش پر نسوار کی پچکاری مارتے ہوئے بولا "ان زرد لوگوں سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ انہیں دیکھتے ہی مجھے شفاف شیشے پر رینگتی ہوئی کسی ایسی چھپکلی کا زرد پیٹ یاد آجاتا ہے جس کی پھیلی ہوئی آنکھیں اپنے کسی مسحور شکار پر مرکوز ہوں۔ میں ایک لمحے کے لئے بھی اس نسل کے لوگوں کے قریب نہیں جا سکتا۔"

"پھر وہ کون ہیں؟" لوہا گرم دیکھ کر میں نے فوراً ہی مختصر سوال داغ دیا۔

"مقامی ہیں۔" وہ اضطراری لہجے میں بول پڑا "میں غیرملکیوں کے لئے کام کرنے کو غداری سمجھتا ہوں۔"

"اور اگر اپنے ہی لوگ غداری کررہے ہوں تو تمہارا ردعمل کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" میرے سوال پر وہ بری طرح چونک پڑا۔ حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"بات میری یا تمہاری ذات کی نہیں۔" میں نے کہا "غور کرو کہ وہ مجھے یا تمہیں الجھا کر کسی طرح ملک کو نقصان پہنچا-

کوشش کررہے ہوں تو تم کیا کرو گے؟" میں نے اس کی کمزوری بھانپتے ہی اپنے سوال کا رخ بدل دیا۔

"میں انہیں فنا کردوں گا۔" اس کا جواب بالکل غیرارادی بلکہ بے ساختہ تھا۔

"پھر تم ایک کام کرو۔" میں نے نرمی سے اسے مشورہ دیا "اگر تم اتنے ہی محب وطن ہو تو میرے بارے میں فوج یا انٹیلی جنس کے کسی اعلیٰ افسر سے بات کرو۔ وہ تمہیں بتادے گا کہ میری وفاداریوں کی کیا نوعیت ہے۔"

"کیا تم فوجی ہو؟" اس کے لب ولہجے میں حیرت واحترام کا امتزاج تھا۔

"نہیں" میں نے اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا "لیکن ان کا معاون ضرور ہوں۔"

"پٹھان فوج میں ہو یا نہ ہو، آدھا فوجی ہوتا ہے۔" وہ اپنی گردن تھما کر غرایا "ہم لوگ اپنی زمین کے لئے خون دینے کو بہت بڑی سعادت سمجھتے ہیں، اگر یہ ایسا ہی کوئی معاملہ ہوا تو تم مجھے اس سے باہر سمجھو۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور پھر ہوتی ہی چلی گئی۔ اکبر خان اضطراری طور پر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے پستول سے مجھے زد میں لئے ہوئے، ہوشیاری سے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

اس مرحلے پر میرا اس سے الجھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ نہ ہی اس نے کسی غفلت کا مظاہرہ کیا اور بولٹ گرا کر دروازہ کھول دیا۔ باہر سے فوراً ہی دو آدمی کمرے میں گھس آئے۔ دروازہ بند کردیا گیا۔

ان میں سے ایک چہرہ میرا شناسا سا تھا۔ اسے دیکھتے ہی چونکنا میرا اضطراری ردعمل تھا لیکن میں نے فوراً ہی اپنے تاثرات پر قابو پالیا۔ میں انجان بن کر ان کے عزائم سے بہتر طور پر واقف ہوسکتا تھا۔

مجھے یاد پڑتا تھا کہ جب میں نے مافیا میں شمولیت اختیار کی تھی تو وہ شخص پراسرار انداز میں ٹریڈ لائن کے دفتر میں آتا جاتا رہتا تھا۔ وہ دفتر میں کسی سے بات چیت کئے بغیر حبیب جیوانی کے دفتر کی طرف جاتا اور تخلیے میں اس کے ساتھ کچھ وقت گزار کر خاموشی سے واپس لوٹ جاتا۔ مافیا کے اصل کاروبار یعنی ہیروئن کے لین دین سے اس کا کوئی براہ راست تعلق نہیں تھا، اس لئے میں نے سینڈو اور پھر شیر شاہ سے بھی اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن اس وقت اسے کمرے میں موجود پاکر مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ شاید مافیا کے سرکردہ لوگوں کو اپنے مقامی یونٹ کی مکمل تباہی ہضم نہیں ہوسکی تھی۔ وہ لوگ حبیب جیوانی کی موت اور ٹریڈ لائن کے دفاتر پر کامیاب چھاپے کی وجوہ کا سراغ لگانے کے لئے سرگرداں تھے۔

آنے والوں نے گہری اور تنفر آمیز نظروں سے میرا جائزہ لیا۔ اجنبی شخص نے اکبر خان سے مخاطب ہوکر کہا "تم نے ٹھیک آدمی پر ہاتھ ڈالا ہے۔ اتنی صفائی سے کام کرنے پر تم انعام کے حق دار بن گئے ہو۔"

اس اثنا میں دوسرا شخص براہ راست میری طرف بڑھتا چلا آیا۔ اس کے کتابی چہرے اور بھاری جبڑوں کے علاوہ آنکھوں کی بناوٹ سے اس کی تشدد پسند طبیعت کا اظہار ہورہا تھا۔ وہ مجھ سے بمشکل دو قدم دور رک گیا اور پھر جھک کر اپنے چہرے کو میرے چہرے کے اتنے قریب لے آیا کہ اس کے گہرے سانسوں سے بچنے کے لئے مجھے اپنا منہ دوسری طرف پھیرنا پڑگیا۔

اس نے فوراً ہی میرے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا اور اسے ایک جھٹکا دے کر، تنفر آمیز لہجے میں بولا "ہم اپنے دشمنوں کو پاتال میں سے بھی ڈھونڈ نکالتے ہیں.... مجھے پہچانا تو نے؟"

میرے لئے وہ لمحات کٹھن مگر فیصلہ کن تھے۔ میرا ذہن برق رفتاری سے کام کررہا تھا۔ اگر ان لوگوں کو مجھے مارنا ہی ہوتا تو اکبر خان مجھے اغوا کرنے کے بعد جمرود روڈ کے اطراف میں تاحد نظر پھیلے ہوئے ویرانوں میں بہت آسانی سے ذبح کرکے یا گولی مار کے پھینک سکتا تھا۔ اس نے مجھے بے ہوشی کی حالت میں پشاور کے ایک بارونق علاقے میں پہنچا کر بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ اس سے ایک بات ظاہر ہوتی تھی کہ وہ لوگ فوری طور پر مجھے مارنے کے موڈ میں نہیں تھے۔

میں نے پوری قوت سے اس کا ہاتھ اپنے گریبان سے جھٹک دیا اور پھرتی سے کئی قدم پیچھے ہٹ کر کہا "مقابلے کی آرزو ہے تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔ اس خیال میں نہ رہنا کہ میں مجبوری کی وجہ سے تم لوگوں کی بدتمیزیاں خاموشی سے سہتا رہوں گا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

میرا گریبان پکڑنے والے نے دوبارہ میری طرف لپکنے کا قصد کیا مگر اس کے ساتھی نے اسے بروقت روک لیا "بوبی! اپنے اوپر قابو رکھو۔ میں یہاں کوئی ہنگامہ آرائی پسند نہیں کروں گا۔ اکبر خان کا ماموں بھی اپنے ہوٹل میں کشت وخون برداشت نہیں کرے گا اور بلاوجہ بات بگڑ جائے گی۔"

وہ غالباً بوبی سے سینئر تھا کیونکہ اس کی آواز پر بوبی کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ مجھے یاد آگیا کہ ٹریڈ لائن میں بھی میں نے اس کا نام بوبی ہی سنا تھا مگر میں دانستہ اس کی طرف سے انجان بنا رہا۔

"تم باس ہو!" بوبی نے اپنا سر جھٹک کر اپنے ساتھی سے کہا "جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہوگا لیکن میں یہ بتادوں کہ ڈیلی لاتوں کا بھوت ہے، باتوں سے راہ راست پر نہیں آئے گا۔ چیف بھی اس سے بہت گھبراتا تھا۔"

"میں تیرے کسی چیف کو نہیں جانتا۔ تو کس کی بات کررہا ہے؟" میں نے بوبی سے پوچھا۔

میرے طرز تخاطب پر بوبی بھڑکنے ہی والا تھا کہ باس نے اشارے سے اسے خاموش کردیا اور خود ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے مجھ سے بولا "ایک طرف بیٹھ جاؤ اور تلخیوں کو ذہن سے جھٹک دو۔

ہمیں تم سے کچھ اہم باتیں کرنی ہیں۔"

"اہم باتیں گریبان پکڑ کر نہیں کی جاتیں۔" میں نے تلخی سے کہا اور مسہری پر بیٹھ گیا۔

"تم باہر ٹھہرو۔" باس نے اکبر خان سے کہا "ضرورت ہوئی تو تمہیں بلا لیں گے۔"

اکبر خان لمحہ بھر کے لئے متذبذب نظر آیا۔ میں نے اس کے دل میں شبہات کے جو بیج بوئے تھے وہ بار آور ثابت ہو رہے تھے۔ اس نے منہ سے کوئی لفظ نکالے بغیر اپنا پستول شلوار کے نیفے میں اڑسا اور باہر چلا گیا۔ اس بار ان دونوں نے دروازہ بولٹ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ میرے نقطۂ نظر سے ان کی وہ کاہلی سودمند تھی۔ یہ بات یقینی تھی کہ اکبر خان باہر جانے کے باوجود اندر کی گفتگو پر کان لگائے رکھتا۔ اگر میں اپنی باتوں سے یہ تاثر پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا کہ وہ دونوں ملک کے بدخواہ تھے تو اکبر خان کے دل میں میرے لئے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو سکتا تھا۔ صورت حال زیادہ خراب ہوتی تو وہ کمرے میں گھس کر میری عملی مدد بھی کر سکتا تھا۔

باہر اجالا پھیلنے لگا تھا لیکن اس ملگجے اجالے میں کمرے کو روشن رکھنے کے لئے بلب بدستور جل رہے تھے۔

"اگر باس تم سے نرمی برتنے پر آمادہ ہے تو مجھے بھی تمہارا لحاظ کرنا پڑے گا۔" بوبی نے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے' مہذب پیرائے میں کہا "میں یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا کہ تم نے مجھے نہیں پہچانا ہوگا۔"

"کسی شناسا کے نظر آنے پر کچھ بے ساختہ تاثرات ابھرتے ہیں۔ شاید تم نے اندر آکر میرے سپاٹ چہرے پر غور نہیں کیا ہوگا۔" میں نے بھی مصالحانہ لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے جواب دیا "اب بہتر یہی ہوگا کہ تم اپنا تعارف کرا دو۔"

"میں چیف کے لئے مال اور رقوم کی باہر ترسیل کے انتظامات کرتا تھا اور اکثر اس کے پاس آتا رہتا تھا۔" اس نے کہا۔

"اوہ!" میں نے بے ساختگی سے کہا "تو یوں کہو کہ تم مافیا کے کارکن ہو اور سیٹھ حبیب جیوانی کے لئے کام کرتے تھے۔ دراصل ٹریڈ لائن میں ہر شخص اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ وہاں دوسروں کے بارے میں تجسس میں پڑنے کی اجازت نہیں تھی۔ میرے لئے تم ایک اجنبی تھے اس لئے ہو سکتا ہے کہ میں نے تمہیں دیکھنے کے بعد بھی کوئی اہمیت نہ دی ہو۔"

"باس کو خاص طور پر لندن سے کراچی بھیجا گیا ہے۔ پورے شہر میں میرے سوا کوئی ایسا آدمی آزاد یا زندہ نہیں بچا تھا جو ٹریڈ لائن پر نازل ہونے والی تباہی کے بارے میں تحقیقات کر سکے" بوبی ہٹ ... لگا کر بولنے لگا "اس آپریشن میں جو کچھ ہوا۔ وہ ... بیہن ہے' ایسی کارروائی ... کی بڑی مخبری کے ... ہو ہی نہیں سکے۔

"اور تمہیں شبہ ہے کہ مخبری میں نے کی ہوگی؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"ظاہری حالات ایسے ہی ہیں۔" باس کے لقب سے مخاطب کئے جانے والے شخص نے کہا "ٹریڈ لائن پر پولیس اور نیم فوجی دستوں نے پوری تیاریوں کے ساتھ دھاوا بولا تھا۔ وہاں سے چڑیا کا بچہ بھی بچ کے نہیں نکل سکا۔ کافی لوگ مارے گئے۔ جو زندہ بچے' وہ سب گرفتار کر لئے گئے۔ حد یہ ہے کہ سیٹھ حبیب جیوانی' جو چھاپے کے وقت دفتر میں نہیں تھا وہ بھی ایک قریبی سڑک ... گولیوں سے بھون ڈالا گیا۔ اس تباہی نے سب بڑوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کے ایما پر میں نے کراچی میں تفتیش کی تو پتا چلا کہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ تم مافیا میں کلیدی کردار ادا کرتے تھے۔ اگر ٹریڈ لائن پر چڑھائی کرنے والے اتنے ہی باخبر تھے تو انہوں نے تمہیں کیوں نظرانداز کر دیا؟ میرے لئے اس سوال کا جواب پانا ضروری ہو گیا۔ اپنی ان ہی کوششوں میں مجھے بوبی تک رسائی حاصل ہوئی۔ ہم دونوں نے اپنی تحقیقات کا دائرہ وسیع کیا تو معلوم ہوا کہ کراچی میں مافیا کی تباہی کے بعد تم کھلے بندوں اپنے فلیٹ میں رہتے رہے اور کسی نے تمہیں تنگ نہیں کیا پھر تم اپنے ساتھیوں سمیت اچانک لاپتا ہو گئے۔ تمہاری اچانک گمشدگی سے ہمیں شبہ ہوا کہ تم بھی پھنس چکے ہو لیکن پھر بدرو دادا کے آدمیوں کے ذریعے ایک کہانی بوبی تک پہنچی۔ میں خود ولی سے ملا اور اس نے تمہارے اغوا کی پوری کتھا سنا ڈالی۔ ولی کو تمہارے اغوا کا سبب معلوم نہیں تھا لیکن بوبی جانتا تھا کہ ٹریڈ لائن کو ایک سودے کی رقم سردار پائندہ گل کے آدمیوں کو ادا کرنی تھی۔ ان کڑیوں کو یکجا کر لینے کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ شنگاری سردار نے اپنے مال یا اس کے معاوضے کی وصولی کے لئے تمہیں اٹھوایا ہے کیونکہ اس کے مقروض لوگوں میں سے صرف تم زندہ بچے تھے۔ مجھے امید تھی کہ تم اسے مطمئن کر کے یا مہلت حاصل کر کے ضرور واپس لوٹو گے۔ اسی دن ہم نے پشاور پہنچ کر مقامیوں سے رابطہ کیا اور لنڈی کوتل پر نفری لگا دی......"

میں نے اس مرتبہ اسے بھی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا "بوبی کے سلوک سے ظاہر ہو رہا ہے جیسے تمہیں میری بدنیتی کا پورا یقین ہو چکا ہے۔ بات صرف شبے کی ہوتی تو پہلے مجھے صفائی کا موقع ملنا چاہئے تھا۔"

میں نے ان دونوں سے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ سردار پائندہ گل سے ہیروئن یا رقم کا تنازع پہلے ہی طے ہو چکا تھا اور اسے اس کا مال لوٹا دیا گیا تھا۔ ہمارے اغوا کا سبب جنت گل کی ذات اور اس کی پھیلائی ہوئی باتیں تھیں۔ یہ بہت اچھا تھا کہ وہ شدید غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ انہیں اصل صورتِ حال کی بھنک بھی مل جاتی تو میرے لئے ... محال ہو ... پشاور میں سردار پائندہ گل کو اس کی حویلی میں محصور کرنے والے مسلح ... کون تھے اور

پھر میں نے اس کی مطلوبہ ہیروئن کہاں سے حاصل کی تھی۔ ان حوالوں سے اسپیشل ٹاسک فورس کا ذکر ناگزیر ہو جاتا اور پھر میں ان دونوں سے کسی طرح اپنی گردن نہیں بچا سکتا تھا۔ وہ مجھے سرکاری ایجنٹ اور مخبر قرار دے کر بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔

"خیر وہ بوبی کی جلدبازی تھی۔ اب تمہیں صفائی کا موقع دیا جا رہا ہے۔" باس نے کہا۔

"ٹریڈ لائن پر جو تباہی نازل ہوئی' وہ میرے لئے بھی حیران کن تھی۔" میں نے پُراعتماد انداز میں سگریٹ سلگانے کے بعد کہا "کچھ عرصے سے کراچی کے حالات گڑبڑ چل رہے تھے۔ چیف کو کئی بار شبہ ہوا کہ کچھ نامعلوم لوگ گاڑیاں بدل بدل کر اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی بیوی کی کسی بے احتیاطی کی وجہ سے اس کی روپوشی راز نہ رہی ہو۔ سرکاری طور پر اسے جرمنی کی ایک جیل میں مردہ قرار دیا جا چکا تھا۔ ایسی صورت میں اس کی یہاں موجودگی کی خبریں خفیہ اداروں کو چوکنا کر سکتی تھیں۔ یہ ہم سب کی بدقسمتی ہے کہ چیف نے ان مذموم خطرات کی اہمیت کا ادراک نہیں کیا اور سب کچھ ڈوب گیا۔ اس واقعے نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ میں کھلے بندوں اپنے فلیٹ میں رہتا رہا۔ میں کسی چور کی طرح وہاں روپوش تھا۔ کئی بار مجھے وہاں سے غائب بھی رہنا پڑا۔ میں اسے صرف اپنی خوش قسمتی قرار دوں گا کہ کوئی سرکاری اہل کار مجھ تک نہیں پہنچ سکا مگر مجھے یقین ہے کہ میری تلاش جاری ہوگی۔ سردار پائندہ گل نے مجھے اغوا کر کے ان لوگوں کو بھی چکر میں ڈال دیا ہوگا۔ میں کراچی میں کافی مدت تک منظرِعام پر نہیں آسکوں گا۔"

باس چند ثانیوں تک خاموش رہ کر گہری نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرے چہرے سے میری باتوں کی صداقت کا اندازہ لگانا چاہ رہا تھا۔ آخر کار وہ سپاٹ لہجے میں بولا "تو میں یہ سمجھ لوں کہ تم سچ بول رہے ہو؟"

"تم کراچی چل کر خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہاں میرے لئے کتنے خطرات موجود ہیں....."

"مجھے اندازہ ہے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولا۔ "تم نے شاید میری بات پر غور نہیں کیا کہ میں نے تمہارے بارے میں باقاعدہ تحقیقات کی ہیں۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ کسی سرکاری ادارے کو تمہاری تلاش نہیں ہے۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ تم ان کے آدمی ہو۔ البتہ شہر میں کچھ اور لوگ ضرور تمہاری تلاش میں ہیں۔"

"وہ کون لوگ ہیں؟" میں نے اس کے اخذ کئے ہوئے نتیجے کو کوئی اہمیت دیے بغیر پوچھا۔

"وہ دو غیر ملکی بدمعاش ہیں اور اپنے کام کے آدمیوں کی تلاش میں کراچی کے جرائم پیشہ افراد کی بستیوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔"

اس نے معنی خیز لہجے میں کہا "تمہیں اپنے دشمنوں کے بارے میں خاصا باخبر ہونا چاہئے۔"

"وہ بھی سردار پائندہ گل کی طرح' ٹریڈ لائن کے قرض خواہ ہو سکتے ہیں....."

"میں تمہاری سہولت کے لئے بات واضح کئے دیتا ہوں۔" وہ میری قطع کلامی کر کے بولا "وہ مکاؤ سے آئے ہوئے ہیں۔"

مکاؤ کا ذکر آتے ہی میرے بدن میں سنسنی کی لہر سرایت کر گئی مگر میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا "مکاؤ کے بدمعاش؟ انہیں مجھ سے کیا پرخاش ہو سکتی ہے؟ مشرقِ بعید کے کسی بھی علاقے سے ہمارا لین دین نہیں تھا۔"

"بکومت!" اس بار وہ برہم ہو کے غرّایا "ان لوگوں کا مافیا سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم مکاؤ گئے تھے یا نہیں؟ وہاں تمہارا کیا کام تھا؟ اس بارے میں چیف کو کیوں لاعلم رکھا گیا؟"

میرا ارادہ تھا کہ مکاؤ جانے کے واقعے سے انکار کر دوں گا لیکن اس کے سوالات بہت کاٹ دار تھے۔ ان سے ظاہر ہو رہا تھ کہ اسے میرے مکاؤ جانے کے بارے میں خاصی معلومات حاصل تھیں۔ میں نے دل ہی دل میں' پہلی بار گھبراہٹ محسوس کی او آہستگی سے بولا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ٹریڈ لائن کی تباہی کے بع میں نے سارا وقت کراچی میں نہیں گزارا تھا بلکہ خطرات کو بھانپ ہوئے باہر نکل گیا تھا۔ وہ صرف وقت گزارنے کا ایک بہانہ تھا اس وقت چیف اس دنیا میں نہیں تھا۔ اس لئے اسے باخبر رکھنے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں کے کسی بدمعاش میری کوئی بات ناگوار گزری ہو۔ میں نے وہاں کے کئی جوئے خانو میں خاصی لمبی رقمیں جیتی تھیں۔ وہ دونوں ان جوئے خانوں پالتو غنڈے بھی ہو سکتے ہیں۔"

میں نے اندھیرے میں ایک تیر چلایا تھا جو ناکام بھی ہو تھا۔ میرے بیان میں سب سے بڑا جھول یہ تھا کہ میں حبیب جیو کی موت کے بعد نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے مکاؤ گیا تھا۔ ا وقت میں نے حبیب جیوانی سے اسلام آباد جانے کا بہانہ کیا اگر وہ دونوں پوری معلومات کے ساتھ آئے تھے تو اسی ایک با میری گرفت کر سکتے تھے لیکن بات ٹل گئی۔ وہ دانت پیستے ہوئے "دونوں چینی حرام زادے بہت گھنے ہیں۔ کھل کر بات ہی کرتے۔ بس انہیں ہر قیمت پر تمہاری تلاش ہے۔ تمہیں لے جا کر ان سے سودے بازی کی جائے گی تو وہ تمہارے لا کھلنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس وقت پتا چل جائے گا کہ تمہ کہانی میں کتنی حقیقت پائی جاتی ہے۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ میں نے بھی اس بوجھل سکوت کو تو میں پہل نہیں کی۔ میں دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا ک وقت گولی میرے کان پر سے گزر گئی تھی۔ مکاؤ سے آئے بدمعاش یقیناً ڈون کوانگ فو کے آدمی تھے۔ اگر وہ میرے

ہربات کی تشہیر کرچکے ہوتے تو اس وقت میرا بچ نکلنا ناممکن
لندن سے آئے ہوئے پاکستانی نژاد باس کے آئندہ عزائم بہت
ناک تھے لیکن میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ مجھے عارضی مہلت
لی تھی۔ باس کی گفتگو کا اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ وہ ذہنی طور پر
کراچی لے جانے یعنی مزید کئی دن زندہ رکھنے کے لیے تیار ہو چکا
۔ میں اس مدت میں اپنی گلوخلاصی کے لیے کچھ ہاتھ پیر مار سکتا
اس وقت اس سے زیادہ کی امید عبث تھی۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد باس پھر بولنے لگا "تم سمجھ گئے
ے کہ ہمارے لیے مکاؤ کی کیا اہمیت ہے۔ وہاں ہمارا ایک اہم
ذہین آدمی' بھرے مجمع میں قتل کردیا گیا تھا اور قاتل کا سراغ
ں مل سکا تھا۔۔"

"ہاں۔ میں زندگی بھر ڈان نیشی کاؤ کو نہیں بھول سکتا" میں
ادا اختیار کرکے کہا "مجھے کئی دن بعد چیف نے اس کے
وس ناک قتل کے بارے میں بتایا تھا۔ ڈان مجھ سے بہت محبت
رمی سے پیش آیا تھا۔ اس نے مجھے تخلیئے میں گفتگو کرنے کی
ت بھی دی تھی۔ اگر موت نے اسے رپورٹ بھیجنے کی مہلت دی
تو تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ مجھے چیف سے زیادہ بااختیار
نے کا آرزومند تھا مگر موت نے سب کچھ ملیامیٹ کردیا۔ ڈان
ئی کاؤ مکاؤ میں مارا گیا۔ یہاں مافیا تہس نہس کردی گئی اور چیف
نے ایک ماتحت کی ماتحتی کرنے سے پہلے ملکِ عدم کو سدھار
یا۔"

"ڈان نیشی کاؤ کی رپورٹ مدر مافیا کے ریکارڈ پر ہے" باس نے
لمبا گہرا سانس لے کر کہا "یہی وجہ ہے کہ تمہیں زندہ پکڑا گیا ہے
ر الزام ثابت ہونے تک زندہ رکھا جائے گا ورنہ غداروں کے
رے میں مافیا کی روایات بہت سفاکانہ ہیں۔ جس کسی پر مافیا سے
اری کا شبہ بھی ہو جائے' اسے پہلی فرصت میں دوسروں کے لیے
رت کا نمونہ بنادیا جاتا ہے۔ تمہارا دامن صاف ہوا تو پاکستان میں
یا کی تنظیم نو کا کام شاید تم ہی کو سونپ دیا جائے۔"

"تم اپنی بات کہہ چکے ہو' میں نے اپنی صفائی پیش کردی ہے۔
ری بے گناہی کا فیصلہ کب ہوگا؟"

"تمہیں مکاؤ سے آئے ہوئے چینیوں کے سامنے پیش کرکے
ن کی زبانیں کھلوائی جائیں گی" باس کے ہونٹوں پر خفیف سی طنزیہ
سکراہٹ پھیل گئی "مجھے شبہ ہے کہ کہیں وہ ڈون کوانگ فو کے
ادمی نہ ہوں۔"

"یہ ڈون کوانگ فو کون ہے؟" میں نے اپنے اضطراب پر قابو
پاتے ہوئے پوچھا۔

"وہ مکاؤ میں شی کا آئی مین ہے" باس کے ہونٹوں کے گوشے
زید پھیل گئے۔ "وہ اس خطے میں اس قدر طاقت ور اور بارسوخ
ہے کہ اسے مکاؤ کا بے تاج بادشاہ کہا جاتا ہے۔ اس کا حصہ ادا
کیے بغیر کوئی شخص کوئی جائز یا ناجائز دھندا نہیں کرسکتا پھر بھی لوگ
اس کی عزت کرتے ہیں۔ ڈان نیشی کاؤ اسی کی حویلی میں مارا گیا
تھا۔"

"اوہ!" میں نے تحیر زدہ آواز میں کہا "یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔
پھر تو یہ سامنے کی بات ہے کہ شی کے ایک بڑے نے مافیا کے ایک
بڑے کو گھیر کر مروادیا۔ اس سازش پر کوانگ فو کے چیتھڑے
اڑادئے جانے چاہییے تھے۔"

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "وہ دونوں
ایک دوسرے کے پڑوسی اور بچپن کے گہرے دوست تھے۔ وہاں شی
اور مافیا کا کوئی قصہ نہیں تھا۔ ایک دوست اپنے پرانے دوست سے
ملنے گیا تھا۔ چینی بہت روایات پرست ہوتے ہیں۔ وہ دشمن کو بھی
ایسی مکاری سے نہیں مارتے۔ ڈان نیشی کاؤ کے قتل کے بعد ڈون
کوانگ فو کے آدمیوں نے مکاؤ کے ہر مشتبہ آدمی کے گھر اور
کاروبار کو جلا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کردیا تھا۔ شاید کسی نے
کوانگ فو کے سینے میں بھڑکتی ہوئی آگ نہ دیکھی ہو لیکن مکاؤ میں
بھڑکتے ہوئے فلک بوس شعلوں کو میلوں دور تک دیکھا گیا تھا۔ ڈون
کوانگ فو نے اپنے معزز ترین مہمان کے قتل کو اپنی سخت بے عزتی
تصور کیا تھا۔ وہ آج تک مافیا کے بڑوں سے شرمسار ہے لیکن ڈون
کوانگ فو کی حویلی میں پیش آنے والے واقعات سختی سے دبادئے
گئے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ اندر کیا ہوا؟ وہاں کون کون مشتبہ تھا؟
ڈون کوانگ فو کس کی بو پر لگا ہوا ہے؟ پرانے دوستوں کی ملاقات
کے جشن میں شرکت کرنے والے اس بارے میں ایک لفظ بھی
بتانے پر آمادہ نہیں ہیں۔ بس ڈون یہ کہتا رہتا ہے کہ جس دن وہ
اپنے عزیز ترین دوست کے قاتل کو پکڑلے گا' اسے اسی دن نیشی
کاؤ کے ورثا کے حوالے کردے گا۔"

اس کی وہ باتیں آنکھیں کھول دینے والی تھیں۔ ان سے میری
کئی الجھنیں دور ہوگئیں۔

مجھے ہر دم یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ جب ڈون کوانگ فو کو مجھ پر
شبہ ہو چکا ہے تو کسی وقت یہ بات مافیا والوں کو بھی معلوم ہو جائے گی
اور وہ مجھے فنا کردینے پر تل جائیں گے لیکن باس نے اپنی روانی میں
اندر کی باتیں اگل دی تھیں۔ ڈون جو کچھ کررہا تھا' سخت رازداری
کے ساتھ کررہا تھا۔ مافیا والے سرتوڑ کوششوں کے باوجود حقائق یا
ڈون کی سوچ کے بارے میں کچھ معلوم کرنے میں کامیاب نہیں
ہوسکے تھے لیکن باس مجھے مکاؤ والوں کے سامنے ڈالتے ہی سب کچھ
جان لیتا تو میں دوطرفہ عذاب میں مبتلا ہو جاتا۔

"ان معاملات کو تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو" میں نے سرجھکا کر
کہا "اگر ڈون کوانگ فو مجرم ہونے کے باوجود اتنا کٹر روایات
پرست ہے تو بہت عظیم آدمی ہے۔ حیرت ہے کہ میں مکاؤ جانے کے
باوجود اس کا ذکر تک سننے سے محروم رہا۔"

"اس بارے میں زیادہ نہ بولو" اس نے ناگواری سے کہا "اگر
صرف ایک بات معلوم ہو جائے کہ مکاؤ سے آئے ہوئے بدمعاش'

ڈون کوانگ فو کے نمک خوار ہیں تو میں اپنے ناخنوں سے تمہارا نرخرہ چیر ڈالوں گا۔ اس کا مطلب ہوگا کہ تم جھوٹے ہو۔ تم حبیب جیوانی کی زندگی میں' اسے بتائے بغیر مکاؤ گئے اور دھوکے سے ڈان نیشی کاؤ کو موت کے گھاٹ اتار کے واپس لوٹ آئے۔ اب ڈون کوانگ فو کو شدت سے تمہاری تلاش ہے۔"

"تم تصویر کا صرف ایک ہی رخ دیکھ رہے ہو" میں نے احتجاج کیا "اگر وہ ڈون کے آدمی نہ ہوئے تو کیا ہوگا؟"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا "میں بتا ہی چکا ہوں کہ ایسی صورت میں' پاکستان میں مافیا کے نئے چیف تم ہو گے" گندمی چہرے پر اس کے چمکتے ہوئے دانتوں کی نمایاں قطاریں مجھے اس خونی بھیڑیے کی یاد دلا رہی تھیں جو اپنے شکار کو کسی بند گوشے میں بے بس پا کر دانت نکوس رہا ہو۔

"کراچی پہنچتے ہی تمہاری تقدیر کا فیصلہ ہو جائے گا" بوبی نے اپنی دانست میں باس کی گفتگو کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ڈان نیشی کاؤ کی آخری رپورٹ تمہارے حق میں نہ ہوتی تو پشاور ہی میں تمہارا فیصلہ ہو جاتا۔"

باس ایک جھٹکے سے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور بوبی سے مخاطب ہو کر بولا "اکبر خان کو اندر بلاؤ۔"

بوبی دروازے کی طرف گیا تو میں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے باس سے سوال کر ڈالا "اب ہم کراچی کے لیے کب روانہ ہوں گے؟" اس وقت تک کافی اجالا پھیل چکا تھا لیکن ضرورت نہ ہونے کے باوجود کمرے کے بلب روشن تھے۔

"بندوبست ہوتے ہی ہم چل پڑیں گے۔ میں وقت برباد کرنے کا قائل نہیں ہوں۔"

"کیا اس دوران میں مجھے اپنے ساتھیوں سے رابطہ کرنے کی اجازت ہوگی؟" میں نے خوشامدانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہرگز نہیں" وہ غرایا "یہ یاد رکھنا کہ فیصلہ ہونے تک تم ایک قیدی کی حیثیت سے رہو گے۔"

اسی اثنا میں اکبر خان اندر آگیا اور باس اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "تمہیں چند گھنٹوں کے لیے قیدی کی نگرانی کرنی ہوگی۔ یہ دھیان رکھنا کہ ڈپٹی بہت چالاک اور مکار آدمی ہے۔ ہم آج ہی کسی وقت اسے یہاں سے نکال لے جائیں گے۔ تم چاہو تو اپنی مدد کے لیے اپنے ساتھیوں کو بھی بلا سکتے ہو۔"

اکبر خان نے اپنے نیفے میں اڑسا ہوا پستول نکال کر اس کی نال کو بوسہ دیا اور فخریہ لہجے میں کہا "میرا بس یہی ایک ساتھی کافی ہے۔ اس کے سامنے دس ڈپٹیوں کی چالاکی اور مکاری بھی کام نہیں آسکے گی۔"

"گڈ!" باس اس کے شانے پر تھپکی دیتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ان دونوں کے چلے جانے کے بعد اکبر خان نے ہوشیاری سے دروازہ بولٹ کیا اور کرسی پر جم کر بیٹھ گیا۔

"تم نے سن لیا ہوگا کہ وہ دونوں کون ہیں؟" میں نے سکوت کو توڑتے ہوئے کہا۔

"میں نے تم لوگوں کی کافی باتیں سنی ہیں۔ وہ ضرور برے آدمی ہیں مگر میں بھی نیک نام نہیں ہوں۔ انہیں تم پر غداری کا شبہ ہے۔ مخبری کوئی بھی کر سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ مخبر بہت بڑا محب وطن ہو۔ ذاتی پرخاش نکالنے کے لیے بھی لوگ ایسے کام کر گزرتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے تمہارے لیے صورتِ حال جوں کی توں رہی ہے۔"

"میں نے تم سے غلط بیانی نہیں کی تھی" میں نے سوچتے ہوئے کہا "میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہ لوگ ہیروئن کی تجارت سے کہیں زیادہ خطرناک عزائم رکھتے ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ میں کس طرح تمہاری تسلی کرا سکتا ہوں؟"

"مجھے تسلی کی ضرورت ہی نہیں۔ میں ان دونوں کی واپسی کا انتظار کروں گا" وہ بے فکری سے بولا۔

چند ثانیوں تک غور و فکر کرنے کے بعد میں نے تجویز پیش کی "تم پشاور میں کسی فوجی افسر سے فون پر میری بات کرا دو۔ تم دیکھ لینا کہ وہ مجھے پہچان لے گا۔ اس کی گواہی تمہیں میرے دعوے کا یقین دلا دے گی۔"

"میں احمق نہیں ہوں" وہ تلخی سے بولا "فون مل جانے کے بعد تم کوئی بھی چال بازی کر سکتے ہو۔"

"میں تم سے حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں فون پر اپنی شناخت کے سوا کوئی اور بات نہیں کروں گا۔ میں چاہوں بھی تو اس مقام کی نشاندہی نہیں کر سکتا کیونکہ تم مجھے بے ہوشی کی حالت میں یہاں لائے تھے" میں نے التجائیہ انداز میں کہا "میں بس ایک موقع چاہتا ہوں۔ وہ افسر مجھے پہچان گیا تو تم اس سے بات کر لینا ورنہ میں تن بہ تقدیر ہو کر حالات کا مقابلہ کروں گا۔ اس کے بعد مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہوگا۔"

"اگر تمہارے دعوے میں ذرا بھی سچائی ہوئی اور تم مار ڈالے گئے تو مجھے زندگی بھر قلق رہے گا" وہ سوچتے ہوئے بولا "میرے گاؤں کا ایک آدمی ایک فوجی افسر کا اردلی ہے۔ میں اسی سے بات کر سکتا ہوں۔ وہ تمہیں نہیں پہچانے تو پھر نہ تلملانا۔ میں تمہارے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔"

"یہ تمہارا بہت بڑا احسان ہوگا" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا "اس کے بعد میں تم سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا۔ میرے مقدر نے یاوری کی تو یہی ایک موقع میری زندگی کا بہانہ بن جائے گا۔"

"تم بستر سے اٹھ کر ادھر دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ تاکہ میں اپنا کام کر سکوں" اس نے پستول کی نال سے باتھ روم کی سپاٹ دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میں بے چون و چرا اٹھ

طرف بڑھ گیا۔

میری طرف سے مطمئن ہو کر اس نے مسہری کے نیچے ٹٹولنے کے بعد ایک سالخوردہ سا فون نکال لیا۔ کمرے میں انسٹرومنٹ کی موجودگی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہوٹل بالکل ہی گیا گزرا نہیں تھا۔ فون کے تار الگ کر کے ریسیور سے باندھ دیئے گئے تھے۔ اکبر خان نے تاروں کے سرے پر لگا ہوا ننھا سا پلگ فون کے عقبی حصے میں بنی ہوئی مخصوص جگہ پر لگا دیا اور فون کی گھنٹی ٹن ٹن کر کے رہ گئی۔ اکبر خان کے ایک ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے ریسیور اٹھا کر، اپنے شانے اور گردن کے درمیان میں دبایا اور اسی ہاتھ سے ایک ہندسہ ڈائل کر کے دوسری طرف سے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

وہ غالباً آپریٹر کا نمبر تھا۔ سلسلہ ملنے پر اکبر خان نے پشتو میں گفتگو شروع کر دی۔ چند فقروں کا تبادلہ ہونے کے بعد اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ چند لمحوں بعد فون کی گھنٹی بج اٹھی اور اکبر خان نے دوبارہ ریسیور اٹھا لیا۔

اس بار اس نے پُرتپاک سلام سے گفتگو کی ابتدا کی جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے مطلوبہ آدمی سے بات کر رہا تھا۔ وہ خاصی دیر تک زور و شور سے گفتگو میں مصروف رہا۔ اس دوران میں وہ بار بار میری طرف دیکھتا جا رہا تھا۔ دو تین مرتبہ اس نے میرا نام بھی لیا لیکن میں اس کی مجموعی گفتگو سے کوئی مفہوم اخذ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

آخر کار وہ سنسنی خیز لمحہ بھی آ گیا جب اکبر خان ریسیور بستر پر رکھ کر میری طرف متوجہ ہوا "آ کر کپتان صاحب سے بات کرو۔ تم نے کوئی فالتو بات کی تو میں لائن کاٹ دوں گا" میں نے جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"میں انٹرفیلڈ سے کیپٹن بابر بول رہا ہوں" میرے اضطراری ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے ایک شائستہ اور نکھری ہوئی آواز ابھری "فرمایئے، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" اس کے لب و لہجے میں پنجاب کا رنگ نمایاں تھا۔

"میرا نام ڈپی ہے اور اسپیشل ٹاسک فورس کا اول خان....!" میں نے بات شروع ہی کی تھی کہ تحیر زدہ لہجے میں کاٹ دی گئی۔

"اوہ! تو تم وہ ڈپی ہو" کیپٹن بابر فرطِ حیرت سے آپ کے بجائے تم پر اتر آیا "البرٹو ویلیسا کی کہانی ابھی تک ہم لوگوں کو حیران کر رہی ہے۔ کہو! میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

اس نے البرٹو ویلیسا کا حوالہ دے کر میرے بدن میں ایک نیا ولولہ بیدار کر دیا۔ وہ میرے نام ہی سے نہیں، کام سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔ میں نے دوبارہ بات شروع کی تو فرطِ جذبات سے میری آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "مجھے زیادہ بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ میں فون اپنے میزبان کو دے رہا ہوں، اسے میرے بارے میں بتا دیں۔ شاید اس طرح مجھے اپنی مشکلات سے نجات مل سکے" یہ کہہ کر میں نے ریسیور اکبر خان کو دے دیا۔ مجھے پورا تھا کہ کیپٹن بابر اسے ہر اعتبار سے مطمئن کرنے میں کامیا ہو جائے گا۔

اکبر خان نے اس سے بھی پشتو میں بات کرنی چاہی مگر فور اردو پر آ گیا۔ شاید کیپٹن بابر پشتو سے واقف نہیں تھا۔ ابتدا میں خان ہوں، ہاں کر کے دوسری جانب سے کی جانے والی تقریر سن پھر مدافعانہ لہجے میں بولا "سر! میں ڈپی صاحب کو پوری عزت گا۔ اس معاملے میں مجھ سے دھوکا کیا گیا ہے۔ اچھا ہی ہوا کہ نے یہ فون کر لیا ورنہ ڈپی صاحب خطرناک لوگوں میں جاتے۔ میں بس ابھی انہیں روانہ کر دیتا ہوں۔ ان کے بدخوا سے میں خود نمٹ لوں گا۔"

وہ دوسری طرف کی بات سننے لگا پھر بہت بہتر کہہ کر دوبارہ مجھے دے دیا۔

"خطرے کی بات ہے تو تم وہیں ٹھہرو" کیپٹن بابر پُرجوش میں کہہ رہا تھا "میں ابھی ایس ٹی ایف کے مقامی یونٹ کو ہوں، مجھے یقین ہے کہ وہ فوراً تمہاری طرف چل پڑیں گے۔ یہ کہ تم اس وقت کہاں ہو؟"

اکبر خان حیران و نادم سا، میرے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ ا کے بھرے ہوئے پستول کی نال خود بخود فرش کی طرف جھک تھی۔ میں نے ہوٹل کے نام کے بارے میں اس سے سوال کر ارادہ کیا ہی تھا کہ دروازے پر تیز دستک ہونے لگی۔

اکبر خان نیند سے بھڑکے ہوئے کسی معمول کی طرح درواز کی طرف دوڑ پڑا۔

"یہ قصہ خوانی بازار کا کوئی ہوٹل ہے۔ مجھے اس کا نام معلوم" میں نے فون پر کہا۔

"اکبر سے نام پوچھ کر بتاؤ۔ وقت برباد نہ کرو۔ وہ لوگ کس وقت واپس آ سکتے ہیں۔"

"وہ ابھی آتا ہے" میں نے مڑ کر دیکھا تو کمرے کا دروازہ چکا تھا۔ باس اور بوبی نے کھلے ہوئے دروازے میں سے مجھے فو مصروف دیکھا تو حیرت اور غصے سے ان کے چہرے بگڑ گئے۔ با اکبر خان کو ایک طرف دھکیل دیا۔ بوبی نے میری طرف چھ لگائی۔ اس کے ایک ہاتھ میں وزنی تھیلا جھول رہا تھا۔

"وہ آ گئے..." میں نے ماؤتھ پیس میں تیزی سے کہا او لمحے بوبی نے بستر پر سے فون اٹھا کر کھینچ لیا۔ ریسیور میرے ہا نکل گیا اور فون کے تار ٹوٹ کر الگ ہو گئے۔ میری بات ادھو گئی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا تھا؟" باس، اکبر خان پر آنکھیں نکال ک "معلوم ہوتا ہے کہ تم اس سے مل گئے ہو۔"

"تم بلاوجہ گرم ہو رہے ہو" اکبر خان نے حیرت ناک ا کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "میں پشاور سے کراچی جانے

جہازوں کا وقت معلوم کر رہا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو میں ریسیور ڈیبی کو تھما کر ادھر آ گیا۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" وفاداریوں میں تبدیلی رونما ہوتے ہی اکبر خان کی جبلی مکاری پوری طرح عود کر آئی تھی۔

"تم نے وہ آ گئے کے الفاظ کس سے کہے تھے؟" بوبی نے غرّا کر مجھ سے پوچھا۔ اس نے میرا آخری فقرہ سن لیا تھا۔

"کسی سے بھی نہیں" میں نے سادگی سے کہا "مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ اضطراری طور پر میرے منہ سے کیا نکلا تھا؟"

"تم کراچی کی پروازوں کا وقت کیوں معلوم کر رہے تھے؟"

باس پوری طرح مطمئن نہیں ہو سکا تھا۔

"تمہاری واپسی کے وقت کا اندازہ لگانا چاہ رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ تم آ ہی گئے۔" اس وقت اکبر خان کا جھوٹا اعتماد قابلِ دید تھا۔

"ہاں! یہ اچھا ہوا کہ ہم بروقت لوٹ آئے" باس بھنّا کر بولا "اب ہمیں مزید وقت ضائع کیے بغیر یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ ہم ایک لمحے کے لیے بھی یہاں ٹھہرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"لیکن روانگی کی تیاری کے لیے ہمیں تھوڑی دیر تک یہاں رکنا ہی ہوگا" بوبی نے معنی خیز لہجے میں کہا اور اپنا تھیلا بستر پر رکھ کر اس میں سے متعدد چرمی تسمے وغیرہ باہر نکالنے لگا۔

"اس کے کپڑے اتروا دو!" تھوڑی دیر بعد جب بوبی اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو باس نے غرّا کر اکبر خان کو حکم دیا۔ اکبر خان متردّد انداز میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ باس نے برہمی سے اپنی ہدایت دہرائی اور اکبر خان میری طرف بڑھ آیا۔

میرے لیے وہ ہدایت ناقابلِ فہم تھی۔ بوبی کے تھیلے سے برآمد ہونے والے چرمی تسموں کو دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ شاید مجھے بے دست و پا کر کے' بے ہوشی کے عالم میں ہوٹل سے نکال لے جانا چاہتے تھے لیکن لباس اتروانے کا مقصد میری سمجھ سے باہر تھا۔ میں نے احتجاج کیا۔ مزاحمت بھی کی لیکن انہوں نے میرے بدن سے شنگاریوں کی دی ہوئی قمیص کے ساتھ ہی بنیان بھی اتار دیا۔ باس نے اکبر خان کو غیر مسلح کر کے مجھے اس کے پستول کی زد میں لے لیا تھا۔

بوبی ایک چوڑی اور کئی جگہ سے پھولی ہوئی چرمی بیلٹ لے کر میرے پیچھے آیا اور پھر اس نے وہ بیلٹ میری کمر اور پیٹ کے گرد کس دی اور پشت پر اس کے پیچیدہ تسمے باندھنے لگا۔ میں اپنے ننگے دھڑ کے ساتھ احمقانہ انداز میں کھڑا رہا۔ پھر اس نے بیلٹ کی پشت سے منسلک دو مضبوط تسمے میرے شانوں پر سے گزار کر پیٹ پر کسی ہوئی بیلٹ سے باندھنے شروع کر دیے۔ اس طرح وہ بیلٹ میری کمر کے گرد ایک ہی جگہ جم کر رہ گئی۔ میں گیلس نما چرمی تسمے کاٹے بغیر' بیلٹ کو نیچے نہیں سرکا سکتا تھا۔ دوسرے مرحلے میں اس بیلٹ کے مزید دو تسمے میرے دھڑ کے آخری سروں پر ٹانگوں کے گرد باندھ دیے گئے۔ اس عمل کے بعد بیلٹ کو اوپر سرکانا بھی ناممکن ہو گیا تھا اور میں عملاً اس چرمی جال میں جکڑ کر رہ گیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ ان بندشوں میں میرے ہاتھ پیروں کو مقید نہیں کیا گیا تھا۔

"اب کپڑے پہن لو" بوبی نے میرے برہنہ شانے پر ہاتھ مار کے حقارت سے کہا۔

میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بنیان اور پھر قمیص پہن لی۔ میں گریبان کے بٹن لگا رہا تھا تو بوبی پلاسٹک کی ایک ڈبیا لے کر میرے سامنے آ گیا اور مسکراتے ہوئے بولا "تمہاری کمر کے گرد بندھی ہوئی بیلٹ میں اتنا طاقت ور بارودی مادہ محفوظ ہے کہ ریموٹ کنٹرول کے ذریعے اسے چلا دیا جائے تو تمہارے بدن کے چیتھڑے بھی دریافت نہیں ہو سکیں گے۔"

پوری بات سمجھ میں آتے ہی میرے بدن کے مسامات سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ پھوٹ پڑا۔ اس بارودی بیلٹ کا ریموٹ کنٹرول بوبی کے ہاتھ میں موجود تھا۔ اس کی انگلی کی خفیف سی جنبش لمحہ بھر میں میرا کام تمام کر سکتی تھی۔

"اب تم ہماری ہدایات پر عمل کرو گے" باس نے سرد لہجے میں کہا "یہ یاد رکھنا کہ اس انفرا ریڈ' ریموٹ کنٹرول سسٹم کی رینج بہت زیادہ ہے۔ لباس کے نیچے ہونے کی وجہ سے تم بیلٹ اور تسموں سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کر سکو گے۔"

اکبر خان بظاہر غیر جانبدار نظر آنے کی کوششوں کے باوجود متفکر نظر آنے لگا تھا۔

بوبی نے اپنی جیب سے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اکبر خان کی طرف اچھال دی "یہ رقم طے شدہ معاوضے سے بہت زیادہ ہے۔ اس میں تمہارا انعام بھی شامل ہے۔ اب تم ڈیبی کو ہمیشہ کے لیے بھول جاؤ گے۔"

"تو کیا تم اسے لے جا رہے ہو؟" اس نے گڈی لپکنے کے بعد مایوسانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.... اب یہ ہوٹل بھروسے کے قابل نہیں رہا" باس نے سرد لہجے میں کہا پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا "تم میرے اور بوبی کے درمیان میں چلو گے۔ تم نے کسی جگہ رکنے یا کسی سے بات کرنے کی کوشش کی تو اپنے برے انجام کے خود ذمے دار ہو گے۔"

وہ فاتحانہ انداز میں دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ میں نے اس کی تقلید کی۔ بوبی میرے پیچھے آ رہا تھا۔ آخر میں اکبر خان بھی چلا آ رہا تھا۔ اس بے چارے کی ساری محنت رائگاں گئی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اس بار کیپٹن بابر کی یقین دہانی کے باوجود میں بھیانک ترین خطرات سے نجات حاصل نہیں کر سکوں گا۔

اس ہوٹل کے رہائشی کمرے میں' میں فون بھی دیکھ چکا تھا لیکن مجموعی طور پر وہ کوئی اعلیٰ ہوٹل نہیں تھا بلکہ ہر اعتبار سے جلال آباد کے غزنی ہوٹل سے بہت کم تر تھا۔ کنکریٹ کی راہداری

اور پھر زینوں پر ہمارے قدموں کی آوازیں گونجتی رہیں۔ باس سب سے آگے تھا اور میرے پیچھے دو افراد کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ ان میں سے ایک 'بوبی' اور دوسرا شاید اکبر خان تھا جو میرے اس انجام سے خاصا ناخوش تھا۔

یک منزلہ زینے کے اختتام پر تنگ سی داخلی گزرگاہ میں ایک چوبی کاؤنٹر بنا ہوا تھا۔ کاؤنٹر کے پیچھے ایک سرخ و سفید اور اُدھیڑ عمر مقامی بیٹھا ہوا اخبار پڑھنے میں مصروف تھا۔ قدموں کی آواز سن کر اس نے اخبار کاؤنٹر پر رکھ دیا اور گہری نظروں سے باس کو گھورنے لگا کیونکہ اس وقت وہی ہماری پیشوائی کر رہا تھا۔

"ہم جا رہے ہیں" باس اس کی تیز نظروں سے گڑبڑا کر بولا۔ "تمہارا کوئی حساب ہو تو مجھے بتا دو۔ ہوسکتا ہے کہ ہمیں دوبارہ ادھر آنے کا موقع نہ مل سکے۔"

"تم سے میرا کوئی حساب نہیں ہے" اس نے بے پروائی سے کہا پھر اس کی عقابی نظریں باس کے چہرے پر سے پھسلتی ہوئی، میرے وجود پر جم کر رہ گئیں۔ وہ معنی خیز انداز میں سہلاتے ہوئے بولا "تو یہ کہو کہ تم مریض کو بھی اپنے ساتھ لے جا رہے ہو! اکبر خان کہاں ہے؟" اس نے بالکل غیر متوقع انداز میں آخری سوال کیا تھا۔

"میں یہاں ہوں، ماما!" اکبر خان نے فوراً ہی جواب دیا۔ وہ اس وقت راستہ صاف ہونے کے انتظار میں آخری سیڑھی پر کھڑا ہوا تھا جہاں وہ اپنے ماموں کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔

"تُو نے تو دو چار دن کی بات کی تھی۔ یہ لوگ چند گھنٹوں بعد ہی مریض کو لے جا رہے ہیں۔ کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے؟" وہ شخص گہری نظروں سے باری باری ہم تینوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کوئی گڑبڑ نہیں ہے" اکبر خان، بوبی کو دھکیل کر اپنے ماموں کے سامنے پہنچ گیا اور دھیمی مگر پُرجوش آواز میں بولنے لگا۔ "مجھے رقم مل چکی ہے۔ یہ لوگ جانا چاہتے ہیں تو ہم انہیں کیوں روکیں؟"

"اچھا" وہ اپنے سر پر جمی ہوئی چترالی ٹوپی کو ماتھے پر جھکاتے ہوئے بولا "تو راضی ہے تو مجھے انہیں روکنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہیں سمجھا دے کہ اب یہ میرے ہوٹل کو بالکل بھول جائیں گے، اس طرح جیسے کبھی ادھر آئے ہی نہ ہوں۔ انہوں نے میرے لیے کوئی پریشانی پیدا کرنے کی کوشش کی تو یہ سب عتاب میں آجائیں گے۔"

باس کا بایاں ہاتھ جیب میں تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کا وہ ہاتھ پستول کے آہنی دستے پر جما ہوا ہوگا۔ وہ اکبر خان کے بولنے سے پہلے کاؤنٹر کی طرف جھکا اور سرسراتی ہوئی آواز میں بولا "تم بالکل فکر نہ کرو۔ ہم پیچھے مڑ کر دیکھنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ جو پیچھے رہ جاتا ہے، اسے بھول جاتے ہیں۔ ہماری نگاہ ہمیشہ آگے ہی رہتی ہے۔ اب اجازت ہو تو ہم یہاں سے باہر چلے جائیں؟ ہمیں ایک لمبے سفر کی تیاری کرنی ہے۔"

"جاؤ!" کاؤنٹر والے نے اپنے شانے اچکا کر استہزا میں کہا "مجھے تم سے کیا لینا ہے؟"

اسی لمحے اکبر خان کے ساتھ کھڑے ہوئے بوبی نے کنٹرول والی ڈبیا کو لہرا کر مجھے دروازے کی طرف بڑھنے کا اور میں مشینی انداز میں نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

"تم لوگ اسے کہاں لے جا رہے ہو؟" میرے کانوں خان کی دبی دبی آواز آئی۔ شاید وہ بوبی سے کچھ معلومات کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیپٹن بابر سے فون پر بات کر اسے میری ذات سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ یہ اور بات تھی بابر کی طرف سے کسی امدادی کارروائی کی نوبت آنے سے ان دونوں نے مجھے قصہ خوانی بازار کے اس ہوٹل سے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"تم اپنے کام سے کام رکھو۔ یہ ہمارا قیدی ہے۔ ہم ا مرضی کے مقام پر لے جائیں گے" مجھے بوبی کی کھردری آ دی لیکن میں مڑ کر دیکھے بغیر ہوٹل سے باہر نکلتا چلا گیا۔

اس وقت تک وہ دونوں میرے پیچھے تھے۔ باہر میر راستے ہی راستے تھے۔ میرے دونوں پہلوؤں پر پشاور و معروف قصہ خوانی بازار کی لہراتی ہوئی سڑک پھیلی ہوئی وقت صبح کے آٹھ بھی نہیں بجے تھے اسی لیے بازار کی بیش بند تھیں لیکن پشاور کے رہنے والے سحرخیزی کے عاد ہوتے تھے کیونکہ بازار بند ہونے کے باوجود وہاں پیدل چ اور سواریوں کی خاصی بہتات تھی۔ برقعوں اور بڑی بڑی میں لپٹی ہوئی، نوجوان طالبات کی متعدد ٹولیاں تیز قدمو تعلیمی اداروں کی طرف رواں تھیں۔ گالان، چیغا سرا جلال آباد کے پُرہول تجربات سے گزرنے کے بعد چہل سرگرم زندگی کے وہ معمولات مجھے مسحور کرنے لگے۔ نہیں آ رہا تھا کہ میں سنگلاخ پہاڑوں میں بسنے والے شکاریوں کے چنگل سے آزاد ہو کر اپنے لوگوں میں واپس

میرے ذہن پر سحرزدگی کی وہ کیفیت زیادہ دیر تک قا سکی۔ معاً مجھے یاد آیا کہ میں اپنی سرزمین پر، اپنے ہم د درمیان ضرور آ چکا تھا لیکن بدقسمتی سے باس اور اس قیدی بن چکا تھا۔

میں متذبذب انداز میں اسی جگہ جم کر رہ گیا۔ اپنی کسی ہوئی بارودی بیلٹ کی دہشت نے مجھے یہ سوچنے پر مجب میں کس سمت میں پیش قدمی کروں کہ میرے صیاد ناراض پائیں؟

باس نے میرے اس تذبذب کو فوراً ہی بھانپ لیا پھرتی کے ساتھ میرے آگے آکر داہنی طرف چل دیا۔ معصوم بھیڑ کی طرح سر جھکا کر اس کے پیچھے ہولیا۔ بوبی۔

ٹلنے کی کوشش نہیں کی البتہ چند قدم کا فاصلہ طے کرنے کے
اپنی رفتار بڑھا کر میرے برابر میں آگیا۔
پشاور کی وہ صبح قدرے خنک اور بہت خوش گوار تھی۔ بازار
راہ گیر قمیص شلوار میں نظر آرہا تھا۔ بعض لوگوں نے اس
کوٹ ضرور پہنے ہوئے تھے مگر خالص مغربی لباس یعنی سوٹ
ن میں اکا دکا افراد ہی ملبوس تھے۔
"یہ قصہ خوانی بازار ہے" بوبی نے اپنی دانست میں مجھے آگاہ

"مجھے معلوم ہے" میں نے بوجھل آواز میں کہا اور اسی لمحے
دل میں ایک ہوک سی اٹھی کہ کاش تموچن کہیں سے ادھر
اور مجھے پہچان لے۔ وہ میرے مخلص دوست، عبدالرحمٰن کا

تھا۔ میں برسوں پہلے جب پہلی بار ادھر آیا تو میں نے پشاور کے
چے اور بازار عبدالرحمٰن کے ساتھ ہی دیکھے تھے۔ وہ یاروں
اور غضب کا مہمان نواز تھا۔ جنوری کی یخ بستہ راتوں میں
نے راجہ بازار کے قہوہ خانوں میں، پیال کی بیٹھک پر مجھے دل
قہوہ پلایا تھا۔ میں خالی پیالی کو تھالی میں رکھتا اور وہ اسے بار بار
پلا جاتا تھا۔ اس نے کافی دیر بعد میری بے بسی اور لاعلمی کا
لگایا تو ایک گونجیلے قہقہے کے ساتھ آگاہ کیا تھا کہ پشاور میں
تک مہمان اپنی خالی پیالی الٹ کر نہ رکھے، میزبان اسے مزید
ئے چلا جاتا ہے اور میں نے اسی لمحے اپنی پیالی کو الٹ دیا تھا۔
ر کے ایک معزز اور مہذب پٹھان کی مہمان داری کی روایت
لین حیرت کی بات تھی کہ شنگرا ویلی کے نیم مہذب قبائلیوں
ں خورد و نوش کے برتنوں کے الٹ پھیر سے مفہوم اخذ کرنے
ایات زندہ تھیں۔ ہم نے کھانے کی بڑی قاب الٹ کر ہی
ی اللہ بادرانی کو اپنی حمایت کا یقین دلایا تھا۔ ہم نے کھانے
مخصوص قاب نہ الٹی ہوتی تو جنگ کا نقارہ بجتے ہی، گھنٹیوں
ہمیں بھی پائندہ گل کے حامیوں کے ساتھ خاک و خون میں
یتے۔

بادرانیوں کی طرف سے میرا ذہن ایک بار پھر پشاور کے
رحمٰن خان کی طرف لوٹ آیا۔ وہ مجھے ایک ہوٹل میں کھانا
نے لے گیا۔ کھانا ختم کرنے کے بعد وہ ہاتھ دھو کر لوٹا تو میں بل
چکا تھا اور بیرا بقایا رقم لیے میز پر موجود تھا۔ عبدالرحمٰن خان
نکھیں سلگنے لگیں، چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر اس نے اپنی ڈیڑھ کلو
پشاوری چپل اتار کر میری طرف سرکا دی اور مُصر ہو گیا کہ میں
اس کے سر پر برساؤں۔ حیرت اور خجالت کے عالم میں، میں
نہ سمجھ سکا۔ پھر مجھ پر عقدہ کھلا کہ میں نے بل ادا کر کے اپنے
نا کی بدترین توہین کی تھی۔ میری رقم واپس دلوانے کے باوجود،

ے گھنٹوں روٹھا رہا تھا۔ وہ اس دنیا ہی سے روٹھ چکا تھا لیکن
ین تھا کہ اس کا بیٹا کڑیل جوان کا روپ دھار چکا ہوگا۔ میں

نے اسے بچپن میں دیکھا تھا۔ اس وقت میری عمر بھی واجبی سی تھی۔ اگر تموچن کی نظریں وقت کی اس خلیج کو پاٹنے میں کامیاب ہو جاتیں تو مجھے اس بھرے بازار میں اپنا ایک مضبوط حمایتی مل سکتا تھا لیکن وہ میرا دن نہیں تھا۔ آنے جانے والوں میں بے شمار کرٹل جوان تھے لیکن کسی کی آنکھوں میں میرے لیے شناسائی کی کوئی جھلک نہیں تھی۔ اجنبی چہرے سرسری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے یا بغیر دیکھے گزرے چلے جا رہے تھے۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" مجھے خاموش پا کر بوبی نے طنز سے کہا۔ "یہاں کوئی تمہاری مدد کو نہیں آئے گا۔ کوئی آ بھی جائے تو تم اسے اپنے آپ سے دور رکھو گے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت تم ایک زندہ بارودی سرنگ بنے ہوئے ہو۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم مجھے پیدل کہاں لے جا رہے ہو؟" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "ہوٹل کے سامنے ہی ہر قسم کی سواریاں موجود تھیں۔ مجھے اس طرح پیدل چلانے کا کیا مطلب ہے؟" "تیزی اور پھرتی برقرار رکھنے کے لیے پیدل چلنا بہت سود مند رہتا ہے" اس نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔

میں اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر خاموش رہا۔ اس وقت میں پوری طرح ان دونوں کے رحم و کرم پر تھا اور ان کی باتوں پر مشتعل ہو کر مجھے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے دوران میں میں نے اپنے خون کے ابال پر قابو پا لیا پھر نرمی سے بولا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس حالت میں تم مجھے کراچی کب لے جاؤ گے؟"

"فکر نہ کرو۔ ہم کراچی تک پیدل جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔" اس نے اپنی دانست میں عمدہ مذاق کیا۔

"مجھے معلوم ہے" میں نے گہری سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن بارودی بیلٹ کے ساتھ تم مجھے جہاز میں بھی نہیں لے جا سکو گے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم نے یہ سارا کھیل کس مقصد سے رچایا ہے؟"

بظاہر باس ہم دونوں سے لاتعلقانہ انداز اختیار کیے، ہمارے آگے چل رہا تھا لیکن وہ بولا تو اندازہ ہوا کہ وہ ہماری گفتگو سے غافل نہیں تھا۔ اس نے اپنی رفتار قدرے کم کرتے ہوئے، مڑ کر کہا۔ "اول تو ہم فضائی سفر کرنے کے موڈ میں نہیں ہیں اور اگر ایسی ضرورت پیش آ بھی گئی تو تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی شرارت کرنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ اس خیال میں نہ رہنا کہ ائرپورٹ سیکیورٹی والوں کے حساس آلات ہر دھات اور بارود کا سراغ لگا لیتے ہیں اور وہ تمہیں روک لیں گے۔ تمہاری بیلٹ بنانے والوں نے ایسے ہر خطرے کا توڑ کر لیا ہے؟ طاقت ور بارودی مادے کو ایسے مصنوعی فائبر میں محفوظ کیا گیا ہے کہ سیکیورٹی فورس والوں کے جدید ترین آلات بھی اس کا سراغ نہیں لگا سکتے۔"

اس کا جواب مسکت تھا۔ اس نے میرا ذہن پڑھ کر بخوبی یہ بات جتا دی تھی کہ مجھے بارودی بیلٹ سے ایک لمحے کے لیے بھی نجات نہیں مل سکتی تھی۔ میں ایسے پلاسٹک بموں کے بارے میں سن چکا تھا جو اپنی مخصوص بناوٹ کی وجہ سے کسی آلے کی گرفت میں نہیں آتے تھے اور عالمی ہوا بازی کی تاریخ میں ان سے کئی بار تخریبی کام لیا گیا تھا۔

باس ہمارے ساتھ آملا تھا۔ اس سے باتیں کر کے میں اپنی معلومات میں کچھ نہ کچھ اضافہ کر سکتا تھا۔ اس لیے میں نے خاموشی اختیار کرنے کے بجائے ڈھٹائی کے ساتھ ہنس کر کہا "تم بلاوجہ میری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو رہے ہو۔ میرے ذہن میں دور دور تک کسی شرارت کا منصوبہ نہیں ہے۔ میری نیت بالکل صاف ہے۔ تم کراچی پہنچنے کے بعد مجھے مکاؤ والوں کے سامنے پیش کرو گے تو میری پوزیشن خود بخود صاف ہو جائے گی۔ میں مکاؤ ضرور گیا تھا لیکن وہاں ڈون کوانگ فو یا اس کے کسی آدمی سے نہیں ملا تھا۔ وہ دونوں غیر ملکی بدمعاش اس کے آدمی ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر انہیں شدت سے میری تلاش ہے تو وہ مکاؤ کے کسی کاسینو کے پالتو غنڈے ہوں گے۔"

"بس، اسی کسوٹی پر پرکھنے کے لیے تمہیں زندہ رکھا گیا ہے۔ مڈر مافیا کے ریکارڈ پر موجود سفارشات تمہارے حق میں نہ ہوتیں تو تم اب تک ملکِ عدم کے راہی ہو چکے ہوتے" باس کا لب و لہجہ سپاٹ تھا۔

ہمارے درمیان خاموشی چھا گئی اور میرا ذہن ایک بار پھر بری طرح الجھنے لگا۔

جب تک ہم جدید شہری تہذیب سے بہت دور، شنگارا ویلی میں محصور تھے، حالات اتنے دگرگوں نہیں تھے۔ وہاں ہمیں معلوم تھا کہ ہم کن حریفوں میں گھرے ہوئے ہیں اور ہماری کون سی چال ہمیں کیا نقصان پہنچا سکتی ہے، ہمیں پائندہ گل اور صبغت اللہ کی خوبیوں اور خامیوں کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ ان دونوں کے ساتھ چال بازیاں کرتے ہوئے ہمیں معلوم ہوتا تھا کہ ان کے نتیجے میں ہمیں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے یا ہمیں کیا فائدہ حاصل ہو گا۔ یہ ہماری بہت بڑی کامیابی تھی کہ اس اجنبی ماحول میں بے یار و مددگار ہونے کے باوجود ہم شنگارا ویلی سے بخیر و عافیت نکل آنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن وادی سے باہر کے مانوس ماحول میں قدم رکھتے ہی متعدد خطرات نے اس تیزی سے سر ابھارا تھا کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑنے کی بے مثال کہاوت یاد آنے لگی تھی۔

سب سے پہلے ہمارا ٹکراؤ ایلین اور پیٹر سے ہوا۔ وہ دونوں فری لانسر مجرم تھے اور معقول معاوضے پر کسی بھی وقت کوئی بھی کام کر سکتے تھے۔ ان سے ملاقات کی ابتدا دلچسپ انداز میں ہوئی لیکن پھر ان کے کردار پراسرار ہوتے چلے گئے۔ انہوں نے اپنی معلومات اور جرائم کی دنیا میں اپنے وسیع تجربے کی بنا پر مجھے اور رویرا کو پہچان لیا تھا۔ وہ دونوں بیک وقت کولمبیا کے کرنل جیسی جونز اور ڈیو اسٹارز کے راس المیڈا کے لئے کام کر رہے تھے۔ راس المیڈا کو فکر تھی کہ پاکستان کے ایٹمی منصوبوں میں تباہی پھیلانے کے لئے دو نفری مشن بھیجا گیا تھا وہ پاکستان پہنچنے کے بعد یک بیک لاپتا ہو گیا

تھا۔ اسے ان دونوں کی سلامتی یا ہلاکت سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ شاید یہ چاہتا تھا کہ وہ لوگ مارے یا پکڑے گئے ہوں تو ایلن ان کے مشن کو سنبھالے اور پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کے خلاف کوئی ٹھوس منصوبہ بروئے کار لائے۔ ایلن کو بل جونز کے قتل کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا لیکن وہ راس المیڈا کو مرعوب کرنے یا اپنی اعلیٰ کارکردگی کا چکما دینے کے لئے پاکستان جانا ضروری سمجھ رہا تھا تاکہ اسے اس ارب پتی اور متعصب یہودی سے مزید کام مل سکے۔

دوسری طرف کولمبیا کا رسوائے زمانہ دہشت گرد، کرنل جیسی جونز بھی اپنے اکلوتے بیٹے کی سلامتی کی طرف سے فکرمند تھا۔ اس نے بیس ہزار امریکی ڈالروں کے عوض ایلن کی خدمات حاصل کی تھیں۔ ایلن پاکستانی سرحد میں داخل ہونے سے پہلے ہی ویرا کی زبانی اپنے سوال کا جواب پا چکا تھا لیکن وہ پھر بھی پاکستان میں ہم سے روابط برقرار رکھنے کا متمنی تھا۔ غزالہ ان معاملات میں زیادہ ملوث نہیں تھی لیکن ویرا ہر بات کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ اس کی نپی تلی رائے تھی کہ پاکستان میں وہ دونوں ہمارے مضبوط حریف ثابت ہو سکتے تھے۔ وہ تو انہیں جلال آباد ہی میں ختم کر دینے کا ارادہ کئے بیٹھی تھی۔ اگر ہمیں غیر قانونی طور پر سرحد عبور کرنے کا مسئلہ درپیش نہ ہوتا تو شاید میں اس کے ارادے کو عملی جامہ پہنا دیتا لیکن مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔ ہمارے اس سفر کے اختتام سے پہلے ہی اکبر خان نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے مجھے اغوا کر لیا تھا۔ میرے تینوں ساتھی چغا سرائے سے آنے والی کوسٹر میں رہ گئے تھے۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ میرے بعد ایلن کا سلوک کیا رہا ہوگا یا ان پر کیا گزری ہوگی۔ وقت کی ٹھوس ترین حقیقت یہ تھی کہ میری کمر میں بارودی پٹا پڑا ہوا تھا جو بوبی کی انگلی کی خفیف سی جنبش سے میرے بدن کو ناقابلِ شناخت چیتھڑوں میں بدل سکتا تھا اور اسی پٹے کی وجہ سے ان دونوں نے مجھے اپنا قیدی بنایا ہوا تھا۔

وہ مافیا کے کارندے تھے۔ باس پاکستانی نژاد ضرور نظر آتا تھا لیکن وہ انگلینڈ سے خاص طور پر پاکستان بھیجا گیا تھا۔ اسے مافیا کی تباہی کے اسباب اور اس ڈرامے میں میرے کردار کے تعین کے فرائض سونپے گئے تھے۔ ان دو طرفہ مصائب کے علاوہ ایک تیسرا اور خطرناک ترین محاذ بھی میرا منتظر تھا اور مافیا والے مجھے آخرکار اسی محاذ کا ایندھن بنانے کا ارادہ رکھتے تھے۔

تیسرے خطرے کا تعلق ڈون کوانگ فو کے ان آدمیوں سے تھا جو مکاؤ سے کراچی پہنچے ہوئے تھے۔ ایلن اور پیٹر کی تعداد دو تھی۔ باس کے ساتھ بوبی کی جوڑی بنی ہوئی تھی۔ اسی طرح مکاؤ سے آنے والوں کی تعداد بھی دو ہی تھی۔ باس کو صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ مکاؤ کے بدمعاش ہیں۔ وہ دونوں رازدارانہ انداز میں کراچی کے جرائم پیشہ افراد سے رابطے کرتے پھر رہے تھے اور انہیں میری تلاش تھی۔

مکاؤ کے بدمعاشوں نے اپنی وفاداریوں کے سلسلے میں سخت رازداری کا مظاہرہ کیا تھا اس لئے میں نے باس کو تو چکر دے دیا تھا کہ وہ مکاؤ کے کسی جوئے خانے کے پالتو غنڈے ہو سکتے ہیں جو میری جیتی ہوئی بھاری رقوم لوٹنے کے ارادے سے میرا کھوج لگاتے ہوئے کراچی پہنچے ہیں مگر میں اس موقعے کی نزاکت کو پوری طرح بھانپ رہا تھا۔ مکاؤ کے جوئے خانے بلاشبہ پوری دنیا میں شہرت رکھتے ہیں۔ عادی اور شوقین جواری دنیا کے گوشے گوشے سے کھنچ کر وہاں پہنچتے ہیں۔ پائپ، سگار اور سگریٹوں کے مَلگجے اور مہک دار دھوئیں کے بادلوں میں اٹھلاتی ہوئی ہوش ربا میزبان لڑکیوں کی رہنمائی میں رات دن جوا کھیلتے ہیں۔ ان میں سے بعض کاسینو ایسے پُرفریب ہوتے ہیں کہ ان میں داخل ہونے کے بعد وقت ایک جگہ تھم کر رہ جاتا ہے۔ دن اور رات کے فرق سے بے نیاز، وہاں کا ماحول وہی کا وہی رہتا ہے۔ کچھ کھلاڑی جیت کر اور بیشتر قلاش ہو کر وہاں سے نکلتے ہیں کیونکہ ان جوئے خانوں میں دنیا بھر کے شاطر ترین شاطر بھی شوقینوں کے روپ میں موجود رہتے ہیں اور موٹی اسامیوں کو منصوبہ بندی کے تحت گھیر کر کنگال کر دیتے ہیں لیکن میں نے مکاؤ میں اپنے قیام کے دوران جوئے میں قطعی شرکت نہیں کی تھی۔ کچھ دنوں پہلے جمی لائیڈ مجھے بتا چکا تھا کہ ڈون کوانگ فو کو نیشی کاؤ کے قتل کی کڑیاں مل گئی تھیں اور وہ اس بات پر بری طرح بھنایا ہوا تھا کہ میں نے اس کا مہمان بن کر نہایت صفائی سے نیشی کاؤ کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ جمی لائیڈ شی کا سربراہ یا سپر آئی مین تھا اس لئے اپنے آئی مین کی سوچ سے واقف تھا ورنہ ڈون کوانگ فو نے ساکھ بگڑنے اور ہوا خیزی کے خوف سے اصل بات اپنی حویلی کی حدود سے باہر نہیں نکلنے دی تھی۔ اس نے خاموشی کے ساتھ میری

تلاش شروع کرادی تھی اور میں اچھی طرح جانتا تھا کہ جس دن بھی وہ مجھے پکڑوانے میں کامیاب ہوگیا' وہ میری زندگی کا آخری اور بد ترین دن ثابت ہوگا۔ اپنے حریفوں اور حاسدوں کو عبرت دلانے کے لئے وہ میرے ساتھ انتہا درجے کی کمینگی اور سفاکی کا مظاہرہ کرسکتا تھا۔

"آؤ! اب پشاور میں پکڑے ہی گئے ہو تو قصہ خوانی بازار کا قہوہ بھی پی لو!" طویل خاموشی کے بعد باس نے اچانک وہ دعوت دے کر مجھے حیران کردیا۔ اس وقت ہم ایک گنجان چوک سے گزر رہے تھے جہاں پشاور کے متعدد روایتی قہوہ خانوں کے ساتھ ہی حلوائیوں کے چولہے بھی روشن تھے۔

"یہ تمہاری خوش ذوقی کی علامت ہے۔" میں نے اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے کہا "جو لوگ کھانے پینے کے شوقین ہوتے ہیں' وہ عموماً رحم دل بھی ہوتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے درمیان کسی غلط فہمی نے جنم لیا تو مجھے کسی قسم کے تشدد کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔"

"ہم دشمن کو سسکا کر انتظار کی کوفت سے گزرنے کے عادی نہیں ہیں۔" باس نے ایسے گمبھیر لہجے میں کہا جیسے وہ زندگی کا کوئی اٹل فلسفہ بیان کررہا ہو "تم حبیب جیوانی کے ساتھ رہ چکے ہو۔ تم جانتے ہو کہ ہم لوگ سرعت سے فیصلے کرنے کے عادی ہیں اور اپنے فیصلوں پر اسی تیزی کے ساتھ عمل بھی کرتے ہیں۔ تمہارے ساتھ صرف دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ بیلٹ سلامت رہے یا چل پڑے۔ اپنے مقدر کے انتخاب کا اختیار تم کو ہے۔ ہم تمہیں ہاتھ تک نہیں لگائیں گے۔ اپنی ذہنی اور جسمانی توانائیاں ہم زیادہ اہم کاموں کے لئے محفوظ رکھتے ہیں۔"

اس وقت مجھے فضا میں خنکی کا احساس ہورہا تھا لیکن مقامیوں کے لئے وہ خوشگوار موسم تھا اس لئے لوگ قہوہ خانوں سے باہر بینچوں' چارپائیوں اور سالخوردہ چوبی کرسیوں پر بیٹھے قہوہ پینے اور ہنسنے بولنے میں مصروف تھے۔ انہیں قہوہ خانوں میں لگی ہوئی پیال کی فرشی نشستوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

باس چوکھٹ سے باہر جوتے اتار کر ایک قہوہ خانے کے تنگ سے کمرے میں داخل ہوگیا۔ ہم دونوں نے اس کی تقلید کی۔ باہر کے چبوترے پر روشن چولہوں پر ابلتے ہوئے دودھ اور قہوے کی اشتہا انگیز خوشبو نے کمرے کی فضا کو مہکایا ہوا تھا۔

ہم پیال کے نرم اور آرام دہ فرش پر پوری طرح بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک سرخ و سفید اور نوخیز لڑکا قہوے دانی کے ساتھ تین خالی پیالیاں لے آیا۔ ہمارے بارے میں اس کا رویہ بالکل سپاٹ تھا کیونکہ پشاور والے ہمیشہ سے اپنے شہر میں سفید فاموں اور ملک کے جنوبی اور وسطی حصوں سے آئے ہوئے سیاحوں کو دیکھنے کے عادی رہے ہیں۔ اپنی اعلیٰ روایات' سخت گیری' مشروط شخصی آزادی اور سرحد پار سے آنے والی سستی منشیات کے پراسرار بکھیڑوں کی وجہ سے پشاور ہمیشہ غیر ملکیوں کے لئے پرکشش رہا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ کھٹمنڈو کی طرح پشاور کے گلی کوچوں میں بھی ہر نسل کے بے شمار سفید فام لڑکے لڑکیاں مارے مارے پھرتے دکھائی دیتے تھے۔

لڑکے کے چلے جانے کے بعد باس کے اشارے پر بوبی نے کھولتا ہوا قہوہ پیالیوں میں انڈیلا۔ ہم تینوں نے اپنی اپنی پیالیوں سے پہلا گھونٹ لے کر پیالیاں رکھ دیں۔

"اجازت ہو تو سگریٹ سلگا لوں؟" میں نے باس سے سوال کیا۔

"جو چاہو' کرتے رہو۔ بس یہ یاد رکھنا کہ لغزش ہوتے ہی بٹن دبا دیا جائے گا۔" باس نے اپنی جیب سے غیر ملکی برانڈ کا پیکٹ اور لائٹر نکالتے ہوئے کہا۔

میں نے خوف زدہ نظروں سے بوبی کی طرف دیکھا۔ وہ بارودی بیلٹ کا ننھا سا ریموٹ کنٹرول یونٹ اپنے بائیں ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا۔ بیلٹ پھٹتی تو میرے ساتھ ان دونوں کے بھی چیتھڑے اڑ جاتے۔ وہ مجھے اسی وقت اڑا سکتے تھے جب میں ان سے دور ہوتا یا بالفاظِ دیگر فرار ہونے کی کوشش کرتا۔ اس باریکی کا دھیان آتے ہی شاید میرے ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ پھیل گئی۔

مجھے اپنی مسکراہٹ کا ادراک بھی نہ ہوتا اگر باس بری طرح چونک نہ پڑا ہوتا "کیا بات ہے' تم کس بات پر خود ہی خود مسکرا رہے ہو؟"

"وقت کی ستم ظریفی پر مسکرا رہا ہوں۔" میں نے کہا "کل میں تم میں سے تھا۔ آج تمہارا قیدی ہوں۔ کل جب مکاؤ والے حقائق بیان کریں گے تو تم ... مجھے دوبارہ اپنی صفوں میں قبول کرلوگے۔ برا نہ مانو تو میں ایک بات پوچھ لوں؟"

"جب تک ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں' تم ایک نہیں' دس سوال پوچھ سکتے ہو۔"

"مافیا میں باس کا لقب رائج نہیں ہے پھر بوبی تمہیں باس کیوں کہہ رہا ہے؟"

"تمہیں بہت دیر میں خیال آیا۔"

"میرے ذہن میں یہ لفظ شروع ہی سے بری طرح چبھ رہا ہے۔"

"بوبی باہر کا آدمی ہے۔ مجھے ایک مددگار کی ضرورت تھی۔ میں نے معاوضے پر اسے اپنے ساتھ لگالیا۔ یہ پہلے بھی معاوضہ لے کر حبیب جیوانی کے لئے مال اور رقوم کی ترسیل کا کام کرتا تھا۔ یہ ہر اُس شخص کو باس کہنے کا عادی ہے جو اِسے اس کی خدمات کا معقول معاوضہ ادا کرتا ہو۔"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ تم ڈان تھری یا اسی رتبے کے آدمی ہو؟" میں نے پوچھا۔

اس نے ہولے سے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی "اس سے کم

درجے کا آدمی مقامی بے قاعدگیوں کے خلاف تحقیقات کر ہی نہیں سکتا۔ تم جانتے ہو کہ ڈان تھری کے کیا اختیارات ہوتے ہیں۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ میں اپنے ڈان تھری کے ساتھ ایک قہوہ خانے میں اتنی بے تکلفی سے بیٹھا ہوا ہوں۔ نیشی کاؤ سے بات کرتے وقت میری روح فنا ہونے لگتی تھی۔ اس کی آواز ہی بلا کی قہر بار تھی۔"

اسے نیشی کاؤ کی وہ تعریف پسند نہ آئی۔ وہ تلخی سے بولا "ہر شخص کا اپنا مزاج اور انداز ہوتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کو عذاب بنائے رکھتا تھا۔ میں خود خوش و خرم رہ کر اپنے حریفوں کی زندگیاں عذاب بنانے کا عادی ہوں۔ جو لوگ مجھے قریب سے جانتے ہیں وہ میری خوش مزاجی سے بری طرح تھراتے ہیں۔"

"تم یہاں سے ترقی کر کے ڈان تھری جیسے بڑے مقام پر پہنچ گئے۔ مجھے حیرت ہے کہ اس دوران میں' مجھے ایک بار بھی تم سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہو سکا۔ میرے لئے یہ بات......"

اس نے پرغرور انداز میں میری بات کاٹ دی "یہاں سے میرا کبھی کوئی واسطہ نہیں رہا۔ میری تربیت بمبئی میں ہوئی۔ جب وہاں سماج سدھار کی مہم چلی تو مطلوبہ لوگوں کی فہرست میں میرا نام سب سے اوپر تھا۔ ہمارے سرمائے سے الیکشن جیت کر اسمبلیوں میں جانے والے ہمارے سروں کے طلب گار بن چکے تھے۔ میں اس برے دور میں خاموشی سے باہر نکل گیا اور وہ اچھا ہی ہوا ورنہ آج میں وہ نہ ہوتا جو ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے ملکوں میں سیاست کاروں اور بدمعاشوں کے بیچ بہت گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ بدمعاش ووٹ نہیں لے سکتا' سیاست کار نوٹ نہیں لٹا سکتا۔ ووٹ لینے والوں کو نوٹ ہم دیتے ہیں۔ انہیں سب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مال کہاں سے لاتے ہیں لیکن جب اپنے ہی جوش میں اندھے ہو کر غداری پر تل جائیں تو کون کس پر اعتبار کر سکتا ہے؟"

اس کا وہ انکشاف سن کر میں اندر سے سن ہو کر رہ گیا۔ مدر مافیا والوں نے پاکستان میں اپنی تباہی کے اسباب دریافت کرنے کے لئے اگر ایک بھارتی ڈان کو بھیجا تھا تو اس میں کوئی اور راز بھی پوشیدہ ہو سکتا تھا مگر میں اس وقت وطن کے حوالے سے کوئی بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا' مجھے مافیا کے عہد نامے کی روح یاد تھی۔ اس کی رو سے مافیا کا ہر رکن وطن' مذہب اور خون کے رشتوں سے بے نیاز ہو کر صرف اور صرف جرائم کو پروان چڑھانے کے مشن پر کام کرتا رہتا ہے۔ ہر جگہ قانون کی دھجیاں اڑانا اس کا فرض ہوتا ہے۔ انتہا یہ تھی کہ حریفوں سے تصادم کی صورت میں بھی مافیا والے قانون سے کوئی مدد نہ لینے کے پابند تھے کیونکہ دو متصادم فریقوں کے درمیان قانون کی قوتیں بروئے کار آنے سے جرم کمزور ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مافیا والے جہاں بھی تھے' اپنی طاقت اور دہشت گردی کے بل بوتے پر زندہ تھے۔ وہ جہاں بھی اپنے کسی ابھرتے ہوئے حریف کے مقابلے میں کمزور پڑتے تھے' خاموشی سے میدان چھوڑ کر پسپائی اختیار کر لیتے تھے۔ میں زمین کے حوالے سے کوئی بات کرتا تو وہ اسی لئے مشتعل ہو سکتا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اوپری دل سے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "جب کٹھ پتلیاں اپنی من مانی کرنے لگیں تو کھیل بگڑ جاتا ہے اور پتلیوں کی ڈوریاں کاٹ کر انہیں کوڑے کے ڈھیر پر ڈال دیا جاتا ہے۔"

"میں فخر سے دعویٰ کر سکتا ہوں کہ مجھے اشتہاری مجرم قرار دلوانے والے سیاسی ٹھگوں میں سے آج ایک بھی غدار زندہ نہیں ہے۔" وہ سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر بولا "میں نے ہر غدار سے بدلہ لیا ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم مجھ سے اس قدر کھل کر باتیں کر رہے ہو۔" میں نے اچانک ہی پینترا بدل کر خوشامدانہ لہجے میں کہا "میں پوری طرح تمہارے قبضے میں ہوں۔ تمہاری مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ میرے باقی ساتھی کہاں اور کس حال میں ہیں؟"

میرے سوال پر اس کے چہرے پر معنی خیز لکیریں نمودار ہو گئیں پھر وہ آہستگی سے بولا "سچ پوچھو تو میں خود بھی ان کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں بلاوجہ اس قہوہ خانے میں نہیں لایا ہوں۔"

اس بار میرے حیران ہونے کی باری تھی "ان کے بارے میں تم کیا جاننا چاہتے ہو؟"

"وہ کون ہیں؟ ان کی تعداد کیا ہے؟ ان سے تمہارا کیا تعلق ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔" اس نے میرے چہرے پر نظریں جما کر دھیرے دھیرے کہا "تم میری تسلی کرا دو' میں تمہارے سوال کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔"

میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے قدرے رک رک کر کہا "اب تم مجھے حیران کر رہے ہو.... ان میں سے ایک میرا بہت پرانا دوست اور مددگار ہے.... دوسری میری بیوی ہے۔"

"اور؟" اس نے مجھے خاموش پا کر لقمہ دینے کی کوشش کی۔

"بس' ہم تین ہی تھے۔" میں نے یک لخت فیصلہ کیا کہ اس موقعے پر مجھے ویرا کا ذکر سرے سے گول کر دینا چاہئے۔ اس وقت مجھے باس یا ڈان تھری کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے۔

"گڈ!" اس نے ایک لمبا گھونٹ لے کر قہوے کی پیالی خالی کر دی۔ بوبی نے فوراً ہی کسی مستعد خادم کی طرح اسے دوبارہ لبریز کر دیا۔ ڈان تھری بولتا رہا "تمہارے اس بیان کی تصدیق اکبر خان کی کہانی سے بھی ہوتی ہے۔ لنڈی کوتل کے بازار میں تم اپنے دوست کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے دیکھے گئے تھے۔ تمہاری بیوی وہی لڑکی ہو سکتی ہے جس نے تمہارے ہمراہ کوسٹر سے اترنے

کی کوشش کی تھی لیکن اکبر خان نے سختی سے اسے روک دیا تھا۔ تم ذہن پر زور دو۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے ساتھ کوئی اور عورت بھی رہی ہو۔"

اس کے اعتماد کی وجہ سے میرا حلق خشک ہونے لگا۔ میں نے اضطراری انداز میں اپنی پیالی سے قہوے کا ایک گھونٹ لیا اور ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنے پچھلے بیان پر اڑا رہا "میں نے کہا نا کہ ہم تین تھے.... تم اکبر خان کے بیان کا حوالہ دے رہے ہو اور دوسری عورت کی بات بھی کررہے ہو۔"

"اکبر خان کو صرف تمہاری تصویر دی گئی تھی۔ اس نے تمہارا شکار کرلیا۔ تمہارے حوالے سے جو کچھ سامنے آیا اس نے وہ بھی نوٹ کرلیا۔ اس نے مزید کچھ جاننے کا تجسس نہیں کیا۔ مگر میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ تم اپنی کسی اہم ساتھی کو بھول رہے ہو۔"

وہ بہت ہوشیاری اور مکاری کے ساتھ مجھے باتوں میں الجھا کر ایک ایسے موڑ پر لے آیا تھا جہاں میرے لئے اپنی بات سے ہٹنا ناممکن ہوکر رہ گیا تھا۔ اس کے لب و لہجے سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ اسے ویرا کے بارے میں معلوم تھا۔ وہ ابتدا سے اس بات کو چھپاتا رہا تھا لیکن اس وقت مجھے گھیرنا چاہ رہا تھا۔

"تم پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ تمہیں کوئی بات معلوم ہے تو کھل کر بتاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ میں تمہیں کوئی مناسب جواب دے کر مطمئن کرسکوں۔ تم سے غلط بیانی کرکے مجھے کیا حاصل ہوگا؟"

"بدرو دادا کے آدمیوں کی کہانی میں دو آدمیوں اور دو عورتوں کا ذکر تھا۔ ولی انہیں اپنے ٹرک میں چیغا سرائے تک پہنچا کر آیا تھا۔ اب بتاؤ کہ تم فرزانہ نامی سفید فام عورت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"اوہ!" میں نے بے ساختہ قسم کی اداکاری کرتے ہوئے اپنا سر تھام لیا "تم بلاوجہ خود بھی الجھ رہے ہو اور مجھے بھی الجھا رہے ہو۔ وہ باہر سے آئی ہوئی ایک ریسرچ اسکالر ہے۔ اغوا والی رات میرے فلیٹ میں موجود ہونے کی وجہ سے وہ مفت میں ماری گئی۔ تم چاہو تو گالان جاکر اس سے ملاقات کرسکتے ہو۔"

"گالان؟ یہ کیا بلا ہے؟" اس نے حیرت سے بڑبڑاتے ہوئے پوچھا۔

"شناراولی کا دارالخلافہ سمجھ لو۔ وادی کے حکمراں اسی پلیٹو پر رہتے ہیں۔"

"وہ وہاں کیوں رہ گئی؟" ڈان تھری میرے چکر میں آتا ہوا معلوم ہورہا تھا۔

"سفید فاموں کی روایتی رومان پسندی یا مہم جوئی کہہ لو۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ شناری کیسے عورت خور ہوتے ہیں۔ وہاں کے سردار نے بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے مہمان داری کی پیشکش کی تھی اور وہ وہیں رہ گئی۔ ہم تینوں واپس لوٹ آئے۔ ہوسکتا ہے کہ اب تک کوئی شناری اس سے زبردستی شادی کر بیٹھا ہو۔"

"خیر' جلد ہی تمہارے اس بیان کی بھی تصدیق ہوجائے گی۔ میرا ایک آدمی ان دونوں گوروں کی تلاش میں لگا ہوا ہے جو تمہاری کوسٹر کے ٹھیکے دار تھے۔ میں ان سے سچ اگلوالوں گا۔"

وہ بہت پہلو دار باتیں کررہا تھا۔ پہلے اپنی تنہائی کا رونا رو رہا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے بوبی کی خدمات حاصل کی تھیں مگر اس وقت وہ اپنے کسی اور ساتھی کا ذکر نکال بیٹھا تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ اگر ایلن اور پیٹریا ان میں سے کوئی ڈان تھری کے ہاتھ لگ جاتا تو میرا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔ وہ دونوں تو ویرا کو پہچان بھی چکے تھے۔ وہ آتے ہی ڈان تھری کو بتادیتے کہ چوتھی عورت فرزانہ نہیں' ویرا تھی اور اس نے میرے ساتھ ہی چیغا سرائے سے سفر کیا تھا۔ قوی امکان تھا کہ وہ ویرا کی مقامی قیام گاہ سے بھی باخبر ہوتے۔ لیکن وہ آنے والے وقت کے مسائل تھے۔ اس وقت میری اور ڈان تھری کی اعصابی جنگ چل رہی تھی اور مجھے کسی کرتب سے اس پر برتری حاصل کرنی تھی تاکہ برا وقت آنے سے پہلے میں اپنی گلوخلاصی کی کوئی راہ نکال سکوں۔

"پھر ہم یہاں وقت کیوں برباد کررہے ہیں' ہمیں اس آدمی کی طرف چلنا چاہئے۔" میں نے کہا۔

"یہیں بیٹھے تماشا دیکھتے رہو۔" وہ استہزائیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "خرابی یہ ہے کہ افغانستان کی نمبرپلیٹ والی گاڑیوں کو پشاور میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ طورخم سے جمرود روڈ پر آتے ہوئے' یونیورسٹی ٹاؤن سے پہلے ایک بہت بڑی افغان مہاجر بستی ہے۔ کوسٹر کو وہیں روک لیا گیا ہوگا۔ وہاں سے سب لوگ بسوں یا کرائے کی دوسری سواریوں کے ذریعے شہر میں داخل ہوئے ہوں گے۔ اتنے بڑے شہر میں ایک دو آدمیوں کا سراغ لگانا آسان کام نہیں ہے۔"

اس کی مایوسی میرے لئے امید افزا تھی۔ میں نے سرسری لہجے میں کہا "تو یوں کہو کہ تمہیں میرے ساتھیوں کے ٹھکانے کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ تمہاری ساری توجہ میری ذات پر مرکوز تھی۔"

"اس وقت بھی تم خود فرزانہ کا ذکر کردیتے تو میں اسے ذرا بھی اہمیت نہ دیتا۔ تم نے اس کا ذکر گول کرنا چاہا اس لئے وہ اہم ہوگئی ہے۔ اب میں ان بدمعاش گوروں سے اس کے بارے میں ضرور پوچھوں گا۔"

"ان گوروں سے تمہاری کیا پرخاش ہے؟" میں نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

"بزنس!" وہ مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "تم بھول رہے ہو کہ ہم مافیا والے ہیں۔ اس کوسٹر میں اعلیٰ درجے کی ہیروئن کی بھاری مقدار لائی گئی ہوگی۔ ٹھیکے دار کو اندر کی سب باتیں معلوم

ہوتی ہیں۔ وہ اپنا مال بھی لاتے ہیں۔ مجھے پوری کھیپ مل گئی تو کام کے ساتھ بزنس بھی ہو جائے گا۔"

"باس!" اچانک بوبی نے بھرائی ہوئی آواز میں پہلی بار زبان کھولی "تمہارے آدمی کو کیسے معلوم ہوگا کہ ہم اکبر خان کے ماموں کا ہوٹل چھوڑ کر اس بے نام و نشان قہوہ خانے میں آبیٹھے ہیں۔"

"دیکھتے جاؤ۔ وہ سیدھا یہیں آئے گا۔ ڈیڈی کو فون پر باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر میری کھوپڑی گھوم گئی ورنہ ہم اس وقت بھی وہیں ہوتے میرا آدمی ساڑھے آٹھ بجے سے پہلے وہاں پہنچے گا۔"

"میں کوئی شرارت نہیں کروں گا۔ چلو وہیں چلتے ہیں۔" میں نے فوراً ہی لقمہ دیا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس وقت تک کیپٹن بابر یا مقامی ایس ٹی ایف یونٹ کی جانب سے کوئی نہ کوئی پارٹی ہوٹل پر پہنچ ہی جائے گی اور ڈان تھری کے فرار کی ساری راہیں مسدود ہو کر رہ جائیں گی۔

"قہوہ پیو اور انتظار کرو۔ یہاں کا قہوہ بہت مزے دار ہے۔" اس نے سلگانے والے انداز میں کہا اور قہوے کی پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگالی۔ اس کی آنکھیں پرخیال انداز میں قدرے سکڑ گئی تھیں۔

قہوہ دانی کو خالی ہونے کے بعد دوبارہ بھروالیا گیا۔ ڈان تھری سگریٹیں پھونک پھونک کر اس انداز میں قہوہ پئے جا رہا تھا جیسے اس کی پیدائش یا کم از کم پشاور آمد کا مقصد ہی قہوہ نوشی رہا ہو۔ میں خاموشی سے الگ تھلگ بیٹھا اپنی ادھیڑ بن میں مبتلا تھا۔ ابتدا میں قہوے کی دو تین پیالیوں نے بہت لطف دیا، لیکن پھر قہوے سے میری طبیعت اکتا گئی اور میں نے ہاتھ روک لیا۔

اس دوران میں قہوہ خانے کے عملے کے اکا دکا افراد اس کمرے میں ضرور آتے جاتے رہے لیکن کسی گاہک نے وہاں باقاعدہ بیٹھک جمانے کا ارادہ نہیں کیا اور ہم تینوں وہاں تخلیے میں بیٹھے رہے۔

وقت بہت دھیمے دھیمے سرک رہا تھا۔ مجھے بے چینی کے ساتھ ساڑھے آٹھ بجنے کا انتظار تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ڈان تھری کا آدمی اس سے کس طرح رابطہ رکھتا ہے۔

آٹھ بج کر چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ کمرے میں گونجنے والی بیپ کی دھیمی سی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

وہ آواز ڈان تھری کے جسم کے کسی حصے میں سے آرہی تھی۔ آواز اتنی دھیمی تھی کہ شاید اس کا باہر سنا جانا ممکن نہیں تھا۔ وہ آواز پیدا ہوتے ہی ڈان تھری نے عجلت میں اپنی داہنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جب وہ باہر آیا تو اس میں ایک مختصر سا سیاہ آلہ دبا ہوا تھا اور وہی بیپ کی آواز کا مخرج تھا۔ میں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا کہ وہ کوئی لاسلکی مواصلاتی آلہ تھا جو کوئی سگنل وصول کر رہا تھا۔

ڈان تھری نے چٹکی سے اس کا نازک سا انٹینا باہر کھینچا اور ایک بٹن دبانے کے بعد اس آلے کو اپنے کان کے قریب لے جا کر ہولے سے بولا "بلیک فاکس ریڈی.... اوور!" اس کے الفاظ نے مجھے پھر چونکا دیا۔

دوسری طرف سے فوراً ہی ایک انسانی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ آواز دھیمی ہونے کے باوجود بہت واضح اور قابلِ شناخت تھی لیکن اس کا کہا ہوا ہر لفظ نامانوس تھا۔ غالباً وہ کوئی خفیہ زبان استعمال کر رہا تھا۔

دوسرے سرے سے آنے والا پورا پیغام سن لینے کے بعد ڈان تھری نے بولنا شروع کیا تو اس کے الفاظ بھی مہمل تھے۔ اس حیرت انگیز مظاہرے پر بوبی کی آنکھوں تک میں تحیر کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

اس لاسلکی آلے کا مائیکرو فون بہت طاقتور تھا جو ڈان تھری کے دہانے سے کافی دور ہونے کے باوجود اس کی ہدایات کہیں اور پہنچا رہا تھا۔ چند فقروں کے تبادلے کے بعد ڈان تھری نے سوئچ آف کر کے وہ آلہ دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لیا اور فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "میرا آدمی کامیابی کے ساتھ واپس لوٹا ہے۔"

ڈان تھری کے اس انکشاف سے میرے بدن میں سنسنی سی سرایت کر گئی اور میں نے بے اعتباری سے پوچھا "کیا وہ ان گوروں کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا؟"

ڈان تھری سفاکانہ انداز میں ہنسا اور میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا "ایلین اس کے ساتھ ہے۔ وہ ہیروئن کے سودے کا جھانسا دے کر اسے اپنے ساتھ لے آیا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ دونوں یہاں موجود ہوں گے۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ ایلین کی آمد کا مطلب تھا کہ ویرا کے بارے میں میرے جھوٹ کی پول کھلنے ہی والی تھی۔ ایک بار بے اعتمادی کا آغاز ہو جاتا تو ڈان تھری میری کسی بھی بات پر اعتبار نہ کرتا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ کراچی پہنچنے سے پہلے ہی میرے ساتھ بدسلوکیوں کا سلسلہ شروع کر دیتا۔

"تمہارا آدمی کہاں سے بول رہا تھا؟ کیا اس کے پاس بھی وائرلیس موجود ہے؟" بوبی حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"تم بالکل ہی گاؤدی ہو۔ اس کے پاس ٹرانسپیٹر نہ ہوتا تو وہ مجھ سے کیسے بات کرتا؟ وہ اکبر خان کے ماموں کے ہوٹل کے باتھ روم سے بول رہا تھا۔ میں نے ان دونوں کو اسی قہوہ خانے میں بلا لیا ہے۔"

"یہاں؟" اس نے حیرت سے کہا "وہ آ کر کوئی گڑبڑ نہ کر دے۔ یہاں بہت زیادہ چہل پہل ہے، ہم ذرا سی دیر میں سیکڑوں مقامیوں میں گھر کر رہ جائیں۔ تم اسے کہیں اور بھی بلا سکتے تھے۔"

"یہ باتیں تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔" ڈان تھری کا لہجہ برتری کے احساس سے بوجھل تھا "اس وقت بھیڑ بھاڑ ہی ہمارے لئے

سود مند ثابت ہوگی۔ بس مجھے قہوہ خانے کے مالک سے ذرا سی بات کرنی ہوگی تاکہ وہ ہم لوگوں کی موجودگی کے دوران میں کسی اور گاہک کو اندر نہ آنے دے۔"

وہ اٹھ کر دروازے پر جاکر کھڑا ہوا اور کسی سے بات کرنے لگا۔ میری پوری توجہ بوبی پر مرکوز تھی مگر وہ غافل نہیں تھا۔ میرے لئے گلوخلاصی کی بس ایک ہی راہ تھی کہ کسی طرح ریموٹ کنٹرول یونٹ میرے قبضے میں آجاتا۔ ایسی صورت میں وہ دونوں بارودی بیلٹ کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال نہیں کرسکتے تھے۔

جب سے میں نے ڈان تھری کی زبان سے بلیک فاکس کے الفاظ سنے تھے میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ مجھے رہ رہ کر بھارتی ایجنٹ' ملا سرکار یاد آرہا تھا جس نے اپنی طویل المدت منصوبہ بندی کے سہارے پاکستان میں ایسا مربوط جال پھیلایا ہوا تھا کہ اس کے سادہ لوح' دیہاتی معتقد ہروقت اس کی حفاظت کے لئے سینہ سپر رہتے تھے۔ ایک طرف وہ مسلمان روحانی رہنما بنا ہوا تھا اور دوسری طرف اندرون سندھ میں پھیلے ہوئے ڈاکوؤں اور رسہ گیروں کو تخریب کاری اور دہشت گردی بلکہ کھلی بغاوت کے لئے اکسا رہا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں اباسین نامی دریائی جہاز سے کی جانے والی ہمہ گیر کارروائی میں اس خبیث کے چیتھڑے اڑانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

ملا سرکار نے پاکستان میں برسابرس سے جو روپ بھی دھارا ہوا ہو' اس کی اصل یہ بھی کہ وہ بھارت کے ریسرچ اینڈ انالسس ... ونگ کا پرانا ایجنٹ تھا اور را کی ذیلی تنظیم' بلیک کیٹس میں بہت اہم عہدے پر فائز تھا۔ وہ اپنے نمک خواروں میں بلیک کیٹ ٹی کے نام سے معروف تھا اور ڈان تھری نے خفیہ زبان میں گفتگو کرتے ہوئے بلیک فاکس کا کوڈ استعمال کیا تھا۔ ڈان تھری کچھ ہی دیر پہلے اعتراف کرچکا تھا کہ وہ بمبئی کا شہری تھا۔ یہ نکات کسی خاص سمت کی نشاندہی کررہے تھے۔

میری معلومات کے مطابق مافیا سے وفاداری کا حلف اٹھانے والوں کے لئے کسی اور کے ساتھ کام کرنا جرم تھا۔ پھر کسی بھی درجے کے ڈان کے منصب پر فائز کسی شخص کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ اپنے حلف سے غداری کرکے کسی اور تنظیم کے لئے کام کررہا ہوگا مگر ڈان تھری کے بارے میں کچھ ایسی ہی گڑبڑ معلوم ہورہی تھی۔

میرا قیاس تھا کہ مافیا کے ڈان کی حیثیت سے وہ واقعی تنہا تھا اسی لئے اس نے بوبی کی خدمات حاصل کی تھیں لیکن وہ اتنا اکیلا بھی نہیں تھا۔ اس کے کچھ منظم سیکرٹ ایجنٹوں سے گہرے روابط تھے۔ وہ ان کی خفیہ زبان بخوبی بول اور سمجھ لیتا تھا۔ اس کے پاس اسی ساخت کا ٹرانسیٹر موجود تھا جو ان سیکرٹ ایجنٹوں کے استعمال میں رہتا تھا۔ جب اسے پشاور میں ایلین کی تلاش کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے ایسے ہی کسی سیکرٹ ایجنٹ سے رابطہ قائم کرلیا اور اب وہی شخص ایلین کو لے کر اس قہوہ خانے میں پہنچنے والا تھا۔

شاید ڈان تھری مافیا سے مخلص نہیں تھا۔ اس نے بھی ہماری طرح دُہری وفاداریوں کا سوانگ رچایا ہوا تھا۔ ایک طرف اسے مافیا کی بھیانک طاقت کی پشت پناہی حاصل تھی تو دوسری طرف بھارتی سیکرٹ سروس کے وسائل بھی اس کی دسترس میں تھے۔ ایسی باتیں تھیں جو بوبی جیسے' تیسرے درجے کے بدمعاش کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھیں۔ ڈان تھری کو اس کی طرف سے کوئی فکر نہیں تھی۔ وہ کھل کر اپنا کھیل کھیل رہا تھا مگر میں فیصلہ کرچکا تھا کہ مناسب موقع ملتے ہی میں اپنے تمام شبہات بیان کرگزروں گا۔

وہ قہوہ خانے کے مالک سے بات کرکے پرسکون انداز میں واپس لوٹا تو میں نے نہایت سرسری انداز میں اپنی بات چھیڑ دی "مجھے حیرت ہے کہ بوبی کے علاوہ بھی تمہارے مددگار موجود ہیں جو ٹرانسیٹرز استعمال کرنے پر قادر ہیں اور تمہیں بلیک فاکس کے نام سے پہچانتے ہیں۔"

"مافیا کے ڈان کہیں بھی اکیلے یا بے سروسامان نہیں ہوتے۔" وہ نخوت آمیز لہجے میں بولا "میں طاقت و اختیار کے غیرضروری مظاہرے پر یقین نہیں رکھتا۔ گرمیوں میں چند ہفتوں کے آرام کے لئے وینس جاتا ہوں تو وہاں سیاحوں کے ہجوم میں ایک مسکین سے عام آدمی کی طرح دھکے کھاتا پھرتا ہوں اور خوشی محسوس کرتا ہوں لیکن جب علاقائی بڑوں کے اجلاس میں شریک ہوتا ہوں تو پانچ بلٹ پروف گاڑیوں کے قافلے میں' دس محافظوں کے درمیان سفر کرتا ہوں۔ اس وقت پرندہ بھی میرے قریب پر نہیں مار سکتا۔ تمہیں یہ سب بتانا ضروری ہے۔ کہیں تم یہ نہ سمجھ لینا کہ پیال کے فرش پر اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے اس درویش کو آسانی سے زیر کرلوگے۔ مجھ پر جب قہروغضب کی لہر سوار ہوتی ہے تو مجھے انسان' کیڑوں سے زیادہ حقیر اور بے وقعت نظر آنے لگتے ہیں....."

"میں یہ باتیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" میں نے نرمی سے اس کی بات کاٹ دی "میں نے مافیا میں شامل ہونے سے پہلے شی والوں کا جاہ و جلال بھی دیکھا ہوا ہے۔ میں تمہارے خلاف کوئی بات نہیں سوچ سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہیں اپنی کینچلی بدلنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ مجھے بس ایک بات پر حیرت ہے' میں مافیا میں اکا دکا کوڈ ورڈز کے استعمال کے بارے میں جانتا ہوں۔ ایسے پاس ورڈز ہر شخص کی ضرورت بنتے رہتے ہیں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ہمارے یہاں کوئی باقاعدہ خفیہ زبان بھی استعمال کی جاتی ہے۔ تم بہت روانی سے وہ زبان بول رہے تھے۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے سادگی سے کہا "بس تمہاری زبان سے بلیک فاکس کا پاس ورڈ سن کر میرا ذہن کہیں اور بھٹک گیا تھا۔

را خیال ہے کہ میں تمہاری خفیہ زبان پہلے بھی کہیں سن چکا
ں۔"

میرا اندھیرے میں پھینکا ہوا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور وہ یک
ک بگڑ کر بولا "چبا چبا کر باتیں نہ کرو۔ صاف صاف بتاؤ کہ تم کیا
لینا چاہ رہے ہو۔ یہ زبان تم نے کہاں سنی تھی؟"

"شاید تم نے ملا سرکار کا نام سنا ہو۔" میں نے قدرے توقف
کے بعد کہا اور ڈان تھری کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔
ا سرکار کا نام سنتے ہی اس کے دیدے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے
کے لئے پھیل کر معمول پر آگئے تھے۔

"یہ کون ہے؟" اس نے منہ بگاڑ کر سوال کیا مگر اس کی آواز
کھوکھلی تھی۔

"وہ بلیک کیٹس کا ایجنٹ تھا۔" میں نے اس کی دکھتی رگ کو
زید دباتے ہوئے کہا "میں نے اسے کئی بار ایسی زبان میں گفتگو
کرتے ہوئے سنا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ تمہیں بھارتی سیکرٹ
سروس والوں کی زبان پر اتنا عبور ہے۔"

"بلیک کیٹس اور ملا سرکار سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" اس
نے تیکھے لہجے میں جوابی کارروائی شروع کردی۔

"شاید تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے شی سے اپنا تعلق ختم
کرنے اور مافیا میں شریک ہونے کے درمیان، خاصے دنوں تک
آزادانہ کام کیا ہے۔ یہ سب باتیں ان ہی دنوں میرے علم میں آئی
تھیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ یہ انڈین سیکرٹ سروس والوں کی خفیہ زبان
رہی ہو۔" وہ یکلخت ہی نرم پڑ گیا "میں نے کریٹوگرافی کی صورت
میں یہ زبان بمبئی میں قیام کے دنوں میں سیکھی تھی جو اب میرے
کام آرہی ہے۔"

"یہ بہت حیرت ناک بات ہے۔ خفیہ زبانیں انتہائی محدود
حلقوں میں مخصوص مقاصد کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ ان سے
باہر یہ بالکل مہمل ثابت ہوتی ہیں۔ تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں
اس زبان کو جاننے والے کارکن مل گئے ہیں۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے۔
یہی دعویٰ تمہارے بجائے کسی اور نے کیا ہوتا تو میں اسے ماننے
سے انکار کردیتا۔"

"تم مجھ سے بھی انکار کرسکتے ہو۔ اس سے میری صحت پر کوئی
فرق نہیں پڑے گا۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولا۔

میں خاموش ہوگیا۔ میرے لئے یہ بات باعثِ تشویش تھی کہ
مجھے کیپٹن بابر سے بات کئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ ہوٹل سے میری
روانگی کے بعد اکبر خان نے یقیناً اسے مزید تفصیلات سے باخبر کردیا
ہوگا لیکن اس کے باوجود ان لوگوں نے کوئی آپریشن شروع نہیں کیا
تھا۔ اگر فوج یا اسپیشل ٹاسک فورس کے کسی یونٹ نے اکبر خان
کے ماموں کے ہوٹل کا رخ کیا ہوتا تو ڈان تھری کا آدمی ٹرانسمیٹر پر
اس کے بارے میں ضرور ذکر کرتا اور ڈان تھری اس بارے میں مجھ
سے باز پرس کرتا۔ اس کی مکمل خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ ہوٹل
کے حالات میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ ایلین کی متوقع آمد
کے پس منظر میں وہ صورتِ حال میرے لئے مایوس کن تھی۔

تھوڑی دیر بعد قہوہ خانے کے دروازے پر ایلین آموجود ہوا۔
اس کے پیچھے ایک دراز قامت، درشت چہرے اور دُہرے جسم والا
شخص بھی نظر آرہا تھا۔ ڈان تھری نے ان دونوں کو دیکھتے ہی اندر
آنے کی ہدایت کی اور وہ اپنے جوتے باہر چھوڑ کر اندر آگئے۔ میرا
دل اچھل کر گویا حلق میں دھڑکنے لگا۔

وہ باہر چمکتے ہوئے سورج کی تیز روشنی میں رہ کر اس نیم روشن
اور تنگ کمرے میں آئے تھے اس لئے چند ثانیوں تک ان کی
بصارت پوری طرح کام نہیں کرسکی لیکن آپس میں ہاتھ ملاتے
ہوئے جوں ہی ایلین نے مجھے پہچانا، اس کے دہانے سے بے ساختہ
تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "اوہ ڈینی! تم یہاں ہو؟"

"تم پھر بھول رہے ہو۔ میرا نام ڈینی نہیں، تنویر ہے۔" میں
نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے احتجاج کیا۔

"سوری!" اس نے خوش دلی سے کہا "نام سے کوئی فرق نہیں
پڑتا۔ میں ڈینی کہوں یا تنویر، ایک ہی بات ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی
ہوئی کہ تم آزاد اور زندہ ہو۔"

"زندہ ضرور ہوں لیکن آزاد نہیں ہوں۔" میں جلدی سے
بول پڑا تاکہ ڈان تھری کی زہر فشانی سے پہلے ہی اسے صحیح صورتِ
حال کا احساس دلا سکوں۔

"میرا اندازہ تھا کہ اب تک تمہیں مارا جاچکا ہوگا۔" وہ ایک
گہرا سانس لے کر بولا "مجھے حیرت ہے کہ تم اس کھلے کمرے میں
آزادی کے ساتھ بیٹھے ہونے کے باوجود خود کو قیدی سمجھ رہے
ہو۔"

"یہ جھوٹ بولنے کا عادی ہے۔" ڈان تھری نے سخت اور
کھردری آواز میں کہا "تم اس کی باتوں پر دھیان دیئے بغیر یہ بتاؤ کہ
تمہاری کوسٹر میں اس کے ساتھ اور کتنے لوگ سفر کررہے تھے؟"

لمحہ بھر کے لئے میری اور ایلین کی نظریں چار ہوئیں۔ اس
وقت وہ تینوں پوری طرح اسی کی طرف متوجہ تھے۔ میں نے ان کی
نظریں بچا کر ایلین کو آنکھ ماری اور وہ اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے
بولا "کوسٹر میں ڈینی سمیت کل پندرہ مسافر تھے۔ کیا تمہیں اس کے
علاوہ کسی اور کی بھی تلاش ہے؟"

اس کے جواب نے میرا دل خوش کردیا۔ وہ اپنے کام کے
سلسلے میں مجھ سے مدد لینے کا خواہاں تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ
مجھے اسلحے کے زور پر چلتی گاڑی سے اغوا کیا گیا تھا۔ میں جن لوگوں
کے رحم و کرم پر تھا وہ میرے دوست ہرگز نہیں ہوسکتے تھے۔ وہ
کائیاں آدمی تھا۔ میری آنکھ کے اشارے سے بھانپ چکا تھا کہ
اسے اس ڈرامے میں کیا کردار ادا کرنا ہے۔ اس کے مبہم جواب پر
ڈان تھری بھنا کر رہ گیا۔

"میں دوسروں کی نہیں' ڈینی کے ساتھیوں کی بات کر رہا ہوں۔" وہ غرایا۔
"یہ تو اکیلا ہی تھا۔" ایلین نے معصومیت سے جواب دیا "پیشا سرائے سے اس نے صرف اپنا کرایہ ادا کیا تھا۔"
"اور وہ کون تھا جو لنڈی کوتل میں اس کے ساتھ ٹہلتا پھر رہا تھا؟"
"پتا نہیں۔" ایلین اس کی غراہٹ سے مرعوب ہوئے بغیر بولا "لمبے سفر میں بہت سے اجنبی ایک دوسرے سے مانوس ہو جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کوئی مسافر ہو۔ اس بارے میں تنویر ہی کچھ بتا سکے گا' میں نے لنڈی کوتل میں اس پر زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔"
ایلین کے جواب نے میرا دل مزید خوش کر دیا۔ وہ بہت سمجھ داری سے ڈان تھری کو چکر دے رہا تھا۔ اس کے مفاہمانہ رویے نے میرے سر پر سے ایک بہت بڑا فوری خطرہ ٹال دیا تھا۔
"اور وہ عورت کون تھی جو اس کے ساتھ ہی کوسٹر سے نیچے اترنے کے لئے تیار ہو گئی تھی؟" ڈان تھری کی آواز پر جھلاہٹ اور مایوسی غالب آنے لگی تھی۔
"مجھے نہیں معلوم۔" وہ قدرے ترشی کے ساتھ بولا "تم مجھ سے کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟ مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟" اچانک ہی وہ اپنے ساتھ آنے والے کی طرف مڑ گیا "تم نے کہا تھا کہ تم لوگ بزنس کی بات کرنی چاہتے ہو لیکن یہاں تو اس طرح پوچھ گچھ ہو رہی ہے جیسے میں تمہارا مجرم ہوں۔"
اس کو ہتھے سے اکھڑتے دیکھ کر ڈان تھری فوراً ہی ہوش میں آگیا اور سنبھل کر بولا "تمہیں بزنس ہی کے لئے یہاں بلایا گیا ہے لیکن یہ اتفاق ہے کہ تم ڈینی کو جانتے ہو......"
"نہیں!" ایلین نے برہمی سے اس کی بات کاٹ دی "یہ اتفاق نہیں ہو سکتا۔ تم نے اسی پوچھ گچھ کے لئے مجھے تلاش کر کے یہاں بلوایا ہے اب تم مجھے زیادہ دیر تک بے وقوف نہیں بنا سکتے۔"
"تم بلاوجہ بگڑ رہے ہو۔" اسے لانے والے نے حلق کے بل کہا "چلو' ڈینی پر لعنت بھیجو۔ اب ہم کام کی باتیں کریں گے۔ یہ بتاؤ کہ تم قہوہ پینا پسند کرو گے؟"
"اخلاقاً یہ سوال سب سے پہلے کیا جانا چاہئے تھا۔" ایلین نے تلخی سے کہا "قہوہ پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"
قہوہ موجود تھا' ڈان تھری نے مزید دو خالی پیالیاں طلب کیں اور پھر ہیروئن کے بارے میں گفتگو شروع کر دی۔ ایلین نے اسے بتایا کہ کوسٹر کے ذریعے آنے والے مسافر اپنے سامان میں چھپا کر تقریباً سات کلو ہیروئن لائے تھے لیکن جمرود روڈ کے مہاجر کیمپ پر سفر ختم ہونے کے بعد وہ سب نامعلوم ٹھکانوں کی طرف رخصت ہو گئے تھے۔ انہیں تلاش کرنا ممکن نہیں۔ اس کی اپنی تحویل میں پانچ کلو مال موجود تھا۔ وہ اسے مناسب داموں پر فروخت کرنے پر آمادہ تھا اور خود بھی کسی معقول خریدار کی تلاش میں تھا۔
اس موقعے پر درشت رو شخص نے اچانک وہی بولی بولنی شروع کر دی جو میں ڈان تھری کو ٹرانسمیٹر پر بولتے ہوئے سن چکا تھا۔ ایلین حیرت سے منہ پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔
وہ دونوں اپنی باتوں میں مصروف تھے تو ایلین نے مجھ سے مخاطب ہو کر اپنی الجھن کا اظہار کیا۔ وہ مقامی زبانوں سے واقف نہیں تھا لیکن ان کے صوتی آہنگ سے مانوس تھا۔ اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ دونوں کوئی اور ہی بولی بول رہے تھے۔ مجھ سے پہلے بوبی نے اس کے خیال کی تائید کر دی۔
اس دوران میں ڈان تھری اپنی گفتگو ختم کر چکا تھا۔ بات ہو جانے کے بعد ایلین کو لانے والا شخص پیال سے اٹھ کر باہر چل دیا تھا۔ اس کی روانگی پراسرار ضرور تھی لیکن اس بارے میں کسی نے کوئی سوال نہیں کیا۔
ڈان تھری دوبارہ ایلین کے ساتھ مذاکرات میں مصروف ہو گیا۔
ایلین ہیروئن کی مقامی اور بین الاقوامی مارکیٹ کے تھوک نرخوں کے بارے میں پوری طرح باخبر تھا اس لئے اپنے مال کے بارے میں غیر ضروری خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں تھا۔ اس نے جن داموں کا مطالبہ کیا ان پر تھوڑے سے مول تول کے بعد ان دونوں میں سودا طے ہو گیا۔ ڈان تھری نے اسے بتایا کہ اس کا آدمی شام کو رقم پہنچا کر اس کے ہوٹل سے مال اٹھا لے گا۔
ڈان تھری نے جس سرعت سے وہ سودا طے کیا' وہ میرے لئے حیران کن تھی۔ اس نے ایلین کی تسلی کے لئے بزنس کی بات طے کرتے ہی ایک بار پھر میرا ذکر چھیڑ دیا۔
"تم ڈینی کو کس طرح جانتے ہو؟ یہ تنویر والا کیا چکر ہے؟" اس نے سگریٹ سلگا کر پوچھا۔
ایلین ہنس پڑا "تمہارے ریکارڈ کی سوئی بس ڈینی پر ہی پھنسی ہوئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہاری اور اس کی کیا لڑائی چل رہی ہے جو تم نے اسے پاکستان پہنچتے ہی پکڑ لیا ہے۔"
"میرا اور اس کا پرانا حساب چل رہا ہے اور میں تم سے صرف دو باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ تم اسے کیسے جانتے ہو' دوئم یہ کہ ڈینی کے ساتھ مزید کتنے افراد تھے؟"
"اگر میں تمہارے دونوں سوالات کے جواب نہ دینا چاہوں تو کیا ہوگا؟"
"کچھ بھی نہیں۔ تم بدمزگی کے عالم میں رخصت ہو جاؤ گے۔ تمہارے انکار سے ہمارے سودے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ میرا آدمی ہر حال میں شام کو رقم پہنچا کر تم سے ڈیلیوری لے لے گا۔"
"ڈینی ہماری لائن کا پرانا اور بدنام آدمی ہے۔" ایلین ایک گہرا سانس لے کر بولا "یہ مجھ سے واقف نہیں تھا مگر میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ سفر کے آغاز میں' میں نے اسے شناخت کیا تو یہ

بگڑ گیا اور دعویٰ کرنے لگا کہ اس کا نام ڈینی نہیں، تنویر ہے اور میں نے نیم دلی سے اس کا دعویٰ تسلیم کر لیا۔ تمہارے دوسرے سوال کا جواب میں پہلے ہی دے چکا ہوں کہ ڈینی اکیلا تھا۔ راستے میں اس نے دوسرے مسافروں سے دوستی کر لی ہو تو وہ اور بات ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ افغانستان اور پاکستان کے درمیان تنہا سفر کرنے والی خوب صورت لڑکیاں مال دار اسامیوں کو پھانسنے کے چکر میں رہتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ڈینی کے ساتھ کوسٹر چھوڑنے پر آمادہ ہونے والی لڑکی بھی عورتوں کے اسی بدنام قبیلے سے تعلق رکھتی ہو۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔"

"ڈینی کا کہنا ہے کہ وہ دونوں اس کے ساتھی تھے۔" ڈان تھری نے اسے مجھ سے بھڑانا چاہا۔

"یہ جو چاہے کہتا رہے۔ اُسے اپنی کھال بچانے کا حق حاصل ہے۔" ایلن نے بے پروائی سے کہا "میں اتنا جانتا ہوں کہ ان تینوں نے مجھ سے الگ الگ رابطہ کیا تھا اور اپنے اپنے کرائے خود ادا کئے تھے۔"

"تم مجھے مشکل میں ڈال رہے ہو۔" ڈان تھری کی آواز سے بے بسی مترشح ہونے لگی "مجھے فرزانہ نامی ایک سفید فام عورت کی تلاش ہے۔ وہ افغانستان میں ڈینی کے ساتھ دیکھی جاتی رہی تھی۔"

"اس کے بارے میں خدا ہی بہتر جانتا ہو گا۔" وہ شانے اچکا کر بولا "ہو سکتا ہے کہ ڈینی اسے قتل کر کے کھا گیا ہو۔ میں ایسی کسی عورت کے وجود سے لاعلم ہوں۔"

"تمہیں یہ تو معلوم ہو گا کہ ڈینی کے بقیہ دو ساتھی کس ہوٹل میں گئے تھے؟"

"کوسٹر کا سفر ختم ہوتے ہی مسافروں میں افراتفری پھیل گئی تھی۔ ڈینی کے اغوا کے واقعے کے بعد وہ سب ہی خوف زدہ تھے۔ جس کا جدھر منہ اٹھا، وہ ادھر نکل گیا۔ اس بارے میں، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ ناصر باغ کے مہاجر کیمپ پر سفر ختم ہونے کے بعد مجھے کسی کی منزل کا علم نہیں ہو سکا۔"

"پھر تم چاہو تو واپس جا سکتے ہو۔" ڈان نے روکھے لہجے میں کہا اور ایلن فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

ایلن نے اس وقت جس خوب صورتی کے ساتھ ڈان تھری کو چکر دیا اس کی بنا پر میرے دل میں اس کے لئے جگہ پیدا ہو چکی تھی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ کبھی کھوٹا سکہ بھی کام آ ہی جاتا ہے۔

ایلن کو ہمارے پاس سے گئے ہوئے چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ اسے لانے والا شخص واپس آ پہنچا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

اس نے اندر آتے ہی اپنی خفیہ بولی میں کچھ سرگوشیاں شروع کر دیں۔ اس کے چڑھے ہوئے سانسوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ خاصی دور سے دوڑتا ہوا آ رہا تھا۔

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ڈان تھری پچھاڑ کھانے والی نظروں سے مجھے گھورنے لگا "اس بازار میں پیرا ملٹری فورسز کیا کرتی پھر رہی ہیں؟"

پیرا ملٹری فورسز کا ذکر سنتے ہی مجھے خوشی ہوئی۔ میرا دھیان اسپیشل ٹاسک فورس کی طرف گیا تھا مگر میں نے انجان بن کر کہا "میں کیا بتا سکتا ہوں۔ تمہارا آدمی کیا خبر لایا ہے؟"

"وہ تم تینوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔" نووارد حلق کے بل غرایا۔ "انہوں نے کئی راستوں سے نمودار ہو کر پورے بازار کی ناکابندی کر لی ہے۔"

"میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے جو وہ مجھے تلاش کریں گے؟ یہ ڈان ہی کا کوئی معاملہ نظر آتا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" ڈان بھڑک اٹھا "یہ اکبر خان کی نمک حرامی معلوم ہوتی ہے۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم دونوں فون پر کس سے بات کر رہے تھے؟ میں فلائٹ انفارمیشن والی بودی کہانی کو نہیں مانتا۔"

"اگر تم اپنے الفاظ میرے منہ میں ڈال کر اپنی مرضی کی بات کہلوانا چاہتے ہو تو میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ اکبر خان نے اُنتر فیلڈ رجمنٹ کے کیپٹن بابر کو فون پر میرے اور تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔"

ڈان تھری کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ فوری طور پر ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکا۔ لحظہ بھر کے بعد وہ بولنے کے قابل ہوا تو اس کی آواز سے اعتماد رخصت ہو چکا تھا "یہ کیپٹن بابر کون ہے؟ اس سے اکبر خان کا کیا رشتہ ہے؟ اس نے بابر کو میرے بارے میں کیا بتایا تھا؟"

"ایک ساتھ اتنے سوال؟" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "یہ سب تمہارا وہم ہے۔ میں نے وہی کچھ کہہ ڈالا ہے جو تم سننا چاہ رہے تھے ورنہ ان باتوں کا حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اکبر خان میری نگرانی کے کام سے اکتایا ہوا تھا۔ وہ پشاور سے کراچی جانے والی پروازوں کا وقت معلوم کر رہا تھا۔"

ڈان تھری چند ثانیوں تک اندر ہی اندر بل کھانے کے بعد نووارد پر برس پڑا "باہر کچھ ہو رہا تھا تو تمہیں یہاں تک دوڑ لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ کہیں سے اپریٹس کے ذریعے بھی مجھے باخبر کر سکتے تھے۔ بار بار کی غیر ضروری آمدورفت سے اس قہوہ خانے کا مالک شبے میں پڑ گیا تو ہم یہاں بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ ادھر بھی آ جائیں۔" اس نے اپنی بھاری آواز میں خدشہ ظاہر کیا "وہ بہت تیزی کے ساتھ پورے بازار میں پھیل رہے تھے۔ وہ دکانداروں وغیرہ سے تین مشتبہ آدمیوں کے بارے میں پوچھ گچھ بھی کر رہے ہیں۔"

"اس وقت میں باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔" ڈان تھری نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "اب تم جاؤ اور باہر کے حالات پر نظر رکھو۔ میدان صاف ہو جائے تو مجھے خبر دے دینا۔ یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ اپریٹس استعمال کر لینا۔ یہاں سے روانہ ہو کر میں

"نیر ہوٹل جاؤں گا۔"
وہ سر جھکا کر تیزی کے ساتھ واپس لوٹ گیا۔ ڈان کے چہرے پر تشویش کے سائے لرزاں تھے۔
"میرا خیال ہے کہ ڈینی جھوٹ نہیں بول رہا۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بوبی نے کہا۔
"بڑا نادر خیال ہے۔" ڈان تھری نے جلے بھنے انداز میں کہا "کیا میں اس کا سبب جان سکتا ہوں؟"
"کسی کے ایک فون پر فوجی دستے اس طرح حرکت میں نہیں آتے۔" بوبی اپنے باس کے طنز سے کھسیانا ہو رہا تھا "ڈینی افغانستان میں تھا۔ وہاں سے آتے ہی ہمارے قابو میں آگیا۔ اسے کسی سے رابطہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ نیم فوجی افسروں میں اکبر خان کا اتنا رسوخ نہیں ہو سکتا کہ اس کے ایک فون پر گھنٹا بھر میں پورا بازار مسلح دستوں سے بھر جائے۔ یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم بلاوجہ پریشان ہو رہے ہوں۔"
اس کی بات میں وزن تھا۔ ڈان تھری چند ثانیوں تک سوچتا رہا۔ میں خاموشی سے اس کے ردِعمل کا جائزہ لے رہا تھا۔ آخر کار وہ اٹھ کھڑا ہوا "تم ڈینی کی طرف سے ہوشیار رہنا۔ میں باہر سے کچھ سن گن لینے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ کوئی اور چکر ہوتا تو ان لوگوں کو سہ نفری ٹولی کی تلاش نہیں ہوتی۔"
"ہمیں اکبر خان کے ماموں کا ہوٹل چھوڑے ہوئے بہت دیر ہو چکی ہے۔" بوبی کا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا "کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ہم ابھی تک اسی بازار میں موجود ہوں گے۔"
"اکبر خان مقامی ہے۔ اگر وہ مجھ سے غداری کر ہی بیٹھا ہے تو اسے لوگوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہم کن راستوں سے گزرے تھے۔ اگر کسی نے ہمیں بازار سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تو ہماری یہاں موجودگی کی نشان دہی ہو سکتی ہے۔"
وہ چوکھٹ سے اپنے جوتے پہن کر باہر نکل گیا۔ چند قدم چلنے کے بعد وہ اس طرح رک کر کھڑا ہو گیا کہ اس کی پشت کا ایک حصہ مجھے نظر آ رہا تھا۔ میں نے پہلے بھی اکبر خان پر کامیابی سے ڈورے ڈالے تھے۔ اس بار پھر مجھے ایک موقع مل گیا تھا۔ اگر بوبی محبِ وطن پاکستانی تھا تو میں تھوڑی سی محنت کے بعد اسے شیشے میں اتارنے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ ڈان تھری کی واپسی کے بعد وہ موقع سرے سے ضائع ہو جاتا۔
"تم غلط آدمی کے لئے کام کر رہے ہو۔" فیصلہ کرنے کے بعد میں نے تیز سرگوشیانہ لہجے میں بوبی سے کہا "تم شروع سے اب تک ہونے والی تمام باتیں سنتے رہے ہو۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ شخص مافیا کا ڈان تھری نہیں بلکہ انڈین سیکرٹ سروس کا کوئی خرانٹ ایجنٹ ہے۔ اس کے لئے کام کر کے تم اپنی زمین سے غداری کے مرتکب ہو رہے ہو۔"
اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور لہجے میں تلخی امڈ آئی "ان ڈھکوسلوں سے تم مجھے اپنی حمایت پر آمادہ نہیں کر سکتے۔ زمین نے مجھے بھوک اور بے روزگاری کے سوا کیا دیا ہے جو میں اس سے وفاداری کے گیت گاتا رہوں؟ حبیب جیوانی کے لئے کام شروع کرنے سے پہلے میں مسلسل تین سال راندہ درگاہ رہا تھا۔ یہ ڈان کے بجائے جہنم کا داروغہ ہو' تب بھی میرے لئے بہت اچھا ہے کیونکہ یہ مجھے معقول پیسے دے گا۔"
"صرف پیسے دے گا لیکن تمہاری انا کو بار بار کچلتا رہے گا۔ ذرا سی دیر میں وہ کئی بار تمہارا مضحکہ اڑا چکا ہے۔ اسے غصہ آجائے تو وہ شاید تمہارے منہ پر تھپڑ بھی مار بیٹھے گا۔ یہ بات......"
"میرے لئے یہ تمام باتیں غیرضروری ہیں۔" وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولا "آسان روزی کمانے کے لئے انسان کو ایسے سمجھوتے کرنے ہی پڑتے ہیں۔ تم مجھے نہیں بہکا سکتے۔ خاموشی سے بیٹھے رہو۔ میرے کان نہ کھاؤ۔"
"اگر تمہیں پیسے کی اتنی ہی ہوس ہے تو میں تمہیں اس سے زیادہ رقم دے سکتا ہوں۔" میں نے اکبر خان کو کی جانے والی پیشکش اس کے سامنے بھی رکھ دی۔
"رقم سامنے ہوتی تو میں غور کر سکتا تھا۔ سوکھے وعدے مجھے نہیں بہلا سکتے۔ موت کی دہلیز پر پہنچے ہوئے ایک قیدی کے وعدوں پر میں ذرا بھی اعتبار نہیں کر سکتا۔ اب زیادہ بک بک کرو گے تو میں تمہاری یہ تمام ہرزہ سرائیاں ڈان کے سامنے دُہرا دوں گا۔ اگر تم بے قصور ہو تو یقین رکھو کہ مکاؤ والے بدمعاشوں کی گواہی کے بعد ڈان تمہیں چھوڑ دے گا اور تم سیٹھ حبیب جیوانی کی جگہ سنبھال لو گے۔"
"تم بات ہی نہیں سمجھ رہے۔ یہ ڈان ہوتا تو مجھے پریشانی نہ ہوتی۔ کراچی پہنچنے کے بعد مجھے آزادی مل ہی جاتی لیکن یہ شخص ڈان نہیں' را کا ایجنٹ ہے۔ یہ ہر حال میں مجھے قتل کر کے رہے گا۔"
"میں مقدر کے لکھے کو نہیں ٹال سکتا۔" اس نے مغموم انداز میں سرہلا کر کہا "اگر تمہاری موت اسی طرح آنی ہے تو وہ آکر رہے گی۔ تمہیں ہر حال میں انتظار کے جہنم سے گزرنا ہوگا۔"
اسی وقت ڈان لوٹ آیا۔ وہ بہت زیادہ متفکر نظر آ رہا تھا۔
"اسی چوک میں تلاشی کا زیادہ زور ہے۔" اس نے کہا "قہوہ خانے کے مالک کو بھی شبہ ہو گیا ہے۔ ہم یہاں بیٹھے رہے تو بہت آسانی کے ساتھ پکڑے جائیں گے' ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا چاہئے۔ ریموٹ کنٹرول مجھے دے دو۔ میں ڈینی کو ساتھ لے کر آگے چلوں گا۔ تم کچھ فاصلے سے ہمارے پیچھے آؤ گے۔ میری کوشش ہوگی کہ میں من و سلویٰ ہوٹل کی طرف سے ساؤتھ سٹی روڈ پر نکلوں لیکن باہر کے حالات کی روشنی میں راستہ بدل بھی سکتا ہے۔ باہر سے ٹیکسی لے کر ہمیں ہوٹل پہنچنا ہے۔ ہم یہاں سے نکلنے میں

کامیاب ہوگئے تو پھر کوئی ہماری راہ نہیں روک سکے گا۔"

"اور تم کان کھول کر سن لو!" چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوگیا "تم نے زبان یا عمل سے ذرا بھی چالا کی دکھانے کی کوشش کی تو میں ریموٹ کنٹرول کا پُش بٹن دبانے میں تاخیر نہیں کروں گا۔ یہ بات یاد رکھنا کہ اونچی نیچی عمارتوں اور ہر قسم کے خلل کے باوجود یہ ریموٹ کنٹرول دو کلومیٹر کے دائرے میں کام کرتا رہتا ہے۔ اس رینج میں تم ہر لمحے میری زد میں رہو گے۔ تم اسی وقت تک محفوظ رہو گے جب تک ہم خطرے سے باہر ہیں۔"

"میں یہ سب باتیں سمجھ رہا ہوں' وقت خراب کرنے کے بجائے باہر نکلو۔" میں نے کہا۔

بوبی باہر نکلتے ہی ایک طرف چل دیا۔ اس نے جانے سے پہلے ریموٹ کنٹرول یونٹ ڈان تھری کے حوالے کردیا تھا۔ اس کے بعد ہم دونوں باہر آگئے۔ ڈان تھری نے کاؤنٹر پر رقم ادا کی تو کیش پر بیٹھا ہوا شخص بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے آنکھ سے اشارہ کیا۔ میں اس وقت ہر چیز کا سہارا لینے پر تُلا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میری وہ حرکت کاؤنٹر والے کے شبہات کو تقویت پہنچائے گی اور وہ ہماری تلاش میں آنے والوں سے پورا پورا تعاون کرے گا۔

چوک کے ایک کنارے پر فوجی وضع کی دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہاں ملیشیا جیسی مقامی یونیفارم میں کئی مسلح جوان پہرے پر مامور تھے۔ بقیہ لوگ سامنے والی گلیوں اور دکانوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

بوبی ہم لوگوں کے آگے نکلنے کے انتظار میں سگریٹ کے ایک کیبن پر رک گیا تھا۔ قہوہ خانے کا حساب بے باق کرنے کے بعد ڈان تھری تیزی سے مڑا اور داہنی طرف چل دیا۔ میں پہلے ہی جائزہ لے چکا تھا کہ اس سمت میں ملیشیا والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔

"تیزی سے نکل چلو۔ ادھر میدان صاف ہے۔" اس نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔

میں نے اپنی رفتار بڑھادی۔ بوبی کے قریب سے گزرتے ہوئے میری نگاہ ڈان کے اس آدمی پر پڑی جو خفیہ زبان میں مہارت رکھتا تھا۔ وہ تھوڑے ہی فاصلے پر منڈلا رہا تھا۔

ہم تیزی سے بڑھے جارہے تھے کہ اچانک ایک دکان سے نکلنے والا نیم فوجی ڈان تھری سے آٹکرایا۔ اس کے پیچھے مزید تین مسلح افراد موجود تھے۔ ڈان بے خیالی میں اس سے ٹکرایا تھا۔ جوں ہی اس نے ان لوگوں کی وردیاں دیکھیں وہ بری طرح بوکھلا گیا۔ میں خود بھی اس عجیب اتفاق پر ششدر رہ گیا تھا۔

ڈان تھری اس سے معذرت کرکے آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ ان میں سے ایک نے اسے روک لیا "ٹھہرو! تم کون ہو اور یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

"مم.... ہم سیاح ہیں۔ دوسرے لوگوں کی طرح یہاں کی سیر کررہے ہیں۔" ڈان نے جلدی سے کہا۔

"ہمارے ساتھ آؤ!" اسی افسر نے کہا اور کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف چل دیا۔ بقیہ تین مسلح افراد نے ہم دونوں کو اپنے نرغے میں لے لیا۔ وہ واقعہ اتنے غیر متوقع انداز میں پیش آیا کہ ڈان کو ایک لمحے کے لئے بھی کچھ سوچنے کا موقع نہیں مل سکا اور ہم دونوں آگے بڑھ گئے۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ میری بیلٹ کا ریموٹ کنٹرول یونٹ ڈان کی داہنی ہتھیلی میں دبا ہوا تھا۔

گاڑیوں کے قریب پہنچتے ہی میں نے اکبر خان کو دیکھا۔ وہ مسلح افراد کی ایک ٹولی کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ دوسروں کو ہماری طرف متوجہ پاکر وہ بھی مڑا اور مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ بے ساختہ چلّا اٹھا "اوئے' ڈینی خان! خدا کا شکر ہے کہ ہم سب کی محنت برباد نہیں ہوئی۔ مجھے پتا چل گیا تھا کہ تم لوگ چوک پر کہیں غائب ہوگئے تھے لیکن مجھے یہ امید نہیں تھی کہ یہ لوگ ابھی تک تمہیں یہیں لئے بیٹھے ہوں گے۔ اس وقت بازار میں ساٹھ آدمی تمہیں تلاش کررہے ہیں۔"

وہ بڑھ کر پُرجوش انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا اور ایک ہی سانس میں پوری روداد بیان کرتا چلا گیا۔

وہ کارروائی اکبر خان کی مخبری پر عمل میں لائی گئی تھی۔ اس کے رویّے نے وہاں موجود لوگوں پر دوست اور دشمن کی پوزیشن واضح کردی۔ اسی کے ساتھ ڈان تھری قہرباز نگاہوں کا مرکز بن گیا۔

"خبردار!" مسلح جوانوں کے تیور بھانپتے ہی ڈان تھری غضب ناک آواز میں غُرّایا "کسی نے بھی مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو میں ڈینی کے بدن کے چیتھڑے اڑادوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا داہنا ہاتھ آگے کی طرف پھیلالیا۔ اس کی ہتھیلی میں سیاہ رنگ کا ریموٹ کنٹرول یونٹ دبا ہوا تھا اور اس کا انگوٹھا اس یونٹ کے بٹن پر رکھا ہوا تھا۔

ڈان تھری کے الفاظ پر وہ سب ہی چونک پڑے پھر وہاں موجود افراد میں سے ایک مسلح شخص میرے سامنے آگیا "سر! میں ایس ٹی ایف کا محراب خان ہوں' لوکل یونٹ کمانڈر" اپنا تعارف کراتے ہوئے اس نے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھا دیا تھا۔ میں نے اس سے گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے ایک نئی خود اعتمادی محسوس کی۔

کیپٹن بابر کا تعلق باقاعدہ فوج سے تھا۔ وہ فوج کے ڈسپلن کا پابند تھا اور کسی بڑی سے بڑی اطلاع پر بھی شہری معاملات میں مداخلت کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تھا۔ وہ جب تک اپنے مجاز افسران کو اعتماد میں لے کر ان سے کسی پیش رفت کی اجازت لیتا' معاملات کہیں سے کہیں پہنچ سکتے تھے جب کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے افسران اپنی صوابدید پر کہیں بھی کوئی کارروائی کرسکتے تھے۔ ان کا کمانڈر مقامی سطح پر بڑے سے بڑا فیصلہ بھی خود ہی کرلیتا تھا۔

عام طور پر اسپیشل ٹاسک فورس کی کارروائیوں کو مقامی

انتظامیہ کی پشت پناہی حاصل نہیں ہوتی تھی مگر میرا تجربہ تھا کہ مقامی حکام چشم پوشی سے کام لے کر ان سے دور ہی دور رہتے تھے۔ اسلحہ لانے والی لانچ الحدید پر چھاپے اور ٹریڈ لائن کی تباہی کے معاملات حساس نوعیت کے تھے اس لئے ان کارروائیوں میں ایس ٹی ایف کے ساتھ دوسرے اداروں نے بھی سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ ان تمام پہلوؤں سے گہری واقفیت کی بنا پر مجھے امید ہو چلی تھی کہ میرا معاملہ صحیح ہاتھوں میں پہنچ چکا تھا۔

"یہ کون ہے اور کیا کہہ رہا ہے سر؟" محراب خان نے حقارت سے ڈان تھری کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"یہ بلیک فاکس ہے اور جو کچھ کہہ رہا ہے درست ہے۔ یہ اپنے ہاتھ میں موجود ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبائے گا اور میری کمر کے گرد بندھی ہوئی بارودی بیلٹ میرے چیتھڑے اڑا دے گی۔" میں نے افسردگی سے کہا۔

ڈان تھری کے ہونٹوں پر تحقیر آمیز مسکراہٹ پھیل گئی "مجھے پکڑ لینے کے باوجود تم بالکل بے بس ہو' زمین پر رینگنے والے کسی حقیر کیچوے کی طرح۔ میں جب چاہوں تمہیں اپنی ایڑی سے مسل سکتا ہوں۔ تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکو گے۔ مجھے پہلے سے شبہ تھا کہ ڈینی پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں سے ملا ہوا ہے۔ اس وقت میں نے تم لوگوں کے رویّے سے مکمل ثبوت پا لیے ہیں۔ ہمیں ڈبل کراس کرنے والوں کا انجام عبرت ناک ہوتا ہے۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ کسی نے بھی میرا راستہ روکنے کی کوشش کی تو میں ڈینی کو اڑا دوں گا۔ اگر مجھے تم لوگوں کے ہاتھوں مرنا ہی پڑا تو میں اس سے پہلے ڈینی کو اس طرح جہنم واصل کروں گا کہ اسے قبر تک نصیب نہیں ہو سکے گی۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ الٹے قدموں پیچھے سرکنے لگا۔ اس کے گرد کھڑے ہوئے مسلح جوان کائی کی طرح اس سے دور سرکنے لگے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں بے خیالی میں ڈان ان سے ٹکرا گیا تو خود ہی بھڑک کر ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا دے گا اور اس المناک سانحے کی ذمے داری ان پر آ جائے گی۔

میں اس خبیث کا ارادہ بھانپ گیا "تم اتنی آسانی سے یہاں سے نہیں نکل سکو گے۔ میں کسی آسیبی سائے کی طرح تمہارے ساتھ لگا رہوں گا۔" میں نے اسی کی رفتار سے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

محراب خان نے اضطراری طور پر میرا بازو پکڑ لیا اور جوشیلے لہجے میں بولا "جذباتی نہ بنیں سر! خود کو خطرے میں نہ ڈالیں۔ یہ جدھر جا رہا ہے' اسے جانے دیں۔ یہ ہم سے بچ کر نہیں نکل سکے گا۔" اکبر خان اس کے ساتھ تھا۔

بس لمحہ بھر کے لئے میرا اور ڈان کا درمیانی فاصلہ قدرے بڑھا مگر میں نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو محراب خان سے چھڑایا اور دوبارہ ڈان کے قریب پہنچ گیا۔ میری اس حرکت پر ڈان کے قدم سڑک پر جم کر رہ گئے۔

اس تماشے کی وجہ سے قصہ خوانی بازار کے اس حصے میں لوگوں کی بھیڑ جمع ہونے لگی تھی۔ ایس ٹی ایف کے چند اہل کاران تماشائیوں کو ہٹانے میں مصروف ہو گئے لیکن دوسروں کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔

"میں ایک پل کے لئے بھی اس خبیث سے دور نہیں رہوں گا۔" میں نے ڈان کو گھورتے ہوئے کہا۔ محراب خان بے بسی سے میرے ایک پہلو پر آ کھڑا ہوا تھا اور کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں ہم دونوں کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "میری زندگی اسی وقت تک ہے جب تک میں اس کے ساتھ ہوں۔ یہ بٹن دبائے گا تو میرے ساتھ خود بھی مارا جائے گا۔ یہ چالاکی کے ساتھ مجھے یہاں چھوڑ کر نکلنا چاہ رہا ہے۔ میری صورت میں ایک متحرک بم اس بھرے بازار میں موجود رہے گا اور یہ مجھ سے محفوظ فاصلے پر پہنچتے ہی بٹن دبا دے گا۔ بیلٹ پھٹتے ہی میرے اردگرد تباہی پھیل جائے گی۔ تم سب کے ساتھ ہی متعدد بے گناہ شہری بھی مارے جائیں گے۔ زخمیوں کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ میرے ساتھ بہت کچھ تباہ ہو جائے گا اور اس کو خراش تک نہیں آئے گی۔ میں اس کا گھناؤنا منصوبہ کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ ریموٹ کنٹرول میکانزم کے باوجود یہ بارودی بیلٹ بہت بھاری ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس میں پانچ سے سات پونڈ تک خالص بارودی قوت کا مواد چھپایا گیا ہے۔ اس کے دھماکے سے یہاں کی متعدد بوسیدہ عمارتیں تک ملبے کے ڈھیر میں بدل جائیں گی۔"

ڈان تھری پہلی بار فراخ دلی سے مسکرایا اور بولا "تم بہت چالاک ہو لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میرے ساتھ رہ کر تم زیادہ دیر تک زندہ رہ سکو گے۔ اعصابی جنگ میں کوئی مجھے شکست نہیں دے سکتا۔ میں فولادی ارادوں کا مالک ہوں۔ تمہاری غفلت کا بس ایک لمحہ تمہارے مقدر کا فیصلہ کر دے گا۔"

"مجھے بھی یہی خوش فہمی ہے۔" میں بالکل اس کے مقابل پہنچ گیا "میری خوش قسمتی ہے کہ میرے تمام ساتھی میرے خیرخواہ اور ہمدرد ہیں۔ تمہاری بدقسمتی کہ تم بھاری معاوضہ دے کر بھی اکبر خان اور ببلی کو پوری طرح اپنا وفادار نہیں رکھ سکے۔ اس زمین پر تمہیں ہزاروں مجرم مل جائیں گے لیکن غدار کم ہی ملیں گے۔ اکبر خان کی کارروائی کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ جب تم قہوہ خانے کے مالک سے فوجیوں کی موجودگی کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے تو ببلی نے مجھے کچھ ایسی باتیں بتائی تھیں جو تمہارے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوں گی۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم کیسے مجھے زیر کرتے ہو!"

"ببلی!" وہ دانت پیس کر غرّایا "کیا کہا تھا اس حرام زادے نے؟"

میرا وہ تیر بھی کارگر ثابت ہوا۔ میں نے اس کی بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "تمہیں خود اندازہ ہونا چاہئے کہ تمہاری کون کون سی کمزوریاں اس کے علم میں ہیں۔ اس نے مجھے من گھڑت باتیں تو نہیں بتائی ہوں گی۔"

"میں اس سور کے بچے کو بھی دیکھ لوں گا۔" وہ آپے سے باہر ہو کر غرایا۔

میرے ہائیں ہائیں کرنے کے باوجود اکبر خان نے بڑھ کر اس کے منہ پر تھپڑ رسید کردیا اور فضا چٹاخ کی آواز سے گونج اٹھی۔ اس وقت صرف اکبر خان غصے میں دہاڑ رہا تھا۔ بقیہ لوگوں کے چہرے زرد پڑ گئے تھے اور زبانیں گنگ ہوگئی تھیں۔ ہر شخص دہشت زدہ تھا کہ ڈان تھری اپنی توہین پر مشتعل ہو کر موت کا بٹن نہ دبا دے۔

"تجھے شرم نہیں آتی؟ اتنے لوگوں میں ناپاک جانور کا نام لیتا ہے۔" اکبر خان دہاڑ رہا تھا۔

خلافِ توقع تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ بات وہی تھی کہ ڈان تھری بٹن دباتا تو دوسروں کے ساتھ خود بھی دھماکے سے اڑ جاتا۔ وہ اپنا رخسار سہلاتے ہوئے زہریلے لہجے میں اکبر خان سے مخاطب ہو کر بولا "نمک حرام! میں تجھے دیکھ لوں گا۔ یہ تھپڑ اب تجھے قبر ہی میں لے جائے گا۔ میں زیادہ سے زیادہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں ڈیبی سے نجات حاصل کرلوں گا پھر تجھے اور ہوبی کو دیکھ لوں گا۔"

میں اکبر خان کو سمجھانے کے بہانے چند قدم دور لے گیا اور ڈان تھری پر نظر رکھتے ہوئے اس کے کان میں کہا "تم تھوڑی دور جاؤ گے تو ہوبی مل جائے گا۔ اسے پکڑلو۔ اس کے علاوہ سامنے کی فٹ پاتھ پر سرخ چیک کی قمیص میں ایک دراز قامت اور درشت رو شخص بھی منڈلا رہا ہے۔ وہ بھی اس کا ساتھی ہے، تم اسے دور ہی سے پہچان لو گے۔ اپنی شوخ قمیص کی وجہ سے وہ تمہاری نظروں سے نہیں بچ سکتا۔ دونوں کو ادھر لائے بغیر محراب خان کے آدمیوں کے حوالے کردو۔"

اکبر خان اپنا سر جھٹکتا ہوا بھیڑ سے نکل گیا۔ میں دوبارہ ڈان تھری کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"مجھے حیرت ہے کہ پیسے کی خاطر چوری، قتل اور اغوا کرنے والا اکبر خان میری ایک گالی پر اتنا مشتعل ہوگیا۔" وہ طنز سے بولا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے لوگ مذہب کو کب بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور کب اس پر کاربند ہوجاتے ہیں۔"

"تمہاری دشمنی اپنی جگہ پر ہے لیکن اس وقت اکبر خان زیادہ ہی جوش میں آگیا تھا۔" میں نے اس کی تسلی کے لئے کہا "میری بات اس کی سمجھ میں آگئی ہے اسی لئے وہ یہاں سے ٹل گیا ہے۔"

"خاموشی سے ریموٹ کنٹرول ہمارے حوالے کردو۔" محراب خان نے خشک لہجے میں کہا "اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردینے کے بعد تم فائدے میں رہو گے۔ ہم نے اپنے کسی گوریلا ایکشن سے تمہیں زیر کیا تو تمہاری زندگی دردناک ہوجائے گی۔"

"میں نے زندگی میں کبھی ہار نہیں مانی۔ اس بار بھی جیت میری ہی ہوگی۔" وہ پُراعتماد انداز میں بولا "میں زیادہ دیر تک یہاں تماشا بنائے رکھنا پسند نہیں کرتا۔ میرے لئے فوراً ایک خالی جیپ کا بندوبست کرو۔ میں یہاں سے روانہ ہونا چاہتا ہوں۔ ڈیبی میرے ساتھ چلنے پر مصر ہے تو جیپ اسی کو چلانی ہوگی۔"

معاً مجھے یاد آیا کہ ڈان کے پاس میری بارودی بیلٹ کا ریموٹ کنٹرول ہی نہیں تھا بلکہ اس کی بائیں جیب میں وہ بھرا ہوا پستول بھی موجود تھا جو اس نے ہوٹل کے کمرے میں اکبر خان سے لیا تھا۔ اس کے حد سے بڑھے ہوئے اعتماد کی یہی وجہ تھی کہ ہم سب کے ذہن بارودی بیلٹ میں الجھ کر رہ گئے تھے۔ ڈان کے پاس موجود کسی اور ہتھیار کے بارے میں کوئی نہیں سوچ رہا تھا۔

جسمانی طور پر ڈان کو مجھ پر کوئی برتری حاصل نہیں تھی۔ اس وقت اصل فرق ایک بھرے ہوئے پستول کا تھا۔ وہ مسلح تھا اور میں نہتا۔ وہ مجھے اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی بھیڑ سے نکال لے جانے کے بعد راستے میں کہیں بھی گولی مار کر ختم کرسکتا تھا۔ میرے بے جان وجود کے گرد بارودی بیلٹ اسی طرح بندھی رہتی اور جب بہت سے سوگوار لوگ میری لاش کے گرد جمع ہوجاتے تو ڈان اپنی محفوظ پناہ گاہ سے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر میری لاش کے ساتھ ان سب کو بھی اڑا دیتا۔ میں نے اس نکتے پر جتنا غور کیا اسی قدر میرا یہ خیال پختہ ہوتا رہا کہ وہ بیک وقت مجھ سے نجات حاصل کرنے اور فرار ہونے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اس وقت میں محراب خان یا اس کے ساتھیوں سے ڈان کے پستول کا ذکر کرتا تو وہ چوکنا ہوجاتا۔ ردعمل میں وہ کوئی بھی کارروائی کرسکتا تھا۔ میرے نزدیک اس مسئلے کا بہترین حل یہی تھا کہ میں اپنے طور پر اسے پستول سے محروم کرنے کی کوشش کرتا۔ میں نے اس کی طرف پیش قدمی کی تو وہ قدرے پیچھے سرک کر قدرے ناگواری سے بولا "میرے سینے سے چپکنے کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے دور رہو۔ تم تو میرے سر پر چڑھے چلے آرہے ہو۔"

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ میں نے کھڑے کھڑے ایک بار پھر گزرے ہوئے واقعات کا جائزہ لیا۔ اگر ڈان کے پاس پہلے سے کوئی ہتھیار موجود ہوتا تو آخری مرتبہ وہ اکبر خان سے پستول لینے کے بجائے اپنا ہتھیار استعمال کرتا۔ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے یہ یقین کرنا ضروری تھا کہ ڈان کی بائیں جیب میں صرف ایک پستول موجود تھا جسے چھین لینے کے بعد وہ بھی نہتا ہوجاتا۔ دوسرے ہتھیار کی موجودگی میں میری کارروائی بے نتیجہ ہو کر رہ جاتی۔

"گاڑی کا بندوبست کراؤ!" میں نے محراب خان کو ہدایت دی۔ اس کے مؤدب انداز سے میں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ میرے بارے میں پوری طرح باخبر تھا۔ کچھ ہی روز پہلے اوّل خان نے پشاور

میں سردار پائندہ گل کا گھیراؤ کرایا تھا۔ وہ کارروائی غالباً محراب خان ہی کے ذریعے انجام دی گئی تھی اس لئے میں اسے ہدایت جاری کرنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کر رہا تھا۔

اکبر خان پہلے ہی وہاں سے جا چکا تھا۔ محراب خان بھی کچھ دور ہٹ کر اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا اور میں مکارانہ انداز میں ڈان تھری کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اپنی نگاہیں اس کے داہنے ہاتھ پر مرکوز رکھی تھیں کیونکہ ریموٹ کنٹرول یونٹ اس کے اسی ہاتھ میں موجود تھا۔

میری وہ حرکت اس قدر مسلسل اور جارحانہ تھی کہ ڈان تھری بولے بغیر نہ رہ سکا "اس خیال میں نہ رہنا کہ تم مجھ سے ریموٹ چھین لینے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ مجھی ہی لپیا اس وقت مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔"

"اچھا!" میں نے اسے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا اور ایک ہی جست میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے الٹے قدموں سرکتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لئے۔ وہ اپنی دانست میں ریموٹ کنٹرول کو میری دسترس سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میری بھی یہ کوشش تھی کہ اس کی ساری توجہ اسی طرف مبذول رہے۔ میری حکمتِ عملی پوری طرح کامیاب رہی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر کوٹ کی بغلی جیبوں کو میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ میں نے بجلی کی سی سرعت سے اس کی پھولی ہوئی بائیں جیب میں ہاتھ ڈال کر چشم زدن میں پستول نکالا اور فوراً ہی پیچھے ہٹ آیا۔ میں نے ڈان کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو نیچے گرانے تو کیا چھونے تک کی کوشش نہیں کی تھی۔

اپنا پستول میرے ہاتھ میں دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گیا۔ وہ ایسی بے اعتباری سے میری طرف دیکھ رہا تھا جیسے اچانک ہی میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم پستول کے بل بوتے پر لمبے لمبے دعوے کر رہے ہو۔" میں نے پستول کا سیفٹی کیچ چیک کر کے اسے اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا "اب برابر کا مقابلہ ہو گا۔ تمہارے پاس ریموٹ کنٹرول اور میرے پاس پستول ہو گا۔ ہم میں سے کوئی بھی وار کرنے میں پہل نہیں کرے گا' بس اعصابی لڑائی باقی رہ جائے گی۔" اس نے جھلا کر ایک گندی سی گالی دی اور میں بے اختیار ہنس پڑا۔

اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی متعدد گاڑیاں اس علاقے میں موجود تھیں۔ بس ان میں سے کسی ایک گاڑی میں سے سارا ساز و سامان کسی دوسری گاڑی میں منتقل کرنا تھا۔ وہ کام دیکھتے ہی دیکھتے مکمل ہو گیا اور محراب خان نے بند آہنی باڈی والی جیپ کی چابی میرے حوالے کر دی۔

"ٹھہرو!" مجھے جیپ کی طرف جاتے دیکھ کر ڈان تھری غرایا "پہلے میں اپنا اطمینان کروں گا۔"

میں رک گیا اور ڈان تھری' محراب خان کے اشارے پر ایک جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے کھلی ہوئی کھڑکیوں میں سے سر اندر ڈال کر اچھی طرح جیپ کا جائزہ لیا پھر پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ ہی رہا تھا کہ میں نے اسے ٹوک دیا "جیپ کے نیچے بھی جھانک لو۔ ایسا نہ ہو کہ باڈی سے کوئی کمانڈو چپکا ہوا ہو۔"

وہ مجھے غصیلی نظروں سے گھور کر رہ گیا اور میں چابی لہراتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"آپ بالکل فکر نہ کریں' سر!" محراب خان نے شاید ڈان کو سنانے کے لئے مجھ سے کہا "ہماری دو گاڑیاں آپ کا پیچھا کریں گی اور ہر وقت ایک مسلح دستہ آپ کے آس پاس موجود رہے گا۔ میرا ہر آدمی آپ کے اشاروں کی تعمیل کرے گا۔ میں اس وقت کے حالات سے ذرا بھی دل برداشتہ نہیں ہوں۔"

"تم جو چاہو کرتے رہو لیکن کوئی بھی میرے قریب نہ آئے۔" میری توقع کے عین مطابق ڈان بول پڑا۔ اس وقت تک میں نئے ماڈل کی ہارڈ ٹاپ جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ ڈان کے اشارے پر میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور جیپ کسی مست خرام مورنی کی طرح لہراتی ہوئی آگے چل پڑی۔

ایس ٹی ایف والوں کی سختی کی وجہ سے قصہ خوانی بازار کی سڑک پر کسی بھی قسم کا ٹریفک موجود نہیں تھا لیکن وہاں ہونے والی فوجی کارروائی کی افواہوں کی وجہ سے قرب و جوار سے لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا تھا "یہاں سے ساؤتھ سٹی روڈ پر لے لینا۔" ڈان نے مجھے ہدایت دی "تم جلد یا بدیر میرے ہاتھوں مرنے ہی والے ہو تو میں تمہیں بتادوں کہ میں مافیا کے ساتھ ساتھ انڈین سیکرٹ سروس کے لئے بھی کام کر رہا ہوں۔ یہاں سیکڑوں افراد کی بھیڑ دیکھ کر میرا دل چاہ رہا ہے کہ اسی وقت یہاں دھماکا کروں اور ان سب کو خون میں نہلا دوں لیکن مجھے اپنی زندگی سے پیار ہے۔ ویسے بھی میں تم جیسے قابلِ نفرت آدمی کے ساتھ مرنے کو اپنی بے عزتی سمجھتا ہوں۔"

"فکر نہ کرو۔ تم اکیلے اور زیادہ بے عزتی کے ساتھ مارے جاؤ گے۔ یہ اچھا کیا کہ تم نے مرنے سے پہلے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا اب تو تم مافیا کے قانون کے مطابق بھی موت کے حق دار ہو گئے ہو...."

"اوہ! کہاں جا رہے ہو؟" وہ اچانک ہی غرایا اور میں نے پوری قوت سے بریک لگا دیے۔ ہماری جیپ کے پیچھے آنے والی ایس ٹی ایف کی دونوں گاڑیاں بھی کچھ فاصلے پر رک گئیں۔

"یہاں سے موڑ لو۔" اس نے مختصر سے توقف کے بعد ہدایت کی "اب ہمیں کافی دور تک سیدھے ہی جانا ہو گا۔"

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور چند ثانیوں کی مسافت کے بعد ہی ساؤتھ سٹی روڈ کا سائن بورڈ نظر آنے لگا۔ اس سڑک پر ٹریفک معمول کے مطابق چل رہا تھا۔ میں نے جیپ کی رفتار بڑھا دی۔

"سچ سچ بتانا کہ اس بار تم کس حوالے سے پاکستان آئے ہو؟" کچھ دیر بعد میں نے پوچھا۔

"ڈان بھی مافیا کا تنخواہ دار ملازم ہوتا ہے۔ میں تعطیلات کے سوا اپنی مرضی سے لمبے لمبے سفر نہیں کرسکتا۔ اپنے اسٹیشن پر رہ کر اپنوں کے مفادات کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہوں۔ تمہارا نام اس وقت سے میری ہٹ لسٹ پر ہے جب تم شی میں بہت زیادہ سرگرم ہوا کرتے تھے۔ جب مُلاّ سرکار کے سلسلے میں تمہاری بدمعاشیاں میرے علم میں آئیں تو یہ نفرت اور گہری ہوگئی لیکن مجھے کوئی موقع نہیں مل سکا۔ اس بار مجھے کراچی بھیجا گیا تو میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ تمہارا کام تمام کردوں گا اور دیکھ لو کہ میں تم پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے علاوہ مجھے مُلاّ سرکار کی بھی فکر ہے۔ تم میں اتنی شرافت ضرور ہونی چاہئے کہ مجھے اپنے اس دشمن کی موجودہ حالت سے آگاہ کردو۔ آج کل وہ کہاں قید ہے؟"

"وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ دریائے سندھ میں اس کی بوٹ ایک پُل کی سنگلاخ بنیادوں سے ٹکرا گئی تھی اور اس کی لاش کے چیتھڑے دریا کی تیز لہریں اپنے ساتھ بہالے گئی تھیں۔ میں اس کے خلاف ویسے ہی جذبات رکھتا تھا جو تمہارے دل میں میرے لئے موجود ہیں۔ میں نے بہت دیر تک اس کا ہانکا کیا لیکن جب اس کا آخری وقت آیا تو میں اسے ہاتھ تک نہ لگاسکا۔ قدرت کے اصولوں کے سامنے انسان کے ارادے ریت کے گھروندوں کی طرح ڈھے جاتے ہیں۔"

"یہ بہت بری خبر ہے۔ ہر ایک کا خیال ہے کہ وہ کسی خطرناک جیل میں سزا کاٹ رہا ہے۔ یہاں کام کرنے والوں میں سے کسی کو بھی اس کے انجام کا علم نہیں ہوسکا۔ وہ قربانی اور بے خوفی کی ایک مثال بن کر جیا اور اسی طرح مرگیا۔ تم دیکھنا کہ اس کا چلایا ہوا مشن بہت جلد اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گا۔"

"جنگ اور محاذ آرائی میں ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے۔ ایک فریق کا ہیرو، دوسرے کے لئے گھناؤنا جنمی ہوتا ہے۔ مُلاّ سرکار کے لئے تمہاری عقیدت قابلِ فہم ہے لیکن میرے نزدیک وہ اس دور کا عیار ترین مجرم تھا۔"

اس نے احتیاط سے ریموٹ کنٹرول کو اپنے دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا اور پھر جیب سے ایرٹیس نکال کر آن کرلیا۔

وہ وقفے وقفے سے اپنا کوڈ دہراتا رہا۔ خاصی دیر بعد اس کے ایرٹیس سے کراہتی ہوئی آواز ابھری "یس باس! میں ساون بول رہا ہوں۔ مصیبت میں پڑگیا ہوں۔ سالوں نے مار مار کر حُلیہ بگاڑ دیا ہے۔"

جوابی کوڈ اور خفیہ زبان کے بجائے اپنے آدمی کی براہِ راست گفتگو سن کر ڈان کا چہرہ بگڑ گیا "تم کب اور کہاں پکڑے گئے؟ مجھے یہ امید نہیں تھی کہ تم اتنی سرعت سے بے قابو کرلئے جاؤ گے۔"

"ستارے گردش میں آتے ہیں تو سب کچھ ہوجاتا ہے باس!" اس کی آواز تکلیف کی شدت سے رندھی ہوئی تھی "چار مسٹنڈوں نے مجھے بے خبری میں چھاپ لیا۔ میرے ساتھ بوبی بھی پکڑا گیا ہے۔ اس کے سامنے کے کئی دانت ٹوٹ چکے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کہاں ہو؟"

"اوہ.... تو وہ بھی پکڑا گیا۔" ڈان دانت پیستے ہوئے بولا "فکر نہ کرو۔ ڈپٹی ابھی تک میرے قبضے میں ہے۔ ان کی گاڑیاں میرا پیچھا کررہی ہیں لیکن وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ میں ان کی بازی ان ہی پر الٹ دوں گا۔ تمہیں پکڑنے والے میری آواز سن رہے ہوں گے۔ ان کے کسی بڑے سے میری بات کراؤ!"

"بولو وجے دادا!" دوسری طرف سے فوراً ہی ایک تروتازہ اور طنزیہ آواز ابھری "کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"تمہیں میرا نام کس مردود نے بتایا؟" ڈان نے بھڑک کر سوال کیا۔

"نام ہی نہیں، تمہارے آدمیوں نے بہت کچھ بتایا ہے۔ ہمارے سامنے مردے بھی بولنے پر مجبور ہیں تمہارے آدمی تو بس دو چار اسٹیپل بھی نہیں سہہ سکے۔ ہم نے یہ حربہ پہلے آزمالیا ہوتا تو تمہارے سورما خاصی ٹوٹ پھوٹ سے بچ گئے ہوتے۔ تم آؤ گے تو ہم تمہیں نیا کھیل دکھائیں گے۔"

"بکواس مت کرو۔ ابھی ڈپٹی میرے قبضے میں ہے اور ہاں' یہ اسٹیپل کیا بلا ہے؟"

"یو کی شکل میں مڑے ہوئے فولادی تار جو ایک اسپرنگ گن سے فائر ہوتے ہیں اور اپنے ہی زور میں ٹھوس لکڑی میں ڈیڑھ انچ اندر تک پیوست ہوجاتے ہیں۔ تمہارے آدمیوں کے جسم اتنے بودے ہیں کہ ڈیڑھ انچ کے بعد اسٹیپل کا باہر کا حصہ جلد پر رکنے کے بجائے اندر تک اتر گیا اور یہ بیچارے بلبلا رہے ہیں۔ اب کوئی سرجن ہی نشتر لگاکر انہیں اس عذاب سے نجات دلاسکے گا ورنہ فولادی تاروں میں آنے والا زنگ ان کے زخموں میں زہر پھیلادے

گا۔" دوسری طرف سے مزے لے لے کر بتایا گیا۔ شاید اس طرح وہ ساون اور بوبی کو بھی دہشت زدہ کرنا چاہ رہا تھا۔

"یہ مت بھولو کہ ڈینی کو اس سے بدتر تشدد کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ میں اس کے ٹخنے اور گھٹنے توڑ کر زندگی بھر کے لئے معذور کردوں گا۔ بڑے سے بڑا سرجن بھی اس معذوری کو دور نہ کر سکے گا..... اوور۔" گفتگو میں ابتدا ہی سے دونوں فریق ایک دوسرے کو باری باری بولنے کا موقع دے رہے تھے۔

"چیف آئے گا تو اب وہی تم سے بات کرے گا۔ اوور اینڈ آل۔" گفتگو کے اس نازک موڑ پر دوسری طرف سے کال کا سلسلہ منقطع کردیا گیا اور وجے نے اپنا ٹرانسیسٹر بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔

"بمبئی کا وجے دادا۔" میں نے اسے چڑانے والے انداز میں کہا "پہلے مجھے غلط فہمی ہوئی تھی کہ تم کوئی پاکستانی تارکِ وطن ہو جو لندن میں جا بسے ہو۔ تمہارے اور ساون کے ناموں سے تمہارے اندر بھرے ہوئے زہر کا سبب سمجھ میں آ رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ بے چارہ بوبی ناسمجھی میں تم لوگوں کے چکر میں پھنس گیا ہے۔"

"چار پیسے کمانے والا کوئی بھی آدمی ناسمجھ نہیں ہوتا۔" اس بار وہ مشتعل ہونے کے بجائے سکون سے بولا "یہ خیال اپنے ذہن سے جھٹک دو کہ تمہاری سرزمین پر غدار نہیں پائے جاتے۔ یوپی اور راجستھان میں ہمارے تین کیمپوں میں جا کر دیکھو کہ کتنے مجبور اور محروم پاکستانی نوجوان ایک انقلاب کی آرزو میں ہمارے یہاں جنگی تربیت لے رہے ہیں۔ جب تک تم اپنے نوجوانوں کو انصاف نہیں دو گے وہ تم سے وفا نہیں کریں گے۔ ان میں آئے دن بوبی پیدا ہوتے رہیں گے۔ تم دیکھ لینا کہ آخری تجزیے میں وہ ساون سے زیادہ ثابت قدم نکلے گا۔ ساون جو کچھ کر رہا ہے وہ اس کے خون اور خمیر میں شامل ہے۔ وہ اس ملک کی خدمت کر رہا ہے جس میں وہ پروان چڑھا ہے لیکن بوبی نے سوچ سمجھ کر اپنی راہ منتخب کی ہے' وہ آسانی سے کوئی سمجھوتا نہیں کرے گا۔ دراصل ایسے ہی فعال اور آزاد خیال لڑکے جاسوسی کے عالمی جال کے لئے مضبوط پھندے فراہم کرتے ہیں۔"

"تم سنجیدہ گفتگو بھی اچھی خاصی کر لیتے ہو۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "معلوم ہوتا ہے کہ را اور مافیا کے ساتھ تم کسی یونیورسٹی میں بھی نوکری کرتے رہے ہو۔ اس وقت بالکل بھی اندازہ نہیں ہو رہا کہ تم اپنے انگوٹھے کے ہلکے سے دباؤ سے میرے بدن کے چیتھڑے اڑا دینے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"تم چاہو تو تمہاری کمر سے یہ بارودی طوق اتر بھی سکتا ہے۔" اس نے ذومعنی انداز میں کہا۔

"وہ کیسے؟" میں نے اس کی پیشکش میں دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"بھارت چلو اور ہمارے سمجھ دار لوگوں سے بحث کر کے دیکھ لو کہ دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ محض کاغذ کی لکیریں کھ دینے سے ملک تقسیم ہو گئے ہوں۔ مجبوریوں کے تحت ایسا ہوا ہے لیکن مجبوری ختم ہوتے ہی ظلم مٹ گیا' کاغذی لکیریں بھی گئیں اور پرانے نقشے دوبارہ بحال ہو گئے۔ یہ کام تم نہیں کرو تمہارے بعد آنے والے کریں گے۔ تم بنگلہ دیش بنوا ہی چکے انہوں نے تقسیم کی لکیوں کو اپنے خون سے سیراب کر کے دوا ہے۔ ان کی سلطنت قائم رہے گی۔ ان کا وجود تمہارے منہ پر ا زناٹے دار تھپڑ ہے۔ انہوں نے تمہارے وجود کا جواز ختم ہے....."

"میرا سیاسی حافظہ بہت کمزور ہے۔" میں نے اس کی تقریر مخل ہو کر کہا "نقشے' لکیریں' تقسیم' ظلم اور جوانے..... یہ سب یہ لئے بے معنی ہے۔ میرے لئے اہمیت اس بات کی ہے کہ تم ایک باعزت سمجھوتے کی پیشکش کر رہے ہو۔ میں خود بھی بھا بھاگتے تھک چکا ہوں اور اب کہیں سکھ چین سے زندگی بسر چاہتا ہوں مگر یہاں ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو مجھے بھارت جا کر کیا کرنا ہے تو میں تمہاری تجویز پر غور کر ہوں۔"

اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور آہستگی سے بولا "یہ تمہاری کوئی نئی چال تو نہیں ہے؟"

"شبہ کر رہے ہو تو اس بات کو یہیں ختم کر دو۔" میں نے زاری سے کہا "میں نے تم سے کوئی رعایت نہیں مانگی۔ تم ایک تجویز پیش کی ہے۔ میری رضامندی کے بعد بھی تم اسے و لے سکتے ہو۔"

"تمہارے بھارت چلے جانے سے سب سے بڑا فائدہ یہ کہ تم پاکستان کے لئے کچھ نہیں کر سکو گے۔" وہ پُرخیال اندا کہنے لگا "تمہارے خطرناک ماضی کے پیش نظر اہی ایک فا کے عوض تمہیں عمر بھر کے لئے وظیفہ دیا جا سکتا ہے۔ وقت گز کے لئے تم چاہو تو کہیں پڑھا سکتے ہو' لوگوں کو تربیت دے سکتے اپنا کوئی فارم کھول سکتے ہو۔ بھارت بہت بڑا ہے۔ وہاں کام کے ہزاروں مواقع ہیں۔ دو چار برس تو تم شمال سے جنوب کی سیر گزار سکتے ہو۔"

ہم ساؤتھ سٹی روڈ سے ریلوے روڈ پر آ چکے تھے جو ایک طویل خم کے بعد داہنی جانب مڑ گئی تھی۔ وجے نے فوراً ہی کہا "اب بائیں طرف والی پہلی سڑک پر مڑ جانا۔ اس پر سنہری مسجد روڈ کا بور لگا ہوا ہے۔"

"ہم شہر سے بہت دور تو نہیں آ گئے؟" میں نے عقب نما آئینے میں ایس ٹی ایف کی گاڑیوں کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"اب ہم شہر سے چھاؤنی کے علاقے میں داخل ہونے والے ہیں۔" اس نے مجھے مطلع کیا "معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی زندگی میں پہلی بار پشاور آئے ہو؟"

یا ہی سمجھ لو۔ پہلے آیا تو بس پرانے شہر کی رنگینیوں میں رہا۔ یہ علاقہ میرے لیے نیا ہے" مجھے خوشی تھی کہ وجے نے گفتگو کا موضوع تبدیل کر دیا تھا۔

"تم نے میری پیش کش کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا" دیر کے سکوت کے بعد وجے نے مجھے ٹوکا۔

"میں سوچنے کے بعد ہی کوئی جواب دے سکوں گا" میں نے موڑ کاٹتے ہوئے کہا۔

"جواب نہیں، میں تمہارا تبصرہ سننا چاہ رہا تھا" اس نے میری کی۔

"دلچسپ پیشکش ہے۔ بظاہر مجھے اس میں کوئی خرابی نظر نہیں ایک جھول ہے اور اس کا تعلق تمہاری نیت سے ہے" میں اپنی حقیقی دلچسپی کا مظاہرہ کرنے کے لیے جھول کا ذکر ضروری سمجھا تھا۔

"وہ کیا؟ میں تمہارے شبہات دور کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔"

"یہاں تم میرے سامنے بے بس ہو چکے ہو۔ مجھے بہلا پھسلا کر بھارت لے گئے اور وہاں مجھے سولی پر لٹکا دیا تو کیا ہوگا؟ یہ اس معاملے کا سب سے کمزور پہلو ہے۔ آج تک میں تمہارے نکتہ نظر سے ایک بڑا مجرم ہوں۔ کل یکایک ہی بھارت کا معزز شہری کس طرح بن جاؤں گا؟" میں نے اپنی وضاحت پیش کر دی۔

"یہ نیت کا معاملہ ہے۔ میں تمہیں اپنا دل چیر کر نہیں دکھا سکتا لیکن تم جس طرح چاہو، میں اطمینان دلا سکتا ہوں کہ میرے ملک میں تم سے کوئی بدعہدی نہیں ہوگی" وہ مضطربانہ لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے یہی سب سوچنے کے لیے وقت درکار ہے... یہ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"اگر تم میری تجویز قبول کر لیتے ہو تو ہم خاموشی سے یہاں سے نکل چلیں گے ورنہ اعصابی جنگ جاری رہے گی؟" آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے وہ ہنسا تو اس کی آواز سے درندگی مترشح تھی۔

"جب تک میں کوئی فیصلہ نہیں کر لیتا، جنگ جاری رہنی چاہیے.... جہاں مڑنا ہو، مجھے پہلے سے بتا دینا۔"

"فی الحال سیدھے چلتے رہو.... جنگ جاری رہنے کا مطلب ہے تمہارے ذہن پر فرار کا خبط سوار رہے گا اور میں خود کو بچا کر تمہیں اڑانے کی فکر میں لگا رہوں گا۔ ایسے ذہنی دباؤ کے عالم میں تم صحیح فیصلہ نہیں کر سکو گے۔"

"مجبوری ہے" میں نے اپنے شانے اچکا کر کہا "میرے سامنے کوئی اور راستہ بھی نہیں ہے۔"

○☆○

خیبر ہوٹل کی دوسری منزل پر ایک ڈبل بیڈ روم اس کے تصرف میں تھا۔ کمرا بہت نفیس اور خوشنما چوبی فرنیچر سے آراستہ تھا۔ پورے فرش پر نرم قالین بچھا ہوا تھا۔ ایک دیوار میں ائرکنڈیشنر بھی نصب تھا لیکن خوشگوار موسم کی وجہ سے اسے چلانے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

دیکھا جائے تو چیغا سرائے سے شروع ہونے والے میرے سفر کا تسلسل ہی چل رہا تھا۔ راستے میں ہم رات بھر کے لیے جلال آباد کے غزنی ہوٹل میں رکے تھے۔ وہ رات بھی آرام کے بجائے دھماکوں، بجلی کی نایابی اور پھر روسی فوجیوں کی بربریت کا مشاہدہ کرنے میں گزر گئی۔ وہاں سے چلے تو لنڈی کوتل سے مجھے اغوا کر لیا گیا۔ وہ سارا وقت بھاگ دوڑ، ذہنی تناؤ، جسمانی صعوبتوں اور بے آرامی میں ہی گزرا تھا۔ آرام ان لمحات میں میسر آیا تھا جب اغوا کرنے والوں نے مجھے بے ہوش کرنے کے بعد اکبر خان کے ماموں کے ہوٹل میں لا ڈالا تھا۔

وجے کے کمرے میں صاف ستھرا اور آرام دہ بستر دیکھتے ہی میرے دل میں آرام کرنے کی شدید ترین خواہش انگڑائیاں لینے لگی اور سر کے اس حصے میں، جہاں اکبر خان کے کسی ساتھی نے اپنے آہنی ہتھیار کے دستے سے ضرب لگائی تھی، شدید تکلیف کا احساس بھی بیدار ہو گیا۔

میں غیر ارادی طور پر کمرے کی تعریف کرتا ہوا، جوتوں سمیت بستر پر گر گیا۔

میری کیفیت دیکھ کر وجے نے ہلکا سا فاتحانہ قہقہہ لگایا اور بولا "تم ابھی سے اندرونی ٹوٹ پھوٹ میں مبتلا ہو رہے ہو۔ یہ تھکان جلد ہی نیند بن کر تمہاری آنکھوں اتر جائے گی اور میں تمہیں یہیں چھوڑ کر خاموشی سے باہر نکل جاؤں گا۔ محفوظ فاصلے پر پہنچنے کے بعد میں ریموٹ کنٹرول کا بٹن دباؤں گا اور تمہارے جسم کے ریشے ہمیشہ کے لیے اس عمارت کے ملبے کا ایک حصہ بن جائیں گے شکست ابھی سے تمہارا مقدر بنتی نظر آ رہی ہے۔"

"میں تمہیں خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے سے نہیں روک سکتا۔ یہ تمہارا حق ہے۔ تم بھول رہے ہو کہ بوبی اور ساون کے پکڑے جانے کے بعد تم بے یار و مددگار رہ گئے ہو جب کہ میرے ساتھ تازہ دم لوگوں کی ایک فوج ہے۔ اسپیشل ٹاسک فورس والے اب تک اس ہوٹل کے چپے چپے پر پھیل چکے ہوں گے۔ تم ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار نہیں ہو سکو گے۔ وہ تم کو بے بس کر کے پکڑ لیں گے۔"

"میں ان سے ذرا بھی خائف نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ جدید خودکار ہتھیاروں اور لاسلکی مواصلاتی آلات سے لیس افراد دو گاڑیوں میں ہمارا پیچھا کر رہے تھے لیکن میں نے ایک بار بھی مڑ کر ان کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ ایسے لوگوں کو چکما دینے کے لیے میری جیب میں ہر وقت بے شمار شعبدے موجود رہتے ہیں۔"

"تم دیکھ لینا کہ تمہاری یہ خود اعتمادی ہی تمہیں لے ڈوبے گی" میں نے منہ بنا کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے ابھی سے میری پیش کش قبول

نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟" اس نے تیزی سے پوچھا۔

"اس بارے میں سوچا ہی نہیں تو فیصلہ کیسے کروں گا؟" میں اچانک ہی بستر سے اٹھ گیا "سوچنے کے لیے میں کچھ دیر کا تخلیہ چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"یہ ناممکن ہے" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا "میں ایک منٹ کے لیے بھی تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"تو کیا تم باتھ روم میں بھی میرے ساتھ ہی جاؤ گے؟ غور و فکر کے لیے وہی بہترین جگہ ہوتی ہے۔"

"تم دروازہ کھلا رکھو گے اور جلد ہی واپس آؤ گے" وہ کھسیائے ہوئے اشتباہ آمیز لہجے میں بولا۔

"دروازہ کھلا رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تمہاری زیادتی ہے" میں نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"تم اندر جا کر بارودی بیلٹ کے تسمے کاٹ کر اسے اتار سکتے ہو' بیلٹ کو کھڑکی سے باہر پھینک سکتے ہو' کچھ بھی کر سکتے ہو۔ میں تمہیں ایسا موقع نہیں دوں گا۔"

"گڈ۔ اب تم خود مجھے ترکیبیں بتا رہے ہو۔ لیکن کیا دوسری منزل سے پھینکے جانے پر بیلٹ خود بخود نہیں پھٹے گی؟"

"یہ شاک پروف بیلٹ ہے جو ریموٹ کنٹرول کے بغیر نہیں پھٹے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں زیادہ دیر تک نہیں رک سکتا۔ دروازہ کھلا رہے گا۔ تمہارا دل چاہے تو اندر ہی آکر لیٹ جانا" یہ کہہ کر میں باتھ روم کی طرف چل دیا۔

کشادہ باتھ روم کمرے کے ایک گوشے میں بنا ہوا تھا۔ اس کے برابر والی جگہ کو ایک دیوار کے ذریعے کمرے سے الگ کر کے ڈریسنگ روم کی شکل دے دی گئی تھی۔ میں پردہ ہٹا کر ڈریسنگ روم میں داخل ہوا اور پھر باتھ روم میں گھس گیا۔ وجے نے بڑھ کر درمیانی پردہ سمیٹ دیا اور کرسی لے کر کمرے کے وسط میں ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے مجھ پر نظر رکھ سکے۔ وہ واقعی بہت چالاک تھا اور مجھے کوئی موقع دینے کو تیار نہیں تھا۔

میں فلش چلانے کے بعد منہ ہاتھ دھونے کے لیے کھڑا ہوا تو میرے اور وجے کے درمیان دیوار حائل ہو گئی۔ وہ فوراً ہی ڈریسنگ روم میں گھس آیا اور چوبی وارڈروب کا دروازہ کھول کر اس میں رکھا ہوا سامان باہر نکالنے لگا۔

"یہ سب کہاں لے جانے کا ارادہ ہے؟" میں نے قالین پر تکیوں اور کمبلوں کا ڈھیر دیکھ کر باتھ روم میں سے ہانک لگائی۔

"تم فارغ ہو لو تو پتا چل جائے گا" یہ کہتے ہوئے اس نے ہینگر راڈ بھی وارڈروب سے باہر نکال پھینکی۔

میں نے ترو تازہ ہونے کے بعد اپنے بال سنوارے اور دل ہی دل میں وجے پر لعنت بھیجتا ہوا باہر آ گیا۔ مجھے یہ جان کر اطمینان ہوا تھا کہ کسی اتفاقی صدمے یا جھٹکے سے بارودی بیلٹ کے پھٹنے کا کوئی امکان نہیں تھا ورنہ اس وقت تک میں پوری احتیاط کر رہا تھا کہ میری نقل و حرکت کے دوران بیلٹ کو کوئی رگڑ یا ٹھیس نہ لگنے پائے۔

"تم فارغ ہو گئے' اب میری باری ہے" وجے نے مجھے ڈریسنگ روم ہی میں روک لیا۔

"مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا کہ میں دست بستہ باتھ روم کے سامنے کھڑا رہوں گا" میں نے بھنا کر کہا "تمہیں دروازہ بند کر کے اندر بیٹھنا ہوگا۔ میں بے ہودگی اور گندگی بالکل برداشت نہیں کر سکتا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں تمہاری نازک طبیعت پر کوئی ناگوار بوجھ نہیں ڈالوں گا" وہ مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "اب خاموشی سے اس خالی وارڈروب میں کھڑے ہو جاؤ۔"

"کیوں؟ کیا اب مجھے اس میں بند کرنے کا ارادہ ہے؟ تم بچوں جیسی حرکتیں کیوں کر رہے ہو؟"

"یہ بچوں جیسی حرکتیں نہیں ہیں۔ اکیلے کمرے میں تم کچھ بھی کر سکتے ہو۔ میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔"

وہ خاصی مضحکہ خیز صورتِ حال تھی۔ میری ساری بحث و تکرار کے باوجود وہ اپنے مطالبے پر اڑا رہا۔ تنگ آ کر میں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا "تم باتھ روم میں جاؤ یا نہ جاؤ۔ میں وارڈروب میں نہیں گھسوں گا۔"

"اگر تم میرے ساتھ تعاون نہیں کرو گے تو میں بھی تمہاری زندگی عذاب بنا دوں گا۔ یہ نہ بھولو کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن ہونے کے باوجود' آخری فیصلہ ہونے تک ایک دوسرے کو برداشت کرنے پر مجبور ہیں۔"

میں نے اس کے الفاظ کی گہرائی پر غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں اسے اپنی رضامندی سے آگاہ کرتا' فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وجے نے دوڑ کر ریسیور اٹھالیا۔

"ڈینی فون پر بات نہیں کرے گا" دوسری طرف کی بات سننے کے بعد وہ درشت لہجے میں بولا "جو کچھ کہنا ہے' مجھ سے کہو۔"

"نہیں.... ہرگز نہیں.... تم جہنم میں جاؤ" قدرے توقف کے بعد اس نے غرا کر ریسیور کریڈل پر دے مارا۔

"کون تھا؟" میں نے اس کے تیور دیکھتے ہوئے نرمی سے سوال کیا۔

"میں تمہیں ہر بات بتانے کا پابند نہیں ہوں" وہ ریموٹ کنٹرول والا ہاتھ لہرا کے غصیلے لہجے میں بولا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارے معدے کے بخارات اب کھوپڑی میں چڑھ رہے ہیں۔ میں تھوڑی دیر کے لیے وارڈروب میں چلا جاتا ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ تم مجھے اس بودی الماری میں بند کر کے بھاگ نہیں سکو گے۔ میں جتنی دیر وارڈروب میں بند رہوں گا' تم

لسل گنگناتے رہو گے۔ تمہاری آواز تھمتے ہی میں دروازہ توڑ کر
ر نکل جاؤں گا۔"
"ٹھیک ہے" وہ خشک لہجے میں بولا "میں معقول بات مان سکتا
ہے۔"

وارڈ روب میں داخل ہونے سے پہلے میں نے اندازہ لگالیا کہ
آسانی سے اس میں کھڑا ہو سکتا تھا۔ اس کا قفل اور دروازہ
ہی سا تھا جسے توڑنا مشکل کام نہیں تھا۔ میرے اندر پہنچتے ہی
جے نے تالا لگایا اور فوراً ہی ایک ہندی گانا گنگنانا شروع کر دیا۔
پھر بعد اس کی آواز باتھ روم کی طرف منتقل ہو گئی۔

وارڈ روب کی اونچائی میرے قد سے ذرا نکلتی ہوئی تھی' اس
چوڑائی کافی تھی لیکن گہرائی نقل و حرکت کے لیے ناکافی تھی۔
وقت تک میرے بدن پر وہی شکاری لباس تھا جو مجھے گالان
فراہم کیا گیا تھا۔ میں نے اپنی قمیص کے نیچے ہاتھ ڈال کر پہلی بار
ٹ کو ٹٹولا لیکن میری انگلیاں پشت پر کسے ہوئے تسموں کے سرے
اش نہیں کر سکیں۔ وہ بیلٹ میرے بدن کے ساتھ اس بری طرح
ڑی ہوئی تھی کہ شانوں' ٹانگوں اور پشت کے تمام تسموں کو
یڑے بغیر اس کو جسم سے الگ کرنا ممکن نہیں تھا۔ وارڈ روب کی
جگہ میں محدود سی مدت میں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا
سان نہیں تھا مگر میں پھر بھی اپنی پشت کے تسمے کھولنے کی
شوں میں لگا رہا تاکہ کسی اگلے موقعے کے لیے کام کم کیا
سکے۔

وجے اپنے وعدے کے مطابق گنگنائے جا رہا تھا۔ شاید اسے
اندازہ تھا کہ میرا زیادہ دیر تک وارڈ روب میں بند رہنا اس کے
ے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اس لیے وہ میری توقع کے برعکس
دی فارغ ہو گیا اور اس نے ایک کھٹکے کے ساتھ قفل میں چابی
ما کر وارڈ روب کا دروازہ کھول دیا۔

"تم نے اندر ہاتھ پیر مار کر اندازہ لگالیا ہو گا کہ بیلٹ کو کھولنا
سان کام نہیں ہے" مجھے دیکھتے ہی اس نے کہا "ہر جوڑ کو ایک
صوص ریزن سے اس طرح جوڑ دیا گیا ہے کہ پوری بیلٹ ایک
نگ کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ اسے احتیاط سے کاٹے بغیر
ماری کمر سے الگ نہیں کیا جا سکے گا۔"

"بیلٹ پر وقت برباد کرنے کے بجائے میں تمہارے گانوں سے
لطف اندوز ہو رہا تھا۔"

میں کمرے میں آ کر اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ وجے کرسی پر
بیٹھا۔ اس وقت ہم دونوں ہی ایک دوسرے کی طرف سے بے
پروا نظر آنے کی اداکاری کر رہے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ وجے
بھی مجھ سے کم پریشان نہیں تھا۔ اس نے میری کمر میں جو بارودی
بیلٹ باندھی تھی وہ اس کے حلق کی چھچھوندر بن چکی تھی۔

"میرے لیے کس کا فون آیا تھا؟" کچھ دیر کا وقفہ دینے کے بعد
اس نے بوجھل آواز میں پوچھا۔

میری آواز میں نیند کے اثرات محسوس کر کے وجے اپنی کرسی
پر سنبھل کر بیٹھ گیا اور بولا "نیچے سے محراب خان تھا۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ ان حالات میں وہ کچھ بھی نہیں کر سکے
گا۔ پھر تم نے مجھے بات کیوں نہیں کرنے دی؟"

"تاکہ تم ایک دوسرے کی ہمت نہ بڑھا سکو۔ ہمیں آپس ہی
میں کسی فیصلے تک پہنچنا ہو گا۔ اس میں باہر والوں کی مداخلت غیر
ضروری ہے۔ میں زیادہ دیر تک ان صبر آزما حالات کو برداشت
نہیں کر سکتا۔"

"میں چند منٹ کے لیے اس سے بات کرنی چاہتا ہوں" میں
نے کہا۔

"کیا کوئی مشورہ لینا ہے؟ تم میری بات مان لو کہ وہ تمہیں بے
موت مروا دے گا۔"

"میں اپنے یا تمہارے بارے میں ایک لفظ نہیں کہوں گا۔
مجھے اپنی بیوی اور ساتھی کی فکر ہے۔ محراب خان آسانی سے ان کا
سراغ لگا کر انہیں ضروری مدد اور تحفظ فراہم کر سکتا ہے۔ تم اسے
میری آخری خواہش بھی سمجھ سکتے ہو؟"

اپنی انا کو خوراک ملتے ہی وہ پھول گیا "بات کر لو لیکن بہت
مختصر۔ تم نے کوئی کہانی شروع کی تو میں لائن کاٹ دوں گا۔"

شاید اس وقت ہمارا کمرا ہوٹل والوں کی خصوصی توجہ کا مرکز
بنا ہوا تھا کیونکہ پہلی گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے ہی آپریٹر نے فون
اٹھا لیا۔ اس کی آواز سنتے ہی میں حیران رہ گیا کیونکہ ادھر محراب
خان خود موجود تھا۔

میں نے کن انکھیوں سے وجے کی طرف دیکھا اور ریسیور میں
کہا "میں ڈینی بول رہا ہوں۔ محراب خان سے کہہ دینا کہ مجھے اپنے
ساتھیوں کی طرف سے فکر لاحق ہے۔ ان کی تلاش بہت ضروری
ہے۔"

"انہیں ڈھونڈ لیا گیا ہے سر!" محراب خان کی آواز ابھری
"ہم نے آپ کی رہائی کا بے داغ پلان بھی بنا لیا ہے۔"

"میں ہولڈ کر رہا ہوں۔ تم محراب خان کو تلاش کرو" میں نے
وجے کو سنانے کے لیے کہا۔

"گڈ... میں بول رہا ہوں۔ آپ خاموشی سے سنتے رہیں"
محراب خان فوراً ہی میرا مدعا سمجھ گیا اور کہنے لگا "ہم ایک پائپ
آپ کے کمرے تک پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ شام کو سات
بجے اس پائپ سے بے ہوش کرنے والی گیس خارج کی جائے گی بغیر
بو والی اس گیس کے تین سلنڈر آنے والے ہیں۔ پندرہ منٹ کے
اندر اندر کمرے میں اتنی گیس بھر جائے گی کہ آپ کے ساتھ ہی
دشمن بھی خاموشی سے بے ہوش ہو جائے گا اور ہم ماسٹر کی سے
دروازہ کھول کر اندر آ جائیں گے۔ ہو سکے تو اس دوران میں آپ
سانس وقفے وقفے سے اور ہلکے لیں۔ پھیپھڑوں میں جتنی کم گیس
جائے گی اتنا ہی اچھا ہو گا۔"

"وعلیکم السلام" اس کے خاموش ہوتے ہی میں بول پڑا "میرے ساتھیوں کے بارے میں کیا ہو رہا ہے؟؟"

"وہ تینوں ڈینیز ہوٹل میں ہیں سر! آپ کے بارے میں انہیں بتا دیا گیا ہے۔ وہ لوگ کسی بھی وقت یہاں آ سکتے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم ان کی پوری دیکھ بھال کریں گے۔ اول خان سے میری بات ہوئی تھی۔ اس نے مجھے ان کے بارے میں پوری طرح بریف کر دیا ہے۔"

"جیسے ہی ان کا سراغ ملے' مجھے اطلاع دے دینا۔ میں ان کی طرف سے بہت فکر مند ہوں" یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔ پھر غیر ارادی طور پر میری نگاہ اپنی رسٹ واچ پر پڑ گئی۔ وہاں دونوں سوئیاں بارہ کے ہندسے پر ایک جا ہونے والی تھیں جس کا مطلب تھا کہ وجے کی گردن کے گرد شکنجہ کسنے میں پورے سات گھنٹے کی مہلت باقی تھی۔

"اب میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو گیا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر وجے سے کہا "اب مجھے تمہارے ہاتھوں مرنا بھی پڑا تو میں سکون سے مر سکوں گا۔ ایس ٹی ایف والے ان دونوں کی پوری دیکھ بھال کریں گے۔"

"تم تو اس طرح بات کر رہے ہو جیسے ایس ٹی ایف کوئی عالمی یتیم خانہ ہو جو یتیموں اور لاوارثوں کی دیکھ بھال کرتا ہو۔ میں اکثر ان کا ذکر سنتا رہتا ہوں لیکن ان کے بارے میں کہیں کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہے۔"

"یہ ریکارڈ کا نہیں کیسٹ بلکہ کمپیکٹ ڈسک یا سی ڈی کا دور ہے" میں نے اس کی بات کو مذاق میں اڑاتے ہوئے کہا "تمہارے یہاں خفیہ اداروں کے بارے میں کون سا ریکارڈ میسر ہے؟؟"

"ان کا وجود بہرحال تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسپیشل ٹاسک فورس تو کاغذوں پر وجود ہی نہیں رکھتی۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ کون لوگ ہیں' کس قانون کے تحت کام کر رہے ہیں اور کس کو جواب دہ ہیں؟؟"

میں اس کے حد سے بڑھے ہوئے تجسس پر زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا۔

وجے نے دو بجے کے قریب انٹر کام پر ہدایت دے کر روم سروس کے ذریعے کھانا طلب کیا۔ میری دانست میں وہ اس کی غلطی تھی۔ جو لوگ کمرے میں خواب آور گیس بھرنے کا منصوبہ بنا سکتے تھے وہ کھانے کے ذریعے بے ہوشی کا زیادہ مؤثر انتظام کر سکتے تھے' وہ میرے فائدے کی بات تھی اس لیے میں چپ رہا اور ہاتھ دھو کر اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گیا۔

میرے ساتھ وجے کو بھی پورا یقین تھا کہ کھانا لانے والا مسکین سا باوردی بیرا ہوٹل کے عملے کے بجائے ایس ٹی ایف ... آدمی تھا۔ وہ سر جھکائے آیا اور میز پر برتن سجا کر ... گیا لیکن وہ ان چند منٹ میں ماحول کا پورا جائزہ لے ...

کھانے میں بے ہوشی کی دوا کی آمیزش کا نکتہ میرے سر میں سمایا ہوا تھا اس لیے شکم سیر ہونے کے بعد مجھے بھاری پن کا احساس ستانے لگا۔ وہ خمارِ گندم بھی ہو سکتا تھا لیکن میرا ذہن بے ہوشی کی دوا میں ہی الجھا رہا۔

"کھانا بہت لذیذ اور مرغن تھا" وجے ڈکار لے کر بولا "اب میں بھی آرام کر لوں" وہ دوسری مسہری پر دراز ہو گیا۔

میں نے اس کی طرف کروٹ لی تو وہ بھی میری طرف نگران تھا۔ ہم دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔

ہنسی مذاق اپنی جگہ پر تھا لیکن میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ حالات بہت سنگین بلکہ ہولناک تھے۔ وہ ہلکا پھلکا ماحول کسی بھی لمحے خون آشام رنگ اختیار کر سکتا تھا۔

میں نے بستر پر لیٹے لیٹے ایک سگریٹ ختم کی پھر کھانے کے گہرے خمار سے متاثر ہونے کی اداکاری شروع کر دی۔ میں تھوڑی دیر تک اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر وجے کی طرف دیکھتا رہتا جیسے نیند بھگانے کی کوشش کر رہا ہوں پھر چند ثانیوں کے لیے آنکھیں موند لیتا' جب میں ہڑبڑا کر دوبارہ آنکھیں کھولتا تو وجے گہری دلچسپی کے ساتھ میری طرف دیکھ رہا ہوتا تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس بار وجے نے میری مصنوعی غنودگی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ شاید وہ یہ آس لگائے بیٹھا تھا کہ اس بار مجھ پر واقعی نیند حملہ آور ہو رہی تھی۔

میں نے بار بار کی کوششوں سے یہ اہتمام کر لیا تھا کہ آنکھیں موندتے ہوئے اتنی جھری برقرار رہے کہ وجے مجھے نظر آتا رہے۔ میں مسہری پر ایسی پوزیشن میں لیٹا ہوا تھا کہ کمرے سے نکاسی کا دروازہ اور کمرے کا کچھ حصہ میری نظروں سے اوجھل تھا ورنہ وجے کی مسہری سے باتھ روم اور ملحقہ ڈریسنگ روم سمیت بیشتر کمرا میرے سامنے تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وجے پر اضطراب کی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی۔ غالباً وہ میرے سو جانے کی امید میں اپنے فرار کی منصوبہ بندی میں الجھا ہوا تھا۔ اسے میری غفلت کا انتظار کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی سوچنا تھا کہ وہ ہوٹل میں پھیلے ہوئے' ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کی بھاری نفری کو کس طرح دھوکا دے سکے گا۔

میری دانست میں وہ اپنے حلیے اور لباس میں نمایاں تبدیلیوں کے بارے میں متفکر تھا کیونکہ ایس ٹی ایف والوں نے بہت قریب سے اس کا مشاہدہ کیا تھا اور وہ کسی سرسری تبدیلی کے فریب میں آنے والے نہیں تھے۔

آخر میں نے اپنے اوپر نیند طاری کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ کئی لمحے اور پھر کئی منٹ گزر گئے۔ وجے ایک ٹک میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔ جب اسے پختہ ... ہو گیا کہ ... نیند سے غافل ہو چکا تو وہ آہستگی سے دوسری طرف کروٹ لے کر بستر ... گیا۔ وہ دبا...

کھڑا ہو کر بھی میری طرف دیکھتا رہا لیکن میں بدستور بے حس و حرکت پڑا رہا۔

اس وقت بھی بارودی بیلٹ کے ریموٹ کنٹرول والی ڈبیا اس کے داہنے ہاتھ میں موجود تھی۔ اس نے اپنے سرہانے کی میز پر رکھے ہوئے فون پر سے ریسیور اتار کر احتیاط سے اسی میز پر رکھ دیا۔ شاید اسے خدشہ تھا کہ کہیں انٹر کام کی بے وقت گھنٹی میری بیداری کا سبب نہ بن جائے۔

وہ اسی جگہ سے ٹہلتا ہوا کمرے کے وسط میں آیا پھر دروازے کی طرف جا کر میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میرے لیے وہ لمحات بہت سنسنی خیز اور صبر آزما تھے۔ میرے جسم کے روئیں روئیں میں پھریریاں آ رہی تھیں، وہ عقب سے میرے خلاف کوئی بھی سفاکانہ قدم اٹھا سکتا تھا مگر میں سانس روکے اسی حالت میں پڑا رہا۔ مجھے اطمینان تھا کہ وجے کے پاس کوئی آتشیں ہتھیار نہیں تھا۔ وہ جسمانی طاقت کے بل پر مجھے زیادہ سے زیادہ زخمی کر سکتا تھا لیکن مجھے مکمل طور پر بے بس یا مفلوج نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرا نکتہ یہ تھا کہ وہ میری لاعلمی میں دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ بڑی تبدیلیوں کے بغیر وہ پہچان لیا جاتا۔ دوسری بات یہ تھی کہ دروازے کا ہینڈل گھومنے کا کھٹکا مجھے ہوشیار کر دیتا اور میں اچھل کر اس کی راہ میں حائل ہو جاتا۔

کچھ دیر تک میری نظروں سے اوجھل رہنے کے بعد وہ دوبارہ ایسی جگہ آ گیا جہاں میں اسے دیکھ سکتا تھا۔

اس نے اپنی جیب سے پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگائی تب بھی ریموٹ کنٹرول اس کے ہاتھ میں موجود تھا۔

اس نے بغور میری طرف دیکھتے ہوئے پے در پے سگریٹ کے کئی گہرے گہرے کش لیے پھر اضطراری انداز میں ادھ جلی سگریٹ قالین ہی پر پھینک کر جوتے سے مسل دی اور سر جھٹک کر ڈریسنگ روم کی طرف چل دیا۔ ڈریسنگ روم اور کمرے کے درمیان حائل پردہ بدستور اسی طرح سمٹا ہوا تھا جس طرح وجے نے اسے میری نگرانی کے لیے سمیٹا تھا۔

اس نے ڈریسنگ روم کے بند حصے میں غائب ہو کر چند لمحے گزارے۔ وہ دوبارہ پردے والے خلا کے سامنے نمودار ہوا تو اس کے ہاتھ میں نیا لباس موجود تھا۔ اس نے وہ جوڑا ایک طرف ڈال کر پھرتی کے ساتھ اپنے سارے بٹن وغیرہ کھولے اور چند ہی ثانیوں میں کوٹ، پتلون اور قمیص سے نجات حاصل کر لی۔ اس وقت اس کے مضبوط جسم پر صرف بنیان اور انڈرویئر باقی رہ گیا تھا۔

اس نے نئے جوڑے کی قمیص اٹھائی تو وہ خاصی لمبی تھی۔ غالباً وہ قمیص شلوار میں ملبوس ہونے کا ارادہ کر رہا تھا۔

جوں ہی اس نے قمیص کی آستینوں میں دونوں ہاتھ ڈالے، وہ اہم ترین لمحہ تھا جس نے مجھے فی الفور اداکاری ترک کر کے بستر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

ڈریسنگ روم میں کوئی چیز وجے کے ہاتھ سے چھوٹ کر باتھ روم کی دیوار سے ٹکرائی اور دھم سی ٹھک کے ساتھ قالین پر گر گئی۔ آخری لمحات تک وجے کے ہاتھ میں صرف ریموٹ کنٹرول والی ڈبیا تھی۔ دیوار سے ٹکراؤ کی آواز بھی ہلکی اور قدرے کھوکھلی تھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ آخر کار وہ ہولناک طلسماتی ڈبیا اس کی تحویل سے نکل ہی گئی تھی۔

وجے نے فوراً اپنی قمیص کی آستینوں سے ہاتھ نکال کر وہ ڈبیا اٹھانے کا ارادہ کیا مگر اسے تاخیر ہو چکی تھی۔ اپنی بالادستی کا موقع نظر آتے ہی میں نے ناقابلِ یقین سرعت سے پستول نکال کر بستر چھوڑ دیا تھا۔

"ہینڈز اپ!" میں نے پستول تان کر گرج دار آواز میں کہا اور وجے نیچے جھکتے جھکتے اپنی جگہ پر منجمد ہو کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں یکایک ہی موت کی دہشت سمٹ آئی تھی۔ قمیص اس کے قدموں میں جا گری تھی اور وہ بنیان اور انڈرویئر میں بہت مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ میں کن انکھیوں سے دیکھ چکا تھا کہ گری ہوئی قمیص نے ریموٹ کنٹرول یونٹ کو چھپا لیا تھا۔

"ہینڈز اپ!" اسے منجمد دیکھ کر میں پستول کی نال لہرا کر اعصاب زدہ آواز میں غرّایا۔

"شور مت مچاؤ" وہ ہاتھ اٹھائے بغیر سرد آواز میں بولا "آگے بڑھے تو میں اپنے انجام کی پروا کیے بغیر تمہیں فنا کر دوں گا۔ قمیص کے نیچے میرا پیر ریموٹ کنٹرول پر ہے۔ پستول گرا لو ورنہ میں بٹن دبا دوں گا۔"

لمحہ بھر کے لیے میرے سامنے اندھیرا چھا گیا مگر میں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

میں نے اپنی بارودی بیلٹ کا ریموٹ کنٹرول یونٹ قریب سے نہیں دیکھا تھا لیکن اپنی معلومات کی بنا پر میں اتنا ضرور جانتا تھا کہ ہر قسم کے الیکٹرونک اور برقی آلات میں اہم نوعیت کے بٹن ایسے حفاظتی کھانچوں میں نصب کیے جاتے ہیں کہ انہیں ارادی طور پر واضح کوشش کے بعد ہی دبایا جا سکے۔ یہ احتیاط صرف اس لیے کی جاتی ہے کہ ایسے بٹن حادثاتی طور پر دبنے کا کوئی امکان نہ رہے۔

جب تک میری بیلٹ کا ریموٹ کنٹرول وجے کے ہاتھ میں تھا، وہ اپنی انگلی کے ذریعے اس سے کام لے سکتا تھا لیکن زمین پر گرے ہوئے یونٹ کے بٹن کو پیر سے دبانا یقیناً ناممکن تھا۔ یہ اسی وقت ممکن تھا جب پیر کا انگوٹھا بٹن پر جا پڑتا۔ میرا خیال تھا کہ میں نے بستر چھوڑنے کے بعد ریموٹ کنٹرول کو وجے کے پیروں سے دور پڑے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ اس کی گری ہوئی قمیص نے ریموٹ کنٹرول کو میری نظروں سے چھپا لیا تھا۔

میں نے نہایت سرعت کے ساتھ وہ سب سوچتے ہوئے فیصلہ کیا کہ وجے اپنی جان کی بازی ہارنے کے خوف سے جھوٹ بول رہا تھا۔ اسے خود پتا نہیں تھا کہ قمیص کے نیچے ریموٹ کنٹرول کہاں پڑا

ہوا تھا۔

میں نے پستول کی نال قدرے جھکا کر اس کی پنڈلیوں کا نشانہ لینا چاہا۔ اس کا چہرہ دھواں ہو گیا‘ دہشت سے آنکھیں اپنے حلقوں سے ابلتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور وہ ہذیان بکتا ہوا میرے اوپر چڑھ دوڑا۔

میں نے نال سیدھی کر کے پے در پے تین گولیاں اس کے جسم میں اُتار دیں۔

پہلی گولی اس کے داہنے رخسار سے گھس کر شاید بھیجے میں اتر گئی تھی اور وہی سب سے زیادہ مہلک تھی۔ بقیہ دو گولیاں اس کے گرتے ہوئے وجود کے وسطی حصّے میں پیوست ہو گئی تھیں۔

وہ ایک تیز ہچکی کے ساتھ مُنہ کے بل قالین پر گرا تو اس کی کھوپڑی کا عقبی حصّہ کھلا ہوا تھا۔ اس میں سے خون کے ساتھ ہی دماغ کا خون میں لتھڑا ہوا گودا بھی جھانک رہا تھا۔

میں نے اس کی لاش پر سے گزر کر اس کی قمیص اُٹھائی تو ریموٹ کنٹرول والی ڈبیا قالین پر اُلٹی پڑی ہوئی تھی۔ اس کا بٹن والا رُخ فرش کی جانب تھا۔ میں نے اُسے اُٹھا کر دیکھا تو میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ سرخ بٹن کے گرد مضبوط سیاہ کنارے اس طرح اُبھرے ہوئے تھے کہ پشت سے زور ڈال کر بٹن کو دبانا ناممکن تھا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اس وقت تک کوئی بھیانک خواب دیکھتا رہا ہوں لیکن اس خواب کی زندہ تعبیر‘ وجے کی عبرت انگیز لاش کی صورت میں میرے سامنے موجود تھی۔

میں نے فون کا کریڈل دبا کر لائن بحال کی پھر آپریٹر سے سلسلہ ملالیا۔ دوسری طرف محراب خان ہی جما بیٹھا تھا۔

”کیا ہوا سر؟“ اس کی متجسس آواز اُبھری ”بہت دیر سے لائن انگیج تھی۔“

”کھیل ختم ہو گیا‘ اوپر آجاؤ“ ریسیور کریڈل پر ڈال کر میں بستر پر گر گیا۔

چند ہی ثانیوں میں ہوٹل کی راہداری متعدد وزنی قدموں کی دھمک سے گونجنے لگی۔ دستک سن کر میں نے دروازہ کھولا تو غزالہ کو اپنے سامنے پا کر ششدر رہ گیا۔ اُس کی آنکھیں متورم ہو رہی تھیں اور چہرہ سوگوار تھا۔ وہ فرطِ جذبات سے اتنی مغلوب ہو رہی تھی کہ بھیڑ کی پروا کیے بغیر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ اس کا نرم و نازک وجود بید مجنوں کی طرح لرز رہا تھا۔ بے اختیار میری آنکھوں کے گوشے بھی نم ہوتے چلے گئے۔

میں اسی طرح اسے کمرے میں لے آیا۔ اس کے پیچھے ویرا اور سلطان شاہ بھی اندر آ گئے۔ آخر میں محراب خان نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ ایس ٹی ایف کے سادہ پوش مسلح جوانوں کی بھیڑ باہر ہی رہ گئی تھی۔

غزالہ کے وجود میں جذبات کا ایک لاوا تھا جو اُبل رہا تھا۔ وہ مجھ سے اس بُری طرح لپٹی ہوئی تھی جیسے مجھے زمانے کی دسترس سے بچا کر اپنے وجود میں سمولینا چاہتی ہو۔ ویرا نے آمیز سختی کے ساتھ اُسے سمجھا بجھا کر مجھ سے الگ کیا اور لٹا دیا۔

میں محراب خان کی طرف چلا گیا۔ وہ سخت حیرت کے عالم میں وجے کی نیم برہنہ لاش کا جائزہ لے رہا تھا۔

جب میں قمیص اُتارنے لگا تو سلطان شاہ بُری طرح ”کک.... کیا کر رہے ہو۔ یہ ایک نیم برہنہ لاش ہی کیا کم ہے تم بھی کپڑے اتار رہے ہو۔ کچھ عورتوں کی موجودگی کا تو کرو۔“

”ٹھیک ہے۔“ محراب خان نے اسے سمجھایا ”ڈپٹی صاحب کے لباس کے نیچے خوفناک بارودی بیلٹ بندھی ہوئی ہے۔ جلد از جلد اُتار لینا چاہیے“ پھر وہ میری طرف مڑ گیا ریموٹ کنٹرول کہاں ہے‘ سر؟“

میرے اشارے پر اس نے سائڈ ٹیبل پر سے ریموٹ یونٹ اُٹھالیا اور احتیاط سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

میں نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں دیکھا کہ بارودی بیلٹ سے زیادہ مہلک ہونے کے باوجود بہت خوب صورت تھی۔ نے اسے نہایت حیرت سے دیکھا۔ پھر سلطان شاہ اس کے تسمے کھولنے میں مصروف ہو گیا۔

”یہ ڈان تھری تمہارے پیچھے کیسے لگ گیا؟“ ویرا نے ادھوری معلومات کے سہارے مجھ سے پوچھا۔

”مقدر کی گردش کہہ لو۔“ میں نے ہنس کر کہا ”تمہیں سن کر حیرت ہو گی کہ اس کا نام وجے ہے اور یہ مافیا کا ڈان ہی انڈین سیکرٹ سروس کا اہم افسر بھی تھا۔“

”میں محراب خان سے ساون کے اعترافات سن چکی ہوں سات برس سے اسی علاقے میں کام کر رہا ہے۔ اس کا تعلق ”را“ والے بلیک کیٹس سے ہے جو مُلاّ سرکار کی تنظیم تھی۔ نے بتایا۔

میں اُن لوگوں کو اُن واقعات سے آگاہ کرتا رہا جو میرے کے بعد پیش آئے تھے۔ اس وقت میں بوبی یا ساون کے بارے کچھ سوچنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وجے کی موت تک میں مضبوط قوتِ ارادی کے سہارے خود کو سنبھالے رکھا تھا لیکن معرکہ نمٹ جانے کے بعد میں خود کو یک بیک تھکا ہارا محسوس لگا تھا۔

سلطان شاہ میرے بدن سے بارودی بیلٹ الگ کرنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ بعد میں غزالہ بھی اس کے ساتھ ہو گئی۔ محراب خان نے باہر جا کر اپنے آدمیوں کو ہدایات دیں فوراً ہی ایک اسٹریچر کمرے میں آ گیا۔

محراب خان نے بتایا کہ کسی بھی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے
لیے اس نے ایمبولینس اور فائر انجن کے علاوہ بم ڈسپوزل
کواڈ کے ماہرین کو بھی ہوٹل میں طلب کیا ہوا تھا۔
"پھر اُن ہی کو بلاؤ۔" میں نے ویرا کے اشارے پر کہا۔ "وہی اس
ٹ کو ناکارہ بنا سکیں گے۔"
ایس ٹی ایف کا طریقۂ کار ہمیشہ پولیس سے بہت مختلف اور
ہوا کرتا تھا۔ وہاں ضابطے کی کوئی کارروائی ہوئی' نہ لاش کی
ادیری لی گئیں۔ یہ بات طے تھی کہ وجے ایک خطرناک مجرم تھا۔
مارا جا چکا تھا اس لیے وہ لوگ خاموشی کے ساتھ اُس کی لاش
لے گئے۔ قالین کے خون آلود حصّے پر پلاسٹک کے ٹکڑے ڈال
یے گئے۔

اسٹریچر کے روانہ ہونے کے بعد بم ڈسپوزل والے آ گئے۔
س امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ان لوگوں کو ہر قسم کی ڈیوائسز اور
رودی آلات کے بارے میں تربیت دی جاتی ہے لیکن عملی زندگی
ں ان کا واسطہ چند گنی چنی اقسام کے روایتی بموں ہی سے پڑتا رہتا
ہے اس لیے وہ دونوں میری کمر کے گرد بندھی ہوئی بیلٹ کو دیکھ کر
ھبرا گئے۔

جب میں نے بیلٹ کے بارے میں وجے سے سُنی ہوئی باتیں
ن کے سامنے دُہرائیں تو وہ ریموٹ کنٹرول کو ناکارہ کرنے پر زور
ینے لگے اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجھے ڈر تھا کہ ریموٹ
کنٹرول سے چھیڑ چھاڑ کے دوران میں وہ غلط تاروں میں اُلجھ گئے تو
سب لوگ باجماعت وجے کے پیچھے روانہ ہو جائیں گے۔

"ٹھیک ہے۔" میرے اعتراض پر محراب خان نے فیصلہ کُن
لہجے میں کہا۔ "فی الحال احتیاط سے بیلٹ الگ کر کے لے جاؤ۔
ریموٹ کنٹرول کو لیبارٹری میں ناکارہ کر دینا۔ یہ کام یہاں مناسب
نہیں رہے گا۔"

سلطان شاہ اِن معاملات میں بالکل اناڑی تھا اس لیے کسی
باریکی میں اُلجھے بغیر بیلٹ کے پیچیدہ اور جڑے ہوئے تسموں کو الگ
کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا لیکن بم ڈسپوزل اسکواڈ والے بہت
سے امکانات سے خائف تھے۔ انہیں یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں تسموں
میں نادیدہ تاروں کا جال موجود نہ ہو جو تسمے کاٹنے کی صورت میں
شارٹ ہو جائے اور بیلٹ کو پھاڑ ڈالے۔ میں کسی بے بس مریض
کی طرح مسہری پر پڑا رہا۔ ویرا' غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ
محراب خان بھی میرے قریب کھڑا رہا۔ آپریشن جاری رہا۔ دونوں
ماہرین کے چہرے پسینوں میں نہائے ہوئے تھے۔ وہ بیلٹ پر چسپاں
لیبل کی تحریر سے اندازہ لگا چکے تھے کہ بیلٹ کے پھٹنے کی صورت میں
کیسی بھیانک تباہی نازل ہو سکتی ہے۔ اُنہوں نے اپنے مروّجہ
اصولوں کے مطابق مجھے کسی غیر آباد اور محفوظ مقام پر لے جا کر
بیلٹ الگ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا لیکن محراب خان کے اصرار پر
وہ مجبور ہو گئے۔ میں اُس سے پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ میں بیلٹ سے
نجات حاصل کیے بغیر کہیں نہیں جاؤں گا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی عرق ریزی کے بعد وہ دونوں میرے وجود کو
اس عذاب سے نجات دلانے میں کامیاب ہو گئے اور میں بستر سے
اُچھل کر نیچے آ گیا۔ وہ دونوں ماہرین بیلٹ کے ساتھ ہی اس کا
ریموٹ کنٹرول بھی لے گئے۔

"اوہ! میں نے دیکھا ہی نہیں۔" ذہن پر سے وہ بوجھ اُتر جانے
کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں کا جائزہ لیتے ہوئے مسرت سے کہا۔
"تم تینوں نے شکاریوں کے لباس سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہے اور
اپنی اصلی جون میں آ گئے ہو۔"

"یہ تبصرے بعد میں ہوتے رہیں گے۔ پہلے یہاں سے روانگی
کی فکر کرو۔" ویرا نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "تمہیں اندازہ
نہیں ہے کہ صبح سے ایس ٹی ایف والے کیسے شدید ذہنی دباؤ سے
گزر رہے ہیں۔ اب انہیں بھی آرام کی ضرورت ہے۔"

"نہیں میڈم۔ ہم آپ کے خادم ہیں۔" محراب خان نے خوش
خلقی سے سر جھکا کر کہا۔ "ہم اپنے فرائض کی انجام دہی میں اس سے
بھی بدتر حالات سے گزرتے رہتے ہیں۔"

ہوٹل میں ڈراپ سین ہو چکا تھا۔ وجے کے بارے میں جو کچھ
کرنا تھا' ایس ٹی ایف والوں کو کرنا تھا۔ محراب خان کی رہنمائی میں
ہم چاروں وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راہداری میں مسلح جوان بھرے
ہوئے تھے۔ نیچے بھی اُن ہی کا راج تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے
ایس ٹی ایف والوں نے عارضی طور پر ہوٹل کے شہری عملے کو
معزول کر کے سارا انتظام خود سنبھال لیا ہو۔

ہم ہوٹل سے باہر نکلے تو وہ رونق مفقود تھی جو میں نے وجے
کے ساتھ آتے ہوئے دیکھی تھی۔ ہوٹل کے قرب و جوار میں کرفیو
کا سا سماں تھا اور ہر طرف ملیشیا کی وردی میں ملبوس مسلح افراد پھیلے
ہوئے تھے۔

ویرا ہوٹل لوٹنے پر مصر تھی۔ محراب خان ہمیں اپنے مہمان
خانے بھیجنا چاہتا تھا۔ میں نے دونوں تجاویز کا موازنہ کیا اور اس
نتیجے پر پہنچا کہ فوری طور پر ہمارا محتاط رہنا ضروری تھا۔ کسی بڑے
ہوٹل میں بھی ہمیں خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔ اگر شہر میں ساون
کے علاوہ "را" کا کوئی اور ایجنٹ تھا تو وہ ہم پر جوابی وار بھی کر سکتا
تھا۔

ہم چاروں اسپیشل ٹاسک فورس کی ایک جیپ میں ڈرائیور
کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ محراب خان دیگر معاملات نمٹانے کے
لیے ہوٹل پر ہی رُک گیا تھا۔

اسپیشل ٹاسک فورس والوں کا گیسٹ ہاؤس چھاؤنی کے ایک
صاف ستھرے اور پُرسکون علاقے میں واقع تھا۔ وہاں کے عملے کو
شاید ہماری آمد کی پیشگی اطلاع دے دی گئی تھی اس لیے جیپ کے
انجن کا مخصوص شور سنتے ہی وہ سب برآمدے میں جمع ہو گئے اور
ہمیں گرم جوشی کے ساتھ وہ چاروں کمرے دکھا ڈالے جو ہمارے

لیے تیار کیے گئے تھے۔

اُن لوگوں کا شکریہ ادا کر کے ہم آخری کمرے میں رُک گئے۔ اشارہ سمجھ کر خدمت گار واپس لوٹ گئے۔

"لوٹ کے بدّھو گھر کو آئے!" غزالہ مجھے عجیب سی والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکی کہ تمھیں اتنی صفائی سے کیسے اغوا کیا گیا۔ اس راستے پر روزانہ سیکڑوں مسافر سفر کرتے ہیں۔ ان میں سے تمھیں کیسے پہچان لیا گیا؟" ویرا ایک نرم صوفے میں دُھنس کر بولی۔

"منصوبہ بندی اور مسلسل نگرانی۔" میں نے سگریٹ سُلگا کر کہا۔ "کراچی میں بدرو دادا کے آدمیوں کے ذریعے وجے کو سب کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ وہ تم پر بھی ہاتھ ڈالنے کے چکر میں تھا۔ اس نے ایلین کو بھی پکڑوا لیا تھا۔ اگر وہ شریف آدمی پے در پے جھوٹ نہ بولتا تو اب تک تم بھی اغوا ہو چکی ہوتیں۔"

"تمھیں بیلٹ باندھنے کی ضرورت بھی پیش نہ آتی۔ تم ویسے ہی بارود کا چلتا پھرتا ڈھیر ہو" سلطان شاہ نے مُنہ بنا کر ویرا سے کہا "ڈینی اغوا ہو گیا تو اس میں میرا کیا قصور تھا؟ تم بات بات پر مجھ پر یوں برس رہی تھیں، جیسے میں نے ہی ڈینی کو اغوا کرایا ہو۔"

"وہ ہم چاروں کے سامنے اسے بھری بس سے نکال کر لے گئے اور ہم کچھ بھی نہ کر سکے۔ کیا تمھیں اس بات پر اب تک شرم نہیں آئی؟" ویرا اُس پر آنکھیں نکال کر بولی "ہم تھوڑی بہت مزاحمت تو کر ہی سکتے تھے۔"

"یہ سوال ڈینی سے کرو جو کسی سعادت مند بچّے کی طرح اُن کے ساتھ چلا گیا۔ اِس نے ہاتھ پیر چلانے کی کوشش کی ہوتی تو دوسرے بھی ضرور ساتھ دیتے" سلطان شاہ لڑاکا لہجے میں بولا۔ "شاید تمھیں معلوم نہیں کہ کُتوں سے کلاشنکوف کا مقابلہ کرنے والے چھلنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس وقت کی مصلحت آمیز خاموشی میں شرم کی کوئی بات نہیں تھی۔ شرم کا مقام یہ ہے کہ ڈینی نے اپنے دشمن کو شرمناک حالت میں مارا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس کے بدن پر بنیان اور انڈرویئر موجود تھا، وہ بھی نہ ہوتا تو ہم اس کا مُنہ تک نہیں دیکھ سکتے تھے۔"

"پہلے سر جھکا کر ڈانٹ پھٹکار سن رہا تھا، اب اسے زبان لگ گئی ہے۔" ویرا غرائی۔

"میں ڈینی کی فاتحہ کے اخراجات کے بارے میں فکرمند تھا۔ ہماری طرف فاتحہ میں شادی سے زیادہ خرچہ ہوتا ہے۔"

"کیا تم واقعی ایسی منحوس باتیں سوچ رہے تھے؟" غزالہ نے شکایتی لہجے میں پوچھا۔

"کیا میں واقعی ویرا کی ڈانٹ پھٹکار سن رہا تھا؟" سلطان شاہ نے ترکی بہ ترکی پوچھا۔

غزالہ کی ہنسی چھوٹ گئی "بعض اوقات تم صرف مسخرے بن کر رہ جاتے ہو۔"

"یہ بلاوجہ وقت برباد کرتا رہتا ہے۔ تم ایلین کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے؟" ویرا نے مجھ سے کہا۔

"ہاں غزنی ہوٹل میں ہم اسے ٹھکانے لگانے کے بارے میں سوچ رہے تھے لیکن اس نے ہمارا بہت ساتھ دیا ہے۔ اس نے آتے ہی پوری پوزیشن بھانپ لی تھی۔ وہ ایک بات پر اڑ گیا کہ کوسٹر میں میرا کوئی ساتھی نہیں تھا۔ میں اُس سے مل کر اُس کا شکریہ ضرور ادا کروں گا۔ وجے کے آدمی کو اس کے ٹھکانے کا علم ہونا چاہیے۔"

"حیرت ہے۔" ویرا اپنے شانے اُچکا کے بولی "ہو سکتا ہے کہ اس نے آئندہ کے لیے کوئی داغ بیل ڈالی ہو۔ ڈیوڈ اسٹار زیارا اس المیڈا سے کام مل جانے کی صورت میں وہ ہمارا تعاون حاصل کرنے کی بات کر رہا تھا۔"

"ایسا کوئی وقت آیا تو اُسے مایوسی ہو گی۔ فرض اور احسان کا قرض ایک دوسرے سے مختلف چیزیں ہیں۔"

"ان واقعات سے یہ طے ہو گیا کہ "را" والے تمھیں نہیں بھول سکتے۔" غزالہ نے اپنی ٹھوڑی ہتھیلی پر ٹکا کر کہا۔ "انھوں نے اس بار مُنہ کی کھائی ہے۔ اگلی بار وہ کوئی اور وار کر سکتے ہیں۔"

"وجے نے مجھے سمجھوتے کی پیش کش کی تھی۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ مارتے ہوئے کہا "بھارت کی شہریت اور اخراجات کے لیے بھاری رقم کا وظیفہ۔ میں نے اُس کی تجویز پر غور کرنے کا وعدہ کیا تھا۔"

"وظیفہ!" غزالہ نے حیرت سے دُہرایا۔ "وہ تم سے کیا کام لینا چاہتا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ بھارت کے لیے کام کرنے کا نہیں بلکہ پاکستان کے لیے کام نہ کرنے کا معاوضہ دلوانے کی بات کر رہا تھا۔ اگر کپڑے تبدیل کرتے ہوئے اتفاقاً ریموٹ کنٹرول اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹ جاتا تو شاید اس بارے میں مزید بات چیت ہوتی رہتی۔ وہ اس بارے میں بہت سنجیدہ تھا۔"

"اس اُلو کے پٹھے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس سے بات کر رہا ہے؟" سلطان شاہ بولا۔

"اسے اُلجھائے رکھنے کے لیے میں نے خود اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ بارودی بیلٹ کی کیا دہشت تھی۔ اگر مجھے پہلے سے اس بیلٹ کے بارے میں معلوم ہوتا تو میں نہتا ہونے کے باوجود اُن سے لڑ مرتا مگر بیلٹ نہ باندھنے دیتا۔ میں سمجھا تھا کہ وہ چرمی تسموں سے مجھے بے دست و پا کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن ایک بات ابھی تک صاف نہیں ہوئی۔" ویرا نے چونک کر کہا "تمہارے اغوا کے اس معاملے میں ایس ٹی ایف کہاں سے آ ٹپکی؟ اس بارے میں مجھے کسی سے کھل

بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔"

"حیرت ناک بلکہ ناقابلِ یقین واقعہ ہے" میں نے کہا۔"مجھے کوسٹر سے اتارنے والے کا نام اکبر خان تھا۔ وہ مجرم ضرور ہے مگر اُس کا ضمیر ابھی زندہ ہے۔ میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ میرے دشمنوں کا ساتھ دے کر وہ ملک سے غدّاری کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس نے فوج کے ایک کیپٹن سے میری بات کرائی اور قصّہ چل نکلا۔"

ایلن کے تعاون کے بعد وہ اُن کے لیے دوسرا ذہنی جھٹکا تھا۔
سلطان شاہ بولا "تو یہ کہو کو اس بار تم حیرت ناک اتفاقات کی وجہ سے بچ نکلے ہو ورنہ وجے نے تمہارے کریا کرم کا پورا بندوبست کر لیا تھا۔"

"یہ بات اتنی آسان اور سیدھی نہیں تھی" میں نے انہیں پورا پس منظر سمجھانے کے ارادے سے کہا۔"وہ مافیا کی طرف سے کراچی آیا تھا۔ مدر مافیا کے ریکارڈ پر میری اچھی ساکھ ہے۔ وہ دیکھ بھال کے بعد مجھے لوکل چیف مقرر کرنا چاہتے تھے لیکن وجے "را" کی ہدایت پر مجھے ہلاک کرنے کے درپے تھا۔ شاید تمہیں یہ سُن کر حیرت ہو کہ ڈون کوانگ فو کے دو آدمی بھی کراچی پہنچے ہوئے ہیں اور پوری شدّومد سے مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ وجے کو مکاؤ کے ان بدمعاشوں کے بارے میں بھنک مل چکی تھی۔ جب اسے بدرو داوا کے آدمیوں سے میرے اصل واقعات کا علم ہوا تو اس نے پشاور میں ڈیرے ڈال دیے کیونکہ افغانستان سے واپسی کا وہی راستہ ہے۔ اگر ایس ٹی ایف بیچ میں نہ آتی تو وجے مجھے کراچی لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہ مجھے سامنے لا کر مکاؤ والوں سے ان کے بارے میں معلوم کرتا۔ جوں ہی وہ ڈون کوانگ فو کا حوالہ دیتے' وجے مجھے نیشی کاؤ کا قاتل قرار دے کر ہلاک کر دیتا۔ میرا اندازہ ہے کہ دوسری صورت میں وہ مکاؤ کے بدمعاشوں سے میرا سودا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ دونوں صورتوں میں وہ مجھ سے نجات حاصل کر لیتا۔ اگر وہ مجھے لے کر کراچی کا رُخ کرتا تو میں وقت ملنے پر کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتا۔ اب صرف اتنا فرق پڑا ہے کہ پشاور کی کہانی پشاور ہی میں نمٹ گئی ہے۔"

"یعنی کراچی میں کچھ لوگ پہلے سے تمہارے استقبال کے لیے تیار بیٹھے ہیں؟" ویرا نے پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ تمہارا باپ پہلے ہی بتا چکا تھا کہ ڈون مجھ سے برہم ہے۔ غنیمت ہے کہ مکاؤ سے آئے ہوئے بدمعاش ڈون کی ساکھ کی وجہ سے سخت رازداری سے کام لے رہے ہیں اور میری تلاش کے سوا کسی موضوع پر زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ وجے کا خیال تھا کہ مجھے سامنے پا کر وہ بولنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"ہو سکتا ہے کہ چند روز میں ایلن بھی تمہیں تلاش کرتا ہوا کراچی پہنچ جائے۔" غزالہ نے کہا۔

"آثار تو یہی بتا رہے ہیں۔ اگر وہ راس المیڈا کے لیے کام شروع کر دیتا ہے تو مجھے اس پر بہت کام کرنا پڑے گا۔ آئے دن کے چھوٹے موٹے قضیوں کو ایک بار دفن کرنے کے لیے راس المیڈا پر ہی ہاتھ ڈالنا پڑے گا۔"

سلطان شاہ نے کوئی تند و ترش بات کہنے کے لیے پھاڑ سا منہ کھولا ہی تھا کہ دروازے پر ایک ملازم آموجود ہوا۔ اُس نے اطلاع دی کہ میز پر شام کی چائے لگادی گئی تھی۔ اس وقت دُھندلکا پھیل چلا تھا۔ ذہنی تناؤ اور بے یقینی کے عالم میں سارا دن گزارنے کے بعد ہم میں سے ہر ایک شدّت سے لذیذ چائے کی طلب محسوس کر رہا تھا۔

ڈائننگ روم میں لگی ہوئی میز کے گرد بارہ کرسیاں موجود تھیں مگر ہم چاروں کے لیے ایک سرے پر اہتمام کیا گیا تھا۔

"اب پشاور سے نکلنے کی فکر کرو" ویرا نے چپس کی پلیٹ اپنے آگے سرکاتے ہوئے کہا۔"یہاں ہم دوسرے دشمنوں کے علاوہ شکاریوں سے بھی بہت قریب ہیں۔ پاکستان میں مجھے بس کراچی ہی میں اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔"

"حالانکہ پشاور والے بہت مہمان نواز ہیں" سلطان شاہ بولا۔ "اور سب سے زیادہ غیر ملکی اسلام آباد میں رہتے ہیں۔"

"پشاور کے ماحول میں قبائلی رنگ شامل ہونے کی وجہ سے گھٹن اور کچھ پراسراریت محسوس ہوتی ہے۔ اسلام آباد کا اپنا کوئی کلچر نہیں ہے۔ سڑکوں اور عمارتوں سے لے کر وہاں کے باشندوں تک سب کچھ باہر سے لایا گیا ہے۔ سڑکوں اور عمارتوں کا حسن ہی

دیکھنا ہو تو آدمی نیویارک' فرینکفرٹ یا پھر ہانگ کانگ جائے۔ لوگوں سے ملنا ہو تو پنڈی یا مرگلہ کے اس پار' ہزارہ جائے۔ اسلام آباد کا کچھ بھی اپنا نہیں ہے لیکن کراچی پھیلنے کے باوجود جانا پہچانا سا شہر لگتا ہے جہاں اجنبی بھی زیادہ دیر تک اجنبی نہیں رہتا۔ اسے کہیں نہ کہیں اپنے ہم ذوق مل ہی جاتے ہیں۔" ویرا نے کہا۔

"غنیمت ہے کہ یہ باتیں تم کہہ رہی ہو۔ ہزارے کا ذکر کرکے تم نے سلطان شاہ کو خوش کردیا ہے۔ یہی باتیں کسی اور نے کہی ہوتیں تو سلطان شاہ اس سے لڑ پڑا ہوتا۔ یہ پنڈی' پشاور' لاہور' کوئٹہ اور کراچی کا نہیں' صرف پاکستان کا قائل ہے اور ہر بات کو اسی پیمانے پر پرکھتا ہے۔"

وہ بحث وہیں ادھوری رہ گئی کیونکہ کسی گاڑی کے رکنے کی آواز کے ساتھ ہی برآمدے میں قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی تھی اور ہم ادھر متوجہ ہوگئے تھے۔

چند ثانیوں بعد محراب خان ہماری طرف آگیا۔ اس کے ساتھ اکبر خان بھی تھا۔

اکبر خان سے تعارف کا مرحلہ خوشگوار حیرت اور گرمجوشی کے ساتھ طے ہوا اور وہ دونوں بھی وہیں بیٹھ گئے۔

"اکبر خان تم لوگوں سے ملنے کے لیے بہت بے چین تھا۔" محراب خان نے اجنبیت دور کرنے کے لیے بات چھیڑی۔

"اب کسے لے جانے کے لیے آئے ہو؟" ویرا نے اس سے سنجیدگی سے پوچھا۔ اس کے سوال پر ایک زوردار قہقہہ پڑا اور اکبر خان بھی اپنی جھینپ مٹانے کے لیے ہنسی میں شریک ہوگیا۔

"میں نے ڈیبی کے ساتھ جو زیادتی کی' اس کا ازالہ تو نہیں ہوسکتا لیکن میں نے اپنی نیک نیتی ثابت کردی ہے۔ میری اس حرکت کی وجہ سے تم لوگوں کو جو تکلیف پہنچی ہے' میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔" خاموشی ہونے پر اکبر خان بولا۔ "اور اب میں نے جرائم کی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" سلطان شاہ نے اسکی ہمت افزائی کی۔ "اب تمہارا کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

"محراب سر سے بات کی ہے۔ ٹاسک فورس میں حاضری مل جائے تو اب یہی کام کروں گا۔"

"یعنی ہر حالت میں ہتھیار ضرور استعمال کرتے رہو گے؟" ویرا نے پھر ٹکڑا لگایا۔

وہ لوگ ہنسنے بولنے اور چائے نوشی میں مصروف تھے کہ محراب خان نے خاموشی سے ایک بند لفافہ میری طرف بڑھادیا۔ لفافے پر انگریزی میں "ڈیبی دی گریٹ" لکھا ہوا تھا۔

میں نے بے تابی سے لفافہ چاک کرکے اندر رکھا ہوا کاغذ نکال لیا۔

رنگین سادے کاغذ پر چھوٹے لیکن واضح انگریزی حروف میں ایک خوبصورت تحریر میرے سامنے تھی۔

"ڈیئر ڈیبی یا تنویر!

"مجھے معلوم ہے کہ پیال پر بیٹھ کر سستا قہوہ پینے والا لڑ تمہیں زیادہ دیر تک اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکے گا۔ میں جانتا ہو کہ تم اس کے دانت جھاڑنے کے بعد میری طرف آؤ گے مگر یہا کے حالات مخدوش ہیں۔ میں تمہارے لیے یہ پیغام چھوڑ کر نکل ر ہوں۔ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اپنی صوابدید کے مطا جو کچھ کیا' اس لیے کیا کہ تم مجھے اچھے لگے۔ تمہارا حریف بہت مکروہ شخصیت کا مالک تھا۔ پچھلی تلخیوں پر معافی چاہتا ہوں۔ اپنے ساتھیوں' خصوصاً ویرا کو میرا سلام کہہ دینا۔ میں کراچی میں جلد ہ تم سے رابطہ کروں گا...... تمہارا مخلص...... ایلن۔"

میں نے وہ خط غزالہ کی طرف بڑھادیا۔ وہ بہت غور سے میر طرف متوجہ تھی۔

"یہ خط کہاں سے ملا؟" میں نے مسکراتے ہوئے محراب خا سے سوال کیا۔

"ہم ابھی تک بوبی کی زبان کھلوانے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ وہ ضدی اور بہت سخت جان ہے لیکن ساون راہِ راست آچکا ہے۔ اسی کی نشاندہی پر ہم ایلن کے ہوٹل پہنچے لیکن وہ یہ لفاف چھوڑ کر ہوٹل سے جاچکا تھا۔"

"دلچسپ خط ہے۔ تم بھی پڑھ لینا۔ یہ بتاؤ کہ ساون نے او کس کس کی نشاندہی کی ہے؟"

"زریاب کالونی میں اس کا ایک ساتھی رہتا تھا۔ وہ چند رو قبل سرحد عبور کرکے افغانستان جاچکا ہے۔ اس کا مکان بند پڑا ہ تھا۔ دوسرا کراچی کا رابطہ ہے۔ اسے صرف فون نمبر معلوم تھا او فون نمبر انڈین کونسلیٹ کے چیف اسٹینوگرافر کے گھر کا ہے۔"

"پچھلے کئی برسوں سے ساون یہاں کیا کررہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ ہڈحرام اور کام چور ہے۔ وہ اپنا بیشتر وقت سستی' غیرملکی شراب پی کر' خوبرو کوچی عورتوں کے ساتھ گزارتا ہے۔ افغان پناہ گزینوں کے ساتھ یہ لعنت بھی پشاور میں آئی ہے۔ وہ عیاشیوں میں وقت گزار کر اپنی کارکردگی کی جھوٹی سچی رپورٹیں بھیجتا رہتا ہے۔ یہاں جن مقامیوں سے وہ کچھ معلومات حاصل کرتا رہا ہے' ان کی نگرانی شروع کردی گئی ہے لیکن کسی بڑے انکشاف کی امید نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ بوبی کو کراچی بھجوادو۔ ہم لوگ وہاں اس سے نمٹ لیں گے۔"

"آپ یہاں اس کی ہڈیاں توڑ دیں سر! ہم آپ سے پورا تعاون کریں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے توصیفی انداز میں اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہم جلد از جلد کراچی لوٹنا چاہتے ہیں۔ میں چاہوں گا کہ ہمیں کل صبح کی پرواز پر جگہ مل جائے۔"

محراب خان یہ سن کر مضطرب ہوگیا۔ وہ خالص پختون انداز

میں کافی دنوں تک ہمیں اپنا مہمان رکھ کر ہماری دیکھ بھال کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا تھا لیکن میرے ساتھ اپنی مجبوریاں۔ کافی لمبی بحث اور اس وعدے کے بعد کہ میں جلد ہی پشاور کا چکر لگاؤں گا' وہ اگلے دن کے ٹکٹوں کا بندوبست کرنے پر راضی ہو گیا۔

ہم چائے سے پوری طرح فارغ بھی نہ ہونے پائے تھے کہ اسی کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

محراب خان نے خود ہی اٹھ کر وہ کال وصول کی۔ اس کی باتوں سے چند ہی لمحوں میں اندازہ ہو گیا کہ دوسری طرف سے اوّل خان بول رہا تھا اور ہماری خیر خیریت جاننے کے علاوہ ہم سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

محراب خان نہایت بے تکلفانہ انداز میں اوّل خان سے باتیں کرتا رہا۔

اوّل خان سے ایک مدت سے میرا رابطہ ٹوٹا ہوا تھا۔ کراچی میں جب شیدا خونی نے میری تلاش میں جہانگیر کے گھر کا رخ کیا تو میں نے اوّل خان سے کوئی مدد لیے بغیر سارے معاملات خود ہی نمٹانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں اپنے اس فیصلے کے اسباب سے لاعلم تھا لیکن اس سے حقائق تبدیل نہیں ہوتے تھے۔

جہانگیر کے گھر پر میں نے شیدا خونی کی زبان کاٹ کر اسے بے رحمی سے جوتے لگائے تھے اور پھر اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ اس وقت تک میرے ذہن پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ ڈون کوانگ فو کے آدمی شہر میں میری بو سونگھتے پھر رہے ہیں لیکن ایسا نہیں تھا۔ ان دنوں سردار پائندہ گل اپنی رقم کے فراق میں پاگل ہو کر میرے پیچھے لگا ہوا تھا اور رقم کا تصفیہ نمٹ جانے کے بعد جنت گل کی کہانی کے حوالے سے میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔

پھر پائندہ گل کے خونخوار آدمیوں نے ہمیں فلیٹ سے اغوا کر کے بدرو دادا کے گودام اور وہاں سے شنارا ویلی پہنچا دیا۔ اس پوری مدت میں مجھے بارہا اوّل خان یاد آیا لیکن اس سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہو سکا۔

میں ماضی کے انہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ محراب خان نے مجھے بلایا اور میں نے اس سے ریسیور لے لیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو اور میں اپنے کانوں سے تمہاری آواز سن رہا ہوں۔" اوّل خان نے میری آواز سنتے ہی ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "پتا نہیں تمہارے سینے میں کیسی کیسی کہانیاں مچل رہی ہوں گی۔ میں سب کچھ جاننے کے لیے بے چین ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم کراچی کب آ رہے ہو؟"

اوّل خان سے میری بے رخی یک طرفہ تھی۔ ویرانے اسے میری انا کی پیداوار قرار دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اوّل خان کو ہماری کامیابیوں میں اتنا عمل دخل حاصل ہو گیا تھا کہ میں اپنی سبکی محسوس کرنے لگا تھا اور اسی سبکی کے خاتمے کے لیے میں نے اوّل خان سے دور رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اوّل خان کو میرے رویّے میں تبدیلی کا کوئی علم نہیں تھا۔ میں نے اس کی

والہانہ آواز سنی تو بے اختیار میرا دل بھاری ہونے لگا۔ میں نے اپنے جذبات پر قابو پا کر دقت سے کہا۔ "تم فکر نہ کرو۔ کل ہم کراچی میں ہوں گے۔ پھر دل کھول کر باتیں ہوں گی۔"

"محراب خان سے کہہ دینا کہ فون پر تمہاری فلائٹ کے بارے میں بتا دے۔ خود تمہیں لینے آؤں گا۔ سنا ہے کہ اس بار تم چاروں شنارا ویلی کی سیر کر کے آ رہے ہو۔" اس کے ایک ایک لفظ سے دلی مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"اوہ میرے خدا! تم اسے سیر کہہ رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہماری زندگی کا سب سے ڈراؤنا خواب تھا۔ بھڑکتی ہوئی مشعلوں کی ناہموار روشنی میں ہر وقت وحشی چہرے یا خونی آنکھیں ہمیں گھورتی رہتی تھیں۔ تمہیں اندازہ نہیں ہو سکتا کہ دو عورتوں کے ساتھ ہم نے وہاں کیسا کٹھن وقت گزارا ہے۔"

"قصہ کیا تھا۔ پائندہ گل کو اس کی ہیروئن لوٹا دی گئی تھی تو پھر اسے تم سے کیا پرخاش تھی؟"

"یہ اس جنت کا قصہ تھا جس نے پائندہ گل کی زندگی کو جہنم بنا دیا تھا۔ اب ان باتوں کو بھول ہی جاؤ تو بہتر ہوگا کیونکہ ایک بغاوت کے نتیجے میں پائندہ گل کو ہلاک کر دیا گیا اور اب شنارا ویلی میں ایک بادرانی کی حکومت ہے۔"

"بادرانی؟ یہ کیا بلا ہے؟" میری زبان سے ایک نامانوس لفظ سن کر وہ حیران رہ گیا۔

"شنارا ویلی کا ایک معروف قبیلہ ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "وہاں سے واپس آنے کے بعد میں اس طرح باتیں کر رہا ہوں' جیسے تم نے بھی وہ سب دیکھا ہوا ہے۔ جلال آباد سے کچھ ہی فاصلے پر وہ لوگ پتھر کے زمانے میں رہ رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ باہر کی دنیا میں آتے جاتے رہتے ہیں لیکن باہر کی کسی چیز کو اپنانا پسند نہیں کرتے۔ یقین نہیں آتا کہ ایٹم اور کمپیوٹر کے اس دور میں بھی ایسا معاشرہ پنپ سکتا ہے۔"

"اور وہاں سے واپسی پر بلیک کیٹ کے بجائے بلیک فاکس تمہاری گھات لگائے بیٹھا تھا۔" وہ کسی طرح گفتگو کا سلسلہ ختم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے ہر حصے میں حادثات تمہارے منتظر رہتے ہیں۔"

"تیار رہنا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "مجھے وجے سے معلوم ہوا ہے کہ کراچی میں مکاؤ کے دو بدمعاش میری تلاش میں مارے

مارے پھر رہے ہیں۔ سب سے پہلے ان ہی سے نمٹنا پڑے گا۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں، میں اسی وقت مخبر پھیلا دیتا ہوں۔ وہ خبیث زیادہ دیر تک میری نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکیں گے۔ یہ بتاؤ کہ باقی تینوں کس حال میں ہیں۔"

"اس وقت سب موج میں ہیں۔ باقی کل خود دیکھ لینا۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے، پھر ائرپورٹ پر ہی ملاقات ہوگی۔" آخر کار وہ اختتامی فقرے پر آ ہی گیا۔

میں نے الوداعی فقرے کے ساتھ فون بند کردیا اور واپس اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔

میز پر سلطان شاہ، اکبر خان سے باتوں میں مصروف تھا۔ ویرا، محراب خان سے کچھ راز و نیاز کر رہی تھی اور غزالہ تلی ہوئی مونگ پھلی کے دانوں سے شغل کرتے ہوئے ویرا کو گھور رہی تھی۔

اصولی طور پر اگلے دن ہماری روانگی کا پروگرام طے ہو چکا تھا۔ سب لوگ تھکے ہوئے بھی تھے اس لیے یہ محفل جلد ہی ختم ہوگئی۔ آخر میں ہم چاروں نے فرداً فرداً اکبر خان کا شکریہ ادا کیا اور اپنے کمروں کی طرف لوٹ آئے۔

"میں اتنے بڑے جناتی بیڈ روم میں اکیلی تو نہیں سو سکوں گی۔" ویرا نے پہلے کمرے کے سامنے رکنے پر کہا۔

"میں خانساماں کو بھیج دوں گا۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ تمہیں بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اچھا خاصا وجیہہ آدمی ہے۔ ایک آنکھ خراب نہ ہوتی تو کسی فلم میں بھی لیا جا سکتا تھا۔"

"یہ کیا بے ہودگی ہے۔" ویرا تنک کر غرائی۔ "میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔"

"آہستہ توڑنا۔ میرے دو دانت پہلے ہی سے ہل رہے ہیں۔" سلطان شاہ کی زبان پھر چل پڑی تھی۔

"تم چپکے چپکے محراب خان سے کیا باتیں کر رہی تھیں؟" غزالہ نے شاید ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان جنگ بند کرانے کے خیال سے پوچھا مگر ویرا اس سوال پر بھی بھڑک اٹھی۔

"میں تمہاری پابند نہیں ہوں۔ جو جی میں آیا کہہ رہی تھی۔ تم پوچھنے والی کون ہوتی ہو؟"

غزالہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "تم بلاوجہ مجھ سے الجھ رہی ہو۔ سلطان شاہ جب چاہتا ہے، نہایت آسانی کے ساتھ تمہیں پٹڑی سے اتار دیتا ہے۔ اس وقت بھی تمہاری حالت کچھ ایسی ہی ہو رہی ہے۔"

باتیں کرتے ہوئے، ہم چاروں اسی کمرے میں پہنچ گئے جہاں سے چائے پینے کے لیے گئے تھے۔

اس وسیع و عریض خوابگاہ میں بہت بڑے ڈبل بیڈ کے علاوہ دو صوفے اور ایک دیوان کی موجودگی میں ہم چاروں مزید بستر کے بغیر رات گزار سکتے تھے اس لیے میں نے مسہری ویرا اور غزالہ کے لیے مخصوص کردی۔

"اور تم؟" غزالہ نے مجھ سے پوچھا۔

"صوفے بہت آرام دہ اور لمبے ہیں۔ ہم دونوں ان پر سو جائیں گے۔"

"آج کوئی نہیں سوئے گا۔" ویرا نے اپنے جوتے اتارتے ہوئے نادر شاہی حکم صادر کردیا۔ "یہ پشاور میں ہم چاروں کی پہلی اور آخری رات ہے۔ یہ جاگ کر گزاری جائے گی۔ یہاں کارڈز جمیں گے۔"

سلطان شاہ نے شہادت کی انگلی اپنے کان کے قریب لے جاکر گھمائی اور فریادی نظروں سے چھت کو تکنے لگا۔

"میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ میرے سر پر چوٹ آئی ہوئی ہے۔ میں کچھ دیر تک غزالہ سے اپنا سر دبوا کر سونا چاہتا ہوں۔ تم شب بیداری کا شوق کراچی پہنچ کر پورا کر لینا۔" میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"فکر نہ کرو۔" وہ میری بات سنی ان سنی کر کے بولی۔ "ابھی محراب خان میرے لیے ایک تحفہ لائے گا اور تم اپنے سر کی تکلیف کو بھول جاؤ گے۔ اب کوئی بھی مجھ سے زیادہ بحث نہیں کرے گا۔"

ویرا کے اس اعلان پر غزالہ اور سلطان شاہ کی معنی خیز آوازیں گونج اٹھیں۔

"کیا تم نے محراب خان سے شراب کی فرمائش کی ہے؟" میں نے ویرا کو گھورا۔

وہ اثبات میں سر ہلا کر مسکرا دی۔ "اس نے برا نہیں مانا تو تم کو کیا اعتراض ہے؟"

"وہ ہمارے بارے میں کیا سوچے گا؟" میں نے ملامت بھرے لہجے میں کہا۔

"یہی کہ میں شرابی ہوں۔ وہ سوچا کرے۔ مجھے اس سے کون سی رشتے داری کرنی ہے؟"

"شاید تم اس سے سرگوشیوں میں اسی بارے میں بات کر رہی تھیں۔" سلطان شاہ بولا۔

"جی ہاں!" ویرا زہریلے لہجے میں بولی۔ "زور سے بولتی تو شراب کا نام سن کر تمہاری گھگی بندھ جاتی۔"

"خدا خیر کرے۔ ذکر کے بعد یہ عالم ہے تو پینے کے بعد تم کیا رنگ دکھاؤ گی؟" سلطان نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تم سب خود غرض ہو۔" ویرا غرائی۔ "ہر وقت اپنے کھانے پینے میں مگن رہتے ہو۔ ہمیں گالان سے نکلے آج تیسرا دن ہو رہا ہے لیکن کسی نے بھول کر بھی میری ضروریات کے بارے میں نہیں سوچا۔ اب میں نے اپنا بندوبست کرلیا تو سب کو برا لگ رہا ہے۔"

سب خاموش رہے۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا اس لیے اس

بارے میں مزید بحث بے سود تھی۔

چند منٹ بعد ہی گیسٹ ہاؤس کا ایک ملازم اخبار میں لپٹی ہوئی بوتل لے آیا اور ویرا کے حوالے کر کے بولا۔ "یہ بڑے صاحب نے بھیجی ہے۔ کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو وہ بھی آسکتی ہے۔"

ویرا نے اسی کے سامنے بوتل اخبار سے نکال لی۔ وہ بلیک لیبل کی میگنم سائز بوتل تھی۔

ویرا کا چہرہ دمک اٹھا۔ اس نے اپنے بلاؤز کے گریبان میں سے دس ڈالر کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ہچکچایا تو ویرا نے اسے ڈانٹ دیا۔ "یہ رکھو اور ایک گلاس کے ساتھ برف لے آؤ۔"

"بہت بہتر جی!" اس نے مسمسی آواز میں کہا اور ویرا کے ہاتھ سے نوٹ لے کر فریج کی طرف بڑھ گیا۔

بیرا ایک گلاس اور آئس پاٹ کی ٹرے رکھ چکا تو ویرا نے کارڈز کی فرمائش کی اور بوتل کی سیل توڑ کر اپنے لیے گلاس تیار کرنے میں مصروف ہو گئی۔

"کیا اکیلے ہی پوری بوتل ختم کرو گی؟" اسے منہمک پا کر میں نے دھیرے سے کہا۔

"رال ٹپک رہی ہو تو اپنا گلاس بھی لے آؤ۔ پینے کے معاملے میں، میں کھلے دستر خوان کی قائل ہوں۔"

اس بار غزالہ مجھے ملامت آمیز نظروں سے گھورنے لگی۔ وہ اپنی عادت سے مجبور تھی اور میں اپنی عادت کے سامنے بے بس تھا۔ شراب مہینوں نہ ملے تو مجھے اس کی پروا نہیں ہوتی تھی لیکن ایک بار بوتل سامنے آجانے کے بعد اپنی بے مہار طلب پر قابو پانا دشوار ہو جاتا تھا۔

میں اپنے لیے گلاس لا کر ویرا کے شغل میں شریک ہو گیا۔ کارڈز آئے تو ہم چاروں نے قالین پر بیٹھک جمالی۔ غزالہ میرے سامنے بیٹھنے لگی تھی کہ ویرا نے فوراً ہی اسے اپنی داہنی طرف سرکا دیا۔ "یہ پینے والوں اور نہ پینے والوں کا میچ ہے اس لیے تم صوفی سلطان شاہ کے سامنے بیٹھو۔ میں اس کی خبر لوں گی۔"

"صرف ایک پرہیز سے آدمی صوفی نہیں ہو جاتا۔ بے تکی باتیں مت کیا کرو۔" سلطان شاہ چڑ کر بولا۔

"ایک نہیں، تم تو کئی پرہیز کرتے ہو۔" ویرا پتے پھینٹتے ہوئے بولی۔ "ورنہ آج چار بچوں کے باپ ہوتے۔"

سلطان شاہ کا چہرہ سرخ ہو گیا لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ بس ویرا کو گھور کر رہ گیا۔

○☆○

اگلا دن ائرپورٹ پر ہی برباد ہو گیا۔ کراچی کے لیے دوپہر میں روانہ ہونے والی پرواز کے لیے ہم چاروں محراب خان کے ساتھ ائرپورٹ پہنچے تو موسم خراب تھا۔ آسمان پر کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور پورا شہر تیز و تند ہواؤں کی زد میں آیا ہوا تھا۔

مجھے معلوم تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس والے عام مقامات پر اپنی شناخت ظاہر نہیں کرتے، اس لیے جب محراب خان ہمیں باہر ہی سے الوداع کہہ کر رخصت ہوا تو مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ اس وقت تک بورڈ پر یہی اطلاع نمایاں تھی کہ کراچی جانے والی پرواز وقت پر روانہ ہونے والی ہے۔

ہم چیک ان کاؤنٹر سے بورڈنگ کارڈز لینے اور سیکیورٹی کے مراحل سے گزرنے کے بعد روانگی کے لاؤنج میں پہنچے تو موسم کی خرابی کی وجہ سے پرواز کی روانگی میں ایک گھنٹے کی تاخیر کا اعلان نشر کیا جا رہا تھا۔

"یہاں تو ابتدا ہی غلط ہو گئی۔" ویرا تمباکو نوشی والے حصے کی طرف بڑھتے ہوئے بڑبڑائی۔

"یہ تمہارے رات کے اعمال کا ثمر ہے۔" سلطان شاہ بولا۔ "دن میں رات کا سماں ہو رہا ہے۔ موسم کا یہی حال رہا تو شاید ہمیں رات تک یہیں انتظار کرنا پڑے گا۔"

"ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو۔" ویرا غرائی۔ "میرے ساتھ تمہیں بھی یہیں سڑنا پڑے گا۔"

"تم سڑو گی۔ میں ہمیشہ ہرا بھرا رہتا ہوں کیونکہ سڑی ہوئی چیزوں کے استعمال سے بچتا ہوں۔"

باہر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ پھر زبردست گھن گرج کے ساتھ تیز برسات شروع ہو گئی اور مسافروں میں ہلکی سی تشویش پھیلنے لگی۔ لوگوں نے اپنی جگہوں سے اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا تھا۔

پہلا گھنٹہ گزرنے سے ذرا پہلے مزید تاخیر کی نوید دی گئی۔ معمر نمازی اس طرف چل دیے، جدھر نماز کا بندوبست تھا۔ بچے شیشے کی دیوار سے لگ کر ٹارمک پر پانی کی طوفانی یلغار سے محظوظ ہو رہے تھے۔ متعدد مسافر پبلک ٹیلی فون کے گرد جمع ہو گئے۔ لاؤنج کے کیفے ٹیریا کے کاؤنٹر سمیت دیگر عملے کی مصروفیات میں بھی یک بیک اضافہ ہو گیا۔ شاید لاؤنج میں اس وقت تک کئی پروازوں کے مسافر جمع ہو چکے تھے۔

تیسرے التوا کے اعلان کے بعد ائرپورٹ سیکیورٹی فورس کے ایک اہل کار نے مجھے محراب خان کا پیغام دیا۔ وہ ہمیں واپس لے جانے کے لیے اس کے دفتر میں موجود تھا۔ میں اس اہل کار کے ساتھ لاؤنج کے اندرونی راستے سے ڈیوٹی روم میں پہنچا تو محراب خان بے چینی سے میرا منتظر تھا۔

ہمارے لیے پشاور میں کوئی مصروفیت نہیں تھی اس لیے ایک بار ائرپورٹ آنے کے بعد واپسی بے سود تھی۔ محراب خان معذرت خواہانہ انداز میں بار بار واپسی کے لیے اصرار کرتا رہا۔ لیکن میں نے اسے سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا اور خود دوبارہ لاؤنج میں لوٹ آیا۔

"تم میری بات لکھ لو کہ ہم رات سے پہلے یہاں سے نہیں نکل

میں ہے۔" واپسی پر ویرا نے سرد لہجے میں اطلاع دی۔ اس نے وہ فقرہ انگریزی میں ادا کیا تھا اس لیے اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے کم پڑھے لکھے مسافر چونک کر اسے گھورنے لگے۔ اس نے اردو کا سہارا لیا ہوتا تو شاید سارے ہی مسافر اس کی جان کو آجاتے۔

"کیا تمہیں کچھ القا ہوا ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اس کالی زبان نے جو کچھ کہا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔" وہ سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرکے بولی۔

"آپس میں نہ لڑو۔" ویرا کے قریب بیٹھے ہوئے ایک ادھیڑ عمر مسافر نے آپس کی اس چپقلش پر مربیانہ انداز میں دخل انداز ہوتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ "موسم پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ بادل اتنے گہرے ہیں کہ باہر رات ہو رہی ہے اور رن وے کی ساری روشنیاں جل اٹھی ہیں۔ ان لوگوں کو روانگی کا بندوبست کرنا چاہیے۔"

"ہم لڑ نہیں رہے۔ وقت گزاری کے لیے باتیں کر رہے ہیں، تمہیں غلط فہمی ہوئی۔" ویرا نے اپنی جھونک میں اسے دندان شکن جواب دے ڈالا اور وہ بے چارہ بوکھلا کر اپنی بغلیں جھانکنے لگا۔

ہم لوگ آپس میں نوک جھونک کرتے، کافی پیتے اور سگریٹیں پھونکتے رہے اور وقت گزرتا رہا۔ میرے سامنے بیٹھے ہوئے چند مسافر اس بات پر بہت برہم تھے کہ سب کچھ واضح ہونے کے باوجود ائرلائن والے ایک ایک گھنٹہ کرکے پرواز کا وقت بڑھا رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ سفری ضوابط کے مطابق وہ کھلی مکاری تھی۔ اگر پرواز کی روانگی میں بیک وقت دو گھنٹے کی تاخیر کا اعلان کیا جاتا تو ائرلائن سارے متاثرہ مسافروں کو ہوٹل میں رہائش دینے کی پابند ہو جاتی۔ اس بھاری خرچ سے بچنے کے لیے ہر بار صرف ایک گھنٹے کی تاخیر کا اعلان کیا جا رہا تھا۔ دوسرے مسافر ایاٹا کی مقرر کردہ تاخیری مدت کو دو کے بجائے تین اور چار گھنٹے قرار دے رہے تھے۔

میں نے اندازہ لگایا کہ اول تو بیشتر لوگوں میں اپنے حقوق کا شعور نہیں تھا۔ جنہیں تھوڑی بہت شدبد تھی، وہ مزید معلومات کے حصول سے گھبراتے تھے۔ متعلقہ معلومات ادھوری ہونے کی وجہ سے ان میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ مجاز حکام سے اپنے حق کے بارے میں ضابطے کی کوئی بات کر سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ عوام سے تعلق رکھنے والے ہر شعبے میں لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکا جا رہا تھا۔ حقوق اور فرائض کے تعین کی ساری ذمے داری مجاز حکام نے سنبھالی ہوئی تھی۔

خدا خدا کرکے سات بجے برسات کا زور تھما۔ طوفانی ہوائیں اپنا رنگ جمانے کے بعد نامعلوم سمتوں میں نکل گئی تھیں البتہ ہلکی برسات کا سلسلہ جاری تھا کہ کراچی جانے والی پرواز کی روانگی کا اعلان ہوا اور طویل انتظار سے اکتائے ہوئے مسافروں نے بیک وقت اپنی جگہیں چھوڑ کر بورڈنگ گیٹ کے سامنے جمع ہونا شروع کر دیا۔

ہم چاروں اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھے بھیڑ چھٹنے کا انتظار کرتے رہے۔ ہمیں معلوم تھا کہ ہمیں لیے بغیر طیارہ پرواز نہیں کرے گا اور ہمیں بہرحال میں وہی قریبی نشستیں دی جائیں گی جو محراب خان نے بطور خاص مخصوص کرائی تھیں۔

مسافر شیشے کی دیواروں کے درمیان بنے ہوئے دروازے سے باہر نکل کر بسوں میں سوار ہوتے رہے۔ دو بسوں کی روانگی کے بعد جب برائے نام مسافر باقی رہ گئے تو ہم چاروں بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

دروازے پر کھڑی ہوئی خوش شکل خاتون نے نہایت عجلت اور ترش روئی سے ہمارے ہاتھ سے بورڈنگ کارڈز جھپٹ کر پھاڑے اور بقیہ حصے ہمارے حوالے کر دیے اور ہم چند بوندوں میں سے گزر کر بس میں سوار ہو گئے۔

طیارہ لاؤنج سے خاصے فاصلے پر تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کے ساتھ برساتی سائبان والی سیڑھی لگی ہوئی تھی اور مسافر رن وے پر قطار لگانے کے بجائے، بس سے نکل کر براہ راست سیڑھی پر جا رہے تھے اور وہیں سیکیورٹی والے اپنی آخری دیکھ بھال کر رہے تھے۔

ہم چاروں نہایت مہذب اور شائستہ انداز میں طیارے میں داخل ہوئے تو ایک خاتون نے نشیلی مسکراہٹ سے ہمارا استقبال کیا اور دونوں راہداریوں کی طرف ہاتھ اٹھا دیے۔

"ہماری نشستیں کدھر ہوں گی؟" میں نے اپنا بورڈنگ کارڈ اس خاتون کے سامنے لہراتے ہوئے پوچھا۔

"کہیں بھی بیٹھ جائیں۔" اس نے بے نیازی کے ساتھ جواب دیا۔

"کہیں بھی؟" میں نے احتجاج کیا۔ "ہم نے سفر کو خوشگوار بنانے کے لیے ایک ساتھ نشستیں لی تھیں۔۔۔"

اس ظالم خاتون نے مجھے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا اور خشک لہجے میں بولی۔ "راستہ نہ روکیں۔ دوسروں کو جانے دیں۔ جہاز بدل گیا ہے۔ بورڈنگ کارڈ پر پڑے ہوئے نمبر بیکار ہو چکے ہیں۔ آپ کو جہاں سیٹ خالی ملے بیٹھ جائیں ورنہ آپ کو سب سے پیچھے بیٹھنا پڑے گا۔"

"یہ تو بس سے بھی گیا گزرا سفر ہے۔" سلطان شاہ بڑبڑاتے ہوئے ایک راہداری میں گھس گیا۔

میں نے اس خاتون کے تیوروں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس سے بحث بے سود تھی۔ بات بڑھ جانے کی صورت میں وہ کپتان سے امن و امان کے نام پر شکایت کرکے ہم چاروں کو آف لوڈ بھی کروا سکتی تھی۔

میں محراب خان کے محبت بھرے اصرار پر بھی ائرپورٹ سے واپس لوٹنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔ بے سروسامانی کے عالم میں اس

کے گیسٹ ہاؤس پر دستک دینے کا امکان نظر آتے ہی خوف زدہ ہو کر ویرا اور غزالہ کے پیچھے چل دیا۔ راہداری میں داخل ہونے پر ہر طرف سر ہی سر نظر آئے۔ اگلی نشستیں بھر چکی تھیں۔

دوسرا افسوسناک منظر یہ دیکھا کہ جہاز کی تنگ راہداری میں دو عورتوں کو دیکھ کر جہاں بہت سے شریف مسافر اپنی نشستوں میں بالکل ہی سکڑ کر رہ گئے تھے، وہاں بعض بدباطن مردوں نے نشستوں پر پھیل کر فی الفور اپنی کہنیاں اس طرح نکال دی تھیں کہ ان سے ٹکرائے بغیر آگے بڑھ جانا امر محال تھا۔ یہ مشکل ان مقامات پر زیادہ واضح تھی جہاں کونے والی دونوں نشستوں پر خبیث فطرت مسافر، حسب توفیق اپنی کہنیاں پسارے بیٹھے ہوئے تھے۔

ہم چاروں کو ایک دوسرے سے کافی دور اور الگ الگ نشستیں ملیں۔ اپنی جگہ پر قابض ہونے کے بعد میں نے کھڑے کھڑے جائزہ لیا تو پتا چلا کہ ویرا اور غزالہ میری راہداری میں موجود تھیں۔ جب کہ سلطان کو دوسری راہداری میں جگہ ملی تھی اور سب ہی گردنیں اچکا اچکا کر ایک دوسرے کو دیکھنے کی کوششیں کر رہے تھے۔

ویرا بہت عیار اور باتونی عورت تھی۔ اسے دہری نشست پر جگہ ملی تھی۔ اس نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو نجانے کیا پٹی پڑھائی کہ چند لمحوں بعد وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ویرا کے اٹھتے ہی چند کہنیاں نشستوں سے باہر رینگ آئیں لیکن ویرا نے وہیں سے غزالہ کو پکارا اور خود کھڑکی کے ساتھ والی نشست کے آگے کھڑی ہو گئی۔ اس کے ساتھ والا مرد غزالہ کی طرف آ رہا تھا۔ اس طرح دونوں عورتیں مامون و یک جا ہو گئیں۔

میں نے ویرا کی تقلید کرنے کے ارادے سے اپنا حوصلہ مجتمع کیا اور اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے شریف آدمی سے کہا۔ "اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو میرے ساتھی سے جگہ بدل لیں۔ وہ جہاز سے پہلے دفعہ سفر کر رہا ہے۔ اکیلا بیٹھا رہا تو سفر سے لطف اندوز ہونے کے بجائے سہما رہے گا۔"

"کیوں؟ میں کیوں جگہ بدل لوں؟" اس شخص نے سلیس اردو لیکن جارحانہ لہجے میں سوال کیا۔ "یہ جہاز ہے۔ کوچ یا بس نہیں ہے جو میں اپنی جگہ بدلتا پھروں۔"

میرا جھوٹ رائگاں گیا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی حفاظتی بیلٹ باندھ لی۔ بیلٹ باندھتے ہوئے میرے ذہن میں وجے کی باندھی ہوئی بارودی بیلٹ کا خیال آیا اور میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔

آسمان پر کالی گھٹائیں ذرا نکھر چکی تھیں۔ ان کی جگہ سرمئی بادلوں کے پرے جہاز کی کھڑکیوں میں جھانکتے نظر آ رہے تھے۔ ایئرپورٹ کی ساری زرد، سرخ، سبز روشنیاں جل رہی تھیں۔ جہاز کے انجن چلائے جا چکے تھے۔ جہاز کا دروازہ بند کرنے اور آخری دیکھ بھال کی ہدایات کا اعلان ہوا اور جہاز نے رن وے پر رینگنا شروع کر دیا۔

جہاز کے مقررہ مقام پر پہنچنے تک حفاظتی تدابیر کا عملی مظاہرہ مکمل ہو چکا تھا۔ پائلٹ نے پیجنگ سسٹم پر عملے کو اپنی جگہیں سنبھالنے کی ہدایت کی اور پھر طیارہ کسی دیو پیکر عفریت کی طرح ہلکی سی جھرجھری لے کر پوری قوت سے رن وے پر دوڑ پڑا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے زمین چھوڑ دی۔ شہر بس کچھ ہی دیر کے لیے نظر آیا پھر طیارہ بادلوں سے اوپر نکلتا چلا گیا۔ گہرے سیاہ اور سرمئی بادل ہمارے اور زمین کے درمیان آ گئے تھے۔

تمباکو نوشی کی ممانعت کے روشن نشانات بجھنے کے بعد ان نشستوں کا اعلان کیا گیا جہاں تمباکو نوشی کی اجازت تھی۔ میں نے اپنا سیٹ نمبر دیکھا اور مایوسی سے سر جھکا لیا۔ میری نشست جہاز کے ممنوعہ علاقے میں تھی۔

پرواز ہموار ہوتے ہی نشستوں کے بند کھٹا کھٹ کھلنے لگے اور ویران راہداریاں آباد نظر آنے لگیں۔ چند ثانیوں بعد سلطان شاہ بولایا ہوا میرے پاس آ پہنچا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے اسے سر سے پیر تک گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"میرے چاروں طرف لوگ سگریٹیں پھونک رہے ہیں۔" اس نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی۔ "میرے برابر والے بڑے میاں نے تو بدبودار سگار سلگا لیا تھا۔ ایئر ہوسٹس نے بہت مشکل سے انہیں سمجھایا کہ جہاز میں پائپ اور سگار پینے پر پابندی ہے۔ اب وہ مسلسل سرکاری سگریٹیں پھونک رہے ہیں۔"

"سرکاری سگریٹیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"ان کے پاس صرف سگار تھے۔ انہوں نے اس شرط پر اپنا سگار بجھایا کہ ہوسٹس انہیں سگریٹ لا کر دے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اطمینان سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "تم یہاں بیٹھو۔ میں تمہاری جگہ پر چلا جاتا ہوں۔"

ویرا اور غزالہ نہایت اطمینان سے بیٹھی، تخلیئے میں باتیں کر رہی تھیں۔ میں نے ان کے پاس رک کر چند منٹ تک باتیں کیں پھر آگے سے گھوم کر سلطان شاہ کی جگہ پر جا بیٹھا۔ وہاں واقعی سب ہی ندیدوں کی طرح سگریٹیں پھونک رہے تھے۔ میں نے بھی اپنا پیکٹ نکالا اور تمباکو نوشوں کی صف میں شامل ہو گیا۔

ایک مرحلے پر مجھے ایسا محسوس ہوا، جیسے ان نشستوں پر بیٹھے ہوئے لوگ اس خوف سے سگریٹیں پی رہے ہیں کہ کہیں اسموکنگ نشستوں پر بیٹھ کر سگریٹ نوشی نہ کرنے کے جرم میں انہیں اٹھا نہ دیا جائے۔

تھوڑی دیر بعد جہاز کا کچن کھل گیا۔ اشتہا انگیز خوشبوئیں کیبن میں چکرانے لگیں۔ ذرا سی دیر میں کھانوں سے لدی ہوئی ٹرالیاں حرکت میں آ چکی تھیں۔

اس دوران میں میرے برابر میں بیٹھے ہوئے بڑے میاں مفت کی سگریٹیں پھونک کر اکتا چکے تھے اور وقت گزاری کے لیے اونگھ رہے تھے۔ ان کے اونگھنے کا علم اس وقت ہوا' جب مجھے اپنی پسلیوں میں کسی نکیلی چیز کی چبھن کا احساس ہوا۔ میں نے بوکھلا کر چبھن کے مقام کا جائزہ لیا تو وہاں بڑے میاں کی کہنی کو موجود پایا جو اپنی جگہ سے سرکتے سرکتے میری پسلیوں پر آرکی تھی۔ میں نے بڑے میاں کی طرف دیکھا تو وہ پوری محویت سے اونگھنے میں مصروف تھے۔

لمحہ بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ میری جگہ غزالہ ان صاحب کی ہم نشین ہوتی تو کہنی کے اس ناگہانی عذاب سے کس طرح عہدہ برآ ہوتی۔ مگر اگلے ہی لمحے میں نے اپنے اس خیال پر لاحول پڑھ لی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو فضائی سفر میں ایسے ہر عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔ وہ کہنی میرے مقدر میں تھی اور میری ہی پسلیوں میں گھس رہی تھی۔

مسافروں کو کھانا تقسیم کرنے والی ٹرالی میرے قریب آئی تو میں فضائی میزبانوں کی پیشہ ورانہ مہارت اور تجربے کا قائل ہوگیا۔ وہ خاتون ہر میز سلیقے سے کھول کر کھانے کی ٹرے رکھتی آرہی تھی۔ اس کے ملکوتی حسن اور فیاضانہ مسکراہٹ سے مرعوب ہو کر بہت سے مسافر اپنی میزیں خود کھول کر اس سے ٹرے لے چکے تھے۔ ایک آدھ مسافر اسے ایسی ترحّم آمیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا' جیسے اسے اپنی جگہ پر آرام سے بٹھا کر وہ مشقت آمیز کام خود سرانجام دینا چاہتا ہو۔ غنیمت یہ ہوا کہ کسی نے اپنی ذہنی ہمدردی کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش نہیں کی۔

ایئر ہوسٹس نے میرے برابر میں اونگھتے ہوئے بڑے میاں کو شرارت آمیز نظروں سے دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر سجی ہوئی کاروباری مسکراہٹ ذرا گہری ہوگئی۔ اس نے کلپ ہٹا کر ان کی میز کو دانستہ نیچے جھٹکا دیا۔ پُرشور آواز سے میز کھلی تو بڑے میاں اپنی نشست پر اچھل پڑے۔ میری پسلیوں کو ان کی کہنی کے ناز یبا دباؤ سے فوری نجات مل گئی اور وہ ہڑبڑا کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ ایئر ہوسٹس نے ان کی میز پر کھانے کی ٹرے رکھی تو وہ خفت آمیز انداز میں مسکرا رہے تھے۔

میں نے اس سے پہلے بے شمار فضائی سفر کیے تھے لیکن کبھی بھی اتنی گہری نظروں سے مسافروں اور عملے کی عادات کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ اس روز مجھے ایئرپورٹ پر صبر آزما انتظار کی اذیت سے گزرنا پڑا تھا اس لیے میری سوچ ہی کچھ ناقدانہ ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا تھا کہ فضائی سفر کی بعض فنی باریکیاں میری نظروں میں آگئی تھیں۔

بقیہ سفر کسی واقعے کے بغیر گزر گیا۔ جہاز وہی تھے' ہم سفر وہی تھے' ہم نشین وہی تھا اور پھر عملہ بھی وہی تھا۔ سفر کا پہلا گھنٹا گزرنے تک میں ان سب کی تمام اضطراری عادات سے پوری طرح واقف ہو چکا تھا۔

کراچی پہنچنے کا اعلان سن کر میرے وجود میں خوشی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

پشاور کے برخلاف کراچی میں مطلع صاف تھا۔ جہاز کافی بلندی پر پرواز کر رہا تھا لیکن بادل نہ ہونے کی وجہ سے دور تک پھیلے ہوئے شہر کی روشنیاں بالکل صاف نظر آرہی تھیں۔

جہاز تیزی کے ساتھ اپنی بلندی کم کرنے لگا۔ بدلتے ہوئے زاویوں کے ساتھ' شہر کی روشنیاں واضح تر ہوتی جارہی تھیں۔ حفاظتی بیلٹ باندھنے کی ہدایات جل اٹھیں۔ کچھ دیر بعد تمباکو نوشی کی ممانعت کی علامات روشن ہوگئیں اور ہمارا آہنی پرندہ اپنے انجنوں کی غضبناک طاقت کے ساتھ زمین کی طرف جھپٹنے لگا۔

لینڈنگ بہت سبک رہی۔ رفتار ٹوٹنے کے بعد جہاز مست خرامی کرتا ہوا' اپنی مقررہ جگہ پر جا کھڑا ہوا۔ مسافر اس سے پہلے ہی اپنی جگہیں چھوڑ کر اپنا سامان سمیٹتے ہوئے راہداریوں میں جمع ہوگئے تھے۔

ہم چاروں اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے اور ہاتھ ہلا کر ایک دوسرے کو بیٹھے رہنے کے اشارے بھی کر دیے۔ میرے برابر والے بڑے میاں کو بہت عجلت تھی۔ شاید وہ جہاز سے سیڑھی لگنے سے پہلے باہر نکل جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اوپر کے خانے کے بجائے اگلی سیٹ کے نیچے سے اپنا وزنی تھیلا باہر گھسیٹا۔ اسے اوپر اٹھانے کی کوششوں میں انہوں نے میرے گھٹنے پر ایک شدید ضرب لگائی اور میرے اٹھتے اٹھتے' میرے اوپر سے کود کر راہداری میں نکل گئے۔

راہداری میں دوسروں کو دھکے دیے بغیر آگے بڑھنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی لیکن بڑے میاں اپنی موذی تھیلے سے راستہ بنائے ہوئے آگے بڑھتے جارہے تھے۔ لوگ برے برے منہ بنا کر انہیں گھور رہے تھے۔ کچھ لوگ زیر لب بڑبڑا بھی رہے تھے لیکن کسی میں اتنی جرات نہیں تھی کہ ان کی جارحانہ پیش قدمی کو روک دیتا۔

ہم چاروں طیارے سے اتر کر لاؤنج کی طرف بڑھے تو اول خان سیڑھیوں پر ہی ہمارا منتظر تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ جھک گیا تھا۔ اس نے کسی شفیق دوست کی طرح میرے رخساروں کو چوما اور پھر سلطان شاہ سے لپٹ گیا۔

وہ نہایت سلجھا ہوا اور وضع دار آدمی تھا۔ اس نے ویرا سے ہاتھ ملا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا پھر غزالہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر اس کی پیشانی کو بھی چوم لیا۔ اس کی گرم جوشی نے سب ہی کو آبدیدہ کر دیا تھا۔

"کہاں چلے گئے تھے تم لوگ۔ میری تو آنکھیں ترس گئیں۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے میں اندر سے بالکل خالی ہوگیا ہوں۔" وہ بھرائی

ہوئی آواز میں بولے جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ مسرت سے چمک رہا تھا لیکن آنکھیں نم تھیں۔ ہمارے پاس سے گزرنے والے مسافر اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ وہ تو خیر اندرونِ ملک کی پرواز تھی۔ لوگوں نے بین الاقوامی پروازوں پر بھی کسی کڑیل مرد کو اتنا جذباتی ہوتے نہ دیکھا ہوگا۔

ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا اس لیے ہم سیدھے باہر نکلتے چلے گئے جہاں اول خان کی گاڑی موجود تھی۔

اول خان ہمیں اپنے گھر لے جانے پر مُصر تھا لیکن میں کیا بلکہ ہم چاروں میں سے کوئی بھی گھریلو تکلفات میں پھنسنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ یہ ایسی بات تھی جو میں اول خان سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

جوں ہی گاڑی حرکت میں آئی' مجھے اپنا جگری دوست' جہانگیر یاد آگیا جسے میں نے خاصے مشکل حالات میں چھوڑا تھا۔ اپنے اغوا سے پہلے میں نے نہایت سفاکی سے اس کے گھر میں شیدا خونی کی زبان کاٹی تھی۔ وہ اس قدر خطرناک بدمعاش تھا کہ مجھے اس کی طرف سے جوابی اقدام کی توقع تھی اور اسی خدشے کی وجہ سے جہانگیر کی بیوی' سلمٰی کو لاہور روانہ کردیا تھا۔ جہانگیر پر میری وجہ سے کئی بار مصائب نازل ہوچکے تھے اور اس بار تو ایسا ظلم ہوا تھا کہ میں اس کے مسائل سلجھانے سے پہلے ہی اغوا کرلیا گیا تھا۔

"ہمیں گھر لے جانے کی ضد نہ کرو۔ مجھے اسی وقت جہانگیر کی خیر خبر لینی ہے۔ میرے اغوا سے پہلے وہ دہشت کے عالم میں رہ رہا تھا۔ تمہارے گھر جانے کے بعد میں کچھ بھی نہیں کرسکوں گا۔" میں نے اس سے کہا۔

"جیسی تمہاری مرضی۔" وہ اداس ہوگیا۔ "تم چاہو تو میں اسی وقت اپنا ایک موبائل اسکواڈ اس کے گھر بھیج سکتا ہوں۔ تم کھانے وغیرہ سے فارغ ہوکر ادھر چلے جانا۔"

"تم میری بات نہیں سمجھ رہے۔ طاقت سے ہر معاملہ نہیں سلجھتا۔ پہلے مجھے دیکھنا ہوگا کہ وہ کس حال میں ہے' اس کے بعد ہی میں فیصلہ کرسکوں گا کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کی طرف سے مطمئن ہوتے ہی ہم سب تمہارے گھر پر دھاوا بولیں گے۔ غزالہ تمہاری بیوی سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔"

وہ بہت مخلص اور سادہ لوح شخص تھا۔ میرے وعدے سے بہل گیا۔

"یہ تمہارا پکا وعدہ ہے نا!"

"بالکل پکا!" میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا۔ "اب تم ہمیں شرف آباد لے چلو۔"

اول خان اپنی گاڑی کی رفتار بڑھانے لگا۔ اس وقت شاہراہِ فیصل پر شہر کی طرف جانے والا ٹریفک برائے نام رہ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہم پانچوں احمقانہ انداز میں مقفل فلیٹ کے دروازے پر کھڑے' ایک دوسرے کے منہ دیکھ رہے تھے کیونکہ ہم میں سے کسی کے پاس فلیٹ کی چابی نہیں تھی اور اس میں کسی کا قصور نہیں تھا۔ شاید سردار پائندہ گل کے آدمیوں نے ہم چاروں کو فلیٹ سے نکال لے جانے کے بعد خود ہی دروازہ مقفل کردیا تھا۔

ہماری آوازیں سن کر برابر والے فلیٹ سے ہمارا پڑوسی باہر نکل آیا۔ وہ مجھے پہچانتا تھا اور اس نے میری اچانک آمد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے یہ شکوہ بھی کیا کہ میں کسی اطلاع کے بغیر ایک لمبی مدت کے لیے فلیٹ سے غائب ہوگیا تھا۔ میں نے کسی قریبی رشتے دار کی ناگہانی علالت کا بہانہ کرتے ہوئے اسے اپنی مشکل سے آگاہ کیا تو وہ بے چارہ فوراً ہی اپنے گھر سے پرانی چابیوں کا ایک گچھا لے آیا۔

سلطان شاہ قفل پر وہ چابیاں آزمانے لگا مگر میں جانتا تھا' اس کی کوششیں بے سود تھیں۔ میں ایک تار کی مدد سے پل بھر میں وہ تالا کھول سکتا تھا۔

پڑوسی میری فرمائش پر تار بھی لے آیا۔ میرے اشارے پر اول خان نے اسے باتوں میں لگایا اور میں نے چند سیکنڈ کا وقفہ لے کر تالا کھول ڈالا۔

دروازہ کھلتے ہی سیلن زدہ تیز بھبکوں نے ہمارا استقبال کیا۔ گھر میں ہر طرف گرد و غبار کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ کوڑے دان سڑ رہا تھا۔ ہر چیز اسی حالت میں تھی جس میں چھوڑی گئی تھی۔

پڑوسی اپنے فلیٹ میں لوٹ گیا۔ عورتیں ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کی جگہ صاف کرنے میں مصروف ہوگئیں اور میں اپنے کمرے میں جا گھسا۔ دراز کھولنے پر بیم گن دیکھتے ہی مجھے اطمینان ہوگیا کہ سردار پائندہ گل کے آدمیوں نے ہمیں اغوا کرتے ہوئے فلیٹ کی کسی اور چیز کو نہیں چھیڑا تھا۔ ہر چیز جوں کی توں موجود تھی۔ میں نے اسے جیب میں ڈال لیا۔

بیم گن کی طرف سے مطمئن ہوکر میں ڈرائنگ روم میں آیا تو فون بھی کام کررہا تھا اور سلطان شاہ جہانگیر کے گھر کا نمبر ملانے میں مصروف تھا۔

نمبر ملانے کے بعد سلطان شاہ رابطہ ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ لائن ملتے ہی اس نے ہیلو کہا پھر برا سا منہ بنا کر کریڈل دبادیا اور دوبارہ نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا جب دوسری بار بھی اس نے اسی انداز میں ہیلو کہہ کر فون بند کیا۔ تو میں چونک پڑا۔

"تم بار بار ہیلو کہہ کر فون بند کیوں کردیتے ہو؟" میں نے اسے تیسری کوشش سے روک کر پوچھا۔

"غلط نمبر مل رہا ہے۔" وہ میری طرف دیکھے بغیر منہ بنا کر بولا۔

"تمہیں کیسے معلوم کہ غلط نمبر مل رہا ہے؟" میں نے سوال کیا۔ اس بار اول خان کے بھی کان کھڑے ہوگئے اور وہ ہم دونوں کے قریب آکھڑا ہوا۔

"ادھر سے کوئی عجیب سی انگریزی بول رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ جہانگیر کا نمبر نہیں ہوسکتا۔"

"پھر بھی تمہیں نمبر پوچھ لینا چاہیے تھا۔" میں نے اس کے

ہاتھ سے ریسیور لے کر کہا۔ "اب ملاؤ۔ میں دیکھتا ہوں کہ کہیں تم غلطی تو نہیں کر رہے۔"

میری یادداشت کے مطابق اس نے بالکل صحیح نمبر ملایا تھا۔ اس بار گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھالیا گیا اور میرے کانوں میں ہیلو کی نامانوس سی آواز آئی جس پر میری چھٹی حس بھڑک اٹھی۔

"فون جہانگیر کو دے دو۔" میں نے دانستہ اردو میں کہا تاکہ دوسری طرف والے کا ردِ عمل معلوم کر سکوں۔

"انگریزی میں بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" دوسری طرف سے درشت لہجے میں کہا گیا۔ اس کا انگریزی تلفظ سنتے ہی سناٹے میں آگیا۔ بولنے والے کا لب و لہجہ مشرقِ بعید کے باشندوں جیسا تھا۔

"کیا یہ جہانگیر کا گھر ہے؟" میں آنکھوں ہی آنکھوں میں اول خان کو ہوشیار کرتے ہوئے انگریزی میں پوچھا۔

"ہاں، وہ میرا مالک ہے۔ تم کون ہو؟" دوسری طرف سے بلا توقف جواب آیا۔

"میرا نام سلطان شاہ ہے۔ جہانگیر کو فون پر بلا دو۔" میں حیران تھا کہ جہانگیر کو اچانک ہی چینی نژاد، انگریزی داں ملازم رکھنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟ میرے خیال کے مطابق اس انتخاب کا ایک ہی سبب ہو سکتا تھا کہ اس نے خود کو درپیش خطرات کے سدِباب کے لیے مقامیوں پر انحصار کرنے کے بجائے کسی خونخوار غیر ملکی باڈی گارڈ کو ملازم رکھ لیا تھا۔

"تم کہاں غائب ہو؟" فون پر اچانک ہی جہانگیر کی آواز گونجنے لگی۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ وہ مجھ پر انگریزی میں گرج رہا تھا۔ "میں تمہارے فلیٹ پر سیکڑوں مرتبہ فون کر چکا ہوں لیکن وہاں سے کوئی جواب نہیں ملتا۔ تمہارے ساتھ ڈینی بھی لاپتا ہے۔ اسے تلاش کر کے میرے پاس بھیجو۔ مجھے اس سے بہت ضروری کام ہے۔"

اس کی گفتگو عجیب اور بے ربط تھی جیسے وہ کسی اور کے دباؤ میں بول رہا ہو۔ وہ گنتی کے ان لوگوں میں سے تھا جو انگریزی زبان پر خاصا عبور رکھنے کے باوجود ہر موقع پر اردو بولنے کو ترجیح دیتے ہیں لیکن اس وقت وہ انگریزی ہانک رہا تھا۔ غالباً اس کے ساتھ کوئی بڑا چکر چل پڑا تھا۔ میں نے اس سے خود کو چھپائے رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ اس وقت جہانگیر کا نام نہاد ملازم بھی اس کے قریب ہی موجود ہوگا اور وہ اس اضطراری ردِ عمل کو بھانپ لے گا جو میری آواز سنتے ہی جہانگیر پر ہوگا۔ میرے ذہن میں شبہ سر ابھارنے لگا کہ شاید مکاؤ سے آنے والے بدمعاشوں نے میری تلاش میں ناکام ہونے کے بعد جہانگیر پر ہاتھ ڈال دیا ہے۔

"تم زندگی بھر اردو بولتے رہے ہو لیکن آج انگریزی کیسے بول رہے ہو؟" میں نے سلطان شاہ جیسی آواز بنا کر اردو میں پوچھا۔

"ڈینی نے مجھے مشکلات میں ڈال دیا ہے، میری زندگی کو جہنم بنا دیا ہے۔" وہ بدستور انگریزی ہی بولتا رہا۔ "میں اب اس ملک میں نہیں رہ سکتا۔ میں اپنا سارا سرمایہ سمیٹ کر جلد ہی امریکا چلا جاؤں گا اسی لیے میں آج کل اپنے نوکروں سے بھی انگریزی بولنے کی مشق کر رہا ہوں۔"

"انگریزی سیکھنے کا شوق ہے تو کوئی انگریز ملازم رکھا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کوئی چینی یا تھائی ملازم رکھ لیا ہے۔"

"تم ڈینی کے دوست ہو اس لیے میں تمہارا لحاظ کرتا ہوں۔" جہانگیر کی آواز ابھری۔ "تمہیں میرے ذاتی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں جسے چاہوں ملازم رکھ سکتا ہوں۔"

"تمہارے اس ملازم کا نام کیا ہے؟" میں نے اسی بدلی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"مسٹر لی وانگ!" وہ احترام سے بولا۔ "یہ مارشل آرٹس کا بہت بڑا ماہر ہے۔ ایک سیکنڈ میں آدمی کے کولہے کی ہڈی اتار کر اسے معذور اور مفلوج کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے، اتری ہوئی ہڈی کو واپس بٹھا دیتا ہے۔"

"میں اب جو کچھ کہوں، اس پر چونکنے یا خوش ہونے کی ضرورت نہیں ورنہ یہ لی وانگ تمہارے کولہے کی ہڈی بھی اتار دے گا۔" میں نے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں اپنے نفع نقصان کو خوب سمجھتا ہوں۔ تمہیں جو کہنا ہے، کہہ ڈالو مگر یہ سن لو کہ میں مسٹر وانگ کو نوکری سے ہرگز نہیں نکالوں گا۔ تمہیں میرے گھر آنا ہے تو آؤ، نہیں آنا تو جہنم میں جاؤ۔" جہانگیر نے گول مول انگریزی میں میری بات کا جواب دے دیا۔

"ابے! انگریز کے بچے! میں ڈینی بول رہا ہوں۔" میں نے اپنی اصل آواز میں کہا۔ "طویل قید و بند کی صعوبتیں کاٹنے کے بعد ابھی ابھی کراچی پہنچا ہوں اور آتے ہی تمہیں فون کر رہا ہوں۔"

وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا۔ جہانگیر میری آواز سنتے ہی بے قابو ہو گیا اور اردو میں پھٹ پڑا۔ "وہاں کیا کر رہے ہو۔ یہاں آؤ۔ ان حرامزادوں نے میری زندگی اجیرن....." اچانک لائن بے جان ہو گئی۔ اس کی دردناک آواز بند ہو چکی تھی۔

میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور اول خان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "اس کے بارے میں میری چھٹی حس صحیح سمت میں کام کر رہی تھی۔ غالباً ڈون کوانگ فو کے آدمی اس کے سر پر مسلط ہو گئے ہیں۔ اس نے جوں ہی اردو میں اپنی بپتا سنانی شروع کی، یک لخت فون بند کر دیا گیا۔"

"آؤ.... اسی کی طرف چلتے ہیں۔" اول خان نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

"ہتھیار لے لو۔" میں نے ویرا سے کہا پھر سلطان شاہ سے مخاطب ہو گیا۔ "تم غزالہ کے ساتھ یہیں رہو گے تاکہ فون وصول

کرسکو۔ یہ یاد رکھنا کہ میں بدستور لاپتا ہوں۔ فلیٹ کے قرب وجوار میں کوئی بھی مشتبہ قسم کا دوغلا چینی نظر آئے تو اس سے دور رہنا۔ باہر کی دیکھ بھال کے لیے ایس ٹی ایف کے دو گارڈ آجائیں گے۔"

میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اول خان نے فون ملانا شروع کردیا۔

سلسلہ مل جانے پر اس نے اپنے کسی ماتحت کو ایک گاڑی میں چار مسلح محافظ فلیٹ کی طرف اور دوسری گاڑی میں چھ کمانڈوز کو جہانگیر کے گھر کی طرف بھیجنے کی ہدایات دے کر فون بند کردیا۔

اسی اثناء میں ویرا اندر سے ایک پستول کے ساتھ تین بھرے ہوئے میگزین لے آئی تھی۔

"یہ سلطان شاہ کو دے دو۔" اول خان نے ویرا سے کہا۔ "میری گاڑی میں کافی اسلحہ موجود ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ تم لوگوں کو یہاں آتے ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"مشکلات ہمیں نہیں، جہانگیر کو درپیش ہیں۔" میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "میرے لیے اذیت ناک بات یہ ہے کہ وہ یہ سارے مصائب میری وجہ سے جھیل رہا ہے۔"

"دیر نہ کرو۔ ہم راستے میں بھی باتیں کرسکتے ہیں۔" اول خان نے مجھے ٹوکا۔

ہم تینوں نیچے آئے۔ اول خان نے ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے سے دو بھرے ہوئے پستول نکال کر ہمارے حوالے کردیے۔ پچھلے پائیدان کے نیچے ایک کلاشنکوف موجود تھی وہ بھی نکال لی گئی۔

میں دھیرے دھیرے اپنی اور جہانگیر کی گفتگو دہرانے لگا جس کا آخری حصہ بہت تکلیف دہ تھا۔

"یہ میرا قصور ہے۔" اول خان خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ "تم غائب تھے تو مجھے اس سے رجوع کرنا چاہیے تھا۔ اُس کے بارے میں نہ سہی، تمہاری خیریت کے لیے بھی وہ رابطہ ضروری تھا۔ اس سے بات ہوتی تو وہ خود ہی اپنی تمام مشکلات بیان کرتا چلا جاتا اور میں ان کے سدباب کے لیے اپنی کوششوں کا سلسلہ شروع کردیتا۔"

"قصور میرا ہو یا تمہارا، جو ہونا تھا وہ ہوچکا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں جہانگیر کے گھر جاکر مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ دونوں اتنے چالاک ہیں کہ وجے بھی ان کے عزائم کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جان سکا تھا۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے فون کے بعد وہ جہانگیر سمیت وہاں سے نکل گئے ہوں گے۔"

"نکل بھی گئے تو کہاں جائیں گے؟" ویرا نے کہا۔ "اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ جہانگیر ان کا اصل شکار نہیں ہے، وہ اسے چارے کے طور پر استعمال کررہے ہیں اور اس کے ذریعے تمہیں گھیرنا چاہتے ہیں۔ جب تک وہ تمہیں نہیں پکڑ لیتے، کراچی سے باہر نہیں جائیں گے۔"

ہم تھوڑی ہی دیر میں جہانگیر کے گھر پہنچ گئے۔ پھاٹک بند تھا اور احاطے میں اندھیرے کے ساتھ ویرانی کا راج محسوس ہوا تھا۔ اول خان نے پھاٹک پر گاڑی کے ہیڈ لیمپس تیز کرکے ایک لمبا ہارن بجایا تو اندر تحریک سی پیدا ہوئی پھر جہانگیر کا پرانا چوکیدار ذیلی کھڑکی کھول کر باہر آگیا۔ اس کے سن رسیدہ چہرے سے کرب جھلک رہا تھا۔

"وہ بدمعاش صاحب کو پھر کہیں لے گئے۔" مجھے پہچانتے ہی اس کی زبان چل پڑی۔ "وہ صاحب کو ایسی ایسی اذیتیں دیتے ہیں کہ ان کی چیخوں سے دل دہلنے لگتا ہے۔ کبھی صاحب چلنے پھرنے سے معذور ہوجاتے ہیں اور جب وہ بدمعاش خوش ہوں تو صاحب اپنا بلکہ ان دونوں کا کام بھی خود کرتے ہیں۔ انہیں چلتے پھرتے دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ کسی کسی وقت وہ زمین یا قالین پر پڑے، درد سے چلاتے رہتے ہوں گے...."

"گھبراؤ نہیں، گاڑی میں آجاؤ۔" میں نے جھک کر پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "اور آرام سے بتاؤ کہ تم کن بدمعاشوں کا ذکر کررہے ہو اور وہ کہاں سے آئے ہیں؟"

وہ مجھے سیکڑوں دعائیں دیتا ہوا، پچھلی سیٹ پر ویرا کے ساتھ بیٹھ گیا اور رک رک کر بتانے لگا۔ "وہ آٹھ دس دن پہلے ملاقاتی بن کر آئے تھے پھر گھر میں ایسے گھسے کہ نکلنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ باری باری باہر جاتے ہیں اور ان میں سے ایک نہ ایک چوبیس گھنٹے صاحب کے سر پر سوار رہتا ہے۔"

"گھر کے دوسرے ملازم کہاں ہوتے ہیں؟" میں نے اپنے اشتعال کو ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیسے ملازم؟ انہوں نے آتے ہی سب کو نکال دیا۔ میرے علاوہ پورے گھر میں کوئی اور نہیں ہے۔ وہ یہاں راج کرتے ہیں۔ صبح لنگوٹیاں باندھ کر لان پر عجیب سی اچھل کود کرتے ہیں پھر نہا کر چلے جاتے ہیں۔"

"ان کے حلیے کیا ہیں؟"

"دونوں دہرے جسم کے ناٹے چینی معلوم ہوتے ہیں۔ صورتیں بھی ایک جیسی ہیں۔ دونوں کی پہچان کے لیے میں نے ایک نشانی ڈھونڈلی ہے کہ ان میں سے ایک کے داہنے کان کا نچلا حصہ غائب ہے۔"

"وہ صاحب کو پہلے بھی باہر لے جاتے رہے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں۔ شروع میں ایک دن لے گئے تھے۔ واپسی پر صاحب کی حالت بہت خراب تھی۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑے بھی نہیں ہو پا رہے تھے۔ وہ دونوں انہیں اٹھا کر اندر لے گئے تھے۔ اسی دن کے بعد سے صاحب پر دورے پڑنے لگے۔ کبھی وہ معذور ہوجاتے ہیں، کبھی بالکل ٹھیک ہوجاتے ہیں۔"

"تمہیں کس نے بتایا کہ صاحب کو دورے پڑنے لگے ہیں؟" اس بار ویرا نے پوچھا۔

"چینیوں نے بتایا تھا۔ وہ بھی اشاروں سے مجھ سے باتیں لیتے تھے۔"

"آج وہ جہانگیر کو کس حالت میں اپنے ساتھ لے گئے ہیں؟" نے سوال کیا۔

"صاحب خود چل کر گئے ہیں لیکن وہ کہیں جانے کے لیے تیار نہ تھے۔ دونوں بدمعاش انہیں مار مار کر اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ پتا نہیں انہوں نے ہمارے مالک کا کیا حشر کیا ہوگا۔" اس کی آواز روہانسی ہوگئی۔

"وہ کس گاڑی میں گئے تھے؟"

"صاحب کی نئی اکارڈ تھی۔ آج کل وہ چینیوں کے پاس ہی تی ہے۔"

"پچھلی بار جب وہ جہانگیر کو باہر لے گئے تھے تو کتنی دیر میں لے تھے؟"

"صبح جا کر شام کو آئے تھے۔ اس روز میں صاحب کی تکلیف بہ کررہ پڑا تھا۔"

"وہ واقعی بہت چالاک معلوم ہوتے ہیں۔" اول خان پُر بال لہجے میں بولا۔ "جب تک کوئی خطرہ نہیں تھا تو یہاں دندناتے ہے۔

آج جہانگیر نے فون پر اردو میں بات کی تو وہ خطرہ بھانپ کر ہاں سے فرار ہوگئے۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ ادھر واپس نہیں ئیں گے۔"

اسی وقت اسپیشل ٹاسک فورس کے کمانڈوز کی گاڑی بھی پہنچی۔ اول خان نے چوکیدار کو پھاٹک کھولنے کی ہدایت کی اور دونوں گاڑیاں اندر پورچ میں کھڑی کردی گئیں۔ اندر پہنچنے کے بعد ب لوگ گاڑیوں سے نیچے اتر آئے۔ چوکیدار نے برآمدے اور ان کے اس حصے کی بتیاں روشن کردی تھیں۔

اول خان اپنے آدمیوں کو مکان کے اندرونی حصوں کی دیکھ بھال اور باہر کی نگرانی کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔ میں ویرا کے ساتھ برآمدے میں پڑی ہوئی کرسیوں پر جا بیٹھا۔

"اس بار جہانگیر کے ساتھ سنگین معاملہ نظر آرہا ہے۔ مکاؤ میں رہنے والے چینی فطرتاً بہت بدمعاش اور سفاک ہوتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ جہانگیر کو عمر بھر کے لیے معذور نہ کردیں۔" ویرا بولی۔

"مشکل یہ ہے کہ ہمارے پاس ان کا کوئی سراغ نہیں ہے۔" میں نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ "میرا اندازہ ہے کہ جرائم پیشہ لوگوں کی طرف سے مایوس ہو کر انہوں نے جہانگیر کا رخ کیا ہوگا۔ اب ادھر سے بھی ان کا کوئی نام و نشان ملنے کی امید نہیں ہے۔"

"تلاش مشکل ضرور ثابت ہوسکتی ہے لیکن ناممکن نہیں ہے۔ دو چینی ایک مقامی قیدی کے ساتھ آسانی سے کہیں روپوش نہیں ہوسکتے۔ محنت کی جائے تو ہم ان کے ٹھکانے تک پہنچ سکتے ہیں۔"

دو کمانڈوز برآمدے سے گزر کر مکان میں داخل ہوگئے۔ اول خان اپنے دوسرے آدمیوں کو ہدایات دے کر ہمارے پاس آبیٹھا اور بولا۔ "یہاں میدان صاف ہے۔ اب کدھر کا رخ اختیار کیا جائے؟"

"کل رات تم نے اپنے آدمی لگانے کا وعدہ کیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "ان مشتبہ چینیوں کے بارے میں انہوں نے کیا اطلاعات جمع کی ہیں؟"

"ابھی تک ہر طرف خاموشی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ امیگریشن کے ریکارڈ سے بھی ان کی آمد کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ پچھلے دو ماہ میں مکاؤ کے صرف تین شہری کراچی آئے ہیں اور وہ تینوں جانے پہچانے معززین تھے۔"

"اس سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انہوں نے چین یا ہانگ کانگ کے جعلی پاسپورٹوں پر یہ سفر کیا ہوگا۔" ویرا نے فوراً ہی اپنی رائے پیش کردی جو بہت زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی تھی۔

"ہوسکتا ہے کہ اندر کی تلاشی سے کوئی کارآمد سراغ مل سکے۔ میرا خیال ہے کہ ہم تینوں کو بھی اندر چلنا چاہیے۔" اول خان نے یہ کہتے ہوئے اپنی کرسی چھوڑ دی۔

جہانگیر کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی مجھے ذہنی جھٹکے کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ آرائشی اشیاء کا شوقین اور صفائی کا دلدادہ تھا لیکن اس وقت ڈرائنگ روم کباڑ خانے کی صورت میں بکھرا ہوا تھا۔ ہر ایش ٹرے جلی ہوئی سگریٹوں اور راکھ سے بھری ہوئی تھی۔ بیش قیمت قالینوں پر شراب کی خالی بوتلیں، سگریٹ کے متعدد خالی پیکٹ بکھرے ہوئے تھے۔ فرنیچر پر گرد و غبار جما ہوا تھا۔ شیشے کی کئی آرائشی اشیاء ٹوٹ کر بکھری ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہورہا تھا، جیسے نشے بازوں کی کوئی ٹولی وہاں دھما چوکڑی مچانے کے بعد اچانک نکل بھاگی ہو۔

چینی بدمعاش شاہانہ مزاج رکھتے تھے اور اپنی خرمستیوں میں مصروف رہتے تھے۔ جہانگیر کو نقل و حرکت کی آزادی نہیں تھی۔ ملازموں کو نکالا جاچکا تھا۔ ان حالات میں گھر کا وہی حشر ہوسکتا تھا جو نظر آرہا تھا۔

ڈرائنگ روم سے نکل کر ہم سلمٰی کے کھلے ہوئے بیڈ روم کی طرف جارہے تھے کہ اچانک اندر سے بے ساختہ چیخیں سنائی دیں اور ہم تینوں برق رفتاری سے اسی سمت میں دوڑ پڑے۔

وہ چیخیں واضح طور پر اسپیشل ٹاسک فورس کے ان کمانڈوز کی تھیں جو ہم سے پہلے گھر میں داخل ہوئے تھے۔

چیخیں سنتے ہی ہم تینوں نے بیک وقت دوڑ لگائی تھی لیکن اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ ہم تینوں میں ویرا سب سے زیادہ سبک رفتار تھی۔ وہ مجھے اور اول خان کو پیچھے چھوڑ کر سب سے پہلے ان

دو کمانڈوز تک پہنچ گئی تھی جو مکان کے دالان نما عقبی حصے میں سفید فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک بالکل بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہو۔ دوسرا کمانڈو اپنا پیٹ تھامے، کسی پھرکی کی طرح فرش پر تڑپتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ ویرا نے اسے شانوں سے تھام کر اپنی گرفت میں لے لیا اور وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔

میں نے قریب پہنچ کر دیکھا کہ اس کمانڈو نے ویرا کو پہچان کر اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو پانے کی پوری کوشش کی تھی لیکن اس کے چہرے اور آنکھوں سے شدید کرب کا اظہار ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟ تم اتنی بری طرح کیوں چیخ رہے ہو؟" اوّل خان نے اس کے سر پر سوار ہو کر غراتے ہوئے سوال کیا۔ وہاں کسی حریف کے موجود نہ ہونے کے باوجود اپنے آدمیوں کی بے بسی دیکھ کر اوّل خان یک بیک مشتعل ہو گیا تھا۔

میں نے ان لمحات میں قرب و جوار کا جائزہ لے ڈالا۔ ہمارے سامنے ہی ایک کمرا موجود تھا جس کا دروازہ نیم وا تھا اور اس سے آگے گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہم لوگ اس وقت کمرے سے ملحقہ عقبی دالان میں موجود تھے۔ دالان کو احاطے سے جدا کرنے والی آہنی گرل میں لگا ہوا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ شاید اس تاریک کمرے میں کوئی شخص چھپا ہوا تھا جو دروازہ کھلتے ہی اسپیشل ٹاسک فورس کے کمانڈوز پر حملہ آور ہوا اور آناً فاناً انہیں زیر کر کے گرل والے دروازے کے ذریعے فرار ہو گیا۔

"سس.... سر!" وہ کربناک آواز میں بدقت تمام بولنے میں کامیاب ہوا۔ "وہ اکیلا تھا لیکن حد سے زیادہ پھرتیلا اور بے خوف تھا۔ وہ.... وہ تاریک کمرے میں سے اڑتا ہوا باہر آیا۔ اس کی ایک لات شاہد کے سر پر پڑی اور وہ بٹ سے نیچے گر کر بے ہوش ہو گیا۔ دوسری لات میری ناف سے نیچے لگی اور میں ابھی تک سخت اذیت میں ہوں۔ درد کی لہریں میرے وجود کو بکھیرے دے رہی ہیں.... مم.... مجھے معلوم ہے کہ چوٹ مہلک نہیں ہے.... لل.... لیکن درد کی شدت نے مجھے موت یاد دلا دی ہے۔ وہ خبیث ایک چھلاوا تھا۔ وہ تاریکی میں سے نمودار ہوا اور ہم دونوں کو ڈھیر کرتا ہوا گرل سے باہر نکل گیا۔ ہمیں اس کے خلاف کچھ کرنے یا سوچنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ وہ اپنے کام میں انتہائی ماہر اور تربیت یافتہ معلوم ہوتا تھا۔ آپ یقین کریں، سر! کہ اس صورتِ حال میں ہماری کوتاہی کے بجائے اس کی مہارت اور پھرتی کا دخل ہے۔ اس نے پہل کی، کامیاب ہوا اور غائب ہو گیا۔"

وہ اوّل خان کی موجودگی کا لحاظ کر کے بدقت تمام فرش سے اٹھ کھڑا ہوا لیکن تکلیف کی وجہ سے پوری طرح سیدھا نہ ہو سکا۔ اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے اور آنکھوں سے اندرونی اذیت کا اظہار ہو رہا تھا۔

اسی اثنا میں مزید دو کمانڈوز وہاں آ پہنچے۔ شاید وہ اپنے ساتھیوں کی چیخیں سن کر اس طرف آئے تھے۔ اس وقت ویرا، بے ہوش کمانڈو کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ اس کے دو ساتھیوں کے آ جانے پر وہ اسے چھوڑ کر ہمارے پاس آ گئی اور پُر تشویش آواز میں بولی۔ "چوکیدار بتا رہا تھا کہ وہ دونوں جہانگیر کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ وہ جا چکے تھے تو پھر اس کمرے میں تیسرا آدمی کہاں سے آ گیا؟"

چوٹ کھائے ہوئے شخص نے کچھ بولنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اوّل خان اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو گیا "شاہد کا کیا حال ہے؟ اسے فرش سے اٹھا کر کسی بستر وغیرہ پر ڈال دو۔"

"وہ کسی حساس مقام پر ضرب لگنے کی وجہ سے بے ہوش ہوا ہے۔" ویرا بول پڑی۔ "اس کی نبض ٹھیک چل رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں اسے خود بخود ہوش آ جائے گا۔"

اوّل خان باہر کا جائزہ لینے کے لیے آہنی گرل کے کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکل گیا۔

میں ویرا سمیت اس کے پیچھے ہو لیا۔ احاطے کے اس حصے میں باہر کا فرش بھی سیمنٹ سے بنا ہوا تھا۔ عمارت اور احاطے کی دیوار کے درمیان کم و بیش بیس فٹ کا فاصلہ تھا۔ باہر پھیلی ہوئی روشنی میں وہ حصہ بالکل ویران اور خالی نظر آ رہا تھا۔ وہاں دور دور تک کسی متنفس کا پتا نہیں تھا۔

"ان دونوں کو زیر کرنے کے بعد اس نے یہاں رکنے کی حماقت نہیں کی ہو گی۔" میں نے آس پاس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "پھر بھی ہمیں عمارت کا ایک چکر لگا ہی لینا چاہیے۔"

اوّل خان چوکنا ہو کر ایک طرف چل پڑا۔ میں دوسری سمت میں ہو لیا۔ ویرا میرے ساتھ تھی۔

"تیسرے آدمی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" چند قدم چلنے کے بعد ویرا نے پوچھا۔

"اصل بات تو اوّل خان کے آدمیوں ہی سے معلوم ہو سکے گی مگر میرا خیال ہے کہ وہ کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا بلکہ ان دونوں میں سے ہی کوئی رہا ہو گا۔ ابھی پوچھ گچھ میں پوری بات سامنے آ جائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ چوکیدار غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔" وہ بولی۔

"ضروری نہیں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اسے خود بھی علم نہیں ہو گا کہ ان دونوں میں سے کوئی واپس آیا ہے۔"

"اوہ!" وہ ہونٹ سکیڑ کر تیزی سے بولی۔ "تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ جہانگیر کو لے جانے کے بعد ان دونوں میں سے ایک بدمعاش خاموشی سے یہاں آیا اور ایس ٹی ایف والوں کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی ان پر وار کر کے نکل بھاگا؟"

"شاید میں یہی کہنا چاہ رہا ہوں۔" میں نے سہلاتے ہوئے طنز سے کہا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ واپس کیوں آیا تھا؟" وہ میرے
نظرانداز کرتے ہوئے پُرجوش لہجے میں بولی۔
"اسے الہام ہوا ہوگا کہ ہم لوگ یہاں پہنچ چکے ہیں اور ہمیں
ن کرنے کے لیے خاموشی سے یہاں آدھمکا' ایس ٹی ایف کے
آدمیوں کو ایک لات ٹی کس کے حساب سے کوٹا تقسیم کیا اور کسی
لاوے کی طرح یہاں سے دوبارہ غائب ہوگیا....."
"تم پھر اڑنے لگے!" وہ میری بات کاٹ کر غرّائی۔ "بعض
قات تم خود کو عقل کل سمجھ کر بے تکی حرکتیں کرنے لگتے ہو۔
یک بات اگر میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے تو اس کی وضاحت
رنے میں کیا دشواری ہے؟"
"یہ بالکل سیدھی اور سامنے کی بات ہے۔" میں نے سنجیدگی
ختیار کرتے ہوئے کہا۔ "وہ دونوں مجھے پھانسنے کی امید میں جہانگیر
کو یہاں لیے بیٹھے تھے۔ انہوں نے جہانگیر کو اس قدر خوف زدہ کیا
ہوا تھا کہ وہ ان کی ہدایت کے عین مطابق ہر فون کے جواب میں
انگریزی بولنے لگا تھا۔ اس طرح وہ دونوں چینی ہر بات سے باخبر
رہتے تھے اور جہانگیر ان کی مرضی کے خلاف کسی سے کوئی بات
نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر میرا فون آیا۔ جب تک میں سلطان شاہ بن کر
بات کرتا رہا' وہ مجھ پر اپنی انگریزی کا رعب جھاڑتا رہا اور جوں ہی
میں نے اسے اپنی اصلیت سے آگاہ کیا' وہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا
اور اردو میں پھٹ پڑا۔ اس پر مسلط چینیوں نے خطرہ بھانپ کر فون
کا سلسلہ منقطع کردیا۔ انہوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ جہانگیر نے کسی کو
اصل معاملے سے آگاہ کردیا ہے۔ وہ عجلت کے عالم میں جہانگیر کو
لے کر یہاں سے نکل گئے۔ دور جانے کے بعد انہیں یاد آیا ہوگا کہ
وہ افراتفری میں اپنی کوئی اہم چیز یہاں بھول گئے ہیں۔ ان میں سے
ایک جہانگیر کے سر پر مسلط رہا اور دوسرا اپنی مطلوبہ اشیا کی تلاش
میں یہاں آپہنچا۔ اسے معلوم تھا کہ اس وسیع و عریض مکان میں
چوکیدار کے سوا کوئی اور شخص موجود نہیں ہے' اس لیے وہ خاموشی
سے گھر میں داخل ہوگیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی مطلوبہ شے لے کر
یہاں سے واپس لوٹتا' ہم لوگ آگئے۔ پھر ایس ٹی ایف کے کمانڈوز
بھی آپہنچے۔ خطرہ سر پر منڈلاتا دیکھ کر اس شخص نے پہل کا فائدہ
اٹھانے کا فیصلہ کیا اور اوّل خان کے دونوں آدمیوں کو اچانک ہی
زیر کرکے نکل گیا۔"
عمارت کے کونے پر پہنچ کر بغلی سمت میں مڑتے ہوئے ویرالحہ
بھر کے لیے چلتے چلتے رک گئی اور عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ
بولی۔ "تمہارا خیال ہے کہ وہ جو چیز لینے کے لیے آیا تھا' وہ لے گیا
ہے؟"
"کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" میں نے اس کا بازو تھام کر اسے
آگے دھکیلتے ہوئے کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی مطلوبہ چیز نکال لے
گیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کمانڈوز کی بروقت مداخلت کی وجہ سے
اسے اپنا کام پورا کرنے کی مہلت نہ ملی ہو اور وہ اپنی جان بچانے
کے لیے خالی ہاتھ نکل بھاگا ہو۔"
"دونوں صورتوں میں ہمیں اس کمرے پر خاص توجہ مرکوز کرنی
ہوگی۔" اس نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔
"سامنے کی بات ہے۔ گھر کی دیکھ بھال کے بعد ہمیں اسی
کمرے کا رخ کرنا ہوگا۔"
"شاید وہ بھی یہی چاہتا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ تم نے بالکل
وہی نتائج اخذ کیے ہیں جو وہ چاہتا تھا۔" ویرا ایک مرتبہ پھر پُرجوش
نظر آنے لگی تھی۔ "اسے یقین تھا کہ فون پر جہانگیر سے اردو میں
گفتگو ہونے کے بعد اس کا کوئی نہ کوئی ہمدرد ادھر ضرور آئے گا۔ وہ
واپس آیا اور خاموشی سے عقبی کمرے میں دبک کر بیٹھ گیا۔ آہٹیں
سنتے ہی اس نے مارشل آرٹ کا شعبدہ دکھایا اور ہم لوگوں کو اس
کمرے کی طرف متوجہ کرکے غائب ہوگیا۔"
"شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔" میں حیرت سے بڑبڑایا۔
"ہمیں باہر کا جائزہ لینے سے پہلے کمرے کا رخ کرنا چاہیے تھا۔
ہمارا وہ ردِعمل انسانی فطرت کے عین مطابق ہوتا۔ یہ اتفاق ہے کہ
ہم میں سے کوئی بھی اس کمرے میں نہیں گیا۔ کمانڈوز اپنے بے
ہوش ساتھی کو اٹھا کر اندر لے گئے اور ہم اوّل خان کے ساتھ
احاطے میں نکل آئے۔"
ہم اپنی سمت کا جائزہ لیتے ہوئے' مکان کے سامنے پہنچے تو
سرسبز لان میں ایس ٹی ایف کے بقیہ دو کمانڈوز پوزیشنیں لیے بیٹھے
تھے۔ اوّل خان ہم سے پہلے برآمدے میں پہنچ چکا تھا۔ ہم دونوں
اس کے پاس پہنچے اور اسے ساتھ لیتے ہوئے ڈرائنگ روم میں
داخل ہوگئے۔
"کیا بات ہے؟" اس نے غیر ارادی طور پر ہمارا ساتھ دیتے

ہوئے' تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔ "باہر تازہ ہوا میں بیٹھنے کے بجائے تم مجھے اس کباڑ خانے میں کیوں لے آئے ہو؟" اس کا اشارہ گندے اور بکھرے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف تھا۔

"کھلی فضا میں ہم تینوں کو آسانی سے نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس وقت ہمیں اندر ہی رہنا چاہیے۔" میں نے کہا۔

ویرا نے دروازے پر رک کر چوکیدار کو آواز دی اور اسے بھی ڈرائنگ روم میں بلا لیا۔ ہم لوگوں کی آوازیں سن کر اندر سے اوّل خان کے دو آدمی بھی وہاں آ پہنچے۔ ان میں سے ایک وہی تھا جس نے اپنے پیٹ پر چینی سے لات کھائی تھی۔ اس وقت تک اس کی حالت قدرے بہتر ہو چکی تھی اور وہ سیدھا ہو کر چل رہا تھا۔

"شاہد ٹھیک ہے' سر!" دوسرے کمانڈو نے اوّل خان کو مطلع کیا۔ "حشمت اس کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔"

"تم باہر کا خیال رکھو۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی اب بھی آس پاس منڈلا رہا ہو۔" اوّل خان نے اسے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ "کوئی چینی نظر آئے تو اس پر بے دریغ گولی چلا دینا۔"

"وہ بھی چینی ہی تھا۔" زخم خوردہ کمانڈو نے فوراً ہی کہا۔ "موٹا اور پستہ قامت ہونے کے باوجود بہت پھرتیلا تھا۔ میں بس اتنا دیکھ سکا کہ اس زرد رو آدمی کا آدھا کان غائب تھا۔"

"وہ وہی ہے۔" اس بار اوّل خان سے پہلے چوکیدار بول پڑا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ "وہ میرے سامنے اکارڈ میں صاحب کو لے کر گیا تھا۔ پتا نہیں وہ دوبارہ اندر کیسے آ گیا۔"

"تم اس بارے میں زیادہ نہ سوچو۔" ویرا نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہیں جس بات کی تصدیق کے لیے بلایا تھا وہ خود بخود سامنے آ چکی ہے۔ ہم بہت جلد تمہارے صاحب تک پہنچ جائیں گے۔"

"خدا ان دونوں موذیوں کو غارت کرے۔" چوکیدار بددعائیں دیتا ہوا نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ "وہ صاحب کو بالکل معذور کر کے یہاں سے لے گئے تھے۔ پتا نہیں اب ان پر کیا بیت رہی ہو گی۔"

"میرے لیے کیا حکم ہے سر؟" اوّل خان کے آدمی نے ادب سے پوچھا۔ "میری تکلیف میں اب خاصی کمی ہو چکی ہے۔ میں کسی پریشانی کے بغیر اپنی ڈیوٹی ادا کر سکتا ہوں۔"

"باہر کی دیکھ بھال کرتے رہو تاکہ ہم اندر رہ کر یکسوئی سے اپنا کام کر سکیں۔" اوّل خان نے اپنی بات پوری کر کے باری باری' میری اور ویرا کی طرف دیکھا۔ شاید وہ جاننا چاہ رہا تھا کہ ہمیں تو اس کے قومی سے کوئی سوال نہیں کرنا تھا۔ ہم دونوں نے سر ہلائے اور وہ بھی ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔ وہ سیدھا ضرور ہو چکا تھا لیکن پیٹ کے نچلے حصے میں آئی ہوئی ضرب کی وجہ سے اس کی چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ باقی تھی۔

"آؤ! اس کمرے کو بھی دیکھ لیتے ہیں جہاں مکاؤ کا بدمعاش چھپا ہوا تھا۔" اوّل خان نے ہم دونوں سے مخاطب ہو کر' "ہو سکتا ہے کہ ہم لوگوں کی مداخلت کی وجہ سے وہ وہاں سے مطلوبہ چیز نکال لے جانے میں کامیاب نہ ہو سکا ہو۔ اس کمرے کی تلاشی سے ہمیں ان دونوں کا کوئی نہ کوئی سراغ مل سکتا ہے۔"

"کچھ دیر انتظار کر لو۔" ویرا نے کہا۔ "وہ کمرا ہمارے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"

"راستے میں ہم اسی امکان پر باتیں کرتے رہے ہیں۔" خان کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی میں نے بولنا شروع کر دیا۔ "دان میں صرف داخلے کا راستہ ہوتا ہے' واپسی کی کوئی راہ ہوتی۔"

"ناقابلِ فہم باتیں نہ کرو۔" وہ بولا۔ "وہ کمرا چوہے دان کیسے تبدیل ہو سکتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے کہ اس شخص نے ہمیں نقصان پہنچانے کے وہاں کوئی ضرر رساں آلہ نصب کیا ہو جو ہماری ذرا سی بے احتیاطی سے اپنا کام شروع کر دے اور ہمیں سنبھلنے کا موقع تک نہ مل سکے۔" ویرا نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"بے کار بات ہے۔" اوّل خان اپنا سر جھٹک کر بے اعتنائی سے بولا۔ "شبہ ہو جانے کے بعد ہم بے احتیاطی کیوں کریں ہمیں کمرے میں داخل ہو کر دیکھنا چاہیے کہ وہ وہاں کیا کر رہا تھا۔"

مجھے اوّل خان کی دلیل وزنی محسوس ہوئی اور میں نے خاموشی سے سگریٹ سلگا لی لیکن ویرا نے اس سے بحث شروع کر دی۔ میرے لیے وہ صورتِ حال خاصی دلچسپ ثابت ہوئی کیونکہ پہلی بار اوّل خان سے کسی بات پر الجھ رہی تھی اور وہ بھی لحاظ بالائے طاق رکھ کر ویرا کے مدافعانہ جوابات کو یکے بعد دیگرے مسترد کرتا جا رہا تھا۔ اوّل خان کے اس رویّے کے نتیجے میں ویرا پر بتدریج جھلاہٹ طاری ہوتی جا رہی تھی۔

اوّل خان نے اس کمرے میں کسی ٹائم بم کی موجودگی کا امکان احمقانہ قرار دے ڈالا تھا۔ ٹائم بم پہلے سے طے کیے ہوئے مقررہ وقت پر پھٹتا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ اس وقت ہم میں سے کوئی بھی وہاں موجود ہوتا۔ ایسی صورت میں کمرا ضرور تباہ ہو جاتا تھا لیکن مکاؤ والے اپنا کوئی مقصد حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ دوسرا امکان بہرحال قابلِ غور تھا کہ اس کمرے میں کوئی ایسی دھماکا خیز ڈیوائس موجود ہو جو بارودی سرنگ کی طرح' ہماری کسی بے احتیاطی کے نتیجے میں چل پڑے اور کمرے میں داخل ہونے والوں کے چیتھڑے اڑا ڈالے۔

دوسرے امکان کے سدباب کے لیے اوّل خان کے پاس غیر معمولی احتیاط کا ہتھیار موجود تھا۔ خاصی دیر کی تکرار کے بعد اوّل خان ہم دونوں کو وہاں سے اٹھانے میں کامیاب ہو گیا۔

ہم ڈرائنگ روم سے مکان کے اندرونی حصے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ سامنے سے اوّل خان کے دو مسلح کمانڈو آتے ہوئے نظر آئے اور میں نے انہیں فوراً ہی پہچان لیا۔ ان میں سے ایک

...جو ہوش میں آچکا تھا۔ دوسرا اس کا تیمار دار تھا جس کا نام ...ت بتایا گیا تھا۔

...ہت خوب!" اوّل خان ان دونوں کو دیکھتے ہی مربیانہ لہجے میں بولا۔ ...تم دونوں کے آجانے سے اب میری نفری پوری ہوگئی ہے.... یہ ...ؤ کہ تم دونوں کا مورال کیسا ہے؟"

"زبردست، سر!" دونوں نے بیک آواز کہا اور پھر اپنی جگہ پر ...ی کر ایک خاص انداز میں اپنے قدموں پر اچھلنے لگے۔ وہ ان کی ...انب سے پھرتی و مستعدی کے اظہار کا طریقہ تھا یا خون کو گرمانے ...ی ترکیب۔ اس کا محرک کوئی بھی جذبہ رہا ہو، اس کے اثرات سے ...رش فی الفور ڈھلنے لگا۔

"رائٹ!" اوّل خان نے ہاتھ اٹھا کر ان دونوں کو روک دیا۔ ...ہمارے ساتھ آؤ اور اپنی سرچ لائٹس سنبھال لو۔ ہم اسی کمرے ...ں جا رہے ہیں جہاں حملہ آور چھپا بیٹھا تھا۔"

ان دونوں نے رک کر اپنی اپنی کمر سے جھولتی ہوئی سرچ ...ائٹس ہاتھوں میں لے لیں۔

اوّل خان کے دل میں نہ جانے کیا آئی کہ اس نے شاہد کی ...سرچ لائٹ اپنے قبضے میں لے لی اور ہنستے ہوئے بولا۔ "اسکیپ ...مپ میں تم دونوں نے شاندار مظاہرہ کیا ہے۔ اب کسی مقابلے کی ...نوبت آجائے تو اسی مہارت سے اپنے دشمن کا گلا دبوچ لینا۔"

"آپ بے فکر رہیں، سر! اس وقت تو میں اعتماد اور بے خبری ...میں مارا گیا۔ دوسری مرتبہ مایوسی کی نوبت نہیں آئے گی۔" شاہد ...نے خفت آمیز لہجے میں کہا۔

ہم مکان کے اندرونی حصوں سے گزر کر عقبی کمرے کے سامنے پہنچے تو اوّل خان سب سے آگے تھا۔ اس وقت میں سمجھا کہ اوّل خان نے سرچ لائٹ کیوں لی تھی۔ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک ذمے دار افسر تھا اور اپنے نیم عسکری طریقۂ کار کے مطابق ہر ...ہم میں اپنے ماتحتوں سے آگے رہنے کا عادی تھا تاکہ کسی کے دل میں یہ گمان پیدا نہ ہوسکے کہ افسر اسے موت کے منہ میں جھونک کر دور سے تماشا دیکھنا چاہتا ہے۔

اوّل خان سرچ لائٹ کی روشنی میں نہایت محتاط انداز میں نیم وا دروازے سے اندر داخل ہوا تو اس کے داہنے ہاتھ میں اعشاریہ تین آٹھ کا بھرا ہوا اسمتھ اینڈ ویسن دبا ہوا تھا۔

"چلے آؤ!" اس نے چند ثانیوں بعد اندر سے آواز دی۔ "کمرا خالی ہے۔"

ہم لوگ بھی چوبی پٹ یا چوکھٹ کو چھیڑے بغیر اندر داخل ہوگئے۔ اوّل خان سرچ لائٹ کی روشنی میں گہری نظروں سے دیوار گیر سوئچ بورڈ کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کسی چیز کو نہ چھیڑنا۔" وہ ہماری طرف متوجہ ہوئے بغیر بولا۔ "مسہری پر بہت کچھ بکھرا ہوا ہے۔"

سوئچ بورڈ کے تفصیلی جائزے سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے کمرے کی بتیاں روشن کردیں۔

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ وہ کمرا کسی کشادہ خوابگاہ کا سماں پیش کررہا تھا لیکن اس وقت وہاں ابتری کے نمایاں آثار پائے جارہے تھے۔ دیوار گیر چوبی الماری کے دونوں پٹ پوری طرح کھلے ہوئے تھے۔ ایک سیاہ چرمی سوٹ کیس قالین پر خالی پڑا ہوا تھا۔ شاید اس میں بھرا ہوا سارا سامان مسہری پر الٹ دیا گیا تھا۔ اس سامان میں مغربی تراش کے چند مردانہ جوڑوں کے علاوہ بہت سے کاغذات اور لفافے بھی تھے جو بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے کسی کو اس سامان میں کسی خاص چیز کی تلاش رہی ہو۔

اس کمرے سے نکل بھاگنے والا اپنی تلاش میں کامیاب ہوا یا نہیں' اس بارے میں کوئی اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا لیکن اس وقت بکھرے ہوئے سامان کے انبار پر جو پرکشش چیز نظر آرہی تھی وہ مٹی کا بنا ہوا ایک رنگین بُت تھا۔ وہ چینیوں میں پانچ شیطانوں کے طور پر معروف بندروں میں سے کسی کی ماہرانہ شبیہہ تھی۔ بہت سے چینی فنکاران ننھے بُتوں میں کمال ہوشیاری سے نقوش و نگار اور تاثرات ابھارنے میں یگانہ روزگار سمجھے جاتے تھے۔

تقریباً چھ انچ اونچے' اس بے مثال بُت پر نگاہ پڑتے ہی ویرا اضطراری طور پر اس کی طرف لپکی لیکن اوّل خان نے جھپٹ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ "اسے ہاتھ بھی نہ لگانا۔ بُت کی صورت میں یہ بارودی سرنگ معلوم ہوتی ہے۔ اسے چھوتے ہی ہم سب کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔"

"اس قدر حسین بوبی ٹریپ میں پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔" ویرا بے اعتباری سے بولی۔

"تمہیں کسی جیتے جاگتے محاذ جنگ پر جانے کا موقع ملتا تو تمہیں دلکش ترین کھلونوں سے مشابہ بارودی سرنگیں دیکھنے کو ملتیں۔ ہم اسے چیک کئے بغیر ہاتھ نہیں لگائیں گے۔" اوّل خان نے کہا۔

اوّل خان کے آدمی اپنی پیشہ ورانہ ضروریات کے تقریباً تمام دستی آلات سے لیس تھے۔ مائن اور بوبی ٹریپ کا ذکر سنتے ہی شاہد نے اپنی پشت پر موجود کٹ میں سے ایک چھڑی نکال لی جو ڈیڑھ دو فٹ سے زیادہ لمبی نہیں تھی۔ سیاہ رنگ کی اس چھڑی کے ایک سرے پر چھوٹا سا سرخ بٹن تھا اور دوسرے سرے پر تقریباً تین انچ کی لمبائی میں چھڑی کی موٹائی بڑھی ہوئی نظر آرہی تھی۔

شاہد نے سرخ بٹن دبا کر چھڑی کا موٹا سرا فرش کی طرف گھمایا۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ پھر اس نے مسہری کی طرف جا کر' وہی موٹا سرا بندر کے خوبصورت بُت کی طرف بڑھایا اور اچانک ہی چھڑی کے کسی حصے میں سے بیپ کی تیز آواز آنے لگی۔ اوّل خان فاتحانہ نظروں سے ویرا کی طرف دیکھنے لگا۔

"آج کل یہ بارودی ڈی ٹیکٹر بہت عام ہیں۔" ویرا کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "ہر اہم پارکنگ لاٹ میں داخل ہونے والی گاڑیوں کی اسی آلے سے جانچ پڑتال کی جاتی ہے.... ہاں' تمہاری حاضر دماغی کی داد دینی پڑتی ہے کہ تمہیں اس مورتی کو دیکھتے ہی مائن کا خیال آگیا۔"

"میں بھی تمہارے بچ جانے پر خدا کا شکرادا کررہا تھا ورنہ میں جانتا ہوں کہ اس قسم کے ریڈی میڈ شعبدے تمہیں یا [illegible] مرعوب نہیں کرسکتے۔" اوّل خان نے اپنی روایتی فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

اس دوران میں شاہد نے اپنا چھڑی نما آلہ کئی بار مختلف سمتوں میں گھمانے کے بعد بُت کی طرف بڑھایا۔ بُت سے دور رہتے ہی آلہ خاموش ہوجاتا تھا لیکن اس کے قریب پہنچتے ہی بول پڑتا تھا۔

"لعنت بھیجو۔" میں نے اس تماشے سے اکتا کر کہا۔ "یہاں کچھ نہیں ملے گا۔ اس خبیث نے ہمیں بھاری نقصان پہنچانے کے لیے یہ سارا کھٹ راگ پھیلایا تھا۔ اس بُت کو دو مہینے بھی نہ چھیڑا جائے تو یہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ ہمیں اسے بھول کر اب کچھ کام کرنا چاہیے۔"

اوّل خان کے کمانڈوز کے دستے میں بموں اور بارودی سرنگوں کو ناکارہ بنانے والا ایک پیشہ ور ماہر بھی موجود تھا۔ اوّل خان اس کے بارے میں شاہد اور حشمت کو ہدایات دینے لگا۔ میں ویرا کے ساتھ اس کمرے سے باہر نکل آیا اور ایک جگہ رک کر سگریٹ سلگانے لگا۔

سگریٹ کا سرا روشن ہوتے ہی' ویرا نے اسے میرے ہونٹوں سے کھینچ لیا اور دور ہٹ کر بے پروایانہ انداز میں گہرے کش لینے لگی۔ میں نے بے بسی سے ایک گہرا سانس لے کر دوسری سگریٹ نکال لی۔

"پشاور میں وجے کی بتائی ہوئی تفصیلات سے یہاں کے چوکیدار کے بیان تک ایک بات مشترک ہے۔" ویرا خود ہی بولنے لگی۔ "دونوں کے بیان میں دو چینیوں کا ذکر تھا۔ وجے نے مزید یہ بتایا کہ مکاؤ سے آئے ہوئے دونوں بدمعاش مقامیوں کی خدمات حاصل کرنے کی کوششوں میں اس وقت تک ناکام رہے تھے۔ چوکیدار کے بیان سے تصدیق ہوتی ہے کہ ابھی تک وہ دونوں اپنے طور پر کام کررہے ہیں...."

"تم ان باتوں کو دہرا کر کیا نکتہ پیدا کرنے کی کوشش کررہی ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر بدمزگی سے سوال کیا۔ "میں ان سب باتوں سے بہت اچھی طرح باخبر ہوں۔"

"نکتہ یہ ہے کہ وہ دونوں جہانگیر کو یہاں سے لے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں ان میں سے ایک بدمعاش یہاں لوٹ آیا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ اسی علاقے میں کہیں موجود ہیں۔" ویرا مجھے سلگانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "یہاں سے بھاگنے والا فوراً ہی اپنے ساتھی تک پہنچا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ابھی تک جہانگیر کو کار میں ساتھ لئے پھر رہے ہوں اور اپنی بدمعاشی کے نتائج کا انتظار کرنے کے بعد کوئی نیا وار کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔"

میں اس کی باتوں سے متاثر ضرور ہوا لیکن اس کے رویّے کی وجہ سے میں نے اتفاق رائے کا اظہار ضروری نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"بالفرض ان خرافات کو درست مان بھی لیا جائے تو کیا ہوگا؟"
"اگر تم نے سنجیدگی سے یہ سوال کیا ہے تو اللہ تمہاری عقل پر رحم کرے۔" اس نے متاسفانہ انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا اور اسی وقت اوّل خان ہم لوگوں کے قریب آموجود ہوا۔
"ہم لوگ یہاں رہ کر کیا کر سکیں گے؟" اس نے ڈرائنگ روم کی طرف واپس لوٹتے ہوئے سوال کیا۔
"انتظار!" ویرا نے بلا توقف جواب دیا "اس وقت ہمارے لیے انتظار ہی سود مند رہے گا۔"
"میرے آدمی بارودی بُت کو ناکارہ بنا کے اسٹیشن فوراً لے جائیں گے۔ میری دانست میں ہمارا وہاں چلے جانا زیادہ بہتر ہوگا۔ مجھے اپنے آدمیوں سے متواتر خبریں ملتی رہیں گی۔" اوّل خان نے کہا۔

ویرا نے اپنی وہی کہانی چھیڑ دی جو میں اس کی زبانی پہلے ہی سن چکا تھا۔
اوّل خان اس کی ذہنی صلاحیتوں کا معترف ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "تم اس دوران میں واقعی سوچتی رہی ہو۔ تم نے خاصی محنت سے نتائج اخذ کیے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں ابھی تک جہانگیر کی اکارڈ میں ہی گھوم رہے ہوں۔ معذور جہانگیر کو انہوں نے بے ہوش کردیا ہوگا۔ ہمیں اس مکان کی چار دیواری میں محصور ہوکر بیٹھ جانے کے بجائے باہر کا دھیان رکھنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ تھوڑی سی محنت اور ہوشیاری سے مکاؤ کے ان فتنوں کا قصہ ہی تمام ہوجائے۔"
ڈرائنگ روم میں پہنچ کر میں ایک صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔ ویرا مے نوشی کا ارادہ کرکے سیدھی وائن کیبنٹ کی طرف چلی گئی۔ جہانگیر نے اپنے وائن کیبنٹ کے دروازوں میں سے شفاف شیشے نکلوا کر خوبصورت چوبی پٹ لگوا دیے تھے تاکہ ہر آنے جانے والے کو اس کمرے میں بھانت بھانت کی شرابوں کی موجودگی کا علم نہ ہوسکے مگر ویرا اس ٹھکانے سے اچھی طرح باخبر تھی۔ وہ پٹ کھول کر اپنے انتخاب میں مصروف ہوگئی۔
اس وقت اوّل خان پر کچھ اضطرابی کیفیت طاری ہوچلی تھی۔ وہ کہیں بیٹھنے کے بجائے، نہایت فکر مندانہ انداز میں ڈرائنگ روم کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلے جارہا تھا۔
"تم کچھ لوگے؟" ویرا نے پلٹ کر مجھ سے تیز آواز میں سوال کیا۔
"جو دوگی، لے لوں گا۔ میں تو درویش منش آدمی ہوں۔" میں نے اس کے خراب لہجے کو نظر انداز کرکے کہا۔
اوّل خان ٹہلتے ٹہلتے اچانک ویرا کے پاس جا پہنچا اور اس کے قریب رک کر نہایت ہمدردی سے بولا۔ "یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم ایک سمجھ دار لڑکی ہوکر بھی شراب پیتی ہو....."
ویرا نے اس کا مضحکہ اڑانے کے انداز میں ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور زہر میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولی۔ "کاش، تم میرے باپ ہوتے۔ اتنے دکھ کے ساتھ آج تک کسی نے مجھے شراب پینے سے نہیں روکا۔ میری بدقسمتی یہ ہے کہ میں تم جیسے کسی درد مند باپ کی نہیں بلکہ جمی لائیڈ کی بیٹی ہوں۔ اس نے مجھے جوان ہونے سے پہلے ہی الکحل پر ڈال دیا تھا تاکہ میں اس کی دوسری مخرب اخلاق ہدایات پر بے چون و چرا عمل کرتی رہوں.... اے مقدس مشرقی انسان! مجھے افسوس ہے کہ تم نے مجھے ذرا دیر سے ٹوکا ہے۔ اب شراب میری عادت بن چکی ہے۔"
اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں بلیک ڈاگ اور سوڈے کی بوتلیں اور دو گلاس سنبھالے اور میری طرف آگئی۔ اوّل خان اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر اس نے کیبنٹ کے کھلے ہوئے پٹ بند کیے اور سر جھٹک کر دوبارہ چہل قدمی میں مصروف ہوگیا۔ ویرا اپنا ساز و سامان تپائی پر رکھ رہی تھی تو مجھے ہلکا سا وہم ہوا کہ اس کی آنکھوں کے گوشوں میں خفیف سی نمی جھلک رہی تھی۔ شاید اوّل خان کی مربیانہ تادیب نے ویرا کے بربط دل کے کچھ نامعلوم تاروں کو اچانک ہی چھیڑ دیا تھا۔
اس نے دو گلاس بنائے۔ اپنے لیے اس نے بہت زیادہ مقدار میں اسکاچ انڈیلی تھی۔ دونوں گلاسوں میں سوڈا ملانے کے بعد اس نے اپنا گلاس ایسی عجلت سے ہونٹوں سے لگایا جیسے اس آتشیں سیال کے گھونٹوں سے اپنے وجود میں بھڑکی ہوئی کسی نادیدہ آگ کو فوراً سرد کرنا چاہتی ہو۔
اس نے یکے بعد دیگرے کئی لمبے گھونٹ لے کر میری طرف دیکھا تو الکحل کی سوزش کے سبب اس کی آنکھوں میں بہت واضح نمی جھلملانے لگی تھی اور چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ میں بدستور اپنی جگہ پر نیم دراز، خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ اس وقت اسے چھیڑا گیا تو وہ کسی شیرنی کی طرح بپھر جائے گی۔
پھر اوّل خان بھی ہمارے پاس آبیٹھا۔ کسی خیال کے تحت اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔
"میرا خیال ہے کہ ہم انہیں گھیر سکتے ہیں۔" چند ثانیوں کے ڈرامائی توقف کے بعد وہ بولا۔
میں کچھ کہے بغیر استفسار طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔
"وہ کسی محفوظ کمین گاہ سے اس پھاٹک کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔" اوّل خان اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "ہم باہر نکلتے ہی ان کی نظروں میں آجائیں گے اور انہیں پکڑنے کے بجائے خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔ میں یونٹ سے آدمی بلا لیتا ہوں۔ وہ اس علاقے میں آکر مجھے اطلاع دیں گے۔ ادھر سے ہم باہر نکلیں گے۔ دوسری طرف میرے آدمی ہوں گے۔ وہ دونوں کسی بھی طرح بچ کر نہیں نکل سکیں گے۔"
"اگر وہ تمہاری توقعات کے مطابق ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو ہرگز بچ کر نہیں نکل سکیں گے۔" ویرا نے اس کے خاموش ہونے پر بے پروائی سے کہا۔ "لیکن کوشش کرلینے میں کوئی حرج

نہیں ہے۔"

اوّل خان نے ہونٹ بھینچ کر غصے سے ویرا کو گھورا پھر میری طرف متوجہ ہو کر بولا "تم کیا کہتے ہو؟"

"اگر اس بندوبست میں زیادہ دیر نہ لگے تو کوشش کر لینی چاہیے۔" میں نے کہا۔

میری رضامندی پاتے ہی اوّل خان باہر چل دیا۔ میں نے اسے ڈرائنگ روم میں رکھے ہوئے ٹیلی فون کی طرف متوجہ کیا تو اس نے کہا کہ وہ فون کے بجائے وائرلیس پر زیادہ تیزی سے انتظامات کروا سکے گا۔

ویرا چپ رہی۔ میرا پہلا گلاس بدستور جوں کا توں رکھا رہا۔ میں نے دوبارہ صوفے پر نیم دراز ہو کر اپنے الجھے ہوئے مسائل کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا۔

جب سردار پائندہ گل کے آدمیوں نے ہمیں اغوا کیا تو میں اپنے معاملات میں اوّل خان کے حد سے بڑھے ہوئے اثر و نفوذ سے تقریباً بے زار ہو چکا تھا۔ اسی بے زاری کی وجہ سے میں نے بہت سی باتیں بالا ہی بالا طے کر لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہم لوگ جتنے دن گلالان میں سردار پائندہ گل کے قیدی یا سردار صبغت اللہ بادرانی کے مہمان رہے، بیرونی دنیا سے ہمارا ہر قسم کا رابطہ منقطع رہا لیکن پاکستان کی حدود میں قدم رکھتے ہی جو صورت حال رونما ہوئی اس سے ظاہر ہو گیا کہ میری غیر حاضری میں بھی میرے دشمنوں کو پوری شدت سے میری تلاش تھی۔

ایک طرف مافیا کے ڈان تھری، وجے کو میری تلاش تھی۔ اسے پاکستان میں مافیا کی مکمل تباہی میں میرے کردار کے تعین کے لیے بھیجا گیا تھا لیکن وہ مافیا کے ساتھ ہی بھارتی سیکرٹ سروس، را سے بھی خفیہ وفاداریاں رکھتا تھا۔ وہ را کے لیے کام کرنے والوں کی مقامی اعانت کے سہارے مجھے اپنے چنگل میں لینے میں کامیاب ضرور ہو گیا لیکن اس کی وہ کامیابی قطعی عارضی ثابت ہوئی۔ وہ میرے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے دو مقامی مدد گار پکڑے گئے جن میں سے ساون بلیک گینگ کا رکن تھا۔ اس نے باز پرس کے نتیجے میں کراچی کے ایک فون نمبر کی نشاندہی کی تھی جو بھارتی قونصل خانے کے چیف اسٹینو گرافر کے گھر کا تھا۔ اس اسٹینو گرافر کے خلاف کام شروع کرنے سے پہلے ہی مکاؤ سے آئے ہوئے چینیوں کا قصہ پورے زور شور سے چل پڑا۔ مجھے پوری طرح اندازہ تھا کہ وہ دونوں شی کے آدمی 'ڈون کوانگ فو' کے غنڈے تھے لیکن اس معاملے کا اس وقت تک شی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ڈون کوانگ فو جو کچھ کر رہا تھا وہ ذاتی مخاصمت کی ذیل میں آتا تھا۔ وہ مکاؤ کی حویلی میں پیش آنے والے پر اسرار خونی واقعات میں آخر کار میرا ہاتھ تلاش کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا اور مجھے ہر قیمت پر کڑی سزا دینے پر تلا ہوا تھا۔

ان پیچیدگیوں کے نتیجے میں اوّل خان ایک بار پھر بہت زیادہ فعال ہو چکا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کراچی میں رہتے ہوئے اس کی ذات سے مفر کی کوئی صورت ممکن نہیں تھی۔

"تم کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو؟" طویل سکوت کے بعد ویرا نے مجھے ٹوکا۔

"ایک قصہ نمٹتے ہی کوئی دوسرا معاملہ چل پڑتا ہے۔ اسی بارے میں کچھ ذہنی ورزش کر رہا تھا۔"

"تمہارا گلاس بھی جوں کا توں رکھا ہوا ہے۔ اتنی باریکی سے سوچتے رہو گے تو کیسے کام چلے گا۔" وہ غالباً دو گلاس ختم کرنے کے بعد تیسرے پر طبع آزمائی کر رہی تھی اور موڈ میں آ چکی تھی۔

"آج نہ جانے کیوں، مجھے تم سے ہمدردی محسوس ہو رہی ہے" میں نے اپنا گلاس اٹھا کر ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں" اس نے کڑے تیوروں کے ساتھ کہا "میں لنگڑی لولی یا فاتر العقل نہیں ہوں کہ کسی کو میرے ساتھ ہمدردانہ رویّہ اختیار کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔"

میں نے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ اپنے معدے میں منتقل کرنے کے بعد کہا "بعض لوگ ذہنی اور جسمانی تندرستی کے باوجود دوسروں کی گہری ہمدردی کے مستحق ہوتے ہیں.... محض ان حالات کی بنا پر جن سے وہ دوچار رہتے ہیں اور بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ انہیں ایسے حالات پر کوئی اختیار نہیں ہوتا...!"

"بس بس، زیادہ بکواس مت کرو" اس نے برا سا منہ بنا کر میری بات کاٹ دی "یہ درست ہے کہ مجھے اپنی پیدائش پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ وہ تو جبی لائیڈ تھا.... اگر کوئی اس سے بھی بدتر آدمی میری ماں کو اپنی آوارگی کا نشانہ بنا بیٹھتا تو میں کیا کر لیتی؟ میرا تو اس وقت وجود ہی نہیں تھا۔ میں اس ظلم کے خلاف مزاحمت کرنے بلکہ سوچنے تک کی پوزیشن میں نہیں تھی.... ایسی بے رحمانہ مجبوری پر کسی کو مجھ سے ہمدردی کا اظہار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار کر کے میرا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے...."

میں نے اس کی کیفیت کو بھانپتے ہوئے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیئے بغیر کہا "تیزی سے پینے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی مدہوش ہونے سے پہلے ضرورت سے زیادہ حساس ہو جاتا ہے۔ میں مذاق ضرور کر رہا تھا لیکن کسی سے مذاق کرنے اور اس کا مذاق اڑانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔"

وہ یک بیک اداس ہو گئی اور میز کی سطح کو ناخن سے کھرچتے ہوئے، بھاری آواز میں بولی "مجھے تمہاری ہمدردی کی رو کا سبب بھی معلوم ہے۔ ویسے تو ہر شخص بہت بڑا طرم خان بنا پھرتا ہے لیکن اندر سے اس کی اصل کچھ بھی نہیں ہوتی۔ بعض اوقات برمحل کہا ہوا ایک لفظ یا ایک فقرہ بھی اسے اندر سے اتھل پتھل کر ڈالتا ہے، لفظوں کی کاٹ کے سامنے تلوار کی دھار تک کند نظر آنے لگتی ہے۔ اوّل خان نے مجھ سے بے ساختہ جو کچھ کہا وہ ایسا ہی اثر انگیز تھا.... مجھے آج تک حسرت ہی رہی کہ میرے باپ نے میری بے

اعتدالیوں پر مجھے دردمندانہ انداز میں روکا ٹوکا ہوتا۔ اوّل خان کی بات سن کر بلاوجہ ہی میرا دل بھر آیا تھا۔ وہ میرے باپ کی عمر کا نہیں ہے لیکن ایک فرض شناس باپ ضرور ہے۔ تم سمجھ ہی نہیں سکتے کہ اس کی بات سن کر مجھے کیسا دھچکا لگا تھا۔"

"مجھے اندازہ ہے" میں نے ہنس کر کہا "میں کسی بددماغ حسینہ کو ٹوٹ کر چاہتا رہوں اور وہ میرے ساتھ تلخی و ترشی سے پیش آتی رہے، میں اس کی کسی مہربانی کی امید میں اس کی ساری نامہربانیاں سہتا رہوں لیکن وہ میرے حق میں جلادہی رہے۔ پھر ایک دن میں اسے کسی اور کے پہلو میں خرمستیاں کرتا ہوا دیکھوں تو میرے دل پر کیا گزرے گی؟ شاید تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔"

اس نے حیرت سے پلکیں جھپکا کر میری طرف دیکھا اور بولی "تمہاری بات سمجھ میں نہیں آئی؟"

"سیدھی سی بات ہے۔ مجھے اپنی محبوبہ سے مہربانی کی امید ہو اور جب اس کے مزاج میں لچک یا نرمی پیدا ہو تو وہ میرے بجائے کسی اور کو فیض یاب کرنا شروع کردے" میں نے کہا "تم جو کچھ اپنے باپ سے چاہتی تھیں وہ اس سے نہیں مل سکا لیکن جب اوّل خان نے وہی کچھ کہا تو تم اندر سے بکھر گئیں....."

بات قدرے سنجیدہ رخ اختیار کر چلی تھی۔ ویرا نشے کی جھونک میں ہونے کے باوجود اس بات کو بھانپ گئی اور ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کے بولی "لعنت بھیجو میرے باپ پر..... یہ بتاؤ کہ آج تمہیں اپنی کون سی محبوبہ یاد آرہی ہے۔ جس کی یاد میں تم نازک مثالیں پیش کیے جارہے ہو؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ میری کہانی غزالہ سے شروع ہو کر اسی کی ذات پر ختم ہو چکی ہے مگر....."

اس نے پُرفریب مسکراہٹ کے ساتھ میری بات درمیان میں سے اچک لی اور بولی "مجھ سے اتنا سفید جھوٹ مت بولو۔ تمہاری ذاتی زندگی کبھی بھی اتنی سادہ اور پھیکی نہیں رہی ہے۔ اس بارے میں پارسائی کی بات کرتے ہو تو ذرا میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرو۔ پھر تم اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول سکو گے۔"

میں نے اس کی طرف دیکھا اور چند لمحوں کے لیے مسحور ہو کر رہ گیا۔

اس کی حسین اور گہری آنکھوں میں خمار کے سرخ ذروں کے ساتھ ہی والہانہ سپردگی کا جذبہ بھی امڈ آیا تھا۔ اس کے سرخ و سفید رخسار پکے ہوئے اناروں کی طرح دہک رہے تھے اور پتلے پتلے یاقوتی لبوں پر ایک بھیگی ہوئی مسکان مچل رہی تھی۔ قدرت نے حسن وجمال، نقوش ونگار اور قامت وپیکر کے کھاتوں میں اسے جن بے مثال انعامات سے نوازا تھا، وہ ان سے پوری طرح آگاہ تھی اور اپنے وجود کی ان خوبیوں سے فریق ثانی کو پوری طرح ناک آؤٹ کرنے کے فن میں طاق ہو چکی تھی۔ اس کی دل رُبا مسکان میں گم ہو کر شاید میں بھی احمقانہ انداز میں مسکراتا رہا پھر اچانک ہی مجھے یاد آیا کہ میں جہانگیر کی چھت کے نیچے موجود تھا۔ اسے اغوا کیا

جا چکا تھا اور حالات خاصے گمبھیر تھے۔

مجھے بے اختیار جھرجھری سی آگئی۔ میں غیرارادی طور صوفے سے اٹھ کر ایک طرف چل پڑا اور بولا "میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ میری کہانی میں جھوٹ بس اتنا ہی ہے کہ تمہاری ذات ہے... مختصر اور سبک سی، دل رُبا اور نظرنواز زیب داستان کے لیے اتنا جھوٹ تو ریاضی داں بھی بول لیتے ہیں وہ چار کے ہندسے تک پہنچنے کے لیے دو جمع دو کے سیدھے سادے فارمولے کے بجائے ایک جمع تین اور تین جمع ایک جیسی عبارت آرائیوں کا سہارا بھی لیتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن تم، تم غزالہ، غزالہ ہے..."

اس نے اضطرار کے عالم میں تیسرا گلاس خالی کر کے چوتھے کی تیاری کرتے ہوئے، مخمور لہجے میں کہا "غزالہ اپنے جھنڈ سے بچھڑے ہوئے ایک بے یارومددگار پنچھی کی طرح ہے۔ تم اسے اپنے جال میں پھانس کر دانہ دنکا فراہم کررہے ہو۔ میں نے اس حد تک اس کا وجود تسلیم کرلیا ہے۔ اپنی جانب سے اسے تمہاری ذات پر تصرف کا حق بھی دے دیا ہے لیکن جب پیغمبر ہمیشہ زندہ نہ رہے تو وہ کب تک جئے گی؟ میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تمہاری غزالہ مرگئی تو تمہاری نظروں میں کس عورت کا نام سرفہرست ہوگا؟"

"اپنی ڈار سے بچھڑا ہوا پرندہ جب کسی دوسری ٹکڑی میں شامل ہو جاتا ہے تو بے یارومددگار نہیں رہتا۔ نئی ٹکڑی اس کی شناخت بن جاتی ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم نے غزالہ کا وجود ہی نہیں بلکہ میری اور اس کی گہری رفاقت کو بھی کھلے دل سے تسلیم کرلیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس بارے میں تمہیں زیادہ نہیں سوچنا چاہیے۔ زندگی کا کوئی بھی بھروسا نہیں ہوتا۔ لوگ جینے کے لیے عجیب عجیب باتوں کا سہارا لیتے ہیں اور جئے چلے جاتے ہیں۔ کسی کو گئو ماتا کے پیشاب میں آتما کی شانتی ملتی ہے تو کوئی نئے بلیڈ کھا کر اپنی زندگی کو طول دیتا ہے مگر موت سب کو آتی ہے۔ ایک دن ہر زندہ جسم آگ یا مٹی کی خوراک بن کر اس دنیا سے گم ہو جاتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا آخری دن کون سا ہوگا۔ موت کی گھڑی بس اچانک ہی سر پر آجاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ میری اور تمہاری زندگی میں غزالہ کو موت کی سسکتی ہوئی گمنام وادیوں کا سفر کرنا پڑ جائے۔ اس سے پہلے ہم دونوں یا ہم میں سے کوئی ایک ان اندھی وادیوں کے سفر پر روانہ ہو سکتا ہے اس لیے تمہاری قیاس آرائیاں بے بنیاد ہیں....."

"قیاس آرائی بے بنیاد ہی سہی لیکن میرے ذہن میں جنم لے چکی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم دونوں برسہا برس خوشگوار ازدواجی زندگی گزارتے رہو اور میں اس دنیا سے کوچ کر جاؤں لیکن میں پھر بھی تمہارا جواب سننا چاہتی ہوں۔ میں آج سے پہلے بھی تم سے اس بارے میں گفتگو کر چکی ہوں لیکن تمہارا جواب تشنہ رہا تھا" اس وقت ویرا پر بولنے کی دھن سوار ہو چکی تھی اور وہ بولے جارہی تھی "تمہیں خود سوچنا چاہیے کہ میں مغرب کی ہلکی پھلکی اور خود

فراموشی کی زندگی کو چھوڑ کر یہاں کیوں پڑی ہوئی ہوں؟ مجھے تمہارے اعلیٰ مقاصد سے کچھ لینا ہے نہ جمی لائیڈ سے کوئی بڑی مخاصمت ہے۔ پھر بھی میں اپنا وقت یہاں گزار رہی ہوں، آخر کیوں....؟"

وہ خاموش ہو کر جواب طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر اس نے آہستگی سے اپنا گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔ اس نے اپنے خول سے باہر آکر میرے اوپر شدید دباؤ ڈال دیا تھا۔

"تم نے خود پرانی باتوں کا حوالہ دیا ہے تو تمہیں میرا جواب بھی یاد ہونا چاہیے" میں نے دھیمے لہجے میں کہا "آدمی اپنی زندگی میں صرف ایک بار محبت کرتا ہے اور میں غزالہ کی صورت میں اپنی محبت کا ثمر پا چکا ہوں۔ اگر تم محبت کو درجوں میں ہی بانٹ لینے پر مصر ہو تو مجھے بے باکی کے ساتھ یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میں نے پہلے درجے کی محبت غزالہ سے کی اور تمہارا نام دوسرے درجے میں آتا ہے۔"

اس نے لذت آمیز انداز میں اپنی مخمور آنکھیں بھینچ کر اپنا چہرہ چھت کی طرف کر لیا۔ اس کی صراحی دار گلابی گردن کا حسن کچھ فزوں ہو گیا پھر ڈرائنگ روم کی خاموش فضا میں اس کی منمناتی ہوئی آواز ابھری "میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ میں غزالہ کے حق پر ڈاکا ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم مجھے دوسرے درجے میں رکھتے ہو۔ تمہارے اس اعتراف یا انکشاف نے میرے دل میں ٹھنڈک ڈال دی ہے۔ آج تک میں اپنی انا کے خول میں بند ہو کر ایک سراب کے پیچھے دوڑ رہی تھی لیکن اب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ سراب اور منزل کے درمیان کی ایک حقیقت ہے۔ میں اپنی جھوٹی انا کو لات مار کر ڈنکے کی چوٹ پر کہتی ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے، میں تم کو چاہتی ہوں، میں تم کو نہیں بھول سکتی" وہ آنکھیں کھول کر مسحور سے انداز میں میرے قریب آئی اور پھر گریبان پکڑ کر مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ میں بری طرح بوکھلا گیا۔ میں نے اس سے دور رہنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ والہانہ انداز میں میرے سینے سے سر ٹکا کر میرے بازوؤں کو بھینچنے لگی۔

"ہوش میں آؤ ویرا!" میں نے اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا "کیوں خود کو تماشا بنانے پر تلی ہوئی ہو؟ گھر میں ایس ٹی ایف والے دندناتے پھر رہے ہیں۔ کسی بھی لمحے اوّل خان یہاں آسکتا ہے۔ وہ ہمیں اس حال میں دیکھ کر کیا سوچے گا؟"

"مجھے اب کسی کے سوچنے کی پروا نہیں رہی" وہ مجھ سے دور ہوتے ہوئے بولی "مجھے اپنے اوپر ناز ہوا کرتا تھا کہ دنیا کا کوئی مرد مجھے اپنا کھلونا نہیں بنا سکا.... میں اپنی پسند کے مردوں کو کھلونا بناتی تھی، ان سے کھیلتی رہتی تھی اور جب دل بھر جاتا تھا تو پرانے کھلونے کو چھوڑ کر نئے شکار کی تلاش میں نکل کھڑی ہوتی تھی۔ شاید تم ہی نے ایک بار مجھے مردوں کی شکاری کہا تھا لیکن وہ سب میری بھول تھی۔ میں تمہارے سامنے ہار چکی ہوں۔ تم نے مجھے دوسرا درجہ دے کر بہت زیادہ عزت سے نوازا ہے۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں چیخ چیخ کر سب کو بتاتی پھروں کہ ڈینی میری پہلی چاہت ہے اور میں اس کی دوسری پسند ہوں...."

"خدا کے لیے ہوش میں رہو!" میں نے اس کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑ دیے "ایسی حماقت کر بھی نہ بیٹھنا۔ غزالہ کے کانوں میں ان باتوں کی بھنک پڑ گئی تو ہماری ازدواجی زندگی میں تلخیوں کا زہر گھلنا شروع ہو جائے گا۔ تمہاری غیر ذمے دارانہ روش کی وجہ سے میرے اور تمہارے تعلقات بھی خراب ہو سکتے ہیں۔ پسند اور محبت کا عمل جتنی تیزی سے شروع ہوتا ہے، جذباتی نزاکتوں کی وجہ سے اس سے کہیں سرعت سے نفرت میں بدل جاتا ہے۔ تمہیں ان باتوں کا احساس ہونا چاہیے ورنہ تم میرے ساتھ اپنی زندگی کو بھی دشوار بنا لوگی..."

وہ اپنی جگہ پر بیٹھ کر عارفانہ انداز میں ہنس پڑی "ڈرو نہیں، میں تمہیں اپنی کیفیت سے آگاہ کر رہی تھی۔ مجھ سے کسی بھی حالت میں ایسی بے احتیاطی سرزد نہیں ہو سکتی جس سے تمہیں کوئی دکھ پہنچے۔ تمہیں خوش و خرم دیکھ کر میں بھی آسودہ رہتی ہوں۔ غزالہ سے پوچھ لینا کہ لنڈی کوتل سے روانگی کے بعد جب تمہیں اغوا کر لیا گیا تھا تو میری کیا حالت ہوئی تھی۔ جو عورت تمہیں یوں ٹوٹ کر چاہتی ہو وہ اپنے کسی قول یا فعل سے تمہیں دکھ کیسے پہنچا سکتی ہے؟"

پختہ برآمدے کے فرش پر وزنی جوتوں کی کھٹ کھٹ سن کر میں نے اپنا سر تھام لیا اور تقریباً کراہتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہاری ہربات پر یقین آچکا ہے۔ اب اپنی تشہیری مہم بند کر دو۔ اوّل خان سنجیدہ اور خانہ دار آدمی ہے۔ اسے ہمارے تعلقات کی نوعیت کا اندازہ ہو گیا تو میں اس کی نظروں میں اپنی وقعت کھو بیٹھوں گا۔"

ویرا نے اپنے داہنے ہاتھ کی دو انگلیوں کو چوم کر فضا میں میری طرف اچھالا، لوفرانہ انداز میں بائیں آنکھ دبائی اور شوخی سے مسکرانے لگی "ہمارے تعلقات کی نوعیت! اس وقت تو تم خاصی رومانٹک باتیں کر رہے ہو۔ کیا خرابی ہے ہمارے تعلقات میں؟ تم کہو تو میں اوّل خان..."

وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر یک لخت ہی خاموش ہو گئی کیونکہ اوّل خان ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہا تھا۔

"بندوبست ہو گیا" وہ دور ہی سے بولا "میرے آدمی چل پڑے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ان بدمعاشوں کو گھیر کر پکڑ لیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں باہر جانا ہی پڑے۔ میرے آدمی ڈبل فارمیشن میں آئیں گے۔"

"ڈبل فارمیشن!" ویرا نے پلکیں جھپکاتے ہوئے حیرت سے پوچھا "یہ کیا ہوتی ہے؟"

"دراصل وہ لوگ...!" روا روی میں جواب دیتے ہوئے جوں ہی اوّل خان کی نظر ویرا کے چہرے پر پڑی، وہ ایک جھٹکے سے

خاموش ہو گیا اور چند ثانیوں تک ویرا کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بولا "تمہاری آواز بھاری اور چہرہ متغیر ہو چکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بہت زیادہ پی لی ہے" اوّل خان کی دھیمی اور مجروح آواز سے اس کے دلی صدمے کا اظہار ہو رہا تھا۔

"زیادہ نہیں، بس ذرا تیزی سے پی ہے اس لیے رنگ دکھا رہی ہوگی" ویرا کسی شرمندگی کے بغیر بولی "لیکن میرا ذہن بالکل ٹھیک ٹھاک کام کر رہا ہے۔ تم نے ابھی تک ڈبل فارمیشن کے بارے میں نہیں بتایا۔"

"بہتر ہوگا کہ تم یہیں صوفے پر لیٹ کر آرام کرو" اوّل خان نے اسے دیدہ دلیری پر آمادہ پا کر سرد مہری سے کہا "ہم باہر برآمدے میں ہی بیٹھ جاتے ہیں۔ ہماری باتوں سے تمہارے آرام میں خلل پڑے گا۔"

"خلل!" وہ اپنی ترشی ہوئی زلفیں جھٹک کر ایک ادا سے ہنس پڑی "خلل، خلال اور خلیل.... میں آج بھی ان تینوں لفظوں میں مشکل سے تمیز کر پاتی ہوں.... خلل اس تنکے کو کہتے ہیں نا جس سے یہاں کے پان خور اپنے دانتوں کے بخیے ادھیڑتے رہتے ہیں؟"

اوّل خان اپنے پان خوروں کی وہ ہتک برداشت نہ کر سکا اور تلخی سے بولا "خلال صرف یہاں نہیں، پوری دنیا میں استعمال ہوتی ہے۔ خنزیر کا سخت اور ریشے دار گوشت کھانے والے گورے خلال کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔"

"تم جذباتی ہو رہے ہو" ویرا فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے بولی "ہم لوگ اسے خلال نہیں، ٹوتھ پک کہتے ہیں۔ تیسرے درجے کے ہوٹلوں میں اس تنکے کے لیے جو گھٹیا نام استعمال کیا جاتا ہے، میں اسے دہرا بھی نہیں سکتی۔ تم فوراً الزام لگا دو گے کہ میں نشے کی ترنگ میں گالیوں پر اتر آئی ہوں۔"

"آؤ، باہر ہی بیٹھیں گے!" اوّل خان نے اسے نظرانداز کر کے مجھ سے کہا اور ایک جھٹکے سے واپسی کے لیے مڑ گیا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑی تو ویرا بھی میرے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی" اس نے بلند آواز میں کہا۔

جوں ہی میں قدم بڑھا کر اس کے قریب سے گزرا، اس نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی "اب میں اسے خوب سلگاؤں گی۔"

"تم اس کمرے سے باہر نہیں...." اوّل خان پلٹ کر گرجا لیکن اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی قرب وجوار سے ایک فائر کی گونج سنائی دی، اسی کے ساتھ کہیں ایک ہولناک دھماکا ہوا، فضا میں لمحہ بھر کے لیے تیز نیلگوں روشنی بھر گئی پھر پوری عمارت اندھیرے میں ڈوب گئی۔

فائر اور دھماکے کے بعد فضا پر خوف اور سکوت طاری ہو گیا۔ بس باہر ایس ٹی ایف والوں کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آسیبی سی آوازیں گونج رہی تھیں۔

"میں یہیں بیٹھ جاتی ہوں" چند ثانیوں کے بعد ویرا کی سپاٹ آواز ابھری "تم دونوں ہی باہر ہو آؤ" اس نے وہ فقرے ایسے لاتعلقانہ انداز میں ادا کیے تھے جیسے فائر، دھماکا اور تاریکی اس کے لیے قطعی غیر اہم رہے ہوں۔

اوّل خان تذبذب اور بے یقینی کے عالم میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور میں اس کے قریب سے دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

باہر نہ صرف جہانگیر کے مکان کے وسیع وعریض احاطے میں گہری تاریکی کا راج تھا بلکہ پورا علاقہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا نظر آرہا تھا، اسٹریٹ لائٹس تک بند ہو چکی تھیں۔ ہر طرف پھیلے ہوئے اندھیرے سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ علاقہ کسی پاور بریک ڈاؤن یا لوڈشیڈنگ کی زد میں آگیا ہو۔

اندھیرے میں بوکھلاہٹ کا شکار ہو کر اِدھر اُدھر بھاگنے کے بجائے میں ایک ہی جگہ کھڑا رہا۔ اس دوران میں اوّل خان بھی خاموشی سے میرے قریب آکھڑا ہوا۔ مجھے اس کی موجودگی کا احساس اس وقت ہوا جب وہ بڑبڑاتے ہوئے بولا "پتا نہیں، میرے آدمی کہاں رہ گئے.... یہ اندھیرا کسی تخریب کاری کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔"

"میرا ذہن بھی فائر اور نیلگوں روشنی کے تیز جھماکے میں الجھا ہوا ہے" میں نے اندھیرے میں گھورتے ہوئے کہا "شاید کسی نے اس علاقے کا پی ایم ٹی اڑا دیا ہے۔"

"بعض اوقات تم خاصی پیچیدہ اصطلاحات استعمال کر جاتے ہو" اوّل خان کی آواز سے ہلکی سی بیزاری مترشح تھی۔ "ایم پی اے اور ایم این اے سننے میں آتا رہتا ہے۔ یہ پی ایم ٹی کیا بلا ہے؟"

میں سنگین ماحول میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو نہ رکھ سکا اور بولا "یہ اسمبلی یا کسی کمیشن کے رکن کا عہدہ نہیں، کھمبے پر نصب اس ساکت برقی مشین کے نام کا مخفف ہے جسے پول ماؤنٹیڈ ٹرانسفارمر کہا جاتا ہے۔"

اوّل خان کھسیا کر میری ہنسی میں شامل ہو گیا اور حیرت سے پوچھنے لگا "تو کیا یہ آہنی مشین صرف ایک گولی سے بھی تباہ ہو سکتی ہے؟"

"نشانے پر لگی ہوئی گولی کافی سے زیادہ ہوتی ہے۔ تباہی کے لیے شارٹ سرکٹ ہونا کافی ہوتا ہے۔ بعض اوقات بال کی طرح باریک تاروں کے آپس میں جڑ جانے سے کروڑوں کے بجلی گھر بیٹھ جاتے ہیں...."

"ہو نہ ہو، یہ ان ہی چینیوں میں سے کسی کی حرکت معلوم ہوتی ہے" وہ میری بات کاٹ کر بولا "وہ خاموشی سے انتظار کرنے کے بجائے کچھ نہ کچھ کر گزرنے پر تلے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

"اندھیرے میں تمہارے آدمی آسانی سے ان کا سراغ نہیں لگا سکیں گے۔"

اسی وقت اوّل خان کے ہاتھ میں موجود وائرلیس اپریٹس سے ایک مدھم سی انسانی آواز سنائی دینے لگی۔ اوّل خان نے اندھیرے میں ٹٹول کر اس آلے کی آواز قدرے بڑھا دی۔

وہ متعدد آدمی تھے جو وقفے وقفے سے بول رہے تھے۔ ان سب

کے شناختی کوڈ میں برڈی کا لفظ مشترک تھا۔ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی ہندسہ بھی بولا جا رہا تھا۔

"تم کون سے برڈی ہو؟" میں نے ہنس کر اوّل خان سے پوچھا۔

"صرف برڈ!" اس نے مختصر سا جواب دیا اور اپنی توجہ اپریٹس سے ابھرنے والی آوازوں پر مرکوز کردی۔ وہ باری باری ایک دوسرے کو اپنی پوزیشن سے آگاہ کرکے اگلے علاقے میں ہونے والے روشنی کے تیز جھماکے اور پھر گہرے اندھیرے کے بارے میں اپنی قیاس آرائیاں بیان کرکے دوسروں کی رائے حاصل کرنے کی کوشش کررہے تھے۔

"برڈی تھری کالنگ برڈی سیون!" اپریٹس پر آواز ابھری "تمہارا خیال بالکل غلط ہے۔ یہ کسی بم کا دھماکا نہیں تھا۔ میں سات سال تک واپڈا میں کام کرتا رہا ہوں۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہ کسی برقی شارٹ سرکٹ کی نیلگوں روشنی تھی۔ کسی سب اسٹیشن میں آگ لگی تھی یا ہائی ٹینشن تار ٹوٹے تھے۔ یہ کوئی اتفاق بھی ہوسکتا ہے لیکن ہمیں برڈ کو پوری سچویشن سے آگاہ کردینا چاہئے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ واقعہ اسی علاقے میں رونما ہوا ہے جو ہماری منزل ہے۔ ہم کسی بھی وقت اس تاریک علاقے میں داخل ہونے والے ہیں.... اوور!"

"برڈی سیون رسپانڈنگ برڈی تھری!" اپریٹس سے ایک منحنی اور بیزار سی آواز ابھری "میرے ذہن میں جو کچھ آیا تھا' میں نے وہ کہہ ڈالا لیکن تمہاری بات بھی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ اگر ٹارگٹ ایریا اندھیرے میں ڈوب چکا ہے تو ہمیں وہاں داخل ہونے سے پہلے برڈ سے ہدایت لے لینی چاہئے۔ میں بجلی اور اس کی باریکیوں کو نہیں سمجھتا۔ تم خود ہی برڈ سے بات کرلو۔ لمحہ بھر میں تمہیں نئی ہدایت مل جائے گی... اوور!"

"مگر تم ہمارے سینئر ہو" برڈی تھری کی پُراحتجاج آواز ابھری "یونٹ کی کمان تم ہی کررہے ہو۔ برڈ سے تم بات کرلو۔ مجھے اس کی آواز سے خوف آتا ہے اور میں بلاوجہ ہکلاہٹ کا شکار ہوجاتا ہوں' اوور۔"

"تم کچے احمق ہو" جھلائی ہوئی آواز میں کہا گیا پھر برڈی سیون بالکل ہی بدلی ہوئی' نرم اور عاجزانہ آواز میں برڈ یعنی اوّل خان کو پکارنے لگا۔

اوّل خان شاید اپنے آدمیوں کو یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ اس نے برڈی تھری اور برڈی سیون کے درمیان ہونے والی گفتگو نہیں سنی اس لئے اس نے چوتھی کال کے بعد برڈی سیون کو جواب دیا۔

برڈی سیون' اوّل خان کو مشاہدات سے آگاہ کرتا رہا۔ اوّل خان نے مکمل خاموشی اور تحمل سے اس کو بات پوری کرنے کا موقع دیا اور اس سے کال اوور ہوتے ہی اپنا فیصلہ سنا دیا "بہت بڑا علاقہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا معلوم ہورہا ہے۔ گاڑیوں میں یہاں داخل ہونا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ گاڑیاں باہر چھوڑ کر سب لوگ پیدل آگے بڑھیں۔ وہ دونوں ابھی تک اسی علاقے میں موجود ہونے چاہئیں۔ ان کے پاس کالے رنگ کی اکارڈ ہے۔ ان کے ساتھ ایک صحت مند اور دراز قامت قیدی بھی موجود ہوگا۔ انہوں نے کوئی داؤ آزما کر قیدی کے ایک کولھے کی ہڈی اتار کر اسے تقریباً معذور کیا ہوا ہے۔ ہمارا پہلا ہدف اسی قیدی کی بازیابی ہے۔ میں مسلسل لائن پر موجود رہوں گا۔ کہیں بھی کوئی غیر معمولی بات نظر آئے تو مجھے فوراً اطلاع ملنی چاہئے.... اوور اینڈ آل" اس نے پیغام نشر کرنے والا بٹن چھوڑ کر اپنی جانب سے اس کال کا سلسلہ منقطع کردیا لیکن اپریٹس کو بدستور آن رہنے دیا۔

اوّل خان کی طرف سے ہدایات کا اجرا ہوتے ہی ٹرانسیٹر پر زبانی افراتفری کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس مہم میں غالباً کئی برڈی شامل تھے اور ان میں سے ہر ایک کے پاس ایسا لاسلکی مواصلاتی آلہ موجود تھا جو مخصوص فری کوئنسی پر دوسروں کے آلات سے ہم آہنگ تھا اور ان میں سے ہر شخص اپنے اپریٹس کو آن رکھ کر دوسروں کی گفتگو سن سکتا تھا۔ اس مہم کا آغاز ہوتے ہی ان سب لوگوں نے اپنے اپنے ٹرانسیٹرز آن کرلئے اور ہر ایک کو اپنے چیف کی دی ہوئی ہدایات کا علم ہوچکا تھا مگر پھر بھی برڈی سیون ہر شخص سے سب سے پہلے اسی امر کی تصدیق طلب کررہا تھا اور پھر اسے اس کے متعینہ راستے کے بارے میں سمجھا تا تھا۔ میں نے ان لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سے اندازہ لگایا کہ برڈی سیون کو اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہی اس بار، یہ فکر لاحق ہوگئی تھی کہ کہیں اندھیرے میں ہونے والی غلط فہمی کی بنا پر اس کے ساتھی آپس ہی میں نہ لڑ پڑیں۔

شاید وہ علاقہ برڈی سیون کا دیکھا بھالا تھا اور اسی وجہ سے اسے اس مہم کی کمان سونپی گئی تھی کیونکہ وہ اپنے ہر ساتھی کو مخصوص گلیوں' چوراہوں اور امتیازی نشانیوں کے ساتھ اس کے دائرہ کار سے آگاہ کررہا تھا۔ اور ہر شخص پوری توجہ سے اس سے ہدایات لے رہا تھا۔

"میں نے دنیا کے بہت سے ملک دیکھے ہیں" اچانک ہی اوّل خان جھلا کر کہنے لگا "ہر جگہ بے شمار چھوٹے اور بڑے جرائم ہوتے ہیں لیکن تحقیقات کے نتیجے میں ہمیشہ مقامی مجرم ہی بے نقاب ہوتے ہیں۔ باہر سے آنے والے غیر ملکی مجرموں میں اتنی ہمت اور جرأت نہیں ہوتی کہ وہ مقامی قانون سے ٹکرانے کا خطرہ مول لیں لیکن کراچی کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ یہاں جس کا جی چاہتا ہے' سورما بن کر قانون کو للکار بیٹھتا ہے اور مار کھائے بغیر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ ان حرام زادے' دوغلے چینیوں کو یہ ہمت کیسے ہوئی کہ وہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے یرغمال بنا بیٹھے اور جب پکڑے جانے کا خطرہ پیدا ہوا تو اسے ساتھ لے کر فرار ہوگئے؟ وہ میرے ہاتھ لگ گئے تو تم یقین کرو کہ کڑی بازپرس کے بعد میں انہیں کتے کی موت ماروں گا۔ ڈون کوانگ فو کو ان کے سایوں کا بھی سراغ نہیں مل سکے گا۔"

"آہستہ بولو!" میں نے اسے کہنی مارتے ہوئے کہا "قاتلوں اور بدمعاشوں کے بھی کچھ قانونی حقوق ہوتے ہیں۔ انہیں عدالتوں میں صفائی کا موقع دیئے بغیر کتوں اور بلیوں کی طرح نہیں مارا جاسکتا۔ تم ایس ٹی ایف کے ایک ذمے دار افسر ہو۔ انسانی حقوق کی کسی تنظیم نے تمہارے یہ الفاظ سن لئے تو تمہارے خلاف ایک طوفان کھڑا ہوجائے گا۔"

"انسانی حقوق!" اندھیرے میں اس کی تنفر آمیز آواز ابھری "یہ سب عالمی مفادات کے ڈھکوسلے ہیں۔ جب تک ان کے مفادات کو زک نہیں پہنچتی، وہ انسانی حقوق کی بڑی سے بڑی خلاف ورزیوں پر بھی آنکھیں بند کئے رہتے ہیں۔ جب ان کی راہ میں رخنہ اندازی ہونے لگتی ہے تو ایک شور کھڑا کر کے لشکر کشی تک کی نوبت آجاتی ہے۔ چند برطانوی ملاحوں کی تضحیک کو بہانہ بنا کر انگریزوں نے بحراوقیانوس عبور کر کے فاک لینڈ کو پیس ڈالنے کی جو ناکام کوشش کی تھی، وہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ شاید ایس ٹی ایف ایسی ہی رکاوٹوں کا توڑ کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ ہم سرکاری ہیں نہ نیم سرکاری، ریکارڈ اور کاغذات پر دور دور تک ہمارا وجود ثابت نہیں کیا جاسکتا لیکن تم جانتے ہو کہ ہم کسی بھی محب وطن پاکستانی سے زیادہ اس زمین کے وفادار ہیں۔ میں قانونی موشگافیوں میں الجھے بغیر، ہر اس شخص کو جہنم واصل کردینے کا عزم رکھتا ہوں جو اس ملک اور یہاں رہنے والوں کا دشمن ہو....."

"تم یہ سب کرتے ہو اور پھر بھی عزت کی زندگی گزار رہے ہو۔ یہ بہت بڑی بات ہے" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد کہا "لیکن ایمانداری سے سوچو تو تمہیں اپنی کارکردگی کے لئے ذرا بھی قانونی تحفظ حاصل نہیں ہے۔ تمہارے کارناموں کو کسی بھی وقت تمہارے خلاف فردِ جرم میں تبدیل کیا جاسکتا ہے....."

اس نے بھپر کر میری بات کاٹ دی "ایس ٹی ایف کی داغ بیل ڈالنے والے لوگ اوّل درجے کے محب وطن اور بے لوث افراد تھے۔ ان کے مقاصد بہت اعلیٰ تھے۔ ہم لوگ ارضی نہیں بلکہ آفاقی قانون کے داعی ہیں۔ ہر الہامی قانون نے انسان کو قصاص اور انتقام کا پورا پورا حق دیا ہے۔ جو ہماری جڑوں کو کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں، ہم ان کے نرخرے چیر ڈالتے ہیں اور یہی قانونِ فطرت ہے۔ اگر آج بدعنوان سیاست دانوں کا کوئی ٹولہ برسرِاقتدار آکر، بدنیتی کے ساتھ، ہم سے ہماری کارکردگی کا بے جا حساب لینا شروع کردے تو بھی ہم اپنے ضمیر کے سامنے سرخ رو رہیں گے۔ ہم اپنے اختیارات کے سہارے جرم نہیں کرتے، ہولناک جرائم کا انسداد کرتے ہیں۔"

ڈرائنگ روم میں چٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ روشنی کا ایک شعلہ بھڑکا۔ میں نے پلٹ کر دروازے میں سے اندر جھانکا تو ویرا کے ہونٹوں میں سگریٹ دبی ہوئی تھی اور وہ دیا سلائی کی مدد سے اسے سلگانے کی کوشش کررہی تھی۔ دیا سلائی بجھ گئی تو سگریٹ کے سلگتے ہوئے سرے کے قریب سے ویرا کی منمناتی ہوئی آواز ابھری "اپنا گلاس ختم کررہے ہو یا میں اسے بھی خالی کردوں؟"

"اسے ہی نہیں، تم بوتل کو بھی خالی کردو اور وہیں مری رہو" میں نے جل کر اونچی آواز میں کہا "مکاؤ والے مالِ غنیمت میں ایک دلکش اور مدہوش عورت کو پاکر بہت خوش ہوں گے۔ ابھی تک انہیں صرف جہانگیر پر گزارہ کرنا پڑ رہا ہے۔ زنانہ کولھے کی ہڈی اتارنے اور بٹھانے کا عمل ان کے لئے خاصا خوش گوار ثابت ہوگا۔"

ویرا کا بہکا بہکا سا قہقہہ سنائی دیا پھر اس کی طنزیہ آواز آئی "اس وقت تم کسی کثیر العیال رنڈوے کی طرح کلکلا رہے ہو۔ تم اندھیرے میں کسی چمگادڑ کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کون سا تیر مار رہے ہو جو میرے یہاں بیٹھے رہنے پر اعتراض کررہے ہو۔ کام بتاؤ تو میں ابھی باہر آجاتی ہوں۔"

"اس کے منہ نہ لگو" اوّل خان نے آہستہ سے کہا "اس وقت وہ تھوڑی سی بہکی ہوئی ہے۔ اپنی بے تکی باتوں سے ذرا سی دیر میں تمہیں تاؤ دلادے گی اور کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہوگے۔"

میں تھکے ہوئے انداز میں وہیں پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

چند منٹ بعد ٹرانسیٹر پر اطلاع آئی کہ اس علاقے کا پی ایم ٹی واقعی اڑادیا گیا تھا۔ اس میں سے بہنے والا کثیف تیل فٹ پاتھ اور سڑک پر دور تک پھیلا ہوا تھا اور بجلی کی فراہمی کا سلسلہ منقطع ہوئے کافی دیر گزر جانے کے باوجود وہاں جلے ہوئے تاروں کی تیز بُو پھیلی ہوئی تھی۔

"چھٹی ہوئی" اوّل خان وہ اطلاع سن کر بڑبڑایا "اس کا مطلب ہے کہ ٹرانسفارمر کی تبدیلی سے پہلے اس علاقے میں بجلی کی فراہمی بحال نہیں ہوسکے گی اور ہمیں اندھیرے میں ان بدمعاشوں کو تلاش کرنا ہوگا۔"

"ان کا روشنی میں بھی ہاتھ آنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ مجھے تو بس یہ فکر کھائے جارہی ہے کہ جہانگیر کس حال میں ہوگا۔ وہ اب بہت زیادہ جسمانی اذیتیں سہنے کا عادی نہیں رہا ہے" میں نے کہا۔

ایس ٹی ایف کے کمانڈوز کو لانے والی جیپ پختہ روش کے آخری سرے پر احاطے کی دیوار کے قریب کھڑی ہوئی تھی۔ میں دیکھ چکا تھا کہ اندھیرا پھیلنے کے بعد کمانڈوز نے مکان کے چاروں کونوں کی نگہبانی کے ارادے سے برق رفتار پیش قدمی کی تھی لیکن جیپ اس وقت بھی خالی نہیں تھی۔ اس میں نصب ٹرانسیٹر پر آنے والے پیغامات سے باخبر رہنے کے لئے ایک کمانڈو جیپ میں موجود تھا اور احاطے میں پھیلی ہوئی گھور تاریکی میں جیپ کے ڈیش بورڈ میں نصب چند روشنیوں کا ہلکا سا انعکاس برآمدے سے بھی دیکھا جارہا تھا۔

اچانک اوّل خان کے ٹرانسیٹر پر اطلاع آئی کہ سیاہ اکارڈ دیکھ

ی تھی۔ وہ سڑک سے کافی دور ایک ویران پلاٹ پر جمع کوڑے
ڈھیر سے آگے اس طرح پارک کی ہوئی تھی کہ گہری تاریکی میں
ی نظر میں اس کا دیکھ لیا جانا بھی ممکن نہیں تھا۔ میرے لئے وہ
بت سنسنی خیز اور حوصلہ افزا تھی۔

اوّل خان نے فوراً ہی ہدایت دی کہ قرب و جوار سے مزید دو
راد اس مقام پر پہنچ جائیں اور پھر منظم انداز میں اس اکارڈ کی
ف پیش قدمی کی جائے تاکہ مقابلے کی صورت میں منہ کی نہ
ھانی پڑے۔

ایس ٹی ایف کے اراکین میں کمال کی بات یہ تھی کہ وہ اپنے
ائض کی ادائیگی میں ہمہ تن گوش بر آواز رہتے تھے اور ٹال مٹول
ے کام لے کر گلو خلاصی کی فکر میں غلطاں نہیں رہتے تھے۔ اوّل
ن کا حکم سنتے ہی یکے بعد دیگرے چار افراد نے برڈی سیون سے
ابطہ کرکے اپنی پوزیشن بتائی۔ وہ سب ہی خالی پلاٹ سے ملحقہ
یوں میں پوشیدہ رہ کر پیش قدمی کر رہے تھے۔

میں ٹرانسیٹر پر ان لوگوں کی تمام گفتگو سن رہا تھا لیکن اس
ت پروٹوکول کچھ ایسا تھا کہ اوّل خان' اپنے احکام برڈی سیون کو
ے رہا تھا اور وہ ان احکام کی روشنی میں دوسروں کو ہدایات دے
ہا تھا۔

دو آدمیوں کو خالی پلاٹ کی طرف روانہ کرنے کی ہدایات
باری کرنے کے بعد برڈی سیون نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے
رابطہ کرکے انہیں بریف کرنا شروع کردیا۔ میرے لئے وہ ایک غیر
ہم اور رسمی سی کارروائی تھی اس لئے میں بے فکری سے کرسی میں
دھنسا' ریڈیائی آوازوں کے صوتی زیر و بم سے محظوظ ہوتا رہا۔

جب برڈی سیون' برڈی ون سے مخاطب ہوا تو اس کے
تیسرے پیغام کے بعد مجھے چوکنا ہونا پڑ گیا۔ برڈی ون کو پکارا جا رہا تھا
لیکن جواب ندارد۔ دوسری طرف چھائی ہوئی خاموشی کی وجہ سے
برڈی سیون کی آواز میں بتدریج ایک عجیب سی تشویش ابھرتی
جا رہی تھی۔

"یہ کہاں غائب ہوگیا؟" اوّل خان پُر تشویش آواز میں
بڑبڑایا۔ میری ہی طرح وہ بھی پوری توجہ سے ٹرانسیٹر پر ہونے والی
دو طرفہ باتیں سنتا رہا تھا۔

دو آدمی اکارڈ والے خالی پلاٹ کی طرف بھیج دیئے گئے تھے۔
بقیہ آدمی تیزی کے ساتھ اس علاقے کی طرف سمٹنے لگے جہاں
برڈی ون کی موجودگی متوقع تھی۔

پے درپے سات ناکامیوں کے بعد برڈی سیون دوسروں کو
ہنگامی ہدایات دے رہا تھا کہ اس کی طرف سے ایک کال اوور
ہوتے ہی ایریئس پر ایک کانپتی ہوئی' نقاہت زدہ آواز ابھری "برڈی
ون کالنگ اپنی بڈی.... جو بھی میری آواز سن رہا ہو' وہ اس کال کا
جواب دے.... اوور۔"

"اوہ!" اوّل خان کے حلق سے ایک غضب ناک غراہٹ
آزاد ہوئی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مصیبت سے دوچار ہوچکا
ہے.... مجھے تو اس کی طویل خاموشی سے ہی کسی گڑبڑ کا یقین
ہوچکا تھا۔"

دوسری طرف سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ برڈی ون
سے گفتگو کا سب سے زیادہ استحقاق برڈی سیون کو حاصل تھا' اس
لئے دوسرے خاموش ہی رہے۔ چند ثانیوں بعد برڈی سیون لائن پر
آگیا۔

"برڈی سیون ریسیونگ برڈی ون" اس کی آواز سنائی دی "تم
کہاں ہو اور کیا کررہے ہو؟.... اوور!"

"مجھ سے انگریزی میں بات کرو" اس بار برڈی ون نے
انگریزی میں کہا "میں اس وقت دشمن کی تحویل میں ہوں' یہ دونوں
صرف انگریزی سمجھ سکتے ہیں اس لئے مجھے انگریزی میں بات کرنے
کی اجازت دی گئی ہے۔ انہوں نے پیچھے سے حملہ کرکے میری
کھوپڑی پر ضرب لگائی اور مجھے بے ہوشی کے عالم میں اٹھا کر لے
آئے۔ اب میں ان کے رحم و کرم پر ہوں۔ یہ لوگ تم سے بات
کرنی چاہتے ہیں.... اوور!"

"تم دارونغہ اسٹریٹ سے آگے بڑھ رہے تھے۔ مجھے اندازہ ہے
کہ تم کو کہاں گھیرا گیا ہوگا۔ صرف دو چار مکانوں کی دیکھ بھال کے
بعد ہم تم تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں گے" برڈی سیون کا لہجہ
سخت اور سرد ہوگیا "انہوں نے تمہیں بات کرنے کی اجازت دے
کر سنگین غلطی کی ہے۔ اب یہ ہمارے ہاتھ سے نہیں بچ سکیں
گے.... اوور۔"

"مارنے یا مرجانے کے فلسفے پر عمل کرنے والے کبھی قیدی
نہیں بنتے" اس بار اجنبی لب و لہجے میں ایک استہزائیہ غیر ملکی
آواز سنائی دی "تم دارونغہ اسٹریٹ کے چار نہیں' سارے مکانات
چھان ڈالو' تمہیں ہمارا سراغ نہیں مل سکے گا۔ ہم ایک محفوظ
ٹھکانے پر ہیں۔ جہانگیر کو بے ہوش کرکے اکارڈ سمیت ایک کوڑے
دان کے قریب چھوڑ چکے ہیں۔ ہماری فکر کرنے کے بجائے اسے
تلاش کرو۔ وہ ہوش میں آگیا تو اس کی چیخیں زمین و آسمان تک کو
دہلا دیں گی۔ اس کے کولھے کی ہڈی کو کوئی ماہر ترین آرتھوپیڈک
بھی سرجری کے بغیر دوبارہ نہیں بٹھا سکے گا.... اوور۔"

انگریزی میں کی جانے والی وہ ہرزہ سرائی اشتعال انگیز ہونے
کے ساتھ ساتھ تشویش ناک بھی تھی۔ بولنے والے کا لب و لہجہ
اس بات کی چغلی کھا رہا تھا کہ اس کا تعلق مشرق بعید کے کسی خطے
سے تھا۔ وہ واضح طور پر مکاؤ کا باشندہ تھا جو برڈی ون کو زیر کرنے
میں کامیاب ہوگیا تھا۔

اس کی باتوں سے یہ ظاہر ہوچکا تھا کہ اسے خالی پلاٹ پر اکارڈ
کی دریافت کا علم نہیں تھا جب کہ وہ تھوڑی ہی دیر پہلے کی بات
تھی۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ اس کو برڈی ون پر غالب آئے
ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔

"تم کون ہو؟ تم نے یہاں لاقانونیت کا بازار کیوں گرم کیا ہوا
ہے؟" برڈی سیون نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد پوچھا "تمہیں

اندازہ نہیں ہے کہ یہ جسارت تمہیں کتنی مہنگی پڑے گی۔"

"ہم نے کوئی لاقانونیت نہیں پھیلائی۔ یہاں کا امن و امان خراب کرنے میں ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہم ڈینی نامی شخص سے اپنا پرانا حساب صاف کرنے آئے ہیں۔ وہ ہمارے ہاتھ آگیا تو ہم خاموشی سے گوشہ نشین ہو جائیں گے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم سرکاری آدمی اس کی حمایت کیوں کر رہے ہو؟"

"تم نے کیسے سمجھ لیا کہ ہم سرکاری آدمی ہیں؟" بڑی سیون نے اچھا سوال کیا۔

"سامنے کی بات ہے۔ عام آدمی ٹرانسیٹر لے کر نہیں گھوما کرتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے کافی آدمی جہانگیر کے گھر میں بھی موجود ہیں۔ تمہیں ڈینی اور اس کے ساتھیوں سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟"

"ہمیں ڈینی سے نہیں' اس مشن سے دلچسپی ہے جس پر وہ کام کر رہا ہے۔"

"ہمارے فرشتوں کو بھی اس مشن کا پتا نہیں۔ ہمیں صرف ڈینی سے سروکار ہے۔"

اس کی طرف سے کال اوور ہوتے ہی ایک نئی آواز لائن پر آگئی۔ اس شخص نے اطلاع دی کہ تاریک اور گندے پلاٹ پر سیاہ اکارڈ دریافت کر لی گئی تھی۔ اس کی چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی اور پچھلی سیٹ پر ایک شخص بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ وہ کسی ایسی اذیت میں مبتلا تھا کہ بے ہوشی کے عالم میں بھی رہ رہ کر غیر ارادی طور پر کراہے جا رہا تھا۔

میرے لئے یہ خبر اطمینان بخش تھی کہ جہانگیر جس حال میں بھی تھا' دستیاب ہو چکا تھا۔ نئے آدمی کے خاموش ہوتے ہی اوّل خان نے اپنے اپریٹس پر ہدایات دینی شروع کر دیں۔ جہانگیر کو اسی اکارڈ میں فوری طور پر اسپتال منتقل کرنے کے بارے میں اس نے اردو میں بات مکمل کی اور پھر انگریزی میں اس شخص سے مخاطب ہو گیا جس نے بڑی دن کو یرغمال بنایا ہوا تھا۔

"تمہارے پاس یہ آخری موقع ہے" اوّل خان اس سے کہہ رہا تھا "اپنی سلامتی چاہتے ہو تو ہمارے آدمی کو چھوڑ کر خاموشی سے نکل جاؤ۔ تم مر کر بھی ڈینی تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہم سے ٹکرا کر تمہیں موت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں مل سکے گا۔ ہم بہت جلد تم دونوں کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر دیں گے۔ تمہارے چھوڑے ہوئے بت کو بالکل بے ضرر بنایا جا چکا ہے۔"

"ہم مکاؤ سے بلاوجہ یہاں نہیں آئے ہیں" اس بار اس کی آواز میں تلخی گھلی ہوئی تھی "اگر ڈینی تمہارے ساتھ موجود ہے تو اس سے بات کراؤ۔ تمہیں ہماری دشمنی کے اسباب کا اندازہ ہو جائے گا۔"

"میں بھی بات کئے لیتا ہوں" میں نے یہ کہہ کر اوّل خان سے اپریٹس لے لیا اور بٹن دبا کر بولنے لگا "مجھ سے تمہیں کیا بات کرنی ہے؟ میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ تم کون ہو اور تمہیں کس نے یہاں بھیجا ہے۔"

"اوہ!" دوسری طرف سے ایک کریہہ غرّاہٹ ابھری "اب اتنے معصوم نہ بنو۔ تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ تم مکاؤ میں ڈون کوانگ فو کے ساتھ کیا کھیل کھیل کر آئے ہو۔ تم اس کی حویلی میں قتل و خون ریزی کر کے بھی معصوم بنے رہے۔ حد یہ ہے کہ تم نے ڈون کے معزز مہمان نیشی کاؤ تک کو نہیں چھوڑا اور سب کو چکما دے کر مکاؤ سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ ڈون ان غلطیوں کو ہرگز معاف نہیں کر سکتا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ میرے کسی دشمن نے میرے خلاف ڈون کے کان بھرے ہیں" میں نے نرم اور مصالحانہ لہجے میں کہا "میں ہر لمحے ڈون اور اس کے آدمیوں کی نگاہوں میں رہا تھا۔ دوسروں کی طرح میں نے بھی ڈون کی حویلی میں ہونے والے خون ریز ڈرامے دیکھے تھے لیکن اس وقت مجھ پر کوئی شبہ نہیں کیا گیا تھا۔ نیشی کاؤ کے بارے میں خود ڈون کا خیال تھا کہ وہ اس کے کسی حریف کا نشانہ بنا تھا۔ اتنے دن بعد تم لوگوں کو کیا الہام ہوا ہے کہ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟ میرا ان تمام واقعات سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ اپنے اصل مجرم تمہیں مکاؤ ہی میں مل سکیں گے۔ تم یہاں بلاوجہ اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"ڈون دنیا کے ایک دور افتادہ سرے پر اپنی حویلی میں مگن رہنے والا آدمی ہے۔ وہ مکاؤ کی پل پل کی خبریں رکھتا ہے لیکن اس سے آگے اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ تم کسی کی سفارش پر اپنی عورت کی تلاش میں مکاؤ آئے تو ڈون کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تمہارا شمار شی کے بدترین دشمنوں میں ہوتا ہے۔ نیشی کاؤ کے قتل کے بعد ڈون کو پتا چلا کہ ان دنوں تم مافیا کے لئے کام کر رہے تھے لیکن تم نے دونوں میں سے کسی کو نہیں بخشا۔ تم جس تھالی میں کھاتے ہو اسی میں چھید کرتے ہو۔ ایک طرف تم نے ڈون کی آنکھوں میں دھول جھونکی اور دوسری طرف مافیا کے ڈان تھری کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تمہارے ان جرائم کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

"نہ کرو معاف اور بند راستوں پر سر مارتے رہو۔" میں نے بھنا کر کہا۔

دوسری طرف سے زہریلی ہنسی کی آواز گونجی پھر کہا گیا "اب ہم بند راستے پر نہیں ہیں۔ تم سے بات ہونے کے بعد ہمیں پتا چل چکا ہے کہ تم جہانگیر کے مکان میں ہو۔ وہ تاریک مکان اس وقت بھی ہماری نظروں میں ہے۔ تم وہاں سے زندہ نہیں جا سکو گے۔ تمہیں آزاد چھوڑنے سے بہتر ہے کہ تمہیں مار دیا جائے۔"

اس بار میں نے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

مجھ سے جو کچھ کہا گیا تھا' وہ بالکل ہی بے سروپا نہیں تھا۔ ڈون کوانگ فو جیسا کینہ پرور اور انا پرست شخص یقیناً یہ چاہتا ہو گا کہ مجھے مکاؤ بلوا کر اپنے ہاتھوں سے سزا دے لیکن اس دور میں یہ ممکن نہیں رہا کہ پاکستان جیسے ملک سے کسی کو اغوا کر کے پوری رازداری

ے ساتھ مکاؤ جیسے دور افتادہ مقام تک پہنچایا جاسکے اس وجہ سے
ی بات قرین قیاس لگتی تھی کہ ڈون نے ان دونوں کو میری موت کا
روانہ دے کر کراچی بھیجا ہو۔

ان دونوں کی مجبوری کی انتہا یہ تھی کہ وہ جہانگیر کو اپنے ساتھ نکال لے جانے کے باوجود اسے زیادہ دیر تک اپنے گلے کا ہار نہیں بنا سکے تھے۔ اشتعال کی لہر ختم ہوتے ہی جہانگیر کو لوگوں کی نظروں سے دور رکھنے کا سنگین مسئلہ پیدا ہوا تو وہ اسے اسی کی گاڑی میں بے ہوش کر کے کہیں روپوش ہو گئے تھے۔

جہانگیر کی سلامتی کے بارے میں تشویش دور ہونے کے بعد اول خان اپنے آدمی کے بارے میں فکر مند ہو گیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ چینی بدمعاش اپنی ناکامی پر جھلا کر اسے ہلاک نہ کر ڈالیں۔ اس آدمی کی جان کے علاوہ دوسری پریشانی یہ تھی کہ ایس ٹی ایف کا ایک لاسلکی مواصلاتی آلہ ان دونوں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ ایس ٹی ایف کے مقامی یونٹ کے پاس اس ساخت کے پندرہ ٹرانسیٹرز تھے جو ایک مخصوص فری کوئنسی پر پانچ سے سات کلومیٹر کی رینج میں کام کرتے تھے اور وہ لوگ اپنی اندرون شہر سرگرمیوں میں باہمی رابطے کے لئے وہی ٹرانسیٹر استعمال کرتے تھے۔ ایک ایرئیس غیر متعلقہ افراد کی تحویل میں چلے جانے کے باعث بقیہ چودہ ٹرانسیٹرز بالکل ناکارہ ہو کر رہ گئے تھے کیونکہ ان پر دیا جانے والا ہر پیغام مکاؤ کے بدمعاشوں تک پہنچ سکتا تھا۔ وہ پیغامات سمجھنے کے لئے کسی مترجم سے بھی کام لے سکتے تھے۔

ایسا نہیں تھا کہ ایس ٹی ایف کے پاس صرف وہی ٹرانسیٹرز تھے۔ وہ بادسائل لوگ تھے۔ ان کی ہمہ وقت کارکردگی کو برقرار رکھنے کے لئے انہیں ہر شعبے میں متبادل سہولیات مہیا کی جاتی تھیں۔ اول خان فیصلہ کر چکا تھا کہ اسٹیشن فور پہنچنے کے بعد وہ ان سیٹوں کا استعمال عارضی طور پر معطل کر دے گا۔ جب تک مکاؤ والوں کا قصہ نہ نمٹ جاتا' اس کے آدمی اپنی ضروریات کے لئے دوسرے ٹرانسیٹرز استعمال کر سکتے تھے جو قدرے وزنی ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ فاصلے تک کام کرتے تھے۔

احاطے میں موجود کمانڈوز مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھے۔ اس دوران میں جہانگیر کے چوکیدار نے ڈرائنگ روم میں روشنی کا بندوبست کر دیا تھا۔ میں اول خان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو ویرا پورے اطمینان سے اپنی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ نشے کی وجہ سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا' آنکھوں کی پتلیاں سکڑ چکی تھیں اور ان میں تیز حیوانی چمک عود کر آئی تھی۔ تپائی پر رکھے ہوئے دونوں گلاس خالی تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ویرا دل بھر کے مے نوشی کر چکی تھی اور اس وقت فارغ بیٹھی ہوئی تھی۔

”بوتل خالی کیے بغیر تم نے ہاتھ کیوں روک لیا؟“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”وقفہ!“ وہ فضا میں ہاتھ نچا کے بولی ”وقفہ بہت ضروری ہے..... ویسے بھی اب واپسی کا وقت ہو چلا ہے۔ ہم کب تک یہاں اندھیرے میں جھک مارتے رہیں گے؟“ اس کی آواز قدرے بھاری ہو چکی تھی لیکن زبان پر نشے کی ذرا بھی لکنت نہیں تھی۔

”ہم اندھیرے میں جھک مار رہے ہیں؟“ میں نے حیرت سے کہا ”کیا تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ دو چینی بدمعاش جہانگیر کو اٹھا لے گئے ہیں' ہمیں اس کی بازیابی کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔“

”رہنے دو“ ویرا نے میری طرف ہاتھ جھٹک کر کہا ”تم سمجھ رہے ہو کہ میں کالے کتے کے اثرات کے تحت دنیا ومافیہا سے بے خبر بیٹھی ہوئی ہوں لیکن ایسا نہیں ہے۔ جہانگیر کا یہ ڈرائنگ روم ویسٹ اوپن ہے اور میں برآمدے میں ابھرنے والی ہر انسانی اور ریڈیائی آواز بخوبی سن رہی تھی۔ اسے کس اسپتال میں لے جایا گیا ہے؟“

”میرے آدمی ایمرجنسی میں پی این ایس شفا یا جناح اسپتال کا ہی رخ کرتے ہیں“ اول خان بول پڑا۔

”اسپتال کوئی بھی ہو' جہانگیر کا مناسب علاج نہیں ہو سکے گا“ ویرا اپنی جھونک میں بولی ”اس کے کولھے کی ہڈی مارشل آرٹس کا کوئی ماہر ہی بٹھا سکے گا۔ ڈاکٹر ڈریسنگ کر کے اسے پیتھیڈرین کے انجکشن دیتے رہیں گے یا پھر کوئی بڑا آپریشن تجویز کریں گے۔ اس کے لئے تمہیں مارشل آرٹ کا کوئی بڑا ماہر ہی تلاش کرنا ہو گا۔“

”تم بھی تو مارشل آرٹس کی ماہر بنی پھرتی ہو“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”میں ہاتھ پیروں کے چھوٹے موٹے جوڑ اتار سکتی ہوں۔ انہیں بٹھانا میری دسترس سے باہر ہے۔“

”تم اپنے قدموں پر چل سکتی ہو یا کسی کو بلانا ہو گا؟“ میں نے چند ثانیوں تک اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتے رہنے کے بعد کہا۔

ویرا ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی ”چلو! کہاں جانا ہے؟“

ہمیں روانگی پر آمادہ پا کر جہانگیر کے چوکیدار کا چہرہ اتر گیا اور وہ خوف زدہ نظر آنے لگا۔

”ڈرو نہیں' تمہاری حفاظت کے لئے ایک مسلح آدمی یہاں موجود رہے گا“ اول خان نے اس کے قریب جا کر تسلی دیتے ہوئے کہا ”ویسے اب وہ بدمعاش دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔“

چوکیدار نے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے بیٹری سے روشن ہونے والی ایمرجنسی لائٹ اٹھائی اور ہمارے آگے ہولیا۔ ویرا اکڑتی ہوئی سب سے آگے چلنے لگی۔ وہ قالین پر جس طرح قدم جما جما کر چل رہی تھی اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ الکحل اس کے اعصاب پر خاصی حد تک اثر انداز ہو چکی تھی۔

اول خان کے آدمی اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں بہت مستعد تھے۔ ٹرانسیٹر پر ایک غیر متعلقہ آدمی کی مداخلت کے بعد ان سب نے سمجھ لیا تھا کہ ان کے ریڈیائی پیغامات کی رازداری

برقرار نہیں رہی ہے اس لئے ایرپیس بالکل ہی خاموش ہوگیا تھا۔
برآمدے میں پہنچ کر اوّل خان نے حشمت کو طلب کیا اور ایک کمانڈو کو اسی مکان میں چھوڑ کر بقیہ افراد کو لے جانے کی اجازت دے دی۔ لمحہ بھر کے بعد اس نے ٹرانسیٹر استعمال کرنے کا ارادہ کیا تو مجھے اس کی بے احتیاطی پر حیرت ضرور ہوئی لیکن میں نے اپنی زبان بند رکھی۔

اوّل خان نے اپنے ایرپیس کا نشری بٹن دبا کر چند مہمل الفاظ پر مشتمل ایک مختصر سا فقرہ ادا کیا اور خاموش ہوگیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی طاری تھی۔

"کوڈ ورڈز؟" میں نے اس کی طرف دیکھ کر تائید طلب لہجے میں کہا۔

اس نے اثبات میں سرہلا دیا۔ "اپنے آدمیوں کو خاموشی سے واپسی کا حکم دیا ہے۔ وہ ہمارے بعد نکلیں گے۔"

وہ اوّل خان کی عقل مندی تھی کہ چینیوں کو ہماری مکمل واپسی کی خبر نہ ملتی اور وہ خوف کے عالم میں اپنی کمین گاہ میں چھپے رہتے۔ جب تک انہیں میدان صاف ہونے کا اندازہ ہوتا' ہم دور جا چکے ہوتے۔

وہ دونوں اس وقت بھی غافل نہیں تھے اور اپنے ٹرانسیٹر کی طرف متوجہ تھے۔ اوّل خان کی بات ختم ہونے کے چند ثانیوں بعد ایک بلغمی آواز میں انگریزی شروع ہوگئی۔ "تم لاکھ سر مار لو لیکن ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔ کوڈ ورڈز میں ہدایات دے کر تم اپنے آدمیوں کا وقت برباد کر رہے ہو۔ ان میں سے کوئی بھی ہمارے نشانے پر آیا تو بے موت مارا جائے گا۔ ہم لمبی رینج کے بے آواز ہتھیاروں سے لیس ہیں اور اڑتی چڑیا کو اپنا نشانہ بنا سکتے ہیں۔"

وہ شاید دوسرا چینی تھا۔ اس کی طرف سے کال اوور ہونے پر اوّل خان بولنے لگا۔ "تم دونوں غیر ضروری باتیں کر رہے ہو۔ تم نے کہا تھا کہ تم اپنی کمین گاہ سے جہانگیر کے مکان پر نظر رکھے ہوئے ہو لیکن ڈینی نہایت اطمینان کے ساتھ یہاں سے نکل گیا اور تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔ ہم دیکھیں گے کہ تم خود کو کب تک چھپائے رکھتے ہو؟"

اس بدمعاش نے ٹرانسیٹر پر ہی مغلظات بکنی شروع کر دیں۔ اوّل خان نے ایرپیس کی آواز دھیمی کر دی۔

کمانڈوز اپنی جیپ میں سوار ہوگئے۔ اوّل خان نے ہم دونوں کو اپنی گاڑی میں بٹھا لیا۔ چوکیدار ایمرجنسی لائٹ بجھا کر اپنے کیبن کی اوٹ میں ہوگیا۔ وہاں رکنے والے کمانڈو نے آہنی پھاٹک کی اوٹ میں رہتے ہوئے' اسے پوری طرح کھول دیا۔ چند ثانیوں تک سنسنی خیز سا سکوت چھایا رہا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ دونوں کہیں سے پورا منظر دیکھ ہی رہے تھے تو پھاٹک کھلنے پر ضرور فائر کریں گے لیکن تاریک فضا پر ہر طرف سناٹا چھایا رہا۔

"تمہاری روانگی کا ذکر کر کے میں نے انہیں اشتعال دلانے کی کوشش کی ہے۔" اوّل خان پُرخیال آواز میں کہنے لگا۔ "مجھے حیرت ہے کہ پھاٹک کھلنے پر انہوں نے کوئی بے آواز فائر نہ کیا۔"

"وہ خالی پھاٹک پر فائر کرنے کا سنگین خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" میں نے کہا۔ "فائر لاکھ بے آواز ہو لیکن گولی چلنے کا شعلہ اس اندھیرے میں ان کی کمین گاہ کو بے نقاب کر دے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن کسی بھی آتشیں ہتھیار کی نال پر چڑھا ہوا سائلنسر' فائر کی روشنی کو بڑی حد تک چھپا لیتا ہے۔ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے اتنا خطرہ مول لے لیں گے۔"

"روشن ماحول میں فائر کی روشنی بے شک معدوم ہو سکتی لیکن مکمل بلیک آؤٹ کے اس عالم میں تو روشنی کی ایک موہوم کرن بھی نہیں چھپ سکتی.... بہرحال تم اپنے آدمیوں کو اشارہ تاکہ روانگی شروع ہو۔ خدا کرے کہ وہ اپنے بے نقاب ہونے ڈر سے خاموش ہی رہیں اور ہم کوئی نقصان اٹھائے بغیر یہاں نکل جائیں۔ انہیں تو بعد میں بھی گھیرا جا سکتا ہے۔"

"جو ہونا ہے اسی وقت ہو جائے تو بہتر ہے۔" اوّل خان آواز حسرت آمیز ہوگئی۔ "تم بھول رہے ہو کہ انہوں نے میرا آدمی پکڑا ہوا ہے۔ اس وقت کچھ بھی نہ ہوا تو وہ جھنجلاہٹ اسے مار بھی سکتے ہیں۔ میں اپنے ایک تجربے کار آدمی کا خسا آسانی سے برداشت نہیں کر سکتا۔"

اوّل خان نے اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر کے اپنے آدمی کو روانگی کا سگنل دیا۔ کمانڈوز کی جیپ کا انجن غرا کر بیدار ہوا۔ پانچ کمانڈوز کے ساتھ وہ جیپ کھلے ہوئے پھاٹک کی طرف رینگنے لگی۔ ہماری گاڑی سے آگے نکلنے کے بعد جیپ کی پارکنگ لائٹس روشن کر دی گئی تھیں۔

میری نگاہیں پھاٹک سے باہر پھیلے ہوئے گھور اندھیرے جمی ہوئی تھیں۔ جوں ہی جیپ کا اگلا حصہ پھاٹک سے باہر نکلا سامنے کی داہنی قطار سے ایک بے آواز گولی سنسناتی ہوئی آئی کھٹ کی آواز کے ساتھ جیپ کی آہنی باڈی کے کسی حصے پیوست ہوگئی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"واپس لوٹو!" اوّل خان کھڑکی سے سر نکال کر اضطراری آو میں چیخا۔

جیپ کے بریک پہلے ہی لگائے جا چکے تھے۔ اوّل خان کی ہدایت پر جیپ کی ریورس لائٹس بھی جل اٹھیں۔ اسی لمحے دوس بے آواز فائر ہوا اور شیشہ ٹوٹنے کے چھناکے کے ساتھ ہی فضا میں ایک دبی دبی سی بے ساختہ اور کرب ناک چیخ گونج اٹھی۔ درد میں ڈوبی ہوئی اس آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ گولی سے زخمی ہونے والے نے پوری برداشت سے کام لے کر اپنی چیخ دبانے کی نا کوشش کی تھی۔

جیپ بہت تیزی کے ساتھ اندر لوٹ آئی۔ گیٹ کی اوٹ میں کھڑے ہوئے کمانڈو نے پھرتی سے پھاٹک بند کر دیا۔ اس اثنا میں اوّل خان کی گاڑی سے نیچے اتر چکا تھا۔ اس وقت میرے ذ

میاں سی چل رہی تھیں۔ ان چینی نژاد مجرموں نے دیدہ
انتہا کردی تھی اور جیپ پر کافی دور سے دو فائر کرکے یہ
دیا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہے تھے۔ وہ واقعی جہانگیر
پر نگاہ رکھے ہوئے تھے اور ان کے پاس لمبی رینج کے بے
ہتھیار موجود تھے۔ لیکن سب سے اہم بات یہ تھی کہ میں نے
سمت کا اندازہ لگانے کے بعد دوسرے فائر کا مخرج دیکھ لیا
کی برق رفتار گولی کا شعلہ لمحہ بھر کے لئے موہوم سی چمک
معدوم ہوگیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے ذہن میں ایک نئے
نقشہ ابھرنا شروع ہوگیا تھا۔

پ رکتے ہی حشمت اپنا داہنا بازو تھامے نیچے آگیا۔ خوف
تے ہوئے چوکیدار نے کچھ نہ سمجھنے کے باوجود ایمرجنسی
شن کردی تھی۔ اس نے جیپ کی باڈی میں پیدا ہونے والی
آواز کے بعد شیشہ ٹوٹنے کا تیز چھناکا اور انسانی چیخ ضرور
لیکن اسے یہ ادراک نہیں ہوسکا تھا کہ وہ سب بے آواز
کا نتیجہ تھا۔ روشنی میں حشمت کی پوری آستین خون میں
لی تھی۔ اس کے ساتھیوں نے فوراً ہی اسے سنبھال لیا۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔ "گولی
بازو کا گوشت ادھیڑتی ہوئی چھت میں چلی گئی۔ انہوں نے
والی گلی کے تیسرے مکان سے فائر کیا تھا...."

"تیسرے نہیں، چوتھے مکان کی کسی کھڑکی سے گولی چلائی گئی
میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں فوری طور پر
والی گلی میں داہنی طرف والے اس مکان کو گھیر لینا چاہئے۔
ہے کہ دو گولیاں چلانے کے بعد وہ پوزیشن بدلنے کی کوشش
۔" پھر میں اچانک ہی چوکیدار کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "گلی
تھے مکان میں کون لوگ رہتے ہیں؟ یہ دوغلے چینی وہاں کیسے
ئے؟"

ہشت زدہ چوکیدار نے چند ثانیوں تک اپنے ذہن پر زور دیا
اتے ہوئے بدقت تمام بولا۔ "ایک بریگیڈیئر صاحب اکیلے
ہیں۔ ریٹائرڈ ہیں۔ رات کو ان کے گھر میں کوئی نہیں ہوتا۔
وغیرہ صبح آتے ہیں اور کام کاج کرکے شام تک واپس لوٹ
تے ہیں...."

"کوئی چوکیدار نہیں ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر
ا۔

"نہیں!" چوکیدار نے اپنا وزنی سر ہلا کر کہا۔ "گھر کی رکھوالی
لئے انہوں نے خطرناک کتوں کا ایک جوڑا رکھا ہوا ہے وہ دن
ان ہی میں لگے رہتے ہیں۔ رات کو انہیں کھول دیتے ہیں۔
نسب نے مجھے بتایا تھا کہ چینی ان سے اڑوس پڑوس کے بارے
بھی کرید کرید کر سوال کرتے رہتے تھے۔"

اوّل خان ہر احتیاط کو خیرباد کہہ کر، ٹرانسمیٹر پر اپنے آدمیوں
گفتگو کا آغاز کرچکا تھا۔ چینیوں کے لئے اردو بھی ناقابلِ فہم تھی
نا ان کے قبضے میں کم از کم دو ایسے آدمی موجود تھے جو اردو میں
سنی ہوئی ہر بات کو انگریزی میں منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔
مکاؤ والوں سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ بڑی دن یا ریٹائرڈ بریگیڈیئر پر
ناقابلِ برداشت تشدد کرکے انہیں مجبور کردیتے کہ وہ ٹرانسمیٹر پر
ہونے والی ہر بات کا انگریزی ترجمہ انہیں بتاتے رہیں۔ شاید اسی
لاشعوری خوف کی وجہ سے اوّل خان رک رک کر کوڈ ورڈز میں
بات کررہا تھا۔

مشکل یہ تھی کہ کوڈ میں بولی جانے والی کسی بھی باقاعدہ زبان کا
وجود نہیں پایا جاتا۔ تحریری طور پر جو خفیہ پیغامات استعمال میں
آتے ہیں انہیں بھی خاصی عرق ریزی اور بسا اوقات مخصوص کتابی
حوالوں کے بعد قابلِ فہم بنایا جاتا ہے جب کہ وہاں فوری طور پر
فریقِ ثانی کو اپنا مفہوم سمجھانے کا مرحلہ درپیش تھا جس کے لئے
اوّل خان کو اپنے ذہن پر ضرورت سے زیادہ زور دینا پڑ رہا تھا۔

میرے ذہن میں معاملات کی کڑیاں یک جا ہوچلی تھیں۔ مکاؤ
کے وہ دونوں بدمعاش تقریباً ایک ہفتے سے جہانگیر کے گھر میں گھس
کر اسے یرغمال بنائے ہوئے تھے۔ انہوں نے گھر کے نظم و نسق پر
مکمل اختیار حاصل کرنے کے لئے ادھیڑ عمر چوکیدار کے سوا دیگر
ملازمین کو برطرف کردیا تھا اور جہانگیر سے پوچھ گچھ کے بعد نہایت
اطمینان سے کسی برے وقت کے لئے منصوبہ بندی بھی کرلی تھی۔

اس علاقے میں بڑے اور بہت بڑے مکانات کے سوا کوئی
متوسط مکان نہیں پایا جاتا تھا۔ یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ
جہانگیر کے قرب و جوار کے کسی وسیع و عریض مکان میں کوئی سنکی تنہا
بھی رہتا ہوگا۔ ریٹائرڈ بریگیڈیئر کا مکان لی وانگ اور اس کے ساتھی
کے لئے بہترین پناہ گاہ ثابت ہوسکتا تھا۔ احاطے میں پھرنے والے
خوں خوار کتوں کو کسی زہریلی دوا میں بھیگے ہوئے گوشت کے پارچے
کھلا کر ختم کیا جاسکتا تھا۔ اس بارے میں بے آواز ہتھیار بھی کام
آسکتے تھے۔ کتوں سے نمٹنے کے بعد اس عمارت کے اکلوتے مکین کو
بے بس کرنا بالکل دشوار نہ ہوتا۔ میرا اندازہ تھا کہ جہانگیر کے گھر
سے فرار ہونے کے بعد انہوں نے سب سے پہلے اس مکان پر قبضہ

کیا پھر کٹے ہوئے کان والا باہر نکل گیا۔ اس نے بارودی بُت کے ساتھ خاموشی سے جہانگیر کے گھر کے عقبی حصے میں پناہ لی۔ ہمارے پہنچنے پر وہ ہم لوگوں کو اس کمرے کی طرف متوجہ کرکے بھاگ نکلا۔ باہر نکلنے کے بعد اس نے موقع تلاش کرکے علاقے کے ٹرانسفارمر کو تباہ کیا پھر جہانگیر کو اس کی کار سمیت ایک ویران پلاٹ پر چھوڑ کر واپس لوٹ رہا ہوگا کہ اسے اندھیرے میں بڑی ون کا مشتبہ ہیولا متحرک نظر آیا۔ اس نے مکاری کے ساتھ بڑی ون کو بے ہوش کیا اور پشت پر لاد کر اسی مکان میں لے گیا جہاں دو کتوں کی لاشیں موجود تھیں۔

الجھے ہوئے حالات میں خفیہ زبان استعمال کرتے ہوئے اوّل خان بری طرح جھلّایا ہوا تھا۔ اسے بار بار رک کر سوچنا پڑ رہا تھا اور پھر بھی بات شاید نہیں بن رہی تھی۔

حشمت ایک آدمی کے ساتھ مکان میں جا چکا تھا اور بقیہ چار کمانڈو کسی بھی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اوّل خان کے گرد تیار کھڑے ہوئے تھے۔ چوکیدار خوف زدہ انداز میں برآمدے کی سیڑھی پر جا بیٹھا تھا۔

اچانک میرے ذہن میں ایک اچھوتا خیال آیا اور میں نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اسے عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کرتے ہوئے اوّل خان کے ہاتھ سے ایرپیس تقریباً چھین لیا۔

اوّل خان نے میری اس غیر متوقع حرکت پر خشمناک تیوروں سے مجھے گھورا مگر میں اس وقت تک بٹن دبا کر بدلی ہوئی آواز میں اپنی بات شروع کر چکا تھا۔ "میں ان دونوں سے مخاطب ہوں جو دو زرد بھیڑیوں کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ تم دونوں کی جان بچانے کے لئے ہم یہ آلہ استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ زرد بھیڑیے اردو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر وہ تمہیں گفتگو کا ترجمہ سنانے پر مجبور کریں تو کوئی بھی کہانی چھیڑ دینا لیکن انہیں یہ بھنک نہ لگنے دینا کہ ان کی کمین گاہ کا سراغ لگا لیا گیا ہے۔ یا اس کا محاصرہ کیا جا رہا ہے۔ ہم اچانک ہی ان پر آ پڑیں گے۔ ہمارے منصوبے کی کامیابی کا دارو مدار تم دونوں کی ہمت اور حوصلے پر ہے۔ ہمارے پہنچنے تک انہیں الجھائے رکھو۔ یاد رکھنا کہ اس وقت تم سے کچھ نہیں کہا گیا ہے۔"

میں نے انگریزی کا کوئی لفظ استعمال کئے بغیر' سپاٹ آواز میں اپنا پیغام بڑی ون اور ریٹائرڈ بریگیڈیئر تک پہنچا دیا۔ مجھے یقین تھا کہ مکاؤ والوں نے ان دونوں کو اپنی نگاہوں سے اوجھل کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا ہوگا۔ اگر وہ چاروں ایک مقام پر جمع تھے تو میرا پیغام متعلقہ افراد تک پہنچ گیا تھا۔

میری گفتگو کے دوران میں اوّل خان کا غصہ پگھلتے پگھلتے حیرت میں تبدیل ہو گیا اور جب میں نے بٹن آف کرکے ایرپیس اس کی طرف بڑھایا تو اس نے اپنے ماتحتوں کی موجودگی کی پروا کئے بغیر مجھے والہانہ انداز میں اپنے گلے سے لگا لیا اور وفورِ جوش سے لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ "اب میں حشمت کے بدن سے بہنے والے خون کی ایک ایک بوند کا حساب لے لوں گا۔ تمہارا دماغ ہر وقت کام کرتا رہتا ہے۔ تم نے اپنی ترکیب سے میرا کام بہت آ کر دیا۔ اب میں کھل کر اپنے آدمیوں کو پورا پلان سمجھا گا۔"

اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ایرپیس پر ایک آواز ابھرنے لگی۔ وہ انگریزی میں کہہ رہا تھا۔ "ڈیئی کسی چو طرح ہتھیلیوں اور گھٹنوں پر چل کر بھاگا ہو تو اور بات ہے نے دیکھ لیا کہ مکاؤ والے جھوٹ نہیں بولتے۔ انکسار اور مکاؤ والوں کے مزاج کا ایک حصہ ہے۔ حالات اجازت دیں اپنے بدترین دشمن کو بھی بہت ادب اور احترام سے مارتے تمہارے آدمی کی چیخ سن کر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گولی گردن میں گھسی ہو اور اس کی آواز بگڑ گئی ہو۔ اپنا ایک کھو دینے کے بعد اب تمہارے کیا ارادے ہیں؟.... اوور!"

"ہمارے ایک آدمی کا نقصان تمہیں مہنگا پڑے گا۔" خان نے اس کی خوش فہمی دور کئے بغیر کہا۔ "تم چوہوں کی طر تاریک بل میں دبکے ہوئے ہو۔ ہمت ہے تو میدان میں اترو۔ منٹ میں فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ یاد رکھنا کہ زیادہ خون بہا کر تم کبھی بھی اپنی تحویل میں نہیں لے سکو گے.... اوور!"

اوّل خان کے آخری فقرے میں پوشیدہ کمزوری اور نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

اس کا وار کارگر رہا۔ دوسری طرف سے متجسس آو پوچھا گیا۔ "اگر ہم خوں ریزی سے ہاتھ روک لیں تو کیا ملنے کی امید کی جا سکتی ہے؟ اوور!"

"اس بارے میں سوچنا پڑے گا۔ دوسروں سے بھی را پڑے گی۔ لیکن میں ایک بات بتا دوں کہ تم کسی ناممکن با آرزو نہیں کر رہے' یہاں بھی بہتیرے لوگ اس کا وجود پسن کرتے۔ ہو سکتا ہے کہ مناسب شرائط پر کوئی فیصلہ ہو ہی جا مگر اس کے لئے وقت درکار ہوگا۔ اوور!"

"لیکن پہلے تم ڈیئی کے لئے اپنی جان لڑا دینے کی بات تھے!" تحیر زدہ آواز میں کہا گیا۔ "کیا ہمارے ساتھ کوئی نئی چ کا ارادہ کر رہے ہو؟ لڑائی میں اپنا ایک آدمی کھو دینے کے ب اب تم مصالحت کی آڑ لے کر ہمیں ذبح کرنے کی منصو کرنے لگے ہو.... اوور!"

"مصالحت بہت دور کی بات ہے۔ تمہارے لئے ہر را ہوا ہے۔ یہ ایرپیس میرے دوسرے آدمی بھی استعمال کر ر وہ انگریزی بھی سمجھتے ہیں۔ بڑی ون تمہارے قبضے میں نے تمہارے سامنے انگریزی میں بات کی ہے۔ میں کھل نہیں کر سکتا۔ بس یہ سمجھ لو کہ جب میں نے جان لڑانے کی تھی تو ڈیئی میرے پاس موجود تھا۔ اس وقت وہ جا چکا ہے آزادی سے بول رہا ہوں۔ ہم تمہاری طرح سچائی کے دعو نہیں ہیں لیکن جھوٹ بہت کم بولتے ہیں اور کسی بات کو انا نہیں بناتے.... اوور۔"

رانسمیٹر کے علاوہ تم سے اور کس طرح رابطہ ہو سکتا ہے۔
چینی کی آواز میں اشتیاق بڑھتا جارہا تھا۔ وہ اوّل خان کے
ے جال میں دھیرے دھیرے الجھتا جارہا تھا۔
"اوّل خان نے اسٹیشن فور کا ایک نمبر دہرا دیا پھر
فون پر۔ "تمہارا نام لی وانگ ہے؟ اوور۔"
میرا نام چیانگ فاؤ ہے' لی وانگ میرا ساتھی ہے۔" اس کی
طنز و ملامت کے بجائے دوستانہ رنگ جھلکنے لگا تھا۔ "میں
ارا نمبر نوٹ کرلیا ہے۔ میں صبح تم سے رابطہ کروں گا....

صبح نہیں' کل شام سات بجے!" اوّل خان اسے گھنے میں
سنجیدگی کا مظاہرہ کررہا تھا۔ "رات گزر رہی ہے۔ صبح مجھے کئی
ے آدمیوں سے بھی بات کرنی ہوگی۔ میں سات بجے اس فون
تمہاری کال کا انتظار کروں گا.... لیکن یہ یاد رکھنا کہ میرے
دمی کا خسارہ تمہیں پہلے پورا کرنا ہوگا۔ اوور!"
لڑائی میں لوگ مرا ہی کرتے ہیں۔" چیانگ فاؤ کی آواز سے
دائی مترشح تھی۔ "سمجھوتے کی راہ نکل آئی تو ہم اس کے
نقد تاوان ادا کردیں گے۔ اب تم چاہو تو بے خوف و خطر
روانہ ہوسکتے ہو۔ ہم تمہاری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں
اور ہاں' تمہارے آدمی کب تک اس علاقے کا محاصرہ کئے
گے۔ تمہارے ساتھ ہم اپنی بھی گلو خلاصی چاہتے ہیں۔ گرمی
دھیرے میں ہم یہاں پاگل ہوجائیں گے۔ اوور!"
"فکر مت کرو۔ ایک آدمی کو گولی لگنے کی وجہ سے الجھن پیدا
ہے۔ اس سے نمٹنے کے بعد میں اپنے تمام آدمیوں کو بھی لوٹا
گا۔ اس سے پہلے تمہیں بڑی ون کو آزاد کرنا ہوگا۔" پھر اس
چونک کر سرسری لہجے میں پوچھا۔ "ویسے تم اس وقت علاقے
س عمارت میں مقیم ہو؟ اوور!"
"ہمیں باقاعدہ مفاہمت ہونے سے پہلے اپنی پناہ گاہ کی نشان دہی
ں کرسکتا.... بڑی ون کی فوری رہائی کی شرط بھی نامناسب ہے۔
آزاد ہوتے ہی ہماری کمین گاہ کی نشان دہی کردے گا۔ یہ میرا
ہ ہے کہ اس تاریک علاقے سے باہر پہنچتے ہی اسے آزاد کردیا
ے گا۔ اب اس پر کوئی تشدد نہیں کیا جائے گا۔ اوور!"
"اب باتیں چل ہی نکلی ہیں تو یہ بھی بتادو کہ جہانگیر کو نکال
ے جانے کے بعد تم اس کے مکان کے پچھلے کمرے میں کیوں آچھپے
ے اور بندر کے بت کو وہاں چھوڑنے کا کیا مقصد تھا؟ اوور!" اوّل
ن بولا۔
اس بات پر چیانگ فاؤ کی تمسخرانہ ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ
نے لگا۔ "کمرے میں مسہری پر پھیلے ہوئے کاغذات اور بت والی
لادی سرنگ کا ڈراما پہلے سے تیار تھا۔ جہانگیر کو لے کر نکلتے ہوئے
نے یقین کرلیا تھا کہ ڈینی اپنے دوست کی تلاش میں آئے گا تو
ٹھا ہوا اس کمرے میں بھی پہنچے گا اور بت کو ہاتھ لگاتے ہی فنا
وجائے گا مگر ڈون کوانگ فو کی دلی خواہش ہے کہ ڈینی کو زندہ حالت
میں اس کے سامنے پہنچایا جائے۔ جب ہم نے اپنے ٹھکانے کا
بندوبست کرلیا تو لی وانگ فوراً جہانگیر کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔
اس کا ارادہ تھا کہ ڈینی اس وقت تک وہاں نہ پہنچا ہو تو اسے زندہ
پکڑ سکے۔ مکان ویران تھا۔ لی وانگ' ڈینی کے انتظار میں اسی
کمرے میں چھپ گیا مگر بعد میں پتا چلا کہ ڈینی اکیلا نہیں' کئی
آدمیوں کے ساتھ آیا ہے تو وہ موقع ملتے ہی وہاں سے بھاگ کھڑا
ہوا۔ ڈینی کو زندہ پکڑنے کے چکر میں وہ اپنی جان گنوانے کا خطرہ
مول نہیں لے سکتا تھا۔ واپسی پر اس نے ڈینی اور اس کے
ساتھیوں میں افراتفری پھیلانے کی نیت سے علاقے کو بجلی فراہم
کرنے والا ٹرانسفارمر تلاش کیا اور اسے تباہ کر ڈالا۔ اس
کارروائی سے واپس لوٹتے ہوئے اسے بڑی ون نظر آگیا۔ لی وانگ
اکیلے آدمی کو بہت آسانی سے شکار کرتا ہے۔ وہ اسے بھی ساتھ لے
آیا۔ اوور۔"
"دلچسپ کہانی ہے۔" اوّل خان نے تعریفی لہجے میں کہا۔
"اس کا مطلب ہوا کہ کٹے ہوئے کان والے کا نام لی وانگ ہے۔
یہاں کے چوکیدار نے تم دونوں میں یہی ایک فرق بتایا ہے.... اب
میں اپنا کام شروع کررہا ہوں۔ تم درمیان میں دخل نہ دینا۔ تم سے
کل شام سات بجے فون پر بات ہوگی۔ اوور اینڈ آل۔"
اوّل خان نے گفتگو ختم کرکے فاتحانہ انداز میں اپنے دونوں
ہاتھ فضا میں اچھالے اور ایک نئے ولولے کے ساتھ اپنے چاروں
آدمیوں کو ہدایات دینے لگا۔
اس علاقے میں ریٹائرڈ بریگیڈیئر کا مکان کسی بھی جرائم پیشہ
شخص کے لئے جنت سے کم نہیں تھا۔ اوّل خان کو پورا یقین تھا کہ
وہ دونوں اس مکان سے کہیں اور منتقل ہونے کی کوشش نہیں کریں
گے۔ اس سے گفتگو کے بعد ان کی یہ خوش فہمی راسخ ہوچکی تھی کہ
دو فائر کرنے کے باوجود وہ ہر ایک کی نظروں سے اوجھل تھے۔
اوّل خان نے ان چاروں کو پھاٹک کے بجائے چار دیواری
کے آخری کونے سے باہر کودنے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ وہ سراتنے
فاصلے پر تھا کہ سامنے والی گلی کے کسی بھی مکان سے اسے نہیں
دیکھا جاسکتا تھا۔ باہر پہنچنے کے بعد ان چاروں کو مشتبہ مکان کے
احاطے میں داخل ہوکر اس وقت تک چاروں کونوں پر جمے رہنا تھا
جب تک تیاریاں مکمل ہونے کے بعد اس عمارت پر دھاوا بولنے کا
فیصلہ نہ کرلیا جائے۔
چاروں کمانڈوز کے روانہ ہوتے ہی ویرا مسرت آمیز لہجے میں
اوّل خان سے بولی۔ "آج تم نے میرا دل خوش کردیا۔ کاش تم نے
چیانگ فاؤ سے سنجیدگی سے گفتگو کی ہو! ڈینی کا سودا ہوجائے تو اس
شہر کے بہت سے لوگ سکھ کا سانس لیں گے۔ ان لوگوں کے پاس
دولت کے بے شمار انبار ہیں۔ ڈون کوانگ فو کی ذرا سی خوشی کے
لئے یہ لوگ تمہیں منہ مانگی رقم دے سکتے ہیں۔ ڈون اپنے وزن
سے ڈینی کی پسلیاں توڑ کر بے اندازہ خوشی محسوس کرے گا۔ زندگی
میں ایسے سنہرے مواقع بار بار نہیں آتے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم اتنی جلدی نشے کے اثرات سے آزاد ہو گئیں۔" اوّل خان بڑبڑایا۔
"دو گولیاں آتے ہی نشہ ہرن ہو گیا تھا۔" ویرا ہلکے سے قہقہے کے ساتھ بولی۔ "میرا نشہ کبھی بھی گہرا اور دیرپا نہیں ہوتا۔ اس وقت میں تمہاری ہر کارروائی میں بھرپور حصہ لینے کے لئے تیار ہوں۔"
"نشہ ہرن ہو گیا تھا تو تمہیں حشمت کی مرہم پٹی میں میرے آدمی کا ہاتھ بٹانا چاہئے تھا۔" اوّل خان نے شکوہ کیا۔ "ایس ٹی ایف والے آہنی روبوٹ نہیں' گوشت پوست کے انسان ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ گولی گزر جانے کے بارے میں وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ فائر جس بلندی اور فاصلے سے کیا گیا' اس کی روشنی میں گولی بازو کو پھاڑتی ہوئی اوپر' چھت کی طرف نہیں جا سکتی تھی' اس کا رخ نیچے کی طرف ہونا چاہئے تھا۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں نے اس بارے میں غور ہی نہیں کیا تھا۔" میں نے ندامت محسوس کرتے ہوئے کہا۔
ویرا ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر' ڈرائنگ روم کی طرف چل دی تھی تاکہ حشمت کی دیکھ بھال کر سکے۔
اوّل خان کو ٹرانسمیٹر کی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر میں نے ٹوک دیا۔ "اپنے کام میں مصروف ہونے سے پہلے میری ایک بات ذہن نشین کر لو کہ اس مہم میں ہمیں کٹے ہوئے کان والے لی وانگ کو ہر حال میں زندہ پکڑنا ہے۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ تم نے اس سے لی وانگ کی شناخت کی تصدیق کرالی ہے۔"
"معلوم ہوتا ہے کہ تم پر بھی ڈون وانگ فو کا اثر ہو گیا ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔ "تمہیں لی وانگ سے کیا لینا ہے؟"
"یہ بہت اہم ہے۔ روایتی علاج کے چکر میں جہانگیر مہینوں تڑپتا رہے گا۔ سرجری کی نوبت آئی تو زخم بھرنے میں بھی کافی دن لگ جائیں گے۔ لی وانگ اپنی مہارت کی بنا پر اسے تھوڑی دیر میں اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے قابل بنا سکتا ہے۔ اس سے یہ کام نکلوانے کے بعد تم اس سے اپنی پسند کا سلوک کر سکتے ہو۔"
چند ثانیوں بعد اوّل خان بڑی سیون کو خالص ترین اردو میں واپسی' دشمن کی کمین گاہ کے محاصرے اور پھر چڑھائی کے بارے میں نپی تلی ہدایات دے رہا تھا۔

○☆○

ویرا نے یہ عقل مندی کی کہ حشمت کی مرہم پٹی سے فارغ ہوتے ہی فلیٹ پر غزالہ کو فون کر لیا۔ وہ ہم لوگوں کی طرف سے کوئی خیر خبر نہ ملنے کی وجہ سے بہت متوحش اور پریشان تھی۔ ویرا نے کسی تفصیل میں جائے بغیر اسے حالات قابو میں ہونے کی نوید سنا کر فون بند کر دیا۔
گھر سے نکلنے کے بعد واقعات اتنی تیزی سے رونما ہوتے چلے جا رہے تھے کہ میرے ذہن سے غزالہ اور سلطان شاہ کا خیال ہی محو ہو کر رہ گیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اوّل خان نے فلیٹ چھوڑنے سے پہلے اپنے کچھ آدمیوں کو وہاں پہنچنے کی ہدایت کر دی تھی۔ ہماری روانگی کے کچھ دیر بعد نہ صرف شرف آباد پہنچ گئے تھے انہوں نے غزالہ اور سلطان شاہ کو اپنی موجودگی کا احساس دلا کر مطمئن بھی کر دیا تھا۔
میں اس وقت بھی مشتبہ مکان کی چار دیواری سے چپکا سوچ رہا تھا کہ ویرا پر دیوانگی کے دورے کب پڑتے ہیں ا[illegible] حالات میں وہ یکایک حیرت ناک فرزانگی کے مظاہرے شروع [illegible] ہے۔
ہم لوگ ریٹائرڈ بریگیڈیئر کے مکان کے باہر تھے۔ [illegible] میرے قریب ہی دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ اس سمت میں ہم [illegible] کے علاوہ ایس ٹی ایف کے مزید تین مسلح آدمی موجود تھے۔ [illegible] دوسرے مکانوں کے درمیان میں بنا ہوا تھا اس لیے اس [illegible] طور پر داخل ہونے کے لیے صرف دو ہی رخ باقی رہ گئے [illegible] سامنے والے رخ پر ہم لوگ موجود تھے۔ اوّل خان دو [illegible] مکانوں کا چکر کاٹ کر پچھلی گلی کے انتظامات کا جائزہ لینے [illegible]
اپنی مرہم پٹی کے بعد حشمت بہت پُرجوش تھا او[illegible] کارروائی میں عملی حصہ لینے کا متمنی تھا مگر ویرا نے اوّل خان [illegible] تھا کہ گولی اس کے بازو میں رکنے کے بجائے گوشت کے [illegible] پھاڑتی ہوئی گزر گئی تھی لیکن زخم بہت گہرا اور لمبا تھا [illegible] اسے باقاعدہ طبی امداد ملنے سے پہلے آرام کی ضرورت تھی [illegible] سے دوبارہ خون جاری نہ ہونے پائے۔ اسے روکنے کے [illegible] خان کا یہ استدلال بھی تھا کہ چیانگ فاؤ اور لی وانگ کے [illegible] رخ کرتے ہوئے جہانگیر کے گھر کو خالی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا [illegible] کسی نہ کسی کا چاق و چوبند رہنا ناگزیر تھا۔ آخر کار حشمت [illegible] ایک ساتھی سمیت وہیں رکنا پڑ گیا تھا۔ بعد میں ہم لوگ بھی [illegible] ہتھیاروں سے لیس ہو کر اصل نشانے پر پہنچ گئے تھے۔
اس وقت تک صرف وہی چار کمانڈوز مکان کے اح[illegible] موجود تھے جنہیں اوّل خان نے سب سے پہلے ادھر روانہ [illegible] افرادی قوت اور ہتھیاروں کی تعداد و نوعیت کے اعتبار سے [illegible] پارٹی کو مکاؤ کے بدمعاشوں پر تباہ کن برتری حاصل تھی اور [illegible] دھاوا بول کر بھی تھوڑے سے نقصان کے بعد ان پر قابو پایا [illegible] تھا لیکن اوّل خان اپنے تمام آدمیوں کی سلامتی کے بار[illegible] بہت زیادہ حساس تھا اور کوئی جانی نقصان اٹھائے بغیر اپنا [illegible] حاصل کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔
اندھا دھند فاتحانہ یلغار کی صورت میں دوسرا خطرہ ان [illegible] افراد کے لیے تھا جو لی وانگ اور چیانگ فاؤ کی تحویل میں تھے [illegible] میں سے ایک عام شہری بلکہ ریٹائرڈ فوجی افسر اور دوسرا ا[illegible] ایف کا ایک فرض شناس کارکن تھا۔ دونوں سفاک مجرم [illegible] خطرے میں محسوس کر کے ان دونوں کو آڑ کے لیے سامنے [illegible] تھے یا پھر انہیں ہلاک بھی کر سکتے تھے جب کہ اوّل خان ان [illegible] سے بچنا چاہ رہا تھا۔

منصوبہ یہ طے پایا تھا کہ مکان میں موجود دونوں مجرموں کو کسی ح مکان کے عقبی حصے میں الجھایا جائے اور ان کی بے خبری میں منے سے مکان پر قبضہ کرلیا جائے۔

علاقے کے دوسرے مکانات کی طرح وہ مکان بھی بہت وسیع اور اس کے پچھلے حصے میں سبزے کے علاوہ گھنے درختوں کی ایک ی تعداد سر اٹھائے کھڑی تھی۔ چیانگ فاؤ کو اپنے اعتماد کے جادو ے مسحور کرنے کے بعد اوّل خان اپنے ٹرانسیٹر سے دل کھول کر م لے رہا تھا۔ ان رابطوں میں پوری احتیاط کی جارہی تھی کہ تگو کے متن میں انگریزی کا کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جو ی گفتگو میں پوشیدہ عزائم کی عکاسی کرتا ہو۔ اسے اندر پہنچے ہوئے انڈوز سے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ مکان کے اگلے لان پر دو ے اور خوں خوار کتّوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان لاشوں کے یب گوشت کے وہ لوتھڑے بھی پڑے ہوئے تھے جو کتوں کے مدوں کا ایندھن بننے سے باقی رہ گئے تھے۔ ان دونوں چینیوں نے پی کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے اتنی زیادہ مقدار میں مہلک تھڑے پھینکے تھے کہ انہیں کھا کر دو تو کیا' دس کتّے بھی جہنم واصل سکتے تھے۔

دونوں مجرموں کی توجہ عقبی حصے کی طرف مبذول کرانے کے یے اندر والے کمانڈوز کو نہایت خاموشی کے ساتھ تناور درختوں ی مضبوط شاخوں میں نائیلون کی ڈوری کے پھندے ڈال کر' ریوں کے آزاد سرے عقبی گلی میں پھینک دینے تھے۔ اس طرف یوار کی اوٹ میں چھپے ہوئے آدمی ان ڈوریوں پر قابض ہو جاتے ر اوّل خان کی طرف سے جھینگر کی ایک ہلکی اور ایک تیز آواز کا شارہ ملنے پر' بندھی ہوئی ڈوری کی مدد سے ایک درخت کو اس رح ہلانا شروع کر دیتے کہ پتّوں وغیرہ کی سرسراہٹ کی تیز آوازیں رموں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتیں۔ وہ سمجھتے کہ اندھیرے کا فائدہ ٹھا کر کچھ لوگ درختوں کے ذریعے اس گھر میں داخل ہونے کی وششیں کررہے ہیں۔ یہ بات یقینی تھی کہ پتّوں اور شاخوں کی وازیں سننے کے باوجود وہ اندھیرے میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ توقع یہ کی جارہی تھی کہ وہ اپنے نادیدہ حریفوں کو ہلاک' زخمی یا م از کم خوف زدہ کرنے کے لیے اپنے بے آواز آتشیں ہتھیار ستعمال کریں گے۔

ان کی طرف سے فائرنگ کا آغاز ہوتے ہی پہلے درخت کو ھوڑ کر دوسرا کوئی درخت ہلایا جاتا۔ باری باری مختلف سمتوں میں سرسراہٹیں پیدا کرنے کے ساتھ ہی' کسی بے آواز فائر پر اوّل خان ا ایک آدمی ہلکی سی کراہ سے یہ تاثر پیدا کرتا کہ اندر والوں کی ئرنگ کسی شخص کو زخمی کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ اس انسانی آواز پر ان دونوں کا اسی طرف متوجہ ہو جانا ناگزیر ہوتا۔ جب وہ دنوں ہی اندھیرے میں گولیاں چلانے لگتے تو عقبی گلی والی پارٹی کا سربراہ اُلّو کی آواز میں دوسرا سگنل دیتا اور سامنے کے حصے میں موجود کمانڈوز کی رہنمائی میں بقیہ لوگ مکان میں گھس جاتے۔

اوّل خان غائب تھا اور میں دیوار سے لگ کر اس منصوبے کی جزئیات پر غور کررہا تھا۔ اس وقت کے حالات میں وہ منصوبہ بے داغ اور بہت کامیاب نظر آرہا تھا۔ انسانی جبلت اور خطرات میں گھرے ہوئے مجرمانہ ذہنوں کے فطری ردِّ عمل کو سامنے رکھتے ہوئے ناکامی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔

چاروں طرف گھرے اندھیرے کا راج تھا۔ وہ چھوٹے مکانوں پر مشتمل کوئی غریب آبادی ہوتی تو ہر طرف موم بتیوں اور لالٹینوں کی روشنی میں بے شمار بچے اور بڑے گھروں سے باہر نکل پڑے ہوتے۔ عسرت و تنگ دستی کے حالات میں یکسانیت کی زندگی گزارنے والے لوگ اپنے گرد و پیش کی ہر مثبت اور منفی تبدیلی میں تفریح کا پہلو نکال لیتے ہیں لیکن آسودہ حالوں کو جب تک تفریح کے طے شدہ لوازم میسر نہ ہوں وہ اپنے رسمی خول سے باہر آنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ علاقہ بالکل ویران پڑا ہوا تھا۔ لوگ اپنے گھروں میں محصور تھے اور ان کے زیرِ سایہ رہنے والے ملازمین بھی اپنے مالکوں کی پیروی میں اپنے اپنے مسکن میں دبکے ہوئے تھے۔ فضا پر سکوت طاری تھا اور نرم و خوشگوار ہوا کے جھونکے روح تک کو تازگی بخش رہے تھے کہ قریب سے کسی جھینگر کی ہلکی اور پھر تیز آواز گونجی پھر اچانک فضا میں موہوم اور پُراسرار سی سرسراہٹیں سنائی دینے لگیں۔ میں نے غیر ارادی طور پر دوسرے مکانات میں ساکت کھڑے ہوئے درختوں کی طرف دیکھا۔ اس وقت ہوا میں برائے نام تیزی تک نہیں تھی۔ گلی میں موجود لوگ یقیناً اپنا کام شروع کر چکے تھے۔

سرسراہٹیں وقفے وقفے سے کئی بار ابھرتی اور معدوم ہوتی رہیں۔ اوّل خان کے پورے منصوبے سے واقف ہونے کے باوجود مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی نہایت احتیاط اور صبر و تحمل کے ساتھ پتّوں اور جھاڑیوں میں سے گزر کر پیش قدمی کرنی چاہ رہا ہو۔

منصوبے کے اصل حصے کا آغاز ہوتے ہی وقت کی رفتار یک لخت سست ہوگئی تھی۔ ایک ایک سیکنڈ طویل ہو چلا تھا۔ وقفے وقفے سے تین بار وہ سرسراہٹیں ابھریں۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ دونوں چینی نژاد بدمعاش کہاں مرے ہوئے تھے۔ لحہ بھر کے لیے مجھے یہ شبہ بھی ہوا کہ کہیں وہ ہم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہی دونوں یرغمالیوں کو لے کر' خاموشی کے ساتھ وہاں سے نہ نکل گئے ہوں لیکن اگلے ہی لمحے میرے وہ تمام وسوسے غائب ہوگئے۔ فضا میں ٹھک کی ایک گھٹی ہوئی' محدود اور مضبوط سی آواز سنائی دی تھی۔ کسی بھی ہتھیار کی نال پر چڑھا ہوا سائلنسر گولی کی آواز کو ختم کرسکتا ہے مگر ٹریگر کی آواز کو دبانا سائلنسر کے بس کی بھی بات نہیں ہوتی۔ طاقت ور اسپرنگ کے ذریعے ایک مخصوص فاصلے تک اٹھ کر گولی کے پچھلے حساس حصے پر گرنے والے گھوڑے کی وہ آواز میرے کانوں کے لیے نامانوس نہیں تھی۔ پہلی گولی چل چکی تھی۔ ہلکی سی سرسراہٹ پھر سنائی دی۔ یوں لگا جیسے چھپے ہوئے حریف نے فائر سے خوف زدہ ہو کر اپنی جگہ قدرے تبدیل کی ہو۔ فوراً ہی دوسرا بے آواز فائر

ہوا۔ اس بار کسی گنجان درخت کے پتّوں اور شاخوں میں سے برق رفتار گولی گزرنے کی شڑکی سی آواز تک سنائی دی۔

اس مرحلے پر چوہے اور بلی کے کھیل میں قدرے تیزی آگئی۔ سرسراہٹوں کی سمت تبدیل ہوگئی۔ بے آواز فائر کا کھٹکا بھی قدرے فاصلے سے ابھرتا ہوا محسوس ہوا۔ چوتھے فائر پر ایک دبی دبی سی اضطراری چیخ سن کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ فائر کے ساتھ اس بے ساختہ چیخ کی ٹائمنگ اس قدر مکمل تھی کہ مجھے کسی کے واقعی زخمی ہونے کا خطرہ محسوس ہونے لگا۔

اپنے کسی نادیدہ حریف کو زخمی کرلینے کے احساس نے مجرموں کا حوصلہ بڑھادیا۔ سرسراہٹیں تیز ہوگئیں۔ معلوم ہورہا تھا کہ کئی گنجان درختوں میں چھپے ہوئے لوگ کئی سمتوں میں فعال ہوچکے ہیں۔ بے آواز فائرنگ میں تواتر پیدا ہوگیا مگر وہ تواتر بے ربط سا تھا۔ صاف معلوم ہورہا تھا کہ ایک سے زیادہ ہتھیار زیرِ استعمال آچکے تھے۔

یہ پہلے ہی طے ہوچکا تھا کہ اوّل خان کا کوئی آدمی جوابی فائر نہیں کرے گا۔ اس حقیقت کی روشنی میں صورتِ حال کچھ یوں بن رہی تھی جیسے اندر والے دونوں چینی عقبی درختوں میں الجھ چکے ہوں۔

ہمارے لیے وہ سنہرا موقع تھا۔ میرے کان اُلّو کی آواز کے انتظار میں فضا پر جم گئے۔ ایس ٹی ایف کے ساتھ کام کرنے میں یہی ایک خرابی تھی کہ انسان ڈسپلن کو نظرانداز کرکے اپنی صوابدید پر کوئی قدم نہیں اٹھاسکتا تھا۔ جب تک اُلّو کی آواز نہ گونجتی' کسی کو احاطے کی دیوار سے ہلنے تک کی اجازت نہیں تھی۔

اچانک داہنی طرف سے ایک شخص دیواروں کے سائے میں جھک کر بھاگتا ہوا نظر آیا۔ میرے اعصاب تن گئے۔ اطمینان کی بات یہ تھی کہ وہ ہم سے دور فرار نہیں ہورہا تھا بلکہ تیزی سے ہماری طرف آرہا تھا۔

"جیسے ہی یہ قریب آئے' اسے دبوچ لینا۔" ویرا نے تیز سانسوں کے درمیان سرگوشی کی۔

"نہیں!" اس کے پہلو میں موجود' ایس ٹی ایف کا ایک آدمی ہولے سے غرّایا۔ "یہ بڑھ ہے۔"

اس اثنا میں وہ قریب آکر سیدھا ہوگیا اور فضا میں قدرے دور سے اُلّو کی آواز سنائی دینے لگی۔

آنے والا اوّل خان ہی ثابت ہوا۔ اس نے سب کچھ اس قدر فنکارانہ انداز میں طے کیا ہوا تھا کہ اسے کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور دیوار سے چپکے ہوئے افراد مشینی انداز میں احاطے پھلانگ کر سرعت سے اندر کودنے لگے۔ مجھے ویرا کی فکر ہوئی لیکن وہ کسی مشاق بندریا کی طرح دیوار پر سے اڑتی ہوئی اندر پہنچ گئی۔ میں بھی تیزی سے دیوار پر چڑھ کر نرم لان پر کودگیا۔

اندھیرے میں چند فٹ کے فاصلے پر گھاس پر دو بڑے اور متعدد چھوٹے دھبّے نظر آرہے تھے۔ مجھے ان کی طرف متوجہ پاکر اوّل خان نے میری پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے سرگوشی کی "وہ کتّوں کی لاشیں ہیں۔ انہیں بعد میں دیکھ لینا۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے..... آؤ!"

وہ پنجوں کے بل دوڑتا ہوا عمارت کے صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

تاریکی میں دو ہیولے اس بند دروازے کو کھولنے کی دیوانہ وار کوششوں میں مصروف تھے۔

مکان کے عقبی حصے میں چوہے اور بلّی کا کھیل بدستور جاری تھا۔ ایک مصنوعی انسانی چیخ کے ذریعے اندر والوں کو کسی کی موجودگی کا پختہ یقین دلادیا گیا تھا اس لیے ڈوریوں میں بندھی ہوئی شاخوں کو ہلانے کا عمل تقریباً ترک کیا جاچکا تھا لیکن لی وانگ اور چیانگ فاؤ اپنے کسی اور نامعلوم حریف کو مار لینے کے جنون میں اندھا دھند اپنا میگزین ضائع کئے جارہے تھے اور اس جنون میں مکان کے دوسرے حصے کو یکسر فراموش کربیٹھے تھے۔

مکان میں داخلے کا صدر دروازہ قبضوں کی کسی آواز کے بغیر کھول لیا گیا۔

اس وقت یہاں کل آٹھ مسلح نفوس موجود تھے۔ اوّل خان کی سربراہی میں ایس ٹی ایف کے تین آدمی دیوار پھاند کر اندر آئے تھے۔ دو کمانڈوز پہلے سے اندر موجود تھے۔ مجھے اور ویرا کو ملا کے یہ تعداد آٹھ ہوجاتی تھی۔ اندر چھپے ہوئے دو چینیوں کو زیر کرنے کے لیے ہماری نفری بہت کافی تھی۔

اوّل خان نے چوکھٹ عبور کی تو دونوں کمانڈوز اپنی خود کار مشین گنیں ہاتھوں میں لیے اس کے ساتھ تھے۔ ہم دونوں اپنے پستولوں سمیت ان کے پیچھے تھے۔ بقیہ تین آدمی سب سے پیچھے تھے۔

ڈرائنگ روم میں گھستے ہی میرے نتھنوں میں جلے ہوئے بارود کی بُو آئی۔ پچھلے کمروں سے جو بے آواز چاند ماری کی جارہی تھی اس کے دھوئیں کے اثرات شاید پورے گھر میں پھیلے ہوئے تھے۔

گو وہ چاندنی رات نہیں تھی لیکن ڈرائنگ روم کے در و دیوار میں سمائی ہوئی گھور تاریکی کے مقابلے میں تاروں بھرے آسمان کے سائے میں زیادہ اجالا تھا۔ چند لمحوں بعد میری آنکھیں اس تاریکی کی عادی ہوئیں تو مجھے نکاسی کا بغلی دروازہ نظر آیا۔ اوّل خان پہلے ہی ادھر بڑھ چکا تھا۔

آخر میں آنے والوں میں سے ایک شخص وہیں رک گیا۔ بقیہ کارواں مکان کے اندرونی حصے میں داخل ہوا تو داہنی طرف ایک بند دروازے کی نچلی جھری میں روشنی کا مستطیل نظر آیا لیکن میرے کان ٹھک ٹھک کی خون آشام آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ بے آواز فائرنگ کی وہ آوازیں بائیں طرف سے آرہی تھیں۔

ایک کمانڈو دشمن پر عقب سے ٹوٹ پڑنے کے انداز میں لپک کر روشن کمرے کے بند دروازے پر پہنچا۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے ہینڈل پر اپنا ہاتھ جما کر متوقع ردِعمل کا کچھ اندازہ لگایا پھر ایک تیز

جھٹکے سے دروازہ کھول کر دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔

اندر سے کوئی آہٹ نہیں سنائی دی البتہ گہرے گہرے سانسوں کی آوازیں بہت واضح تھیں۔

میں اوّل خان کو ہٹا کر کھلے ہوئے دروازے پر پہنچ گیا۔ وہ کوئی خوابگاہ تھی جہاں ڈریسنگ ٹیبل پر ایک ایمرجنسی لائٹ روشن تھی۔ خوابگاہ بہت کشادہ اور صاف ستھری تھی لیکن وہاں موجود اشیا سے سادگی ٹپک رہی تھی۔ بستر پر دو انسانی جسم بالکل ساکت پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک جسیم اور قد آور ادھیڑ عمر شخص تھا جس کی کنپٹیوں کے بال بالکل سفید ہو رہے تھے۔ اس کے ایک نتھنے میں خون جما ہوا تھا۔ بستر کی سفید چادر پر بھی خون کے کئی چھوٹے چھوٹے دھبّے چمک رہے تھے جو اس شخص کی مزاحمت کا شاخسانہ معلوم ہوتے تھے۔ دوسرا اوسط قامت و جسامت والا ایک نوجوان تھا جسے فوراً ہی بڑی ون کی حیثیت سے پہچان لیا گیا۔

وہ دونوں بے ہوش تھے مگر میں ان کے بدن پر نظر پڑتے ہی لرز اٹھا۔ شاید اپنے حریفوں کے کولھوں کی ہڈیاں اتار کر انہیں مفلوج و معذور کر دینا لی وانگ کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ ان دونوں کی ایک ایک ٹانگ، کولھوں کے قریب سے اس طرح باہر نکلی ہوئی تھی جیسے الگ سے پتلون اور پاجامے میں پھنسا دی گئی ہو۔ کولھوں کے جوڑ کے پاس ان کی ہڈیاں وحشت ناک حد تک پھیلی ہوئی تھیں۔

اوّل خان نے بولنے کا خطرہ مول لئے بغیر، اشارے سے دو آدمیوں کو وہاں روک دیا اور خود تیزی سے باہر نکل گیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ مجرموں کی تحویل سے بے گناہ یرغمالیوں کی بازیابی کا اہم ترین مرحلہ کسی بھی مقابلے کے بغیر سر کر لیا گیا تھا اور اس وقت پوری مہم صرف دو مجرموں کی سرکوبی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

باقی رہ جانے والے پانچوں افراد پنجوں کے بل مکان کے اس حصے کی طرف بڑھنے لگے جدھر سے بے آواز فائرنگ کی محدود سی آوازیں آ رہی تھیں۔

جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے، یہ یقین واثق ہوتا چلا گیا کہ وہ آوازیں ایک ہی دروازے کے اس پار سے آ رہی تھیں۔ شاید وہ عقبی کمرا اتنا چوڑا تھا کہ اس میں بیک وقت کئی مورچے جمائے جا سکتے تھے۔

وہ پچویشن بہت نازک تھی۔ اس کے بارے میں کوئی پیشگی اندازہ کر کے پہلے سے اپنی حکمتِ عملی تیار کرنی ممکن نہیں تھی اس لیے ہمیں دروازے سے قدرے دور ہی رک جانا پڑا۔

ہم لوگوں کا ایک ساتھ دروازے پر پہنچنا اجتماعی خودکشی سے زیادہ خطرناک اقدام ثابت ہو سکتا تھا۔ اوّل خان نے سب کو وہاں روک کر خود پیش قدمی کرنے کا عندیہ دیا لیکن ایک کمانڈو نے پوری خود اعتمادی کے ساتھ اس کا اور میرا بازو دبایا اور پنجوں کے بل دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ اوّل خان نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

ہم چاروں سمٹ کر دیوار سے لگ گئے اور سانس روک کر کمانڈو کی پیش قدمی کے نتیجے کا انتظار کرنے لگے۔

اندر موجود دونوں چینی اس وقت موت کے چنگل میں جکڑتے جا رہے تھے۔ انہیں اپنے دردناک انجام کا کوئی علم یا اندازہ نہیں تھا لیکن قدرت نے ہر جاندار میں موت کو سونگھ لینے کی ایک عجیب حیوانی جبلت سموئی ہوئی ہے۔ اس جبلت کے زیرِ اثر بیشتر حیوان بروقت اپنی زندگی بچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس وقت بھی کچھ ایسی ہی بات ہوئی۔ وہ کمانڈو اپنی سب مشین گن فائرنگ پوزیشن میں سنبھالے دروازے کے بہت قریب جا پہنچا تھا کہ اندر موجود کسی چینی کی چھٹی حس نے اسے خطرے کا احساس دلایا اور اس نے کچھ پوچھے یا کسی کو للکارے بغیر پلٹ کر ایک فائر دروازے کی طرف جھونک مارا۔ کمانڈو اضطراری طور پر اپنے بائیں پہلو پر گر گیا۔ بے آواز گولی ایک زناٹے کے ساتھ کنکریٹ کے فرش سے اچٹ کر کسی دیوار میں پیوست ہو گئی۔

کمانڈو کے گرنے کا دھماکا اندر سن لیا گیا اور فوراً ہی بلغمی آواز والے نے چیخ کر پوچھا "کون ہے؟" اپنے سوال کے ساتھ ہی اس نے کھلے ہوئے دروازے میں دوسرا فائر داغ دیا۔

اوّل خان نے فضا میں انگلی گھما کر ہم لوگوں کو ایک جگہ جمع رہنے کے بجائے اس دروازے کے گرد پھیل جانے کا اشارہ کیا اور خود سینے کے بل فرش پر گر گیا۔ نیچے لیٹتے ہی اس نے اپنی سب مشین گن سے اس تاریک کمرے میں ایک ہلکا سا برسٹ چلا ڈالا۔

وہ برسٹ بقیہ لوگوں کے لیے ایک سگنل تھا۔ اچانک باہر کی تاریک فضا متعدد گولیوں کے پُرہول دھماکوں سے لرز اٹھی۔ مجرموں کے خلاف بھرپور کارروائی کا آغاز ہو چکا تھا۔ انتظار کے اعصاب شکن لمحات ٹل گئے تھے اور فیصلہ کن عملی حملے کی ابتدا ہو گئی تھی۔

اندر محصور دونوں مجرم بیک وقت چینی زبان میں زور زور سے بولنے لگے۔ شاید وہ اس ناگہانی آفت کے بارے میں ایک ہی وقت میں ایک دوسرے کو اپنے اندازوں سے آگاہ کرنا چاہ رہے تھے۔

اس مختصر ترین مہلت سے فائدہ اٹھا کر ایک کمانڈو سینے اور کہنیوں کے بل کھلے ہوئے دروازے میں رینگ گیا اور پھر اس نے کمرے میں گولیوں کی مسلسل بوچھاڑ کر دی۔ میری دانست میں اس نے اپنی جان پر کھیل کر وہ کارروائی کی تھی اور حیرت ناک طور پر اپنی کوشش میں کامیاب رہا تھا۔

کمرے میں بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں گونجیں۔ اوّل خان غضب آلود آواز میں غرّایا "ہتھیار پھینک دو۔ تم ہر طرف سے گھیرے میں لیے جا چکے ہو۔ تمہاری کوئی کوشش بار آور ثابت نہیں ہو سکتی۔"

"تم کُتّے کے بچے، مکّار اور فریبی ہو" اندر سے اس فقرے کے بعد گالیوں کی یلغار ہو گئی۔

اس وقت واقعات اتنی تیزی سے رونما ہو رہے تھے کہ کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں تھا۔ چوکھٹ میں فرش سے چپکے ہوئے کمانڈو کا برسٹ جاری ہی تھا کہ اندر سے کوئی چیز فضا میں اڑتی ہوئی

آئی اور فرش پر گرتے ہی پھسپھسی آواز کے ساتھ پھٹ گئی۔ باہر اس کے پھٹتے ہی تاریک تر دھواں بہت تیزی کے ساتھ بھرنے لگا اور ہم سب پر کھانسی کے دورے پڑنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

"بھاگو!" اوّل خان ہذیانی آواز میں چیخا "یہ زہریلی گیس ہم سب کو بے ہوش کرکے مفلوج کردے گی۔ سانس روک کر اس کی زد سے بچو....." پھر وہ بھی بری طرح کھانسنے لگا۔ اونچی آواز میں بولنے کے باعث اس مہلک گیس کی کچھ مقدار اس کے پھیپھڑوں میں بھی پہنچ گئی تھی۔

دروازے کے وسط میں پڑے ہوئے کمانڈو نے فرش چھوڑ کر اچانک کمرے میں دوڑ لگادی۔ میں بری طرح کھانستا ہوا اٹھا تو مجھے کچھ نہ سوجھا۔ میں بھی پوری قوت سے اسی کمرے کی طرف دوڑ پڑا جس میں دونوں چینی موجود تھے۔ میں دروازے میں داخل ہوا ہی تھا کہ مجھ سے پہلے اندر جانے والا کمانڈو ایک کریہہ چیخ کے ساتھ فضا میں اڑتا ہوا میرے اوپر آگرا اور میں اس کی جھونک سہارنے کی کوشش کرنے کے باوجود پشت کے بل فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ کمانڈو کی سب مشین گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جاگری تھی اور گرتے ہی جھٹکے سے خود بخود چل چکی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کی کسی گولی کا رخ میری طرف نہیں تھا۔ اس کے زیرِ استعمال میگزین کا بقیہ حصہ چند لمحوں میں خالی ہوگیا۔

بقیہ لوگ بھی زہریلے دھوئیں سے پناہ لینے کے لیے کھانستے ہوئے اسی کمرے میں گھس آئے اور کمرے میں موجود دونوں پستہ قامت اور دہرے بدن والے چینیوں نے 'ہو' ہا اور یاع کی لمبی آوازوں کے ساتھ اچھل اچھل کر ہر اس شخص کو اپنا نشانہ بنانا شروع کردیا جو اپنے قدموں پر کھڑا ہوا نظر آرہا تھا۔

بعد میں اندر آنے والوں میں ویرا اور اوّل خان کے ساتھ ایک کمانڈو بھی تھا۔ وہ تینوں گیس سے اس بری طرح متاثر ہوئے تھے کہ فوری طور پر چینیوں کے تابڑتوڑ حملوں کا سدباب نہ کرسکے اور نہایت سرعت کے ساتھ فرش پر ڈھیر ہوتے چلے گئے۔ اس دھماچوکڑی میں کوئی مجھ سے ٹکرا کر گرا۔ میں غصے اور جھلاہٹ کے عالم میں دانت پیستا ہوا اٹھا تو فوراً ہی ایک چینی نے کسی سبک اندام بازی گر کی طرح اپنے ہاتھوں کے بل پر فضا میں الٹ کر اپنی لاتیں چلائیں اور میرے جبڑے پر گویا قیامت سی ٹوٹ پڑی۔ میں نے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا پستول سیدھا کیا تو وہی چینی دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوچکا تھا۔ اس نے "ہو" کی کریہہ آواز نکال کر میری گردن کی جڑ میں کھڑی ہتھیلی کا وار کیا اور میں کھڑے کھڑے تیورا کر رہ گیا۔ ان دو چینیوں نے آناً فاناً میں سب کو حواس باختہ کرکے رکھ دیا تھا۔

"روشنی کرو اور ان سؤر کے بچوں کو پکڑلو" اوّل خان نے فرش پر پڑے پڑے، دانت کچکچا کر کہا۔ روشنی کی حد تک اس کی بات درست تھی۔ فوراً ہی کمرے میں دو سرچ لائٹس روشن ہوگئیں لیکن ان سؤر کے بچوں کو پکڑنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ چھلاووں کی طرح اپنی جگہیں بدل بدل کر سب پر وار کررہے تھے۔

میں حیران تھا کہ اس نازک موقعے پر مارشل آرٹس میں ویرا کی بے مثال مہارت کہاں جاسوئی تھی۔ وہ ایک دیوار کی جڑ میں پڑی گیس کے موذی اثرات سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کررہی تھی۔

میں نے پستول تان کر ایک چینی پر فائر کیا لیکن گولی چلنے سے پہلے ہی وہ کھلی ہوئی عقبی کھڑکی میں سے باہر کود چکا تھا۔ پھر ویرا بھی جھرجھری لے کر اٹھی۔ اس نے ہوا میں اپنا جسم اچھال کر اپنے حریف کی کھوپڑی پر لاتیں رسید کیں تو وہ کسی بدمست ہاتھی کی طرح اپنی جگہ پر جھوم کر رہ گیا۔ ویرا دوبارہ اس کی طرف لپکی تو اس چینی نے ویرا کے پیٹ میں گھٹنا رسید کیا اور وہ چیخ مار کر پیچھے الٹ گئی۔

اس دھماچوکڑی اور افراتفری میں ہماری ساری منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ اس وقت تک مجھے یہ دیکھنے کا خیال بھی نہیں آیا تھا کہ ان میں سے کس چینی کا ایک کان آدھا غائب تھا۔

ویرا نے اپنی سخت جانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بار پھر اپنے حریف کو فلائنگ ککس مارنے کی کوشش کی مگر چینی بھی ویرا کے تیور بھانپ کر اسی موڈ میں آچکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی اپنی پرواز کے عین وسط میں ان دونوں کی لاتیں پوری قوت سے آپس میں ٹکرائیں۔ دونوں کی بے ساختہ چیخیں نکل گئیں اور وہ تڑپتے ہوئے فرش پر آرہے۔

ویرا سبک اندام تھی اس لیے سنبھل کر فوراً ہی اٹھ گئی۔ چینی کو قدرے فربہ اندام ہونے کی وجہ سے زیادہ چوٹیں آئی تھیں اس لیے وہ فوراً نہ اٹھ سکا۔

اس وقت تک سب ہی کو اندازہ ہوگیا تھا کہ ان کا ایک حریف بھاگ نکلا ہے اور مقابلہ صرف ایک بدمعاش سے ہے۔ میرے ساتھ دونوں کمانڈوز بھی اس پر پل پڑے۔ میں اس کی پسلیوں پر ایک ٹھوکر مارنے کے بعد اس کے سینے پر سوار ہوگیا۔ پستول میرے ہاتھ سے نکل چکا تھا اس لیے میں نے اس کے پلپلے چہرے پر مکوں کی بھرمار کردی۔

وہ خبیث حیران کن بلکہ شیطانی قوتِ برداشت کا مالک تھا۔ خاموشی سے فرش پر پڑا مار کھاتا رہا۔ میں نے سوچا کہ وہ بے جان ہوگیا ہے یا پھر حوصلہ ہار بیٹھا ہے لیکن وہ میری سنگین غلطی تھی۔ وہ اپنی توانائیاں مجتمع کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

اچانک اس نے جھرجھری لی اور چکنے ربر کے کسی لچکیلے پتلے کی طرح ہم تینوں کی گرفت سے صاف نکل گیا۔ اٹھتے اٹھتے ویرا کو اپنی ٹانگوں میں پھنسا کر ایک طرف اچھال دیا۔ بیک وقت اپنے چار حریفوں کو چکمادے کر وہ واپس پلٹنے کے بجائے کھڑکی کی طرف لپکا۔

"رکو!" اوّل خان اضطراری آواز میں غرایا۔ اس کے ہاتھ میں ایک مرتبہ پھر سب مشین گن آگئی تھی۔

کھڑکی کی طرف دوڑتا ہوا چینی رکا نہ اس نے پلٹ کر دیکھنے کی زحمت کی۔ اوّل خان کے صبر اور برداشت کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔

اس نے دیکھ لیا تھا کہ پانچ بٹے کٹے اور تربیت یافتہ مقامی لڑاکا بھی دو بے ڈول چینیوں کو زیر کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ اس نے اپنے ہاتھ میں موجود سب مشین گن کی نال کا رخ بھاگتے ہوئے چینی کی طرف پھیرا پھر میرے روکتے روکتے اس نے ٹریگر دبا دیا۔

تڑاتڑ گولیاں چلنے لگیں۔ خالی خول فرش پر گرتے رہے۔ جب میگزین خالی ہو چکا تو اس چینی کی پشت بری طرح چھلنی ہو چکی تھی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ ہاتھ ہوا میں یوں لہرا رہے تھے جیسے وہ گہرے پانی میں ڈوبنے سے بچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ آخر اس کا بھاری وجود ایک پُرشور آواز کے ساتھ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

"تم نے بہت برا کیا" میں نے اوّل خان کے برابر میں پہنچ کر آہستہ سے کہا "مارنے سے پہلے یہ تو دیکھ لیتے کہ اس کے دونوں کان پورے ہیں یا نہیں...."

"جہانگیر کا آپریشن ہو جائے گا تو کوئی قیامت نہیں آجائے گی" وہ میری بات کاٹ کر دہاڑا "تم نے دیکھا نہیں کہ یہ دونوں کیسے' بدروحوں کی طرح سب کو پیس ڈالنے پر تلے ہوئے تھے؟ مجھے اب تک یقین نہیں آرہا کہ موٹے اور بھدے جسم کے ساتھ آدمی اس قدر تیز اور پھرتیلا ہو سکتا ہے۔ میں اسے نہ مارتا تو یہ ہمارے ہاتھ آنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس کے ساتھی نے باہر ابھی تک سب کو دوڑ لگوائی ہوئی ہے۔"

اس وقت اوّل خان کے سر پر چینیوں کا آسیب سوار تھا اس لیے اس سے بحث بے سود تھی۔ میں شکست خوردہ انداز میں چلتا ہوا' بے جان چینی کے قریب پہنچا۔ اس کے چہرے پر موت کی اذیت ثبت ہو کر رہ گئی تھی لیکن اس کے ہونٹ یوں کھنچے ہوئے تھے جیسے وہ استہزائیہ مسکراہٹ ہو۔ سر گھما کر اس کا داہنا کان دیکھتے ہی میرے وجود میں اطمینان کی ایک لہر سرایت کر گئی۔ اس کا پورا کان سلامت تھا۔

"کون ہے یہ؟" مجھے کھڑکی کی طرف جاتے دیکھ کر اوّل خان نے اپنی جگہ سے سوال کیا۔

"چیانگ فاؤ!" میں نے مڑ کر کہا "یہ جہانگیر ہی کی نہیں بلکہ بڑی دن اور ریٹائرڈ بریگیڈیئر کی بھی خوش قسمتی ہے کہ لی وانگ ابھی تک باہر دوڑتا پھر رہا ہے۔ شاید تمہارے آدمیوں نے اس کا کٹا ہوا کان دیکھ لیا ہے اسی لیے وہ اسے گولی مارنے کے بجائے زندہ پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"کٹا ہوا کان.... جادوگر چینی.... اترے ہوئے کولھے" اس نے ہذیانی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "معلوم ہو رہا ہے کہ ہم اب تک کوئی برا خواب دیکھتے آئے ہیں۔ باہر جانے سے پہلے ہمیں پورا یقین کرنا پڑے گا کہ چیانگ فاؤ واقعی مر چکا ہے۔ یہ لوگ حبس دم کے ماہر ہوتے ہیں۔ کیا پتا میدان خالی دیکھ کر یہ بھی اٹھے اور کسی دوسرے راستے سے بھاگ نکلے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے مکاؤ میں ان لوگوں کو کیسے زک پہنچائی ہو گی؟"

چینیوں سے مار کھانے کی وجہ سے اس کے حواس بگڑے ہوئے تھے اس لیے میں نے اسے یہ جتانے کا ارادہ ترک کر دیا کہ اس نے جتنی گولیاں چیانگ فاؤ کے بدن میں اتاری تھیں وہ کسی بدمست سانڈ کو بھی موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے کافی ہوتیں۔

کھڑکی سے باہر کا منظر حیران کن تھا۔ ایس ٹی ایف کے آدمیوں نے اپنی سرچ لائٹس روشن کر کے لان پر ڈال دی تھیں اور لی وانگ کو پکڑنے کی جدوجہد میں اِدھر اُدھر بھاگے پھر رہے تھے۔ میں اس دلچسپ تماشے سے لطف اندوز ہونے کے لیے کھڑکی سے نیچے کود گیا۔

ان کی تعداد چار تھی لیکن وہ لی وانگ کے سامنے بے بس نظر آرہے تھے۔ کسی خطرناک مجرم کی گرفتاری کی کوشش سے زیادہ وہ ایک کھیل نظر آرہا تھا۔ ایک مرتبہ یوں نظر آیا جیسے لی وانگ پکڑا لیا جائے گا۔ اس کے پیچھے لگے ہوئے آدمی نے پوری قوت مجتمع کر کے لمبی جست لگائی اور منہ کے بل گھاس پر جا گرا۔ لی وانگ اپنی رفتار تیز کر کے سرعت سے آگے نکل گیا تھا۔

اوّل خان بھی دیرا کے ساتھ باہر آچکا تھا۔ دونوں کمانڈوز اندر ہی رہ گئے تھے۔

لی وانگ کے مقابلے میں اوّل خان کے آدمی اپنی ایک کوشش میں پوری طرح کامیاب تھے کہ وہ اسے احاطے میں دیوار یا پھاٹک کی طرف جانے سے روکے ہوئے تھے۔ فرار کی کوئی راہ نہ ملنے کی صورت میں لی وانگ بہت دیر تک اپنی بھاگ دوڑ جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔

پھر ان چاروں نے لی وانگ کو گھیر ہی لیا اور اس کا انجام سامنے نظر آنے لگا۔ وہ چوکنے انداز میں اپنی جگہ پر جما کھڑا رہا۔ چند ثانیوں تک ایک دوسرے کی اضطراری حرکات کا جائزہ لینے کے بعد وہ چاروں اپنے شکار پر جھپٹے تو وہ اچانک ہی نیچے بیٹھا اور کسی چکنی مچھلی کی طرح ان کے درمیان سے پھسل کر دور نکل گیا۔

"تم لوگ مر کر بھی مجھے زندہ نہیں پکڑ سکتے" ان سے بچ نکلنے کے بعد وہ ہانپتے ہوئے چیخا "یہ کھیل ختم کرنے کے لیے تم مجھ کو گولی مارنے پر مجبور ہو جاؤ گے.... آخر تم اپنے ہتھیار کیوں استعمال نہیں کرتے۔"

ان میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس اس پر اگلا وار کرنے کے لیے پینترے بدلتے رہے۔ ان کے سانس اپنے حریف سے کہیں زیادہ چڑھے ہوئے تھے۔

"ہم کسی ملزم پر ہتھیار نہیں اٹھاتے" اوّل خان نے اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر' اونچی آواز میں اس کی بات کا جواب دیا "ملزم کو مجرم قرار دے کر سزا سنانا عدالتوں کا کام ہے' ہمارا نہیں۔"

"ڈیبی جیسے جھوٹے اور مکار کے ہم نوا قانون کے نگہبان کب سے ہو گئے؟" اس نے زہریلے قہقہے کے ساتھ پوچھا "بلیاں اگر چوزوں کی رکھوالی شروع کر دیں تو بھیڑیے حیرت سے اپنی دُمیں چبا جائیں گے۔"

"یہ تمہارے اور ڈینی کے معاملات ہیں" اوّل خان مزید پیش
قدمی کرتے ہوئے بولا "میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ہمیں ڈینی
کی ذات میں نہیں بلکہ اس مشن سے دلچسپی ہے جس پر وہ کام کر رہا
تھا۔"
"تم پر تمہارے خدا کی لعنت ہو" وہ اوّل خان کی بات کاٹ کر
بولا "تم نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے چیانگ فاؤ کو بے وقوف بنا لیا
تھا لیکن اب مجھے دھوکا نہیں دے سکو گے۔ چوروں کی طرح ہم پر
شب خون مار کر تم نے اپنے عزائم کو بے نقاب کر دیا ہے۔"
اس وقت تک اوّل خان ٹہلتا ہوا، لی وانگ سے پندرہ بیس گز
دور پہنچ چکا تھا۔ اس نے اچانک ہی اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور
نکال کر لی وانگ پر تان لیا اور غرّاتے ہوئے بولا "ہاتھ اٹھا لو ورنہ
اب میں واقعی تم کو شوٹ کر دوں گا۔ میرے آدمی صرف احکام کی
تعمیل کرتے ہیں مگر میں اپنے فیصلے خود کرتا ہوں۔"
اوّل خان کی اس حرکت نے مجھے مضطرب کر دیا۔ وہ غصے میں
چیانگ فاؤ کو مار چکا تھا لیکن لی وانگ کی موت کے بعد جہانگیر اور
دوسروں کی فوری صحت یابی ایک خواب بن کر رہ جاتی۔ اس بار بھی
وہ مجھ سے اتنی دور تھا کہ میں اپنی شدید خواہش کے باوجود اسے
روکنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔
"سوچو نہیں گولی چلا دو" لی وانگ نے ذرا بھی پریشانی کا اظہار
کیے بغیر، بے خوفی سے کہا "مکاؤ والوں کے لیے ڈون کوانگ فو کی
کسی خواہش پر جان قربان کر دینے سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی
ہے؟ وہ ہمارے پسماندگان کو اتنا نوازے گا کہ ہماری کئی پشتیں بے
فکری کی زندگی گزار سکیں گی۔ ہم عمر بھر کماتے رہیں تب بھی ڈون
کے انعامات کا عشرِ عشیر نہیں جوڑ سکتے۔ سوچ کیا رہے ہو، چلاؤ
گولی!"
اوّل خان نے اپنا ہاتھ سیدھا کر کے لی وانگ کے سینے کی
شست لے لی۔ وہ کسی چٹان کی طرح اپنی جگہ اٹل کھڑا رہا۔ آدمیوں
سے بھاگنے والا اپنے سینے پر گولی کھانے کے لیے تیار تھا۔
اوّل خان کے ریوالور کی نال قدرے نیچے جھکی اور لی وانگ
نے اس کا ارادہ بھانپ لیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے کھڑے کھڑے
اس کے پیروں میں اسپرنگ نکل آئے ہوں۔ اس نے قدرے جھک
کر اپنے قدموں پر زور ڈالا اور فضا میں کئی فٹ اوپر اچھل گیا۔
اوّل خان کی چلائی ہوئی گولی اس کے نیچے سے گزر گئی۔
دوبارہ لی وانگ کے قدم زمین سے لگے تو ایسا معلوم ہوا جیسے
اس کے پیروں میں پورے بدن کا بوجھ سہارنے کی طاقت ہی نہ رہی
ہو۔ وہ گھاس پر بیٹھتا چلا گیا۔
"تم میری ٹانگیں زخمی کر کے مجھے نہیں پکڑ سکو گے" لی وانگ
بیٹھے بیٹھے استہزائیہ آواز میں بولا "میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے
مارنے کے بارے میں تمہیں کیا تردد ہے۔ ڈینی کے مشن سے ہمارا
کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سیدھا سادہ ڈون اور ڈینی کی دشمنی کا
معاملہ ہے۔ اگر تم ڈینی کے خیر خواہ ہو تو تمہیں اب تک مجھے گولی
مار دینی چاہیے تھی۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ تم مجھ سے کوئی نئی
بات نہیں اگلوا سکو گے۔"
"دیکھ کیا رہے ہو؟ ٹوٹ پڑو اور باندھ لو اسے" لی وانگ کو
قدموں پر کھڑا ہونے سے گریزاں دیکھ کر اوّل خان نے اپنے
آدمیوں کو للکارا اور وہ باجماعت لی وانگ پر جھپٹ پڑے۔
لی وانگ بس اس وقت تک بیٹھا رہا جب وہ چاروں اس کے
اور اوّل خان کے درمیان حائل نہیں ہوئے، ان کی اوٹ میسر
آتے ہی وہ ایک مرتبہ پھر بھاگ نکلا۔
اس بار اوّل خان اپنی کھوپڑی پر قابو نہ رکھ سکا اور ریوالور
تان کر خود بھی گھاس پر، لی وانگ کے تعاقب میں دوڑ پڑا۔ اسے
میدانِ عمل میں دیکھ کر دیرا بھی خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ اسے ویسے
بھی اچھل کود میں اپنی مہارت پر ناز تھا۔ لی وانگ کا تعاقب کرنے
والوں میں وہ بھی شامل ہو گئی۔
ان کی تعداد چار سے بڑھ کر چھ ہو چکی تھی لیکن لی وانگ
انہیں ایسی غضب کی جھکائیاں دے کر کنّیاں کاٹ رہا تھا کہ ان کی
طبیعتیں صاف ہو گئی تھیں۔
پھر وہی ہوا جو ہونا تھا۔ لی وانگ نے اپنی بے مثال جسمانی
پھرتی سے وقت ضرور حاصل کر لیا لیکن وہ اپنے مقدر کو نہ ٹال سکا۔
چھ حریفوں کے مقابلے میں اس پر تھکان کا غلبہ ہوتا ہوا نظر آنے
لگا۔ اس اثنا میں اوّل خان کو اس کے پیچھے لگنے کا موقع مل گیا۔
اس نے دو مرتبہ لی وانگ کو للکار کر رکنے کا حکم دیا لیکن اس پر
کوئی اثر نہیں ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اوّل خان نے بھاگتے بھاگتے اس
کی پنڈلیوں پر دو فائر جھونک مارے۔ وہ بہت اچھا نشانے باز تھا۔ لی
وانگ زخمی ہونے کے بعد لان پر گرا اور قلابازیاں کھاتا ہوا، دور
تک چلا گیا۔
اس پوری بھاگ دوڑ میں اس نے پہلی بار مار کھائی اور وہ
سب جونکوں کی طرح اس سے لپٹ گئے۔ اس کی زخمی پنڈلیوں کی
پروا کیے بغیر اسے مضبوط ڈوری سے جکڑ دیا گیا۔
وہ غراتا اور کراہتا رہا لیکن اس نے کسی سے رحم کی التجا نہیں
کی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے دشمن کے ساتھ کسی رو
رعایت سے کام لیتے ہیں نہ کڑے وقت میں خود کسی رعایت کے
طلب گار ہوتے ہیں۔ جو کچھ بھی ان کے دماغ میں سما جائے اس کے
لیے لڑتے ہیں اور لڑتے لڑتے ہی مر جاتے ہیں۔
لی وانگ پستہ قامت ہونے کے باوجود دو آدمیوں سے زیادہ
وزنی تھا۔ ایس ٹی ایف والوں نے پہلے ہی اس بات کا اندازہ لگا لیا
تھا اس لیے جب لی وانگ کو وہاں سے لے جانے کا سوال سامنے
آیا تو ان لوگوں نے کسی ایک شخص کو امتحان میں ڈالنے کے بجائے
مل جل کر اسے لے جانے کا بندوبست کیا پھر اس کے بندھے ہوئے
ہاتھوں اور پیروں کے درمیان میں سے ایک لمبا بانس گزار کر چار
افراد نے اسے کسی شکار کیے ہوئے چوپائے کی طرح بانس سے لٹکا کر
اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تمہارے ہاتھوں مغلوب ہونے کے بعد میرا یہی حشر ہوگا۔" لی وانگ کسی قسم کی تکلیف کا اظہار کیے بغیر کٹکھنے کتے کی طرح غرایا "خیر میں بھی دیکھتا ہوں کہ مجھے زندہ رکھ کر تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہو۔"

اوّل خان اس کے ساتھ بے رحمانہ سلوک پر مائل تھا لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ اس سے تلخی بڑھانے کے بعد ہم اپنی مرضی کا کام نہیں لے سکیں گے۔ میں نے اوّل خان سے کوئی رائے لیے بغیر اس کے چاروں آدمیوں کو تحکم آمیز لہجے میں ہدایت دی "اسے گھاس پر ڈال دو!"

ان چاروں نے فوراً ہی میری ہدایت پر عمل کیا۔ اس وقت بقیہ آدمی لان میں بکھری ہوئی سرچ لائٹس وغیرہ سمیٹنے میں مصروف تھے۔ میں نے لی وانگ سے مخاطب ہو کر کہا "تمہیں لٹکا کر لے جانے میں ہماری کسی بدنیتی کا نہیں بلکہ مجبوری کا دخل ہے۔ تمہارا وجود اس قدر بھاری ہے کہ کوئی ایک آدمی تمہیں اٹھا کر نہیں چل سکتا۔ ہمارے پاس کوئی اسٹریچر بھی نہیں ہے اور تم اپنے قدموں پر چلنے سے معذور ہو چکے ہو۔ تم خود بتاؤ کہ تمہیں یہاں سے لے جانے کے لیے کیا صورت اختیار کی جائے؟ ہم تمہارے ساتھ بدسلوکی نہیں کرنی چاہتے۔"

اس نے لحظہ بھر کے لیے غور سے میری طرف دیکھا پھر برہمی سے بولا "بانس پر لٹکا کر لے جانے سے بہتر ہے کہ تم گلے میں رسی باندھ کر مجھے زمین پر گھسیٹنا شروع کردو۔"

"تم بلاوجہ بگڑ رہے ہو۔" میں نے تحمل سے کہا "تم خود ہی اپنی پسند کا کوئی طریقہ بتاؤ۔"

"کسی بڑی چادر کے چاروں کونوں پر گرہیں لگا کر بھی اسٹریچر کا کام لیا جا سکتا ہے۔" وہ قدرے توقف کے بعد بے پروائی سے بولا جیسے اسے یقین ہو کہ اس کی تجویز پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

میں نے اوّل خان کے آدمیوں کو اندر سے چادر لانے کی ہدایت دے کر لی وانگ کو حیران کردیا۔

جب اسے اس کی تجویز کے مطابق چادر پر ڈال کر اٹھایا جا رہا تھا تو وہ الجھن آمیز انداز میں بڑبڑانے لگا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہو رہے ہو!"

"تمہاری پریشانی بجا ہے۔" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا "تم میرے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ میں زندہ تمہارے ہاتھ نہ آتا تو تم مجھے مار ڈالنے سے دریغ نہ کرتے جوابی کارروائی میں تمہیں ہلاک کردینا میرے لیے سب سے سہل کام تھا لیکن میں تمہیں زندہ رکھ کر ڈون کوانگ فو کو اپنی نیک نیتی اور خیر سگالی کا یقین دلانا چاہتا ہوں۔ چیانگ فاؤ بھی مقابلہ کرتے ہوئے خطرناک نہ ہو گیا ہوتا تو زندہ رہتا۔ وہ اپنی حماقت کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ ہم تمہیں یہاں سے اپنی نگرانی میں رخصت کریں گے تاکہ تم برے عزائم کے ساتھ دوبارہ ادھر کا رخ نہ کرو۔ تمہاری کہانی سن کر ڈون بھی میرے بارے میں اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تمہیں ڈون کی خوشنودی کی اتنی فکر کیوں ہے؟"

"ہم منصب لوگ ایک دوسرے کی بیخ کنی نہیں کرتے [illegible] کام کرتے ہیں۔" میں نے گمبھیر آواز میں کہا "اگر غصے میں [illegible] دماغ چل گیا ہے تو مجھے رواداری اور درگزر سے کام لینا چاہیے۔"

"تم اس کے ہم منصب کہاں سے ہو گئے؟" میری [illegible] نے اسے بری طرح الجھا دیا تھا۔

"یہ تمہاری سمجھ سے باہر کی باتیں ہیں۔" میں نے پُرغرور [illegible] کے ساتھ کہا "وہ شی کے نام پر مکاؤ میں حکمرانی کرتا ہے تو میں اس علاقے کا بے تاج بادشاہ ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ میں نے مکاؤ میں اسے اپنی اصلیت سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ مجھے مکاؤ ہی میں اس کی غلط سوچ کا اندازہ ہو جاتا تو میں وہیں اسے مطمئن کردیتا۔"

"تم پہیلیاں بجھا رہے ہو۔" اس کی حیرت بڑھتی ہی جا رہی تھی اور مجھے اس امر پر شدید حیرت تھی کہ وہ اپنی پنڈلیوں کے گہرے زخموں کو بالکل بھولا ہوا تھا "شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ تم کیا کر رہے ہو۔"

اوّل خان کے آدمی سرچ لائٹس چمکاتے ہوئے ہمارے آگے پیچھے چل رہے تھے۔ ہمارا کارواں مکان کے داخلی دروازے سے عمارت میں داخل ہو گیا۔ اوّل خان نے تین آدمیوں کو وہیں سے گاڑیاں لانے کے لیے روانہ کردیا۔

"میں بہت سوچ سمجھ کر بول رہا ہوں اور تمہیں اپنی بات کا یقین دلانے پر قادر ہوں۔"

"ڈون مکاؤ میں شی کا آئی مین ہے۔" وہ قدرے توقف کے بعد بولا "آئی مین بہت عظیم ہوتا ہے......"

"بدقسمتی یہی ہے کہ تم اب تک اپنے ایک آئی مین کے خلاف صف آرا رہے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "یہ میرا ظرف ہے کہ میں تمہیں اور کوانگ فو کو معاف کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"نہیں.... یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ بے اعتباری سے بولا "مجھے یقین ہے کہ تم اپنی سچائی ثابت نہیں کر سکتے۔"

ہم اس وسیع خواب گاہ میں داخل ہو گئے جہاں دو معذور یرغمالی بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔

زخمی لی وانگ والی چادر کو قالین پر رکھ دیا گیا۔ اس وقت وہاں اوّل خان کے چار کمانڈوز کے علاوہ ایس ٹی ایف کے مزید چار مسلح جوان موجود تھے۔ اوّل خان کے چہرے سے مترشح ہونے والی بے زاری بتدریج زائل ہو چکی تھی۔ لی وانگ سے ہونے والی گفتگو سے شاید وہ سمجھ چکا تھا کہ میں گفتگو کو کس رخ پر لے جا رہا تھا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" چند ثانیوں کی بوجھل خاموشی کے بعد لی وانگ نے مضطرب آواز میں مجھ سے کہا "اگر تم سچے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ آئی مین کون ہوتا ہے۔"

"ٹھہرو، میں ابھی تمہیں مطمئن کیے دیتا ہوں۔" میں نے

پرسکون لہجے میں کہا پھر میں اوّل خان کے آدمیوں کی طرف متوجہ ہوگیا "تم سب باہر ٹھہرو۔ چیانگ فاؤ کی لاش دروازے پر لے جاؤ تاکہ روانگی میں تاخیر نہ ہو۔ ضرورت ہوئی تو تمہیں بلالیا جائے گا۔"

اوّل خان نے سرہلا کر میری ہدایت کی تائید کی اور وہ آٹھوں سر جھکا کر ایک قطار کی صورت میں دروازے سے باہر نکلتے چلے گئے۔ کمرے میں صرف چھ نفوس باقی رہ گئے۔ دو بے ہوش افراد 'لی وانگ' اوّل خان اور ویرا کے بعد چھٹا فرد میں خود تھا۔

"کیا تم سلور آئی کی بات کررہے ہو؟" میں نے لی وانگ کے قریب جاکر باوقار آواز میں پوچھا۔

وہ پشت کے بل چادر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کی پنڈلیوں سے بہنے والے خون نے اس کی پتلون کے پائنچوں کو رنگین کیا ہوا تھا مگر وہ اپنے زخموں سے بدستور بے پروا تھا۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "سلور آئی ہر آئی مین کا زیور ہوتی ہے اور اسے ہم سب سلام کرتے ہیں۔"

میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر سلور آئی نکالی اور ہتھیلی میں لے کر لی وانگ کے سامنے کردی۔

سلور آئی' جس پر سونے میں چاندی کی خواب ناک آنکھ ابھری ہوئی تھی' شی والوں کے لیے معجزاتی حیثیت رکھتی تھی۔ اس گول طلائی سکے پر نگاہ پڑتے ہی لی وانگ کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ آنکھوں میں احترام آمیز سراسیمگی سمٹ آئی اور بے یقینی سے اس کا دہانہ خود بخود نیم وا ہوگیا۔

پنڈلیاں زخمی ہونے کی وجہ سے وہ کھڑا ہونے سے معذور تھا لیکن پھر بھی اس کے بدن میں بجلی سی بھرگئی۔ وہ چادر سے اٹھا اور پھرتی کے ساتھ گھٹنوں کے بل سجدے میں گرگیا۔ اس وقت وہ اپنی تنظیم کے ایک بڑے کو بس وہی عزت دے سکتا تھا۔

مکاؤ سے آئے ہوئے چینیوں کا قصہ شروع ہوتے ہی میرے ذہن میں یہ بات جم کر رہ گئی تھی کہ میرا مقابلہ شی کے خوں خوار درندوں سے تھا اس لیے اوّل خان کی معیت میں فلیٹ سے روانہ ہوتے ہوئے میں نے کسی واضح منصوبے کے بغیر دو اہم چیزیں اپنی جیب میں ڈال لی تھیں۔ ان میں سے ایک بیم گن تھی اور دوسری سلور آئی۔

لی وانگ سے باتوں کی ابتدا کرتے ہوئے میں اسے معافی دے کر احسان مند کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن جب مجھے یہ یاد آیا کہ میری جیب میں سلور آئی موجود تھی تو میں نے فوراً ہی گفتگو کا رخ بدل دیا۔ اسے سلور آئی سے مرعوب کرنے کے بعد میں اپنے اشاروں پر نچا سکتا تھا۔ وہ میرے ایک اشارے پر اپنے معذور کئے ہوئے تینوں افراد کی ہڈیوں کے جوڑ بٹھانے پر مجبور ہوجاتا اور اس وقت وہی میرا اہم ترین مقصد تھا۔

"اٹھو!" میں نے سرد لہجے میں کہا "بڑائی چھوٹوں کو فنا کرنے سے نہیں ملتی۔ تم اندھیرے میں تھے مگر مجھے معلوم تھا کہ میرے سامنے کون ہے اسی لیے تم کو زندہ رکھا گیا ہے۔ مکاؤ جاکر ڈون کوانگ فو کو میرا سلام پہنچا دینا۔ اس نے صرف اپنی انا پرستی کی خاطر چیانگ فاؤ جیسے حیرت ناک اور بے جگر آدمی کو مروایا ہے۔"

لی وانگ سجدے سے اٹھ کر سیدھا بیٹھ گیا۔ اس نے میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ رکھے تھے اور فرطِ جذبات سے اس کے ہونٹوں کے گوشے یوں کپکپا رہے تھے جیسے وہ کسی بھی لمحے رو دینے والا ہو۔

"اس کے زخموں کی مرہم پٹی کرو۔" میں نے ویرا کو حکم دیا تاکہ قدرے آرام ملنے کے بعد لی وانگ دونوں بے ہوش افراد پر کام کرسکے۔ ویرا فوراً ہی اس کی طرف بڑھی لیکن لی وانگ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"تم بہت عظیم اور مہربان ہو۔" وہ اپنے دل کی گہرائی سے بولا "میں خود پر لعنت بھیج رہا ہوں کہ اپنے مقدس آئی مین پر ہتھیار اٹھانے سے پہلے میں مرکیوں نہ گیا۔ میری سزا یہ ہے کہ میرے زخموں سے خون بہنے دو۔ مرہم پٹی سے مجھے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میری ایک پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے میں یوں ہی سسک سسک کر مرجاؤں گا۔ مرنے سے پہلے مجھے اپنے آدمی کے کولھے کا جوڑ بٹھانے دو۔ میں مرگیا تو بڑی ون عمر بھر کے لیے معذور ہوجائے گا۔ پھر مجھے اپنے دوست' جہانگیر تک لے چلو۔ وہ بھی اسی عذاب سے گزر رہا ہوگا۔ میرے علاوہ پورے روئے زمین پر صرف ایک مارشل بڑے انسانی جوڑوں کو اتارنے اور بٹھانے میں ماہر ہے مگر وہ اپنی محبوبہ کی بے وفائی کے بعد سنک گیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ مقدس آئی مین کا کوئی غلام میری وجہ سے عمر بھر کی معذوری کا شکار ہوجائے۔"

اپنے دل کی بات اس کی زبان سے سن کر میں اندر ہی اندر جھوم اٹھا لیکن بظاہر بے پروائی سے بولا "یہ کام بھی ہوجائیں گے۔ مجھے ڈون کوانگ فو کی خوشنودی کی خاطر تمہاری جان زیادہ عزیز ہے۔ ان لوگوں کے کولھوں کے جوڑ تو کوئی سرجن بھی بٹھا ہی لے گا۔"

"یہی ایک قیامت کا راز ہے۔" وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر قلق کے ساتھ بولا "اس ناہنجار کے کرتوت کا توڑ دنیا کے کسی سرجن کے پاس نہیں ہے۔ سرجن انسانی جوڑوں کو شیشے سے زیادہ نازک سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ کھینچ تان پر بالکل یقین نہیں رکھتے۔ آرام اور فزیو تھراپی کی ناکامی کے بعد وہ آپریشن کا فیصلہ کریں گے تو گول ہڈی کو بٹھانے کے لیے آنکھ پر نشتر زنی کرکے اسے پھیلائیں گے تاکہ گول ہڈی اس کے اندر سما سکے اور یہی بربادی ہوتی ہے۔ انسان ساری عمر کے درد اور چال کے بگاڑ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ کبھی آنکھ تنگ ہونے لگتی ہے اور کبھی گول ہڈی کا ورم عذاب میں مبتلا کردیتا ہے۔ مجھے یہ کام کرلینے دو تاکہ میرے ضمیر کا بوجھ ہلکا ہوسکے۔"

میں نے اس موضوع میں کسی خاص دلچسپی کا مظاہرہ کئے بغیر

اسے اپنے بے ہودہ ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کی اجازت دے دی۔ ویرا خاموشی اور گہری دلچسپی کے ساتھ اس مذاکراتی شطرنج کا مشاہدہ کر رہی تھی۔

وہ ہتھیلیاں قالین پر ٹیک کر مسہری کی طرف گھسٹنا شروع ہوا تو میں نے مصنوعی ہمدردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے روکنا چاہا "دونوں گہری بے ہوشی کی حالت میں تکلیف کے ہر احساس سے عاری ہیں۔ تم ٹھہرو۔ ہم انہیں باری باری تمہارے پاس لے آتے ہیں۔"

"سخت فرش پر انہیں کوئی اور نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ نرم گدے پر ذرا سی دیر میں کام بن جائے گا۔" اس نے اپنی پیش قدمی ترک کر کے مجھے آگاہ کیا اور دوبارہ مسہری کی طرف بڑھنے لگا۔

اس وقت تک میں لی وانگ کی جان بخشی کا فیصلہ کر چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کی زبان سے میری سلور آئی کا ذکر سنتے ہی کوانگ فو بوکھلاہٹ کا شکار ہو جائے گا اور لی وانگ کی لائی ہوئی خبر کی تصدیق کے لیے جی لائیڈ سے رجوع کرے گا۔ پھر جب جی لائیڈ اسے بتائے گا کہ میں نے وہ ڈراما ایک مسروقہ سلور آئی کے سہارے رچایا تھا تو ڈون غصے میں اپنے سر کے رہے سہے بال نوچنے پر مجبور ہو جائے گا۔

لی وانگ کسی قوی الجثہ کیڑے کی طرح قالین پر گھسٹتا ہوا مسہری تک پہنچا اور کسی خاص دشواری کا سامنا کیے بغیر اچھل کر مسہری پر چڑھ گیا۔ اس وقت بھی دونوں معذور گہری بے ہوشی کی حالت میں تھے۔

لی وانگ بستر کی سفید چادر پر اپنے خون کے گہرے داغ چھوڑتا ہوا برڈی ون تک پہنچا۔ اس نے چند لمحے تک اس کے بگڑے ہوئے چہرے کا جائزہ لیا پھر اپنے موٹے موٹے ہاتھوں کی مدد سے اسے بستر پر چت لٹا دیا۔ برڈی ون کی داہنی ران کی ہڈی خوف ناک انداز میں پتلون میں ابھر آئی۔

لی وانگ ماہرانہ انداز میں برڈی ون کے پیٹ پر سوار ہو گیا۔ اس کی پشت برڈی ون کے چہرے کی طرف تھی۔ اس نے برڈی ون کے پیٹ پر اپنی نشست جمانے کے بعد اس کی داہنی ران تھام کر بستر سے اوپر اٹھالی۔ چند ثانیوں تک وہ برڈی ون کی ران کو فضا میں یوں گھماتا رہا جیسے اسے کھسکے ہوئے جوڑ میں کسی خاص پوزیشن کی تلاش ہو۔ برڈی ون کی پتلون میں کولھے کی ہڈی کا ہولناک اور غیر فطری ابھار تیزی کے ساتھ گھٹنے بڑھنے لگا۔ پھر لی وانگ نے اس ران کو بستر اور دوسری ٹانگ سے تقریباً پچاس درجے کے زاویے پر باہر نکال کر ایک مکروہ آواز کے ساتھ ران کو دھڑ کی طرف شدید جھٹکا دیا۔ فضا میں چٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ہی برڈی ون کی ایک دردناک چیخ ابھری۔ بے ہوشی کے عالم میں اس کا سر بستر سے کافی اوپر اٹھا اور پھر بے جان سا ہو کر نیچے گر گیا۔ اگر لی وانگ اس کے پیٹ پر سوار نہ ہوتا تو شاید وہ اذیت کے عالم میں اٹھ بیٹھا ہوتا۔

لی وانگ نے اس کی ران چھوڑ دی۔ برڈی ون کی پتلون میں نظر آنے والا خوف ناک ابھار یکایک معدوم ہو چکا تھا۔ لی وانگ گھٹنوں اور ہتھیلیوں کا سہارا لے کر اس کے پیٹ پر سے اتر آیا۔ جریانِ خون کے باعث اس کا چہرہ زرد ہو کر پسینوں میں ڈوبنے لگا تھا۔ برڈی ون ایک چیخ مارنے کے باوجود بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

"یہ ٹھیک ہو گیا۔" لی وانگ نے اعلان کیا "دو چار دن تک درد رہنے کے بعد یہ بالکل نارمل ہو جائے گا۔ ہڈیوں کا کوئی سرجن اس وقت مجھے دیکھ لیتا تو مریض پر جان لیوا ظلم کرنے کے الزام میں شاید مجھے گولی ہی مار دیتا لیکن یہ اس جوڑ کو بٹھانے کا واحد بے ضرر طریقہ ہے۔"

"کمال ہے!" اژدل خان استعجابیہ لہجے میں بولا "تم نے یہ فن کہاں سے سیکھ لیا؟"

"جاپانی پہلوان اپنے حریفوں کے جوڑ اتار کر کامیابی حاصل کرتے ہیں اور بعد میں خود ہی جوڑ بٹھا بھی دیتے ہیں۔ یہ فن ان ہی کی میراث ہے۔ میں نے سوکاموتو نامی ایک جاپانی ریسلر سے اس فن میں درک حاصل کرنے کے بعد بہت محنت کی ہے۔ میرا اصل استاد وہی ہے جو اپنی محبوبہ کی بے وفائی کے غم میں سنکی بلکہ نیم پاگل ہو گیا ہے۔"

سب کچھ میری منشا کے مطابق ہو رہا تھا اس لیے میں بالکل خاموش تھا۔

چند ثانیوں تک ستانے کے بعد لی وانگ اس گھر کے بے ہوش مالک کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ریٹائرڈ بریگیڈیئر کے ساتھ بھی اس نے کم و بیش وہی عمل کیا البتہ جب اس نے زبردست جھٹکے کے ساتھ جوڑ بٹھایا تو بریگیڈیئر ایک چیخ کے ساتھ بستر سے اٹھتا ہی چلا گیا۔ وہ دراز قامت اور قوی الجثہ آدمی تھا۔ اس کا جسمانی ردِعمل اتنا شدید تھا کہ لی وانگ اپنے بھاری بھرکم جسم کے باوجود کسی بے وقعت بچے کی طرح اس کے پیٹ پر سے لڑھک گیا۔

بڑی ون کے برعکس، بریگیڈیئر اس جھٹکے سے ہوش میں آگیا اور اپنی بڑی بڑی سرخ آنکھیں کھول کر وحشت زدہ انداز میں ایک ایک کو گھورنے لگا۔ کمرے میں پھیلی ہوئی ناکافی روشنی میں اس کا چوبت ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ رہی سہی کسر خون میں بھیگی ہوئی سفید چادر نے پوری کردی تھی۔

"تم سب کون ہو اور یہاں کیا ہو رہا ہے؟" اس نے بھرائی ہوئی مگر کھلی آواز میں پوچھا۔

"ہم گندے فرشتے ہیں....." لی وانگ نے یہ کہہ کر اس کی کنپٹی پر ایک ہاتھ جڑدیا اور وہ لہرا کر دوبارہ بستر پر گر گیا۔ اس کے حلق سے کوئی کراہ تک نہیں نکل سکی تھی۔

"تم نے یہ کیا کیا؟" اوّل خان لی وانگ کو گھورتے ہوئے غرایا۔

"یہ تمہارا آدمی نہیں، میرا شکار تھا۔" لی وانگ نے اطمینان سے کہا "یہ ہوش میں رہتا تو سب کچھ دیکھتا اور سنتا رہتا۔ پھر ہمارے چلے جانے کے بعد دوسروں کو نت نئی کہانیاں سنا کر حیران کرتا رہتا۔ اس کا بے ہوش رہنا ہی سود مند ہے۔ بڑی ون ہوش میں آیا تو میں اسے نہیں چھیڑوں گا۔"

اوّل خان اپنے آدمیوں کو جلدی جلدی روانگی کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

اس وقت تک لی وانگ کے زخموں سے خون کا بہاؤ، خون کے قدرتی جماؤ کی صفت کے تحت تھم چکا تھا۔ البتہ کہیں کہیں سے رساؤ جاری تھا۔ ویسے تو وہ نسلاً ہی زرد رو تھا لیکن خون کے ضیاع کی وجہ سے اس کے چہرے پر بے روپ پیلاہٹ طاری ہو چلی تھی۔ مجھے ڈر ہونے لگا کہ کہیں جہانگیر کا جوڑ بٹھانے کی نوبت آنے تک لی وانگ خود ہی بے ہوش نہ ہوجائے اور جہانگیر کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے۔

میرے ایما پر وہاں سے فوری روانگی کا فیصلہ کرلیا گیا۔ اس مکان کو اپنے کمانڈوز کی تحویل میں دے کر اوّل خان مجھے اور دریا کو لے کر باہر نکل آیا۔ اس کے آدمیوں نے لی وانگ کو گرہوں والی چادر کی مدد سے جیپ کے عقبی حصے میں ڈال دیا۔ اس وقت اوّل خان کی گاڑی جہانگیر کے گھر پر موجود تھی۔ وہ اپنی گاڑی وہیں چھوڑ کر، اپنے عملے کی جیپ سے اسپتال کی طرف روانہ ہوگیا۔

اسپتال میں جہانگیر تک پہنچنے میں ہمیں کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ایس ٹی ایف والوں کے خصوصی مراسم کی بنا پر جہانگیر کی دیکھ بھال پر فوری توجہ دی گئی تھی اور اس کی پوری متاثرہ ٹانگ پر لچک دار کریپ بینڈیج چڑھا دی گئی تھی۔ اس وقت جہانگیر کے جسم پر مریضوں والا لباس تھا۔ اور وہ کسی زود اثر انجکشن کے زیر اثر بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ اس کے ساتھ رکے ہوئے ایس ٹی ایف کے اہل کار نے بتایا کہ شدید درد کی بنا پر متعلقہ سرجن نے کم از کم اگلے بارہ گھنٹوں تک اسے بے ہوش رکھنے کی ہدایت کی تھی۔

جب زخمی لی وانگ کو جہانگیر کے کمرے میں لانے کا معاملہ کھڑا ہوا تو اسپتال کا عملہ اڑ گیا۔ وہ لوگ لی وانگ کی بگڑی ہوئی حالت کی وجہ سے اسے شعبۂ حادثات میں لے جانے پر مصر تھے۔ وہ حیران بلکہ شبہات میں مبتلا ہوگئے تھے کہ ایک زخمی شخص اپنی حالت فراموش کرکے کسی اور مریض کی عیادت پر کیوں تلا ہوا تھا؟

ان دنوں شہر فسادات کی لپیٹ میں آیا ہوا تھا۔ حریف گروہوں کے افراد ایک دوسرے کو عدالتی تحویل تک میں انتقام کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اِکّا دُکّا ایسی وارداتیں بھی ہو چکی تھیں کہ ایک حریف کے، اسپتال میں داخل افراد کو، دوسری پارٹی کے کارکنوں نے اسپتال میں پہنچ کر ہلاک یا زخمی کردیا۔ جوں جوں ایس ٹی ایف والوں کا اصرار بڑھتا رہا، اسپتال کے فرض شناس عملے کی ضد زور پکڑتی چلی گئی۔ جب کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی لی وانگ، جہانگیر کے کمرے میں نہیں پہنچا تو مجھے تشویش ہونے لگی۔ میں باہر نکلا تو وہ مسائل سامنے آئے۔ وہاں جہانگیر کے بجائے صرف پندرہ نمبر کا ذکر تھا۔

اس وقت بھی لی وانگ اسٹریچر پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے بارے میں ساری بحث و تمحیص اردو میں ہو رہی تھی اس لیے وہ تاخیر کے اسباب سے لاعلم تھا۔ میرے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی، اس نے اسٹریچر کی بلیاں تھام کر اٹھنے کی ناکام کوشش کی مگر میں نے اسے لیٹا رہنے پر مجبور کردیا۔

"یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں اپنے مقدس آئی مین کو تعظیم بھی نہیں دے سکتا۔" وہ بھرائی ہوئی اور حسرت زدہ آواز میں بولا۔ "....یہ لوگ مجھے یہاں کیوں روکے ہوئے ہیں؟ جہانگیر یہ وقت عذاب میں گزار رہا ہوگا۔"

"شبہات!" میں نے کہا۔ "وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ تم اپنی لہولہان پنڈلیوں کو بھول کر جہانگیر کے کمرے میں کیوں جانا چاہتے ہو۔ ہم لوگ اس نکتے کی وضاحت کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے تو تمہارا اسٹریچر حرکت میں آجائے گا۔"

اس وقت تک وہ معاملہ اتنا طول پکڑ چکا تھا کہ اسپتال کے سینئر عملے کو بھی واقعات کا علم ہوگیا تھا۔ چند منٹ بعد ہی ایک آرتھوپیڈک سرجن اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ موقع پر آپہنچا۔

"جناب! اسٹریچر پر پڑے ہوئے مریض کی پنڈلیوں پر گولیوں کے متعدد زخم آئے ہوئے ہیں۔ بائیں پنڈلی کا ورم بتا رہا ہے کہ اس

کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے۔" سرجن نے سرسری انداز میں لی وانگ کا جائزہ لینے کے بعد ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "یہ میڈیکو لیگل کیس ہے۔ آپ اسے نظرانداز کر کے پندرہ نمبر کی عیادت کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں؟ مانا کہ اس کی حالت بہت خراب ہے مگر وہ جوڑ اترنے کا ایک کیس ہے۔ درد سے نجات کے لیے اسے پیتھیڈرین کے انجکشن دیئے جا رہے ہیں۔ اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے جب کہ یہ غیر ملکی زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے مر بھی سکتا ہے۔ پندرہ نمبر کی معذوری کے مقابلے میں اس کی جان کو خطرہ ہے۔ آپ لوگ غیر ضروری بحث میں الجھ کر اس زخمی کے ساتھ مجرمانہ غفلت کا ارتکاب کر رہے ہیں....."

"آپ کی ہر بات درست ہے!" میں نے ڈاکٹر کی بات کاٹ کر انگریزی میں کہا تاکہ لی وانگ بھی پوری صورتِ حال سے آگاہ رہ سکے۔ "یہ ہم میں سے کسی کی رشتے داری یا مجرمانہ غفلت کا معاملہ نہیں بلکہ مسٹر لی وانگ کی اپنی جذباتی عقیدت کا قصہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ان کے دوست کے کولھے کی ہڈی کوئی سرجن نہیں بٹھا سکتا۔ سرجری کے بعد بھی وہ عمر بھر کے لیے معذور ہو جائے گا۔ یہ مہاتما گوتم بدھ کے مخصوص آسنوں اور ہندی یوگا کے بہت بڑے عامل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ چند سیکنڈ میں پندرہ نمبر کے کولھے کی ہڈی بٹھا سکتے ہیں۔"

متوسط عمر والے سنجیدہ سرجن نے مجھے ایسی نظروں سے گھورا جیسے اسے میری دماغی صحت پر شبہ رہا ہو پھر تلخ لہجے میں بولا۔ "اچھا ہوا کہ آپ نے یہ بھی بتا دیا۔ پندرہ نمبر کے جوڑ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ لچک وار ہڈیوں کی بافت پر ایک بار نشتر لگ جائے تو ان کی قدرتی لچک اور نمو بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ وہ صحت یاب ہونے کے بعد بھی پہلے کی طرح نارمل نہیں ہو سکے گا۔ مگر میں یہ بھی بتا دوں کہ اس کی ہڈیاں بہت نازک ہو چکی ہیں۔ بدھ آسن اور ہندی یوگا اس کے مرض کو بگاڑ دیں گے۔ اس کا واحد علاج سرجری میں پوشیدہ ہے۔ مائیکرو جوائنٹ سرجری کے بغیر وہ کبھی بھی اپنی مفلوج ٹانگ کو استعمال نہیں کر سکے گا۔ ایسے واقعات کا تناسب لاکھوں میں ایک کا ہوتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ کوئی ہڈی ٹوٹے بغیر اس کی ران کا اوپری جوڑ کیسے نکل گیا....."

لی وانگ خاموشی سے سرجن کی نستعلیق انگریزی سنتا رہا پھر اچانک ہی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "مقدس ڈیڈی کچھ تکلف سے کام لے رہے ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ میں پندرہ نمبر کا جوڑ آسانی سے بٹھا سکتا ہوں..... کسی آپریشن اور نقص کے بغیر تم بس ایک بار مجھے اس کمرے میں پہنچا دو۔ یہ میری انا کا مسئلہ بن گیا ہے۔"

"یہ ایک مستند اسپتال ہے۔" سرجن انتہائی تلخ لہجے میں بولا۔ "اس چھت کے نیچے ایسے جان لیوا تجربات نہیں کیے جا سکتے۔ تم لوگ اپنے مریض کو یہاں سے لے جاؤ اور جو چاہے کرتے رہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس کا جوڑ مزید خراب کرنے کے بعد اسے یہیں لاؤ گے۔"

"ہینڈز اپ!" فضا میں گونجنے والی ایک وحشیانہ آواز نے سب ہی کو چونکا دیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ اوّل خان کے مزید کچھ آدمی اسپتال آ پہنچے تھے۔ ان ہی میں وہ کمانڈو بھی تھا جس نے لی وانگ کے ہاتھوں بڑدی ون اور ریٹائرڈ بریگیڈیئر کے کولھوں کے جوڑ بحال ہوتے دیکھے تھے۔ اس نے سرجن کی بحث سے تنگ آ کر اچانک ہی اپنی سب مشین گن سیدھی کر کے سرجن کو نشانے پر لے لیا تھا۔ غیر ارادی طور پر سرجن نے وحشت زدہ ہو کر اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ دوسروں نے اس کی تقلید کی۔

"لے جاؤ!" اس نے لی وانگ کے پہیے دار اسٹریچر کو ٹھوکر مار کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اسے پندرہ نمبر میں لے جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں کہ کون اسے روکتا ہے۔ تمہاری واپسی تک میں انہیں یہیں کور کیے رکھوں گا۔"

"مقدس ڈیڈی!" سرجن اپنے ہاتھ اٹھائے اٹھائے پُرتشویش آواز میں بڑبڑایا۔ "سب بگڑے ہوئے جنونی معلوم ہوتے ہیں۔ کوئی مقدس پیر ہے اور کوئی آرتھوپیڈک عامل..... پتا نہیں یہ کیا کریں گے؟"

اوّل خان کے دو آدمی اسٹریچر کو دھکیلتے ہوئے اس راہداری میں لے گئے جو جہانگیر کے کمرے کی طرف جاتی تھی۔ اسپتال کا عملہ بے بسی سے ہاتھ اٹھائے کھڑا رہا۔ زبانی تکرار میں وہ سب ہی اپنے اختیار کی برتری جتا رہے تھے لیکن بحث میں زبردستی کا عنصر شامل ہوتے ہی وہ سب لاچار اور قابلِ رحم نظر آنے لگے تھے۔

میں نے اوّل خان کے کمانڈو کی ایس ایم جی کی نال اپنے ہاتھ سے نیچے گرا دی اور اسپتال کے سرجن سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آپ لوگ ہاتھ نیچے گرا لیں..... میں اس بدتمیزی پر شرمندہ ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ زخمی غیر ملکی ایک خطرناک مجرم ہے۔ ہمیں اس کی زندگی سے زیادہ پندرہ نمبر کی صحت یابی عزیز ہے۔"

"ہم میں سے کسی کو یہ بات نہیں بتائی گئی۔" ایک خوب رو نرس نے تنک کر احتجاج کیا۔

"اسٹریچر پر پڑے ہوئے موٹے کے سامنے کھل کر بات نہیں کی جا سکتی تھی۔" میں نے سنجیدگی سے کہا اور ان میں سے کسی کو یہ اعتراض نہ سوجھا کہ لی وانگ صرف انگریزی جانتا تھا۔ اردو میں کوئی بات بتائی جاتی تو اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو پاتا کہ وہاں کس موضوع پر بات ہو رہی تھی۔

میرے مصالحانہ رویے سے ماحول کا تناؤ ختم ہو گیا اور اسپتال کے عملے کے اراکین اپنی اپنی بولیاں بولتے ہوئے منتشر ہونے لگے۔ میں پندرہ نمبر والی راہداری کی طرف بڑھا تو سرجن مجھ سے آگے تھا۔

"آپ ادھر کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے سرجن کو ٹوکا۔ "اس بد طینت چینی سے سامنا ہو گا تو اپنی تلخ و ترش باتوں سے آپ کی طبیعت مکدر کر دے گا....."

اس نے مجھے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر کہا۔ "میں اس بے ہودہ آدمی کے منہ نہ لگنے کا فیصلہ کر چکا ہوں لیکن پیشہ ورانہ طور پر یہ ضرور دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ مریض کی کیا درگت بناتا ہے۔"

"مجھے تو سو فی صد یقین ہے کہ وہ کامیاب رہے گا۔" میں نے اپنے چشم دید تجربات کا کوئی حوالہ دیے بغیر پورے اعتماد سے کہا۔ "مشرق کو فسوں خیز سرزمین قرار دیا جاتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ مشرق بعید کے بیشتر باشندے محیر العقول اور ماورائی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔"

"مجھے ایک سو ایک فیصد یقین ہے کہ وہ پندرہ نمبر کے کولھے کی ہڈیوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچائے گا۔" سرجن تلخی سے بولا۔ "جوڑ بٹھانے کے لیے ماورائی نہیں، پیشہ ورانہ مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔"

ہم دونوں راستے ہی میں تھے کہ فضا ایک دردناک انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔ سرجن اضطراری انداز میں آگے کی طرف دوڑ پڑا۔ میری رفتار بھی خود بخود تیز ہو گئی کیونکہ وہ چیخ واضح طور پر جہانگیر کی تھی۔

میں سرجن کے پیچھے پیچھے اس وارڈ کے پندرہ نمبر کمرے میں داخل ہوا تو وہاں ایک حیرت ناک منظر ہمارا منتظر تھا۔ لی وانگ مریضوں والے بستر پر پڑا ہوا تھا اور جہانگیر اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کے منہ پر مکے برسا رہا تھا۔ اول خان بوکھلائے ہوئے انداز میں ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کی ناکام کوششیں کر رہا تھا۔ ویرا دور کھڑی پُرتشویش نظروں سے وہ منظر دیکھ رہی تھی۔

"سالے، میں تیرا منہ توڑ دوں گا۔" جہانگیر اپنے مغلوب حریف پر گرج رہا تھا۔ "میں نے بہت دنوں تک تیری غلامی برداشت کی ہے۔ اب میں تجھے معاف نہیں کروں گا۔ تو سمجھ رہا تھا کہ میری ٹانگ موڑ کر تو مجھے مزید جھکانے میں کامیاب ہو جائے گا تو یہ تیری بھول تھی۔ میں تیری ماں۔۔۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔" اول خان نے اسے پکڑتے ہوئے بے بسی سے کہا۔ "لی وانگ نے تمہاری ٹانگ موڑی نہیں تھی بلکہ تمہارے کولھے کا جوڑ بٹھا رہا تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ جوڑ درست ہونے کے ساتھ ہی پیتھیڈرین کے انجکشن کا اثر بھی ختم ہو گیا اور تم ہوش میں آ گئے۔ تم دیکھ سکتے ہو کہ تمہارا جوڑ ٹھیک ہو چکا ہے۔"

ڈاکٹر حیرت سے وہ منظر دیکھ رہا تھا۔ جہانگیر کے جسم پر موجود اسپتال کے مضحکہ خیز لباس میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن میں یہ دیکھ رہا تھا کہ جہانگیر کی پٹیوں میں لپٹی ہوئی ٹانگ مفلوج ہونے کے بجائے آزادی کے ساتھ حرکت کر رہی تھی۔ لی وانگ نے پٹیوں کو اتارے یا کاٹے بغیر ہی جہانگیر کی ٹانگ ٹھیک کی تھی۔

"ناقابل یقین!" سرجن حیرت سے دیدے پھاڑ کر بڑبڑا رہا تھا۔ "یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا مگر ہو گیا۔" اس کی تجربہ کار نظریں بھانپ

چکی تھیں کہ جہانگیر کی شامت دور ہو چکی تھی۔

"تم مجھے مارتے رہو!" جہانگیر کے ہاتھ تھمتے ہی لی وانگ گرفتہ آواز میں آہستہ سے بولا۔ "میں مارشل لی وانگ نہیں، ایک حقیر پِلّا ہوں۔ جو شخص سلور آئی والے کے جانشین پہچان سکے اسے اس زمین پر عزت سے زندہ رہنے کا کوئی حق ہے۔ مجھے حقارت اور بے رحمی سے مار مار کر پیوند خاک کر دو۔"

متعدد افراد کی موجودگی اور مداخلت کی بنا پر جہانگیر کے سے پیتھیڈرین کے اثرات تیزی سے چھٹتے جا رہے تھے۔ ثانیوں بعد ہی لی وانگ کے سینے پر سے اتر گیا۔ اس کے بشرے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے اپنی پچھلی ابتری یاد آنے لگی تھی۔ اپنی اور موجودہ حالت کا موازنہ کر کے وہ لی وانگ کے مفاہمانہ سلو ادراک کرنے کے قابل ہو چکا تھا۔ اسی کے ساتھ اس کے چ کے وحشیانہ تاثرات اعتدال پر آتے جا رہے تھے۔

اسپتال کا اکہرا بستر دو آدمیوں کے سمانے کے لیے ناکافی جہانگیر نے لی وانگ کے خون میں لتھڑے ہوئے پانچوں کو دیکھا سنبھل کر بستر سے نیچے اتر گیا۔ اسے اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہوا د میرا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا اور میں نے بے اختیار ہو کر ا اپنے سینے سے لگا لیا۔

سرجن حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جہانگیر کو اس طرح رہا تھا جیسے اس کے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔ وہ مبہوت ا میں آگے بڑھا اور مجھے الگ کرانے کے بعد جہانگیر کا ہاتھ پک اسے احتیاط سے فرش پر چلانے لگا۔ جہانگیر کی چال میں لنگڑا تھی لیکن بڑی بات یہ تھی کہ وہ اپنے قدموں پر چلنے کے قابل ہ تھا۔ اس کی چال میں لنگڑاہٹ کا سبب جہاں باقی رہ جانے و تکلیف تھی وہاں اس کی پوری ٹانگ پر چڑھے ہوئے کریپ بینڈ کے دبیز خول کا اثر بھی تھا۔

اسے سہارا دے کر چند قدم چلوانے کے بعد سرجن کی پیشا عرق آلود ہو گئی۔

جہانگیر کی دردناک تکلیف کے بارے میں اس کے سار دعوے باطل ہو چکے تھے۔ لی وانگ نے جو کچھ کہا تھا وہ کر دکھایا ت اس کے پاس جوڑوں کا کوئی علم نہیں تھا لیکن عملاً وہ اپنے فن طاق تھا۔

پندرہ نمبر کی معجزانہ صحت یابی کی خبر آناً فاناً میں اسپتال پھیلتی چلی گئی۔ کچھ دیر پہلے باہر رونما ہونے والی بدمزگی کی وجہ پندرہ نمبر ویسے بھی عملے کی چہ میگوئیوں کا محور بن چکا تھا۔ نئی خبر ساتھ ہی پیرا میڈیکل اسٹاف اس کمرے میں بھرنا شروع ہو گیا۔

"اب لی وانگ کی دیکھ بھال میں ذرا بھی تاخیر نہ کریں۔" نے سرجن سے کہا۔ "اسے اسٹریچر پر ڈال کر فوراً یہاں سے جائیں۔ اس کے زخموں سے بہت زیادہ خون ضائع ہو چکا ہے۔"

سرجن کی ہدایت پر متعدد افراد بستر کی طرف لپکے۔ انہوں پھرتی اور مہارت کے ساتھ لی وانگ کو بستر سے اسٹریچر پر منتقل کیا

وانگ نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ ہم سب کی طرف دیکھا اور اس کا اسٹریچر کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

"مجھے ان پٹیوں سے الجھن ہو رہی ہے۔" جہانگیر نے شکایت کی۔ "مجھے ان سے نجات دلاؤ۔"

سرجن کے اشارے پر پٹیاں کھولنے کے عمل کا آغاز کر دیا گیا۔

اول خان' سرجن کو لی وانگ کے بارے میں بتانے لگا تاکہ سے اپنا ریکارڈ مکمل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

تھوڑی دیر بعد ہمارا مسرور و شاد کام کارواں اسپتال سے روانہ ہوا تو ہماری جیپ میں لی وانگ کی جگہ جہانگیر سوار تھا۔ تکلیف سے غیر متوقع طور پر نجات مل جانے کے باعث اس کی خوشی قابل دید تھی۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔" کچھ دیر کے بعد میں نے ندامت آمیز لہجے میں اس سے کہا۔ "میری وجہ سے تمہیں بار بار ناقابل برداشت مصائب جھیلنے پڑ رہے ہیں۔ میری دعا ہے کہ یہ اس سلسلے کا آخری واقعہ ثابت ہو۔"

"اوپری دل سے کی جانے والی دعاؤں سے کچھ نہیں بنے گا۔" وہ چیخ کر بولا۔ "تمہیں اب سدھرنا چاہیے۔ تم اب شادی شدہ ہو۔ تمہاری ان خون آشام دشمنیوں کا سایہ غزالہ کی ذات پر پڑنے لگا تو کیا ہوگا؟ میں مرد ہوں۔ دس مرتبہ بھی اس سے زیادہ دکھ جھیل سکتا ہوں لیکن وہ کیا کرے گی؟"

"میں نے مکاؤ میں جو کچھ کیا' غزالہ کو وہاں سے نکالنے کے لیے ہی کیا تھا۔" میں نے بے بسی سے کہا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ بدمعاش کراچی تک میرا پیچھا کریں گے۔"

"مکاؤ؟" اس نے الجھن سے دہرایا۔ "یہ اچانک مکاؤ کا ذکر کہاں سے آ گیا؟"

معاً مجھے یاد آیا کہ اس بارے میں اس سے کوئی بات ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ میں شکار اولی میں پھنسا ہوا تھا تو لی وانگ اور چیانگ فاؤ اس کے سر پر مسلط ہو گئے تھے۔ میں اس کے گھر پہنچا تو مکاؤ کے غنڈے اسے لے کر وہاں سے غائب ہو چکے تھے۔

میں اسے اختصار کے ساتھ ان دونوں کی آمد کے پس منظر سے آگاہ کرنے لگا۔

"ڈیفی خود سے مکاؤ نہیں پہنچا تھا۔" اچانک ویرا میری بات کاٹ کر بولی۔ "ڈون کوانگ فو کو میں نے اس کی مدد پر آمادہ کیا تھا۔ ڈون درمیان میں نہ آیا ہوتا تو آج غزالہ یہاں عیش کرنے کے بجائے بھارت کے کسی عقوبت خانے میں موت کی آرزو کر رہی ہوتی۔"

"ہاں' میں تمہیں ویرا کے اس احسان کے بارے میں بتانا بھول گیا تھا۔" میں نے طنز سے کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ غزالہ کی پیدائش میری اور ویرا کی ملاقات سے پہلے ہو گئی تھی ورنہ اس واقعے میں بھی ویرا کا کوئی نہ کوئی کردار سامنے آ جاتا۔ اس کی مہربانیاں میری پوری زندگی پر سایہ فگن ہیں۔"

"بھٹکنے کے بجائے اپنی بات جاری رکھو۔" اول خان نے مجھے ٹوکا۔ "یہ ساری تفصیل میں بھی پہلی بار سن رہا ہوں۔"

میں نے دوبارہ وہیں سے بات شروع کر دی جہاں سلسلہ منقطع ہوا تھا۔

ہم لوگ فلیٹ واپس پہنچے تو صبح کے تین بجنے والے تھے۔ اول خان نے جہانگیر سے اس کے پروگرام کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے نیم دلانہ انداز میں اپنے گھر جانے کا ارادہ ظاہر کیا جسے میں نے سختی سے مسترد کر دیا۔

چینیوں نے اس کے گھر سے تمام ملازمین کو رخصت کر کے اس کے گھر کا نظام درہم برہم کر دیا تھا۔ کھانے پینے کا کوئی بندوبست باقی رہا تھا نہ صفائی کا انتظام تھا۔ پورا گھر کباڑ خانے میں تبدیل ہو کر رہ گیا تھا۔ پھر ٹرانسفارمر کی تباہی کی وجہ سے وہ علاقہ مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور اگلی شام تک بھی وہاں بجلی کی فراہمی بحال ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ ان حالات میں جہانگیر کو اپنے گھر جا کر پریشانی اور کوفت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا۔

ہماری جیپ عالمگیر روڈ سے فلیٹ والی گلی میں داخل ہوئی تھی۔ اس وقت اول خان کا اوپر جانے کا موڈ نہیں تھا۔ کام ختم ہو جانے کے بعد وہ جلد از جلد اپنے گھر لوٹ جانے کا خواہاں تھا۔ ہم کچھ دیر تک جیپ ہی میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں اول خان کی عقابی نظریں بار بار گرد و پیش کا طواف کرتی رہیں۔ رفتہ رفتہ اس کا وہ اضطراب اتنا بڑھ گیا کہ میں اس کی بے چینی کا سبب دریافت کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"یہ جیپ میرے عملے کے لیے جانی پہچانی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ فلیٹ کی حفاظت کرنے والے ابھی تک ادھر نہیں آئے۔ مجھے ان کے بارے میں تشویش ہو رہی ہے۔ جیپ پہچان لینے کے بعد ان میں سے کسی نہ کسی کو میرے پاس ضرور آنا چاہیے تھا" اس نے آگے پیچھے نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

مجھے یاد آیا کہ اس نے فلیٹ سے جہانگیر کے گھر کی طرف روانہ ہونے سے پہلے فون پر اپنے عملے کو ہدایات دی تھیں کہ چھ کمانڈوز جہانگیر کے گھر کی طرف اور چار محافظ فلیٹ کے لیے روانہ کر دیے جائیں۔ اگر وہ چار آدمی ان اطراف میں موجود تھے تو ان میں سے کسی نہ کسی کو رپورٹ دینے کے لیے اپنی جیپ کی طرف آنا چاہیے تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ جمال الدین افغانی روڈ پر اپنی گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہوں" جہانگیر نے اپنی رائے ظاہر کی۔ اس فلیٹ کا مالک ہونے کی وجہ سے وہ اس علاقے کی سڑکوں کے ناموں سے بخوبی واقف تھا۔

"اس رخ پر کھڑکیاں یا پھر فلیٹ کی بالکنی ہے" اول خان برہمی سے بولا "وہ اُدھر کیوں جھک مار رہے ہیں؟ انہیں آرام ہی کرنا تھا تو اس گلی میں کہیں گاڑی پارک کر لیتے۔ فلیٹ والی بلڈنگ میں داخلے

کا راستہ اور زینے اسی طرف ہیں۔ دیکھ بھال کی اصل ضرورت اس سمت میں ہے، سامنے نہیں۔"

"کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو گئی ہو" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔

"گڑبڑ؟" اول خان بھڑک کر بولا "کیسی گڑبڑ؟ سارا خطرہ لی وانگ اور چیانگ فاؤ کی طرف سے تھا۔ وہ سارا وقت ہمارے سامنے رہے ہیں۔ انہیں مقامیوں کی کوئی مدد بھی حاصل نہیں ہو سکی۔ پھر گڑبڑ کرنے والے خاکی انڈے کہاں سے آ گئے؟"

"چیانگ فاؤ کا کیا بنا؟" جہانگیر اس کا نام سنتے ہی ایک غیر متعلقہ سوال کر بیٹھا "وہ نظر نہیں آیا۔"

"وہ تمہارے محلے میں ایک ریٹائرڈ بریگیڈیئر کے مکان میں مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا" ویرا بولی۔

"اوہ! وہ مجھ سے کرید کرید کر پڑوسیوں کے بارے میں سوالات کرتے رہتے تھے" جہانگیر بڑبڑایا "مجھے پہلے سے شبہ تھا کہ اپنے اکیلے پن کی وجہ سے بریگیڈیئر صاحب ان خبیثوں کا مرغوب نشانہ بن سکتے ہیں۔"

میں نے جہانگیر کی بے وقت کی راگنی پر دھیان نہیں دیا۔ میرا ذہن اول خان کے اٹھائے ہوئے مسئلے میں بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا اور میری چھٹی حس مجھے کسی انجان خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔

میرے ذہن میں ایک مرتبہ پھر کیڑا رینگنے لگا۔ اول خان ایس ٹی ایف کا ایک بااختیار اور ذمے دار افسر ضرور تھا لیکن کوئی فوق البشر ہستی نہیں تھا، دو ہاتھوں اور دو پیروں والا ایک عام سا آدمی تھا۔ اگر فلیٹ میں کوئی سنگین صورتِ حال رونما ہو ہی گئی تھی تو اول خان اس کے ازالے کے لیے کوئی معجزہ دکھانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

میں نے نرمی سے کہا "بلاوجہ اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ۔ تین بجنے والے ہیں۔ تمہارے بیوی بچے تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اطمینان سے گھر جاؤ۔ کوئی بات ہوئی تو ہم فون پر بات کر لیں گے۔"

"تم کھلے دل سے یہ بات کر رہے ہو؟" اول خان نے غیر متوقع طور پر تیزی سے سوال کیا۔ مجھے یوں لگا جیسے اس نے میرے دل کی بات پڑھ لی ہو یا پھر وہ واقعی اپنے گھر والوں کے کسی مسئلے کے بارے میں فکر مند تھا۔

"تم جاؤ!" میں نے اپنی سمت کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "دس منٹ بعد میں تمہیں فون پر خیریت کی اطلاع دے دوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے چاروں آدمی اس وقت اوپر کارڈز ہی کھیل رہے ہوں۔"

میرے ساتھ جہانگیر اور ویرا نے بھی جیپ چھوڑ دی۔ کیبن کی روشنی جلی اور دروازے بند ہوتے ہی بجھ گئی۔

"تم فون نہ کرنا۔ گھر پہنچ کر میں خود فون کروں گا" اول خان نے کہا "اگر اس وقت مجھے اپنی بچی کا خیال نہ آ گیا ہوتا تو میں اوپر ضرور چلتا۔ اسے کل سے خسرہ نکلی ہوئی ہے۔"

ہم تینوں نے الوداعیہ انداز میں ہاتھ لہرائے اور جیپ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ اچانک ہی کسی سمت سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع نہ ہو جائے لیکن غنیمت ہے کہ ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا اور ہم سوئے ہوئے چوکیدار کی چارپائی کے قریب سے گزر کر زینوں کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

انجانے خوف اور بے یقینی کے عالم میں، میں نے ان دونوں کے ساتھ زینے عبور کیے اور اوپر پہنچتے ہی آہستگی سے ڈور بیل بجا دی۔ رات کے سناٹے میں اندر گھنٹی کا مختصر سا شور سنائی دیا۔ اندر قدموں کی چاپ سنائی دی جو دروازے تک آ کر معدوم ہو گئی۔ شاید غزالہ ڈیو ہول میں لگے ہوئے عدسے سے باہر کا جائزہ لے رہی تھی۔ میں اس کے قدموں کی آہٹ اچھی طرح پہچانتا تھا اور پُر یقین تھا کہ دروازے کے پیچھے وہی ہو گی۔

"دروازہ کھولو!" میں نے آہستگی سے کہا۔ بولٹ سرکنے کی آواز کے بعد ہینڈل گھوما اور دروازہ کھل گیا۔

غزالہ میرے سامنے موجود تھی، مجھے دیکھتے ہی اس کے پریشان اور متوحش چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ہم تینوں یکے بعد دیگرے اندر داخل ہو گئے۔ جہانگیر کو دیکھ کر غزالہ کا چہرہ مزید کھل اٹھا۔

"ان لوگوں کی واپسی میں دیر ہونے کی وجہ سے مجھے تمہارے بارے میں فکر لاحق ہو گئی تھی" غزالہ نے ہنس کر جہانگیر سے کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم صحیح سلامت نظر آ رہے ہو" پھر اس نے چونک کر مجھ سے سوال کیا "سلطان شاہ کہاں ہے؟"

"سلطان شاہ!" میری کھوپڑی بھک سے اڑ گئی "اسے تو میں یہیں چھوڑ کر گیا تھا۔"

میرے جواب پر غزالہ کا چہرہ دھواں ہو گیا "وہ یہیں تھا لیکن تمہارا پیغام ملنے پر گیا تھا۔ اسے جلد از جلد لسبیلہ پہنچنے کے لیے کہا گیا تھا اور وہ فوراً ہی یہاں سے نکل گیا تھا۔"

غزالہ کے جواب پر سب ہی بھونچکا رہ گئے۔ میں نے حیرت سے کہا "میرا پیغام؟ تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے.... مجھے کسی اور سے فون کرانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا میں خود فون نہیں کر سکتا تھا؟"

"میرے ذہن میں بھی یہ سب سوالات آئے تھے" غزالہ نے کسی اشتعال کا مظاہرہ کیے بغیر کہا "لیکن وہ کسی سوال کا جواب دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ پیغام دے کر اس نے فون بند کر دیا تھا۔"

"یہ کب کا واقعہ ہے؟" ویرا نے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے فون کے دس پندرہ منٹ بعد وہ کال آئی تھی" غزالہ نے بتایا۔

"اور تم نے یہ تک نہیں سوچا کہ کوئی گڑبڑ ہوتی تو ویرا تمہیں

...اشارہ ضرور دیتی" میں نے کہا۔
"بہت کچھ بلکہ سب کچھ سوچا تھا" غزالہ نے اس بار سرد لہجے
...جواب دیا "میں نے اصل بات کا کھوج لگانے کے لیے جہانگیر
...فون بھی کیا تھا مگر وہاں فون مسلسل انگیج تھا۔ اپنے سارے
...کے باوجود ہم دونوں یہ سمجھنے پر مجبور ہوگئے کہ وہاں اچانک
...پلٹ چکا ہے اور تمہیں سلطان شاہ کی ضرورت پیش آگئی ہے
...لیے اسے بھیجنا ہی پڑ گیا۔"
"فون مسلسل کیسے انگیج رہ سکتا تھا؟" میں نے چڑچڑے لہجے
...کہا "ویرا نے تم سے مختصر سی بات کی اس کے بعد فون خالی تھا
بالکل ٹھیک کام کر رہا تھا۔"
"ہوسکتا ہے کہ گڑبڑ ہوگئی ہو" ویرا نے کچھ سوچتے ہوئے
...راف کیا "وہاں اندھیرا تھا۔ بعد میں کی جانے والی روشنی بھی
...ی تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ریسیور کریڈل پر رکھنا چاہا تو
...ہاتھ بہک گیا تھا۔ میں اپنی جھونک میں تھی۔ ہوسکتا ہے کہ میں
...ریسیور صحیح طرح نہ رکھا ہو۔"
ویرا کا جواز سن کر میرا ابال کم ہوگیا۔ میں نے چند ثانیوں کی
...موشی کے بعد غزالہ سے پوچھا "وہ کون تھا؟ اس نے تم سے کیا کہا
...؟"
"پختہ عمر کا کوئی مرد تھا۔ آواز بھاری تھی۔ اس نے کہا تھا کہ
...ان شاہ کو ڈپٹی صاحب نے فوراً لسبیلہ کے گلستان ہوٹل پر بلایا
...۔ میرے سوالات پر اس نے بے رخی سے کہا تھا کہ اس نے اپنا
...ن پورا کردیا۔ سلطان شاہ کو بھیجنے یا نہ بھیجنے کی ذمے داری میری
...ی۔" غزالہ نے جواب دیا۔
"اس کا مطلب ہے کہ اب وہ کسی مصیبت میں پھنس چکا
ہے" میں پریشان ہوگیا۔
"اسے اتنی آسانی سے نہیں پھنسنا چاہیے تھا" غزالہ کی
...واز میں اعتماد تھا "ہم دونوں کو شبہ ہوگیا تھا۔ اس وقت تک اول
...ان کے دو آدمی یہاں آچکے تھے اور انہوں نے اپنی نشاندہی
...کراتے ہوئے معذرت کرلی تھی کہ نفری کی قلت کی وجہ سے اول
...خان کے حکم کے مطابق چار آدمی نہیں آسکے تھے۔ سلطان شاہ ان
...دونوں کے ساتھ ان ہی کی گاڑی سے گیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ
...مقررہ مقام سے پہلے ہی ان کی گاڑی سے اتر جائے گا تاکہ وہ دونوں
...دور سے اس پر نظر رکھ سکیں....."
"لسبیلہ کا چوراہا ٹرانسپورٹ کا کام کرنے والوں کی جنت ہے۔
...وہاں کے ہوٹل رات بھر مصروف رہتے ہیں۔" میں نے کہا "ہوسکتا
...ہے کہ وہ ٹریپ ہو۔ سلطان شاہ کے لسبیلہ پہنچنے سے پہلے ہی اسے
...گھیرنے کا منصوبہ بنالیا گیا ہو۔ ایسی صورت میں وہ تینوں ایک ساتھ
...گھیر لیے گئے ہوں گے۔"
"یہ سب بعد کی باتیں ہیں" جہانگیر نے ویرا کو بولنے کا موقع
نہیں دیا "پہلے یہ بتاؤ کہ تم اس واقعے کی کڑیاں کس سمت میں
ملا رہے ہو؟ مخالفوں کا تعین ہونے کے بعد گتھی سلجھانے میں آسانی
ہوجائے گی۔"
"ہمارے مشترکہ دشمنوں میں سے کوئی بھی ہوسکتا ہے" میں
نے ٹہلتے ہوئے کہا۔
"مشترکہ دشمن ہوتا تو سلطان شاہ کے بجائے تمہاری فکر
کرتا" جہانگیر نے مجھے چونکادیا "سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے
تمہارے حوالے سے سلطان شاہ کو ہی کیوں بلایا؟ وہ غزالہ کو بھی
بلا سکتا تھا۔"
"تمہاری بات سے اصل نکتہ یہ پیدا ہورہا ہے کہ اس نے
پورے اعتماد سے میرا نام استعمال کیا یعنی اسے یقین تھا کہ میں
فلیٹ پر موجود نہیں تھا۔ ہم لوگ تم سے بات کرنے کے بعد اچانک
یہاں سے چل پڑے تھے۔ کسی غیر متعلقہ آدمی کو میری روانگی کا علم
کیسے ہوا؟ وہ یقینی طور پر آج کے واقعات میں ملوث تھا اور اسے
معلوم تھا کہ میں تمہارے مکان پر رونما ہونے والے واقعات میں
الجھا ہوا ہوں اس لیے اُس نے دیدہ دلیری سے میرا نام استعمال
کرکے سلطان شاہ کو فوری طور پر لسبیلہ پہنچنے کی ہدایت دے ڈالی۔"
میں نے پُرجوش انداز میں اپنے دلائل سب کے سامنے رکھ دیے۔
جہانگیر کا منہ لٹک گیا اور وہ پژمردہ آواز میں بولا "تم نے پوری
بات ہی گھمادی۔ اب اس پر نئے سرے سے سوچنا پڑے گا۔ میں یہ

کہنا چاہ رہا تھا کہ وہ سلطان شاہ کا کوئی ذاتی دشمن بھی ہو سکتا ہے۔"

"وہ جس علاقے کا باشندہ ہے وہاں پرانی دشمنیاں چلتی رہتی ہیں" میں نے اس سے اتفاق رائے کرتے ہوئے کہا "مگر اس کے ذاتی دشمن کو میری نقل و حرکت کا اتنا مکمل علم نہیں ہو سکتا۔ یہ تو بنگلے کے سر پر موم بتی لگا کر اسے شکار کرنے والی بات ہوتی۔ اس کا دشمن اسے براہِ راست گھیر سکتا تھا۔"

"میں خود بھی اس خیال پر اصرار نہیں کر رہا" جہانگیر آہستگی سے بولا "تمہاری بات میں وزن ہے۔"

"ہم لوگوں کے علاوہ صرف اول خان کے آدمی ہر بات سے باخبر تھے" میں نے کہنا شروع کیا "بعد میں چینیوں کو ہماری کارروائی کا علم ہو گیا۔ انہوں نے فون نہیں کیا۔ ان کے ساتھ کوئی مقامی آدمی بھی نہیں تھا جس پر شبہ کیا جائے۔ پھر وہ کون ہو سکتا ہے؟ کوئی ایسا آدمی جسے میرے فلیٹ پر موجود نہ ہونے کا پورا یقین ہو۔"

"تم لوگ اس چھوٹے سے فلیٹ میں گھس کر شرلاک ہومز بننے کی کوشش کر رہے ہو" ویرا اپنی جگہ چھوڑ کر استہزائیہ لہجے میں بولی "ڈاکٹر واٹسن سے بحث کا باقاعدہ آغاز کرنے سے پہلے وہ بھی جائے واردات کا ایک چکر لگانا ضروری سمجھتا تھا اور وہاں سے اونٹ کی ناک کا بال اٹھا کر اپنے نظریے کا تانا بانا بنتا تھا۔ میری دانست میں بہتر یہ ہوگا کہ تم گاڑی نکال کر لسبیلہ تک ایک چکر لگالو۔ یہاں سے لسبیلہ تک ایک ہی سیدھا راستہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی سرا ہاتھ آ جائے۔ بند دیواروں میں دماغ سوزی کر کے ہم وقت برباد کر رہے ہیں۔"

"یہ نہ بھولو کہ سلطان شاہ کے ساتھ ایس ٹی ایف کے دو کارکن بھی غائب ہیں" میں نے اسے یاد دلایا "ان کے بارے میں اول خان کی فکرمندی بے بنیاد نہیں تھی۔ وہ یہاں موجود ہوتے تو اپنے کمانڈر سے ضرور ملتے۔ اب ذرا سی دیر میں اول خان کا فون آ جائے گا۔ فون کے انتظار میں ہمیں یہاں رکنا ہوگا۔"

"دیکھا جائے تو اول خان کے دونوں آدمیوں نے سلطان شاہ کے ساتھ جا کر سنگین حماقت کی ہے" جہانگیر نے ایک نیا اعتراض کر ڈالا "اس فون کا ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا تھا کہ غزالہ یہاں اکیلی رہ جائے۔ اس امکان کا توڑ کرنے کے لیے ان میں سے ایک کا یہاں رکنا بہت ضروری تھا۔ مجھے تو یہ پورا معاملہ ہی گڑبڑ نظر آ رہا ہے۔"

"آپ اس گڑبڑ کی وضاحت کرنا پسند فرمائیں گے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے ناگواری سے کہا۔

"ایس ٹی ایف والوں کو معلوم ہے کہ تم گھر پر نہیں ہو۔ اول خان یہاں کے لیے چار آدمی طلب کرتا ہے لیکن صرف دو آتے ہیں اور وہ دونوں بھی اتنے احمق ہیں کہ سلطان شاہ کی چال سنتے ہی اس کے ساتھ چل پڑتے ہیں۔ ان تمام باتوں کو یکجا کر کے سوچو تو تمہارا ذہن کیا فیصلہ صادر کرے گا؟" جہانگیر نے میرے لہجے کا برا مانے بغیر کہا۔

"دوسرا البرٹو ویلیسا؟" ویرا نے معنی خیز انداز میں [...] نچا کر کہا۔ جہانگیر اس کے برجستہ تبصرے پر کسی ہونق کی طرح [...] کا منہ تکنے لگا کیونکہ اسے ظفر یا البرٹو ویلیسا کے معاملات کی بھی نہیں لگ سکی تھی۔

"یہ اطالوی زبان کا ایک ذومعنی محاورہ ہے" ویرا نے جہا[...] کی استفسار طلب نگاہوں پر رحم کھا کر سنجیدگی سے کہا "یہ اپنا[...] کسی غدار کی موجودگی کے موقعے پر بولا جاتا ہے۔"

"بروٹس، یوٹو کی طرح؟" جہانگیر نے خوش ہو کر کہا "میں ا[...] دیر سے یہی سوچ رہا تھا۔ سلطان شاہ کے معاملے میں مجھے اپ[...] ٹاسک فورس کے کسی غدار کا ہاتھ نظر آ رہا ہے۔"

"اپنی ٹانگ جڑوانے کے بعد تم کسی کا ہاتھ تڑوانے کے [...] میں پڑ گئے ہو؟"

ویرا کی آنکھیں یک بیک کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی[...]

"البرٹو ویلیسا والا چکر ابھی تک چل ہی رہا ہے۔ ظفر کئی برس تک ایس ٹی ایف میں رہا۔ وہ اول خان کی جگہ کافی عرصے تک کرا[...] میں بھی مامور رہا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے نچلی سطح پر اپنے اعتماد [...] کچھ آدمی رکھے ہوئے ہوں۔ پتا نہیں ظفر کی بیخ کنی کے بعد ا[...] لوگوں کو بے نقاب کرنے کی کوششیں کی گئیں یا انہیں بھلا دیا گیا۔ پھر اسی مشن کو آگے بڑھانے کے لیے بل جونز اور پال ایگرٹن یہاں آئے اور بے دردی کے ساتھ مار ڈالے گئے۔ بظاہر وہ قصہ ہم وہیں نمٹ گیا لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ چینا سرائے سے پشاور کے سفر میں ایلین نے جو کچھ کہا وہ تمہارے علم میں ہے۔ صرف کرنل جیسی جونز کو اپنے اکلوتے بیٹے کے انجام کی فکر [...] بلکہ ڈیوڈ اسٹارز والا راس الیڈا بھی اپنے تخریبی منصوبے کی پیش رفت میں گہری دلچسپی لے رہا ہے۔ ایلین پشاور تک ہمارے ساتھ آیا تھا۔ وہ بعد میں دجے کے ذریعے بھی تم سے ملا تھا۔ کہیں ایسا [...] نہیں کہ ایلین کراچی آ پہنچا ہو اور ایس ٹی ایف میں ظفر کے کسی معتمد سے مل بیٹھنے میں کامیاب ہو گیا ہو؟"

"لیکن ایلین کو ڈیڈی کی آج کی نقل و حرکت کا علم کیسے ہو سکا ہو گا؟" غزالہ اس سے متفق نہیں تھی۔

"یوں سمجھو کہ ایلین ہر وہ بات جانتا ہے جو ایس ٹی ایف والے جانتے ہیں۔ آج کے قصے میں ایلین کو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی" ویرا نے جہانگیر کے ظاہر کیے ہوئے شبہات کی کڑیاں دور تک پھیلا دی تھیں "البرٹو ویلیسا کے معتمد نے موقع غنیمت جان کر خود ہی کارروائی شروع کر دی۔ اب وہ سلطان شاہ کو ایلین کے حوالے کر دے گا۔ جن لوگوں کو حرام کی بے تول آمدنی کے

زے پڑجاتے ہیں وہ بھکنے میں ایک لمحے کی تاخیر بھی نہیں کرتے۔"
"میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم لوگ کیا باتیں کررہے
و" جہانگیر نے احتجاج کیا "میں بدرو سے بینا سرائے کے بارے
ہی سن چکا ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ تم افغانستان بھی ہو آئے
ہو؟"

"تم غیر ضروری باتوں پر اپنا دماغ نہ تھکاؤ" میں نے اسے پچکارتے ہوئے کہا "ہم افغانستان اپنی مرضی سے نہیں گئے تھے بلکہ زبردستی لے جائے گئے تھے۔ ہمیں وہاں پہنچانے والے بھی بدرو دادا کے ملازم تھے لیکن وہ ایک لمبی کہانی ہے جو میں تمہیں فرصت سے سناؤں گا۔ فی الحال اتنا کافی ہے کہ تم نے اپنی ذہنی پراگندگی کے باوجود ہمیں ایک راہ سجھادی ہے۔ اب ہمیں یکسوئی سے اس پر مغززنی کرنے دو۔"

تھوڑی دیر بعد اول خان کا فون آہی گیا۔ اس دوران میں جہانگیر نے اسکاچ کی بوتل تلاش کرلی تھی اور لنگڑاتا ہوا ایک خواب گاہ میں جا گھسا تھا۔ چینیوں کی اذیت ناک قید سے رہائی پانے کے بعد اسے ذہنی آوارگی کی ضرورت محسوس ہورہی تھی جو عمدہ اسکاچ کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی تھی۔

اول خان نے چھوٹتے ہی مجھ سے خیریت دریافت کی۔ میں نے رسمی سا جواب دے کر اس کی علیل بیٹی کے بارے میں پوچھا۔ اول خان اس کی طرف سے مطمئن تھا۔ اس کے سکون کا اندازہ لگانے کے بعد میں نے پُراسرار فون کال اور اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات کا ذکر چھیڑ دیا۔

"یہ تم کیسے کہہ رہے ہو کہ سلطان شاہ میرے آدمیوں کے ساتھ گیا تھا؟" پوری بات سننے کے بعد اس نے پوچھا۔

"غزالہ نے یہی بتایا ہے۔ سلطان شاہ اسی ارادے سے فلیٹ سے نکلا تھا۔ پھر تمہارے آدمی بھی کہیں موجود نہیں ہیں۔ ان کے لاپتا ہونے پر تمہیں غصہ آرہا تھا" میں اپنے شبہات کا ذکر دانستہ گول کرگیا۔

"تو کیا وہ چاروں ہی سلطان شاہ کے ساتھ چلے گئے؟" اول خان کا پارہ چڑھنے لگا۔

"چار نہیں، صرف دو آئے تھے۔ نفری کی کمی کا معاملہ درپیش تھا" میں نے آہستگی سے کہا "بدقسمتی سے شاید وہ دونوں ہی سلطان شاہ کے ساتھ چلے گئے اور اب تینوں لاپتا ہیں۔"

"جانا ہی تھا تو ان میں سے ایک جاتا۔ دوسرے کو وہیں رکنا چاہیے تھا۔"

"ہمارا بھی یہی خیال ہے لیکن جو ہونا تھا وہ ہوچکا۔ سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟"

"مجھے کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے" اول خان نے نتیجہ اخذ کرنے

میں دیر نہیں لگائی "میں اسٹیشن فورسے چیک کرتا ہوں کہ وہ دونوں کون تھے۔ آج کل میں اپنے کچھ آدمیوں کی نگرانی بھی کروا رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ فورس میں کچھ کالی بھیڑیں گھس آنے میں کامیاب ہوگئی ہیں لیکن ابھی تک کوئی ہاتھ نہیں آسکا ہے۔"

"اس بگاڑ کی داغ بیل البرٹو ویلیسا نے ڈالی ہوگی۔ یہ آج یا کل کی بات معلوم نہیں ہوتی۔"

"میں دفتر سے رابطہ کرنے کے بعد بات کروں گا" اول خان نے تیزی سے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کردیا۔

میں نے کریڈل دبانے کے بعد جہانگیر کے گھر کا نمبر ملانا شروع کردیا۔ آخری ہندسہ ڈائل کرتے ہی ریسیور پر انگیج ٹون سنائی دینے لگی۔ میں نے کچھ دیر تک فون بند رکھنے کے بعد دوبارہ کوشش کی۔

اس بار بھی اسی انگیج ٹون نے میرا استقبال کیا اور میں نے ایک گہرا سانس لے کر بے دلی سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"کس کا نمبر ملا رہے تھے؟" ویرا نے چونک کر چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"جہانگیر کا" میں نے اسے ملامت آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "فون اس وقت بھی انگیج جا رہا ہے۔ تم نے ریسیور صحیح طریقے سے نہیں رکھا ہوگا۔ تمہاری ذرا سی لغزش سلطان شاہ کے حق میں عذاب بن چکی ہے۔"

"یہ توقع نہ رکھنا کہ میں اپنی غلطی پر نادم ہو کر خودکشی کے امکانات پر غور کرنے بیٹھ جاؤں گی" اس نے ترشی سے کہا "عام طور سے چھوٹی چھوٹی غلطیاں ہی بڑے واقعات کی بنیاد بنتی ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"ہاں، اب اس لکیر کو پیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے" غزالہ نے اس کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "ویرا ترنگ میں تھی۔ اس وقت اسے اندازہ بھی نہیں ہوا ہوگا کہ اس کی غلطی کن واقعات کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے۔"

"اسے چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ اول خان کیا کہہ رہا ہے؟" ویرا نے سگریٹ سلگا کر پوچھا۔

"وہ بھی اسی سمت میں سوچ رہا ہے جس کی نشاندہی جہانگیر نے کی تھی۔"

"یعنی اسے بھی اپنے آدمیوں پر شبہ ہے؟" ویرا نے حیرت سے سوال کیا۔

"بدقسمتی سے ایسا ہی ہے" میں نے شکست خوردہ آواز میں اعتراف کیا "شبہات کی بنا پر وہ آج کل اپنے ہی کچھ آدمیوں کی نگرانی بھی کروا رہا ہے۔ اب وہ اسٹیشن فورسے معلوم کرنا ہوگا کہ یہاں بھیجے جانے والے دو افراد کون تھے۔ اس کے بعد ہی صحیح صورتِ حال سامنے آسکے گی۔"

"وہ دوبارہ فون کرے تو مجھے نتائج سے باخبر کردینا" ویرا اٹھتے ہوئے بولی "اس وقت ہم سلطان شاہ کے حق میں دعائے خیر کے سوا اور کچھ نہیں کرسکتے۔"

"تم کہاں جا رہی ہو؟" غزالہ نے اسے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"جہانگیر بے چارہ اکیلا ہے" اس نے معصومیت سے جواب دیا "آٹھ دس دن کا ذہنی اور جسمانی عذاب سہنے کے بعد اسے بھی دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ تنہائی میں کہیں وہ بے اعتدالی کا شکار نہ ہوجائے۔"

میں دانت پیس کر اسے گھورتا رہ گیا لیکن وہ میری نظروں کی پروا کیے بغیر، ڈھٹائی سے باہر چل دی۔ شاید وہ جہانگیر کے ہاتھ میں بوتل کی جھلک دیکھ چکی تھی اور اس کے ساتھ دوسرے دور کی ابتدا کرنی چاہ رہی تھی۔

"بعض اوقات اس کی حرکتیں اتنی بے تکی ہوتی ہیں کہ اس کی دماغی صحت پر شبہ ہونے لگتا ہے" غزالہ نے ایک لمبا سانس لے کر متاسفانہ لہجے میں کہا "اس وقت وہ اپنی رو میں کوئی دوسری بات نہیں سوچے گی۔"

"مجھے ایس ٹی ایف میں کالی بھیڑوں کی موجودگی کی خبر سے سخت صدمہ پہنچا ہے" میں نے غزالہ کے تبصرے پر دھیان دیے بغیر کہا "میں البرٹو ویلیسا کا خاتمہ کرکے سمجھ رہا تھا کہ فورس کی تطہیر ہوگئی ہے لیکن یہاں تو اپنے بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ دیکھو اب اس چکر میں کیسے کیسے چہرے بے نقاب ہوتے ہیں۔"

"ایس ٹی ایف آسمان سے نہیں اتری۔ وہ بھی اسی معاشرے کا ایک حصہ ہے جس میں ہم سانس لے رہے ہیں۔ جب ہر طرف بگاڑ ہی بگاڑ پھل پھول رہا ہو تو کسی ایک ادارے کو اس وبا سے پوری طرح نہیں بچایا جاسکتا۔" غزالہ نے گہری سنجیدگی سے کہا "غنیمت یہ ہے کہ عام لوگوں سے کام لینے کے باوجود، اس فورس میں برائیوں کا عنصر نہ ہونے کے برابر ہے۔" اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی اور غزالہ کی بات ادھوری رہ گئی۔

میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف اول خان تھا۔ اس کی آواز پتھر کی طرح سخت اور سرد تھی "یہ وجے کی موت کا شاخسانہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کارروائی میں بھارتی قونصل خانے کا چیف اسٹینو ملوث ہے۔"

اس کے الفاظ میرے اعصاب پر کسی بم کی طرح اثرانداز ہوئے۔ ذہن یکلخت سن ہو کر رہ گیا۔ اگر میں صحیح سمجھا تھا تو سلطان شاہ موت کے دہانے پر تھا۔ وجے کی موت پر اس کے ہمدردوں نے بہت پھرتی سے جوابی کارروائی کی تھی۔

اوّل خان کے ان الفاظ کے جواب میں' میں فوری طور پر کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ جب سکوت طویل ہونے لگا تو دوسری طرف سے اوّل خان کی پُرتشویش آواز ابھری "کیا بات ہے؟ تم کہاں غائب ہوگئے؟"

"تم نے قونصل خانے کے چیف اسٹینو کا ذکر کر کے مجھے تحیر زدہ کردیا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے اندھیرے میں کسی نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ تمہیں اتنی جلدی یہ خبر کیسے مل گئی؟" میں نے کہا۔

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟" اس نے میرے آخری سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا "موتی لال کا نام پہلے سے میرے سامنے تھا۔ پشاور میں محراب خان نے وجے کے دستِ راست' ساون سے جو کچھ اگلوایا تھا' وہ میرے سامنے تھا۔ محراب خان نے تمہارے کراچی آنے سے پہلے ہی مجھے فون پر ساون کے اعترافات سے آگاہ کردیا تھا اور میں نے اس کے فون پر آبزرویشن لگوادیا تھا۔ آبزرویشن ریکارڈنگ سے پتا چلا ہے کہ اسی نے سلطان شاہ کے بارے میں تمہارے فلیٹ پر فون کر کے بات کی تھی۔"

"لیکن تمہارے دونوں آدمی کہاں غائب ہیں؟" میں نے سوال کیا اور ریسیور رکھ کر اسپیکر فون آن کردیا۔

"ان کا معاملہ ابھی تک تاریکی میں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ موتی لال سے ملے ہوئے ہوں" اوّل خان کی آواز بھاری اور تفکر آمیز تھی "ان دونوں کے بارے میں ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔"

"میں یہ بات ابھی تک ہضم نہیں کرسکا کہ تمہاری صفوں میں بھی کالی بھیڑیں موجود ہوسکتی ہیں۔"

اوّل خان کے ایک گہرے سانس کی آواز سنائی دی پھر وہ بولا "تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ البرٹو ویلیسا خود تو جہنم واصل ہوگیا لیکن اس نے ایس ٹی ایف میں گہری دراڑیں ڈال دی تھیں۔ میں کافی دنوں سے ایسے آدمیوں پر گہری نظر رکھ رہا ہوں جنہیں ظفر یا البرٹو ویلیسا کے زمانے میں فورس میں لیا گیا تھا۔"

"تو کیا ادھر آنے والے دونوں آدمی بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں" اس نے کہا "اور اسی وجہ سے میں تذبذب میں مبتلا ہوں۔"

"پھر تو موتی لال کے فون کی آبزرویشن ریکارڈنگ میں ان دونوں کی آوازیں بھی موجود ہوں گی؟"

"میرا بھی یہی اندازہ تھا لیکن ایسا نہیں ہے۔ موتی لال بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ تمہارے فلیٹ کے فون نمبر پر کی جانے والی واحد کال کے علاوہ اس کے خلاف کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ یقیناً تمام کالز کا تعلق اس کے روز مرہ کے معمولات سے ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے مخبروں سے کسی لاسلکی آلے پر رابطہ رکھتا ہو۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ تمہاری فورس کا کوئی آپریٹس اس کی تحویل میں چلا گیا ہو؟"

"ہوسکتا ہے" اس نے اعتراف کیا "لیکن وہ اس پر کسی سے رابطہ کرتا تو ہم ضرور باخبر ہوجاتے۔ ایک سیٹ سے کی جانے والی بات' اس ساخت اور فری کوئنسی کے ہر سیٹ پر سنی جاتی ہے۔ ہمارا سیٹ اگر اس کے پاس ہے تو وہ اس کے ذریعے ہماری سرگرمیوں سے باخبر رہتا ہوگا۔۔۔ اور بس!"

"وہ اپنے سفارتی عہدے کی آڑ میں ایک سیکرٹ ایجنٹ کے فرائض ادا کررہا ہے تو مطلوبہ وسائل پر دسترس بھی رکھتا ہوگا" میں نے کہا "عین ممکن ہے کہ وہ اپنے آدمیوں سے رابطے کے لیے فون کے بجائے کوئی مخصوص ٹرانسیٹر استعمال کرتا ہو۔ ایسی صورت میں اس پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل ہوجائے گا۔"

"وہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال مجھے سلطان شاہ کی فکر ہے" اسپیکر فون پر اوّل خان کی آواز ابھری "مافیا کی آڑ میں راوالوں نے وجے کو بھیج کر کوئی بڑا کھیل شروع کرنے کا منصوبہ بنایا تھا مگر پشاور میں وجے تمہارے ہاتھوں ذلت کی موت مارا گیا۔ میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں یہ لوگ انتقاماً سلطان شاہ کو ہلاک نہ کردیں۔"

"سلطان شاہ کو کوئی گزند پہنچا تو میں ان سب کو خون میں نہلادوں گا" میں بپھر گیا۔

"جوابی کارروائی کے طور پر تم کچھ بھی کرلو' سلطان شاہ کو پہنچے ہوئے نقصان کا ازالہ نہیں کرسکو گے۔ میں وقت ضائع کیے بغیر اس کی بازیابی کے بارے میں فکرمند ہوں لیکن کوئی راہ نظر نہیں آرہی۔"

"اگر ادھر آنے والے دونوں آدمی مشتبہ تھے اور ان کی نگرانی کی جارہی تھی تو ان کا نگراں کہاں گیا؟" مجھے اچانک ہی خیال آیا اور میں نے اوّل خان سے سوال کر ڈالا "سلطان شاہ کے بارے میں صحیح خبر اسی سے مل سکتی ہے۔"

"مشکل یہ ہے کہ تم ذرا سی دیر میں ہر کمزوری کو کرید ڈالتے ہو" اوّل خان کی آواز یک بیک مضمحل ہوگئی "آج شاید ہمارے سروں پر بدقسمتی سایہ فگن ہے۔ جب ایس ٹی ایف کے دونوں آدمی' سلطان شاہ کو ساتھ لے کر شرف آباد سے روانہ ہوئے تو نگرانی کرنے والا بھی اپنی موٹر سائیکل پر ان کے پیچھے روانہ ہوا لیکن جیل کے پھاٹک کے سامنے والے چوراہے پر اس کا ایک ٹائر پنکچر ہوگیا۔ وہ ٹائر بنوا کر عجلت کے عالم میں لسبیلہ چوک پر پہنچا تو اسے بہت دیر ہوچکی تھی۔ وہاں میدان صاف تھا۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی لسبیلہ کے گلستان ہوٹل تک نہیں پہنچا تھا۔"

اس آخری اطلاع نے مجھے مضطرب کردیا۔ سلطان شاہ کے بارے میں میری آخری امید اس حقیقت سے وابستہ تھی کہ اوّل خان کو اپنی فورس کے کچھ آدمیوں کی وفاداری پر شبہ تھا اور ایسے

افراد کی مسلسل نگرانی کی جارہی تھی لیکن اوّل خان نے نگرانی کرنے والے کی موٹر سائیکل پنکچر ہونے کی خبر سنا کر میری ہر امید پر اوس ڈال دی تھی۔

ان دنوں ہم لوگ ہر طرف سے اس بری طرح اپنے دشمنوں کے نرغے میں آئے ہوئے تھے کہ ایک مصیبت کا خاتمہ ہونے سے پہلے ہی کوئی دوسرا سنگین معاملہ چل پڑتا تھا۔ ہم لوگ جب سے مکاؤ سے واپس لوٹے تھے' مسلسل الجھنوں میں گھرے ہوئے تھے۔

پہلے پائندہ گل نے مافیا یا ٹریڈ لائن میں اپنی ڈوبی ہوئی رقم کی وصولی کے لیے مجھے گھیرا اور کراچی ہی کے ایک کوچی کیمپ میں اس کے بھانجے نے مجھے اپنا قیدی بنالیا۔ وہ مسئلہ نمٹنے بھی نہ پایا تھا کہ خوب رو اور سبک اندام جنت گل کے حسین اور والہانہ انتقامی جذبے نے مجھے اس کی خلوت کا اسیر بنادیا۔ میری دانست میں وہ جنت گل کا ایک جذباتی ابال تھا لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ جنت گل نے عورت کے بدترین انتقامی روپ میں مجھ پر اپنی عنایات کی برسات کی تھی۔ اس نے سردار پائندہ گل کو پہاڑوں اور بستیوں میں ذلیل ورسوا کرنے کے لیے میری اور اپنی خلوت کی کہانیاں پھیلانی شروع کردیں اور سردار پائندہ گل کے وحشی جاں نثاروں نے ہمیں کراچی سے اغوا کر کے شنارا ویلی پہنچادیا۔ شنارا ویلی سے نجات ملتے ہی مافیا اور انڈین سیکرٹ سروس کے ڈبل ایجنٹ' وجے نے میرے اوپر ہاتھ ڈال دیا۔ انتہائی نامساعد حالات میں وجے کو جہنم واصل کرنے کے بعد ہم کراچی پہنچے تو جہانگیر کے سر پر لی وانگ اور چیانگ فاؤ مسلط تھے۔ چیانگ فاؤ کو چھلنی کرنے کے بعد لی وانگ کو اسپتال میں پہنچا کر جہانگیر کو نجات دلائی تو اب سلطان شاہ غائب تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہمارے تمام مخالفوں نے ایکا کرلیا تھا اور کسی تجربے کار فٹ بال ٹیم کے کھلاڑیوں کی طرح باری باری ہم سے کھیل رہے تھے۔

میں چند ثانیوں تک خاموش رہا۔ اس مختصر سے وقفے میں وہ تمام واقعات کسی فلم کی طرح تیزی سے میرے ذہن میں آتے چلے گئے۔ بظاہر یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے سلطان شاہ کے بارے میں ہم کسی بند گلی میں پھنس چکے ہیں۔

"کیا بات ہے؟ تم کہاں غائب ہوگئے؟" قدرے توقف کے بعد ابھرنے والی' اوّل خان کی تیز آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"میں سوچ رہا تھا' اب ہم اندھیرے میں کہاں ہاتھ پیر ماریں گے؟" میری آواز پر مایوسی غالب تھی۔

"ہر طرف تاریکی نظر آئے تو اندھی چال عموماً کامیاب رہتی ہے" اوّل خان کی آواز اس بار امید افزا تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کوئی راستہ تلاش کرلیا ہے؟" میں نے کہا۔

"ابھی ابھی ایک ترکیب سوجھی ہے" اوّل خان نے فوراً ہی جواب دیا "اس بارے میں تمہیں کوئی قابلِ عمل راستہ نکالنا ہوگا۔ میرے پاس موتی لال کی آواز کا ٹیپ موجود ہے لیکن وہ سیدھی

طرح اپنے جرم کا اعتراف نہیں کرے گا۔ سفارتی تحفظات کی وجہ سے اس پر باضابطہ طور پر دباؤ بھی نہیں ڈالا جاسکتا۔ اگر ہم لوگ خاموشی سے اسے اٹھالیں تو تشدد کے سامنے وہ زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکے گا۔"

"پھر وہی بات آڑے آتی ہے۔ سفارتی تحفظات کی موجودگی میں تم اسے کس طرح گرفتار کرسکو گے؟"

"گرفتاری اور اغوا میں بہت فرق ہوتا ہے" اوّل خان کی آواز ذومعنی ہوگئی "سرکاری سطح پر اسے ذرا بھی چھیڑا گیا تو وہ چوکنا ہوجائے گا۔ اس کے آدمی بھی روپوش ہوجائیں گے اور ہم کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔"

"یہ زیادہ مشکل کام نہیں ہونا چاہیے۔ ایک بار یہ معلوم ہوجائے کہ وہ اپنے گھر پر ہے تو تمہارے دوچار آدمی آسانی کے ساتھ اسے کسی گیدڑ کی طرح باندھ کر اسٹیشن فوراً لاسکتے ہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے گھر پر ہی ہوگا" اوّل خان کی پُراعتماد آواز ابھری "سفارتی مراعات کی آڑ میں کام کرنے والے ایجنٹ عموماً صرف منصوبہ بندی کرتے ہیں اور دھول دھپے سے دور رہتے ہیں۔ ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کسی بھی بڑی واردات کے رونما ہونے کے وقت پر جائے واردات سے اپنی غیر حاضری کی مضبوط شہادتیں تیار رکھیں۔ موتی لال کے کرائے کے آدمی سلطان شاہ پر کام کررہے ہیں تو وہ اپنے گھر پر عیش کررہا ہوگا۔ آج کل کے مخدوش حالات کی وجہ سے اس کے گھر پر جو پولیس گارڈ مامور کیے گئے ہیں وہ اس کی بے گناہی کے سب سے بڑے گواہ ہوں گے۔ مجھے ان ہی کی طرف سے فکر ہے۔ موتی لال پر ہاتھ ڈالنے کے لیے ان گارڈز سے مقابلہ کرنا ناگزیر ہوگا۔ یہ میری پالیسی کے خلاف ہے۔"

"انہیں وہاں سے عارضی طور پر ہٹایا بھی جاسکتا ہے" میں نے تجویز پیش کی۔

"سفارت کاروں کے بارے میں ہوم سیکریٹری سے کم درجے کا کوئی افسر حفاظتی انتظامات میں ردوبدل نہیں کرسکتا۔ یہ کارروائی چل پڑی تو فیصلہ ہونے تک اگلے دن کا سورج نصف النہار پر پہنچ چکا ہوگا۔"

"پھر پرانی ترکیب بھی استعمال کی جاسکتی ہے" میں نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"میں بھی تو اسی کے بارے میں جاننا چاہ رہا ہوں" اس کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اس کے مکان کے باہر ویرا کے اغوا کا ڈراما رچایا جائے گا تو گارڈز کی انسانی ہمدردی اور مردانہ حمیت کو بیک وقت بیدار کیا جاسکتا ہے" میں نے ویرا کو آنکھ مار کر اسپیکر فون میں کہا "باہر آتے ہی انہیں آرام اور احتیاط سے بے ہوش کردیا جائے تو باقی کام اطمینان سے کیا جاسکے گا۔"

"وہ مل پارک کے نواح میں ایک سنسان رہائشی علاقے میں رہتا ہے جہاں بیشتر مکانات میں دفاتر قائم ہیں جو رات میں بند اور ویران رہتے ہیں۔ اجالا پھیلنے سے پہلے یہ طریقہ کامیاب ثابت ہوسکتا ہے" اوّل خان میرا ہم خیال تھا۔

"اپنے ساتھ تین پھرتیلے اور مضبوط آدمیوں کو لے کر ادھر چلے آؤ۔ مجھے موتی لال کے گھر کا فون نمبر دے دو۔ میں خود ہی اس کی گھر میں موجودگی کی تصدیق کرلوں گا۔ یہاں سے میں ویرا سمیت تمہارے ساتھ ہولوں گا۔"

اوّل خان نے موتی لال کے گھر کا پتا اور فون نمبر بتایا جو میں نے کاغذ پر نوٹ کرلیا اور فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

میرے فارغ ہوتے ہی ویرا مجھ پر برسنے لگی "سلطان شاہ کی جان خطرے میں ہے اور تم مجھے آنکھ مار کر مسکرا رہے تھے۔ تمہیں شرم آنی چاہیے۔ وہ بے چارہ تمہاری ذرا سی تکلیف پر بری طرح تڑپ اٹھتا ہے۔"

"آنکھ جھپک گئی ہو تو اور بات ہے۔ یہ الزام نہ لگاؤ کہ میں مسکرایا بھی تھا۔ میں سلطان شاہ کو اپنے بھائی کی طرح عزیز رکھتا ہوں.... اب وقت ضائع کرنے کے بجائے موتی لال کے گھر فون کرو تاکہ...."

"وہ گھر پر موجود بھی ہوا تو اس وقت نشے میں دھت ہوکر سو رہا ہوگا۔ فون کرنے سے بہتر ہوگا کہ خاموشی سے وہاں دھاوا بول دیا جائے۔ اوّل خان ٹھیک کہہ رہا ہے کہ سفارت کی آڑ میں جاسوسی یا تخریب کاری کرنے والے ایجنٹ عملی میدان سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں" وہ میری بات درمیان میں سے اچک کر بولی۔ اس نے میری مفروضہ مسکراہٹ پر کسی بحث کا آغاز کرنے کا ارادہ، صورتِ حال کی نزاکت کے پیشِ نظر ملتوی کردیا تھا۔

"موتی لال کے لیے یہ کوئی عام سی رات نہیں ہے جو وہ گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہا ہوگا" میں نے قدرے تیزی سے کہا "اگر وہ سلطان شاہ کے اغوا میں ملوث ہے تو اس وقت کسی لاسلکی اپریٹس یا واکی ٹاکی پر اپنے آدمیوں کو ہدایات دے رہا ہوگا۔ فون کرنا سودمند ثابت ہوگا۔ فون فوراً اٹھالیا گیا اور اس کی آواز میں نیند کا شائبہ نہ ہوا تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گی کہ اس کے بارے میں اوّل خان کے شبہات حقیقت پر مبنی ہیں...."

اس نے ایک بار پھر میری بات کاٹ دی اور قدرے بےزاری سے بولی "تم بلاوجہ موتی لال کو اہمیت دے رہے ہو۔ اسے اٹھانا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ کسی سفارتی مشن میں چیف اسٹینو کا عہدہ بہت بڑا نہیں ہوتا۔ تمہارے پولیس افسران ویسے ہی نفری کی قلت کا رونا روتے رہتے ہیں۔ اس کے گھر پر ایک یا زیادہ سے زیادہ دو گارڈ ہوں گے۔ جن کی بندوقوں کی نالیاں عدم استعمال کی وجہ سے زنگ خوردہ ہوچکی ہوں گی۔"

میں نے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ وہ ناک منہ چڑھانے کے باوجود، اسپیکر فون پر موتی لال کا نمبر ملانے میں مصروف ہوچکی تھی۔ اس وقت نوک جھونک کے بجائے اصل

سمت میں پیش رفت ہی زیادہ اہم تھی۔

سلسلہ ملنے پر پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا گیا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے اتنی رات گئے بھی اسے بے چینی سے کسی اہم فون کال کا انتظار تھا۔ دبنگ مردانہ آواز میں ہیلو کی آواز سن کر ہم تینوں کے چہرے کھل اٹھے۔ دوسری طرف سے فوری جواب ملنے کا مطلب تھا کہ اوّل خان نے سلطان شاہ کی تلاش کے سلسلے میں صحیح راستے کا انتخاب کیا تھا۔

"ہیلو! میں روزی بول رہی ہوں۔ مجھے موتی سے بات کرنی ہے" ویرا نے اینگلو پاکستانی لب ولہجے میں بگڑی ہوئی اردو میں اپنا مدعا ظاہر کیا۔ دوسری طرف چند ثانیوں کے لیے سکوت چھا گیا۔ شاید وہ فیصلہ نہیں کرپارہا تھا کہ ویرا کی آواز کی لگاوٹ اور چاشنی پر کس ردِعمل کا اظہار کرے۔

"موتی سو رہا ہے۔ کیا وہ تم کو جانتا ہے، روزی ڈارلنگ!" آخر کار وہی آواز ابھری۔ وہ قدرے محتاط تھا لیکن اس کی آواز میں شدید مردانہ تجسس پوری طرح عود کر آیا تھا۔

"بالکل" ویرا نے اٹھلائی ہوئی آواز میں کہا "وہ ایک کاک ٹیل پارٹی میں ملا تھا... ہم نے کافی وقت ایک ساتھ گزارا تھا۔ آج مجھے نیند نہیں آرہی تھی تو میں نے اپنی پرانی ڈائریاں نکال لیں، ان ہی میں مجھے اس کا نمبر ملا ہے.... اس نے میرے ساتھ گوا میں چھٹیاں منانے کی دل فریب باتیں کی تھیں۔ اب مجھے نیند نہیں آرہی تو وہ کیوں سو رہا ہے؟"

اتنی رات گئے ویرا کے مخمور لہجے میں ادا کی گئی ان پُر معنی تفصیلات سے کوئی بھی زندہ دل شخص ہیجان میں مبتلا ہوسکتا تھا۔ یہی ہوا اور دبنگ آواز میں نرماہٹ گھل گئی "میں موتی لال ہی بول رہا ہوں، روزی ڈارلنگ!"

"یو ڈرٹی سوائن" ویرا نے اسے مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر پیار بھرے لہجے میں کہا "پھر تم جھوٹ کیوں بولے تھے؟ کیا تم میری آواز نہیں پہچانتے تھے؟ بس، میں فون بند کررہی ہوں۔"

"ایسا نہ کرنا" جلدی سے کہا گیا "بس بھول ہوگئی.... کاک ٹیل پارٹیوں میں ذہن ہواؤں میں اڑتا رہتا ہے۔ اگلے دن کچھ یاد نہیں رہتا کہ کس سے اور کیا کیا باتیں ہوئی تھیں.... لیکن تمہاری آواز کی مٹھاس میرے دل پر نقش ہے۔ تمہارے یاد دلانے پر مجھے سب کچھ یاد آگیا ہے۔ کہو، اس وقت کیسے فون کیا ہے؟"

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم اتنی رات گئے کیوں جاگ رہے ہو؟" اس کے صریح جھوٹ پر ویرا نے اپنے پینترے دکھانے کا فیصلہ کرلیا اور قدرے بوجھل آواز میں بولی "کیا تمہیں میری طرح کوئی یاد، کوئی بات ستا رہی ہے؟"

"ایسا ہی سمجھ لو۔ میں اس وقت پریشان ہوں.... ہم دونوں ایک دوسرے کی پریشانی دور کرسکتے ہیں۔"

"تمہیں کیا پریشانی ہے؟" موتی لال کے پگھلتے ہی ویرا اس پر حاوی ہونے لگی تھی۔

"ہم لوگ یہاں سخت ذہنی دباؤ میں رہتے ہیں۔ بس کام کی کچھ پریشانیاں ہیں۔ یہ سب باتیں فون پر نہیں ہوسکتیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اس وقت کہیں مل لیں یا تم ٹیکسی پکڑ کر میرے گھر آجاؤ۔"

"آدمی چاہے تو کیا نہیں ہوسکتا" ویرا نے اسے چارا ڈالتے ہوئے کہا "تمہیں کام کی کیا پریشانی ہوسکتی ہے؟ تم نے تو مجھ سے کہا تھا کہ تمہارا کام بہت دلچسپ اور سنسنی خیز ہے.... تم نے مجھے بھی کام دینے کا وعدہ کیا تھا...."

"سب کچھ ہوجائے گا.... تم آجاؤ" وہ بے صبری سے بولا "میں فون پر زیادہ بات نہیں کرسکتا۔"

"جب تک اپنی پریشانی کی وجہ نہیں بتاؤ گے، میں نہیں آؤں گی" ویرا نے دل ربایانہ لہجے میں کہا "کیا پتا کہ تم اپنی پریشانی سے مجھے بھی اداس اور مایوس کردو.... ہم پھر کبھی بھی ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔"

"اوہ! تم بہت ضدی لڑکی ہو" ویرا کی چھیڑ چھاڑ سے اس کا حیوانی اضطراب بڑھتا ہی جارہا تھا "میرے دو آدمی اچانک لاپتا ہوگئے ہیں۔ کافی دیر سے ان کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا۔ فون کی گھنٹی پر میں سمجھا تھا کہ شاید ان ہی میں سے کوئی ہوگا۔ لیکن یہ اچھا ہوا کہ تم سے بات ہوگئی۔ تم آجاؤ تو ہم اپنے وقت کو خوش گوار بنا سکیں گے۔"

ہم تینوں نے آپس میں معنی خیز نظروں سے تبادلہ کیا۔ دنیا کے ہر سیکرٹ ایجنٹ کی طرح، موتی لال بھی زندگی اور موت کی دو دھاری تلوار پر برہنہ پا چل رہا تھا اور اپنے پُرخطر مشن میں پوشیدہ بھیانک اندیشوں کو دوسری رنگینیوں میں مدغم کرکے اپنی زندگی کو قدرے سہل بنانے کا آرزومند تھا۔ سرد اور سرگرم جنگ کے ہر محاذ پر یہ ایک کلیہ رہا ہے کہ اپنے ملک کے مفادات کے لیے پرائی سرزمین پر غیر قانونی کام کرنے والے سیکرٹ ایجنٹ عام طور پر خوب صورت مقامی لڑکیوں کے جال میں پھنس کر تباہی کے غار میں گرتے رہے ہیں۔ اس وقت بھی یہی کچھ ہورہا تھا۔

موتی لال کے لب ولہجے میں دور دور تک کامیابی اور اعتماد کی جھلک نہیں تھی۔ ابتدا میں وہ محتاط تھا لیکن بعد کی گفتگو سے اس کے ذہنی تناؤ اور اعصابی کشیدگی کا اظہار ہورہا تھا۔ اس کی زبان سے دو آدمیوں کے لاپتا ہونے کی خبر سن کر خوشی سے میرا دل اچھل پڑا تھا۔ اس وقت ہم سب کو بھی ان دو آدمیوں کی تلاش تھی جو سلطان شاہ کو لے کر بھرے شہر میں کہیں روپوش ہوگئے تھے۔ اس وقت تک صرف ایک بات سامنے آسکی تھی کہ سلطان شاہ کو میرے پیغام کے حوالے سے گھر سے باہر نکالنے والا شخص موتی لال تھا۔ ایس ٹی ایف کے دو اہل کاروں کے بارے میں اوّل خان شکوک وشبہات میں ضرور مبتلا تھا لیکن یہ بات کھل کر سامنے نہیں آسکی تھی کہ وہ کس کے لیے کام کررہے تھے۔ اس ابہام میں موتی لال کے کہے ہوئے الفاظ، پہیلی کی خالی جگہوں کو پُر کرتے نظر آرہے تھے۔

امید افزا بات یہ تھی کہ اس کے دونوں آدمی بھی سلطان شاہ کی طرح غائب تھے۔ اگر صورتِ حال پر ان کی گرفت مضبوط ہوتی تو وہ یقینی طور پر موتی لال کو اپنی کامیابی کی اطلاع دیتے اور وہ اس بری طرح فکر مند نہ ہوتا کہ ایک بہکی ہوئی اجنبی لڑکی کو اپنے دام میں پھانسنے کے لیے غیر ارادی طور پر ان کی گمشدگی کا ذکر کر بیٹھتا۔

"ابھی چند ثانیوں پہلے تم نے ٹیکسی کا ذکر کرکے میری توہین کی ہے" ویرا قدرے برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی "میں تمہارے گھر آنا چاہوں تو میرے پاس اپنی گاڑی موجود ہے مگر میں اپنی گاڑی نہیں نکالوں گی۔ تمہاری سزا یہ ہے کہ تم خود میرے فلیٹ آؤ۔ یہ فیصلہ بعد میں ہوگا کہ تم میرے فلیٹ پر رکو گے یا میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"پلیز روزی' ایسی باتیں مت کرو" وہ خوشامدانہ تیزی سے بولا "تمہیں شہر میں امن وامان کے بگڑے ہوئے حالات کا علم ہے۔ شام سات بجے سے صبح سات بجے تک ہمیں اپنے گھروں میں محدود کر دیا گیا ہے۔ یہ اوپر والوں کے سخت ترین احکام ہیں۔ میں اس وقت گھر سے نہیں نکل سکتا۔ تم آؤ گی تو میں تمہارے پیر چھو کر اپنی غلطی کی معافی مانگ لوں گا۔ مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ تمہارے پاس اپنی کار بھی ہے۔ تم مجھے اپنی گاڑی کا نمبر بتادو' میں ابھی سپاہیوں سے کہے دیتا ہوں۔ وہ تمہارے آتے ہی پھاٹک کھول دیں گے..."

"اچھا' تو تمہارے گھر پر سپاہی بھی ہیں؟" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر دیدے نچاتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"حفاظت کے نام پر مقامی انتظامیہ نے دن رات دو مسلح سپاہی لگائے ہوئے ہیں" اس کی آواز سے بیزاری مترشح تھی "یہ سب بہانے ہیں۔ ان سپاہیوں کا اصل کام کچھ اور ہی ہے۔ وہ آنے جانے والوں پر نظر رکھتے ہیں یا پھر اندر کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتے ہوں گے۔ میری حفاظت کی کوئی ضرورت پیش آئی تو شاید یہ سپاہی سب سے پہلے مجھے بے آسرا چھوڑ کر بھاگیں گے۔ ان لوگوں سے مجھے کسی بھلائی کی امید نہیں ہے۔" آخری فقروں پر اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"میں فون بند کر رہی ہوں" ویرا نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ایسا نہ ہو کہ تمہارے لاپتا آدمی فون ملانے کی کوشش کر رہے ہوں.... تمہارے لیے وہ دونوں مجھ سے زیادہ اہم ہیں۔"

"نہیں" اس نے تیزی سے کہا "ان کے پاس مجھ سے رابطے کے دوسرے ذرائع بھی ہیں۔ جب تک تم آنے کا وعدہ نہیں کرو گی۔ میں تمہیں فون بند نہیں کرنے دوں گا" تریا چلتر میں پھنس کر وہ احمقانہ باتوں پر اتر آیا۔

"موتی ڈارلنگ! میں ادھر آنے کی حماقت نہیں کروں گی۔ اچھا ہوا کہ تم نے پولیس والوں کے بارے میں بتا کر مجھے ہوشیار کر دیا۔ یہ لوگ ایک بار میرے پیچھے لگ گئے تو میری شامیں شہر کی عمدہ تفریح گاہوں کے بجائے حوالات اور تھانوں میں گزرنے لگیں گی اور میں بیان لکھوا لکھوا کر نیم پاگل ہو جاؤں گی۔"

"اوہ!" اسپیکر فون پر اس کی غضب ناک غراہٹ گونجی "شاید میں پاگل ہو گیا ہوں جو تم سے بے تکی باتیں کیے جا رہا ہوں۔ اچھا تم اپنا فون نمبر دو۔ میں صبح تم سے بات کرکے آؤں گا۔"

"فون نمبر تو میں کاک ٹیل پارٹی میں دے چکی تھی" ویرا نے چڑانے والے انداز میں کہا "مجھے تمہارا نمبر اپنی پرانی ڈائری میں سے ملا ہے۔ تمہیں بھی میرا نمبر کسی پرانی نوٹ بک میں مل جائے گا۔ اس وقت اچھے بچے کی طرح سو جاؤ' ٹاٹا!"

ویرا نے بٹن دبا کر اسپیکر فون بند کر دیا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ چمک نمایاں تھی۔

"غضب خدا کا" غزالہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "تم اجنبی مردوں سے بھی اتنی بے تکلفی سے بے ہودہ قسم کی باتیں کر لیتی ہو! تمہاری لچھے دار گفتگو میں پھنس کر وہ ہمارے کام کی ہر بات اگل بیٹھا ہے۔ اب سمجھ میں آیا کہ ریشہ خطمی ہونا کسے کہتے ہیں۔"

"یہ بے ہودہ باتیں نہیں تھیں" ویرا نے یک بیک سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "شکل وصورت' لباس' اداؤں اور حتیٰ کہ آواز سے مردوں کو شیشے میں اتارنا باقاعدہ ایک فن ہے جسے میں نے بڑی ریاضت سے سیکھا ہے۔ میرے باپ نے ڈان مرسیانو تائی اونچے دلال کا روپ دھار کر مجھے بس یہی کچھ سکھایا تھا جو زندگی کے ہر گام پر میرے کام آ رہا ہے۔ تم سن رہی تھیں کہ اس نے از خود کوئی بات نہیں اگلی' میں گفتگو کو اپنی پسند کے رخ پر چلا رہی تھی۔ اب وہ کسی گنجے الو کی طرح اپنا سر پیٹ رہا ہوگا۔"

فون کی گھنٹی نے ہمیں چونکا دیا۔ غزالہ نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ موتی لال نے تمہارا نمبر تلاش کر لیا ہے" میں نے ویرا سے کہا اور ریسیور اٹھانے کے بجائے بٹن دبا کر اسپیکر فون آن کر دیا۔

"کمال کر دیا! اس لڑکی نے کمال کر دیا" دوسری طرف سے اوّل خان بول رہا تھا اور اس کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی "معلوم ہوتا ہے کہ خوب صورت عورتیں اور دلکش آوازیں ہر گھٹیا تخریب کار کی کمزوری ہوتی ہیں۔ ویرا نے اپنی ذہانت سے میری آدھی پریشانیاں دور کر دی ہیں...."

"لیکن تم کس حوالے سے بات کر رہے ہو؟ کیا کہہ رہے ہو؟" اوّل خان کی بے ربط باتوں نے مجھے حیران کر دیا۔

"ہمارے انتظامات کچھ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ آبزرویشن مشین پر موتی لال کے فون کے مصروف ہونے کا سگنل آتے ہی ایک لائن میرے فون سے ملا دی گئی تھی۔ میں نے ویرا اور موتی لال کی پیچ دار گفتگو لفظ بہ لفظ اپنے کانوں سے سنی ہے۔ اس مردود سے سب کچھ اگلوانے کے بعد ویرا نے ایسے خوب صورت موڑ پر فون بند کیا کہ یہ کالیا پھر موتی لال کو فون کرے تو وہ اسے روزی سمجھ کر اس کی خوشامدیں شروع کر دے گا۔"

"لیکن اب میں اسے فون نہیں کروں گی" ویرا نے ہنستے ہوئے
ما "خدا کرے کہ وہ ان ہی دو آدمیوں کی بات کر رہا ہو، جن کی
میں تلاش ہے۔"

"سو فیصد وہی ہیں.... کڑیاں ملتی جارہی ہیں۔ تم نے سنا نہیں
لہ موتی لال رابطے کے دوسرے ذرائع کی بات کر رہا تھا۔ وہ یقیناً
اکی ٹاکی یا ٹرانسیٹر پر رپورٹوں کا تبادلہ کرتے ہوں گے۔"

"تم تو تین آدمیوں کے ساتھ ادھر آرہے تھے۔ وہاں فون لے
کر کیوں بیٹھ گئے؟" میں نے پوچھا۔

"آدمی الماریوں یا درازوں میں نہیں رکھے ہوتے" اس کی
ڈش دلانہ آواز ابھری "ان کا بندوبست کرنے میں وقت لگتا ہے۔
ہں ان ہی تیاریوں میں مصروف تھا کہ آبزرویشن مانیٹرنگ سیل سے
ون آگیا۔"

"پھر اب کیا ارادہ ہے؟" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر
سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب موتی لال کو چھیڑنا بے سود ہوگا۔ اس
پر تشدد کر کے بھی ہم زیادہ سے زیادہ وہی کچھ اگلوا سکتے تھے جو ویرا
نے باتوں باتوں میں معلوم کر لیا ہے۔ ہمیں اس کو بے خبری میں گھیر
کر رنگے ہاتھوں پکڑنا ہوگا۔ اس میں شاید وقت لگے گا.... اس
وقت صرف سلطان شاہ کے بارے میں تشویش ہے" اوّل خان نے
جواب دیا۔

"ساری پریشانی اسی کے بارے میں ہے" ویرا نے کہا "خدا
کرے کہ وہ صحیح سلامت ہو۔"

"حیرت ہے کہ تم اس کے بارے میں اتنی فکر مند ہو" ویرا کی
فکرمندی پر غزالہ اپنی حیرت پوشیدہ نہ رکھ سکی۔

"تم لوگ پھر الجھنے لگے" اسپیکر فون پر اوّل خان کی فہمائشی
آواز ابھری "کھوپڑیاں ٹھنڈی رکھو۔ میں ابھی آتا ہوں" اسی کے
ساتھ لائن بے جان ہوگئی۔ میں نے اسپیکر فون بند کر دیا۔

"میں اس کے بارے میں ہمیشہ فکر مند رہتی ہوں" ویرا نے
غزالہ کے تبصرے کا برا مانے بغیر خیال انگیز لہجے میں کہا "میں اسے
بہت اچھی طرح سمجھنے لگی ہوں، اسی لیے اس سے لڑتی اور الجھتی
رہتی ہوں۔ وہ عجیب و غریب ٹائپ کا آدمی ہے۔ اسے بھڑکاتے اور
اشتعال دلاتے رہو تو ہر وقت مقابلے پر کمربستہ رہے گا۔ جس دن
بھی میں نے اس سے ذرا سی ہمدردی یا نرمی کا برتاؤ کیا، وہ میری گود
میں سر رکھ کر کسی بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے" غزالہ نے کہا "سلطان شاہ اندر
سے اتنا نرم اور بودا نہیں ہے کہ تمہاری ہمدردی کے دو بول بھی نہ
سہہ سکے۔ کڑے وقتوں میں تم اس کی جواں مردی کے مظاہرے
دیکھ ہی چکی ہو۔"

"میں نے اسے بزدل نہیں کہا" ویرا نے فوراً ہی اپنی صفائی
پیش کرنی ضروری سمجھتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ اس کی تربیت
میں کہیں کوئی ٹیڑھ رہ گئی ہے جس نے اس کے مزاج پر گہرا اثر ڈالا
ہے۔"

"یہ تمہارے قیاسات ہیں اس لیے انہیں اپنی کھوپڑی تک
محدود رکھو" میں نے ان دونوں کی کھینچا تانی میں دخل دیتے ہوئے
کہا "میں اس وقت تمہاری تربیت کی ٹیڑھ کے بارے میں سوچ رہا
ہوں۔ ڈان مریانو نے تمہیں مردوں کا شکار کرنے کے سارے گر
سکھا دیے ہیں لیکن ان سے بنائے رکھنے کے معاملے میں تم کوری
ہو۔"

"جب ہی برسوں سے تمہاری دوستی کو بھگت رہی ہوں" اس
نے طنز سے کہا۔

"وہ اور بات ہے.... اس وقت سلطان شاہ کی بات ہو رہی
تھی...."

"میں اسے بھی سینگ نہیں مارتی" اس نے میری بات کاٹ
کر ترشی سے کہا۔

"بظاہر تو تم اس سے بیزار نظر آنے کی کوشش کرتی رہتی ہو"
میں نے جواب دیا۔

"میں نہیں چاہتی کہ وہ کسی نوزائیدہ بچے کی طرح میری گود میں
سر رکھ کر رونا شروع کر دے۔"

میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "لیکن اس وقت سلطان
شاہ کے بارے میں تمہاری تشویش سے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم
کنواری بیوہ کہلانے کے تصور سے خائف ہو۔"

فوری طور پر وہ بات ویرا کے پلے نہیں پڑ سکی مگر کنواری بیوہ کا
مفہوم سمجھتے ہی وہ مُکا تان کر میری طرف جھپٹی تھی۔ اگر میں تیزی
سے غزالہ کی اوٹ میں نہ ہو گیا ہوتا تو وہ مُکا میری گردن پر پڑا ہوتا۔
وہ دانت پیس کر مجھے برا بھلا کہتی رہتی لیکن وہ سلسلہ چند لمحوں
سے زیادہ جاری نہ رہ سکا۔ فلیٹ کی ڈور بیل کی تیز آواز نے ہم
تینوں کو چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

میں تیزی سے آگے بڑھا اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل کر
دروازہ کھول دیا۔ میرے سامنے سلطان شاہ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے
بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر کئی تازہ خون آلود خراشیں بھی
نظر آرہی تھیں لیکن اس کے باوجود اُس کے ہونٹوں پر عجیب سی
سفاکانہ مسکراہٹ جمی ہوئی تھی۔

میں نے بے اختیار اسے کھینچ کر اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"ارے! یہ تو زندہ ہے" میرے پیچھے موجود ویرا نے اسے
دیکھتے ہی تحیر زدہ آواز میں کہا "ہم لوگ بلاوجہ ہی اس کے بارے
میں پریشان ہو رہے تھے۔ ڈھیٹ قسم کے لوگ اتنی آسانی سے کسی
مصیبت میں نہیں پڑتے۔"

"ہم تینوں میں سب سے زیادہ پریشانی تم ہی کو تھی" غزالہ نے
چبھتی ہوئی آواز میں اسے جواب دیا "اگر ڈینی نے تمہیں نہ سنبھالا
ہوتا تو شاید تم اس وقت آنسوؤں سے رو رہی ہوتیں۔"

"میرے بارے میں کسی کو اتنا پریشان ہونے کی ضرورت
نہیں" سلطان شاہ میرے سینے سے الگ ہو کر ڈرائنگ روم کی

طرف بڑھتے ہوئے بولا "میں اتنی آسانی سے مرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ جو لوگ اپنے ہر سانس کے لیے موت کے جبڑوں میں اتر جانے پر تلے رہتے ہوں' ان سے موت بھی خوف کھانے لگتی ہے۔"

"غنیمت ہے کہ اس وقت تمہارا لہجہ اونچا نہیں تھا ورنہ آغا حشر کے تھیٹر ڈرامے کی یاد تازہ ہو جاتی" غزالہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اور تو سب کچھ ٹھیک ہے لیکن تم نے اپنا کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟"

"اس موت کی چند نشانیاں ہیں جو بس مجھے چھو کر گزر گئی۔ فون کر کے اول خان کو بلا لو تو زیادہ بہتر رہے گا کیونکہ میں اپنے ساتھ اُس کے ایک آدمی کی لاش بھی لایا ہوں" اس نے ایک صوفے میں گر کر کہا۔

"لاش!" کمرے میں ہم تینوں کی تحیر زدہ آوازیں ابھریں پھر ویرا بولی "پورے واقعات بتاؤ....."

"اول خان کو بلا لو" اس نے گہری سنجیدگی سے کہا "میں ایک ہی کہانی دوبارہ سنانے کی زحمت سے بچ جاؤں گا" یہ کہہ کر اُس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک ٹرانسمیٹر نکال کر میز پر ڈال دیا۔

ویرا نے فوراً ہی وہ آلہ اٹھا کر اُس کا بٹن آن کر دیا۔ اس پر چند ثانیوں کے لیے صرف ریڈیائی شور گونجتا رہا پھر ایک بھاری اور جانی پہچانی آواز سنائی دینے لگی "ماسٹر کالنگ الفا پارٹی.... دونوں میں سے جو بھی میری آواز سن رہا ہو' میری بات کا جواب دے..... میں تم لوگوں کی خاموشی اور گمشدگی سے فکر مند ہوں.... اوور!"

بولنے والے کی آواز سے جھلاہٹ اور تشویش مترشح تھی اور وہ موتی لال کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

"اسے بند کر دو۔ وہ بار بار یہی بھونک رہا ہے" سلطان شاہ غزالہ کا لایا ہوا' اسکواش کا گلاس خالی کر کے بولا "یہ آلہ اول خان کے آدمیوں کی غداری کا کھلا ثبوت ہے۔ اب ایس ٹی ایف والوں پر بھی آنکھیں بند کر کے اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ میرے ستارے یاور تھے کہ میں بچ نکلا ورنہ صبح میری لاش کسی ویرانے سے دستیاب ہوتی۔"

"اول خان بھی پہنچنے والا ہے" میں نے اس کے قریب بیٹھ کر کہا "تم اپنی کہانی شروع کرو۔ اسے ہم بریف کر دیں گے۔ ہم لوگ تمہاری طرف سے غافل نہیں تھے۔ ماسٹر کے نام سے الفا پارٹی کو پکارنے والا ہماری نظروں میں آ چکا ہے۔ ہم جلد ہی اسے جہنم واصل کر دیں گے۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہوا کہ ایس ٹی ایف والے غداری پر اتر آئے ہوں" وہ بات اسے مسلسل ستا رہی تھی۔

"یہ پرانا قصہ تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس کے ذمے داروں کو پہلے ہی اس طرف دھیان دینا چاہیے تھا لیکن وہ البرٹو ویلیسا کے خاتمے کے بعد مطمئن ہو کر بیٹھ گئے۔ اس نے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لیے فورس میں اپنی پسند کے آدمی بھی رکھ لیے تھے۔ حال ہی میں اول خان اس طرف متوجہ ہوا تھا اور تمہیں لے جانے والے دونوں آدمی زیر نگرانی تھے۔ بس بدقسمتی یہ ہوئی کہ ان کا پیچھا کرنے والوں کی موٹر سائیکل کا ٹائر پنکچر ہو گیا اور انہیں وہاں سے نکل جانے کا کھلا موقع مل گیا" میں نے اسے پوری طرح مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

اس دوران میں غزالہ نیل پالش ریموور کی شیشی' صاف روئی کا بنڈل اور کوئی ٹنکچر لے آئی تھی اور اس نے سلطان شاہ کے چہرے کی خراشوں کو آہستہ آہستہ صاف کرنا شروع کر دیا تھا۔

"اسی محبت اور دیکھ بھال نے مجھے تم سب کا بے دام غلام بنا دیا ہے" زخموں پر اسپرٹ لگتے ہی چند سسکاریاں لینے کے بعد سلطان شاہ اچانک جذباتی ہو گیا۔ "رفتہ رفتہ میں اپنے رشتے داروں اور گاؤں والوں تک کو بھلا بیٹھا ہوں جیسے میرا ان سے کوئی رشتہ نہ ہو۔"

"ہوش میں رہ کر بات کرو۔ نادانستگی میں تم ویرا کی بھی غلامی کا اعتراف کر رہے ہو" غزالہ نے اسے خبردار کیا۔

"کہانی.... میں تمہاری کہانی کا منتظر ہوں" میں نے دخل انداز ہو کر وہ بات وہیں ختم کر دی۔ فون پر غزالہ نے اجنبی شخص سے مفروضہ پیغام سننے کے بعد سلطان شاہ کو مطلع کیا تو اسے بھی شبہ تھا لیکن وہ محض شبہات کی بنا پر میرے پیغام کو نظر انداز نہ کر سکا۔ کسی امکانی خطرے کے سدِباب کے لیے وہ ایس ٹی ایف والوں کے پاس جا پہنچا۔ وہ دونوں سفید کرولا میں گلی میں موجود تھے۔

شاید انہیں پہلے سے اس کے بارے میں آگاہ کر دیا گیا تھا۔ سلطان شاہ از خود ان کے پاس نہ پہنچتا تو وہ اس کا پیچھا کر کے اسے گھیرنے کی کوشش کرتے۔ سلطان شاہ کی پوری بات سننے کے بعد ان دونوں نے اسے اپنے ساتھ لسبیلہ لے جانے کی پیشکش کی۔ سلطان شاہ کو خیال تھا کہ وہ تینوں ہی وہاں سے چل دیے تو غزالہ بالکل اکیلی رہ جائے گی۔ اس نے ایک آدمی کو رکنے کا مشورہ دیا جو یہ کہہ کر مسترد کر دیا گیا کہ وہ رات کے سناٹے میں لسبیلہ سے چند منٹ میں لوٹ آئیں گے۔ اتنی قلیل سی مدت میں غزالہ کے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں ہو سکتی تھی لیکن لسبیلہ پر کوئی خطرناک صورتِ حال پیش آئی تو سہ نفری جماعت ہی خطرے کا بہتر طور پر مقابلہ کر سکے گی۔ سلطان شاہ بحث میں الجھے بغیر پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ایس ٹی ایف کا ایک آدمی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

شہید ملت روڈ کے ابتدائی چوراہے سے جیل کی طرف مڑتے ہی پیچھے والے نے کسی وزنی چیز سے سلطان شاہ کے سر پر ضرب لگائی۔ یہ اس کے مقدر کی یاوری تھی کہ وار اوچھا پڑا۔ وہ عارضی طور پر واقعی اندھیروں کی دلدل میں ڈوب گیا لیکن جب چند ثانیوں بعد اُس کے حواس بحال ہونے شروع ہوئے تو پیچھے والا ٹرانسمیٹر پر کسی سے اسی کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ سلطان شاہ کے لیے ایس ٹی ایف والوں کا وہ سازشی رویہ سخت صدمے کا باعث بنا لیکن وہ خطرہ بھانپ کر بدستور بے ہوش بنا رہا۔ پھر ٹرانسمیٹر پر سلطان شاہ کے قتل کا حکم صادر کر دیا گیا۔

اسے نیو کراچی کے کسی ویرانے میں گولی مار کر پھینک دینے کا
کر لیا گیا تھا۔
ان دونوں کے مقابلے میں وہ اکیلا اور پوزیشن کے اعتبار سے
ر تھا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ والے پر ہاتھ ڈالتا تو پیچھے والا بہت
نی سے اسے بے بس کر سکتا تھا۔ وہ خاموشی سے وقت اور موقع
نظار کرتا رہا۔ دوران سفر ٹرانسیسٹر پر وقفے وقفے سے بات ہوتی
۔ آخر طویل سفر کے بعد کار ایک تاریک ویرانے میں روک
ئی۔

وہ ایس ٹی ایف کی کار تھی۔ وہ دونوں اس کے اندرونی حصے کو
آلود ہونے سے بچانا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے سلطان
کو گھسیٹ کر جوں ہی کار سے باہر نکالا، وہ کسی بپھرے ہوئے
رے کی طرح ان سے بھڑ گیا۔

اس نے ان میں سے ایک کی کھوپڑی میں فوراً ہی سوراخ کر
۔ دوسرے سے مقابلے میں اس کا پستول ہاتھ سے نکل گیا۔
ت بدست لڑائی میں اس کا حریف بھی نہتا ہو چکا تھا۔ بے تحاشا
کھانے کے بعد وہ بوکھلا کر اندھیرے میں ایک طرف بھاگ نکلا۔
لطان شاہ نے اس کے تعاقب کی کوئی کوشش نہیں کی۔

ٹرانسیسٹر بدستور پچھلی سیٹ پر پڑا ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے
نے والے کی لاش کرولا کی ڈکی میں ڈالی اور وہاں سے بھاگ
۔ واپسی میں اس نے ناگن چورنگی سے براہ راست گلشن اقبال
راستہ اختیار کیا تھا تاکہ جلد از جلد فلیٹ تک پہنچنے میں کامیاب
سکے۔

اس کی کہانی مکمل ہونے سے پہلے ہی اوّل خان بھی وہاں
پہنچا اور سلطان شاہ کی مزاج پرسی کے بعد اس کی کہانی سننے میں
مک ہو چکا تھا۔ سلطان شاہ کے خاموش ہونے پر میں نے اوّل
ن کو اس خون آشام واردات کے ابتدائی واقعات سے آگاہ کیا تو
ں کے چہرے پر تشویش پھیلتی چلی گئی۔

”یہ ایک سوچی سمجھی سازش تھی“ وہ کہنے لگا ”اسٹیشن فور پر ہر
نص کو معلوم تھا کہ میں تمہارے ساتھ کسی اہم آپریشن میں الجھا
ا ہوں۔ جب ان دونوں کو فلیٹ کی حفاظت کے لیے روانہ کیا گیا تو
ن نمک حراموں نے موتی لال کو پچویشن سے آگاہ کر دیا ہو گا۔
وتی لال نے فوراً ہی سلطان شاہ کے قتل کا منصوبہ بنا لیا۔ اچھا ہوا
کہ ان میں سے ایک سلطان شاہ کے ہاتھوں مارا گیا مگر یہ برا ہوا کہ
دوسرا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔“

”اسے فرار ہونا ہی تھا کیونکہ آج ہر جوڑی میں سے بس ایک
کے مارے جانے کی رات ہے“ ویرا نے سنجیدگی سے کہا۔

”کیا مطلب؟“ اوّل خان چونک کر اسے گھورنے لگا ”تم کیا
کہنا چاہ رہی ہو؟“

”چیانگ فاؤ مارا گیا، لی وانگ اسپتال میں ہے، اسی طرح
تمہارا ایک آدمی کرولا کے تابوت میں اور دوسرا مفرور ہے۔
حساب برابر سمجھو“ سلطان شاہ کے واپس آجانے پر ویرا ایک بار
پھر بے فکری کے مظاہرے پر تل گئی تھی۔

”تم غلط کہہ رہی ہو“ اوّل خان نے اس کے مذاق کا برا ماننے
کے بجائے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”اسپتال سے اطلاع ملی
ہے کہ ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر پلاسٹر چڑھائے جانے کے دوران میں ہی لی
وانگ نے ایک لمبے نشتر سے اپنی کلائی کی رگیں کاٹ کر خودکشی
کر لی۔ زخم اتنا گہرا تھا کہ ڈاکٹر اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود خون
کا بہاؤ نہ روک سکے۔ وہ بہت سکون سے مرا ہے اور بار بار ایک ہی
بات کہہ رہا تھا کہ ایک مقدس آئی مین کی بے حرمتی کرنے والے کو
اس زمین پر زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ڈینی کی دکھائی ہوئی
سلور آئی نے اس کا دماغ الٹ دیا تھا۔“

”خس کم جہاں پاک“ ویرا بڑبڑائی ”اب شاید تمہارا مفرور
باغی بھی ہاتھ آجائے۔“

”وہ زیادہ دیر تک روپوش نہیں رہ سکتا“ اوّل خان نے اعتماد
سے کہا ”مسلسل نگرانی کی وجہ سے ان کے تمام ٹھکانے ہماری
نظروں میں ہیں۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہوں نے کبھی موتی
لال سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔“

”ان دونوں پر شبہ کرنے کی کیا وجہ تھیں؟“ میں نے پوچھا۔

”البرٹو ویلیسا کے دور میں یہاں پانچ افراد بھرتی کیے گئے تھے
اور ان سب کی نگرانی ہو رہی تھی۔ سلطان شاہ کو لے جانے والوں
میں سے ایک نے دو سال تک ایک غیر ملکی فرم میں اسٹاف ڈرائیور
کے طور پر کام کیا تھا۔ دوسرا کئی برس تک ایک ایسے غیر ملکی نامہ
نگار کا ذاتی ملازم رہا تھا جو اکثر و بیشتر بھارت جاتا رہتا ہے۔“

”یہ اے بی سی کے نامہ نگار، جیف ہنٹ کا تو ذکر نہیں
ہے؟“ ویرا نے استفسار کیا۔

”اپنی شہرت کی وجہ سے اے بی سی والے مفت میں بدنام
ہیں“ اوّل خان نے ہنس کر کہا ”غیر ملکی نمائندوں میں ان سے بھی
زیادہ شاطر لوگ موجود ہیں جو صرف آڑ کے لیے پیشہ ورانہ شناخت
رکھتے ہیں ورنہ اپنے پرتعیش طرز زندگی کے بھاری اخراجات
نامعلوم ذرائع سے پورے کرتے ہیں۔“

”بعض اوقات تم بلاوجہ بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتی ہو۔“
میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

”کھال کے بال ہوتے ہیں، بال کی کھال نہیں ہوتی۔“
ویرا نے سنجیدگی سے میری تصحیح کی۔

”محاورے اسی طرح ہوتے ہیں“ میں نے جھلا کر کہا ”تم اس
بات کی جستجو میں لگ جاتی ہو جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں
ہوتا۔“

”اچھا!“ اس نے معصومیت سے کہا ”مجھے معلوم نہیں تھا۔“
پھر اس کے منہ سے ایک بے ساختہ قہقہہ ابل پڑا۔ سلطان شاہ
اسے یوں حیرت سے دیکھنے لگا جیسے اسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

سلطان شاہ کے لوٹ آنے کے بعد بھاگ دوڑ کا تسلسل
عارضی طور پر دم توڑ چکا تھا۔ موتی لال کی فوری سرکوبی ممکن نہیں

تھی۔ اس کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرنا تھا۔ صبح ہونے ہی والی تھی اس لیے اوّل خان روانگی کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اپنی گاڑی چھوڑ کر سفید کرولا میں جانا چاہتا تھا تاکہ مرنے والے کی لاش فوری طور پر اسٹیشن فور پہنچائی جاسکے۔ میں، سلطان شاہ کے ساتھ نیچے آیا۔ گلی دور دور تک ویران پڑی ہوئی تھی۔ قریب ہی آوارہ کتوں کی ایک ٹولی کوڑے کے ڈھیر پر آرام کر رہی تھی۔ اوّل خان نے کرولا کی ڈکی کھولی تو اندر پڑے ہوئے شخص کی کھلی ہوئی بے نور آنکھوں کے سوا اس کے چہرے پر موت کی کوئی علامت نہیں تھی۔ اس کی پیشانی میں پیوست ہونے والی گولی نے بس ایک چھوٹا سا، سیاہی مائل سرخ گول نشان چھوڑا تھا۔

"یہ عارف ہے" اوّل خان سرد لہجے میں بولا "اس کا مطلب ہے کہ سرور فرار ہوگیا.... خیر، وہ کہاں جائے گا۔ دوپہر ہونے سے پہلے ہی وہ پکڑلیا جائے گا۔"

اوّل خان کو رخصت کرکے ہم دونوں اوپر آئے تو جہانگیر ڈرائنگ روم میں صوفے پر کسی بُت کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی سرخ اور متورم آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے پھر زیادہ پی لی تھی۔

اسے دیکھتے ہی مجھے دھیان آیا کہ اپنی الجھنوں میں پڑ کر ہم اسے بالکل ہی فراموش کر بیٹھے تھے۔ اوّل خان کا پہلا فون آنے کے بعد وہ اسکاچ کی بوتل لے کر لنگڑاتا ہوا ایک خواب گاہ میں جاگھسا تھا۔ بعد میں ویرا بھی اسی طرف چلی گئی تھی لیکن جب اوّل خان نے سلطان شاہ کے اغوا کے بارے میں موتی لال پر اپنی شبے کا اظہار کرنے کے لیے دوسرا فون کیا تو ویرا غیر محسوس طریقے پر خوابگاہ سے باہر آکر ہمارے ساتھ باتوں میں شامل ہوگئی لیکن جہانگیر شروع ہی سے اس طرح کمرے میں گھسا رہا کہ کسی کو اس کی موجودگی کا احساس تک نہ رہا۔

"گیانی جی کیا فرما رہے ہیں؟" میں نے جہانگیر کے سپاٹ چہرے کا جائزہ لے کر ویرا سے پوچھا۔

"ان کی کھوپڑی پر برف کی ٹکور کرنی پڑے گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بسیار نوشی سے عقل ٹخنوں سے بھی نیچے جاچکی ہے" ویرا اسے دیکھ کر لطف اندوز ہو رہی تھی "اس وقت میں اس سے زبردست تفریح لے سکتی ہوں لیکن ڈر یہ ہے کہ اس نے بولنا شروع کردیا تو نوبت غل غپاڑے تک پہنچ سکتی ہے۔"

"اللہ کے نام پہ" اچانک جہانگیر نے لڑکھڑائی ہوئی آواز میں دھیمی سی ہانک لگائی "لنگڑا محتاج ہوں۔ تیرے بچوں کو کھا کے دعائیں دوں گا...." ہانک لگانے کے ساتھ ہی اس نے اپنا داہنا ہاتھ بھی آگے پھیلا دیا تھا۔

"ابے کس کے بچوں کو کھانے کا ارادہ ہے؟" میں نے بھنّا کر اس کا ہاتھ نیچے گرا دیا۔

وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدا کر رہ گیا۔ ویرا نے جلدی سے مجھے پیچھے کھینچ لیا "اس وقت اسے نہ چھیڑو۔ اس کے ذہن پر ابھی تک دہشت اور مایوسی کا غلبہ ہے اور یہ اپنے آپ کو معذور سمجھ رہا ہے...."

"کچھ نہیں، ایک جگ پانی سر پر ڈالوں گا تو سالے کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا۔ معذور سمجھ رہا ہے تو بھیک کیوں مانگ رہا ہے؟ اور وہ بھی ایسے بے ہودہ انداز میں.... لاحول ولا قوۃ" مجھے جہانگیر پر واقعی غصہ آنے لگا۔

"چیانگ فاؤ اور لی وانگ نے اس کی برین واشنگ کی ہوئی ہے" ویرا کہنے لگی "ان کی قید میں اسے ہر وقت اپنا عبرتناک مستقبل نظر آتا رہا ہوگا۔ چلنے سے معذور شخص یہاں بھیک پر ہی پل سکتے ہیں۔ انہیں معاشرہ قبول نہیں کرتا۔ گوبر دماغ لوگوں کو کرسیوں پر سجا کر دوسروں کی قسمت کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔ لنگڑوں کو میز کرسی کا کام دینے کے بجائے ان سے بھاگ دوڑ کی امید کی جاتی ہے۔ نشے کی حالت میں اس کے وہ لاشعوری خوف سامنے آرہے ہیں۔ بھکاری کے روپ میں بھی وہ وہی کچھ کہہ رہا ہے جو زندگی بھر سنتا رہا ہے۔ تم غور سے سنو تو اکثر بھکاری لفاظی کے شوق میں دعاؤں کو ہولناک بددعاؤں میں بدل دیتے ہیں۔ میں تو ایسی باتیں سن کر دل ہی دل میں ہنستی رہتی ہوں۔ اب یہی دیکھو کہ خیرات کے پیسوں سے کھانا کھا کے سخی کے بچوں کو دعا دینے کی آرزو، جہانگیر کے الفاظ میں کیسی وحشت ناک لگ رہی تھی مگر بہت سے فقیر یہی کہتے ہیں۔"

سلطان شاہ بھی ہنسنے لگا "اللہ کے نام پہ بچہ دے دے کے الفاظ میں بارہا سن چکا ہوں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ لوگ سوچے سمجھے بغیر ان بے تکے مطالبات کو سنتے ہیں اور بچہ دینے کے بجائے، عقیدت و احترام کے ساتھ مانگنے والے کو کچھ رقم دے کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ویرا اس وقت ٹھیک کہہ رہی ہے۔"

جہانگیر کچھ دیر تک سر جھٹکتا رہا۔ شاید وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن اس کی زبان اس کے ارادوں کا ساتھ دینے سے قاصر تھی۔ اس کے سر کی جنبشیں بند ہوگئیں اور اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے اونگھنا شروع کردیا۔

اس وقت جہانگیر نشے سے بہک رہا تھا جب کہ بقیہ افراد بھی ذہنی اور جسمانی تھکان کا شکار تھے۔ میں نے فوراً ہی محفل برخاست کرنے کی ہدایت جاری کردی لیکن سلطان شاہ اڑ گیا "ہم نے رات کا کھانا کھائے بغیر، سارا وقت محنت و مشقت میں گزارا ہے اگر میں اس وقت شکم پُری کیے بغیر سویا تو پھر کبھی نہ اٹھ سکوں گا۔"

دونوں عورتوں نے اس کی تائید کی اور ان ہی کو کچن کا رخ کرنا پڑا۔

جہانگیر میرے برابر میں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ سلطان شاہ دوسرے صوفے پر دراز ہوگیا۔

سلطان شاہ کا لایا ہوا ٹرانسیٹر کسی نے دوبارہ آن کردیا تھا لیکن اس پر کافی دیر سے کوئی پیغام نہیں آیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اپنے آدمیوں کی مسلسل خاموشی اور روزی کی فسوں خیز رفاقت

ب سے محرومی کے بعد شاید موتی لال بھنا کر سونے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"ابھی تک میں نے بہت کم سوالات کیے ہیں" کچھ دیر تک سکون سے لیٹے رہنے کے بعد سلطان شاہ نے کہا "تم لوگ جو کچھ بتاتے رہے، خاموشی سے سنتا رہا ہوں۔ اب مجھے بتاؤ کہ جہانگیر کے گھر پر کیا واقعات پیش آئے اور یہ موتی لال کا کیا چکر ہے، میں کافی غور کرنے کے بعد بھی کڑیاں یکجا کرنے سے قاصر ہوں۔"

میں نے جہانگیر کے گھر پر رونما ہونے والے واقعات سے گفتگو کی ابتدا کی اور پوری تفصیلات دہرانے کے بعد اس کے اغوا کے بارے میں اوّل خان کے ابتدائی انکشاف سے لے کر اُس کی واپسی تک کے واقعات بھی بیان کر ڈالے۔

موتی لال اور ویرا کی فون پر ہونے والی گفتگو پر وہ اپنی حیرت کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا "مجھے ویرا کی ذات میں کوئی غیر معمولی کشش نظر آتی ہے نہ اس کی آواز میں جھرنوں کا سا کوئی لاہوتی ترنم ہے لیکن پھر بھی وہ جس مرد سے بات کرتی ہے، وہ اس سے مسحور ہو کر رہ جاتا ہے۔"

"برخوردار!" میں نے مسکرا کر کہا "لیلیٰ کو مجنوں کی نظر سے دیکھے بغیر بات نہیں بنتی۔ دوسروں کے لیے اس کی رنگت سرمئی بلکہ کالی تھی لیکن مجنوں اسی رنگ روپ پر فدا تھا۔ یہ ویرا کا نہیں، تمہاری نظروں اور کانوں کا قصور ہے۔"

"کیا تمہیں اس بات پر حیرت نہیں ہوئی کہ موتی لال جو یقیناً ایک تجربے کار سفارتی ملازم ہوگا، اتنی آسانی سے ایک اجنبی لڑکی کی رسیلی آواز کے چکر میں آگیا اور ویرا اُس سے ہر بات اگلواتی چلی گئی۔"

"کاش تم نے وہ گفتگو اپنے کانوں سے سنی ہوتی۔ آواز کے جادو کے علاوہ ویرا نے ذہانت سے بھی کام لیا تھا۔ موتی لال کے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہو سکا ہوگا کہ ویرا اس سے کب، کیا معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔ میں نے دنیا بھر میں ویرا سے بھی حسین لڑکیاں دیکھی ہیں لیکن حسن اور ذہانت کے امتزاج میں آج تک اس کا ثانی نہیں دیکھا۔ خوبصورت لڑکیاں ویسے بھی خوشامدی مردوں سے اپنی تعریفیں سن سن کر کند ذہن اور خود پرست ہو جاتی ہیں۔ تم چاہو تو میں اب بھی ویرا کو آمادہ کر سکتا ہوں۔ وہ میری بات نہیں ٹال سکے گی" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"خدا کے لیے!" اس نے میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ "تم تو ایسی باتیں نہ کیا کرو۔ رفتہ رفتہ میں خود بھی اس کی بہت سی خوبیوں کا معترف ہو چلا ہوں لیکن تم جانتے ہو کہ وہ پارسائی کے لفظ ہی سے نا آشنا ہے۔ یہ مغرب میں ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے لڑکے لڑکیاں آزادی کے ساتھ اپنے پچھلے تجربات پر باتیں کرتے ہیں۔ ارب پتی گھرانوں کی لڑکیاں شادی کے بغیر ماں بن جانے پر کوئی ندامت محسوس نہیں کرتیں اور انہیں کبھی نہ کبھی ہم پلہ شوہر بھی مل جاتے ہیں لیکن میں آنکھوں دیکھے مکھی نہیں نگل سکتا۔ مجھ سے ایسی باتیں نہ کیا کرو۔"

"تمہاری مرضی!" میں نے بے پروائی سے اپنے شانے اچکا کر کہا "میں تو تمہاری بھلائی کی بات سوچ رہا تھا" بات وہیں رہ گئی کیونکہ اچانک ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ وہ کال صرف اوّل خان کی ہو سکتی ہے۔ اس وقت تک جہانگیر نے نشے کی جھونک میں باقاعدہ اونگھنا شروع کر دیا تھا اس لیے میں نے اسپیکر فون آن کرنے کے بجائے پھرتی سے ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے آنے والی ہیلو کی آواز سنتے ہی میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ موتی لال کی آواز تھی۔

"کیا بات ہے؟ تمہیں کس سے بات کرنی ہے؟" میں نے بے زاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"سلطان شاہ سے بات کراؤ" موتی لال کی آواز میں تحکم پیدا ہو گیا۔

"تم کون بول رہے ہو؟" میں نے چیخ کر سوال کیا جیسے میں جلد از جلد فون بند کرنا چاہتا ہوں۔

"میں اس کا ایک دوست ہوں۔ اس سے میری بات کراؤ۔" اس نے اصرار کیا۔

"یہ وقت ہے فون کرنے کا؟ اپنا تعارف نہیں کراؤ گے تو میں فون بند کر دوں گا۔"

"اداکاری مت کرو۔ تم نے پہلی گھنٹی پر فون اٹھایا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم جاگ رہے تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ تم ڈیڈی ہی ہو سکتے ہو۔ میں صرف اتنا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ سلطان شاہ کہاں ہے۔"

میرا دل چاہا کہ میں بھی اس کا نام لے کر اسے متحیر کر دوں لیکن میرا وہ انکشاف قرینِ مصلحت نہ ہوتا "اگر تم وہی ہو جس نے میرے نام سے فون پر پیغام دے کر سلطان شاہ پر جال ڈالا تھا تو تمہیں یہ سن کر مایوسی ہوگی کہ سلطان شاہ نے تمہارے آدمیوں کو بھاگ نکلنے پر مجبور کر دیا اور اس وقت وہ گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہا ہے۔"

"میرا شبہ درست ہی نکلا" دوسری طرف سے الفاظ چبا چبا کے کہا گیا "یہ یاد رکھنا کہ تم دونوں زیادہ دیر تک میرے انتقام سے نہیں بچ سکو گے۔ تمہارا وقت پورا ہو چکا ہے۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔"

"کس بات کا انتقام؟ کیا ہم میں سے کسی نے تمہاری لڑکی اٹھالی ہے؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔ مگر دوسری طرف سے ایک گندی سی گالی کے ساتھ فون کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

فون کی گھنٹی کی آواز سن کر غزالہ دروازے پر آکھڑی ہوئی تھی اور استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی "کیا موتی لال کا فون تھا؟" میری گفتگو سے اندازہ لگا لینے کے باوجود اس نے سوال کرنا ضروری سمجھا۔

"ہاں، موتی لال نہیں بلکہ روزی کا بوائے فرینڈ کہو..... اپنے آدمیوں کی مسلسل خاموشی سے زچ آکر اس نے یہاں فون کیا تھا تاکہ اپنی کارروائی کے انجام سے باخبر ہوسکے۔ اب وہ....." میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ غزالہ نے چڑچڑے لہجے میں بولنا شروع کردیا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اسے کس مصلحت کی خاطر ڈھیل دی جارہی ہے۔ وہ سامنے آگیا ہے تو پہلی فرصت میں اسے گردن سے دبوچ کر کیفرِ کردار تک پہنچا دینا چاہیے۔ سنپولیے کو پال پوس کر سانپ بنانا عقل مندی کے زمرے میں نہیں آتا۔ اگلی بار وہ زیادہ چالاکی سے حملہ آور ہوگا۔"

وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر کچن کی طرف واپس چلی گئی۔ ادھر سے آملیٹ وغیرہ تیار ہونے کی اشتہا انگیز خوشبوئیں فضا میں پھیل کر بھوک چمکا رہی تھیں۔

"غزالہ چلی گئی لیکن اس کا سوال بہت اہم ہے" چند ثانیوں کے توقف کے بعد سلطان شاہ نے مجھے ٹوکا "میں بھی موتی لال کو ڈھیل دینے کی حکمتِ عملی کے اسباب سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"یہاں بھارتی لابی باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت سرگرمِ عمل ہے۔ ایک آدمی کو ہٹا دینے سے ان کی سرگرمیوں پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا "پچھلے چند برسوں پر نظر دوڑاؤ تو کرنل مہیش، کانتی، ملّا سرکار، مان سنگھ اور رجنی سمیت ہم نے بہت سے تخریب کاروں کی سرکوبی کی ہے لیکن اس لابی کی سرگرمیاں آج بھی پورے زور و شور سے جاری ہیں۔ افراد کے بجائے ان کی تنظیم کی بیخ کنی کرنی ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ اس بار اوّل خان، موتی لال کے سہارے دوسرے افراد تک بھی پہنچنا چاہتا ہے۔"

"دیکھے لیتے ہیں مگر مجھے امید نہیں کہ اوّل خان کی حکمتِ عملی کامیاب ہوسکے گی۔ اب تک کے تجربات سے پتا چلتا ہے کہ ایسے معاملات میں صرف ایک آدمی پورے مشن کو چلاتا ہے۔ بظاہر وہی منصوبہ ساز اور مشن کا سربراہ ہوتا ہے۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے وہ کرائے کے مقامیوں پر انحصار کرتا ہے۔ جب وہ مارا جاتا ہے تو وقتی طور پر مقامیوں کا گروہ بھی منتشر ہوجاتا ہے۔ قلیل سی مدت کے بعد اس مشن کے نام پر نیا چہرہ سامنے آتا ہے تو وہ اپنے پیش رو کی چھوڑی ہوئی معلومات کے سہارے ایک مرتبہ پھر چند پرانے مقامیوں کو یکجا کرکے نئی ٹیم بنالیتا ہے۔ انفرادی جرائم کے مقابلے میں ریاستی سطح پر کی گئی سازشوں میں ایک تسلسل ہوتا ہے جسے آسانی سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ میری نپی تلی رائے یہ ہے کہ جو بھی سامنے آتا جائے، کسی توقف کے بغیر اس کا سر کچل دینا چاہیے۔ بعد کی باتیں بعد میں بھی سنبھالی جاسکتی ہیں۔"

"تم عقل مندی کی باتیں کررہے ہو" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "لیکن موتی لال پر اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا۔ اس کے لیے بھی ہمیں مناسب موقع کا انتظار کرنا ہوگا۔"

ہم دونوں باتوں میں لگے رہے۔ اسی اثنا میں دونوں خوا... ناشتے کی ٹرالی ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔ ابلے ہوئے انڈ... بھاپ اڑاتے ہوئے آملیٹ، مکھن، ڈبل روٹی اور پنیر کے پارچ... کے ساتھ چائے بنائی گئی تھی۔

"اس وقت کھانے کے نام پر فلیٹ میں یہی کچھ میسر ہے" ویرا نے ایک کرسی سنبھالتے ہوئے اعلان کیا "اب گیانی مہاراج... بھی ہوش میں لے آؤ۔ اس کے پیٹ میں کچھ چارا پڑے گا تو ا... نشہ بھی کم ہوگا ورنہ یہ دن چڑھے تک یوں ہی ٹنگ پڑا رہے گا۔"

سلطان شاہ ایک سالم انڈا اپنے منہ میں ڈال کر جہانگیر... اٹھانے میں مصروف ہوگیا اور ہم تینوں اشتہا انگیز ناشتے... انصاف کرنے میں مصروف ہوگئے۔

وہ ایک طویل اور تھکا دینے والی رات ثابت ہوئی تھی۔ اہم بات یہ تھی کہ اس رات کے جملہ مسائل رات بھر میں نمٹ گئے تھے۔ جہانگیر کو نہ صرف آزادی مل گئی تھی بلکہ اس کے کولہے... ہڈی کا اترا ہوا جوڑ بھی ٹھیک ہوچکا تھا۔ میں نے لی وانگ... آزادی اور مکاؤ واپسی کا مخلصانہ وعدہ کرکے اپنے لیے جو دشوار... پیدا کرلی تھی، لی وانگ نے خودکشی کرکے اس کا بھی ازالہ کردیا تھا۔ وہ زندہ رہتا اور مکاؤ واپس جاکر ڈون کوانگ فو کو میرے آئی... ہونے کا افسانہ سناتا تو کوانگ فو اس امر کی تائید کے لیے جی لائ... سے رجوع کرتا۔ جی لائیڈ کی تردید کے بعد کوانگ فو زیادہ جارحا... تیوروں کے ساتھ، میرے خلاف کوئی نیا محاذ کھول سکتا تھا۔ ا... رات کا تیسرا سنگین مسئلہ سلطان شاہ کے اغوا کا تھا۔ یہ غنیمت کہ وہ ہم لوگوں کی کسی بڑی مہم جوئی کے بغیر خود بخود واپس آنے... کامیاب ہوگیا تھا اور ہمارے ذہنوں پر فوری طور پر کوئی دباؤ نہ... تھا۔

ناشتے کے فوراً بعد ہی تمام کھڑکیوں کے پردے کھینچ کر سو... کی تیاریاں شروع کردی گئیں۔ جہانگیر کے آجانے کی وجہ سے... بندوبست میں ردّوبدل کرنا پڑا۔ ایک خواب گاہ غزالہ اور ویرا... سپرد کردی گئی۔ دوسرے کمرے کی آرام دہ مسہری اس رات... دونوں مظلومین یعنی سلطان شاہ اور جہانگیر کو سونپ دی گئی۔ میں... ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر دراز ہوگیا۔

روشنیاں گل ہوتے ہی میری آنکھوں میں نیند کا خمار چھا... لگا اور میں تیزی کے ساتھ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا چلا گیا۔ ن... کی آغوش میں جانے سے قبل آخری لمحات میں میرے ذہن م... موہوم سا ایک خیال ابھرا کہ ایس ٹی ایف کے عارف اور سرو... غدّاری کے بعد فلیٹ کی حفاظت کے لیے باہر کوئی بھی متنفس مو... نہیں تھا اور میں بھی اس بارے میں اوّل خان کو یاددہانی کرانی بھو... گیا تھا۔

میری آنکھ اس احساس کے ساتھ کھلی جیسے کوئی میرے سر... ہتھوڑے برسا رہا ہو۔ اس وقت میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک... تھا۔ میں صوفے پر بے حس و حرکت پڑا رہا مگر پھر مجھے اندازہ ہوا...

فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ سونے سے قبل ہی اس کی گھنٹی کی آواز بہت دھیمی کردی گئی تھی لیکن اس مدھم آواز نے بھی مجھے گہری نیند سے بیدار کردیا تھا۔ گھنٹی نہ جانے کتنی دیر سے بجے جارہی تھی۔ میں کسل مندانہ انداز میں اپنی جگہ پر پڑا رہا۔

کھڑکیوں پر پڑے ہوئے دبیز پردوں کی وجہ سے ڈرائنگ روم میں اندھیرا تھا لیکن پردوں کی جھریوں سے باہر پھیلی ہوئی روشنی کی کرنیں فرشی قالین پر لمبے لمبے اور باریک مستطیل بنارہی تھیں۔

گھنٹی وقفے وقفے سے بجتی ہی رہی تو میں نے بے زاری سے ریسیور اٹھالیا۔

ریسیور اٹھاتے ہی میں نے تقریباً دہاڑ کر ہیلو کہا تھا۔ جواب میں دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز نے امریکی لب ولہجے میں اپنا تعارف کرایا "میں جم کلارک بول رہا ہوں اور مس ویرا لائیڈ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"مس ویرا لائیڈ یہاں نہیں رہتیں۔" میں نے سنبھل کر انگریزی میں کہا پیٹر آرنیٹ اور ہیری کینیجر کے واقعات فوراً ہی میرے ذہن میں تازہ ہوگئے تھے۔ شاید امریکی قونصل خانے والے ایک بار پھر ویرا کی تلاش میں سرگرداں ہوگئے تھے۔ پچھلی بار کے تلخ تجربات کی بنا پر ان کے معاندانہ عزائم کا اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ تم درست کہہ رہے ہو" دوسری طرف سے نہایت تحمل اور بردباری سے کہا گیا "اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو یہ مکان مسٹر ڈینی کا ہے اور مس ویرا لائیڈ اکثر یہاں آتی رہتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تمہارا یہ اندازہ بھی درست نہیں ہے۔ یہ مکان ڈینی کی ملکیت نہیں ہے البتہ ڈینی اور ویرا کبھی کبھار یہاں آتے رہتے ہیں۔ چند روز کے لیے قیام بھی کرتے ہیں پھر اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔"

"کیا میں تمہارا نام جاننے کی سعادت حاصل کرسکتا ہوں؟" شائستگی سے کہا گیا۔

وہ بہت زیادہ باخبر معلوم ہوتا تھا اس لیے میں نے جھوٹ بولنے کے بجائے اسے حیران کرنے کے ارادے سے کہا "میرا نام ڈینی ہی ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ آج میں اس گھر میں مہمان ہوں۔"

"اوہ! میں کتنا بڑا احمق ہوں" وہ میرے انکشاف پر لحہ بھر کے لیے جھنجلا گیا مگر فوری طور پر سنبھالا لے کر بولا "یہ میری غلطی ہے کہ تمہیں تعارف کا موقع دیے بغیر مطلب کی بات پر آگیا۔ مجھے معلوم ہے کہ مس لائیڈ سے تمہاری گہری دوستی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ میں فوری طور پر اس سے مل سکوں؟"

"اس کا انحصار ویرا کی مرضی پر ہے۔ میری اس سے ملاقات ہوگی تو میں تمہارا پیغام اس تک پہنچادوں گا۔ مجھے حیرت ہے کہ تمہیں یہاں کا فون نمبر کس نے دیا۔ یہ میری مستقل قیام گاہ نہیں ہے۔"

"مس ویرا لائیڈ ایک اہم امریکی شہری ہے۔ یہاں کا امریکی قونصل خانہ اس کے بارے میں باخبر رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں نے قونصل خانے کے ایک شناسا سے یہ نمبر حاصل کیا تھا لیکن افسوس....."

"تو کیا تم قونصل خانے سے کوئی تعلق نہیں رکھتے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"بدقسمتی سے ایسا نہیں ہے۔ میں پچھلی رات ہی نیویارک سے لندن ہوتا ہوا یہاں پہنچا ہوں اور مس ویرا لائیڈ سے ملاقات کے بعد واپس لوٹ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں" وہ اپنی گفتگو سے ایک مہذب آدمی معلوم ہورہا تھا۔

"مناسب سمجھو تو اپنا کوئی فون نمبر بتادو۔ ویرا چاہے گی تو تم سے رابطہ کرلے گی۔"

"مجھے معلوم ہے کہ وہ بہت سے لوگوں سے برگشتہ ہے۔ وہ نہ بھی چاہے تو تم اسے آمادہ کرنا کہ وہ مجھ سے بات ضرور کرلے۔ ہمارے مشترکہ مفادات کے لیے ایک ملاقات بہت ضروری ہے۔" اس نے میری خوشامد کرتے ہوئے کہا اور پھر اپنا فون نمبر لکھوادیا جو کلفٹن یا ڈیفنس کے علاقے کا تھا۔

"میں اسے جلد از جلد تمہاری خواہش سے مطلع کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ میرا نام سن کر بھڑک جائے۔ اسے بتادینا کہ میری آمد کا مقصد مخالفت نہیں، مصالحت ہے۔ میری ذات سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بڑوں نے اسے پوری آزادی دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"کن بڑوں کی بات کررہے ہو؟ ویرا ایک بڑے کے سوا کسی کو بھی نہیں مانتی۔"

"ہم لوگ ایک جمہوری معاشرے میں کام کرتے ہیں اور امریکی روایات کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔ تم جس بڑے کی بات کررہے ہو، وہ خود بھی ہر معاملے پر اپنے مشیروں سے مشورہ ضرور طلب کرتا ہے۔ یہ دیگر بات ہے کہ اس کے مشیر کبھی بھی اس کی رائے سے اختلاف نہیں کرتے۔ میں نے فون بحث کرنے کے لیے نہیں کیا ہے۔ تم سے بس اتنی گزارش ہے کہ ویرا کو میری خواہش سے مطلع کرکے 'اسے مجھ سے بات کرنے پر آمادہ کرلینا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نے تمہارا پیغام نوٹ کرلیا ہے" میں نے فوراً ہی فون بند کردیا۔

اس وقت میری رسٹ واچ دن کے سوا بارہ بجارہی تھی۔ میں سیدھا غسل خانے کی طرف ہولیا۔

میں تازہ دم ہوکر باہر نکلا تو ویرا بھی بیدار ہوکر خواب گاہ سے باہر آچکی تھی۔

"ڈرائنگ روم میں تنہا شب بسری کے بعد بھی تمہیں غسل کی ضرورت پیش آگئی" اس نے داہنی آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے چوٹ کی اور میری کھوپڑی چیخ اٹھی۔

ملعنت ہو تم پر... معلوم ہوتا ہے کہ سوتے ہوئے بھی تمہارے دماغ میں شیطان گھسا رہتا ہے۔"

"ہوں! اپنی بد اعمالیوں کے بوجھ سے جان چھڑانے کے لیے شیطان کا سہارا لیتے ہیں ورنہ درحقیقت وہی کچھ کرتے ہیں جو وہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم کس شیطانی مجبوری کے تحت سب سے پہلے بیدار ہوئے ہو؟"

"اپنے چہرے سے نیند کی نحوست دھو ڈالو تو یہ بھی بتا دوں گا۔"

میں منہ بنا کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو جہانگیر بھی نیند سے بیدار ہو چکا تھا۔ اس نے کھڑکیوں کے پردے سرکانے کے بجائے بلب روشن کر دیے تھے۔

"یار، ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ کولہے کا جوڑ ٹھیک ہو چکا ہے۔" مجھے دیکھ کر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "مجھے تو ان خبیثوں کے چنگل میں اپنی زندگی عذاب بنتی نظر آرہی تھی۔ اب تو درد بھی بہت کم رہ گیا ہے۔"

"اسکاچ نے درد نچوڑ لیا ہوگا" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "رات تم نشے میں بھیک مانگ رہے تھے۔"

اس کے ہونٹوں پر خفت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی "ہو سکتا ہے کہ میری ذہنی رَو بہک گئی ہو۔ تم ان منحوس موٹوں پر قابو نہ پاتے تو وہ مجھے کنگال اور معذور کر کے مکاؤ لوٹ جاتے۔ تم خود ہی بتاؤ کہ کراچی جیسے شہر میں ایک مفلس لنگڑا کس طرح اپنا گزارہ کر سکتا ہے؟"

"بچوں کو پڑھا سکتا ہے، ٹیلی فون ایکسچینج پر بیٹھ سکتا ہے، بینک کلرک بن سکتا ہے اور کچھ نہیں تو کرسیاں ہی بُن سکتا ہے لیکن ہر ایک نے نہ جانے کیوں بھیک ہی کو معذوری کا واحد علاج سمجھ لیا ہے۔"

"ہزاروں ہٹّے کٹّے نوجوان بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں لیے نوکری کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہوں تو معذوروں کو کون ملازمت دے گا؟ لیکن اب یہ باتیں ہی باتیں ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے سر پر آئی ہوئی بلا ٹل گئی۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے گھر واپس لوٹنے کی فکر کرنی چاہئے۔ اس فلیٹ میں زیادہ ہی بھیڑ ہو گئی ہے۔"

"گھر سے نکالے ہوئے ملازمین کو واپس بلانے کی فکر کرو۔" میں نے تیزی سے کہا "اپنے سارے معاملات کو معمول پر لانے کے بعد سلمٰی کو لاہور سے واپسی کا پیغام دو۔ اس وقت تک تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔ ہم لوگ مل جل کر گزر بسر کر لیں گے۔ دلوں میں ایک دوسرے کے لیے گنجائش ہو تو یہ فلیٹ بھی بہت بڑا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میں اپنی عادتوں سے خائف ہوں" وہ ندامت سے بولا "کسی وقت زیادہ پی کر آپے سے باہر ہو گیا تو غزالہ بھابی میرے بارے میں کیا رائے قائم کرے گی۔"

"فکر نہ کرو" میں نے بے پروائی سے کہا "تمہارا نیا مُلا کوٹا دے دیا کرے گی تو کبھی آپے سے باہر ہونے کی نوبت نہیں آئے گی۔

مجھے تمہاری حد کا اندازہ ہے۔ میں غزالہ کو سمجھا دوں گا۔"

"ایسا نہ کرنا" وہ بوکھلا گیا "یہ تو اور بھی زیادہ بے عزتی کی بات ہوگی۔"

"پھر کچھ دنوں کے لیے پارسائی اختیار کر لو" میں نے اسے سمجھایا "تمہارے حق میں یہی بہتر رہے گا۔"

"شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ اپنی گھریلو ناچاقیوں کی وجہ سے میں شراب کا عادی ہو چکا ہوں" وہ دل گرفتہ آواز میں بتانے لگا "شام کو سات بجے تک الکحل کی پہلی خوراک میرے خون میں تحلیل نہ ہو تو سارا بدن ٹوٹنے لگتا ہے اور طبیعت میں اس قدر چڑچڑا پن پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر ایک سے لڑ مرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔"

میں نے ترحم آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور آہستگی سے کہا "شاید یہ ہمارے پرانے اعمال کا ثمرہ ہے۔ ٹی میں رہ کر ہم نے ان گنت نوجوانوں کو ہیروئن کا عادی بنایا تھا اور اب خود اس عذاب سے گزر رہے ہیں حالانکہ غلام یا عادی بنانے کے معاملے میں ہیروئن، الکحل سے کئی سو گنا زیادہ تیز ہے....."

"پرانی باتیں دہرا کر میرا دل خراب نہ کرو.... میں خود ہی فلیٹ کے کسی کونے کھدرے میں چھپ کر دو چار گھونٹ لے لیا کروں گا۔ یہ ایک اچھی بات ہے کہ ویرا بھی شراب پیتی ہے۔ جہاں پانچ میں سے تین پینے والے ہوں تو کسی کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ کون کتنی پی رہا ہے۔"

اس وقت تک سب لوگ بیدار ہو چکے تھے اور اس وقت ناشتے کے بجائے کھانے کی تیاری کے مسائل زیرِ بحث تھے۔ جہانگیر بھی باہر نکل گیا۔ وہ ان میں گھل مل کر پچھلی رات کی خفت مٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد مجھے ویرا کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے کا موقع ملا تو میں نے امریکا سے آئے ہوئے جم کلارک کا ذکر چھیڑ دیا۔ ویرا وہ نام سنتے ہی بری طرح چونک پڑی "وہ حرام زادہ یہاں کیا لینے آیا ہے؟"

"یہ اس سے ملنے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا۔ فی الحال وہ تم سے ملنے کی آرزو میں مرا جا رہا ہے۔"

"وہ خود بھی آئی مین ہے اور جی لائیڈ کے قریبی ساتھیوں میں سے ہے۔ جی لائیڈ بڑے معاملات عام طور پر اسی کو سونپتا ہے۔ پتا نہیں وہ یہاں کس چکر میں آیا ہے" ویرا اس کے بارے میں الجھن اور پریشانی میں مبتلا ہو گئی اور میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی "اسے یہاں کا نمبر کیسے ملا؟ میرے بارے میں تم نے اسے کیا بتایا؟"

میں نے اپنی اور جم کلارک کی پوری گفتگو کا خلاصہ اس کے سامنے دہرا دیا۔

"شائستگی اور شرافت اسے چھو کر بھی نہیں گزری" میری پوری بات سننے کے بعد ویرا نے نفرت بھرے لہجے میں کہا "وہ انتہائی سفاک، بدزبان اور کمینہ شخص ہے۔ میں اس سے مل کر یہ ضرور جاننا چاہوں گی کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے لیکن یہ ملاقات اس

کی قیام گاہ پر نہیں بلکہ میری طے شدہ جگہ پر ہوگی۔"
"اس سے ملنے کا ارادہ ہے تو مل کر قصہ ختم کر دو ورنہ یہ مسئلہ بھی بلاوجہ سر پر سوار رہے گا۔"
"میں اس سے ذرا بھی خائف نہیں ہوں لیکن تم چاہو تو میرے ساتھ چل سکتے ہو" ویرا نے پیشکش کی۔
"تمہیں اپنی بے خوفی کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں تھی" میں نے ہنس کر کہا "تم جسے چاہو' تن تنہا ڈھیر کر سکتی ہو۔ میں تمہارے ساتھ ضرور چلوں گا تاکہ اس مہذب بھیڑیے کا دیدار کر سکوں۔"
گھر میں کھانا تیار کرنے میں سامان کی فراہمی اور وقت کا مسئلہ درپیش تھا اس لیے سلطان شاہ' غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر کسی اچھے ہوٹل کی تلاش میں نکل گیا۔ ہم تینوں چائے پیتے رہے۔
اس وقت تک میرے علاوہ کسی اور نے جہانگیر کو اس کی رات والی حرکتیں یاد دلا کر شرمندہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن غزالہ اور سلطان شاہ کے جاتے ہی ویرا کے چہرے پر شرارت ناچنے لگی۔
"تمہیں یاد ہے کہ اس فلیٹ میں رات بھر کیا ہوتا رہا ہے؟" ویرا نے جہانگیر سے پوچھا۔
"سب کچھ تو نہیں' کچھ کچھ یاد ہے" جہانگیر نے جھینپتے ہوئے انداز میں کہا۔ وہ ویرا کو دل و جان سے پسند کرنے کے باوجود اس سے سہما رہتا تھا۔ بار بار کی ملاقاتوں اور بے تکلفی کے باوجود وہ ان دنوں کی یاد اپنے ذہن سے کھرچ کر نہیں پھینک سکا تھا جب ویرا بلیک کوئن کے پُراسرار روپ میں شی کے کارندوں کے لیے وحشت و عتاب کی علامت بنی ہوئی تھی اور اسے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر بڑوں بڑوں کا پتا پانی ہو جاتا تھا۔
"اپنے بارے میں بھی کچھ یاد ہے؟" ویرا نے حوصلہ افزا لہجے میں اسے چھیڑا۔
میں نے تیز نظروں سے ویرا کو گھورا مگر اس نے سر جھٹک کر مجھے نظر انداز کر دیا اور جہانگیر کی طرف گھوم گئی "رات کو تم مجھ سے کچھ کہہ رہے تھے۔ کیا وہی باتیں اس وقت پھر دہرا سکتے ہو؟"
جہانگیر نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور اسے اپنی طرف متوجہ پا کر فوراً ہی سر جھکا لیا اور بولا "اگر تم کو میری کوئی بات بری لگی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں۔ پچھلی رات میں نے تمہاری وجہ سے کچھ زیادہ ہی پی لی تھی۔"
"میری وجہ سے!" ویرا آنکھیں پھاڑ کے بولی "کیا میں نے تمہیں پینے کا مشورہ دیا تھا؟"
"شاید میں غلط بول گیا" جہانگیر نے بوکھلا کر اپنی تصحیح کرنے کی کوشش کی "میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ تم میرے کمرے میں آگئی تھیں۔ ہم نے ایک پیگ ہی ساتھ لیا ہوگا کہ تم باہر چلی گئیں اور میں تمہاری واپسی کے انتظار میں بس پیتا ہی چلا گیا اسی چکر میں میرا نشہ ذرا گہرا ہو گیا۔"

"ھوں!" ویرا نے معنی خیز ہنکارا بھر کے کہا "میری واپسی کی امید میں تم نے بسیار نوشی کی تھی.... ارادے کیا تھے تمہارے؟ کہیں میرے کولھے کی ہڈی اتار کر اپنا بدلہ لینے کا ارادہ تو نہیں تھا؟"
جہانگیر بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا "تم اتنی اچھی ہو کہ تمہارے بارے میں کوئی غلط بات سوچی ہی نہیں جا سکتی۔ میں تو پیٹھ پیچھے بھی تمہاری تعریفیں کرتا رہتا ہوں۔ ڈیبی میری اس بات کی تائید کرے گا۔"
"تم ہر خوبصورت عورت کی تعریفیں کرنے کے عادی ہو گئے ہو" میں نے غراتے ہوئے کہا "پیٹھ پیچھے اسے تل کر کھا جانے کے منصوبے بناتے رہتے ہو اور جب وہ عورت سامنے آتی ہے تو ہکلانے لگتے ہو۔ اس وقت شاید تم بھول رہے ہو کہ ویرا مارشل آرٹس میں مہارت رکھتی ہے۔ تم نے اس پر بری نظر ڈالی تو یہ تمہارا کولھا تو شاید نہ اتار سکے لیکن دو چار ہڈیاں نہایت اطمینان سے توڑ ڈالے گی۔"
"اچھی صورتوں پر سب ہی بری نظریں ڈالتے ہیں" ویرا نے ہنس کر جہانگیر کو مزید رگڑنے کی کوشش کی "بزدل بس دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ جن میں حوصلہ ہوتا ہے وہ پیش قدمی کر بیٹھتے ہیں۔ میری مار دھاڑ دشمنوں تک محدود رہتی ہے۔ دوستوں کے لیے میرا رویّہ بہت مختلف ہوتا ہے....."
"ڈیبی بلاوجہ بات بڑھا رہا ہے' میں نے تمہارے بارے میں کوئی غلط بات نہیں سوچی تھی" جہانگیر نے برا مان جانے کے انداز میں اپنی صفائی پیش کی "میں ایک معزز اور شادی شدہ آدمی ہوں۔ دوسری عورتوں کے بارے میں گھٹیا باتیں سوچنا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔"
"مس خان بھی یہی کہہ رہی تھی کہ بعض اوقات تم کسی ولی کی اولاد معلوم ہونے لگتے ہو......"
میری زبان سے اپنی آخری دریافت کا ذکر سن کر اُس کی ساری برہمی رفو چکر ہو گئی اور وہ رحم طلب نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "وہ مس نہیں' مسز خان کہلاتی ہے۔ تمہیں سب کچھ معلوم ہی ہے۔ میں اس سے بھی دور دور رہتا ہوں۔ ہمیں آپس میں ایسے تلخ مذاق سے گریز ہی کرنا چاہیے...."
"یہ مسز خان کون ہے؟" ویرا نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے پوچھا۔ اسے باتوں ہی باتوں میں دلچسپی کا ایک نیا پہلو ہاتھ آگیا تھا۔ شراب اور عورتوں کے بارے میں جہانگیر کے نددیدے پن سے وہ پہلے ہی واقف تھی۔
"مسز خان پر لعنت بھیجو اور جم کلارک کو فون کرو" میں نے اس قصے کو ختم کرنے کی نیت سے جھلا کر کہا "میرا خیال ہے کہ ہمیں آج شام ہی اس سے مل لینا چاہیے۔ وہ بے چینی سے تمہاری کال کا انتظار کر رہا ہوگا۔"
ویرا خشمگیں نظروں سے مجھے گھورتی ہوئی' فون کی طرف بڑھ

گئی۔
اس کے ریسیور اٹھانے سے پہلے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے مستفسرانہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے اسے فون سننے کا اشارہ کیا اور اس نے ریسیور اٹھا کر اپنے کان سے لگا لیا۔
اپنا نام بتانے کے بعد وہ چند ثانیوں تک دوسری طرف کی بات سن کر اپنا سر ہلاتی رہی پھر خاموشی سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ اس کا وہ انداز میرے لیے تعجب خیز ثابت ہوا۔
"اوّل خان کا فون تھا" ویرا نے مجھے مطلع کیا "سلطان شاہ کے اغوا میں ملوث مفرور مجرم منظور کالونی سے پکڑا گیا۔ اس چکر میں اوّل خان بہت زیادہ مصروف ہو گیا ہے موقع ملنے پر وہ بقیہ تفصیلات سے آگاہ کرے گا۔"
"غیر اہم اطلاع ہے" میں نے سر جھٹک کر کہا "سرور کو پکڑا ہی جانا تھا۔ تم جم کلارک سے بات کرو۔"
ویرا کئی منٹ تک اس سے گفتگو میں الجھی رہی۔ جہانگیر نے سرگوشیانہ آواز میں مجھ سے جم کلارک کے بارے میں پوچھا اور میں نے جل کر کہہ دیا کہ وہ ویرا کا منگیتر ہے۔ ویرا کے باپ نے اپنے طور پر جم سے ویرا کی منگنی طے کر دی ہے۔
"یہ بہت برا ہوا" جہانگیر فکر مندانہ آواز میں بڑبڑایا "ویرا جیسی آزاد خیال لڑکی کے ساتھ یہ سراسر ظلم ہے۔"
"تم سلمٰی کو طلاق دے کر ویرا سے شادی کر لو" میں نے اسی جلے بھنے انداز میں کہا۔
"ویرا مجھ سے کہاں شادی کرے گی" وہ حسرت زدہ آواز میں تقریباً کراہتے ہوئے بولا اور میں اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں جہانگیر کے قریب سے اٹھ کر ایک دور افتادہ کرسی پر جا بیٹھا۔
اس وقت ویرا کی موجودگی نے اس گھامڑ کی عقل بالکل ہی چوپٹ کر کے رکھ دی تھی۔ اس کے نزدیک سلمٰی کو طلاق دینے سے زیادہ اہمیت ویرا کی شادی پر رضامندی کی تھی جب کہ سلمٰی کچھ ہی عرصے قبل اپنے بطن سے اس کے اکلوتے بیٹے کو جنم دے کر اسے باپ کے مرتبے پر فائز کر چکی تھی۔
ویرا کی گفتگو کا آغاز اختتام تک ناخوشگوار ہی رہا۔ وہ فون بند کر کے میرے پاس آ بیٹھی۔
ویرا ملاقات کو ٹال کر فون پر ہی جم کلارک کی آمد کا مقصد جاننا چاہ رہی تھی مگر وہ مل بیٹھنے پر مُصر رہا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ معاملات فون پر طے ہونے والے ہوتے تو اسے نیویارک سے کراچی تک دوڑ نہ لگانی پڑتی۔ پھر وہ اپنے گھر پر ملاقات پر اصرار کرتا رہا لیکن ویرا کو اس پر اطمینان نہیں تھا۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد شام سات بجے اواری ٹاورز کے کسی کمرے میں ملاقات طے پائی تھی۔ کمرے کا انتخاب ویرا کی مرضی پر منحصر تھا۔ ملاقات میں میری شمولیت لازمی تھی۔
کچھ دیر بعد ہوٹل سے گرم اور لذیذ کھانے آ گئے۔ ہم سب کے لیے صبح کا ناشتا اونٹ کے منہ میں زیرے سے زیادہ ثابت نہیں ہوا تھا اس لیے پانچوں نے ڈٹ کر کھانا کھایا۔ برتن سمیٹتے ہی ویرا نے کارڈز کھیلنے کی خواہش ظاہر کی۔ میرا کوئی موڈ نہیں تھا ویسے بھی میرے سوا ان کی نفری مکمل تھی۔ وہ چاروں ڈرائنگ روم میں ہی ایک سینٹر ٹیبل کے گرد جم گئے اور میں ستانے کے ارادے سے ایک خواب گاہ میں جا گھسا۔
بستر پر دراز ہوتے ہی میرا ذہن ان حالات کا تجزیہ کرنے میں مصروف ہو گیا جن سے ہم دوچار تھے۔ واقعات اور کرداروں کا پھیلاؤ سمٹتے سمٹتے اچانک ہی بڑھنے لگا تھا۔ مدر مافیا کا خون آشام محتسب وجے کے روپ میں سامنے آ کر مارا جا چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کراچی میں ٹریڈ لائن کی آڑ میں چلنے والی مافیا کی بھرپور سرگرمیوں کے خاتمے کے سلسلے میں میرے اصل کردار کے تعین تک مدر مافیا والے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے لیکن مجھے یہ بھی توقع تھی کہ وجے کی موت کے بعد ان کی طرف سے فوری طور پر کوئی کارروائی نہیں کی جا سکے گی۔ وہ اٹلی اور یورپ کے دیگر شہروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حبیب جیوانی کی موت کے بعد ان کے سارے مقامی رابطے منقطع ہو چکے تھے۔ ان کو فوری طور پر بحال کرنا آسان کام نہیں تھا۔
وجے مدر مافیا کا فرستادہ ہی نہیں، انڈین سیکرٹ ایجنٹ بھی تھا۔ پشاور میں اس کا دوسرا روپ ہی پہلے روپ پر حاوی نظر آیا تھا۔ اس حوالے سے کراچی میں بھارتی قونصل خانے کا ردِ عمل فطری تھا۔ موتی لال کی ابتدائی کوشش بدترین ناکامی سے دوچار ہوئی تھی لیکن وہ سلسلہ چل ہی پڑا تھا۔ پھر اچانک ہی جم کلارک میدان میں آ کودا تھا۔ اس سے ملے بغیر اس کے عزائم کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا لیکن اس سے کوئی بہتر امید وابستہ کرنا خود فریبی سے کم نہ ہوتا۔
اسپیشل ٹاسک فورس میں کالی بھیڑوں کی چھانٹی کا ہم سے کوئی تعلق نہیں تھا، وہ اوّل خان کا دردِ سر تھا لیکن اس تنظیم سے اپنی جذباتی وابستگی کی بنا پر میں اس کے بارے میں بھی فکر مند تھا پھر ایلین اور پیٹر کے ذریعے ملنے والی خبریں بھی تشویش ناک تھیں۔ ان دونوں کے ذریعے کرنل جیسی جونز جیسا عالمی دہشت گرد اور راس الیگزینڈر جیسا متعصب صیہونی سرمایہ کار اور اس کی بنائی ہوئی تنظیم ڈیوڈ اسٹارز پاکستان کے حساس معاملات میں دلچسپی لے رہی تھی۔ تخریبی عناصر کی خفیہ ریشہ دوانیوں کا بروقت سدِباب کرنے کے لیے ان سب عناصر کو ہر وقت نگاہ میں رکھنا بہت ضروری تھا۔
اس وقت مجھے شدت سے خواہش محسوس ہوئی کہ کاش چینغا سرائے میں ملنے والے دونوں سفید فاموں سے میرا رابطہ منقطع نہ ہوا ہوتا۔ ایلین اور پیٹر سے میل جول برقرار رہتا تو مجھے ان کے پشت پناہوں کے بارے میں بہت سی خبریں مل سکتی تھیں۔ مجھے امید تھی کہ ان دونوں نے کراچی کا رخ کیا تو وہ اپنے مفادات کی خاطر کسی نہ کسی طرح مجھ تک پہنچ ہی جائیں گے کیونکہ میں نے ان کے

سامنے خود کو بھی ان ہی کی مقامی برادری کے ایک اہم فرد کے روپ میں پیش کیا تھا۔
اس دوران میں ڈرائنگ روم سے وقفے وقفے سے ملے جلے قہقہوں اور پرُجوش قہقہوں کی آوازیں ابھرتی اور معدوم ہوتی رہیں مگر میں ان سب سے لاتعلقی اختیار کئے' اپنی سوچوں میں ڈوبا رہا۔
آخر کار ان چاروں کی کارڈز کی محفل برخاست ہوئی اور ویرا سیدھی اسی خواب گاہ میں گھس آئی۔ کھڑکی پر پڑے ہوئے پردوں کی وجہ سے اندر تاریکی تھی اس لیے ویرا نے سوئچ دبا کر بلب روشن کر دیا۔
سکون پرور اندھیرے میں تیز روشنی پھیلتے ہی میری آنکھیں چُندھیا گئیں۔ ویرا بھی مجھے مسہری پر دراز دیکھ کر حیران رہ گئی اور بولی "یہاں اندھیرے میں چھپ کر کیا کر رہے تھے؟"
"لوڈو کھیل رہا تھا" میں نے اطمینان سے کہا "کبھی تم بھی کوشش کر کے دیکھنا۔"
"تیار ہو جاؤ.... ساڑھے پانچ بج رہے ہیں۔ ہمیں سات بجے سے پہلے اواری ٹاورز میں ایک کمرا بھی بک کرانا ہے۔ سنا ہے کہ عام طور سے وہاں رش رہتا ہے اور کمرے آسانی سے نہیں ملتے۔"
"یہ کام تم فون پر بھی کر سکتی تھیں۔ ادائیگی وہاں پہنچنے پر کر دی جاتی۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔
"تمہاری موجودگی میں میرا دماغ کند ہو جاتا ہے" وہ مجھ مُنہ چڑا کر باہر نکل گئی۔
موسم کے لحاظ سے مجھے سوٹ پہننے کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن ایک بھرے ہوئے پستول کو بغلی ہولسٹر میں چھپانے کے لیے کوٹ کی آڑ ضروری تھی۔ ویسے بھی شہر کے بڑے ہوٹلوں میں جون کی تپتی ہوئی شاموں میں شہر کے بیشتر سمجھدار معززین گرم سوٹوں میں ملبوس نظر آتے ہیں اس لیے میں نے بے فکری سے سوٹ تن زیب کر لیا۔
ویرا ہلکے میک اپ میں تیار ہو کر دوسری خواب گاہ سے برآمد ہوئی تو غزالہ بھی اس شعلۂ جوالہ کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکی۔ اس نے ہاتھ کے کام والے' باریک گلابی کرتے پر جینز پہنی ہوئی تھی' کانوں میں بڑے بڑے آویزے جھول رہے تھے اور داہنی کلائی میں کانچ کی چوڑیاں پھنسی ہوئی تھیں۔ اس وقت ویرا مغربی حسن اور مشرقی معاشرت کا ایک دل فریب امتزاج پیش کر رہی تھی۔
"ڈینی کے ساتھ شہر کی کسی تفریح گاہ کا رخ کرنے سے پہلے خود کو خاصا تیار کرنا پڑتا ہے" غزالہ کی تعریف پر ویرا نے بے پروائی سے کہا اور غزالہ کی گہری آنکھوں میں حسد و رقابت کی ایک تیز چمک ابھر کر فوراً ہی معدوم ہو گئی۔
"تمہاری مجبوری قابل فہم ہے" سلطان شاہ نے فوراً ہی ویرا کو مخاطب کر کے غزالہ کا بدلہ لے لیا "غزالہ' ڈینی کے ساتھ باہر جاتی ہے تو کسی تیاری کے بغیر اس کی بیوی معلوم ہوتی ہے۔"
میں نے اس ہلکی سی تلخی کو اپنے بھرپور قہقہے سے اڑا دیا اور ویرا کا ہاتھ تھام کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
گاڑی میں کافی دیر تک سکوت چھایا رہا۔ جب ہم طارق روڈ عبور کر کے سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کی سڑک پر پہنچے تو ویرا نے بوجھل آواز میں پوچھا "کیا سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا تھا؟"
"تم اس سرپھرے کی بات اب تک اپنے دل پر لئے بیٹھی ہو؟" میں نے حیرت سے کہا "اسے تم نے خود ہی سر چڑھایا ہے۔ وہ منہ پھٹ ہے، جو کہتا ہے' برداشت کیا کرو۔ اسے معلوم ہو جائے کہ تم نے اس کے مذاق کا اتنا گہرا اثر لیا ہے تو وہ خوشی سے بے قابو ہو کر ناچنا شروع کر دے گا۔"
"میں سب کچھ تمہارے ہی لئے کرتی ہوں' اپنا دل کھول کر تمہارے سامنے رکھ چکی ہوں...؟"
اس نے پچھلی شام کو جہانگیر کے گھر میں اپنی پہلی محبت کے حوالے سے جو کچھ کہا تھا' وہ میرے ذہن میں تازہ تھا۔ میں نے فوراً ہی اس کی بات کاٹ دی "تم اپنے لئے بھی بہت کچھ کرتی رہتی ہو' مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ تمہیں اپنا دل خوش کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے لیکن اپنے ہر فعل کا بوجھ میرے ناتواں کندھوں پر نہ ڈالو۔"
"میں سب کچھ تیاگ کر یہاں پڑی ہوں۔ کیا کرتی ہوں میں اپنے لئے؟" وہ جذباتی ہونے لگی۔
"تم سلطان شاہ سے کشتیاں لڑتی رہی ہو... دوسروں کو رجھاتی ہو۔ آج دوپہر ہی کو تم جہانگیر پر حد سے زیادہ مہربان ہونے لگی تھیں۔ ان حرکتوں سے تم ہی کو کوئی آسودگی ملتی ہو گی۔ مجھے تو....."
"شکر ہے کہ آج تم نے مجھ سے کوئی ذاتی سوال بھی کیا۔" اس نے میری بات کاٹ کر خوشی سے کہا۔ اس وقت اُس کا چہرہ کِھل اٹھا تھا "تم مانو یا نہ مانو' میں یہ سب بھی تمہارے لئے ہی کرتی ہوں' تمہیں جلانے کے لئے' تمہیں اشتعال دلانے کے لئے تاکہ تم مجھ سے کچھ پوچھو۔ مجھے ان اوچھی حرکتوں سے روکو لیکن تم ہمیشہ بے حس تماشائی کی طرح سب کچھ برداشت کرتے رہتے ہو۔ اس وقت میں یہ جان کر نہال ہو گئی ہوں کہ مجھے دوسروں سے بے تکلف ہوتے دیکھ کر تمہارے دل میں بھی کوئی پھانس سی چبھتی ہے۔ آدمی اسی سے توقع باندھتا ہے جس سے کوئی لگاؤ ہوتا ہے۔ آج مجھے اندازہ ہوا کہ تم بھی مجھے کچھ سمجھتے ہو۔ میں بلاوجہ ہی تم کو اپنی پہلی محبت قرار دے کر نہیں پوجے جا رہی۔"
"میرا خیال ہے کہ پاکستان میں رہ کر تمہاری کایا پلٹ ہو رہی ہے" میں نے ہنس کر کہا "حسد و رقابت' بازپُرس اور اعتراض یہ سب مشرقی آدابِ محبت ہیں۔ کمال ہے کہ تمہیں ان علامتوں کی طلب ستانے لگی ہے۔"
"محبت ایک آفاقی جذبہ ہے' ڈینی!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "یہ کائنات کے کسی گوشے میں بھی جنم لے' اس کا ایک ہی روپ ہو گا۔ مغرب میں بھی ہر روز محبت کے ہزاروں نہیں تو سیکڑوں افسانے جنم لیتے ہیں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ مغرب میں

دں کو بھی محبت کا نام دے دیا گیا ہے۔ ہوس ایک عارضی شعلے کی طرح کسی اوباش انسان کے وجود میں بھڑکتی ہے اور یہ آگ چند لمحوں سے فوراً ہی سرد ہو جاتی ہے۔ آپس کی یا کسی اور سے اگلی ملاقات تک یہ شعلہ دوبارہ نہیں بھڑکتا۔ وہ اجنبی ہو جاتے ہیں۔ اپنے آپ سے اور ایک دوسرے سے۔ اسے محبت نہیں کہتے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یہ بہت دور کی اور گہری بات ہے۔ اس پر تو ایک عظیم الشان مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم موضوع بدلنے کی کوشش کر رہے ہو۔ اصل بات سمجھ لینے کے بعد تم میں اتنی ہمت ہی نہیں رہی ہے کہ مجھ سے بحث کر سکو۔ تمہاری یہ بے ہمتی بھی ایک طرح سے میری جیت ہی ہے۔"

"میں تم سے اختلافِ رائے نہیں کر سکتا۔ مجبوری یہ ہے کہ ہم اواری ٹاورز کے بہت قریب پہنچ چکے ہیں۔ ہم نے اپنے ذہنوں کو محبت کے سحر سے آزادی نہ دلائی تو جم کلارک ہمیں بھون کر کھا جائے گا۔"

وہ بے ساختہ ہنس دی "بہانے تلاش کرنے میں تمہارا کوئی ثانی نہیں ہے۔ تم اپنے تجویز کئے ہوئے مقالے کے لئے کچھ عملی مواد فراہم کرنے پر آمادگی ظاہر کرو تو میں جم کلارک سے ملاقات کا ارادہ ملتوی یا منسوخ بھی کر سکتی ہوں۔"

"ایسا نہ کرنا" میں نے جلدی سے کہا "جم کلارک تمہارے باپ کو فوراً ایک جوابی مقالہ روانہ کر دے گا۔"

ویرا کا موڈ بدل گیا اور میری جان میں جان آئی ورنہ وہ میرے لئے ایک عذاب بھی بن سکتی تھی۔

"تم بیم گن تو ساتھ لائے ہو نا؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس نے چونک کر پوچھا "میں بالکل خالی ہاتھ ہوں۔"

"دماغ پر محبت کا وائرس سوار ہو جائے تو عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے" میں نے اسٹیئرنگ سے کھیلتے ہوئے کہا "فکر نہ کرو۔ میرے پاس بیم گن کے علاوہ ایک بھرا ہوا پستول بھی موجود ہے لیکن میں اس ہوٹل میں محاذ آرائی کے حق میں نہیں ہوں۔ کسی گڑبڑ کے بعد ہمارا یہاں سے نکلنا دشوار ہو جائے گا۔"

"ہوٹل سے نکلنے کی تو بات ہی نہ کرو۔ میں نے کمرا مسٹر اور مسز کمال کے نام سے مخصوص کرایا ہے۔ جم کلارک کے چلے جانے کے بعد ہم کمرے میں ہی رہیں گے۔ اب فلیٹ سے نکل آئے ہیں تو ایک رات کسی ہوٹل میں بھی سہی۔ صبح فلیٹ واپس لوٹ جائیں گے۔ ہماری غیر حاضری جم کے کھاتے میں جائے گی۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

میرے دماغ کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ ویرا کے عزائم خطرناک تھے اور مجھے ابتدا سے ہی ان کے سدِباب کی تیاری کرنی تھی۔

اس وقت تک ہوٹل کے ریمپ پر پارکنگ کی جگہ نظر آرہی تھی اس لئے میں گاڑی نچلی منزل پر واقع پارکنگ لاٹ میں لے جانے کے بجائے اوپر لیتا چلا گیا۔ آگے ہال میں کمپیوٹروں کی کوئی نمائش جاری تھی۔ وہاں سے گزر کر ہم ہوٹل کی وسیع اور خوب صورت لابی میں داخل ہوئے تو پتلون اور سفید ٹی شرٹ میں ملبوس ایک لمبا تڑنگا غیر ملکی شناسائی کے انداز میں ویرا کی طرف لپکا۔ اس نے میری طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

ویرا نے کسی جوابی گرم جوشی کا مظاہرہ کئے بغیر محض "ہائے جم" کہہ کر اُس کا استقبال کیا، کمال کے نام سے میرا تعارف کرایا اور آہستہ آہستہ لفٹ کی طرف چل دی۔ میں کاؤنٹر کی طرف ہولیا۔

اندراجات اور ادائیگی کے مراحل سرعت سے طے ہو گئے اور پورٹر ساتویں منزل کے ایک کمرے کی چابی لے کر میرے آگے آگے ہولیا۔ پیچھے سے ویرا، جم کے مقابلے میں بونی معلوم ہو رہی تھی۔

لفٹ میں، مَیں نے ذرا غور سے جم کا جائزہ لیا۔ تنگ پیشانی والے پھیلے ہوئے چہرے سے ٹپکنے والی خباثت دور ہی سے دیکھی جا سکتی تھی۔ اس کے چوڑے شانوں کے اختتام پر کسرتی بازو اس کی جسمانی طاقت کی غمازی کر رہے تھے۔ اس کا سینہ بھی شانوں کی طرح کشادہ اور پھولا ہوا تھا۔ قامت میں وہ کسی طرح سوا چھ فٹ سے کم نہیں تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ جسمانی طور پر میرے قابو میں آنے والا نہیں تھا۔

کمرا بہت صاف ستھرا اور کشادہ تھا۔ پورٹر نے ٹپ کی امید میں کچھ غیر ضروری جھاڑ پونچھ کی، کمرے میں موجود سہولتوں کے بارے میں بتایا اور دس روپے کا نوٹ لے کر شکریہ ادا کرتا ہوا واپس چلا گیا۔

ویرا نے بے پروائی سے ایک صوفے میں دھنس کر سگریٹ سلگائی پھر تحکمانہ لہجے میں بولی "ہاں جم! شروع ہو جاؤ۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ نیویارک سے تم کیا کہانی لے کر آئے ہو؟"

"مال کی سخت ضرورت ہے" جم نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "کامن مارکیٹ کے ملکوں کے بارے میں پلان تیار ہے لیکن کہیں سے مطلوبہ مقدار میں مال دستیاب نہیں ہے۔ اس وقت باس کو تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔"

"مجھے باس کی ضروریات سمجھانے کی کوشش مت کرو۔" ویرا نے خشک لہجے میں اسے ڈانٹ دیا "میں یہاں شی کی نمائندگی کر رہی ہوں۔ مجھے وہی کرنا ہے جو کہا جا رہا ہے مگر موجودہ حالات سازگار نہیں ہیں۔"

"کیا مشکلات ہیں؟" اس بار جم کلارک کا لہجہ بھی کاروباری ہو گیا تھا۔

"ہم لوگوں کے ہٹ جانے کے بعد بہت سے مقامی خریدار میدان میں آ گئے۔ ان میں مسابقت اور چھوٹی مقدار میں خریداری کی وجہ سے دام بہت بڑھ چکے ہیں۔ سپلائی کا مربوط نظام تباہ ہو چکا ہے۔ تم جگہ جگہ سے ایک ایک اور دو دو کلو ہیروئن جمع نہیں

کر سکتے۔ اس میں بے پناہ خطرات اور اخراجات پوشیدہ ہیں۔"

"ہمارے بعد مافیا یہاں کام کرتی رہی ہے....." جم کلارک خاصی تیاری کے ساتھ آیا تھا لیکن ویرا نے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر درشت لہجے میں کہا۔

"مافیا اب قصۂ پارینہ ہو چکی ہے۔ یہاں کے ہیروئن سازوں کی سیاست نے اسے تباہ کر دیا۔ جب تک میں مافیا سے ٹوٹے ہوئے بڑے سپلائرز تک رسائی حاصل نہیں کر لیتی' مال کے بارے میں کوئی ذمے داری قبول نہیں کر سکتی۔"

"مجھے بتاؤ' میں ان لوگوں سے رابطے قائم کر لوں گا" جم کلارک نے کہا۔

"کیا میں ان تک نہیں پہنچ سکتی جو تمہیں بھیجنا پڑے" ویرا اس وقت ایک تند خو' گروہ بند مجرمہ کے روپ میں نظر آ رہی تھی۔

"یہاں کچھ مشکلات ہیں۔ مافیا کا قصہ تازہ ہے۔ سارے افغان سپلائرز روپوش ہیں اور اپنا مال چھوٹی لاٹوں میں مقامیوں کو بیچ رہے ہیں۔ وہ سیاحوں اور مسافروں کے علاوہ ڈاک سے بھی مال اسمگل کر رہے ہیں۔ مرکزیت ختم ہو چکی ہے۔ جب تک یہ حالات ختم نہیں ہوں گے' ہمارے قدم دوبارہ نہیں جم سکیں گے۔ پھر مقامی کھپت بھی بہت بڑھ گئی ہے۔"

"کیا مقامی منڈیوں سے مال نہیں سمیٹا جا سکتا؟" جم کلارک نے پُرامید لہجے میں پوچھا۔

"بے ہودہ سوال ہے" ویرا نے منہ ٹیڑھا کر کے حقارت سے کہا "مال سے زیادہ وزن کاغذوں اور پلاسٹک کی تھیلیوں کا ہو گا۔ یہاں نوّے فیصد تک ملاوٹ ہو رہی ہے۔ پانچ گرام کی تھیلی یا پڑیا میں صرف آدھا گرام ہیروئن ہوتی ہے بقیہ اس کا ہم رنگ سفوف ہوتا ہے۔ باہر کی منڈی اسے ہرگز قبول نہیں کرے گی۔ ملاوٹ کے لئے استعمال ہونے والے بعض سفوف زہریلے ہیں جو خود بھی نشہ آور دھواں خارج کرتے ہیں۔ ملاوٹ والے اس نشے سے یہاں والوں کو مرنے دو۔ اس مال کو سمیٹا تو منڈیوں میں ہماری ساکھ تباہ ہو جائے گی۔ اس سے بہتر ہو گا کہ ہم کسی بھلے وقت کا انتظار کریں۔"

"کابل جا کر بھی کچھ نہیں کیا جا سکتا؟" جم کلارک سخت جوابات سننے کے باوجود سوال کرنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔

"کابل اور جلال آباد میں اب کچھ نہیں رہا۔ تمام سودے سرحدی پٹی میں ہوتے ہیں جہاں دن رات موت کا راج ہے۔ ان لوگوں نے بے شمار دلالوں کے ذریعے مہینوں آگے تک تیار ہونے والی ہیروئن کے چھوٹے چھوٹے سودے کئے ہوئے ہیں۔ وہ غیر ملکیوں کو دھوکا دے سکتے ہیں' مقامیوں سے چال بازی کر کے زندہ نہیں رہ سکتے۔ بڑے سودے کے لالچ میں تم نے کسی کو رقم دی تو وہ ڈوب جائے گی اور مال ہرگز نہیں مل سکے گا۔"

جم کلارک ایک گہرا سانس لے کر پہلی بار سفاکانہ انداز میں مسکرایا اور بولا "باس کا یہی اندازہ تھا کہ تمہارے پاس حالات کی مایوس کر دینے والی تصویر کے سوا کچھ بھی نہ ہو گا۔ اب اس کو باہر بھیج دو تاکہ میں تم سے تخلیے میں کچھ راز کی باتیں کر سکوں باتیں باہر کے کسی آدمی کے سامنے نہیں کی جا سکتیں۔"

"یہ میرے ساتھ آیا ہے اس لئے باہر کا آدمی نہیں ہے" اسے خشمناک نظروں سے گھور رہی تھی "دوسری بات یہ کہ آدمی نہیں' مسٹر کمال ہے۔ میں اسے تم سے متعارف کرا ہوں۔"

"تم کہتی ہو تو مانے لیتا ہوں ورنہ باس نے بتایا تھا کہ تمہارے آس پاس ہی منڈلاتا رہتا ہے۔"

"آگے بکو' کیا کہنا چاہ رہے تھے" غصے سے ویرا کے تنفس رفتار تیز ہو گئی۔

"ویرا! یہ مت بھولو کہ میں بھی ایک آئی مین ہوں" وہ زخمی چیتے کی طرح غرایا۔

"اپنی حد میں رہ کر بات کرو گے تو عزت پاؤ گے ورنہ تمہیں ٹھوکروں سے اڑا کر رکھ دوں گی۔ اس وقت میری تحویل ایک سے زیادہ سلور آئیز ہیں....." وہ اپنی بات پوری نہیں کر سکی وہ سفاکانہ انداز میں ہنس پڑا اور بولا "وہ مسروقہ ہیں۔ میں ہی کی بات کرنے والا تھا۔ باس ڈیئی سے واپس ملنے والی سلور کی فوری واپسی چاہتا ہے۔ میں انہیں واپس لے جانے کے لئے ہوں۔"

"وہ میرا اور جی لائیڈ کا ذاتی معاملہ ہے۔ واپس لوٹوں گی سلور آئیز خود اسے دوں گی۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ مان ہی نہیں سکتی کہ اس نے تمہیں ایسی کوئی ہدایت دی ہو گی۔"

"تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے فرق نہیں پڑتا۔ تم جانتی کہ جم کلارک اپنی بات منوانے کی طاقت رکھتا ہے۔"

"شٹ اپ! میں تمہاری زبان کھینچ لوں گی" ویرا آپے سے باہر ہونے کے بجائے سرد لہجے میں بولی "شاید تمہارا حافظہ کمزور اور تم میرے بدخواہوں کا عبرت ناک انجام بھول گئے ہو۔"

"تنظیم میں وہی ہو گا جو باس چاہے گا۔ تم اپنے ذاتی حوالے سے مجھے مرعوب نہیں کر سکتیں۔ اس وقت جی لائیڈ کے تمام اختیارات مجھے حاصل ہیں اور میں سپر آئی مین کی حیثیت سے بات کر رہا ہوں۔ اب کہو کہ تم میرے مطالبے کے جواب میں کیا کہنا چاہتی ہو" جم کلارک نے سرد اور پُراعتماد لہجے میں کہا۔

اس کے الفاظ پر میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا مگر خاموش رہا۔

"جی لائیڈ تم جیسے کمینے شخص کو اپنے اختیارات تفویض نہیں کر سکتا۔" ویرا نے بے اعتمادی سے کہا۔

"یہ اس کی مرضی نہیں' مجبوری تھی۔" جم کلارک کا جواب مختصر اور مبہم تھا۔

"کک... کیا اسے معزول کر دیا گیا ہے؟" ویرا لمحہ بھر کے لئے ہراساں ہو گئی۔

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ تم اپنے نتائج خود اخذ کر سکتی ہو۔ اس وقت کی اٹل حقیقت یہ ہے کہ شی کا سپر آئی مین تمہارے روبرو موجود ہے اور تم سے مسروقہ سلور آئیز کا مطالبہ کر رہا ہے۔" وہ جم کر بولنے لگا تھا۔

"مجھے بتاؤ کہ میرا باپ کہاں ہے؟" ویرا سے اچانک ہی صبر وضبط کا دامن چھوٹ گیا۔

"اسے وھائٹ ہاؤس کے باہر گولی ماردی گئی" جم کلارک کے الفاظ کسی بم کی طرح میرے اعصاب پر گرے۔ بے یقینی اور صدمے سے ویرا کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"میرے باپ کو گولی ماردی گئی .... مگر کیوں؟ اس کا قصور کیا تھا؟" ویرا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"اس نے صدر سے ہونے والے خفیہ مذاکرات کو ٹیپ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"اور یہ اتنا کھلا راز ہے کہ تم بھی اس سے واقف ہو" ویرا اس خبر پر یقین نہیں کرپارہی تھی۔

"میں جمی لائیڈ کا جانشین ہوں اس لئے یہ جانتا ہوں۔ امریکا میں سیکڑوں لوگ اس سے زیادہ اہم باتیں جانتے ہیں لیکن ان کے حق میں اپنے حلفیہ بیان کے سوا کوئی قابلِ قبول ثبوت پیش نہیں کر سکتے اس لئے ان کا جاننا یا نہ جاننا یکساں ہے۔ جمی لائیڈ کا قصور یہ تھا کہ اس نے شی کے معاملات میں صدر کے کردار کا ایک ثبوت حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ صدر نے خود وہ ٹیپ اس کے لباس سے برآمد کر کے آتش دان میں ضائع کیا اور ایک فون کے بعد بے اعتنائی سے اسے رخصت کردیا۔ باہر کوئی نامعلوم نشانے باز اس کا منتظر تھا۔ بلٹ پروف کار کے اترے ہوئے شیشے سے گزرنے والی گولی نے اس کی کھوپڑی میں سوراخ کردیا۔ بڑی مہم جوئی کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"تم یہ سب مجھے بتا رہے ہو تو اب مجھے مار بھی دو گے۔" ویرا سنبھلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ضروری نہیں... تم ان باتوں کو کبھی ثابت نہیں کرسکو گی۔ ساری حکومتیں اپنے اقتدار کے لئے آئین اور قانون کی سنگین ترین خلاف ورزیاں کرتی ہیں۔ بہت سے لوگ اس بارے میں جانتے ہیں مگر خاموش رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ایسے اقدامات کے سارے ثبوت منظم انداز میں مٹادیے جاتے ہیں۔ تم کرنل قذافی کو بتادو۔ وہ ساری دنیا میں چیختا رہے مگر کون یقین کرے گا کہ ہمارے صدر کا شی سے کوئی رابطہ ہوسکتا ہے۔"

"واٹر گیٹ اسکینڈل...." میں نے پہلی بار زبان کھولی اور اس نے فوراً ہی میری بات اچک لی۔

"اس میں ثبوت چھوڑنے کی غلطی کی گئی تھی اور حکومت کو جانا پڑا۔ سب کے منہ پر سیاہی مل دی گئی۔ ایسی لغزشیں روز روز نہیں کی جاتیں۔ میں یہاں یہ سب بتانے نہیں آیا" وہ ویرا کی طرف متوجہ ہوگیا "جمی لائیڈ کی موت کے بعد تم بے جا رعایتوں کا حق کھو بیٹھی ہو۔ شی کے لئے سلور آئیز اس کے دستور کی طرح اہم ہیں۔ فی الحال سلور آئیز لوٹا دو۔ تمہارے مستقبل کا فیصلہ بعد میں ہوتا رہے گا۔"

میں نے اچانک ہی بیم گن نکال کر اس پر تان لی "مگر تمہارا فیصلہ ابھی ہوگا۔"

"اسے رکھ لو" وہ زہریلی آواز میں بولا "تم میری تلاشی لے کر اطمینان کر سکتے ہو کہ میں غیر مسلح ہوں۔ نیچے سی آئی اے کے دو تجربے کار ایجنٹ اپنے مقامی ساتھیوں سمیت موجود ہیں۔ تم دونوں میرے بغیر نیچے گئے تو وہ تمہیں گھیر کر مار ڈالیں گے۔ اپنی جانیں بچانے کے لئے تم مجھے زندہ رکھنے پر مجبور ہو۔ میں بلاوجہ ہی اس کمرے میں نہیں چلا آیا ہوں۔"

میرے بدن کے مسامات سے یک بیک پسینہ پھوٹ پڑا۔ صورتِ حال یک بیک بہت پیچیدہ رخ اختیار کرگئی تھی۔

"سلور آئیز میرے ساتھ یہاں موجود نہیں ہیں" ویرا کی عقل کام کر رہی تھی۔

"وہ جہاں ہیں، مجھے وہیں لے چلو۔ میرے آدمی خاموشی سے پیچھا کرتے رہیں گے۔"

"اسے کسی ویرانے میں لے چلو۔ یہاں...." ویرا نے اچانک میری طرف مڑ کر اردو میں کہا لیکن جم کلارک نے ڈپٹ کر اسے خاموش ہوجانے پر مجبور کردیا۔

"خاموش رہو، یہاں انگریزی کے سوا کسی اور زبان میں بات نہیں کی جائے گی۔"

"ویرا تمہاری تلاشی کے بارے میں پوچھ رہی تھی" میں نے بات بناتے ہوئے کہا۔ پھر ویرا سے مخاطب ہو کر بولا "ہوشیاری سے اس کی جامہ تلاشی لے ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ اپنے ساتھیوں کے بارے میں جھوٹ بول رہا ہو اور موقع پاکر تمہیں اپنی ڈھال بنانے کی کوشش کرے۔"

"میں اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کروں گا" جم کلارک نے یقین دہانی کرائی اور کسی روبوٹ کی طرح اپنے ہاتھ پیر پھیلا کر کھڑا ہوگیا۔ ویرا نے اپنی جگہ چھوڑی اور اس کی جامہ تلاشی شروع کردی۔ میں جم کلارک کی کسی متوقع حرکت کے جواب میں اس کی کھوپڑی پر بیم گن چلانے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ وہ اتنا تندرست اور دراز قامت تھا کہ ویرا کو بے بس کر کے بھی اپنے پورے جسم کو اس کی آڑ میں نہیں چھپا سکتا تھا۔

ویرا نے کئی بار اس کی تلاشی لے ڈالی لیکن ہتھیار کے نام پر اس کی جیبوں سے بلیڈ تک برآمد نہیں کرسکی اور آخر کار واپس اپنی جگہ پر آگئی "یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔"

"آخر تمہیں اتنا اعتماد کیوں ہے کہ ہم اپنی جانیں بچانے کے لئے تمہیں زندہ چھوڑ دیں گے؟" میں نے اپنی حیرت دور کرنے کے

لئے جم کلارک سے پوچھا "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تمہیں مارنے کے لئے ہم اپنی جانوں کی پروا بھی نہ کریں۔"

"ایسے قتل کے لئے کوئی طاقت ور محرک یا جذبہ درکار ہوتا ہے" وہ اپنی دانست میں ہماری بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسکرا کر بولا "اور مجرموں میں یہ محرک یا جذبہ مفقود ہوتا ہے۔ ہر عادی مجرم اپنی زندگی کا پہلا جرم صرف زندہ رہنے کے لئے کرتا ہے پھر جرائم کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ جو شخص محض زندہ رہنے کے لئے جرم کا ارتکاب کر بیٹھے' اسے اپنی جان بہت زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ یوں کہو کہ وہ موت سے ڈرنے لگتا ہے۔ بڑے سے بڑا مجرم بھی اپنے دل کی گہرائیوں میں ڈرپوک اور کمزور ہوتا ہے۔ میں تم دونوں سے اور تمہارے ماضی سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میری طرح تم دونوں بھی عادی مجرم ہو۔ کسی مضبوط محرک اور جذبے سے خالی.... اپنی جانوں کا خطرہ مول لے کر تم مجھے مار ہی نہیں سکتے۔"

وہ جرائم کی دنیا کا گرگ باراں دیدہ تھا۔ اس نے جو کچھ کہا وہ مجرمانہ فطرت اور نفسیات پر لکھی گئی ضخیم ترین کتابوں کا علمی نچوڑ تھا۔ اس سے چُوک بس یہ ہوئی تھی کہ اس نے اپنے منصوبے کی بنیاد ہمارے ماضی پر رکھی تھی' اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم جرائم کو خیرباد کہہ کر کسی بڑے مشن پر کام کر رہے تھے۔

جمی لائیڈ کی موت کی خبر ملنے سے پہلے میری نگاہ میں ویرا کی بہت زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ وہ ایک طاقت ور اور بارسوخ مجرم کی اکلوتی ناجائز اولاد تھی اور اپنے من مانے انداز میں زندگی گزارنے کی عادی تھی۔ اس نے کسی آوارہ پنچھی کی طرح اڑان لیتے لیتے میرے آشیانے میں بسیرا کر لیا تھا۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کب تک میرے ساتھ رہے گی۔ پچھلی شام اس نے جہانگیر کے گھر میں نشے میں ڈوب کر جو کچھ کہا تھا وہ بھی مجھے زیادہ متاثر نہیں کر سکا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ رنگین پنچھی دل بھرنے تک میرے ساتھ رہے گا اور جس دن اس کا دل یکسانیت سے اکتا جائے گا' کسی نئے ٹھکانے کی تلاش میں آسمان کی بے کراں وسعتوں میں پرواز کر جائے گا۔ لیکن اس کی یتیمی کی خبر سنتے ہی میں اپنے پر اس کی سلامتی کا بوجھ محسوس کرنے لگا تھا۔ اب وہ ارب پتی باپ کی اکلوتی بیٹی نہیں رہی تھی۔ ایک یتیم و بے سہارا دوشیزہ بن گئی تھی جو درندوں کے غول میں گھری ہوئی تھی۔ اسے بچانا میرا فرض تھا۔ میں نے اسے چارا بنانے کے ہر خیال کو سوچے بغیر مسترد کر دیا۔ جم کلارک کی لائی ہوئی ایک خبر نے ویرا کو میری ساری ہمدردیوں کا مستحق بنا دیا تھا۔

ویرا نے اردو میں اس نابکار کو کسی ویرانے میں لے چلنے کا مشورہ دے کر مجھے ایک راہ سجھادی تھی اور میرا ذہن مسلسل اس راہ پر کام کر رہا تھا لیکن اس وقت فوری مسئلہ ہوٹل سے نکلنے کا تھا۔ میں نے چند ثانیوں تک ہوٹل کی لابی کے نقشے کے بارے میں سوچا پھر اپنا داہنا ہاتھ 'بیم گن سمیت کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

"اب میرا داہنا ہاتھ یوں ہی رہے گا۔ بیم گن کا نوزل تمہاری طرف ہو گا۔ ہمیں کوئی خطرہ محسوس ہوا یا تمہارا کوئی آدمی ہمارے قریب آیا تو میں بے دریغ ٹریگر دبا دوں گا" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"اور تم بھی سن لو کہ میرے ساتھ کوئی چال بازی کر کے تم پاتال میں بھی زندہ نہیں رہ سکو گے۔ تم قانون کے باغی ہو' تمہیں کہیں پناہ نہیں مل سکے گی۔ سی آئی اے کے ایجنٹ ایک بار تمہیں دیکھ لیں تو مریخ سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے اور بے دردی سے مار دیں گے۔ وہی ہونا چاہئے جو طے ہوا ہے" اس کے اعتماد میں ذرا سی بھی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ قدرے توقف کے بعد پھر بولنے لگا۔

"اس کمرے میں اب تک جو کچھ ہوا ہے وہ میرے اندازوں کے عین مطابق ہے۔ ویرا نے ہیروئن کی فراہمی سے معذوری ظاہر کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اب شی کی وفادار نہیں ہے۔ اسے مفاہمت کی راہ پر لانے کے لئے مجھے جمی لائیڈ کی موت کی خبر سنانی پڑی۔ اب میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ طے کیا ہے وہ بھی پہلے سے سوچا سمجھا تھا۔ میں اپنے دونوں آدمیوں کو یہ سب بتا آیا تھا اس لئے سمجھوتے کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہئے۔"

"ٹھیک ہے... پہلے تم نکلو" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "تمہارے پیچھے جم باہر نکلے گا۔"

وہ مختصر سی نفری قطار کمرے سے نکل کر لفٹ کی طرف بڑھنے لگی۔

میں نے اسے ہوٹل سے نکال لے جانے کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے کر لیا تھا۔ اس بارے میں جم کلارک خود بھی تعاون کر رہا تھا۔ اس نے اپنے پورے منصوبے کی بنیاد ایک غلط مفروضے پر رکھی تھی۔ اس اعتبار سے وہ جمی لائیڈ سے بدرجہا حقیر شخص تھا۔ جمی لائیڈ میرے ہی نہیں' اپنے ہر حریف کے بارے میں تازہ ترین معلومات رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ میں پاکستان میں اسپیشل ٹاسک فورس والوں سے مل کر کام کر رہا تھا لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ میں پاکستان کی کسی نہ کسی ایجنسی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

جم کلارک کو میرے بارے میں بس وہی کچھ معلوم تھا جو کسی زمانے میں جمی لائیڈ نے اسے بتا دیا ہو گا۔ وہ بعد میں پیش آنے والی تبدیلیوں سے بالکل بے خبر تھا۔ جمی لائیڈ کی ہلاکت کے بعد اس نے شی کی سربراہی کا منصب ضرور سنبھال لیا تھا لیکن وہ جمی لائیڈ کی کھوپڑی میں موجود' معلومات کے ذخیرے تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس وقت جم کلارک کی وہ ناکامی میرے لئے بڑی کامیابی کی کلید بن سکتی تھی۔

جم کلارک غیر مسلح تھا لیکن ہوٹل کی لابی میں اس کے پانچ مسلح محافظ موجود تھے۔ میں نے اپنا پورا یقین کر لیا تھا کہ وہ بالکل نہتا تھا۔ ایسی صورت میں پانچ مسلح آدمیوں کے بارے میں اس کے دعوے پر شبہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ان پانچوں میں سے دو امریکی سی آئی اے کے ایجنٹ تھے۔ یہ امر یقینی تھا کہ وہ جم کلارک

کی حفاظت کے لیے جدید ترین ہتھیاروں اور وافر میگزین سے لیس ہوتے۔ ان کے تین مقامی مددگاروں کا اسلحہ اس کے علاوہ ہوتا۔ ان لوگوں کی مضبوط پوزیشن کے مقابلے میں میرے پاس صرف دو ہتھیار تھے۔ ایک بیم گن اور دوسرا پستول جب کہ ویرا اسلحہ لیے بغیر ہی گھر سے نکل کھڑی ہوئی تھی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیم گن اپنی ہلاکت خیزی کی بنا پر بہت اہم اور مؤثر تھی لیکن اس کی تباہی کا دائرہ بہت محدود تھا۔ کسی بند احاطے میں بیم گن سے ہاتھی کو بھی گرایا جاسکتا تھا لیکن کھلے میدان میں بیم گن اپنی محدود رینج کی وجہ سے ناکارہ ہوکر رہ جاتی۔ پستول یا ریوالور کی گولی کے مقابلے میں بیم گن کے نوزل سے خارج ہونے والی ہولناک شعاعوں کی مار بہت کم تھی۔ اس سے صرف دست بدست جنگ میں ہی حیران کن نتائج حاصل کیے جاسکتے تھے۔ اس لیے ہماری کل پونجی ایک پستول پر مشتمل تھی جس کے میگزین میں صرف سات گولیاں موجود تھیں۔

اگر میں جم کلارک کو لے کر کسی ویرانے کی طرف نکل کھڑا ہوتا تو اس کے پانچوں آدمی شکاری کتوں کی طرح ہمارے پیچھے لگے رہتے اور پھر ویرانے میں ہمیں گھیر لیتے۔ پستول کی صرف سات گولیوں سے میں انہیں کوئی قابلِ ذکر نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ کسی بھی باقاعدہ تصادم کا آغاز ہونے کے بعد وہ سات گولیاں زیادہ دیر تک ہمارا ساتھ نہیں دے سکتی تھیں۔ ان گولیوں کے ختم ہونے کے بعد ہم دونوں حقیر چوہوں کی طرح پکڑے جاسکتے تھے۔ اس ذہنی تجزیے کے بعد میں نے کسی کھلے ویرانے کا رخ کرنے کا ارادہ یکسر منسوخ کردیا تھا۔

اس وقت ہم جم کلارک کو مسروقہ سلور آئیز کی واپسی کی امید دلا کر اپنے ساتھ لے جارہے تھے اس لیے آسانی کے ساتھ کسی محفوظ عمارت کا رخ بھی کرسکتے تھے۔ ہمارے پاس صرف دو ٹھکانے تھے جہاں ہم جم کلارک کو کسی وقت کے بغیر اپنے قابو میں رکھ سکتے تھے۔ پہلی اور آسان صورت یہ تھی کہ ہم جہانگیر کے وسیع اور ویران مکان کی طرف نکل جاتے جہاں ادھیڑ عمر چوکیدار کے سوا کسی اور متنفس کی موجودگی کا امکان نہیں تھا' لیکن وہاں جانے میں خطرہ یہ تھا کہ اتنے بڑے مکان کے ہر حصے پر نظر رکھنا ہم دونوں کے لیے دشوار ہوتا۔ ہم وہاں جہانگیر کے ہتھیار بھی استعمال کرسکتے تھے لیکن نفری کی کمی کی وجہ سے یہ خطرہ تھا کہ باہر سے کوئی مدد آنے سے پہلے ہی جم کلارک کے پانچوں ساتھی جہانگیر کے گھر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوجاتے تو ہمارے بچاؤ کی تمام راہیں مسدود ہوسکتی تھیں۔

لے دے کر شرف آباد کا فلیٹ ہی رہ جاتا تھا جہاں ہمارے تین قابلِ اعتماد مددگاروں کے علاوہ کچھ ہتھیار اور فاضل میگزین بھی موجود تھے اور فلیٹ تک رسائی کا صرف ایک ہی راستہ تھا جس پر جم کلارک کے ساتھی زیادہ دیر تک قابض نہیں رہ سکتے تھے۔ فلیٹ پہنچنے کے بعد جم کلارک کو آسانی سے بے دست وپا کرکے ہم اس کے حامیوں کو وہاں سے بھاگ نکلنے پر مجبور کرسکتے تھے۔

لابی میں لفٹ سے باہر نکلتے ہوئے' میں نے عقابی نظروں سے وہاں موجود لوگوں کا جائزہ لیا لیکن جم کلارک کے ساتھیوں کی نشان دہی میں کامیاب نہ ہوسکا۔ میں جم کلارک کے بائیں پہلو سے لگ کر نکاسی کے راستے کی طرف چل دیا۔ ویرا ہمارے پیچھے تھی۔

"تمہیں اپنی گاڑی سے چلنا ہوگا" باہر نکلنے کے بعد جم نے آہستہ سے کہا "میں سی آئی اے والوں کی گاڑی سے آیا تھا۔ وہ ان ہی کے استعمال میں رہے گی۔"

میں نے غیرارادی طور پر مڑ کر دیکھا تو ہمارے دور نکل آنے کے بعد مردوں کی ایک ٹولی ہوٹل سے باہر آرہی تھی۔ ان میں مقامیوں کے ساتھ غیر ملکی بھی تھے۔ جم کلارک کو کور کیے رکھنے کی

کوشش کی وجہ سے میں ان لوگوں کی بس ایک جھلک ہی دیکھ سکا جو شناخت کے لیے ناکافی تھی۔
"میرے ساتھی چاہیں تو تمہیں راستے میں گھیر کر بھی مجھے آزادی دلا سکتے ہیں لیکن تم دیکھو گے کہ وہ کوئی مداخلت کیے بغیر تمہارا تعاقب کرتے رہیں گے۔ جوں ہی تمہاری نیت میں فتور آیا' وہ موت کے فرشتوں کا روپ دھار لیں گے۔"
"تمہاری نیت اب بھی وہی ہے جو شروع میں تھی" میں نے خشک لہجے میں کہا "میرا خیال ہے کہ تم ہمیں کسی بدعہدی پر اکسانے کی کوشش کر رہے ہو تاکہ تمہارے آدمیوں کو ہم پر ٹوٹ پڑنے کا اشارہ مل سکے۔"
"یہ تمہاری خام خیالی ہے" وہ بے پروائی سے بولا "اس وقت مجھے صرف سلور آئیز سے غرض ہے۔ ایک بار وہ دونوں مقدس سکے مل جائیں تو از سر نو تمہارے بارے میں سوچوں گا۔ فی الحال میں سلور آئیز حاصل کرنے کے لیے تمہیں زندہ رکھنے پر مجبور ہوں۔ تم میری طرف سے مطمئن رہو۔ میں اپنا کام نہیں بگاڑوں گا۔"
کار میں جم کلارک کے لیے میرے برابر والی پسنجر سیٹ ہی موزوں تھی۔ ویرا پچھلی سیٹ پر بیٹھنے لگی تو میں نے پھرتی سے اپنا بغلی ہولسٹر خالی کر کے' بھرا ہوا پستول اسے تھما دیا۔ ویرا کے بیٹھ جانے کے بعد میں گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف والے دروازے پر گیا اور فوراً ہی اندر بیٹھ گیا۔
اس اثنا میں ہمارے پیچھے آنے والے دو ٹکڑیوں میں بٹ چکے تھے۔ دو مقامی آگے چلے آ رہے تھے اور ایک مقامی فٹ پاتھ کے سہارے لگی ہوئی دیو ہیکل لینڈ روور کا دروازہ کھول رہا تھا۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے دو مہذب سفید فاموں کی گردنیں ہماری طرف گھومی ہوئی تھیں۔
ان کا جائزہ لینے کے لیے میں نے بالکل بھی وقت ضائع نہیں کیا۔ بس اپنی گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے جو کچھ دیکھ سکا' وہ دیکھ لیا اور انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھا دی۔
مجھے خیال آیا کہ شرف آباد میں ہمارا فلیٹ گنجان آباد علاقے میں واقع تھا۔ وہ پانچوں غیر معمولی بے جگری کا مظاہرہ کیے بغیر فلیٹ میں گھسنے کی کوشش نہیں کر سکتے تھے۔ جب تک انہیں جم کلارک کے ساتھ کسی گڑبڑ کا یقین نہ ہو جاتا' وہ گلی میں رک کر داخلی راستے کی نگرانی کرتے رہتے۔ اگر ہم فلیٹ میں پہنچتے ہی اوّل خان کو اس نئی صورتِ حال سے آگاہ کر دیتے تو وہ اپنی نفری کے ساتھ اس گلی کی ناکا بندی کر کے ان پانچوں خبیثوں پر تگڑا ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ ان پانچوں کی اصلیت جان لینے کے بعد اسے ان کو مار ڈالنے میں بھی کوئی تردد نہ ہوتا۔
گاڑی کو ریمپ کی ڈھلان کے آخری سرے سے بائیں طرف موڑتے ہوئے اچانک میرے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔
اوّل خان کو فون کرنے یا بلانے کے بجائے میں براہِ راست اسٹیشن فور بھی جا سکتا تھا۔ وہاں کا بیشتر عملہ مجھے جانتا تھا۔ باہر سے وہ ایک وسیع رہائشی بنگلا معلوم ہوتا تھا۔ اندر پہنچنے سے پہلے جم کلارک کے فرشتوں کو بھی اندازہ نہ ہو پاتا کہ وہ بے خبری میں کیسی بھیانک دلدل میں پھنسنے جا رہا ہے۔ ہمارے اندر پہنچتے ہی ایس ٹی ایف کے مسلح جوان اپنے بھیانک کھیل کا آغاز کر سکتے تھے۔ غالب امکان یہی تھا کہ غیر متوقع حملے کا سامنا کرتے ہی' جم کلارک کے ساتھی حواس باختہ ہو کر بچ نکلنے کی کوشش کرتے اور آسانی سے مار لیے جاتے۔
لمحہ بھر کے لیے مجھے افسوس ہونے لگا کہ اسٹیشن فور کی راہ مجھے پہلے کیوں نہ سوجھی لیکن اس وقت بھی کچھ نہیں بگڑا تھا۔ میں نے طمانیت کے گہرے احساس کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف جانے والے راستے پر کار موڑی اور رفتار میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ اس وقت تک فضا میں گہرا اندھیرا پھیل چکا تھا اس لیے عقب نما آئینے میں صرف گاڑیوں کے روشن ہیڈ لیمپس نظر آ رہے تھے۔ کسی گاڑی کو شناخت کرنا ناممکن ہو گیا تھا لیکن پھر بھی ہیڈ لیمپس کی بلندی اور ان کے کشادہ درمیانی فاصلے سے میں نے بھانپ لیا کہ جم کلارک کے ساتھیوں کی لینڈ روور اور ہماری گاڑی کے درمیان صرف ایک کار حائل تھی۔
"جمی لائیڈ کے قتل کا واقعہ کب پیش آیا تھا؟" کچھ دیر کے بوجھل سکوت کے بعد ویرا نے سوال کیا۔
"جٹ لیگ کی وجہ سے وقت کا تصور گڈمڈ ہو کر رہ گیا ہے" جم کلارک بولا "یوں سمجھ لو کہ یہ واقعہ یہاں کے وقت کے مطابق پرسوں سہ پہر یا شام کو رونما ہوا ہو گا۔"
"اس نے مجھے کبھی پیار سے بیٹی کہہ کے نہیں پکارا" ویرا دل گداز آواز میں کہنے لگی "عملاً مجھے اکلوتی بیٹی کا لاڈ پیار دیتا رہا لیکن عمر بھر حقیقت سے آنکھیں چراتا رہا۔ کبھی میں اس کو پوجنے لگتی تھی اور کبھی اس سے اتنی نفرت ہونے لگتی تھی کہ اس کا منہ نوچ لینے کو جی چاہتا تھا..... لیکن خون کے رشتے اٹل ہوتے ہیں.... انہیں حد سے بڑھا ہوا اختلاف بھی نہیں مٹا سکتا۔ میرے فرشتوں کو بھی واشنگٹن میں پیش آنے والے خون آشام واقعے کا علم نہیں تھا لیکن کل میں اداس تھی۔ میں نے بہت شراب پی تھی..... خواہ مخواہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں کسی سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر روؤں۔ اندر کے اس خالی پن میں' میں ڈینی سے بہت سی باتیں کرتی رہی۔ میرے اندر ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی۔ میں نے کل شام پہلی بار کسی مرد کے سامنے اپنی شکست تسلیم کی تھی۔ شاید قدرت مجھ سے وہ سب کہلوا رہی تھی اور میں اپنی رو میں ڈینی سے بہت کچھ کہے جا رہی تھی....."
"حیرت کی بات ہے کہ ڈینی کو اپنی محبت کا ثمر اتنے عرصے بعد ملا" جم کلارک نے اس کی بات کاٹ کر بے رحمانہ انداز میں کہا۔ "تم دونوں کا رومان تو مدتوں سے چل رہا ہے۔ حیرت ہے کہ ڈینی نے تمہاری سنگ دلی سے مایوس ہو کر تمہارا پیچھا نہیں چھوڑا۔"
"شٹ اپ!" ویرا نے مضمحل سی آواز میں اسے ڈانٹا "تم

لوگوں کے نزدیک محبت کسی تفریح گاہ سے شروع ہو کر بستر پر ختم ہوجانے والے ایک عارضی تعلق کا نام ہے... تم اقرار و انکار کی نزاکتوں کو محسوس ہی نہیں کرسکتے۔ مادی ماحول کی چکاچوند میں تم انسانی جذبوں کی پہچان کھو چکے ہو۔"

"تم اس طرح مجھے مطعون کررہی ہو جیسے تمہارا تعلق ہمارے بجائے کسی اور قوم یا سیارے سے ہو" جم کلارک نے استہزا کے ساتھ کہا "امریکا میں اب کسی کے پاس اتنا وقت نہیں رہا کہ دوسروں کے جذبوں کی چھان بین کرتا پھرے۔ وقت کی قیمت ڈالروں میں ہوتی ہے۔ اسے فضول کاموں میں برباد نہیں کیا جاسکتا۔ رومیو اور جولیٹ والی سست رفتار محبت کے زمانے لد گئے۔ یہاں رہ کر تم قنوطی ہوگئی ہو۔ اپنے ماحول میں واپس لوٹوگی تو تمہاری پرانی سوچ پھر زندہ ہوجائے گی.... وہاں بہتیرے لوگ آج بھی تمہاری فیاضیوں کو یاد کرتے ہیں۔"

"میں نے کل ہی اس مٹی سے اپنا رشتہ توڑ لیا تھا جو پیار سے خالی ہے۔ شاید میرا وہ لاشعوری فیصلہ درست ہی تھا۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اپنے باپ کے قتل کے بعد میرے لیے وہاں کیا رکھا ہے۔ جمی لائیڈ کی دولت و حشمت صرف اس لیے تھی کہ وہ شی کا سپر آئی مین تھا۔ جس لمحے اس سے وہ اعزاز چھین کر 'اسے خون میں نہلایا گیا' وہ ایک عام آدمی کے درجے سے بھی نیچے گرگیا۔ اب وہ سب تمہارا ہے۔ ایک دن یوں ہی تمہارا سر بھی اتار لیا جائے گا۔ کالا دھن کسی سے وفا نہیں کرتا۔ یہ اسی کا ہوتا ہے جو اس پر قابض ہوتا ہے۔ وہاں جاکر محرومیوں کا عذاب سہنے سے بہتر ہوگا کہ میں کچھ سمجھوتوں کے تحت یہاں رہ جاؤں۔ یہاں کے مفلس، میلے اور جاہل لوگ اب بھی مجھے زیادہ اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے ان میں رہ کر بہت کچھ سیکھا ہے" ویرا بار بار کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی جیسے راستے کے بارے میں فکرمند ہو۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ امریکا میں تمہیں کسی محرومی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ جمی لائیڈ تمہارا باپ تھا مگر تمہیں محبت نہیں دے سکا۔ میں تمہارا کچھ بھی نہیں ہوں لیکن تمہیں بے پناہ پیار دوں گا۔ میرے لیے...."

"حد سے نہ بڑھو، جم!" ویرا نے اس کی بات کاٹ دی "تم سے پیار کرنے سے بہتر ہے کہ میں کریہہ صورت والا ایک بل ڈاگ پال لوں۔ شاید تم میرا وہ تھپڑ بھول گئے جو تمہاری ایک بے ہودہ جسارت کے جواب میں تمہارے رخسار کو گرما گیا تھا۔ میں اس وقت بھی نتائج کی پروا کیے بغیر ایک اور تھپڑ رسید کرسکتی ہوں۔"

"اچھی طرح یاد ہے" جم کلارک کی آواز تلخ ہوگئی "میں تم سے اس کی قیمت ضرور وصول کروں گا.... ان دنوں تمہارے ستارے عروج پر تھے، اب میرا وقت ہے۔ میں تم سے حساب بے باق کرلوں گا۔"

ان دونوں کی گفتگو میں ماضی کی تلخیاں گھلنے لگی تھیں۔ میں فوراً ہی دخل اندازی کر بیٹھا "میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم نے واشنگٹن میں جمی لائیڈ کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی تشہیر کیوں کی ہے۔"

"دوسروں کو عبرت دلانے کے لیے سزا اور انتقام کی تشہیر ضروری ہوتی ہے" وہ فوراً ہی ویرا کو بھول کر میری طرف متوجہ ہوگیا "یہ نہ سمجھو کہ میں ہر جگہ اس واقعے کا اعلان کرتا پھر رہا ہوں۔ خانہ پری کے لیے ایف بی آئی والے اس وقت بھی جمی لائیڈ کے قتل کی سرگرمی سے تحقیقات کررہے ہوں گے مگر چند لوگوں کو اندر کی باتوں کا علم ہے۔ میں ان میں شامل ہوں۔ ویرا کا ان حقائق سے باخبر ہونا ضروری تھا۔ میرا خیال ہے کہ پاکستان میں تم دونوں کے سوا کسی کو جمی لائیڈ کی ذات میں دلچسپی نہیں ہوگی۔ کوئی بھی شخص تمہاری بات سمجھ ہی نہیں سکے گا۔ آخر میں پھر ثبوت کی بات آجاتی ہے۔ مان لو کہ میں نے تمہیں اصل بات بتاکے کوئی غلطی یا غداری نہیں کی۔ یہ میرا سوچا سمجھا فیصلہ تھا۔"

"ٹھیک ہے!" ویرا اسے چیلنج کرنے والے انداز میں بولی۔ "یہاں لاکھوں افراد کو اس واقعے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی مگر امریکی قونصل خانے کے افسران میری بات دھیان سے سنیں گے۔ واشنگٹن کے لیے یہ بات بہت دلچسپ ہوگی کہ شی والا جم کلارک کراچی میں صدر کے بارے میں کیا کچھ کہتا رہا ہے۔"

"واشنگٹن والوں کے پاس ایسی خرافات پڑھنے کا وقت نہیں ہوتا۔ امریکا ایک جمہوری ملک ہے۔ جہاں ہر ایک کو شخصی آزادیاں حاصل ہیں۔ لوگ ملک اور حکومت کو گالیاں تک دیتے رہتے ہیں۔ میری بات پر توجہ اسی وقت دی جائے گی جب میں اپنی کہانی کے ساتھ کوئی ثبوت بھی سامنے لاؤں۔ بالفرض میرا کوئی حاسد تمہاری بات کو ہوا دینے پر تل جائے تو میں اپنے بیان سے مکر کر سارا الزام تمہارے سر ڈال سکتا ہوں۔ جمی لائیڈ تمہارا باپ تھا۔ اس کے کسی ہمدرد نے تم کو فون پر خبر دی ہے کہ تمہارے باپ کو صدر نے مروایا ہے اور تم اپنے جاننے والے ہر امریکی سے اس خبر کی تصدیق کرنے کی کوشش کررہی ہو۔ تمہارے مقابلے میں شی کے سربراہ کی بات زیادہ توجہ سے سنی جائے گی۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ اب تم دونوں کو مجھ سے سمجھوتا کرنا ہوگا۔ تم دونوں اسی صورت میں زندہ رہ سکتے ہو کہ میرے لیے کام کرو۔ میرے لیے کام کرنے کی صورت میں تم میری کسی ہدایت سے انحراف نہیں کرسکو گے۔ مجھے یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ شی کے منحرفین کی سزا صرف موت ہے۔ ڈیڈی کی چالاکیاں بھی اسے نہیں بچاسکیں گی۔"

"تم نے بہت اچھی طرح اپنی بات واضح کردی" میں اسٹیشن فور پہنچنے تک اسے باتوں میں الجھائے رکھنا چاہتا تھا "جمی لائیڈ صرف ایک نام بن کر شی پر راج کررہا تھا۔ اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ ویرا نے لاہور کے لائیڈز کالج کے ایک کباڑ خانے میں پہلی بار جمی لائیڈ کی ایک بوسیدہ قلمی تصویر دیکھی تب اسے علم ہوا تھا کہ اس کا باپ اور جمی لائیڈ ایک ہی شخص کے دو روپ ہیں لیکن تم

نے خود کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔"

"جمی لائیڈ بزدل تھا۔ اس نے دنیا کی سب سے مہنگی تفریح گاہوں میں آزادی سے رنگ رلیاں منانے کے لیے خود کو پردے میں رکھا ہوا تھا۔ میں سامنے رہ کر کام کروں گا۔ میرے لیے کام ہی تفریح ہے۔"

"دشمن بہت آسانی سے تمہاری بُو پر لگ جائیں گے" ویرا نے مضطربانہ انداز میں کہا "وہ نہایت آسانی سے تمہیں اس اسٹیشن پر پہنچادیں گے جہاں چار تک گنتی مکمل ہونے سے پہلے آدمی مارا جاتا ہے۔"

ویرا کے الفاظ پر میں چونک پڑا۔ وہ میرے منتخب کیے ہوئے راستوں کے بارے میں پہلے سے پریشان تھی لیکن اب شاید بھانپ گئی تھی کہ میں کدھر جارہا تھا۔ بظاہر وہ جم کلارک سے بات کررہی تھی لیکن اس کے الفاظ میں میرے لیے ایک سوال پوشیدہ تھا۔ وہ اسٹیشن فور کے بارے میں تصدیق کی خواہاں تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو" میں نے اسی گفتگو کے تسلسل میں ویرا کے سوال کا جواب دے دیا اور بات جاری رکھتے ہوئے کہا "دیکھے بھالے سربراہ کے مقابلے میں اسرار کے پردوں میں لپٹے ہوئے نامعلوم باس کی دہشت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنے دوسرے ساتھی سے چوکنا رہتا ہے کہ کہیں وہی اس کا باس نہ ہو۔"

پُرسکون اور نیم خوابیدہ سڑک پر ہماری منزل قریب آگئی۔ اس سڑک پر ٹریفک کم تھا لیکن دو گاڑیاں قدرے فاصلے سے ہمارے پیچھے لگی ہوئی تھیں۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت ایس ٹی ایف کی کوئی بڑی گاڑی پھاٹک سے باہر موجود نہیں تھی۔ میں نے کار کی رفتار کم کرنی شروع کردی۔

پیچھے آنے والوں کی رفتار بھی دھیمی ہونے لگی۔ میں نے گاڑی بائیں طرف موڑ کر پھاٹک کے سامنے روکی اور ہارن بجادیا۔ تعاقب کرنے والی گاڑیاں رینگتی ہوئی آگے نکل گئیں۔ اس نازک مرحلے پر میرے دل کی دھڑکنیں اچانک ہی تیز سے تیز تر ہونے لگی تھیں۔

ہارن کے جواب میں سیاہ آہنی پھاٹک کے ایک حصے میں مختصر سی چوکور کھڑکی نمودار ہوئی۔ میں نے اضطراری انداز میں اپنی گاڑی کی کیبن لائٹ جلادی تاکہ جھانکنے والے کو مجھے پہچاننے میں دشواری نہ ہو۔

میری وہ کوشش بار آور ثابت ہوئی۔ چوکور کھڑکی غائب ہوگئی اور وزنی بولٹ سرکنے کی قدرے تیز آواز کے بعد پھاٹک اندر کی طرف کھول دیا گیا۔ پھاٹک کھولنے والے گن مین کو جم نے بے آرام نگاہوں سے گھورا تھا۔

اندر پورچ میں تین گاڑیاں موجود تھیں جن میں دو جیپیں شامل تھیں۔ ایس ٹی ایف کی تمام گاڑیوں پر غیر سرکاری نمبر پلیٹیں استعمال کی جاتی تھیں لیکن ان گاڑیوں کی فوجی سج دھج فوراً توجہ کا مرکز بن جاتی تھی۔ میں نے ایک جھٹکے سے گاڑی اندر بڑھائی تو جم کلارک نے پہلی بار بے چینی سے اپنی نشست میں پہلو بدلا اور درشت آواز میں غرایا "یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟"

"اسٹیشن فور!" میں نے اس سے زیادہ غرا کر جواب دیا اور وہ مجھ پر ٹوٹ پڑا۔

پھاٹک سے پورچ تک کا فاصلہ بمشکل چند ثانیوں کا تھا لیکن ان چند ثانیوں میں یکے بعد دیگرے متعدد واقعات رونما ہوتے چلے گئے۔ ویرا چلتی کار کا دروازہ کھول کر باہر کود گئی اور اڈل خان کو فوراً وہاں بلانے کا مطالبہ کرنے لگی۔ لان پر ستانے والے متعدد کارکن ہڑبڑا کر اپنی جگہوں سے اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ کوئی نیکر اور بنیان میں ملبوس تھا' کوئی صرف پتلون پہنے ہوئے تھا۔ متعدد رنگ برنگے لباس بھی نظر آرہے تھے۔

جم کلارک کے حملہ آور ہونے کی وجہ سے اسٹیئرنگ میرے ہاتھوں سے نکل گیا۔ گاڑی لہرا کر برآمدے کی طرف چلی مگر میرا پیر بھی... ایکسلریٹر پر سے ہٹ گیا۔ گاڑی ہلکے سے جھٹکے سے اچھلی اور انجن بند ہوگیا۔ میں جم کلارک کے دیوہیکل وجود کو دھکیلنے کی کوشش کرنے لگا۔

ایس ٹی ایف کے ستانے والے اہل کاروں نے لمحہ بھر کے لیے اس منظر کو حیرت سے دیکھا پھر کئی آدمی کار کی طرف بڑھ آئے۔ اس دوران میں جم کلارک میرے سر پر ٹکریں رسید کرکے میرا گلا دبوچنے کی سرتوڑ کوشش کرتا رہا لیکن میں نے اس کے جبڑوں پر اندھا دھند مُکّے رسید کرکے کامیاب نہیں ہونے دیا۔

ایس ٹی ایف والوں نے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولا اور جم کلارک کی ٹانگیں پکڑ کر اسے کسی مویشی کی طرح باہر گھسیٹنے لگے۔ میری طرف والی کھڑکی میں سے بھی کسی نے پوری طاقت سے اس کے چہرے پر گھونسے مارے' وحشیانہ کراہوں کے ساتھ جم کلارک نے میرے شانے چھوڑ دیے۔

ٹانگوں پر ہونے والی زور آزمائی کے نتیجے میں جم کلارک منہ کے بل گیئر لیور پر گرا اور بلبلا اٹھا لیکن باہر والوں نے رحم کا کوئی مظاہرہ کیے بغیر اسے باہر گھسیٹ لیا۔ سیٹ سے لپٹنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد اگر وہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر نہ جماتا تو ایک زبردست جھٹکے سے فرش پر گر کر اپنے کئی دانت گنوا بیٹھا ہوتا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ جم کلارک غیر معمولی طاقت اور جسامت کا مالک تھا لیکن ایس ٹی ایف والے بھی اپنے کام میں طاق تھے۔ تین آدمیوں نے اسے فرش پر ہی دبوچا اور اس کی پشت پر سوار ہوگئے۔

"ہتھیار سنبھالو!" میں گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے قدرے اونچی آواز میں بولا "باہر سفید لینڈ روور اور سرمئی سوک میں پانچ آدمی منڈلا رہے ہیں۔ انہیں بھی گھیر کر پکڑنا ہے۔"

شاید ویرا اس بارے میں پہلے ہی شور مچاچکی تھی۔ اسٹیشن فور میں افراتفری پھیل گئی اور چند ہی ثانیوں میں ہر ایک کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی خودکار ہتھیار نظر آنے لگا۔ اس صورتِ حال نے مجھے

بوکھلا کر رکھ دیا۔ وہاں کافی مسلح نفری دستیاب تھی' بدف بھی موجود تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس کو کہاں مامور کیا جائے۔ اس وقت مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ منظم جنگی حکمتِ عملی تیار کرنے کے لیے پیشہ ورانہ مہارت ناگزیر ہوتی ہے۔

ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کے لیے وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ایک شخص نے خود ہی بقیہ لوگوں کی کمان سنبھال لی۔ تین آدمی احاطے کی دیوار کی طرف چلے گئے۔ دو آدمیوں کو چھت پر بھیج دیا گیا۔

"صاحب کو فون کردیا ہے.... وہ گھر سے نکل رہے ہیں" ایک شناسا چہرہ مجھے وہ خبر دے کر مکان کے عقبی حصے کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ میرے لیے یہ بات اطمینان کا باعث تھی کہ اوّل خان کے موجود نہ ہونے کے باوجود' اس کے آدمیوں نے مجھے پہچان کر بھرپور کارروائی کا آغاز کردیا تھا۔

اچانک فضا میں چند بوکھلائی ہوئی' تحیر زدہ آوازیں ابھریں۔ میں تیزی سے پلٹا تو جم کلارک کسی طرح اپنے حریفوں کو جل دے کر بھاگ نکلا تھا۔ اس کا رخ پھاٹک کی طرف تھا۔ وہ پوری قوت سے دوڑتا ہوا ایک نیکر پوش کے قریب سے گزرا اور اس نے اپنی رائفل کی نال پکڑ کر اسے کسی لاٹھی کی طرح جم کلارک کے سر پر دے مارا۔ رائفل کا چوبی دستہ کھٹ کی آواز کے ساتھ جم کی کھوپڑی سے ٹکرایا اور وہ تیورا کر کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اسے دبوچنے والے مضبوط ڈوری کی پچھی سمیت وہاں آموجود ہوئے اور تیزی سے اس کے ہاتھ پیر باندھنے لگے۔

اس وقت تک اسٹیشن فور میں جو کچھ ہوا تھا وہ بہت پُرشور نہیں تھا۔ مجھے توقع تھی کہ جم کلارک کے ساتھیوں کو اندر کی صورتِ حال کا ادراک نہ ہوسکا ہوگا۔ میرے لیے وہ صورتِ حال ناقابلِ یقین سی معلوم ہورہی تھی کہ شی جیسی طاقت ور ریاستی تنظیم کا سربراہ جو اپنے فرائض کے سلسلے میں براہِ راست اپنے ملک کے صدر کو جواب دہ تھا' کسی حقیر چوپائے کی طرح اسٹیشن فور کے احاطے میں باندھا جارہا تھا۔

میں نے قریب جاکر دیکھا تو جم کلارک کے سر کے زخم سے بہنے والا خون اس کے بالوں میں پھیلتا جارہا تھا۔

"اسے باندھ کر کسی کمرے میں منتقل کردو!" میں نے اسے باندھنے والوں کو ہدایت دی اور سگریٹ سلگا کر برآمدے کی طرف ہولیا۔ مجھے فکر یہ تھی کہ ہم لوگ ایک مضبوط چاردیواری میں محفوظ تھے لیکن اوّل خان گڑبڑ کی خبر سن کر ادھر آرہا تھا۔ اسے باہر بھٹکتے ہوئے پانچ بھیڑیوں کے بارے میں نہیں بتایا جاسکا تھا۔ پھاٹک کے سامنے اپنی گاڑی روکتے ہی وہ ان درندوں کی کسی انتقامی کارروائی کا نشانہ بن سکتا تھا۔

ریڈیائی آلات اور فون وغیرہ کی دیکھ بھال پر مامور آپریٹر نے یہ بتا کر مجھے تشویش میں مبتلا کردیا کہ اس وقت اوّل خان کے پاس کوئی لاسلکی اپریٹس نہیں تھا۔ میں نے فوراً ہی اس کے گھر کا نمبر ملایا تو وہ وہاں سے نکل چکا تھا۔ یعنی اسے خطرے سے خبردار کرنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی۔

میں اضطرار اور پریشانی کے عالم میں دوبارہ باہر نکل گیا۔ وہاں ویرا' ایس ٹی ایف کے عارف نامی اہل کار سے کسی سنجیدہ گفتگو میں مصروف تھی۔ اس وقت عارف ہی نے جملہ کارروائیوں کی کمان سنبھالی ہوئی تھی۔

مجھے اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ دونوں خاموش ہوگئے اور میری طرف دیکھنے لگے۔

"دوربینوں سے ان دونوں گاڑیوں پر نگاہ رکھی جارہی ہے" میرے قریب پہنچنے پر عارف نے آگاہ کیا "وہ سامنے والی گلیوں میں ایک دوسرے سے دور ہیں۔ لینڈ روور میں رائفل کی نال کی جھلک بھی دیکھی گئی ہے۔"

"وہ باہر تیار ہیں اور ہم اندر محصور۔ یہ جمود کیسے ٹوٹے گا؟" ویرا نے پوچھا۔

"تھوڑی دیر بعد ان کا صبر جواب دے جائے گا اور کچھ نہ کچھ ہوکر رہے گا" میں نے کہا "فی الحال مجھے یہ فکر لاحق ہوگئی ہے کہ اوّل خان اسٹیشن فور میں اندر کے حالات کی خبر سن کر گھر سے روانہ ہوچکا ہے اسے باہر کے خطرے کا علم نہیں ہے اور اس کی گاڑی میں وائرلیس بھی نہیں ہے۔"

"عارف کا خیال ہے کہ باہر نکل کر ان سے چھیڑ چھاڑ شروع کی جائے" ویرا مجھے بتانے لگی "ہوسکتا ہے کہ زیادہ دیر ہونے کے بعد وہ خاموشی سے لوٹ جائیں اور رات کی تاریکی میں زیادہ تیاری کے ساتھ یہاں حملہ آور ہوں۔ اسی وقت ان کی کمر توڑ دی جائے تو یہ دوبارہ ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کریں گے۔"

"وہ ہر قیمت پر جم کلارک کو نکال لینا چاہیں گے" میں نے اسے یاد دلایا "تم بھول رہی ہو کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں' شی جیسی طاقت ور تنظیم کا نیا سربراہ ہے۔ ایک بار مار کھا کر بھی وہ ہمت نہیں ہاریں گے۔ دوسری بلکہ تیسری کوشش بھی کرسکتے ہیں۔ ہاں' یہ فائدہ ضرور ہوسکتا ہے کہ ہم لوگ ایک بار باہر نکل جائیں تو ان سے چھیڑ چھاڑ کے ساتھ ہی اوّل خان کو راستے میں خطرے سے آگاہ کرسکتے ہیں۔"

میرے جواب سے عارف خوش ہوگیا "ابھی ابھی میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔"

"دو گاڑیوں میں کچھ آدمیوں کو پوری تیاری کے ساتھ باہر نکالو" میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد کہا۔

"انہیں زندہ پکڑنا ہے یا مجبوری ہو تو ہلاک بھی کیا جاسکتا ہے؟" عارف نے پوچھا۔

"پہلی صورت بہتر ہوگی لیکن ان کے فرار سے موت بہتر رہے گی" میں نے اٹل لہجے میں جواب دیا۔

"اور ہاں" ویرا اسے روک کر بولی "پوری تیاری کا مطلب لباس کی تبدیلی نہیں بلکہ ہتھیاروں اور فاضل میگزین کے ذخائر سے

ہے۔ جو جس لباس میں ہے' جلد از جلد اسی میں چل پڑے۔"
"میں سمجھتا ہوں مس!" وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور
ان کی طرف چل دیا۔
"اب ہم دونوں یہاں بیٹھ کر کیا کریں گے؟" میں نے ویرا کی
طرف دیکھ کر پوچھا۔
"انتظار اور باتیں" ویرا میرے شانے پر ہاتھ رکھ کے بولی۔
"مجھے یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں اپنے باپ سے محبت کرتی تھی لیکن
اس کے ناگہانی قتل کی خبر نے مجھے اندر سے خالی اور اداس کردیا
ہے۔"
"گھر چل کر اپنا غم غلط کرلینا" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے
کہا "بڑے کھیل میں نقصان بھی بڑا ہی ہوتا ہے۔ شاید جمی لائیڈ
نے سوچا ہوگا کہ وہ صدر کی کمزوری کا کوئی ناقابلِ تردید ثبوت
حاصل کرلے تو اس کے سہارے عمر بھر شی کا بے تاج بادشاہ بنا رہ
سکتا ہے۔ اقتدار کی جنگ میں جسے تخت نہیں ملتا پھر اس کا تختہ
ہوجاتا ہے۔"
"شاید تخت یا تختہ اسی کو کہتے ہیں" اس کی آواز میں اداسی تیر
رہی تھی "شاید میرے باپ کی موت میں جم کلارک کا کوئی قصور نہ
ہو لیکن میں اس سے شدید ترین نفرت میں مبتلا ہوتی جارہی ہوں۔
میری آرزو ہے کہ میں اپنے مقتول باپ کے جانشین کو اپنے ہاتھوں
سے ہلاک کروں اور پھر اس کی بگڑی ہوئی لاش امریکی قونصل خانے
کے آگے ڈلوادوں تاکہ وہ لوگ ایک بڑے باپ کی بیٹی کا وہ رنگین
تحفہ اپنے صدر کو بھیج سکیں۔"
"وہ ان کا نہیں، تمہارا بھی صدر ہے" میں نے اسے چھیڑا۔
"عزت سے اس کا نام لو۔"
"کرسی پر بیٹھنے کے بعد کوئی کسی کا نہیں ہوتا" ویرا تلخی سے
بولی۔
اسی وقت عارف نے آواز لگائی کہ اس کے آدمی تیار تھے۔
"میرا خیال ہے کہ میں بھی ان کے ساتھ جاؤں۔ موقع پر
موجود رہ کر میں ان کی کچھ رہنمائی بھی کرسکوں گا۔" میں نے عارف
کی طرف جاتے ہوئے کہا۔
"پھر میں اکیلی یہاں رہ کر کیا کروں گی.... میں دوسری گاڑی
میں بیٹھ جاؤں گی" وہ بھی میرے پیچھے ہولی۔
دونوں جیپیں روانگی کے لیے تیار تھیں۔ ہر جیپ میں ڈرائیور
سمیت تین نفوس تھے۔ میں اگلی جیپ میں سوار ہوگیا۔ وہ مکمل
آہنی باڈی والی بند اور محفوظ جیپیں تھیں۔ ڈرائیور کے برابر والے
شخص کے ہاتھ میں لمبے میگزین والی خود کار رائفل تھی۔ جو آناً فاناً
میں ہر طرف موت ہی موت پھیلا سکتی تھی۔ پچھلی سیٹ پر میرے
برابر میں بیٹھے ہوئے نیکر پوش کے پاس لمبی رینج کی رائفل تھی جس
سے کافی دور کا نشانہ لے کر فائر کیا جا سکتا تھا۔
"سر، سیٹ کے نیچے سے ایک کلاشنکوف آپ بھی لے لیں۔"
بنیان اور نیکر میں ملبوس رائفل بردار نے مجھے مشورہ دیا اور میں
نے بلاتوقف اس پر عمل کرڈالا۔ اس دوران میں ویرا دوسری جیپ
میں غائب ہوچکی تھی۔
دونوں گاڑیوں کے انجن بیدار ہوئے' پھاٹک کھولے اور ہیڈ
لیمپس روشن کیے بغیر ان کے رخ موڑے گئے پھر سب افراد دور
ہٹ گئے تاکہ پھاٹک کھلنے پر باہر سے انہیں نہ دیکھا جاسکے۔
پھاٹک تیزی سے کھولا گیا اور میری جیپ رینگتی ہوئی باہر نکل
گئی لیکن وہ فٹ پاتھ کا مختصر سا قطعہ عبور کرکے سڑک پر گھومنے
بھی نہ پائی تھی کہ آہنی چادر سے کسی ٹھوس چیز کے ٹکرانے کی
آواز آئی اور میں چوکنا ہوگیا۔ وہ یقیناً کوئی بے آواز گولی تھی جو
جیپ کی باڈی کے کسی حصے میں پیوست ہوئی تھی۔
گاڑی میں موجود تینوں آدمی تجربے کار تھے۔ انہوں نے
صورتِ حال کا اندازہ لگانے میں ذرا بھی دیر نہیں کی۔ ڈرائیور نے
یک بیک رفتار تیز کردی۔ میرے برابر والے نے اپنی رائفل کی
نال کا سرا کھڑکی سے باہر نکال کر سڑک کے پار والی گلی میں فائر کرنے
کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فضا کسی رائفل کے پُرہول فائر سے گونج اٹھی۔
پہلے فائر کی گونج ختم ہونے سے پہلے ہی یک وقت دو مزید فائر ہوئے
اور فضا ایک انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔
میرے برابر والے نے فائر کرنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ مجھے
خیال گزرا کہ وہ فائر شاید پیچھے والی جیپ سے کیے گئے تھے لیکن نیکر
والے نے میرا ذہن پڑھ لیا اور دھیرے سے بولا "چھت پر ہمارے
آدمی ٹیلی اسکوپ رائفلیں لیے بیٹھے ہیں اسی لیے دشمن کا ایک
آدمی مارا گیا ہے۔ وہ دونوں ہی غضب کے نشانے باز ہیں۔"
میں نے مڑ کر دیکھا تو سڑک خالی تھی۔ پھاٹک سے نکلنے کے
بعد ہماری جیپ بائیں طرف مڑی تھی جب کہ دوسری جیپ داہنی
طرف نکل گئی تھی۔ ان حالات میں وہی بہترین حکمتِ عملی تھی۔
فضا میں لرزہ خیز انسانی چیخ گونجنے کے بعد بس چند ثانیوں کے
لیے سناٹا چھایا رہا پھر کوئی خود کار رائفل تڑاتڑ کی مسلسل آوازوں
کے ساتھ آگ اگلنے لگی۔ اس طویل برسٹ کے درمیان وقفے
وقفے سے رائفل بھی چلتی رہی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ جم کلارک
کے ساتھ آنے والے جھلاہٹ کے عالم میں کلاشنکوف نما خود کار
رائفل کے ساتھ ہی بے آواز رائفل بھی استعمال کررہے تھے
جب کہ اسٹیشن فور کے نگہبان صرف دور مار رائفلوں کی مدد سے
انہیں مار لینے کی کوشش کررہے تھے۔
کچھ دور جانے کے بعد ڈرائیور نے اتنی تیز رفتاری سے یوٹرن
لیا کہ میں اپنا توازن کھو کر رائفل بردار پر لڑھک گیا۔ جیپ غراتی
ہوئی آگے بڑھی' اس کے ہیڈ لیمپس بجھادیے گئے اور خطرناک گلی
سے ذرا پہلے جیپ روک دی گئی۔ اس دوران میں رائفل بردار
کارتوسوں کی پیٹی کے ساتھ ایک تھیلا اپنے شانے پر ڈال چکا تھا۔
کلاشنکوف والے نے میگزین کا تھیلا پہلے ہی سنبھالا ہوا تھا۔ جیپ
رکتے ہی وہ دونوں دروازے کھول کر نیچے رینگ گئے۔ میرے لیے
گاڑی ہی میں بیٹھے رہنا محال تھا۔ میں بھی اپنی کلاشنکوف لے کر

نیچے اتر گیا۔

اس طویل سڑک کے بقیہ حصے کافی روشن تھے لیکن بلدیہ کی بے پروائی یا ایس ٹی ایف والوں کے کسی خاص بندوبست کی وجہ سے اسٹیشن فور کے قرب وجوار میں کوئی اسٹریٹ لائٹ روشن نہیں تھی۔

اس وقت تک دوسری جیپ کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید وہ لوگ اول خان کو راستے میں روک کر پوری طرح باخبر کرنے کے مشن پر نکل گئے تھے۔ میرے آگے جانے والوں میں سے ایک شخص ایک درخت کے تنے کی اوٹ میں بیٹھ چکا تھا لیکن دوسرا کسی چوپائے کی طرح جھک کر تیزی سے آگے چلا جا رہا تھا۔

اس درخت کے پاس پہنچ کر مجھے اس پوزیشن کی اہمیت کا اندازہ ہوا کیونکہ وہاں سے گلی میں کھڑی ہوئی لینڈ روور صاف نظر آرہی تھی۔ اس کی اوٹ میں ایک دو انسانی ہیولے بھی متحرک نظر آرہے تھے۔ میں الجھن میں پڑگیا کہ ہمارا آگے والا ساتھی کہاں جا رہا تھا لیکن پھر میں اپنا سر جھٹک کر رہ گیا۔

لینڈ روور کے قریب اس وقت سکون تھا۔ کلاشنکوف کے برسٹ کی آوازیں دوسری گلی سے آرہی تھیں۔ شاید مجرموں کی دوسری ٹولی اپنی سرمئی کار سمیت اسی گلی میں موجود تھی اور اپنا میگزین برباد کررہی تھی۔

"نہیں سر!" مجھے کلاشنکوف سیدھی کرتے دیکھ کر' تنے کی آڑ میں بیٹھے ہوئے نیکر پوش نے مجھے ٹوک دیا "ابھی ان کی ساری توجہ اسٹیشن فور پر مرکوز ہے.... وہ مجھے اچھی طرح نظر آرہے ہیں۔ میں ان میں سے کم از کم ایک کو ضرور مار لوں گا۔ مجھے رائفل سے پہل کرنے دیں پھر آپ بے شک پورا میگزین خالی کردیں۔"

اس کی بات معقول تھی۔ میں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان ہیولوں کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا جو لینڈ روور کی آڑ میں موجود تھے۔ ان میں سے ایک 'اگلے فینڈر پر رائفل کی لمبی نال ٹکائے' اسٹیشن فور کی چھت پر کسی کی شست لینے کی کوشش کررہا تھا' مجھ پر صورت حال واضح ہونے لگی۔ لینڈ روور والے بے آواز رائفل استعمال کررہے تھے جب کہ سرمئی کار والے خود کار رائفل چلا رہے تھے جب کہ اسٹیشن فور سے صرف رائفلوں کے فائر آرہے تھے۔

اس وقت تک دونوں جانب سے خاصا بارود جلایا جاچکا تھا لیکن قرب وجوار سے کسی نے باہر آنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ سڑک پر ٹریفک بھی یک لخت معدوم ہوگیا تھا۔ اس دھواں دھار فائرنگ کو لوگ غالباً مورچا بند گروہوں کی باہمی محاذ آرائی سمجھ کر خود کو اس اندھی لڑائی کا ایندھن بنانے سے گریز کررہے تھے۔

ٹھک کی گھٹی گھٹی آواز کے ساتھ ایک موہوم سا شعلہ' سفید لینڈ روور سے اسٹیشن فور کی طرف تیر گیا۔ ان کی رائفل کی نال پر چڑھے ہوئے سائلنسر نے فائر کی آواز کے ساتھ ہی بیشتر شعلے کو بھی نگل لیا تھا۔

فائر ہوتے ہی میرے ساتھی کو اپنے شکار کی صحیح پوزیشن کا اندازہ ہوگیا اور اس نے بھی گولی داغ دی اور فضا ایک بار پھر کربناک انسانی چیخ سے گونج اٹھی۔ چیخ ختم ہوتے ہوتے انگریزی میں کوئی بلند آہنگ گالی دی گئی اور مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس بار سی آئی اے کا کوئی امریکی ایجنٹ گولی کا شکار ہوا تھا۔

نیکر پوش نے اپنی رائفل دوبارہ لوڈ کر کے نال سیدھی ہی کی تھی کہ لینڈ روور ایک تیز جھٹکے سے آگے بڑھی اور پل بھر میں ہماری نگاہوں سے روپوش ہوگئی۔ میں نے لینڈ روور کی چھوڑی ہوئی جگہ کے رخ پر کلاشنکوف کا برسٹ مارا لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ میرا اندازہ تھا کہ ان کا کوئی ساتھی اگر وہاں موجود تھا تو وہ بھی کسی کونے کھدرے میں بھاگ نکلے تاکہ ہم اس گلی میں داخل ہو کر تفصیلی جائزہ لے سکیں۔

چند ثانیوں تک فریق ثانی کا کوئی ردّعمل سامنے نہیں آیا تو میرا ساتھی گلی کی طرف دوڑ پڑا۔ اس نے کسی تربیت یافتہ کمانڈو کی طرح رک رک کر' مختلف رکاوٹوں کی آڑ لیتے ہوئے اور پینترے بدل بدل کر اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ میں بھی اس کی تقلید کرتا رہا۔ آخر کار ہم گلی کے سرے پر پہنچ گئے۔ وہاں دور دور تک کسی متنفس کا پتا تھا نہ ہی لینڈ روور کا کوئی نام ونشان باقی تھا۔

ایک محاذ خاموش ہوچکا تھا لیکن دوسرے محاذ پر بہت تیزی آگئی تھی۔ دونوں طرف سے کلاشنکوفیں چل رہی تھیں لیکن ان کی آوازوں میں فرق تھا۔ اپنے آدمی کے ہتھیار کی آواز پہچان کر اسٹیشن فور کے نشانچیوں نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔ شاید انہیں خوف رہا ہو کہ کہیں وہ اپنے ہی ساتھی کو نقصان نہ پہنچا بیٹھیں۔

نیکر اور بنیان میں ملبوس شخص نے اپنی جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کی تو ہمیں مٹی میں تازہ خون کا ایک بڑا سا دھبا نظر آیا۔ غور سے دیکھنے پر پھیلی ہوئی مٹی میں بھی خون نظر آیا۔ وہاں نظر آنے والے خون کی مقدار کافی زیادہ تھی جس سے معلوم ہورہا تھا کہ گولی کی زد میں آنے والے کو شدید زخم آیا تھا جو جان لیوا بھی ثابت ہوسکتا تھا۔

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ میں نے لمحوں ہی لمحوں میں حساب لگایا کہ ہماری جیپ پر پہلا فائر بے آواز ہوا تھا۔ اس کے جواب میں اسٹیشن فور کی چھت پر نصب ٹیلی اسکوپک رائفلیں جاگ اٹھی تھیں اور انہوں نے ایک آدمی کو چاٹ لیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پہلے زخمی کا تعلق بھی لینڈ روور والوں سے تھا۔ بعد کا واقعہ میرا چشم دید تھا۔ اس حساب سے لینڈ روور کے کھڑے ہونے کے مقام کے آس پاس دو زخمیوں کے خون کے دو واضح دھبّے ہونے چاہییں تھے جب کہ وہاں ایک ہی دھبّا نظر آرہا تھا۔ اپنے ذہن کی پیدا کردہ اس گتھی کو سلجھانے کے لیے میں نے فرض کرلیا کہ دو میں سے ایک شخص کو معمولی زخم آیا ہوگا یا گولی اس کے جسم کے پچھلے حصے کو پھاڑ کر خون بہنے کا راستہ بنا کر گزرنے کے بجائے کسی ہڈی وغیرہ سے ٹکرا کر جسم ہی میں رہ گئی،

ہو گی۔

میرے ساتھی نے بہت پھرتی کے ساتھ وہاں کا جائزہ مکمل کیا اور ہم دونوں سڑک کی طرف دوڑ پڑے۔ مجھے یاد آیا کہ ادھر ہمارا صرف ایک آدمی تھا جب کہ دشمن کی تعداد ایک سے زیادہ تھی۔ بھرپور فائرنگ سے بھی یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ برابر والی گلی کے آس پاس کم از کم تین خود کار آتشیں ہتھیار استعمال کیے جا رہے تھے۔

ہم سڑک کے رخ پر تھے اس لیے ہمیں فوراً ہی اپنے تیسرے ساتھی کی پوزیشن کا اندازہ ہو گیا۔

میرے ساتھی نے چیخ کر کوئی کوڈ ادا کیا تاکہ اپنے ساتھی کو اس سمت میں اپنی موجودگی سے آگاہ کر سکے۔

ہم دونوں نے فٹ پاتھ پر پودوں کے گرد بنی ہوئی سیمنٹ کی جالیوں کے پیچھے مورچا بند ہو کر ہلکے ہلکے برسٹ مارنے شروع کر دیئے۔ رائفل شانے سے لٹکالی گئی تھی اور ہم دونوں باری باری ایک ہی کلاشنکوف استعمال کر رہے تھے۔ میرے ساتھی کے شانے پر موجود تھیلے میں کلاشنکوف کا ایک بھرا ہوا میگزین اور گولیوں کے کئی ڈبے موجود تھے۔ جب اس نے نیا میگزین چڑھایا تو میں نے فوراً ہی خالی میگزین کو بھرنا شروع کر دیا۔

ہماری طرف سے فائرنگ میں شدت اور تواتر پیدا ہونے کے چند منٹ بعد دوسری طرف سے ایک خود کار رائفل خاموش ہو گئی۔ مجھے خوش فہمی ہوئی کہ شاید وہ میگزین کی کمی کا شکار ہو چلے تھے لیکن چند ثانیوں بعد ہونے والے ایک بے آواز فائر نے میری طبیعت صاف کر دی۔ وہ گولی میرے چہرے سے چند انچ دور سیمنٹ کی جالی میں پیوست ہوئی تھی اور اس کے اُڑائے ہوئے ذرات براہِ راست میری آنکھوں میں آئے تھے۔ میں اضطراری طور پر سینے کے بل پختہ فٹ پاتھ پر گر گیا کیونکہ بیٹھے رہنے کی صورت میں اگلی گولی میری کھوپڑی بھی اڑا سکتی تھی۔

وہ میری خوش فہمی تھی کہ بے آواز رائفل صرف لینڈ روور والوں کے پاس تھی۔ سرمئی کار والے بھی ضروری ہتھیاروں سے لیس تھے۔ انہوں نے فائرنگ کے شعلوں کو مستقلاً ایک ہی جگہ سے نمودار ہوتے دیکھ کر میری اور میرے ساتھی کی کمین گاہ کا اندازہ لگالیا تھا اور ان میں سے ایک نے کلاشنکوف روک کر بے آواز رائفل سنبھال لی تھی۔

یقینی طور پر وہ صرف دو افراد تھے۔ تیسرا موجود ہوتا تو رائفل فائر کرنے کے لیے کلاشنکوف روکنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ میں نے فٹ پاتھ پر لیٹے ہی لیٹے اپنے ساتھی سے کلاشنکوف لی اور آگے رینگنے لگا۔

"یہیں رکیں سر!" میرا ساتھی غرایا "آگے خطرہ ہے' مارے جائیں گے۔"

میں اس پُرہول بچویشن میں بھی اس کی گفتگو کے تضاد پر دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ احتراماً وہ مجھے سر کہہ رہا تھا لیکن عملاً پھنکار رہا تھا۔ شاید وہی اس کا مزاج تھا کہ محاذ پر اپنے بڑے کی غلطی کو بھی برداشت کرنا اس کے اختیار سے یکسر باہر تھا۔

میں اس کی تادیب کی پروا کیے بغیر آگے رینگتا رہا۔ میری نگاہ زمین سے غیر معمولی حد تک ابھرے ہوئے مین ہول پر تھی۔ اس کی آڑ میں لیٹ کر میں بہت بہتر نشانہ لے سکتا تھا۔ میرے ساتھی نے اپنا غصہ رائفل پر نکالا اور میرے نہ رکنے پر نال سیدھی کر کے اندھادھند ایک فائر کر دیا۔

مجھے سرمئی کار کا عقبی حصہ صاف نظر آنے لگا۔ میں فٹ پاتھ سے رینگ کر ایسی جگہ پر آگیا تھا کہ مخالف سمت سے آنے والی گولیاں تڑاتڑ میرے اوپر سے گزر رہی تھیں۔ میں ذرا بھی سر اوپر اٹھاتا تو میری کھوپڑی میں بیک وقت کئی کھڑکیاں کھل سکتی تھیں۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ لوگ ایک ہی سمت میں فائرنگ نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ نال کو ایک مختصر سے زاویے پر گھماتے جا رہے تھے۔ بے آواز رائفل سے ایک نپا تُلا فائر ہونے کے بعد دوسری کلاشنکوف پھر چل پڑی۔

میں حفاظت سے ابھرے ہوئے مین ہول کے پیچھے پہنچ گیا۔ وہاں میں کسی خطرے کے بغیر اپنا سر کئی انچ اوپر اٹھا سکتا تھا۔ میں نے پہلو بدل کر سرمئی کار کا جائزہ لیا' اپنی کلاشنکوف کی نال سیدھی کی پھر جوں ہی ایک نال سے خارج ہونے والی گولیوں کے محدود شعلے تیرنے شروع ہوئے' میں نے اسی طرف ایک ہلکا سا برسٹ فائر کر دیا۔

فضا ایک دلدوز چیخ سے لرز گئی۔ حریفوں کے ہتھیار یک لخت خاموش ہو گئے' کسی وزنی وجود کے گرنے کی دھمک واضح طور پر سنائی دی۔ چند سیکنڈ تک ایس ٹی ایف والا اپنی دُھن میں فائر کرتا رہا پھر کسی بڑی تبدیلی کا ادراک کر کے اس نے بھی ہاتھ روک لیا۔ بھاری فائرنگ سے گونجتی ہوئی فضا میں اچانک ہی غیر فطری سا سناٹا چھا گیا۔

معاً سرمئی کار کی سرخ بریک لائٹس جلیں اور پھر بجھ گئیں۔ میری چھٹی حس نے نعرہ لگایا اور میں نے کسی بھی خطرے کی پروا کیے بغیر' زمین چھوڑ کر سرمئی کار کی طرف دوڑ لگا دی۔

اپنے ساتھی کے ناکارہ ہوتے ہی' زندہ و سلامت رہ جانے والے حریف نے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ شاید اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر بوکھلاہٹ میں اس کا پیر ایکسی لریٹر کے بجائے بریک پیڈل پر پڑ گیا اور کار کی عقبی روشنیاں جل اٹھیں۔ انجن سے پیر کے دباؤ کا جواب نہ ملنے پر اس نے اپنا پیر صحیح مقام پر منتقل کیا تو سرخ روشنیاں بجھ گئیں مگر میرے لیے اتنا ہی اشارہ کافی تھا۔

میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی سرمئی کار کے ٹائر چیخے اور وہ دھول اڑاتی ہوئی نہایت تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ میں نے اس پر اپنا پورا میگزین خالی کر دیا۔ لیکن اسے روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ میری چلائی ہوئی گولیاں کار کے عقبی ٹائروں کے بجائے صرف باڈی کو اُدھیڑ کر رہ گئیں مگر میں آگے دوڑتا ہی چلا گیا۔

وہاں خون میں نہائے ہوئے دو انسانی جسم بے سدھ پڑے ہوئے تھے اور دونوں ہی ... ی تھے یعنی غیر ملکی بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ان دونوں ... قریب گولیوں کے بے شمار خول، کئی میگزین، ایک سب مشین گن اور ایک سائلنسر چڑھی ہوئی ہیبت ناک رائفل پڑی ہوئی تھی۔

"سر! تم نے بہت بڑا خطرہ مول لیا" نیکر والا میرے سر پر پہنچ کر غصے سے کانپتی ہوئی آواز ... غرایا "تم کو کچھ ہو جاتا تو ہمارا صاحب ہماری بوٹیاں ادھیڑ ڈالتا۔ اس طرح تو بے وقوف جانور بھی گولیوں کی باڑھ میں نہیں گھستے۔ تم کو کیا ہوگیا تھا؟" اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ میرا گریبان ... تا۔ غصے میں وہ آپ سے تم پر اتر آیا تھا۔

"جو ہونا تھا وہ ہوگیا" میں نے اس کے غصے کا برا مانے بغیر کہا۔ "یہ دیکھو کہ ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی۔"

"نتیجہ نہیں، طریقہ دیکھا جاتا ہے... لڑنے کا طریقہ ٹھیک ہونا چاہیے، کامیابی خود بخود مل جاتی ہے..."

اس کی تقریر ادھوری رہ گئی۔ فضا میں ایک ہولناک تصادم کی آواز گونجی تھی۔

"سرمئی کار کسی گاڑی سے ٹکرائی ہے۔" کلاشنکوف والا دور ہی سے چلایا۔

اس گلی میں کافی فاصلے پر دو گاڑیاں بری طرح ایک دوسرے میں الجھی ہوئی تھیں۔

نیکر والے نے اپنے داہنے ہاتھ کی دو انگلیاں زبان کے نیچے ڈال کر زور سے سیٹی بجائی۔ آناً فاناً میں ہمارا ڈرائیور جیپ لے آیا اور ہم تینوں پرانی ترتیب سے اس میں سوار ہوگئے۔

"سیدھے چلو... دشمن کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔" نیکر والا اضطراری لہجے میں بولا۔

جیپ حرکت میں آگئی۔ دوڑ لگانے کے لیے وہ فاصلہ بہت زیادہ تھا لیکن جیپ جیسے مشینی درندے کے لیے وہی فاصلہ لمحوں کی مار پر تھا۔ دونوں گاڑیوں کے خد و خال واضح ہوتے ہی سب تحیر زدہ آوازوں میں چیخ پڑے۔

وہ ہمارے ساتھ اسٹیشن فور سے نکلنے والی دوسری جیپ تھی جو سرمئی کار سے ٹکرائی تھی۔

پھر ہمیں شناسا چہرے بھی نظر آنے لگے۔ وہ تعداد میں چار تھے۔ ویرا اور اوّل خان کے علاوہ دو ایس ٹی ایف کے کارکن تھے۔ وہ چاروں تباہ شدہ سرمئی کار کے جام دروازے کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میرے وجود میں موت کی سی ایک سرد لہر سرایت کرگئی۔ دوسری جیپ میں بھی فورس کے تین ارکان سوار تھے۔ دو نظر آرہے تھے۔ تیسرا غائب تھا۔ شاید وہ اس حادثے کی بھینٹ چڑھ گیا تھا۔

جیپ رکنے سے پہلے ہی ہم تینوں غیر مسلح حالت میں نیچے کود گئے۔ ان لوگوں نے ہمیں خوشگوار حیرت سے دیکھا تھا۔

"معین الدین کہاں ہے سر؟" نیکر والے نے کسی تمہید کے بغیر، جذبات سے مغلوب آواز میں اوّل خان سے پوچھا۔ شاید وہ بھی وہی کچھ سوچ رہا تھا جو میرے ذہن میں آیا تھا۔

"فکر مت کرو" اوّل خان نے اس کی پشت پر تھپکی دے کر کہا "وہ میری گاڑی لے کر گھر گیا ہے... تم لوگوں کی کیا رپورٹ ہے؟ مقابلہ کیسا چل رہا ہے؟ کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟"

وہ رپورٹنگ میں مصروف تھے، میں سرمئی کار کا جائزہ لینے لگا۔ وہ اس تصادم میں بری طرح تباہ ہوئی تھی۔ جیپ بالکل سامنے سے اس سے ٹکرائی تھی جس کے نتیجے میں کار کا پورا انجن جیپ کے نیچے جا گھسا تھا۔ ونڈ شیلڈ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی تھی۔ شیشے کے بے شمار ٹکڑوں نے تیز چھریوں کی طرح کار ڈرائیور کے پورے چہرے کو ادھیڑ ڈالا تھا۔ اس کے چہرے سے بہنے والا خون اس کے لباس کو رنگین بنا رہا تھا۔ اسٹیئرنگ پچک کر اس کے سینے میں جا گھسا تھا۔ اسٹیئرنگ اور پشت گاہ کے درمیان دبنے سے شاید اس کی پسلیاں بھی ٹوٹ گئی تھیں۔ اس کا جسم بالکل ساکت تھا۔ دونوں بے جان ہاتھ پہلوؤں میں جھول رہے تھے، گردن ایک طرف ڈھلک چکی تھی۔

وہ موت سے بچ کر بھاگا لیکن اسے بھیانک تر موت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کا پورا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ بس گردن کی کچھ جلد اصل رنگ میں نظر آرہی تھی جس سے اس کے مقامی ہونے کا اندازہ ہو رہا تھا۔ جم کلارک کی مہم جوئی کے نتیجے میں تینوں مقامی دردناک موت سے دوچار ہوئے تھے، دونوں سفید فام بچ نکلے تھے۔ سب کچھ سامنے آجانے کے بعد مجھے اتنا اطمینان تھا کہ نیکر پوش نے ان میں سے ایک کو ہلاک یا بری طرح زخمی کردیا تھا۔ اسی وجہ سے دوسرا سفید فام اپنے مردہ یا زخمی ساتھی کو لے کر فرار ہونے پر مجبور ہوگیا تھا۔

"یہ اتفاقی حادثہ نہیں ہے" اوّل خان نے میرے قریب آکر نرمی سے کہا "ہم دانستہ اس گلی سے داخل ہوئے تھے۔ اس کی رفتار دیکھ کر ہی اسے ڈر دیے گئے لیکن یہ سائیڈ دبا کر نکلنے کے چکر میں تھا۔ مجبوراً مجھے جیپ سامنے لانی پڑ گئی۔ غنیمت ہے کہ ہم میں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا کیونکہ ... اپنے زور میں نیچے جا گھسی اور میں پوری طاقت سے بریک لگا چکا تھا۔"

"وہ دیوانگی تھی تمہاری!" ویرا اپنے دونوں رخساروں پر ہتھیلیاں رکھ کے بولی "میری تو چیخ نکل گئی تھی۔"

"بعض فیصلے ایسے بھی ہوتے ہیں" اوّل خان مسکرا کے بولا "خطرناک مگر ناگزیر... ایسے مواقع پر کچھ نہیں، بس نیت اور مقصد کی لگن کامیابی کا سبب بنتی ہے، ... کچھ دھرا ... جاتا ہے۔"

"اپنے صاحب کے خیالات سن رہے ہو؟" میں نے اپنے نیکر پوش ساتھی سے کہا۔ وہ میرے ... ہی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے خاموشی سے اپنا سر جھکا لیا۔

"کیا بات ہے؟" اوّل خان نے سنجیدہ اور تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں، ہماری آپس کی بات ہے۔" میں نے اس سے زیادہ سنجیدگی سے کہا۔

"سب واپس چلو" اوّل خان نے ہماری جیپ کی طرف اشارہ کر کے اونچی آواز میں کہا "خداداد یہاں رکے گا" یہ کہہ کر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا "میں بات ادھوری نہیں چھوڑتا..... جب کامیابی کے متبادل راستے سامنے ہوں تو جان بوجھ کر خطرہ مول لینا حماقت کے مترادف ہوتا ہے۔ یہ غیر پیشہ ور لوگوں کی مہم جوئی بن جاتی ہے۔ موت یا کامیابی' دونوں کے امکانات برابر ہوتے ہیں۔ جب کامیابی کی کوئی راہ نظر نہ آئے تو ہر فیصلہ جائز ہوتا ہے.... میں تمہاری آپس کی باتوں میں دخل نہیں دیتا لیکن اس جنگی اصول کو ہمیشہ یاد رکھنا۔"

سب لوگ جیپ میں سوار ہو چکے تھے۔ نیکر پوش مستعدی سے تباہ شدہ گاڑیوں کے قریب کھڑا ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ خداداد اسی کا نام تھا۔

جیپ خاصی کشادہ تھی۔ اس میں سات آدمی بہت آسانی سے سما گئے پھر یہ کارواں اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس گلی سے سڑک پر جاتے ہوئے میں یہ دیکھ کر لرز اٹھا کہ ایک آوارہ کتا سی آئی اے کے مقامی مددگاروں کی بے گوروکفن لاشوں کو سونگھ رہا تھا۔ وہ غدار تھے ان کا انجام بھی یہی ہونا تھا۔

چند ثانیوں بعد ہم اسٹیشن فور میں پہنچے تو وہاں ہر شخص تجسس اور سنسنی میں مبتلا تھا۔

"تھوڈ یتھر' نوانجری..... پر لیکٹ وکٹری" اول خان نے اپنے گرد جمع ہوتے ہوئے چہروں کی تحریریں پڑھ کر اپنے مخصوص لب ولہجے میں کہا۔ شاید وہ روایتی قسم کا کوئی انداز تھا کیونکہ اوّل خان کے خاموش ہوتے ہی سب لوگوں کے چہرے دمک اٹھے اور انہوں نے دبے دبے جوش کے ساتھ فضا میں مکے اچھال کر "ہے" کا اجتماعی نعرہ لگایا۔ ان کی آوازیں زیادہ بلند نہیں تھیں لیکن ان آوازوں میں اتنا ولولہ موج زن تھا کہ زمین دہل اٹھی۔

"دو آدمی مکمل آؤٹ فٹ میں خداداد کی جگہ پوزیشن لیں گے' اسے واپس لے آؤ" اوّل خان نے کسی خاص آدمی کو مخاطب کیے بغیر ہدایت جاری کی اور عارف "یس سر!" کہہ کر اس کے سامنے آگیا۔

"مزید دو مسلح آدمی لاشوں پر جائیں۔ اسپیشل برانچ کے آدمیوں کے پہنچتے ہی چاروں کو واپس لوٹ آنا ہے" اوّل خان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید ہدایات دیں۔

"صرف چار آدمی!" میں نے اس کے کان کے نیچے حیرت سے سرگوشی کی "اگر لوگ گھروں سے نکل پڑے تو یہ لوگ کیا کر سکیں گے؟"

"آؤ!" اوّل خان مجھے برآمدے کی طرف بڑھاتا لے گیا۔ پھر اپنے آدمیوں سے دور پہنچ کر بولا "اوّل تو یہ علاقہ بہت کم آباد ہے۔ جو بڑے بڑے گھر آباد ہیں ان میں نفری بہت کم ہے۔ ابھی تو فائرنگ کی دہشت ہی لوگوں کو گھر سے نہیں نکلنے دے گی۔ تین لاشوں کی خبر پھیل گئی تو دور دور تک کسی آدمی کا سایہ بھی نظر نہیں آئے گا۔ بھیڑ بھاڑ' تبصرے اور تماشے میدان صاف ہونے کے بعد ہوتے ہیں۔ اجالا پھیلنے سے پہلے وہاں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔"

"میں بلاوجہ ہی دوسری جیپ میں چلی گئی۔ تم لوگوں نے بہت

ہیجان خیز وقت گزارا ہوگا" ویرا متاسفانہ لہجے میں بولی۔ وہ ہم دونوں کے پیچھے لگی ہوئی تھی اور ساری باتیں سن رہی تھی۔

"ویرا نے مجھے بہت کچھ بتایا ہے" اوّل خان ہم دونوں کو اپنے دفتر کی طرف لے جاتے ہوئے بولا "یہاں کی رپورٹ مجھے خداداد سے مل چکی ہے۔ اگر جم کلارک تم لوگوں سے بلف نہیں کر رہا تھا تو ہمیں پریشانیاں لاحق ہو سکتی ہیں۔ بہتر یہی ہوگا کہ ہم خاموشی سے اس عمارت کو خالی کر کے کہیں اور منتقل ہو جائیں۔"

"وہ کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ میرے لیے اس کی تشویش ناقابلِ فہم تھی۔

"تم ان معاملات کو نہیں جانتے۔ جم کلارک امریکیوں کے لیے وی آئی پی ہے۔ اسے اس عمارت میں لاتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ پھر تصادم میں سی آئی اے کے تین مقامی ایجنٹ مارے گئے ہیں۔ دو گورے ایجنٹوں کو بھاگنا پڑا ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ ان میں سے بھی ایک ہلاک یا زخمی ہوا ہے۔ امریکی قونصل خانہ حکومت کو نیچے سے اوپر تک ہلا کر رکھ دے گا۔"

"لیکن ان لوگوں کے جرائم بھی تو سنگین ہیں۔ تم سے کام لینے والے تمہارا دفاع نہیں کریں گے؟"

اوّل خان تلخی سے ہنس دیا "ہماری ملازمت کی بنیادی شرط یہی ہے کہ ہمیں اپنا دفاع خود کرنا ہوتا ہے۔ ہمیں کسی قانون کا کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے۔ ہم لاکھ کہتے رہیں کہ جم کلارک ہیروئن فروشوں کی تنظیم 'شی' کا سربراہ ہے۔ مرنے والے تینوں آدمی سی آئی اے کے ایجنٹ تھے' شکایت کرنے والے امریکی خود سی آئی اے کے ایجنٹ ہیں' کون یقین کرے گا؟ ہم ثبوت کہاں سے لائیں گے۔ بالفرضِ محال ہمارے پاس سارے ثبوت موجود ہوں تب بھی واقعات کو ان کے اصل روپ میں تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ ہماری وجہ سے حکومت پر ریاستی دہشت گردی کا الزام لادیا جائے گا۔ مقابلے کو جعلی قرار دے کر یہ تاویل پیش کی جائے گی کہ انتظامیہ کا کام صرف اتنا ہے کہ ملزموں کو ثبوت کے ساتھ عدالت میں پیش کرے۔ انہیں بری کرنا یا مجرم قرار دے کر سزا سنانا عدالت کا کام ہے۔ یہ بہت خطرناک گورکھ دھندا ہے۔ مجھ سے ذرا سی چوک ہو گئی تو کل کو اوّل خان کو قاتل قرار دے کر سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔ قوانین کتابوں میں سوتے رہیں تو بہت آسان اور بے ضرر لگتے ہیں۔ ایک بار کسی کے خلاف حرکت میں آجائیں تو آدمی دوسروں کے لیے عبرت کا سامان بن جاتا ہے۔"

اپنے دفتر میں پہنچ کر وہ مضمحل انداز میں اپنی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ ہم دونوں اس کے سامنے پڑی ہوئی آرام دہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مجھے اچھی طرح علم تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس والے ہر قانون سے ماورا ہو کر ملکی مفاد کے لیے اپنے ضمیر کے مطابق کام کرتے ہیں۔ حساس' پُرپیچ اور تباہ کن معاملات میں سرعت سے پیش رفت کر کے طے شدہ ہدف حاصل کرنے کے مقصد ہی کے لیے وہ فورس تیار کی گئی تھی لیکن اپنے ہی ملک میں وہ محب وطن لوگ

اتنے مجبور اور بے آسرا ہوں گے' اس بات کا مجھے قطعی کوئی اندازہ نہیں تھا۔

"اگر تمہاری باتیں درست مان لی جائیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس عمارت سے کہیں اور منتقل ہو کر تم محفوظ و مامون ہو جاؤ؟ یہاں والے ہر وقت اور ہر جگہ تمہارا کھوج لگا سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"تم بات نہیں سمجھ رہے" وہ مجھے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا "یہاں والے ہمارے معاون اور مددگار ہیں لیکن ان کی اپنی مجبوریاں ہیں۔ وہ اپنی ساکھ اور عزت کو بچاتے ہوئے ہمارا پورا پورا ساتھ دیں گے' ان کی ساکھ یا عزت کو کوئی خطرہ لاحق ہوگا تو آنکھ بند کر کے ہماری گردنیں کٹوا دیں گے۔"

"شاید تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ امریکیوں کی طرف سے سفارتی سطح پر شکایت کی گئی تو انتظامیہ اس عمارت کی تلاشی لینے پر مجبور ہو جائے گی؟" چند ثانیوں کے غور کے بعد بات میری سمجھ میں آنے لگی۔

"شاید نہیں بلکہ میں یقیناً یہی کہہ رہا ہوں۔ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہے اور یہاں دھاوا بول دیا گیا تو رنگے ہاتھوں پکڑے جائیں گے اور کوئی ہماری مدد کو نہیں آسکے گا" اپنی بے بضاعتی پر اوّل خان جھلّانے لگا۔

"یہاں والے مدد کرنی چاہیں تو رپورٹ دے سکتے ہیں کہ اس عمارت کے مکین شکوک و شبہات سے بالاتر ہیں۔"

"پھر تم امریکیوں کو نہیں جانتے" اس نے دکھ بھری آواز میں کہا "کسی امریکی شہری کے مفاد کا معاملہ درپیش ہو تو سفارتی افسران ہر مرحلے پر اپنے مبصروں کی شمولیت ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ کسی بھی ایسے اجلاس' تفتیش یا چھاپے کی کارروائی کو تسلیم نہیں کرتے جس میں ان کے مبصر شامل نہ رہے ہوں۔ جم کلارک کی تلاش کے لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے۔ تم لکھ کر رکھ لو کہ صبح ہونے تک اس عمارت کو کھنگالا جا رہا ہوگا۔"

"لیکن یہاں سے کہیں اور منتقل ہو کر تم لوگ کیسے بچ سکو گے؟" ان انکشافات پر ویرا بھی حیران تھی۔

"وہ آئیں گے تو یہاں میدان صاف ہوگا۔ ہمارے ہمدرد حکام بظاہر پوری سرگرمی سے ان دہشت گردوں کو تلاش کرتے رہیں گے جن پر جم کلارک کے اغوا کا شبہ ظاہر کیا گیا ہوگا۔ کچھ عرصے تک یہ چھان بین زور و شور سے چلتی رہے گی پھر رفتہ رفتہ فائلوں میں دفن ہو کر رہ جائے گی" اوّل خان کو کھل کر وضاحت کرنی پڑ گئی۔

"لیکن یہ مکان آباد ہے۔ قرب و جوار کے لوگ تمہارے بارے میں جانتے ہیں..."

اوّل خان نے ویرا کی بات کاٹ دی "مجھے پوری بات بتانی پڑے گی۔۔۔ کاش تم دونوں کل صبح آ کر اس عمارت کو دیکھ سکو۔ ہر چیز دھول مٹی میں اس طرح اٹی ہوئی ملے گی جیسے مہینوں سے یہاں کسی انسان کا قدم نہ آیا ہو۔ رہی بات اس علاقے کے مکینوں کی تو وہ ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ ہم وردیاں بہت کم استعمال

کرتے ہیں، گاڑیوں پر عام نمبر پلیٹیں ہیں، فورس کا نام لیا ہی نہیں جاتا، ہمارا اسٹاف لوگوں سے بالکل نہیں ملتا۔ لوگ ہمیں پیرا ملٹری فورس اور نجی سیکیورٹی سے لے کر ڈکیت اور تاوان خور تک سمجھتے ہیں۔ علاقے کے تھانے کو کئی بار ہماری بھاری اور مشتبہ نقل وحرکت کی طرف متوجہ کیا جا چکا ہے۔ ہمارے بارے میں جب کوئی کچھ جانتا ہی نہیں تو بتائے گا کیا؟ بتائے گا تو ثبوت کہاں سے لائے گا۔ یہاں فرش، فرنیچر اور قالینوں پر جمی ہوئی گرد کی تہیں ہر ایک کو جھوٹا ثابت کردیں گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے پاس وقت کم اور کام بہت زیادہ ہے" میں نے کہا "شاید تم جم کلارک سے باز پرس بھی نہیں کرسکو گے۔ تمہاری منتقلی کی صورت میں اس مردود کا کیا بنے گا؟"

"اسے بعد میں دیکھ لیں گے۔ وہ ہمارے ساتھ جائے گا" اوّل خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔

"اور تم کہاں جاؤ گے؟" میں نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"شہر سے بالکل ہی الگ تھلگ ویرانہ ہے۔ سپر ہائی وے پر سراب گوٹھ سے آگے ایک متروک فائرنگ رینج اور اس سے ملحقہ نیم بوسیدہ بیرکیں مدت سے خالی پڑی ہیں۔ انہیں آباد کرنے کا ارادہ ہے۔ وہاں ہم کسی کی نظروں میں آئے بغیر دو چار سال گزار سکیں گے۔"

اوّل خان کا آدمی چائے لے آیا جس کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے اوّل خان سے فوری خیال کے تحت پوچھا "تمہیں جمی لائیڈ کے قتل کے بارے میں تو معلوم ہو چکا ہوگا؟"

"ہاں، ویرا نے بتادیا تھا اور میں اس سے دلی تعزیت بھی کرچکا ہوں۔"

ویرا اچانک ہی ہنس پڑی۔ ہم دونوں حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے۔ ذکر اس کے اکلوتے باپ کے قتل کا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ ایسے مواقع پر وہ ہمیشہ ہی ناقابل فہم ہو کر رہ جاتی تھی۔

"میں ہمیشہ تعزیت اور عیادت میں گڑبڑا جاتی ہوں" وہ خود ہی اپنی ہنسی کی وضاحت کرنے لگی "لاکھ کوشش کے باوجود یاد نہیں رہتا کہ بیماروں کے لیے کیا ہوتا ہے اور مرنے والوں سے کیا کہا جاتا ہے۔"

اوّل خان زیرلب کچھ بڑبڑاتا ہوا فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے چائے کی پیالی اٹھالی۔

ایس ٹی ایف والے نہایت سکون سے عرصۂ دراز سے اس عمارت کو آباد کیے ہوئے تھے اور شہر کے تقریباً وسط میں رہ کر اپنی تمام کارروائیاں کر رہے تھے لیکن ناگہانی طور پر جم کلارک کے سامنے آنے اور اسے اسٹیشن فور لائے جانے کے نتیجے میں وہ لوگ سخت مشکلات سے دوچار ہو گئے تھے لیکن یہ ایک کھلی حقیقت تھی کہ جم کلارک کے مشن کی تباہی میں میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں تھا۔ اس کی بدترین ناکامی سے ان ہی مقاصد کو تقویت ملتی تھی جن کی سربلندی کے لیے ایس ٹی ایف والے دن رات کوشاں رہتے تھے۔

اوّل خان نے امریکی سفارت کاروں کے طریقۂ کار کے بارے میں جو کچھ کہا، وہ پرانی اور مسلمہ باتوں کے مربوط اظہار سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ سب سامنے کی باتیں تھیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ میں نے واقعات کی ان کڑیوں کو کبھی بھی یک جا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی جب کہ اوّل خان نے تمام حالات اور واقعات کو ایک لڑی میں پرو کر امریکیوں کے طریقۂ واردات کے بارے میں ایک واضح تصویر بنالی تھی۔

چائے نوشی کے دوران میں مجھے یہاں تک یاد آگیا کہ امریکی اپنے شہریوں کے بیرون ملک مفادات کے معاملے میں اتنے سرگرم، حساس اور فعال تھے کہ مقامی تحقیق و تفتیش پر اعتبار نہ کرتے ہوئے، کئی ممالک میں اپنی ٹیموں کے ذریعے مجرموں کی تلاش کا کام سرانجام دے چکے تھے اور مقامی انتظامیہ کی کسی بھی جانب داری کی صورت میں وہ جم کلارک کی تلاش کے لیے امریکا سے اپنے ماہرین کو طلب کرسکتے تھے۔

اوّل خان نے کئی فون کیے۔ وہ سامنے والی گلی میں موجود تین لاشوں اور دو تباہ حال گاڑیوں کے علاوہ اسٹیشن فور کی منتقلی کے انتظامات کے بارے میں بھی فکرمند تھا۔ اس نے اپنے کسی اعلیٰ افسر کو ان تمام ممکنہ خطرات سے آگاہ کردیا جو ان لوگوں کے وہیں جمے رہنے کی صورت میں ظہور میں آسکتے تھے۔ وہ سب سامنے کی

باتیں تھیں اس لیے اوّل خان کو غیر معمولی جرح کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور اسے اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی اجازت مل گئی۔

مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ سی آئی اے کے ایجنٹ مار کھانے کے بعد فوری طور پر کوئی جوابی کارروائی نہیں کر سکیں گے۔ وہ محاذ پر اپنے مقامی مددگاروں سے بالکل ہی کٹے ہوئے تھے اور دونوں حلیفوں کو ایک دوسرے کے انجام کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ ہمارے بدترین دباؤ کے نتیجے میں ان دونوں امریکیوں نے سب سے پہلے راہِ فرار اختیار کی تھی۔ منطقی طور پر یہ امید کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد اپنے مقامی نمک خواروں کی رپورٹ کا انتظار کریں اور ایک معقول وقفے کے بعد ہی ان کی ناکامی، قید یا موت کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکیں گے۔

مکمل اور دندان شکن ناکامی کا اندازہ لگانے کے بعد ہی قونصل خانے سے رجوع کرتے۔ انہیں اپنا ہم نوا بنانے کے بعد ہی وہ مقامی انتظامیہ کو اپنی شکایات سے باخبر کر سکتے تھے۔

امن وامان اور شہریوں کی شکایات کے بارے میں مقامی انتظامیہ کتنی فعال اور مستعد تھی، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ جو لوگ دفتری اوقات کار میں بھی شہریوں کے مسائل کو التوا میں ڈال کر اپنے نجی اور خانگی معاملات کو سرکاری وسائل کی مدد سے طے کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہوں، ان سے توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنی گہری نیند میں خلل انداز ہونے والوں کے ساتھ کوئی مفاہمانہ رویہ اختیار کریں گے۔ امریکی قونصل خانے کے اہل کار اپنی شکایت کسی بھی رتبے کے مرکزی یا صوبائی بیوروکریٹ کو ریکارڈ کراتے، اس پر عمل درآمد کا انحصار مقامی ڈپٹی کمشنر اور ڈی آئی جی پر ہی ہوتا۔ کسی بھی سیکریٹری کی سطح سے اپنے سفر کی ابتدا کرنے والی شکایت، آناً فاناً میں ان عہدے داروں تک نہیں پہنچ سکتی تھی کیوں کہ بیشتر اعلیٰ عہدے دار نچلے درجے کے سرکاری ملازمین اور اپنے ماتحتوں سے براہِ راست ہم کلامی کو اپنے شرف واعزاز کی کھلی توہین تصور کرتے ہیں۔ یوں مراتب و مناصب کی سیڑھیوں سے مرحلہ وار سفر کرنے کے بعد وہ سفارتی شکایت، عملی کارروائی کے ذمے داروں تک پہنچنے میں پوری رات بھی لے سکتی تھی۔ اس طرح اوّل خان کے پاس کافی وقت نظر آرہا تھا۔ وہ لوگ نہایت اطمینان کے ساتھ اپنا ٹھکانا تبدیل کرنے کا عمل سرانجام دے سکتے تھے۔

"اس وقت جم کلارک سمیت تین قیدی ہیں" اوّل خان نے فون سے فارغ ہونے کے بعد ہمیں آگاہ کیا "ایک وہی ہے جو سلطان شاہ کے اغوا میں شریک تھا۔ دوسرا اس کا ایک معاون ہے۔ اس نے تھوڑے سے تشدد کے بعد ہی اپنے معاون کا نام اگل دیا تھا۔ سب سے پہلے ان قیدیوں کو یہاں سے ہٹانے کا ارادہ ہے۔"

"تم لوگ ناقص اور ردی چیزوں کو بھی ضرورت سے زیادہ عزیز رکھتے ہو" ویرا نے استہزائیہ انداز میں کہا "کاٹھ کباڑ کو لادنے اور لے جانے پر اس کی اصل مالیت سے کہیں زیادہ رقم برباد کردیتے ہو اور آخر میں اسے کوڑے دان پر ہی پھینکنا پڑتا ہے۔ امریکا وغیرہ میں لوگ نقل مکانی کرتے ہیں تو سب سے پہلے ناکارہ اور ردی اشیا کو ضائع کرتے ہیں تاکہ اخراجات اور جگہ کی بچت ہو۔ اس وقت امریکی انداز تمہارے لیے بہت مناسب رہے گا۔"

"یہاں سازوسامان ہی کیا ہے؟" اوّل خان نے قدرے حیرت سے کہا "کوئی بھی چیز ضرورت سے زیادہ نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نقل و حمل کے لیے ٹرک اور سامان اتارنے چڑھانے کے لیے آدمی بھی ہمارے ہوں گے۔ ہمارے لیے وقت کا مسئلہ ہے اور نہ اخراجات کا.... پتا نہیں تم کیا شوشے چھوڑ رہی ہو۔"

"میں جم کلارک کی بات کر رہی تھی" اپنے استہزا کے رائگاں جانے پر ویرا قدرے جھلا کر بولی "تم اسے اپنے گلے کا ڈھول کیوں بنانا چاہتے ہو.... تم لوگوں کی نگاہ میں اس کا کیا مصرف ہے؟"

"ہائیں.... وہ اتنا اہم قیدی ہے اور تم اس کا مصرف پوچھ رہی ہو" اوّل خان بولا۔

"وہ امریکیوں کے لیے اہم ہو سکتا ہے.... تمہارے نزدیک اس کی کیا اہمیت ہے؟"

اوّل خان بغلیں جھانکنے لگا۔ میرے پاس بھی ویرا کے سوال کا جواب نہیں تھا۔ بعض اوقات وہ اتنی دوٹوک اور جارحانہ باتوں پر اتر آتی تھی کہ اپنے مخاطب کو کڑے امتحان میں ڈال دیتی تھی۔

"کھل کر بات کرو۔ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" میں نے اپنی خفت کو خفگی میں چھپاتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ جم کلارک کو کسی مرحلے پر بینڈ باجے کے ساتھ امریکیوں کے حوالے کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو بلاشبہ اسے اپنے ساتھ لیے پھرتے رہو۔ وہ مرجائے تو اس کی ممی بنوا کر محفوظ کرلو اور تابوت اٹھائے بھاگتے رہو لیکن مجھے اس بے وقوفی کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ اسے زندہ رکھ کر ہم کوئی بھی مقصد حاصل نہیں کر سکیں گے۔ شی کے بارے میں جو کچھ وہ اگلے گا، اس سے کہیں زیادہ اہم باتیں میں تم کو بتا چکی ہوں۔ آخر کار تمہیں اس کو ہلاک ہی کرنا ہوگا۔"

وہ بول رہی تھی اور میں ساتھ ہی ساتھ اس کے ایک ایک لفظ کا تجزیہ کرتا جارہا تھا۔ اس کی باتوں میں وزن تھا۔ امریکیوں کے لیے جم کلارک بہت اہم تھا لیکن ہمارے لیے وہ صرف بوجھ ہی تھا۔ میں نے اس کے دلائل سے تجاہلِ عارفانہ برتتے ہوئے نرمی سے کہا "مجھے تمہارے جذبات کا پورا پورا پاس ہے۔ وہ تمہاری ... کے نتیجے میں ابھر کر سامنے آیا ہے۔ تمہیں اس سے نفرت ہونی چاہیے۔ کھل کر بتاؤ کہ تم اس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہو۔"

وہ بھڑک کر اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی ہوگئی اور زہریلی آواز

گئی میری یتیمی... میرا باپ زندہ تھا تو کون سا مجھے
بھاڑ میں۔ میں تمہارے فائدے کی بات کر رہی ہوں
زیاں سوچ رہا تھا.... میری بات لکھ لو کہ آج نہیں
تم میری ہی نیت پر شبہ کر رہے ہو۔ میری بات لکھ لو کہ آج نہیں
چند روز بعد تم جم کلارک کو ختم کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ جب
تک یہ زندہ ہے' امریکی سفارت کار اس کی بازیابی کے لیے سر دھڑ
کی بازی لگائے رہیں گے۔ اس کی لاش مل جانے کے بعد ان کے
سارے بان ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔"

"اوہ' میں اب سمجھا" اوّل خان ایک گہرا سانس لے کر بولا۔
"تم چاہتی ہو کہ جم کلارک کو ایک فالتو بوجھ کی طرح ڈھونے کے
بجائے فوراً ختم کر دیا جائے۔ تمہاری بات قابلِ فہم ہے۔ اگر ڈینی کو
کوئی اعتراض نہ ہو تو اسی وقت ایک گولی جم کلارک کے نام کی
جا سکتی ہے۔ اس کی لاش امریکی قونصل خانے کے قرب و جوار میں
ڈال دی جائے گی۔"

"تم اپنی منتقلی شروع کرو۔ ہم اسے دیکھتے ہیں" میں نے
پُرخیال آواز میں کہا۔

اوّل خان نے اپنا ایک آدمی ہمارے حوالے کیا اور ہم سب
ایک ساتھ ہی اس کے دفتر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اوّل خان
ہنگامی ہجرت کے انتظامات کرنے کے لیے باہر کی طرف چل دیا۔ ہم
دونوں اس کے آدمی کے ساتھ مکان کے اندرونی حصے کی طرف چل
دیے جہاں جم کلارک کو رکھا گیا تھا۔

جم کلارک کے ہاتھ پیر باندھے گئے تو وہ مکمل بے ہوشی کے
عالم میں تھا لیکن اسے پوری طرح بے دست و پا کرنے کے باوجود
اس کمرے کو مقفل کر دیا گیا تھا جس میں اسے ڈالا گیا تھا۔

شاید دروازے کے ہفصی قفل میں چابی کے دخول اور پھر
گھومنے کی آوازوں نے اسے چوکنا کر دیا تھا کیونکہ جب ہم اس بے
سروسامان کمرے میں داخل ہوئے تو جم کلارک انتہائی غضب ناک
انداز میں فرش پر لڑھک رہا تھا۔ ہم تینوں اس کمرے میں داخل
ہوئے تو جم کلارک ایک دیو پیکر جنگلر کی طرح اس کمرے کی آخری
دیوار سے لڑھکتا ہوا ہماری طرف آ رہا تھا۔ ویرا کمرے میں دو قدم
بڑھنے کے بعد اپنی جگہ پر جم کر کھڑی ہو گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے
رک گیا۔

جوں ہی جم کلارک فرش پر گول گول لڑھکنیاں کھاتا ہوا ویرا
کے قریب پہنچا' ویرا کی داہنی لات گردش میں آ گئی۔ جم کلارک کے
چہرے پر پڑنے والی وہ ٹھوکر اتنی شدید تھی کہ وہ اپنا مداری پن بھول
کر بری طرح تڑپنے لگا۔ ویرا کی بے دردانہ ٹھوکر کے لگائے ہوئے
زخم سے خون رواں ہو چکا تھا۔

جم کلارک کے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا اس لیے تمام تر
جسمانی ردِعمل کے باوجود اس کے دہانے سے کوئی آواز برآمد نہیں
ہو سکی۔ ویرا اس کے کرب سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ چند
ثانیوں تک وہ اسے غور اور دلچسپی سے دیکھتی رہی پھر اس نے آگے
بڑھ کر اچانک اتنی مضبوطی سے جم کلارک کے سینے پر اپنا داہنا پیر

جتایا کہ وہ اپنی پوری کوشش کے باوجود کوئی بھی کروٹ لینے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

ویرا نے جھک کر اس کے داہنے رخسار پر ایک بھرپور تھپڑ لگایا اور بے رحمی کے ساتھ اس کے دہانے سے وہ کپڑا باہر کھینچ لیا جو شاید اس مردود کے حلق تک ٹھنسا ہوا تھا۔

اپنے دہانے کو اس ہولناک عذاب سے نجات ملتے ہی جم کلارک نے خالص امریکی انداز میں نہایت پُرپیچ مغلظات بکنی شروع کردیں جن کا کوئی سرپیر نہیں تھا۔ ویرا نے اس کے سینے پر سے پیر ہٹالیا۔

"تم خالص امریکن کتیا ہو جو ایک وقت میں دس کتّوں کے پاس جاتی ہے" وہ اپنے دہانے کے آزاد ہوتے ہی غضب ناک آواز میں دہاڑا "میں تم کو دیکھ لوں گا... فنا کردوں گا۔ تم نے اپنے آپ کو کیا سمجھا ہوا ہے؟"

"تم اپنی ماں بہنوں کی تعریف کررہے ہو" ویرا نے تحقیر آمیز غرّاہٹ کے ساتھ کہا "کل رات سے میں امریکن نہیں رہی ہوں۔ میں اس بے فیض، مشینی سرزمین سے اپنا رشتہ توڑ چکی ہوں۔"

"بکواس!" وہ حلق کے بل دہاڑا "تمہاری آوارہ امریکی ماں سے زنا کرنے والا بھی ایک امریکی ہی تھا۔ تم مرکر بھی اپنی اس بے ہودہ شناخت کو نہیں مٹا سکتیں۔ میرے ہاتھ آزاد ہوتے تو میں ابھی تمہارا گلا گھونٹ دیتا۔"

"پھر بھی سہی" ویرا کاٹ دار آواز میں بولی "آزاد ہوکر بھی اپنی حسرتیں پوری کرلو۔ امریکا کے صدر کو آخر کار جمی لائیڈ کی جگہ اپنے نام زد کئے ہوئے شخص کی لاش ہی وصول کرنی پڑے گی" جم کلارک کو پھٹکار کر وہ اچانک ہی ایس ٹی ایف کے آدمی سے مخاطب ہوگئی "اس ولدالحرام کے ہاتھ پیر کھول دو۔"

اس نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے سر کی جنبش سے اسے اجازت دے دی اور وہ پیشہ ورانہ انہماک کے ساتھ جم کلارک کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اپنی بیلٹ سے ایک تیز دھار چاقو نکال کر کھول لیا تھا۔

ہاتھ پیروں کی رسیاں کٹتے ہی جم کلارک کسی دیو قامت بن مانس کی طرح اچھل کر فرش سے کھڑا ہوگیا۔

وہ اپنے قدموں پر پوری طرح جمنے بھی نہیں پایا تھا کہ ویرا کسی برقی کوندے کی طرح لپکی اور پوری قوت سے اپنی دونوں لاتیں جم کلارک کے چہرے پر رسید کرکے ہتھیلیوں کے بل فرش پر آرہی۔

جم کلارک کے لیے ویرا کا وہ وحشیانہ حملہ غیر متوقع تھا۔ ضرب کی شدت سے اس کا منہ پھر گیا اور حلق سے ایک غرّاہٹ بھی آزاد ہوئی لیکن بس وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔ ویرا کی نرم ونازک سی فلائنگ کک بھی اس کے دیو ہیکل وجود کا توازن نہیں بگاڑ سکی تھی۔

وہ اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ کر، اپنے حلق سے وحشیانہ آوازیں نکالتا ہوا، ویرا کی طرف جھپٹا۔ میں خود کو اس تصادم سے الگ رکھنے کے ارادے سے ایک طرف سرک گیا۔ ویرا نہایت سکون سے اپنی جگہ پر رک کر اس کے قریب آنے کا انتظار کرتی رہی۔

اچانک ہی اس کی لات گردش میں آئی اور قیامت بن کر جم کلارک کے پیٹ کے نچلے حصے پر ٹوٹ پڑی۔ وہ ایک کریہہ آواز کے ساتھ فرش پر الٹ گیا۔ ویرا لپک کر اس کے سینے پر سوار ہوگئی۔

وہ ایک مرد اور ایک عورت کی جسمانی زور آزمائی تھی۔ جم کلارک کو نبرد آزما ہونے کے باوجود اس حقیقت کا پوری طرح ادراک تھا۔ اس نے ویرا کی دونوں پنڈلیوں کو اپنی گرفت میں لے کر اس کی داہنی ٹانگ کے نرم ترین حصے میں اپنے دانت گاڑ دیے۔ ایک مضبوط اور حوصلہ مند حریف کی جانب سے وحشیانہ اقدام ویرا کے وہم وخیال میں بھی نہیں تھا۔ اس نے ایک بے ساختہ چیخ کے ساتھ جم کلارک کے منہ پر مکّے برسانے شروع کردیے۔

جم کلارک سے یوں بھڑ جانا ویرا کی بدترین غلطی تھی۔ یہ خیال تھا کہ جسمانی طور پر جم سے دور رہ کر وہ اسے خون میں نہلا سکتی تھی لیکن اس سے ہاتھا پائی میں الجھ کر ویرا نے مصیبت کو دعوت دی تھی۔ وہ کتنی بھی ماہر اور پھرتیلی سہی لیکن ایک عورت ہی تھی۔ مرد کے مقابلے میں بہرحال نرم ونازک ہوتی ہے۔

جم نے ویرا کی پنڈلیوں کو اپنی گرفت میں لینے کے بعد اسے ایک کھلونے کی طرح نوچنا بھنبھوڑنا شروع کردیا اور کمرے کی محدود فضا ویرا کی دردناک چیخوں سے لرزنے لگی۔ جم کلارک جسمانی طور پر، اس عمارت میں موجود ہر شخص سے برتر تھا۔ وہ بے چاری کسی قطار وشمار میں نہیں تھی۔ جب جم کے مقابلے میں ویرا کمزور پڑنے لگی تو میں نے اس کی مدد کے لیے دخل اندازی کا ارادہ کیا لیکن میرے حرکت میں آنے سے پہلے ہی ویرا کو ایک سنہرا موقع مل گیا۔ اس نے اپنا داہنا ہاتھ بلند کرکے پوری قوت کے ساتھ اپنی کہنی سے جم کلارک کی بائیں آنکھ میں ضرب لگائی اور وہ بلبلا کر ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ ویرا کو اچھل کر اس کی گرفت سے نکلنے کا موقع مل گیا۔

جم کلارک، ویرا کی لگائی ہوئی اس ضرب سے سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ویرا نے اس کے سر کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ جم کلارک ہر ضرب پر کسی اندھے کی طرح ویرا کی ٹانگ پکڑنے کی کوشش کرتا لیکن ناکام رہا اور چند ہی ثانیوں میں اس کی نیم گنجی کھوپڑی سے جابجا خون رسنے لگا۔

اسے کھوپڑی کی ضربات سے نیم پاگل کردینے کے بعد وہ پھرتی سے اس کے پیٹ کی طرف متوجہ ہوگئی۔ مار کھانے کے بعد ویرا کے بدن میں شیطانی قوت حلول کرچکی تھی۔ چند ہی ثانیوں میں جم کلارک اذیت سے بے حال ہونے لگا۔

میں نے ایس ٹی ایف والے کا کھلا ہوا چاقو لے کر ویرا کی طرف بڑھایا تاکہ وہ جم کلارک کو ذبح کرکے اس قصے کو وہیں ختم کرسکے لیکن ویرا نے چاقو کو نظرانداز کردیا۔ اس وقت ویرا کے ذہن پر بھی انا کا خول مسلط ہوچکا تھا۔ شاید وہ کسی ہتھیار کی مدد

ویرا اپنے حریف کو عبرت ناک شکست سے دوچار کرنا چاہتی تھی۔
جم کلارک نے لڑکھڑا کر دوبارہ فرش سے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس بار ویرا نے ہوا میں اڑ کر اپنے پیروں سے اس کی گردن پر ایسی قینچی لگائی کہ اسے لے کر دوبارہ فرش پر ڈھیر ہوگئی۔ جم کلارک نے اپنی گردن کو آزاد کرانے کی بہتیری کوششیں کیں لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ ویرا کی سبک پنڈلیاں بہت تیزی کے ساتھ اس کی گردن کو کس رہی تھیں۔

"شی کا سپر آئی مین 'ایک آوارہ کتے کا پلا'" ویرا ہانپتے ہوئے ہذیانی آواز میں بولی "اب دیکھتی ہوں کہ تو کس طرح میرے چنگل سے بچتا ہے۔۔۔ موت آنی ہوتی ہے تو اسی طرح آکر رہتی ہے۔"

جم کلارک کی شہ رگ پر ویرا کی پنڈلیوں کا دباؤ بے رحمانہ انداز میں بڑھتا ہی رہا۔ جم تڑپ تڑپ کر خود کو اس کی گرفت سے بچانے کی کوشش کرتا رہا لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کا دہانہ کھل گیا اور زبان اس کھلے ہوئے دہانے سے باہر لٹکنے لگی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ ویرا اسے بے بس کرچکی تھی اور اس کی زندگی بس چند سانسوں کا افسانہ رہ گئی تھی۔

جم کلارک کا پورا وجود پیروں کے بل فضا میں اچھلا۔ اس نے جھٹکا دے کر خود کو آزاد کرانے کی آخری کوشش کی تھی لیکن ویرا ہوشیار تھی۔ اس نے اپنی پنڈلیوں کو جنبش دی' فضا میں ہڈیوں کے کڑکڑانے کی آواز بلند ہوئی اور جم کے بدن پر موت کا تشنج طاری ہوگیا۔

شاید ویرا نے زور لگا کر اس کی گردن کی ہڈی توڑ دی تھی اور وہ عذاب مرگ میں مبتلا ہوچکا تھا۔

وہ لحہ بہ لحہ کمزور پڑتا رہا' ویرا کی پنڈلیوں کی گرفت سخت سے سخت تر ہوتی چلی گئی۔ آخر کار وہی ہوا جو ہونا تھا۔ تڑپتے تڑپتے' جم کلارک کا عفریت نما وجود ساکت ہوگیا۔ اسے جہنم واصل کرنے کی کوششوں میں ویرا کا دل فریب چہرہ پسینوں میں شرابور ہوچکا تھا۔

جم کلارک کے ساکت ہونے کے بعد اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو اس کی پنڈلیوں کے پٹھے اینٹھے ہوئے تھے۔ وہ بدقت تمام سیدھی کھڑی ہوئی اور مسکراتے ہوئے بولی "حرام زادہ سانڈ کی طرح طاقت ور تھا۔۔۔"

"ہر قریب المرگ آدمی غیر معمولی طور پر طاقت ور ہوجاتا ہے" میں نے کہا "خوشی کی بات یہ ہے کہ تم نے کسی سے مدد لیے بغیر' تن تنہا اسے ہلاک کیا ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔"

"یہی میری آرزو تھی" اس کے ہونٹوں پر جمی ہوئی پھیکی مسکراہٹ قدرے گہری ہوگئی "میں اپنے مردہ باپ کے کسی جانشین کو قبول کر ہی نہیں سکتی تھی۔ جم کلارک کو دیکھ کر میری آنکھوں میں خون سا اترا رہتا تھا۔"

"تم نے اس بے چارے کو ماردیا لیکن کوئی نہ کوئی اس کی جگہ لے لے گا۔۔۔ تم کس کس کو موت کے گھاٹ اتارتی پھروگی۔ جی لائیڈ کی موت کے ساتھ شی ختم نہیں ہوسکتی۔ کسی نہ کسی کو اسے سنبھالنا ہوگا۔"

"جم کلارک' جی لائیڈ کا جانشین تھا" وہ فتح مندانہ لہجے میں بولی "اب جو بھی آئے گا وہ جی لائیڈ کا نہیں' جم کلارک کا جانشین ہوگا۔ اس خبیث کو مار کر میرا دل ٹھنڈا ہوچکا ہے۔ اب میری بلا سے کوئی بھی آئے' مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہوگی۔ میرے لیے اب شی کی وقعت ایک بھولے ہوئے افسانے سے زیادہ نہیں ہوگی۔"

"اول خان کو بتادو کہ قیدی راہئ ملک عدم ہوچکا ہے" میں نے ایس ٹی ایف والے سے کہا "فوری طور پر اس کے کریا کرم کا بندوبست ہونا چاہیے۔"

"ٹھہرو!" ویرا نے اسے دروازے کی طرف بڑھنے سے روک دیا اور مجھ سے بولی "اسے میں ٹھکانے لگاؤں گی۔"

"کہاں؟" میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا "تم تین من کی اس لاش کو کہاں لیے پھروگی؟"

"میں اسے فریئر ہال کے قرب وجوار میں ڈالوں گی" وہ ایک عزم کے ساتھ بولی "جم کلارک کی لاش امریکی قونصل خانے کے قرب وجوار ہی میں ملنی چاہیے۔ اسی طرح انہیں اندازہ ہوسکے گا کہ ویرا کوئی عام سی لڑکی نہیں ہے۔"

بادی النظر میں جم کلارک عبرت ناک موت سے ہم کنار ہوچکا تھا۔ ویرا نے وہ کمرا چھوڑنے سے پہلے ایک بار پھر اپنا اطمینان کیا کہ اس کی نبضیں ساکت تھیں پھر ہم تینوں واپس چل دیے۔

ہمیں جم کلارک سے نمٹنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا لیکن

میں واپسی پر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس عمارت کے تمام کمرے بالکل خالی اور ویران ہو چکے تھے۔ ایس ٹی ایف والوں نے نہایت سرعت کے ساتھ اپنا سازوسامان کمروں سے باہر نکال لیا تھا اور ویکیوم کلینرز کی مدد سے خالی کمروں کے فرش و دیوار پر گرد کی تہیں جمانی شروع کردی تھیں۔

اوّل خان ہمیں برآمدے میں ملا۔ اس نے دور ہی سے ہمیں دشمن کی موت کی مبارک باد دی تو میں حیران رہ گیا۔ اس کا واحد آدمی ابتدا سے اس وقت تک ہمارے ساتھ تھا پھر اسے کس نے جم کلارک کی موت سے باخبر کیا؟

"میں اتنا باخبر نہ رہوں تو مجھے اپنے اسٹیشن کی کمان سے سبکدوش ہو جانا چاہیے" اس نے لاابالی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "کوئی بتائے یا نہ بتائے، تم دونوں کے چہروں سے کامیابی پھوٹی پڑرہی ہے۔"

باہر پورچ میں دس پہیوں والا ایک بھاری اور لمبا ٹرک موجود تھا جس پر اسٹیشن فور کا سامان لادا جارہا تھا۔ وہ کارروائی اتنی سرعت سے شروع ہوئی تھی کہ میں حیران رہ گیا تھا۔ نصف باڈی والے اس ٹرک میں اتنی گنجائش تھی کہ ایک ہی چکر میں اس عمارت سے سارا ضروری سامان منتقل کیا جاسکتا تھا۔

"ویرا چاہتی ہے کہ جم کلارک کی لاش امریکی قونصل خانے کے قرب وجوار میں پائی جائے" میں نے اوّل خان سے کہا "اس خطرناک خواہش کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"خطرناک نہیں، یہ تو بڑی نیک خواہش ہے" اوّل خان نے خوش دلی سے کہا "امریکیوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان کے ادنیٰ لوگ بھی ان کے مردوں کو مناسب جگہوں تک پہنچانے کا دھیان رکھتے ہیں۔"

"پھر اس تجویز پر کس طرح عمل کیا جائے گا؟" میں نے بے بسی سے سوال کیا۔

"تم دونوں فلیٹ لوٹ جاؤ۔ یہ بندوبست میں خود کرلوں گا" اس نے فراخ دلی سے کہا "قونصل خانے کے پہرے دار غافل ہوئے تو میری کوشش ہوگی کہ جم کلارک کی لاش ان کے دروازے پر ہی دریافت ہو۔"

"نئے ٹھکانے پر تم سے رابطے کی کیا صورت رہے گی؟" میں نے سوال کیا۔

"چند گھنٹوں میں وہاں فون فراہم کردیا جائے گا" اوّل خان نے پُریقین لہجے میں کہا "میں فون کرکے اپنا نمبر دے دوں گا۔"

ہم دونوں وہاں سے واپس روانہ ہوئے تو ایس ٹی ایف کے دو مسلح آدمی جیپ میں ہمارے پیچھے آرہے تھے۔ سڑک پر آنے کے بعد ہم نے دیکھا کہ خونریز تصادم سے متاثر ہونے والی گلی بدستور ویران پڑی ہوئی تھی۔ گلی کے نکڑ پر ایس ٹی ایف کے دو مسلح پہرے دار موجود تھے۔ کسی بھی سرکاری ایجنسی کے کسی اہل کار کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

ہم شرف آباد پہنچے تو رات کے بارہ بج چکے تھے۔ ایس ٹی ایف والوں کی جیپ ہمیں منزلِ مقصود پر پہنچانے کے بعد رکے بغیر آگے بڑھتی چلی گئی اور میں گاڑی کو براہِ راست پارکنگ فلور پر لیتا چلا گیا۔ ڈوربیل کے جواب میں فلیٹ کا دروازہ کھولا گیا تو اس کے پیچھے تین وحشت زدہ چہرے موجود تھے۔

"بہت دیر لگادی، کہاں رہ گئے تھے تم دونوں؟" سلطان شا نے فوراً ہی پہلا سوال داغ دیا۔

"خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم لوگ جلدی واپس آگئے" میں ہنستے ہوئے کہا "اگر اواری ٹاورز ہی میں ڈرامے کا اختتام ہوجا ویرا خانم آج کی رات وہیں گزارنے کے موڈ میں تھی۔"

"اور تمھاری نیت کیا تھی؟" غزالہ نے فوراً ہی پیچھے لہجے میں سوال کرڈالا۔

"میری نیت صاف تھی" میں نے کسی توقف کے بغیر جواب "رکنا پڑتا تو رک جاتا، حالات سازگار ہوئے تو فوراً ہی لوٹ اس میں دور دور تک کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں ہے۔"

"اگر کھیل بگڑ جاتا تو ان لوگوں کو غلط راہ پر ڈالنے کے ہمیں رات باہر ہی گزارنی پڑتی" ویرا نے صورتِ حال بھانپ وضاحت پیش کرڈالی "غنیمت ہے کہ ہم حالات کو اپنی مرضی مطابق چلانے میں کامیاب رہے اور معاملات نمٹانے کے بعد وقت یہاں نظر آرہے ہیں۔"

"اس امریکی کا کیا بنا جس نے تمہیں بلایا تھا؟" جہانگ چہرے پر بھی تشویش کے سائے لرزاں تھے۔

"امریکا کے لیے یہ سرزمین بہت ناموافق ہے" ویرا ہوئے کہا "مِل جونز اور پال ایچرٹن آئے تو ڈینی نے انھیں رکھ دیا۔ جم کلارک یہاں تک کے طویل سفر کی تھکان اتارنے پایا تھا کہ جہنم رسید ہوگیا۔ یہ لوگ خود کو برتر بلکہ خان سمجھ کر آتے ہیں اور آتے ہی منہ کی کھاتے ہیں۔"

"شاید یہی وہ غنچے ہیں جو بن کھلے مرجھا جاتے ہیں" جم کی موت کی خبر سن کر غزالہ بھی کھل اٹھی تھی "پتا نہیں انھیں جلدی مرجھانے کے لیے یہاں کیوں بھیجا جارہا ہے۔"

"بظاہر وہ سلور آئیز کی واپسی کا مطالبہ لے کر آیا تھا" اچانک خیال آیا کہ ویرا نے اپنے باپ کی موت کا اور میں نے اس وقت تک اس اہم واقعے کا کوئی ذکر نہیں میں نے فوراً ہی بات گھماتے ہوئے کہا "لیکن بات اتنی تھی۔ اہم ترین خبر یہ ہے کہ امریکا میں جی لائیڈ کو موت کے اتارا جاچکا ہے اور......"

ان سب کی تحیر زدہ آوازوں میں میری بات ادھوری ان میں سے کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ جی لائیڈ جیسا بارسوخ گروہ بند اتنی خاموشی سے ہلاک کیا جاسکتا ہے۔

اپنے باپ کے قتل کا ذکر چھیڑنے پر ویرا کے ہونٹوں پر سے مسکراہٹ رخصت ہوگئی اور اس کی آنکھوں میں مایوسی نے ڈیرے ڈال دیے۔ میں، غزالہ، سلطان شاہ اور جہانگیر کے پے در پے سوالات کے جواب میں جمی لائیڈ کی اچانک موت کے اسباب پر روشنی ڈالنے لگا۔

"وہ مارا گیا تو جم کلارک کس اختیار کے تحت سلور آئیز لینے آیا تھا؟" جمی لائیڈ کے قتل کے محرکات سے مطمئن ہونے کے بعد جہانگیر نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"اسے جمی لائیڈ کا جانشین نامزد کیا گیا ہے" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا "اب وہی ٹی کا دوسرا سپر آئی مین تھا۔ ویرا نے اس کی گردن توڑ کر اپنے باپ کی موت کا انتقام لے لیا۔ چند روز کے وقفے میں آج ٹی دوسری بار لاوارث ہو چکی ہے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ اس کی جگہ کسے نامزد کیا جاتا ہے۔"

"اگر سلور آئیز اتنی ہی اہم ہیں تو تم نے جم کلارک کی سلور آئیز بھی اپنے قبضے میں لے لی ہوں گی؟" غزالہ نے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا "اسے لینے کے دینے پڑ گئے ہوں گے۔"

"نہیں...." میں نے ویرا کی طرف دیکھا اور وہ فوراً ہی بول پڑی "ہوٹل میں اس کی جامہ تلاشی لیتے ہوئے میں نے سلور آئیز کا خیال رکھا تھا لیکن وہ اس کے پاس نہیں تھیں۔ میں بھی یہ بات سمجھ رہی تھی کہ ہمیں سلور آئیز سے کوئی فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے، سپر آئی مین کی دو سلور آئیز چھن جانے سے ٹی کے بڑوں میں صفِ ماتم بچھ جائے گی۔"

"جم کلارک کی موت ان کے لیے اس سے بڑا صدمہ ثابت ہوگی" سلطان شاہ پُرجوش لہجے میں بولا "اب پوری بات میری سمجھ میں آتی جا رہی ہے۔ جمی لائیڈ کے مرتے ہی ٹی کے بڑوں نے ویرا پر سختیاں شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا ہوگا.... جمی لائیڈ اسے اپنی بیٹی تسلیم نہ کرنے کے باوجود بہت ڈھیل دیتا رہتا تھا جو ان بڑوں کو ناگوار گزرتی ہوگی۔ جمی لائیڈ کی زندگی میں وہ دم بھی نہیں مار سکتے تھے۔ اس کا صفایا ہوتے ہی انہیں اپنی کدورتیں نکالنے کا سنہرا موقع مل گیا۔ جم کلارک سلور آئیز کی واپسی پر ہی اکتفا نہ کرتا۔ وہ یقیناً اور ہی ارادے لے کر آیا ہوگا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں جمی لائیڈ کی موت پر تم سے ہمدردی کروں یا جم کلارک کے مرنے پر خوشی کا اظہار کروں" غزالہ نے ویرا کو گلے لگا کر نہایت دردمندانہ لہجے میں کہا "وہ زندہ تھا تب بھی تم باپ کے سائے اور اس کے شفقت بھرے دو بولوں کے لیے ترستی رہیں.... وہ زندہ تھا تو اس کے سدھرنے کی ایک موہوم سی امید زندہ تھی لیکن آج وہ امید بھی دم توڑ گئی ہے۔ میں تمہارا دکھ سمجھ رہی ہوں.... وقت گزرنے کے ساتھ خدا ہی تم کو صبر دے گا۔"

ایک محبت بھرا سہارا میسر آتے ہی ویرا کا جذباتی ابال آنکھوں کے راستے بہہ نکلا۔ اس نے غزالہ کے شانے پر چہرہ ٹکا کر اپنی آنکھیں موند لی تھیں لیکن بند پپوٹوں کے نیچے سے سفید موتی اُمڈے چلے آرہے تھے۔

سلطان شاہ نے بوکھلائی ہوئی، مستفسرانہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مداخلت کرنے سے روک دیا۔ اس نازک جذباتی موڑ پر کٹھن ویرا کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔ میری دانست میں یہ بہت اچھا تھا کہ وہ اپنے دل کا غبار ہلکا کر رہی تھی۔ غزالہ بہت محبت کے ساتھ اسے اپنی آغوش میں لیے کھڑی تھی۔

ویرا کوئی آواز پیدا کیے بغیر، کئی منٹ تک خاموشی سے روتی رہی۔ اس کے بدن کی لرزشوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے وجود میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ایک سفاک اور خود غرض باپ کے لیے کسی مغربی دوشیزہ کے دل کا وہ گداز میرے لیے حیرت ناک تھا۔ ویرا مغرب نژاد اور مغرب پرست ضرور تھی لیکن اس کے اندر وہ انسانی روح تھی جو خون کے رشتوں کو ہر حال میں خراج پیش کرنے کو فرض عین سمجھتی ہے۔

غزالہ اسے لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ آخر ویرا نے غزالہ کے پلو سے اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے خود کو سنبھالا، سلطان شاہ کے پیش کیے ہوئے یخ پانی سے اپنا حلق تر کیا پھر رندھی ہوئی آواز میں بولی "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کس طرح تم سب کا شکریہ ادا کروں۔ آج میں تم لوگوں کے درمیان نہ ہوتی تو شاید رو رو کر خود کو ختم ہی کر لیتی.... میں جانتی ہوں کہ وہ میرا باپ تھا۔ آخری ملاقاتوں میں اس نے خود مجھ سے اعتراف کیا تھا کہ میں اس کی ایک بھول کا شاخسانہ تھی لیکن یہ کیسا ظلم ہے کہ وہ مجھے میری پہچان دیے بغیر مر گیا.... مجھے اس کی موت پر ذرا بھی قلق نہیں ہے۔ مجھے اس بات

کا دکھ ہے کہ اس نے چار آدمیوں میں مجھے کبھی اپنی بیٹی تسلیم نہیں کیا۔ مجھ سے بھی کم عمر لڑکیوں سے دوستی کر کے، ان کی زندگیاں تباہ کرنے کے شوق میں وہ خود کو ہمیشہ لاولد ظاہر کرتا رہا اور آخر کار لاولد ہی مر گیا......"

"اگر تم سچ کہہ رہی ہو تو اس کے بارے میں زیادہ نہ سوچو" جہانگیر نے نہایت بردباری سے کہا "وہ تمہیں بھولا رہا۔ اب تم اسے بھول جاؤ۔ تم نے اپنی زندگی بے مصرف نہیں گزاری۔ ماں اور باپ کے سائے سے محروم ہونے کے باوجود تم نے اپنی شناخت بنائی ہے۔ ہماری نظروں میں ویرا ایک نام نہیں، لیجنڈ ہے.... عظمت اور بڑائی کی علامت۔"

"اتنا مکھن نہ لگاؤ" سلطان شاہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "ہمیں آئندہ بھی ایک ساتھ رہنا ہے۔ ویرا کے آنسوؤں سے ڈر کر اسے اتنا چڑھا دیا تو کل یہ ہمیں گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔ قصہ زمین برسر زمین ہی رہنا چاہیے۔ زمینی مخلوق کو آسمانی بلندیاں راس نہیں آتیں کیونکہ وہاں کا درجۂ حرارت بہت کم ہوتا ہے۔"

ویرا کی آنکھیں نم اور چہرہ اداس تھا مگر اس کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تیر گئی "یہ شخص مجھے خوش دیکھ سکتا ہے نہ اداس" وہ بھرائی ہوئی آواز کو سنبھالتے ہوئے بولی "مجھے بتاؤ کہ میں اس کے مسخرے پن کا کیا جواب دوں۔"

"اپنی باری آنے پر جواب دینا، فی الحال میں سلمٰی بھابی والے جہانگیر بھائی سے مخاطب ہوں۔" سلطان شاہ نے منہ بنا کر کہا۔

"لعنت ہو تم پر" جہانگیر دانت پیستے ہوئے غرایا "اب تم میرے پیچھے پڑ گئے؟"

سلطان شاہ نے فوراً اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے اور گھگیا کر کہا "میں یہ گستاخی نہیں کر سکتا۔ مجھے اپنے کولھوں کے جوڑ عزیز ہیں۔ لی وانگ کے ستم سہتے سہتے تم نے بھی اس فن میں کچھ درک حاصل کر لیا ہوگا۔"

جہانگیر کا چہرہ بگڑ گیا کیونکہ اس کے سوا سب ہی دل کھول کر ہنس رہے تھے۔ جہانگیر کا دل جلانے والی بات یہ تھی کہ ویرا کا قہقہہ سب سے بلند آہنگ تھا۔

"ہنسی مذاق بعد میں بھی چلتا رہے گا۔ فی الحال ہمیں اپنی فکر کرنی چاہیے" مذاق کے طول پکڑنے پر مجھے مداخلت کرنی پڑ گئی کیونکہ ماحول پر چھایا ہوا جمود ختم ہوتے ہی وہ چاروں بے فکری کے مظاہرے پر تل گئے تھے۔

"کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ہم سب یہاں جم کلارک کی موت کا جشن منا رہے ہیں؟" جہانگیر نے پوچھا۔ اس وقت وہ بھی اپنی ابتدائی برہمی کو بھول کر بدلے ہوئے ماحول سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"وہ اکیلا نہیں تھا" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "اس کے ساتھ سی آئی اے کے دو امریکی ایجنٹ بھی آئے ہوئے

ہیں۔ جم کلارک انہیں ہماری صورتیں دکھانی چاہتا تھا اور وہ مرنے سے قبل یہ کام کر چکا تھا۔ اب وہ ہم دونوں کی گردنیں کاٹے بغیر یہاں سے نہیں لوٹیں گے۔ پہلے ہمارا جرم صرف اتنا تھا کہ جم لائیڈ اپنی بعض ناگزیر مصلحتوں کی بنا پر ہمیں رعایتیں دے رہا تھا۔ اب دوسرا سنگین تر جرم یہ ہے کہ ہم نے ان کے نئے مہرے، جم کلارک کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا ہے۔"

"وہ ادھر کا رخ نہیں کریں گے...." سلطان شاہ نے بولنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یہ نہ سوچو کہ وہ غیر ملکی ہونے کی وجہ سے کھل کر کام نہیں کر سکیں گے۔ آج ان کی طرف سے لڑتے ہوئے جو تین مقامی مارے گئے ہیں، انہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے اردگرد ان کے پروردہ اور لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ خود سامنے آئے بغیر ہم پر کاری وار کر سکتے ہیں.... آج ہی کی بات دیکھ لو کہ ان میں سے ایک زخمی ہوا تو دوسرا اسے اپنے ساتھ لے کر فرار ہو گیا۔ انہیں اپنے لیے لڑنے والے مقامیوں کی فکر تک نہیں تھی۔ وہ ہر قیمت پر خود کو بچانا اور پس پردہ رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسی دوغلی لڑائی میں تم مقامیوں سے کہاں تک بچو گے؟"

"تم مدافعانہ جنگ کے بارے میں سوچتے رہو گے تو مایوسی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا" ویرا نے نرم آواز میں کہا "میں ان خبیثوں کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ تم ان سے دور بھاگو گے تو یہ خون آشام بھیڑیوں کی طرح تمہارے پیچھے لگے رہیں گے۔ تم بڑھ کر ان پر وار کرو گے تو یہ تم سے چھپتے پھریں گے۔ میری رائے مانو تو آج کی رات آرام سے بسر کر کے صبح کوئی منصوبہ تیار کرو اور کہیں نہ کہیں انہیں گھیر لو۔ اس بات کی پروا نہ کرو کہ وار اوچھا پڑا تو کیا ہوگا۔ وہ مارے گئے تو قصہ ہی پاک ہو جائے گا اور کسی وجہ سے زندہ بچ گئے تو دہشت زدہ ہو جائیں گے۔ دہشت زدہ امریکی ایک چوہے سے زیادہ بدتر ہو جاتا ہے۔"

اس کی بات معقول تھی۔ میں نے مسکرا کے کہا "یہ اسی وقت ممکن ہے جب آرام سے رات بسر ہونے کی کوئی صورت پیدا ہو۔ یہاں تو فی الحال دن نکلا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔"

"ابھی موتی لال کی دھمکیوں کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ یہ لوگ بیچ میں آ کودے" غزالہ ایک گہرا سانس لے کے بولی "دیکھو موتی لال کیا گل کھلاتا ہے۔ پہلے صرف اسی کی فکر تھی اب ایک نیا محاذ کھل جائے گا۔"

"یہ مسائل ختم ہونے والے نہیں ہیں" سلطان شاہ نے کہا۔ "جب تک دونوں ملکوں کے دوستانہ مراسم استوار نہیں ہو جاتے، یہ جھگڑے یوں ہی چلتے رہیں گے۔ مار دھاڑ سے صرف اتنا فرق پڑتا ہے کہ ان کی پیش رفت سست پڑ جاتی ہے، چہرے بدل جاتے ہیں لیکن محاذ آرائی جاری رہتی ہے۔ اب اوّل خان کے آدمی موتی لال کو پکڑ بھی لیں، تو وہ کسی رمیش کمار کو آگے لے آئیں گے۔ ان

مسائل کو اب ہمیں ایک معمول سمجھ کر قبول کر لینا چاہیے۔"
"شی کا معاملہ بھی ایسا ہی پیچیدہ ہے" ویرا بولی "مقابلہ چھوٹے موٹے گروہوں سے ہو تو ایک دو بڑے بدمعاشوں کو مار دینے کے بعد معاملہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ گروہ بکھر جاتے ہیں۔ زندہ بچنے والے روپوشی اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن شی کی سب سے بھیانک خرابی یہی ہے کہ اس میں ایک ڈراؤنا تسلسل ہے۔ یہ بکھر نہیں سکتی کیونکہ اس کی پشت پناہی کر کے ایک ریاستی طاقت کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ اس کی طاقت میں جمی لائیڈ کی موت سے فرق پڑا نہ جم کلارک کا قتل شی والوں پر زیادہ اثر انداز ہو سکے گا۔ وھائٹ ہاؤس کی بند دیواروں میں سے کوئی نیا فرمان جاری ہوگا اور شی پر ایک نیا سپر آئی مین مقرر کر دیا جائے گا۔ نیا آنے والا بھی ہمیں آسانی سے نہیں بھول سکے گا۔"
"میرا خیال ہے کہ تم دونوں" جہانگیر نے میری اور ویرا کی نشان دہی کرتے ہوئے کہا "کسی شیطانی چکر میں آئے ہوئے ہو۔ جہاں جاتے ہو' وہاں مصائب کی برسات شروع ہو جاتی ہے۔ تمہیں کچھ دنوں کے لیے ہمالیہ کی کسی برفانی چوٹی پر ڈیرا جما لینا چاہیے تاکہ تمہارے دشمن تمہیں بھول سکیں...."
"ان کے دشمن وہاں بھی پہنچ جائیں گے" غزالہ نے خوش دلی سے کہا۔
"اللہ معاف کرے!" جہانگیر اپنے کانوں کو چھو کر بولا "کبھی میں بھی شی میں ہوا کرتا تھا اور کراچی میں خاصا اہم آدمی ہوا کرتا تھا۔ شی سے جان چھوٹی تو خاموشی سے کنارہ کشی کر لی۔ اب کوئی میرا پیچھا نہیں کرتا۔"
"یہ تمہاری زیادتی ہے" ویرا نے اسے ٹوکا "تم اپنا اور ڈینی کا موازنہ نہیں کر سکتے۔ کراچی میں اپنی اہمیت کے باوجود' تم شی کے ایک عام کارکن تھے۔ شی کو یہاں سے اکھاڑنے والا ڈینی ہے۔ اس نے پاکستان ہی میں نہیں' دنیا کے کئی حصوں میں شی اور اس کے سربراہ کو بھاری نقصانات پہنچائے ہیں۔ ڈی ڈی یا دلدار آغا کو اسی نے تباہ کیا تھا.... اس نے تو غزالہ کو ڈینی سے چھین بھی لیا تھا۔ اگر تم واقعات کے اس تسلسل پر غور کرو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ شی والے مر کر بھی ڈینی کو نہیں بھلا سکتے۔ یہ ایک عذاب بن کر انہیں ڈراتا رہے گا۔"
"تم میری بات کو غلط سمجھ رہی ہو" جہانگیر نے احتجاج کیا "میں اپنا اور ڈینی کا موازنہ نہیں کر رہا تھا۔ ڈینی سے پوچھ لو کہ جب اس کے ذہن میں شی سے بغاوت کے جراثیم پیدا ہوئے تو میں اس کا ہم نوا تھا۔ یہ دنیا سے برائیاں مٹانے کا ٹھیکا لے بیٹھا ہے اس لیے عذاب میں ہے۔ اسے اس قدر کھل کر سامنے آنے کی کیا ضرورت تھی؟"
"پھر کون سامنے آتا؟" ویرا نے سوال کر ڈالا "شی کو ختم کرنے کے لیے کسی نہ کسی کو کام کرنا ہی تھا۔ ڈینی پہل نہ کرتا تو شی آج پاکستان میں ایک لرزہ خیز طاقت بن چکی ہوتی اور تم اس کے بے دام غلام ہوتے۔ شاید تم کو علم نہیں کہ شی ہیروئن کی بے حساب آمدنی سے کیسے کیسے گل کھلاتی ہے۔"
"ہو سکتا ہے کہ تمہارا خیال درست ہو" جہانگیر نے کمزور سی آواز میں کہا "میں تو...."
"شی سماج دشمن اور ملک دشمن عناصر کو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس کرتی ہے" ویرا تیز اور قدرے غصیلی آواز میں بولی۔ "سرکاری اہل کاروں میں رشوت کے بگاڑ کو ترقی دیتی ہے' اپنے مفادات کے لیے ابھرتی ہوئی پوری نسل کو تباہ کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر بدعنوان سیاست دانوں کو خریدتی ہے۔ پیسے کے زور پر ان کو اقتدار کے ایوانوں میں پہنچاتی ہے۔ کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ جب کسی ملک کے مقتدر ایوان میں منشیات فروشوں' رسا گیروں اور بدمعاشوں کی ایک بڑی تعداد براجمان ہو تو ملک کس رخ پر چل پڑتا ہے؟ کولمبیا کی مثال سامنے ہے۔ وہاں قانون تاراج کیا جا رہا ہے۔ شرفا کی عزتیں غیر محفوظ ہیں۔ قانون کی بالادستی کا طبل بجانے والے ججوں کو عدالتوں میں گولیوں سے بھونا جا رہا ہے.... جہاں بھی شی کے قدم جمتے ہیں وہاں ایسی ہی کہانیاں دہرائی جاتی ہیں۔ تم خدا کا شکر ادا کرو کہ اس پودے کو یہاں سے بروقت اکھاڑ پھینکا گیا۔"
ویرا کی باتیں سن کر فرطِ حیرت سے جہانگیر کی آنکھیں پھیل گئیں۔
"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" ویرا قدرے توقف کے بعد تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولی "صدمے سے میرا دماغ خراب نہیں ہوا۔ آج میں اس لیے کھل کر بات کر رہی ہوں کہ آج شی سے میرا رہا سہا تعلق بھی ختم ہو گیا۔ میں نے شی سے نہیں' جمی لائیڈ سے وفاداری کا ذاتی حلف اٹھایا تھا۔ اس کے مر جانے کے بعد میں بالکل آزاد ہو چکی ہوں۔ اب کوئی آئی مین اور سپر آئی مین میری زبان بند نہیں کر سکے گا۔"
"عورتوں کی زبان کوئی بند نہیں کر سکتا" میں نے تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا "اس کی بس ایک ہی صورت ہے کہ تم روشنیاں گل کر کے بستر پر دراز ہو جاؤ.... رات بہت تیزی سے ڈھل رہی ہے۔"
ایک بار پھر سب ہنس پڑے اور اپنے اپنے کمروں کا رخ کرنے کے ارادے سے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن اسی لمحے فلیٹ کی ڈور بیل پوری قوت سے چیخ پڑی۔ سب خاموش ہو کر فکر مندانہ نگاہوں سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ میں محتاط انداز میں بند دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

میں نے پوری احتیاط کے ساتھ دروازے کا بولٹ گرانے کے بعد قفل کھولا۔ دروازے کو ایک مختصر سی حد سے آگے نہ کھلنے دینے والی مضبوط زنجیر پہلے ہی اپنی سلائیڈ میں پھنسی ہوئی تھی۔ میں نے زنجیر کی حد کے مطابق دروازے میں جھری پیدا کی تو مجھے ایک معصوم سا باوردی نوجوان سامنے نظر آیا۔ اس کے شانے سے جھولتے ہوئے بیگ پر شہر کی ایک معروف کوریر سروس کے نام کے ابتدائی حروف نمایاں تھا۔ ناوقت آمد پر وہ خود بھی شرمندہ سا نظر آرہا تھا۔

اس کے پیچھے بلڈنگ کا چوکیدار بھی موجود تھا۔ اس کی خواب آلود آنکھوں سے غصے اور بیزاری کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ ہم لوگوں کی وقت ناوقت آمد سے بہت پریشان رہتا تھا۔ ہم سے نجات ملی تو ہمارے حوالے سے اس پیغام رساں نے شاید چوکیدار کو گہری نیند سے اٹھا دیا تھا۔

"سوری سر!" بیگ والے لڑکے نے نہایت تہذیب اور شائستگی سے معذرت کرتے ہوئے، اپنے بیگ میں سے ہلکے نیلے رنگ کا ایک لفافہ اور بال پین نکال کر میری طرف بڑھا دیا "اپنے بہت سے سرپرستوں کی بے آرامی اور تلخ تجربات کے بعد ہماری کمپنی نے ڈیلیوری کے اوقات ۹ بجے صبح سے شام کے پانچ بجے تک محدود کر دیے ہیں پھر بھی بعض اہم ترین پیغام کی ترسیل کے لیے اوڈ ٹائم سروس بھی مہیا کرنی پڑتی ہے۔ عام خطوط کے مقابلے میں اس کا معاوضہ دس گنا سے بھی زیادہ لیا جاتا ہے لیکن لوگ اپنی ضروریات کے لیے اس خطیر رقم کی بھی پروا نہیں کرتے۔ خدا کرے کہ میں آپ کے لیے کوئی اچھی خبر لے کر آیا ہوں۔"

میں نے لفافے سے منسلک رسیدوں پر بے زاری سے دستخط کیے۔ دو رسیدیں پھاڑ کر، بال پین سمیت اسے لوٹا دیں۔ وہ ان چیزوں کو اپنے بیگ میں اڑستا ہوا، سلام کر کے بعجلت زینے اترنے لگا۔ چوکیدار بڑبڑاتا ہوا اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ میں ان دونوں پر مزید کوئی وقت ضائع کیے بغیر، دروازہ بند کر کے اندر لوٹ آیا۔

"کوریر سروس کی چٹھی.... اس وقت؟" ویرا میرے ہاتھ میں دبا ہوا لفافہ دیکھ کر تحیر زدہ آواز میں بولی۔

"اسے تکنیکی زبان میں اوڈ ٹائم سروس یا بے وقت کی خدمت کہتے ہیں جو خطیر معاوضے پر بھی مشکل ہی سے ملتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ خط تمہارے نام آیا ہے۔ اجازت ہو تو کھول لوں؟" میں نے پوچھا۔

"کھول لو...." وہ بے زاری سے بولی "میرے کون سے محبت نامے آتے ہیں؟"

"دل چھوٹا نہ کرو" سلطان شاہ نے گرہ لگائی "اب میں بھیج دیا کروں گا۔"

لفافے پر اسی فلیٹ کے پتے کے ساتھ ویرا کا نام لکھا ہوا تھا۔ خط بھیجنے والے کا نام ایچ ڈی نارمن تھا۔ اس کے پتے میں کلفٹن کا لفظ سب سے نمایاں تھا۔ بظاہر وہ غیر سرکاری اور نجی خط معلوم ہوتا تھا۔ میں نے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر وہ بند لفافہ ویرا کی طرف بڑھا دیا۔

لفافے میں سے برآمد ہونے والا کاغذ بھی لفافے کا ہم رنگ تھا۔ تحریر پر نظر پڑتے ہی ویرا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور چند ثانیوں کے تحیر زدہ سکوت کے بعد اس نے اس خط کے مندرجات بلند آواز میں پڑھنے شروع کر دیے۔ خط انگریزی میں لکھا گیا تھا اور اس کا مفہوم کچھ یوں تھا۔

"ویرا ڈارلنگ!

"تم جانتی ہو کہ جم کلارک تمہارا خیر خواہ ہے۔ وہ تمہارے کچھ اہم معاملات نمٹانے کے لیے امریکا سے یہاں آیا تھا۔ آج شام وہ ہوٹل میں تم سے ملا۔ تمہارا ایک بدنام مقامی دوست بھی تمہارے ساتھ تھا۔ ہوٹل میں تم تینوں کی ملاقات کے کئی گواہ مل جائیں گے۔ وہاں سے تم جم کلارک کو ایک مکان میں لے گئیں۔ وہاں کیا کچھ ہوا، یہ تم ہی کو معلوم ہوگا۔ مجھے فکر اس بات کی ہے کہ جم کلارک جو ایک اہم امریکی شہری ہے، ابھی تک گھر نہیں لوٹا۔ میں فوری طور پر اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ وہ مکان جہاں جم کو لے جایا گیا تھا، حیرت ناک سرعت کے ساتھ خالی کر دیا گیا ہے۔ کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم جم کلارک کی دوست نہیں رہی ہو؟ یہ خط ملتے ہی مجھ سے فون پر رابطہ کرو۔ تمہارے فلیٹ کا فون نمبر میری سیکریٹری، جینی کی ڈائری میں محفوظ ہے اور وہ اپنی میز کی درازیں مقفل کر کے دو دن کے لیے اسلام آباد گئی ہوئی ہے۔ میں تمہاری خاموشی کو کھلی مخاصمت کا اعلان تصور کروں گا۔ امید ہے کہ تم ایسی نوبت نہیں آنے دو گی اور فوری طور پر نیچے دیے ہوئے فون نمبر پر مجھ سے بات کرو گی۔ ایک بار مقامی حکام کو ملوث کر لیا گیا تو میں اپنی تمام تر خواہشات کے باوجود بھی تمہاری کوئی قابلِ ذکر مدد نہیں کر سکوں گا۔"

دستخط کے نیچے کلفٹن کے علاقے کا ایک فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ ویرا نے خط پڑھ کر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور وہ خط بے پروائی سے فرشی قالین پر اچھال دیا۔

"اب حرام زادے بلبلا رہے ہیں" وہ اسی قہقہے کے دوران بولی "میں تم کو پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ خوف زدہ امریکی کسی چوہے سے زیادہ بدتر اور بے ضرر ہوتے ہیں۔ سی آئی اے والوں نے اپنے زخموں کی دیکھ بھال اور اوسان کی بحالی کے بعد، دوبارہ اسٹیشن فور کا چکر لگایا ہوگا تو میدان صاف پا کر ان کے فرشتے کوچ کر گئے ہوں گے۔"

"لیکن یہ ایچ ڈی نارمن کون ہے؟" غزالہ نے قالین پر سے لفافہ اٹھا کر، نام پڑھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ عرصے پہلے تک امریکن قونصل خانے میں سیکنڈ سیکریٹری ہوا کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ جم کلارک اور اس کے ساتھ آنے والوں کا پروٹوکول افسر بھی یہی ہو" وہ خط پڑھنے کے بعد ویرا تر و تازہ نظر آنے لگی تھی "ان لوگوں نے ہمیں بے یار و مددگار سمجھ کر

ری چالاکی سے اپنا جال بچھایا تھا لیکن ان کی بازی الٹ گئی۔ جم
لارک جیسے دی آئی پی کو گنوا دینے کے بعد ان کے ہاتھ پیر پھول
گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جم کلارک کسی سفارتی بہروپ میں یہاں
یا ہو۔"

"اپنے ایک اہم شہری کی گمشدگی کے حوالے سے وہ مقامی
نظامیہ کو ہلا دینے کی طاقت رکھتے ہیں" غزالہ بولی۔

"اتنا آسان نہیں ہے" میں بولنے پر مجبور ہو گیا "وہ گھر سے
غوا کیا جاتا یا راستہ چلتے مارا جاتا تو کچھ نہ کچھ بات بن سکتی تھی۔
ب وہ مقامی حکام کو کیا کہانی سنائیں گے....؟ میرا خیال ہے کہ اول
خان نے بھی سوچے سمجھے بغیر اسٹیشن فور چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔
شاید وہ امریکنوں کے رعب میں آگیا تھا۔ وہ لوگ مر کر بھی اسٹیشن
فور کا حوالہ نہیں دیں گے۔ وہاں زبردست کشت و خون ہوا ہے۔
سامنے والی گلی میں تین مقامی غنڈوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ مجھے یقین
ہے کہ ان لاشوں کے آس پاس سے امریکی ساخت کے ہتھیار،
میگزین اور گولیوں کے ان گنت خول ملیں گے۔ اسٹیشن فور کی نشان
دہی کرنے کے بعد وہ ان تمام چیزوں کے بارے میں کہاں سے جواز
لائیں گے؟"

"بدترین بات یہ ہے کہ ہم لوگ جم کلارک کو مار بیٹھے ہیں اور
وہ ہمارے فون نمبر کے علاوہ اس ٹھکانے سے بھی واقف ہیں"
جہانگیر پُرتشویش آواز میں بولا "وہ اسٹیشن فور کا ذکر کیے بغیر، جم
کلارک کی گمشدگی کی رپورٹ میں مشتبہ ملزموں کے طور پر تم دونوں
کے نام دے دیں تو یقین رکھو کہ تم لمبے چکر میں آجاؤ گے۔"

"جہانگیر ٹھیک کہہ رہا ہے" ویرا نے مجھے بولنے سے روکتے
ہوئے کہا "جب تک ان لوگوں کا ردِعمل سامنے نہ آجائے، ہمیں
پوری احتیاط سے کام لینا چاہیے.... یہ فلیٹ چھوڑ دینے کی صورت
میں ہمیں کچھ عرصے کے لیے موتی لال سے بھی نجات مل جائے گی۔
یہ فلیٹ ہمارے دشمنوں میں ضرورت سے زیادہ شہرت پا چکا ہے۔"

"لیکن موتی لال سے تو ہم خود چھیڑ چھاڑ جاری رکھنے کا فیصلہ
کر چکے ہیں" سلطان شاہ نے یاد دلایا۔

"تم مجھ سے چھیڑ چھاڑ کر لینا" ویرا نے مسکراتے ہوئے اپنا
داہنا ہاتھ سینے پر رکھ کے سر کو قدرے خم دیا اور بولی "اس کا معاملہ
تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں جب چاہوں گی، اسے دفتر سے نکال کر سڑک
پر لے آؤں گی۔"

"لیکن تمہیں ایک بار نارمن سے بات کر لینی چاہیے" غزالہ
نے سنجیدگی سے لقمہ دیا۔

"ہاں!" میں نے پُرزور انداز میں اس کی تائید کی "کم از کم پتا
تو چلے کہ وہ کس نہج پر سوچ رہا ہے۔"

"مجھ سے بات کر کے اسے کچھ نہ کچھ تسلی ہو جائے گی" ویرا
میرے نقطۂ نظر سے متفق نہیں تھی "میری خاموشی اس خبیث کو
اعصاب شکن بے یقینی میں مبتلا رکھے گی۔ انہیں اذیت پہنچا کر اب
مجھے خوشی ہونے لگی ہے۔"

"تم سے بات کر کے وہ کیا جان لے گا؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"اسے معلوم ہو جائے گا کہ جم کلارک اب ایک بھولی ہوئی کہانی بن چکا ہے۔"

"تم اسے اصل واقعات کی ہوا بھی نہ لگنے دینا۔ وہ سمجھتا رہے گا کہ جم اب بھی تمہارا قیدی ہے لیکن یہ بلاوجہ کی بات ہے چند گھنٹوں بعد دن طلوع ہونے والا ہے۔ اوّل خان نے وعدہ کیا ہے کہ دن نکلنے سے پہلے وہ جم کلارک کی لاش امریکن قونصل خانے کے آس پاس پھنکوا دے گا۔ چند گھنٹوں بعد نارمن کو بھی اس کے قتل کا علم ہو جائے گا۔ جو بات زیادہ دیر تک چھپی نہ رہ سکے اس کو اتنی اہمیت نہیں دی جانی چاہیے" میرے جواب نے ویرا کو خاموش کر دیا۔

بقیہ تینوں بھی میرے ہم نوا ہو گئے۔ ویرا کا مؤقف ویسے ہی کمزور پڑ چکا تھا۔ وہ شکست خوردہ انداز میں اسپیکر فون کی طرف بڑھ گئی۔ ویرا نے بٹن دبا کر اسپیکر فون آن کیا تو غزالہ نے مستعدی سے نارمن کا ہلکا نیلا خط اس کی طرف بڑھا دیا کیونکہ نارمن کا فون نمبر اسی پر لکھا ہوا تھا۔

نمبر ملتے ہی پہلے بزر پر دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا۔ ہیلو کے بجائے خالص امریکن لہجے میں ہائے کہا گیا تھا لیکن بولنے والے کی آواز بجھی بجھی سی تھی۔

"مجھے نارمن سے بات کرنی ہے اور اگر تم ہی نارمن ہو تو سن لو کہ میرا نام ویرا ہے" ویرا نے ترش اور جارحانہ لب و لہجے میں اپنی بات سننے والے کے کانوں تک پہنچائی۔

"اوہ! ویرا ڈارلنگ!" اس کا نام سنتے ہی، دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز کھل اٹھی "میں ہنری بول رہا ہوں۔ تم بے تکلفی سے مجھے میرے پہلے نام سے پکار سکتی ہو۔ میرا پورا نام ہنری ڈریک نارمن ہے۔"

"تمہارا نام بہت لمبا اور بے ہودہ ہے" ویرا خشک لہجے میں بولی "نام کی طرح تمہارا خط بھی غیر معیاری اور واہیات تھا۔ اگر وہ رات گئے موصول نہ ہوتا تو میں اسے بالکل نظر انداز کر دیتی۔"

"کیا خرابی تھی اس میں؟" وہ ویرا کی زبان سے اپنی غلطی کے بارے میں جاننے کا خواہاں تھا۔

"خط کی ابتدا میں تم نے ڈارلنگ کے ساتھ مجھے میرے پہلے نام سے مخاطب کیا تھا لیکن اپنا پہلا نام کہیں نہیں لکھا تھا جو امریکی رواج کے یکسر خلاف ہے.... کیا تم خود کو مجھ سے کچھ برتر سمجھتے ہو؟"

"اوہ نہیں.... نہیں.... بالکل نہیں" وہ ہکلا کر انکار کی تکرار کیے چلا گیا "بس پریشانی میں مجھ سے چوک ہو گئی۔ میں اپنی اس لغزش پر سخت شرمندہ ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ میری اتنی بڑی غلطی کے باوجود تم نے فون کر کے مصالحت کا عندیہ ظاہر کیا ہے۔ میں اس بارے میں بدترین وسوسوں کا شکار ہو چلا ہوں۔"

"میں ساری رات فون پر نہیں بیٹھی رہ سکتی۔ وقت برباد کرنے کے بجائے اصل بات شروع کرو" ویرا غرائی۔

"جم کلارک کہاں ہے؟" لحظہ بھر کے توقف کے بعد دوسری طرف سے متجسس آواز میں پوچھا گیا۔

"اگر تم اس کے پروٹوکول افسر تھے تو اس سوال کا جواب تمہارے علم میں ہونا چاہیے۔"

"بدقسمتی سے میں ہی اس کا افسر مہمان داری ہوں لیکن اس کے بارے میں بے خبر ہوں۔"

"یہ تمہاری بدترین نااہلی ہے۔ میں اس بارے میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"وہ تم سے ملنے کے لیے ہوٹل گیا تھا۔ تم ضرور میری مدد کر سکتی ہو۔"

"وہ اکیلا نہیں تھا۔ اپنی حفاظت کے لیے ایک جلوس لے کر آیا تھا۔ اس کے ساتھیوں سے پوچھو کہ انہوں نے اس کو کہاں چھوڑا تھا۔ میں نے یہاں لاوارث امریکنوں کو ڈھونڈنے کا ٹھیکا نہیں لے رکھا ہے۔"

"وہ کہتے ہیں کہ جم کلارک آخر تک تمہاری اور ڈینی کی گاڑی میں تھا۔"

"میری گاڑی پارکنگ لاٹ میں موجود ہے۔ آ کر دیکھ لو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کونے کھانچے میں گھس گیا ہو۔"

"اتنی بے رحمی سے میرا مضحکہ نہ اڑاؤ" اسپیکر فون سے ابھرنے والی آواز میں بے بسی امڈ آئی "ماضی میں، میں کئی تمہارے کام آ چکا ہوں۔"

"ماضی میں تم مجھ سے اپنی خدمات کا معاوضہ بھی وصول کرتے رہے ہو" ویرا کے پاس اس کی ہر بات کا جواب موجود تھا "تمہاری کار میں جم کو ایلس روڈ کی اسی عمارت میں لے گیا تھا جو اب ویران پڑی ہوئی ہے۔"

"پتا نہیں تم کس عمارت کی بات کر رہے ہو؟ تمہیں معلوم ہوا کہ وہ عمارت ویران ہو چکی ہے؟"

"پہلے وہاں چپے چپے پر مسلح آدمی دندناتے پھر رہے تھے۔ جو کی سرسراہٹ پر بھی گولیاں برسا رہے تھے۔ وہاں بہت خون ہوا تھا لیکن اب وہاں پھاٹک پر کئی فائر کیے گئے تب بھی اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ عمارت مکمل اندھیرے میں ڈوبی ہوئی اور دور سے آسیب زدہ معلوم ہو رہی ہے۔"

"پھر وہ عمارت آسیب زدہ ہی رہی ہو گی" ویرا نے بے پروائی سے کہا "ان علاقوں میں ایسے چکر چلتے رہتے ہیں۔ آسیبی نظر کا شکار ہونے والے حقائق کے بجائے وہی کچھ دیکھتے رہتے ہیں جو آسیب انہیں دکھانا چاہتے ہیں۔ یقین نہ ہو تو اس عمارت میں داخل ہو کر دیکھ لو۔ تمہارے شبہات کی تصدیق ہو جائے گی۔"

"تم بلاوجہ مجھے چکر دے رہی ہو" وہ جھلا گیا "یہ بہت لمبا ... ہے۔ اس ویران مکان کے سامنے والی گلی میں سے مقامی پو...

ان تینوں مقامیوں کی لاشیں اٹھا رہی ہے جو جم کلارک کو اس عمارت سے بازیاب کرانے کی کوششوں میں مارے گئے تھے۔ دو آدمی زخمی ہو کر لوٹے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ بتایا' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں تمہاری پوزیشن بہت مضبوط ہے اور تم اسی گھمنڈ میں میرے سوالات کو جائز اہمیت نہیں دے رہی ہو۔"

"میں تمہارے احمقانہ مفروضات پر اپنی رات برباد نہیں کر سکتی۔"

"میں جم کلارک کی بازیابی کا قصہ پولیس کے حوالے کر دوں گا" اس کا لہجہ دھمکی آمیز ہو گیا۔

"تین لاشوں اور ہتھیاروں کا جواز پیش کر سکو تو یہ ہمت بھی کر ڈالو۔ یہ یاد رکھنا کہ یہاں کی پولیس غیر ملکیوں سے پوچھ گچھ بہت رغبت سے کرتی ہے۔ تفتیش کے سلسلے میں مرد یا عورت کی پروا کیے بغیر کم و بیش ہر خوب رو ملزم کو جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ تم ویسے بھی نوعمر اور خوش شکل ہو۔ تمہاری چمک دار نیلی آنکھیں اپنے حلقوں....."

"شٹ اپ!" اس نے جھنجلا کر ویرا کی بات کاٹ دی۔ "میرے ساتھ بے ہودہ مذاق کی کوشش مت کرو۔ یہاں کی پولیس مجھے انگلی بھی نہیں لگا سکتی۔ ابھی تک ہم سرکاری طور پر اس معاملے میں سرگرم نہیں ہوئے ہیں مگر ہمارے چند آدمی موقع پر پہنچ چکے ہیں اور اپنا کام دکھا رہے ہیں۔"

"وہاں موجود پولیس والوں نے تمہارے آدمیوں کو آسیبی عمارت کے پھاٹک پر چاند ماری کرنے کی اجازت دے دی تھی؟" ویرا نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"وہ غیر مسلح ہیں" اسپیکر فون سے تکبر آمیز لہجے میں آواز ابھری "پولیس والوں کو مخصوص راہ پر ڈالنے کے لیے وہ اپنے ذہن اور زبانیں استعمال کر رہے ہیں۔ ان کے ایما پر پولیس والوں نے تمہاری کمین گاہ پر گولیاں چلائی تھیں۔"

"وہ میری کمین گاہ تھی تو تم نے خط دوسرے پتے پر کیوں بھجوایا ہے؟"

"خط بھیجنے تک میں پورے واقعات سے باخبر نہیں ہو سکا تھا" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"تم جھوٹے ہو" ویرا اس پر برس پڑی "اپنے خط میں تم نے صاف لکھا ہے کہ وہ مکان جہاں جم کو لے جایا گیا تھا' حیرت ناک سرعت کے ساتھ خالی کر دیا گیا ہے۔ خط لکھتے ہوئے تم ہر بات سے باخبر تھے۔"

"میری بات پکڑ کر فروعات میں نہ الجھو!" اس کی آواز دھیمی اور سخت ہو گئی "میں صرف جم کلارک کی واپسی چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہوا' میں اسے بھول جاؤں گا۔ کسی سے ذکر تک نہیں کروں گا۔"

"بھول جانے اور گھر جا کر کسی سے ذکر نہ کرنے کا تعلق بچپن اور لڑکپن کی لغزشوں سے ہوتا ہے۔ اپنی ناسمجھی کے زمانے کے ان کلیوں کو اپنی پیشہ ورانہ زندگی پر لاگو نہ کرو۔ میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا ہے' تم اس کے بارے میں ڈھول بھی بجاتے پھرو تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ساری رسوائی تمہارے حصے میں آئے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم جم کلارک کی واپسی کے مسئلے پر بات کرنے پر آمادہ نہیں ہو؟" آواز تیز اور غصیلی ہو گئی۔

"جم کلارک میرے نزدیک قطعی غیر اہم مہرہ ہے۔ مجھے قطعی علم نہیں کہ اس وقت وہ کہاں ہو گا۔ اگر وہ تمہارے لیے گلے کی ہڈی ہی بن گیا ہے تو میں دیکھتی ہوں کہ وہ کہاں ہے۔ تم اس کے بارے میں کیا چاہتے ہو؟"

"میں بار بار کہہ چکا ہوں اور اب پھر دہراتا ہوں کہ میں اس کی واپسی چاہتا ہوں۔"

چند لمحوں کے ڈرامائی توقف کے دوران ویرا زہریلے انداز میں مسکرائی پھر اسپیکر فون میں بولی "میری کوشش ہو گی کہ وہ صبح تک تم لوگوں میں واپس پہنچ جائے۔ اس نے مجھے جو کچھ بتایا ہے' اس کے بارے میں تمہارے کسی بڑے سے بات کی جائے گی۔ اونچی سطح کی ان باتوں کے لیے تم بہت چھوٹے افسر ہو۔"

"تم مجھے بتاؤ" وہ یک بیک جوش میں آ گیا "میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔ کسی وجہ سے کوئی جواب نہ دے سکا تو کم از کم تمہارا سوال متعلقہ عہدے دار تک ضرور پہنچا دوں گا۔"

"جمی لائیڈ کو کس کے حکم پر قتل کیا گیا؟ یہ میرا پہلا سوال ہے" ویرا نے پوچھا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا..... وھائٹ ہاؤس کے باہر ایک نامعلوم قاتل نے اسے ہلاک کیا۔ وہ کس کے اشارے پر کام کر رہا تھا؟ اس سوال کا جواب تو فی الحال صدر کے پاس بھی نہیں ہو گا" نارمن نے ایک ایک لفظ ناپ تول کر ادا کیا تھا "مم..... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ جم کلارک پہلی ہی ملاقات میں یہ بری خبر تمہیں سنا دے گا۔"

"وہ کم ظرف اور کمینہ تھا..... وہ مجھ پر جلد از جلد اپنی برتری اور تحکم جتانا چاہتا تھا..... وہ شی میں بس میرا ہم منصب ہی تو تھا۔ وہ آئی مین اور میں آئی وومین۔ جب وہ مجھے اپنے اختیار کی دھونس میں نہ لے سکا تو معاملہ اس کی بساط سے باہر ہو گیا۔ اسے کہنا پڑا کہ وہ آئی مین نہیں' شی کا سپر آئی مین ہے کیونکہ شی کے بانی' جمی لائیڈ کو موت چاٹ گئی تھی۔"

"تم جم کلارک کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کر رہی ہو؟" نارمن کی سہمی ہوئی آواز ابھری "کیا تم نے جمی لائیڈ کے قتل کا انتقام اس سے لیا ہے؟ وہ زندہ تو ہے نا؟"

"بات ماضی کی ہو تو ماضی کا صیغہ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ یہ انگریزی زبان کی خرابی ہے۔ مجھے اتنا یقین ہے کہ جم کلارک ابھی تک موجود ہے۔ کس حال میں ہے؟ میں یہ نہیں جانتی۔ ویسے ہر انسان پیدائش سے موت کے بعد تک موجود رہتا ہے۔ وہ غائب

اسی وقت ہوتا ہے جب اسے مٹی میں دفن کردیا جائے یا آگ میں بھسم کردیا جائے۔ جم کلارک کو چلتا پھرتا اور سوتا جاگتا دیکھ کر لوگ کہیں گے کہ یہ جم کلارک ہے۔ اس کی بے جان لاش کو دیکھنے والے بھی اسے بالکل ان ہی الفاظ سے پہچانیں گے۔ فرق آخری رسوم کے بعد پڑتا ہے جب آدمی ایک بھولا ہوا خواب بن جاتا ہے۔"

"تم مجھے دہلا رہی ہو..... امید دلا دلا کر نا امیدی کے شوشے چھوڑ رہی ہو....."

"یہ میرے چھوڑے ہوئے شوشے نہیں' تمہارے ذہن میں کلبلاتے ہوئے وسوسوں کے بچھو ہیں جو تمہارے احساسات میں اپنے زہریلے ڈنک مار رہے ہیں۔ تمہیں خود جم کلارک کی زندگی کا کامل یقین نہیں ہے۔ تم میرے الفاظ میں اس کی زندگی اور موت تلاش کررہے ہو۔ اپنے ان پالتو بچھوؤں کو سلادو۔ میری باتوں سے تمہیں سکون ہی سکون ملنے لگے گا..... لیکن اب میں زیادہ باتیں نہیں کرسکتی..... فون بند کررہی ہوں۔"

"مجھے اپنا نمبر تو دے دو۔ میری سیکریٹری نہ جانے کب واپس آئے۔"

"نہیں" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "موڈ ہوا تو میں خود بات کرلوں گی۔"

"مجھے ایک بار پھر کوریر سروس کا سہارا لینا پڑے گا کیونکہ سفارتی پابندیوں کی وجہ سے میں خود تمہارے فلیٹ پر نہیں آسکتا۔ یہاں کے حالات ہمارے لیے اکثر مخدوش رہتے ہیں۔"

"میں حیران ہوں کہ یہاں بھی کوئی کوریر سروس رات گئے کی ایسی ڈیلیوری سروس فراہم کرتی ہے" ویرا کو اپنی حیرت کے اظہار کا موقع مل گیا "باہر کے ممالک میں تو بھاری ہرجانوں کے مقدمات کے بعد یہ سلسلہ ختم ہی ہوچکا ہے۔"

"خاص لوگوں کے لیے خاص سروس ہر جگہ اور ہر وقت میسر رہتی ہے..... مجھے یہ سہولت صرف اپنے عہدے کی وجہ سے حاصل ہے لیکن کوریر سروس والے اپنی شرائط پر دستخط کرواکے خود کو ہر ہرجانے اور ذمے داری سے بچالیتے ہیں۔ مرسل الیہ کے سارے غیظ و غضب' مقدمے بازی اور ہرجانے وغیرہ کا بوجھ پیغام بھیجنے والے کو اٹھانا پڑتا ہے..... مجھے خوشی ہے کہ پاکستان جیسے پس ماندہ ملک میں بھی ترقی یافتہ ملکوں کی بعض سہولتیں میسر ہیں۔ لیکن میں ایک بار پھر تم سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے اپنا فون نمبر دے دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں بلاوجہ پریشان نہیں کروں گا۔"

"میری دانست میں تم نے اس وقت بھی بلاوجہ مجھے پریشان کیا ہے۔ میری بلڈنگ کا چوکیدار بھی اپنی نیند خراب کیے جانے پر بہت برہم تھا۔ فی الحال آرام کرو۔ اب کل بات ہوگی" ویرا نے فون بند کردیا۔

"میں نے تم لوگوں کی خواہش پوری کردی" ویرا ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر اکتائے ہوئے لہجے میں بولی "میرا خیال ہے کہ اب مجھے آزادی سے سونے کا حق حاصل ہے۔ اجازت ہو تو میں اپنے کمرے میں چلی جاؤں؟"

"تارمن سے گفتگو ہونے کے بعد بھی تم سونے کے بارے میں سوچ رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"پھر کیا کروں؟" وہ چڑ کر بولی "وہ رات میں تو ٹینک لے کر یہاں دھاوا بولنے سے رہا۔"

"تم بلاوجہ مشتعل ہورہی ہو" میں نے مصالحانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا "تمہارا مشورہ بالکل درست تھا کہ جم کلارک کو زندہ رکھنا ہم میں سے کسی کے مفاد میں نہیں تھا۔ جب تک وہ زندہ رہتا یا اس کی بازیابی کی کوئی موہوم سی امید بھی زندہ رہتی' اس کے ہمدرد اس کی آزادی کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے رہتے اور ہمارے لیے مشکلات پیدا کرتے رہتے۔ کل صبح انہیں جم کلارک کی لاش ملے گی تو ان کا سارا جوش و خروش جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا مگر یہ بھی تو سوچنے والی بات ہے کہ اپنے زندہ خواب کی مردہ تعبیر سامنے دیکھ کر وہ سب آتش انتقام میں سلگنے لگیں گے۔ وہ ہر اس شخص کو پیس ڈالنا چاہیں گے جو جم کلارک کے قتل میں حصے دار تھا۔ وہ دوسروں کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں' میرے اور تمہارے بارے میں پوری طرح باخبر ہیں۔ ہم دونوں ہی اس بدزبان موذی کو ہانک کر اس کے مقتل کی طرف لے گئے تھے اور وہ ہمارے اس ٹھکانے سے بھی باخبر ہیں۔"

ویرا چند ثانیوں تک الجھن زدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھتی

رہی پھر سرد لہجے میں بولی "تمہاری تقریر خاصی اچھی اور پُر پیچ تھی لیکن میں اب بھی تمہارا مقصد سمجھنے سے قاصر ہوں....."

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "سیدھی سی بات ہے۔ ہم سب تھکے ہوئے ہیں۔ اب بستروں پر گرے تو گدھے گھوڑے بیچ کر سوئیں گے اور اگلی دوپہر کی خبر لائیں گے جب کہ ہمارے دشمن جم کلارک کی لاش دریافت کرتے ہی حرکت میں آجائیں گے اور ادھر دوڑ لگائیں گے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ وہ یہاں آئیں تو اس فلیٹ کو بالکل غیر آباد پا کر اپنے سر پیٹنے پر مجبور ہو جائیں؟"

ویرا اس وقت واقعی خالی الذہنی کے عالم میں تھی۔ میری وضاحت پر ایک گہرا سانس لے کر بولی "اوہ! تو تم ٹھکانا بدلنے کے امکانات پر غور کر رہے ہو۔ نیند میں گردن کٹوانے سے بہتر ہوگا کہ ہم مزید چند گھنٹوں کی بے خوابی برداشت کرلیں۔ نئی جگہ پر ہم پوری بے خوفی سے اپنی نیند پوری کرسکیں گے۔"

"لیکن اس وقت ہم کہاں جائیں گے؟" جہانگیر نے پُر تشویش آواز میں پوچھا۔

"ویسے تو سلمیٰ کی واپسی تک تمہارا گھر بھی خالی ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "مکاؤ والوں کے پھیلائے ہوئے گند کے باوجود تمہارا گھر اس قابل ہے کہ ہم پانچوں فوری طور پر محنت کیے بغیر وہاں آرام کرسکیں لیکن وہاں کل ہی خاصا دھول دھپا ہوا ہے۔ ایس ٹی ایف کی طرف سے معاملات کو دبا دیے جانے کے باوجود اس علاقے کی پولیس اپنے طور پر بہت کچھ جاننے کی کوشش کر رہی ہوگی۔ ہم ان کی نظروں میں آگئے تو دشواریوں سے دوچار ہوسکتے ہیں..... یہ بتاؤ کہ آج کل تمہاری گارمنٹ فیکٹری میں کیا صورتِ حال ہے؟"

میری زبان سے جہانگیر کی گارمنٹ فیکٹری کا ذکر سن کر سب ہی مستفسرانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس نے پھاڑ کھانے والی نظروں سے مجھے گھورنا شروع کردیا پھر بے بسی سے بولا۔ "شہر میں ہر درجے کے ہزاروں ہوٹلوں کی بھرمار ہے۔ کیا ہم ان میں پناہ نہیں لے سکتے؟"

"اگر فیکٹری چل رہی ہے تو ہمیں ہوٹلوں کا ہی رخ کرنا پڑے گا" میں نے بھانپ لیا کہ وہ کسی وجہ سے ہمیں فیکٹری لے جانے سے گریز کر رہا تھا۔ میں نے براہِ راست اصرار کرنے کے بجائے مایوسی سے کہا "بیک وقت پانچ افراد کسی ایک ہوٹل میں پہنچے تو ہر ایک کی نظروں میں آجائیں گے۔ ہمیں ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑنا ہوگا۔ تمہاری فیکٹری میں ہم اکٹھے اور زیادہ محفوظ رہیں گے۔ کیا آج کل کام زیادہ زوروں پر ہے؟"

"فیکٹری میں اُلّو بول رہے ہیں" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔ "حکومت کی ایک پالیسی پر زور و شور سے عمل نہیں ہونے پاتا کہ کوئی سرکاری بزرجمہر نئی پالیسی لے آتا ہے۔ ری بیٹ میں کمی ہونے سے سارے منافع بخش سودے خسارے میں چلے گئے ہیں اور فیکٹریاں بند ہوگئی ہیں۔ میں نے بھی فیکٹری میں تالا ڈلوا دیا ہے۔"

"میں نے سنا ہے کہ گارمنٹ فیکٹریوں میں مزدوروں اور کاریگروں کی بڑی تعداد کام کرتی ہے۔ فیکٹریاں بند ہو رہی ہیں تو یہ سب کہاں جائیں گے؟" ویرا کی آنکھوں میں یک بیک دلچسپی عود کر آئی۔

"بوجھ ڈھوئیں گے، ٹھیلے لگائیں گے یا پھر چوریاں اور ڈکیتیاں کریں گے" جہانگیر نے لاتعلقانہ بے زاری کے ساتھ جواب دیا۔ "وہ کچھ نہ کچھ کرکے اپنے پیٹ کا جہنم بھر لیں گے۔ کارخانوں والے تو کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔ بازار میں مندی ہو تو دس ہزار کی مشین کو کوئی دو ہزار میں بھی نہیں پوچھتا۔ سب میری طرح گھر سے کھانے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے۔ بعض لوگ تو اپنا کاروبار جمانے کے شوق میں سب کچھ بیچ باچ کر داؤ پر لگا دیتے ہیں....."

"اس موضوع پر ہم کسی اور وقت بات کرلیں گے" میں نے ایک بار پھر درمیان میں ٹانگ اڑا دی "فیکٹری بند ہے تو تم ہمیں وہاں لے جانے میں کیوں ہچکچا رہے ہو؟"

"اور میری یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم فیکٹری ہی میں گھسنے پر کیوں تل گئے ہو" وہ جھلا کر اشتباہ آمیز لہجے میں بولا "اس غیر آباد صنعتی علاقے میں تم چار دن بھی آرام سے نہیں رہ سکو گے۔"

"میرے اصرار کی وجہ صاف اور معقول ہے کہ ہمارے لیے تمہاری فیکٹری بہت محفوظ رہے گی" میں نے بدستور تحمل اور نرمی سے کہا "تمہارے انکار کی وجہ معقول ہوئی تو ہم ہوٹلوں کا رخ کرلیں گے۔"

اس نے سخت اور نہایت غیر دوستانہ انداز میں اپنا داہنا ہاتھ میرے شانے پر رکھا اور مجھے تقریباً کھینچتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر لیتا چلا گیا۔ اس وقت وہ کسی غصیلے سانڈ کی طرح ہانپ رہا تھا۔

"تم مجھے زچ کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہو؟" ایک خواب گاہ کے دروازے پر رک کر اس نے دھیمی مگر غصیلی آواز میں مجھ سے وہ تلخ سا سوال کیا "اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ ایک لمحے کے لیے بھی وہاں نہیں ٹکے گی اور اپنا بستر بوریا سمیٹ کر کہیں اور چل دے گی..... تم یہ بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے ہو؟"

میں نے اپنے بے ساختہ قہقہے کو نہایت صفائی سے اپنے سینے میں دفن کیا اور معصومیت سے پوچھا "تم کس کی بات کر رہے ہو؟ وہ کون ہے جو ہم لوگوں کو تمہارے ساتھ دیکھ کر برہم ہو جائے گی؟"

"تم جھوٹ بول رہے ہو" وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں تمہیں مسز خان کے بارے میں بہت کچھ بتا چکا ہوں اور اب تم مجھ سے اڑنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"مسز خان کے بارے میں تم نے بتایا تھا" میں نے تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے اعتراف کیا "دراصل وہ کنواری یعنی مس ہی ہے لیکن آسانی سے ملازمت حاصل کرنے کے لیے خود کو مسز خان ظاہر کرتی ہے۔ شاید وہ آج کل تمہارے پاس کام کر رہی ہے؟"

لیکن ہم لوگوں سے اس کو کیا لینا؟ ویرا اور غزالہ کی موجودگی میں ہم لوگ بھی معزز اور خود کفیل نظر آتے ہیں۔ ہم بھول کر بھی اسے منہ لگانے کی حماقت نہیں کریں گے۔"

"تم بہت مردود اور ضدی ہو" وہ دانت پیستے ہوئے بڑبڑایا۔ "تمہاری عقل پر جمی ہوئی برف پگھلانے کے لیے مجھے شروع سے پوری بات بتانی پڑے گی.... فیکٹری چل رہی تھی تو وہ روز گھر سے دفتر آتی اور شام کو چلی جاتی تھی۔ فیکٹری بند ہونے کے بعد وہ مستقل طور پر ریسٹ ہاؤس میں رہ رہی ہے۔ اس نے اپنے گھر والوں سے ایک بڑے ایکسپورٹ آرڈر کی تکمیل میں مصروف ہونے اور بھاری اوور ٹائم کمانے کا بہانہ کر کے یہ موقع نکالا ہے۔ وہ عزت دار عورت ہے۔ تمہارے پہنچتے ہی فیکٹری کے ریسٹ ہاؤس سے نکل بھاگے گی۔"

"وہ تمہاری رکھیل ہونے کے باوجود اتنی ناک والی بنتی ہے تو تم خود ہی اسے ایک ہفتے کے لیے گھر بھیج دینا۔ اس کے سامنے ویرا اردو نہیں بولے گی۔ تم کہہ دینا کہ وہ یورپ سے ایک بڑے سودے کے لیے آئی ہے۔ اسے دوسرے دلالوں اور کارخانے والوں کے چنگل سے محفوظ رکھنے کے لیے تم نے اسے فیکٹری کے ریسٹ ہاؤس میں لاڈالا ہے۔ ہم تینوں ویرا کے مقامی ایجنٹ بن جائیں گے۔ ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا اور مس خان بھی ایک ہفتے بعد تمہارے سینے پر مونگ دلنے کے لیے آموجود ہوگی.... ویسے یہ بہت شرم کی بات ہے کہ لی وانگ سے بارہا اپنے کولھوں کی ہڈیاں تڑوانے اور جڑوانے کے باوجود تم اپنی بدمعاشیوں سے باز نہیں آئے۔ سلمٰی کو پتا چل گیا کہ تم نے فیکٹری کو اپنی عیاشیوں کا گڑھ بنالیا ہے تو وہ زمین اور آسمان ایک کروے گی۔"

"اس کے فرشتوں کو بھی ان چکروں کا علم نہیں ہے" وہ آنکھیں نکال کے غرایا "تم نے اس سے میری چغلی کھائی تو یاد رکھنا کہ میں بھی غزالہ کے سامنے تمہارے کرتوتوں کے پشتارے کھول کر رکھ دوں گا۔"

"مجھے تم سے ایسی ہی کمینگی کی امیدیں ہیں" میں نے شکایتی لہجے میں کہا "فی الحال یہاں سے منتقلی کا معاملہ طے کرو۔ میں تم سے بعد میں نمٹوں گا۔... مس خان بھی تمہارے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتی ہوگی۔"

"یعنی تم اسے میرے خلاف بھڑکاؤ گے؟" وہ اسی وقت لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گیا۔

"میں ایسی چھچھوری حرکتیں نہیں کرتا" میں نے اطمینان سے کہا "جو کچھ کروں گا، پہلے سے تمہیں بتا کر کروں گا۔"

"اندر کیا ہو رہا ہے؟" اچانک ڈرائنگ روم کی طرف سے ویرا نے ہانک لگائی "کوئی مسئلہ ہے تو جہانگیر کی فیکٹری پر لعنت بھیجو ہم کینٹ اسٹیشن کے فٹ پاتھی ہوٹلوں میں بھی رات گزار سکتے ہیں۔"

جہانگیر نے مجھے خوں خوار نظروں سے گھورا پھر نہایت خوش ولانہ لہجے میں وہیں سے ویرا کو جواب دیا "ہم بس ابھی فیکٹری چل رہے ہیں۔ ہم لوگ وہاں غسل خانوں کی کمی کے بارے میں تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔"

ویرا ڈرائنگ روم سے نکل آئی اور بولی "غسل خانوں کی باری آئے گی تو اس مسئلے کا حل بھی نکال لیا جائے گا۔ گالان سے ہم بہت سے تجربات ساتھ لے کر آئے ہیں۔ اس وقت کا اہم ترین مسئلہ پانچ عدد نرم اور آرام دہ بستروں کا ہے جو تمہاری فیکٹری میں کپڑے کے تھان جما کر بھی تیار کیے جاسکتے ہیں۔"

"تم گارمنٹ فیکٹریوں کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو" جہانگیر نے اسے اپنے روبہ روپا کر سعادت مندی سے دانت نکال دیے "شفٹوں میں کام کرنے والے کاریگر واقعی موٹے موٹے تھان پھیلا کر اپنے آرام کے لیے ایسے نرم بستر تیار کرتے ہیں کہ پھر سپروائزر ہی انھیں جھنجوڑ کر نیند سے بیدار کرتا ہے۔"

رات دن کی بھاگ دوڑ اور جان سوزی نے ہم لوگوں کو زندگی کی بہت سی ضروریات سے اس حد تک بے نیاز کردیا تھا کہ بھول کر بھی ان کا خیال نہیں آتا تھا۔ ہم سب فوراً ہی فلیٹ کو خیرباد کہہ کر کورنگی کے صنعتی علاقے میں واقع ایس جے گارمنٹ فیکٹری کے لیے روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ مگر ویرا اور غزالہ نے ہماری روانگی میں عارضی تعطل پیدا کردیا۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ ہم بے سروسامانی کے عالم میں فرار نہیں ہو رہے تھے اس لیے دوچار روز کی ضروریات کے لیے کپڑے وغیرہ ساتھ لے لینے چاہییں تھے تاکہ

ہمیں جہانگیر کی فیکٹری کے مسترد کیے ہوئے شوخ اور بد وضع ملبوسات پر انحصار نہ کرنا پڑے۔ میں نے اس مہلت کو غنیمت جانا اور فون پر پہنچ گیا۔

نارمن سے اسٹیشن فور کی ویرانی کی خبر مل چکی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اوّل خان اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کرچکا تھا۔ میں نے اس کے گھر فون کیا تو اس کی بیوی اپنے فرض شناس شوہر کی واپسی کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ اس نے پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا۔

میری آواز پہچانتے ہی اس نے مجھ سے اوّل خان کی خیریت کے بارے میں استفسار کیا۔

میں نے اسے پوری طرح تسلی کرانے کے بعد بتایا کہ اوّل خان اپنا ٹھکانا تبدیل کررہا تھا اور ہم خود بھی اسی عمل سے گزرنے والے تھے۔ میں نے اپنے آئندہ رابطے کے طور پر جہانگیر کی فیکٹری کے دونوں فون نمبر اسے لکھوا دیے تاکہ اوّل خان گھر پہنچتے ہی مجھ سے رابطہ کرسکے۔

ویرا اور غزالہ نے چند ہی منٹ میں 'ہجرت کے لوازم کے نام پر دو وزنی تھیلے تیار کرلیے۔ چلتے چلتے مجھے اسپیکر فون کا خیال آیا۔ اس آلے کے ذریعے جملہ حاضرین دونوں فریقوں کی گفتگو لفظ بہ لفظ سن سکتے تھے لیکن جہانگیر نے مجھے منع کردیا کیونکہ اس کے دفتر میں اس سے بھی بہتر دو آلات موجود تھے۔

وہ ایک آباد رہائشی عمارت تھی جس کے بیشتر فلیٹوں میں عیال دار شرفا آباد تھے۔ پڑوسیوں کی بے آرامی کے خیال سے ہم پانچوں اپنی نقل و حرکت میں حتی الامکان احتیاط سے کام لے رہے تھے لیکن جب ہم اپنے فلیٹ کا دروازہ مقفل کرکے پارکنگ فلور کی سیڑھیاں اتر رہے تھے تو نیچے سے چوکیدار کی خواب آلود نگاہیں قریب آتی نظر آئیں۔ اس کے تیور بہت خشمناک تھے۔ وہ زمانہ لد چکا تھا جب نچلے درجے کے ملازمین ہر حال میں اور ہروقت اپنے مالکوں کے احسان مند نظر آنے کی کوشش کرتے تھے۔ سیاسی نعروں اور پھر خود رو ترقی کے نتیجے میں ہر فرد کی خودی اس درجہ بلند ہوچکی تھی کہ بعض پشتینی نمک خوار بھی اپنے آقاؤں پر دانت نکوستے نظر آنے لگتے تھے۔

پارکنگ فلور پر اس مشتعل چوکیدار سے براہِ راست آمنا سامنا ہونے سے پہلے ہی میں نے اپنی جیب سے ایک سرخ نوٹ نکال کر اس طرح نمایاں کرلیا کہ چوکیدار اسے دیکھے بغیر میرے چہرے پر نظریں ہی نہ ڈال سکے۔ جب میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں تو نہ صرف تنے ہوئے تیور ڈھیلے پڑچکے تھے بلکہ چوکیدار کی باچھوں سے ایک نرم اور خلیقانہ سی مسکراہٹ جنم لے کر موٹے موٹے ہونٹوں پر پھیلنے کا آغاز کرچکی تھی۔

اس نے میرے داہنے ہاتھ سے نوٹ لے کر روا روی میں ہاتھ بھی ملالیا پھر ہمدردانہ لہجے میں بولا "خیر ہے؟ تم لوگ اتنا سویرے سویرے کدھر جاتی ہے؟"

"میری عورت کا ماما بیمار ہے۔ ابھی اسی کا چٹھی آیا تھا" میں نے منہ لٹکا کے کہا۔

"فکر مت کرو۔۔۔ اللہ صحت دے گی" معمر چوکیدار نے ہمدردی سے میری پشت پر تھپکی دی اور میں اس کی مزید جرح سے بچنے کے لیے پھرتی سے پسنجر سیٹ پر سوار ہوگیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر سلطان شاہ قابض تھا۔

گاڑی عالمگیر روڈ پر آنے کے بعد میں نے پچھلی نشست کا جائزہ لیا تو ویرا' غزالہ اور جہانگیر کے درمیان پھنسی بیٹھی تھی۔ ویرا کو جگہ دینے کے لیے غزالہ ایک گوشے میں سکڑی سمٹی ہوئی تھی لیکن وہ کسر جہانگیر نے بصد اہتمام پوری کردی تھی۔ ویرا کا اتنا قرب میسر آجانے کے بعد وہ کسی لڑاکا مرغے کی طرح پھول اور پھیل کر بیٹھا ہوا تھا۔

"یار' ذرا دروازے کی طرف سمٹ جاؤ" میں نے جہانگیر سے کہا "ویرا تم دونوں کے درمیان میں کیسی بے آرامی سے بیٹھی ہوئی ہے؟ اسے تھوڑی سی جگہ دو۔"

"اوّل تو یہ جاپانی گاڑیاں اندر سے بہت تنگ ہوتی ہیں" جہانگیر گہرے گہرے سانسوں کے درمیان ڈھٹائی سے بولا "پھر میرے کولھے میں بھی تکلیف ہے۔ سمٹتا ہوں تو تکلیف بڑھ جاتی ہے۔۔۔ ویسے ویرا آرام سے ہے۔"

"چوکیدار سے پیچھا چھڑانے کے لیے میں آنکھیں بند کرکے آگے گھس گیا تھا" میں نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہا "تم چاہو تو آگے آجاؤ۔ ایکسل کے ابھار پر پیر جما کر بیٹھنا آسان نہیں ہوتا۔"

"بس اب چلتے ہی رہو" ویرا سے پہلے جہانگیر بول پڑا "کوئی لمبا سفر نہیں ہے۔ دس پندرہ منٹ کی بے آرامی سے کوئی قیامت نہیں آجاتی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" ویرا نے گہری سنجیدگی سے اس کی تائید کی "بس اتنی مہربانی کرو کہ اپنا داہنا بازو میری پسلیوں اور پہلو سے نکال کر پشت گاہ پر پھیلالو۔ یہ لحہ بہ لحہ میرے بدن میں پیوست ہوا جارہا ہے۔"

چار بے ساختہ قہقہوں سے گاڑی لرز کر رہ گئی۔ جہانگیر نے بوکھلا کر اپنا داہنا ہاتھ پشت گاہ پر پھیلالیا۔ کیبن میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے میں اس پھٹکار کا اندازہ نہیں لگاسکا جو جہانگیر کے چہرے پر برس رہی ہوگی۔

"تمہیں بلاوجہ چوٹیں کرنے میں مزہ آتا ہے۔۔۔ میرا بازو تو تمہارے بدن سے بہت دور تھا" جہانگیر اپنی خفت مٹانے کے لیے تلخ لہجے میں بڑبڑا رہا تھا۔

"غلطی ہوگئی" چند ثانیوں بعد غزالہ دھیرے سے بولی "فلیٹ سے روانہ ہونے سے پہلے ہمیں جہانگیر کی فیکٹری فون کردینا چاہیے تھا۔ ایسا نہ ہو کہ چوکیدار کسی دور افتادہ کونے میں پڑا بے خبر سوا رہے اور ہم فیکٹری کے پھاٹک پر اپنا سر مارتے رہیں۔"

"بات معقول ہے" سلطان شاہ نے فوراً اس کی تائید کی

"لیکن ذرا دیر سے سوجھی ہے۔"

"بے کار بات ہے" ویرا نے سلطان شاہ کی رائے سے اختلاف کا اظہار ضروری سمجھتے ہوئے کہا "ضروری نہیں کہ وہ فون اپنی آغوش میں لے کر سو رہا ہو..... گھنٹی بجتی رہتی اور ہم اپنا خون جلاتے رہتے۔ فیکٹری پہنچنے کے بعد اندر داخل ہونے کا معاملہ بھی کسی نہ کسی طرح طے کر لیا جائے گا....."

"ریشم خان بہت فرض شناس ملازم ہے" جہانگیر نے اپنے چوکیدار کی حمایت کرتے ہوئے کہا "وہ گیٹ اور دفتر سے ملحقہ کمرے میں سوتا ہے، پہلے ہی ہارن پر پھاٹک کھول دے گا۔ تم لوگوں کو اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

بقیہ سفر تقریباً خاموشی سے طے ہوا۔ وقفے وقفے سے کوئی ایک آدھ بات ہو جاتی تھی ورنہ کیبن میں گمبھیر سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ معلوم ہو رہا تھا جیسے ہم پانچوں میں سے ہر ایک کسی خیال میں ڈوبا ہوا ہے۔

کورنگی روڈ اس وقت نیم روشن اور ویران تھا۔ سڑک پر صنعتی ساز و سامان کی بار برداری کرنے والے دیو ہیکل ٹرکوں کے علاوہ دوسری سواریاں بہت کم نظر آ رہی تھیں۔ سلطان شاہ نے پل عبور کرنے کے بعد گاڑی بائیں طرف جانے والے راستے پر ڈال دی جو سیدھا صنعتی علاقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں ہم ایس جے گارمنٹ فیکٹری کے خوب صورت آہنی پھاٹک کے سامنے پہنچ گئے۔ سلطان شاہ نے گاڑی کا انجن بند کیے بغیر وقفے وقفے سے تین مرتبہ ہارن بجایا لیکن دوسری طرف کسی بھی قسم کی نقل و حرکت کے کوئی آثار نمودار نہ ہوئے تو جہانگیر مضطرب ہو کر کار سے نیچے اتر گیا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، گاڑی میں بیٹھے رہو۔ ریشم خان بہت فرض شناس ملازم ہے" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں جہانگیر کو اس کے کہے ہوئے الفاظ یاد دلائے "وردی وغیرہ پہن کر بس باہر آتا ہی ہو گا۔"

ویرا کے الفاظ نے جہانگیر کی کھوپڑی پر تازیانے کا کام کیا اور وہ جھنجلا کر دونوں مکوں سے پھاٹک پیٹنے لگا۔

"اب بھی ریشم خان باہر نہ نکلا تو جہانگیر اپنا سر پیٹنے پر مجبور ہو جائے گا" ویرا ہنس کر بولی۔

وہ مرحلہ آنے سے پہلے ہی اندر سے چوکیدار کی خمار آلود، متفسرانہ آواز گونجی۔ جواب میں جہانگیر حلق کے بل دہاڑنے لگا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ بڑی بڑی فیکٹریوں پر مشتمل صنعتی علاقہ تھا۔ فضا میں مشینوں کا شور رچا ہوا تھا اور ایس جے گارمنٹ سے متصل فیکٹریوں کے پھاٹک بھی اتنی دور تھے کہ جہانگیر کی آواز وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی ورنہ اس کی غصیلی آوازوں پر وہاں اچھی خاصی بھیڑ جمع ہو سکتی تھی۔

شاید اپنے مالک کی بگڑی ہوئی آواز پہچانتے ہی ریشم خان پر زلزلہ طاری ہو گیا کیونکہ فوراً ہی آہنی پھاٹک کی پُرشور آوازیں بلند ہونے لگیں پھر ذیلی کھڑکی کے بجائے ایک جھٹکے سے پھاٹک کا ایک پٹ اندر کھلتا چلا گیا۔ جہانگیر غیر محسوس لنگڑاہٹ کے ساتھ ریشم خان کی طرف جھپٹا اور اس کا گریبان تھام کر اس پر برسنے لگا۔

ریشم خان بس نام کا ریشم خان تھا۔ اس کی ذات میں ریشم جیسی کسی صفت کا وجود نہیں تھا۔ وہ اس قدر جسیم اور قد آور تھا کہ جہانگیر اس کے سامنے بونا نظر آ رہا تھا۔ سوا چھ فٹ سے بھی نکلتے ہوئے وجود کے بائیں شانے سے لٹکی ہوئی رائفل کسی کھلونے کی طرح بے وقعت معلوم ہو رہی تھی۔

سلطان شاہ نے گاڑی اندر لے جا کر عمارت کے ساتھ پارک کی اور انجن بند کر دیا۔ ہم چاروں اپنی اپنی سمت کے دروازوں سے بیک وقت باہر نکل آئے۔ اس وقت تک جہانگیر، ریشم خان کا گریبان جھنجوڑ جھنجوڑ کر اس پر گرج برس رہا تھا اور ریشم خان آدابِ ملازمت کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے سر جھکا کر سب کچھ سن رہا تھا۔

"زیادہ پھیلنے کی کوشش نہ کرو" میں نے جہانگیر کے پیچھے پہنچ کر آہستگی سے کہا "یہ مت بھولو کہ ویرا تمہاری غیر ملکی خریدار ہے۔ تم کسی بدمست سانڈ کی طرح یوں ہی ڈکراتے رہے تو مس خان تمہاری کہانی پر کبھی یقین نہیں کرے گی اور تم ہمیشہ کے لیے اس کی رفاقت سے محروم ہو جاؤ گے۔"

جہانگیر نے پھاڑ کھانے والی نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر ریشم خان کے گریبان پر اس کی گرفت خود بخود ڈھیلی پڑتی چلی گئی۔ ریشم خان ممنونیت سے لبریز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

جہانگیر کے دفاتر پھاٹک کے قریب ہی ایک خوبصورت عمارت میں واقع تھے۔ ان دفاتر کو فیکٹری کے پیداواری شعبوں سے ملانے کے لیے ایک بند راہداری تھی۔ دفاتر کی اوپری منزل پر وہ ریسٹ ہاؤس واقع تھا جہاں ان دنوں مس خان کا بسیرا تھا۔ ریشم خان کی رہنمائی میں ہم دفاتر والی عمارت میں داخل ہوئے۔ ایک کشادہ استقبالیہ بیٹھک اور وسیع دفتری ہال سے گزر کر ہم جہانگیر کے کمرے کے قریب پہنچے تو اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر سے خنک ہوا کے جھونکے باہر آ رہے تھے۔ اس بند فضا میں پھیلی ہوئی گھوں گھوں کی آواز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ جہانگیر کے کمرے کا ائرکنڈیشنر چل رہا تھا۔

ریشم خان مجرمانہ انداز میں سر جھکائے باہر کھڑا رہا۔ ہم سب اس کشادہ اور نظر فریب دفتر میں داخل ہوئے تو وہاں کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ کمرا بہت بڑا تھا۔ فرش پر دبیز قالین پڑا ہوا تھا اور تین میزوں اور صوفہ سیٹ کے علاوہ قالین کا بڑا حصہ خالی پڑا ہوا تھا لیکن ریشم خان کی خوددار طبیعت نے سطح زمین پر پڑاؤ کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اس کمرے میں جہانگیر کی میز ہی سب سے بڑی تھی۔ ریشم خان نے اس میز کی آرائش کا سارا سامان سمیٹ کر کمپیوٹر ٹیبل پر ڈھیر کیا ہوا تھا اور میز پر دبیز بستر لگایا ہوا تھا۔ وہ بند

اور ائرکنڈیشنڈ کمرے میں اپنے صاحب کی میز پر خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا تھا اسی وجہ سے اسے ہماری گاڑی کے ہارن کا شور متوجہ نہیں کرسکا تھا۔

اس بار ہم کھلی فضا کے بجائے دفتر کے درودیوار میں محبوس تھے۔ اس بات کا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ دفتر میں ہونے والی باتوں کی بھنک مس خان کے کانوں تک پہنچ سکے۔ جہانگیر شیر ہو کر ایک مرتبہ پھر ریشم خان پر برس پڑا۔ وہ اپنا سر جھکائے، ندامت اور بے بسی سے وہ پھٹکار سنتا رہا۔

اس دوران میں ویرا کے ہونٹوں پر دبی دبی استہزائیہ مسکراہٹ مچلتی رہی۔ شاید اسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی کہ جہانگیر کے اعتماد کے ایک آدمی نے اس کی توقعات کے بالکل برعکس رویّے کا مظاہرہ کیا تھا۔

قصہ طول پکڑتے دیکھ کر مجھے مداخلت کرنی پڑی۔ میں نے درشت لہجے میں ریشم خان سے کہا "اب اداس اونٹ کی طرح منہ لٹکائے کیوں کھڑے ہو؟ صاحب کی میز پر سے بستر اٹھاؤ اور یہاں سے نکل جاؤ۔"

ریشم خان شاید ایسے ہی کسی موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے لپک کر میز پر سے اپنا وزنی بستر سمیٹا اور آناً فاناً میں اسے لے کر وہاں سے غائب ہو گیا۔

اس کے جاتے ہی ہم سب آرام دہ صوفوں پر بیٹھ گئے۔ جہانگیر بڑبڑاتے ہوئے اپنی میز کی درازوں کا جائزہ لینے لگا۔ ویرا نے اس پر کوئی چوٹ کرنے کے ارادے سے زبان کھولنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ میں نے متوقع تلخی کو ٹالنے کی نیت سے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں خاموش کر دیا۔

"کمرا بہت آرام دہ اور ٹھنڈا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم سب مل جل کر یہیں آرام کر لیں گے" غزالہ نے جہانگیر کے دفتر کا ناقدانہ جائزہ لینے کے بعد موضوع بدلتے ہوئے کہا "کل متبادل انتظامات کر لیے جائیں گے۔"

"ریشم خان یہاں چارپائیوں کا بندوبست کرے گا" جہانگیر نکاس کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "میں ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔ جس چیز کی ضرورت ہو، بلا تکلف اسے بتا دینا۔"

"چارپائیاں کھٹملوں کے بغیر ہونی چاہئیں" ویرا کسی بھی وقت فقرے بازی سے نہیں چوکتی تھی۔

"جب فیکٹری دن رات چلتی تھی تو ہر رات پچاسیوں کاریگر یہاں سوتے تھے" جہانگیر تلخ اور اونچی آواز میں بولا "اب وہ چارپائیاں دن بھر کڑی دھوپ میں پڑی رہتی ہیں۔ تم دوربین کی مدد سے بھی ان میں کچھ تلاش نہیں کر سکو گی۔"

"اب یہ مس خان کو منانے گیا ہے۔ وہاں بھی اس کے سر پر کھٹمل سوار رہیں گے" ویرا بولی۔

جہانگیر کے دفتر میں اشیائے خورونوش سے بھرا ہوا جہازی سائز کا ریفریجریٹر بھی موجود تھا۔ کمرے کے ایک سرے پر نفیس ٹائلوں، ولایتی فٹنگز اور باتھ ٹب سے مزین باتھ روم بنا ہوا تھا۔ مجموعی طور پر وہ دفتر عارضی تو کیا، قدرے طویل قیام کے لیے بھی بہت مناسب تھا۔ میں نے دفتر میں موجود دیگر ساز و سامان اور الماریوں وغیرہ کا جائزہ لیتے ہوئے ایک کیبنٹ کے پٹ پر طبع آزمائی کی تو اندر کی ایک جھلک نظر آتے ہی میں نے اسے دوبارہ بند کر دیا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت ویرا میری طرف متوجہ نہیں تھی بلکہ سلطان شاہ کو کوئی بات سمجھانے میں منہمک تھی۔ اگر وہ کیبنٹ میں سجی ہوئی بھانت بھانت کی قیمتی شراب کی بوتلوں کی ایک جھلک بھی دیکھ لیتی تو اسی لمحے مختلف حیلوں بہانوں سے مے نوشی کا دور شروع کر بیٹھی ہوتی۔

ریشم خان کھجور کے بان کی اکڑی ہوئی چارپائیاں لایا تو وہ اس کمرے میں بالکل بے جوڑ نظر آ رہی تھیں۔ لیکن ان پر معقول بستر لگ جانے کے بعد ان چارپائیوں کی بدنمائی سفید براق چادروں کے نیچے چھپ گئی۔

بستر لگتے ہی ویرا نے دراز ہونے میں پہل کی پھر ہم تینوں بھی یکے بعد دیگرے بستروں پر ڈھیر ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد جہانگیر بھی وہیں آ گیا۔ میزبان کی حیثیت سے اس نے ہر ایک کی ضروریات کے بارے میں پوچھ گچھ کی، ریشم خان کو ترش لہجے میں آخری ہدایات دیں اور روشنیاں گل کر کے خالی بستر پر دراز ہو گیا۔

"تم چاہو تو یہاں کروٹیں بدلنے کے بجائے اوپر ریسٹ ہاؤس میں چلے جاؤ.... اس بے ہنگم چارپائی پر تمہارے کولھے کا جوڑ تمہیں ستائے گا" اندھیرے میں ویرا کی ہمدردانہ آواز ابھری۔

"میرے خدا!" جہانگیر دردناک آواز میں کراہا "میں کہاں جاؤں؟"

"بلاوجہ خدا کو تکلیف دے رہے ہو" اس بار ویرا بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ بولی "کہہ تو رہی ہوں کہ اوپر ریسٹ ہاؤس میں چلے جاؤ۔ وہاں تن کے ساتھ تمہاری آتما کو بھی خاصا سکون مل سکے گا۔"

"ڈیڈی! اسے چپ کراؤ" جہانگیر نے اندھیرے ہی میں مجھ سے فریاد کی "معلوم ہوتا ہے کہ یتیم ہونے کی خبر نے اس بے چاری کے دماغ پر برا اثر ڈالا ہے۔ مسلسل بے مقصد باتیں کیے جا رہی ہے۔"

"خود سونے کی کوشش کرو اور دوسروں کو بھی سونے دو" میں نے دھیمے لہجے میں ویرا کو سرزنش کی "تھوڑی دیر میں اجالا پھیلنے لگا تو ہم میں سے کوئی بھی گہری نیند نہیں سو سکے گا۔"

"اجالے کی فکر نہ کرو" جہانگیر موقع محل سمجھے بغیر بول پڑا "تمام کھڑکیوں پر بلائنڈز پڑے ہوئے ہیں۔ اجالے کی ایک کرن بھی اندر نہیں آ سکے گی۔ یہ عموماً گرے ہوئے رہتے ہیں۔"

"پھر بھاڑ میں جاؤ اور ویرا کی تقریریں سنتے رہو" میں نے جل کر کہا اور اپنا منہ نرم تکیے میں لپیٹ لیا۔

٭٭٭

پچھلی سرگرمیاں اتنی بھیانک اور روح فرسا تھیں کہ گہری نیند میں بھی مجھے ان ہی کے بارے میں خواب نظر آتے رہے لیکن میں

بند برقرار رہی پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے دور کسی مندر کی مترنم گھنٹیاں دھیمے دھیمے بج رہی ہوں۔ رفتہ رفتہ وہ آوازیں قریب آنے لگیں پھر مجھے یوں لگا جیسے کوئی گھنٹی میری کھوپڑی ہی میں چیخ رہی ہو اور میں ہڑبڑا کر بستر سے اٹھ بیٹھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز اور بے ربط ہو رہی تھیں۔ اسی لمحے مجھے ادراک ہوا کہ وہ میرے وہم و خیال کا پھیلایا ہوا فتور نہیں تھا بلکہ اندھیرے کمرے میں ایک فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

دفتر کی کھڑکیوں پر پڑے ہوئے بلائنڈز بہت عمدہ تھے اور سب ہی بند تھے لیکن ان کے بارے میں جہانگیر کا یہ دعویٰ کہ ان سے روشنی کی کوئی کرن نہیں گزر سکتی، یکسر غلط تھا۔ کمرے میں باہر کے اجالے کا اتنا انعکاس پھیلا ہوا تھا کہ قرب و جوار کی چیزیں صاف دیکھی جاسکتی تھیں۔ میں نے پھرتی سے بستر چھوڑ دیا۔

"یہ میرا تیسرا فون ہے۔ کیا تم لوگ ابھی تک سو رہے ہو؟" میری خواب ناک ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے اوّل خان کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "اس وقت دن کے بارہ بج رہے ہیں۔"

"سب لوگ گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شام ہی کی خبر لائیں گے۔"

"اس وقت تم کہاں ہو؟ تمہارا دیا ہوا فون نمبر تو کورنگی کا معلوم ہوتا ہے۔"

"معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ کورنگی ہی کا فون نمبر ہے۔ ہم اس وقت جہانگیر کی فیکٹری میں پناہ گزین ہیں۔"

"وہاں جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" میرا جواب سن کر اس کی حیرت میں اضافہ ہوگیا۔

مجھے اپنے خوابیدہ اوسان کو یکجا کر کے امریکن قونصل خانے کے سیکنڈ سیکریٹری ہنری ڈریک نارمن کا قصہ دہرانا پڑ گیا۔ اوّل خان کے لئے ہنری کی وہ دیدہ دلیری ناقابلِ یقین ثابت ہوئی۔

"میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ان لوگوں کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے ہوں گے" میری کتھا سننے کے بعد اس نے کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہنری ہمارے ملک کو اپنی نو آبادی اور خود کو یہاں کا وائسرائے سمجھ رہا ہو۔ مجرمانہ سازشوں کے بارے میں ایسی کھلی خط و کتابت قانون کے لئے چیلنج ہے۔ وہ خط کہاں ہے؟"

"اس بارے میں زیادہ سوچ کر اپنا خون نہ جلاؤ۔ وہ خط ہم فلیٹ ہی میں پھینک آئے ہیں" میں نے کہا "ہنری خود بھی ایک چالاک آدمی ہے۔ پیغام سرکاری لیٹر ہیڈ پر نہیں بلکہ سادہ کاغذ پر لکھا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تحریر بھی اس کی اپنی نہ ہو۔ یہ کھیل اسی طرح چلنے دو جیسے وہ لوگ چلانا چاہتے ہیں......"

"خط کوریئر سروس سے آیا تھا" اوّل خان نے میری بات کاٹ کر کہا "خط، لفافے اور کوریئر سروس والوں کی مدد سے سب کچھ ثابت کیا جاسکتا ہے۔ ان لوگوں کو کہیں نہ کہیں تو لگام دینی ہی ہوگی۔"

"یہ لگام دینے کا موقع نہیں ہے۔ یہ کون ثابت کرتا پھرے گا کہ ہنری کے بھیجے ہوئے لفافے میں سے وہی تحریر برآمد ہوئی تھی جو ہم پیش کر رہے ہیں.... دوسری بات یہ ہے کہ ہنری نے وہ خط ایک امریکن شہری کو لکھا تھا۔ ہمیں ان بکھیڑوں میں پڑنے کے بجائے وہی راستہ اختیار کرنا چاہئے جو ایس ٹی ایف اپنائی ہے۔ مختصر اور محفوظ!"

"یہ بہت اچھا ہوا کہ تم رات ہی فلیٹ سے نکل آئے ورنہ تمہارے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا......"

میں نے اس کی بات کو اہمیت دیے بغیر کاٹ دیا "تم غیر ضروری باتوں میں الجھ رہے ہو۔ تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ جم کلارک کے بارے میں تمہارے منصوبے کا کیا بنا؟ اگر اس وقت دن کے بارہ بجے ہیں تو اب تک اس کا نتیجہ سامنے آجانا چاہئے تھا۔"

"اس کی لاش ریفریجریٹر کے ایک ڈبے میں باقاعدہ سیل کر کے فریر ہال کے سامنے سڑک کے کنارے پھینک دی گئی تھی۔ ایک پولیس موبائل نے اسے کسی گاڑی سے گرا ہوا ریفریجریٹر سمجھ کر اٹھا لے جانا چاہا لیکن غیر معمولی وزن کی وجہ سے پولیس والے چکرا گئے۔ خاصے ہنگامے اور بم ڈسپوزل اسکواڈ کی آمد کے بعد وہ مشتبہ کارٹن کھولا گیا تو تماشائیوں میں امریکن قونصل خانے کے دو سکیورٹی افسر بھی شامل تھے" اوّل خان مزے لے لے کر اپنی کارکردگی دہرانے لگا "لاش کے سامنے آتے ہی تماشائیوں میں

سنسنی پھیل گئی مگر امریکنوں میں کہرام برپا ہوگیا۔ لاش کے اسپتال منتقل کیے جانے سے پہلے ہی قونصل خانے کے متعدد سینئر ارکان لاش دیکھنے کے لئے پہنچ چکے تھے۔"

"کچھ پتا چلا کہ جم کلارک کس حیثیت میں پاکستان آیا ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے جب یہ سنا کہ وہ ڈپلومیٹک پاسپورٹ پر پاکستان آیا تھا تو میری عقل چکرا کر رہ گئی۔"

"شی کا سربراہ اور ڈپلومیٹک پاسپورٹ.... کیا یہ لوگ اب کھل کر سامنے آنے پر تل گئے ہیں؟"

"جم کلارک کو شی کا سربراہ ثابت کرنا تو بڑی بات ہے ہم شاید شی کا وجود بھی ثابت نہ کرسکیں۔ ایسی صورت میں جم کلارک کو سفارتی سفری دستاویزات کے استعمال سے کیا چیز روک سکتی تھی؟"

"اس کے بارے میں ان لوگوں نے کیا مؤقف اختیار کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک اہم سرکاری افسر جو پچھلی رات اواری ٹاورز میں کسی سے ملنے گیا تھا اور پھر لاپتا ہوگیا تھا۔ اس کی دیکھ بھال پر مامور افراد تشویش کا شکار ہونے کے باوجود' رات بھر اس امید پر خاموشی اختیار کیے رہے کہ کہیں وہ اپنے شناساؤں کے ساتھ پینے پلانے نہ بیٹھ گیا ہو۔ نو بجے دفاتر کھلنے سے پہلے ہی اس کی لاش ملنے کی اطلاع آئی۔ اس سے آگے انہوں نے سختی سے اپنی زبانیں بند کی ہوئی ہیں" اوّل خان کی طرف سے جواب آیا۔

"پراسرار گمشدگی کی وہی گھسی پٹی کہانی جو شرلاک ہومز کے زمانے سے چلی آرہی ہے" میں نے منہ بنا کے کہا "اسٹیشن فور کے قرب و جوار میں وہ اپنی موجودگی کے ایسے سنگین شواہد چھوڑ آئے تھے کہ اب اس کا نام تک لینے سے گریز کررہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہنری ڈریک نارمن کی دھمکیاں بالکل بے وزن تھیں۔"

"یہ علاقے کے تھانے کی سطح کی اطلاعات ہیں" اوّل خان نے میری بات مکمل ہونے پر کہا "اصل کارروائی کے لئے وہ صوبائی ہوم کے سر پر سوار ہیں۔ وہاں کے معاملات میں ضرورت سے زیادہ رازداری برتی جارہی ہے۔ وہاں ہوم سیکریٹری کے علاوہ صوبے کا آئی جی' تین سینئر ڈی آئی جیز کے ساتھ موجود ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسٹیشن فور کی کہانی اس اجلاس میں بیان کی گئی ہو۔ ایسا ہوا تو شام سے پہلے وہ عمارت پولیس کے محاصرے میں ہوگی۔"

"لیکن انہیں گرد و غبار میں اٹے ہوئے متروک سازوسامان کے سوا کیا ملے گا؟"

"کچھ بھی نہیں.... اس سے الٹا یہ نقصان ہوگا کہ اس عمارت اور ایس ٹی ایف کے تعلق سے واقف افسران اسے ایس ٹی ایف کا کیس سمجھ کر محتاط ہوجائیں گے اور پھر اپنی گلوخلاصی کے لئے ایسی ایسی نادر الوجود کہانیاں سامنے لائیں گے کہ سب کچھ الجھ کر رہ جائے گا لیکن یہ نہ سمجھ لینا کہ ہم ان لوگوں کو بری طرح الجھا لینے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ علاقے کے تھانے اور ہوم سیکریٹری کے علاوہ تم بھی ان کی فہرست میں شامل ہو۔"

"وہ کیسے؟ تم نے یہ رائے کس بنیاد پر قائم کی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"حقائق" اوّل خان کی آواز کی سنجیدگی برقرار رہی "اسٹیشن فور سے نئے ٹھکانے پر منتقل ہونے کے بعد مجھے دھیان آیا کہ تم لوگوں کے فلیٹ کی حفاظت یا نگرانی کا بندوبست ہونا چاہئے۔ وہاں فون نہیں تھا اس لئے میں نے ایک پک اپ میں دو مسلح آدمی روانہ کردیے۔ اس وقت تک مجھے شبہ بھی نہیں تھا کہ تم لوگ فلیٹ چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہوجاؤ گے۔ میرے آدمی اپنی دانست میں تمہاری حفاظت کرتے رہے۔ آج صبح دس بجے یعنی جم کلارک کی لاش دریافت ہونے کے ڈیڑھ گھنٹے بعد بکتر بند پولیس کار جیسی ایک عجیب گاڑی شرف آباد پہنچی۔ اس پر ہر طرف بڑے بڑے ریڈ کراس بنے ہوئے تھے اور وہ کوئی اسپیشل ایمبولینس معلوم ہورہی تھی۔ اس میں سے سات عجیب الخلقت افراد نمودار ہوئے۔ ان کے جسموں پر جراثیم وغیرہ سے بچاؤ کرنے والے مکمل سوٹ منڈھے ہوئے تھے' چہروں پر مکمل اور نیم تاریک ماسک تھے جن کی وجہ سے انہیں پہچاننا ناممکن ہوگیا تھا۔ ہر ایک کی پشت پر آکسیجن یا جراثیم کش دوا کا سلنڈر لدا ہوا تھا اور ہاتھ میں دوا کا چھڑکاؤ کرنے والی لمبی لمبی نلیاں تھیں۔ ان میں سے ایک نے اپنے چہرے پر سے ماسک ہٹا کر لوگوں سے بات کی اور انہیں بتایا کہ وہ لوگ طاعون کے جراثیم سے لتھڑے ہوئے تین مردہ چوہوں کی موجودگی کی اطلاع پاکر اس علاقے میں آئے ہیں اور چوہوں کو تھیلوں میں بند کرنے اور جراثیم کش دواؤں کا چھڑکاؤ کرنے کے بعد واپس چلے جائیں گے۔ لوگوں سے بات کرنے والا مقامی تھا۔ دوسروں کے بارے میں شبہ ہے کہ وہ غیر ملکی تھے۔ وہ خبر اتنی ہولناک تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ علاقہ ویران ہوگیا اور وہ ساتوں تمہاری بلڈنگ میں گھس گئے۔ میرے آدمیوں کو بعد میں پتا چلا کہ وہ ساتوں تمہارے فلیٹ پر گئے تھے۔ انہوں نے ہر سوراخ اور جھری سے فلیٹ میں تیز ادویات کا بھاری چھڑکاؤ کیا اور چند منٹ بعد تالا کھول کر اندر داخل ہوگئے۔ وہ کافی دیر تک اوپر رہنے کے بعد واپس لوٹے تو خالی ہاتھ تھے۔ وہ عجلت میں وہاں سے روانہ ہوئے تو میرا ایک آدمی پک اپ میں ان کے پیچھے ہولیا۔ وہاں رکنے والا آدمی اوپر گیا تو تمہارا فلیٹ غیر مقفل تھا۔ وہاں اس قدر تیز اور ناقابل برداشت بدبو پھیلی ہوئی تھی کہ میرا آدمی دیر تک اندر نہ جاسکا۔ وہ اندر گیا تو تمہارا فلیٹ حشرات الارض اور کیڑوں کا مقتل بنا ہوا تھا۔ چھپکلیوں اور مکڑیوں سے لے کر کاکروچ اور چیونٹیاں تک اپنی کمین گاہوں سے باہر آکر مرچکی تھیں.... بدقسمتی سے تم لوگ وہاں ہوتے تو تمہارا حشر بھی مختلف ہوتا اور وہ نہایت اطمینان سے طاعون زدہ لاشوں کے حوالے سے

تمہارے بے جان جسموں کو اٹھا لے جاتے۔"
اوّل خان کی زبانی وہ تفصیل سن کر میں اندر ہی اندر لرز اٹھا۔
"وہ پوری درندگی کے ساتھ ہمیں ختم کرنے کا فیصلہ کر کے آئے تھے لیکن خدا ہم پر مہربان تھا۔ میری تجویز پر سب ہی فلیٹ چھوڑنے پر متفق ہو گئے۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ بکتر بند ایمبولینس کے تعاقب میں جانے والا کس خبر کے ساتھ واپس آیا۔"
"ایمبولینس پر مقامی نمبر پلیٹ آویزاں تھی۔ وہ یو ایس آئی سی کے وسیع عقبی احاطے میں داخل ہوئی اور بلند آہنی پھاٹک بند کر دیا گیا۔ مزید کچھ دیر تک انتظار کرنے کے بعد میرا آدمی واپس لوٹ آیا۔"
"وہ ایمبولینس ان کے ورکشاپ یا پارکنگ لاٹ میں پکڑی جاتی ہے تو ان پر وقت پڑ جائے گا۔ ہمارے فلیٹ کا سرسری سا تجزیہ ہی یہ ثابت کر دے گا کہ وہاں طاعون کش دوا کا نہیں بلکہ زہریلے سیال کا غیر معمولی اسپرے کیا گیا تھا۔ اس گاڑی کو علاقے کے بے شمار لوگوں نے حیرت اور دلچسپی سے دیکھا ہو گا۔"
"انہیں گاڑی پکڑے جانے کا خوف ہوتا تو وہ ایمبولینس اپنے اصل ٹھکانے پر ہرگز نہیں جاتی۔ سفارتی جرائم بہت تیاری اور منصوبہ بندی کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ گاڑی کی جعلی نمبر پلیٹ تلف کی جا چکی ہوگی۔ گاڑی کا رنگ بدلنے کے لئے استعمال ہونے والے اسٹکر ریڈ کراس کے نشانات سمیت کسی برقی بھٹی میں جھونک دیے گئے ہوں گے۔ گاڑی پر امریکا کا سرکاری نشان نمایاں ہوگا..... میں جانتا ہوں کہ کسی بھی فساد زدہ علاقے سے اپنے شہریوں کے محفوظ اور تیز ترین انخلا کے لئے بیشتر ایشیائی ممالک میں امریکی مشن ایسی بکتر بند گاڑیاں تیار رکھتے ہیں۔ ویسے بھی پاکستان کے بڑے سے بڑے افسر کو ان کی پیشگی اجازت کے بغیر' ان کی کسی سفارتی عمارت میں داخلے کا حق نہیں ہے۔ دنیا کے ہر مہذب ملک میں طے شدہ سفارتی عمارات کو مقامی قوانین سے مکمل استثنیٰ حاصل ہوتا ہے۔"
"پھر تو یہ گوریلا لڑائی زور پکڑے گی" میں نے پُر تشویش آواز میں کہا "دونوں فریق ایک دوسرے پر چھپ چھپ کر وار کرتے رہیں گے اور وہی پہچانے جائیں گے جو کسی لڑائی میں مارے جائیں یا زخمی ہو کر گرفتار ہوں۔"
"جم کلارک کے تصفیے میں تین لاشیں ہمارے ہاتھ لگیں لیکن وہ بے سود ہیں۔ ایک امریکن زخمی ہوا تھا تو اسے اس کا ساتھی لے بھاگا۔ دراصل ایسی اندھی لڑائی میں بہت معمولی مہرے جھونکے جاتے ہیں۔ اپنی بدقسمتی سے کوئی پکڑا بھی جائے تو اس کے بڑے فوراً ہی اس سے لاتعلقی کا اعلان کر دیتے ہیں۔ کسی بھی سیکرٹ ایجنٹ کی زندگی کا بدترین المیہ یہی ہوتا ہے کہ وہ کامیابی کے ساتھ زندہ رہے تو ہیرو بنا رہتا ہے۔ دشمن کے ہاتھوں قید یا ناکامی کی صورت میں اس کی پشت پر ایک اور لات رسید کر دی جاتی ہے۔ یہ جم کلارک کی اہمیت کا کھلا ثبوت ہے کہ اسے ہماری تحویل سے نکالنے کے لئے سی آئی اے کے دو اہلکار ذاتی طور پر مقابلے پر اتر آئے تھے۔"
"تم اس وقت گھر پر ہو یا دفتر سے بول رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔
"یار یہ بک بک ختم کرو" اچانک جہانگیر نیند ہی میں پہلو بدل کر منمنایا "تھوڑی دیر چین سے سونے دو۔"
میں جہانگیر کو غصیلی نظروں سے گھور کر رہ گیا۔ دوسری طرف سے اوّل خان ہنس کر کہہ رہا تھا "بس ابھی گھر پہنچا ہوں۔ دفتر میں شام تک ٹیلی فون کی گھنٹی بج سکے گی۔ میں تازہ دم ہونے اور ستانے کے بعد ہی ادھر واپس جاؤں گا۔"
"تم نہا دھو کر کچھ پیٹ پوجا کر لو۔ میں بعد میں فون کروں گا۔"
"تم باتیں کرتے رہو...... کسی کی نیند میں خلل نہیں پڑ رہا۔"
اچانک ویرا کی آواز ابھری مگر میں اس وقت تک فون بند کر چکا تھا۔ میں اس کی طرف پلٹا تو وہ چارپائی سے پیر نیچے لٹکائے ہوئے بیٹھی تھی۔
"میری بھی نیند اچاٹ ہو چکی ہے" سلطان شاہ بھی انگڑائی لے کر اٹھ کھڑا ہوا "شاید تم اوّل خان سے مذاکرات کر رہے تھے۔ میں کافی دیر سے تمہاری بھن بھن سن رہا تھا لیکن اس خنک ماحول میں بستر چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔"
"تم بھی اٹھ گئے ہو تو غزالہ کو اٹھا لو....." ویرا نے سلطان شاہ سے کہا لیکن اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی غزالہ بول پڑی "میں بہت دیر سے جاگ رہی ہوں۔ تم میری فکر مت کرو۔"
ویرا نے اٹھ کر چٹا چٹ کئی سوئچ دبائے اور جہانگیر کا کمرا متعدد جھماکوں کے بعد ٹیوب لائٹوں کی دودھیا روشنی سے بھر گیا۔ نیم تاریکی میں تیز روشنی سے جہانگیر ہڑبڑا کر اٹھ گیا اور منہ بگاڑ کے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے ہم چاروں کو گھورنے لگا "یہ کیا بدتمیزی ہے۔ تمہیں دوسرے کے آرام کا ذرا بھی خیال نہیں ہے......"
میں نے اسے زیادہ بولنے کا موقع نہیں دیا اور ہنس کے کہا۔ "اُلّو کو گہری تاریکی سے پکڑ کر روشن دھوپ میں پھینک دیا جائے تو وہ اسی طرح آنکھیں پٹپٹاتا ہے۔ ابے اُلّو! اس وقت بارہ بج چکے ہیں۔ ہمارے معدے ناشتا مانگ رہے ہیں۔"
"ناشتا اوپر تیار ہوگا" وہ جھلائے ہوئے انداز میں بولا "ریشم خان تمہیں اوپر لے جاتا۔ ناشتا کے لئے میری نیند خراب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"
"ٹھیک ہے پھر تم سو جاؤ" میں نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔ "یہ اچھا ہے کہ ہمیں اس سے تخلیے میں کچھ باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اگر اس نے ہمارے لئے ناشتا تیار کیا ہے تو وہ ذہنی طور پر ہمیں قبول کر چکی ہے۔"
"نہیں' میں بھی تمہارے ساتھ ناشتا کروں گا" جہانگیر نے

غراتے ہوئے اپنا ارادہ فوراً تبدیل کردیا اور ہم چاروں کو ہکا بکا چھوڑ کر سب سے پہلے غسل خانے کی طرف چل دیا۔

"یا عورت!" سلطان شاہ چھت کی طرف نگاہیں اٹھا کے بڑبڑایا "تیرے بھی بڑے کمالات ہیں۔"

جہانگیر کی غیر حاضری میں' میں نے ان تینوں کو اپنی اور اوّل خان کی سنسنی خیز گفتگو کے نچوڑ سے آگاہ کردیا۔ ان کے لئے جم کلارک کی لاش کے ساتھ کیا جانے والا ڈرامائی سلوک بہت زیادہ غیر متوقع نہیں تھا لیکن فلیٹ پر بکتر بند ایمبولینس کے ذریعے طاعون کے انسداد کے لئے آنے والوں کی کہانی چونکا دینے والی تھی۔

"بعض اوقات موت ہمارے سروں کو یوں چھو کر گزرتی ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں" غزالہ ایک جھرجھری لے کر بولی۔ "ہم فلیٹ میں ہوتے تو ہمارا حشر بھی چھپکلیوں اور تل چٹوں سے مختلف نہ ہوتا۔"

"اچھا ہوا۔ اس بہانے فلیٹ کی بھرپور صفائی ہوگئی" ویرا بے پروائی سے بولی "دوبارہ وہاں جائیں گے تو اطمینان سے رہ سکیں گے۔ پتا نہیں جہانگیر نے کب سے وہاں جراثیم کش دواؤں کا اسپرے نہیں کرایا تھا۔"

"ہمیں ان کی اس حرکت کا کوئی نہ کوئی جواب ضرور دینا ہوگا" سلطان شاہ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"ان کی مکمل ناکامی ہی ان کے حربے کا مسکت جواب ہے" ویرا نے کہا۔

جہانگیر نہا دھو کر غسل خانے سے تازہ دم ہو کر برآمد ہوا تو ویرا اندر گئی اور فوراً ہی بھنّا کر باہر آگئی۔ اس نے لپک کر پیچھے سے جہانگیر کا بازو تھاما اور اسے دوبارہ باتھ روم کی طرف کھینچنا شروع کردیا "بدتمیزی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ ٹب میں گندہ پانی بھرا ہوا ہے۔ فرش اور دیواریں اس طرح شرابور ہیں جیسے وہاں کسی ہاتھی نے غسل کیا ہے۔ صابن نالی میں پڑا ہوا ہے.... چلو' چل کر ہر چیز صاف کرو۔ جب ایک باتھ روم مشترکہ استعمال میں ہوتا ہے تو ہر شخص کا فرض ہوتا ہے کہ اپنے استعمال کے بعد اسے پہلے کی طرح صاف کرکے باہر آئے۔"

"میرا ہاتھ چھوڑو!" جہانگیر نے زور آزمائی میں ناکام رہنے کے بعد برہمی سے کہا "نہانے میں پانی نہیں تو کیا تیل پھیلے گا؟ جب ہم سب کو نہانا ہے تو بار بار صفائی کا فائدہ؟ جو آخر میں غسل خانہ استعمال کرے گا' وہ ایک دفعہ محنت کرے گا اور باتھ روم پھر چمک اٹھے گا۔"

میں ویرا کے ساتھ رہ کر اس کے مزاج کی ہر ٹیڑھ سے بخوبی واقف ہو چکا تھا۔ چینغا سرائے' شنگرا دیلی اور گالان میں درپیش مجبوریوں کی اور بات تھی۔ وہاں اس نے بدترین رہائشی سہولتوں کو بھی خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا تھا لیکن آزاد شہری فضا میں وہ [illegible] کے کسی حق پر کوئی سمجھوتا کرنے کی عادی نہیں تھی اور اسی فکرمندی کے ساتھ یہ کوشش بھی کرتی تھی کہ دوسروں کو اس کی وجہ سے کسی ناگواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

جہانگیر اپنی احمقانہ دیسی دلیل پر اڑا رہا۔ ویرا شائستگی کے قرینوں سے خوب واقف تھی۔ اس نے پے در پے کئی چوٹیں کرکے جہانگیر کو اس قدر بدحواس کردیا کہ وہ قائل نہ ہونے کے باوجود باتھ روم صاف کرنے پر مجبور ہوگیا۔ ویرا کسی سنگ دل مالکن کی طرح دروازے پر کھڑی اس کی کارکردگی کا جائزہ لیتی رہی۔

جہانگیر سخت کوفت کے عالم میں باہر آیا تو ویرا نے خود کو باتھ روم میں مقفل کرلیا۔

"تم تینوں نے بھی میرا ساتھ نہیں دیا" اپنی خفت مٹانے کے لئے وہ قریب آکر ہم پر برس پڑا "یہ ولایت نہیں' کراچی ہے یہاں ایسا ہی چلتا ہے۔ جس کے دماغ میں نفاست کے زیادہ کیڑے ہوں وہ خود صفائی کرلے۔"

"ولایت اور کراچی سے کوئی فرق نہیں پڑتا" میں نے اسے سمجھانا چاہا "اچھی بات زمین سے چاند تک' ہر جگہ اچھی ہوتی ہے۔ اسے فراخ دلی سے قبول کرلینا چاہئے۔ یہی معقولیت کی دلیل ہوتی ہے۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا دفتر سے نکلتا چلا گیا۔ غصے میں اسے یہ پوچھنا بھی یاد نہیں رہا کہ میں کس سے اور کیا بات کر رہا تھا۔

ہم لوگ گھر سے جن کپڑوں میں نکلے تھے' ان ہی میں سو گئے تھے۔ غزالہ نے چاروں کے لئے صاف ستھرے کپڑے نکالے' ویرا کے کپڑے باتھ روم میں پہنچائے اور جہانگیر کے لئے بھی میرا ایک قمیص شلوار سوٹ نکال دیا۔

ہم چاروں تیار ہو کر پوری سج دھج سے باہر نکلے تو راہداری میں ریشم خان ہمارا منتظر تھا۔ اس کے پیچھے زینوں کی طرف جاتے ہوئے مجھے اچانک خیال آیا اور میں نے انگریزی میں ویرا کو یاد دلایا کہ مس خان کے سامنے اسے اردو کے اِکّا دُکّا' ٹوٹے پھوٹے فقروں سے آگے صرف انگریزی ہی بولنی تھی۔

جہانگیر کو قدرت نے پیسے کے ساتھ اچھے ذوق سے بھی نوازا تھا۔ اس لئے ریسٹ ہاؤس بہت خوب صورت بنایا گیا تھا۔ زینوں کا اختتام ایک وسیع دالان میں ہوا جہاں خوب صورت اور قیمتی پودوں سے لدے ہوئے گملے قطار در قطار سجے ہوئے تھے۔ دالان کے بعد شیشے کی دیواروں والا وسیع و عریض ڈرائنگ روم تھا جہاں بیک وقت بیس سے زائد افراد بیٹھ سکتے تھے۔ اسی سے ملحق کمرے میں بارہ نفری میز پر ناشتا سجا ہوا تھا۔ میز کے آخری سرے پر جہانگیر ایک خوب صورت اور متناسب الاعضا لڑکی کے ساتھ براجمان تھا۔ لڑکی کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک بھیگی بھیگی مسکان مچل رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میرے ذہن کے کسی گوشے میں کیڑے کلبلانے لگے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہوا تھا۔ کہاں؟ اس سوال کا جواب میں کوشش کے

باوجود نہ پاسکا۔
ہماری آوازیں سن کر وہ دونوں ہماری پیشوائی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جہانگیر کے چہرے پر بھی خلیقانہ مسکراہٹ ابھری تھی جو لمحہ بھر میں ہی معدوم ہوگئی۔ اپنے شب خوابی کے مسلے ہوئے، شکن آلود کپڑوں کے مقابلے میں ہمارے بے داغ لباسوں کو دیکھ کر اس کی طبیعت بے مزہ ہوگئی تھی۔
جہانگیر کی تعلیم جو بھی رہی ہو' اسے انگریزی میں کوئی خاص درک حاصل نہیں تھا۔ اس نے اپنی لٹھ مار انگریزی میں فرضی ناموں سے ہم سب کو مسز خان سے متعارف کرایا۔ اس مسکراتی ہوئی قیامت نے دونوں عورتوں سے ہاتھ ملایا لیکن ہماری باری آنے پر اس نے شاید جہانگیر کی پیشگی ہدایت پر دونوں ہاتھ باندھ لئے۔ جہانگیر نے پہلے سے اوپر پہنچ کر اس بات کا پورا بندوبست کرلیا تھا کہ مجھے یا سلطان شاہ کو مسز خان کے لمس سے آشنائی حاصل نہ ہوسکے۔
وہ جہانگیر کی فیکٹری کا ریسٹ ہاؤس تھا۔ اس کی تعمیر و تزئین میں مسز خان کا دور دور تک کوئی دخل نہیں تھا لیکن ویرا اخلاقاً مسز خان کے ذوق اور قرینے کی تعریف کرتی رہی اور وہ خاتون بھی سر ہلا ہلا کر، منکسرانہ مسکراہٹ کے ساتھ وہ سب یوں سنتی رہی جیسے سارا کیا دھرا اسی کا ہو۔
ہم چاروں نے کرسیاں سنبھال لیں تو ناشتے کا آغاز ہوا۔ مسز خان نے جہانگیر کی سگی بیوی کی طرح میزبانی کے فرائض انجام دینے شروع کردیے۔ اس نے ویرا پر انگریزی میں مہربانیاں نچھاور کیں۔ اس سے فارغ ہوتے ہی وہ اردو پر اتر آئی۔ میں نے دانستہ اپنی پلیٹ میں کوئی ٹوسٹ وغیرہ نہیں لیا تھا۔
مسز خان کی نظر میری خالی پلیٹ پر پڑی تو اس نے ہمک کر بے اختیار مجھ سے استفسار کیا "انڈا دوں؟"
"ابلا ہوا دے سکیں تو بڑی نوازش ہوگی" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔
ویرا اس تیزی سے ہنسی کہ اسے بری طرح اچھو لگ گیا۔ ہنسی روکنے کے چکر میں غزالہ اور سلطان شاہ کے چہروں پر زلزلے کے آثار لہرا رہے تھے۔ ویرا کی بے ساختہ ہنسی کے بعد وہ بھی اپنے بے اختیار قہقہوں پر قابو نہ رکھ سکے اور ناشتے کی سنجیدہ محفل چند ثانیوں میں کشت زار زعفران بن گئی۔
مسز خان خفت کے عالم میں اٹھ کر ڈائننگ روم سے ملحق کچن میں چلی گئی۔
"تم بہت بدتمیز ہوتے جارہے ہو" مسز خان کے جاتے ہی جہانگیر دبی زبان میں مجھ پر برس پڑا۔
"میں نے کیا بدتمیزی کی ہے؟" میں نے بھی آنکھیں نکال کے کہا "ان تینوں سے پوچھو جو بلاوجہ جنگلیوں کی طرح ہنسے جارہے ہیں... میں تو کچھ سمجھ ہی نہیں سکا کہ کیا ہوا ہے۔ ہوسکے تو تم ہی مجھے کچھ سمجھادو۔"
"دنیا کے کس خطے میں عورتیں انڈے دیتی ہیں جو تم نے اس سے ابلا ہوا انڈا دینے کی فرمائش کی تھی؟" جہانگیر کے لئے اپنے غصے پر قابو رکھنا دشوار ہو رہا تھا۔
اس کے سوال پر میری رکی ہوئی ہنسی کو بھی نکاس کا بہانہ مل گیا اور میں نے کہا "تم نے غور نہیں کیا۔ وہ خود انڈا دینے کو مری جارہی تھی۔ مجھ سے پہلے غزالہ سے بھی یہی سوال کرچکی تھی۔ اسی سے پوچھو کہ اس کا تعلق کس خطے سے ہے اور وہ کب سے انڈے دے رہی ہے۔ میں نے تو اس خوف سے ابلے ہوئے انڈے کی فرمائش کی تھی کہ کہیں وہ اچانک ہی میری پلیٹ میں تازہ انڈا نہ ڈال دے۔"
ان تینوں کی ہنسی رکتے رکتے پھر تیز ہوگئی۔ ویرا کو یہ تک یاد نہیں رہا کہ وہ وہاں اردو سے برائے نام واقف ہونے کی اداکاری کررہی تھی۔ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں پانی آنے لگا تھا۔
"ہنسی بند کرو!" اچانک جہانگیر غصے سے مٹھیاں بھینچ کر حلق کے بل دہاڑا "میری چھت کے نیچے بیٹھ کر تم میرا مذاق نہیں اڑا سکتے۔ میں تمہاری گردن توڑ دوں گا" وہ دھمکی سب کے لئے تھی لیکن تخاطب مجھ سے تھا۔
وہ غصے سے باؤلا ہو رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر وہ بات بڑھانے پر ہی تل گیا تھا تو بات بڑھنی چاہئے تھی۔ میں نے اس کے غصے کی پروا کئے بغیر کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسز خان کے دیے ہوئے انڈوں سے تمہارا کیا تعلق ہے....."
"ہینڈز اپ!" نفرت سے دہکتی ہوئی ایک تند نسوانی آواز نے سب کو یک لخت خاموش کردیا۔
میں نے گردن گھما کر دیکھا تو مسز خان کچن سے برآمد ہونے کے بجائے اندرونی حصے سے چلی آرہی تھی اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک سیاہ ریوالور دبا ہوا تھا جس کی نال ہم لوگوں کی طرف تھی۔
اس اچانک اور خوف ناک تبدیلی پر سب حیران رہ گئے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اپنے ایک بے تکے سوال کا مزاحیہ جواب اس عورت کے مزاج پر اتنا گراں گزرے گا کہ وہ ہم پر ریوالور تان لے گی۔
"ہم... نم... مم.... یہ تم کیا کررہی ہو؟" جہانگیر خوف زدہ اور پھنسی پھنسی آواز میں ہکلایا۔
"اب تمہیں ان کی گردنیں توڑنے کی ضرورت نہیں" وہ ڈائننگ ٹیبل سے چند قدم دور رک کر غراتی ہوئی آواز میں جہانگیر سے بولی "میں ان کا کام تمام کروں گی اور اگلواؤں گی کہ انہوں نے تمہیں کیوں گھیرا ہے۔"
بات آناً فاناً میں ہنسی مذاق کی حدود سے نکل کر کشت و خون تک جا پہنچی تھی۔ شاید اس نے میرے اور جہانگیر کے آخری مکالمات سن لئے تھے اور یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ جہانگیر ہم میں سے

نہیں تھا۔ جہانگیر نے ویرا کے کاروباری دورے کے بارے میں طے شدہ باتوں کے سوا آپس کے پرانے مراسم کے بارے میں اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔

جہانگیر نے بوکھلائی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اس وقت مسز خان، جہانگیر کی طرف متوجہ تھی۔ میں نے جہانگیر کو آنکھ ماری اور وہ لاتعلقانہ انداز میں اپنی دونوں کہنیاں میز پر جما کر بیٹھ گیا۔

"ہاتھ اٹھاؤ" مسز خان ریوالور کی نال لہرا کر درشت آواز میں غرائی "تم نے سنا نہیں کہ میں نے کیا کہا تھا۔"

ہم چاروں نے بے بسی سے اپنے ہاتھ اٹھا لئے۔ مسز خان کے متبسم ہونٹوں سے مسکراہٹ رخصت ہو چکی تھی، پیشانی پر کئی بل نظر آرہے تھے۔ آنکھوں میں قہر کے کوندے لپک رہے تھے مگر وہ پھر بھی خوب صورت نظر آرہی تھی۔ فرق صرف اتنا پڑا تھا کہ گداز و جمال کے بجائے اس کے حسن پر قہر و جلال کے سائے پڑنے لگے تھے۔

"مذاق کی بات اگر تمہیں بری لگی ہو تو ہم سب اپنے دل کی گہرائیوں سے معافی مانگنے کو تیار ہیں" میں نے لجلجا کر کہا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ فتنہ گر اس وقت سامان قتل سے لیس تھی جب کہ ہم پانچوں بالکل غیر مسلح تھے۔ فلیٹ سے ساتھ لائے ہوئے ہتھیار جہانگیر کے دفتر میں پڑے ہوئے تھے۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس عورت پر کسی تدبیر سے جلد ہی قابو نہ پایا گیا تو وہ کسی بھی لمحے خون آشام شیرنی کا روپ دھار لے گی۔

"شٹ اپ!" اس نے مجھے تحقیر آمیز لہجے میں ڈانٹ دیا اور جہانگیر کی طرف مڑ کر بولی "یہ سب فراڈ ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی شخص تمہاری بند فیکٹری کو چلانے میں تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔ یہ سفید کتیا جو اصلی غیر ملکی خریدار بن کے آئی ہے، کوئی فاحشہ ہے۔ یہ اردو سے بے خبر بن رہی تھی پھر انڈے والا باریک لطیفہ اس کی سمجھ میں کیسے آگیا؟"

"ریوالور رکھ لو!" جہانگیر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا "اگر یہ لوگ کسی بری نیت سے یہاں آئے ہیں تو میں ان سے سب کچھ اگلوا لوں گا۔ میری وجہ سے تمہیں کوئی خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں۔"

"خطرہ تو مجھ ہی کو مول لینا پڑے گا" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا پھر ریوالور کی نال سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "میری اصل دشمنی اس سے ہے۔ باقی تین سے پوچھ گچھ تم کر لینا۔"

"اس سے تمہیں کیا دشمنی ہے؟" جہانگیر نے حیرت سے پوچھا۔ اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی اور آہستہ آہستہ مسز خان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ جہانگیر کو ہم سے الگ اور اپنا ہم نوا سمجھ رہی تھی اس لئے اس نے بھی جہانگیر کی اس پیش قدمی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

"اسے دیکھتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا" مسز خان زہریلے لہجے میں کہنے لگی "مجھے اس کی قابل نفرت صورت جانی پہچانی معلوم ہو رہی تھی۔ تم نے اسے شاہد حسین کے نام سے متعارف کرایا ہے لیکن یہ ابھی اگل دے گا کہ اس کا اصل نام شاہد حسین نہیں، ڈینی ہے اور یہ سینڈو کا قاتل ہے۔ مجھے اس کو پہچاننے میں دیر ضرور لگی لیکن مجھے خوشی ہے کہ میں نے آخر کار سینڈو کے قاتل کو تلاش کر ہی لیا ہے۔"

ویرا اور جہانگیر کے لئے مسز خان کی وہ باتیں ناقابل فہم تھیں لیکن اس کی زبان سے اپنی اصل عرفیت سنتے ہی میرے ذہن کے بند دریچے تیزی سے کھلتے چلے گئے۔

مجھے بھی پہلی نظر میں مسز خان کا چہرہ جانا پہچانا معلوم ہوا تھا لیکن میں اپنے ذہن پر زور دینے کے باوجود یہ یاد کرنے سے قاصر رہا تھا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا تھا لیکن اس کی زبان سے سینڈو کا نام سنتے ہی مجھے سب کچھ یاد آگیا تھا۔ اس کا براہ راست مافیا سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن مافیا کے سیٹھ حبیب جیوانی نے شہر کے اعلیٰ سرکاری حکام اور معزز شہریوں کی اخلاقی کمزوریوں کو فلم بند کر کے انہیں بلیک میل کرنے کے مقصد سے جو رسوائے زمانہ کلب قائم کیا تھا، مسز خان اس کی تنخواہ دار ملازمہ تھی اور میں مس پارسن اور مس شوچان وغیرہ کے ساتھ متعدد بار اسے اس اڈے پر دیکھ چکا تھا۔ وہاں کام کرنے والی ہر عورت اخلاق باختہ اور بے کردار ہوتی تھی۔ ان ہی عورتوں کے حسن و انداز کے جال میں پھنس کر لوگ پرتعیش خلوت کدوں کا رخ کرتے تھے جہاں پوشیدہ کیمروں کی آنکھ ان کی ہر بے راہ روی کو مقناطیسی فیتے پر محفوظ کر لیتی تھی۔

شاید کلب کا شیرازہ بکھرنے کے بعد نادیہ نامی اس خاتون نے مسز خان کا نام اختیار کر کے ایک خانہ دار عورت کا روپ دھار لیا تھا اور اس کی آڑ میں شکار کھیلتی پھرتی تھی۔ اس کا تعلق دنیا کے اس قدیم ترین پیشے سے تھا جو پتھر کے زمانے سے خلائی دور تک پھلتا پھولتا رہا تھا۔ وہ اپنا روپ بدل سکتی تھی، ہزار بہروپ دھار سکتی تھی لیکن چڑھتی عمر کے کشش انگیز چہرے اور کسے ہوئے بدن کے ساتھ اپنے اصل پیشے کو خیرباد نہیں کہہ سکتی تھی۔

"تم بھی مسز خان بن کر مجھے دھوکا نہیں دے سکو گی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "قحبہ خانے کی نادیہ اپنا نام بدل کر جہانگیر کو اپنی پارسائی کا فریب دے سکتی ہے، مجھے نہیں۔"

"ہائیں!" جہانگیر پر ایک مرتبہ پھر بوکھلاہٹ کا حملہ ہوا "تم دونوں ہی ایک دوسرے کے اصل نام جانتے ہو؟"

"نام ہی نہیں، کام بھی جانتے ہیں۔" میں نے زہر خند کے ساتھ کہا "غنیمت ہے کہ مسز خان نے تمہیں اپنا اصل نام بتایا ہوا

ہے ورنہ یہ اپنے دام چکانے والوں کی خوشنودی کے لئے ہر روز نئے نام سے اپنے جلووں کا بازار سجاتی تھی.....“

”میں مجبور تھی اور تم میری مجبوریوں کے خریدار۔“ وہ میری بات کاٹ کے تحقیر سے بولی ”پہلے سینڈو اس کی کلب کا مالک ہوا کرتا تھا پھر تم اس کے اوپر آ گئے۔ وہاں جو کچھ ہوتا تھا تم اس کے ذمے دار تھے۔“

”تو کیا تم ڈینی سے اپنی اس تذلیل کا انتقام لینا چاہ رہی ہو؟“ جہانگیر نے پوچھا۔

”وہ نئی لڑکیوں کی تربیت گاہ نہیں تھی۔“ میں نے جہانگیر کو آگاہ کیا ”وہ دنیا جہان کی تجربے کار اور گھاگ عورتوں کی جنت تھی۔ نادیہ وہاں نوکری کرنے سے پہلے ہی عورت کی ذلت کا اشتہار بن چکی ہوگی۔“

”میں جو کچھ تھی، اپنے لئے تھی۔“ نادیہ نے زخم خوردہ لہجے میں کہا ”سینڈو نے اسی روپ میں مجھے ٹوٹ کر چاہا۔ وہ میرا پہلا اور آخری محبوب تھا جو میری برائیوں کو نظر انداز کر کے صرف میری خوبیوں کو پوجتا تھا۔ اس کے بعد میں خود کو اس بھری دنیا میں اکیلا اور بے سہارا محسوس کرنے لگی ہوں۔ میرے چاہنے والے بے شمار مل جاتے ہیں لیکن مجھے کوئی بھی ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اپنی نظروں اور حرکتوں سے وہ سب بھوکے بھیڑیے نظر آتے ہیں جو میرے وجود کو بھنبھوڑ ڈالنے پر تلے رہتے ہیں۔ سینڈو کو مار کر اس نے میرے اوپر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ یہ سینڈو کا قاتل ہے۔ میں اسے اپنے ہاتھ سے گولی مار کر سینڈو کے قتل کا انتقام لوں گی۔“

آخر کار بات واضح ہو گئی تھی۔ بات اپنے محبوب کے قتل کے انتقام کی تھی۔

”اسے مار کر تم بھی قانون کی بے رحمانہ گرفت سے نہیں بچ سکو گی۔“ جہانگیر نے اس کے قریب پہنچ کر اسے سمجھانا چاہا ”لاؤ، یہ ریوالور مجھے دے دو۔ غصے اور اشتعال کے عالم میں یہ تمہارے کسی ارادے کے بغیر چل پڑا تو دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔ ڈینی سے ہم کسی اور طرح بھی سینڈو کا بدلہ لے سکتے ہیں۔ اب یہ چاروں میری مرضی کے بغیر فیکٹری سے باہر نہیں جا سکیں گے۔ جب تک تم چاہو گی، یہ یہیں پر ہمارے قیدی بنے رہیں گے۔“

”خبردار! مجھ سے دور رہو۔ اس وقت مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش نہ کرنا۔“ نادیہ نے دو قدم پیچھے سرک کر اسے رکنے پر مجبور کر دیا اور ریوالور کی نال میرے سینے کی طرف کر کے اپنا ہاتھ سیدھا کر لیا ”اس وقت کسی نے بھی مجھے چھیڑنے کی کوشش کی تو میں ڈینی کو بے دریغ گولی مار دوں گی۔ اس خیال میں نہ رہنا کہ میں فائرنگ میں اناڑی ہوں۔“

مجھے اس بات پر سخت حیرت تھی کہ میں نے سینڈو کو ڈیفنس فیز نمبر سات کے بالکل ویران اور غیر آباد علاقے میں پوری رازداری کے ساتھ قتل کیا تھا تو پھر نادیہ کو کیسے علم ہوا کہ وہ میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ میں نے نادیہ کے خاموش ہوتے ہی اپنی اس الجھن کو ایک سوال کا روپ دے دیا ”تم سے کس نے کہا کہ میں سینڈو کا قاتل ہوں؟“

”تمہاری سازش بہت مکمل تھی۔“ اس نے حقارت سے سر جھٹک کر کہا ”لیکن دنیا کا کوئی جرم مکمل نہیں ہوتا۔ جرائم مکمل اور بے داغ ہونے لگیں تو دنیا سے عدل و انصاف کا نام تک مٹ جائے گا۔ سینڈو اپنے قتل کی رات تمہارے ساتھ ڈیفنس کے ویران علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا۔ دیکھنے والا ایک سرکاری افسر اور کلب کا رکن تھا۔ اس نے سینڈو کی لاش ملتے ہی مجھے پوری بات بتادی تھی مگر میں اپنی جان کے خوف سے خاموش رہی۔ اس وقت تم کلب والوں کے لئے ایک ہوّا بنے ہوئے تھے۔ اب کلب ہے نہ تمہاری بادشاہی۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“

اس وقت تک ویرا، غزالہ اور سلطان شاہ نے مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ ویرا کے لئے وہ باتیں تحیر خیز رہی ہوں گی کیونکہ میرے اور مافیا کے روابط کے بارے میں وہ بہت زیادہ باخبر نہیں تھی لیکن میری اور نادیہ کی گفتگو نے تقریباً ساری ہی گتھیاں سلجھادی تھیں۔ رہی سہی کڑیاں کوئی بھی اپنے اندازے سے جوڑ سکتا تھا۔

”تم مجھے مارنا ہی چاہتی ہو تو زیادہ دیر نہ کرو۔“ میں نے نادیہ کو مشتعل کرنے کے لئے بے پروائی سے کہا ”مجھے کچھ اور بھی ضروری کام نمٹانے ہیں۔ دوسری طرف ناشتا بھی ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“

میرے تبصرے پر نادیہ کی کھوپڑی گھوم گئی۔ جہانگیر بوکھلائی ہوئی آوازوں کے ذریعے اسے روکنے کی کوششیں کرتا رہ گیا اور اس نے اپنا بازو تان کے میری طرف ایک فائر جھونک مارا۔

میں اس وقت دانستہ دوسروں سے الگ اور دور کھڑا ہوا تھا۔ فائر ہونے کی صورت میں دائیں بائیں جھکائی دینے کے لئے بھی تیار تھا لیکن میری کسی مدافعانہ کارروائی کی نوبت ہی نہیں آئی۔ شاید ریوالور کے دستے پر نادیہ کی گرفت مضبوط نہیں تھی۔ گو نجیلے فائر کے دھماکے سے ریوالور کی نال قدرے اوپر اٹھ گئی اور گولی میرے جسم کی طرف آنے کے بجائے شیشے کے ایک فریم کو توڑتی ہوئی دیوار میں پیوست ہو گئی۔

نادیہ فائرنگ کے معاملے میں ماہر نشانے باز تھی نہ ہی بالکل اناڑی۔ شاید اس کے کسی آشنا نے فرصت کے لمحات میں اسے آتشیں ہتھیاروں سے موت کا کھیل کھیلنے کی ہلکی پھلکی مشق کرائی ہو۔ وہ اچانک ہی پہلی گولی چلانے میں تو کامیاب ہو گئی لیکن اسے دوسرے فائر کے لئے خود کو سنبھالنے کا موقع نہیں مل سکا۔

ان دنوں جہانگیر ایک امن پرور شہری کی سی پُرسکون زندگی گزار رہا تھا لیکن ایک زمانے میں وہ بھی بارودی ہتھیاروں کا نامور کھلاڑی رہا تھا اور اس کے نام سے بڑے بڑے بدمعاشوں کا پتا پانی ہوتا تھا۔ اس کے سامنے نادیہ کی کوئی وقعت ہی نہیں تھی۔ اس

نے پہلے فائر کا دھماکا سنتے ہی جست لگا کر نادیہ کی داہنی کلائی اپنی گرفت میں لے کر اتنی سختی سے مروڑی کہ ریوالور اس کی ہتھیلی میں جھولنے لگا۔ غزالہ نے لپک کر ریوالور اس کی کمزور گرفت سے نکال لیا۔

جہانگیر نے اسے غیر مسلح کرنے کے بعد زور سے پیچھے دھکا دیا اور وہ لڑکھڑا کر پشت کے بل قالین پر جا گری۔

جہانگیر مڑ کر مجھ پر برسنے لگا "تم جہاں کہیں بھی قدم رکھتے ہو، تمہاری کوئی نہ کوئی رقیبانہ شناسائی نکل آتی ہے۔ اب مجھے بتاؤ کہ اس اُلّو کی پٹھی کا کیا کیا جائے۔ اگر یہ میرے ریوالور سے تمہیں زخمی بھی کر دیتی تو میں تو زندگی بھر تمہارے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔" اس نے غزالہ کے ہاتھ سے ریوالور لے کر سیفٹی کیچ چڑھا دیا۔

اس اثنا میں فائر کی گونج سن کر ریشم خان بھی اپنی رائفل تانے اندر گھس آیا تھا۔

قالین پر بے طرح گرنے سے نادیہ کے جسم پر چوٹ آئی تھی یا وہ بے بسی کے احساس سے مغلوب ہو گئی تھی کہ اس نے وہیں پڑے پڑے اونچی آواز سے رونا شروع کر دیا۔

جہانگیر غصیلی نظروں سے اسے گھورنے لگا۔ میں نے محبت سے اس کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر کہا "فی الحال اس پر لعنت بھیجو، ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ اس کا ریوالور تم چھین چکے ہو۔ یہ رو رو کر اپنا بقیہ میک اپ بھی برباد کر لے گی۔ روتی ہوئی عورت کی چتون بالکل بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔"

"عورتوں کے سامنے تو لوفروں والی زبان استعمال نہ کیا کرو۔" وہ تاؤ کھا کر بولا۔

"ویرا عاقل و بالغ اور آزاد خیال ہے، دوسری عورت نہیں بلکہ میری اکلوتی بیوی ہے۔ ان دونوں کے سامنے میں ہر زبان استعمال کر سکتا ہوں۔" میں نے ایک آنکھ دبا کر کہا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرانے پر مجبور ہو گیا۔

ریشم خان کو باہر جانے کی ہدایت دے کر ہم میز پر ناشتے میں مصروف ہو گئے۔

"اس ریسٹ ہاؤس میں کتنی خواب گاہیں ہیں؟" ویرا نے جہانگیر سے پوچھا۔

"تین!" اس نے بے اعتنائی سے جواب دیا "اب تم نیچے سے اوپر آ جاؤ تاکہ مجھے تمہارے لئے باتھ روم کی صفائی کا خیال نہ رکھنا پڑے۔ میں چند روز تک اپنے دفتر میں گزارہ کر لوں گا۔"

"اگر یہاں تین کمرے میسر تھے تو تم نے ہم سب کو دفتر میں رہنے پر کیوں مجبور کیا؟" میں نے پوچھا "ہم اس کے آرام میں خلل ڈالے بغیر دو کمروں میں آرام سے رہ سکتے تھے۔"

"مجھے کیا خبر تھی کہ نادیہ کے کیا کرتوت رہے ہیں۔ میرے سامنے تو یہ عزت دار بنی رہتی تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ ایک دم اتنے اجنبیوں کو دیکھ کر بھڑک جائے گی۔ اب یہ جائے جہنم میں، میں ایسی کتیوں کی پروا نہیں کرتا۔"

"بالکل بالکل" میں نے اس سے بھرپور اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "یہ جائے گی تو تمہیں کوئی اور مل جائے گی۔ خدا بھی شکر خورے کو شکر فراہم کرتا ہے۔ تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

جب نادیہ کو مسلسل رونے کے باوجود ہم میں سے کسی کی توجہ نہ مل سکی تو رفتہ رفتہ اس نے رونا موقوف کر دیا پھر قالین سے اٹھ کر وہیں اکڑوں بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا سر کسی الم رسیدہ بیوہ کی طرح اپنے گھٹنوں پر ٹکایا ہوا تھا۔

"نادیہ ہمارے سامنے کچن میں گئی تھی۔ پھر یہ اندر سے ریوالور کیسے لے آئی؟" غزالہ کو اچانک ایک باریک نکتہ سوجھ گیا۔

"کچن میں دوسری طرف بھی دروازہ ہے جو بغلی راہداریوں کے ذریعے خواب گاہوں تک جاتا ہے۔ یہ اسی طرف سے نکل گئی ہو گی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ نرم و نازک سی عورت گولی چلا لیتی ہو گی۔"

"اصول کے طور پر ہمیشہ یہ بات یاد رکھو۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا اور جہانگیر ہمہ تن گوش ہو گیا۔ میں نے بلا توقف اپنی بات جاری رکھی "کہ جو عورت انڈا دینے پر قادر ہو وہ گولی سے توپ تک ہر چیز چلا سکتی ہے۔"

جہانگیر نے برا سا منہ بنا کر کوئی ترش جواب دینے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ نادیہ نے اٹھ کر چلانا شروع کر دیا "تم سب حرام زادے، خود غرض اور ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ میں تمہیں ہتھکڑیاں نہ لگوا دوں تو میرا نام بدل دینا۔"

"بچی! تیرا نام تو پہلے ہی بدلا ہوا ہے۔ ہم کیا بدلیں گے۔" سلطان شاہ نے ہانک لگائی "نادیہ اور مسز خان کے بعد تو اب تیرا نام ترکھان ہی رکھا جا سکتا ہے۔ آرام سے بیٹھ کر اپنا سر کھجاتی رہ!"

وہ تلملا کر پیر پٹختی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔ اس بار بھی کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے استفہام طلب نگاہوں سے جہانگیر کی طرف دیکھا تو اس نے خاموشی سے ہاتھ ہلا کر مجھے مطمئن کر دیا کہ اندر کے کمروں میں ریوالور کے بعد کوئی ہتھیار موجود نہیں رہا تھا۔

ہم ناشتا ختم کرنے کے مراحل میں تھے کہ کچن میں سے خرخراتی ہوئی ایک وحشت ناک سی چیخ ابھری۔ سب ہی نے بیک وقت کچن کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہاں ماربل کے فرش پر نادیہ بری طرح تڑپ رہی تھی۔ اس کی کٹی ہوئی گردن سے زندہ خون کی دھاریں ابل ابل کر فرش پر پھیل رہی تھیں۔ قریب ہی گوشت کے پارچے بنانے والی تیز دھار چھری پڑی ہوئی تھی۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ مایوسی کے عالم میں نادیہ نے اپنی گردن کاٹ لی تھی۔

اس کی گردن سے ابلنے والے خون کی مقدار سے اندازہ ہو رہا تھا کہ زخم بہت گہرا اور کاری تھا۔ اسے طبی امداد کے لئے

اسپتال لے جانے کی کوشش کی جاتی تب بھی وہ زیادہ مقدار میں خون ضائع ہونے کے سبب زندہ نہ رہتی۔ ہم پانچوں اس کے گرد کھڑے بے بسی سے تماشا دیکھتے رہے اور چند ہی منٹ میں اس کا جسم ساکت ہوگیا۔

"یہ ایک نئی مصیبت گلے پڑ گئی۔" جہانگیر کمزور آواز میں کراہا "اب اس کی لاش کا کیا ہوگا؟"

میں نے بڑھ کر نادیہ کی نبض دیکھی۔ ہاتھ گرم تھا لیکن نبض خاموش تھی۔ بائیں پہلو کو جگہ جگہ سے دبا کر دیکھا لیکن دل کی دھڑکنیں مفقود تھیں۔ آنکھوں کی پتلیاں اوپر چڑھ چکی تھیں اور ادھ کھلے پپوٹوں میں سے موت کی بھیانک سفیدی جھانک رہی تھی۔ وہ اتنی تیزی سے اپنے الم ناک انجام کو پہنچی تھی کہ ہم اسے طبی امداد کے لئے لے جانے کی کوشش کرتے تب بھی وہ فیکٹری سے گاڑی روانہ ہونے سے پہلے ہی ختم ہو چکی ہوتی۔

ریشم خان کو لاش کے گرد پھیلے اور جمتے ہوئے خون کو بہانے کی ہدایت کرکے ہم سب ڈرائنگ روم میں آبیٹھے۔ جہانگیر کو اس مرحلے پر پولیس کی فکر لاحق ہوگئی۔ اپنے مشتبہ ماضی کی بنا پر وہ ہر حالت میں اس محکمے سے دور رہنے بلکہ بچنے کی کوشش کرتا تھا۔ میں خود بھی پولیس سے دور رہنا پسند کرتا تھا۔

نادیہ کی دردناک خودکشی نے کسی نہ کسی حد تک سب ہی کو متاثر کیا تھا۔ اس قصے کے بارے میں بہت سی باتیں جہانگیر کے علم میں بھی نہیں تھیں لیکن وہ میرے معاملات میں کبھی بھی غیر ضروری تجسس کا مظاہرہ نہیں کرتا تھا۔ جو کچھ میں بتا دیتا وہ اسی پر قناعت کرلیتا تھا۔ بقیہ باتوں کو سرے سے بھلا دیتا تھا لیکن دیرا کا مزاج بالکل ہی مختلف تھا۔ وہ ہر بات میں بال کی کھال نکالنے پر تلی رہتی تھی۔ سینڈو اور کی کلب کے نام اس کے لئے نئے نہیں تھے۔ اس نے ان کے بارے میں بہت سے چبھتے ہوئے سوالات کئے مگر میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگیا کہ میں نے کبھی بھی مافیا کے لئے کام نہیں کیا تھا بلکہ ان کی بیخ کنی کے لئے محدود پیمانے پر ان کی صفوں میں شمولیت اختیار کی تھی اور اپنے قدم جمانے کے بعد مافیا کے اہم ستونوں کو یکے بعد دیگرے گراتا چلا گیا۔ سینڈو کے قتل اور کی کلب کی مکمل بربادی کے بعد آخر کار مافیا کا مقامی سربراہ، سیٹھ حبیب جیوانی بھی میری اس مہم کا نشانہ بن گیا تھا۔

جہانگیر کو رہ رہ کر یہ خوف مارے ڈال رہا تھا کہ اس ریسٹ ہاؤس میں ایک فائر کے علاوہ نسوانی چیخ بھی گونجی تھی اور پھر کچن میں ایک عورت کی گردن بریدہ، تازہ لاش بھی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اسے اطمینان دلایا کہ بڑی بڑی فیکٹریوں کے شور میں اکلوتے فائر کی آواز سنی جانے کا امکان بہت کم تھا۔ کوئی وہ آواز سن بھی لیتا تو اس کے لئے یہ تعین کرنا دشوار ہوجاتا کہ فائر کہاں ہوا تھا۔ جہاں تک نادیہ کی آخری چیخ کا تعلق تھا تو وہ دہشت ناک ہونے کے باوجود اتنی بلند نہیں تھی کہ اسے باہر تک سنا جاتا۔

نادیہ کی لاش کو ہم اپنے طور پر بھی ٹھکانے لگا سکتے تھے لیکن مجھے خودکشی کے بعد اس کی لاش کی بے حرمتی گوارا نہیں تھی۔ وہ بے کردار اور بازاری اطوار کی عادی ضرور تھی لیکن ہم میں سے کوئی بھی ان حالات سے باخبر نہیں تھا جن سے مجبور ہوکر وہ گناہوں کی اس دلدل میں جا پھنسی تھی۔

ایس ٹی ایف والے نادیہ کی لاش کو خاموشی سے غائب کرکے آبرومندانہ طریقے سے اس کی تجہیز و تکفین کرسکتے تھے۔ میں نے اول خان کو فون کرنے کا ارادہ کیا تو دیرا نے جہانگیر کے دفتر سے اسپیکر فون اوپر منگوانے کا مطالبہ پیش کردیا تاکہ ہر شخص براہِ راست دو طرفہ بات چیت سن سکے۔

فیکٹری کے دونوں فون نمبروں کی براہِ راست لائنیں اوپر بھی موجود تھیں لیکن وہاں اسپیکر فون موجود نہیں تھے۔ اس وقت تک ریشم خان کچن کی صفائی اور نادیہ کی لاش کو ایک صاف چادر میں لپیٹنے کے عمل سے فارغ ہوچکا تھا اور مشینی انداز میں ریسٹ ہاؤس سے باہر موجود تھا۔ اس نے نادیہ کی لاش یا اس واردات کے بارے میں کسی سے کوئی بات پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جہانگیر نے اسے نیچے سے اسپیکر فون نکال لانے کے لئے بھیج دیا۔

ٹیلی فون لائن سے اسپیکر فون منسلک کرنے کے بعد میں نے اول خان کے گھر کا نمبر ملایا۔ اس نے خود ہی میری فون کال وصول کی "تھوڑی دیر بعد میں خود تم سے رابطہ کرنے والا تھا۔ حالات دلچسپ رخ اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ جم کلارک کی بیان کی گئی پچھلی کہانی میں اب تبدیلی کی جا چکی ہے....."

"اس موضوع پر بات کرنے سے پہلے میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہم یہاں نادیہ نامی ایک عورت کی لاش کے ساتھ موجود ہیں۔ اسے فوری طور پر ٹھکانے لگانا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"عورت کی لاش!" اول خان کی تحیر زدہ آواز ابھری "وہاں لاش کہاں سے آگئی؟"

"ڈیڈی کے قدموں کی برکت۔" مجھ سے پہلے جہانگیر بھرائی ہوئی آواز میں بول پڑا "یہ جہاں بھی جاتا ہے، فساد اور کشت و خون شروع ہوجاتا ہے۔ میری سیکریٹری نے اپنا گلا کاٹ کر خودکشی کرلی ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ ڈیڈی کو پہچان کر ڈر گئی ہو.... میں نے تم لوگوں کی حفاظت کے لئے اپنے دو گارڈ فیکٹری کی طرف روانہ کئے ہیں۔ وہ باری باری چوبیس گھنٹے پہرے پر مامور رہیں گے۔ وہ جیسے ہی پہنچیں، انہیں لاش کے بارے میں بتادینا۔ وہ ایک دو گھنٹے میں لاش کو ٹھکانے لگا کر واپس آجائیں گے اور براہِ راست ڈیڈی کو جواب دہ ہوں گے۔"

"بظاہر ہمیں فیکٹری میں کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن تم نے اچھا کیا کہ دو محافظ روانہ کردیئے۔ اب ہم زیادہ بے فکری سے اپنا وقت گزار سکیں گے۔" میں نے تشکر سے لبریز لہجے میں جواب دیا۔

"ان لوگوں نے تھانے کی سطح پر صرف اتنی بات بتائی تھی کہ جم کلارک کسی سے ملنے ہوٹل گیا تھا اور واپس نہیں آیا لیکن ہوم ڈپارٹمنٹ سے سفارتی سطح پر کی جانے والی شکایت میں تمہیں اپنے پورے نام یعنی تنویر علی عرف ڈینی سے ملزم نامزد کیا گیا ہے۔ ویرا کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ انہوں نے ایک علیٰحدہ شکایت میں تم پر الزام لگایا ہے کہ تم نے ویرا لائیڈ نامی ایک امریکن لڑکی کو حبسِ بے جا میں رکھا ہوا ہے۔ تم ایک بدنام عالمی دہشت گرد ہو اور متعدد ممالک میں ان کے مفادات کو نقصان پہنچاتے رہے ہو۔ پاکستان میں کوئی خفیہ سرکاری یا نیم سرکاری تنظیم تمہاری پشت پناہی کررہی ہے۔ اسی کی حوصلہ افزائی پر تم نے جم کلارک کو دھوکے سے اغوا کرکے ہلاک کیا ہے۔"

"خوب!" میں نے اس تفصیل سے محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا "انہوں نے یہ بتانے کی ہمت نہیں کی ہوگی کہ میں جم کلارک کو اغوا کرکے کہاں لے گیا تھا اور انہوں نے اسے بازیاب کرانے کے لئے کیا جتن کئے تھے۔"

"واضح طور پر اسٹیشن فور والی عمارت کا پتا لکھنے کے بعد انہوں نے سامنے والی گلی میں پائی جانے والی تین لاشوں سے اپنی لاتعلقی ظاہر کی ہے۔ ان کی ٹیم کے ساتھ اس عمارت پر ریڈ بھی کی جاچکی ہے۔ گردوغبار میں اٹے ہوئے فرنیچر اور عمارت کی ویرانی نے انہیں حیران کردیا۔ آخر وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ شاید ڈینی جم کلارک کو لے کر پچھلی سمت سے فرار ہوگیا ہوگا۔ سی آئی اے والے دونوں چشم دید گواہ بھی بغلیں جھانکتے رہ گئے۔ ان میں سے ایک کی پنڈلی زخمی تھی۔"

ویرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر پوچھا "قیاس آرائی کرنے والے نے یہ نہیں بتایا کہ جم کلارک جیسے گراں ڈیل کو اٹھا لے جانے کے لئے ڈینی کرین کہاں سے لایا ہوگا اور اس کی گاڑی کہاں غائب ہوگئی۔"

"خفیہ سرکاری یا نیم سرکاری تنظیم کا ذکر کرکے انہوں نے اپنے شبہات واضح کردیئے ہیں۔ وہ کھل کر ایس ٹی ایف کا نام نہیں لے سکے لیکن انہوں نے مختلف معاہداتی اور جمہوری حوالوں سے پرزور مطالبہ کیا ہے کہ ڈینی کے ساتھ ویرا لائیڈ کو بھی ان کے حوالے کیا جائے۔ وہ ویرا کی تصاویر نہیں فراہم کرسکے لیکن ڈینی کی ایک دھندلی تصویر حکام کو دی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کی اشک شوئی کے لئے دو چار دن میں محکمۂ داخلہ کوئی اشتہار بھی جاری کردے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ اسپیکر فون پر بات کررہے ہو اس لئے میں سب ہی کو بتارہا ہوں کہ حالات سدھرنے تک اپنی نقل و حرکت محدود رکھو۔"

"شاید تم نے ان ہی خطرات کے پیشِ نظر اپنے آدمی ادھر روانہ کئے ہیں؟" ویرا نے پوچھا۔

"نہیں... وہ لوگ اپنے طور پر بہت تیزی سے کام کررہے ہیں۔ شرف آباد والے فلیٹ پر بکتر بند ایمبولینس کے عملے کی ناکام کارروائی کے بعد انہوں نے دوسری سمت میں سرگرمیاں شروع کردی ہیں۔ اس بلڈنگ کے مالک سے رابطہ کرکے انہوں نے سراغ لگالیا ہے کہ وہ فلیٹ جہانگیر کے نام پر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ آج ہی جہانگیر کے گھر کا رخ کریں۔ میں نے وہاں بھی اپنا ایک آدمی لگادیا ہے جو وہاں چوکیدار کی جگہ لے لے گا.... ایسے حربے انہیں عارضی طور پر مایوس تو کرسکتے ہیں لیکن وہ منظم انداز میں کام کررہے ہیں۔ کسی نہ کسی وقت جہانگیر کی فیکٹری کا سراغ بھی لگالیں گے۔ میں نے ایسی ہی کسی صورتِ حال کا سدِباب کرنے کے لئے اپنے دو آدمی ادھر بھیجے ہیں۔"

"انہوں نے فیکٹری تک رسائی حاصل کرلی تو دو آدمی ان کو نہیں روک سکیں گے۔" اول خان کی سنائی ہوئی آخری خبر نے مجھے تشویش میں مبتلا کردیا "بکتر بند ایمبولینس میں چھپے ہوئے مسلح حملہ آوروں کا کون مقابلہ کرسکے گا؟ وہ ہر رکاوٹ کو روند کر اندر گھس آئیں گے۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ بڑے پیمانے پر ازخود کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ ادھر کی سن گن لینے کے بعد محکمۂ داخلہ پر فوری اقدام کے لئے زور ڈالیں گے۔ سفارتی کوششوں میں ایسی غنڈا گردی نہیں کی جاتی۔"

"ان سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔" ویرا نے بلا تردّد کہا "جم کلارک شی کا نیا سربراہ تھا۔ اسے انہوں نے سفارت کار بنادیا۔ ڈینی کی لڑائی ہیروئن اور شی کے خلاف تھی۔ اس نے شی کے مفادات پر ضرب لگائی اور وہ شی کی جگہ اپنے قومی مفادات کا ذکر کرکے ڈینی کو عالمی دہشت گرد قرار دے رہے ہیں۔ سفارتی کوششوں اور غنڈا گردی کا فرق تمہیں ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ وہ جب چاہیں گے اپنی غنڈا گردی کو بہترین سفارتی مہم جوئی قرار دے کر تمہیں خاموش ہوجانے پر مجبور کردیں گے۔ ان سے نمٹنے کے لئے تم اصولوں سے چمٹے رہے تو تمہارا کیا کرم ہوجائے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" اول خان کی تھکی ہوئی آواز ابھری۔ "کم ظرف دشمن سے پالا پڑجائے تو کہیں بھی حدِفاصل قائم نہیں کی جاسکتی۔ میں نے تم لوگوں کو پورے حالات سے آگاہ کرکے اپنا فرض پورا کردیا ہے۔ میں اپنی سی کوششیں کرتا رہوں گا۔ تم اپنی جگہ چوکنا رہو۔ ان نازک حالات میں ہمیں چاروں کھونٹ چوکس رہنا ہوگا۔"

"جہانگیر کے گھر پر چوکیدار کی جگہ سنبھالنے والے آدمی کا کوڈ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں؟ کیا تمہارا اس سے ملنے کا پروگرام ہے؟" اول خان کی آواز سے تحیر عیاں تھا۔

"فی الحال یوں ہی پوچھ رہا ہوں۔ بعد میں ملاقات کا پروگرام بن جائے تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"تمہارا یہ آپریشن ہلڈ ہاؤنڈز کے نام سے چل رہا ہے۔ میرا کوڈ بی ایچ ون ہے۔ جہانگیر کے گھر جانے والا بی ایچ ٹائن ہے۔ ویسے اس کا اصل نام نسیم الحسن ہے۔ وہ شاید تمہیں نہیں پہچانتا ہو گا۔"

"کسے پتا ہو کہ کوئی خفیہ آدمی اس سے کوئی بات پوچھ لے تو تمہارے ساتھ ہی مجھے بھی یہاں کے فون پر مطلع کر دے تاکہ ہم ہر وقت پوری طرح باخبر رہیں۔" میں نے فرمائش کی۔

"ٹھیک ہے" اس نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد حتمی لہجے میں کہا "اس بار سارا جال تمہارے لئے پھیلایا گیا ہے۔ اس لئے میں تمہیں اس آپریشن سے بالکل باہر رکھنا چاہتا تھا۔ اب تم ان لوگوں میں سے کسی سے رابطہ کرنا چاہتے ہو تو تمہیں بھی پاس ورڈ استعمال کرنا ہو گا۔ فورس کے اندرونی معاملات کی وجہ سے میں اس بار بہت زیادہ محتاط ہوں۔ میں نے اپنے اعتماد کے قریبی ساتھیوں کو ٹیم میں شامل کیا ہے۔"

"احتیاط کے طور پر تم مجھے پاس ورڈ دے ہی دو۔" میں نے اصرار کیا۔

"بی ایچ ففٹین" ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی پُرتشویش آواز سنائی دی۔

"اور یہاں آنے والوں کے کیا پاس ورڈز ہیں؟" میں نے فوری خیال کے تحت پوچھا۔

"ابھی جہانگیر کی فیکٹری اس آپریشن کے دائرے سے خارج ہے۔ ان دونوں کو کوئی نمبر نہیں دیا گیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے پاس نفری کی کمی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" ویرا نے اچانک کہا "البرٹو، وینیسا کے رکھے ہوئے خفیہ آدمیوں کا کیا رہا؟ کیا وہ اب بھی تمہارے لئے کام کر رہے ہیں؟"

وہ اول خان کی دُکھتی رگ تھی۔ فون پر اس کے گہرے سانس کی آواز گونجی پھر اس نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "وہ صرف تین تھے۔ عارف، سلطان شاہ کے اغوا کے چکر میں مارا گیا۔ منصور سرور پکڑا گیا۔ اس کی نشاندہی پر ایک اور کالی بھیڑ ہاتھ لگی ہے۔ یقیناً وہ خفیہ آدمی کلیئر ہو چکے ہیں لیکن احتیاطاً انہیں بھی حیدر آباد تبدیل کر دیا گیا ہے۔ وہاں وہ مزید ایک ہفتے تک خفیہ نگرانی میں رہیں گے۔ اب موتی لال کو میری فورس میں کوئی غدار نہیں مل سکے گا۔"

"کہیں تم سلطان شاہ کے چھپے ہوئے ذاتی نمبر پر موتی لال سے چھیڑ چھاڑ کی بات؟" ویرا کی وضاحت پر دھکے لگی۔

"ایک وقت میں سارے محاذ مت کھولو" اول خان کا لہجہ تلخ ہو گیا "شاید تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ جم کلارک کے قتل کے بعد یہ قصہ کس ڈگر پر چل پڑا ہے۔ فی الحال ہمارے لئے یہی قصہ کافی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اس سے اتفاق [illegible] کرتے ہوئے کہا "تم ویرا کی طرف سے بے فکر رہو۔ یہ [illegible] مُصر ہوئی تو دوستی میں کر اسے فون کرلے گی۔ موتی لال [illegible] سے اس کے دوسرے فون کا انتظار کر رہا ہو گا۔"

"ہاں میں تمہیں یہ بتانا بھول ہی گیا کہ جم کلارک کے [illegible] بل جونز اور پال ایمرسن کے قتل کے واقعات بھی اٹھائے [illegible] ہیں۔" گفتگو کو اختتام تک لے جاتے ہوئے اول خان کو اچانک [illegible] اہم بات یاد آ گئی "ان دونوں کے قتل کی ذمے داری بھی تم پر [illegible] گئی ہے۔ وہ اصل میں کون تھے، یہ صرف ہم کو معلوم [illegible] سرکاری ریکارڈ کے مطابق وہ اسلحے کے امریکی ماہرین تھے جو [illegible] کے نواح سے پکڑے جانے والے بارودی بندروں پر تحقیق [illegible] ہماری حکومت کی مدد کرنے کے لئے آئے تھے۔"

"لیکن ان کا معاملہ تو صاف ہو جانا چاہئے تھا۔" میں [illegible] چونک کر کہا "ان کے لئے پیشہ ورانہ اوزاروں کے بہانے [illegible] بموں کے جو کریٹ آ رہے تھے، وہ انہیں بے نقاب کرنے کے [illegible] بہت کافی تھے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن بہت سے واقعات ہماری [illegible] ہوئی ترتیب کے مطابق رونما نہیں ہوتے۔ ان دونوں کے قتل [illegible] پھیل جانے کی وجہ سے ایمسٹرڈیم ائرپورٹ پر بموں کو بے [illegible] اوزاروں سے بدل دیا گیا تھا جن میں پلاس سے پیچ کس تک [illegible] تھے۔ ان کریٹوں کو پکڑنے کے باوجود یہاں والے کچھ نہیں کر [illegible] اس قصے کے فوراً بعد ہی تم لوگ سوار پائندہ گل کے چکر [illegible] الجھ گئے اور میں تمہیں اس ناکامی کے بارے میں نہیں بتا سکا۔"

"وہ لوگ پاکستان میں میری مسلسل موجودگی سے واقف [illegible] اس لئے یہ ساری الزام تراشیاں ہو رہی ہیں۔ میرا خیال [illegible] اب مجھے پاکستان سے نکل کر چند بھرپور کارروائیاں کرنی ہوں گی۔"

"موجودہ حالات میں، میں تمہیں پاکستان سے نکلنے کا [illegible] نہیں دوں گا۔"

اسی وقت رحیم خان نے ڈرائنگ روم میں داخل ہو [illegible] مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی۔ میں نے فوراً ہی فون پر اول خان [illegible] خبر سنا دی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ دونوں اسی کے آدمی ہوں گے۔ اول خان کے ایما پر ان دونوں کو اوپر ہی بلوا لیا گیا۔ وہ [illegible] میرے شناسا چہرے تھے۔ میرے اشارے پر وہ اسپیکر فون [illegible] قریب آ گئے اور اول خان نے ان کو نادیہ کی لاش کے بارے [illegible] سمجھانا شروع کر دیا۔

میں نے سگریٹ سلگا کر گردوپیش کا جائزہ لیا تو غزالہ نا [illegible] تھی۔ مجھے متجسس پا کر سلطان شاہ نے بتایا کہ وہ خواب گاہ [illegible] جائزہ لینے گئی ہوئی تھی۔ میں سکون سے صوفے کی پشت گاہ [illegible] ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

اول خان نے اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے کے بعد فو [illegible]

منقطع کردیا۔
"...سر اہم باڈی لے جا رہے ہیں۔" اپنا تعارف کرانے کے بعد ...میں سے ایک نے کہا "اپنے ساتھ لائی ہوئی اسلحے اور میگزین ...ہم یہیں چھوڑ دیں گے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر ہم واپس ...آ جائیں گے۔"

"تمہارے پاس کون سی گاڑی ہے؟" میں نے پُرخیال لہجے میں پوچھا۔

"مٹسوبیشی۔ گلانٹ" اسی نے ادب سے جواب دیا "لاش ...اسے ڈکی میں سما جائے گی۔"

"ٹھیک ہے پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔" میرا جواب ...وہ دونوں کچن کی طرف بڑھ گئے اور سویرا میرے پیچھے پڑ گئی۔ وہ اچانک روانگی کا سبب جاننے پر مُصر تھی۔ میں نے ہوا خوری کا ...کر کے اسے ٹالنے کی کوشش کی تو جہانگیر اس کی مدد کے لئے ...انداز ہو بیٹھا۔

"...فیکٹری کے احاطے میں وسیع میدان پڑا ہوا ہے۔ تم اونٹ کی ...طرح منہ اٹھا کر گھنٹوں اس میدان میں دوڑتے رہو تو کوئی تم کو ...روکے گا۔ تمہیں مخدوش حالات میں شہر جانے کی کیا ...ضرورت ہے؟"

"میں ان لوگوں کے ساتھ جاؤں گا اور ان ہی کے ساتھ ...آ جاؤں گا۔" میں اپنی ضد پر اَڑا رہا۔

تکرار جاری رہی۔ غزالہ بھی واپس آ کر سویرا کی ہم نوا بن گئی ...انہوں نے ہٹ دھرمی کا رویہ اپنا لیا۔ مشکل یہ تھی کہ میں اپنے ...کی بات ان کے سامنے رکھ دیتا تو وہ کسی بھی قیمت پر مجھے جانے نہ ...دیتے جب کہ بھیڑ بھاڑ کی صورت میں کام خراب ہونے کا ...اندیشہ موجود تھا۔ مجھے کسی بھی طرح پسپائی پر آمادہ نہ پا کر ...انہوں نے شرط عائد کر دی کہ میں سب کو نہ سہی کم از کم سویرا کو ...اپنے ساتھ لے جاؤں تاکہ وہ مجھے کسی احمقانہ مہم جوئی سے ...روک سکے۔ میرے لئے وہ تجویز بڑی حد تک قابل قبول تھی لیکن ...اس تجویز پر پکا کرنے کے لئے میں خاصی دیر تک اس تجویز کی ...مخالفت کرتا رہا۔ اس دوران میں ایس ٹی ایف کا ایک نوجوان ...کی چادر میں لپٹی ہوئی لاش کو اپنے شانے پر لاد کر باہر نکل گیا۔ ...مجھے نیچے اترنے کا اشارہ کرتا ہوا اس کے پیچھے چلا گیا۔ لاش کی ...روانگی کا منظر دیکھ کر رحیم خان مکمل صفائی کے ارادے سے کچن کی ...طرف بڑھا لیکن جہانگیر نے اسے ایس ٹی ایف والوں کی مدد کے ...نیچے بھیج دیا۔

میں روانگی کے ارادے سے اٹھا تو سب جذباتی انداز میں ...ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اپنے انداز میں مجھے ...سمجھانے کی کوششیں کرنے لگے۔ غزالہ بے چاری تھک ہار کر ...دعاؤں پر اتر آئی تھی۔

"اس وقت مجھے ہر قیمت پر جانا ہے۔" آخر کار میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا "تم اسی قدر مُصر ہو تو میں سویرا کو چوکیدار کے طور پر اپنے ساتھ لئے جاتا ہوں لیکن اس نے کوئی حماقت کی تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہوگی۔"

"ٹھیک ہے" سویرا کا چہرہ کھل اٹھا لیکن غزالہ کی آنکھوں میں شبہات جھلکنے لگے۔

ہم لوگوں کا سازوسامان جہانگیر کے دفتر میں تھا۔ سیم گن لینے کے لئے دفتر میں جانے سے پہلے میں نے اول خان کے آدمیوں سے ہتھیاروں کی پوزیشن دریافت کی تو انہوں نے ایک لمبی فہرست گنوا دی۔

میں نے انہیں صندوق میں سے عشاریہ تین آٹھ کے دو پسٹل اور چار بھرے ہوئے فاضل میگزین نکالنے کی ہدایت کی تو غزالہ ایک بار پھر مجھ سے الجھ پڑی "سچ سچ بتاؤ کہ تم کہاں جا رہے ہو۔ سیر یا ہوا خوری کے لئے اتنی گولیوں کی کیا ضرورت ہے؟ تم ضرور مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔"

"احتیاط کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔ "اتفاقاً کوئی بری صورتِ حال سامنے آ گئی تو اور بات ہے ورنہ یہ میگزین اسی طرح واپس آ جائیں گے۔ سویرا کو میرے سر پر مسلط کرنے کے بعد تمہیں ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔"

میرا وار کارگر رہا اور گلوخلاصی ہو گئی۔ میں نے جہانگیر کے دفتر میں اپنا سامان منتقل کر کے سیم گن تلاش کی اور اسے جیب میں اڑس کر باہر آ گیا۔

اس وقت تک ساجد کی لاش گلانٹ کی کشادہ ڈکی میں بند کی جا چکی تھی۔ ایس ٹی ایف والوں کو اگلی نشستیں دے کر میں سویرا کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھ گیا اور پھاٹک کھلتے ہی گاڑی روانہ ہو گئی۔

"اب بتاؤ کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟" کچھ دیر کے بوجھل سکوت کے بعد سویرا نے پوچھا۔

میں بے اختیار ہنس پڑا "مجھے معلوم تھا کہ تمہاری کھوپڑی کسی تخریبی راستے پر چل رہی ہوگی۔ تم خود ہی بتاؤ کہ موجودہ حالات میں میں کیا سوچ سکتا ہوں؟"

اس وقت شام ہو چلی تھی لیکن فضا میں کافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سویرا چند ثانیوں تک غور سے میری آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر دھیمے لہجے میں بولی "تو تم اصل ٹھکانے پر حملہ یا پھر جہانگیر کے گھر پر گھات۔"

میری ہنسی تیز ہو گئی "تمہیں ڈھیل دے کر میں نے اپنا سر چڑھا لیا ہے کہ اب تم آسانی کے ساتھ میرے ذہن میں بھی جھانک لیتی ہو۔ ہمیں رات ہونے تک جہانگیر کے گھر پر گھات لگا کر بیٹھنا ہوگا۔"

"اور اگر وہ لوگ آج وہاں نہ پہنچے تو تم کیا کرو گے؟" اس نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

"ناممکن باتیں مت سوچو۔ وہ جتنی تیزی سے چل رہے ہیں

انہیں آج ہی وہاں پہنچنا چاہیے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے اپنا کام پورا کرکے نہ نکل گئے ہوں۔" میں نے اپنے شبے کا اظہار کیا۔

"ایسا ہوتا تو اول خان کو خبر مل چکی ہوتی۔ بہرحال اب تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

ایس ٹی ایف والوں نے ہماری گفتگو میں کوئی دخل اندازی نہیں کی۔ کورنگی سے نکلنے کے بعد میں نے انہیں ڈیفنس کی طرف چلنے کی ہدایت دیتے ہوئے یہ تاکید کردی کہ فیکٹری واپس پہنچنے پر وہ ہمیں ڈیفنس کے بجائے صدر کے علاقے میں اتارنے کی کہانی سنائیں۔

ہم دونوں نے جہانگیر کے گھر سے کچھ دور ہی گاڑی رکوالی۔ گاڑی ہم دونوں کو اتار کر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ ہم دونوں چہل قدمی کے انداز میں مخالف سمت میں بڑھتے چلے گئے۔ آپس میں باتیں کرتے ہوئے ہم ایک لمبا طواف کرکے اس گلی میں داخل ہوئے جو جہانگیر کے گھر کے سامنے گزرنے والی سڑک سے ٹی کی شکل میں ملتی تھی۔ اسی گلی میں وہ مکان واقع تھا جس میں لی وانگ اور چیانگ فاؤ سے ہمارا آخری معرکہ ہوا تھا۔ اس گلی کی خوبی یہ تھی کہ بائیں سرے پر چلتے ہوئے بہت دور سے جہانگیر کے گھر کے پھاٹک پر نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس علاقے کی بجلی بہت سرعت سے بحال کی گئی تھی۔

راستے ہی میں ہم نے اپنی حکمتِ عملی طے کرلی تھی۔ میں اول خان کے آدمی کو اپنا پاس ورڈ بتا کر پھاٹک سے مکان میں رسائی حاصل کرتا۔ ویرا کو پچھلی دیوار پھاند کر مکان میں داخل ہونا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد ویرا داہنی طرف پھٹنے والی گلی میں مڑگئی۔ میں رکے بغیر سیدھا چلتا رہا۔ اس وقت تک جہانگیر کے مکان کے قرب وجوار میں کوئی مشتبہ آثار نظر نہیں آئے تھے۔ میں نے اپنی رفتار قدرے تیز کی اور سڑک عبور کرکے جہانگیر کے گھر کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔

گھنٹی بجانے کے بجائے میں نے تیز دستک پر اکتفا کیا۔ نیا چوکیدار شاید پھاٹک سے لگا بیٹھا تھا۔ میں نے اس کے قدموں کی آہٹ سنتے ہی بی ایچ نفتھین کے الفاظ ادا کئے اور فوری طور پر ذیلی کھڑکی کھل گئی۔ میں لپک کر اندر داخل ہوا اور وہ کھڑکی کھولنے والے پریشان حال شخص نے پٹ دوبارہ بند کرکے بولٹ کردیا۔

میں نے ناقدانہ نظروں سے اس کا جائزہ لیا تو اس کا شیو کئی دن کا بڑھا ہوا تھا۔ لباس میلا اور خستہ حال تھا جس پر اس نے میلی سی چادر لپیٹی ہوئی تھی۔ چہرے سے بھی وہ مفلوک الحال اور پریشان نظر آرہا تھا۔ مجموعی طور پر اس کا حلیہ وہی تھا جو جہانگیر کے گھریلو چوکیدار کا ہوسکتا تھا۔

میری چبھتی ہوئی ناقدانہ نگاہوں کا مشاہدہ کرکے اس کے ہونٹوں پر جاندار مسکراہٹ پھیل گئی "میں بی ایچ نائین ہوں۔ مجھے اپنے اپریٹس پر بی ایچ نفتھین کے اضافے کی اطلاع مل چکی ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ تم اتنی جلدی یہاں تک پہنچ جاؤ گے۔ چاہو تو تم میرا اپریٹس استعمال کرسکتے ہو۔"

مجھے اس کا بے تکلفانہ اندازِ گفتگو پسند آیا۔ اس کا چہرہ میرے لئے اجنبی تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ ڈینی کے نام سے ناواقف نہیں رہا ہوگا۔ کراچی میں ایس ٹی ایف کے سارے ہی اہلکار مجھے جاننے لگے تھے۔

"یہاں کی پوزیشن جلدی سے بریف کرڈالو۔ کسی بھی وقت کوئی آسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"پرانے چوکیدار کو میں نے گاؤں روانہ کردیا ہے۔ مکان مقفل ہے۔ پاور سوئچ آف ہے بس لان اور گیٹ کی بتیاں جلائی جاسکتی ہیں۔ میرے پاس ایک خودکار رائفل، ایک ریوالور اور ایک خنجر موجود ہے۔"

"میرے پاس اعشاریہ تین آٹھ کا پستول ہے۔ میرے ساتھ ایک عورت بھی ہے جو پچھلی دیوار پھاند کر اندر آئے گی۔ وہ بھی پستول سے لیس ہے۔ یہ خیال رکھنا کہ ہم دونوں کے پاس صرف تین تین میگزین ہیں۔"

"یہاں کچھ ہو ہی گیا تو ایک عورت کیا کرسکے گی؟" اس کا لہجہ استہزائیہ تھا۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ ایس ٹی ایف کا کوئی بھی رکن مجھ سے ایسے لہجے میں بات کرنے کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے پستول جیب سے نکال کر ایک کھٹکے سے لوڈ کیا اور اس سے اپریٹس طلب کیا۔

میرا ذہن فوراً ہی موتی لال اور اس کے خریدے ہوئے غداروں کی طرف گیا تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ اول خان اپنی صفوں میں مزید ایک کالی بھیڑ کی نشان دہی سے چوک گیا تھا۔

بی ایچ نائین نے اپنی چادر میں سے ہاتھ نکال کر اپریٹس میری طرف بڑھا دیا۔ اس کا سوئچ بند تھا اور انٹینا بہت چھوٹا تھا۔

میرے شبہات گہرے ہوگئے۔ میں نے اپریٹس آن کیا ہی تھا کہ وہ میرے چہرے کے تیزی سے بدلتے ہوئے تاثرات کو بھانپ کر بول پڑا "کیا تم میرے اوپر کسی قسم کا شک کررہے ہو؟"

میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا کر پستول سے اس کی کھوپڑی کا نشانہ لے لیا۔

اس نے چادر اتارے بغیر دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے اور احتجاجی آواز میں بولا "وجہ کیا ہے؟"

"میرا نام ڈینی ہے۔ فورس کا کوئی شخص مجھ سے اس لب و لہجے میں بات نہیں کرتا جو تم نے اختیار کیا ہے۔"

فوراً ہی اس کا چہرہ دھواں ہوگیا اور وہ خوف زدہ آواز میں بولا "معاف کرنا سر! میں تمہیں نہیں پہچانتا..... صبح ہی میرپور خاص سے بدلی ہوکر کراچی آیا ہوں..... آپریشن میں ہم کو نام نہیں، بس پاس

ورڈ بتائے جاتے ہیں لیکن میں نے اپنے بڑوں سے تمہارا بہت ذکر سنا ہے۔ میرے بارے میں تم بی ایچ ون سے اپنی تسلی کر سکتے ہو۔"

اس کا لہجہ سچائی کا غماز تھا۔ میرا شبہ دور ہو گیا۔ دل کی کدورت ڈھل گئی اور میں نے اپنا پستول والا ہاتھ نیچے گرا لیا۔ اس نے بھی مشینی انداز میں اپنے دونوں ہاتھ نیچے کر لئے۔

معاً مجھے یاد آیا کہ اول خان نے مجھے اس کا نام بتاتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ شاید وہ مجھے نہ پہچانتا ہو۔

"تمہارا نام نسیم الحسن ہے؟" میں نے اس سے پوچھا اور اس کے چہرے پر حیرت تیر گئی۔

"ہاں سر!" وہ تحیر آمیز مسرت کے ساتھ بولا "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے کراچی آتے ہی تمہارے ساتھ کام کرنے کا موقع مل گیا۔ میری کسی بات سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔"

"پچھلی دیوار کا خیال رکھو۔ وہ سفید چمڑی والی عورت ہے۔ اسی طرف سے اندر کودے گی۔" اسے یہ ہدایت دے کر میں اس کے اپریٹس سمیت لان کی طرف چلا گیا تاکہ میری آوازیں باہر تک نہ سنی جا سکیں۔ میں نے انٹینا کا سرا کھینچنا چاہا لیکن اس کا سائز وہی رہا۔

"بی ایچ نفٹین کالنگ بی ایچ ون... اوور!" اپریٹس آن کر کے میں نے بٹن دبایا اور اپریٹس اپنے دہانے کے قریب لا کر اول خان کے لئے اپنا پہلا پیغام نشر کر دیا۔ اس وقت فضا پر اندھیرا محیط ہو چلا تھا۔

بٹن چھوڑتے ہی اپریٹس پر پہلے جیسا سکوت چھا گیا۔ بس ہلکا سا ریڈیائی شور گونج رہا تھا۔

"بی ایچ ون کالنگ" چند ثانیوں بعد ہی اول خان کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "تم کہاں پہنچے ہوئے ہو؟"

اس کا سوال مکمل ہوتے ہی میں نے بٹن دبا کر اپنی بات شروع کر دی "بی ایچ نائین کے پاس کچھ وقت گزارنے کا ارادہ ہے۔ سفید چمڑی میرے ساتھ ہے دوسروں کو علم نہیں ہونے دینا کہ میں کہاں ہوں۔"

"تمہارا کچھ پتا نہیں چلتا کہ کب کیا کرنے والے ہو۔" اول خان کی آواز غصیلی تھی "وہ آتے ہیں تو انہیں بی ایچ نائین سے اپنا سر پھوڑ کر جانے دو۔ اس وقت انہیں چھیڑو گے تو بات بہت زیادہ بگڑ جائے گی۔"

"بات بگڑنے کے بجائے سنبھل بھی سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دہشت زدہ ہو جائیں۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ سرکاری سطح پر کیسی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔"

"کچھ نہیں ہو گا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا "وہ اگر یہ ساری کارروائیاں چوری چھپے اور اپنی ذمے داری پر کر رہے ہیں۔ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ ایس ٹی ایف ان کا پیچھا کر رہی ہے۔ مجھے سفید چمڑی کی بس ایک بات یاد ہے کہ خوف زدہ امریکن کسی چوہے سے زیادہ حقیر اور بے ضرر ہوتے ہیں۔ میں انہیں خوف زدہ نہیں بلکہ دہشت زدہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ شی کے نمک خوار یہاں فساد پھیلانے کے ارادوں سے توبہ کر لیں۔"

"ٹھیک ہے... تم سے بعد میں بات ہو گی۔ جو کرنا ہے کرتے رہو۔ اوور اینڈ آل۔"

اول خان میری پیش رفت پر بھڑک گیا تھا مگر میں اسے منانا بھی جانتا تھا۔ میں اپریٹس آف کر کے نسیم کی طرف لوٹ آیا۔ وہ بڑھتے ہوئے اندھیرے میں ٹکٹکی باندھ کر عقبی دیوار کو گھورے جا رہا تھا۔

"سر! اندھیرا گہرا ہو رہا ہے۔ اجازت دو تو کچھ بتیاں جلا دوں۔ میں نے پرانے چوکیدار سے باہر کے سوئچوں کی ساری جگہیں معلوم کر لی تھیں۔" میرے قریب پہنچنے پر اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"خود اندھیرے میں چھپے رہو گے تو اچھا شکار کھیلو گے۔ آنے والوں کو اندھیرے ہی میں آنے دو۔"

ہر طرف اندھیرے کا راج تھا۔ اس اندھیرے میں تاریک تر عمارتی ہیولا آسیب زدہ نظر آ رہا تھا۔

میں نے نسیم کو اپریٹس لوٹانے کی کوشش کی تو اس نے مجھے روک دیا "میں گیٹ پر تھا اس لئے اسے بند رکھا ہوا تھا۔ پتا نہیں باہر کیا کھیل چل رہا ہو۔ تم اسے لان پر لے جا کر کھلا رکھو۔ ذرا باہر کی خبریں ملتی رہیں گی۔ اپنے لئے کوئی ہدایت یا پیغام ہو تو تم ہی بات کر لینا۔"

اس نے بہت دور کی بات سوچی تھی۔ میں اپریٹس سمیت لان کی طرف چل دیا۔ اس وقت تک مجھے اندر آئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ میرے حساب سے ویرا کو کئی منٹ پہلے دیوار پھاند کر اندر آ جانا چاہئے تھا لیکن وہ غائب تھی۔ باہر سے کسی فائر یا ہنگامے کی آواز نہ آنے کے باوجود مجھے اس کے بارے میں تشویش ہونے لگی تھی۔

میں نے چند ثانیوں تک ویرا کے بارے میں سوچنے کے بعد غیر ارادی طور پر اپریٹس کا سوئچ آن کیا تو اس پر پہلے سے کوئی پیغام نشر ہو رہا تھا۔

"...... جاری ہے۔ اس کی رفتار تیز ہے۔ میں اس کے پیچھے ہوں.... اوور!"

"بی ایچ ون کالنگ موبائل یونٹس" پیغام ختم ہوتے ہی اول خان کی آواز گونجنے لگی "ہوٹل کے گرد موجود چاروں موبائل یونٹس بی ایچ تھری کے پیچھے جائیں۔ فارمیشن نمبروں کے حساب سے ہو گی۔ سب سے آگے بی ایچ تھری اور سب سے پیچھے بی ایچ سیون ہو گا۔ تھوڑے فاصلے کے بعد بی ایچ تھری رپورٹ دے کر کسی بھی سڑک پر مڑ جائے گا۔ بی ایچ فور سرخ کار کا پیچھا کرتا رہے

"بی ایچ تھری چکر کاٹ کر بی ایچ سیون کے پیچھے پہنچنے کی کوشش
کرے گا۔ اس سرخ کار میں موجود دونوں گورے بہت چالاک اور
خطرناک ہیں۔ تیسرا ان کا ڈرائیور ہونے کے ساتھ مقامی ترجمان
بھی ہو سکتا ہے۔ ہر ایک کلومیٹر کے بعد پیچھا کرنے والی گاڑی بدل
لی جانی چاہئے تاکہ گوروں کو تعاقب کا شبہ نہ ہو۔ چکر کاٹ کر لوٹنے
والی گاڑی اپنی فارمیشن کھو بیٹھے تو اسے اپنی رفتار کم کر کے پیغام کا
انتظار کرنا چاہئے۔۔۔ اوور!"

"بی ایچ تھری رپورٹنگ۔۔۔ میں آگے بائیں طرف مڑ رہا
ہوں۔ سرخ کار سیدھی جا رہی ہے۔۔۔ اوور!"

"بی ایچ فور رپورٹنگ۔۔۔ اب میں سرخ کار کے پیچھے ہوں۔
سرخ کار اب کلفٹن کے پل سے گزر رہی ہے۔ ٹریفک کے رش کی
وجہ سے رفتار کم ہو چکی ہے۔۔۔ اوور!" اول خان کے بعد وہ تیسری
آواز تھی۔

بظاہر وہ عام سے ریڈیائی پیغامات تھے جو ایس ٹی ایف کی ایک
مخصوص فری کوئنسی پر نشر کئے جا رہے تھے لیکن میرے لئے ان میں
عجیب ہی لذت اور سنسنی پوشیدہ تھی۔ نسیم الحسن نے مجھے اپریٹس
آن کرنے کا بروقت مشورہ دے کر چوہے اور بلی کے اس دلچسپ
کھیل میں شریک ہونے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ نقشہ کچھ یوں بن رہا تھا کہ
سی آئی اے کے دونوں اہلکار کسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور
اول خان نے اپنے پانچ آدمی الگ الگ گاڑیوں میں ہوٹل کے گرد
پھیلائے ہوئے تھے تاکہ ان دونوں کی روانگی کی صورت میں انتہائی
منظم انداز میں ان کا تعاقب کیا جا سکے۔ وہ دونوں سرخ کار میں
مقامی ڈرائیور کے ساتھ ہوٹل سے روانہ ہوئے تو ان کا پیچھا شروع
کر دیا گیا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ وہ کلفٹن کا پل عبور کر رہے تھے
یعنی وہ ہماری طرف بھی آ سکتے تھے کیونکہ پل کے بعد ہی 'کلفٹن'
گزری اور ڈیفنس کے مشترکہ راستے شروع ہو جاتے تھے۔

"بی ایچ فور رپورٹنگ۔۔۔ میرے پیچھے آنے والی سفید کار میں
تین مشتبہ آدمی سوار ہیں۔ مخالف سمت سے آنے والی گاڑیوں کی
روشنی میں، میں ان کے عکس دیکھ چکا ہوں۔ وہ ٹریفک کے ہجوم کے
باوجود مجھ سے آگے نکلنے کے لئے بے چین ہیں۔ مجھے شبہ ہو رہا ہے
کہ یہ سرخ کار والوں کے محافظ یا ساتھی نہ ہوں۔۔۔ اوور!"

اچانک نشر ہونے والے اس پیغام نے مجھے چونکا دیا۔ اگر بی ایچ فور
کا خیال درست تھا تو ان کی نفری ایس ٹی ایف کے آدمیوں سے
زیادہ تھی۔

"بی ایچ ون کالنگ بی ایچ فور۔۔۔ نئی صورتِ حال میں تمہیں
مڑنے کی ضرورت نہیں۔ سفید کار کو آگے نکلنے دو۔ اگر وہ سرخ کار
کو اوور ٹیک کرتی ہوئی آگے نکل جائے تو اسے بھول جاؤ اور اپنا
فاصلہ پورا کر کے سروس لین میں گھس جاؤ۔ وہ تمہارے اور سرخ
کار کے درمیان آئے تو تم اس کے برابر میں جا کر اسے اس بری
طرح سائیڈ دو کہ وہ کئی گاڑیوں میں تصادم کا سبب بن جائے۔ سفید
کار الجھ جائے گی۔ تم تیزی سے آگے نکل جانا۔ بی ایچ فائیو لیڈ لے
لے گا۔۔۔ اوور!"

شاید ان لوگوں نے اپنی گاڑیوں کے شیشے چڑھائے ہوئے تھے
کیونکہ ان کے پیغامات کے درمیان میں ٹریفک کا زیادہ شور نہیں
گونج رہا تھا لیکن میں ان کے حوصلے پر حیران تھا کہ وہ لوگ اتنے
ٹریفک میں سے گزرنے اور دشمن کی نگاہوں میں ہونے کے باوجود
بار بار اپریٹس استعمال کرنے کا خطرہ مول لے رہے تھے۔

مجھے رہ رہ کر ویرا کی فکر ستا رہی تھی۔ ان سنگین لمحات میں
اس پر نہ جانے کیا افتاد پڑی تھی کہ اس کا دور دور تک پتا نہیں تھا
اور میرے ذہن میں برے برے خیالات آنے شروع ہو گئے تھے۔

کافی دیر تک اپریٹس پر اعصاب شکن سکوت طاری رہا۔ کچھ
اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ کلفٹن روڈ پر حادثے کی جگہ پر کیا ہو رہا تھا۔
نہ ہی سرخ کار کی کوئی خبر تھی۔ آخر اپریٹس بیدار ہو ہی گیا۔

"بی ایچ فائیو رپورٹنگ۔۔۔ میں سرخ کار کا پیچھا کر رہا ہوں۔
اس میں مقامی ڈرائیور کے ساتھ صرف ایک گورا رہ گیا ہے۔
حادثے کے بعد بہت سی گاڑیاں رک گئی تھیں۔ سرخ کار بھی بائیں
کنارے پر رکتے رکتے کچھ دور نکل گئی۔ دونوں گورے مڑ مڑ کر دیکھ
رہے تھے اور پریشان تھے۔ پھر ایک گورا اتر کر سفید کار کی طرف
چل دیا۔ سرخ کار آگے بڑھ آئی۔ مجھے ابھی تک بی ایچ سکس اور
سیون نظر نہیں آئے ہیں۔۔۔ اوور!"

"بی ایچ ون ٹو بی ایچ سیون۔۔۔" اول خان کی اضطراری آواز
ابھری "تم وہیں ٹھہرو اور ہر قیمت پر دوسرے گورے کو گھیرنے کی
کوشش کرو۔ بقیہ افراد بی ایچ فائیو کے پیچھے جائیں۔ وہ اکیلا رہ گیا
ہے۔ جائے حادثہ کے بارے میں جو بھی رپورٹ دینے کی پوزیشن
میں ہو لائن پر آئے۔ اوور۔"

"بی ایچ تھری سر!" سب سے پہلے والی آواز ابھری "گاڑیاں
ٹکراتے ہی لوگ باہر نکلے۔ سفید گاڑی والوں نے بدکلامی شروع
کر دی اور یہاں مار پیٹ شروع ہو گئی۔ پل تک ٹریفک جام ہے۔
میں اس میں پھنس گیا ہوں۔ یہاں ابھی تک مار دھاڑ ہو رہی ہے۔
کسی نے 'آتشیں' ہتھیار بھی نکالا تھا مگر دو مردوں نے اسے پکڑ لیا۔۔۔
اوور!"

"بی ایچ سکس کالنگ" اس بار ایک نئی آواز سنائی دی "میں
گاڑی نکال لانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ بی ایچ فائیو کی عقبی
روشنیاں مجھے نظر آ رہی ہیں۔ آخری لمحات پر میں نے بی ایچ سیون
کو گورے کے پاس منڈلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ سفید گاڑی کے الجھ
جانے سے گورا سخت پریشان تھا۔۔۔ اوور!"

وہ تفصیلات سن کر میرا دورانِ خون تیز ہو رہا تھا اور سر پر جنگی
جنون سا سوار ہوا جا رہا تھا۔

"ہم سن سیٹ بلے وارڈ پر آ گئے ہیں۔ پیچھے ٹریفک جام ہونے

سے سڑک پر گاڑیاں کم رہ گئی ہیں۔ اگر سرخ کار سیدھی دوڑتی رہی تو میں ٹریفک سگنل سے پہلے بی ایچ سکس کے لئے جگہ خالی کردوں گا اور اس کے پیچھے چلتا رہوں گا۔ ابھی تک سرخ کار کی منزل کا اندازہ نہیں ہوسکا ہے.... اوور!" یہ پیغام بی ایچ فائیو کی طرف سے تھا۔

"شاباش! تم سب بہت اچھے جارہے ہو۔" اول خان کی پرجوش آواز ابھری "تمہارے اندازے درست معلوم ہورہے ہیں۔ سرخ کار یقیناً زیرو پوائنٹ کا رخ کرے گی جہاں بی ایچ نائین اور نفٹین پوری طرح تیار ہیں۔ ان کی منزل کا یقین ہوتے ہی تم لوگ گلیوں میں گھسنے کے بجائے تعاقب ترک کرکے سرخ کار کو زیرو پوائنٹ پر گھیرنے کی کوشش کرو۔ ناکا بندی ہوتے ہی وہ ہتھیار ڈال دیں گے۔ غیر ضروری کشت و خون نہیں ہونا چاہئے.... اوور!"

اول خان کی زبان سے اپنا ذکر سنتے ہی مجھے خیال آیا کہ میں کسی احمق کی طرح سب کی باتیں سنتا چلا جارہا تھا۔ خود خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے فوراً ہی لائن لے لی "بی ایچ نفٹین ٹو بی ایچ ون..... معلوم ہوتا ہے کہ اب تم نے بھی اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ کیا اب کوئی دشواری پیدا نہیں ہوگی؟ اوور!"

"یہ فضول باتوں کا وقت نہیں ہے بی ایچ نفٹین!" اول خان کی غراہٹ سن کر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ مجھے اپریٹس پر ایسی بات نہیں کرنی چاہئے تھی کیونکہ اس وقت اول خان کے بہت سے ماتحت وہ تمام باتیں سن رہے تھے۔ اول خان کہہ رہا تھا "اپنی جگہ تیار رہو۔ ہم انہیں کسی خون ریزی کے بغیر پکڑ سکے تو یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ میں اسی کے لئے دعاگو ہوں۔ اوور!"

"لیکن ایک گڑبڑ ہوگئی.... سفید چڑیا ابھی تک لاپتا ہے۔ اوور!" میں نے پرتشویش آواز میں کہا۔

"تم نے تو کہا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اوور۔" میرا مسئلہ سن کر اول خان بھڑک اٹھا۔

"میں پھاٹک سے آیا تھا۔ اسے پچھلی دیوار چڑھ کر اندر کودنا تھا مگر وہ غائب ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بے خبری میں ہمارے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں ماری جائے۔ اوور!" اس امکان کا ذکر کرتے ہوئے میری پریشانی میں مزید اضافہ ہوگیا۔

"یہ اس کا نصیب ہوگا۔ میں اب کچھ نہیں کرسکتا۔ اوور اینڈ آل" اس کا لہجہ سرد اور سپاٹ ہوگیا۔

خوف اور سنسنی میں وقت بہت دھیمے گزرتا رہا۔ اتنی دیر گزر گئی تھی لیکن ویرا کی کوئی خیر خبر نہیں تھی۔ اس کے بارے میں سوچ سوچ کر میرا دل بیٹھنے لگا۔ پتا نہیں وہ زندہ تھی یا کسی خاموش حادثے کا شکار ہوگئی تھی۔ اگر زندہ تھی تو کس حال میں تھی۔ جہانگیر کے مکان کے قرب و جوار میں ایس ٹی ایف کے کارکن پھیلنے شروع ہوگئے تھے۔ وہ دشمن کے مقابلے میں صف آرا تھے۔ ان سب کے سروں پر خون سوار تھا۔ اگر ان میں سے کوئی بھی ویرا کو مکان میں گھسنے کی کوشش کرتے دیکھ لیتا تو اسے بے دریغ گولی مار سکتا تھا۔

"میں سات نمبر بول رہا ہوں۔ دوسرے گورے کو میں اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔" اچانک ٹرانسیسٹر پر بی ایچ سیون کی آواز سنائی دینے لگی "میں ولایتی زبان کے الفاظ بولنے سے گریز کررہا ہوں۔ مجھے صرف اتنا بتادیا جائے کہ اس بندر کا کیا کرنا ہے۔ اس کے بعد میں اپنا لاسلکی آلہ بند کردوں گا... اوور!"

"بھیڑ صاف ہونے کے بعد اسے ساحل کی طرف لے جاؤ" اول خان کی بے رحمانہ آواز ابھری "اور اسے الجھانے کی کوشش کرو۔ میں کسی کو تمہاری مدد کے لئے بھیجتا ہوں۔ بندر زیادہ پریشان کرے تو تم اسے بے ہوش کرسکتے ہو۔ لیکن اسے زندہ رہنا چاہئے۔ اس کی موت ہمارے لئے مصائب پیدا کرسکتی ہے۔ بس اتنا ضرور بتادو کہ اپنے اپریٹس کے بارے میں تم نے اسے کیا بتایا ہے... اوور۔"

"میری گاڑی پرائیویٹ ریڈیو ٹیکسی ہے۔" دوسری طرف سے فوراً ہی جواب آیا "یہ اس کال اور ابھی ابھی کہے گئے تین الفاظ کے بارے میں ضرور پوچھے گا۔ میں کوئی نہ کوئی کہانی سناکر اسے مطمئن کردوں گا۔ اس پیغام کے بعد میں اپنا آلہ بند کردوں گا تاکہ یہ بندر دوسروں کی باتیں نہ سن سکے.... اللہ حافظ۔"

سرخ کار کا تعاقب کرنے والوں نے وقفے وقفے سے اطلاع دی کہ وہ جہانگیر کے مکان کے سامنے سے گزرے بغیر دو اطراف میں پوزیشن لے چکے تھے۔ اول خان نے انہیں ہدایت کی کہ سرخ کار ان کے قریب سے گزر کر زیرو پوائنٹ یعنی جہانگیر کے گھر کی طرف جائے تو وہ کوئی تعرض نہ کریں البتہ واپسی میں اس کا راستہ روک لیں۔ اس نے امید ظاہر کی تھی کہ سرخ کار کے سواروں کو زیرو پوائنٹ والے آسانی سے واپس نہیں لوٹنے دیں گے اور انہیں پکڑنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔

چند ہی ثانیوں بعد بی ایچ فائیو کی پرجوش آواز ابھری۔ سرخ کار ایک گلی سے نمودار ہوکر جہانگیر کے مکان کی طرف گھومی تھی۔ اس کی رفتار سست تھی اور اس میں موجود غیر ملکی عقبی نشست چھوڑ کر ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر منتقل ہوچکا تھا۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں وہ دونوں واضح طور پر دیکھے گئے تھے۔

"ہوشیار!" میں نے دبی آواز میں بی ایچ نائین کو خبردار کیا "وہ لوگ بہت قریب آچکے ہیں۔"

میرا پستول پہلے سے لوڈ تھا۔ میں نے اپریٹس کی آواز اتنی کم کردی کہ بس میں پیغامات واضح طور پر سن سکوں۔ پھر میں لان کے سرے پر پہنچ گیا جو پھاٹک سے قریب تھا۔

اچانک قریب ہی سے ایک فائر کی ہولناک آواز گونجی۔ اسی کے ساتھ ایک لرزہ خیز انسانی چیخ سنائی دی۔

اپریٹس بیدار ہوگیا۔ بی ایچ فائیو ہذیانی آواز میں بول رہا تھا

"سرخ کار پر کہیں سے فائر ہوا ہے اور کوئی ہلاک یا زخمی ہوا ہے۔ کار سڑک پر لہرا کر جھٹکے سے رک گئی ہے۔ شاید اس گاڑی کا ڈرائیور نامعلوم گولی کا نشانہ بنا ہے۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟ اوور!"

"فائر کرنے والے کو دیکھنے کی کوشش کرو....." میں پیغام کا صرف اتنا ہی حصہ سن سکا کیونکہ فضا دوسرے اور پھر تیسرے فائر سے لرز اٹھی تھی۔ تیسرے فائر کے ساتھ ایک چیخ بھی گونجی تھی۔

"باہر تین فائر ہو چکے ہیں۔" میں نے بٹن دبا کر اضطراری لہجے میں بولنا شروع کر دیا "دو کربناک چیخیں بھی سنائی دی ہیں۔ وہ دونوں ہلاک یا زخمی ہو چکے ہیں۔ میں باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہوں کیونکہ ویرا ابھی تک لاپتا ہے۔ کہیں وہ ان گولیوں کی زد میں آ کر نہ ماری جائے.... اوور۔"

"ویرا کا خیال ذہن سے نکال دو۔" اول خان کی سخت آواز گونجی "جو دار ڈسپلن کی پروا نہ کرے' اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں صرف زخمی ہوئے ہوں اور تمہیں زیرو پوائنٹ سے نکلتے دیکھ کر باڑھ پر رکھ لیں۔ جب تک باہر پھیلے ہوئے میرے آدمی کلیرنس نہ دیں' تم باہر نہیں نکلو گے.... اوور!"

اسی لمحے چوتھا فائر ہوا۔ چاروں آوازیں یکساں اور بڑے بور کے کسی پستول کی تھیں۔ چوتھے فائر کے جواب میں ایک نقاہت زدہ اور ادھوری انسانی چیخ گونجی تھی۔ شاید وہ کوئی زخمی تھا جو چوتھی گولی کی زد میں آیا تھا۔

"چوتھا فائر ہوا ہے۔" ایرئیس پر اس بار بی ایچ سکس بول رہا تھا "میں نے فائر کرنے والے کی پوزیشن دیکھ لی ہے۔ گولیاں اوپر سے آ رہی ہیں۔ وہ جو کوئی بھی ہے' زیرو پوائنٹ کے قریب ایک گھنے درخت پر چڑھا بیٹھا ہے۔ اگر میں اس درخت کے پتوں میں ایک ہلکا سا برسٹ چلا دوں تو وہ گھبرا کر نیچے آنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اوور!"

"ابھی درخت پر فائر نہ کرنا۔" وہ اول خان کی آواز تھی۔ "ایک وقت میں دو محاذ مت کھولو۔ درخت والا خود پھنس چکا ہے۔ اب وہ تم سے بچ کر نہیں نکل سکے گا۔ فی الحال تم سرخ کار والوں پر اپنی پوری توجہ مرکوز رکھو۔ کار کی کیا پوزیشن ہے؟ اس کے دونوں سوار کیا کر رہے ہیں؟ غور سے دیکھ کر مجھے رپورٹ دو۔ اوور۔"

"کار سڑک کے بیچ میں رکی ہوئی کھڑی ہے۔ کار میں بالکل سناٹا ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دونوں مر چکے ہیں' بے ہوش ہوئے ہیں یا کار میں چھپ کر کوئی موقع تلاش کر رہے ہیں۔ ابھی تک ان میں سے کسی نے کار سے نکل کر قرب و جوار میں پناہ لینے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اوور۔"

"بی ایچ فائیو! سرخ گاڑی تمہاری طرف سے گزری تھی۔" اول خان کو اپنے مہروں کی ترتیب اچھی طرح یاد تھی "اس وقت بھی سرخ کار کا پچھلا حصہ تمہاری طرف ہو گا۔ تم اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاؤ اور سرخ کار سے چند گز پیچھے روک کر اچانک ہیڈ لیمپس کھول دو۔ اس موقع پر تمہیں ڈیش بورڈ سے نیچے جھک جانا چاہئے تاکہ کوئی جوابی گولی تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ چند سیکنڈ تک نیچے جھک کر ہیڈ لیمپس کو ہائی اور لو بیم پر کرتے رہو۔ ردعمل کی صورت میں بی ایچ سکس تمہارا ساتھ دے گا۔ کوئی ردعمل نہ ہونے کی صورت میں تم اپنی گاڑی سرخ کار کے قریب لے جاؤ گے اور اپنی صوابدید کے مطابق دیکھ بھال کر کے مجھے مسلسل رپورٹ دیتے رہو گے۔ اوور۔"

"او کے سر!" بی ایچ فائیو کی آواز پُراعتماد تھی۔ پھر اس نے پوچھا "اگر اس موقع پر درخت پر چھپے ہوئے شخص کی طرف سے مداخلت ہوئی تو میں اپنی اے کے چھپن استعمال کروں گا.... اوور۔"

"ہاں' ایسی صورت میں اس کے نیچے گرنے تک اپنا برسٹ نہ روکنا۔ اوور۔" اول خان کا لہجہ بے رحمانہ تھا۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ ویرا طے شدہ پروگرام سے انحراف کر کے کہاں رہ گئی تھی؟ کہیں آخری لمحات میں اس کی کھوپڑی نے کوئی گل تو نہیں کھلایا تھا؟ سرخ کار والوں کو گولیوں کا نشانہ بنانے والا کون ہو سکتا تھا؟ کہیں ویرا ہی تو درخت پر چڑھ کر ان کی گھات میں نہیں بیٹھ گئی تھی؟ میں ٹہلتا ہوا نسیم کے قریب پہنچ گیا۔

میں ان ہی خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ دھمک کی ایک تیز آواز پر نسیم نے بھڑک کر اپنی چادر میں سے چھوٹی نال والی ایک خودکار سب مشین گن برآمد کر لی اور اسے میرے عقب میں کسی پر سیدھا کر کے غرایا "کون ہے؟ وہیں رکو!"

میں سرعت سے پلٹا تو احاطے کی دیوار کے قریب اندھیرے میں سیدھا ہوتا ہوا ایک ہیولا نظر آیا۔

"ویرا!" اس طرف سے مدھم سی سرگوشی سنائی دی۔

اس بار میں نے آواز کے ساتھ ساتھ اس ہیولے کو بھی پہچان لیا۔ وہ ویرا ہی تھی۔

میں نے ہاتھ سے نسیم کی سب مشین گن کی نال نیچے کرتے ہوئے اضطراری لہجے میں ویرا سے کہا "تم کہاں مر گئی تھیں۔ تمہیں پتا ہے کہ یہاں کیا ہو رہا تھا۔ اس وقت یہاں ہر طرف موت اور دہشت کا راج ہے۔"

"اس میں چار گولیاں کم ہو چکی ہیں۔" ویرا نے اپنا پستول جیب سے نکال کر خوش دلی سے کہا "مجھے خوشی ہے کہ کافی عرصے سے مشق نہ ہونے کے باوجود میرا نشانہ خراب نہیں ہوا......"

"تت..... تو کیا درخت پر تم ہی چڑھی بیٹھی تھیں" میں نے بے یقینی سے سوال کیا۔ نسیم بھی اندھیرے میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ویرا کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"مکان کا طواف کرتے ہوئے اتفاقاً ہی میری نظر اس گھنے درخت پر پڑ گئی تھی۔" وہ ہنس کر سرسری انداز میں بتانے لگی "اس درخت کا بیشتر پھیلاؤ باہر کی طرف ہے لیکن کئی گنجان شاخیں اس احاطے میں بھی آئی ہوئی ہیں۔ اپنا کام ختم کرکے میں ان ہی کے ذریعے اندر کودی ہوں۔ حیرت ہے کہ جہانگیر کو کبھی یہ شاخیں کٹوانے کا خیال نہیں آیا۔"

ویرا کی باتوں پر چند ثانیوں قبل ہونے والی خون ریزی کا کوئی اثر نہیں تھا۔

اسی وقت اپریٹس پر بی ایچ فائیو کی آواز ابھرنے لگی۔

"ہیڈ لیمپس کو دھیما اور تیز کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ سرخ کار میں بدستور سناٹا ہے۔ اب میں اپنی گاڑی آگے لے جا رہا ہوں۔ اب بھی ادھر سناٹا ہی ہے... اوہ! یہ دونوں ہی بے سدھ پڑے ہیں۔ ڈرائیور کا سر لہولہان ہے۔ اور وہ اسٹیئرنگ سے الجھا ہوا ہے۔ سفید فام کا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا ہے۔ وہ بھی ڈرائیور کے پہلو پر ڈھلکا ہوا ہے۔ ونڈ شیلڈ ریزہ ریزہ ہو چکی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ گولیوں کے ساتھ شیشے کے ٹکڑوں نے بھی ان دونوں کو بہت زخمی کیا ہے۔ ابھی تک درخت والے کی طرف سے کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں ہوا لیکن میں اس سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔ سامنے سے شاید بی ایچ سکس کی گاڑی بھی چل پڑی ہے۔ وہ صرف پارکنگ لائٹس جلا کر میری طرف آ رہا ہے۔ حالات پوری طرح قابو میں نظر آ رہے ہیں۔ اوور!"

"بی ایچ ففٹین!" اپریٹس پر اول خان کی آواز گونجی "اب تم بھی باہر نکل کر ان لوگوں کی مدد کرو اور درخت والے کو تلاش کرو۔ اوور!"

اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے اپنی بات شروع کر دی۔

"ویرا واپس آ چکی ہے۔ درخت پر سے اسی نے فائرنگ کی تھی۔ یہ اسی درخت کی شاخوں کے سہارے گھر میں کود چکی ہے۔ میرے ساتھ یہ بھی باہر جا رہی ہے..... اوور!"

"یہ کسی دن تم کو تباہ کر دے گی۔" وہ انکشاف سن کر اول خان کا غصہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا "اس کا نشانہ ذرا بھی چوک جاتا تو یہ پورا آپریشن برباد ہو سکتا تھا۔ آئندہ میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کروں گا..... بی ایچ فائیو!" ویرا پر اپنی برہمی کا مختصر سا اظہار کر کے وہ اپنے آدمی سے مخاطب ہو گیا "تم اپنی گاڑی بی ایچ ففٹین کے حوالے کر دو اور سرخ گاڑی کو دونوں لاشوں یا زخمیوں سمیت ساحل کے کسی ویران حصے کی طرف نکال لے جاؤ۔ میں خود بھی راستے میں ہوں۔ کسی بھی لمحے بی ایچ سیون کا پیغام آ سکتا ہے۔ تمہارے پاس خصوصی شناخت ہے۔ راستے میں روک ٹوک ہو تو تم بلاجھجک اپنی شناخت استعمال کر سکتے ہو۔ اس گاڑی کو چھوڑ کر تمہیں واپس آنا ہے۔ بی ایچ تھری اور فور جہاں بھی ہوں، فوراً اسٹیشن واپس لوٹیں۔ اب وہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ کی ضرورت نہیں ہے۔ اوور!"

"سر! یہ دونوں مر چکے ہیں۔" اپریٹس پر بی ایچ فائیو کی آواز سنائی دی۔ اس وقت تک ہم تینوں گھر سے باہر نکل چکے تھے "حیرت کی بات یہ ہے کہ فائرنگ کے باوجود یہاں کوئی گھر سے باہر نہیں نکلا۔ حد یہ ہے کہ آس پاس کے بیشتر گھروں کی روشنیاں گل کی جا چکی ہیں۔ اوور۔"

ہم تینوں سرخ کار تک پہنچے تو وہاں موجود دونوں آدمی، ڈرائیور کی ڈراؤنی لاش کو عقبی پائیدان میں ڈال چکے تھے۔ وہ ٹرانسمیٹر پر ساری گفتگو سنتے رہے تھے اس لئے انہوں نے ویرا کو خوشگوار حیرت سے دیکھا۔ ویرا رسمی سی مسکراہٹ کے بعد ایک کپڑا لے کر ڈرائیونگ سیٹ اور اسٹیئرنگ پر سے خون صاف کرنے لگی۔

آناً فاناً میں دونوں لاشیں عقبی پائیدان میں پہنچ گئیں۔ ونڈ شیلڈ کا بیشتر حصہ فائرنگ کے نتیجے میں الگ ہو کر اندر بکھر چکا تھا۔ شیشے کے جو ٹکڑے ربر اور فریم میں پھنسے رہ گئے تھے انہیں پھرتی سے نکالا جانے لگا تاکہ بادی النظر میں ونڈ شیلڈ ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ ہی نہ ہو سکے۔ خاص بات یہ تھی کہ سفید فام کی داہنی پنڈلی پر بھاری پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

مجھے معلوم تھا کہ ہمارا پالا کیسے خبیث لوگوں سے پڑا ہوا تھا اس لئے میں بہت محتاط انداز میں کام کر رہا تھا۔ موقع پا کر میں نے ویرا کو بھی سمجھا دیا تھا کہ وہ کار کے کسی حصے میں اپنے فنگر پرنٹس چھوڑنے کی حماقت نہ کرے۔ میرے اور ویرا کے فنگر پرنٹس ان لوگوں کے لئے اجنبی نہیں ہو سکتے تھے۔ اس دہرے قتل کے بارے میں ایسا واضح ثبوت مل جانے کے بعد بات قیاس آرائیوں تک محدود نہ رہتی اور وہ لوگ اعلیٰ سطح پر ہماری جلد از جلد گرفتاری کا دباؤ ڈال سکتے تھے۔

اس دوران میں ایک مرتبہ پھر اول خان کا پیغام آیا۔ بی ایچ سکس کو اپنی گاڑی میں سرخ کار کے پیچھے جانا تھا۔ نسیم اس کے ساتھ سوار تھا۔ مجھے ویرا کے ہمراہ بی ایچ فائیو کی گاڑی میں اس کارواں میں شامل ہونا تھا۔ سرخ کار کو کسی ویرانے میں ٹھکانے لگانے کے بعد بی ایچ فائیو، نسیم اور اس کے ساتھی کے ساتھ لوٹ جاتا۔ مجھے نسیم کے اپریٹس کے ساتھ کلفٹن کے قرب و جوار میں رک کر اول خان کے پیغام کا انتظار کرنا تھا۔

حالات اس قدر گمبھیر ہو چلے تھے کہ ہم سب کو اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے بس ایک لمحے کے لئے سوچا کہ ہم لوگوں کے چلے جانے کے بعد جہانگیر کا گھر بالکل ہی غیر محفوظ ہو کر رہ جائے گا۔ وہاں جہانگیر کے جو کچھ بھی اثاثے رہے ہوں وہ اپنی جگہ تھے لیکن میری بہت بڑی رقم ڈالروں کی شکل میں اس کی تجوری میں محفوظ تھی اور میں ضرورت کے وقت اس میں سے پیسے لیتا رہتا تھا۔ یہ وہ خطیر رقم تھی جو میں نے شی والوں کی گن بوٹ کی فروخت

سے حاصل کی تھی اور پاکستان پہنچنے کے بعد امانت کے طور پر سلمٰی کے پاس رکھوادی تھی۔

ویرا کے چاروں فائر اتنے بے خطا ثابت ہوئے تھے کہ ان سے سرخ کار کے انجن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ بی ایچ فائیو نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر اگنیشن میں چابی گھمائی تو انجن ایک اشارے سے بیدار ہوگیا۔

جہانگیر کے گھر کے قرب و جوار میں اتنے تواتر کے ساتھ فائرنگ کے خون ریز واقعات رونما ہوچکے تھے کہ اس علاقے کے باسیوں نے دہشت زدہ ہوکر ان سے الگ رہنے کو اپنا وتیرہ بنالیا تھا۔ ہم لوگوں کے روانہ ہونے تک کسی نے اپنے گھر سے باہر آکر کوئی بات جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بی ایچ فائیو پیشہ ورانہ معاملات میں خاصا کائیاں تھا۔ کلفٹن کا رخ کرنے کے لئے اس نے کسی بھی بڑی سڑک پر نکلنے کی حماقت نہیں کی بلکہ اندر ہی اندر پتلی پتلی سڑکوں سے ہوتا ہوا پہلے نسبتاً کم آباد علاقے میں داخل ہوا پھر بالکل ہی غیر آباد حصے میں پہنچ گیا جہاں زیرِ تعمیر سڑکوں کے سوا کسی دوسری سہولت کا نام و نشان نہیں تھا۔

○☆○

بی ایچ پانچ، چھ اور نو کی روانگی کے بعد ہم دونوں نہ صرف بالکل فارغ تھے بلکہ ہمارے پاس اپنی سواری بھی موجود تھی۔ اول خان کی ہدایت کے مطابق ہمیں اسی علاقے میں موجود رہ کر اس کے اگلے پیغام کا انتظار کرنا تھا جو ایریس پر کسی بھی وقت موصول ہوسکتا تھا۔

سرخ کار نیو کلفٹن اور ڈیفنس کے میرینا بیچ کے درمیانی علاقے میں چھوڑ دی گئی تھی جہاں سست رفتاری سے ہونے والی ساحلی تعمیرات کے باوجود اس وقت پُرہول سناٹے کا راج تھا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد ہم دونوں نے ساحل سمندر کے ساتھ بنی ہوئی طویل سڑک کا پورا چکر لگالیا لیکن ہم ایسی کسی کار کو تلاش کرنے سے قاصر رہے جس میں بی ایچ سیون یا دوسرے سفید فام قیدی کی موجودگی کا شبہ کیا جاسکتا۔

ویرا کا آئس کریم کھانے کا موڈ ہورہا تھا۔ میرے لئے وہ بعض اوقات بالکل ہی ناقابلِ فہم ثابت ہوتی تھی۔ دشمن کیسا ہی خطرناک مجرم کیوں نہ ہو لیکن بہرحال ایک انسان ہی ہوتا ہے اور کسی بھی انسان کے قتل کے بعد ایک نارمل شخص گھنٹوں بلکہ کئی کئی دنوں تک شدید اعصابی دباؤ کا شکار رہتا ہے۔ بسا اوقات تو اسی ذہنی تناؤ کی وجہ سے رات کی پُرسکون نیندیں تک حرام ہوکر رہ جاتی ہیں لیکن ویرا کا مزاج ہی عجیب تھا۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے اپنے ہاتھوں سے سرخ کار کے دو سواروں کو ہلاک کیا تھا لیکن وہ ذرا بھی مضمحل، مضطرب یا پشیماں نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے جب آئس کریم کھانے کی خواہش ظاہر کی تو میں بس اسے گھور کر رہ گیا۔

"اول خان کے پیغام کا انتظار نہ ہوتا تو میں فن لینڈ میں اسکائی وھیل کے جھولے میں بیٹھ کر یخ بستہ آئس کریم کھاتی۔" میری چبھتی ہوئی نگاہوں کے جواب میں اس نے سلگانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "دشمن کو مار کر اس کا سوگ منانا بزدلی کی نشانی ہے۔ مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ اب میں ان دونوں کی ناگہانی موت پر پچھتاتے ہوئے اپنا کھانا پینا حرام کرلوں گی۔ یہ کام ہنری ڈریک نارمن بہتر طور پر کرے گا۔"

"اول خان تمہاری من مانی پر بہت غصے میں ہے۔ سامنا ہوتے ہی وہ تمہارا دماغ درست کردے گا۔"

"کیا فرق پڑے گا؟" وہ ڈھٹائی سے بولی "مجھے جو کرنا تھا' میں نے کرلیا۔ اب اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنی ہے تو وہ نکالتا رہے۔ میں کان دبا کر سب کچھ سن لوں گی۔ میں اپنے مخلص دوستوں کی زبانی چاندماری کا کبھی بھی برا نہیں مناتی۔ تھک ہار کر وہ خود ہی خاموشی اختیار کرلے گا۔"

"لیکن جب سب کچھ ایک منظم منصوبے کے تحت چل رہا تھا تو تمہیں درمیان میں الگ راستہ اپنانے کی کیا ضرورت تھی؟ تم ان سب کو احمق سمجھتی ہو جو انہیں گھیرنے کی کوشش کررہے تھے۔"

"مجھے بس ایک ہی خدشہ تھا کہ تم لوگ انہیں زندہ پکڑنے کی کوشش کروگے اور انہیں اپنے منہ کی چھچھوندر بنالوگے۔ طاقت کے نشے میں بدمست دشمن کا بس ایک ہی علاج ہوتا ہے کہ اس کے آدمیوں کو پکڑو اور بے دردی سے ذبح کرڈالو۔ وہ جھنجلا کر اپنے بال نوچنے پر مجبور ہوجائے گا۔ اس کے آدمیوں کو پکڑ کر پالوگے تو وہ ان کی بازیابی کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر تمہاری زندگی اجیرن کردے گا۔ جم کلارک کے بارے میں' میں نے یہی کہا تھا اور اب بھی میری سوچ یہی تھی۔ دشمن کو چار چوٹ کی ایسی مار مارو کہ اسے اپنے زخم سہلانے سے ہی فرصت نہ مل سکے۔ تم لکھ کر رکھ لو کہ سرخ کار کی دریافت پر وہ حواس باختہ ہوجائیں گے۔"

میں نے ڈیفنس کے علاقے میں جانے والی سڑک پر واقع ایک فاسٹ فوڈ ریسٹوران پر کار روک لی۔

آئس کریم آتے ہی مجھے اپنے ساتھیوں کا خیال آیا۔ میں انہیں کچھ بتائے بغیر ایس ٹی ایف کے ان محافظوں کے ساتھ نکل کھڑا ہوا تھا جو نادیہ کی لاش ٹھکانے لگانے کے لئے نکلے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ دونوں اپنے کام سے نمٹ کر بہت دیر پہلے فیکٹری واپس لوٹ چکے ہوں گے۔ ان کے پہنچنے کے بعد بقیہ لوگوں کا میرے اور ویرا کے لئے پریشان ہونا فطری امر تھا۔ اس ریسٹوران میں پبلک فون نہیں تھا لیکن کاؤنٹر والے نے میری درخواست پر فون اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا۔

سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے سلطان شاہ لائن پر آیا۔ میں نے اس کی آواز پہچانتے ہی کہا "ہمارے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ شہر کے بعد اب ہم کلفٹن میں اوزون سے لبریز ہواؤں میں سیر کررہے ہیں۔ سواری بھی اپنی ہے۔ واپسی میں دیر

سویرے ہوسکتی ہے۔"

وہ شاید اسپیکر فون پر بات کر رہا تھا کیونکہ فوراً ہی غزالہ کی پُرتشویش آواز سنائی دی "اندھیرا پھیلنے کے بعد تمہیں باہر نہیں رکنا چاہیے۔ تم خود تمام خطرات سے باخبر ہو۔ میں پریشان ہو کر دو مرتبہ اول خان کے گھر فون کر چکی ہوں مگر وہ بھی کہیں غائب ہے۔ اب تم فوراً واپس آجاؤ۔ تمہارے بغیر ہم تینوں خود کو اداس اور تنہا محسوس کر رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آج تم کو بے وقت تفریح کی کیا سوجھی ہے۔"

"میں زیادہ لمبی بات نہیں کر سکتا۔" میں نے ماؤتھ پیس میں آہستگی سے کہا "اول خان ہم سے ملنے اسی طرف آرہا ہے۔ اس سے ملاقات ہوتے ہی میں واپس چل دوں گا۔ اداسی دور کرنے کے لئے تم تینوں کٹ تھروٹ کھیلنا شروع کر دو...... اس طرح تمہاری پریشانیوں کو خاصا افاقہ ہوگا۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

فون کال کے پیسے ادا کر کے میں واپس آیا تو ویرا غیر معمولی تیزی سے آئس کریم ختم کرنے میں مصروف تھی۔

"اتنی پھرتی کیوں دکھا رہی ہو۔ کیا دوبارہ آئس کریم منگوانے کا ارادہ ہے؟" میں نے اپنی نشست سنبھالتے ہوئے ازراہِ تفنن سوال کیا۔

"ابھی اول خان کا پیغام آیا تھا۔" وہ اپنی گود میں رکھے ہوئے اپریٹس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "وہ مزار کے قریب پہنچنے والا ہے اور وہیں ہمارا انتظار کرے گا۔ آواز سے وہ پریشان معلوم ہو رہا تھا۔"

میں نے فوراً ہی بیرے کو طلب کر کے فارغ کیا اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ویرا سے کہا "اس کی پریشانی قابلِ فہم ہے۔ میں خود بھی بی ایچ سیون کی طرف سے فکر مند ہوں۔ اس کی طرف سے ابھی تک کوئی پیغام نہیں آیا۔ مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے کہ گورے کو پھانسنے کے چکر میں کہیں وہ خود ہی نہ پھنس گیا ہو۔"

"اوہ!" ویرا نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سمیٹ کر کہا "اسے تو میں بھول ہی گئی تھی۔ یہ ناممکن نظر آتا ہے کہ وہ ابھی تک گورے کو شہر میں چکر دیتا پھر رہا ہو۔ اگر وہ اپنے حریف کو گاڑی میں بے ہوش کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے تو اب تک اس کی طرف سے سگنل آجانا چاہئے تھا۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس وقت میرا ذہن الجھ گیا تھا۔

میں نے مزار کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی دیکھ لیا کہ اول خان کی گاڑی مزار کے سامنے 'شہر سے آنے والے راستے پر کھڑی ہوئی تھی لیکن جس بات نے مجھے چونکایا' وہ یہ تھی کہ اول خان کے برابر والی نشست پر بڑی بڑی مونچھوں والا ایک صحت مند شخص براجمان تھا۔

میں آگے سے چکر کاٹ کے اول خان کی گاڑی کے عقب میں پہنچا تو وہ مونچھوں والے سمیت باہر آچکا تھا۔

ہماری کار رکتے ہی وہ دونوں پچھلی نشست پر سوار ہو گئے ویرا' اول خان کے لئے جگہ خالی کرنے کی کوشش کرتی ہی رہ گئی اور میں نے کار آگے بڑھا دی۔

"یہ سجاد یعنی بلڈ ہاؤنڈ سیون ہے۔" گاڑی چلنے کے بعد اول خان بولا "آج اس نے میری جان نکال دی تھی لیکن خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک سب ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"ہم بھی فکرمندی کے ساتھ اس کے پیغام کے منتظر تھے۔ اس کا شکار کہاں ہے؟" میں نے کہا۔

"تھوڑا آگے بائیں طرف جس کار کا بونٹ اٹھا ہوا ہے اسی کے پاس گاڑی روک لینا۔" اول خان نے آگے اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس کا شکار اسی گاڑی کی ڈکی میں ہے۔ باقی کہانی ابھی سناتا ہوں۔"

میں نے کار روکی تو سجاد نے اپنی کار کے قریب جا کر انجن سے کچھ چھیڑ چھاڑ کی' ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا' باہر نکل کر بونٹ بند کیا اور گاڑی لے کر ساحل کی طرف چل دیا۔ اول خان کے ایما پر میں نے بھی اپنی کار اس کے پیچھے ڈال دی۔ اول خان ہمیں سجاد کی کہانی سنانے لگا۔

سفید کار کے تصادم کے بعد کلفٹن روڈ پر شروع ہونے والی ہنگامہ آرائی آناً فاناً میں زور پکڑ گئی تھی۔ ٹریفک میں تعطل کی وجہ سے فوراً ہی ایک ٹریفک سارجنٹ اور پولیس موبائل موقع پر پہنچ گئی۔ اس وقت تک سفید کار والوں میں سے کسی نے لوگوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے پستول نکال لیا۔ اسے پستول استعمال کرنے سے پہلے پکڑ لیا گیا۔ پولیس والوں نے اس کے ساتھیوں کو بھی گھیر لیا۔ شہر میں ہتھیاروں کے ساتھ چلنے پر پابندی ہونے کے باوجود وہ چاروں مسلح تھے۔ ان کی کار سے بغیر لائسنس کی ایک کلاشنکوف بھی برآمد ہوئی اور پولیس نے موقع پر ہی انہیں حراست میں لے لیا۔ اس صورتِ حال پر وہ گورا بہت پریشان تھا۔ قرب و جوار میں کوئی خالی ٹیکسی بھی موجود نہیں تھی۔ سجاد نے گورے کو پرائیویٹ ریڈیو ٹیکسی میں چلنے کی پیشکش کی تو وہ فوراً تیار ہو گیا۔

ٹریفک رواں ہونے کے بعد سجاد نے اول خان کو رپورٹ دے کر اپنا اپریٹس بند کیا تو گورے کو شبہ ہو گیا۔ اصولاً ریڈیو ٹیکسی کا اپریٹس مسلسل آن رہنا چاہئے تھا۔ اس بارے میں سجاد کا جواب اسے مطمئن نہیں کر سکا۔

سجاد نے بھیڑ بھاڑ سے بچنے کے بہانے اپنی کار گلیوں میں گھمائی تو ایک سنسان مقام پر گورے نے اپریٹس پر ہاتھ ڈالنا چاہا۔ سجاد نے خطرہ بھانپ کر اپریٹس بچانے کے بجائے گورے کے سر پر ضرب لگا کر بے ہوش کر دیا۔ اس جدوجہد میں اپریٹس کو نقصان پہنچا اور سجاد اپنے آدمیوں سے رابطے کی سہولت سے محروم ہو گیا۔

وہ فوری طور پر اپنی کار ایک ویران تجارتی علاقے میں نکال

کیا۔ اس نے پھرتی کے ساتھ گورے کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر
کے ہاتھ پیر باندھے اور میدان صاف دیکھ کر اسے نشست پر
ڑی میں منتقل کر دیا۔ اس بندوبست کے بعد اس نے اول خان
کو فون کیا تو وہ وہاں سے نکلا ہوا تھا۔ اس موقع پر سجاد نے اپنی
حس سے کام لیا۔ وہ کلفٹن کے علاقے میں اپنی پیشہ ورانہ
ت کے سلسلے میں پہلے بھی دو مرتبہ مزار کے قرب و جوار کے
ے کو خفیہ ملاقاتوں کے لئے استعمال کر چکا تھا۔ اسے امید تھی
اول خان اس کی طرف سے کوئی خبر نہ پا کر شاید اسی طرف کا
خ کرے گا۔ اس نے اپنی گاڑی خراب ہونے کے بہانے ایک
روکی اور اول خان کے انتظار میں مزار کی سیڑھیوں وغیرہ کے
ب منڈلانے لگا۔ اول خان مزار کے قریب پہنچا تو چند ہی ثانیوں
سجاد نے اسے جالیا اور یوں ان دونوں کا طے شدہ پروگرام
تے بگڑتے رہ گیا۔

اول خان نے وہ کہانی ختم کر لی تو میں نے اسے چھیڑنے کی نیت
ے کہا "یہ سب تو ٹھیک ہو گیا لیکن تم نے ابھی تک ویرا کے ساتھ
ئی ڈانٹ پھٹکار نہیں کی۔ زیرو پوائنٹ والی مہم میں اس نے
خری لمحات پر ہم سب کو اعصاب شکن بے یقینی میں مبتلا کر کے
ھ دیا تھا۔ تم بھی اس پر خاصے برہم تھے۔"

"میری برہمی بلاوجہ نہیں تھی۔" وہ تاؤ کھائے بغیر گہری
نجیدگی سے بولا "ہماری فورس کی اصل قوت ڈسپلن میں ہے۔ حکم
حیح ہو یا غلط' ہر قیمت پر اس کی تعمیل کی جاتی ہے۔ اس وقت
رے علاوہ فورس کے مزید چھ افراد اس آپریشن میں شریک تھے
ر گفتگو کا ایک ایک لفظ سن رہے تھے۔ انجام بہت عمدہ ہو تو بہت
ی حماقتیں بھی اعلیٰ کارکردگی کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔ یہی ویرا
کے ساتھ بھی ہوا۔ لیکن یہ سوچو کہ میرا کوئی آدمی اضطراری حالت
میں مشتبہ پیڑ پر گولیوں کی باڑھ مار بیٹھتا تو ویرا کا کیا حشر ہوتا؟ مجھے
یرا کے علاوہ تمہارے ساتھ بھی کچھ ترش لہجہ اختیار کرنا پڑا لیکن
وہ سب تمہارے لئے نہیں' اپنے آدمیوں کو سنانے کے لئے تھا تاکہ
ڈسپلن کا بنیادی سبق ان کے ذہنوں سے محو نہ ہو سکے۔"

"میں ابھی تک خاموش ہوں۔" ویرا کھنکھار کر چڑانے والے
لہجے میں بولی "مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ میرے ساتھ تمہیں بھی کوئی
خوراک مل چکی ہے۔ اب ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔"

اول خان نے مدافعانہ لہجے میں کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے تلخی
سے اس کی بات اڑا کر ویرا سے کہا "ہمارے درمیان بدمزگی کی وجہ
بھی تمہاری ذات ہی تھی۔ مجھے فکر تھی کہ کہیں تم اول خان کے
آدمیوں ہی کے ہاتھوں نہ ماری جاؤ اور اول خان نے اس بارے
میں اپنے آدمیوں کو پابند کرنے سے معذوری ظاہر کر دی تھی۔"

اول خان موقع کی نزاکت بھانپ کر ویرا سے بولا "ذینی نے
وہی کچھ کیا جو ہمارے درمیان طے ہو چکا تھا۔ جہانگیر کے گھر میں
داخل ہوتے ہی اس نے مجھ سے اپریٹس پر رابطہ کر لیا تھا۔ ساری
الجھنیں تمہاری پیدا کی ہوئی تھیں۔ تم باہر رہ گئی تھیں اور تمہیں
بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہاں کیا کھیل شروع ہونے والا ہے۔"

"میرے ذہن میں بس ایک بات تھی کہ ہم لوگوں کے کھوج
میں جو بھی جہانگیر کے گھر کا رخ کرے' اسے زندہ نہیں لوٹنا چاہئے۔
مجھے توقع نہیں تھی کہ سی آئی اے کے دونوں چالاک ایجنٹ خود ہی
اس جال میں آ پھنسیں گے۔ اس کام کے لئے وہ کسی اور کو بھی
جہانگیر کے گھر بھیج سکتے تھے۔" ویرا نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے
کہا۔

"جب کسی کا برا وقت آتا ہے تو خود بخود عقل پر پردے
پڑ جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ دونوں اپنی برتری کے گھمنڈ میں
مارے گئے۔ ان کے مقدر کا فیصلہ اسی وقت ہو گیا تھا جب سفید کار
والوں میں سے کسی نے پستول نکالا تھا۔ وہ چاروں ان کے پیچھے
آئے ہوتے تو حالات کا رخ ہی پلٹ سکتا تھا۔" اول خان بولا۔

اس وقت تک سجاد کی کار ساحلی چوراہے تک پہنچ کر بائیں
طرف مڑ چکی تھی۔ اس کی رفتار بہت کم رہ گئی تھی۔

"اب سجاد اپنے قیدی کو کہاں لئے جا رہا ہے؟" میں نے
پُرتشویش لہجے میں پوچھا "تمہارے آدمیوں کو ساحل کا بایاں حصہ
ضرورت سے کچھ زیادہ ہی پسند ہے۔ سرخ کار بھی انتہائی بائیں
سرے پر' زیرِ تعمیر ویرانے میں چھوڑی گئی ہے اب شاید ہم ایک
مرتبہ پھر اسی طرف جا رہے ہیں۔"

"اس طرف جانے سے پہلے ہم تاریک اور ویران کاسینو کی
رکاوٹ تک پہنچیں گے۔" اول خان ہنستے ہوئے بولا "وہاں سناٹا
ہوا تو ہم آگے نہیں جائیں گے۔ نرخرا دبا کر اسے سمندر میں ڈال
دیں گے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تم بھی میرے ہم نوا بن گئے
ہو۔" میں نے تحیر آمیز مسرت سے کہا "اگر تم نے اسے مارنے کا
ارادہ کر ہی لیا ہے تو میری جیب میں بیم گن بھی موجود ہے۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" اول خان وہ اطلاع پا کر خوش
ہو گیا "میں ٹائر کے شور سے بچنے کے لئے گلا گھونٹنے کے بارے میں
سوچ رہا تھا۔ بیم گن سے خاموشی کے ساتھ معاملہ نمٹ جائے
گا۔"

"بیم گن کے استعمال سے سرکاری پوزیشن بھی محفوظ
ہو جائے گی۔ شی کے رازداں اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں ایک بیم
گن پر قابض ہوں۔ بیم گن کا شکار میرے کھاتے میں لکھا جائے
گا۔" ویرا بھی اس فیصلے پر خوش تھی "میرے لئے یہ بات بہت
آسودگی کا باعث ہو گی کہ جم کلارک اور اس کے ساتھ آنے والوں
میں سے کوئی بھی پاکستان سے زندہ واپس نہیں لوٹ سکے گا۔ جمی
لائیڈ کو قتل کرنے والے تین تابوتوں کا جلوس دیکھ کر میری دہشت
میں مبتلا ہو جائیں گے۔"

وہ چاند کی آخری راتیں تھیں۔ پرانی ساحلی دیوار کے کاسینو

والے حصے میں واقعی خوف آور اندھیرے اور ویرانی کا راج تھا۔ اگر کوئی اکا دکا رومان زدہ جوڑا کسی کنج میں چھپا بیٹھا ہو تو اور بات تھی ورنہ بادی النظر میں وہاں دور تک کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔
سجاد کی تجربے کار نگاہیں بھی ماحول کی اس موزونیت کو بھانپ چکی تھیں۔ اس نے اپنی کار کو گھما کر اس طرح سڑک کے ریتیلے کنارے پر لگایا کہ ڈکی کا رخ سمندری دیوار کی طرف تھا۔ میں نے اپنی کار اسی کے برابر میں اس طرح لگا دی کہ اتفاقاً ادھر آنکلنے والی کسی کار کی روشنیاں براہِ راست سجاد کی کار پر نہ پڑ سکیں۔
ہم چاروں اپنی گاڑیوں سے نکل کر چہل قدمی کے انداز میں دیوار تک گئے۔ پانی اترا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ پڑے ہوئے چٹانی ٹکڑوں اور بڑے بڑے پتھروں میں پھنسی رہ جانے والی سمندری آلائشوں سے ہلکی ہلکی عفونت پھوٹ رہی تھی جو ہوا کے جھونکوں کے ساتھ گھٹتی بڑھتی محسوس ہو رہی تھی۔
"اسے سمندر میں جانا چاہئے تھا لیکن پانی کافی دور ہے۔" اول خان سمندر کا جائزہ لے کر بڑبڑایا۔
"ایک دفعہ اس کا دم نکل جائے تو میں آسانی کے ساتھ کندھے پر لاد کر اسے گہرے پانی میں ڈال آؤں گا۔" سجاد نے پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ کہا "وہ منحنی سے وجود کا متوسط قامت آدمی ہے۔"
"میرے ساتھ آؤ۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔
اول خان، ویرا کے ساتھ چوڑی ساحلی دیوار پر بیٹھا رہا۔ ہم دونوں کار تک گئے۔ سجاد نے ڈکی کھولی تو شکار بدستور بے ہوش تھا اور ایک گٹھڑی کی صورت میں ڈکی کے وسط میں پڑا ہوا تھا۔
میں نے عقابی نظروں سے گردوپیش کا جائزہ لے کر اپنی جیب سے بیم گن نکالی اور اس کی نال بے ہوش قیدی کی پیشانی کے وسط میں جما کر ہولے سے ٹریگر دبا کر فوراً ہی انگلی ہٹالی۔ اس کی پیشانی کی جلد اور نال کے درمیان پیدا ہونے والی خفیف سی نیلگوں روشنی نے لحہ بھر کے لئے اس کے چہرے کو نیلا کر دیا۔ اس کے بدن نے خفیف سی جھرجھری لی اور میں نے بیم گن دوبارہ اپنی پتلون کی جیب میں اڑس لی۔ فضا میں جلے ہوئے گوشت کی چراند پیدا ہو گئی تھی۔
"کیا ہوا؟" سجاد نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں حیرت سے سوال کیا۔
"اس کا بھیجا تباہ ہو گیا۔ اس کے ہاتھ پیر کھول کر اسے اس کی منزل پر پہنچا دو۔"
سجاد بجلی کی طرح پھرتیلا تھا۔ اس نے میری توقع سے پہلے اسے اپنے شانے پر لاد کر ڈکی بند کی اور تقریباً دوڑتے ہوئے دیوار تک جا کر اس لاش کو ڈھلان دار پتھروں پر پھینک دیا۔ وزنی لاش کے جھٹکے سے ایک دو پتھروں نے اپنی جگہ چھوڑی اور لاش کے ساتھ لڑھکتے ہوئے نیچے ریت تک چلے گئے۔ فضا میں پھیلنے والی چراند کو
ہوا کے جھونکے اپنے ساتھ اڑا کر لے گئے تھے۔
سجاد اپنی پھینکی ہوئی لاش کو دوبارہ کندھے پر لاد کر پانی پہنچانے کے ارادے سے پتھروں پر اترا ہی تھا کہ اول خان نے روک لیا "رات اندھیری ضرور ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ کسی کھانچے میں کیکڑوں وغیرہ کا کوئی شکاری بھٹکتا پھر رہا ہو اور اس کی نظر پڑ جائے۔ خطرہ مول لینے کے بجائے ہمیں چل دینا چاہئے۔"
سجاد ڈسپلن کا پابند تھا۔ اول خان کے الفاظ پر اس نے جواب میں اپنی رائے پیش کی نہ اپنی مہارت کا کوئی بلند بانگ دعویٰ کیا خاموشی سے دیوار پھاند کر باہر آ گیا۔
"تم جاؤ!" اول خان اسے ہدایت دے کر ہماری گاڑی آبیٹھا۔ اس بار وہ میرے ساتھ والی نشست پر اور ویرا پیچھے ہوئی تھی۔ ہمارے نکلنے سے پہلے ہی سجاد وہاں سے روانہ ہو چکا
"آج کا آخری کام بھی خوش اسلوبی سے نمٹ گیا۔" وا اول خان یک بیک تر و تازہ نظر آنے لگا "اب میں بھی تمہا پیچھے پیچھے کورنگی چلتا ہوں۔ وہاں فیکٹری میں بیٹھ کر گپ ہو گی۔"
"گپ شپ سے پہلے تمہیں سنگین جھگڑے نمٹانے گے۔" ویرا شوخی سے بولی "ڈینی' غزالہ سے ہوا خوری کا کر کے نکلا تھا۔ میں زبردستی اس کے ساتھ ہولی ورنہ یہ آج اک ہوتا۔ غزالہ کو آج کے واقعات کا علم ہو گا تو وہ بہت بھنائے ہو سکتا ہے کہ وہ ڈینی کے جھوٹ کو میری اور اس کی ملی بھگت دے بیٹھے۔"
"اس سے سامنا ہو گا تو یہ سب بھی بھگت لیا جائے گا۔ شکوے شکایت سے ہی اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ تم لوگ قسمت ہو کہ اتنی مفاہمت کے ساتھ اکٹھے رہ رہے ہو ورنہ آ دور میں تو کوئی اپنے سگے خون کو بھی اپنے ساتھ رکھنا گوارا کرتا۔" سر سے بوجھ اتر جانے کے بعد اول خان موج میں آ تھا۔
اسے عبداللہ شاہ غازیؒ کے مزار کے قریب اتار کر ہم روانہ ہو گئے۔
"شاید تم نے غور نہ کیا ہو۔ اول خان آخر میں پتے کی کہہ گیا ہے۔" ویرا نے میرے اور اپنے لئے سگریٹ سلگا بعد سنجیدہ لہجے میں کہا۔ اول خان کے اترنے کے بعد وہ میرے والی سیٹ پر براجمان ہو چکی تھی۔
"میں اس وقت اپنے ذہن پر زور دینے کے موڈ میں ہوں۔ صاف صاف بتاؤ کہ اس کی کس بات کا حوالہ دے ہو؟" میں نے اس کے ہاتھ سے جلی ہوئی سگریٹ لے کر کہا۔
"خوش قسمتی اور اکٹھے رہنے والی بات۔ تم نے بھی بارے میں سوچا ہے؟"
"جو نعمتیں میسر ہوں، ہم ان کے بارے میں سوچ کر وقت

ما کرتے۔"

"میرے نزدیک یہ بڑی بات ہے۔" وہ سگریٹ کا کثیف
واں اُڑاتے ہوئے بولی "میں اول خان کی کہی ہوئی بات کو اپنی
کے حوالے سے دیکھ رہی ہوں۔ ایمان داری سے غور کرو کہ
اور غزالہ کا کیا رشتہ ہے...... بظاہر کوئی بھی نہیں لیکن زیادہ
ں میں جاؤ تو میرے اور تمہارے درمیان موجود بے تکلفی کی
وہ مجھے اپنی رقیب سمجھ کر حسد اور جلن کا شکار ہو جائے تو میں
کوئی الزام نہیں دوں گی۔ اس دور میں جب اولاد اپنے ماں
کے ساتھ اور بھائی' بھائی کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہ ہو' مجھے
نسبت پر رشک آتا ہے کہ میں کسی پابندی یا رقابت کے بغیر تم
ں کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ اس میں کسی کی نہیں صرف غزالہ
بڑائی کارفرما ہے۔ وہ اپنا دل چھوٹا کرلے تو اسے پورا حق حاصل
اکہ وہ تمہیں مجھ سے ترکِ تعلق پر مجبور کرے اور ہر وقت
ں اپنی ذات کے حصار میں قید رکھے......"

"اتنی لمبی تقریر میں تم نے میرا کوئی ذکر نہیں کیا۔" میں نے
ں کی بات کاٹ کے کہا "ہو سکتا ہے کہ غزالہ دل ہی دل میں بہت
سوچتی ہو لیکن میرے متوازن اور شائستہ رویّے کی وجہ سے
پنے شبہات کو الفاظ کے روپ میں ڈھالنے کی ہمت نہ کرپاتی
۔"

وہ عجیب سے انداز میں مسکرانے لگی "تم بلاوجہ اپنا اور اس کا
بلہ کررہے ہو۔ میں دلائل پر اتر آئی تو تم ایک لمحے میں بحث سے
ک جاؤ گے...... آج ہی کا واقعہ لے لو۔ اسے میرے اور
مارے مراسم کا نہیں تو بے تکلفی کا پوری طرح علم ہے۔ اس کے
جود جب میں نے ہوا خوری کے لئے تمہارے ساتھ روانہ ہونے
ارادہ کیا تو اس کی پیشانی پر شکن تک نہیں آئی۔ وہ مجھے روک کر
دو آنے پر اصرار کرتی تو کوئی اس کی مخالفت نہ کرتا لیکن اس نے
سے ظرف کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی بدمزگی کی نوبت نہیں آنے
ی۔"

"میرے لئے یہ خوشی کی بات ہے کہ تم میری بیوی کی بڑائی کا
عتراف کررہی ہو لیکن اس مفاہمت میں میرے کردار کو نظرانداز
کرکے تم میرے ساتھ زیادتی کررہی ہو۔" میں نے احتجاج کیا۔

"چلو' تو پھر میں ذرا کھل کر بات کئے لیتی ہوں۔" وہ چیلنج کرنے
الے لہجے میں بولی "ذرا سی دیر کے لئے غزالہ کو اپنی جگہ اور خود کو
زالہ کی جگہ رکھ کر سوچو۔ اگر اس کا ماضی کا کوئی بے تکلف
ست ہوتو تمہارا رویہ کیسا ہوگا؟ اول تو تم اسے غزالہ کے قریب
ی نہیں پھٹکنے دوگے چہ جائیکہ فراخ دلی سے اسے غزالہ کے ساتھ
ہنے کی اجازت دے دو۔ پھر غزالہ کا اس کے ساتھ ہوا خوری کے
لئے کہیں جانے کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم ان دونوں میں سے
سی ایک کو مار دو گے لیکن ایسی اجازت ہرگز نہیں دو گے...... یہ
ہے......"

"یہ کیا بے ہودہ مفروضات نکال لئے تم نے۔" میں نے بگڑ کر
اس کی بات کاٹ دی "دنیا میں کہیں ایسا نہیں ہوتا۔ اس بارے
میں مغرب کا مادر پدر آزاد معاشرہ بھی عورت کو کھلی آزادی نہیں
دیتا......"

اس نے بھی مجھے اپنی بات پوری نہیں کرنے دی اور بولی "دنیا
کے سارے مرد متعصب' خود غرض اور مفاد پرست ہوتے ہیں۔ خود
گناہوں کی پوٹ بن کر زندہ رہتے ہیں اور اپنی عورتوں کو بالکل
پارسا دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ اسی لئے میں کہہ رہی ہوں کہ غزالہ
جیسی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ تمہارے بس سے باہر ہے۔"

اس وقت وہ جھاڑ کے کسی کانٹے کی طرح مجھ سے الجھ رہی
تھی۔ میں نے اس کی بات کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اور اپنی
پوری توجہ سڑک اور عقب نما آئینے پر مرکوز کردی۔ پیچھے آنے والی
گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی کی وجہ سے میرے لئے کار کو
پہچاننا ممکن نہیں تھا لیکن مخالف سمت سے آنے والی بعض گاڑیوں
کی تیز تر روشنی میں' میں نے یہ دیکھ لیا کہ اول خان ہمارے پیچھے
چلا آرہا تھا۔

میں نے کورنگی جانے کے لئے ڈیفنس کے دور افتادہ اور ویران
علاقے سے ہوکر گزرنے والا مختصر راستہ اختیار کرنے کے بجائے
کلفٹن روڈ اور سن سیٹ بلے وارڈ کا صاف ستھرا اور بارونق راستہ
اختیار کیا تھا۔ ہم سن سیٹ بلے وارڈ کے تقریباً وسط میں پہنچے تھے کہ
سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی پولیس پارٹی کے ایک باوردی رکن
نے مجھے گاڑی روکنے کا اشارہ کیا۔ میں نے فوری طور پر انڈی کیٹر
روشن کرکے اپنی کار بائیں جانب دبانی شروع کردی۔ اول خان نے
بھی میری تقلید میں اپنی کار کی رفتار کم کرنی شروع کردی تھی۔

میں نے اپنی کار روکتے ہی کیبن لائٹ آن کردی اور نیچے
اترنے کے بجائے اپنی جگہ بیٹھ کر کسی سپاہی کی آمد کا انتظار کرتا
رہا۔ مجھے سخت حیرت تھی کہ اول خان کے آدمی کورنگی سے نادیہ کی
لاش لے کر بھرے پُرے شہر میں داخل ہوگئے اور ایک شخص سرخ
کار میں دو لاشیں لے کر ویران ساحل تک پہنچ گیا تو قانون کے کسی
محافظ نے ان سے کوئی باز پرس نہیں کی لیکن ہمیں راستے میں روک
لیا گیا تھا۔

اس وقت ویرا کی تحویل میں بھرے ہوئے پستول کے علاوہ دو
لوڈ کئے ہوئے میگزین موجود تھے۔ اسی طرح میری جیبوں میں بھی بیم
گن اور پستول کے ساتھ فاضل میگزین موجود تھے۔ اگر ہم میں
سے کوئی بھی نیچے اترتا تو جیبوں کے کسی نامعقول ابھار کی وجہ سے
ہمارے ہتھیاروں کی نشان دہی ہوسکتی تھی۔ کار میں بیٹھے رہنے کی
صورت میں قوی امکان تھا کہ وہ عورت' خصوصاً ایک سفید فام
عورت کی وجہ سے مجھے بلاتعرض روانہ ہونے کی اجازت دے
دیتے۔

چند ہی ثانیوں میں ایک پستول بردار اے ایس آئی میرے سر

پر آپہنچا۔ اس نے جھک کر متجسسانہ نظروں سے روشن کیبن کا جائزہ لیا اور ویرا کی دل کش مسکراہٹ کے سحر میں آئے بغیر مجھے کاغذات سمیت کار سے نیچے اترنے کی ہدایت کی۔ میرا لائسنس میری جیب میں تھا لیکن بی ایچ فائیو کی گاڑی کے کاغذات کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں تھا۔ میں نے خالی الذہنی کے عالم میں ڈیش بورڈ کا نچلا خانہ کھولا اور اس میں بے مقصد ہاتھ مارنے لگا۔

میری وہ تدبیر کارگر رہی۔ اس اثنا میں اوّل خان بھی وہیں آپہنچا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے آتے ہی تحکمانہ لہجے میں سوال کیا۔

ویرا کی مسکراہٹ کے سحر سے بچ نکلنے والا اے ایس آئی' اوّل خان کے لہجے سے مرعوب ہوگیا اور مدافعانہ لہجے میں بولا۔ "گاڑی کے کاغذات چیک کرکے تلاشی لینی ہے۔ آپ اپنی گاڑی میں جائیں۔"

"ہم دونوں ایک ساتھ ہیں۔" اوّل خان نے بے پروائی سے کہا اور اپنی جیب سے کوئی کارڈ نکال کر اے ایس آئی کے سامنے کردیا۔ اس کارڈ پر نظر پڑتے ہی وہ مسلح افسر دو قدم پیچھے سرکا اور پھر پختہ سڑک پر اس کی ایڑیاں بج اٹھیں۔ اس نے اوّل خان کو سلیوٹ کرکے ہم کو جانے کی اجازت دے دی۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" وہاں سے روانہ ہونے کے بعد ویرا تھکی ہوئی آواز میں بولی "یہاں کی پولیس کی کارکردگی میں ذرا بھی یکسانیت نہیں ہے۔ آدمی قتل کرکے بچ جاتا ہے' کسی کو مکا مارنے پر پکڑلیا جاتا ہے۔"

"پولیس یا اس جیسے کسی بھی محکمے کی کارکردگی حالات پر ہوتی ہے۔" میں نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا "مجرم خود کو کامیابی سے اچھے بہروپ میں چھپالے تو اسکاٹ لینڈ یارڈ کے ماہرین بھی اسے سونگھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ حلیہ ذرا بھی مشکوک ہو تو عزت دار آدمی کا گریبان پکڑ لیا جاتا ہے۔ سب اسی طرح چلتا ہے۔"

اس بار جہانگیر کی فیکٹری کا سفر مزید کسی رکاوٹ کے بغیر طے ہوگیا۔ میری فون کال کے نتیجے میں بقیہ لوگ ریسٹ ہاؤس میں ہی تھے لیکن ریشم خان شاید پھاٹک سے لگا بیٹھا تھا۔ اس نے ہیڈ لیمپس کی روشنی پر ہی کھڑکی کھول کر باہر دیکھا اور پھر میری آواز پہچان کر پھاٹک کھول دیا۔

پھاٹک کھلنے کے شور اور گاڑیوں کے انجن کی آواز سن کر غزالہ بے تابانہ انداز میں اوپر سے نیچے آئی۔ اس وقت تک ہم انجن بند کرکے گاڑیوں سے باہر نکل چکے تھے۔ غزالہ اس وقت تشویش' وسوسوں اور جذبات سے اس حد تک مغلوب ہورہی تھی کہ اس نے ویرا' اوّل خان اور ریشم خان کی موجودگی کی بھی پروا نہیں کی اور والہانہ انداز میں میرے سینے سے لپٹ کر رو پڑی۔ میں مشفقانہ انداز میں اس کی پیٹھ تھپک کر اسے دلاسا دیتا رہا۔

چند لمحوں میں اس کا جذباتی ابال کمزور ہوا تو میں نے نرمی سے اسے خود سے الگ کردیا۔

"یہ کیا حماقت ہے؟" میں نے پیار بھرے لہجے میں اسے ڈانٹا۔ "میں کسی ٹوٹ پھوٹ کے بغیر واپس آیا ہوں اور تم کسی بچے کی طرح رو رہی ہو۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔"

"تمہارے جانے کے بعد سے میرے ذہن میں مسلسل برے برے خیالات آرہے تھے۔" وہ رقت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ تم یہاں سے صرف تفریح کے لئے نہیں گئے ہو۔ تمہارے تیور بتا رہے تھے کہ تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ پروان چڑھ رہا ہے۔ چلتے وقت میں نے بحث کرنی مناسب نہیں سمجھی۔ میرا بس چلتا تو میں اسی وقت تم کو روک لیتی۔ آنکھیں بند کرکے خطرات میں چھلانگ لگانے کی عادت اچھی نہیں ہوتی۔"

"ڈیڈی کی عادتیں پختہ ہوچکی ہیں۔" اوّل خان ایک جان دار قہقہہ لگاتے ہوئے بولا "اس کی جو سمجھ میں آتا ہے' کر گزرتا ہے۔ میری بات تک نہیں مانتا۔ میں یہ جان کر حیران رہ گیا تھا کہ ڈیڈی جہانگیر کے گھر پہنچا ہوا ہے۔"

سیڑھیوں پر ہی جہانگیر اور سلطان شاہ سے ملاقات ہوگئی۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے نیچے آرہے تھے۔ جہانگیر نے شاید اوّل خان کا آخری فقرہ سن لیا تھا۔ اس نے خیر خیریت دریافت کئے بغیر لٹھ دے مارا اور آنکھیں نکال کر پوچھا "تو تم ہوا خوری کے بہانے میرے گھر جا پہنچے تھے؟ وہاں کیا کام تھا تمہارا؟"

"کام ہی نہ پوچھو۔" اوّل خان اس کا ہاتھ تھام کر اسے اوپر لے جاتے ہوئے بولا "میرا خیال ہے کہ روز کی مارا ماری سے تمہارے محلّے والے عاجز آچکے ہوں گے۔ اب تمہیں اپنا گھر بدلنا ہوگا۔"

"میں کتنے گھر بدلوں گا؟" جہانگیر بے بسی سے بولا "ابھی مجھے اس نئے گھر میں چھ مہینے بھی نہیں ہوئے ہوں گے۔"

"میری مانو تو گھر بدلنے کے بجائے ڈیڈی سے دوستی ختم کردو۔" ویرا نے سنجیدگی سے لقمہ دیا "روز روز گھر بدلنے اور دوسری بہت سی پریشانیوں سے بچ جاؤ گے۔ ڈیڈی کسی دن تمہیں مروا دے گا۔"

"مروا دے" جہانگیر بڑبڑایا "میں چھوٹی موٹی باتوں کی وجہ سے اتنی پرانی دوستی نہیں چھوڑ سکتا...... سلمیٰ اپنے میکے میں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ میں بھی ڈیڈی کی طرح بھاگتا اور چھپتا پھروں گا......"

"شاباش!" اوّل خان نے اس کی بات کاٹ کر اس کی پیٹھ پر تھپکی دی "مرد کی دوستی ایسی ہی ہوتی ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں گھر بدلنے کی بات مذاق میں کہہ گیا تھا۔ محلّے والوں پر اب تک تمہاری دھاک بیٹھ چکی ہوگی۔ آج وہاں صرف چار گولیاں چلی ہیں اور وہ

دشمن جہنم واصل ہو گئے۔ لاشیں وہاں سے ہٹادی گئی ہیں۔"
اس وقت تک ہم سب ڈرائنگ روم میں داخل ہو چکے تھے۔
سلطان شاہ نے پلٹ کر پوچھا "آج وہاں کون مرنے کے لئے آپہنچا تھا؟ کہیں یہ آپریشن بلڈ ہاؤنڈز کا تسلسل تو نہیں تھا؟"
"تم ٹھیک سمجھے!" میں نے مسکرا کر اس کے قیاس کی تائید کی۔
"اوّل خان کا اندازہ سوفیصد درست ثابت ہوا۔ جم کلارک کے ساتھ آئے ہوئے سی آئی اے ایجنٹ ادھر پہنچے تھے۔ ان دونوں کے ساتھ ایک مقامی بھی مارا گیا۔ اتنے بڑے کشت و خون کے بعد اب وہ لوگ زیادہ اچھل کود نہیں کریں گے۔"
"ابھی تو تم دو دشمنوں کے مرنے کی بات کر رہے تھے۔ یہ تین کیسے ہو گئے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔
"دو جہانگیر کے گھر کے باہر مارے گئے۔ تیسرا الگ سے گھیر کر مار دیا گیا۔" میرے بجائے اوّل خان نے وضاحت کی "ان تینوں کی لاشیں کلفٹن کے ساحل سے دستیاب ہوں گی۔ کسی کو پتا نہیں چل سکے گا کہ وہ تینوں بدمعاش کہاں مارے گئے اور انہیں ساحلِ سمندر پر کیوں چھوڑا گیا۔"
"اس واقعے نے میرے چوکیدار کو تو دہلا کر رکھ دیا ہوگا۔" جہانگیر نے رائے ظاہر کی۔
"تمہارے چوکیدار کو آج لمبی رخصت پر گاؤں بھیجا جا چکا ہے۔" اوّل خان نے اسے آگاہ کیا۔
اچانک ہی مجھے دوسری بار اپنی رقم کا خیال آیا اور میں نے اوّل خان سے پوچھا "چوکیدار کو لمبی رخصت پر بھیج دیا گیا۔ میں واپس آگیا۔ نسیم الحسن بھی بی ایچ سکس کے ساتھ چلا گیا۔ جہانگیر کا مکان تو اب بالکل غیر محفوظ اور لاوارث پڑا ہوا ہے۔ کوئی بھی اندر گھس کر پورے مکان کا صفایا کر سکتا ہے۔"
"قسمت میں مفلوک الحالی لکھی ہوئی ہے تو ایسا ہو کر رہے گا۔" جہانگیر پر اس وقت مایوسی طاری ہو چلی تھی "دس چوکیدار بھی میرے مقدر کے لکھے کو نہیں ٹال سکیں گے۔ یہ میرا پختہ ایمان ہے۔"
"بدفال منہ سے نہ نکالو۔" میں نے غرا کر اسے ٹوکا "اس وقت میرا مقدر بھی تم سے وابستہ ہے۔ تم بھول رہے ہو کہ میری ساری پونجی سلمٰی کی تجوری میں امانت کے طور پر محفوظ ہے۔ تمہارے مکان میں کوئی واردات ہوئی تو ہم لوگ بھی پیسے پیسے کو محتاج ہو کر رہ جائیں گے۔"
اوّل خان جو ہماری گفتگو خاموشی سے سن رہا تھا، مسکرا کے بولا "تم دونوں میں سے کسی کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، میرے کام ادھورے نہیں ہوتے۔ جہانگیر کے مکان کی دیکھ بھال کی ذمے داری ایک نجی سکیورٹی ایجنسی کو سونپی جا چکی ہے۔" اس نے ایک نگاہ اپنی رسٹ واچ پر ڈالی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اب تک دو گارڈز وہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ صبح نو بجے دوسری ٹولی آجائے گی۔ وہاں ہر وقت دو مسلح اور چاق و چوبند گارڈ موجود رہیں گے جو پاس کے بغیر کسی کو مکان میں گھسنے کی اجازت نہیں دیں گے۔"
"پاس؟" جہانگیر نے حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
اوّل خان نے کریڈٹ کارڈ سے ملتا جلتا پلاسٹک کا ایک چھپا ہوا ٹکڑا اپنی جیب سے نکال کر جہانگیر کو تھمادیا "اب اس کارڈ کے بغیر تم بھی اپنے گھر میں نہیں پھٹک سکو گے۔"
سلطان شاہ نے ہم لوگوں کی کارگزاری کی تفصیلات جاننے کے لئے اصرار شروع کردیا۔ اس موقع پر اوّل خان نے ویرا سے چائے بنانے کی فرمائش کرڈالی۔ وہ ابتدا سے آخر تک پوری مہم میں شریک رہی تھی اس لئے اوّل خان کی کہانی میں اس کے لئے کوئی نئی بات نہ ہوتی۔ وہ خاموشی سے کچن کی طرف چلی گئی۔
اوّل خان نے آرام سے صوفے پر دراز ہو کر اس شام کی کہانی شروع کردی۔ سلطان شاہ اور جہانگیر کے ساتھ غزالہ بھی پورے انہماک سے اس کی کہانی سننے میں مصروف تھی۔
میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے نئی سگریٹ سلگائی پھر خاموشی سے اٹھ کر کچن کی طرف چل دیا۔
نادیہ کی خودکشی کے بعد ریشم خان نے کچن کو اس طرح صاف کیا تھا کہ وہاں ہونے والے حادثے کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا تھا لیکن کچن میں قدم رکھتے ہی میرے نتھنوں میں ایک مخصوص سی بُو آئی اور میں چونک کر دروازے پر ہی رک گیا۔ ویرا میری طرف پشت کئے چولہے پر مصروف تھی۔
اپنے کام سے فارغ ہو کر وہ گھومی تو مجھے دروازے پر کھڑا دیکھ کر آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولی "کسی چور کی طرح خاموشی سے وہاں کیوں کھڑے ہو؟ کیا اندر آکر مجھ سے بات کرتے ہوئے شرم آرہی ہے؟"
"شرم نہیں، الکحل کی سی بُو آرہی ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔
وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی "معلوم ہوتا ہے کہ اسی بُو سے بے چین ہو کر ادھر آئے ہو۔"
"تم کچن میں چائے بنانے آئی ہو یا چھپ کر اپنا شوق پورا کر رہی ہو؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔
"شش!" وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی "آہستہ بولو۔ یہ اوّل خان عجیب اور تندخو آدمی ہے۔ اس کی موجودگی میں مجھے اپنی آزادیاں سلب ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ اس نے چائے پینے کی خواہش ظاہر کر کے مجھے خود ہی حلق تر کرنے کا موقع دیا ہے۔"
اس نے دیوار کے ساتھ ساتھ بنی ہوئی ماربل کی کچن ٹیبل کے نیچے بنی ہوئی الماریوں میں سے ایک کا پٹ کھولا اور مجھے شیواز

رنگ کی نصف سے زیادہ بھری ہوئی بوتل نظر آگئی۔ اس جھلملاتی ہوئی بوتل کے برابر میں ویرا کا اسکاچ کا گلاس رکھا ہوا تھا جس میں برف کے کئی ڈلے تیر رہے تھے۔ ویرا نے گلاس نکال کر اس تلخ سیال کا ایک گھونٹ اپنے معدے میں اتارا اور منہ بناتے ہوئے گلاس دوبارہ اندر رکھ کر پٹ بند کردیا۔

"موڈ ہو تو تم بھی فریج میں سے ایک گلاس میں برف ڈال لو۔" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں مجھے اکسایا "اس وقت تمہارے اعصاب بھی الکحل کی ضرورت محسوس کررہے ہوں گے۔ یہ بوتل میں ابھی ایک خواب گاہ میں سے لائی ہوں۔"

"اور اگر کوئی ادھر آنکلا؟" میں نے رغبت کے باوجود خشک لہجے میں کہا۔

"تو کیا؟" وہ آنکھیں نکال کے ترکی بہ ترکی بولی "کیا ہم کسی کی چوری کررہے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ ہم پیتے ہیں اور خاصی پیتے ہیں۔ ذرا میں دو گلاس پورے کرلوں پھر اوّل خان کی پروا بھی نہیں کروں گی۔"

"چلو، میرے لئے بھی گلاس میں برف ڈالو۔" میں نے ہنس کر کہا "اوّل خان کی کہانی اتنی دلچسپ ہوگی کہ اس کے ختم ہونے تک کسی کو کچن کی خیر خبر لینے کا دھیان نہیں آئے گا۔ میرے گلاس میں اسکاچ ذرا زیادہ ڈالنا۔"

ویرا نے کسی بحث کے بغیر میرے لئے بھی ایک گلاس تیار کردیا۔ میں نے تلخ سیال کا ایک لمبا گھونٹ لینے کے بعد اپنا گلاس اسی کچن کیبنٹ میں رکھ دیا جہاں ویرا کا گلاس پہلے سے موجود تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ جم کلارک اور اس کے ساتھیوں کا تمت بالخیر ہونے کے بعد کیا ہوگا۔" میں نے پوچھا۔

"قونصل خانے والے اودھم مچائیں گے۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ یہاں والے ان کو کیسے خاموش کراتے ہیں۔"

"وہ لوگ مقامی حکام کے ساتھ مل کر کوئی کارروائی کرتے اور اس میں جانی نقصان اٹھانا پڑتا تو صورتِ حال بگڑ سکتی تھی۔ لیکن وہ بالا ہی بالا من مانی کرگزرنے کے چکر میں مارے گئے ہیں۔ انہیں منہ توڑ جواب دیا جاسکتا ہے کہ مخدوش حالات میں انہوں نے کسی تحفظ کے بغیر باہر نکلنے کا خطرہ مول لیا اور اپنی حماقت کا نتیجہ بھگت لیا۔ اس واقعے کی پوری ذمے داری ان ہی پر عائد ہوگی۔ معمول کی تحقیقات دھیرے دھیرے چلتی رہیں گی۔"

"مقامی حکام یہ کہانی بنا سکتے ہیں لیکن قونصل خانے میں بیٹھے ہوئے لوگ حقائق کا اندازہ لگالیں گے۔ بیم گن کا شکار ان کے لئے ایک کھلا اشتہار ہوگا۔ اس واقعے میں میرا اور تمہارا نام ضرور آئے گا۔"

"آیا کرے" میں نے کیبنٹ کھول کر اپنے گلاس سے آتشیں سیال کا دوسرا گھونٹ لینے کے بعد کہا "وہ سب کچھ سمجھنے کے باوجود حقائق کی تشہیر نہیں کرسکیں گے۔ تشہیر سے ان کا مؤقف کمزور ہوتا چلا جائے گا۔ عام سمجھ بوجھ والا ایک مقامی پولیس افسر بھی یہ ضرور پوچھے گا کہ مقتولین خطرناک ملزموں کے پیچھے گئے تھے تو انہوں نے حفاظتی اقدامات سے مجرمانہ غفلت برتنے کا ارتکاب کیوں کیا؟ ان کا یہ فعل بداعتمادی اور اپنی صلاحیتوں پر گھمنڈ کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔"

"میں کچھ اور ہی سوچ رہی ہوں۔" اس نے اپنا پہلا گلاس خالی کرکے اپنے لئے دوسرا گلاس بناتے ہوئے کہا "اگر ہم میں سے کسی کو ہنری ڈریک نارمن کے گھر کا فون نمبر یاد ہو تو اس کی قیاس آرائی کی نوبت آنے سے پہلے ہی میں اسے فون پر بتادوں کہ اس کے امریکا سے آئے ہوئے مہمان کس انجام سے دوچار ہوئے ہیں۔"

میں اس کا خیال سن کر پھڑک اٹھا "ان درندوں کو ان کے کچھار ہی میں زخمی کیا جانا چاہئے۔ شاید نارمن کا فون نمبر غزالہ کو یاد ہوگا۔ نمبروں کے معاملے میں اس کی یادداشت بہت اچھی ہے۔ نمبر اسے یاد نہ ہو تب بھی ٹیلی فون ڈائریکٹری سے کام چل جائے گا۔ اس فیصلے پر فوری عمل ہونا چاہئے۔"

"فوری نہیں، دوسرا گلاس خالی ہونے کے بعد۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی "پہلے میں ان چاروں کو چائے دے آؤں۔ ایسا نہ ہو کہ اوّل خان چائے کی طلب سے مجبور ہو کر یہاں پہنچ جائے۔"

وہ ایک ٹرے میں چائے کے لوازم سجانے میں مصروف ہوگئی۔ میں نے اسکاچ والے کیبنٹ کے قریب پہنچ کر دو گھونٹوں میں اپنا گلاس خالی کرکے دوسرا گلاس بنالیا تاکہ آخر تک ویرا کا ساتھ دے سکوں۔

ویرا چائے لے کر چلی گئی تو مجھے خیال آیا کہ سی آئی اے کے دونوں آدمیوں کا جہنم واصل ہونا ہر اعتبار سے بہتر رہا تھا۔ جم کلارک والے قصے میں تین مقامی غدار ان کی مدد کررہے تھے اور وہ تینوں ہی مقابلے میں موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے تھے۔ ان تمام واقعات کے چشم دید گواہ صرف وہی دو ایجنٹ تھے۔ ان ہی کے بیان پر ایس ٹی ایف کے سابقہ اسٹیشن فور کا جائزہ لیا گیا تھا۔ ان کی موت کے بعد جم کلارک کو اس بظاہر غیر آباد اور ویران عمارت میں لے جائے جانے کا معاملہ بھی آسانی سے مشکوک بنایا جاسکتا تھا۔ یہ اتفاق بلکہ قدرت کا انوکھا انتظام تھا کہ اس گھناؤنے ڈرامے کے سارے ہی سرگرم کردار صفحۂ ہستی سے مٹ گئے تھے۔ سفید کار والے جن چار مقامیوں کو کھل کر سامنے آنے کا موقع نہیں مل سکا تھا وہ ناجائز ہتھیاروں کے چکر میں پھنس کر مقامی پولیس کی تحویل میں آچکے تھے۔ تشدد کے ذریعے ان کی زبانیں کھلوا کر جو اہم معلومات حاصل کی جاتیں ان کے سہارے مقامی انتظامیہ قونصل خانے والوں پر بدترین جوابی دباؤ ڈال سکتی تھی۔

ویرا جلد ہی لوٹ آئی اور اپنی بے ساختہ ہنسی کو دباتے ہوئے بولی "اوّل خان بہت مردود ہے۔ کافی فاصلہ ہونے کے باوجود وہ

چونک کریوں گہرے گہرے سانس لے رہا تھا جیسے فضا میں کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس وقت اس کی عقابی نظریں میرے ہی چہرے پر مرکوز تھیں۔ غنیمت یہ ہے کہ اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔"

"وہ سمجھ دار آدمی ہے۔ نازک مواقع پر اپنی زبان بند ہی رکھتا ہے۔"

ویرا نے اپنا گلاس اتنی تیزی سے خالی کیا کہ اس کی آنکھیں فوراً ہی نشیلی نظر آنے لگیں۔ گلاس دھونے کے بعد اس نے اسکاچ کی بوتل اسی خانے میں بالکل پیچھے سرکا دی۔

"بوتل یہاں سے ہٹا دو۔ مسالا وغیرہ نکالتے ہوئے غزالہ نے بوتل دیکھ لی تو کیا سوچے گی؟" میں نے کہا۔

"جو کچھ سوچے گی، جہانگیر کے بارے میں سوچے گی۔" وہ شرارت آمیز لہجے میں بولی "سب لوگ ایک جگہ جمع ہوں تو کھل کر پینے پلانے میں کوئی ہرج نہیں لیکن خواب گاہ میں صرف غزالہ کے سامنے مے نوشی اچھی نہیں لگے گی۔ کچن میں آتے جاتے ایک آدھ گھونٹ لے کر میں خاموشی سے اپنا کوٹا پورا کرلوں گی۔"

"اور میں کیا کروں گا؟" میں نے اسے گھور کر تیز لہجے میں پوچھا۔

"مردانہ خواب گاہ میں اسکاچ، واڈکا، جن اور بیئر کی بوتلیں بھری ہوئی ہیں۔ وہاں جہانگیر تمہارا ساتھ دے گا۔ چاہو تو تم میری بوتل بھی استعمال کرسکتے ہو۔ اس کی جگہ تم نے دیکھ ہی لی ہے۔"

وہ میری طرف ہاتھ لہرا کر کچن سے نکل گئی۔ میں اپنا گلاس خالی کرکے عقبی راستے سے نکلا اور راہداری میں ملنے والے پہلے ہی دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ وہ ڈبل بیڈ پر مشتمل ایک آراستہ اور کشادہ خواب گاہ تھی جہاں ہینگر پر ویرا اور غزالہ کے کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ شاید غزالہ نے ہماری غیر حاضری میں وہ سب کیا تھا۔

زنانی خواب گاہ سے ملحق کمرے میں موجود اشیا سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کمرا میرے اور سلطان شاہ کے لئے تھا۔ میں نے خاصی بے تابی سے پورے کمرے کا جائزہ لے ڈالا لیکن بنتِ عنب کا سراغ لگانے میں ناکام رہا۔

تیسری خواب گاہ پہلے دو کمروں سے بھی بڑی اور نیم شاہانہ انداز میں آراستہ تھی۔ وہاں ڈریسنگ ٹیبل پر بکھری ہوئی میک اپ کی اشیا وغیرہ سے بہ آسانی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ جہانگیر نے نادیہ کو اسی کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ اس کمرے میں متعدد زنانہ ملبوسات کے ساتھ بہت سے مردانہ جوڑے بھی موجود تھے جو یقیناً جہانگیر سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کمرے میں درمیانے سائز کا ریفریجریٹر بھی موجود تھا جس کے دو خانوں میں ولایتی بیئر کے بہت سے ڈبے اور بوتلیں بھری ہوئی تھیں۔ اس کے قریب ہی ایک دیوار گیر کیبنٹ میں بھانت بھانت اور رنگ رنگ کی شرابوں کی اکیس بوتلیں موجود تھیں۔

اس ریسٹ ہاؤس کی اقامتی اور دیگر سہولتوں کا جائزہ مکمل کرنے کے بعد میں لابی میں کھلنے والے دروازے سے باہر نکلا تو ڈرائنگ روم سے سب کے ملے جلے قہقہوں کی آواز آرہی تھی۔ میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو قہقہے یک بیک تیز ہوگئے۔ ویرا کی آواز سب سے بلند تھی۔ وہ ہنس ہنس کر دہری ہوئی جارہی تھی۔ وہ نشے میں کبھی بھی نہیں ہوتی تھی لیکن اس کی کیفیت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ معدے میں اتری ہوئی الکحل اس پر اپنا تھوڑا بہت رنگ دکھا رہی تھی۔

"کیا لطیفے چل رہے ہیں جو سب ہنس رہے ہیں؟" میں نے ان کے ساتھ شامل ہو کر خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"تمہاری تلاش تھی۔" اوّل خان نے ہنسی کے درمیان میں کہا "ویرا نے خیال ظاہر کیا کہ تم باتھ روم میں بیٹھے بیٹھے تھکان سے اونگھ گئے ہوگے۔ بس اسی پر ہنسی کا سلسلہ چل پڑا۔ اب ویرا اپنے اسی قیاس میں ندرتیں پیدا کر رہی ہے۔ یہ اس وقت خاصے خوشگوار اور ہلکے پھلکے موڈ میں معلوم ہوتی ہے۔"

"اسے صحیح خوراک ملتی رہے تو ایسے ہی موڈ میں رہتی ہے۔" میں نے ذو معنی فقرہ کسا۔

"مجھے بھی شبہ ہو رہا ہے کہ اس نے کہیں نہ کہیں منہ مارا ہے۔" سلطان شاہ نے میری تائید کی۔

اس سے پہلے کہ وہ نوک جھونک کوئی سنجیدہ رخ اختیار کرتی، ویرا خود ہی سنجیدہ ہوگئی اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولی "سب سامنے کی باتیں ہیں۔ اوّل خان کو خود بھی اندازہ ہوگا کہ تازہ ترین واقعات سے کیا کیا فائدے اٹھائے جاسکتے ہیں لیکن بہتر ہوگا کہ تم بھی اپنے نکتہ وار خیالات بیان کر ڈالو۔ مجھے ان میں وزن نظر آتا ہے۔"

اوّل خان کی مستفسرانہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں اور میں نے سی آئی اے والوں کی موت کے حوالے سے ان سود مند پہلوؤں کو اجاگر کرنا شروع کردیا جن پر ویرا سے پہلے ہی بات ہوچکی تھی۔

اوّل خان اس پورے آپریشن میں اس بری طرح الجھا رہا تھا کہ اسے شاید گزرے ہوئے واقعات کی افادیت پر یکسوئی سے غور کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا کیونکہ سفید کار سمیت پکڑے جانے والے مسلح مقامیوں کا ذکر آتے ہی اوّل خان کے چہرے پر جوش کی علامات نظر آنے لگیں۔ وہ خاموشی سے میری باتیں سنتا رہا لیکن اس کی بے چین نگاہوں کی چمک لحہ بہ لحہ گہری ہوتی جارہی تھی جو ان پہلوؤں میں اس کی دلچسپی کی غماز تھی۔

"تم نے مجھے نئے راستے سجھائے ہیں۔" میرے خاموش ہونے پر وہ اپنی بے پناہ خوشی کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکا "اب دیکھنا کہ قونصل خانے کے عملے کی کیا درگت بنتی ہے۔ یہاں والے مدافعانہ کے بجائے جارحانہ پوزیشن میں آجائیں گے۔ تمہارے ساتھ مل کر

کام کرتے ہوئے مجھے یہ اطمینان رہتا ہے کہ تمہارا ذہن ہر وقت کام کرتا رہتا ہے اور مجھے بہت زیادہ سوچ بچار کی زحمت نہیں کرنی پڑتی۔ میں ذرا عملی قسم کا آدمی ہوں۔ میری خوش قسمتی یہ رہی ہے کہ بیشتر مواقع پر کھوپڑی کے کام بھی ہاتھ پیروں کی اضافی محنت سے سیدھے ہو جاتے ہیں۔"

"ڈیڈی کا دماغ تیز ضرور ہے لیکن اس کی کارکردگی میں میرا بھی دخل ہے۔" ویرا بولی۔

"کیا تم اس کے سر میں تیل کی مالش کرتی ہو؟" سلطان شاہ نے جل کر پوچھا۔

"تم چپ رہو۔" ویرا نے منہ بنا کے اسے ڈانٹ دیا۔ پھر دوسروں سے مخاطب ہو کر بولی "اڑیل بیل جہاں رک جاتا ہے وہاں سے ایک قدم بھی آگے چلنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ آگے بڑھانے کے لئے اس کی دُم کو مروڑنا پڑتا ہے اور بدک کر کافی دور تک چلتا چلا جاتا ہے۔ میں اسی طرح ڈیڈی کو مہمیز دیتی رہتی ہوں۔"

جہانگیر اور اوّل خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی مگر سلطان شاہ اپنی ناگواری ظاہر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے ویرا سے کہا "میں تمہارے اس دعوے کو اس وقت سچ مانوں گا جب تم میرے ایک سوال کا صحیح جواب دے دو گی۔"

"تم سوال ہی کر سکتے ہو... چلو اپنے دل کا یہ ارمان بھی نکال لو۔" ویرا نے مضحکانہ لہجے میں کہا۔

"ارمان نہیں، یہ تمہاری چڑیا جیسی عقل کا امتحان ہے۔" سلطان شاہ کا لہجہ تلخ ہو گیا "بیل کا منہ اگر مشرق کی طرف ہو تو اس کی دُم کس رخ پر ہو گی؟" وہ چیلنج کرنے والی نگاہوں سے ویرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم کوئی احمقانہ سوال کرو گے۔ بیل کی دُم مغرب کے سوا اور کدھر ہو سکتی ہے۔" جواب دیتے دیتے وہ ایک دم چونک کر بولی "اوہ! کہیں تم مشرق اور مغرب کا استعارہ یورپ اور ایشیا کے لئے تو استعمال نہیں کر رہے؟"

"میں تمہیں اتنا قابل نہیں سمجھتا کہ تم سے استعاروں میں بات کی جائے۔ تم تو سیدھی بات بھی مشکل سے سمجھتی ہو۔ کان کھول کر سن لو کہ بیل کا منہ کسی بھی طرف ہو، اس کی دُم ہمیشہ زمین کی طرف رہتی ہے۔"

سلطان شاہ کی وضاحت پر سب نے ایک تعریفی قہقہہ لگایا مگر ویرا خفت آمیز جھلاہٹ سے بولی "اپنی ان احمقانہ باتوں سے آخر تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟"

"سیدھی سی بات ہے۔ جو عورت بیل کی صحیح جیومیٹری تک سے واقف نہیں ہو، وہ بیل کو کیسے چلا سکتی ہے؟"

"شاباش! تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" جہانگیر نے سلطان شاہ کی حوصلہ افزائی کی "پتا نہیں ویرا آج تک کس چیز کو بیل کی دُم سمجھ کر مروڑتی رہی ہے۔ میں اس کے دعوے کے خلاف ہوں۔"

"ٹھیک ہے" میں نے ہاتھ اٹھا کر گفتگو میں دخل انداز ہوتے ہوئے کہا "ویرا بیل کی دُم کے صحیح جغرافیے سے واقف نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ میرے ذہن میں سارے نکات ویرا سے گفتگو کے دوران ہی آئے تھے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ تم ہمیشہ اسی کی حمایت کرتے ہو۔" سلطان شاہ بگڑ کے بولا۔

"اس وقت تمہیں بھی اس کی حمایت کرنی چاہئے۔" میں نے کہا "بے چاری تازہ تازہ یتیم ہوئی ہے۔"

بات ایک مرتبہ پھر ہنسی مذاق میں ٹل گئی اور گفتگو دوبارہ سنجیدہ ہو گئی کیونکہ ویرا ہلکے سے سرور میں تھی۔ وہ کسی بدمزگی میں الجھ کر اپنا لطف غارت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

جب میں نے ویرا کی جانب سے ہنری ڈریک نارمن کو فون کرنے کی تجویز پیش کی تو اوّل خان الجھن میں پڑ گیا "بظاہر اس فون کال کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ یہ نقصان ضرور ہو گا کہ وہ اپنے آدمیوں کے بارے میں صبح تک بے خبر رہنے کے بجائے ابھی باخبر ہو جائیں گے اور مقامی حکام کی رات کالی کرا دیں گے۔"

"یہ ایک نفسیاتی حربہ ہو گا۔" ویرا اسے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی "تم ان لوگوں کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ میری دھمکی سے خوف زدہ ہو کر وہ اپنے دفاتر اور گھروں تک محدود ہو کر رہ جائیں گے۔ ایک بار ان کے دل میں اپنی سلامتی کا ڈر بیٹھ گیا تو وہ کئی مہینوں تک اپنے معمولات کو اعتدال پر نہیں لا سکیں گے۔ ویسے بھی میں نے اس سے دوبارہ فون پر بات کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ گفتگو سی آئی اے والوں کی موت کے حوالے سے ہو تو خاصی اثر انگیز رہے گی۔ ہمیں یہ بھی پتا چل جائے گا کہ اب تک وہ کتنے پانی میں ہیں۔"

اوّل خان نے بحث کو طول نہیں دیا۔ خاموشی سے ہتھیار ڈال دیئے۔

غزالہ کو نارمن کا فون نمبر واقعی یاد تھا۔ ویرا اسپیکر فون پر ہنری ڈریک نارمن کے گھر کا نمبر ملانے لگی۔

فون اٹھانے والا نارمن نہیں تھا لیکن اس کا لب ولہجہ خالص امریکن تھا۔ ویرا نے بالکل اسی انداز میں ہنری کے بارے میں دریافت کیا تو اسے بتایا گیا کہ اس وقت وہ گھر پر موجود نہیں تھا۔

"وہ کہاں مل سکے گا۔ مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" ویرا کٹکھنے انداز میں غرائی۔

اس کا مخاطب سہم گیا اور خوشامدانہ لہجے میں بولا "ہو سکتا ہے کہ ہنری اپنے دفتر میں ہو۔ تم مجھے اپنا پیغام اور فون نمبر دے دو۔ اگر بات اتنی ہی اہم ہے تو وہ خود تمہیں فون کر لے گا۔"

"تم کون ہو؟" ویرا نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد برہمی سے سوال کیا۔

"میں قونصل خانے میں ٹائپسٹ ہوں اور ہنری کے ساتھ ہی

رہتا ہوں۔" وہ ویرا کے پے در پے حملوں سے بوکھلایا ہوا معلوم ہو رہا تھا "اگر تم اپنا نمبر نہیں دینا چاہتیں تو اسے دفتر فون کر لو۔ آج اسے وہاں کوئی غیر معمولی مصروفیت درپیش ہے ورنہ وہ چھ بجے کے قریب گھر لوٹ آتا ہے۔"

"اس کو بتا دو کہ جم کلارک کی ماں اس سے بات کرنے کی خواہاں ہے۔ وہ پندرہ منٹ کے اندر اندر گھر واپس نہ آیا تو اس موقع سے محروم رہ جائے گا۔" ویرا نے درشت لہجے میں کہا۔

"جم کلارک کی ماں؟" اسپیکر فون سے آنے والی آواز بوکھلائی ہوئی تھی۔

"ہاں... اس سے یہی کہہ دو۔" ویرا نے جواب دے کر فون بند کر دیا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟ تم اس کے دفتر بھی فون کر سکتی تھیں۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"اس کے دفتر میں ہزاروں الیکٹرانک شعبدے موجود ہوں گے جن کی مدد سے وہ میری اس کال کا سراغ لگا سکتا ہے۔ وہاں فون کرنا خطرناک ثابت ہوگا۔" ویرا اپنے تجربات کی بنا پر صحیح کہہ رہی تھی۔ وہ کافی عرصے تک اپنے جسم میں امریکنوں کا نصب کیا ہوا ایک ایسا چپ لئے پھرتی رہی تھی جس کے سگنل وصول کرتے ہی وہ ویرا کی کمین گاہ سے واقف ہو جاتے تھے اور ویرا کے فرشتوں کو بھی اس چپ کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔

"اور جم کلارک کی والدہ بننے میں کیا باریکی پوشیدہ ہے؟" سلطان شاہ نے طنز سے پوچھا۔

"سنسنی.... بے یقینی!" ویرا ہنس کر بولی "اصل نام بتا دیتی تو وہ ذہنی اذیت سے بچا رہتا۔ اب میرا فون وصول کرنے تک وہ یہی سوچتا رہے گا کہ جم کلارک کی ماں کے نام اسے پیغام چھوڑنے والی ویرا تھی یا کوئی اور عورت۔ اس پریشانی میں اس کے اعصاب بکھر کے رہ جائیں گے۔ میں ان چوہوں کو اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"تم اپنے ہم وطنوں کے لئے اتنے تواتر سے چوہے کا لقب استعمال کر رہی ہو کہ مجھے ان کے انسانی وجود پر شبہ سا ہونے لگا ہے۔" غزالہ نے ہنس کر کہا "یہ لوگ کتنے ہی بزدل کیوں نہ ہوں اتنے گئے گزرے نہیں ہیں ورنہ پوری دنیا کو تگنی کا ناچ نہ نچا رہے ہوتے۔"

"پندرہ منٹ بعد اپنے کانوں سے ہنری کی آواز سن لینا۔" یہ کہہ کر ویرا نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ٹرے میں چائے کے خالی برتن سمیٹنے میں مصروف ہو گئی۔ غزالہ نے اس کے ہاتھ سے ٹرے لینے کی کوشش کی لیکن اس نے بہت اپنائیت سے غزالہ کو روک دیا۔

"تم طویل انتظار سے تھک گئی ہو گی۔ اپنے کمرے میں جا کر کپڑے بدل ڈالو کیونکہ کھانے کا انتظام تم ہی کو کرنا ہے۔ کچن کے چھوٹے موٹے کام میں نمٹا لوں گی۔" اس کا وہ مشورہ اتنا پُرخلوص تھا کہ غزالہ فوراً ہی اٹھ کر پہلی خواب گاہ کی طرف چل دی۔ ویرا کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بے چاری کام کاج میں بھی پوری طرح ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتی ہے۔" ویرا کے کچن میں چلے جانے کے بعد اول خان نے توصیفی لہجے میں کہا "ورنہ اس قماش کی عورتیں گھرداری میں کہاں دلچسپی لیتی ہیں۔"

میں اول خان کی ناسمجھی پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ اس بے چارے کو کیا معلوم تھا کہ ویرا نے ایک کچن کیبنٹ میں شیواز ریگل کی تقریباً آدھی بوتل چھپائی ہوئی تھی اور وہ ہنری سے فون پر بات کرنے سے پہلے اسکاچ کے مزید چند گھونٹ لینے کے موقع کی تلاش میں تھی۔

"وہ اناڑی پن میں برتن وغیرہ نہ توڑ ڈالے۔" اول خان کے تبصرے پر سلطان شاہ کے دل میں ویرا سے ہمدردی کا جذبہ پوری قوت سے بیدار ہو گیا "میں کچن میں جا کر اس کی مدد کرتا ہوں۔"

میں نے دانستہ اس احمق کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ بہتر یہی تھا کہ وہ ویرا کی چوری خود پکڑ لے۔

"لاحول ولا قوۃ!" سلطان شاہ نے کچن کے دروازے پر پہنچتے ہی بلند آواز سے کہا اور فوراً ہی ڈرائنگ روم کی طرف واپس لوٹ آیا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

"کیا بات ہے؟" جہانگیر نے اس کا ردِ عمل دیکھ کر معصومانہ حیرت سے پوچھا۔

"اسی سے پوچھ لو۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ اس کی لاحول سن کر ویرا اسی لمحے کچن سے باہر نکل آئی تھی۔

"شرم نہیں آتی۔ گھر میں بھی میری جاسوسی میں لگے رہتے ہو۔" کسی کے کچھ پوچھنے سے پہلے ویرا سلطان شاہ پر برس پڑی "کچن میں تمہارا کیا کام تھا؟ وہاں کیا لینے آئے تھے تم؟"

ویرا اتنے تیکھے تیوروں کے ساتھ اس کے سر پر سوار تھی کہ بوکھلاہٹ کے عالم میں وہ صرف ہکلا کر رہ گیا۔ ویرا کے سوالات کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ جہانگیر سے نہ رہا گیا اور وہ بول پڑا "اس پر اس قدر برہم کیوں ہو رہی ہو؟ وہ کچن ہی میں تو گیا تھا۔ تمہارے باتھ روم میں تو نہیں گھسا تھا۔"

"یہ طریقے رہے تو کسی دن ایسی نوبت بھی آ جائے گی۔" ویرا نادم ہونے کے بجائے جہانگیر پر چڑھ دوڑی "میں تمہاری شراب کی بوتل دیکھ رہی تھی کہ یہ دروازے سے ہی لاحول پڑھ کر لوٹ آیا۔ میں تمہاری بوتل باہر چھوڑ آئی ہوں۔"

"میری شراب کی بوتل؟ کچن میں؟" ویرا کی الزام تراشی پر جہانگیر بھونچکا رہ گیا۔

"ہاں ہاں تمہاری۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "اب کہہ دو کہ وہ بوتل میں نے کچن کیبنٹ میں چھپائی ہے۔"

"پتا نہیں اس گھر میں کیا ہو رہا ہے۔" جہانگیر بڑبڑاتے ہوئے

ور کچن کی طرف چل دیا۔
"تم غلط کہہ رہی ہو۔" اتنی دیر میں سلطان شاہ خود کو سنبھال
فا "ہم بوتل دیکھ نہیں رہی تھیں بلکہ وہ تمہارے منہ سے لگی
تھی۔ یہاں تمہیں کون روکتا ہے جو ایسی بدتمیزی سے پی رہی
"
"پینے کی چیز تھی۔ دو دن کے بعد نظر پڑی اور میں نے منہ لگا لیا
برا کیا؟" ویرا نے ڈھٹائی سے کہا۔
"ختم کرو اس قصے کو۔" میں نے اوّل خان کو آنکھ مارتے
ے کہا "اس معاملے میں، تم دونوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اپنے
پنے حساب سے دونوں ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"
اسی اثنا میں جہانگیر کچن سے شیواز ریگل کی بوتل لئے واپس
یا۔

اس کے چہرے پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ وہ بوتل
میز پر رکھتے ہوئے بولا "یہ بوتل کچن میں کیسے پہنچی؟ اسے میری
ب گاہ میں ہونا چاہئے تھا۔"
"نادیہ تو مر چکی ہے اب ریشم خان ہی سے پوچھ سکتے ہو۔" ویرا
ٹ دار لہجے میں بولی۔
"اس کا نام نہ لو۔ وہ پکا مومن ہے۔" جہانگیر ناگواری سے بولا۔
وہ شراب کی خالی بوتل کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتا ہے۔ یہ بوتلیں
یرے کمرے کے ایک کیبنٹ میں ہوتی ہیں۔ نادیہ شراب کی بُو سے
تی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میرے بیڈروم سے یہ بوتل کچن
ں کیسے آئی؟ یہ تین چوتھائی کے قریب تھی اب آدھی سے بھی کم
ہ گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ کسی کے استعمال میں رہی
ہے۔"
"لعنت بھیجو اس قصے پر..... ہو سکتا ہے کہ جھونک میں تم خود
ی اسے کچن میں چھوڑ گئے ہو۔" اوّل خان نے اکتانے کی اداکاری
کرتے ہوئے جہانگیر کی بات کاٹ دی "یا پھر یہ خود ہی آ گئی ہوگی۔
ہم تینوں گھر سے باہر تھے۔ یہاں تمہارے اور سلطان شاہ کے علاوہ
صرف غزالہ تھی۔ اگر اس کی جگہ تبدیل ہوئی ہے تو تم تینوں میں
ے کسی کو علم ہونا چاہئے۔"
جہانگیر نے مایوسانہ نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور
کسی اداس بکرے کی طرح اپنا سر جھکا لیا۔
"پندرہ منٹ ہو گئے ہیں۔" اوّل خان نے اپنی رسٹ واچ
دیکھ کر ویرا کو یاد دلایا "ہنری سے بات کرو۔ مجھے واپس بھی جانا
ہے۔"

ویرا نے سب کی نظریں بچا کر لوفرانہ انداز میں مجھے آنکھ ماری
اور کسل مندی کے ساتھ فون اپنے آگے سرکا کر ہنری کے گھر کا نمبر
ملانے میں مصروف ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے کچھ
اور نمایاں ہو چکے تھے۔

ہنری کے گھر کا نمبر ملنے پر پہلی گھنٹی پر ہی ریسیور اٹھالیا گیا۔ فون اٹھانے والا چند ثانیوں تک دوسری طرف کی آواز کا منتظر رہا لیکن ویرا دانستہ خاموش رہی۔ وہ ہنری کے ساتھ حقیقی معنوں میں اعصابی جنگ لڑ رہی تھی۔ اس کی طویل ہوتی ہوئی خاموشی نے ہنری کے صبر کا پیمانہ لبریز کردیا اور وہ مضطربانہ انداز میں یکایک بول پڑا "کون ہے؟ تم بولتے کیوں نہیں ہو؟"

"میں تمہاری والدہ بول رہی ہوں" ویرا نے زہریلی آواز میں کہا۔

"اوہ!" اسپیکر فون پر ہنری کے ایک گہرے سانس کی آواز ابھری پھر اس نے کہا "شاید جم کلارک کی ماں کے نام سے تم ہی نے پیغام چھوڑا تھا۔ میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ اتنی دھونس کے ساتھ مجھے فون کرنے والی کون ہوسکتی ہے.... تم نے جم کلارک کے بارے میں میری التجاؤں کو ٹھکرا کر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ مصالحت کے مشن پر آنے والے کو موت کا انعام کوئی سنگ دل ہی دے سکتا ہے۔"

"مصالحت کے لیے نہیں' وہ مجھ سے ہتھیار ڈلوانے اور پھر مجھے یرغمال بنانے کے ارادے سے آیا تھا۔ نیت صاف ہوتی تو اس کے پیچھے پانچ آدمیوں کا دستہ اور جدید ترین ہتھیاروں کے انبار نہ ہوتے۔"

"معاملہ صرف تمہارا نہیں تھا۔ تمہارے ساتھ ڈینی بھی تھا۔ وہ ہم سب کا بدترین دشمن ہے۔ جم کلارک نے ساری تیاریاں اسی کے لیے کی تھیں۔ اس کے بارے میں تمہیں بدترین مغالطہ ہوا ہے۔"

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ صبح تم تک پہنچ جائے گا اور وہ پہنچ گیا۔ اپنے انجام کا وہ خود ذمے دار تھا۔"

"لیکن اسے جس عمارت میں لے جایا گیا تھا وہ ویران اور غیر آباد ثابت ہوئی۔ وہاں ہر چیز پر منوں گرد و غبار جما ہوا تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ جم کلارک کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا...."

ویرا نے سرد لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "سی آئی اے کے ان ایجنٹوں سے پوچھو جو پہلا زخم کھاتے ہی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔ وہ بہت سے واقعات کے چشم دید گواہ ہیں۔"

"ان کے بتائے ہوئے واقعات کو تم جھٹلا چکی ہو۔ انہوں نے حلفیہ بیان دیا ہے کہ سارے مقابلے کا مرکز وہی عمارت تھی جو بعد میں ویران ملی۔ میرا خیال ہے کہ ڈینی کی وجہ سے تمہیں یہاں کے کچھ بااثر لوگوں کی پشت پناہی مل گئی ہے اور وہی اس ڈرامائی صورتِ حال کے موجد ہیں۔ اتنا بڑا فراڈ چھوٹے پیمانے پر نہیں ہوسکتا۔"

"وہ دونوں اُلّو کے پٹھے کہیں مل سکیں تو ان کی تحلیلِ نفسی کراؤ۔ شاید ان کے معدے حلق تک بھرے ہوئے تھے جب ہی انہوں نے جاگتے میں ایسا ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ اپنے بڑوں سے کہو کہ سی آئی اے میں گدھوں کی بھرتی بند کرائیں ورنہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے ملکوں میں بھی رسوائی کے طوق ان کا مقدر بن جائیں گے" ویرا کا لہجہ بہت زیادہ تلخ ہوگیا "اس چکر میں پڑ کر اپنی عاقبت برباد نہ کرو کہ جم کلارک کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے۔ بس اس کے عبرت ناک انجام کو ذہن میں رکھو۔ میرے پیچھے آنے والا ہر شخص اسی انجام سے دوچار ہوگا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم اب بھی مصالحت پر آمادہ نہیں ہو؟" ہنری کی آواز سے پریشانی مترشح تھی۔

ویرا نے ایک استہزائیہ قہقہہ لگایا "تم نے خود کہا تھا کہ جم کلارک کی زندہ واپسی ہی مفاہمت کی ضمانت بن سکتی ہے۔ اسے گتے کے تابوت میں بند کرکے میں نے اپنا فیصلہ دے دیا ہے۔ اگر تم اب بھی کسی سمجھوتے پر آمادہ ہو تو میں تمہاری مجبوریوں پر غور کرسکتی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ میرے بغیر تمہارے کون سے کام بند ہیں؟"

"کسی کی وجہ سے کوئی کام بند نہیں ہوتا۔ یہ واشنگٹن کی خواہش ہے۔ وہ تمہیں دوبارہ اپنی صفوں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم اب بھی ضد چھوڑ دو تو وہ شاید جم کلارک کے قتل کو بھلانے پر آمادہ ہوجائیں۔"

"تم چارا لگا کر مجھے چوہے دان میں لے جانے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ اب میں اپنی امریکن شہریت تک پر لعنت بھیج چکی ہوں۔ تم مجھے اپنی سرزمین پر لے جا کر اپنی مرضی کی سزا دینے کا خواب کبھی پورا نہیں کرسکو گے۔ ہمارے راستے ایک دوسرے سے جدا ہوچکے ہیں۔ تم میری گھات میں لگے رہو۔ میں تمہارے مذموم عزائم کو ناکام بنانے کی پوری پوری کوشش کرتی رہوں گی۔ یہ جنگ اسی طرح جاری رہے گی۔"

"اگر تمہارے خیالات میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے تو تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟" ہنری کی آواز شکست خوردہ سی ہوگئی۔

"زخموں کو بار بار کرید کر تم اپنی راہ میں کانٹے بو رہی ہو۔"

"میں جم کلارک کے ساتھ آئے ہوئے ایجنٹوں کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ وہ کہاں ہیں؟"

"وہ جہاں بھی ہیں' سکھ اور چین سے ہیں۔ تمہیں ان کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"یہ اچھی بات ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ جم کلارک کے ساتھ ان دونوں کے بھی صندل کے تابوت بنوالو۔ تینوں ایک ساتھ اور زندہ حالت میں آئے تھے۔ ان کی واپسی بھی ایک ساتھ اور یکساں حالت میں ہونی چاہیے۔ بعد میں شکوہ نہ کرنا کہ میں نے تمہیں خوشبودار تابوتوں کی تیاری کی مہلت نہیں دی تھی۔"

"تمہیں یہ ہرزہ سرائی بہت مہنگی پڑے گی۔ وہ دونوں تمہیں تحت الثریٰ سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"تحت الثریٰ کا راستہ ان کی قبر سے ہوکر گزرے گا۔ تیاریوں کی ابتدا کردو۔ وقت کم رہ گیا ہے۔"

"تم ایک کتیا بن کر رہ گئی ہو" ہنری رفتہ رفتہ کمزور پڑ کر جھلاہٹ میں مبتلا ہوتا جا رہا تھا "ان کے بجائے اپنی فکر کرو۔ وہ جس کام کا ارادہ کرلیں اسے دنیا کی کوئی طاقت ناکام نہیں بنا سکتی۔ برازیل میں تیس برس سے روپوش آرانگو سلازار کو ان ہی دونوں نے تلاش کرکے امریکا پہنچایا تھا؟"

"وہاں انہوں نے ہیوک استعمال کی ہوگی۔ یہاں وہ جس سرخ کار میں گھوم رہے ہیں وہ زیادہ دیر تک ان کا ساتھ نہیں دے سکے گی۔ ہوسکتا ہے کہ صبح کا سورج کسی اور ہی کہانی کے ساتھ طلوع ہو۔"

"اوہ" فون پر ہنری کی غرّاہٹ ابھری "تو تم مجھے صرف یہ بتانا چاہ رہی ہو کہ تم ان کی نقل و حرکت سے باخبر ہو۔ کان کھول کر سن لو کہ تم انہیں دیکھ چکی ہو تو وہ بھی تمہارے بہت قریب پہنچ سکتے ہیں۔ تم فون پر اپنا وقت برباد کررہی ہو۔ وہ دونوں کسی بھی لمحے تمہاری گردن میں آہنی شکنجہ ڈال دیں گے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ ان بے چاروں کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ اپنے چار مقامی ساتھیوں سے بچھڑ چکے ہیں۔ سفید کار لاپتا ہے۔ آہنی شکنجہ ان مقامیوں کے پاس ہے۔ ان کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوسکے گا" ویرا اس کے بھڑکتے ہوئے لب و لہجے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پُرسکون انداز میں بولی۔

"بند کرو یہ بکواس" ہنری کے اعصاب جواب دے گئے اور وہ فون پر چیخ پڑا "یہ بے سروپا باتیں کرکے تم مجھے خوف زدہ نہیں کرسکتیں۔ شاید اپنا انجام سامنے دیکھ کے تمہارے اوسان خطا ہوگئے ہیں۔ وہ تمہیں کسی چیونٹی کی طرح مسل ڈالیں گے اور تمہارا نشان تک نہیں مل سکے گا۔"

ویرا ہنسی اور پھر سکون سے بولی "آخر تم کھل ہی گئے۔ تھوڑی دیر پہلے مجھے مفاہمت کی راہ دکھا رہے تھے اور اب مجھے میرے انجام سے ڈرا رہے ہو۔ تم خود ہی بتاؤ کہ میں تمہاری کس بات پر یقین کروں۔"

"کسی بات پر یقین نہ کرو۔ حقیقت سامنے آئے گی تو خود اپنے آپ کو منوالے گی۔"

"اور اگر میں تمہیں حقیقت بتادوں تو کیا تم اس کو مان لو گے؟"

"تم ایک خارش زدہ کتیا کی طرح بھونکتی رہو۔ جھوٹ اور سچ کا انتخاب میں خود کرلوں گا" وہ غرایا۔

"سرخ کار لنگڑے کا مقتل بن چکی ہے" ویرا نے سرد آواز میں رک رک کر کہا "اسے لانے والا مقامی ڈرائیور بھی اسی حالت میں ہے۔ دوسرا مخنی ایجنٹ بھی یہاں کے بھیڑیوں سے آزاد ہو کر مزے سے جہنم کی آگ تاپ رہا ہوگا۔ صبح تک خود کو ان تینوں لاشوں کی وصولی کے لیے تیار کرلینا۔ تمہاری آسانی اور شناخت کے لیے میں نے مخنی ایجنٹ کو اپنی بیم گن کا نشانہ بنایا ہے۔ بدتمیزی کرو گے تو اگلی باری تمہاری ہوگی۔"

اسپیکر فون پر ہنری کی طرف سے فوراً ہی کوئی جواب نہیں آیا۔ بس اس کے چڑھتے ہوئے سانسوں کی آواز سنائی دیتی رہی۔ ویرا ہم سب کی طرف دیکھ کر فاتحانہ شان سے مسکرائے جارہی تھی۔

اس کے بارے میں ویرا کی دھمکی کارگر رہی۔ وہ بولا تو اس کا لہجہ محتاط تھا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم کیا کہہ رہی ہو.... مجھے تمہارے الفاظ کی صحت پر شبہ ہے.... میں نہیں جانتا کہ بیم گن کیا بلا ہے۔"

"بیم گن واقعی ایک بلا ہے۔ اسے تم بے آواز اور غیر بارودی موت بھی کہہ سکتے ہو۔ تم نہیں تو تمہارے بڑوں میں سے کوئی نہ کوئی اس منفرد ہتھیار کے بارے میں ضرور جانتا ہوگا جو پنٹاگون کے ذمے داروں نے خاص طور پر شی کے لیے بنوایا تھا۔ مختصر اور سیدھی بات اتنی سی ہے کہ جم کلارک کے بعد اس کے ساتھی بھی اسی کے پیچھے روانہ ہوچکے ہیں۔ میرے پیچھے آنے والوں کو ابدی سکون کے اس سفر پر روانہ ہونا ہی پڑتا ہے۔ ان دونوں ایجنٹوں کے ساتھ ان کے ڈرائیور یا ترجمان کو بھی لمبے سفر پر بھیج دیا گیا ہے۔ ان کے بعد اب تمہاری باری ہے۔"

"تت.... تمہاری باتیں مضحکہ خیز اور ناقابلِ یقین ہیں۔ میں انہیں نہیں مان سکتا...."

ویرا اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی "صرف رات بھر۔ صبح تمہیں ان باتوں پر یقین آجائے گا۔"

"لل.... لیکن.... مم.... میرا کیا قصور ہے" اس کی ہکلاتی ہوئی آواز سے موت کی دہشت مترشح تھی "تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟ مم.... میری ذات سے تمہیں کیا نقصان پہنچا ہے؟"

"میں ہر وہ زبان گدی سے کھینچ لیتی ہوں جو میرے ساتھ بدکلامی کرتی ہے" ویرا کی آواز سفاکانہ ہوگئی "تم نے گفتگو کے دوران میں مجھے جو کچھ کہا ہے' وہ قابلِ معافی نہیں ہے۔ تمہاری گنتی شروع ہوچکی ہے۔ اب تم کسی بھی وقت موت کے گھاٹ اتار دیے جاؤ گے۔ میرا سایہ ہر لمحے تمہارا پیچھا کرے گا اور جہاں موقع ملا' تمہارا خون چوس لے گا۔ یہ صرف دھمکی نہیں' میری طرف سے جاری کیا ہوا فرمانِ اجل ہے جس پر عمل ہو کر رہے گا۔"

ہنری نے فون پر گھگیانا شروع کیا اور ویرا نے بٹن دبا کر فون بند کردیا۔

"تمہارا اندازہ سو فیصد درست تھا" اوّل خان نے فون بند ہوتے ہی تعریفی لہجے میں ویرا سے کہا "تمہاری باتوں نے اسے خوف زدہ نہیں بلکہ دہشت زدہ کردیا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ سازگار حالات میں بڑے بڑے دعوے کرنے والے سورما مشکلات سے دوچار ہوتے ہی اتنے کمزور اور بودے ثابت ہوتے ہیں۔"

"امریکا میں قانون کی بالادستی کا تصور عام ہے۔ بڑے بڑے مجرم بھی قانون کے محافظوں سے کنی کتراتے ہیں۔ دیگر مقدمات میں ملزموں کو عدالتیں کافی رعایتیں دیتی ہیں لیکن سرکاری اہلکاروں

سے محاذ آرائی مول لینے والے ہر ملزم کو سخت عدالتی رویے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے بہتیرے کمزور افراد بھی سرکاری اداروں میں کامیاب ثابت ہوتے ہیں" ویرا، ہنری اور اس کی قبیل کے دوسرے امریکنوں کے بارے میں اپنے تجربات کا نچوڑ بیان کرنے لگی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی "لیکن جب انہیں کوئی ایسا حریف ٹکراتا ہے جو قانون اور اس کے امریکن محافظوں کو خاطر میں ہی نہ لاتا ہو تو ان کے دل بیٹھنے لگتے ہیں اور وہ گھبرا کر پسپائی اختیار کر لیتے ہیں یا آبرومندانہ روپوشی کی راہیں تلاش کرنے لگتے ہیں۔"

"آبرومندانہ روپوشی!" سلطان شاہ نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا "بعض اوقات تم بہت عجیب اصطلاحات استعمال کر جاتی ہو۔ روپوشی تو سراسر بزدلی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس میں آبرومند رہنے کی راہ کیسے نکل آتی ہے؟"

"بڑی موٹی سی بات ہے" ویرا سگریٹ سلگا کر بولی "ایک دفتر سے دوسرے دفتر یا ایک محکمے سے دوسرے محکمے میں تبادلہ بھی فرار کا ایک راستہ ہوتا ہے۔ ہنری امریکن ڈپلومیٹک کور کا افسر ہے۔ اس کے لیے فرار کی بہترین صورت یہ ہوگی کہ وہ پوری کوشش کر کے پاکستان سے اپنا تبادلہ کرا لے.... مجھے پورا یقین ہے کہ اب وہ ہماری راہ میں حائل نہیں ہوگا۔"

"یہ تمہارے قیاسات ہیں" اوّل خان نے اچانک ہی اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا "دیکھنا یہ ہے کہ تمہاری آخری فون کال فوری طور پر کیا گل کھلاتی ہے.... مجھے فوری طور پر اپنے وسائل کو متحرک کرنا ہوگا تاکہ مجھے تازہ ترین خبریں ملتی رہیں۔"

"میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ تازہ خبریں دلچسپ ثابت ہوں گی" ویرا نے مسکرا کے کہا۔

اس وقت تک اوّل خان کی تقلید میں ہم سب ہی کھڑے ہو چکے تھے۔

"صرف دلچسپ ہی نہیں، آگے پیش آنے والے واقعات خطرناک رخ بھی اختیار کر سکتے ہیں" اوّل خان نے نکاس کے راستے کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے پُر خیال لہجے میں کہا۔

"یوں محسوس ہونے لگا ہے جیسے ہر وقت خطرات ہمارے منتظر رہتے ہوں یا پھر ہم ان کی تلاش میں رہتے ہوں" غزالہ نے ہنس کر خوشگوار لہجے میں کہا "اتفاق سے کوئی دن کسی ہنگامہ آرائی کے بغیر گزرے تو بہت عجیب محسوس ہوتا ہے جس میں خالی پن کا احساس سب سے نمایاں ہوتا ہے۔"

"گالان میں ہم کئی دنوں تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تھے" ویرا نے اسے یاد دلایا۔

"گالان کی بات نہ کرو۔ وہ پورا عرصہ ہماری قید کا ایک روح فرسا تسلسل تھا۔ وہاں بے عملی بلکہ نیند کے لمحات میں بھی شاید ہم سب کو اپنے مستقبل کے ڈراؤنے خواب نظر آتے رہتے تھے۔" غزالہ بولی۔

زینے طے کرتے ہوئے، اوّل خان کو اچانک اپنے ان دونوں آدمیوں کا دھیان آ گیا جو حفاظت کے لیے جہانگیر کی فیکٹری بھیجے گئے تھے۔ فیکٹری پہنچنے پر اسے ان میں سے کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔

"انہیں چھت پر ہونا چاہیے" جہانگیر نے اوّل خان کے استفسار پر کہا "اوپر ساری ضروریات سے لیس ایک کمرا موجود ہے وہ جب چاہیں وہاں آرام کر سکتے ہیں۔ چھت سے وہ دور دور تک نگاہ رکھ سکیں گے۔"

اسی اثنا میں ہم سب نیچے پہنچ گئے۔ وہاں اوّل خان کا ایک مسلح آدمی اس کا منتظر تھا۔

اوّل خان کو دیکھتے ہی اس نے فوجی انداز میں اسے تعظیم دی۔

"تمہاری گاڑی کہاں ہے؟" اوّل خان نے متجسس نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"فیکٹری کی عمارت کے پیچھے گیراج میں بند کی ہے تاکہ کسی آنے جانے والے کی نظروں میں نہ آ سکے" اس نے کہا۔

"اور تمہارا نمبر دو؟" اوّل خان نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ چھت پر ڈیوٹی دے رہا ہے" اس نے مستعدی سے جواب دیا "ہمیں آبزرویشن کے لیے بہترین جگہ ملی ہے۔ ہم نے ٹرائی پوڈ پر دوربین بھی نصب کر لی ہے۔ ایمرجنسی کی صورت میں ہم نیچے والوں سے انٹرکام پر رابطہ کر سکیں گے۔ میرا خیال ہے کہ ہماری نظروں میں آئے بغیر کوئی فیکٹری کے قریب نہیں آ سکے گا۔"

"گڈ!" اوّل خان نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر تھپکی دی "اب میں ادھر سے بے فکر رہوں گا۔"

اوّل خان نے اپنی گاڑی میں سوار ہو کر انجن اسٹارٹ کیا اور واپس روانہ ہو گیا۔

"تم دونوں کی واپسی کی فکر میں مجھے تو سب کچھ بھولا ہوا تھا لیکن اب اچانک ہی بھوک کا احساس ہونے لگا ہے" جہانگیر اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑبڑایا "ہم نے اوّل خان سے بھی کھانے کے لیے نہیں پوچھا اور وہ بے چارہ چائے کی ایک پیالی پی کر رخصت ہو گیا۔"

"تو کیا گھر میں کھانے پینے کا کوئی بندوبست نہیں ہے؟" ویرا نے حیرت سے غزالہ سے پوچھا۔

غزالہ نے مسکرا کر اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور کہا "پینے کے نام پر پانی کے سوا اور کسی چیز سے واقف نہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ جہانگیر کے پاس شیواز ریگل کی وہ پراسرار بوتل باقی ہو جو خود بخود خواب گاہ سے کچن میں پہنچ گئی تھی۔ جہانگیر چاہے تو تمہیں اس میں شریک کر سکتا ہے۔"

"تمہارا سارا زور پینے پر ہے جب کہ میں نے کھانے کے بارے میں بھی پوچھا تھا" ویرا اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"بے فکر رہو۔ کوئی نہ کوئی بندوبست ہو ہی جائے گا" غزالہ

نے بے پروائی سے جواب دیا۔
"شاندار بندوبست ہے" گالان کی دعوتوں کی یاد تازہ ہو جائے
ی" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔" ہم تینوں تمہارے بارے میں فکر مند
ہوتے تو اب تک کھا پی کر کارڈز کھیل رہے ہوتے۔"
"تم پر بھی ڈیی کا رنگ چڑھنے لگا ہے" ویرا قدرے برہمی سے
زالہ کی طرف متوجہ ہو کر بولی "بات کو گھما پھرا کر اپنے مخاطب کو
چکر میں ڈالنے کا فن تم بھی سیکھتی جا رہی ہو۔ یہی رفتار رہی تو بہت
جلد ہم سب کے کان کترنے لگو گی۔"
"ڈیی کا نہیں تو تمہارا رنگ چڑھنا چاہیے؟" سلطان شاہ نے
اسے آڑے ہاتھوں لینا چاہا "آخر غزالہ ڈیی ہی کی بیوی ہے اور
اسے اپنے شوہر کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔"
"تم بلاوجہ الجھنے کی کوشش کر رہے ہو" جہانگیر نے ناصحانہ
لہجے میں سلطان شاہ سے کہا "ڈیی اور ویرا کے رنگ میں کوئی فرق
نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ڈیی کے
رنگ ڈھنگ سیکھنے میں بے چاری غزالہ کو ابھی ایک عمر درکار
ہو گی۔"

اس وقت تک ہم پانچوں ڈرائنگ روم میں پہنچ چکے تھے۔
اوّل خان کا آدمی ہماری گفتگو میں کوئی مداخلت کیے بغیر اوپر چڑھتا
چلا گیا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی غزالہ کچن کی طرف ہولی۔ ویرا مجھے آنکھ
مار کر صوفے پر بیٹھ گئی۔
"خدا کا خوف کرو" سلطان شاہ اس پر آنکھیں نکال کر بولا۔
"یہاں بیٹھنے کے بجائے کچن میں جا کر غزالہ کا ہاتھ بٹاؤ۔ وہ ہم سب
کی ملازم نہیں ہے کہ اکیلی چولہا جھونکتی رہے۔"
"بکواس مت کرو۔ دنیا میں کہیں بھی مہمانوں سے کام نہیں لیا
جاتا۔ میں یہاں جہانگیر کی مہمان ہوں۔ غزالہ کی طرف سے تمہارا
دل پھڑک رہا ہے تو جہانگیر کو کچن میں بھیجو۔ میں اس وقت یہاں سے
نہیں ہلوں گی۔"
"تم جیسے ڈھیٹ مہمانوں کے ساتھ کوئی مروّت نہیں کرتا۔
ایسے مہمانوں کو نہ صرف خود اپنی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے بلکہ شکم
پری کے بعد ولایت میں بھی انہیں اپنے جھوٹے برتن خود دھونے
پڑتے ہیں۔"
"ولایت کی ایسی کی تیسی۔ اس وقت میں پاکستان میں ہوں"
ویرا تیزی سے بولی۔
"مجبوری ہے" سلطان شاہ بے بسی سے اپنے شانے اچکا کے
بولا "اللہ ایسے ڈھیٹ اور بن بلائے مہمانوں سے ہر شریف آدمی کو
محفوظ رکھے.... ایک اوّل خان تھا جو شرافت سے چائے پی کر لوٹ
گیا...."

ویرا نے سلطان شاہ سے نظریں بچا کر مجھے آنکھ ماری اور بظاہر
تنک کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے سلطان شاہ کو اپنی بات پوری کرنے کا
موقع دیے بغیر غصیلے لہجے میں بولنا شروع کر دیا تھا" میں .... یہ طعنے
برداشت نہیں کر سکتی۔ جہانگیر کو کھل کر بتانا ہو گا کہ وہ مجھے کیا سمجھتا
ہے۔ اس بات کا فیصلہ نہ ہوا تو میں ابھی یہاں سے کوچ کر جاؤں
گی۔"
"یہ تمہارا اور سلطان شاہ کا جھگڑا ہے۔ مجھے کیوں اس میں
گھسیٹ رہی ہو؟" جہانگیر نے احتجاج کیا۔
"اس فساد کی جڑ تم ہی ہو" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔
"پہلے مجھ پر شراب کی بوتل چھپانے کا الزام لگایا اور اب یہاں مٹھو
بن رہے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ سلطان شاہ تمہاری شہ پر سینہ زوری
کر رہا ہے۔"
"خدا کے لیے، میری طرف سے بدگمانیاں نہ پیدا کرو" جہانگیر
بوکھلا کر بولا "شراب کی بوتل کے قصے کو میں نے وہیں دفن کر دیا
تھا۔ ہو سکتا ہے کہ بینک میں، میں نے خود ہی بوتل کچن میں چھوڑ دی
ہو۔ اب اس بات کو دہرانا بے سود ہے۔ مجھے تم سے کوئی شکایت
ہوتی تو میں سلطان شاہ سے دل کی بھڑاس نکالنے کے بجائے تم سے
بات کرتا۔ تم دونوں آپس کی چپقلش میں مجھے نہ رگیدو۔ میرے لیے
تم سب برابر ہو اور میں تمہیں اپنا مہمان سمجھتا ہوں۔"
"تم نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا" ویرا ایک گہرا سانس لے
کر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئی "سلطان شاہ نے تمہارے سامنے
تمہارے حوالے سے میری توہین کی ہے۔ اس کی سرزنش تمہارا
فرض ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اسے تھوڑی دیر کے لیے اس کمرے
سے باہر نکال دو تاکہ اس کا دماغ درست ہو سکے۔"
"لیکن سلطان شاہ نے میرا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔ یہ پہل تم
نے کی تھی" جہانگیر بولا۔
"یہاں کوئی مہمان نہیں ہے" مجبوراً مجھے دخل انداز ہونا پڑا۔
"ہم سب زبردستی جہانگیر کے سر پر مسلط ہوئے ہیں۔ اسے امتحان
میں ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ آپس کے جھگڑے ہمیں خود طے کرنے
چاہئیں۔"
"خدا تمہیں خوش رکھے" جہانگیر کسی الم رسیدہ رنڈوے کی
طرح بولا "میں اسی لیے تمہاری دوستی پر ناز کرتا ہوں کہ تم ہر
آڑے وقت میں میرے کام آتے ہو۔"
"ٹھیک ہے، میں خود ہی اس سے سمجھ لوں گی۔ یہ میرے
سامنے ناک رگڑتا ہوا نظر آئے گا" ویرا، سلطان شاہ کو چیلنج کرتی
ہوئی نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولی۔
"کوّں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے" سلطان شاہ بے
پروائی سے بولا۔
"یہ کوّی کیا بلا ہوتی ہے؟" جہانگیر نے حیرت کے ساتھ سوال
کیا۔
"کوّے کی مادہ ہوتی ہے" سلطان شاہ نے اسی بے نیازی سے
کہا۔ ویرا مشتعل ہو کر اس کی طرف جھپٹی لیکن میں نے سختی سے
اس کا بازو تھام کر اسے وہیں بٹھا لیا۔
"تم مذاق میں پہل کرتی ہو اور پھر اس احمق کی بدتمیزی پر اتنی
جلدی مشتعل ہو جاتی ہو" میں نے ویرا کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"کوّے کا رنگ سیاہ ہوتا ہے' تم سفید فام ہو۔ اس کی بھونڈی مثال پر تمہیں قہقہہ لگانا چاہیے تھا۔"

"کالی بھیڑ کی طرح سفید کوّیاں بھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھی جاتیں۔ اصل نسل کوّے ان سے دور ہی بھاگتے ہیں۔ تم ویرا کو بہلانے کی کوشش نہ کرو۔ وہ ان باریکیوں کو خوب سمجھتی ہے" سلطان شاہ اپنی زبان کی خارش سے مجبور تھا۔

"تم خود ہی دیکھو" ویرا بے بسی سے بولی "یہ اب بھی باز نہیں آرہا۔"

"کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ کبوتر با کبوتر باز با باز" سلطان شاہ نے تحت اللفظ میں فارسی کا وہ شعر پڑھا اور پھر اضافہ کیا "سفید کوّی کے ساتھ باز آہی نہیں سکتا۔ باز اپنا شکار خود پکڑتا اور کھاتا ہے۔ کوّوں کے غول بستیوں کے کوڑا گھروں پر اپنی شکم پری کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

"کاش میں بھی اتنی اردو جانتی ہوتی پھر دیکھتی کہ تم کس طرح میرے منہ لگتے ہو۔"

"فکر نہ کرو۔ اگر تم نہیں جانتیں تو ذہنی تمہیں اردو جنوا دے گا۔ یہ....."

"سلطان شاہ! اب شٹ اپ!" میں نے اس تنازع کو ختم کرانے کے لیے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا پھر ویرا سے مخاطب ہوگیا "اب تم بھی خاموش ہو جاؤ۔ اردو میں تمہاری مہارت قابلِ رشک ہے۔ یہ فارسی میں بھی تھوڑی سی شدبد رکھتا ہے۔ بلاوجہ بات سے بات نکال کر تمہارا خون سلگاتا رہے گا۔"

ویرا نے غصے سے اپنے سر کو جھٹکا اور پیکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگانے میں مصروف ہوگئی۔ سلطان شاہ بے فکری کے انداز میں چھت کی طرف دیکھ کر ہولے ہولے سیٹی بجا رہا تھا۔ اس کا وہ انداز بھی چڑانے والا تھا لیکن اس وقت وہ مردود میری طرف متوجہ ہی نہیں تھا کہ میں آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تنبیہہ کرتا۔ ویرا کے سامنے اسے زیادہ برا بھلا کہنے میں یہ خرابی تھی کہ ویرا شیر ہو جاتی اور سلطان شاہ کا منہ سوج جاتا۔

وہ کشیدگی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ جہانگیر اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا ہی تھا کہ ویرا بھی اس کے پیچھے ہولی۔ سلطان شاہ نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔ وہ ویرا پر پھر کوئی پھبتی کسنے کے موڈ میں نظر آرہا تھا لیکن میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے پر مجبور کردیا۔

"تم دونوں اگر جہانگیر کی خواب گاہ میں جارہے ہو تو میں بھی تمہارا ساتھی ہوں" میں نے کہا۔

وہ دونوں بیک وقت پلٹے۔ جہانگیر' ویرا کو اپنے پیچھے دیکھ کر حیران رہ گیا "تم کہاں جارہی ہو؟"

"وہیں جہاں تم جارہے ہو" ویرا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"[illegible]! ہم تینوں ہی چلتے ہیں" میں نے ان دونوں کے قریب پہنچ کر کہا۔

"ٹھیک ہے" معنی خیز نگاہوں کے تبادلے کے بعد جہانگیر نے کسی بحث کے بغیر ہتھیار ڈال دیے "تم لوگوں سے کوئی بات نہیں چھپائی جاسکتی۔ تم ذہنوں تک کو پڑھ لینے پر قادر ہو چکے ہو۔"

میں نے بڑھ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا "شیواز کی بقیہ بوتل تم اکیلے ہضم نہیں کرسکو گے۔ بھوک چمکانے کے لیے مجھے بھی کسی اشتہا آور سہارے کی ضرورت ہے۔"

"تم تینوں مجھے اکیلا چھوڑ کر جارہے ہو" پیچھے سے سلطان شاہ نے ہانک لگائی "تمہاری یہ بد اعمالیاں تمہیں راس نہیں آسکیں گی۔ تھوڑی ہی دیر بعد تینوں الٹیاں کرتے نظر آؤ گے۔"

ویرا نے مڑ کر خالص امریکن انداز میں اپنے داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کو فرش کے رخ پر کرکے سلطان شاہ کو دکھایا' انگوٹھے کو کئی بار عمودی جھٹکے دیے اور ہمارے ساتھ چل دی۔

"کون کہاں جارہا ہے؟" سلطان شاہ کا تبصرہ سن کر کچن سے غزالہ نے اونچی آواز میں پوچھا۔

"تم کھانا لگاؤ' ہم پانچ منٹ میں آرہے ہیں" میں نے جواب دیا۔

جہانگیر اپنی پُرتعیش خواب گاہ میں پہنچتے ہی شرابوں والی کیبنٹ میں جا گھسا۔ وقت کم تھا اس لیے ویرا نے پھرتی سے تین گلاسوں کے ساتھ ریفریجریٹر سے آئس ٹرے نکال لی۔ اس دوران میں جہانگیر شیواز ریگل کی نئی بوتل کی سیل توڑ رہا تھا۔

"نئی بوتل؟" میں نے حیرت سے دیکھا "وہ پرانی بوتل کہاں گئی؟"

"معدے میں" جہانگیر نے ہنس کر کہا "میں اس کا سہارا نہ لیتا تو تم دونوں کے بارے میں سوچتے سوچتے میرا بلڈ پریشر نہ جانے کہاں پہنچ چکا ہوتا۔ الکحل نے مجھے اس قابل رکھا کہ میں خود کو سنبھالنے کے علاوہ غزالہ کو بھی تسلی و تشفی دیتا رہا ورنہ وہ بہت پہلے تمہاری تلاش میں نکل چکی ہوتی۔"

"ایک تہائی بوتل اڑانے کے بعد بھی تم مزید مے نوشی کی ضرورت محسوس کررہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ایک تہائی نہیں' چوتھائی سے بھی کم" اس نے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا "وہ تفکرات کی نذر ہوگئی۔ آدمی پریشان ہو تو الکحل بھی اثر نہیں کرتی اسی لیے دانش مند لوگ باقاعدہ موڈ بنا کر پینے پلانے کی محفل سجاتے ہیں۔"

ویرا اس کی سست روی برداشت نہیں کرسکی اور اس کے ہاتھ سے بوتل لے کر گلاس بنانے لگی۔ وہ مغربی دوشیزہ تھی اور مے نوشی کے مغربی آداب پر اتنی سختی سے کاربند رہتی تھی کہ ابتدا میں بڑے بڑے پیگ بنانے پر میرا مضحکہ اڑایا کرتی تھی لیکن پاکستان میں ایک طویل عرصہ گزارنے کے بعد وہ خود بھی اپنا رکھ رکھاؤ بھول چکی تھی۔ اس نے گلاسوں میں طلا رنگ سیال کی جو مقدار انڈیلی' وہ کس چار پانچ پیگ سے کم نہیں تھی۔

ویرا گلاسوں میں برف کے ڈلے اور سوڈا ڈال رہی تھی تو

جہانگیر پُر تشویش آواز میں بڑبڑایا "گلاس خالی ہونے تک کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا اور غزالہ ہم پر چڑھ دوڑے گی۔"

"مرد بنو اور تیزی سے فرصت حاصل کرو" ویرا نے یہ کہہ کر اپنا گلاس فضا میں لہرایا اور پہلے ہی گھونٹ میں ایک تہائی گلاس خالی کر دیا "وقت کم ہو تو آدمی کو سرعت سے کام لینا چاہیے۔"

جہانگیر ویرا کی دعوت پر جوش میں آگیا۔ اس نے ویرا کی تقلید کرنے کی کوشش کی اور اسے اتنی بری طرح اچھولگا کہ آدھا گلاس چھلک کر قالین پر گر گیا۔ اس کی آنکھوں میں پانی آگیا تھا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ دبائے کھانسی پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

"شاید یہ سلطان شاہ کی بددعا کا اثر ہے" ویرا نے بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ کہا۔

میں نے جہانگیر کی پیٹھ تھپکتے ہوئے' ویرا کو گھورا اور پھر اپنا گلاس ایک ہی سانس میں غٹاغٹ خالی کر دیا۔ میرے حلق سے معدے تک ایک آتشی لکیر سی تیر گئی لیکن ویرا کے بڑبولے پن کا وہی بہترین جواب تھا۔

"سلطان شاہ کی بددعا نے مجھ پر اثر کیوں نہیں کیا؟" میں نے جہانگیر کے سنبھل جانے پر ویرا سے پوچھا۔

"ڈھیٹ اور موٹی چمڑی والے ہر بددعا سے بچے رہتے ہیں۔ ذرا جہانگیر کو دیکھو! کیا سرخ و سفید ہوا جا رہا ہے۔"

"تم خطرناک عورت ہو۔ کسی دن جوش دلا کر مجھے مروا دو گی۔" جہانگیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"عورت کی باتوں پر جوش میں آنا بھرپور جوانی کا اظہار ہوتا ہے" ویرا خوش دلی سے بولی "یہ سمجھو کہ میں کبھی کبھار اپنے دوستوں کی مردانگی کو آزماتی رہتی ہوں۔ تم اسے میرا شوق یا مشغلہ بھی کہہ سکتے ہو۔"

"تم جہانگیر کے ساتھ اپنا شوق پورا کرتی رہو' میں چلا" میں نے سگریٹ کا کش لے کر کہا۔

"بیچ میں چل دینا بداخلاقی کے زمرے میں آتا ہے۔ تمہیں آخر تک ہمارا ساتھ دینا چاہیے۔"

"پتا نہیں تمہارا آخر کب ہو۔ میں غزالہ کی برہمی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اس وقت جہانگیر خاصا اخلاق زدہ ہو رہا ہے۔ یہ آخر تک تمہارا ساتھ دیتا رہے گا" یہ کہہ کر میں کمرے سے نکل گیا۔

میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ ڈرائنگ روم خالی تھا۔ غالباً سلطان شاہ کچن میں پہنچ چکا تھا۔

میں نے رک کر سگریٹ کے دو تین گہرے گہرے کش لیے۔ اس وقت فضا لذیذ کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک رہی تھی۔ میں بھی سیدھا کچن کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

غزالہ چولھے پر کھانا گرم کرنے میں مصروف تھی۔ سلطان شاہ ٹرالی میں سلاد کی پلیٹ سجا رہا تھا۔ میں نے ملی جلی سلاد کا ایک چمچہ اپنے منہ میں ڈالا اور زبان پر مولی کا نمایاں ذائقہ محسوس کرتا ہوا' غزالہ کے قریب جا کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا؟" غزالہ نے سر گھما کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے بچی کچھی بوتل میں تم کو اپنا شراکت دار بنانے سے انکار کر دیا' اسی لیے اتنی جلدی لوٹ آئے ہو۔"

"جہانگیر کے کمرے میں بوتلوں کا پورا خزانہ بھرا ہوا ہے۔ اس نے ابھی ابھی نئی بوتل کھولی ہے۔ میں صرف انھیں چڑانے کے لیے ان کے پیچھے ہولیا تھا ورنہ میرا پینے کا ذرا بھی موڈ نہیں تھا" میں نے غزالہ کو خوش کرنے کی نیت سے خواہ مخواہ جھوٹ بولا۔

"یا مظہر العجائب!" سلطان شاہ حیرت سے بولا "میرے گنہ گار کان کیا سن رہے ہیں؟"

"یہ ماننے والی بات تو نہیں ہے لیکن تم کہتے ہو تو میں مانے لیتی ہوں" غزالہ بولی۔

مجھے اپنے جھوٹ پر شرم آنے لگی۔ غزالہ میں سب سے بڑی خوبی یہی تھی کہ وہ مجھ سے کسی بات پر بحث نہیں کرتی تھی۔ میں جو کچھ کہتا' اس پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی تھی جب کہ ویرا کی فطرت غزالہ کے بالکل برعکس تھی۔ وہ میری سچی باتوں پر بھی شکوک و شبہات میں مبتلا رہتی تھی اور جب تک بیسیوں تیکھے سوالات نہ کر لیتی' میری کسی بات پر یقین نہیں کرتی تھی۔

اس موازنے کے ساتھ ہی میرا ذہن چند ثانیوں کے لیے بھٹک گیا۔ شاید یہ مرد کی فطرت ہوتی ہے کہ پرائی عورتوں کی جو عادتیں اسے دل آویز معلوم ہوتی ہیں' اپنی بیویوں کے معاملے میں وہی عادتیں زہر لگتی ہیں۔ میں ویرا کی آزاد روی' بے حجابی' مے نوشی اور کٹ حجتی کا بہت بڑا مداح تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ ان ہی میں سے کوئی خرابی غزالہ کی ذات اور کردار میں موجود ہوتی تو شاید میں اسے برداشت نہ کر پاتا۔

"میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکی کہ ویرا کے ساتھ ہوا خوری کے لیے نکلنے کے بعد تم جہانگیر کے گھر کیسے جا پہنچے؟ اب نوبت یہ آگئی ہے کہ تم نے مجھ پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا ہے" غزالہ کی شکایتی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"میں یہاں سے ہوا خوری کے ارادے سے ہی نکلا تھا" میں نے دفاعی لہجے میں کہا "لیکن راستے میں دماغ سنک گیا اور میں جہانگیر کے گھر پر اتر گیا۔ شاید وہ میری چھٹی حس تھی جس نے مجھے ادھر کی راہ دکھائی تھی۔"

"اور اوّل خان کے دونوں آدمی بھی اوّل درجے کے جھوٹے ہیں۔ میرے بار بار پوچھنے پر بھی انہوں نے اگل کر نہیں دیا کہ تم جہانگیر کے گھر گئے ہو۔ آخر تک وہی کہتے رہے جو تم نے انہیں پڑھایا تھا۔"

"وہ بے قصور ہیں۔ وہ میری ہدایت سے کیسے انحراف کر سکتے تھے؟"

"تمہیں ایسی گمراہ کن ہدایت دینے کی ضرورت ہی کیا تھی؟"

سلطان شاہ نے پوچھا۔
"میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے پروگرام میں تبدیلی سے واقف ہونے کے بعد تم لوگ متوقع خطرات کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہوتے رہو..... اس میں میری کسی بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔"
"تمہارا کیا خیال ہے؟ ان دونوں کے جھوٹ کے بعد ہمیں کوئی تشویش نہیں تھی؟" غزالہ نے پوچھا۔
وہ ایک کھلا جھوٹ تھا جو آخر کار سامنے آ ہی گیا تھا۔ اس پر بحث کرنا غزالہ کا حق تھا لیکن پھر بھی اس کا لہجہ صرف متاسفانہ تھا۔ اس کی باتوں میں طنزیا تحقیر کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ شکایتی انداز میں مجھ سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے کام بھی نمٹاتی جارہی تھی۔ سلطان شاہ مستعدی سے اس کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔
"تمہاری تشویش اور پریشانی کا مجھے بخوبی اندازہ ہے" میں نے محبت بھرے لہجے میں کہا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہاں سے روانہ ہونے تک میرا ادھر جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اوّل خان بھی یہ جان کر حیران رہ گیا تھا کہ میں اچانک جہانگیر کے گھر جا پہنچا ہوں۔ بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ میرا وہاں جانے کا فیصلہ بہت بروقت تھا۔"
"تم جہانگیر کے گھر سے بھی مجھے فون کرسکتے تھے" غزالہ نے کہا۔
"اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ میرے وہاں پہنچتے ہی کھیل شروع ہوگیا۔"
"معلوم ہوتا ہے کہ امریکن ایجنٹ اپنی پیش قدمی کے لیے تمہاری آمد کے منتظر تھے۔"
میں بے اختیار ہنس پڑا "بظاہر ایسا ہی معلوم ہورہا تھا۔"
"یہ بات عقل میں سماتی ہی نہیں کہ تم نے ہنستے کھیلتے تین حریفوں کو مار لیا ہوگا۔"
"پہلے دو آدمیوں کو ویرا نے شکار کیا۔ میں نے تیسرے پر ہیم گن آزمائی تو وہ بے ہوش تھا۔"
"اگر یہ ویرا ہی کا کارنامہ تھا تو تم وہاں کیا کررہے تھے؟"
"منصوبہ میرا تھا لیکن آخری مرحلے پر ویرا نے اچانک ہی الگ راہ اختیار کرلی....."
"تو یوں کہو کہ جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا' ویرا نے ویسا ہی تمہارے ساتھ کیا۔"
"کم وبیش یہی صورتِ حال پیش آئی تھی" مجھے اعتراف کرنا پڑا۔
پھر غزالہ کے استفسار پر میں نے اختصار کے ساتھ پوری کہانی دہرانی شروع کردی۔ ان دونوں کے لیے ویرا کی بے خوفی اور پیش قدمی کی کتھا حیران کن ثابت ہوئی۔ میں درمیان میں ان کے پُرتجسس سوالات کے جوابات بھی دیتا رہا۔ اسی دوران میں کھانے کی ٹرالی سج کر تیار ہوگئی اور ہم تینوں اسی موضوع پر باتیں کرتے ہوئے کھانے کے کمرے میں آگئے۔ وہاں ویرا یا جہانگیر کا پتا نہیں تھا۔
غزالہ' جہانگیر کے گھر پر پیش آنے والے واقعات کی جزئیات جاننے میں اتنی زیادہ منہمک ہوگئی تھی کہ سلطان شاہ اسے ٹوکے بغیر میز لگانے میں مصروف ہوگیا لیکن اس کے کان بھی میری باتوں پر لگے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں وہ بھی مجھ سے ایک آدھ سوال کرتا جارہا تھا۔
"وہ جتنی دیدہ دلیری دکھاتی ہے' موت اس سے اسی قدر دور بھاگتی ہے" آخر میں وہ بولا۔
"یہ لڑائی کا بنیادی اصول ہے۔ صرف دفاع کرکے کوئی لڑائی نہیں جیتی جاسکتی۔ اسی حقیقت نے جارحانہ دفاع کے ایک نئے فوجی نظریے کو جنم دیا ہے۔ ویرا اسی اصول پر عمل کرتی ہے۔"
"ہر ایک اس کی سرگرمیوں سے لاعلم تھا۔ وہ اندھیرے میں ایک درخت پر چھپ کر گولیاں چلارہی تھی۔ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ اوّل خان کا کوئی آدمی اس درخت پر برسٹ چلاتا اور ویرا خون آلود لوتھڑے کی شکل میں نیچے آجاتی" سلطان شاہ نے خیال ظاہر کیا۔
"کیا کہہ رہے ہو؟" غزالہ نے ناخوشگوار لہجے میں اسے سرزنش کی "وہ اتنی بری نہیں ہے کہ اس کے بارے میں اتنی بے رحمی سے سوچا جائے۔ اس نے بلیو کراس ڈیل کے سلسلے میں جو بے مثال خدمات سرانجام دی ہیں' ان کے بعد اس کے عمر بھر کے گناہ دھل گئے ہیں۔"
"یہ میری خواہش نہیں تھی" سلطان شاہ گڑبڑا کے بولا "میں خود اسے زندہ اور ترو تازہ دیکھنے کا آرزو مند ہوں۔ میں تو ایک امکان کی بات کررہا تھا۔ وہ کھلی فضا میں آسان ترین نشانے پر تھی اور ماری جاسکتی تھی لیکن اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ وہ اطمینان سے گھر کے احاطے میں کود گئی۔"
"یہ مقدر کی بات ہے اور مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔ اوّل خان کا ایک ماتحت درخت پر برسٹ فائر کرنا چاہتا تھا لیکن اسے روک دیا گیا۔ اوّل خان ایک وقت میں دو محاذ نہیں کھولنا چاہتا تھا" میں نے کہا "میرا خیال یہ ہے کہ جن لوگوں کو لمبی عمریں ملتی ہیں' وہ بے خوف ہوتے ہیں۔ موت قریب ہو تو آدمی کی چھٹی حس اس کی آہٹ سن لیتی ہے اور وہ ضرورت سے زیادہ محتاط رہنے لگتا ہے۔ جب تمام تر احتیاط کے باوجود موت اسے آدبوچتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے خوف اور بزدلی کی وجہ سے مارا گیا۔"
"ویرا کی درازیِ عمر سے مجھے خوشی ہوگی" سلطان شاہ مسلسل اپنے تبصرے کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کوشاں تھا "وہ مجھے چڑاتی ضرور رہے لیکن میرے دل میں اس کے خلاف کوئی عناد نہیں۔"
غزالہ نے کرسی پر بیٹھ کر ایک چمچے سے پلیٹ کا سرا بجانا شروع کردیا۔ شاید وہ اس طرح ویرا اور جہانگیر کو بلانا چاہ رہی تھی کیوں کہ اس کی نگاہیں خواب گاہ کی طرف تھیں۔
"بس' دو منٹ میں آتے ہیں" اندر سے جہانگیر کی بھرائی ہوئی آواز گونجی۔

"ان کے دومنٹ آدھے گھنٹے سے پہلے ختم نہیں ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں کھانا شروع کر دینا چاہیے" میں نے ایک پلیٹ اپنے آگے سرکاتے ہوئے کہا۔

"انہیں ہم سب کی غیبتیں کرنے کا سنہرا موقع مل گیا ہے۔ وہ اس سے ضرور فائدہ اٹھائیں گے" سلطان شاہ ہنس کے بولا "ویرا تو ویسے ہی بے لگام اور منہ پھٹ ہے، جہانگیر بھی کسی سے کم نہیں ہے۔"

"جہانگیر ایسا نہیں ہے" میں نے اس کی تردید کرتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے" اس بار غزالہ نے تاسف آمیز لہجے میں کہا تھا "تمہاری اور ویرا کی طویل ہوتی ہوئی غیر حاضری کے بارے میں اس نے میرے دل میں اُن ہونے شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"کیسے شکوک و شبہات؟" میں نے اپنی پلیٹ میں قورمہ نکالتے ہوئے پوچھا۔

"بہت سی باتیں تھیں.... زیادہ زور اس بات پر تھا کہ تم ویرا کو لے کر کسی پُرتعیش ہوٹل میں جا بیٹھے ہوگے۔ اگر تمہاری کہانی ذرا بھی پھسپھسی ہوتی یا اوّل خان تمہاری کہانی کی تائید نہ کرتا تو جہانگیر تمہیں رگید کر رکھ دیتا۔ اس کی کڑوی کسیلی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ویرا کے معاملے میں تمہیں اپنا رقیب سمجھتا ہو۔"

"رقیب!" میں ہنس پڑا "یہ بھی خوب رہی۔ میں نے ویرا کو ذرا سی شہ دے دی تو وہ دو دن میں اسے گھن چکر بنا کر رکھ دے گی۔ ابھی نادیہ کو قبر بھی نصیب نہیں ہوئی ہوگی کہ وہ ویرا کے چکر میں پڑ گیا۔"

"ظاہری چمک دمک اور حسن کے شیدائی عام طور پر جذبات سے عاری ہوتے ہیں" سلطان شاہ نے ایک گہری بات کہہ کر مجھے حیران کر دیا "جہانگیر بھی ان ہی میں سے معلوم ہوتا ہے۔"

"یہ سب زندگی کے جھمیلے ہیں، جو آخری سانس تک ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ ان پر سر کھپانا بے سود ہے" غزالہ نے کھانے کا آغاز کرتے ہوئے کہا "اس وقت اہم ترین بات یہ ہے کہ ہمارے خلاف کھولے گئے ہر محاذ پر خاموشی ہے۔ موتی لال کے پاس ہمارا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ سی آئی اے والوں کی موت کے بعد ہنری بھی وہشت زدہ ہو گیا ہے۔ مکاؤ والوں کا قضیہ بھی نمٹ چکا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہمارے خلاف کوئی نیا ہنگامہ کھڑا ہو، ہمیں خاموشی سے ملک سے باہر نکل جانا چاہیے۔"

"تم بھول رہی ہو کہ ہنری کے قونصل خانے نے ہوم سیکریٹری کی سطح پر ہمارے خلاف شکایت درج کرائی ہوئی ہے۔ محکمۂ داخلہ کو ان لوگوں کی اشک شوئی کے لیے کچھ نہ کچھ اقدامات کرنے پڑیں گے۔ بظاہر زور شور سے ہماری تلاش کی مہم شروع کی جا چکی ہوگی۔ ان ہی حالات کی وجہ سے اوّل خان نے ہمیں اپنی نقل و حرکت محدود کر کے محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ ہم نے کسی بھی بین الاقوامی ائرپورٹ کا رخ کیا تو پکڑے جائیں گے اور پھر اپنوں کے ہاتھوں ہماری وہ درگت بنے گی کہ اگلا پچھلا کھایا پیا تک یاد آ جائے گا" میں نے کہا۔

"میں اب مار دھاڑ، کشت و خون اور بے یقینی کی زندگی سے اکتانے لگی ہوں" غزالہ بولی "ہمیں پہلی فرصت میں اس ماحول سے نکلنا ہوگا۔ ہمیں بھی عام شہریوں کی طرح اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے۔"

"اپنے اس حق کو استعمال کرنے کے لیے ہمیں مناسب وقت کا انتظار کرنا ہوگا" میرے اس جواب پر غزالہ نے سر اٹھا کر چند ثانیوں کے لیے میری طرف دیکھا پھر نظریں جھکا لیں۔

ماحول پر یک بیک تفکر آمیز خاموشی طاری ہو گئی۔ فضا میں بس پلیٹوں اور چمچوں کی آوازیں باقی رہ گئیں۔

ہم لوگ کھانے سے تقریباً فارغ ہی ہو چکے تھے کہ جہانگیر، ویرا کے ساتھ میز پر آ پہنچا۔ ان دونوں کے چہرے سرخ ہو رہے تھے، آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں اور موڈ نہایت خوشگوار تھے۔ دونوں میں فرق بس اتنا تھا کہ بسیار نوشی کی وجہ سے جہانگیر کی زبان پر لکنت طاری تھی جب کہ ویرا بے تکان بول رہی تھی۔

وہ دونوں اپنی ترنگ میں تھے اس لیے ہم میں سے کسی نے ان سے کوئی سنجیدہ بات کی نہ ان کی کوئی بات رد کرنے کی حماقت کی۔ سب ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ تخلیے میں مے نوشی کے باعث ان کے درمیان اتنی بے تکلفی پیدا ہو گئی تھی کہ جہانگیر بات بات پر ویرا کے بازو یا شانے پر ہاتھ مار رہا تھا اور ویرا کوئی اعتراض کیے بغیر اس کی خوش گپیوں سے محظوظ ہو رہی تھی۔

غزالہ کے لیے اس ماحول میں زیادہ دیر تک ٹھہرنا ممکن نہیں تھا اس لیے وہ کھانے کے بعد اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی۔ ہم چاروں نے ڈرائنگ روم کا رخ کیا لیکن حلق تک پینے اور پھر شکم سیر ہونے کے بعد جہانگیر کا نشہ گہرا ہو چلا تھا اور اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے کوئی ناخوشگوار صورتِ حال رونما ہونے سے پہلے اسے اس کی خواب گاہ میں پہنچانے کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے جہانگیر کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اس کا رخ گھمایا تو اسے یہ اندازہ ہی نہیں ہو سکا کہ میں اسے کہاں لے جا رہا تھا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ منمنایا "تم مجھے کہاں لے آئے؟ ابھی تو مجھے کافی پینی تھی۔ ویرا کہہ رہی تھی کہ یورپ کے مہذب امرا رات کے کھانے سے پہلے وہسکی، کھانے کے دوران میں عمدہ وائن اور کھانے کے بعد تلخ کافی پیتے ہیں۔ میں کسی بھی طرح ان سے کم نہیں ہوں۔ میں کافی پیوں گا۔"

اس کی زبان پر لکنت طاری تھی۔ وہ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر ادا کر رہا تھا۔ میں نے اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا "یہ ویرا ہی کا خیال تھا کہ جب کھانے کی میز پر وائن نہیں تھی تو کافی بے کار رہے

گی۔ اس کا مشورہ سننے کے بعد ہی تم نے اپنے کمرے میں آنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا؟"

"پھر ٹھیک ہے" وہ میری وضاحت سے مطمئن ہو گیا اور آرام سے بستر پر بیٹھ گیا۔

"دوبارہ پینی نہ شروع کر دینا ورنہ تماشا بن کر رہ جاؤ گے۔"

"فکر نہ کرو۔ میں بار بار نہیں پیتا۔ ایک بار ہی دل بھر کر پیتا ہوں۔ اب مجھے نیند آرہی ہے" یہ کہہ کر وہ کسل مندانہ انداز میں مسہری پر آڑا ہی لیٹ گیا۔

میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر باہر نکلتا چلا گیا۔

"تم نے اسے ضرورت سے زیادہ پلا دی ہے" ڈرائنگ روم میں واپس پہنچ کر میں نے ویرا کو لتاڑا "خود تمہاری حالت بھی خاصی ابتر نظر آرہی ہے' آنکھوں میں خمار کے گہرے سرخ ڈورے تیر رہے ہیں۔"

"یہ گندم کا خمار ہے" وہ دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "تم میری فکر نہ کرو۔ میں اس وقت پوری حاضر دماغی سے کسی بھی بحث میں حصہ لے سکتی ہوں۔"

"جہانگیر کا کیا قصور تھا جو اسے اس برے حال کو پہنچا دیا ہے؟"

"برے حال کہاں؟ وہ تو خود ہی اپنی خوش حالی ثابت کرنے کے لیے پیے جا رہا تھا۔ اس کے دماغ میں کسی طرح یہ بات گھس گئی کہ وہ یورپ کے امرا سے بھی زیادہ خوش حال ہے" ویرا کا لہجہ شرارت آمیز تھا۔

"تم ہی نے اسے اکسانے کے لیے یورپ کے کسی بڑے آدمی کا ذکر چھیڑا ہوگا۔"

"تو وہ میری مجبوری ہے کیوں کہ میں نے ساری عمر ہی ایسے لوگوں میں گزاری ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں جہانگیر کے ساتھ اکیلا چھوڑنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"تم بلاوجہ اس بات کو طول دے رہے ہو۔ اس وقت اس کا سو جانا ہی بہتر تھا۔"

"کیوں؟ کیا وہ تمہیں سینگ مار رہا تھا؟" میں نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"میں کچھ باتیں کرنا چاہتی تھی" وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی "اس کی موجودگی میں ہم کھل کر بات نہیں کر سکتے تھے اس لیے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ حلق تک سیر ہو کر پی لے تاکہ اسے گہری نیند آجائے اور ہمیں تخلیہ میسر آجائے۔ اب ہم کھل کر باتیں کر سکتے ہیں۔"

"تمہیں ایسی کون سی باتیں کرنی ہیں جن میں جہانگیر حارج ہوتا؟"

"کیا ہم اس کے سامنے موتی لال کے بارے میں بات کر سکتے تھے؟" اس نے جوابی سوال داغ دیا۔

"اس وقت تمہیں اچانک موتی لال کیوں یاد آگیا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ہمارے گرد پھیلی ہوئی بساط کا بہت اہم مہرہ ہے" ویرا کی سنجیدگی میں سر مو بھی فرق نہیں آیا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "جہانگیر ہمارے ساتھ بیٹھا رہتا تو ہر بات میں اپنی ٹانگ اڑاتا۔ ہمارے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ ساری رات آرام سے گہری نیند سوتا رہے۔"

"تو کیا تم ساری رات مذاکرہ جاری رکھنے کا ارادہ رکھتی ہو؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ موضوع اور تم تینوں کے موڈ پر منحصر ہے۔ میں بالکل تازہ دم ہوں۔"

یہ ایک عجیب بات تھی کہ چند منٹ پہلے میں غزالہ سے باتیں کر رہا تھا تو اس نے دوسرے مثبت پہلوؤں کے علاوہ موتی لال کی خاموشی کا بھی ذکر کیا تھا مگر اب ویرا موتی لال کے حوالے سے بات کر رہی تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ میں خود بھی موتی لال کی طرف سے فکر مند تھا۔ خد و خال اور معاشرتی رسوم و رواج میں بہت زیادہ یکسانیت کی بنا پر بھارتی سفارتی عملے کی تخریبی سرگرمیاں پاکستانی حکام کے لیے ہمیشہ پریشانی کا سبب بنتی رہی تھیں۔ وہ لوگ اپنے دوستانہ رویے کی بنا پر بہت جلد مقامیوں کے ساتھ گھل مل کر غیر محسوس انداز میں اپنا کام شروع کر دیتے تھے۔ ان کا آلۂ کار بننے والوں کو گمان تک نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی ملک دشمن سازش کا ایندھن بنائے جا رہے ہیں۔ ہر متعصب بھارتی پورے خلوص سے اس بات میں یقین رکھتا تھا کہ پاکستان ان کی دھرتی ماتا کے حصے بخرے کر کے وجود میں لایا گیا ہے اس لیے پہلی فرصت میں اسے اکھنڈ بھارت کا جزو بنانا اس کا مقدس فرض ہے۔ میری نظروں میں مُلّا سرکار اس مشنری جذبے کی ممتاز ترین مثال تھا۔

اس نے اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ کر سندھ کے ایک دور افتادہ قصبے میں اپنا مسکن بنایا اور اندر سے کٹر ہندو ہونے کے باوجود ایک مسلمان مولوی کا روپ دھار کر برسوں سادہ لوح دیہاتیوں میں اپنی ساکھ بناتا رہا اور جب اس کے گرد اندھے پیروکاروں کی ایک بھیڑ جمع ہونے لگی تو اس نے اپنا اصل کھیل شروع کر دیا۔

مُلّا سرکار کے بعد بھی متعدد بھارتی ایجنٹ میری راہ میں آئے۔ وہ ہر طرح اور ہر قیمت پر پاکستان کے استحکام کو نقصان پہنچانے کے درپے تھے۔ کبھی سندھ کے قانون شکن عناصر کی سرپرستی کر کے شورش پھیلاتے ہوئے نظر آتے تو کبھی غیر قانونی اسلحے کے انبار ملک میں لا کر لاقانونیت کی سرپرستی کرتے نظر آتے۔ ایک نشانہ ہر آنے والے کے مدِنظر رہتا تھا کہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو نقصان پہنچایا جائے لیکن خدا کا شکر ہے کہ مجھ سے پنجہ آزمائی کے دوران وہ اپنے کسی بھی مقصد میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کر سکے تھے۔

میں اتنے تواتر کے ساتھ ان کے منصوبوں کی مزاحمت کرتا رہا تھا کہ میری ذات ان کی نظروں میں کانٹا بن کر کھٹکنے لگی تھی۔ مجھے گھیرنے کے لیے انہوں نے میرے ساتھیوں کو بھی اپنی فہرست میں شامل کرلیا تھا۔

اس کی تازہ ترین مثال موتی لال کی تھی جس نے سلطان شاہ کو اغوا کرانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

موتی لال کے پیش رو شاید البرٹو ویلیسا کے خاص معتمدین میں سے رہے تھے۔ البرٹو ویلیسا کا تعلق عالمی دہشت گرد، کرنل جیمی جونز سے تھا جو بھاری معاوضے پر نسل پرست یہودی تنظیم زیوڈ اسٹارز کے لیے کام کررہا تھا۔ شکل و شباہت کی یکسانیت کی بنا پر البرٹو ویلیسا نے ظفر کا روپ دھار کر اسپیشل ٹاسک فورس میں ملازمت کی تھی اور عرصۂ دراز تک اوّل خان کا اہم منصب بلکہ کراچی میں اس کا جانشین رہا تھا۔ البرٹو ویلیسا نے اپنے دور میں جو غدار ایس ٹی ایف میں بھرتی کیے تھے، ان کے روابط موتی لال کے قونصل خانے سے تھے۔

مجھے گھیرنے یا مارنے کے بارے میں موتی لال اتنا مستعد تھا کہ اس نے سردار پائندہ گل کے آدمیوں کے ذریعے میرے اغوا کی سن گن حاصل کرکے طورخم کی سرحد پر اپنے آدمی مامور کردیے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ شنگارا دہلی سے میں زندہ آؤں یا مردہ، مجھے طورخم کی راہ اختیار کرنی پڑے گی۔

اور ہوا بھی یہی۔ لنڈی کوتل سے اس کا مخبر میرے پیچھے لگ گیا اور مجھے اغوا کرکے وجے داوا کے حوالے کردیا گیا۔ لیکن یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ مافیا کا ڈان اور را کا سرگرم اہل کار ہونے کے باوجود وجے مجھے زیادہ دیر تک اپنی قید میں نہیں رکھ سکا اور کسی کتے کی موت مارا گیا۔

میں محسوس کررہا تھا کہ اس بار بھارتیوں کے مواصلاتی رابطے بہت بہتر ہوچکے تھے۔ ہمارے کراچی پہنچنے سے پہلے موتی لال کو وجے کے بھیانک انجام کا علم ہوچکا تھا۔ ہم کراچی پہنچے تو جہانگیر مکاؤ سے آئے ہوئے چینی بدمعاشوں کے عذاب میں مبتلا تھا۔ اسے ژون کوانگ فو کے بدمعاشوں کے چنگل سے نکالنے کے لیے ایس ٹی ایف کو حرکت میں لانا پڑا۔ اس اہم ترین خفیہ فورس میں موجود کسی غدار نے موتی لال کو میری اس نئی مصروفیت سے آگاہ کردیا اور اس خبیث نے مجھ پر دباؤ ڈالنے کے لیے ایس ٹی ایف کے عارف اور سرور نامی دو اہل کاروں کے ذریعے سلطان شاہ کو اغوا کرنے کا بے داغ منصوبہ بنایا جو بری طرح ناکام ہوا۔ ایک سلطان شاہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ دوسرا نمک حرام اپنی کمین گاہ سے پکڑا گیا۔ سلطان شاہ نے ان کی تحویل سے ایک مخصوص ٹرانسیٹر بھی برآمد کیا جس پر وہ موتی لال سے رابطہ رکھتے تھے۔ شاید وہ موتی لال سے واقف نہیں تھے کیونکہ وہ ماسٹر کے نام سے ان کو احکام دیا کرتا تھا۔

ویرا نے اسی وقت فیصلہ کرلیا تھا کہ سنپولیے کو پروان چڑھا کر زہریلا ناگ بنانے کے بجائے فوراً ہلاک کردینا چاہیے مگر اوّل خان، موتی لال کے ذریعے کچھ اور لوگوں پر بھی ہاتھ ڈالنے کے چکر میں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ٹرانسیٹر کے ذریعے وہ موتی لال کے بہت سے مقامی حامیوں کا سراغ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

موتی لال کی خوش قسمتی تھی کہ اسی دوران میں شی کا نیا سربراہ، جم کلارک، جمی لائیڈ کے قتل کی خبر کے ساتھ کراچی میں آموجود ہوا اور ہم لوگ ایک نئی بارودی جنگ میں مصروف ہوگئے۔ اس پوری معرکہ آرائی میں ہمیں مکمل سرخ روئی حاصل ہوئی۔ جم کلارک کے علاوہ سی آئی اے کے دو غیر ملکی اہل کار اور ان کے چار مقامی معاون موت کے گھاٹ اتارے گئے جب کہ ہمارے کسی آدمی کو خراش تک نہیں آئی۔

جم کلارک کے قضیے سے نمٹتے ہی ویرا کے ذہن میں دبا ہوا موتی لال کا خیال پوری طرح ابھر کر سامنے آگیا تھا اور وہ ایک بار پھر اس کے بارے میں کچھ سنجیدہ گفتگو کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

"کہو، تم موتی لال کے بارے میں کیا کہنا چاہتی ہو" میں نے چند ثانیوں میں وہ پورا ذہنی جائزہ مکمل کرنے کے بعد ویرا سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم اس اسٹینو کو اس کی اوقات سے زیادہ اہمیت دے رہی ہو۔"

"میں اس علاقے کے لوگوں کو بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں" وہ صوفے میں پھیل کر بیٹھتے ہوئے بولی "یہاں جو جتنا بڑا افسر ہوتا ہے وہ عملی میدان سے اتنا ہی دور ہوتا ہے۔ افسر میزوں پر بیٹھ کر کاغذ سیاہ کرتے ہیں یا ماتحتوں کو گول مول ہدایات دے کر وقت گزارتے ہیں۔ نچلے درجے کے کارکن اور ملازمین صرف عمل پر یقین رکھتے ہیں۔ تم نے شاید اس نکتے پر غور نہیں کیا کہ اس بار بھارتیوں نے کسی بڑے سفارتی افسر یا سیکریٹری وغیرہ کے بجائے ایک اسٹینو کو اپنے مشن کی سربراہی سونپی ہے۔ وہ منصوبہ بندیوں کے بجائے عملی نتائج حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کرے گا۔ سلطان شاہ کو اغوا کرنے کی ناکام کوشش کرواکے اس نے اپنے عزائم کا کھلا اظہار کردیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم اس کے دوسرے وار کو اتنی آسانی سے ناکام نہ بنا سکیں اور ہمیں بھاری خسارے سے دوچار ہونا پڑے۔"

"اسے سنبھالنے کی ذمے داری اوّل خان نے اپنے سر لی تھی۔ ہم نے اس سے مشورہ کیے بغیر کوئی قدم اٹھایا تو وہ ناراض بھی ہوسکتا ہے" میں نے ویرا کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"تمہیں اس سے پوچھنا چاہیے تھا کہ وہ اس بارے میں کیا کررہا ہے۔"

"تم پوچھ لیتیں۔ میں نے تمہیں روکا تو نہیں تھا" میں نے کہا۔

"ہم سب ہی موتی لال کو بھولے ہوئے ہیں" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "بعد کے واقعات میں ایسا تسلسل چلا کہ کسی کو کچھ یاد ہی نہیں رہا۔ ہوسکتا ہے کہ اوّل خان بھی موتی لال کو بھول بھال گیا

ہو؟"

"ایس ٹی ایف والے منظم انداز میں کام کرتے ہیں۔ اوّل خان نے مصروفیت کی وجہ سے ادھر توجہ نہ دی ہو تو اور بات ہے مگر کوئی نہ کوئی اس کیس پر کام کر رہا ہو گا۔ کم از کم ٹرانسیٹر پر ہونے والی گفتگو ضرور ریکارڈ کی جا رہی ہو گی۔ اس بات چیت کے نتائج حیران کن ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"اب اسے فون کرنے میں کیا حرج ہے؟" ویرا نے میرے دلائل پر اعتراض کیے بغیر کہا۔

"جم کلارک کے معاملے میں اتنی بڑی نفری استعمال کی گئی ہے کہ میں اس پر دباؤ ڈالنا غیر اخلاقی سمجھتا ہوں۔ پھر وہ اپنی فورس میں موجود غداروں کی طرف سے بھی فکر مند تھا۔ کل اس سے ملاقات ہو گی تو بات کر لیں گے۔"

"مگر میں کل تک انتظار نہیں کر سکتی" ویرا نے اپنا نادر شاہی فیصلہ سنایا۔

"انتظار نہیں کر سکتیں تو پھر کیا کرو گی؟" غزالہ نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"تم بھول رہی ہو کہ روزی اس کی پرانی گرل فرینڈ ہے" ویرا نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ غزالہ کو بتایا "وہ ایک کاک ٹیل پارٹی میں روزی کو اپنے ساتھ گوا لے جانے کا منصوبہ بنا چکا ہے۔ میں کچھ کروں یا نہ کروں، روزی تو جب چاہے اسے فون کر سکتی ہے اور اس وقت ویسے بھی روزی نشے میں ہے۔"

"لعنت ہو موتی لال پر" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا "وہ روزی کی طلب میں واقعی مرا جا رہا ہو گا۔"

"میں بھی اس کی آواز سننے کو مری جا رہی ہوں۔۔۔ روزی ہوں نا!" وہ بائیں آنکھ دبا کے بولی۔

"تفریح رہے گی" غزالہ نے ویرا کی تجویز کی تائید کی "روزی کے فون کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"اگر موتی لال کے فون کے ساتھ آبزرویشن مانیٹرنگ والا چکر ابھی تک چل رہا ہے تو اوّل خان کا کوئی آدمی یا وہ خود ہی ساری گفتگو سن لے گا۔ ہمیں اس کو کچھ بتانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"چاہو تو تم اس بار اسے فیکٹری کا فون نمبر بھی دے سکتی ہو۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"ایسی حماقت ہرگز نہ کرنا۔۔۔" میں فوراً ہی بول پڑا مگر ویرا نے مجھے بات پوری نہیں کرنے دی۔

"یہ دودھ پیتا بچہ ہے" ویرا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے دو۔ میں یہ بات اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ وہ خبیث فون نمبر کے سہارے اس فیکٹری تک پہنچ سکتا ہے۔"

"بس میں یہی بات بتانی چاہ رہا تھا" میں نے مطمئن ہو کر کہا۔

"تم خود سمجھدار ہو۔"

غزالہ نے موتی لال کا فون نمبر تلاش کرنے کا قصد کیا مگر ویرا نے اسے روک دیا۔ اسے موتی لال کے گھر کا فون نمبر زبانی یاد تھا۔ ویرا کے اس انکشاف پر سلطان شاہ کو پھر ایک موقع مل گیا۔ وہ شوخی سے بولا "نمبر زبانی یاد ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ چھپ چھپ کے فون کیے جاتے ہیں اور ہم سب کو اُلّو بنایا جا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اس وقت واقعی نشے میں ہو جبھی اپنا خود کھول رہی ہو۔"

"تمہاری غلیظ کھوپڑی سے میں بھی صاف ستھری بات کی نہیں کر سکتی" یہ کہہ کر ویرا فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس وقت رات کا ایک بجنے والا تھا۔ ویرا نے موتی لال کا فون نمبر ملایا۔ دوسری طرف گھنٹی بجی اور بجتی ہی چلی گئی۔ ویرا فون کا سلسلہ کیے بغیر دلچسپی سے ایک ایک کی طرف دیکھتی رہی۔ اس وقت بھی یہی خیال تھا کہ اگر موتی لال سو چکا ہے تو اسے گہری نیند بیدار کر کے تنگ کیا جانا چاہیے۔

شاید دسویں گھنٹی کے بعد دوسری طرف سے ریسیور اٹھا اور غنودہ آواز کے بجائے غیر متوقع طور پر موتی لال کی ترو آواز سن کر ہم سب حیران رہ گئے۔

"میں روزی بول رہی ہوں، موتی ڈارلنگ" ویرا نے اس طویل ہیلو کے جواب میں مخمور لہجے میں کہا "تم اتنی دیر سے مرے ہوئے تھے؟ میں تو مایوس ہو کر فون بند کرنے والی تھی۔"

"اوہ، روزی!" موتی لال کی تحیر زدہ آواز سے خوشی رہی تھی "مجھے خوشی ہے کہ تم نے دوبارہ مجھے فون کیا۔ میں مصروف تھا اس لیے فون اٹھانے میں تاخیر ہو گئی۔"

"کہاں مصروف تھے؟ کیا کوئی گرل فرینڈ آئی ہوئی ہے؟" نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اپنی ایسی قسمت کہاں! جب تک جاگتا رہتا ہوں، دفتر سر پر سوار رہتا ہے۔ اس وقت بھی اسی میں الجھا ہوا تھا۔ کہ تم کتنی دیر میں میرے پاس پہنچ رہی ہو؟"

"مجھے ایسے مرد سخت ناپسند ہیں جو کسی تمہید یا تکلف کے پوری ڈھٹائی سے براہِ راست مطلب کی بات پر آجاتے ہیں" نے ناگواری سے کہا "پارٹی والی ملاقات میں تو تم ایسے نہیں تھے۔"

ریسیور پر موتی لال کی بے ڈھنگی ہنسی کی آواز سنائی دی بولا "میں اب بھی ایسا نہیں ہوں۔ میں نے تم سے کوئی غلط نہیں کی۔ آجاؤ گی تو ذرا مل بیٹھ کر اچھی اچھی باتیں کریں میری ذہنی تھکن دور ہو جائے گی اور تم بھی خوش ہو جاؤ گی۔"

"میں نہیں آؤں گی" ویرا نے کسی الھڑ دوشیزہ کی طرح بگھارنے شروع کر دیے "پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے فون کیوں نہیں کیا؟ میں مسلسل تمہارے فون کا انتظار کرتی رہی ہوں۔ اس میری نیند نہ اڑی ہوتی تو میں ہرگز تمہیں فون نہ کرتی۔ تم بہت مروت اور جھوٹے آدمی ہو۔"

"تم مجھے گالیاں بھی دے لو تو میں برا نہیں مانوں گا"

سے بڑی خوش دلی سے کہا گیا "مجھے تمہارا فون نمبر مل جاتا تو اتنے فون کرتا کہ تم بے زار ہو جاتیں۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ فون نمبر کہیں لکھ کر بھول گیا اور کوشش کے باوجود اسے نہیں کرسکا۔"

"آخر تم کیا کام کرتے ہو جو اس قدر غائب دماغ رہتے ہو۔ ہر مزاج مرد لڑکیوں کے فون نمبر اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے اور ایک تم ہو کہ بس... یہ بتاؤ کہ میرے کام کا کیا رہا؟"

"ملوگی تو کسی نہ کسی کام کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ تم جیسی حوصلہ مند اور مہم جو لڑکیوں کے لیے کبھی کام کی کمی نہیں ہوتی۔ کام رومانس کے علاوہ بھاری آمدنی کے مواقع بھی ہوتے ہیں۔"

"تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں حوصلہ مند اور مہم جو ہوں" ویرا بتدریج راہ پر لا رہی تھی۔

"کاک ٹیل پارٹی میں تم سے ہونے والی ملاقات مجھے اچھی طرح یاد ہے" اس نے سفید جھوٹ بولا پھر اپنی بات بڑھاتے ہوئے "مہم جوئی کا اندازہ لگانے کے لیے یہی ایک بات کافی ہے کہ تم دوسری بار اتنی رات گئے مجھے فون کر رہی ہو... ویسے تم دن میں کیا کرتی ہو؟"

"نوکری تلاش کرتی ہوں" ویرا نے بے ساختہ جواب دیا "اور کام رہتی ہوں۔"

"میں نہیں مان سکتا۔ تم جیسی آزاد خیال لڑکی تو لوگوں کو ڈھونڈے نہیں ملتی۔"

"اصل خرابی یہی ہے۔ ہر دفتر میں بوڑھے گدھ میرے صلاحیتیں دیکھنے کے بجائے للچائی ہوئی نظروں سے میرے وجود کو گھورتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے مجھے گھن آتی ہے۔"

"کاک ٹیل پارٹیوں میں شریک ہونے والی لڑکی کو اتنا تنگ نظر نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں تنگ نظر نہیں ہوں۔ جوہڑ میں سڑتے ہوئے پانی سے مجھے گھن آتی ہے۔ بہتے گنگناتے ندی نالے مجھے پسند ہیں جہاں ہر پل میں نیا اور تازہ پانی ملتا ہے... میں اپنی مرضی سے اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ زندگی کا بھرپور لطف اٹھاتی ہوں لیکن کسی دفتر میں بیوی کے ستائے ہوئے بڈھے گدھ کی داشتہ بننا میرے بس سے باہر ہے اسی لیے میں کافی دنوں سے بے روزگار ہوں۔ سمجھوتا کرلوں تو کل ہی نوکری مل جائے گی۔"

"خوب... تم بولڈ بھی ہو۔ تم میں تو بے شمار خوبیاں ہیں۔ تم کب آرہی ہو؟"

"پہلے کام کے بارے میں کچھ پتا چلے۔ اسی کے بعد آنے کے بارے میں سوچوں گی۔"

"سرکاری خرچ پر عیش اور سیر و تفریح... تنخواہ مفت میں۔" موتی لال کی تحریص آمیز آواز ابھری۔

"اسے تم طریقۂ کار کہہ سکتے ہو۔ یہ کام تو نہیں ہوا۔ سیر و تفریح کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوگا۔"

"تم بہت چالاک ہو" شاید موتی لال نے گہرا سانس لے کر کہا تھا "تمہیں کچھ لوگوں سے فلرٹ کرنا ہوگا۔ وہ لوگ معزز اور شوقین ہوں گے۔ تم ان سے کوئی کراہت محسوس نہیں کروگی۔ انہیں مجھ سے متعارف کرانے کے بعد تمہارا کام ختم ہو جائے گا اور تمہیں نئے نام دے دیے جائیں گے۔ اس دوران میں تمہاری قسمت نے ساتھ دیا اور تم شہر میں ایک بدمعاش کی نشان دہی کرانے میں کامیاب ہوگئیں تو تمہیں مالا مال کردیا جائے گا۔"

ویرا نے ذومعنی نظروں سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے پُر تجسس لہجے میں پوچھا "کون ہے وہ؟"

"تمہیں اس کے بارے میں بریف کردیا جائے گا۔ اوّل درجے کا مکار اور حرامی ہے۔ اس کا داؤ چل جائے تو وہ آنکھوں سے کاجل تک اڑا لے جاتا ہے۔ عام طور سے روپوش رہتا ہے۔ وہ تمہارا ضمنی ٹارگٹ ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ میرے لیے دلچسپ شکار ہوگا۔ شہر کے رنگین مزاج شرفا کو پھانسنے کے لیے تم کو بہتیری لڑکیاں مل جائیں گی جو ہر شام بن سنور کر بڑے ہوٹلوں کی لابیوں اور طعام گاہوں میں لہراتی پھرتی ہیں۔"

"شاید تم نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے اسی لیے بڑی بڑی باتیں بھی آسانی سے کہہ جاتی ہو" موتی لال، ویرا کی صلاحیتوں کا اعتراف کرنے پر مجبور تھا "لیکن یہ نازک معاملات فون پر طے نہیں کیے جاسکتے۔ تم آجاؤ۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں تمہاری پسند کا کام دیا جائے گا۔"

"زیادہ نہیں تو مجھے اس نابکار کا نام ہی بتادو۔ میں موقع نکال کر صبح تمہارے دفتر آؤں گی۔"

"صبح؟" موتی لال کی آواز پر مایوسی کی پھٹکار چھا گئی "ابھی کیوں نہیں آتیں؟"

"میں کسی دوست کے گھر پر ہوں۔ اس وقت باہر نہیں نکل سکتی۔"

"پھر فون نمبر ہی دے دو" اس وقت موتی لال کی حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔

"بے روزگاری کی وجہ سے میرے ٹھکانے تیزی سے بدلتے رہتے ہیں" اس بار ویرا نے اسے چڑانے کے بجائے مطمئن کرنے کی ارادی کوشش کی تھی "میں بتاچکی ہوں کہ اس وقت بھی کسی دوست کے گھر پر ہوں۔ کل تم نے نوکری دلوادی تو میں کسی ہوٹل میں ڈیرا ڈالنے کے بعد لوگوں کو فون نمبر دینے کی پوزیشن میں آجاؤں گی۔"

"پھر تم کس نمبر پر میری کال کا انتظار کررہی تھیں؟" اس بار موتی لال نے اسے پکڑلیا۔

"وہ مذاق تھا" ویرا ہنس پڑی "کاک ٹیل پارٹی میں تم نے اتنی زیادہ پی لی تھی کہ میرے دو دفعہ بتانے کے باوجود تم نے میرا فون نمبر نوٹ نہیں کیا تھا۔ سچ پوچھو تو تمہاری اس بے پروائی سے مجھے رنج

ہوا تھا؟"
"کل ملو گی تو سارے گلے شکوے دور کردوں گا۔ کس وقت آرہی ہو؟"
"دس اور بارہ کے درمیان۔ لیکن تم نے مجھے اپنے بڑے شکار کا نام نہیں بتایا؟"
"بار بار اس کا ذکر نہ کرو" پہلی بار اس کی آواز سے قدرے بدمزگی کا اظہار ہوا "اس وقت بھی میں پاکستان بھر میں ڈینی کے متوقع ٹھکانوں کی فہرست بنانے میں مصروف تھا۔ وہ ہم لوگوں کے اعصاب پر سوار ہو کر رہ گیا ہے؟"
"یعنی اس شخص کا نام ڈینی ہے" ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔
"ظاہر ہے ورنہ کسی اور کے لیے مجھے اپنی رات کالی کرنے کیا کی ضرورت تھی؟"
"میرا خیال ہے کہ یہ نام میرا سنا ہوا ہے" ویرا کی آواز پُرخیال ہو گئی "میں صبح آؤں گی تو ہوسکتا ہے کہ مجھے تفصیل بھی یاد آچکی ہو۔ اب میں سونے تک اسی کے بارے میں سوچتی رہوں گی؟"
"اسے اتنی اہمیت نہ دو" موتی لال کی آواز میں رقیبانہ تلخی ابھر آئی "وہ بس ایک چالاک چوہا ہے۔ ہم نے اس کے لیے چوہے دان لگائے ہوئے ہیں اور وہ ان سے بچتا پھر رہا ہے۔ لیکن وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکے گا۔ بستر پر لیٹ کر تم میرے بارے میں سوچنا تاکہ تم خواب میں بھی مجھے دیکھتی رہو....."
ویرا نے ایک معصومانہ سا قہقہہ لگایا اور بولی "میں اپنے خوابوں میں تمہیں دیکھوں یا اسے 'اس سے تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔ خواب تو بس خواب ہی ہوتے ہیں جن کی لذت یا اذیت خواب دیکھنے والے کے تصورات تک محدود رہتی ہے۔ ایسی تصوراتی ملاقاتوں کے بارے میں سوچ کر تم بلاوجہ اپنا خون سلگا رہے ہو۔"
موتی لال کے ایک گہرے سانس کی آواز ابھری پھر اس نے کہا "یہ دل کی باتیں ہیں۔ تم انہیں نہیں سمجھ سکتیں۔ تم نے اپنی باتوں سے مجھے اپنا گرویدہ کرلیا ہے۔ میں تمہاری زبان سے اپنے سوا کسی اور مرد کا ذکر برداشت نہیں کرسکتا۔ تم اسے رقابت یا حسد بھی کہہ سکتی ہو....."
"تم نے خود بہ خود مجھ پر فریفتہ ہو کر رشک و حسد اور رقابت کا اظہار شروع کردیا اور مجھ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس تک نہیں کی۔ ایسا یک طرفہ عشق تم جیسے عملی آدمی کو زیب نہیں دیتا" ویرا نے اس کی بات کاٹ کے کہا۔
"مجھے پوچھے بغیر ہی تمہاری مرضی کا علم ہے" اس کی طرف سے کسی تردد کے بغیر جواب آیا "تمہاری دوسری فون کال کا مطلب ہے کہ تمہارے دل میں میرے لیے کوئی نرم گوشہ ضرور موجود ہے۔ راتوں کو جب نیند نہ آئے تو وہی لوگ یاد آتے ہیں جو دل سے قریب اور کسی نہ کسی درجے میں پسند ہوں۔"
"ہمیشہ پسندیدگی ضروری نہیں ہوتی۔ بعض لوگ نفرت کی راہ سے بھی یاد آتے رہتے ہیں۔"
"نفرت کی زبان دوسری ہوتی ہے" وہ ویرا کو پھانس لینے کے بارے میں بہت پُراعتماد تھا۔
"بغل میں چھری اور منہ پر رام رام تمہاری ہی کہاوت ہے" ویرا قدرے جارحانہ لہجے میں بولی "ہوسکتا ہے کہ میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کرکے میٹھی میٹھی باتیں کررہی ہوں۔"
"میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ تمہارے خلوص کو نہ پہچان سکوں۔"
ویرا نے ہم لوگوں کی طرف دیکھ کر بائیں آنکھ دبائی اور بولی "تم ڈینی کے ٹھکانوں کی فہرست بناؤ۔ اب صبح ملاقات ہوگی۔ دعا کرنا کہ مجھے یہ یاد آجائے کہ ڈینی کے بارے میں نے کہاں اور کیا سنا تھا۔"
موتی لال کی طرف سے گڈ بائی کے ساتھ ہی ایک چکار کی آواز سنائی دی اور ویرا نے فون بند کردیا۔ اس وقت ویرا کی آنکھوں میں وہی بے رحمانہ چمک نظر آرہی تھی جو چوہے کی بے بسی سے کھیلتی ہوئی بھوکی بلی کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔ اس نے موتی لال کو بری طرح اپنی ذات کے سحر میں گرفتار کرلیا تھا۔
"اسے کل صبح ہی ٹھکانے لگایا جاسکتا ہے" ویرا نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔
"مشکل یہ ہے کہ تم اس کے سامنے نہیں جاسکتیں۔ ایک زمانے میں ان لوگوں سے تمہارے گہرے مراسم رہے ہیں۔ بھارتی قونصل خانے کے بیشتر ملازمین تمہیں دیکھتے ہی پہچان لیں گے" میں نے کہا۔
"پرانی تلخ باتیں یاد نہ دلاؤ" ویرا خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولی۔ شاید اسے بھی وہ واقعات یاد آگئے تھے جو غزالہ کی کراچی سے نئی دہلی منتقلی کے دوران میں رونما ہوئے تھے۔ وہ میرے خلاف ویرا کی ایک زبردست انتقامی سازش تھی۔ مجھے گھیرنے کے لیے اس نے غزالہ کو شریمان سنگھ کے حوالے کردیا تھا۔ وہ انتہائی خبیث اور بدباطن شخص تھا۔ اس نے مجھ سے سودے بازی کی نیت سے غزالہ کو فوری طور پر نئی دہلی منتقل کرادیا۔ مجھ سے تفصیلی بات چیت کے بعد جب ویرا کو اپنی سنگین غلطی کا احساس ہوا تو بازی اس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ اس نے بھارتیوں سے مطالبہ کیا کہ غزالہ کو ہانگ کانگ میں اس کے آدمیوں کے حوالے کیا جائے۔ اس نے مذاکرات میں کچھ ایسا پیچ ڈالا کہ بھارتی اہل کار غزالہ کو ہانگ کانگ لانے پر مجبور ہو گئے لیکن ان کی نیت صاف نہیں تھی۔ وہ غزالہ کو بظاہر ہانگ کانگ لاکر ویرا کی تسلی کرنے کے بعد خفیہ طور پر اسے واپس بھارت لے جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔
اس مرحلے پر مکاؤ کا ڈون کوانگ فو ہمارے کام آیا۔ وہ ویرا کا منہ بولا باپ تھا۔ اس کی جان توڑ کوششوں سے غزالہ مکاؤ میں ڈون

وانگ فو کی حویلی میں پہنچا دی گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ ڈون سے غزالہ کی بازیابی میں ہمیں کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔ اس سنسنی خیز مہم جوئی کا خوشگوار ترین پہلو یہ تھا کہ مکاؤ سے واپسی پر غزالہ باقاعدہ طور پر میری بیوی بن چکی تھی۔

غالباً میرے ایک ہی حوالے نے ویرا کے ذہن میں وہ تمام باتیں تازہ کردی تھیں۔ میں نے جلدی سے کہا "میں ماضی کی کسی بات کو نہیں چھیڑنا چاہتا۔ میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ تم اس قونصل خانے کے عملے کے لیے اجنبی نہیں ہو۔ وہ سب تمہیں اور تم ان کو پہچانتی ہو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم بھی اس وقت کی گفتگو کی روشنی میں اسے پکڑنے کے امکانات پر غور کررہے ہو؟"

"ظاہر ہے۔ ہاتھ آئے ہوئے موقع سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت کے زمرے میں آتا ہے۔"

"کمال ہے" اچانک سلطان شاہ بول پڑا "ابھی تک اوّل خان کا فون نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ ویرا اور موتی لال کی گفتگو سننے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ ہمیں اس کو باخبر کرنا ہوگا۔"

"ممکن ہے کہ موتی لال کے فون سے آبزرویشن ہٹا دیا گیا ہو" ویرا نے رائے زنی کی۔

"اوّل خان کا درمیان میں آنا ضروری نہیں ہے" میں نے کہا "اس وقت موتی لال دام میں آیا ہوا ہے۔ ویرا اسے گھیر سکتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ویرا پہچان لی جائے گی۔ یہ موقع گنوا کر ہمیں افسوس رہے گا۔"

"میری جگہ غزالہ اس سے ملنے پہنچ جائے تو کیسی رہے گی؟" ویرا نے اچانک تجویز پیش کی۔

"نہیں" غزالہ نے فوراً ہی اپنے کانوں کو ہاتھ لگالیے "یہ میرے بس سے باہر ہے۔ ویرا نے اس سے جس قسم کی باتیں کی ہیں' وہ میں نہیں کرسکتی۔ وہ چالاک آدمی ہے۔ دو چار جملوں میں ہی بھانپ لے گا کہ اس کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے اور ہماری بازی بالکل الٹ جائے گی۔"

"اس کے علاوہ غزالہ بھی ان لوگوں کے لیے اجنبی نہیں ہے" میں نے ویرا کو یاد دلایا۔

ہم لوگ دیر تک سر جوڑے بیٹھے رہے لیکن اس مسئلے کا کوئی حل تلاش نہیں کرسکے۔

اچانک ہی ویرا اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھی تو ہم تینوں چونک کر استفسار طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ہماری نگاہوں کے جواب میں وہ مسکراتے ہوئے بولی "تم تینوں کے خون سفید ہوگئے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کی خبر گیری خوب کرتے ہو لیکن کسی اور کے معاملے میں چوپٹ ہو کر رہ جاتے ہو۔"

"کس کی بات کررہی ہو؟" سلطان شاہ نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"جہانگیر کو کمرے میں پہنچانے کے بعد سب ہی اسے بھولے ہوئے ہیں۔ میں اسے دیکھنے جارہی ہوں" یہ کہہ کر وہ جہانگیر کی خواب گاہ کی طرف چل دی۔

غزالہ نے اس سے کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے اسے خاموش کردیا "اس وقت وہ نہیں رکے گی۔ جہانگیر کی خبر گیری کا بہانہ کرکے وہ وہسکی کا ایک آدھ پیگ لینے گئی ہے۔ وہ جب تک جاگتی رہے گی' تھوڑے تھوڑے وقفے سے پیتی رہے گی۔ اپنی اسی عادت کی وجہ سے اس نے جہانگیر کی ایک بوتل کچن کیبنٹ میں چھپائی تھی۔"

"تو وہ ویرا کی حرکت تھی؟" غزالہ حیرانگی سے بولی "غضب خدا کا' وہ کیسی دیدہ دلیری سے جہانگیر پر الزام تراشی کررہی تھی۔ میں خود جہانگیر کی طرف سے شبہے میں پڑ گئی تھی کہ بوتل اسی نے چھپائی ہوگی۔"

میں سگریٹ سلگا کر صوفے پر نیم دراز ہوگیا اور مسکراتے ہوئے بولا "وہ بہت کم جھوٹ بولتی ہے لیکن جب بولتی ہے تو چوری اور سینہ زوری کے اصول پر عمل کرتی ہے۔ مجھے متنازعہ بوتل کے بارے میں پوری بات معلوم تھی لیکن میں اس جھڑپ سے لطف اندوز ہونے کے لیے دانستہ خاموش رہا تھا۔"

"جہانگیر' ویرا کی الزام تراشی پر بری طرح بوکھلا گیا تھا" غزالہ اس سچویشن کو یاد کرکے ہنس پڑی۔

ویرا چند منٹ بعد واپس آئی تو اس کی سانسوں میں الکحل کی تیز اور تیکھی بُو رچی ہوئی تھی۔ اس بُو کو محسوس کرکے ہم تینوں نے چوری چوری معنی خیز نگاہوں کا تبادلہ کیا لیکن کسی نے ویرا سے کچھ نہیں کہا۔

"وہ کسی مردے کی طرح مسہری پر پڑا ہوا ہے" ویرا از خود اپنی رپورٹ دینے لگی "اس کا آدھا دھڑ مسہری سے نیچے لٹک رہا تھا۔ میں اسے گھسیٹ کر مسہری کے وسط میں ڈال آئی ہوں۔"

"اگر تمہاری بیٹری چارج ہو چکی ہو تو موتی لال کے مسئلے کا کوئی حل سوچو" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

ویرا نے خشمناک نگاہوں سے مجھے گھورا اور بولی "میری بیٹری کبھی ڈاؤن نہیں ہوتی.... اگر تم نے مجھ پر گھٹیا قسم کا کوئی طنز کرنے کی کوشش کی ہے تو مجھے اس کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔"

"یہی تمہاری صحت مندی کا راز ہے" سلطان شاہ نے کہا "میرا خیال ہے کہ موتی لال تم سے ویرا کے طور پر متعارف نہیں ہے کیونکہ میں نے بھارتی قونصل خانے کے حوالے سے پہلی بار اس کا نام سنا ہے۔"

"تمہارا یہ خیال حیرت ناک طور پر درست ہے" ویرا نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں کہا۔

ویرا کے رویے پر دھیان دیے بغیر سلطان شاہ نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "قونصل خانے جانے میں ویرا کے پہچان لیے جانے کا ڈر ہے۔ اسے کسی بہانے سے موتی لال کو باہر بلانا چاہیے۔ وہ اپنی دانست میں ویرا پر ڈورے ڈال رہا ہے اس لیے قوی امید یہی ہے کہ وہ اکیلا آئے گا اور ہم لوگ اسے پکڑ لیں گے۔"

"یہ سامنے کی بات ہم میں سے کسی کو کیوں نہیں سوجھی؟" ویرا نے اس قدر سنجیدگی سے وہ سوال کیا کہ سلطان شاہ کچھ پریشان ہو گیا۔ شاید اسے اندیشہ ہوا ہو کہ اس کی تجویز میں کوئی جھول ہے اور ویرا اس جھول کو واضح کر کے اس کا مضحکہ اڑانے کا ارادہ رکھتی ہے۔

لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بعض اوقات انسان الجھنوں میں گھر کر اتنی محویت کے ساتھ بڑے بڑے امکانات کے بارے میں سوچتا رہتا ہے کہ سامنے کی باتیں اس سے نظر انداز ہو جاتی ہیں۔

سلطان شاہ کی تجویز کی ہوئی راہ میں کوئی پیچیدگی نہیں تھی۔ ہم چاروں نے اس پر مختصر سا تبادلۂ خیال کیا اور اپنی اپنی خواب گاہوں کی طرف چل دیے۔ غزالہ ویرا کے ساتھ تھی۔ سلطان شاہ میرے حصے میں آیا تھا۔

میں اپنے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے جہانگیر کی خواب گاہ کی طرف بڑھا تو سلطان شاہ نے فوراً مجھے ٹوک دیا "معلوم ہوتا ہے کہ ویرا کے بعد اب تمہیں بھی عرقِ خواب آور کی جستجو ہے؟"

"ہر وقت ایک ہی راگنی اچھی نہیں لگتی.... کمرے میں جاؤ، میں اسے دیکھ کر آتا ہوں" اسے خشک سا جواب دے کر میں اپنی راہ پر ہو لیا۔ جہانگیر کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر زیرو واٹ کے بلب کی مدھم سی سبز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس روشنی میں ایک میز پر رکھی ہوئی بوتل واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ گلاس بھی موجود تھے۔ پچھلی بار میں جہانگیر کو اس کمرے میں چھوڑنے آیا تو وہ دونوں چیزیں میز پر موجود نہیں تھیں۔ اس کا ایک [illegible] تھا کہ ویرا ان [illegible] استفادہ کرنے کے بعد انہیں [illegible] کی جگہ پر واپس رکھنا بھول گئی تھی۔ کمرے میں [illegible] کے بعد جہانگیر اس قابل ہی نہیں تھا کہ کسی چیز کو اس کی جگہ سے لا کر قرینے سے میز پر رکھ سکے۔

میں نے غیر ارادی طور پر پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ دروازہ بدستور بند تھا۔ میں نے بوتل میں سے خاصی مقدار گلاس میں انڈیلی، فریج کھول کر یخ بستہ پانی سے گلاس کو پورا کیا اور تین چار لمبے لمبے سانسوں میں وہ تلخ سیال ختم کر دیا۔ اس وقت ویرا کی بچھائی ہوئی راہ میرے لیے فرحت کا سبب بن گئی تھی۔ وہ گلاس خالی کرنے کے بعد میں نے ٹھنڈے پانی کے دو گھونٹ لیے تاکہ میرے منہ میں رچی ہوئی بُو ختم ہو سکے اور پھر جہانگیر پر سرسری نظر ڈال کر باہر نکل آیا۔

○☆○

اگلے دن کے اخبارات میں پہلے صفحے پر سنسنی خیز خبریں موجود تھیں۔

ہم میں سے کسی کو یہ توقع نہیں تھی کہ سی آئی اے کے دو سفید فام اہل کاروں اور ان کے معاون و مترجم کی لاشیں اتنی جلدی دریافت کر لی جائیں گی کہ وہ خبر صبح شائع ہونے والے اخبارات میں آسکے گی لیکن ویرا کی طرف سے ہنری ڈریک نارمن کو کھڑکائے جانے کے فوری بعد غالباً ان لاشوں کی تلاش شروع کر دی گئی تھی۔

اخبار میں مرنے والوں کے نام ولیم، راجر اور ہارون شائع ہوئے تھے۔ وقت ناکافی ہونے کی وجہ سے خبریں بہت تشنہ تھیں۔ یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ ولیم اور راجر اہم امریکن سفارتی افسران تھے جو اپنے ڈرائیور کے ساتھ شہر کی سیر کے لیے نکلے تھے کہ نامعلوم دہشت گردوں کی بربریت کا نشانہ بن گئے۔ ان کے اصل مشن اور سی آئی اے سے تعلق کے بارے میں مکمل خاموشی اختیار کی گئی تھی۔

گولیوں کا نشانہ بننے والوں کے نام ولیم اور ہارون تھے جب کہ راجر کسی "پراسرار آتشیں ہتھیار" کے ذریعے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ ان کی الگ الگ ملنے والی لاشوں اور طریقۂ قتل کے نمایاں فرق نے پوری صورتِ حال کو بری طرح الجھا کر رکھ دیا تھا اور پولیس کے اہم افسران دونوں وارداتوں کو مجرموں کے ایک ہی گروہ کی حرکت سمجھنے پر آمادہ نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ الگ الگ گروہوں کا نشانہ بنے ہیں۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ وہ تینوں ایک ساتھ شہر کی سیر کرنے نکلے اور دو مختلف حملوں میں اپنی جانیں کھو بیٹھے۔

اخبارات کو وہ خبر غالباً اتنی تاخیر سے ملی کہ اصل خبر اور تصاویر ہی چھپ سکیں۔ اخباری نامہ نگار کی قیاس آرائی اور خفیہ یا مصدقہ ذرائع سے ملنے والی باتبصرہ معلومات شاملِ اشاعت نہیں ہو سکی تھیں۔

وہ پوری خبر پڑھنے کے بعد میں نے پورا اخبار چھان مارا لیکن امریکن قونصل خانے یا ایچ ڈی نارمن کے بارے میں کہیں ایک لفظ بھی نہیں چھپا تھا۔ [illegible] مطلب [illegible] ذرائع ابلاغ کی حد تک

ان لوگوں نے پس پشت رہنے کا فیصلہ کیا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ اس تہرے قتل کے بعد امریکیوں نے نیچے سے اوپر تک پوری انتظامیہ کو نچا کر رکھ دیا ہو گا۔

راجر کے قتل میں استعمال ہونے والے پراسرار آتشیں ہتھیار کے بارے میں خاصی دلچسپ قیاس آرائی کی گئی تھی۔ اسے ایسا ہتھیار قرار دیا گیا تھا جو دھماکے کے بغیر اتنی حرارت پیدا کرتا ہے کہ اس کی زد میں آنے والی ہر چیز جل کر کوئلہ بن جاتی ہے۔ اس نظریے کی حمایت میں راجر کے سامنے کے دانتوں کا حوالہ دیا گیا تھا جو کوئلہ بن کر چور چور ہو گئے تھے۔ اس کے دہانے سے سر تک ایک سوراخ پایا گیا تھا جب کہ بغلی دانت صحیح سلامت تھے۔

رات کو ہم لوگ ویرا کے ساتھ موتی لال کا شکار کھیلنے کا پروگرام طے کر کے سوئے تھے' اس لیے سویرے ہی اٹھ گئے تھے لیکن ناشتے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ شہر میں جاری سرگرمیوں کی وجہ سے ہمارا باہر نکلنا مخدوش ہو سکتا تھا۔ میری اور ویرا کی سرکوبی کے سلسلے میں امریکن قونصل خانے کے حکام اس قدر فعال ہو چکے تھے کہ انہوں نے جم کلارک کی موت کے بعد ہی میری اور ویرا کی تصاویر مقامی اداروں کو فراہم کر کے' ہمیں ملزم نامزد کر دیا تھا۔ ہم لوگوں کو ایس ٹی ایف کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی لیکن وہ فورس ریاستی ریکارڈ پر سرے سے کوئی وجود ہی نہیں رکھتی تھی۔ امن و امان کے قیام اور قانون کے نفاذ کے ذمے دار اداروں کے اعلیٰ حکام بعض پراسرار رابطوں کے ذریعے ایس ٹی ایف کی ہدایات پر عمل کرنے کے پابند تھے لیکن صرف اسی حد تک جہاں ان کی کھلی کارکردگی پر کوئی حرف نہ آتا ہو۔ ایسے اداروں میں بھی نچلے درجے کے عمال ایس ٹی ایف کے وجود سے بے خبر تھے جب کہ بیشتر عملی اقدامات اسی سطح پر کیے جاتے تھے۔

اگر ہم لوگ موتی لال کو گھیرنے کے لالچ میں باہر نکلتے اور پولیس کی کوئی گشتی پارٹی ہم پر ہاتھ ڈال دیتی تو وہ معاملہ فوری طور پر اتنی تشہیر حاصل کر لیتا کہ اوّل خان اور اس کے بڑے اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ہماری گلو خلاصی کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

ہم لوگ اسی سوچ بچار میں مصروف تھے کہ نو بجے اوّل خان کا فون آ گیا۔ اس نے چھوٹتے ہی ہم لوگوں کے پروگرام کے بارے میں دریافت کیا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ سب لوگ ریسٹ ہاؤس ہی میں موجود ہیں تو اس نے سب کو وہیں ٹھہر کر اپنا انتظار کرنے کی ہدایت کی اور عجلت میں فون بند کر دیا۔

"اسے کیا پریشانی لاحق ہو گئی؟" اوّل خان کا پیغام سننے کے بعد ویرا نے پوچھا۔

"حالات میں بڑی تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ میں نے اس کے لب و لہجے سے اندازہ لگایا ہے کہ اسے ہمارے یہاں موجود ہونے کی امید نہیں تھی۔ دیکھو' اب وہ کن خبروں کے ساتھ آتا ہے" میں نے کہا۔

"اس نے ویرا اور موتی لال کی گفتگو کا کوئی ذکر نہیں کیا؟" غزالہ نے پوچھا۔

"نوبت ہی نہیں آئی۔ دو جملوں میں بات ختم ہو گئی۔ وہ بہت عجلت میں تھا۔"

قیاس آرائیاں ہوتی رہیں اور وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ اس وقت ہم چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جہانگیر کو گہری نیند سے بیدار کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہونے کے بعد اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ ویرا کا اندازہ تھا کہ رات کا گہرا خمار اترنے سے پہلے وہ بستر چھوڑنے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔

بیس منٹ میں اوّل خان جہانگیر کی فیکٹری آ پہنچا۔ اس کے بشرے سے تھکن اور خستہ حالی ٹپک رہی تھی۔ آنکھوں سے بے خوابی کی علامات ظاہر ہو رہی تھیں۔ شاید وہ ساری رات مصروف رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں نے تم لوگوں کے باہر نکلنے سے پہلے ہی رابطہ کر لیا" وہ آتے ہی کسی تمہید کے بغیر بولا "باہر نکل کر تم سب ناقابلِ تصور مشکلات میں گھر سکتے تھے۔"

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم کہیں جانے والے تھے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"میں نے صبح تین بجے تمہاری اور موتی لال کی گفتگو کی ریکارڈنگ سن کر اندازہ لگا لیا تھا کہ اب تم لوگ اسے گھیرنے کے چکر میں پڑ گئے ہو" وہ بولا "موتی لال کی باتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ آسانی سے تمہارے جال میں پھنس سکتا ہے لیکن تمہارے لیے شہر کے حالات مخدوش ہیں۔ امریکن قونصل خانے کی فراہم کی ہوئی تصویر کی بنا پر آج صبح تک شہر کے چار تھانوں میں تجربے کار افسران ایسے افراد کو پکڑ لائے ہیں جن پر ڈینی ہونے کا شبہ کیا جا رہا ہے۔ تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ان بے گناہوں کی کیسی درگت بنائی گئی ہو گی۔ مجھے صرف اس بات سے اطمینان ہے کہ تفتیش مکمل ہوتے ہی ان بے چاروں کو آزادی مل جائے گی مگر چھاپوں اور تلاش کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔"

"چار ڈینی؟" سلطان شاہ نے حیرت سے دہرایا "کیا امریکیوں کے ساتھ ہمارے پولیس افسران کا بھی دماغ چل گیا ہے جو وہ بے گناہ شہریوں کو ہراساں کرتے پھر رہے ہیں؟"

"اوپر کا دباؤ ذہین ترین افسروں کے دماغ بھی ماؤف کر دیتا ہے۔ غنیمت یہ ہے کہ ڈینی کی تصویر دھندلی ہے۔ اگر ان کے پاس کوئی واضح تصویر موجود ہوتی تو حالات قابو سے باہر ہو سکتے تھے۔"

"پہیلیاں بجھوانے کے بجائے کھل کر پوری بات بتاؤ" میں نے نرمی سے کہا۔

"ویرا نے ہنری کو فون کر کے بہت بڑی غلطی کی" اوّل خان نے اپنی بات شروع ہی کی تھی کہ ویرا نے احتجاج کرتے ہوئے اسے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔

"وہ صرف میرا فیصلہ نہیں تھا۔ میں نے سب کے مشورے

— — ۔ن کیا تھا اور اس مشورے میں تم بھی شامل تھے۔"

"میں اس مشترکہ فیصلے کی ذمے داری تم پر نہیں ڈال رہا" اوّل خان نے مصالحانہ انداز میں کہا "میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ ہم سب کے مشورے سے تم نے ہنری کو جو فون کیا' وہ غلط تھا۔ وہ فوراً ہی پوری قوت سے حرکت میں آگئے اور لاشیں دستیاب ہوتے ہی جارحانہ تیوروں کے ساتھ مقامی حکام پر چڑھ دوڑے۔ اگر اسے فون نہ کیا جاتا تو سب کچھ فطری انداز میں رونما ہوتا۔ دن چڑھنے کے بعد لاشیں دستیاب ہوتیں' اسباب قتل پر غور و خوض ہوتا' شبہات سامنے آتے۔ پھر کسی کا ذہن راجر پر بیم گن کے استعمال کی طرف جاتا تو تمہارا نام سامنے آتا لیکن ہم نے خود ہی ان کی یہ ساری مشکلات آسان کردیں۔ لاشیں ملیں اور وہ تم دونوں کے لہو کے طلب گار ہوگئے۔"

"اوّل یا آخر' یہ تو ہونا ہی تھا۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"فی الحال تم سب اسی ریسٹ ہاؤس تک محدود رہو گے۔ امریکن چوٹ کھائے ہوئے کتے کی طرح بلبلا رہے ہیں۔ انہوں نے لاکھوں کی تعداد میں ایک ہینڈ بل چھپوا کر آج دوپہر تک شہر میں ہیلی کاپٹر سے گرانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس میں تمہاری اور ڈینی کی تصاویر چھاپی جانی تھیں۔ تمہیں مغویہ امریکن دوشیزہ اور ڈینی کو اغوا کنندہ اور قاتل قرار دیا جاتا۔ ان لوگوں نے ڈینی کی گرفتاری یا تمہاری بازیابی میں مدد دینے والوں کے لیے پندرہ لاکھ روپے فی کس انعام کا اعلان کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ بڑی دقتوں کے بعد انہیں قائل کیا گیا کہ جب مبہم تصویر کی بنا پر پولیس والے چار ڈینی پکڑ سکتے ہیں تو اس اشتہار کی تقسیم کے بعد ہر تھانے میں مشتبہ افراد کی قطاریں لگ جائیں گی۔ بڑے انعام کے لالچ میں ہزاروں افراد تلاش کی مہم پر نکل پڑیں گے۔ ہیجان' سنسنی اور افراتفری کے علاوہ شہر میں امن و امان کے سنگین مسائل بھی پیدا ہوسکتے ہیں۔ ان کے انفارمیشن سیکریٹری نے بہت مشکل سے اشتہار کا منصوبہ واپس لیا ہے لیکن انعام کا اعلان بدستور برقرار ہے۔ البتہ اب یہ انعام پولیس والوں اور دوسرے سرکاری اہل کاروں کے لیے مخصوص کردیا گیا ہے تاکہ ان کی کارکردگی میں نمایاں اضافہ ہو۔ عملاً یہ ناممکن ہے کہ میدان میں اترے ہوئے ہر شخص کو ایس ٹی ایف کے ریاستی راز میں شریک کرکے یہ بتایا جائے کہ ڈینی اور ویرا کی گرفتاری ملکی مفاد کے منافی ہوگی" اوّل خان نے ہمارے خلاف کھلنے والے نئے محاذ کی بھیانک نقشہ کشی کرکے ہم چاروں کو تشویش میں مبتلا کردیا۔

"وہ خود بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھے ہوئے نہیں بیٹھے ہوں گے" میں نے کہا۔

"انہوں نے عام گاڑیوں کا استعمال ترک کردیا ہے۔ عملے کی اجتماعی آمدورفت کے لیے بھی آرمرڈ گاڑیاں استعمال کی جارہی ہیں۔ کراچی میں ان کی کل تعداد صرف چار ہے۔ چھ گاڑیاں اسلام آباد سے چارٹرڈ طیارے کے ذریعے منگوائی جارہی ہیں" اوّل خان نے بوکھلائے ہوئے سفارت کاروں کی کارگزاری پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا۔

"ٹھیک ہے" میں نے ہنس کر کہا "اگر ہمارے دشمن اس قدر اعصاب زدہ ہوچکے ہیں تو ہم چند روز کے لیے اس ریسٹ ہاؤس میں محدود رہ کر چین کی بنسری بجا سکتے ہیں۔ تم نے ابھی تک اس بارے میں کچھ نہیں بتایا کہ ولیم اور راجران کے اہم سفارتی افسران کیسے ہوگئے؟"

"ان کی شناخت وہ چھپا ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ جم کلارک کے قتل کے بعد ہونے والے مشترکہ اجلاس میں ولیم اور راجر نے امریکن سیکرٹ سروس کے نمائندوں کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ اسی اجلاس میں انہیں پابند کیا گیا تھا کہ وہ مقامی حکام کو اعتماد میں لیے بغیر کوئی کارروائی نہیں کریں گے" اوّل خان بتانے لگا "لیکن اخبارات کو جان بوجھ کر اصل شناخت نہیں بتائی گئی۔ اس کی تشہیر سے ناخوشگوار عوامی ردّعمل پیدا ہوسکتا تھا۔ پس پردہ کارروائیوں سے قطع نظر' دونوں ملکوں کے خفیہ محکموں کے افسران معمول کے فرائض کے سلسلے میں ایک دوسرے کے ملک میں آتے جاتے رہتے ہیں لیکن امریکا کے خفیہ محکمے اتنے بدنام ہوچکے ہیں کہ دنیا کا ہر ملک ان کے کسی کلرک تک کی آمد کو خفیہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ عام سوچ یہ ہوتی ہے کہ آنے والا کوئی نہ کوئی خطرناک منصوبہ لے کر آیا ہوگا۔"

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات چودھویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو ساتھ ہی شائع ہو رہا ہے

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

حصہ 14

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خود نوشت اس نے منشیات کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر، ملک ملک، اور براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لئے خاک اڑانا اس نوجوان کا شغل ہو گیا مگر موت کے سوداگر بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا تعمیری سلسلہ۔ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں

"تجربہ بتاتا ہے کہ اکثر عام سوچ ہی درست ہوتی ہے" غزالہ بولی "ولیم اور راجر یہاں کیا کر رہے تھے؟ وہ یہاں سبزیاں اگانے نہیں، جم کلارک کے ساتھ مل کر کشت و خون کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔"

"شناخت کا مسئلہ تو تم نے حل کر دیا۔ ان کی نقل و حرکت کے بارے میں کیا مؤقف اختیار کیا گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہی جو اخبارات میں شائع ہوا ہے" وہ بولا "وہ بے کاری سے اکتا کر سیر و تفریح کے لیے نکل گئے تھے۔ یہ ان کی سنگین غلطی تھی کہ انہوں نے انتظامیہ سے کسی حفاظتی بندوبست کا مطالبہ نہیں کیا۔ یہاں والوں کا سب سے مضبوط نکتہ یہی ہے کہ مرنے والوں نے حفاظتی اقدام کو سرے سے نظر انداز کر دیا تھا۔ میری توقع کے عین مطابق قونصل خانے والے یہ بات اپنی زبان پر لا ہی نہیں سکے کہ ولیم اور راجر، جم کلارک کے قاتلوں کا کھوج لگانے کے کسی مشن پر نکلے تھے۔"

"دھیمین سفید کرولا سمیت پکڑے جانے والے چار مسلح مقامیوں نے بھی تو کچھ نہ کچھ بتایا ہوگا؟ ویرا بولی۔

"ان پر محنت جاری ہے" اوّل خان یک بیک اداس ہو گیا "وہ شہر کے منجھے ہوئے جرائم پیشہ افراد ہیں اور چند ہفتوں سے غیر معمولی آسائشوں کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ ابھی تک وہ ایک ہی بیان پر اڑے ہوئے ہیں کہ ان کا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ گلشن جا رہے تھے کہ راستے میں جھگڑا ہو گیا اور وہ دھر لیے گئے۔"

"گلشن جانے کے لیے ہتھیار بھی ضروری تھے!" ویرا نے طنز سے کہا۔

"ان کے بقول ہتھیار مرد کا زیور ہوتے ہیں۔ مسلح رہنا ان کا معمول ہے" اوّل خان دکھ بھرے لہجے میں بولا "ان سے بازپرس کرنے والوں کو معلوم ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ وہ کتنے ہی پکے کیوں نہ ہوں، تشدد کے سامنے بولنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ایسے ہر شخص کو دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ چند کوڑیوں کے عوض کتنا بڑا سودا کر رہے ہیں اور اس کا نتیجہ کیسا بھیانک نکلے گا۔"

چند ثانیوں کے لیے ڈرائنگ روم کی فضا پر بوجھل سکوت چھا گیا۔ بس دو دفعہ دیا سلائی رگڑنے کی آوازیں سنائی دیں۔ ویرا نے سگریٹ سلگانے میں پہل کی تھی، میں نے اس کی تقلید کر ڈالی۔ اوّل خان کے آخری فقروں نے میرا دل بوجھل کر دیا تھا اور اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے ہلکا سا سود رنا گزیر ہو گیا تھا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ فی الحال موتی لال کی رسی دراز رہے گی" آخر غزالہ نے سکوت توڑا۔

"مجبوری ہے ورنہ میں خود اس موذی کو کیفر کردار تک پہنچانے کا یہ موقع ضائع نہ کرتا" اوّل خان نے کہا۔

"تم ہمت کرو تو یہ موقع استعمال کیا جا سکتا ہے" ویرا نے اوّل خان کے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔

"عصمت کے معاملے میں تم مجھے کبھی کمزور نہیں پاؤ گی" اول خان نے بلاتردد جواب دیا "تم تجویز بتاؤ"!

"مجھے کچھ سامان لا دو۔ میں حلیہ بدل کر تمہارے ساتھ چلوں گی" ویرا پُرعزم لہجے میں بولی "اسے قونصل خانے کی محفوظ سفارتی عمارت سے باہر نکالنا اور گھیر گھار کر کسی ویرانے میں لے جانا میرا کام ہے۔ اسے بے بس کر کے پکڑنے کی ذمے داری تم پر ہو گی۔ میں نے آج اس سے رابطہ نہیں کیا تو وہ میری طرف سے مشکوک ہو جائے گا۔"

"ہم شرلاک ہومز کے زمانے میں نہیں رہ رہے جب اللہ دین کا جن میک اپ کر کے طوطا پری کا روپ دھار لیتا تھا" سلطان شاہ نے ویرا کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا "یہ بیسویں صدی کا آخر۔۔۔۔"

"خاموش رہو" غزالہ نے اس کی بات کاٹ دی "ویرا کی پوری تجویز سننے دو۔"

"اسکن ٹیننگ لوشن سب سے زیادہ ضروری ہے" ویرا نے کہا "میں اپنی جلد کی رنگت تبدیل کیے بغیر لوگوں کی نگاہوں سے نہیں بچ سکتی۔ میکس فیکٹر کے لوشن کے ساتھ چند اور چیزیں آ جائیں تو کوئی مجھے شناخت نہیں کر سکے گا۔"

میں دل ہی دل میں اس کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ سفید جلد کو گندمی رنگ دینے والے لوشن کے بارے میں میں بہت کچھ سن چکا تھا۔ چمکیلی دھوپ سے ترسے ہوئے یورپ اور انگلینڈ کے باسیوں کے لیے دھوپ کی تمازت سے جھلسی ہوئی جلد ہمیشہ دلکشی کا اشتہار رہی ہے۔ سرد مرطوب موسم میں زندگی گزارنے والے سفید فام مرد و عورت جب بھی گرم استوائی ملکوں میں جاتے ہیں تو اپنی جلد کو جھلسانے کے لیے گھنٹوں چلچلاتی دھوپ میں مارے مارے پھرتے ہیں تاکہ وطن لوٹ کر دوسروں کو اپنے سن باتھ یا دھوپ کے غسل کی نشانات اور کہانیاں سنا سکیں۔ جنہیں ایسے مواقع نہیں ملتے' وہ اپنے جسم کے کھلے ہوئے حصوں پر لوشن مل کر ویسی ہی رنگت لانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کے پاس بھی کوئی جوابی قصہ موجود ہو۔ یورپ وغیرہ میں ایسے لوشن بہت عام اور مقبول ہیں لیکن پاکستان کا معاملہ مختلف تھا۔

"تمہاری تجویز قابلِ عمل معلوم ہوتی ہے" میں نے کہا "لیکن پاکستان میں سال کے بارہ مہینے تیز دھوپ پڑتی ہے۔ یورپ کے چونچلے پاکستان میں کہاں مل سکیں گے؟ یہ چیل کا انڈا لانے والی بات ہو جائے گی۔"

وہ ہنس پڑی "میرا خیال ہے کہ تم نے کبھی اپنے بازاروں کے چکر نہیں لگائے۔ یہاں ایسی ایسی چیزیں ملیں گی جن کا استعمال تک نہیں سوچا جا سکتا۔ ملک سے باہر کام کرنے والے شوقین مزاج لوگ جب چھٹیوں پر پاکستان آتے ہیں تو محض تشہیر سے مرعوب ہو کر ایسی ایسی انٹ شنٹ چیزیں اٹھا لاتے ہیں جنہیں ان کے گھر والے بھی ہاتھ نہیں لگاتے اور پھر یہ چیزیں کوڑیوں کے مول صدر اور بوہری بازار کے دکانداروں کو بیچ دی جاتی ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ ذرا سی محنت کی جائے تو میری مطلوبہ ہر چیز مل سکتی ہے۔ میں چیل کا انڈا نہیں مانگوں گی۔"

"فہرست بنا دو۔ میں کوشش کرتا ہوں۔ ناکامی ہوئی تو شہر سے فون پر بتا دوں گا" اول خان بولا۔

"شہر سے؟" ویرا حیرت سے بولی "تو کیا اس وقت ہم جنگل میں بیٹھے ہوئے ہیں؟"

"یہ کراچی کی ایک پرانی ریت ہے۔ اسے تم نہیں سمجھ سکو گی" اول خان اس کی حیرت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا "شہر کے مضافات میں رہنے والے پرانے بازاروں کو ابھی تک شہر ہی کہتے ہیں۔ انگریزی میں اسے ڈاؤن ٹاؤن سمجھ لو۔"

ویرا تفہیمی انداز میں سر ہلا کر غزالہ کے ساتھ فہرست طے کرنے میں مصروف ہو گئی۔

میں نے اس دوران میں اول خان سے اس ٹرانسمیٹر کا ذکر چھیڑ دیا جو سلطان شاہ نے موتی لال کے لیے کام کرنے والے ایس ٹی ایف کے دو غداروں سے چھینا تھا۔

"اس پر بہت کم پیغامات سنے گئے ہیں" اول خان بولا "موتی لال کو بھی اندازہ ہے کہ وہ ایک اپریٹس سے محروم ہو چکا ہے اور اس کے ذریعے پیغامات کسی اور فریق تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اسی خدشے کی وجہ سے اپریٹس کا بہت محدود استعمال کیا جا رہا ہے۔"

"سنے جانے والے پیغامات کی کیا نوعیت ہے؟" میں نے تجسس کے ساتھ پوچھا۔

"انہیں سمجھنا آسان نہیں ہے" اول خان ایک گہرا سانس لے کے بولا "وہ ہدایات جاری کرتے ہوئے ماسٹر کا لقب استعمال کرتا ہے۔ اپریٹس پر تین مرتبہ گفتگو سنی گئی اور تینوں بار ماسٹر ہی نے پیغام رسانی کی ابتدا کی۔ اس کا مطلب ہے کہ دوسروں کو اپنے طور پر اپریٹس استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔"

"کیا وہ کوئی نئی کرپٹو گرافی استعمال کر رہے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ سرے سے کوئی باقاعدہ خفیہ زبان ہی نہیں ہے۔ پیغام رسانی کے لیے روز مرہ بول چال کے عام لیکن بے ربط فقرے استعمال کیے جاتے ہیں اور ان ہی میں اصل ہدایت پوشیدہ ہوتی ہے۔ ایک پیغام میں ماسٹر نے پوچھا کہ انڈوں کے کیا دام چل رہے ہیں تو دوسری طرف سے جواب آیا کہ سردی کی وجہ سے اس سال اولے پڑنے کا امکان ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ ان متضاد فقروں سے کیا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔"

"ان فقروں میں اصل اہمیت انڈوں اور اولوں کی معلوم ہوتی ہے۔"

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے لیکن ان الفاظ کا خفیہ مفہوم؟ بہرحال کام جاری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جلد ہی کوئی نتیجہ سامنے

آ جائے۔ ناکامی کی صورت میں ہم موتی لال سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دیں گے تاکہ وہ اپنے آدمیوں سے لاسلکی گفتگو کا ذریعہ استعمال نہ کر سکے۔ تین مرتبہ سنی جانے والی گفتگو میں موتی لال نے دو مختلف آدمیوں سے بات کی تھی۔ کسی طرح ان میں سے کسی کا سراغ مل جائے تو کام آگے بڑھ سکتا ہے۔"

اس مرحلے پر ویرا نے اپنی مختصر مگر جامع فہرست مکمل کر کے اوّل خان کے حوالے کر دی۔

"میں کوشش کرتا ہوں" اوّل خان فہرست پر سرسری نظر ڈالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ سب عام استعمال کی قیمتی اشیا ہیں۔ آرائشی سامان کی کسی بھی بڑی دکان پر مل جائیں گی" غزالہ نے اسے امید دلاتے ہوئے کہا "ان کے آنے تک ویرا دوسرے کام مکمل کر لے گی۔"

اوّل خان تفہیمی انداز میں سر ہلاتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا۔

"جہانگیر ابھی تک سو رہا ہے" ویرا چبھتے ہوئے لہجے میں بولی "اٹھ جائے تو اسے بتا دینا کہ ناشتا تیار مگر ٹھنڈا ہے۔ میں غزالہ کے ساتھ کمرے میں جا رہی ہوں تاکہ ہیئر اسٹائل وغیرہ تبدیل کر سکوں۔"

"جاؤ' اللہ تم دونوں کی مغفرت کرے۔ میں جہانگیر کو بھگت لوں گا۔"

"میرا کوئی ذکر ہی نہیں ہے تو میں گھومنے جا رہا ہوں" سلطان شاہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

دونوں عورتیں خواب گاہ کی طرف جانے لگیں تو سلطان شاہ نکاس کے راستے کی طرف چل پڑا۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ چھت پر متعین دونوں محافظوں کی خبر گیری کے لیے جا رہا تھا۔

میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ سگریٹ سلگاتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ جب نچلی سطح کے سرکاری اہل کار ہمارے معاملے میں ایس ٹی ایف کی گہری دلچسپی سے بے خبر تھے تو یہ امکان بھی تھا کہ ان میں سے کوئی 'ہنری کے قونصل خانے کی فراہم کی ہوئی اطلاعات پر کام کرنا نہ شروع کر دے۔ ان لوگوں نے باقاعدہ طور پر جہانگیر کو میرا دوست نامزد کیا تھا اور اس تک رسائی حاصل کر کے میرا سراغ لگانے کا عندیہ دے چکے تھے۔

یہ دیگر بات تھی کہ ولیم اور راجر اس سمت میں پیش رفت کر کے اپنی جانیں گنوا چکے تھے لیکن ان کی کوششوں سے ہر مقامی اہل کار لاعلم تھا۔ ان حالات میں کوئی پُرجوش مقامی افسر جہانگیر کے گھر پہنچ کر اس کے تمام امکانی ٹھکانوں کے بارے میں تفتیش شروع کر سکتا تھا۔

میں دیر تک اسی الجھن میں جلتا رہا لیکن پھر میں نے اس احمقانہ وہم کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ اوّل خان نے ہر کلیدی راستے کو بہت ہوشیاری سے مسدود کیا ہوا تھا۔ جہانگیر کا قدیم چوکیدار اس کے گھر سے ہٹا دیا گیا تھا اور وہ مکان ایک پرائیویٹ سیکیورٹی کمپنی کے مسلح محافظوں کی نگرانی میں تھا۔ وہ گارڈز ایس ٹی ایف اور جہانگیر کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے اس لیے ان سے کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا۔ اسی طرح جہانگیر کا شرف آباد والا فلیٹ بھی ویران پڑا ہوا تھا۔ ہمارے خوں خوار دشمن بکتر بند ایمبولینس کے ساتھ وہاں دھاوا بول کر منہ کی کھا چکے تھے اور اس عمارت کے مالک کو جہانگیر کے گھر کے علاوہ گارمنٹ فیکٹری کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔

میں اسی ادھیڑبن میں جلتا تھا کہ جہانگیر نہا دھو کر اپنی خواب گاہ سے برآمد ہوا۔

جب میں نے اسے ناشتا ٹھنڈا ہونے کی نوید سنائی تو اس کی پیشانی پر شکن تک نہیں آئی۔ اس نے انٹرکام کا بٹن دبا کر ریشم خان کو اوپر طلب کیا اور خالی منہ چلاتے ہوئے میری طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارے ساتھ رہ کر اندازہ ہو رہا ہے کہ تم کتنے بڑ حرام ہو گئے ہو" میں نے جل کر کہا۔

"سہولتوں کا فائدہ نہ اٹھانا کفرانِ نعمت ہے۔ نادیہ کی زندگی میں بھی ناشتا ریشم خان ہی تیار کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے عورتوں کو باورچی خانے میں جھونکا تھا" وہ نہایت اطمینان سے بولا۔

"جب تک تم ہماری رہنمائی نہیں کرو گے ہمیں کیسے علم ہو سکے گا کہ کاموں کی تقسیم کیا ہے۔"

"میں ضرب تقسیم کے چکر میں نہیں پڑتا۔ میں نے ریشم خان کو بتا دیا تھا۔ تم کال بیل بجاتے تو وہ خود بخود دوڑا چلا آتا۔ میں نے اوپر والے محافظوں کی دیکھ بھال بھی اسی کے سپرد کی ہوئی ہے۔"

اس وقت مجھے دھیان آیا کہ ہم لوگ خود کھا پی کر فارغ ہو گئے تھے لیکن ہم میں سے کسی کو ایس ٹی ایف والوں کا خیال نہیں آیا تھا۔ جہانگیر نے اپنے بندوبست کا ذکر کر کے میرے ذہن سے وہ بوجھ ہٹا دیا۔

ریشم خان ہم دونوں کو سلام کر کے کسی سعادت مند ملازم کی طرح کچن میں گیا ہی تھا کہ سلطان شاہ بھی واپس لوٹ آیا۔ اس کے بشرے سے اطمینان جھلک رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ اوپر کی صورتِ حال نارمل تھی۔

"پہلی رات تھی اس لیے دونوں ہی جاگتے رہے" میرے پوچھنے پر اس نے بتایا "فیکٹری کا احاطہ اتنا وسیع ہے کہ اس پر نظر رکھنے کے لیے ایک آدمی ناکافی ہوتا ہے۔ کئی مقامات پر روشنی نہ ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے تاریک دھبے بھی ہیں جو پریشان کرتے رہے۔ ایک بار دو آوارہ کتے اسی تاریکی میں دیر تک منڈلاتے رہے اور ایک آدمی انہیں مشتبہ افراد سمجھ کر رائفل سے شست لیے بیٹھا رہا۔ بہت دیر بعد جب وہ کتے اس دھان پدر تاریکی سے باہر آئے تو وہ اپنا سر پیٹ کر رہ گیا۔"

"احاطے کی پوری دیوار کے ساتھ روشنی کے کھمبے لگے ہوئے

ہیں" جہانگیر نے وضاحت کی "شاید کچھ بلب فیوز ہوگئے ہوں گے۔ ریشم خان انہیں تبدیل کردے گا۔"

"ہر کام ریشم خان کرے گا" میں نے قدرے تیزی سے کہا "چوکیداری، ناشتے کی تیاری، روشنی کی دیکھ بھال۔ آخر تم اس بے چارے سے کتنے کام لیتے ہو..... اور وہ بھی کسی وفا شعار گدھے کی طرح ہر کام کرلیتا ہے۔"

"ہر کام کا تعلق چوکیداری سے ہوتا ہے۔ میں اس کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔"

"روشنی اور چوکیداری کا تعلق تو سمجھ میں آتا ہے۔ ناشتے کا چوکیداری سے کیا تعلق نکل آیا؟"

"کھائے گا نہیں تو کیا بھوکا رہ کر چوکیداری کرے گا؟" جہانگیر نے الٹا مجھ ہی سے سوال کر ڈالا۔

"میں اس کے نہیں، تمہارے ناشتے کی بات کررہا ہوں" میں نے غصے سے کہا۔

"میں بھی اسی کے ناشتے کی بات کررہا ہوں" جہانگیر نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "جب وہ اپنا ناشتا خود بناتا ہے تو میرا ناشتا کیوں نہیں بنا سکتا؟ میں کسی پر اس کی بساط سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔"

"پھر کھانا بھی اسی سے پکوالیا کرو" سلطان شاہ نے جلا کٹا مشورہ دے ڈالا۔

"کوشش کی تھی مگر وہ اس معاملے میں اناڑی ہے" جہانگیر نے بے حیائی سے جواب دیا "اپنا پکایا ہوا کھانا وہ خود کھا سکتا ہے، ہم نہیں کھا سکتے۔ میں اس معاملے میں بھی اس کے ساتھ مساوات برتتا ہوں۔ جب تک میں یہاں رہتا ہوں اسے بھی وہی کھلاتا ہوں جو خود کھاتا ہوں۔ اس کی موج ہوجاتی ہے۔"

"بچا ہوا کھانا اسے دے کر کون سا احسان کرتے ہو؟" جہانگیر کی بات پر سلطان شاہ کو تاؤ آگیا۔

"تب میں اسے اپنے ساتھ بٹھا کر تو کھلانے سے رہا" جہانگیر بے پروائی سے بولا "میں اسے پلیٹوں میں بچا ہوا کھانا نہیں کھلاتا۔ ڈشوں میں بچے ہوئے کھانے کو اگر تم جھوٹا کہتے ہو تو یہ تمہاری کھوپڑی کی ٹیڑھ ہے۔"

بحث کا وہ سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا کیونکہ ریشم خان اپنے مالک کے لیے ناشتے کی ٹرے لے آرہا تھا۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی تو چائے کی تین پیالیاں دیکھ کر میں اس کے سگھڑپن کا قائل ہوگیا۔ سلطان شاہ کی آواز سن لینے کے بعد اس نے کسی اضافی ہدایت کے بغیر اپنے قرینے کا مظاہرہ کیا تھا۔

"آج میری فیکٹری میں مزدوروں کی یونین بن جائے تو کل ریشم خان اوور ٹائم کے بغیر چوکیداری کرنے سے بھی انکار کردے گا" ریشم خان کے چلے جانے کے بعد جہانگیر نے فخریہ لہجے میں کہا "میں فیکٹری کا سارا کام ٹھیکے داری پر کراتا ہوں۔ تنخواہ دار ملازموں کی تعداد اتنی ہونے ہی نہیں دیتا کہ وہ یونین بنانے کے بارے میں سوچ سکیں۔ آج کے دور میں صنعتی مزدور سے کام لینا بھی ایک ہنر ہے۔"

"اور تم اس ہنر میں طاق ہو" میں نے اس کی قطع کلامی کرکے کہا۔

"طاق تو خیر نہیں ہوں" جہانگیر نے کسرِ نفسی سے کام لیا "بس اپنا کام چلا لیتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ مزدوروں میں اجتماعی سودے بازی کا تصور تم جیسے گھٹیا ذہن کے تاجروں ہی کی وجہ سے پیدا ہوا ہوگا" میں نے کہا "غضب خدا کا..... کہاں چوکیداری اور کہاں بجلی مرمت کا خطرناک کام!"

"اسے بجلی مرمت کا نام دے کر مجھے بدنام مت کرو" جہانگیر ناگواری سے بولا "جاہل اور اجڈ مزدوروں کے گھر کے بلب فیوز ہوتے ہیں تو انہیں بدلنے کے لیے وہ الیکٹریشن کو نہیں بلاتے۔ عورتیں تک بلب بدل لیتی ہیں۔ ریشم خان یہی کام فیکٹری میں کرلے تو تمہاری دانست میں قیامت آجاتی ہے۔"

"لو، قیامت آہی گئی" سلطان شاہ نے اندرونی راہداری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور سب کی نگاہیں بے ساختہ اسی طرف اٹھ گئیں۔ ادھر سے دیرا، غزالہ کے ساتھ ہماری طرف چلی آرہی تھی۔

میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اپنی سفید رنگت سے قطع نظر وہ ہر اعتبار سے کوئی مقامی دوشیزہ نظر آرہی تھی۔ اس کے ترشے ہوئے سنہرے بال لمبی اور کالی چوٹی میں غائب ہوچکے تھے۔ چوٹی خالص مشرقی انداز میں گندھی ہوئی تھی۔ سیاہ بالوں والی وہ وگ اس خوبصورتی سے سر پر جمائی گئی تھی کہ قریب آنے پر بھی دیرا کے سر کا کوئی اصلی بال نظر نہیں آرہا تھا۔ چوٹی کے علاوہ دیرا کے کانوں میں ہلکے سے آویزے جھول رہے تھے۔ دونوں ہاتھوں میں کانچ کی رنگین چوڑیاں تھیں۔ بہت ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ وہ غزالہ کے ایک گلابی سوٹ میں ملبوس تھی۔ لمبی آستینوں والی پھولدار قمیص پر اسی رنگ کی سادی شلوار نے دیرا کو بہت باوقار بنا دیا تھا۔ ہم رنگ بیل والا دوپٹا اس کے گلے میں جھول رہا تھا۔ پیروں میں نیچی ایڑی والے سیاہ سینڈل اور ہاتھ میں سیاہ پرس کے ساتھ وہ بالکل ہی بدل کر رہ گئی تھی۔

"مجھے اعتراف کرنا پڑے گا کہ شرلاک ہومز کا زمانہ دوبارہ واپس آسکتا ہے" سلطان شاہ نے تعریفی انداز میں سرہلاتے ہوئے کہا "اس وقت تم کافرستان یا ہنزہ کے کسی بڑے گھرانے کی لڑکی معلوم ہورہی ہو۔"

دیرا کھلکھلا کر ہنس پڑی "یہ لباس مجھے ہمیشہ آرام دہ اور پُروقار محسوس ہوا ہے لیکن میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ ابھی غزالہ بھی مجھے پہاڑی ریاستوں کی کوئی گمشدہ شہزادی قرار دے رہی تھی۔"

"اب ایسا بھی نہیں ہے" سلطان شاہ منہ بگاڑ کر بولا "مغز

ہر بات کو اس کی انتہا پر دیکھتی ہے۔ پہاڑی شہزادیوں کا حسن و جلال عام تو میلوں کی برداشت سے باہر ہوتا۔ بھولے بھٹکے کسی کی نظر پڑ جائے تو وہ بے چارہ اگلے ہی دن کسی کھنڈ یا کھائی میں مرا ہوا ملتا ہے۔ ان شہزادیوں کے شہزادے بھی بہت جلال و جبروت والے ہوتے ہیں۔"

جہانگیر اپنا ناشتا بھول کر کسی ہونق کی طرح منہ پھاڑ کر ویرا کو دیکھے جا رہا تھا۔ جب آپس کی گفتگو سے وہ کچھ سمجھنے کے قابل ہوا تو تحیر زدہ لہجے میں بولا "کیا وقت گزاری کے لیے سوانگ رچایا جا رہا ہے"

"سوانگ نہیں، یہ شکار کی تیاری ہے۔ ویرا شکار پر جا رہی ہے" میں نے کہا۔

"لیکن مچھلی کا شکار تو جینز اور بلاؤز میں بھی کھیلا جا سکتا ہے" وہ بولا۔

"مچھلی کا شکار؟" ویرا نے حقارت سے کہا "تمہاری ننھی سی کھوپڑی ہمیشہ آسان ترین باتیں سوچتی ہے۔ یہ کسی شیر، چیتے، گینڈے یا آدمی کا شکار بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"بدقسمتی سے پاکستان میں ان میں سے کوئی جانور شکار کے لیے دستیاب نہیں ہے۔ آدمی ملتے ہیں تو ان کا شکار ہر وقت، ہر جگہ اور ہر حلیے میں کھیلا جا سکتا ہے۔ بس ہاتھ میں بھرا ہوا پستول یا ٹی ٹی موجود ہونا چاہیے" جہانگیر نے اپنی پیالی سے چائے کا گھونٹ لے کر کہا "تم کس شکار پر جانے کا ارادہ رکھتی ہو؟"

"تم نیستی پھیلا رہے تھے اور یہاں فیصلے ہو رہے تھے" میں نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "تمہارے لیے اب شروع سے ساری باتیں نہیں دہرائی جا سکتیں۔"

"میں بتاتی ہوں" غزالہ اس پر ترس کھا کر رضاکارانہ طور پر اس کے قریب آ بیٹھی۔ میں جوابی کارروائی کے طور پر وہاں سے اٹھ کر ویرا والے صوفے پر جا بیٹھا۔

"سچ بتانا، میں کیسی لگ رہی ہوں؟" ویرا نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"موتی لال تمہیں دیکھ کر گدھے کی طرح ہونٹ چڑھا کر رینکنا شروع کر دے گا۔"

"بعض اوقات تمہاری تعریف بھی بے ہودگی کی حدوں کو چھونے لگتی ہے" وہ منہ بنا کر بولی۔

"اگر لوشن نے تمہاری جلد کے کھلے ہوئے حصوں کا رنگ سنولا دیا تو تمہیں کوئی بھی نہیں پہچان سکے گا۔"

"میں نے بغیر پاور والے کانٹیکٹ لینس بھی منگوائے ہیں۔ انہیں لگانے کے بعد میری آنکھوں کا رنگ بھی سیاہ ہو جائے گا۔ گھیراؤ کے موجودہ حالات میں محفوظ رہ کر باہر نکلنے کی ایک ہی صورت رہ گئی تھی۔"

"مجھے یقین ہے کہ اڈل خان ناکام لوٹا تب بھی وہ بے خوف و خطر تمہیں باہر لے جانے پر آمادہ ہو جائے گا۔"

"یہ بھوپ بھرنے کے بجائے کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ حالات سازگار ہونے کا انتظار کیا جاتا" غزالہ سے صورتِ حال سمجھ لینے کے بعد جہانگیر نے بلند آواز میں تبصرہ کیا۔

"ویرا نے اس بار اپنا وعدہ پورا نہیں کیا تو اگلی مرتبہ وہ اس پر اندھا اعتماد نہیں کرے گا" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا "اس بار اسے پکڑنے کا بہترین موقع ہمارے سامنے ہے۔"

تھوڑی دیر بعد اڈل خان بھی مطلوبہ اشیا سمیت لوٹ آیا۔ ویرا نے اس کے ہاتھ سے تھیلی جھپٹی اور غزالہ کے ساتھ ایک مرتبہ پھر خواب گاہ میں غائب ہو گئی۔ اڈل خان حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہ گیا۔

"یہ عورت نہیں، آفت کی پڑیا ہے" وہ تحیر زدہ آواز میں بڑبڑایا "میں تو اس کی پہلی جھلک دیکھ کر حیران رہ گیا تھا کہ یہ اجنبی عورت کہاں سے آ گئی۔ یہ اس قدر تیزی سے سوچتی ہے کہ دوسرے بھونچکا رہ جاتے ہیں۔"

"صحیح معنوں میں اسے سوچنا ڈیبی نے سکھایا ہے" سلطان شاہ ویرا کی وہ تعریفیں ہضم نہیں کر سکا اور حج کر بول پڑا "اس سے پہلے یہ سوچ سوچ کر مار کھاتی رہتی تھی۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہو لیکن پھر بھی ویرا کا کمال تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ اسے جو کچھ سکھایا گیا، اس نے تن دہی سے سیکھ لیا" اڈل خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ اس بار ویرا بہت دیر لگا رہی تھی لیکن میرے لیے وہ تاخیر قابلِ فہم تھی۔ جلد یا بالوں کا رنگ تبدیل کرنے والی بیشتر اشیا کو اپنا کام دکھانے کے لیے خاصا وقت دینا پڑتا ہے۔ شاید ویرا ابھی اپنی جلد کے کھلے ہوئے حصوں پر ٹیننگ لوشن لگائے مطلوبہ نتائج کا انتظار کر رہی تھی۔

میرا خیال تھا کہ وہ موتی لال کو دیا ہوا وقت بھول بیٹھی تھی لیکن ایسا نہیں تھا۔ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے ہمارے اسپیکر فون پر کسی دوسرے متوازی انسٹرومنٹ سے کوئی نمبر ملانے کی آواز سنائی دینے لگی۔ میں نے فوری طور پر اسپیکر فون آن کر دیا۔ لائن پر مداخلت محسوس کرتے ہی نمبر ملانے کا سلسلہ موقوف ہو گیا اور ویرا کی غراتی ہوئی آواز ابھری "کون ہے؟ ریسیور رکھ دو۔ میں فون کر رہی ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم موتی لال کا نمبر ملا رہی ہو" میں نے اسپیکر فون پر کہا "تم بے فکر ہو کر اس سے بات کرو۔ ہم مداخلت کیے بغیر تم دونوں کی پُرمعنی گفتگو سنتے رہیں گے۔"

"نی الحال فون بند کر دو" ایک گہرے سانس کے بعد ویرا کی آواز آئی "میں اس وقت ایسی حالت میں ہوں کہ باہر آ کر بات نہیں کر سکتی۔ مجھے سلسلہ منقطع کر کے دوبارہ نمبر ملانا ہو گا۔"

اس کی بات قابلِ فہم تھی۔ میں نے اسپیکر فون بند کر دیا۔ چند ثانیوں بعد دوبارہ نمبر ڈائل کرنے کی آواز سنائی دی تو میں نے بھی اسپیکر فون آن کر دیا۔

میرا اندازہ تھا کہ ویرا نے موتی لال کے گھر کا نمبر ملایا ہو گا لیکن دوسری طرف سے کسی لیڈی آپریٹر کی نرم و نازک آواز سن کر میں چونک پڑا۔ ویرا نے موتی لال کے دفتر کا نمبر ملایا تھا۔

"میں روزی بول رہی ہوں۔ ذرا موتی لال سے بات کراؤ" ویرا نے اس سے مطالبہ کیا۔

"وہ میٹنگ میں ہیں۔ آپ اپنا پیغام دے دیں" شائستگی سے کہا گیا۔

"تم صرف اسے آگاہ کر دو کہ میرا فون آیا ہوا ہے۔ وہ بات کرنے سے معذوری ظاہر کرے گا تو میں پیغام چھوڑ دوں گی" ویرا نے اصرار کرتے ہوئے کہا "مجھے اس سے بہت اہم بات کرنی ہے۔"

"ہولڈ کرو۔ میں اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتی ہوں" لیڈی آپریٹر کی آواز بدستور نرم اور ملائمانہ تھی۔ قونصل خانے کے ملازمین کی پراسرار غیر قانونی سرگرمیوں کی وجہ سے شاید وہ اس قسم کی گفتگو سننے کی عادی تھی اس لیے اس نے ویرا پر کوئی جرح نہیں کی تھی۔

اسپیکر فون پر ایک مشہور بھارتی گانے کی مترنم دھن گونجتی رہی۔ آخرکار وہ تسلسل ٹوٹ گیا اور موتی لال کی تحکمانہ آواز سنائی دی "ہیلو روزی! میں موتی لال بول رہا ہوں۔ تمہیں تو اس وقت میرے دفتر میں ہونا چاہیے تھا۔ کیا بات ہے؟ تم کہاں سے بول رہی ہو؟"

"موتی ڈارلنگ!" اپنے حریف کی آواز سنتے ہی ویرا کی آواز میں بوجھل پن در آیا "میں اپنی جس سہیلی کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہوں وہ سیڑھیوں سے پھسل کر زخمی ہو گئی ہے۔"

"اوہ!" ویرا کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی موتی لال کی مایوسانہ آواز ابھری "اسے کسی اسپتال میں پھینک کر چلی آؤ۔ مجھے یہ نہ بتانا کہ اس حادثے کی وجہ سے تم نہیں آسکو گی۔"

ویرا بذاتِ خود اس سے ملنے کی بھرپور تیاریوں میں مصروف تھی لیکن ملاقات کے لیے موتی لال کی بے تابی محسوس کر کے اٹھلاتی ہوئی آواز میں بولی "میں اس بے چاری کے بارے میں اتنی بے رحمی سے نہیں سوچ سکتی۔ اگر آج کے لیے میری معذرت قبول کر سکو تو تمہاری مہربانی ہو گی۔"

"ہرگز نہیں۔۔۔ آج تمہیں ہر قیمت پر آنا ہو گا ورنہ آئندہ مجھے فون نہ کرنا۔ میں تمہارے لیے کام کا بندوبست نہیں کر سکوں گا" اس کا لہجہ نرم ہی رہا مگر الفاظ دھمکی آمیز تھے۔

"تم بلاوجہ ناراض ہو رہے ہو۔ حادثہ کسی بھی وقت اور کسی کے بھی ساتھ پیش آسکتا ہے۔ میں بارہ بجے تک فارغ نہیں ہو سکتی اسی لیے میں نے اس وقت تمہیں فون کیا ہے۔"

"میں انتظار کر سکتا ہوں" موتی لال کی آواز سے بے تابی مترشح ہونے لگی "تم کس وقت تک آسکتی ہو؟ میں پرتاب ادھیکاری سے اسی کے مطابق پروگرام طے کر لوں گا۔"

"میں تم سے ملنے آرہی ہوں۔ یہ پرتاب ادھیکاری کون ہے اور اس کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟"

"الجھنے کی ضرورت نہیں" موتی لال کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا "پرتاب سے صرف تمہارا تعارف کرانا ہے کیونکہ وہی تم کو کام بتائے گا۔ میری موجودگی میں متعارف ہونے کے بعد تم آپس میں ملو گے تو اجنبیت کا احساس نہیں ستائے گا۔ وہ چند منٹ کی ملاقات کے بعد چلا جائے گا۔ بقیہ وقت ہم دونوں اکٹھے گزاریں گے۔"

"تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے" ویرا کی آواز تفکر آمیز ہو گئی "پرتاب ادھیکاری سے ملنے کے لیے ہمیں کہاں جانا پڑے گا؟ میں سمجھ رہی تھی کہ آج تم مجھ سے تفصیلی بات چیت کرو گے۔ کام کا آغاز بعد میں ہو گا۔"

"کام کا آغاز دو چار ہفتوں کے بعد بھی ہو سکتا ہے۔ پرتاب سے ملاقات کو اتنی اہمیت نہ دو۔ وہ میرا ہی آدمی ہے۔ میں جہاں چاہوں اسے بلا سکتا ہوں لیکن بہتر ہو گا کہ یہ ملاقات میرے دفتر میں ہو۔"

"میں اپنی سہیلی کو لے کر عباسی شہید اسپتال جاؤں گی۔ وہاں تین چار بھی بج سکتے ہیں۔۔۔ وہاں سے تمہارے دفتر تک آنے میں خاصا وقت لگ جائے گا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم پرتاب کو لے کر اسی طرف آجاؤ؟"

"سب کچھ ہو سکتا ہے۔ تم وقت کا تعین کر لو۔۔۔ چار بجے بہت دیر ہو جائے گی۔ میں تمہیں تین بجے تک مہلت دے سکتا ہوں۔ پرتاب میرے ساتھ ہو گا۔ میں اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ کے سامنے والی پارکنگ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ میرے پاس سیاہ رنگ کی کرولا ہو گی۔ اس پر عام نمبر پلیٹ ہو گی۔ تم نمبر دیکھ کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر آجانا۔ ہم فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

"گاڑی کا نمبر مجھے نوٹ کرا دو" ویرا نے مزید بحث کیے بغیر ہتھیار ڈال دیے۔

موتی لال نے نئی سیریز کا ایک آسان نمبر بتایا جس میں چاروں ہندسے یکساں تھے۔ اس کے خاموش ہونے پر ویرا کی آواز ابھری "میں تمہارے ساتھ چلی گئی تو میری گاڑی کا کیا بنے گا؟"

"میرا مشورہ ہے کہ اپنی سہیلی کو ٹیکسی سے اسپتال لے جاؤ۔ تمہاری گاڑی کی وجہ سے ہمیں واپسی پر دوبارہ اسپتال جانا پڑے گا۔ زیادہ دیر ہو گئی تو تمہاری گاڑی چوری بھی ہو سکتی ہے۔ واپسی کے لیے میں تمہیں ٹیکسی منگوا دوں گا۔۔۔ ویسے تمہاری سہیلی کس علاقے میں رہتی ہے؟"

"جعفر زون نامی متوسط مگر صاف ستھری آبادی ہے" ویرا نے کراچی کی ایک نسبتاً نئی آبادی کا نام لے کر ہم سب کو حیران کر دیا۔ وہ بظاہر ہر چیز سے بے پروا اور اپنی دھن میں مست رہنے والی عورت نظر آتی تھی لیکن کام کی ہر بات کو اچھی طرح ذہن نشین

کر لینے کی عادی تھی ورنہ برسوں سے کراچی کی آسودہ حال بستیوں میں رہنے والے بہت سے مقامی لوگ بفرزون وغیرہ کے نام اور جغرافیے تک سے ناواقف تھے۔

"بفرزون!" موتی لال کا ہلکا سا استہزائیہ قہقہہ گونجا "تمہارے شہروں میں بفرزون بنا کر شاید مستقبل کی بھیانک خانہ جنگیوں کی منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ کراچی میں بفرزون کا وجود میرے لیے ایک خوش گوار انکشاف ہے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ بفر زون دو حریف ملکوں کی سرحد کی درمیانی پٹی ہی کو کہا جاتا ہے۔ تم آؤ گی تو ہم اس آبادی کے بارے میں تفصیلی باتیں کریں گے۔ تم نے ٹیکسی سے آنے کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا۔"

"میں جس بات کا جواب نہ دوں، اسے قبول کر لیتی ہوں۔ میں اپنے موجودہ حالات میں گاڑی کی چوری کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ میں تین بجے تم تک پہنچنے کی کوشش کروں گی لیکن اسے انگریزوں والا وقت نہ سمجھ لینا۔ تھوڑی بہت دیر سویر بھی ہو سکتی ہے۔"

دونوں طرف سے پُرجوش اور سرگرم الوداعی فقروں کا تبادلہ کیا گیا۔ موتی لال کے معنی خیز الفاظ اس کی سفلی خواہشات اور منصوبہ بندی کی عکاسی کر رہے تھے۔ پھر سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"میری آج تک موتی لال سے ملاقات نہیں ہوئی" اسپیکر فون آف کیے جانے کے بعد اول خان بولا "لیکن میرا اندازہ ہے کہ یہ شخص ذہنی مریض ہے یا پھر ویرا نے اپنی پچھلی وارداتوں سے اس کا دماغ ماؤف کر کے رکھ دیا ہے ورنہ وہ غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر کے پرتاب ادھیکاری کو بے نقاب نہ کرتا۔ اپنے آدمیوں کی شناخت کو حتیٰ الامکان پوشیدہ رکھنا ایک سیکرٹ ایجنٹ کا بنیادی فرض ہوتا ہے۔"

"اس سے ہمدردی جتانے کے بجائے ہمیں اپنی خوش قسمتی پر رشک کرنا چاہیے" جہانگیر نے کہا "موتی لال کے ساتھ ایک اور دشمن کا نام تمہارے سامنے آ گیا۔ موتی لال سے نمٹنے کے بعد تم اس پر ہاتھ ڈال سکتے ہو۔"

"ویرا کی یہ فون کال بہت سود مند ثابت ہوئی ہے" اول خان نے کہا "موتی لال کا پلان سامنے آنے کے بعد مجھے بھی اپنے پروگرام میں تبدیلی کرنی پڑے گی۔ میں بعد کا قائل ہی نہیں ہوں۔ پرتاب ادھیکاری کو بھی آج ہی اپنے ٹھکانے پر پہنچانے کی کوشش کروں گا۔"

"اپنے ٹھکانے پر؟" میں نے چونک کر پوچھا "ابھی تو تم خود بھی اپنے نئے ٹھکانے پر پوری طرح نہیں جم سکے ہو گے۔ ان دونوں کو گھیر گھار کر یہیں لانا مناسب رہے گا۔"

"ہم پیشہ ور خانہ بدوش لوگ ہیں" اول خان ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا "مختصر نوٹس پر کوچ کرتے ہیں اور جہاں پڑاؤ ڈالتے ہیں، چند گھنٹوں میں ایک مکمل آشیانہ کھڑا کر لیتے ہیں۔ فائرنگ رینج اور اس کے قریب واقع متروکہ بیرکوں میں اسٹیشن فور پوری طرح قائم اور فعال ہو چکا ہے۔"

"تو پھر ہم بھی فیکٹری میں پڑے رہنے کے بجائے وہیں چلتے ہیں" میں نے کہا۔

"وہاں تمہیں یہاں جیسی سہولتیں اور آسائشیں نہیں مل سکیں گی۔ تم گالان میں قیام کا تجربہ دہرانا چاہتے ہو تو ہر وقت آ سکتے ہو" اول خان نے فراخ دلی سے پیش کش کی۔

"گالان کے تجربات اتنے خوش گوار نہیں تھے کہ کوئی صحیح الدماغ آدمی انہیں دہرانے کی خواہش کر سکے۔ ویسے اصولی طور پر ہمارے مجرموں کو ہمارے ہی پاس لایا جانا چاہیے۔ یہاں ان کی بہتر دیکھ بھال ہو سکے گی۔"

"وہ صرف تمہارے ہی نہیں، پوری قوم کے مجرم ہیں۔ میں انہیں کہاں کہاں لے جاؤں گا؟"

"یہ تفصیلات بھی طے کر لی جائیں گی۔ میں نے تمہارے ساتھ چلنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"میرے ساتھ؟" اول خان کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں "میں بتا چکا ہوں کہ باہر تمہارے لیے کتنے خطرات جنم لے چکے ہیں۔ تم باہر گئے تو تمہاری واپسی غیر یقینی ہو گی۔"

"میں اکیلا باہر نکلنے کی حماقت کر بیٹھتا تو شاید ایسا ہی ہوتا۔ تمہاری موجودگی میں کوئی سرکاری اہل کار مجھے چھیڑنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ میں نے اپنے ذہن میں تمہارے پلان کا پورا نقشہ جما لیا ہے۔ مجھے کوئی پریشانی ہو گی نہ تمہارے لیے کوئی دشواری پیدا ہو گی۔"

"تو ذرا سی لغزش سے ویرا کی ساری ریاضت پر پانی پھر جائے گا" وہ پُرتشویش آواز میں بولا "میں براہ راست موتی لال کے پیٹ میں ٹکر مارنے کا ارادہ نہیں رکھتا، دور دور سے اس کی نگرانی کرتا رہوں گا مگر یہ تو سوچو کہ اس نے تمہاری جھلک بھی دیکھ لی تو کیا ہو گا۔ تین بجے دن کا اجالا شباب پر ہوتا ہے۔"

"تاریک عینک، مصنوعی گھنی مونچھوں اور کانوں تک جھک آنے والی سواتی ٹوپی کی مدد سے میں بھی اپنے حلیے میں اتنی تبدیلی لا سکتا ہوں کہ دور سے دیکھنے والا مجھے نہ پہچان سکے۔ میں یہاں رکا رہا تو فکر اور اندیشوں میں پاگل ہو جاؤں گا۔ تمہیں ویسے بھی کوئی نہ کوئی آدمی ساتھ لینا ہی پڑے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اس وقت پاگل ہو رہے ہو" جہانگیر میری طرف دیکھتے ہوئے تفکر آمیز آواز میں بولا "تم خود غرضی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ اول خان کو ضرورت ہوئی تو فورس کے آدمی بھی میدان میں آ سکتے ہیں۔"

"تم چپ رہو" میں نے اسے ڈانٹ دیا "شراب پی کر اوندھے پڑے رہتے ہو۔ آنکھ کھلتی ہے تو اول فول بکنا شروع کر دیتے ہو۔ اپنے نادر خیالات اپنی بوسیدہ کھوپڑی ہی میں محفوظ رکھو۔"

"تمہاری مرضی، میں تو تمہاری بھلائی کی بات کر رہا تھا" وہ اداس ہو گیا۔

سلطان شاہ اپنی جگہ چھوڑ کر ڈرائنگ روم میں ٹہل رہا تھا۔ گفتگو میں وقفہ آتے ہی اس نے بولنا شروع کر دیا "اگر تم ڈیزی کو ساتھ لے جاتے ہو تو تم دو افراد ہوتے ہوئے بھی ایک ہی کام کر سکو گے۔ ڈیزی تم سے الگ ہو کر خطرات سے دوچار ہو سکتا ہے جب کہ موتی لال کے ساتھ پرتاب بھی ہو گا۔ جب وہ ویرا یا روزی سے تعارف کے بعد رخصت ہو گا تو ایک آدمی کو اس کے پیچھے جانا پڑے گا۔ تم دونوں میں سے کوئی بھی موتی لال کو چھوڑ کر اس کا پیچھا نہیں کر سکے گا۔ اس کام کے لیے میں تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔"

"نہیں!" اول خان اسے گھورتے ہوئے غرایا "آپ آگے منہ بولنا۔ ابھی اس مہم میں غزالہ اور جہانگیر کی اقامت بھی نکل آئے گی' یہاں سے پورا جلوس روانہ ہو گا جو ہر دوسری والے کی آنکھوں میں مرچیں ڈالتا ہوا' موتی لال کے گریبان تک پہنچ جائے گا۔۔۔ تم لوگ کچھ کام دوسروں پر بھی چھوڑ دیا کرو۔ ہر جگہ اپنا سر گھسانا اچھا نہیں ہوتا۔"

سلطان شاہ لاجواب ہو کر کھسیائے ہوئے انداز میں کھڑکی کی طرف چلا گیا۔

"تمہارے دماغ میں کوئی کیڑا کلبلا رہا ہو تو تم بھی منہ ماری شروع کر دو" میں نے جہانگیر کے کان کے نیچے سرگوشی کی اور وہ مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

ویرا ایک بجے کے قریب پوری سج دھج سے تیار ہو کر باہر آئی تو وہ ہر اعتبار سے ناقابل شناخت ہو چکی تھی۔ لوشن اس کی جلد کو گندمی رنگ پر تو نہیں لا سکا تھا لیکن اس کی گلابی شہابی رنگت اس حد تک ضرور جھلس گئی تھی کہ پہلی نگاہ میں اس کا نسلی تعین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ اتنے شائستہ اور شستہ انداز میں اردو بولتی تھی کہ خدوخال کے امتیاز کے باوجود اس پہ سفید فام ہونے کا شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"اردو میں منہ کالا کرنے کے بہت سے محاورے ہیں لیکن تم نے اپنا منہ کالا کر کے ان سب کو پیچھے چھوڑ دیا ہے" اسے دیکھتے ہی سلطان شاہ بول پڑا لیکن ویرا کے گھٹتے ہوئے تیوروں کو دیکھ کر فوراً ہی وضاحت پر اتر آیا "منہ کالا کرنے کا وہی ایک مفہوم نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔ دشمن کا منہ کالا ہمارا بول بالا اور کالا منہ گدھے کی سواری بھی ہمارے اپنے محاورے ہیں۔ میرا اشارہ اسی طرف تھا۔"

"تم نے اسے فون کر کے عقل مندی سے کام لیا لیکن تمہیں شہر کے دوسرے سرے پر واقع عباسی شہید اسپتال کے بارے میں کیا معلوم ہے؟ تم نے اس اسپتال کا انتخاب کیوں کیا؟" میں نے ویرا سے پوچھا۔

اس نے گردن گھما کر غزالہ کی طرف دیکھا اور وہ فوراً ہی بولنے لگی "مجھے ویرا کی زبان سے عباسی شہید اسپتال اور بفرزون کے نام سن کر حیرت ہوئی تھی لیکن یہ پورے شہر کے چپے چپے سے واقف ہے۔ اس نے لالو کھیت اور گولیمار جیسے حروف کے نام دہرا کر مجھے ششدر کر دیا تھا۔ دراصل ویرا اپنے شکار کو اس کے دفتر سے باہر نکال کر گھیرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اگر یہ شہر کے کسی اسپتال کا نام لیتی تو موتی لال اسے اسپتال سے اپنے دفتر آنے پر مجبور کرتا۔ اب وہ ویرا کو اسپتال کے باہر ملے گا۔ وہاں سے موتی لال کے گھر اور دفتر کا فاصلہ اتنا طویل ہے کہ ویرا آسانی کے ساتھ کوئی نہ کوئی کارروائی کرنے کا موقع نکال سکتی ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ شہر کے قلب میں واپس پہنچنے تک پرتاب ادھیکاری اس کے ساتھ رہے گا" اول خان نے اپنی رائے ظاہر کی "اس دوران میں ویرا کو کوئی کام دکھانے کا موقع نہیں مل سکے گا۔"

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو" ویرا نے پورے اعتماد سے کہا "عورت چالاکی کے ساتھ اپنے ترکش کے تیر آزمانے پر تل جائے تو مرد کی عقل کو چوپٹ کر کے رکھ دیتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ موتی لال مضطرب ہو کر تخلیے کی امید میں پرتاب کو جلدی کہیں اتار دے گا۔ اگر ہم نے ہوش مندی سے کام لیا تو آج دونوں ہی گھیرے جا سکتے ہیں۔"

"تمہارا منصوبہ کیا ہے؟" چند ثانیوں کے مکمل سکوت کو اول خان کی آواز نے توڑا۔

"میں صرف ہم گن اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ وہ ہلکی اور بے آواز ہونے کے ساتھ مہلک ترین بھی ہے۔ راجر کی پراسرار موت ابھی سفارتی حلقوں میں قیاس آرائیوں کا موضوع بنی ہوئی ہو گی۔ پرتاب کے رخصت ہونے کے بعد میں اچانک موتی لال کو ہم گن دکھا کر راجر جیسی بھیانک موت کی دھمکی دوں گی تو وہ ہاتھ پیر ڈال دے گا۔ اس نے کوئی بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں بے دریغ اسے ختم کر دوں گی۔"

"اگر حالات قابو سے باہر ہونے لگیں تب ہی یہ قدم اٹھایا جائے۔ میں ہر قیمت پر اسے زندہ پکڑنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان دو آدمیوں پر بھی ہاتھ ڈالنا ہے جو ٹرانسمیٹر پر موتی لال کے رابطے میں ہیں۔"

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم سب پر اعصابی تناؤ سوار ہوتا چلا جا رہا تھا۔ سلطان شاہ نے اندیشہ ظاہر کیا کہ کہیں موتی لال اپنے کسی آدمی کو پہلے سے عباسی شہید اسپتال بھیج کر اس بات کی تصدیق کرانے کی کوشش نہ کرے کہ اس سے ملنے والی لڑکی واقعی کسی زخمی عورت کے ساتھ وہاں آئی تھی یا وہ فراڈ تھا۔

وہ امکان ضرور تھا لیکن اول خان نے اس خطرے کو دور از کار قرار دے کر مسترد کر دیا۔ ویرا نے رومانی مہم جوئی کے حوالے سے موتی لال سے فون پر چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ شروع کیا تھا اور ساری بات اسی حوالے سے آگے بڑھی تھی۔ اس پس منظر میں موتی لال کے ذہن میں شبہات پیدا ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔

بہرحال یہ ضرور طے کر لیا گیا کہ ہمیں وقت سے پہلے اسپتال

پہنچ جانا چاہیے تاکہ اصل ڈرامے کا آغاز ہونے سے پہلے ہمیں وہاں کے حالات کا جائزہ لینے کا کھلا موقع مل سکے۔ ان جزئیات سے فارغ ہونے کے بعد اوّل خان فون پر مصروف ہو گیا۔ ہم چاروں اسے ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر ٹیرس پر نکل آئے۔

اوّل خان نے آواز دے کر مجھے تیاری کی ہدایت کی تو میں چونک کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

سلطان شاہ کی طنزیہ بڑبڑاہٹ اتنی بلند تھی کہ میں نے بھی سن لی۔ اسے قلق اس بات کا تھا کہ میں ایک بار پھر ویرا کے ساتھ باہر جا رہا تھا۔ اس احمق کی دانست میں میرے جانے کا واحد سبب بھی یہی تھا کہ اوّل خان کے ساتھ ویرا ایک پُرپیچ معرکے کے لیے میدان میں اتر رہی تھی۔

سواتی ٹوپی اور کالی عینک میرے سامان میں موجود تھیں۔ مسئلہ مصنوعی مونچھوں کا تھا جو دستیاب نہیں تھیں۔ میں نے وہ دونوں چیزیں پہننے کے بعد آئینے میں اپنا جائزہ لیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ میرے دشمنوں میں سے کوئی بھی ایک جھلک دیکھ کر مجھے نہیں پہچان سکے گا۔ جہاں تک پولیس والوں کا تعلق تھا وہ اوّل خان کی موجودگی میں میرے ساتھ کوئی زیادتی کرنے کی جسارت نہیں کر سکتے تھے۔

میں باہر آیا تو سب لوگ میرے منتظر تھے۔ میں نے احتیاطاً کے طور پر فاضل میگزین کے بغیر بھرا ہوا پستول جیب میں رکھ لیا تھا۔ ویرا پہلے ہی ہیم گن پر قابض ہو چکی تھی۔

ڈیڑھ بجے سے پہلے ہم تینوں اوّل خان کی کار میں عباسی شہید اسپتال کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔

اوّل خان نے اپنی گاڑی کی پسنجر سیٹ دانستہ خالی رکھی تھی۔ اس کی ہدایت پر ہم دونوں عقبی نشست پر اس طرح ڈھلک کر بیٹھے تھے کہ ہمارے چہرے کھڑکیوں سے نیچے تھے۔

راستے میں نوک جھونک اور ہنسی مذاق کا سلسلہ چلتا رہا۔ میک اپ کے ذریعے شخصیت میں تبدیلی کے بارے میں ویرا کے ہنر کی چھاپ اس قدر گہری تھی کہ اوّل خان بار بار اس کا ذکر کرتا رہا۔

ہم سوسائٹی اور حسن اسکوائر کے راستوں سے گزرتے ہوئے غریب آباد کی سمت سے فیڈرل بی ایریا میں داخل ہوئے تو اوّل خان ویرا کی معلومات کا امتحان لینے کے لیے اس سے راستوں کے بارے میں سوالات کرتا رہا اور ویرا ہر بار درست جواب دے کر امتحان میں کامیاب ہوتی رہی۔ آخر کار اوّل خان نے اسے کریم آباد کے پُرہجوم اور بارونق علاقے میں اتار دیا۔ ویرا گاڑی سے اتر کر بے پروایانہ انداز میں ٹیکسی کی طرف چل دی۔

ویرا کی ٹیکسی کے موسیٰ کالونی کے راستے سے عباسی شہید اسپتال کی طرف روانہ ہوتے ہی اوّل خان کی گاڑی بھی حرکت میں آگئی۔ نارتھ ناظم آباد کی کشادہ یک طرفہ سڑکوں سے ہوتے ہوئے جب ہم عباسی شہید اسپتال پہنچے تو صرف سوا دو بجے تھے۔

ویرا کی ٹیکسی اسپتال میں ایمرجنسی کے شعبے کی طرف چلی گئی۔ اوّل خان گاڑی آنکھوں کے وارڈ کی طرف لیتا چلا گیا۔ اس طرف موتی لال کی سیاہ کرولا یا کسی مشتبہ کار کے موجود نہ ہونے کا یقین کر کے اوّل خان نے سست روی سے پورے احاطے کا ایک چکر لگایا اور گاڑی اسپتال سے باہر لے آیا۔ اس وقت تک ویرا ٹیکسی ڈرائیور کو کرائے کی ادائیگی کر کے اسپتال کی عمارت میں غائب ہو چکی تھی۔

اوّل خان نے گاڑی اسپتال سے باہر کھڑی ہوئی دوسری گاڑیوں کے درمیان پارک کر دی۔ میں عقبی نشست سے اتر کر اسی کے برابر میں پہنچ گیا۔ اسی وقت ایک بچہ کولڈ ڈرنک کی آواز لگاتا ہوا گزرا تو میں نے اسے قریب بلا کر کھانے پینے کی اشیا کے بارے میں پوچھا پھر اوّل خان کے انکار کے باوجود ڈبل کباب کے ساتھ دو بن کباب اور کولڈ ڈرنکس منگوالیں۔

وہ بچہ قریبی دکان کی طرف گیا تو اوّل خان مجھ پر بگڑنے لگا کہ میں نے ٹھیلے سے بن کباب منگوا کے گھٹیا ذوق کا مظاہرہ کیا تھا مگر میری دلیل ہی مختلف تھی۔ اسپتال کے قریب اپنی موجودگی کا جواز پیدا کرنے کے لیے خورد و نوش میں مصروف ہو جانا سب سے آسان کام تھا۔

بچے کی واپسی تک اوّل خان مجھ سے الجھتا رہا لیکن گرما گرم بن کبابوں کی اشتہا انگیز خوشبو نے اس کی پیشانی کی سلوٹیں دور کر دیں۔ پہلا لقمہ لیتے ہی جب وہ میری خوش ذوقی کا قائل ہو گیا تو میں نے اسے بتایا کہ ٹھیلے کے سامنے سے گزرتے ہوئے تیز خوشبوؤں نے ہی مجھے بن کباب منگوانے کی تحریک دلائی تھی۔

ہم وہاں شکم پری کے ارادے سے نہیں آئے تھے بلکہ ہمیں تین بجے تک وقت گزارنا تھا اس لیے ہم بہت دھیرے دھیرے خورد و نوش میں مصروف رہے۔ جس وقت ہم بچے کو پیسے دے رہے تھے اسی وقت سامنے سے ایک سیاہ کار رینگتی ہوئی اسپتال کے پھاٹک کی طرف بڑھی۔ اس میں اگلی نشستوں پر [illegible] افراد موجود تھے۔

میں نے بچے کو ادائیگی کرنے کے بعد اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو پونے تین بج چکے تھے۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" لڑکے کے چلے جانے کے بعد اوّل خان نے کھوئی کھوئی آواز میں پوچھا۔

"کس بارے میں؟"

"گاڑی میں موتی لال کو کس سیٹ پر ہونا چاہیے تھا؟" اوّل خان نے کہا۔

"ڈرائیونگ سیٹ پر اسی کو موجود ہونا چاہیے تھا۔ کیا تم اسے پہچانتے ہو؟"

"مشکل یہی ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی موتی لال کو شکل و صورت سے نہیں پہچانتا لیکن اس وقت جو شخص ڈرائیونگ سیٹ پر نظر آیا ہے، میں اسے پہچانتا ہوں۔ اس کا نام رام چند ہے اور یہ اپنے قونصل خانے کے ویزا سیکشن میں ڈیلیوری کلرک ہے۔ دوسرا چہرہ میرے لیے اجنبی تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ دوسرا آدمی موتی لال ہو" میں روانی میں کہہ گیا۔

"پھر پرتاب ادھیکاری کہاں ہے؟" مجھے اوّل خان کے سوال سے پہلے ہی اپنے قیاس کی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ اوّل خان کہہ رہا تھا "مجھے دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معاملہ اس قدر آسان ثابت نہ ہو جتنا ہم اب تک سمجھ رہے ہیں۔ اگر رام چند کے ساتھ پرتاب ادھیکاری یہاں آیا ہے تو موتی لال اپنے خلاف کسی خطرناک سازش کی بُو سونگھ چکا ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ رام چند ہی کا دوسرا نام موتی لال ہو۔ کلرک اور اسٹینو کے رتبے میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔"

"نہیں" اوّل خان نے پورے وثوق سے کہا "محراب خان نے پشاور میں ساون اور بوبی سے تقریباً سب کچھ اگلوا لیا تھا۔ اس کی رپورٹ میں موتی لال کا ذکر تھا۔ اگر وہ دوہری حیثیت میں کام کر رہا ہوتا تو ساون یہ حقیقت بھی ضرور اگل دیتا۔ تم ہمارے تشدد کے ہتھکنڈوں سے واقف نہیں ہو۔ ہمارے سامنے بڑے بڑے سورما خارش زدہ پلّوں کی طرح بلبلانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"

اوّل خان جو کچھ کہہ رہا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ آخری لمحات پر موتی لال کی پیشہ ورانہ کھوپڑی نے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک طرف اس کے ذہن پر شوخ و چنچل روزی کی طلب سوار تھی تو دوسری طرف اسے خطرے کا احساس ہو گیا تھا۔ اس الجھن کا حل نکالنے کے لیے اس نے خود سامنے آنے کا ارادہ ترک کر کے رام چند کو پرتاب ادھیکاری کے ساتھ عباسی شہید اسپتال بھیج دیا۔ اگر وہ دونوں روزی کو لے کر اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتے تو موتی لال انہیں دودھ میں پڑی ہوئی مکھی کی طرح الگ نکال پھینکتا اور روزی پر قابض ہو جاتا۔ کوئی اونچ نیچ پیش آتی تو سارا وبال وہی دونوں سہتے' موتی لال محفوظ رہتا اور گھر بیٹھے پورے حالات سے باخبر ہو جاتا۔

"اگر موتی لال خطرہ محسوس کر چکا ہے تو صورتِ حال کوئی بھی رخ اختیار کر سکتی ہے" میں نے کہا "ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں نئی سچویشن کو نہ سنبھال سکیں۔ ان دونوں کی دیکھ بھال پر کچھ اور افراد بھی مامور ہو سکتے ہیں۔"

"میرے یہاں پہنچنے سے قبل فورس کے تین ہتھیار بند آدمی پہنچ چکے ہیں۔ میں نے مین روڈ سے ملحق ایک ذیلی سڑک کے نکڑ پر ان کی گاڑی دیکھ لی تھی۔ وہ دس آدمیوں کو بھی آسانی سے سنبھال لیں گے۔"

"ان کے اور تمہارے درمیان رابطے کی کیا صورت ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"سپاہی اپنے ہتھیاروں کے بغیر کبھی محاذ کا رخ نہیں کرتا" اس نے اطمینان سے ڈیش بورڈ کا نچلا خانہ کھول دیا۔ اس میں رکھے ہوئے مختصر سے سیاہ ٹرانسیٹر کا سرخ بلب روشن تھا۔

ٹھیک تین بج کر دو منٹ پر یکساں ہندسوں پر مشتمل نمبر پلیٹ والی سیاہ کرولا اسپتال سے برآمد ہوئی۔ اس بار بھی ڈرائیونگ سیٹ پر وہی چھو نظر آیا جسے اوّل خان نے رام چند کے نام سے پہچانا تھا۔ اس کے برابر والی سیٹ پر ویرا بیٹھی ہوئی چہک رہی تھی۔ دوسرا آدمی عقبی نشست پر چلا گیا تھا۔

سیاہ کرولا کے آگے نکل جانے پر اوّل خان نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی باہر نکال لی۔ اس دوران میں کرولا بائیں طرف مڑ چکی تھی۔ اوّل خان نے اپنی گاڑی اس کے تعاقب میں ڈال دی۔

آگے جا کر سیاہ کرولا دو رویہ سڑک پر داہنی طرف گھومی اور راہ گیروں کے لیے بنے ہوئے آہنی پل کے قریب رک گئی۔ اس وقت ہم موڑ پر تھے۔ اوّل خان کے آدمیوں کی گاڑی ہمارے پیچھے موجود تھی۔

اس مقام پر سیاہ کرولا کی پچھلی نشست سے ایک شخص نیچے اترا اور کار تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ ہم موڑ گھوم کر اس کے پیچھے ہو لیے۔ کرولا سے اترنے والے شخص کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ وہ مضبوط جسم کا ایک متوسط قامت شخص تھا جس کے چہرے سے سخت گیری کے آثار نمایاں تھے۔

اس وقت میری تمام تر دلچسپی کرولا سے زیادہ اس شخص کے انجام پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھی اس لیے میں سر گھما کر پیچھے کا جائزہ لے رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اوّل خان کا کوئی آدمی وہاں اتر کر اس کا پیچھا کرے گا اور موقع پا کر کہیں اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا لیکن میرا وہ اندازہ دقیانوسی ثابت ہوا۔ اوّل خان کے آدمی اس وقت جارحانہ موڈ میں تھے۔ وہ شخص واپس چل کر ٹیکسیوں کی طرف جا رہا تھا کہ ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی اس کے قریب رکی' پھرتی سے دو آدمی نیچے اترے اور پرتاب نامی مشتبہ شخص سمیت دوبارہ کار میں غائب ہو گئے اور اسی کے ساتھ کار برق رفتاری سے حرکت میں آ گئی۔

اس بھری پری سڑک پر وہ واقعہ شاید اس قدر تیزی سے رونما ہوا کہ جو لوگ پرتاب کی طرف متوجہ نہیں تھے انہیں اندازہ ہی نہیں ہو سکا ہوگا کہ وہاں اغوا کی ایک واردات جنم لے رہی تھی۔

چند ہی لمحوں میں ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی ٹریفک کے ہجوم میں شامل ہو کر ہماری گاڑی کے عقب میں آ گئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اوّل خان کے آدمیوں نے اپنے شکار کو اٹھاتے ہی بے ہوش کر دیا ہوگا تاکہ وہ شور مچا کر ان کے لیے کسی قسم کی دشواری کھڑی نہ کر سکے۔

"پرتاب ادھیکاری کو نہایت صفائی سے اٹھا لیا گیا ہے" میں نے اوّل خان کو خوش خبری سنائی۔

"آدمی کھلی ہوئی بدمعاشی پر اتر آئے تو بڑے کام اسی طرح کھیل بن جاتے ہیں۔"

"یہ تمہارے آدمیوں کی یک طرفہ بدمعاشی ہے۔ ابھی تک پرتاب نے کچھ نہیں کیا تھا۔"

"پرتاب سازشی مشین کا ایک پرزہ ہے۔ اپنی جگہ بے ضرر بلکہ شاید معصوم لیکن جب یہی پرزہ مشین کے ساتھ چلتا ہے تو اس کی کارکردگی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی مسلسل ریشہ دوانیوں نے ہمارے تیور بگاڑے ہیں ورنہ ہم ایک عام آدمی کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔"

"کاش مجھے بھی آج موتی لال کا احترام کرنے کا موقع مل سکے۔"

"موتی لال کہاں، اب تو رام چند کی بات کرو۔ ویرا کو وہی اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔"

"شاید ویرا سے اندازے کی غلطی ہوئی ہے۔ وہ رام چند ہی کو موتی لال سمجھ رہی ہے۔"

"تم نے یہ اندازہ کیسے لگایا؟" اول خان نے چونک کر پوچھا۔

"سب کچھ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہو رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ویرا مغالطے میں ہے۔"

"میں وہی جاننا چاہ رہا ہوں۔ پروگرام کے مطابق کیا ہو رہا ہے؟"

"ویرا نے کہا تھا کہ وہ پرتاب کو فوراً ہی گاڑی سے اتروا دے گی۔ اس نے رام چند کو موتی لال سمجھ کر اپنی سحر انگیزی کا جادو چلایا ہوگا۔ رام چند کو تھوڑی دیر کے لیے ایک خوبرو دوشیزہ کی والہانہ سپردگی کا موقع نظر آیا تو اس نے ویرا کے مطالبے پر عمل کر ڈالا۔ اب وہ ویرا پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوگا۔"

"ان ہی کوششوں میں اس کی ڈوری کھنچی چلی جائے گی" وہ زہرخند کے ساتھ بولا "ویرا اپنی خداداد صلاحیتوں کے بارے میں اتنی پُراعتماد ہے کہ جو بات دل پر رکھ لیتی ہے وہ کر گزرتی ہے۔"

"خدا خیر کرے، اس بار تم اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر نظر آ رہے ہو۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے کھلے دل سے اعتراف کیا "چند دنوں سے میں اس کے بارے میں کسی اور ہی زاویے سے سوچ رہا تھا۔"

"تم بال بچے دار آدمی ہو۔ اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر سراسر خسارے میں رہو گے۔"

"میں ان بے ہودگیوں سے میلوں دور رہتا ہوں۔ میری سوچ کا محور صرف اور صرف میری فورس ہے۔"

"تمہاری فورس کا ویرا خانم سے کیا تعلق نکل آیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اسپیشل ٹاسک فورس فی الحال ایک خالص مردانہ تنظیم ہے جس میں باورچی سے کمانڈو تک سب مرد ہوتے ہیں۔ اگر میں اپنے اوپر والوں سے بات کر کے فورس میں ایک چھوٹا سا مگر مضبوط زنانہ یونٹ قائم کر لینے میں کامیاب ہو جاؤں تو ہماری کارکردگی کا دائرہ بہت بڑھ سکتا ہے۔"

"اور اس یونٹ کی کمان کے لیے تم ویرا کے نام پر غور کر رہے ہو؟"

"ہاں، اسے وسائل کے ساتھ آزادانہ طور پر کام کرنے کا موقع ملے تو وہ بڑے بڑے کام انجام دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اپنے باپ کے قتل کے بعد وہ ماضی سے رشتہ توڑ چکی ہے۔ بلیو کراس ڈیل کے سلسلے میں اس کی بے مثال خدمات ہم سب کے سامنے ہیں" اول خان بہت زیادہ سنجیدہ تھا۔

"یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔ وہ بہت متلون مزاج عورت ہے۔ کسی بھی وقت اس کا دماغ سنک گیا تو وہ خاموشی سے پوری ٹاسک فورس کا سودا کر کے کہیں نکل جائے گی۔"

"وہ اتنی بری بھی نہیں ہے۔ عزت و احترام سے اس کی کایا پلٹ ہو سکتی ہے۔"

"کوشش کر کے دیکھ لو لیکن بعد میں مجھ سے شکایت نہ کرنا۔ جس دن میری اس سے ٹھن گئی وہ اپنے اصل روپ میں تمہارے سامنے آ جائے گی۔ وہ کچھ اسی قسم کی عورت ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ تمہارے قریب رہ کر خوش رہتی ہے لیکن یہ بات حلق سے نہیں اترتی کہ وہ صرف تمہیں خوش کرنے کے لیے سارے اچھے کام کرتی ہے۔"

"میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا" میں نے فوراً ہی اس کی تصحیح کرنی ضروری سمجھی "اس سے بگاڑ پیدا کیے بغیر اس کی نیت کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے۔"

اس وقت تک سیاہ کرولا ناظم آباد، لسبیلہ اور گرومندر سے ہوتی ہوئی ایم اے جناح روڈ کے ٹریفک کے بہاؤ میں شامل ہو چکی تھی۔ چند گاڑیوں کے فاصلے سے ہم اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ ہمارے عقب میں اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی پرائیویٹ گاڑی چلی آ رہی تھی۔

گارڈن روڈ کے ٹریفک سگنل سے سیاہ کرولا صدر کی طرف مڑی تو صورتِ حال واضح نہیں تھی کہ رام چند اپنی مرضی کے راستوں پر سفر کر رہا تھا یا ویرا اس پر قابو پانے کے بعد اسے اپنے بتائے ہوئے راستے اختیار کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ موتی لال کے گھر اور دفتر کے علاوہ جہانگیر کی فیکٹری تک جانے والا راستہ بھی اسی موڑ سے ہو کر گزرتا تھا۔

فکر، تشویش اور سنسنی کے وہ لمحات اس وقت تک برقرار رہے جب تک تینوں گاڑیاں شارع فیصل کے آخری ٹریفک سگنل پر نہ رک گئیں۔ ادھر سے بائیں طرف جہانگیر کی فیکٹری کا راستہ تھا۔ سیدھی سڑک پر موتی لال کا دفتر تھا اور داہنے موڑ والا راستہ موتی لال کے گھر کے علاوہ، ڈیفنس سے ہوتا ہوا کورنگی روڈ سے جا ملتا تھا۔ سیاہ کرولا ایسی جگہ رکی ہوئی تھی کہ اس کے اگلے سفر کی سمت کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

سگنل کی سبز بتی روشن ہوتے ہی سیاہ کرولا کا داہنا انڈی کیٹر جلنے بجھنے لگا۔ رام چند گاڑی کو قطار سے نکال کر دھیمے دھیمے داہنی سڑک میں لانے لگا اور پھر ہمارا کارواں کلفٹن کی راہ پر رواں ہو گیا۔

"شاید ویرا ڈیفنس سے نکل کر کورنگی جانے کا ارادہ رکھتی ہے" اوّل خان بڑبڑایا۔

"ہو سکتا ہے کہ رام چندر ہی اسے کہیں لے جا رہا ہو۔ ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

کلفٹن کے پل اور پہلے چوراہے کے بعد جب سیاہ کرولا دوسرے چوراہے سے داہنی طرف گھومی تو ہم دونوں کی ساری امیدیں دم توڑ گئیں۔ وہ راستہ کہیں بھی جا رہا ہو کورنگی ہرگز نہیں جاتا تھا۔

شاید ویرا، رام چندر پر قابو پانے میں ناکام رہی تھی۔ اسے موقع نہیں مل سکا تھا یا پھر رام چندر نے اس سے بم گن چھین لی تھی۔ جب ہی سیاہ کرولا غیر متعلقہ راستے پر جا رہی تھی۔

ان دنوں بھی بوٹ بیسن کا وہ علاقہ خاصا آباد تھا لیکن ہر طرف تعمیراتی سرگرمیاں بھی جاری تھیں۔ علاقہ مکمل طور پر آباد نہ ہونے کی وجہ سے وہاں بھیڑ بھاڑ اور رونق بھی بہت زیادہ تھی۔

"اب شاید ہم موتی لال کے گھر پر ہی رکیں گے" اوّل خان شاید بلند آواز میں سوچ رہا تھا۔ میں نے کوئی جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ اس دوران میں اوّل خان نے گاڑی کی رفتار سست کر لی تھی۔

اس علاقے میں کافی اندر آنے کے بعد جب موقع ملا تو اوّل خان نے فوری طور پر اپریٹس نکال کر اپنے آدمیوں سے رابطہ کیا اور انہیں رک جانے کی ہدایت دی۔ کم آبادی والے اس حصے میں رام چندر اپنے پیچھے دو گاڑیوں کو دیکھ کر چوکنا ہو سکتا تھا۔

آخر کار سیاہ کرولا ایک پھاٹک کے سامنے گھوم کر رکی۔ اس کا ہارن بجا اور پھاٹک کھلتے ہی کار اندر چلی گئی۔

ہم اس مکان کے سامنے سے گزرے تو پھاٹک بند ہو چکا تھا۔ پھاٹک کے ساتھ والے ستون پر شاہ زمان خان کے نام کی تختی بہت نمایاں تھی۔

"یہ مکان موتی لال کا نہیں ہو سکتا۔ میری اطلاعات کے مطابق وہ ایک فلیٹ میں رہتا ہے" وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اوّل خان کی تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا "یہ یہاں کیوں آئے ہیں؟"

"ہو سکتا ہے کہ رام چندر نے اپنے کسی پروگرام پر عمل شروع کر دیا ہو۔"

"یا موتی لال نے اپنی عیاشیوں کے لیے یہ خفیہ ٹھکانا بنایا ہوا ہے۔"

اوّل خان نے اپنی گاڑی ایک ویران گلی کے سرے پر پارک کر دی۔ گاڑی کی پوزیشن ایسی تھی کہ اندر بیٹھے بیٹھے شاہ زمان خان کے مکان میں آنے جانے والوں پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔ اس گلی میں کئی زیرِ تعمیر مکانات بند اور ویران پڑے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان میں کہیں کہیں خالی پلاٹ موجود تھے۔ ایک مکان میں زور و شور سے کام ہو رہا تھا اور وہاں مزدوروں کی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔

اوّل خان نے اپریٹس پر دوبارہ اپنے آدمیوں سے رابطہ کر کے قیدی کا حال پوچھا تو وہ بدستور بے ہوشی کی حالت میں عقبی پائیدان پر پڑا ہوا تھا۔ اوّل خان نے قیدی کو ڈکی میں بند کر کے ایک آدمی کو گاڑی کے ساتھ رکنے کی ہدایت کی اور بقیہ دو افراد کو مکمل تیاری کے ساتھ اپنی طرف بلا لیا۔

چند منٹ بعد وہ دونوں چہل قدمی کے انداز میں بے پروائی سے راستہ طے کرتے ہوئے ہم تک آ پہنچے۔ ان میں سے ایک کا نام طور خان اور دوسرے کا اجمل تھا۔ اوّل خان کے اشارے پر وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

"کرولا سامنے والے مکان میں گئی ہے" اوّل خان نے انگلی کے اشارے سے انہیں بتایا "یہاں پشت پر سارے مکانات ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اس لیے اس مکان سے نکاس کے دو ہی راستے ہیں۔ پھاٹک والا سامنے کا حصہ یا خالی پلاٹ کے ساتھ بنی ہوئی بغلی دیوار۔ ان راستوں سے کوئی فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہونا چاہیے۔ سیاہ کرولا سے آنے والی عورت ہماری ساتھی ہے۔ غالباً اس مکان میں اس کے سوا کوئی اور عورت نہیں ہے۔ اسے کوئی گزند پہنچائے بغیر ہمیں دوسرے تمام افراد کو پکڑنا ہے۔ ہم دونوں اندر جائیں گے۔ تم دونوں باہر سے نگرانی کرو گے۔ سگنل نمبر دو سنتے ہی تم کو ہر ضروری کارروائی کرنے کا اختیار ہو گا۔"

اوّل خان کی ہدایات بہت واضح تھیں۔ وہ دونوں یس سر کہہ کر رہ گئے۔

اوّل خان نے اپنی کار کی ڈکی کھولی تو اس میں ایک پھولا ہوا خستہ حال بیگ موجود تھا۔ اس نے کینوس میں لگی ہوئی زپ کھولی تو بیگ میں بھرے ہوئے مہلک ہتھیار جھانکنے لگے۔ اوّل خان نے تھیلے میں سے دو کلاشنکوفیں نکال کر ان کے میگزین چڑھائے اور ایک کلاشنکوف مجھے تھما دی۔

"تم پھاٹک کی طرف سے اندر پہنچو، میں خالی پلاٹ کی طرف سے دیوار پھاندنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایک دوسرے کی طرف بڑھتے ہوئے ہم گیراج والے کونے پر ملیں گے اور مکان کا چکر لگانے کے بعد اندر داخل ہونے کے راستے کا تعین کریں گے" اوّل خان نے پیشہ ورانہ انداز میں مجھے بریفنگ دی۔

"یہ سگنل نمبر دو کیا بلا ہے، اس کا استعمال کیسے ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

"اسے ایس او ایس یا خطرے کا پیغام سمجھ لو۔ حلق سے ایک خاص انداز میں آواز نکالنی ہو گی۔ یہ کام میں خود کر لوں گا۔ دعا کرو کہ اس سگنل کے استعمال کی نوبت نہ آنے پائے۔"

میرے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ کہیں اوّل خان مارا گیا اور میں گھیر لیا گیا تو میں باہر والوں کو اپنی مدد کے لیے کیسے بلاؤں گا لیکن میں اوّل خان سے وہ سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

ہم دونوں نے پُرعزم نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف

دیکھا کلاشنکوفیں اپنے لباسوں میں چھپائیں اور شاہ زمان خان کے مکان کی طرف چل دیے۔ میں نے چوکنے انداز میں قرب و جوار کا اندازہ لگایا تو آباد مکانوں کے پھاٹک بھی بند تھے۔ خوش حال لوگوں اور بڑے مکانات پر مشتمل آبادیوں میں یہی ایک خوبی یا خامی ہوتی ہے کہ ہر شخص دروازے بند کیے اپنی چار دیواری بلکہ چار دیواری میں بنے ہوئے اپنے اپنے کمرے میں مگن رہتا ہے۔ اسے محلے یا پڑوس کے لوگوں سے کوئی غرض ہوتی ہے نہ وہ ان کی فکر میں گھلتا رہتا ہے۔

بظاہر میدان صاف ہونے کے باوجود میں شاہ زمان خان کے مکان کے اس ستون کے پاس جا کھڑا ہوا جس پر اطلاعی گھنٹی کا بٹن نصب تھا۔ میرا انداز ایسا ہی تھا جیسے گھنٹی بجانے کے بعد کسی جواب کا انتظار کیا جا رہا ہو۔ اس دوران میں' میں آہنی پھاٹک کی جھریوں سے جھانک کر اندر کا جائزہ بھی لیتا رہا۔

پورچ میں سیاہ کرولا کھڑی ہوئی تھی۔ عمارت اور احاطے کی دیواروں کا درمیانی گلیارا بظاہر ویران نظر آ رہا تھا۔ میں نے اچک کر دیوار کے اوپر سے اندر نگاہ ڈالی تو وہاں بھی کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ میں نے پلٹ کر آخری بار اپنے قرب و جوار کا جائزہ لیا اور دیوار کی منڈیر پر ہاتھ ٹکا کر اور رکے بغیر اندر پختہ زمین پر جا کودا۔ میرے کودنے کی دھمک اتنی تیز تھی کہ میں فوراً ہی قریبی جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گیا۔

میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سانس روکے کسی ردعمل کا انتظار کرتا رہا۔ دن دہاڑے کسی کے گھر میں یوں کود کر خود کو ہر خطرے سے محفوظ رکھنا کتنا مشکل کام ہوتا ہے' اس کا اندازہ مجھے اسی دن ہوا۔

چند ثانیوں بعد پختہ فرش پر کسی کے قدموں کی قریب آتی ہوئی چاپ سنائی دی۔ میں نے کلاشنکوف ہاتھ میں سنبھال لی۔ دروازہ کھلنے کی آہٹ ہوئی پھر ایک اونچی مردانہ آواز گونجی "کون ہے؟"

وہ جو کوئی بھی تھا' یقینی طور پر میرے کودنے کی آواز سن کر ادھر متوجہ ہوا تھا۔ اسے اپنے سوال کا کوئی جواب نہیں ملا تو دوبارہ اس کے قدموں کی آہٹیں سنائی دینے لگیں۔ شاید وہ برآمدے سے نیچے اتر کر احاطے کا جائزہ لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے اپنے وجود کو جھاڑیوں کی اوٹ میں سمیٹ لیا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ اسی طرح دیکھ بھال کرتا رہا تو میں اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکوں گا۔ میرے جسم کے سارے مسامات کے دہانے کھل گئے تھے۔ میں اپنی بغلوں سے نیچے پسینے کی دھاریں سی رینگتی محسوس کر رہا تھا اور ریڑھ کی ہڈی میں عجیب سی سنسناہٹ ہو رہی تھی۔

ایک مرتبہ پھر قدموں کی چاپ بتدریج قریب آتی ہی چلی گئی پھر مجھے جھاڑیوں کے اوپر ایک خشم ناک چہرہ نظر آیا جو کینہ توز نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔

"اچھا... تو مجھے دھوکا نہیں ہوا تھا۔ ایک خبیث یہاں چھپا ہے۔" اس نے زہر میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولنا شروع ہی کیا تھا کہ میں نے کلاشنکوف کی نال قدرے بلند کر کے اپنے ہونٹوں پر انگلی جما کر اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی اور وہ میری کلاشنکوف کی جھلک دیکھتے ہی یک لخت خاموش ہو گیا۔ اس نے میری کسی ہدایت کے بغیر غیر ارادی طور پر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے تھے۔

میں بہت آہستگی اور احتیاط سے اٹھا۔ وہ جھاڑیاں خود رو نہیں تھیں۔ مختلف پودوں اور بیلوں نے مدتوں سے تراش خراش نہ ہونے کے سبب وہ صورت اختیار کر لی تھی۔ اس وقت میرے سامنے دو راستے تھے۔ اول یہ کہ اسے بھی جھاڑیوں کی اوٹ میں لا کر اندر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ دوئم یہ کہ کسی بھی باز پرس کی جھنجٹ میں پڑے بغیر اسے بے ہوش کر دوں۔

میری نظر میں پہلا طریقہ پُرخطر اور دوسرا بے ضرر تھا۔ باز پرس کے دوران میں وہ اچانک چیخنا چلانا شروع کر دیتا تو ہمارا سارا کھیل خراب ہو سکتا تھا۔

اپنے لباس اور وضع قطع سے وہ اس گھر کے مکینوں کا کوئی منہ چڑھا ملازم معلوم ہو رہا تھا۔ مجھے ہتھیار بند دیکھ کر اس کا سارا حوصلہ ہوا ہو گیا تھا اور چہرے پر خوف کی پرچھائیاں ناچنے لگی تھیں۔ میں پوری طرح اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے بعد اس کی طرف بڑھا تو دہشت سے اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔ میں نے کلاشنکوف کی نال اس کی طرف سے ہٹائے بغیر اپنی جیب سے پستول نکالا پھر اس سے پیشتر کہ وہ میرے ہاتھوں میں دو ہتھیاروں کی موجودگی کا سبب جان سکتا' میں نے پستول کی نال اپنی گرفت میں لے کر اس کے وزنی دستے سے اس کی بائیں کنپٹی پر ایسی زوردار ضرب لگائی کہ وہ بس ایک تیز ہچکی کے ساتھ تیورا کر فرش پر ڈھیر ہوتا چلا گیا۔

پستول کا دستہ اس کی کھوپڑی سے ٹکرانے کی آواز اتنی بلند تھی کہ مجھے فوری طور پر کسی اور کی مداخلت کا خوف ستانے لگا۔ میں اس کے وجود کو کالر کے سہارے جھاڑیوں کی اوٹ میں گھسیٹنے لگا۔

"کیا اسے مار دیا؟" وہ تحیر زدہ آواز سنتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے بدن پر بجلی کا ننگا تار آ گرا ہو۔ میرا منہ جھاڑیوں کی طرف تھا اس لیے میں سوال کرنے والے کی صورت نہیں دیکھ سکا مگر اس آواز کی دہشت سے اپنے شکار کا کالر میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

میں بجلی کی سی سرعت سے پلٹا تو اول خان میرے سامنے موجود تھا۔ بے اختیار میرے سینے سے اطمینان کا ایک لمبا سانس خارج ہو گیا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میرا کام ہی تمام ہو گیا تھا۔

اس وقت بہت زیادہ کہنے سننے کی گنجائش نہیں تھی۔ سیدھی سی بات تھی کہ اول خان نے طے شدہ کونے پر پہنچ کر میری تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائی ہوں گی تو میں بوجھ ڈھوتا ہوا نظر آیا اور وہ بے قدموں میرے پاس آ پہنچا۔ ہم دونوں نے پھرتی سے بے ہوش آدمی کو گھسیٹ کر جھاڑیوں میں اتنی دور تک دھکیل دیا کہ وہ

آسانی سے کسی کی نظروں میں نہ آ سکے۔

وہ رام چند ہرگز نہیں تھا۔ گو ہم دونوں میں سے کسی نے موتی لال کو نہیں دیکھا تھا لیکن افضل خان کا بھی اندازہ تھا کہ وہ موتی لال نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ہمارے اصل حریف بدستور اندر موجود تھے۔

مکان میں داخلے کا راستہ تلاش کرنے کی مشکل خود بہ خود حل ہو چکی تھی۔ مکان کا برآمدے میں کھلا ہوا دروازہ ہم کو اندر داخلے کی دعوت دیے رہا تھا۔

ہم کچھ دیر تک اپنے کنج عافیت میں دبکے کسی ردعمل کا انتظار کرتے رہے۔ جب کہیں سے نقل و حرکت کی کوئی آواز یا آہٹ نہیں سنائی دی تو ہم نے احتیاط سے اندر داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ افضل خان میرے آگے تھا۔ میں اس کے پیچھے جھاڑیوں کی اوٹ سے نکلا اور پنجوں کے بل دوڑتا ہوا برآمدے میں پہنچ گیا۔

دیوار سے لگ کر اندر کی سن گن لینے کے بعد ہم دونوں یکے بعد دیگرے اندر داخل ہو گئے۔

وہ ایک راہداری کا کشادہ ابتدائی حصہ تھا۔ اس میں داہنی طرف ایک بند دروازہ تھا جو شاید ڈرائنگ روم میں کھلتا تھا۔ اندر گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ افضل خان نے دستہ گھما کر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو دروازہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر کھل گیا۔ اندر فرشی قالین پر قیمتی فرنیچر سجا ہوا تھا لیکن ان سب چیزوں کی ابتر حالت مکینوں کی بے پروائی کا نوحہ کر رہی تھی۔ ہم وہ دروازہ بند کر کے آگے ہو لیے۔

اس وسیع و عریض گھر میں کل سات کمرے تھے جن میں سے چھ بالکل ویران پڑے ہوئے تھے۔ ساتویں کمرے میں سے آنے والی مردانہ اور زنانہ آوازیں سن کر ہم نے اس کا جائزہ لینے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ مجھے فکر یہ تھی کہ اس مکان میں ویرا کے ساتھ کم از کم دو مرد موجود تھے۔ ایک کے ساتھ وہ بند کمرے میں خوش گپیوں میں مصروف تھی لیکن دوسرے کا کہیں پتا نہیں تھا۔ مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں ہمارے ہاتھوں بے ہوش ہونے والا شخص ملازم کے بجائے خود موتی لال ہی نہ رہا ہو۔ اس کے سوا دوسرے آدمی کی روپوشی کا کوئی جواز نظر نہیں آ رہا تھا۔

"میں یہیں ٹھہر کر بند کمرے پر نگاہ رکھتا ہوں۔ تم ذرا چھت کا بھی ایک چکر لگا ڈالو۔" افضل خان نے اوپر جانے والے زینوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرسری لہجے میں کہا۔

میں خود بھی یہ چاہتا تھا کہ بند کمرے میں طبع آزمائی کرنے سے پہلے یہ اطمینان کر لیا جائے کہ ہم پر بے خبری میں پیچھے سے وار نہیں کیا جائے گا۔ اوپر جانے والے زینے طے کرتے ہوئے میں بالکل بے خوف تھا۔ میں نے پستول پہلے ہی جیب میں رکھ لیا تھا۔ اس وقت کلاشنکوف بھی شانے سے لٹکالی لیکن زینوں کا اختتام ہونے پر میں چھت پر بنی ہوئی برساتی میں داخل ہوا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

مکان کی چھت پر کسی کمرے کی تقریباً ڈھائی فٹ اوپر ابھری ہوئی سن روف کے سائے میں ایک شخص سینے کے بل لیٹا ہوا شیشے سے اندر جھانک رہا تھا۔

میں نے اس معاملے کی اہمیت کے پیش نظر سیاہ کرولا کے سواروں کے حلیے اتنی تفصیل سے ذہن نشین کیے تھے کہ ان کی شکلوں کے علاوہ لباس تک مجھے یاد تھے۔ مجھے چھت پر لیٹے ہوئے شخص کا چہرہ نظر نہیں آیا لیکن میں نے اس کے لباس پر نظر پڑتے ہی پہچان لیا کہ وہ رام چند تھا۔ روپوش دشمن کا سراغ ملتے ہی میرے وجود میں عزم اور حوصلے کی ایک نئی لہر سرایت کرتی چلی گئی۔

وہ سن روف ایک مستطیل کی صورت میں تعمیر کی گئی تھی۔ اس میں کونے کے چار ستونوں پر بیم اور کنکریٹ کی چھت کو روکا گیا تھا۔ بیم اور چھت کے فرش کے درمیان تقریباً ڈھائی فٹ ابھری جگہ پر چوبی فریم میں شیشے جڑے ہوئے تھے تاکہ دن کی روشنی اور سورج کی دھوپ براہ راست کمرے میں پہنچ سکے۔ شیشے کی دیواروں کی ناپائیداری کا سدباب کرنے کے لیے اندر کے رخ پر مضبوط آہنی گرل نصب کی گئی تھی جس کی وجہ سے شیشے توڑ کر کمرے میں اترنا آسان نہیں رہا تھا۔

اس وقت سورج مغرب میں تھا۔ کمرے کے در و دیوار پر اپنا سایہ پڑنے کے خوف سے رام چند اس وقت شیشے کی مشرقی دیوار کے ساتھ لیٹا ہوا تھا۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا تھا، خفیہ طور پر اور کسی کو اعتماد میں لیے بغیر کر رہا تھا۔

چند ثانیوں تک ذہن پر زور دینے کے بعد میں پوری پوزیشن سمجھنے میں کامیاب ہو گیا۔

میرے اندازے کے مطابق سن روف اسی کمرے میں بنی ہوئی تھی جس میں ویرا کسی کے ساتھ موجود تھی۔ ویرا کے پہنچ جانے کے بعد موتی لال نے شاید رام چند کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا اور خود ویرا کو لے کر اس کمرے میں جا بیٹھا۔ ممکن ہے کہ وہ اس وقت نشے میں بھی رہا ہو۔ رام چند نے اپنی توہین کا انتقام یوں لینا چاہا کہ ان کی خلوت کا تماشائی بن کر سن روف کے سہارے لیٹ گیا۔ اس وقت وہ اپنے اسی انتقامی جذبے کی وجہ سے بدترین صورت حال کا سامنا کرنے والا تھا۔

کمرے میں جو کچھ ہو رہا تھا، وہ رام چند کے لیے اس قدر دلچسپ تھا کہ وہ اپنے گرد و پیش سے یکسر غافل ہو کر اپنے مشاہدے میں منہمک تھا۔ میں آہستگی سے برساتی سے نکل کر اس کے قدموں کے قریب جا کھڑا ہوا لیکن اسے پھر بھی اپنے اوپر نازل ہونے والے عذاب کا ادراک نہ ہو سکا۔ میں نے نہایت اطمینان سے پوزیشن لے کر دونوں ٹخنوں کے قریب سے اس کی پنڈلیاں جکڑیں اور وحشیانہ بے رحمی سے اسے اسی حالت میں پیچھے کی طرف گھسیٹتا لے آیا۔ اس نے حلق سے دہشت زدہ آوازیں نکالتے ہوئے کسی چیز کو پکڑنے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن اس کے سامنے سپاٹ شیشوں اور مسطح فرش کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ آہنی گرل جو اس کا سہارا بن سکتی تھی، شیشوں کے پیچھے، کمرے کے رخ پر لگی ہوئی تھی۔

میں اُسے اسی طرح گھسیٹتا ہوا برساتی تک لایا۔ چکنے فرش کی تیز رگڑ نے اس کے پیٹ اور سینے پر یقیناً خراشیں ڈال دی ہوں گی کیونکہ چند فٹ کے بعد ہی فرش پر خون کی گھسٹتی ہوئی لکیریں نظر آرہی تھیں۔ اسے پلٹ کر سیدھا ہونے کا موقع دیے بغیر میں نے اس کی کمر پر سوار ہو کر اس کی ٹانگیں پوری قوت کے ساتھ اوپر اٹھانی شروع کر دیں۔ اذیت سے اس کی چیخیں نکلیں تو میں نے ہڑبڑا کر اُس کی ٹانگیں چھوڑ دیں۔ شور کی آواز موتی لال کے کانوں تک پہنچ جاتی تو ہمارے لیے پریشانی پیدا ہو سکتی تھی۔ سن روف کے شیشے گرد و غبار اور برساتی پانی کی روک تھام کے لیے اتنی مہارت کے ساتھ سیل کیے جاتے ہیں کہ اس راستے سے رام چند کی آواز کمرے تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ کمرے کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے ادھر سے بھی آواز کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن پھر بھی ہر احتیاط ضروری تھی۔

اس کی ٹانگیں چھوڑ کر میں اُس کی پشت سے اترے بغیر اس کی کھوپڑی کی طرف گھوما تو میرا دورانِ خون میری کنپٹیوں پر ٹھوکریں مار رہا تھا۔ میرے نیچے دبا ہوا شخص ایک سفارتی اہل کار نہیں' درندہ صفت سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ دوسروں کی زندگیوں کے چراغ گل کر کے اپنے لیے کامیابیاں کمانے والے ان ایجنٹوں کو اپنے متوقع انجام کا اچھی طرح علم ہوتا ہے جسے وہ مصروفیت یا پھر زندگی کی رنگینیوں میں کھو کر بھولے رہتے ہیں۔ حریف کے مقابلے میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔ دشمن کو ختم کر کے سرخروئی حاصل کریں یا بے خوفی سے موت کو گلے لگالیں۔ اس وقت رام چند نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اچانک ہی اپنے کسی اجنبی دشمن کی بھیانک گرفت میں آچکا تھا۔ وہ میری دسترس سے بچنے کے لیے پورا زور لگا رہا تھا مگر میں اس درندے کو کسی بھی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے اس کے بال پوری قوت سے مٹھی میں جکڑے اور پھر اس کے چہرے کو فرش پر دے مارا۔

اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکلی اور فرش پر خون پھیلنا شروع ہو گیا۔ شاید فرش سے ٹکرانے کے نتیجے میں اس کی پیشانی' ناک کی ہڈی یا دہانہ لہولہان ہو چکا تھا۔ وہ دہشت کے عالم میں ہاتھ پیر چلانے لگا۔ میں نے بال جکڑے جکڑے دوبارہ اس کا سر اوپر اٹھا کر پھر فرش پر دے مارا اور جنون کے عالم میں بار بار اسی حرکت کا اعادہ کرتا چلا گیا۔

مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنی بار اس کا سر فرش سے ٹکرایا۔ مجھے اس وقت ہوش آیا جب میں نے یک بیک محسوس کیا کہ اس کی ساری مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ فرش کا ایک بڑا حصہ تازہ خون میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ کسی بے جان پتلے کی طرح میرے نیچے دبا ہوا تھا۔

میں اس کے بال چھوڑ کر نیچے اتر آیا۔ رام چند کی یادگار مرمت کا وہ عمل اتنی آسانی سے ظہور پذیر ہوا تھا کہ میرا لباس شکن آلود ہوا تھا' نہ بدن پر خون کی کوئی ناپاک چھینٹ آئی تھی۔ مجھے مکمل اطمینان تھا کہ وہ کافی دیر تک ہوش میں نہیں آسکے گا۔ میں اس کا جائزہ لیے بغیر زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

اول خان زینوں کے اختتام پر سخت بے چینی کے عالم میں میرا انتظار کر رہا تھا۔ میری جھلک دیکھتے ہی وہ دبی دبی متوحش آواز میں غرایا "کہاں رہ گئے تھے۔۔۔؟ یہ چیخیں کہاں سے بلند ہو رہی تھیں؟"

"آخری راؤنڈ کے لیے میدان صاف کر رہا تھا" میں نے جواب دیا تو مجھے خود اپنی آواز اجنبی لگ رہی تھی "اور رام چند سن روف سے تماشا دیکھ رہا تھا۔ اب وہ کئی گھنٹوں کے لیے بے ہوش ہو چکا ہے۔ تم موتی لال کے کمرے کے دروازے پر پوزیشن لے لو۔ میں سن روف سے اسے للکارتا ہوں۔"

"اس وقت تم پر درندگی سوار ہے" اول خان غور سے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا "تھوڑی دیر کے لیے تم یہاں رکو۔ میں اوپر کا جائزہ لے کر آتا ہوں تاکہ پوری صورتِ حال سمجھ سکوں۔ پتا نہیں تم اوپر کیا گل کھلا کر آئے ہو۔"

"اوپر گل نہیں بلبل ہے۔ سو فیصد بے ہوش اور زخمی" میں کوشش کے باوجود اپنی آواز میں نرمی پیدا کرنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

"اس وقت تم پاگل ہو رہے ہو۔ میں تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کر سکتا" وہ مجھے ایک طرف دھکیل کر تیزی سے زینے چڑھتا چلا گیا۔

میں بے پروائی سے زینے کی خوبصورت چوبی ریلنگ کا سہارا لے کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

چند منٹ بعد اول خان نیچے آیا تو بوکھلایا ہوا تھا "جسے تم بے ہوش سمجھ رہے ہو وہ مر چکا ہے۔ اس کے چہرے اور پیشانی کی ساری ہڈیاں چکنا چُور ہو کر خون میں لتھڑی ہوئی ہیں۔ وہ بالکل ناقابلِ شناخت ہو کر رہ گیا ہے۔"

"مر گیا تو اچھا ہی ہوا۔ میرا اسے ختم کرنے کا ارادہ نہیں تھا" میں نے کہا۔

"سن روف کے نیچے دیر ایک نیم مدہوش مرد کے ساتھ۔۔۔" اول خان نے مجھے اپنے مشاہدے سے آگاہ کرنا چاہا لیکن میں نے انتہائی تلخی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"شیشوں سے میں بھی اندر جھانک سکتا تھا مگر میں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم نے بند کمرے میں کیا دیکھا ہو گا۔ رام چند بھی پورے انہماک سے وہی سب دیکھ رہا تھا کہ میں نے خاموشی سے اسے دبوچ لیا۔ اس کا حشر تم دیکھ ہی چکے ہو۔"

اول خان نے میرے دونوں شانے تھام کر مجھے بری طرح

جھنجوڑ ڈالا اور سرگوشیانہ غراہٹ میں بولا "ہوش میں آؤ۔ تم غلط سمجھ رہے ہو۔ کمرے میں ویرا مغلوب نہیں غالب ہے۔ وہ دونوں شراب پی رہے ہیں۔ مرد نشے میں بہکا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہی موتی لال ہے۔"

میں ایک جھرجھری لے کر رہ گیا۔ اول خان نے پوری پوزیشن کی وضاحت کر کے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا تھا۔ اس میں خوبی یہی تھی کہ وہ اشارہ پا کر بات کی تہ تک پہنچ جاتا تھا۔ ویرا کوئی پارسا عورت نہیں تھی لیکن وہ جو کچھ کرتی تھی، سوچ سمجھ کر اور اپنی مرضی سے کرتی تھی۔ میرے لیے یہ تصور ہی سوہانِ روح تھا کہ وہ موتی لال کے چنگل میں پھنس کر اُس کے جبر کا نشانہ بن گئی تھی۔ شاید میرے لاشعور کے کسی گوشے میں ابھرنے والے اسی خوف نے عارضی طور پر میرا ذہن ماؤف کر کے رکھ دیا تھا۔

"وہ موتی لال ہے اور اب اکیلا رہ گیا ہے۔ تم دروازے کے سامنے جم جاؤ میں اوپر جا رہا ہوں۔"

اول خان نے اپنا سر جھٹک کر میرے شانے چھوڑ دیے اور میں زینوں پر دوڑتا چلا گیا۔

ذہن پر چھائی ہوئی دھند صاف ہونے کے بعد سن رُوف سے کمرے کا جائزہ لینے میں کوئی امر مانع نہیں تھا۔ میں نے خاصی بے احتیاطی بلکہ ڈھٹائی سے سن رُوف کے ایک شیشے سے اندر جھانکا تو نیچے مجھے ایک وسیع اور آراستہ خواب گاہ نظر آئی۔ پورے مکان کے مقابلے میں وہ کمرا بہت صاف ستھرا اور پُرتعیش نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پورے گھر میں صرف اسی ایک کمرے کی باقاعدہ صفائی اور دیکھ بھال ہوتی ہو۔

مسہری کا بستر شکن آلود تھا۔ ایک گوشے میں شیشے کی گول میز کے گرد چار منقش اور گدیلی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک پر ویرا اپنے مکمل بہروپ سمیت موجود تھی۔ دوسری پر گندمی جلد والا ایک دراز قامت شخص نیم دراز تھا۔ اس کے ہاتھ میں جام تھا اور نظریں والہانہ انداز میں ویرا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

لمحہ بھر کے لیے ویرا کے لبوں میں جنبش نظر آئی پھر شاید وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی لیکن کمرے کی کوئی بھی آواز میرے کانوں تک نہیں پہنچ سکی۔ اگر سن روف کے شیشوں کی تنصیب میں ذرا بھی نقص ہوتا تو نہ صرف اندر کی سب آوازیں مجھے سنائی دیتیں بلکہ رام چند کی چیخیں بھی اندر سنی جا سکتی تھیں۔

سن رُوف کے شیشوں کو بے اثر بنانے کے لیے اندر کی چاروں سمتوں میں گہرے نیلے رنگ کے دبیز پردے نظر آ رہے تھے جو اس وقت گوشوں میں سمٹے ہوئے تھے۔ ہر کونے میں پردوں کو سرکانے کے لیے سنہرے رنگ کی موٹی موٹی اور مزین ڈوریاں جھول رہی تھیں۔ ان ڈوریوں کی مدد سے کمرے کے فرش پر کھڑے کھڑے سن روف کے دبیز پردوں کو آسانی سے کھولا اور بند کیا جا سکتا تھا۔

شیشے کی گول میز پر ویرا کے سامنے بھی وہسکی کا گلاس نظر آ رہا تھا۔ اس کے اطمینان کو دیکھتے ہوئے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ وہاں سے واپسی کا ارادہ نہ رکھتی ہو۔ چند لمحوں کے لیے میں سوچ میں پڑ گیا۔ ویرا اپنے شکار تک پہنچ چکی تھی اور اس پر حاوی نظر آ رہی تھی۔ وہ جب چاہتی اسے بیم گن کی زد پر لے کر وہاں سے روانہ ہو سکتی تھی۔ پھر اسے کس کا انتظار تھا؟

میں نے پستول نکال کر اُس کی نال کا رخ دراز قامت شخص کی قریبی دیوار کی طرف کیا اور سن روف کے شیشے پر فائر کر دیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ کھلی چھت پر ہونے والے فائر کا دھماکا سن کر کوئی بھی شخص سمت یا مقام کا تعین کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

پُرشور بارودی دھماکے کے ساتھ ہی شیشہ ٹوٹنے کا چھناکا ہوا اور گولی میرے لیے ہوئے نشانے کے مطابق دیوار میں پیوست ہو گئی۔ فائر کی آواز سنتے ہی موتی لال کا نشہ ہرن ہو گیا اور وہ ارے باپ رے کہہ کر اپنی کرسی سے اچھل پڑا۔

شیشہ ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس بار میں نے اندر کی آوازیں واضح طور پر سنی تھیں۔

موتی لال کے حواس اتنے مختل تھے کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکا کہ فائر کہاں سے ہوا تھا مگر ویرا نے شیشہ ٹوٹنے کی آواز سنتے ہی سن روف کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکان تیر گئی۔

میں نے پستول کی دھواں اگلتی ہوئی نال کو جنبش دے کر اُس کے لیے خیرسگالی کا اظہار کیا پھر بھاری آواز میں کہا "ہوشیاری یا بدمعاشی دکھانے کی ضرورت نہیں۔ پورا مکان پولیس نے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ دونوں خاموشی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آؤ۔"

موتی لال نے حیرت سے سر اٹھا کر سن روف کی طرف دیکھا اور ہکلاتے ہوئے بولا "ہم شریف آدمی ہیں۔ پولیس کو ہمارے گھر میں چوروں کی طرح گھسنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"تم باہر آؤ پھر سب کچھ بتا دیا جائے گا" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"میں کسی باوردی پولیس افسر کو دیکھے بغیر باہر نہیں آؤں گا"

موتی لال کے کھوئے ہوئے اوسان تیزی سے بحال ہوتے جا رہے تھے "تم تو صورت ہی سے اوّل درجے کے چور معلوم ہوتے ہو۔"

"موتی ڈارلنگ! اس کی بات مان لو" ویرا نے سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا "یہ دوسرا فائر بھی کر سکتا ہے۔ ہم اس کے مقابلے میں خراب پوزیشن میں ہیں۔ تمہارے آدمی بھی نہ جانے کہاں غائب ہیں۔"

"کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ ہے۔ اسے توڑنے میں انہیں واقعی پسینہ آ جائے گا۔ یہ حرام زادے میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے" یہ کہتے ہی اس نے اچانک دوڑ لگا دی۔ وہ اسی دیوار کی طرف دوڑا تھا جس پر میں نے پوزیشن لی ہوئی تھی۔ یوں وہ چشم زدن میں میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

میں چھت پر ابھری ہوئی سن روف کا چکر کاٹ کر مخالف سمت میں پہنچا تو اس وقت تک ویرا اس پر حملہ آور ہو چکی تھی اور بائیں

ہاتھ سے اس کا گریبان تھام کر پیچیدہ گالیوں کے ساتھ اس کے چہرے پر تکے برسا رہی تھی۔ موتی لال بس چند ثانیوں تک حیرت اور سکتے کے عالم میں اس کے ہاتھوں پٹتا رہا پھر اس نے اچانک ہی نیچے جھک کر ویرا کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر دور اچھال دیا۔

موتی لال کی اس چابک دستی نے مجھے حیران کردیا۔ ویرا کو بھی اپنے اس انجام کی توقع نہیں تھی۔ وہ بلندی سے مسہری کے قریب قالین پر گری تو اس کے حلق سے ایک بے ساختہ سریلی چیخ آزاد ہوگئی۔ اسی کے ساتھ شاید اوّل خان نے کمرے کے دروازے پر طبع آزمائی شروع کردی۔

"مجھے شبہ تھا کہ تم کوئی آوارہ کتیا ہو" موتی لال زہریلی آواز میں پھنکارا "میں نے اسی لیے خود آنے کے بجائے رام چند کو بھیجا تھا۔ اب تم لوگ یہاں سے زندہ نہیں لوٹ سکو گے۔"

ویرا تڑپ کر قالین سے اٹھی تو اس کا ہاتھ اپنے بائیں پہلو پر تھا۔ شاید وہ بیم گن نکالنے کا ارادہ کررہی تھی مگر اس سے پہلے ہی موتی لال اپنی کسی جیب سے ریوالور نکال کر ویرا کو اس کی زد پر لے چکا تھا۔

"ہاتھ اوپر اٹھالو ورنہ میں بے رحمی سے تمہارا بھیجا اُڑا دوں گا" وہ غرایا۔

اس کی حالت دیکھ کر مجھے شبہ ہوا کہ وہ کسی بھی لمحے ویرا پر فائر کردے گا۔ اس وقت اُس کی پوری توجہ ویرا پر مرکوز تھی۔ میں نے اس کے ریوالور والے ہاتھ کا نشانہ لے کر دوسرا فائر کردیا۔ گولی اس کی کلائی میں اتر گئی۔ وہ کھڑے کھڑے اپنی جگہ پر ناچ کر رہ گیا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

ویرا نے سرعت سے بیم گن نکال لی اور تحکمانہ لہجے میں بولی۔ "دروازے کے بولٹ گرادو ورنہ تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو راجر کا ہوا تھا۔"

"راجر!" موتی لال کا منہ حیرت سے کھلا اور پھر بند ہوگیا "تم کون ہو؟"

"تم سمجھ سکتے ہو تو سمجھ لو۔ میں کوئی پہیلی نہیں ہوں، جو بھی ہوں تمہارے سامنے ہوں۔"

"نہیں.... نہیں... تم ویرا نہیں ہو سکتیں" وہ ویرا کو گھورتے ہوئے ہذیانی لہجے میں بولا "سب کچھ بدلا جاسکتا ہے مگر آنکھوں کا رنگ نہیں بدلا جاسکتا۔ تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔"

"میں جو بھی ہوں، اس وقت تمہاری موت کے روپ میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ دروازہ کھولو ورنہ میں ابھی تمہاری ٹانگوں کو جلا کر راکھ کردوں گی" ویرا سفاکانہ لہجے میں بولی۔

موتی لال کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں لرزنے لگیں۔ وہ متذبذب نظر آرہا تھا۔ دوسری طرف اوّل خان نے شاید دروازہ اکھاڑ پھینکنے کے لیے اس پر شانے سے زوردار ضربیں لگانی شروع کردی تھیں۔

"دروازہ کھولو!" ویرا نے ڈپٹ کر کہا اور ایک دیوار گیر دھاتی فانوس کا نشانہ لے کر ایک لمحے کے لیے بیم گن چلادی۔ بیم گن کے پتلے سے نوزل سے موت کی نیلگوں شعاعوں کی ایک باریک دھار فانوس کی طرف لپکی اور وہ پگھل کر پُرشور آواز سے زمین پر آرہا۔

شعاعوں کی زد میں آنے والا حصہ پگھل کر پل بھر میں کٹ گیا تھا۔ فانوس کے باقی حصے بدستور پوری آب و تاب کے ساتھ جھلملا رہے تھے۔

موتی لال کسی روبوٹ کی طرح حرکت میں آیا اور اس نے یکے بعد دیگرے دروازے کے نچلے اور اوپری بولٹ کھول دیے۔ اوّل خان کو اندر ہونے والی کارروائیوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ جس وقت موتی لال نے دوسرا بولٹ سرکایا، اسی لمحے اوّل خان نے باہر سے دروازے پر زوردار ضرب لگانے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں وزنی پٹ نے موتی لال کو دور اچھال پھینکا اور اوّل خان بھی کھلے ہوئے دروازے میں سے اڑتا ہوا کمرے کے وسط میں آگرا۔ ان دونوں کو ایسی ضربات آئیں کہ ان میں سے کوئی بھی فوراً نہیں اٹھ سکا۔

ویرا نے اپنی پوزیشن تبدیل کرکے موتی لال کو بیم گن کی زد سے نہیں نکلنے دیا تھا۔

میری چھت پر موجودگی کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ میں نے زینوں کی طرف دوڑ لگادی۔

میں اس کمرے میں پہنچا تو بساط سمٹ چکی تھی۔ موتی لال قالین پر بے حس و حرکت پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ شاید ان دونوں میں سے کسی نے اسے بے ہوش کردیا تھا۔

"پھاٹک کھول کر میرے آدمیوں کو گاڑی سمیت اندر بلالو" اوّل خان نے مجھے ہدایت دی۔

"کیا اسے لاد کر لے جانے کا ارادہ ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ اس کی دھلائی ہونی ضروری ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ٹرانسیٹر کے ذریعے کن افراد کو ہدایات دیتا رہتا ہے۔ سانپ کے ساتھ سنپولیوں کا بھی صفایا ہوجائے تو بہتر رہے گا۔"

"اور جھاڑیوں والے کا کیا کیا جائے؟" میں نے بحث کیے بغیر اگلا سوال کیا۔

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اس واقعے کی تشہیر وہی کرے گا۔"

"موتی لال کے علاوہ یہاں مزید دو آدمی ہیں" ویرا نے اپنی دانست میں انکشاف کیا "اگر ایک جھاڑیوں میں پڑا ہوا ہے تو تیسرا کہیں نہ کہیں چھپا ہوا ہوگا۔"

"وہ چھت پر اطمینان سے سو رہا ہے۔ اسے کوئی نہیں جگا سکے گا" میں نے کہا۔

"شروع ہی سے میرا سارا پروگرام گڑبڑ ہوتا رہا" ویرا افسانہ لہجے میں بولی "پہلے میں پرتاب کے ساتھ آنے والے رام چند کو موتی لال سمجھ بیٹھی۔ موتی لال نے اسے پیغام دے کر بھیجا تھا لیکن

میری بے تکلفی دیکھ کر وہ بھی چپ سادھ گیا۔ پرتاب کے اترنے کے بعد ہی۔۔۔"

"یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی" اوّل خان نے اس کی بات کاٹ دی "یہاں دو فائر ہو چکے ہیں۔ ہم زیادہ دیر تک یہاں رکے رہے تو پولیس بھی آسکتی ہے۔ یہ معاملہ بالا ہی بالا نمٹ جائے تو بہتر ہے۔"

وہ میرے لیے بھی اشارہ تھا۔ میں فوراً ہی اس پُرشکوہ خواب گاہ سے نکل گیا جہاں موتی لال نے ویرا کے ساتھ کیف و سرور کی کوئی یادگار محفل سجانے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔

اوّل خان کے دونوں آدمیوں کی نگاہیں اسی مکان پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے ذیلی کھڑکی کھول کر باہر نکلے بغیر انہیں آنے کا اشارہ کیا اور چند ہی ثانیوں میں گاڑی پھاٹک پر آگئی۔ میں نے پھاٹک کھول کر انہیں گاڑی اندر لانے کا راستہ دیا اور دوبارہ پھاٹک بند کردیا۔

میں بولٹ لگا کر پلٹا تو اوّل خان بے ہوش موتی لال کو اپنے کندھے پر لادے باہر آچکا تھا۔ ویرا اس کے پیچھے چلی آرہی تھی۔

مجھے اس بات پر بہت خوشی تھی کہ ہم ایک طویل عرصے بعد بھارتی سیکرٹ سروس کے ایک انتہائی اہم آدمی کو زندہ گرفتار کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ میں نے ان لوگوں کا ہاتھ بٹاتے ہوئے موتی لال پر تشدد کے مختلف مراحل کی منصوبہ بندی شروع کردی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ زیادہ دیر تک اپنی زبان بند رکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ اس سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں بھارتیوں کے تخریبی جال کو اس حد تک تباہ کیا جاسکتا تھا کہ وہ اس خطے میں برسوں تک دوبارہ نہیں پنپ سکتے تھے۔

اوّل خان نے موتی لال کو اپنی کار کی ڈکی میں منتقل کردیا تو ویرا نے جھاڑیوں والے شخص کو دیکھنے کی فرمائش کردی۔ اس مکان سے روانہ ہونے سے پہلے وہ یقین کرلینا چاہتی تھی کہ وہ کوئی نیا آدمی نہیں تھا۔

اوّل خان کے ایما پر میں اسے ان جھاڑیوں تک لے گیا تو ویرا دور ہی سے اس کا چہرہ دیکھ کر مطمئن ہوگئی "یہی حرام زادہ موتی لال کا خاص خدمت گار ہے۔ رام چند نے مجھے بتایا تھا کہ بھارتی قونصل خانے کے چکر کاٹنے والی خوب رو لڑکیوں کو شنکر ہی ورغلا کر موتی لال تک پہنچاتا ہے۔"

"رام چند سے تمہاری اتنی گہری دوستی کب سے ہوگئی؟" میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"راستے میں بتاؤں گی۔ یہاں وقت ضائع نہ کرو" ویرا ہنس کے بولی۔

اوّل خان گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیے ہماری واپسی کا منتظر تھا۔ اس کا ایک آدمی پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ دوسرا پھاٹک کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ ویرا اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے عقبی نشست سنبھال لی۔ پھاٹک کھولا گیا اور گاڑی رینگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ایس ٹی ایف کا دوسرا آدمی پھاٹک بند کرکے ذیلی کھڑکی سے باہر آکر پیچھے ہی بیٹھ گیا۔ اس وقت تک ہمارے قرب و جوار میں کوئی ایسا متنفس نظر نہیں آرہا تھا جو خاص طور پر ہماری طرف متوجہ ہو۔

دو گلیوں سے نکلنے کے بعد ایس ٹی ایف والوں کی وہ گاڑی بھی نظر آگئی جس میں تیسرا آدمی پرتاب ادھیکاری کے بے ہوش وجود کے ساتھ اپنے ساتھیوں کی واپسی کا انتظار کررہا تھا۔

اوّل خان نے خاموشی کے ساتھ دونوں آدمیوں کو وہاں اتارا اور گاڑی آگے بڑھادی۔

"کیا پرتاب ادھیکاری کو کہیں اور لے جایا جارہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پرتاب ادھیکاری' وہ کہاں ہے؟" اوّل خان کے جواب دینے سے پہلے ویرا متحیرانہ انداز میں بول پڑی۔

"اسے احتیاط سے دوسری کار کی ڈکی میں رکھا ہوا ہے" میں نے شوخی سے کہا "آج ہم عملی طور پر تمہارا پھیلایا ہوا گند ہی سمیٹتے پھر رہے ہیں۔ پہلے پرتاب کو اٹھانا پڑا پھر شنکر کو بے ہوش کرنا پڑا۔ رام چند مذاق ہی مذاق میں مارا گیا اور اب موتی لال ہمارے ساتھ ہے۔"

"ناموں سے سب ہی ہندو معلوم ہوتے ہیں" ویرا برا مانے بغیر بولی "ضروری نہیں کہ پاکستان میں رہنے والے سارے ہی ہندو ان کے ہم خیال ہوں لیکن یہ بات حیرت ناک ہے کہ موتی لال کے سارے قریبی ساتھی اس کے ہم مذہب ہیں۔ اس نے مقامی غداروں میں سے کسی کو اپنے اعتماد کے قابل نہیں سمجھا۔"

"یہ سوچنے والی بات ہے لیکن اس وقت ہم سوچ بچار میں زیادہ وقت برباد نہیں کرسکتے" میں نے کہا "تم پرتاب کے اتر جانے کے بعد کی کہانی سنارہی تھیں۔"

"ہاں' پرتاب کے اترنے کے بعد جب میں نے بے تکلفانہ باتوں کا سلسلہ شروع کیا تو رام چند کی گفتگو میں موتی لال والی روانی اور بے ساختگی نہیں تھی" وہ پچھلے بیان کا تسلسل جاری رکھتے ہوئے بولی "وہ چھیڑ چھاڑ تک سے گھبرا رہا تھا۔ آخر اس سے نہ رہا گیا اور اس نے کلفٹن کا پل عبور کرتے ہوئے اعتراف کرلیا کہ وہ موتی لال نہیں ہے۔ اسے حیرت تھی کہ میں دھوکا کیسے کھاگئی۔ موتی لال نے اسے بتادیا تھا کہ وہ جس لڑکی کو لائے گا وہ ایک کاک ٹیل پارٹی میں اس کی دوست بنی تھی۔ میں نے کہہ دیا کہ میں انجان بن کر اسے آزمارہی تھی۔ وہ ایک شریف آدمی ہے اور مجھے اس سے دوستی کرکے خوشی ہوگی۔ اس پر اس نے مجھے موتی لال اور شنکر کے بارے میں بہت سی ذاتی باتیں بتائیں اور مجھ سے وعدہ لیا کہ میں موتی لال سے اس کی شکایت نہیں کروں گی۔ اگر مجھے ابتدا ہی میں رام چند پر شبہ نہ ہوگیا ہوتا تو آج میں بری طرح مار کھا جاتی اور موتی لال کے دھوکے میں اسی کو راستے سے اغوا کرکے کورنگی لے جاتی۔ مجھے ہر قیمت پر موتی لال پر ہاتھ ڈالنا تھا اس لیے میں موتی لال کے

گھر پہنچنے تک رام چند کی مرضی کے مطابق عمل کرتی رہی اور نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔"

"یہ تمہاری کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے" میں نے سرد مہری سے کہا "تم موتی لال تک پہنچ جانے کے بعد بھی اتنے اطمینان سے اس کی خواب گاہ میں بیٹھی ہوئی تھیں جیسے رات وہیں گزارنے کا ارادہ ہے۔"

"ہوش میں رہ کر بات کرو" میری بات پر وہ ایک دم بھڑک گئی "میں مصلحتوں کو میں خوب سمجھ رہی تھی۔ میں غلط وقت اور موقع پر کوئی قدم اٹھاتی تو وہیں ماری جاتی۔ اس گھر میں قدم رکھتے ہی مجھے علم ہو گیا تھا کہ وہاں میں تین مردوں کے مقابلے میں اکیلی ہوں۔ تم کہاں ہو اور میرے لیے کیا کر سکتے ہو' اس بارے میں مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ میں موتی لال کو نشے میں دھت کرنے کے بعد اس کے دونوں آدمیوں کا صفایا کرنے اور پھر موتی لال کو لے کر نکلنے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔ رام چند کسی گوشے میں آسانی سے میرے دام میں آجاتا۔ اس سے نمٹنے کے بعد شنکر سے دوبدو بھی لڑنا پڑتا تو میں اسے مار لیتی۔"

"اسے کیا مار لیتیں؟ تم سے تو موتی لال مدہوش کو بھی نہیں سنبھالا گیا" میں نے اسے چڑانے کے لیے کہا "اس نے تمہیں کسی کھلونے کی طرح دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر اچھال دیا تھا۔"

"وہ میرا نہیں' غزالہ کے ان ڈھیلے ڈھالے کپڑوں کا قصور تھا" وہ چڑ کر بولی "میرے بدن پر کوئی ڈھنگ کا لباس ہوتا تو وہ مجھے اٹھانے کے بجائے میری ٹانگوں کے درمیان سے گزر کر منہ کے بل دور جا گرا ہوتا۔"

"یقین نہ ہو تو فیکٹری چل کر ویرا کو پتلون پہنا کر موتی لال سے لڑوا لینا" اوّل خان اس بحث سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا تو مجھے دھیان آیا کہ گاڑی میں میرے اور ویرا کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے۔

"میرے سوال کا جواب ابھی تک نہیں ملا" میں نے اوّل خان سے احتجاج کیا "تمہارے آدمی پرتاب ادھیکاری کو کہاں لے گئے ہیں؟"

"کہیں بھی نہیں' چند لمحوں کے لیے ویرا کو بھول کر اپنا سر پیچھے گھماؤ تو تمہیں اپنے سوال کا جواب نظر آجائے گا" اوّل خان بھی اپنی مہم کی بھرپور کامیابی پر خوش گوار موڈ میں تھا۔

میں نے اضطراری طور پر گردن گھمائی تو ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی ہمارے پیچھے چلی آرہی تھی۔

اوّل خان نے عقب نما آئینے میں میری طرف دیکھا اور زور زور سے ہنسنے لگا۔

اس مہم کے سارے مراحل اتنی تیزی سے عمل میں آتے چلے گئے تھے کہ ہم نے پانچ بجنے سے پہلے واپسی کا سفر شروع کر دیا تھا۔ دونوں گاڑیوں کی رفتار کافی تیز تھی۔ اس وقت تک سڑکوں پر ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ شروع نہیں ہوئی تھی اور پھر کلفٹن سے گزری کے راستے جہانگیر کی فیکٹری تک کا سفر زیادہ طویل نہیں تھا اس لیے ہم تھوڑی ہی دیر میں فیکٹری پہنچ گئے تھے۔

اوّل خان کی گاڑی کا ہارن سن کر غزالہ' سلطان شاہ اور جہانگیر کے ساتھ نیچے آگئی تھی۔ دونوں گاڑیوں کے اندر پہنچنے کے بعد پھاٹک بند کر دیا گیا۔ نفری کی کوئی کمی نہیں تھی اس لیے ریشم خان کو مضبوط ڈوری کا لچھا اور دیگر ضروری سامان لینے کے لیے بھیج دیا گیا۔ اس کی جگہ اوّل خان کا ایک مسلح آدمی بند پھاٹک کے قریب جم کر کھڑا ہو گیا۔

ریسٹ ہاؤس میں رک کر رہنے والے تینوں افراد سب کچھ جان لینے کے لیے بے چین تھے لیکن ہمارے قریب منڈلاتے ہوئے اوّل خان کے آدمیوں کی وجہ سے کھل کر سوالات نہیں کر پا رہے تھے۔

پہلے اوّل خان کی کار کی ڈکی کھول کر موتی لال کو بے ہوشی کی حالت میں باہر نکالا گیا تو ان تینوں کی آنکھوں میں حیرت امڈ آئی اور غزالہ اپنے تجسس پر قابو نہ رکھتے ہوئے پوچھ ہی بیٹھی "یہ کون ہے؟"

"آج کا اہم ترین شکار...... موتی لال" ویرا نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تو کیا اس کے علاوہ بھی کوئی اور پکڑا گیا ہے؟" غزالہ نے ویرا کے جواب سے ایک اور سوال پیدا کر لیا۔

"وہ دوسری گاڑی میں بند ہے" ویرا نے دوسری کار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اوّل خان کی ہدایت پر موتی لال کے دونوں ہاتھ پشت پر یکجا کر کے باندھ دیئے گئے اور منہ میں اتنا کپڑا ٹھونس دیا گیا کہ وہ ہوش میں آنے پر غیر ضروری شور و غل برپا نہ کر سکے۔

"اب ان قیدیوں کا ٹھکانا بتاؤ" میں نے جہانگیر سے کہا "یہاں ان کی خاطر مدارات کرنی ہو گی۔"

"فیکٹری میں محفوظ کمروں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن انہیں اپنے قریب رکھنا چاہو تو میرے دفتر کا باتھ روم بھی استعمال کر سکتے ہو۔ دو قیدیوں کے لیے وہ کافی کشادہ ہے" جہانگیر نے پیش کش کی۔

اسی اثنا میں پرتاب ادھیکاری کو بھی نکال کر باندھ دیا گیا۔

جب اوّل خان نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھنے کی ہدایت کی تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکا "موذی کو زندہ رکھنا مہلک بھی ثابت ہو سکتا ہے" میں نے اس کا ارادہ بھانپ کر دھیمے لہجے میں کہا۔

"تم ٹھیک سمجھے" اوّل خان تعریفی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "شنکر ہوش میں آئے گا تو مبالغے کے ساتھ دلچسپ کہانی سنائے گا۔ اگر ہم اسے بھی ختم کر دیتے تو شاید یہ قصہ کئی دن دبا رہتا۔ میرا خیال ہے کہ شاہ زمان خان کے نام کی تختی والا مکان موتی لال عیاشی کے اڈے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اس کے دفتر کے ساتھی اور افسران بھی اس اڈے کے وجود سے بے خبر ہوں گے۔ شنکر کی کہانی اور پھر موتی لال اور پرتاب ادھیکاری کے غائب ہونے کی خبر ان لوگوں کے چھکے چھڑا دے گی۔ میں ان لوگوں کو گمراہ کر کے

مزید الجھانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اگر کل پرتاب یہاں سے رہا ہونے کے بعد تشدد اور خاص رخ پر کی جانے والی باز پرس کا انکشاف کرے اور اپنے بڑوں کو یہ یقین دلادے کہ موتی لال کچھ جرائم پیشہ لوگوں کے قبضے میں ہے جو اپنے مطالبات پورے ہونے پر اسے آزاد بھی کر سکتے ہیں تو وہ لوگ میدان میں کود پڑیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں مزید کامیابیاں حاصل ہو جائیں۔"

"شاید اس کی آنکھوں پر پٹی اسی مقصد سے باندھی گئی ہے کہ یہ اس جگہ کی نشان دہی کر سکے نہ ہم میں سے کسی کا حلیہ بیان کر سکے" جہانگیر نے کسی بوجھ بجھکڑ کی طرح کہا۔

"تم ماشاء اللہ بہت ذہین ہو" میں نے سلگ کر کہا "فوراً ہی ہر بات کی جڑوں میں بیٹھ جاتے ہو۔ تمہاری اس خداداد صلاحیت پر مجھے اکثر رشک آتا ہے۔"

جہانگیر منہ پھلا کر غزالہ کی طرف چل دیا جو الجھی ہوئی ڈوری کے بل نکال رہی تھی۔

میں نے پرتاب کے بارے میں اول خان سے متفق نہ ہونے کے باوجود کوئی تکرار نہیں کی کیونکہ میرے لیے اصل اہمیت موتی لال کی تھی۔ پرتاب کا فیصلہ اول خان کی صوابدید پر چھوڑ کر میں موتی لال کے سلسلے میں اپنی مرضی کی بات منوا سکتا تھا۔

باہمی مشوروں کے بعد ان دونوں کو فیکٹری کے ایک دور افتادہ گودام میں پہنچا دیا گیا جہاں ایک گوشے میں بھانت بھانت اور رنگ برنگ کترنوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ سب کی مشترکہ رائے تھی کہ ان دونوں پر تشدد بھی ہونا ہے اس لیے انہیں پھاٹک یا سڑک کے قریب رکھنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

اس کمرے میں پہنچانے کے بعد ان دونوں کے پیر بھی رسیوں سے جکڑ دیئے گئے اور جامہ تلاشی لے کر ان کی جیبوں سے ماچس وغیرہ نکال لیے گئے کیونکہ دونوں میں سے کسی کی جیب میں کوئی اہم چیز موجود نہیں تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ وہ دونوں ہی دفتر سے باہر پکڑے گئے تھے۔

ان دونوں کو کمرے میں منتقل کر کے ہم سب واپس لوٹ آئے۔ اول خان نے قیدیوں کی نگرانی کے لیے ایس ٹی ایف کے مزید ایک آدمی کو روک کر بقیہ دو کو واپس بھیج دیا۔ ریشم خان نے اپنا چوکیداری کا منصب سنبھال لیا اور ہم ریسٹ ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔

فرصت اور باہر کے آدمیوں سے نجات ملتے ہی بھیجتے ہوئے سوالات کا سلسلہ چل پڑا۔ ویرا سارے واقعات کی چشم دید گواہ تھی اور اس کے لیے تفصیلات کے اعادے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے اسے عمدہ چائے تیار کرنے کی ذمے داری سونپ دی گئی اور اول خان نے انفرادی سوالات کا سلسلہ روک کر پورے واقعات دہرانے شروع کر دیئے۔ جب وہ میرے ہاتھوں رام چند کے قتل کا واقعہ بیان کر رہا تھا تو میں نے کئی بار اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کر کے تفصیل میں جانے سے روکنا چاہا لیکن

وہ اللہ کا بندہ میری طرف کوئی دھیان دیئے بغیر مزے لے لے کر رام چند کا چہرہ مسخ ہونے کا واقعہ بیان کرتا رہا۔

اول خان کے خاموش ہوتے ہی غزالہ نے مجھ پر سوال داغ دیا "مانا کہ رام چند بہت بدمعاش اور موتی لال کا ساتھی تھا اور اس کا مرجانا ہی بہتر تھا لیکن اس پر اس قدر بہیمانہ تشدد کی کیا ضرورت تھی؟"

"محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے" میں نے ہنس کے کہا "اس وقت عقل نہیں، چھٹی حس کام کرتی ہے اور جو وار کارگر ثابت ہو وہی اس لمحے کا بہترین ہتھیار ہوتا ہے۔"

"توبہ توبہ!" جہانگیر پھریری لے کر بولا "وہ کس قدر اذیت سے مرا ہوگا۔ تم اس وقت مسلح تھے۔ اگر اسے ختم کرنا ہی مقصود تھا تو اس کے سر میں گولی مار سکتے تھے یا اس کا گلا گھونٹ سکتے تھے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس سے تمہاری رشتے داری نکل آئے گی" میں نے جلے کٹے انداز میں کہا "ورنہ میں اسے بہت آرام سے ہلاک کرتا۔۔۔ وہ موذی تھا اور اذیت کے ساتھ مارا گیا۔ قصہ ختم ہو گیا۔ اب تم لوگ اس لکیر کو پیٹ کر کیا حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟"

"غالباً عبرت!" آخر کار سلطان شاہ بھی بول پڑا "اول خان کی کہانی کے تسلسل سے اندازہ ہو رہا ہے کہ اس وقت تمہیں شبہ ہو چکا تھا کہ ویرا، موتی لال کی زیادتی کا شکار ہو چکی ہے اور اس صدمے نے تمہارا دماغ الٹ دیا تھا۔ تم اپنے آپے میں نہیں رہے تھے اس لیے تم درندگی پر اتر آئے۔"

"فرض کرلو کہ ایسا ہی ہوا ہوگا تب بھی حقائق میں کیا فرق پڑتا ہے؟" میں نے کہا۔

"صرف اتنا کہ اس سے تمہاری اور ویرا کی ذہنی قربت ثابت ہوتی ہے" جہانگیر بولا۔

"یہ بہت پرانی بات ہے۔ میری اور اس کی گہری دوستی سے غزالہ بخوبی واقف ہے۔ تم نئے شوشے چھوڑ کر اسے میرے خلاف اکسانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے" میں نے جواب دیا۔

"میں کسی کی باتوں میں نہیں آتی" غزالہ اس بحث کا کوئی اثر لیے بغیر بولی "اگر تم نے ویرا کا بدلہ لینے کے لیے رام چند کے ساتھ وہ سلوک کیا تھا تو بات قابلِ فہم ہو جاتی ہے۔ دوستی کا حق ادا کرنے کے لیے انسان، فرشتے سے شیطان تک کچھ بھی بن سکتا ہے۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "اگر اس طرح بات ختم ہو سکتی ہے تو یہی سمجھ لو۔"

غزالہ جواب میں کچھ اور کہنے والی تھی کہ ویرا کچن سے چائے کی ٹرالی سمیت نمودار ہوتی ہوئی نظر آئی اور وہ سلسلہ وہیں ختم ہو گیا۔

ہم سب کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ویرا کچن میں گئی تو غزالہ کے قمیص شلوار سوٹ میں ملبوس تھی لیکن واپسی پر پتلون اور سوتی جیکٹ میں ملبوس تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ شیواز ریگل کی بوتل کی طرح تمہارے کپڑے بھی پُراسرار طور پر کچن میں پہنچ گئے تھے" جہانگیر اس پر پھبتی کسے بغیر نہ رہ سکا۔

"غزالہ کے کپڑے آرام دہ ضرور ہیں مگر ان میں' میں خود کو سست اور ڈھیلا محسوس کر رہی تھی" ویرا نے وضاحت پیش کر ڈالی۔ "ان کپڑوں میں عورت کچھ زیادہ ہی عورت ہو کر رہ جاتی ہے۔"

"مردمار عورتوں کے لیے مختصر لباس ہی بہتر رہتا ہے" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا "ہاتھا پائی کی نوبت آنے سے پہلے ہی حریف مرد نیم مردہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ یورپ میں شاید اسی لیے عورتوں کا لباس باریک اور مختصر کرنے پر ضرورت سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔"

"یہ لباس کسی بھی طرح مختصر نہیں ہے" وہ چائے کی پیالیاں سب کے سامنے رکھتے ہوئے بولی "مختصر ہوتا تو اس وقت جگہ جگہ سے میری جلد کی اصل رنگت جھلک رہی ہوتی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے لباس تبدیل کرتے ہوئے اس بات کا خاص دھیان رکھا ہے" اول خان نے غور سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "تمہارا یہ مغربی لباس غزالہ کے مشرقی لباس سے کچھ زیادہ ہی ستر پوش ہے۔ کہیں بھی تمہاری جلد کی سفیدی نہیں جھلک رہی۔"

"دھیان رکھنا پڑا" ویرا اپنے سر کو قدرے خم دے کر بولی۔ "کیا پتا کہ کس وقت موتی لال سے سامنا ہو جائے۔ راجر کے حوالے پر اسے جو وہم ہوا تھا' میں اسے یقین میں نہیں بدلنا چاہتی۔ وہ میرے بارے میں آخر تک تذبذب میں مبتلا رہے تو بہتر ہے۔"

"لیکن تمہاری آنکھیں تو اپنے اصل رنگ پر آچکی ہیں" میں نے چونک کر کہا "کیا تم نے کالے کانٹیکٹ لینز نکال دیے ہیں؟"

"ہاں۔ اگر اسے میری آنکھوں پر غور کرنے کی مہلت مل سکی تو وہ مزید حیران ہوگا اور میں اسے بتادوں گی کہ میری آنکھیں گرگٹ کی طرح خود بخود رنگ بدلتی رہتی ہیں۔"

"آنکھوں ہی کی کیا بات ہے' تم خود بھی پل بھر میں رنگ بدلنے میں ماہر ہو" سلطان شاہ بڑبڑایا۔

"چائے پی کر تم جاؤ" اول خان نے اونچی آواز میں ویرا کو مخاطب کر کے سب کو خاموش کر دیا "اس وقت وہ دونوں بے دست و پا ہیں۔ انہیں ٹھوکروں سے ادھیڑ کر ہوش میں لاؤ اور کوئی پوچھ گچھ کیے بغیر ان کی مرمت کرتی رہو۔ بس اتنی احتیاط رکھنا کہ پرتاب کی آنکھوں پر سے پٹی نہ ہٹنے پائے۔"

سب کی سوالیہ نظریں اول خان کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"کیا یہ ضروری ہے؟" جہانگیر نے رسانیت سے پوچھا۔

"ان کی قوت ارادی کو تباہ کرنے کے لیے تشدد ناگزیر ہے" اول خان بولا۔

"مگر میں ہی کیوں؟ یہ کام تو ہم میں سے کوئی بھی کر سکتا ہے" ویرا نے کہا۔

"اس لیے کہ اب تم قمیص شلوار کے بجائے پتلون اور جیکٹ پہن چکی ہو۔ وہ دونوں خاصی باریکی سے تمہاری نزاکتوں کا جائزہ لے چکے ہیں اور پھر تمہیں ان دونوں' خاص طور پر موتی لال سے اپنی پٹائی کا بدلہ لینے کا موقع مل رہا ہے۔ تمہارے دل کی بھڑاس نکلنی ضروری ہے" اول خان کے بجائے میں نے جواب دیا۔

"پرتاب نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا" ویرا نے احتجاج کیا۔ "موتی لال نے ایک مرتبہ اچھال کر پھینکا تھا مگر لڑائی میں ایسی اونچ نیچ ہوتی ہی ہے' آخر کار میں نے ہی اسے زیر کیا تھا۔ میرے دل میں کوئی بھڑاس نہیں ہے۔"

"یہ اور بھی اچھی بات ہے۔ کسی ایک کے خلاف تمہارے دل میں بغض اور عناد ہوتا تو تم دونوں کے ساتھ مساویانہ سلوک نہیں کر سکتی تھیں۔ اگر تم اپنی صحیح دلی کیفیت ظاہر کر رہی ہو تو ان میں سے کسی کو شکایت نہیں ہوگی کہ اسے کم جوتے پڑے ہیں" میں نے کہا۔

ہمارے قیام کے دوران میں پہلی بار انٹرکام کی گھنٹی بجی اور جہانگیر نے بڑھ کے ریسیور اٹھا لیا۔

"تم یہ کام نہ کرنا چاہو تو کوئی بھی جا سکتا ہے" اول خان نے ویرا کی آنکھوں میں دبا دبا سا احتجاج موجزن دیکھ کے کہا "میں تمہیں ایک رعایت دے رہا تھا۔"

جہانگیر نے انٹرکام بند کر کے سب کو آگاہ کیا کہ دو میں سے ایک قیدی ہوش میں آچکا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس کے نگہبان نے انٹرکام پر وہی اطلاع دی تھی۔

"بے مقصد مار پیٹ میری سمجھ سے بالاتر ہے" آخر ویرا کھل ہی گئی "تم جن خطوط پر باز پرس کرنی چاہتے ہو' وہ مجھے سمجھا دو۔ مقصد سامنے رکھ کر میں انہیں خون میں نہلا سکتی ہوں۔ بلاوجہ انہیں مارتے ہوئے میں خود کو بالکل احمق محسوس کرتی رہوں گی۔"

"پرتاب ادھیکاری کی موجودگی میں جو بات ہوگی اس میں یہ تاثر دیا جائے گا کہ ہم جرائم پیشہ افراد ہیں اور بھاری تاوان وصول کرنے کے لیے ان دونوں کو اغوا کر لائے ہیں۔ موتی لال سے اصل پوچھ گچھ پرتاب کو رہا کرنے کے بعد ہوگی' جو کچھ ہوگا' سب کے سامنے ڈنکے کی چوٹ پر ہوگا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم لوگ تمہارے پورے پلان سے آگاہ ہو سکیں؟" غزالہ نے پوچھا۔

"میرے ذہن میں ابھی صرف منتشر کڑیوں کا خاکہ ہے۔ جب کوئی واضح شکل بن جائے گی تو میں اسے سامنے رکھ دوں گا۔ فی الحال وہی ہونا ہے جو میں کہہ چکا ہوں" اول خان نے اپنا دوٹوک فیصلہ سنا دیا۔

ویرا نے خاموشی سے اپنی پیالی خالی کی اور کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی۔

"یہ غصے میں گئی ہے۔ مار مار کر ان کا بھرتا بنا دے گی" جہانگیر کی آواز پُرتشویش تھی۔

"اچھا ہے" اوّل خان کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں۔"

اچانک ہی کہیں قریب سے فضا میں کسی رائفل کے فائر کی آواز گونجی اور لمحہ بھر کے لیے ہم سب سناٹے میں آگئے مگر اوّل خان نے جگہ چھوڑ کر زینوں کی طرف کھلنے والے دروازے کی سمت میں چھلانگ لگادی۔ اس کو حرکت میں آتا دیکھ کر ہم بھی چونکے اور پھر اسی کے پیچھے ہولیے۔

رائفل کے فائر کی آواز پر اوّل خان سمیت ہم سب کا ردِعمل اضطراری تھا۔ وہ لوگ بوکھلائے ہوئے انداز میں زینے اترتے چلے گئے مگر میں ان سب سے آخر میں تھا۔ میں نیچے اترنے کے بجائے اوپری منزل کی طرف چل دیا جہاں اوّل خان کے دو آدمی دوربین اور رائفلوں سے لیس ہو کر فیکٹری کی حفاظت کر رہے تھے۔

یوں تو جہانگیر کے چوکیدار ریشم خان کے پاس بھی رائفل موجود تھی مگر میرا خیال تھا کہ پھاٹک کے اندر رہ کر پہرے داری کرنے کی وجہ سے وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ فیکٹری کے قرب و جوار میں سر اٹھانے والے کسی بیرونی خطرے سے بروقت آگاہ ہوسکے۔ اسے گڑبڑ کا علم اسی وقت ہوسکتا تھا جب کچھ بن بلائے مہمان پھاٹک پر آموجود ہوتے۔ اوپر والوں کی بات مختلف تھی۔ بلندی پر مورچا بند ہونے کی وجہ سے وہ فیکٹری کے اندر اور باہر دور تک دیکھ سکتے تھے۔

سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچتے ہی مجھے اپنے اندازے کی درستی کا یقین ہوگیا۔ وہ کھلی ہوئی چھت کے گرد بنی ہوئی تین فٹ اونچی دیوار کے پیچھے چاق و چوبند بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک کی آنکھوں سے دوربین لگی ہوئی تھی اور دوسرا اپنی ٹیلی اسکوپ رائفل کے عدسے سے شاید وہی منظر دیکھ رہا تھا۔ اس وقت ان دونوں کی پشت میری جانب تھی اس لیے وہ میری آمد سے باخبر نہیں ہوسکے لیکن جب میں نے انہیں پکارا تو وہ دونوں ہی بری طرح بھڑک کر میری طرف پلٹے تھے۔

"رائفل کی نال نیچے کرو، میں دشمن نہیں دوست ہوں۔" میں نے بوکھلا کر کہا لیکن وہ دونوں میری ہدایت سے پہلے ہی مجھے پہچان کر نارمل ہوچکے تھے۔

"کافی دور ایک مشتبہ گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔" ان میں سے ایک محافظ پُرجوش لہجے میں مجھے بتانے لگا "وہ گاڑی ہماری دوربین کی رینج سے باہر ہے لیکن وہاں دو دھندلے ہیولے سے متحرک نظر آرہے ہیں...."

"تو کیا تم نے ان پر فائر کیا تھا؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"وہ اتنی دور ہیں کہ فائر ان تک نہیں پہنچ سکے گا۔ ہم نے کتے کو مارا ہے" اس نے کہا۔

"کتے کو مارا ہے؟" اس کے جواب پر میں حیران رہ گیا "ان اطراف میں سیکڑوں آوارہ کتے پھرتے رہتے ہیں۔ تم کس کس کو مارو گے؟ اس میں کیا خاص بات تھی جو تم نے اسے مار ڈالا؟"

"سر! وہ آوارہ کتا نہیں، کالے رنگ کا اونچا اور بہت صحت مند کتا تھا۔ وہ رک رک کر زمین اور ہوا کو سونگھتا ہوا فیکٹری کی طرف آرہا تھا۔ اس کی حرکتیں دیکھتے ہوئے ہم نے اس پر فائر کردیا۔"

"مگر کیوں؟ ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی بھٹکا ہوا پالتو کتا رہا ہو۔ تم کو اس سے کیا خوف تھا؟"

"سر! وہ اسی طرف سے آیا تھا جدھر مشتبہ گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔ اپنی حرکتوں سے وہ کوئی کھوجی کتا معلوم ہو رہا تھا۔ ہمیں شبہ ہوا کہ کہیں اسے تم لوگوں میں سے کسی کی بُو پر نہ لگایا گیا ہو۔ وہ فیکٹری کے پھاٹک تک پہنچ جاتا تو دشواریاں کھڑی ہوسکتی تھیں۔"

میں نے دوسرے کے ہاتھ سے دوربین لے کر اپنی آنکھوں سے لگائی اور اسی کی بتائی ہوئی سمت میں فوکس درست کرنے لگا۔ چند ثانیوں میں مجھے بھی وہ گاڑی نظر آگئی۔ وہ دھندلائی ہوئی گاڑی سڑک سے نیچے کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے بونٹ پر دو ناقابلِ شناخت ہیولے ٹکے ہوئے تھے۔

"اگر کتے کو ان ہی دونوں نے بھیجا تھا تو یہ اب وہاں کیا کر رہے ہیں؟" میں نے دوربین کو اپنی آنکھوں سے ہٹائے بغیر کہا۔ "انہیں تو فائر کا دھماکا سنتے ہی فرار ہوجانا چاہیے تھا۔"

"انہوں نے فائر کی آواز ضرور سنی ہوگی مگر انہیں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس فائر سے ان کا کھوجی کتا مارا جاچکا ہے۔ بشیر کے فائر نے شاید کتے کی کھوپڑی اڑا دی تھی اور وہ آواز نکالے بغیر ڈھیر ہوگیا۔ جب تک وہ کتے کی واپسی کی طرف سے ناامید نہیں ہوجاتے، وہیں کھڑے رہیں گے۔"

اس کی بات میں وزن تھا۔ اس مشتبہ کار کے سواروں کے بارے میں میرے ذہن میں تجسس پیدا ہوگیا۔ اگر احتیاط اور مہارت سے کام لے کر ہم لوگ عقب سے ان کے سر پر پہنچنے میں کامیاب ہوجاتے تو آسانی سے انہیں زیر کر کے اپنا قیدی بنا سکتے تھے۔

مگر بات آگے بڑھنے سے قبل ہی اوّل خان کی رہنمائی میں پورا جلوس چھت پر آپہنچا۔

"ہُوں...." اوّل خان کھلی فضا میں چند گہرے گہرے سانس لے کے غرایا "تو فائر یہاں سے ہوا تھا؟"

"یس سر!" بشیر نے اپنے پنجوں کے بل قدرے اچک کر کہا۔ "ایک مشتبہ کتا ہماری کمین گاہ کی طرف آرہا تھا۔ اب وہ مرچکا ہے۔ اس کے مالکان اس کی واپسی کے انتظار میں دور کھڑے ہیں۔"

اس سے پہلے کہ اوّل خان اس بارے میں کسی بازپرس کی ابتدا کرتا، میں نے چند فقروں میں اسے پوری پچویشن سے آگاہ کردیا

اور دوربین میرے ہاتھ سے اس کی آنکھوں پر منتقل ہو گئی۔
"یہ موتی لال اور پرتاب ادھیکاری کے ہمدرد بھی ہو سکتے ہیں جو شہر بھر میں انہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں" اوّل خان آنکھوں سے دوربین ہٹائے بغیر بڑبڑایا "وہ کسی بھی حالت میں پانچ دس منٹ سے زیادہ یہاں نہیں ٹھہریں گے۔ ان کے ادھر آنے کا مطلب ہے کہ ہم سے کہیں لغزش ہوئی ہے اور انہیں جہانگیر کی فیکٹری کے بارے میں کوئی سراغ مل گیا ہے۔"

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ فیکٹری کی حدود میں ہم کل بارہ نفوس تھے جن میں سے موتی لال اور پرتاب ادھیکاری ایس ٹی ایف کے ایک محافظ کی نگرانی میں تھے۔ دو عورتوں کو چھوڑ کر بھی ہماری فعال نفری سات افراد پر مشتمل تھی۔ اوّل خان اور اس کے دو آدمی، جہانگیر اور اس کا چوکیدار ریشم خان، میں اور سلطان شاہ۔ ہم ساتوں ہی پراسرار کار سواروں کو گھیرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کر سکتے تھے۔

"میں، سلطان شاہ اور ریشم خان کو لے کر عقب سے انہیں گھیرنے کی کوشش کرتا ہوں" میں نے تجویز پیش کی "تم لوگ دوربین سے ان پر نگاہ رکھو۔ اگر وہ کسی کی تلاش میں فیکٹری کی طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں تو ادھر بھی ان کی راہ روکی جا سکتی ہے۔"

"نہیں، تم باہر نہیں جاؤ گے" اوّل خان نے میری طرف گھوم کر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ اس نے دوربین اپنی آنکھوں سے ہٹا کر بائیں ہاتھ میں تھامی ہوئی تھی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کتنے گمبھیر خطرات میں گھرے ہوئے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ نامعلوم کار سوار تمہاری ہی تلاش میں ادھر آئے ہوں۔"

"یہ اور بھی بہتر ہوگا۔ میں انہیں پہچان کر ان کے شایانِ شان کارروائی کر سکوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں یہاں لانے کے بجائے باہر ہی گولی مار دینا مناسب ہو" میں نے اصرار کیا۔

"نہیں، ان کے چہروں پر کپڑا باندھ کر انہیں یہیں لایا جانا چاہیے" اوّل خان اپنی بات پر اڑا رہا "باہر ایک پالتو کتے کے ساتھ دو آدمیوں کی لاشیں بیک وقت دریافت ہوں گی تو یہ پورا علاقہ پولیس کی نظروں میں آجائے گا۔ تم نے یہاں روپوش رہنے کی جو حکمتِ عملی اپنائی ہے وہ بھی ناکام ہو سکتی ہے۔"

ہمارے پاس زیادہ بحث کا وقت نہیں تھا۔ اوّل خان جو کچھ کہہ رہا تھا، اس میں کافی وزن تھا۔ میں نے مزید کوئی اعتراض کیے بغیر خاموشی اختیار کر لی۔

"تم سلطان شاہ اور ریشم خان کے ساتھ جاؤ" اوّل خان نے اپنے بشیر نامی ماتحت سے مخاطب ہو کر کہا "زیادہ رسک کی ضرورت نہیں، گھیرو، پکڑو، بے بس کرو اور بلائنڈ فولڈ کر کے یہاں لے آؤ۔ انہیں مغالطے میں ڈالنے کے لیے پانچ سات منٹ تک لمبی سڑک پر اور چند گلیوں میں گاڑی دوڑاتے رہنا تاکہ انہیں اندازہ نہ ہو سکے کہ انہیں کسی قریبی عمارت یا فیکٹری میں لایا گیا ہے۔ احتیاطاً جہانگیر کو بھی ساتھ لے لو۔"

بشیر وہ ہدایت سنتے ہی زینوں کی طرف مڑ گیا۔ اس کے ہاتھ میں بھری ہوئی رائفل موجود تھی۔ شانے سے کارتوسوں کی پیٹی جھول رہی تھی اور بیلٹ ہولسٹر میں اس کا ریوالور موجود تھا۔

"ہم دونوں نہتے ہی جائیں گے؟" جہانگیر نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔ ریشم خان آگے جا چکا تھا۔

"نیچے ہتھیاروں سے بھری ہوئی پیٹی موجود ہے" سلطان شاہ اسے بازو سے پکڑ کر تقریباً کھینچتے ہوئے بولا "اس میں سے ضرورت کی چیزیں لے لینا۔ یہاں وقت برباد مت کرو۔"

وہ تینوں زینوں میں اترتے ہوئے غائب ہو گئے تو ویرا استہزائی ہنسی کے ساتھ بولی "جہانگیر بھی عجیب و غریب آدمی ہے۔ کبھی کبھی تو یقین نہیں آتا کہ یہ شی کا کوئی اہم کارکن رہا ہوگا۔۔۔۔ دن رات موت سے لڑنے والا شخص اس وقت نہتا ہونے سے ڈر رہا تھا۔"

"ڈر نہیں رہا تھا، بہتر کارکردگی دکھانے کے لیے کسی بارودی سہارے کی تلاش میں تھا" غزالہ نے جہانگیر کی طرف سے صفائی پیش کی "وہ ڈرنے والا ہوتا تو اب سے بہت پہلے دہشت زدہ ہو کر ڈیبی کی دوستی سے تائب ہو چکا ہوتا۔ وہ بدترین مصائب سہہ کر بھی ڈیبی کی دوستی کا دم بھرتا ہے۔ اس کی بعض سنکی باتوں سے دوررس نتائج اخذ مت کیا کرو۔"

میں اوّل خان سے دوربین لے کر دوبارہ مشتبہ کار کے مشاہدے میں مصروف ہو گیا تھا مگر میرے کان ان دونوں عورتوں کی تکرار پر مرکوز تھے۔

ویرا کہہ رہی تھی "وہ بہت پہلے ڈیبی کی دوستی سے دست بردار ہو گیا ہوتا۔ ڈیبی اس کی جان کو کمبل بن کر چمٹ گیا ہے۔ جہانگیر کمبل سے اپنی جان چھڑانی چاہتا ہے لیکن کمبل اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔ یہ اس کی سب سے بڑی مصیبت ہے۔"

"تم غلط کہہ رہی ہو" غزالہ نے ترشی سے جواب دیا "ڈیبی نے کبھی خود کو اس پر مسلط نہیں کیا۔"

"میں نے کب یہ الزام لگایا کہ ڈیبی اس کے سر پر سوار رہتا ہے؟"

"پھر کمبل کی مثال سے تمہارا کیا مطلب تھا؟" غزالہ کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"جہانگیر جانتا ہے کہ وہ ڈیبی سے دوستی رکھے یا نہ رکھے، خود کو اس کے دشمنوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رکھ سکے گا۔ کوئی بھی ان دونوں میں اختلافات کی کہانی کو تسلیم نہیں کرے گا۔ ڈیبی سے ملتے رہنے میں جہانگیر کا یہ فائدہ ہے کہ برے وقت میں ڈیبی ہمیشہ اس کی مدد کو پہنچ جاتا ہے۔"

"تمہاری یہ بات قابلِ فہم ہے لیکن اس کے لیے کمبل والی مثال قطعی غلط ہے۔"

"کمبل والی مثال میں سوچے سمجھے بغیر استعمال کر بیٹھی تھی۔

اس کا پس منظر کیا ہے؟"

"ایک دیہاتی دریا میں کالے رنگ کا روئیں دار کمبل بہتا ہوا دیکھ کر دریا میں کود پڑا اور اپنی دانست میں کمبل تک پہنچ گیا مگر پھر وہ کمبل سمیت کنارے کی طرف آنے کے بجائے منجدھار کی طرف بڑھنے لگا تو ساتھیوں نے شور مچایا کہ اگر پانی تیز ہے تو کمبل کو چھوڑ دو اور کنارے کی طرف آؤ۔ اس وقت ریچھ کی وحشیانہ گرفت میں پھنسے ہوئے دیہاتی نے یہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ میں نے تو کمبل کو چھوڑ دیا ہے مگر کمبل مجھے نہیں چھوڑ رہا۔ بعد میں یہ جملہ ادب میں شامل ہو کر ضرب المثل بن گیا۔"

"لیکن کمبل میں ریچھ کہاں سے آگیا؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"تم اس معاملے میں ابھی تک کوڑھ مغز ہو۔۔۔ ارے وہ کمبل نہیں تھا۔ خطرناک ریچھ سطح آب سے نیچے تیر رہا تھا۔ دیہاتی اس کی کھال اور بالوں کو کمبل سمجھ کر فدا ہو بیٹھا تھا۔ وہ قریب پہنچا تو ریچھ نے اسے پکڑ لیا اور یوں اردو زبان کو ایک شاندار محاورہ مل گیا۔"

"وہ دیہاتی بے چارہ تو مارا گیا ہوگا" ویرا نے ہمدردانہ لہجے میں اپنی تشویش ظاہر کی۔

"ادبی تاریخ میں اس کے انجام کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ادبی محقق اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد غیر ضروری بکھیڑوں میں نہیں الجھتے۔ ان دونوں میں سے ایک نہ ایک کا انجام ضرور عبرتناک ہوا ہوگا۔"

"وہ دونوں ہیولے اب باہر نظر نہیں آرہے" میں نے دوربین سے لگی ہوئی اپنی آنکھوں پر زور دیتے ہوئے کہا "وہ شاید گاڑی میں بیٹھ چکے ہیں۔"

"مشتبہ گاڑی فیکٹری سے تقریباً شمال میں ہے۔ بشیر وغیرہ جنوب کی طرف سے چکر کاٹ کر اوپر پہنچیں گے۔ دعا کریں کہ ان کے پہنچنے تک وہ وہیں رکے رہیں" اول خان اضطراری لہجے میں بولا۔

"کچھ نہیں کہا جاسکتا" میں نے دوربین اول خان کو لوٹاتے ہوئے کہا "میں دونوں عورتوں کے ساتھ گیٹ پر جا رہا ہوں۔ وہ ادھر آئے تو مجبوراً انہیں یہیں گھیرنا پڑے گا۔"

"ہم چھت پر سے بھی ان پر فائرنگ کر سکتے ہیں" اول خان نے کہا۔

"میں فائرنگ کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا کیونکہ پہرے والے فائر پر دوسری فیکٹریوں کے کارکن چونک کر رہ گئے ہوں گے۔ انہیں فائر کی سمت کا اندازہ نہیں ہوگا۔ مزید گولیاں چلیں تو یہ فیکٹری ہر شخص کی نظروں میں آجائے گی اور ہمیں یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔"

"تو کیا تم انہیں غلیل مار کر رکنے پر مجبور کرو گے؟" اول خان نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"اس صنعتی علاقے میں اگر ایک معقول مرد دو خوبصورت خواتین کے ساتھ کسی سے لفٹ کا طالب گار ہو تو اسے لفٹ مل جانی چاہیے۔ وہ گاڑی روکیں گے اور مارے جائیں گے۔"

اول خان نے تائیدی انداز میں ہاتھ ہلایا اور ہم تینوں تیزی سے زینے اترتے چلے گئے۔

جہانگیر کے دفتر میں ایس ٹی ایف والوں کا لایا ہوا وہ چوبی صندوق موجود تھا جس میں خودکار آتشیں ہتھیاروں کے ساتھ بھاری مقدار میں فاضل میگزین وغیرہ بھی موجود تھا۔

ہم اس چوبی صندوق میں سے اپنے مطلب کے میگزین اور ہتھیاروں کا انتخاب کر ہی رہے تھے کہ اچانک ریشم خان کی آواز نے ہم تینوں کو بری طرح چونکا دیا "صاب! اوپر سب خیریت ہے نا؟" وہ بھرائی ہوئی آواز میں پوچھ رہا تھا۔ میں تیزی سے پلٹا تو وہ دفتر کے دروازے میں اپنی رائفل سمیت کھڑا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے؟ تم جہانگیر کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟" میں نے قدرے ترشی سے پوچھا۔

وہ اضطراری انداز میں اپنی جگہ سے دو قدم آگے بڑھ آیا اور بے چارگی سے بولا "ہم بہت بولا مگر صاب ناراض ہو گیا۔ وہ بولتا تھا کہ فیکٹری کا گیٹ خالی رہ جائے گا۔ ہم ایک کونے میں 'اندھیرے میں چھپا بیٹھا تھا۔ ادھر کھٹ پٹ کا آواز سن کر آیا ہے۔"

جہانگیر نے اسے چھوڑ کر واقعی عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ اگر ریشم خان بھی ان لوگوں کے ساتھ چلا جاتا تو اندر سے گیٹ کون بند کرتا اور اگر گیٹ کو بغیر بولٹ کیے چھوڑ دیا جاتا تو ہمارا کوئی بھی حریف نہایت خاموشی سے اندر داخل ہو کر اس وسیع و عریض احاطے میں کہیں بھی چھپ سکتا تھا۔

میں نے ریشم خان کو فوراً ہی پھاٹک پر واپس بھیج دیا۔ میرے پاس بیم گن پہلے سے موجود تھی۔ ہم تینوں نے صندوق سے تین ریوالور نکال کر تیزی سے لوڈ کیے اور انہیں اپنے لباسوں میں چھپا کر دفتر کی عمارت سے باہر نکل آئے۔ اس وقت ریشم خان دشمن پر جھپٹ پڑنے والے انداز میں اپنی رائفل تھامے 'بند آہنی پھاٹک کے سامنے ٹہل رہا تھا۔ اس کا داہنا ہاتھ رائفل کے چوبی کندے پر تھا' شہادت کی انگلی ٹریگر پر تھی اور بایاں ہاتھ ہولناک آہنی نال کو سہارے ہوئے تھا۔

"صاب! تم سب کدھر جاتا ہے؟" ہم تینوں کو گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر ریشم خان بے چین ہو گیا "جب تک دشمن قابو میں نہیں آجاتا' باہر جانا خطرناک ہوگا۔۔۔"

"فکر مت کرو" میں نے نرمی سے کہا "ہم یہاں سے دور نہیں جا رہے۔ وہ لوگ ادھر آئے تو ہم انہیں روکنے کی کوشش کریں گے۔ تم دروازہ بولٹ کیے بغیر یہیں تیار رہنا۔ ہم نے ذرا سا بھی خطرہ محسوس کیا تو تیزی سے اندر لوٹ آئیں گے۔"

ہم پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھلوا کر خاموشی سے باہر نکل گئے۔

جہانگیر کی فیکٹری کے سامنے کول تار کی پختہ سڑک موجود تھی۔ اس پر بجلی کے دو رویہ کھمبے لگے ہوئے تھے جن پر اسٹریٹ لائٹس بھی موجود تھیں لیکن معمول کے مطابق چند کے سوا تمام ہی

روشنیاں بند تھیں اور مجموعی طور پر وہ سڑک خاصے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ جلنے والے اکا دکا قمقموں کی یرقان زدہ روشنی گردوپیش کے گھور اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔

فیکٹری کے احاطے سے باہر نکلنے کے بعد ہم تینوں چند ثانیوں تک باہر رک کر گردوپیش کا جائزہ لیتے رہے پھر اچانک غزالہ ایک سمت میں ہاتھ اٹھا کر بے ساختہ بول پڑی "وہ رہا.... آؤ' پہلے اسے ہی دیکھتے ہیں۔"

میری نظریں اس کی بتائی ہوئی سمت میں گھوم گئیں۔ وہاں نیم تاریکی میں کسی جسیم چوپائے کا بے حس و حرکت وجود ایک تاریک تودے کی صورت میں پڑا ہوا تھا۔

ہم تینوں تیز تیز قدموں سے اسی طرف ہو لیے اور قد آور کتے کا ساکت جسم لحہ بہ لحہ واضح تر ہوتا چلا گیا۔ بظاہر یہ نظر آرہا تھا جیسے وہ رائفل کی گولی کھا کر جہنم واصل ہو چکا ہو لیکن جوں ہی ہم اس کے قریب پہنچے تو اس نے ایک مجروح سی غراہٹ کے ساتھ اپنا سر زمین سے اٹھایا مگر نقاہت کے باعث دوبارہ سر زمین پر ہی ڈال دیا البتہ اس کی غصیلی اور دبی دبی غراہٹوں کا سلسلہ جاری رہا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ ہم تینوں میں سے کسی کے وجود کی بُو نے اس تربیت یافتہ جانور کو ہیجان اور اشتعال میں مبتلا کیا ہوا تھا۔

"اسے میری یا تمہاری بُو پر سدھا کر ادھر بھیجا گیا ہے" ویرا پُرتشویش لہجے میں بولی "اس کا مطلب ہے کہ اس کتے کا مالک جہانگیر کی فیکٹری کے وجود سے باخبر ہے....."

"لیکن اسے فیکٹری کا صحیح پتا معلوم نہیں ہے" غزالہ نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے لقمہ دیا "اسے مکمل معلومات حاصل ہوتیں تو وہ کتے کا سہارا لینے کے بجائے مسلح آدمیوں کی بھاری نفری کے ساتھ ہمیں گھیرنے کی کوشش کرتا۔"

میں خود بھی وہی کچھ سوچ رہا تھا جو ان دونوں کے ذہنوں میں تھا۔ امریکن قونصل خانے والے ہمارے ہاتھوں اتنی بری طرح مار کھا چکے تھے کہ ان کی طرف سے ایسی کسی پیش رفت کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ اپنی طاقت اور بے پناہ رسوخ کے گھمنڈ میں انہوں نے ٹی کے نئے سربراہ جم کلارک کو گنوادیا تھا پھر سی آئی اے کے دو سفید فام افسر بھی جہانگیر کے گھر کے اطراف میں مارے جاچکے تھے۔ انہوں نے بکتر بند گاڑی کی مدد سے زہریلی دوا اس کا اسپرے کرکے ہمیں فلیٹ میں زندہ درگور کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا وہ بھی بری طرح خاک میں مل چکا تھا۔ پے در پے اتنی ناکامیوں کے بعد ان کی طرف سے کسی جوابی وار کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

ہمارے دوسرے حریف وہ تھے جو بار بار کی کوششوں کے باوجود ہمیں کوئی قابل ذکر نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔ ان میں سے موتی لال اور پرتاب ادھیکاری ہماری تحویل میں تھے۔ ان لوگوں کی طرف سے یہ اطمینان بھی تھا کہ انہیں جہانگیر کی فیکٹری کے بارے میں علم نہیں تھا۔

اس وقت میدان میں وہی دونوں پارٹیاں ہماری فعال حریف تھیں۔ مکاؤ کے ڈون کوانگ فو کے فتنے کی سرکوبی کی جاچکی تھی' مدر مافیا کی مقامی شاخ کو نہایت بے رحمی سے نیست و نابود کیا جاچکا تھا' ٹی کا شیرازہ عملاً بکھر چکا تھا اور وہ اعلیٰ ترین سطح پر ایچ ڈی نارمن کے قونصل خانے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ میرے قیاس کے مطابق ہمارے خلاف بس ایک ہی محاذ باقی رہ گیا تھا جس پر ہم بھرپور توجہ نہیں دے سکے تھے اور وہ محاذ پاکستان کے ازلی دشمن' نسل پرست یہودیوں کا کھولا ہوا تھا۔ اس محاذ کی کمان نیویارک میں بیٹھے ہوئے متعصب ارب پتی یہودی راس المیڈا کے پاس تھی۔ پاکستان کی بنیاد پر کاری وار کرنے کے لیے اس نے اپنی تجوریوں کے دہانے کھولے ہوئے تھے۔ اس جنگ میں وہ اپنے تین اہم مہرے پٹوا چکا تھا۔ پہلے ظفر کے بہروپ میں چھپا ہوا البرٹو ویلیسا مارا گیا پھر پال ایتھرٹن اور کرنل جیسی جونز کے بیٹے بل جونز کی باری آئی مگر راس المیڈا اور راس کی ڈیوڈ اسٹارز نامی تنظیم نے ہار نہیں مانی تھی۔ چیتا سرائے سے پشاور کے سفر کے دوران میں ہمیں اتفاقاً علم ہوچکا تھا کہ ایلن اور پیٹر نامی دو فری لانس مخبر بیس ہزار ڈالر کے معاوضے پر پاکستان میں ہماری تلاش پر مامور کیے جاچکے تھے۔

میں نے لحہ بھر میں ان سب جزئیات پر غور کیا پھر نگاہیں اس سمت میں جمادیں جدھر مشتبہ کار دیکھی گئی تھی لیکن تاریکی اور فاصلہ زیادہ ہونے کے باعث میں کچھ بھی دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

ہمارے قریب پڑے ہوئے کتے کی حالت بہت خراب تھی۔ رائفل کی گولی اس کے پیٹ میں گھس کر چکراتی ہوئی دوسری طرف سے نکل گئی تھی جس کے نتیجے میں کتے کے پیٹ کی ساری آلائشیں تقریباً باہر نکل آئی تھیں لیکن اتنا کاری زخم کھانے کے باوجود وہ سخت جان کتا نہ صرف زندہ تھا بلکہ اپنے ہدف کی بُو پا کر دھیمے دھیمے غرائے جارہا تھا۔

"اسے گولی مار کر ٹھنڈا ہی کیوں نہ کردیں؟" غزالہ نے دھیمے سے کہا۔

"غیر ضروری طور پر فائر کرنے کی ضرورت نہیں" میں نے سختی سے اسے منع کردیا "فائر کے دھماکے سے قرب و جوار کے لوگ چونک پڑیں گے۔"

"ابھی چند منٹ پہلے بھی تو کتے پر رائفل سے گولی چلائی گئی تھی" غزالہ نے احتجاج کیا۔

"وہ فائر چھت پر سے کیا گیا تھا۔ بلندی سے کھلی ہوئی فضا میں چلائی جانے والی گولی کی سمت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا" میں نے کہا۔ "یہاں فائر کی آواز عمارتوں کے درمیان گونجے گی اور ہم نظروں میں آجائیں گے۔ یہ کتا ویسے بھی مر رہا ہے۔ گولی ضائع کیے بغیر تھوڑی دیر میں دم توڑ دے گا۔"

"مجھے اس کار کی جھلک تک نظر نہیں آرہی" ویرا اپنی آنکھوں پر شاید زور دیتے ہوئے بڑبڑائی "معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ

خطرہ بھانپ کر بھاگ نکلے ہیں۔"

اس کی بات پوری ہوتے ہی فضا میں یکے بعد دیگرے دو فائروں کی گونج سنائی دی۔ آوازیں واضح طور پر اسی سمت سے آئی تھیں جدھر مشتبہ کار دیکھی گئی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شاہ وغیرہ کا ان سے ٹکراؤ ہوگیا ہے" غزالہ بولی۔

دو فائروں کے بعد اچانک کوئی خود کار رائفل چل پڑی۔ تڑ تڑ کی آوازوں کے ساتھ فائرنگ ہوتی رہی۔ اس دوران میں پستول یا ریوالور کے بھی متعدد فائر ہوئے پھر شاید میگزین خالی ہونے پر خود کار رائفل یک بیک خاموش ہوگئی۔

وہ شاید اتفاق تھا کہ اسی وقت پستول یا ریوالور کی آواز بھی تھم گئی اور چند لمحوں کے لیے نیم تاریک فضا پر بھیانک آسیبی سکوت طاری ہوگیا مگر وہ سکوت زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکا۔ ایک مرتبہ پھر گولیاں چلنے لگیں۔ اس بار بھی ابتدا پستول وغیرہ کی فائرنگ سے ہوئی تھی جس کے جواب میں بیک وقت متعدد سب مشین گنیں گنگنانے لگیں۔

مجھے اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی تیاریوں کا بخوبی اندازہ تھا اس لیے مجھے یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ خود کار رائفلوں یا سب مشین گنوں کا استعمال وہی لوگ کر رہے تھے جب کہ ان کے حریفوں کے پاس کم تر درجے کے آتشیں ہتھیار تھے۔

میرے وجود پر اضطراب طاری ہونے لگا۔ قریب ہی معرکہ چھڑا ہوا تھا مگر میں اس میں حصہ لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ نکل بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں" غزالہ فائرنگ کی آوازوں سے اندازہ لگا کر بولی "خدا کرے کہ یہ لوگ نکلنے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ پتا تو چلے کہ یہاں تک آنے والے کون لوگ ہیں اور ان کے کیا عزائم ہیں۔"

"تمہارے ان دونوں سوالوں کے جواب میرے پاس موجود ہیں" ویرا بولی۔

"کیا؟" اس کے پُراعتماد لہجے نے غزالہ کو بے ساختہ استفسار پر مجبور کردیا۔

"وہ ہمارے دشمن ہیں اور ہمیں ٹھکانے لگانے کے ارادے سے آئے ہیں۔"

"کچھ پتا نہیں چلتا کہ تم کس وقت سنجیدہ ہوتی ہو" غزالہ جھلا کر بولی۔

"دشمنوں میں سے کسی کی بھی گولی میرے سر میں پیوست ہوگئی تو فوراً سنجیدہ ہوجاؤں گی۔ جب تک سانس کی لڑی چل رہی ہے' ایسا ہونا ناممکن ہے۔"

غزالہ زیرِ لب کچھ بڑبڑا کر رہ گئی۔ اس وقت ہم لوگ ست رفتار سے اسی طرف بڑھ رہے تھے جہاں مشتبہ کار دیکھی گئی تھی لیکن میں فائرنگ کی آوازوں پر کان جما کر یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ آوازیں غیر محسوس انداز میں رفتہ رفتہ دور ہوتی جا رہی تھیں۔

میں واپسی کے لیے پلٹ پڑا۔ آگے راستہ مسدود ہونے کی صورت میں وہ لوگ کسی بھی سمت میں نکل سکتے تھے۔ اگر وہ اسی طرف آجاتے تو ہم ان کی اندھا دھند فائرنگ کی زد میں آسکتے تھے اس لیے بہتر یہی تھا کہ ہم جلد از جلد فیکٹری میں داخل ہوجائیں۔

ہمارا فیکٹری کے احاطے سے باہر آنا بالکل بے مقصد رہا تھا۔ اتنا ضرور ہوا تھا کہ ہم نے تربیت یافتہ کتے کو پہلے لبِ مرگ اور واپسی پر بے جان دیکھ لیا تھا۔

فیکٹری کے آہنی پھاٹک کے پیچھے ریشم خان سخت اضطراب کے عالم میں ہمارا منتظر تھا۔ اس نے قدموں کی چاپ سنتے ہی ذیلی کھڑکی کھول کر ہمیں راستہ دیا اور ہمارے اندر پہنچتے ہی اس کھڑکی کو اندر سے بولٹ کردیا۔ میں نے چھت پر جانے کے بجائے وہیں... چارپائی سنبھال لی۔

ویرا نے سگریٹ سلگانے کے بعد میرے ساتھ بحث شروع کردی۔ وہ ہماری پارٹی کے واپس آنے سے پہلے کوئی نتیجہ اخذ کرنے کے لیے بے چین تھی۔ میرے پاس بھی اس وقت انتظار کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہیں تھا اس لیے میں سرگرمی سے اس کے سوالات کے جوابات دینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد فائرنگ کا شور بالکل موقوف ہوگیا۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ دشمن کو مار لیا گیا تھا یا وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ اور جہانگیر بھی واپس آپہنچے۔ ان کی گاڑی بشیر چلا رہا تھا۔ ان تینوں ہی کے چہرے اترے ہوئے تھے۔

"بدقسمتی کی وجہ سے ہمیں بے نیل و مرام واپس لوٹنا پڑا ورنہ وہ دونوں بچ کر نہیں نکل سکتے تھے" جہانگیر نے گاڑی سے اترتے ہی شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"اپنی نااہلیوں کا سارا بوجھ ہم قسمت پر ڈال کر بری الذمہ ہوجاتے ہیں" ویرا آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"میری طرف دیکھ کر بات کرو" جہانگیر جھلا کر بولا "آسمان کی طرف منہ کرکے کیا بڑبڑا رہی ہو؟"

"اگلی مرتبہ دشمن سے مقابلہ کرنے سے پہلے ہم کسی رمّال یا نجومی سے رجوع کریں گے تاکہ عین وقت پر تمہاری قسمت کسی رقیب کی طرح دغا نہ دے سکے" ویرا سنجیدگی سے بولی۔

"تم زیادتی کر رہی ہو" اس بار جہانگیر کے بجائے سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی آواز میں احتجاج کیا "وہ بری طرح بوکھلا گئے تھے اور اندھا دھند گولیاں برسا رہے تھے۔ اگر ہماری گاڑی کا پچھلا ٹائر برسٹ نہ ہوا ہوتا تو ہم ان کے سروں پر پہنچ گئے ہوتے۔"

ان کی گاڑی تیز ہچکولے لیتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی لیکن ہم میں سے کسی نے اس کے ٹائروں کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ سلطان شاہ کی نشان دہی پر میں نے گاڑی پر نگاہ ڈالی تو اس کا پچھلا بایاں ٹائر سرے سے غائب تھا اور گاڑی آہنی رم پر چلتی ہوئی وہاں

تک پہنچی تھی۔

"تو کیا وہ تمہارا پھٹا ہوا ٹائر بھی چھین کر لے گئے؟" ویرا نے آہنی رم پر ایک نگاہ ڈال کر چبھتی ہوئی آواز میں پوچھا "حیرت ہے کہ وہ تمہیں چھوڑ گئے!" اس کا تخاطب جہانگیر سے تھا۔

"فضول باتیں مت کرو" سلطان شاہ نے اسے جھاڑ دیا "ان کی ایک بھٹکی ہوئی گولی نے ٹائر پھاڑ دیا تھا۔ اسی ٹائر پر گاڑی چلاتے رہنے کے نتیجے میں ٹائر اور ٹیوب کے ٹکڑے اڑ گئے.... وہ نکل ضرور گئے لیکن مجھے خوشی ہے کہ میں اس گاڑی میں موجود تھا...."

"اگر تم ایک ٹائر سے محروم گاڑی میں سفر کرکے اتنے خوش ہو تو میں ابھی اس کے بقیہ تینوں ٹائر بھی نکالے دیتی ہوں" ویرا اس کی بات کاٹ کر استہزائیہ لہجے میں بولی۔

"کیا تم بھی اسے لگام نہیں دے سکتے؟" سلطان شاہ نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔

"اوپر والے سے دعا کرو۔ ویرا کو وہی ہدایت دے سکتا ہے" میں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر خشک لہجے میں کہا "یہ اپنی رو میں بہہ کر کچھ نہیں سنتی۔"

"اس وقت اوپر والا بھی نہیں سنے گا" ویرا کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی "وہ اس وقت دوربین سے آنکھیں لگائے اندھیرے میں مشتبہ کار کو تلاش کر رہا ہوگا۔"

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی اور ویرا کے شانے پر ہاتھ رکھ کے بولی "یہ اوّل خان سے بہت اوپر والے کی بات تھی۔ اب ان بیچاروں کو معاف کردو۔ ان کی پوری کہانی سننی بہت ضروری ہے۔"

"سناؤ!" ویرا نے فضا میں ہاتھ لہرا کر اس انداز میں کہا جیسے "بھاڑ میں جاؤ" کہہ رہی ہو۔

"میں نے ان دونوں ہی کو پہچان لیا" سلطان شاہ نے میری مستفسرانہ نگاہوں کے جواب میں کہا "وہ ایلین اور پیٹر تھے۔ حیرت ہے کہ وہ اس وقت یہاں کیا کر رہے تھے۔"

"اوہ!" میرے منہ سے بے اختیار لمبا سا سانس آزاد ہوگیا۔ "میرے سر پر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ اگر وہ موتی لال کے آدمی ثابت ہوتے تو ہمیں اسی وقت یہ ٹھکانا چھوڑنا پڑ جاتا۔"

اسی وقت اوّل خان طویل انتظار سے مضطرب ہو کر نیچے اتر آیا۔ شاید اس نے گاڑی کو واپس آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ آتے ہی بولا "میں اوپر انتظار میں سوکھ رہا ہوں اور تم لوگوں نے یہاں محفل جمائی ہوئی ہے۔ کیا ہوا؟ تم لوگ کیا کرکے آئے ہو؟"

اس نے وہ فقرے بشیر سے مخاطب ہو کر کہے تھے لیکن میں نے جواب دینے کی ذمے داری اپنے سر لیتے ہوئے اسے پورے قصے سے آگاہ کردیا۔

"یہ ایلین اور پیٹر کون ہیں؟" اس نے ان دونوں کے نام پہلی بار سنے تھے اس لیے اس کا سوال فطری تھا۔ ہم لوگوں نے گالان سے کراچی واپسی کے واقعات سے اسے آگاہ کرتے ہوئے ان دونوں کے ذکر کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی اس لیے وہ ان کے کردار سے لاعلم تھا۔

"یہ دونوں بین الاقوامی غنڈے ہیں جو معاوضے پر دوسروں کے لیے کام کرتے ہیں" میں نے کہا "چینغا سرائے سے ہم لوگوں کو پشاور پہنچانے والی کوسٹر ان ہی دونوں نے کرائے پر حاصل کی تھی۔"

"اوہ!" اوّل خان کے لبوں سے تحیر زدہ سی آواز نکلی "لیکن انہیں تم سے کیا پرخاش ہے؟ وہ تم لوگوں کے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہیں؟"

"وہ نیویارک اور ڈیوڈ اسٹارز والے راس المیڈا کے ساتھ ساتھ کرنل جیسی جونز کے لیے بھی کام کر رہے ہیں۔ انہیں پاکستان میں بل جونز اور پال ایتھرٹن کی تلاش کے لیے بیس ہزار ڈالر معاوضہ ادا کیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ باتیں ہمیں خود ہی بتائی تھیں" میں نے بتایا۔

"اور اب وہ تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ انہیں بل جونز اور پال کے قتل میں تمہارے ملوث ہونے کا سراغ مل گیا ہو اور وہ تم سے بدلہ لینے پر تل گئے ہوں؟"

"انہیں صرف معلومات فراہم کرنے کا معاوضہ دیا گیا تھا" مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی "میں نے پہلے ہی انہیں بتا دیا تھا کہ بل اور پال اپنے منطقی انجام سے دوچار ہوچکے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اب تک کرنل جیسی جونز کو یہ بات بتا چکے ہوں۔ دوسری طرف سے پیشکش بھی کی گئی تو وہ دونوں ہم سے ٹکرانے کی ہمت نہیں کرسکیں گے۔ وہ کسی اور ہی چکر میں معلوم ہوتے ہیں۔"

"وہ چکر کیا ہوسکتا ہے؟" اول خان کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں ابھر آئیں۔

"وہ ہمیں بھی اپنی برادری میں سمجھ رہے تھے" میں نے کہا۔ "اور باتوں باتوں میں یہ بھی کہہ بیٹھے تھے کہ وہ راس المیڈا سے کوئی معاہدہ کرنے کے بعد ہم سے ضرور مدد لیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں ڈیوڈ اسٹارز سے کسی بڑے کام کی آفر ملی ہو اور وہ ہماری تلاش میں ہوں۔"

"مکمل کر بات کرو" ویرا نے فوراً مجھے ٹوک دیا پھر اوّل خان سے بولی "ایلین اور پیٹر شاید بہت بڑے مجرم نہیں ہیں لیکن باخبر ضرور رہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے اور ڈینی کو پہچان لیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ڈینی کی تلاش میں انہیں جہانگیر کا سراغ مل گیا ہو۔ اس کے بعد جہانگیر کی فیکٹری تک پہنچنا دشوار نہیں تھا۔"

"ایسی صورت میں انہیں براہِ راست فیکٹری پر آنا چاہیے تھا۔ کتے سے مدد لینے کی کیا ضرورت تھی؟" غزالہ نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔

"مجھے سوچنے دو!" اوّل خان ہاتھ اٹھا کے بولا پھر قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "ہوسکتا ہے کہ وہ صرف اتنا معلوم کرسکے ہوں کہ جہانگیر کی فیکٹری کورنگی کے صنعتی علاقے میں ہے' انہیں فیکٹری کا مکمل پتا نہ مل سکا ہو...."

"یہ بات پھر بھی حیرت ناک ہے کہ انہوں نے تلاش کے لیے اسی علاقے کا انتخاب کیا جہاں یہ فیکٹری واقع ہے" ویرا اس کی بات درمیان سے اڑا کر بولی "اتنے بڑے صنعتی علاقے میں صرف ایک کتے کی مدد سے کسی بھی فیکٹری تک پہنچنا اتنا آسان نہیں ہے۔"

"بعض اوقات حیران کردینے والے اتفاقات بھی رونما ہوجاتے ہیں" میں نے کہا "میرا ذہن کچھ اور ہی خطوط پر کام کررہا ہے۔ البرٹو ویلیسا سے شروع ہونے والی اس کہانی میں تیسری بار حیوانوں کا کردار سامنے آیا ہے۔ یہ نکتہ بہت اہم ہے۔"

اوّل خان چونک پڑا "تیسری بار؟ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

"کھوڑ کے علاقے میں تربیت یافتہ بندروں کے ذریعے تصویر کشی کے بعد خاص نسل کی ابابیلوں کے ذریعے اس وادی کی تباہی کا منصوبہ ہمارے سامنے آچکا ہے اور اب ایک تربیت یافتہ کتا ہماری تلاش کے دوران مارا گیا۔ کیا یہ واقعات کسی خاص سمت کی نشان دہی نہیں کررہے؟"

اوّل خان کی آنکھیں چمکنے لگیں "یعنی ایلن اور پیٹر کا کردار ابتدا ہی سے چل رہا ہے؟"

"گڈ۔۔۔ میں یہی بات واضح کرنے کی کوشش کررہا تھا" میں نے کہا۔

"میں بڑی حد تک تمہارا مفہوم سمجھ چکا ہوں لیکن پھر بھی تم اپنی تھیوری بیان کرتے چلے جاؤ تو سب کے لیے آسانی ہوگی۔" اوّل خان پُرجوش لہجے میں بولا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے ویرا کی طرف دیکھا تو وہ بہت غور سے مجھے گھور رہی تھی۔ میں نے کہا "اب تک ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم نے ایلن اور پیٹر کو بے وقوف بنا کر ان سے بہت کچھ اگلوالیا لیکن حقیقت اس کے برعکس معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے خود کو معصوم اور قدرے بے ضرر ظاہر کرکے ہمیں بے وقوف بنایا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ دونوں شروع ہی سے البرٹو ویلیسا کے ساتھ رہے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ بندروں کو سدھانے کا کام بھی وہی سرانجام دیتے رہے ہوں۔ البرٹو ویلیسا کا راز فاش ہوتے ہی وہ دونوں سرحد عبور کرکے افغانستان میں روپوش ہوگئے اور وہاں سے راس المیڈا وغیرہ سے ہدایات لیتے رہے۔ وادی گالان یا شنگارا ویلی میں ہماری موجودگی کی سن گن پاتے ہی انہوں نے چینا سرائے میں ڈیرے ڈال دیے۔۔۔ وہ سردار پائندہ گل کے علاقے میں گھس کر ہمارے خلاف کارروائی نہیں کرسکتے تھے اس لیے وہ ہماری واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ واپسی پر جو کچھ ہوا' وہ اتفاق نہیں تھا' ان دونوں نے اس کی پوری منصوبہ بندی کی ہوئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ اب البرٹو ویلیسا اور ڈیوڈ اسٹارز کے مشترکہ مشن کو وہی چلا رہے ہوں۔"

"یہ صرف مفروضات ہیں" میرے خاموش ہوتے ہی اوّل خان بے پروائی سے بولا "ان پر سارا دن بحث کی جاسکتی ہے۔۔۔ اس وقت ہمیں اپنے قیدیوں کی خبر لینی چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ تم سب جاکر آرام کرو۔ میں موتی لال اور پرتاب ادھیکاری سے پوچھ کچھ کرتا ہوں۔"

"میں تمہارے ساتھ رہنا چاہوں گا" میں نے نرمی سے کہا۔ میں محسوس کررہا تھا کہ اوّل خان نے ایلن اور پیٹر والے موضوع کو اچانک اور غیر فطری انداز میں ختم کیا تھا۔ میں اس کے ساتھ رک کر اس کے ناقابلِ فہم رویے کا سبب جاننا چاہتا تھا۔

دوسروں نے بھی موتی لال کا تماشا دیکھنے کے لیے اصرار کیا لیکن اوّل خان میرے سوا کسی اور کو رعایت دینے پر آمادہ نہیں ہوا۔ اس کا مؤقف تھا کہ رات تیزی سے ڈھل رہی تھی۔ سب لوگوں کو آرام کرکے خود کو اگلے دن کے لیے تیار کرلینا چاہیے تھا۔ اس نے قیدیوں کو ویرا کے ہاتھوں پٹوانے کا ارادہ بالکل ترک کردیا تھا۔

اوّل خان بشیر کو فیکٹری کی حفاظت کے بارے میں ہدایات دیتا رہا اور بقیہ لوگ زینوں کی طرف ہولیے۔ جاتے وقت ویرا نے برا سا منہ بنا کر میری طرف دیکھا تھا اور شاید زیرِلب کچھ بڑبڑائی بھی تھی۔

بشیر سے فارغ ہوکر اوّل خان میرے ساتھ اس طرف چل دیا جہاں دونوں قیدی بند تھے۔

قیدیوں کی نگرانی پر مامور محافظ نے ہم دونوں کو دور ہی سے دیکھ لیا تھا لیکن میں نے دفتری عمارت سے کچھ دور نکل آنے کے بعد پیش قدمی ترک کرکے اوّل خان کو کھلے میدان ہی میں روک لیا۔

"یہاں کیوں رک گئے؟" اندھیرے میں اوّل خان کی چمکتی ہوئی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"تم نے ایلن اور پیٹر کا تذکرہ اچانک ہی موقوف کرادیا تھا۔ میں اس کا سبب جاننا چاہتا ہوں۔"

"مجھے محسوس ہورہا ہے کہ یہ کھیل اب کوئی بھیانک رخ اختیار کرنے والا ہے" وہ گمبھیر سنجیدگی کے ساتھ بولا "ایسے مواقع پر احتیاط ضروری ہوجاتی ہے۔ ناگزیر ضرورت کے بغیر دوسروں کو اہم رازوں میں شریک کرنا کبھی کبھی خطرناک بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس بارے میں ہم الگ بیٹھ کر بات کریں گے۔"

"لیکن وہاں سب اپنے ہی تھے' کوئی غیر نہیں تھا" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم عارف اور سرور کو بھول رہے ہو" اس کا لہجہ تلخ ہوگیا "وہ دونوں میری فورس کے آدمی تھے لیکن موتی لال کی ہدایت پر سلطان شاہ کو اغوا کرکے لے جارہے تھے۔ ان حالات میں تو اپنے سائے سے بھی خوف آنے لگتا ہے۔ اگر سلطان شاہ عارف کو مار کر بچ نکلنے میں کامیاب نہ ہوگیا ہوتا تو آج ہم اس کی تلاش میں پورے شہر کی خاک چھانتے پھر رہے ہوتے۔"

"جہانگیر' ویرا' غزالہ' سلطان شاہ اور بشیر میں سے تم کو کس

سے خطرہ محسوس ہو رہا تھا؟"
"کسی سے نہیں لیکن وقت بگڑنے پر ان میں سے کوئی بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ جہانگیر اصولی طور پر ان معاملات سے باہر کا آدمی ہے۔ بشیر پر میں ضرورت سے زیادہ بھروسا نہیں کر سکتا۔ سلطان شاہ مضبوط آدمی ہے مگر اس کا کردار محدود ہوتا ہے۔ غزالہ کو میں ان الجھنوں سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔ لے دے کے ایک دیرا ہی ایسی ہے جسے ہم اپنے مشوروں میں شامل کر سکتے ہیں مگر اس وقت ریشم خان کے کان بھی ہماری طرف لگے ہوئے تھے۔ تمہارے قیاس کی گہرائی بھانپتے ہی میں نے موضوع بدلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔"

"تو کیا اب ہم واقعی موتی لال سے باز پرس کرنے جا رہے ہیں؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔
"بالکل!" اس نے وثوق سے کہا "تم اصل پروگرام بھول رہے ہو۔"
"مجھے سب یاد ہے اسی لیے میں نے سوال کیا ہے۔ باز پرس شروع ہو گئی تو پرتاب ادھیکاری کی رہائی کا مرحلہ کب آئے گا؟ تم ان کے حمایتیوں کو بھی میدان میں لانا چاہ رہے تھے۔"
"اس وقت ہم بلیک میلروں کے انداز میں پوچھ گچھ کریں گے پھر پرتاب کو رہا کر دیا جائے گا۔ وہ غیر اہم آدمی ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد موتی لال سے اصل پوچھ گچھ کا آغاز ہو گا۔"
میری الجھنیں رفع ہو گئیں اور میں اس کے ہمراہ کترنوں کے گودام کی طرف چل پڑا۔
"سر! دونوں قیدی ہوش میں آ چکے ہیں" محافظ نے گودام سے کافی پہلے اوّل خان کو اطلاع دی۔
"دروازہ کھول دو۔ ہم انہیں دیکھ لیں گے" اوّل خان نے خشک لہجے میں کہا۔
محافظ نے دوڑ کر دروازے کا بولٹ کھول دیا۔ کمرے میں گہرا اندھیرا تھا۔ اوّل خان کے ایما پر محافظ نے سوئچ آن کر کے ایک ٹیوب لائٹ جلا دی۔ ہم دونوں اندر داخل ہوئے تو وہ دونوں بے دست و پا فرش پر پڑے بری طرح مچل رہے تھے۔ ان کے دہانوں میں کافی دیر سے کپڑا ٹھنسا ہوا تھا جس کی وجہ سے ان کے گندمی چہروں پر خون کی سرخی چھلک رہی تھی۔
اوّل خان نے کسی ہٹ بالر کی طرح بڑھ کر پرتاب ادھیکاری کے تلووں پر اپنے بھاری جوتے سے بھرپور ضرب لگائی اور وہ ماہی بے آب کی طرح فرش پر تڑپنے لگا۔
مجھے موتی لال کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر اوّل خان نے اشارے سے روک دیا پھر خود ہی جھک کر پرتاب کا گریبان پکڑا اور اس کے بائیں جبڑے پر اتنی قوت سے مکا رسید کیا کہ اس کے رخسار کی جلد کئی جگہ سے پھٹ گئی اور زخموں سے خون کی لکیریں ابھرنے لگیں۔

مجھے یقین تھا کہ اوّل خان کے دو حملوں نے ہی پرتاب کے اوسان خطا کر کے رکھ دیے ہوں گے۔
"یہ تشدد نہیں، صرف ہماری طاقت اور بالادستی کا معمولی سا اظہار ہے" اوّل خان نے درشت آواز میں کہا "ہم چاہیں تو اسی طرح تم دونوں کے جسموں کے چیتھڑے اڑا کر تمہیں کسی گندے نالے میں غرق کر سکتے ہیں مگر ہم ایسا نہیں کریں گے کیونکہ تم دونوں ہمیں بہت عزیز ہو۔ ہم تمہارا سودا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اب میں تمہارے دہانوں سے کپڑا نکال رہا ہوں۔ اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو خسارے میں رہو گے۔ یہاں کوئی بھی تمہاری مدد کے لیے نہیں آئے گا۔"
اوّل خان سے پٹنے کے بعد پرتاب چیخ نہیں سکا تھا کیونکہ اس کے منہ میں حلق تک کپڑا ٹھنسا ہوا تھا لیکن ضربات کی دھمک اور پرتاب کی دبی دبی اضطرابی غراہٹوں کی وجہ سے موتی لال کو بدلی ہوئی صورتِ حال کا ادراک ہو چکا تھا اور اس نے فرش پر لوٹنے کی کوششیں ترک کر دی تھیں۔
اوّل خان نے مجھے اشارہ کر کے بے رحمی کے ساتھ پرتاب کے منہ سے کپڑا باہر کھینچنا شروع کر دیا۔ میں نے موتی لال کے ساتھ وہی عمل دہرانا شروع کر دیا۔
"اوف!" بولنے کی گنجائش پیدا ہوتے ہی پرتاب کرب آلود آواز میں کراہا۔ اس کے منہ سے برآمد ہونے والا کپڑا خون آلود ہو رہا تھا۔ اوّل خان کے فولادی مکے نے اس کا اندرونی دہانہ لہولہان کر دیا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ کہیں اس کے چند دانت بھی نہ ٹوٹ گئے ہوں۔
"زیادہ آواز نہ نکلے!" اوّل خان سفاکانہ لہجے میں غرایا "ورنہ گردن موڑ دوں گا۔"
"میرا حلق خشک ہو رہا ہے" موتی لال کی لکنت آمیز اور خوف زدہ آواز سرسرائی "مجھے ایک گلاس پانی دے دو، میری زبان سوکھ کر کسی طرح اینٹھ رہی ہے۔"
"فی الحال صبر کرو۔ کچھ دیر بعد تمہیں پانی ہی نہیں، پسند کا ہر مشروب فراہم کیا جائے گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تمہاری اچانک گم شدگی سے کون سب سے زیادہ پریشان ہو سکتا ہے؟"
"ہاں... ہر شخص... میرے دفتر کا ہر شخص پریشان ہو جائے گا... مگر تم کون ہو اور یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو؟" وہ بری طرح خائف معلوم ہو رہا تھا۔
"تم جو بھی ہو، بہت سفاک ہو" پرتاب کی لرزتی ہوئی آواز ابھری "تم نے مکا مار کر میرے کئی دانت توڑ دیے ہیں... تلووں پر پڑنے والی ٹھوکر سے ابھی تک میرا دماغ چکرا رہا ہے۔"
"تمہیں اپنی موجودہ حیثیت کا احساس دلانے کے لیے وقفے وقفے سے ایسا ہوتا رہے گا۔ ہمیں دس لاکھ روپے درکار ہیں۔ تم ہمارے یرغمالی ہو۔ تاوان کی رقم دو دن میں نہ ملی تو تمہارا سراغ

تک نہیں مل سکے گا۔"
"ہم تمہارے قیدی ہیں اور بالکل بے حیثیت ہیں۔ ہم مر کر بھی اتنی بڑی رقم کا بندوبست نہیں کر سکتے" موتی لال دس لاکھ روپے کا مطالبہ سن کر بوکھلا گیا تھا۔
"سرکاری آدمی کبھی بے حیثیت نہیں ہوتا" اوّل خان کا لہجہ سرد اور سپاٹ تھا "تمہیں بوٹ بیسن کے جس مکان سے اٹھایا گیا ہے وہ بھی تمہاری بساط اور اوقات سے بہت مہنگا ہے۔ جو لوگ اتنی مہنگی عیاشیاں کرتے ہیں وہ کبھی قلاش نہیں ہوتے۔ ہم نے بہت دیکھ بھال کر تم پر ہاتھ ڈالا ہے۔"
اس دوران میں پرتاب کے دہانے میں خون جمع ہوتا رہا جسے وہ وقفے وقفے سے تھوکتا رہا۔ بائیں جبڑے کے ساتھ اس کا دہانہ بری طرح ادھڑا ہوا معلوم ہو رہا تھا کیونکہ اس پر تیزی سے ورم آتا جا رہا تھا۔
"تمہارا مطالبہ پورا ہونے یا نہ ہونے کا انحصار ہمارے افسروں کی مرضی پر ہے" موتی لال کی آواز مزید کمزور ہو گئی "مجھے نہیں معلوم کہ تم کون ہو لیکن تم اتنا ضرور جانتے ہو گے کہ ہم یہاں اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں۔ دونوں ملکوں میں کھلی دشمنی نہیں ہے لیکن دوستی بھی نہیں ہے۔ ایسے میں ہم جیسے مجبور سفارتی ملازم دونوں طرف دہشت گردی کا نشانہ بنتے رہتے ہیں۔ تم ہمیں مار دو گے تو نئی دہلی میں بھی یہی کچھ ہو گا۔ تم کوئی بھی ہو، ہمارا خون سرکاری کھاتے میں ڈالا جائے گا اور پھر اس کا بدلہ لے لیا جائے گا.... ہمارے اور تمہارے فائدے کی ایک ہی صورت ہے کہ تم ہمیں اپنے بڑوں سے بات کرنے دو۔ ہم تمہارا مطالبہ ان تک پہنچا دیں گے..."
"اپنے بڑے سؤر کا نام ہمیں بتا دو۔ ہم خود اس سے رابطہ کر لیں گے۔"
"تمہاری بات پر بھروسا نہیں کیا جائے گا۔ آدمیوں کے ساتھ وہ بھاری رقم بھی گنوانا نہیں چاہیں گے.... تم سے بات بگڑ جائے گی۔ میں انہیں بہت کچھ سمجھا سکتا ہوں۔"
"اس کا مطلب ہے کہ تم ہی ہمارے کام کے آدمی ہو" اوّل خان مجھے آنکھ مارتے ہوئے بولا "تم ہمارے مہمان رہو گے۔ اپنی سنجیدگی اور نیک نیتی کے اظہار کے لیے ہم تمہارے ساتھی کو رہا کر سکتے ہیں۔ یہ اپنے بڑوں کو قائل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو ہم اسے دوبارہ اٹھوا لیں گے۔ پرسوں رات سے پہلے ہمیں مطلوبہ رقم مل جانی چاہیے ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ تمہارے بڑوں میں سے بھی کسی کی باری آ سکتی ہے۔"
"رقم تمہیں کہاں اور کس شکل میں پہنچانی ہو گی؟" اپنی رہائی کی امید بندھتے ہی پرتاب نے رک رک کر سوال کیا "میں تمہارے لیے پیغام رسانی کرنے کے لیے تیار ہوں۔"
"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے رقم کی ادائیگی پر رضامندی کا معاملہ ہے" اوّل خان کے لہجے کی درشتی برقرار تھی اور وہ کہہ رہا تھا "رقم میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ مجھے ہاں یا نا میں جواب چاہیے۔ بعد کا طریقۂ کار خود بخود طے کر لیا جائے گا۔"
"پرتاب کے مقابلے میں، میں یہ کام بہتر طریقے سے کر سکوں گا۔" موتی لال پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔
"تم اہم آدمی ہو۔ تم خود اس بات کا اعتراف کر چکے ہو۔ تم ہمارے پھندے سے نکل گئے تو وہ تمہارے ساتھی کی پروا نہیں کریں گے۔ دس لاکھ بچانے کے لیے اس کی گردن کٹوا دیں گے ہمیں کشت و خون سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہمیں صرف رقم درکار ہے اس لیے تم خاموش رہو اور مجھے پرتاب سے بات کرنے دو تاکہ یہ یہاں سے ایک واضح خاکہ لے کر واپس جا سکے۔"
"تم بتاتے رہو، میں پوری توجہ سے تمہاری بات سن رہا ہوں" پرتاب مضطربانہ آواز میں بولا "اگر تم میری آنکھوں پر سے پٹی کھلوا دو تو تمہاری بہت مہربانی ہو گی۔ اس سے مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"
"پٹی اس وقت کھولی جائے گی جب تمہیں مارنے کا فیصلہ کر لیا جائے گا۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل ہے تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ یہی بلائنڈ فولڈ تمہاری زندگی کی ضمانت ہے.... تم یہاں سے زندہ سلامت واپس جاؤ گے۔ اگر تمہارے بڑے ہمارا مطالبہ تسلیم کر لیتے ہیں تو پرسوں صبح کے کسی بڑے اردو اخبار میں کالے رنگ کے ایک گم شدہ بلڈاگ کی تلاش کا انعامی اشتہار شائع ہونا چاہیے۔ اشتہار میں رابطے کا فون نمبر ہونا ضروری ہے۔ یہ اشارہ ملتے ہی میں خود رابطہ کر کے بعد کے معاملات طے کر لوں گا۔"
"اس انعامی اشتہار کے جواب میں دوسرے بھی فون کر سکتے ہیں۔ ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ ہم کس سے بات کر رہے ہیں؟؟" پرتاب پوری سنجیدگی سے اوّل خان کی ہدایات کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کر رہا تھا "اگر وہ تمہارا مطالبہ مان کر اشتہار دے دیتے ہیں تو فون پر شناخت کے لیے تمہارا بھی کوئی پاس ورڈ ہونا چاہیے تاکہ کھل کر بات کی جا سکے۔"
"فون پر میری شناخت کوبرا ہو گی" اوّل خان نے اس کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔
"پھر مجھے کب رہائی مل رہی ہے؟؟" پرتاب کی آواز میں تجسس سمٹ آیا۔
"تمہیں تھوڑی سی تکلیف سہنی ہو گی پھر تم آزاد کر دیے جاؤ گے۔"
"اتنی بے رحمانہ مار کے بعد اب کون سی تکلیف باقی رہ گئی ہے؟؟" وہ بوکھلا گیا۔
"تمہیں ہار پہنا کر رخصت نہیں کیا جائے گا" موتی لال تلخی سے بولا "بے ہوشی کی حالت میں کسی ویرانے میں ڈلوا دیے جاؤ گے تاکہ ان لوگوں یا اس مقام کی نشان دہی نہ کر سکو۔ ایسے معاملات میں عام طور پر یہی ہوا کرتا ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد تم سیدھے

ئی کے پاس چلے جانا۔ اب وہی میری زندگی بچانے کے لیے ان
وں کے مطالبات پورے کرنے کا بندوبست کرسکتے ہیں۔"

"تم خاصے ہوشیار اور پرانے کھلاڑی معلوم ہوتے ہو" اوّل
ان نے تعریفی لہجے میں کہا "معلوم ہوتا ہے کہ سفارت کاری کی آڑ
ں تم بھی جرائم میں ملوث رہے ہو۔"

"ریاستی اختیار کے ساتھ کیے جانے والے ہر جرم کو فرض کا
رجہ حاصل ہوتا ہے" موتی لال بولا "فرائض کی انجام دہی کو تم
رم قرار دوگے تو پولیس کے ملازمین کی ایک بڑی تعداد کو قتل کا
رم قرار دینا پڑے گا۔"

اوّل خان نے خاموشی کے ساتھ اپنی جیب سے پستول نکالا اور
و قدم آگے بڑھ کر اس کے آہنی دستے سے پرتاب کی کنپٹی پر
ضرب لگائی۔ وہ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ تڑپ کر ساکت ہوگیا۔

"تم نے شاید اس کے سر پر ضرب لگائی ہے" موتی لال بے
بسی سے بولا "تم اسے تکلیف پہنچائے بغیر بھی بے ہوش کرسکتے
تھے.... مجھے تم سے خوف آنے لگا ہے۔"

"آنا ہی چاہیے" اوّل خان کی آواز میں سفاکی سمٹ آئی۔
"اب تک جو کچھ ہوتا رہا، وہ مصنوعی کھیل تھا تاکہ پرتاب یہاں کی
ایک رسمی کہانی لے کر باہر جائے۔ وہ خود باہر جانے پر آمادگی ظاہر نہ
کرتا تو ہم زبردستی اسے آزاد کرتے کیونکہ ہماری اصل ضرورت تم
ہو۔"

کمرے میں ٹرچ کی ہلکی سی آواز ابھری۔ شاید موتی لال نے
اپنے خشک دہانے سے تھوک نگل کر سوکھتا ہوا حلق تر کرنے کی
کوشش کی تھی۔ اوّل خان نے اپنے محافظ کو نام لیے بغیر اندر آنے
کی ہدایت کی۔

وہ پل بھر میں اندر آگیا۔ اوّل خان نے اس سے کہا "اس
بیث کو یہاں سے اٹھا کر لے جاؤ اور گاڑی میں ڈال کر شہر کے کسی
مرکزی حصے میں پھینک آؤ۔ ہاتھ پیر کھولنے کی ضرورت نہیں، یہ
راستے میں ہوش میں آگیا تو تمہارے لیے دشواریاں کھڑی کردے
گا۔"

وہ بظاہر قوی الجثہ نہیں تھا لیکن اپنے کام میں ماہر تھا۔ اس
نے جھک کر پرتاب کا بایاں بازو اپنے داہنے شانے پر سے گزارا اور
ایک ہی جھٹکے میں اسے اپنے شانے پر لادتا ہوا سیدھا ہوگیا۔

"کک.... کاش میں تمہاری صورت دیکھ سکتا" موتی لال چند
لمحوں بعد حسرت زدہ لہجے میں بولا تو اس کی آواز کپکپاتی ہوئی سی
تھی "پتا نہیں تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو۔"

"تمہاری یہ حسرت بھی پوری کی جاسکتی ہے لیکن تم اس کا
مطلب بھی سمجھتے ہو۔ ہمیں دیکھنے کے بعد تم اس چھت کے نیچے
سے زندہ نہیں لوٹ سکوگے۔ تمہیں یہیں فرش میں گاڑ دیا جائے
گا۔" اسے جواب دیتے ہوئے اوّل خان کی عقابی نظریں اس
کا (؟) تفصیلی جائزہ لے رہی تھیں۔

"شاید تم تاوان کے علاوہ کچھ اور ہی چاہتے ہو" موتی لال کی
آواز پُرتشویش تھی۔

اوّل خان کی نگاہوں نے ایک آہنی سلاخ تاڑلی۔ وہ بڑھ کر
سلاخ اٹھاتے ہوئے بولا "تم ہمارے حریف کی طرف سے ریاستی
اختیار رکھتے ہو تو ہم اپنی ریاست کے نگہبان ہیں۔ اب تم کو اپنی
مصروفیات کی کہانی سنانی ہے۔ تم نے ذرا بھی تردّد کیا تو پھر تم موت
کی آرزو کرنے لگو گے لیکن موت تم سے دور رہے گی۔"

"تم کن مصروفیات کا ذکر کررہے ہو؟ میں اپنے قونصل خانے
میں ایک معمولی اسٹینو ہوں۔ دفتری کاموں سے ہٹ کر تھوڑی بہت
عیاشی بھی کرلیتا ہوں۔ اس سے تمہیں کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔"

اوّل خان نے اپنی پوزیشن درست کرکے موتی لال کے بندھے
ہوئے پیروں کے تلووں پر آہنی سلاخ سے ایک زوردار ضرب لگائی
اور فضا اس کی کربناک چیخ سے لرز اٹھی۔ وہ تڑپ کر بائیں پہلو پر
پلٹا ہی تھا کہ اوّل خان کا سلاخ بردار ہاتھ ایک بار پھر ہوا میں بلند
ہوا اور پھر سلاخ پوری طاقت سے موتی لال کے گداز کولھوں پر
آگری۔ اس وار پر وہ بلبلا اٹھا۔

وہ فرش پر تڑپتے ہوئے چیخ رہا تھا کہ میں نے اس کی گردن پر
سوار ہوکر دونوں ہاتھوں سے اس کا دہانہ بھینچ لیا۔ وہ میری گرفت
سے نکلنے کے لیے مچلتا رہا لیکن اس کی چیخیں حلق ہی میں گھٹ رہی
تھیں۔

"مجھے تمہاری عیاشیوں سے کوئی غرض نہیں ہے" اوّل خان
وحشیانہ آواز میں ہنکارا "میں ان عیاشیوں کا ذکر سننا چاہتا ہوں جو
تم دوسروں کو کراتے ہو.... ٹرانسمیٹر پر تم کن لوگوں کو ہدایات دیتے
ہو؟ ان کے نام کیا ہیں؟ وہ تمہارے لیے کیا کام کرتے ہیں؟ یہ
بتاتے چلے جاؤ تو تم سُکھی رہو گے" میں اسے چھوڑ کر الگ ہوچکا
تھا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے.... میرے پاس کوئی ٹرانسمیٹر نہیں
ہے۔ تم مجھ پر بلاوجہ الزام تراشی کررہے ہو۔ تم اب بھی مجھے چھوڑ
دو تو میں تمہاری کوئی شکایت نہیں کروں گا ورنہ تم مصائب میں
گھر جاؤ گے۔ ہمارے اعلیٰ افسران اپنے ماتحتوں سے ایک لمحے کے
لیے بھی غافل نہیں رہتے...." وہ ہانپتے ہوئے بولتا رہا لیکن اوّل
خان نے اسے زیادہ بکواس کرنے کا موقع نہیں دیا اور اس کی بات
کاٹ کر غرایا "تمہاری حالت دیکھ کر ان کی روحیں تک لرز اٹھیں
گی۔ ہم بہت زیادہ جسمانی تشدد کے قائل نہیں ہیں۔ عارف اور
سرور کی تحویل سے برآمد ہونے والا ٹرانسمیٹر تمہاری بدمعاشیوں کا
کھلا ثبوت ہے۔ ہم اس پر الفا پارٹی کے لیے تمہارے پیغامات سنتے
رہے ہیں۔ تم ان کے ماسٹر تھے لیکن اب بازی الٹ چکی ہے۔"

"اوہ!" موتی لال کے منہ سے ایک تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی
جس میں خوف کی گہری آمیزش تھی "اس کا مطلب ہے کہ میں اس
وقت ڈیپی کے ہمدردوں کی تحویل میں ہوں۔"

"تم بہت ذہین ہو" اوّل خان طنز میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولا۔
"تم اچھی طرح جانتے ہو گے کہ جو ڈیپی کے ہمدرد ہیں وہی تمہارے

وجے دادا کو جہنم واصل کرنے کے ذمے دار بھی ہیں۔ ببلی اور ساون بھی ان ہی کی تحویل میں ہیں۔ اب وہ دونوں تمہارے خلاف وعدہ معاف گواہ کی حیثیت اختیار کرچکے ہیں۔"

"یہ سب نام میرے لیے اجنبی ہیں" وہ پھیکے لہجے میں بولا۔ "میرے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ ڈپٹی بلاوجہ ہی بھارتی سفارت کاروں کے لہو کا پیاسا بنا ہوا ہے۔ ایک دن وہ خود اپنے کھودے ہوئے گڑھوں میں پڑا، اپنے زخم چاٹ رہا ہوگا۔ تم میرا یہ پیغام اس تک ضرور پہنچا دینا۔"

میرے اور اوّل خان کے درمیان نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ اس کے ایما پر میں نے پہلی بار زبان کھولی "کسی پیغام رسانی کی ضرورت نہیں۔ میں خود یہاں موجود ہوں" یہ کہہ کر میں نے اس کی پسلیوں میں ایک زوردار ٹھوکر رسید کی اور وہ چیخنے کے بجائے بری طرح کراہ کر فرش پر لوٹ گیا۔ ذہنی طور پر تشدد سہنے کے لیے آمادہ ہونے کے بعد اس میں حیرت ناک قوتِ برداشت عود کر آئی تھی۔

"تم ڈپٹی ہو تو پھر یہ ناٹک رچانے کی کیا ضرورت ہے؟" کچھ دیر تک سسکنے اور کراہنے کے بعد وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "میری آنکھوں پر سے پٹی کھولو اور میرے سینے میں گولی اتار دو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بھوکے بھیڑیے ہو، مجھے یہاں سے زندہ نہیں جانے دو گے۔"

"یہی تمہاری سب سے بڑی بھول ہے" میں نے اپنے جوتے کی نوک سے اس کی کنپٹی کریدتے ہوئے بے رحمی سے کہا "اب میں نے اپنا کھیل بدل دیا ہے۔ تم میں سے کسی کو آسان موت کے ذریعے نجات نہیں مل سکے گی۔ میرے پاس باریک مرچوں کا تیز محلول ہے۔ اسے ایک سرنج میں بھر کر، ہوا خارج کیے بغیر تمہاری کسی نس میں اتار دیا جائے گا اور تم کسی باؤلے کتے کی طرح چیخ چیخ کر اپنا وجود ادھیڑ ڈالنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ یہ عمل اس وقت تک دہرایا جاتا رہے گا جب تک تم اپنے راز اگلنا شروع نہیں کرو گے۔"

وہ میری دھمکی نہیں، راسخ ارادہ تھا۔ وہ ڈر گیا اور لرزتی ہوئی آواز میں بولا "نن.... نہیں۔ تم میرے ساتھ ایسا غیر انسانی سلوک نہیں کرسکو گے۔ ایک انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ ایسا بھیانک سلوک نہیں کرسکتا۔ میرے پاس تمہیں بتانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ انسان روئے زمین کا سب سے وحشی درندہ ہے۔ یہ اپنے خول سے باہر آتا ہے تو اصل درندے بھی اس سے شرمانے لگتے ہیں۔ میرے بارے میں تمہاری توقعات پوری نہیں ہوں گی" میں نے اپنا داہنا پیر اٹھا کر اچانک ہی اس کا چہرہ اپنے جوتے کے تلے سے مسل دیا۔

وہ بلبلاتا ہوا دور لڑھک گیا۔ اس کے چہرے پر خون آلود خراشیں ابھر آئیں، تلووں کی کھال پہلے ہی پھٹ چکی تھی۔ پتلون کی پشت پر بھی خون کے پھیلتے ہوئے دھبے نمایاں تھے۔

"شاید میں اپنے خون میں مرچوں کی آمیزش سہہ لوں لیکن میں تمہیں اپنی نسوں میں ہوا بھرنے کا موقع نہیں دوں گا۔ تم نے مجھے سسکا سسکا کر زندہ رکھنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو میں تمہیں حد سے تجاوز نہیں کرنے دوں گا۔" وہ رک رک کر اور شکست خوردہ لہجے میں بولا۔

میں نے استہزائیہ انداز میں ایک ڈراؤنا قہقہہ لگایا اور پوچھا "بھلا تم مجھے کیسے روک سکو گے؟"

"میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں" اس نے تھکی ہوئی آواز میں ہتھیار ڈال دیے۔ اس وقت تک اس کا چہرہ پسینوں میں ڈوب چکا تھا۔ چہرے کی خراشوں سے رسنے والا خون پسینے میں شامل ہو کر اس کی قمیص کو داغ دار کر رہا تھا۔

"میرا کوئی سوال نہیں ہے۔ اذیت سے بچنا چاہتے ہو تو اپنی کہانی شروع کردو۔"

"میری کوئی کہانی نہیں ہے۔ میں یہاں جو کچھ بھی کرتا ہوں، وہ میرے فرائضِ منصبی کے دائرے میں آتا ہے۔ ہر بات معمولات میں شامل ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تمہیں کن امور میں دلچسپی ہے۔ تم سوالات کرتے جاؤ۔ میں ہر بات کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔"

"ساون نے بتایا ہے کہ اب پاکستان میں را کے آپریشنل چیف تم ہو۔ اس بات میں کتنی صداقت ہے؟" اوّل خان نے فوراً ہی پہلا سوال داغ دیا۔

"را کے ایجنٹوں کو فنڈز فراہم کرنا میری ذمے داری ہے۔ تم مجھے چیف کہہ سکتے ہو" اس نے اقرار کیا۔

"قونصل خانے اور سفارت خانے میں را کے کتنے ایجنٹ موجود ہیں؟"

"کوئی نہیں، مخدوش حالات کی وجہ سے معمولی سفارت کاروں کو بھی پیچیدگیوں سے دور رکھا جارہا ہے۔ رجنی اور مان سنگھ وغیرہ کے انجام کے بعد نئی دہلی والے بہت محتاط ہوچکے ہیں۔"

مجھے اس کے بیان پر یقین نہیں تھا لیکن میں نے اس سے الجھنے کے بجائے اپنا پہلا سوال کر ڈالا "یہاں تمہارے ساتھ ایجنٹوں کی تعداد کتنی ہے؟"

"وہ کل چار ہیں لیکن میں ان سے واقف نہیں ہوں۔ احتیاط کی وجہ سے وہ مجھ سے کبھی نہیں ملے۔"

"پھر کام کیسے ہوتا ہے؟" اوّل خان اس بازپرس میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔

"پہلے ہم ٹرانسمیٹر پر ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے تھے۔ اسی پر رپورٹیں ملتی تھیں۔ القا پارٹی سے لاسلکی رابطہ ٹوٹنے کے بعد ٹرانسمیٹرز کا استعمال چھوڑ دیا گیا۔ اب وہ ٹھکانے بدل کر مجھے فون کرتے رہتے ہیں۔ اشاروں میں رپورٹ ملتی ہے اور ہدایات دی جاتی ہیں۔ اہم معاملات پر خفیہ خطوط آتے ہیں جو پڑھنے کے بعد

لف کر دیے جاتے ہیں۔ اب ہمارے قونصل خانے میں مشتبہ کاغذ کا ایک پرزہ بھی نہیں مل سکے گا۔"

"زر خرید مقامیوں کی تعداد کتنی ہے؟" وہ سوال کرتے ہوئے ول خان کی آواز تلخ ہوگئی۔

"وہ سب زر خرید نہیں ہیں۔ بعض نادانستگی میں ہمارے کام آ جاتے ہیں۔ کچھ نوخیز بھارتی لڑکیوں کے جال میں الجھے ہوئے ہیں۔ پیسے لے کر کام کرنے والے ایک دو ہی ہوں گے۔"

"تمہیں ان کے نام وغیرہ ضرور یاد ہوں گے" اول خان نے کہا۔

"عارف اور سرور لاپتا ہیں۔ اس وقت مجھے شنکر کا نام یاد ہے و محکمۂ داخلہ میں چپراسی ہے اور شام کو ایک شراب خانے میں پلائی کا کام کرتا ہے۔ ان سب کے کوائف ایک کمپیوٹر ڈسک پر محفوظ ہیں۔"

"وہ ڈسک کہاں ہے؟" اول خان جواب میں سے سوال پیدا کر رہا تھا۔

"میرے دفتر کی تجوری میں مگر اسے کوئی دوسرا نہیں چلا سکتا۔ میرے انگوٹھے کے نشان کے بغیر وہ پروگرام چل ہی نہیں سکتا، سک صاف ہوسکتی ہے یا اس میں وائرس آسکتا ہے۔"

"نوخیز بھارتی لڑکیاں کتنی ہیں اور کہاں کہاں پھیلی ہوئی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"وہ عارضی ملاقاتی ویزا لے کر واہگہ کے راستے آتی ہیں اور سپورٹ ضائع کر کے یہیں رہ جاتی ہیں۔ ان کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ ان سب کا تعلق نئی دہلی کے مرکز سے ہے۔ مجھے صرف نئی نے والیوں کے کوڈ بھیج دیے جاتے ہیں۔ مجھے ڈاک میں اس کوڈ سے جو رپورٹ موصول ہوتی ہے وہ میں ریسرچ اینڈ اینالیسز ونگ کے ہیڈ کوارٹرز کو بھیج دیتا ہوں۔ ان رپورٹوں پر بقیہ کام نئی دہلی میں ہوتا ہے۔"

"یہاں تمہارا مرکزی ہدف کیا ہے؟" قدرے توقف کے بعد سامنے اچانک سوال کیا۔

"دفاعی معلومات کا حصول" وہ قدرے تذبذب کے ساتھ بولا۔ اس کے علاوہ اندر کی جو بات بھی معلوم ہوسکے اس پر پورے دھیان سے کام کیا جاتا ہے۔"

"البرٹو ویلیسا سے کس قسم کا تعاون کیا جارہا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ... مجھے اس کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ بس سنی سنائی باتیں ہیں جو غیراہم ہیں" اس نے گڑبڑا کر جواب دیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت تک ہم جو کچھ پوچھتے رہے وہ زیادہ اہم نہیں تھا۔ موتی لال کے کچھ کہے بغیر بھی ان باتوں کے بارے میں اندازہ لگایا جاسکتا تھا لیکن البرٹو ویلیسا کا اہم ترین موضوع سامنے آتے ہی موتی لال کچھ بھڑکا ہوا نظر آنے لگا تھا۔

"اپنے ذہن پر زور دو ورنہ مجھے مرچوں کا ہوادار محلول آزمانا

پڑے گا۔"

"اگر تم مجھ سے زبردستی اپنی من پسند باتیں اگلوانا چاہتے ہو تو مجھے لکھا ہوا بیان دے دو۔ میں وہ پڑھتا چلا جاؤں گا اور پھر اس پر اپنے دستخط بھی کردوں گا۔" وہ پہلی بار پُراعتماد لہجے میں بولا "ورنہ میری بات کا اعتبار کرو۔ وہ شری مان سنگھ کے زمانے کی باتیں ہیں۔ میں ان سے بے خبر ہوں۔"

"یہ جھوٹا ہے" ویرا کی پاٹ دار آواز نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔ میں تیزی سے پلٹا تو وہ کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہو چکی تھی اور ہماری طرف آرہی تھی۔ لباس کی تبدیلی کی وجہ سے اس کی جلد کے رنگوں کا تضاد نمایاں ہو رہا تھا۔

"میں کافی دیر سے باہر کھڑی ساری باتیں سن رہی ہوں۔ یہ مکّار اور جھوٹا ہے۔ پہلے یہی مان سنگھ کی ناک کا بال ہوا کرتا تھا۔ میں ذرا سی دیر میں اسے ساری بھولی ہوئی باتیں یاد دلا دوں گی۔"

"آخر یہ اطلاع بھی درست ہی نکلی کہ ویرا تم سے مل چکی ہے" موتی لال اس کی آواز پہچان کے بولا "ایک وقت تھا کہ اس نے ڈیبی کی محبوبہ کو پکڑ کر ہماری قید میں رکھا تھا۔"

"گندے سؤر! تم ہمیں لڑانے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکو گے" ویرا نے غراتے ہوئے اس کی پسلیوں میں ٹھوکریں برسانی شروع کر دیں "مجھے معلوم ہے کہ تم اس ملک کو اندر اور باہر سے تباہ کرنے کے درپے ہو۔ تم یہاں ہتھیاروں کے ساتھ لاقانونیت پھیلا رہے ہو اور اب تو تمہاری طرف سے ہیروئن بھی یہاں آنے لگی ہے۔ یہاں کا مال باہر جا رہا ہے اور یہاں کی ڈیمانڈ تم پوری کر رہے ہو۔"

اس وقت تک موتی لال میں بہت زیادہ قوتِ مدافعت بیدار ہو چکی تھی۔ وہ ویرا کی ٹھوکریں کھا کر بس کراہتا جا رہا تھا۔ اس کے حلق سے کوئی مظلومانہ چیخ بلند نہیں ہوئی تھی۔

آخر ویرا ہی تھک کر ہانپنے لگی اور ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اس نے موتی لال کو ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک اپنے حواس یک جا کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر دھیمے دھیمے بولا "پتا نہیں میں روزی کے چکر میں کس دلدل میں آپھنسا ہوں۔ اب سب کے نام کھل ہی گئے ہیں تو میری آنکھوں کی پٹی بھی کھول دو۔ ویرا کا خوب صورت چہرہ دیکھ کر میرا حوصلہ بندھا رہے گا۔ خوب صورتی میری بہت بڑی کمزوری ہے۔"

ویرا نے برہم ہو کر اس بار اس کی کھوپڑی پر ٹھوکر ماری "حرام زادے..... یہ دلدل تجھے نگل جائے گی۔ تجھے اندازہ نہیں ہے کہ آج تیرے ستارے کس طرح گردش میں آئے ہیں۔"

"ڈیبی کچھ بھی کہتا رہے" مجھے معلوم ہے کہ میں یہاں سے زندہ نہیں لوٹ سکوں گا۔ میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگ رہا۔ تم مارتے رہو، میں ٹوٹتا پھوٹتا رہوں گا لیکن میری آنکھیں کھول دو۔ شاید تم میں سے کوئی بھی میری بات نہ سمجھ سکے مگر مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوگی کہ مجھے ادھیڑنے والوں میں ایک خوب صورت لڑکی بھی ہے۔ ہو سکے تو روزی کو بھی یہیں بلا لو۔ وہ پیاری لڑکی بھی تمہاری ساتھی معلوم ہوتی ہے۔"

ویرا بھنا کر اسے گندی گندی گالیوں سے نوازنے لگی مگر میں سوچ میں پڑ گیا۔

سخت اذیت کے عالم میں موتی لال جس انداز میں ویرا یا روزی کا ذکر کر رہا تھا، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جنسِ مخالف کے معاملے میں اس کے ذہن میں کوئی گرہ موجود تھی۔ عملی طور پر وہ مرزا غالب کے ان مقلدین میں سے معلوم ہوتا تھا جو صنفِ نازک سے گالیاں کھا کے بے مزہ ہوتے ہیں نہ ان کے ڈھول دھپے سے کوئی آزار محسوس کرتے ہیں۔ عورت سے جو بھی اور جب بھی تعلق ہو، بس ہونا چاہیے۔ یہی ان کی لذت پسندی کی انتہا ہوتی ہے۔

معاً مجھے خیال آیا کہ اس وقت موتی لال کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی مگر پھر بھی اس نے صرف آواز سن کر ویرا کو پہچان لیا تھا۔ اس سے پہلے ویرا نے کم از کم دو بار روزی بن کر فون پر موتی لال سے بات کی تھی اور شام کو خاصی دیر تک اس کے ساتھ رہ چکی تھی لیکن موتی لال کو اس پر کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ حد یہ تھی کہ ویرا سے مار کھانے اور گالیاں سننے کے بعد بھی وہ روزی کو کوئی علیحدہ شخصیت سمجھ رہا تھا۔

"......میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔ سر پر جوتے مار کر، ناک کے راستے تمہارا بھیجا بہا دوں گی۔ حرامی کے بچے! تم نے مجھے کیا سمجھا ہوا ہے؟" ویرا پورے اشتعال میں اس پر گرج برس رہی تھی۔

"یہاں وقفہ ہونا چاہیے" میں نے ہاتھ اٹھا کر ویرا کو خاموش کر دیا اور موتی لال سے کہا "تمہیں یہ بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ روزی کے روپ میں ویرا ہی تم سے ملنے گئی تھی اور......"

"ٹھیک ہے" اس نے مایوسانہ لہجے میں میری بات کاٹ کر کہا "میری خود فریبی ہی نے مجھے مار دیا ہے۔ ویرا نے شاید میک اپ کر ہوا تھا، جلد کی رنگت تبدیل کی ہوئی تھی اور وہ آواز بدل کر بول رہی تھی مگر پھر بھی مجھے بار بار شناسائی کا احساس ہو رہا تھا۔ میری چھٹی حس مجھے کسی ان جانے خطرے کا احساس دلا رہی تھی مگر روزی کے دل فریب پیکر کو اپنی دسترس میں پا کر میں ان تمام خدشات کو نظر انداز کرتا رہا تھا۔ میری شامت آئی ہوئی تھی جو میں خود کو سمجھاتا رہا کہ شناسائی کا وہ احساس شاید کاک ٹیل پارٹی میں ہونے والی ملاقات کی پیداوار تھا مگر وہ آسودگی کی بھول تھی۔ اس وقت میں زندگی اور موت کے نازک موڑ پر تمہاری قید میں [illegible] میرے حواس پوری طرح کام کر رہے ہیں۔ اس بار میری [illegible] پوری طرح بیدار تھی، اس نے مجھے دھوکا نہیں دیا اور میں نے شری مان سنگھ کی محبوبہ، ویرا کی آواز سنتے ہی پہچان لی۔"

ویرا نے ایک بار پھر اس کے بدن کو مجنونانہ انداز میں ٹھوکروں سے اڑانا شروع کر دیا۔ اس کے منہ سے بیک وقت اردو، انگریزی اور اطالوی مغلظات کا ایک طوفان بہہ نکلا تھا "......"

الو کا پٹھا تھا... تیری ماں اس گنجے کی اولاد کی محبوبہ رہی ہو گی۔
نے کبھی اسے پرکاہ سے زیادہ اہمیت نہیں دی اور تو بھی اپنے
ے پن کے باوجود مجھے چھونے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ تم
ایک تھیلی کے چٹے بٹے اور گندے انڈے ہو۔ میں تمہارے
پر پیشاب کرنا بھی پسند نہیں کروں گی۔"

"اف... ہائے... مار بھی رہی ہو... اور پھر ایسی رومانی
بھی کررہی ہو" وہ کراہوں کے درمیان سسکاریاں لیتے ہوئے
ں رک کر بولا "ارے... گئو ماتا کے مقدس پیشاب سے ہمارا
ائی جنے چلا جارہا ہے... وہ گنگا جل جسے سارے پنڈت اور مہان
پنے سروں پر بہا کر اشنان لیتے ہیں، کیا ہوتا ہے... وہ ہمارے
ں کی ساری کنواریوں کا..."

اوّل خان اس کے بہکے ہوئے ذہن کی ان ہرزہ سرائیوں کو
شت نہیں کرسکا۔ اس نے بڑھ کر موتی لال کے دہانے پر اپنے
نی پستول کی نال سے ایک شدید ضرب لگائی اور وہ اپنی بات مکمل
بغیر بری طرح تڑپ اٹھا۔ ضرب لگتے ہی اس کے سامنے کے کئی
ت باہر جھڑ گئے تھے۔

اس کی درگت دیکھ کر ویرا کا غصہ قدرے فرو ہو گیا اور وہ ایک
ر کے سہارے ٹک کر اپنے لئے سگریٹ سلگانے میں مصروف
ئی۔

موتی لال خون تھوک تھوک کر اپنی دردناک تکالیف پر قابو
نے کی کوشش کررہا تھا۔ اوّل خان ٹکٹکی باندھ کر اسے گھورے
ہا تھا۔ ویرا کسی پروگرام کے بغیر بلکہ اوّل خان کی واضح ہدایت
بر عکس اس باز پرس میں شریک ہونے کے بعد سگریٹ نوشی میں
روف تھی۔ میں نے بھی اس وقفے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے
یٹ سلگا لی۔ میرا ذہن بدستور موتی لال کے متوقع انکشافات
الجھا ہوا تھا۔

موتی لال نے اپنے روابط کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، مجھے
ا پر یقین تھا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی کہ نئی دہلی میں
ے ہوئے را کے منصوبہ ساز روزگار کی تلاش میں سرگرداں خوب
رت، تعلیم یافتہ اور آزاد خیال بھارتی نژاد ہندو لڑکیوں کو اپنے
ا میں پھانس کر معمولی سی تربیت کے بعد اسلامی ناموں کے
تھ پاکستان روانہ کردیتے تھے۔ پاکستان کے بڑے شہروں میں
ے معزز روسا کی کمی نہیں تھی جو اپنی عام زندگی میں پاک باز،
ستا نام، پرہیزگار بلکہ متقی تک بنے رہتے ہیں لیکن اپنی خلوتوں میں
ت کے بل بوتے پر شراب وشباب کے فتنہ پرور امتزاج سے
ا ایسی ارمان انگیز محفلیں سجانے کے عادی ہوتے ہیں کہ
لان بھی ان کی نفس پرستی سے پناہ مانگتا ہوا نظر آتا ہے۔ بھارت
، آئی ہوئی پری پیکر دوشیزائیں اپنی بے حجابی اور منگی تفریح
ول میں آزادانہ آمدورفت کی وجہ سے جلد ہی کسی بارسوخ
بلے کی نگاہوں میں سما جاتی ہیں۔ وہ ان کے وجود کی رعنائیوں میں
ب کران کے مدفون ماضی کی راکھ کو کریدنے کی ذرا بھی کوشش
ں کرتا، اپنی آوارہ مزاجی کی خفیہ تسکین کے لئے ایسی دل رُبا
لڑکیوں کو کرائے کے مکان میں واجبی سے ماہانہ مشاہرے پر رکھیل
بنالیتا ہے۔ ایسی سرپرستی میسر آنے کے بعد ہر لڑکی کھل کر اپنا کھیل
کھیلنے لگتی ہے۔ اس کا مالک ہفتے میں دو تین بار آتا ہے اور پیشگی
اطلاع کے ساتھ آتا ہے لیکن خالی دنوں میں بھی ایسی لڑکیوں کی
شامیں خالی نہیں گزرتیں۔ ہر روز ان کے گھر ایک نیا رشتے دار آتا
ہے۔ عزت دار پڑوسی بس آنے والوں کی گنتی گنتے رہتے ہیں۔ یہ
نت نئے رشتے دار مرمریں پیکروں میں اپنے اندر کی آلائشیں
انڈیلنے کے ساتھ ہی جیبیں الٹ کر لوٹ جاتے ہیں۔ ان ہی میں وہ
شکار بھی ہوتے ہیں جن پر را والوں کی گہری نظر ہوتی ہے۔ نفسانی
عشق کے بخار میں بھٹکتے ہوئے لوگ اپنی دانست میں پیار و محبت کا
ہذیان بکتے ہیں مگر را کی تربیت یافتہ لڑکیاں اس ہذیان کو انا کے
کوڑے سے اپنی راہ پر لے آتی ہیں۔ سننے والے ستم وہ سہ لیتی ہیں
مگر سنی ہوئی باتیں خفیہ لفافوں میں آگے بڑھا دیتی ہیں۔

مجھے موتی لال کی اس بات سے پورا اتفاق تھا کہ ایسی بھارتی
نژاد لڑکیاں سفلی جذبوں کی بھٹیوں پر بس اپنی جیبوں کا کندن ڈھالتی
ہیں۔ ان سے کوئی خبر مل جائے تو مل جائے ورنہ ان پر انحصار نہیں
کیا جاسکتا تھا۔ اس توبہ شکن گروہ کے علاوہ باقی بے خبر کارندوں کی
نشان دہی کے لئے موتی لال کے دفتر میں موجود اس کمپیوٹر ڈسک کا
حصول ضروری تھا جس کے مقناطیسی لہروں پر ہر فرد کے کوائف
برقی اشاروں کی صورت میں محفوظ تھے۔ ان کے علاوہ اسے بس
شنکر کا نام یاد تھا جو دن میں مسلمان افسروں کی افسری کو خادمانہ
سہارے دینے کے بعد شام میں ساقی گری کیا کرتا تھا۔ اس وقت
تک آگے کا میدان بالکل صاف تھا۔

لیکن میری دانست میں بات وہیں ختم نہیں ہوجاتی تھی۔ البرٹو
ویلیسا اور اس جیسے دوسرے فن کاروں کی نشان دہی کے لئے موتی
لال بہت زیادہ مدد کرسکتا تھا۔ اگر اس کی عقل اس کا ساتھ دے
رہی تھی تو اسے کچھ تازیانوں کی ضرورت تھی۔

"پھر وہیں البرٹو ویلیسا پر لوٹ آؤ۔" طویل خاموشی کے بعد
میں نے سکوت توڑا۔

"میں بتا چکا ہوں کہ اس کے بارے میں میری معلومات سنی
سنائی باتوں تک محدود ہیں۔"

"سنی سنائی باتیں ہی دہراتے چلے جاؤ" میں نے تلخی سے کہا۔

"اس کے اور ہمارے آدمیوں کے رابطے تھے" وہ تذبذب
کے ساتھ بولا "ان رابطوں میں معلومات کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔
تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ معلومات کس قسم کی ہوتی تھیں۔"

"بلیو کراس ڈیل کے سلسلے میں اس نے تمہیں کیا بتایا تھا؟"

"میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔" اس نے کسی توقف کے بغیر
کہا۔

میرے لئے اس کی بات قابل اعتبار نہیں تھی لیکن میں اس پر
زیادہ تشدد کرنے کا ارادہ ترک کرچکا تھا۔ مجھے اور ویرا کو پہچان لینے
کے بعد وہ خود ہی کہہ چکا تھا کہ اسے میری کسی یقین دہانی پر اعتماد
نہیں تھا اور یہ کہ وہ ہماری قید سے زندہ نہیں لوٹ سکے گا۔ اپنی

موت کے بارے میں اتنا یقین ہونے کی وجہ سے وہ کسی بھی مرحلے پر اچانک ضد پکڑ سکتا تھا۔ اس کے بعد میں اسے ذبح بھی کر ڈالتا تو وہ ایک لفظ بھی نہیں اگلتا۔ ان امکانات کی روشنی میں یہی غنیمت تھا کہ وہ بول رہا تھا اور ملک دشمنوں کے بارے میں ہماری معلومات میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی کر رہا تھا۔

"کھوٹہ کے بارے میں البرٹو ویلیسا کا کیا کردار تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ بہت کچھ کرتا رہا ہو۔ وہ کولمبیا سے واضح ہدایات لے کر یہاں آیا تھا۔ اس نے پاکستان کی ایک خفیہ فورس میں بھی اپنی جگہ بنالی تھی مگر میں اس بارے میں زیادہ باخبر نہیں ہوں۔ اس کے بارے میں سوالات کر کے تم بلاوجہ اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"اس خفیہ فورس کے بارے میں تمہیں کیا کچھ بتایا گیا تھا؟"

اس کے زخمی اور خون آلود ہونٹوں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولا "البرٹو ویلیسا نے پاکستان کو یہی سب سے بڑا نقصان پہنچایا ہے کہ اسپیشل ٹاسک فورس کا بھیانک آسیبی سحر ٹوٹ چکا ہے۔ یہاں کام کرنے والے سب لوگ جان چکے ہیں کہ معروف اداروں اور ایجنسیوں سے بڑھ کر انہیں ایس ٹی ایف سے خطرات لاحق ہیں کیونکہ وہ ہر قانون سے بالا رہ کر خفیہ انداز میں وار کرتے ہیں...... مگر میں تمہیں بتادوں کہ یہ ادارہ زیادہ دنوں تک نہیں چل سکے گا۔ اس کے دن گنے جا چکے ہیں۔ البرٹو ویلیسا نے کرنل جیسی جونز کے ذریعے اس قاتل فورس کے بارے میں اتنا مواد ایف بی آئی اور پینٹاگون کے ذمے داروں کو پہنچا دیا ہے کہ عالمی ادارے اور بڑے ممالک پاکستان سے کسی بھی وقت اس غیر آئینی اور غیر قانونی فورس کے خاتمے کا مطالبہ کر سکتے ہیں...... یہ انسانی حقوق اور آزادیوں کا دور ہے۔ مہذب دنیا کسی قیمت پر سرکاری غنڈوں کا وجود برداشت نہیں کرے گی......"

"یہ پاکستان کے ریاستی مسائل ہیں۔ ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں۔" اوّل خان اس کی بات کاٹ کر بول پڑا۔ "ہم ریاست کے لئے نہیں 'اپنے مسائل کے لئے لڑ رہے ہیں۔"

"یہ سراسر جھوٹ ہے" حواس باختہ کردینے والی مار کھانے کے باوجود اس کا ذہن پوری طرح حاضر تھا "ڈینی ایک مدت سے محب وطن اور پاکستان کا خیر خواہ بنا ہوا ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان کوئی پرخاش نہیں ہے مگر یہ ہم سے مسلسل لڑے جارہا ہے۔ ہر موڑ پر ہمارا راستہ کاٹتا ہے۔ اگر اس کے اپنے کچھ مسائل ہیں تو یہ مسائل ہمیں سونپ دے۔ ہم پوری قوت سے اس کے مفادات کا تحفظ کریں گے۔ یہ دنیا کے جس ملک' جس مقدار اور جس کرنسی میں چاہے گا' ہم اسے معاوضہ ادا کرنے کو تیار ہیں...... مگر میں جانتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ڈینی بدترین خود فریبی میں مبتلا ہے۔ یہ اپنے ملک کے لئے نہ جانے کیا کچھ کرتا پھر رہا ہے۔ لہو کے پیاسے اس کے خون کی بُو پر لگے ہوئے ہیں مگر میں شرط لگا سکتا ہوں کہ اپنے بدنام ماضی کی بنا پر ڈینی آج بھی اس ملک کے قا
مطلوب ہے...... اس کی وفاداری اور جان سوزی ابھی تک ا
پیشانی کے داغ دھونے میں کامیاب نہیں ہو سکی...... یہ م
اور خود غرضیوں کا دور ہے...... ڈینی اپنی دانست میں بڑے ت
پھرتا ہے لیکن اس کی کامیابیوں کا سہرا دوسرے اپنے سر پر سجا
ہیں......"

اس کی تقریر لمبی اور خشک ہوتی جارہی تھی۔ وہ اپنی دا
میں مجھے چارا ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کی بات
دی "تم میرے لہو کے پیاسوں کی بات کر رہے ہو۔ وہ کون ہیں؟"

"کون تمہارے خون کا پیاسا نہیں ہے؟" اس نے
سوال کیا "تمہارا قیدی بننے سے پہلے میں خود بھی تمہارا
دشمن تھا...... برا ہو ویرا کے حسن کا کہ اس نے روزی کے
میں مجھے ڈس لیا ورنہ میں دیکھتا کہ تم کتنے دن آزاد اور زندہ
ہو...... وجے دادا ہمارا بہت اہم آدمی تھا۔ البرٹو ویلیسا
اسپیشل ٹاسک فورس میں اپنی جگہ بنائی تھی مگر وجے دادا ا
سرغنوں میں شامل تھا۔ اسے ختم کر کے تم انتقام سے نہیں
گے۔ میں مارا گیا تو میرے بعد والا تمہاری گردن ناپے گا۔"

"وجے مارا گیا۔ بوبی اور ساون پکڑے گئے۔ عارف او
بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچ چکے ہیں۔ بے دست و پا ہونے کے
بھی دھر لئے گئے ہو۔ تمہیں آزاد کر دیا گیا تب بھی تم میرا کچھ
بگاڑ سکو گے۔ تم فیصلے ہی کر سکتے ہو۔ انہیں نافذ کرنا تمہارے
سے باہر ہو چکا ہے۔" میں نے کہا۔

"مجھے پھسلانے کی کوشش نہ کرو" وہ بولا "میں بار بار
ہوں کہ مجھے اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں
میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم بالکل اسی طرح میری جا
دشمن ہو جس طرح ہم لوگ تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔
لاکھ دلاسے دیتے رہو مگر میں تمہارے ایک لفظ پر بھی بھرو
کر سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے اچھی طرح نچوڑ چکے
مجھ سے ہزاروں سوالات کر چکے اور جب یہ بھانپ لو گے
مجھ سے کوئی کام کی بات نہیں معلوم کر سکو گے تو مجھے مار ڈالو
اب میں تمہارا کھیل سمجھ رہا ہوں۔ پرتاب کی موجودگی میں
تاوان کے لئے اغوا کی وارداتیں کرنے والے مجرم بنے ر
وہ ایک بے ضرر سی کہانی کے ساتھ مکرجی وغیرہ سے ملنے
روانہ کرنے کے بعد تم نے اپنا اصل روپ دکھایا ہے۔"

"اگر تمہارے ذہن میں ایک خیال بیٹھ ہی گیا ہے تو
نہیں کھرچ سکتے۔ آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ ہم دونوں
میں سے کون سچ بول رہا تھا" میں نے باتوں کے مزید الجھاؤ
ہوئے کہا پھر اچانک ہی پوچھ بیٹھا "ایلین سے تمہارا کیا پروگرام
ہوا تھا؟"

ایلین کا نام سنتے ہی اسے جھرجھری سی آگئی۔ اس نے
اعتباری سے پوچھا "اس کے بارے میں تم کیا جانو؟ وہ

ف تازہ ترین منصوبہ بنا رہا ہے جس سے تم نہیں بچ سکو گے۔"

"ایلن ہی نہیں پیٹر بھی ہمارے قبضے میں ہے" اول خان مجھ پہلے بول پڑا "وہ دونوں ہمیں تمہارے عزائم کے بارے میں ت کچھ بتا چکے ہیں......."

"بتا چکے ہیں تو پھر اسی پر اکتفا کرو" وہ اول خان کی بات کاٹ بول پڑا "تم میری بوٹیاں اڑا دو پھر بھی میں ان دونوں کے بارے مزید کوئی بات نہیں بتاؤں گا۔"

میں نے اول خان کو اس کی درگت بنانے کا اشارہ دیا لیکن ں سے پہلے ہی ویرا حرکت میں آچکی تھی۔ اس نے بے دردی کے تھ موتی لال کے پیٹ میں ایک ٹھوکر ماری۔ وہ کراہ کر دوہرا یا۔ ویرا نے کسی پیشہ ور قصاب کی طرح اس کے بندھے ہوئے ں کی بندشیں کھولنی شروع کر دیں۔

ٹھوکر کی اذیت سے موتی لال فرش پر مچل رہا تھا لیکن پیروں کی بوط بندش سے نجات ملنے کی امید میں اس نے بہت ضبط سے لیا۔ چند ہی ثانیوں میں اس کے پیر آزاد ہو گئے اور وہ کروٹ بل اپنے وجود کو سمیٹ کر فوراً ہی اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

ویرا نے لحہ بھر کے لئے گھور کر اس کی طرف دیکھا پھر فضا میں کر اس کے منہ پر زوردار فلائنگ کک ماری۔ موتی لال کے لئے ار بالکل ناگہانی تھا۔ وہ اضطراری چیخوں کے ساتھ پشت کے بل ں پر دور جا گرا۔

"تم زندگی سے مایوس ہو چکے ہو اس لئے تمہیں یہ بتانے کی ں ضرورت باقی نہیں رہی کہ تم ہمارے سوالات کے صحیح جوابات گے تو زندہ رہ سکو گے۔" ویرا نے غصیلی آواز میں کہا "تمہارا ام جو بھی ہو لیکن تمہیں ایک لمحے کے لئے بھی یہ بات فراموش ں کرنی چاہئے کہ یہاں تم قیدی ہو۔ تمہاری تقدیر ہمارے رلوں میں محصور ہے۔ تلخی اور بدکلامی سے کام لے کر تم اپنے عذاب کو دعوت دیتے رہو گے۔"

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔" میں نے ویرا کو آنکھ مار کر ی سنجیدگی سے کہا "ہمیں اس سے جو کچھ پوچھنا تھا' وہ ہم پوچھ ہیں۔ اب صرف اتنی سی بات رہ گئی ہے کہ ہم اپنے فیصلے کے بق تاوان وصول کر کے اسے زندہ چھوڑ دیں یا اس کی توقعات مطابق اسے موت کے گھاٹ اتار دیں۔ کوئی آخری فیصلہ نے تک ہمیں اپنی توانائی ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں "

"تمہارے نرخروں کو وحشی کتے بھنبھوڑیں گے۔" موتی لال "ایلن جانوروں کا مانا ہوا ٹرینر ہے۔ وہ خوں خوار کتوں کو ڈیٹی پر لگا رہا ہے۔ بہت جلد ڈیٹی مارا جائے گا اور اس کے ساتھیوں ام بھی اس سے مختلف نہیں ہو گا۔"

وہ مشتعل ہو کر از خود اس موضوع پر آ گیا تھا جو مجھے محبوب تھا سانے گہری دلچسپی کا کوئی اظہار کئے بغیر مضحکانہ لہجے میں پوچھا۔ ہی ایک وسیع شہر ہے۔ ایلن کتنے کتوں کو سدھائے گا؟ وہ کتے شہر میں مجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے پاگل ہو جائیں گے۔"

"تمہاری یہ خوش خیالی اسی وقت دور ہو گی جب اچانک کوئی دیو پیکر کتا اچھل کر تم پر حملہ آور ہو گا۔" موتی لال تلخی سے بولا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ میں اس وقت کہاں ہوں مگر میں تمہیں اتنا ضرور بتا دینا چاہتا ہوں کہ آج ایلن کے کتے تمہارے کسی دوست کی اس گارمنٹ فیکٹری کا طواف کر رہے ہوں گے جہاں تم کسی وقت پناہ لے سکتے ہو۔ تمہارا ہر متوقع ٹھکانا ایلن کی نگاہوں میں آچکا ہے۔"

"ایلن خود بھی اس فیکٹری کے پھاٹک پر دستک دے سکتا ہے۔" میں نے خوش دلی سے کہا "افغانستان سے واپسی پر وہ میرا ہم سفر بلکہ دوست رہ چکا ہے۔"

"دوست!" موتی لال نے قہقہہ لگایا اور کہا "اسی سفر میں اس نے تمہارا ایک انڈرویئر چوری کیا تھا جس کی بُو پر وحشی کتے سدھائے گئے ہیں۔ اسے تمہارے ہر ٹھکانے کا علم ہے مگر وہ کسی سے مدد لینے کا قائل نہیں ہے۔ جو کچھ کرتا ہے' خود کرتا ہے۔ خود دور رہ کر تم پر کتے چھوڑ دے گا۔ وہ ایک ڈیڑھ میل دور سے بھی فضا میں تمہاری بُو سونگھتے ہوئے تمہاری کمین گاہ پر پہنچ جائیں گے اور تمہارا نرخرہ چیر ڈالیں گے۔"

"ایلن اور پیٹر کے بارے میں اپنی زبان بند رکھنے کا عہد کر کے بھی تم مسلسل ان کے منصوبوں کا راز فاش کئے جا رہے ہو۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "ان کی وہ کون سی سرگرمیاں ہیں جنہیں تم پوشیدہ رکھنے کے لئے کوشاں ہو؟ ان کی پردہ داری بے شک نہ کرو مگر کھل کر بات تو کرو۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے کوئی رعایت نہیں دو گے اس لئے میں تم سے رحم یا زندگی کی بھیک ہرگز نہیں مانگوں گا۔" وہ قدرے توقف کے بعد مستحکم لہجے میں بولا "ایلن دشمن کی جڑوں کو تباہ کر دینے والا فری لانسر ہے۔ وہ آزاد بھونرے کی طرح فضا میں منڈلاتا رہتا ہے اور پھر منتخب کلی پر حملہ آور ہو کر اس کا سارا رس چوس لیتا ہے۔ اس کے اڑ جانے پر ہی معلوم ہوتا ہے کہ کلی پھول بننے سے پہلے مرجھا چکی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ سب کچھ اگل چکا ہے۔" ویرا نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا "اور بار بار اپنے مرنے کا ذکر بھی کر رہا ہے۔ کیوں نہ مرنے سے پہلے اسے ایک مقابلے کا موقع دے دیا جائے؟"

"کیسا مقابلہ؟" اول خان نے متحیر نگاہوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں اسے بالکل آزاد کر کے اس کی مرمت کروں گی۔ دیکھتی ہوں کہ اس میں خوب صورت عورتوں کے ہاتھ سے پٹنے کا کتنا حوصلہ ہے۔" ویرا نے زہر آلود لہجے میں کہا۔

"جب میں تمہیں یہاں آنے سے نہیں روک سکا تو اس مقابلے سے کیسے روک سکوں گا؟" اول خان نے بے بسی سے کہا۔

"یہ قیدی اب تمہارے حوالے ہے۔ جو سلوک چاہو' وہ کر سکتی ہو۔"

"ہائے.....!" موتی لال لذت آمیز آواز میں بے ساختہ بول اٹھا "زندگی کے آخری لمحوں میں ویرا جیسی لڑکی سے دست بدست لڑائی سے بڑی عیاشی کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا..... کک..... کاش! یہ مارشل آرٹس کی ماہر نہ ہو اور مجھ سے لپٹ کر دیسی انداز میں مقابلہ کرے۔"

ویرا نے بڑھ کر اس کی پشت پر لات جمائی اور وہ احمقانہ آوازوں کے ساتھ فضا میں اڑتا ہوا دور جا گرا۔ ویرا نے فوراً ہی اس کی پشت پر سوار ہو کر اس کی کلائیوں کی بندشیں کھول دیں۔

ہاتھ آزاد ہوتے ہی موتی لال نے اپنی آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھولنے کی کوشش کی تھی لیکن ویرا نے اس سے پہلے ہی موتی لال کی آنکھیں کھول دیں اور اچھل کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔

موتی لال چند ثانیوں تک کسی ایسے الو کی طرح اپنے دیدے جھپکاتا رہا جسے گھور اندھیرے سے اچانک سورج کی تیز روشنی میں اچھال دیا گیا ہو۔ چند ثانیوں بعد اس کی بینائی قدرے بحال ہوئی تو وہ ویرا کو اپنے روبرو موجود پا کر حیران رہ گیا۔

"اب میں سمجھا" وہ تحیر زدہ آواز میں بولا "شاید تم نے لوشنوں کی مدد سے جبشی بننے کی کوشش کی تھی جبھی میں دھوکا کھا گیا۔ اپنی دورنگی کھال کی وجہ سے تم اس وقت کسی گرگٹ کی مادہ نظر آ رہی ہو۔"

"اپنے عشرت کدے میں بھی تم نے مجھ سے بہت سی اول فول باتیں کی تھیں۔" ویرا زہریلے لہجے میں بولی۔ "اسی لئے میں تم سے دست بہ دست مقابلے کے لئے بے چین ہوں..... میں مردوں کو اپنا کھلونا بنائے رکھنے کی عادی ہوں۔ ان کی زبان سے اپنی توہین برداشت کرتی ہوں' نہ بھولتی ہوں۔ تم تنہائی میں مجھے روزی سمجھ کر بہت کچھ کہہ چکے ہو اس لئے اب سزا کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

فقرہ مکمل کرتے ہی ویرا کسی شرارے کی طرح لپکی اور موتی لال کے خون آلود رخساروں پر پُرشور طمانچے جڑتی ہوئی آگے نکل گئی۔ موتی لال کسی پھرکی کی طرح اپنی جگہ پر چکرایا اور پھر ویرا کو پکڑنے کی ناکام کوشش میں اپنے ہاتھ فضا میں لہراتا رہ گیا۔

اپنے اوسان یکجا کر کے وہ ویرا کی بدلی ہوئی پوزیشن کی طرف متوجہ ہوا تو وہ نئے وار کے لئے تیار تھی۔ اس بار ویرا نے موتی لال کو ہاتھ لگانے کی زحمت نہیں کی بلکہ اس کے سینے پر لاتیں رسید کر کے اسے ایک مرتبہ پھر زمین بوس ہونے پر مجبور کر دیا۔ وہ کسی سانڈ کی طرح ڈکراتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

"یہ کھلونا اب تمہارے حوالے ہے۔" اول خان نے ویرا سے کہا "دل کھول کر اس سے کھیلتی رہو اور جب اس کھیل سے اکتا جاؤ تو اسے اس کی توقعات کے عین مطابق جہنم واصل کر دینا۔ اس دوران میں ہم جا کر چند ضروری کام نمٹا لیتے ہیں۔"

"تت..... تو کک..... کیا تم نے مجھے مار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟" پہلی بار موتی لال کی آواز میں موت کی سرد دہشت ابھر آئی۔ "مم..... میں..... مم..... مارا جج..... جاؤں گا؟"

اول خان کے کسی براہِ راست اور بونگے جواب سے پہلے میں بول پڑا۔ "یہ ہمارا فیصلہ نہیں تھا۔ ہم کسی جبری مصالحت کی امید میں تمہیں زندہ رکھنا چاہتے تھے لیکن تم نے خود ہی ہمیں اس فیصلے پر اکسایا ہے۔ تمہیں زندہ رکھنے میں ہمیں کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا۔"

"میری زندگی کک..... کے بدلے تمہیں کس فائدے کی امید ہو سکتی ہے؟" آخری فیصلہ سن لینے کے بعد اس پر موت کی دہشت طاری ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھیں پھیل رہی تھیں' چہرہ سیاہ پڑنے لگا تھا اور بدن پر ہلکی سی کپکپی طاری ہو چکی تھی۔

"میری دانست میں تمہاری ذات اب بے فیض ہے۔" میں نے اسے مزید دہشت زدہ کرنے کے لئے کہا "اپنے معاملات سے تم خود واقف ہو۔ تم ہی فیصلہ کر سکتے ہو کہ تمہارا کون سا قدم تمہاری زندگی کا سہارا بن سکتا ہے۔ بظاہر ہم کو تمہارے کسی انکشاف کی ضرورت نہیں رہی ہے۔"

"تت..... تم..... اے..... ایلن اور پیٹر کے بارے میں جاننا چاہ رہے تھے۔" وہ بدقت تمام پُرامید لہجے میں بولا۔ اس وقت وہ رحم کی کوئی التجا نہیں کر رہا تھا بلکہ سودے بازی کرنا چاہ رہا تھا۔

"ان کے بارے میں ہم بہت کچھ جانتے ہیں" میں نے پروایانہ بلکہ مضحکانہ انداز میں کہا "تم کوئی نئی بات نہیں سنواؤ گے۔ تمہاری کوکھ میں کوئی بڑی بات پھنسی ہوئی ہو تو بتاؤ۔ شاید تمہارا زندہ رہنے کا کوئی امکان پیدا ہو سکے۔ نظر یہ آ رہا ہے کہ تم بھی رہنا چاہتے ہو۔"

"کون زندہ نہیں رہنا چاہتا؟" وہ دردانگیز لہجے میں بولا میں دو ٹکے کی زندگی کے لئے اپنی انا کو لہولہان نہیں کر سکتا۔ تم مارتے رہو' میرے بدن کا ریشہ ریشہ الگ کر دو' میرے زخموں پر نمک ڈال دو' میری رگوں میں مرچوں کے محلول کے ساتھ ہوا داخل کر دو..... اس سارے تشدد کا نتیجہ صرف ایک ہو گا، میں مر جاؤں گا۔ اس انجام کے لئے میں تیار ہوں....." وہ خاموش ہو گیا پھر چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولا "میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا لیکن میری یہ خواہش بہت فطری ہے کہ میرا انجام بھی ہو' ذرا ملتوی ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ میں بازی کا پانسہ پلٹنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ یہ نہ ہوا تب بھی مجھے آزادی' عیاشی اور منصوبہ بندی کے لئے کچھ وقت تو مل ہی جائے گا۔"

"تم خوش فہمیوں میں مبتلا ہو" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا "تمہاری انا پرست امیدیں اپنی جگہ پر ہیں مگر میں جانتا ہوں کہ میں اپنے موجودہ ہدف سے زیادہ دور نہیں ہوں۔ صرف ایک نکتہ ہے جس پر تم کوئی روشنی ڈال سکتے ہو..... ایلن اور پیٹر کی کمین گاہ تم اسی پر کوئی سمجھوتا کرنا چاہ رہے ہو۔"

موتی لال کے دہانے سے ایک بے ساختہ گہرا سانس برآمد

جو شاید اس کے وجود کی گہرائیوں سے برآمد ہوا تھا پھر وہ بولا "تم ہر بات بہت تیزی سے سمجھ لیتے ہو۔ میں موت سے بالکل نہیں ڈرتا۔ نرک اور سورگ ڈرانے والی باتیں ہیں۔ آواگون بھی بزدلوں کو ڈرانے اور دھمکانے کا پھیر ہے۔ جو مر گیا سو مر گیا۔ ہوتا بس اتنا ہے کہ مرنے والے زندگی کی ساری لذتوں سے محروم ہو کر ہوا اور مٹی میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ تحلیل کے بعد جب وہ نہیں ہوتا تو اسے یہ دکھ بھی نہیں ہوتا کہ وہ فلاں فلاں لذتوں اور خوشیوں سے محروم ہو چکا ہے۔ زندگی کی ساری خوشیاں اور سچائیاں بس اسی وقت تک ہیں جب تک سانس ہے' اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ کسی بڑے امتحان سے گزرے بغیر یہ گھڑیاں بڑھ جائیں...... تم مجھے رہا کر دو' میں تمہیں ایلن کی کمین گاہ تک پہنچا دوں گا۔ اس وقت وہی تمہارا سب سے بڑا حریف ہے۔"

"تمہاری طرح میں بھی سودے بازی کا قائل نہیں ہوں۔" میں نے مکاری سے کہا "تم اس کا پتا بتا دو۔ ہم تمہیں تمہارے گھر پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔"

"یہ ناممکن ہے۔" وہ اٹل لہجے میں بولا "تم نے میرے ہاتھ پیر کھول کر ویرا کو میرے خون کی کھلی چھوٹ دے دی ہے۔ میں تمہارے کسی پھندے میں نہیں پھنسوں گا۔ ایلن کا پتا حاصل کرنے کے لئے تمہیں پہلے مجھے آزاد کرنا ہوگا۔ اس کے بعد تم فون پر مجھ سے رابطہ کر سکتے ہو۔"

"یہ بھی ناممکن ہے۔" میں نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اول خان میرے پیچھے تھا۔ گفتگو ختم ہوتے ہی ویرا نے موتی لال پر حملہ کر دیا اور فضا میں اس کی مزاحمانہ آوازیں گونجنے لگی تھیں۔

"اب اس کا زندہ رہنا بے سود ہے۔" باہر نکلنے کے بعد اول خان نے کہا "میرا خیال ہے کہ ویرا میرا اشارہ سمجھ چکی ہے اور اسے مار کر ہی دم لے گی۔"

"اس کے مرنے یا زندہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا" میں نے فکر مندی کے ساتھ کہا "وہ زندہ رہا تب بھی ہمارا قیدی رہے گا۔ اس کے ساتھیوں کے لیے اس کی مسلسل گمشدگی بھی اسی قدر خوف کا باعث ہوگی جتنی موت ہو سکتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ پرتاب کا پیغام ملنے کے بعد مکرجی کیا کرتا ہے۔"

"مکرجی" اول خان نے زیر لب کہا "اب اس کی باری آئے گی۔"

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے دفتر کی عمارت کی طرف بڑھتے رہے۔ کتربوں کے گودام کی طرف سے دھما چوکڑی کی آوازوں کے ساتھ موتی لال کی اکا دکا دبی دبی چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ پٹ رہا تھا اور اپنی زندگی کی طرف سے مایوس بھی تھا۔ اس کے باوجود وہ غیر ضروری طور پر چیخنے چلانے سے گریز کر رہا تھا۔ غالباً اسے اندازہ تھا کہ اس نے زیادہ شور مچایا تو اس کی زندگی کی رہی سہی ساعتیں اور بھی مختصر ہو سکتی ہیں جب کہ وہ موت کا سامنا کرنے پر آمادہ ہونے کے باوجود زندگی کا خواہاں تھا۔

ہم دونوں اوپر پہنچے تو ڈرائنگ روم میں جہانگیر تنہا بیٹھا ہوا تھا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم نے ایک قیدی کو کہیں روانہ کر دیا ہے" جہانگیر نے ہمیں دیکھتے ہی سوال کیا۔

"نسبتاً غیر اہم قیدی کو رہا کر دیا گیا ہے۔ اول خان کا آدمی اسے بے ہوشی کی حالت میں کہیں ڈال کر واپس لوٹ آئے گا۔ دوسرے کا بھی جلد ہی فیصلہ ہو جائے گا" میں نے کہا۔

"تم نے ایلن کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" جہانگیر نے مجھ سے پوچھا "سلطان شاہ نے مجھے جو کچھ بتایا ہے اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ تم سے مل کر کام کرنے کے لیے تمہاری تلاش میں ہیں۔"

"یہ بات اب مشتبہ ہو گئی ہے" میں نے جواب دیا "موتی لال نے جو کچھ کہا ہے وہ بہت خطرناک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایلن پہلے میری مدد حاصل کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہو لیکن بھارتی ایجنٹوں نے اس کا ذہن بدل دیا ہے۔ اگر موتی لال کے بیان کو درست مان لیا جائے تو ایلن مجھے راستے سے ہٹانے کے موڈ میں آ چکا ہے۔"

اول خان ڈرائنگ روم میں ٹہلتے ٹہلتے رک گیا اور بولا "اگر موتی لال سچ بول رہا ہے تو ایلن اور پیٹر کو اس فیکٹری کا پوری طرح علم ہونا چاہیے۔ تمہیں خائف کرنے کے لیے وہ یہاں فون بھی کر سکتا ہے۔"

اس اثنا میں سلطان شاہ باتوں کی آواز سن کر وہیں آ پہنچا اور گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے بولا "خوش قسمتی سے ان کی گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا گیا ہے۔ اس سے ان کی تلاش میں مدد مل سکتی ہے۔"

گاڑی کے نمبر کے ذریعے معلومات حاصل کرنے کی ذمے داری اول خان ہی پوری کر سکتا تھا۔ اس نے فوراً ہی سلطان شاہ کا بتایا ہوا نمبر اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا۔

موتی لال سے پوچھ گچھ کے دوران میں ہم میں سے کسی نے ایلن کے بارے میں بات کرنے کا پروگرام نہیں بنایا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں ایلن کے بھارتیوں سے روابط کے بارے میں کچھ سوچ ہی نہیں سکا تھا۔ وہ ایک ذہنی رو تھی جس میں بہہ کر میں نے موتی لال سے ایلن کے بارے میں سوال کر ڈالا تھا اور اس سوال کے نتیجے میں غیر متوقع طور پر نئی باتیں سامنے آئی تھیں جو پریشان کن تھیں۔

سلطان شاہ ہمارے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غزالہ کچن میں کھانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ چند منٹ بعد کچن سے کچھ خوشبوئیں بھی آنے لگیں۔ جہانگیر ہماری باتوں سے الجھن محسوس کر رہا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ افغانستان میں ایک معمولی کردار میں ٹکرانے والے دو غیر ملکیوں

نے کراچی میں یک بیک اتنی اہمیت کیسے حاصل کرلی تھی۔ جب گفتگو آگے بڑھی تو وہ اٹھ کر اپنی خواب گاہ کی طرف چل دیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ کھانے کا دور شروع ہونے سے پہلے اپنی بھوک بڑھانے کے ارادے سے اٹھا تھا۔

ہم بیک وقت دو سفارتی محاذوں پر لڑ رہے تھے۔ نارمن کے قونصل خانے سے ہماری کوئی کھلی ہوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ وہ لوگ پوری طرح جم کلارک اور اس کے ساتھ آنے والے ولیم اور راجر کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ شی کے نئے سربراہ اور سی آئی اے کے فعال ایجنٹوں کو دورے پر آئے ہوئے سفارتی افسروں کا درجہ دے کر انہیں انتظامی مراعات کا حق دار ثابت کرنا چاہ رہے تھے۔ اہم بات یہ تھی کہ انہوں نے ان تینوں کی مدد کے لیے اپنے عملے کے کسی بھی فرد کو میدان میں آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ تینوں شہر میں جو کچھ کرنا چاہتے تھے' اس کے لیے انہیں اپنی طاقت یا پھر کرائے پر حاصل کیے ہوئے مقامی بدمعاشوں کی قوت پر انحصار کرنا پڑا اور یوں وہ بہت تیزی کے ساتھ یکے بعد دیگرے ختم ہوتے چلے گئے۔

ان تینوں کی موت امریکن قونصل خانے کے ذمے داروں کے لیے صدمے سے زیادہ شرم کی بات تھی۔ وہ امریکا سے آئے ہوئے تین اہم افراد کو مناسب تحفظ فراہم نہیں کر سکے تھے اس لیے ان تینوں کی موت کے بعد ان لوگوں کا واویلا قابل فہم تھا۔ ہمیں پورا یقین تھا کہ ان کی تسلی کے لیے بظاہر خوب بھاگ دوڑ ہوتی رہے گی لیکن ہم پر کوئی آنچ نہیں آسکے گی۔ اس حساس پس منظر میں ایلن کا یک بیک فعال ہو جانا خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھا۔

ہمیں اپنے دشمنوں کے درمیان قریبی تعاون کے بارے میں کبھی کوئی خوش فہمی نہیں رہی تھی۔ پہلے بھی ایسے شواہد ہمارے سامنے آچکے تھے کہ بھارتی اور امریکی ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ چل رہے تھے۔ پاکستان کی جوہری طاقت کی تباہی سے ملک کے قانونی ڈھانچے کی شکست و ریخت تک ان کے درمیان مکمل مفاہمت پائی جاتی تھی مگر پھر بھی ایک نکتہ بہت اہم تھا۔ وہ سب ضابطوں کے عادی تھے اور اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے متردد رہتے تھے لیکن ایلن پر ایسا کوئی بوجھ نہیں تھا۔ اسے ایک طرف راس المیڈا کی مضبوط پشت پناہی حاصل تھی تو دوسری طرف کرنل جیسی جونز بھی اس کی کارکردگی پر انحصار کر رہا تھا۔ اگر اس نے ڈیوڈ اسٹارز کی کسی نئی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے ارادے سے موتی لال سے رجوع کیا تھا تو یہ بھی یقینی سی بات تھی کہ ایچ ڈی نارمن کا قونصل خانہ بھی اپنے زخموں کی کسک دور کرنے کے لیے اسے شہ دے رہا ہو۔

اس وقت ایلن ایک مضبوط اور بھیانک حریف کا روپ اختیار کر چکا تھا۔ ہمارے سارے قابل ذکر دشمنوں کی امیدیں اس سے وابستہ ہو چکی تھیں۔ بظاہر ان میں مافیا کا کوئی وجود نہیں تھا لیکن پشاور میں مارے جانے والے وجے کے دہرے کردار نے را کے حوالے سے مافیا کو بھی سامنے کر دیا تھا۔

مجھے اول خان کے اس خیال سے اتفاق نہیں تھا کہ ایلن مجھے خوف زدہ کرنے کے لیے فیکٹری فون کر سکتا ہے۔ اول تو اسے علم ہی نہیں تھا کہ ہم نے موتی لال کو پکڑ لیا ہے اور وہ ہمیں اس کے عزائم سے باخبر کر چکا ہے۔ دوسری بات یہ تھی کہ وہ کھل کر میرے مقابلے پر آنے کا ارادہ رکھتا ہوتا تو خود دور رہ کر کسی تربیت یافتہ کتے کو فیکٹری کی طرف روانہ نہیں کرتا۔ وہ اس وقت پس پردہ رہ کر مجھے ہراساں کرنے کی کوشش میں تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ ان دونوں کے پیچھے جانے والی گاڑی میں سلطان شاہ بھی موجود تھا جو انہیں شناخت کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ نہ ہوتا تو پتا بھی نہ چل پاتا کہ کتے کے مالکان کون تھے۔

مجھے صرف ایک بات کی پریشانی تھی کہ وہ فیکٹری ایلن کی نگاہوں میں آگئی۔ شہر میں ہمارے کسی دوست یا دشمن کو اس ٹھکانے کا علم نہیں تھا لیکن وہ خبیث اس راز سے واقف ہو چکا تھا۔

کھانا تیار کرتے ہی غزالہ نے میز لگانی شروع کر دی۔ وہ ویرا کی غیر موجودگی پر بڑبڑا رہی تھی لیکن ہم لوگوں کے میز پر پہنچنے تک ویرا بھی لوٹ آئی۔ اس کے چہرے یا جسم کے کسی حصے پر کوئی خراش نہیں تھی لیکن لباس وغیرہ پر موتی لال کے خون کے تازہ دھبے نمایاں تھے۔ اس کے چہرے سے تھکن کا اظہار ہو رہا تھا۔

"خاصی دیر لگادی.... تم کہاں رہ گئی تھیں؟" اسے دیکھتے ہی غزالہ نے پوچھا۔

"یہ موتی لال کو مار رہی تھی" سلطان شاہ اسے جواب دے کر ویرا سے مخاطب ہو گیا "ہاتھ پیر دھو کر آؤ۔ خون کے دھبوں سے طبیعت میں کراہت پیدا ہو رہی ہے۔"

"تو کیا تم نے اسے بالکل ہی مار دیا؟" جہانگیر نے مخمور آنکھوں سے ویرا کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"کوشش کی تھی مگر وہ بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے" ویرا کرسی چھوڑتے ہوئے بولی "فی الحال صرف بے ہوش ہوا ہے۔ میں اس کے ہاتھ پیر باندھ آئی ہوں۔ دوسرے راؤنڈ میں اس کا خاتمہ ہو گا۔ اس وقت وہ اندھیرے میں پڑا ہوا ہے۔"

"وہ وہاں اکیلا پڑا رہے گا.... اول خان کا آدمی پرتاب کو لے کر گیا ہوا ہے" میں نے کہا۔

"پڑا رہے.... میں نے دروازے کو باہر سے کنڈی لگادی" وہ بے پروائی سے بولی "ریشم خان نے اپنی چارپائی ایسی جگہ پر ڈال لی ہے جہاں سے وہ گودام پر بھی نظر رکھ سکتا ہے۔"

ویرا خواب گاہ کی طرف چل دی۔ ہم لوگ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران میں غزالہ' جہانگیر اور سلطان شاہ کے سوالات جاری رہے۔ وہ موتی لال سے باز پرس کے نتائج اور اس کے مقدر کے بارے میں جاننے کے خواہاں تھے۔ میں کھانے کے

ساتھ ان کے سوالات کے جواب دیتا رہا۔
اس وقت خاصی دیر ہو چکی تھی۔ اول خان اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالنے کے بعد مضطرب نظر آرہا تھا۔ اس نے کھانے کی رفتار بھی تیز کی ہوئی تھی۔
"کیا بات ہے؟ کیا بیوی بچے یاد آنے لگے ہیں؟" میں نے ہنس کے پوچھا۔
"ہماری قسمت ایسی کہاں کہ بیوی بچے یاد آئیں اور ہم ان کے پاس پہنچ جائیں" وہ ایک گہرا سانس لے کے بولا "ابھی دفتر جا کر ایک رپورٹ مکمل کرنی ہے جو صبح ہر قیمت پر جانی ہے۔"
اول خان کھانے سے سب سے پہلے فارغ ہو گیا۔ ہم لوگ مصروف تھے کہ ویرا غسل کر کے صاف ستھرے لباس میں آموجود ہوئی۔ اپنے دھلے ہوئے گندمی مائل سنہرے رنگ میں اس کا چہرہ زیادہ پرکشش نظر آرہا تھا۔
"موتی لال بہت گہرا ہے" کھانے کے آغاز کے ساتھ ہی ویرا کی زبان بھی چل پڑی "معلوم ہوتا ہے کہ آج ہم سب کی عقلوں پر پتھر پڑے ہوئے تھے ورنہ پرتاب کو تاوان والی کہانی سنانے پر وقت برباد نہ کیا جاتا۔"
"اس میں کیا خرابی ہو گئی؟" اول خان نے چونک کر سوال کیا۔
"کلفٹن والے مکان میں جب میں نے موتی لال پر بیم گن تان کر راجر جیسے انجام کی دھمکی دی تو وہ مجھے پہچان گیا تھا۔ اس کے لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں تھا کہ وہ کن لوگوں میں ہے" ویرا نے کہا۔
"پہچاننے کے باوجود وہ تمہاری آنکھوں کی رنگت سے دھوکا کھا رہا تھا۔ اسی بے یقینی کے عالم میں وہ بے ہوش کر دیا گیا۔" میں نے ویرا کو یاد دلایا "ہماری عقلوں کے پتھر تمہیں کیوں یاد آرہے ہیں؟"
"تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا لیکن موتی لال یہی کہہ رہا ہے کہ اسے ابتدا ہی سے پوری صورت حال کا اندازہ ہو چکا تھا لیکن وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں اپنی زبان بند کیے تمہاری باتیں سنتا رہا۔ یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ وہ مناسب موقع آخر تک نہیں مل سکا۔"
"اس کا مطلب ہے کہ وہ تخلیئے میں تم سے کھل کر بات کر رہا تھا" سلطان شاہ نے فقرہ کسا۔
"ایلین کی شناخت کی خوشی میں آج تمہیں معافی ہے۔ جو چاہو بک سکتے ہو۔"
"اسے اتنی کھلی چھوٹ نہ دو" میں نے ویرا کو تادیب کی "دو منٹ میں تم بدک جاؤ گی۔"
"یہ بتاؤ کہ تم نے اسے کس امید میں زندہ رکھا ہے؟" اول خان ایک بار پھر اپنی رسٹ واچ کی طرف متوجہ ہوا اور پھر اضطراری انداز میں کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔
"برداشت اور سخت جانی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ بے خیالی میں اس نے صرف اتنا اگلا ہے کہ ایلین نرسری کے علاقے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اگلی ملاقات میں وہ کام کی کوئی اور بات بتا دے۔ اسی امید میں، میں نے اسے مارنے میں عجلت نہیں کی۔ میں نے اسے بہت بے رحمی سے مارا ہے لیکن وہ بے حیائی کے ساتھ پٹ کر بھی کئی بار مسکرایا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی خطرناک ذہنی مرض میں مبتلا ہے۔ میں تھک کر سست ہو جاتی تھی تو وہ کوئی نہ کوئی گھٹیا حرکت کر کے مجھے اتنا مشتعل کر رہا تھا کہ میں دوبارہ پوری قوت سے اس کی ٹھکائی شروع کر دیتی تھی۔"
"میں نے نرسری کا علاقہ ذہن نشین کر لیا ہے" اول خان الوداعی انداز میں بولا "واپسی پر میرے تیسرے آدمی کو بھی یہیں روک لینا۔ تم کھانا کھاؤ، میں جا رہا ہوں۔ اب کل بات ہو گی۔"
"اگر تم سے رابطہ ہونے سے پہلے موتی لال چل بسے تو کیا کرنا ہو گا؟" میں نے پوچھا۔
"میرا کوئی بھی آدمی اسے ٹھکانے لگا دے گا" یہ کہتا ہوا وہ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔
ہمارے درمیان کوئی تکلف باقی نہیں رہا تھا۔ بس باہمی احترام اور وضع داری کے سہارے گاڑی چل رہی تھی۔ ہم میز پر بیٹھے کھانے میں مصروف رہے اور اول خان برا مانے بغیر واپس چلا گیا۔
کھانے کے بعد ویرا، غزالہ کو ساتھ لے کر چھت پر چلی گئی۔ وہ چہل قدمی کے ساتھ دوربین سے اس علاقے کا تفریحی جائزہ بھی لینا چاہتی تھی۔
میں ڈرائنگ روم میں آکر کسل مندانہ انداز میں ایک صوفے پر دراز ہو گیا۔ سلطان شاہ نے ٹیلی وژن کھول لیا اور جہانگیر نہایت فدویانہ انداز میں میرے قریب، قالین پر آبیٹھا۔
"نیچے کیوں بیٹھے ہو؟" میں نے جہانگیر کو گھور کر پوچھا "کیا پھر کھوپڑی میں چڑھ رہی ہے؟"
"مذاق مت کرو" وہ دھیمے سے بولا "اس وقت میں بہت سنجیدہ ہوں۔"
"سنجیدہ ہی نہیں، تم رنجیدہ بھی نظر آرہے ہو۔ خاصی پھٹکار ہے چہرے پر۔"
"یہ بتاؤ کہ اب میں کیا کروں؟" اس نے سر جھٹک کر تشویش سے کہا۔
"کوئی سر پیر پتا چلے تو میں مشورہ دوں.... کیا پریشانی ہے تم کو؟"
"کل فون پر میری سلمٰی سے بات ہوئی تھی۔ وہ اپنے میکے میں بیزار ہو گئی ہے۔"
"حاکمانہ مزاج کی عورتیں شوہروں کے سینے پر مونگ دل کر ہی خوش رہتی ہیں۔ میکے میں ان کی کوئی حیثیت ہوتی ہے نہ کوئی اشاروں پر ناچنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ گھر پر رہیں تو بات بے

بات پر شوہروں کو ڈانٹ ڈپٹ کر اپنا دل ٹھنڈا کرتی رہتی ہیں۔“

”بکواس مت کرو“ وہ دبی دبی آواز میں غرایا ”ہمارے درمیان جھڑپیں ضرور ہوتی رہتی ہیں مگر میں کبھی بھی اس سے نہیں دبتا۔ جس دن ہیکڑی جمائے گی‘ چوٹی پکڑ کر گھر سے نکال دوں گا۔“

”اور پھر اس کی یاد میں تکیوں سے لپٹ کر روتا رہوں گا“ میں نے منہ بنا کر اس کی نقل اتاری۔

”میں ابھی بھی سلمیٰ کو نہیں بلانا چاہتا“ وہ اکڑ گیا ”کل کی باتیں سن کر میرا دل پسیج گیا تھا۔ شادی شدہ عورت اپنے گھر آنا چاہے تو یہ اس کا حق ہے....“

”معلوم ہوتا ہے کہ نادیہ کی موت کے بعد تم بالکل لنڈورے رہ گئے ہو‘ جبھی بیوی کے حق میں خیر کی باتیں سوچ رہے ہو۔ یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ اس میں تمہاری بڑائی ہے۔“

”یار! دیکھو نا‘ ڈھور ڈنگر بھی دن بھر جھاڑ جھنکاڑ سے لے کر پھول پتوں تک پر منہ مارتے رہتے ہیں لیکن سورج ڈھلتے ہی اپنے باڑوں کی طرف چل دیتے ہیں۔ اپنا بھی کچھ ایسا ہی حساب کتاب ہے۔ دوستیاں تو بس گزارے اور تبدیلی کے لیے ہوتی ہیں‘ آدمی کا اصل بندھن وہی ہوتا ہے جو اپنی عورت کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں آج ذرا سی کوشش کروں تو دس نادیائیں مل سکتی ہیں لیکن سلمیٰ کا اپنا مقام ہے۔“

”سلمیٰ تمہارے یہ نادر خیالات سن لے تو خوشی سے اس پر شادی مرگ طاری ہو سکتی ہے“ میں نے طنز سے کہا ”یہ اچھی بات ہے کہ اس بار تم سلمیٰ کی کمی محسوس کر رہے ہو۔“

”مجھے معلوم ہے کہ تم ہر طرف سے مسائل میں جکڑے ہوئے ہو لیکن میں پھر بھی تمہیں تنگ کر رہا ہوں۔ میں کیا کروں؟ مجھے دور دور تک اپنا کوئی دوسرا دوست یا ہمدرد نظر نہیں آتا۔“

”میں کسی کا ہمدرد نہیں ہوں‘ مجھے ہمدرد دواخانہ بنانے کی کوشش مت کرو۔“

اس نے دانت نکال دیے ”پھر بتاؤ‘ میں کیا کروں؟ سلمیٰ کو کیا جواب دوں؟“

”مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو؟ بلا لو اسے“ میں نے روا روی میں کہہ دیا۔

”تمہارا مطلب ہے کہ اب میرے گھر پر کوئی خطرہ نہیں ہوگا؟“ اس نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

اس وقت مجھے جہانگیر کی پریشانی کا صحیح اندازہ ہوا اور میں نے سنبھل کر کہا ”اس بار تم میری وجہ سے لمبے چکر میں آئے ہوئے ہو۔ میری مانو تو اس گھر میں واپسی کا ارادہ ترک کر کے اسے بیچنے کی فکر کرو۔ فی الحال کلفٹن کے علاقے میں کوئی کشادہ فلیٹ کرائے پر لے لو.... بعد میں اپنی پسند کا نیا گھر خرید لینا۔ نئی جگہ تمہارے لیے ہر اعتبار سے بہتر رہے گی۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن سلمیٰ کلفٹن کے علاقے میں خوش نہیں رہ سکے گی۔“

”کیوں؟ وہاں کون سے کیڑے پڑ گئے؟ وہ پاکستان کا سب سے مہنگا اور بہترین رہائشی علاقہ ہے۔“

”میرا اس علاقے میں کثرت سے آنا جانا رہا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کلفٹن میں وضع دار خاندانی شرفا کی ایک بڑی تعداد رہتی ہے لیکن نو دولتیوں کی یلغار کی وجہ سے وہاں مجموعی طور پر ڈسکو معاشرہ پروان چڑھ رہا ہے۔ ہر شخص دوسرے کو مرعوب کرنے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔ جس کی جیب میں گڈیاں بھری ہوں‘ وہ جاتا ہے اور پسند کا مکان یا فلیٹ خرید لیتا ہے۔ کوئی اس سے نہیں پوچھتا کہ یہ رقم کہاں سے آئی ہے۔ محنت سے کمائی گئی ہے یا چوری‘ ڈاکے اور ہیروئن فروشی سے حاصل کی گئی ہے....“

”بس بس.... میں سمجھ گیا“ میں نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی ”میرے سامنے زیادہ پارسا بننے کی کوشش نہ کرو۔ تمہیں اپنا کاروبار جمائے چند ہی برس ہوئے ہوں گے۔ تمہارے سارے اثاثے شی کی کمائی سے بنے ہیں۔ شروع میں تم بھی میری ہی طرح ننگے بھوکے تھے۔ ہیروئن کا پیسہ بٹور کر آج تم معزز‘ ثقہ اور خاندانی بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ ہم میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ دوسروں پر ایک انگلی اٹھاتے ہوئے ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہماری تین انگلیاں خود ہم پر اٹھ رہی ہوتی ہیں۔“

”میں اپنی بات نہیں کر رہا۔ میں ہر جگہ گزارہ کر سکتا ہوں لیکن اب میں اکیلا نہیں ہوں۔ مجھے سلمیٰ کی پسند‘ ناپسند کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ وہ بہر حال ایک معزز اور آسودہ گھرانے کی لڑکی ہے۔“

”علاقے کے انتخاب کا اختیار تم کو ہے۔ بس نیا گھر لو اور سلمیٰ کو بلا لو۔“

”تم نے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا۔ میں صبح ہی سے کام شروع کرتا ہوں۔ کسی نہ کسی طرح پرانے گھر کا قیمتی ساز و سامان بھی نکال لیا جائے گا۔“

”اس کی طرف سے تم بے فکر رہو۔ سلمیٰ کی تجوری میں میری امانت بھی پڑی ہوئی ہے۔ اول خان کے آدمی وہاں کی ایک ایک چیز تمہارے نئے گھر میں پہنچا دیں گے۔“

”اپنا مسئلہ تمہارے سامنے رکھتے ہی آدمی بے فکر....“ اس کا فقرہ ادھورا رہ گیا۔

زینوں پر تیز قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی جیسے کوئی تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا ہو۔ ہم دونوں اپنی گفتگو بھول کر زینوں کی سمت میں دیکھنے لگے۔ سلطان شاہ بھی ٹی وی کو بھول کر اسی طرف متوجہ ہو گیا۔

چند ہی لمحوں میں ویرا بوکھلائی ہوئی نمودار ہوئی اور تیز تیز سانسوں کے درمیان نیچی آواز میں بولی ”پولیس.... ابھی ابھی پولیس کی تین گاڑیاں فیکٹری کے گیٹ پر رکی ہیں....“

میں نے سرعت سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اگر پولیس خاموشی کے ساتھ وہاں پہنچی تھی تو آثار کچھ اچھے نہیں تھے۔ نارمن کے

ہوں نے میری گرفتاری پر خطیر انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ اس کے لالچ میں کوئی بھی جواں سال طالع آزما میرے ہاتھوں میں آہنی زیور پہنا سکتا تھا۔

"میں ویرا کے ساتھ غائب ہو رہا ہوں" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "ان لوگوں سے ایس ٹی ایف والے نمٹ لیں گے۔ انہیں اوپر سے بلالو" میں نے اپنا فقرہ مکمل ہی کیا تھا کہ اوپر سے بشیر اپنے دوسرے ساتھی کے ہمراہ نیچے آگیا۔ اس وقت تک پولیس والوں کی اجنبی اور اونچی آوازیں عمارت کی نچلی منزل میں سنائی دینے لگی تھیں۔ ریشم خان انہیں بٹھانے اور نیچے ہی روکنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ان کا کوئی افسر پوری عمارت کی تلاشی لینے پر مصر تھا۔

وہ مصیبت بالکل ناگہانی نازل ہوئی تھی۔ پولیس والے اتنی خاموشی اور تیزی کے ساتھ وہاں آئے تھے کہ کچھ سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہیں مل سکی تھی۔ مجھے اوپر سے نیچے جانے والے کسی دوسرے راستے کا علم نہیں تھا۔ واحد زینے کے نیچے پولیس کی نفری موجود تھی۔ وہ کسی بھی لمحے زینے طے کرکے اوپر کی اقامتی منزل پر آسکتے تھے۔ میرے لیے ان سے بچنے کی بس ایک ہی راہ تھی کہ زینے چڑھ کر کھلی چھت پر پہنچ جاؤں اور وہاں سے نکل بھاگنے کی کوئی راہ تلاش کروں۔ پولیس کا نام سنتے ہی میری چھٹی حس نے خطرے کا نعرہ بلند کردیا تھا اور میں ہر قیمت پر ان وردی پوشوں کی نظروں سے دور رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اگر وہ لوگ ذرا سی دیر پہلے آگئے ہوتے تو اول خان بنفسِ نفیس فیکٹری میں موجود ہوتا۔ اس کی موجودگی میں میں تحفظ اور عافیت کے ایک عجیب سے احساس سے سرشار رہتا تھا۔ بدقسمتی سے وہ جا چکا تھا۔ اس کے آدمی ضرور موجود تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ پولیس والوں کو واپس بھیجنے کے لیے ان کی شناخت بھی کافی ہونی چاہیے تھی لیکن میں ان کے بل بوتے پر قانون کے محافظوں کا سامنا کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔

میں ویرا کا ہاتھ تھام کر تیزی کے ساتھ زینے طے کرتا چلا گیا۔ میرے پاؤں ننگے تھے۔

"یہ پولیس کہاں سے بیچ میں ٹپک پڑی؟" ویرا بھناتے ہوئے لہجے میں منمنائی۔

"یہ سب بعد میں سوچنے کی باتیں ہیں۔ فی الحال یہاں سے نکل بھاگنے کے بارے میں سوچو۔ میدان صاف ہونے تک یہاں سے دور رہنے میں ہی ہماری عافیت ہے۔"

"اگر وہ موتی لال والے گودام کی طرف جا نکلے تو جواب دہی مشکل ہو جائے گی۔"

"مجھے بھی معلوم ہے مگر یہ منحوس کلمات منہ سے مت نکالو۔" میں نے اسے بری طرح جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

ویرا کو زینوں کے اختتام پر روک کر میں کھلی چھت پر چلا گیا۔ ریشم خان حفاظت اور بہتر چوکیداری کی وجہ سے ان دنوں پورے احاطے کی بتیاں جلا رہا تھا۔ میں نے عقبی دیوار کی طرف جا کر احتیاط سے نیچے جھانکا تو مجھے روشنی میں کئی مسلح پولیس والے نظر آئے۔ میں نے اضطراب کے عالم میں تیزی سے چاروں طرف کا جائزہ لے ڈالا لیکن کوئی سمت خالی نظر نہیں آئی۔ پولیس والے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ آئے تھے اور آتے ہی انہوں نے دفتر کی دو منزلہ عمارت کو گھیرے میں لے لیا تھا۔

اس وقت مجھے فیکٹریوں کے تعمیری ضابطوں پر بہت شدت سے غصہ آیا کیونکہ ان کی رو سے فیکٹری کو بجلی فراہم کرنے والے سب اسٹیشن کے سوا کوئی عمارت احاطے کی دیوار سے ملا کر تعمیر نہیں کی جاسکتی۔ دفتر کی عمارت گیٹ کے قریب بنی ہوئی تھی لیکن احاطے کی دو متصل دیواروں سے خاصی دور تھی جس کے نتیجے میں پولیس والوں کو چاروں طرف سے محاصرہ کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ عمارت کی کوئی ایک دیوار بھی احاطے کے ساتھ مشترک ہوتی تو اس کے سہارے براہ راست فیکٹری سے باہر نکلنے کا سنہرا موقع مل سکتا تھا۔

میں اس وقت بے بسی کی عجیب کیفیت سے دوچار تھا۔ ہم سب بہت بری طرح چوہے دان میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ میں غیر ارادی طور پر ویرا کے قریب جا پہنچا۔ وہ آخری تاریک زینے پر بیٹھی، نیچے ہونے والی گفتگو سننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"انہوں نے دفتر میں میگزین اور ہتھیاروں کی پیٹی دیکھ لی ہے" میرا لمس محسوس کرتے ہی اس نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔ میں اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"پوری عمارت کی تلاشی ہوگی اور فیکٹری کا مالک تھانے جائے گا" ایک کرخت آواز سخت لہجے میں گونج رہی تھی۔ وہ لوگ دفتر سے اوپری منزل تک پھیل چکے تھے۔ وہی شخص تحکمانہ لہجے میں کہہ رہا تھا "تم لوگوں کے کارڈ ہم نے دیکھ لیے لیکن ہم اپنا کام نہیں روکیں گے۔ دفتر میں ہتھیاروں اور فالتو گولیوں کا ذخیرہ پکڑا گیا ہے۔ ادھر تخریب کاری ہوتی ہے۔ کوئی قانون یہ نہیں کہتا کہ جہاں کسی فیڈرل ایجنسی کے آدمی موجود ہوں وہاں سے آنکھیں بند کرنی چاہئیں۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ کریں گے کہ تمہیں ہتھکڑی نہیں لگائیں گے۔ تم ہتھیاروں کی ملکیت کے دعوے دار ہو اس لیے تم دونوں کو بھی تھانے جانا ہوگا...."

"ہم یہاں ڈیوٹی پر ہیں" وہ بشیر کے ساتھی کی آواز تھی "ہم یہاں سے نہیں ہلیں گے.... ہمارے ساتھ زیادتی یا زبردستی کی گئی تو نتائج کی ذمے داری تم پر ہوگی۔ میری کسی بڑے سے بات کراؤ۔ ابھی فیصلہ ہو جائے گا۔"

"یہاں سے کچھ نہیں ہو سکتا" وہی شخص غرایا "یہاں کے فون کے تار کاٹے جا چکے ہیں۔ چھوٹے بڑے سے بات تھانے ہی میں ہوگی۔ یہاں فیکٹری مالک کے ساتھ جو بھی مشتبہ آدمی یا ملازم نظر آیا، اسے بھی گرفتار کیا جائے گا۔ اتنی بڑی مقدار میں توپ خانے جیسے ہتھیاروں کا برآمد ہونا مخول نہیں ہے۔"

"تم لوگ کس کے حکم پر یہاں آئے ہو؟" اس بار سلطان شاہ

نے بہت رسانیت سے سوال کیا تھا۔

"مخبری پکی ہو تو پھر کسی کے حکم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تم لوگ سچ سچ بتا دو کہ مفرور ملزم کہاں چھپا ہوا ہے تو تمہارے ساتھ نرمی ہو سکتی ہے ورنہ تھانہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہوتی۔"

معاملہ گمبھیر ہوتا جارہا تھا۔ شاید میرے بارے میں مخبری کی گئی تھی۔ یہ مخبری صرف ایلین ہی کر سکتا تھا کیونکہ میرے ٹھکانے کے بارے میں وہی سب سے بہتر اندازہ لگا سکتا تھا۔ اپنے کتے کی موت اور پھر سلطان شاہ وغیرہ کی فائرنگ کے بعد اس نے مجھ پر بہت گھٹیا وار کیا تھا۔ اپنی ساکھ رکھنے والے بڑے مجرم شکست کی ذلت اٹھا لیتے ہیں لیکن اپنے حریف پر دباؤ ڈالنے کے لیے کبھی پولیس یا قانون کا سہارا نہیں لیتے۔ مافیا کا حلف یہی تھا۔ عملی طور پر میں مافیا سے باہر بھی اس اصول کی عمل داری دیکھ چکا تھا۔ ایلین کسی بھی اعتبار سے بڑا نہیں تھا۔

ٹیلی فون لائنوں کے تار منقطع ہو جانے سے وقتی طور پر صورت حال مزید سنگین ہو گئی تھی۔ ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کی اتھارٹی تسلیم نہیں کی جارہی تھی، رابطے منقطع تھے، موتی لال زخمی حالت میں ایک گودام میں پڑا ہوا تھا اور میں ویرا کے ساتھ چھت پر محصور تھا۔

"کام کرو!" پولیس افسر کی آواز گونجی "اوپر، اندر، باہر، اچھی طرح دیکھو۔ جو بھی آدمی نظر آئے، پکڑ کر میرے سامنے پیش کرو.... ہتھیاروں کی پیٹی ملزموں کے ساتھ میری گاڑی میں جائے گی۔"

نیچے متعدد قدموں کی دھمک گونجنے لگی۔ وہ ہر طرف پھیل رہے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ ہتھیاروں کی موجودگی کی وجہ سے ہر چیز سے چھیڑ چھاڑ کی جائے گی۔ شاید دفتر کی عمارت سے نمٹنے کے بعد وہ فیکٹری کے دوسرے حصوں کا رخ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

"دو بندے ہوشیاری سے اوپر چھت پر جاؤ" پولیس افسر کی اس ہدایت نے میرے اعصاب میں سنسنی کی لہر دوڑا دی۔ اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔

ہم لوگ کھانا کھانے کے بعد ستانے کے موڈ میں تھے اس لیے سب ہی غیر مسلح تھے۔ یہ شاید ہمارے حق میں بہتر ہی تھا کیونکہ میں ویرا یا کسی اور کی کھوپڑی میں اپنی سوچ نہیں ڈال سکتا تھا۔ میں نے جب سے ٹی کو خیرباد کہا تھا، قانون کے محافظوں کے سامنے ہتھیار اٹھانا چھوڑ دیا تھا۔ تصادم کے ہر موقع پر میری پوری کوشش یہی ہوتی تھی کہ کسی بھی طرح ٹکراؤ سے بچ بچا کر نکل جاؤں اور میری یہ حکمتِ عملی ہمیشہ کامیاب رہی تھی لیکن ویرا ان باریکیوں پر ذرا بھی یقین نہیں رکھتی تھی۔ وہ خطرے کے وقت ہر حالت میں اور ہر قیمت پر اپنا بچاؤ کرنے پر یقین رکھتی تھی۔ اس وقت وہ مسلح ہوتی تو میری کسی بات پر کان دھرے بغیر آخری سیڑھی پر مورچا جما کر بیٹھ جاتی اور اوپر کا رخ کرنے والے سپاہیوں کو گرانا شروع کر دیتی۔ یقینی بات تھی کہ اتنی بھاری نفری کے مقابلے میں ویرا کا کامیاب ہونا محال تھا آخر کار اسے سپر ڈالنی ہی پڑتی لیکن محاذ آرائی کے بعد ہونے والی شکست ہمیشہ ذلت آمیز ہوتی ہے۔ ہم پر کوئی اور جرم ثابت ہوتا یا نہ ہوتا، سرکاری اہلکاروں سے مقابلے کے سنگین جرم میں ہم سب ہی لمبی مدت کے لیے سلاخوں کے پیچھے پہنچائے جا سکتے تھے۔

غنیمت تھا کہ ویرا بھی میری طرح غیر مسلح تھی۔ نچلے زینے پر قدموں کی پہلی وزنی آہٹ ہوتے ہی ویرا اپنی جگہ چھوڑ کر پنجوں کے بل چھت پر دوڑ گئی۔ میرے اعصاب پر سخت دباؤ تھا۔ پولیس والوں نے ہمارے فرار کا ہر راستہ مسدود کیا ہوا تھا۔ ہم کھلے آسمان تلے بالکل بے آسرا تھے۔ زینوں پر قدموں کی آوازیں آہستہ آہستہ اوپر آتی جارہی تھیں۔ میں نے ایک دیوار کے قریب جھانکا نیچے دو مسلح سپاہی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

"کیا کریں؟ کہاں جائیں؟" ویرا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی متوحش آواز ابھری۔

میرے ذہن میں روشنی کا کوئی گولا سا پھٹا۔ میں نے ایک بار پھر اسی دیوار پر سے جھانکا اور پیچھے ہو کر ویرا کا ہاتھ تھام لیا "جلدی آؤ.... میرے ساتھ آؤ.... وہ اوپر پہنچنے ہی والے ہیں۔"

"تم پاگل ہو.... نیچے کود کر مرجاؤ گے" وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"آؤ!" میں وحشیانہ سرگوشی میں غرایا۔ میری سخت ہوتی ہوئی انگلیاں ویرا کی کلائی کے نرم گوشت میں بیٹھتی جارہی تھیں۔ اس نے خوف اور بے بسی سے میری طرف دیکھا اور دیوار کے قریب آگئی۔

چھت کے گرد بنی ہوئی دیوار کی بلندی تین فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ میں ویرا کو ساتھ لے کر دیوار سے چھجے پر اتر گیا۔ نچلی منزل کی کھڑکیوں اور دروازوں کو بوچھاڑ سے محفوظ رکھنے کے لیے وہ چھجا عمارت کے چاروں اطراف میں پھیلا ہوا تھا۔

ہمارے اترتے ہی پولیس والے چھت پر آگئے "لو بھئی، ایس ایچ او صاحب کے حکم کی تعمیل ہو گئی" ایک آواز گونجی "یہاں تو چڑیا کا بچہ بھی نہیں ہے.... کھلی چھت پر کون پاگل کا پتر چھپے گا۔"

میں فوراً چھجے پر دراز ہو گیا اور سرک کر دیوار اور چھجے کے جوڑ سے بالکل چپک گیا۔ ویرا نے کوئی چون وچرا کیے بغیر میری تقلید کی۔ اس نے میرے پیروں سے اپنا سر جوڑ کر جگہ سنبھالی تھی۔

ہم دونوں ایسی پوزیشن میں تھے کہ چھت پر سے باہر کا سرسری جائزہ لینے پر ہمارا دیکھ لیا جانا ممکن نہیں رہا تھا۔ جب تک کوئی سپاہی اوپر کی دیوار پر سے جھک کر دیکھ بھال نہ کرتا، ہمیں نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

چھت پر دو افراد کے قدموں کی چاپ گونج رہی تھی۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے چھت پر ٹہل رہے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ ان سے چند قدم کے فاصلے پر ایس ایچ او کے مطلوبہ شکار سانس روکے پڑے ہوئے ہیں۔

"مخبری پکی ہوئی ہے۔ خالی ہتھیار پکڑنے پر بھی صاحب کی بڑی

"واہ وا ہوگی" پھر آواز آئی "لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ مفرور اشتہاری ملزم کہاں غائب ہوگیا۔ منشی کہہ رہا تھا کہ فون کرنے والے گورے نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں بس اتنا بتایا تھا کہ پندرہ لاکھ انعام والا ملزم ایس جے گارمنٹ فیکٹری میں چھپا ہوا ہے۔ صاحب نے یہ سنتے ہی نفری جمع کرنی شروع کردی۔ سالا ہاتھ لگ جائے تو دس پانچ ہزار تو ہر سپاہی کے حصے میں بھی آئے گا۔ اتنی بڑی رقم صاحب اکیلا ہضم نہیں کرے گا۔"

"آؤ چلتے ہیں۔۔۔۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے" دوسرے نے کہا۔ اور قدموں کی کھٹ کھٹ کی آوازیں رفتہ رفتہ دور ہونے کے بعد زینوں پر منتقل ہوگئیں۔

ویرا کو کچھ اور نہ سوجھا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے پیر تھام کر ان کا بوسہ لے ڈالا۔

میں دم سادھے اپنی جگہ پڑا' زینوں میں معدوم ہوتی ہوئی آہٹوں کو سنتا رہا اور گنتی کرتا رہا۔ شروع سے آخر تک وہ دونوں ایک ساتھ رہے تھے۔ انہوں نے نچلی منزل پر پہنچنے کے لیے کم از کم اٹھارہ زینے طے کیے تھے۔

وہ چھجا بہت چوڑا نہیں تھا۔ اندھیرے میں سرزد ہونے والی ذرا سی بے احتیاطی مجھے کم از کم بیس فٹ کی بلندی سے زمین پر پہنچاسکتی تھی۔ میں نے بہت احتیاط سے اپنے بدن کو سمیٹ کر' سرکتے سرکتے اپنا رخ تبدیل کیا اور ویرا کے اتنے قریب ہوگیا کہ اسے سرگوشی میں اپنی بات سمجھا سکوں۔

وہ گردن گھمائے میرا جائزہ لے رہی تھی۔ مجھے اپنی دسترس میں پاتے ہی اس نے پوری گرمجوشی سے میرا بوسہ لے لیا۔ اس کی وہ حرکت اتنی بے ساختہ اور والہانہ تھی کہ میں اسے کچھ بھی نہیں کہہ سکا۔ وہ حیوانی لذت سے بوجھل نہیں بلکہ ستائش اور ممنونیت کے لطیف جذبوں سے مہکتا ہوا بوسہ تھا۔

"چند منٹ یہیں مری رہو" میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی "میں اوپر جانے کے بعد اشارہ دوں تو تم بھی احتیاط سے اوپر آجانا۔"

"جب تک میدان صاف نہیں ہوجاتا' یہیں پڑے رہو" اس نے میرا بازو نوچ کر کہا "ان میں سے کوئی دوبارہ اوپر آنکلا تو ہمیں پھر نیچے اترنا پڑے گا۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ نیچے غزالہ اور دوسروں کا کیا حال ہورہا ہوگا" میں نے فوری طور پر اس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر کہا "سپاہی اوپر آئے تو وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ اب ہمیں ہتھکڑی لگ جائے گی۔ سپاہی مایوس و نامراد لوٹے ہیں تو اب انہیں یہ فکر ہورہی ہوگی کہ ہم آسمان پر پرواز کرگئے ہیں یا فرش کا پیوند بن گئے ہیں۔"

"فرش کا پیوند ایلن بنے گا" وہ دانت پیستے ہوئے بولی "اس نے ہمارے ساتھ ناقابلِ معافی کمینگی کی ہے۔ میں چھچھورے دوستوں کو برداشت کرسکتی ہوں نہ چھچھورے دشمن کو معاف کرنے کی قائل ہوں۔ یہ وقت گزر جائے تو پھر میں اسے دیکھوں گی۔"

"زسری کا علاقہ خاصا گنجان آباد ہے لیکن وہ زیادہ دیر تک ہماری نظروں سے روپوش نہیں رہ سکے گا" میں نے یہ کہتے ہوئے اپنی پوزیشن تبدیل کی' تیزی سے سیدھا ہوا اور پلک جھپکتے میں دیوار پھاند کر چھت پر اتر گیا۔ چھت پر میں چند ثانیوں تک اکڑوں بیٹھا اپنے سنسناتے ہوئے ذہن کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتا رہا۔ نیچے سے کچھ تیز تیز لیکن ناقابلِ فہم آوازیں آرہی تھیں۔ شاید ناکامی کی تلخی سے دل برداشتہ ہوکر ایس ایچ او نے درشت رویہ اختیار کرلیا تھا۔

"حالات سازگار نہیں ہیں۔ تم وہیں پڑی رہو" میں نے بہت احتیاط سے دیوار سے سرباہر نکال کر ویرا کو ہدایت دی اور خود کسی چوپائے کی طرح چلتا ہوا زینوں کے اختتامی سرے پر پہنچ گیا۔

زینوں کی سرنگ سے ہوکر آنے والی آوازیں قابلِ فہم ہی نہیں' تشویش ناک تھیں۔ ایس ایچ او کی غصیلی آواز گونج رہی تھی "ڈینی کا ٹھکانا نہیں بتاؤ گے تو میں تم سب کو حوالات میں ڈال دوں گا۔ فیڈرل ایجنسی بھی تم لوگوں کو وہاں سے نہیں نکال سکے گی۔"

"تم بلاوجہ ہم پر برہم ہورہے ہو" اس وقت سلطان شاہ بھی تاؤ کھاچکا تھا "جہانگیر باربار تمہیں بتارہا ہے کہ ڈینی اس کا دوست ضرور ہے لیکن ایک مدت سے غائب ہے۔ بشیر اور ارشد کے کاغذات دیکھ لینے کے باوجود تم جو من مانی کررہے ہو' اس کے لیے تمہیں معذرت خواہ ہونا پڑے گا۔"

"قانون کی پکڑ میں آتے وقت ہر مجرم اسی طرح بنکار کر پارسائی کے دعوے کرتا ہے" ایس ایچ او استہزائیہ لہجے میں کہہ رہا تھا "حوالات میں ایک رات گزرتی ہے تو سارا نشہ ہرن ہوجاتا ہے۔ میں دیکھوں گا کہ سورج نکلنے کے بعد تم کتنی لمبی چوڑی باتیں کرتے ہو۔"

"ہم تم سے الجھنا نہیں چاہتے۔ اس۔۔۔" وہ غزالہ کی آواز تھی جسے خاموش کرادیا گیا۔

"تم چپ رہو" ایس ایچ او اس پر گرجا تھا "میں زنانیوں کے منہ نہیں لگتا۔ ابھی تمہارے مرد زندہ ہیں۔ مجھے ان سے بات کرنے دو۔ تمہیں جو کہنا ہے وہ تھانے کے منشی کو لکھوادینا۔"

"تم فیکٹری کا چپا چپا دیکھ لو' یہاں تمہیں کسی جرم کا نشان تک نہیں ملے گا" اس بار جہانگیر اپنا دل کڑا کرکے بول رہا تھا۔ "ہتھیار فیڈرل ایجنسی والوں کے ہیں۔ میرا قصور صرف شراب رکھنے کا ہے۔ یہ میں خود پیتا ہوں۔ میری ساری بوتلیں لے جاکے تم ظلم کررہے ہو۔"

"شرابی کے پتر! تمہارے منہ سے پوری بوتل کی بو آرہی ہے مگر باتیں عقل کی کررہے ہو۔ فکر مت کرو۔ شراب پینے اور رکھنے کے جرم میں تمہارے خلاف پرچہ نہیں کٹے گا۔ بڑے آدمیوں پر ایسے چھوٹے موٹے الزام اچھے نہیں لگتے۔ اب تم سب تھانے چلنے کی تیاری کرو ورنہ میں بلاتا ہوں اپنے آدمیوں کو۔"

"میں آخری بار کہہ رہا ہوں" سلطان شاہ بولا "سب کو اپنے ساتھ لے جاؤ لیکن اس عورت کو تنگ مت کرو۔ میں ہاتھ جوڑ کر کہہ رہا ہوں کہ ہمیں امتحان میں مت ڈالو۔ ہم ہر زیادتی خاموشی سے سہہ سکتے ہیں لیکن اپنی عورتوں کو چادر اور چار دیواری سے باہر نہیں دیکھ سکتے۔"

سلطان شاہ کی آواز کے کرب کو میں خوب سمجھ رہا تھا۔ اس کے دل سے نکلی ہوئی آواز ایس ایچ او کے دل کو موم کر گئی اور وہ بولا "مجھے کون سا عورت کا اچار ڈالنا ہے۔ اسے رکھو اپنی چار دیواری میں۔ بشیر اور ارشد کے سوا تم تینوں میرے ساتھ چلو گے۔"

وہ بات سنتے ہی میں نے سمجھ لیا کہ وہ جہانگیر اور سلطان شاہ کے ساتھ ریشم خان کو بھی لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ شاید ان لوگوں نے فیکٹری کے دوسرے حصوں کا رخ نہیں کیا تھا۔

میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ بہت سی باتیں یوں خود بہ خود ہوتی چلی جاتی ہیں کہ وقتی طور پر ناگوار گزرتی ہیں لیکن بعد میں وہی بڑے واقعات کی بنیاد بن جاتی ہیں۔ وہ ویرا کی عجیب ہی ضد تھی کہ موتی لال کو وہ اپنے ہاتھوں سے مارے گی۔ دل کھول کر اس کی درگت بنانے کے بعد ویرا اسے بے ہوش کر کے تاریکی میں بند کر آئی۔ موتی لال کی نگرانی کرنے والا شخص پہلے ہی پرتاب کو لے کر شہر گیا ہوا تھا اگر وہ دو واقعات رونما نہ ہوئے ہوتے تو اس وقت کا نقشہ ہی مختلف ہو سکتا تھا۔ کترنوں والے گودام میں روشنی ہو رہی ہوتی اور وہاں ایک مسلح آدمی بھی کھڑا ہوا نظر آتا تو پولیس والے فیکٹری کی حدود میں داخل ہوتے ہی اس طرف لپکتے اور موتی لال ہمارے قبضے سے نکل کر ان کی تحویل میں چلا جاتا۔ اگر ویرا اسے مار بھی ڈالتی مگر گودام کی روشنی گل نہ کرتی تب بھی تاریک اور ویران پڑی ہوئی فیکٹری میں کترنوں کا روشن گودام فوراً پولیس والوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیتا۔ ایسی صورت میں ہمیں موتی لال کے مخاصمانہ بیان سے تو نجات مل جاتی لیکن ایک بگڑی ہوئی لاش کے بارے میں جواب دہی مشکل ہو جاتی۔

نیچے خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ بس آہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید جہانگیر اور سلطان شاہ روانگی کی تیاری کر رہے تھے۔

"جلدی کرو..... ابھی مجھے روزنامچہ بھی پورا کرانا ہے" ایس ایچ او نے ہانک لگائی۔

چند ثانیوں بعد ہی زینوں پر متعدد قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔

میری دانست میں اس ڈرامے کا وہ انجام خاصا افسوسناک تھا۔ میں، ویرا اور غزالہ سمیت آزاد و محفوظ تھا۔ میری وجہ سے آنے والا سرکاری عتاب ایک بار پھر جہانگیر کو سہنا پڑا تھا۔

رفتہ رفتہ وہ ساری آہٹیں معدوم ہو گئیں۔ نیچے ڈیزل گاڑیوں کے انجن بیدار ہونے لگے۔ ویرا بدستور چھجے پر چھپی ہوئی تھی۔ میں اداسی کے عالم میں آخری سیڑھی پر بیٹھا اگلے اقدام کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک خوف کی ایک سرد لہر میرے وجود میں سرایت کر گئی۔

وہ ہلکی سی دھمک تھی۔ کوئی بہت تیزی کے ساتھ اوپر آ رہا تھا۔ میں نے چونک کر پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ کر چھت پر سرکنا چاہا لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔ اسی اثنا میں آنے والا وجود سامنے آ گیا اور میرے منہ سے بے ساختہ اطمینان کا ایک گہرا سانس خارج ہو گیا۔

آنے والی غزالہ تھی۔ وہ ننگے پاؤں' بدحواسی کے عالم میں زینوں پر دوڑتی آ رہی تھی۔ زینوں کے اختتام پر مجھے دیکھ کر وہ جہاں تھی وہیں تھم گئی۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں حیرت اور بے یقینی کے عالم میں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں' لمحوں ہی لمحوں میں اس کے نرم و نازک لبوں کے گلابی گوشے پھڑپھڑائے اور پھر اس کی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی۔

اس کی معصومانہ فکرمندی سے میرا دل بھی تڑپ اٹھا۔ میرا دل چاہا کہ لپک کر اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لوں لیکن میں ایسا نہیں کر سکا۔ اس وقت تک مطلع صاف نہیں ہوا تھا۔ جاتے جاتے بھی پولیس والوں میں سے کوئی اوپر آ سکتا تھا۔

"واپس جاؤ اور تھوڑی دیر تک انتظار کرو۔" میں نے تیز لہجے میں سرگوشی کی۔ وہ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ مڑ کر سیڑھیاں اترتی چلی گئی اور میں آسودگی کے ایک انوکھے احساس کے ساتھ مسکرانے لگا۔

آخر نیچے کا شور کم ہونے لگا۔ گاڑیوں کے انجنوں کی غراہٹیں دور ہونے لگیں۔ میں تیزی کے ساتھ چھت پر گیا اور ویرا کو اوپر آنے کی اجازت دے دی۔ وہ پہلے سے میرے اشارے کی منتظر تھی۔ فوراً ہی دیوار پھاند کر چھت پر آ گئی اور بے ساختہ بولی "آج تم نے کمال کر دیا۔ میں خود کو بند گلی میں دیوار سے لگتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اگر تم کو چھجے پر پناہ لینے کا خیال نہ آتا تو ہمیں بڑی بے سروسامانی کی موت کو گلے لگانا پڑتا۔"

"یہ بھی ایک کڑا امتحان تھا۔ وہ جہانگیر' سلطان شاہ اور ریشم خان کو لے گئے ہیں۔ ان کو چھڑانے کے لئے اول خان کو خود آنا پڑے گا ورنہ ایس ایچ او اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لے گا۔"

"پھر نیچے کیوں نہیں چلتے؟" اس نے میری پسلیوں میں ٹھوکا دے کر کہا "غزالہ تمہاری طرف سے پریشان ہو رہی ہوگی۔ جا کر اسے اپنی صورت دکھا دو۔"

"وہ سیڑھیوں پر میری صورت دیکھ کر واپس جا چکی ہے۔ ان لوگوں کے نیچے اترتے ہی وہ اوپر چڑھ آئی تھی۔ میں نے احتیاط کے طور پر اسے واپس بھیج دیا۔ ہمیں کچھ دیر یہیں رکے رہنا چاہئے۔"

"تو یہ کہو کہ مجھے چھجے پر روک کر بیوی سے راز و نیاز کر رہے تھے۔" وہ سر مٹکاتے ہوئے بولی۔

"کر بھی لیتا تو کوئی حرج نہیں تھا لیکن بدقسمتی سے ہمارے درمیان کئی سیڑھیوں کا فاصلہ تھا۔"

"تو آؤ' آج کی گلو خلاصی کی خوشی میں ہم دونوں کچھ راز و نیاز

کیے لیتے ہیں۔"

"خدا کا خوف کرو' ویرا!" میں نے اسے پرے دھکیل دیا "یہ بڑی سنگین رات ہے۔ ہمارے تین آدمی تھانے پہنچ چکے ہیں اور ہر طرف ہماری تلاش جاری ہے۔ ان خطرناک حالات میں تمہیں اٹکھیلیاں سوجھ رہی ہیں۔ بعض اوقات تم بے حسی کی حد تک خودغرض ہو جاتی ہو۔"

"خودغرض نہیں' یہ میرا پرانا مرض ہے۔" وہ دبی دبی ہنسی کے ساتھ بولی "سنگین خطرات میں گھرنے کے بعد میری جمالیاتی حس پوری طرح بیدار ہو جاتی ہے اور میں بہکنے لگتی ہوں۔ ان تینوں کے بارے میں تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان احمقوں نے ایکسچینج سے فون بند کروانے کے بجائے تار کاٹنے پر اکتفا کیا ہے۔ تم تار جوڑ کر اول خان سے بات کر سکو گے۔ وہ آ کر سارے معاملات سنبھال لے گا۔"

میں نے اندرونی دیوار کی آڑ میں نیچے بیٹھ کر سگریٹ سلگائی اور اپنی سوچوں میں گم ہو گیا۔ ویرا کے دماغ پر اس وقت واقعی شوخی سوار تھی۔ وہ بھی میرے برابر میں آ بیٹھی۔ اس بار میں نے اسے روکنے یا ٹوکنے کے بجائے نظرانداز کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں سگریٹ ختم بھی نہیں کر پایا تھا کہ بشیر اوپر آ پہنچا "آ جاؤ' سر! وہ لوگ جا چکے ہیں۔"

"نیچے کون کون ہے؟" میں نے انجان بن کر سوال کیا۔

"آج پہلی بار ہماری شناخت نہیں مانی گئی۔" وہ دکھ بھری آواز میں بولا "اس شناخت پر ہمارے لئے چھاؤنیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ وہ تمہاری تلاش میں تھے۔ ناکام ہونے کے بعد دوسروں کو اٹھا لے گئے۔ اب میرے ساتھ بی بی صاحبہ ہیں اور ارشد نے پھاٹک پر ڈیوٹی سنبھال لی ہے۔"

"جلدی سے ٹیلی فون کے کٹے ہوئے تار جوڑو' مجھے اول خان سے بات کرنی ہے۔" میں نے زینے اترتے ہوئے کہا۔

"میں نے تار جوڑ دیے ہیں لیکن فون کام نہیں کر رہا ہے۔" اس نے بری خبر سنائی "شاید انہوں نے جھٹکے مار کر ٹیلی گراف کے کھمبے پر سے تار توڑ دیے ہیں۔ مجھے سیڑھی لے کر کھمبے پر جانا ہوگا۔"

ہم زینے طے کر کے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے جہاں ایسی ابتری پھیلی ہوئی تھی جیسے وہاں بدمست شرابیوں نے افراتفری مچائی ہو۔ قالین جگہ جگہ سے سمٹا ہوا تھا۔ جلی ہوئی سگریٹوں کے ٹوٹے قالین پر مسلے ہوئے تھے۔ صوفے وغیرہ اپنی جگہیں چھوڑ چکے تھے اور کمرا تمباکو کے ملے جلے دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ غزالہ ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں خاموشی اور وقار کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

"وہ اوپر گئے تو میرا دم نکل گیا تھا کہ تم دونوں پکڑ لئے جاؤ گے۔" وہ ویرا سے گلے مل کر کانپتی ہوئی آواز میں بولی "وہ ناکام واپس لوٹے تو میں اور زیادہ پریشان ہو گئی کہ کھلی چھت سے تم دونوں کہاں غائب ہو گئے۔ تم نے ان لوگوں پر کیا منتر پھونکا تھا کہ انہیں کچھ نظر نہیں آیا۔"

"وہ ڈیلی کا منتر تھا۔ آخری لمحات میں یہ مجھے چھجے پر اتار لے گیا تھا۔" ویرا قہقہہ مار کے بولی۔

"بے ہوش قیدی کو لے جانے والا آدمی بھی ابھی تک نہیں لوٹا۔" انہیں اپنی باتوں میں الجھا ہوا چھوڑ کر میں بشیر سے مخاطب ہو گیا۔

"اسے اب تک لوٹ آنا چاہئے تھا۔"

"اس وقت ہماری نفری بہت کم رہ گئی ہے۔ ہم میں سے کوئی باہر نہیں جا سکتا۔ تم کھمبے پر جا کر تار جوڑنے کی کوشش کرو۔ انہیں رات ختم ہونے سے پہلے تھانے سے واپس لانا ہے۔"

"میں کوشش کرتا ہوں۔ ویسے تو سارے پولیس والے واپس چلے گئے ہیں لیکن میرا اندازہ ہے کہ انچارج نے یہاں کی نگرانی کے لئے ایک دو آدمی ضرور چھوڑے ہوں گے۔ تم بالکل باہر نہ نکلنا۔"

میں اس کی ہمدردانہ ہدایت پر مسکرا کر رہ گیا۔ وہ بے چارہ اپنی شناخت کے غیرموثر ثابت ہونے پر سخت شرمندگی میں مبتلا نظر آ رہا تھا جب کہ اس معاملے میں وہ سراسر بے قصور تھا۔

وہ خاموشی سے چلا گیا اور میں نے ٹہل کر گیسٹ ہاؤس کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

پولیس والوں نے تلاشی کے دوران میں گھر میں کوئی توڑ پھوڑ نہیں مچائی تھی لیکن انہوں نے اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو بکھیر کے رکھ دیا تھا۔ الماریوں سے کپڑوں کے ڈھیر باہر گرا دیے گئے تھے۔ مسہریوں سے گدے اور تکیے نیچے کھینچ لئے گئے تھے۔ جہانگیر کی بڑی وائن کیبنٹ سے ساری بوتلیں نکال لی گئی تھیں۔ غنیمت یہ تھا کہ ویرا اور غزالہ کی مشترکہ خواب گاہ کی سنگار میز کے نچلے خانے میں متفرق چیزوں کے درمیان چھپی ہوئی بیم گن ان لوگوں کی نظروں سے بچ گئی تھی ورنہ تقریباً ہر چیز کے ساتھ اکھاڑ پچھاڑ کی گئی تھی۔

میں نے کئی بار دونوں فون دیکھے لیکن وہ بدستور بے جان پڑے ہوئے تھے۔

کچھ دیر بعد فیکٹری کا آہنی پھاٹک کھلنے کی پرشور آواز سن کر ہم تینوں بری طرح چونک پڑے۔ میں نے بے ساختہ برآمدے کی تمام روشنیاں گل کیں اور اندھیرے میں چھپ کر پھاٹک کا جائزہ لینے کے لئے ادھر دوڑ لگا دی۔ اس آواز پر غزالہ کے ساتھ ویرا بھی بوکھلا گئی تھی کیونکہ اس فیکٹری کا پھاٹک عام طور پر بہت زیادہ شور کے ساتھ نہیں کھلتا تھا۔

میں برآمدے میں پہنچا تو وہ دونوں بھی سائے کی طرح میرے پیچھے لگی ہوئی تھیں۔

یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ کھلے ہوئے پھاٹک میں سے اول خان کے تیسرے آدمی کی گاڑی اندر داخل ہو رہی تھی۔ آخر کار وہ پرتاب ادھیکاری سے چھٹکارا حاصل کر کے آ ہی گیا تھا۔ اس کی

گاڑی اندر پہنچتے ہی ارشد نے دوبارہ پھاٹک بند کردیا۔ اس بار بھی اس نے آہنی کنڈوں کو دانستہ کھڑکایا تھا تاکہ اندر والے پھاٹک کھلنے اور بند ہونے سے باخبر رہ سکیں۔

"اوپر چلے آؤ!" میں نے تیسرے آدمی کو گاڑی سے اترتے دیکھ کر برآمدے سے ہدایت دی اور وہ گاڑی کے دروازوں کو دیکھے بھالے بغیر دفتر کی عمارت میں داخل ہوگیا۔

میں اس کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ میں واپسی میں تاخیر ہونے پر اس سے کڑی باز پرس کا ارادہ کئے بیٹھا تھا لیکن اس نے میرا سامنا کرتے ہی مشینی انداز میں بولنا شروع کردیا "میں واپس آیا تو یہاں پولیس کی کئی گاڑیاں جمع تھیں۔ میں اندر آنے کے بجائے آگے نکلتا چلا گیا۔ میں ٹیلی فون کرکے یہاں کے حالات جاننا چاہتا تھا لیکن مجھے کہیں کوئی پبلک ٹیلی فون نہیں مل سکا۔ میں نے بڑی مشکل سے ایک میڈیکل اسٹور سے فون کیا تو کافی دیر تک یہاں کے دونوں فون مصروف ملتے رہے۔ اس پر میرا ماتھا ٹھنکا کہ یہاں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ میں صاحب کو یہاں چھوڑ کر گیا تھا۔ میں نے مجبور ہوکر اسٹیشن فور کے ڈیوٹی آفیسر کو یہاں کے بدلے ہوئے حالات سے آگاہ کرنے کے لئے فون کیا تو وہاں صاحب خود موجود تھے۔ فیکٹری پر پولیس کی کئی گاڑیوں کی موجودگی کی خبر سن کر وہ پریشان ہوگئے۔ وہ کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ انہیں خبر دینے کے بعد میں نے ایک پیٹرول پمپ سے گاڑی کی اسٹپنی پر پرانا ٹائر چڑھوایا تاکہ کسی ایمرجنسی میں ہم صرف ایک ٹائر کی وجہ سے نہ پھنس جائیں۔ اس کام سے فارغ ہوکر میں سیدھا آیا ہوں۔"

اس کی تفصیلی رپورٹ سن کر میرا غصہ فرو ہوگیا اور میں نے نرم لہجے میں کہا "تم نے میرا بہت بڑا بوجھ ہلکا کردیا ہے۔ میں اول خان سے بات کرنے کے لئے بے چین تھا۔"

"پولیس ہمارے تین آدمیوں کو لے گئی ہے۔ فون کی لائنیں بھی توڑ پھوڑ دی گئی ہیں۔" ویرا نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا "بشیر کھمبے پر سیڑھی لگا کر تار جوڑنے کی کوشش کررہا ہے۔"

"میں اسے دیکھتا ہوا آیا ہوں لیکن اس کے پاس نہیں رکا تھا۔"

"تم واقعی بہت ہوشیار ہو۔" مجھے اعتراف کرنا پڑا "تم نیچے ہی موجود رہو۔ ہمیں اول خان کی آمد کا انتظار کرنا ہے۔ تمہارا قیدی اسی گودام میں بندھا پڑا ہے۔ وہاں اندھیرا ہی رہنے دینا۔"

"اندھیرے میں تو وہ چیخ چیخ کر قیامت کھڑی کردے گا۔" وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا "اس گودام میں بلیوں کے برابر چوہے بھرے ہوئے ہیں۔ اسے ادھیڑ کر رکھ دیں گے۔"

"فکر مت کرو..... اس کے منہ میں کپڑا بھی ٹھنسا ہوا ہے۔" ویرا بے پروائی سے بولی "چوہے اس کے کھلے ہوئے زخموں پر چڑھ کے کاٹتے رہیں گے تو صبح تک اس کا دماغ ٹھکانے آجائے گا۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ اس گودام میں پہلے سے قدرتی تشدد کا انتظام ہے۔"

اس نے اپنا ہاتھ پیشانی تک لے جاکے سلام کیا اور فوراً ہی واپس لوٹ گیا۔

"موتی لال کے معاملے میں ابھی تک ساری خوش نصیبیاں ہمارا ساتھ دے رہی ہیں۔" میں نے ویرا سے کہا "پہلے وہ پولیس والوں کی نظروں سے بچا رہا اب چوہوں میں عیش کررہا ہوگا۔"

"اس پر لعنت بھیجو اور اپنے ساتھیوں کی فکر کرو۔ ان کے بارے میں تھانے دار کے تیور اچھے نہیں تھے۔" غزالہ نے میرے تبصرے پر کسی خوشی کا اظہار کئے بغیر کہا۔

"ان کے لئے اول خان ہی کچھ کرسکتا ہے۔" میں نے اداسی سے کہا "ہم اس کا انتظار کریں گے۔"

وقت کا سفر جاری رہا۔ انتظار کرتے کرتے ہماری آنکھیں پتھرانے لگیں لیکن اول خان نہیں آیا۔ اس دوران میں بشیر بھی ناکام رہا تھا۔ کھمبے پر اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ کھمبوں میں فیکٹری کے تار تلاش نہیں کرسکا تھا۔ اسے تاروں کے سرے مل جاتے تو وہ انہیں کسی دوسری لائن سے بھی جوڑ سکتا تھا لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آسکی تھی۔ اول خان کو فیکٹری میں پولیس کی موجودگی کی خبر مل چکی تھی اس لئے ٹیلی فون کا معاملہ اتنا اہم نہیں رہا تھا لیکن اول خان کی آمد میں ہونے والی غیر معمولی تاخیر نے ہم تینوں کو ایک نئی تشویش میں مبتلا کردیا تھا جو ہر لمحے بڑھتی ہی جارہی تھی۔

جم کلارک کے قتل اور پھر اس کے ملک کے سفارت کاروں کے متوقع دباؤ کے نتیجے میں اسپیشل ٹاسک فورس والوں نے ہنگامی پیمانے پر اسٹیشن فور کو اس کے پرانے ٹھکانے سے سپرہائی وے کی ایک دور افتادہ فائرنگ رینج میں منتقل کردیا تھا۔ مجھے خوف لاحق ہوچلا تھا کہ اول خان وہاں سے بدحواسی کے عالم میں روانہ ہونے کے بعد ٹریفک کے کسی حادثے کا شکار نہ ہوگیا ہو۔

مجھے بہت شدت سے ایس ٹی ایف کے حساس لاسلکی مواصلاتی آلات یاد آرہے تھے لیکن بدقسمتی سے اس رات کسی کے پاس کوئی اپریٹس نہیں تھا۔

ہم تینوں مصروف رہنے کے لئے ڈھونڈ ڈھونڈ کر موضوعات تلاش کرتے رہے مگر ہر بحث چند فقروں کے بعد دم توڑ جاتی تھی۔ ویرا کو شکوہ تھا کہ پولیس والے جہانگیر کی خواب گاہ سے شراب کی ساری بوتلیں سمیٹ کرلے گئے ورنہ وہ بادہ نوشی میں مصروف رہ کر صبح تک چاق و چوبند رہ سکتی تھی۔ اس نے بجا طور پر یہ نشان دہی کی کہ میں پچھلے چند دنوں سے مے نوشی سے گریز کررہا تھا۔ اسے میں نے مذاق میں ٹال دیا مگر حقیقت یہ تھی کہ اس بارے میں مجھ پر خود ملامتی کی رو طاری تھی۔

میں ہیروئن کا شکار ہونے والوں کے دردناک انجام سے لرز کر شی کے خلاف ہوا تھا۔ بنیادی طور پر میرے وہ احساسات منشیات کی اس سازشی وبا کے خلاف تھے جو ہمارے نوجوانوں کو تیزی کے ساتھ مفلوج اور ناکارہ بنا رہی تھی جب کہ میں خود شراب کے نشے میں مبتلا تھا۔ یہ لعنت ایک شوق سے بڑھ کر رفتہ رفتہ میری

ناگزیر ضرورت بنتی جارہی تھی۔ میرے اعصاب اس کی طلب میں جتلا رہتے تھے۔ یہ احساس ہوتے ہی میرے ذہن پر خود ملامتی کی ایک لہر طاری ہو چلی تھی۔ شراب کی طلب ابھرتے ہی میرے ذہن کے کسی گوشے سے ملامت بھری تنبیہہ ابھرتی تھی اور میرا بڑھتا ہوا ہاتھ رک جاتا تھا۔ میں نے نہایت خاموشی کے ساتھ اپنی اس بری عادت سے چھٹکارا پانے کی کوشش شروع کی تھیں مگر مجھے حیرت تھی کہ ویرا نے اس خاموش تبدیلی کو بھی محسوس کرلیا تھا۔

ہم تینوں بے مقصد باتوں پر سر کھپا کر طویل ہوتے ہوئے انتظار کی اعصاب شکن گھڑیاں گزارتے رہے۔ صبح ڈھائی بجے کے قریب صنعتی علاقے کی فضا میں رچے ہوئے دھیمے مشینی شور کے تسلسل میں کسی ہارن کی تیز آواز گونجی تو ہم چونک پڑے۔ وہ آواز فیکٹری کے پھاٹک کے قریب ہی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ میں اپنی جگہ چھوڑ کر دوبارہ تاریک برآمدے میں پہنچ گیا۔

ارشد نے دانستہ پُرشور آوازیں پیدا کرکے آہنی پھاٹک کھولا۔ کار پر پہلی نظر پڑتے ہی میرا دل خوش ہوگیا۔ آنے والی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر اول خان نظر آرہا تھا۔ اس کے برابر والی سیٹ پر جہانگیر بیٹھا ہوا تھا۔ پچھلی نشست بھی خالی نہیں تھی۔

فون بند ہوجانے کے بعد ہم لوگ باہر والوں سے کٹے ہوئے تھے لیکن اول خان نے شاید فیکٹری میں پولیس کی موجودگی کی خبر پاتے ہی اپنی کارروائی کا آغاز کردیا تھا۔

اس نے اسٹیشن فور کی نئی عمارت میں بیٹھے بیٹھے پورے واقعات کا سراغ لگایا اور فیکٹری سے تین افراد کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی فیکٹری آنے کے بجائے متعلقہ تھانے کی طرف دوڑ پڑا۔ اس نے وہاں کیا طوفان کھڑا کیا ہوگا' وہ ایک الگ کہانی ہوسکتی تھی۔ اہم ترین بات یہ تھی کہ وہ وقت ضائع کیے بغیر تینوں افراد کو تھانے سے نکال لایا تھا۔

گاڑی کا انجن بند کرکے وہ چاروں چند ثانیوں کے لئے نیچے رک کر بشیر سے باتیں کرتے رہے پھر عمارت میں داخل ہوگئے۔ ہم تینوں ان کے استقبال کے لئے لپک کر زینوں پر پہنچ گئے۔

"خدا کا شکر ہے کہ اول خان نے ہمیں بے آبروئی سے بچالیا۔" سلطان شاہ نے سامنا ہوتے ہی بے ساختہ کہا "ورنہ آج ہماری مٹی پلید ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی۔"

سلطان شاہ اور جہانگیر' اول خان کے ساتھ تھے۔ وہ تینوں اوپر پہنچنے بھی نہیں پائے تھے کہ ایس ٹی ایف کے تینوں آدمی جہانگیر کی بوتلوں کے وزنی تھیلے اٹھائے اوپر آگئے۔ ریشم خان غالباً گاڑی سے اترتے ہی اپنی جگہ سنبھال چکا تھا۔ سلطان شاہ حیرت سے میری طرف دیکھے جارہا تھا۔

"آج کی یہ چوٹ مجھے عمر بھر یاد رہے گی۔" اول خان متاسفانہ آواز میں بولا "سب کچھ اتنے منظم طریقے پر ہوا کہ کوئی بھی دوسروں کے لئے کچھ نہیں کرسکا۔ مجھے حیرت یہ ہے کہ تم کھلی ہوئی چھت پر ہونے کے باوجود پولیس والوں سے کیسے بچ گئے۔"

"بہت معمولی سی حاضر دماغی تھی۔ بات ذہن میں آئی اور میں ویرا کو لے کر تاریک چھجے پر اتر گیا۔ انہوں نے میری توقع کے عین مطابق ادھر جھانکنے کی زحمت نہیں کی اور ہم صاف بچ گئے۔"

"ایس ایچ او کی ٹوپی اور پیٹی کے ساتھ ریوالور بھی ہمارے سامنے ڈال دیا گیا تھا۔" جہانگیر نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا "اس کو بہت سے ماتحتوں سمیت معطل کردیا گیا ہے۔ ان کی بحالی ہماری مرضی کے بغیر نہیں ہوگی۔ اول خان نے پورے محکمے کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس وقت بھی ایس ایس پی کے عہدے تک کے سارے افسر تھانے میں سر جوڑے بیٹھے ہیں تاکہ آئندہ ایسے کسی تصادم کا اعادہ نہ ہو۔"

"مگر یہ ہوا کیسے؟" مجھے گزرے ہوئے واقعات پر سخت خلش تھی "بشیر اور ارشد کی شناخت کو تسلیم کیوں نہیں کیا گیا؟ میں تو ہمیشہ اس بات پر رشک کرتا رہا ہوں کہ تمہارے آدمیوں کو بدترین حالات میں بھی شہر بھر میں کہیں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔"

"اتفاق!" اول خان مسکرا کر بولا "ولیم اور راجر کے قتل کے بعد رونما ہونے والے واقعات کے حوالے سے میں پہلے ہی تمہیں بتا چکا ہوں کہ ملک کے ہر پولیس افسر کو اس بات سے آگاہ کرنا عملاً ممکن نہیں ہے کہ ایس ٹی ایف کیا ہے اور یہ کن لوگوں کی پشت پناہی کرتی ہے۔ قانون سے ماورا خفیہ اداروں کے اہل کاروں کو سب سے بڑی مشکل یہی پیش آتی ہے کہ کسی بھی وقت کوئی ان کا جواز تسلیم کرنے سے انکار کردیتا ہے اور کوئی المناک سانحہ رونما ہوجاتا ہے۔ ایس ایچ او کے دماغ پر پندرہ لاکھ کی انعامی رقم سوار تھی۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ بشیر اور ارشد کے اختیار کو مسترد کرکے وہ کیا کررہا ہے۔ تمہیں یہ سن کر شاید دکھ ہوگا کہ یہاں سے لے جائی جانے والی ہر چیز اس نے اپنے ہاتھوں سے گاڑی میں لادی ہے۔"

"تو کیا ہتھیاروں کی پیٹی بھی واپس لوٹادی گئی؟" غزالہ نے تعجب سے پوچھا۔

"میں نے کہا ناکہ ہر چیز آگئی ہے۔ اس وقت ہم فرضی شکایت بھی کردیں تو ہماری بتائی ہوئی مزید اشیا بازار سے خرید کر لوٹائی جائیں گی۔" اول خان نے زور دے کر کہا "اب پولیس والے جہانگیر کی فیکٹری سے ہمیشہ دور رہیں گے۔ میری طرح وہ بھی اس سبق کو نہیں بھلا سکیں گے۔"

"تمہارے آدمی بہت ہوشیار اور فرض شناس ہیں۔" میں نے بجا طور پر تعریف کرتے ہوئے کہا "پرتاب کو لے جانے والے نے باہر سے حالات بھانپ کر تمہیں بروقت مطلع نہ کیا ہوتا تو تمہیں بہت تاخیر سے اس واقعے کا علم ہوتا۔ انہوں نے فون کے تار نوچ کر ہمارے دست و بازو کاٹ دیے تھے۔"

"فکر مت کرو۔ اب وہ خود ہی تمہارے فون درست کروانے کے لیے بھاگے پھر رہے ہوں گے.... آج میرے آدمیوں کے ساتھ سنگین زیادتی کی گئی ہے۔ اگر میں اس واقعے کی باقاعدہ رپورٹ

...کئی افسروں کی نوکریاں جاتی رہیں گی لیکن میں نے اس ... کو یہیں ختم کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔"

"لیکن یہ سب کیسے ہوا؟" سلطان شاہ بولا "پولیس اچانک ہی ... یوں چڑھ دوڑی؟"

میں اس بارے میں چھت پر پولیس والوں کی باتیں سن چکا تھا مگر خاموش ہی رہا۔ اوّل خان کی اطلاع زیادہ مستند ہونی چاہیے تھی۔

"کسی غیر ملکی نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں تھانے کے محرر کو فون پر اطلاع دی تھی" اوّل خان نے ہم لوگوں کو آگاہ کیا "سب کے ذہنوں میں ایک ہی بات آئی کہ مخبری کرنے والا قونصل خانے کا کوئی ملازم تھا۔ ایس ایچ او کا خیال تھا کہ قونصل خانے نے ڈیبی کی گرفتاری پر خطیر انعام مقرر کیا ہے۔ وہ لوگ اسے ہر قیمت پر پکڑوانا چاہتے ہیں لیکن کھل کر خود میدان میں بھی نہیں آنا چاہتے۔ ایس ایچ او کو پکی پکائی روٹی کی صورت میں پندرہ لاکھ ملنے کی امید بندھی تو اس نے تیاری شروع کردی۔ اتنا بڑا انعام نہ ہوتا یا فون کرنے والا کوئی مقامی ہوتا تو ایک فون پر اتنی بڑی کارروائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔"

"تمہاری دانست میں تھانے کو کون فون کرسکتا تھا؟" ویرا نے پوچھا۔

"ویسے تو کوئی بھی ہوسکتا تھا لیکن دوسروں کو ڈیبی کی کمین گاہ کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ اس راز سے صرف ایلن یسفرپال اور ہیٹر کنگ واقف ہیں" اوّل خان نے میرے بتائے ہوئے پورے نام دہرا کر سب کو حیران کردیا "وہ فون کال ان ہی کی طرف سے کی گئی ہوگی۔ فیکٹری کے نواح میں فائرنگ کی زد سے وہ بچ کر نکل گئے لیکن انہوں نے پولیس کو تمہارے پیچھے لگا کر بدلہ لے ہی لیا۔"

"بدلہ؟" ویرا نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا "میرا تو خیال ہے کہ وہ کمینگی کے مرتکب ہوئے ہیں۔"

"تم جو چاہو سمجھ لو۔ میں نے اپنی رائے ظاہر کردی ہے۔ ان دونوں کے سوا کراچی میں کوئی تیسرا فرد نہیں ہے جو تمہاری اس پناہ گاہ سے واقف ہو۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تم لوگ ان کے وار سے بال بال بچ گئے ہو۔ کسی وجہ سے مجھے پہنچنے میں دیر ہوجاتی اور تھانے کے ریکارڈ میں تم لوگوں کی گرفتاری کا اندراج ہوجاتا تو ایس ایچ او کی مرضی کے بغیر تمہیں باہر نہیں نکالا جاسکتا تھا۔"

"وہ دونوں اب بھی چین سے نہیں بیٹھے ہوں گے۔ جلد ہی انہیں پتا چل جائے گا کہ ان کا وار خالی گیا ہے۔ میں صاف بچا رہا۔ میرے جو ساتھی پکڑے گئے، وہ بھی تھوڑی دیر میں رہا کردیے گئے۔"

"پتا چلنے دو" اوّل خان نے بے پروائی سے مجھے تسلی دی "ان خبروں سے ان کے حوصلے مزید پست ہوں گے۔ انہیں اچھی طرح اندازہ ہوجائے گا کہ تم یہاں گہرے اثر و رسوخ کے مالک ہو۔"

"امریکن بہت بھنائیں گے" ویرا قہقہہ لگا کے بولی "انہوں نے جم کلارک کی موت کے بعد ہی سے رٹ لگائی ہوئی ہے کہ یہاں مجرموں اور ان کے دشمنوں سے جانب داری برتی جارہی ہے۔"

"ان کے بارے میں بہت زیادہ سوچنا چھوڑ دو!" اوّل خان نے سنجیدگی سے کہا "اس وقت ان کی سوچ بہت زہریلی ہوچکی ہے۔ انہوں نے افغانستان کی آزاد سرحدی پٹی میں مقامیوں کو وسائل پیدا کرنے کے لیے افیم سے ہیروئن بنانے کی تربیت دی۔ افغانستان کو روسیوں کا قبرستان بنانے کی آرزو میں انہوں نے مستقبل کے بھیانک خطرات پر غور کرنے کے بجائے وقتی فائدوں پر نگاہ رکھی۔ ہیروئن کی بڑے پیمانے پر تیاری کی خفیہ سرپرستی کے ساتھ اس کی مارکیٹ بھی پیدا کرتے رہے اور اب ہیروئن کی اندھی آمدنی رفتہ رفتہ پاکستان کی تحویل میں آنے لگی ہے تو ان حرام زادوں کو دردِ جگر شروع ہوگیا ہے۔"

"ہیروئن کی آمدنی پاکستان کی تحویل میں؟" ویرا نے حیرت سے دہرایا "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم نے پاکستان کے بجائے پاکستانیوں کا ذکر کیا ہوتا تو بہتر رہتا۔ میں خود درجنوں ایسے پاکستانیوں سے واقف ہوں جو افغانستان سے لائی جانے والی ہیروئن اور ہتھیاروں کے ہیر پھیر میں ارب پتی بن چکے ہیں۔"

"میں اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہہ رہا" اوّل خان تلخی سے بولا "یہ ان کی متعصبانہ بلکہ زہریلی سوچ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان ہیروئن کی غیر قانونی تجارت سے بھاری سرمایہ حاصل کرکے دنیا بھر کی کھلی منڈیوں سے نقد ادائیگی پر ایسے آلات اور خام مواد خرید رہا ہے جو اس کی جوہری استعداد میں روز بہ روز اضافہ کرکے اسے ان کے ہم پلہ بناتے جارہے ہیں۔ یہ باتیں میں مدتوں سے سنتا آرہا ہوں مگر آج میں نے پہلی بار اپنی زبان کھولی ہے۔ پوری امریکن قوم میں یہی زہر پھیلایا جارہا ہے۔ کوکین کی تیاری کے لیے امریکا سے ہزاروں ٹن ایتھین اور ایتھائل ایتھر کولمبیا بھیجنے والے تجارتی اداروں کی پردہ پوشی کی جاتی ہے لیکن منشیات کے چھوٹے سے چھوٹے پاکستانی کیریئر کو بھی ہیروئن کے عالمی اسمگلر کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔ پاکستان کے حق میں یہ بھیڑیے بنے ہوئے ہیں اور اس کی جائز بات کو بھی غلط رنگ میں اچھالتے ہیں۔ انہوں نے اپنا ایک تصور بنالیا ہے کہ پاکستان میں قانون کی کوئی عملداری نہیں ہے۔ یہاں ہر کام طاقت اور غنڈا گردی یا پھر پیسے کے بل پر کیا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں سوچ کر اپنے ذہنوں کو مت تھکاؤ۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آج تم میرے سامنے کھل کر بولے ہو" ویرا نے اوّل خان کی تلخ و ترش تقریر پر مسرت سے کہا "میرا باپ امریکن تھا۔ میں خود بھی اسی سرزمین کی پیداوار ہوں مگر میں تمہارے روشن خیالات سے سو فیصد متفق ہوں۔ یہ کھلا اندھیر ہے کہ واشنگٹن میں منشیات کے بے تاج بادشاہ وھائٹ ہاؤس کی مہمان داری سے فیض اٹھاتے رہیں اور واشنگٹن والے اسلام آباد سے ہر چھوٹے بڑے اسمگلر کو اپنی تحویل میں دینے کا مطالبہ کرتے

رہیں۔ حیرت اس وقت ہوتی ہے جب لوگ کان دبا کر مطلوبہ ملزموں کو ان کے حوالے کر دینے میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔"

"مجرم بلکہ ملزم ان کے حوالے نہ کیا جائے تو وہی ہوتا ہے جو لیبیا کے قذافی کے خلاف ہوتا آرہا ہے۔ آبادی اور صدارتی محل پر بمباری کی جاتی ہے۔ نشرواشاعت کے ہر ذریعے سے ابلیسی کردار کشی کی جاتی ہے" سلطان شاہ کندھے اچکا کے بولا "قذافی کو تو اعلیٰ ترین سرکاری سطح پر پاگل، جنونی، وحشی بلکہ لوطی تک کہا جا چکا ہے لیکن اس کے لوگ پھر اس سے پیار کرتے ہیں۔"

"میں حساس موضوعات پر بہت کم بولتا ہوں" اوّل خان قدرے پُرسکون ہو کر بولا "تمہارے سامنے میں تمہارے ہم وطنوں کی سفاکیوں کا ذکر کرنے سے گریز کرتا رہا ہوں کیونکہ ہم رواداری اور بقائے باہمی میں یقین رکھتے ہیں۔ آج میں اس لیے بولا کہ اپنے باپ کے قتل کے بعد تم اپنی پرانی شہریت سے دستبردار ہو چکی ہو۔ امریکن دنیا بھر میں اپنی تہذیب، ترقی اور شخصی آزادیوں کا ڈھنڈورا پیٹتے پھرتے ہیں۔ انہوں نے کرۂ ارض پر ایسا سحر طاری کیا ہے کہ ہر شخص ان کی آواز میں آواز ملانے میں فخر محسوس کرتا ہے لیکن میری نظروں میں امریکن تہذیب اس دنیا کا سب سے بڑا ناسور ہے۔ پورے یورپ کے ڈاکوؤں، قاتلوں اور بھگوڑوں کی نسلیں وہاں آباد ہیں۔ اپنے اپنے معاشرے کے ان باغیوں نے امریکا میں پھیل کر وہاں کے اصل باسیوں کو مزید گھنے جنگلوں میں دھکیل کر اچھوت بنا دیا ہے۔ وہ ریڈ انڈین قبائل کو انسانی ہمدردی کے نام پر مفت تمباکو اور سستی شرابیں فراہم کرتے ہیں تاکہ وہ دن رات نشے میں ڈوب کر دنیا سے کٹے رہیں۔ مساوات اور ترقی کے نعرے اس وقت بھلے معلوم ہوتے جب ان نعمتوں کے اثرات پرانے مقامیوں پر بھی نظر آتے۔ ان بے چاروں کو بے رحمی سے بھلا دیا گیا ہے۔ فلموں اور کہانیوں میں ان کی بربریت کی تشہیر کر کے انہیں قابلِ نفرت بنا دیا گیا ہے۔ وہ ایمیزن کے گھنے جنگلات میں رہتے ہیں جہاں تشہیری کیمرے جاتے ہیں، نہ باہر سے آنے والوں کا گزر ہوتا ہے۔ ہر آنے والا شہروں کی رونق اور چمک دمک سے مرعوب ہو کر رہ جاتا ہے۔ آزادی کے مینار پر چڑھنے والوں کو جنگلات کی تاریکیوں میں حیوانی زندگی گزارنے والے وہ قبائل نظر نہیں آتے جنہیں ان کی آبائی رسوم کا قیدی بنا کر آہستہ آہستہ معدومی کے سمندر میں دھکیلا جا رہا ہے۔"

"یہ امریکا کا ایک نیا ہی رخ ہے۔" ویرا نے اعتراف کیا "میں نے وہیں پیدا ہونے اور اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ گزارنے کے باوجود کبھی اس نئی دنیا کے اصل وارثوں کے بارے میں نہیں سوچا.... ہر طرف پھیلی ہوئی چکاچوند میں کوئی ان کی پس ماندگی کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتا.... اگر ان بے چاروں کو ایک تہذیبی سازش کے تحت جان بوجھ کر نظرانداز کیا جا رہا ہے تو یہ عمل قابلِ نفرت ہے۔"

"سنو!" جہانگیر اپنی جگہ چھوڑ کر بولا "ہم لوگ اتنی محویت سے دنیا بھر کی تاریخ اور جغرافیے کا پوسٹ مارٹم کر رہے ہو جیسے ڈاکٹر نے تمہیں طلوعِ آفتاب کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی ہدایت کی ہو۔ میری ہڈیوں میں اتنا دم نہیں ہے کہ میں ساری رات یہاں بیٹھا رہوں۔ میں سونے کے لیے جا رہا ہوں۔"

"ضرور جاؤ.... تمہاری خواب گاہ کباڑ خانہ بنی ہوئی ہے" ویرا نے اسے چڑایا۔

"میں قالین یا پھر فرش پر ہی سو لوں گا" وہ تھکے ہوئے قدموں سے اندر کی طرف چل دیا۔

"تھانے سے تمہارا ذخیرہ واپس آگیا ہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ تم زیادہ دیر تک چار معقول آدمیوں کی محفل میں نہیں بیٹھ سکو گے۔ تمہاری بوتلوں میں بڑی مقناطیسی کشش ہے" ویرا بولی۔

جہانگیر نے اس کے تبصرے کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور مڑ کر دیکھے بغیر اپنی خواب گاہ کی طرف غائب ہو گیا۔

"جہانگیر ٹھیک ہی کہہ رہا تھا" اوّل خان نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کے کہا "چار بجنے والے ہیں۔ مجھے بھی واپس چلنا چاہیے۔ بلاوجہ آج کی رات بھی کالی ہو گئی۔ اب میں گھر جا کر آرام کروں گا۔"

اسی کے ساتھ سب اپنی جگہیں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

جانے سے پہلے اوّل خان نے اپنے تینوں آدمیوں کو نگرانی اور باری باری آرام کرنے کے بارے میں بریفنگ دی۔ میں نے اسے ایلین کی تلاش پر کسی کو مامور کرنے کے بارے میں یاد دہانی کرائی اور وہ سب سے ہاتھ ملا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"باتوں میں ایک اہم ترین نکتہ رہ گیا۔ اس کی وضاحت نہیں ہوئی تو مجھے سکون سے نیند نہیں آسکے گی۔" ویرا نے کسی فوری خیال کے تحت بڑھ کر اوّل خان سے کہا۔

"جلدی سے کہہ جاؤ۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟" وہ اگنیشن سے چابی ہٹا کے بولا۔

"ڈینی کی گرفتاری کے لیے پورا تھانہ ہی یہاں چڑھ آیا تھا۔ نیچے سے اوپر تک سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ ہم سب یہاں مقیم ہیں۔ ان کے ذریعے یہ بات ضرور پھیلے گی...."

"میں سمجھ گیا" وہ ویرا کی بات کاٹ کے بولا "میں خود بھی نہیں چاہوں گا کہ تشہیر کے بعد تم لوگ یہاں رکے رہو۔ آج کی رات بسر کر لو۔ کل کسی نئے بندوبست کے بارے میں سوچیں گے۔"

اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی کو کھلے ہوئے پھاٹک سے باہر لیتا چلا گیا۔

اسے الوداع کہنے کے چکر میں، میں آگے بڑھا تو ٹیلی فون کے قریبی کھمبے پر دو آدمی چڑھے ہوئے نظر آئے۔ وہ ٹارچ کی روشنی میں فون کی لائنیں مرمت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"یہ لوگ پولیس کی گاڑی کے ساتھ آیا ہے" ریشم خان نے
بائک بند کرنے کے بعد ہمارے قریب آکر رازداری سے کہا "تار
ڑ کر اندر بھی آئے گا۔"
"انہیں منہ لگانے کی ضرورت نہیں" میں نے ناگواری سے
لہا "دفتر میں رکھے ہوئے فون چیک کرکے انہیں واپس لوٹا دینا۔
ب باہر کا کوئی آدمی فیکٹری میں نہیں آئے گا۔"
"موتی لال یوں ہی بھوکا پیاسا پڑا رہے گا؟" زینے طے کرتے
وئے غزالہ نے پوچھا۔
"پڑا رہنے دو" میں نے سختی سے کہا "اگر گودام میں پلے ہوئے
ڑ ہے اسے ختم کرنے میں کامیاب ہوگئے تو ہمارا کام آسان
جائے گا۔ نقاہت میں وہ زیادہ اذیت برداشت نہیں کر سکے گا۔"
جہانگیر پہلے ہی اپنی خواب گاہ میں پہنچ چکا تھا۔ اوپر جانے کے
ر غزالہ اور ویرا بھی اپنے کمرے میں گھس گئیں۔ میں سلطان شاہ
ے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہوگیا۔ کمرے کی حالت بہت ابتر
ں۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ سلطان شاہ کے ساتھ مل
ر پھیلے ہوئے سامان کو قرینے سے سمیٹنے کی مشقت کرتا۔ میں تکیہ
لے کر فرشی قالین پر ہی دراز ہوگیا۔
سلطان شاہ نے بھی میری تقلید کی مگر لیٹنے سے پہلے اس نے
رے کی تمام روشنیاں گل کرکے مدھم روشنی والا ایک لیمپ جلتا
وڑ دیا تھا۔
نیند کا خمار سوار ہونے سے پہلے ہمارے کمرے میں لگے ہوئے
ر کام کی گھنٹی بج اٹھی۔ سلطان شاہ نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔
ا خیال تھا کہ دوسری طرف ریشم خان ہوگا کیونکہ اسے معلوم تھا
ہ ہم دونوں کس کمرے پر قابض تھے۔ سلطان شاہ اس کی بات
ں کر اپنی جگہ پر لوٹ آیا اور میری طرف کروٹ لیتے ہوئے بولا
ن کام کرنے لگے ہیں۔ غنیمت ہے کہ دونوں فون ڈرائنگ روم
ں رکھے ہوئے ہیں ورنہ بے وقت آنے والی کوئی بھی کال ہماری
خراب کرسکتی تھی۔"
"میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ کوئی نہ کوئی فون ضرور آئے
۔"
"تمہاری چھٹی حس ہمیشہ تکلیف دہ باتیں بتاتی ہے" سلطان
ہ جل کے بولا "ایسا کرو کہ ڈرائنگ روم میں فون کے قریب ہی
ے جاؤ تاکہ پہلی گھنٹی پر فون اٹھاسکو۔"
"تم بلاوجہ سلگ رہے ہو۔ چھٹی حس صرف خطرے یا پریشانی
ے وقت ہی بیدار ہوتی ہے اور پہلے سے کچھ خطرات کی نشان دہی
دیتی ہے۔ اس سے خوش گوار اندازوں کی امید نہیں کی
کتی۔"
"خوب! فون آئے گا اور یہ بھی طے ہے کہ وہ پریشان کن
گا۔"
"خدا کرے کہ ایسا نہ ہو.... ایلن نے آج جس پیمانے پر چھیڑ
اڑ کی ہے، اس کے بعد وہ خاموش نہیں بیٹھے گا۔ اسے ہر طرف
سے اکسایا جارہا ہوگا کیونکہ اس کا ہر حلیف ہمارے ہاتھوں زخم
کھاچکا ہے۔"
"پھر تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نارمن کے قونصل خانے کے
ٹرانسپورٹ یارڈ سے ایک دو بکتر بند گاڑیاں ادھر چل پڑی ہوں اور
کسی بھی وقت دیواریں گراکر اندر گھس آئیں!"
"میرا مضحکہ مت اڑاؤ" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "یہ سکون
سے کٹنے والی رات نہیں ہے۔ کسی بھی لمحے، کچھ بھی ہوسکتا ہے۔
ایک بکتر بند ایمبولینس شرف آباد کے فلیٹ پر پہنچ ہی گئی تھی۔ میں
خود بھی سونا چاہتا ہوں لیکن مجھے معلوم ہے کہ تفکرات کی وجہ سے
مجھے نیند نہیں آسکے گی۔"
"تم جاگتے رہو، میں سو رہا ہوں" یہ کہہ کر اس نے سر سے
پیروں تک چادر تان لی۔
کمرے میں پھیلی ہوئی ناکافی روشنی میں مجھے خیالی ہیولے بنتے
اور بگڑتے نظر آنے لگے۔
وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ میں شدت سے سونا چاہ رہا تھا
لیکن بدترین اعصابی دباؤ کی وجہ سے نیند میری آنکھوں سے دور
تھی۔ میں قالین پر پڑا بے چینی سے پہلو بدلتا رہا۔ وقت دھیمے دھیمے
گزرتا جارہا تھا۔ اس دوران میں سلطان شاہ واقعی سو گیا۔ رفتہ رفتہ
اس کی نیند گہری ہوتی چلی گئی اور ائرکنڈیشنڈ خواب گاہ کی بند فضا
میں اس کے ہلکے ہلکے خراٹے گونجنے لگے۔
میں سگریٹ سلگا کر خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آیا اور
ڈرائنگ روم کے ایک بڑے صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔ یہ سوچ کر
میرے ہونٹوں پر خود بہ خود مسکراہٹ پھیل گئی کہ غیر ارادی طور پر
مجھے وہی کرنا پڑا تھا جو سلطان شاہ نے تجویز کیا تھا۔ میں اپنے کمرے
کے بجائے ڈرائنگ روم میں تھا اور دونوں اسپیکر فون میرے قریب
ہی رکھے ہوئے تھے۔
نیند کی شدت سے میری آنکھوں میں سوزش ہورہی تھی۔ میں
نے کئی بار آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کی مگر ہر بار میں نے
انجان وسوسوں سے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ ہزاروں گز پر محیط
اس رقبے پر گنتی کے چند آدمی موجود تھے جن میں سے بیشتر گہری نیند
سو رہے تھے۔ مجھ سمیت، جاگنے والوں کی تعداد کسی بھی طرح تین
چار سے متجاوز نہیں تھی۔ ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ آوارہ کتوں
کی صدائیں فضا کو مجروح کررہی تھیں یا پھر دوسرے کارخانوں کا
دھیما دھیما مشینی شور ہواؤں کے دوش پر سفر کررہا تھا۔
آخر صبح کی دہلیز پر رات کے اندھیرے نے سپر ڈال دی۔ پہلے
فضا میں ملگجا سا اجالا نمودار ہوا جو تیزی کے ساتھ پھیلتا چلا گیا۔
وسوسوں کی رات بیت چکی تھی اور نئی صبح طلوع ہورہی تھی۔
میں نے ڈرائنگ روم کی بتیاں گل کردیں۔ قدرتی اجالے کی
بات ہی کچھ اور تھی۔ اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں امید اور
تقویت کی نئی کرنیں پھوٹنے لگی تھیں۔
میرے ذہن پر مسلط دباؤ کسی ارادی کوشش کے بغیر کم ہونے

لگا تھا۔ میں اطمینان سے صوفے پر دراز ہو گیا۔ ابھی میں نے پوری طرح آنکھیں بند بھی نہیں کی تھیں کہ اچانک ایک فون کا بزر چیخ اٹھا۔

میں نے پوری آنکھیں کھول کے انسٹرومنٹ کو دیکھا اور دوسری گھنٹی بجتے ہی بٹن دبا کر اسپیکر فون آن کر دیا اور خود پھرتی سے ایک سگریٹ سلگالی۔

"ہیلو! میں ایلن بول رہا ہوں۔ مجھے ڈیبی سے بات کرنی ہے" صاف اور شستہ انگریزی میں آنے والا وہ پیغام سن کر میں سنسنی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ آخر ایلن کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو ہی گیا تھا۔

"ڈیبی نہیں ہے" میں نے آواز بدل کر سپاٹ لہجے میں کہا اور اسی وقت ویرا مجھے اپنی طرف آتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"تم چاہو تو اس کے لیے اپنا پیغام چھوڑ سکتے ہو" میں نے کوئی وقفہ دیے بغیر اپنی بات مکمل کی۔

دوسری طرف لحظہ بھر کے لیے سکوت چھا گیا۔ شاید وہ میرا جواب سن کر سوچ میں پڑ گیا تھا پھر اس کی تفکر آمیز آواز ابھری "وہ اتنے سویرے کہاں چلا گیا؟ مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ اس سے کہاں رابطہ ہو سکتا ہے؟" ویرا دبے قدموں میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"تم اپنا فون نمبر دے دو۔ میں اس سے تمہاری بات کرادوں گا۔"

"نہیں یہ ٹھکانا چھوڑ رہا ہوں۔ فون نمبر نہیں دے سکتا" اس نے چالاکی سے میرا مطالبہ ٹال دیا "میں دس منٹ بعد دوسری جگہ سے فون کروں تو کیا اس سے بات ہو سکے گی؟"

وہ اپنا نمبر نہیں دے رہا تھا۔ فیکٹری کے نمبر سے واقف تھا۔ میں خود بھی یہ جاننے کی خواہش رکھتا تھا کہ وہ مجھ سے کیا کہنا چاہتا ہے۔ وہ موقع گنوا دینے کے بعد میں تجسس میں گھر رہ جاتا۔ میں نے اس سے بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔ دوسری طرف ویرا بھی اس کی آواز پہچان چکی تھی اور پرزور اشاروں سے مجھے بات کرنے پر آمادہ ہونے کی ہدایات دے رہی تھی۔

"اتنے سویرے تمہیں کیا تکلیف ہے جو اس کی نیند خراب کرنا چاہ رہے ہو؟" میں نے بدلی ہوئی آواز میں ترشی سے سوال کیا "اگر یہ زندگی یا موت کا کوئی مسئلہ ہے تو میں اسے بیدار بھی کر سکتا ہوں۔"

"اوہ.... تو یہ کہو کہ وہ سویا ہوا ہے" اس کی آواز مسرت آمیز غراہٹ سے مشابہ ہو گئی "تم تو اس طرح بات کر رہے تھے جیسے وہ کہیں گیا ہوا ہے۔ اسے فوراً بیدار کردو۔ مجھے پورا یقین ہے کہ میری آواز سن کر اسے دلی مسرت حاصل ہو گی۔ ہم بیرونِ ملک ایک دوسرے کے دوست بنے تھے۔"

"مجھے امید تو نہیں کہ وہ آسانی سے بستر چھوڑ دے گا مگر میں کوشش کرتا ہوں" میں نے بے دلی سے کہا "تم لائن ہولڈ کر رہے ہو یا دوبارہ فون کرو گے؟"

"تم اطمینان سے اسے جگالو۔ میں پانچ سات منٹ بعد دوبارہ فون کرلوں گا۔ ریسیور صحیح طرح رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے لائن مصروف ملتی رہے اور ڈیبی میری کال کے انتظار میں پیچ و تاب کھاتا رہے۔"

دوسری طرف سے سلسلہ موقوف ہونے پر میں نے بھی اسپیکر فون آف کر دیا۔

"تم ڈرائنگ روم میں کیا کر رہے تھے؟" ویرا نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے یہاں جھک مار رہا تھا۔ کیا تکلیف ہے تمہیں؟"

وہ ہنس پڑی "میرا خیال تھا کہ صرف میں ہی جاگ رہی ہوں اسی لیے بستر پر پڑی رہی۔ فون کی گھنٹی سننے کے بعد مجھے یقین تھا کہ آنے والی کال مجھے ہی سننی ہو گی.... اچھا ہوا کہ تم یہاں موجود تھے۔ وہ میری آواز پہچان کر اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر سکتا تھا۔"

"بظاہر تو وہ دوستانہ موڈ میں معلوم ہوتا ہے لیکن پہلے سے کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ وہ مجھ سے کیا بات کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس فون کال کے ذریعے وہ صرف یہ جاننا چاہ رہا ہو کہ رات کو فائرنگ کے تبادلے کے دوران میں اسے پہچانا تو نہیں گیا تھا۔"

"تمہیں کسی مشورے کی ضرورت نہیں۔ تم باتوں کے شہنشاہ ہو کھلے ذہن کے ساتھ اس سے بات کرو۔ کہیں نہ کہیں وہ مار کھا ہی جائے گا" زبان کی ذرا سی ورزش کے نتیجے میں ویرا کے چہرے پر رونق آ گئی تھی۔ معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا کہ وہ رات بھر کی جاگی ہوئی ہے۔

"تم نے وقت ضائع کر دیا" میں نے اسے ملامت بھری نظروں سے گھورا "اس کا فون بند ہوتے ہی کچن میں دوڑ جاتیں تو دوبارہ فون آنے سے پہلے چائے کی دو گرما گرم پیالیاں تیار ہو چکی ہوتیں۔"

وہ ہنس پڑی "اب تو وقت ضائع ہو ہی چکا ہے۔ بعد میں دیکھی جائے گی۔"

ایلن کے عزائم کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا اس لیے اس سے گفتگو کے بارے میں پہلے سے کچھ سوچنا بے سود تھا۔ میں ویرا کے ساتھ خوش گپیوں میں وہ چند منٹ گزارتا رہا۔ آخر فون کی گھنٹی بج ہی اٹھی۔

میں نے اسپیکر فون آن کر کے پہلے والی آواز میں ہیلو کہا۔

"ایلن بول رہا ہوں۔ کیا ڈیبی بستر سے باہر آ چکا ہے؟" اس کی آواز متجسسانہ تھی۔

"ہاں.... ڈیبی سے بات کرلو" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

چند ثانیوں کے بعد میں نے اپنی اصل آواز میں اسے مخاطب کیا تو شب بیداری کی وجہ سے میری آواز پر ہلکا سا بوجھل پن طاری تھا جو عموماً خمار کا نتیجہ ہوتا ہے۔

"تم کہاں ہو؟ میں کئی دن سے تمہاری تلاش میں پورے شہر کی

ناک چھانتا پھر رہا ہوں" میری آواز پہچانتے ہی ایلن کے لہجے میں گرم جوشی عود کر آئی۔ وہ رات کے واقعات کا کوئی حوالہ دیے بغیر بس بے تکلفی سے مخاطب ہوا تھا' اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی گہرے کھیل کے چکر میں تھا۔

"میں اسی شہر میں ہوں لیکن مجھے حیرت ہے کہ تمہیں میرا یہ فون نمبر کہاں سے مل گیا؟"

اس کی ہنسی کی آواز گونجی "جیمی جونز اور راس المیڈا کے لیے کام کرنے والا دنیا کے کسی بھی خطے میں اتنا بے وسیلہ نہیں ہو سکتا کہ اپنے ایک مطلوبہ آدمی تک نہ پہنچ سکے۔"

"لیکن میرے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے" اپنی ذات میں اس کی غیر معمولی دلچسپی بھانپ کر میں نے روکھا رویہ اختیار کر لیا۔

"پہلے سوال کا جواب ملے بغیر میں تم سے کھل کر بات نہیں کر سکوں گا۔"

"میں نے یہ نمبر ٹیلی فون ڈائریکٹری سے حاصل کیا ہے" اس نے جواب دیا۔

"شاید تمہیں علم نہیں کہ یہ فون نمبر میرے نام پر نہیں ہے" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہ ہو.... لیکن میں یہ سراغ لگا چکا ہوں کہ تم کراچی کے ایک صنعتی علاقے میں ایس جے گارمنٹس نامی ایک فیکٹری میں مقیم ہو۔ یہ فون اسی فیکٹری کا ہے۔"

"تم بات الجھاتے جا رہے ہو۔ اب مجھے پوچھنا پڑے گا کہ تمہیں اس فیکٹری کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔"

"تمہاری باتوں سے مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے تم نے اپنا ٹھکانا پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی ہو اور میرے سراغ لگا لینے پر تمہیں تشویش ہو رہی ہو۔ کیا میرا یہ اندازہ درست ہے؟"

"پہلے میرے سوال کا جواب دو پھر میں تمہاری ہر بات کا جواب دیتا چلا جاؤں گا۔"

"تم اس وقت بہت زیادہ سنجیدہ معلوم ہو رہے ہو اور شاید کسی حد تک خوف زدہ بھی ہو۔ میں تمہاری تسلی کے لیے بتا دوں کہ میرے ایک تربیت یافتہ کتے نے مجھے تمہارے ٹھکانے تک پہنچایا تھا۔ کتے ہزاروں کی بھیڑ میں کسی مخصوص بُو کو پہچان لینے میں خاص ملکہ رکھتے ہیں۔"

"تو کیا تم مجھے یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ تمہارے سدھائے ہوئے کسی کتے نے کراچی ایئرپورٹ پر میرا میلا انڈرویئر سونگھ کر دوڑ لگائی اور گارمنٹ فیکٹری کے گیٹ پر رک کر دم ہلانے لگا۔"

"تم بلاوجہ بگڑ رہے ہو" وہ ناصحانہ لہجے میں بولا "یہ کئی دن کی محنت کا نتیجہ تھا لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ تمہیں میلے انڈرویئر کے بارے میں کس نے بتایا؟"

"ہم کو تن کے تین کپڑوں کے ساتھ اغوا کر کے شنگارا ویلی لے جایا گیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر ہمارے میلے کپڑوں کا تھیلا ہمارے ساتھ تھا۔ کراچی پہنچ کر تھیلا کھولا گیا تو اس میں سے ایک انڈرویئر غائب تھا جو تم ہی نے جلال آباد وغیرہ میں اڑایا ہوگا۔"

"تم بہت ذہین اور ہوشیار ہو' پل بھر میں دو جمع دو کر لیتے ہو۔"

"لیکن میں تمہارے جواب سے ابھی تک مطمئن نہیں ہوں۔ کراچی جیسے وسیع شہر میں کسی ماہر ترین کتے کا باپ بھی اس طرح ایک آدمی کا کھوج نہیں لگا سکتا۔ تم کوئی اہم بات مجھ سے چھپا رہے ہو۔"

"وہ اہم بات بہت مختصر سی ہے۔ کراچی پہنچنے کے بعد مجھے علم ہوا کہ تمہیں بدرو نامی کسی پرانے بدمعاش کے آدمیوں نے اغوا کر کے شنگارا ویلی پہنچایا تھا۔ بدرو اب ٹرانسپورٹرین چکا ہے۔ اس سے رابطہ ہوتے ہی بہت سی باتیں سامنے آتی چلی گئیں۔"

"ان باتوں پر روشنی ڈالتے چلو تو زیادہ بہتر رہے گا" میری آواز تلخ تھی کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ اسے ہمارے بارے میں معلومات موتی لال سے حاصل ہوئی تھیں لیکن مجھ سے جھوٹ بولنے کے لیے اس نے بہت پکی تیاری کی ہوئی تھی۔ کرید کرید کر وہ نکتے یک جا کیے تھے کہ میں آسانی سے اسے نہیں جھٹلا سکتا تھا اور اس کی کہانی تسلیم کرنے پر مجبور تھا۔

"تمہاری جہانگیر نامی کسی آدمی سے بہت پرانی دوستی ہے۔ پہلے وہ بھی ہماری لائن کا آدمی ہوا کرتا تھا لیکن اب تائب ہو کر بزنس میں آ گیا ہے۔ بدرو کو پتا وغیرہ نہیں معلوم تھا لیکن اس نے اتنی رہنمائی کر دی تھی کہ جہانگیر کی گارمنٹ فیکٹری کورنگی کے صنعتی علاقے میں ہے۔ وہاں بڑی گارمنٹ فیکٹریوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ میں اپنے کتے کے ساتھ باری باری پانچ فیکٹریوں پر طبع آزمائی کرنے کے بعد چھٹی کوشش پر تمہارا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا۔"

"یہ نہ سمجھ لینا کہ میں نے تمہاری اس کہانی پر اعتبار کر لیا ہے۔ تم نے اس کہانی پر خاصا ہوم ورک کیا ہے جو داد دیے جانے کے قابل ہے لیکن یہ حقائق کے منافی ہے۔"

"میں نے سچ بیان کر دیا ہے۔ میں تمہیں اسے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔"

مجھے خیال آیا کہ بدرو دادا وغیرہ پر اس نے بہت پہلے کام کیا تھا۔ شاید وجے اور اس کے ساتھیوں کی طرح ایلن بھی کافی دنوں سے ہمارے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس نے ہمارے اغوا کے بعد ہی کراچی میں معلومات یک جا کی ہوں گی اور پھر بدرو دادا سے جا ملا ہوگا۔ اس سے سارے کوائف حاصل کرنے کے بعد ایلن نے پشاور میں رہ کر ہماری واپسی کا انتظار کرنے کے بجائے آگے بڑھ کر جینغا سرائے میں ڈیرے ڈال دیے اور جس دن گالان سے جینغا سرائے کے راستے ہماری واپسی متوقع تھی' وہ دونوں کوسٹر کے ٹھیکے داروں کے روپ میں قندوز خان کے استقبال کے لیے تیار تھے۔

"ٹھیک ہے' تمہیں جو کہنا تھا' تم نے کہہ دیا ہے۔ اب اسے یہیں چھوڑ دو اور آگے بات کرو کہ تم کیا چاہتے ہو۔ اس وقت میں زیادہ بحث میں پڑ کر اپنا سر نہیں کھپانا چاہتا۔"

ہمیں نے کرنل جیسی جونز کو بل جونز اور پال ایتھرٹن کی موت
خبر دے دی ہے۔ یہاں آنے کے بعد میں نے چھان بین کی تو ان
ں کی تصدیق ہو گئی جو تم لوگوں نے بتائی تھیں۔ اب اس سے
ہوئے بیس ہزار ڈالر میرے ہو چکے ہیں لیکن مجھے اگلے کام بھی
گئے ہیں۔"

"وہ کیا ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"بل جونز کے قاتل یا قاتلوں سے انتقام لینا ہے۔ میں نے تم
کہا تھا کہ مجھے کام مل گیا تو میں تم سے ضرور مدد لوں گا۔ اب بل
کو مارنے والوں کو تلاش کرنے کے ساتھ ہی مجھے ڈیوڈ اشارز
لے راس الیڈا سے بھی بات بننے کی امید ہے۔ اس بارے میں
ے تفصیلی بات کرنی چاہتا ہوں تاکہ راس سے اسی کی روشنی
معاملات طے کروں۔"

میں حیران رہ گیا۔ وہ اس قدر دیدہ دلیری اور ڈھٹائی سے میری
وں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا منہ توڑ
کو طبیعت چاہ رہی تھی۔ اس نے مجھے بالکل ہی احمق اور بے
مجھ لیا تھا۔ میرا دل چاہا کہ اسے گزری ہوئی رات کے واقعات
بتلاؤں لیکن میں نے فوراً ہی وہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ مجھے بے
بنانے کی کوشش کر رہا تھا تو مجھے انجان رہ کر اسے پھانسنے کی
کوشش کرنی چاہیے تھی۔ اس وقت میں ذرا بھی تلخی کا
ہرہ کرتا تو وہ بدک کر مجھ سے دور بھاگ سکتا تھا۔ میں نے فوری
فیصلہ کر لیا کہ میں بدستور اپنی بے خبری کا مظاہرہ کر کے اسے
ساتھ مل بیٹھنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا رہوں اور جب وہ
رے دام میں آجائے تو اچانک اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال

میرا وہ فیصلہ ایلن کی مکاری کا مناسب ترین جواب تھا۔ میں
سمجھ رہا تھا کہ وہ اس وقت اپنی دلی خواہشات کے برعکس مجھ
مفاہمانہ گفتگو کر رہا تھا۔ میرے دشمنوں کی سرپرستی کی وجہ سے
کے دل میں میری طرف سے بغض و عناد بھرا ہوا تھا۔ اس نے
کو نامعلوم عزائم کے تحت ایک خون خوار کتے کو فیکٹری کی
روانہ کیا پھر تھانے میں مخبری کر کے میرے لیے ناقابلِ تصور
اریاں پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔ اپنی ان کوششوں میں
ی کے بعد وہ مجھے دوسرے زاویے سے گھیرنا چاہ رہا تھا۔

اس وقت تک میں نے اسے پچھلی رات کے واقعات کا کوئی
الہ نہیں دیا تھا۔ دو باتیں ایسی تھیں جو میرے ساتھ اس کے بھی
ل تھیں۔ اگر میں اس سے مذاکرات میں ان دو امور کا سرے
ذکر نہ کرتا تو وہ میری طرف سے کھٹک سکتا تھا کہ شاید میں بھی
پس پردہ عزائم کو چھپاتے ہوئے اسے گھیرنے کی کوشش
رہا ہوں۔ اسے اپنی طرف سے مطمئن کرنے کے لیے فیکٹری کے
ب کتے کے قتل اور پھر دو نامعلوم گروہوں کے درمیان فائرنگ
تبادلے کا معصومانہ ذکر ضروری تھا۔

"تم سے ملاقات کسی بھی وقت ہو سکتی ہے لیکن ایمان داری
کی بات یہ ہے کہ میں اپنے مسائل میں الجھا ہوا ہوں۔ تمہاری کچھ
باتوں نے بھی مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ ان الجھنوں کے رفع
ہوئے بغیر ہمارا ایک دوسرے سے ملنا سود مند ثابت نہیں ہو گا۔"

"تم کھل کر بات کر سکتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری
الجھنیں رفع کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ میرے پاس وقت کی کمی
ہے۔ اپنے شبہات دور کرنے کے لیے میں تمہیں زیادہ وقت نہیں
دے سکتا۔"

"تم نے تربیت یافتہ کتے کے ذریعے میری تلاش کا ذکر کر کے
خود کو مشتبہ بنا لیا ہے" میں نے فیصلہ کن لہجے میں بات چھیڑ ہی دی۔
"پچھلی رات فیکٹری کے چوکیدار نے احاطے کے قریب ہی ایک
خون خوار پالتو کتے کو گولی ماری ہے جو منہ اٹھائے سیدھا فیکٹری کی
طرف چلا آ رہا تھا۔"

فون پر اس کی ہلکی سی آسودہ ہنسی کی آواز سنائی دی پھر وہ بولا۔
"اب میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔ تم خود ہی غور کرو کہ وہ میرا
بھیجا ہوا کتا ہوتا تو میں اس وقت کتے کے ذریعے تمہاری تلاش کا
ذکر کیوں کرتا؟ میں نے پوری بے خوفی اور صاف دلی سے تمہیں بتایا
ہے کہ میں ایک کتے کی مدد سے ایس جے گارمنٹس تک پہنچنے میں
کامیاب ہوا ہوں... معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو میری تلاش کا
علم ہو گیا ہے اور میرے تم سے مل بیٹھنے سے پہلے ہی انہوں نے تم کو
میری طرف سے بدظن کرنا شروع کر دیا ہے۔ وہ یقیناً کوئی بدنصیب
کتا رہا ہو گا جسے بدگمانی پیدا کرنے کے لیے ادھر ہانکا گیا ہو گا۔ میرا
کتا میرے پاس محفوظ ہے۔ تم جب چاہو اسے دیکھ سکتے ہو۔ وہ
تمہاری بُو پاتے ہی زنجیر تڑانے کے لیے مشتعل ہو جائے گا۔"

"کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ہمارے درمیان غلط فہمی پیدا
کرنے کے لیے کسی نے ایسا پیچیدہ طریقۂ کار طے کیا ہو" اس کی
صاف گوئی اور بے حجاب لب و لہجے نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا
تھا۔

"عجیب ہی نہیں' میں تو اسے ناقابلِ یقین اتفاق قرار دوں گا۔
وہ بہت اندر کا کوئی آدمی ہی ہو سکتا ہے جو میرے ہر ارادے سے
واقف ہو۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے پیٹر کنگ کے سوا کسی اور کو
اعتماد میں لیا ہو۔ وہ کہیں بے احتیاطی کر گزرا ہو تو دوسری بات
ہے۔ میں اس سے پوچھوں گا۔"

"دوسرا اتفاق اس سے کہیں زیادہ ناقابلِ یقین ہے" میں نے
کہا "کتے پر فائر ہونے کے چند منٹ بعد ہی فیکٹری کے قرب و جوار
میں خوب دھواں دھار فائرنگ ہوتی رہی جو رفتہ رفتہ معدوم ہو گئی۔
ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو حریف گروہ ایک دوسرے سے الجھ پڑے
ہوں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ تصادم کتے ہی کی موت کا
شاخسانہ ہو۔ واقعات کی کڑیاں یہ ثابت کرتی ہیں کہ فائرنگ کے
اس تبادلے میں تم بھی ملوث تھے۔ تم اس اتفاق کا کیا جواز پیش
کرو گے؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے میری تائید کی "تمہارے نکتہ

نظر سے بات یوں بنتی ہے کہ اپنے کتے کی موت کے بعد میں کچھ مشتبہ لوگوں سے لڑ پڑا۔ پہلی بات یہ ہے کہ میرا اس کتے سے سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ میں کل رات اپنے گھر میں مقیم تھا.... ہو سکتا ہے کہ کتے کو چھوڑنے والوں کا پولیس کی کسی گشتی پارٹی سے تصادم ہوا ہو... میں ان واقعات میں کسی بھی طرح ملوث ہوتا تو تمہیں فون کرنے کے بجائے تم سے دور ہی رہنے کی کوشش کرتا۔ میری یہ فون کال ہی میری نیک نیتی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"

"اگر تم اس صنعتی علاقے میں اپنی موجودگی سے انکار کر رہے ہو تو پھر مزید معاملات پر تم سے بات کرنی بے سود ہے۔ تیسرے واقعے کے بارے میں جان کر تم شاید اپنا سر پیٹنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

"وہ تیسرا واقعہ کیا تھا؟" اس نے بے ساختہ لہجے میں سوال کیا۔

"جب ان واقعات سے تمہارا کوئی تعلق ہی نہیں تھا تو پھر ان کا مزید تذکرہ بے کار ہے۔ میں غیر ضروری طور پر اپنی کمزوریوں کی تشہیر کا قائل نہیں ہوں" میں نے ویرا کو آنکھ مار کے کہا۔

"کم از کم مجھے علم تو ہونا چاہیے کہ تم کیسے مسائل سے دوچار رہے ہو۔"

"تم میرے مربی یا سرپرست نہیں ہو کہ تمہیں ہر بات سے آگاہ کیا جائے۔ میں اپنے مسائل سے خود نمٹنے کی طاقت اور صلاحیت رکھتا ہوں۔ جس بات سے تمہارا سرے سے تعلق ہی نہیں ہے اس میں تمہیں گھسیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ صرف الجھنیں بڑھیں گی۔"

"میں تم پر چھانے کی کوئی کوشش نہیں کر رہا" اس کی آواز نرم اور میٹھی ہو گئی "اگر ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنا ہے تو ہمیں ایک دوسرے کے مسائل اور کمزوریوں کا علم بھی ہونا چاہیے تاکہ ہم کسی بھی برے وقت سے بچ سکیں۔"

"تم مسلسل مجھے کریدے جا رہے ہو۔ اپنی سرگرمیوں کے بارے میں تم نے کچھ نہیں بتایا۔"

"میری کوئی سرگرمیاں نہیں رہی ہیں۔ میں کراچی آنے کے بعد سے تمہاری تلاش میں لگا ہوا تھا۔ تم سے معاملات طے کرنے کے بعد کام شروع کیا جائے گا۔ تم نے ابھی تک تیسرے مسئلے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں تو نقصان بھی نہیں پہنچے گا۔"

"تم نرم خو نظر آنے کے باوجود بہت ضدی ہو" میں نے اکتاہٹ ظاہر کرتے ہوئے کہا "تیسرا اور بدترین اتفاق یہ ہوا کہ کل رات پولیس نے میری تلاش میں فیکٹری پر دھاوا بول دیا۔ میری عقل پریشان ہے۔ ایک ہی وقت میں اتنے اتفاقات کیسے رونما ہو سکتے ہیں؟"

"یہ تو بہت برا ہوا" اس کی آواز تحیر زدہ تھی "پھر تم ان سے بچنے میں کیسے کامیاب ہوئے؟ انہیں کس سلسلے میں تمہاری تلاش تھی؟"

"سلسلے چلتے ہی رہتے ہیں لیکن میں ہمیشہ ان سے بچتا رہا۔ رات کو بھی وہ میرے آدمیوں کو ستانے کے سوا کوئی کام نہیں کر سکے۔"

"تمہارا کوئی خطرناک دشمن تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ بہت محتاط رہنا ہوگا۔"

"میں تو تمہیں بھی اپنے خطرناک دشمنوں میں شمار کرتا ہوں" میں نے چوٹ کی۔

"کوئی وقت آئے گا تو تم دیکھ لو گے کہ میں ہی تمہارا بڑا خیر خواہ ہوں۔"

"وہ بھی دیکھ لیا جائے گا۔ اب تم کام کی بات کرو۔ بستر سے اٹھ کر منہ دھوئے بغیر فون پر آیا ہوں" میں نے گفتگو کو طول دینے میں کسی دلچسپی کا اظہار نہ کرتے ہوئے کہا۔

"کام کی صرف ایک ہی بات ہے کہ میں کسی وقت ملنا چاہتا ہوں۔"

"فیکٹری تم دیکھ ہی چکے ہو۔ فون کر کے کسی بھی وقت آ جاؤ۔"

"میری خواہش ہے کہ ہم کہیں اور ملیں۔ ابھی تم نے جن واقعات سے آگاہ کیا ہے' ان کے بعد ہمارا فیکٹری میں ملنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ ایک ہی وار میں ہم سب گھیرے جائیں گے۔ کوئی ہماری دیکھ بھال بھی نہیں کر سکے گا۔"

"پھر تم اپنا پتا دے دو۔ میں وہاں آجاؤں گا" میں نے تجویز پیش کر دی۔

"میں اپنے ٹھکانے پر بھی یہ غیر ضروری آمدورفت پسند نہیں کروں گا۔ نئے چہروں کو دیکھ کر پڑوسی شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اکیلا رہنے والے مردوں کو ویسے بھی یہاں شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔"

"تو کیا تم ہوٹل میں نہیں ہو؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں۔ ہوٹلوں میں آنے جانے والے غیر ملکی ایجنسیوں کی نگاہ میں رہتے ہیں۔ میں نے ایک رہائشی مکان کا حصہ کرائے پر لیا ہوا ہے... تم چاہو تو میں تین بجے مل سکتا ہوں۔ بعد کا پروگرام وہیں طے کر لیا جائے گا۔ ہو سکے تو ویرا کو بھی اپنے ساتھ لیتے آنا۔"

"ویرا لاپتا ہے۔ میں اسے تلاش نہیں کر سکوں گا" میں نے کہا "تم دونوں سے میرے معاملات طے ہو گئے تو وہ میرے فیصلے کی پابند رہے گی۔ تم اس کی طرف سے بے فکر رہو۔"

"میں بھی اکیلا آؤں گا" اس نے میری تصحیح کی "میرا ساتھی کہیں مصروف ہوگا۔ ٹھیک تین بجے ہم پرل کی لابی میں ملیں گے۔ مجھے تھوڑی سی دیر سویر ہو جائے تو انتظار کر لینا۔"

"ٹھیک ہے" میں نے کسی بحث میں پڑے بغیر کہا

ی کی دیر ہو جائے تو تم انتظار کرلینا۔ ویسے میں وقت پر پہنچنے
کوشش کروں گا۔ یہ یاد رکھنا کہ ہم پوری نیک نیتی کے
ں
ں ملاقات پر بات کر رہے ہیں۔ کوئی چوتھا اتفاق رونما ہوا تو
گناہ تمہارے نام منتقل ہو جائیں گے اور محاذ آرائی کا خون
۔ چل نکلے گا۔"

چوتھا اتفاق!" اس نے میرے الفاظ دہرا کر ایک ہلکا سا
قہقہہ لگایا "بعض اوقات تم بہت چبھتی ہوئی باتیں کہہ
۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری طرف سے تمہارا ذہن صاف
۔"

ہ مذاق کی بات تھی۔ میرا ذہن آئینے کی طرح صاف ہے۔
ہی نظر آتے ہو۔"
دونوں کے درمیان اختتامی کلمات کا تبادلہ ہوا اور میں نے
ردیا۔

خوب!" ویرا کھل کر بولی "وہ گھما پھرا کر تمہیں اپنی بے
یقین دلا رہا تھا اور تم اسے اپنی معصومیت کے فریب میں
تھے۔ میں شرط لگاتی ہوں کہ وہ تمہیں باہر گھیر کے پکڑنے
بنائے بیٹھا ہے۔ اس کے عزائم خطرناک نظر آتے

یرے عزائم بھی نیک نہیں ہیں.... مجھے معلوم ہے کہ میں
بجے بھی مقررہ مقام پر پہنچا تو ایلن وہاں موجود نہیں ہوگا۔
چھپ کر میری نگرانی کر رہا ہوگا۔ میں اسے تماشا دکھاؤں

مارے لب و لہجے سے خون کی پیاس جھلک رہی ہے" ویرا
لے کے بولی "معلوم ہوتا ہے کہ آج پھر کچھ نہ کچھ ہو کر

الحال موتی لال کو زندہ رکھنا ہے" میں نے اسے اپنے نئے
آگاہ کیا "ایلن اس کی زبان سے اپنے کرتوتوں کا ذکر سن کر
جائے گا۔ میری کوشش ہوگی کہ اسے زندہ ہی پکڑا

چوہوں نے اسے زندہ رہنے دیا ہوگا تو اسے زندہ رکھنا
نہ مجبوری ہے" ویرا نے شانے اچکا کے بے پروائی سے

فون پر اوّل خان کا نمبر ملانے لگا۔ ایلن کے ساتھ طے
ملاقات کے لیے ایس ٹی ایف کی طرف سے کوئی شایان
ت بہت ضروری تھا۔
یشن فور کا نیا فون نمبر ڈائل کرتے ہوئے مجھے پورا
اس وقت تک اوّل خان اپنے دفتر پہنچ چکا ہوگا اور مجھے
ادلۂ خیال کرنے کا موقع مل جائے گا لیکن سلسلہ ملنے پر
ٹ سے اطلاع ملی کہ وہ اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔
ل ٹاسک فورس کے ساتھ میرے روابط اتنے بڑھ گئے
تھے کہ اس خفیہ فورس کے بیشتر اہل کار مجھے پہچاننے لگے تھے۔
اسٹیشن فور کے آپریٹر نے بھی میری آواز پہچان لی اور اوّل خان کی
غیر حاضری پر میری مایوسی کو بھانپ کر فوراً ہی بتانے لگا کہ اوّل خان
گھر سے دفتر پہنچنے کے بعد ایک لاسلکی پیغام ملتے ہی کہیں روانہ ہو گیا
تھا۔ اس کے ماتحتوں میں سے کسی کو علم نہیں تھا کہ اس وقت وہ
کہاں مل سکے گا۔

میں نے آپریٹر کا شکریہ ادا کر کے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔
"یہ اچانک تمہارا چھولنک کرنے تک کیوں آ گیا ہے؟" ویرا
نے چوٹ کی۔

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا لیکن اس کے تبصرے کا
فوری طور پر جواب نہیں دیا۔ وہ اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے
درمیان جما کر مجھے یوں دیکھنے لگی جیسے میرے سر پر اچانک سینگ
نکل آئے ہوں۔

میں نے اس کی تاؤ دلانے والی حرکتوں کو نظر انداز کرنے کا
فیصلہ کر کے اپنے لیے سگریٹ سلگانی شروع کر دی مگر وہ شرارت پر
آمادہ ہونے کے بعد عام طور پر آسانی سے قابو میں نہیں آتی تھی۔
ابھی میں سگریٹ کے پہلے کش کا دھواں اپنے دہانے سے خارج بھی
نہیں کرنے پایا تھا کہ ویرا اپنی جگہ چھوڑ کر کسی چیل کی طرح میری
طرف جھپٹی اور میرے ہونٹوں سے سلگتی ہوئی سگریٹ نکال لے
گئی۔

"بعض اوقات تم ناقابلِ برداشت ہونے لگتی ہو" میں نے
تلخی سے کہا۔

وہ اطمینان سے پیر اوپر کیے، صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی اور کسی
عادی نشے باز کی طرح اپنی آنکھیں نیم وا کیے، سگریٹ کے گہرے
گہرے کش لے رہی تھی۔ میری شکایت پر اس نے بے پروائی سے
اپنے نتھنوں اور دہانے سے دھواں خارج کرتے ہوئے کہا "یہی
بات تمہارے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ اس وقت تمہاری
بے نیازی کسی بھی معقول انسان کا خون سلگانے کے لیے کافی
تھی۔"

"یہ نئی اطلاع ہے کہ اب تم خود کو ایک معقول انسان سمجھنے
لگی ہو۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اوّل خان سے بات نہ ہونے کی وجہ سے
تمہیں شدید ذہنی صدمہ پہنچا ہے۔" وہ میری بات کو نظر انداز کرتے
ہوئے بولی "آخر تم اس سے کیا چاہ رہے تھے؟"

"میں جو کچھ چاہ رہا تھا، وہ تمہارے علم میں بھی ہے۔ ایلن سے
ملاقات کا وقت سر پر آنے سے پہلے اوّل خان کو اتنا وقت ضرور ملنا
چاہیے کہ وہ اپنے آدمیوں کو حرکت میں لا سکے۔"

"میں تم سے سو فیصد متفق ہوں" وہ سہلا کر بولی "لیکن ابھی
صبح کے صرف آٹھ بجے ہیں۔ ایلن سے ملاقات میں ابھی سات گھنٹے
باقی ہیں۔ اس دوران میں اوّل خان سے رابطہ ہو ہی جائے گا۔ اس
وقت اس کے نہ ملنے سے کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔"

میں چند ثانیوں تک پُرخیال نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستگی سے بولا "ہم سات گھنٹے تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو بازی ہمارے ہاتھ سے نکل بھی سکتی ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ہم اس وقت کس قدر مخدوش صورتِ حال میں گھرے ہوئے ہیں۔"

"مجھے اندازہ نہیں ہے تو تم ہی میرے ذہن کی دھند کو صاف کردو۔ سیدھی اور سچی بات یہ ہے کہ بیڈ ٹی لیے بغیر میرا ذہن کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔"

"گالان میں تو تمہیں ایسی کوئی مجبوری لاحق نہیں تھی" میں نے اسے یاد دلایا۔

"یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ گالان میں ہم بدترین خطرات میں گھرے ہوئے تھے۔ غیر معمولی حالات کے چنگل میں پھنس کر انسان اپنے معمولات کو خود بخود فراموش کر بیٹھتا ہے لیکن عام زندگی میں وہ ہر لمحے اپنی عادتوں کا غلام رہتا ہے۔ گالان میں تو ہم سب ہی بدل کر رہ گئے تھے۔"

"میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا ہوں کہ اس وقت ہم گالان سے زیادہ دھماکا خیز صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ پانسا پلٹ گیا تو ہمیں اپنی بے عملی پر پچھتانے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔"

"تمہاری باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ موجودہ حالات کے حوالے سے تمہارے ذہن میں کوئی پُرہول نقشہ سر ابھار رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اشاروں کنایوں میں بات کرنے کے بجائے تم ایک بار کھل کر اپنے خدشات بیان کرتے چلے جاؤ تاکہ ہم مفاہمانہ ماحول میں تبادلۂ خیال کر سکیں۔"

ویرا کو پوری سنجیدگی سے مفاہمت پر آمادہ پا کر میں نے بات چھیڑ دی۔

ہمارا کھیل یک بیک ہی بری طرح الجھ گیا تھا۔ میرے خلاف بیک وقت دو سفارتی محاذ کھلے ہوئے تھے۔ ایک طرف جم کلارک کے امریکن بہی خواہ میرے خون کے پیاسے ہو رہے تھے تو دوسری طرف بھارتی قونصل خانے کے زیرِ سایہ کام کرنے والے را کے سفاک ایجنٹ میرا پیچھا کر رہے تھے۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ وہ دونوں حریف اپنے بھرپور وسائل کو حرکت میں لانے کے باوجود میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکے تھے بلکہ اپنے سرگرم کارکنوں کی لاشیں ڈھوتے پھر رہے تھے۔

پہلے بل جونز کے ساتھ پال ایتھرٹن ہمارا نشانہ بنا پھر یکے بعد دیگرے جم کلارک، ولیم اور راجر مارے گئے۔ ان کے مقامی ہمدردوں کی سزا یابی بلکہ خوں ریزی اس کے علاوہ تھی۔ یہی حشر موتی لال کے ساتھیوں کا ہوا تھا۔ انتہا یہ تھی کہ اس وقت موتی لال ہماری قید میں اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا تھا اور اس کے آدمیوں کے پاس میرا کوئی سراغ نہیں تھا لیکن ایلن نے درمیان میں کود کر یہ توازن بگاڑ دیا تھا۔ اس خبیث فطرت شخص نے قلیل سی مدت میں میرے ٹھکانے کا سراغ لگا لیا تھا۔ حالات بتا رہے تھے کہ اسے میرے دونوں سفارتی حریفوں کی تائید حاصل تھی۔

اس نے براہِ راست میرے مقابلے پر اترنے کے بجائے مقامی پولیس کو جہانگیر کی فیکٹری پر چڑھ دوڑنے پر اکسایا۔ یہ اس کے مقدر کی خرابی تھی کہ انتہائی نامساعد حالات میں پولیس کے گھیرے میں آجانے کے باوجود میں ویرا سمیت بچنے میں کامیاب ہوگیا۔

ایلن نے اس علاقے کی پولیس کو اکسا کر جس کارروائی کی داغ بیل ڈالی تھی، وہ اس سے بے خبر ہو کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ وہ اس آپریشن کے ہر مرحلے سے پوری طرح باخبر ہوگا۔ اسے یہ جان کر شدید حیرت ہوئی ہوگی کہ فیکٹری سے حراست میں لیے جانے والے تین افراد میں میرا اور ویرا کا نام شامل نہیں تھا۔

پھر اسے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ پراسرار حالات میں ان تینوں کو بھی رہا کردیا گیا۔ وہ کارروائی بڑے پیمانے پر کی گئی تھی۔ اس میں نچلے درجے کے بھی متعدد اہل کار شامل تھے جن کے ذریعے بہت کچھ خبریں باہر نکل سکتی تھیں۔ ایلن کو اپنی کارروائی کا یہ انجام کسی بھی طرح پسند نہیں آسکتا تھا۔

اس نے پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی مجھے فون کیا تو خود کو ان تمام واقعات سے لاتعلق ظاہر کرتے ہوئے مفاہمت اور تعاون پر زور دیتا رہا۔ نہ اس نے فیکٹری پر ناکام دھاوے کا ذکر کیا نہ میں نے اس بارے میں بات کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے اسے یہ تشویش ہوئی ہوگی کہ میں پولیس پارٹی کی گرفت سے بچ نکلنے کے بعد کس کمین گاہ میں ڈٹا ہوا تھا۔ میرے اس اطمینان اور ہمت کے معاملے میں کچھ وفاقی قوتوں کی بھرپور مداخلت کی کہانیاں اسے اور اس کے پشت پناہوں کو کسی اور معاملے پر آمادہ کر سکتی تھیں۔

ویرا کے کہنے کے مطابق ایلن سے ملاقات میں سات گھنٹے باقی تھے۔ ایلن فیکٹری میں میری موجودگی کا یقین کر لینے کے بعد ڈیڑھ دو گھنٹوں میں ہی کوئی قدم اٹھا سکتا تھا۔ اس کے متوقع وار سے بچنے کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ ہم لوگ پر جہانگیر کی فیکٹری کو خیرباد کہہ دیں۔ وہاں ٹھہرے رہنے کی صورت ہو سکتی تھی کہ اوّل خان فیکٹری کے لیے مزاحمت کرکے باہر بھی اپنے محافظوں کا جال پھیلا دیتا اور ایلن کے آنے والے فیکٹری سے دور ہی دھر لیے جاتے.... لیکن اوّل خان باہر تھا۔ وقت گزر رہا تھا۔ ہم اس کے انتظار میں زیادہ دیر نہیں رک سکتے تھے۔ بدلے ہوئے حالات میں ہم لوگ کسی عمارت کے بجائے کھلے شہر میں زیادہ آسانی سے اپنی حفاظت کر سکتے تھے۔ "معلوم ہوتا ہے کہ جاگ کر سنگرشیں پھوٹ رہے ہیں۔ تم بھی یہ سب سوچ رہے تھے" میری بات مکمل ہونے کے بعد

"نیند مجھے بھی نہیں آرہی تھی لیکن میرا ذہن فضول باتوں میں الجھا ہوا تھا۔ تم آنے والے لمحات میں جھانکنے کی کوشش کر رہے تھے اور میرے ذہن میں ماضی کی فلمیں چل رہی تھیں۔ ماضی اس قدر راسخ اور دیرپا ہوتا ہے کہ زبان سے محض چند فقرے ادا کر کے اس سے جان نہیں چھڑائی جا سکتی۔ میں اپنے ماضی سے رشتہ توڑنے کا مصمم ارادہ کر چکی ہوں لیکن پھر بھی ہزار جھمیلے اور پچھتاوے ہیں جو رفتہ رفتہ ہی دھندلا سکیں گے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں اب تک بے مقصد قربانیاں دے کر خود کو برباد کرتی رہی ہوں۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ اس کا مداوا کیا ہوگا۔۔۔"

شاید اس کی تقریر مزید جاری رہتی لیکن میں نے ہاتھ اٹھا کر نرمی سے اسے خاموش کر دیا "میں تمہاری ان تمام الجھنوں کو سمجھ سکتا ہوں۔ ایسے فیصلے آسان نہیں ہوتے۔ ان پر ہم بعد میں بھی بات کر سکتے ہیں۔ اس وقت ہماری بقا کا انحصار دوسری باتوں پر ہے۔ ہم بچ نکلے تو ساری عمر اپنے مسائل اور الجھنوں کے حل تلاش کرتے رہیں گے۔ مارے گئے تو سب کچھ اسی لمحے ختم ہو جائے گا۔"

"میں موت سے نہیں ڈرتی لیکن تمہاری بات درست ہے" اس نے اعتراف کیا "زندگی بس ایک بار ملتی ہے۔ ہر انسان کو زندہ رہنے کی سر توڑ مگر باعزت کوششیں کرنی چاہئیں۔ ایلن بہت چالاک بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ پولیس والوں کی ناکامی سے اسے شدید ذہنی جھٹکا لگا ہوگا۔ تم اسے ایک بار پھر تحیر میں مبتلا کر سکتے ہو۔۔۔"

"میں اسی وقت یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں" میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا۔

"میں بھی یہی کہنے والی تھی" وہ پُرزور لہجے میں بولی "تمہارے اندیشوں میں بہت جان ہے۔ ایلن نے اپنی دانست میں تمہیں تین بجے تک الجھا لیا ہے۔ اس کا توڑ یہی ہے کہ ہم پانچوں یہاں سے نکل جائیں۔ اوّل خان سے شہر میں کہیں سے بھی رابطہ کیا جا سکتا ہے۔"

میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی "میں اسی لیے تم سے بات کرتا ہوں کہ تمہاری کھوپڑی فوراً ہی میرے خیالات اچک لیتی ہے۔ فیکٹری کو ریشم خان، اوّل خان کے آدمیوں کے ساتھ سنبھال لے گا۔ موتی لال اگر زندہ ہو تو فی الفور اس کا جھٹکا کرنا چاہیے۔ اوّل خان ہی کا کوئی آدمی اس کی لاش کو ٹھکانے لگا دے گا۔ ہم جہانگیر کو لے کر یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"یہاں سے نکل کر تم شہر میں کہاں پناہ لینا چاہتے ہو؟" ویرا نے دلچسپی سے پوچھا۔

"فوری مسئلہ یہ فیکٹری چھوڑنے کا ہے" میں نے کہا "اس کے بعد کہیں بھی قدم جمائے جا سکتے ہیں۔ شہر میں ہم ایک دوسرے سے الگ ہو کر ہوٹلوں کا رخ بھی کر سکتے ہیں۔ اس معاملے میں جہانگیر بھی پورا تعاون کرے گا۔ وہ لاہور سے اپنی بیوی کو واپس بلانے کے لیے مضطرب ہے۔ وہ اپنا مکان فروخت کرنے پر آمادہ ہو چکا ہے اور فوری طور پر نیا مکان خریدنے یا کرائے پر لینے کے بعد ہی سلمٰی کو بلائے گا۔"

"تم نے میرے سر پر سے ایک بڑا بوجھ ہٹا دیا" وہ ایک گہرا سانس لے کے بولی "شی سے کنارہ کش ہونے کے بعد جہانگیر نے اپنی پرانی زندگی کو اتنی تیزی سے خیرباد کہا ہے کہ اس کے ذہن اور صلاحیتوں کو زنگ لگ چکا ہے۔ تحفظ اور سلامتی کے معاملات میں اس کے سوچنے اور عمل کرنے کی رفتار اتنی سست ہو گئی ہے کہ بعض اوقات اس پر غصہ آنے لگتا ہے۔"

"اس کے باوجود وہ آنکھیں بند کر کے ہمارا ساتھ دیتا چلا آیا ہے۔ اس کا بھرپور تعاون میسر نہ ہوتا تو ہم بہت پہلے ناقابلِ تصور دشواریوں میں گھر چکے ہوتے۔" میں نے کہا۔

ویرا ہنس پڑی "مجھے معلوم ہے کہ وہ تمہارا چہیتا ہے۔ اب میں ان سب کو اٹھانے جا رہی ہوں۔ پتا نہیں یہ لوگ کب کی خبر لائیں گے۔"

وہ پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ کر اندر چلی گئی اور میں اپنے خیالوں میں گم ہو گیا۔

ویرا نے صرف جہانگیر کو میرا چہیتا قرار دیا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ مجھے وہ سب ہی یکساں عزیز تھے۔ غزالہ نے اپنے دل گداز خاندانی پس منظر کے باوجود میرے لیے جو مصائب برداشت کیے تھے، انہیں آسانی سے فراموش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چادر اور چاردیواری کے روایتی تصور میں محصور رہ کر زندگی گزارنے والی اس لڑکی نے برا وقت آنے پر دو مرتبہ جبری جلاوطنی کے ہولناک دکھ اٹھائے تھے اور اپنے خوابوں میں بس میری تصویر بسائے، اچھے دنوں کے لیے جاں سوز جدوجہد کرتی رہی تھی۔ آزمائش اور تجربات کی اس بھٹی سے گزر کر وہ میری بیوی بنی تو اس نے باہمی اعتماد اور رواداری کے ایسے شاندار رویّے کا مظاہرہ کیا کہ مجھے ویرا جیسی منہ پھٹ اور بے لگام لڑکی کو اپنے ساتھ رکھ کر بھی کبھی ندامت یا شرمندگی سے دوچار نہیں ہونا پڑا۔ نازک لمحات میں غزالہ ہمیشہ خاموشی اور چشم پوشی سے کام لیتی رہی تھی۔ میرا اور اس کا رشتہ عجیب ہی نہیں، بہت نرم و نازک بھی تھا۔ مجھ سے شادی کرنے سے پہلے شاید اسے بھنک مل چکی تھی کہ میرے اور ویرا کے مراسم بہت زیادہ سیدھے سادے نہیں تھے۔ وہ میرے حریفِ اوّل، جی لائیڈ کی غیر قانونی اولاد تھی اور ایک زمانے میں میری جان کی دشمن رہ چکی تھی لیکن جب اس کی جمالیاتی حس نے زور مارا تو وہ مجھے بھی دوسرے پسندیدہ مردوں کی طرح اپنا کھلونا بنانے پر تل گئی۔ دشمن زادی پر مکمل ترین تصرف کا خمار اس قدر گہرا تھا کہ میں نے ویرا کے منتخب کیے ہوئے راستے سے انحراف کی کوئی شعوری کوشش نہیں کی۔ غزالہ خود بہت ہوشیار تھی اور اس داؤ پیچ کو سمجھتی تھی۔ دوسری طرف سلطان شاہ تھا جو میرے اور ویرا کے میل جول سے کبھی بھی خوش نہیں رہا تھا۔ دوسری طرف وہ غزالہ کو اپنی منہ بولی بہن بنا چکا تھا اور اس رشتے کے حوالے سے غزالہ کو سمجھاتا رہتا

تھا کہ وہ مجھے اور ویرا کو ایک دوسرے کے زیادہ قریب نہ رہنے دے
لیکن غزالہ کو قدرت نے عجیب سے ٹھنڈے اور دھیمے مزاج سے
نوازا تھا۔ اس نے مجھے صرف میری خوبیوں کے ساتھ نہیں بلکہ
خامیوں سمیت قبول کیا تھا۔ وہ سب کچھ سمجھتے اور جانتے ہوئے بھی
اس بات پر قانع رہی کہ میں ڈنکے کی چوٹ پر صرف اور صرف اسی
کے نام کی مالا جپتا رہتا تھا۔ میری ذات کے ساتھ دوسرے ناموں کی
وابستگی عارضی اور بے بنیاد تھی۔ مکاؤ کے ڈون کوانگ فو کی قہر آلود
مہربانیوں کے طفیل ایک چینی مولوی نے مجھے اور غزالہ کو نکاح کے
رشتے میں منسلک کیا تھا اور ہم نے ڈون کے عالی شان شیش محل
کے طلسماتی اندھیروں اور فسوں خیز دھندلکوں میں ایک دوسرے کی
جسمانی تفہیم کا عروسی جشن منایا تھا۔ گنتی کے وہ چند روز اس قدر
سحر انگیز تھے کہ ان کے بارے میں سوچ سوچ کر جسم و جاں کو ایک
روح پرور بالیدگی کا احساس ہوتا تھا۔

مکاؤ سے کراچی کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی حالات نے ایسا
پلٹا کھایا کہ ہم سب اپنی سلامتی کے بحران میں مبتلا ہو کر حالات یا
پھر سردار پائندہ گل کے قیدی بن گئے۔ وہ جنت گل کے ہاتھوں زخم
کھا کر وحشی درندہ بنا ہوا تھا۔ اسے دوسروں کے رشتوں کا کوئی پاس
نہیں تھا۔ ہم سب مویشیوں کی طرح ایک ہی چار دیواری میں رہتے
رہے پھر گالان میں سردار صبغت اللہ کا خونیں انقلاب کامیاب
ہوا تو ہماری خلوتیں زنانہ اور مردانہ حصوں میں بانٹ دی گئیں اور
غزالہ نے کبھی کوئی شکوہ نہیں کیا۔ شرف آباد والے فلیٹ میں لوٹنے
کے بعد میری طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں ویرا اور سلطان شاہ
کو ایک دوسرے کے رحم و کرم پر چھوڑ کر غزالہ کے ساتھ خلوت
نشین ہو جاؤں۔ غزالہ نے اس فراخ دلانہ بندوبست پر کبھی کوئی
شکایت نہیں کی۔ ہمیں خلوتیں میسر آتی رہیں لیکن وقت کے
تقاضوں کے تحت غزالہ نے مجھے ہر فیصلے کا اختیار دے رکھا تھا۔
اس نے کبھی بھی اپنی مرضی میرے اوپر مسلط کرنے کی کوشش نہیں
کی۔

غزالہ کے اس باوقار رویئے نے میری نظروں میں اس کا مقام
بہت بلند کر دیا تھا۔ وہ کوئی عام لڑکی نہیں تھی۔ اس نے اپنے باپ'
کرنل زوار زیدی اور اپنی ماں' شمع کی زندگی کے نشیب و فراز سے
بہت کچھ سیکھا تھا۔ کرنل زوار زیدی نے شمع کا انتخاب اس بازار
سے کیا تھا جہاں بنتِ حوا کو وزنی گھنگھروؤں کی بیڑیوں میں قید کر کے
ہوس کے سُرتال پر نچایا جاتا ہے۔ زوار زیدی نے اس شمعِ محفل کو
اپنی آن بنا لیا لیکن اس کا خاندان کبھی بھی شمع کے اس روپ کو
تسلیم نہیں کر سکا۔ غزالہ کو عورت کی توقیر اور بے توقیری کے اس
فاصلے کا بخوبی علم تھا۔ وہ جانتی تھی کہ جسے شوہر چاہے' وہ ناچنے والی
ہو کر بھی آسودہ محبت سے سرشار ہو سکتی ہے اور جسے مرد نہ چاہے وہ
کوہِ قاف کی پری ہونے کے باوجود دوسروں کی تیکھی نظروں کا سامنا
نہیں کر سکتی۔ زن و شوہر میں اصل رشتہ اعتماد کا ہوتا ہے' شکوک
و شبہات کا نہیں۔ غزالہ نے مجھ پر اندھا اعتماد کر کے میرے اور
ویرا کے درمیان ایک ایسی نادیدہ لکیر کھینچ دی تھی جسے عبور کرنا
آسان نہیں تھا۔ اس نے اپنے حوصلے اور وقار سے مجھے ہمیشہ کے
لیے اپنا اسیر کر لیا تھا۔

غزالہ تو خیر میری محبوبہ رہی تھی اور ان دنوں میری بیوی بن
چکی تھی لیکن سلطان شاہ سے میرا کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود وہ
مجھے اپنے سگے بھائی کی طرح عزیز تھا۔ میں نے اپنی زندگی کے عملی
آغاز پر رشتوں کے بہت گہرے گھاؤ کھائے تھے۔ وقت کی گردش
میں پڑ کر میں ان زخموں کے دکھ بھول جانے کے لیے کوشاں رہتا تھا
لیکن یہ بات میرے دل پر نقش تھی کہ میرے سوتیلے بھائی تصویر علی
نے مجھے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس کی رگوں میں
بھی وہی خون گردش کر رہا تھا جو میرے وجود میں رواں تھا لیکن وہ
حرص و ہوس کے چنگل میں پھنس کر میرے بدترین دشمن کے ساتھ
جا ملا تھا۔ ان تجربات کی وجہ سے میں سلطان شاہ کی محبت اور
وفاداری پر اکثر دل گیر ہو جایا کرتا تھا۔ اپنی مجبوریوں کے دائرے
میں رہنے کے باوجود وہ میرا سب سے بڑا دوست' خیر خواہ اور ہمدرد
تھا اور ہر وقت میرے پسینے پر اپنا لہو نچھاور کر دینے کے لیے کمربس
رہتا تھا۔ اس نے متعدد سنگین مواقع پر اپنی لازوال بے خوفی سے
میرے دل میں اتنے گہرے نقوش ثبت کیے تھے کہ میں کسی و
رنجش یا برہمی کی رو میں بہہ کر بھی اسے فراموش نہیں کر سکتا تھا
عملی طور پر وہ میرے وجود کا ایک حصہ بن کر رہ گیا تھا۔

جہانگیر جیسا اور جو کچھ بھی تھا' سامنے ہی تھا۔ اس کے سا
تعلق میں کوئی جذباتی پیچیدگی نہیں تھی۔ سیدھی سی بات تھی کہ
برے وقتوں کا ساتھی تھا اور ہر وقت ان دیرینہ مراسم کو نبھانے
فکر میں رہتا تھا۔ ان تینوں کے علاوہ ویرا کا اپنا ایک منفرد کر
تھا۔ وہ ہم میں سے نہ ہوتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ اس طرح گھ
مل گئی تھی کہ خاندان کے کسی قریبی فرد کی طرح معلوم ہوتی
اس کے کردار کی کمزوری' حد سے بڑھی ہوئی آزاد روی اور ر
مزاجی اپنی جگہ تھی لیکن اس نے جی لائیڈ کی ہولناک سازشو
سامنے ڈٹ کر پاکستان کے مفادات کے لیے جو کام کیا تھا وہ اس
ہر کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لیے کافی تھا۔ سب سے بڑی بات یہ
کہ ویرا نے اپنے پدر الحرام کے قتل کی خبر سننے کے بعد نہ ص
اپنے ماضی سے ہر رشتہ توڑنے کے عزم کا اظہار کیا تھا بلکہ اس
امریکن شہریت کو بھی ترک کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ
باتیں اس امر کی نشان دہی کر رہی تھیں کہ اس بری عورت
خوب صورت وجود میں ایک اچھی عورت بھی خوابیدہ
حالات کے جھٹکوں سے بیدار ہو کر میدانِ عمل میں اترنے
مضطرب تھی۔

زندگی کے طویل سفر میں مہینوں بلکہ سالوں کی بھی بہت
وقعت نہیں ہوتی لیکن ہم سب نے قلیل سی مدت میں یو
خاندان کا سا روپ دھار لیا تھا جیسے ہم سب ہمیشہ سے ایک د
کے دکھ درد میں شریک ہوتے رہے ہوں۔

میرا ذہن ان ہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ ریسٹ ہاؤس کے اندرونی حصے سے افراتفری کی آوازیں آنے لگیں۔ شاید ویرا نے ان لوگوں کو بیدار کرتے ہوئے افراتفری پھیلا دی تھی۔

فیکٹری سے روانگی کا اصولی فیصلہ کرلینے کے بعد میری دانست میں وہاں سے فوراً ہی نکل پڑنا بہتر تھا۔ میں اپنے ساتھیوں میں سے کسی کی جرح کا سامنا کرنے سے پہلے ہی نیچے چل دیا۔

ریشم خان اور اول خان کے تینوں آدمیوں کو میرے نئے فیصلے کا علم نہیں تھا۔ ریشم خان اپنی چارپائی پر بیٹھا ناشتا کررہا تھا۔ ارشد اپنے ساتھی سمیت کرسیوں پر براجمان تھا۔ بشیر شاید اس وقت دفتر کی عمارت کی چھت پر اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھا۔

مجھے نمودار ہوتا دیکھ کر وہ تینوں ہی اپنی جگہیں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"قیدی کا کیا حال ہے؟" میں نے ارشد کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دوستانہ لہجے میں پوچھا۔

"برا حال ہے۔ وہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکے گا" ارشد نے کسی تاسف کے بغیر سپاٹ لہجے میں جواب دیا "گوداموں میں پلے ہوئے چوہے شاید ساری رات اس کے خون آلود زخموں کو بھنبھوڑتے رہے ہیں۔ اس کے چہرے اور بدن پر بہت زیادہ ورم آگیا ہوا ہے اور جلد نیلی پڑتی جارہی ہے۔ شاید چوہوں کے کاٹنے سے اس کے خون میں زہر سرایت کرگیا ہے۔ میں تھوڑی دیر پہلے اسے دیکھنے گیا تو اس کی کرب آلود نگاہوں میں فریاد رچی ہوئی تھی۔"

"میری رائے ہے کہ اسے اس عذاب سے نجات ملنی چاہیے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"حکم ہو تو میں اسے ابھی کھولے دیتا ہوں" ارشد میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔

"کھولو نہیں، اسے ختم کردو" میں نے سرد لہجے میں کہا "اور اس کی لاش فوری طور پر شہر کے کسی متعفن کوڑے دان پر ڈلوادو۔ ممکن ہے کہ وہ اب تک طاعون میں مبتلا ہوچکا ہو۔"

"یس سر!" اپنے اندازے کے برعکس میرا بے رحمانہ فیصلہ سن کر ارشد بوکھلا گیا "یہ بہت آسان کام ہے۔ میں دس منٹ میں اس کی لاش یہاں سے روانہ کیے دیتا ہوں۔"

"اور پھر یہ فیکٹری تم چاروں ہی کو سنبھالنی ہے۔ ہم یہاں سے کوچ کررہے ہیں۔"

وہ تینوں مجھ سے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں کرسکے لیکن ان کے بشروں سے ظاہر ہورہا تھا کہ میرے کیے ہوئے انکشاف نے انہیں متحیر کردیا تھا۔

میں عمارت کے زینوں کی طرف واپس لوٹا تو ارشد کترنوں والے اس گودام کی طرف چل پڑا تھا جہاں موتی لال اپنی موت کے انتظار میں وقت گزار رہا تھا۔

اوپر ویرا نے نہ جانے کیا صور پھونکا تھا کہ سب ہی میری توقع سے کہیں زیادہ سرعت سے تیار ہوکر کمروں سے باہر آگئے۔ ویرا اور غزالہ کچن میں گھس کر ناشتے کی تیاری میں مصروف ہوگئیں۔ جہانگیر اور سلطان شاہ ڈرائنگ روم میں میرے پاس آگئے۔

"رات کو ہم سب اچھے خاصے سوئے تھے۔ صبح صبح تمہیں کیا سوجھی ہے کہ اچانک ہی یہاں سے نکل بھاگنے پر تل گئے ہو؟" جہانگیر نے برا سامنہ بنا کر مجھ سے سوال کیا۔

"یہاں کے خشک اور مشینی ماحول سے دل اکتا گیا ہے" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "یہاں روپوش ہونے کے بعد یہ عزت افزائی ہوئی ہے کہ اب کتے تک ہمارے منہ آنے لگے ہیں۔"

"اس کتے کو میں نے دعوت نامہ بھیج کر تو نہیں بلایا تھا" وہ جل کر بولا۔

"نہ بلایا ہو مگر وہ کتا تمہاری فیکٹری ہی کی برکات میں شمار ہوگا۔"

"تم ٹال رہے ہو" سلطان شاہ گفتگو میں دخل دیتے ہوئے بولا۔ "ویرا نے بھی خطرے کی رٹ لگائی ہوئی ہے لیکن کھل کر کچھ نہیں بتارہی کہ یہاں سے بھاگنے کی نوبت کیوں آئی ہے۔"

"مجھے اس فیصلے پر اعتراض نہیں ہے" جہانگیر بولا "سچ پوچھو تو مجھے تمہارے اس فیصلے سے خوشی ہوئی ہے۔ فیکٹری میں میں خود کو تم سب کی سلامتی کا ذمے دار محسوس کررہا ہوں۔ یہاں سے نکل جانے کے بعد میرے سر پر سے بہت بڑا بوجھ اتر جائے گا لیکن ہر اچھے فیصلے کا کوئی سبب بھی ہوتا ہے۔ ایسی کیا تبدیلی آئی ہے کہ تم نے چند گھنٹوں میں یہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کرلیا ہے؟"

"ایلن ہم لوگوں میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہا ہے اور ضرورت سے کچھ زیادہ ہی فعال ہوگیا ہے" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "کل رات ہی اس نے یکے بعد دیگرے ہم پر دو وار کیے اور ہماری خوش قسمتی سے وہ دونوں ہی بار ناکام رہا۔ اس کا کتا ہم تک پہنچ سکا نہ اس کی بھیجی ہوئی پولیس پارٹی مجھے یا ویرا کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوسکی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ زیادہ انتظار کیے بغیر کوئی تیسرا وار کر بیٹھے۔ تھوڑی دیر پہلے اس کا فون آیا تھا۔ میں اسے مزید کوئی موقع دینے سے پہلے اس چوہے دان سے نکل جانا چاہتا ہوں۔"

"تو یوں کہو کہ ایلن کے فون نے تمہیں اس ہنگامی فیصلے پر مجبور کیا ہے" سلطان شاہ اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر بولا "وہ کیا کہہ رہا تھا؟"

میں نے ان دونوں کو اختصار سے اپنی اور ایلن کی گفتگو سے آگاہ کردیا۔

"یہ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ جب بھی صورتِ حال میں کوئی قابلِ ذکر تبدیلی رونما ہوتی ہے تو ویرا ضرور تمہارے آس پاس موجود ہوتی ہے" جہانگیر نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

"تمہاری بات کا جواب تمہارے اپنے سوال میں مضمر ہے... وہ سوچتی رہتی ہے، حالات کا تجزیہ کرتی رہتی ہے، تمہاری

طرح گدھے گھوڑے بیچ کر نہیں سوتی۔۔۔“

”میرا سوال دوسرا ہے“ جہانگیر نے مجھے اپنی بات پوری نہیں کرنے دی ”ہم سب کے سو جانے کے بعد تم دونوں تنہائی میں کیا کر رہے تھے؟ مجھے حیرت ہے کہ غزالہ تمہاری ان حرکتوں کو کیسے نظرانداز کر دیتی ہے۔ اصولاً تو ویرا کے بجائے غزالہ کو تمہارے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔“

”یہ اعتراض تمہارے بیمار ذہن کی پیداوار ہے۔ غزالہ متعصب اور تنگ نظر لڑکی نہیں ہے۔ وہ جانتی ہے کہ ہم ان دنوں جن خطرناک حالات سے گزر رہے ہیں ان میں ویرا کیا کردار ادا کر رہی ہے۔ تم تو اس قابل بھی نہیں رہتے کہ میں کسی نازک معاملے پر تم سے مشورہ کر سکوں اور دوسری اہم ترین بات یہ ہے کہ ایلن کا فون آنے سے قبل ہم دونوں یکجا نہیں تھے۔ میں ڈرائنگ روم میں اونگھ رہا تھا۔ ویرا فون کی گھنٹی سن کر اس وقت آئی تھی جب میں بات شروع کر چکا تھا۔“

”اب تم جو چاہو کہہ سکتے ہو“ وہ بے اعتباری سے اپنے شانے اچکا کے بولا ”ہم لوگ بیٹھ کر تمہاری چوکیداری تو نہیں کر سکتے۔ یہ ذمے داری غزالہ کی ہے کہ وہ تم دونوں کے میل جول پر نظر رکھے۔“

”بکواس مت کرو۔۔۔ میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔“ اس کی الزام تراشی پر مجھے غصہ آ گیا۔

”سچ ہر وقت اور ہر ایک کو برا لگتا ہے۔ تم کوئی نئی بات نہیں کہہ رہے۔“

”تم بلاوجہ بات بڑھا رہے ہو“ سلطان شاہ نے خشک لہجے میں کہا۔ ”اوہ!“ جہانگیر نے حیرت سے کہا ”تو تم بھی اس معاملے میں غزالہ کے بجائے ڈینی کے حامی ہو؟“

”میں کسی کا حامی یا مخالف نہیں ہوں“ سلطان شاہ کا لہجہ قدرے ناخوش گوار ہو گیا ”غزالہ نے باہر رہ کر بہت کچھ دیکھا اور سیکھا ہے۔ وہ جانتی ہے کہ ویرا جیسی آزاد منش، مغربی عورت کو ہم اپنے طور طریقوں میں نہیں جکڑ سکتے۔ اسے ڈینی پر اعتماد ہے تو تم اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہو؟ اس بھیڑ میں رہ کر کوئی بھی ہوش مند شخص بہت زیادہ آزاد روی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔“

جہانگیر نے اس کی بات کاٹ دی اور بولا ”میں ڈینی یا غزالہ کا بدخواہ نہیں ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ غزالہ نے اپنی آنکھیں کھلی نہ رکھیں تو وہ ایک دن سر پکڑ کر روئے گی۔“

میں غصے اور بے بسی سے اس احمقِ مطلق کو گھورتا رہ گیا۔ وہ جو کچھ کہنا چاہ رہا تھا وہ اتنا زیادہ غلط بھی نہیں تھا۔ میں غزالہ سے شادی ہونے کے بعد بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا لیکن ویرا نے میرے بارے میں کبھی بھی اپنے جذبات چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ بار بار حیلے بہانے سے مجھے کریدتی رہتی تھی اور اس کے لیے بس یہی ایک خوش فہمی کافی تھی کہ اگر وہ دل و جان سے مجھے چاہتی تھی تو میں بھی اسے غزالہ کے بعد روئے زمین پر اپنی دوسری پسندیدہ عورت تصور کرتا تھا۔ ویرا کی اس خوش فہمی میں کتنی حقیقت تھی، وہ میں ہی جانتا تھا۔ اس وقت مجھے ہلکا سا قلق اس بات کا تھا کہ جہانگیر جو میری، غزالہ اور ویرا کی مثلث کے بارے میں اس قدر ہوشیاری اور پیش بینی کا مظاہرہ کر رہا تھا، خود اپنے گھر کی کمزوریوں سے بالکل بے خبر تھا۔

اس کے اور سلمٰی کے درمیان روزِ اوّل ہی سے ایک خلیج حائل چلی آ رہی تھی جسے جہانگیر نے کبھی بھی پاٹنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سلمٰی نے اپنی ان محرومیوں کا ازالہ کرنے کے لیے بارہا مجھ پر مہربان ہونے کی کوششیں کی تھیں لیکن یہ میرا ہی ظرف تھا کہ میں نے کبھی بھی سلمٰی کی ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بھٹکے ہوئے کمزور لمحات میں بھی میں رسی تڑا کر سلمٰی کی دسترس سے نکل بھاگا تھا۔

میں نے اس بارے میں کئی بار جہانگیر کو سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن کبھی بھی اس کی طرح بھونڈی الزام تراشیوں کا سہارا نہیں لیا تھا۔ میں نے ہمیشہ ہی شستہ انداز میں اور اشاروں کنایوں میں اسے اپنی کمزور ازدواجی زندگی کو مستحکم کرنے کے مشورے دیے تھے مگر وہ ان رنگین مزاج مردوں کی صف میں شامل تھا جو بیویوں پر بدترین مردانہ تحکم جتا کر دوسری عورتوں کے ناز نخرے اٹھانے اور ان کے سامنے گھگیانے میں ہی اپنی جھوٹی انا کی تسکین محسوس کرتے ہیں۔

جہانگیر، غزالہ کے رونے کی پیش گوئی کر کے بڑبڑاتا ہوا کچن کی طرف چلا گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ نہار منہ اپنے معدے میں جام کا ایک بڑا گھونٹ اتارے بغیر اس ازلی بادہ نوش کا دماغ پٹڑی پر نہیں آتا تھا۔

اس کی واپسی سے پہلے ہی ٹیلی فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ سلطان شاہ نے اضطراری طور پر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز پہچان کر اس نے پرتپاک انداز میں مزاج پرسی شروع کی تھی لیکن پھر فوراً ہی سامنہ بنا کر ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔ شاید فون کرنے والے نے اس کی گرم جوشی کو ذرا بھی نہیں سراہا تھا۔

اپنی ہیلو کے جواب میں ریسیور پر ابھرنے والی پتھرائی آواز سن کر میں بے چین ہو گیا۔ وہ اوّل خان تھا۔ اس کی آواز بالکل سپاٹ اور مشینی تھی، محبت یا نفرت کے ہر جذبے سے عاری۔ ریسیور پر اس کے الفاظ یوں سنائی دیے تھے جیسے کسی سنگلاخ چٹان سے چند پتھر نیچے لڑھکا دیے گئے ہوں۔

”مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے میرے لیے فون کیا تھا۔ کیا بات تھی؟“

”میں نے فون کیا تھا لیکن تمہاری آواز اس قدر سرد اور بے جان کیوں ہے؟ کیا تم کچھ پریشان ہو؟“ میں نے پرہول اندیشے کے تحت، مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

"ایک لاش سرد اور بے جان ہی ہوتی ہے۔۔۔ غنیمت ہے کہ
تم میری آواز سن رہے ہو۔"
"لاش! تم کیا کہہ رہے ہو؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا"
س کے الفاظ میرے اعصاب پر ٹنوں وزنی ہتھوڑوں کی طرح
رے تھے۔
"تمہاری گرفتاری میں مزاحمت کرنے کے الزام میں، میں
تزول کیا جا چکا ہوں۔ فضا کی بے کراں وسعتوں میں پرواز کرنے
لے پرندے کے سارے پر کاٹ دیے جائیں تو وہ ایک لاش سے
یادہ کیا رہ جاتا ہے؟ میں بھی وہی ہوں۔ جلدی بات کرلو، ہو سکتا
ہے کہ یہ موقع دوبارہ نہ مل سکے۔۔۔ دفتر چھن گیا ہے، گھر کا فون جب
ں کاٹ نہیں دیا جاتا، ٹیپ کیا جاتا رہے گا۔ میں ایک پبلک بوتھ
سے بول رہا ہوں۔"
"تم عجیب اور ناقابلِ یقین باتیں کررہے ہو۔ یہ بتاؤ کہ اس
ت ہم کہاں مل سکتے ہیں؟"
"کہیں نہیں۔۔۔ میرے قریب بھی نہ آنا ورنہ پیس کر رکھ دیے
ؤ گے۔ زندگی چاہتے ہو تو اپنا ٹھکانا چھوڑ کر کہیں بھی غائب
جاؤ۔ دنیا بہت وسیع ہے۔ تمہیں کہیں نہ کہیں پناہ مل جائے گی۔
ں خوار کتے تمہارے خون کی بُو پر لگ گئے ہیں۔ یہ وہ بلڈ ہاؤنڈ ہیں
کسی سربراہِ حکومت کے پیچھے لگ جاتے ہیں تو اس کا اپنے گھر میں
نا اجیرن کردیتے ہیں یا اسے تختۂ دار پر لٹکا دیتے ہیں۔ تم نے اپنی
نت میں ان کے دانت کھٹے کردیے ہیں۔ وہ اپنی فصیلوں میں
صور ہوگئے ہیں لیکن تم ان کی طاقت و جبروت سے بے خبر ہو۔ یہ
ید وہ لوگ ہیں جو برانگیختہ ہو جائیں تو بچے اپنی ماؤں کی کوکھ میں
شت سے ٹھٹھر کر مرجاتے ہیں اور زرخیز زمینیں راکھ اور دھواں
نا شروع کردیتی ہیں۔ بات مختصر کرو اور بس بھاگنے کی فکر کرو۔
ت چاروں طرف سے تمہارے گرد گھیرا ڈالنے والی ہے۔ اب
ئی تمہاری پشت پناہی نہیں کرسکے گا۔"
"پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو" میں نے دہشت سے جھرجھری
ے کر کہا "تم جانتے ہو کہ میں موت سے نہیں ڈرتا۔۔۔ جب تک
مجھے ہر بات نہیں بتاؤ گے، میں جہانگیر کی فیکٹری سے باہر قدم
ں نکالوں گا۔ خواہ مجھے یہاں رہ کر بدترین موت کو گلے لگانا
ے۔"
"تم پاگل ہوگئے ہو۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس
ری کو بارودی برسات میں نہلایا جاسکتا ہے۔ تباہ کن آتش گیر
دی مادوں سے لدا ہوا کوئی جہاز یا ہیلی کاپٹر اتفاقاً اس فیکٹری
سکتا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ تم اسی فیکٹری میں ہو۔ وہ تمہیں
ندیں گے۔۔۔"
"یہ تم کن لوگوں کی بات کررہے ہو؟" میں نے اس کا فقرہ
ٹ کر اضطراری لہجے میں سوال کیا "کیا وہ تمہاری ٹاسک فورس
بھی زیادہ طاقت ور ہیں؟"
"سب کچھ الٹ گیا، برباد ہوگیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اسپیشل
ٹاسک فورس کا کیا انجام ہوگا۔ اس کا وجود جب تک ایک راز تھا
وہ برقرار اور پوری طرح فعال تھی۔ اب اس کا راز فاش ہوچکا
ہے۔ موتی لال کو ایس ٹی ایف کے بارے میں جو کچھ معلوم تھا، وہ
ایلن اور اس کے آقاؤں کے علم میں آچکا ہے۔ وہ بل جونز، پال
ایتھرٹن، جم کلارک، ولیم اور راجر کے قتل کا انتقام لینے پر تل گئے
ہیں۔ فورس کے وجود کو بچانے کے لیے شاید اسٹیشن فور کا پورا عملہ
برطرف کیا جاچکا ہے۔ میں ابھی اپنے ڈائریکٹر جنرل سے معزولی کے
زبانی احکام لے کر آرہا ہوں۔ مجھے ذاتی اشیا لینے کے لیے بھی اپنے
دفتر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ میرا جرم صرف اتنا ہے کہ میں نے
پچھلی رات ایسے لوگوں کو پولیس کی تحویل سے نکالا جو کچھ عالمی
دہشت گردوں کی گرفتاری اور ایک اغوا کی ہوئی امریکن لڑکی کی
بازیابی میں مدد دے سکتے تھے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ کیا کھیل چل نکلا
ہے۔ یہ بہت اونچے پیمانے کی بازی ہے۔ وہ کھل کر میدان میں
آگئے ہیں۔"
"تمہاری فورس کے افسرانِ بالا کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں کی
کیا خدمات ہیں؟"
"کسی کو کچھ یاد نہیں رہا۔ مجھے معزولی کا حکم سنانے والے کو یہ
تک یاد نہیں رہا کہ میں نے تمہارے لوگوں کو اسی کی رضامندی سے
رہائی دلائی تھی۔ ایس ٹی ایف میں خط و کتابت نہیں ہوتی۔
ہر ہدایت اور حکم زبانی ہوتا ہے۔ ایس ٹی ایف کو بھول جاؤ۔ وہ
ایک خواب تھا۔ تم نے کسی سے اس کا ذکر بھی کیا تو وہ تمہاری ذہنی
حالت پر شبہ کرے گا۔ اب اپنے بل پر اپنی جان بچانے کی کوشش
کرو۔"
"تم فورس سے نکال دیے گئے ہو تو ہمارے ساتھ آجاؤ۔
تمہیں ہماری نیت اور عزائم کا پوری طرح علم ہے" میں نے فوری
خیال کے تحت اوّل خان کو پیش کش کی۔
"نہیں!" اس کا جواب دو ٹوک تھا "کسی فورس کا بننا اور ٹوٹنا
ریاست کے معاملات ہیں۔ جو ہونا ہے وہ ہر حال میں ہو کر رہے گا
مگر میں اپنے حلف کا پابند ہوں۔ میں معزول ہوگیا تو کیا ہوا۔۔۔ میں
نے فورس میں شامل ہوتے ہوئے وفاداری کا جو حلف اٹھایا تھا وہ
نوکری کی مدت کے لیے نہیں، پوری عمر کے لیے تھا۔ میں آج بھی
اس کا پابند ہوں اور مرتے دم تک اس کی پابندی کروں گا" فرطِ
جذبات سے اوّل خان کی آواز رندھنے لگی "میں بھوکا رہ لوں گا
لیکن فورس کے بعد کسی اور کے لیے کام نہیں کروں گا۔۔۔ لوگ
آتے جاتے رہتے ہیں لیکن ادارے اور تنظیمیں قائم رہتی ہیں۔
میری ہر لمحے یہ دعا ہوگی کہ اس کڑے امتحان میں ایس ٹی ایف قائم
رہے۔ یہ قائم رہی تو اسے پھر کبھی اوّل خان کی حقیر سی خدمات کی
ضرورت پیش آسکتی ہے۔ میں کسی کا ساتھ نہیں دوں گا، بس اسی
آس پر زندہ رہوں گا۔ ایس ٹی ایف میرا خواب تھی۔ اس پر مجھے ہی
نہیں، شاید تم کو بھی ناز ہوگا۔ میں اپنے وقتی مفاد کے لیے اپنی زندگی
کے اس قیمتی سرمائے سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔"

"لیکن تم معزول کیے گئے ہو۔ شاید اب فورس تمہاری کفالت نہ کر سکے۔ تمہیں اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کسی مالی سہارے کی ضرورت ہوگی۔ تمہیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔"

"مارنے والوں سے جلانے والا بہت طاقت ور ہے۔ وہ کہیں نہ کہیں سے کوئی بندوبست کرا ہی دے گا۔ ویسے مجھے معلوم ہے کہ فورس قائم رہی تو میری خدمات کو نظرانداز نہیں کیا جائے گا۔ دباؤ میں آکر کیے جانے والے فیصلے کی اصلیت سے میرا ہر چھوٹا بڑا بخوبی واقف ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟ میرے پاس ایلن کا فون آیا تھا۔ وہ تین بجے مجھ سے پرل کی لابی میں ملنا چاہتا ہے۔ میں تمہاری فورس کی مدد سے اسے گھیرنے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا۔"

"اس وقت ایلن کے ستارے عروج پر ہیں۔ اسے عالمی غنڈوں کی بھرپور تائید وحمایت حاصل ہے۔ اس سے ٹکرا کر تم کچھ بھی حاصل نہیں کر سکو گے۔ میرا مشورہ ہے کہ ہر قیمت پر اس کے سائے سے بھی بچنے کی کوشش کرو۔ فورس کی جڑوں پر مہلک وار کرنے کے بعد اس نے تمہیں بھی زیر کر لیا تو اس ملک میں کوئی اس کی راہ نہیں روک سکے گا اور وہ کسی بھیانک عفریت کی طرح ہمارے مفادات کو یکے بعد دیگرے نگلنا شروع کر دے گا۔ اس وقت ایلن نے ہمارے حریفوں کے درمیان کسی پل کا سا کام انجام دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک عام سے فری لانسر کے روپ میں کچھ اور ہی ہو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ طے شدہ ملاقات کے بارے میں تم کچھ نہیں کر سکو گے؟"

"میں چاہوں بھی تو کچھ نہیں کر سکتا۔ اسٹیشن فور کا سارا عملہ معطل کیا جا چکا ہے۔ دوسرے لوگوں نے اب تک ان کا سارا سازو سامان سمیٹنا شروع کر دیا ہوگا۔ میں معزول کیا جا چکا ہوں۔ ممکن ہے کہ میری نگرانی کرائی جا رہی ہو۔ ان حالات میں میرا اور تمہارا یک جا ہونا ہی خطرناک ثابت ہوگا۔ میں پھر اپنی بات دہرا رہا ہوں کہ ایلن کا پیچھا کرنے کے بجائے اس سے دور رہنے کی کوشش کرو۔ اس نے یقیناً تمہیں کسی جال میں پھانسنے کے لیے پرل بلایا ہے۔ تم وہاں سے غائب رہ کر اس کا منصوبہ ناکام بنا دو اور خود شہر کے کسی گنجان آباد علاقے میں روپوشی اختیار کرنے کی کوشش کرو۔"

میں اس کی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔ بھرپور اور سرگرم عملی زندگی گزارنے والے کسی شخص کو اچانک ہی اس کے فرائض واختیارات سے سبک دوش کر کے مجہول ومعزول قرار دے دیا جائے تو وہ کبھی بھی اس تبدیلی کو آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ وہ اوّل خان کی شان دار پیشہ ورانہ زندگی کا ایک دردناک المیہ تھا۔ شاید وہ اپنی مصروفیات میں الجھ کر ماضی کی تلخیوں کو بھلا دینے کا عادی تھا اسی لیے اس نے کبھی بھی میرے سامنے وہ واقعات نہیں دہرائے جو غیر قانونی ہتھیاروں سے لدی ہوئی 'الحدید نامی دیو ہیکل لانچ کے پکڑے جانے کے بعد پیش آئے تھے۔ وہ ہماری اور اوّل خان کی بہت بڑی مشترکہ کامیابی تھی۔

الحدید کو پاکستان کے جنوب مشرق کے دلدلی سواحل کے کم ویرانے میں لنگر انداز ہو کر وہ جدید اور تباہ کن ہتھیار پوری را داری کے ساتھ اتارنے تھے۔ وہاں سے ہلاکت کا وہ سازو سامان سرکار کے ان اندھے پیروکاروں تک پہنچا دیا جاتا جو مُلّا سرکار کو ٹولی کا عظیم المرتبت روحانی پیشوا سمجھ کر اس کی ہدایت پر پورے خلوص سے سندھ میں بدامنی، لاقانونیت اور شورش برپا کرنے تلے ہوئے تھے۔

وہ ہیروئن کی اندھی آمدنی سے تیار کی ہوئی ایک بین الاقوا سازش تھی جسے خاک میں ملانا فخر واعزاز کا سبب بننا چاہیے تھا لیکن اس وقت ملکی معاملات کچھ ایسی معذرت خواہانہ ڈگر چلائے جا رہے تھے کہ کسی بھی سطح پر الحدید کا معاملہ منظرعام پر نہ لایا گیا۔ ذمے دار طاقتوں سے کوئی بھرپور احتجاج کیا گیا نہ ملک کوئی غلغلہ اٹھا بلکہ نہایت خاموشی کے ساتھ اوّل خان کا کرا سے تبادلہ کروا دیا گیا۔ ملازمتوں میں تبادلے ہوتے ہی رہتے ہیں اوّل خان کو الحدید کی گرفتاری کے بعد جس بھونڈے انداز روانہ کیا گیا تھا وہ اس کے لیے دل آزاری کا سبب بنا تھا۔ یہ وہ موقع تھا کہ ملک دشمنوں کے خلاف بھرپور کارروائی کرنے پر ا خجالت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

پچھلی بار اوّل خان گیا تو اس کی جگہ ظفر نے سنبھالی تھی مجھے اس سے مراسم استوار کرنے کا موقع مل سکا تھا۔ ان ہی ہوئی ملاقاتوں میں اس کی طرف سے میرا ماتھا ٹھنکا تھا پھر دیر ہسپانوی زبان کے ایک دو مخصوص الفاظ پر اس کا ردِ عمل د آخر کار اسے ایک رسوائے زمانہ دہشت گرد کے دستِ را البرٹو ویلیسا کے طور پر پہچان لیا تھا۔ وہ دنیا بھر میں بدنام 'جنوبی کے پیشہ ور دہشت گرد کرنل جیسی جونز' ژان کارلوس' راڈرگز' گونزالیز اور رافیل فریڈو کے ہم عصروں میں سے تھا۔ کی اس شناخت کے بعد ہی مجھے اوّل خان کا تادیبی تبادلہ ایک محسوس ہونے لگا تھا۔ نہ وہ الحدید کے چکر میں کسی مصلحت ہوتا' نہ ہم لوگ البرٹو ویلیسا سے متعارف ہو کر اس کا نکالتے۔ اس طرح عالمی تخریبی طاقتوں کا وہ نمائندہ 'ایس میں پوری آزادی کے ساتھ اپنی سازشوں اور بدعنوانیوں کو چڑھاتا رہتا اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہو پاتی کہ ایس جیسی حساس اور خفیہ تنظیم میں ملک کی بدترین دشمن قوتوں نمائندہ پورے اثر واختیار کا مالک بنا بیٹھا ہے۔

اب ایک مرتبہ پھر اوّل خان کو کڑا امتحان درپیش تھا بار اسپیشل ٹاسک فورس کا وجود بڑی حد تک پوشیدہ تھا 'ال بارے میں کسی پر کوئی سنگین فرد جرم نہیں تھی اس لیے صرف اوّل خان کے تبادلے پر ٹل گیا تھا لیکن اس بار ہر ا حالات حوصلہ شکن تھے۔

بھارتیوں نے اپنی ریشہ دوانیوں کے ذریعے اسپیشل فورس کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر لیا تھا۔ وہ معلومات

ہوتی ہوئی' ایلن اور پھر امریکنوں تک پہنچ گئی تھیں اور اس طرح انھیں معلوم ہوگیا تھا کہ میرے اور ویرا کے جارحانہ عزائم کی حوصلہ افزائی کے کیا اسباب ہیں۔

وہ لوگ ہمارے ہاتھوں گھرے چڑ کے کھائے بیٹھے تھے لیکن براہِ راست اسپیشل ٹاسک فورس پر کوئی الزام لگانے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ فیکٹری سے جہانگیر' سلطان شاہ اور ریشم خان کے حراست میں لیے جانے کے بعد اوّل خان کو اپنے پورے اختیار کے ساتھ سامنے آنا پڑا۔ وہ کوئی ڈھکا چھپا' انفرادی معاملہ نہیں تھا جو سینۂ راز میں رہ جاتا۔ ایلن کے ایما پر کی جانے والی پولیس کی مہم جوئی میں بھاری نفری شریک تھی۔ ان تینوں کی رہائی کے ساتھ ہی پولیس والوں کو کچھ انتظامی سزائیں بھی دی گئی تھیں۔ یہ امر یقینی تھا کہ ایلن نے تھانے میں پیش آنے والے ان واقعات سے آگاہی حاصل کرکے امریکنوں کو بتادیا کہ اگر اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک ذمے دار افسر' جہانگیر وغیرہ کو نہ چھڑالے جاتا تو اس کے ذریعے ڈیفی پر ہاتھ ڈالا جاسکتا تھا۔

اسپیشل ٹاسک فورس کی سرگرمیوں کے بارے میں وہ پہلا ثبوت میسر آتے ہی امریکن حرکت میں آگئے۔ ان کی مخاصمانہ تیاریاں پہلے سے مکمل تھیں۔ وہ بس ثبوت کے انتظار میں تھے اور وہ ثبوت انھیں پولیس اہلکاروں کے ذریعے مل گیا تھا۔ ان لوگوں نے نہایت چالاکی سے سرکار ہی کو سرکار کے روبرو کھڑا کردیا تھا۔ پولیس کے بیان کو جھٹلایا جاسکتا تھا نہ اوّل خان کی مداخلت کی تردید کی جاسکتی تھی۔

میں اندازہ کرسکتا تھا کہ ایلن کی خباثت نے اسپیشل ٹاسک فورس کی قیادت کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ امریکا ان دنوں جمہوریت' انسانی حقوق' جبری مشقت اور مساویانہ برتاؤ کے اپنے نام نہاد نعروں کی آڑ لے کر تیسرے ممالک پر دباؤ ڈال رہا تھا۔ ہر وہ حکومت جو اس کے مشوروں کو حکم سمجھ کر قبول کرنے میں سرکشی کا مظاہرہ کرتی تھی' ان یک طرفہ تعزیری جرائم کی مجرم قرار دی جارہی تھی۔ اس گمبھیر پس منظر میں اسپیشل ٹاسک فورس اور اس کی قانون سے ماورا سرگرمیوں کا دفاع کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔ ایس ٹی ایف والے جنگ اور جہاد کے جذبے سے سرشار ہوکر میدانِ عمل میں مصروف رہتے تھے۔ میدانِ جنگ میں کوئی سپاہی دشمن کو اپنے سامنے دیکھ کر گولی چلانے کے لیے اپنے افسر سے اجازت نہیں لیتا' بس اپنے ادراک اور وجدان پر بلا توقف عمل کرتا ہے۔ سامنے والا دوست ہوتو اسے اپنے گلے سے لگالیتا ہے اور دشمن معلوم ہوتو ایک ہی وار میں اسے جہنم واصل کردیتا ہے۔ میدانِ جنگ میں شہری ضابطے نہیں چلتے۔ اگر وہاں ہر دشمن کو زندہ گرفتار کرکے حاضرِ عدالت کرنے اور پھر اس پر جنگی جرائم ثابت کرکے سزا دینے کی ریت ڈال دی جائے تو جنگ لڑی ہی نہیں جاسکتی۔ یہ اسپیشل ٹاسک فورس اور دوسرے اداروں کے طریقۂ کار کا وہ بنیادی فرق تھا جو وطن کی محبت سے سرشار ہوکر دھڑکنے والے دل ہی محسوس کرسکتے تھے۔ امریکنوں' بھارتیوں یا دوسرے دوست نما دشمنوں کو یہ فلسفۂ خدمت نہیں سمجھایا جاسکتا تھا۔

شاید ایس ٹی ایف کی قیادت نے ان ہی خطرات کو بھانپتے ہوئے فوری طور پر اوّل خان سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی اور پوری فورس کو دشمنوں کی زہریلی نگاہوں سے محفوظ رکھنے کے لیے عارضی طور پر کراچی میں واقع اسٹیشن فور بند کرکے' اس کے عملے کو منظر سے ہٹادیا تھا۔ میری دانست میں وہ انتہائی احتیاطی اقدام تھے لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ فورس کو اپنے خونِ جگر سے سینچنے والوں نے اوّل خان جیسے فرض شناس افسر اور اس کی بھاری نفری کو بالکل ہی بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہو۔ مجھے یقین تھا کہ پوشیدہ نگاہیں ہر لمحے ان جاں بازوں کی حفاظت کرتی رہیں گی تاکہ تنظیم' فورس کے دوسرے سربستہ راز اگلوانے اور عالمی پیمانے پر ان کی تشہیر کرنے کے ارادے سے' ان میں سے کسی کو اغوا نہ کرسکے۔

وہ ایک لمبا اور پُرپیچ کھیل تھا۔ اس بساط پر نئی چال بہت سوچ سمجھ کر چلی گئی تھی مگر میں اوّل خان کی مایوسی دور کرنے اور اسے تسلی دینے کے لیے اشاروں کنایوں میں بھی ان باتوں کا ذکر نہیں کرسکتا تھا۔ اگر اس کہانی کے کرداروں کو ڈرامے کے اصل مقاصد کی بھنک بھی مل جاتی تو اس جوڑ توڑ سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کیے جاسکتے تھے۔

میرے ذہن میں خیالات کی رو کسی تیز رفتار فلمی فیتے کی طرح چل رہی تھی۔ میں نے لمحوں ہی لمحوں میں یہ سب سوچتے ہوئے اوّل خان سے کہا ”جو کچھ تم کہہ رہے ہو' میں وہی کروں گا۔ جب تک حالات دوبارہ سازگار نہیں ہوتے' ہمیں ایک دوسرے سے دور ہی رہنا چاہیے۔ تم نے جو صورتِ حال بتائی ہے' اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فیکٹری میں موجود تمہارے آدمی بھی کسی بھی لمحے رخصت ہوجائیں گے۔“

”ان کا تعلق اسٹیشن فور کے عملے سے ہے جو برطرف کیا جاچکا ہے۔ جب تک انھیں برطرفی کی خبر نہیں ملتی' وہ تمہاری تحویل میں ہیں۔ میری مانو تو اس مہلت کا فائدہ اٹھاؤ اور موتی لال کی گردن کاٹ کر اسے بھی کہیں ٹھکانے لگوادو۔ اس کا زندہ یا مردہ حالت میں فیکٹری سے برآمد ہونا بہت خطرناک ثابت ہوگا۔ وہ ہمیشہ کے لیے جہانگیر کے خون کے پیاسے ہوجائیں گے۔ ویسے بھی تم تنہا رہ گئے تو موتی لال کو زیادہ دیر تک نہیں سنبھال سکو گے۔ خود روپوش رہ کر اسے بھی چھپائے رکھنا ممکن نہیں ہوگا....“

شاید وہ اسی بارے میں مزید کچھ کہنا چاہتا تھا' میں نے نرمی سے اس کی بات اچک لی ”تمہارا مشورہ بہت مناسب اور بروقت ہے۔ میں اسٹیشن فور پر آنے والے عتاب سے باخبر ہونے سے پہلے ہی موتی لال کو جہنم واصل کرکے کہیں پھینک دینے کا حکم دے چکا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اب تک تمہارا کوئی آدمی اس کی لاش لے کر یہاں سے نکل گیا ہو۔“

”شاباش!“ اوّل خان کی آواز پُرجوش ہوگئی ”یہ ان حرام

زاویوں کے منہ پر بھرپور طمانچہ ہوگا۔ اسپیشل ٹاسک فورس کی جڑوں کی تلاش میں نکلنے والے کا یہی انجام ہونا چاہیے۔ تم آج تک شاید صرف اسی لیے اپنے دشمنوں کے ہر مسلک دار سے بچتے رہے کہ تمہاری چھٹی حس وقت سے پہلے ہی آنے والے خطرات کا ادراک کرلیتی ہے اور تم اپنی چال چل جاتے ہو۔ موتی لال کی لاش ملے گی تو وہ سب غصے میں اپنے بال نوچتے رہ جائیں گے اور انہیں اس قتل کا کوئی سرا نہیں مل سکے گا۔"

"ہاں" میں نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا "پرتاب ادھیکاری کے پیغام کے بعد مکرجی اور دوسرے لوگ یہی سوچ رہے ہوں گے کہ اشتہار کی مدت گزرنے تک موتی لال کے ساتھ کچھ نہیں کیا جائے گا..... موتی لال کے بعد مکرجی کی باری ہے۔ میں روپوشی میں بھی اس پر نگاہ رکھنے کی کوشش کروں گا۔"

"کوئی حماقت نہ کرنا" ریسیور پر اوّل خان کی ناصحانہ غراہٹ ابھری "جنگ میں کامیابی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ دشمن کو جب تک پوری طرح بے دست وپا نہ کرلو' اسے حقیر نہ سمجھو۔"

"تم بے فکر رہو۔ ریوڑ میں چلتے ہوئے' مکار بھیڑیے بھی کبھی کبھار غافل ہوجاتے ہیں لیکن غول سے بچھڑے ہوئے درندے بہت چالاک اور خوں خوار ہوجاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری رفاقت سے مختصر سی محرومی کے نتیجے میں میری بہت سی کمزوریاں میرے سامنے آجائیں۔"

"مجھے بہت دیر ہوگئی۔ اب میں چلتا ہوں" اوّل خان کی آواز میں ایک مرتبہ پھر اداسی تیر گئی۔ وہ کہہ رہا تھا "پتا نہیں ہم لوگوں کو دوبارہ کب ایک دوسرے سے ملنا نصیب ہو لیکن مجھے امید ہے کہ ہم ایک دوسرے کو کبھی نہیں بھول سکیں گے۔ یہی اچھی یادیں زندگی کا سرمایہ ہوتی ہیں۔"

"اچھا کیا کہ تم نے سرمائے کا ذکر چھیڑ دیا" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے ایک فوری خیال کے تحت کہا "تمہیں معلوم ہے کہ ہمارا سارا سرمایہ جہانگیر کی تجوری میں منتقل ہے۔ ابھی تک تو تمہاری وجہ سے ہم اس طرف سے بے فکر تھے۔ اب اس گھر اور وہاں موجود اثاثوں کا کیا بنے گا؟"

"غنیمت ہوا کہ میں نے وہاں ایس ٹی ایف کے آدمی مامور نہیں کیے تھے ورنہ آج وہ مکان بھی بالکل خالی بلکہ ویران ہوجاتا۔ وہاں داخلے کی کلید جہانگیر کے پاس ہے۔ میں نے سیکیورٹی کمپنی کو ایک ماہ کا پیشگی معاوضہ دیا ہوا ہے۔ جہانگیر پابندی سے یہ رقم ادا کرتا رہے گا تو وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکے گا۔ جہانگیر جب چاہے' کارڈ دکھا کر گھر میں جاسکتا ہے۔ موقع پاکر تم لوگ وہاں سے نقدی اور زیورات وغیرہ نکال سکتے ہو۔ فی الحال باقی اثاثوں کو بھول جاؤ۔ زندگی رہی تو جہانگیر ایسے جتنے اثاثے بنالے گا۔ اس کے لیے میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ وہ اب اس مکان میں رہائش کا خیال ترک کرکے اسے پورے سازوسامان سمیت بیچنے کی فکر کرے اور خاموشی سے کلفٹن یا ڈیفنس میں کوئی گھر لے لے۔ یہ گھر ہمارے بہت سے دشمنوں کی نظروں میں آگیا ہے۔ وہ جہانگیر کو چین سے نہیں رہنے دیں گے۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے بڑی وضاحت سے یہ مسئلہ بھی صاف کردیا ورنہ میں اپنی ساری عمر کی کمائی کے بارے میں فکر مند ہوگیا تھا۔ تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی خطیر رقم سکلی کی تجوری میں محفوظ ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ پیشگی ماہانہ معاوضہ ادا کیا جاتا رہا تو اس گھر سے ایک تنکا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوسکے گا۔ بس اب مجھے اجازت دو۔ زندگی رہی تو پھر کبھی ملاقات ہوگی۔"

آخری فقرے پر اوّل خان کی آواز بھرا گئی اور میں ایسے شدید جذباتی ابال سے دوچار رہا کہ کوشش کے باوجود میری زبان سے چند خوبصورت الوداعی الفاظ نہ نکل سکے اور لائن بے جان ہوگئی۔

میں اوّل خان سے باتوں میں ایسا کھویا ہوا تھا کہ مجھے پتا ہی نہیں چل سکا کہ وہ سب کب میرے گرد آبیٹھے تھے۔ ریسیور رکھ کر میں نے اپنی آنکھیں مسل کر نمی کی لائی ہوئی دھندلاہٹ صاف کرنے کی کوشش کی تھی تو سب سے پہلے غزالہ نے سوال کرڈالا "اسٹیشن فور پر کیا عتاب آیا ہے؟ آج تم اوّل خان سے کچھ عجیب سے لب ولہجے میں باتیں کررہے تھے۔ کیا پریشانی ہے؟"

مجھ سے پہلے ہی سلطان شاہ بول پڑا کیونکہ وہ پہلے سے میرے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور اس نے میرے مکالمے اوّل تا آخر سنے تھے۔ وہ ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا "ڈیڈی سے یہ پوچھو کہ پریشانی نہیں ہے۔ اگر میرے کانوں نے مجھے دھوکا نہیں دیا تو اوّل خان کو اسپیشل ٹاسک فورس سے نکالا جاچکا ہے اور اب وہ ہمارے لیے کچھ نہیں کرسکے گا۔"

سلطان شاہ کی اس سنسنی خیز اطلاع پر ان سب کے دہانوں سے عجیب وغریب' تحیر زدہ آوازیں برآمد ہوئیں اور لمحہ بھر بعد سب نے اپنے اپنے سوالات کی یلغار شروع کردی۔

"غنیمت ہے کہ ہمیں سوتے سے اٹھ کر یہ سب کچھ نہیں سننا پڑا" میں نے ان لوگوں کو بددلی سے بچانے کے لیے اپنے اوسان قابو پاتے ہوئے کہا "ہم پہلے ہی یہاں سے کوچ کی تیاری کررہے ہیں۔ اب تک موتی لال کو ہلاک کرکے' اس کی لاش یہاں سے لے جائی جاچکی ہوگی۔ ہم ناشتا کرکے کسی بھی لمحے یہاں سے روانہ ہوسکتے ہیں۔ اوّل خان مجھے یہی باتیں بتارہا تھا....."

"اوّل خان کی حمایت کھودینے کے بعد یہ سب تو ہونا ہی تھا" غزالہ نے میری بات کاٹ کر احتجاج کیا "اور یہ ہوتا بھی رہے گا لیکن اوّل خان کے ساتھ کیا ہوا؟ اسے کیوں نکالا گیا؟"

میں نے غور سے ویرا کی طرف دیکھا۔ اس وقت خلافِ معمول اس کا چہرہ بالکل سرد اور سپاٹ تھا' آنکھیں تک ہر تاثر سے یکسر عاری تھیں۔ میں نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹالیں اور کہنا شروع کیا "یہ ہاشمی کا کینہ ہے جس نے رنگ دکھایا۔ امریکن ہر اس فرد اور ادارے کو تہس نہس کردینے کا فیصلہ کرچکے ہیں جو ہر قیمت پر ہمارے قومی مفادات کی سربلندی کے لیے

انہیں یہ گوارا نہیں ہوا کہ ان کی سی آئی اے کی طرز پر
کا کوئی چھوٹا ملک اپنی سلامتی کے لیے کوئی اسپیشل ٹاسک
کرنے کی جسارت کرے اور پھر ٹاسک فورس بھی ایسی جو
لکی کے لیے اپنے بڑوں کے علاوہ کسی کو جواب دہ نہ ہو'
قانون سے ماورا اقدامات کرنے کی آزادی ہو۔ کل
نے ہمارے تین ساتھیوں کو پولیس کی تحویل سے نکالنے
کردار ادا کیا وہ بدقسمتی سے راز نہیں رہ سکا۔ ایلن سے
شیدہ نہ رہ سکا۔ اس نے اپنی حاصل کی ہوئی معلومات
ں تک پہنچادیں اور انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک
کروایا جو اوّل خان اور ایس ٹی ایف کے اسٹیشن فور کو
بہالے گیا۔"

الناک تمہید کے بعد میں نے انہیں اصل واقعات
ع کردئے۔ سب کے چہرے اداس اور آنکھیں فکر مند
یک کو اپنا غیر یقینی مستقبل سامنے نظر آ رہا تھا۔
کی اس حرکت کا جواب تو یہی ہے کہ ہم یہاں رک کر
لے وار کا انتظار کریں اور پھر ان کے دانت کھٹے کردیں"
مکمل ہونے پر ویرا نے غصیلے لہجے میں کہا "وہ بھول رہے
شنگٹن یا نیویارک نہیں' کراچی ہے۔ اوّل خان کے بے
بیے جانے کے باوجود ہم اتنے بے بس نہیں ہیں۔"
کرو اور جلدی نکلو!" میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے
ں طور پر ویرا سے مخاطب ہو کر بولا "مجھے خوشی ہے کہ
ں و دماغ میں یہ جوش اور ولولہ موجود ہے مگر بعض کام
زیادہ ہوش کے متقاضی ہوتے ہیں۔ دشمن کم ظرف'
اپنے سے کئی گنا طاقت ور ہو تو عارضی پسپائی شکست
۔ میں تمہیں اوّل خان کے بھیانک خدشات سے آگاہ
۔ سامنے رہ کر مقابلہ کرنے کے بجائے ہم گوریلا جنگ
ں زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ابھی ایلن کا فون آئے
ں ہوئی مگر مجھے اندیشہ ہے کہ انہیں وقت مل گیا تو اس
جانے والے ہر راستے پر ان کے خون آشام نشانچی
اگے۔ ہم رسد اور کمک کے بغیر زیادہ دیر تک محصور رہ
ابلہ نہیں کرسکیں گے۔ جو لوگ کسی عالمی اسکینڈل سے
اوّل خان اور اسٹیشن فور کو داؤ پر لگا سکتے ہیں وہ اپنی
کے لیے ان کے ہراول دستے کا کردار بھی ادا کرسکتے
ت نکل جانا ہی ہمارے حق میں بہتر ہوگا۔"
شتے میں وقت ضائع کرنا حماقت ہے" ویرا نے ایک لمبا
کر اپنا چائے کا مگ خالی کردیا "نکلنا ہے تو یہاں سے
ب ہونے کے بعد ہم انہیں ہراساں تو کر ہی سکتے

لن سے ہونے والی زہرہ گداز گفتگو سننے کے بعد سب کی
تھی۔ ہم میں سے کوئی بھی ناشتے کی میز کی طرف نہیں
گیا البتہ غزالہ نے مجھے چائے کی ایک پیالی تھمادی۔

"میں مانتا ہوں کہ وقت بہت کم اور معاملہ سنگین ہے" جہانگیر نے سب کو روانگی پر آمادہ پاکر بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا "لیکن اتنی عجلت بھی مناسب نہیں ہے۔ ہمیں کچھ فیصلے بھی کرنے ہیں۔"

"کیسے فیصلے؟" ویرا غرا کر اس پر چڑھ دوڑی اور وہ مزید بوکھلا گیا۔

"ہم یہاں سے کہاں جائیں گے؟ یہاں کون رہے گا؟ فیکٹری کا کیا بنے گا؟ ریشم خان اور دوسرے آدمیوں کو کیا بتایا جائے گا؟" وہ ویرا سے چند قدم دور ہٹ کر مدافعانہ انداز میں بولا۔

"ہمیں جہاں بھی جانا ہوگا' یہاں سے باہر نکل کر فیصلہ کریں گے" ویرا تیز لہجے میں بولی "فیکٹری جائے بھاڑ میں۔ تم نے سنا نہیں کہ اوّل خان نے کیا کہا ہے؟ زندہ رہو گے تو ایسی پچاس فیکٹریاں کھڑی کرلو گے! سمجھے؟ تم یہیں رہنا چاہتے ہو تو خوشی سے رہو۔ وہ تمہارے بدن کا ایک ایک ریشہ ادھیڑ ڈالیں گے اور تم انہیں کوئی نئی بات بتا کر اپنی جان نہیں چھڑا سکو گے.... اگر ایک شریف آدمی کی طرح ہمارے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو تو ریشم خان یا کسی اور سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں سمجھنے دو کہ ہم کسی کام سے یا آوارہ گردی کے لیے جا رہے ہیں۔ جب ان کے سر پر مصیبت پڑے گی تو وہ خود ہی سنبھال لیں گے۔ انہیں کسی اداکاری کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہر بات فطری انداز میں منہ سے نکلے گی۔"

"نہیں' یہ ریشم خان کے ساتھ ظلم ہوگا" مجھے ویرا کا خود غرضانہ مشورہ پسند نہیں آیا "وہ لوگ ہمارے نکل بھاگنے کا سارا غصہ ریشم خان پر اتار ڈالیں گے۔ اگر اسے زندہ چھوڑ دیا گیا تب بھی وہ عمر بھر کے لیے اپاہج ہو کر رہ جائے گا۔ اسے ہمارے پیچھے ہی یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"اور بقیہ تینوں آدمی؟" غزالہ اپنے ساتھ ہر ایک کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"ان میں سے ایک موتی لال کی لاش لے کر جا چکا ہوگا۔ وہ تینوں ایس ٹی ایف کے آدمی ہیں۔ انہیں کسی بھی وقت برطرفی کے احکام موصول ہوسکتے ہیں۔ وہ فیکٹری کو تالا لگا کر خاموشی سے چل دیں گے۔ اگر ہمارے دشمن ان کے جانے سے پہلے پہنچ بھی گئے تو وہ ان کے ساتھ برا سلوک نہیں کرسکیں گے۔ خفیہ تنظیم سے تعلق رکھنے کے باوجود ان لوگوں کو بہت سے تحفظات حاصل ہیں۔"

"ہم سب تو ان سے کچھ کہے سنے بغیر نکل سکتے ہیں لیکن ریشم خان انہیں کیسے جل دے سکے گا" اس وقت جہانگیر کی کھوپڑی شاید بالکل ہی ماؤف ہو کر رہ گئی تھی۔

میں نے نہایت تحمل سے کام لیتے ہوئے اسے سمجھایا "تم کوئی گڑبڑ کردو گے۔ انٹرکام پر اسے اوپر بلالو۔ میں خود ہی اسے پوری بات سمجھادوں گا۔"

سلطان شاہ کو میں نے فوراً ہی دونوں گاڑیاں تیار کرنے کے لیے بھیج دیا۔

ہماری کل نفری پانچ نفوس پر مشتمل تھی اور ہم سب وہاں سے ایک گاڑی میں بھی روانہ ہوسکتے تھے لیکن فیکٹری کے گیراج میں جہانگیر کی دوسری گاڑی موجود تھی۔ میں کسی ہنگامی ضرورت کے لیے اسے بھی نکال لے جانا چاہتا تھا۔ دو گاڑیوں میں بٹ کر ہم ایک دوسرے کا دھیان بھی رکھ سکتے تھے۔

ویرا کو ذرا دیر سے خیال آیا کہ میں نے سلطان شاہ کو دو گاڑیاں تیار کرنے کی ہدایت دے کر بھیجا تھا۔ اس نے چونک کر استفسار کیا تو میرے پاس پہلے سے جواب تیار تھا۔

"دوسرے امکانات کے علاوہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم یک جا رہنے کے بجائے دو الگ الگ ٹھکانوں کا رخ کریں۔ اگر دونوں گاڑیاں ناگزیر وجوہ کی بنا پر ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں تو وقت برباد کرنے اور بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ ہر پارٹی کسی بھی محفوظ ہوٹل میں پناہ حاصل کرلے۔ ایسی صورت میں دونوں پارٹیوں کا ایک ایک فرد آج شام سات بجے 'کباب پراٹھے والے بندو خان کے ہوٹل پر پہنچے گا تاکہ معلومات کے تبادلے کے ساتھ آئندہ کا طریقۂ کار بھی طے کرلیا جائے۔"

"یہ اچھی بات ہے کہ تم فیصلے کرنے کے ساتھ ساتھ سوچتے بھی جارہے ہو" ویرا منہ بنا کے بولی۔

اسی دوران میں ریشم خان پُرشور انداز میں زینے طے کرتا ہوا اوپر آگیا۔

اس کے ڈرائنگ روم میں آنے سے پہلے ہی میں لپک کر برآمدے میں پہنچ گیا۔

"نیچے کیا ہورہا ہے؟ دوسرے آدمی کہاں ہیں؟" میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"ایک آدمی قیدی کا لاش لے کے گیا ہے" ریشم خان میرے قریب ہوکر سرگوشیانہ لہجے میں بتانے لگا "اس خنزیر کے بچے کو چوہا لوگ نے بہت کاٹا تھا۔ رات بھر میں وہ پھول کر شیر کا بچہ بن گیا تھا۔"

"اسے مارنا پڑا یا وہ پہلے ہی مرچکا تھا؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔

"ہمارا خیال ہے کہ وہ زندہ تھا" ریشم خان کی آواز ہیجان زدہ ہونے لگی "وہ اپنا پیر پر چل کر گاڑی میں آیا پھر مرگیا۔ ارشد بولتا تھا کہ وہ زندہ ملا تو ام اس کا گردن توڑے گا۔"

"تم کو معلوم ہے کہ تمہارے صاحب کے دشمن کتنے خطرناک ہیں۔ وہ خود بھی پیچھے لگے ہوئے ہیں، پولیس کو بھی بھڑکا رہے ہیں۔ ابھی ہم لوگ سفارش کے لیے بڑے افسر کی طرف جارہے ہیں۔ ہمارے جانے کے بعد تم بھی ان دونوں سے کوئی بہانہ کرکے یہاں سے چلے جاؤ۔ تمہارے لیے بھی خطرہ ہے۔"

"اچا صیب!" اس نے سعادت مندی سے سرہلا کے
ام کب واپس آئے؟"

"واپس نہیں آنا" میں نے تیزی سے کہا "ریل کا
کر فوراً گاؤں چلے جاؤ۔ حالات اچھے ہوں گے تو تمہارا
دے کر تمہیں واپس بلالے گا۔"

اس کی آنکھوں سے حیرت اور بے یقینی جھلکنے
خطرے کا احساس دلانے کے لیے میں نے فوراً ہی بولنا

"رات کو پولیس صاحب کو لے گئی۔ وہ تمہیں بھی لے جا
شہروں میں پولیس والے مال دار سیٹھوں کے ساتھ زیاد
کرتے۔ ان کے راز اگلوانے کے لیے ان کے غریب
ملازموں کی کھال ادھیڑ ڈالتے ہیں اسی لیے تمہارا صاحب
کہ خطرہ دور ہونے تک تم اس شہر میں نہ رہو، اپنے
جاؤ۔"

"یہاں کا چوکی داری کون کرے گا؟" اسے دوس
ہوگئی۔

"ارشد کے آدمی یہاں کی دیکھ بھال کرلیں گے۔
ہوکر جاؤ۔"

"ام اپنا میم صیب سے مل لے؟" وہ ملتجی نظروں سے
دیکھتے ہوئے گھگھیایا۔

"ٹھہرو۔ میں اسے یہیں بھیجتا ہوں" یہ کہہ کر
روم میں گھس گیا۔

جہانگیر نے مستفسرانہ نگاہوں سے میری طرف د
جل کے کہا "جاؤ وہ تم سے آخری ملاقات کرنی چاہ
سے گلے مل کر رونا نہ شروع کردینا۔"

وہ مجھے پھاڑ کھانے والی نگاہوں سے گھورتا ہوا
طرف چل دیا۔

"آدمی کو ہر وقت اپنی زبان سے خیر کے ک
چاہئیں" غزالہ کے لہجے میں میرے لیے ہلکی سی فہمائ
"کیا پتا کب کون سی بات قبول کرلی جائے۔"

"میں نے اسے کون سی گالی دی ہے؟" میں
پوچھا۔

"آخری ملاقات بھی خطرات میں گھرے ہوئ
ذو معنی ثابت ہوسکتی ہے۔"

"آپس کے معاملات میں، میں اتنی باریک سو
ہوں" یہ کہہ کر میں نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ
ریشم خان نے جہانگیر کو واقعی اپنے بازوؤں م
بچے کی طرح اپنے سینے سے لپٹایا ہوا تھا۔ اندرونی
ٹھوس بدن زور زور سے ہل رہا تھا اور آنکھوں
تھے۔ وہ برے وقت میں اپنے مالک کو اکیلا چھوڑ
پریشان تھا۔

حالات میں شاید وہ منظر سب ہی کے لیے جذبات انگیز
لیکن میرے پیشگی تبصرے کی وجہ سے وہ صورتِ حال
خیز نظر آرہی تھی۔ جہانگیر کو بھی اس بات کا احساس
ملی جلی آوازیں سن کر اس نے کسمسا کر ریشم خان کی
ت سے نکل جانے کی کوشش کی لیکن بس اپنی جگہ پر ہل
ریشم خان اپنے "میب" کو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑ

زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ تیزی سے زینے اترنے لگا۔
پہنچنے سے پہلے ہی ویرا نے غزالہ سے چھیڑ چھاڑ شروع
ہی کے ارادے نیک نظر نہیں آتے۔ اس نے جب یہاں
ڑیوں میں روانہ ہونے کی بات چھیڑی تو میرا ماتھا ٹھنکا

تمہیں چھوڑ کر تو کہیں نہیں بھاگیں گے" غزالہ نے
سے کہا۔
ں چھوڑ کر نہیں، تمہیں لے کر بھاگنے کا ارادہ نظر آرہا
" ویرا ہلکا سا قہقہہ لگا کے بولی "شام سات بجے بندو خان
پر پہنچنے سے پہلے راوی تم دونوں کے لیے عیش ہی عیش

ا ہو بھی جائے تو کیا فرق پڑتا ہے.... اچھا ہوا کہ تم نے یہ
۔ اب تو ایسا ہی ہوگا" غزالہ سے پہلے، میں خوش دلی سے

ت نے ہم سب کو کباب میں ہڈی بنایا ہوا ہے۔ اچھا
طرح تم دونوں کو مکمل تنہائی کے کچھ اچھے لمحات میسر
ں جہانگیر اور سلطان شاہ کو بھگت لوں گی۔"
پہنچ کر ہم تینوں ہی خاموش ہو گئے کیونکہ اوّل خان کے
ی گاڑیوں کی صفائی میں سلطان شاہ کی مدد کے لیے وہیں
شاید ارشد نے موتی لال کی لاش لے جانے سے پہلے
مت سے نیچے ہی بلا لیا تھا اور سلطان شاہ نے ان دونوں
کچھ ہتھیار بھی گاڑیوں میں منتقل کرا لیے تھے۔
ے پہنچتے ہی ایس ٹی ایف کے دونوں آدمی احتراماً گیٹ کی
گئے پھر جہانگیر بھی اوپر سے نیچے ہی آ گیا۔ اس کے بشرے
کے آثار ہویدا تھے اور وہ سب ہی سے نظریں چرا رہا تھا۔
یچھے ریشم خان تھا۔ اس کا چہرہ لٹکا ہوا تھا اور مایوسی سے
ے ڈھلک آئے تھے۔
ورنگی روڈ اور ڈیفنس کے بجائے لانڈھی کی طرف سے
ر کا رخ کریں گے" سب کے یک جا ہو جانے پر میں نے
میں کہا "صدر کا کوئی بھی متوسط درجے کا ہوٹل ہماری

راستہ بہت لمبا اور بے تکا ہے۔ ادھر سے جانے کی کیا
ہے؟" جہانگیر نے اعتراض کیا۔

"طوالت اور تنگ سے زیادہ اہمیت ہماری سلامتی کی ہے" میں نے بھنچتے ہوئے لہجے میں کہا "کورنگی روڈ پر ان لوگوں سے مڈبھیڑ کا خطرہ ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ ہم نے یہاں سے نکلنے کے لیے لانڈھی کا راستہ اختیار کیا ہوگا۔ چند منٹ زیادہ ضرور صرف ہوں گے لیکن ہم بے خوف و خطر شہر کے قلب میں پہنچ جائیں گے۔ اس وقت مروّجہ راستہ مناسب نہیں رہے گا۔"

"اگر تم لانڈھی کی طرف سے جا رہے ہو تو شہر کے قلب میں گھسنے کی کیا ضرورت ہے؟" سلطان شاہ نے کسی خیال کے تحت چونک کر کہا "ہم سب ائرپورٹ پر کسی ہوٹل میں ٹک سکتے ہیں۔"

"مشکل یہ ہے کہ اب ہر ایک افلاطون بننے کی کوشش کرنے لگا ہے" میں نے تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "کراچی ائرپورٹ پر واقع ہوٹلوں کا ایک خاص مزاج ہے۔ وہاں جہاز راں کمپنیوں کا عملہ، ٹرانزٹ مسافر یا مختصر مدت کے لیے قیام کرنے والے غیر ملکی ٹھہرتے ہیں۔ ان ہوٹلوں میں ٹھہرنے والوں پر امیگریشن حکام اور دوسری ایجنسیوں کی گہری نظر رہتی ہے۔ اس بھیڑ میں ہم دور سے پہچان لیے جائیں گے۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر شہر لوٹنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"اب ہم یہاں وقت برباد کر رہے ہیں" ویرا مضطربانہ لہجے میں بولی "اگر ہم اپنے حریفوں کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں تو اور بات ہے ورنہ ہمیں یہاں سے نکلنا چاہیے تاکہ ہمارے بعد جہانگیر کے سرپرست، ریشم خان کو بھی سکون سے یہاں سے فرار ہونے کا موقع مل سکے۔"

"وہ ہوگا تمہارا سرپرست" جہانگیر بھڑک کے بولا "برسوں پرانے تعلق کی وجہ سے اگر وہ ذرا سی دیر کے لیے جذباتی ہو گیا تو میں اسے نہیں روک سکتا تھا۔ تم ہر وقت کسی نہ کسی کی ٹانگ کھینچنے کے چکر میں لگی رہتی ہو۔ یہ کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔"

"کون کس گاڑی میں جائے گا؟" بات بڑھتی دیکھ کر سلطان شاہ نے موضوع بدل دیا۔

"ڈیبی اور غزالہ ایک کار میں اور ہم تینوں دوسری کار میں جائیں گے" ویرا بولی۔

"ناممکن!" جہانگیر جھلّا کر بولا "میں تمہارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گا۔ میں نے مسلسل چند روز بھی تمہارے ساتھ گزار لیے تو مجھے تیسرے درجے کی ٹی بی ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ تم ہمارے ساتھ آ جاؤ" میں نے وہ بحث وہیں ختم کر دی اور اگلی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ گاڑی مجھے چلانی تھی۔ غزالہ نے خود عقبی نشست پر بیٹھ کر جہانگیر کو اگلی پسنجر سیٹ پر بیٹھنے کا موقع دینا چاہا لیکن وہ زبردستی پیچھے ہی دھنس گیا۔

میں نے اگنیشن میں چابی لگائی ہی تھی کہ جہانگیر بول پڑا "ریشم خان ہمارے ساتھ جائے یا بعد میں فرار ہو، اوّل خان کے آدمیوں کو ہماری چال بازی کا علم ہو ہی جائے گا۔ ہمارے بعد وہ بے چارہ

پیدل کہاں مارا مارا پھرے گا۔ اسے بھی ساتھ ہی لے لو' راستے میں اتار دینا۔"

اس کی بات معقول تھی۔ میں نے اشارے سے ریشم خان کو اپنے پاس بلایا۔ اس نے میرے ایما پر اپنی رائفل ایس ٹی ایف کے ایک شخص کے حوالے کی اور نہایت بے تابانہ انداز میں جہانگیر کے برابر میں بیٹھ گیا۔ میں نے انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی آگے بڑھائی تو پھاٹک کھل چکا تھا۔

ہماری دونوں گاڑیاں کھلے ہوئے پھاٹک سے نکل ہی رہی تھیں کہ سامنے ایک ہیلمٹ پوش موٹر سائیکل سوار آرکا۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جہانگیر کی فیکٹری ہی میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہ جسیم اور سخت جان نظر آرہا تھا۔ اس کی موٹر سائیکل بھی فوجی ساخت کی اور طاقت ور انجن والی معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ اس نے بشیر کی طرف دیکھ کر شناسائی کے انداز میں اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی تھی۔

"ٹھہرو!" جہانگیر میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر اضطراری انداز میں بولا "شاید یہ موٹر سائیکل سوار فیکٹری ہی میں آیا ہے۔ دیکھ لیں کہ یہ کیا چاہتا ہے؟"

"سکون سے بیٹھے رہو" میں نے غرا کر کہا اور گاڑی کی رفتار بڑھادی "یہ اپنے طور طریقوں سے نیم فوجی لگ رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ایس ٹی ایف والوں کی برطرفی کا پروانہ لے کر آیا ہے۔ اس وقت ہم رکے تو پھر یہیں پھنس کر رہ جائیں گے۔"

سلطان شاہ نے میری تقلید میں دوسری گاڑی کی رفتار تیز کردی تھی۔ میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا کہ راستہ صاف ہوتے ہی وہ موٹر سائیکل کھلے ہوئے پھاٹک میں داخل ہوگئی تھی۔

"صیب! پورا فیکٹری کھلا پڑا ہے۔ یہ لوگ اور کیا کرے گا" گاڑی میں ریشم خان کی فکر مندانہ آواز ابھری "تم حکم کرو تو ام ابی بھی ادر رہ سکتا ہے۔"

"چپ چاپ بیٹھو اور گاڑی سے اترتے ہی اپنے گاؤں بھاگنے کی فکر کرو" جہانگیر نے خشک لہجے میں کہا "جو بات ایک دفعہ سمجھادی ہے' اسے اپنے ذہن میں رکھو۔"

آگے پہلی بغلی سڑک نظر آتے ہی میں نے سیدھی سڑک چھوڑ کر اپنی گاڑی اسی طرف موڑ لی۔ مجھے موٹر سائیکل سوار کی طرف سے خطرہ تھا کہ کہیں وہ فیکٹری خالی ہوجانے کی خبر ملتے ہی ہماری تلاش میں نہ نکل کھڑا ہو۔

اوّل خان سے مجھے جو کچھ معلوم ہوا اس کا لب لباب یہ تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی اعلیٰ قیادت نے اپنی ساری تادیبی یا وفائی کارروائی اسٹیشن فور کے عملے تک محدود رکھی تھی۔ اس گردش کی وجہ سے میرے یا میرے ساتھیوں کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا تھا۔

ممکن ہے کہ فیکٹری پہنچنے والا موٹر سائیکل سوار صرف تین افراد کی برطرفی اور فوری روانگی کے احکام لے کر آیا ہو... کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی تھی کہ ان کے ... کے بعد فیکٹری بالکل ہی غیر محفوظ اور ویران ہوجائے گ... اور دوسرے کمروں کی کنڈیاں لگا کر وہاں سے لوٹ سکتے ... طور پر انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے ... پانچوں' ریشم خان کو لے کر کہاں غائب ہوگئے تھے ... احتیاط بہتر تھی۔ کھلی اور سیدھی سڑک پر اسپیشل ٹا... والوں کا سامنا کرنے سے گلیوں کی بھول بھلیوں میں ... مناسب تھا۔

"گاڑی میں جہانگیر کے چوکیدار کی موجودگی کی وجہ ... بات نہیں کرسکتے" چند منٹ کے سکوت کے بعد غزالہ ... میں کہا "یہ ہمارے ساتھ کہاں تک جائے گا؟"

"چند منٹ کی بات ہے" جہانگیر نے غزالہ کے ... ناخوش گوار ردعمل کا مظاہرہ کیے بغیر انگریزی ہی میں ... "لانڈھی سے نیشنل ہائی وے پر گھومتے ہی ہم ا... گے۔"

پھر جہانگیر اور ریشم خان میں ہلکی سی زور آزمائی ... میں دزدیدہ نگاہوں سے عقب نما آئینے میں دیکھ چکا تھا ... اپنی جیب سے خاصی رقم نکالی تھی۔ وہ خاموشی سے ... خان کو دینا چاہ رہا تھا اور ریشم خان کسی گونگے کی ... لایعنی آوازوں کے ساتھ جہانگیر کے رقم والے ہاتھ کو ... رہا تھا۔

اس وقت مجھے وہ منظر بہت بھلا لگا۔ اس دور ... گندی لعنت بن چکا ہے کہ کوئی بھی' کہیں سے بھی ہاتھ ... سرمایے سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرتا پھر جب ... اجیر کا ہو تو مزدور ہر رقم کو اپنا حق تصور کرکے جھپٹتا ... خان مشکل کے لمحات میں اپنے مالک کی مدد قبول نہ ک... واری کی ایک نئی مثال قائم کر رہا تھا۔

وہ ایک غریب چوکیدار تھا جو کافی عرصے سے جہا... کا محافظ اور اس کی نجی زندگی کا رازداں بنا ہوا تھا۔ ا... مختصر سا اثاثہ چھوڑ کر تن کے تین کپڑوں کے ساتھ ... اسے کچی بندھی ملازمت سے محرومی کے ساتھ اپنے ... سفر کا مرحلہ بھی درپیش تھا مگر اسے یہ فکر زیادہ تھی ک... لاکھوں روپے مالیت کی فیکٹری کو لاوارث اور کھلا ... سروسامانی کے عالم میں کہیں بھاگ رہا تھا اور ا... شدید ضرورت ہوسکتی تھی۔

وہ کشمکش زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکی۔ جہا... زبردستی ریشم خان کی جیب میں ٹھونس دیے اور ... سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

لانڈھی سے نکل کر نیشنل ہائی وے پر بائیں ط... بعد میں نے گاڑی ایک کنارے سے لگادی۔ کھڑکی ... ہاتھ کا اشارہ دیکھ کر سلطان شاہ اپنی گاڑی کو ست...

لیتا چلا گیا۔

گاڑی سے اترتے ہوئے' ریشم خان ایک مرتبہ پھر جذباتی ہونے لگا لیکن میں قرب وجوار میں موجود افراد کی بھاری تعداد کے سامنے کوئی تماشا نہیں بنانا چاہتا تھا اس لیے میں نے ریشم خان کے اترتے ہی الوداعی کلمات کہہ کر گاڑی آگے بڑھادی۔

"اس بار ہماری بھاگ دوڑ کا انجام کچھ خوش گوار نہیں رہا۔" غزالہ نے ایک گہرا سانس لے کے کہا "اوّل خان سے لے کر جہانگیر تک' سب ہی عتاب میں آگئے ہیں' کوئی خوش نہیں ہے۔"

"یہ ہوتا رہتا ہے" جہانگیر نے سپاٹ آواز میں کہا "میں تم لوگوں کے معاملات میں بہت زیادہ ملوث نہیں ہوا لیکن میرا اندازہ ہے کہ موتی لال کو ختم کرکے تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔"

"ہمیں اس کامیابی کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ہے" میں نے کہا۔ "سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ ہم اسپیشل ٹاسک فورس کی تباہ کن طاقت سے محروم ہوگئے ہیں" غزالہ کی آواز پُرملال ہوگئی "پاکستان آنے کے بعد شاید آپ کو پہلی بار قانون کے محافظوں کی فکر کرنی ہوگی۔"

غزالہ کے آخری فقرے پر میں چونک پڑا۔ حقیقت میں میرا ماضی داغ دار تھا۔ ہیروئن فروشوں کی سربراہی اور شہر کے شہرہ پشتوں سے گہرے مراسم کی وجہ سے میں بہت سے معاملات میں پولیس کو مطلوب تھا اور وہ صورتِ حال اتنی سنگین تھی کہ میں یورپ سے پاکستان واپس آتے ہوئے اپنی اصلی سفری دستاویزات استعمال کرنے کی ہمت نہیں کرسکا تھا بلکہ پیٹرواک کے فرضی نام سے سفر کرتا ہوا' پاکستان میں امیگریشن کے مراحل سے گزرا تھا۔ اس کے بعد بھی قانون کے محافظوں سے ایک طویل عرصے تک میری آنکھ مچولی جاری رہی لیکن اوّل خان سے مراسم استوار ہونے کے بعد میں ان تمام فکروں سے آزاد ہوگیا تھا۔

اس وقت بیک وقت دو خطرناک باتیں یک جا ہوگئی تھیں۔ پہلی یہ کہ اوّل خان کو معزول کرکے کراچی میں اسپیشل ٹاسک فورس کی تمام سرگرمیاں فوری طور پر معطل کردی گئی تھیں۔ دوسری یہ کہ ایلن نے مجھے بے بس کرنے کے لیے مقامی پولیس کو میرے پیچھے لگا کر انہیں اپنی یادداشت تازہ کرنے کا موقع فراہم کردیا تھا۔ کوئی بھی ذہین پولیس افسر صرف میرے نام کے سہارے میرے پچھلے ریکارڈ کی پڑتال شروع کرسکتا تھا۔

"اگر یہاں کے حالات جلد ہی سازگار نہ ہوسکے تو ہم باہر نکل جائیں گے" میں نے غزالہ کی تسلی کے لیے کہا "کچھ وقت گزارنے کے بعد ہم دوبارہ یہاں واپس آسکتے ہیں۔"

"مجھے اپنے پروگرام سے باہر ہی رکھنا" جہانگیر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میں زیادہ دیر تک تمہارے اوپر بوجھ نہیں بنوں گا۔ شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی مجھے کہیں اتار دینا۔ میں چند روز آرام کرکے اپنے گھر سے رقم' زیورات اور چیک بکس نکالوں گا تاکہ کسی پُرسکون علاقے میں نیا مکان خرید کر سلمٰی کو لاہور سے بلاسکوں۔ وہ لاہور میں پڑے پڑے اکتاگئی ہوگی۔"

"یہ کہو کہ تمہیں شدت سے بیوی کی یاد ستانے لگی ہے" میں نے اسے چھیڑا۔

وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا اور قدرے توقف کے بعد بولا۔ "بیوی میں کوئی گن ہوں' تب ہی وہ یاد آتی ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ مجھے اپنا بیٹا بہت یاد آرہا ہے۔ اولاد کی محبت عجیب اثر رکھتی ہے۔"

"بیوی اور بیٹے کو بھی بلالینا لیکن ہم سے دور کیوں بھاگنا چاہ رہے ہو۔ تم ہمارے ہوٹل میں ایک الگ کمرا لے کر اطمینان سے آرام کے چند روز گزارسکتے ہو۔ سلمٰی کی تجوری تک رسائی حاصل کرکے ہماری رقم ہمارے حوالے کرکے تم کہیں بھی جاسکتے ہو۔"

"میں تمہاری رقم لے کر بھاگ نہیں جاؤں گا۔ وہ پہلی فرصت میں تم تک پہنچادی جائے گی" وہ تلخی سے بولا "تم نے اتنے بڑے بڑے چکروں میں اپنا پیر پھنسایا ہوا ہے کہ زیادہ دیر تک تمہارے ساتھ لگے رہنے سے مجھے اپنی مٹی پلید ہوتی نظر آرہی ہے۔ میں اپنے مخدوش مستقبل کو اسی طرح ٹال سکتا ہوں کہ بھیڑ بھاڑ کے مقامات اور ہوٹلوں وغیرہ میں تمہارے ساتھ نہ دیکھا جاؤں۔ میں اپنا کوئی نیا ٹھور ٹھکانا بنانے میں کامیاب ہوگیا تو تم بھی اس سے فائدہ اٹھاسکوگے۔"

"غنیمت ہے کہ تم آئندہ بھی میل جول برقرار رکھنے کے بارے میں سوچ رہے ہو لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم آرام کے لیے ہوٹل وغیرہ نہیں تو پھر کہاں جاؤگے؟ اب تو بے چاری نادیہ یا مسز خان بھی زندہ نہیں ہے جو چند روز کے لیے تمہیں اپنے گھر میں رکھ لے۔"

"کم ازکم بھابی کی موجودگی میں تو بے ہودہ باتیں مت کرو" وہ جھنجلا کر بولا اور غزالہ کے چہرے پر زیرِلب مسکراہٹ پھیل گئی جسے وہ نہیں دیکھ سکا اور اپنی دھن میں کہتا رہا "تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ایک شریف اور گھردار آدمی ہوں۔ میں ان خرافات میں نہیں پڑتا۔ نادیہ اپنے دل میں جو بھی سمجھتی رہی ہو' میں نے کبھی بھی اسے اپنی سیکریٹری سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔"

"میں نے تم پر کوئی الزام عائد کیا' نہ بے ہودگی کی" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "میرے کہنے کا مطلب صرف اتنا تھا کہ تمہاری سیکریٹری خودکشی کرچکی ہے' تم ہوٹل یا بھیڑ بھاڑ کی کسی جگہ کا رخ نہیں کرنا چاہتے پھر تم کہاں جاؤگے' کہاں آرام کروگے؟"

"تم میری فکر مت کرو۔ میں نے اپنے بارے میں سب کچھ سوچا ہوا ہے۔ میں ایسی جگہ جاؤں گا جہاں کسی کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا۔ وہاں رہ کر میں اپنے معاملات سیدھے کرلوں گا۔"

"ایسی کون سی جگہ ہے جس کا نام لیتے ہوئے تمہیں شرم آرہی ہے؟"

"میں چند روز کے لیے کسی اسپتال میں داخلہ لے لوں گا" مجبوراً اسے بتانا ہی پڑا۔

"اسپتال؟" غزالہ نے اس کی طرف گھوم کر حیرت سے پوچھا۔
"…جیسے ہٹے کٹے اور صحت مند آدمی کو شہر کے کس اسپتال میں
…لہ مل سکے گا؟"

"کراچی میں سب کچھ ممکن ہے۔ مہنگے پرائیویٹ اسپتال
…ں کا بس چلے تو وہ زکام کے مریض کو بھی دو چار دن کے لیے
…تال میں رکھ لیں۔ اعصابی دباؤ اور بے چینی کی بنا پر میں کسی بھی
…تال میں کئی دن گزار سکتا ہوں۔ وہاں تخلیئے میں دنیا کی ہر
…لت ملتی ہے اور یہ اسپتال بہت مہنگے کہلانے کے باوجود
…ا اسٹار بلکہ فور اسٹار ہوٹلوں سے بھی سستے ہوتے ہیں۔"

"آدمی فور اور فائیو اسٹار ہوٹلوں کا رخ کرتا ہے تو ذہنی طور پر
…ل خرچی کے لیے آمادہ ہوتا ہے لیکن کسی بیماری میں اسپتال کا
…ُ کرنا پڑے تو مالی زیادتیاں بری لگتی ہیں۔" میں نے کہا۔

"تم نے اب تک اس اسپتال کا نام نہیں بتایا جہاں جانے کا
…دہ ہے؟" غزالہ نے اسے ٹوکا۔

جواب میں اس نے جس اسپتال کا نام لیا وہ میرے لیے نیا
…ں تھا۔

اس وقت سلطان شاہ اور ویرا کی گاڑی ہم سے آگے جا رہی
…۔ میں نے اسے اپنی نگاہ میں رکھا ہوا تھا۔ پیچھے کی مجھے زیادہ فکر
…ں تھی لیکن میں عقب نما آئینے میں جہانگیر کو دیکھتے ہوئے غیر
…دی طور پر سڑک کا بھی جائزہ لے لیتا تھا۔ کافی دیر سے ہمارے
… ہلکے سرمئی رنگ کی ایک بند سوزوکی پک اپ چلی آرہی تھی
…، پر میں نے زیادہ دھیان دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی
…۔

میں نے جہانگیر کے پروگرام پر چڑانے والا تبصرہ کرتے ہوئے
…بار پھر اس پک اپ کا جائزہ لیا۔ وہ مستقل فاصلہ برقرار رکھتے
…ئے ہمارے پیچھے چلی آرہی تھی۔ اس کے اگلے کیبن کی دونوں
…نیں آباد تھیں۔ پچھلے حصے کے بارے میں کوئی اندازہ لگانا ممکن
…ں تھا کیونکہ وہ آہنی چادر سے پوری طرح ڈھکا ہوا تھا۔

میری چھٹی حس بیدار ہوگئی۔ اگر سوزوکی والوں کے عزائم
… تھے تو ہماری رفتار سست ہونے پر انہیں آگے نکل جانا چاہیے
…یہ خیال آتے ہی میں نے اپنی گاڑی کی رفتار کم کر دی۔

چند ہی سیکنڈ میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ ہمارا اور سوزوکی کا
…یانی فاصلہ گھٹنے کے بجائے تقریباً برقرار تھا۔ ہماری سست روی کا
…زہ کر کے انہوں نے بھی اپنی رفتار کم کر لی تھی۔ وہ یقینی طور پر
…ا تعاقب کر رہے تھے۔ میں نے اپنے ذہن پر بہت زور دیا لیکن یہ
…نہ آسکا کہ میں نے عقب نما آئینے میں پہلی بار سوزوکی کا عکس
…ں دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے؟ آپ اچانک ہی مضطرب نظر آنے لگے ہیں؟"
…ا پریشانی غزالہ سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

"ایک سوزوکی پک اپ ہمارا پیچھا کر رہی ہے" میں نے
…دن رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "میں نے رفتار کم کی تو وہ
بھی سست روی پر اتر آئے ہیں، پتا نہیں کون لوگ ہیں۔"

"پولیس پارٹی معلوم ہوتی ہے" جہانگیر نے شاید گردن گھما کر سوزوکی کا جائزہ لے ڈالا تھا۔ اس کی آواز سے سخت وحشت جھلک رہی تھی "آج کل ایسی گاڑیوں کی بھاری تعداد پولیس والوں کے استعمال میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ستارے گردش میں آگئے ہیں۔ گاڑی میں موجود ہتھیاروں کو کام میں لائے بغیر ہم ان لوگوں سے نہیں بچ سکیں گے۔"

"ہرگز نہیں" غزالہ نے سختی سے کہا "نتائج خواہ کچھ بھی ہوں، ہم پولیس والوں سے کوئی تصادم مول نہیں لیں گے۔ ذرا غور سے دیکھو کہ سوزوکی کی اگلی سیٹوں پر پولیس والے ہی ہیں۔"

"اس کے ذہن پر پولیس کا آسیب سوار ہے" میں نے بدمزگی سے کہا "سوزوکی میں نظر آنے والے دونوں آدمی عام شہری کپڑوں میں ہیں۔ ان سے چھیڑ چھاڑ کی جا سکتی ہے۔"

ان لوگوں سے گلوخلاصی کی دو ہی صورتیں ممکن تھیں۔ رک کر انہیں للکارا جاتا اور وہ خوف زدہ ہو کر واپس فرار ہو جاتے یا پھر میں اپنی گاڑی کے انجن پر بھروسا کرتے ہوئے برق رفتاری سے آگے نکل کر ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا۔

بظاہر وہ سوزوکی خستہ حال نہیں تھی۔ ہمارے فرار کی صورت میں وہ بھی تیز رفتاری کے مظاہرے پر اتر آتے تو ٹریفک کے ہجوم میں کہیں نہ کہیں ہم تک پہنچ سکتے تھے۔ اس وقت میرے ذہن میں بس ایک ہی بات جم کر رہ گئی تھی کہ وہ ایلن کے کرائے کے بدمعاش تھے جو اتفاقاً ہی ہمیں پہچان کر ہمارے پیچھے لگ گئے تھے۔

میں نے گاڑی کو بائیں طرف کچے میں اتارتے ہوئے، آہستہ آہستہ روک دیا۔

ابتدا میں سوزوکی والے بھی اپنی رفتار کم کرتے رہے لیکن ہمیں رکتا ہوا دیکھ کر انہوں نے پیچھے رکنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ سوزوکی رینگتی ہوئی ہمارے برابر سے گزری تو اس کے پچھلے حصے کی آہنی باڈی پر جلی انگریزی حروف میں پولیس لکھا ہوا تھا۔ اس کے ڈرائیونگ کیبن میں موجود دونوں افراد نے متجسسانہ انداز میں ہماری طرف دیکھا اور آگے جا کر سوزوکی کنارے سے لگانے لگے۔

"مارے گئے" جہانگیر خوف زدہ آواز میں کراہا "اس وقت یہ دونوں اپنی وردیوں میں نہیں ہیں لیکن یہ فیکٹری پر چھاپا مارنے والی پارٹی میں شامل تھے۔ مونچھوں والا تو اول خان کے پہنچنے سے پہلے، تھانے میں ہم لوگوں کو خاصی دھمکیاں بھی دیتا رہا تھا۔"

"میں ان کا زیادہ سامنا نہیں کرنا چاہتا" میں نے جلدی سے کہا "تم ہی نیچے اتر کر ان سے بات کرو۔ کوئی کمزوری دکھانے کی ضرورت نہیں۔ اس وقت وہ دونوں وردی میں نہیں ہیں۔"

جہانگیر کے ساتھ غزالہ بھی پھرتی سے گاڑی سے اتر گئی۔ سوزوکی کا پچھلا حصہ خالی پڑا ہوا تھا۔ اس کے رکنے پر دونوں سادہ پوش نیچے اتر کر ہماری طرف بڑھنے لگے۔ میرے لیے اطمینان کی بات یہ تھی کہ ان کے ہاتھ خالی تھے اور جسموں پر بھی کوئی ہتھیار

نہیں سجا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے؟ اتنے سویرے اس راستے سے کدھر جا رہے ہو؟" مونچھوں والے نے دور ہی سے بلند' استہزائیہ آواز میں پوچھا۔ "اور گھبرا کے یہاں رک کے کیوں ہو؟"

"جس شہر میں باحیثیت انسانوں کی بے توقیری ہوتی ہو' ہم وہاں نہیں رہ سکتے۔ ہم لاہور جا رہے ہیں لیکن تم لوگ ہمارا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟ کیا تمہارے ایس ایچ او کے لیے رات کا تجربہ کافی نہیں تھا؟" جہانگیر سے پہلے ہی غزالہ دبنگ آواز میں برس پڑی اور میں دو پولیس والوں کے سامنے اس کا وہ پراعتماد رویہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"میم صاحب! ناراض ہونے کی ضرورت نہیں" وہی شخص خوشامدانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "اتفاق سے تم دونوں کو پہچانا تو تفریحاً پیچھے لگ گئے تھے۔ اس وقت ہم ڈیوٹی پر نہیں ہیں۔ ہمارا ایس ایچ او صاحب تو اپنی پیٹی اور ٹوپی کے صدمے سے گھر پر پڑا ہوا ہے۔ گاڑی میں کوئی گڑبڑ ہے تو ہم تمہاری مدد کر دیں؟"

"کسی مدد کی ضرورت نہیں" غزالہ نے خشک لہجے میں کہا "اپنا راستہ لو ورنہ تمہاری بھی شکایت کی جا سکتی ہے۔ ہم گرے پڑے یا لاوارث لوگ نہیں ہیں جو تمہاری زیادتیاں سہہ لیتے ہیں۔"

وہ خاصا گھاگ آدمی تھا۔ اپنے تھانے میں اول خان کا رسوخ اور دبدبہ دیکھ چکا تھا۔ شاید اسے علم نہیں تھا کہ اس واقعے کے بعد ہی اول خان زیرِ عتاب آ گیا تھا۔ وہ غزالہ کے ترش فقروں پر برہم ہوئے بغیر اپنے پیشہ ورانہ تجسس کے ساتھ بولا "اچھا ہوا کہ تم نے خود ہی لاہور جانے کا پروگرام بتا دیا...... تمہارے ساتھ یہ تیسرا آدمی کون ہے؟ کہیں ایس ایچ او صاحب کو اسی کی تلاش تو نہیں تھی؟"

"یہ ہمارا ڈرائیور ہے۔ چاہو تو اب اسے پکڑ لو۔ دوپہر سے پہلے پورے تھانے کی وردی اتر جائے گی" اسے مرعوب ہوتا ہوا دیکھ کر غزالہ برہمی کے مظاہرے پر تل گئی۔

"چل بھئی چوہدری!" مونچھوں والا اپنے ساتھی کے شانے پر ہاتھ مار کے بولا "میں شرط جیت چکا ہوں۔ میں نے اس گاڑی کا نمبر دیکھتے ہی تجھے بتا دیا تھا کہ رات کو یہ گاڑی ایس جے کارمنٹس میں کھڑی ہوئی تھی۔ اب دیکھ لیا کہ اندر بندے بھی اسی فیکٹری کے ہیں۔"

وہ دونوں سوزوکی میں سوار ہو کر وہاں سے آگے روانہ ہو گئے۔

ہم وہیں رکے رہے۔ مجھے فکر یہ تھی کہ سلطان شاہ ہمارے رکنے کے باوجود آگے نکلتا چلا گیا تھا۔ اسے اندازہ ہی نہیں ہو سکا ہوگا کہ ہم ایک ناگہانی اتفاق سے دوچار ہو چکے تھے۔

غزالہ نے اپنی نشست سنبھال لی لیکن جہانگیر گاڑی میں بیٹھنے سے ہچکچا رہا تھا "میں اس منحوس گاڑی میں نہیں بیٹھوں گا۔ آگے کوئی اور مصیبت نازل ہو جائے گی۔ میں یہیں سے ٹیکسی لے لوں گا۔"

"تم ٹیکسی لے کر کھسک جاؤ گے تاکہ ہم آگے کسی اور چکر میں پھنس جائیں۔"

"تم بھی یہ گاڑی چھوڑ دو اور ٹیکسی سے نکل جاؤ۔ یہ گاڑی شہر میں پھنسوا دے گی۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا لیکن گاڑی کو اس شاہراہ پر لاوارث نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ میں نے سمجھا بجھا کر اسے کار میں سوار کرایا اور پھر آگے روانہ ہو گیا۔

مجھے حیرت تھی کہ اپنے عقب نما آئینے میں ہمیں رکتا ہوا دیکھنے کے باوجود سلطان شاہ کیوں آگے نکلا چلا گیا لیکن کچھ آگے بڑھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اتنا غیر ذمے دار نہیں تھا۔ اس نے آگے جانے کے بعد اپنی کار کنارے سے لگائی ہوئی تھی۔

وہ ہم سے معلومات حاصل کرنی چاہتا تھا یا ہمیں آگے نکلنے کا موقع دینا چاہتا تھا کیونکہ اس کی گاڑی نے حرکت نہیں کی۔ وہ چل بھی دیتا تو ہمیں اسے روکنا پڑتا کیونکہ جہانگیر سے طے کیے ہوئے پروگرام کے مطابق ہمیں اپنی گاڑی میں رکھے ہوئے ہتھیار دوسری کار میں منتقل کرنے تھے۔

سلطان شاہ نے اپنی گاڑی ملیر ریلوے اسٹیشن سے آگے ایسی جگہ روکی ہوئی تھی جہاں سڑک اور ریلوے لائن کے درمیان آبادی یا دکانوں وغیرہ کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

ہماری گاڑی میں ایک کلاشنکوف' دو بھرے ہوئے میگزین اور فاضل راؤنڈز کے علاوہ دو پستول اور ان کے فاضل راؤنڈز موجود تھے۔ جہانگیر نے وہ تھیلا فوراً ہی سلطان شاہ کی کار میں منتقل کر دیا۔ جہانگیر کی دلیل تھی کہ سلطان شاہ والی کار فیکٹری کے بند گیراج میں تھی اس لیے نمبر کی وجہ سے اس کی شناخت ممکن نہیں تھی۔ اسے ہم بے فکری سے اپنے استعمال میں رکھ سکتے تھے۔

اس دوران میں سلطان شاہ نے ہمارے رکنے کا سبب جاننا چاہا لیکن میں اسے اپنے پیچھے آنے کی ہدایت دے کر فوراً ہی اپنی ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

جہانگیر نے چند ثانیوں کے لئے اگلی کار کے پاس رک کر سلطان شاہ کو اگلے پروگرام کے بارے میں سمجھایا پھر ہمارے ساتھ آ بیٹھا۔ میں نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی کہ اس دوران میں ویرا نے کسی بھی بات میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھا دی۔ ہمارے پیچھے سلطان شاہ بھی کار سڑک پر لے آیا۔

ان دنوں کراچی کا نیا ائرپورٹ وجود میں نہیں آیا تھا۔ ساری ملکی اور بین الاقوامی پروازیں پرانے ائرپورٹ سے روانہ ہوتی تھیں اور وہیں آتی بھی تھیں۔ میں اپنے ذہن میں اگلے حالات کا نقشہ جماتے ہوئے گاڑی چلاتا رہا اور پھر اسٹار گیٹ کے سہ راہے سے داہنی طرف مڑ گیا۔ مجھے اس امر کی خوشی تھی کہ اس پورے سفر میں پولیس والوں کی مشتبہ سوزوکی پک اپ دوبارہ نظر نہیں آئی تھی۔

ائرپورٹ پر میں اپنی گاڑی کو براہِ راست پارکنگ لاٹ میں لے

چلا گیا۔ سلطان شاہ گول سڑک گھوم کر داہنی طرف 'ائرپورٹ کے کارگو ایریا کی سمت میں نکل گیا۔

شاید اس وقت ائرپورٹ پر پروازوں کا ہجوم نہیں تھا کیونکہ پارکنگ لاٹ میں کافی جگہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے کار ایک ایسے گوشے میں کھڑی کردی جہاں سے آسانی سے نوٹ کیا نہ جا سکے۔ ہم تینوں دروازے مقفل کر کے نیچے اترے تو جہانگیر دھیمی آواز میں بولا "یہاں سے میرے اور تمہارے راستے الگ ہو جائیں گے۔ میں یہیں سے کوئی ٹیکسی پکڑلوں گا۔"

"اب تو ہم منحوس گاڑی سے نجات حاصل کر چکے ہیں۔" میں نے راستہ طے کرتے ہوئے کہا "کالی گاڑی کو تم خود محفوظ قرار دے چکے ہو پھر اب کیا وحشت ہے؟"

"کوئی وحشت نہیں ہے۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ "چار چھ کلو میٹر سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہاں نہیں تو آگے چل کر مجھے الگ ہونا پڑے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم ہمیں کسی ہوٹل تک نہیں پہنچاؤ گے؟"

"تم دودھ پیتے بچے نہیں ہو کہ میری رہنمائی کے بغیر کوئی محفوظ ہوٹل نہ تلاش کر سکو۔" وہ قدرے برہمی سے مجھے گھورتے ہوئے بولا "میرے اسپتال کا نام تمہیں معلوم ہے۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری سے نمبر تلاش کر کے، جب چاہو مجھ سے بات کر لینا۔ اسی وقت مجھے اپنے ہوٹل کے بارے میں بھی بتا دینا۔ اس دوران میں رقم ہاتھ آگئی تو وہ تم سے ملاقات تک محفوظ رہے گی۔"

"مجھے رقم کی نہیں، تمہاری دماغی صحت کی فکر ہے" میں نے دانت پیس کر کہا "اگر تم پولیس والوں سے اسی قدر وحشت زدہ رہے تو میرا دعویٰ ہے کہ تم کوئی جرم کئے بغیر بھی سلاخوں کے پیچھے پہنچ جاؤ گے اور کوئی تمہیں نہیں بچا سکے گا۔"

پارکنگ ایریا سے نکل کر ہم تینوں ٹرمینل کی عمارت کی طرف چل دیئے۔

"تمہاری بددعائیں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔" جہانگیر کہہ رہا تھا "مجھے معلوم ہے کہ اس وقت تمہاری کھوپڑی پر ضد سوار ہے ورنہ تم میرے بدخواہ نہیں ہو۔"

"اگر الگ ہونا ہی ہے تو ابھی دفع ہو جاؤ۔" میں نے برہمی سے کہا "میرا دماغ سنک گیا تو بلاوجہ یہاں تماشا بن جائے گا۔"

اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار دیکھ کر غزالہ نے جلدی سے اس کا بازو تھام کر کہا "تم دونوں کی بے تکلفی کی باتوں میں میں دخل نہیں دیتی۔ ان کے الفاظ سخت ہیں مگر بات غلط نہیں ہے۔ آپ کو اس کا برا نہیں ماننا چاہئے۔"

"بات غلط نہیں ہے؟" جہانگیر حیرت اور غصے سے غراتے ہوئے بولا۔

مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ میں اپنی رو میں بہہ کر جہانگیر کے ساتھ زیادتی کر بیٹھا تھا لیکن میں اسے منانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میرے معذرت خواہانہ رویے پر وہ میرے گلے بھی پڑ سکتا تھا۔ میں غزالہ کو اس کی دل جوئی کا موقع دینے کی نیت سے آگے بڑھ گیا۔

"ان کا مطلب تھا کہ تمہیں الگ ہونا ہی ہے تو اسی عمارت میں الگ ہو جاؤ۔" غزالہ کی ناصحانہ آواز میرے کانوں میں آئی۔ "باہر ہم لوگوں کی نظروں میں آجائیں گے۔"

"یہی بات وہ شرافت سے نہیں کہہ سکتا تھا؟" جہانگیر کی آواز تلخ تھی لیکن غزالہ کی وضاحت نے اس کا غصہ فرو کر دیا تھا۔

"یہ تم دونوں کی آپس کی باتیں ہیں۔ میں ان میں دخل نہیں دے سکتی۔"

اچانک کسی نے میرا بازو پکڑ لیا۔ میں چونک کر پلٹا تو جہانگیر تیز تیز قدموں سے چل کر میرے قریب آچکا تھا۔ نگاہیں چار ہوتے ہی وہ مسکرایا پھر اس نے اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے پُرتپاک انداز میں اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "اسپتال تو جا رہے ہو لیکن ہوشیار رہنا۔ انہوں نے اعصابی دباؤ کا علاج شروع کر دیا تو تم سچ مچ کے مریض بن جاؤ گے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" وہ بائیں آنکھ دبا کر عارفانہ ہنسی کے ساتھ بولا "ایسے امراض میں ڈرپ اور مسکن دوائیں دی جاتی ہیں۔ وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گی۔"

ہم دونوں نے ایک مرتبہ پھر گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ اس نے اپنے سر کی خفیف سی جنبش سے غزالہ کو تعظیم پیش کی اور تیزی کے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف چل دیا۔

ہم دونوں نے سیڑھیوں کے قریب بنے ہوئے اسٹال سے کولڈ ڈرنکس لے لیں تاکہ چند منٹ کا وقفہ سکون سے گزار سکیں۔ سلطان شاہ چکر مار کر لوٹ بھی آتا تو ٹیکسی اسٹینڈ سے ذرا آگے، سڑک کے کنارے رک کر ہمارا انتظار کرتا۔

کولڈ ڈرنکس ختم کر کے میں نے پیسے ادا کئے اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔

جہانگیر کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں تھا' سلطان شاہ مقررہ مقام پر ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ وہ شاید ہماری تلاش میں تھا کیونکہ ہمارے سڑک پر اترنے سے پہلے سیاہ گاڑی حرکت میں آئی اور چند ہی ثانیوں میں سڑک گھوم کر ہمارے قریب آرکی۔

ویرا کسی باوقار مشرقی خاتون کی طرح سر پر دوپٹا اوڑھے سلطان شاہ کے برابر میں براجمان تھی۔ ہم نے پچھلی نشست سنبھالی اور گاڑی ایک مرتبہ پھر شہر کی طرف جانے والے راستے پر رواں ہوگئی۔

"جہانگیر ٹیکسی سے کہاں گیا ہے؟" چند ثانیوں بعد ویرا نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"کیا تم نے اسے ٹیکسی سے جاتے دیکھا ہے؟" میں نے حیرت سے جوابی سوال کر ڈالا۔

"ہاں' وہ ہمارے سامنے ہی عمارت سے نکلا تھا اور خاصی

عجلت میں تھا۔"
"وہ اسپتال گیا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔
"کیوں؟ طبیعت تو ٹھیک تھی اس کی؟" ویرا کے ساتھ سلطان شاہ بھی بری طرح چونکا تھا۔
"وہ آرام فرمانے کے لئے اسپتال تشریف لے گئے ہیں۔" غزالہ نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا "تمہیں اس کے لئے فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"
"راستے میں تم کہاں رہ گئے تھے؟" ویرا نے لحظہ بھر کے بعد مجھ سے پوچھا "اگر مزید چند منٹ تک تمہاری گاڑی نظر نہ آتی تو ہم تمہاری تلاش میں واپس چل پڑے ہوتے۔"
غزالہ نے انہیں پولیس والی سوزوکی کا قصہ سنانا شروع کردیا۔ میں آرام دہ سیٹ میں پھیل کر دراز ہوگیا اور سگریٹ سلگا کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔

○☆○

اگلے دن کا آغاز بہت سنسنی خیز ثابت ہوا۔ فون کی مسلسل بجتی گھنٹی پر میں ہڑبڑا کر بیدار ہوا تو غزالہ بستر پر نہیں تھی۔ میں نے پھرتی سے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے سلطان شاہ کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔
وہ کہہ رہا تھا "نیند کو جھٹک کر آج کا اردو اخبار دیکھو۔ معاملات بگڑ گئے ہیں۔"
اپنی بات پوری کرکے اس نے میرا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔
میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال کر ایک طویل انگڑائی لی اور بستر چھوڑ دیا۔
جہانگیر کی فیکٹری سے روانہ ہوتے ہوئے میرا خیال تھا کہ ہم لوگ الگ الگ ٹھکانوں پر قیام کریں اور ایک دوسرے کی خیر خبر رکھیں لیکن جہانگیر کے نکل بھاگنے کے بعد 'ایئرپورٹ سے واپسی پر سب کی متفقہ رائے تھی کہ ہم چاروں قدرتی اور ایک مصنوعی جوڑے میں تبدیل ہوگئے تھے اور آسانی کے ساتھ کسی ایک ہی ہوٹل میں دو کمرے لے کر ایک دوسرے کے قریب رہ سکتے تھے۔
طے کرلیا گیا تھا کہ ہوٹل میں ایک دوسرے سے دور ہی رہیں گے اور انٹرکام کی سہولت بھی ہنگامی ضرورت کے تحت استعمال کریں گے۔
میں 'غزالہ کے ساتھ ٹیکسی میں صدر کے ایک نئے ہوٹل میں پہنچا۔ سلطان شاہ بعد میں ویرا کے ساتھ آیا۔ ہمیں تیسری منزل پر کمرا ملا جب کہ ویرا اور سلطان شاہ کو پانچویں منزل پر قیام کرنا پڑا۔ ہم سب ہی تھکے ماندے تھے۔ میں نے دوپہر کا کھانا کمرے ہی میں منگوایا پھر ہم کھڑکیوں کے دبیز پردے کھینچ کر سو گئے۔ شام کو سات بجے بیدار ہونے کے بعد ہم دونوں تیار ہوکر تھوڑی دیر کے لئے الفنسٹن اسٹریٹ کے بارونق بازار کی طرف نکل گئے کیونکہ مسلسل کمرے میں محبوس رہنے کی صورت میں ہوٹل کی انتظامیہ ہماری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہوسکتی تھی۔
رات کا کھانا ہم نے باہر ہی کھایا۔ وہاں سے میں نے فون پر نارمن سے چھیڑ چھاڑ کرنی چاہی لیکن طویل انتظار کے باوجود اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا اور ہم دونوں ہوٹل لوٹ آئے۔
ہوٹل میں ہمارا ویرا اور سلطان شاہ سے آمنا سامنا ہوا نہ انٹرکام پر کوئی بات ہوئی۔ اب جو یوں سلطان شاہ کا سنسنی خیز پیغام ملا تو میرا مضطرب ہونا فطری امر تھا۔
باتھ روم سے شاور کی تیز آواز آرہی تھی۔ میں نے باتھ روم کے دروازے پر بے معنی دستک دے کر دروازے کے قریب پڑے ہوئے اردو اور انگریزی اخبارات اٹھا لئے جو اس ہوٹل میں شاید روم سروس کا ایک لازمی جزو تھے۔
سلطان شاہ کا پیغام سن کر مجھے بے ساختہ مکرجی کا خیال آیا تھا۔ اگر فیکٹری کے حالات اچانک ہی مخدوش نہ ہوگئے ہوتے تو اس وقت تک موتی لال زندہ ہوتا اور پرتاب ادھیکاری کے ذریعے بھیجے جانے والے پیغام کے مثبت ردِعمل کی صورت میں مکرجی سے رابطہ ہوسکتا تھا۔ ہم نے پچھلے روز' صبح کے وقت موتی لال کو ٹھکانے لگادیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کی لاش جہاں بھی پھینکی گئی ہو' دن ڈھلنے سے پہلے ہی دریافت کرلی گئی ہوگی۔ ایسی صورت میں مکرجی کی طرف سے کسی اشتہاری جواب کی توقع عبث تھی۔ پھر سلطان شاہ کس بات کا حوالہ دے رہا تھا؟ میرے ذہن میں یہ سوال چبھ رہا تھا۔ میں نے کمرے میں پڑی ہوئی میز کی طرف جاتے ہوئے خبروں کا سرسری جائزہ لے ڈالا لیکن اخبار کے پہلے صفحے پر ایسا کوئی مواد تلاش نہیں کرسکا جو ہمارے لئے دلچسپی کا باعث ہوتا۔
باتھ روم میں سے شاور سے پانی گرنے کی آوازیں ختم ہوچکی تھیں۔ غالباً غزالہ نے میری دستک کو میری کسی ضرورت پر محمول کرتے ہوئے اپنا غسل مختصر کردیا تھا۔
میز کرسی سنبھالنے کے بعد پہلے صفحے کے نچلے کالموں میں مجھے ایک مختصر سی خبر نظر آگئی جو یقینی طور پر موتی لال کے بارے میں تھی۔
کورنگی کی ندی کے کنارے پر کوڑا چننے والوں کی نشاندہی پر علاقہ پولیس نے کوڑے کے متعفن ڈھیر پر پڑی ہوئی ایک بگڑی ہوئی لاش دریافت کی تھی۔ مرنے والے کی گردن کا منکا ٹوٹا ہوا تھا اور پورے جسم پر تشدد اور زخموں کے نشانات تھے۔ لاش تازہ ہونے کے باوجود حیرت ناک طور پر پھولی ہوئی تھی۔ متوفی کے لباس سے کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی تھی جس سے اس کی شناخت ہوسکے۔ پوسٹ مارٹم اور کیمیائی تجزیے کے لئے مخصوص جسمانی آلائشیں حاصل کرنے کے بعد لاش کو مردہ گھر میں رکھوا دیا گیا تھا۔
میرے لئے وہ خبر اس اعتبار سے تحیر خیز ثابت ہوئی کہ موتی لال کی لاش کے تفصیلی معائنے کے باوجود اس کے دھرم کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اگر یہ تعین ہوجاتا کہ مرنے والا ہندو تھا تو اس کے ورثا کی تلاش کے مراحل مختصر اور آسان ہوسکتے تھے۔

مسلمانوں میں ابتدا ہی سے ختنے کی رسم ایک مذہبی فریضے کا درجہ رکھتی ہے جب کہ دوسرے مذاہب میں اس کا ایسا کوئی تصور نہیں تھا۔ حفظانِ صحت کے بارے میں بڑھتی ہوئی عام معلومات کی روشنی میں بہت سے غیر مسلم بھی اس سے استفادہ کرنے لگے تھے لیکن متعصب اور کٹر ہندو اس مختصر سے عملِ جراحی کی بھرپور افادیت سے باخبر ہونے کے باوجود محض اس وجہ سے اس سے گریز کرتے تھے کہ اس عمل سے مسلمانوں کی تقلید کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک اس مذہب کی کوئی بات تقلید کے قابل نہیں تھی جو اپنے پیروکاروں میں گئوماتا کی تقدیس اور پوجا کے پرچار کے بجائے انہیں گائے ذبح کرکے کھانے کی تلقین کرتا ہو۔ بظاہر موتی لال بہت متعصب ہندو تھا۔ میرے لئے یہ حیرت کی بات تھی کہ اس کی لاش نے اس کے دھرم کا کریا کرم کردیا تھا اور وہ ہندو یا کم از کم غیر مسلم کے طور پر نہیں پہچانا گیا تھا۔

اس خبر کا یہ پہلو بہت دلچسپ تھا۔ میں نے فوراً ہی اخبار کا صفحہ الٹ دیا اور فوراً ہی کالے رنگ کے گم شدہ بلڈاگ کی تلاش کا انوکھا اشتہار میری نظروں میں آگیا۔ میری ہدایت کے عین مطابق اشتہار کے آخر میں رابطے کے دو نمبر درج تھے۔

میں اس اشتہار پر نظریں جمائے بیٹھا تھا کہ غزالہ اپنے گیلے بالوں پر تولیا لپیٹے باتھ روم سے برآمد ہوئی۔ میں نے اخبار کی اوٹ سے اسے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ پتا نہیں وہ میری پُرشوق نگاہوں کا اثر تھا یا کچھ اور کہ غزالہ باتھ روم سے نکلنے کے بعد گویا ایک جگہ جم کر رہ گئی۔

"کیا بات ہے؟ ٹھٹک کیوں گئیں؟ میرا تم پر حملہ آور ہونے کا ارادہ نہیں ہے۔"

"آپ نے اخبار میں اشتہار دیکھ لیا ہے؟" اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

میرے لئے اس کا وہ سوال حیران کن تھا۔ اخبار میں نے اٹھایا تھا' وہ نہا کر نکلی تھی' اشتہار میرے سامنے تھا جبکہ غزالہ اخبار کا کوئی اور ہی صفحہ دیکھ سکتی تھی۔ لمحہ بھر کے لئے مجھے خیال آیا کہ شاید میرے بیدار ہونے سے پہلے سلطان شاہ اسے کچھ بتا چکا ہو۔ ہمارے کمروں میں دو منزلوں کا فرق ہونے کی وجہ سے اخبارات کی ترسیل میں تقدیم و تاخیر ہوسکتی تھی۔

"دیکھ چکا ہوں۔" میں نے تمام خیالات کو اپنے ذہن سے جھٹکتے ہوئے کہا "اور اب تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے بھیگے ہوئے بدن سے چپکا ہوا لباس بتا رہا ہے کہ تم عجلت میں باہر آئی ہو........"

اس نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور میرا سر فخر سے تن گیا۔ اس کی لچکیلی چال میں حسن اور وقار کا ایسا دل فریب امتزاج تھا جو شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے۔ اپنی جگہ چھوڑنے کے ساتھ ہی وہ میری بات کاٹ کر بولی تھی "کمال ہے کہ اس اشتہار نے بھی آپ کے مزاج کی شوخی پر اثر نہیں ڈالا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اس تجویز پر عمل کر گزرے ہیں جسے اوّل خان نے مسترد کردیا تھا۔"

"تم کس اشتہار کا ذکر کررہی ہو؟" میں نے یہ کہتے ہوئے اضطراری طور پر اخبار پلٹا ہی تھا کہ چوتھائی صفحے کے ایک اشتہار نے میری توجہ حاصل کرلی۔

وہ ایک لرزہ خیز اشتہار تھا اور اس قدر نمایاں تھا کہ اخبار کا قاری نہ چاہتے ہوئے بھی اسے دیکھنے پر مجبور ہوجاتا۔ اوپر دو بڑی تصاویر تھیں۔ ایک میری اور دوسری ویرا کی۔ نیچے جلی حروف میں دو لاکھ ڈالر کے انعام کا ذکر تھا۔

غزالہ نے بھی اس اشتہار کی سرسری جھلک دیکھی تھی۔ وہ بھرپور تجسس کے ساتھ میرے برابر میں آبیٹھی اور اشتہار کا متن پڑھنے لگی۔

اشتہار میں تنویر عرف ڈینی نامی روپوش عالمی دہشت گرد کی گرفتاری میں مدد دینے والے کے لئے دو لاکھ ڈالر کا انعام مقرر کیا گیا تھا۔ اسی طرح دو لاکھ ڈالر کا انعام اس شخص کے لئے تھا جو ویرا لائیڈ نامی ایک امریکن دوشیزہ کی بازیابی ممکن بنا سکے۔ اشتہاری اعلان کے مطابق ڈینی نے اپنے مذموم اور غیر انسانی عزائم کی تکمیل کے لئے ویرا کو اغوا کرکے یرغمال بنایا ہوا تھا۔

اشتہار کے آخر میں رابطے کے لئے کئی فون نمبر تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ان میں سے کم از کم ایک نمبر ہارمن کے قونصل خانے کا ہوگا۔

"یہ بہت برا ہوا۔ اب ہم کسی بھی وقت پھنس سکتے ہیں۔" غزالہ اشتہار پڑھ کر ہراساں ہوگئی۔

"کچھ نہیں ہوگا" میں نے اشتہار پر سے نظر ہٹائے بغیر پُرعزم لہجے میں اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا "تم دیکھ رہی ہو کہ میری تصویر پرانی اور دھندلائی ہوئی ہے۔ اس تصویر کی بنا پر کوئی مجھے شناخت نہیں کرسکتا۔ رہا نام تو میں وہ بھی بدل چکا ہوں۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں ہم مسٹر اور مسز دلاور کے نام سے ہی پہچانے جاسکتے ہیں۔ ان کا یہ نفسیاتی حربہ رائگاں جائے گا۔"

"خدا کرے کہ آپ کا بال بھی بیکا نہ ہو۔" وہ میری تصویر پر نظر جما کر بولی "مگر ویرا کی تصویر بہت واضح ہے۔ وہ اسے مظلوم بنا کر اپنے قبضے میں لیں گے اور پھر اس کی مٹی پلید کرڈالیں گے۔ مجھے تو ڈر ہے اس ہوٹل سے نکلنے سے پہلے پہچان لی جائے گی۔ دو لاکھ ڈالر کی خطیر انعامی رقم کے لالچ میں ہر شخص سفید فام عورتوں کو گہری نظروں سے دیکھے گا۔"

"تصویر بلیک اینڈ وھائٹ ہے اس لئے یہ تمہیں ویرا سے مشابہ معلوم ہورہی ہے۔ ذرا نیچے اس کے قد' جسم' بالوں اور آنکھوں کے رنگ وغیرہ کے بارے میں پڑھ لو۔ اشتہار میں ویرا کی آنکھوں کا رنگ نیلا لکھا گیا ہے اور اس وقت وہ سیاہ کانٹیکٹ لینس لگائے ہوئے ہے۔ بال سنہرے نہیں' کالے ہیں۔ اس نے موتی لال کو پھانسنے کے لئے جو سوانگ بھرا تھا' اب وہی اس کی جان بچائے گا۔ اس کی جلد کی رنگت تک بدلی ہوئی ہو۔ تم اس لئے ڈر

رہی ہو کہ تمہیں اس کی اصلیت معلوم ہے۔ کوئی نیا آدمی اسے پہچان ہی نہیں سکتا۔"

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں لیکن اس اشتہار نے تفکرات میں اضافہ کردیا ہے۔ وہ لوگ ہمیں ہر طرف سے گھیرنے کی کوششوں میں لگ گئے ہیں۔"

"اس میں کوئی شبہ نہیں۔" میں نے اعتراف کیا "یہ ایک خطرناک وار ہے۔"

"آپ اخبار میں کون سا اشتہار دیکھ لینے کا ذکر کررہے تھے؟"

میں نے مکرجی کی طرف سے شائع ہونے والا اشتہار اس کے سامنے رکھ دیا۔

"اوہ......!" وہ ہونٹ سکیڑ کر تحیر زدہ آواز میں بولی "اس کا مطلب ہے کہ موتی لال کی لاش ابھی تک کسی ویرانے میں پڑی سڑ رہی ہے یا پھر یہ بھی ہمارے حریفوں کی کوئی مشترکہ چال ہوسکتی ہے۔ اس وقت وہ کھل کر میدان میں آگئے ہیں۔"

"انہوں نے مجھے عالمی دہشت گرد قرار دیا ہے تو اب انہیں کچھ جھلکیاں دکھانی ہی ہوں گی۔" میں نے تلخی سے کہا "اور مکرجی بھی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے گا۔ اس نے ہمارے ساتھ کوئی چال نہیں چلی ہے۔ موتی لال کی لاش پولیس کی تحویل میں ہونے کے باوجود شناخت نہیں ہوسکی ہے۔ مکرجی نے اغوا برائے تاوان کے دھوکے میں موتی لال کی گمشدگی کی کوئی باقاعدہ رپورٹ درج نہیں کرائی ہوگی ورنہ پولیس والے لاوارث لاش کی شناخت کے لئے ان سے بھی رابطہ کرتے۔"

اس بار میں نے اخبار کا صفحہ الٹ کر وہ خبر اس کے سامنے کردی جو موتی لال پر سو فیصد فٹ ہورہی تھی۔ نام کے سوا باقی تمام کوائف اسی کے تھے۔

"پھر اب کیا کیا جائے؟" خبر پڑھنے کے بعد غزالہ فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے بولی "میرا خیال ہے آپ پسِ پردہ رہیں۔ میں ان سب کے خلاف میدان میں اترتی ہوں۔ وہ بدترین بربادی اور شکست سے دوچار ہوں گے اور میرا سایہ بھی نہیں پاسکیں گے۔"

"پہلے میں مکرجی سے بات کرنی چاہتا ہوں۔" میں نے اسے آگاہ کیا "لیکن یہ کام ہوٹل سے نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں کا ٹیلی فون آپریٹر ہماری گفتگو سننے کی کوشش کرسکتا ہے۔ ہوٹلوں کے عملے میں مہمانوں کی سن گن لینے کی عادت ہر جگہ پائی جاتی ہے۔"

"اس سے پہلے ویرا اور سلطان شاہ سے بھی بات کرلی جائے۔" اس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ "انہیں بھی علم ہونا چاہئے کہ ہمارا اگلا قدم کیا ہوگا۔"

"ہوٹل کے عملے کے سامنے ہم چاروں کا ایک جا ہونا مناسب نہیں ہوگا۔ میں روم سروس سے ناشتا منگواتا ہوں۔ تم تیار ہوکر انہیں زبانی پیغام دے آؤ کہ وہ آدھے گھنٹے کے بعد زینب مارکیٹ کے پاس موجود رہیں۔ ہم گاڑی میں انہیں اپنے ساتھ لے لیں گے۔"

غزالہ فوراً ہی تیاری میں مصروف ہوگئی اور میں انٹرکام پر روم سروس کو ناشتے کا آرڈر دے کر اخبارات کی ورق گردانی میں مصروف ہوگیا۔ میرے ذہن میں بار بار انعامی اشتہار سر ابھار رہا تھا۔ میری ناکافی معلومات کے مطابق کسی بھی ملزم کی گرفتاری وغیرہ کے لئے پولیس کا محکمہ یا قانون کے نفاذ کے ذمے دار ادارے ہی کوئی اشتہار جاری کرسکتے تھے جبکہ وہ اشتہار واضح طور پر نارمن کے افسرانِ بالا کے ذہنوں کی عکاسی کررہا تھا۔ وہ اشتہار اردو اخبار میں ہی نہیں، انگریزی اخبار میں بھی موجود تھا۔ شاید ان لوگوں نے فیکٹری سے ہمارے فرار کے بعد، جھلا کر اشتہار جاری کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس وقت وہ اتنے سرچڑھے ہوئے تھے کہ قلیل سی مدت میں انہوں نے اپنے انعامی اشتہار کے اجرا کی اجازت حاصل کرلی تھی۔

انگریزی اخبار کے مقامی صفحے پر اچانک ہی میری نظر آتش زدگی کی ایک خبر میں الجھ گئی۔

خبر کا عنوان تھا "فیکٹری دھماکوں سے جل اٹھی۔" وہ ایک کالمی خبر تھی لیکن متن خاصا طویل تھا۔ خبر کی دوسری سطر ہی میں کورنگی کی ایک گارمنٹس فیکٹری کا ذکر پڑھ کر میں چونکنا ہوگیا۔

پچھلی شام پُرشور دھماکوں کے ساتھ کورنگی کے صنعتی علاقے کی ایک گارمنٹس فیکٹری کے مختلف حصوں میں تیز آگ بھڑک اٹھی جو کپڑے کے بھاری اسٹاک کی وجہ سے قابو سے باہر ہوتی چلی گئی۔ آتش زدگی کے بعد فیکٹری سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص تلاش نہیں کیا جاسکا۔ پولیس کا خیال تھا کہ فیکٹری میں ملبوسات کی تیاری کے ساتھ خطرناک قسم کے کچھ کیمیائی مادوں کی بھی ذخیرہ اندوزی کی گئی تھی جو حادثاتی طور پر پھٹ گئے۔ پولیس نہایت سرگرمی سے فیکٹری کے چوکیدار، مالک اور عملے کو تلاش کررہی تھی۔

وہ خبر پڑھ کر میرے ذہن پر پہلی بار مایوسی کی ہلکی سی لہر سوار ہوئی۔ انہوں نے منظم طریقے سے بڑے پیمانے پر نقل وحرکت کا آغاز کردیا تھا جبکہ ہم لوگ اسپیشل ٹاسک فورس کے تعاون سے محروم ہوجانے کی وجہ سے اس پیمانے پر جوابی کارروائیاں نہیں کرسکتے تھے۔

غزالہ بہت پھرتی کے ساتھ تیار ہوکر ویرا اور سلطان شاہ کی طرف چل دی اور میرا ذہن جہانگیر کی فیکٹری کو پیش آنے والی آتش زدگی میں الجھا رہا۔

موٹر سائیکل سوار پیغام رساں کے آنے کے بعد ایس ٹی ایف والے، ارشد کی واپسی تک وہاں رکے ہوں گے۔ جوں ہی ارشد موتی لال کی لاش ٹھکانے لگا کر آیا ہوگا، وہ تینوں ہی برطرفی کے احکام کے تحت وہاں سے روانہ ہوگئے ہوں گے اور فیکٹری لاوارث پڑی رہ گئی ہوگی۔

پھر ایلن نے تین بجے سے پہلے فیکٹری کی نگرانی کرانے کے ساتھ برل میں چھپ کر میری آمد کا انتظار کیا ہوگا۔ اس کا مقصد صرف مجھے پکڑنا تھا کیونکہ اس کام کے لئے اسے خطیر معاوضہ دیا گیا تھا۔ جب اسے کہیں بھی میری جھلک نظر نہیں آئی تو طیش اور

مایوسی کے عالم میں اس نے فیکٹری کا رخ کیا ہوگا۔ وہاں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ ایلن اور اس کے آدمیوں نے دھماکا خیز مادے کے ذریعے کار آمد اور ناکارہ کپڑے کے اسٹاک کے ساتھ ہر چیز کو آگ لگادی تھی۔

جس طرح موتی لال کی لاش کی بازیابی کی خبر میں اس کا نام نہ ہونے کے باوجود یہ ثابت ہو رہا تھا کہ وہ خبر اسی کے بارے میں ہے' اسی طرح آتش زدگی والی خبر میں فیکٹری کا نام نہ ہونے کے باوجود خبر کا ہر لفظ ایس جے گارمنٹس کی طرف اشارے کر رہا تھا۔

اخباری اطلاع سے ظاہر ہو رہا تھا کہ خوفناک آتش زنی کے نتیجے میں فیکٹری کی ہر چیز جل کر راکھ ہوگئی ہوگی۔ مجھے جہانگیر کے اس بھاری نقصان پر قلق ہونے لگا۔ میرا دل چاہا کہ میں اسی وقت جہانگیر سے رابطہ کرکے اس سے ہمدردی کا اظہار کروں لیکن اس میں خطرہ تھا۔

پھر میں ڈائریکٹری میں اس اسپتال کا نمبر تلاش کرنے لگا جہاں جہانگیر نے پناہ لی ہوئی تھی۔ نمبر کی موجودگی میں 'میں باہر پہلا موقع ملتے ہی اس سے رابطہ کر سکتا تھا۔

اسی اثنا میں ویٹر ناشتا لے آیا اور لوازمات میز پر سجا کر چلا گیا۔

چند ثانیوں بعد غزالہ بھی اپنا کام نمٹا کر لوٹ آئی اور آتے ہی میرے ساتھ ناشتے میں مصروف ہوگئی۔

"ویرا کا کیا ردِ عمل ہے؟" میں نے دھیمے سے پوچھا۔

"اشتہار پر بہت برہم ہے اور ایک جوابی اشتہار شائع کرانا چاہتی ہے....."

"احمقانہ بات ہے" میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہنس کر بولا "وہ میلان سے ایک چارٹرڈ طیارے میں ماریا نا گبرائیل کے نام سے کراچی پہنچی تھی۔ تردید شائع کراتے ہی وہ امیگریشن کے مسائل میں الجھ جائے گی کیونکہ ویرا لائیڈ کی پاکستان آمد کا کہیں اندراج نہیں ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ اس باریکی کو بھولی ہوئی ہو مگر وہ بہت مشتعل ہے۔ اس نے مجھے انگریزی اخبار میں ایک اور خبر دکھائی ہے جو کورنگی کی کسی گارمنٹس فیکٹری میں آتش زدگی کے بارے میں ہے۔"

"میں وہ خبر دیکھ چکا ہوں۔ ایلن نے فیکٹری کو بری طرح تباہ کردیا ہے۔"

"جہانگیر کے لئے یہ صدمہ شدید ثابت ہوگا۔ وہ مفت میں مار کھا رہا ہے۔"

ناشتے سے فارغ ہو کر میں بھی تیار ہوگیا۔ آئینے میں اپنا ناقدانہ جائزہ لینے کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ اخبار میں چھپنے والی تصویر کی بنا پر میرا پہچانا جانا ممکن نہیں تھا۔

"ویرا پر اشتہار کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ اس نے منہ دھوتے ہی سیاہ کانٹیکٹ لینس لگا لئے تھے۔ اپنی تصویر کے بارے میں وہ خاصی فکرمند ہے۔"

میرے لئے ویرا کی پریشانی قابلِ فہم تھی۔ اپنے متوفی باپ سے اس کے مراسم کبھی بھی خوش گوار نہیں رہے تھے لیکن پھر بھی ویرا اس کی زندگی میں تحفظ کے ایک غیر مرئی احساس سے سرشار رہتی تھی۔ وہ بے دھڑک ہو کر ہر کام کر گزرتی تھی۔ اسے یقین رہتا تھا کہ کسی معرکے میں اس کی صلاحیتیں بار آور ثابت نہ ہو سکیں تو جمی لائیڈ اپنے لامحدود وسائل سے کام لے کر اسے مشکلات سے نکال لے گا۔ ویسے بھی ہر بڑا مجرم ویرا اور جمی لائیڈ کے متنازع رشتے کی وجہ سے ویرا سے دور ہی رہنے کی کوشش کرتا تھا کہ کہیں وہ شی کے سربراہ کے عتاب کا نشانہ نہ بن جائے۔ امریکا میں جمی لائیڈ کے سفاکانہ قتل کے بعد وہ تحفظ کے اس لاشعوری احساس سے محروم ہو چکی تھی۔

ہوٹل آتے ہوئے سیاہ کار ویرا اور سلطان شاہ کے تصرف میں تھی۔ بعد میں انہوں نے چابی مجھے دے دی تھی۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں ہوٹل کا چوکیدار اس تبدیلی کو محسوس کرکے کوئی گڑبڑ نہ کرے۔ لیکن ہوٹل کی پارکنگ میں گاڑیوں کی کافی تعداد موجود تھی۔ ہم پورے اعتماد سے اندر گئے اور گاڑی میں سوار ہو کر باہر سڑک پر آگئے۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو زینب مارکیٹ پہنچنے کا وقت تقریباً ہو چکا تھا۔ میں مختصر ترین راستے سے چکر کاٹ کر زینب مارکیٹ تک پہنچ گیا۔ وہاں وہ دونوں ایک گھنے درخت کے نیچے ہمارے منتظر تھے۔ گاڑی رکتے ہی پیچھے سوار ہوگئے۔

ویرا اس وقت بھی غزالہ کے قیمص شلوار سوٹ میں ملبوس تھی۔ جھلسی ہوئی جلد' مشرقی لباس اور سیاہ آنکھوں کی وجہ سے وہ پہلی نظر میں کوئی خوب صورت مقامی عورت ہی معلوم ہو رہی تھی' میں نے اندازہ لگایا کہ اپنے اس میک اپ کو برقرار رکھتے ہوئے' وہ دھوپ کی عینک استعمال کرنی شروع کردے تو شناخت کے خوف سے بالکل نجات حاصل کر سکتی ہے۔

گاڑی کے دوبارہ حرکت میں آتے ہی دلوں کے غبار نے رنگ دکھایا اور ہم چاروں نے بیک وقت بولنا شروع کیا پھر کسی ایک کو اپنی بات پوری کرنے کا موقع دینے کے لئے چاروں ہی خاموش ہوگئے۔ جھنجھلاہٹ کے بعد طاری ہونے والا سکوت اس قدر مضحکہ خیز تھا کہ ہم سب ہنس پڑے۔

ہوٹل میں منتقل ہونے کے بعد وہ ہم چاروں کی پہلی باقاعدہ ملاقات تھی اس لئے میں نے کچھ دیر کے لئے ان کو کھلی آزادی دے دی۔ آپس کی نوک جھونک کے ساتھ وہ نئے واقعات پر بھی بحث کرتے رہے۔ ہر ایک کے ذہن میں کوئی نہ کوئی نئی بات موجود تھی لیکن حقائق اپنی جگہ اٹل تھے۔ آخری بات یہی سامنے آتی تھی کہ ہم اچانک ہی بہت مشکل صورتِ حال سے دوچار ہوگئے تھے۔

"اور اس کے ازالے کی راہ تلاش کرنے کے لئے ہمیں کسی محفوظ ٹھکانے کی ضرورت ہے۔" ان کا جوش و خروش کم ہونے پر

میں نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "کسی بھی پبلک پلیس پر ہم آزادانہ نقل و حرکت نہیں کر سکتے۔ حد یہ ہے کہ ایک دوسرے سے ملنے جلنے میں بھی احتیاط کرنی پڑ رہی ہے۔"

"شہر میں کئی مقامی اور امریکن گھرانوں میں میری گہری واقفیت ہے لیکن آج کے اخبارات میں اشتہار آنے کے بعد میں کسی سے نہیں مل سکتی۔ ایک دو گھروں میں شاید میں اپنی جگہ پیدا کرلوں۔ وہ لوگ انعام کے لالچ میں میرے ساتھ دغا نہیں کریں گے لیکن میرے ساتھ وہ کسی اور کا وجود قبول نہیں کریں گے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ فوری طور پر تمہاری کیا ترجیحات ہیں؟"

"فون پر نارمن اور مکرجی سے رابطہ..... پھر میں جہانگیر سے بھی بات کرنی چاہوں گا۔"

"وہ ہماری وجہ سے نقصان اٹھا رہا ہے۔ ہمیں اس سے اظہارِ افسوس کرنا چاہئے۔ اس کے لاکھوں کے اثاثے ذرا سی دیر میں جل کر راکھ ہو چکے ہیں۔" ویرا نے میری تائید کی۔

"ایک دو گھنٹے کے لئے میں تمہیں پٹھان کالونی میں اپنے کسی رشتے دار کے گھر لے جا سکتا ہوں۔" سلطان شاہ نے مشروط پیش کش کی "لیکن یہ دونوں عورتیں وہاں نہیں جائیں گی۔ اس بستی میں پڑھی لکھی اور بے پردہ عورتیں ہر ایک کی نظروں کا مرکز بن جاتی ہیں..... سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہاں فون نہیں ہے۔ پبلک فون پر کھل کر بات نہیں ہو سکتی۔"

ہمارے درمیان کئی متبادل تجاویز زیرِ غور آئیں لیکن ان میں سے کوئی بھی قابلِ عمل ثابت نہ ہو سکی۔ اس وقت صرف دو ٹھکانے ایسے تھے جو چند خطرات کے باوجود ہمارے معیار پر پورے اترتے تھے۔ پہلا وہ مکان تھا جو کچھ عرصے پہلے تک اسٹیشن فور کے طور پر ایس ٹی ایف کے استعمال میں تھا۔ جم کلارک کے قتل کے بعد حالات جس نہج پر چل نکلے تھے' اس کے پیشِ نظر ایس ٹی ایف والوں کو ہنگامی طور پر اپنا وہ ٹھکانا چھوڑ کر سپر ہائی وے کے مضافات میں کوچ کرنا پڑا تھا۔

اس مکان میں پھیلائے ہوئے گرد و غبار سے قطع نظر' ضرورت کی ہر سہولت موجود تھی۔ دو عدد فون بھی لگے ہوئے تھے۔ امکان یہ تھا کہ بھرپور طبع آزمائی اور کسی سراغ کے حصول میں ناکامی کے بعد اس مکان کو بھلا دیا گیا ہوگا۔ ہم روشنیاں وغیرہ جلائے بغیر' خفیہ طور پر اس مکان کو عارضی طور پر اپنے استعمال میں لا سکتے تھے۔

دوسرا ٹھکانا جہانگیر کا مکان تھا۔ وہاں جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ ولیم اور راجر کی موت کے بعد اس مکان کو خیرباد کہہ دیا گیا تھا اور مکان کی حفاظت کے لئے وہاں دو مسلح سیکیورٹی گارڈز مامور کر دیئے گئے تھے۔ ہم خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس مکان میں رہ سکتے تھے۔ وہاں سب سے بڑی سہولت یہ تھی کہ حفاظت کے لئے ہر وقت مسلح محافظ موجود تھے۔

سب کی متفقہ رائے تھی کہ جہانگیر کا گھر ہی بہتر انتخاب ثابت ہو سکتا تھا۔

اس فیصلے پر پہنچ جانے کے بعد میں نے گاڑی کا رخ جہانگیر کے اسپتال کی طرف موڑ دیا۔

"میں جہانگیر کے پاس زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے کے لئے رکوں گا۔ تم چاہو تو اس دوران میں ایک دو پراپرٹی ڈیلروں سے بات کرلو۔ ہمیں کلفٹن کے علاقے میں کرائے پر کوئی فرنشڈ فلیٹ مل جائے تو ہمارے مسائل کافی عرصے کے لئے حل ہو جائیں گے۔" میں نے کہا۔

"اچھا ہے۔" سلطان شاہ خوش ہو کر بولا "دربدر بھٹکنے سے بہتر ہے کہ ہمارا کوئی اپنا ٹھکانا ہو۔ حالات سازگار رہے تو ہم ایک مدت تک اس گھر میں رہ سکیں گے۔"

اسپتال کی عمارت نظر آتے ہی ویرا بول پڑی "مجھے معلوم ہے کہ تم جہانگیر سے وہ کارڈ لینے جا رہے ہو جس کے بغیر اس کے گھر میں داخلہ ممکن نہیں ہے لیکن ساتھ ہی اس سے جی تھری رائفل کے استعمال کی اجازت بھی لے لینا۔"

"جی تھری؟" غزالہ کی تحیر زدہ آواز پر مجھے حیرت ہوئی کہ وہ ہتھیاروں کے بارے میں خاصی معلومات رکھتی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی "گاڑی میں کئی پستول اور راے کے چھپن موجود ہیں پھر تمہیں جی تھری جیسی خوفناک رائفل کیوں یاد آ رہی ہے؟"

"بڑے سر بڑے ہتھیاروں سے ہی کچلے جاتے ہیں۔ وقت آنے پر تمہیں جی تھری کی ضرورت کا اندازہ ہو جائے گا۔ لمبی رینج کے لئے کلاشنکوف بے سود ثابت ہوتی ہے۔"

میں اسپتال کے احاطے سے باہر گاڑی روک کر اتر گیا۔ سلطان شاہ نے فوراً میری جگہ سنبھالی اور بولا "آدھے گھنٹے بعد میں یہیں آ رہا ہوں۔"

وہ گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔ میں اسپتال میں داخل ہو گیا۔

اسپتال صاف ستھرا اور متاثر کرنے والا تھا۔ کاؤنٹر سے جہانگیر کے کمرے کا نمبر معلوم کر کے میں لفٹ کے بجائے زینوں سے ہی اوپر چل دیا۔ دوسری منزل کے مطلوبہ کمرے پر مخل نہ ہونے کی ہدایت آویزاں تھی لیکن دروازے کے عقب سے ٹی وی کی مدھم آواز آ رہی تھی۔

میں نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور انتظار کرنے لگا۔ چند ثانیوں بعد دروازہ کھلا۔ اس کے پیچھے جہانگیر کا چہرہ نظر آیا۔ وہ مجھے اپنے روبرو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔

میں اسے دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ اندر ائر کنڈیشننگ کے مرکزی نظام کی خفیف سی آواز کے ساتھ رنگین ٹیلی وژن پر کوئی فلم چل رہی تھی اور جہانگیر کے سرہانے رکھی ہوئی تپائی کے درمیانی خانے میں اسکاچ کا آدھا گلاس رکھا ہوا تھا۔ الکحل کی بو میں نے کمرے میں قدم رکھتے ہی محسوس کر لی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے گلاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنکھیں نکال کے پوچھا "تم اسپتال میں بھی اپنی حرکتوں سے باز

نہیں آئے؟"

"حرکت میں برکت ہے" وہ آنکھ دبا کے مسکرایا "یہ بھی میرے علاج کا ایک حصہ ہے۔ ڈاکٹر کی رائے ہے کہ برسوں کی بسیار نوشی کے بعد اچانک نشہ ترک کرنے سے اعصابی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں اس لئے مجھے تھوڑی تھوڑی پیتے رہنا چاہئے...... میری مجبوری کا علم ہونے پر ایک وارڈ بوائے نے مجھے دو بوتلیں لا دی تھیں۔ تم چاہو تو میں تمہاری بھی خاطر کر سکتا ہوں۔"

"میں اپنی خاطر کروانے نہیں' تم سے تعزیت کرنے آیا تھا۔"

"تعزیت! کون مرگیا؟" اس نے اچنبھے سے پوچھا "مجھے تو کسی کے گزرنے کا علم نہیں۔"

"شاید تمہیں علم نہیں کہ کل تمہاری فیکٹری کو بری طرح آگ لگا دی گئی۔"

"میں پڑھ چکا ہوں۔ تمہاری اور ویرا کی تصویریں بھی دیکھی ہیں۔ حیرت ہے کہ اشتہاری مجرم قرار دیے جانے کے بعد بھی تم یوں دندناتے پھر رہے ہو۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔" اسے آتش زنی کا ذرا بھی صدمہ نہیں تھا۔

"جب کوئی ٹھکانا میسر نہ ہو تو خطرات مول لینے ہی پڑتے ہیں....."

"ٹھکانے کی بات ہے تو میرے تیمار دار بن کر تم یہاں رہ سکتے ہو۔"

"دوسروں کا کیا بنے گا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"میں نے سب کا ٹھیکا نہیں لیا ہوا ہے۔ وہ شہر میں کہیں بھی چھپ سکتے ہیں۔"

"ہم عارضی طور پر تمہارے گھر میں رہنا چاہتے ہیں۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"تم خود جو ہے وان میں بانا چاہتے ہو تو شوق سے جاؤ۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

"لیکن وہاں داخلے کی کنجی تمہارے پاس ہے۔ کارڈ کے بغیر مسلح محافظ ہم کو مکان کی حدود میں قدم بھی نہیں رکھنے دیں گے۔ میں اظہار ہمدردی کرنے کے ساتھ ساتھ کارڈ لینے بھی آیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ گھر کی چیزوں پر ہمارے تصرف پر تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"میں تو وہ گھر چھوڑ چکا ہوں۔ وہاں کچھ بھی ہو' میری بلا سے۔ تم کارڈ کے ساتھ چابیاں بھی لے جاؤ۔ گھر سے میری رقم' چیک بکس اور سلمٰی کے زیورات مجھے پہنچا دینا۔ اچھا ہے کہ میں ادھر کا رخ کرنے سے بچ جاؤں گا۔ موقع ملا تو بعد میں ذاتی استعمال کی دوسری چیزیں بھی نکلوا لوں گا۔"

میں اس کے اطمینان پر حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے پوچھا "مکان سے تم نے اس طرح ہاتھ اٹھا لیا' فیکٹری میں آگ لگنے کی تمہیں پروا نہیں ہے...... تمہارا ذہنی توازن تو درست ہے نا؟ اتنے بڑے نقصانات پر تو آدمی تڑپ اٹھتا ہے۔"

"میری محنت ڈوبی ہے' سرمایہ کہیں نہیں گیا۔" وہ اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کے بولا "میں نے تمہارے تجربات سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ فیکٹری پورے اسٹاک سمیت انشورڈ تھی۔ انشورنس والے میرے نقصانات کی پائی پائی ادا کرنے کے ذمے دار ہیں۔ گھر میں نے اونے پونے داموں میں بھی بیچا تو مجھے اپنی لگائی ہوئی رقم سے زیادہ پیسہ ملے گا۔ مقدر اتنا مہربان ہو تو پھر رونا کیا! نقصان اور تباہی کے قصے دوسروں کو متاثر کرنے کے لئے سنائے جاتے ہیں۔ میں کون سا لکھ پتی باپ کا بیٹا ہوں؟ جو کچھ بنایا ہے' خود کما کر بنایا ہے اور اس میں روز بہ روز اضافہ ہو رہا ہے۔ کوئی مجھے گر نہیں بتاتا کہ پے در پے نقصان ہونے کے باوجود اثاثے کس طرح بڑھتے رہتے ہیں۔"

اس نے اپنے گدے کے نیچے سے ایک چھوٹا سا پڑی بڑ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔ اس میں جہانگیر کے گھر کی چابیاں تھیں پھر اس نے سیکیورٹی کمپنی کا کارڈ بھی مجھے دے دیا۔

"جب تک تم تمی کے لئے کام کر رہے تھے' بہت خود غرض اور بدمعاش تھے لیکن اب تم عظیم انسان ہو۔ اپنی ذاتی کمزوریوں پر قابو پالو تو تم میرے لئے بھی قابل احترام ہو جاؤ گے۔"

"جس دن تم جیسا پرانا ساتھی میرا احترام کرنے پر مجبور ہوگا میں کسی کنوئیں میں کود کر خودکشی کرلوں گا۔ آدمی زندگی بھر ایک خول پہنے رہتا ہے لیکن کبھی کبھی وہ اس خول سے باہر آ کر اصل روپ کا مظاہرہ بھی کرنا چاہتا ہے۔ تم خوش نصیب ہو' تمہیں غزالہ جیسی سمجھ دار بیوی مل گئی۔ میں تو سلمٰی کے سامنے بھی نہیں کھل سکتا۔ بس تمہارے سامنے دل کی بھڑاس نکال لیتا ہوں لیکن کبھی کبھی تم بھی میری دل آزاری پر تل جاتے ہو۔"

پتا نہیں وہ نشے کی جھونک میں تھا یا اس کے مزاج پر قنوطیت طاری تھی' حقیقت یہ تھی کہ اس وقت مجھے اس پر ترس آ رہا تھا میں نہایت تحمل کے ساتھ اس کی دل جوئی میں لگا رہا کیونکہ مجھے اندر رہ کر آدھا گھنٹا بھی گزارنا تھا۔

اس دوران میں' میں نے اندازہ لگایا کہ جہانگیر کے ابتدائی پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ چند روز تک اسی اسپتال میں جم کر آرام کرنا چاہتا تھا۔

اچانک مجھے صورت حال کی ایک کمزوری کا احساس ہوا میں نے جہانگیر سے کہا "تم نے اخبار میں فیکٹری جلنے کی خبر پڑھی تو تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ پولیس سرگرمی سے فیکٹری کے مالک کی تلاش کر رہی ہے۔ انہیں ایسوسی ایشن سے تمہارے کوائف مل گئے ہوں گے اور تم یہاں اپنے اصلی نام سے آرام کر رہے ہو! ایسا نہ ہو کہ وہ تم تک پہنچ جائیں۔"

"مقدرات اٹل ہوتے ہیں" وہ بڑبڑایا "کسی کا برا وقت آ گیا ہو تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں ٹال سکتی۔ میں نے

احتیاط ضرور کی ہے کہ جہانگیر کو اپنے نام کا آخری حصہ ظاہر کیا ہے۔ یہاں میرا پورا نام انور جہانگیر ہے۔ ویسے بھی پولیس کو پرائیویٹ اسپتالوں کا خیال نہیں آئے گا۔ وہ زیادہ سے زیادہ ان اسپتالوں کی چھان بین کریں گے جہاں سے میڈیکو لیگل کیس ہوتے ہیں۔ میں تمہاری طرح دوراز کار اندیشوں میں اپنا خون خشک کرنے کا قائل نہیں ہوں۔"

میں نے اسے اپنے ہوٹل کے بارے میں آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ ہم سب پہلی فرصت میں ہوٹل کو خیرباد کہہ کے اس کے گھر منتقل ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

جہانگیر کے پاس طے شدہ وقت گزارنے کے بعد میں وہاں سے رخصت ہو گیا۔

نیچے گاڑی میری منتظر تھی۔ اسپتال سے روانہ ہونے کے بعد مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ کرائے دار کی ترجیحات کی فہرست زیادہ طویل نہ ہو اور وہ کرائے کی مالیت کے بارے میں بہت زیادہ حساس نہ ہو تو ایک دن کی بھاگ دوڑ میں کوئی نہ کوئی بندوبست ہو سکتا تھا۔

بہتر تو یہی ہوتا کہ ہم براہِ راست اپنے فلیٹ میں منتقل ہوتے لیکن ہمارے پاس رقم نہیں تھی۔ جہانگیر نے فیکٹری سے سمیٹ کر جو کچھ ہمارے حوالے کیا تھا وہ دو تین دن سے زیادہ ہمارا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ سلمیٰ کی تجوری سے اپنی خطیر رقم حاصل کرنے کے لیے ہمارا ایک مرتبہ جہانگیر کے گھر جانا ضروری تھا۔

کسی پیشگی جائزے اور دیکھ بھال کے بغیر ہم چاروں کا اچانک جہانگیر کے گھر پہنچنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ پہلے میں خود وہاں جاؤں اور ماحول سازگار ہو تو شام کا دھندلکا پھیلنے کے بعد ہم چاروں وہاں منتقل ہو جائیں۔

میرے ارادے سے واقف ہوتے ہی ویرا نے جہانگیر کے گھر سے جی تھری رائفل لانے کی فرمائش کر ڈالی جس پر میں بگڑ گیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہوا ہے؟ وہ کتنی بھی چھوٹی ہو لیکن پھر بھی کافی بڑی ہوگی۔ میں اسے کس طرح پوشیدہ رکھ سکوں گا؟"

"تمہیں اتنی شدت سے جی تھری کی کیوں ضرورت ہے؟" غزالہ پوچھ بیٹھی۔

"وقت آنے پر ہر چیز سامنے آجائے گی" ویرا بے پروائی سے بولی "جی تھری عام رائفلوں کی طرح لمبی اور وزنی ضرور ہوتی ہے لیکن اس میں کمال یہ ہے کہ صرف تین پنیں نکال کر اسے چند لمحوں میں ٹکڑوں میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ تم اسے کھول کر لے آنا۔"

"ٹکڑے کتنے بھی چھوٹے ہوں، نال تو تقسیم نہیں ہوتی ہوگی نا۔ نال کی لمبائی کی وجہ سے ہر پیکنگ بے تکی اور مشتبہ نظر آئے گی۔ میں اسے کہاں لیے پھروں گا؟"

"پھر اسے وہیں رہنے دو" ویرا بے زاری سے بولی "جب ہم لوگ جہانگیر کے گھر منتقل ہوں گے تو میں اپنا کام خود کرلوں گی۔ اس وقت کوئی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔"

کافی دیر کی بحث اور جرح کے بعد ویرا اپنے دل کی بات اگلنے پر مجبور ہو گئی۔

نارمن سے پہلے جو شخص اس کی جگہ کام کرتا تھا وہ ویرا کے خیر خواہوں میں سے تھا اور ویرا اس کے گھر بھی جاتی رہتی تھی۔ اس کی رہائش کلفٹن کے ایسے علاقے میں تھی جہاں سڑک کے ایک طرف کشادہ اور خوبصورت مکانات تھے اور دوسری طرف کثیرالمنزلہ رہائشی عمارات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔

اس مکان کی دونوں خواب گاہوں میں دیواروں کی جگہ بڑے بڑے شیشے آویزاں تھے جن میں سے اونچی عمارتوں کے بیشتر فلیٹ نظر آتے تھے۔ ویرا کا اندازہ تھا کہ ان عمارات کے فلیٹوں سے وہ خوابگاہیں بھی اسی طرح نظر آتی ہوں گی اور شیشوں پر پردے کھنچے ہوئے ہونے کے باوجود اندر کی روشنی میں ہر متحرک ہیولا آسانی سے دیکھا جاسکتا ہوگا۔

قونصل خانے کے ملازمین کے لیے سرکاری طور پر گھروں کا بندوبست کیا جاتا تھا۔ اگر نارمن کو اس کے پیش رو کا خالی مکان دیا گیا تھا تو ویرا رہائشی عمارات کے کسی حصے میں داخل ہو کر دوربین اور جی تھری کی مدد سے نارمن کو ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتی تھی کیونکہ معاملات کو بگاڑنے میں اسی نے پہل کی تھی اور وہ سزائے موت کا حق دار تھا۔

"یہ سراسر دیوانگی ہے" سلطان شاہ نے اس کے منصوبے سے واقف ہوتے ہی فتوا دے دیا "کلفٹن کی بڑی عمارتوں میں چوکیداری کا نظام اتنا عمدہ ہے کہ کوئی اجنبی برے ارادے سے وہاں نہیں گھس سکتا۔ اسی وجہ سے وہاں کرائے زیادہ ہیں۔ تم جی تھری سمیت پکڑی گئیں تو تمہیں کوئی بھی قانون کی گرفت سے نہیں بچا سکے گا۔"

"ساری پوچھ گچھ مردوں سے ہوتی ہے۔ باوقار عورتوں سے کوئی کچھ نہیں پوچھتا۔ میں غزالہ کے ساتھ جاؤں گی۔ تم دونوں میں سے کسی کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں.... بس مجھے یہ یقین ہو جائے کہ نارمن اسی مکان میں مقیم ہے جو میرے ذہن میں ہے۔"

"تم اپنے ساتھ غزالہ کو بھی مرواؤ گی" میں نے احتجاج کیا۔

"میں غزالہ کو نہیں مرواؤں گی بلکہ وہ مجھے نکال لائے گی۔ اس نے برطانیہ میں شی کے غنڈوں کے جو چھکے چھڑائے تھے، ان کی کہانیاں مجھے اب تک یاد ہیں۔"

"وقت آنے پر دیکھا جائے گا" سلطان شاہ بڑبڑایا "تمہیں کسی بھی قیمت پر ایسا خطرہ مول لینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی.... نارمن تو ویسے ہی دہشت کے عالم میں موت سے بدتر زندگی گزار رہا ہوگا۔ اسے مار کر ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"تم کس کھیت کی مولی ہو کہ میں تم سے اجازت لیتی پھروں؟ میں جو کچھ کر رہی ہوں، اس کا فائدہ خود سمجھتی ہوں۔ نارمن کے مرنے سے دوسروں کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔"

میں نے اس وقت خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ وہ ایک غیر یقینی معاملے پر قبل از وقت بحث تھی۔ وقت آنے پر ویرا کو سمجھایا جا سکتا تھا۔

ان تینوں کو براہِ راست ہوٹل پہنچنے کی ہدایت کر کے میں راستے میں ہی اتر گیا۔ ان کے چلے جانے کے بعد میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور جہانگیر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

بظاہر وہ ایک آسان سی مہم تھی اور میری جیب میں نیم گن بھی موجود تھی لیکن میرے دل میں کئی ان جانے خطرات جنم لے رہے تھے۔ میں خاموشی سے ٹیکسی میں نیم دراز' ان منفی خیالات سے لڑتا رہا اور پھر اپنی منزل سے ایک گلی پہلے ہی ٹیکسی والے کو فارغ کر دیا۔

وہ علاقہ ویسے بھی عام طور پر سنسان رہتا تھا لیکن اس وقت مجھے جہانگیر کے مکان پر مہیب سکوت کی فرماں روائی نظر آ رہی تھی۔ شاید اس کا سبب یہ تھا کہ مجھے اس مکان کے غیر آباد ہونے کا علم تھا اور ان اطراف میں ہونے والی خوں ریزی میں میرا بہت مؤثر کردار تھا۔

میں جوں ہی بند پھاٹک کے قریب رکا' مجھے اندر پختہ فرش پر وزنی جوتوں کی آواز آئی۔

میرے دستک دیتے ہی اندر سے ایک درشت آواز ابھری۔

"کون ہے؟"

"دروازہ کھولو' میں اس مکان کا مالک ہوں" آس پاس میدان صاف دیکھ کر میں نے وہ اعلان کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

کھٹکے کی پُر شور آواز کے ساتھ پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھول دی گئی۔

اگلے ہی لمحے سفاکانہ نقوش و نگار والا ایک باوردی محافظ میرے سامنے تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں دبا ہوا ماؤزر کسی کھلونے کی طرح حقیر نظر آ رہا تھا کیونکہ وہ گارڈ بذاتِ خود بہت گراں ڈیل اور قد آور تھا۔

میں نے خاموشی سے سیکیورٹی کمپنی کا جاری کیا ہوا کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے کارڈ کو الٹ پلٹ کر غور سے دیکھا اور پھر غیر فطری سے احترام کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ اس کے قریب سے گزرتے ہی مجھے اس کا دوسرا ساتھی بھی نظر آ گیا جو اپنی ٹی ٹی کے ساتھ کیبن کی اوٹ میں کھڑا ہوا تھا۔

پھاٹک کی ذیلی کھڑکی بند کر کے ان دونوں نے فرش پر ایڑیاں بجا کر فوجی انداز میں سلام کیا اور سیدھے کھڑے ہو گئے جیسے مجھ سے متعدد سوالات کی توقع کر رہے ہوں۔

"تم لوگوں کے یہاں آنے کے بعد کوئی یہاں آیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"پرسوں تک لوگ چلے آ رہے تھے۔ ہر آدمی مالک اور اس کے رشتے داروں کے پتے پوچھ رہا تھا۔ ہم لوگوں کو خود کچھ معلوم نہیں تھا۔ ان لوگوں کو گیٹ ہی سے بھگا دیا" دراز قامت نے بتایا "بس کل کا دن ایسا گزرا ہے کہ کسی نے ہمیں پریشان نہیں کیا۔"

"آنے والوں میں کوئی غیر ملکی بھی تھا؟" میں نے سوال کیا۔

وہ اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے بولا "پرسوں سب سے آخر میں وہی آیا تھا۔ دبلا پتلا اور لمبا سا انگریز تھا' عینک لگاتا ہے' ٹوٹی پھوٹی اردو بھی بول لیتا ہے۔"

"وہ کیا کہہ رہا تھا؟" میں ایلین کی آمد سے متعلق ہر بات جان لینا چاہتا تھا۔

"وہ بھی دوسروں جیسے سوال کر رہا تھا لیکن جاتے ہوئے ایک پرچہ لکھ کر دے گیا تھا کہ مالک آئے تو اسے دے دینا" بات کرتے ہوئے اپنی جیب سے ایک رقعہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

پرچے پر انگریزی میں لکھا ہوا تھا "مجھے شدت سے تمہاری تلاش ہے۔ یہ پیغام ملتے ہی مجھ سے رابطہ کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا" اس کے نیچے ایک فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ نمبر کے ابتدائی ہندسوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سوسائٹی کے علاقے کا نمبر تھا۔ موتی لال نے بھی یہی بتایا تھا کہ ایلین نرسری کے قرب و جوار میں ٹھہرا ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ مجھے اس کا سراغ مل ہی گیا تھا۔

"تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میں نے گھر کیوں چھوڑا ہوا ہے؟" "ہم لوگوں کی تو یہی روزی ہے" وہ سنجیدگی سے بولا "معلوم ہوتا ہے کہ آپ خطرناک دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت دوبارہ یہاں آ سکتے ہیں۔"

"دشمنی نہیں' یہ زندہ رہنے کے لیے تاوان کا چکر ہے" میں نے ان دنوں شہر میں وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی خبروں اور افواہوں کے حوالے سے ایک گھسا پٹا بہانہ تراشا "میں نے انہیں پچاس لاکھ نہیں دیے تو وہ مجھے مار دیں گے...."

"پچاس لاکھ!" حیرت سے ان دونوں کی آنکھیں ان کی پیشانیوں پر جا چڑھیں۔

"یہی سارا چکر ہے۔ اتنی بڑی رقم کی بات نہ ہوتی تو میں ہرگز گھر چھوڑ کر نہ بھاگتا اور ان کا مطالبہ پورا کر کے اپنی جان چھڑا لیتا۔ کیسا اندھیر ہے کہ آج مجھے چوروں کی طرح سب سے چھپتے چھپاتے ہوئے اپنے گھر آنا پڑا ہے۔"

"یہ تو واقعی ظلم ہے کہ گورے تک ہمارے آدمیوں سے تاوان مانگنے لگے ہیں" وہ غصے اور افسردگی کے ساتھ بولا "اتنی بڑی بڑی رقمیں آسانی سے ملنے لگیں تو ہر ایک کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ اب کسی نے ادھر کا رخ کیا تو بچ کر نہیں جا سکے گا۔"

"نہیں' نہیں" میں نے بوکھلا کر کہا "وہ کئی آدمی ہیں۔ ایک کو کوئی نقصان پہنچا تو دوسرے میرے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔ میں خاموشی اور رازداری سے اندر کے کسی کمرے میں رہ لوں گا۔ میرے ساتھی بھی احتیاط کریں گے۔ تمہیں اپنی جان خطرے میں

ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ جو آئے، اس سے یہی کہنا کہ گھر خالی ہے اور مالک لاپتا ہے۔ چند روز میں ہم کہیں اور چلے جائیں گے۔"

"آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟ باہر تو کسی گاڑی کے رکنے کی آواز نہیں آئی تھی۔"

"وہ تھوڑی دیر میں آئیں گے۔ گلی میں تین ہارن بجنے کی آواز آئے تو فوراً پھاٹک کھول دینا تاکہ وہ انتظار کیے بغیر اپنی کالی گاڑی اندر لے آئیں۔ میں نہیں چاہتا کہ محلے والوں کو بھی میرے گھر میں کسی قسم کی آمدورفت کا علم ہو۔ ہمیں اپنے سائے سے بھی احتیاط کرنی ہوگی۔"

"آپ بے فکر رہیں" وہ اپنے سر کو قدرے خم دے کر ادب سے بولا "ہر کام آپ کی ہدایت کے مطابق ہوگا۔ ہمیں اپنے مالک کے لیے جان کی بازی لگانے کی تربیت دی جاتی ہے۔"

میں ان کی حوصلہ افزائی کرکے برآمدے کی طرف ہولیا۔

گچھے میں گنتی کی چند چابیاں تھیں۔ ان ہی میں ڈرائنگ روم کے دروازے کی چابی بھی تھی۔ میں نے اندر پہنچنے کے بعد دروازہ بولٹ کرلیا۔ صرف ایک تالا کھولنے کے بعد جہانگیر کا پورا گھر میرے تصرف میں آگیا تھا۔ میں سیدھا جہانگیر کی خواب گاہ میں چلا گیا۔

لطف کی بات یہ تھی کہ اس گھر میں جہانگیر اور سلمٰی کی خواب گاہیں الگ الگ تھیں۔ تعلقات خوش گوار ہونے کی صورت میں سلمٰی، جہانگیر کے کمرے میں سوتی تھی۔ ان بن ہوتی تو وہ روٹھ کر اپنے کمرے میں مقید ہوجاتی۔ تجوری سلمٰی ہی کی خواب گاہ میں تھی لیکن اسے بعد میں دیکھا جاسکتا تھا۔ اس وقت دوسرے کام فوری عمل کے متقاضی تھے۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کے اندازہ لگایا کہ وہ تینوں ہوٹل پہنچ چکے ہوں گے۔ میں نے ہوٹل کا نمبر ملا کر سلطان شاہ کا کمرا مانگا اور سلسلہ مل جانے پر کہا "تمہاری رہائش کا بندوبست ہوگیا ہے۔ فوراً چلے آؤ۔ دروازے پر پہنچنے سے پہلے تین مرتبہ ہارن بجا دوگے تو پھاٹک کھلا ہوا ملے گا۔ میں وہیں سے تم کو فون کررہا ہوں۔"

اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن میں ہوٹل کے فون پر کسی غیر ضروری گفتگو کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے فوراً ہی سلسلہ منقطع کردیا۔

ایلن کی طرف سے میرے دل میں عناد بھرا ہوا تھا۔ اس کا فون نمبر دیکھتے ہی میں نے فون کرکے اسے بے نقط سنانے کا فیصلہ کرلیا تھا لیکن بعد میں، میں نے اپنا ارادہ تبدیل کردیا۔ اسے فون کرکے میں بالکل وہی کرتا جو وہ چاہتا تھا۔ اسے علم ہوجاتا کہ ہم میں سے کسی نے جہانگیر کے مکان کا رخ کیا تھا اور محافظوں سے اس کا تحریری پیغام حاصل کیا تھا۔ یہ اندازہ لگانے کے بعد وہ جہانگیر کے مکان کی اینٹ سے اینٹ بجادیتا اور مسلح چوکیداروں کو پُرتشدد باز پرس کے لیے اٹھالے جاتا۔

اس کے بعد مکرجی کا معاملہ درپیش تھا۔ اخبار میں چھپنے والے جوابی اشتہار سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ پچھلے دن مکرجی کو موتی لال کے قتل کا علم نہیں ہوسکا تھا۔ تازہ ترین صورتِ حال کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔

میں نے بے خبری کے تالاب میں تحقیق کا پہلا پتھر پھینکنے کا فیصلہ کرلیا۔

اخبار میں دیے ہوئے فون نمبر پر گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھالیا گیا۔ دوسری طرف سے آنے والی آواز پختہ، بھاری اور پُراعتماد تھی۔ میں نے کسی تمہید کے بغیر مکرجی سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کردیا۔ بات کرتے ہوئے میں نے غیرارادی طور پر اپنی آواز تبدیل کرلی تھی۔

"بھائی! تم کون ہو۔ اپنا نام پتا بتاؤ پھر مکرجی سے بات ہوسکے گی۔"

"کوبرا!" میں نے درشت لہجے میں صرف وہی ایک لفظ ادا کیا۔

"اچھا، اچھا۔ تو تم کتے کی خبر والے ہو مگر بھائی دس لاکھ تو بہت زیادہ ہے۔"

"بحث نہیں" میں نے غضب ناک لہجے میں کہا "ہاں یا نا میں جواب دو۔"

"مجھے اپنا آدمی چاہیے۔ ہمارے پاس یہاں اتنی رقم نہیں ہوتی۔ نئی دہلی سے پیسہ آنے میں ذرا دیر ہوسکتی ہے۔ پتا نہیں تم ہم پر کہاں تک بھروسا کروگے۔"

اچانک میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی کیونکہ ریسیور پر ایسی آواز آئی تھی جیسے دوسری طرف سے کوئی ہندسہ ڈائل کیا گیا ہو۔ وہ فون یقیناً آبزرویشن میں تھا اور لحہ بھر میں کال کرنے والے کا نمبر ریکارڈ ہوسکتا تھا۔ میں نے ڈائلنگ کی ابتدا ہوتے ہی کریڈل دبا کر سلسلہ منقطع کردیا۔

مکرجی کو گھر کے بجائے کسی پبلک بوتھ سے فون کرکے ہی ہراساں کیا جاسکتا تھا۔ یہی مسئلہ نارمن کے فون کے ساتھ بھی ہوسکتا تھا۔ میں نے وہ ارادہ بھی کسی مناسب وقت کے لیے ملتوی کردیا۔

اس وقت میرے سامنے تین دشمن تھے۔ ایلن، مکرجی اور نارمن کے تمام ساتھی۔ میرے پاس تینوں کے فون نمبر موجود تھے لیکن میں دل کھول کر ان سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرسکتا تھا۔

میں وہ کمرا چھوڑ کر سلمٰی کی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ اس وقت مجھے یہ سوچ کر سخت کوفت ہورہی تھی کہ میرے مطلوبہ نمبروں پر آبزرویشن ہونے کا دھیان پہلے کیوں نہیں آیا۔

چرمی کیس میں موجود چابیوں کی مدد سے میں تجوری کا پیچیدہ تالا کھولنے میں کامیاب ہوگیا۔ تجوری کھلتے ہی نئے اور پرانے نوٹوں کی ملی جلی تیز بُو فضا میں پھیل گئی۔ نہ جانے کتنے عرصے کے بعد اس تجوری کا دروازہ کھولا گیا تھا۔

تجوری خاصی بڑی تھی اور تقریباً بھری ہوئی تھی۔ اس کے تین میں سے ایک خانے میں میرے دیئے ہوئے ڈالروں کی گڈیاں جمی ہوئی تھیں۔ ان گڈیوں کے درمیان میں ایک کاغذ پھنسا ہوا تھا۔ میں نے کاغذ نکال کر دیکھا تو اس پر ڈالروں کے لین دین کی تفصیل کے ساتھ، سلمٰی کی تحریر میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ تجوری میں موجود سارے ڈالر ڈیٹی کی ملکیت ہیں۔

نچلے خانوں میں مقامی کرنسی، تمسکات، بانڈز اور حصص کے ساتھ بیش قیمت زیورات کے ڈبے بھی موجود تھے۔ میں نے ایک قریبی الماری سے چادر نکال کر وہ تمام چیزیں قرینے سے جمانی شروع کردیں تاکہ ہر چیز سمٹ کر مختصر ہو جائے۔

ان دونوں خانوں کو خالی کرنے کے بعد میں نے تجوری کی نچلی دراز پر طبع آزمائی کی مگر وہ مقفل تھی۔ باری باری سب چابیاں آزمانے کے بعد اس اندرونی دراز میں بھی وہی چابی لگی جو تجوری کا قفل کھولنے میں کامیاب ہوئی تھی۔

اس دراز میں استعمال شدہ اور زیرِ استعمال چیک بکس کے ساتھ ان دونوں کی انتہائی نجی تصاویر وغیرہ تھیں۔ میں نے پوری دیانت سے ان تصاویر وغیرہ کو دیکھے بغیر ایک لفافے میں منتقل کیا اور پھر وہ دراز بھی خالی ہو گئی۔

میری محنت کے باوجود وہ انبار خاصا بڑا ہو گیا تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ آدمی ہلکے پھلکے اور بے پروایانہ انداز میں اسے اپنے ساتھ لے جاسکے۔ میں سگریٹ سلگا کر سلمٰی کی مسہری پر بیٹھا اور پھر نیم دراز ہو کر سوچنے میں مصروف ہو گیا۔

اس پلندے کو مختصر کرنے کی ایک ہی صورت تھی کہ زیورات نکال کر خالی ڈبے تجوری میں رکھ دیے جاتے۔ اس طرح بعض نازک زیورات کے ٹوٹنے کا خدشہ ضرور تھا مگر انہیں آسانی سے باہر نکالا جاسکتا تھا۔ نقصان رسیدہ زیورات کو معمولی سے اخراجات کے بعد ٹھیک کرایا جاسکتا تھا۔ جہانگیر نے مجھے اپنی چار دیواری میں وہی ایک کام بتایا تھا۔ میں اسے آخر پر چھوڑنے کے بجائے سب سے پہلے پایۂ تکمیل کو پہنچانا چاہتا تھا۔

پھر میں نے فون کر کے جہانگیر سے مشورہ کرنے کا فیصلہ کیا اور دوبارہ اسی کی خواب گاہ میں چلا گیا جہاں دونوں فون موجود تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم گھر ہی سے فون کر رہے ہو" ریسیور پر جہانگیر کی چہکتی ہوئی آواز گونجی۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کی ساری قنوطیت دم توڑ چکی تھی۔

"تمہارا ریڈار بالکل ٹھیک کام کر رہا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ سلمٰی کی چیزیں ڈبوں سے نکالنی پڑیں گی۔ ڈبوں کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہے" میں نے اشاروں میں کہا۔

"سب کچھ برباد ہونے سے بہتر ہے کہ کچھ بچالیا جائے۔ مجبوری یہ ہے کہ خفیہ چیزوں کا بیمہ نہیں کرایا جاسکتا۔ یہ سب کچھ تحفظ کے بغیر ہے۔ ڈبوں کو آگ لگاؤ اور اپنی سہولت کے مطابق جو چاہو، کرتے رہو۔ سلمٰی کوئی اعتراض نہیں کرے گی۔ اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ گھر پہنچنا اتنا آسان ثابت ہوگا تو میں بھی یہاں آنے کے بجائے تمہارے ساتھ نکل پڑا ہوتا۔"

"ابھی صرف میں آیا ہوں۔ دوسرے آنے والے ہیں۔ بس دعا کرتے رہنا کہ ہم یہاں سے خیریت سے نکل سکیں۔ یہ تجربہ بہت سنسنی خیز محسوس ہو رہا ہے۔ یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے میں کسی کے گھر ڈاکا ڈال رہا ہوں.... میں کوشش کروں گا کہ یہ پلندہ آج ہی تمہیں دے دوں۔"

"ایسی حماقت بھول کر بھی نہ کرنا" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی "تمہیں معلوم ہے کہ آدھی رات کے بعد مجھے خود اپنا ہوش نہیں رہتا۔ کوئی بھی خاموشی کے ساتھ تھیلا اٹھا کر نکل جائے گا۔ میں سلمٰی سے بات کر کے تمہیں کوئی حل بتاؤں گا۔"

"اس وقت تک میں یہ مصیبت اپنے گلے میں لٹکائے بیٹھا رہوں؟"

"تم بلاوجہ گھبرا رہے ہو" اس کا لہجہ مجھے پچکارنے والا تھا۔ "ڈرائنگ روم والے بند کیبنٹ سے ڈی لکس کی چند چسکیاں لوگے تو تمہارا حوصلہ بڑھ جائے گا۔ بیوی پر رعب ڈالنے کے لیے غیر ضروری پرہیزگاری کا مظاہرہ مت کرو۔ چار دن میں نکتے ہو کر رہ جاؤ گے۔"

"پرہیزگاری نہیں، یہ ذرا سی احتیاط ہے۔ میں نے پینے میں کمی کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔"

وہ زور سے ہنسا "یہ خود فریبی ہے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ چکھنے کے ارادے سے ابتدا کرو گے اور پھر اپنی پرانی روش پر چل پڑو گے...."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "مجھے اپنے پلندے کی بھی فکر ہے۔"

"دونوں مسئلے حل ہو جائیں گے" اس نے مجھے تسلی دی "اس کی فکر نہ کرو۔ اس میں سے اتنا مال ضرور نکال لینا کہ دو چار مہینے تک کوئی پریشانی نہ ہو۔"

گفتگو طویل ہوتی جارہی تھی۔ میں نے نہایت چابک دستی سے باتوں کا رخ موڑا اور پھر پہلا مناسب موقع میسر آتے ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

فون رکھتے ہی کہیں سے ہارن کی مانوس آواز ابھری۔ وقفے وقفے سے وہی ہارن تین بار بجا، فضا میں آہنی پھاٹک سے چھیڑ چھاڑ کی جھنکار گونجی اور میں نے ڈرائنگ روم کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں نے بولٹ گرا کر ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا تو جہانگیر کی کالی کار گیٹ عبور کر کے پورچ میں آرکی تھی اور آہنی پھاٹک بند کیا جارہا تھا۔

گاڑی سے اتر کر وہ تینوں سرعت سے میری طرف آئے۔ گاڑی سے اترتے ہوئے وہ ہتھیاروں کے تھیلے ساتھ لینا نہیں بھولے تھے۔ ان تینوں کو ڈرائنگ روم میں بلانے کے بعد میں نے اشارے سے دونوں گارڈز کو وہیں بلالیا۔

وہ تینوں جس طرح وہاں پہنچے تھے' دونوں محافظوں کو ان کی جھلک دیکھنے کا موقع بھی نہیں مل سکا ہوگا۔ انہیں چند روز کے لیے وہیں رہنا تھا اور وقت ناوقت باہر نکلنے کی ضرورت بھی پیش آسکتی تھی۔ یہ ضروری تھا کہ محافظ انہیں اچھی طرح پہچان لیتے۔

"یہ تینوں میرے دوست ہیں" میں نے محافظوں سے کہا۔ "انہیں ہر وقت یہاں سے آنے جانے کی آزادی ہوگی۔ آنے والوں سے تم یہی کہو گے کہ مکان خالی اور مقفل ہے۔"

"ایک بات اور" میرے خاموش ہوتے ہی ویرا نے لقمہ دیا۔ "یہ ضروری نہیں کہ ہم آمدورفت کے لیے ہر بار پھاٹک ہی استعمال کریں۔ ضرورت اور رازداری کے تحت دیواریں بھی پھاندی جاسکتی ہیں۔"

دونوں محافظ عقابی نظروں سے باری باری ان کا جائزہ لے رہے تھے جیسے تینوں نئی صورتیں ذہن نشین کرنے کی کوشش کررہے ہوں۔

"ہم ان باتوں کو سمجھتے ہیں" درشت رو گارڈ نے نرمی سے کہا۔ "لیکن دیوار پھاند کر اندر آنے کے لیے کوئی اشارہ مقرر کرنا پڑے گا تاکہ دوست اور دشمن کی تمیز ہوسکے۔"

"اشارہ بھی تم ہی تجویز کردو تو بہتر رہے گا" میں نے کہا۔

اس نے اپنی جیب سے ایک چپٹی سی سیٹی نکال کے میری طرف بڑھادی "فی الحال یہ ایک ہی ہے۔ کل میں دوسری بھی لادوں گا۔ اس میں سے مینڈک کی ہلکی سی ٹراہٹ ابھرتی ہے۔ اس کی آواز سنتے ہی ہم سمجھ لیں گے کہ باہر کون ہے۔"

میں نے سیٹی دانتوں میں دبا کے ہلکی سی پھونک ماری اور فضا میں مینڈک کی ادھوری آواز گونج کر رہ گئی۔ اس نے بہت آسانی سے ہمارا مسئلہ حل کردیا تھا۔

"ہمیں یہ سیٹی کمپنی دیتی ہے تاکہ خطرے کی صورت میں ایک دوسرے کو سگنل دے سکیں۔ سیٹی گم ہونے پر ہمیں دو سو روپے جرمانہ دینا پڑتا ہے" دوسرے گارڈ نے سادگی سے کہا۔

میں نے فوراً ہی جیب سے تین سو روپے نکال کر اسے تھما دیئے "دو سو جرمانے کے اور سو روپے تمہارے انعام کے۔ تم نے ہماری ایک الجھن دور کردی۔"

وہ دونوں باہر نکلے ہی تھے کہ غزالہ نے سلطان شاہ کی کار کی ڈکی میں رکھا ہوا خوردونوش کا سامان یاد دلایا۔ محافظوں کو پہلا انعام مل چکا تھا اس لیے وہ بھی سلطان شاہ کے ساتھ لگ گئے اور دو ہی چکروں میں سارا سامان ڈرائنگ روم میں آگیا۔

میں نے دروازہ دوبارہ بند کرکے بولٹ کردیا۔ سب لوگ اندر جانے کے بجائے ڈرائنگ روم ہی میں بیٹھ چکے تھے۔ میں نے بھی وہیں ایک صوفہ سنبھال لیا۔

"تم نے یہاں آنے کے بعد کس کس کو فون کیا؟" ویرا نے [illegible] میں نے تفصیل سے ان لوگوں کو اپنی بے نتیجہ کارکردگی سے آگاہ کردیا۔

"مکرجی کے معاملے میں وقت ہاتھ سے نکلا جارہا ہے۔ موتی لال کی لاش کی شناخت ہونے کے بعد وہ ہماری گرفت میں نہیں آسکے گا۔ ہم اور کچھ نہیں کرسکتے تو اسے گھیر ہی لینا چاہیے" ویرا نے میری کہانی سننے کے بعد مضطربانہ لہجے میں کہا۔

"ہم ایک اور کام کرسکتے ہیں" غزالہ نے اسے یاد دلایا "ایلن کا فون نمبر ہمارے قبضے میں آچکا ہے۔ یہ درست ہے کہ ہماری طرف سے رابطہ ہوتے ہی وہ اس مکان پر چڑھ دوڑے گا۔ اگر ہم فون نمبر سے اس کے ٹھکانے کا پتا لگاسکیں تو ہمارا ایک ہی وار بھرپور ثابت ہوگا۔"

"نمبر دے دو۔ یہ کام میں کرلوں گا" سلطان شاہ نے پیشکش کی۔

"یہاں نمبروں کی ترتیب سے شائع ہونے والی ڈائریکٹری پر پتا نہیں کیا مصیبت آئی ہوئی ہے جو برسوں سے نہیں چھاپی جارہی۔ وہ ہوتی تو دو منٹ میں بیٹھے بیٹھے پتا مل جاتا" غزالہ نے کہا۔

"سلطان شاہ ایلن کی کمین گاہ کا پتا چلائے گا۔ میں نارمن کے گھر کا سراغ لگاتی ہوں۔ نارمن اسی گھر میں رہ رہا ہے تو آج شام وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات پورے کرلے گا" ویرا نے ڈرائنگ روم میں موجود انسٹرومنٹ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ابھی تک وہ خناس تمہارے دماغ سے نہیں نکلا؟" میں نے اسے گھورا۔

"میرا منصوبہ بے داغ ہے" وہ اٹھلا کر بولی "غزالہ بھی میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہے۔ تم دیکھو گے کہ ہم دونوں ناقابلِ یقین مہارت اور صفائی سے اپنا کام کرکے لوٹ آئیں گے۔"

اس موضوع پر ایک بار پھر تکرار شروع ہوگئی۔ میں اسے باز رکھنا چاہ رہا تھا لیکن وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے پر تلی ہوئی تھی۔ پتا نہیں اس نے غزالہ کو کیا پٹی پڑھائی تھی کہ وہ بھی دبے لفظوں میں اسی کا ساتھ دے رہی تھی۔ سلطان شاہ کئی روز سے اس بحث میں الجھنے سے گریز کررہا تھا۔

آخر میں زچ ہوکر وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور سلمیٰ کی خواب گاہ کی طرف چل دیا جہاں قیمتی ساز و سامان کھلی ہوئی تجوری سے باہر پھیلا ہوا تھا۔ سلطان شاہ میرے پیچھے پیچھے تھا۔

کمرے میں موجود نقدی' تمسکات اور زیورات کا پھیلاؤ دیکھ کر سلطان شاہ انگشت بدنداں رہ گیا "آج کل کے دور میں اس نے یہ سب گھر میں رکھا ہوا ہے؟"

"کالا دھن تجوریوں ہی میں پلتا رہتا ہے۔ ہماری گن بوٹ کی رقم کروڑوں میں ہے اور اسی تجوری میں پڑی ہوئی ہے۔ تم بتاؤ کہ ہم اسے کہاں لے جاسکتے ہیں؟ کون سا بینک اس رقم کو چون وچرا کیے بغیر قبول کرے گا؟ ہمیں بھی اسے لاد کر گھومنا ہوگا۔"

"گن بوٹ کے ڈالروں کی تو پرواہ ہی نہ کرو" اس نے بے فکری سے کہا "کسی بھی بینک میں بھائی کے نام سے لاکر لو اور پرانے اخبار میں چھوٹے چھوٹے پیکٹ بناکر ڈالر وہاں ڈال دو اور بھول

جاؤ۔ ضرورت پڑے تو اس میں سے تھوڑی تھوڑی رقم نکالتے رہو۔"

"تم نے کمال کر دیا۔ یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے۔ جہانگیر بھی اس تجویز پر عمل کر سکتا تھا۔"

"یہ سب جلدی سمیٹو۔ ویرا آگئی تو اس میں حصہ مانگ بیٹھے گی۔"

"دیوانے ہو گئے ہو؟ یہ جہانگیر کی امانت ہے۔ اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہوگا۔"

"لیکن وہ گن بوٹ کی رقم پر ہاتھ رکھ سکتی ہے" سلطان شاہ بولا۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ بہت بڑی رقم ہے۔ میں اسے مایوس نہیں کروں گا۔"

ہم دونوں نے تیزی کے ساتھ زیورات کے ڈبے خالی کر کے زیور ریک جا کیے۔ سلطان شاہ نے خالی ڈبے تجوری کے خانے میں لگا دیے۔ میں نے جہانگیر کے ان اثاثوں کو اچھی طرح چادر میں لپیٹ کر مسہری کے نیچے سرکا دیا۔ پھر میں نے تکیے کا ایک پرانا غلاف لے کر اپنے ڈالروں کی گڈیاں اس میں جمانی شروع کر دیں۔ میں کسی مناسب وقت پر ان گڈیوں کو ناکارہ کاغذوں میں لپیٹنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

ہم فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ ویرا تقریباً دوڑتی ہوئی وہیں آ پہنچی۔ جوشِ مسرت سے اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ وہ کسی غیر متوقع کامیابی کی خبر سنانے کی نیت سے آئی تھی لیکن کھلی ہوئی تجوری میں سے برآمد ہوتے ہوئے ڈالروں کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

اس کے لیے رقم کی مالیت کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ شی میں اپنے عروج کے زمانے میں وہ اس سے بھی بڑی بڑی رقوم ایک جنبشِ ابرو سے اِدھر سے اُدھر کر دیا کرتی تھی۔ اس کا مسئلہ بھی سلطان شاہ والا تھا کہ جہانگیر کو اتنی بڑی رقم گھر میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

"جہانگیر کی دیوانگی کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم کیا تیر مار کے آئی ہو؟" میں نے کہا۔

"نارمن پہلے کہیں اور تھا مگر کچھ عرصے سے اسی مکان میں رہ رہا ہے جو میرا دیکھا بھالا ہے" وہ مسہری کے کنارے پر ٹک کر بولی۔ "اب تم میرا راستہ روکنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں راستے میں سے ایک اچھی دوربین خرید لائی ہوں۔ جہانگیر کی جی تھری گھر ہی میں ہونی چاہیے۔ شام ہوتے ہی میں غزالہ کو ساتھ لے کر اپنی مہم پر روانہ ہو جاؤں گی۔ اگر سب کچھ توقع کے مطابق ہوتا چلا گیا تو ہم دونوں دو ڈھائی گھنٹے میں فارغ ہو جائیں گے۔ نارمن کے لیے جی تھری کی صرف ایک گولی کافی ہوگی۔"

"تم عمارت کے کس حصے سے اسے شکار کرنے کا ارادہ رکھتی ہو؟" آخر میں نے اس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈالتے ہوئے پوچھا

"رائفل اور دوربین کے ساتھ کھلی جگہ پر تو نہیں بیٹھا جا سکتا۔"

"سڑک کے رخ پر بنا ہوا ہر فلیٹ ہمارے لیے موزوں رہے گا۔ میں دوسری یا تیسری منزل کے کسی فلیٹ پر طالع آزمائی کا ارادہ رکھتی ہوں" ویرا نے کسی تردد کے بغیر جواب دیا۔

"تم فلیٹ میں گھسو گی؟ معلوم ہوتا ہے کہ آج تم خودکشی کا ارادہ کر چکی ہو۔"

"خودکشی نہیں، نارمن کشی کہو" وہ مسکرا کے بولی "اب میں تمہیں پورا پروگرام ہی بتائے دیتی ہوں۔ ہم دونوں کو اکٹھے جانا ہے۔ ہماری وضع قطع دیکھ کر کوئی بھی ہمیں روکنے یا ہم سے بازپرس کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ کسی نے پوچھ ہی لیا تو ہم ایک بین الاقوامی مارکیٹنگ کمپنی کے سروئیر بن جائیں گے۔ ہمیں کسی فرضی مس ارم سے ملنا ہوگا۔ کھلی ہوئی جی تھری کے حصے ایک مضبوط گفٹ پیک کی صورت میں میرے پاس موجود ہوں گے۔ لفٹ سے ساتویں آٹھویں منزل پر اترنے کے بعد زینوں سے نیچے آنا ہے۔ بعد میں کسی کو شبہ بھی ہوا تو وہ ہمیں اوپر کی منزلوں پر ڈھونڈتا رہ جائے گا۔

"دوسری منزل کے فلیٹ پر دستک کے بعد دروازہ کھلے گا اور ضرور کھلے گا۔ دستک یا ڈور بیل کے جواب میں جو بھی آئی گلاس سے جھانکے گا، اسے اپنے سامنے دو معزز خواتین نظر آئیں گی۔ ہم اندر گھستے ہی دروازہ کھولنے والے کو یرغمال بنا لیں گے اور کسی شور شرابے کے بغیر گھر کے بقیہ افراد کو ایک جگہ جمع کر کے باندھ دیں گے۔ یہ کارروائی غزالہ مکمل کرے گی۔ میں جی تھری کے حصے یکجا کر کے موزوں ترین کمرے کی روشنیاں گل کر کے اس کے برآمدے یا کھڑکی میں پوزیشن لے لوں گی۔ دوربین میری آنکھوں پر ہوگی۔ جوں ہی مجھے نارمن نظر آئے گا، میں جی تھری کی نال کھلی فضا میں نکال کر برسٹ فائر کر دوں گی۔ کھلی فضا اور اونچی عمارتوں کی وجہ سے پھیلنے والی بازگشت کی بنا پر کسی کو اندازہ نہیں ہو سکے گا کہ فائرنگ کہاں سے کی گئی ہے۔ جی تھری وہیں چھوڑ کر ہمیں باہر نکل آنا ہے۔ وہاں پھیلی ہوئی افراتفری میں کوئی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ اس کے قریب سے گزرنے والی عورتیں قتل کی واردات کر کے آ رہی ہیں۔"

"فرض کرو کہ سب کچھ اسی طرح ہو جاتا ہے پھر اس فلیٹ کے مکین پولیس کو تم دونوں کی کہانی سنائیں گے۔ ہم کلفٹن ہی کے علاقے میں کرائے کا فلیٹ لینا چاہ رہے ہیں۔ کیا اس طرح تم دونوں کی آزادی اور سلامتی خطرے میں نہیں پڑ جائے گی۔"

"ہیئر اسٹائل اور عینکوں وغیرہ کے استعمال سے ہم خود کو اتنا بدل لیں گے کہ زبانی حلیے سے ہماری نشان دہی نہ ہو سکے۔ انہوں نے مجھے اغوا کی ہوئی مظلوم امریکن لڑکی ظاہر کر کے میری بدترین توہین کی ہے۔ انہیں اس اہانت کی بھاری قیمت ادا کرنی ہوگی۔ میرا قیاس ہے کہ پولیس بھٹک جائے گی۔ بعد میں جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں خطرات سے نہیں گھبراتی۔"

"تم اس منصوبے میں حصہ لینے کے لیے تیار ہو؟" میں نے
زالہ سے پوچھا جو اسی وقت دروازے پر آکر کھڑی ہوئی تھی۔
"مجھے اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی" غزالہ نے اطمینان
سے کہا "ہم کو صرف پندرہ منٹ تک فلیٹ میں رکنا ہے۔ اس
دوران میں نارمن نظر نہ آیا تو مزید انتظار نہیں کیا جائے گا۔"
"فلیٹ میں مرد اور جوان لڑکے موجود ہوئے تو کیا بنے گا؟"
"ہتھیار کے سامنے ہر ایک کی دلیری دھری رہ جاتی ہے....
ساڑھے سات بجے عموماً آسودہ حال مرد اپنے گھروں میں نہیں
ہوتے۔ یہ جوا ہمیں کھیلنا ہی ہوگا۔" غزالہ اس وقت بالکل بدلی
ہوئی نظر آرہی تھی۔ اس کے معصومانہ خدوخال میں بھی ہلکی سی
کرختگی در آئی تھی۔

ان دونوں کے پاس میرے ہر سوال کا مسکت جواب موجود
تھا۔ پورے منصوبے میں بس ایک ہی جھول تھا کہ ان کے منتخب
کیے ہوئے فلیٹ میں عورتوں اور بچوں کے بجائے کئی مرد ہوتے اور
ان کے مقابلے پر کمربستہ ہو جاتے تو وہ خوں ریزی کرکے بھی وہاں
سے فرار نہیں ہو سکتی تھیں۔

"اس مہم میں شرکت کے لیے تم نے میری اجازت کی
ضرورت بھی محسوس نہیں کی؟" میں نے غزالہ کو دوسرے ہی
زاویے سے گھیرنا چاہا "تمہیں معلوم ہے کہ ہماری عورتیں ویرا کی
طرح خودمختار نہیں ہوتیں۔ وہ ہر بڑے فیصلے کے لیے اپنے مردوں
سے رجوع کرتی ہیں۔"

"اب اسے بلاوجہ ان دقیانوسی باتوں کی دھونس مت دو" ویرا
برہم ہوگئی۔

غزالہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا اور مفاہمانہ لہجے میں
بولی "ابھی تک آپ میری رائے اور مرضی کے بارے میں پوچھتے
رہے اور میں نے پوری ایمان داری سے جواب دیے۔ میری اب
بھی یہی خواہش ہے کہ میں اس مہم پر جاؤں۔ آپ منع کر دیں گے تو
میں رک جاؤں گی۔"

"شرم کرو!" ویرا کو فوراً ہی موقع مل گیا "اتنی سعادت مند
بیوی کی خواہش کو ٹھکرا کر تمہیں کیا ملے گا۔ تم نے آج تک کتنی بار
غزالہ سے خوں ریزیوں کی اجازت لی ہے؟ تم اس کے شوہر ہو تو وہ
بھی تمہاری بیوی ہے، کوئی باندی نہیں ہے۔ تم اس کے ساتھ
زیادتی نہیں کر سکتے۔"

"بی جمالو بننے کی کوشش نہ کرو" سلطان شاہ نے ویرا کو
گھورتے ہوئے کہا "میاں بیوی کی باتوں میں تمہیں دخل دینے کا
کوئی حق نہیں ہے۔ غزالہ کے بجائے میں تمہارے ساتھ چلا گیا تو
کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ عورتوں کے ساتھ مرد بھی کمپنیوں کا
دورہ کرتے ہیں۔"

"تم کوڑھ مغز ہو.... پورے منصوبے کا محور یہی ہے کہ دو
عورتوں سے کہیں کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ غزالہ کی جگہ تم گئے تو
ہم کسی عمارت میں قدم بھی نہیں رکھ سکیں گے۔ مرد ساتھ ہو تو
عورتوں کو نظرانداز کرکے ہر ایک اس کی ٹانگ پکڑ لیتا ہے۔ سب کی
آنکھوں میں دھول جھونک کر پوری جی تھری عمارت میں لے جانا
بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ میں نے اس منصوبے کی ایک ایک بات پر
بہت غور کیا ہے۔"

اس وقت ہمیں تخلیہ میسر ہوتا تو میں غزالہ کو سختی کے ساتھ
اس مہم جوئی سے روک دیتا لیکن بدقسمتی سے ویرا نے وہ ذکر غلط
موقع پر چھیڑ کر اسے پنچایت کا معاملہ بنا دیا تھا۔ اپنے خوف اور
وسوسوں کی بنا پر سب کے سامنے غزالہ کو روکنا میری انا کے خلاف
تھا۔ تنہائی میں، میں اسے سارے نشیب و فراز سمجھا سکتا تھا لیکن
ویرا کے سامنے ایسا کرنا اپنا مضحکہ اڑوانے کے مترادف ہوتا۔

"میں تمہاری خواہش کو نہیں کچل سکتا" میں نے شکست
خوردہ لہجے میں کہا "میری دعا ہے کہ تم دونوں اپنے مشن سے
کامیاب و کامران لوٹو لیکن کوئی بری گھڑی آ ہی جائے تو لمحہ بھر کے
لیے یہ یاد کر لینا کہ یہ تمہاری خواہش تھی، میری ہدایت نہیں
تھی۔"

"گڈ!" ویرا نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "دودھ دے ہی دیا
ہے تو اب اس میں مینگنیاں نہ ڈالو۔ ان جذباتی باتوں سے تم اسے
بہکانے کی کوشش کر رہے ہو۔ یقین کرو کہ یہ کام صرف میرے بس
کا ہوتا تو میں غزالہ کو ہرگز اپنے ساتھ نہ لے جاتی۔ فلیٹ کی
سچویشن کم از کم دو آدمیوں کی متقاضی ہے۔ ایک یرغمالیوں کا
دھیان رکھے اور دوسرا نارمن کو باڑھ پر لینے کی فکر کرے۔ یہ
غزالہ کی ضد نہیں، میری مجبوری ہے۔"

"ان دونوں کی تو فاتحہ ہوگئی" سلطان شاہ نے آخری گڈی
میرے حوالے کرکے کہا "لاؤ، اب ایلین کا فون نمبر دے دو تاکہ میں
ان دونوں کی روانگی سے پہلے کوئی تیر مار کر واپس آسکوں۔"

وہ نمبر اتنا اہم تھا کہ ایک ہی نظر میں مجھے یاد ہو چکا تھا۔ میں
نے کاغذ کے ایک پرزے پر نمبر لکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس
نے کاغذ احتیاط سے جیب میں رکھ لیا۔

"میں یہاں سے پیدل ہی جا رہا ہوں۔ آگے سے کوئی سواری
لے لوں گا" وہ خواب گاہ سے نکلتے ہوئے بولا۔

"جاؤ، ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کر دینا" ویرا نے غزالہ سے
کہا۔ وہ اتنی خبیث فطرت تھی کہ اس وقت مجھے اور غزالہ کو تخلیے
میں بات کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

"سچ بتاؤ، تم میرے فیصلے پر ناراض تو نہیں ہو، میں نے تمہیں
غزالہ کی افادیت بتا دی ہے۔"

"فیصلہ ہو گیا تو اب بار بار نہ کریدو" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دو کہ گاڑی چلانے کی ذمے داری کون
سنبھالے گا؟"

"کوئی نہیں.... ہم راستے سے کوئی کار اٹھا لیں گے اور واپسی
پر اسے کہیں بھی چھوڑ دیں گے۔ اکا دکا وہاں ہر ایک کی نگاہوں میں
آسکتی ہے۔ اس کی وجہ سے کڑیاں مل جائیں گی۔"

"خدا کی پناہ!" میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ "آج تم کھلی غنڈا گردی پر تلی ہوئی نظر آرہی ہو۔ چوری کی کار میں تم کہیں بھی دھرلی جاؤ گی۔"

"یہ خطرہ چھینی ہوئی گاڑیاں استعمال کرنے والوں کو ہوتا ہے" اس نے استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ میری تصحیح کی "بے کار ہونے والا فوراً ہی ہنگامی نمبروں پر خبر دیتا ہے اور پل بھر میں وائرلیس وہ خبر پورے شہر میں پھیلا دیتا ہے۔ چوری کی صورت میں گھنٹوں مالک دھکے کھاتا پھرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے فارغ ہونے تک کار کے مالک کو اپنی گاڑی چوری ہونے کا علم ہی نہ ہو سکے۔"

میں مضمحل انداز میں سلمیٰ کی مسہری پر دراز ہو گیا "آج تمہارا ذہن شیطانی خطوط پر کام کر رہا ہے۔ پتا نہیں رات ہونے تک تم کیا گل کھلاؤ گی۔ مجھے معلوم ہے کہ تم تربیت یافتہ قفل شکن ہو اور محض تار کی مدد سے پیچیدہ ترین تالے بھی کھول سکتی ہو۔"

"ان میں تجوریوں کے تالے شامل نہیں ہیں" وہ کھلی ہوئی تجوری کی طرف اشارہ کر کے مسکرائی "تمہیں علم ہے کہ ان تالوں کو کھولنے کے لیے مخصوص اوزاروں کی ضرورت پڑتی ہے۔"

غزالہ، سلطان شاہ کو رخصت کر کے لوٹ آئی۔ ویرا نے اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ چھوڑ دی "ڈیڈی کو آرام کرنے دو۔ ہم مل کر جہانگیر کی جی تھری تلاش کرتے ہیں۔ بہت قیمتی اور ممنوعہ بور کی رائفل ہے۔ جہانگیر نے اسے کسی کونے کھانچے میں چھپایا ہوا ہوگا۔"

غزالہ اس کی چالاکی کو سمجھے بغیر اس کے ساتھ ہولی مگر میرے لیے ویرا ایک کھلی ہوئی کتاب بن چکی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ شام کی مہم ختم ہونے تک وہ غزالہ کو میرے ساتھ نہ چھوڑنے پر تلی ہوئی تھی۔ شاید اسے خدشہ تھا کہ میری لعنت ملامت سے شرمسار ہو کر غزالہ آخری لمحات میں اپنا فیصلہ نہ بدل دے۔

سچ یہ ہے کہ ان دونوں کا منصوبہ سنتے ہی میرے لاشعور میں ایک اَن جانے خوف نے پنجے گاڑ دیے تھے۔ بعد میں ہونے والی وضاحتیں بھی میرے اس خوف کو دور نہیں کر سکی تھیں مگر میں نے بھی اپنے دل پر پتھر رکھ لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ محض چند گھنٹوں کی بات تھی۔ وہ وقت گزر جانے کے بعد میں اچھی طرح غزالہ کی گوشمالی کر سکتا تھا تاکہ وہ آئندہ ایسے احمقانہ فیصلے نہ کرتی پھرے۔ اگر میں اس وقت اسے لعنت ملامت کرتا اور وہ ویرا کے ساتھ چلی بھی جاتی تو ذہنی پراگندگی کی وجہ سے بنا بنایا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔ میں زبان کھول کر وہ بھیانک خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔

میں نے بستر پر پڑے پڑے آنکھیں موند لیں۔ رفتہ رفتہ میرے اوپر غنودگی کی کیفیت طاری ہونے لگی مگر پھر فون کی گھنٹی نے مجھے تیزی سے بستر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

میں وہاں سے اٹھ کر جہانگیر کے کمرے میں گیا تو فون پر جہانگیر تھا۔ اپنے مسائل اور خانہ بدوشی کی وجہ سے وہ فوری طور پر سلمیٰ کو لاہور سے نہیں بلا سکتا تھا اس لیے اس نے سلمیٰ کے ایک کزن کا

پتا لے لیا تھا۔ اس نے کہا کہ میں ساری قیمتی اشیا ایک بریف میں مقفل کر کے اس کے گھر پہنچا دوں۔ جب بھی ضرورت بریف کیس جوں کا توں واپس مل جائے گا۔

میں نے اسے بینک لاکر والی تجویز سے آگاہ کیا۔ اس کرنا جہانگیر کے لیے ممکن نہیں تھا۔ میں نے اسے بتا دیا کہ لاکر کا کوئی بندوبست کرنے میں کامیاب ہو گیا تو سب کچھ ڈال دوں گا۔ اگر کسی وجہ سے لاکر نہیں مل سکا تو پھر مقفل کیس سلمیٰ کے کزن کو پہنچا دوں گا۔

فون بند کر کے میں وہیں لیٹ گیا۔ میرا ارادہ جہانگیر خواب گاہ پر قبضہ کرنے کا تھا۔ ویرا کے لیے سلمیٰ والا کمرا تھا۔ سلطان شاہ جہاں چاہتا سو سکتا تھا۔

اندر سے کچھ دیر تک ویرا اور غزالہ کی ملی جلی آوازیں رہیں۔ آخر انہیں اپنی تلاش میں کامیابی حاصل ہو ہی گئی۔ وہ تھری لے کر کمرے میں ہی پہنچ گئی۔ وہ بہت خوفناک اور وزنی تھا۔ ویرا نے میرے سامنے ہی رائفل کی پنوں وغیرہ کو ہلا جلا کر اور دو منٹ سے بھی کم وقفے میں رائفل کو تین ٹکڑوں میں کر دیا۔ قفل شکنی کے لیے جمع کیے ہوئے کئی تار غزالہ کے ہاتھ تھے۔

"مجھے یہ سب تماشے دکھانے کی ضرورت نہیں" میں۔ "جو کرنا ہے کرتی رہو۔ بس مجھے کھانے کا بندوبست کر دو۔ عورتوں کی موجودگی میں کھانے سے محرومی کھل جائے گی۔"

غزالہ مسہری پر میرے سرہانے کے قریب بیٹھ کر میرے میں اپنی نرم و نازک انگلیاں پھیرنے لگی۔ اس وقت وہ بالکل معصوم اور سادہ لوح لڑکی نظر آ رہی تھی۔

"چلو، ڈرائنگ روم سے سامان بھی سمیٹ کر اپنی اپنی پہنچانا ہے" ویرا بڑی مستقل مزاجی سے غزالہ کو اپنے الجھائے رکھنے کی کوششوں میں لگی ہوئی تھی۔

"تم چلو... میں آتی ہوں۔ ان سے کچھ باتیں کرنی ہیں" غ نے ہنس کر کہا۔

"پھر باتیں! تم دونوں نے پچھلی رات ہوٹل میں یک جا گزاری تھی۔ اب کون سے راز و نیاز کی ضرورت پیش آ گئی؟ جا رہی ہوں لیکن ذرا جلدی ہی آ جانا۔"

میں جل کر کٹنے والا تھا کہ ہماری وہ رات اس کے ذہن کیوں چپکی ہوئی تھی لیکن پھر میں خاموش ہی رہا۔ وہ بہت منہ تھی۔ میری بعض کمزوریوں سے بھی واقف تھی۔ اگر وہ مشتعل الٹی سیدھی باتیں شروع کر دیتی تو عارضی طور پر غزالہ کو میری سے بدگمان کر سکتی تھی۔

"آپ میرے فیصلے سے ناراض تو نہیں ہیں؟" ویرا کے جا ہی غزالہ نے والہانہ انداز میں میرے سینے پر سر رکھ کے سوال "آپ کا رویہ کچھ اکھڑا اکھڑا سا ہے۔"

"یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے۔ میں اس سے ناراض ہوں اور

"یہی فیصلہ مشورے کے بعد ہوا ہوتا تو بات کچھ اور
...ش ہوں۔ اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔ ساری غلطی ویرا کی ہے۔
...دلی۔ ...ں نے جان بوجھ کر بالا ہی بالا تمہیں اپنا ہم نوا بنایا ہے...."
...ں "پھر میں اس کے ساتھ نہیں جاتی" وہ کسی ضدی بچے کی طرح
...چل گئی "میں اس سے طبیعت کی اچانک خرابی کا بہانہ کردوں گی۔
...میری بات مان لے گی۔"

"نہیں، اب تمہارا انکار مناسب نہیں ہوگا" میں نے نرمی
سے کہا۔ غزالہ کی خودسپردگی نے میرے دل کا سارا غبار صاف کردیا
تھا "ویرا بہت چالاک اور کینہ پرور ہے۔ وہ بہت جلد ہر بات کو اپنی
انا کا مسئلہ بنالیتی ہے اور ہر قیمت پر اپنی سبکی کا بدلہ لے کر رہتی
ہے۔ میں اس کے ساتھ پیدا ہونے والی مفاہمت برقرار رکھنا چاہتا
ہوں۔ تم اس کے ساتھ جاسکتی ہو۔"

"آپ کو اس منصوبے پر اعتراض ہے۔ آپ کئی خطرات کی
بھی نشان دہی کررہے تھے۔ کیا آپ صرف ویرا کی خوشنودی کے
لیے مجھے ان خطرات میں ڈالنا چاہ رہے ہیں؟"

وہ بہت ٹیڑھا سوال تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔
"اپنے حوصلے کے اظہار اور حریفوں کی حوصلہ شکنی کے لیے کوئی
بھرپور کارروائی ضروری ہے۔ ہر کارروائی میں خطرات بھی پوشیدہ
ہوتے ہیں جنہیں قبول کرنا پڑتا ہے۔ اس وقت نارمن کے سوا کوئی
اور ہمارے سامنے نہیں ہے۔ تمہیں پوری یک سوئی اور ذہنی
ارتکاز کے ساتھ ویرا کا ساتھ دینا چاہیے۔ بس اتنا ضرور یاد رکھنا
کہ بات بگڑتی نظر آئے تو اسے بچانے کے بجائے صرف اپنی
سلامتی کی فکر کرنا۔"

"موقع ملا تو میں مکرجی کو ضرور فون کروں گی۔ وہ بھی ہاتھ
آجائے تو سب لوگ بری طرح دہشت زدہ ہوجائیں گے۔ ہوسکتا
ہے کہ ہمارے خلاف مہم کا زور ٹوٹ جائے۔"

"کشت وخون سے طبیعت اکتانے لگی ہے۔ ہم ایک دشمن کا
سر کچلتے ہیں اور دو نئے نام سامنے آجاتے ہیں۔ پتا نہیں یہ سلسلہ
کب تک چلتا رہے گا.... لیکن مکرجی سے تم ضرور بات کرنا۔ اپنی
شناخت کے لیے تم کوبرا کا پاس ورڈ استعمال کرسکتی ہو۔"

اندر سے ویرا نے اسے آواز دی اور وہ بھاگتی ہوئی اسی طرف
چلی گئی۔

بستر پر تنہا لیٹے لیٹے میرے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ
پھیل گئی۔ مجھے اندر سے اپنے بھرا بھرا ہونے کا احساس ہورہا تھا۔
آدمی اکیلا ہو تو صحرا کے کسی یک شاخہ جھاڑ کی طرح بے سایہ اور
بے ثمر رہتا ہے، اس کا ہر فعل اور تمام سوچ صرف اپنی ذات کے
لیے ہوتی ہے لیکن کسی کو چاہنے یا چاہے جانے کے بعد انسان
یکایک ایک چھتنار درخت میں تبدیل ہونا شروع ہوجاتا ہے جو اپنی
ذات سے زیادہ دوسروں کے لیے فیض کا منبع ثابت ہوتا ہے۔

اس وقت غزالہ نے مجھ سے بہت زیادہ یا پُرپیچ باتیں نہیں کی
تھیں لیکن مختصر و سادہ الفاظ میں وہ بہت کچھ کہہ گئی تھی۔ اس کی
حکایتِ دل کا نچوڑ یہ تھا کہ اسے میری خوشی اور خوشنودی اپنے دل
وجان سے زیادہ عزیز تھی۔ اس کے الفاظ میں پنہاں خلوص اور پیار
نے میرے دل میں ٹھنڈک ڈال دی تھی۔

یہ سوچتے سوچتے ہی میری آنکھ لگ گئی۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو
میرے گردوپیش میں دھندلکا سا پھیلا ہوا تھا اور برابر والے کمرے
سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ
ڈالی تو وہ ساڑھے پانچ بجارہی تھی۔ میں نے انگڑائی لے کر بستر چھوڑ
دیا۔ دوسرے کمرے میں سلطان شاہ بھی موجود تھا۔ غزالہ میری
صورت دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور ذرا سی دیر میں ٹرالی میں گرم
گرم کھانا سجا کرلے آئی۔ اسے کھانا لانے میں اتنا کم وقت لگا کہ
سلطان شاہ کو اپنی روداد کے اصل حصے کی طرف آنے کا موقع بھی
نہیں مل سکا۔

پتا چلا کہ وہ تھوڑی ہی دیر پہلے آیا تھا اور میرے انتظار میں
بھوکا پیاسا بیٹھا ہوا تھا۔ غزالہ نے کھانے کے لیے میری نیند خراب
نہیں کی تھی۔ بس ہلکی آنچ پر کھانا گرم کیے، میرے بیدار ہونے کی
منتظر تھی۔

سلطان شاہ نے علاقے کے ایک لائن مین کو صرف سو روپے
دے کر ایلن کے دیے ہوئے فون نمبر سے پتا معلوم کرلیا تھا لیکن وہ
بے سود ثابت ہوا تھا۔ وہ نمبر نرسری کے علاقے میں ایک گودام کا
تھا جو زیادہ تر بند ہی رہتا تھا۔ پتا حاصل کرنے کے بعد سلطان شاہ
نے اس گودام کے قرب وجوار میں خاصا وقت گزارا تھا اور بری
طرح ناکام رہنے کے بعد ایک پبلک کال آفس سے اس نمبر پر فون
کیا تو دوسری طرف گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کسی نے کوئی جواب
نہیں دیا۔

ہم دونوں کو کھانے میں مصروف چھوڑ کر ویرا اور غزالہ نے
اپنی تیاریاں شروع کردیں۔ وہ دونوں پورے انہماک اور دلچسپی سے
ایک دوسرے کی مدد کررہی تھیں۔ کھانے کے بعد میں نے کھلی ہوئی
تجوری مقفل کی اور عورتوں کے لیے وہ کمرا خالی کرکے باہر آگیا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ جہانگیر کے کمرے میں بیٹھا ہوا تازہ
ترین صورتِ حال کا جائزہ لے رہا تھا کہ انٹرکام کی گھنٹی نے مجھے
چونکا دیا۔ ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے گارڈ بول رہا تھا۔

"چشمے والا انگریز دوبارہ آیا تھا" اس کے انکشاف پر میرا دل
اچھل کر حلق میں آگیا "بہت مشکل سے ابھی ابھی واپس گیا ہے۔
وہ بہت غصے میں تھا اور اپنا پرچہ واپس مانگ رہا تھا۔"

"اسے غصہ کس بات پر تھا؟ کیا وہ اکیلا ہی آیا تھا؟" میں نے
پوچھا۔

"اس کے ساتھ تین مقامی آدمی بھی تھے۔ اپنی صورتوں سے
وہ اچھے آدمی نہیں لگ رہے تھے۔ انگریز آپ کے نہ ملنے پر ناراض
تھا۔ اس کی باتوں سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے آپ کسی وعدہ خلافی
پر اس سے منہ چھپاتے پھررہے ہوں۔ وہ اندر آنا چاہ رہا تھا۔ ہماری
سختی پر زیادہ بگڑنے لگا۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ اس کا پیغام ہم

نے اپنے دفتر میں دے دیا ہے۔ دفتر والے وہ پرچہ ڈاک سے مالک کو بھجوادیں گے۔ واپسی پر اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔ آپ لوگ اندر احتیاط ہی رکھیں۔ کبھی کبھی دقت اندر کی آوازیں باہر بھی سنائی دے رہی ہیں۔"

میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے مستعدی دکھانے پر اس کی تعریف کی اور انٹرکام بند کردیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ایلن فیکٹری کی طرح اس مکان کو بھی اپنی تخریب کاری کا نشانہ بنانا چاہتا ہے" میں نے متفکرانہ لہجے میں کہا۔

"وہ اپنے ساتھ تین مقامی غنڈوں کو بھی لایا تھا۔ آج رات ہمیں بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ عمارت کے کسی بھی حصے میں پٹرول کے کنستر انڈیل کر دیا سلائی دکھادی گئی تو ہم آگ میں گھر کر رہ جائیں گے۔"

سلطان شاہ ہنسنے لگا "ہماری بڑی بوڑھیاں کہتی ہیں کہ آگ اور پانی کی موت مرنے والے شہید ہوتے ہیں۔ اچھا ہے کہ ایلن کی کوششوں سے ہمیں شہادت کا درجہ مل جائے گا۔"

"ہزاروں آرزومندوں میں سے شہادت کسی کسی کو ملتی ہے۔ پہلے ساری کھڑکیاں وغیرہ چیک کرو۔ گارڈ کہہ رہا ہے کہ کبھی کبھی اندر کی آوازیں باہر بھی سنائی دے رہی ہیں۔ تمام کھڑکیاں بند کر کے اچھی طرح پردے کھینچ دو۔ رات کو روشنیاں استعمال نہیں کی جائیں گی۔"

غزالہ کو علم تھا کہ اندھیرا دور کرنے کے لیے گھر میں روشنی نہیں کی جاسکتی تھی اس لیے وہ سات بجے سے پہلے ہی تیار ہو کر باہر آگئی۔ چند منٹ بعد ویرا بھی آگئی۔

ان دونوں نے اس انداز میں تیاری کی تھی کہ بادی النظر میں انہیں شناخت کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اپنی وضع قطع سے وہ دونوں اونچے طبقے کی فیشن ایبل عورتیں نظر آرہی تھیں۔ سلکی کے لباس ان کے جسموں پر اس طرح فٹ آئے تھے جیسے وہ ان ہی کی ناپ پر سیے گئے ہوں۔

"روانگی کا وقت ہو رہا ہے۔ سیٹی کہاں ہے؟" ویرا نے پرس انگلیوں پر نچاتے ہوئے کہا۔

میں نے سیٹی اس کے حوالے کردی اور پوچھا "تمہاری جی تھری کہاں ہے؟"

ویرا دوڑ کر کمرے میں گئی اور پھولدار کاغذ میں لپٹا ہوا ایک تکونا پیکٹ لے کر باہر آگئی "یہ وزنی ضرور ہے لیکن کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس پیکٹ میں کوئی مہلک رائفل ہو سکتی ہے۔"

میں نے اس کے ہاتھ سے پیکٹ لے کر ہلا جلا کر دیکھا لیکن اندر کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ رائفل کے حصے اتنی مضبوطی سے جمائے گئے تھے کہ اتفاقی طور پر پیکٹ پھٹنے کا اندیشہ نہیں رہا تھا۔

"میگزین میں گولیاں پڑی ہوئی ہیں یا اسے خالی ہی رکھ لیا ہے؟" میں نے مذاق سے پوچھا۔

"یہ بدحواسی ہوتے ہوتے رہ گئی" وہ ہنس کے بولی "لیکن اب سب ٹھیک ہے۔ جی تھری کے علاوہ ہمارے پاس ایک پستول اور گن بھی ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ ان ہتھیاروں کے استعمال کی نوبت نہ آئے۔ تم دونوں ہماری کامیابی کے لیے دعا کرتے رہنا۔"

میرے لیے وہ ایک عجیب وغریب تجربہ تھا۔ میں گھر میں ... ہوا تھا اور وہ دونوں عورتیں ایک خطرناک ترین مشن پر جارہی تھیں جس میں کار کی چوری سے قتل تک کے عناصر یکجا تھے۔

راستہ طے کر کے ہم چاروں ایک ساتھ باہر آئے۔ پھاٹک کے قریب ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس وقت غزالہ کی غزالی آنکھوں میں پرشوق چمک موجود تھی۔ گارڈز کی موجودگی کا خیال نہ ہوتا تو میں نے والہانہ انداز میں اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا ہوتا۔

ایک گارڈ نے پھاٹک کی کھڑکی کھولی اور وہ دونوں خاموشی سے باہر نکل گئیں۔ کھڑکی فوراً بند کردی گئی۔ میں ٹہلتا ہوا لان کی بچھی ہوئی خشک گھاس پر جا بیٹھا۔ دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے جہانگیر کے گھر کا وہ خوب صورت لان برباد ہوتا جارہا تھا۔

سورج غروب ہوئے کچھ دیر ہوچکی تھی۔ اندھیرے کی چادر آہستہ آہستہ فضا پر محیط ہوتی جارہی تھی۔ اتنا اندھیرا پھیل چکا کہ آس پاس کے مکانوں میں روشنیاں جل اٹھی تھیں۔

"تجوری سے نکالا ہوا سامان گاڑی کی ڈکی میں نہ رکھ جائے؟" سلطان شاہ کی رازدارانہ آواز نے میری محویت کا تسلسل توڑ دیا۔

"یہاں کے مقابلے میں اندر وہ محفوظ ہے" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"اگر تمہارے اندازے کے مطابق ایلن کے آدمیوں نے آج رات یہاں کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی اور ہمیں افراتفری میں بھاگنا پڑا تو وہ سب یہیں پڑا رہ جائے گا۔ آگ کے شعلوں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں کسی کو ان پوٹلیوں کا ہوش نہیں رہے گا۔"

"شکوک وشبہات کی بنا پر ایسی بھیانک پیش گوئیاں نہ کرو۔ مناسب سمجھتے ہو تو دونوں پوٹلیاں ڈکی میں ڈال دو۔" میں نے دل ہی دل میں اس کی پیش گوئی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

وہ اٹھ کر برآمدے کی طرف چل دیا۔ اس وقت دوسرا گارڈ معمول کے گشت پر احاطے کے بغلی راستے سے گزر کر مکان کی پچھلی سمت میں گیا ہوا تھا۔ دوسرا گارڈ چوکیدار کے کیبن میں مستعد بیٹھا ہوا تھا۔

چند ثانیوں بعد سلطان شاہ دونوں بنڈل باہر لے آیا۔ باہر لانے سے پہلے اس نے انہیں اتنی مضبوطی سے باندھ لیا تھا کہ لٹکنے کے باوجود وہ نہیں کھلے تھے۔ وہ دونوں بیش قیمت بنڈل ڈکی میں مقفل کر کے میری طرف آہی رہا تھا کہ اچانک تاریک فضا میں کسی مینڈک کے ٹرانے کی ہلکی سی آواز بلند ہوئی۔ وقفہ ہوا اور لمحہ بھر بعد پھر وہی آواز سنائی دی۔ چوکیدار کے کیبن میں بیٹھا ہوا گارڈ کسی چیتے کی سی پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ کر باہر نکلا اور بے آواز

قدموں سے اسی طرف دوڑ پڑا جدھر اس کا ساتھی گیا تھا۔

میں بے یقینی اور سنسنی کے عالم میں وہ کھیل دیکھتا رہا لیکن وہ بے یقینی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ فضا میں ٹی ٹی کے فائر کا دھماکا گونجا اور میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یک بیک ہونے والے فائر کی گونج سن کر سلطان شاہ بھی سناٹے میں آ گیا تھا۔

فائر کی آواز پر غیر ارادی طور پر میرے قدم حرکت میں آئے۔ میرا پہلا ارادہ یہ تھا کہ دوڑ کر دونوں محافظوں کے پیچھے جاؤں اور دیکھوں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے لیکن اس حصے کو خالی چھوڑ کر سب کا ایک جگہ جمع ہو جانا مناسب نہیں تھا۔ میں لان پر رک کر اگلے کسی واقعے کا انتظار کرنے لگا۔

کئی منٹ گزر گئے لیکن کہیں سے کوئی غیر معمولی آواز نہیں سنائی دی۔ یہ بات یقینی تھی کہ وہ فائر اسی مکان کے احاطے سے کیا گیا تھا۔ اس خیال کو اس بات سے بھی تقویت ملتی تھی کہ فائر سے پہلے دو مرتبہ مینڈک کے بولنے کی آواز آئی تھی جو محافظوں کی سیٹی سے پیدا ہوتی تھی اور وہ اسی سیٹی سے مختلف انداز میں آوازیں نکال کر ایک دوسرے کو خفیہ پیغامات دیتے تھے۔

مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ درشت رو مگر مہذب گارڈ نے اپنی سیٹی میرے حوالے کرتے ہوئے یہ عذر پیش کیا تھا کہ اس کے پاس اس وقت وہی ایک سیٹی موجود تھی۔ دوسری سیٹی اس نے اگلے دن لانے کا وعدہ کیا تھا پھر وہ دوسری سیٹی کہاں سے آ گئی تھی؟

کچھ دیر بعد دراز قامت گارڈ واپس لوٹ آیا۔ وہ سیدھا میری ہی طرف آیا اور مشینی انداز میں کہنے لگا "برابر والے خالی پلاٹ سے کسی نے دیوار پر چڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن فائر ہوتے ہی وہ غائب ہو گیا۔ اب ادھر کوئی نہیں ہے میدان صاف ہے۔"

اس کی دانست میں میدان صاف ہو گیا تھا مگر میرے لئے یہ بات تشویش انگیز تھی کہ کسی نے اس مکان میں داخل ہونے کی ناکام کوشش کی تھی۔ وہ کون تھا؟ اس کے کیا عزائم تھے؟ ان سوالوں کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"تمہارے ساتھی کے پاس سیٹی کہاں سے آ گئی؟" میں نے اس سے پوچھا۔

اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھر آئی "ہمارے پاس ایک ہی سیٹی تھی جو میں آپ کو دے چکا ہوں۔ ہم لوگوں کو ایسی مہارت ہو گئی ہے کہ اپنے دہانے سے بھی بالکل وہی آواز نکال لیتے ہیں جو سیٹی بجانے سے پیدا ہوتی ہے۔ میرے ساتھی نے منہ سے آواز نکالی تھی۔"

میرے سر سے ایک بوجھ ہٹ گیا۔ میں نے اس سے کہا "آج رات ذرا ہوشیار ہی رہنا۔ پہلے وہ گورا گرجتا برستا ہوا آیا پھر کسی نے دیوار پھاندنے کی کوشش کی۔ وہ لوگ رات میں بھی کوئی گندی شرارت کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

"آٹھ بجے ہماری شفٹ بدل جائے گی۔" اس نے مجھے آگاہ کیا "رات کے لئے دونوں تازہ دم گارڈ آئیں گے۔ میں انہیں اچھی طرح سمجھا دوں گا۔ آپ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

مجھے اندر بند دیواروں میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں جانے کے خیال سے وحشت ہو رہی تھی۔ اس کے مقابلے میں تاروں بھرے آسمان کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں، ہلکی ہلکی ہوا اور قدرتی اندھیرا زیادہ پرکشش نظر آ رہا تھا۔ میں دوبارہ لان پر ہی بیٹھ گیا۔

"تھوڑی دیر میں مچھر کاٹنا شروع کر دیں گے۔ آپ اندر ہی چلے جائیں۔ یہاں کی دیکھ بھال کے لئے ہم دو آدمی بہت کافی ہیں۔ آنے والا ہماری لاشوں سے گزر کر ہی اندر جا سکے گا۔"

"مچھر کاٹیں گے تو چلے جائیں گے۔ مجھے تمہاری کارگزاری پر پورا بھروسا ہے۔ میں صرف ہوا کھانے کے لئے یہاں بیٹھا ہوا ہوں۔ اپنے ساتھ مجھے تمہاری زندگی بھی عزیز ہے اسی وجہ سے میں نے تمہیں یہاں آنے والوں کو پکڑنے سے منع کر دیا تھا۔ تعلیم، دولت اور روزی میں کمی بیشی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے ورنہ ہر شخص کی جان برابر ہوتی ہے۔ کوئی جان فالتو یا بے وقعت نہیں ہوتی۔"

"آپ کی طبیعت میں انصاف معلوم ہوتا ہے" وہ خوش ہو کر بولا "میں پانچ سال سے اس کمپنی میں پرائیویٹ گارڈ کی نوکری کر رہا ہوں لیکن آپ پہلے مالک ہیں جس سے ہمیں سو روپے کا انعام ملا ہے ورنہ دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ کمپنی کو چار چھ ہزار روپے فی گارڈ دے کر انہوں نے ہمیں خرید لیا ہے۔ ہمیں بارہ گھنٹے ڈیوٹی کرنے پر صرف اٹھارہ سو روپے ملتے ہیں۔ عید بقر عید کی بھی چھٹی نہیں ہوتی۔ باقی رقم کمپنی کے مالک کی جیب میں جاتی ہے۔"

"اور اگر کسی دفتر وغیرہ میں صرف آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہو تو کیا ملتا ہے؟" میں نے وقت گزاری کے لئے اس کے مسائل میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔

"پندرہ سو روپے۔" اس نے سوکھے لہجے میں کہا "ہم تو صاحب، ریٹائرڈ فوجی ہیں۔ اپنے ہتھیار کی خود دیکھ بھال کر لیتے ہیں، دوسروں کے ہتھیار بس نمائشی ہوتے ہیں۔ ضرورت پڑ جائے تو گولی چل کر نہیں دیتی۔ اس سے پہلے کسی کو پتا ہی نہیں چلتا کہ گارڈ کا ہتھیار صرف سجاوٹ کے لئے ہے۔"

"گارڈ اور اس کے ہتھیار کی دھونس کافی ہوتی ہے۔ چھوٹے موٹے مجرم تو اسی کے ڈر سے قریب نہیں آتے۔ یہ بتاؤ کہ تم تھوڑی دیر کے لئے میرے ساتھ چل سکتے ہو؟"

"کہاں؟" اس نے تحیر آمیز دلچسپی کے ساتھ پوچھا۔

"مجھے باہر سے ایک فون کرنا ہے۔ میرے فارغ ہونے تک تمہیں گاڑی کی حفاظت کرنی ہو گی۔"

"نہیں صاحب!" وہ لجلجا کر بولا "یہ مشکل ہے۔ ہم اسٹیشنری گارڈ ہیں۔ ہم ڈیوٹی کی جگہ چھوڑ کر کہیں اور نہیں جا سکتے۔ باہر کسی مقابلے میں ہماری موت بھی ہو جائے تو ہمارے بچوں کو پیسے کا ایک پیسہ تک نہیں ملے گا۔ ہاں ڈیوٹی کی جگہ پر ہونے والا نقصان بیمہ کمپنی پورا کرتی ہے۔"

"لوگوں کے ساتھ گھومنے والے گارڈ کسی اور قسم کے ہوتے ہیں؟" اس کی باتوں سے میری معلومات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ شہر میں وہ سسٹم زیادہ پرانا نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کی معلومات کم تھیں۔

"وہ موبائل گارڈ ہوتے ہیں اور آزادی کے ساتھ مالک انہیں ہر جگہ اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ کمپنی ان کا زیادہ معاوضہ لیتی ہے۔ بیمہ کمپنی والے بھی زیادہ پیسے لیتے ہیں لیکن پھر وہ کہیں بھی ہلاک یا زخمی ہوں، بیمہ کمپنی معاوضہ دینے کی پابند ہوتی ہے۔ عام طور پر ان کو بھی شہر کی حدود سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ صوبے یا ملک بھر میں پھرنے والے گارڈز کی شرائط کچھ اور ہوتی ہیں۔"

بازاروں وغیرہ سے گزرتے ہوئے میں روز ہی بھانت بھانت کی پُرکشش وردیوں میں ملبوس مسلح گارڈز کو دیکھا کرتا تھا۔ ابتدا میں شہر میں گنتی کی سیکیورٹی کمپنیاں تھیں جو اپنی بکتربند گاڑیوں میں چاق و چوبند مسلح عملے کی نگرانی میں بینکوں کا کیش وغیرہ لاتی اور لے جاتی تھیں۔ ان کے معاوضے اتنے خطیر تھے کہ عام شہری ان کی خدمات سے استفادے کی ہمت ہی نہیں کر سکتے تھے۔

پھر رفتہ رفتہ شہر میں امن و امان کی صورتِ حال تیزی سے بگڑنے لگی۔ ہتھیاروں کے بل پر لوگوں کو سرِراہ لوٹا جانے لگا، گاڑیاں چھننے لگیں، گھروں میں دن دہاڑے ڈاکے پڑنے لگے، تاوان کے لئے بچوں اور بڑوں کا اغوا معمول بننے لگا۔ ایسی بیشتر وارداتوں کے مجرم ہمیشہ کے لئے نامعلوم ہی رہے۔ پولیس کی ناکامی اور بدترین عدم تحفظ کی اس فضا میں کچھ لوگوں نے درمیانی درجے کے حفاظتی اداروں کی داغ بیل ڈالی اور اس قدر کامیاب ہوئے کہ ان کے لئے اپنے سب گاہکوں کو گارڈز مہیا کرنا مسئلہ بن گیا اور پھر ایسے اداروں کی بھرمار ہوتی چلی گئی۔ لطف کی بات یہ تھی کہ تربیت یافتہ اور تجربے کار عملے کی کمی اور ہتھیاروں کی ناقص کوالٹی کے باوجود ان میں سے کوئی ادارہ خسارے میں نہیں تھا۔ بدامنی کی فصل کا سب سے زیادہ ثمر سیکیورٹی ایجنسیوں کے مالکان ہی لوٹ رہے تھے۔ عملے کی بھرتی میں بے پروائی اور غیرذمے داری کا یہ عالم تھا کہ کئی ایجنسیوں کے گارڈز سنگین وارداتوں میں ملوث ہو کر رنگے ہاتھوں پکڑے جا چکے تھے مگر طلب اور رسد کے بنیادی اصول کے مطابق وہ کاروبار زوروں پر تھا۔ غریب غربا کا صرف اتنا فائدہ ہوا تھا کہ ہتھیار کا لائسنس رکھنے والے ہر شخص کو قلیل مشاہرے پر روزگار حاصل کرنے کا موقع میسر آ گیا تھا۔

دوسرا گارڈ عمارت کا طویل چکر مکمل کر کے دوبارہ اس حصے میں نمودار ہوا تو دراز قامت گارڈ ہمیں دکھانے کے لئے یا پھر اپنے معمول کے مطابق تیزی سے اس کی طرف چل دیا۔ انداز ایسا تھا جیسے اس سے رپورٹ لینے یا اسے کوئی اہم ہدایت دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

اس دوران میں سبزے پر مچھروں کے غول بھنبھنانے لگے تھے۔ اندھیرے کی وجہ سے انہیں دیکھنا ممکن نہیں تھا لیکن ان کی گھٹتی بڑھتی آوازوں سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ میری کھوپڑی کے قرب و جوار میں منڈلا رہے تھے۔ شاید سلطان شاہ بھی اسی مسئلے سے دوچار تھا کیونکہ وہ بار بار اپنے شانوں پر ہاتھ ہلا کر ان نادیدہ مچھروں کو بھگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کی آنکھوں سے گہری فکرمندی جھلک رہی تھی لیکن اس نے ایک بار بھی مجھ سے ویرا اور غزالہ کے بارے میں کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید اس طرح وہ مجھے تشویش اور پریشانی سے بچائے رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے گارڈ سے گفتگو میں منہمک دیکھ کر وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ میرا ذہن عورتوں کے بجائے دوسرے مسائل میں الجھا ہوا تھا حالانکہ ایسی بات نہیں تھی۔ میں ان دونوں کے انتظار میں ایک ایک منٹ گن رہا تھا اور کئی بار اپنی رسٹ واچ کا جائزہ لے چکا تھا۔

"ہم بالکل نہتے بیٹھے ہوئے ہیں" آخر سلطان شاہ نے اپنا طویل سکوت توڑ ہی دیا "باہر ہی بیٹھنا ہے تو اندر سے ہتھیار وغیرہ لے آتا ہوں۔ کھلی ہوئی تاریک فضا میں خالی ہاتھ رہنا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے.... آج کچھ نہ کچھ ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔"

"ستانے والے مچھروں کو بھگانے کے لئے ہتھیاروں کی نہیں، پنکھوں کی ضرورت ہے۔" میں نے ہنس کر اس کی بات کو مذاق میں اڑا دیا "انا فلیزکی کسی مادہ نے کنپٹی یا گردن کے کسی نازک حصے پر کاٹ لیا تو صبح سے پہلے جاڑے سے بخار چڑھ جائے گا۔"

"میں نزلے بخار سے نہیں گھبراتا۔ ایک آدمی کی اندر گھسنے کی کوشش ناکام بنائی جا چکی ہے، دوسرا اندر آ گیا تو اس لان پر ہمیں کوئی آڑ بھی نصیب نہیں ہو سکے گی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ دونوں کب تک لوٹ آئیں گی؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا" وہ تشویش زدہ آواز میں بڑبڑایا "وہ جب بھی آئیں، میری دعا ہے کہ صحیح سلامت آ جائیں۔ آج تم نے جو ڈھیل دی ہے، وہ بالکل مناسب نہیں تھی۔ ویرا مرنے جا رہی تھی تو اسے جانے دیتے، غزالہ کو سختی سے روک لیتے۔ پتا نہیں تمہیں کیا ہو گیا تھا۔"

"اس وقت اپنے منہ میں گھنگنیاں بھرے بیٹھے تھے تو اب کیوں بول رہے ہو؟ مجھے کچھ ہو گیا تھا تو تم غزالہ کو یاد دلا سکتے تھے کہ وہ ویرا کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر کے غلطی کر رہی ہے۔"

"میں نے خود ساتھ جانے کی پیشکش کی تھی۔" وہ اکڑ کے بولا "ویرا نے سختی سے منع کر دیا کہ وہ کسی مرد کے ساتھ نہیں جائے گی۔ میں اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا؟"

"نہیں کر سکتے تھے تو اب چپ چاپ بیٹھو۔ میرا دماغ خراب مت کرو۔"

"لاجواب ہونے لگتے ہو تو تم اسی طرح ڈانٹ پھٹکار پر اتر

آتے ہو۔ میرے لئے یہ نئی بات نہیں ہے۔"

"ہم ویرا کو اکیلا اور بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتے' سمجھے!"

اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر دبی دبی آواز میں کہا "بلیو اسٹار ڈیل سے اب تک کی اس کی خدمات یاد کرو۔ ہمارے لئے اس نے کیا کچھ نہیں کیا ہے اور اب تو اس کا باپ بھی مر چکا ہے۔"

"اس کے باپ کو ہم نے تو نہیں مارا۔ روز ہزاروں لڑکیوں کے باپ مرجاتے ہیں۔ تم کس کس کی دل جوئی کرتے پھرو گے۔ ان کے لئے ہم اپنی جان جوکھم میں ڈال کر آسمان کے تارے توڑنے کی کوشش کرتے رہے' انہوں نے ہی ہم سے آنکھیں پھیر لیں تو ہمیں دوسروں کے لئے اتنی دردمندی دکھانے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم نے یہ سب اپنے لئے تو نہیں کیا تھا۔" وہ واضح طور پر اسپیشل ٹاسک فورس کے بڑوں کی بات کر رہا تھا جنہوں نے وقت آنے پر ایک بار پھر اوّل خان کو قربانی کا بکرا بنا دیا تھا۔

"ہم نے کسی کے لئے کچھ نہیں کیا تھا۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "یہ ملک کسی وڈیرے کی جاگیر نہیں ہے جسے بچانے سے اسے فیض پہنچتا ہو۔ یہ ہماری مٹی' ہماری زمین ہے۔ ہم نے جو کچھ کیا اسی زمین کی محبت میں کیا تھا۔ کسی اُلو کے پٹھے پر احسان نہیں کیا تھا۔ اگر تمہارے دل میں اپنی ان خدمات کے صلے کی تمنا ہے تو کان کھول کر سن لو کہ تم خود غرض اور لالچی ہو چکے ہو۔ تم نے جو کچھ کیا وہ ڈراما تھا۔ تم دوسروں کو اپنی کارکردگی سے خوش کر کے ذاتی فائدے اٹھانے کے چکر میں تھے......"

"بس بہت ہو گئی" اس نے میری بات کاٹ کے کہا اور بھنّا کر میرے پاس سے اٹھ گیا۔

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ میری ان تلخ و ترش باتوں کا مقصد بھی یہی تھا کہ میں اس پر دباؤ ڈال کر اتنا مشتعل کر دوں کہ وہ دونوں عورتوں کی واپسی تک میرے کان نہ کھائے۔ میں شرافت سے اسے سمجھانے کی کوشش کرتا تو وہ لامتناہی بحث میں الجھا رہتا اور مجھے تاؤ دلاتا رہتا۔

سلطان شاہ لان سے اٹھ کر بس ایک طرف چل دیا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد اسے خیال آیا کہ وہ بے مقصد ہی چل پڑا تھا۔ اس نے اپنی سمت درست کی اور برآمدے کی طرف ہو لیا۔ میں اس سے پہلے ہی سیدھا برآمدے کی طرف چل پڑا تھا۔

اس دوران میں مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ دونوں محافظ سست مزاج نہیں تھے۔ گھر میں اندھیرا ہونے کے باوجود وہ مسلسل حرکت میں تھے اور ہر چند منٹ بعد وہ باری باری پوری عمارت کا چکر ضرور لگا رہے تھے تاکہ تاریکی سے فائدہ اٹھا کر کوئی اندر کودنے کی جرأت نہ کر سکے۔

ہم دونوں کو واپسی پر آمادہ پا کر ایک گارڈ نے ہاتھ لہرا کر ہمیں روکا اور پھر دوڑتا ہوا ہماری طرف چلا آیا۔ وہ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان بولا "سر! تکلیف نہ ہو تو ذرا سی دیر باہر ہی رکے رہیں۔"

"کیوں؟ کیا اندر کوئی خطرہ ہے؟" اس کے غیر معمولی انداز پر میں چوکنّا ہو گیا۔

"نہیں' خطرہ تو کوئی بھی نہیں ہے۔ بس رات کی ڈیوٹی والے آتے ہوں گے۔ اچھا ہے کہ ان دونوں سے آپ کا سامنا کرا دیا جائے۔ عورتوں کو وہ خود ہی دیکھ لیں گے۔" اس نے کہا۔

بات معقول تھی۔ تعارف کے بغیر وہ ہمیں آسانی سے قبول نہ کرتے۔ اندر جا کر دوبارہ باہر آنے سے بہتر تھا کہ چند منٹ ان کا انتظار کر لیا جاتا۔

میری رسٹ واچ میں اس وقت آٹھ بجنے میں دو منٹ تھے۔ میں اس کی بات کا جواب بھی نہیں دے پایا تھا کہ آہنی گیٹ پر ہلکا سا کھٹکا ہوا اور دراز قامت گارڈ نے فوراً ہی پھاٹک کھول دیا۔

ان ہی جیسی وردیوں میں ملبوس دو افراد اندر آ گئے۔ دونوں خالی ہاتھ تھے۔

"وہ آ ہی گئے۔" مجھ سے بات کرنے والے گارڈ کا چہرہ کھل اٹھا اور اس نے اشارے سے اپنے تینوں ساتھیوں کو وہیں برآمدے کی طرف بلا لیا۔

دراز قامت نے شاید نوواردوں کو راستے ہی میں بریف کر دیا تھا۔ ان دونوں نے آتے ہی فوجی انداز میں ہمیں سلام کیا اور اندھیرے میں غور سے ہمارے چہروں کو دیکھنے لگے جیسے ہماری صورتیں اچھی طرح ذہن نشین کرنا چاہ رہے ہوں۔

"صاحب لوگوں کے ساتھ ان کے گھر کی دو عورتیں بھی ہیں۔" دراز قامت گارڈ نے تفصیلی تعارف کرانے کا فریضہ ادا کرتے ہوئے کہا "وہ کسی ضروری کام سے گئی ہوئی ہیں۔ حالات سازگار نہ ہوئے تو وہ گیٹ استعمال کرنے کے بجائے دیوار پھاند کر بھی اندر آ سکتی ہیں۔ آنے سے پہلے وہ ہماری دی ہوئی سیٹی بجا کر اپنی شناخت کرائیں گی۔"

وہ اپنی روانی میں بولتا چلا گیا لیکن دو گھریلو عورتوں کے دیوار پھاندنے کا ذکر سن کر نوواردوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں لیکن انہوں نے اس بارے میں زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا۔ تعارف مکمل ہونے پر خاموشی سے سر جھکا کر واپس چلے گئے۔

ان لوگوں کے کام میں بہت زیادہ باریکی یا ندرت نہیں تھی۔ آنے والوں کو ذمے داریاں سونپنے کے بعد دن والے گارڈز پھاٹک کے راستے رخصت ہو گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد میں اندھیرے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو سلطان شاہ میرے پیچھے پیچھے تھا۔

دن کے اجالے میں جو گھر کشادہ اور پُرتعیش نظر آ رہا تھا اندھیرے میں وہی گھر تنگ اور پُرہول نظر آنے لگا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ ہم نے رات کے اندھیرے کا اندازہ کرتے ہوئے راستوں وغیرہ کو اس حد تک صاف کر دیا تھا کہ ہم اندھیرے میں کوئی ٹھوکر کھائے بغیر جہانگیر کی خواب گاہ میں پہنچ گئے۔

مجھے معلوم تھا کہ اس کمرے کی ساری کھڑکیاں بند تھیں اور

شیشوں پر پورے پردے کھنچے ہوئے تھے۔ میں نے گھور تاریکی کے احساس سے نجات پانے کے لئے زیرو واٹ کا سبز بلب روشن کردیا۔ گھور اندھیرے میں وہ سبز روشنی یوں چمکی جیسے وہاں چاند اتر آیا ہو۔

"پہلے ہمیں محفوظ مقام کی ضرورت تھی جہاں فون بھی موجود ہو" سلطان شاہ زہریلے لہجے میں بولا "یہ گھر محفوظ ہے۔ یہاں فون بھی ہیں مگر ہم انہیں استعمال نہیں کرسکتے۔ کمرجی' ایلین یا نارمن اس نمبر کا سراغ لگا کے ہمارے سر پر سوار ہو جائے گا۔ سب کچھ ہی غلط ہو چکا ہے تو پھر ہم یہاں بیٹھ کر کس مصیبت کا انتظار کررہے ہیں۔"

"مصیبت کا نہیں' ہم غزالہ اور ویرا کا انتظار کررہے ہیں" میں نے پچکارتے ہوئے اسے سمجھایا "اس وقت وہ دونوں اپنی مہم کے بدترین مراحل سے گزر رہی ہوں گی۔ میں نے دباؤ میں آکر انہیں جانے کی اجازت تو دے دی مگر اب میں ان کی طرف سے فکرمند ہوں۔"

"جہانگیر کے کیبنٹ سے ایک بڑا گلاس بنالاؤ۔ تمہاری فکرمندی کو خاصا افاقہ ہوگا۔"

"سلطان شاہ!" میں نے سرد اور پھنکارتی ہوئی آواز میں اسے پکارا "یہ مت بھولو کہ ہمارے درمیان رواداری اور احترام کا بھی کوئی رشتہ ہے۔ تم نے مایوسی میں ان حدود کی پاس داری نہ کی تو میری زبان کی کاٹ کوئی نہیں سہہ سکے گا......"

میرے غضب ناک تادیبی لہجے پر وہ لرز اٹھا اور جھرجھری لے کے بولا "شاید میں بہک گیا تھا۔ میرا دماغ اس وقت میرے قابو میں نہیں ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں۔"

"جاؤ اور عمدہ چائے کی دو پیالیاں بنا کر لاؤ۔" میں نے اسی لہجے میں کہا۔

"کچن میں عمدہ نہیں' بروک بانڈ کی گولڈ لیبل چائے ہے۔" اس وقت وہ میری ہدایت سے لفظی انحراف کا خطرہ بھی مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

"پتی جو بھی ہو' چائے اچھی اور اسٹرانگ بنی چاہئے۔" میں نے کہا اور وہ چلا گیا۔

سلطان شاہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ غلط اور سراسر بے بنیاد نہیں تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس کے مقامی یونٹ کی معطلی کے ساتھ ہم پر بیک وقت دوناگہانی مشکلات نازل ہوئی تھیں جن کی اصل ایک ہی تھی' بنیادی خطرہ یہ تھا کہ ایلین نے جہانگیر کی ایس جے گارمنٹس کا سراغ لگالیا تھا جہاں ہم روپوش تھے۔ ہمیں پھانسنے کے لئے اس نے اپنی انفرادی کوششوں پر مکمل انحصار کرنے کے بجائے انعام کے لالچ میں علاقائی پولیس کو بھی ہمارے پیچھے لگادیا تھا۔ ان سب مشکلات سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے ہم جہانگیر کی فیکٹری سے فرار ہوکر ہوٹل میں روپوش ہوئے تو اگلے ہی دن اخبارات میں ہماری گرفتاری کا باتصویر اشتہار شائع کرادیا گیا اور ہمیں ہوٹل سے بھی فرار ہونے کے بارے میں سوچنا پڑا۔

ان حالات میں ہمیں دو ہی ٹھکانے نظر آئے۔ اسٹیشن فور کی متروکہ عمارت اور جہانگیر کا ویران گھر۔ ان دونوں میں سے بہتر نظر آنے والا ٹھکانا اس وقت ہمارے تصرف میں تھا۔ جہانگیر کے گھر میں ہمارے لئے کسی سہولت کی کمی نہیں تھی لیکن سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ ہم وہاں سے کسی کو بھی فون نہیں کرسکتے تھے۔ جب تک ہم جہانگیر کے فون سے دور رہتے' اس مکان میں عافیت ہی عافیت رہتی۔ فون پر یقیناً ایلین کی کڑی نگرانی تھی' جوں ہی ہم اس سے رابطہ کرتے وہ ہمارے سروں پر سوار ہو جاتا۔ کمرجی نے اپنے فون پر آبزرویشن لگوایا ہوا تھا۔ یہی صورت امریکی قونصل خانے کی بھی تھی۔ ہم جس سے بھی رابطہ کرتے' مشکلات میں گھر سکتے تھے اور اپنے ان دشمنوں کے حقیقی عزائم سے واقفیت حاصل کئے بغیر اپنی کمین گاہ سے منظرِ عام پر نکلنا کسی طرح خودکشی سے کم ثابت نہ ہوتا۔

میں بدترین ذہنی پراگندگی میں مبتلا ہوتا جارہا تھا۔ سلطان شاہ کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ مجھ میں اور اس میں صرف اتنا فرق تھا کہ وہ اپنے ذہن میں ابھرنے والے ہر سوال کا جواب جاننے کے لئے وقفے وقفے سے میرا دماغ کھا رہا تھا جب کہ میں اس کے ذہن پر اپنے سنگین تفکرات کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ میری الجھنوں سے واقف ہونے کے بعد وہ بوکھلاہٹوں کا شکار ہو کر احمقانہ تجاویز پیش کرنے کا سلسلہ شروع کردیتا جو آخر کار مجھے ہی چڑانے کا سبب بنتا۔

وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ دس بجے کے بعد میرے اعصاب چٹخنے لگے۔ اگر وہ دونوں زندہ اور آزاد تھیں تو انہیں اس وقت تک واپس لوٹ آنا چاہئے تھا۔

اچانک فضا میں کسی پستول کے فائر کی موہوم سی آواز گونجی اور میرے ساتھ سلطان شاہ نے بھی بھڑک کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ مکان کے تمام در اور دریچے بند تھے اور وہاں کوئی معمولی آواز آسانی سے نہیں سنائی دے سکتی تھی۔ فائر یقیناً کہیں قریب ہی ہوا تھا۔ میں نے پنجوں کے بل نکاسی کے راستے کی طرف دوڑ لگادی۔ سلطان شاہ میرے پیچھے چلا آرہا تھا۔

باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں موجود گارڈز کو ہماری طرف سے مداخلت کا اندیشہ رہا ہوگا کیونکہ ان میں سے ایک' برآمدے کے قریب ہی کہیں چھپا ہوا تھا۔ نکاسی کے دروازے میں خفیف سی جھری پیدا ہوتے ہی وہ دبی دبی اضطراری آواز میں غرایا تھا "اندر ہی رہو۔ باہر نکلے تو اندھیرے میں کوئی بھی گولی چاٹ جائے گی۔ یہاں کچھ مشتبہ لوگ منڈلا رہے ہیں۔"

"تم دروازہ بند کر کے اندر ہی رکے رہو۔ میں باہر کی خبر لیتا ہوں۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں سلطان شاہ سے کہا پھر پیٹ کے بل فرش پر گر کر دروازہ پوری طرح کھولے بغیر رینگتا ہوا باہر نکل گیا۔ سلطان شاہ نے فوراً ہی دروازہ بند کرلیا۔

ڈرائنگ روم کا دروازہ اتنا کم کھولا اور پھر اتنی پھرتی سے بند کیا گیا تھا کہ شاید گارڈ کو اندازہ نہیں ہو سکا کہ مکان میں سے کوئی باہر نکل آیا ہے۔

ماربل کے ٹھنڈے فرش پر پیٹ اور کہنیوں کے بل چند فٹ سرکتے ہوئے' میں نے اپنی جیب سے بھرا ہوا پستول نکال کے ہاتھ میں لے لیا تھا مگر اسی لمحے مجھے احساس ہوا کہ گارڈ کی بے خبری میں باہر نکل کر میں نے ایک سنگین خطرہ مول لیا تھا۔ میری ذرا سی آہٹ یا آواز پر وہ مجھے بے دھڑک ہو کر گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ وہ یہی سمجھتا کہ اس نے اندھیرے میں دشمن پر وار کیا ہے۔

"تم کہاں ہو؟" میں نے سرگوشیانہ آواز میں کہا "میں اندر سے برآمدے میں آچکا ہوں۔"

"صاحب تم مارے جاؤ گے۔" برآمدے کے زینوں کی جڑ سے اس کی جلاّئی ہوئی آواز ابھری "ابھی تک کچھ پتا نہیں چلا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اب تمہارا بھی دھیان رکھنا پڑے گا۔"

"تم میری فکر نہ کرو۔" میں نے آگے سرکتے ہوئے رسانیت سے کہا "میں خود اپنی حفاظت کر سکتا ہوں۔ میرے پاس بھرا ہوا پستول موجود ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ فائر کیسا تھا؟"

اس وقت تک میں اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ فرق اتنا تھا کہ میں برآمدے کے بلند فرش پر تھا اور وہ نیچے سیڑھیوں کی اوٹ میں دبکا ہوا تھا۔ اس کے ساتھی کا کہیں پتا نہیں تھا۔

"باہر سے مینڈک والی سیٹی کی آواز آئی تھی۔ ہم نے سمجھا کہ شاید تمہاری عورتیں خالی پلاٹ کی طرف سے دیوار کود کر اندر آنے والی ہیں۔ احتیاطاً طاہر ادھر چلا گیا مگر پھر اچانک ہی فائر ہو گیا۔ گولی بھی خالی پلاٹ پر چلی تھی لیکن اس کے ساتھ کوئی چیخ نہیں سنائی دی۔"

"اوہ!" میں مضطرب ہو گیا "اس کا مطلب ہے کہ باہر سے اس مکان کی نگرانی کی جا رہی تھی۔ دونوں عورتوں کو دیکھتے ہی نگرانی کرنے والے نے گولی چلا دی۔ وہ دونوں اس وقت سخت خطرے میں ہیں۔ ہمیں ان کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔"

"ضرور کرو لیکن یہ خیال رکھنا کہ ہم اس احاطے سے باہر نکل کر تمہارا ہاتھ نہیں بٹا سکیں گے۔ ہماری ڈیوٹی اس مکان کی حدود تک ہے" اس نے گول لپیٹی رکھے بغیر کہہ ڈالا۔

ان لوگوں کے فرائض کی نوعیت اور کسی خون ریزی کے بعد اٹھنے والے انشورنس کے مسائل کے بارے میں' میں پہلے ہی بہت کچھ جان چکا تھا اس لئے میں نے اس سے مزید کوئی بات نہیں کی۔

"ہاں' عورتوں کے پیچھے کسی نے اس مکان میں گھسنے کی کوشش کی تو ہم اپنی جان کی بازی لگا کر اسے زندہ یا مردہ حالت میں پکڑنے کی پوری کوشش کریں گے" وہ اپنی رو میں کہے چلا گیا۔

اس کے خاموش ہوتے ہی فضا پر پُرہول سا سکوت طاری ہو گیا۔ میں سینے کے بل فرش پر پڑا چوکنے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ وہ بدستور سیڑھیوں کی جڑ میں دبکا رہا۔ فائر کے بارے میں دیکھ بھال کے لئے جانے والے گارڈ کا کوئی پتا نہیں تھا۔

اسی سکوت اور بے یقینی کے عالم میں کافی دیر گزر گئی پھر اچانک ہی پھاٹک پر ہلکی سی دستک ہوئی' اسی کے ساتھ مینڈک کے ٹرانے کی مختصری آواز ابھر کر معدوم ہو گئی۔

"شاید تمہاری عورتیں ادھر پھاٹک پر آگئی ہیں۔" گارڈ کی ہیجان زدہ سرگوشی ابھری۔

"دوڑ کر گیٹ کھولو اور انہیں اندر لے لو۔" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔

"مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان ناتواں عورتوں سے سیٹی چھین لی گئی ہو۔" خود کلامی کے انداز میں اس کی متفکرانہ بڑبڑاہٹ سنائی دی "یہ دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔"

اس کا اندیشہ بے بنیاد نہیں تھا مگر مجھے اس کی بقراطیت پر غصہ آگیا اور میں نے غراتے ہوئے کہا "وہ جو کوئی بھی ہے' پوری احتیاطی تدابیر کے ساتھ اسے دیکھنا تمہارا فرض ہے۔ اب معاملہ باہر کی حدود سے گزر کر ہمارے دروازے پر آ پہنچا ہے۔"

"صاحب! غصہ مت کرو۔ میں جا رہا ہوں۔ بس ویسے ہی میرے دماغ میں ایک وہم آگیا تھا۔" اس نے بوکھلا کر کہا اور فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔

احاطے میں اندھیرا تھا' آسمان پر صرف ستاروں کا راج تھا اس لئے باہر سے اس کا دیکھ لیا جانا ممکن نہیں تھا۔ اپنے قدموں کی چاپ ختم کرنے کے لئے وہ پنجوں کے بل گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا ماؤزر اس کے ہاتھ میں بالکل تیار تھا۔ ادھر میں نے بھی اپنے پستول کو لوڈ کر کے داہنا ہاتھ آگے پھیلا لیا تھا تاکہ کوئی خطرہ نظر آتے ہی بے دریغ فائر کر سکوں۔

گارڈ گیٹ کی ذیلی کھڑکی سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہو گیا پھر فضا میں مینڈک کے ٹرانے کی مختصری آواز ابھری۔ میں اندازہ نہیں لگا سکا کہ اس بار سیٹی گارڈ نے بجائی تھی یا پھر باہر والوں نے طویل انتظار سے مضطرب ہو کر دوبارہ کسی کو متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

دوسرے ہی لمحے مجھے اپنے اس سوال کا جواب مل گیا کیونکہ سیٹی ایک مرتبہ پھر بجائی گئی تھی۔ شاید گارڈ نے آخری شناخت طلب کرنے کے لئے پہلی سیٹی بجائی تھی اور باہر سے اس کا جواب دیا گیا تھا کیونکہ اس کے فوراً بعد ہی سناٹے میں وزنی آہنی بولٹ سرکنے کی آواز آئی اور ذیلی کھڑکی اندر کی طرف کھلتی چلی گئی۔ گارڈ کا تاریکی میں چھپا ہوا' ماؤزر بردار ہیولا کھڑکی کی حفاظتی اوٹ میں تھا۔

کسی تاخیر کے بغیر ایک نسوانی سایہ بوجھل قدموں سے اندر داخل ہوا۔ وہ سایہ آگے کی طرف جھکا ہوا تھا اور اس کی پشت پر کوئی بوجھ لدا ہوا تھا۔ اگلے ہی لمحے دوسرا سایہ بھی اندر آیا اور میرے وجود میں اطمینان کی ایک لہر سرایت کر گئی۔ بعد میں آنے والی کو میں اس سے بھی زیادہ اندھیرے میں پہچان لینے کا عادی ہو چکا تھا۔ وہ غزالہ تھی اور بظاہر بالکل محفوظ نظر آ رہی تھی۔

دونوں عورتوں کے اندر آتے ہی گارڈ نے پھرتی سے ذیلی کھڑکی

بند کر کے بولٹ کردی۔ اس اثنا میں ویرا اپنی پشت پر لدے ہوئے بے حس و حرکت وجود کو فرش پر ڈال چکی تھی۔

"اسے اٹھا کر اندر لے آؤ!" چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان میں ویرا نے کہا تو آواز دھیمی ہونے کے باوجود میرے کانوں تک پہنچ گئی اور میں بے ساختہ زمین سے اٹھتا چلا گیا۔

ویرا نے گارڈ کو ہدایت دینے کے بعد یہ دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ اس پر کس طرح عمل کیا جا رہا تھا۔ وہ دونوں ہی آگے چل پڑی تھیں۔ میں نے راستے ہی میں انہیں جالیا۔

ان دونوں کے چہروں وغیرہ پر زخم کا کوئی نشان نہیں تھا بلکہ غزالہ کا چہرہ تو اندرونی مسرت کے کسی احساس سے تمتما رہا تھا۔ ویرا کے چہرے سے خشونت برس رہی تھی۔ زیادہ پُرتشویش بات یہ تھی کہ اس کے لباس پر کئی دھبے نظر آ رہے تھے۔ میں نے تاریکی میں ان دھبوں کو چھوا تو تازہ خون کی چپچپاہٹ محسوس کر کے میں پریشان ہو گیا۔

"یہ..... یہ خون... تت..... تم زخمی ہو؟" میری زبان سے ایک بے ربط فقرہ نکلا۔

"فکر مت کرو۔ یہ میرا نہیں، بے ہوش قیدی کا خون ہے ہمیں اپنی پوری مہم میں ایک خراش بھی نہیں آئی ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے مشن میں سرخ روئی حاصل ہوئی ہے۔" وہ بولی۔

گارڈ زخمی شخص کو اٹھانے کے لئے اپنے ساتھی کی تلاش میں رُک گیا تھا مگر میں نے پھر بھی وہ بات وہیں ختم کردی۔ اندر پہنچنے کے بعد ہم پورے اطمینان سے بات کر سکتے تھے۔

سلطان شاہ ڈرائنگ روم کے دروازے کی جھری سے شاید پورا منظر دیکھتا رہا تھا۔ اس نے ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی دروازہ کھول دیا۔

"کمال ہے۔ تم دونوں زندہ لوٹ آئی ہو۔" وہ انہیں دیکھتے ہی چہکنے لگا "ہم لوگ تو تمہاری تدفین اور بعد کی منصوبہ بندی کر رہے تھے..... یہ تمہاری پشت پر کون سوار تھا؟"

"تم ہمیں مردہ ہی سمجھتے رہو۔" ویرا چیخ کر بولی "وہ آئے گا تو اسی سے پوچھ لینا کہ وہ کون ہے۔"

"چند منٹ پہلے گولی کس نے چلائی تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"غزالہ کا نشانہ بے خطا ہوتا ہے۔" ویرا کی آواز پُرستائش تھی "میرا اندازہ ہے کہ اس کی چلائی ہوئی گولی اس مردود کی پیٹھ کے نچلے حصے میں پیوست ہوئی ہے۔ وہ تاریک اور ویران پلاٹ کی جانب سے اس مکان کی دیوار پر چڑھ رہا تھا۔ گولی کھاتے ہی کسی مردہ چھپکلی کی طرح کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر گر گیا۔ وہ زندہ تھا مگر بھاگنے کے قابل نہیں تھا۔ میں نے پھرتی سے اسے قابو کر کے بے ہوش کر لیا۔ اب دیکھنا ہے کہ وہ کیا کہانی لے کر ہوش میں آتا ہے۔"

اسی اثنا میں دونوں گارڈ اس بے ہوش شخص کو چاروں ہاتھ پیروں سے لٹکائے، وہاں لے آئے۔ ہم نے ڈرائنگ روم کا قالین آلودہ کرنے کے بجائے اسے اندر لابی میں پہنچا دیا جہاں ماربل کا خوب صورت فرش قالین سے محروم تھا۔

دونوں گارڈز، بے ہوش شخص کو زمین پر ڈال کر واپسی کے لئے مڑے تو میں نے انہیں روک لیا "اس وقت ہم پانچوں مکان کے اندر ہیں۔ باہر کوئی گڑبڑ ہوئی تو کون ذمے دار ہوگا۔"

زیرو واٹ کے سبز بلب کی ناکافی روشنی میں ایک گارڈ بغلیں جھانکنے لگا لیکن دوسرے نے ذرا بھی جھجکے بغیر کہا "باہر گڑبڑ کرنے والے کو تمہاری عورتوں نے پکڑ لیا اور اطمینان سے اندر لے آئیں تو اب کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟ اس کی ڈنڈا ڈولی کرنے کے بجائے ہم میں سے کوئی اسے اپنی کمر پر لاد کر لاتا تو بری طرح گندہ ہو جاتا۔ یہ شخص بری طرح زخمی معلوم ہوتا ہے۔ کمر سے نچلا حصہ خون میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس خون کے دھبے تمہاری ساتھی کے کپڑوں کو بھی داغ دار کر چکے ہیں۔"

"شام سے یہ دوسرا واقعہ ہے۔ باہر جا کر بے فکر نہ ہو جانا۔ ہمارے خون کے طلب گار تیسری بار بھی کوئی کوشش کر سکتے ہیں۔"

"دن والوں نے ہمیں بتا دیا تھا کہ اندھیرا پھیلنے کے بعد بھی کسی نے دیوار پھاند کر اندر آنے کی کوشش کی تھی مگر فائر ہوتے ہی اندھیرے میں کہیں غائب ہو گیا۔" ایک گارڈ نے کہا "تم لوگ بے فکر رہو۔ ہم متوقع خطرات سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ شام کو بھی اسی آدمی نے اندر گھسنے کی کوشش کی ہو جو اس وقت پکڑا گیا ہے۔ تم ہمیں اجازت دو تو ہم مار مار کر اس سے ہر بات اگلوالیں گے۔ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے ہمیں مشکوک لوگوں پر تھوڑا بہت تشدد کرنے کی اجازت ہے۔"

"یہ تھوڑے بہت تشدد سے زبان کھولنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

"زبان سے ایک غلط بات نکلتے ہی ملزم، مجرم بن جاتا ہے ہمارا شک یقین میں بدل جائے تو ہم سامنے والے کے اوسان خطا کر دیتے ہیں۔ یہ کہیں نہ کہیں بہک کر ہمیں من مانی کرنے کا پورا موقع دے دے گا اور ہم اپنا کھیل شروع کر دیں گے۔"

اس کی سوچ پیشہ ورانہ اور استدلال منطقی تھا مگر یہ بات بہت خطرناک تھی کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے نچلے اور درمیانے عہدوں پر اثر و رسوخ کی کوکھ سے ایک مسلک رجحان جنم لے رہا تھا۔ غیر ذمہ دار افراد کی طرف سے پُرتشدد بازپرس کے عزائم اسی رجحان کے آئینہ دار تھے۔

"تم اپنا کام دیکھو..... قیدی سے ہم نمٹ لیں گے۔" میں نے انہیں ٹالنے کی نیت سے کہا۔

"بہت بہتر۔ لیکن قیدی زندہ ہے۔ اسے زندہ ہی رہنا چاہئے ہمارے ہاتھوں بھی کوئی مارا جاتا ہے تو بہت لمبی چوڑی کارروائی ہوتی ہے۔" یہ کہہ کر وہ دونوں واپس چل دیئے۔

ایک زندہ دشمن کا زخمی حالت میں پکڑا جانا ہم سب کے لئے

دلچسپی اور سنسنی کا باعث تھا مگر اس وقت زیادہ اہمیت غزالہ اور ویرا کی رپورٹ کی تھی۔ وہ دونوں جس مشن پر گئی تھیں وہ بہت پُرخطر تھا۔ میرے لئے یہ بہت بڑی بات تھی کہ وہ دونوں خیریت سے واپس آگئی تھیں لیکن میں ان کی کارکردگی کے بارے میں جاننے کے لئے مضطرب تھا لیکن اس دوران میں سلطان شاہ اپنی ذمے داری سے غافل نہیں تھا۔ اس نے پھرتی سے بے ہوش قیدی کی جامہ تلاشی لے ڈالی تھی اور اس کی جیب سے ایک بھرا ہوا پستول برآمد کر کے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔

"ایسی باتیں کھڑے کھڑے نہیں بتائی جاسکتیں۔" میرے سوال پر ویرا نے کہا "جہانگیر کی خواب گاہ میں ہلکی سی روشنی ہے۔ ہمیں وہیں چل کر بیٹھنا چاہئے۔"

جہانگیر کی خواب گاہ بہت کشادہ تھی اور وہاں بیک وقت متعدد افراد کے بیٹھنے کی گنجائش موجود تھی۔ ہم سب نے اپنی اپنی پسند کی جگہیں سنبھال لیں۔ ویرا سب سے آگے بڑھ کر مسہری پر یوں دراز ہوگئی تھی جیسے کوئی پہاڑ ڈھا کر آئی ہو۔

"سب کچھ اسی طرح ہوتا چلا گیا جیسا ہم نے سوچا تھا۔" غزالہ نے میری مستفسرانہ نگاہوں کے جواب میں کہا "ویرا نے ایک بارونق بازار میں کھڑی ہوئی کار کا دروازہ اتنی سرعت اور اطمینان سے کھولا کہ مجھے یقین نہیں آسکا کہ اس نے چابی کے بجائے سخت تار استعمال کیا ہوگا۔ اسی صفائی سے گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور ہم کسی کی نظروں میں آئے بغیر اپنی مہم پر روانہ ہوگئے......"

"یہ تفصیل تم بعد میں بھی سنا سکتی ہو۔" میں نے بے تابانہ انداز میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "یہ بتاؤ کہ نارمن کا کیا رہا۔ اسے ختم کرنا تمہارا اصل مشن تھا۔"

"دھونس مت دو!" ویرا لیٹے لیٹے غرائی "واقعات ترتیب ہی سے بتائے جاسکتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہم کس مشن پر گئے تھے۔ اس بار میرے اندازے بالکل درست ثابت ہوئے ہیں۔"

"بکو..... جس طرح چاہو بکتی چلی جاؤ۔ میں کام کی باتوں کا صبر سے انتظار کرلوں گا۔"

"شاباش!" وہ طنز سے بولی "سعادت مند بچے ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

پھر ویرا نے اپنی کہانی شروع کردی۔

روز مرہ استعمال کی گاڑیوں میں طوفانی اٹھان، برق رفتاری اور گنجان ٹریفک میں تیکھے زاویوں سے ڈرائیونگ کے اعتبار سے ویرا کو ہمیشہ شیراڈ یا ہنڈا سوک کار پسند تھی۔ اس نے شہر کے ایک بھرے پرے بازار سے کار چراتے ہوئے بھی اپنی پہلی پسند پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا تھا اور ایک تقریباً نئی شیراڈ کار پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ اس کار کے ذریعے ان دونوں کو اپنی منزلِ مقصود پر پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہاں اترنے کے بعد بھی ویرا نے کار کو غیر مقفل چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لیا اور پورے اطمینان سے دروازے مقفل کر کے غزالہ کے ساتھ مطلوبہ عمارت کی طرف ہولی۔

تحائف کے لئے استعمال ہونے والے نفیس کاغذ میں لپٹی ہوئی جی تھری اور پھر ان دونوں کی جارحانہ وضع قطع کی وجہ سے اس عمارت کے چوکیدار نے ان سے بازپرس کی ہمت نہیں کی اور وہ دونوں پورے اعتماد سے لفٹ میں سوار ہو کر پانچویں منزل کے لئے روانہ ہوگئیں۔ وہ پانچویں منزل پر لفٹ سے باہر نکلیں تو ایک نوجوان جوڑا لفٹ کا منتظر تھا۔ ان سے رسمی مسکراہٹ کا تبادلہ کر کے وہ دونوں ایک طرف چل پڑیں جیسے واقعی کسی مخصوص فلیٹ میں جانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔

اس جوڑے کے غائب ہوتے ہی وہ واپس پلٹیں اور لفٹ کے ساتھ بنے ہوئے زینوں سے نیچے اترتی چلی گئیں۔ اس وقت پستول ویرا کے قبضے میں تھا اور بیم گن غزالہ کے پاس تھی۔

اس عمارت میں داخل ہونے سے پہلے ویرا اندازہ لگا چکی تھی کہ سڑک کے پار واقع نارمن کے مکان کے بہترین نظارے کے لئے اس عمارت کی تیسری منزل بہتر ثابت ہوسکتی تھی۔

اس بلڈنگ میں ہر منزل پر کل چار فلیٹ تھے جن میں سے دو سڑک کی سمت میں اور دو عقبی رخ پر واقع تھے۔ اس طرح ان کے پاس بہت زیادہ انتخاب کا موقع نہیں تھا۔

انہوں نے ویران راہداری میں بند دروازوں سے کان لگا کر دونوں فلیٹوں کی سن گن لی اور پھر اس فلیٹ پر طبع آزمائی کا فیصلہ کرلیا جس میں تقریباً سناٹا پھیلا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ڈور بیل کے جواب میں متوسط عمر کی ایک خوش شکل اور خوش لباس عورت نے دروازہ کھولا اور اس سے پیشتر کہ وہ ان دونوں سے کوئی سوال کرتی، ویرا "ہائے ریحانہ ڈارلنگ" کہہ کر کسی جونک کی طرح اس سے لپٹ گئی اور اس کے کان میں تیز سرگوشی کرتے ہوئے بولی "ہم دونوں مسلح ہیں۔ تم نے چند منٹ کے لئے ہم سے تعاون کیا تو ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رہوگی۔ ہم تمہیں لوٹنا یا کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتے۔ فلیٹ میں موجود لوگوں کو ایک کمرے میں جمع کرلو تاکہ انہیں اپنی پرانی سہیلی سے متعارف کرواسکو۔"

اپنی ہدایات ختم کر کے ویرا جوں ہی اس عورت سے الگ ہوئی، وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح فرش پر گرنے لگی۔ غزالہ نے بروقت اندازہ لگالیا کہ وہ عورت وحشت اور صدمے سے کھڑے کھڑے بے ہوش ہوچکی تھی۔ اس کے گرنے کی دھمک سے نچلی منزل کے مکین چونک کر صورتِ حال جاننے کے لئے اوپر آسکتے تھے اس لئے غزالہ نے پھرتی سے اسے سہارا دے کر فرش پر لٹادیا۔

اس وقت تک فلیٹ کے اندرونی حصے سے کسی ردِعمل کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ غزالہ بیم گن نکال کر وہیں جم گئی اور ویرا پستول تان کر چوکنے انداز میں اندر چل دی۔

یہ ان دونوں کی خوش قسمتی تھی کہ تین خواب گاہوں والے اس پُرآسائش فلیٹ میں اس عورت کے علاوہ چار پانچ برس کی

صرف ایک صحت مند بچی موجود تھی جو اندرونی خواب گاہ میں ٹیلی وژن پر پروگرام دیکھنے میں منہمک تھی۔

ویرا لڑکی کے انہماک میں خلل ڈالے بغیر الٹے قدموں واپس لوٹ آئی۔

فلیٹ کا دروازہ بولٹ کر لینے کے بعد ان دونوں نے بے ہوش خاتونِ خانہ کو ایک خالی خواب گاہ میں بستر پر ڈال دیا تاکہ بچی پر اپنی ماں کی اچانک "نیند" کا کوئی ناخوشگوار اثر نہ پڑے۔ کچن میں چولھا روشن تھا۔ اس پر ہانڈی چڑھی ہوئی تھی اور فلیٹ کی فضا اشتہا انگیز خوشبو سے رچی ہوئی تھی۔ غزالہ نے گیس کا والو بند کر کے چولھا سرد کر دیا۔

اس دوران میں ویرا نے دیکھ لیا تھا کہ ڈرائنگ روم کی سڑک کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے نارمن کا مکان اور اس کی خالی خواب گاہ صاف نظر آ رہی تھی۔

وہ دونوں ہی معصوم بچی کو کسی صدمے سے دوچار نہیں کرنا چاہتی تھیں لیکن انہیں یہ خوف بھی لاحق تھا کہ کہیں بچی اپنے گھر میں اچانک دو اجنبی عورتوں کی موجودگی سے واقف ہو کر چیخنا یا رونا نہ شروع کر دے۔ اس طرح ان دونوں کی سلامتی کو جو خطرات لاحق ہوتے وہ اپنی جگہ تھے لیکن دہشت سے بچی کے ذہن پر شدید منفی اثرات مرتب ہو سکتے تھے۔

ان دونوں کے پاس بہت زیادہ وقت نہیں تھا۔ ویرا جی تھری کے کھلے ہوئے حصوں کو یکجا کر کے اپنے شکار کی گھات لگانے کے لئے ڈرائنگ روم میں جا گھسی اور غزالہ دوستانہ انداز میں بچی کو مخاطب کرتی ہوئی ٹیلی وژن والے کمرے میں داخل ہو گئی۔

بچی نے خوشگوار حیرت سے غزالہ کا استقبال کیا مگر فوراً ہی ایک نازک سوال داغ دیا۔

"آپ کون ہیں.....؟ میری مما کہاں ہیں؟" وہ معصومیت سے غزالہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

غزالہ نے بچی سے بہانہ کیا کہ اس کی ماں پڑوس کے فلیٹ میں گئی تھی اور خود بچی کے پاس جا بیٹھی۔ اس وقت ٹیلی وژن پر بچوں کے لئے خلائی جنگ کے موضوع پر ایک کارٹون فلم چل رہی تھی جو کرداروں کی زبردست ہنگامہ آرائی اور خلائی ہتھیاروں کی گھن گرج سے بھرپور تھی۔

بچی ٹی وی پروگرام میں بہت زیادہ منہمک تھی پھر بھی غزالہ نے باتوں ہی باتوں میں اس سے یہ سراغ لگا لیا کہ اس فلیٹ میں صرف تین نفوس رہتے تھے۔ میاں، بیوی اور وہ بچی۔ بچی کا باپ... ٹی وی پر خبریں نشر ہونے کے بعد گھر واپس آتا تھا۔

غزالہ نے آخری اطمینان بخش اطلاع فوراً ہی ویرا تک پہنچا دی۔ اس وقت ویرا ڈرائنگ روم میں اندھیرا کئے، کھڑکی سے نارمن کے مکان کا جائزہ لے رہی تھی۔ نارمن کی خواب گاہ میں شاید دو اطراف میں دیواروں کی جگہ بڑے بڑے شفاف شیشے لگے ہوئے تھے جن کے پردے کھنچے ہوئے تھے۔ خواب گاہ خالی ہونے کے باوجود روشن تھی اور اس روشنی میں کمرے کی جزئیات نمایاں تھیں۔ خواب گاہ میں روشنی ہونے کی بنا پر ان دونوں کو [illegible] تھی کہ نارمن گھر ہی میں موجود ہوگا۔ ایسی صورت میں وہ کسی [illegible] لمحے خواب گاہ میں داخل ہو کر جی تھری کی زد میں آ سکتا تھا۔

غزالہ واپس بچی کے پاس چلی گئی اور ویرا اندھیرے میں [illegible] تھری رائفل سنبھال کر نارمن کے نمودار ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ اپنے شکار کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے اس کے پاس طاقت [illegible] ور عدسوں والی جیبی دوربین موجود تھی جو اس نے جہانگیر کے [illegible] آتے ہوئے راستے سے خریدی تھی۔

تھوڑی دیر بعد نارمن بہت خوشگوار موڈ میں اپنی خواب [illegible] میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ بلاؤز اور چست جینز میں [illegible] ایک سفید فام لڑکی بھی تھی۔ وہ دونوں ہنس ہنس کے بے تکلف [illegible] باتیں کر رہے تھے جس سے ان کے مراسم کی بے تکلفانہ نو [illegible] ظاہر ہو رہی تھی۔

اندر آنے کے بعد سفید فام لڑکی نے شیشوں کی طرف [illegible] دونوں ہاتھ اچھال کر نارمن سے کچھ کہا اور پھر وہ دونوں ہی [illegible] دیوار کی طرف آئے اور اس پر پردے کھینچنے لگے۔

وہ ویرا کے لئے بہترین موقع تھا۔ پردے پڑ جانے کے [illegible] اپنی مرضی کا نشانہ لینے کے موقع سے محروم ہو سکتی تھی۔ ا [illegible] دوربین رکھ کر فوراً ہی جی تھری اٹھائی اور شست لینے لگی۔ وہ [illegible] اپنے سروں پر منڈلاتی ہوئی موت سے بے خبر، وزنی پردوں کو [illegible] دیوار پر پھیلانے میں مصروف تھے۔

لمحہ بھر کے لئے ویرا نے نارمن کی ساتھی لڑکی کو نظ [illegible] کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر اس نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ لڑکی ا [illegible] کھڑکی میں سے فائر کا شعلہ لپکتے دیکھ کر فوری طور پر دشواریا [illegible] کر سکتی تھی۔ فائر کے مقام کا تعین ہونے پر ان دونوں کے راہیں مسدود ہو سکتی تھیں۔

ویرا بلیک کوئین کے روپ میں مجھے کئی بار اپنی بے خطا [illegible] بازی سے مرعوب کر چکی تھی۔ اس نے نارمن کا شکار کھیلنے [illegible] اپنی اس مہارت سے پورا فائدہ اٹھایا۔ جی تھری کی نال نے ا [illegible] انگلی کی دو جنبشوں پر یکے بعد دیگرے دو شعلے اگلے اور دھماکو [illegible] ساتھ دو گولیوں نے شیشے کی دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے نارمن ا [illegible] کی ساتھی لڑکی کے سینوں کو ادھیڑ ڈالا۔

ان دونوں کے گرتے ہی ویرا اپنی رائفل اسی تاریک [illegible] میں چھوڑ کر باہر نکل آئی۔

دوسری طرف فائرنگ کے پرشور دھماکوں پر بچی بری طر [illegible] تھی۔ غزالہ ایسی کسی بھی صورتِ حال کی وضاحت کے [illegible] سے تیار تھی۔ اس نے بچی کے بھڑکنے کا سبب دریافت کر [illegible] مطمئن کر دیا کہ وہ دھماکے ٹی وی پر دکھائی جانے والی کارٹون [illegible] ہوئے تھے۔ معصوم ذہن نے وہ وضاحت فوراً قبول کر لی۔

ویرا نے دروازے پر آ کر شکار کرتے ہوئے غزالہ [illegible]

طرف متوجہ کیا اور باہر بلالیا۔ بچی بدستور ٹی وی دیکھنے میں منہمک رہی۔ غزالہ نے باہر آکر آہستگی سے اس کمرے کا دروازہ بند کردیا۔

فلیٹ سے نکلنے سے پہلے ان دونوں نے دوسرے کمرے میں نگاہ ڈالی تو خاتونِ خانہ بستر پر بدستور بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ وہ پھرتی سے فلیٹ سے نکل گئیں۔

لفٹ میں مختصر سا سفر طے کرتے ہوئے انہوں نے اپنے ہیجان پر قابو پائے رکھا اور لفٹ سے اتر کر بالکل نارمل رفتار سے نکاسی کے راستے کی طرف چل دیں۔ اس وقت تک کسی کو اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہاں دہرے قتل کی ایک واردات رونما ہوچکی ہے لوگوں میں تشویش اور سراسیمگی ضرور پھیلی ہوئی تھی لیکن یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکی تھی کہ دونوں فائر اسی عمارت کے کسی فلیٹ کی کھڑکی سے کیے گئے تھے۔

احاطے سے باہر ذرا زیادہ افراتفری تھی۔ نارمن کا مکان لبِ سڑک پر واقع تھا لیکن صرف گراؤنڈ فلور پر مشتمل ہونے کی وجہ سے احاطے کی دیوار کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ لوگوں نے شیشہ ٹوٹنے کے چھناکے کی آوازیں اور گولیوں کا نشانہ بننے والوں کی چیخیں تو شاید سن لی تھیں لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ وہ ہنگامہ کہاں برپا ہوا تھا۔

ویرا نے اپنے تار کی مدد سے شیراڈ کا دروازہ کھول کر انجن اسٹارٹ کیا اور دونوں کسی کی توجہ کا مرکز بنے بغیر وہاں سے نکل آنے میں کامیاب ہوگئیں۔ صدر میں انہوں نے مسروقہ شیراڈ ایک جگہ چھوڑی اور پھر اطمینان سے ایک ایسے کافی ہاؤس میں جا بیٹھیں جہاں پبلک فون بوتھ موجود تھا۔

کراچی شہر کی کچھ اپنی روایات ہیں۔ بڑے ہوٹلوں کا ماحول شہر کی عام تہذیبی اقدار کے بجائے گنے چنے امرا کی آزاد خیالی کی عکاسی کرتا ہے۔ وہاں اکیلی عورتیں بھی راہداریوں اور ریستورانوں میں نظر آتی ہیں لیکن شہر کے متوسط درجے کے ہوٹلوں میں صرف لڑکیوں کی آمدورفت کا رواج نہیں ہے۔ جوڑوں کے ساتھ آنے والی عورتیں اور لڑکیاں بھی دزدیدہ نظروں کی زد میں آنے سے نہیں بچتیں۔ ویرا اور غزالہ کو دیکھ کر فلرٹ کے عادی کئی افراد نے متوجہ کرنے والی نظروں سے ان کی طرف دیکھا لیکن وہ سب کو نظرانداز کرتی ہوئی ایک گوشے میں جابیٹھیں۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت کافی ہاؤس میں اِکّادُکّا میزیں ہی آباد تھیں اس لئے انہیں وہاں کچھ وقت گزارنے میں دشواری پیش نہیں آئی۔

کافی اور سینڈوچز کا آرڈر دے کر غزالہ پبلک فون بوتھ کی طرف چلی گئی کیونکہ ان دونوں نے اس کافی ہاؤس کا انتخاب اسی سہولت کی وجہ سے کیا تھا۔ غزالہ نے وہاں سے پہلے ایلن کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی لیکن جواب نہیں ملا تو اس نے سلسلہ منقطع کرکے نچلے خانے سے سکے نکالے اور دوبارہ سکے ڈال کر مکرجی کا نمبر ملالیا۔

دوسری گھنٹی پر دوسری طرف سے ریسیور اٹھالیا گیا۔ غزالہ نے دائیں بائیں کا جائزہ لے کر کوبرا کا کوڈ دہرا کر مکرجی سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو پتا چلا کہ فون پر مکرجی خود موجود تھا۔

غزالہ کا خیال تھا کہ مکرجی، موتی لال کے قتل سے لاعلم ہوگا لیکن وہ اس واردات سے باخبر ہوچکا تھا۔ اس نے خائفانہ لہجے میں شکوہ کیا کہ مطالبے پر پوری طرح بات کئے بغیر موتی لال کو بے دردی سے ختم کردیا گیا۔ اس پر غزالہ نے اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے مطلوبہ رقم کے ساتھ ہی اپنے مقامی کارکنوں کے کوائف پر مشتمل کمپیوٹر ڈسک دینے پر آمادگی ظاہر نہ کی تو اسے بھی موتی لال کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔

مکرجی کے لئے کمپیوٹر ڈسک والی بات بالکل واضح تھی۔ وہ اعصاب زدہ اور لرزتی ہوئی آواز میں پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کو برا بھلا کہنے لگا۔ اس نے موتی لال کے قتل کا الزام بھی ان ہی اداروں پر عائد کردیا۔ غزالہ اسے دبانے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ وہ اپنے سفارتی عملے کی ستھری کارکردگی پر زور دے کر زیادتیوں پر احتجاج کرتا رہا۔ وہ غزالہ کی خوفناک دھمکیوں سے ڈر ضرور گیا تھا لیکن اس نے اپنے کرتوتوں کا اعتراف کرکے سمجھوتا کرنا منظور نہیں کیا۔

غزالہ نے اسے عبرت ناک انجام کی آخری دھمکی دے کر فون بند کردیا۔

غزالہ نے بھی ابتدا ہی میں محسوس کیا تھا کہ مکرجی نے دورانِ گفتگو خودکار آبزرویشن سسٹم کے لئے اپنے ایریئس پر کوئی نمبر ڈائل کیا تھا لیکن وہ پبلک فون سے بات کررہی تھی اس لئے اسے پکڑے جانے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ ان دونوں رابطوں سے نمٹ کر وہ واپس آئی تو ویرا کافی پینے کے بعد فون استعمال کرنے کا پروگرام بنا بیٹھی تھی۔ وہ اخبار میں شائع ہونے والے انعامی اشتہار کے حوالے سے قونصل خانے والوں کو کھری کھری سنا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنا چاہتی تھی۔

بد قسمتی سے فون پر ویرا کو کوئی ذمے دار آدمی نہیں مل سکا۔ ڈیوٹی کلرک سے ویرا نے صرف اتنا کہا کہ وہ ان لوگوں کے جھوٹے انعامی اشتہار کے جواب میں ایک پریس کانفرنس کر کے دنیا کو یہ بتائے گی کہ وہ آزاد اور بالکل محفوظ ہے جب کہ اس کے ہم وطن اسے ہر قیمت پر پکڑ کر حبسِ بے جا میں رکھنا اور آخر کار مار دینا چاہتے ہیں۔

کافی ہاؤس میں کچھ وقت گزار کر وہ دونوں ٹیکسی سے واپس آئیں اور اسے جہانگیر کے گھر سے کچھ دور ہی فارغ کردیا تاکہ کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر گھر لوٹ سکیں۔

پیدل چلتے ہوئے وہ گھر کے قریب آئیں تو غزالہ نے جہانگیر کے مکان سے ملحق خالی پلاٹ پر تاریکی میں ایک متحرک سایہ دیکھ کر ویرا کو ادھر متوجہ کیا۔ ویرا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے باوجود اندھیرے میں اس مشتبہ سائے کو نہیں دیکھ سکی۔

وہ غیر یقینی صورتِ حال تھی۔ فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ بیم گن کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ غزالہ نے ویرا سے پستول لیا اور راوٹ لیتی ہوئی پلاٹ کی طرف بڑھ گئی۔ ویرا اس کے ساتھ ساتھ تھی پھر ویرا نے بھی اس متحرک انسانی ہیولے کو دیکھ لیا۔ اس وقت تک مشتبہ شخص کو قطعی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ اس کی نقل و حرکت دیکھی جاچکی ہے۔ وہ جہانگیر کے مکان کے احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ آخری کونے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ احاطے کی دیوار پھاند کر مکان میں داخل ہونے کے لئے کوئی مناسب مقام تلاش کر رہا تھا۔

ویرا نے مکان میں موجود گارڈز کو اس طرف متوجہ کرنے کے لئے مینڈک کی آواز والی سیٹی نکال کر بجادی۔ اس آواز پر وہ سایہ چونکا لیکن سیٹی سے پیدا ہونے والی مینڈک کی ٹراہٹ کی آواز خالی پلاٹ کے تاریک ماحول سے اس قدر ہم آہنگ تھی کہ وہ فوراً ہی مطمئن ہوگیا۔

چند لمحوں بعد اس شخص نے اپنی پسند کی جگہ منتخب کرلی۔ وہاں دیوار کے ساتھ ہی کوڑے یا ملبے کا ایک ڈھیر جمع تھا۔ جہانگیر کے مکان میں تاریکی کا راج ہونے کی وجہ سے اسے دیکھ لئے جانے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ وہ اس ڈھیر پر چڑھ گیا اور اچک اچک کر اندر کا جائزہ لینے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی ان حرکات پر گارڈز کی طرف سے کوئی ردِ عمل ظاہر نہ ہونے پر غزالہ اور ویرا تشویش میں مبتلا ہوگئیں۔ اس اثنا میں وہ مشکوک سایہ مطمئن ہونے کے بعد ٹیلے سے اترا اور وہ روڑوں وغیرہ کے سہارے دیوار پر چڑھنے لگا۔

غزالہ نے اضطراری طور پر پستول تان کر اس پر فائر کردیا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر نیچے ڈھیر ہوگیا۔

ابتدا میں وہ اس شخص کی خاموشی کو مکاری پر محمول کرتی رہیں۔ چند ثانیوں تک جائزہ لینے کے بعد انہیں اندازہ ہوگیا کہ غزالہ کے فائر کا نشانہ بننے والا مکاری نہیں کر رہا تھا بلکہ زخم کے نتیجے میں ہلاک یا بے ہوش ہو چکا تھا۔ انہوں نے دو مختلف سمتوں سے ویران پلاٹ کے مخدوش حصے کی طرف محتاط پیش قدمی کی اور اپنے شکار کو تحویل میں لے لیا۔

وہ اپنی پشت کے زخم کی وجہ سے گہری بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ ویرا نے اسے اپنی پشت پر لادا اور وہ دونوں پھاٹک کے راستے گھر لوٹ آئیں۔

ان کی وہ کہانی میرے لئے بہت دلچسپ اور سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ انہوں نے بہت ہوشیاری کے ساتھ اپنے ذمے لئے ہوئے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا تھا۔ اس تمام گفتگو کے دوران میں ہم لوگ زخمی قیدی کی طرف سے غافل نہیں ہوئے تھے۔ سلطان شاہ وقفے وقفے سے اس کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اس کے بارے میں ویرا کا قیاس بڑی حد تک درست تھا۔ پستول کی گولی اس کی ریڑھ کی ہڈی کے نچلے حصے میں کسی ایسے نازک مقام پر پیوست ہوئی تھی کہ وہ کسی ردِ عمل کا مظاہرہ کئے بغیر گہری بے ہوشی کی حالت میں چلا گیا تھا۔

وہ مہم غزالہ نے تنہا سرانجام دی ہوتی تو شاید سلطان شاہ بھی اس کی تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے ملانا شروع کردیتا لیکن خرابی یہ تھی کہ وہ منصوبہ ویرا کے ذہن کی پیداوار تھا اور اس نے غزالہ کے ساتھ مل کر اپنی سوچی ہوئی جزئیات کو عملی جامہ پہنایا تھا۔ میں نے کئی بار ان دونوں کی بہترین کارکردگی کی تعریف کی تو سلطان شاہ کو ہضم نہیں ہوسکی۔ میرے ہر تبصرے پر وہ ایسا برا منہ بنا رہا تھا جیسے اسے میرے جبر پر کونین کی کڑوی گولی نگلنی پڑ رہی ہو۔ غنیمت یہی تھا کہ اس نے پوری مہم کی روداد ختم ہونے تک کوئی فساد کھڑا نہیں کیا لیکن کہانی مکمل ہونے پر وہ خاموش نہیں رہ سکا۔

"تم بلاوجہ ان کی تعریفیں کئے جارہے ہو۔" اس نے چڑچڑے لہجے میں مجھ سے کہا "اتنے سازگار حالات میں تو کوئی نابالغ بچہ بھی سارے کام نمٹا کر واپس آسکتا تھا......"

"سازگار حالات کا اندازہ لگانے کے لئے پیش بینی کی ضرورت تھی جو کسی نابالغ بچے کے بس کی بات نہیں تھی۔ تم ان دونوں کے کام کی اہمیت کو نظرانداز کرنے کی کوشش کر رہے ہو" میں نے اسے اپنی تقریر پوری کرنے کا موقع دیئے بغیر کہا "یہ سراسر زیادتی ہے۔"

"تم واقعی زیادتی کر رہے ہو۔" غزالہ نے مسکرا کے کہا "کسی تجربے سے بنفسِ نفیس گزرنے اور کرسی پر بیٹھ کر اسی تجربے کی کہانی سننے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ میں ایک بارونق بازار سے کار کی چوری سے لے کر آخر تک کیسی قیامت خیز سنسنی اور بے یقینی سے دوچار رہی ہوں۔ میں خود پر قابو رکھ کر ہر مسئلے سے نمٹ رہی تھی لیکن مجھے ہر لمحے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کسی کی غیر متوقع مداخلت ہماری بازی الٹ سکتی ہے۔ اس پوری مہم میں

میرے ذہن پر بدترین دباؤ صرف اس بات کا تھا کہ نارمن کے شکار میں معصوم بچی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔"

"یہ نرم و نازک باتیں اس نابالغ بچے کی سمجھ سے باہر ہیں۔" ویرا نے سلطان شاہ پر کاٹ دار طنز کرتے ہوئے کہا "اب اسے رشک آرہا ہے کہ اتنے آسان کام پر اسے اپنے کمالات دکھانے کا موقع کیوں نہیں ملا۔ کاش یہ بھی ہمارے ساتھ ہوتا پھر دیکھتے کہ یہ کیا کرتا ہے۔"

"مجھ سے الجھنے کی کوشش مت کرو!" سلطان شاہ ویرا پر غرایا۔ "میں صرف اس وجہ سے تمہارا لحاظ کررہا ہوں کہ اس معاملے میں غزالہ بھی تمہارے ساتھ شامل تھی ورنہ میں تمہارے اس مشن کے بخیے ادھیڑ کر رکھ سکتا ہوں۔ میری دانست میں تم جھک مار کر آئی ہو اور اب نتائج کا انحصار محض مقدر پر ہے۔ تمہارے ستارے اچھے ہوئے تو سب کچھ اسی طرح سامنے آئے گا جیسا تم نے سوچا ہے ورنہ تم دیکھ ہی لوگی کہ تم آج کون سا تیر مار کر آئی ہو۔ میرا تو خیال ہے کہ تم نے اس بچی پر بھی بڑا ظلم کیا ہے۔"

"ظلم!" ویرا اس پر آنکھیں نکال کر بولی "غزالہ نے اس کے ساتھ ایسا ہمدردانہ سلوک کیا ہے جو ان حالات میں اس کی ماں بھی اس کے ساتھ نہیں کرسکتی تھی۔"

"باربار غزالہ کے نام کا سہارا مت لو" سلطان شاہ برا سامنہ بناکے بولا "اصل منصوبہ تمہارا تھا۔ غزالہ نے وہی کیا جو اس کے بس میں تھا۔ کیا تمہیں اس صورتِ حال کا اندازہ ہے جو ٹی وی پروگرام ختم ہونے کے بعد پیش آئی ہوگی؟ اپنی ماں کو بے ہوش دیکھ کر اس معصوم اور بے خبر لڑکی کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ تم ان باریکیوں کو سمجھ ہی نہیں سکتیں کیونکہ تمہیں تو اٹلی میں تمہارے والدِ محترم نے ڈان مرسیانو کے روپ میں ایسی تربیت دی ہے جس میں اولاد کا گزر ہی نہیں ہے۔"

"خاموش!" ویرا برہمی کے عالم میں بولی "جو مرچکے ہیں انہیں برا مت کہو۔ میرے باپ کی کہانی اس کی زندگی کے ساتھ ختم ہوگئی۔ میرے اور اس کے تنازع کا فائدہ اٹھا کر اس کی عظیم شخصیت پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش مت کرو۔ جی لائیڈ کے دشمن بھی اس کی عظمتوں کے گن گاتے تھے۔ تم تو اس کے دوستوں میں تھے نہ دشمنوں میں۔ اس کی لڑائی صرف ڈیڈی سے تھی۔"

"قانونی نہ سہی مگر پھر بھی وہ تمہارا باپ تھا۔" مصالحانہ لب و لہجہ اختیار کرنے کے باوجود سلطان شاہ اس پر گہری چوٹ کئے بغیر نہ رہ سکا اور روانی میں سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے بولا "میں اس کے بارے میں کہے ہوئے اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں لیکن اس سے تمہاری ناقص کارکردگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس سلسلے میں 'میں اپنی رائے پر قائم ہوں۔"

"میں تمہاری رائے کو اپنی ٹھوکر پر رکھتی ہوں" ویرا جھلا کر بولی "مجھے جو کچھ کرنا تھا میں وہ کر آئی ہوں۔ اب تم ہذیان بکتے رہو۔ اس سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"یہی تمہاری خوش فہمی ہے۔" سلطان شاہ نے فوراً اس کی بات اچک لی "تم احمقوں کی جنت میں رہنا چاہو تو شوق سے رہو مگر میں تم کو یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ تم اپنا مقصد حاصل نہیں کرسکیں۔ تم نے اندھیرے میں ایک تیر چلایا ہے۔ اب آنے والا وقت ہی اس کے ثمرات ظاہر کرے گا۔"

ان دونوں کی کاوشوں کے نتائج پر وہ بہت بے رحمانہ تبصرہ تھا۔ ویرا پھر کر بولی "مجھے اپنی کارکردگی پر کسی سے سند لینے کی ضرورت نہیں۔ میں نے جو مناسب سمجھا' کیا۔ میں اپنے کام سے مطمئن ہوں۔ تم بالکل بے لگام اور آزاد ہو۔ میرے بارے میں جو نتائج چاہو' اخذ کرتے رہو۔"

"اب میں تم سے نہیں' غزالہ سے بات کررہا ہوں" سلطان شاہ یہ کہہ کر روٹھنے کے انداز میں غزالہ کی طرف گھوم گیا اور اس سے مخاطب ہوکر بولا "کیا تم مجھے مختصر ترین الفاظ میں یہ بتا سکتی ہو کہ تمہاری ساری منصوبہ بندی اور بھاگ دوڑ کا کیا مقصد تھا؟"

"اصل اور واحد مقصد نارمن کو ہلاک کرنا ہی تھا۔" غزالہ اس کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے بولی۔

"اور اسے بتادو کہ ہم نے وہ مقصد حاصل کرلیا۔" ویرا نے غزالہ سے مخاطب ہوکر ٹکڑا لگایا۔

"کنوئیں میں رہنے والی جہاں گرد خاتون کو بتادو کہ چیونٹی کے کاٹنے سے ہاتھی نہیں مرا کرتے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہاتھی کی بے پروائی کی وجہ سے چیونٹی کو ناک کے راستے اس کے دماغ میں پہنچ کر فتور پھیلانے کا مہلک موقع میسر آجائے۔ ایسا ہاتھی کی بدقسمتی اور چیونٹی کی خوش قسمتی کی وجہ سے ہوتا ہے۔"

غزالہ جو ان دونوں کی تلخ و ترش نوک جھونک سے لطف اندوز ہورہی تھی' معنی خیز لہجے میں بولی "کسی خاتون کو کچھ بتانے سے پہلے میرا ذہن صاف ہونا چاہئے۔ تمہاری بات میرے پلے نہیں پڑسکی۔"

"غبی لوگوں کے ساتھ رہ کر تمہارا دماغ بھی تباہ ہونے لگا ہے۔" سلطان شاہ کا لہجہ ہمدردانہ تھا "بزرگوں نے درست ہی کہا ہے کہ تخم تاثیر اور صحبت اثر رکھتی ہے۔ بہرحال تمہاری معلومات کے لئے عرض ہے کہ محض ٹریگر دبانے یا گولی چلانے سے لوگ مرنے لگتے تو آج دنیا کی آبادی نصف سے بھی کم ہوتی اور چین میں نومولود بچیوں کو نت نئے طریقوں سے ہلاک کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ تمہاری فاضل ساتھی نے دوربین استعمال کرکے دو مرتبہ جی تھری داغی اور یقین کرلیا کہ نارمن اور اس کی کوئی داشتہ مرگئی ہے لیکن یہ محض ایک خوش خیالی ہے۔ گولی کا نشانہ بننے والے بیشتر لوگ ہلاکت سے دوچار نہیں ہوتے۔ ایک منتشر خیال عورت نے دو فائر کئے اور یہ سمجھ لیا کہ اس نے آدمی مار لئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کا بال بھی بیکا نہ ہوا ہو یا پھر وہ محض زخمی ہوئے ہوں اور ہم

ان کی موت پر بغلیں بجا رہے ہیں۔"
غزالہ مسکراتی رہی ' ویرا سے فوری طور پر اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ بولی تو اس کا لب ولہجہ جارحانہ نہیں رہا تھا بلکہ مدافعانہ ہوگیا تھا۔

"میں نے رائفل کی لبلبی اندھا دھند نہیں دبائی تھی" اس بار وہ براہِ راست سلطان شاہ سے مخاطب ہوئی تھی "میں نے ان دونوں پر بھی نگاہ رکھی تھی جو میرے نشانے پر تھے۔ میری دونوں گولیاں نشانوں پر لگی تھیں۔ نارمن کے سینے میں گولی پیوست ہوئی تھی۔ اس کی ساتھی کو لمحہ بھر کی مہلت مل گئی تھی اس لئے شاید اس کی گردن گولی کا نشانہ بنی ہو۔ میں نے یہ یقین کرلیا تھا کہ وہ دونوں ہی میری زد میں آئے ہوئے تھے۔ مجھے پوری امید ہے کہ ان میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکا ہوگا۔"

"اس بارے میں بحث بے سود ہے" میں نے اس لاامتناہی حجّت آرائی میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "وہ زندہ بچ گئے یا مرچکے ہیں 'اس بارے میں صبح کے اخبارات میں پوری تفصیل آجائے گی۔ اس بارے میں مزید الجھ کر تم اپنا وقت برباد کررہے ہو۔ اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ ان دونوں نے ایک منصوبہ بنایا' اس پر عمل کیا اور بہ خیروخوبی واپس لوٹ آئیں۔ ہمارے لئے یہ کافی ہونا چاہئے۔"

"دراصل میں بھی یہی کہنا چاہ رہا تھا۔" سلطان شاہ ڈھٹائی سے بولا "جب تفصیل معلوم ہوجائے گی تو اپنے کارنامے پر اچھل کود بھی اچھی معلوم ہوگی۔ فی الحال یہ خوشی قبل از وقت ہے۔"

ذہنی تناؤ اور پریشانی کے طویل دورانئے کے بعد وہ ہلکی پھلکی نوک جھونک ماحول میں قدرے خوشگوار تبدیلی لانے کے لئے بہتر ثابت ہوئی۔ وہ کوئی اور وقت ہوتا تو ویرا کبھی بھی سلطان شاہ کے جواب کو قبول نہ کرتی اور اس وقت تک بحث کرتی رہتی جب تک سلطان شاہ غیر مشروط طور پر ہتھیار نہ ڈال دیتا لیکن اس نے موقع کی نزاکت کے پیشِ نظر خاموشی سادھ لی۔

سلطان شاہ اٹھ کر باہر گیا اور فرش پر بے ہوش پڑے ہوئے شخص کا جائزہ لے کر مایوسی سے واپس آگیا "وہ بدستور بے ہوش ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں نے سنا ہے کہ ریڑھ کی ہڈی کا تعلق دماغ کے نازک حصوں سے ہوتا ہے۔ کہیں اس کی یہ بے ہوشی مستقل روگ نہ بن جائے۔"

میں نے باہر جاکر اس کا گریبان تھام کر اسے روشنی میں کھینچا اور اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی چونک پڑا۔ مجھے اپنے ذہن کے کسی گوشے میں شناسائی کا احساس سا ابھرتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ میں نے ذہن پر لاکھ زور دیا لیکن مجھے یہ یاد نہ آسکا کہ میں نے اسے کب اور کہاں دیکھا تھا۔

وہ گندمی رنگت اور گٹھے ہوئے جسم والا ایک متوسط قامت شخص تھا جس کی گھنی مونچھوں کے بال اس حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ اس کا اوپری ہونٹ ان بالوں میں تقریباً چھپ کر رہ گیا تھا۔ اس کے داہنے رخسار پر نیل کے ساتھ ورم بھی نمایاں تھا۔ شاید زخمی ہونے کے بعد وہ اسی رخ پر گرنے کے سبب چوٹ کھا بیٹھا تھا کیوں کہ نیل کا نشان بالکل تازہ نظر آرہا تھا۔

اپنے حلئے اور وضع قطع کی بنا پر وہ تیسرے درجے کے ان مجرموں میں سے نظر آرہا تھا جو قلیل مگر یقینی معاوضے کی امید پر ہر چھوٹا بڑا جرم کرنے کی ذمے داری لے لیتے ہیں۔ بظاہر یہ امکان نہیں تھا کہ ایلن یا پیٹر نے براہِ راست اس کی خدمات حاصل کی ہوں۔

اس کے دل کی دھڑکنوں اور نبض کی رفتار میں کوئی غیر معمولی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ میں نے وہ احتیاطی دیکھ بھال صرف اس لئے کی تھی کہ گارڈز نے اسے زندہ دیکھ لیا تھا۔ اگر وہ ہماری تحویل میں ہلاک ہوجاتا تو وہ دونوں محافظ شاید آسانی سے اپنی زبان بند رکھنے پر آمادہ نہ ہوتے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں ایک زخمی اور بے ہوش قیدی کی موجودگی پر آپس میں زور شور سے تبادلۂ خیال کررہے ہوں گے۔

میں نے ریفریجریٹر سے یخ بستہ پانی کی بوتل منگوا کر قیدی کے چہرے پر الٹنے کا ارادہ کیا مگر غزالہ نے فوراً ہی میرا ہاتھ تھام لیا۔ قیدی کی پشت کے زخم سے خون کا بہاؤ ختم ہوچکا تھا لیکن پھر بھی فرش پر رسنے والا خون جمع تھا۔ وہ پانی کے ساتھ مل کر پورے فرش پر یا شاید ملحق کمروں کے قالین وغیرہ تک پھیل سکتا تھا جس کا صاف کرنا ممکن نہیں تھا۔

میں نے بوتل سے چلّو میں پانی لے کر اس کے منہ پر چھینٹے دینے شروع کئے۔ کچھ دیر کے بعد میری کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ چہرے کے ساتھ سر پر سرد پانی کے چھینٹوں سے اس نے جھرجھری لی اور بے ہوشی آہستہ آہستہ نیم غنودگی کی کیفیت میں تبدیل ہونے لگی اور وہ ہولے ہولے کراہنے لگا۔

رفتہ رفتہ وہ آنکھیں کھول کر اپنے گردوپیش کا جائزہ لینے کے قابل ہوا تو زیرو واٹ کے بلب کی مدھم روشنی میں چار سایوں کو اپنے گرد دیکھ کر وہ خوف زدہ ہوگیا۔

"اب تم ہوش میں آ ہی رہے ہو تو اپنے بارے میں سب ہی کچھ بتاتے چلے جاؤ" میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تم نے ہٹ دھرمی سے کام لیا تو ہم تمہیں گولی مار کر یہاں سے نکل جائیں گے۔ تمہاری لاش میں تعفن پیدا ہونے سے پہلے کسی کو تمہارے انجام کا علم نہیں ہوسکے گا۔"

"میں درد سے مرا جارہا ہوں" وہ گھگھیاتے ہوئے بولا "میرے لئے اپنے نچلے دھڑ کو ہلانا بھی مشکل ہورہا ہے۔ پتا نہیں تم نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے......"

میں نے بے رحمی سے اس کی بات کاٹ دی اور اس کا حوصلہ پست کرنے کے لئے کہا "ابھی کچھ نہیں ہوا صرف ایک گولی

ماری کمر میں پیوست ہوئی ہے۔ دوسری گولی سیدھی دل میں
گی اور تمہیں ہر تکلیف سے نجات مل جائے گی۔" اپنی دھمکی
وزن پیدا کرنے کے لئے میں نے پستول ہاتھ میں لے لیا۔
"میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ مجھے معاف کردو" وہ
ت ہی بودا ثابت ہوا۔ اس کی آواز ایک ہی دھمکی پر رو دینے والی
ئی تھی "بڑی رقم کے لالچ نے مجھے اندھا کردیا تھا۔ اگر اس طلبی
شنی میں میری آنکھیں مجھے دھوکا نہیں دے رہیں تو تم استاد ڈینی
تم میرے محسن ہو۔ اگر مجھے ذرا بھی شبہ ہو تا کہ مجھے تمہارے
استعمال کیا جارہا ہے تو میں بھول کر بھی اس طرف کا رخ نہ
رتا۔"

اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میرے ذہن
پیدا ہونے والا شناسائی کا احساس بے بنیاد نہیں تھا۔ یقیناً میں
سے کہیں دیکھ چکا تھا یا شاید کافی عرصے تک دیکھتا رہا تھا جو اس کے
خال میرے ذہن کے کسی گوشے میں اٹک کر رہ گئے تھے۔
"اگر تم مجھ سے واقف ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ میں
منوں کے حق میں بہت سفاک ہوں۔" میں نے کسی ہیر پھیر کے
کہا "سب سے پہلے یہ بتاتے چلو کہ تم مجھے کیسے پہچانتے ہو اور
نے تم پر کیا احسان کیا تھا؟"

"جب بدرو دادا شہر میں ہیروئن کے اڈے چلاتا تھا تو میں اس
ڈرائیور تھا" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا اور میرا ذہن اچانک
صاف ہوتا چلا گیا۔ مجھے دیگر واقعات کے ساتھ یہ بھی یاد آگیا کہ
کا نام ٹونی ہوا کرتا تھا۔ وہ اول درجے کا شرابی اور جواری
نے کے ساتھ ہی اپنی آوارہ بیوی کا قاتل بھی تھا۔ اپنی بیوی کے
کے معاملے میں وہ گرفتاری سے صاف بچ گیا تھا لیکن بدرو دادا
کے مال میں غبن کرنے کے الزام میں اس بری طرح عتاب میں آیا
کہ بدرو نے اپنے دوسرے آدمیوں کو عبرت دلانے کے لئے اس
زندگی عملاً جہنم بنادی تھی۔ اسے ایک تہ خانے میں ستون سے
ندھ کر تین دن تک چابکوں سے اس بری طرح پیٹا گیا تھا کہ اس
کے پورے دھڑ کی کھال جگہ جگہ سے ادھڑ گئی تھی۔ اس تہ خانے
بدرو خود بیٹھتا تھا اور وہاں اس کے آدمیوں کی آزادانہ
مدورفت جاری رہتی تھی۔ لین دین اور بھیڑ بھاڑ کے اوقات میں
رو کا محافظ چابک لے کر ٹونی پر پل پڑتا تھا اور دوسرے اس کے
برت ناک حشر پر کانوں کو ہاتھ لگاتے تھے۔

یہ اتفاق تھا کہ ان ہی دنوں میں بدرو کے اس خفیہ ٹھکانے پر
پہنچا۔ مجھے دیکھتے ہی ٹونی نے مدد کے لئے بلبلانا شروع کردیا اور
نے معاملے کی چھان بین کئے بغیر اسے کھولنے کا حکم جاری
کردیا۔ بدرو کی مجال نہیں تھی کہ میرے حکم سے سرتابی کرتا۔ ٹونی
آزادی پاتے ہی اس کے قدموں میں گر گیا۔

میری ہمدردی کا سبب یہ تھا کہ اپنے مالک کے عتاب میں آنے
سے قبل ٹونی اس کا خاص معتمد ہوا کرتا تھا اور میں جب بھی بدرو
کے ساتھ ہوتا تو وہ بہت بڑھ چڑھ کر میری خدمت کیا کرتا تھا۔ اس
زمانے میں شی کے حوالے سے میرا اتنا دبدبہ ہوا کرتا تھا کہ ٹونی کی
آزادی کے بعد بدرو نے اس کی حرکتوں کی تفصیل تک بتانے سے
گریز کرنا چاہا۔ اس کا فلسفہ تھا کہ جسے میں نے معاف کردیا، وہ ہر
الزام اور خیانت سے بری ہو گیا۔

میرے اصرار بلکہ حکم پر بدرو نے بتایا کہ ٹونی نے اپنی جوئے کی
لت کی وجہ سے نصف کلو سے زائد ہیروئن اور بیس ہزار کی رقم
ہضم کرلی تھی۔ بدترین لعنت ملامت اور معافی تلافی کے بعد میں
نے ٹونی کو اپنے مالک کا وفادار رہنے کا حکم دے کر چھوڑ دیا تھا۔
شاید وہ اپنی اسی جان بخشی کے حوالے سے میرے احسان کا ذکر
کررہا تھا۔ یہ سب باتیں اس کے بتائے بغیر مجھے یاد آتی چلی گئیں۔

ٹونی پھنسی پھنسی اور رندھی ہوئی آواز میں اپنی زندگی کا وہ
ناقابلِ فراموش واقعہ سناتا رہا۔ میں خاموش ہی رہا کیونکہ دوسروں
کو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ مجھے غزالہ کے چہرے پر تحیر
کی واضح جھلکیاں نظر آرہی تھیں۔ شاید اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ
ہماری کمین گاہ پر حملہ آور ہونے والا میرا کوئی پرانا شناسا ہو سکتا
ہے۔

"تمہیں اپنے محسن کے گھر پر دھاوا بولتے ہوئے شرم نہیں
آئی؟" اس کی پوری بات سننے کے بعد سلطان شاہ خاموش نہیں رہ
سکا "تم یہاں کس لئے آئے تھے؟"

"تم مجھ سے قسم لے لو.... میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں۔
میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ اس مکان میں استاد ڈینی سے
سامنا ہوگا۔ میں سب کچھ ہو سکتا ہوں مگر احسان فراموش نہیں
ہوں۔"

"پھر یہاں اپنی کیا ایسی کی تیسی کرانے آئے تھے؟" سلطان
شاہ غرّایا۔

"مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ مکان غیر آباد ہے۔ بس احاطے میں دو
گارڈ اونگھتے رہتے ہیں جو خطرہ دیکھ کر بس ہوائی فائر کرسکتے ہیں۔
مجھے نشانہ نہیں بنائیں گے۔ مجھے پانچ ہزار روپے کے عوض صرف
اتنا کام بتایا گیا تھا کہ وقفے وقفے سے دو تین مرتبہ احاطے کی دیوار
سے چوکیداروں کو اپنی جھلک دکھا کے غائب ہو جاؤں۔ میں مغرب
کے بعد ہی ادھر آگیا تھا۔ میں نے شام کو بھی دیوار پر سے جھانکا
تھا۔ میرا سایہ دیکھ کر ایک گارڈ نے ہوائی فائر کیا تو میں غائب ہو گیا۔
اس مرتبہ بھی میرا خیال تھا کہ ہوائی فائر ہوگا اور میں واپس لوٹ
جاؤں گا لیکن اس بار میں پیچھے سے مارا گیا۔ شاید تم لوگ باہر کی
دیکھ بھال سے بھی غافل نہیں تھے......"

"یہ جھوٹ بول رہا ہے" ویرانے سرد لہجے میں اپنا فیصلہ صادر
کردیا "اس کا خیال ہے کہ یہ ہمیں احمق بنانے میں کامیاب
ہوجائے گا۔ دیوار پر سے جھانک کر بھاگ جانے کی کہانی بے بنیاد
ہے۔"

"میں استاد ڈبی کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا" وہ گڑگڑایا۔
"میں نے ایک ایک لفظ سچ کہا ہے۔ شاید کچھ لوگ اس گھر کے مالک کو ڈرانا چاہتے ہیں کہ مسلح گارڈ رکھنے کے باوجود یہ گھر محفوظ نہیں ہے۔"

"تمہارا دماغ اسی قدر چل رہا ہے تو ذرا یہ بھی بتاؤ کہ مالک کو ڈرا کر وہ لوگ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں؟" اس بار سلطان شاہ نے سوال کیا تھا۔

"یہ سب مجھے نہیں معلوم" وہ بے بسی سے بولا "کام بہت آسان تھا۔ ذرا سی محنت کے پانچ ہزار مل رہے تھے۔ بس یہی لالچ مجھے لے ڈوبا۔۔۔"

"تمہیں بدرو نے یہاں بھیجا تھا؟" میں نے اس کی بات کاٹ کے سوال کیا۔

اس کا سر نفی میں ہلنے لگا "اپنی لائن بدلنے کے بعد بدرو نے مجھے نکال دیا تھا۔ میں اب پہلوان کے اڈے پر کام کرتا ہوں مگر اس چکر میں کسی کا دخل نہیں ہے۔ ایک آدمی نے فون پر بات کی تھی۔ وہ لہجے سے غیر ملکی معلوم ہو رہا تھا۔ ساری بات ٹوٹی پھوٹی اردو میں ہوئی تھی۔ ایک بچہ آج دوپہر رقم کا لفافہ لایا تو یہ کام پکا ہوا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ صبح فون کر کے مجھ سے رپورٹ لے گا۔"

ہم نے اسے اچھی طرح ہلا جلا لیا لیکن وہ اپنے اسی بیان پر قائم رہا جو قرینِ قیاس معلوم ہوتا تھا۔ اس کے بیان سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس سے فون پر رابطہ کرنے والا ایلن ہی تھا جو ہر قیمت پر میرا سراغ لگانے پر تلا ہوا تھا لیکن ٹونی اس بات کا جواب نہیں دے سکا کہ ایلن جیسے غیر ملکی کو پہلوان کے اڈے کا فون نمبر کیسے معلوم ہوا۔ پانچ ہزار روپے یک مشت ہاتھ آنے کی خوشی میں اس نے اس بارے میں سوچنے کی زحمت ہی نہیں کی تھی۔

اس سے بازپرس کا وہ نتیجہ اطمینان بخش نہیں تھا لیکن میری دانست میں وہ سارے واقعات ایک خاص سمت کی نشان دہی کر رہے تھے۔ بدرو دادا گزرے ہوئے دنوں میں ہمارا رفیقِ کار رہ چکا تھا۔ اس کے جہانگیر سے بعد میں بھی خاصے مراسم رہے تھے۔

جہانگیر کی طرح وہ بھی اپنی پرانی منشیات فروشی سے تائب ہو کر نئے دھندے میں لگ گیا تھا اور کراچی سے شمالی علاقوں تک مال برداری کے ٹرک چلانے لگا تھا لیکن اس کام میں اس کی اصل کمائی ہیر پھیر کے ذریعے ہوتی تھی۔ مال برداری کی آڑ میں وہ بھاری معاوضے پر غیر قانونی اشیا کی نقل و حمل کا کام کرتا تھا اور اسی چکر میں وہ افغان سردار پائندہ گل کی ہیروئن کراچی کی منڈی تک لاتا تھا۔

ہم چاروں کو کراچی سے اغوا کر کے گالان پہنچانے میں اس نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ بعد میں اندازہ ہوا کہ اس نے وہ کام بے خبری میں کیا تھا۔ اسے علم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ گالان لے جانے والے چاروں قیدیوں میں 'میں بھی شامل تھا۔ میں نے ٹرک پر موجود اس کے دونوں آدمیوں کو اپنے بارے میں بتا دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ہم لوگوں سے تنازع ہونے کے باوجود اس کے آدمیوں
نے کراچی واپس لوٹنے کے بعد اسے میرے بارے میں تفصیلا
سے آگاہ کر دیا ہوگا۔

میرے ساتھ ہونے والی زیادتی سے واقف ہونے کے ب
اصولی طور پر بدرو دادا پر لازم تھا کہ میری کراچی میں موجودگی
باخبر ہونے کے بعد وہ مجھ سے مل کر معذرت کے ساتھ اپنی صفا
پیش کرتا تاکہ ہر قسم کی غلط فہمیاں دور ہو جاتیں لیکن اس نے ا
نہیں کیا۔

میں اپنے چکروں میں ایسا الجھا رہا کہ اسے فراموش کر بیٹھا
شاید میرے ذہن میں یہ بات رہی ہو کہ میری روپوشی کی وجہ
میری واپسی سے لاعلم تھا لیکن ایسا نہیں تھا۔ اس نے یک طرفہ
پر یہ سمجھ لیا تھا کہ مجھے کراچی سے اٹھا کر چینغا سرائے میں سرا
پائندہ گل کے کارندوں کے حوالے کرنے کے عمل کے بدلے م
میں معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے مصالحت کی کسی کوشش
بجائے میری مکمل بیخ کنی پر کمر باندھ لی تھی اور میرے دشمنو
بھرپور تعاون کر رہا تھا۔

موتی لال کے بیان سے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ ایلن
شہر میں میری تلاش میں ناکامی کے بعد بدرو دادا سے رجوع کیا تھا
بدرو نے خباثت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے نہ صرف جہانگیر
فیکٹری کے بارے میں بتا دیا بلکہ ٹونی کے بارے میں بھی معلوما
فراہم کر دیں جو مجھ سے اچھی طرح واقف تھا۔ بعد کی باتوں کو
کرنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ ایلن نے فون پر میرا ذکر کئے بغیر ٹونی
جہانگیر کے گھر پر سراسیمگی پھیلانے پر مامور کر دیا۔ بظاہر اس
مقصد یہ معلوم ہوتا تھا کہ فیکٹری سے قدم اکھڑنے کے بعد ہم ا
گھر میں پناہ نہ لے سکیں۔

ٹونی دوسری بار بھی اپنی رونمائی کرانے کے بعد غائب ہو جاتا
ایلن کا مقصد پورا ہو جاتا۔ ہم لوگ عدم تحفظ کے احساس کی و
سے وہاں سے نکل کھڑے ہوتے اور شہر میں کہیں نہ کہیں ٹھہر
جاتے لیکن یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ غزالہ نے ٹونی کو تاریک پلا
پر دیکھ لیا اور وہ رنگے ہاتھوں' زخمی حالت میں پکڑا گیا۔

ٹونی جو کچھ جانتا تھا' وہ بتا چکا تھا۔ اس سے مزید کوئی بات نہیں
اگلوائی جا سکتی تھی۔ ایلن کے بارے میں کچھ جاننے کے لئے بدرو
ہاتھ ڈالنا ضروری ہو گیا تھا۔ ہماری مخالفت میں جس تسلسل
اس کا نام سامنے آ رہا تھا' اس سے اس کے ناپاک عزائم صاف
ظاہر تھے۔

ٹونی کا قصہ بہت بعد میں سامنے آیا تھا۔ میں اس سے پہلے
جہانگیر کے مخدوش گھر کو خیرباد کہہ کر کلفٹن کے علاقے میں کو
فلیٹ کرائے پر لینے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس دوران میں ایلن بذا
خود دوبار اس گھر پر آ چکا تھا۔ دوسری بار اس کے ساتھ مقا
بدمعاش بھی تھے۔ ٹونی کا چکر اس کے علاوہ تھا۔ وہ اس قصے میں
جہانگیر کے گھر کو بہت زیادہ اہمیت دے رہا تھا۔ مجھے قوی اندیشہ
کہ اشتعال اور مایوسی کے عالم میں وہ کسی بھی وقت جہانگیر ک

فیکٹری کی طرح اس کے گھر کو بھی تباہ کرنے کی کوشش کرسکتا تھا۔ ایسا وقت آنے سے پہلے ہی ہمارا وہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔

میں ٹونی کے بارے میں ایک سفاکانہ فیصلہ کرچکا تھا۔ مجھے پہچان لینے کے بعد اس کا زندہ رہنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ ایلن یا اس کا کوئی پروردہ بدمعاش ذرا سے تشدد کے بعد ٹونی سے میرا سراغ حاصل کرسکتا تھا۔ ایلن میری بو سونگھتا ہوا جہانگیر کی فیکٹری اور وہاں سے اس کے گھر پہنچ چکا تھا۔ اگر اسے یہ معلوم ہوجاتا کہ ہم نے چند گھنٹے بھی اس چھت کے نیچے گزارے تھے تو وہ میری اگلی منزل کے بارے میں بھی صحیح اندازہ لگا سکتا تھا۔

ٹونی کے دیگر جرائم ایک طرف تھے لیکن میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کا قاتل تھا اور ایک قاتل کے لئے موت کی سزا سے بہتر کوئی اور فیصلہ نہیں ہوسکتا تھا۔

الجھن صرف یہ تھی کہ سیکیورٹی گارڈز کو ہماری تحویل میں ایک زندہ قیدی کی موجودگی کا علم تھا۔ اگر ہم اسے مار کر وہیں چھوڑ جاتے تو دونوں گارڈ قتل کے الزام سے اپنی گردن بچانے کے لئے پولیس کے سامنے پوری کہانی دہرا دیتے اور مالک مکان کی حیثیت سے جہانگیر پولیس کی تلاش کی مہم کا نشانہ بن جاتا۔

"اسے بے ہوش کردو" میں نے خاص طور پر کسی سے مخاطب ہوئے بغیر ہدایت دی اور ویرا نے فوراً ہی ٹونی کی کنپٹی پر سخت ٹھوکر رسید کرکے میری ہدایت کو عملی جامہ پہنا دیا۔ اس وقت ویرا کے پیروں میں وہی سخت اور خطرناک جوتے تھے جو وہ نارمن کے قتل کی مہم پر خاص طور پر پہن کر گئی تھی۔ ٹونی اس شدید ضرب پر بس ایک جھرجھری لے کر ساکت ہوگیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم اسے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کرچکے ہو" سلطان شاہ نے چند ثانیوں بعد بوجھل سکوت توڑتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہم ایک لاش کے ساتھ کب تک یہاں چھپے رہ سکیں گے۔ محافظوں کی نظر بچا کر ہم کسی بھی وقت اسے ٹھکانے نہیں لگا سکتے۔ رات والے گارڈز کے جانے سے پہلے ہی دن والے گارڈز آجائیں گے۔ ہم کسی مشکل میں بھی پھنس سکتے ہیں۔"

"کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ ہم آج کی رات یہاں بسر نہیں کریں گے۔ جو کچھ میں نے سوچا ہے' وہ کامیاب رہا تو ٹونی زندہ حالت میں ہمارے ساتھ جائے گا۔۔۔۔" سلطان شاہ نے مجھے بات پوری نہیں کرنے دی اور درمیان میں ہی بول پڑا۔

"ہمیں شہر میں اپنے لئے ٹھکانا ڈھونڈنا دشوار ہو رہا ہے' اس مصیبت کو گلے میں لٹکا کر کہاں لئے لئے پھریں گے۔ یہ زندہ اشتہار تو ہمیں مروا ہی دے گا۔ اسے یہیں کہیں دفن کردو۔"

"اس کے ہاتھ پیر باندھ کے منہ میں کپڑا ٹھونس دو" میں نے اس کی بات سنی ان سنی کرکے کہا "میں باہر کا چکر لگا کے ابھی واپس آتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔

"گھر سے باہر نہ نکل جانا" ویرا نے نیچی آواز میں ہانک لگائی۔ "میں ابھی تک بھی فضا میں بدترین خطرات کی بو سونگھ رہی ہوں۔ ایلن میری توقع سے زیادہ خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔"

میرے ذہن میں نیکر اور ٹی شرٹ میں ملبوس' دبلے پتلے' دراز قامت اور معنک ایلن کا حلیہ گھوم گیا۔ بظاہر وہ مغرب کا کوئی بے پروا ریسرچ اسکالر نظر آتا تھا جو اپنے تحقیقاتی موضوع پر کام کرتے کرتے اکتا کر تبدیلی کے لئے باہر نکل پڑا ہو۔ خود میں نے بھی اسے بہت زیادہ اہمیت نہیں دی تھی لیکن وہ بہت تیزی کے ساتھ حالات پر اپنی گرفت مضبوط کرتا جا رہا تھا۔

میں دروازہ کھول کر تاریک برآمدے میں نکلا تو دونوں گارڈز خشک ہوتے ہوئے لان کے سرے پر کھڑے نیچی آوازوں میں باتیں کر رہے تھے۔ میں ڈرائنگ روم کا دروازہ بھیڑ کر پلٹا تو وہ دونوں تیزی سے میری طرف بڑھ آئے۔

"کیا ہوا؟ قیدی کیا کہتا ہے؟" ان میں سے ایک نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں" میں نے ایک گہرا سانس لے کے کہا "شاید اس کی ریڑھ کی ہڈی پر زخم آیا ہے اور وہ مسلسل بے ہوشی کی حالت میں ہے۔ اب ہمیں یہاں گھٹن محسوس ہونے لگی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو' صاحب۔ جب سے تم لوگ یہاں آئے ہو' مسلسل کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے۔ اگر قیدی مر گیا تو بڑی گڑبڑ ہوجائے گی۔ تم نے اسے حبسِ بے جا میں رکھا ہوا ہے۔ ہمیں دفتر کی طرف سے سخت ہدایت ملی ہے کہ کوئی واردات ہوتے ہی علاقہ پولیس کو اطلاع دینی چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ تم نے بہت دیر تک اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرلیا۔ اب ہمیں فون کرکے پولیس کو بلا لینا چاہئے تاکہ ہم سب ہی کسی مصیبت سے بچے رہیں۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ ہم تاوان کے مطالبے سے خوف زدہ ہیں۔ پولیس کے آتے ہی بات بگڑ جائے گی۔ ہم خاموشی کے ساتھ قیدی کو کہیں ڈالنا چاہتے ہیں۔۔۔۔"

"یہ نہیں ہوسکتا" اس نے فیصلہ کن لہجے میں میری بات کاٹ دی "وہ زخمی ہو کر بھاگ بھی جاتا تو ہم کو رپورٹ کرانی پڑتی۔ اب تو وہ تمہارے قبضے میں ہے۔ پولیس والے پہلے اس کا علاج کرائیں گے پھر مار مار کر سب کچھ اگلوا لیں گے۔ تمہیں یا ہم لوگوں کو ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔"

لمحہ بھر کے لئے میں الجھ گیا۔ میں اندر سے یہ سوچ کر آیا تھا کہ ان دونوں کو زبان بندی اور چشم پوشی اختیار کرنے کے بدلے میں ایک معقول رقم کی پیشکش کرکے میں ٹونی کو وہاں سے سیاہ ایکارڈ میں نکال لے جانے کا بندوبست کروں گا پھر ہم کہیں پر بھی اسے مار کر اس کی لاش سے چھٹکارا حاصل کرلیتے لیکن اس گارڈ نے قانونی باریکیوں کا ذکر چھیڑ کر الجھن پیدا کردی تھی۔

معاً مجھے وہ باتیں یاد آگئیں جو میں دوسرے گارڈ سے کرتا رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی پانسا پھینکا "تم دونوں کی ڈیوٹی اس مکان کے احاطے میں ہے۔ تم باہر جا کر کوئی کارروائی نہیں کرسکتے۔ قیدی اندر آنے سے پہلے زخمی ہوچکا تھا۔ باہر کے معاملات سے تم لاتعلق رہ

سکتے ہو۔ بس تمہیں یہ بھول جانا ہوگا کہ فائر ہونے کے بعد قیدی کو اس مکان میں لایا گیا تھا۔ تم چاہو تو اس کے بدلے بونس کما سکتے ہو۔"

"صاحب کی بات ٹھیک ہے۔ ہم لوگ اِن ڈور ڈیوٹی پر ہیں۔ ہمیں کیا معلوم کہ باہر کیا ہو رہا تھا" اس کے دوسرے ساتھی نے اسے لقمہ دیا "اس معاملے میں بے چاری عورتیں بھی بلاوجہ پریشان ہوں گی کیونکہ وہی قیدی کو اندر لائی تھیں۔"

ان دونوں میں بحث چھڑ گئی۔ میری بونس کی پیشکش پر کوئی تبصرہ نہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ میری وہ پیش کش قبول کرلی گئی تھی اور وہ دونوں امکانی خطرات وغیرہ کا ذکر کرکے اس سمجھوتے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

ان دونوں کی حجت آرائی میں دخل انداز ہوکر میں نے مزید چارا ڈالا "تم میری بات مان لو تو میں تمہاری ہر معقول بات مان لوں گا۔ ہم پریشانیوں سے بچنے کے لئے کوئی بھی قابلِ قبول قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں لیکن دس لاکھ کا تاوان دینا ہمارے بس سے باہر ہے۔"

پہلا گارڈ حریصانہ ہنسی کے ساتھ بولا "لاکھ تو چھ ہندسوں والی بڑی رقم ہوتی ہے۔ وہ ہزاروں میں بات کرتے تو شاید منہ مانگا تاوان حاصل کرلیتے۔ جس گھر کی عورتیں پستول چلا کر بد معاشوں کو مار لینے کا حوصلہ رکھتی ہوں، وہ اپنی رقم اس طرح برباد نہیں کرتا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" میں نے اس کے تبصرے کی گہرائی کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا "خون پسینے کی کمائی ٹھنڈے ماتھے سے نہیں لٹائی جاسکتی۔ ہم بالکل ہی ڈرپوک نہیں ہیں۔"

"بس پانچ ہندسے پورے ہوں تو بات بن جائے گی" اس نے تائید طلب انداز میں اپنے ساتھی سے مخاطب ہوکر کہا "شریف لوگوں پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہئے لیکن بونس اتنا ضرور ہو کہ ہمارے بال بچوں کا کچھ بھلا ہوجائے۔ ایجنسی کی تنخواہ سے تو دال روٹی بھی مشکل سے چلتی ہے۔"

وہ واضح طور پر دس ہزار کی قیمت کا مطالبہ کررہا تھا لیکن اندھیرے میں اس کی آنکھوں میں جو حریصانہ چمک نمودار ہوئی تھی، اس نے مجھے چوکنا کردیا۔ میں کسی اعتراض کے بغیر رضامندی کا اظہار کربیٹھتا تو وہ کل دس ہزار سے دس ہزار نی کس پر بھی چھلانگ لگا سکتا تھا۔

قدرے حیل و حجت کے بعد دس ہزار روپے پر معاملہ طے پاگیا۔ رقم اور زیورات کی پوٹلیاں گاڑی میں منتقل کرنے سے پہلے میں نے جہانگیر کی رقم میں سے بڑے نوٹوں کی چند گڈیاں الگ کرکے، ان کے مساوی ڈالر اس رقم میں ملا دیے تھے۔ میں ان میں سے زیادہ باتونی اور چالاک گارڈ کو اپنے ساتھ اندر لایا، اسے ٹونی کے پاس چھوڑ کر، اندر سے دس ہزار کے نوٹ لایا اور اس کے حوالے کردیے۔ اس نے نوٹ گنے بغیر اپنی اندرونی جیب میں رکھ لئے۔

"تمہاری تیاری مکمل ہے" وہ ٹونی کے بندھے ہوئے ہاتھ اور پیروں کا جائزہ لے کر بولا "اسے کب تک باہر لے جا[ئے کا] ارادہ ہے؟"

"ہم جلد ہی نکلیں گے۔ تم اسے گاڑی کے پائیدان [پر] ڈلوا دو" میں نے کہا۔

میری ہدایت پر دوسرے افراد جہانگیر کی خواب گاہ [میں بکھرے سامان کو سمیٹ] رکے ہوئے تھے۔ میں نے سلطان شاہ کو آواز دے کر باہر بلایا [اور] گارڈ کے ساتھ مل کر ٹونی کو گاڑی میں پہنچانے کے کام پر لگا [دیا۔] گاڑی کے اندرونی حصے کو خون کے دھبوں وغیرہ سے بچانے [کے] لئے میں نے اسے گھر کی چادریں استعمال کرنے کی اجازت د[ے دی] تھی۔ ہم وہ بھرا پُرا گھر یوں ہی چھوڑ کر جارہے تھے۔ میری چھٹی [حس] کہہ رہی تھی کہ وہ سب بے کار ہونے والا تھا۔ جہانگیر یا [اس کے گھر والوں کو] اس سامان میں سے کوئی چیز استعمال کرنے کا موقع نہیں ملنا [تھا۔] ایلین کتوں اور بندروں وغیرہ کو تربیت دیتے دیتے خود ایک پاگل کی طرح جہانگیر کے عمر بھر کے جمع کئے ہوئے اثاثوں کو تباہ کر[نے پر] تل گیا تھا۔

سلطان شاہ کو گارڈ کے ساتھ مصروف چھوڑ کر میں کمرے [میں] چلا آیا۔ غزالہ میرے اگلے پروگرام کے بارے میں بے حد [فکر مند] تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ اس وقت میرے ذہن میں وہاں [سے] فرار اور ٹونی کے بے کار وجود سے چھٹکارے کے سوا کوئی م[نصوبہ] نہیں تھا۔

"ہم بے موت مارے جائیں گے" ویرا کے متاسفانہ [لہجے] میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"تمہارا خیال ہے کہ اس بندر چوہے دان میں ہم محفوظ ہی[ں؟]" "کسی منصوبے کے بغیر ہم چاروں رات بھر شہر کی سڑکو[ں پر] آوارہ گردی کرتے رہے تو کہیں نہ کہیں پولیس سے ٹکراؤ [ضرور] ہوگا۔ شہر کے ہر پولیس والے نے آج کا انعامی اشتہار اپنے [ذہن] میں بسالیا ہوگا۔ رنگ روپ اور حلیوں کی تبدیلی کے باوجود [اگر] ہم پر شبہ ہوگیا تو بچنا مشکل ہوجائے گا۔"

اسی وقت سلطان شاہ کمرے میں آگیا "گارڈ کہہ رہا [ہے کہ] قیدی ڈکی میں ٹھیک رہے گا۔"

"میں جو کہہ رہا ہوں، وہی کرو!" غیر ارادی طور پر میری غراہٹ میں تبدیل ہوگئی "اسے ڈکی سے نکال کر کہیں پھینکنا عذ[اب] بن جائے گا۔ پائیدان سے، دروازہ کھول کر باہر دھکیلنا زیادہ آ[سان] ثابت ہوگا۔ جاؤ اور کام ختم کرکے جلدی واپس آؤ۔"

میرے تیور دیکھ کر وہ الٹے پاؤں واپس لوٹ گیا۔ ویرا خاموش رہی۔

میں نے ریسیور اٹھا کر ان دونوں سے کہا "کھانے کا کچھ سامان سمیٹ لو۔ ہوسکتا ہے کہ ہم فوری طور پر کسی ہوٹل یا [کسی اور جگہ] کا رخ نہ کرسکیں۔ سامان گاڑی میں ڈال لو۔ ہتھیار اکٹھے کرلو۔ [ہر] شخص پوری طرح مسلح رہے گا۔"

وہ دونوں بھی باہر نکل گئیں اور میں فون پر جہانگیر کے اسپتال کا نمبر ملانے لگا۔

اس وقت رات کے گیارہ بجنے والے تھے اور مجھے اندیشہ تھا کہ اسپتال میں ملنے والی فراخ دلانہ آزادی کی بنا پر جہانگیر اس وقت اپنی ترنگ میں ہوگا لیکن میرے لئے یہ بہت ضروری تھا کہ میں اسے گھر سے اپنی روانگی کے بارے میں باخبر کردوں تاکہ وہ بھی تنہائی اور بے زاری کے عالم میں ادھر کا رخ کرنے کا کوئی امکانی ارادہ ملتوی کردے۔

سلسلہ ملنے پر اسپتال کی ٹیلی فون آپریٹر نے مجھ سے معذرت کی کہ اس وقت وہ مطلوبہ مریض سے میری بات نہیں کرا سکتی۔ میرے اصرار پر اس نے مطلع کیا کہ مریض مسکن دواؤں کے زیرِ اثر اس وقت تک سوچکا ہوگا اور کسی وجہ سے اسے نیند نہ بھی آسکی ہو تو وہ ذہنی یک سوئی سے بات کرنے کے قابل نہیں ہوگا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ مصلحتاً مسکن دواؤں کا ذکر کررہی تھی ورنہ اس سمیت اسپتال کے بیشتر عملے کو علم ہوچکا ہوگا کہ جہانگیر اپنے کمرے میں پڑا کیا کرتا رہتا ہے۔

جب آپریٹر کو کسی طرح گلو خلاصی ہوتی نظر نہ آئی تو اس نے مجبوری کے عالم میں میرے فون کی لائن جہانگیر کے کمرے میں منتقل کردی۔

جہانگیر واضح شناخت سے بچنے کے لئے اسپتال میں انور جہانگیر بنا ہوا تھا۔ اسی طرح میں نے بھی آپریٹر کو اپنا نام ولادر بتایا تھا۔ جہانگیر ویسے ہی نشے کی جھونک میں تھا۔ فون پر اس کی لہراتی ہوئی آواز سنائی دی تو اس میں مکمل اجنبیت رچی ہوئی تھی۔

"ہوش میں رہ کر میری بات سنو۔ میں تمہارا بزرگوار بول رہا ہوں" میں نے اسے پھنکارتے ہوئے کہا "حالات بہت خراب ہوگئے ہیں....."

"حالات کو گولی مارو" میری آواز پہچان کر وہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں چہکنے لگا "میں اس وقت پریشانی کی کوئی بات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میری محفل خراب مت کرو۔ اگر تم بھی دل لگی کے موڈ میں ہو تو فوراً یہاں آجاؤ۔"

"ہم تمہارا گھر خالی کررہے ہیں" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "یہاں کسی وقت بھی کوئی بھیانک گڑبڑ ہوسکتی ہے۔ اب ادھر کا رخ نہ کرنا۔ تمہاری چیزیں میرے پاس ہیں۔ جب بھی موقع ملا میں تم تک پہنچا دوں گا۔"

"کیوں مجھے خوف زدہ کررہے ہو؟" ذری ذری ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری "تمہارے ہوتے ہوئے کہیں کوئی گڑبڑ نہیں ہوسکتی۔ تم میری جان اور ارمان ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کوئی نہ کوئی کرتب دکھا کر سب کچھ ٹھیک کرلوگے۔"

"میں مشکل میں ہوں" میں نے اپنی بات اس کے ذہن میں بٹھانے کے لئے سختی سے کہا "اگر تم نے میری اس وارننگ کو یاد نہیں رکھا تو مجھے تمہارے انجام پر شدید قلق ہوگا....."

"ارے باپ رے!" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری "تم تو میرا موڈ چوپٹ کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ ایسی ہی بات ہے تو میں بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔"

"بس میں تمہیں یہی سمجھانا چاہ رہا تھا" اس کا وہ وعدہ سنتے ہی میں نے فون بند کردیا۔

میں ریسیور کریڈل پر رکھ ہی رہا تھا کہ فضا ایک اضطراری انسانی چیخ سے گونج اٹھی۔ آواز بہت قریب کی تھی۔ ہم جن حالات سے دوچار تھے' ان کی بنا پر اس بات کا تعین کرنا دشوار نہیں تھا کہ وہ چیخ ہمارے مکان کے احاطے ہی میں گونجی تھی۔

میں نے پستول نکال کر فوراً ہی لوڈ کیا اور نکاسی کے راستے کی طرف دوڑ لگادی۔ میں یہ محسوس کرچکا تھا کہ اس وقت میرے سوا کوئی بھی اندر موجود نہیں تھا۔ سب لوگ میری ہدایت پر ضروری سازوسامان گاڑی میں جمانے میں مصروف تھے۔

وقت بہت تیزی کے ساتھ گزر رہا تھا۔ میں جہانگیر کی خواب گاہ سے نکل کر ڈرائنگ روم تک بھی نہ پہنچنے پایا تھا کہ باہر سے کسی خوں خوار کتے کی وحشیانہ غراہٹ کے ساتھ ایک فائر کی آواز گونجی اور پھر اچانک ہی پُرسکون فضا گولیوں کے وحشت ناک شور سے لرز اٹھی۔

میرے بدن میں خوف سے پھریریاں سی دوڑ گئیں۔ آخر کار میری چھٹی حس کی للکار نتیجہ خیز ثابت ہو ہی گئی تھی۔ ہمارے دشمن شاید کسی اور تربیت یافتہ کتے کے ساتھ میری تلاش میں جہانگیر کے مکان پر دھاوا بول چکے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ ہم سب بے خبری کے عالم میں نہیں گھیرے گئے تھے۔ دو محافظوں سمیت پانچ مسلح افراد باہر ہی موجود تھے جو دشمن کی یلغار کو کافی دیر تک روک سکتے تھے۔

فائرنگ میں تواتر پیدا ہوتے ہی غراتے ہوئے کتے نے مشتعل ہوکر بھونکنا شروع کردیا تھا۔ اس کی آواز سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ برآمدے میں یا اس کے قریب ہی موجود تھا اور اپنی قوتِ شامہ کی مدد سے یہ فیصلہ کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ اسے کدھر کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔

شاید میرے وجود کی مانوس بُو نے اس کتے کی مدد کی۔ جوں ہی میں ڈرائنگ روم کے دروازے پر پہنچا' باہر سے نیم وا پٹ تیزی سے اندر کی طرف آیا اور پھر ایک قد آور سیاہ کتا میرے اوپر آپڑا۔

کتا اپنے شکار تک پہنچنے کے جوش میں بہت تیزی سے چھلانگ لگا کر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ صحت مند جسم اور پتلی کمر کا مالک ہونے کے ساتھ بہت وزنی بھی تھا۔ میں کوشش کے باوجود اس کی زد سے بچ سکا اور نہ ہی اس کی جھونک سنبھال سکا۔ غنیمت یہ تھا کہ کتا اپنے شکار پر حملہ آور ہونے کی پوزیشن میں نہیں تھا ورنہ اس کے پنجے پہلے ہی وار میں میرا بدن ادھیڑ ڈالتے۔ اپنی مڑی ہوئی اگلی ٹانگوں کے ساتھ وہ میری چھاتی پر آیا اور مجھے پشت کے بل گراتا ہوا آگے نکل گیا۔

خوں خوار کتوں کی تربیت کے سلسلے میں ایلین کی مہارت ایک قیاس نہیں رہی تھی۔ کتے کی پہلی آواز سنتے ہی مجھے اندازہ ہوچکا تھا

کہ اسے میری بو پر سدھا کر وہاں سے لایا گیا تھا۔ نیچے گرتے ہوئے میں نے سمجھ لیا تھا کہ میں اس وحشی کتے کے پلٹنے سے پہلے اپنے قدموں پر اٹھنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو وہ اپنے تیز دانتوں اور نکیلے پنجوں کے ساتھ میرے سینے پر سوار ہو کر مجھے لہولہان کر ڈالے گا۔

یہ تو میری خوش قسمتی تھی کہ نیچے گرنے کے باوجود لوڈ کیا ہوا پستول میری گرفت میں تھا۔ میں نے اپنے قدموں پر اٹھتے ہی پستول تان کر کتے پر فائر جھونک مارا۔ میرے قیاس کے عین مطابق وہ رک کر مجھ پر حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔

عجلت اور گھبراہٹ کی وجہ سے میرا پہلا نشانہ خطا ہو گیا۔ گولی کتے کے اوپر سے گزر گئی۔ اسی لمحے مجھے ادراک ہوا کہ میرا صرف ایک وحشی کتے سے مقابلہ نہیں تھا۔ میرے عقب میں ایک دوسرا چتکبرا کتا آ چکا تھا اور میرے اوپر غرا رہا تھا۔

پتا نہیں ایلین میرے چیتھڑے اڑوانے کے لیے کتنے کتوں کا دستہ ساتھ لے کر آیا تھا۔

باہر وقفے وقفے سے زبردست فائرنگ ہو رہی تھی لیکن اس وقت مجھے صرف ان دو کتوں کی خون آشام غراہٹیں سنائی دے رہی تھیں جو موت بن کر مجھے اپنے نرغے میں لے چکے تھے۔

میں نے پلک جھپکتے میں فیصلہ کیا کہ میرے لیے چتکبرا کتا زیادہ خطرناک تھا۔ سیاہ کتا مجھ سے قدرے دور تھا اور ایک فائر سے بچنے کی وجہ سے قدرے متردد بھی تھا جب کہ چتکبرا کتا ڈرائنگ روم میں گھستے ہی غضب ناک انداز میں دانت نکوس کر مجھ پر جست لگانے کی پوزیشن لے چکا تھا۔

جوں ہی وہ قالین چھوڑ کر فضا میں میری طرف آیا، میں نے قدم جما کر اس پر گولی چلا دی۔ گولی اس کے دہانے میں گھس کر شاید اسکے دماغ کے چیتھڑے اڑاتی ہوئی گزر گئی۔ اس کی جست ادھوری رہ گئی۔ وہ مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی ایک بڑے لوتھڑے کی طرح قالین پر گر گیا۔

اس کے انجام کا یقین کرنے کے لیے مجھے اس پر زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ فائر کرتے ہی میں نے اس بھیانک کتے کے جہنم واصل ہونے کا اندازہ لگا لیا تھا۔

اپنے غراتے ہوئے، مشتعل ساتھی کے اس انجام پر سیاہ کتا اپنی جگہ پر پہلو بدل رہا تھا۔ میں نے جوں ہی اس کا نشانہ لینے کی کوشش کی، اس نے چھلانگ لگانے کے بجائے پوری قوت سے میری طرف دوڑ لگا دی۔ فاصلہ ہی کتنا تھا۔ میرے سنبھلنے سے پہلے اس نے بھونک کر میری پنڈلی پر منہ مارا۔ میں نے اضطراری حالت میں اپنا پیر پیچھے کیا مگر اس نے میری پتلون کا پائنچا اپنے مہیب جبڑے میں دبا لیا اور اسے پوری قوت سے پیچھے کی طرف کھینچنے کی کوشش میں زور لگانے لگا۔

مجھے اس امر کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ کتے کی زور آزمائی کے مقابلے میں میرے لیے اپنی جگہ پیر جمائے رکھنا دشوار ہو رہا تھا مگر یہ بات میرے حق میں تھی کہ پتلون میں الجھنے کے بعد کتا مصروف ہو گیا تھا اور مجھے اس کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے کافی وقت مل گیا تھا۔

اس کشمکش میں پستول میرے قبضے میں ضرور رہا تھا لیکن اس کا دستہ میری گرفت سے نکل گیا تھا۔ میں نے نال پکڑ کر پستول کا دستہ پوری قوت سے سیاہ کتے کے سر پر مارا۔ کھٹ کی آواز کے ساتھ وہ بلبلا کر بھونکا اور اس نے میری پتلون چھوڑ کر کلائی پر منہ مارنے کی کوشش کی لیکن سر پر شدید ضرب آنے کی وجہ سے شاید اس کی بینائی دھندلا گئی تھی۔ اس کی مہیب تھوتھنی فضا میں لہرا کر رہ گئی۔

اس ناکامی پر جھلا کر وہ میری بو پر میری طرف جھپٹا لیکن اس وقت تک میں پورے اعتماد سے سنبھالا لے چکا تھا۔ میں نے اس خوں خوار عفریت کے سر میں بھی گولی اتار دی اور وہ دم توڑتی ہوئی غراہٹوں کے ساتھ قالین پر گر کر تڑپنے لگا۔

لمحہ بھر کے لیے میں نے اپنے کانوں پر زور دیا لیکن فضا میں کسی اور کتے کی آواز سننے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس وقت شاید میری تلاش کے لیے وہی دو کتے لائے گئے تھے۔ مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ باہر غزالہ، ویرا اور سلطان شاہ کے ساتھ دو مسلح گارڈز بھی موجود تھے۔ وہ سب مسلح تھے اور نامعلوم حملہ آوروں کا مقابلہ بھی کر رہے تھے لیکن ان میں سے کسی نے ان دونوں کتوں پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ وہ کوئی بھی زخم کھائے بغیر مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

ان دونوں کتوں سے مقابلہ کرتے ہوئے میں یہ بات محسوس کر چکا تھا کہ ڈرائنگ روم کے کھلے ہوئے دروازے سے کئی گولیاں اندر آ کر ادھر اُدھر پیوست ہو چکی تھیں۔ میں نے درانہ وار ڈرائنگ روم سے باہر نکلنے کے بجائے دیوار کے ساتھ چپک کر باہر کا جائزہ لینے کی کوششیں شروع کر دیں۔

سلطان شاہ شاید ڈرائنگ روم کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ جہانگیر کی خواب گاہ اور لابی میں جلتے ہوئے زیرو واٹ کے قمقموں کی روشنی کے پس منظر میں اس نے میرا متحرک ہیولا دیکھ لیا اور اپنی جگہ سے اونچی آواز میں بولا۔ "جلدی گاڑی تک پہنچنے کی کوشش کرو...... ایلین کے ساتھ تین چار آدمی حملہ آور ہوئے ہیں مگر ابھی تک انہیں اندر گھسنے میں کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ بس دو خطرناک کتے اندر آ سکے ہیں۔ انہیں تم نے مار لیا ہو گا۔"

یہ اسی کا حوصلہ تھا کہ گولیوں کے سائے میں اس نے اتنی لمبی بات کر ڈالی تھی۔ میں بول کر حریفوں کو اپنی پوزیشن کا اندازہ لگانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ سلطان شاہ کی گفتگو سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ مجھے باہر کے حالات کا صحیح اندازہ ہو گیا۔

میرے حمایتی احاطے میں پھیلے ہوئے تھے۔ ایلین اور اس کے آدمی اندر گھسنے کے لیے کوشاں تھے۔ وہ اتنے احمق نہیں ہو سکتے تھے کہ مزاحمت ہونے پر بھی اپنی ساری توجہ پھاٹک پر مرکوز رکھتے وہ خالی پلاٹ کی یا کسی اور سمت سے دیوار پھاند کر بھی اندر کود سکتے

تھے۔ ایک بار وہ اندر آجاتے تو چو طرفہ لڑائی شروع ہو سکتی تھی جس میں باہر نکلنے والا کوئی نادیدہ ہتھیاروں کی زد پر ہوتا۔

میں فوراً ہی سینے کے بل لیٹ گیا۔ برآمدے کے اونچے فرش پر کہنیوں اور گھٹنوں کے بل آگے سرکنے میں دیکھ لیے جانے کا خطرہ نہیں تھا۔

باہر پھیلا ہوا اندھیرا خاصا گہرا ہو چکا تھا۔ اس میں فائرنگ کے شعلے یوں لپک رہے تھے جیسے متعدد جگہوں پر بیٹھے ہوئے لوگ چقماق پتھروں کو آپس میں لڑا رہے ہوں۔ میں نے ڈرائنگ روم کے قالین پر سے برآمدے کے ننگے فرش پر پیش قدمی شروع ہی کی تھی کہ میرے نتھنوں میں پٹرول کی تیز بُو آئی۔ وہ بُو اچانک شروع ہوئی تھی اور خاصی تیز تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے پٹرول سے بھرا ہوا کوئی کنستر کھول کر کہیں بہا دیا گیا ہو۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ ایلن کے آدمی کسی محفوظ سمت سے احاطے میں گھس چکے تھے اور کسی کھلی ہوئی کھڑکی وغیرہ سے اندر پٹرول چھڑک کر آگ لگانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ انہوں نے اپنے چھوڑے ہوئے کتوں کو مکان کے اندر گھستے دیکھ کر سمجھ لیا تھا کہ میں اس وقت بھی مکان میں چھپا ہوا تھا۔ اندر آگ پھیلتی تو مجھے باہر نکلنا پڑتا اور پھر وہ بھڑکتے ہوئے شعلوں کی آسیبی روشنی میں مجھے پہچان کر زندہ گھیرنے کی کوشش کر سکتے تھے یا کم از کم گولی مار سکتے تھے۔

ان کے عزائم بہت خوف ناک اور واضح تھے۔ ایلن متعصب اور مال دار یہودیوں کی تنظیم ڈیوڈ اسٹارز کے لئے کام کر رہا تھا جسے امریکا اور بھارت کی مکمل سرپرستی حاصل تھی۔ اسے معلوم تھا کہ میں اسے پاکستان میں آسانی سے قدم نہیں جمانے دوں گا اور اس کی راہ میں روڑے اٹکاؤں گا اس لئے وہ اپنا اصل کام شروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گیا تھا لیکن تقدیر ہر تصادم میں میرا ساتھ دے رہی تھی۔ اس بار بھی میں پٹرول میں گھرنے سے پہلے مکان سے باہر آنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

جہانگیر کے گھر کے آہنی پھاٹک میں بنی ہوئی ذیلی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کھڑکی کھلواتے ہی ان لوگوں نے کتوں کو شکار دیا ہو اور وہ کھڑکی کھولنے والے کو گراتے ہوئے اندر گھس آئے ہوں۔ اس ذیلی کھڑکی میں سے گولیاں اندر آرہی تھیں۔ شاید ایلن کے کسی آدمی نے وہاں جم کر سب لوگوں کو الجھایا ہوا تھا۔ دوسرے آدمی دوسری سمتوں میں مقدر آزمائی کر رہے تھے۔

"میں آرہا ہوں، میرے اوپر فائر نہ کر دینا۔" چند فٹ آگے بڑھنے کے بعد میں نے قدرے تیز سرگوشی میں کہا "وہ لوگ مکان میں پٹرول چھڑک رہے ہیں۔ اب یہاں سے نکلنے کی فکر کرو۔"

"طاہر!" اندھیرے میں کہیں قریب ہی سے ایک گارڈ کی پہچان آمیز سرگوشی ابھری "اوٹ میں رہ کر پھاٹک کھول دو۔ یہاں بہت بڑی خوں ریزی ہوتی نظر آرہی ہے۔"

آخر کار میں جہانگیر کی سیاہ ایکارڈ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ تینوں اسی کے آس پاس موجود تھے۔ فائرنگ کا شور سن کر شاید انہوں نے اسی کی اوٹ لی تھی اور خطرے کی شدت میں کمی کا احساس کرنے کے باوجود اسی کے گرد منڈلا رہے تھے۔ ان سے ذرا دور، ایک گارڈ پام کے بڑے گملے کی اوٹ میں دبکا بیٹھا تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید وہ پھاٹک کے قریب ہی کہیں جما ہوا تھا۔

"سب گاڑی میں سوار ہو جاؤ۔" میں نے نیچے پہنچتے ہی ہدایت جاری کی "پھاٹک کھلتے ہی ہمیں یہاں سے نکل بھاگنا ہو گا۔ اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو جہانگیر کی یہ گاڑی بلٹ پروف ہے۔ نہ بھی ہو تو دو چار گولیاں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گی۔"

میں ڈرائیونگ سیٹ والے دروازے کے پاس پہنچا ہی تھا کہ پھاٹک کے آہنی کنڈے کی آواز ابھری۔ شاید طاہر نامی گارڈ پھاٹک تک پہنچ چکا تھا۔ باہر سے ایک ہلکا سا برسٹ فائر ہوا، تڑاتڑ پانچ چھ گولیاں چلیں۔ کچھ کھڑکی سے گزر کر احاطے میں کہیں گم ہو گئیں۔ چند دبیز آہنی پھاٹک سے ٹکرا کے رہ گئیں۔ دوسرے گارڈ نے کئی جوابی فائر کئے مگر وہ بھی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔

پھر ایک تیز آہنی جھنکار کے ساتھ گیٹ کے دونوں پٹ اندر کی طرف کھلتے چلے گئے۔ میں نے پھرتی کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کے انجن اسٹارٹ کر لیا۔ سلطان شاہ میرے برابر میں بیٹھ گیا۔ غزالہ اور ویرا نے پچھلی سیٹ سنبھال کر دروازے بند کر لئے۔ بے ہوش ٹونی غالباً ان کے قدموں میں تھا۔

گیٹ کھلنے پر باہر سے صرف دو فائر ہوئے پھر صرف کھٹکے کی آواز گونج کر رہ گئی۔ شاید باہر والے کے میگزین میں صرف دو گولیاں رہ گئی تھیں جو اس نے چلا ڈالی تھیں۔ مزید فائر کرنے کے لئے اسے خالی میگزین نکال کر اپنے ہتھیار میں نیا میگزین لوڈ کرنا تھا۔

اس وقت ایکارڈ اسی پوزیشن میں کھڑی ہوئی تھی جس میں ہم نے اترتے وقت اسے چھوڑا تھا۔ میں نے گاڑی کو ریورس گیئر میں ڈالا اور پوری رفتار سے کار پیچھے دوڑا دی۔ پختہ فرش پر ایکارڈ کے ٹائر پوری قوت سے چیخے اور کار تقریباً اچھل کر پیچھے کی طرف دوڑ پڑی۔

ایکارڈ لمحہ بھر میں پھاٹک سے گزر گئی۔ میں نے پوری قوت سے بریک لگائے اور ہیڈ لیمپس آن کر دیئے۔ اسی وقت عمارت کی طرف سے بھق کی ایک گھٹی ہوئی مگر تیز آواز آئی اور فضا میں سرخ سرخ شعلوں کا لہو رنگ انعکاس تیرتا ہوا نظر آنے لگا۔

گاڑی کے خود کار گیئرز کو ڈرائیونگ پوزیشن میں لے جاتے ہوئے میں نے گینڈے نما اس شخص کو دیکھا جو کلاشنکوف نما ایک آتشیں ہتھیار لئے خالی پلاٹ کی طرف دوڑ رہا تھا۔

وہ یقیناً ایلن کا ساتھی تھا جو عین وقت پر اپنا میگزین خالی ہو جانے کی وجہ سے ہمیں اپنا نشانہ نہیں بنا سکا تھا اور اب اپنی جان بچانے کے لئے پوری قوت سے کسی جائے پناہ کی تلاش میں

دوڑا جا رہا تھا۔ میں نے اونچی آواز میں سب کو اس خبیث کی طرف متوجہ کیا لیکن وہ اس سے پہلے ہی دیکھ لیا گیا تھا۔ غزالہ کی طرف کی کھڑکی سے فائر ہوا لیکن بھاگتے ہوئے شخص کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔

جہانگیر کا مکان تیزی سے بڑھتی ہوئی آگ کی بھیانک لپیٹ میں آتا جا رہا تھا۔ لحظہ بہ لحظہ بڑھتے ہوئے شعلوں کے سائے میں کثیف دھوئیں کے گہرے بادل انگڑائیاں لیتے ہوئے کسی بھیانک عفریت کی طرح ہر طرف پھیل رہے تھے۔ سفاک ایلن نے جہانگیر کے' شوق اور امنگوں سے بنوائے اور سجائے گئے بیش قیمت مکان کو ایک ہی لمحے میں آگ کا ایندھن بنا دیا تھا۔

اپنے عزیز ترین دوست کے عمر بھر کے اثاثوں کو یوں بے بسی سے جلتے دیکھنا میرے لئے بہت دردناک تھا لیکن زندگی میں ایسے مرحلے بھی آتے ہی رہتے ہیں۔ وہ مکان ایک طرف رہا' اس وقت ہماری آزادی اور زندگیوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے جذبات کی رو میں بہہ کر وقت ضائع کرنے کے بجائے تیزی سے کار اسی طرف موڑ لی جدھر گینڈے نما حملہ آور بھاگ رہا تھا۔

کار دوڑاتے ہوئے میرے ذہن میں صرف ایک لمحے کے لئے یہ خیال آیا کہ اس کے برابر میں سے گزرتے ہوئے کوئی بھی اسے گولی مار دے گا لیکن دوسرے ہی لمحے میرا خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ اسٹیئرنگ پر میرے ہاتھوں کی گرفت سخت ہو گئی۔ میں نے سڑک پر دوڑتی ہوئی کار کو قدرے ترچھا کیا اور گینڈے نما شخص بمپر سے اچھل کر ہوا میں اڑتا ہوا نظر آیا۔ اس کی چیخیں ہولناک اور لرزہ خیز تھیں۔ وہ اس وقت بھی تاریک پلاٹ سے کئی گز دور تھا۔

میں نے جنون کے عالم میں ایکارڈ کی رفتار اتنی تیز کی ہوئی تھی کہ وہ شخص ہوا میں اچھل کر زمین پر گرنے بھی نہیں پایا تھا کہ کار اس کے نیچے پہنچ گئی اور وہ ایک پُرشور آواز کے ساتھ دوڑتی ہوئی کار کے بونٹ پر آ گرا۔ چکنے اور ہموار بونٹ پر وہ کسی اندھے کی طرح کوئی سہارا تلاش کرنے کے لئے ہاتھ پیر چلا رہا تھا۔ کار کی باڈی میں بالکل بیٹھے ہوئے اور چپکے ہوئے وائپروں پر اس کا ہاتھ نہیں پڑ رہا تھا۔

میں بریک لگا کر بہت آسانی کے ساتھ اسے بونٹ سے نیچے پھسلنے پر مجبور کر سکتا تھا لیکن اس وقت خالی پلاٹ مخدوش تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ بقیہ لوگوں کو اندر بھیجنے کے بعد کوئی اندھیرے میں چھپ کر اس کی حفاظت نہ کر رہا ہو۔ میں اسی رفتار سے پلاٹ کے سامنے سے گزر گیا۔

خطرے کے احساس سے نجات ملتے ہی میں نے اچانک بریک لگا دیا۔ کار کی رفتار کو ایک شدید جھٹکا لگا اور ہمارا دشمن بونٹ پر سے غیر ارادی طور پر پھسلتا ہوا بائیں ٹائر کے سامنے جا گرا۔ میں نے فوراً ہی بریک پیڈل چھوڑ کر دوبارہ ایکسلریٹر دبا دیا۔

کار میں بھونچال آ گیا۔ سب اچھل کر چھت سے ٹکرا گئے۔ اگر اسٹیئرنگ پر میری گرفت مضبوط نہ ہوتی تو ان جھٹکوں کی وجہ سے وہ میرے ہاتھوں سے نکل سکتا تھا۔

اس شخص کی لرزہ خیز چیخوں کے ساتھ ہماری وزنی کار اسے کچلتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔

”خدا کی پناہ!“ پیچھے سے غزالہ کی لرزتی ہوئی آواز ابھری ”بعض اوقات آپ غصے میں ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ اسے کچل کر مارنے کی کوشش میں یہ تیز رفتار کار الٹ بھی سکتی تھی۔“

”اب کاروں کے الٹنے کا زمانہ لد گیا۔“ میں نے غیر ارادی طور پر ہنس کر کہا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میری وہ بھیانک ہنسی خود میرے لئے اجنبی تھی۔ ”یہ نیچی اور ایروڈائنامک ڈیزائن کی گاڑیاں تیز رفتاری میں بھی نہیں الٹتیں اسی لئے دنیا بھر میں تیزی سے مقبول ہو رہی ہیں۔“

وہ خالص رہائشی اور پُرسکون علاقہ تھا۔ ہم جب تک وہاں سے باہر نہیں نکل گئے وہ تینوں مڑ مڑ کر جہانگیر کے جلتے ہوئے گھر کے اوپر بڑھتی ہوئی خون آشام سرخی کا جائزہ لیتے اور اپنے اپنے انداز میں تبصرے کرتے رہے۔ مجھے یقین تھا کہ اس آگ کے پھیلاؤ سے اپنے گھروں کو لاحق ہونے والے خطرے کے پیش نظر' جہانگیر کے پڑوسی آگ بجھانے والوں کی امداد طلب کر لیں گے اور اس آباد علاقے کو کوئی سنگین نقصان نہیں پہنچ سکے گا۔ سارا نقصان صرف اور صرف جہانگیر کو پہنچا تھا۔

”یہ ہر حال میں پولیس کیس بنے گا۔“ تھوڑی دیر بعد ویرا بولی ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی کھلی چاند ماری کے بعد سیکیورٹی گارڈز کیا بیان دیں گے۔ اس بار ہم دلدل میں پھنسے ہیں۔“

”پیسے میں بہت طاقت ہے۔“ میں نے پُرخیال لہجے میں کہا ”دس ہزار روپے قبول کر کے وہ خود بھی چکر میں آ چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ خاموشی سے بھاگ جائیں گے۔ جب ہماری یا کسی اور کی طرف سے ان کی نشان دہی نہیں ہو گی تو انہیں اپنی خاموشی برقرار رکھنے کا جواز مل جائے گا۔“

”اگر تمہاری بات مان لی جائے تب بھی یہ ان کا انفرادی فعل ہو گا۔ وہ ایک باقاعدہ کمپنی کے ملازم ہیں۔ وہاں کے ریکارڈ میں جہانگیر کا مکان بھی شامل ہے۔“ سلطان شاہ بولا۔

”یہ سب سنبھالنا ان کا کام ہو گا۔ جہانگیر کے خلاف کچھ ثابت نہیں کیا جا سکے گا کیونکہ اسے تو چاروں گارڈز بھی نہیں پہچان سکیں گے۔ میرا خیال ہے اپنی نیک نامی برقرار رکھنے کے لئے ان کی کمپنی کے مالکان بھی کسی اسکینڈل سے بچنے کی کوشش کریں گے۔“

اسی وقت کھیل کا ایک وسیع' ویران اور تاریک میدان آ گیا اور غزالہ بول پڑی ”کیوں نہ ہم سڑک کے بجائے اس کھلے میدان میں سے گزر جائیں۔ زمین ہموار ہے۔ یہاں ہم ٹوٹی سے بھی چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔ بارونق علاقے میں داخل ہونے سے پہلے یہ کام ہو جانا چاہئے۔“

"چھٹکارا تو بعد میں ہوگا۔ پہلے اسے ختم کرنا ہوگا۔ یہاں فائر کے دھماکے کے بجائے ہمیں بیم گن کے مہلک مگر خاموش شعلے سے کام لینا ہوگا۔" سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا۔

غزالہ کا مشورہ صائب تھا۔ میں نے رفتار کم کر کے گاڑی میدان کی طرف گھمالی۔

"اسے ختم کرنے کی فکر میں مت پڑو۔" ویرا نے پُرسکون لہجے میں کہا "اس کی گردن میرے پیروں میں تھی۔ میں اسے ختم کر چکی ہوں۔ اب صرف اسے باہر دھکیلنا باقی رہ گیا ہے۔"

"بعض اوقات تم متحیر کر دینے والی خاموشی سے اپنا کام کر گزرتی ہو۔" غزالہ کی آواز رشک آمیز ہوگئی "مجھے برابر میں موجود ہونے کے باوجود پتا نہیں چل سکا کہ تم اس کا ٹینٹوا دبائے بیٹھی ہو۔"

"تمہارا دماغ جہانگیر کے گھر کی آگ میں الجھا ہوا تھا اس لئے تم کو کچھ پتا نہیں چل سکا ورنہ ٹونی نے مرنے سے لمحہ بھر پہلے بہت زبردست جھرجھری لی تھی۔" ویرا نے انکشاف کیا۔

"اس کا نچلا دھڑ خون میں تھڑا ہوا ہے اس لئے میں اب بھی اس سے بچ کر بیٹھی ہوئی ہوں۔" غزالہ نے کہا "مجھے پتا نہیں چل سکا کہ اس نے کب دم توڑا ہے۔"

"خون کی فکر نہ کرو۔ اس کے جسم کے خون آلود حصوں پر دو موٹی موٹی چادریں لپٹی ہوئی ہیں۔" سلطان شاہ نے کہا "اسے ان چادروں سمیت پھینکنا ہے۔"

چند ثانیوں کے لئے خاموشی رہی پھر میں نے کہا "ذرا ایک مرتبہ پھر اطمینان کر لو کہ ٹونی مر چکا ہے۔ ہمارے خلاف یہ سب سے خطرناک گواہ ثابت ہو سکتا ہے۔"

"نبض بالکل خاموش ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد ویرا نے کہا "یہ دوبارہ زندہ ہو جائے تو اور بات ہے۔ کہیں بھی گاڑی روک لو، ہم اسے نیچے دھکیل دیں گے۔"

میدان کے تقریباً وسط میں، میں نے گاڑی روک کر اس کی روشنیاں گل کر دیں اور پھرتی سے نیچے اتر آیا۔ میرے اترنے سے پہلے پچھلی طرف کے دونوں دروازے کھل چکے تھے۔ اندر سے عورتوں نے سہارا دیا، باہر سے میں نے ٹونی کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے باہر گھسیٹ لیا۔ وہ چادروں سمیت باہر آگیا۔

اس بوجھ سے نجات حاصل کر کے ہم فوراً کار میں سوار ہو گئے اور میں نے بریک پیڈل کو چھیڑے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی، خاصی دور نکل آنے کے بعد میں نے ہیڈ لیمپس آن کر دیئے۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ بظاہر ہم نے ٹونی کی لاش کے ساتھ جہانگیر کے گھر کی ایسی زیرِ استعمال چادریں چھوڑ دی تھیں جن پر دھوبی یا لانڈری کے نشانات موجود رہے ہوں گے جو چادروں کے مالک کی نشان دہی کا ذریعہ بن سکتے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ کچے میدان میں ایک کرے سے دوسرے سرے تک ایکارڈ کے ٹائروں کے واضح نشانات باقی رہ گئے تھے جن پر محنت کر کے لاش پھینکنے والی گاڑی کا سراغ لگایا جا سکتا تھا لیکن پاکستان جیسے ملک میں ایسی تفتیشی سہولتیں میسر نہیں تھیں جن کی مدد سے ایک جیسے ٹائروں والی ہزاروں گاڑیوں میں سے ایک کار کی شناخت ممکن ہوتی۔ میں اپنے ان اندیشوں میں کسی کو شریک کئے بغیر خاموشی سے کار چلاتا رہا۔

راستے میں ہمیں مخالف سمت سے آتے ہوئے دو تیز رفتار فائر انجنوں نے کراس کیا۔ موہوم سا امکان تھا کہ شاید وہ جہانگیر کے گھر کی طرف جا رہے ہوں۔ وہاں لگی ہوئی خوف ناک آگ بجھا کر وہ بس دوسرے مکانات کو ہی بچا سکتے تھے۔ جہانگیر کے گھر میں تو ایک کیل بھی بچنے کا امکان نہیں تھا۔

خاموش اور پُرسکون رہائشی علاقے سے روشن تجارتی علاقے میں آنے کے بعد میں نے تیز رفتاری کا مظاہرہ ترک کر دیا تھا۔ رات گہری ہونے کی وجہ سے سارے بازار بند تھے۔ دن میں پُرہجوم نظر آنے والی روشن سڑکیں ویران پڑی ہوئی تھیں مگر میں نہیں چاہتا تھا کہ اپنی جدوجہد کے سنگین ترین مراحل سے خیروعافیت کے ساتھ گزر آنے کے بعد ہم تیز رفتاری جیسے معمولی جرم کی بنا پر پولیس کی کسی گشتی پارٹی کے چنگل میں پھنسیں۔

ویرا نے پیچھے سے ایک سینڈوچ سلطان شاہ کو تھمایا تو میری سمجھ میں آیا کہ وہ کئی منٹ سے کس کام میں مصروف تھی۔ ڈبل روٹی، پنیر کے پارچوں اور ٹھنڈے ہنٹر بیف کی مدد سے وہ ہم لوگوں کی شکم پری کا سامان تیار کر رہی تھی۔ میں نے سلطان شاہ کے سینڈوچ کا ایک لقمہ لیا تو اندازہ ہوا کہ ویرا کی محنت بے ذائقہ نہیں تھی۔ وہ سینڈوچ رات کے کھانے کا اچھا نعم البدل تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم ایسے ہی سینڈوچ کھاتے ہوئے، ست رفتار سے حیدر آباد کی طرف چل پڑیں تو آسانی سے ڈھائی تین گھنٹے گزار سکتے ہیں۔" سلطان شاہ منہ چلاتے ہوئے بولا۔

"ہرگز نہیں، میں کسی بڑی شاہراہ پر نکلنے کے حق میں نہیں ہوں" غزالہ نے بلا تاخیر اعتراض کر دیا "آج کل اندھیرا پھیلنے کے بعد شاہراہیں بہت غیر محفوظ ہوگئی ہیں۔ ہر روز کے اخبارات شاہراہوں پر مسلح ڈکیتیوں کی خبروں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔"

"ہم سب بھی مسلح ہیں۔ مجھے ڈاکوؤں کی فکر نہیں ہے۔ راستے میں جگہ جگہ بنی ہوئی پولیس اور رینجرز کی چیک پوسٹوں سے بچ نکلنا ناممکن ہوگا۔ مخدوش حالات میں رات کو سفر کرنے والوں کو شبے کی نظر سے دیکھا جاتا ہوگا۔ بھاری رقم، زیورات اور اسلحے کے ساتھ ہم یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"تو پھر جہانگیر کے اسپتال کی طرف نکل چلو۔" ویرا نے تجویز پیش کی "کم از کم آج کی رات تو ہم آرام دہ بستروں پر گزار لیں گے۔ کل اس مسئلے کا حل ڈھونڈ لیا جائے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ جہانگیر ہمیں پہچان ہی نہ سکے" میں نے کہا۔ "گھر چھوڑنے سے پہلے میں اسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔ وہ اس

وقت اپنی ہی پینک میں پڑا ہوا ہوگا۔ اس نے نشے کی جھونک میں ہمیں 'ہمارے اصل ناموں سے پکارنا شروع کردیا تو اسپتال والے ہی ہماری گرفتاری کے بھاری انعام کے حق دار بن جائیں گے ایسی احمقانہ تجویز تم اپنے پاس ہی رکھو۔"

"میں جہانگیر کے پاس نہیں 'اس کے اسپتال چلنے کی بات کررہی تھی" ویرا نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر وضاحت کی۔ "خدا کے لئے اب یہ نہ پوچھ بیٹھنا کہ دونوں باتوں میں کیا فرق ہے۔"

اس کے لب و لہجے پر میں مسکرا کر رہ گیا۔ اس وقت ہم چاروں بدترین اعصابی دباؤ کا شکار ہورہے تھے اور اپنی اپنی خوش ذوقی بھول کر مدافعانہ رویوں پر اتر آئے تھے۔ میں نے ماحول بدلنے کے لئے قدرے خوش دلی سے کہا "تم منطقی طور پر پیدا ہونے والا سوال سمجھ ہی گئی ہو تو اب پوچھے بغیر اس کا جواب بھی بتادو۔ میرے لئے تو دونوں باتیں یکساں ہیں۔"

"اس اسپتال کے مالکان نرم اور حریص معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا انتظامی عملہ بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اگر ہم میں سے دو افراد مریض اور دو ان کے تیمار دار بن جائیں تو ہم بہت اطمینان سے اس اسپتال میں دو الگ الگ کمروں میں شب بسری کرسکتے ہیں۔ اسپتال والے جب جہانگیر جیسے بہکے کو داخل کرسکتے ہیں تو ہمیں بھی خوشی سے قبول کرلیں گے۔"

ویرا کی وہ تجویز بے سروپا نہیں تھی۔ اس میں خاصی جان تھی لیکن میرا ذہن اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے پر راضی نہیں ہوسکا۔ میں اپنے جمع کئے ہوئے سارے انڈے ایک ہی ٹوکری میں رکھنے کا قائل نہیں تھا۔ ہم پانچوں کا سارے سرمائے سمیت ایک ہی چھت کے نیچے جمع ہوجانا مناسب نہیں تھا۔ اس مرتبہ خطرات بہت زیادہ اور بہت شدید تھے۔ ذرا بھی کھیل بگڑتا تو ہم سب ہمیشہ کے لئے برباد ہوکر رہ جاتے۔ صرف ایک رات کے آرام کے لئے میں اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

دنیا بھر میں دن رات بھانت بھانت کے ہزاروں نشے استعمال ہورہے تھے۔ نرم اثرات والی مسکن دواؤں سے لے کر ہیروئن اور کوکین تک 'ان نشوں کی فہرست بہت لمبی تھی لیکن پاکستان میں جو بھی زیرِ زمین سازشیں پروان چڑھ رہی تھیں 'ان کی پشت پر کسی نہ کسی ہیروئن فروش کا دماغ یا سرمایہ کام کررہا تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے ہیروئن کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت روسیوں سے متحارب افغانوں میں متعارف کروایا گیا اور پھر افغان سرزمین پر جنگ کے شعلے ماند پڑنے سے پہلے ہی ہیروئن کا رخ پاکستان کی طرف موڑ دیا گیا جہاں اپنے عسکری اور توسیعی عزائم کی تکمیل کے لئے ایک عالمی قوت خوف ناک تبدیلی لاکر اپنے پاؤں جمانا چاہتی تھی۔

انہیں پاکستان کی نئی نسل سے خوف تھا۔ وہ مغربی لباس پہن کر مغربی موسیقی پر سر دھننے لگی تھی لیکن اپنے بنیادی عقائد اور نظریات سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہیں تھی۔ ان میں ایمان اور جہاد کا ادراک باقی تھا۔ سلمان رشدی یا کسی اور کی دریدہ دہنی پر پاکستانی مسلمانوں کے ساتھ بگڑے ہوئے مغرب زدہ لڑکے بھی مشتعل ہوکر سڑکوں پر نکل آتے تھے اور مرنے مارنے پر تل جاتے تھے۔ کشمیر جیسی کٹھن اور پُرخار وادی میں بے شمار پاکستانی نوجوان جہاد کے جذبے سے سرشار ہوکر اس دارالحرب کو دارالامن بنانے میں مصروف تھے۔ ان کے ذہنوں کو بنجر اور بانجھ کردینے کے لئے ہیروئن کا فروغ ناگزیر سمجھا گیا تھا۔ نشرواشاعت کے طاقت ور مغربی میڈیا کی شب و روز یلغار اور پروپیگنڈے کو مؤثر بنانے اور مغرب کے منتخب معاشروں کو محفوظ رکھنے کے لئے پاکستان ہی میں ہیروئن کی ایک ایسی سدا بہار منڈی اور مانگ پیدا کردی گئی تھی جو دن رات تیزی کی راہ پر گامزن تھی۔ ملک میں بدامنی اور شورش کی فضا پیدا کرنے کے لئے ہیروئن کی اندھی اور کالی کمائی سے جدید ترین ہتھیار خرید کر تقریباً مفت میں ریاست کے باغیوں 'چوروں' لٹیروں اور ڈاکوؤں میں بانٹے جارہے تھے۔ اس کی واضح ترین مثال الحدید نامی چھوٹے بحری جہاز کی گرفتاری تھی جو سیکڑوں ٹن غیرقانونی اسلحہ اور گولہ بارود لے کر کراچی کے ایک ویران ساحل سے آلگا تھا۔ ایران سے بلیو کراس ڈیل نامی سمجھوتے کے تحت خفیہ طور پر آنے والے ایٹمی سازوسامان اور حساس ترین آلات کی تباہی کے لئے ہیروئن کی سب سے بڑی اجارہ دار تنظیم شی کو میدانِ عمل میں لایا گیا تھا۔ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کے خلاف کی جانے والی سازشوں میں شی سے لے کر کولمبیا کے ہیروئن اور کوکین فروش تک شریک رہے تھے اور اب ایلین میدان میں تھا۔

ایلین بنیادی طور پر ہیروئن کا اسمگلر تھا۔ وہ معصوم اور ناخواندہ افغانوں کو حیلے بہانے سے لوٹ کر اپنی جیبیں بھرنے میں ماہر تھا اور ڈیوڈ اسٹارز والے راس المیڈا کو روئے زمین پر اس سے زیادہ کارآمد کوئی آدمی نہیں مل سکتا تھا۔ ایلین نے اپنی راہ بنانے کے لئے جس کا تعاون حاصل کیا وہ خود ہیروئن کے کاروبار میں گردن تک ڈوبا ہوا تھا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی کہ بدرو کی آمدنی کا انحصار اس ہیروئن کی اسمگلنگ پر تھا جو شنگارا ویلی میں کاشت کی جانے والی افیم سے کشید کی جاتی تھی۔

میری کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ میری اصل جنگ صرف ہیروئن کے خلاف تھی۔ ہر وہ شخص جو کسی بھی سطح پر ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا 'میرا حریف تھا۔ یہ اور بات تھی کہ میں ابتدا ہی سے اپنے بڑے اور نام ور حریفوں سے محاذ آرائی میں اس بری طرح الجھا تھا کہ اپنے چھوٹے موٹے دشمنوں پر توجہ ہی نہیں دے سکا تھا۔ اس وقت بھی صرف ایلین ہی میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔

میں نے جوں ہی کار کا رخ برنس روڈ کے چوراہے سے بائیں طرف موڑا 'سلطان شاہ نے مجھے ٹوک دیا "تم دوسری بار چند ریگر روڈ کا رخ کررہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم کراچی کی سڑکوں پر بے مقصد پٹرول پھونکتے پھر رہے ہو۔ تمہارے ذہن میں کوئی پروگرام

نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" میں نے اعتراف کیا "تمہارے ذہن میں کوئی بات آتی ہو تو وہ بتاؤ۔ شاید ہم شہر میں اس طرح بھٹکنے سے بچ جائیں۔"

"میں پھر حیدر آباد جانے کی تجویز دہراؤں گا۔" اس کے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ پھنس کر رہ گئی تھی "میں چوکیوں پر متعین عملے کی نفسیات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم ان سے بلاوجہ خوف زدہ ہو۔ وہ نئی اور قیمتی گاڑیوں کو عام طور پر نہیں روکتے۔ غلطی سے روک بھی لیں تو صرف مسافروں کے چہرے دیکھ کر آگے بڑھنے کا اشارہ کردیتے ہیں۔ ہمارے لئے وہ بے ضرر ثابت ہوں گے۔"

"دن کا وقت ہوتا تو میں تمہاری بات مان لیتا" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "رات کے وقت ان لوگوں کا کام کرنے کا طریقہ بالکل مختلف ہوتا ہے۔ گاڑی میں کوئی تیس مار خان بھی ہو تو وہ ویرانے میں ان کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ جب تک وہ اپنے وسائل کو استعمال کرنے کے قابل ہو' یہ لوگ اس کی مٹی پلید کرڈالتے ہیں۔ اوّل خان کی معزولی کے بعد ہم تو بالکل بے وسیلہ رہ گئے ہیں۔"

"پھر شارع فیصل کی طرف چلو" اس نے میری دلیل تسلیم کرکے فوراً ہی متبادل مشورہ پیش کردیا "موتی لال بتا چکا ہے کہ ایلن وہیں کہیں رہ رہا ہے۔ اس نے فون نمبر بھی اسی علاقے کے ایک گودام کا دیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ نرسری کے علاقے میں ہم اسے دیکھ لینے میں کامیاب ہوجائیں۔ جہانگیر کے مکان کو راکھ کردینے کے بعد وہ اپنے گھر ہی لوٹے گا۔"

"تھوڑی دیر پہلے یہ بہترین مشورہ ہوسکتا تھا" اس کے خاموش ہوتے ہی غزالہ بول پڑی "میرا خیال ہے کہ ہم سڑکوں پر بہت وقت گنوا چکے ہیں۔ اب تک تو وہ اپنے بستر پر دراز ہوکر نیند کی آغوش میں پہنچ چکا ہوگا۔ ہم وہاں بھی اپنا وقت برباد کریں گے۔"

"موہوم ہی سہی' ایک مقصد تو سامنے ہوگا۔ ہم اسی طرف چلتے ہیں۔" میں نے اس کی بات مان لی۔

چندریگر روڈ پر بائیں طرف گھومتے ہوئے میں نے ان تینوں سے کہا "تم نے اب تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ اچانک ہی یہ کھیل کیسے شروع ہوگیا اور دونوں کتے تمہاری گولیوں سے بچ کر گھر میں کیسے گھس گئے؟"

جواب میں ویرا نے جو کچھ بتایا وہ میرے اندازے کے مطابق تھا۔ دستک کے جواب میں ذیلی کھڑکی کھلتے ہی ایک کتا گارڈ کو گراکر اندر کود آیا تھا۔ گارڈ نے گرتے ہی بدحواسی میں فائر کردیا اور کتا لانے والوں نے بھی جوابی فائرنگ شروع کردی۔ اس وقت وہ تینوں غیر مسلح تھے۔ جتنی دیر میں وہ تھیلوں سے ہتھیار نکال کر لوڈ کرتے' کتا ان کے سروں پر پہنچ گیا۔ اس کے تیوروں سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ ان میں سے کسی پر بھی جھپٹ پڑے گا۔

اس اثنا میں دوسرے گارڈ نے بھی فائرنگ شروع کردی لیکن وہ سیاہ کتے کو نظرانداز کرکے ان چار پانچ افراد کو روکنے پر اپنی توجہ مرکوز کئے رہا جن کی جھلک اس نے پھاٹک کی کھلی ہوئی کھڑکی میں دیکھی تھی۔ کتے نے فضا میں چند گہرے گہرے سانس لینے کے بعد ان سے کوئی تعرض کئے بغیر برآمدے کی راہ اختیار کرلی۔ اسی دوران میں چتکبرا کتا بہت تیزی سے دوڑتا ہوا اندر گھس آیا۔ اس پر کئی فائر کئے گئے مگر وہ اتنا برق رفتار اور پھرتیلا تھا کہ کسی بھی گولی کی زد میں آئے بغیر برآمدے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس ہنگامے اور افراتفری میں ڈرائنگ روم سے میری بے ساختہ آوازیں سن لی گئی تھیں۔ مجھے گزند پہنچنے کے احتمال سے انہوں نے ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے چتکبرے کتے پر مزید کوئی فائر نہیں کیا اور مجھے بیک وقت دو کتوں سے نمٹنا پڑگیا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم ان ڈراؤنے کتوں سے بھی زیادہ خوں خوار ثابت ہوئے۔" ویرا نے آخر میں کہا "اور کوئی کاری زخم کھائے بغیر ان کا قصہ تمام کردیا۔ یہ کمال کیسے ہوا؟"

"ستارے اور پتلون" میں نے ہنس کر کہا "ستارے یاوری کررہے تھے اور پتلون نے میری پنڈلی کو کتے کے خونی جبڑوں میں جانے سے بچالیا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ دونوں کتے تقریباً پاگل ہوگئے تھے اور میرے اوسان خطا ہوگئے تھے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اتنی آسانی سے میری گلوخلاصی ہوسکے گی۔"

"اسی لئے سیانے کہتے ہیں کہ آدمی کتے پن پر اتر آئے تو اصل کتوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔" ویرا نے میرے جواب پر برجستگی سے گرہ لگائی اور سب ہنس پڑے۔

ہم مختلف سڑکوں سے گزر کر چوراہے سے شارع فیصل پر مڑے تو ٹریفک خاصا کم تھا۔ ایک زمانہ تھا کہ اس شہر میں رات گئے بھی رونق اور ہلچل دکھائی دیتی تھی لیکن جب سے امن وامان کی حالت بگڑنی شروع ہوئی تھی' لوگوں نے سرشام ہی کسی ناگزیر ضرورت کے بغیر گھروں سے باہر نکلنے کا سلسلہ موقوف کردیا تھا۔ جان و مال کے تحفظ کے لئے ہر شخص نے تفریحی مقامات کا سہارا لینے کے بجائے گھر کو اپنی ساری دلچسپیوں کا محور بنانے میں عافیت جانی تھی۔

نرسری کے علاقے میں بیکریوں اور میڈیکل اسٹورز کے علاوہ آئس کریم اور فاسٹ فوڈ کی دکانیں بھی کھلی ہوئی تھیں جن کی وجہ سے وہاں رونق اور چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے گاڑی مین روڈ سے سروس روڈ پر موڑلی۔ دکانوں اور گاڑیوں کے قریب سے گزرتے ہوئے ہم ہر چہرے کا بغور اور قریبی جائزہ لے سکتے تھے۔

میری دانست میں وہ ایک معجزانہ اتفاق ہی ہوتا اگر ہمیں ایلن یا پیٹر وہاں نظر آجاتا۔ اس علاقے میں ہمارا اپنے حریفوں کی نظروں میں آنا بھی اسی زمرے میں آتا تھا لیکن اس وقت ہماری پوزیشن کمزور تھی اس لئے میں کوئی بھی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ویرا مُصر تھی کہ ہمیں کسی دکان پر رک کر آئس کریم کھانی

چاہیے لیکن کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

ہم نے نرسری کے قرب و جوار کی متعدد گلیوں کے کئی چکر لگائے مگر کہیں بھی کوئی مطلوبہ سراغ نہیں مل سکا۔ ادھر آنے کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ نرسری کے مین بازار کے عقبی راستے سے گزر کر سلطان شاہ نے ہمیں وہ گودام دکھا دیا جہاں کے پتے پر ایلن کے دیئے ہوئے نمبر والا فون نصب تھا۔ اس گودام کی حالت ہی بتا رہی تھی کہ وہ اکثر بند رہتا ہوگا۔ اس گودام کے اردگرد بھی تجارتی علاقہ تھا۔ یہ امکان بھی نظر نہیں آتا تھا کہ اس گودام کے فون کے تاروں کو کسی مکان سے بھی جوڑ دیا گیا ہو۔

"یہاں اتر کر چھان بین کی جائے تو ایلن کا کوئی نہ کوئی سراغ مل سکتا ہے" غزالہ نے گودام دیکھ لینے کے بعد پُرخیال انداز میں کہا "اس فون نمبر سے ہمیں کوئی جواب نہیں مل سکا لیکن اس فون سے ایلن کا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔ اس نمبر پر گھنٹیاں بجنے کے بعد ہی اس نے جہانگیر کے گھر پر اپنی پوری توجہ مرکوز کی تھی......"

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ سلطان شاہ نے اس کام میں محنت نہیں کی" ویرا اس کی بات کاٹ کے بولی "ہو سکتا ہے کہ ایلن اسی گودام کے برابر میں کوئی چھوٹا سا دفتر لئے بیٹھا ہو اور گودام میں بجنے والے فون کی آواز سن لیتا ہو۔ اگر وہ گودام بند رہتا ہے تو وہاں فون بھی نہیں آتے ہوں گے۔ ایلن کے تحریری پیغام کے بعد اگر وہاں کئی بار لمبے عرصے کے لئے گھنٹیاں بجتی رہی ہوں تو اس جیسا چالاک آدمی بہت سرعت سے صحیح نتائج اخذ کر سکتا ہے۔"

ایلن سے دور بھاگنے کے بجائے اس کے پیچھے لگنے کا تصور بہت حوصلہ مندانہ تھا۔ ویرا نے اس وقت سلطان شاہ کی ٹانگ کھینچنے کے لئے وہ رائے زنی کی تھی لیکن وہ نظریہ دل کو لگنے والا تھا.... ہم سب لوگ نارمن کو ٹھکانے لگانے کے معاملے میں اس بری طرح محو رہے کہ ہم نے ایلن کی کمین گاہ کے بارے میں زیادہ غور کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ سلطان شاہ نے اپنی بھاگ دوڑ کے جو نتائج پیش کئے، انہیں روا روی میں سنا اور اس معاملے کو لاینحل تصور کر کے ذہن کے سرد خانے میں ڈال دیا۔ اس وقت سلطان شاہ نے ہمیں نرسری کی راہ سجھائی، غزالہ نے مزید چھان بین پر رائے زنی کی اور ویرا نے طنزیہ پیرائے میں ایک امکان پیش کیا۔ مجھے وہ سب باتیں مثبت نظر آ رہی تھیں۔ اس علاقے میں مزید رک کے کچھ نہ کچھ پیش رفت کی جا سکتی تھی لیکن کسی کے بارے میں پوچھ گچھ کے لئے وہ وقت خاصا نامناسب تھا۔

مجھے اپنے مشورے کا حامی پا کر غزالہ کا حوصلہ بڑھ گیا اور وہ بولی "یہ علاقہ اس وقت بھی بارونق ہے۔ یہاں کافی مرد اور عورتیں موجود ہیں۔ آپ تھوڑی دیر کے لئے مجھے اور سلطان شاہ کو کہیں اتار دیں۔ ہم لوگ کسی کولڈ اسپاٹ یا پان والے سے کچھ نہ کچھ کریدنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے ورنہ کل تو یہاں کام کرنا ہی ہے۔"

تھوڑی سی بحث کے بعد مجھے اس کی بات ماننی پڑی۔ ویرا نے ان دونوں کے ساتھ اترنے کی ضد نہیں کی۔ اسے احساس تھا کہ اخبارات میں انعامی اشتہارات کی اشاعت کے بعد محتاط رہنا ہی اس کے حق میں بہتر تھا کیونکہ برا وقت کبھی پیشگی اطلاع کے ساتھ نہیں آتا۔

میں نے اندرونی گلیوں سے گاڑی دوبارہ بازار کی طرف موڑی اور لمبی سی سڑک کے آخری سرے پر ان دونوں کو اتار دیا۔ وہ ٹہلتے ہوئے پتلی سی سڑک پر آگے بڑھ گئے۔ میں نے گاڑی دوسری متوازی سڑک پر ڈال دی۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ ہم نیلام گھر کے قریب والی پارکنگ کی جگہ پر ان کا انتظار کریں گے۔ گاڑی چلنے کے بعد ویرا عقبی نشست سے آگے آ گئی۔

نیلام گھر کے سامنے والی جگہ پر گاڑیوں کا زیادہ رش نہیں تھا مگر پھر بھی وہاں روشنی سے بچ کر نیم تاریکی میں متعدد گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ بیشتر گاڑیوں کی اگلی نشستیں آباد تھیں جن پر خوش حال گھرانوں کے رومان میں کھوئے ہوئے جوڑے براجمان تھے۔ کئی گاڑیوں میں رہ رہ کر سگریٹوں کے روشن سرے چمک رہے تھے جو سگریٹ نوشوں کی اضطرابی کیفیت کے غماز تھے۔

"یہ جگہ تو اچھی خاصی رومان گاہ بنی ہوئی ہے" ویرا نے اس دلچسپ ماحول سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "ویسے ہم دونوں کو بھی خاصے وقفے کے بعد ایسی تنہائی میسر آئی ہے۔ یہ سب ہمارے ہی ہم عمر معلوم ہو رہے ہیں.... نوجوان اور پُرجوش.....!"

"میں شرط لگا سکتا ہوں کہ ان میں سے کوئی بھی لڑکا متوسط طبقے کا فرد نہیں ہوگا۔" میں نے ایکارڈ بھی ایک نیم تاریک گوشے میں لگاتے ہوئے کہا "یہ سب والدین کی بے تحاشا دولت پر پلنے والے امیرزادے ہیں جنہیں رومان لڑانے کے سوا دنیا میں کوئی اور کام نہیں ہے۔ ان سے اپنا موازنہ مت کرو۔ عمر میں شاید تم ان لڑکیوں کے برابر ہو مگر تجربے میں ان سے بہت آگے ہو۔"

"میں بھی اپنے باپ کی دولت پر پلی ہوئی امیرزادی ہوں۔" وہ فخریہ لہجے میں بولی "اور مجھے بھی تم سے رومان لڑانا اچھا لگتا ہے، یہ اور بات ہے کہ اب تم غزالہ سے ڈرنے لگے ہو۔"

"میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ بس وقت گزرنے کے ساتھ بہت سی باتیں سمجھ میں آنے لگی ہیں۔ جب تک سمجھ نہیں تھی تو میں بھی بے فکرا امیرزادہ بنا رہنا پسند کرتا تھا۔"

ویرا نے میرا ہاتھ نرمی سے تھام لیا اور دھیمی آواز میں بولی "اگر تم غزالہ سے نہیں ڈرتے تو پھر اس کے سامنے مجھ سے اکھڑے اکھڑے کیوں رہتے ہو؟"

"یہ تمہارا احساس ہے ورنہ میرا رویہ ہمیشہ یکساں رہتا ہے۔" میں نے کہا۔

"اس کے سامنے میں ایسی بے تکلفی سے تمہارا ہاتھ تھام سکتی تھی؟"

"ہاتھ میرا ہے۔ میں اس کے سامنے بھی تمہیں اسے تھامنے سے نہیں روکوں گا۔ تکلف اور بے تکلفی کی بات اپنے دل سے

پوچھو کیونکہ اس کا تعلق تمہارے رویئے سے ہے۔"
"میں جانتی ہوں کہ اس کے سامنے بے تکلفی کا مظاہرہ کر کے مجھے خفت کا سامنا کرنا ہوگا۔ تم میرے ساتھ سرد مہری سے پیش آؤ گے اور میرا مان ٹوٹ جائے گا۔"
"اسے ڈر نہیں لحاظ یا مروّت کہتے ہیں۔" میں نے سر جھکا کر اپنے چہرے کو روشنی سے بچاتے ہوئے سگریٹ سلگا کر کہا "میاں بیوی کا رشتہ ایک آفاقی حقیقت ہے لیکن بازار اور خواب گاہ میں ان کا باہمی رویّہ یکساں نہیں ہوتا۔ یہ کیوں ہوتا ہے؟ میری دانست میں اسے معاشرے کا لحاظ کہتے ہیں۔ یہ چیزیں ختم ہو جائیں تو انسان اپنے مقام سے نیچے آجاتا ہے۔"
"مغرب میں مساوات اور آزادی کے نام پر ان ہی چیزوں کو معیوب بنایا جا رہا ہے" وہ اثبات میں اپنا سر سہلاتے ہوئے بولی "اپنا مقام کھو دینے کے بعد ان میں احساسِ زیاں جاگا ہے لیکن برائی کو ختم کرنا کبھی بھی اتنا آسان ثابت نہیں ہوا جتنا اسے پھیلانا۔ قانون بھی ابتدا میں ایسی برائیوں کو کچلنے میں بری طرح ناکام رہتا ہے۔"
"قانون کا وجود ہی کسی برائی کے اعتراف کا پہلا کھلا اظہار ہوتا ہے اور جلد یا دیر سے اپنا اختیار منوا لیتا ہے۔ سرِعام قانون کا مذاق اڑانے والوں کو ہمیشہ ندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"
"تم کراچی میں بیٹھ کر یہ دعویٰ کر سکتے ہو' نیویارک میں نہیں' وہاں عریانیت کی قانونی تعریف کا مضحکہ اڑانے کے لئے چار نوجوان لڑکیاں اپنے جسموں پر صرف دو دھجیاں لپیٹے کئی گھنٹوں تک بازار میں پھرتی رہیں اور قانون کے محافظ انہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکے۔ ان کی دلیل تھی کہ دھجیوں کی صورت میں ان کے جسموں پر معقول لباس موجود ہے اس لئے ان پر کسی قانون کی خلاف ورزی کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا تماشا دیکھنے اور حوصلہ افزائی کرنے کے لئے ایک جمِ غفیر ان کے ساتھ ہو لیا تھا۔ اس میں ان لڑکیوں کو کیا ندامت ہوئی؟ اخبارات میں تصاویر شائع ہوتے ہی ان چاروں پر ماڈلنگ کی دنیا کے دروازے کھل گئے جو اُن کے لئے ایک غیر متوقع انعام تھا۔"
"نیویارک!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تم خود امریکنوں کو ایک عجیب نسل قرار دیتی رہی ہو۔ ان پر عام معاشرتی ضابطوں کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ عالمی اختیار اور اقتدار کے نشے میں ڈوبی ہوئی قوموں کی تباہی کا عمل اخلاقی اقدار سے شروع ہو کر پھیلتا چلا جاتا ہے۔"
"نیویارک اور امریکنوں پر لعنت بھیجو!" وہ چونک کر بولی "ہم کن خشک معاملات میں الجھ گئے۔ دوسرے جوڑوں کو دیکھو' وہ دنیا و مافیہا کو بھول کر صرف ایک دوسرے میں کھوئے ہوئے ہیں۔ اس ماحول میں ہمیں بھی ان کی تقلید کرنی چاہئے ورنہ بلاوجہ دوسروں کی نظروں میں آئیں گے۔" یہ کہہ کر وہ مخمور انداز میں میری طرف سرک کر اتنے قریب آگئی کہ ہینڈ ریک کا لیور اس کے نیچے چھپ گیا۔
"یہاں کسی کو ہماری طرف دیکھنے کی فرصت نہیں ہے۔" میں نے بوکھلا کے کہا "آرام سے اپنی جگہ پر بیٹھی رہو۔ رومان لڑانے کے لئے دو جسموں کا درمیانی فاصلہ صفر ہونا ضروری نہیں ہوتا۔"
"بیٹھے رہو!" وہ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کے تیزی سے بولی "زن گزیدہ شوہروں کی طرح بھڑکو گے تو میں کار سے نیچے اتر کر کھڑی ہو جاؤں گی۔ یہ مت بھولو کہ غزالہ کا مرض شدید ہونے سے پہلے تم بھی دیوانہ وار میری توجہ اور جسم کے طالب رہا کرتے تھے......"
"پتا نہیں تم غزالہ کے کس مرض کی بات کر رہی ہو۔" میں نے چڑ کر کہا "وہ پوری طرح صحت مند ہے۔ اسے کسی قسم کا کوئی مرض نہیں ہے۔"
"اسے کوئی مرض نہیں ہے لیکن وہ تمہارے لئے ایک روگ بن گئی ہے۔ اس سے شادی ہو جانے کے بعد تم بالکل بدل کر رہ گئے ہو۔ تمہاری ظرافت اور جمالیات کی حسوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔"
"بات صرف اتنی سی ہے کہ اب تم اس سے جلنے لگی ہو اسی لئے تمہیں ہر چیز بدلی ہوئی نظر آرہی ہے۔ تمہیں ان دونوں نے اس طرح میرے اوپر سوار دیکھ لیا تو کیا سوچیں گے؟"
"سوچنے دو۔ میں دوسروں کی سوچوں کے لئے اپنی آزادی سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔"
"آزادی!" میں نے تلخی سے کہا "امریکنوں کو برا کہنے کے باوجود تم ان کا سکھایا پڑھایا ہوا سبق فراموش نہیں کر سکی ہو۔ ان کی آزادی لبرٹی کے قدموں سے شروع ہو کر مشعل کے سرے پر ختم ہو جاتی ہے لیکن تم مشعل کے شعلے سے بھی اوپر' فضا میں اُڑ جانا چاہتی ہو۔ ایسی آزادی جو دوسروں کی آزادیوں میں خلل انداز ہونے لگے' بدمعاشی کہلاتی ہے اور ایسے آزاد منش لوگ بدمعاش کہلاتے ہیں۔"
"تم مجھے بدمعاش کہہ رہے ہو؟" وہ آنکھیں نکال کر دھیمی آواز میں غرائی۔
"وہ دوسروں کی بات ہے۔" میں بے بسی سے ہنس پڑا "تم جیسی خوب رُو لڑکی کو کون بدمعاش کہہ سکتا ہے؟ تم نے قدیم اردو شاعری کا مطالعہ کیا ہوتا تو تمہیں پتا چلتا کہ ہماری طرف زندگی کا سارا کاروبار ہی مہ رخوں اور حسینوں کے دم قدم سے چلتا ہے۔"
"تم بہت چرب زبان اور چالاک ہو۔ پل بھر میں اپنی بات سے پھر جاتے ہو۔" وہ اپنی جارحیت کی کامیابی پر خوش ہوتے ہوئے بولی "پتا نہیں اپنے مکروفریب سے تم نے کتنی لڑکیوں کو تباہ کیا ہوگا۔"
"میں زندگی بھر اسی عیب سے بچتا رہا۔" میں نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کے کہا "کبھی لڑکیوں کے پیچھے نہیں بھاگا......"
"جو آگئی اسی پر گزارہ کر لیا۔ یہی بات ہے نا؟" اس نے میری بات کاٹ کر ٹکڑا لگایا۔

”یہ تمہارے زرخیز ذہن کی سوچ ہو سکتی ہے۔ میری اتنی پرواز نہیں تھی۔“

”پھر غزالہ جیسی خانہ دار لڑکی تم سے کیسے آ ٹکرائی؟ تم اس کے ہم جماعت تو نہیں تھے!“

”وہ اپنے کالج کی کئی لڑکیوں کے ساتھ ایک پروگرام کے لئے چندہ لینے آئی تھی۔“

”اور پھر اس نے واپس جانے سے انکار کر کے تمہاری داسی بننے کا فیصلہ کر لیا؟“

”وہ آئی، مجھے اچھی لگی، میں نے دوبارہ اسے بلایا، اسے بھرپور عزت دی اور پھر ملاقاتیں بڑھتی چلی گئیں۔ شاید تمہیں علم نہ ہو کہ اس کی گھریلو زندگی کس قدر دردناک اور ادھوری تھی۔“

”سب معلوم ہے“ وہ بے پروائی سے بولی ”تمہارے ستارے اچھے تھے جو بال بال بچ گئے ورنہ میں نے غزالہ کے نیم پاگل بھائی کامران کے ہاتھوں تمہیں اڑوانے کا بے داغ منصوبہ بنایا تھا۔“

”اور بے چارہ کامران خود ہی اس دھماکے کی بھینٹ چڑھ گیا۔“ میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا ”تمہیں یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ کامران پیدائشی طور پر بہت ذہین تھا۔ نادانی میں اپنی ماں کی کوکین کی زیادہ مقدار کھا لینے کے بعد سے اس کی یادداشت جاتی رہی تھی۔“

”ماں باپ کے بہت سے گناہوں کی سزا ان کی اولاد کو بھگتنی پڑتی ہے۔“ وہ بے پروائی سے بولی ”مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ غزالہ کی ماں بازارِ حسن کی باسی تھی۔ وہاں اس نے اپنی تیکھی اداؤں سے نہ جانے کتنوں کے دل دُکھائے ہوں گے۔ ان ہی میں سے کسی کی بددعا کامران کی یادداشت لے بیٹھی۔“

”کیا یہ باتیں تمہیں غزالہ سے معلوم ہوئی ہیں؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”اپنی پسلیاں کوئی نہیں گنواتا.... ٹی والے جب کسی سے کوئی کام لیتے ہیں تو پہلے اس کا پورا ماضی کھنگالتے ہیں۔ کامران کی وجہ سے اس بارے میں خاصی محنت کی گئی تھی۔ غزالہ سے کہہ بھی نہ دینا کہ مجھے اس کے یا اس کے والدین کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔ میں بلاوجہ اسے شرمندہ نہیں کرنا چاہتی۔“

”لیکن میرے بدن سے چپک کر اسے سلگانا ضرور چاہتی ہو۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری کون سی کل سیدھی ہے۔ کبھی اسے روگ قرار دیتی ہو، کبھی اس سے محبت اور اپنائیت جھاڑنے لگتی ہو۔“

”مجھے زندگی میں اس جیسی ہزاروں نہیں تو سیکڑوں مظلوم لڑکیاں ضرور ملی ہوں گی۔ پیرس کے بیگال کے علاقے میں ہر حسین لڑکی دردمند اور عیاش مردوں کے لئے ایک انوکھی اور دل گداز کتھا لئے پھرتی ہے۔ آج ان میں سے کوئی مجھے یاد بھی نہیں ہے۔ غزالہ کے لئے تو اس وجہ سے سوچنا پڑتا ہے کہ پہلے وہ تمہاری محبوبہ تھی اور اب بیوی ہے۔“ بات کرتے کرتے وہ ایک دم چونک کر بولی۔

”ہاں یہ تو بتاؤ کہ تمہاری شادی کیسے ہوگئی۔ سنا ہے کہ تم لوگوں کے بیسیوں فرقے ہیں اور ہر فرقہ اپنے اپنے طریقے سے شادی کرتا ہے۔ تمہاری شادی ایک چینی مولوی نے کرائی تھی۔ پتا نہیں وہ کس فرقے سے تھا۔ کیا تم اپنی شادی کے اس طریقے سے مطمئن ہو؟ یا پھر اسے اپنی گرل فرینڈ سمجھ کر گزارہ کر رہے ہو؟“

”تم نے مسلمانوں کے بارے میں چھانٹ چھانٹ کر منفی باتیں جمع کی ہوئی ہیں“ میں نے بھنا کر کہا ”یہ حقیقت سے زیادہ پروپیگنڈا ہے۔ آج کل ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک کے لوگوں کے ساتھ نماز بھی پڑھ لیتے ہیں۔ شادی کی رسوم مختلف ہو سکتی ہیں لیکن بنیادی نکات یکساں ہیں۔ چینی کیا، قطب شمالی کا مسلمان بھی کسی جوڑے کی شادی کرا سکتا ہے۔ ہمارے یہاں ابھی گرل فرینڈ کا رواج نہیں ہوا اور نہ ہونے کا امکان ہے۔“

ہمیں غزالہ اور سلطان شاہ کے انتظار میں وقت گزارنا تھا اس لئے میں ویرا کی ہر معقول یا بے سروپا بات کا جواب دیتا رہا۔ کاٹھ کے الو کی طرح خاموشی سے بیٹھنے کے بجائے مصروف رہ کر وقت گزارنا ہر اعتبار سے سودمند تھا۔ کم از کم مجھے پہلی بار یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ ویرا میرے مرحوم سسرالیوں کے بارے میں میرے جتنی معلومات رکھتی تھی اور اسے میرے اور غزالہ کے نکاح کے استحکام کا علم ہوگیا تھا۔

آخر کار کچھ دیر بعد وہ دونوں بائیں جانب کی روشن گلی سے نمودار ہوئے اور ان کی متلاشی نظروں نے فوراً ہی گاڑی دیکھ لی۔ مجھے ان کے بارے میں تجسس تھا اس لئے میں پہلے ہی سے ان کی تلاش میں اپنی نظریں اِدھر اُدھر دوڑا رہا تھا۔ ان کے چہروں سے کسی جوش و خروش کا اظہار ہو رہا تھا نہ ان کی چال میں کوئی غیر معمولی تیزی تھی جس سے اندازہ ہوتا کہ وہ کوئی کامیابی حاصل کر کے آئے ہیں۔ وہ عام انداز میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے ایکارڈ کی طرف بڑھتے چلے آئے۔

وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھے۔ میں نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی پارکنگ سے نکالی اور اس کا رخ شارع فیصل کی طرف جانے والے راستے کی طرف موڑ دیا۔

”واپس چلیں یا مزید چند گلیاں چھاننے کا ارادہ ہے؟“ ویرا نے گاڑی حرکت میں آتے ہی پیچھے مڑ کر طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

”تمہیں شوق ہے تو پیدل گلیاں چھانتی رہو۔ ہم لوگ واپس جائیں گے۔“ سلطان شاہ نے کہا۔

”واپس کہاں جاؤ گے؟ ہمارا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں ہے۔“

”اس علاقے سے باہر آوارہ گردی کرتے رہیں گے۔ یہاں اب کوئی کام باقی نہیں رہا۔“

”میرا اندازہ ہے کہ تم دونوں کوئی کامیابی حاصل کر کے آئے ہو۔“ میں نے ان دونوں کی گفتگو سننے کے بعد معنی خیز لہجے میں کہا۔ ”میں تمہاری رپورٹ سننے کے لئے بے چین ہوں۔“

”ویرا کو اتار دو تو پھر بتائیں گے کہ ایلین اسی علاقے میں مقیم

"میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔" ویرا پلٹ کر ہیجان آمیز
از میں بولی "یہ تو آج کی سب سے بڑی خبر ہے۔ ہمیں ابھی اس
ام زادے کی کمین گاہ پر جوابی حملہ کردینا چاہئے۔"
"اتنی عجلت اچھی نہیں ہوگی۔" غزالہ بولی "ابھی صرف
راغ ملا ہے۔ ہمیں بھیڑ بھاڑ کے اوقات میں مزید کام کرنا ہوگا۔
ں کے بعد ہی اگلا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا جاسکے گا۔"
"تم کیا معلوم کرکے آئی ہو؟" میں نے تاخیر پر جھلا کر کہا۔
"چند روز سے اس علاقے میں کسی کے پالے ہوئے جسیم اور
ت مند کتے دیکھے جارہے ہیں۔ روز صبح سویرے ایک مقامی آدمی
ن تین چار کتوں کو دور تک ٹہلانے کے لئے نکلتا ہے۔ وہ مقامی
ن کتوں کے ساتھ ہی ایک گورے کے پاس نیا نیا ملازم ہوا ہے۔ وہ
ر کہیں ہل پارک وغیرہ کی سمت سے آتا اور اسی طرف لوٹ جاتا
ہے۔" میرے ڈانٹنے پر غزالہ مشینی انداز میں بولتی چلی گئی۔
"تم تو اس طرح بتارہی ہو جیسے تم نے یہ معلومات کسی چھپے
ئے اشتہار سے حاصل کی ہیں۔" ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں
ہا "ہمیں تو تفصیل سے پوری بات بتاؤ۔"
"تفصیل کچھ بھی نہیں ہے، بس ہماری ترکیب کامیاب
و گئی۔" غزالہ کے توقف پر سلطان شاہ نے جواب دیا "ہم ایلین
کے بارے میں کسی سے پوچھ کچھ کرتے تو معلومات حاصل کرنے
کے بجائے دوسروں کی نظروں میں خود مشتبہ ہوجاتے۔ غزالہ کو
یال سوجھا کہ ہمیں کسی دکان پر پہنچ کر ان دونوں کتوں کے بارے
ں ذکر چھیڑنا چاہئے جو آج جہانگیر کے گھر پر مارے گئے ہیں۔ ایسے
ر معمولی کتوں کو صرف گھر میں رکھ کر نہیں سدھایا جاسکتا۔ اگر وہ
ہر نکلتے ہوں گے تو انہیں علاقے کے لوگوں نے ضرور دیکھا ہوگا۔"
"پھر کیا ہوا؟" ویرا بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔ اس کے لئے
سلطان شاہ کی چند ثانیوں کی خاموشی بھی گراں اور ناقابلِ برداشت
ی۔

"ہم نے جنرل اسٹور کے کاؤنٹر سے آئس کریم طلب کی اور
زالہ نے مجھ سے مخاطب ہوکر سیاہ اور چتکبرے کتے کا ذکر چھیڑ
یا۔ وہاں موجود لوگوں میں سے ایک جوڑے نے غزالہ کی باتوں میں
دلچسپی لینی شروع کردی۔ وہ کتوں کی نسل کے بارے میں قیاس
آرائی کررہے تھے۔ کام میں وقفہ آنے پر سیلزمین نے بتایا کہ وہ کئی
دن سے سیاہ اور چتکبرے کتوں کو ادھر آتے دیکھ رہا ہے۔ ان کے
ساتھ مزید ایک یا دو کتے ہوتے ہیں جو سب ہی بڑے اور خوف آور
ہیں لیکن کبھی غراتے بھی نہیں۔ اس حوالے سے سیلزمین نے وہ
سب بتایا جو غزالہ ابھی سنا چکی ہے۔ غزالہ نے کتوں کو دیکھنے کی
خواہش ظاہر کرکے ان کے مالک کا پتا جاننا چاہا تو سیلزمین نے لاعلمی
ظاہر کی لیکن اس نے وعدہ کیا ہے کہ صبح کتوں کا رکھوالا نظر آیا تو وہ
اس سے پتا ضرور معلوم کرلے گا۔"
"اور وہ جاکر ایلین کو بتادے گا کہ ایک عورت اور مرد مخصوص
کتوں کے مالک کے بارے میں تحقیقات کرتے پھر رہے تھے۔" ویرا
نے اس تفصیل میں فوراً ہی ایک منفی نکتہ نکال کر اعتراض جڑ دیا۔
"وہ پھرتی سے اپنا ٹھکانا بدل دے گا اور ہم از سرِنو جھک مارنا شروع
کردیں گے۔"
"تمہیں جھک مارنے کا شوق ہوا تو تمہیں اس کام سے نہیں
روکا جائے گا۔" سلطان شاہ نے بڑے تحمل اور سنجیدگی سے کہا۔
"لیکن ہم تمہارا ساتھ نہیں دے سکیں گے۔ اول تو غزالہ نے
اسے پتا معلوم کرنے سے منع کردیا ہے۔ دوم یہ کہ دو کتوں کے
مرنے کے بعد اس جلوس کے نظر آنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ ہم
کل ہی ایلین کے خلاف کارروائی کرگزریں گے۔"
"صبح کے اخبارات میں تفصیلی خبریں چھپنے کے بعد سیاہ اور
چتکبرے کتوں کا معاملہ اہمیت اختیار کرجائے گا۔" ویرا ہٹ
دھرمی پر تلی ہوئی تھی "اگر وہ کتے اس علاقے میں اسی قدر پہچانے
جانے لگے تو ان کی وجہ سے ایلین خطرہ محسوس کرسکتا ہے۔"
"اخبارات میں زیادہ سے زیادہ دو کتوں کا ذکر آسکتا ہے۔ تم
بھول رہی ہو کہ کتوں کے مرنے کے بعد وہاں زبردست آگ لگادی
گئی تھی۔ جلے ہوئے کتوں کا رنگ صرف سیاہ ہوسکتا ہے۔ کیا تم
نے کبھی کوئی جلی ہوئی چتکبری لاش دیکھی ہے؟"
سلطان شاہ کے سنجیدگی سے پوچھے گئے اس سوال پر میں اپنی
ہنسی نہ روک سکا۔ ویرا بھڑک کر کچھ بڑبڑانے لگی۔ اس کے
اعتراضات میں کوئی وزن نہیں تھا۔ اس کامیابی پر میں دل ہی دل
میں غزالہ کی ذہانت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ ایلین کو
نظرانداز کرکے کتوں کے عمومی ذکر سے اس کا سراغ نکالنے کی راہ
واقعی بہت دلچسپ اور عجیب تھی۔ اگلے روز سلطان شاہ کتوں کے
حوالے سے کچھ دیر محنت کرکے اس مکان تک پہنچ سکتا تھا جہاں
ایلین روپوش تھا۔ اس معاملے میں رات گئے ذرا بھی پیش رفت
نہیں ہوسکتی تھی بلکہ ایسی کوئی کوشش الجھنوں میں اضافے کا سبب
بن سکتی تھی۔
میں نے گاڑی ٹیپو سلطان روڈ کی طرف موڑی تو ویرا چونکے
بغیر نہیں رہ سکی "کھلی سڑک کو چھوڑ کر اب ادھر کیوں جارہے ہو؟
کیا ہل پارک کا طواف کرنے کا ارادہ ہے؟"
"میں گاڑی چلاتے چلاتے تھک گیا ہوں۔ کچھ آرام کرنا
چاہتا ہوں۔"
"آرام ہی کرنا چاہتے ہو تو میں ڈرائیونگ کرسکتی ہوں مگر یہ
میرے سوال کا جواب تو نہیں ہوا۔"
"ہاں، تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ ایلین تک پہنچنے کی
امید پیدا ہوتے ہی میرے ذہن نے بھی تھوڑا بہت کام کرنا شروع
کردیا ہے۔ میں اول خان کے گھر جارہا ہوں۔" میں نے کہا۔
"اول خان کے گھر!" ویرا حیرت سے تقریباً چیخ پڑی "تمہیں
یاد نہیں کہ ہم نے تم سے کیا کہا تھا؟ تم نے بتایا تھا کہ اس نے ہم

سب کو اپنے آپ سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کے الفاظ تھے کہ ہم نے اس کے قریب جانے کی کوشش کی تو پیس کر رکھ دیے جائیں گے......"

"اس نے اور بھی بہت کچھ کہا تھا مگر ہم اس کی ہدایات پر عمل نہیں کر سکے۔ اس وقت وہ معزولی کے صدمے سے دوچار تھا اس کے جذباتی مشوروں کی رو میں بہہ کر ہم اپنی سمجھ بوجھ کو خیرباد نہیں کہہ سکتے۔ میں وہاں جانے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا۔ تم میں سے کسی نے میرا ساتھ نہ دیا تو میں اکیلا وہاں جاؤں گا۔ اسے تنہا چھوڑ دیا گیا تو وہ سوچ سوچ کر پاگل ہو جائے گا۔ اندر سے ٹوٹ جائے گا۔"

"حیرت ہے کہ تم پر اچانک ہی اس سے ہمدردی جتانے کا دورہ پڑا ہے۔ اگر اس کے گھر کی نگرانی ہو رہی ہو تو ہم کیا کر سکیں گے؟ وہاں پہنچتے ہی گھیر لئے جائیں گے۔"

"وہاں میدان صاف ہوگا۔ ہمارے دشمنوں کے پاس اتنی افرادی قوت نہیں ہے کہ وہ ہمارے خلاف ہر طرف مورچے لگا سکیں۔ ایس ٹی ایف کے اعلیٰ حکام بھی ہمیں ڈھیل دے رہے ہیں ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اول خان کو ڈائریکٹر جنرل کے پاس روک کر پہلے ہم چاروں کو حراست میں لیا جاتا پھر اسے معزولی کا حکم سنا کر گھر بھیج دیا جاتا۔ ہمیں ان خفیہ مراعات سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔"

"وہاں جا کر تمہیں کیا حاصل ہوگا؟" ویرا بحث پر تل گئی تھی۔

"اس کا اندازہ تمہیں وہاں پہنچ کر ہوگا۔ یہاں لوگوں کا مزاج بن چکا ہے کہ وہ کرسی کو سلام کرتے ہیں۔ عہدے اور اختیارات سے محروم شخص سے اس کا سایہ بھی الگ ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکے گی کہ ہم اتنی جلدی اول خان سے دوبارہ ملنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ ہمارا ہر دشمن تمہاری طرح سوچ رہا ہوگا۔"

"تم فون پر بھی اس سے ہمدردی کا اظہار کر سکتے تھے۔" اس کی آواز شکست خوردہ سی ہو گئی۔

"وہ دفتر سے بے دخل کیا جا چکا ہے۔ گھر کا فون کٹ چکا ہے۔"

"وہ رہتا کہاں ہے؟" ویرا میری ضد کے آگے ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نظر آنے لگی۔

"شاید تم اس علاقے سے واقف نہ ہو۔ وہ جمشید روڈ کہلاتا ہے۔"

ٹیپو سلطان روڈ سے شہید ملت روڈ اور پھر جیل روڈ سے ہو کر ہم جمشید روڈ پر آ گئے۔ وہاں ہوٹل، کیبن اور ٹھیلے آباد تھے۔ سڑک کی داہنی بائیں جانب بسوں سے لے کر ٹیکسیوں تک بھانت بھانت کی گاڑیاں زیر مرمت تھیں۔ ان گاڑیوں کے فاضل پرزوں کی دکانیں بھی کھلی ہوئی تھیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے سڑک اور فٹ پاتھوں پر قائم ان گیراجوں میں سارا کام ہی رات کو ہوتا ہے۔

"یہ شہر کی پبلک ٹرانسپورٹ کی مرمت کے بڑے مراکز میں سے ایک ہے۔" ویرا کو متحیر دیکھ کر سلطان شاہ نے وضاحت کی جو میرے لئے بھی دلچسپ تھی' وہ کہہ رہا تھا "دن بھر یہ گاڑیاں کسی نہ کسی طرح سڑکوں پر رواں رکھی جاتی ہیں۔ رات کو ان کی مرمت اور دیکھ بھال ہوتی ہے۔ مرمت کا کام راتوں رات مکمل نہ ہو تو مالک کو اگلے دن کی آمدنی سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ شہر کے بڑے اور مشہور گیراجوں میں کام کرنے والے نامور مکینک اور مستری بھی رات کو یہاں جز وقتی کام کرتے ہیں اور محض انجن یا پرزوں کے چلنے کی آواز سن کر نقص سے لے کر اس کی مرمت پر آنے والے اخراجات تک بتا دیتے ہیں۔"

کچھ آگے جا کر میں نے گاڑی بائیں جانب موڑی۔ اندر متوسط طبقے کی آبادی نظر آ رہی تھی۔

"مکان بہت چھوٹے ہیں۔ شاید یہ نچلے متوسط طبقے کی آبادی ہے۔" ویرا بولی۔

"یہاں امریکا کی طرح طبقات میں کوئی طبقاتی امتیاز نہیں ہے۔ متوسط طبقہ صرف متوسط طبقہ ہوتا ہے۔ اس میں نچلے' درمیانی اور بالائی متوسط کی تقسیم نہیں ہوتی۔"

"یہ اندازہ مجھے بھی ہے۔ ہماری معاشرتی تقسیم کے اعتبار سے یہاں کے بیشتر امرا اپر مڈل کلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ حقیقی اپر کلاس پاکستان بھر میں مشکل سے چند سو خاندانوں پر مشتمل ہوگی۔" ویرا کا مشاہدہ ہر جگہ گہرا ثابت ہوتا تھا۔ عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آنے والی بات وہ بہت آسانی سے کہہ جاتی تھی۔

میرا دل چاہا کہ اسے بتاؤں کہ یہی چند سو خاندان چہرے بدل بدل کر ملک کے اقتدار اور سارے وسائل پر قابض ہیں۔ جسے اور جتنا چاہتے ہیں' نوازتے ہیں۔ جس سے برہم ہو جاتے ہیں' اس پر دو وقت کی روزی کے دروازے بھی بند کر دیتے ہیں لیکن وہ سیاسی باتیں تھیں۔ میں ویرا سے سیاست پر بات کرنے سے ہمیشہ گریز کرتا تھا کیونکہ ایسے موضوعات پر وہ بال کی کھال نکالنے میں ماہر تھی۔ میری زبان سے کمزوریوں کا انکشاف سن کر وہ فوری طور پر میرے انفرادی افعال اور کردار کے بخیے ادھیڑنے شروع کر دیتی۔

ذہن پر ذرا سا زور دینے کے بعد میں ایک ایسی گلی میں پہنچ گیا جہاں مکانات مختصر مگر صاف ستھرے تھے۔ کسی بھی مکان کا دروازہ اتنا بڑا نہیں تھا کہ اس میں سے کوئی کار گزر کر اندر جا سکے۔ ویسے بھی ان گھروں میں گاڑیاں پالنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جن لوگوں نے ضرورت کے تحت گاڑیاں رکھی ہوئی تھیں انہوں نے بھی پارکنگ کا بندوبست باہر ہی کیا ہوا تھا۔

میں نے گاڑی گلی کے آخری سرے سے گزار کر کنارے سے لگا دی اور کہا "تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ پہلے میں اس سے مل کر آتا ہوں۔" میری اس تجویز پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

گاڑی سے اترتے ہوئے میں نے ان تین لڑکوں کو دیکھ [illegible] جو اندھیرے میں کسی بند مکان کی سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے [illegible]

پوری طرح ہماری طرف متوجہ تھے۔ جوں ہی میں گاڑی سے اتر کر گلی میں گھوما' ان میں سے ایک صحت مند لڑکا تقریباً دوڑتا ہوا میرے پاس آپہنچا اور اشتباہ آمیز نظروں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا کہ میں دہاں کسے تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

اول خان کا نام سن کر اس کی آنکھوں سے تشویش کے سائے غائب ہوگئے اور وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر آگے چل پڑا۔ وہ معذرت خواہانہ انداز میں مجھے بتا رہا تھا کہ شہر میں جرائم میں اچانک اضافہ ہوجانے کی وجہ سے وہ لوگ اپنی مدد آپ کے تحت محلوں میں آنے والے اجنبیوں کی دیکھ بھال کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے وہ علاقہ ہر قسم کے جرائم سے محفوظ تھا۔

وہ دور ہی سے اول خان کے دروازے کی نشان دہی کر کے لوٹ گیا۔

میں نے دروازے پر پہنچ کر گھنٹی بجائی تو اندر سے اول خان کی جانی پہچانی آواز سنائی دی "کون ہے؟ ایک منٹ ٹھہرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

میں نے دانستہ جواب نہیں دیا۔ میں اونچی آواز میں اپنا نام استعمال نہیں کرسکتا تھا۔

اول خان واقعی ایک منٹ میں دروازے پر آگیا اور مجھے اپنے روبرو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ چند ثانیوں بعد وہ اپنی حیرت پر قابو پانے میں کامیاب ہوا تو بازو پھیلا کر والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا اور تقریباً بھرائی ہوئی آواز میں بولا "تم بہت ضدی ہو.... میں نے تمہیں منع کیا تھا لیکن تم باز نہیں آئے۔ تم نے یہاں آکر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ باقی لوگ کہاں ہیں؟"

"وہ کونے پر گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم لوگ زیادہ دیر نہیں رکیں گے......"

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ برس پڑا "وہ گاڑی میں کیا کررہے ہیں؟ انہیں بھی ساتھ لاتے۔ اب میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔ تم لوگ پہلی بار آئے ہو۔ واپس میری مرضی سے جاؤ گے۔ یہ میرا محلہ ہے۔ میں دیکھوں گا کہ یہاں کون مائی کا لال آتا ہے۔"

وہ مخلص ہونے کے ساتھ ساتھ ذاتی معاملات میں جذباتی بھی تھا اور ایسے معاملات میں شاید بہت جلد برا مان جاتا تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی مگر وہ مسلسل بڑبڑائے جارہا تھا۔ ہم سے دور رہ کر وہ جس نقل کو ہمارے لئے مہلک قرار دے رہا تھا اب خود اسی پر مصر تھا۔

ہم خود بھی کسی عارضی ٹھکانے کی تلاش میں تھے۔ یہ بات اول خان سے ڈھکی چھپی نہیں ہوسکتی تھی۔ اس نے راستے ہی میں مجھ سے پوچھ لیا "فیکٹری چھوڑنے کے بعد سے تم یوں ہی شہر بھر میں گشت کرتے پھر رہے ہو؟ میں نے فون پر تمہیں کتنا سمجھایا تھا کہ چند روز کے لئے بالکل گوشہ نشین ہوجاؤ لیکن تم کسی کی نہیں سنتے۔ وہی کرتے ہو جو تمہارے دماغ میں بیٹھ جاتی ہے۔ آج کے اخبارات دیکھے ہیں تم نے؟"

"اتنی لمبی آوارہ گردی ہمارے بس سے باہر تھی۔ پچھلی رات ایک ہوٹل میں بسر کرنے کے بعد آج جہانگیر کے گھر چلے گئے تھے کیونکہ اخباری اشتہار کے چھپنے کے بعد ہوٹل خطرناک ہوسکتا تھا۔"

"یہ اور برا کیا۔ جہانگیر کا گھر تمہارے لئے چوہے دان بھی بن سکتا ہے۔"

"بالکل یہی ہوا۔ اس وقت تک وہ گھر راکھ اور ملبے کا ڈھیر بن چکا ہوگا مگر ایلین کی اس کارروائی سے پہلے ہم نے نارمن اور اس کی ایک گرل فرینڈ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔"

اس خبر پر وہ بہت خوش ہوا۔ وہ اس بارے میں مزید تفصیلات جاننا چاہتا تھا لیکن ہم ایکارڈ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اسے دیکھ کر تینوں نیچے اتر آئے۔ اول خان پُرتپاک انداز میں ان کا استقبال کرنے لگا۔ سلطان شاہ کو اس نے اپنے سینے سے لگالیا تھا۔

ہمارے ہتھیار نشستوں کے نیچے محفوظ تھے۔ میں نے ڈکی میں سے رقوم اور زیورات کی پوٹلیاں نکلوالیں۔ اول خان کی ہدایت پر گاڑی کی ڈکی میں سے پیراشوٹ کلاتھ کا ہلکا کور نکال کر گاڑی پر باندھ دیا گیا۔ اول خان نے اشارے سے لڑکوں کو اپنے قریب بلا کر گاڑی کی حفاظت کی ہدایت کی۔ ان تینوں نے نہایت سعادت مندی سے اسے بے فکر ہوجانے کا مشورہ دیا اور اول خان ہم چاروں کو اپنے ساتھ لے کر گھر کی طرف واپس چل پڑا۔ اس وقت اس کا چہرہ سچی خوشی سے دمک رہا تھا۔

"گاڑی پر کپڑا میں نے جان بوجھ کر بندھوایا ہے۔" چلتے چلتے اس نے میرے قریب ہو کر سرگوشی میں کہا "پتا نہیں تمہاری گاڑی کا اندر سے کیا حال ہو۔ ان نوجوان لڑکوں میں تاک جھانک اور تجسس کی عادت ہوتی ہے۔ کھلی ہوئی گاڑی میں کس کس کو روکا جاتا۔"

"وہ کپڑا اٹھا کر بھی اپنا تجسس دور کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔"

"یہ سب سرکش اور منہ پھٹ ضرور ہیں مگر محلے میں شرافت سے رہتے ہیں۔ کپڑا خود چڑھا دیئے جانے کے بعد کوئی اسے نہیں چھیڑے گا۔ چھوٹی آبادیوں میں میل جول اور شناسائی کے بہت فائدے ہوتے ہیں۔ سارے محلے دار ایک بڑے مگر ڈھیلے ڈھالے کنبے کی طرح رہتے ہیں اور دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ یہ میری کم مائیگی نہیں بلکہ نپی تلی سوچ ہے کہ شہر کے مہنگے علاقوں میں لوگوں نے بڑے بڑے مکانوں کی صورت میں اپنی خوشی اور سرمائے سے اپنے لئے جیلیں بنالی ہیں جن میں وہ بڑے فخر سے قیدِ تنہائی گزارتے رہتے ہیں۔ بیچ میں صرف ایک دیوار ہونے کے باوجود اپنے ہمسایوں سے بے خبر رہتے ہیں۔ سارے دکھ اپنی اکیلی ذات پر جھیلتے ہیں اور سکھ کی گھڑی آئے تو شہر بھر میں ایسوں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں جو ان کی خوشی پر اپنی سچی خوشی کا اظہار

کر سکیں۔ انہیں ہزاروں کی بھیڑ جمع کر کے بھی ایسے چند لوگ نہیں ملتے۔"

وہ سرحد کا معصوم اور سادہ لوح اول خان نہیں‘ اس کا برسوں کا ٹھوس تجربہ بول رہا تھا۔ وہ صاف‘ سیدھے اور سچے الفاظ میں ایک ہی معاشرے کے دو رخوں کی تصویر کشی کر رہا تھا۔

وہ اپنے گھر کے کھلے ہوئے دروازے پر رکے بغیر اندر گھستا چلا گیا۔ ساتھ ہی ہم چاروں کو بھی اپنے پیچھے چلے آنے کی تلقین کر رہا تھا۔

میرے لئے وہ طریقہ نامناسب تھا۔ اول خان سے ہماری لاکھ دوستی اور بے تکلفی سہی‘ اس کی بیوی کے لئے ہم اجنبی تھے۔ پتا نہیں اندر وہ اپنے بچوں کے ساتھ کس طرح لیٹی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے باہر رک کر غزالہ اور ویرا کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ میں سب سے آخر میں اندر داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے مختصر سے برآمدے سے ہوتا ہوا اس دروازے میں داخل ہو گیا جس میں وہ پورا جلوس غائب ہوا تھا۔

اندر قدم رکھتے ہی میری طبیعت خوش ہو گئی۔ وہ مہمان داری کے لئے استعمال ہونے والا مختصر مگر صاف ستھرا کمرا تھا۔ فرش کے وسط میں پرانا مگر گرد سے محفوظ قالین پڑا ہوا تھا۔ صوفے اور کرسیوں کے علاوہ ایک تخت بھی موجود تھا جس پر تکیے کے ساتھ کوئی کھلی ہوئی کتاب الٹی رکھی ہوئی تھی۔ شاید ہمارے پہنچنے سے پہلے اول خان وہاں لیٹا کچھ پڑھ رہا تھا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ وہیں رک گیا۔ پوٹلیاں میز پر رکھ دی گئیں۔ اول خان‘ غزالہ اور ویرا کو لے کر دوسری طرف کے دروازے سے باہر نکل گیا۔

اندر سے اول خان کی رعب دار آواز کے ساتھ ہی خلوص‘ حیرت اور مسرت میں ڈوبی ہوئی نسوانی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ شہد جیسی مٹھاس‘ لوچ اور نراہٹ والی دھیمی آواز شاید اول خان کی بیوی کی تھی جو ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کی ماں بننے کے باوجود اپنی پُرکشش آواز کی بنا پر ایک لڑکی ہی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے مقابلے میں ویرا کی آواز میں پختگی رچی ہوئی تھی۔

ان لوگوں کو ایک دوسرے سے روشناس کرانے کے بعد اول خان کسی شرم ساری کے بغیر خوشی سے کھلتا ہوا ہمارے کمرے میں لوٹ آیا اور بے تکلفی سے میرے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولا "یہ ہے میرا غریب خانہ۔ یہاں کل چار کمرے ہیں۔ ایک کمرے میں میرے بال بچے سوتے ہیں۔ یہ مردانہ یا میرا ڈیرا سمجھ لو۔ میں یہیں تخت پر سوتا ہوں۔ دو کمرے تم لوگوں کے لئے حاضر ہیں۔ میرے گھر میں مسہریاں نہیں‘ بلکہ بان کی چارپائیاں اور گدے موجود ہیں مگر پہلے یہ بتاؤ کہ آملیٹ بنواؤں یا باہر سے کھانا لاؤں؟"

"ہم شکم سیر ہو کر آئے ہیں۔" میں نے ندامت بھرے لہجے میں کہا "اگر مجھے علم ہوتا کہ تم اتنے تکلف سے کام لو گے تو میں ادھر کا رخ ہی نہیں کرتا۔ یہ وقت خاطر مدارات کا نہیں‘ ضروری باتوں کا ہے۔"

"برسوں سے ضروری باتیں چل رہی ہیں۔ وہ بھی ہو جائیں لیکن پہلے تمہیں کچھ کھانا پینا ہوگا۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ پہلی بار کے گھر آیا ہوا دوست کھانے سے انکار کرے۔ تمہیں معلوم ہے ہم اپنے مہمان کی تواضع دوسرے کے سپرد کرنے کے بجائے خود کو مار کر اس کا مزار بنانے کو ترجیح دیتے ہیں۔" اس حکایت کا حوالہ دیتے ہوئے وہ فراخ دلی سے ہنسا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "مجھ پر کراچی کے پانی کا اثر ہے کہ ابھی نرمی سے تمہاری مرضی پوچھ رہا ہوں۔ زیادہ ٹال مٹول کرو گے تو میرا غصہ عود کر آئے گا۔ تم کو وہی کھانا پڑے گا جو گھر میں حاضر ہے۔"

کراچی کا پانی بھی اول خان کو ایک خاص حد سے زیادہ چالاک نہیں بنا سکا۔ آخری شرط پیش کر کے وہ خود ہی پھنس گیا تھا۔ میں نے بڑی رغبت سے اس کی بات پکڑ کر کہا "پھر مجھے تمہارا غصہ منظور ہے مگر ہماری شرط یہ ہے کہ جو کچھ ہے اور جیسا بھی ہے اسی حالت میں ہمارے سامنے لے آؤ۔ غضب خدا کا! تم رات کے ایک بجے ہم سے کھانے کے لئے پوچھ رہے ہو۔"

"تم آئے ہی اب ہو تو میں کیا کروں؟" وہ بائیں ہاتھ سے اپنے سر کی پشت سہلاتے ہوئے شرمندگی سے بولا "مجھے اتنا وقت دو کہ پتیلی اور چنگیری کے بجائے پلیٹوں میں کھانا لا سکوں۔"

"نہیں!" میں اڑ گیا "ہم پتیلی اور چنگیری ہی میں کھانا کھائیں گے۔ ویرا کو شنگاریوں کا کھانے پینے کا انداز بہت اچھا اور خالص مردانہ لگتا تھا۔ وہ بھی لطف اندوز ہو گی۔"

اول خان نے سر جھکا کر اپنی جگہ چھوڑ دی "دوستوں کی خاطر مجھے سب کچھ منظور ہے۔"

اول خان کی بیوی کے کان شاید ان مکالمات پر لگے ہوئے تھے۔ اندر سے فوراً ہی بھنے ہوئے گوشت کے گرم ہونے کی اشتہا انگیز خوشبو آنے لگی۔ میں سلطان شاہ کو آنکھ مار کے مسکرانے لگا۔ آناً فاناً میں اول خان ایک بڑی سی تھالی میں بھاپ اڑاتی ہانڈی لے آیا۔ قلعی کی ہوئی تانبے کی پتیلی واقعی بھنے ہوئے مسالے دار گوشت سے بھری ہوئی تھی۔ روٹیاں رنگ دار تنکوں سے بنی ہوئی ڈھکنے والی چنگیری میں محفوظ تھیں۔ خالی جگہوں پر پانچ گلاس سجے ہوئے تھے۔

"اتنا سالن ہوتے ہوئے بھی تم آملیٹ وغیرہ کی سوچ رہے تھے۔"

"یہ ہمارا صبح کا ناشتا ہے۔" وہ بے ہنگم ہنسی کے ساتھ بولا "ہم ناشتے میں روٹی سالن کھاتے ہیں جو رات کے کھانے کے ساتھ بنا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ اس سے تم چاروں کا کیا بھلا ہو گا۔"

کھانے کی اس برکت پر غزالہ اور ویرا بھی اندر سے کھلکھلاتی ہوئی وہیں آ گئیں۔

میری متجسس نظروں کو اندرونی دروازے کی طرف نگراں دیکھ کر اول خان خود بہ خود بول پڑا "میری عورت کو معاف کر دو

مولوی کی بیٹی اور پردے کی سخت پابند ہے۔ تین بچوں کی ماں ہو کر بھی وہ میرے چچا زادوں کے سامنے نہیں آتی۔ اس معاملے میں وہ کسی کی نہیں سنتی۔"

"لیکن وضع قطع سے تو بھابی پڑھی لکھی اور ماڈرن لگتی ہیں۔" غزالہ بولی۔

"ارے بابا! یہی تو رونا ہے۔ سائنس گریجویٹ ہے۔ زنانہ کالج کی پڑھی ہوئی ہے۔"

"پھر معافی ہے۔" میں نے روٹی سنبھالتے ہوئے کہا "پڑھی لکھی عورت کوئی فیصلہ کرتی ہے تو سوچ سمجھ کر کرتی ہے۔ اسے اس پر عمل کرنے کی آزادی ہونی چاہئے۔"

اول خان کی خوش خوراکی کی وجہ سے وہ پتیلی خاصی بڑی تھی مگر اس کا کھولتا ہوا دہانہ تنگ تھا۔ باہر نکلے ہوئے مخروطی پیٹ اور الٹے ہوئے توے جیسے پیندے کا وہ برتن بہت کم گھروں میں دیکھنے میں آتا تھا یا شاید میں ایک طویل عرصے سے متوسط گھروں سے دور تھا کہ مجھے چاندی کی طرح چمکتی ہوئی وہ پتیلی بہت خوش نما لگ رہی تھی۔

"اب تم ناشتے میں کیا کرو گے؟" میں نے کھانے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ڈبل روٹی سے پرہیز نہیں ہے، کبھی کبھار چل جاتی ہے لیکن اس کا ناشتا زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دیتا۔ معدہ خالی ہوتے ہی کھوپڑی گھومنے لگتی ہے جس کا نتیجہ بدحواسیوں کی صورت میں نکلتا ہے۔" اس نے بے تکلفی سے بتایا "کھانے کے معاملے میں پہاڑوں کے دونوں طرف کے باسی بہت شوقین ہیں۔"

اسی لمحے مجھے خیال آیا کہ اول خان کی بیوی باپردہ خاتون تھی مگر اس کے بچے کہاں تھے۔ اس ضمن میں اول خان کو کسی وضاحت کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ویرا نے بتایا کہ تینوں خوبصورت بچے بے خبر ہو کر گہری نیند سو رہے تھے۔ آنے والوں کی ملی جلی آوازیں بھی ان کی نیند میں خلل نہیں ڈال سکی تھیں۔

بھنا ہوا سالن اس قدر لذیذ تھا کہ چنگیری خالی ہونے کے ساتھ پتیلی اندر سے بھی اسی طرح چمکنے لگی جیسے باہر سے چمک رہی تھی۔

اول خان کی بیوی نے دروازے کی اوٹ سے ٹھنڈے پانی کا جگ تھمایا تو اول خان نے ہم لوگوں کے بھوکے رہ جانے کا شکوہ کیا اندر سے کوئی جواب آنے سے پہلے ہی ہم سب بول پڑے۔ سوکھے ٹنڈو بجزے کے بعد ہم نے اتنا کھانا کھالیا تھا کہ پانی پینے کی گنجائش بھی نہیں رہی تھی۔

غزالہ کھانے کے مختصر سے برتن سمیٹ کر اندر لے گئی تو ویرا بھی اس کے ساتھ تھی۔

"تم نے اتنا مرغن کھانا کھلا دیا ہے کہ اب یہیں سو جانے کو جی چاہ رہا ہے۔" سلطان شاہ نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کسل مندی سے کہا۔

"فکر مت کرو۔ جتنی دیر میں تم نے کھانا کھایا ہے، اندر چار بستروں کا بندوبست ہو چکا ہو گا۔"

"یہ اہتمام ہمیں مہنگا پڑ جائے گا۔" میں نے لجلجا کر کہا "ہم ہر قیمت پر رات کے اندھیرے میں ہی یہاں سے نکل جانا چاہتے ہیں۔ اجالے کی دشواریوں کا تم خوب اندازہ کر سکتے ہو۔"

"پھر رات کی نہیں، صبح کے اندھیرے کی بات کرو۔ فجر کی اذان کے وقت کافی اندھیرا ہوتا ہے۔ آئے ہو تو اب میرے ساتھ بھی کچھ وقت گزار کر جاؤ۔ تم سے تو بہت کچھ معلوم کرنا ہے۔"

"پہلے یہ دو پوٹلیاں اندر پہنچا دو۔" میں نے میز کی طرف اشارہ کر کے کہا "اس میں جہانگیر کی امانتیں ہیں۔ موقع محل پیدا ہو جائے تو خود ہی اس کے حوالے کر دینا۔ دوسری پوٹلی میں ہمارے ڈالر ہیں۔ ان پر تمہارا بھی برابر کا حق ہے۔ اس میں سے جو چاہو، لے سکتے ہو۔"

"تمہاری مہربانی کا شکریہ!" اول خان کے چہرے پر زلزلے کے آثار ابھرنے لگے "ابھی میں صرف معزول ہوا ہوں، مفلوج ہو جاؤں گا تو دوستوں کے سامنے ہاتھ بھی دراز کرنے لگوں گا۔ اس وقت تمہاری امانت بھی میرے پاس جوں کی توں رہے گی مگر اتنا بتا دوں کہ اتنے بڑے خزانے کے لئے میرا چھوٹا سا گھر غیر محفوظ ہے۔ ان امانتوں کے ساتھ کچھ ہو گیا تو میں تمہیں منہ نہیں دکھا سکوں گا۔"

"پہلی فرصت میں یہ تمام اثاثے کسی بینک کے لاکر میں محفوظ کرا دینا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دن زیادہ دیر تک باقی نہیں رہیں گے۔ میں تمہیں جلد ہی اس ذمے داری سے سبک دوش کر دوں گا۔"

"یہ سب سے بہتر رہے گا۔" وہ خوش ہو گیا۔ دونوں پوٹلیاں خاصی وزنی تھیں۔ اول خان انہیں اپنے سینے سے لگا کر اندر لے گیا۔ میرے سر پر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر چکا تھا۔

"یہ کہو کہ مال محفوظ کرنے کے لئے تم یہاں آئے تھے۔" اس کے چلے جانے پر سلطان شاہ نے دبی دبی آواز میں کہا "اس مسئلے کا اس سے بہتر حل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ سلسلہ......"

میں نے تیز نظروں سے اسے گھورا اور وہ بوکھلا کر فوراً ہی خاموش ہو گیا۔

اول خان کئی منٹ بعد واپس لوٹا اور آتے ہی اس نے ہماری کہانی سننے کی فرمائش کر دی۔ میں اسے تمام واقعات کا خلاصہ پہلے ہی بتا چکا تھا۔ اس کے مطالبے پر میں نے تفصیلات بیان کرنی شروع کر دیں۔

میری کہانی اور اول خان کے جابجا سوالات کا سلسلہ جاری تھا کہ ویرا تین کپوں میں چائے لے آئی اور فوراً ہی اندر لوٹ گئی۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ دونوں ستانا چاہیں تو کچھ دیر کے لئے بستر پر دراز ہو جائیں کیونکہ ہمیں وہاں سے سورج طلوع ہونے سے پہلے روانہ ہونا تھا۔

چائے نوشی کے دوران بھی میری کہانی جاری رہی۔ اول خان کے لئے وہ ساری تفصیلات حیران کن تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا

تھا کہ اس کی معزولی سے اتنی قلیل مدت میں واقعات اتنی تیزی سے آگے بڑھے ہوں گے۔ آخر میں جب اس نے ایلن کے اولین سراغ کے بارے میں غزالہ کی کامیابی کی تفصیل سنی تو اسے کہنا پڑا کہ وہ کسی کی کارگزاری سے زیادہ تقدیر کا شعبدہ تھا۔ کاتبِ تقدیر جب کسی کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلے تو ایسے ایسے واقعات رونما ہونے لگتے ہیں کہ عقل ششدر رہ جاتی ہے۔

"اسے تلاش کر کے تم نے جہنم واصل کردیا تو سمجھ لو کہ تمہارے موجودہ مصائب تقریباً ختم ہوجائیں گے۔ اس مردود نے کھیل میں شامل ہوتے ہی ہمارے سارے حریفوں کو ضرورت سے زیادہ فعال کردیا ہے۔ اس کی موت کے بعد وہ سب صحرائی اونٹوں کی طرح منہ اٹھا کر مخالفانہ ہواؤں کو سونگھتے رہ جائیں گے اور ان کے پلے کچھ بھی نہیں پڑ سکے گا۔" اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"میرا بھی یہی ارادہ ہے۔" میں نے براہِ راست اس کی روشن آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "میرے اور ویرا کے بارے میں انعامی اشتہار چھپنے کے بعد ہم مشکلات میں پڑ گئے ہیں۔ ایلن اور پیٹر ہمارے بقیہ دونوں ساتھیوں کو بھی اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مرحلے پر تم ہماری مدد کرو۔"

میرے آخری فقرے پر اول خان کی آنکھوں میں گہرا اضطراب امڈ آیا۔ وہ فوراً ہی میری بات کا کوئی جواب نہیں دے پایا۔ چند ثانیوں بعد وہ بولا تو اس کی آواز کمزور اور لہجہ مدافعانہ تھا۔

"میں دل و جان سے تمہاری کامیابی کا خواہاں ہوں لیکن میں فورس کے ڈسپلن سے مجبور ہوں۔ تمام تر زبانی ہمدردیوں کے باوجود میں عملی طور پر تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔"

"تم کس فورس کے ڈسپلن کی بات کررہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہی جس کا میں نے اب تک نمک کھایا ہے۔ اسپیشل ٹاسک فورس!"

"ایس ٹی ایف کے ڈسپلن سے تمہارا کیا واسطہ؟ تم تو معزول کیے جاچکے ہو۔"

"معزول ہوجانے کے باوجود میں اس کا پابند ہوں۔ زندگی بھر ایسی کسی سرگرمی میں حصہ نہیں لے سکتا جس کا اثر ایس ٹی ایف کے دائرہ کار میں آنے والے معاملات پر پڑتا ہو۔"

"کون دیکھنے آرہا ہے کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ تم تو سنگین خطرات کی وجہ سے ہمیں بھی خود سے دور رہنے کا مشورہ دے رہے تھے لیکن تم دیکھ لو کہ ہم اکٹھے بیٹھے ہیں اور دور دور تک کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اپنے اوہام کا قیدی بننے کے بجائے اب ایس ٹی ایف کے سحر سے باہر نکلنے کی کوشش کرو۔"

"یہ مشکل ہے۔ میں نے جس ڈسپلن کی پاس داری کا حلف اٹھایا تھا اسے توڑ نہیں سکتا۔ فورس میں سارا زور ڈسپلن پر ہے۔ اس سے انحراف کرنے والوں کو لرزہ خیز سزائیں دی جاتی ہیں۔ میں اس سے منحرف ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ تم خود سوچو کہ ایک ایسی مضبوط فورس جس کے ہر اہل کار کو اپنی صوابدید پر کسی کی بھی زندگی یا موت کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہو' ڈسپلن کے بغیر کیسے چل سکتی ہے۔ وہاں صوابدید کو اوپر والوں کے احکام لگام دیتے ہیں۔ اوپر والے سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کہہ دیں تو اسے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہی فورس کی کامیابی اور استحکام کی کلید ہے۔ فورس میں کسی کے انتخاب کی پہلی اور سب سے کڑی شرط یہی ہوتی ہے۔ ایک طویل مدت تک ان ضابطوں کا پابند رہنے کی وجہ سے میں اسی سانچے میں ڈھل چکا ہوں۔ ایلن کے معاملے میں فورس پوری طرح دلچسپی لے رہی ہے۔ میں اوپر والوں کی مجبوریوں سے لاعلم ہوں مگر مجھے جو حکم مل چکا ہے وہ اٹل ہے۔ میں اس پر قائم رہوں گا۔"

"تم اپنے اصول پر اتنی سختی سے ڈٹے ہوئے ہو تو مجھے پشاور والے محراب خان کے فون نمبر دے دو۔ وہ بھی ایک شاندار آدمی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ہمارے لئے کوئی راہ نکال سکے۔"

"کراچی کی کمانڈ توڑی جاچکی ہے اب وہ ڈائریکٹر جنرل کی اجازت کے بغیر اسٹیشن فور کی حدود میں کوئی دلچسپی نہیں لے سکے گا۔ میں تمہیں اس کے نمبر نہیں دے سکتا۔ ویسے بھی وہ آج کل اپنے گھر والوں سے ملنے کے لئے چھٹی پر شہدادپور آیا ہوا ہے۔"

"محراب خان کے گھر والے شہدادپور میں رہتے ہیں؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔ میرے لئے وہ انکشاف اتنا غیر متوقع تھا کہ اصل معاملہ عارضی طور پر میرے ذہن سے پھسل گیا۔ میں نے بات جاری رکھتے ہوئے اضافہ کیا "میں تو سمجھتا تھا کہ وہ بھی تمہاری طرح پٹھان ہے۔"

"ہم لوگ جیسا دیس' ویسا بھیس کے اصول پر عمل کرتے ہیں' اس لئے پشاور میں وہ تمہیں پٹھان نظر آیا ہوگا ورنہ وہ سندھ کا باشندہ ہے اور شروع سے شہدادپور میں رہ رہا ہے۔"

"سندھیوں میں خان کہاں سے آگئے؟" میں نے قدرے حیرت سے کہا۔

"قدیم سندھیوں میں خان ہی کیا' بھٹی وغیرہ بھی بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ پھر سرحد پار سے ہجرت کر کے آنے والوں میں بے شمار خان تھے۔ جو سندھ میں آباد ہوگئے۔"

اس کی وضاحت جامع تھی۔ میں اردو بولنے والے کئی ایسے لوگوں سے واقف تھا جو پشتو کا ایک لفظ بھی نہ جاننے کے باوجود خود کو فخریہ خان کہتے تھے۔

"وہ ہوگا کوئی" میں نے وہ خیال بھی اپنے ذہن سے جھٹکتے ہوئے کہا "جب وہ میرا ساتھ ہی نہیں دے سکے گا تو اس کے بارے میں سوچنا فضول ہے۔ مجھے یہ جان کر دکھ ہوا ہے کہ تم اپنے اصولوں کو تم دوستی سے بھی زیادہ اہمیت دیتے ہو۔"

"اس بات پر تمہیں دکھ کے بجائے خوشی ہونی چاہئے تھی۔ ضروری نہیں کہ ہر اصول درست ہی ہو لیکن جو اصول اختیار کر جائے اس پر قائم رہنا چاہئے۔ اس طرح ہر طرف استحکام ہوتا ہے ہمارا المیہ یہی ہے کہ ہمارے یہاں اصولوں کا کوئی احترام نہیں ہے۔ اصول بنانے والے سب سے پہلے خود اس اصول کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ تمہیں خوشی ہونی چاہئے کہ ایسے گندے دور میں

ایس ٹی ایف جوانوں کو اصول پرستی کی بھٹی سے گزار کر کندن
ی ہے۔ آگے چل کر معاشرے میں پھیلے ہوئے ایسے لوگ قوم
اثاثہ ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"اگر تم ایلین کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے تو میری مدد تو کر سکتے
یا اس سے بھی معذرت کر لو گے؟" میں نے اس کی ضد کے
انے بے بس ہو کر کہا۔

"ایس ٹی ایف نے ابھی تک تمہاری خدمات کا اعتراف ہی
یا ہے' تم پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ تم
رے عزیز دوست ہو۔ میں تمہاری ہر خدمت کے لئے تیار
۔" مجھے ایسے کسی افسر کا نام' پتا اور فون نمبر وغیرہ دے دو جو
ڑے وقت میں تیزی سے ہمارے کام آ سکے۔ تمہاری معزولی کے
د ہم خود کو ہر لمحے قانون کی تیز دھار پر محسوس کر رہے ہیں۔"

"ایسی کسی ضرورت کے لئے میں تمہیں گل زمان کا پتا وغیرہ
کر دے دوں گا۔" وہ خفیف سی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔
ہ سیکریٹری کے رتبے کا بارسوخ افسر ہے۔ تم بڑ کا حوالہ دے کر
ا نام بتاؤ گے تو وہ آدھی رات کو بھی تمہاری بات پر دھیان دے
۔ ذاتی طور پر وہ تمہارے نادیدہ مداحوں کی صف میں شامل ہے۔"

"میرے نادیدہ مداح کہاں سے پیدا ہو گئے.... اور یہ بڑ کیا بلا
ہے؟"

"تم بہت چالاک ہو۔" اوّل خان ایک گہرا سانس لے کر بولا۔
تمہاری معلومات کے لئے میں بتا دوں کہ گل زمان ایس ٹی ایف کا
ی' سول سروس کا آدمی ہے۔ وہ تمہیں ہر قسم کے مصائب سے
انے کی سرتوڑ کوشش کرے گا لیکن اس امید میں نہ رہنا کہ وہ
ہارے منصوبوں میں کسی قسم کا کردار ادا کر سکے گا۔ ایلین وغیرہ
ے اپنی لڑائی تمہیں خود ہی لڑنی ہو گی۔ گل زمان آپریشن بلیو کراس
چیف کوآرڈی نیٹر تھا۔ بڑ یعنی بلیو کراس انوسٹی گیشن اینڈ
نکوری ڈپارٹمنٹ قائم کر کے اس نے زبردست منصوبہ بندی کی
۔ اسی سلسلے میں وہ تمہارے کارناموں سے واقف ہوا تھا۔ آج
ادہ اسلام آباد میں ہوتا ہے۔"

"تم بلاوجہ میری نیت پر شبہ کر رہے ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے
ا "تمہاری اصول پرستی سے واقف ہونے کے بعد میں صرف اتنا
دہ کر سکتا ہوں کہ میری وجہ سے تمہیں کسی خفت کا سامنا نہیں
رنا پڑے گا لیکن تم کو بھی ایک وعدہ کرنا ہو گا کہ اگر میں اپنی
دشمنوں سے کسی کو اپنی حمایت پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو
اسے بھڑکانے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"مجھے کسی کو بھڑکانے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ برجستہ بولا "یہ
گلی ہوئی دشمنی والی بات ہو جائے گی۔ میری مجبوری صرف ایس
ی ایف تک ہے۔ دوسروں کے ساتھ تمہارا جو جی چاہے' کرتے
ہو۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہو گا۔ اپنے تحفظ اور ملکی
غارات کے لئے تمہیں اپنی مرضی سے لڑائی لڑنے کا پورا حق
اصل ہے۔ میں اس میں کوئی رخنہ نہیں ڈالوں گا۔"

پھر اوّل خان نے دوسری باتیں چھیڑ دیں۔ ہم لوگوں کے آ جانے سے اس کا حوصلہ بہت بلند ہو گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ بہت زیادہ مذہبی رجحان کا حامل نہ ہونے کے باوجود وہ توکل اور قناعت پر بھروسا کرنے والا آدمی تھا۔ اسے اپنی لگی بندھی اور معقول ملازمت کے جانے پر مستقبل کی ذرا بھی فکر نہیں تھی۔ اس کو کامل یقین تھا کہ جس نے اسے پیدا کیا ہے وہی اسے رزق بھی دیتا رہے گا۔

اوّل خان کی بیوی کی بے پردگی اور بے آرامی کے خیال سے ہم دونوں میں سے کوئی اندر جانے پر آمادہ نہیں ہوا۔ ہم اسی کمرے میں لیٹ بیٹھ کر آرام اور باتیں کرتے رہے۔ اسی انداز میں وہ پوری رات دھیمے دھیمے گزر گئی۔ اس دوران میں اندر سے وقفے وقفے سے چائے بن کر آتی رہی۔

صبح کے پانچ بجے فضا میں پرندوں کی چہکار پھیلنے کے ساتھ ہی میں نے روانگی کا ارادہ ظاہر کر دیا۔ اوّل خان کے چہرے پر آزردگی پھیل گئی۔ معزولی کی دوسری رات ہی میں اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ وہ ہماری رفاقت کو طول دینے کا آرزومند تھا لیکن ہماری پُرخطر مجبوریاں اس کے علم میں تھیں۔ اس نے بادلِ ناخواستہ اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اوّل خان سے گل زمان کے مختصر سے تحریری کوائف لے کر میں نے بالواسطہ طور پر اس کی بیوی کا بہت زیادہ شکریہ ادا کیا اور جذبات انگیز فقروں کے اختتامی تبادلے کے بعد ہم چاروں بھی بوجھل دل لئے اس کے گھر سے باہر نکل آئے۔ اوّل خان ہمارے ساتھ تھا۔

ایکارڈ کپڑے سے ڈھکی ہوئی' اسی حالت میں کھڑی ہوئی تھی جس حالت میں ہم نے اسے چھوڑا تھا۔ محلے کی چوکیداری کرنے والے لڑکے کہیں نظر نہیں آ رہے تھے لیکن گاڑی پر سے کپڑا اترتے ہی ان میں سے ایک کہیں سے نمودار ہوا۔ اونچی آواز میں سب کو سلام کر کے اس نے اوّل خان سے اپنی کارکردگی پر اس کا ردِّعمل دریافت کیا اور ہم سب کی طرف سے اطمینان اور شکریے کے اظہار کے بعد آگے چل دیا۔ شاید رات گزرنے کے ساتھ ساتھ' تینوں میں سے صرف وہی باقی رہ گیا تھا۔

اوّل خان کو گرم جوشی سے الوداع کہہ کر ہم چاروں گاڑی میں سوار ہو گئے۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں اس کی گلی میں داخل ہوئے بغیر کس کشادہ راستے سے مین روڈ پر نکل سکتا تھا اور پھر گاڑی حرکت میں آ گئی۔ جب تک میں نے ایک موڑ نہیں کاٹا' اوّل خان وہیں کھڑا ہاتھ ہلاتا رہا۔ روانگی کے آخری لمحات پر اس کی جذباتی کیفیت دیکھ کر میرا دل بھاری ہو چکا تھا۔

گاڑی میں کافی دیر تک خاموشی رہی۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ آخر ویرا نے ہی وہ سکوت توڑنے میں پہل کی اور پوچھا "رقوم اور زیورات کی پوٹلیاں کیا اوّل خان کے پاس ہی چھوڑ آئے ہو؟"

میرا جواب اثبات میں سن کر وہ ملامت بھرے لہجے میں بولی۔ "تم نے ایک مخلص اور سادہ لوح انسان کو بے وقوف بنایا ہے۔ وہ بے چارہ سمجھ رہا تھا کہ تم اس کی محبت میں تڑپ کر اس سے ملنے آئے ہو۔ میں بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا تھی لیکن اب مجھے اندازہ ہوا کہ تمہیں اصل فکر اپنے مال و متاع کی حفاظت کی تھی۔ اپنا بوجھ اس کے سر پر ڈال کر اب تم بے فکری سے لوٹ رہے ہو۔"

"ہر وقت خیالی گھوڑے نہ دوڑاتی رہا کرو۔" میں نے بدمزگی سے کہا۔ "اسے سب معلوم ہے کہ ہم اس کے پاس کیوں آئے تھے۔ اس سے تفصیلی بات چیت ہوئی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ ملانا چاہتا تھا لیکن وہ اس بات پر رضامند نہیں ہوا۔ تم چاہو تو سلطان شاہ سے اس بات کی تصدیق کر سکتی ہو۔"

"ڈپٹی جھوٹ نہیں بول سکتا۔" سلطان شاہ فوراً ہی بول پڑا۔ "ساری باتیں میری موجودگی میں ہوتی رہی ہیں۔ اب کوئی بھی انکشاف اول خان کی معلومات میں اضافہ نہیں کر سکے گا۔"

نوک جھونک چل پڑی۔ میں نے اپنی اور اول خان کی گفتگو کے حوالے دیتے ہوئے گل زمان کا ذکر دانستہ گول کر دیا۔ وہ ایک سرکاری افسر تھا۔ کسی ناگزیر ضرورت کے بغیر اس کے معاملات کی تشہیر مناسب نہیں تھی۔

رات کے پھیلتے ہوئے اندھیرے کے مقابلے میں صبح کے دم توڑتے ہوئے ملگجے دھندلکے میں بھرے ہوئے پیٹ کے ساتھ ڈرائیونگ کا لطف ہی کچھ اور تھا۔ میں اپنی سمت کی کھڑکی کھول کر خنک نسیم سحری کے لطیف جھونکوں سے تازگی کشید کرتے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ بقیہ وقت کہاں اور کیسے گزارا جائے۔ سلطان شاہ کو ایلین کا کھوج لگانے کے لئے جانا تھا۔ میرا ارادہ کسی اسٹیٹ ایجنسی کے ذریعے کرائے پر فلیٹ حاصل کرنے کا تھا لیکن ان کے دفاتر دس گیارہ بجے سے پہلے نہیں کھلتے تھے۔ نرسری کے دکاندار سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں یہ بات بھی سامنے آ چکی تھی کہ کتوں کا رکھوالا دکانیں کھلنے کے وقت ہی کتوں کو سیر کرانے کے لئے نکلتا تھا۔ سلطان شاہ کے لئے اپنے کام کے آغاز کا بہترین وقت وہی ہو سکتا تھا۔

وقت گزاری اور لمبی ڈرائیو کے خیال سے میں نے گاڑی کا رخ مارٹن روڈ سے ناظم آباد کی طرف موڑ لیا۔ صنعتی علاقے کا طویل چکر کاٹ کر ناور کی طرف سے شہر میں داخل ہو کر ہم کافی وقت گزار سکتے تھے۔

"ذرا اجالا پھیل جائے تو مجھے نرسری پر ہی اتار دینا۔" سلطان شاہ نے کہا "میں ایلین پر اپنا کام شروع کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا آدمی بھی کسی بچے کھچے کتے کو ٹہلاتا ہوا نظر آ جائے۔"

"تم نے تو کہا تھا کہ جنرل اسٹور والا اسے دیکھتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دیر سے نکلتا ہو گا۔"

"وہ جنرل اسٹور ہی نہیں، بیکری بھی ہے۔ سویرے کھل جاتی ہو گی۔ ویسے بھی کتوں وغیرہ کو ٹہلانے کے لئے علی الصباح کا سناٹا ہی بہتر ہوتا ہے۔"

"میں بھی سلطان شاہ کے ساتھ اتروں گی تاکہ دور رہ کر اس کی دیکھ بھال کر سکوں۔ یکجا ہونے کے لئے ہم وقت اور مقام کا تعین کر لیں گے اور ہر حال میں وہاں پہنچ جائیں گے۔"

اس نئی تجویز پر ایک بار پھر سرگرمی سے بحث شروع ہو گئی۔ باہر پھیلا ہوا دھندلکا تیزی سے سمٹتا جا رہا تھا اور میں ان تینوں کی بحث میں دلچسپی لینے کے ساتھ بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

ہم سست روی سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے ناور پہنچے تو چھ بجنے والے تھے۔ ہم چاروں کے ایک ساتھ رہنے کے مقابلے میں بکھر جانا زیادہ محفوظ تھا۔ میں نے گاڑی نرسری کی راہ پر ڈال دی۔ ان تینوں کے درمیان کوئی فیصلہ نہ ہونے کے باوجود میں طے کر چکا تھا کہ سلطان شاہ کے ساتھ دیرا کو بھی اتار دیا جائے گا تاکہ میں غزالہ کے ساتھ ایک جوڑے کی صورت میں کرائے کے فلیٹ دیکھ سکوں۔

اس وقت تک شہری زندگی بیدار نہیں ہوئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم نرسری جا پہنچے۔ سلطان شاہ نے دور ہی سے دیکھ کر بتایا کہ اس کی توقع کے مطابق جنرل اسٹور کھل چکا تھا۔ میں نے سڑک چھوڑ کر اس رہائشی علاقے کی گلیوں کا رخ اختیار کر لیا۔ کئی گلیوں میں بے مقصد چکرانے کے بعد ہم فیروز آباد تھانے کے سامنے سے گزرنے والی سڑک پر جا نکلے۔ میں نے کچھ دور جانے کے بعد ایک مرتبہ پھر گلیوں کی راہ اختیار کر لی۔ ہم تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ ڈھلان کے پار ایک منظر دیکھ کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ وہ منظر اس قدر نظر فریب تھا کہ میں نے اس کا تفصیلی مشاہدہ کرنے کے لئے بریک لگا کر گاڑی روک لی۔

ڈھلان پر قمیص اور شلوار میں ملبوس ایک شخص ایک بڑے سے سیاہی مائل کتے کی زنجیر تھامے آگے چلا جا رہا تھا۔ اس شخص نے اپنی شلوار کے پائنچے چڑھائے ہوئے تھے اور اسے طاقت ور کتے کی رفتار کا ساتھ دینے کے لئے ہلکی رفتار سے دوڑنا پڑ رہا تھا۔ ویسے تو وہ پوری آبادی اس قدر خوش حال نظر آ رہی تھی کہ ہر گھر کے مکین بیش قیمت کتے پال سکتے تھے لیکن میرا دل کہہ رہا تھا کہ آگے جانے والا رکھوالا ہی ہمارا مطلوبہ شخص تھا۔

کار رکنے سے پہلے ان تینوں نے بھی وہ منظر دیکھ لیا تھا۔ وہ بھی میرے ہم خیال تھے۔

میں نے اپنی جیب سے چند بڑے نوٹ نکال کر دیرا اور سلطان شاہ کو دیئے۔ دیرا ایم گن کو اپنے لباس میں چھپا رہی تھی۔ سلطان شاہ شاید پہلے ہی سے مسلح بیٹھا ہوا تھا۔ ہم نے تین بجے لالو کھیت کے بس اسٹاپ سے ذرا پہلے ملنے کا پروگرام طے کیا اور وہ دونوں پھرتی سے گاڑی سے اتر گئے۔

میں نے ہاتھ ہلا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ واقعات کی ترتیب بتا رہی تھی کہ آخر کار وقت ہم پر مہربان ہو ہی چلا تھا۔

میرا ارادہ تھا کہ کتے اور رکھوالے کے قریب سے گزرتے ہوئے میں ان دونوں کا جائزہ لوں گا۔ ہم ان دونوں سے ذرا دور ہی تھے کہ اچانک وہ رک گئے۔ کتا کچھ مضطرب تھا اور سر اٹھا کر ادھر

اُدھر دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس تبدیلی کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ میرے لئے وہ جائزہ لینے کا بہترموقع تھا۔

مگر جوں ہی ایکارڈ رینگتی ہوئی ان دونوں کے قریب پہنچی، کتے پر اچانک دیوانگی کا دورہ پڑ گیا۔ وہ پوری قوت سے بھونک کر فضا میں اچھلا۔ اس کی زنجیر رکھوالے کے ہاتھ سے نکل گئی اور وہ وحشیانہ غراہٹوں کے ساتھ غزالہ کی جانب کی کھلی ہوئی کھڑکی پر حملہ آور ہوگیا۔

غزالہ ایک دہشت زدہ چیخ مار کر میرے اوپر آ پڑی۔ اسٹیئرنگ میرے ہاتھوں سے نکل گیا، پوزیشن بگڑنے کی وجہ سے پیر ایکسیلریٹر پیڈل سے پھسل گیا۔ غنیمت یہ تھا کہ ایکارڈ کے گیئر خود کار تھے ورنہ فوراً ہی ایک جھٹکے سے کار کا انجن بند ہوگیا ہوتا۔

کتا زور زور سے بھونک کر اگلے پنجوں کے سہارے رینگتی ہوئی کار میں گھس آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غزالہ دہشت سے کانپتی ہوئی، مجھ سے چپکی ہوئی تھی۔ آخر کار ایلین کے سدھائے ہوئے ایک اور خوں خوار کتے نے میری بُو پالی تھی۔

میں نے اپنی طرف کے دروازے میں لگے ہوئے ماسٹر کنٹرول پینل کا بٹن دبا کر غزالہ کی سمت کی کھڑکی کا شیشہ بند کردیا اور غرا کر غزالہ سے کہا "بلاوجہ کیوں خود کو تماشا بنا رہی ہو؟ گاڑی سے باہر کو نکلا ہوا کتا تمہارا کیا بگاڑ لے گا۔"

غزالہ نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ اس وقت اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ تنک کر بولی "میں نے اس وحشی کتے کے حلق سے نکلنے والے تیز بھپکوں کی گرمی اپنے چہرے پر محسوس کی تھی۔"

اس وقت تک میں گاڑی پر دوبارہ کنٹرول کرچکا تھا۔ گاڑی کا شیشہ بند ہوجانے کے باوجود وہ سیاہی مائل جسیم کتا پورے زور و شور سے بھونکے جا رہا تھا اور اپنے تیز پنجوں سے گاڑی کی آہنی باڈی کو کھرچے جا رہا تھا۔ اچانک فضا ایک فائر کے شور سے گونجی اور گولی جہانگیر کی قیمتی گاڑی کے کسی حصے سے ٹکرا کر اچٹ گئی۔ اس وقت تک میری پوری توجہ صرف کتے پر مرکوز تھی۔ فائر کے دھماکے نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ فوراً ہی میری نظریں اس طرف اٹھ گئیں جہاں کتے کے رکھوالے کو موجود ہونا چاہئے تھا۔

وہ بظاہر ایک سیدھا اور سادہ لوح محنت کش نظر آیا تھا لیکن اس وقت کسی پیشہ ور لڑاکا کی طرح ایک تناور درخت کی اوٹ لئے ہماری طرف دوسرا فائر کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔

میں نے فوری طور پر... ایکسیلریٹر پر پاؤں کا دباؤ ڈالا۔ گاڑی کسی غضب ناک چیتے کی طرح غرا کر آگے بڑھی اور اسی لمحے فضا ایک اور فائر کے شور سے گونج اٹھی۔ اس بار فائر کے ساتھ ہی ایک بے ساختہ انسانی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ کرب میں ڈوبی ہوئی لرزہ خیز چیخ۔

"اسے کسی نے مار دیا" غزالہ نے اضطراری لہجے میں کہا۔ "اب آپ رکے بغیر یہاں سے نکلتے چلے جائیں۔ کتا بھی پیچھے ہی رہ گیا ہے۔ شاید سلطان شاہ نے اس پر فائر کیا ہے۔ میں نے اسے تنے کی اوٹ میں اچھل کر نیچے گرتے دیکھا ہے۔"

وہاں یکایک جو صورتِ حال رونما ہوئی تھی، وہ خاصی خطرناک تھی اور مجھے غزالہ کے مشورے سے پہلے ہی اندازہ ہوچکا تھا کہ گاڑی کا نمبر نوٹ کئے جانے سے پہلے ہمیں وہاں سے فرار ہوجانا چاہئے۔ اگر سلطان شاہ نے کتے کے رکھوالے پر گولی چلائی تھی تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی چلائی ہوگی اور اس کارروائی کے بعد اپنی بچت کے امکان کو بھی نگاہ میں رکھا ہوگا۔ اس وقت ہم چاروں عملاً دو پارٹیوں میں بٹ چکے تھے اور کسی ایک پارٹی کی وجہ سے دوسری پارٹی کو سنگین خطرات مول لینے کی ضرورت نہیں تھی۔

کچھ دور جاتے ہی میں نے گاڑی تیز رفتاری سے ایک گلی میں گھمادی۔

مجھے یقین تھا کہ رات کے اندھیرے کے مقابلے میں صبح سویرے کی فائرنگ پر اس علاقے کے مکینوں کا ردِ عمل خاصا مختلف ہوگا اور خاصے لوگ اپنے گھروں سے نکل کر صورتِ حال کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔ اس گھیراؤ کا آغاز ہونے سے پہلے ہی ہم اس علاقے سے نکلتے چلے گئے۔

کافی دیر کی خاموشی کے بعد غزالہ ہی نے متاسفانہ لہجے میں سکوت توڑا "ان لوگوں نے کھلی سڑک پر گولی چلا کر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ پڑجائیں...."

"وہ دونوں سمجھ دار ہیں۔ ایسی حوصلہ شکن باتیں سوچ کر اپنے ساتھ میرا دماغ بھی خراب مت کرو۔ موجودہ حالات میں ہم ایسی کوئی چوٹ کھانے کے متحمل نہیں ہوسکتے" میں نے قدرے ترشی سے کہا "ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ وہ اپنے مشن میں کامیاب رہیں گے اور تین بجے ہم سے آملیں گے۔"

میرے لہجے کی ترشی پر وہ قدرے اداس ہوگئی اور آہستگی سے بولی "میں بھی اچھی باتیں سوچنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن کیا کروں، سامنے کی بعض باتوں سے چشم پوشی بھی نہیں کی جاسکتی۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی پوری توجہ سڑک پر مرکوز کردی۔

اس وقت میں جلد از جلد صبح کے اخبارات دیکھ لینے چاہتا تھا۔ پچھلی رات کی ویرا اور غزالہ کی مشترکہ مہم جوئی کا صحیح نتیجہ اخبارات ہی سے سامنے آسکتا تھا لیکن میں نے اس علاقے میں کسی ہاکر کے پاس بھی رکنے کا خطرہ مول نہیں لیا اور براہِ راست شارع فیصل پر نکلتا چلا گیا۔

اس سڑک پر ٹریفک کا یک طرفہ نظام ہونے اور قرب و جوار میں گاڑی کا رخ موڑنے کی کوئی جگہ نہ ہونے کے باعث میں سڑک پر آکر تیز رفتاری سے شہر کی مخالف سمت میں روانہ ہوگیا۔ غزالہ میرے اس الٹے سفر پر چند ثانیوں سے زیادہ خاموش نہیں رہ سکی اور حیرت سے بولی "شہر کی طرف جانے کے بجائے آپ کہاں جارہے ہیں؟ کیا اپنا پروگرام تبدیل کرلیا ہے؟"

میں اس کی شخصیت کے تضاد پر بے اختیار ہنس پڑا۔ وہ خود

مختار ہو کر کوئی کام سر انجام دینے کا بیڑا اٹھاتی تھی تو چالاکی اور مکاری میں بڑے بڑے شاطروں کو پیچھے چھوڑ دیتی تھی لیکن جب وہ پہل کے حق سے دست بردار ہو کر میرے اوپر انحصار کرنے لگی تھی تو بعض اوقات سامنے کی باتیں بھی سمجھنے سے قاصر رہتی تھی۔

"یہ گاڑی سڑک کے بیچ میں بنی ہوئی سبز پٹی پر سے اڑ کر دوسری طرف نہیں جاسکتی اس لئے مجبوری ہے۔ جگہ ملنے پر ہم اپنا رخ شہر کی طرف موڑلیں گے۔"

"آپ چاہتے تو گلیوں میں ہو کر شاہراہِ قائدین سے ہو کر دوسرے ٹریک پر نکل سکتے تھے۔"

"میں گلیوں میں بھٹک کر وقت برباد کرنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔"

ٹیپو سلطان روڈ والے ٹریفک سگنل پر پہنچ کر میں نے کار بائیں جانب موڑلی اور چند ہی ثانیوں بعد ہم شہید ملت روڈ پر سفر کر رہے تھے۔ میں نے غزالہ کو خاموش کرادیا تھا لیکن میرا ذہن بدستور ویرا اور سلطان شاہ میں الجھا ہوا تھا۔ ان دونوں کی صلاحیتوں پر بھرپور اعتماد ہونے کے باوجود مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ جوش میں آکر کسی مشکل صورتِ حال سے دوچار نہ ہوگئے ہوں۔

آخر میں نے کار شہید ملت روڈ سے طارق روڈ پر موڑلی۔ اس وقت تک سڑکوں پر ٹریفک کی زیادہ بھیڑ بھاڑ شروع نہیں ہوئی تھی اس لئے مجھے سبک رفتاری سے ڈرائیونگ جاری رکھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آرہی تھی۔

طارق روڈ پر پہلا نیوز اسٹینڈ نظر آتے ہی میں نے گاڑی کنارے سے لگا کر اردو اور انگریزی کے تین اخبار خرید لئے۔ گاڑی حرکت میں آنے پر غزالہ نے بے تابی سے ان اخبارات کے ابتدائی اور آخری صفحات کا مطالعہ شروع کردیا۔

"خوب! اس اخبار میں نارمن کے قتل کی خبر پہلے ہی صفحے پر تین کالموں کی زینت بنی ہے۔" اس نے پہلا اخبار دیکھ کر کہا اور انہماک سے خبر پڑھتی چلی گئی۔

خبر میں معمول کی سنسنی اور مبالغہ آرائی کے ساتھ جو کچھ بیان کیا گیا تھا' وہ میری خوشی کے لئے بہت کافی تھا۔ ایچ ڈی نارمن کے ساتھ جہنم واصل ہونے والی لڑکی بھی امریکن تھی اور دفتر میں اس کے ساتھ کام کرتی تھی۔ ان دونوں کے تعلقات دفتری مراسم سے کافی آگے بڑھے ہوئے تھے اور وہ اپنی بیشتر شامیں ایک ساتھ گزارا کرتے تھے۔ پچھلے دن بھی وہ دونوں اپنے دفتر سے ایک ساتھ ہی نارمن کے گھر آئے تھے اور بے فکری کے ساتھ اپنا وقت گزارنے کا ارادہ رکھتے تھے کہ نامعلوم سمت سے آنے والی گولیوں نے ان کو لہو میں نہلا دیا۔

لاشیں دریافت ہونے کے بہت بعد میں اس فلیٹ کا سراغ مل سکا جہاں سے ان دونوں پر فائر کئے گئے تھے فلیٹ سے استعمال شدہ جی تھری رائفل برآمد کر کے فلیٹ کی مالکہ کا بیان قلم بند کرلیا گیا تھا لیکن وہ دو خوب صورت' جواں سال اور فیشن زدہ لڑکیوں کے بارے میں بہت زیادہ تفصیلات نہیں بتا سکی تھی۔ اس کا کہنا تھا وہ آنے والیوں کی صورت دیکھتے ہی بے ہوش ہوگئی تھی۔

فلیٹ کی مالکہ کے بیان کے بعد اس عمارت کے چوکیدار کو بھی شاملِ تفتیش کرلیا گیا تھا یا آسان زبان میں گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اسے اعتراف کرنا پڑا کہ ایک بڑے سے تھیلے کے ساتھ دو عورتیں' واردات سے کچھ دیر پہلے عمارت میں داخل ہوئی تھیں وہ اتنی معقول نظر آرہی تھیں کہ اس نے ان سے کوئی پوچھ گچھ کرنے یا ان کا حلیہ ذہن نشین کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مجموعی طور پر وہ ویرا اور غزالہ کے بارے میں کوئی اہم بات بتانے سے قاصر رہا تھا۔

مجھے ان دونوں نے خود بتایا تھا کہ نگاہیں سینکنے کے شوقین نوجوانوں اور مردوں کی گھورتی ہوئی پرشوق نگاہوں نے دور تک کا پیچھا کیا تھا لیکن اس سنگین واردات کے حوالے سے کسی نے آگے آکر پولیس والوں کی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ان دونوں کے ناگہانی قتل پر مقامی قونصل خانہ اور اس سے ملحق تمام دفاتر تین دن کے لئے بند کردیئے گئے تھے۔ ویزا فارموں کی وصولی اور اجرا کا کام اطلاعِ ثانی تک معطل کردیا گیا اور اعلیٰ عہدے داران دونوں لاشوں کو جلد از جلد مقتولین کے آبائی شہروں کو بھجوانے کی کوششوں میں مصروف ہوگئے تھے۔ انہوں نے قتل کے بعد مقامی سطح پر لاشوں کے پوسٹ مارٹم کی اجازت نہیں دی تھی۔ یہ کام وہ لاس اینجلس اور ڈلاس ہی میں انجام دینا چاہتے تھے۔

تینوں اخبارات میں خبر وہی تھی۔ انداز قدرے مختلف تھا البتہ انگریزی اخبار کے نامہ نگار نے اسے محض ایک اتفاقی واقعہ سمجھنے کے بجائے' اس کا پس منظر بھی کریدنے کی کوشش کی تھی۔ ایک دوراز کار امکان کی نشان دہی کے بعد اس نے یہ حوالہ بھی دیا تھا کہ ماضیِ قریب میں قونصل خانے والوں نے مقامی حکام کی مدد سے ایک روپوش مجرم اور ایک امریکن مغویہ کی تلاش کے سلسلے میں دو دو لاکھ ڈالر کے انعامات کے اخباری اشتہارات جاری کئے تھے۔ نارمن اور لوسی کا دہرا قتل اس اشتہار کا شاخسانہ بھی ہوسکتا تھا کیونکہ بظاہر شہر میں ان دونوں غیر ملکی مقتولین کی کسی سے دشمنی نہیں تھی۔

"اخباری نامہ نگار بھی آدھے سراغرساں ہوتے ہیں" غزالہ تینوں اخبارات کے سرسری مطالعے سے فارغ ہو کر ایک سانس لیتے ہوئے بولی "ہربات کی تہ تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔"

"آدھے نہیں' پورے سراغ رساں کہو۔ بعض اوقات پولیس والے بھی ان ہی سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں کیونکہ ان کے ذہنوں میں ساری متعلقہ خبریں سمائی ہوئی ہوتی ہیں۔ وہ بظاہر غیر متعلق نظر آنے والے واقعات کی کڑیاں آسانی سے یک جا کر لیتے ہیں۔"

"ارے! یہ آپ کدھر جارہے ہیں؟" کھڑکی سے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہی وہ چونک پڑی۔
"اسٹیٹ ایجنسیوں کے دفاتر ساڑھے دس گیارہ بجے سے پہلے نہیں کھلیں گے۔ ہمیں یہ وقت کہیں نہ کہیں گزارنا ہی ہوگا" میں نے بے پروائی سے کہا۔
"مگر کہاں؟" وہ الجھن میں مبتلا ہوگئی "آپ کا رخ شہر کے گنجان علاقے کی طرف ہے۔"
"میں ٹونی کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"
"مگر کہاں سے؟ ٹونی تو اپنے بارے میں تقریباً سب کچھ ہی بتا چکا تھا۔"
"اس نے کہا تھا کہ بدرو کی ملازمت سے برطرفی کے بعد وہ پہلوان کے اڈے پر کام کررہا تھا۔ اگر کسی غیر ملکی نے ٹونی کے لئے وہیں فون کیا تھا تو پہلوان کو اس بارے میں ضرور علم ہوگا۔"
"بالکل" غزالہ نے میری تائید کی "پہلوان کو اس بارے میں باخبر ہونا چاہئے۔ ٹونی کے لئے پیسے لانے والا لڑکا بھی وہیں پہنچا تھا۔ اس بارے میں پہلوان سے زیادہ باخبر کون ہوسکتا ہے۔"
"اور آج صبح ایلن وہیں فون کرکے ٹونی سے رپورٹ لینے والا تھا۔" "یہ سب باتیں مجھے یاد ہیں..... تو کیا آپ پہلوان کے اڈے پر جارہے ہیں؟"
"وہاں جائے بغیر پہلوان سے ملاقات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔"
"نہیں" وہ یک بیک مضطرب ہوگئی "وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں ہوگا....."
میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑا "وہاں کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ مجھے اس کے آدمیوں کو صرف اس بات کا یقین دلانا ہوگا کہ میں پولیس والوں کا مخبر نہیں ہوں۔ پہلوان سے ملے بغیر مجھے بدرو کا ٹھکانا معلوم نہیں ہوسکے گا۔ اب میں اسے سبق سکھانے کا تہیہ کرچکا ہوں۔"
"بدرو کے بارے میں جہانگیر سے زیادہ باخبر کون ہوگا؟" وہ بے ساختہ بولی۔
"اب وہ پرانی بات ہوگئی۔ گالان سے واپسی کے بعد بدرو سے ملنے کی ہر کوشش ناکام ہوچکی ہے۔ جہانگیر اپنے طور پر اسے ٹریس کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا لیکن اسے کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔ شاید بدرو نے یک طرفہ طور پر ہمیں اپنا حریف تصور کرلیا ہے۔"
"اس کا گودام بھی ہمارا دیکھا ہوا تھا جہاں ہم شنگاریوں کی قید میں رہے تھے۔"
"ہمیں اس گودام کے درودیوار کے سوا کسی چیز کا علم نہیں ہے۔ شہر کے متعدد علاقوں میں اس سے ملتے جلتے گودام بکھرے ہوئے ہوں گے۔ ہم کہاں بھٹکتے پھریں گے؟"
"آپ نے اس ٹرک کا نمبر یاد کیا تھا جس پر ہمیں کراچی سے چیفا سرائے تک لے جایا گیا تھا۔ ٹرک کے نمبر کے سہارے بہتیری معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔"
"وہ لمبا اور غیر یقینی طریقہ ہے..... ویسے بھی میں ٹرک کا نمبر بھول چکا ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ میں پہلوان جیسے لوگوں کو سنبھالنا جانتا ہوں۔ وہ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا۔"
"آپ کے ساتھ میرا وہاں جانا..... خیر، جو ہوگا، دیکھا جائے

گا۔" کچھ کہتے کہتے وہ رک گئی۔

"جو کہنا چاہتی ہو' کھل کر کہو۔ اپنی بات ادھوری کیوں چھوڑ دیتی ہو؟"

"پہلوان کا اڈا شہر کی کسی صاف ستھری بستی میں تو نہیں ہو گا۔ میری موجودگی وہاں تماشا نہ بن جائے۔"

"اس خیال میں نہ رہنا کہ میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا۔ وہ بہت پرانا اڈا ہے اور میرا دیکھا بھالا ہے۔ میں تمہیں گاڑی ہی میں کچھ دور چھوڑ کر پیدل وہاں جاؤں گا۔ میری واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

"مجھے کسی بات کا خوف نہیں ہے۔ کل شام دیرا کے ساتھ کام کرنے کے بعد میری رہی سہی جھجک بھی دور ہو گئی ہے۔ وہاں کسی نے اس قیمتی گاڑی میں مجھے تنہا پا کر چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کی تو میں اس کا حلیہ بگاڑنے میں ذرا بھی تردد نہیں کروں گی۔"

"بس یہ دھیان رہے کہ پولیس والوں کی مداخلت کی نوبت نہ آنے پائے۔ گاڑی کے پائیدان میں اس وقت بھی کئی ہتھیار اور بھرے ہوئے فاضل میگزین موجود ہیں"

"اوہ!" وہ بے اختیار بولی "میں ہتھیاروں کو تو بھولی ہی ہوئی تھی۔ اچھا ہوا کہ آپ نے یاد دلایا۔"

"ایک بات بتاؤ کہ چند روز سے تم مجھے مسلسل آپ سے کیوں مخاطب کر رہی ہو؟" میں نے ایک خیال کے تحت شوخی سے پوچھا۔

"میں آپ سے ہمیشہ اسی طرح بات کرتی ہوں" میرے لہجے پر وہ سٹپٹا گئی۔

"کوشش ضرور کرتی ہو گی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہوتیں۔ بارہا تم تسلسل کے ساتھ مجھے تم کہہ کر مخاطب کرتی رہی ہو۔ مکاؤ اور شنگارا ولی میں بارہا ایسا ہوا ہے۔"

"مکاؤ کی بات مختلف تھی۔ بعض اوقات حالات کے تقاضوں کو بھی مد نظر رکھنا پڑتا ہے۔ پھر کبھی کبھی دباؤ کے زیر اثر انسان وہی رویہ اختیار کر بیٹھتا ہے جو اس کے لاشعور میں بسا ہوا ہوتا ہے۔ میں نے کبھی بھی جانتے بوجھتے ہوئے آپ سے گستاخی کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"تم گستاخیاں تو بے شمار کرتی ہو۔ یہ اور بات ہے کہ میں نے کبھی ان کی نشان دہی نہیں کی۔"

"کب؟ آپ کن گستاخیوں کا حوالہ دے رہے ہیں؟" اس نے بوکھلا کے پوچھا لیکن میرے چہرے پر بکھری ہوئی شوخ مسکراہٹ دیکھ کر فوراً ہی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"ایک گستاخی ہو تو گنواؤں' یہاں تو ایک قطار لگی ہوئی ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "جب تک ہمیں سر چھپانے کے لئے کوئی ٹھکانا نہیں مل جاتا' ہمارا ہر لحہ خطرات کے سائے میں گزر رہا ہے۔"

"ہر وقت اتنی سنجیدگی اچھی نہیں لگتی۔ وہ دونوں ہر وقت سائے کی طرح یوں ہمارے ساتھ لگے رہتے ہیں کہ ہمیں بے تکلفی سے ایک دوسرے سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اب خلوت میسر ہے تو تم ان دیکھے خطرات سے ڈرانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"مجبوری ہے" وہ ایک ادا سے اپنے شانے اچکا کے بولی۔ "میری طرف دیکھنے کے بجائے سڑک کا خیال رکھئے۔ ٹریفک میں تیزی سے اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔"

میں نے ایک گہرا سانس لے کے اسٹیئرنگ وھیل پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

شہر کے گنجان آباد علاقوں اور چند تنگ سڑکوں سے گزرنے کے بعد ہم لی مارکیٹ کے علاقے میں جا پہنچے جہاں مضافاتی بسوں کے مسافروں اور ان سے لائے' لے جانے والے سامان کی وجہ سے بہت زیادہ گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔ ہم اس منظر کو دیکھتے ہوئے وہاں سے آگے نکل گئے۔

وقت گزرنے کے ساتھ شہر کے خدوخال میں بہت تیزی کے ساتھ تبدیلیاں نمودار ہوئی تھیں۔ چند برس پہلے کے جانے پہچانے علاقے نت نئی تعمیرات اور ترامیم و اضافوں کی وجہ سے کہیں کہیں بالکل ناقابل شناخت ہو گئے تھے لیکن کلاکوٹ کا قدیم علاقہ مدتیں گزر جانے کے باوجود جوں کا توں تھا۔

میں مین روڈ سے متصل ایک گلی میں' میڈیکل اسٹور کے سامنے کار پارک کر کے نیچے اتر گیا۔ میری دانست میں وہ حصہ علاقے کے شرپسند اور جرائم پیشہ افراد سے محفوظ تھا۔

وہاں سے گنجان بستی کی طرف روانہ ہوتے ہوئے میری جیب میں ایک بھرا ہوا ریوالور موجود تھا لیکن مجھے امید تھی کہ مجھے کہیں بھی اس کے استعمال کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

پہلوان کے اڈے کی طرف جانے والی لمبی اور کچی گلی میں نچ
اور مزدور طبقے کے کافی افراد کی آمد و رفت جاری تھی۔ میرے
خوشی کی بات یہ تھی کہ نا آسودہ لوگوں کی اس بستی میں بھی بہت
بچے بچیاں اپنے بستے لئے مدرسوں کی طرف رواں تھے۔ ست رفتا
سے ہی سہی لیکن تعلیم کا رجحان فروغ پا رہا تھا اور ایک دن
تعلیم ان کچی اور گندی بستیوں کی تقدیر بدل سکتی تھی۔

عام لوگوں نے میرے صاف ستھرے حلیے اور اجنبی چہرے ذرا بھی توجہ نہیں دی۔ وہ عام گزر گاہ تھی۔ وہاں سے کوئی بھی بلا روک ٹوک گزرنے کا حق رکھتا تھا لیکن پھر بھی وہ اکا دکا افراد نظروں سے محفوظ نہ رہ سکے جو چبھتی ہوئی نظروں سے میرا ناقد جائزہ لے رہے تھے۔

میرے لئے وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ جرائم' منشیات جوئے وغیرہ کے اڈوں کی حفاظت کے لئے ان کے قرب و جوار مخبروں اور محافظوں کی موجودگی کوئی نئی بات نہیں تھی۔

میں نے بظاہر اس شخص پر بھی کوئی توجہ نہیں دی جو ا
تھڑے سے اٹھ کر لنگڑاتا ہوا میرے پیچھے ہو لیا تھا۔ وہ وقفے
سے مٹھی بند کر کے سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔ اس

شہدوں کے انداز میں اپنی قمیص کے کالر کے گرد گھیرے نیلے رنگ کا رومال لگایا ہوا تھا۔

پہلوان کا اڈا اس علاقے میں عرصے سے قائم چلا آ رہا تھا۔ چرس کی مصنوعی قلت پیدا کر کے جب ہم نے اس شہر کے منشیات فروشوں کے ذریعے ہیروئن کی تقسیم کا جال پھیلایا تھا تو میں نے روپ بدل کر اس اڈے کا معائنہ کیا تھا۔ اس زمانے میں وہ اڈا آبادی سے قدرے الگ ایک وسیع پلاٹ پر قائم کیا گیا تھا اور پہلوان دن رات اپنے چیلوں کے ساتھ وہاں موجود رہ کر اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کرتا تھا۔

اس وقت میں ڈیٹی کے روپ میں وہاں نہیں جا رہا تھا۔ اس وقت ڈیٹی شہر بلکہ ملک کا ایک اشتہاری مجرم تھا جس کی گرفتاری میں مدد دینے والے کے لئے دو لاکھ ڈالر کا بیش قیمت انعام مقرر تھا۔ میری شناخت ظاہر ہوتے ہی اس خطیر انعام کے لئے پہلوان یا اس کے کسی حواری کی رال ٹپک سکتی تھی۔ ایسے پُرہول امکانات کے ازالے کے لئے میں نے اس ملاقات کے لئے دلاور آغا کا نام استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

میں جہانگیر سے الگ ہونے کے بعد ہوٹل میں قیام کے وقت سے دلاور کا نام اختیار کئے چلا آ رہا تھا لیکن اس کے ساتھ آغا کا اضافہ میری کسی لاشعوری رو کا نتیجہ تھا۔ دلاور آغا خاصا رعب دار اور بھاری بھرکم نام معلوم ہوتا تھا۔ میں نے حالات میں کوئی مثبت تبدیلی رونما ہونے تک وہی نام اختیار کئے رہنے کا فیصلہ کر ڈالا۔

پھر میرے ذہن میں کوئی ناآسودہ خیال رہ رہ کر نیشِ عقرب کی طرح چبھنے لگا۔ میں سوچتا اور آگے بڑھتا رہا۔ جب میں ایک پان والے کے پاس رکنے کا فیصلہ کر چکا تھا تو اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ بچھو کا وہ چبھتا ہوا ڈنک اپنے اصل روپ میں واضح ہوتا چلا گیا۔

دلاور آغا کا ولدار آغا سے ایک خاص صوتی آہنگ تھا۔ ولدار آغا شی کا ڈی ڈی تھا جس نے میری بغاوت کے بعد شی کی مقامی قیادت سنبھالی تھی۔ ایک طرف وہ جاز فارماسیوٹیکل کمپنی کی آڑ میں ہیروئن بھرے کیپسول ملک سے باہر اسمگل کرتا تھا اور دوسری طرف شی کا کاروبار چلاتا تھا۔

وہ خبیث روئے زمین پر میرا سب سے بڑا اور بدترین حریف تھا۔ اس نے نہایت چال بازی کے ساتھ اپنی بے لوثی اور انسان دوستی کا ایسا ڈراما رچایا تھا کہ غزالہ اس کے اخلاق کی گرویدہ ہو گئی اور اس خون آشام بھیڑیے نے معصوم بھیڑ کا لبادہ اوڑھ کر غزالہ کو اپنی بیوی بنا لیا تاکہ مجھے شکست کے بدترین احساس سے دوچار کر سکے۔

یہ ایک تلخ حقیقت تھی کہ ولدار آغا اپنی بھیانک موت تک غزالہ کا مجازی خدا بنا رہا تھا۔ اس کے فریب کا پردہ چاک ہونے کے بعد غزالہ ایک مدت تک ندامت سے مغلوب ہو کر مجھ سے منہ چھپاتی رہی۔ میں نے ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کے بعد اسے خود ملامتی کے چنگل سے آزاد کرا کے اپنی محبت کا یقین دلایا اور آخر کار ڈون کوانگ فو کے مکاؤ والے محل میں اسے اپنانے میں کامیاب ہو سکا تھا۔

ولدار آغا کا نام میرے لئے ایک رستے ہوئے ناسور سے کم نہیں تھا۔ اس نے غزالہ کو اس کی زندگی کا سب سے بڑا فریب دیا تھا۔ میں اسے بھول سکتا تھا نہ معاف کر سکتا تھا۔ میں نے اس نام کی کسک سے محفوظ رہنے کے لئے فوراً ہی دلاور آغا کا نام استعمال کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ تنویر علی عرف ڈیٹی کی ذہنی آسودگی کے لئے دلاور علی کا نام ہی بہتر تھا۔

میری جیب میں سگریٹ کا پیکٹ موجود تھا مگر منزلِ مقصود کا رخ کرنے سے پہلے گرد و پیش کا جائزہ لینے کی خاطر کہیں پڑاؤ کرنا ضروری تھا۔ اس وقت پان والا فرصت میں تھا اور بے کاری کے ان لمحات سے استفادہ کرتے ہوئے تیزی سے پان بنانے میں مصروف تھا۔ میری آہٹ پاتے ہی اس کی مستفسرانہ نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں لیکن دونوں ہاتھ بدستور پان بنانے میں مصروف رہے۔

"ایک پیکٹ گولڈ لیف!" میں نے جیب سے پیسے نکالتے ہوئے کہا پھر سرسری لہجے میں پوچھا "یار! یہ پہلوان کا ٹھکانا اسی سڑک پر ہے نا؟"

اس نے صافی سے ہاتھ پونچھ کے سگریٹ کا پیکٹ میرے سامنے چوبی کاؤنٹر پر رکھا اور میری بات کا کوئی جواب دینے کے بجائے ہاتھ کے اشارے سے کسی کو بلانے لگا۔

غیر ارادی طور پر میرا سر پیچھے گھوم گیا۔ پان والا اسی شہدے کو بلا رہا تھا جو پچھلے نکڑ سے میرا پیچھا کرتا چلا آ رہا تھا۔ میں اپنی جگہ پر فوراً ہی چوکنا ہو گیا۔

"کیا ہے رے' راجے؟" سگریٹ نوش لنگڑے نے پان والے کی طرف آتے ہوئے دور ہی سے پوچھا۔ اس کی نظریں اس وقت زیادہ بے حجابی سے میرا جائزہ لے رہی تھیں۔

پان والے نے اپنے کلے میں دبے ہوئے پان کی پیک کی پچکاری ایک طرف مارتے ہوئے منہ بگاڑ کے کہا "یار ذرا بھائی کو پہلوان کے ٹھکانے کا پتا بتا دے۔ پتا نہیں بے چارہ کس چکر میں آیا ہے۔"

"جاؤ! ڈشکا تمہیں وہاں پہنچا دے گا۔" راجے نے میری دی ہوئی رقم کی بقایا لوٹاتے ہوئے ناصحانہ لہجے میں کہا "بس اتنی سی بات یاد رکھنا کہ پہلوان سے پھڈا کرنے والے اپنے پیروں پر چل کر ضرور آتے ہیں لیکن واپسی پر انہیں ایدھی والے ہی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ وہاں کسی پھڈے بازی کا ارادہ ہے تو ابھی سے واپس لوٹ جاؤ۔ بہت مزے میں رہو گے۔"

میں بھونڈے انداز میں ہنس پڑا اور بولا "میں شریف آدمی ہوں اور ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد میں تم سے ملتا ہوا واپس جاؤں گا۔"

لنگڑے کی شخصیت کی طرح اس کا لقب بھی مہمل اور عجیب تھا۔ میرے ذہن میں کوئی ایسا نام نہیں آسکا جسے بگاڑ کر ڈشکا جیسا بے ہودہ لفظ ایجاد کیا جا سکے۔

ڈشکے نے مجھے سوچنے کی مہلت نہیں دی۔ راجے کو آنکھ مار کے میری پشت پر ہاتھ مارا اور چھوٹی ٹانگ پر زور دے کر اپنی بڑی ٹانگ پر تقریباً اچھلتا ہوا آگے چل پڑا۔ میں لپک کر اس کے برابر میں ہولیا۔ وہ مجھے کام کا آدمی نظر آرہا تھا۔

"استاد ڈشکے!" میں نے اس کی انا کو ابھارنے کی نیت سے چند ثانیوں بعد کہا "دراصل مجھے پہلوان سے نہیں' ٹونی سے ایک ضروری کام ہے۔ سنا ہے کہ وہ پہلوان کے اڈے پر ہوتا ہے۔"

ڈشکا لمحہ بھر کے لئے چلتے چلتے رک گیا پھر اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے تلخی سے بولا "ذرا سی دیر میں تم نے دوسری بات کی ہے۔ مجھے تمہاری نیت خراب نظر آرہی ہے۔ میں بتادوں کہ راجے کا ایک ایک لفظ ٹھیک تھا۔ پہلوان کے سامنے پہنچتے ہی تم مارے جاؤ گے۔ وہ اڑتی چڑیا کے پر گن لینے والا آدمی ہے۔ تم اسے دھوکا نہیں دے سکو گے۔"

"دھوکا؟" میں نے حیرت سے دہرایا "پتا نہیں تم میری نیت پر شبہ کیوں کررہے ہو؟"

اس نے ایک مرتبہ پھر رک کر برہم سی نظروں سے مجھے گھورا پھر بولا "نیت صاف ہے تو پھر تمہاری داہنی جیب بھاری کیوں ہے؟ نیک نیتی سے آنے والے ہتھیار بند نہیں ہوتے۔"

"اوہ... چلتے رہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کے کہا "یہ معمولی سی بات ہے۔ میں اندر جانے سے پہلے ہی اپنا ریوالور تم کو دے دیتا۔ ہم جیسے لوگوں کو اپنی حفاظت کے لئے ہروقت مسلح رہنا پڑتا ہے۔ ویسے میں تمہاری نظروں کی داد دوں گا کہ میری جیبوں کو ہاتھ لگائے بغیر تم نے میرے پاس کسی ہتھیار کی موجودگی کا پتا لگالیا۔ یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔"

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔" ڈشکے نے تادیبی لہجے میں کہا۔

"ٹونی کی تلاش میں۔" اس بار میں نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔

"پھر میرا مشورہ ہے کہ پہلوان کی طرف مت جاؤ۔ اس وقت وہ ٹونی کی ماں بہن کی ایسی کی تیسی کررہا ہے۔ ٹونی کل شام سے لمبا مال لے کے یہاں سے بھاگا ہوا ہے۔"

"پھر میں کس سے بات کروں؟ میرا ٹونی سے ملنا بہت ضروری ہے۔"

"پہلے اپنا ریوالور میرے حوالے کرو پھر کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں ہی تمہاری پریشانی دور کردوں۔ ویسے ٹونی بہت حرام کا جنا ہے۔ اگر وہ تم سے کوئی ایڈوانس لے چکا ہے تو اب اس پر صبر کرو۔ وہ آج کل گوروں کے چکر میں پڑ گیا ہے۔ پہلوان کو ڈر ہے کہ لمبا مال بنانے کے لالچ میں کہیں وہ اپنی گردن ہی نہ کٹوا لے... لاؤ تم نے ابھی تک اپنا ریوالور نہیں نکالا۔"

"یہاں؟ بھری گلی میں؟" میں نے بوکھلا کر پوچھا "دیکھنے والے کیا سوچیں گے؟"

ڈشکے نے بے نیازی سے ایک کریہہ قہقہہ لگایا اور دھیمی آواز میں بولا "یہ اپنا علاقہ ہے۔ یہاں کوئی مائی کا لال آنکھ اٹھا کے بھی ہماری طرف نہیں دیکھے گا۔ ریوالور دو تو ہم کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ تم کو سب سے پہلے یہ بتانا ہوگا کہ تم کون ہو اور ٹونی کو کیسے جانتے ہو۔"

میں نے اپنی جیب سے بھرا ہوا ریوالور نکال کے جلدی سے اسے پکڑا دیا۔ اس نے ریوالور چھپانے کے بجائے حریصانہ نظروں سے اس کا جائزہ لیا اور پُرشوق لہجے میں بولا "ولایتی ہے۔ میڈان جرمنی کا بنا ہوا لگتا ہے۔ پہلوان کو ایسے ہتھیار بہت پسند آتے ہیں۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے ریوالور اپنی جیب میں رکھتے ہوئے دوبارہ کہا "جب سے شہر کے لونڈوں نے ایسے ہتھیاروں سے چاندماری کی مشقیں شروع کی ہیں' گولیوں کے دام ایک دم آسمان سے باتیں کرنے لگے ہیں۔"

"مجھے کافی عرصے سے گولیاں خریدنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔" میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا "اب کہیں بیٹھنے کی فکر کرو تاکہ ہم کچھ کام کی باتیں کرسکیں۔"

"بیٹھ بھی جائیں گے۔" وہ ایک بغلی گلی میں مڑتے ہوئے بے پروائی سے بولا "تم شروع ہوجاؤ۔ یہاں کوئی ہماری بات سننے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ بغلی گلی قدرے ویران تھی لیکن لمبی گلی میں بھی کسی نے نگاہ بھر کے ڈشکے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ جو راہ گیر زیادہ دل والے تھے وہ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کو دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے تیزی سے گزر گئے تھے۔

"میں حیدر آباد سے آیا ہوں۔" میں نے فی البدیہہ بولنا شروع کردیا "میں حیدرآباد میں کیبوں کا ٹھیکا چلاتا ہوں۔ چرس اور ہیروئن بھی خاصی چلتی ہے۔ میں نے اڑتی اڑتی خبر سنی ہے کہ ٹونی ڈبی کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ آج کل اس کی گرفتاری پر دو لاکھ ڈالر کا انعام ہے۔ مجھے ایک دو ٹھکانوں پر شبہ ہے مگر میں ڈبی کو نہیں پہچانتا۔ سوچ رہا تھا کہ ٹونی مل کر کام کرنے پر راضی ہوجائے تو ہم دونوں انعام کی آدھی آدھی رقم کے مالک بن سکتے ہیں۔"

ڈشکا چلتے چلتے ایک دکان کے بند شٹر کے آگے بنی ہوئی سیڑھی پر بیٹھ گیا۔ اس طرف تقریباً سناٹا ہی تھا۔ وہ اپنے لئے نئی سگریٹ سلگانے کے بعد بولا "پہلوان مخبری سے نفرت کرتا ہے۔ اس نے بھی ڈبی والا اشتہار دیکھا تھا اور اخبار کے چیتھڑے اڑا دیئے تھے۔ وہ ڈبی کا بہت پرانا قدردان ہے۔ کہہ رہا تھا کہ کوئی حرام کا پلّا ہی ڈبی کو پکڑوا سکتا ہے ورنہ کوئی اصل کا نطفہ اس لاکھ

نہیں آئے گا۔ ڈیبی نر کا بچہ ہے۔ اپنا شکار خود کھیلتا اور کھاتا
ہیں گورے اپنی دُم کے گھوڑے کھول کر بھی اس کی گرد کو نہیں
پہنچ سکتے۔ وہ تمہاری بات سنتے ہی تمہارے منہ پر زناٹے دار تھپڑ
رسید کر کے بھگا دیتا۔ ڈیبی کو پہلوان کے کئی آدمی جانتے ہیں لیکن
کوئی بھی تمہارا ساتھ نہیں دے گا۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ گورے ڈیبی کے دشمن ہو رہے ہیں؟"
میں نے پوچھا۔

"پورے شہر کو معلوم ہے۔" وہ میری بے خبری کا مضحکہ اڑاتے ہوئے بولا "ڈالروں میں انعام کا اعلان گورے ہی کر سکتے ہیں۔ یہ بکھیڑا ان ہی کا پھیلایا ہوا ہے۔"

"اور تم نے یہ بھی کہا تھا کہ ٹونی گوروں کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"کہا تھا۔" اس نے سرہلا کے اقرار کیا "آج صبح کسی گورے نے ٹونی سے رپورٹ لینے کے لئے فون کیا تو وہ بہت گرم تھا۔ پہلوان نے اسے بلاڈی واسکٹ اور خدا جانے کون کون سی انگریزی گالیاں دے کر جھاڑ دیا۔ بعد میں پہلوان نے اپنے آدمیوں سے پوچھ کچھ کی تو اسے پتا چلا کہ کل اسی گورے نے ٹونی سے فون پر دیر تک بات کی تھی پھر دوپہر کو کوئی بچہ ٹونی کے لئے ایک بند لفافہ لایا جس میں نوٹ تھے۔ ٹونی نے پہلوان کو کچھ بتائے بغیر دوڑ لگا دی اور ابھی تک غائب ہے۔"

"مگر کسی گورے کو پہلوان کے اڈے کا فون نمبر اور ٹونی کا نام کیسے معلوم ہوا؟" میں اس کے بھٹکنے یا بھڑکنے سے پہلے کام کی ہر بات اگلوا لینے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

"پہلوان بھی یہی سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا ہے۔" ڈشکا پُراسرار لہجے میں بولا "ٹونی کچھ دن پہلے بدرو دادا سے ٹوٹ کر اس کے پاس آیا تھا۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ پہلوان کو شبہ ہے کہ یہ گند بدرو نے پھیلایا ہے۔ اسی نے گورے کو ٹونی کے بارے میں بتایا ہو گا۔"

"مگر کیوں؟ اسے گورے کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ اندر کی سیاست معلوم ہوتی ہے۔ شاید بدرو اور ڈیبی میں ٹھنی ہوئی ہے۔"

"ٹونی کا پتا بتانے کے بجائے وہ گورے کو اپنے آدمی بھی دے سکتا تھا۔"

"اس کے صرف دو آدمی ڈیبی کو پہچانتے ہیں۔ عبدل اور رولی۔ دونوں اپنے ٹرک سمیت پشاور میں پکڑے گئے تھے اور آج کل پیشی ہونے کے انتظار میں جیل کاٹ رہے ہیں۔"

"پھر تو پہلوان کو بدرو کا گلا پکڑ لینا چاہئے۔ اپنے گھر کی آگ وہ ان کے اڈے تک پھیلا رہا ہے۔"

"ٹونی واپس نہ آیا تو کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔" وہ پُروثوق لہجے میں بولا "تم بھی اپنے دل سے ڈالروں کا لالچ نکال دو۔ ڈیبی اس شہر کا اکیلا نہیں ہے۔ میں دوسروں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن پہلوان اس کا جگری یار ہے۔ جس نے بھی ڈیبی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی، وہ پہلوان کی بھیانک مار سے نہیں بچ سکے گا۔ پہلوان اپنے دشمنوں کو مارتا کم اور گھسیٹتا زیادہ ہے۔"

وہ اپنی رو میں بولے جا رہا تھا اور میں دل ہی دل میں اس کی ہرزہ سرائی پر ہنس رہا تھا۔ بھلا اس شہر میں مجھ سے زیادہ تنہا کون تھا۔ لاکھوں کے ہجوم میں میرے جو چند ہمدرد اور شناسا تھے، میں ان سے بھی نہیں مل سکتا تھا۔ وہ پہلوان کو میرا جگری یار قرار دے رہا تھا جب کہ میری اور اس کی واقفیت ایک دو سرسری سی کاروباری ملاقاتوں سے زیادہ نہیں تھی۔ خود اس کا یہ حال تھا کہ میں بنفسِ نفیس اس کے سامنے موجود تھا اور وہ مجھے پہچاننے سے قاصر تھا۔

"تم ڈیبی کو پہچانتے ہو؟" میں نے اس کے جھوٹ کو پرکھنے کے لئے سوال کیا۔

"وہ جب بھی ادھر آتا تھا، ڈشکے کے ساتھ دودھ پتی ضرور پیتا تھا۔" اس نے اتنے فخر اور اعتماد کے ساتھ سفید جھوٹ بولا کہ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کے دعوے پر ایمان لے آتا۔

میں خود ایک مدت سے زیرِ زمین دنیا سے کٹا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ لوگوں نے مجھے بھلا دیا ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔ ان حلقوں میں میری کہانیاں مبالغہ آرائی کے ساتھ گردش کرتی رہتی تھیں۔ جرائم پیشہ لوگ جب اپنوں میں کسی کی برتری مان لیتے ہیں تو اس کی تعریف و توصیف میں مبالغے کی آخری حدوں کو بھی عبور کر جاتے ہیں۔ شاید ان ہی رجحانات نے ڈشکے جیسے شیخی خورے افراد کی نظروں میں مجھے ایسا اَن دیکھا کردار بنا دیا تھا جس کی کہانیاں اس کے وجود سے زیادہ مقبول اور مشہور ہو جاتی ہیں۔ اس نے اتنی عقیدت کے ساتھ میرے ہمراہ دودھ پتی کی چائے پینے کا ذکر کیا تھا کہ اس جھوٹ پر بھی میرا دل اس کوزہ پشت لنگڑے کے لئے موم ہو گیا تھا۔

"یہ بدرو دادا کہاں ہوتا ہے؟" لمحہ بھر کے توقف کے بعد میں نے پوچھا۔

"پہلوان کہہ رہا تھا کہ ڈیبی سے پنگا لینے کے بعد وہ کسی خوف زدہ چوہے کی طرح چھپتا پھر رہا ہو گا لیکن ماری پور کے ٹرک اسٹینڈ سے اس کا کوئی نہ کوئی سراغ مل سکتا ہے۔" پھر وہ چونک کر بولا "مگر تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو؟ میں کہہ رہا ہوں کہ ڈالروں کا خناس اپنے دماغ سے نکال دو ورنہ تمہیں بھی شہر میں کہیں امان نہیں مل سکے گی۔"

"میں ڈالروں کو بھول چکا ہوں۔" میں نے پہلی بار مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تمہاری تقریر سننے کے بعد میں خود بدرو دادا کی سرکوبی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ تم گورے کے بارے میں کچھ بتا سکو تو میں اس پر بھی ہاتھ ڈالنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔"

"وہ فون پر سنائی دینے والی ایک آواز سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ مایوسانہ آواز میں بولا "وہ صدر کا کوئی کرنٹا بھی ہو سکتا ہے۔ پہلوان نے فون پر اس کی ٹوٹی پھوٹی اردو سن کر اندازہ لگایا

ہے کہ وہ کوئی گورا ہوگا لیکن کون جانے کہ وہ کیا بلا ہے۔"

"میں تمہاری ہر بات مان چکا ہوں۔ اگر اب پہلوان سے مل لیا جائے تو کیسا رہے گا؟"

"بے کار!" اس نے بلا توقف اپنا فیصلہ صادر کردیا "تمہاری ہر بات کا جواب مل چکا ہے۔ اب کسی مقصد کے بغیر پہلوان کی زیارت سے کیا حاصل ہوگا؟ دس پانچ گالیاں کھا کے منہ لٹکائے واپس لوٹ آؤ گے۔ اس وقت وہ غصے میں کمن چکرتا ہوا ہے۔"

اپنی بات ختم کرتے ہی وہ یوں اچانک اٹھ کھڑا ہوا جیسے اسے کوئی اہم بات یاد آگئی ہو۔

"تم ایک منٹ بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ سامنے کے ایک بوسیدہ اور کھلے ہوئے دروازے میں داخل ہوگیا۔ اس وقت اس کی چال میں غیر معمولی تیزی آگئی تھی۔

میں نے وقت گزاری کے لئے سگریٹ سلگالی۔ مجھے خوشی تھی کہ میرا وہاں آنا رائگاں نہیں گیا تھا۔ ڈھنگے کی کھلی کھلی باتوں نے صورتِ حال کو ایک واضح رخ دے دیا تھا۔ یقینی طور پر بدرو داداہی پسِ پشت رہ کر ایلین کی مدد کررہا تھا اور اس وقت وہی دونوں میرے سب سے بڑے حریف تھے۔

میں نے پختہ سیڑھی پر بیٹھے بیٹھے ایک سگریٹ ختم کرکے بے خیالی میں دوسری سگریٹ بھی سلگالی۔ پھر مجھے اچانک تشویش ہونے لگی۔ ڈھنگا ایک منٹ میں واپسی کا وعدہ کرکے اس بوسیدہ مکان میں گیا تھا لیکن کافی دیر گزر جانے کے باوجود اس کی واپسی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

دوسری طرف میرے ذہن پر یہ فکر بھی مسلط تھی کہ مجھے غزالہ سے رخصت ہوئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ اسے بہت بے چینی سے میری واپسی کا انتظار رہا ہوگا۔ میں اضطراری طور پر سیڑھی سے اٹھ کر اس کھلے ہوئے بوسیدہ دروازے کی طرف بڑھ گیا جس میں ڈھنگا داخل ہوا تھا۔

بے پردگی کے خیال سے میں براہِ راست دروازے کے سامنے جانے کے بجائے ایک پہلو میں کھڑا ہوگیا۔ دبی زبان میں ڈھنگا کو آواز دیتے ہوئے میرے ذہن پر جھنجلاہٹ سوار ہونے لگی۔ وہ ایسا ہی بے ہودہ اور مہمل شخص تھا کہ اسے دہراتے ہوئے خواہ مخواہ غصہ آنے لگتا تھا۔ دو بار آواز دینے کے باوجود دوسری جانب سے کوئی آواز سنائی دی نہ کوئی اور ردِعمل سامنے آیا تب مجھے ادراک ہوا کہ اس دروازے کے پیچھے غیر معمولی سکوت چھایا ہوا تھا۔

میں جھجکتے ہوئے اس کھلے ہوئے دروازے کے سامنے ہوا تو یہ دیکھ کر میری کھوپڑی بھنا گئی کہ اس کے پیچھے ویرانی کا راج تھا۔ اندر کوئی متنفس تھا نہ ہی کسی قسم کا ساز و سامان نظر آرہا تھا۔ میں نے ذرا تفصیل سے اندر نگاہ ڈالی اور سناٹے کا یقین ہوتے ہی اندر گھس گیا۔

وہ کوئی آباد مکان نہیں بلکہ ایک متروک اور بوسیدہ سا چھپر تھا۔ دروازے کے پیچھے ٹیڑھی میڑھی لکڑیوں پر رکے ہوئے خستہ حال چھپر کے نیچے کچے فرش کے ایک گوشے میں سیاہ رنگ کی ایک بلی اپنے نومولود بچوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھی۔ میری آہٹ پاکر اس نے غصیلی نظروں سے میرا جائزہ لیا اور غراتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ کر پچھلی سمت سے باہر نکل گئی۔

ہوسکتا ہے کہ کسی زمانے میں وہ کوئی کمرا رہا ہو لیکن امتدادِ زمانہ کے باعث اس کی پچھلی دیوار یا رکاوٹ سرے سے غائب ہوچکی تھی اور اس کے آگے خودرو جھاڑیاں اگی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ میں نے آگے بڑھ کر پچھلی سمت کا جائزہ لیا تو اونچی اور بے ترتیب جھاڑیوں سے تھوڑے فاصلے پر گندے پانی کا ایک نالا بہہ رہا تھا اور اس طرف دور دور تک ویرانی کا راج تھا۔ ڈھنگے کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

بے اختیار میرے منہ سے ایک طویل سانس آزاد ہوگیا۔ ڈھنگا نہایت مکاری کے ساتھ مجھے چونا لگا کر میرا قیمتی ریوالور لے بھاگا اور میں کسی احمق مطلق کی طرح اس کی واپسی کے انتظار میں بیٹھا اپنا وقت برباد کررہا تھا۔

مجھے ریوالور جانے کا کوئی غم نہیں تھا۔ وہ میرے پاس مفت میں آیا تھا اور اسی طرح نکل گیا تھا۔ اس کے ہتھیانے کے لالچ میں ڈھنگا نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ بہت اہم تھا۔ اس سودے بازی کے لیے میں ایک ریوالور تو کیا اس سے کئی گنا زیادہ رقم بھی خرچ کرنے پر آمادہ ہوسکتا تھا لیکن مجھے جھلاہٹ اس بات کی تھی کہ ڈھنگے جیسا ایک معمولی اور ٹیمی بدمعاش نہایت مکاری کے ساتھ مجھے چونا لگا گیا تھا اور میں آخر تک اس کی چال کو نہیں سمجھ سکا تھا۔

اس انکشاف کے بعد میرا وہاں رکنا بے سود تھا۔ میں تیزی کے ساتھ واپس چل دیا۔

بغلی گلیاں عبور کرکے میں بڑی گلی میں پہنچا تو راجہ پان والا اپنے کام میں مصروف ہونے کے باوجود شاید میری واپسی کا منتظر تھا۔ اس سے نظریں چار ہوتے ہی میں اس کے کیبن کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہ اپنے ہونٹوں پر چبھتی ہوئی ذومعنی سی مسکراہٹ لیے دکان پر موجود گاہکوں کو نمٹاتا رہا۔ میں خاموشی سے پیچھے ہٹ کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرتا رہا۔

"کیا ہوا؟ مل آئے پہلوان سے؟" اپنے گاہکوں کو رخصت کرنے کے بعد راجہ نے مجھے مخاطب کیا تو میں نے محسوس کیا کہ اس کے لہجے پر استفہام سے زیادہ طنز کا عنصر غالب تھا۔

"پہلوان سے ملاقات تو بڑی بات ہے، میری ڈھنگے سے بھی پوری ملاقات نہیں ہوئی۔"

"کیوں؟" اس نے نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس نے ایک سوالیہ لفظ ضرور ادا کیا تھا لیکن اس کے لہجے میں ذرا بھی تجسس نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے میرے پہنچنے سے پہلے ہی ڈھنگا اسے اپنی کامیابی کی رپورٹ دے گیا ہو۔

"ڈھنگا دھوکا دے کر میرا ریوالور لے بھاگا۔ وہ آئے تو...

دیا کہ میں اس چوٹ کو آسانی سے نہیں بھلا سکوں گا۔ ریوالور پسند تھا تو وہ مجھ سے مانگ سکتا تھا۔ میں بہت خوشی سے اس دستبردار ہو جاتا۔" میں نے تلخی سے کہا۔

"اپنے کلے میں زبان پھیر کے عارفانہ انداز میں ہنسا اور پھر "وہ رگی ہے۔ تم نے شاید سنا نہیں کہ عیب داروں میں پیدائشی پر ایک رگ زیادہ ہوتی ہے۔ خیریت اسی میں ہے کہ اب چپ یہاں سے نکل جاؤ۔ اسے تمہاری دھمکی کی سن گن مل گئی تو تمہارا ریوالور تم پر ہی استعمال کر بیٹھے گا۔ اس کا نام ڈشکا ہے وہ ذرا سی بات پر مشتعل ہو جاتا ہے۔"

"یہ ڈشکا کیا نام ہے؟ اس کا کیا مطلب ہے؟" میری ذہنی بے ساختہ میری زبان پر آ گئی۔

"تمہیں اس کا مطلب نہیں معلوم؟" اس نے تضحیک آمیز سے پوچھا۔

"نہیں!" میں نے اس جاہل پان فروش کے مقابلے میں اپنی علمی پر دل ہی دل میں خجالت محسوس کرتے ہوئے کہا "کیا معنی ہیں اس کے؟"

"ڈشکا!" وہ فضا میں دونوں ہاتھوں کو گھما کے بولا۔ لحظہ بھر کے توقف میں میرے سپاٹ چہرے کا جائزہ لینے کے بعد اس نے بات کی مزید وضاحت کی "کمال ہے کہ تم اس سے مل کر بھی کے معنی نہیں سمجھ سکے۔ ڈشکا بس ڈشکا ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لو ڈشکا بڑی آفت شے ہوتا ہے۔"

مجھے فوراً ہی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا اور میں سر جھٹک کر سے چل دیا۔

واپس غزالہ تک پہنچنے سے پہلے میں نے اس کوزہ پشت اور لنگڑے کو بھلانے کی لاکھ کوششیں کیں لیکن میرے ذہن میں اس کی عجیب و غریب عرفیت گونجتی رہی۔ مجھے یوں محسوس تھا جیسے بازاری لڑکوں کی بھیڑ مجھے ڈشکا ڈشکا کہہ کر چڑا رہی ہے۔

میں گاڑی کے قریب پہنچا تو غزالہ ساری کھڑکیوں کے شیشے چڑھائے محبوس اور فکرمند بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے پر بشاشت کی لہر دوڑ گئی۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ قرب و جوار میں موجود ہر شخص گہری توجہ سے ہماری نگراں تھا۔

"پہلوان سے ملاقات کیسی رہی؟" گاڑی حرکت میں آنے پر نے پوچھا۔

"ڈشکا" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اپنی حماقت کا احساس پر میں فوراً ہی ہنس پڑا۔

"یہ ڈشکا کیا بلا ہے؟" غزالہ نے حیرت سے سوال کیا۔

"کمر پر ہلکا سا کوبڑ، چیچک زدہ چہرہ، بڑی بڑی چمک دار آنکھیں، ٹانگ دوسری سے چھوٹی۔۔۔ جس آدمی میں یہ ساری خوبیاں ہوں وہ ڈشکا کہلاتا ہے۔"

"پتا نہیں آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔" وہ پُرتشویش لہجے میں بڑبڑائی۔

میں نے اس کا تجسس دور کرنے کے لیے تفصیل دہرانی شروع کردی۔

"وہ نوسرباز ضرور تھا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ آپ کے لیے پہلوان سے زیادہ سودمند ثابت ہوا ہے۔" میری پوری کہانی سن لینے کے بعد غزالہ بولی "پہلوان سے آپ اتنی زیادہ اور کھلی کھلی باتیں نہیں کر سکتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو ابھی تک ٹونی کی موت کی خبر نہیں ملی ہے۔"

"میرا تو خیال ہے کہ ابھی تک ایلن کو بھی ٹونی کے قتل کی اطلاع نہیں ملی ہے ورنہ وہ اس سے رپورٹ لینے کے لیے پہلوان کے اڈے پر فون نہ کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس کی کوئی گاڑی اس میدان کی طرف پہنچی ہی نہ ہو جہاں ہم نے ٹونی کی لاش پھینکی تھی۔"

"یہی بات قرین قیاس نظر آتی ہے۔ اخبارات میں اس کی تلاش کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہے۔"

اس وقت تک میری رسٹ واچ کی سوئیاں دس کے ہندسے سے آگے نکل چکی تھیں اور ہمیں شہر میں مزید آوارہ گردی کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ ہم براہِ راست کلفٹن کی کسی اسٹیٹ ایجنسی کا رخ کر کے اپنے لیے کسی جائے پناہ کی تلاش کی کوششوں کا آغاز کر سکتے تھے۔

کلاکوٹ سے واپسی کے سفر میں میرا ذہن مسلسل سلطان شاہ اور وریا میں الجھا رہا۔ ہم جن حالات میں ان دونوں سے رخصت ہوئے تھے وہ حوصلہ افزا نہیں تھے۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ تین بجے وہ دونوں ٹھیک ٹھاک حالات میں لال کوٹھی کے بس اسٹاپ پر پہنچ جائیں جہاں سے مجھے ان کو لینا تھا۔

سفر سکون اور خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ میری روداد سن لینے کے بعد غزالہ کو سوچنے کے لیے بہت مواد مل چکا تھا اس لیے وہ اپنی سوچوں میں گم تھی اور میں آگے کے منصوبے بنا رہا تھا۔

کلفٹن کا پل عبور کرنے کے بعد میں نے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک اسٹیٹ ایجنسی کے سامنے گاڑی روک لی۔ بیرونی دیوار میں شیشے ہی شیشے نصب تھے اور اس خوش نما دفتر پر بونگی اسٹیٹ ایجنسی کا بورڈ نمایاں نظر آرہا تھا۔ میں انگریزی میں لکھا ہوا وہ نام پڑھ کر دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہیں رہ سکا۔

غزالہ کو کار میں چھوڑ کر میں اندر داخل ہوا تو وہ پتلا لیکن گہرا دفتر نہایت فعال ائرکنڈیشننگ کی زد میں آیا ہوا تھا۔ دفتر میں شروع سے آخر تک ایک ہی سائز اور ساخت کی دو دو میزیں پڑی ہوئی تھیں جن میں سے بیشتر کے پیچھے خوش پوش نوجوان، اردو اور انگریزی اخبارات اپنے سامنے پھیلائے ٹیلی فون پر مصروف تھے یا پھر کاغذات کی ورق گردانی کر رہے تھے۔

دفتر کی خوبی یہ تھی کہ میزوں کی ترتیب، ساخت یا سائز سے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ وہاں کون مالک اور کون ملازم ہے۔

اس مکمل ابہام کے باوجود وہ دفتر لاوارث نہیں تھا۔ میرے اندر پہنچتے ہی داہنی طرف کی پہلی میز کے پیچھے براجمان ایک صحت مند نوجوان نے مجھے خوش آمدید کہہ کے میری آمد کا مدعا جاننا چاہا۔

اس کی خوش خلقی نے مجھے حوصلہ دیا اور میں نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی، پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ ایجنسی کے نام کے بارے میں اتنے انکسار سے کیوں کام لیا گیا ہے؟ بہت سے لوگ بونگے کام کرتے ہیں لیکن زندگی بھر اس کا اعتراف نہیں کرتے۔ تمہاری ایجنسی نے اپنے بونگے پن کو اشتہار بنا کر رکھ دیا ہے۔"

وہ خفت آمیز انداز میں ہنسا اور بولا "شاید آپ کو پڑھنے میں مغالطہ ہوا ہے یہ بونگی نہیں بون جی اسٹیٹ ایجنسی ہے۔ ساری گڑبڑ جی کی معلوم ہوتی ہے۔ اسے جیم کی جگہ استعمال کیا گیا ہے مگر آپ نے اسے گاف پڑھا ہے۔ آپ پہلے آدمی ہیں جس نے اس تلفظ کی نشان دہی کی ہے۔"

"کمال ہے!" میں نے حیرت سے کہا "تمہارے گاہکوں میں سے کسی نے اس بات کو نوٹ نہیں کیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دفتر حال ہی میں قائم کیا گیا ہے۔"

"ہم تین سال سے اپنے معزز گاہکوں کی خدمت کر رہے ہیں۔" اس نے عاجزانہ لہجے میں مجھے آگاہ کیا "آج تک کسی نے ہمارے نام کو بون جی کے سوا اور کچھ نہیں سمجھا......"

شاید وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ قدیم علاقائی ناموں کو انگریزی کے قالب میں اپنانے کا کاروباری رجحان ان دنوں زوروں پر تھا۔ سائیں جی اور بابا جبش سے لے کر علی بابا اور محمل لیلیٰ جیسے خالص مشرقی نام تک انگریزی میں اپنائے جا رہے تھے۔ حد یہ تھی کہ ان مشرقی ناموں کو اپنانے والے اپنی اسٹیشنری سے تشہیری مواد تک کہیں بھی اردو کو متبادل یا وضاحتی زبان کے طور پر استعمال نہیں کرتے تھے جس سے اس نام کے تضادات جنم لیتے تھے جو بونگی اور بون جی میں پنہاں تھے۔

مجھے بالکل اندازہ نہیں ہو سکا کہ میرا مخاطب اس ایجنسی کا مالک تھا یا ملازم۔ اس نے میری ضرورت سے واقف ہوتے ہی مجھے داہنی جانب کی تیسری میز پر بھیج دیا جہاں اس کے کہنے کے مطابق کلفٹن کے کرائے کے فلیٹوں کا خصوصی ماہر براجمان تھا۔

وہ انتہائی نفیس لباس اور ٹائی میں ملبوس ایک خوش پوش نوجوان تھا۔ اس نے اپنی نشست سے اٹھ کر گرم جوشی سے میرا استقبال کیا اور مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی۔ میں نے کرسی سنبھالنے کے بعد اپنا مدعا دہرایا۔ اس نے چند سوالات کیے اور بھانپ لیا کہ میں کیا چاہتا تھا۔

"لوگ پوری سہولتوں سے آراستہ فلیٹ دینے کے سلسلے میں بہت محتاط رہتے ہیں۔" اس نے پوری بات سمجھ لینے کے بعد مدافعانہ لہجے میں کہا "وہ اپنے جاننے والوں یا ایسے لوگوں کو کرائے دار بناتے ہیں جن کے لیے معتبر ضامن میسر ہوں۔ شہر میں آپ کی جان پہچان تو ضرور ہو گی۔"

"تمہارے شہر میں جان پہچان والے لوگ ہوتے تو میں ان ہی کے پاس ٹھہرتا۔" میں نے دبنگ لہجے میں کہا "میں لاہور سے آیا ہوں اور چند ماہ کے لیے یہاں رہ کر کاروباری امکانات کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ بات بن گئی تو یہاں میرے بیسیوں شناسا پیدا ہو جائیں گے فی الحال تو میں یہاں اجنبی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ اپنائیت کے لہجے میں بولا "آپ اپنے ہی آدمی ہیں۔ میں جن پارٹیوں سے بات کروں گا انہیں یہی بتاؤں گا کہ آپ میرے پرانے واقف کار ہیں۔ اس طرح کرائے کا فلیٹ ملنے میں آسانی رہے گی۔ آج کل لوگ اجنبیوں سے معاملات کرتے ہوئے گھبرانے لگے ہیں، کیا پتا کون مجرم یا دہشت گرد نکل آئے اور لاکھوں کا فلیٹ برسوں کے لیے سیل ہو جائے۔"

اس کی وہ گفتگو خود کلامی کی تفسیر تھی۔ اس میں کوئی بات جواب طلب نہیں تھی۔ وہ میری اور اس کی پہلی ملاقات تھی اور اسے میرے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا لیکن میری ضرورت کو بھانپ لینے کے بعد اس نے میری ہمدردی کی آڑ میں محض کمیشن کھرا کرنے کے لیے مجھ سے اپنی پرانی واقفیت نکال لینے کا فیصلہ کر لیا تھا تو اس میں مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

تین چار نمبروں پر فون گھمانے کے بعد وہ میرے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

باہر آ کر اس نے اشتیاق اور پسندیدگی کی نگاہوں سے جاوید کی سیاہ اکارڈ کو دیکھا۔ غزالہ کو بہت ادب سے سلام کیا اور مرعوب ہو کر خاموشی سے پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔

اس وقت مجھے سر چھپانے کے لیے کوئی بھی محفوظ ٹھکانا درکار تھا۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ میں فلیٹ کی تلاش میں بہت زیادہ وقت برباد کرنے کے موڈ میں نہیں تھا اس لیے اس نے میرے مطلوبہ معیار کے صرف دو فلیٹ دکھانے کا بندوبست کیا تھا۔

دونوں فلیٹ تین بیڈ رومز پر مشتمل اور مکمل آراستہ تھے۔

پہلا فلیٹ ایک روشن اور کشادہ عمارت کی دوسری منزل پر تھا۔ فلیٹ کی مالکہ ہم سے پہلے ہی وہاں پہنچی ہوئی تھی۔ اس کا سامنا ہوتے ہی میرے ذہن میں شناسائی کی ایک موہوم کرن ابھری۔ لیکن اس خاتون سے گفتگو کا آغاز ہوتے ہی میرا ذہن صاف ہو گیا۔ وہ بالکل کسی اجنبی کی طرح مجھ سے مخاطب ہوئی تھی۔

وہ فلیٹ کرائے پر دیے جانے کے لیے سازوسامان سے آراستہ کیا گیا تھا لیکن پھر بھی خوش ذوقی کا مظہر تھا۔ ہمیں لے جانے والے اسٹیٹ ایجنٹ نے فلیٹ کی مالکہ سے ہمارے بارے میں زمین آسمان کے قلابے ملانے شروع کر دیے۔ میں نے غزالہ کے ساتھ کمروں وغیرہ کا معائنہ شروع کر دیا۔

غزالہ کو وہ فلیٹ پسند آ گیا اور ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر کرائے داری کی شرائط پر بات چیت کا آغاز کر دیا گیا۔ میرے لیے [illegible] ہزار روپے ماہانہ کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن کسی حیل و حجت

بغیر ہماری رضامندی اس خاتون کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر سکتی تھی۔ تھوڑی سی تکرار کے بعد کرائے میں ایک ہزار روپے ماہانہ کی تخفیف کے ساتھ معاملات طے پا گئے۔

اسٹیٹ ایجنٹ کے لیے وہ ایک خوشگوار تجربہ تھا۔ میں نے فوراً ہی جیب سے مطلوبہ رقم نکال کر اس خاتون کی طرف بڑھائی تو وہ حیران رہ گئی "اتنی بڑی نقد رقم میں کہاں لیے پھروں گی؟ ابھی تو معاہدے کے کاغذات اور رسید وغیرہ بھی بننی ہے۔ آپ فلیٹ کا قبضہ کب لینا چاہتے ہیں۔"

"قبضہ تو ہم لے ہی چکے ہیں۔" غزالہ نے ہنس کے کہا۔ "کاغذی کارروائیاں ہوتی رہیں گی۔ بس یہ سمجھیں کہ ہم اسی لمحے سے آپ کے کرائے دار بن چکے ہیں اور اب اس فلیٹ میں آپ ہماری مہمان ہیں۔"

"معاہدے کے کاغذات میں آدھے گھنٹے میں بنا لاؤں گا۔" اسٹیٹ ایجنٹ جلدی سے بولا "ابھی بینک کا وقت ہے، رقم بینک میں جمع ہو جائے گی۔ اس میں کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔"

اس عورت نے فلیٹ کی چابیاں ہمارے حوالے کیں اور رقم لے کر اسٹیٹ ایجنٹ کے ساتھ واپس چلی گئی تاکہ اس کے دفتر میں کاغذات وغیرہ مکمل کروا کے بعد میں مجھ سے دستخط لے سکے۔

ان دونوں کو رخصت کرتے ہی میں نے والہانہ انداز میں غزالہ کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"بعض اوقات آپ بالکل ہی بے قابو ہو جاتے ہیں۔" وہ خودسپردگی کے انداز میں منمنائی۔

"میرے لیے یہ لمحات بہت اہم ہیں۔" میں نے اس سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے کہا "آج تک ہم جہانگیر کے گھر، فلیٹ اور فیکٹری یا پھر ہوٹلوں میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ ہمیں پہلی بار اپنا گھر بسانے کا موقع ملا ہے۔ اپنی بیوی کے ساتھ اپنے گھر میں موجودگی کا احساس ہی بہت پُر سرور ہوتا ہے۔"

"یہاں ہم نے کون سا تیر مارا ہے۔" وہ میرے بازوؤں کی گرفت سے نکلتے ہوئے شوخی سے بولی "بسے بسائے گھر میں آبیٹھے ہیں۔ ہر چیز استعمال کے لیے تیار اور صاف ستھری ہے۔ فلیٹ خالی ہونے کے باوجود شاید یہاں روز صفائی ہوتی رہی ہے۔"

"فرنشڈ مکانات کو کرائے پر اٹھانے کی جدت مغرب سے ذرا تاخیر سے یہاں پہنچی ہے لیکن اس کے بڑے کمالات ہیں۔ سرمایہ کاری کرنے والے کو معقول ماہانہ آمدنی ملتی رہتی ہے اور ضرورت مندوں کو گھڑی کی چوتھائی میں ایک بنا بنایا ٹھکانا میسر آ جاتا ہے۔"

"لیکن اس سہولت کی وجہ سے بڑے بڑے فراڈ بھی ہو رہے ہیں۔" غزالہ نے معنی خیز لہجے میں کہا "آپ نے دیکھا نہیں ایک مہینے کے کرائے کے برابر کمیشن حاصل کرنے کے لیے اسٹیٹ ایجنٹ نے ہمیں اپنا پرانا واقف کار بنا لیا تھا۔ اسی طرح نوسرباز عالی شان مکان کرائے پر لے کر سادہ لوح لوگوں سے بھاری رقمیں بٹورتے رہتے ہیں۔ ان کے جال میں پھنسنے والے مکان کی شان و شوکت سے مرعوب ہو کر ان پر اعتماد کر بیٹھتے ہیں۔ پھر اچانک ہی وہ غائب ہو جاتے ہیں اور پتا چلتا ہے کہ وہ کرائے دار تھے۔ ان کا اپنا کچھ بھی نہیں تھا۔"

میں نے ایک مرتبہ پھر گھر کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

میں نے صوفوں کی گدیوں اور بستر وغیرہ پر ہاتھ مار کر دیکھا مگر وہاں گرد و غبار کا نام و نشان نہیں تھا۔ فلیٹ میں فرنیچر، فکسچرز، قالین، پردوں اور فون کے علاوہ تین ائرکنڈیشنر، ایک نیا ریفریجریٹر، مائیکرو ویو اوون اور کچن کی ضرورت کے دیگر لوازم موجود تھے۔ حد یہ ہے کہ اسٹور میں بنی ہوئی ایک دیوار گیر الماری میں کمبل اور لحاف کے علاوہ بستروں کی متعدد فاضل چادریں اور تکیوں کے غلاف تک موجود تھے۔ ہمیں وہاں رہائش کے لیے بس اپنے ملبوسات اور خورد و نوش کا سامان لانے کی ضرورت تھی جس کے لیے بازار قریب ہی تھا۔

بارہ بجے کے قریب مسز غنی، اسٹیٹ ایجنٹ کے ساتھ واپس آئی تو کرایہ نامہ وغیرہ تیار تھا۔ فلیٹ میں موجود سامان کی فہرست معاہدے کے ساتھ منسلک تھی۔

باضابطہ معاہدے کی تکمیل کے دوران پتا چلا کہ مسز غنی کا شوہر کوئی برآمدی کاروبار کرتا تھا مگر پھر ایک غیر ملکی دورے پر ایسا لاپتا ہوا کہ سرتوڑ کوشش کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ شوہر کی واپسی کی طرف سے مایوس ہو کر اس حوصلہ مند عورت نے اپنے شوہر کا کاروبار سمیٹ کر سارے اثاثے یک جا کیے اور دو مکانوں میں سرمایہ کاری کر ڈالی۔ وہ اپنے ان ہی مکانوں کے کرائے پر آبرومندانہ انداز میں زندگی بسر کر رہی تھی اور امریکا میں زیرِ تعلیم اپنے اکلوتے بیٹے کے تعلیمی اخراجات بھی پورے کر رہی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے ذہن پر سلطان شاہ اور ویرا کی فکر سوار ہوتی جا رہی تھی کیونکہ مجھے تین بجے ان دونوں کو لال کوٹھی کے بس اسٹاپ سے لینا تھا۔

اسٹیٹ ایجنٹ کو اس معاملے کی دلالی میں دونوں فریقوں سے ایک ایک ماہ کا کرایہ مل چکا تھا اس لیے وہ بہت خوش تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ پڑھے لکھے اور خوش اخلاق نوجوانوں کے لیے وہ ایک اچھا کام تھا۔ پورے مہینے میں کرائے داری یا خرید و فروخت کا ایک آدھ سودا ہو جانے پر اتنی آمدنی ہو سکتی تھی کہ بے فکری سے گھربار کا خرچ چلانے کے بعد کچھ بچت بھی ہو سکے۔

ایک بجے وہ دونوں گرم جوشی کے ساتھ مل کر رخصت ہو گئے۔

غزالہ فلیٹ میں آرائشی تبدیلیوں اور جھاڑ پونچھ میں مصروف ہو گئی۔ میں ضرورت کا سامان لانے کے لیے نیچے چل دیا۔ بازار قریب ہی تھا۔ میں گاڑی لے جانے کے بجائے پیدل ہی ادھر چل دیا۔

اس وقت تک شام کے بعض اخبارات آ چکے تھے۔ میں نے شہر کے حالات سے باخبر رہنے کے ارادے سے دو اخبار خرید لیے۔

خوردونوش کے سامان کی خریداری کے بعد میں فلیٹ پر واپس پہنچا تو غزالہ نے بتایا کہ میرے جانے کے بعد بلڈنگ کا چوکیدار فلیٹ پر آیا تھا اور غزالہ کو پارکنگ کے لیے گیراج کا نمبر بتا کر واپس چلا گیا تھا۔ مسز غنی نے واپسی پر چوکیدار کو اس بارے میں ہدایت کردی تھی کہ اس کے نئے کرائے دار گیراج استعمال کریں گے اور ان کی ہر سہولت کا خیال رکھا جائے۔

غزالہ نے فوراً ہی چائے تیار کی۔ وہ فلیٹ میں کام کرتے ہوئے فخر اور خوشی سے سرشار نظر آرہی تھی۔ شاید یہ ہر عورت کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ رہنے کے لیے اپنا ایک ایسا گھر چاہتی ہے جہاں صرف اسی کی عمل داری ہو۔ بعض عورتیں حالات سے سمجھوتا کرکے اپنی اس خواہش کو دبانے میں کامیاب ہوجاتی ہیں لیکن گھر کی ننھی سی ریاست اور اس میں مکمل اقتدار کے خوابوں سے چھٹکارا حاصل نہیں کرپاتیں۔

چائے پیتے ہوئے ہم دونوں ڈشکے سے حاصل ہونے والی معلومات اور رویرا اور سلطان شاہ کی متوقع مصروفیات پر تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ غزالہ ان دونوں کو لینے کے لیے میرے ساتھ جانے کا ارادہ کیے بیٹھی تھی مگر میں اس موڈ میں نہیں تھا۔ سر چھپانے کا ٹھکانا میسر آنے کے بعد ہم چاروں کا بلا ضرورت ایک ساتھ باہر گھومنا احتیاط کے تقاضوں کے منافی تھا۔

غزالہ میں بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ہر معقول بات کو بے چون و چرا تسلیم کرلیتی تھی۔ غیر ضروری کٹ حجتی سے کام نہیں لیتی تھی۔ اس نے دل موہ لینے والی مسکراہٹ کے ساتھ میرا فیصلہ مان لیا۔

اس وقت تک سارے ہتھیار گاڑی ہی میں چھپے ہوئے تھے۔ ان ہتھیاروں کے ساتھ شہر میں گھومنا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن میں نے وہ خطرہ مول لینے کا فیصلہ کرلیا اور اسی صورت میں گاڑی لے کر شارع فیصل کی طرف روانہ ہونے کے ارادے سے اٹھا ہی تھا کہ غزالہ کی نگاہ میرے لائے ہوئے اخبارات پر پڑگئی۔

غزالہ کے چونکنے پر میں بھی ان اخبارات کی طرف متوجہ ہوگیا۔ غزالہ نے پہلے صفحے کے نچلے حصے میں چھپی ہوئی ایک خبر میرے سامنے کردی۔ وہ کھیل کے میدان سے ایک خون آلود لاش کی دستیابی کی خبر تھی۔ متوفی کی ریڑھ کی ہڈی کے نچلے حصے میں گولی کا زخم پایا گیا تھا۔

وہ خبر یقینی طور پر ٹونی کے بارے میں تھی۔ رات کو جہانگیر کے مکان میں ہونے والی ہولناک آتش زدگی اور دھواں دھار فائرنگ کی وجہ سے اس علاقے کے مکین خوف و ہراس میں مبتلا ہو کر اپنے گھروں میں محصور رہے تھے اس لیے کسی کو بھی کھیل کے میدان میں لاش کی موجودگی کا علم نہیں ہوسکا۔ جائے واردات پر جمع ہونے والے پولیس افسران کی ساری توجہ گاڑی کے نیچے کچلی ہوئی اس لاش پر مرکوز رہی جو میرے اضطراری غصے اور فطری ردِعمل کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی۔

وہ خبر پڑھنے کے بعد میری ایک شدید ذہنی الجھن دور ہوگئی۔

مجھے حیرت تھی کہ ٹونی کے قتل ہونے کے باوجود ایلین اتنا بے خبر تھا کہ صبح اس سے رپورٹ لینے کے لیے پہلوان کے اڈے پر فون کر بیٹھا تھا۔ وہ خبر پڑھنے کے بعد بات واضح ہوگئی تھی۔ لاش دن چڑھے دریافت ہوئی تھی اس لیے ایلین کو اپنے ہرکارے کے عبرت ناک انجام کا بروقت علم نہیں ہوسکا تھا۔

وہ خبر پڑھنے کے بعد میں غزالہ کو الوداع کہہ کر فلیٹ سے رخصت ہوگیا۔

وہاں سے سن سیٹ بلے وارڈ اور پھر کورنگی روڈ کے راستے، شارع فیصل کا سفر چند منٹ سے زیادہ کا نہیں تھا۔ میں بہت آرام سے ڈرائیونگ کرنے کے باوجود پونے تین بجے مقررہ مقام تک جا پہنچا۔

میں لال کوٹھی کے بس اسٹاپ پر زیادہ دیر تک رک کر کسی کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہتا تھا اس لیے گاڑی کو سست روی سے وہاں سے آگے لیتا چلا گیا مگر چند ہی ثانیوں بعد بائیں طرف کے سروس روڈ سے چیتھڑوں جیسے لباس اور ٹوپی میں ملبوس ایک شخص دوڑتا ہوا سڑک کے کنارے پر نکل آیا۔ وہ دونوں ہاتھ لہرا کر مجھے رکنے کے بے تابانہ اشارے کررہا تھا۔ اس کے پاؤں ننگے تھے۔

میرے اعصاب یکایک تن گئے۔ میں دور سے اس شخص کی شکل و صورت نہیں دیکھ سکا لیکن وہ اپنے حلیے سے سرکاری مخبر نما کوئی مشکوک شخص نظر آرہا تھا۔ اس کے جوش و خروش اور بے تابی سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ سروس لین کی کسی اوٹ میں چھپ کر میری گاڑی کے نمودار ہونے کا انتظار کررہا تھا اور گاڑی پہچانتے ہی اپنی کمین گاہ سے نکل آیا تھا۔ اس وقت اس کے فضا میں لہراتے ہوئے دونوں ہاتھ خالی تھے مگر مجھے یقین تھا کہ برے وقت کے لیے وہ کسی نہ کسی آتشیں ہتھیار سے لیس ہوگا۔ میرے نہ رکنے کی صورت میں وہ کود کر گاڑی کے سامنے آسکتا تھا یا پھر پیچھے سے گاڑی کے ٹائروں وغیرہ پر فائر کرسکتا تھا۔

اس وقت میرے قرب وجوار میں زیادہ ٹریفک نہیں تھا۔ میں نے عقب نما آئینے پر نگاہ ڈالی تو اس میں پچھلے ٹریفک سگنل کی سرخ روشنی چمکتی ہوئی نظر آئی۔ میرے پیچھے سڑک تقریباً صاف تھی۔

میں نے بہت تیزی کے ساتھ کار کو داہنی طرف کاٹا تاکہ وہ سڑک عبور کیے بغیر میری راہ میں حائل نہ ہوسکے۔ میرا ارادہ بھانپ کر اس کی بے تابی بڑھ گئی اور وہ بھی ٹریفک کی کمی کا فائدہ اٹھا کر سڑک پر کئی قدم آگے بڑھ آیا۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ وہ کسی بھی لمحے پستول وغیرہ نکال کر میری گاڑی کی طرف اندھا دھند گولیاں برسانی شروع کردے گا۔

میں نے دو رویہ ٹریفک کو تقسیم کرنے والی درمیانی سبز پٹی کے متوازی پہنچ کر مدافعانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر دل ہی دل میں لرز اٹھا۔

قریب سے میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ سلطان شاہ تھا۔ اس کے کپڑوں کی جو درگت بنی ہوئی تھی اس سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ خاصی جسمانی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا ہوگا۔

میں نے اس بات پر خدا کا شکر ادا کیا کہ اس پر جو کچھ بھی بیتی ہو وہ معذور نہیں ہوا تھا۔ زندہ تھا اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل تھا۔ تشویش کی بات یہ تھی کہ وہ اکیلا تھا۔ پروگرام کے مطابق ویرا کو اس کے ساتھ ہونا چاہیے تھا مگر اس کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

میں نے پچھلی ٹریفک لائٹ سبز ہونے سے پہلے ہی دوبارہ گاڑی بائیں طرف دبائی اور رفتار کم کرنی شروع کردی' قدرے آگے جاکر میں نے گاڑی سڑک کے کنارے لگادی۔ سلطان شاہ دوڑتا ہوا گاڑی کی طرف آرہا تھا۔ میں نے مرکزی سوئچ دبا کر اس پُرتعیش گاڑی کے چاروں دروازے غیر مقفل کردیے۔

سلطان شاہ نے آتے ہی پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولا اور میرے برابر والی نشست پر براجمان ہوگیا "چلو... جلد از جلد یہاں سے نکل چلو۔ آج میں نے یہاں بہت برا وقت گزارا ہے۔" اس نے چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان تیزی سے کہا اور میں گاڑی کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

"تم نے یہ کیا حلیہ بنایا ہوا ہے؟ ویرا کہاں ہے؟" میں نے کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ مجھے یہ نوٹ کرکے خوشی ہوئی تھی کہ لباس تار تار ہونے کے باوجود اس کے جسم اور لباس کے کسی حصے پر خون کی سرخی نظر نہیں آرہی تھی۔

"میں نے یہ حلیہ نہ بنایا ہوتا تو اب تک ایلین کے شکاری کتوں کا نشانہ بن چکا ہوتا۔" اس نے لیور دبا کے سیٹ کی پشت گاہ پیچھے گراتے ہوئے کہا۔

"ایلین نے کتنے کتے سدھائے ہوئے ہیں؟" میں نے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر حیرت سے پوچھا۔

"میں اصلی کتوں کی نہیں' اس کے ساتھیوں کی بات کررہا ہوں۔" وہ اپنے تجربات سے خائف نظر آرہا تھا "کتے اور رکھوالے کے قتل کی خبر ملتے ہی وہ سب جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہوکر پورے علاقے میں پھیل گئے تھے۔ اندرونی گلیاں اب بھی محفوظ نہیں ہیں۔ میں نے ایک مسجد کے بیت الخلا میں داخل ہوکر اپنی ظاہری حالت میں یہ تبدیلیاں کیں اور پھر کسی مجذوب ہی کے انداز میں مسجد کے دروازے کے قریب لیٹ گیا۔ ان لوگوں میں مقامیوں کے ساتھ غیر ملکی بھی شامل تھے۔ وہ تین مرتبہ مسجد کی دکانوں میں پوچھ گچھ کے لیے آئے ایک بار پولیس وین نے بھی ادھر کا چکر لگایا تھا۔ میں نے ایلین کے ساتھیوں کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ یوں سمجھو کہ میرے ستارے یاوری نہ کررہے ہوتے تو آج دنیا کی کوئی طاقت مجھے ان بھیڑیوں کے چنگل سے نہیں بچا سکتی تھی۔ ایک میری طرف آیا لیکن نفرت اور حقارت سے دور ہی سے جائزہ لے کر چلا گیا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم پر ابھی تک ان کی وحشت سوار ہے اور تم بری طرح تھکے ہوئے ہو۔" میں نے نرمی سے کہا "ورنہ وہ بھی تم جیسے انسان ہی تھے۔ دانتوں سے گوشت نوچنے والے درندے نہیں

"میں سیٹ پر تھکن کی وجہ سے نہیں' چھپنے کے لیے لیٹا ہوں۔" وہ جل کر بولا "اتنی بیش قیمت اور نئی گاڑی کی اگلی نشست پر دریدہ کپڑوں میں ملبوس نیم پاگل شخص کو براجمان دیکھ کر ہر شخص تمہاری طرف ضرور متوجہ ہوتا۔ لیٹنے کی وجہ سے میں باہر والوں کی نظروں سے روپوش ہوں۔"

"تم خاصی عقل مندی کی باتیں کررہے ہو۔ تمہیں نیم پاگل کون کہہ سکتا ہے۔" اس کی کہانی کا ابتدائی حصہ سن لینے کے بعد میرا ذہن بڑی حد تک دباؤ سے آزاد ہوگیا تھا "میں ان لوگوں کے بارے میں ضرور جاننا چاہوں گا مگر پہلے ویرا کے بارے میں بتاؤ۔ میں اس کی طرف سے فکر مند ہوں۔"

"رکھوالے نے جوں ہی تمہاری گاڑی پر فائرنگ کی' میں نے اسے گولی ماردی پھر غضب ناک کتے کو بھی ڈھیر کردیا.... فائرنگ اور چیخوں کے نتیجے میں قرب و جوار کے بنگلوں سے ملازمین نکلنے شروع ہوئے تو ہم دونوں آنکھیں بند کرکے ایک قریب ترین کوٹھی کی دیوار پھاند کر لان پر کود گئے۔ وہ مکان آباد ضرور تھا لیکن سارے مکین کنکریٹ کے حصار میں محدود تھے۔ باہر کوئی متنفس نہیں تھا۔ ہم نے آدھے گھنٹے تک وہاں صبر آزما وقت گزارا۔ ہمارا وہاں سے ایک ساتھ نکلنا خطرناک تھا۔ ہم نے ایک بجے نرسری پر یک جا ہونے کا پروگرام طے کرکے ایک دوسرے سے الگ ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ ویرا پہلے نکل گئی۔ میں کافی دیر بعد باہر نکلا تو ایلین کے خون آشام ساتھی حرکت میں آچکے تھے۔ ان میں سے بیشتر کے جسموں پر لباس کے نیچے چھپی ہوئی بلٹ پروف جیکٹوں کی موجودگی محسوس کی جاسکتی تھی' وہ سب مسلح تھے۔ بعض گوروں کے ہاتھوں میں سیاہ رنگ کے ڈیڑھ دو فٹ لمبے وزنی پائپ بھی تھے جنہیں وہ مختلف سمتوں میں گھماتے پھر رہے تھے' مجھے ان لوگوں سے بچ کر باہر نکلنا محال نظر آرہا تھا۔ میں سامنے نظر آنے والی مسجد کی طرف ہولیا......"

"تمہیں ویرا کہیں نظر نہیں آئی؟" میں نے اس کی بات کاٹ کے پوچھا۔

"نہیں!" اس نے سرد لہجے میں کہا "میں نے رسٹ واچ' جوتے اور موزے ایک کھلے ہوئے مین ہول میں پھینک دیے اور حلیہ بدل کر بہت دیر تک مسجد کے باہر پڑا رہا۔" اس نے اپنی کہانی جاری رکھی "ایک بجے سے پہلے میں وہاں سے جھومتا لہراتا اور بے مقصد نعرے مارتا ہوا نکلا اور علاقے کی تقریباً ناکا بندی ہونے کے باوجود نرسری پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ ایک بجے سے ڈھائی بجے تک میں وہیں لوگوں کی تضحیک آمیز نظروں کا سامنا کرتا اور آوارہ گردی کرتا رہا لیکن ویرا کہیں نظر نہیں آئی۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ ان لوگوں کے ہتھے نہ چڑھ گئی ہو۔ وہ لوگ ان گلیوں سے گزرنے والے ہر فرد کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔"

"اس دوران میں ایلین یا پیٹر تمہیں نظر نہیں آیا؟" میں نے فکر مندانہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ دونوں نہیں تھے لیکن مجھے یقین ہے کہ ہم صحیح علاقے میں

پہنچے تھے۔"
"تم ان کے ٹھکانے تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے؟"
میں نے سوال کیا۔
"اچانک کتے والا واقعہ رونما نہ ہوا ہوتا تو سب کچھ ممکن تھا۔ ہنگامہ ہوتے ہی ہمارا بنا بنایا پروگرام درہم برہم ہو گیا مگر ہم بالکل ہی اندھیرے میں نہیں ہیں، کچھ نہ کچھ سراغ ملا ہے۔"
"سراغ تو مل ہی جانا تھا۔ علاقے کا ہر شخص بتا دے گا کہ مرنے والے ٹریزا اور کتے کا تعلق کس گھر سے تھا۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کیا کر کے آئے ہو۔"
"میرا خیال تھا کہ میں نے کچھ بھی نہ کیا ہوتا تو تم اسی کو بہت سمجھتے کہ میں اس قدر روح فرسا ماحول میں خود بچ کر نکل آنے میں کامیاب ہو گیا لیکن تمہاری نظروں میں شاید مجھ سے زیادہ اہمیت ویرا کی سلامتی کی تھی اگر وہ نہیں نکل سکی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔
"تم احمق ہو۔ اگر وہ آجاتی اور خدانخواستہ تم پھنس جاتے تو میری ساری فکرمندی تمہارے لیے ہوتی۔ ویرا اپنی ہی کسی لغزش سے پھنسی ہوگی۔ میں اس کے لیے تمہیں ذمے دار نہیں سمجھتا۔ پُرخطر حالات میں تم دونوں نے الگ ہونے کا معقول فیصلہ کیا تھا۔ یہ مقدر کی بات ہے کہ اس فیصلے کے نتائج حوصلہ افزا ثابت نہیں ہوئے۔ میں صرف اتنی سی بات پوچھ رہا تھا کہ اس تمام مشقت کے نتیجے میں تمہیں ایلن کے گھر کے بارے میں کیا معلوم ہوا؟ اب ہم کو تیزی دکھانی ہوگی ورنہ ویرا ماری جائے گی۔"
"میں تمہیں پوری تفصیل بتا چکا ہوں۔ میرے لیے کچھ کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی لیکن میں نے بدترین حالات میں بھی ہاتھ پیر نہیں چھوڑے۔ مسجد کی دکانوں پر ہونے والی باتوں سے پتا چل رہا تھا کہ مرنے والا ٹریزا انتالیسویں قطار کے کسی مکان میں ملازم تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس علاقے کی کسی بھی قطار میں بیس سے زیادہ مکانات نہیں ہیں۔ ہم آسانی سے وہاں تک پہنچ سکیں گے۔"
"گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "میں یہی سننا چاہ رہا تھا" اپنی مشکلات میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود تم اپنی ذمے داری سے غافل نہیں تھے۔ یہ میرے لیے خوشی کی بات ہے۔"
"ویرا کے غائب ہونے کے بعد ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہونے کا وقت گزر چکا ہے۔" وہ فکرمندی کے ساتھ بولا "تم ٹھیک کہہ رہے ہو کہ ہم نے تیزی نہ دکھائی تو وہ ماری جائے گی۔"
اس گفتگو میں مصروف ہونے کے باوجود میرا ذہن اگلے لائحہ عمل پر کام کر رہا تھا۔
ویرا ہم سے بچھڑ چکی تھی۔ ہم اپنی رہائش کے لیے کلفٹن کے علاقے میں ایک فلیٹ کرائے پر لے چکے تھے۔ مگر ویرا کو اس فلیٹ کا علم نہیں تھا۔ اگر وہ تین بجے کے مقررہ وقت پر لال کوٹھی کے بس اسٹاپ نہ پہنچتی تو آزاد ہونے کے باوجود اس شہرِ خرابات میں ہمارا سراغ نہیں لگا سکتی تھی۔ یہ بات ویرا کے علم میں بھی تھی۔
اگر وہ آزاد تھی تو اسے ہر قیمت پر لال کوٹھی پہنچنا چاہیے تھا۔
سلطان شاہ کی فراہم کی ہوئی معلومات کی روشنی میں وہ امکان بہت موہوم نظر آرہا تھا لیکن اس وقت میں امید کی کسی کرن کو نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے شارع فیصل پر سفر جاری رکھنے کے بجائے ایک مرتبہ پھر ٹیپو سلطان روڈ کی راہ لی تھی اور وہاں سے گلیوں ہی گلیوں میں ہوتا ہوا شاہراہِ قائدین سے دوبارہ نرسری کی طرف نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دوران میری نظریں بار بار رسٹ واچ کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں ہر قیمت پر تین بجے لال کوٹھی پہنچنا چاہ رہا تھا۔
سلطان شاہ پسنجر سیٹ کی پشت گاہ گرائے نیم دراز تھا۔ اس لیے اسے راستوں کا اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا لیکن راستے کے بار بار آنے والے پیچ و خم پر وہ چونکے بغیر نہ رہ سکا "یہ بار بار گاڑی موڑنے کی ضرورت کیوں پیش آرہی ہے کہیں تم ایلن کی قیام گاہ کے قرب و جوار میں تو نہیں گھس رہے۔"
"فکر مت کرو۔ آرام سے لیٹے رہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ کسی نہ کسی نے کالی اکارڈ ضرور دیکھی ہوگی۔ اس گاڑی کا دوبارہ ادھر لے جانا مخدوش ثابت ہو سکتا ہے۔"
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ویرا کسی قسمتی کا روپ دھارے ابھی تک اسی علاقے میں پھنسی ہوئی ہو اور اسے باہر نکلنے کا موقع نہ مل سکا ہو۔" چند ثانیوں بعد سلطان شاہ نے خیال ظاہر کیا۔
میں نے اس کے تبصرے پر رائے زنی کی ضرورت محسوس نہیں کی۔
پھر اچانک ہی اسے یاد آیا کہ غزالہ میرے ساتھ موجود نہیں تھی۔ وہ ہڑبڑا کر سیٹ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور بوکھلائی ہوئی آواز میں اس کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔
"وہ گھر پر ہے۔" اتنی بات سنتے ہی وہ دوبارہ اطمینان سے نیم دراز ہو گیا اور میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ہم نے ایک خوب صورت فلیٹ کرائے پر لے لیا ہے۔"
اسے نئی فکر لاحق ہو گئی۔ اس نے ایلن اور اس کے سفاک چھاپا ماروں سے محفوظ رہنے کے لیے جو سوانگ رچایا ہوا تھا اس میں وہ فلیٹ کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔
ہم ٹھیک تین بجے دوبارہ لال کوٹھی کے بس اسٹاپ سے گزرے وہاں بسوں کے انتظار میں کھڑے ہوئے گنتی کے چند مردوں میں ویرا کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔
آگے سے گھوم کر اسی سڑک کی دوسری سمت سے واپس لوٹتے ہوئے بھی میری نگاہیں ویرا کو ہر طرف تلاش کر رہی تھیں لیکن اس کا کہیں وجود نہیں تھا۔ اس کے بارے میں سوچ کر میرا دل بھاری ہونے لگا۔
میرے خون کے پیاسوں نے اخبارات میں شائع ہونے والے انعامی اشتہار میں ویرا کو ایک مظلوم امریکن مغویہ ضرور ظاہر کیا تھا لیکن ان میں سے کسی کے دل میں ویرا کے لیے ہمدردی کی رمق تک نہیں تھی۔ جب تک جی لائیڈ زندہ اور شی کے سربراہ کے

ات در منصب پر فائز تھا' امریکا کے سرکاری' غیر سرکاری اور زیر
حلقوں میں ویرا کی بہت ناز برداریاں کی جاتی تھیں اور اس کی
بن سرکشی کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا تھا لیکن وہائٹ ہاؤس
ی سے بڑی
ی باہر جی لائیڈ کے قتل کے بعد صورتِ حال یک بیک بدل گئی
ی۔ ہر شخص ویرا سے اپنا پرانا حساب بے باق کرنے پر تلا ہوا نظر
نے لگا تھا۔

کراچی اور اسلام آباد میں مامور سفارتی اہلکاروں نے ویرا کو
لوی دوشیزہ قرار دے کر اس کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں کی تھی
لہ اس طرح انہوں نے میرے خلاف رائے عامہ کو مشتعل کرنے
کی کوشش کی تھی تاکہ گرفتاری کے بعد مجھے ایک خوب صورت
اور معصوم امریکن لڑکی کے اغوا کا قابلِ نفرت مجرم قرار دے کر
بدترین انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنا سکیں۔
اگر ویرا ان کے قبضے میں جاچکی تھی تو اس کا برا وقت آچکا
تھا۔

وہ لوگ میرے ہاتھوں بھاری جانی نقصانات اٹھا چکے تھے۔
نہیں علم تھا کہ ان کی سرکوبی کی مہم میں ویرا میرے ساتھ بھرپور
تعاون کر رہی تھی۔ ان کا نارمن اور لوسی کے قتل کا زخم تازہ تھا۔
ویرا نے ان دونوں کو ہلاک کرنے کے لیے جو فلیٹ استعمال کیا تھا
اس کی مالکہ ویرا کو شناخت کر سکتی تھی۔ اس واردات میں دو فیشن
ایبل عورتوں کے ملوث ہونے کی کہانی پورے زور شور سے اچھالی
گئی تھی۔ ان حالات میں وہ لوگ ویرا کو اپنے بدترین سلوک کا
نشانہ بنا سکتے تھے۔ ایسا نظر آرہا تھا جیسے جمی لائیڈ کے قتل کے بعد
ویرا کا وقت بھی پورا ہونے والا ہے۔

سلطان شاہ کو یہ اندازہ تو تھا کہ اپنے دشمنوں میں گھرنے کے
بعد ویرا مشکلات سے دوچار ہوگئی ہوگی لیکن اسے ان سنگین
مشکلات کی گہرائی کا ادراک نہیں تھا۔ میں نے بھی اسے وہ حوصلہ
شکن صورتِ حال سمجھانے کی کوشش نہیں کی۔ اگر بے خبر رہ کروہ
قدرے بے فکر اور فعال رہ سکتا تھا تو اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔
اس کی توانائیاں ہمارے لیے بہت کار آمد ہو سکتی تھیں۔
"تم مسلسل ویرا کے بارے میں سوچ جارہے ہو۔ میری بھی
کچھ فکر کرو۔" آخر کار وہ احتجاج کر ہی بیٹھا "میں کب تک ان
چیتھڑوں میں ملبوس رہوں گا؟ میری وجہ سے تم بھی تماشا بن سکتے
ہو۔"

"خود کردہ را علاجے نیست!" میں نے پھیکی مسکراہٹ کے
ساتھ جواب دیا "تم نے خود ہی اپنے اچھے بھلے لباس کی مٹی پلید کی
ہے۔ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔"
"اپنے فلیٹ کا پتا بتا کے مجھے راستے میں اتار دو۔" وہ غصے سے
بولا "جب اپنے کیے ہوئے کا کوئی علاج کرلوں گا تو آدمیت کے
جامے میں گھر پہنچ جاؤں گا۔ مجھے کسی کی ہمدردی یا مہربانی کی
ضرورت نہیں ہے۔"
اپنی پریشانی اور الجھن کے باوجود میں اس کی جھنجلاہٹ پر ہنس

پڑا اور اسے پچکارتے ہوئے بولا "میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔
مجھے اور پریشان نہ کرو۔ میں تمہارے مسئلے کا حل بھی سوچ چکا
ہوں۔ تھوڑی دیر بعد تمہیں لوگوں سے منہ چھپانے کی ضرورت
نہیں رہے گی۔"

"حل سوچ لیا ہے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بڑبڑایا "سوچ لیا تھا تو
منہ بند کیوں رکھا ہوا تھا؟ تم پریشان ہو تو میں تم سے زیادہ پریشان
ہوں۔ میرا بھی دماغ خراب ہو سکتا ہے۔"
میں نے اسے نہیں چھیڑا اور وہ چند ثانیوں تک یوں ہی اپنے
دل کی بھڑاس نکالتا رہا۔
گورا قبرستان کے چوراہے سے کورنگی روڈ کی طرف مڑنے کے
بعد میں نے گاڑی کالا پل کے بجائے اس کے برابر والے راستے پر
ڈال دی۔ اس وقت دن نکلا ہوا تھا۔ میں سلطان شاہ کو اس حلیے
میں بھیڑ بھاڑ کے کسی بھی مقام پر نہیں لے جاسکتا تھا۔
ذہن پر خاصا زور دینے کے بعد مجھے یاد آیا کہ ہاکی کلب کا وسیع
و عریض بیرونی احاطہ سلطان شاہ کے لیے بہترین عارضی پناہ گاہ
ثابت ہو سکتا تھا۔
وہاں اسٹیڈیم کی سیڑھیوں کے نیچے بنی ہوئی دکانوں میں قائم
دفاتر اور کاروباری اداروں کی وجہ سے عام آمدورفت پر کوئی پابندی
نہیں تھی۔ اسٹیڈیم کے گرد بنی ہوئی پختہ سڑک کے بعد وہاں ایک
وسیع میدان پڑا ہوا تھا جو عام طور پر ویران رہتا تھا۔ میں سلطان
شاہ کو وہیں کہیں اتار دیتا تو وہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر آسانی
سے ایک آدھ گھنٹا گزار سکتا تھا۔ میں اس دوران میں صدر کی کسی
دکان سے اس کے لیے کپڑے لے آتا۔ وہ آسانی سے گاڑی میں
بیٹھ کر لباس تبدیل کرلیتا اور ہم دونوں چیتھڑے وہیں پھینک کر گھر
واپس لوٹ سکتے تھے۔ اس وقت سلطان شاہ کے مسئلے کا اس سے
بہتر کوئی حل نہیں تھا۔
میں امراضِ قلب کے ادارے کے برابر والی سڑک سے ہاکی
کلب کی حدود میں داخل ہو گیا۔ ان دنوں وہاں اسٹیڈیم کے علاوہ
کوئی قابلِ ذکر تعمیرات نہیں تھیں۔ ایک میدان کے دور افتادہ
سرے پر بڑے سے آہنی پھاٹک کے پیچھے فوجی دفاتر کا سلسلہ پھیلا
ہوا تھا۔
میں نے اسٹیڈیم کے گرد چکر لگاتے ہوئے ایک سنسان مقام پر
گاڑی روک دی اور سلطان شاہ پھرتی سے نیچے اتر کر لہراتا ہوا ایک
طرف چل دیا۔ میں نے فوراً ہی گاڑی آگے بڑھا دی۔
صدر پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہاں خریداری سے
زیادہ مشکل مرحلہ پارکنگ کا تھا۔ ٹریفک کی بھیڑ میں زیب النساء
اسٹریٹ اور عبداللہ ہارون روڈ کا تیسرا چکر لگاتے ہوئے میں ایک
نکلتی ہوئی گاڑی کی جگہ پر اپنی گاڑی لگانے میں کامیاب ہوا اور پھر
فوراً ہی شاء اللہ کے مشہور اسٹور پر جا پہنچا۔
میرے اور سلطان شاہ کے سائز میں کوئی نمایاں فرق نہیں
تھا۔ اپنے فلیٹ میں منتقل ہونے کے بعد ہم سب کو روز مرہ استعمال

کے لیے کپڑوں کی ضرورت تھی۔ اس اسٹور کی خوبی یہ ہے کہ خریداری کے بارے میں آدمی کا ذہن صاف ہو تو انتخاب میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔

قمیص شلوار، سفاری سوٹ اور قمیص پتلون کے ساتھ ہی میں نے اندازے سے غزالہ کے لیے چند سلے سلائے جوڑے لے لیے اور بمشکل پندرہ منٹ میں فارغ ہو کر اسٹور سے باہر آگیا۔

میں واپس ہاکی کلب پہنچا تو سلطان شاہ مجذوبانہ انداز میں ایک دیوار کے سائے میں بیٹھا انگلی سے زمین پر لکیریں بنا رہا تھا۔ گاڑی دیکھتے ہی وہ لپک کر میرے پاس آگیا۔

ہم دونوں نے گردوپیش کا جائزہ لیا تو میدان صاف تھا۔ سلطان شاہ نے حیرت ناک سرعت سے اوپری بدن کے چیتھڑے نوچ کر قمیص بدل ڈالی۔ میں ٹائروں کا جائزہ لینے کے انداز میں گاڑی سے اترا اور طواف پورا کرتا ہوا سلطان شاہ کی طرف سے گزرا تو وہ پتلون بھی پہن چکا تھا۔ نگاہیں چار ہوتے ہی وہ مجھے آنکھ مار کر جنگالی کے سے انداز میں منہ چلانے لگا۔ میں برا سا منہ بنا کر اپنی نشست پر آبیٹھا۔

گاڑی حرکت میں آنے سے پہلے ہی سلطان شاہ نے اپنے متروک لباس کی جیبیں خالی کرنی شروع کر دیں اور پھر وہ چیتھڑے کھڑکی سے باہر پھینک دیے۔ اسے ایک بہت بڑی الجھن سے نجات مل چکی تھی۔

○☆○

ٹی جیسے طاقت ور اور منظم گروہ سے ٹکرا کر بھی میں کبھی اتنا پریشان نہیں ہوا تھا جتنا ایلن نے پریشان کر دیا تھا۔ متوسط جسمانی ساخت کا مالک وہ معنک سفید فام میری توقعات سے کہیں زیادہ خطرناک اور ثابت قدم منصوبہ ساز نکلا تھا۔ حالات بتا رہے تھے کہ ہم لوگوں کو اپنے جال میں جکڑنے کے لیے وہ ابتدا ہی سے نہایت صبر اور استقامت کے ساتھ پیش رفت کرتا چلا آ رہا تھا۔

اس نے جہانگیر کی فیکٹری کو بارودی دھماکوں سے آگ لگوا دی تھی۔ جہانگیر کے گھر کو پیٹرول ڈال کر نذرِ آتش کرا دیا تھا۔ پولیس کو ہمارے خلاف فعال اور متحرک کر دیا تھا۔ وہ مسلسل جارحانہ پیش رفت کیے جا رہا تھا اور میں مدافعانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو کر رہ گیا تھا۔

ایک طرف ایلن کے پہنچائے ہوئے وہ بھاری نقصانات میرے دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے، دوسری طرف ہماری قوت کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس کا مقامی یونٹ معطل کر دیا گیا تھا۔ اوّل خان جیسے ہمدرد اور غم گسار دوست کو ملازمت سے معزول کر دیا گیا تھا۔ مجھے جہانگیر کے معروف فلیٹ کو بھول کر کرائے کے ایک نئے فلیٹ میں پناہ لینی پڑی تھی اور میرے خیر خواہوں میں سے کسی کو میرے نئے ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔ جہانگیر کا فلیٹ نامعلوم مسلح قاتلوں کی نظروں میں آیا ہوا تھا جو روایتی ہتھیاروں کے ساتھ ہی کیمیاوی ہتھیاروں سے بھی لیس تھے اور جراثیم کش دواؤں کے اسپرے کے نام پر ایک بار اپنی دانست میں ہم سب کو فلیٹ میں گھیر کر ختم کرنے کی بھیانک کوشش کر چکے تھے۔ جہانگیر اپنے اعصاب کو سکون پہنچانے کے لیے ایک پرائیویٹ اسپتال میں مقیم تھا۔ اسے ہمارے نئے ٹھکانے کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی اور اب ویرا بھی بچھڑ گئی تھی۔

دوسروں کی طرح ویرا بھی میرے نئے فلیٹ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ اگر وہ اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر کسی طرح ایلن کے چنگل سے آزاد ہونے میں کامیاب ہو بھی جاتی تو اس کے پاس ہمارے بارے میں جاننے یا ہم تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

ہم تینوں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے غزالہ کا تیار کیا ہوا ہلکا پھلکا کھانا کھانے میں مصروف تھے اور آپس کے تبادلۂ خیال میں جو صورت سامنے آ رہی تھی وہ خاصی حوصلہ شکن اور روح فرسا تھی۔ ہمیں محسوس ہو رہا تھا جیسے ایلن ہمارے گرد رفتہ رفتہ اپنا حصار تنگ کرتا جا رہا ہو۔

یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ اسے ہمارے تمام دشمنوں کی حمایت اور اعانت حاصل تھی جن میں سی آئی اے اور را کے اہم افراد سے لے کر کرنل جیسی جونز، راس المیڈا، ٹی اور ڈیوڈ اسٹارز تک سب ہی شامل تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ اپنی چالاکیوں کے ذریعے مقامی قانون کو بھی ہمارے خلاف حرکت میں لانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

"ہم مدافعت پر انحصار کرتے رہے تو حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے۔" غزالہ نے اپنی رائے ظاہر کی "اس وقت ویرا کی زندگی بچانے کا معاملہ سب سے اہم ہے۔ ایلن کے ٹھکانے کا سراغ مل چکا ہے۔ ہمیں منصوبہ بندی کے ساتھ وہاں دھاوا بول دینا چاہیے۔"

"میں نے اس علاقے میں آج جو کچھ دیکھا ہے اس کی بنا پر مجھے پورا یقین ہے کہ ایلن بھاری مسلح نفری کے ساتھ وہاں رہ رہا ہے۔ ہم تین آدمی اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔" سلطان شاہ نے مایوسی سے کہا "ہو سکتا ہے کہ جوش اور بے احتیاطی میں ہم بھی اس کے کسی ٹریپ میں پھنس جائیں۔"

"سب سے پہلے ہمیں اپنے رابطے بحال کرنے ہوں گے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "کھانا کھانے کے بعد میں جہانگیر کو فون کرتا ہوں۔ تم اوّل خان کی طرف چلے جاؤ۔ اسے اس فلیٹ کا پتا اور فون نمبر دے کر یہ تاکید کر دینا کہ جب تک اس کے گھر کا کٹا ہوا فون بحال نہیں ہو جاتا، کسی پبلک بوتھ سے روزانہ یہاں فون کرتا رہے۔"

"اوّل خان کو ان معاملات سے الگ ہی رکھا جائے تو بہتر رہے گا۔" غزالہ بولی "اس بیچارے نے ہماری خیر خواہی کی سب سے بھاری قیمت ادا کی ہے۔ اس کی بیوی اس کے زیرِ عتاب آنے کی وجہ سے بہت زیادہ ہراساں ہے۔ ہمیں اس کی پریشانیوں میں اضافہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔"

یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہ سائنس گریجویٹ ہے۔"

سلطان شاہ اوّل خان کی بیوی کے ذکر پر چونک کر بولا "اوّل خان اس کی خانہ داری وغیرہ کا جس انداز میں ذکر کرتا تھا' اس کی وجہ سے میں اسے اَن پڑھ سمجھتا تھا۔ اسے خاصا روشن خیال اور حقیقت پسند ہونا چاہیے۔"

"اوّل خان ہر ذاتی معاملے میں اس قدر انکسار سے کام لیتا ہے کہ اکثر غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔" میں نے کہا "میں خود بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ بچے پالنے اور چولہا جھونکنے والی کوئی دیہاتی عورت ہوگی جس نے کبھی اسکول کی صورت بھی نہیں دیکھی ہوگی۔ لیکن اس وقت ہم کسی اور اہم معاملے پر سر کھپا رہے ہیں۔ ہمیں فضول باتوں میں الجھنے کے بجائے اصل معاملات تک محدود رہنا چاہیے۔ اوّل خان کو اس فلیٹ کے بارے میں آگاہ کرنا بہت ضروری ہے۔ ویرا کو ہمارے دوستوں میں صرف دو افراد کے ٹھکانوں کا علم ہے۔ جہانگیر کسی بھی وقت اسپتال چھوڑ سکتا ہے۔ وہ اوّل خان سے رجوع کرے تو اسے وہاں سے ہمارا پتا ٹھکانا معلوم ہونا چاہیے۔ ہر طرف سے گھیرا تنگ ہونے کی وجہ سے اسے بھی ایک محفوظ پناہ گاہ کی ضرورت ہوگی۔"

"پھر میں کھانا کھاتے ہی ادھر روانہ ہو جاتا ہوں۔ اکارڈ کو اتنی جلدی دوبارہ وہاں دیکھا جانا مناسب نہیں ہوگا۔ میں آمدورفت کے لیے کوئی ٹیکسی لے لوں گا" سلطان شاہ نے فرماں برداری سے کہا۔

غزالہ میز پر سے برتن سمیٹنے میں مصروف تھی کہ سلطان شاہ کھانے سے فارغ ہو کر فلیٹ سے چلا گیا۔

میں نے نمٹنے کے بعد فون سنبھال لیا۔ اسپتال سے رابطہ ہونے پر معلوم ہوا کہ جہانگیر صبح سویرے ہی حساب کر کے وہاں سے رخصت ہو چکا تھا۔ اس انکشاف پر غزالہ کو حیرت ہوئی کہ میرا قیاس حقیقت سے کس قدر قریب تھا۔ میں نے سگریٹ سلگا کر صوفے پر پاؤں پسارے اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

سلطان شاہ درست ہی کہہ رہا تھا کہ ہم تینوں ایلن کے ٹھکانے پر دھاوا بول کے کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ میں تنہا ادھر جانے کے امکانات پر غور کرنے لگا۔

اسی اثنا میں مجھے وہ فون نمبر یاد آگیا جو جہانگیر نے مجھے دیا تھا۔ وہ اس کے کسی قریبی عزیز کا فون نمبر تھا اور سلمٰی کو لاہور سے واپس آکر عارضی طور پر وہیں قیام کرنا تھا۔ جہانگیر کے لیے وہ شخص اتنا قابل اعتماد تھا کہ اس نے مجھے اپنی امانت اسی کے پاس پہنچانے کی ہدایت کی تھی۔

غزالہ کچن میں برتن دھونے میں مصروف تھی۔ میں نے جہانگیر کی تلاش میں اس کے رشتے دار کا نمبر ملا لیا۔ دوسری طرف سے کسی خاتون نے ریسیور اٹھایا اور میرا مدعا جاننے کے بعد بتایا کہ جہانگیر گھر پر موجود نہیں تھا۔ میں یہ سن کر شکریے کے ساتھ فون بند کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اس خاتون نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے میری معلومات میں یہ اضافہ کیا کہ مسز جہانگیر گھر پر موجود تھی۔

میں نے اسی سے بات کرنے کی خواہش کی اور چند ثانیوں بعد ہی سلمٰی نے ریسیور لے لیا۔

"ہیلو! کون صاحب بول رہے ہیں؟" اس نے بڑی میٹھی آواز میں سوال کیا تھا۔

"بڑی مدت کے بعد تمہاری آواز سنی ہے۔۔۔ لاہور سے کب آئی ہو؟" میں اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے بے تکلفی سے بولا۔

وہ فوراً ہی میری آواز پہچان گئی اور چہک کر بولی "اوہ! تو تم زندہ ہو۔۔۔ انہوں نے تو تمہارے بارے میں بالکل چپ سادھ رکھی ہے۔ کسی بات کا جواب ہی نہیں دے رہے۔"

"اسے کچھ معلوم نہیں ہے۔۔۔ وہ بےچارہ تمہیں کیا جواب دے گا۔ دن رات تمہارے فراق میں لمبی لمبی آہیں بھر رہا تھا۔ اب تم نے اسے کہاں دوڑایا ہوا ہے؟"

"میں نے کہیں نہیں دوڑایا' خود ہی نکل پڑے ہیں" وہ تنک کر بولی تھی "سنا ہے آج کل آگ نے ان کے اثاثوں کا رخ کیا ہوا ہے۔ پہلے فیکٹری جلی' پھر گھر بھی راکھ ہو گیا۔" آخری فقروں پر اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ جہانگیر کے ان بھاری نقصانات پر اسے ذرا بھی افسوس یا ملال نہیں تھا "وہ خود کچھ بتانے کے موڈ میں نہیں ہیں۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"تمہیں جہانگیر کے ان نقصانات پر ذرا بھی دکھ نہیں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ خود بے غم ہیں تو میں اپنی جان کو روگ کیوں لگاؤں؟" اس کے پاس میرے سوال کا جواب تیار تھا۔ "سنی سنائی خبروں کا ذکر کیا تو بے پروائی سے کہہ رہے تھے کہ کیل کیل کا انشورنس تھا۔ آگ لگنے سے نقصان کے بجائے فائدہ ہی ہوگا۔۔۔ فائدے پر کسے دکھ ہوتا ہے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم دونوں کے مراسم کس نوعیت کے ہیں" میں نے گہرا سانس لے کے کہا "تم دونوں ہی ایک دوسرے کی اذیت پر یوں بغلیں بجاتے ہو جیسے تمہاری پرانی دشمنی چلی آرہی ہو۔"

"وہ مجھے نظرانداز کرتے ہیں' میں انہیں چڑاتی ہوں۔۔۔ یہ بتاؤ کہ تم کب ملنے آرہے ہو؟ تمہیں دیکھے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں" آخری دونوں فقروں پر اس کا لہجہ دھیما ہو گیا تھا۔

"میں تمہیں کئی بار سمجھا چکا ہوں کہ میرے بجائے جہانگیر پر دھیان دو۔ وہ تمہارا شوہر ہی نہیں' تمہارے اکلوتے بیٹے کا باپ بھی ہے۔ تم محبت اور ہمدردی سے اس کا دل جیت سکتی ہو۔"

"میں نے ہر حربہ آزما کر دیکھ لیا۔ جسے سات ہانڈیاں چکھنے کا مزہ پڑ جائے اسے ایک پلیٹ میں کبھی مزہ نہیں آتا۔ کسی جوڑے کو عمر قید کی سزا دے کر ایک ویران جزیرے پر پھینک دیا جائے تو ان کے

جسم ضرور ملتے ہیں مگر دل کبھی نہیں ملتے۔ ہر وقت نفرت اور بے زاری کی لہر سوار رہتی ہے۔ ہمارا بھی کچھ ایسا ہی احوال ہے۔ اس بارے میں تم بلاوجہ مشورے مت دیا کرو۔"

وہ مجھ سے ہمیشہ ہی کھل کر بات کرتی تھی اور میں اس سے دامن بچاتا رہتا تھا۔ وہ احساسِ محرومی اور بے زاری کی ایک خطرناک نفسیاتی مریضہ تھی جو ذرا سی ہمدردی کے عوض اپنا سب کچھ لٹانے پر تلی رہتی تھی۔

"غزالہ بیگم کے کیا حال ہیں؟" میری خاموشی پر اس نے اگلا سوال کیا۔

"مزے میں ہے۔ اس وقت کچن میں برتن دھو رہی ہے" میں نے کہا۔

"وہ خوش نصیب ہے کہ اسے تم جیسا احمق شوہر ملا ہے" سلمیٰ کی آواز میں رشک و حسد کے ملے جلے جذبات نمایاں تھے "پہلے اسے صرف چاہتے تھے اور اب پوجتے ہو۔۔۔ وہیں شرف آباد میں رہ رہے ہو نا؟"

"شرف آباد سے ہم بے دخل کیے جا چکے ہیں۔ میں جہانگیر کو یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ میں ایک نئے اپارٹمنٹ میں رہ رہا ہوں۔ وہ آئے تو فون پر میری بات کرا دینا۔"

"نمبر بتا دو' میں انہیں دے دوں گی۔ ویسے وہ جنگل کے بادشاہ ہیں۔ جی چاہے گا تو سر کے بل دوڑے چلے آئیں گے۔ موڈ نہیں ہوا تو فون تک نہیں کریں گے۔"

"تم بہت بے رحمی سے اس کا ذکر کرتی ہو" میں نے اسے ملامت کی۔

"تم نے کبھی ٹھنڈے دل سے یہ سوچا کہ میں تمہارے ساتھ اس طرح کیوں پیش نہیں آتی؟" لاہور سے کراچی کی سسرالی فضا میں قدم رکھتے ہی وہ بہکنے پر مائل تھی "حالانکہ تم بہت سنگ دل ہو۔ تم نے کبھی میرے خلوص اور اپنائیت کو سراہنے کی کوشش نہیں کی۔"

"سلمیٰ! تم بہت اچھی ہو۔۔۔ میں تمہیں پسند کرتا ہوں' تمہاری باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں مگر میں یہ بات کبھی نہیں بھول سکتا کہ تم میرے عزیز ترین دوست کی بیوی ہو۔ ہمارے مراسم ایک خاص حد اور سطح سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ میری اس احتیاط میں تمہارے گھر کی سلامتی اور ازدواجی زندگی کی خوشیاں پنہاں ہیں۔ جس دن تم یہ بات سمجھ لوگی' مجھ سے سارے شکوے جاتے رہیں گے۔"

"ازدواجی زندگی کی خوشیاں!" ریسیور پر اس کی استہزائیہ آواز ابھری "مجھ سے یہ خوشیاں سنبھالے نہیں سنبھلتیں۔ ہمارے درمیان مشکل سے دس پندرہ منٹ بات ہوئی ہے۔ میں فیکٹری اور گھر کی تباہی کے اسباب جاننا چاہ رہی تھی' پہلے وہ مجھے ٹالنے کی کوشش کرتے رہے پھر چڑ کر گھر سے ہی بھاگ گئے۔ اس آدمی نے مجھے رشتے داروں کے سامنے بھی تماشا بنا کر رکھ دیا ہے۔"

وہ جذباتی ہونے لگی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا "تم لمبی مدت کے بعد لاہور سے آئی ہو۔ اسے تمہاری محبت اور ہمدردی کی ضرورت تھی۔ آتے ہی جرح شروع کردی ہوگی۔ بس اس کی کھوپڑی سنک گئی۔"

"یہ لولے لنگڑے یا معذور ہوتے تو میں ساری زندگی ان سے ہمدردی کرتی رہتی" سلمیٰ کی آواز زہریلی ہوگئی "وہ یہ بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے کہ میں ان کی بیوی ہوں۔ ان کی خوشیاں اور پریشانیاں میرے اوپر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ میں کب تک یہاں رشتے داروں میں پڑی رہوں گی؟"

"میں اسے سمجھاؤں گا۔ تم اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو۔ شوہر کے بارے میں اس طرح نہیں سوچا کرتے۔"

"تم ادھر آجاؤ تو ہم باہر چلیں گے" اس نے فوراً ہی مطالبہ کردیا "ساحل کی کھلی فضا میں' میں زیادہ بہتر طریقے سے سوچ سکوں گی۔ جہانگیر تو اب مجھے باہر لے جانا ہی بھول گئے ہیں۔"

"کسی دن مل کر پکنک کا پروگرام بنائیں گے" میں نے خوب صورتی سے اسے ٹالتے ہوئے کہا "اس وقت میں نئے گھر کو سیٹ کرنے میں مصروف ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت جہانگیر کسی گھر کے چکر میں نکلا ہو۔ اس کی واپسی پر تمہیں گھر میں موجود رہنا چاہیے۔۔۔"

"انہیں گھر ور کی فکر نہیں ہے" وہ میری بات کاٹ کے بولی۔ "ان کے دماغ پر انشورنس کا پیسہ سوار ہے۔ گھر میں جو کچھ تھا' وہ تجوری ہی میں جل کر راکھ ہوگیا ہوگا۔ تمہاری امانت بھی اسی میں تھی۔ جب تک جیب میں رقم نہیں ہوگی۔ ہمیں دوسروں کے ٹکڑوں پر گزارہ کرنا ہوگا۔ مجھے جھوٹے دلاسے مت دو۔"

"تجوری خالی کرلی گئی تھی" لمحہ بھر سوچنے کے بعد میں نے اسے وہ خوش خبری سنانے کا فیصلہ کرکے کہا "میری رقم کے ساتھ تمہارے زیورات' فائلیں اور دوسری تمام چیزیں محفوظ ہیں۔ جہانگیر اتنا کنگال نہیں ہے کہ اسے اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انشورنس کلیم کی ادائیگی کا انتظار کرنا پڑے۔"

"اوہ!" اس پر میرے انکشاف کا الٹا ردِعمل ہوا اور وہ چونک پڑی "تجوری خالی کرلی گئی تھی' اس کا مطلب ہے کہ تم لوگوں کو پہلے سے مکان کی تباہی کا علم ہوچکا تھا۔۔۔ کہیں یہ آتش زنی بھی تم لوگوں کے خفیہ جھگڑوں کا نتیجہ تو نہیں ہے۔"

"وہ تازہ واقعہ ہے۔ فی الحال کچھ نہیں کہا جاسکتا" میں نے گول مول جواب دیا۔

"مت بتاؤ!" اس کی تلخ آواز ابھری "میں دو تین روز کے اخبارات نکلوا کے دیکھوں گی اور ہر بات آئینے کی طرح سامنے آجائے گی۔ تم ہمیشہ جہانگیر کی کمزوریاں چھپانے کی کوشش کرتے ہو۔"

میں اسے کیا بتاتا کہ وہ جہانگیر کی نہیں، میری کمزوریاں تھیں جن کا خمیازہ بے چارہ جہانگیر بھگت رہا تھا۔ ایک طرف وہ مار کھا رہا تھا اور دوسری طرف اپنی بیوی کی نظروں میں بھی برا بن رہا تھا۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ اس کے گھر میں آتش زنی پچھلی رات ہی ہوئی تھی اور اخبارات میں اس بارے میں بہت مختصر سی خبر چھپی تھی۔

"جہانگیر بہت شان دار آدمی ہے۔ اس کی بس ایک ہی کمزوری ہے کہ وہ شراب نوشی میں احتیاط نہیں کرتا اور نشے کی جھونک میں تمہارے سامنے وہ باتیں بھی بک جاتا ہے جو اسے خفیہ رکھنی چاہئیں۔ تمہیں اس کی کمزوری پر خوش ہونا چاہیے کہ تم اس کی ہر بات سے واقف ہو جاتی ہو۔"

"کاش! یہ خوشی غزالہ کو بھی نصیب ہو سکے" اس کی زہریلی آواز سنائی دی "تم سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ایک مرد جب نشے میں بہک کر اپنی بیوی کا بازاری عورتوں کی گھٹیا اداؤں سے موازنہ کرنا ع کرتا ہے تو اس بیوی کے دل پر کیسے خنجر چلتے ہیں۔ میرا بس تو میں فیکٹری پہنچ کر سیلون والی اسٹینو اور مسز خان کو اپنے ہاتھوں کر دیتی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ دفتروں اور کارخانوں کام کرنے والی ضرورت مند عورتیں اس قدر دل پھینک اور رہ مزاج ہو سکتی ہیں۔"

"ہر عورت ایسی نہیں ہوتی" میں نے اپنے دل ہی دل میں نگیر کو لعنت ملامت کرتے ہوئے مدافعانہ لہجے میں کہا "پیسے کے ‏ میں بعض عورتیں بگڑ جاتی ہیں۔ تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ نی اسٹینو جہانگیر کو داغِ مفارقت دے چکی ہے اور....."

اس نے میرا فقرہ درمیان ہی سے اچک لیا اور بولی "مجھے لوم ہے۔ اس کے بعد ہی مسز خان نے اپنے جوبن کے گل لانے شروع کیے ہیں۔ وہ بیوہ کے روپ میں نوکری کرنے کے لیے ی تھی اور اب کنواری بن کر میرے سینے پر مونگ دل رہی ہے۔ ے ہر بات معلوم ہے لیکن یہ میری شرافت ہے کہ یہ جب ہوش ں ہوتے ہیں تو میں انہیں ان گندی حرکتوں کے طعنے نہیں دیتی۔ ا دل اندر سے بہت زخمی ہے۔"

ان انکشافات پر میں ہکا بکا رہ گیا۔ جہانگیر اپنی غیر ذمے دارانہ تگو سے خود اپنی قبر کھود رہا تھا۔ سلمیٰ اگر اسے طعنے نہیں دیتی تھی س میں اس کے کردار کی بڑائی نہیں بلکہ مکاری پوشیدہ تھی۔ عالم ش میں اپنے ان کارناموں کا ذکر سن کر جہانگیر محتاط ہو جاتا اور پھر لمیٰ کے پاس اس کی خفیہ مصروفیات سے باخبر ہونے کا کوئی ذریعہ نہ جاتا جب کہ جہانگیر مدہوشی کے عالم میں یہ کارِ خیر خود ہی انجام ے رہا تھا۔

میں نے بات ختم کرنے کے لیے خوش دلی سے کہا "مس خان مسز خان، وہ جو بھی رہی ہو، اب اس دنیا میں نہیں رہی ہے۔ اس نے خودکشی کر کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا تھا۔ تمہیں خوشی ہونی چاہیے کہ تمہارے حق پر ڈاکا ڈالنے والی ایک عورت اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے۔"

"بے سود ہے۔ جب تک ان کے ذہن کی گرہ دور نہیں ہوتی، یہ ہر روز ایک نئی مس خان تلاش کرتے رہیں گے۔ میں کس کس کی موت پر خوشیاں مناؤں گی" اس کی آواز سے بد دلی جھلک رہی تھی۔

جہانگیر اور سلمیٰ کے ازدواجی تعلقات میں بدمزگی اور بے کیفی کے اسباب میری نظروں سے پوشیدہ نہیں تھے۔ سلمیٰ کی عتابوں سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتے ہوئے، میں نے ہمیشہ اسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کی تھی لیکن اس وقت اس نے فون پر جو بے تکلفانہ گفتگو کی تھی، اس نے میری آنکھیں کھول دی تھیں۔

وہ مجھے کیا سمجھتی تھی، یہ اس کی اپنی سوچ تھی۔ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش میں گفتگو کو طول دیے جا رہی تھی۔ اس دوران میں غزالہ اپنے کام سے فارغ ہو کر میرے قریب آ بیٹھی تھی۔ ایک لمحے کے لیے میں نے سوچا کہ اپنی جان چھڑانے کے لیے ریسیور اسے دے دوں لیکن فوراً ہی وہ ارادہ ترک کر دیا۔ سلمیٰ اس سے نئے سرے سے باتیں شروع کر دیتی۔ حسد اور رقابت کے جذبات کی رو میں بہہ کر وہ غزالہ سے کوئی ایسی بات بھی کہہ سکتی تھی جو اس کی دل آزاری کا سبب بن جاتی۔

اس کی لمبی چوڑی گفتگو کی روانی میں مجھ سے دو فاش غلطیاں سرزد ہو چکی تھیں۔ اس کی تجوری میں موجود نقدی اور زیورات وغیرہ کے بارے میں اسے اعتماد میں لینا یا نہ لینا جہانگیر کا حق تھا۔ میں نے اس بارے میں اپنی زبان کھول کر سنگین غلطی کی تھی۔ دوسری بات کا تعلق مس خان کی خودکشی سے تھا۔ وہ بھی جہانگیر کا نجی معاملہ تھا۔ اس کی بیوی جس حد تک باخبر تھی، وہ اس کا اپنا فعل تھا۔ مجھے اس بارے میں سلمیٰ کی معلومات میں اضافہ کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔

میں نے کسی تیسری اضطراری غلطی سے بچنے کے لیے بمشکل تمام گفتگو کو مختصر کیا اور آخر کار اس طویل فون کال کا سلسلہ موقوف کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

"بڑی لمبی گفتگو ہوئی ہے۔ کون ٹکرا گیا تھا فون پر؟" غزالہ نے ہنس کر پوچھا۔

"سلمیٰ، لاہور سے لوٹ آئی ہے اور آتے ہی جہانگیر سے لڑ بیٹھی ہے۔ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا" میں نے سگریٹ نکالتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"لڑنے والوں میں مفاہمت کروانا بہت اچھا کام ہے لیکن کبھی کبھی دوسروں کے گھر کی آگ بجھانے میں اپنا گھر بھی شعلوں کی زد میں آ جاتا ہے۔ مجھے ان دونوں پر بہت ترس آتا ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

وہ اپنی بات کہہ چکی تھی اور اس کا اشارہ کسی وضاحت کا

محتاج نہیں تھا لیکن میرے استفسار پر اس نے بہت خوب صورتی سے بات گھمادی "وہ پھر میاں بیوی ہیں' لڑ بھڑ کر دوبارہ ایک ہوجائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ مصالحت کرانے کی کوششوں میں آپ ان میں سے کسی کی نظروں میں برے بن جائیں۔"

"میں ان نزاکتوں کو سمجھتا ہوں" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "سلمٰی سے اتفاقاً ہی بات ہوگئی ورنہ میں اس سے خود بھی کتراتا ہوں۔"

غزالہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"کیا میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے؟" میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"یہ لطیفہ ہی تو تھا۔ بھلا آپ سلمٰی سے کیوں کتراتے ہیں؟ وہ آپ کے جگری دوست کی بیوی اور ایک عزت دار گھریلو عورت ہے" غزالہ نے معصومانہ شوخی سے پوچھا۔

"چھٹی حس کہہ لو" میں نے سرسری انداز میں جواب دیا اور ڈرائنگ روم سے اٹھ گیا۔ میں اس موضوع پر غزالہ سے زیادہ بات کرکے پرائی آگ کو اپنے گھر میں نہیں لانا چاہتا تھا۔

خواب گاہ میں جاتے ہوئے میں ٹیلی فون ڈائریکٹری کی پہلی جلد اپنے ساتھ لیتا چلا گیا۔

ازدواجی زندگی میں' میں اپنی چھت کے نیچے' اپنی خواب گاہ میں پہلی بار اپنے بستر پر دراز ہوا تو مسرت اور آسودگی کا ایک عجیب سا احساس تھا جو سرور بن کر میرے وجود پر چھا گیا۔ غزالہ کسی اطاعت شعار بیوی کی طرح میرے پیچھے پیچھے آگئی تھی۔ میں نے والہانہ انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے بستر پر بٹھالیا۔ اپنے نئے گھر میں آجانے کے بعد وہ بھی ذہنی طور پر ایسے نرم ونازک لمحات کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھی۔ جب جذبوں کی آنچ سے وجود پگھلنے لگتے ہیں اور انسان بے بس ہو کر خود کو اس طوفان کے حوالے کردیتا ہے۔

اس وقت غزالہ کی مخمور وحزنم آواز میں عجیب سا سحر اتر آیا تھا۔ میں اس سے عجیب وغریب بلکہ شاید ناقابلِ فہم باتیں کرتا رہا اور جنسی کھیل کے وہ لمحات تیزی سے گزرتے رہے۔

میں نے کئی دنوں سے شراب کو ہاتھ نہیں لگایا تھا لیکن ان لمحوں کا نشہ ہر نشے پر بھاری تھا۔ پھر میں تنہا رہ گیا۔ کافی دیر تک میرے ذہن پر سرور کی دھند چھائی رہی۔ جب میں رفتہ رفتہ حقائق کے بارے میں سوچنے کے قابل ہوا تو مجھے سائڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی ٹیلی فون ڈائریکٹری نظر آئی اور میں نے فوراً ہی اس کی ورق گردانی شروع کردی۔

وہ انجیل نہیں تھی جس کے پورے باب پڑھے جاتے۔ میں نے غیر ملکی سفارتی اداروں والے گلابی صفحات کھول کر امریکن قونصل خانے والے کالم کا جائزہ لینا شروع کردیا۔

اس کالم کی ابتدا میں کئی غیر ملکی ناموں کے ساتھ ان کے رہائشی پتے اور فون نمبر دیے ہوئے تھے۔ میں نے ان ناموں کا تفصیلی جائزہ لے کر وہ ورق موڑا اور ڈائریکٹری بند کردی۔ ویرا کی بازیابی کے لیے میرے ذہن میں ایک منصوبہ پروان چڑھنا شروع ہوگیا تھا۔

سلطان شاہ کی واپسی کسی بھی لمحے متوقع تھی۔ میں غسل خانے میں گھسنے سے پہلے غزالہ کی واپسی کا انتظار کرتا رہا تاکہ ڈور بیل کا جواب دینے کے لیے کوئی نہ کوئی موجود رہے۔ غزالہ تولیے سے اپنے بال خشک کرتی ہوئی باہر آئی تو میرے لائے ہوئے پھول دار گلابی لباس میں اس کا حسن نکھرا ہوا تھا۔ اس کی گردن اور رخساروں پر کہیں کہیں رکی ہوئی پانی کی بوندیں شبنم کے قطروں کی طرح جھلملا رہی تھیں۔

میں نے نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سر جھٹک کر غسل خانے میں گھس گیا۔

میں نیم گرم پانی کی تیز دھاروں میں غسل سے لطف اندوز ہورہا تھا کہ فلیٹ کی گھنٹی سنائی دی۔ چند لمحوں بعد ہی میں سلطان شاہ اور اوّل خان کی ملی جلی آوازیں سن کر حیران رہ گیا۔ میرے لیے اوّل خان کا وہاں چلے آنا تعجب خیز تھا۔

میں عجلت میں غسل ختم کرکے کپڑے تبدیل کیے بغیر باہر نکلا۔ اوّل خان' سلطان شاہ کے ساتھ فلیٹ کا جائزہ لے کر فراخ دلی سے ایک ایک چیز کی تعریف کررہا تھا۔

میری آہٹ پاتے ہی وہ خوشی سے میرے ساتھ بغل گیر ہوگیا۔ "مبارک ہو۔ آخر تم اپنا گھر بسانے میں کامیاب ہوہی گئے۔ بہت اچھا اور سجا سجایا فلیٹ تلاش کیا ہے تم نے۔ طبیعت خوش ہوگئی۔"

"یہ گھر اسی وقت تک بسا رہے گا جب تک دشمنوں کو اس کی بھنک نہیں ملتی" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا "ایک بار یہ رازداری ختم ہوئی تو یہ آشیانہ بھی بکھر جائے گا۔"

"احتیاط تم ہی لوگوں کو کرنی ہوگی" اوّل خان میرے ساتھ ڈرائنگ روم کی طرف لوٹتے ہوئے بولا "ہم واپسی میں تین ٹیکسیاں بدل کر یہاں تک پہنچے ہیں تاکہ تعاقب کے کسی خطرے کا سدباب کرسکیں۔ مجھے حیرت ہے کہ معزول کیے جانے کے بعد میرے گھر کی نگرانی نہیں ہورہی۔ میں نے تو برطرفی کے احکام سنتے ہی خود کو بدترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرلیا تھا۔"

"مجھے امید نہیں تھی کہ تم سلطان شاہ کے ساتھ ہی یہاں چلے آؤ گے۔"

"تمہارا اپنا گھر دیکھنے کی خوشی کے ساتھ کچھ اور بھی معاملات تھے" اس نے چلتے چلتے رک کر کہا "تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میری معزولی اور اسٹیشن فورس کے عملے کی معطلی کے احکام واپس لے لیے گئے ہیں۔"

وہ خوش خبری سن کر میں اچھل پڑا اور اوّل خان سے دوبارہ

پ گیا۔ "سچائی کو کبھی آنچ نہیں آتی۔ غنیمت ہے کہ تمہارے بڑوں نے زیادہ وقت برباد کیے بغیر اپنی غلطی کا احساس کر لیا۔"

"میرے گھر میں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ کل رات تم سب کے آجانے سے ہمارے چہروں پر مسکراہٹیں آئی تھیں ورنہ ہم خود کو زندہ درگور محسوس کر رہے تھے۔ تمہاری بھابی اس وقت بھی مصلے پر بیٹھی ہوئی ہوگی۔ اس نے مایوسی کے عالم میں میری بحالی کے لیے سو نفل مان لیے تھے۔"

"یہ دعاؤں ہی کا کرشمہ ہو سکتا ہے ورنہ مجھے اتنی جلدی فیصلہ بدلنے کی امید نہیں تھی۔"

ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی میں چونک پڑا۔ رقوم اور زیورات کی وہ دونوں پوٹلیاں جو ہم نے پچھلی رات اوّل خان کے گھر پہنچائی تھیں' ایک صوفے پر رکھی ہوئی تھیں۔

میری نگاہوں میں حیرت کی جھلکیاں دیکھ کر اوّل خان فوراً ہی بول پڑا "تمہارے چلے آنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ یہ کتنا بھاری خزانہ ہے۔ اسے سنبھالنا میری بساط سے باہر ہے۔ اب تمہارا اپنا گھر ہو گیا ہے تو اسے یہیں رکھو۔ میرا تو یہ مشورہ ہے کہ یہ چیزیں گھر کے بجائے کسی بینک کے لاکر میں زیادہ محفوظ رہیں گی۔"

"اب کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ جہانگیر کی چیزیں اسے پہنچانے کے بعد کچھ سوچا جائے۔ تمہاری بحالی کی خبر نے میرا حوصلہ بہت بلند کر دیا ہے۔ اب شاید مجھے گل زمان یا کسی اور سرکاری افسر کا احسان نہیں لینا پڑے گا۔ پہلے کی طرح ہم آزادی سے اپنا کام آگے بڑھا سکیں گے۔"

"فی الحال یہ صرف خوش فہمی ہوگی" اس نے فوراً ہی میری تصحیح کرنی ضروری سمجھی "سب لوگ اپنی ڈیوٹیوں پر حاضر ہوں گے لیکن اختیارات معطل رہیں گے۔ اسٹیشن فور کا کوئی عام کارندہ بھی ڈائریکٹر جنرل کے براہِ راست حکم کے بغیر اسٹیشن کی حدود سے باہر نہیں نکل سکے گا۔"

"یہ ادھوری بحالی ناقابلِ فہم ہے' تمہارے معاملات ابھی بھی الجھے ہوئے ہیں۔"

"یوں سمجھو کہ پورے عملے کو پوری تنخواہ کے ساتھ ملازمت پر بحال کر دیا گیا ہے مگر اختیارات نہیں دیے گئے۔ یہ کوئی سیاسی فیصلہ معلوم ہوتا ہے۔ پوری فورس کسی تحریری حکم نامے کے بغیر زبانی ہدایت اور سخت ترین ڈسپلن کے تحت ناقابلِ یقین کارنامے سرانجام دیتی رہی ہے۔ اسٹیشن فور والوں کی سزا یابی نے پوری فورس کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ہر شخص اپنے مستقبل کے بارے میں فکرمند ہو گیا تھا۔ فورس کے ہر طبقے میں پیدا ہونے والی بددلی پر قابو پانے کے لیے ہماری بحالی کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ابھی مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"مجھے مستقبل بھی روشن نظر آتا ہے" وہ میری ایماندارانہ رائے تھی "جس فورس کے ذمے دار افسران اپنے ماتحتوں کے ردِعمل کے بارے میں اس قدر حساس اور مفاہمانہ رویّہ رکھتے ہوں' وہاں کسی زیادتی کا امکان کم ہی نظر آتا ہے۔ ویسے بھی تم لوگ امریکنوں کے دباؤ کا نشانہ بنے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے بڑوں نے ان لوگوں کو نئے فیصلے کی ہوا بھی نہ لگنے دی ہو۔ وقت گزرنے کے ساتھ سب کچھ معمول پر آجائے گا۔"

"ہاں' وقت ہی کی بات ہے؟" اس نے میری تائید کی "فی الحال تمہیں مجھ سے کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔"

"مشورہ تو دے سکتے ہو نا؟" میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"اس کے لیے ہر وقت حاضر ہوں" اوّل خان قہقہہ مار کے بولا۔ "پہلی بات یہ ہے کہ ایلن کو کراچی میں بدرو دادا نامی ایک پرانے بدمعاش کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ وہ ظاہری طور پر ٹرانسپورٹ کا کاروبار کرتا ہے۔ ماری پور کے ٹرک اسٹینڈ سے اس کا کوئی نہ کوئی سراغ مل سکتا ہے۔ میں اسے سب سے پہلے اس کا پتا صاف کرنا چاہتا ہوں۔"

اوّل خان کے استفسار پر میں نے اسے ڈشکے سے حاصل ہونے والی معلومات سے آگاہ کر دیا۔

"یہ کام ہو جائے گا" اوّل خان نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد متانت سے کہا "مجھے یا تمہیں سامنے آنے کی ضرورت نہیں پڑے گی' بس پندرہ بیس ہزار روپے خرچ کرنے ہوں گے۔ میرے سویلین مخبروں میں ایسے قابلِ اعتماد لوگ موجود ہیں جو معقول معاوضہ لے کر پوری رازداری سے ایسے کام سرانجام دیتے ہیں۔"

"میں ایک لاکھ روپے بھی خرچ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جس زمانے میں شہر میں میرا طوطی بولتا تھا' بدرو میرے سامنے آنے سے گھبراتا تھا۔ آج وہ میری بیخ کنی پر تلا ہوا ہے۔ ڈشکا بہت معمولی سا بدمعاش ہے لیکن اس نے اپنی کہانی کے ذریعے میرے شبہات کی حرف بہ حرف تائید کی ہے۔ بدرو کے غائب ہونے سے ایلن کی کمر ٹوٹ کر رہ جائے گی اور وہ جارحیت کے بجائے مدافعت پر مجبور ہو جائے گا۔"

"جوش میں آنے کی ضرورت نہیں" اوّل خان نے مجھے پچکارا۔ "سب کام بیس ہزار روپے کے اندر اندر ہو گا اور بہت جلد ہو گا لیکن تم ویرا کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو؟ میں اس دلیر لڑکی کے لیے فکرمند ہوں۔"

اسی وقت غزالہ ٹرے میں چائے کے ساتھ دیگر لوازمات سجا کر لے آئی۔

"اس کے لیے میرے ذہن میں ایک خاکہ مرتب ہو رہا ہے۔ اس پر عمل کی صورت پیدا ہو گئی تو ویرا کو بہت آسانی سے رہائی مل جائے گی" میں نے کہا۔

"وہ بہت کمینے لوگ ہیں۔ اسے بدترین جنسی اور جسمانی تشدد کا نشانہ بنا کر ہلاک کر سکتے ہیں۔ تم کو اپنی کوششوں کا آغاز کر دینا چاہیے۔ تم اس بارے میں کیا سوچ رہے ہو؟"

"ویرا ان لوگوں کے لیے بہت کارآمد ہے۔ اس خطے میں اپنی

تخریبی سرگرمیوں اور سازشوں کو آگے بڑھانے کے لیے وہ ان کی بہت مدد کرسکتی ہے۔ وہ اسے ہلاک نہیں کریں گے بلکہ برین واش کرکے اپنے لیے کارآمد بنانے کی کوشش کریں گے۔ وہ کسی بھی قیمت پر ویرا کو آزاد نہیں کریں گے۔ میں اس مقصد کے لیے ان پر دباؤ ڈالنے کی منصوبہ بندی کررہا تھا۔"

"وہ تمہارے کس دباؤ میں آسکتے ہیں؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"قونصل خانے کے کسی اہم افسر کو اغوا کرلیا جائے تو سودے بازی ہوسکتی ہے" میں نے کہا۔

"یہ اغوا کون کرے گا؟" سلطان شاہ نے احمقانہ سادگی سے پوچھا۔

"اوّل خان کے وہی مخبر جو پندرہ بیس ہزار لے کر کسی آدمی کو غائب بھی کردیتے ہیں۔"

"نہیں" اوّل خان نے سختی سے اپنے سر کو جنبش دے کر کہا۔ "وہ اپنے حلقوں میں بہت مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔ کسی سفارت کار کے معاملے میں ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔ اس میں ناکامی اور گرفتاری کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔ ویسے بھی امریکنوں نے تین دن کے لیے اپنے سارے دفاتر بند کرکے امریکن عملے کو سختی کے ساتھ گھروں تک محدود کردیا ہے۔ ان میں سے کوئی کسی اشد ضرورت کے تحت باہر نکلا تو بھرپور حفاظتی انتظامات کے ساتھ نکلے گا۔ تمہاری ایسی کوئی بھی کوشش خودکشی کے مترادف ہوگی۔"

"پھر ہمیں ویرا کی طرف سے صبر کرکے اسے مقدر کے حوالے کردینا ہوگا" میں نے مایوسی سے کہا۔

"وہ ایسی سردمہری کی مستحق نہیں ہے۔ اس نے ہمارے لیے بہت کام کیا ہے۔"

"پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟ میں تو خود کو بند گلی میں محسوس کررہا ہوں۔"

"اس معاملے پر دماغ سوزی کرنی ہوگی۔ وہ جس علاقے میں پناہ گزین ہے وہاں ذرا سی بھی غیرمعمولی نقل و حرکت بہت آسانی سے نوٹ کی جاسکتی ہے۔"

"میں بہت پہلے سے دماغ سوزی کررہا ہوں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کوئی خطرناک قدم اٹھائے بغیر یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "یہ غنیمت ہے کہ ویرا نے سلطان شاہ سے الگ ہونے سے پہلے بیم گن اس کے حوالے کردی تھی۔ اس مہلک ترین ہتھیار کی مدد سے ہمیں کوئی تیز ترین کارروائی کرنی ہوگی۔"

"میں محسوس کررہا ہوں کہ تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ بندی موجود ہے اور تم اسے چھپا رہے ہو؟" اوّل خان نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "ورنہ بیم گن کوئی بہت موذی ہتھیار نہیں ہے۔"

"میرے ذہن میں بہت کچھ گڈمڈ ہورہا ہے" میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا "کوئی واضح خاکہ ابھرے، تب ہی میں کچھ بتاسکتا ہوں۔"

"خیر، اب رابطہ ہوتا رہے گا" اوّل خان بولا "دفتر جانے کے ساتھ ہی میرے گھر کا فون بھی بحال کردیا جائے گا۔ اب تمہیں بات کرنے کے لیے لمبی دوڑ نہیں لگانی پڑے گی۔"

ہم لوگ چائے نوشی میں مصروف تھے کہ فلیٹ میں پہلی بار فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے جہانگیر بول رہا تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی وہ شروع ہوگیا "یہ کلفٹن کا نمبر معلوم ہوتا ہے، اب تم وہاں کہاں جا رہے ہو؟"

"ہم نے ایک گھر کرائے پر لے لیا ہے۔ تمہارا سامان میرے پاس ہے۔ جب چاہو، لے سکتے ہو لیکن تعاقب کا خیال رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کو اپنے پیچھے لگا کر یہاں تک لے آؤ۔ آج کل ہم سب ہی محتاط ہیں۔"

"تم نے رات کو اسپتال فون کیا تھا تو میں ذرا موڈ میں تھا۔ مجھے اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ تم کس حد تک سنجیدہ ہو لیکن ابھی میں اپنے گھر کی طرف سے گزرا تھا۔ وہاں راکھ اور کھنڈرات کے سوا کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ ملبے سے ابھی تک دھواں اٹھ رہا ہے۔ وہاں کیا گڑبڑ ہوئی تھی؟"

"فون پر یہ باتیں نہیں ہوسکتیں، ملوگے تو سب بتادوں گا۔"

"آج کے اخبار میں بھی اس آگ کے بارے میں اتنی چھوٹی اور مبہم سی خبر تھی کہ مجھے اندازہ ہی نہیں ہوسکا کہ وہ میرے گھر کے بارے میں ہوگی۔ یہ امریکن جوڑے کے بارے میں کیسی خبریں چھپی ہیں؟"

"جہانگیر!" میں کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا "معلوم ہوتا ہے کہ تم اس وقت بھی اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہو، کیوں اپنے ساتھ ہماری بھی گردنیں کٹوانے پر تلے ہوئے ہو۔"

"سوری!" اس کی خجلت زدہ آواز اچانک دھیمی ہوگئی "لاہور سے مصیبت خانم تشریف لے آئی ہیں۔ ان سے تمہارے مذاکرات بھی ہوچکے ہیں۔ ان کا منہ خاصا سوجا ہوا ہے۔"

"گھر کا بندوبست کرنے سے پہلے اسے بلاکر تم نے حماقت کی ہے۔ دوسروں کے گھر میں مہمان بن کر رہنا اس کی انا کے خلاف ہے۔ کمال ہے کہ تم اپنی بیوی کے بارے میں اتنا اندازہ بھی نہیں لگاسکتے۔"

"خوش نصیب ہو کہ تمہیں غزالہ جیسی سمجھ دار لڑکی ملی ہے" ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز ابھری "اس جیسی کند ذہن عورت سے واسطہ پڑا ہوتا تو تمہارے سارے اندازے دھرے کے دھرے رہ جاتے اور چاروں میں چوکڑی بھول جاتے۔ میرے ہر کام میں کیڑے نکالنا اس کی بہترین ہابی ہے۔"

"تم اس سے لڑ کر کہاں گئے ہوئے تھے؟" میں نے فوراً موضوع بدل دیا۔

م نشورنس والوں سے ملنے گیا تھا۔ مجھے ان فائلوں کی فوری
ت ہے جو تمہیں تجوری سے ملی ہوں گی۔ چیک بکس کی بھی
ت پیش آئے گی۔ مصیبت کو نہ بتانا کہ یہ چیزیں آگ سے
ی ہیں۔"
میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جب چاہو' اپنی امانتیں واپس
سکتے ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں سلمٰی کو تجوری خالی
کے بارے میں بتا چکا ہوں۔ وہ میری رقم کے بارے میں
تھی۔"
تم میرے گھر کے مربی تو نہیں ہو کہ سارے معاملات کا حل
ے پاس ہو" میری بات سنتے ہی وہ بگڑ گیا "تمہیں اسے یہ سب
ی کیا ضرورت تھی؟ تم آسانی سے اسے ٹال سکتے تھے۔"
اب تو تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ مجھے سولی چڑھا دو" میں نے
ہی دکھانے کے بجائے سکون سے کہا "میں اف بھی نہیں
گا۔"
"تا بتاؤ۔ میں صبح فائلیں لینے آؤں گا" اس کی آواز اکھڑی
تھی۔
ھ سے پتا سننے کے بعد اس نے رسمی کلمات ادا کیے بغیر ہی
ر کردیا۔
س دوران میں غزالہ' اوّل خان سے اس کے بیوی بچوں کے
میں باتیں کرتی رہی تھی۔
ان میں سے کسی نے بھی جہانگیر کے فون کے بارے میں سوال
ی کوشش نہیں کی۔ میرے فارغ ہوتے ہی اوّل خان واپسی
ے اٹھ گیا۔
"ویرا کے بارے میں' میں بھی سوچتا ہوں۔ کوئی بات بنی تو
کروں گا" وہ پورے خلوص سے اس رنگین مزاج لڑکی کے
میں فکر مند تھا جو اپنے باپ کی بھی پروا نہیں کرتی تھی۔
اوّل خان وہاں سے ٹیکسی وغیرہ کے ذریعے اکیلا ہی واپس
پر مصر تھا مگر میرے ذہن میں کچھ کیڑے کلبلانے لگے تھے۔
طان شاہ سمیت زبردستی اس کے ساتھ ہو لیا۔
فلیٹ سے جاتے ہوئے میں نے غزالہ کو سختی سے ہدایت کردی
وہ جہانگیر کے سوا کسی کے لیے فلیٹ کا دروازہ نہ کھولے۔
کلفٹن سے جمشید روڈ تک کا سفر باتوں ہی باتوں میں کٹ گیا۔
درمیان مشترکہ دلچسپی کے اس قدر موضوعات موجود تھے کہ
ٹل بے تکان باتیں کر سکتے تھے۔
ں نے مین روڈ پر گاڑی روک کر اندر جانے سے معذرت
ی مجبوری اوّل خان کے لیے قابلِ فہم تھی۔ وہ ہمارے
را کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے گاڑی سے
ا۔
"مجھے کیوں اپنے ساتھ اٹھا لائے تھے؟" واپسی کے سفر کا آغاز
ہی سلطان شاہ نے ناگواری سے پوچھا۔ "سارے راستے تم
ں کی باتیں سنتے سنتے میرے کان پک گئے۔"

"تمہارا کام اب شروع ہوگا۔ مجھے کچھ اہم خریداری کرنی ہے" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "کچھ ہلکے پھلکے اور درمیانی سائز کے دستی بموں کی ضرورت ہے۔ ایک ننھا سا ٹائمر وغیرہ بھی لینا ہے۔"

"اوّل خان ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کہ تم کوئی بات چھپا رہے ہو۔ کیا منصوبے ہیں تمہارے؟" اس نے مجھے گھور کر چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"ابھی میرا ذہن بھی صاف نہیں ہے۔ یہ سامان جمع کرنے کے بعد یکسوئی سے کچھ سوچوں گا۔ اس سامان کی ضرورت پیش نہ آئی تو اسے کہیں بھی ضائع کیا جا سکے گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہتھیار پٹھان کا زیور ہوتے ہیں۔ اس کا بس چلے تو وہ ہتھیار ہی کھا کر زندہ رہنے کی کوشش کرے مگر یہ ممکن نہیں ہے۔ کراچی میں ہزاروں پٹھان ہتھیار نہیں' ہتھیاروں کی روزی کھاتے ہیں" وہ مجھ سے زیادہ سنجیدہ ہو کر کہنے لگا "پٹھان سرحد کے آر پار رہتے ہیں۔ ان میں پاکستانیوں کے ساتھ افغان بھی ہیں۔ میں افغانیوں سے پورا توپ خانہ خرید سکتا ہوں مگر مجھے تمہارے منصوبوں کا علم ہونا چاہیے۔ تم مجھ سے اسی طرح رازداری برتتے رہے تو میرا دماغ خراب ہو سکتا ہے۔ میں اپنی الگ راہ بھی نکال سکتا ہوں۔"

"ابھی مجھے خود نہیں معلوم کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں.... میں تمہیں کیا بتاؤں؟"

"جو برا بھلا سوچ رہے ہو' وہی بتا دو۔ مجھے اطمینان ہو جائے گا۔"

"فی الحال منصوبے کے خدوخال واضح نہیں ہوئے ہیں" میں نے اس کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ "میرا ارادہ ہے کہ ہتھیاروں سے پوری طرح لیس ہو کر ایلن کے ٹھکانے پر جا کر اسے للکاروں اور اس پر دباؤ ڈال کر ویرا کو واپس لانے کی کوشش کروں۔"

"ویرا!" سلطان شاہ پُرخیال لہجے میں بڑبڑایا پھر چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولا "ویرا کے بارے میں تم نے کبھی اپنے دل کو ٹٹولنے کی کوشش کی ہے؟"

"تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟" میں نے تقریباً غراتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ خیال، صرف مجھ ہی کو نہیں' ہر اس شخص کو آتا ہوگا جو تمہارے قریب رہتا ہے۔ اس بارے میں غزالہ نے بھی بارہا سوچا ہوگا لیکن یہ اس کی شرافت ہے کہ وہ اس بارے میں اپنی زبان نہیں کھولتی ورنہ اس نے بھی محسوس کیا ہوگا کہ ویرا سامنے رہتی ہے تو تم اس کی طرف سے بے پروا بننے کی کوشش کرتے ہو۔ وہ کسی مشکل میں پڑ جائے تو تم بے چین ہو جاتے ہو..... آخر کیوں؟"

"تم الزام تراشی کر رہے ہو۔ میری شادی سے پہلے کی باتوں کو بھول جاؤ۔ اب میرے دل میں کسی کے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔ سارا فتور تمہارے دماغ کا ہے۔"

"تم میری بات کو غلط سمجھ رہے ہو" وہ مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "غزالہ کی طرح ویرا بھی ہماری دشمن نہیں ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس کی جگہ کوئی مرد ہوتا تو تم کھل کر اس کا ساتھ دیتے۔ ویرا ایک لڑکی ہی نہیں' خوب صورت اور آزاد خیال لڑکی ہے۔ تم اس سے ہمدردی جتانے میں ضرورت سے زیادہ محتاط رہتے ہو تاکہ غزالہ تمہاری نیت پر شبہ نہ کر سکے۔"

"ہاں' یہ بات درست ہے" میں روانی میں کہہ گیا "میل جول کے معاملات میں' میں خود بھی بہت آزاد خیال ہوں لیکن مجھے غزالہ کی بہت فکر رہتی ہے۔ میں کسی بھی قیمت پر اپنے اور اس کے درمیان شکوک و شبہات پیدا نہیں کرنا چاہتا۔"

میرے جواب پر اس کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ خوش ہوتے ہوئے بولا "میرے دونوں سوالات کا ایک ہی مفہوم تھا۔ پہلی بار تم منکر ہو گئے۔ دوسری بار وہی سوال گھما کر کیا گیا تو تم نے اعتراف کر لیا۔ میں غزالہ کا مخبر نہیں.... آخر تم میرے سامنے مان کیوں نہیں لیتے کہ تم ویرا کو پسند کرتے ہو' اس کے لئے فکر مند رہتے ہو اور اسے ہر مصیبت سے محفوظ دیکھنا چاہتے ہو۔"

"ان سب باتوں کا پسندیدگی سے کوئی تعلق نہیں ہے" میں نے خشک لہجے میں کہا "میں تو تمہارے لئے بھی بہت فکر مند رہتا ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا کہ میں تم سے عشق کرتا ہوں۔"

"میں نے ابھی تک عشق کا لفظ استعمال نہیں کیا" اس نے احتجاج کیا "بات صرف پسند اور ناپسند تک ہی محدود تھی۔ تم اسے گھمانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو۔"

"میں کچھ بھی ثابت نہیں کرنا چاہ رہا" وہ اطمینان سے بولا "تم یقیناً غزالہ سے عشق کرتے ہو' اسے اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہتے ہو لیکن اس کے بعد ویرا کا نمبر آتا ہے۔ آج تمہیں کسی طرح دوسری شادی رچانے کی ضرورت پیش آ جائے تو تمہارے سامنے صرف ویرا کا نام ہو گا۔"

"بکواس بند کرو" میں بگڑ کے بولا "تمہیں آج تک یہی معلوم نہیں ہو سکا کہ بیوی اور دوست میں کیا فرق ہوتا ہے۔ ویرا دوست بلکہ بہترین دوست بھی بن سکتی ہے لیکن اسے کوئی ایسا ہی آدمی اپنی بیوی بنا سکتا ہے جس کا خون برف کی طرح ٹھنڈا ہو۔ وہ تو اپنی خوشی کے اظہار کے لئے بھی کسی اجنبی مگر خوبرو مرد سے گلے ملنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتی۔"

"تمہارا اور ویرا کا تعلق عجیب ہی نہیں' ناقابل فہم ہے" وہ اپنا سر جھٹک کے بولا "چاہت اور نفرت کا یہ عجیب امتزاج پہلی بار میرے تجربے میں آ رہا ہے۔ بڑوں نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ اپنی عورت حیا دار اور شرمیلی بھلی لگتی ہے۔ دوسری عورتیں اسی وقت پسند آتی ہیں جب وہ بے شرم اور بے حیا ہوں۔ انہیں ایک دوسرے سے نہیں بدلا جا سکتا۔ جو لوگ جوش میں آ کر ایسا کر گزرتے ہیں وہ عمر بھر روتے ہی رہتے ہیں۔"

"تم ہر وقت اس کے بارے میں کیوں سوچتے رہتے ہو؟" ... نے اس پر جوابی وار کیا۔

"مجبوری ہے۔ مجھے سوچنا پڑتا ہے کیونکہ اب وہ بے سہا... گئی ہے اور تم لوگ بھی اسے میرے سر منڈھنے کی فکر میں ... رہتے ہو۔ اس پھٹے ہوئے ڈھول کو اپنے گلے میں ڈال کر میں ... کا بھی نہیں رہوں گا۔"

"وہ مذاق کی باتیں ہوتی ہیں' انہیں سنجیدگی سے نہیں لیا..." میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا "ویسے کسی کا ماضی ہمیشہ اس کا ... نہیں کرتا۔ وقت ہر ایک کو بدل دیتا ہے۔ جن لوگوں میں لڑ... زمانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا حوصلہ ہوتا ہے' وہ گر... بیٹھنے والیوں کو بھی عزت و احترام کے درجے پر لا بٹھاتے ہیں۔ ... غزالہ کے ساتھ خوش ہوں۔ مجھے سایوں کا تعاقب کرنے کا ... نہیں رہا ہے۔"

"یہ فضول باتیں چھوڑو" وہ اچانک ہی کچھ افسردہ سا ہو گیا ... موضوع بدل کر بولا "تم ایلن کے ٹھکانے پر جا کر اسے للکارنے ... بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔"

"میرے ذہن میں ابھی مبہم سا خاکہ ہے" میں نے سو... ہوئے کہا "میں دستی بموں اور دوسرے ہتھیاروں سے لیس ... اسے یہ دھمکی دے سکتا ہوں کہ اس نے میرا مطالبہ تسلیم نہ ... میں اپنے ساتھ اسے اور اس کے سارے حمایتیوں کو تباہ کر دوں گا۔"

"اس کا کوئی بھی نشانچی گھات لگا کے ایک گولی چلائے گا ... تمہارا قصہ پاک کر دے گا" وہ میری بات کاٹ کے بولا "میں ایسی خودکشی کا مشورہ نہیں دے سکتا۔"

"میں اسی کا توڑ سوچ رہا ہوں" میں نے کہا "شاید تم ... کارڈیو الیکٹرونک سوئچ کے بارے میں کچھ سنا ہو۔ میں اس ... استعمال کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"میں یہ پیچیدہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔ نام سے تو یہ ... قلب کا کوئی آلہ معلوم ہوتا ہے۔"

"یہ امریکنوں کی ایک نئی ایجاد ہے۔ اس سے ہزارو... لے جا سکتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ سوئچ ابھی تک باز... دستیاب نہیں ہے۔"

"پھر تو اس کے بارے میں سوچنا ہی بے سود ہے۔ ویسے تو ... کچھ ایجاد ہو رہا ہے۔ مجھے ایسی خلائی توپوں کے بارے میں ... ہے جو خلائی اسٹیشن سے لیزر شعاعیں خارج کر کے زمین ... برابر کسی بھی نشانے کو نیست و نابود کر سکتی ہیں۔ ان توپوں کی ... خیزی میں اتنا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ ان کا فائر میلوں کے ... میں ہر چیز کو جلا کر راکھ کر دے۔"

"لیزر گن ایک جدید ترین جنگی ہتھیار ہے۔ میں ایک چھوٹی چیز کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

س کے بارے میں کچھ جانے بغیر میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"
نے شانے اچکا کے کہا۔
"یہ ایک جادوئی سوئچ ہے جس کا تعلق انسانی دل کی دھڑکنوں
تا ہے" میں نے اسے بتانا شروع کیا۔ "اس چپٹی سی ڈبیا کو
یوں کے ذریعے کسی بھی شخص کے سینے پر باندھا جاسکتا ہے۔
ب اس شخص کا دل دھڑکتا رہے گا' یہ سوئچ اپنی اصل حالت
ما کھلا رہے گا۔ کسی بھی وجہ سے اسی شخص کے دل کی
نیں بند ہو جائیں تو صرف ڈیڑھ سیکنڈ کی مدت میں یہ سوئچ
میں آجاتا ہے۔ اس کا ایک اور سرکٹ سے لاسلکی تعلق
ہے۔ سوئچ کے فعال ہوتے ہی وہ سرکٹ اپنا کام کرنے لگتا
اسے میزائل سے مربوط کردیا جائے تو میزائل فائر ہو جائے
ئنامائٹ سے جوڑ دیا جائے تو وہ پھٹ جائے گا۔"
"شاید تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ کارڈیو الیکٹرونک سوئچ کے
ے کسی بھی نظام کی سلامتی یا کارکردگی کو اس شخص کی زندگی
شروط کیا جاسکتا ہے جس کے سینے پر وہ سوئچ بندھا ہوا ہو۔"
"تم بالکل ٹھیک سمجھے" میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا "تم
س سوئچ کی بہترین اور جامع تعریف بیان کی ہے۔ اس شخص
ل کی دھڑکنیں بند ہوتے ہی بہت کچھ تباہ ہو سکتا ہے' چلتا ہوا
ند ہو سکتا ہے یا کوئی بھی بند سسٹم اچانک فعال ہو سکتا ہے۔ یہ
امریکا کے صدر کے سینے پر بندھا ہوا ہو اور اسے پینٹاگون
ئی سپر کمپیوٹر سے جوڑ دیا گیا ہو تو امریکا کے صدر پر کامیاب
نہ حملہ ہوتے ہی مخالف بلاک کے سیکڑوں فوجی اور شہری مراکز
بل تصور تباہی نازل ہو سکتی ہے حتیٰ کہ بھیانک خلائی حملے کا
ہو سکتا ہے۔"
"تمہاری بات قابلِ فہم ہے مگر اس میں ایک بہت بڑی خرابی
وہ سوچتے ہوئے بولا "ایک عام اور صحت مند آدمی کا دل ایک
میں تقریباً بہتر بار دھڑکتا ہے۔ اس کے لئے تو یہ سوئچ صحیح رہے
سی وجہ سے کسی شخص کے دل کی دھڑکنیں چالیس فی منٹ
رابھی کم ہوئیں تو یہ سوئچ چل پڑے گا کیونکہ اس کے سوچنے
ت صرف ڈیڑھ سیکنڈ ہے۔ اس کے نزدیک ہر وہ دل بے جان
و ایک منٹ میں چالیس مرتبہ سے کم دھڑک رہا ہو۔"
مجھے خوشی ہوئی کہ سلطان شاہ نے تعلیم یافتہ نہ ہونے کے
حیرت ناک سرعت سے ایک ایسا نتیجہ اخذ کرلیا تھا جو میرے
ہن میں بھی نہیں آسکا تھا۔ میں نے تعریفی لہجے میں کہا "تمہارا
عتراض وزنی ہے لیکن یہ کیفیت کسی دورے وغیرہ کی شکل میں ہی
تی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سوئچ میں وقفہ گھٹانے بڑھانے کی
نجائش رکھی گئی ہو۔"
"وقفہ بڑھانے کی صورت میں سوئچ کی کارکردگی صفر بھی
ہو جاتی ہے" وہ اس سوئچ کی جزئیات میں غیر معمولی دلچسپی لے رہا تھا
"اسے کام کرنے سے پہلے ہی کوئی اس شخص کو بے بس کر کے
کارہ بنا سکتا ہے۔ پورے حساب کتاب کے بغیر اس سوئچ کا
استعمال مہلک بھی ہو سکتا ہے۔"
"تم نے میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی اپنی جرح کا آغاز
کردیا" میں نے ترش لہجے میں کہا "یہ حساب کتاب اس وقت کرنا
ہو گا جب کارڈیو الیکٹرونک سوئچ ہماری جیب میں موجود ہو اور ہم
اسے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ فی الحال وہ سوئچ کسی بھی
قیمت پر دستیاب نہیں ہے۔ امریکا میں قومی اور بین الاقوامی
سلامتی کے ذمے دار اداروں کے لئے وہ سوئچ ایجاد کیا گیا ہے۔ ہم
سوئچ نہیں' اس کے بارے میں اپنی معلومات استعمال کریں گے اور
ایلین کو مبہوت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"
"ہو سکتا ہے" وہ تائیدی لہجے میں بولا "وہ امریکنوں کے لئے
کام کر رہا ہے۔ امریکا کے داخلی اور خارجی سلامتی کے ذمے داروں
سے اس کے گہرے مراسم ہوں گے۔ اسے معلوم ہو گا کہ کارڈیو
الیکٹرونک سوئچ کیا بلا ہے۔ وہ دھوکا کھا سکتا ہے مگر پھر بھی یہ بہت بڑا
خطرہ ہو گا جو تم مول لو گے۔"
"وہ مول لینا ہی پڑے گا" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔
"میرے سامنے دو مقاصد ہیں۔ ویرا کی بازیابی اور ایلین کی بیخ کنی۔
اگر اسے ڈھیل دے کر پنپنے کا موقع دیا گیا تو وہ تیزی سے طاقت
پکڑتا چلا جائے گا اور پھر کوئی اسے لگام نہیں دے سکے گا۔ مجھے
اب بھی شبہ ہے کہ یہ ساری منصوبہ بندی ایلین کے دماغ کی پیداوار
ہے۔ چیچا سرائے سے پشاور تک کے سفر میں تم بھی دیکھ چکے ہو کہ
وہ کتنے پانی میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی بڑا دماغ اس کی مدد کر رہا
ہے۔ ایلین کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ قلیل سی مدت میں مقامیوں
کے ساتھ ہی متعدد پیشہ ور سفید فاموں کو اپنے گرد جمع کر لیتا۔"
"پھر وہاں کب چھاپا مارنے کا ارادہ ہے؟" وہ میرا ہم خیال
ہو چکا تھا۔
"جلد از جلد مگر پوری تیاری کے بعد!" میں نے ٹھوس لہجے میں
کہا "غزال کو میرے اس منصوبے کی ہوا بھی نہیں لگنی چاہئے۔
اسے سمجھانا میرے بس سے باہر ہے۔ وہ اس پوری مہم کو کھلی
خود کشی قرار دے کر میری مخالفت پر تل جائے گی۔"
وہ بے ساختہ ہنس پڑا "میں سمجھتا ہوں۔ وہ تمہاری بیوی ہونے
کے ساتھ میری منہ بولی بہن بھی ہے۔"
"تو پھر سراب گوٹھ کی طرف چلا جائے؟" میں نے گاڑی کی
رفتار کم کر کے پوچھا۔
"وہ کیوں؟" حیرت سے اس کی تیوریاں قدرے چڑھ گئیں۔
"بارودی شعبدوں کے لئے مجھے اسی ایک ٹھکانے کا علم ہے۔"
میں نے کہا۔
"چلو' ادھر ہی چلتے ہیں" اس نے سوچتے ہوئے کہا "کراچی
میں ہتھیاروں کی خرید و فروخت کے کافی اڈے ہیں لیکن معلومات
اور رابطوں کے بغیر ایک گولی بھی خریدنی مشکل ہے۔ پلازا کے
ایک مشہور شاپنگ سینٹر میں خائستہ گل کراکری کی ایک دکان چلاتا
ہے لیکن در پردہ ٹینکوں' بکتر بند گاڑیوں اور آرمڈ پرسونل کیریر

تک کے سودے کرتا ہے۔ ہلکے بھاری ہتھیاروں اور ان کے ایمونیشن تو ریوڑیوں کی طرح بکتے ہیں۔"

"ٹینک اور دوسری بھاری گاڑیاں تو باہر ہی جاتی ہوں گی۔"

"باہر کہاں جائیں گی؟" میری کج فہمی پر وہ ہنس پڑا "افغانستان میں کون سی بندرگاہ ہے جو کام آئے گی۔ ہوائی جہاز سے ان کا کرایہ اصل سودے سے مہنگا پڑتا ہے۔ سارے مال کی کھپت یہیں ہوتی ہے۔"

"ہتھیاروں کی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن اس قدر بھاری سازو سامان کون خریدتا ہوگا؟"

"فوج کی ضروریات سے جو کچھ بچتا ہے' وہ پولیس کا محکمہ خرید لیتا ہے۔ پچاس لاکھ قیمت والی بکتربند گاڑی تین' چار لاکھ میں ملنے لگے تو کون دوسری غیر محفوظ گاڑیوں میں دھکے کھانا پسند کرے گا۔"

"میں نے پولیس والوں کو ایسی گاڑیاں استعمال کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

"یہ ان کی بدقسمتی ہے۔ ملکیت ان کی ہوتی ہے۔ استعمال دوسرے کرتے ہیں۔ یہ دن رات جو گاڑیاں بھانت بھانت کے وحشت ناک سائرن بجاتی دوڑتی پھرتی ہیں' افغانستان ہی سے چمن اور طورخم کے راستے آئی ہیں۔ سرحد کے علاقوں میں پولیس والے ان ہی گاڑیوں میں گشت کرتے ہیں۔"

اس دوران میں' میں گاڑی سہراب گوٹھ کی طرف جانے والے راستوں پر ڈال چکا تھا۔ میں نے وقت گزاری کے خیال سے کہا "مجھے معلوم ہے کہ تمہاری ہر بات درست ہے' روسیوں کی پسپائی کے بعد سارا مالِ غنیمت اسی طرح بیچا جارہا ہے لیکن خریدار ایک ہی ہو تو کبھی بھی پورے دام نہیں ملتے۔"

وہ عارفانہ انداز میں ہنستے ہوئے بولا "تم سمجھتے ہو کہ افغانستان ایک منحنی سی لکیر ہے جو بس پاکستان کو چھوتی ہے۔ اس کی سرحدیں بہت سے ملکوں سے ملتی ہیں۔ پاکستان کے علاوہ ایران فوجی سازو سامان کا سب سے بڑا خریدار ہے۔ بھارتی بھی بولیاں لگاتے رہتے ہیں۔ چوری چھپے چینی نمائندے بھی منڈی میں اپنی ضرورت کا سازو سامان تلاش کرتے رہتے ہیں۔"

"یہ مال بیچنے والوں کی حیثیت کیا ہوتی ہے؟ وہ سرکاری نمائندے تو نہیں ہوسکتے۔"

"یہ سب جنگجو افغان کمانڈروں کے نمک خوار ہیں" اس نے بتایا "میں نے سنا ہے کہ سارے سودے ایمان داری سے ففٹی ففٹی کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ آدھا مال کمانڈر لے جاتے ہیں۔ آدھے میں دوسروں کا حصہ ہوتا ہے۔ یہ بھاگتے بھوت کی لنگوٹی والا حساب ہے۔ مفت میں ہاتھ آئے ہوئے مال کے عوض' جس کے جو ہاتھ لگ جائے' لے اڑتا ہے۔ ہیروئن کے داموں خریدا یا روسیوں سے چھینا ہوا یہ سارا جنگی سازو سامان اب کوڑیوں کے مول بک رہا ہے۔ سہراب گوٹھ میں ذاتی استعمال کے چھوٹے ہتھیار ملتے ہیں۔"

سلطان شاہ میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ دنیا جہان
دھندوں میں مصروف رہنے کے باوجود اس نے اپنی خیال
فراموش نہیں کیا تھا۔ عام دنوں کی مصروفیات میں سے وقت
کر اپنے گاؤں والوں' دوستوں اور دور کے رشتے داروں
کے لئے شہر کے مختلف علاقوں کے دورے کرتا رہتا تھا۔
ملاقاتوں میں اسے بہت سی ایسی خبریں بھی ملتی رہتی تھیں جو
بے معنی معلوم ہوتی تھیں لیکن خاص خاص مواقع پر ان
افادیت سے انکار کرنا ممکن نہیں رہتا تھا۔ مجھے پورا یقین
روسی ساخت کے ہلکے' درمیانی اور بھاری ہتھیاروں کے با
میں وہ جو کچھ کہہ رہا تھا' حقائق پر مبنی تھا۔

راستے میں اس نے جو کچھ بتایا' وہ میرے لئے حیران کن
تھا لیکن اس کا تجزیہ کرنے کا انداز حیرت ناک تھا۔ اس نے
الیکٹرونک سوئچ کی طرح' پورے افغان مسئلے کو چند فقرو
سمیٹ کر رکھ دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ افغانستان کی خشک
سرزمین پر روسیوں نے سمندر کی ایک بدترین جنگ لڑی تھ
افغانستان اور پھر ایران یا پاکستان کو روند کر بحرِ ہند کی سال
رہنے والی گرم بندرگاہوں میں اپنا پرچم لہرانے کی فکر میں تھے
تیزی کے ساتھ عالمی منڈیوں پر چھا سکیں۔ سائنسی ترقی کے
دعووں کے باوجود روسی اپنی بندرگاہوں کو اس برفانی عذاب
نہیں بچا سکے تھے جو سال کے بیشتر حصے میں ان کے سروں پر
رہتا تھا۔ انہوں نے مشترکہ زمینی سرحد کا بدترین فائدہ اٹھا
ہوئے اپنے مشینی لشکر افغانستان میں دوڑائے۔ وہ مہم جوئی
کے لئے ایک ہولناک امتحان بن گئی۔ بحرِ ہند میں سرگرم
موجودگی اس کے ہلاکت خیز بحری بیڑوں کی آزادانہ نقل و حر
محدود کرسکتی تھی۔ اسے مشرق کی ابھرتی ہوئی منڈیوں سے
کرسکتی تھی اور سب سے بڑھ کر اس کے تیل کے مفادات کو
زک پہنچا سکتی تھی۔

امریکا نے مزاحمت کا طبل بجادیا۔ اس کے حواری اندھ
اس معرکۂ رستخیز میں کود پڑے۔ پہل کا فائدہ روس نے اٹھا
انہوں نے مدافعت میں ہر اخلاقی اور غیر اخلاقی حربہ استعما
شروع کردیا۔ مال و منال کی مدد کے ساتھ انہوں نے مقام
قوتِ خرید میں فوری اور بھرپور اضافہ کرنے کے لئے انہیں
کی تیاری کی ترغیب اور تربیت دی۔ افغان ان کی توقع سے
ہوشیار ثابت ہوئے۔ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے' ہیروئن کے
اس قدر قوت حاصل کرلی کہ انہیں کنٹرول کرنا مشکل ہوگیا۔
ہوئے اس فوجی توازن کا نتیجہ یہ نکلا کہ روسی اپنے زخموں کو
ہوئے پسپا ہوگئے لیکن امریکیوں کو ان کی جگہ لینے کا موقع
نہیں مل سکا۔ انہوں نے بد دل ہو کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور
والے افغان گروہ مزید بے لگام ہوتے چلے گئے۔ دشمن کی
کے بعد میدان خالی پا کر ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ سارا مال

رہی اور پھر انہوں نے اپنے فاضل جنگی ذخائر اپنی شرائط پر فروخت کرنے شروع کر دیئے۔

پانی ہمیشہ بلندی سے نشیب کی طرف جاتا ہے۔ کراچی کی معرفت ہیروئن کی اسمگلنگ کے سلسلے پہلے سے قائم تھے، ہتھیاروں کی باری آئی تو وہ بھی کراچی کی چور منڈیوں میں پہنچ گئے۔ بیچنے والے کو خریداروں کا علم تھا، خریدار بیچنے والوں کے ٹھکانوں سے باخبر تھے۔ عام شہری مکمل بے خبری کے عالم میں تھا۔

ایک زمانے میں سہراب گوٹھ پر باڑہ بازار قائم تھا جہاں بھانت بھانت کے غیر ملکی کپڑے، کراکری اور دوسری اشیا کے ڈھیر لگے رہتے تھے اور شہر کے ہر طبقے کی خواتین کی بھاری تعداد خریداری کے لئے اس تنگ اور نیم پختہ بازار میں سرگرداں نظر آتی تھی اور کچے میدان میں ہر ماڈل کی گاڑیاں کھڑی ہوئی نظر آتی تھیں جن پر ہائی وے سے اڑنے والی دھول جمتی رہتی تھی۔

ایک مدت پہلے وہ بازار ختم کر دیا گیا تھا۔ غیر قانونی تجاوزات کو روکنے کے لئے بازار کی جگہ، خاردار تاروں کی باڑھ میں سبزہ زار لگا دیا گیا۔ کچھ عرصے کے لئے سہراب گوٹھ کی رونقیں ماند پڑ گئیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہاں دوبارہ کبھی چہل پہل نہیں ہو سکے گی لیکن اس علاقے نے دیکھتے ہی دیکھتے دوبارہ انگڑائی لی اور پھر ایک وسیع علاقہ ٹرانسپورٹ سے متعلقہ کاروبار کا گڑھ بنتا چلا گیا۔

وہاں ہر ماڈل کی گاڑیاں منڈلاتی رہتی تھیں۔ فرق صرف یہ پڑا تھا کہ اس بار وہ خالص مردانہ بازار تھا جہاں عورتیں بھولے بھٹکے ہی نظر آتی تھیں۔

میں نے سنا تھا کہ الآصف اسکوائر کی دکانوں اور فلیٹوں میں غیر قانونی ساز و سامان کے لین دین کے کئی اڈے قائم تھے لیکن کبھی وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

بھیڑ بھاڑ میں ہماری اکارڈ پر کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔ بازار میں داخلے کے مقام پر کپڑوں کے ٹکڑوں اور تھانوں سے لدے ہوئے کئی ٹھیلے نظر آئے۔ ہم نے کافی دور جا کر گاڑی ایک جگہ پارک کر دی اور واپس بازار کی طرف چل دیے۔

وہاں روز مرہ ضرورت کی اشیا کا بہت بڑا بازار قائم تھا۔ سلطان شاہ اپنے کسی شناسا کی تلاش میں کافی دیر تک اس گنجان بازار میں بھٹکتا رہا پھر مجھے ایک جگہ چھوڑ کر پرچون کی ایک دکان میں جا گھسا۔ دکان دار سے کئی منٹ تک مذاکرات کرنے کے بعد وہ اس سے پُرجوش انداز میں مصافحہ کر کے پلٹا اور مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا قریبی زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

اس وسیع و عریض عمارت کی اوپری منزلوں پر ٹرانسپورٹروں کے دفاتر، دکانیں اور ہوٹل قائم تھے۔ سلطان شاہ فلیٹوں کے سامنے والی راہداری طے کرتا ہوا ایک ایسے دروازے کے سامنے رک گیا جس پر آزاد مون لائٹ ہوٹل کا بورڈ لگا ہوا تھا۔

فلیٹ کا بیرونی کمرا کسی سستے ہوٹل کا سماں پیش کر رہا تھا۔ وہاں دیواروں کے ساتھ لمبی لمبی چوبی بینچیں پڑی ہوئی تھیں جن پر چند گاہک براجمان تھے۔ کاؤنٹر پر دہکتے ہوئے چولھے پر چائے کا پانی ابل رہا تھا۔ اندرونی کمروں میں پڑی ہوئی متعدد چارپائیاں کسی سرائے کا سماں پیدا کر رہی تھیں۔

سلطان شاہ نے کاؤنٹر والے کو تپاک سے سلام کر کے اپنی مادری زبان میں گفتگو کی ابتدا کی۔ چند ثانیوں تک وہ دونوں جوش و خروش سے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں کاؤنٹر والا بار بار میری طرف دیکھتا جا رہا تھا پھر وہ کاؤنٹر کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔

اس نے مجھ سے بھی ہاتھ ملایا اور ہم دونوں کو ساتھ لے کر اوپری منزل کی طرف چل دیا۔

اس بار ہم جس فلیٹ میں پہنچے وہاں صرف میز اور چند پرانے صوفے پڑے ہوئے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ فلیٹ آزاد مون لائٹ ہوٹل کے عین اوپر واقع تھا۔

ہماری آوازیں سن کر اندر سے ایک قد آور اور بارعب شخص باہر آ گیا۔ ہمیں لانے والے نے اس سے کچھ کہا اور فوراً ہی وہاں سے واپس چلا گیا۔

اس شخص نے ہم دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی جم کر بیٹھ گیا۔

سلطان شاہ نے اپنی مادری زبان میں چند فقرے ادا کرنے کے بعد اردو میں بات شروع کر دی "ہمیں ہلکی ساخت کے کچھ دستی بم وغیرہ درکار ہیں۔ رقم نقد ادا کی جائے گی۔"

"بم کہاں استعمال کرنے ہیں؟" اس نے بگڑی ہوئی اردو میں وہ ٹیڑھا سوال کیا تو اس کے لب و لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے اردو زبان پر قدرت حاصل نہیں ہے۔

"سودے کے لئے کیا یہ بتانا ضروری ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"بالکل نہیں" وہ اپنی غلطی محسوس کر کے معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "میں صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ تمہیں کیسے بموں کی ضرورت ہے۔ دستی بم بیسیوں اقسام کے ہوتے ہیں۔"

"دھوئیں کے بم" سلطان شاہ نے تائید طلب انداز میں میری طرف دیکھ کے کہا۔ میں نے فوراً ہی اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔ اس سوال نے مجھے بھی الجھن میں ڈال دیا تھا۔

ہمارے میزبان کے ہونٹوں کے پیچھے سفید دانتوں کی قطاریں نمایاں ہو گئیں۔ وہ ہمارے احمقانہ ردِعمل پر بزرگانہ انداز میں مسکرا رہا تھا پھر وہ بولا "دھوئیں کے بم، بے ہوشی کے بم، آگ لگانے اور تباہی پھیلانے والے بم، صرف دھماکا کرنے والے بے ضرر بم..... اور بھی بہت سی قسمیں موجود ہیں۔ یہاں آنے والے اکثر گاہکوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔"

"مہربانی!" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا "دراصل ہمیں بے ہوشی کے اور آگ لگانے والے بموں کی ضرورت ہے۔ دو دو بھی مل جائیں تو ہمارا کام بن جائے گا۔"

"چار دستی بم چھ ہزار کے ملیں گے" اس نے لمحہ بھر سوچنے

کے بعد کہا۔
"لے آؤ!" میں نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا "ہم مول تول نہیں کریں گے۔"
"زیادہ مال لوگے تو رعایت ہو جائے گی۔ درجن کے دام دوسرے ہوں گے" وہ بولا۔
میں پیسے گننے میں مصروف ہو گیا تھا۔ سلطان شاہ تحیر زدہ آواز میں بولا "تم اتنی بے خوفی سے یہ دھندا کر رہے ہو جیسے مونگ پھلیاں بیچ رہے ہو۔ تمہیں پولیس وغیرہ سے خوف نہیں آتا؟ کسی وقت ان کے مخبر بھیس بدل کر تمہارے پاس آسکتے ہیں۔"
"غلط آدمی یہاں قدم ہی نہیں رکھ سکتا" وہ بڑے اعتماد سے بولا "تم دو چھلنیوں سے گزر کر یہاں تک پہنچے ہو۔ جب تم پرچون کی دکان پر پوچھ گچھ کر رہے تھے تو ایک بچے نے مجھے خبر پہنچا دی تھی کہ کالی اکارڈ میں آنے والے دو شہری بارود کے کسی سوداگر کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔ چاہو تو میں تمہیں تمہاری گاڑی کا نمبر بھی بتا سکتا ہوں۔ دکان والا چاہتا یا تم سے مطمئن ہوتا تو تم کو سیدھا میرے پاس بھی بھیج سکتا تھا لیکن اس نے تمہیں میرے ہوٹل بھیج دیا۔ میں نے خبر ملتے ہی ہوٹل والے کو پیغام دے دیا تھا کہ گاہکوں کو میرے پاس بھیج دیا جائے۔ میری مرضی نہ ہوتی تو تم یہاں آہی نہیں سکتے تھے۔"
اس کی زبان سے کالی اکارڈ کا ذکر سن کر میں حیران رہ گیا اور پوچھ بیٹھا "کیا تمہارے آدمی یہاں آنے والی ہر گاڑی کی نگرانی کرتے ہیں؟"
"مجبوری ہے" وہ سادگی سے بولا "ہمارا کام ہی ایسا ہے کہ ہوشیار رہنا پڑتا ہے۔ اپنی آنکھیں کھلی نہ رکھیں تو پل بھر میں لاک اپ اور پھر جیل جا سکتے ہیں۔"
"تم نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ ہم لوگ سرکاری مخبر نہیں بلکہ حقیقی خریدار ہیں؟" میں نے چھ ہزار کے گنے ہوئے نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔
"تمہارا معاملہ تو بہت سیدھا سادہ تھا۔ تمہاری گاڑی میں پہلے ہی ہتھیار لدے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑی واردات کی تیاری کر رہے ہو" اس نے نہایت اطمینان سے کہا۔
میں حیرت سے اپنی جگہ پر اچھل پڑا اور بے ساختہ بولا "اس کا مطلب ہے کہ تمہارے آدمیوں نے ہماری گاڑی کی تلاشی لی ہے؟"
"جب تم پرچون والے سے باتیں کر رہے تھے تو ایک آدمی تمہاری گاڑی کا جائزہ لے رہا تھا۔ فکر مت کرو، تمہاری ایک چیز بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوئی ہوگی۔ میرے آدمی چور نہیں ہیں۔ وہ صرف ان ہی گاڑیوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں جن میں میرے گاہک یا ملاقاتی آتے ہیں۔ تم اپنی گاڑی سے اتر کر آتا یا کپڑا خریدنے میں مصروف ہو گئے ہوتے تو کوئی تمہاری گاڑی کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔"
"فرض کرو کہ ہماری گاڑی میں ہتھیار نہ ہوتے تو تم کو کیسے پتا چلتا کہ ہم سرکاری مخبر نہیں، تمہارے حقیقی خریدار ہیں؟" سلطان شاہ بھی اس کے طریقہ کار میں دلچسپی لینے لگا۔
"یہ کاروباری راز ہیں" وہ گہری مسکراہٹ کے ساتھ بولا "مگر تم کو بتائے دیتا ہوں۔ اپنی گاڑیوں میں آنے والے سب لوگ ضرورت مند ہوتے ہیں۔ سرکاری مخبر چالاکی دکھانے کی کوشش کرتے ہیں، ٹیکسیوں یا مشتبہ گاڑیوں میں آتے ہیں جو انہیں اتار کر غائب ہو جاتی ہیں۔ وہ جہاں بھی جاتے ہیں، منہ کی کھاتے ہیں۔ بازار کے سارے آدمی ان کی زبان سے ہتھیاروں کا ذکر سنتے ہی اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں اور نفرت و حقارت سے انہیں بھگا دیتے ہیں۔"
چند ثانیوں تک نوٹوں سے کھیلنے کے بعد اس نے وہ گڈی گنے بغیر اپنی جیب میں رکھ لی۔
"نوٹ گن لو، رقم پوری ہے؟" میں نے اس بے پروائی پر اسے ٹوکا۔
"تم گن رہے تھے تو میں دیکھ رہا تھا۔ سو کے پورے ساٹھ نوٹ ہیں" اس بار وہ کھل کے ہنسا تھا "مجھے تم دونوں بھلے آدمی لگتے ہو۔ دستی بموں کی تعداد بڑھا لو تو میں اب بھی کافی رعایت دے دوں گا۔ تعداد بڑھا لو تو دھوئیں کے بم نو ہزار اور آتشیں بم پندرہ ہزار روپے درجن دے دوں گا۔"
"تمہارا ٹھکانا دیکھ لیا ہے۔ ضرورت پڑی تو دوبارہ آجائیں گے" میں نے کہا "ہاں، تمہارے پاس دوسرے شعبدے ہوں تو میں ضرور دیکھنا چاہوں گا۔"
"شعبدے تو سیکڑوں ہیں" وہ اپنی نشست پر پہلو بدلتے ہوئے بولا "آتش بازی اور کھلونوں کی شکل کی بارودی سرنگیں پچاس ہزار روپے سیکڑا مل جائیں گی۔ مال اسٹاک میں ہے۔ رقم دو اور مال لے لو۔ ان میں ہلاک کرنے والی بارودی سرنگیں بھی ہیں اور خوف زدہ کرنے والی بھی جو زوردار دھماکے سے پھٹتی ہیں مگر تباہی نہیں پھیلاتیں۔ ہر چیز کی گارنٹی ہوگی۔ کام نہ کرے تو پیسے واپس۔"
"اپنے یہ شعبدے دکھا سکتے ہو؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔
"بے کار ہوگا۔۔۔۔ دیکھنے میں یہ سب بے ضرر چیزیں ہیں۔ ان کی اصلیت کا پتا پھٹنے پر چلتا ہے۔ یہ نازک حربے اپنی اور بجلی پیکنگ میں ہیں۔ ہم خود بھی ان سے زیادہ چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے۔"
سلطان شاہ کے ایما پر میں نے اپنی مطلوبہ اشیا کی فہرست میں اضافہ کر دیا اور ہماری اس مہلک خریداری کی مالیت بیس ہزار روپے سے بھی تجاوز کر گئی۔
اس نے اپنا نام عبدالرشید ممند بتایا تو مجھے خاصی حیرت ہوئی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کے کاروبار کی طرح اس کا نام بھی خاصا پیچیدہ ہوگا۔ سودا طے ہو جانے کے بعد وہ نکاسی کے راستے سے باہر چلا گیا۔ میں نے بقیہ رقم گن کر اس کے حوالے کر دی تھی۔

اس کے جاتے ہی دس بارہ سال کا ایک سرخ و سفید افغان بچہ ہم دونوں کے لئے کھولتی ہوئی چائے سے بھری ہوئی نیلی تام چینی کی چینک اور دو پیالیاں لے آیا۔ میں نے اس بچے سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ میری کسی بات کا جواب دیے بغیر شرمیلے انداز میں مسکراتا رہا۔ شاید وہ اردو سمجھنے سے قاصر تھا۔ میں نے پیالی میں چائے انڈیل کر اپنے لئے سگریٹ سلگالی۔

رشید کی واپسی خاصی دیر میں ہوئی۔ وہ بہت احتیاط سے ایک قدرے وزنی پیکٹ لے کر آیا تھا جو اس کے پیچھے آنے والے ایک جواں سال لڑکے نے اٹھایا ہوا تھا۔

"بھروسا ہو تو یہ سامان گاڑی میں رکھوادوں" اس نے آتے ہی کہا "چاہو تو پیکنگ کھول کر ہر چیز چیک کرسکتے ہو۔ بموں میں کوئی پن نہیں ہے۔ یہ پھینکتے ہی پھٹ جائیں گے۔ ہر سرنگ میں سرخ رنگ کی سوئچ پن ہے۔"

"گولی جب تک فائر نہ کی جائے' اپنی اصلیت ظاہر نہیں کرتی۔ ہمیں تم پر بھروسا ہے۔ یہ پیکٹ احتیاط سے گاڑی کی ڈکی میں رکھوادو" میں نے چابی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں" رشید ممند نے لڑکے کو واپسی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا "تمہاری گاڑی کی حفاظت پر مامور میرے آدمی لیور کو نقصان پہنچائے بغیر گاڑی کا ہر تالا کھولنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ چابی کے بغیر بھی یہ پیکٹ ڈکی میں پہنچ جائے گا۔"

چائے ختم کرکے ہم دونوں اٹھ گئے۔ وہ ایک تندخو قبائلی نظر آنے کے باوجود بہت مہذب تھا۔ ہمیں چھوڑنے کے لئے زینوں تک آیا اور اس وقت تک سرے پر کھڑا رہا جب تک ہم لینڈنگ سے زینوں کی دوسری سمت میں نہ گھوم گئے۔

گاڑی کے قریب پہنچ کر میں نے خاص طور پر قرب و جوار کا جائزہ لیا لیکن وہاں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جس پر گاڑی کی نگرانی کرنے کا شبہ کیا جاتا۔ ڈکی کھولی تو اس میں ہمارے خریدے ہوئے سامان کا پیکٹ موجود تھا۔ ڈکی بند کرکے ہم فوراً ہی وہاں سے واپس روانہ ہوگئے۔

ہمارا فلیٹ ایک کشادہ احاطے میں بنی ہوئی تین عمارات میں سے ایک میں واقع تھا۔ وہ تینوں سات منزلہ عمارات تھیں اور ہر عمارت میں آمدورفت کے لئے لفٹ موجود تھی۔ وہاں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ہر منزل پر صرف دو فلیٹ تھے جن کے درمیان سرسبز گملوں سے آراستہ وسیع راہداری موجود تھی ورنہ میں نے اسی شہر میں ایسے مہنگے فلیٹ بھی دیکھے تھے جن کی تنگ اور بے ڈھب راہداریوں سے کسی بیمار کا اسٹیچر یا جنازہ نیچے لے جانا دشوار تھا۔

فلیٹوں کے مکینوں کے لئے احاطے کی دیواروں کے ساتھ پختہ گیراج بنے ہوئے تھے۔ سراب گوٹھ کی خریداری سے فارغ ہونے کے بعد میرا فوراً کہیں جانے کا ارادہ نہیں تھا اس لئے میں نے گاڑی اپنے مخصوص گیراج میں کھڑی کردی پھر میں نے گاڑی میں موجود ایمونیشن اور ہتھیاروں کے تھیلے سنبھالے' سلطان شاہ نے بموں کا پیکٹ اٹھایا اور ہم دونوں اوپر روانہ ہوگئے۔

غزالہ شاید بے چینی سے ہماری منتظر تھی۔ اس نے ڈور بیل بجتے ہی دروازہ کھول دیا۔

"یہ کیا لے آئے؟" ہم دونوں کو لدا پھندا دیکھ کر اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں' ہتھیاروں کے وہی تھیلے ہیں جو لے کر ہم جہانگیر کی فیکٹری سے نکلے تھے۔" میں نے کہا "ان کا گاڑی میں پڑا رہنا مناسب نہیں تھا اس لئے اوپر لے آئے ہیں۔"

"مگر یہ پیکٹ تو اس سامان میں نہیں تھا۔" غزالہ نے سلطان شاہ کے ہاتھ میں موجود پیکٹ کو اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسے ہماری تازہ خریداری سمجھ لو۔ اس پیکٹ سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا۔"

"یہ سب چیزیں کسی کمرے میں بند کردو۔" وہ سرگوشیانہ لہجے میں بولی "جہانگیر آیا ہوا ہے۔ تمہارا انتظار کرتے کرتے ایک بیڈ روم میں سوگیا ہے۔"

"جہانگیر!" میں نے چونک کر پوچھا "وہ اپنے ہوش و حواس میں تو ہے نا؟"

"اس وقت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ وہ آیا تو ٹھیک تھا لیکن بہت اداس تھا۔" بات کرتے کرتے اس نے اچانک ہی ایک غیر متعلقہ سوال کرڈالا "آج تاریخ کیا ہے؟"

"تاریخ سے تمہیں کیا لینا ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ سچ بات یہ تھی کہ مجھے پے در پے نازل ہونے والے مصائب کی وجہ سے دن اور تاریخ کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

"وہ اداسی کے عالم میں کہہ رہا تھا کہ آج کرسمس ہے لیکن وہ بھرے شہر میں یکہ و تنہا ہے۔ وہ تھیلے میں ڈال کر ایک سربند بوتل بھی لایا تھا۔ میں نے برف' گلاس اور پانی کی بوتل کے ساتھ اسے ایک بیڈ روم میں پہنچادیا تھا کیونکہ وہ چائے وغیرہ پینے پر آمادہ نہیں تھا....."

"وہ وہاں بیٹھ کر پیتا رہا اور اب مدہوش پڑا ہوا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کے غصیلے لہجے میں کہا "اس کی یہ ہمت کیسے ہوئی کہ میری غیر موجودگی میں یہاں بوتل کھولے۔"

"اسے کچھ نہ کہنا۔" میرے خراب تیور دیکھ کر غزالہ گھبراگئی "اس کی قابلِ رحم حالت دیکھ کر میں نے خود ہی اس کی حوصلہ افزائی کی تھی ورنہ وہ تو مجھے اپنی بوتل دکھاتے ہوئے بھی جھجک رہا تھا۔"

"نہیں' اسے سبق ضرور دوں گا۔" میں نے اپنے ساتھ لائے ہوئے تھیلے اسٹور روم کے ایک گوشے میں رکھتے ہوئے کہا "وہ اس کرسمس کو کبھی نہیں بھول سکے گا۔"

میں نے اپنے بیڈ روم میں جاکر باتھ روم سے ٹھنڈے پانی کی

بالٹی بھری اور دوسری خواب گاہ میں جہانگیر کے سر پہنچ گیا۔ سائیڈ ٹیبل پر بلیک لیبل کی ایک لیٹر والی تین چوتھائی بوتل [illegible] رہی تھی۔ گلاس میں بھی تھوڑی سی اسکاچ موجود تھی۔ شاید گلاس ختم کرنے سے پہلے ہی جہانگیر پر غنودگی حملہ آور ہوئی تھی اور وہ عالم سرور میں بستر پر پہلو کے بل اونگھ گیا تھا۔

میں نے ٹھنڈے پانی کی بالٹی بے رحمی سے اس کے سر پر الٹ دی۔ اس وقت مجھے بستر یا قالین کے خراب ہونے کی ذرا بھی فکر نہیں رہی تھی۔ ذہن پر صرف جہانگیر کو سزا دینے کی دُھن سوار تھی۔

پانی پڑتے ہی جہانگیر ڈری ڈری اور وحشت زدہ آوازیں نکالتا ہوا بستر سے اُٹھتا چلا گیا۔

چند ثانیوں تک وہ گیلے قالین پر کھڑا، جھرجھریاں لے کر بار بار اپنی پلکیں جھپکاتا رہا۔ جب وہ مجھے دیکھنے کے قابل ہوا تو اس کی آنکھوں میں غصہ تیرتا چلا گیا۔

"یہ..... یہ کیا حرکت تھی؟" غصے کی زیادتی سے اس کی زبان پر لکنت طاری ہوگئی تھی "تمہیں معلوم ہے کہ اس طرح میرا ہارٹ فیل بھی ہوسکتا تھا۔ میں [illegible]ندہ تمہارے گھر پر پیشاب بھی نہیں کروں گا۔"

"نہ کرنا۔ یہ احتیاط حفظان صحت کے اصولوں کے عین مطابق ہوگی۔" میں نے خالی [illegible] ایک طرف ڈال کے پرسکون لہجے میں کہا "میں آدھے گھنٹے [illegible] تمہیں جھنجوڑ کر جگانے کی ناکام کوششیں کررہا تھا مگر تمہارے ذہن پر بس سلمٰی سوار تھی۔ نشے میں بھی تم اس سے خوف زدہ رہتے ہو....."

جہانگیر نے میری بات کاٹ کے طیش کے عالم میں سلمٰی کو ایک موٹی سی گالی دی اور بولا "میں اس کا دیا کھاتا ہوں اور نہ اس سے ڈرتا ہوں۔ میں اسے ایک طلاق دے کے آیا ہوں۔ اب بھی اس کا دماغ درست نہ ہوا تو میں اس کا قصہ ہی تمام کردوں گا۔ وہ بچے پر ناز کرتی ہے۔ میں اسے بھی چھوڑ دوں گا۔"

"سلمٰی پر اتنا ہی غصہ تھا تو تم نے اسے ایک ساتھ تین طلاقیں کیوں نہیں دے دیں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا "ہاتھوں ہاتھ تم دونوں کے سارے مسائل حل ہوجاتے۔"

"مم..... میں نے سوچا کہ اسے ایک موقع ملنا چاہئے۔" وہ سٹپٹا کے بولا۔

"تم جھوٹے ہو۔" میں اس پر برس پڑا "غصے میں آدمی سوچنے سمجھنے کی تمیز کھو بیٹھتا ہے۔ تمہیں اس کو موقع دینے کا خیال کیسے آگیا؟ تم اس کے سامنے اداکاری کرتے ہو۔ تمہیں اس پر غصہ نہیں آتا۔ دراصل تم اس کو اپنی دھونس میں لینا چاہتے ہو۔ میں ابھی فون کرکے اسے بُلاتا ہوں۔ وہ تمہارے گلے میں رسّی باندھ کر تم کو یہاں سے لے جائے گی۔"

"تم نے مجھے ڈرا دیا۔" وہ سر جھکا کے خفت آمیز انداز میں بولا "تمہارے گرجنے کے نتیجے میں میرے کپڑے مزید گیلے ہوگئے ہیں۔ میں باتھ روم میں جا کر کپڑے بدلنا چاہتا ہوں۔"

"مرو!" میں نے باتھ روم کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا "کپڑے میں ابھی دیتا ہوں۔"

وہ کچھ بولے بغیر باتھ روم میں غائب ہوگیا۔ میں بے ساختہ مسکرانے پر مجبور ہوگیا۔

میں نے عملی اور زبانی طور پر اس کی خاصی درگت بنائی تھی۔ غنیمت تھا کہ اس وقت غزالہ اور سلطان شاہ میں سے کوئی وہاں موجود نہیں تھا ورنہ جہانگیر کو پھیلنے کا موقع مل سکتا تھا۔

میں اسے نیا لباس دے کر ڈرائنگ روم میں لوٹا تو غزالہ اپنی ہنسی ضبط کئے میری منتظر تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ ملامت آمیز لہجے میں بولنے لگی "وہ آپ سے بے پناہ عقیدت رکھتا ہے مگر آپ بہت بے رحمی سے اس کی مٹی پلید کرتے رہتے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت بھڑک گیا تو آپ اس کی جوابی بدتمیزی برداشت نہیں کرسکیں گے۔ آپ خود بتا چکے ہیں کہ اس کے گھر میں سلمٰی کئی بار تنہائی میں آپ کی ساقی گری کرتی رہی ہے اور جہانگیر نے بھی اس بے تکلفی کا بُرا نہیں منایا۔ اگر اس نے یہاں بند کمرے میں بیٹھ کر تھوڑی سی پی لی تو آپ کو اس قدر مشتعل نہیں ہونا چاہئے تھا۔ وہ کوئی اجنبی نہیں، آپ کا گہرا دوست ہے۔"

میں نے دم کرنے کے انداز میں اپنے گریبان میں پھونک ماری اور استہزائیہ انداز اختیار کرکے کہا "وعظ اچھا تھا۔ میں اس سے متاثر ہوا ہوں۔ اب میں جہانگیر کے ساتھ اپنی بدسلوکی کا ازالہ کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا تاکہ وہ کرسمس کے موقع پر تنہائی کے کرب ناک احساس سے چھٹکارا پاسکے۔"

"نہیں۔ آپ اس کے ساتھ شراب نوشی نہیں کریں گے۔ میں اندازہ لگا چکی ہوں کہ آپ چاہیں تو اس بُری عادت کو ترک کرسکتے ہیں۔ آپ کو شراب پئے آج پانچواں دن ہے۔" اس نے نحتی سے کہا۔

"شراب نوشی کے سوا دنیا کی کوئی چیز جہانگیر کو خوش نہیں کرسکتی میں......"

"آپ دونوں میں کوئی کرسچن ہے، نہ کرسمس پر شراب نوشی لازمی ہے۔ میں التجا کرتی ہوں کہ چند روز اور اپنی طبیعت پر جبر کرلیں پھر یہ عادت خود ہی چھوٹ جائے گی۔"

"پھر مجھے جہانگیر کی دل آزاری کرنی پڑے گی۔" میں نے مایوسی سے کہا "بیوی کے ڈسے ہوئے شوہر کو صرف اور صرف شراب میں پناہ ملتی ہے۔ وہ دلیر ہوکر اپنی بیوی کو دل بھر کر غائبانہ گالیاں دیتا ہے۔ دوستوں کو اس کی بدمعاشیوں کے قصے سناتا ہے اور اپنی ساری بھڑاس نکال لیتا ہے......"

"اور نشہ اُترتے ہی دُم ہلاتا ہوا دوبارہ اپنی بیوی کے قدموں میں جا بیٹھتا ہے۔" غزالہ ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ بولی

میں مزید اصرار نہیں کروں گی۔ آپ جہانگیر کی دل جوئی کریں۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ اس علاقے کے بازار کا جائزہ لینے جارہی ہوں۔ واپسی پر تلی ہوئی مچھلی لے کر آؤں گی۔"

میرے لئے کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ میں نے صوفے کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر اپنی آنکھیں موند لیں اور وہ دونوں باہر جانے کی ہنگامی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔

جہانگیر نہا دھو کر نئے لباس میں واپس لوٹا تو تازہ دم نظر آرہا تھا۔

"حنزالہ نے ویرا کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ پھر کسی مصیبت میں پھنس گئی ہے۔" اس نے آتے ہی تائید طلب لہجے میں یوں کہا جیسے اس سے پہلے کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہی نہ ہو۔

"بس اغوا ہوگئی ہے۔" میں نے اسے آنکھ مار کے سرسری لہجے میں کہا "بیوی سے جھگڑے کے بعد متبادل کے طور پر تمہارے ذہن میں اسی کا نام آیا ہوگا۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ تمہاری ذہنیت پست اور گندی ہوگئی ہے۔" وہ منہ بنا کے بولا "میں نے کبھی بھی اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ تمہاری سابقہ محبوبہ سمجھ کر اس کا احترام کرتا رہا ہوں۔"

"سابقہ محبوبہ نہیں بلیک کوئن کہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کے طنز سے کہا "بلیک کوئن کو دیکھ کر بڑے بڑوں کے مان ٹھنڈے ہوجاتے تھے اور تم تو شاید کانپنے ہی لگتے تھے۔"

"کھلی چھوٹ دے کر دیکھو پھر پتا چل جائے گا کہ کون کس سے کانپتا ہے۔"

"چھوٹ کس بات کی؟ تمہاری رسی تو ہمیشہ سے کھلی ہوئی ہے۔"

"پھر شکوہ نہ کرنا کہ میں نے تمہاری لائن کاٹ دی ہے۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال تو اس کی بازیابی کی فکر ذہن پر سوار ہے۔ ذرا اندر سے بوتل تو اٹھا لاؤ۔ سنا ہے کہ آج کرسمس ہے اور بالکل ہی سوکھا گزر رہا ہے۔"

"تو کیا تمہیں یاد نہیں تھا کہ آج کرسمس ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا "چھ دن بعد نئے سال کی پہلی رات آنے والی ہے میں تو سوچ رہا ہوں کہ ٹکٹ لے کر بنکاک یا خیلا کی طرف نکل جاؤں۔"

"شادی کے بعد آدمی بہت کچھ بھولنے لگتا ہے۔ میں تمہاری طرح ڈھیٹ نہیں ہوں کہ مصائب میں مبتلا ہونے کے باوجود مطلب کی باتیں اور تاریخیں یاد رکھ سکوں۔"

"یار، ہم اسی لئے تو جیتے ہیں۔" وہ بے تکلفی سے بولا "زندگی میں یہ ذرا سی گرمی اور رنگینی بھی نہ ہو تو پھر کسی قبرستان میں بستر لگا لینے میں کیا ہرج ہے۔ آدمی وہیں لیٹ کر دن رات اللہ اللہ کرکے اپنی آخرت کو یاد کرتا رہے اور ایک دن چپکے سے مر جائے۔"

"لعنتی آدمی! توبہ کرو!" میں نے آنکھیں نکال کے کہا "یہ تم کیا بک رہے ہو؟ رنگ رلیاں مناؤ گے یا پھر قبرستان میں بستر لگا لو گے۔ درمیان کا راستہ کبھی نہیں ڈھونڈو گے؟"

اس نے میرا مضحکہ اڑانے والے انداز میں اپنے داہنے ہاتھ سے دونوں کانوں کو چھوا، رخساروں کو انگلیاں لگائیں اور پھر باچھیں پھیلا کے داد طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

میں بھنا کر اٹھا اور پانی میں شرابور خواب گاہ سے بلیک لیبل کی بوتل وغیرہ لے آیا۔

میرے موڈ کا اندازہ لگاتے ہی وہ کھل اٹھا اور پھرتی سے اپنا گلاس بھی لے آیا۔ گلاس میں بچی ہوئی شراب اس نے راستے میں ہی اپنے معدے میں انڈیل لی تھی۔

کئی دن کے وقفے کے بعد میں نے اسکاچ کا پہلا گھونٹ لیا تو حلق میں تلخی گھلنے کے ساتھ ہی مجھے جھرجھریاں سی آگئیں اور میں نے اپنے دل و دماغ کو کچھ دیر کے لئے بالکل آزاد چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ میرے لب و لہجے میں نرمی آتے ہی جہانگیر نے اپنی درد بھری داستان چھیڑ دی۔

ازدواجی زندگی میں سارے مسائل اس کے اپنے پیدا کئے ہوئے تھے۔ اپنی عام زندگی میں وہ شی کا وفادار تھا۔ اس لئے اپنی ہر بات کو اپنی بیوی سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ کوئی خفیہ فون آتا تو بیوی کو باہر بھیج کر کافی دیر تک کمرا بند کئے باتوں میں مصروف رہتا۔ بیوی کے دل میں شکوک و شبہات اور بے اعتمادی پیدا کرنے کے لئے وہی حرکتیں کیا کم تھیں کہ اس کی ذاتی دلچسپیاں سونے پر سہاگا بننے لگیں۔ بیوی دفتر فون کرتی تو نرم و نازک نسوانی آوازوں سے گزر کر جہانگیر سے رابطہ ہوتا، وہ وقت سے گھر لوٹنے کے بجائے زیادہ وقت دفتر ہی میں بسر کرتا اور سلمیٰ جب بھی اس کی خبر گیری کے لئے فون کرتی تو کوئی نہ کوئی لڑکی فون اٹھاتی۔ دن بہ دن سلمیٰ کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہوتا چلا گیا کہ اس کا شوہر اسے نظرانداز کرکے دوسری عورتوں کے ساتھ وقت گزارنے کی روش پر چل پڑا ہے۔ اس خیال کو اس تلخ حقیقت نے بھی تقویت دی کہ شادی کے ابتدائی سالوں میں ہر علاج اور جتن کے باوجود سلمیٰ کے ماں بننے کے آثار پیدا نہیں ہوسکے تھے، وہ دونوں اپنی اپنی انا کے حصار میں محصور رہے۔ سلمیٰ نے جہانگیر کی اصلاح کی کوشش کی نہ جہانگیر نے اپنی بیوی کی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش کی۔ گاڑی یوں ہی چلتی رہی۔ ان کے درمیان ذہنی فاصلے بڑھتے چلے گئے۔ سلمیٰ نے اپنے شوہر کی سردمہری سے دل برداشتہ ہوکر میری ذات میں پناہ ڈھونڈنے کی لاحاصل کوشش کی۔ میں اس کی بے راہ روی کے طاقت ور محرکات سے پوری طرح واقف تھا، اسی لئے اپنا دامن بچاتا رہا۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ میری ذات سے مایوس ہونے کے بعد سلمیٰ نے کسی اور در پر دستک دی تھی یا تقدیر پر شاکر ہوکر بیٹھ گئی تھی۔

ان دونوں کے مابین وہ اختلاف اور تناؤ اس حد تک بڑھا کہ بیٹے کی پیدائش کے بعد بھی ان کے خانگی جھگڑوں میں کمی نہیں

آسکی تھی۔ اسی رجحان کا نتیجہ تھا کہ جہانگیر اس وقت میرے گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور رات وہیں گزارنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اپنی بیوی کو پہلی طلاق کا بھیانک کوڑا رسید کرنے کے بعد وہ چند روز تک اسے تنہائی کے عذاب میں مبتلا رکھنے کا خواہاں تھا۔

میرے پاس اسے لوٹانے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں ایک طویل عرصے تک اس کے فلیٹ میں رہتا رہا تھا۔ اگر وہ چند روز کے لئے میرے گھر میں رہنا چاہ رہا تھا تو میرے پاس انکار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

"تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتے ہو۔" میں نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "لیکن مخدوش حالات کی وجہ سے تمہیں فلیٹ تک ہی محدود رہنا پڑے گا۔ باہر نکلے تو تم پہچانے جاسکتے ہو۔ اس وقت ہم یہ ٹھکانا کھونے کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم جب بھی جاؤ اپنی اکارڈ ساتھ لیتے جانا۔ ہم زیادہ دیر تک اس قیمتی گاڑی کی حفاظت نہیں کرسکتے۔"

"مجھے باہر جانا ہوگا۔" اس نے کہا "انشورنس کلیم کے کاغذات داخل ہونے ضروری ہیں۔ وہ فائلیں تمہارے پاس ہیں۔ دعا کرو کہ یہ کام کل ہی مکمل ہوجائے پھر میں یہیں بند ہو کر بیٹھ جاؤں گا۔ رہی اکارڈ کی بات تو وہ تم ہی رکھو۔ یہ گاڑی بلٹ پروف ہے۔ برے وقت میں تمہارے کام آئے گی۔"

"مجھے معلوم ہے لیکن ہم مستقل طور پر ایک ہی گاڑی استعمال کرتے رہے تو اپنے دشمنوں کی نظروں میں آجائیں گے۔ موجودہ حالات میں میرے لئے ٹیکسی یا کرائے کی گاڑی کا استعمال بہتر رہے گا۔"

اس نے میری دلیل مان لی۔ میں نے فوراً ہی اکارڈ کی چابی اس کے حوالے کردی۔ پھر سلمٰی کی تجوری سے برآمد ہونے والے کاغذات' زیورات اور نقدی پر مشتمل پوٹلی اس کے سامنے رکھ دی۔ وہ فوراً ہی مختلف فائلوں کی ورق گردانی میں مصروف ہوگیا۔

دس بجے سے پہلے غزالہ لوٹ آئی' ہم چاروں ایک ساتھ بیٹھ کر مچھلی کے تلے ہوئے پارچوں سے لطف اندوز ہورہے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"میں گھر پر موجود نہیں ہوں' جہانگیر ادھر نہیں آیا۔ فون تم ہی دیکھ لو۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا اور اس نے ہاتھ صاف کرکے ریسیور اٹھالیا۔

اس وقت میری چھٹی حس کی کارکردگی قابل رشک رہی تھی کیونکہ دوسری طرف سے سلمٰی بول رہی تھی۔ سلطان شاہ کے ہمدردانہ لب ولہجے اور جوابات سے ظاہر ہورہا تھا کہ سلمٰی اپنے شوہر کی گمشدگی پر سخت تشویش میں مبتلا تھی۔ وہ فون پر کافی دیر تک بولتی رہی' سلطان شاہ بے زاری کے عالم میں بس ہوں ہاں کرتا رہا۔ فون بند کرنے کے بعد اس نے اپنی دانست میں انکشاف کیا کہ جہانگیر اپنی بیوی کو طلاق دے کر آیا تھا۔ سلمٰی کو ڈر تھا کہ مایوسی کے عالم میں کہیں اس نے خودکشی نہ کرلی ہو۔

جہانگیر نے وہ رپورٹ سن کر ایک جان دار قہقہہ لگایا اور کہا

"ابھی میں نے اسے پوری نہیں' ادھوری طلاق دی ہے۔ جس دن اس چڑیل سے پیچھا چھوٹے گا میں زبردست جشن مناؤں گا۔ پتا نہیں اسے کس طرح یہ خوش فہمی ہے کہ میں محض ادھوری طلاق کے بعد خودکشی کرسکتا ہوں۔"

غزالہ کو اس قصے کے سرپیر کا علم نہیں تھا اس لئے وہ جہانگیر کو ملامت کرنے لگی "تم نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ اسے بدترین اذیت میں مبتلا کرکے خود یہاں موج کررہے ہو۔ اگر تم اپنی بیوی سے اسی قدر عاجز ہو تو اسے سسکانے کے بجائے ایک بار بار ہی کیوں نہیں دیتے؟"

جہانگیر غزالہ کا بہت زیادہ لحاظ کرتا تھا۔ وہ اس کے سامنے اپنی مدافعت میں کچھ بھی نہیں کہہ سکا اور غزالہ اسے ڈانٹنے پھٹکارنے کے بعد گیلے بستر کی دیکھ بھال کے لئے چلی گئی۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ جہانگیر کم از کم وہ رات اسی فلیٹ میں بسر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

سرور کی لہر گہری ہونے کے ساتھ ساتھ جہانگیر کی ذہنی کیفیات بدلتی جارہی تھیں۔ وہ سلمٰی سے پوری طرح متنفر نہیں تھا' اس کی بعض باتوں اور اداؤں کا گرویدہ بھی تھا۔ جب بوتل اپنے انجام کو پہنچنے لگی اور جہانگیر کے لئے بولنا دشوار ہوگیا تو میرے ایما پر سلطان شاہ نے اسے سہارا دے کر اس کمرے میں پہنچادیا جہاں اسے بھی سونا تھا کیونکہ غزالہ پوری کوششوں کے باوجود گیلی خواب گاہ کو قابل استعمال بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھی۔

جہانگیر کی رخصتی سے پہلے غزالہ اپنے کمرے میں جاچکی تھی۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہا۔ میرا ذہن ایلین کے ٹھکانے پر پہنچنے کے مختلف امکانات میں الجھا ہوا تھا۔

"اندھیرا اسی وقت سازگار رہتا ہے جب اپنا گھر مضبوط ہو۔" سلطان شاہ نے میرے ایک سوال کے جواب میں بڑی متانت سے کہا "اندھیرے میں برابر کی لڑائی ہوتی ہے۔ ہم لڑنے نہیں' ان لوگوں کو دھوکا دینے جارہے ہیں اس لئے دن کا اجالا بہتر رہے گا۔ ہر چیز صاف اور سامنے نظر آتی رہے گی۔ دل میں یہ خوف بھی نہیں رہے گا کہ اندھیرے میں کوئی چھپ کر ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔"

"پھر ہم صبح چلیں گے۔" میں نے اس کے مشورے کی معقولیت کو تسلیم کرتے ہوئے کہا "میں تمہیں ایک بار پھر بتا رہا ہوں کہ ہمارا مقصد صرف ویرا کی بازیابی نہیں بلکہ ایلین کی سرکوبی بھی ہے۔ اگر کسی وجہ سے ہمارا رابطہ ٹوٹ جائے تو تمہیں ان ہی خطوط پر کام کرنا ہوگا۔"

"یہ سب درست ہے مگر ایک بات رہ رہ کر میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اگر وہ لوگ ہمارے دام میں نہ آئے۔ انہوں نے میرے دعوے کو تسلیم نہ کیا تو کیا ہوگا۔ وہ ہم دونوں کے جسموں کو چھلنی بھی کرسکتے ہیں۔" "تمہیں خود بھی اندازہ ہے کہ تم کیا کرنے جارہے ہو۔" اس

نے افسردگی سے کہا "موت برحق ہے مجھے مرنے کا نہیں' اس بات کا قلق رہے گا کہ ہم ویرا کے لئے مارے جائیں گے......"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "تم پھر بہک رہے ہو۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ویرا کی بازیابی کے علاوہ ایلین کو جہنم واصل کرنا بھی ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ویرا کو نہیں ماریں گے اسے زندہ رکھ کر اپنے راستے پر لانے کی کوشش کریں گے اور ویرا جلد یا بدیر' ان کے چنگل سے نکل بھاگنے کا موقع نکال لے گی۔ مجھے اس کی بہت زیادہ فکر نہیں ہے۔ وہ ہر قسم کا تشدد سہہ سکتی ہے۔ میری کوشش یہ ہے کہ اب ایلین کو مزید پیش قدمی کے بجائے پسپائی اور مدافعت پر مجبور کیا جائے۔ اسے یہیں لگام نہ دی گئی تو وہ کسی بھیانک عفریت کی طرح ہمارے اعصاب پر سوار ہو کر رہ جائے گا۔"

"یہ اپنی اپنی سوچ کی بات ہے۔ سوچنے سے حقائق نہیں بدلتے۔"

"اس کھیل میں اصل رول میرا ہوگا۔ تم ریوالور اور بم گن سے لیس رہ کر میری مدد کرو گے۔"

"فکر مت کرو۔ پورا کھیل سمجھ لینے کے بعد میں تمہاری توقعات پر پورا اتروں گا۔"

ہم بہت دیر تک دھیمی آوازوں میں اپنے منصوبے کی جزئیات طے کرتے رہے۔ پھر سلطان شاہ اس کمرے میں چلا گیا جہاں جہانگیر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ میں بھی ڈرائنگ روم کی تمام روشنیاں گل کر کے اپنی خواب گاہ کی طرف چل دیا جہاں غزالہ میرے انتظار میں کروٹیں بدل رہی تھی۔

وہ رات کسی قابلِ ذکر واقعے کے بغیر گزر گئی۔

اگلی صبح ہم تینوں بیدار ہو کر ناشتے سے فارغ بھی ہو گئے لیکن جہانگیر گہری نیند سوتا رہا۔ جب میں نے سلطان شاہ کے ساتھ مل کر ہتھیاروں کے تھیلے اور بموں وغیرہ کے پیکٹ کو چھیڑا تو غزالہ ہمارے سروں پر مسلط ہو گئی۔ میں نے اپنے پروگرام کو اس سے خفیہ رکھنے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا لیکن میں یہ بات فراموش کر بیٹھا تھا کہ ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہوئے ایسی رازداری ممکن نہیں تھی۔ اس کے اصرار پر مجھے اس کو بھی اعتماد میں لینا پڑا۔ وہ حیرت اور بے اعتباری سے میری باتیں سنتی رہی اور میرے خاموش ہوتے ہی اس نے متعدد اعتراضات جڑ دیئے۔ اس کی دانست میں میرا منصوبہ بہت کمزور اور ناقابلِ عمل تھا جس کا نتیجہ صرف اور صرف تباہی کی صورت میں برآمد ہونا تھا۔

میں نے اس کے ہر اعتراض کا جواب دینا چاہا لیکن اس نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی تھی۔ مجبور ہو کر میں نے اسے اس کی مہم کا حوالہ دیا۔ وہ ویرا کے ساتھ جو کچھ کرنے گئی تھی مجھے اس پر شبہ تھا لیکن وہ دونوں میرے تمام تر اندیشوں کے باوجود اپنی ضد پر اڑی رہیں اور مجھے خاموشی اختیار کرنی پڑی۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ بعد میں تمام واقعات ان کے سوچے ہوئے انداز میں رونما ہوتے چلے گئے اور وہ نہایت کامیابی سے نارمن اور لوسی کو موت کے گھاٹ اتار کر واپس لوٹ آئیں۔

غزالہ کے پاس ایک جواب تیار تھا۔ وہ بولی "ہم نے سب کچھ سوچ سمجھ لیا تھا۔ مہم کامیاب ہوتی یا ناکام۔ ہماری واپسی ہر شک و شبے سے بالاتر تھی۔ اگر زیادہ خطرات نظر آتے تو ہم نے خاموشی سے واپس لوٹ آنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ آپ کا معاملہ بہت خوف ناک ہے' ایک بار ان لوگوں کا سامنا کرنے کے بعد بازی آپ کے ہاتھ سے نکل جائے گی اور آپ دونوں کی زندگی کا انحصار ان لوگوں کے ردِ عمل پر رہ جائے گا۔ اس پلان میں کامیابی اور ناکامی کا نہیں' زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ ناکامی کی صورت میں آپ دونوں کو کوئی بھی دردناک موت سے نہیں بچا سکے گا۔"

"میں وہاں کارڈیو الیکٹرانک سوئچ سے بات شروع کروں گا۔ وہ مجھے شوٹ کرنے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔ تھوڑی دیر بعد تم دیکھنا کہ میرے سینے پر کیا خطرناک گیٹ اپ نظر آتا ہے۔"

"اگر وہ اتنی ہی جدید چیز ہے تو ہو سکتا ہے کہ تیسرے درجے کے ان بدمعاشوں نے اس کے بارے میں کچھ نہ سنا ہو۔ وہ آپ کو پہچانتے ہی بازو پر رکھ لیں گے۔ آخر آپ ویرا کے لئے اپنی زندگیاں کیوں خطرے میں ڈالنے پر تلے ہوئے ہیں؟"

"یہ ویرا سے زیادہ ہمارا اور ایلین کا مسئلہ ہے۔ وہ بہت تیزی کے ساتھ ہم پر چھاتا جا رہا ہے۔ میں اس کے حلق میں ہاتھ ڈال کر اسے یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ ہم اس سے کمتر نہیں ہیں اور وقت آنے پر اس کے جبڑے چیر سکتے ہیں۔"

وہ بحث کافی طول پکڑ گئی۔ میرا ارادہ پکا تھا۔ غزالہ اس میں تبدیلی لانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس نے یہ شرط بھی عائد کرنے کی کوشش کی کہ میں سلطان شاہ کے بجائے اسے اپنے ساتھ لے جاؤں تاکہ وہ اس نازک موڑ پر میرے ساتھ رہ کر ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کا عہد پورا کر سکے لیکن میں نے اس کا وہ مطالبہ بھی تسلیم نہیں کیا۔ جسے اپنی کامیابی کا پورا یقین نہ ہو وہ لڑنے سے پہلے ہی آدھی جنگ ہار چکا ہوتا ہے اور پھر کٹھن مرحلہ آنے پر گھٹنوں کے بل بیٹھتا چلا جاتا ہے۔

ایک طویل مباحثے کے بعد غزالہ کو میرے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑ گئے۔

میں دیگر ساز و سامان لے آیا تھا مگر میرے پاس کارڈیو الیکٹرونک سوئچ کا کوئی متبادل موجود نہیں تھا۔ میں نے گھر میں موجود اشیا کا جائزہ لینا شروع کیا اور میری نظرِ انتخاب ایک وال کلاک پر مرکوز ہو گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ کلاک کے خوب صورت ڈائل اور فریم کے پیچھے صرف ایک ڈبیا لگی ہوئی ہوتی ہے جو لمبی لمبی خوب صورت سوئیوں کو متحرک رکھتی ہے۔

میں نے ڈرائنگ روم کے وال کلاک سے اس کی مشین الگ کی اور اس میں لگے ہوئے بیٹری سیل سمیت اپنے سینے پر اس طرح باندھ لی کہ گریبان کا صرف ایک بٹن کھولنے پر بھی نظر

آسکے۔

اس معرکے میں ہمیں بہت زیادہ ہتھیاروں کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے تھیلے میں سے اعشاریہ چار پانچ کے دو مہیب پستول اور ان کے بھرے ہوئے چھ فاضل میگزین نکال لئے جو آڑے وقت میں کام آسکتے تھے۔ پھر پیکٹ میں رکھے ہوئے دستی بموں اور چیدہ چیدہ بارودی سرنگوں کا جائزہ لے کر' انہیں احتیاط سے ایک خالی تھیلے میں منتقل کرلیا۔ ٹیم گن پہلے ہی سلطان شاہ کی تحویل میں تھی۔

تیاریاں مکمل ہونے کے بعد میں نے کمرے سے روانہ ہونے سے پہلے کینوس کے ایک تھیلے میں کچھ وزنی اور غیر ضروری چیزیں جمانے کے بعد' ان پر دو دستی بم رکھ دیے۔

"یہ فالتو سامان کیوں لے جارہے ہیں۔" غزالہ میری تیاریوں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کینوس کے تھیلے پر معترض ہوئے بغیر نہیں رہ سکی "دودھ کے پیکٹ اور چاول کی تھیلیاں کس کام آئیں گی؟"

"یہ ان لوگوں کے لئے ایک تباہ کن بارودی تھیلا ہوگا جو میرے سینے پر بندھے ہوئے کارڈیو الیکٹرانک سوئچ کے ذریعے پھٹ کر ایک میل کے دائرے میں زندگی کا نام ونشان مٹادے گا۔" میں نے آسودہ سی ہنسی کے ساتھ اسے آگاہ کیا "اس میں دستی بم صرف اس لئے رکھے گئے ہیں کہ وہ بارود تلاش کرنے والا کوئی آلہ استعمال کریں تو وہ تھیلے کی بھی نشان دہی کرے۔ کوئی بھی منصوبہ بناتے ہوئے ایسی جزئیات کا لازمی خیال رکھنا پڑتا ہے ورنہ ناکامی مقدر بن جاتی ہے۔"

ہماری تیاریاں آخری مراحل میں تھیں کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ غزالہ نے دوسری گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا۔ اس نے صرف دو یا تین فقرے ادا کئے اور دوسری طرف کی بات سننے کے بعد بے دلی سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ شاید دوسری طرف سے کال کا سلسلہ منقطع کردیا گیا تھا۔

"اول خان کا فون تھا۔" اس نے میرے کسی استفسار سے پہلے بتایا "بدرو ڈاکو چند منٹ پہلے فیروز آباد پولیس اسٹیشن کے پیچھے ہلاک کردیا گیا ہے۔"

میں خوشی سے اچھل پڑا "یہ خوش خبری ہی نہیں' نیک شگون بھی ہے۔ بدرو کی موت ایلین کا حوصلہ پست کردے گی۔ وہ اسی علاقے میں مارا گیا ہے جہاں ایلین اپنے حواریوں کے ساتھ پناہ گزین ہے۔"

"حیرت ہے کہ اول خان نے اتنی سرعت سے اس کا سراغ لگالیا۔" سلطان شاہ بولا۔

"یہ کام ایس ٹی ایف کے کسی کارندے نے نہیں بلکہ کرائے کے آدمی نے کیا ہوگا۔" میں نے کہا "ایسے لوگوں کے گہرے روابط ہوتے ہیں۔ اس نے رقم کے لالچ میں آسانی سے سراغ لگالیا ہوگا کہ بدرو کس کے لئے کام کررہا ہے اور شہر کے کس علاقے میں موجود ہے۔"

"ایلین کے خلاف بھی ایسے ہی لوگوں سے کام لیا جاسکتا ہے۔" غزالہ جلدی سے بولی۔

"اس بارے میں اول خان سے میری بات ہوچکی ہے۔ یہ لوگ غیرملکیوں کے پیچیدہ معاملات سے دور رہتے ہیں۔ بدلے کے قتل کو آسانی سے آپس کی کسی رنجش کا رنگ دے کر دبا دیا جاتا ہے اور قاتل کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ وہ لوگ اس سے زیادہ پُرخطر کام نہیں کرتے۔"

ہم گیارہ بجے کے قریب فلیٹ سے روانہ ہوئے تو جہانگیر بدستور سویا ہوا تھا۔

ہمیں رخصت کرتے ہوئے غزالہ بہت زیادہ جذباتی ہورہی تھی۔ وہ ہمیں الوداع کہنے کے لئے فلیٹ کے دروازے پر آئی تو اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ میں تیزی کے ساتھ لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے اکارڈ کی چابی فلیٹ پر ہی چھوڑ دی تھی۔ اس مہم میں استعمال کی صورت میں نہ صرف اکارڈ ان کی نظروں میں آجاتی بلکہ وہ نمبروں کے سہارے جہانگیر کے لئے دوسری دشواریاں بھی کھڑی کرسکتے تھے۔

نیچے پہنچ کر ہم نے اپنی منزل مقصود کے لئے ایک ٹیکسی روکی اور اس میں روانہ ہوگئے۔ مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ میرا فیصلہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی جرأت مندانہ تھا اور ناکامی کی صورت میں ہمیں بدترین صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑسکتا تھا۔ اس احساس نے میرے ساتھ ہی سلطان شاہ کو بھی فکرمند کیا ہوا تھا۔ ہم دونوں خاموشی کے ساتھ اپنی اپنی سوچوں میں کھوئے ہوئے بیٹھے تھے۔

سلطان شاہ نے ایلین کی کمین گاہ کا اتنا سراغ لگالیا تھا کہ وہ کس قطار میں واقع تھی۔ میرا خیال تھا کہ کتے اور اس کے رکھوالے کی موت کے حوالے سے اس مکان کا سراغ لگانا زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔

ٹیکسی تیزی کے ساتھ شہر کی مصروف سڑکوں پر اپنا سفر طے کرتی رہی اور پھر ہم نرسری سے آگے' اپنے مطلوبہ علاقے میں پہنچ گئے۔

سلطان شاہ نے مطلوبہ مقام سے ذرا پہلے ہی ٹیکسی رکوالی تھی۔

ٹیکسی کو فارغ کرکے سلطان شاہ نے وزنی تھیلا سنبھال لیا اور ہم دونوں آگے چل پڑے۔ میں فیصلہ کرچکا تھا کہ کوئی پیچیدہ طریقۂ کار اختیار کرنے کے بجائے براہِ راست ایلین کے مکان پر دستک دے کر اپنا مدعا ظاہر کرتے ہوئے اس کے آدمیوں کو متوقع تباہ کن اقدامات سے بھی آگاہ کردوں گا۔

ہم چند ہی قدم چلے ہوں گے کہ سلطان شاہ کے چہرے پر تشویش کے آثار نمودار ہونے لگے۔ وہ فکرمندانہ نگاہوں سے سامنے دیکھے جارہا تھا۔ اس کی پریشانی کا اندازہ لگانے کے بعد میں نے بھی اس کا سبب بھانپ لیا۔ آگے ایک گلی کے سرے پر لوگوں کی خاصی تعداد جمع تھی۔

"کیا ایلین اسی گلی کے کسی مکان میں رہ رہا ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"ہاں۔ یہ اڑتیسویں اور انتالیسویں قطار کی درمیانی گلی ہے۔ پتا نہیں یہاں اتنی بھیڑ کیوں جمع ہے اس علاقے میں عام طور پر اتنی بھیڑ بھاڑ نہیں رہتی۔"

وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ہمیں راہ گیروں سے معلوم ہوگیا کہ وہاں بھیڑ بلا سبب جمع نہیں تھی۔ گلی کے کسی مکان میں تھوڑی دیر قبل خاصی دھواں دھار فائرنگ ہوئی تھی جس سے پورے علاقے میں دہشت پھیل گئی تھی۔ علاقے میں پولیس کی آمد کے بعد وہاں متجسس افراد کی بھیڑ لگنی شروع ہوگئی تھی۔

وہ کوئی اتفاق نہیں ہوسکتا تھا۔ بھاری فائرنگ اور پولیس کی آمد دال میں کالا ظاہر کررہی تھی۔ وہاں جو کچھ ہوا تھا یقیناً ایلین کے ٹھکانے پر ہی ہوا تھا۔ ایسی صورت میں وزنی تھیلے کو اپنے ساتھ لئے پھرنا خود کو دوسروں کی نگاہوں کا مرکز بنانے کے مترادف تھا۔

"تھیلے میں رکھے ہوئے دونوں دستی بم جیب میں ڈال کر یہ تھیلا کہیں بھی چھوڑ دو تاکہ ہم آسانی سے تماشائیوں کی بھیڑ میں شامل ہوکر تفصیلات معلوم کرسکیں۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

سلطان شاہ خود بھی ایسی کسی کارروائی کے لئے ذہنی طور پر تیار تھا۔ اس نے لحہ بھر کے لئے تھیلا سڑک کے کنارے رکھا اور دستی بم سرعت سے اس کی جیب میں منتقل ہوگئے۔

اس مقام سے آگے ہی ایک بھرا ہوا کوڑے دان مکانات کی عقبی گلی کے سرے پر رکھا ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے وہ وزنی تھیلا کوڑے دان کے پچھلے حصے میں ڈال دیا۔

اس غیرضروری بوجھ سے نجات پانے کے بعد ہم اس گلی کے نکڑ پر جمع ہونے والی بھیڑ میں پہنچے تو پتا چلا کہ پولیس کی بھاری نفری نے کافی دور تک اس گلی کی ناکا بندی کی ہوئی تھی اور ایک مکان کے آگے پولیس کی گاڑیوں کے ساتھ ہی کئی ایمبولینس بھی موجود تھیں۔ وہاں ہر شخص ہیجان اور تجسس میں مبتلا تھا۔ کسی کو پوری تفصیل کا علم نہیں تھا۔ ہر شخص کی زبان پر صرف بھاری فائرنگ کا ذکر تھا۔

کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی سن گن لینے کے بعد لوگوں کی زبانی پتا چلا کہ اس پُرسکون گلی میں چند غیرملکیوں کی وجہ سے آفت آئی ہوئی تھی۔ پہلے ان کا ایک کتا اور اس کا رکھوالا مارا گیا پھر تھوڑی دیر پہلے ان کے گھر میں اندھا دھند گولیاں چلنے لگیں۔ وہاں سے متعدد سفید فام بے سروسامانی کے عالم میں کئی گاڑیوں میں فرار ہوتے ہوئے دیکھے گئے تھے۔

میں الجھ کر رہ گیا۔ ایلین کے ٹھکانے پر ہونے والی محاذ آرائی میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ ہم نے سرتوڑ کوششوں کے بعد ان لوگوں کا سراغ حاصل کیا تھا لیکن اس ناگہانی واردات کے نتیجے میں ہم ایک مرتبہ پھر اندھیرے میں تھے۔ غالب امکان یہی تھا کہ پولیس کو متاثرہ مکان میں کوئی متنفس زندہ نہیں مل سکا ہوگا۔

اس افراتفری میں ویرا پر کیا گزری تھی، اس کے بارے میں اندازہ لگانا مشکل تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ موقع مل جانے پر ویرا نے ہی اپنا کام دکھا دیا ہو۔" بھیڑ سے نکلنے کے بعد سلطان شاہ نے دبی آواز میں اپنی رائے ظاہر کی۔

اس کی بات قرین قیاس تھی لیکن ہمارے پاس اس کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

میں اسے ساتھ لے کر شارع فیصل کی دوسری جانب واقع ہوٹل کی طرف چل دیا۔ وہاں بیٹھ کر ہم گلی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر نظر رکھ سکتے تھے۔

ایلین کی قیام گاہ شارع فیصل کی ایک جانب تھی، ہم سڑک کے پار واقع ہوٹل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فاصلے پر ہونے کی وجہ سے ہمیں اس گلی کا منظر بالکل واضح نظر آرہا تھا۔ خرابی صرف یہ تھی کہ اس گلی کے قریبی سرے پر بے چین اور متجسس تماشائیوں کا ہجوم جمع تھا۔ پوری گلی پولیس کے تصرف میں تھی۔ وہ لوگ اپنی آمدورفت کے لئے دوسری طرف کا راستہ استعمال کررہے تھے، اس وجہ سے ہمیں یہ اندازہ نہیں ہوپارہا تھا کہ پولیس کی بھاری نفری وہاں کیا کارروائی کررہی تھی۔

ہوٹل میں چند منٹ گزارنے کے بعد ہمیں یہ ضرور معلوم ہوگیا کہ اس مکان میں فائرنگ کی واردات ہمارے پہنچنے سے پندرہ، بیس منٹ پہلے رونما ہوئی تھی جس کے نتیجے میں آناً فاناً وہ گلی ویران ہوگئی، قریبی دفاتر تیزی سے بند کردیے گئے، باہر موجود لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی، حد تو یہ ہوئی کہ نکڑ پر واقع بجلی کمپنی کے دفتر والوں نے بھی اندر سمٹ کر ساری کھڑکیاں اور دروازے بند کرلئے۔

کئی منٹ تک پورا علاقہ شدید فائرنگ اور لرزہ خیز انسانی چیخوں سے گونجتا رہا۔ اس ملے جلے شور سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے خونی مجرموں کے دو مسلح جتھے آپس میں لڑپڑے ہوں۔ فائرنگ کا زور ٹوٹتے ہی اس گلی میں سے وقفے وقفے سے کئی تیز رفتار گاڑیاں نمودار ہوئیں۔ بیشتر گاڑیوں میں سفید فام سوار تھے۔ صرف ایک گاڑی میں مقامی چہرے دیکھے گئے تھے۔ ان تمام گاڑیوں کے ڈرائیور بدحواسی کے عالم میں گاڑیاں بھگا رہے تھے۔ سروس لین پر جس کے جدھر سینگ سمائے، وہ اُدھر ہی فرار ہوگیا اور پھر فضا میں پولیس کی گاڑیوں کے دل اُڑانے والے سائرنوں کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس کی مداخلت کا امکان پیدا ہوتے ہی فائرنگ یک لخت رک گئی جیسے لڑنے والا کوئی بھی فریق پولیس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا ہو۔ گلی سے مزید اکّا دُکّا گاڑیاں فرار ہوئیں اور جب پولیس نے موقع پر پہنچ کر تیزی سے اس گلی کا محاصرہ کیا تو فضا پر غیرفطری سناٹا چھا چکا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ اس تصادم کے نتیجے میں سارے ہی متاثرہ افراد شارع فیصل کی سمت سے نہیں بھاگے ہوں گے، ان کے لئے دوسری طرف کا راستہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اگر دونوں اطراف سے اتنی بڑی تعداد میں متاثرہ افراد فرار ہوئے تھے تو اسی ایک حقیقت سے

اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ایلین کے ساتھ مسلح افراد کی کتنی بڑی تعداد موجود تھی۔

میرے لئے وہ اطلاعات سنسنی خیز اور پُراسرار تھیں۔ اس گلی میں ایلین مقیم تھا اس لئے سفید فاموں کے ہنگامے میں ملوث ہونے اور پھر فرار ہونے کی بات قابل فہم تھی لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ ان سفید بدمعاشوں پر دھاوا بولنے والے کون ہوسکتے تھے۔

چائے کی پیالی اور دو سگریٹیں ختم ہونے تک میرے ذہن میں ایک بات جم چکی تھی۔ سنی سنائی باتوں میں اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ سفید فام اور مقامی افراد الگ الگ گاڑیوں میں فرار ہوئے تھے۔ سفید فاموں کی گاڑیوں میں کوئی مقامی چھوٹا دیکھا گیا' نہ مقامیوں کو لے جانے والی گاڑی میں کوئی سفید فام موجود تھا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی تھی کہ ایلین اپنی پوری قوت اور وسائل کے ساتھ میدان میں اترا تھا۔ اسے اپنے ہم نسلوں کا بھرپور تعاون حاصل تھا اور بدرو جیسے زرخرید' مقامی بدمعاش بھی پوری طرح اس کا ساتھ دے رہے تھے۔

بدرو کا نام ذہن میں ابھرتے ہی جیسے کوئی گرہ سی کھل گئی۔

ہمارے فلیٹ سے روانہ ہونے سے پہلے اول خان نے فلیٹ پر فون کرکے غزالہ کو خبر دی تھی کہ بدرو دادا کو فیروز آباد پولیس اسٹیشن کے علاقے میں کرائے کے ایک قاتل نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور جو گلی پولیس کی بھاری نفری کے محاصرے میں تھی' وہ بھی فیروز آباد تھانے کی حدود میں واقع تھی۔ ان دونوں حقائق میں کوئی گہرا رابطہ تھا جو پہلے میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔

ایلین کی ساری قوت کا انحصار دو دھڑوں پر تھا۔ اس کے اپنے مددگار اور امریکن سیکرٹ سروس یا سی آئی اے کے اہل کار جو فطری طور پر امریکن رہے ہوں گے۔ بدرو دادا اس کا دوسرا بازو تھا۔ حالات بتارہے تھے کہ بدرو دادا تن تنہا ایلین کے لئے کام نہیں کررہا تھا۔ اس کے آدمی بھی پوری طرح ایلین کے اشاروں پر چل رہے تھے۔

کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ بدرو دادا کہاں مارا گیا تھا۔ یہ امکان بھی موجود تھا کہ اسے ایلین کی کمین گاہ میں یا اس کے قرب وجوار میں ہلاک کیا گیا ہو۔ کرائے کے کسی بھی قاتل کے لئے زیر زمین رابطوں کی مدد سے یہ معلوم کرنا مشکل نہیں رہا ہوگا کہ ان دنوں بدرو کس کے لئے کام کررہا تھا اور کہاں مقیم تھا۔ ان معلومات کے حصول کے بعد وہ شخص اس علاقے میں پہنچا اور کوئی بھی موقع میسر آتے ہی اپنے کام سے فارغ ہوگیا۔

بدرو دادا کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اپنے باس کے قتل پر' ایلین کے لئے کام کرنے والے مقامی بدمعاش مشتعل ہوگئے ہوں اور کسی بات پر ایلین یا دوسرے سفید فاموں سے الجھ پڑے ہوں اور اسی تکرار کے نتیجے میں وہاں گولیاں چلنے کی نوبت آگئی ہو۔ یہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ ایسی صورتِ حال میں متصادم بدمعاش واضح طور پر مقامیوں اور غیر مقامیوں میں بٹ گئے ہوں گے اور ذرا سی دیر کی دھواں دھار فائرنگ کے بعد وہاں سے ٹکڑیوں کی صورت میں نکل بھاگے ہوں گے۔ اس پس منظر میں کسی بھی ٹکڑی میں مخالف گروہ کے کسی بھی فرد کی موجودگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

میں نے گردوپیش کا جائزہ لیا تو اس وقت چائے خانے میں بہت کم لوگ باقی رہ گئے تھے۔ بیشتر افراد سڑک کے پار ہونے والی سرگرمیوں کے نتائج جاننے کے تجسس میں باہر نکل گئے تھے کیونکہ اس گلی میں سے ایک ایمبولینس سائرن بجاتی ہوئی تیز رفتاری سے نکلی تھی اور ٹریفک کے کسی بھی ضابطے کی پروا کئے بغیر شہر کی سمت روانہ ہوگئی تھی۔

"ایمبولینس میں شاید زخمی لے جائے گئے ہیں۔" میں نے دھیمے اور معنی خیز لہجے میں سلطان شاہ سے کہا "اس کا مطلب ہے کہ ابھی عمارت ویران نہیں ہوئی ہے۔"

"ضروری نہیں کہ ایمبولینس میں کوئی زخمی بھی رہا ہو۔" سلطان شاہ نے دروازے سے باہر دیکھتے ہوئے' سرسری لہجے میں کہا "بے چارے عبدالستار ایدھی نے شہر کے مریضوں اور زخمیوں کی خدمت کے لئے بے شمار ایمبولینسوں کا ایک بیڑہ تیار کیا تھا مگر اب وہ خود خون کے آنسو روتا ہے کہ اس کی گاڑیاں مریض اور زخمیوں سے زیادہ مردے ڈھو رہی ہیں۔"

"میں ایمبولینس میں لاشوں کی موجودگی کے امکان کو مسترد نہیں کرتا لیکن میرا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی زخمی بھی تھا پولیس والے اس سے اندر کی پوری کہانی اگلوالیں گے۔"

"میں مانتا ہوں کہ گہرے مشاہدے کی وجہ سے تمہارے بیشتر اندازے درست ثابت ہوتے ہیں لیکن اس وقت میں تمہارے اس بے سروپا دعوے کا سبب سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"ایمبولینس عجلت میں اور تیز رفتاری سے روانہ ہوئی ہے جیسے کسی کو فوری طبی امداد پہنچانی ضروری ہو۔ مردے دیکھ بھال کی ہر ضرورت سے بے نیاز ہوتے ہیں۔"

"ایمبولینس چلانے والے بھی ہمارے بگڑے ہوئے معاشرے کے کل پرزے ہیں۔ گاڑی خالی ہو' تب بھی وہ سائرن بجاکر اور ایمرجنسی لائٹ آن کرکے بھیڑ میں راستہ بنانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ میں نے کئی نجی اداروں کی ایسی ایمبولینسوں کو سائرن کے ساتھ دوڑتے دیکھا ہے جن میں اسکول آنے جانے والے بچے یا کسی بڑے اہلکار کے گھر والے سوار ہوتے ہیں۔ کسی ایمبولینس کی رفتار سے یہ قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ اس میں کوئی زخمی لے جایا جارہا ہے یا کوئی لاش۔"

"راستے کی اور بات ہوتی ہے۔ یہ ایمبولینس ایک جائے واردات سے روانہ ہوئی ہے جہاں علاقے کے بہت سے ذمے دار حکام موجود ہیں۔ یہاں کوئی ایسی ڈرامے بازی کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔"

"تھوڑی دیر کے لئے فرض کر بھی لیا جائے کہ ایمبولینس کے

ذریعے سی کو جناح اسپتال روانہ کیا گیا ہے تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟ تم مجھے کیا سمجھانا چاہ رہے ہو؟" وہ الجھ کر بولا۔

"نئے امکانات!" میں نے بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا "اس وقت یہاں سے کوئی کار آمد بات نہیں بھی معلوم ہوئی تو کل کے اخبارات میں بہت کچھ چھاپا جائے گا۔ ابھی تک ایلن ایک سایہ بنا ہوا ہے۔ وہ ہمارا پیچھا کر رہا تھا لیکن ہم اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اب وہ ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار نہیں ہو سکے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب بھی اپنی کمین گاہ میں موجود ہو...... اسے فرار ہونے کا موقع ہی نہ مل سکا ہو۔"

"تمہارے تیور کچھ خطرناک نظر آ رہے ہیں۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے تادیبی لہجے میں بولا "آج کا پروگرام منسوخ ہو چکا ہے۔ اگر ایلن موجود ہے تو وہ کسی چیتے کی طرح چوکنا اور خوں خوار ہو چکا ہو گا۔ زخم کھایا ہوا دشمن بہت خطرناک ہو جاتا ہے..... لو..... وہ دیکھو..... اب وہاں سے دوسری ایمبولینس روانہ ہو رہی ہے۔"

اس کے توجہ دلانے پر میں نے شارع فیصل کے پار والی گلی میں دیکھا تو وہاں سے دوسری ایمبولینس تقریباً رینگتی ہوئی مین روڈ کی طرف آ رہی تھی۔

"اس کی رفتار دیکھ لو... صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اس میں پڑے ہوئے افراد ہر دنیاوی مدد سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔ اس بار صرف لاشیں لے جائی جا رہی ہیں۔" میں نے کہا۔

"یہ نرالی منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔" وہ کسی طرح مجھ سے متفق ہونے پر آمادہ نہیں تھا "زندگی اور موت کے نازک مسائل ایک ایمبولینس ڈرائیور کی صوابدید پر نہیں چھوڑے جاتے۔ بعض زخمیوں کی ظاہری حالت دھوکا دے سکتی ہے۔ بظاہر مردہ نظر آنے والا زخمی کوما کی حالت میں ہو سکتا ہے، عین ممکن ہے کہ کسی کے دل کی دھڑکن عارضی طور پر رک گئی ہو اور ذرا سی مالش سے دوبارہ بحال ہو جائے......"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" میں نے منہ بنا کے ناگواری سے کہا "دل کی دھڑکن عارضی طور پر چند سیکنڈ یا ایک ڈیڑھ منٹ کے لئے رکتی ہے۔ اسے فوراً بحال نہ کیا جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ ہمیں یہاں آئے کافی دیر ہو چکی ہے اور فائرنگ کا سلسلہ ہمارے پہنچنے سے پہلے موقوف ہو چکا تھا۔ اتنی دیر تک کسی کا دل رکا نہیں رہ سکتا۔ اتنی دیر تک دماغ کی شریانوں کو تازہ خون نہ ملے اور وریدوں سے گندہ خون نہ کھینچا جائے تو دماغ کی موت واقع ہو جاتی ہے جو لمحوں ہی لمحوں میں سارے عضلات بلکہ وجود پر ایک آسیب کی طرح حاوی ہو جاتی ہے۔"

"برا مان گئے۔" وہ اچانک ہنس پڑا "اچھا! چلو، تمہاری بات مانے لیتا ہوں۔"

وہ ایک زیرِ تعمیر عمارت کے نکڑ پر قائم، ایسا عارضی ہوٹل تھا جو بنیادی طور پر اس علاقے میں کام کرنے والے مزدوروں کی خور و نوش کی ضروریات پوری کرنے کے ساتھ، دفاتر میں کام کرنے والوں کو بھی چائے وغیرہ فراہم کرتا رہا ہو گا۔ ہم نے میز چھوڑ کر کاؤنٹر پر پیسے ادا کئے اور باہر آ گئے۔

محتاط اور کمزور دل تماشائی ہوٹل کے سامنے جمع ہو کر بھانت بھانت کی قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ میں ان کے تبصرے سنتا ہوا آگے نکلتا چلا گیا۔ سلطان شاہ میرا دم چھلا بننے کے بجائے اس طرح چند قدم پیچھے ہو لیا جیسے اس کا مجھ سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔

وہاں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں ایک نظریہ قائم کر لینے کے بعد مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس وقت وہاں ایلن کا کوئی بھی نمک خوار میری یا کسی مشتبہ آدمی کی تلاش میں باہر نکلنے کی جرات نہیں کر سکے گا۔ ہم سڑک عبور کر کے تماشائیوں کی بھیڑ میں شامل ہوئے تو اندازہ ہوا کہ اس دوران میں لوگوں کی معلومات میں خاصا اضافہ ہو چکا تھا۔

لوگ اس مکان میں رہنے والے غیر ملکیوں کو مشکوک اور مشتبہ قرار دے کر ان کے کتے اور اس کے ٹرینر کی موت کا ذکر بھی کر رہے تھے۔ یہ بات ہر زبان پر تھی کہ ان دنوں پولیس اور انتظامیہ نے ایسے تمام غیر ملکیوں کو جو پُراسرار مشتبہ سرگرمیوں میں ملوّث تھے، شہر میں کھلی چھوٹ دی ہوئی تھی اور امن و امان کے حالات جو پہلے ہی حوصلہ افزا نہیں تھے، اس ناقابلِ فہم ڈھیل کے نتیجے میں مزید بگڑ رہے تھے۔

تازہ ترین واردات کے حوالے سے جو کچھ سامنے آیا وہ میرے قائم کئے ہوئے نظریات کی تائید کر رہا تھا۔ پولیس والوں نے اس مکان میں سے تین سفید فاموں کی لاشیں اٹھائی تھیں۔ چار گولیوں کے زخم کھا کر بری طرح زخمی ہوئے تھے۔ ہلاک اور زخمی ہونے والوں میں کوئی بھی مقامی شامل نہیں تھا۔

ایلن کے پڑوسیوں کا بیان تھا کہ اس مکان میں سفید فاموں کے ساتھ ہی مقامیوں کی بھاری نفری کی نقل و حرکت دیکھی جاتی رہی تھی لیکن پولیس کی آمد کے بعد وہاں حیران کن طور پر میدان خالی تھا۔ کسی مقامی کا سایہ تک نہیں مل سکا تھا جب کہ ہلاک اور زخمی ہونے والوں کے سوا وہاں صرف تین غیر ملکی پائے گئے تھے جو اس مکان کے قانونی کرائے دار ہونے کے دعوے دار تھے۔

پولیس کے نچلے عملے کے ذریعے اندر کی جو کہانیاں تماشائیوں تک پہنچی تھیں، ان کے مطابق کرائے داروں نے اپنے ایک کتے اور ملازم کے قتل کے بعد مقامی محافظوں کی خدمات حاصل کی ہوئی تھیں پھر کرسمس کی تقریب کے سلسلے میں ان کے یہاں بہت سے دوست اور مہمان آئے ہوئے تھے۔ کسی وجہ سے ان مہمانوں اور مقامی محافظوں کے درمیان تلخ کلامی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ محافظوں نے مشتعل ہو کر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی جس کے نتیجے میں ان کے بہت سے مہمان لہولہان ہو گئے اور دیگر سفید فاموں نے اپنی مدافعت کے لئے جوابی فائرنگ شروع کر دی۔

اس خون خرابے کے دوران میں دونوں متصادم فریقوں نے بھاری جانی نقصان کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ رکاوٹوں کی اوٹ سے

ایک دوسرے پر گولیاں برسانے کے ساتھ فرار کی راہیں بھی تلاش کرتے رہے اور جسے بھی موقع ملا' وہ اس میدانِ کارزار سے بھاگ نکلا۔
بھاگنے والوں میں دونوں طرف کے افراد شامل تھے۔ ان سب کے انخلا کا عمل اتنی تیزی سے رونما ہوا کہ جب پولیس کی نفری جائے واردات پر پہنچی تو وہاں لاشوں اور زخمیوں کے سوا کسی متحارب فریق کا وجود نہیں تھا۔ وہاں رہنے والے تینوں سفید فاموں نے خود کو اس بھیانک خوں ریزی سے بالکل لاتعلق قرار دیا تھا۔
لطف کی بات یہ تھی کہ اس نازک موقع پر ان لوگوں نے بدرو دادا کا نام صیغہ راز میں رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ جب محافظوں کے پتے اور ٹھکانے کے بارے میں باز پرس کی گئی تو وہاں رہنے والوں نے کسی تامّل کے بغیر بدرو دادا کا نام لے ڈالا۔ ان کا کہنا تھا کہ انہوں نے حفاظتی انتظامات کے سلسلے میں بدرو دادا سے رابطہ کیا تھا۔ معاوضہ طے ہو جانے کے بعد اسی نے دوسرے مسلح مقامیوں کا بندوبست کیا تھا۔ وہ لوگ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔
اس وقت تک بدرو دادا کے قتل کی کہانی اس علاقے میں نہیں پھیلی تھی مگر مجھے پورا یقین تھا کہ ایلن کے مکان پر پہنچنے والی پولیس پارٹی کو اپنے علاقے میں رونما ہونے والی قتل کی اس واردات کے بارے میں علم رہا ہوگا۔ انہوں نے یہ جاننے کی کوشش بھی کی ہوگی کہ ان سفید فاموں کو بدرو دادا کے بارے میں کیسے معلوم ہوا اور انہوں نے اس سے کہاں رابطہ کیا لیکن ان سوالات کے جوابات ہمارے علم میں نہیں آسکے۔ ان تفصیلات سے ایک بات بالکل واضح ہوگئی تھی کہ بدرو دادا کا قتل اس مکان میں نہیں ہوا تھا۔ اول خان کے گرگے نے بدرو دادا کو قرب و جوار کے کسی علاقے میں گھیر کر ٹھکانے لگایا تھا اور وہ تصادم یقینی طور پر اسی وجہ سے ہوا تھا کہ بدرو دادا جیسا بے خوف گروہ بند نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ اس کے آدمیوں نے مایوسی اور اشتعال کے عالم میں ایلن کے ساتھیوں پر حملہ کردیا۔ ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی قومیت سے یہ بات ظاہر ہو رہی تھی کہ تصادم میں پہل مقامیوں نے کی تھی اور وہ سب بدرو دادا کے ساتھی تھے۔
میرے لئے ان تفصیلات میں صرف ایک بات بہت اہم تھی۔ واردات کے بعد سارے مسلح اور لڑاکا افراد اس مکان سے نکل بھاگے تھے لیکن تین افراد بدستور وہاں مقیم تھے۔ منطقی طور پر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ان میں ایلن اور پیٹر ضرور شامل رہے ہوں گے۔ تیسرا آدمی ان کا کوئی بھی قریبی نمک خوار ہو سکتا تھا جو بساط الٹنے کے باوجود ان کا ساتھ دے رہا تھا۔
تھوڑی دیر بعد پولیس کی گاڑیاں' ایک ایک کرکے واپس لوٹ گئیں۔ تماشائیوں کی بھیڑ بھی چھٹنے لگی۔ حیران کن بات یہ تھی کہ کسی نے بھی مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے متنازع مکان کا رخ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔
بھیڑ کم ہو جانے کے باوجود وہاں جگہ جگہ لوگ ٹولیوں کی صورت میں جمع ہو کر اپنے اپنے انداز میں قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ میں سلطان شاہ کو آنکھ سے اشارہ کرتا ہوا سروس روڈ پر زرسری کی طرف ہولیا۔ سلطان شاہ چند قدموں کے فاصلے سے میرے پیچھے ہولیا۔
میں نے کوڑے دان کے قریب سے گزرتے ہوئے کن انکھیوں سے دیکھا کہ چاول اور چینی وغیرہ کی تھیلیوں سے بھرا ہوا وہ وزنی تھیلا کوڑے دان کے پچھلے حصے میں اسی طرح رکھا ہوا تھا جس طرح سلطان شاہ نے اسے چھوڑا تھا۔ اس پر بعد میں کوڑا کرکٹ نہیں ڈالا گیا تھا۔
"یہاں تو سارا معاملہ ہی ٹائیں ٹائیں فش ہوگیا۔" کچھ دور نکلنے کے بعد سلطان شاہ نے میرے ساتھ قدم ملاتے ہوئے متفکرانہ لہجے میں کہا۔
"کچھ بھی نہیں ہوا۔" میں نے بے پروائی سے کہا "اہم بات یہ ہے کہ ایلن اور پیٹر کسی تیسرے شخص کے ساتھ ابھی تک اس مکان میں موجود ہیں۔ ہم زیادہ آسانی سے ان پر ہاتھ ڈال سکیں گے۔"
"اس خیال میں نہ رہنا۔" اس کا لہجہ استہزائیہ ہوگیا "بدرو دادا کی موت اور پھر بعد میں ہونے والی خوں ریزی کے بعد وہ بہت زیادہ محتاط ہوچکے ہوں گے۔ زخمی بھیڑیوں کا شکار سب سے مشکل ہوتا ہے۔ وہ آسانی کے ساتھ تمہاری کسی چال میں نہیں آئیں گے۔"
"دیکھ لیا جائے گا۔" میں نے اسی لہجے میں جواب دیا "اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ ہمارا شکار ہمارے سامنے ہے۔ مجھے تو ڈر تھا کہ کہیں وہ سب ہی نہ بھاگ نکلے ہوں۔ اب نتائج کا انحصار ہماری کارکردگی پر ہوگا۔ اگر ہم اپنے منصوبے کے مطابق انہیں گھیرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے تو یہ ہماری نااہلی ہوگی۔ قدرت نے ہمیں پانسا پلٹنے کا ایک سنہرا موقع فراہم کیا ہے۔"
"میرا خیال ہے کہ اس وقت تم ضرورت سے زیادہ خوش فہمی کا شکار ہو رہے ہو۔"
"نتائج سامنے آنے تک ہر جان دار حریف اپنی کامیابی کی امید کرتا رہتا ہے۔ اسے تم کوئی بے جا خوش فہمی قرار نہیں دے سکتے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے بدمزگی سے کہا۔
"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میں نتائج وغیرہ کو دور کی بات سمجھتا ہوں۔ اس وقت اصل بات صرف اتنی سی ہے کہ تم نے مکان میں موجود تین سفید فاموں میں سے دو کو ایلن اور پیٹر فرض کرلیا ہے۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ معاملات بگڑتے ہی وہ دونوں بھی اپنی کمین گاہ سے فرار ہوگئے ہوں اور اب وہاں تین نئے چہرے پولیس والوں کا سامنا کرنے کے لئے موجود ہوں۔"
"تم ہمیشہ منفی خطوط پر سوچتے ہو۔" میں نے دانت پیستے ہوئے

بھی کبھی تمہاری کالی زبان اپنا اثر دکھا بھی جاتی ہے۔ ...اور ...تم نے لوگوں سے سنا نہیں کہ مکان میں موجود تینوں غیر ملکی ...ان کے قانونی کرائے دار ہونے کے دعوے دار ہیں۔"

...اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" اس کے ہونٹوں پر خون ...والی مسکراہٹ پھیل گئی "میں کسی بھی خالی مکان میں گھس ...کی ملکیت کا دعویٰ کر سکتا ہوں۔ وہ تینوں کچھ بھی کہہ سکتے ...پولیس والوں نے کرائے داری کا معاہدہ اور ان تینوں کی ...دستاویزات کہاں دیکھی ہوں گی؟"

"یہ ایک نیا شگوفہ ہے۔" میں نے چیخ کر کہا "تم پولیس والوں ...الزام تراشی کر رہے ہو کہ انہوں نے اپنے فرائض پوری ذمے ...داری سے سرانجام نہیں دیئے۔"

"یہ الزام تراشی نہیں، حق گوئی ہے۔" وہ ایک بے ساختہ ...کے ساتھ بولا "پولیس والے براہِ راست آسمان سے نازل ...ہوتے، وہ بھی ہم جیسے مقامی افراد ہوتے ہیں...... میری بات پر ...نہیں۔.. کوٹے کی پابندیوں کی وجہ سے وہ مقامی نہیں تو ملکی ...ہوتے ہیں۔ کم پڑھے لکھے مقامی یا ملکی اہلکار سفید چمڑی والوں ...بلاوجہ ہی مرعوب رہتے ہیں۔ ملکیوں اور غیر ملکیوں کے ساتھ ...کے سلوک میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ان ...گوروں نے جو کچھ کہا ہوگا، اس پر آنکھیں بند کر کے یقین ...کر لیا ہوگا۔ چھان بین کے بغیر تسلیم کیے جانے والے دعوے ...کھوکھلے اور بے بنیاد ہوتے ہیں۔"

میں نے چند ثانیوں تک اسے کوئی جواب نہیں دیا پھر خشک ...میں کہا "دونوں امکانات ففٹی ففٹی ہیں۔ ایلن وغیرہ ہو بھی ...ہیں اور غائب بھی ہو سکتے ہیں مگر میں ان سے ٹکرانے کا خطرہ ...مول لوں گا۔ تم واپسی پر کوڑے دان سے تھیلا اٹھا لینا۔ اس ...انہیں دہشت زدہ نہیں کیا جا سکے گا۔"

"تھیلا ہی نہیں، تم حکم دو تو میں پورا کوڑا دان بھی اپنے سر پر ...اٹھا لیتا ہوں لیکن معاملات بہت گنجلک ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ...وقت تمہیں ایلن یا پیٹر سے زیادہ ویرا کی فکر ہے۔ اس پورے ...میں ابھی تک اس نیک بی بی کی موجودگی کا کوئی سراغ نہیں ...ملا۔ فرض کرو کہ ایلن اور پیٹر بھی مل جاتے ہیں لیکن اس گھر ...میں ویرا موجود نہ ہوئی تو کیا ہوگا؟"

...وہ ایک جان دار پہلو تھا۔ لمحہ بھر کے لئے میں بھی گڑبڑا گیا مگر ...پھر سنبھل کر بولا "ان دونوں بلکہ تینوں کو اطمینان سے ذبح کر ...جائے گے۔ ویرا اسی علاقے میں غائب ہوئی ہے۔ ان کی بھاری ...کے بارے میں تازہ ترین اطلاعات سے ان معلومات کی ...تصدیق ہو گئی ہے جو تم نے فراہم کی تھیں۔ اگر ویرا اس چار ...دیواری میں محبوس نہیں ہے تو ان تینوں گوروں کو میرے ہاتھوں ...ہوگا۔ انہیں جہنم واصل کرنے کے بعد میں نئے سرے سے ...کامیابی کے امکانات پر غور کروں گا۔"

"ویرا آفت کی پرکالہ ہے۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا "ہو سکتا ہے کہ فائرنگ اور ہڑبونگ سے فائدہ اٹھا کر وہاں سے نکل بھاگی ہو۔ ایسی صورت میں تمہارا ردِعمل کیا ہوگا؟"

"تم بلاوجہ مجھے الجھانے کی کوشش کر رہے ہو۔" میں نے ترش لہجے میں کہا "ویرا کسی ناگہانی مصیبت میں پھنس گئی ہے اس لئے اسے بچانا میرا اولین فریضہ ہے۔ میں ہر قیمت پر اسے آزادی دلانے کی کوشش کروں گا۔ اس کے بعد میرے سامنے صرف ایک ہی کام باقی رہ جاتا ہے۔ ایلن اور اس کے گماشتوں کی سرکوبی...... ان کاموں میں تقدیم و تاخیر تو ہو سکتی ہے لیکن ان سے گریز ناممکن ہے۔ اب تک تمہیں بھی اندازہ ہو چکا ہوگا کہ ایلن کے میدان میں آتے ہی حالات نے کس طرح پلٹا کھایا ہے۔"

"چینغا سرائے میں جب میں نے دھان پان سے اس عینک زدہ بندر کو نیکر اور ٹی شرٹ میں ملبوس دیکھا تھا تو میں سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ وہ آگے چل کر اس قدر خطرناک منصوبہ ساز ثابت ہوگا۔ اب تک اس کے بارے میں میرا ہر اندازہ غلط ثابت ہوا ہے۔ اس حرام زادے کا سر کچلے بغیر ہم اپنے دوسرے دشمنوں پر برتری حاصل نہیں کر سکیں گے۔"

ہم دونوں سروس روڈ پر ٹہلتے ہوئے رازی روڈ کے چوراہے سے آگے گزر کر نرسری کی طرف رواں تھے کہ میں ایک دم ہی رک کر واپسی کے لئے پلٹ پڑا۔ میں نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "یہ اچھا ہے کہ اب وہاں صرف تین نفوس رہ گئے ہیں۔ زیادہ آدمیوں کی موجودگی میں گڑبڑ ہو سکتی تھی۔ اب میں انہیں آسانی سے کارڈیو الیکٹرونک سوئچ کی تباہ کاری سے خوف زدہ کر سکوں گا۔"

"بعض اوقات تم بہت بھیانک خطرات مول لے بیٹھتے ہو۔" وہ جھرجھری لے کر بولا "اگر وہ تمہاری دھمکیوں میں نہیں آئے اور اس سوئچ کو آزمانے کی نوبت آ گئی تو تم کیا کرو گے؟"

"پھر تو کھلا مقابلہ ہوگا۔ کارڈیو الیکٹرونک سوئچ نہ سہی، پستول اور ریوالور کام آئیں گے۔" اتنا کہہ کر میں نے ایک لمحے کے لئے توقف کیا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "مگر مجھے پورا یقین ہے کہ میرا بلف کام کر جائے گا۔ ایلن اس مرتبہ جن لوگوں کے لئے کام کر رہا ہے وہ جدید ترین تباہ کن ایجادات پر گہری نظر رکھتے ہیں اور کارڈیو الیکٹرونک سوئچ تو ان کے گھر کی ایجاد ہے۔ اس کی تباہ کاری سے واقفیت رکھنے والا شخص کسی بھی قیمت پر اس مہلک سوئچ کے استعمال کی نوبت نہیں آنے دے گا۔"

"یہ واقعی بہت تباہ کن ایجاد ہے۔" وہ تفکر آمیز لہجے میں بولا۔ "زندگی کے آخری لمحات میں امریکا کے کسی بھی صدر کی انا پرستی یا ہٹ دھرمی کے نتیجے میں پوری دنیا ہولناک تباہی کی زد میں آ سکتی ہے۔ ذرا تصور تو کرو کہ بسترِ مرگ پر پڑا ہوا امریکی صدر اپنی زندگی کے آخری لمحات میں کارڈیو الیکٹرونک سوئچ اپنے سینے پر باندھ لے اور اس سوئچ کا رابطہ پینٹاگون کے بھیانک زمینی اور خلائی دفاعی نظام کو حرکت میں لانے والے سپر کمپیوٹر سے ہو تو امریکی صدر کے

دل کی دھڑکنیں چالیس فی منٹ سے نیچے گرتے ہی اس کرۂ ارض پر کیسی تباہی نازل ہو سکتی ہے۔ چند ہی عشروں کی بات ہے کہ روس کے ایک جذباتی صدر نے سلامتی کونسل میں اپنے منہ سے کف اُڑاتے ہوئے' اپنا جوتا ہاتھ میں اٹھالیا تھا۔ امریکا میں بھی کوئی مغلوب الغضب حکمراں آسکتا ہے۔ ایسے نیم پاگل حکمرانوں کے لئے کارڈیو الیکٹرونک سوئچ جیسے آلات کھلونا بن جائیں گے۔"

اس کے اندیشے اپنی جگہ بالکل بجا تھے لیکن اس بے چارے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ معاشرتی آگاہی اور تعلیم کے مثالی رواج کے باعث امریکا کے عام شہری بھی اپنے نظامِ حکومت کی اچھائیوں اور برائیوں سے آگاہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے انتخابی طریقۂ کار کے نتیجے میں مدبرین کے ساتھ ہالی ووڈ کے سابقہ مسخرے اور اداکار بھی ان کے حکمراں بننے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جہاں تک ممکن تھا' انہوں نے اپنے صدر کو بے حد و حساب دستوری آزادیاں دی ہوئی تھیں لیکن قومی سلامتی کے معاملات میں انہوں نے کہیں بھی کوئی سمجھوتا نہیں کیا تھا۔ کلیدی فیصلے قومی سلامتی کے آئینی ادارے یا سپریم کونسل میں ہوتے تھے۔ کارڈیو الیکٹرونک سوئچ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ بظاہر سائنس دانوں نے وہ آسیبی سوئچ پینٹاگون' ناسا' سی آئی اے اور ایف بی آئی جیسے اہم مرکزی اداروں کے لئے ایجاد کیا تھا لیکن اس پر تصرف کا اختیار امریکا کی نیشنل ڈیفنس کاؤنسل کو سونپا گیا تھا۔ امریکا میں اس کاؤنسل کی منظوری اور اجازت کے بغیر کوئی فرد یا ادارہ اس سوئچ کو استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ اس پابندی سے امریکا کا صدر بھی مستثنیٰ نہیں تھا لیکن کمال کی بات یہ تھی کہ تجارتی اور دفاعی معاہدوں کے تحت اس ہلاکت خیز سوئچ کی برآمد کی کھلی چھوٹ تھی۔

یہ صرف کارڈیو الیکٹرونک سوئچ کا معاملہ نہیں تھا۔ روزمرّہ زندگی کے بے شمار شعبوں میں ترقی یافتہ ممالک ایسے ہی نادر روزگار شعبدے دکھا رہے تھے۔ ادویات جو اُن کے ملک میں مہلک اور ممنوع قرار دی جا چکی تھیں' دوسرے ملکوں کو برآمد کی جارہی تھیں۔ دودھ' مکھن اور خوراک کے ذخائر جو ان کے ملکوں میں میعاد سے زیادہ پرانے ہو چکے تھے' تجارت اور امداد کے نام پر دھڑلے سے دنیا کے ضرورت مند ممالک میں بھیجے جارہے تھے۔ کسی میں ہمت نہیں تھی کہ انفرادی یا قومی سطح پر ان تجارتی رہزنوں سے باز پرس کر سکے کہ تمہارے لئے جو زہر ہے وہ ہمارے لئے امرت کیسے ہو سکتا ہے؟ جو ہو رہا تھا وہ بس ہوتا چلا آرہا تھا۔

"اگر وہ تمہاری دھمکی سنتے ہی بھاگ نکلے تو تم کیا کرو گے؟" سلطان شاہ نے چلتے چلتے اچانک رک کر کہا "وہاں ہر مکان کی پشت پر بھی ایک تنگ گلی موجود ہے۔"

"یہ بات پہلے ہی میرے ذہن میں آگئی تھی۔ میں پھاٹک پر جاؤں گا۔ تم پچھلی گلی میں موجود رہو گے تاکہ وہ ادھر سے فرار نہ ہو سکیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ ویرا اگر ابھی تک اسی مکان میں موجود ہے تو وہ لوگ فرار ہونے کے بجائے مقابلہ کریں گے۔ بھاگنے کی صورت میں وہ ویرا کو آسانی سے اپنے ساتھ نہیں لے جاسکیں گے اور یہی ہماری کامیابی کا بنیادی نکتہ ہوگا۔"

ہم دونوں دوبارہ چل پڑے۔ سلطان شاہ اپنی جرح مکمل کرنے کے بعد میرے پروگرام سے پوری طرح متفق ہو چکا تھا اور خاموشی سے اپنے ذہن میں لائحہ عمل طے کرنے میں مصروف ہو چکا تھا۔

ہمارے درمیان بھرپور نہ سہی لیکن اہم تبادلۂ خیال ہو چکا تھا۔ ابتدا ہی سے ہم نے ایک دوسرے سے الگ رہ کر کام کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا اس لئے سلطان شاہ نے اپنی جیب سے بیم گن نکال کر میرے حوالے کرتے ہوئے کہا "یہ تم رکھ لو۔ اب میں آگے جاکر کوڑے دان سے تھیلا اٹھالیتا ہوں۔"

"یہ مجھے کس لئے دے رہے ہو؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"تمہارا ان لوگوں سے براہِ راست سامنا ہوگا۔ تمہیں بیم گن کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔" وہ بولا "میرا کیا ہے' گڑبڑ نظر آئی تو دھواں دھار فائرنگ شروع کردوں گا۔ مجھے کسی مصلحت کا سامنا نہیں کرنا۔ بس برا وقت آجائے تو معاملہ آر یا پار کرنا ہے۔ اس کے لئے بیم گن غیر ضروری ہے۔"

"بلاوجہ خون خرابا نہ کرنا۔" میں نے بیم گن اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے خشک لہجے میں تنبیہہ کی "یہ ایک سنگین مقابلہ ہے' کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے۔"

"مجھے پوری صورتِ حال کا اندازہ ہے۔" وہ بے فکری سے بولا "میں اپنی طرف سے پوری احتیاط سے کام لوں گا لیکن معاملات قابو سے باہر ہوتے ہوئے نظر آئے تو پھر اللہ ہی سب کا وارث ہوگا۔"

"مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس مار دھاڑ میں صرف سفید فام ہی ہمارا نشانہ ہوں گے۔ مقامیوں کے بارے میں ہمیں درگزر سے کام لینا ہوگا۔" میں نے اسے یاد دلانا چاہا۔

"یہ پرانی باتیں ہیں۔" وہ سرسری لہجے میں بولا "اپنوں پر گولی چلاتے ہوئے ٹریگر پر انگلی خود بہ خود رکنے لگتی ہے۔ ویسے بھی اب اس مکان میں کوئی مقامی نہیں رہا ہے۔"

"یہاں مکانات کافی بڑے ہیں۔ ایک دوسرے سے الگ رہ کر ہمیں اندازہ نہیں ہوسکے گا کہ کون کیا کر رہا ہے۔ ایلن کے مکان کا کوئی دروازہ پچھلی گلی میں بھی کھلتا ہوگا؟"

"ہاں۔ ایک دروازہ اس طرف بھی ہے۔" اس نے اپنے سر کو جنبش دے کر کہا۔

"ہم مکان پر دستک دینے سے پہلے ایک ساتھ اس گلی کا جائزہ لیں گے پھر تم پچھلے راستے سے گھر میں داخل ہونے کی کوشش کرو گے تاکہ ہم دونوں اندر یک جا ہو سکیں۔"

باتوں کی حد تک وہ پروگرام بہت سہل اور قابلِ عمل معلوم ہو رہا تھا مگر مجھے اس میں حائل دشواریوں کا پوری طرح اندازہ تھا۔ ہم دونوں ان لوگوں کے بلائے ہوئے مہمان نہیں تھے کہ وہ ہماری آمد کی اطلاع پاتے ہی دیدہ و دل فرشِ راہ کردیتے۔ ان کی پوری

ش یہ ہوئی کہ موقع پاتے ہی ہمیں ٹھکانے لگادیں اور اسی
ے کے سدِباب کے لئے میں نے کارڈیو الیکٹرونک سوئچ کا
ل رچایا تھا۔ ان لوگوں کے مزاحمتی رویے کے ساتھ یہ امکان
تھا کہ ایک بڑی واردات کے بعد ان لوگوں کی حفاظت کے لئے
ں افسران نے ایک دو سپاہی وہاں چھوڑ دیے ہوں لیکن یہ
خیالی خطرات تھے۔ اصل صورتِ حال کا اندازہ ان کے
ازے کو کھٹکانے کے بعد ہی ہوسکتا تھا۔

سلطان شاہ نے موقع محل دیکھ کر بہت صفائی سے کوڑے دان
پیچھے رکھا ہوا تھیلا اٹھالیا۔ اس وقت تک ہمیں یہ معلوم ہوچکا
ر متمول ٹریڈرز کے غیر ملکی مالکان اس گلی کے چھٹے مکان میں رہتے
۔ اس قطار میں پانچ مکانوں کے بعد سڑک آجاتی تھی۔ سڑک
بعد تکڑ والا مکان ہمارا نشانہ تھا۔ اس کے احاطے کی دیواریں
بلند تھیں کہ باہر سے عمارت کا کوئی حصہ نظر نہیں آرہا تھا۔
طے کی دیوار کے ساتھ باہر متعدد درخت لگے ہوئے تھے مگران
عمر زیادہ نہیں تھی۔

اس مکان کا دروازہ اگلی گلی کے بجائے بغلی سڑک پر واقع
۔ پیچھے والی نسبتاً تنگ گلی ویران پڑی ہوئی تھی۔ اس طرف دیوار
، ساتھ دو تناور درخت بھی موجود تھے۔ ان کے درمیان ایک
دنا آہنی گیٹ نصب تھا جو بری طرح زنگ آلود تھا۔ اس گیٹ کے
گے موجود کوڑے اور خشک پتوں کے انبار سے معلوم ہورہا تھا کہ
یک مدت سے استعمال نہیں کیا گیا تھا۔

میں نے فوراً ہی اپنی حکمتِ عملی تبدیل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔
اس مکان کے مین گیٹ پر رک کر لوگوں کی نظروں میں آنے
ے بہتر تھا کہ ہم متروک عقبی راستے سے خاموشی سے اندر داخل
جاتے اور پھر حالات کے مطابق فیصلے کرتے چلے جاتے۔

سلطان شاہ کا خیال تھا کہ میں پچھلے گیٹ پر چڑھ کر اندر کودنے
ارادہ رکھتا ہوں اس لئے وہ کچھ فکرمند سا نظر آرہا تھا لیکن جب
ں نے مجھے بیم گن نکالتے دیکھا تو پوری بات اس کی سمجھ میں
آگئی۔ آہنی گیٹ کی ساخت سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ
ں کا بولٹ کہاں لگا ہوا ہوگا۔ میں نے بیم گن کا ٹریگر دبا کر نیلگوں
شعاعوں کو اسی مقام پر مختصر سی عمودی حرکت دی اور لوہے کی خاصی
مقدار پگھل کر نیچے ٹپک گئی۔

دن دہاڑے کسی گھر میں اس طرح گھسنا آسان کام نہیں تھا پھر
مکان تازہ ترین واردات کے باعث لوگوں کی نظروں میں آیا ہوا
تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر کوئی اتفاقاً ادھر آ ہی نکلا تو میں اسے
پورے اعتماد سے یہی تاثر دوں گا کہ ہم دونوں بھی اسی مکان کے
مکین تھے لیکن غنیمت تھا کہ اس وقت تک ہم کسی کی نظروں میں
نہیں آئے تھے۔

وہ پھاٹک نہ جانے کب سے بند پڑا ہوا تھا کہ اس کے قبضے
زنگ کھا کر خاصے جام ہوگئے تھے۔ میں نے بیم گن جیب میں ڈال
کر زور لگایا اور ایک دبی دبی چرچراہٹ کے ساتھ آہنی پھاٹک اندر
کی طرف کھلتا چلا گیا۔ ہم دونوں بہت تیزی کے ساتھ اندر داخل
ہوگئے۔

"ہوشیار رہنا' کہیں سے کوئی خوں خوار کتا بھی برآمد ہوسکتا
ہے۔" سلطان شاہ نے دیوار کے ساتھ لگے ہوئے کاٹھ کباڑ کی
اوٹ لیتے ہوئے سرگوشی کی۔

میں اس خطرے سے ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں رہا
تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ایلن میری بو پر سدھائے ہوئے تمام کتوں
سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا لیکن گھر کی رکھوالی کے لئے وہاں دو چار
خطرناک کتوں کی موجودگی خارج از امکان نہیں تھی۔ نیم وحشی
جانوروں کو پالنا اور سدھانا ویسے بھی ایلن کا شوق تھا۔

میں نے اندر پہنچنے کے بعد آہنی پھاٹک کو دوبارہ بند کردیا۔
اس بار اس کے قبضوں سے بہت ہلکی آواز پیدا ہوئی تھی۔ ہم
دونوں خاموشی اور سنسنی کے عالم میں کئی ثانیوں تک وہیں دبکے
بیٹھے رہے لیکن کہیں سے بھی کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔

میرا خیال تھا کہ آہنی گیٹ کے کھلنے اور بند ہونے سے جو
آوازیں پیدا ہوئی تھیں وہ رکھوالی کے کسی بھی اچھے کتے کو متوجہ
کرنے کے لئے کافی تھیں۔ کسی کتے کی مداخلت نہ ہونے کے کئی
اسباب ہوسکتے تھے۔ دن کا وقت ہونے کی وجہ سے کتے بند ہوں'
شدید فائرنگ سے دہشت زدہ ہوکر گھر سے بھاگ نکلے ہوں یا ایلن
نے چوکیداری کے لئے ان کی ضرورت ہی محسوس نہ کی ہو۔

وہ غالباً دو ہزار مربع گز کا پلاٹ تھا۔ اس پر بنی ہوئی ایک منزلہ
عمارت کافی وسیع اور پرانی تھی لیکن اس کے رنگ و روغن اور دیکھ
بھال پر خاصی توجہ دی گئی تھی۔ عمارت کے وسیع ہونے کے باوجود
احاطے میں خاصی زمین خالی پڑی ہوئی تھی اور آثار بتا رہے تھے کہ
کبھی بھی اس خالی زمین کو شجرکاری وغیرہ کے لئے استعمال کرنے کی
کوشش نہیں کی گئی تھی۔

سلطان شاہ کو وہیں چھوڑ کر' میں احاطے کی عقبی دیوار کے
ساتھ ساتھ اس طرف ہولیا جدھر مین گیٹ واقع تھا۔ پھر میں ایسے
مقام پر بھی پہنچ گیا جہاں سے مین گیٹ صاف نظر آرہا تھا۔ وہاں کسی

تنفس کا وجود نہیں تھا۔ عمارت کے اگلے حصے میں دو گاڑیاں موجود تھیں لیکن ان میں بھی کوئی نہیں تھا۔

پیش قدمی کرتے ہوئے میں نے راستے میں نظر آنے والی تمام بند کھڑکیوں پر بھی نگاہ ڈال لی تھی لیکن مجھے کہیں حرکت یا زندگی کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ شاید اس مکان کی جملہ سہ نفری آبادی کسی اگلے کمرے میں سر جوڑے بیٹھی تھی۔

میں نے واپس لوٹنے کے بجائے ہاتھ کے اشارے سے سلطان شاہ کو اپنی طرف بلالیا۔

"مجھے تشویش ہو رہی ہے۔" سلطان شاہ سرگوشیانہ لہجے میں بولا "یہ مکان ویران معلوم ہو رہا ہے۔ کہیں بھی زندگی کے کوئی آثار موجود نہیں ہیں۔"

"لیکن یہ دو گاڑیاں بتا رہی ہیں کہ مکان خالی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"بڑے معاملات میں کوئی ان چھوٹی موٹی چیزوں کی پروا نہیں کرتا۔ جہانگیر اپنا بھرا گھر چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس والوں کو رخصت کرنے کے بعد ایلن وغیرہ بھی گاڑیاں چھوڑ کر خاموشی سے نکل بھاگے ہوں۔ انہیں سر چھپانے کے لئے شہر میں بہتیرے ٹھکانے مل سکتے ہیں۔"

"ایسی صورت میں وہ ویرا کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکے ہوں گے۔ وہ ان کے لئے بہت اہم ہے۔"

"جب اپنی جان پر بن جاتی ہے تو آدمی کسی چیز کی پروا نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ویرا کو مار ہی ڈالا ہو۔ ہمیں بہترین توقعات کے ساتھ بدترین صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لئے بھی ذہنی طور پر تیار رہنا چاہئے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اندر کے کیا حالات ہیں۔"

ویرا کے بارے میں سلطان شاہ کا وہ بے رحمانہ تبصرہ مجھے بالکل پسند نہیں آیا۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں سوچنے کے باوجود زبان پر نہیں لایا جاتا۔ مجھے یقین ہے کہ ایلن ویرا کو ہر حالت میں زندہ رکھے گا۔ ان لوگوں کے مذموم مقاصد کے لئے وہ بہت اہم ہے۔"

"میں بحث نہیں کروں گا۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

میں نے ایک بار پھر مکان کے سامنے والے حصے پر نگاہ ڈالی اور احاطے کی دیوار سے چل کر عمارت کے بغلی گوشے میں رک گیا۔ وہاں سے بھی باہر سناٹا ہی نظر آ رہا تھا۔

ہم دونوں چند ثانیوں تک سن گن لیتے رہے پھر سامنے کے رخ پر آ گئے۔ دونوں گاڑیاں کچھ فاصلے پر برآمدے کے سامنے کھڑی ہوئی تھیں۔ ان گاڑیوں پر جا بجا گولیوں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ برآمدے میں بید کی متعدد کرسیاں الٹی سیدھی بکھری ہوئی تھیں۔ وہاں کچھ دیر پہلے ہونے والی ہنگامہ آرائی کی تمام تر علامات جوں کی توں موجود تھیں۔

ہم نے برآمدے کی طرف چند ہی قدم بڑھائے تھے کہ اچانک عمارت کے کسی حصے سے ایک گونجیلی آواز برآمد ہوئی "کون ہے......؟ وہیں رک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا" انگریزی میں کہا گیا۔

ہم دونوں تیزی سے دیوار سے چپک گئے پھر میں نے بلند آواز میں کہا "سامنے آؤ‘ میں تم سے بات کرنی چاہتا ہوں۔"

"تم کون ہو اور یہاں چوروں کی طرح کیوں آئے ہو؟" اس بار بھی انگریزی میں سوال کیا گیا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ آواز ایلن اور پیٹر میں سے کسی کی نہیں تھی۔

"تمہیں سامنے آنے کے بعد ہر بات کا جواب مل جائے گا۔" میں نے کہا۔

"میں اپنے گھر میں ہوں‘ تم چھپتے پھر رہے ہو۔ تمہاری نیت صاف ہے تو ایک عزت دار مہمان کی طرح مین گیٹ سے اندر کیوں نہیں آئے؟" اس بار وہ آواز نسبتاً کم فاصلے سے آئی تھی۔

"ایلن کہاں ہے؟ میں اسی سے بات کرنے آیا ہوں۔" میں نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اپنے مطلب کی بات کی۔ "وہ آسانی سے میری بات سمجھ لے گا۔"

"بولتے رہو۔ میں تمہاری آواز سن رہا ہوں۔" اس بار میں نے ایلن کی آواز پہچان لی۔ مجھ سے مذاکرات کرنے والے کے بجائے اس نے خود میرے مطالبے کا جواب دیا تھا۔

"تمہیں خوش فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ میں خود ہی تمہارے جال میں آ پھنسا ہوں۔"

"میں تمہاری آواز سنتے ہی تمہیں پہچان چکا تھا۔ یہاں تمہارے لئے کوئی جال نہیں ہے۔ تم اطمینان سے اندر داخل ہو سکتے ہو۔" اس کی آواز سے مکارانہ خوش دلی مترشح ہو رہی تھی۔

"مہمان کی پیشوائی کے لئے میزبان سامنے نہ آئے تو بات نہیں بنتی۔ تم سامنے آ کر مجھے لے جا سکتے ہو۔"

"یہ میرے لئے ایک بڑی سعادت ہوگی لیکن مجھے تمہاری نیک نیتی کا ثبوت درکار ہے۔"

"میری نیک نیتی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ میں تمہارے متعدد حملے برداشت کرنے کے باوجود ابھی تک کوئی جوابی کارروائی نہیں کی ہے اور اس وقت بھی گولی چلائے بغیر یہاں تک پہنچا ہوں۔ یہ یاد رکھنا کہ تم مجھے باتوں میں الجھا کر نہیں گھیر سکو گے۔ اس وقت تمہاری اور اس عمارت کی سلامتی میری زندگی میں مضمر ہے۔ مجھے مرنا پڑا تو میں تم سب کو ساتھ لے کر مروں گا۔"

"میرا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ پتا نہیں تم کن غلط فہمیوں میں مبتلا ہو۔ میں تو روزِ اول سے ہی تمہارے ساتھ مل کر کام کرنے کی منصوبہ بندی کرتا رہا ہوں لیکن تم کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو۔ ویسے تمہاری باتیں بہت دلچسپ ہیں۔ یہ ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کا کیا قصہ ہے؟"

"شاید تم نے کارڈیو الیکٹرونک سوئچ کا ذکر سنا ہوگا؟" میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا۔

"تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" ایلن نے بے ساختہ سوال کیا۔ "یہ تو امریکا کے خفیہ اداروں کے لئے بنائی جانے والی ایک ڈیوائس ہے۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ اس کے لئے وہ موضوع اجنبی نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ "جاننے سے زیادہ، میں ایسے ایک سوئچ پر قابض ہوں اور وہ اس وقت میرے سینے پر بندھا ہوا ہے۔"

"میں مانتا ہوں کہ وہ بہت کار آمد چیز ہے مگر اتنی قیمتی بھی نہیں کہ تم جیسا آدمی اسے اپنے سینے پر باندھ کر ساتھ لئے لئے پھرتا رہے۔"

وہ انجان بن کر شاید مجھے آزمانے کی کوشش کررہا تھا۔ مجھے تاؤ آگیا۔

"تم اتنے معصوم اور بھولے نہیں ہو، ایلن!" میں نے تلخی سے کہا۔ "میرے پاس ڈائنا مائیٹ اور دوسرے بارودی شعبدوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا بھی موجود ہے۔ اس تباہ کن ذخیرے کا اگنیشن میرے کارڈیو الیکٹرونک سوئچ سے منسلک ہے۔ میرے دل کی دھڑکنیں بند ہوتے ہی کارڈیو الیکٹرونک سوئچ اپنا کام دکھائے گا اور میرا بارودی تھیلا کم از کم ایک فرلانگ کے قطر میں ہر شے کو جلا کر راکھ کردے گا۔"

"یہاں خاصی خوں ریزی ہوئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا بارودی تھیلا اسی طرح واپس جائے گا۔ یہاں کی دوستانہ فضا میں اس کے استعمال کی نوبت نہیں آئے گی۔"

"دوستانہ فضا!" میں نے ایک ہلکا سا استہزائیہ قہقہہ لگایا اور کہا "تم سے دوستی کے بعد مجھے شہر میں کسی سے دشمنی کی ضرورت نہیں رہی ہے......"

"کیا ساری باتیں چھپ کر ہی کروگے؟" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "اب تمہیں اندر آنے میں کیا دقت ہے؟ ظاہر ہے کہ ہم تمہیں مار کر اپنی موت کو دعوت دینا پسند نہیں کریں گے۔"

"میں آرہا ہوں لیکن تم تینوں میرے سامنے موجود رہوگے۔"

"تین نہیں، ہم صرف دو افراد ہیں...... میں اور پیٹر۔ تم ہم دونوں سے واقف ہو۔"

"وہ کہاں ہے جو مجھ سے بات کررہا تھا۔ اس کی آواز تم دونوں سے مختلف تھی۔"

"تمہیں جُل دینا آسان کام نہیں ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "وہ کسی کے سامنے نہیں آتا۔ یہ اس کی مجبوری ہے مگر تم یقین کرو کہ وہ چھپ کر تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"تم دور ہی سے دیکھ سکوگے کہ میرے سینے پر کارڈیو الیکٹرونک سوئچ بندھا ہوا ہے۔" میں نے اپنے گریبان کے بٹن کھولتے ہوئے وہ جگہ چھوڑ دی۔

چند قدم چلنے کے بعد برآمدہ نظر آیا تو ایلن اور پیٹر خالی ہاتھ وہاں کھڑے ہوئے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی ان دونوں کے چہروں پر دوستانہ مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ اپنی جگہ چھوڑ کر برآمدے سے نیچے اتر آئے۔

"بٹن لگالو۔" ایلن میرے بازو پر دوستانہ انداز میں تھپکی دیتے ہوئے بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم سی ای ایس پر قابض اور متصرف ہو۔ امریکنوں میں بھی دوسری قوموں کی طرح خود غرض اور بے ضمیر لوگ ہوتے ہیں جو ذرا سے لالچ کے لئے بہت کچھ بیچ دیتے ہیں۔ پینٹاگون والوں کو تمہاری اس چوری کا علم ہوگا تو وہ اپنا سر پیٹ لیں گے۔"

پیٹر کی بیلٹ سے سیاہ رنگ کا ایک پائپ جھول رہا تھا۔ اس سے پہلے سلطان شاہ مجھے بتا چکا تھا کہ ٹریزا اور کتے کے قاتلوں کی تلاش میں نکلنے والے سفید فاموں نے بھی اسی ساخت کے ڈیڑھ فٹ لمبے پائپ سنبھالے ہوئے تھے جنہیں وہ مختلف سمتوں میں گھماتے پھر رہے تھے۔

"تم دونوں اپنے لباس کے نیچے پہنی ہوئی بلٹ پروف جیکٹوں کی وجہ سے خاصے صحت مند نظر آرہے ہو" میں نے برآمدے سے گزر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اپنے کچھ دشمنوں سے خوفزدہ ہو۔"

"خوف نہیں، اسے تم احتیاطی تدبیر کہہ سکتے ہو۔ یہاں کے لوگ افغانوں سے زیادہ حساس اور تُند خو ہیں۔ کوئی بھی بات مرضی کے خلاف ہو تو فوراً مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں۔"

"شاید تم جرائم پیشہ لوگوں کی بات کررہے ہو۔" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد کہا۔ "یہ حالات کے دباؤ اور مایوسی کا نتیجہ ہے۔ جرائم پیشہ ضرورت سے زیادہ سفّاک اور خونخوار ہوگئے ہیں۔ عام شہری بزدلی کی دلدل میں دھنستے جارہے ہیں جیسے انہیں اندر ہی اندر کوئی خوف کھائے جارہا ہو۔"

"ہمیں یہاں پیر جمانے کا موقع مل گیا تو ان حالات میں توازن پیدا ہوجائے گا" وہ آہستگی سے بولا "ابھی ہر شخص غیر ملکیوں کو شک وشبے کی نظر سے دیکھتا ہے۔ آج یہاں ہونے والا خون خرابا بھی ایسے ہی وحشیانہ ردِ عمل کا نتیجہ تھا......"

"نہیں......" میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اچھل کر کھڑا ہوگیا اور پیٹر سے مخاطب ہو کر سخت لہجے میں کہا۔ "خبردار! اپنا ہاتھ اس ہتھیار سے دور رکھو۔"

وہ اپنی بیلٹ سے جھولتے ہوئے سیاہ آہنی پائپ سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا ارادہ کررہا تھا۔ میرے ردِ عمل پر اس نے بوکھلا کر اپنا ہاتھ دوبارہ گود میں رکھ لیا۔

"یہ ہتھیار نہیں، ایک کار آمد آلہ ہے۔" ایلن نے وضاحت کی۔ "اس کی مدد سے دس فٹ کے فاصلے سے بارودی مواد، حتیٰ کہ ریوالور وغیرہ کی گولی تک کی موجودگی کا پتا چلایا جاسکتا ہے۔"

"حیرت ہے کہ تمہارے اس قابلِ رشک آلے نے ہمارے بارودی تھیلے کی اطلاع نہیں دی۔"

"اس کا سوئچ آف ہے۔ اسے آن کرنے کی اجازت دو تو اس کی کارکردگی سامنے آجائے گی۔"

"رہنے ہی دو۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے سوئچ کی مدد سے اسے کسی مہلک ہتھیار میں تبدیل کیا جا سکتا ہو۔"

"تمہیں مجھ پر ذرا بھی اعتماد نہیں ہے۔" اس نے بھرپور اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ تم کارڈیو سوئچ کی وجہ سے بہت محفوظ ہو۔ مجھے دیکھو کہ میں کسی حفاظتی بندوبست کے بغیر کتنی بے خوفی سے تمہارے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔ بلٹ پروف جیکٹ میرے سینے کو بچا سکتی ہے لیکن میرا سر اور چہرہ بالکل کھلے نشانے پر ہے۔ مجھے بس یہ توقع ہے کہ تم خود چل کر میرے پاس آئے ہو تو مجھ پر وار نہیں کرو گے۔ اچھے دشمن لڑائی میں بھی اصولوں کو فراموش نہیں کرتے۔"

"میں تمہارے اطمینان کا سبب جانتا ہوں۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "اور اسی بارے میں تم سے بات کرنے آیا ہوں۔ تم زیادہ دیر تک اسے اپنی تحویل میں نہیں رکھ سکو گے۔"

اس کے ہونٹوں پر سلگانے والی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "تمہارا اندازہ سو فیصد درست ہے۔ ویرا ایک جنگی قیدی ہے۔ ابھی اس نے میرے ساتھ صرف ایک ہی رات گزاری ہے۔ چند روز میں رام ہو جائے گی۔ جب تک وہ میری تحویل میں ہے' تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے...... وہ آنے والے دنوں میں میرے لئے کارڈیو سوئچ کا کام کرے گی۔"

"میں تمہیں راستے سے ہٹا کر پیٹر سے سب کچھ اگلوا لوں گا...... اس بھول میں نہ رہنا کہ ویرا کو اپنی قید میں رکھ کر تم مجھے اپنے اشاروں پر نچا سکو گے......"

اس کے چہرے پر درشتی کے آثار ابھر آئے اور وہ سخت لہجے میں بولا۔ "میری چھت کے نیچے بیٹھ کر مجھے ہی دھمکیاں مت دو۔ ویرا کے بارے میں صرف میں جانتا ہوں۔ میرے بعد وہ اپنے قید خانے میں بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جائے گی اور کوئی اس تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اگر تم نے خود کو کارڈیو سوئچ سے بچایا ہوا ہے تو تمہارا ساتھی میرے نشانے پر ہے۔ بدمزگی پیدا ہوئی تو سلطان شاہ یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکے گا۔"

اس کی باتیں بہت اشتعال انگیز تھیں لیکن اس کے جواب سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ ویرا کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا' اسے زندہ حالت میں قیدی بنائے رکھنا چاہتا تھا۔

میں نے فوراً اپنی کھوپڑی پر قابو پا لیا اور قدرے نرمی سے بولا۔ "ویرا کے بارے میں بدکلامی کر کے تم نے تلخی پیدا کی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اب وہ ہم میں سے ہے۔"

"کسی میں سے بھی ہو' اہم ترین بات یہ ہے کہ وہ اب میرے قبضے میں ہے۔ اس کے بارے میں کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ ہاں' تم میرے ساتھ کام کرنے پر رضامند ہو جاؤ تو آگے چل کر کوئی بات بننے کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہو۔"

"ابھی تک یہی معلوم نہیں ہو سکا کہ تم کیا کر رہے ہو اور کیا چاہتے ہو۔ تم نے جس تواتر کے ساتھ میرے ایک جگری دوست کے اثاثوں کو نقصان پہنچایا ہے' اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فی الحال تم بے کار ہو اور تمہارے سر پر مجھے نیست و نابود کرنے کا بھوت سوار ہے۔"

"تم جن لوگوں کو بے رحمی سے خون میں نہلاتے رہے ہو وہ تمہارا صفایا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے صرف مالی نہیں بلکہ افرادی قوت بھی مہیا کی ہوئی تھی۔ تم کو یقین کرنا چاہئے کہ میرے آنے یا نہ آنے سے صورتِ حال میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کراچی میں تمہارے خون کے پیاسوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اگر آج یہاں ایک حادثہ نہ ہوا ہوتا تو تم اندر پھٹک بھی نہیں سکتے تھے۔"

"میں بلاوجہ معصوم لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگتا۔ اگر تم ان کے لئے کام کر رہے ہو تو تمہیں ضرور معلوم ہو گا کہ وہ کیسی گھناؤنی سازشوں میں مصروف ہیں۔"

"یہ ایک عارضی کام ہے جو مجھے مل گیا ورنہ میں آج بھی اپنے پرانے مشن پر کام کر رہا ہوں جو راس المیڈا نے مجھے سونپا تھا۔ کرنل جیمی جونز تو اپنے بیٹے کے قتل کی خبر سننے کے بعد سے سکتے کی سی حالت میں ہے۔ اگر تم میرے ساتھ تعاون نہیں کرنا چاہتے تو میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ تم کچھ دنوں کے لئے یہ شہر چھوڑ دو۔ یہاں تم گھیر کر مار دیئے جاؤ گے۔"

"میرے خلاف تمہیں کن لوگوں نے میدان میں اتارا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کھلے ہوئے راز سے ہر ایک واقف ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ بدرو دادا کو بھی تم ہی نے مارا ہے کیونکہ وہ تمہارے خلاف میرا ساتھ دے رہا تھا۔ یہ ایک اتفاق نہیں ہو سکتا کہ تم اس کے قتل کے چند گھنٹوں بعد میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہو۔"

میں نے اس کی بات کی تردید کرنے کی ضرورت محسوس کئے بغیر کہا۔ "بدرو دادا کے مارے جانے کے بعد تمہارے سارے حامی کہاں غائب ہو گئے؟ تمہارے بیان کے مطابق ان میں غیر ملکی بھی تھے۔"

"بدرو اپنے کسی جاننے والے سے ذاتی استعمال کے لئے اعلیٰ قسم کی چرس لینے گیا تھا کہ مارا گیا۔ اس کے آدمیوں کا خیال تھا کہ میں نے مناسب حفاظتی تدابیر کے بغیر اسے اپنے کسی ذاتی کام سے باہر بھیجا تھا۔ وہ اپنے باس کے قتل کی ذمے داری میرے سر تھوپ رہے تھے۔ یہی تلخی بڑھ کر تصادم کی صورت اختیار کر گئی۔ مقامیوں نے بے رحمی کے ساتھ میرے غیر ملکی ہمدردوں کو گولیوں کی باڑھ پر رکھا تو انہوں نے بھی اپنے ہتھیار سنبھال لئے۔ پولیس کی آمد کا امکان پیدا ہوتے ہی سب فرار ہو گئے۔"

"تم نے پولیس والوں کو تو یہ کہانی نہیں سنائی ہو گی؟" میں نے پوچھا۔

"ان سے جو کچھ کہا گیا' وہ کافی رہے گا۔ میرے ہمدردوں کے

ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

"مجھے اس کا بخوبی اندازہ ہے۔" میں نے طنز سے کہا۔ "کورنگی کی گارمنٹ فیکٹری میں تم نے پولیس والوں کا لشکر بھیج ہی دیا تھا۔ میرے ستارے اچھے تھے کہ انہیں ناکام لوٹنا پڑا۔"

"میری اطلاعات کے مطابق تم چند خفیہ سرکاری اداروں کے لئے کام کر رہے ہو۔ حیرت ہے کہ پولیس والے اس بات سے بے خبر ہیں اور تمہارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔"

"تمہارے نظریات کا تضاد تمہاری باتوں سے واضح ہے۔ اگر میں سرکاری مخبر یا کارکن ہوتا تو پولیس والے میرے قریب بھی نہیں آ سکتے تھے۔ تمہاری اطلاعات بالکل ناقص اور ناقابل اعتبار ہیں۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم مفرور اشتہاری مجرم ہوتے ہوئے بھی شہر میں اتنی آزادی سے دندناتے پھر رہے ہو۔ کسی قسم کی سرکاری پشت پناہی کے بغیر ایسی دیدہ دلیری ناقابلِ فہم ہے۔"

"مافیا والوں نے کراچی میں سول انتظامیہ کے آزاد خیال ارکان کو پھانسنے کے لئے کی کلب قائم کیا ہوا تھا۔ اس کے ذریعے میں بھی بعض بڑے افسروں کی کمزوریوں سے واقف ہو گیا تھا۔ ضرورت پڑ جائے تو وہ بے چارے آج بھی ہر طرح میری مدد کرتے رہتے ہیں۔ تم چاہو تو اسے میری سرکاری سرپرستی کہہ سکتے ہو...... ظاہری طور پر ایسے رنگیلے افسران میرے سامنے بچھے جاتے ہیں لیکن وہ بھی صدقِ دل سے میری موت کے خواہاں رہتے ہیں مگر میں ان کے سینوں پر مونگ دلنے کے لئے کبھی کبھار ان سے ملتا رہتا ہوں۔"

"بلیک میلنگ۔" وہ حقارت سے ہونٹ سکیڑ کر بولا۔ "غیر قانونی کاموں میں یہ سب سے بدترین کام ہے۔ میں بازاری عورتوں کی دلالی کو بھی اس سے ایک درجہ اوپر سمجھتا ہوں۔"

"جیفی سرائے سے پشاور تک کے سفر میں تم نے سادہ لوح افغانوں کو جس طرح بلیک میل کر کے لمبی رقمیں اینٹھی تھیں، اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"وہ بلیک میلنگ نہیں کاروبار تھا۔ وہ لوگ میری کوسٹر میں لاکھوں کی مالیت کی ہیروئن اور ہتھیار اسمگل کر رہے تھے تو مجھے اپنا حصہ وصول کرنے کا پورا حق حاصل تھا مگر اب وہ بہت دور کی بات معلوم ہوتی ہے۔ حالیہ دنوں میں میرے مالی وسائل [illegible] ہوئے ہیں۔"

"ہم ادھر اُدھر کی باتوں میں الجھے رہے تو بھٹک کر لڑ پڑیں گے۔ ہمیں کام کی باتیں کرنی چاہئیں۔" میں نے اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تمہاری اصل مصروفیات کیا ہوتی ہیں؟"

بولا۔ "میں فری لانسر ہوں۔ اپنا شکار خود مارتا ہوں اور موج اڑاتا

"اگر تم خفیہ سرکاری اداروں کے لئے کام نہیں کرتے تو پھر شی، مافیا اور دوسرے سرگرم گروہوں سے تمہاری دشمنی کیوں چلتی رہتی ہے۔ تمہاری شہرت ہی یہ ہے کہ تم اپنے علاقے میں کسی بھی سنڈیکیٹ کو جمنے نہیں دیتے اور آخر کار اسے بھگانے میں کامیاب ہو جاتے ہو۔"

"شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ یہاں شی کو جمانے والوں میں میرا بھی نام شامل تھا۔ چور بازار میں چرس کی مصنوعی قلت پیدا کر کے ہیروئن کی کھپت میں نے ہی پیدا کی تھی......"

"وہ پرانا ڈینی کہاں ہے؟" اس نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔ "مجھے اسی کی تلاش ہے۔"

"میں اب بھی وہی ہوں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میرا جھگڑا ہمیشہ وہی رہا ہے جو تمہارا اور جیفی سرائے سے نکلنے والے افغانوں کے درمیان تھا۔ جب میرے ذریعے لاکھوں بلکہ کروڑوں کی آمدنی ہو رہی تھی تو میں چند ہزار روپے کی تنخواہ پر کیسے قناعت کر سکتا تھا۔ انہوں نے میرے مالی مفادات کو ٹھکرا دیا اور میں نے انہیں ٹھوکروں سے اُڑانا شروع کر دیا۔"

"تم ایک نئی کہانی سنا رہے ہو۔" اس کے چہرے پر حیرت کی فطری علامات ابھر آئی تھیں۔ "میں نے سنا تھا کہ تم نے ایک مصلح کا روپ دھار کر اپنے ملک میں برائی کے ہر بڑے ذریعے کو مٹانے کی مہم چلا ڈالی تھی جو اس اعتبار سے کامیاب رہی کہ شی کو پسپا ہونا پڑا اور کچھ ہی دنوں پہلے مافیا کا شیرازہ بھی بکھر کر رہ گیا۔ اب پوری مارکیٹ چھوٹے موٹے بیوپاریوں کے ہاتھوں میں ہے۔"

"کاش ایسا ہی ہوا ہوتا۔" میں نے حسرت بھری آواز میں کہا۔ "انسان میں ایسی تبدیلیاں اندر سے آتی ہیں۔ بدقسمتی سے میرا باطن ابھی تک نہیں بدلا۔ میری سرگرمیاں تمہارے سامنے ہیں۔ شاید تم یقین نہ کرو لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پاکستان میں شی کے لگائے ہوئے جس پودے کو میں نے شب و روز سینچا تھا وہ آج ایک تناور درخت کا روپ دھار چکا ہے۔ آج یہاں آدھے کروڑ سے زیادہ مرد، عورتیں اور بچے ہر روز سولہ، سترہ ٹن ہیروئن مختلف حالتوں میں استعمال کر جاتے ہیں۔ پاکستان جیسے غریب اور بدحال ملک میں اس یومیہ لین دین کی مالیت بیس کروڑ روپے سے متجاوز ہے۔ یہاں ایک بے ہنر مزدور پچاس سے سو روپے یومیہ کماتا ہے لیکن ہیروئن کی لت میں مبتلا ہونے کے بعد وہ اپنا نشہ پورا کرنے کے لئے تین سو سے سات سو روپے یومیہ تک خرچ کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ہر قیمت پر اس رقم کے حصول کی آرزو اسے جرائم کی راہ پر ڈال دیتی ہے۔ میں اگر واقعی مصلح ہوتا تو پاکستان بلکہ کراچی کو کبھی بھی ہیروئن کی اتنی بڑی منڈی نہ بننے دیتا۔"

"اپنی لائن کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔ میں بعد میں ان سے بھی استفادہ کروں گا۔" وہ میری باتوں سے متاثر نظر آ رہا تھا۔ اس نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد تائید طلب

لہجے میں ایک عجیب سوال کر ڈالا۔ "شاید تم کراچی ہی کے رہنے والے ہو؟"

"لاہور میری جنم بھومی ہے۔" میں نے بھولے ہوئے ماضی کی یاد تازہ کرتے ہوئے کہا۔ "جب میرے لئے وہاں روزی کمانے اور زندہ رہنے کے راستے ایک ایک کر کے بند ہونے لگے تو میں کراچی چلا آیا۔ اس غریب پرور شہر نے مجھے پناہ کے ساتھ ساتھ وہ عزت بھی دی کہ لوگ میرے نام کو مثال کے طور پر استعمال کرنے لگے۔ یہ عزت کسی کسی کو ہی نصیب ہوتی ہے۔"

"میرے پاس دو پیشکشیں ہیں۔ ایک عارضی اور دوسری مستقل۔" وہ آگے جھک کر میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔ "امریکن لابی تمہاری خدمات حاصل کرنے کی متمنی ہے۔ وہ محاذ آرائی کے خاتمے کے لئے تمہیں منہ مانگا معاوضہ دینے پر رضامند ہیں۔ دوسرا کام میرا اپنا ہے۔ ابھی تم نے باتوں ہی باتوں میں سولہ، سترہ ٹن ہیروئن کی قیمت بیس کروڑ کے لگ بھگ بتائی تھی۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ پاکستان میں افیم کی اتنی زیادہ پیداوار نہیں ہوتی۔ افغانستان سے تیار شدہ ہیروئن کے علاوہ خام افیم بھی یہاں لائی جاتی ہے.... ایسٹیک این ہائیڈریٹ بھارت سے اسمگل ہوتا ہے مگر پھر بھی کھلی منڈی میں ہیروئن بہت سستی ہے۔ بارہ، تیرہ ہزار روپے کلو میں مال جمع کر کے ہم چند مہینوں میں ارب پتی ہو سکتے ہیں۔ تم یہاں کام سنبھالو گے، میں باہر مال کی نکاسی کروں گا۔ منافع میں ہمارا برابر کا حصہ ہو گا۔"

اسے اپنی چال میں پھانسنے کے لئے میں نے گہری سوچ میں ڈوب جانے کی اداکاری شروع کر دی۔ وہ امید اور اضطراب کے عالم میں میرے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔ آخر میں نے چال چلنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ "تمہاری پہلی تجویز ناقابلِ قبول ہے۔ امریکن کبھی بھی قابلِ اعتماد دوست ثابت نہیں ہوتے۔ یہ لوگ اپنے مفادات کے لئے اپنے ہی آدمیوں کو قربانی کا بکرا بنا دیتے ہیں تو مجھے کب چھوڑیں گے۔ ابھی انہوں نے میری بولی لگائی ہے کیونکہ میں ان کے لئے ڈراؤنا خواب بن گیا ہوں۔ جب میں ان کے چنگل میں پھنس جاؤں گا تو وہ کسی بھی دن میری گردن مار دیں گے۔ یہ سودا مجھے قطعی منظور نہیں ہے۔ ہاں، تمہاری تجویز پر بات کی جا سکتی ہے مگر اس کے لئے میری دو شرائط ہیں۔"

"میں تمہاری ہر معقول شرط مان لوں گا۔ یوں سمجھو کہ ہم اب تک کی تلخیوں کو بھلا کر ایک نئی شراکت کا آغاز کریں گے جس کی بنیاد باہمی اعتماد اور رواداری پر ہو گی۔"

میں دل ہی دل میں اس کی مکاری پر ہنس دیا۔ میں نے اس احمق سے یہ نہیں پوچھا کہ میرے ساتھ کالے دھندے کا آغاز کرنے کے بعد وہ امریکنوں اور راس المیڈا سے کئے ہوئے وعدے کا کیا کرے گا۔ شاید وہ خبیث بھی میری ہی طرح کوئی دہری چال چل رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا کہ تم کن باتوں کو معقول اور کن کو نامعقول سمجھتے ہو۔" میں نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ "سب سے پہلے ویرا کی آزادی ضروری ہے۔ ہماری بات بن گئی تو وہ بھی میرے ساتھ کام کرے گی۔ وہ ہمارے لئے غیر متوقع کامیابیوں کے دروازے کھول سکتی ہے۔"

"اس مرحلے پر یہ شرط نامناسب ہے۔" اس نے احتجاج کیا۔ "مناسب وقت آنے پر اس بارے میں بھی بات کی جا سکتی ہے۔ اس وقت تک وہ میری مہمان رہے گی۔"

"پھر بات ختم۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "دلوں میں کینہ پال کر طے کی جانے والی شراکتیں ہمیشہ تباہی سے دوچار ہوتی ہیں۔ میں اپنی ساکھ کو خطرے میں ڈالنے کی حماقت نہیں کروں گا۔"

"فی الحال کوئی درمیانی راہ نکالی جا سکتی ہے۔" وہ مجھے منانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "تم اپنی دوسری شرط بھی بتا ڈالو تاکہ دونوں معاملات پر ایک ساتھ بات کی جا سکے۔"

"تم نے پہلی شرط کو مسترد کر کے پیش رفت کے امکانات ختم کر دیئے ہیں۔" میں نے اس کی طرف سے پیش کی گئی درمیانی راہ والی تجویز کو یکسر نظرانداز کر کے رکھائی سے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ ہم کوئی درمیانی راہ نکال لیں گے" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "کوئی قابلِ عمل سمجھوتا ہونے کے بعد اسے مکمل آزادی بھی مل جائے گی۔"

"ذرا کھل کر بات کرو۔ تمہاری بات بہت مبہم ہے۔" میں نے کہا۔

"مذاکرات شروع کرنے سے پہلے میں ویرا سے تمہاری ملاقات کرا دوں گا۔ فی الحال میں اپنی نیک نیتی کا اس سے بڑا ثبوت نہیں دے سکتا۔ اگر مذاکرات کامیاب رہتے ہیں تو ویرا آزاد ہو جائے گی...... لیکن تم نے ابھی تک اپنی دوسری شرط کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"مذاکرات میں تمہارے اس تیسرے ساتھی کی موجودگی بھی ضروری ہے جو کسی کے سامنے نہیں آتا۔ بیسویں صدی میں ایسے پردہ نشین مردوں کا وجود مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔"

"وہ نہیں مانے گا۔" ایلین بے بسی سے بولا۔ "وہ ویسے بھی ہمارے کاروبار میں حصے دار نہیں ہو گا۔"

"حصے دار ہو یا نہ ہو، وہ تمہارا اتنا قریبی ساتھی ہے کہ اس برے وقت میں بھی یہاں موجود ہے۔ تم اسے مذاکرات میں شریک نہ کرو پھر بھی میں اسے دیکھنا ضرور چاہوں گا۔"

"میں پوچھ لوں گا لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے سامنے آنے پر راضی نہیں ہو گا۔"

"اسے راضی کرنا تمہارا دردِ سر ہے۔ وہ پولیس والوں سے مل چکا ہے پھر اسے میرا سامنا کرنے میں کیا عذر ہے؟ اگر وہ اٹھارہویں صدی کا کوئی نقاب پوش مجرم ہے تو نقاب لگا کر میرے سامنے آ سکتا

میں نے ایلن کا مایوسانہ ردِعمل دیکھتے ہوئے اپنی شرط میں
پیدا کردی۔
"مانو تو میں بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" ایلن نے آہستگی
کہا۔
"میرا خیال ہے کہ اب تمہیں بھی بولنے کا حق استعمال کرنا
ہے۔"
"میں پیٹر کا آہنی پائپ استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارا خیال
درست تھا۔ اس آلے کا سیاہ بٹن آن کیا جائے تو یہ بارود کا
لگا کر سگنل دینے لگتا ہے اور سرخ بٹن آن کیا جائے تو یہ
تباہ کن ٹائم بم میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ اسے کہیں بھی پھینک
جائے تو یہ صرف تیس سیکنڈ کے بعد پھٹ کر تباہی پھیلا دیتا ہے۔
اس کے ذریعے تمہارا تھیلا چیک کرنا چاہتا ہوں۔"
میں تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تمہیں
دعوے پر شبہ ہے۔ چلو، تم بھی اپنا ارمان پورا کرلو لیکن اس
بعد یہ آہنی ڈنڈا میرا ہوجائے گا۔ مجھے نت نئے بارودی شعبدے
لانے کا شوق ہے۔ غالباً یہ امریکا کا بنا ہوا ہے۔"
ہمارے درمیان تناؤ اور سرد مہری میں کافی حد تک کمی آچکی
۔ میں اپنا کھیل کھیل رہا تھا اور ایلن شاید یہ آس لگائے ہوئے
کہ میری نظرِ ثانی شدہ شرائط پر عمل کرکے وہ مجھ سے دوستی کا
دہ کرے گا اور مجھے کارڈیو سوچ الگ کرنے پر آمادہ کرنے کی
کوشش کرے گا۔ اس مصیبت سے نجات پاتے ہی وہ ہم دونوں پر
کے دہانے کھول سکتا تھا۔
وہ تھکا دینے والی سرد اعصابی جنگ تھی۔ میں ایلن کا ذہن پڑھ
تھا۔ میرا خیال تھا کہ ایلن میرے عزائم پوری طرح نہیں بھانپ
تھا اور اس زعم میں مبتلا تھا کہ ویرا کو قیدی بنا کر اس نے مجھے
اسی طرح بے بس کردیا تھا اور میں اپنی جان کا خطرہ مول لے کر
ہی اس کے مسکن میں جا گھسا تھا۔
پیٹر نے اپنی بیلٹ سے ایک چرمی تسمے کے ذریعے لٹکا ہوا سیاہ
نی پائپ اتارا تو میرے ساتھ سلطان شاہ بھی پوری توجہ سے اس
جانب نگراں تھا۔
پیٹر نے وہ وزنی پائپ اتار کر چرمی تسمے کے نیچے لگے ہوئے سیاہ
کو سرکا کے جوں ہی پائپ کا دہانہ چاول اور چینی کے تھیلے کی
رف کیا، پائپ میں سے تیز بیپ کی آواز ابھرنے لگی۔ اس آلے
لئے سلطان شاہ کے تھیلے میں دستی بم موجود تھے۔ ہم دونوں کی
بھی خالی نہیں تھیں۔ ان میں چند دستی بم اور بارودی سرنگوں
ساتھ گولیاں بھی موجود تھیں۔
پیٹر نے تیزی سے پائپ کا رخ بدل بدل کر ہم دونوں کا بھی
زہ لے ڈالا۔ اس آلے سے ابھرنے والے بیپ سگنل سن کر
ن کے بشرے پر مایوسی پھیل گئی۔ پیٹر نے سیاہ بٹن کو واپس سرکایا
ر پھر وہ پائپ میری طرف بڑھا دیا۔ پائپ نما آلہ واقعی کافی وزنی

تھا۔

"تم یہیں بیٹھو، میں اپنے تیسرے ساتھی سے تمہاری شرط پر بات کرکے آتا ہوں۔" چند ثانیوں کے بعد ایلین نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔" میں نے فوراً ہی اسے روک دیا۔ "میں پیچھے والے نیم تاریک کمرے میں کافی دیر سے کسی کی موجودگی محسوس کررہا ہوں۔ میرا خیال ہے تم یہیں بیٹھے بیٹھے اپنے ساتھی سے بات کرسکتے ہو۔ وہ اس کمرے میں چھپ کر شاید ہماری ساری گفتگو سنتا رہا ہے۔"

"ہیلو راجر! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟" ایلین نے پچھلے کمرے کی طرف گردن گھما کر اونچی آواز میں سوال کیا۔ "میرے مہمان تم سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔"

چند ثانیوں تک سکوت رہا پھر اس کمرے سے وہی دبنگ اور گونجیلی آواز ابھری جو ابتدا میں ہم سے ہمکلام ہوئی تھی۔ وہ جھلائے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "تمہارے مہمان بہت مکار اور سازشی ہیں۔ پتا نہیں یہ مجھ سے مل کر کون سا تیر مارنا چاہتے ہیں۔ میں چند منٹ بعد اپنے کاسٹیوم میں ان کے سامنے آؤں گا اور مل کر واپس چلا جاؤں گا۔"

"اگر تم کاسٹیوم یا کسی بھی لباس میں آرہے ہو تو اتنا شرمانے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے بلند آواز میں بے تکلفی سے کہا اور ان دونوں کے چہرے یوں فق ہوگئے جیسے میں نے کوئی بڑی گستاخی کر ڈالی ہو۔ ایلین اپنی انگلی کے بے تابانہ اشاروں سے مجھے خاموش کرانے کی کوشش کررہا تھا مگر میں اسے نظرانداز کرکے بولتا رہا۔ "ہم تمہیں کوئی تیر ماریں گے، نہ تمہاری آبرو خراب کریں گے۔ ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ایلین کس قسم کے لوگوں سے میل جول رکھتا ہے۔"

"تم گستاخ اور زبان دراز بھی ہو۔" نیم تاریک کمرے سے ایک غراہٹ ابھری۔ "کاش تم ایلین کے مہمان نہ ہوتے پھر میں بتاتا کہ بدزبانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جانا چاہئے۔"

"ہم بن بلائے مہمان ہیں، راجر ڈارلنگ!" میں نے اسے مزید مشتعل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تم کوئی لحاظ کئے بغیر اپنے دل کی بھڑاس نکال سکتے ہو۔ میرا ساتھی کئی دن سے تھوڑی سی جسمانی ورزش کی ضرورت محسوس کررہا ہے۔ اس کے بھی ہاتھ پیر کھل جائیں گے۔"

اس بار دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ شاید راجر کے نام سے مخاطب کیا جانے والا 'لباس تبدیل کرنے کے لئے اس کمرے سے چلا گیا تھا۔

"تم نے اس کی سخت بے عزتی کی ہے۔" ایلین نے اپنے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے، نیچی آواز میں شکوہ کیا۔ "وہ بہت بڑا آدمی ہے اور ایسے طرز تخاطب کا عادی نہیں ہے۔ وہ بپھر گیا تو پھر ہم کوئی بات نہیں کرسکیں گے۔ فی الحال میں اسی کا پابند ہوں۔"

میرے ذہن میں فوراً ہی ایک شعلہ سا کوندگیا۔ کرنل جمی جونز اپنے اکلوتے بیٹے کے قتل کی خبر سننے کے بعد سے سکتے کی حالت میں تھا۔ ایلین ان دنوں ڈیوڈ اسٹارز والے ارب پتی یہودی راس الیڈا کے لئے کام کررہا تھا۔ ایلین نے کہا تھا کہ راجر کے نام سے مخاطب کیا جانے والا بہت بڑا آدمی ہے۔ وہ اس کے مرتبے کے بارے میں بہت زیادہ پریشان تھا۔ تو کیا راس الیڈا بذاتِ خود کراچی پہنچا ہوا تھا؟

ذہن میں وہ سوال ابھرتے ہی میرے پورے وجود پر سنسنی چھا گئی۔ ایلین کے میدان عمل میں اترتے ہی وقت کی بساط پر خوف اور مہروں نے اپنی پُرہول نقل و حرکت شروع کردی تھی۔

"یہ تمہارا وہم ہے کہ وہ برہم ہوجائے گا۔" میں نے کہا۔ "تم اس کے زر خرید غلام نہیں ہو۔ تمہاری کاروباری سوچ بہت عمدہ ہے۔ وہ زیادہ نخرے دکھائے تو تم اس کی دی ہوئی رقم لوٹا کے کھڑے کھڑے معاہدہ ختم کرسکتے ہو۔ تم چند ہفتوں میں اس سے کہیں زیادہ کمالو گے۔"

"تم اس کی توہین کرکے ویسے ہی میرا دماغ ماؤف کرچکے ہو۔ اب مجھے اس کی طرف سے بھڑکانے کی کوشش مت کرو۔ پیسے لوٹانے سے بڑی بے عزتی ممکن ہی نہیں ہے۔ وہ میرا دشمن ہوگیا تو تمہارے ساتھ میں بھی اس کے عتاب میں آجاؤں گا۔"

"وہ اتنا ہی بارسوخ ہے تو اس نے تمہاری خدمات کیوں حاصل کی ہیں؟" میری پوری کوشش تھی کہ اس شخص کے آنے تک میں ایلین کو اکسا کر بولنے پر مجبور کرتا رہوں تاکہ میری معلومات میں اضافہ ہوتا رہے۔ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ میرے اس یقین میں پختگی آتی جارہی تھی کہ ایلین کا تیسرا ساتھی راس الیڈا تھا جو معاملات کی براہِ راست نگرانی کے لئے نیویارک سے کراچی پہنچا ہوا تھا۔

"اپنے ٹھکانے پر وہ بہت مضبوط اور بارسوخ ہے...... ملک سے باہر اس کی مجبوریاں آڑے آرہی ہیں......" بولتے بولتے وہ یک لخت خاموش ہوگیا اور پھر چونک کر بولا۔ "ہم...... مگر میں تم کو یہ سب کیوں بتارہا ہوں؟ ابھی تک تم میرے حریف ہی ہو...... خدا کے لئے 'اب میرا دماغ مت چاٹو...... اور ہاں راجر کے سامنے ذرا اپنی زبان اور کھوپڑی پر قابو رکھنا۔"

"کیا اس کا نام واقعی راجر ہے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

وہ مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتا رہا لیکن مُنہ سے کچھ نہیں بولا۔

میں نے وقت گزاری کے لئے سگریٹ سلگالی۔ وہاں واقعات کی پیش رفت خاصی سست تھی لیکن میرے لئے یہ امر باعثِ طمانیت تھا کہ سب کچھ میرے سوچے سمجھے انداز میں ہورہا تھا بلکہ

مجھے توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل ہونے والی تھی۔

میں نے وہاں آتے ہوئے یہ نہیں سوچا تھا کہ واپسی پر ویرا میرے ساتھ ہوگی۔ میں وہاں کچھ بہادری پھیلا کر ایلن کو سراسیمہ کرنے کا ارادہ لے کر آیا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ سراسیمگی بلکہ دہشت اور مایوسی پھیلانے کے معاملے میں بدرو داوا کے جاں نثار مجھ سے پہلے ہی اپنا بھرپور کام دکھا گئے تھے۔ دوسری اہم بات یہ ہوئی تھی کہ تلخ اور منتقمانہ ماحول میں شروع ہونے والی اس ملاقات نے بوجوہ مفاہمانہ رنگ اختیار کرلیا تھا اور توقع یہ ہو چلی تھی کہ ایلن ہمیں ویرا سے بھی ملوا دے گا۔ مجھے بس اسی موقع کا انتظار تھا اور میں دل ہی دل میں اس نادر موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔

"وہسکی کا ایک لارج پیگ میرے اعصاب کو اعتدال پر لاسکتا ہے۔" ایلن نے طویل خاموشی کے بعد خودکلامی کے انداز میں کہا۔ "لیکن مصیبت یہ ہے کہ مجھے یہاں سے ہلنے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

خاموش ہونے کے بعد اس نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا مگر میں پتھر کے کسی بت کی طرح بیٹھا رہا۔ آخر اسے مجھ سے مخاطب ہونا ہی پڑا۔ "تم مجھے ذرا سی چھوٹ دے سکتے ہو؟"

"تم خود بہت سمجھ دار ہو۔ میرے کچھ کہے بغیر ہی پوری بات سمجھ چکے ہو۔ میں نے تمہاری شرط پوری کردی۔ تم دونوں میری شرائط پوری کردو تو ہم ہر معاملے میں برابری سے بات کرسکیں گے۔ فی الحال تو مجھے تمہارے سنکی آقا کی [illegible] ہے۔ کہیں وہ اپنے ساتھ توپ ہی نہ لے آئے۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ اپنی زبان پر قابو رکھو۔ اس نے تمہاری یہ ہرزہ سرائی سن لی تو وہ اپنی جان کی پروا کیے بغیر تمہارے جسم پر پورا میگزین خالی کردے گا۔ کیوں اپنے ساتھ ہمیں بھی مروانے پر تلے ہوئے ہو؟" اس وقت وہ واضح طور پر سہما ہوا نظر آرہا تھا۔

"اگر وہ اس حد تک خوشامد پسند ہے تو تم دیکھنا کہ میں کس طرح اس کی چاپلوسی کرتا ہوں۔ وہ اپنے آپ کو اپنا باپ نہ سمجھنے لگے تو میرا نام بدل دینا۔"

"اب تم کوئی نیا گُل کِھلاؤ گے۔" وہ بے بسی سے بولا۔ "تمہیں اس سے لڑنے کی ضرورت ہے، نہ اس کی خوشامد کرنی ہے۔ وہ تمہاری فرمائش پر آرہا ہے بلکہ یہ تمہاری ضد تھی۔ ابہنہ۔۔۔"

ایلن نے بولتے بولتے اپنا منہ بند کرلیا کیونکہ اندرونی کمرے سے بے آواز جوتوں کی ہلکی سی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ چند ہی ثانیوں میں ایک گراں ڈیل اور قد آور نقاب پوش ڈرائنگ روم میں آگیا۔ اس کے سر سے پیر تک پورے جسم پر چست سیاہ لباس اس طرح منڈھا ہوا تھا کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آرہا تھا۔ چہرے پر منڈھے ہوئے نقاب میں آنکھوں اور ناک کے سامنے جالی لگی ہوئی تھی۔ بدن کے اوپری حصے پر چست لباس کے نیچے بلٹ پروف جیکٹ کے ابھار بہت نمایاں نظر آرہے تھے۔ آنے والے کے پیروں میں سیاہ ربر کے جوتے موجود تھے۔

اس پر نظر پڑتے ہی میں اپنی جگہ سے اٹھتا چلا گیا۔ بقیہ تینوں افراد نے بھی کسی توقف کے بغیر میری تقلید کی۔ نقاب پوش ڈرائنگ روم کے وسط میں آکر رکا اور پھر اس کا رخ میری طرف ہوگیا۔ وہ اپنا داہنا ہاتھ کمر پر رکھ کے چند ثانیوں تک مجھے گھورتا رہا پھر اپنی دبنگ مگر قدرے تحیر زدہ آواز میں بولا۔ "اب بتاؤ کہ تم میرے بارے میں کیا بکواس کر رہے تھے؟"

"میں تم جیسے عظیم آدمی سے ملاقات کا متمنی تھا۔" میں نے اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے سادگی سے جواب دیا۔ "میں ان سب باتوں کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ ان کا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں تمہیں اتنا اشتعال دلاسکوں کہ تم بھنّا کر یہاں چلے آؤ ورنہ میں تمہارا مداح ہوں۔"

"تم جھوٹے ہو۔" وہ بے اعتباری سے غرایا۔ "یہ ہماری پہلی ملاقات ہے۔ تمہیں یہ تک نہیں معلوم کہ میں کون ہوں اور تم میرے مداح ہونے کا دعویٰ کر رہے ہو؟"

"عظیم راس الیڈا کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔" میں نے سر جھکا کر احترام آمیز لہجے میں کہا اور وہ تینوں ہی میرے ان الفاظ پر یوں اچھل پڑے جیسے ان کے سروں پر بے خبری میں بچھوؤں سے بھری ہوئی ٹوکری الٹ دی گئی ہو۔

وہ تینوں ہی کچھ کہے بغیر بوکھلائے ہوئے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھے جارہے تھے۔

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔" نقاب پوش کو مسلسل اپنی طرف نگراں پاکر ایلن بے بسی سے گھگیایا۔ "یہ سب اس کی قیاس آرائی ہے...."

"شٹ اپ!" نقاب پوش نے گرج کر کہا پھر وہ میری طرف متوجہ ہوگیا۔ "میرے بارے میں تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ تم کس راس الیڈا کی بات کر رہے ہو؟"

ان تینوں کے مشترکہ ردعمل اور پھر ایلن کی وضاحت سے ہر بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو چکی تھی لیکن وہ گھبراہٹ میں احمقانہ تردید کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے پوری سنجیدگی سے اسے رگڑنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری کسی بات کی تردید نہیں کروں گا۔ دراصل میں تمہاری تصویر دیکھ چکا ہوں۔ یہ قدوقامت اور ایسی جسامت لاکھوں میں ایک آدھ آدمی کو نصیب ہوتی ہے۔ تم نے اپنے چہرے کو چست نقاب میں چھپایا ہوا ہے لیکن اس نقاب کے نیچے تمہاری لمبی اور خم دار ناک صاف نظر آرہی ہے۔ میں نے تمہاری تصویر دیکھتے ہوئے یہ بات خاص طور پر

نوٹ کی تھی کہ تمہاری ناک آگے سے طوطے کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی ہے یا خم دار ہے۔"

"راس المیڈا کی تصویر تمہیں کہاں سے مل گئی؟" اس نے دونوں ہاتھ اپنی پشت پر باندھ کر ٹہلتے ہوئے پوچھا۔ "مجھے حیرت ہے کہ پاکستان جیسے متعصب ملک میں راس المیڈا کی تصویر پائی جاتی ہے۔"

میں نے تصویر کی آڑ لے کر فی البدیہہ جو کچھ کہا' وہ میرے اسی وقت کے مشاہدے پر مبنی تھا ورنہ وہ پوری کہانی ہی بے بنیاد تھی۔ اس کے استفسار پر مجھے مزید جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہنا پڑا۔ "کچھ عرصے پہلے کرنل جیسی جونز کا اکلوتا بیٹا بل جونز ایک اور امریکن کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ بل مجھ سے مل بیٹھنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس کی ایک چھوٹی سی یادگاری البم میں تمہاری بہت شاندار اور رنگین تصویر موجود تھی۔ جب میں نے اس تصویر کی تعریف کی تو بل نے پہلی بار تمہارا نام لے کر مجھے بہت کچھ بتایا۔ اسی وقت سے میرے دل میں تم سے ملنے کی آرزو پروان چڑھ رہی تھی۔"

"جب تک میں تمہارے سامنے نہیں آیا تھا' تم کیا سمجھ کر مجھے اشتعال دلا رہے تھے؟"

"ایلن ایک خود سر آدمی ہے۔ یہ آج کل تمہارے لئے کام کر رہا ہے۔ یہ تمہارا جتنا زیادہ احترام کر رہا تھا' اس کی بنا پر مجھے شبہ ہو گیا کہ تم یہاں آئے ہوئے ہو۔"

"بل جونز کا البم اب کہاں ہے؟" راس المیڈا کی آواز سے فکرمندی مترشح تھی۔ "جنوبی مسلمانوں کے غیر متوقع ردّعمل کی وجہ سے میں ہمیشہ پس منظر میں رہتا ہوں۔ ٹی وی اور اخبارات میں میری کوئی تصویر نہیں آتی۔ میں اس بارے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتا ہوں پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بل کے پاس میری تصویر کہاں سے آگئی۔ میں تو کبھی اس سے ملا بھی نہیں تھا۔"

"مجھے البم کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ بل اسے اپنی جیب میں لئے پھرتا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اسے وہ تصویر اپنے باپ سے ملی ہو۔ کرنل جیسی جونز تو تمہارے ہم عصروں میں شامل ہے اور شاید تمہارے لئے کام بھی کرتا رہا ہے۔" ایلن نے اس کی مشکل آسان کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ایسی تصاویر کبھی نہ کبھی انسان کے کام آہی جاتی ہیں۔"

"میری وہ تصویر غلط ہاتھوں میں چلی گئی تو بڑی دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ پاکستانی ویسے بھی ہر یہودی سے نفرت میں فلسطینیوں تک سے آگے ہیں......"

"یہ ہمارے دشمنوں کا پروپیگنڈا ہے۔" میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے پوری سنجیدگی سے کہا۔ "پاکستان بلکہ اسی کراچی میں ہزاروں یہودی رہتے ہیں اور ان سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا۔ پارسیوں کے بعد وہ یہاں کی دوسری منظم ترین اقلیت میں شمار ہوتے ہیں۔ یہاں نفرت نسل پرستی اور تعصب سے کی جاتی ہے اس میں یہودیوں کی تخصیص نہیں ہے۔ جنوبی افریقہ میں نسل پرست حکمراں برسرِاقتدار تھے تو پاکستانی ان کی بھی شدید مخالفت کرتے تھے۔"

"میرے لئے یہ حیرت ناک انکشاف ہے۔ ابلاغِ عامہ کے سارے عالمی ادارے پاکستان کو اسرائیل کا بدترین دشمن قرار دیتے ہیں۔ یہودیوں کے خلاف ہر تحریک میں کہیں نہ کہیں پاکستان ضرور ملوث ہوتا ہے لیکن تم کچھ اور ہی بتا رہے ہو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ایک چابی ایلن کو تھما دی جو اس نے جیب میں ڈال لی۔

"اس کے برعکس یہاں اقلیتوں کے سرپرست اور خیر خواہ بھی پائے جاتے ہیں۔ شاید تم نے ائرپورٹ سے آتے ہوئے وہ داؤدی ستارہ دیکھا ہوگا جو ہر ایک کے سر پر سایہ فگن ہے۔ جب ائرپورٹ اور اس سے ملحق راستوں کی توسیع اور تزئین کا سلسلہ شروع ہوا اس مقدس ستارے کا انہدام یقینی ہوگیا تھا لیکن اس قدیم اور مقدس یادگار کو انہدام سے بچانے کے لئے ائرپورٹ کے لئے دوسری جگہ کا انتخاب کرلیا گیا۔ وہ ستارہ آج بھی یوں ہی سربلند ہے۔"

"ہاں.... مجھے وہ نمایاں یادگار خاص طور سے دکھائی گئی تھی۔" اس نے اعتراف کیا۔ "سنی سنائی باتیں عام طور سے گمراہ کن ثابت ہوتی ہیں۔ میں نے تمہارے بارے میں بھی لرزہ خیز کہانیاں سن رکھی ہیں لیکن تم ایک ہوش مند اور معقول آدمی نظر آرہے ہو۔ تمہاری اور ایلن کی مفاہمت آگے چل کر انقلابی تبدیلیوں کی بنیاد بن سکتی ہے۔"

"اس کا انحصار ایلن کی نیک نیتی پر ہوگا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میں نے اپنی حد تک تمہاری شرط پوری کردی ہے اور اب یہاں میری ضرورت نہیں ہے۔ تم ایلن کے ساتھ اپنے باقی معاملات طے کرسکتے ہو۔"

"تم ہمارے ساتھ موجود رہتے تو بہتر ہوتا۔ اگر تمہیں اس چست لباس میں الجھن ہو رہی ہے تو تم لباس بدل کر آسکتے ہو۔" میں نے بہت محتاط اور معصومانہ لہجے میں کہا۔

"کیا خرافات بک رہے ہو؟" وہ بھنّا کر بولا۔ "میں اپنے اصولوں سے ہرگز انحراف نہیں کرتا۔ میرے ساتھ زیادہ چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں ابھی تمہارا دماغ درست کردوں گا۔"

مجھے جو چالاکیاں دکھانی تھیں' وہ میں دکھا چکا تھا۔ ایلن کی طاقت اور تیز ترین سرگرمیوں کا سبب بھی سامنے آگیا تھا۔ راس المیڈا جیسا مضبوط شخص اس کی مدد کو نہ پہنچا ہوتا تو شاید اس کی کارکردگی میں غیر معمولی اضافہ نہ ہو پاتا۔ میرے دشمنوں کی فہرست میں مزید ایک خطرناک نام کا اضافہ ہوچکا تھا۔

تصویر، تصویر ہی ہوتی ہے۔" راس المیڈا واپسی کے لئے
وئے ناصحانہ لہجے میں بولا۔ "پتا نہیں وہ حرام زادہ بل جونز
س زمانے کی تصویر کی نمائش کرتا پھر رہا تھا۔ محض اس
وجہ سے میں تم کو اپنے اصول سے مستثنیٰ نہیں کر سکتا۔"
میں سمجھتا ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "یہ ایک اتفاق
میں نے تمہارے چہرے پر نقاب ہونے کے باوجود تمہیں
یا ورنہ ایسا بہت کم ہوتا ہے۔۔۔ یا شاید بالکل ہی نہ ہوتا

ڈرائنگ روم سے چلا گیا تو ایلن ایک گہرا سانس لے کر
ی پشت گاہ سے ٹک گیا اور آنکھیں موند کر بولا۔ "خدا کا
کہ یہ مرحلہ خیریت سے گزر گیا۔ تم کسی مداری کی طرح پل
روپ بدلتے ہو ورنہ وہ اپنی شناخت پر آپے سے باہر بھی ہو
"

میں نے کوئی روپ نہیں بدلا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔
نے راس سے وہی کچھ کہا ہے جو میرے دل میں تھا۔ میں
طرح منافق نہیں ہوں۔"
پھر تم اس کے آنے سے پہلے اس کے بارے میں زہر کیوں
ہے تھے؟"
اس کا سامنا ہونے تک میرے وہی جذبات تھے۔۔۔ اب تم
باتوں میں وقت برباد مت کرو۔ میری دوسری شرط پوری
غیر کوئی بات نہیں ہو سکے گی۔"
ویرا سے صرف تمہاری ملاقات کرائی جائے گی۔" وہ سوچتے
لا۔
سلطان شاہ میرے ساتھ ہو گا کیونکہ بارودی تھیلا اسی کو
ہے۔"
تو کیا بارودی تھیلا بھی تمہارے ساتھ جائے گا؟" وہ حیرت
یا چیخ پڑا۔
ظاہر ہے۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔ "ویسے کا رڈیو
ا رینج ایک کلو میٹر ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ کنکریٹ کی
ا وغیرہ کی وجہ سے اس کی کارکردگی متاثر ہو۔ ویرا اس
مں ہو یا کہیں اور۔۔۔ یہ تھیلا ہمارے ساتھ رہے گا۔ یہ
ولی بات ہے۔ تمہیں اس سے اتفاق ہونا چاہئے۔"
بعض اوقات تم سامنے والے کو زچ کر دینے پر تل جاتے
اسی عمارت کے تہ خانے میں ہے جہاں دروازے کے سوا
ڈن دان تک نہیں ہے۔" وہ بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ تم
میرے اوپر اعتبار نہیں کر رہے ہو۔ یہ کوئی اچھی بات
ہے۔"
ے اندازہ تھا کہ میں ایلن کے ساتھ پُر پیچ گفتگو میں کافی وقت
کا تھا لیکن اسے اپنے ڈھب پر لانے کے لئے وہ محنت ناگزیر
نے باتوں ہی باتوں میں اس سے بہت کچھ اگلوا لیا تھا۔ یہ

مذاکرات ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ میرے خون کا پیاسا ہونے کے باوجود مجھے مقید ویرا سے ملانے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

تھوڑی سی تکرار کے بعد ہم چاروں اس مکان کے اندرونی حصے کی طرف بڑھنے لگے۔

اندر سے مکان خالی اور ویران پڑا ہوا تھا۔ ہم مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے ایک تنگ راہداری میں پہنچ گئے جہاں چھوٹی سی جگہ میں تین مضبوط چوبی دروازے مقفل تھے۔

ان میں سے ایک دروازہ عمارت سے نکاسی کے لئے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ بقیہ دو دروازے نیچے اور اوپر جانے والے زینوں کے سرے پر موجود تھے۔ ایلن نے وہاں پھیلی ہوئی ناکافی روشنی میں اضافہ کرنے کے لئے ایک بلب آن کر کے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کا ہاتھ باہر نکلا تو اس میں ایک چابی کے ساتھ ہی سیاہ رنگ کا بھاری ریوالور بھی موجود تھا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" میں نے چونک کر اس سے سوال کیا۔

"اصول کی بات ہے۔ تمہاری اور ویرا کی ملاقات ختم ہونے تک میں مسلح اور تیار رہنا چاہتا ہوں۔" وہ طنزیہ پیرائے میں بولا۔ "یہ اصول پرستی تم ہی نے مجھے سکھائی ہے۔"

وہ دروازے کا ہفتی قفل کھول کر سیلن زدہ زینوں پر اترا تو میں اس کے پیچھے تھا۔ میرے پیچھے سلطان شاہ اور آخر میں پیٹر چلا آ رہا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے الجھتے رہے تھے۔

زینوں کے اختتام پر ایلن نے اسی چابی سے دوسرا بند دروازہ کھولا اور ہمارے اندر جانے کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ تہ خانے کی چھت سے لٹکا ہوا بلب اس وسیع کباڑ خانے میں پھیلا ہوا اندھیرا دور کرنے میں ناکام تھا۔ اس وسیع کمرے کے ایک حصے میں پرانے فرنیچر اور دوسری متروک اشیا کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ دور افتادہ حصے میں ایک مسہری پڑی ہوئی تھی جس پر ویرا بے دست و پا پڑی ہوئی تھی۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے میں ویرا کے چہرے کا تفصیلی جائزہ نہیں لے سکا لیکن میں نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کی حالت خاصی ابتر تھی اور وہ بولنے سے بھی قاصر تھی۔

میرے آگے نہ بڑھنے پر ایلن نے مجھے ٹوکا۔ "تم ویرا کے پاس کیوں نہیں جاتے؟ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم اسے دیکھتے ہی دوڑ کر اس سے لپٹ جاؤ گے۔"

ویرا کو دیکھ لینے کے بعد میرا لہجہ غیر ارادی طور پر بدل گیا۔ میں نے درشت آواز میں کہا۔ "ویرا کے ساتھ ہمیں بھی اس قید خانے میں مقفل کرنے کا خیال ذہن سے نکال دو اور ہمارے ساتھ اندر چلو۔"

اپنی بات پوری کرنے سے پہلے ہی میں نے ایلن کی کلائی پکڑی اور اسے اپنے ساتھ لے کر اندر داخل ہو گیا۔ ان دونوں کو علیحدگی میں ایک دوسرے سے مشورہ کرنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔

جو پلان تھا، وہ ایلین کے ذہن میں محفوظ تھا۔ اس کے بے بس ہوتے ہی پیٹر بھی اندر آگیا۔
سلطان شاہ نے اپنا تھیلا فرنیچر کے ڈھیر کے پاس رکھ دیا اور میرے ہاتھ سے آہنی پائپ لے لیا۔
تہ خانے میں اس قدر حبس اور تعفن تھا جیسے اسے برسوں بعد کھولا گیا ہو۔ ویرا کے ہاتھ اور پیر رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے اور دہانے پر چوڑا ٹیپ اتنی مضبوطی سے چپکا ہوا تھا کہ وہ کوئی آواز نہیں نکال سکتی تھی۔ اس کی داہنی آنکھ کے نیچے نیل کا نشان تھا، چہرے پر بھی ورم نظر آرہا تھا مگر میں نے یہ چیز خاص طور پر نوٹ کی کہ بستر کی چادر زیادہ شکن آلود نہیں تھی۔ مجھے دیکھ کر حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔
اگر ویرا نے سارا وقت اسی حالت میں اس مسہری پر گزارا ہوتا تو چادر کی حالت ابتر ہو چکی ہوتی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اسے کچھ ہی دیر پہلے اس بستر پر منتقل کیا گیا تھا۔ وہ حرکت صرف اور صرف راس المیڈا کی ہو سکتی تھی۔ اگر وہ لوگ کسی تدبیر سے ہم تینوں کو اس تہ خانے میں بند کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں دردناک موت سے نہیں بچا سکتی تھی۔ تہ خانے کو آگ دکھا کر وہ کرائے کے اس مکان سے غائب ہو جاتے اور ہمیں بھیانک شعلوں میں فرار کی کوئی راہ نہ ملتی۔ جہانگیر کی فیکٹری اور پرانی قیام گاہ کو آگ لگا کر ایلین دوبار اپنی آتش سفاکی کا مظاہرہ کر چکا تھا۔
یہ سب بیک وقت اور اتنی تیزی سے ہوا کہ ہوتا ہی چلا گیا۔ ایلین اپنی کلائی آزاد کرانے کے لئے زور آزمائی کر رہا تھا لیکن جسمانی طور پر وہ مجھ سے خاصا کم تر تھا۔ اپنی کوششوں میں ناکام ہونے کے بعد اس نے بوکھلاہٹ میں چھت کی طرف فائر جھونک مارا اور سب بری طرح اچھل پڑے۔
تہ خانے کی محدود فضا میں بڑے بور کے ریوالور کی آواز کسی بم کے دھماکے کی طرح گونجی تھی۔
"ہاتھ چھوڑو.... میرا ہاتھ چھوڑو۔" ایلین ہانپتے ہوئے غرایا۔ "تم میرے ساتھ بدتمیزی کر رہے ہو۔"
میں دیکھ چکا تھا کہ ویرا کے ہاتھ پیر ضرور بندھے ہوئے تھے لیکن اسے کسی اور چیز سے نہیں باندھا گیا تھا۔ میں نے ایلین کو زور سے ایک طرف دھکا دے کر اس کی کلائی چھوڑ دی۔
وہ مغلظات بکتا ہوا پختہ فرش پر جا گرا۔ اسی لمحے پیٹر کی چھٹی حس جاگ اٹھی۔ گڑبڑ کے آغاز کا اندازہ کرتے ہی اس نے اپنے پستول یا ریوالور کی نال مار کر چھت میں لگا ہوا بلب توڑ دیا۔ ہلکے سے دھماکے کے ساتھ تہ خانے میں گہری تاریکی پھیل گئی اور چند ثانیوں کے لئے کچھ بھی نظر نہیں آسکا۔
بند تہ خانے میں گھور اندھیرا تھا۔ بس زینوں والی سمت سے روشنی کا ایک ناکافی مستطیل فرش پر پڑ رہا تھا۔

"فائر مت کرنا۔" اندھیرا ہوتے ہی ایلین چیخ پڑا۔ "... گیا تو ہم سب بھی اس کے ساتھ ملبے میں دفن ہو جائیں گے ... بھاگو۔ ہم انہیں یہیں سڑا دیں گے۔"
دوڑتے ہوئے قدموں کی چاپ کے ساتھ جوں ہی ایک ... روشن مستطیل میں سے گزر کر زینوں کی طرف بڑھا، ... جیب سے ایک ہلکا بم نکال کر ادھر اچھال دیا۔ بم گرتے ہی ... دھماکے سے پھٹا اور دھوئیں کے سیاہ بادل اس روشن مستطیل ... نکل گئے۔ دھماکے کی وجہ سے پیٹر ابتدائی زینوں پر گر کر چیخا تھا ... اس پر شدید کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔
پھر ایلین بھی شاید کسی چوپائے کی طرح وہاں سے نکل بھاگا ... اس بار سلطان شاہ نے یکے بعد دیگرے دو فائر کئے تھے لیکن دھوئیں ... کے کثیف بادل کی وجہ سے نشانہ خطا گیا البتہ سیڑھیوں سے کراہنے ... کی آوازیں آرہی تھیں۔
میں نے جھک کر ویرا کے ہاتھ پیروں کو ٹٹولا اور پھر ایک ... ہی جھٹکے میں اپنے کندھے پر لاد لیا۔
"دھوئیں یا بے ہوشی والے دستی بم پھینکو۔" میں نے ... پھیپھڑوں میں پیدا ہونے والی خراش کو برداشت کرتے ہوئے ... "اور سانس روک کر نکل بھاگو۔"
اس بھاگ دوڑ اور افراتفری میں گولیوں کے نشانے پر ... نہیں کیا جا سکتا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ وہ دھوئیں میں پھنس کر ... ذرا سی دیر میں کیچوؤں کی طرح ناکارہ ہو کر رہ جائیں گے۔
"کیا ہو رہا ہے؟" اوپر سے راس المیڈا کی بارعب آواز ... دی۔
"بھاگو، وہ موذی گیس کے بم پھینکتے ہوئے آرہے ہیں ..." شدید کھانسی کے درمیان ایلین کی کراہتی ہوئی آواز سنائی دی ... سے زیادہ دور نہیں تھا۔
غنیمت یہ تھا کہ سراب گوٹھ سے حاصل کئے ہوئے ان ... بموں کی ساخت ناکارہ تھی۔ ان میں سے خارج ہونے والی ... وہ گیس نیچے پھیلنے کے بجائے اوپر سیڑھیوں میں گھس رہی ... اور تہ خانے کی بند فضا میں ان کے اثرات بہت کم محسوس ... رہے تھے۔
"میں نے ویرا کو اٹھا لیا ہے۔ تم سانس روک کر باہر ... چلے کر جاؤ، میں تمہارے پیچھے آرہا ہوں۔ ان سب کو بھگانے ... لئے دستی بم پھینکتے چلے جاؤ۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں ... شاہ کو ہدایت دی۔ "اس وقت ان لوگوں سے الجھنے کے ... ہمیں جلد از جلد اس خطرناک عمارت سے نکل جانے کی کوشش ... کرنی چاہئے۔ نکلتے ہوئے پیٹر والے پائپ کو بم میں تبدیل کر ... اندر پھینک دینا۔"
سلطان شاہ نے تیزی سے زینوں پر دوڑ لگا دی۔ اس وقت ... وہ لوگ زینوں سے راہداری میں نکل چکے تھے اور انہوں نے ...

والا دروازہ مقفل کر دیا تھا۔

سلطان شاہ نے دروازے پر شاید شانے سے ضرب لگائی اور پھر کھانسنے لگا۔ میرے لئے بھی زیادہ دیر تک سانس روکنا دشوار تھا گیس کے اثرات سے آنکھوں اور نتھنوں میں جلن ہونے لگی تھی۔ باہر سے ایلن اور پیٹر کے بری طرح کھانسنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ تہ خانے سے نکلنے کے بعد انہوں نے راہ فرار اختیار نہیں کی تھی بلکہ کسی جگہ رک کر ہمارے نمودار ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

میں نے جلدی سے بیم گن نکال کر سلطان شاہ کو تھما دی۔

بیم گن کی بھیانک شعاعوں کے سامنے اس تالے کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ لکڑی کے جلنے کی تیز بو کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ اس اثنا میں، میں نے ٹٹول کر ویرا کے دہانے پر چپکا ہوا ٹیپ نوچ لیا تھا مگر وہ گیس کی وجہ سے خاموش تھی جب کہ میں وقفے وقفے سے کھانس رہا تھا۔

اس وقت مکان کے اندرونی حصوں کا رخ کرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا کیونکہ اس طرف راس المیڈا اپنے دونوں حاشیہ برداروں کے ساتھ ہماری گھات لگائے بیٹھا تھا۔ میں نے سلطان شاہ کو ٹھوکا دیا اور وہ میرا اشارہ سمجھ کر اس دروازے کی طرف گھوم گیا جو عمارت سے باہر کھلتا تھا۔ اس بار بھی سلطان شاہ نے مقفل دروازہ کھولنے کے لئے بیم گن استعمال کی۔

کثیف دھوئیں سے بھری ہوئی اس نیم تاریک راہداری میں باہر کی تیز روشنی پڑتے ہی ہمارے حریفوں کو چوٹ کا احساس ہو گیا۔ انہوں نے بے دریغ دو گولیاں چلا دیں مگر اس سے پہلے ہی سلطان شاہ کھلے ہوئے دروازے سے باہر چھلانگ لگا چکا تھا جب کہ میں بدستور دروازے کی اوٹ میں تھا۔

"باہر نکلو!" ویرا بھرائی ہوئی آواز میں بولی پھر اس پر شدید کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

میرے لئے شدید مشکل پیدا ہو گئی تھی۔ میں چند ثانیوں میں اپنی کمین گاہ سے کھلی فضا میں پہنچ سکتا تھا لیکن ان چند ثانیوں کے لئے مجھے اپنے دشمنوں کے کھلے نشانے پر آنا پڑتا اور وہ کوشش جان لیوا بھی ثابت ہو سکتی تھی کیونکہ وہ تینوں دھوئیں سے یقیناً دور نکل چکے تھے۔ بیرونی دروازہ کھلنے کی وجہ سے دھواں مکان کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن اس کے اثرات زیادہ مضر نہیں تھے۔

"میں نے پیٹر کے پائپ کا سرخ سوئچ آن کر دیا ہے، جلدی باہر آؤ۔" اچانک باہر سے سلطان شاہ چلایا اور میرا ہاتھ غیر ارادی طور پر اپنی جیب کی طرف چلا گیا۔ میں نے اپنی جیب میں موجود آخری دستی بم نکالا اور اندازے سے راہداری کے اس سرے کی طرف اچھال دیا جہاں وہ تینوں موجود تھے۔

بم کے دھماکے کے ساتھ ہی ان تینوں کی بے ساختہ چیخیں اور کراہیں بلند ہوئیں اور میں اسی لمحے بجلی کی سی پھرتی سے باہر نکل گیا اور ایک طرف دوڑ پڑا کیونکہ سلطان شاہ نے میری صورت ... ہی آہنی پائپ پوری قوت سے راہداری میں پھینک دیا تھا۔

ہم اپنی اس کارروائی کا نتیجہ دیکھنے کے لئے وہاں نہیں ... بلکہ اسی پچھلے گیٹ کی طرف بھاگتے رہے جس کے ذریعے ہم ... داخل ہوئے تھے۔

"میرے ہاتھ پیر تو کھول دو۔" ویرا میرے کندھے پر ... منمنائی۔ تازہ ہوا میں آنے کے بعد اس کے تنفس پر خاصا ... اثر پڑا تھا۔ "تم کب تک مجھے اٹھا کر دوڑتے رہو گے۔"

"اس وقت ہم رکے تو مارے جائیں....." میں اپنا ... نہیں کر سکا۔ ایک ہولناک دھماکے سے زمین لرز اٹھی اور ... سمیت زمین بوس ہوتا چلا گیا۔ اس عمارت کا ایک حصہ ... چکا تھا اور وہاں سے گرد و غبار، ملبے اور دھوئیں کا ایک ... اوپر اٹھ رہا تھا۔

میں وقت ضائع کئے بغیر ویرا کی بندشیں کھولنے میں ... ہو گیا۔ چند سیکنڈ میں ویرا اپنے قدموں پر کھڑی ہو چکی تھی ... تینوں دوڑتے ہوئے گیٹ سے عقبی گلی میں نکل گئے۔

وہ سرے کا مکان تھا اس وجہ سے گلی کا دوسرا سرا ... عقبی گلی میں پہنچنے کے بعد ہم بہت سرعت سے سڑک پر آئے ... وقت تک دھماکے سے خوفزدہ ہو کر بہتیرے لوگ خوف و ہراس ... عالم میں دفاتر اور گھروں سے نکل آئے تھے۔ ان میں سے ... بھی ہم تینوں پر زیادہ توجہ نہیں دی اور ہم مین روڈ پر نکلنے کے ... گلیوں میں گھوم کر پیش قدمی کرتے رہے۔

"غزالہ ناراض ہو گی۔ میں چاول اور چینی کا تھیلا ... میں ہی چھوڑ آیا تھا۔" اچانک سلطان شاہ بولا۔

"فضول باتیں مت کرو۔ تمہارے مقابلے میں، میں نے ... گیس پھانکی ہے۔"

"چلو گھر چل کر باتیں ہوں گی۔ اس وقت تو ویرا کا ... سوجا ہوا ہے۔"

ویرا کے ہونٹوں پر اداس اور مجروح سی مسکراہٹ ... اور وہ حسرت بھری آواز میں بولی۔ "کاش! اس دھماکے ... تینوں کے پرخچے بھی اڑ گئے ہوں۔ انہوں نے مجھے شدید ... دوچار کیا ہے۔"

اس کی آواز میں پنہاں کرب کو محسوس کر کے میرا ... اندر لرز اٹھا لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں اس ... میں ویرا سے مزید کوئی سوال کر کے بات آگے بڑھانے کی ... کرتا۔

کافی دور نکلنے کے بعد ہم نے سواری کے لئے مین روڈ کا ... تو خوش قسمتی سے ہمیں فوراً ہی ایک خالی ٹیکسی مل گئی ... ڈرائیور شریف نظر آ رہا تھا۔ میں نے راستے میں سواری ... ارادہ ترک کر کے اسے کلفٹن چلنے کی ہدایت کی اور اگلی ...

...وار ہو گیا۔
ویرا کو قریب سے دیکھنے کے بعد مجھے اچانک ہی شدید تھکن کا احساس ہونے لگا تھا۔

○☆○

غزالہ نے ویرا کو ہمارے ساتھ دیکھا تو اس پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس وقت ویرا خاموش اور سنجیدہ تھی۔ اس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں خلا میں کسی نکتے پر مرکوز تھیں۔
اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ ہم گھر سے ویرا کی بازیابی کا عزم کر کے نکلے تھے لیکن غزالہ تو کیا' خود ہم دونوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہم اپنی پہلی ہی کوشش میں ویرا کو بازیاب کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ بدرو داوا کے قتل سے ویرا کی رہائی تک سارے حالات خود بہ خود ساز گار ہوتے چلے گئے۔ ہم نے نہ صرف اپنا مطلوبہ ہدف حاصل کر لیا تھا بلکہ ایلن اور راس لینڈا کو اس کے گھر میں ایسی بھیانک شکست سے دو چار کیا تھا کہ ان کی پچھلی کامیابیوں کا مکمل ازالہ ہو گیا تھا۔
اس مکان میں ہونے والا دھماکا بہت طاقت ور اور تباہ کن تھا لیکن اس بارے میں یقین سے کوئی بات نہیں کی جا سکتی تھی کہ ان لوگوں میں سے کون کون ہلاک یا زخمی ہوا ہو گا۔
ویرا چوبیس گھنٹے سے زیادہ مدت ایلن جیسے وحشی کی قید میں گزار کر آئی تھی اس لئے اس کی طبیعت بہت مکدر اور کھوئی کھوئی تھی۔ اس نے ہم سے راستے میں نئی قیام گاہ کے بارے میں کوئی سوال کیا' نہ فلیٹ پر پہنچ کر کسی خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے چہرے کی سوجن اور داہنی آنکھ کے نیچے پڑے ہوئے نیل نے ویسے بھی اس کے چہرے کی قدرتی ملاحت اور دلکشی کو بری طرح متاثر کیا تھا۔
ہم سب ہی ویرا کی کہانی جاننے کے منتظر تھے لیکن اس وقت ویرا کی ذہنی کیفیت ایسی نہیں تھی کہ وہ سکون سے ہر ایک کے سوالوں کے جوابات دے سکے۔ میں نے غزالہ کو ہدایت کی کہ وہ اسے اس کی خوابگاہ میں پہنچا کر ضرورت کی تمام چیزیں فراہم کر دے تاکہ وہ اپنی مرضی سے نہا دھو کر آرام کر سکے۔
جہانگیر اپنے کاغذات' رقوم اور زیورات وغیرہ لے کر کسی بینک لاکر کا بندوبست کرنے کے لئے گیا ہوا تھا۔ وہاں سے واپسی پر اسے انشورنس والوں کی طرف جانا تھا۔ اس دوران میں تین بار سلمٰی کے فون آ چکے تھے۔ جہانگیر کی طویل ہوتی غیر حاضری نے اسے سخت اضطراب میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ اس نے تینوں ہی مرتبہ جہانگیر کے بعد میرے بارے میں استفسار کیا تھا اور غزالہ کو تاکید کی تھی کہ میرے پہنچتے ہی یہ پیغام دے دیا جائے کہ میں اس کو فون کر لوں۔ میں جانتا تھا کہ اس وقت سلمٰی کو اپنے دل کا غبار ہلکا کرنے کے لئے کسی غم گسار کی ضرورت تھی۔ مزے کی بات یہ تھی کہ وہ دونوں میاں بیوی انفرادی طور پر بھی میری ہی ذات میں سہارے ڈھونڈنے کی کوشش کرتے تھے۔

ہم سب نے تازہ دم ہو کر اکٹھے کھانا کھایا۔ ویرا نے ایلن کی قید میں سارا وقت کچھ کھائے پیئے بغیر گزارا تھا مگر پھر بھی اس نے بہت زیادہ کھانا نہیں کھایا۔ نہانے دھونے کے بعد اس کے وجود کی تازگی خاصی حد تک بحال ہو گئی تھی لیکن نیند کے بڑھتے ہوئے دباؤ نے اس کے ذہن کو ماؤف کیا ہوا تھا۔ کھانے کے بعد وہ سونے کے لئے چلی گئی۔ ہم لوگ بھی اپنے اپنے کمروں کی طرف ہو لئے۔
"آج آپ کے لئے مسز غنی کا بھی فون آیا تھا" غزالہ نے خواب گاہ میں مجھے آگاہ کیا۔
"مسز غنی؟ یہ کون خاتون ہیں؟" میں نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے سوال کیا۔
"اتنی جلدی بھول گئے؟" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "مسز غنی ہمارے اس فلیٹ کی مالکہ ہے۔"
مجھے یاد آ گیا اور میں نے کہا "اوہ! اس نیم بیوہ کو میری کیا ضرورت پڑ گئی؟"
"نیم بیوہ!" غزالہ کی رکتی ہوئی ہنسی تیز ہو گئی "آپ کو عجیب الفاظ استعمال کرنے کی عادت سی ہو چلی ہے۔"
"یہ کوئی عجیب لفظ نہیں ہے۔ فی الحال اس کی یہی حیثیت ہے۔ شوہر لوٹ آیا تو وہ اس کی بیوی کہلائے گی' اس کی موت کی تصدیق ہو گئی تو بیوہ بن جائے گی۔ اس خاتون کو میں کیسے یاد آ گیا؟"
"یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ آپ کی ذات میں دلچسپی رکھنے والی عورتیں مجھے کوئی بات نہیں بتاتیں۔"
"کن عورتوں سے میل جول ہے میرا؟" میں نے اسے گھور کر پوچھا۔
"میں آپ کے میل جول کی نہیں' عورتوں کی دلچسپی کی بات کر رہی ہوں۔ سلمٰی بھی صرف آپ سے بات کرنے کی خواہش مند تھی" وہ شوخی سے بولی۔
"دیکھا جائے گا" میں نے بے پروائی سے جواب دے کر غزالہ کو بستر پر کھینچ لیا "شکم پُری کے بعد اب دماغ پر ہلکا سا سرور طاری ہو رہا ہے۔ ذرا اپنی نرم و نازک انگلیوں سے میرا سر سہلا دو۔"
وہ میرے قریب ہو کر آہستگی سے بولی "ایک ہی دن میں ویرا بہت بدلی بدلی لگ رہی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان لوگوں نے تشدد کے علاوہ بھی ویرا کو کسی وحشیانہ زیادتی کا نشانہ بنایا ہو۔"
"کچھ نہیں کہا جا سکتا" میں نے کرب آلود لہجے میں کہا "مجھے اس کی خالی خالی نظروں میں جھانکتے ہوئے خوف آ رہا ہے۔ یہ موضوع ایسا نازک ہے کہ اس بارے میں اس سے کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا۔ وہ صدمے کی حالت سے باہر آ کر خود ہی کچھ بتا دے تو الگ بات ہے۔"
"آپ اجازت دیں تو میں تخلیئے میں اسے کریدنے کی کوشش کروں۔ آخر وہ بھی ایک عورت ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے اپنے

اندر کے دکھ درد میں شریک کر لے" غزالہ اس بارے میں بہت متجسس تھی۔

"اسے ٹھیس لگے گی۔ وہ ہر وقت اپنا اور تمہارا موازنہ کرتی رہتی ہے۔ وہ اپنے دامن کا کوئی داغ نہیں دکھائے گی۔ اس طرح اس کی عزتِ نفس مجروح ہوگی۔ اسے تھوڑی سی مہلت دے دو۔ ابھی وہ ان ہی حالات کے ٹرانس میں آئی ہوئی اور بالکل گم صم ہے۔ اس سحر سے نکلے گی تو وہ خود ہی بولتی چلی جائے گی..... اس کا نام ویرا ہے۔ وہ حالات کے سامنے سپر ڈالنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

"بظاہر جو کچھ نظر آرہا ہے' وہ بھی کچھ کم المناک نہیں ہے۔ ان حیوانوں نے اسے بری طرح مارا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے جسم کے دوسرے حصوں پر بھی تشدد کے نشانات موجود ہوں۔"

"اسے بالکل آزاد چھوڑ دو۔ جو کچھ وہ بتائے' بس اسی پر قناعت کرتی رہو۔"

غزالہ محبت آمیز انداز میں میرا سر سہلاتی اور کان کھاتی رہی۔ میں اس کے نرم اور حیات آفریں وجود کے لمس سے محظوظ ہوتے ہوئے رفتہ رفتہ نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

میں بہت دیر تک گہری نیند سوتا رہا۔ آخر غزالہ ہی نے مجھے جھنجوڑ کر بیدار کیا۔

میں نے نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے غنودہ لہجے میں کہا "مجھے سونے دو۔ آج تھکن سے میرا جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔ میں ابھی کچھ اور سونا چاہتا ہوں۔"

"سات بج رہے ہیں۔ اول خان خاصی دیر سے آپ کا انتظار کر رہا ہے" اس نے میرے بازو میں چٹکی لے کر کہا "میں اسے چائے وغیرہ بھی پلا چکی ہوں۔ وہ زیادہ دیر نہیں بیٹھے گا۔"

میں چھلانگ مار کر بستر سے نیچے آگیا اور غزالہ ہنستی ہوئی باہر بھاگ گئی۔

چند منٹ بعد میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو وہاں سلطان شاہ' اول خان سے باتیں کر رہا تھا۔ غزالہ پوری توجہ سے ان کے مذاکرات سن رہی تھی۔

"مبارک ہو" مجھے دیکھتے ہی اول خان مسرت آمیز لہجے میں بولا "تم ویرا کو ان وحشیوں کے چنگل سے اس طرح نکال لے آئے جیسے وہ تمہارے ہی انتظار میں اسے پکڑے بیٹھے تھے۔"

"ہاں۔ مجھے خود بھی ایسی کامیابی کی توقع نہیں تھی" یہ کہتے ہوئے میں نے چونک کر غزالہ سے پوچھا "یہ سب تو ٹھیک ہے مگر ویرا کہیں نظر نہیں آرہی۔ وہ کہاں ہے؟"

"وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتی۔ اپنے کمرے میں محصور ہو کر بیٹھ گئی ہے" غزالہ نے بتایا۔

"اس کی ایسی کی تیسی۔ میں ابھی اسے باہر لاتا ہوں" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جاؤ!" سلطان شاہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے زبردستی بٹھا دیا "اس وقت وہ اپنے آپ میں نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے اسے کوئی دماغی چوٹ آئی ہو۔ وہ کمرا بند کر کے ڈیڑھ گھنٹے سے شراب پی رہی ہے۔ اس وقت اُس سے چھیڑ چھاڑ مناسب نہیں رہے گی۔"

میں سلطان شاہ کی کج فہمی پر دانت پیس کر رہ گیا۔ وہ ویرا کے ذہنی صدمے کو دماغی چوٹ سے ملا رہا تھا۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا "اس کے لئے شراب کہاں سے آئی؟ جہانگیر کی بوتل کل ہی خالی ہو چکی تھی اور آج جہانگیر گھر سے غائب ہے۔"

"میں اس کے لئے دو بوتلیں لایا تھا" اس نے سر جھکا کے
"ایک اسے دے دی ہے۔ دوسری کچن کیبنٹ میں ہے۔ مجھے ا
پر بہت ترس آرہا ہے۔ تم اس کی التجا سن لیتے تو دونوں ہی بوتل
اسے سونپ دیتے۔ ایک دن کی قید میں وہ بالکل بدل کر رہ گ
ہے۔"

"کیا اس کے ساتھ کوئی زیادتی بھی ہوئی ہے؟" اول خان
معنی خیز اور سرگوشیانہ لہجے میں وہ گول مول سا سوال کیا اور غزا
موضوع کی نزاکت بھانپ کر فوراً ہی وہاں سے چلی گئی۔

"کچھ نہیں معلوم.... اس نے سختی سے اپنی زبان بند کی ہ
ہے" میں نے ایک گہرا سانس لے کے کہا۔

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ دو چار دن میں خود ہی ہرا
اگلتی چلی جائے گی" وہ ناصحانہ انداز میں بولا۔ "اس پر جو
گزری' اسے ٹالنا تمہارے بس سے باہر تھا مگر تم نے اس کے
بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ کارڈیو سوچ کی دہشت پھیلا کر تم
انہیں بالکل بے دست و پا کر دیا تھا....."

"آخری لمحات پر ایک حماقت ہوتے ہوتے رہ گئی" میں
اس کی بات درمیان سے اچک کر کہا "سلطان شاہ ان کے خوف
فولادی پائپ کو بم میں تبدیل کر چکا تھا اور میں ان کو گولیوں کا
بننے کے خوف سے ویرا سمیت اندر ہی رکا ہوا تھا۔ میرے ذ
سے یہ بات بالکل نکل گئی تھی کہ کارڈیو سوچ کی دہشت کی وجہ
وہ مجھ پر فائر کرنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔ مجھے وہاں سے
میں ذرا بھی تاخیر ہوتی تو میرے اور ویرا کے چیتھڑے اُڑ
جاتے۔ سلطان شاہ وہ پائپ نہ پھینکتا تو دوربین سے بھی ان
باقیات کا پتا نہ چلتا۔"

"فرضی بساط بچھانے میں ایسی بدحواسیاں ہو جاتی ہیں
خوشی ہے کہ آج کا دن ان کے لئے بربادیوں کا پیغام لے کر
ہوا تھا۔ میرے رابطے ٹوٹے ہوئے ہیں اس لئے مجھے عمار
تباہی اور وہاں ہونے والے جانی نقصان کے بارے میں معلو
نہیں مل سکیں۔ سلطان شاہ تو پُر امید ہے کہ اس دھماکے
تینوں ہی ہلاک یا زخمی ضرور ہوئے ہوں گے۔"

"آج کا دن واقعی یادگار تھا۔ آج تمہاری بھالی کا پہلا

صبح سویرے بدرود اوا کو ٹھکانے لگوا کر تم نے دوسری کامیابیوں کی داغ بیل ڈالی تھی۔ اگر مقامیوں اور غیر ملکیوں کے درمیان فساد ہونے کے نتیجے میں وہ سب فرار نہ ہو گئے ہوتے تو ہمیں وہاں بھاری نفری کا سامنا کرنا پڑتا۔ خوش قسمتی سے وہاں وہ صرف تین افراد تھے اور ہم دونوں نے آسانی سے ان پر قابو پالیا۔"

"یہ خبر حیران کن ہی نہیں چونکا دینے والی ہے کہ اب راس الیڈا خود پاکستان پہنچ گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس بار وہ کوئی بڑی سازش تیار کر رہے ہیں۔ راس الیڈا چھوٹے موٹے معاملات اپنے ملازمین کی صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے اور خود الگ رہتا ہے" اول خان نے فکر مندی سے کہا۔

"صورتِ حال سنگین ہے لیکن میرا خیال ہے کہ آج کے واقعات نے ان کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہو گا۔ اب انہیں کسی بھی پیش رفت کے لئے از سرِ نو منصوبہ بندی کرنی ہو گی۔"

"دعا کرو کہ جلد از جلد ہم لوگوں کے سلب کئے ہوئے نوادرات بھی واپس مل جائیں تو میں ان حرام زادوں کی ٹانگیں توڑ ڈالوں گا۔ میں ابھی تک ویرا سے نہیں ملا ہوں مگر مجھے اس کی حالت پر شدید صدمہ ہے۔ اس کے مجرموں سے انتقام لئے بغیر مجھے سکون نہیں مل سکے گا۔"

"یہ جنگ اب چل ہی پڑی ہے۔ ابھی تک ایلین اپنے سرپرستوں کو سبز باغ دکھا رہا ہو گا۔ آج کے بعد وہ سب بھی ڈر جائیں گے۔ آج راس الیڈا اور ایلین کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہی ان کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ سفارتی مراعات کی آڑ میں عیاشیاں کرنے والے ایسے خطرات سے دور بھاگتے ہیں۔"

"ایک بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی" سلطان شاہ نے کہا "مائیکل جونز کو تو ہم نے ایک بدترین مقابلے کے بعد مارا تھا۔ اس نے تمہیں اپنی خاندانی البم کب دکھائی تھی؟"

"کبھی بھی نہیں۔ وہ بروقت سوچا ہوا سفید جھوٹ تھا جو چل گیا۔"

"پھر تم نے راس الیڈا کو نقاب میں ہونے کے باوجود کیسے پہچان لیا تھا؟"

"میں ایلین کے ساتھ دانستہ چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا اور اس کی گفتگو سے مجھے اشارے مل رہے تھے کہ اس کا تیسرا ساتھی راس الیڈا ہی ہو سکتا ہے" میں نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

"اشارے غیر یقینی ہوتے ہیں" اول خان نے کہا۔ "شاید اس معاملے میں وہ بھی الجھن محسوس کر رہا تھا" سلطان شاہ نے جب یہ بتایا کہ تم نقاب پوش کو دیکھتے ہی ادب و احترام سے کھڑے ہو گئے تھے تو میں حیران رہ گیا۔ محض اشاروں کی بنا پر کوئی اتنا پُر یقین نہیں ہو سکتا۔"

"اسے تم خود اعتمادی کہہ سکتے ہو۔ میں نے پورے اعتماد سے اسے راس الیڈا کہا۔ وہ راس الیڈا ہی تھا اس لئے میرے غیر متوقع دعوے پر بوکھلا کر اپنی اصلیت کا اقرار کرتا چلا گیا۔ وہ کوئی اور ہوتا تو میں پورے خلوص سے اپنے غلط اندازے پر معذرت کر کے خاموش ہو جاتا۔ وہاں ساری لڑائی ہی اعصابی تھی۔ وہ مجھے گھیر رہے تھے اور میں انہیں پھانسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ہار گئے اور ہم جیت گئے۔"

میں نے اول خان کو پیشکش کی کہ وہ میرے ساتھ ویرا کے کمرے میں جا کر اس سے ملاقات کر لے لیکن اس نے سختی سے انکار کر دیا۔ ویرا اس وقت جس پیچیدہ ذہنی کیفیت سے دوچار تھی اس میں اسے سکون اور آرام کی ضرورت تھی۔ غیر ضروری مداخلت اس کے لئے کرب انگیز ثابت ہو سکتی تھی۔

اول خان نے رابطے کے لئے دفتر کے ساتھ گھر کا نیا فون نمبر بھی دے دیا۔ اس کا خیال تھا کہ ایلین اور راس الیڈا کی سرگرمیوں کے سلسلے میں آنے والے چند روز اہم ثابت ہو سکتے ہیں اس لئے ہمیں ایک دوسرے کو ہر چھوٹی بڑی بات سے باخبر رکھنا چاہئے۔

کچھ دیر بعد وہ واپس چلا گیا۔ غزالہ نے ہماری مہم کی پوری چشم دید کہانی سلطان شاہ کی زبانی سے سن لی تھی مگر پھر بھی اس کے ذہن میں بہت سے سوالات چبھ رہے تھے۔ اول خان کے جاتے ہی وہ مجھے گھیر کر بیٹھ گئی اور مجھے بہت سی باتیں ایک بار پھر دہرانی پڑ گئیں۔

اسی دوران میں سلطان شاہ نے بتایا کہ جب میں سویا ہوا تھا تو جہانگیر کا فون آیا تھا۔ اس نے صرف اتنا بتایا کہ اس نے باہر سے اپنی بیوی کو فون کیا تھا اور ان مذاکرات کے نتیجے میں ہونے والی مصالحت کی وجہ سے وہ ہماری طرف آنے کے بجائے سلمٰی کے پاس واپس جا رہا تھا۔

وہ ایک اچھی خبر تھی۔ جہانگیر میرا بہت گہرا اور قریبی دوست تھا لیکن مایوسی کے لمحات میں وہ اپنی اوقات سے زیادہ شراب پی کر دوسروں کے لئے ایک عذاب بن جاتا تھا۔ میرے حق میں یہی بہتر تھا کہ لڑنے بھڑنے کے باوجود جہانگیر اپنی بیوی کے گرد منڈلاتا رہے۔ اس طرح مجھے صرف جہانگیر کے مسائل ہی سے نہیں سلمٰی کی ذومعنی عنایتوں سے بھی نجات حاصل ہو سکتی تھی۔

"اور مسز غنی نے بھی دوبارہ فون کیا تھا" جہانگیر کا معاملہ طے ہونے کے بعد غزالہ نے بتایا "وہ کسی سلسلے میں آپ سے جلد از جلد بات کرنا چاہتی ہے۔ ایک فون کر کے اس بے چاری کی بھی تسلی کرا دیں۔"

میں نے غزالہ کو گھورتے ہوئے فون اپنی گود میں رکھ لیا اور اس پر غزالہ کا بتایا ہوا نمبر ملانے لگا۔

دوسری طرف سے پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا۔ میں نے مسز غنی کی مترنم آواز پہچان کر اپنا تعارف کرایا۔ "میں دلاور بول رہا ہوں۔ آپ کے فلیٹ کا نیا کرائے دار۔ شاید آپ نے میرے

لئے دو مرتبہ فون کیا تھا مگر میں ابھی ابھی گھر واپس آیا ہوں۔ فرمایئے' میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"دلاور صاحب! میں ایک ہی ملاقات میں آپ سے بہت زیادہ متاثر بلکہ مرعوب ہو گئی ہوں" ریسیور میں مسز غنی کی اضطراری آواز سنائی دی "میں ایک اہم ذاتی سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔"

میں چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے غزالہ کی طرف دیکھ کر اپنے دیدوں کو گردش دی اور کہا "یہ آپ کی عزت افزائی ہے کہ مجھ جیسے اجنبی کو اپنے کسی ذاتی معاملے میں اعتماد میں لینا چاہ رہی ہیں مگر میں خود کو ایسے اعتماد کا اہل نہیں سمجھتا۔ میں ویسے بھی صبح سے شام تک اپنے کاروباری مسائل میں الجھا رہتا ہوں۔"

"دلاور صاحب' پلیز!" اس کی آواز میں التجا سمٹ آئی "یوں سمجھ لیں کہ یہ میرے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ میں نے اپنے رشتے داروں اور جاننے والوں میں سے ہر ایک کے بارے میں سوچا لیکن صلاحیت اور رازداری کے پیمانے پر کوئی پورا نہیں اترتا۔ مجھ سے ملاقات کے بعد آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ میں غلط نہیں کہہ رہی۔ آپ کی مہربانی سے میرا گھر دوبارہ آباد ہو سکتا ہے۔"

لمحہ بھر کے لئے میری کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔ وہ سیدھی سادی شادی کی تجویز تھی۔ پہلی بار اس کا گھر بس کر اجڑ چکا تھا اور اب وہ مجھ پر دانت جمائے بیٹھی تھی۔ میں نے رکھائی سے کہا "آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں شادی شدہ ہوں اور خود میں دوسرا گھر بسانے کی ہمت نہیں پاتا۔"

"اوہ... ! آپ مجھے غلط نہ سمجھیں۔ میرا مطلب تھا کہ آپ نے مجھ سے تعاون کیا تو مجھے میرے گم شدہ شوہر واپس مل سکتے ہیں۔ یہ بہت ثواب کا کام ہے۔ مجھے مایوس نہ کریں۔"

مجھے یک بہ یک وہ معاملہ دلچسپ نظر آنے لگا۔ میں نے نرمی سے کہا "میں اپنی غلط فہمی پر معذرت خواہ ہوں۔۔۔ آپ کل شام میرے گھر تشریف لا سکتی ہیں۔ میں دیکھوں گا کہ آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔"

"کیا ہم باہر کسی ہوٹل وغیرہ میں نہیں مل سکتے؟" اس کی آواز متردد تھی۔

"کیا اس کا کوئی خاص سبب ہے؟" جواب دینے کے بجائے میں نے سوال داغ دیا۔

"گھر میں آپ کی بیگم کی وجہ سے کھل کر بات نہیں ہو سکے گی۔"

"اس بارے میں آپ مطمئن رہیں۔ میری بیوی میری دوست بھی ہے۔ ضرورت پیش آنے پر وہ ہمیں مکمل تخلیہ فراہم کر سکتی ہے۔ اس کی وجہ سے آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی" میں نے کہا۔

"آپ واقعی بہت شریف انسان ہیں۔ میں کل شام پانچ بجے آپ کے گھر آؤں گی۔"

"یا مظہر العجائب!" فون بند کر کے میں دونوں ہاتھوں سے اپنی کھوپڑی سہلاتے ہوئے بولا "یہ فلیٹ کرائے پر لیا ہے تو یہاں بھی ایک ضرورت مند عورت نکل آئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے لئے آسمان سے نت نئے مسائل نازل ہوتے ہیں۔ ایک چکر ختم نہیں ہوتا کہ دو شروع ہو جاتے ہیں۔"

"اس خوبصورت عورت کو کیا تکلیف پیدا ہو گئی؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"تفصیل کل بتائے گی۔ یہ اس کے گمشدہ شوہر کی بازیابی کا معاملہ ہے۔"

"اور وہ دوسرا گھر بسانے والی بات کیا تھی؟" غزالہ کی غزالی آنکھوں میں شبہات تیر رہے تھے۔

ان دونوں کے انفرادی سوالات کے چنگل سے بچنے کے لئے میں نے فون پر دوسری طرف سے کہے جانے والے تمام مکالمے بلا کم و کاست دہرا دیے اور غزالہ کی شفاف آنکھوں میں دوبارہ شرارت ناچنے لگی۔

"یہ کوئی سیدھا معاملہ ہوتا تو اسے ایروں غیروں کا احسان لینے کے بجائے پولیس سے رجوع کرنا چاہئے تھا۔ مجھے تو دال میں کچھ کالا معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے ادھر کرائے داری کے معاہدے پر دستخط کئے اور ادھر اس کے گمشدہ شوہر کی واپسی کے امکانات پیدا ہو گئے۔ پتا نہیں یہ خوب صورت عورتیں دنیا کے سارے مردوں کو اتنا بیوقوف کیوں سمجھتی ہیں؟"

"سب کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکو ورنہ میں بھی ان میں شمار کی جاؤں گی" غزالہ نے اسے ٹوکا۔

"تم دونوں یہ جھگڑا طے کرو۔ میں ویرا کی خیر خبر لیتا ہوں" میں وہاں سے اٹھ گیا۔

میں گھر میں سب ہی سے ہنس بول رہا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ میرا دل ویرا کے لئے پریشان تھا۔ میں اس کا دکھ جان کر جلد از جلد اس کا ازالہ کرنا چاہ رہا تھا مگر اس نے زبان بندی کے ساتھ ہی گوشہ نشینی بھی اختیار کر لی تھی۔ اس کی پُر اسرار خاموشی کی وجہ سے میرے ذہن میں ایسے ایسے خیالات پیدا ہو رہے تھے کہ میرا دورانِ خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگتا تھا۔

میں نے ویرا کی خواب گاہ کے دروازے پر انگلی کی پشت سے ہلکی سی دستک دی۔

"کم اِن!" اندر سے ویرا کی خمار سے بوجھل آواز سنائی دی اور میں آہستگی سے دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرے کی فضا سگریٹوں کے دھوئیں اور الکحل کی تیز بو سے رچی ہوئی تھی۔

ویرا اپنی بائیں کہنی پر سر ٹکائے مسہری پر نیم دراز تھی۔ سائڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی بڑی ایش ٹرے سگریٹوں کے مسلے ہوئے ٹکڑوں سے بھری ہوئی تھی اور اس وقت بھی ویرا کے داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں ایک سلگتی ہوئی سگریٹ دبی ہوئی تھی۔

ایش ٹرے کے برابر میں بلیک لیبل کی میڈیم سائز بوتل رکھی
تھی جو نصف سے بس ذرا ہی زیادہ تھی۔ اس کے پیچھے رکھے
ے آئس پاٹ کی بیرونی سطح پر جمع ہونے والے آبی بخارات میز پر
بہہ کر قالین کے ایک حصے پر داغ ڈال رہے تھے۔ وہیں طلائی
ل کا ایک گلاس رکھا ہوا تھا جس میں برف کے کئی ڈلے تیر رہے
اس وقت وہ آراستہ اور مکلف خواب گاہ کسی بگڑی ہوئی امیر
ادی کے ذاتی کمرے کا سماں پیش کر رہی تھی۔ میں نے اندر کا
ازہ لیتے ہی دروازہ بند کر دیا۔

"آؤ!" ویرا نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا "مجھے معلوم تھا کہ
ضرور آؤ گے..... بیٹھ جاؤ!"

میں مسہری کے قریب ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور ملامت آمیز
ظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ کیا کر رہی ہو؟ کیا
حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی....."

"با..... آ..... س!" اس نے اپنا داہنا ہاتھ فضا میں بلند کر کے
میری بات کاٹ دی پھر اسی ہاتھ میں دبی ہوئی سگریٹ ایک جھٹکے
سے اپنے ہونٹوں سے لگالی۔ ایک گہرا کش لینے کے بعد دہانے اور
نتھنوں سے کثیف دھوئیں کے مرغولے خارج کرتے ہوئے اس
نے اپنی بات جاری رکھی "میں ڈیلکس اسکاچ پی رہی ہوں۔ چاہو تو
تم بھی پی سکتے ہو..... بلکہ سب کو بلالو' مل جل کر پینے میں بہت لطف
آتا ہے" اس کے متورم ہونٹوں پر ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ
پھیل گئی تھی۔

"تم نے ابھی تک اپنی کہانی نہیں سنائی' تم کس طرح ان
درندوں کے ہتھے چڑھ گئی تھیں؟"

"ستارے گردش میں آجائیں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ میں
اچانک پانچ آدمیوں کے نرغے میں آگئی۔ وہ سب مسلح تھے اور ان
میں سے ایک مجھے اچھی طرح پہچانتا تھا..... لیکن اب یہ سب نہ
پوچھو۔ جو ہونا تھا' وہ ہو گیا۔ ہم سب مل کر بھی اسے واپس نہیں
لاسکتے۔ میں نے بھی ابھی تک نہیں پوچھا کہ تم بھیڑیوں کے اس
بھٹ میں کیسے پہنچے تھے" اس نے خاموش ہو کر گلاس اٹھایا اور
اسکاچ کا ایک چھوٹا سا گھونٹ اپنے دہانے میں گھمانے کے بعد
معدے میں اتارتے ہوئے بولی "مجھے امید نہیں تھی کہ میں ان کی
قید سے نکل سکوں گی۔ میں نے وہاں زندگی کو ایک نئے اور بے
وقعت روپ میں دیکھا ہے۔"

میں اس دوران میں سگریٹ سلگا چکا تھا۔ میں نے آہستہ سے
پوچھا "انہوں نے تم پر تشدد کیا تھا؟"

"میں نے آئینے میں اپنا بگڑا ہوا چہرہ دیکھا ہے۔ کمال ہے کہ تم
دیکھتے ہوئے بھی یہ سوال کر رہے ہو۔"

شراب نوشی کی کثرت کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں سرخ
سی چمک عود کر آئی تھی' پتلیاں سکڑ کر ڈگمگا رہی تھیں لیکن اس کی
باتیں بے ربط نہیں تھیں۔ اس کا لب و لہجہ بدلا ہوا تھا' گفتگو میں
سے شوخی کافور ہو چکی تھی لیکن ہر فقرہ ایک دوسرے سے مربوط اور
بامعنی تھا۔ یہ میرا اپنا تجربہ تھا کہ ویرا بہت زیادہ پی لینے کے بعد بھی
نشے میں کبھی نہیں بہکی تھی۔

"تمہارے چہرے کے ساتھ جو بے رحمانہ سلوک ہوا ہے' وہ
نظر آرہا ہے' بہت کچھ لباس میں ہے..... میں جاننا چاہ رہا تھا کہ
تمہیں کسی مدد..... میرا مطلب ہے کہ طبی امداد کی ضرورت تو نہیں
ہے؟" میں نے بوکھلاتے اور ہکلاتے ہوئے رک رک کر اپنی بات
مکمل کی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں لباس اتار کر تمہیں اپنے زخم دکھا
کر ان کی داد چاہوں کہ میں نے ان کا ہر ظلم سہنے کے باوجود ان کے
کسی معمولی سے معمولی سوال کا جواب بھی نہیں دیا؟"

"میں کچھ بھی دیکھنا نہیں چاہتا' تمہاری زبان سے سننا چاہتا
ہوں۔"

"مجھ پر رحم کرو۔" اس نے اچانک بستر سے اٹھ کر میرے
سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور رندھی ہوئی آواز میں بولی "میں جو
کچھ اس شراب میں گھول کر بھولنا چاہ رہی ہوں' مجھے وہ یاد دلانے
کی کوشش مت کرو۔ انہوں نے میرا جسم زخمی کیا ہے۔ تم میرے
زخموں کو کرید کر میری روح تک کو گھائل کر رہے ہو..... میری طرح
تم بھی شراب پیو اور بھولنے کی کوشش کرو کہ ویرا نے کرسس کا
دن اپنے بدترین دشمنوں کی قید میں گزارا تھا۔"

میں نے فرطِ جذبات سے مغلوب ہو کر ویرا کے دونوں ہاتھ
تھام کر اس کی گود میں گرا دیے۔ اس کی آنکھوں کے گوشوں میں
نمی سی تیرنے لگی تھی۔

میں ویرا سے بہت کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر میں نے بولنے کی
کوشش کی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی گولہ سا میرے حلق اور
سینے میں پھنس گیا ہو۔ میں ویرا سے کچھ بھی نہیں کہہ سکا اور سر جھکا
کر ایک جھٹکے سے اس کی خواب گاہ سے باہر نکلتا چلا گیا۔

باہر سلطان شاہ اور غزالہ انتہائی تجسس کے عالم میں میری
واپسی کے منتظر تھے۔ میں شکست خوردہ انداز میں ان کے سامنے
صوفے پر گر گیا۔ کئی سیکنڈ کی کوشش کے بعد میں بولنے کے قابل
ہو سکا۔ ان دونوں کی مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"وہ خود کو ختم کرلے گی" میں نے بے بسی اور مایوسی سے کہا۔

"وہ بے تحاشا شراب اور سگریٹیں پی رہی ہے اور اپنی قید کے بارے
میں بات کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ بس اتنا پتا چلا ہے کہ اسے پانچ
مسلح افراد نے گھیر کر پکڑا تھا۔ اس پر بہت زیادہ تشدد کیا گیا ہے۔
اس سے آگے وہ خاموش ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ چند روز میں نیل
غائب ہونے کے ساتھ چہرے کا ورم بھی دور ہو گا تو وہ نارمل ہو چکی
ہو گی۔ اس وقت تک میں بھی محتاط رہوں گا۔ اسے ستایا گیا تو وہ ہم
سے بدظن ہو جائے گی۔"

غزالہ نے میز پر کھانا لگانے سے پہلے ویرا کو اطلاع دی تو وہ

فوراً ہی میز پر آبیٹھی۔ اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ اور مخمور نگاہوں میں ہم سب کے لئے بے اعتنائی کے تاثرات تھے۔ ویرا کے آجانے کی وجہ سے غزالہ نے بہت تیزی کے ساتھ کھانا لگادیا۔ اس بار ویرا خاموش ضرور رہی لیکن اس نے بہت ڈٹ کر کھانا کھایا۔ شاید یہ اس کے پیٹ میں اتری ہوئی اسکاچ کا کمال تھا جو کھانا طلب کر رہی تھی۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم سب میرے لئے پریشان ہو" کھانا ختم کرنے کے بعد ویرا نے افسردگی سے کہا "لیکن تمہاری یہ پریشانی بے سود ہے۔ ہم ایک دوسرے کا دکھ بٹا تو سکتے ہیں 'گھٹا نہیں سکتے۔ غزالہ ڈیڈی کی بیوی ہے' سلطان شاہ اس کا منہ بولا بھائی ہے۔ تم تینوں رشتوں کی مضبوط کڑیوں میں جکڑے ہوئے ہو۔ تمہیں ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کا پورا حق ہے.... میں تمہاری کون ہوں؟ کوئی بھی نہیں.... بھٹکی ہوئی ایک آوارہ روح یا شاید وہ بھی نہیں.... تمہیں میرے لئے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں...."

"زیادہ باتیں مت کرو" میں نے سختی سے کہا "تم نے بہت زیادہ پی ہوئی ہے۔ اپنے کمرے میں جاؤ اور خاموشی سے سو جاؤ.... اگر تمہاری شراب نوشی اور سگریٹ نوشی ختم ہو چکی ہے تو کمرے سے دھواں اور بدبو صاف ہونے کے بعد غزالہ تمہارے ساتھ سو سکتی ہے۔"

"کیوں میرے لئے اپنا پہلو خالی کرتے ہو؟" وہ لڑکھڑاتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئی "غزالہ تمہاری بیوی ہے.... میں اب اداس اور تنہا راتیں گزارنے کی عادی ہو گئی ہوں۔"

میں متاسفانہ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ مڑ کر لہراتی اور لڑکھڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ غزالہ احتیاطاً دبے قدموں اس کے پیچھے ہولی۔

"تمہارا نام اب بھی اس کے دل کا کانٹا بنا ہوا ہے" میدان صاف ہوتے ہی سلطان شاہ نیچی آواز میں بول پڑا "نشے کی حالت میں اس کے دل کی باتیں پھسل کر زبان پر آرہی تھیں۔"

"غزالہ کے سامنے یہ بے ہودہ باتیں نہ شروع کر دینا۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ویرا کی ان غلط فہمیوں میں میرا کوئی دخل نہیں ہے۔ شادی کے بعد سے تو میں اور زیادہ محتاط ہو گیا ہوں۔"

"تمہاری احتیاط میں دیکھ رہا ہوں۔ آج کل تم شراب سے بھی خاصا پرہیز کر رہے ہو۔"

"کثرت کسی بھی چیز کی اچھی نہیں ہوتی۔ یہ خیال کبھی بھی آسکتا ہے۔"

"اس وقت بھی تم اندر سے آئے لیکن مے نوشی میں تم نے ویرا کا ساتھ نہیں دیا۔ تمہارے کپڑوں میں سے الکحل کی تیز بدبو آرہی تھی مگر تمہارے سانس بالکل صاف ستھرے تھے۔"

غزالہ' ویرا کو اس کے کمرے کے دروازے تک پہنچا کر لوٹ آئی۔ ویرا نے مڑ کر اس کی طرف دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ غزالہ نے آتے ہی مسکرا کر کہا "اس وقت موصوفہ کی رگ رگ کچھ اتری ہوئی ہے۔ دروازے پر کوئی الیہ انگریزی دھن گنگنانے کی ناکام کوشش فرمارہی تھیں۔"

سلطان شاہ نے اس موضوع کو وہیں دفن کرنے کے لئے ٹیلی وژن آن کر دیا۔

ہم تینوں سہ پہر میں نیند لے چکے تھے اس لئے دیر تک ٹیلی وژن کے سامنے جمے رہے۔ چائے نوشی کے ساتھ گپ شپ کا دور بھی چلتا رہا۔ ہماری گفتگو کا محور وہی تھا جس سے ہم عملی طور پر دو چار تھے۔ دو بجے کے قریب محفل اختتام کو پہنچی تو میں نے نہایت خاموشی سے ویرا کی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ ویرا روشنیاں گل کئے بغیر مسہری پر گہری نیند سو رہی تھی۔ میں آہستگی سے دروازہ بند کر کے واپس لوٹ آیا۔ ویرا کو مے نوشی کا یہ فائدہ ہوا تھا کہ وہ بے خبری کی نیند سو رہی تھی۔

اگلی صبح ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد سلطان شاہ پوری طرح تیار ہو کر اپنے کمرے سے برآمد ہوا تو میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ پتا چلا کہ پچھلے دن ان لوگوں کی خریداری ادھوری رہ گئی تھی اس لئے بقیہ خریداری اور گھر پر اخبار کے باقاعدہ بندوبست کے لئے وہ غزالہ کے ساتھ بازار جارہا تھا۔

ویسے تو ان دنوں ہم سب کے لئے محتاط رہنا ناگزیر ہو چکا تھا لیکن راس المیڈا اور ایلن سے جھڑپ کے بعد سلطان شاہ کا آزادانہ طور پر باہر جانا قرین مصلحت نہیں تھا۔ میں نے اسے روک لیا اور غزالہ کو تاکید کر دی کہ وہ واپسی پر صبح کے اخبارات اپنے ساتھ لیتی آئے۔

سلطان شاہ میری اس ہدایت پر احتجاج کرتے ہوئے دوبارہ اپنے کمرے میں گھس گیا۔ ویرا اس دن اپنے کمرے سے باہر نہیں آئی تھی۔ غزالہ نے اسے ناشتا بھی کمرے میں پہنچایا تھا۔ غزالہ کے چلے جانے کے بعد میں ڈرائنگ روم کے ایک کشادہ صوفے پر دراز ہو کر ایک پرانے اخبار کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔ بے کاری کا وقت گزارنے کا وہی بہترین طریقہ تھا۔ اخبار کی تمام اہم سرخیاں چاٹ لینے کے بعد مجھ پر اکتاہٹ نے حملہ کر دیا۔ میں نے اپنی بے زاری دور کرنے کے لئے جہانگیر کو فون کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے سلمیٰ کی چہکتی ہوئی آواز سن کر میری امیدوں پر اوس پڑ گئی۔

فون کی گھنٹی کی آواز سن کر سلطان شاہ نے کمرے سے باہر جھانکا اور مجھے فون پر مصروف دیکھ کر دوبارہ اندر گھس گیا۔ میں نے فون کو ہاتھ نہ لگایا ہوتا تو شاید وہی سلمیٰ کو بھگت لیتا۔

"کہو.... آج اتنے سویرے کیسے فون کیا ہے؟" میں نے مضمحل سی آواز میں پوچھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟ آواز کچھ سست معلوم ہو رہی ہے" اس نے وہ تبدیلی فوراً ہی بھانپ لی۔

"سر میں معمولی سا درد ہے۔ تم سناؤ کیا حال چال ہیں؟"

"جہانگیر کل گھر لوٹ آئے" اس کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑ

سرے سرے پر جی لائیڈ، جم کلارک، صدرِ امریکا اور راس
الینڈا جیسی نام نہاد عظیم المرتبت ہستیاں ہوتی ہیں۔ درمیان میں
کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا، وہ تم خود سوچ سکتی ہو۔"

"تم امریکا کے صدر کی بہت بے رحمی سے تذلیل کر رہی ہو!"
فرالہ نے اس کی گرفت کی۔

"کیوں نہ کروں؟" ویرا بپھر گئی۔ "وہ میرے باپ کا قاتل ہے۔
جی لائیڈ نے اس کے مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے اپنی زندگی تج
دی۔ امریکا کے بگڑے ہوئے رئیس زادوں کو ہیروئن کی تباہ کاریوں
سے بچانے کے لیے تقریباً آدھے کرۂ ارض پر پسماندہ اور ترقی پذیر
ملکوں میں ہیروئن کی منڈیاں پیدا کیں۔ اس کی کوششوں کی وجہ سے
امریکا میں ہیروئن اتنی کم یاب ہوگئی تھی کہ اس کی قیمت عام
امریکنوں کی قوتِ خرید سے باہر ہو چلی تھی مگر اسے اپنی خدمات کا
کیا انعام ملا......؟ وہ وائٹ ہاؤس میں امریکا کے صدر سے مل کر
آیا۔ پتا نہیں اس نے صدر کی کس دُکھتی رگ پر انگلی رکھ دی تھی
کہ باہر قزاقِ اجل اس کا منتظر تھا۔ وائٹ ہاؤس کے باہر کسی
نامعلوم قاتل کی چلائی ہوئی ایک بے آواز گولی میرے باپ کی
خدمات کا انجام تھی۔ وہ مارا گیا، جم کلارک کو فوراً اس کا جانشین
مقرر کر دیا گیا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے باپ کی میت پر اپنی ترقی کا
حلف لینے والا پاکستان آیا اور یہاں ڈینی کے ہاتھوں ایک کتے کی
موت مارا گیا مگر اس کی موت جی لائیڈ کو واپس نہیں لا سکی۔ میں
مانتی ہوں کہ وہ میرا قانونی نہیں، فطری باپ تھا مگر مغرب میں اب
قانون اور مذہب سے زیادہ فطرت کی فرماں روائی ہے۔ مغرب میں
کروڑوں کی تعداد میں ایسے مرد و زن سماجی افتخار کے درجوں پر فائز
ہیں جو مشرق کی روایات اور مغرب کے مذہب و قانون کے تحت
حرامی ہیں۔ اپنی ذات کے المیے کا انتقام لینے کے لیے وہ ہر روز بن
بیاہی ماؤں کو جنم دے رہے ہیں۔ میری بات لکھ لو کہ مغرب میں یہ
رسم چل ہی پڑی ہے تو اب ملکائیں اور شہزادیاں بھی اپنی کوکھ سے
ایسے بچوں کو پیدا کریں گی جن کے سروں پر کسی مذہبی یا قانونی باپ
کا سایہ نہیں ہوگا...... شاید میں بھٹک رہی ہوں مگر تم کو یہ بتانا
ضروری ہے کہ میں اپنے والدین کی لغزشوں کی اکلوتی مثال نہیں
ہوں، مغرب میں اب یہی ہو رہا ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں، کتوں اور
بلیوں کی طرح جسے چاہتے ہیں، اپنا عارضی ساتھی چن لیتے ہیں اور
دل بھر جانے پر آگے چل دیتے ہیں۔ ناکردہ گناہ بچوں کو ہوش
سنبھالتے ہی منجدھار میں ہانک دیا جاتا ہے کوئی کسی سے نہیں
رہی تھی "میں نے سوچا کہ فون کرکے تمہارا شکریہ ادا کر دوں۔ ان
کے غائب ہو جانے پر میں بہت زیادہ پریشان تھی۔"

"میرے شکریے کی کیا ضرورت ہے؟ تمہیں جہانگیر کا شکر
گزار ہونا چاہیے۔"

"انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ تمہارے سمجھانے بجھانے پر ہی
انہوں نے گھر لوٹنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تم ان کی حوصلہ شکنی نہ کرتے
تو ابھی کئی دنوں تک گھر کا رخ نہیں کرتے۔"

وہ جہانگیر کا سفید جھوٹ تھا۔ میں نے اسے سرے سے کچھ
نہیں کہا تھا۔ شاید وہ خود ہی اِدھر اُدھر کے دھکے کھا کر اتنا پریشان
ہو گیا تھا کہ میرے نام کی آڑ لے کر اپنی بیوی سے سمجھوتا کر بیٹھا تھا
اور فون پر مذاکرات کے بعد اس کے پہلو میں پہنچ گیا تھا۔ وہ جہانگیر
کا ایک اچھا فعل تھا۔ میں نے خوش دلی سے کہا "اچھے دوستوں کا
کام ہی سیدھا راستہ دکھانا ہے۔ میں اسے کیا، تمہیں بھی اونچ نیچ
سمجھاتا ہی رہتا ہوں۔ تم دونوں کے مراسم میں کئی بار ایسے نازک
مراحل بھی آئے جب تم اس سے متنفر ہو چکی تھیں۔ میں نے ایسے
لمحات میں بھی تمہیں ورغلانے کے بجائے غصہ تھوک کر مراسم
استوار رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔"

"تم بہت اچھے اور باوقار مرد ہو۔ مجھے شاید تمہاری یہی
ادائیں اچھی لگتی ہیں کہ تم اپنی بیوی کے وفادار ہو۔ ایک یہ ہیں کہ
انہیں کوئی لولی لنگڑی فقیرنی بھی اشارہ کرے تو یہ رال ٹپکاتے ہوئے
اس کے پیچھے چل دیں گے۔ میں ان کی ایسی ہی حرکتوں پر سلگتی اور
کڑھتی رہتی ہوں۔"

"جہانگیر ایسا بھی گیا گزرا نہیں ہے کہ لولی لنگڑی فقیرنیوں کے
پیچھے خجل و خوار ہوتا پھرے۔ وہ رنگین مزاج ضرور ہے مگر اپنے
ذوق اور معیار کے مطابق پینگیں بڑھاتا ہے۔"

"جو آدمی اپنے دفتر میں کام کرنے والیوں پر بری نگاہ رکھتا ہو
اس کا کوئی ذوق یا معیار نہیں ہو سکتا۔ اسے تو بس عورت درکار
ہوتی ہے، اجنبی اور پرائی عورت جو اس کی بیوی نہ ہو۔"

"تم آج تک یہی نکتہ نہیں سمجھ سکیں۔ وہ فیکٹری یا دفتر میں
کام کرنے والیوں سے عشق نہیں لڑاتا تھا بلکہ عشق لڑانے کے بعد
اپنی پسندیدہ عورتوں کو خاص خاص کاموں پر ملازم رکھتا تھا۔ وہ اتنا
سخت اور با اصول نہ ہوتا تو اس کی گارمنٹ فیکٹری دو مہینے بھی نہیں
چل سکتی تھی۔"

"اب کون سی چل رہی ہے۔ مس خان کے مرتے ہی فیکٹری
بھی جل کر راکھ ہو چکی ہے اور وہ اب انشورنس کمپنی کو لوٹنے کے
چکر میں پڑے ہوئے ہیں..... روزگار تو گیا ہی تھا، ہم اپنے گھر تک
سے محروم ہو چکے ہیں۔ پتا نہیں کب اپنی چھت کا سایہ میسر آئے
گا۔"

"سب سوچنا چھوڑ دو۔ مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا
ہے۔ جہانگیر کو ذرا سا ذہنی سکون میسر ہو تو وہ آج ہی ایک نیا گھر خرید
سکتا ہے۔ تم میری یہ پیشین گوئی کہیں لکھ لو کہ بیمے کی رقم ملنے کے
بعد وہ دوبارہ فیکٹری لگائے گا اور فائدے میں رہے گا۔ ہو سکتا ہے

کہ میں بھی اس کے کاروبار میں حصے دار بن جاؤں۔"

ریسیور میں اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی گونجنے لگی اور وہ ہنسی کے درمیان میں ہی بولی "یہ شیخ چلی جیسے منصوبے ہیں۔ تم ٹک کر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ شادی نبھا رہے ہو' یہی ایک بڑا کام ہے۔ کاروبار میں ان کے حصے دار بن گئے تو تم بھی ان کے رنگ میں رنگ کر پرائی عورتوں کے پیچھے بھاگنے لگو گے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ آج تم بہت روانی سے بول رہی ہو" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر نے دل کھول کر اپنی غیر حاضری کا ازالہ کیا ہے۔ ویسے تو وہ اپنے بچے کی رٹ لگائے رہتا ہے لیکن میرا اندازہ ہے کہ اسے تمہاری بھی عادت پڑ گئی ہے۔ پالتو جانور دانہ کہیں بھی کھائے' پانی اپنے پیاؤ پر ہی پیتا ہے۔"

"کبھی کبھی تم بہت بے شرمی کی باتیں کرنے لگتے ہو۔ یہ بتاؤ کہ اپنے گھر پر کب بلا رہے ہو؟"

"بلانے کا معاملہ ابھی دور ہے۔ پروگرام بنا کر کسی بھی دن آجاؤ۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ غزالہ کہیں گئی ہوئی ہے جب ہی تم یوں کھل کر باتیں کر رہے ہو۔"

"وہ نہا رہی ہے" میں نے ہنس کر کہا "ویسے میں اس کے سامنے بھی کھل کر بات کر سکتا ہوں کیونکہ میرے دل میں چور نہیں ہے اور وہ مجھ پر پوری طرح اعتماد کرتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تم سے میری کچھ ٹیڑھی مگر صاف ستھری رشتے داری ہے جس سے اسے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"اس وقت تو تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لئے فون کیا تھا۔ دو چار دن میں ادھر آنے کا ارادہ ہوا تو ایک دن پہلے فون پر تمہیں یا غزالہ کو بتادوں گی۔ جہانگیر سے ملاقات ہو تو انہیں سمجھا دینا کہ وہ میرے لئے ایک بار گندہ لفظ استعمال کر چکے۔ اب یہ دوبارہ ان کی زبان پر نہیں آنا چاہئے۔ تین مرتبہ کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے پر حرام ہو جائیں گے۔ زیادہ پی لینے کے بعد وہ بہت زیادہ بننے اور بہکنے لگتے ہیں۔"

"نہ صرف سمجھا دوں گا بلکہ اس مضمون کی ایک تختی بھی اس کے گلے میں ڈال دوں گا۔"

اس سے بات ہونے کے بعد میرا موڈ حیرت ناک حد تک خوشگوار ہو گیا۔ ذہن پر چھائی ہوئی اکتاہٹ بالکل دور ہو چکی تھی جیسے اس کا وجود ہی نہیں رہا ہو۔

فون پر گفتگو ختم ہوتے ہی سلطان شاہ میرے پاس آدھمکا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ جیسے فون پر میری گفتگو ختم ہونے کا ہی انتظار کر رہا تھا۔

"تم تو ناراض ہو کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ اب کیوں جھک مارنے کے لئے آئے ہو؟" میں نے کہا۔

وہ ڈھٹائی سے ہنس پڑا "ویرا کا کچھ اثر آگیا تھا۔ مجھے تو ذرا سی دیر میں ہی کمرے میں وحشت ہونے لگی۔ وہ کل سے اندر گھسی پا
نہیں کیسے وقت گزار رہی ہے" پھر وہ ایک دم ہی لہجہ بدل کر بولا "کس کا فون تھا؟ بہت دیر تک ہنس ہنس کر باتیں ہو رہی تھیں۔"

"تم زندگی بھر دوسروں ہی کی نگرانی کرتے رہنا۔ کبھی خود بیاہ نہ کرنا۔ آخر تم کب تک لنڈورے پھرتے رہو گے؟"

"میں تم سے یہی تو پوچھنے آیا تھا" وہ کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"کیا؟" میں نے اس پر آنکھیں نکالیں "اب یہ باتیں بھی میں ہی تم کو بتاؤں گا.... باہر نکل کر اپنے مطلب کی کوئی شریف زادی ڈھونڈو اور اپنا گھر بسالو۔ اس میں 'میں کیا کر سکوں گا۔"

"میرا بھی یہی مطلب تھا۔ ہم کب تک فلیٹ میں محصور رہیں گے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ فلیٹ بہت کشادہ اور پُر آسائش ہے لیکن پہاڑ جیسے دن اس چاردیواری میں نہیں گزارے جاسکتے۔"

"چند روز تک صبر کے ساتھ ویرا کی تقلید کرو۔ جس دن اوّل خان کو اس کے اختیارات واپس مل گئے' میں نئے ناموں سے سب کی شناختی اور سفری دستاویزات بنوالوں گا پھر کوئی بھی ہمیں ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔ کیونکہ خوش قسمتی سے ابھی تک پولیس والوں کے پاس ہمارا ریکارڈ نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک سوچ رہے ہو۔ البرٹو ویلیسا نے تو فنگر پرنٹس کے ریکارڈ کو بھی دھوکا دینے کا بندوبست کر لیا تھا پھر ہم نیا روپ کیوں نہیں اختیار کر سکتے....؟ مگر اس کے ساتھ ہماری شکل و صورت میں بھی تبدیلی آجانی چاہئے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آج ہی سے شیو بنانا ترک کر دوں۔"

"خیال اچھا ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ پولیس والے بھی یہ گر جانتے ہیں۔ آج کل انہیں ہر بارلیش نوجوان کے روپ میں کوئی نہ کوئی روپوش ڈکیت یا دہشت گرد نظر آتا ہے۔ ایسے ملزموں کی شناخت کے لئے وہ سب سے پہلے داڑھی ہی مونڈتے ہیں۔"

"وہ مشتبہ لوگوں پر ہی ہاتھ ڈالتے ہیں۔ جس دن انہوں نے ہر داڑھی والے کو بلا تفریق پکڑنا شروع کیا' اسی دن ایک ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔ دینی مدرسوں کے استاد اور طالب علم ایسی دھاندلی نہیں ہونے دیں گے۔ وہ سب ہی بارلیش ہوتے ہیں۔ تم مجھے بلاوجہ خوف زدہ مت کرو۔"

"میں بھی روز روز کے شیو سے اکتا گیا ہوں" میں نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ سنا ہے کہ باقاعدگی سے ترشی ہوئی داڑھی میں میرا چہرہ زیادہ پُرکشش نظر آتا ہے۔"

"اس بارے میں ویرا زیادہ مستند رائے دے سکتی ہے لیکن وہ بدقسمتی سے کسی کڑک مرغی کی طرح مسہری پر چڑھی بیٹھی ہے۔ ویسے بھی یہ رونق اسی وقت تک ہے جب تک ہمارے سارے بال کالے ہیں۔ جس دن بھی داڑھی میں چاندی کے تار چمکنے لگے' ہماری سوچ بدل جائے گی۔"

ڈور بیل کی آواز پر ہماری نوک جھونک کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا۔

آنے والی غزالہ ثابت ہوئی۔ اس کے چہرے سے دبے دبے جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے اندر آتے ہی تازہ اخبارات میز پر ڈال دیے اور ہیجان زدہ آواز میں بولی "اخبار آپ تک پہنچانے کی عجلت میں آج پھر میری کچن شاپنگ ادھوری رہ گئی۔ کل ان لوگوں کا بھرکس نکل کر رہ گیا ہے۔"

میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ایک اخبار اٹھا چکا تھا جس کے پہلے صفحے پر پی ای سی ایچ ایس کے بلاک نمبر چھ میں ہونے والی بھیانک خوں ریزی کی چار کالمی ذیلی سرخی موجود تھی۔

غزالہ دوسرا اخبار لے کر بیٹھ گئی اور میں سرخیوں کے بعد کئی حوالوں سے شائع ہونے والی اس خبر کے تفصیلی مطالعے میں مصروف ہوگیا۔

اس وقت تک ٹریزر اور اس کے سدھائے ہوئے کتے کو گولیاں مارنے کا واقعہ پرانا نہیں ہوا تھا اس لئے خبر کی ابتدا اسی واقعے سے ہوئی تھی۔ اس مکان میں رہنے والوں پر دو روز سے موت کی نحوست منڈلا رہی تھی۔ ایک قیمتی کتے اور اس کے رکھوالے سے محروم ہونے کے بعد ان لوگوں کو اپنے مقامی محافظوں کے کمانڈر سے بھی ہاتھ دھونے پڑ گئے۔ وہ فیروز آباد پولیس اسٹیشن کے عقب میں کسی نامعلوم قاتل کی تین مہلک گولیوں کا نشانہ بنا تھا۔ بدرو دادا کے نام سے شناخت کیا جانے والا وہ کمانڈر دراصل شہر کا ایک بدنام ہسٹری شیٹر تھا جو پولیس اور قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ٹرانسپورٹ کے کام کی آڑ لے چکا تھا۔

بدرو دادا کے قتل کے بعد اس کے آدمیوں کا غیر ملکیوں سے مسلح تصادم ہوگیا اور پورا علاقہ دھواں دھار فائرنگ سے گونج اٹھا۔ پولیس کے آنے تک سب لوگ فرار ہو چکے تھے۔ مکان میں بس تین غیر ملکی مکین اور کچھ زخمی سفید فام رہ گئے تھے۔ تین زخمیوں نے پولیس والوں کے دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ دیا۔ چوتھا راستے میں مر گیا۔ بقیہ تین زخمیوں کو پولیس کی کڑی نگرانی میں ایک معروف نجی اسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ پولیس نے ان زخمیوں کے بارے میں سخت رازداری اختیار کی ہوئی تھی۔ اخباری نامہ نگاروں یا فوٹو گرافروں کو وہاں پر مارنے کی بھی اجازت نہیں تھی لیکن زخمیوں کے پہنچنے کے بعد اس اسپتال میں سفارتی گاڑیوں کی بھاری آمدورفت کا پراسرار سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔

خون آشام واقعات کا سلسلہ اس کشت و خون پر ختم نہیں ہوا۔ چند گھنٹوں بعد ہی اس عمارت کا ایک بڑا حصہ ہولناک دھماکے کے ساتھ جلتے ہوئے ملبے میں تبدیل ہوگیا۔ علاقے کے بعض مکینوں نے دھماکے سے قبل اس مکان میں متعدد فائروں کا شور سننے کا دعویٰ کیا تھا۔

مکان کے ملبے سے ایک لاش برآمد ہوئی جس کی دونوں ٹانگیں اڑ چکی تھیں اور چھو ملبے میں دب کر بری طرح مسخ ہوگیا تھا۔ اسے بعد میں پیٹرکنگ کے نام سے شناخت کرلیا گیا۔ ایلین نامی دوسرا شخص شدید زخمی تھا۔ اسے بھاری پہرے میں اسی اسپتال میں پہنچا دیا گیا جہاں تصادم کے زخمی زیرِ علاج تھے۔ تفصیلی دیکھ بھال کے باوجود ملبے میں اس گھر کے تیسرے مکین کا سراغ نہیں مل سکا جو مسلح تصادم کے بعد پولیس والوں سے مل چکا تھا۔ اس کا نام راڈنی آرک بتایا گیا تھا۔ عینی شاہدین کے مطابق دھماکے کے کچھ دیر بعد اس مکان سے ایک گاڑی کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہوئی تھی۔ اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک پراسرار قد آور شخص براجمان تھا جس کے سر سے لے کر جسم کے ہر نظر آنے والے حصے پر چست نقاب اور سیاہ لباس منڈھا ہوا تھا۔ شہر کے انتظامی ذرائع نے اس بارے میں مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ سرکاری پریس نوٹ میں ان وارداتوں کی جزئیات سے گریز کرتے ہوئے، ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد بتا کر تفتیش کی آڑ میں سب کچھ پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ان واقعات کے مجرموں کا سراغ لگانے کے لئے متعدد ادارے حرکت میں آگئے تھے۔

میں نے بقیہ خبروں کا سرسری جائزہ لے کر اخبار ایک طرف ڈال دیا۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ پیٹرکنگ اپنے اسی بارودی پائپ کا نشانہ بنا تھا جسے وہ بڑی شان سے اپنی بیلٹ سے لٹکا کر گھوم رہا تھا۔ اگر میں نے احتیاط کے طور پر وہ فولادی پائپ نما ہتھیار اس سے نہ لے لیا ہوتا تو شاید ہم ان لوگوں کو خون میں نہلانے کے موقع سے محروم ہو سکتے تھے۔

پیٹرکنگ واضح طور پر ایلین کا دستِ راست تھا۔ اس کی موت ایلین کے لئے بدترین نقصان کے مترادف تھی۔ خود ایلین بھی اسپتال میں پڑا اپنے زخموں کو چاٹ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ راس المیڈا بھی اس دھماکے سے محفوظ نہیں رہا تھا۔ زخمی ہونے کے باوجود اسے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنے کی فکر لاحق تھی اس لئے وہ بدحواسی کے عالم میں وہاں سے ایک گاڑی میں نکل بھاگا تھا۔ اخباری اطلاعات میں گاڑیوں کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ مگر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ ان لوگوں کے برآمدے کے سامنے دو گاڑیاں موجود تھیں۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ راس المیڈا نے پولیس والوں کے سامنے اپنا نام راڈنی آرک ظاہر کیا تھا۔ ان دونوں انگریزی ناموں کے ابتدائی حروف آر اور اے تھے۔ شاید اس نے نیویارک سے پاکستان تک کا سفر راڈنی آرک کے نام سے کیا تھا۔ یہ نکتہ اوّل خان کے لئے بہت کارآمد ثابت ہو سکتا تھا۔ اس نام کے ذریعے امیگریشن والوں کے ریکارڈ سے بہ آسانی معلوم کیا جا سکتا تھا کہ وہ کب، کس مقصد سے اور کتنے عرصے کے لئے پاکستان آیا تھا اور

کہاں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"تم نے ایک ہی وار میں اس کے سارے بزدلانہ حملوں کا جواب دے ڈالا ہے" غزالہ نے اخبار پڑھنے کے بعد سلطان شاہ سے کہا "اتنے بھاری نقصانات اٹھانے کے بعد ان لوگوں کو پسپا ہو جانا چاہئے۔"

"یہ ڈیبی کا کارنامہ ہے" سلطان شاہ میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "اس بارے میں مجھے الزام مت دو۔ ساری بات کارڈیو الیکٹرونک سوئچ یا کارڈیو سوئچ سے شروع ہوئی تھی۔ میں اس کے وجود ہی سے بے خبر تھا۔ اگر وہ لوگ اس سوئچ سے دہشت زدہ نہ ہو گئے ہوتے تو ہم ان کو باتوں کے جال میں نہیں پھانس سکتے تھے۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی بھون ڈالتے۔"

"میں نے ان کے لئے ایک فرضی خطرہ پیدا کیا تھا۔ انہیں بدترین نقصان اس ڈیوائس سے پہنچا ہے جو تم نے تاک کر راہ داری میں پھینکی تھی۔ ہماری کامیابی کا راز یہی تھا کہ ہم دو تھے۔ اکیلا آدمی ان تینوں بدمعاشوں کو نہیں سنبھال سکتا تھا۔"

"تم کہتے ہو تو مانے لیتا ہوں ورنہ میں تمہارے مکارانہ مذاکرات میں کسی احمق کی طرح خاموش بیٹھا ہوا تھا" وہ اس معرکے کی یاد تازہ کرتے ہوئے بولا "مجھے ڈر تھا کہ میں نے زبان کھولی تو بنتی ہوئی بات بگڑ جائے گی اور پھر پیٹر سے وہ ڈیوائس بھی تم ہی نے لی تھی اور اسے آخر تک لئے پھرتے رہے تھے۔"

"حیرت ہے.... اس وقت دونوں پر منکسرالمزاجی کا دورہ پڑا ہوا ہے" غزالہ بولی "میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ جو کچھ بھی ہوا، بہت اچھا ہوا۔ ہم نے انہیں ان کے گھر میں دھکیل دیا ہے۔"

ہم تینوں میں اس واقعے کے بارے میں تفصیلی تبادلۂ خیال نہیں ہو سکا تھا۔ ایک طرف ہم نتائج سے بے خبر تھے اور دوسری طرف ویرا کی بگڑی ہوئی ذہنی حالت کی تشویش لاحق تھی۔ اخبار پڑھ لینے کے بعد سب ہی اپنے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے میں مصروف تھے۔

"یہ برا ہوا کہ اخبارات لانے کی فکر میں تمہاری خریداری پھر ادھوری رہ گئی" موقع پا کر میں نے موضوع بدلنے کے لئے شوشہ چھوڑا "اب کل تمہیں پھر بازار جانا پڑے گا۔"

"مجبوری ہے" غزالہ بے پروائی سے اپنے شانے اچکا کے بولی۔ "مٹن اور چکن کی خریداری رہ گئی ہے۔ اگر دو چار دن دال سبزی پر گزارہ کر سکیں تو مجھے کہیں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"اور شاید اس پروگرام پر اسی وقت سے عمل ہونا شروع ہو جائے گا؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

میرا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ ہنس پڑی اور شرارت سے بولی۔ "دال اور سبزیاں بھی لوگ شوق سے کھاتے ہیں آپ اس طرح منہ بنا رہے ہیں جیسے میں جڑی بوٹیاں کھلانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ آپ مطمئن رہیں۔ آج رات تک دسترخوان پر گوشت نظر آتا رہے گا۔ میں کچن میں جا رہی ہوں۔"

وہ فوراً ہی اٹھ کر کچن کی طرف چل دی۔ سلطان شاہ کی آنکھیں کسی خیال سے چمکنے لگی تھیں۔ اس نے کہا "اس پوری بھاگ دوڑ میں ہم دال خوروں کو بالکل ہی بھلا بیٹھے ہیں۔"

"دال خور؟" میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے دہرایا "تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"موتی لال کی کہانی سن لینے کے بعد تم نے مکرجی کو اپنی فہرست میں شامل کر لیا تھا۔"

"اوہ!" میں ایک گہرا سانس لے کے رہ گیا "مجھے پرتاب ادھیکاری کے حوالے سے مکرجی اچھی طرح یاد ہے لیکن میری نظروں میں ان لوگوں کی بہت زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ وہ مسلمہ طور پر ہمارے دشمن ہیں اور وہی کچھ کر رہے ہیں جو ایک دشمن کو کرنا چاہئے۔ مجھے زیادہ فکر ان حرام زادوں کی ہے جو موقع بے موقع ہم سے دوستی کے دعوے کرتے رہتے ہیں لیکن عملی طور پر ہماری جڑیں کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"یہ عجیب بات ہے" وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بولا۔ "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تمہارے دل میں بھارتیوں کے لئے کوئی نرم گوشہ پیدا ہو رہا ہے۔ دشمن، دشمن ہی ہوتا ہے۔ اس کا سر کچلنے میں تاخیر کی جائے تو کبھی کبھی بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔"

"دل کے بجائے ٹھنڈے دماغ سے سوچو گے تو میری بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔"

"تم موجود ہو تو مجھے اپنے دماغ پر بلاوجہ زور دینے کی کیا ضرورت ہے؟"

"سانپ کو کوئی نہیں چومتا۔ سب جانتے ہیں کہ وہ موذی ہوتا ہے اس لئے ہر ایک اس سے بچ کر نکلتا ہے لیکن راستے میں کوئی خوب صورت بلی نظر آئے تو کوئی اس کی پروا بھی نہیں کرتا۔ اسے ہوش اس وقت آتا ہے جب وہ پاگل بلی بے خبری میں اس کی پنڈلی کا گوشت ادھیڑ کر اپنا زہر اس کے جسم میں داخل کر چکی ہوتی ہے۔ اس وقت ہم کچھ ایسی ہی صورت حال سے دوچار ہیں۔ تم سانپ کا سر کچلنا چاہ رہے ہو مگر میں خوب رو بلیوں میں پاگل بلی کا پیچھا کرنا چاہ رہا ہوں۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"ایک طرف تم انہیں سانپ سے تشبیہ دے رہے ہو، دوسری طرف انہیں اہمیت دینے پر بھی آمادہ نہیں ہو۔ یہ تضاد میری محدود کھوپڑی کی دسترس سے باہر ہے۔"

وہ باتیں شاید اس کی رسائی سے باہر ہی تھیں۔ بھارتیوں کی پاکستان سے دشمنی ایک مسلمہ حقیقت تھی۔ وہ پورے ہندوستان کو ہندوؤں کا وطن سمجھتے تھے۔ اکھنڈ بھارت کا متعصبانہ نعرہ اسی فلسفے کی پیداوار تھا۔ یہ دیگر بات تھی کہ مسلمانوں نے اقلیت میں ہونے کے باوجود مدتوں اس عظیم مملکت پر رواداری کے ساتھ حکمرانی کی

تھی اور اس زمین پر اپنا مساویانہ حق سمجھتے تھے۔ پھر بھارت کو توڑ کر ایک نئی مسلم ریاست کی بنیاد رکھ دی گئی۔ پاکستانی اپنے حق کے حصول پر نازاں رہے اور متعصب ہندو نئی مملکت کے قیام کو اپنی حق تلفی سمجھ کر کلستے رہے اور اسے ہر موقع پر نقصان پہنچانا اپنا فرض تصور کرتے رہے۔ کرنل مہیش پال اور کانتی سے لے کر کرپی تک ــ وہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے اسی ہندو سوچ کا تسلسل تھا اور کوئی بھی ذمے دار پاکستانی ان کی عملی دشمنی سے غافل نہیں تھا۔

میری ایماندارانہ رائے تھی کہ دونوں فریقوں کا حساب کم و بیش برابر ہی چلتا تھا۔ ان کے سفارت کار ہمارے یہاں اپنا کام دکھانے کی کوششوں میں مصروف رہتے تھے تو نئی دہلی میں ہمارے خفیہ ادارے بھی ان کی دکھتی ہوئی رگوں پر وار کرتے رہتے تھے۔ وہ دو طرفہ کھیل تھا جس میں ہر فریق اپنے مخالف کو مقدور بھر زک پہنچانے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔ اس دوران میں ان کے کسی کارندے کی گردن ہمارے ہاتھ میں آجاتی تھی تو وہ ہمارا خالص منافع ہوتا تھا۔ وہ صورتِ حال بہت افسوسناک تھی۔ لیکن اس کے خاتمے کے لئے وقت درکار تھا اور قوموں کی تاریخوں میں وقت مہینوں اور سالوں میں نہیں، صدیوں میں گنا جاتا ہے۔

وہ میدان میں اترے ہوئے دو شہ زور پہلوانوں کی کشتی تھی جو لڑتے لڑتے ایک دوسرے کی چالاکیوں اور کمزوریوں سے بڑی حد تک واقف ہو چکے تھے۔ امریکا بہادر اس کشتی کا ریفری بنا ہوا تھا اور موقع محل دیکھ کر دونوں برسرپیکار پہلوانوں کو اپنی ہمدردیوں کا یقین دلا کر مقابلے کو طول دینے کی کوششیں کرتا رہتا تھا کیونکہ اس ماحول میں اس کے اسلحہ خانے کے از کار رفتہ ہتھیار منہ مانگے داموں پر خوشامد کر کے خریدے جا رہے تھے لیکن میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان دنوں ریفری کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ وہ کھلی جانب داری پر مائل نظر آرہا تھا اور اپنے محبوب پہلوان کو تاک تاک کر ایسے داؤ اور نشانے بتا رہا تھا جن کے سہارے معتوب پہلوان جلد از جلد زیر ہو سکے۔ وہ لڑنے والوں کی نہیں، ریفری کی بدنیتی تھی اور وقت کا تقاضا تھا کہ ریفری کو فوری طور پر بہ یک بینی و دو گوش رنگ سے باہر پھینک دیا جائے تاکہ تاریخ کے میدان میں دونوں پہلوانوں کی فنکارانہ لڑائی جلد از جلد اپنے فطری انجام کو پہنچ سکے۔ اس لڑائی میں پہلوان کو پہلوان سے کم مگر ریفری سے زیادہ خطرہ تھا۔

میں نے وہ ساری باتیں سلطان شاہ کی کھوپڑی میں انڈیلنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ بس اس کی یہ غلط فہمی دور کر دی کہ حالات کے حوالے سے میری سوچ میں کوئی بڑی تبدیلی آرہی تھی۔

کھانے کے وقت ویرا کمرے سے باہر آئی تو خاصی بہتر نظر آرہی تھی۔ اس کے چہرے کے ورم میں کمی آچکی تھی، بال سنورے ہوئے تھے، بدن پر غزالہ کا صاف ستھرا اور باوقار لباس نظر آرہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں وہی سختی اور سرد مہری جمی ہوئی تھی جو میں پچھلے دن سے دیکھ رہا تھا۔

میں نے اس پر نگاہ پڑتے ہی چہک کر اس کی تعریف کی۔ میرا خیال تھا کہ جواب میں وہ مسکرا دے گی لیکن اس کا چہرہ سپاٹ ہی رہا۔ جذبات اور تبدیلی سے یکسر عاری! جیسے اس کے دل پر کوئی بہت بڑا بوجھ ہو۔ وہ آئی اور میز کے گرد اسی کرسی پر بیٹھ گئی جو اس نے پہلی بار منتخب کی تھی۔

ویرا کھانا رغبت سے کھا رہی تھی لیکن کبھی کبھی لقمہ لینا بھول کر کسی گہری سوچ میں ڈوب جاتی تھی۔ غزالہ اسے ٹوکتی تو وہ چونک کر دوبارہ کھانے میں منہمک ہو جاتی۔ کھانے کے دوران میں کئی بار ایسا ہوا۔ ہم تینوں نے اسے بولنے پر آمادہ کرنے کی کئی کوششیں کیں لیکن ویرا کی گفتگو ہوں ہاں سے آگے نہیں بڑھ سکی۔

"میری وجہ سے تم سب اداس اور پریشان ہو؟" کھانا ختم کرنے کے بعد ویرا نے اچانک ہی ہم سب سے مخاطب ہو کر سرد آواز میں کہا۔ یہ بات اس نے نشے کے عالم میں پچھلی رات بھی کہی تھی۔

"ہرگز نہیں۔۔۔ یہ تمہارا وہم ہے۔۔۔ پریشانی ضرور ہے مگر تم جلد ہی نارمل ہو جاؤ گی۔"

ہمارے جوابات پر اس کے چہرے سے ہلکی سی طمانیت جھلکنے لگی اور اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا "بے زار ہو جاؤ تو مجھے بتا دینا۔ میں خاموشی سے کہیں چلی جاؤں گی۔۔۔"

میں نے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے کہا "تم ہمارے بارے میں سوچ کر اپنے ذہن کو مت تھکاؤ۔ تم بھی ہم میں سے ہو۔ ہم سب ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں۔ کسی انگلی میں پھانس لگ جائے تو وہ زخم رفتہ رفتہ مندمل ہو ہی جاتا ہے، بازو کو کاٹ کر نہیں پھینکا جاتا۔ ہم اس مبارک دن کا انتظار کریں گے جب تم ہمارے ساتھ بیٹھ کر پہلے کی طرح قہقہے لگا سکو۔"

"تم سب بہت مہربان اور نرم خو ہو" اس بار ویرا کی آواز سے ممنونیت جھلک رہی تھی۔

وہ میز سے اٹھ گئی۔ میں نے اس سے کہا "چاہو تو تازہ اخبار لیتی جاؤ۔ اس میں تمہارے مجرموں کے عبرت ناک انجام کی خاصی تفصیلی کہانی موجود ہے۔"

اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا لیکن تپائی پر سے انگریزی اخبار منتخب کر کے اپنے ساتھ لے گئی۔ ایلن اور راس الیڈا کو ان کی اوقات یاد دلانے کے بعد ہمارے پاس کھانے، باتیں کرنے یا سونے کے سوا کوئی چوتھا کام باقی نہیں رہا تھا۔ ایک مرتبہ پھر باتوں کا سلسلہ چل نکلا مگر میرا ذہن اوّل خان میں الجھا ہوا تھا۔

وہ پچھلی شام کو ہم سے ملنے آیا تو اسے ایلن کے مکان پر رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں مکمل معلومات نہیں تھیں۔ مجھے توقع تھی کہ اخبار پڑھنے کے بعد وہ ضرور فون کرے گا لیکن آدھے سے زیادہ دن گزرنے کے باوجود اس نے ہم سے رابطہ نہیں

کیا تھا۔ میرے پاس اس کے گھر اور دفتر کے فون نمبر موجود تھے مگر میں نے اسے فون کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ معزولی سے بحال ہونے کے بعد وہ مختلف حالات سے نبرد آزما تھا اور شاید اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ مجھے موہوم سا شبہ تھا کہ وہ اپنے دفتری ساتھیوں کی موجودگی میں فون پر کھل کر بات نہیں کر سکے گا۔ لیکن اسے پورے دن میں تنہائی کے چند ایسے لمحات میسر آجانے چاہئے تھے جب وہ رازداری کے ساتھ ہمیں فون کر سکتا تھا۔

ایک مرتبہ پھر ڈور بیل کی آواز نے ہمیں چونکا دیا۔ میری نگاہیں غیر ارادی طور پر وال کلاک کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں سوئیاں پورے پانچ بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔ میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ شاید مسز غنی وقت کی پابندی کرتے ہوئے ہمارے دروازے پر آموجود ہوئی تھی۔

غزالہ نے دروازہ کھولا اور میرے اندازے کی تصدیق ہوگئی۔ میں نے سلطان شاہ کو فوراً ہی اس کے کمرے میں بھیج دیا۔ اس کی موجودگی سے مسز غنی بے آرام ہو سکتی تھی۔ ویسے بھی میں نے اس سے وہ فلیٹ صرف اپنے اور غزالہ کے استعمال کے لئے لیا تھا۔ فلیٹ میں زیادہ افراد کی مستقل موجودگی پر وہ معترض ہو سکتی تھی۔

مسز غنی' غزالہ کے ساتھ رسمی باتیں کرتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی تو میں نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اور اسے ایک صوفے پر بٹھانے کے بعد خود بھی بیٹھ گیا۔ غزالہ چائے وغیرہ تیار کرنے کا بہانہ کر کے وہاں سے ٹل گئی۔ مسز غنی نے تکلف کے طور پر بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

اس وقت میں نے ذرا غور سے اس کا جائزہ لیا۔ پہلی ملاقات کے مقابلے میں وہ زیادہ بنی سنوری اور دلکش نظر آرہی تھی لیکن اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار موجود تھے۔ وہ کسی انتہائی مجبوری کے عالم میں مجھ سے ملنے کے لئے آئی تھی ورنہ وہ اجنبیوں سے ایسی ملاقات کی عادی معلوم نہیں ہوتی تھی۔

"آپ کی کہانی سننے سے پہلے میں ایک بار پھر اپنی بات دہراؤں گا کہ آپ نے مجھ پر اعتماد کر کے میری جو عزت افزائی کی ہے' میں پوری طرح اس کا اہل نہیں ہوں مگر پھر بھی میں کوشش کروں گا کہ آپ کے کام آسکوں" میں نے اس کی جھجک دور کرنے کے لئے خود ہی بات چھیڑ دی۔

"پہلے تو میں اپنے اس جھوٹ پر معافی چاہتی ہوں جو میں آپ سے بول چکی ہوں" وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے بولی "مگر وہ میری مجبوری تھی۔ مجھے اپنے شوہر کے بارے میں لوگوں کو کچھ نہ کچھ بتانا ہی پڑتا ہے۔"

"وہ جھوٹ اتنی صفائی سے بولا گیا ہوگا کہ مجھے اس کا اندازہ بھی نہیں ہوسکا" میں نے میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "آپ بلاوجہ اس کا اعتراف کر کے میرا حوصلہ بڑھا رہی ہیں۔"

"جج... جی... ایسی بات نہیں ہے۔ وہی میری کہانی کا تاریک ترین پہلو ہے۔ میرے شوہر کسی کاروباری دورے میں لاپتا نہیں ہوئے تھے' انہیں بیرونِ ملک گرفتار کر لیا گیا تھا اور وہ آج کل کارڈف کی جیل میں دس سال کی قید کاٹ رہے ہیں" اس نے ایک اٹک کر وہ سنسنی خیز انکشاف کر ہی ڈالا۔

اس خبر پر میں سناٹے میں آگیا۔ مسز غنی کی کہانی کا آغاز میری توقع سے کہیں زیادہ ڈرامائی ثابت ہوا تھا۔ میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا "ان کا جرم کیا تھا؟"

"میں نے آپ پر بھروسا کیا ہے تو میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی... وہ اپنے منیجر کے سامان میں چار کلو ہیروئن چھپا کر برطانیہ میں لے جاتے ہوئے گیٹ وک ائرپورٹ پر پکڑے گئے تھے۔ ان کا منیجر بھی پکڑا گیا بلکہ پہلے وہ پکڑا گیا اور جب اس نے یہ بتایا کہ اسے غنی صاحب نے وہ پیکٹ سامان میں ڈالنے کے لئے دیا تھا تو غنی صاحب بھی گرفتار کر لئے گئے۔ اولڈ بیلی کی عدالت نے منیجر کو پانچ سال اور غنی صاحب کو دس سال کی سزا سنائی۔ یہ واقعہ دو سال پہلے پیش آیا تھا۔"

"ایسے معاملات میں مغربی پریس بہت متعصب ہے۔ اس نے یہ واقعہ بہت اچھالا ہوگا۔"

"یہاں کے اخباروں میں بھی خبریں لگتی رہی تھیں۔ اپنے بیٹے کو ان واقعات سے بے خبر رکھنے کے لئے میں نے پڑھائی کے بہانے امریکا بھیج دیا۔ بعد میں اس سے کہہ دیا کہ اس کے باپ لاپتا ہو گئے ہیں۔"

میں نے اندازہ کر لیا کہ میں نے زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کیا تو اس کی کہانی بہت طول پکڑ جائے گی جب کہ میں وہ اسباب جاننے کے لئے بے چین تھا جن کی بنا پر وہ میرے پاس آئی تھی۔

"بہت افسوسناک سانحہ تھا" میں نے بات سمیٹتے ہوئے کہا۔ "تیز ترین ترقی کے بہت سے جویا ایسے غلط راستوں پر چل پڑتے ہیں اور اپنے کاروبار کے ساتھ خود کو بھی تباہ کر لیتے ہیں۔"

"ان کا کوئی اور کاروبار نہیں تھا۔ سب کو یہی معلوم تھا کہ وہ کوئی برآمدی کاروبار کرتے ہیں۔ شادی سے پہلے میں خود بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا تھی۔ ان کی دولت نے مجھ سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لی تھی۔ شادی کے بعد جب ان کے آئے دن کے ملکی اور غیر ملکی دوروں کا بھید کھلا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ہیروئن کا کاروبار کر رہے ہیں لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکی۔"

"میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ آپ اپنے شوہر کے ماضی کو کیوں بے نقاب کر رہی ہیں اور ان سے میرا کیا تعلق ہو سکتا ہے" مجھے مسز غنی کی وضاحتوں سے الجھن ہونے لگی تھی۔

"ان باتوں سے واقف ہوئے بغیر شاید آپ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے..."

"لیکن یہ تو معلوم ہو کہ مجھے کیا کرنا ہے...؟ آپ مجھ سے کیا

...اتی ہیں؟"
"میں اسی طرف آ رہی ہوں۔ میرا فرخ پڑھائی کے لئے امریکا گیا تو اس کی عمر صرف سات سال تھی۔ وہ وہاں ایک بورڈنگ ہاؤس میں رہ رہا ہے اور دو برسوں میں بہت ہوشیار ہو چکا ہے۔ سی آئی اے والوں نے اس کے بارے میں چھان بین کرتے ہوئے غنی صاحب کے پورے ماضی کو کھنگال ڈالا اور ان باتوں سے بھی واقف ہو گئے ہیں جو ابھی تک میرے علم میں بھی نہیں تھیں....."

وہ دوسرا سنسنی خیز انکشاف تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ مسز غنی کی باتیں غیر ضروری یا بے ربط نہیں تھیں۔ ان تفصیلات کو بیان کئے بغیر پوری صورتِ حال کو سمجھانا دشوار ہی نہیں' ناممکن تھا۔

وہ سانس لینے کے لئے رکی تھی۔ لمحہ بھر کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "دس دن پہلے سی آئی اے کے دو افسر میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے مجھے پیش کش کی ہے کہ اگر میں یہاں ایک بین الاقوامی مجرم کی گرفتاری میں ان کی مدد کروں تو وہ میرے شوہر کو بہت جلد رہائی دلا سکتے ہیں۔"

"اور آپ کے لئے ان کی پیش کش بہت پُرکشش ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی "میں نے تنہائی کے دو سال بڑے کرب میں گزارے ہیں۔ پتا نہیں ان کی قید ختم ہونے تک میں زندہ بھی رہتی ہوں یا نہیں۔ سی آئی اے والوں کا کہنا ہے کہ میرے شوہر کو ہیروئن کی اسمگلنگ پر اسی شخص نے لگایا تھا۔ غنی صاحب اس کے حکم پر ہیروئن کی کھیپ لے کر یورپ کے خاص ٹھکانوں پر پہنچاتے تھے۔ اس شخص نے دنیا بھر کی مفت سیاحت اور بھاری معاوضے کے لالچ میں بہت سے نوجوانوں کو برباد کیا تھا۔ جب اس پر زوال آیا تو غنی صاحب کو ایک آسان کاروبار کا چسکا لگ چکا تھا۔ انہوں نے اسی گندے کام کو اپنا پیشہ بنالیا اور دیارِ غیر میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچ گئے۔"

میرے ذہن کے بند دریچوں میں کچھ ہلچل سی ہونے لگی۔ میں جب کراچی میں شی کاریکٹ چلا رہا تھا تو میں نے بھی بہت سے لڑکوں کو بین الاقوامی کیریئر کے طور پر منتخب کر کے ہیروئن کی بھاری مقدار بیرونِ ملک بھجوائی تھی۔ اگر سی آئی اے والے اس شخص کی تلاش میں کراچی میں بھٹک رہے تھے تو وہ میرے لئے خطرے کی نئی گھنٹی تھی۔

"وہ جس شخص کو گرفتار کرنا چاہ رہے ہیں' اس کا نام کیا ہے؟" میں نے پُرسکون رہتے ہوئے پوچھا۔

"اس کے دسیوں نام ہیں۔ وہ بار بار نام بدلتا رہتا ہے لیکن اس کا اصل نام ڈیپی ہے۔"

قدرت کی اس ستم ظریفی پر میں بے اختیار ہنس دیا۔ وہ میرے سامنے بیٹھ کر میری گرفتاری کے لئے میری ہی مدد کی طالب تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دنیا اتنی مختصر ہو گی جہاں چور اور ساہوکار ہر اہم موڑ ایک دوسرے کو اپنے سامنے پائیں گے۔

"آ.... آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟ کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی ہے؟"

"مجھے اپنے ایک دوست کا نومولود بیٹا یاد آ گیا تھا جسے پیار سے ڈیپی ہی کہا جاتا ہے۔"

"عجیب اتفاق ہے" وہ سرسری لہجے میں بولی پھر اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "ایک زمانے میں ڈیپی پورے ملک کا سب سے بڑا بدمعاش تھا۔ وہ ایک بازاری عورت سے عشق کرتا تھا۔ اسے ڈیپی کے آدمی بلیک کوئین کے نام سے جانتے تھے اور وہ گروہ شی کہلاتا تھا پھر وہ سب بکھر گیا۔ برے کاموں کا انجام بھی اچھا نہیں ہوتا۔ اس کے بعد سے ڈیپی پر مسلسل برا وقت آیا ہوا ہے۔ قانون کے محافظ اس کی تلاش میں ہیں۔ وہ ان سے چھپتا پھرتا ہے۔ اگر آپ میری مدد کریں اور ذرا سی محنت کریں تو ڈیپی کا سراغ مل سکتا ہے۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔ کیا آپ نے اس بارے میں ابھی تک کسی اور سے بات نہیں کی ہے؟"

"کس سے کرتی؟" وہ دل گیر لہجے میں بولی "بدنامی اور رسوائی کے بعد رشتے داروں سے لے کر دوستوں تک نے ساتھ چھوڑ دیا۔ پرانے شناسا مجھ سے ملنا بھی پسند نہیں کرتے۔ آپ میری زندگی میں پہلے آدمی ہیں جس کے سامنے میں نے زبان کھولی ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ اگر آپ کی کوششوں سے غنی صاحب کو رہائی مل گئی تو میں یہ فلیٹ کسی معاوضے کے بغیر آپ کے نام کردوں گی۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ سی آئی اے والے ڈیپی کی گرفتاری کے بعد غنی کو رہا کرا دیں گے؟"

"وہ دونوں بہت بڑے اور ذمے دار افسر ہیں۔ انہیں ہر بات معلوم ہے۔ وہ مجھے فریب نہیں دے سکتے۔"

"ڈیپی کو پکڑوا کر ہم ڈیپی ہی نہیں' اس کے آدمیوں کی بھی دشمنی مول لیں گے۔ وہ ہمارے خون کے پیاسے بن جائیں گے اور وہ لوگ ہمیں ان کے رحم و کرم پر چھوڑ کر ڈیپی سمیت امریکا چلے جائیں گے۔"

"مجھے ان خطرات کا اندازہ نہیں تھا۔ انہوں نے خود کہا ہے کہ ڈیپی مارا یا پکڑا گیا تو وہ مجھے اور غنی صاحب کو گرین کارڈ دلا دیں گے۔ فرخ پہلے ہی امریکا میں ہے۔ ہم تینوں وہاں نئے سرے سے زندگی شروع کریں گے۔ آپ چاہیں تو میں ان سے آپ کے گرین کارڈ کے لئے بھی بات کر سکتی ہوں۔"

"نہیں" میں نے سختی سے کہا "ابھی آپ ان سے میرے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہیں گی۔ پہلے میں ان کے بارے میں چھان بین کروں گا۔ غنی کی رہائی اتنی آسان نہیں ہو سکتی۔ وہ برطانیہ میں قید ہے جہاں منشیات کے خلاف بہت سخت قوانین نافذ

ہیں۔ امریکن سی آئی اے کے دو معمولی افسران وہ سزا ختم نہیں کرا سکتے۔"

"معمولی نہیں' وہ بہت بڑے افسر ہیں۔ میری تسلی کے لئے انہوں نے مجھے اپنے شناخت نامے تک دکھائے تھے۔ ان میں سے ایک سی آئی اے کا اسسٹنٹ ڈائریکٹر اور دوسرا انسپکٹر ہے۔"

"انہوں نے آپ سے دوبارہ رابطہ نہیں کیا؟" میں نے پوچھا۔

"چوتھے روز انہیں میرا فیصلہ سننے کے لئے آنا تھا لیکن وہ نہیں آسکے" مسز غنی کے سینے میں چھپی ہوئی کہانی انتہائی سنسنی خیز اور بھرپور ثابت ہو رہی تھی۔ اس نے بتایا "چوتھے روز فون آیا تھا۔ انسپکٹر نے معذرت کرنے کے بعد میرا فیصلہ جاننا چاہا تو میں نے اس سے مہلت لے لی تھی۔"

"ان کی تجویز حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر آپ ان سے انکار کریں گی تو وہ آپ کو بلیک میل کریں گے۔"

"کچھ نہ بن سکا تو مجھے انکار کرنا ہی پڑے گا۔ غنی پہلے ہی اپنے کیے کی سزا کاٹ رہے ہیں۔ وہ مجھے کس بات پر بلیک میل کر سکیں گے؟" اسے میری بات پسند نہیں آئی تھی اور تیوریوں پر ہلکے سے بل پڑ گئے تھے۔

"آپ بھول رہی ہیں کہ انہوں نے فرخ کے بارے میں تحقیقات شروع کر کے آپ کے دروازے پر دستک دی ہے۔ آپ انکار کریں گی تو وہ فرخ کو ہیروئن کے ایک سزا یافتہ پاکستانی اسمگلر کا بیٹا قرار دے کر امریکا سے نکال دیں گے اور اس کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ وہ اسی طرح لوگوں کی کمزوریاں تلاش کر کے دشمنوں کی صفوں تک میں اپنے مہرے پیدا کر لیتے ہیں۔ بدقسمتی سے آپ ایک بڑے چکر میں پھنس چکی ہیں۔"

مسز غنی کا چہرہ دھواں ہو گیا اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی "ایسا نہ کہئے.... وہ ایسا نہیں کریں گے۔ میرے بچے نے کسی کا کیا بگاڑا ہے جو اس کی زندگی تباہ کی جائے گی۔"

"سی آئی اے کے بڑے افسر اپنی پذیرائی کا یقین کئے بغیر کسی اجنبی کے دروازے پر دستک نہیں دیتے۔ وہ جو امید لے کر آئے ہیں' اسے پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی مگر مجھے وقت درکار ہے۔ پہلے میں ان کو دیکھوں گا۔ آپ کے پاس ان کا پتا وغیرہ تو ہوگا؟"

"پتا نہیں' فون نمبر ہے۔" وہ اپنا پرس کھولتے ہوئے بولی "ڈیفنس ایکسچینج کا نمبر معلوم ہوتا ہے۔"

اپنے پرس کی کسی اندرونی جیب سے ایک کاغذ اور بال پین نکال کر مسز غنی نے میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے کاغذ پر لکھا ہوا نمبر اردو اخبار کے کنارے پر درج کر کے دونوں چیزیں اسے لوٹا دیں۔

"اور ان کے نام کیا ہیں؟" میں سرسری انداز میں اس سے مطلوبہ معلومات اگلوا رہا تھا۔

"اسسٹنٹ ڈائریکٹر کا نام گیری ہارٹ اور دوسرے کا جیف مر ہے۔ دونوں بہت مہذب اور تجربہ کار افسر ہیں۔ خدا کرے کہ ان کی نیتوں کے بارے میں آپ کے اندازے غلط ہوں۔"

"میں آپ کو زبان دے چکا ہوں کہ آپ کے بچے کا مستقبل بچانے کے لئے میں آپ کا ساتھ دوں گا لیکن ان کی نیت جاننے کے لئے آپ ایک بار ان کی پیشکش مسترد کر کے دیکھیں۔ وہ خندہ پیشانی سے آپ کا جواب تسلیم کر لیں تو بہت اچھی بات ہے۔ کوئی دھمکی دیں تو آپ رضامندی ظاہر کر سکتی ہیں۔ اس طرح وہ کھل کر آپ کے سامنے آنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس قصے میں جو بات سب سے زیادہ غور طلب ہے' اسے آپ نے ابھی تک نظرانداز کیا ہوا ہے ورنہ مجھ سے پہلے آپ ان سے بدظن ہو چکی ہوتیں۔"

"وہ کون سی بات ہے؟" اس نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"وہ سی آئی اے کے افسران ہیں تو ایک بین الاقوامی مجرم کی گرفتاری کے لئے اعلیٰ پاکستانی حکام سے رجوع کرنے کے بجائے آپ جیسی خانہ دار عورت کے پاس کیوں آئے تھے؟"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں "میں نے یہ بات تو سوچی ہی نہیں تھی۔ ان کے ساتھ دس بیس پولیس والے ہی کمربستہ ہو جائیں تو چوبیس گھنٹوں میں ڈینی کو تلاش کر کے پکڑ سکتے ہیں.... یہ اچھا ہی ہوا کہ میں نے آپ کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ کی سوجھ بوجھ قابلِ رشک ہے۔ آپ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔"

"بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی" میں دھیمے دھیمے اس کا برین واش کرنے پر تلا ہوا تھا "ڈینی کوئی خوفناک مجرم ہوتا تو وہ ضرور سرکاری اداروں سے رجوع کرتے' خفیہ محکموں کا تعاون حاصل کرتے۔ وہ آپ کی کمزوریوں سے واقف ہونے کے بعد آپ کے پاس آئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈینی کوئی عام پاکستانی شہری ہے جسے یہ لوگ اپنے نامعلوم مقاصد کے لئے اپنے طور پر مارنا یا اغوا کرنا چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے کچھ اہم رازوں سے واقف ہو گیا ہو یا پھر انہیں اسی سے کوئی کام لینا ہو۔ یہ باتیں بھی جلد ہی کھل جائیں گی۔"

"امریکا میں ہزاروں پاکستانیوں کے بچے پڑھ رہے ہیں۔ کیا یہ سب ہی کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہوں گے؟"

"بات ذرا سی تلخ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر بچے کا باپ غنی کی طرح مجرم اور گمراہ نہیں ہوتا۔ یہ ہر بچے کے گھر والوں کے بارے میں تحقیقات کرتے ہیں اور جن کی کمزوریاں مل جائیں' ان کے کوائف اپنے سفارت خانوں اور قونصل خانوں کے کمپیوٹروں پر محفوظ کر لیتے ہیں اور اپنی ضرورت کے مطابق ان معلومات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جن گھرانوں کا ماضی بے داغ ہوتا ہے' یہ ان کو

لی جاتے ہیں۔"
"شاید یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں ان کے آدمی
جود ہیں جو ہر قدم پر ان کے مفادات کا خیال رکھتے ہیں۔ جب گھر
، بھیدی ہی لنکا ڈھانے لگیں تو سازشوں کے لئے باہر سے کسی کو
نے کی ضرورت نہیں پڑتی۔"
"بالکل یہی بات ہے۔ آپ تو میری توقع سے زیادہ سمجھدار
ے"
"میں کل ہی فون کرکے ان سے کہوں گی کہ میں ان کے لئے
م نہیں کرسکتی۔ دیکھتی ہوں کہ ان کا ردِ عمل کیا ہوتا ہے" اسے
ں میرے سمجھاتے ہوئے نظریات میں وزن نظر آنے لگا تھا۔
"ابھی نہیں۔ ہم نے ایک راستہ متعین کرلیا ہے۔ میرے
، بغیر آپ ان سے رابطہ نہیں کریں گی۔ ان دونوں میں سے کسی
فون آجائے تو نرمی سے مزید مہلت مانگ لیں تاکہ میں اپنی چھان
ن مکمل کرسکوں۔"
"ٹھیک ہے۔ میں آپ کی ہدایت پر حرف بہ حرف عمل کروں
" وہ خوش ہوگئی "آپ سے مل کر میرے ذہن پر سے بہت بڑا
ہ ہٹ گیا ہے۔ آپ چاہیں تو مجھے مسز غنی کے بجائے میرے نام
ے مخاطب کرسکتے ہیں۔ مجھے نادرہ کہتے ہیں اور یہ آپ جناب کے
ف کی بھی ضرورت نہیں۔"
"شکریہ! میں خود بھی گفتگو میں ذرا سی آزادی کا قائل ہوں۔
چ سمجھ کر بات کرنی پڑے تو الجھن ہونے لگتی ہے لیکن تم مجھے
ہ سی آئی اے والوں سے زیادہ مہذب پاؤگی۔"
وہ زور سے ہنس پڑی اور میں بوکھلا کر غزالہ کو پکار بیٹھا۔ وہ
ے بنانے کے بہانے ایسی غائب ہوئی تھی کہ واپس ہی نہیں لوٹی
تھی۔ اس نے کچن کے بجائے سلطان شاہ کے کمرے کی طرف سے
ری آواز کا جواب دیا اور فوراً ہی سجی سجائی ٹرالی ڈرائنگ روم میں
لے آئی۔
"چائے تیار تھی تو انتظار کس کا تھا؟" میں نے حیرت سے کہا۔
اب تک تو چائے ٹھنڈی ہوچکی ہوگی۔"
"نہیں، چائے دانی پر ٹی کوزی چڑھی ہوئی ہے" غزالہ سے
لے نادرہ بول پڑی "چائے گرم ہوگی۔"
"میں ریڈیو پر خبریں سن رہی تھی" غزالہ نے مسکراتے ہوئے
ما "دلچسپ پروگرام تھا۔ اس میں منہمک ہوکر چائے لانے کا
یال ہی ذہن سے نکل گیا تھا۔"
"ریڈیو پر خبریں؟ یہ شوق کب سے ہوگیا تمہیں؟" میں نے
رت سے پوچھا۔
"نادرہ نے فلیٹ میں ضرورت کی ہر اچھی چیز سجائی ہوئی ہے۔ میں
نے اتنا اچھا ذوق بہت کم لوگوں میں دیکھا ہے" غزالہ نے بہت
زگی سے جواب دیا۔ مسز غنی اس کے منہ سے اپنا نام سن کر ذرا
کی تھی مگر فوراً ہی سنبھل کر مسکرانے لگی۔

"یہاں کے لئے کیسٹ پلیئر خریدتے ہوئے میں نے ایسا
ماڈل لیا تھا جس میں چار بینڈ کا ریڈیو بھی ہے۔ گھر میں دل بہلانے
کے لئے ایسی چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی کبھی کام آہی جاتی ہیں ورنہ ٹیلی
وژن کے بعد لوگ ریڈیو کو بڑی حد تک بھولتے جارہے ہیں" نادرہ
کہہ رہی تھی۔
غزالہ ہم دونوں کے لئے چائے بنانے کے بعد دوبارہ سلطان
شاہ کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ اس کی آنکھوں سے جھلکتی ہوئی
شرارت سے مجھے شبہ ہورہا تھا کہ وہ کچھ گڑبڑ کرنے والی تھی۔
"آپ کی بیوی بہت خوبصورت اور سلیقہ مند ہے" نادرہ چائے
کا پہلا گھونٹ لے کر بولی۔
"میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ غزالہ میری بیوی سے
زیادہ دوست ہے۔ تم نے دیکھ لیا کہ وہ ضرورت سے ایک منٹ
زیادہ بھی یہاں نہیں ٹھہری۔ اسے معلوم ہے کہ ہم کوئی ضروری
بات کررہے ہیں۔"
"یہ بہت بڑی بات ہے ورنہ عام طور پر بیویاں اپنے شوہروں کو
دوسری عورتوں کے ساتھ اکیلا نہیں چھوڑتیں۔ میرے لئے یہ بہت
خوشگوار تجربہ ہے۔ اس میں غزالہ کے ساتھ آپ کی بھی بڑائی
ہے۔ عورت جب تک اپنے مرد کو اچھی طرح پرکھ نہیں لیتی، ذرا
بھی ڈھیل نہیں دیتی۔"
نادرہ اپنے شوہر کی رفاقت کو ترسی ہوئی تھی۔ وہ اس دوستانہ
فضا اور خوشگوار ماحول میں مزید کچھ دیر رک کر میرے ساتھ باتیں
کرنا چاہ رہی تھی لیکن میرا ذہن غزالہ میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ پتا نہیں
وہ سلطان شاہ کے کمرے میں گھسی کیا کررہی تھی۔
جب نادرہ کو میری غائب دماغی کا اندازہ ہوا تو وہ فوراً ہی چائے
کی پیالی خالی کرکے روانگی کے ارادے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ غزالہ
شاید کسی جھری سے آنکھ لگائے بیٹھی تھی۔ میرے بلانے سے پہلے
ہی وہ نادرہ کو الوداع کہنے کے لئے آموجود ہوئی۔
ہم دونوں اسے لفٹ میں سوار کرانے کے بعد فلیٹ میں واپس
آئے تو میں سیدھا سلطان شاہ کے کمرے میں جا گھسا۔ میرے
اندازے کے برعکس وہاں کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ سلطان
شاہ ایک آرام دہ کرسی پر دراز، ریڈیو کی سوئی والی گھنڈی مروڑ رہا
تھا۔
"مبارک ہو۔ اب تم نادرہ کے لئے شہر بھر میں خود کو
ڈھونڈتے پھروگے" مجھے دیکھتے ہی اس نے چہک کر کہا "حیرت ہے
کہ اس کام کے لئے نادرہ کو اتنے بڑے شہر میں صرف تم ہی نظر
آئے ہو۔"
"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟" میں نے اسے اشتباہ آمیز
نظروں سے گھورتے ہوئے برہمی سے پوچھا "تم تو یہاں کمرے میں
بند تھے۔ اس کی آواز یہاں تک نہیں آسکتی تھی۔"
"حاضرات کے عمل سے سب کچھ ممکن ہے" وہ بے پروائی

سے بولا۔ غزالہ میرے پیچھے کھڑی، اپنا منہ دبائے ہنس رہی تھی۔ ان دونوں نے یقینی طور پر میرے ساتھ کوئی مشترکہ شرارت کی تھی۔

"سچ سچ بتاؤ کہ تم نے کیا کیا سنا ہے؟" میں نے سلطان شاہ سے کہا۔

"بس ریکارڈ کرنا بھول گئے ورنہ ہم نے تمہاری پوری گفتگو لفظ بہ لفظ سنی ہے۔"

"اور اسی کی بنا پر میں کہہ سکتی ہوں کہ نادرہ کی ذات میں مجھے سلمیٰ کا مستقبل نظر آرہا ہے۔ جہانگیر کے لچھن نہ سدھرے تو بیٹے کے ہوش سنبھالنے تک وہ بھی کہیں کی ہوا کھا رہا ہوگا۔"

"منہ سے خرافات مت نکالو" میں نے اسے ڈانٹ دیا "نادرہ کا میاں آخر تک ہیروئن کا اسمگلر تھا۔ جہانگیر اپنے ماضی کو بہت دور دفن کرچکا ہے۔ تم بلاوجہ ان دونوں میں موازنہ کررہی ہو۔"

غزالہ سہم کر خاموش ہوگئی اور سلطان شاہ مجھے چڑانے لگا۔

"آخر میں وہ بھی تم پر ریجھی جارہی تھی..... مجھے نادرہ کہتے ہیں اور یہ آپ جناب کے تکلف کی بھی ضرورت نہیں..... پتا نہیں ان ناقص العقل عورتوں کو تمہاری ذات میں سرخاب کے کون سے پر نظر آتے ہیں" نادرہ کے کہے ہوئے الفاظ اس نے اُسی کے لب و لہجے کی نقل کرتے ہوئے ادا کئے تھے۔

میں نے سلطان شاہ سے کیسٹ ریکارڈر چھین کر اُس کے سارے ہی فنکشن آزما ڈالے لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آسکا کہ ان دونوں نے ہماری گفتگو کیسے سن لی تھی۔ وہ دونوں دیر تک کبھی مجھے زچ کرتے اور کبھی میرے مدلل تجزیے کو سراہتے رہے۔ آخر مجھ سے دو سو روپے کا وعدہ لے کر سلطان شاہ ڈرائنگ روم میں گیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے درمیانی میز پر رکھے ہوئے گل دان کے مصنوعی پھولوں کے درمیان سے ایک چھوٹا سا لاسلکی مائیکروفون نکال کر مجھے تھما دیا۔

"تم نے ہم دونوں کی باتیں سننے کے لئے ڈرائنگ روم کو بگ کیا ہوا تھا؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"بگ نہیں، یہ معمولی سا ایف ایم مائیک ہے۔ صدر میں کھلے بندوں مل جاتا ہے" وہ بوکھلا کر بولا "یہ ہم نے کل خریدا تھا۔ آج اسے آزمانے کا خیال آیا تو مسز غنی آئی ہوئی تھی۔"

"اس مائیک کے ذریعے تم ہماری آوازیں کہاں سن رہے تھے؟"

"اپنے کمرے میں .... ایف ایم بینڈ پر ٹیوننگ کرکے اس مائیک کے ذریعے نشر ہونے والی ہر آواز صاف سنائی دیتی ہے۔ بہت سستا اور عام سا نسخہ ہے" اس نے جلدی جلدی بتایا۔

مجھے یاد آیا کہ کافی عرصے پہلے میں خود بھی اسی قسم کا مائیک استعمال کرچکا تھا لیکن دھیان نہ دینے کی وجہ سے اس کا اصول اور استعمال ذہن سے نکل گیا تھا۔

میں نے ہنستے ہوئے جیب سے سو سو کے دو کرارے نوٹ نکال کر سلطان شاہ کے ہاتھ پر رکھ دیے اور کہا "یہ چیز اچھی ہے لیکن تم نے اسے غلط جگہ لگایا ہوا تھا۔"

"صحیح جگہ تم بتادو، اسے وہیں پہنچا دیا جائے گا" میرا بدلا ہوا موڈ دیکھ کر اُس کی جان میں جان آگئی۔

"یہ ویرا کی بیڈ سائیڈ ٹیبل کے آس پاس ہونا چاہئے" میں نے دھیمی آواز میں کہا "اگر وہ خود کلامی کرتی ہو یا گنگناتی ہو تو اس کے موڈ وغیرہ کا علم ہوتا رہے گا۔"

"میں کل سے ابھی تک اس کے کمرے میں نہیں گیا" وہ پُرخیال انداز میں بولا "ابھی جاتا ہوں اور موقع پاکر اسے کہیں بھی رکھ دوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اسی طرح ہمیں اس کے صدمے کا سبب معلوم ہوجائے۔"

"اتنی عجلت کی ضرورت نہیں، یہ کام بعد میں بھی کیا جاسکتا ہے" میں ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھ گیا۔

"آپ نے نادرہ کی کہانی کا جو تجزیہ کیا ہے اس نے میری آنکھیں کھول دی ہیں" غزالہ بولی "امریکن نت نئے حربے استعمال کرکے اپنا انفارمیشن نیٹ ورک بڑھا رہے ہیں۔ ان کی پیش قدمی کی یہی رفتار رہی تو ایک دن دنیا کے ہر خطے میں ان کے انفارمر بیٹھے ہوئے ہوں گے جو کسی لالچ کے بجائے محض اپنی جان یا عزت کے خوف سے ان کے مخبر کا کردار ادا کررہے ہوں گے۔"

"آنے والے دنوں کا کچھ یہی نقشہ بنتا ہوا نظر آرہا ہے۔ یہ بالکل نچلی سطح پر آزمائے جانے والے وہ حربے ہیں جن کا توڑ نہیں کیا جاسکتا" میں نے تشویش سے کہا "نادرہ کو آدھا یقین آچکا ہے کہ اسے بلیک میل کیا جارہا ہے۔ فون پر کیری ہارٹ یا حنف طرح سے بات کرنے کے بعد اس کا یقین پختہ بھی ہوجائے گا لیکن وہ بیچاری کیا کرسکے گی؟ اتنی گھٹیا غنڈا گردی کا مقابلہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔"

"نادرہ عورت ذات اور اکیلی ہے۔ اس کی بہت سی مجبوریاں ہیں" سلطان شاہ بولا "مگر ہم تو پابند نہیں ہیں۔ ہمیں گھر بیٹھے دو شکار مل رہے ہیں۔ انہیں بھی جلد از جلد دوسروں کے پاس پہنچنا چاہئے۔"

"یہ تو ہونا ہی ہے" میں نے بے پروائی سے کہا "ہمیں بس اتنی احتیاط کرنی ہوگی کہ شکار مکمل ہونے کے بعد نادرہ پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ وہ پورے خلوص سے میری ہربات مانتی جارہی تھی۔"

"لیکن آپ اس سے تعاون کرنے کا بھرپور وعدہ کرچکے ہیں۔" غزالہ نے مجھے یاد دلایا۔

"اس سے تعاون کا نہیں، اس کے بچے کا مستقبل بچانے کا وعدہ کیا ہے" میں نے غزالہ کی تصحیح کی "وہ بچہ بھی ہیروئن کا شکار ہونے والا ہے۔ بیشتر لوگ ہیروئن پی کر برباد ہوتے ہیں لیکن نادرہ کے شوہر نے ہیروئن بیچ کر اپنے گھرانے کے لئے بربادی خریدی

ہیروئن اپنی راہ میں آنے والے کسی شخص کو فلاح نہیں
جن ہاتھوں سے گزرتی ہے ان میں ذلت اور عبرت کے
تھاتی چلی جاتی ہے۔ نادرہ اور فرخ کو ہیروئن کے اثرات
کر ہم ایک بڑا کام کریں گے۔ میں نے صرف اسی کا وعدہ کیا
نی موت کا سوداگر ہے۔ اسے اس کے کرتوتوں کی پوری
زا ملنی چاہئے۔"

ہیروئن کی ہلاکت خیزی کی جہت ایک نہیں تھی۔ وہ نشہ ایک
بلا کی طرح تھا جو ہر رخ سے تباہ کن وار کرتا تھا۔ میں اس
ے میں بہت کچھ جانتا تھا لیکن پھر بھی میرے سامنے اس کی
خیزی کے نئے نئے روپ آتے رہتے تھے۔ شنگارا دیلی میں
ی ہڈیوں کی کھاد پر افیم کی فصل اگانے والے سکھی تھے' نہ
تیار کرنے والوں کو آزادی میسر تھی۔ انہیں منہ مانگے
نے ضرور ملتے تھے لیکن وہ دشوار گزار ٹھکانوں میں بیگار کیمپ
زندگی بسر کرکے افیم سے اس کا زہر کشید کرتے تھے۔ میرے
ناموں اور کرداروں کی ایک طویل فہرست تھی جو ہیروئن کی
چڑھ چکے تھے۔ نادرہ اور فرخ کے نام اس طویل فہرست کے
سرے پر تھے اور میں خلوصِ دل سے ان دونوں کو ٹوٹ
ے بچانا چاہتا تھا۔ ماضی کے گناہوں کا کفارہ ایسی ہی جستہ
یوں سے ادا کیا جا سکتا تھا۔

ان دونوں کی بربادی کا پیغام لانے والوں کا فون نمبر میرے
جود تھا۔ ڈائریکٹری سے نمبر کے سہارے پتے کا سراغ لگانا
نہیں تو طویل اور وقت طلب کام ضرور تھا کیونکہ شہر میں
ناموں کی ترتیب والی ڈائریکٹری طویل وقفوں سے چھاپی
تھی' نمبروں کی ترتیب والی ڈائریکٹری کو محکمے کے ذمے دار
ے بھولے ہوئے تھے۔

ں نے فون اٹھا کر انکوائری کا نمبر ملایا۔ تیسری کوشش میں نمبر
سری طرف دیر تک گھنٹی بجتی رہی اور میں صبر سے ریسیور
لگائے کسی جواب کا انتظار کرتا رہا۔ مجھے ڈر تھا کہ میں نے
سلسلہ منقطع کردیا تو شاید رات بھر دوسرا رابطہ نہ ہوسکے۔
آخر ریسیور پر ایک تیز نسوانی آواز سنائی دی۔ کچھ پلے نہیں
کہنے والی نے کیا کہا تھا۔ میں نے اس کے برہم ہونے سے
اپنا مدعا بیان کردیا۔

دوسری طرف سے ملنے والا جواب حوصلہ شکن تھا۔ نمبر سے
پتا بتانا محکمے کی پالیسی کے خلاف تھا۔ میں نام بتا کر مطلوبہ
رلے سکتا تھا۔ میں نے خوشامد سے کام نکالنا چاہا لیکن وہ
پر ہر روز ایسی ہزاروں سوکھی خوشامدیں سننے کے عادی
ی خاتون نے مجھے وقت ضائع نہ کرنے کا حکم دے کر فون بند

میری اگلی امید اول خان سے وابستہ تھی۔ وہ اپنے اختیارات
کے بغیر بھی کیری ہارٹ اور جیف ملر کی قیام گاہ کا مکمل پتا
معلوم کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو وہ سوا

سات بجا رہی تھی۔ اختیارات سے محرومی کے بعد اول خان نے
دفتری اوقاتِ کار کی پابندی شروع کردی تھی اور کل وقتی دفتری
مصروفیات کے بجائے پانچ بجے وہاں سے اٹھنے لگا تھا۔ اگر اسے دفتر
سے اٹھ کر ہماری طرف آنا ہوتا تو اسے بہت پہلے پہنچ جانا چاہئے
تھا۔ میں نے سوچا شاید وہ اپنے گھر کی طرف نکل گیا تھا۔

میں نے اس کے گھر کا نمبر ملانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ وہ پُر
اسرار انداز میں آپہنچا۔ اس نے ڈور بیل بجانے کے بجائے
دروازے پر ہلکی ہلکی دستکیں دی تھیں اور اندر آنے کے بعد اس کا
جواز یہ بتایا تھا کہ وہ بہت رازداری کے ساتھ ادھر آیا تھا اور غیر
ضروری طور پر لوگوں کی نظروں میں آنے سے بچنا چاہ رہا تھا۔

میں نے اس کی وضاحت کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ ہم چاروں
ہی قانون سے روپوشی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اگر اس نے ہم سے
میل جول میں احتیاط برتنے کا فیصلہ کیا تھا تو یہ اس سے زیادہ ہمارے
حق میں بہتر تھا۔

وہ اندر آنے کے بعد اپنی پتلون کی دونوں جیبوں میں ہاتھ
ڈالے کھڑا تھا۔ اس کے رویّے سے عجلت اور بے چینی مترشح تھی۔
میں نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی تو اس نے انکار کردیا۔

"میں تمہاری آمد سے مایوس ہوکر تمہارے گھر فون کرنے والا
تھا۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے اور تم بیٹھنے سے بھی انکار کررہے
ہو" میں نے اپنی ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں ڈیڈی۔۔۔ اب میں تمہاری کوئی ضرورت پوری نہیں
کرسکوں گا" اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا "کھیل اب میری گرفت
سے نکل چکا ہے۔ بات بہت اوپر تک چلی گئی ہے۔ میں صرف اتنا
کرسکتا ہوں کہ تمہارے اس فلیٹ کو بھول جاؤں۔ مجھے تمہاری
گرفتاری کے احکامات مل چکے ہیں۔"

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں صبح سے ان ہی چکروں میں پھنسا ہوا تھا ورنہ اخبار دیکھنے
کے بعد تم سے ضرور رابطہ کرتا۔ راس المیڈا کی آمد نے معاملات کو
بری طرح الجھا دیا ہے۔ اس وقت بھی سی آئی اے کا کیری ہارٹ
اسلام آباد میں ہماری وزارتِ داخلہ کے سر پر سوار ہے۔ اس کے
ماتحت انسپکٹر جیف ملر نے کراچی میں ہوم ڈپارٹمنٹ کو ہلایا ہوا
ہے۔ وہ ہر قیمت پر تمہیں بے دست و پا دیکھنا چاہتے ہیں۔ بدقسمتی
سے حالات نے مجھے تمہارے سامنے لاکھڑا کیا ہے۔ میرے لئے
فرض اور دوستی کا یہ امتحان بہت کٹھن ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم
میری مجبوریوں کو سمجھ رہے ہوگے۔ میں احسان فراموش نہیں
ہوں مگر اپنے فرض سے بھی منہ نہیں موڑ سکتا۔"

اس کی زبان سے کیری ہارٹ اور جیف ملر کے نام سن کر مجھے
حیرت ہوئی تھی جو اس کے آخری فقروں پر صدمے میں بدل گئی اور
میں نے بے یقینی سے پوچھا "میں خود سی آئی اے کے ان دو
بدمعاشوں کے فراق میں تھا لیکن اب حالات دوسرے ہیں۔ کیا تم
واقعی مجھے گرفتار کرنے آئے ہو؟"

اس نے بڑھ کر مضبوطی سے اپنا داہنا ہاتھ میرے شانے پر رکھ دیا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا "میں نے تمہیں اپنا دوست اور محسن کہا ہے۔ اپنے محسن پر وہی ہاتھ اٹھاتا ہے جس کے نطفے میں فرق ہو۔ میں اپنے نام کو بٹا نہیں لگاؤں گا۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ میں اس فلیٹ کو بھول جاؤں گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم کہاں روپوش ہو۔ تمہارے لئے میں اس وقت یہی کچھ کرسکتا ہوں اور کروں گا۔"

میں نے ایک جھٹکے سے اسے اپنے بازوؤں میں کھینچ کر سینے سے لگالیا۔ دو فولادی چھاتیوں کے تصادم کی دھمک بہ آواز تھی مگر اول خان کسمساکر میرے بازوؤں سے نکل گیا اور آہستہ سے بولا۔ "دشمن گلے نہیں ملا کرتے۔ اس وقت میں ایس ٹی ایف کا کمانڈر اول خان ہوں اور تم ایک مفرور ملزم۔ ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا ہوگا۔ سی آئی اے والوں کے لئے تم جو کرسکتے ہو' جلد از جلد کرو۔ تمہارے پاس وقت کم ہے۔ ان کی رسّی دراز رہی تو وہ تمہیں پھانسی لگوادیں گے۔"

"میرے پاس ان کا سراغ ہے مگر صرف فون نمبر سے ان کے گھر کا کھوج نکالنا مشکل ہوگا۔ میں تمہاری مدد کی آس لئے بیٹھا تھا لیکن اب شاید مجھے خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔"

"ہاں! فی الحال مجھے بھول جاؤ۔ میرے اختیارات بحال ہوچکے ہیں اور انہیں پوری قوت سے تمہارے خلاف استعمال کرنے کا فرمان جاری ہوچکا ہے۔ میں یہ باتیں فون پر نہیں بتا سکتا تھا اس لئے زبردست خطرہ مول لے کر یہاں پہنچا ہوں۔ زندگی رہی اور کبھی حالات سازگار ہوئے تو پھر ملاقات ہوگی۔"

اپنی بات مکمل کرکے وہ مڑا اور نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

واقعات حیرت ناک سرعت سے رونما ہورہے تھے۔ نادرہ کی آمد سے پہلے میں گیری ہارٹ اور جیف ملر کے ناموں تک سے نا آشنا تھا اور ساری بازی راس المیڈا یا ایلن کی ذات پر مرکوز نظر آرہی تھی۔ گیری اور جیف پس منظر میں تھے اور اپنے وسائل کے ذریعے مجھ تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کررہے تھے لیکن ہمارے تصادم میں راس المیڈا کے زخمی ہوتے ہی ہر طرف بھونچال سا آگیا تھا۔ سی آئی اے کے دونوں اعلیٰ افسران کھل کر میدان میں آگئے تھے۔ ان کے دباؤ کے نتیجے میں ایس ٹی ایف نے میری سرگرمیوں سے روپوشی کے رویّے پر نظرِ ثانی کرکے اول خان کو میری گرفتاری پر مامور کردیا تھا۔ اول خان فرض اور دوستی کے اس نازک دوراہے پر دوستی کا حق ادا کرتے ہوئے مجھے یہ اشارہ دے گیا تھا کہ گیری ہارٹ اور جیف ملر کو لگام دیے بغیر بڑھتے ہوئے خطرات پر قابو پانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہ بہت مشکل صورتِ حال تھی۔

میں نے وقت گزارنے کے بجائے اسی وقت اپنی فیصلہ کن چال چلنے کا فیصلہ کرلیا۔

اوّل خان کی فراہم کی ہوئی معلومات کے مطابق سی آئی اے کا اسسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ اسلام آباد میں وزارت داخلہ والوں کے سر پر سوار تھا۔ ان لوگوں نے اپنے طور پر حقائق کا جو خاکہ ترتیب دیا تھا' اس میں مرکزی کردار مجھے تصور کیا گیا تھا۔ یہ سمجھنا زیادہ دشوار نہیں تھا کہ میرے بارے میں ایس ٹی ایف والوں نے مفاہمانہ رویّہ ترک کرکے معاندانہ روش کیوں اختیار کی تھی۔

ایس ٹی ایف سرکاری ڈسپلن کے تحت کام کرنے والا کوئی روایتی ادارہ نہیں تھا جو کسی اعلیٰ افسر کی سفارش پر اپنی کارکردگی کے پیمانے بدلتا رہتا ہو۔ اس کا وجود ریکارڈ میں ہرچند کہ تھا مگر نہیں تھا۔ ایس ٹی ایف کے بارے میں گیری ہارٹ ٹھوس ثبوت کے بغیر زبان نہیں کھول سکتا تھا۔ بین الاقوامی اور سفارتی سطح پر ایسی الزام تراشی سنگین نتائج پیدا کرسکتی تھی۔ کوئی بھی حکومت یہ الزام آسانی سے تسلیم نہیں کرسکتی تھی کہ وہ اپنے آئین اور قانون سے ماورا کسی نیم عسکری تنظیم سے قومی مفادات کے تحفظ کا کام لے رہی تھی۔

میرے لیے وہ بالکل صاف اور سیدھی بات تھی۔ امریکا کی طاقت کا گھمنڈ اور بدمعاشی کا زعم لے کر آنے والے متعدد سازشی اہل کار یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تھے۔ ان کی زہرناک اصلیت سے جو لوگ باخبر تھے وہ منظرِ عام پر آنے یا زبان کھولنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ اس مجبوری کے نتیجے میں ان تمام وارداتوں کو پریس کے بے خبر حلقوں نے نادانستہ طور پر معصوم اور بے گناہ غیرملکیوں کے سفاکانہ قتل سے تعبیر کیا تھا اور بات گیری ہارٹ کے حق میں جاتی تھی۔ اپنے متعدد ہم وطنوں کے مشتبہ قاتل کی گرفتاری کے لیے وہ جائز حدود میں رہتے ہوئے بھی امن و امان کے اعلیٰ ترین ذمے داروں پر ناقابلِ برداشت دباؤ ڈال سکتا تھا اور شاید ایسے ہی دباؤ کے نتیجے میں اوپر کی سطح پر ایسے فیصلے کیے گئے تھے جو ایس ٹی ایف پر اثر انداز ہوئے تھے۔ میری راہ میں اور اوّل خان کی پیشہ ورانہ مجبوریوں کی وجہ سے میدان میں ایسا فرد نہیں تھا جو گیری ہارٹ کے مظلومیت کے دعووں کو باطل قرار دے کر پوری کہانی کے سربستہ رازوں کو بے نقاب کرسکے۔

گیری ہارٹ اور اس کے طاقت ور پشت پناہوں کے سامنے سرخ روئی حاصل کرنے کے لیے چند برسوں نے ایس ٹی ایف کی پراسرار اور ناقابلِ شکست قوت کو میری بیخ کنی کے لیے استعمال کرنے کا تکلیف دہ فیصلہ کیا تھا۔ میں نے کبھی کسی سرکاری افسر کے سامنے اپنی کامیابیوں کے گن گائے تھے نہ کبھی منظرِ عام پر دشمنوں کی ہولناک ریشہ دوانیوں پر اظہارِ خیال کیا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ ملکی مفادات' سالمیت اور بقا کے لیے میں نے موت کے سوداگروں سے لے کر پیشہ ور تخریب کاروں تک کا کامیابی سے مقابلہ کیا تھا اور جس طرح ان کے دانت کھٹے کردیے تھے ان

ا پڑا' متعلقہ افسر بخوبی واقف تھا۔ ان خدمات کے صلے میں
ان کو میرے پیچھے لگا کر مجھے قربانی کا بکرا بنانے کی کوشش کی
ی۔
یری ہارٹ اسلام آباد میں میرے خلاف زہر فشانی کر رہا تھا
سپکٹر جیف ملر کراچی میں بیٹھ کر عملی اقدامات کا گہری نظروں
شاہدہ کر رہا تھا۔ میرے خلاف کھلنے والے نئے محاذ کے اصل
ودی دونوں تھے۔ شاید ان کے لیے راس المیڈا کا درجہ بہت
ا۔ وہ متعصب اور نسل پرست یہودی ارب پتی اپنے مذموم
ر کی تکمیل کے لیے شاید اپنے پیسے اور رسوخ کے سہارے
کے مقتدر طبقوں میں اپنے ہمدردوں کا وسیع حلقہ پیدا کر چکا
ی وجہ سے سی آئی اے کے دو اہم افسران اس کے گھائل
پر تڑپ اٹھے تھے۔

جب تک یہ بات سامنے نہیں آئی تھی کہ میری سرکوبی کی مہم
رانی اور رہنمائی کے لیے راس المیڈا کے ساتھ سی آئی اے
ر اعلیٰ افسران بھی کراچی پہنچے ہوئے ہیں' میں یہ سوچ سوچ کر
ہوتا رہتا تھا کہ چیفنا سرائے سے پشاور تک کے سفر میں
اور پست ذہن نظر آنے والا ایلن سمفریال کس طرح پے
جارحانہ حملوں کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ وہ تین نام سامنے
کے بعد معاملات بڑی حد تک واضح ہو گئے تھے۔ بظاہر ایلن ہی
اروائیوں کا روحِ رواں نظر آ رہا تھا لیکن ان منصوبوں پر
ے ہی دماغ کام کر رہے تھے۔

مجھے احساس ہو رہا تھا کہ پچھلی سہ نفری تکون کے مقابلے میں
الوں کی ذہنی سطح بہت بلند تھی۔ راس المیڈا کوئی پیشہ ور مجرم
تھا۔ وہ ایک چالاک اور کامیاب کاروباری انسان تھا۔ ماضی
ہو کچھ بھی رہا ہو' اس کے بارے میں خفیہ اطلاعات یہ تھیں
اس نے اپنی کاروباری سوجھ بوجھ اور فیصلہ کرنے کی بہترین
یتوں کی بنا پر بے اندازہ دولت کمائی تھی اور پھر اس دولت
ایسے معاشی اور معاشرتی مہروں پر سرمایہ کاری کی تھی جو اس
اثاثوں کو حیرت ناک سرعت سے بڑھنے میں مدد دے رہے

یہ دیگر بات تھی کہ دنیا کے ہر کامیاب اور بڑے انسان کی
اس میں یہ کمزوری تھی کہ وہ انتہائی متعصب نسل پرست تھا
ناسب کچھ داؤ پر لگا کر یہودی قوم کے مفادات کا پرچم سربلند
چاہتا تھا۔

اس کے برعکس پچھلی بار جم کلارک آیا تھا۔ وہ جرائم کی دنیا کا
ناموں شخص تھا۔ جب وہائٹ ہاؤس کے باہر شی کے سربراہ جمی
ر کو کسی نامعلوم قاتل نے بے آواز گولی کا نشانہ بنا کے موت کے
ٹ اتار دیا تو جم کلارک کو اس کا جانشین مقرر کر دیا گیا۔ جرائم
میں کوئی کتنا ہی نامور اور کامیاب ہو' یہ بات طے ہے کہ وہ
مور بھی اس بلندی کو نہیں چھو سکتا جو ایک حوصلہ مند
بے باک کاروباری شخص کو حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح جم

کلارک کے ساتھ آنے والے ولیم اور راجر نامی سرکاری محافظ بھی بہت زیادہ ذہین اور فطین نہیں تھے۔ ہم نے ذرا سی ہوشیاری سے کام لے کر انہیں ان کے مقامی مددگاروں سمیت بہت آسانی سے فنا کے گھاٹ اتار دیا تھا مگر اس بار معاملات بہت مختلف نظر آرہے تھے۔ گیری ہارٹ اور جیف طرا اپنی ذاتی صلاحیتوں سے کام لینے کے ساتھ ساتھ اپنی حیثیت کو مؤثر طور پر استعمال کرنا بھی جانتے تھے۔

وہ دونوں میرے خلاف ہر محاذ پر سرگرمی دکھا رہے تھے۔ انتہا تھی کہ ایس ٹی ایف بھی ان کے دباؤ کا بالواسطہ نشانہ بن گئی تھی لیکن کوئی ان سے یہ پوچھنے والا نہیں تھا کہ ان کے مہذب اور جمہوری ملک میں شی جیسی ہولناک اور تباہ کن مجرمانہ تنظیم کس قانون یا آئین کی کس شق کے تحت پروان چڑھائی جا رہی تھی؟ راس المیڈا کی ڈیوڈ اسٹارز امریکا کے کن قوانین کے تحت کام کر رہی تھی؟

غالباً دنیا کے بیشتر بڑے اور چھوٹے ممالک میں اپنے قومی مفادات کے تحفظ کے لیے قانون سے ماورا خفیہ تنظیمیں کام کر رہی تھیں۔ جہاں حکومتوں کے قانونی وسائل بگڑے ہوئے معاملات پر قابو پانے میں ناکام ہو جاتے تھے وہاں ایسے خفیہ ادارے فعال و متحرک ہو جاتے تھے اور بہت آسانی سے مطلوبہ نتائج حاصل کر لیے جاتے تھے۔ بظاہر ہر طرف سے ایسے حادثات کی مذمت کی جاتی تھی۔ ان حادثات کو یقینی بنانے والے بھی ان کی ملامت میں پیش پیش رہ کر اپنے گہرے رنج والم کا اظہار کرتے تھے اور یوں حکومتیں کسی پُر حق ردِعمل کا سامنا کیے بغیر اپنے مطلوبہ اہداف حاصل کر لیتی تھیں اور کہیں کوئی غلغلہ برپا نہیں ہوتا تھا لیکن پاکستان کے خلاف امریکیوں کے معاندانہ رویّے کی وجہ سے ایس ٹی ایف گمنامی کی گہری دھند سے باہر نکلتی نظر آرہی تھی۔ اس کے آزاد و خود مختار مگر بہت زیادہ محبِ وطن اہل کاروں پر پابندیوں کا سلسلہ شروع ہو سکتا تھا۔ اس وقت اس سلسلے کی ابتدا ہوئی تھی۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کہاں جا کر رکے گا۔

میری دانست میں اس بے جا غیر ملکی مداخلت کا ایک ہی توڑ ہمارے سامنے رہ گیا تھا۔ جو لوگ بے بسی اور مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر اس گھناؤنی سازش کے سرخیل بنے ہوئے تھے، انہیں منظرِ عام سے ہٹا دیا جاتا۔ وہ صرف تین افراد تھے۔ ان میں سے راس المیڈا منظرِ عام پر نہیں تھا۔ وہ راڈنی آرک کے مفروضہ نام سے مجرمانہ انداز میں ہمیں تباہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر اسے راس المیڈا کی حیثیت سے بے نقاب کر کے بے دردی سے ذبح کر دیا جاتا تو اس کے ہمدرد و دم ساز بھی اس کے قتل پر احتجاج نہیں کر سکتے تھے کیونکہ انہیں یہ جواز دینا مشکل ہو جاتا کہ امیگریشن کے ریکارڈ پر کوئی اندراج نہ ہونے کے باوجود راس المیڈا پاکستان میں کیسے داخل ہوا؟ وہ وہاں کیا کر رہا تھا؟ اس کے کیا عزائم تھے اور مقامی طور پر اسے کن عناصر کا تعاون حاصل تھا؟ راس المیڈا کا

قتل آسان تھا لیکن اس چھپے ہوئے شیطان کا سراغ لگانا مشکل کام تھا۔ زخمی ہونے کے باوجود وہ اس اسپتال میں نہیں تھا جہاں زبردست قلعہ بندی کے ساتھ تصادم اور دھماکے کے زخمیوں کو زیرِ علاج رکھا گیا تھا۔ زخمی حالت میں اس کے فرار ہونے سے یہ بات سامنے آرہی تھی کہ شہر میں ایلن، پیٹر اور بدرو دادا کے علاوہ بھی اس کے ہمدرد موجود تھے۔

راس المیڈا کے برعکس گیری ہارٹ اور جیف طرا کا معاملہ نسبتاً سہل تھا۔ یہ ان کی قسمت کی خرابی تھی کہ نادرہ یا مسز غزالہ ان دونوں سرکاری بدمعاشوں کے سلسلے میں مجھ ہی سے مشورہ کر رہا تھا۔ اگر نادرہ میرے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہو جاتی تو پانسا پلٹ سکتا تھا اور وہی میری فیصلہ کن چال ہوتی۔

"وہ تعاون سے انکار نہیں کر سکے گی" میرے ارادے سے واقف ہونے کے بعد غزالہ نے پُراعتماد لہجے میں کہا "جب اسے اپنے شوہر کی آزادی اور بچے کے مستقبل کے تحفظ کا یقین رہے گا وہ آپ کی ہر بات بے چون و چرا کیے مانتی چلی جائے گی۔ اسی کے ذریعے گیری اور جیف کو گھیرا جا سکتا ہے۔"

"وہ ہیروئن کے ایک سزا یافتہ اسمگلر کی بیوی ضرور ہے لیکن اس نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا ہے" میں نے پوری ایمان داری سے کہا "میں اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ ابھی تک مجھے دلاور سمجھ رہی ہے۔ اس سے کام لینے سے پہلے میں بتا دوں گا کہ اسے جس ڈینی کی تلاش پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، وہ میں ہوں...."

"وہ فوراً بدک جائے گی" سلطان شاہ میری بات پوری ہونے سے پہلے بے ساختہ بول پڑا "اس کے سامنے یہ اعتراف کر کے بنا بنایا کھیل بگاڑ دو گے۔ اسے تمہارے اعلیٰ اخلاق سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ تم نے اسے یہ بتا کر کہ اس نے امریکن بدمعاشوں سے تعاون نہ کیا تو وہ اس کے بیٹے کو مشتبہ خاندانی پس منظر کی بنا پر امریکا سے نکلوا دیں گے، مزید مضطرب کر دیا ہے...."

"ہاں! سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے" غزالہ نے درمیان میں اس کی بات اچک لی "اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ ان سے تعاون کر کے ہی اپنے مقاصد حاصل کر سکتی ہے۔ وہ آپ کی بات سن ضرور لے گی مگر پہلی فرصت میں انہیں فون کر کے بلا لے گی تاکہ اسے اس کے خوابوں کی تعبیر مل سکے۔"

"تم دونوں نے اپنے ایف ایم ریڈیو پر ساری گفتگو سنی۔ کیا تمہیں اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں نے اپنے بارے میں انتہائی محسوس طریقے سے اس کی برین واشنگ کی ہے۔ دوسری باتوں کے ساتھ اسے یہ یقین بھی ہو چکا ہے کہ ڈینی درحقیقت کوئی بد... مجرم نہیں ہے بلکہ وہ دونوں کسی اور پرخاش کی وجہ سے اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ وہ اس معاملے میں فریق نہیں بنے گی" میں نے پُرزور لہجے میں کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہو لیکن غرض اندھی ہوتی ہے" سلطان شاہ نے نیم دلی سے کہا "اس کو تمہاری ذات میں زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ وہ اپنے شوہر کو آزاد اور بیٹے کو محفوظ دیکھنا چاہتی ہے۔ تمہاری اصلیت سے واقف ہوتے ہی اس کا رویہ بدل جائے گا۔ وہ تمہاری ہر بات سنتی رہے گی لیکن تمہیں اپنے دل کی بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دے گی۔ وہ ایک وفا شعار بیوی معلوم ہوتی ہے۔ اپنے شوہر کی آزادی کے لیے وہ سب کچھ کر گزرے گی۔ اس کے سامنے زبان کھولنے کے بعد تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔"

"یہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو" میں نے سوچتے ہوئے کہا "میں جانتا ہوں کہ اسے کس طرح اپنا ہم نوا بنایا جا سکتا ہے۔ اس کے باوجود میرا اندازہ غلط ثابت ہوا اور نادرہ نے میرے اعتماد کو دھوکا دیا تو میں مردانہ وار نتائج کا سامنا کروں گا لیکن دھوکا دے کر اسے اپنا آلۂ کار نہیں بناؤں گا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ تم اکیلے نہیں ہو ہم دونوں بھی تمہارے ساتھ مصائب میں مبتلا ہو سکتے ہیں" سلطان شاہ نے احتجاج کیا "اور ہم ہی کیا' وہ خاموش خانم بھی آج کل گلے پڑی ہوئی ہے۔ ویرا پھر اسی دلدل میں جا گرے گی جہاں سے ہم اسے بہ وقت تمام نکال کر لائے ہیں۔"

میں خاموش ہو کر چند ثانیوں تک اسے گھورتا رہا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر میں نے دھیمی آواز میں کہا "تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن اس کی پراسرار خاموشی نے ہم سب کو شدید الجھن میں ڈالا ہوا ہے۔ خدا کرے کہ اس کے ساتھ وہ سب نہ ہوا ہو جو میں سمجھ رہا ہوں۔ اگر وہ تشدد کے سارے ہی مراحل سہہ چکی ہے تو اس کے بارے میں فکر مند ہونا بے کار ہے۔ جس چادر کی دھجیاں اڑائی جا چکی ہوں' ان کے دھاگوں کو سمیٹنا ایک بے ثمر جذباتی فعل ہوگا۔ ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ سکتے ہیں.... ہم نہیں بلکہ مجھے صرف اپنی بات کرنی چاہیے۔" میں نے احساس ہوتے ہی اپنی تصحیح ضروری سمجھتے ہوئے کہا "میں اپنی وجہ سے کسی کو ناگہانی مصائب میں نہیں ڈالنا چاہتا.... مجھے معلوم ہے کہ اپنی محرومیوں کی بنا پر تم غزالہ کو اپنی حقیقی بہن کی طرح چاہتے ہو۔ میری غیر موجودگی میں تم صحیح طریقے پر اس کی خبر گیری کر لو گے۔ تم دونوں سکون سے رہو۔ میں گیری' جیف اور راس سے اپنی جنگ خود لڑوں گا۔ کامیابی کی صورت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن مجھے منہ کی کھانی پڑی تو تم دونوں ٹھنڈے دل و دماغ سے میرے لیے کچھ کام کر سکو گے۔"

"اب آپ زیادہ تقریر نہ کریں" غزالہ نے ہلکی سی برہمی سے میری بات کاٹ دی "مجھے فخر ہے کہ سلطان شاہ کی برادرانہ محبت کی وجہ سے میں کامران کی جوان موت کا غم بھول چکی ہوں۔ میرے والدین سرحد پار سے ہجرت کے ساتھ اپنی موروثی ثقافت کی نشانیاں ساتھ لائے تھے اور میری شخصیت پر اس مزاج کی گہری چھاپ ہے۔ سلطان شاہ سرحد کے پہاڑوں کا بیٹا ہے لیکن ہمارے دلوں میں پروان چڑھنے والی پاکیزہ محبت نے زمین اور آسمان کے اس فرق کو بالکل مٹا دیا ہے.... یہ باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن لڑکیاں زندگی بھر اپنے ماں باپ یا بھائیوں کے شانے کا بوجھ نہیں بنی رہتیں۔ شادی کے بعد وہ ذرا ذرا سی بات کے لیے اپنے شوہر کی طرف دیکھتی ہیں۔ میرا اور آپ کا بندھن زندگی بھر کا ہے۔ یہ خیال ذہن سے نکال دیں کہ میں گوشہ نشینی اختیار کر کے آپ کو ان درندوں سے لڑنے کے لیے تنہا چھوڑ دوں گی۔ ہم ساتھ جئیں گے اور ساتھ ہی مریں گے۔"

"یہ احمقانہ اور جذباتی باتیں ہیں" میں نے تلخی سے کہا۔ "مرنے والے کے ساتھ کوئی نہیں مرا کرتا۔ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ وقت بہت سفاک اور بے رحم ہوتا ہے۔ ماہ و سال کی گردش بڑے سے بڑا دکھ بھلا دیتی ہے۔ میں آج تک موت کے جبڑوں میں ہاتھ ڈال کر اپنی زندگی چھینتا چلا آیا ہوں۔ میں نے اپنے دشمنوں کو بڑے چرکے لگائے ہیں' انہیں ہر پل دھوکے دیے' ان کی گردنیں توڑیں لیکن میں نادرہ کو اندھیرے میں نہیں رکھوں گا۔ میرا کسی پر زور ہے اور نہ میں کسی سے شکوہ کروں گا۔ جو چاہے میرا ساتھ دے' جو چاہے الگ رہے۔"

"جو ہوگا' دیکھ لیا جائے گا" سلطان شاہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "ابھی ہم دونوں کی عقلیں کام کر رہی ہیں۔ ہم تم پر بوجھ بنے بغیر اپنے بچاؤ کی تدبیریں کر سکتے ہیں لیکن مٹی کی اس مورتی کا کیا کیا جائے گا جو منہ سے بولتی ہے' نہ سر سے کھیلتی ہے۔ کھانا کھاتی ہے' شراب پیتی ہے یا پھر سو جاتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ نادرہ سے بات کرنے سے پہلے اس کا بھی فیصلہ کر لیا جائے" میں نے ویرا کے ساتھ تھوڑی سی سختی اختیار کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا "بلاؤ اسے!"

"اسے باہر بلانے کے بجائے ہم تینوں اندر چل کر اس سے بات کرتے ہیں" غزالہ نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی "وہ ترشی کے بجائے نرمی اور ہمدردی سے ہی راہ پر آ سکے گی۔"

"پہلے یہ تو دیکھ لیا جائے کہ وہ بات کرنے کے قابل بھی ہے یا ٹنگ ہو چکی ہے" سلطان شاہ نے استہزائیہ لہجے میں کہا "میرا خیال ہے کہ میں نے وافر مقدار میں اسکاچ فراہم کر کے غلطی کی تھی۔"

"تمہارے دوسرے کون سے کام سیدھے ہوتے ہیں جو اس ایک غلطی کو رو رہے ہو" میں نے ترش روئی سے کہا "تم نے اسے اکیلا نہ چھوڑا ہوتا تو اس کی یہ درگت نہ بنی ہوتی۔ وہ اپنی زندگی کے بدترین صدمے سے دوچار ہوئی ہے۔"

"تم بلاوجہ اس کی ہرزہ داری میرے سر تھوپ دیتے ہو۔" وہ تنک کر بولا "میں اسے اپنی گود سے اتار کر نہیں بھاگا تھا۔

افراتفری اور خطرات کی وجہ سے ہم دونوں بچھڑے تھے۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ میرے بچ نکلنے کے باوجود وہ پکڑی گئی۔ اس کا مقدر بدلنا میرے اختیار سے باہر تھا۔"

"اپنی کوتاہیوں کے لیے کسی کے بھی مقدر کو موردِ الزام ٹھہرانا دنیا کا سب سے آسان کام ہے" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "مقدر ہی سب کچھ ہے تو پھر ویرا پر تنقید مت کرو..... وہ جو کچھ بھی کر رہی ہے، وہ اس کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے۔ وہ پوری کوشش کر کے بھی اسے نہیں بدل سکتی۔"

"اب آپ اس کی طرف داری میں تقدیر پر ہی سارا بوجھ نہ ڈالیں" ویرا کے معاملے میں غزالہ اکثر سلطان شاہ کی ہم نوا بن جایا کرتی تھی "تقدیرِ مبرم اور تقدیرِ معلق کے بارے میں آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔"

"مبرم ٹالے نہیں ٹلتی اور معلق آدمی کے فیصلوں کے تابع ہوتی ہے" سلطان شاہ نے اس موضوع پر اپنی علمیت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔

میں مزید کچھ کہے بغیر ویرا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں میرے پیچھے ہو لیے۔

میں اپنے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی بلکہ درشتی کے تاثرات پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوا، دستک دیے بغیر ویرا کی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ ہم چاروں کے درمیان گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ ایسی بے تکلفی پیدا ہو چکی تھی کہ ضرورت کے تحت بعض مواقع پر ایسے رسمی تکلفات کو بے دھڑک ہو کر نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔

اس وقت ویرا مسہری پر نہیں تھی بلکہ قمیص شلوار میں ملبوس صوفے ... پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے شیشے کی دبیز سطح والی چوبی میز پر مے نوشی کے جملہ لوازم موجود تھے۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر ویرا نے چونک کر سر اٹھایا تو اس کی جھیل جیسی گہری اور نیلگوں آنکھوں میں خمار کے تیز ڈورے تیر رہے تھے۔ کسی پیشگی اطلاع کے بغیر مجھے اور میرے پیچھے ان دونوں کو اپنی خواب گاہ میں موجود پا کر ویرا کی آنکھوں میں حیرت سی امڈ آئی۔

"آؤ!" وہ خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی تو اس کی آواز میں قدرے بھاری پن تھا "میں ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ میں ظلم کا شکار ضرور ہوئی ہوں لیکن اس میں تم تینوں کا کوئی قصور نہیں تھا۔ میں خاموش رہ کر تمہارے ساتھ زیادتی کر رہی ہوں۔ مجھے تمہاری کوفت اور ذہنی الجھن کا اندازہ ہو چکا ہے....."

"اور تم اسکاچ پی کر ہماری اس بدترین پریشانی سے لطف اندوز ہو رہی ہو!" میں نے اس کی بات کاٹ کے طنز سے کہا "پتا نہیں ہمیں ایذا دے کر تم کس بات کا بدلہ لینے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"آرام سے بیٹھ جاؤ!" ویرا نے سہ نشستی صوفے کے ایک گوشے میں سرکتے ہوئے سرد لہجے میں کہا "میں نے تم تینوں کو اپنی کہانی میں شریک کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

اس کشادہ خواب گاہ کے ایک گوشے میں بیک وقت چھ نفوس کے بیٹھنے کی گنجائش موجود تھی۔ ہم تینوں نے ویرا کے گرد اپنی نشستیں سنبھال لیں۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ کوئی بحث مباحثہ شروع ہونے سے پہلے ویرا خود ہی معقولیت کی راہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

ویرا کی آمادگی نے ہم تینوں کو خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔ ہم میں سے کسی نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ شاید میری طرح غزالہ اور سلطان شاہ کو بھی یہ اندیشہ تھا کہ کہیں ویرا ہماری کسی بات پر برہم ہو کر ہمیں اعتماد میں لینے کا ارادہ ہی نہ بدل دے۔

ویرا اپنا گلاس اٹھا کر چند ثانیوں تک اپنی انگلیوں میں گھماتی رہی۔ اس کی پُرخیال نظریں سنہرے سیال یا اس میں پگھلتے ہوئے برف کے چھوٹے چھوٹے ڈلوں پر جمی ہوئی تھیں۔ ایک گھونٹ لینے کے بعد اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے پوچھا۔ "تمہارے قیاس کے مطابق مجھ پر کیا گزری ہوگی؟"

"اگر میرا اندازہ درست ہے تو میں اسے قیامت ہی کہہ سکتا ہوں" میں نے کہا۔

"مشرق میں عورت پر قیامت ٹوٹنے کا بس ایک ہی مفہوم ہوتا ہے کہ طاقت اور درندگی کے بل پر اسے بے آبرو کر دیا جائے لیکن میں اسے قیامت نہیں، خراجِ تحسین سمجھتی ہوں۔ عورت کی نفرت کے باوجود جو مرد اسے بے پناہ پسند کرتا ہے، عورت کی رضا نہ ملنے پر پاگل ہو کر زبردستی پر اتر آتا ہے۔ یہ قیامت نہیں، جذبات کے حیوانی گرداب میں پھنسے ہوئے مرد کا کھلا کھلا اعترافِ شکست ہوتا ہے.... اگر ایسی عورت مذہب اور معاشرے کے روایتی دباؤ میں نہ ہو تو ایسا ہر واقعہ اس کی انا کو بہت بلند کر دیتا ہے۔ میرے متوفی باپ کے سوا کسی نے بھی میرے ان احساسات سے اتفاق نہیں کیا۔ تم جانتے ہو کہ میرا حقیقی باپ ٹی کا سربراہ، جی لائیڈ تھا۔ اپنے اس روپ میں اس نے کبھی مجھے کھل کر بات کرنے کا موقع نہیں دیا لیکن جب وہ آزاد منش رنگیلوں کی اطالوی دنیا میں ڈان مریانو بن کر مجھے زندگی کی اٹل حقیقتوں کا سبق دے رہا تھا تو اس نے مجھے یہی سکھایا تھا کہ ایک چالاک عورت اپنی پوری زندگی میں کبھی بھی مجبور... اور مظلوم نہیں ہوتی، وہ ہر لمحے سفاکی اور بے رحمی سے مردوں کی انا کو چاٹ کر اپنی ذات کا ایک طلسم کدہ تعمیر کرتی ہے جس میں ہر لمحے اس کا ایک نیا اور مجت آفریں روپ نظر آتا ہے۔ دور سے تماشا دیکھنے والے کم ہمت لوگ اس کے قرب کی آرزو میں سلگتے رہتے ہیں اور ہمت کرنے والے اس کے آتشی پیکر کی ہولناک حرارت میں موم کے پتلوں کی طرح پگھل کر رہ جاتے ہیں..... ان سب نے میرے آتشی پیکر سے کھیلنے کی کوشش کی ہوتی تو یقیناً وہ

جلس گئے ہوتے اور میرا سر غرور سے اونچا ہو جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔۔۔ تم لوگ میری خاموشی سے مشرقی معنی اخذ کر رہے ہو۔ یہ تمہاری بھول ہے۔ ویرا آگ میں جلنے والی مخلوق نہیں ہے' وہ آگ سے نئی قوتِ نمو حاصل کرتی ہے۔ میرے ساتھ تو کچھ اور ہی گزری ہے جو میرے جیسے ہر دل کو نگار کر دینے کے لیے کافی ہے۔"

وہ بول رہی تھی اور میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ میرے کان ہر لمحے اس کی زبان سے وہ راز سننے کے منتظر تھے جس نے اس کی قوتِ گویائی سلب کر کے اسے ایک کٹھ پتلی بنا کر رکھ دیا تھا۔

"عورت کے لیے اس کے بعد کچھ باقی نہیں رہتا" اس کی خاموشی کے طول پکڑنے پر میں نے لقمہ دیا "بے آبروئی کے بعد بس عورت کا گلا کاٹ کر ہی کوئی بڑی اذیت دی جا سکتی ہے۔۔۔ تمہارے ساتھ وہ نہیں ہوا جو میں سوچ رہا تھا' تم زندہ ہو یعنی تمہیں ذبح نہیں کیا گیا پھر وہ کون سی انوکھی افتاد تھی جس نے تمہیں گنگ کر کے رکھ دیا ہے۔"

"عورت کی سب سے بڑی تذلیل یہ ہے کہ اسے کھلونا بنا لیا جائے۔۔۔ مٹی یا کاغذ کا ایک بے جان کھلونا جو بس کھیلنے والے کی خوشی کے لیے ہوتا ہے' اس کے اپنے جذبات نہیں ہوتے۔ کھلاڑی اس سے خوب کھیلتے ہیں اور پھر اس کے جاگے ہوئے ارمانوں پر دھیان دیے بغیر اسے ایک گوشے میں پھینک کر چل دیتے ہیں۔" وہ مخمور لیکن مجروح آواز میں شکوہ کرتے ہوئے بولی۔ "تم خود ہی بتاؤ کہ کیا میں ایسے بے دردانہ سلوک کی مستحق تھی؟"

"شاید اس سے بھی زیادہ!" میں نے اس کے لب و لہجے سے مرعوب ہوئے بغیر سرد مہری سے کہا "تمہارا قصور یہ تھا کہ تم ان کے دشمن کی دوست تھیں' میں خود کچھ نہیں کہتا لیکن تم نے جو کچھ کہا ہے اس کی روشنی میں' میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ وہ تمہاری انا کو خوب ابھارنے کے بعد تمہیں ذبح کر دیتے اور ہم ایلن کی کمین گاہ سے تمہارے زندہ وجود کے بجائے ایک بے نفس لاش اٹھا لاتے تو شاید مجھے زیادہ پریشانی نہ ہوتی۔ جنسی درندے اپنے چنگل میں آئی ہوئی خوبرو عورتوں کو عموماً ادھیڑ ڈالتے ہیں۔ میرے لیے زیادہ حیرانی اس بات کی تھی کہ ایلن اور اس کے پدرِ معظم راس المیڈا نے تمہیں زندہ رکھا ہوا تھا۔۔۔ کیوں؟ کس لیے؟"

"بنسی پر چارا لگائے بغیر مچھلی کانٹا نہیں نگلتی۔" وہ اپنے گلاس سے اگلا گھونٹ لے کے بولی "تمہیں پکڑنے کے لیے انہوں نے مجھے چارا بنایا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ تم کانٹا نگلنے کے بجائے چارا لے بھاگے۔"

"لیکن تمہاری کہانی پھر بھی رہ جاتی ہے۔ تم پر وہاں کیا گزری تھی؟"

"کچھ بھی نہیں۔۔۔ میری بدقسمتی تھی کہ میں کرسمس کے دن ان کے ہتھے چڑھی تھی۔ یسوع مسیح نے زندگی بھر شراب نوشی' فحاشی اور بے راہ روی سے گریز کی تلقین کی لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ان کا جشنِ مولود شراب نوشی اور بدمستی کا ایک خوفناک میلہ بن کے رہ گیا ہے۔ مسیحی دنیا میں جتنی شراب سال بھر میں پی جاتی ہے اس کی ایک چوتھائی کرسمس پر استعمال ہوتی ہے۔۔۔ میں یعنی جی لائیڈ جیسے صدارتی معتوب کی بیٹی ان کی قیدی تھی اور وہ کرسمس کی شام تھی۔ وہ سب اکٹھے تھے۔ ان میں مقامی اور غیر ملکی' دونوں ہی نسلوں کے تماشائی یا مے خوار تھے۔ ان کی ننگی اور بھوکی نگاہیں میرے وجود میں نشتر بن کے اترتی رہیں لیکن میں ان کی دست درازیوں سے بچی رہی۔ وہ تیز آوازوں میں گانے بجاتے اور شراب پیتے رہے۔ اس مکان کے در و دیوار مائیکل جیکسن اور میڈونا کی مترنم آوازوں کے ساتھ ان کے وحشیانہ قہقہوں سے گونجتے رہے پھر پیٹر نے ایک ظالمانہ تجویز پیش کر کے میرے لیے مشکلات کا آغاز کر دیا۔ وہ بدمستوں کی اس بھیڑ میں مجھے نچوانے کا خواہش مند تھا۔ وہ مجھے میرے بند کمرے سے نکال کر اس بھیڑ میں لے آیا۔ مجھے وہاں فراخ دلی سے شراب پینے کی پیشکش کی گئی تو میں سوچ بھی نہیں سکی تھی کہ آنے والے لمحوں میں میری کیا درگت بننے والی تھی۔ مجھے ناچنے کا حکم دیا گیا۔ انکار اور مزاحمت کے باوجود مجھے ان کا حکم ماننا پڑا کیونکہ میں ایک بے یارومددگار قیدی تھی۔ وہ میری تذلیل کی ابتدا تھی۔ کرسمس کے مقدس نام پر میرا رقصِ بسمل شروع ہوا تو بدرو دادا کے نام سے مخاطب کیے جانے والے ایک آدمی نے اچانک میرے دامن پر ہاتھ ڈالا اور پل بھر میں میرا دامن چاک ہو گیا۔ اس ابتدا سے دوسروں کو ایک کھیل مل گیا۔ ان سب نے وحشیانہ قہقہے لگاتے ہوئے میرے لباس کے چیتھڑے اڑا ڈالے۔ میں نے ان پر گرجتے برستے ہوئے احتجاج کیا اور ناچنے سے انکار کر دیا لیکن ایلن اور اندرونی کمرے کی تاریکی میں چھپے ہوئے ایک نقاب پوش کے بے رحمانہ تشدد پر میرے پیر پھر گردش میں آگئے۔ میرے بدن سے کپڑے کا ہر تار نوچ لیا گیا۔ وہ نہایت سفاکی سے میرے بدن کو نوچتے رہے۔ میری بے ساختہ چیخوں پر ان کے وحشیانہ قہقہوں میں تیزی آ جاتی تھی۔ پھر کسی نے اپنے گلاس میں بچی ہوئی شراب کی چند بوندیں میرے اوپر اچھالیں تو ان سب کو ایک نیا کھیل ہاتھ آگیا۔ میرا وجود یخ شرابوں میں شرابور کر دیا گیا اور جب میں ناچتے ناچتے نڈھال ہو کر فرش پر ڈھیر ہو گئی تو وہاں طوفان برپا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہاں رگبی کا کھیل ہو رہا ہو اور گیند میرے قبضے میں ہو۔ وہ سب میرے اوپر ٹوٹ پڑے۔ مجھے نوچنے اور ایذا پہنچانے کے لیے وہ ایک دوسرے کو بھی مار رہے تھے۔۔۔۔ میں درد و اذیت سے چیختی اور بلبلاتی رہی مگر نشے میں دھت وہ درندے مجھے ادھیڑتے رہے۔ میرے چہرے کے زخم تم سب نے دیکھ لیے لیکن لباس میں چھپے ہوئے ان گنت نیل اور خون آلود خراشیں اب بھی مجھے ستا رہی ہیں۔۔۔۔ بے ہوشی کی پُرسکون دلدل ہی مجھے اس اذیت سے نجات دلا سکی تھی۔ دوبارہ ہوش آیا تو

میں ایک کمرے میں بند تھی جہاں میرے لیے ایک لباس بھی موجود تھا.... وہ میری زندگی کا بھیانک ترین تجربہ تھا.... میرے ساتھ زیادتیوں میں پہل کرنے اور پیش پیش رہنے والے چار آدمی میری نگاہوں میں آچکے تھے.... میں نے اخبار میں پڑھ لیا ہے کہ ان میں سے دو مرچکے ہیں۔ پیٹر اور بدرو دادا کے جہنم واصل ہونے کے بعد اب ایلن اور نقاب پوش کی باری ہے۔ ان کا خون پیے بغیر مجھے چین نہیں آسکے گا۔ انہوں نے جسم کے ساتھ میری روح تک کو زخمی کرکے رکھ دیا تھا۔"

"تمہارے ساتھ ان کا سلوک واقعی بہیمانہ تھا" سلطان شاہ نے افسردگی سے کہا "شاید تمہیں اس بات کا احساس نہ ہو لیکن مجھے خوشی ہے کہ اتنے برے اور بے رحمانہ سلوک کے باوجود انہوں نے تمہاری انا کو بلند کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔"

غزالہ نے منہ پھیر کر اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپانی چاہی لیکن ویرا کے زخمی چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا اور وہ بولی۔
"تمہیں خوشی ہوسکتی ہے کیونکہ تمہارا ماحول اور تمہاری معاشرت مختلف ہے۔ مغرب میں کھانے پینے اور چلنے پھرنے کی طرح جنس کو بھی زندگی کے لیے ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔ شاندار کیک نہ ملے تو سوکھی ڈبل روٹی پر بھی گزارہ کیا جاسکتا ہے۔ میرے ساتھ جو کچھ ہوا' اس میں کسی فطری طلب کی تسکین کے بجائے تذلیل اور اہانت کا پہلو سب سے زیادہ نمایاں تھا۔ مجھے یقین ہے کہ جو کچھ ہوا' وہ اس نقاب پوش کی شہ پر ہوا۔ بدرو دادا نے تالاب میں پہلا کنکر پھینکا اور وہ ایک کتے کی موت مارا گیا' پیٹر نے مجھے ناچنے پر مجبور کیا اور اس کے چیتھڑے بکھر گئے۔ یہ سامنے کی باتیں ہیں۔ انہیں تم مکافاتِ عمل بھی کہہ سکتے ہو۔" اس مرحلے پر وہ اچانک میری طرف متوجہ ہوکر بولی "چند لمحوں پہلے تم نے راس المیڈا کا نام لیا تھا۔ کیا تم یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ نقاب پوش کے روپ میں اس غول کی سربراہی کرنے والا راس المیڈا تھا؟"

"یہ حقیقت ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ان بدمعاشوں کے لیے یہاں کے حالات اس قدر بگڑے ہوئے ہیں کہ راس المیڈا جیسے منصوبہ ساز کو اپنی ساری مصروفیات ترک کرکے نیویارک سے یہاں آنا پڑا.... میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ وہ یہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکے گا۔ اس کی شامت اسے نیویارک سے ہانک کر یہاں تک لائی ہے۔ اب مجھے اپنی ساری توجہ اس پر مرکوز کرنی ہوگی۔"

"کاش وہ میرے قابو میں آسکے!" ویرا اپنے ہاتھ میں موجود گلاس کو خالی کرکے حسرت آمیز لہجے میں بولی "میں اسے نچاؤں گی' میرے بدن کو نوچ کر فگار کیا گیا تھا' میں اس کے وجود کو قتلے قتلے کرکے ذبح کروں گی اور پھر اس کے بے جان لوتھڑوں کو ایک تھیلے میں بھر کے اس کے آقاؤں کو بھیج دوں گی۔"

"میں ایسی بربریت کا قائل نہیں۔ مرنے والا بس ایک بار مرتا ہے۔ اسے سسکا سسکا کر مارنا بے فیض ہوتا ہے۔ اسے کون سی نئی زندگی ملتی ہے جو وہ اپنے پچھلے کرتوتوں کے انجام سے سبق لے گا؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مرنے والے دھیمے دھیمے موت سے ہم کنار ہو یا اچانک ہی موت کی سنسناتی ہوئی اندھی وادیوں میں جاگرے' اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کا انجام ایک ہی ہوتا ہے.... موت! لیکن اس کی موت دوسروں کے لیے ایک نمونہ ضرور ثابت ہوسکتی ہے اور پھر مارنے والے کی تسکین بھی تو اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے دل یا دماغ میں ایک گولی اتار کے مجھے انتقام کی وہ لذت نہیں مل سکے گی جو اس کے زندہ وجود کو سیکڑوں پارچوں میں تبدیل کرنے میں ہے۔ راس المیڈا ایک بڑا نام ضرور ہے لیکن وہ ایک بڑے کھیل کی چھوٹی سی کٹھ پتلی ہے جس کی ڈوریاں شاید وھائٹ ہاؤس کی بیورو کریسی ہلا رہی ہے۔ راس المیڈا کے انجام سے اسے موت کی ابدی نیند کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا لیکن اس کے آقاؤں کو عبرت ضرور حاصل ہوگی۔ بدطینت دشمن کے مقابلے میں جب دلیل اور حجت کام نہ کرے تو صرف دہشت ہی فتح کی آخری کلید ثابت ہوتی ہے۔"

"میرا اندازہ ہے کہ اب تم اس ٹرانس سے باہر آچکی ہو جو تمہارے دشمنوں کی بدسلوکی نے طاری کردیا تھا۔"

"ٹرانس نہیں' وہ حیرت اور بے یقینی کی ایک اندوہ ناک کیفیت تھی' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کسی عورت کو بے آبرو کیے بغیر بھی اتنا بے آبرو کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی ذات تک سے شرمانے لگے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کو مارے بغیر مردے سے بدتر حال کو پہنچا دیا جائے.... تم تینوں نے اچھا کیا کہ غیر ضروری چھیڑ چھاڑ کیے بغیر مجھے ایک طویل تخلیہ فراہم کیا۔ میں اس دوران میں مسلسل سوچتی رہی ہوں۔ مجھ سے چھیڑ چھاڑ کی جاتی تو شاید میں یکسو ہوکر ساری باتوں کا تجزیہ نہ کرپاتی مگر اب میں صدمے کے اثرات سے آزادی محسوس کررہی ہوں۔ مجھے اندازہ ہوچکا ہے کہ میں کوئی آفاقی مخلوق نہیں ہوں' ایک عام سی عورت ہوں جسے کوئی بھی ایلن' بدرو یا راس المیڈا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ جمی لائیڈ کے سفاکانہ قتل کے ساتھ میری ذات کا وہ طلسم بکھر گیا جو بہت سے ہاتھوں کو میری طرف بڑھنے سے روکے رہتا تھا۔ اب مجھے اپنے زورِ بازو کے سہارے زندہ رہنا ہے۔ ایلن اور راس المیڈا کی قید سے رہائی کے بعد میرے ذہن پر مسلسل قنوطیت کی ایک لہر سوار تھی اور میں صرف ایک نکتے پر اپنی توجہ مرکوز کیے بیٹھی تھی کہ مجھے زندہ رہنا چاہیے یا نہیں۔ اسی پُرپیچ سوال نے میرے لبوں پر خاموشی کی مہر ثبت کردی تھی۔ اگر آدمی کو مرنا ہی ہو تو کیا ضروری ہے کہ وہ اپنے ہم نفسوں کے سامنے اپنی ایسی کمزوریوں کا اعتراف کرے جو زندگی کے آخری لمحات میں اس کی پلکوں کا بوجھ بن جائیں.... وہ اپنے ہمدردوں کے سامنے نظریں نہ اٹھا سکے.... طویل غور و خوض کے بعد

ں نے زندہ رہنے اور زندگی کی ساری سچائیوں کا سامنا کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میں کرسمس کی رات اپنے بدن کے ہر حصے پر درندوں کے دانتوں' ہاتھوں اور پیروں کی وحشیانہ گرفت کو تقدیر سمجھ کر قبول کرلینے کے بجائے اس کا بھرپور انتقام لینے کا فیصلہ کرچکی ہوں۔ اس بار تم صحیح وقت پر میرے کمرے میں آئے ہو۔ اب بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں تم سے بہت کچھ جاننا اور سمجھنا چاہتی ہوں۔"

"تمہاری زبان سے جاننے اور جنوانے کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ بس سمجھنے کی بات کرو۔" اس کے خاموش ہوتے ہی سلطان شاہ اضطراری لہجے میں بول پڑا۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ ویرا کو جلد از جلد اس کے فطری اور جارحانہ روپ میں دیکھنے کا خواہش مند تھا۔

ویرا کی وضاحتوں نے میرے ذہن پر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا۔ ہم سب اس کے بارے میں جو کچھ سمجھ رہے تھے' وہ بے بنیاد ثابت ہوا تھا۔ اس کی جگہ کوئی مشرقی دوشیزہ ہوتی تو اس بات پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی کہ وہ ایک بدترین آزمائش سے گزر کر بھی عفت مآب رہی تھی لیکن وہ مشرقی تھی اور نہ کوئی عام دوشیزہ۔ وہ ویرا لائیڈ تھی جس کی ہر بات انوکھی اور نرالی ہی ہوتی تھی۔ اس کے بارے میں یہ اندازہ لگانا بہت مشکل تھا کہ وہ کس بات پر خوش ہوتی ہے اور کون سا واقعہ اس کے لئے صدمے کا سبب بن جاتا ہے۔

"جو ہونا تھا' وہ ہوگیا۔ اب اسے بھولنے کی کوشش کرو....." میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات درمیان میں سے ہی اچک لی۔

"بھولنے کے لئے ہی پی رہی ہوں" وہ اپنے ہاتھ میں موجود گلاس کو انگلیوں میں نچاتے ہوئے بولی "تم آج کل ذرا پارسائی کی طرف مائل ہورہے ہو لیکن تم بہت اچھی طرح جانتے ہو کہ تلخیوں اور تلخ یادوں کو بھلانے کے لئے اس سے زیادہ مجرب دوا آج تک ایجاد نہیں کی گئی۔"

"تم بھول رہی ہو" اسے معمول پر آتا ہوا دیکھ کے سلطان شاہ طنز سے بولا "یہ لیٹروں کے حساب سے تمہارے معدے میں اترنے کے بعد اپنا اثر دکھاتی ہے۔ ہیروئن کی ذرا سی چٹکی تمہیں لمحوں میں ان دیکھی دنیاؤں میں پہنچا سکتی ہے۔ پھر تم تلخ یادوں سے ہی نہیں' اپنے بدن کے زخموں سے بھی پریشان ہو۔ ہیروئن پینے کے بعد آدمی اپنی تکلیف تو کیا' بدن ہی کو بھول جاتا ہے۔ نشہ ہو تو ہیروئن جیسا تو ہو۔"

"بکواس مت کرو" ویرا اسے گھورتے ہوئے بولی "بندر کو ادرک کا مزہ نہیں معلوم ہوتا۔ تم نے شراب پی ہے' نہ ہیروئن چکھی ہے۔ تمہیں تجربے کار لوگوں کے درمیان دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"میں شراب اور ہیروئن کی بحث میں نہیں پڑتی" غزالہ نے ویرا سے مخاطب ہو کے کہا "لیکن سلطان شاہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ پتا نہیں تمہارے زخموں کی کیا حالت ہے۔ تمہیں کسی اچھے معالج سے رجوع کرنا چاہئے۔"

ویرا کے زخمی چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "میرے چہرے اور بدن پر کوئی غیر معمولی زخم نہیں ہے۔ بس خراشیں آئی تھیں جو خشک ہورہی ہیں۔ اصل تکلیف ضربات میں ہے" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی متورم' نیلی آنکھ کی طرف اشارہ کیا۔ "اس جیسی اندرونی چوٹیں زیادہ ستاتی ہیں۔"

"یہ وقت کے ساتھ ہی ٹھیک ہوتی ہیں۔ دو چار روز آرام کرنے کے بعد تم اس قابل ہوسکو گی کہ گھر سے باہر نکلنے کے بارے میں سوچ سکو۔ فی الحال تمہیں آرام کرنا چاہئے" غزالہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"یہی میرے لئے سب سے اذیت ناک مرحلہ ہے" ویرا بولی۔ "میں اس واقعے کو بھولنے کی ہر ممکن کوشش کررہی ہوں لیکن جب بھی ذہن ادھر بھٹک جاتا ہے تو میرا خون کھول اٹھتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ باہر نکل کر انہیں نیست و نابود کردوں یا اسی کوشش میں خود کو فنا کرلوں مگر میں جانتی ہوں کہ فی الحال ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ گھر سے باہر قدم نکالتے ہی میں دوسروں کے لئے تماشا بن جاؤں گی۔"

"مجھے خوشی ہے کہ ہمارے سمجھائے بغیر تمہیں اس حقیقت کا ادراک ہے" میں نے کہا۔

"یہ بتاؤ کہ اس معاملے میں راس المیڈا اچانک کہاں سے آکودا؟" اس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ ایلن کے کراچی پہنچنے سے پہلے یہاں موجود تھا اور شروع سے اسے ہدایات دے رہا ہے ورنہ ایلن کے لئے اتنی زبردست کارکردگی کا مظاہرہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ راس المیڈا کی موجودگی کا راز فاش ہوتے ہی ایلن کی جارحانہ پیش قدمیوں کا جواز سامنے آگیا ہے۔"

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ایلن کا نقاب پوش ساتھی راس المیڈا ہے؟"

"میری اس سے براہِ راست گفتگو ہوئی ہے۔ تم جانتی ہو کہ میری باتوں میں الجھ کر میرے حریف سچ اگلتے چلے جاتے ہیں۔ اس نے خود اعتراف کیا تھا کہ وہ راس المیڈا ہے اور جنونی مسلمانوں کے منتقمانہ ردِ عمل سے خوف زدہ ہو کر ہمیشہ پس پردہ رہتا ہے۔ وہاں مجھے ذرا بھی موقع ملتا تو میں اسے موت کے گھاٹ اتارے بغیر واپس نہ لوٹتا لیکن اس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ بچ گیا۔ عمارت میں ہونے والا دھماکا بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ زخمی ہونے کے بعد وہاں سے فرار ہوا ہوگا" سلطان شاہ بولا "پیٹر کے ہلاک اور ایلن کے زخمی ہونے کے

ساتھ وہ بھی دھماکے کی زد میں آیا ہوگا۔"
"لیکن یہ سب ہوا کیسے؟" ویرا تحیر زدہ آواز میں منمنائی۔
"آگ اور پانی کا میل ناممکن ہوتا ہے۔ یہ کیسے ہوا کہ تم دونوں کی ملاقات ہوئی اور کوئی ہنگامہ ہوئے بغیر تم تہ خانے تک پہنچ گئے۔ ایلن کس امید پر تم سے اتنا زیادہ تعاون کررہا تھا؟ تم نے یقیناً انہیں کوئی سبز باغ دکھایا ہوگا۔"
"میں راس المیڈا کو دیکھتے ہی اس پر عاشق ہوگیا تھا۔ اسی مروّت میں اسے چوٹ کھانی پڑی" میں نے ویرا کو آنکھ مار کے' مسکراتے ہوئے کہا "ضرورت کے تحت کبھی کبھی نقاب پوشوں پر بھی عاشق ہونا پڑتا ہے۔"
ویرا کی پیشانی پر نمودار ہونے والی' برہمی کی شکنیں دیکھ کے سلطان شاہ فوراً ہی بول پڑا "یہ سب کارڈیو الیکٹرانک سوئچ کا کمال تھا۔ وہ لوگ اس سوئچ کی تباہ کاریوں سے دہشت زدہ ہوگئے تھے۔"
"وہ سوئچ تمہیں کہاں سے مل گیا؟" ویرا بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔
"وہ تو شاید ابھی تک پینٹاگون والوں کی تحویل سے باہر بھی نہیں نکلا ہے۔ وہ تم تک کیسے پہنچ گیا؟"
"وہ بس ڈینی کے ذہن کی اپج تھی" سلطان شاہ منہ بگاڑ کے بولا۔ "ایک اندھا جوا تھا جو خوش قسمتی سے کامیاب ہوگیا۔ وہ سوئچ ڈینی کے دماغ میں تھا۔ وہ لوگ آخر تک یہ سمجھتے رہے کہ ڈینی کے سینے پر کسا ہوا سوئچ میرے ہاتھ میں موجود بارودی تھیلے سے منسلک ہے۔ کئی بار کھلا موقع ملنے کے باوجود وہ ڈینی پر فائر کرنے کی ہمت نہیں کرسکے۔ شاید تمہیں یاد ہوگا کہ تہ خانے میں اندھیرا پھیلتے ہی ایلن نے پیٹر کو سختی سے منع کیا تھا کہ وہ ڈینی پر فائر نہ کرے ورنہ سب لوگ عمارت کے ملبے میں زندہ دفن ہوجائیں گے۔"
میرے لئے یہ بات حیران کن تھی کہ کارڈیو الیکٹرانک سوئچ کا نام ویرا کے لئے اجنبی نہیں تھا لیکن اس نے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ سلطان شاہ کی زبان سے اصل پس منظر سننے کے بعد اس نے سوئچ کے بارے میں جو سوالات کئے' ان سے ظاہر ہورہا تھا کہ ویرا اس حیرت ناک ڈیوائس میں امریکا کے محکمۂ دفاع کی گہری دلچسپی سے پوری طرح باخبر تھی۔ اس بارے میں باتیں کرتے ہوئے وہ بڑی حد تک نارمل نظر آرہی تھی۔
"تمہاری ذات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ڈینی نے... خودکشی کی راہ اختیار کی تھی" سلطان شاہ نے کہا "اگر ایلن کو ہمارے بلف کا ذرا بھی اندازہ ہوجاتا تو ہم دونوں نہایت کسمپرسی کے عالم میں ماردیے جاتے۔"
"تم دونوں وہاں تک نہ پہنچتے تو بہت جلد میری زندگی کا فیصلہ کردیا جاتا۔ نقاب پوش نے مجھے سناتے ہوئے ایلن سے کہہ دیا تھا کہ اگر میں ڈینی کو ان تک لانے میں کامیاب نہیں ہوسکی تو مجھے ختم کردیا جائے۔ مجھے اسی عمارت کی ایک خواب گاہ میں بے دست و پا کرکے رکھا گیا تھا۔ تمہارے تہ خانے میں پہنچنے سے ذرا ہی دیر پہلے نقاب پوش نے مجھے اوپر کے کمرے سے وہاں پہنچایا تھا۔"
"میں نے بستر کی معمولی سی شکنیں دیکھ کر ہی بھانپ لیا تھا کہ تمہیں اسی وقت وہاں پہنچایا گیا تھا۔ راس المیڈا شیطان صفت آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہمیں بھی اسی تہ خانے میں بند کرنے کے چکر میں تھا۔ وہ دونوں فریقوں کی مکاری کی صبر آزما لڑائی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم اس بھیانک مقابلے میں کامیابی سے ہم کنار ہوئے" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد کہا۔ میری کوشش تھی کہ اسے زیادہ سے زیادہ باتوں میں الجھا کر تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کردیا جائے تاکہ وہ آنے والے غیر متوقع حالات کے دباؤ میں اپنے تلخ تجربات کو بھول سکے۔
خاموشی کے حصار سے باہر نکلنے کا فیصلہ کرنے کے بعد ویرا خود بھی ان تمام باتوں کے بارے میں متجسس ہوتی جارہی تھی جو اس کے علم میں نہیں تھیں۔ میں نے اسے گیری ہارٹ اور حبیب طرکی سرگرمیوں کے بارے میں آگاہ کیا۔ ایک طرف وہ دونوں نادرہ کو آلۂ کار بناکر بالا ہی بالا مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی فکر میں تھے اور دوسری طرف راس المیڈا کے زخمی ہونے کے بعد مقامی حکام پر اپنی سرکاری حیثیت کا بھرپور دباؤ ڈال کر میری نجات کا ہر راستہ مسدود کرنے کی کوشش کررہے تھے۔
اسسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ اور انسپکٹر حبیب طرکے نام ویرا کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ اس نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بتایا کہ امریکا کے خفیہ ادارے کے اہم افسران کی وہ جوڑی جنوبی ایشیا کے سیاسی اور معاشرتی معاملات میں خصوصی مہارت رکھتی تھی۔ حکومتوں کے عروج و زوال کی درپردہ سازشوں کے ساتھ ساتھ وہ بدنام مجرموں کا سراغ لگانے میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ شاید ان تجربے کار افسروں نے اندازہ لگالیا تھا کہ سرکاری سطح پر کہیں نہ کہیں کچھ کڑیاں کمزور تھیں۔ وہ کھل کر ایس ٹی ایف کو نامزد نہیں کرسکتے تھے لیکن جان چکے تھے کہ ایس ٹی ایف کی بھرپور پشت پناہی کی وجہ سے مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی باضابطہ کوششیں ہربار ناکام ہورہی تھیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے نادرہ جیسی ایک مظلوم اور تنہا عورت کو میرے پیچھے لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنے شوہر اور بچے کی محبت میں وہ ہنسی خوشی ان کے مقاصد کے لئے کام کرسکتی تھی لیکن اسی دوران میں راس المیڈا میری زد میں آگیا اور انہوں نے کوئی گمبھیر چال چل کے سرکاری حلقوں کو بھی دوبارہ میرے خلاف متحرک کردیا۔
یہ ان کے دباؤ کی انتہا تھی کہ اوّل خان کو معزولی سے بحال کرنے کے بعد اسی تناور درخت کی جڑیں کاٹنے کا حکم دیا گیا تھا جسے پروان چڑھانے میں خود اس کا خونِ جگر شامل تھا۔ حالات اور فرائض منصبی کی بنا پر وہ میری گرفتاری پر مامور کیا جاچکا تھا۔ یہ اس کا ذاتی احسان تھا کہ اس نے میری کمین گاہ کو بھول جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

وہ تمام تبدیلیاں اس قدر سنسنی خیز اور روح فرسا تھیں کہ ویرا مزید شراب نوشی کو بھول کر آئندہ کی منصوبہ بندی کے بارے میں بات کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اس وقت تک ویرا کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم جس فلیٹ میں موجود تھے' وہ نادرہ یا مسز غنی ہی کی ملکیت تھا۔

"اب تم نے کیا کرنے کا فیصلہ کیا ہے؟" اس نے گزرے ہوئے واقعات کو کریدنے کا سلسلہ ترک کر کے پوچھا۔

"راس الیڈا زیادہ دیر تک روپوش نہیں رہ سکے گا۔ فی الحال میں گیری ہارٹ اور جیف ملر سے دو دو ہاتھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ میرے جال سے نہیں بچ سکیں گے۔ انہیں تباہ کرنے کے بعد میں پوری یک سوئی سے راس الیڈا اور اس کے حواریوں کا تعاقب کر سکوں گا" میں نے کہا۔

"تم صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔ اس وقت وہی دونوں زیادہ خطرناک ہیں لیکن تمہارا منصوبہ کیا ہے؟"

"تمہاری بازیابی کے سلسلے میں ایک کامیاب جوا کھیلنے کے بعد یہ ایک مرتبہ پھر بہت بڑا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کئے بیٹھے ہیں" مجھ سے پہلے ہی غزالہ بول پڑی "یہ نادرہ کو اعتماد میں لے کر پیش قدمی کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا" ویرا بے ساختہ بول پڑی "وہ ایک زخم خوردہ عورت ہے۔ ان دونوں نے اسے بہت سہانا خواب دکھایا ہے۔ تمہاری اصلیت سے آگاہ ہوتے ہی مسز غنی کو اپنے سنہرے خواب کی تعبیر نظر آنے لگے گی اور وہ فوراً ہی تمہیں ڈبل کراس کرنے پر تل جائے گی۔ تمہیں اس وقت ہوش آئے گا جب سی آئی اے کے ایجنٹ بے رحمی سے تمہارے گلے میں رسی ڈال چکے ہوں گے۔"

"میں بھی ان کو یہی بات سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں" غزالہ پُرزور لہجے میں بولی "مگر یہ اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ ان کا اندازہ ہے کہ نادرہ ان کے اعتماد کو دھوکا دینے کی کوشش نہیں کرے گی۔"

"یہ نادرہ تم سے کہاں ٹکرا گئی؟" ویرا اچانک ہی ایک اہم سوال کر بیٹھی۔

"دنیا بہت مختصر ہے" میں نے بے پروایانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "جس فلیٹ میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں' یہ نادرہ ہی کی ملکیت ہے اور ہم اس کے کرائے دار ہیں۔"

ویرا بے اعتباری سے تقریباً اچھل پڑی "پھر تو اس نے دیکھتے ہی تمہیں پہچان لیا ہو گا۔"

"فی الحال معاملات اتنے گمبھیر نہیں ہیں۔ وہ مجھے دلاور کے نام سے جانتی ہے۔ کرائے داری کے لین دین میں وہ مجھ سے اتنی مرعوب ہوئی کہ اپنی ذاتی الجھنوں پر مشورہ کرنے کے لئے مجھ سے مل بیٹھی۔ اس نے ابھی تک سی آئی اے والوں کی پیشکش کا کوئی جواب نہیں دیا ہے۔"

میں نے اسے چند فقروں میں ٹالنا چاہا لیکن نادرہ کا معاملہ اتنا سیدھا نہیں تھا۔ ویرا کے تحیر زدہ سوالات کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا اور جب اس کتھا کے سارے پیچ اس کے علم میں آئے تو وہ بھونچکارہ گئی۔ یہ اور بات ہے کہ چہرہ بگڑا ہوا ہونے کی وجہ سے وہ حیرت کے عالم میں مضحکہ خیز نظر آ رہی تھی۔

"تمہارے اندازے لفظ بہ لفظ درست ہیں۔ امریکا کو خوابوں کی جنت سمجھ کر ادھر کا رخ کرنے والوں میں سے کمزور ماضی رکھنے والے پانچ دس فیصد تارکینِ وطن ہر سال ان بھیڑیوں کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں" وہ کہہ رہی تھی "انہوں نے پورے حساب کتاب کے بعد نادرہ سے رابطہ کیا ہے۔ وہ ان کی مرضی کے سامنے جھکنے سے انکار کرے گی تو وہ دھمکیاں دے کر اسے بلیک میل کریں گے۔ ایسے کمزور مہرے پر چال چل کر تم اپنی تباہی کو دعوت دو گے۔"

"میں اناڑی نہیں ہوں کہ اگلی ملاقات پر اسے براہِ راست اپنی اصلیت سے آگاہ کر دوں" میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میں اس کے دل کی گہرائیوں میں جھانکے بغیر زبان نہیں کھولوں گا۔ فی الحال اس نے گیری ہارٹ سے سوچنے کی مہلت لی ہوئی ہے اور میں نے اس سے وقت مانگا ہوا ہے۔ یہ دونوں انتہائی سوُر ہو گئے ہیں۔ میں ڈرائنگ روم میں نادرہ سے باتیں کر رہا تھا اور یہ دونوں میری لاعلمی میں ایف ایم مائیکرو فون کے ذریعے ہماری گفتگو کا ایک ایک لفظ سلطان شاہ کے کمرے میں سن رہے تھے۔ تم چاہو تو اس بار میری رضا مندی سے پوری گفتگو سن سکتی ہو۔ مجھے اپنے حریفوں سے مذاکرات کرنے کے فن میں اب پوری مہارت حاصل ہو چکی ہے۔"

"آدمی میں سب سے بڑی خرابی یہی ہوتی ہے کہ ایک کامیابی اس کا دماغ خراب کر دیتی ہے" سلطان شاہ چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "اور مسلسل کامیابیاں آخر کار اسے کسی اندھے کنوئیں میں ڈبو دیتی ہیں۔"

"تم جو چاہو' بکتے رہو۔" میں نے ترشی سے کہا "میں نادرہ سے ایک ملاقات ضرور کروں گا۔"

"وہ تمہارا اور غزالہ کا معاملہ ہے" وہ ترکی بہ ترکی بولا "تم نادرہ کیا' دوسری عورتوں سے بھی ملو۔ میں تمہیں نہیں روک سکتا۔ یہ حق صرف اور صرف غزالہ کو حاصل ہے۔"

"خدا خدا کر کے تم نے سر چھپانے کے لئے یہ ٹھکانا حاصل کیا ہے۔ اگر تم نے نادرہ کو اس موضوع پر چھیڑا اور وہ تمہارے ڈھب پر نہ آئی تو ہمیں یہاں سے بے سروسامانی کے عالم میں بھاگنا پڑے گا۔ میری مانو تو یہ خطرہ مول لینے کا ارادہ ترک کر دو" ویرا نے پوری سنجیدگی سے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔

"فکر نہ کرو۔ اس علاقے میں سجا سجایا مکان کرائے پر حاصل

کرنے کا پہلا تجربہ بہت کامیاب رہا ہے۔ فلیٹ چھوڑنا پڑا تو چند ہی گھنٹوں بعد ہم اس سے بھی بہتر مکان میں آرام کر رہے ہوں گے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ جو بات آپ کے دماغ میں سما جائے' اسے نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔" غزالہ ایک گہرا سانس لے کے بولی۔ "بحث کو طول دینے کے بجائے اب میں آپ کی کامیابی کے لیے دعا ہی کر سکتی ہوں۔"

"تمہاری طویل اور پراسرار خاموشی نے مجھے سخت ذہنی اذیت میں مبتلا کیا ہوا تھا" میں نے ویرا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "تمہارا معاملہ صاف ہو جانے کے بعد میں پوری یک سوئی سے اپنا کام کر سکوں گا۔"

"میرا معاملہ اس وقت صاف ہو گا جب ایلین اور راس المیڈا کو ان کی جسارتوں کی قرار واقعی سزا مل جائے گی۔ فی الحال تم گیری ہارٹ اور حبیب طر کے پیچھے لگے ہوئے ہو۔ ان دونوں سے نمٹنے کے بعد میرے مجرموں کی باری بھی آجائے گی۔ غزالہ کی طرح میں بھی پورے خلوص سے تمہاری کامیابی کا انتظار کروں گی۔"

"یہ سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کے ساتھ راس المیڈا بھی میدان میں اتر آئے۔ پیٹر کی موت پر اس نے بھی شکست کا تلخ ذائقہ چکھ لیا ہے۔ وہ زیادہ دیر تک خاموشی سے روپوش نہیں رہ سکے گا۔ زخم خوردہ درندہ توقع سے بہت پہلے پلٹ کر جوابی وار کرتا ہے۔"

"ایلین اسپتال میں پڑا زخم چاٹ رہا ہے" سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا "وہاں ان لوگوں کے تین زخمی ساتھی بھی ہیں میرا اندازہ ہے کہ وہ بدرو دادا کے مقامی بدمعاش نہیں ہو سکتے۔ ان کے لیے جس طرح حفاظتی انتظامات کیے گئے ہیں' ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایلین کی مدد کرنے والے سفید فام ماہرین ہی ہو سکتے ہیں۔ تھوڑی سی محنت کر کے ہم ان چاروں کو اسپتال میں ہی موت کی نیند سلا سکتے ہیں۔"

"بظاہر یہ ایک اچھی تجویز ہے" میں نے کہا "لیکن میں اس وقت کوئی نیا محاذ کھولنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔"

"نیا محاذ؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "یہ سب تو پرانے کھیل کے مہرے ہیں۔ ویسے بھی تم ایلین کو ہر قیمت پر جہنم واصل کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو۔ اب نادرہ کی وجہ سے تمہاری ترجیحات بدل رہی ہوں تو دوسری بات ہے۔"

"نادرہ تمہارے اعصاب پر سوار ہو کر رہ گئی ہے" میں نے برہمی سے کہا۔ "تم عقل سے کام لینے کی عادت ڈالو تو خود بھی یہ سمجھ سکتے ہو کہ بدلتے ہوئے حالات میں ایلین کی اہمیت بہت کم ہو چکی ہے۔"

"مجھے تو حالات میں ایسی کوئی نمایاں تبدیلی نظر نہیں آتی" وہ تائید طلب نظروں سے ویرا اور غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "شروع سے اب تک کردار بدل رہے ہیں لیکن واقعات کا وہی ایک تسلسل چلا آرہا ہے۔"

"جب تک راس المیڈا سامنے نہیں آیا تھا' میں ایلین کو اس مہم جوئی کا روحِ رواں سمجھ رہا تھا جو ہمارے خلاف جاری تھی' تمہیں یاد ہونا چاہیے کہ ہم سب ہی کو ایلین کی کارکردگی پر سخت حیرت تھی۔ وہ اپنی کارکردگی کی بنا پر وہ میری ترجیحات میں پہلے نمبر پر آگیا تھا لیکن راس المیڈا کی موجودگی ثابت ہو جانے کے بعد ایلین کی اہمیت بہت کم ہو کر رہ گئی ہے۔ اس وقت راس المیڈا کا ذہن کام کر رہا ہے ایلین اس کے احکام پر عمل کر رہا ہے۔"

"ایلین کے مارے جانے سے راس المیڈا کو عملی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"ضرور کرنا پڑے گا لیکن ہم پولیس اور مقامی انتظامیہ کے ساتھ بھی الجھ جائیں گے۔ اسپتال پر حفاظتی انتظامات مقامی انتظامیہ نے کیے ہیں۔ ہم انہیں جل دے کر چاروں زخمیوں یا صرف ایلین کو ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو گئے تو پولیس اس داغ کو دھونے کے لیے اپنے پورے وسائل کے ساتھ ہمارے پیچھے لگ جائے گی۔ موجودہ حالات میں ہم اس قسم کی محاذ آرائی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔"

"شاید تم یہ سمجھ رہے ہو کہ اس وقت پولیس فورس تمہیں بھولی ہوئی ہے" ویرا نے طنزیہ لہجے میں کہا "یہ نہ بھولو کہ ہم دونوں کی گرفتاری میں مدد دینے والوں کے لیے بھاری انعام کا اعلان اس وقت بھی برقرار ہے۔"

"وہ ایک عام سا اعلان ہے۔ اس میں دلچسپی لینے والے ذاتی طور پر کوئی بہت بڑا تیر نہیں مار سکتے۔ کسی محکمے کی باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ ہونے والی کارروائی بہت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ ایلین جیسے تیسرے درجے کے بدمعاش کو کسی بھی وقت پکڑا جا سکتا ہے۔ اس وقت ہمیں صرف راس المیڈا پر نظر رکھنی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جس پر چاہو' نظر رکھو۔ میں تو فی الحال باہر نکلنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں" ویرا نے ہتھیار ڈال دیے۔

ویرا کی مسلسل خاموشی کی وجہ سے فضا پر جو بے یقینی اور جمود کی سی کیفیت مسلط تھی' وہ دور ہو چکی تھی۔ ویرا نے ہم تینوں کو اپنے دکھ میں شریک کر کے اپنے دل کا غبار خاصا ہلکا کر لیا تھا۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ ہم لوگوں کے آنے سے پہلے وہ مے نوشی میں مصروف تھی اور اس نے ہمارے سامنے ہی گلاس خالی کیا تھا لیکن گفتگو کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد اس نے اپنے لیے مزید اسکاچ نہیں انڈیلی تھی۔

میں غزالہ اور سلطان شاہ کو اس کے ساتھ باتوں میں مصروف چھوڑ کر اس کی خواب گاہ سے باہر نکل آیا تاکہ نئی حکمتِ عملی کے تحت نادرہ سے رابطہ کر سکوں۔

میں وہاں سے چند قدم دور بھی نہیں گیا تھا کہ ویرا نے آواز دے کر مجھے دوبارہ اندر بلا لیا۔

"اب کیا تکلیف ہے؟" میں نے کمرے میں پہنچ کر جز بز ہے

لہجے میں پوچھا۔
"میرے ذہن میں ایک نئی بات آئی تھی' سوچا کہ تمہیں آگاہ کردوں" میں جواب میں کچھ کہے بغیر استفسار طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "مکان کی تلاش میں تمہارا نادرہ سے ٹکرانا اتفاق ہو سکتا ہے لیکن اس سے آگے کا کھیل سوچا سمجھا معلوم ہوتا ہے"

"غیر ضروری تجسس پیدا کرنے کے بجائے پوری بات بتاتی چلی جاؤ" اسے خاموش پا کر میں نے کہا۔

"تمہیں کرایے دار بنانے کے بعد نادرہ کو تم پر شبہ ہو چکا ہے۔ اس نے گیری ہارٹ کو اپنے شبہات سے باخبر کرنے کے بجائے اپنی کہانی کے ساتھ تم سے رجوع کر کے تمہارا ردِ عمل دیکھنے کا فیصلہ کیا اور یہاں آ پہنچی۔ ابھی تک وہ تمہاری طرف سے تذبذب میں مبتلا ہے۔ اسے کامل یقین ہو جاتا تو وہ گیری ہارٹ یا جیف ملر کو آگاہ کر چکی ہوتی۔ اس سے اگلی ملاقات میں اس امکان کو ضرور دھیان میں رکھنا۔"

"بہت بہتر!" میں نے بھنا کر کہا اور اس کے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

وبرا کا وہ نظریہ میری دانست میں بالکل بے سروپا تھا۔ وہ نادرہ سے مل چکی ہوتی تو ایسی کہانی ہرگز نہ سوچتی۔ نادرہ ایک باہمت اور مضبوط عورت ضرور تھی لیکن اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ مجھ پر ذرا بھی شبہ ہونے کے بعد وہ میرے ساتھ براہِ راست چھیڑ چھاڑ شروع کر پاتی۔

اپنے شہر کی جرائم پیشہ سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رہنے کی وجہ سے اس کے مزاج میں سازش کے جراثیم موجود ہو سکتے تھے۔ اگر اسے میرے اوپر شبہ ہوتا تو ایک پُرپیچ راستہ اختیار کرنے کے بجائے وہ آسان ترین راہ اختیار کرتی۔ اس کے ذرا سے اشارے پر امریکن سی آئی اے کے افسران نہایت خاموشی سے میرے گرد گھیرا ڈالتے اور اس کے شبہات کی تصدیق یا تردید کر دیتے۔ میرے لیے یہ خیال ہرگز ہرگز قابلِ قبول نہیں تھا کہ نادرہ ہر بات اپنی ذات تک محدود رکھ کر میرے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہی تھی۔

میں نے ڈرائنگ روم سے نمبر ملایا تو دوسری گھنٹی کے بعد نادرہ کی دھیمی مگر پُروقار آواز سنائی دی۔

"میں دلاور بول رہا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میں تمہارے آرام میں خلل انداز ہوا ہوں۔"

ریسیور پر اس کی کھنکتی ہوئی نقرئی ہنسی سنائی دی پھر وہ بولی۔ "آپ کو اپنا نام بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں آواز سے ہی آپ کو پہچان لیتی۔ آپ کے فلیٹ سے واپس آنے کے بعد میں مسلسل آپ ہی کے بارے میں سوچتی رہی ہوں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ اتنی قلیل سی مدت میں دوبارہ آپ سے بات کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے" الفاظ سے زیادہ خوشی اس کے لب و لہجے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ چل پڑتے ہیں تو کسی انجام تک پہنچنے تک مسلسل ذہن سے چپکے رہتے ہیں۔ تمہارے جانے کے بعد سے میں تمہارے مسئلے میں الجھا ہوا ہوں۔ کیا تم اس وقت میرے گھر آ سکتی ہو؟"

"کیوں نہیں۔ کیا کوئی خاص بات سامنے آئی ہے؟" اس کی آواز میں تحیرزدہ حسرت پنہاں تھی۔

"خاص بلکہ تم اسے خاص الخاص بھی کہہ سکتی ہو" میں نے ہنس کے کہا "کسی ٹھوس نتیجے پر پہنچنے کے لیے مجھے تمہارے ساتھ کچھ باتیں کرنی ہوں گی۔ اگر تم کو اعتراض نہ ہو تو یہ اسی وقت ہو سکتی ہیں۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ میرے لیے تو یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ میری کہانی میں اتنی زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں۔ ابھی تو صرف ساڑھے نو بجے ہیں۔ آپ چاہیں تو آدھی رات کو بھی میرے غریب خانے پر آ سکتے ہیں۔ آپ کے لیے میرا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا...... میں شوہر کی جدائی کی آگ میں سلگتی ہوئی ایک تنہا عورت ہوں جسے رشتے داروں نے بھی ٹھکرا دیا ہے۔ یکسانیت کے ان شب و روز میں آپ کی وجہ سے تبدیلی اور ذرا سی ہلچل پیدا ہو جائے تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔"

میں اس کی تنہائی اور محرومی کا دکھ سمجھ رہا تھا۔ مجھے اپنا رازدار ... بنانے کے بعد وہ میری ذات میں کسی عارضی سہارے کا سپنا دیکھ رہی تھی۔ مجھے مدعو کرتے ہوئے اس کی آواز میں ایک عجیب سا لوچ پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے فوراً ہی محتاط ہو جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہاری ذات پر کوئی حرف آئے۔ اکیلی عورت کے گھر آنے والے مرد فرشتہ صفت ہوں تب بھی دوسروں کی نگاہوں میں کھٹکنے لگتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم ادھر آ جاؤ تو زیادہ مناسب ہوگا۔ دیر ہو جانے کی صورت میں تم غزالہ کے ساتھ رک سکتی ہو۔"

"آپ کی خواہش ہے تو میں وہیں آ جاتی ہوں" اس کی آواز میں مچلتی ہوئی حرارت میں یک بیک کمی سی آ گئی۔ "میں مقبولِ عام سوسائٹی میں ایک بڑے مکان میں رہتی ہوں۔ یہاں کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں پر دھیان دے سکے۔ مجھے کسی وقت آپ کی میزبانی کر کے دلی خوشی ہوگی۔"

"میں ضرور آؤں گا" میں نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "یہ سوسائٹی سے ملحق وہی علاقہ ہے نا جو ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ آباد ہے۔"

وہ مترنم آواز میں ہنس پڑی۔ "آپ ٹھیک سمجھے۔ نام سے زیادہ' ریلوے لائن اس کی پہچان ہے۔ اس مین لائن سے گزرے

بغیر کوئی ٹرین کراچی سے نہیں نکل سکتی۔ میں ٹرینوں کی گڑگڑاہٹ سننے کی اتنی عادی ہوگئی ہوں کہ کبھی ٹرینوں کی ہڑتال ہو جائے تو شاید مجھے نیند نہیں آسکے گی۔"

"فکر مت کرو۔ تمہیں فلیٹ پر رکنا پڑا تو غزالہ تمہیں ٹرین کی گڑگڑاہٹ کا کوئی آڈیو کیسٹ سنوا دے گی تاکہ تم سکون کی نیند سو سکو" میں نے دانستہ غزالہ کا نام استعمال کرتے ہوئے بے تکلفی سے کہا۔

"آپ بہت دلچسپ آدمی ہیں۔ میں آدھے گھنٹے میں پہنچ رہی ہوں" اس نے کہا۔

میں نے فون بند کر کے سگریٹ سلگائی اور وہیں صوفے پر دراز ہوگیا۔ نادرہ نے نادانستگی یا روا روی میں اپنے گھر کے محل وقوع کا ذکر کر کے میرے ذہن میں امکانات کے نئے دریچے کھول دیے تھے۔ اگر میں نے نادرہ کے مکان کا محل وقوع صحیح سمجھا تھا تو اس علاقے میں کوئی مکان ہزار یا چھ سو گز سے کم رقبے پر نہیں تھا۔ وہ پوری آبادی شارع فیصل اور ریلوے لائن کے درمیان ایک پٹی کی صورت میں پھیلی ہوئی تھی۔ عالی شان مکانات اور مصروف ترین ریلوے لائن کے درمیان، قانونی طور پر خالی چھوڑی گئی زمین پر ناجائز قابضین کے طفیل جھونپڑیوں اور شکستہ مکانات کا ایک بے ترتیب جنگل پھیلا ہوا تھا جس کی وجہ سے انسانی آبادی کی حدیں عملاً ریلوے لائن سے جا ملی تھیں۔ نادرہ کے اس مکان کو آسانی کے ساتھ قید خانے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ ٹرینوں کی پُرشور آمدورفت میں قیدی پر بے فکری سے ہر تشدد کیا جا سکتا تھا ایسی سہولتیں کسی پرسکون اور خاموش رہائشی علاقے میں ملنی محال تھیں۔ گیری ہارٹ اسلام آباد میں سرکاری جوڑ توڑ میں مصروف تھا جب کہ اس کا دستِ راست، انسپکٹر حبیب ملر کراچی میں موجود تھا۔ گیری ہارٹ کی واپسی تک حبیب ملر کو نادرہ کے مکان میں رکھا جا سکتا تھا۔

وہ ایک بہت بڑی الجھن تھی جو قدرتی طور پر خود بہ خود دور ہوتی نظر آ رہی تھی۔ میں مسلسل اسی فکر میں مبتلا تھا کہ جہانگیر کی فیکٹری اور گھر میں آگ لگنے کے بعد ہمارے لیے شہر میں ایسا کوئی محفوظ ٹھکانا نہیں رہا تھا جہاں ہم اپنے مجرموں سے تھوڑی بہت بازپرس کر سکیں۔ بادی النظر میں نادرہ کا مکان ہماری وہ ضرورت پوری کر سکتا تھا۔ بنیادی شرط یہ تھی کہ نادرہ میرے ساتھ میری شرائط پر تعاون کرنے پر آمادہ ہو جاتی۔

میں اس سے متوقع مذاکرات کے بارے میں ایک ذہنی خاکہ بنانے میں مصروف ہوگیا۔

معاً مجھے خیال آیا کہ نادرہ حالات کی بدلی ہوئی بساط پر محض ایک مہرہ ہی نہیں، ہمارے رہائشی فلیٹ کی مالکہ بھی تھی۔ اس نے وہ فلیٹ مجھے اور غزالہ کو ایک ارمان پرور جوڑا سمجھ کر کرائے پر دیا تھا، ہمارے ساتھ ویرا اور سلطان شاہ کو دیکھ کر وہ بدک سکتی تھی۔ اسے پہلا اعتراض یہ ہوتا کہ فلیٹ میں شرائط سے زیادہ افراد رہ رہے تھے۔ مہمان داری کے حوالے سے نادرہ کے اس اعتراض کا عارضی جواب دیا جا سکتا تھا لیکن دوسرا پہلو زیادہ خطرناک ہو سکتا تھا۔ وہ فلیٹ میں اتنی بھیڑ دیکھنے کے بعد میرے بارے میں حقیقی شکوک و شبہات میں مبتلا ہو سکتی تھی جب کہ میں اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں اتر کر اس کا اعتماد جیت لینے کا پروگرام بنائے بیٹھا تھا۔

میں فوراً ہی ویرا کے کمرے میں پہنچ گیا۔ وہاں وہ تینوں پورے انہماک سے باتوں میں مصروف تھے۔ میرے قدموں کی آہٹ پا کے وہ تینوں ہی خاموش ہو کر اس طرح میری طرف دیکھنے لگے جیسے میری مداخلت انہیں پسند نہیں آئی ہو۔ میں نے ان کے چہروں پر ابھرنے والے تاثرات کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے کہا "نادرہ تھوڑی دیر میں یہاں پہنچنے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے فلیٹ میں میری اور غزالہ کی ذات کے سوا کسی تیسرے فرد کی موجودگی کا شبہ نہ ہونے پائے۔ زیادہ افراد کی موجودگی سے وہ بھڑک سکتی ہے۔"

"میں تمہاری بات اچھی طرح سمجھ رہی ہوں" ویرا نے سر ہلاتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں کہا "تم غزالہ کو کام میں لگا کے تخلیے کے بہانے اسے شیشے میں اتارنا چاہتے ہو تو یہ یاد رکھنا کہ اس کے سامنے نہ آنے کے باوجود میری نظریں ہر لمحے تم دونوں پر مرکوز رہیں گی۔ تم نے پٹری سے اترنے کی کوشش کی تو غزالہ......."

"یہ آپ دونوں کا مذاق ہے" غزالہ نے احتجاج کرنے کے انداز میں اپنا ہاتھ بلند کر کے ویرا کی بات کاٹ دی اور مجھ سے مخاطب ہو کر شگفتہ لہجے میں کہنے لگی۔ "میں اس میں فریق نہیں ہوں۔ مجھے آپ پر پورا اعتماد ہے۔"

"تم نے ذہنی کو لگام دینے کی کوشش نہیں کی تو یہ اندھا اعتماد کسی دن تمہیں لے ڈوبے گا" ویرا اپنے مصنوعی خول سے باہر آتے ہی رنگ دکھانے لگی تھی۔ وہ سنجیدگی سے غزالہ کو میرے خلاف اکسانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہم دونوں ایسے بندھن میں جکڑے ہوئے ہیں کہ ڈوبے تو ساتھ ہی ڈوبیں گے، ہم میں سے کوئی اکیلا نہیں ڈوبے گا" غزالہ نے خوش دلی سے ویرا کو لاجواب کر دیا۔

سلطان شاہ نے ویرا کی حوصلہ افزائی کرنے کے ارادے سے منہ کھولا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ نادرہ نے فلیٹ کی ہر خواب گاہ میں فون کی اضافی لائن دی ہوئی تھی تاکہ بستر چھوڑے بغیر بھی ہر جگہ فون سے استفادہ کیا جا سکے۔ ویرا نے فوراً ہی ریسیور اٹھا لیا۔

اس نے زبان کھولے بغیر دوسری طرف کی آواز سنی اور خاموشی سے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا لیکن اس کے کچھ بتانے سے پہلے ہی جہانگیر کی چہکتی ہوئی آواز میرے کانوں میں آگئی "ارے بھئی بولو نا...... چونگا اٹھا کر چپ شاہ کا روزہ کیوں رکھ لیا ہے؟"

"شاباش!" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ

سلمٰی نے تمہارے گناہ بخش دیے ہیں۔"

"یار' بس کیا بتاؤں" اس کی آواز ایک دم دھیمی اور پُرجوش ہوگئی۔ "بدمزاج بیویوں کو کبھی کبھی ایسی خوراک ملتی رہنی چاہیے' وہ میرے پیروں سے لپٹ کر اتنی روئی ہے اور ایسی خدمت کی ہے کہ لطف آگیا...... آج مجھے اندازہ ہوا کہ سلمٰی درحقیقت اتنی بری نہیں ہے۔ وہ چاہے تو سدھر سکتی ہے لیکن اس کا مسئلہ یہ ہے کہ آج سے پہلے اس نے مصالحت کے بارے میں سوچنے کی کوشش ہی نہیں کی۔"

"وہ تمہاری خودکشی کی آس لگائے بیٹھی تھی۔ زندہ لوٹ کے تم نے اس بے چاری کو مایوس کردیا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے پُرزور لہجے میں میری تائید کی۔ "وہ یہی سمجھ بیٹھی تھی کہ اسے ایک طلاق دینے کے بعد میں جیتے جی اپنا منہ نہیں دکھاؤں گا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ ایسے ایسے نادر سُروں میں روئی ہے کہ میرے دل میں ٹھنڈک پڑگئی" بولتے بولتے اچانک ہی اس کی آواز بلند ہوگئی اور لہجہ بھی تبدیل ہوگیا "ہاں.... سلمٰی بھی خیریت سے ہے۔ ہمارے درمیان اب کوئی غلط فہمی نہیں رہی۔ تمہارے تجربے کی تقلید کرتے ہوئے میں نے بھی فی الحال ایک فرنشڈ فلیٹ کرائے پر لے لیا ہے۔ ہم لوگ تم سے زیادہ دور نہیں ہیں.... لو' سلمٰی تم سے بات کرنی چاہ رہی ہے۔"

شاید سلمٰی اس کے سر پر پہنچ گئی تھی۔ جہانگیر نے میرا جواب سننے سے پہلے ہی شاید ریسیور اسے تھما دیا اور میرے کانوں میں سلمٰی کی تروتازہ آواز گونجنے لگی "مبارک ہو' اب ہم تمہارے پڑوسی ہوگئے ہیں۔ ذرا غزالہ سے اچھی سی چائے تیار کروالو۔ ہم تم سے ملنے آرہے ہیں۔"

سلمٰی کی وہ نادر شاہی ہدایت سنتے ہی میرا خون خشک ہوگیا۔ مجھے یہ بات ذرا بھی پسند نہیں تھی کہ سلمٰی وہاں آکر ویرا کا بگڑا ہوا چہرہ دیکھے اور پھر چبھتے ہوئے بے تکے سوالات کا سلسلہ شروع کردے۔ دوسری طرف نادرہ بھی مجھ سے ملاقات کے لیے آنے والی تھی۔ فلیٹ میں اتنے لوگوں کا یکجا ہونا میرے منصوبے کے حق میں زہر ثابت ہوسکتا تھا۔ میں نے بوکھلا کے جلدی سے کہا "تت.... تم لوگ ضرور آؤ۔ مجھے تمہارا استقبال کرکے خوشی ہوگی لیکن میں تمہاری کوئی خاطر نہیں کرسکوں گا۔ غزالہ' سلطان شاہ کے ساتھ کہیں گئی ہوئی ہے۔"

"اوہ.... پھر تو مزہ نہیں آئے گا" میری تدبیر کارگر رہی اور سلمٰی کا سارا جوش ٹھنڈا پڑگیا "پھر ہم [illegible] آدھ روز میں فون کرکے آئیں گے۔ تمہیں موقع ملے تو تم چکر لگا لینا۔ ہم رابنسن ہائٹس کے بی بلاک میں چوتھے فلیٹ میں رہ رہے ہیں۔ یہ پُرسکون علاقہ تمہیں ضرور پسند آئے گا۔"

میرے پاس اس کی ہاں میں ہاں ملانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میرا ذہن نادرہ کی آمد میں الجھا ہوا تھا۔ مجھے یہ خوف بھی لاحق تھا کہ کہیں میری کسی بے احتیاطی کی وجہ سے سلمٰی اپنا ارادہ تبدیل کرکے دوبارہ ہماری طرف آنے پر نہ تل جائے۔ میں غائب دماغی کے عالم میں ہوں ہاں کرکے اسے ٹالتا رہا اور آخرکار اس کا بتایا ہوا فون نمبر نوٹ کرکے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

فون کا سلسلہ منقطع ہوتے ہی ویرا نے ایک ہلکا مگر بوجھل سا قہقہہ لگایا اور کہا "اب اسے تم کیا کہوگے؟ میری مانو تو آج اپنی تمام جاننے والیوں کو یہاں جمع کرکے غزالہ سے متعارف کرادو۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ تم اس شہر کی عورتوں میں کتنے مقبول ہو!"

"میں ان کی ذات کی طلسمی کشش سے پوری طرح باخبر ہوں۔" مجھ سے پہلے ہی غزالہ بول پڑی "جس طرح بہت سی عورتیں ہر مرد کے لیے پرکشش ثابت ہوتی ہیں' اسی طرح بہت سے مرد بھی صنفِ مخالف کے لیے مقناطیسی اثر رکھتے ہیں۔ یہ ایک خداداد خوبی ہوتی ہے جس سے کردار پر کوئی دھبا نہیں آتا۔ آدمی کے ذہن میں کجی ہو تو وہ کسی برائے نام کشش کے بغیر بھی بے راہ روی کا شکار ہوجاتا ہے۔"

غزالہ نے بہت خوبصورتی سے اسے لاجواب کردیا تھا۔ اس دوران میں' میں آنکھوں ہی آنکھوں میں ویرا کو گھورتا رہا تھا کیونکہ وہ ایک نہایت نازک موضوع میں الجھ رہی تھی۔ میری اور اس کی گہری رفاقت بہت زیادہ پرانی بات نہیں تھی بات طول پکڑتی تو کسی موڑ پر کوئی ناپسندیدہ حوالہ بھی سامنے آسکتا تھا۔ غنیمت ہوا کہ ویرا نے موقع کی وہ نزاکت محسوس کرکے فوراً ہی خاموشی اختیار کرلی اور میں وہاں سے دوبارہ باہر نکل آیا۔

چند منٹ بعد ڈوربیل کے جواب میں غزالہ دروازے پر گئی اور نادرہ کو اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ اس وقت نادرہ کا گلابی چہرہ' نیلے کامدار لباس میں کچھ زیادہ ہی دمک رہا تھا۔ وہ دونوں نہایت خوش دلی سے باتیں کرتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی تھیں۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر نہایت شائستگی سے نادرہ کا استقبال کیا۔ غزالہ اسے وہاں پہنچا کر الٹے قدموں واپس لوٹ گئی۔ اس کا رخ ویرا کے کمرے کی طرف تھا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے یہاں پہنچنے میں زیادہ تاخیر نہیں کی" میری پیش کش پر اس نے ایک صوفہ سنبھال کر خوش خلقی سے کہا "آپ سے ملاقات کا خیال اتنا ہیجان انگیز تھا کہ میں فوراً ہی گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔"

"خوب....!" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تنہا ہونے کے باوجود تم گھر میں خاصی بنی سنوری رہتی ہو۔ تمہیں دیکھ کر یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ تم بیٹھے بیٹھے اچانک ہی ادھر نکل آئی ہو" میں مصلحت کی بنا پر ابتدا ہی سے بے تکلفانہ ماحول پیدا کرنے کا خواہاں تھا۔

"اگر یہ میری تعریف ہے تو میں آپ کی شکر گزار ہوں" اس نے میرے ذومعنی تبصرے کا برا مانے بغیر کہا "لیکن یہ بات حیرت ناک ہے کہ آپ سے پہلے غزالہ بھی یہی بات کہہ چکی ہے۔ میرے لیے یہ احساس بہت توہین آمیز تھا کہ کوئی عورت یہ سوچے کہ میں

اس کے شوہر سے ملاقات کرنے کے لیے غیر معمولی تیاری کر کے آئی ہوں۔"
"تم غلط سمجھی ہو.... غزالہ ایسی عورت نہیں ہے۔ اس نے تمہارے بارے میں جو محسوس کیا' سادگی سے کہہ ڈالا۔ اس کی بات کا کوئی دوسرا مفہوم نکالنے کی کوشش مت کرو۔ وہ کسی کی دل آزاری کو گناہ سمجھتی ہے۔"
"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آپ کی باتوں پر میرا دل خود بہ خود اعتبار کرتا چلا جاتا ہے۔"
میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "اور اگر میں جھوٹ بولنا شروع کردوں؟"
"ہر انسان کی طرح میں بھی جھوٹ اور سچ کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔ جھوٹ سننے کے بعد دل مضطرب سا ہونے لگتا ہے۔ میں اپنے اس قدرتی پیمانے پر پختہ یقین رکھتی ہوں۔"
بات میری توقع سے کہیں پہلے اس موڑ پر آگئی تھی جہاں میں پینترا بدل سکتا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر میں یہ کہوں کہ میں ڈینی ہوں تو تمہارا ردِعمل کیا ہوگا۔"
"میں اس بات کو مذاق سمجھ کر ٹال دوں گی" وہ پورے اعتماد سے بولی "پہلے میں ڈینی کو بہت موذی اور سزا کے قابل سمجھتی رہی لیکن آپ سے پچھلی ملاقات کے بعد میں نے ٹھنڈے دل سے اس کے بارے میں سوچا ہے اور میرے خیالات میں نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ میں غنی صاحب کی سہل پسندی اور مجبوریوں سے واقف ہوں لیکن ڈینی کے ماضی سے لاعلم ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی حالات کے جبر کا شکار ہو کر منشیات فروشی کی راہ پر چل نکلا ہو۔ ہمارے ملک میں بہت سے معروف لوگ بلکہ سیاستداں تک ہیروئن کی سوداگری .... میں مبتلا ہیں۔ یہ جرم ایسا بھیانک نہیں ہے کہ اس کی پاداش میں ڈینی کو اس کے بدترین دشمنوں کے حوالے کردیا جائے۔ مجھے یقین ہوچکا ہے کہ سی آئی اے والے ہیروئن فروشی کی وجہ سے ڈینی کے دشمن نہیں بنے ہیں۔ اس دشمنی کے اسباب کچھ اور ہیں' اسی وجہ سے وہ لوگ یہاں کے قانون سے مدد لینے کے بجائے مجھے اپنا آلۂ کار بنانا چاہ رہے ہیں۔ اگر ہیروئن فروشی پر ڈینی کو موت کے چنگل میں ڈالنے کا ارادہ کرلیا جائے تو پہلے مجھے غنی صاحب کی سزا کو تقدیر کا منصفانہ فیصلہ سمجھ کر قبول کرنا ہوگا۔"
میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اس کی وہ تقریر سنتا رہا۔ میں جو باتیں اس کے ذہن میں ڈالنا چاہ رہا تھا' وہ پہلے ہی اس کے دل میں گھر کر چکی تھیں۔ میں نے کہا "تمہاری سوچ کی یہ تبدیلی میرے لیے حیران کن ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ڈینی نے تم سے مل کر تمہیں اپنی بے گناہی کا یقین دلایا ہو؟"
"یہ سوچ کی تبدیلی نہیں' سوچ کی ابتدا ہے۔ آپ کی باتوں پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ ڈینی گناہ گار ضرور ہے لیکن اتنا بھی نہیں کہ اسے زندہ رہنے کے حق سے محروم کردیا جائے۔ ڈینی نے غنی صاحب کو زبردستی ہیروئن کے کام پر نہیں لگایا ہوگا۔ ان میں بھی کچھ کمزوریاں رہی ہوں گی' اسی وجہ سے وہ غلط راستے پر چل پڑے۔ کم از کم وقت میں اور آسانی کے ساتھ دولت کمانے کی خواہش کے نتیجے میں ایسا ہی ہوتا ہے۔"
"اس کا مطلب ہے کہ شوہر کی آزادی اور فرخ کے مستقبل کے حوالے سے اب تمہارے مؤقف میں کمزوری آرہی ہے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔
"ہرگز نہیں!" وہ سختی سے بولی "یہ مسائل میری ترجیحات میں اب بھی سرفہرست ہیں۔"
میں چکرا کر رہ گیا "یعنی تم نے سی آئی اے والوں سے تعاون کا فیصلہ کرلیا ہے؟"
"ابھی فیصلہ نہیں کیا۔ اسی لیے آپ کے ایک فون پر یہاں دوڑی چلی آئی ہوں۔ محسوس یہ ہورہا ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے ان مشتبہ لوگوں کے اشاروں پر چلنا پڑے گا۔"
"سوچ اور عمل کا یہ تضاد میرے لیے ناقابلِ فہم ہے" میں نے دھیرے سے کہا۔
"اسے میری مجبوری یا خود غرضی بھی کہا جاسکتا ہے۔ حالات کے بے رحم شکنجے میں پھنس کر انسان کو بعض اوقات اپنی مرضی بلکہ ضمیر کے خلاف بھی بہت کچھ کرنا پڑتا ہے" وہ مغموم سے لہجے میں بولی "اگر میرے سامنے کوئی متبادل راستہ موجود ہو تو میں اب بھی ڈینی کو بھول سکتی ہوں۔"
"تم کون سے متبادل راستے کی بات کررہی ہو؟" میں نے اپنی آواز میں سرد مہری سی محسوس کی۔
"عورت کبھی کسی کو اپنا رازداں نہیں بناتی' کسی مجبوری کے تحت اگر بنا ہی لیتی ہے تو اسے کھل کر اعتماد میں لیتی ہے" اس نے آرام دہ صوفے پر بے چینی سے پہلو بدل کے کہا "میں آپ سے کھل کر بات کروں گی.... میرے سامنے آسان ترین راستہ یہ ہے کہ میں سی آئی اے کے خود غرض بھیڑیوں کی خواہشات کے آگے ہتھیار ڈال دوں۔ غنی صاحب کی آزادی اور فرخ کے محفوظ مستقبل کے لیے خود کو ایک نیلامی جنس سمجھ لوں اور ان لوگوں کے نفس کا ایندھن بن جاؤں جو ڈینی کا کھوج لگا کے اسے میرے قدموں میں لاسکتے ہیں۔ سی آئی اے والے ڈینی کو پکڑ کے لے جائیں گے' غنی صاحب کی سزا معاف کردی جائے گی' امریکا میں فرخ کا مستقبل محفوظ ہوجائے گا مگر میرے ضمیر کے لیے یہ سب ناقابلِ برداشت ہوگا۔ ایک عمل کو آبروریز سمجھ کر بھی اپنانا میرے لیے بہت مشکل ہوگا۔ میرے لیے دوسرا راستہ یہ ہوسکتا ہے کہ میں ڈینی کو بھول جاؤں' سی آئی اے والوں کو خاطر میں نہ لاؤں مگر کوئی مجھے اتنا یقین دلا دے کہ امریکا سے آئے ہوئے بھیڑیوں سے بگاڑ پیدا کرنے کے باوجود میں اپنے مقاصد حاصل کرلوں گی.... غنی صاحب ہیروئن کی اسمگلنگ کے مجرم تھے۔ وہ اپنے حریصانہ کرتوتوں کی نرم سزا بھگت رہے ہیں لیکن فرخ کا کیا قصور ہے؟ میں اس معصوم بچے کو آلام و مصائب سے محفوظ دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"فرض کرو کہ ڈیٹی خود ہی سامنے آکر تمہیں اس تحفظ کا یقین
ئے تو تمہارا ردِ عمل کیا ہوگا؟"

"اس وقت ڈیٹی خود خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ میں بھانپ چکی
ں کہ سی آئی اے والے اس کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔
حالات میں وہ میرے شوہر یا بیٹے کے بارے میں کیا ضمانتیں
ے سکتا ہے۔"

"تھوڑی دیر کے لیے فرض کرلو کہ میں ڈیٹی ہوں۔ تم سوالات
ی چلی جاؤ۔ میں جواب دیتا رہوں گا۔ دیکھتے ہیں کہ تمہارے اور
ے کے درمیان کس حد تک مفاہمت کا امکان ہے" میں نے کہا۔

"اگر آپ کو ڈیٹی سمجھ لیا جائے تو میرا پہلا سوال یہی ہوگا کہ
پ کو بھول جانے کی صورت میں فرخ کی زندگی اور سلامتی کی کیا
ت ہوگی۔۔۔۔ وہ اپنے باپ کے جرم سے بے خبر، ایک معصوم بچہ
" نادرہ نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد چٹان کی طرح مضبوط
میں سوال کیا۔

"دنیا میں تعلیم و تربیت کے لیے صرف امریکا ہی بہترین ملک
ں ہے۔ فرخ کو خاموشی سے واپس بلا کر کسی اور ملک میں داخلہ
و جہاں امریکنوں کا زیادہ اثر و نفوذ نہ ہو۔"

وہ زہریلے انداز میں ہنس پڑی "کیا دنیا میں کوئی ایسا خطہ بھی
جہاں امریکنوں کا زیادہ اثر و نفوذ نہ ہو؟"

"بیسیوں ملک ہیں" میں روانی میں کہہ گیا "تم فرخ کو کہیں بھی
ج سکتی ہو۔"

"مجھے ایسے صرف چار ملکوں کے نام بتادیں تاکہ میں ان میں
ے انتخاب کرسکوں" اس کا لب و لہجہ نیم استہزائیہ اور نیم مستفسرانہ
ا۔ میں اس کی فرمائش پر بوکھلا کر رہ گیا۔

"چچ... چین... کیوبا... رو... روس تو خیر ختم ہی ہوگیا۔ گننے
ہو تو تم متعدد ملکوں کے نام گن سکتی ہو۔"

"پورے کرۂ ارض پر چین اور کیوبا کے علاوہ صرف لیبیا باقی رہ
ا ہے جسے آپ بھول رہے ہیں۔ چوتھا ملک آپ چار ہفتوں میں
ی نہیں سوچ سکتے۔ ان تینوں ملکوں میں تعلیم کا معیار بہت پست
ور داخلے کا معیار بہت سخت ہے۔ میں فرخ کو ایسے کسی اندھے
نوئیں میں نہیں ڈال سکتی جہاں نرم و نازک ٹہنیوں کو جھکا دینے
الے مینڈک زادے کو روئے زمین کا سب سے قوی حیوان قرار
یا جاتا ہو۔۔۔۔ روس اب ایک بھولا ہوا خواب بن چکا ہے۔
فغانستان کی سرحدی پٹیوں میں اگائی جانے والی افیم ہیروئن بن کر
وسیوں کی رگوں میں اتر چکی ہے۔ آج کل وہ امریکنوں سے زیادہ
مریکن بننے کے جنون میں مبتلا ہوچکے ہیں اور امریکا قدرت کا ایک
عذاب بن کر ہر طرف چھاتا چلا جارہا ہے۔"

"یہ سب سیاسی باتیں ہیں" میں نے بے اعتنائی سے کہا "میں
سیاست میں نہیں پڑتا۔ تم چاہو تو تمہارا فرخ اسی ملک کے کسی اعلیٰ
بورڈنگ ہاؤس میں رہ کر اپنی تعلیم جاری رکھ سکتا ہے۔ کراچی،
پشاور، نتھیا گلی اور حسن ابدال سے لے کر کاکول تک پیشہ ورانہ
اداروں کا ایک جال بچھا ہوا ہے جہاں خام ذہنوں کو خاص سانچوں
میں ڈھال کر زندگی کے پُرعزم سفر کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ میں
فرخ کی تعلیم و تربیت کی ذمے داری قبول کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے!" وہ گہری سنجیدگی سے بولی "آپ نے یہ ذمے
داری قبول کرلی۔ میں فرض کیے لیتی ہوں کہ آپ اسے نباہ بھی لیں
گے لیکن کل کلاں کو آپ کسی خون آشام معرکے میں مارے گئے تو
میرے فرخ کا کیا بنے گا؟ میں اپنی فریاد لے کر کہاں جاؤں گی؟ میں
اس کے سر پر ہاتھ رکھنے والا کہاں سے لاؤں گی؟"

"مفروضات کی بات مت کرو" میں نے سختی سے کہا "اولین
مفروضہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر تمہاری زندگی اچانک تمہیں دغا
دے گئی تو فرخ کا کیا بنے گا۔۔۔۔ یہ بے بنیاد باتیں ہیں۔ آدمی جب
تک زندہ رہتا ہے، یہی سوچتا ہے کہ زندگی کا سارا چکر اس کے دم
سے چل رہا ہے۔ وہ مرا تو ہر طرف ایک قیامت برپا ہوجائے گی
لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ مرنے والے خاموشی سے مرجاتے ہیں، دنیا
کے کسی کاروبار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مرنے والوں کے چہیتے چند
روز نہیں روتے ہیں پھر غمِ روزگار میں الجھ کر اس اپنے کو بھولنے
لگتے ہیں۔ تم رہو یا نہ رہو، ڈیٹی تمہارے اکلوتے بیٹے کی دیکھ بھال
کرے یا نہ کرے، فرخ اپنی تقدیر کا لکھا پورا کرے گا۔ اس کے
بارے میں تمہیں ضرورت سے زیادہ سوچ کر خود کو ہلکان کرنے کی
ضرورت نہیں۔ اس وقت تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ تم اپنے ضمیر
کی آواز کو نظرانداز کرکے ڈیٹی کو قزاقِ اجل کے حوالے کردو گی یا
دلیری کے ساتھ دباؤ کا مقابلہ کرو گی۔"

"کاش آپ ایک ماں ہوتے" وہ دکھ بھری آواز میں بولی "میں
آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ ایک ماں کے لیے اس
کی اولاد کی زندگی ہر آفاقی اصول کی سربلندی سے زیادہ اہم [illegible]
ہے۔۔۔۔"

میں نے نادرہ کی بات کاٹ دی اور اس کے ذہن کو پڑھتے
ہوئے سخت لہجے میں کہا "میں تم پر اعتماد کرکے ایک اہم اعتراف
کرنے والا ہوں۔ تم چاہو تو یہاں سے لوٹتے ہی انسپکٹر حبیب ملر کو
میرے اعتراف سے آگاہ کرسکتی ہو۔ یہ بدنام زمانہ ایجنٹ ہمارے
ملک اور ملکی مفادات کے بدترین دشمن ہیں۔ میں ڈیٹی ہوں۔ میں
ان خود غرض درندوں اور ملت فروش مخبروں کی مکمل ترین بربادی کا
عزم لے کر میدان میں اترا ہوں۔ گیری ہارٹ اور حبیب ملر میری
گھات میں ہیں، میں ان کے خلاف مورچا لگائے بیٹھا ہوں۔ وہ
دونوں بلا کے مکار اور خود غرض ہیں۔ اگر تم ان دونوں کی بربادی
میں میرے ساتھ تعاون کرسکو تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ
تمہارے مقاصد کے حصول کے ساتھ ہی میں ایک اہم قومی فریضہ
بھی سرانجام دے سکوں گا۔"

"آ... آ... آپ ڈیٹی ہیں؟" نادرہ نے فرطِ حیرت سے ہکلاتے

ہوئے سوال کیا۔

"یہ میری بدنصیبی ہے" میں نے ملائمت سے کہا "میری زندہ یا مردہ گرفتاری میں مدد دینے والے کے لیے دو لاکھ ڈالر کے انعام کے ساتھ امریکن گرین کارڈ بھی منتظر ہے۔ میرے اس کھلے اعتراف کے بعد بھی تمہارے لیے ہر راستہ کھلا ہوا ہے۔ تم چاہو تو میرے خلاف مخبری کر کے بہت کچھ حاصل کر سکتی ہو لیکن یہ یاد رہے کہ اب میرے ہاتھ بھی کھلے ہوئے ہیں۔ میں اپنے کسی حریف کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"اوہ خدا!" نادرہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی "آپ کیسی بھیانک باتیں کر رہے ہیں؟"

"چند روز پہلے تک ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا "لیکن اتفاقات یا پھر مقدر نے ہمیں یک جا کر دیا۔ ہماری ضرورتوں نے ہمیں مالک مکان اور کرائے دار کی صورت میں ایک دوسرے سے متعارف کرایا۔ تمہیں ایک اچھے کرائے دار کی ضرورت تھی، میں ایک اچھے مکان کی تلاش میں تھا۔ بات بن گئی اور ہم ایک کاروباری رشتے میں بندھ گئے۔ اب پتا چلا کہ میری موت تمہارے مسائل کا آسان ترین حل ہے۔ مجھے اپنے گرد پھیلے ہوئے خطرات کا مکمل ادراک ہے۔ میں کسی میمنے کی طرح خود کو اپنے خون کے پیاسوں کے حوالے نہیں کروں گا، اپنے ہر سانس کے لیے لڑوں گا۔ میری کوشش ہوگی کہ میں اپنے پیچھے لگے ہوئے سفاک بھیڑیوں کو ان ہی کے خون میں نہلا دوں۔ سی آئی اے والوں نے اس بھیانک لڑائی میں تمہارا ایک کردار متعین کر دیا ہے۔ میرا اعتراف تمہارے سامنے ہے۔ حالات نے تمہیں ایک دوراہے پر پہنچا دیا ہے۔ تم میرے ساتھ تعاون کرتی ہو تو سب کچھ جوں کا توں رہے گا۔ اگر تمہارا جھکاؤ سی آئی اے والوں کی پیشکش کی طرف ہے تو مجھے بتا دو۔ میں اسی وقت یہ گھر چھوڑ دوں گا تاکہ تمہیں کسی کڑے امتحان سے نہ گزرنا پڑے۔ تم انہیں بتا دینا کہ میں نے چند راتوں کے لیے تمہاری چھت کے نیچے پناہ لی تھی۔ ان کے ستاروں نے یاوری کی تو وہ مجھے ڈھونڈ لیں گے ورنہ میں ان دونوں کو بے دردی سے ذبح کر کے شہر کے کسی متعفن گٹر میں پھینک دوں گا۔"

"آپ کی باتیں خوف آور ہیں۔ قتل اور خوں ریزی کے ذکر پر میرے پیٹ میں گرہیں سی پڑنے لگتی ہیں" وہ خوف زدہ آواز میں بولی "میرے خدا! سی آئی اے والوں نے مجھ سے رابطہ کیا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں کسی خون آشام ڈرامے میں ملوث ہونے والی ہوں۔ کیا یہ سب ٹل نہیں سکتا؟"

"جو لوگ بھیانک عزائم لے کر سات سمندر پار سے یہاں آئے ہیں، وہ آسانی سے خالی ہاتھ لوٹنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ دوسری طرف میں بھی آسانی سے اپنی گردن ان کے ہاتھ میں نہیں دوں گا۔ یہ موت کا کھیل ہے۔ یہ میری یا ان دونوں کی موت پر ہی ختم ہوگا۔ تم اپنی بدنصیبی کی وجہ سے اس ہولناک بھنور میں پھنس گئی ہو۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، وہ ہو کر رہے گا۔ اس میں سے کوئی بات نہیں ٹل سکتی۔"

"آپ سے مشورہ کرتے ہوئے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ ہی ڈینی ہیں۔"

"تم نہیں سوچ سکی تھیں لیکن اب میں نے تمہیں سچ بتا دیا ہے۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ وہ دونوں تم پر دباؤ ڈال سکتے ہیں، میں کوئی جبر نہیں کروں گا.... تم سے بس اتنی مہلت چاہوں گا کہ یہ گھر چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو سکوں۔ یہ کام میں ابھی اور اسی وقت بھی کر سکتا ہوں۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور تقریباً کراہتے ہوئے بولی "میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی ہے۔ میں آپ سے نہ ملی ہوتی تو آسانی سے ان کے چنگل میں پھنس جاتی۔ یہ جاننے کے بعد کہ آپ ہی ڈینی ہیں، مجھے ان حرام زادوں کی باتوں پر اعتبار نہیں رہا۔ آپ شاید گناہوں کی زندگی سے تائب ہو چکے ہیں۔ آپ جیسا شریف اور نیک نفس انسان اتنا سفاک نہیں ہو سکتا جتنا انہوں نے بتایا ہے" وہ اپنی جگہ چھوڑ کر مضطربانہ انداز میں میرے پہلو میں آ بیٹھی اور میرا شانہ جھنجوڑتے ہوئے کہنے لگی "وہ ناقابل اعتبار درندے ہیں، میں آپ کی ہدایات پر حرف بہ حرف عمل کروں گی۔ اب مجھے غنی صاحب کی آزادی اور فرخ کے تابناک مستقبل کے ساتھ آپ کی زندگی بھی عزیز ہے۔ آپ میری رہنمائی کریں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

میں پوری توجہ سے اس کے ہر ردِعمل کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ وہی کچھ کرنے کا ارادہ رکھتی تھی جو کہہ رہی تھی۔ میں نے نرمی سے کہا "پھر تمہیں اس خونیں ڈرامے میں ذرا فعال کردار ادا کرنا ہوگا۔"

"نن.... نہیں!" وہ پھنسی پھنسی اور خوف زدہ آواز میں بولی۔ "میں چوہے کے بچے کو بھی نہیں مار سکتی۔ اس سے پہلے میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔ میں خون خرابے میں حصہ نہیں لے سکتی...."

"تم میری بات کا غلط مفہوم سمجھ رہی ہو" میں نے نرمی سے کہا۔ "سارے خطرناک کام میں خود سرانجام دوں گا۔ تمہیں ابتدا میں میری مدد کرنی ہوگی۔ انہوں نے تم سے رابطہ کیا ہے۔ اب ان کو گھیرنے کے لیے تم ہی کو کام کرنا ہوگا۔ یہ کوئی عملی کام نہیں ہوگا، تمہیں فون پر ان سے رابطہ کرنا ہوگا۔ آگے کے مراحل میں سنبھال لوں گا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ان لوگوں نے آپ جیسے مہذب اور شائستہ آدمی پر ایسی سنگین الزام تراشیاں کیوں کی ہے" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائی "دل اس بات کو قبول نہیں کرتا کہ آپ سفاک اور خود غرض بھی ہو سکتے ہیں۔"

"مجبوری کے عالم میں انسان سے بہت سے جرائم سرز

جاتے ہیں" میں نے غیر محسوس طریقے پر اس کی برین واشنگ کا
سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا "ماضی میں مجھ پر بھی بہت سے دباؤ تھے۔
غنی کی طرح میں بھی ہیروئن بلکہ موت کی سوداگری میں ملوث رہ چکا
ہوں۔ میرے ستارے اچھے تھے کہ میں پابندیوں کی نادیدہ زنجیروں کو
توڑ کر ان کے چنگل سے آزاد ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ تمہارے
لیے شاید یہ انکشاف حیران کن ہو کہ مجھے اس مذموم دھندے میں
الجھانے والے بھی امریکن ہی تھے۔ یہ خبیث فطرت لوگ آدمی کو
ہر طرف سے گھیرتے ہیں۔ پہلے منشیات فروشی کی راہ پر لگاتے ہیں
پھر اسی حوالے سے بلیک میل کرنا شروع کردیتے ہیں۔ ان کا منشور
صرف اتنا ہے کہ ہیروئن دنیا بھر میں کہیں بھی معروف اور مقبول ہو
لیکن امریکا میں اس کا فروغ نہیں ہونا چاہیے۔ ان کی پوری
کوشش ہوتی ہے کہ ہیروئن جہاں تیار کی جاتی ہے' وہیں اس کی
کھپت پیدا کی جائے۔ مقامی منڈیوں کے فروغ کے بارے میں وہ
صرف اس لیے حساس ہیں کہ اس طرح ہیروئن کی اسمگلنگ کی
راہیں مسدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ وہ عالمی معاشیات کے مسلّمہ
اصولوں کے برعکس' امریکا میں ہیروئن کی طلب کو ختم کرنے کے
بجائے اس کی ترسیل میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوششیں کررہے ہیں۔
ان غیر ملکی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ امریکا میں اس نشے کے
داموں کے ساتھ طلب بھی بڑھ رہی ہے اور تمہارے شوہر جیسے
لوگ اس طلب کا شکار ہورہے ہیں۔"

"آپ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں" وہ بھرائی ہوئی آواز
میں بولی "انہوں نے جس طرح آپ کی کردار کشی کی' اس سے آپ
کی ذات کا بہت خراب تاثر پیدا ہوتا تھا لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ
وہ سب جھوٹ تھا۔ آپ ایک مہربان اور نرم دل انسان ہیں۔ میں
اپنے شوہر کی سزایابی کے بعد اس بھری دنیا میں بالکل اکیلی رہ گئی
ہوں۔ آپ جیسا چاہیں گے' میں ویسا ہی کروں گی.... مجھے بس
میرے خوابوں کی تعبیر مل جانی چاہیے" اس کی آنکھوں میں نمی سی
پھیلنے لگی تھی۔ وہ پرس سے ٹشو پیپر نکال کر اپنی آنکھیں خشک کرنے
لگی۔

"فرخ کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔
"ان دونوں سانپوں کے پھن کچل دیے جائیں گے اور کسی کو معلوم
نہیں ہوسکے گا کہ اس کھیل میں تم نے بھی کوئی کردار ادا کیا ہے....
لیکن میں ایک بات سے اب بھی مطمئن نہیں ہوں۔ فرخ امریکا
میں زیرِ تعلیم ہے۔ تم پر دباؤ ڈالنے کے لیے وہ اسے ستا سکتے ہیں
لیکن یہ بات ابھی تک ناقابلِ فہم ہے کہ تم سے سمجھوتا ہونے کے
بعد وہ غنی کو کیسے آزاد کراسکیں گے۔ برطانوی حکومت منشیات کے
معاملے میں بہت سخت ہے۔ وہ لوگ امریکنوں کی سفارش قبول
کرکے اپنے عدالتی نظام پر ہرگز ضرب نہیں لگائیں گے۔"

"شاید آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ وہ لوگ مجھ سے مطلوبہ کام
لینے کے بعد غائب ہوجائیں گے اور میں ان کے زبانی وعدوں کے
بارے میں کسی سے کوئی فریاد نہیں کرسکوں گی؟"

"وہ تمہاری جذباتی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کے چکر میں
ہیں" میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا "تم نے
ان سے تعاون نہیں کیا تو وہ تمہیں دہشت زدہ کریں گے۔ تم
پورے خلوص سے تعاون پر آمادہ ہوگئیں تو وہ اپنا الّو سیدھا کرنے
کے بعد شاید تمہیں کچھ مالی فائدے پہنچادیں لیکن غنی کی رہائی جھوٹا
وعدہ ثابت ہوگی۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ مجھے کئی برس تک تنہائی اور بے بسی
کے عذاب سے گزرنا ہوگا؟"

"مجھے افسوس ہے' نادرہ!" میں نے مغموم لہجے میں کہا "میں
تمہیں جھوٹے سپنوں کے فریب میں نہیں الجھا سکتا۔ تمہارے
مسئلے کا دوسرا قابلِ عمل حل موجود ہے۔ برطانیہ میں مہذب لوگ
بستے ہیں۔ وہ مجرم کو سخت سزا ضرور دیتے ہیں لیکن اس کے متعلقین
کو غیر ضروری ایذائیں نہیں پہنچاتے۔ تمہارا شوہر وہاں طویل
سزائے قید بھگت رہا ہے۔ اس بنیاد پر تمہیں وہاں جانے کی اجازت
مل سکتی ہے۔ تم ویزا لے کر لندن منتقل ہوجاؤ تو تمہیں باقاعدگی سے
غنی سے ملنے کے بھرپور مواقع ملتے رہیں گے۔ جیل میں غنی کا رویّہ
اچھا رہا تو اسے وقت سے پہلے پیرول پر رہائی مل سکتی ہے۔ قانونی
ذرائع سے بہت کچھ ہوسکتا ہے مگر صرف تمہارے ذریعے.... سی
آئی اے والے کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔"

"پہلے میں انکار کرکے ان لوگوں کا ردِعمل دیکھنا چاہوں گی" وہ
چند ثانیوں تک گہری سوچ میں مستغرق رہنے کے بعد بولی "ہوسکتا
ہے کہ وہ مجھے بلیک میل نہ کریں اور مجھے میرے حال پر چھوڑ
دیں۔"

"کاش! ایسا ہوسکے" میں نے کہا "اس طرح تم کافی الجھنوں
سے بچ جاؤ گی۔ میں تم سے الگ رہ کر انہیں دیکھ لوں گا اور تم اپنے
طور پر انگلینڈ جانے کا آغاز کرسکو گی۔"

"آپ اجازت دیں تو میں یہیں سے ان کو فون کرلوں۔ ابھی
دودھ کا دودھ' پانی کا پانی ہوجائے گا۔"

"بہت خوشی سے!" میں نے ڈرائنگ روم میں موجود
انسٹرومنٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "چاہو تو میں تمہیں
تخلیہ بھی فراہم کرسکتا ہوں۔ یہ یاد رکھنا کہ ان لوگوں سے کھلی
مخاصمت نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔"

"میں آپ کے سامنے ہی بات کروں گی" وہ اپنی جگہ چھوڑ کر
فون کے قریب آبیٹھی۔ اس کے چہرے پر خوف اور تشویش کے
سائے رقص کررہے تھے۔

ان دونوں کا دیا ہوا فون نمبر نادرہ کو زبانی یاد تھا۔ مجھے معلوم تھا
کہ گیری ہارٹ اس وقت اسلام آباد میں مصروف تھا۔ اگر اس نمبر
سے جواب ملتا تو دوسری طرف انسپکٹر حبیب طرہی کو ہونا چاہیے
تھا۔

سلسلہ مل جانے پر نادرہ پوری کوشش کے باوجود اپنی آواز کی لرزش پر قابو نہ رکھ سکی اور کانپتی ہوئی آواز میں انگریزی میں بولی۔
"میں مسز نادرہ غنی بول رہی ہوں اور مسٹر گیری ہارٹ سے بات کرنی چاہتی ہوں۔"
اس نے خاموش ہو کر دوسری طرف کا جواب سنا پھر اضطراب کے عالم میں بولنے لگی "مسٹر حیف! میں تمہاری پیشکش پر مسلسل سوچتی رہی ہوں اور اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ مجھ جیسی بے حیثیت اور اکیلی عورت ایسے کسی خطرناک معاملے میں شرکت نہیں کر سکتی.... مجھے امید ہے کہ تم دونوں میری مجبوریوں کو محسوس کرتے ہوئے میری معذرت قبول کر لوگے۔ یہ میرا...."
اس کا فقرہ نامکمل رہ گیا اور آنکھیں خوف سے پھیلنے لگیں۔ دوسری طرف سے جو کچھ کہا جا رہا تھا' وہ اتنا سخت تھا کہ نادرہ کا چہرہ دھواں ہونے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر موجود میک اپ کی ہلکی سی تہ بھی تیزی سے بدلتے ہوئے ان تاثرات کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔
نادرہ کا وہ ردِعمل تکلیف دہ تھا مگر اس کا مشاہدہ کرتے ہی میرے وجود میں سکون کی ایک لہر سی سرایت کر گئی اور میں غیر ارادی طور پر اپنے لیے نئی سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔
نادرہ کے انکار پر دوسری طرف سے شروع کی جانے والی تقریر خاصی طویل اور غالباً سنگین تھی۔ نادرہ نے کئی بار ہکلاتے ہوئے اپنی بات شروع کرنی چاہی لیکن اسے بولنے کا موقع نہیں دیا گیا۔
"م.... میں نے یہ سب سن لیا" خاصے طویل وقفے کے بعد وہ ہانپتے ہوئے بولی "مجھے.... مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ میرے سامنے ان.... انتخاب کی کوئی گنجائش نہیں ہے.... تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ مجھے تمہاری مرضی پر چلنا ہوگا۔ میں کل گھر پر رہ کر تمہاری ہدایات کا انتظار کروں گی۔"
اس نے پھر دوسری طرف کی بات سنی اور بے بسی سے کہا۔
"ٹھیک ہے.... میں کل ملازموں کو چھٹی دے دوں گی اور گھر پر بالکل تنہا رہوں گی.... لل.... لیکن میں اتنی التجا ضرور کروں گی کہ اگر تمہارا میرے گھر آنے کا ارادہ ہو تو مجھے پہلے سے فون کر دینا۔ ایسا نہ ہو کہ میں تمہارے دھوکے میں کسی چور یا ڈاکو کے لیے اپنے گھر کا دروازہ کھول دوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ آج کل شہر کے حالات بہت خراب اور غیر محفوظ ہیں۔"
چند ثانیوں بعد وہ فون بند کر کے صوفے کی پشت گاہ پر سر ٹکا کر یوں گہرے گہرے سانس لے رہی تھی جیسے اسی وقت میلوں دور سے دوڑتی ہوئی وہاں پہنچی ہو۔
مجھے یک طرفہ گفتگو سننے کے بعد مجموعی صورتِ حال کا اندازہ ہو چکا تھا۔ میں نے نادرہ کو چھیڑنے کی کوئی کوشش نہیں کی' بس ترحم آمیز نظروں سے اس کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے سینے کے زیر و بم اور چہرے سے پھوٹ نکلنے والے پسینے سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ حیف طرے سے بات کر کے وہ نفسیاتی دہشت میں مبتلا ہو چکی تھی۔
"وہ بھیڑ کی کھال میں چھپا ہوا بھیڑیا نکلا" سانسوں پر کسی حد تک قابو پانے کے بعد نادرہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی "اس کے بارے میں آپ کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ اس نے بہت شائستہ لب و لہجے میں بات شروع کی تھی لیکن میرا انکار سنتے ہی وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے مجھے ایسی ایسی گالیاں دینی شروع کر دیں کہ میں تصور نہیں کر سکتی۔ اس نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر کھلے الفاظ میں دھمکی دی کہ میں نے ان لوگوں کی ہدایت پر عمل نہیں کیا تو میری لاش کا قیمہ سمندری مچھلیوں کو کھلا دیا جائے گا" وہ ایک جھرجھری لے کر خاموش ہو گئی۔
"مجھے شبہ ہے کہ تم سے اپنا کام نکالنے کے بعد بھی وہ کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں" میں نادرہ کو ان دونوں کی طرف سے پوری طرح بددل کرنے کا ارادہ کر چکا تھا "لیکن میں تمہیں ان کے ناپاک عزائم سے محفوظ رکھوں گا۔ وہ اس کے گھر آنے والی بات کیا تھی؟ تم نے بہت اچھا کیا کہ اسے آنے سے پہلے فون کرنے کے لیے کہہ دیا۔"
"وہ کل کسی وقت میرے گھر آئیں گے اور بتائیں گے کہ آپ کو تلاش کرنے کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی "اس وقت حیف طرے نے جس انداز میں مجھ سے گفتگو کی ہے اس کی وجہ سے مجھے ان دونوں کا سامنا کرنے کے تصور سے بھی خوف آ رہا ہے۔ وہ پاگل اور جنونی معلوم ہوتے ہیں۔ پتا نہیں میری کس بات پر مشتعل ہو کر مجھے قتل کر ڈالیں۔"
"کچھ نہیں ہوگا" میں نے پُر اعتماد لہجے میں اسے تسلی دی۔ "میری خواہش تھی کہ تم ان دونوں کی طرف سے زیادہ دیر تک خوش فہمیوں میں مبتلا رہے بغیر ان کا اصل چہرہ دیکھ لو۔ یہ کام ہو گیا ہے۔ اب تم گھر جا کر آرام کرو۔ کل شام میں تمہارے گھر پہنچ جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے"
میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ اس وقت گیری ہارٹ اسلام آباد میں تھا اور امکان یہی تھا کہ وہ اس سے ملنے کے لیے حیف طرے کے ساتھ نہ آ سکے۔
وہ بہت زیادہ ہراساں تھی۔ وہ خاصی دیر تک میرے پاس رکی رہی۔ اس دوران میں غزالہ دو مرتبہ ڈرائنگ روم میں آئی اور ہماری گفتگو میں کوئی سرگرم حصہ لیے بغیر واپس چلی گئی۔
میں نادرہ کو گھر جا کر آرام کرنے کے لیے کہہ چکا تھا لیکن وہ وہاں سے اٹھتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ تنہا اپنے گھر لوٹنے میں جھجک رہی ہو لیکن اس میں اتنی ہمت بھی نہیں' تھی کہ وہ مجھ سے اپنے ساتھ چلنے کی فرمائش کر سکے۔
باتوں ہی باتوں میں مجھے پتا چلا کہ نادرہ اپنے گھر میں ایک ادھیڑ عمر ملازم کے ساتھ رہتی تھی۔ وہ شخص بیک وقت ڈرائیور' چوکیدار اور خانساماں کے فرائض انجام دیا کرتا تھا۔ گھر کے دیگر کام سر

انجام دینے کے لیے دن میں صفائی والی خادمہ کے علاوہ جزوقتی مالی آتا تھا جو اپنا کام پورا کرکے واپس چلا جاتا تھا۔ اس کا ادھیڑ عمر ملازم تندرست و توانا ضرور تھا لیکن بنیادی طور پر ایک شریف آدمی تھا اور کسی واردات کے رونما ہونے کی صورت میں کوئی قابلِ ذکر مزاحمت نہیں کرسکتا تھا۔

"اگر وہ پستول وغیرہ سے ہوائی فائر کرسکے تو میں تمہاری تسلی کے لیے کوئی پستول دے سکتا ہوں۔"

وہ افسردگی سے سرہلا کے بولی "میرے پاس باقاعدہ لائسنس یافتہ ریوالور ہے لیکن ایک ریوالور کسی بڑے حادثے کو ٹالنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بشیر خانساماں سے لے کر ڈرائیور تک کے فرائض انجام دے سکتا ہے لیکن مجھے معلوم ہے کہ فائر کرنا اس کے بس سے باہر ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو عمر بھر لڑائی جھگڑے سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ اس میں وہ مردانگی نہیں جو کسی عورت کو ڈھارس دے سکے۔"

نادرہ نے بشیر کا ذکر بڑے عجیب انداز میں کیا تھا۔ کم از کم مجھے نادرہ کے منتخب الفاظ عجیب ہی محسوس ہوئے تھے لیکن وہ میرا موضوع نہیں تھا۔ میں نے سمجھا بجھا کر نادرہ کو روانہ کر ہی دیا۔

میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ کسی بھی خطرے کی صورت میں وہ وقت کی پروا کیے بغیر مجھے فون کرسکتی تھی۔ اگلے روز میرے پہنچنے سے پہلے حیف طر کا فون آنے کی صورت میں بھی میں نے اسے فوری رابطے کی ہدایت کی تھی۔

نادرہ کے رخصت ہوتے ہی وہ تینوں کمرے سے باہر نکل آئے۔ فلیٹ میں اس دن بھی ایف ایم مائیکروفون اور ایف ایم بینڈ والا ریڈیو موجود تھا لیکن یہ ان کی شرافت تھی کہ انھوں نے میری اور نادرہ کی گفتگو سننے کے لیے وہ آلات استعمال نہیں کیے تھے۔

انہیں نادرہ کی آمد کا مقصد معلوم تھا۔ وہ میرے عزائم سے بھی باخبر تھے البتہ میرے کئی نظریات سے متفق نہیں تھے۔ انہیں خاص طور پر شبہ تھا کہ نادرہ میری اصلیت سے واقف ہونے کے بعد مجھ سے منحرف ہوجائے گی۔

نادرہ سے میری فیصلہ کن بات ہونے تک یہ نکتہ ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ مجھ سے حقیقی تعارف کے ساتھ ہی جب اسے اپنے نام نہاد ہمدردوں کا اصل چہرہ نظر آئے گا تو وہ مجھے آسانی سے نظرانداز نہیں کرسکے گی۔

"مخاطب کو تم اپنی باتوں کے جال میں بری طرح الجھا لیتے ہو۔" سلطان شاہ نے شکست خوردہ لہجے میں کہا "تمہارا یہ سلوک ہر ایک کے ساتھ یکساں ہوتا ہے۔ اس میں دوست اور دشمن کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔"

"میری باتیں اتنی ہی پُرفریب ہوتیں تو نادرہ کے آنے سے پہلے تمہیں میرا ہم خیال ہوجانا چاہیے تھا۔"

"غلطی انسانوں سے ہی ہوتی ہے، ہم میں سے کوئی فرشتہ نہیں ہے۔ اب احساس ہورہا ہے کہ تمہاری حکمتِ عملی کو تسلیم نہ کرکے ہم نے ایک غلطی کی تھی اور اب..."

ویرا نے سلطان شاہ کی بات کاٹ دی اور مجھے گھورتے ہوئے کہا "بلاوجہ وقت برباد کیا جارہا ہے۔ نادرہ کو اپنا ہم خیال بنانے میں تمہارا کوئی کمال نہیں ہے۔ آدمی کے سامنے موت چلی آرہی ہو اور اسے ایک طرف خشک کھائی اور دوسری طرف سمندر نظر آئے تو وہ اندھی کھائی میں کود کر اپنی ہڈیاں پسلیاں تڑوانے کے بجائے سمندر میں کودنے کو ترجیح دے گا... یہ بتاؤ کہ کل کے بارے میں تمہارا کیا پروگرام ہے۔"

"یہ تو وقت اور موقع محل کی مناسبت سے طے کیا جائے گا۔ اس وقت میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"وقت آنے سے پہلے بھی ذہن میں کوئی خاکہ موجود ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تم حبیف ملر کو نادرہ کے یہاں ڈنر نہیں کھلاؤ گے۔ جزئیات میں تبدیلیاں ہوسکتی ہیں' اصل منصوبہ نہیں بدل سکتا۔ تم یہ ضرور کہہ سکتے ہو کہ منصوبے میں کامیابی یا ناکامی کا دارومدار مقدر پر ہوگا۔"

"فی الحال میں حبیف کو زندہ پکڑنا چاہوں گا۔ اسے نادرہ کے مکان میں قید کیا جاسکتا ہے۔"

"اسے زندہ پکڑنے میں کیا مصلحت کارفرما ہے؟" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ ہمارا آخری یا سب سے بڑا حریف نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں اس کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ کی زیادہ اہمیت ہے اور ان دونوں سے کہیں زیادہ اہم راس المیڈا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حبیف کو زندہ رکھ کر ہم دونوں بڑی مچھلیوں پر ہاتھ ڈال سکیں..."

"کس طرح؟" ویرا نے مضطربانہ لہجے میں میری بات کاٹ دی۔

"میں وہی جاننا چاہ رہی ہوں۔"

"حبیف کی موت دوسروں کو چوکنا کردے گی۔ وہ زیادہ محتاط ہوجائیں گے۔ وہ زندہ رہا تو اس کی بازیابی کی کوششوں میں اس کے ساتھی غلطیاں کرسکتے ہیں۔ ہم ان غلطیوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔"

"اگر اسے مار کر خاموشی سے کہیں دفن کردیا جائے تب بھی اس کے اغوا کا تاثر پیدا کیا جاسکتا ہے۔"

"تم بھول رہی ہو کہ ہمارا واسطہ چالاک اور پیشہ ور دشمنوں سے ہے۔"

"چالاک اور پیشہ ور دشمن کو پہلی فرصت میں پیوندِ خاک کرنا پڑتا ہے۔"

"حبیف اچانک غائب ہوا تو گیری وغیرہ بھڑک جائیں گے۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ اسے ماردیا گیا ہے۔ حبیف کسی نہ کسی کو بتا کر آئے گا کہ وہ کہاں جارہا ہے۔ ایسی صورت میں گیری ہارٹ' نادرہ کے پیچھے پڑجائے گا۔ ہم حبیف کے ذریعے فون پر گیری وغیرہ کو یہ تاثر دے سکتے ہیں کہ اس معاملے میں نادرہ کے ہاتھ صاف ہیں۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے' وہ ہماری کارکردگی کا نتیجہ ہے۔ انھیں دو تین مرتبہ حبیف کی آواز سنوا کر ہم بہت زیادہ مضطرب کرسکتے ہیں۔"

اس وضاحت پر سب ہی خاموش ہوگئے لیکن ہر ایک کے

○☆○

کراچی میں شہری نظم ونسق کی گرفت اس قدر ڈھیلی تھی کہ میں نے اپنی شناخت ظاہر کیے بغیر ایک مناسب فلیٹ کرائے پر حاصل کرلیا تھا۔ نادرہ پیشگی رقم کی جھلک دیکھ کر اور اسٹیٹ ایجنٹ اپنے کمیشن کے چکر میں ایسا مرعوب ہوا کہ شناختی کارڈ کے بغیر ہی کرائے داری کا معاہدہ طے پاگیا۔ اس تجربے سے فائدہ اٹھا ہوئے میں نے اگلی صبح سلطان شاہ کو معقول رقم دے کر روانہ کی اور وہ صرف تین گھنٹے بعد چار سال پرانی ایک ٹویوٹا کار خرید کر آیا۔ جہانگیر کی سیاہ اکارڈ واپس کردینے کے بعد ہمیں اپنی ہنگا ضروریات کے لیے ایک ایسی گاڑی کی ضرورت تھی جسے خطر کے وقت بے خوف وخطر ہوکر کہیں بھی چھوڑا جاسکے۔ سلطان شا نے وہ کار فرضی نام اور اسی نام پر بنوائے ہوئے شناختی کارڈ حاصل کی تھی۔ کاغذات پرانے مالک کے نام پر تھے جن پر ملکیت تبدیل کرانا یا نہ کرانا ہمارے اختیار میں تھا۔ وہ کار کسی واردا میں ملوث ہوتی تو پولیس یقیناً اس کے قانونی مالک تک پہنچتی لیکن قدرے الجھنوں کے بعد تحویل کی اس رسید کی مدد سے جو گاڑی قبضہ لینے کے دن' وقت اور مقام وغیرہ کے بارے میں تحریر کی جا ہے' بری الذمہ ہوسکتا تھا۔ اس کی وہ گلوخلاصی عارضی ثابت ہوتی۔ نئے خریدار کا نام اور پتا فرضی ثابت ہوتے ہی وہ دوبا عتاب میں آجاتا۔ ایسے واقعات کا اوسط شاید ہزاروں میں ای آدھ ہی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سادے کاغذات پر دستخط کے سا پرانی گاڑیوں کا لین دین پورے زور شور سے جاری تھا۔ دس د فروخت ہونے کے بعد بھی گاڑی قانونی طور پر دن اونر یا پہلے مالک کی ملکیت کہلاتی تھی۔ وہ بازار کے چلن کی ایک سنگین خرا تھی لیکن اس کی وجہ سے ہمارا ایک مسئلہ حل ہوگیا تھا۔

میں نے اپنا پروگرام کچھ اس طرح ترتیب دیا تھا کہ مجھے کچھ ہتھیاروں' دستی بموں' بارودی سرنگوں اور بیم گن کے سا سرِشام نادرہ کے مکان پر پہنچ جانا تھا۔ سلطان شاہ گاڑی میں دور سے اس مکان کی نگرانی کرتا رہتا۔ ویرا اور غزالہ کو فلیٹ پر ر فون کا خیال کرنا تھا۔

ہر ایک کے فرائض کا تعین کرنے کے بعد میں نے اپنے سا لے جانے والے ہتھیاروں کا انتخاب کیا اور انہیں ایک ڈبے حفاظت سے پیک کرنے کے بعد فلیٹ سے نکل کھڑا ہوا۔

سلطان شاہ کو میں نے نادرہ کے مکان کا پتا اور محلِ وق سمجھادیا تھا اس لیے اُس کا میرے ساتھ جانا ضروری نہیں سوسائٹی کے ساتویں اور آٹھویں بلاک میں واقع اس مختصری خو حال بستی میں نادرہ کا گھر تلاش کرنا قطعاً دشوار نہیں تھا۔ متو آباد کی ایک گلی میں مڑتے ہی مجھے نادرہ کے مکان کا نمبر نظر میں نے قدرے آگے جاکر ٹیکسی والے کو فارغ کیا اور اپنے گیر ڈبے کو تھیلے میں لیے واپس ہولیا۔

میرے وہاں پہنچنے سے پہلے نادرہ دو مرتبہ فون پر مجھ سے با کرچکی تھی۔ اس کی آواز سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ حبیف ملر کی آمد کی بنا پر بہت زیادہ خوف زدہ تھی اور جوں جوں اس بدنا امریکن کی آمد کا وقت قریب آتا جارہا تھا' نادرہ کے اعصابی تناؤ اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

میری اس سے ملاقات ہوئی تو اس کی آنکھیں متورم تھیں

وہ خوف کے باعث رات کو سکون سے سو بھی نہیں سکی تھی۔
یے ساتھ مجھے موجود پا کر نادرہ کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔
بشیر ایک جاذب نظر اور متین شخص تھا۔ ادھیڑ عمری کے باعث
ی کنپٹیوں کے بال بالکل سفید ہو چکے تھے لیکن سر کے باقی حصے
جود گھنے بالوں میں سفیدی کے ساتھ سیاہی بھی نمایاں تھی۔ وہ
بلا بدن اور دراز قامت کا مالک تھا۔ اس کی آنکھوں سے گہری
اری کا اظہار ہوتا تھا۔

اس پلاٹ کا رقبہ کافی وسیع تھا لیکن غنی نے شاید اپنی محدود
ریات کی بنا پر ایک گوشے میں دو منزلہ عمارت بنوائی ہوئی تھی۔
مختصر سی عمارت میں نچلی منزل پر ڈرائنگ اور ڈائننگ روم کے
مہمان داری کے لیے ایک الگ تھلگ خواب گاہ موجود
کچن بھی اسی منزل پر تھا۔ کچن سے ملے ہوئے اندرونی زینے
ی منزل کی طرف جا رہے تھے۔ نادرہ نے بتایا کہ اوپر تین
ب گاہیں تھیں جن میں سے ایک بشیر کے تصرف میں تھی۔ وہ
ی شادی سے پہلے غنی کا ملازم تھا اور اس کے ساتھ رہتا تھا۔
نادرہ اپنے اس پرانے ملازم سے بہت تحکم سے بات کرتی تھی
وہ سر جھکا کر اپنی مالکن کے حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ اس کے باوجود
ان دونوں کے تعلق میں ایک غیر محسوس سی گہرائی معلوم
ہی تھی۔ میں کئی مرتبہ دھیان دینے کے باوجود اپنے اس
اس کو کوئی معنے نہیں پہنا سکا۔

مکان کا ایک سرسری جائزہ لینے کے بعد میں حبیب ملر کو
انوں والے کمرے میں قید کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا کہ نادرہ نے
کچن کے عقب میں لے جاتے ہوئے اس مکان میں ایک تہ
نے کی موجودگی کا انکشاف کیا۔

تہ خانے کا راستہ مکان کے زینوں سے بالکل الگ، کچن کے
ب میں تھا۔ اس بند دروازے کو دیکھ کر کسی اسٹور روم کا گمان
تا تھا۔ نادرہ نے وہ مضبوط دروازہ کھولا تو نیچے جانے والے نیم
شن زینے ظاہر ہو گئے۔ اس نے باہر لگا ہوا سوئچ دبا کر زینوں کا
بے روشن کر دیا۔

وہ تہ خانہ بہت کشادہ اور صاف ستھرا تھا۔ ہر طرف سپاٹ
اریں ہونے کے باوجود تہ خانے میں تازگی کا احساس تھا۔ وہاں
ک خواب گاہ کی جملہ ضروریات موجود تھیں۔ ایک گوشے میں
ک سے بنا ہوا باتھ روم بھی نظر آ رہا تھا۔ نادرہ نے بتایا کہ تہ
نے میں اس طرح سے دوہری دیواریں بنائی گئی تھیں کہ وہاں تازہ
ا کا گزر ہونے کے باوجود اندر کی آوازوں کا باہر سنا جانا ممکن
ں تھا۔ باتھ روم وغیرہ کے استعمال شدہ پانی کے نکاس کے لیے
ک ٹینک ایک خودکار پمپ سے منسلک تھا اور ٹنکی میں آبی سطح
ھنے پر خود بہ خود چل پڑتا تھا۔

غنی جیسے منشیات فروش کی مشتبہ سرگرمیوں کے لیے ایسے کسی
آسائش اور خفیہ تہ خانے کا وجود باعثِ حیرت نہیں تھا۔ مشکوک
ملاقاتوں کے قیام، ذاتی روپوشی اور خفیہ اجلاسوں کے لیے ایسا ایک
ٹھکانا اس کی بنیادی ضروریات میں شامل ہو سکتا تھا۔

اس گھر میں حبیب ملر کے لیے اس سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں ہو سکتی تھی۔

میں نے اپنے ساتھ لایا ہوا بارودی ساز و سامان ڈرائنگ روم میں ایک صوفے کے عقب میں رکھا تھا لیکن گیری ہارٹ کے ماتحت انسپکٹر حبیب ملر کے لیے متبادل جگہ ملتے ہی میں نے وہ ڈبا گیسٹ بیڈ روم میں پہنچا دیا۔ اس کمرے کا محلِ وقوع ایسا تھا کہ میں وہاں پوشیدہ رہ کر نادرہ کے گھر کی نچلی منزل کے بیشتر حصے پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔

میں اپنے ساتھ دستی بم اور چند بارودی سرنگیں لے آیا تھا لیکن میرا انہیں استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ کسی مرحلے پر جان پر بن جاتی تو وہ دھماکا خیز شعبدے حیرت ناک کام دکھا سکتے تھے میں انہیں ڈبے سے نکال کر جائزہ لے رہا تھا کہ نادرہ چائے کی سجی ہوئی ٹرالی لیے وہیں آ پہنچی۔ وہ بادی النظر میں ان اشیا کی نوعیت کو نہیں سمجھ سکی۔ دور سے دیکھنے میں وہ سب رنگین گیندوں، بیضوں اور کھلونے سے مشابہ تھیں۔

"ارے! آپ تو یہاں آتے ہی کھلونے لے بیٹھے" وہ آتے ہی بے ساختہ بولی۔

"یہ خاصے خوں خوار کھلونے ہیں۔ ذرا سی بے احتیاطی سے میرے ہاتھ میں بھی پھٹ سکتے ہیں... عرفِ عام میں انہیں چھوٹے دستی بم وغیرہ کہتے ہیں" میں نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے بتایا اور بے یقینی سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"تو کیا حبیب ملر کو بے دست و پا کرنے کے لیے ان کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے؟"

"ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے یہ سب ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے تمہارے ساتھ بدتمیزی کرنی پڑے۔ ایک آدھ فائر بھی ہو سکتا ہے۔ اسے یقین ہونا چاہیے کہ میں دہشت بن کر اس پر نازل ہوا ہوں۔"

"یہ سب کیے بغیر آپ بشیر کی مدد سے اچانک حملہ کر کے اسے بے دست و پا کر سکتے ہیں۔"

"اس طرح تم بھی اس کی نظروں میں آ جاؤ گی۔ میں اس کے ذہن میں یہ بات ڈالنی چاہتا ہوں کہ تم اس کے ساتھ مخلص ہو مگر میں نے اپنے طور پر تم دونوں کو گھیرا ہے۔ جب تک میرا نام درمیان میں نہ آئے، تم مجھ سے اجنبی بنی رہو گی۔ یہ بات بشیر کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کرا دینا۔"

"بشیر کے بارے میں آپ فکر نہ کریں۔ وہ قابلِ اعتماد آدمی ہے۔"

"ملازمت کے علاوہ بھی تمہارا اور اس کا کوئی تعلق ہے؟" میں نے دھیمے سے پوچھا۔

"نن.... نہیں، بالکل نہیں" وہ مجھ سے نگاہیں چار کیے بغیر بولی۔
"آپ کو یہ خیال کیسے آ گیا؟"

"بس ایسے ہی" میں نے بات گھماتے ہوئے کہا "بعض خدا ترس لوگ اپنے مفلوک الحال رشتے داروں کو بھی اچھی ملازمت پر رکھ لیتے ہیں تاکہ ان کی عزتِ نفس کو مجروح کیے بغیر ان کی مدد کرسکیں۔"

"نہیں" میری وضاحت سن کر نادرہ کے چہرے پر اطمینان کی سرخی پھیل گئی "وہ میرا یا غنی کا رشتے دار نہیں 'بس پرانا ملازم ہے.... یہ بات میں آپ کو پہلے بھی بتا چکی ہوں۔"

"مجھے ہلکا سا شبہ ہوا تھا۔ اس کی وفاداری اور فرماں برداری میں کچھ ذاتی لگاؤ بھی جھلکتا ہے۔"

"آپ کا وہم ہے" اس نے فوراً ہی بات اڑا دی "یہ بتائیں کہ حیف طرتہ خانے میں بند رہے گا تو کیا اسے معلوم نہیں ہوجائے گا کہ میں آپ کے ساتھ ملی ہوئی ہوں؟"

"وہ اس گھر کی بناوٹ سے لاعلم ہے۔ میں اس کو زیر کرتے ہی بے ہوش کردوں گا اور اسی حالت میں اس کے ہاتھ پیر باندھ کر تہ خانے میں منتقل کردیا جائے گا۔ اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں ہوسکے گا کہ اسے کہاں قید کیا گیا ہے۔ جب بھی ضروری ہوا 'میں ہی اس کا سامنا کروں گا' تم تہ خانے میں نہیں جاؤ گی۔"

"اسے قید میں رکھ کر آپ کیا مطلب حاصل کرنا چاہتے ہیں؟" وہ کچھ الجھ رہی تھی۔

"پہلی بات یہ ہے کہ گیری ہارٹ اس وقت کراچی سے باہر ہے۔ حیف طر کو پکڑ لینے کے بعد میں اس کے باس کو گھیرنا چاہتا ہوں۔ ان دونوں کی قسمتوں کا فیصلہ اسی وقت کیا جائے گا جب تمہارا بیٹا امریکا سے بخیروعافیت کراچی پہنچ جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ میں اسی جھٹکے میں غنی کی رہائی کی سودے بازی کرنے میں بھی کامیاب ہوجاؤں۔"

وہ خوش ہوگئی "آپ واقعی بہت دور تک سوچتے ہیں.... کاش سب کچھ اسی طرح ہوجائے۔ کامیابی اور ناکامی تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے لیکن میں ان کوششوں پر آپ کا شکریہ ادا نہیں کرسکتی۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی کی واضح آواز نے نادرہ کو چونکا دیا اور وہ تقریباً دوڑتی ہوئی میرے کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی۔ میں نے فوراً دروازہ بند کرلیا اور کمرے کی روشنی گل کرکے پتلی سی کھڑکی کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔

وہ میری توقع سے کہیں پہلے لوٹ آئی۔ کمرے میں اندھیرا دیکھ کر وہ چونکی اور باہر ہی رک گئی۔ اس اثنا میں 'میں خود کمرے سے لابی میں نکل آیا۔

"وہ دس منٹ میں یہاں پہنچ رہا ہے۔ اپنی شناخت کے لیے وہ تین بار مختصر سا ہارن بجائے گا اور گاڑی سمیت اندر آئے گا" وہ ہانپتے ہوئے ایک ہی سانس میں کہتی چلی گئی۔

"آنے دو۔ میں اسی کمرے میں سے اس پر نگاہ رکھوں گا اور مناسب موقع پر اچانک سامنے آجاؤں گا۔ تمہیں ایک بہت اہم کام کرنا ہے۔ وہ اکیلا ہو تو داہنے ہاتھ سے اپنے سر پر کھجا لینا۔ یہ خیال رہے کہ اس وقت یہ کمرا تمہاری نگاہوں کی رسائی میں ہوگا۔ اکیلا نہ ہو تو تمہیں سر تک ہاتھ لے جانے کی ضرورت نہیں۔"

"مجھے یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے میں کسی جاسوسی ڈرامے میں کوئی کردار ادا کرنے والی ہوں" وہ خوف زدہ سی ہنسی کے ساتھ بولی اور واپسی کے لیے مڑ گئی "میں ذرا بشیر کو بھی ہدایات سمجھا دوں۔"

اس بار میں نے گیسٹ بیڈ روم کی تاریک کھڑکی کے پیچھے کرسی جمائی اور پردے کا ایک گوشہ قدرے سرکا کر اپنے مشاہدے کے لیے جگہ بنائی۔ اس مقام سے پوری لابی اور ڈائننگ روم سمیت ڈرائنگ روم کا خاصا بڑا حصہ صاف نظر آرہا تھا۔

حیف طر کے آنے کے بعد سے اس ڈرامے کے اختتام تک میرا ہر لمحہ مصروفیت میں گزرتا اس لیے میں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سگریٹ سلگالی اور اپنے پورے منصوبے کا تنقیدی جائزہ لینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد باہر کسی گاڑی کے ہارن کی مختصر سی آواز گونجی پھر وقفے وقفے سے وہی آواز تین مرتبہ سنائی دی۔ میں نے غیر ارادی طور پر سگریٹ اپنے جوتے کے تلے سے مسل کر بجھادی۔

نادرہ کے مکان کا چوبی گیٹ کھلنے کی تیز آواز مجھے اس کمرے تک سنائی دی۔ شاید چوبی پھاٹک کے سال خوردہ قبضوں کو دانستہ تیل نہیں دیا گیا تھا تاکہ اندر رہنے والوں کو پھاٹک کی ہر جنبش کا علم ہوسکے۔ میں گاڑی کے اندر آنے کی آواز نہیں سن سکا کیونکہ فضا اچانک ہی کسی ست رفتار ٹرین کے پہیوں کی آہنی رگڑ اور کل پرزوں کے شور سے لرزنے لگی تھی۔

قریبی ریلوے لائن سے آنے والی وہ آوازیں گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ میرے اعصاب کے لیے ناقابلِ برداشت ثابت ہو رہی تھیں۔ وہ غالباً کوئی لمبی مال گاڑی تھی جو گنجان آبادی کے وسط سے گزر رہی تھی۔ اس کا دور ہوتا ہوا انجن مختصر وقفوں سے طویل سیٹیاں بجا رہا تھا۔

آخر مجھے ڈرائنگ روم میں نادرہ نظر آئی۔ وہ برآمدے کی سمت سے وہاں نمودار ہوئی تھی اور اکیلی تھی۔ وہ کچھ پریشان سی تھی۔ ڈرائنگ روم میں اندر آنے کے بعد اس نے لمحہ بھر کے لیے گیسٹ بیڈ روم کی طرف دیکھا اور اس کا داہنا ہاتھ سر کی طرف چلا گیا۔ انگلیوں سے اپنے بال کریدتے ہوئے وہ واپس چل دی۔

میرے لیے وہ خبر اطمینان کا باعث تھی کہ حیف طر اکیلا ہی آیا تھا۔ وہ نادرہ کے گھر میں اجنبی ضرور تھا مگر پیشہ ور ہونے کی وجہ سے اس کی جبلی خصوصیات اپنا کام دکھا رہی تھیں۔ اس نے شاید ایسے کسی کمرے کا رخ کرنے سے انکار کردیا تھا جہاں نادرہ اسے لانا چاہ رہی تھی۔ غالباً اسی مجبوری کی وجہ سے نادرہ کسی بہانے سے اکیلی ڈرائنگ روم میں آئی تھی تاکہ مجھے مطلوبہ اطلاع دے سکے۔

مجھے حیرت تھی کہ اگر حیف طر نے خود ڈرائنگ روم میں آنے سے انکار کردیا تھا تو اس نے نادرہ کو وہاں آنے کی اجازت کیوں

دی؟ اگر اس نے اجازت دے ہی دی تھی تو یقیناً چھپ کر یہ دیکھتا رہا ہوگا کہ نادرہ کیا کرنے کے لیے اندر آئی تھی۔ نادرہ کا سر کھجانے کا انداز خاصا فطری اور سوچ بچار کا تھا۔ اس وقت میں صرف امید ہی کرسکتا تھا کہ جیف نے نادرہ کی اس حرکت کا مفہوم نہ سمجھا ہو۔

میں نے بس چند ثانیوں تک وہاں رک کر ان کے نمودار ہونے کا لاحاصل انتظار کیا پھر خود ہی باہر نکلنے کا فیصلہ کرکے حرکت میں آگیا۔

وہ گیسٹ بیڈ روم تھا۔ اس کا ایک دروازہ مکان کی اندرونی سمت میں واقع لابی میں کھلتا تھا۔ دوسرا دروازہ عمارت کے بغلی رخ پر تھا۔ اگر جیف ملر برآمدے میں ہی رکا ہوا تھا تو میرا مکان میں داخل ہونا چوہے دان میں پھنسنے کے مترادف ہوسکتا تھا۔ میں نے تاریک کمرے میں احتیاط سے بغلی سمت کا دروازہ کھولا اور آہستگی سے باہر رینگ گیا۔

نادرہ کے مکان کے وسیع احاطے میں بہت زیادہ روشنی کا بندوبست نہیں تھا اور مکان کے دو طرفہ وسیع لان کے مقابلے میں عمارت خاصی مختصر تھی۔ اگر میں عمارت کو چھوڑ کر احاطے کی دیوار سے لگ کر برآمدے کے سامنے پہنچنے کی کوشش کرتا تو عین ممکن تھا کہ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے جیف ملر میری گولی کی رینج سے باہر ہوجاتا اور میرے مناسب فاصلے پر پہنچنے سے پہلے ہی مجھے دیکھ لیتا۔ بیم گن بے آواز اور حد سے زیادہ مہلک ضرور تھی لیکن اس میں بڑی خرابی یہ تھی کہ اس کی مار پستول یا ریوالور کی گولی سے بہت کم تھی۔

میں نے پلک جھپکتے میں عمارت کے قریب رہنے کا فیصلہ کیا اور مسلح ہوکر دیوار کے ساتھ ساتھ سامنے بڑھنا شروع کردیا۔ عمارت کے کونے پر پہنچتے ہی مجھے جیف ملر کی چمکتی ہوئی سرخ بی ایم ڈبلیو نظر آگئی۔ شاید وہ خود ہی گاڑی چلا کر وہاں تک پہنچا تھا۔

میری محتاط پیش قدمی جاری رہی۔ برآمدے کا ایک حصہ نظر آنے لگا جو خالی پڑا ہوا تھا۔ میں کسی چیتے کی سی عیاری سے بڑھتے بڑھتے ایسی جگہ پر پہنچ گیا جہاں سے پورا برآمدہ نظر آرہا تھا اور وہاں چھائی ہوئی ویرانی میرا منہ چڑا رہی تھی۔ سن گن لینے کے باوجود مجھے جیف ملر یا نادرہ کی کوئی آواز نہیں سنائی دی۔

برآمدے کی سمت میں ڈرائنگ روم کے دروازے کے ساتھ ہی کھڑکیاں بھی واقع تھیں۔ دروازہ بند تھا اور کھڑکیوں پر دبیز پردے کھنچے ہوئے تھے لیکن کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کہاں کون موجود ہو۔ میں نے رکوع کی حالت میں آگے بڑھتے ہوئے ہر طرف نگاہیں دوڑالیں لیکن کہیں کسی ذی روح کا سایہ تک نظر نہیں آیا۔

میں تیزی سے برآمدے میں چڑھ کر ڈرائنگ روم کی دیوار سے چپک کر کھڑا ہوگیا۔

اس وقت میرا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ جیف اور نادرہ کے اچانک غائب ہوجانے سے صورتِ حال یک بہ یک بہت خطرناک بلکہ پُراسرار ہوگئی تھی۔

میری نگاہیں تیزی سے حرکت کررہی تھیں، کان ہر آواز پر لگے ہوئے تھے۔ خطرے کو گردوپیش میں موجود پاکر میرے حواسِ خمسہ اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ بیدار ہوچکے تھے اور چھٹی حس رہ رہ کر ان پر خطرے کے کوڑے برسا رہی تھی کہ اچانک ہی بند دروازے کے پیچھے سے کسی غیر ملکی کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔

میں نے پھرتی سے اپنی جگہ تبدیل کرکے دروازے سے کان لگادیے۔ کھڑکی بند ہونے کی وجہ سے اندر کی آوازیں باہر نہیں سنائی دے رہی تھیں۔ مرد کے خاموش ہونے پر نادرہ کی آواز آئی۔ میرے لیے وہ بس مردانہ اور زنانہ آوازیں تھیں۔ ان کا کوئی مفہوم سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

میں اپنی عجلت پر دل ہی دل میں خود کو لعنت ملامت کرنے لگا۔ اگر میں ذرا سی دیر گیسٹ بیڈ روم میں رکا رہتا تو اتنی غیر یقینی صورتِ حال سے دوچار ہونے کے بجائے جیف پر حاوی ہوتا۔ شاید اس نے نادرہ کو چکر میں ڈالنے کے لیے اندر جانے میں تردّد کیا تھا اور اطمینان کرلینے کے بعد ڈرائنگ روم میں جابیٹھا تھا۔

وہ میرے منصوبے سے بالکل لاعلم تھا لیکن اس نے اپنی پیشہ ورانہ جبلّت کی بنا پر جو چال چلی تھی، وہ بہت کامیاب رہی تھی۔ میں ہڑبڑا کر اپنی کمین گاہ سے کھلی فضا میں نکل آیا تھا، جیف ملر کھلے خطرات سے بچ کر دیواروں کے محفوظ حصار میں جابیٹھا تھا۔

میں نے کوئی آواز پیدا کیے بغیر دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔ میری توقع کے عین مطابق ہفضی قفل چوکھٹ کے سوراخ میں پھنسا ہوا تھا۔ ہینڈل گھمائے بغیر دروازہ کھولنا ناممکن تھا۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ اندر گھسنے کے بعد جیف نے دروازہ مقفل یا بولٹ کردیا ہو۔ ایسی صورت میں دستے پر زور آزمائی کرکے بھی دروازہ نہیں کھولا جاسکتا تھا۔ میں نے وہ خطرہ مول لینے کا ارادہ فوراً ترک کردیا۔

میں نے دوبارہ گیسٹ بیڈ روم کا رخ کیا اور پنجوں کے بل دوڑ لگادی۔

مجھے دوبارہ اس تاریک کمرے میں پہنچنے میں ایک منٹ بھی نہیں لگا لیکن اعصابی انتشار اور برق رفتاری کی وجہ سے میرا سانس قابو سے باہر ہونے لگا۔

میں نے گیسٹ بیڈ روم کی کھڑکی میں سے باہر جھانکا تو مجھے وہ دونوں خوب صورت ڈرائنگ روم میں ایک دوسرے سے مناسب فاصلے پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ بشیر دونوں ہاتھ باندھے اپنی مالکن کے صوفے کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ شاید جیف نے حفاظتی نقطۂ نظر سے اسے باہر جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔

جیف ملر میری توقع کے برعکس متوسط قامت اور گٹھے ہوئے کسرتی جسم کا مالک تھا۔ وہ عمر رسیدہ اور گھاگ ہونے کے باوجود چست و چالاک نظر آرہا تھا۔ اس کے دونوں جبڑوں کی لٹکی ہوئی کھال کی وجہ سے اس کا چہرہ کسی خوفناک بلڈاگ کے چہرے کی طرح نظر آرہا تھا۔

جیف اپنے صوفے کے کنارے پر بیٹھا نہایت انہماک سے

ہاتھ لہرالہرا کے نادرہ کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دوران میں وہ باربار ڈرائنگ روم کی اس سمت میں دیکھتا جارہا تھا جدھر داخلی دروازہ واقع تھا۔

میں اپنی کمین گاہ کا داخلی دروازہ کھول کر روشن لابی میں نکل گیا۔ وہاں سے ان تینوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا البتہ حبیف کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

میں نے داہنی دیوار سے چپک کر پنجوں کے بل ڈرائنگ روم کی طرف بڑھنا شروع کردیا۔ حبیف ملر کی بھاری اور بلغمی آواز بتدریج واضح ہونے لگی۔ وہ نادرہ کو سمجھارہا تھا کہ ڈینی ایک وحشی درندہ تھا جسے پہلی فرصت میں جال میں پھانسنا ضروری تھا ورنہ وہ غنی کی طرح ہزاروں معصوم انسانوں کی زندگیاں تباہ کرسکتا تھا۔ وہ زوردار اور پُرپیچ الفاظ میں بہت کچھ کہہ رہا تھا لیکن اس کی باتوں کا متن یہی تھا۔

میں لابی کی بغلی دیوار عبور کرکے لابی اور ڈرائنگ کے درمیان بنی ہوئی مختصری آرائشی دیوار تک پہنچا تو حبیف مجھ سے بمشکل بارہ تاپندرہ فٹ کے فاصلے پر تھا۔ میں کسی لمحے ایک قدم بڑھا کر دیوار کی اوٹ سے نکلتا اور اسے اپنی زد میں لے سکتا تھا۔

وہ فاصلہ اتنا مناسب تھا کہ میں فائر کے دھماکے کا خطرہ مول لیے بغیر بیم گن استعمال کرسکتا تھا۔

میں نے ریوالور جیب میں رکھ کے بیم گن داہنے ہاتھ میں تھامی اور چشم زدن میں اپنی جگہ سے اچھل کر ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا "تینوں ہاتھ اٹھالو...." میں نے سفاکانہ لہجے میں اپنی بات شروع ہی کی تھی کہ حبیف کا گود میں رکھا ہوا ہاتھ حرکت میں آیا اور اس نے قریبی تپائی پر سے ایک ایش ٹرے اٹھا کر روشن برقی فانوس پر کھینچ ماری۔ فضا میں بلور اور شیشے کے ٹکڑوں کے ٹوٹنے کا پُرشور دھماکا ہوا' متعدد روشن بلب ٹوٹ گئے لیکن ڈرائنگ روم تاریکی میں نہیں ڈوب سکا۔

اس بڑے فانوس کے کرسٹلز میں چند بلب بدستور روشن تھے۔ ان کے علاوہ ایک دیوار گیر لائٹ بھی روشن تھی۔ حبیف ملر نے خطرہ بھانپ لیا تھا۔ ایش ٹرے پھینکتے ہی اس نے اپنی جگہ چھوڑدی تھی۔ وہ اپنی غیر متوقع اور تیز ترین نقل و حرکت سے میری قوتِ فیصلہ کو مفلوج کرکے جارحانہ حملے کی مہلت حاصل کرنی چاہ رہا تھا۔

خطرہ صرف حبیف کو نہیں تھا' مجھے بھی اس کی طرف سے اسی قدر شدید خطرہ تھا۔ میری ذراسی چوک یا غفلت میری مکمل بربادی پر منتج ہوسکتی تھی۔

حبیف ملر حرکت میں آیا ہوا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ مسلح نہیں تھا۔ نادرہ اور بشیر نے مجھے دیکھتے ہی دہشت زدہ ہونے کی بہترین اداکاری شروع کردی تھی۔ وہ دونوں اپنے اپنے ہاتھ بلند کیے خوف سے لرز رہے تھے۔ ڈرائنگ روم کی فضا میں ان کی ہکلاتی اور کپکپاتی ہوئی بے معنی آوازوں کے علاوہ صرف حبیف ملر کی گندی گندی گالیاں گونج رہی تھیں۔ وہ ان سفلہ فطرت لوگوں میں سے معلوم ہوتا تھا جو اشتعال کے عالم میں نفاست اور شائستگی کے خول کو دور پھینک کر بدکلامی اور گالم گلوچ پر اتر آتے ہیں۔

"تم... ولدالحرام.... کتیا کے جنے.... میں تمہیں پیس کر رکھ دوں گا۔"

چند لمحوں کی مہلت میں وہ بس اسی قدر کہہ سکا۔ بیم گن میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس کے استعمال میں فائر کا جھٹکا نہیں ہوتا تھا' اسے کلائی سیدھی کیے بغیر بھی چلایا جاسکتا تھا۔

میں نے بیم گن کے نوزل کا رخ اس کے گھٹنوں کی طرف کرکے ٹریگر دبادیا۔

نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی دھار اس کی داہنی پنڈلی پر پڑی' آہنی پٹڑیوں پر پہیوں کی گڑگڑاہٹ میں کسی انجن نے تیز وسل بجائی' فضا میں گوشت و پوست اور ہڈی کے جل اٹھنے کی وحشت ناک اور ناقابلِ برداشت بدبو پھیلی اور حبیف ملر کی داہنی پنڈلی نے اس کے وجود کا بوجھ سہارنے سے انکار کردیا۔

داہنے گھٹنے سے ذرا نیچے سے اس کی پنڈلی الگ ہو کر ایک طرف جاگری۔ اذیت سے حبیف ملر کا چہرہ مسخ ہوگیا اور وہ توازن خراب ہونے کی بنا پر منہ کے بل قالین پر گرگیا۔ اس کے پھیلے ہوئے دہانے سے اندازہ ہوا کہ وہ پوری قوت سے چیخا تھا لیکن اس کی آواز اسٹیم انجن کی تیز وسل میں دب کر رہ گئی۔

میں نے بڑھ کر پوری قوت سے اس کے سر پر ٹھوکر رسید کرنی چاہی' حبیف نے اسی لمحے اپنی دونوں ہتھیلیاں قالین پر ٹیک کر اپنا دھڑ اوپر اٹھانا چاہا اور میری ٹھوکر نے اس کا چہرہ ادھیڑ کر رکھ دیا۔ اس بار حبیف کی چیخ میں نے واضح طور پر سنی کیونکہ انجن کی وسل خاموش ہوچکی تھی اور فضا میں صرف پہیوں کی گڑگڑاہٹ باقی رہ گئی تھی۔

"میں تم تینوں کا حشر خراب کردوں گا" میں نے سفاکی سے کہا۔ "میرا نام ڈینی ہے.... میرا برا چاہنے والے آج تک روئے زمین پر نہیں پنپ سکے۔"

میرے لیے حبیف ملر کا چہرہ اجنبی تھا لیکن وہ میرے نام بتانے سے پہلے مجھے پہچان چکا تھا۔ وہ نفرت اور حقارت سے مجھے برا بھلا کہتا رہا۔ میری ٹھوکر سے آنے والے زخموں سے خون رسنے کے باعث اس کا چہرہ خون میں رنگنے لگا تھا۔ میں نے اس تصادم کو طول دینے کے بجائے اس کی کنپٹی پر دوسری ٹھوکر رسید کی اور وہ تیورا کر ایک طرف لڑھک گیا۔ اس کے بدن سے کٹی ہوئی پنڈلی چند لمحوں تک اچھلنے اور تڑپنے کے بعد سرد ہوچکی تھی۔ حبیف بھی دو تین جھرجھریاں لینے کے بعد تقریباً بے جان سا ہوگیا۔

نادرہ اپنے ملازم سمیت بدستور ہاتھ اٹھائے کھڑی ہوئی تھی۔ میرے ساتھ ملی بھگت ہونے کے باوجود وہ بہت زیادہ ہراساں نظر آرہی تھی۔ شاید اس نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے ایسا سفاکانہ تصادم نہیں دیکھا تھا۔

میں نے جھک کر حبیف ملر کا جائزہ لیا۔ وہ پوری طرح بے ہوش

تھا۔ اسے ہلا جلا کر اپنا اطمینان کرنے کے بعد میں نے از:
کو ہاتھ گرانے کی ہدایت کی اور بیم گن جیب میں رکھ لی۔
ٹک.... کیا آپ نے اسے مار دیا ہے؟" نادرہ نے میرے
آتے ہوئے خوف زدہ آواز میں پوچھا۔
"ابھی نہیں" میں نے سرد مہری سے کہا "ابھی تو یہ لڑائی میں
ہوئے سانڈ کی طرح بے ہوشی میں ہانپ رہا ہے۔ فی الحال یہ
حالت میں میرا قیدی رہے گا۔ ابھی اس کا وقت پورا نہیں
"
میں نے بشیر کو ہدایت کی کہ وہ حیف کے ہاتھ پیر باندھ دے۔
معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ زبانی منصوبہ بندی کے دوران
اسے اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ حالات اس قدر پُر تشدد رخ بھی
ار کرسکتے ہیں۔ وہ نائیلون کی مضبوط ڈوری سے حیف کے ہاتھ
اندھتے ہوئے ڈرا ہوا نظر آرہا تھا۔ حیف طرکی واہنی پنڈلی الگ
جانے کی وجہ سے بشیر نے از خود اس کی دونوں رانوں کو ایک
رے کے ساتھ جکڑ دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔
حیف کی مزاحمانہ پھرتی کے سبب نادرہ کے ڈرائنگ روم میں
ی ابتری پیدا ہوچکی تھی۔ قالین پر حیف کے خون کا دھبا بھی
ل رہا تھا۔ بشیر نے گیلے کپڑے سے حیف کا زخم صاف کرکے
پر تیز ٹنکچر لگائی تو اس کا ردّعمل اتنا شدید تھا کہ حیف بے ہوشی
باوجود جھرجھری لے کے رہ گیا۔
میرے ایما پر بشیر اس کو اپنی پشت پر لاد کر تہ خانے کی طرف
دیا۔ میں نے نادرہ کو اس کے منہ میں ٹھونسنے کے لیے کچھ کپڑا
لانے کی ہدایت کی اور بشیر کے پیچھے ہولیا۔
حیف کو بستر کے بجائے قالین پر ہی ڈال دیا گیا۔ میں نے اس
آنکھوں کے پپوٹے سرکا کر اندازہ لگایا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے سے
ہوش میں نہیں آسکے گا۔ میں نے بشیر کو اوپر بھیج دیا۔
نادرہ دھلے ہوئے پرانے کپڑے کا ایک ڈھیر لے کر آئی تو میں
حیف کے دہانے میں حلق تک کپڑا ٹھونس کر اوپر سے ایک پٹی
دی۔ تہ خانہ لاکھ ساؤنڈ پروف۔ سہی' میں کوئی غیر ضروری خطرہ
لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں نے
ٹ طرکی جامہ تلاشی لینی شروع کردی۔
اس کی جیبوں سے اس کے باتصویر شناختی کارڈ کے ساتھ بی
ڈبلیو کی چابی' چند چھوٹی چابیوں کے ایک گچھے' ٹریولرز چیک اور
ی کرنسی سے بھرے ہوئے پرس اور ایک بھرے ہوئے ریوالور
علاوہ کئی عجیب و غریب چیزیں بھی برآمد ہوئیں۔ ان اشیا میں
قدرے موٹا قلم بھی شامل تھا جو بادی النظر میں قلم نظر آنے
باوجود چھوٹے بور کا دہرے فائر والا پستل تھا۔ اس میں دونوں
لیاں موجود تھیں اور مزید چار گولیاں چیونگم کے ایک پیکٹ میں
جود تھیں۔ فولڈ ہوجانے والا روشن محدب عدسہ' دہری اور بلیڈ
زیادہ تیز دھار والا خنجر نما چاقو اور ایک وائرلیس ایریئس بھی
سامان میں شامل تھا۔

اس کی جیبیں خالی کرکے ہم دونوں اوپر آگئے۔ نادرہ نے واپسی پر تہ خانے کا دروازہ مقفل کردیا تو چابی میں نے اپنی تحویل میں لے لی۔
ڈرائنگ روم میں بشیر اس تصادم کی علامات مٹانے کی کوششیں کررہا تھا۔ وہ وفادار ہونے کے ساتھ ہی فرض شناس بھی تھا اور بغیر کہے اپنے فرائض انجام دینے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ٹوٹی ہوئی ایش ٹرے اور فانوس وغیرہ کی کرچیں قالین سے سمیٹ لی تھیں اور دو برتنوں میں شفاف محلول لیے قالین پر سے حیف کے خون کے نشان صاف کرنے میں مصروف تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ قالین کے ریشوں میں جذب ہونے والے خون کے ذرات کو کسی بھی طرح نہیں نکالا جاسکتا تھا لیکن پھر بھی بشیر کی کوشش قابلِ تعریف تھی۔ صفائی ہوجانے کے بعد پہلی نگاہ میں یہ پتا نہیں چل سکتا تھا کہ قالین کا کوئی حصہ انسانی خون میں آلودہ رہا ہوگا۔
حیف کی جلی ہوئی واہنی پنڈلی خاصا عبرت ناک منظر پیش کررہی تھی۔ کسی بھی زندہ انسان کے ایک عضو کا اس کے جیتے جاگتے بدن سے الگ ہوجانا کوئی معمولی حادثہ نہیں ہوتا۔ بدن زندہ ہوتا ہے لیکن اس سے کٹا ہوا عضو موت سے ہم کنار ہوچکا ہوتا ہے۔ حیف نے اپنی وہ ٹانگ اپنی سرعت اور جارحیت کی وجہ سے گنوائی تھی۔ اس میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس ٹانگ کے نچلے حصے میں پتلون کے جلے ہوئے پائینچے کے ساتھ ہی موزا اور جوتا بھی موجود تھا۔ وہ بیم گن کا کمال تھا کہ اس سے خارج ہونے والی لیزر شعاعوں کی مہلک دھار نے حیف کی کھال' گوشت اور ہڈی کو لمحہ بھر میں کاٹ کر رکھ دیا تھا۔
وہ ایک واردات تھی۔ مدافعت اور بقا کی جنگ میں ایک فریق نے اپنے حریف کو معذور کردیا تھا لیکن شہر کے بے شمار

اسپتالوں میں ہر روز ایسے سیکڑوں واقعات رونما ہوتے رہتے تھے۔ فرق صرف اتنا ہوتا تھا کہ وہاں جاں بہ لب مریض اپنی زندگی کے کسی عذاب سے گلوخلاصی کے لیے سرجنوں کو ہنسی خوشی اپنے سڑتے، دُکھتے یا ناسور بنے ہوئے بیمار اعضا کو کاٹ کر الگ کرنے کی اجازت دے دیتے تھے۔ ہوتا یہی ہے کہ پورے جسم کو مکمل بربادی سے بچانے کے لیے ناکارہ اعضا کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ حیف ملر بھی معاشرے کے جسم سے چمٹا ہوا ایسا ہی ایک ناسور تھا جسے بے دردی سے الگ کرلیا جانا چاہیے تھا۔ میں نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا تھا۔ وہ ایک ایسے خفیہ ادارے کا رکن تھا جسے خوب صورت اور بہترین کاغذی مقاصد کے ساتھ وجود میں لایا گیا تھا لیکن عملی طور پر اسے کرۂ ارض کی ایک ایسی ڈراؤنی طاقت بنادیا گیا تھا جس سے دوست اور دشمن، سب ہی لرزہ براندام رہتے تھے۔

یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ اپنی زندگی کی باقی ماندہ مہلت گزارنے کے لیے پورے وجود کے ساتھ زندہ نہیں تھا۔ اپنی حماقت کی بنا پر اس کی موت کی پہلی قسط غیر ارادی طور پر مکمل ہوچکی تھی۔

"اس کا کیا بنے گا؟ یہ کٹی ہوئی پنڈلی کب تک یہاں سجی رہے گی؟" نادرہ نے خون کے کسی بھی داغ سے بے نیاز اس سوختہ شاہکار کو دیکھتے ہوئے وحشت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ پنڈلی کسی چھوٹے سے گڑھے میں بھی دبائی جاسکتی ہے۔ اصل خطرہ اس سرخ کار سے ہے جو باہر کھڑی ہوئی ہے" میں نے اسے یاد دلایا "حیف کی یہاں موجودگی کے اس کھلے اشتہار سے.... جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔"

"اوہ! اس کار کا کیا بنے گا؟" میری یاددہانی پر وہ مضطرب ہوگئی۔

"اسے بشیر شہر کے کسی بھی علاقے میں چھوڑ آئے گا۔ تم حیف کی تلاش میں آنے والوں کو یہی بتاؤگی کہ ڈینی، حیف کو اسی کی گاڑی میں ڈال کر لے گیا تھا۔ انہیں بھول کر بھی شک نہیں ہوسکے گا کہ حیف تمہارے ہی گھر کے کسی خفیہ تہ خانے میں قید ہے۔"

"پھر یہ منحوس پنڈلی بھی اسی گاڑی میں ڈلوادیں.... اسے دیکھ دیکھ کر میری طبیعت مکدر ہورہی ہے۔"

"اچھا خیال ہے" میں نے اس کی تجویز پر خوش ہوکے کہا۔ "میری طرف سے کیری ہارٹ کے لیے یہ انوکھا تحفہ ہوگا۔ حیف کی قیمتی گاڑی زیادہ دیر تک لاوارث نہیں کھڑی رہے گی۔ گاڑی ان کو ملے گی تو وہ خود سمجھ لیں گے کہ کیا واقعہ رونما ہوا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ میں ایک عجیب گن کا مالک ہوں۔"

"اس گن کی بے آواز دھار دیکھتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے، یہ کیا بلا ہے؟"

"بس اسپیشل گن کہہ لو" میں نے اسے ٹالتے ہوئے کہا "دنیا بھر میں ان کی تعداد بہت محدود ہے۔"

ذہن میں ایک بات سماجانے کے بعد میں نے بشیر کو قالین کی مزید رگڑائی سے روک دیا اور اسے چابی دے کر فوراً ہی سرخ بی ایم ڈبلیو نکال لے جانے کی ہدایت کردی۔ میں ان حالات میں نادرہ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ بشیر گاڑی ٹھکانے لگا کے لوٹ آتا تو مجھے بھی واپسی کی آزادی مل جاتی۔

بشیر ہم دونوں کی گفتگو سنتا رہا تھا۔ جاتے ہوئے وہ خاموشی سے حیف ملر کی بے جان پنڈلی بھی اپنے ساتھ لیتا چلا گیا اور ہم دونوں ڈرائنگ روم ہی کے ایک گوشے میں جابیٹھے۔

میں جب سے نادرہ کے گھر آیا تھا میرا اپنے ساتھیوں سے رابطہ ٹوٹا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ سلطان شاہ پروگرام کے مطابق مکان کے قرب وجوار میں منڈلا رہا ہوگا اور دونوں عورتیں فلیٹ پر بے یقینی اور انتظار کی اذیت سے گزر رہی ہوں گی لیکن میں باہر نکل کر سلطان شاہ سے بات کرنے کا خطرہ مول لے سکتا تھا، نہ فلیٹ فون کرنا چاہتا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ حیف ملر کے نادرہ کے گھر آنے کے بعد سے کہیں اس کا فون آبزرویشن میں نہ لے لیا گیا ہو۔ حیف جو کچھ بھی تھا، بہرحال ایک ذمہ دار امریکی افسر تھا۔ اس کے ایما پر مقامی حکام فوری طور پر ایسی کوئی بھی کارروائی کرنے پر مجبور ہوسکتے تھے۔

ایک لمحے کے لیے مجھے خیال آیا کہ میں بشیر کو سلطان شاہ کی گاڑی کا نمبر بتا کر، اس کے ذریعے سلطان شاہ کو اپنی خیریت کا پیغام بھجوادوں لیکن وہ کوشش خطرات سے خالی نہیں تھی۔ سلطان شاہ، نادرہ کے مکان سے نکلنے والی مشتبہ کار کو اپنی طرف متوجہ پاکر بری طرح بھڑک سکتا تھا۔ حیف ملر کی طرح بشیر بھی اس کے لیے اجنبی تھا۔ اگر سلطان شاہ اپنی طویل ہوتی ہوئی بے کاری سے اکتا کر کوئی کارنامہ سرانجام دینے پر تل جاتا تو وہاں خاصی ناخوشگوار صورتِ حال رونما ہوسکتی تھی۔ اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو سلطان شاہ غیر ضروری طور پر بشیر کی نظروں میں آجاتا جب کہ ہم چاروں ان دنوں گمنام اور روپوش رہنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

"میں نے سنا ہے کہ یکساں فری کوئنسی پر کام کرنے والے صرف ایک جیسی ساخت والے ٹرانسمیٹرز پر ہی آپس میں بات ہوسکتی ہے۔ کیا یہ بات درست ہے؟" نادرہ کے سوال پر میں اپنے خیالات سے چونک پڑا۔

"ہاں، درست ہے لیکن تمہیں اچانک ہی یہ خیال کیوں آگیا؟" میں نے پوچھا۔

"آپ انسپکٹر حیف ملر کو گھیر کر اس کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ پر ہاتھ ڈالنا چاہ رہے ہیں کیونکہ وہی آپ کے مطالبات کو ماننے یا مسترد کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اس کی طرف سے پہل ہونے کے بجائے آپ ٹرانسمیٹر پر ان لوگوں سے بات کیوں نہیں کرتے؟ حیف ملر جیسا ٹرانسمیٹر دوسروں کے پاس بھی ہوگا۔"

"یہ آن ہے" میں نے حیف طلر کا ایئر پیس اپنی جیب سے نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا "میں اسے استعمال کر کے انہیں ہوشیار نہیں کرنا چاہتا کہ ان کا ایک مواصلاتی آلہ ان کے دشمن کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ اس پر ہم ان کی آپس کی باتیں سن سکتے ہیں۔"

"انتظار مختصر کرنے کے لیے فون پر بھی بات کی جا سکتی ہے۔ ہمارے پاس حیف طلر کا فون نمبر موجود ہے۔ وہ یہاں قید ہے تو اس کے ٹھکانے پر کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہوگا۔"

"میں اپنے فلیٹ پر بھی بات کرنی چاہ رہا ہوں لیکن تمہارا فون استعمال نہیں کر رہا۔ مجھے ڈر ہے کہ اب اس پر ہونے والی ہر بات سنی جائے گی۔ اگر انہیں پتا چل گیا کہ میں نے حیف طلر کے بارے میں یہاں سے بات کی ہے تو ہماری ملی بھگت کا راز فاش ہو جائے گا اور ہم مارے جائیں گے.... بشیر کے آنے کے بعد میں یہاں سے نکلوں گا تو کہیں نہ کہیں سے فون کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔"

"آپ کے مشورے پر میں نے اپنی کشتیاں جلا دی ہیں۔ حیف طلر کی دشمنی مول لینے کے بعد اب غنی صاحب کی آزادی اور فرخ کے محفوظ مستقبل کا انحصار آپ کی کامیابی پر ہے" وہ اچانک جذباتی ہو کر بولی۔

"غنی کی آزادی ایک سنہرا خواب ہے" میں نے لگی لپٹی رکھے بغیر اپنا مؤقف دہرایا "مجھے امید نہیں کہ اسے اتنی آسانی سے رہائی مل سکے گی۔ اس بارے میں، میں تمہیں عارضی طور پر انگلینڈ منتقل ہونے کا مشورہ دے چکا ہوں۔ ہاں، فرخ کے بارے میں، میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ ہماری مہم جوئی کے نتیجے میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"کسی کسی وقت مجھے یہ سوچ کر ہول آنے لگتا ہے کہ کہیں میں پتھریلی زمین کے دھوکے میں دلدل پر پیر نہ رکھ دوں۔"

"یہ تمہارا وہم بلکہ خود اعتمادی کی کمی کا نتیجہ ہے" میں نے ہنس کر بے پروائی سے کہا "اپنے وقت پر سب کچھ درست ہوتا چلا جائے گا.... تم ان باتوں کو چھوڑو اور جلدی سے چائے کی ایک پیالی بنا لاؤ۔"

"میرا خود چائے پینے کو دل چاہ رہا ہے" وہ پھیکی اور خوف زدہ ہنسی کے ساتھ بولی "مگر مجھے کچن میں جاتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے۔ آپ ساتھ چلیں تو چائے کے ساتھ سینڈوچ بھی بنا لوں گی۔"

"ڈر کس بات کا...؟ تم تو بالکل ہی حوصلہ چھوڑے دے رہی ہو۔"

"وہ.... حیف طلر کی کٹی ہوئی ٹانگ میرے ذہن سے چپک کر رہ گئی ہے۔"

نادرہ کا وہ خوف میرے لیے تعجب خیز تھا۔ میں اسے مضبوط اعصاب اور قوتِ ارادی کی مالکہ سمجھتا چلا آ رہا تھا۔ اگر وہ اندر سے اتنی ہی بودی تھی تو شاید کیری ہارٹ اور مقامی پولیس کی کڑی باز پرس کو بھی نہیں سہہ سکتی تھی۔ اس کی ذرا سی کمزوری میرا بنا بنایا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔

ایک نئے خیال کے تحت میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی "آؤ، چل کر چائے بناتے ہیں۔"

کچن کی طرف جاتے ہوئے وہ میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اس کے وجود سے اٹھنے والی مہکار میرے ذہن پر ہلکا ہلکا اثر جمانے لگی۔ وہ خود بھی شاید میری اس کیفیت سے بے خبر نہیں تھی۔ تہ خانے میں ایک معذور قیدی کی موجودگی، فضا پر منڈلاتے ہوئے خطرات اور گھر کی تنہائی اچانک میرے قدموں کی زنجیر بن گئی اور میں سگریٹ سلگانے کے بہانے ٹھٹک کر رک گیا۔ نادرہ کے ذہن میں جو کچھ بھی رہا ہو، میں کسی جذباتی بھنور میں پھنسنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

نادرہ بھی میرے انتظار میں رکی مگر میں نے اسے آگے ہانک دیا۔ "تم چلو، میں آ رہا ہوں۔"

کچن میں موقع پا کر میں نے بات دوبارہ شروع کر دی "میں سوچ رہا ہوں کہ گھر میں بشیر کے ساتھ تمہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسے کام کاج سے باہر بھی جانا ہوگا۔ تم پر حیف طلر کا خوف طاری رہے گا۔ ایسا نہ ہو کہ اس مسلسل اعصابی تناؤ سے تمہارے ذہن پر مضر اثرات مرتب ہونے لگیں۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ پہلے میں یہ بات نہیں سوچ سکی تھی" اس نے اعتراف کیا "منصوبہ بندی کے وقت مجھے گمان تک نہیں ہوا تھا کہ عملی صورتِ حال سے دوچار ہونے کے بعد میرا ردِعمل کیا ہوگا.... وہ لوگ جب تک حیف طلر کو بازیاب نہیں کرا لیتے، میرے پیچھے لگے رہیں گے۔"

"کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ تم بشیر کو لمبی چھٹی دے کر خاموشی سے اپنے کسی رشتے دار کے یہاں منتقل ہو جاؤ اور اپنے دشمنوں کو یہ سمجھنے دو کہ میں نے تم تینوں کو اغوا کر لیا ہے۔"

میری تجویز پر وہ چونک پڑی اور اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں "میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ غنی کی سزایابی بلکہ گرفتاری کے بعد ہی سب نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور میں تنہا ہو کر رہ گئی ہوں۔ رحیم یار خان میں میری بہن رہتی ہے مگر بہنوئی نے اس پر پابندی لگا دی ہے کہ وہ مجھ سے نہ ملے۔ شاید رونے اور گڑگڑانے پر مجھے وہاں پناہ مل جائے۔ دوسرا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اپنی بہن سے رابطہ کر لو تو بہتر رہے گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر کہاں سے؟ یہ فون تو آپ خطرناک قرار دے چکے ہیں.... اور پھر میں چلی گئی تو حیف طلر کا کیا بنے گا؟ اسے آپ کہاں لے جائیں گے؟" اس نے ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

"اگر تم ذہنی طور پر تیار ہو تو فی الحال میرے ساتھ یہاں سے نکل سکتی ہو۔ حیف طلر یہیں بند رہے گا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مکان کو غیر آباد پا کر کوئی زیادہ تجسس نہیں کرے گا اور حیف طلر وہیں پڑا رہے گا۔ اس کے نصیب سے کوئی وہاں پہنچ بھی گیا تو زندہ

مگر معتدد حیف کی واپسی کو میرا بھرپور چیلنج تصور کیا جائے گا۔ حیف اپنی کہانی میں تمہاری اور بشیر کی بے گناہی اور مظلومیت کی تصدیق کرے گا۔ کچھ عرصے بعد تم واپس لوٹو گی تو میرے جبر و تشدد کی چند فرضی کہانیاں سنا کر ان کی ہمدردی حاصل کر سکو گی۔"

میری نئی تجویز سنتے ہی اس کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ بولی "یہ بالکل مناسب رہے گا۔ جب تک میری کسی متبادل پناہ گاہ کا بندوبست نہیں ہوتا' میں فلیٹ میں آپ کے ساتھ رہ لوں گی۔ غزالہ بہت سمجھ دار لڑکی ہے۔ موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے وہ میرا وجود برداشت کر لے گی۔" اس کے لب و لہجے سے مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے میرے قریب رہنے کے خیال سے اسے بے پایاں خوشی ہوئی ہو۔

وہ اس کی اپنی سوچ تھی مگر میں اس کے ارادے بھانپ کر بوکھلا گیا۔ اس وقت تک نادرہ نے ویرا یا سلطان شاہ کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک رات کے لیے بھی فلیٹ میں رکتی تو ان دونوں کی موجودگی سے باخبر ہو کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتی۔

"تم خود ایک بھرپور عورت ہو اور ایک بیوی کی سوچ سے واقف ہو۔ ملاقاتوں کی حد تک غزالہ بہت فراخ دل ثابت ہو گی لیکن جب یہ دیکھے گی کہ چند ملاقاتوں کے بعد ہی میں نے اپنی مالکہ مکان کو اس کے گھر سے اٹھا کر اپنا مہمان بنا لیا ہے تو وہ حسد اور رقابت کی آنچ میں سلگنے لگے گی۔ اسے قطعی علم نہیں ہے کہ میں تمہارے ساتھ مل کر کسی منصوبے پر کام کر رہا ہوں۔ مجھے اسے ہر بات بتانی پڑ جائے گی۔"

اس نے دانستہ میری طرف جھک کر ایک چمچہ اٹھایا۔ میں نے میں نے اس کے بدن اور ریشمیں زلفوں کا سرسراتا ہوا لمس محسوس کرتے ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے شکایت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولی "میرا خیال ہے کہ میری طرف سے آپ کے دل میں نرم و نازک گوشہ پیدا ہو چکا ہے۔ اگر غزالہ متعصب اور تنگ نظر ہے تو صرف اسی بنا پر حسد میں مبتلا ہو سکتی ہے۔"

"خیر' خیر!" میں نے گھبرا کے اس موضوع کو وہیں ختم کرتے ہوئے کہا "یہ باتیں بعد میں بھی طے کی جا سکتی ہیں۔ فی الحال ہمیں یہاں سے نکلنے کی تیاری کرنی چاہیے۔"

"اوہ آپ کتنے اچھے ہیں!" وہ جوش سے میرا بازو دباتے ہوئے بولی۔

میں فرشتہ نہیں' ایک عام انسان تھا۔ یہ بات ہر شک و شبہ سے بالاتر تھی کہ نادرہ حسینۂ عالم نہیں' تو حسین ضرور تھی۔ اس کے بھرے بھرے گداز بدن کا لوچ اور اس کے بے تکلفانہ قرب سے محسوس ہونے والی خوشبو میرے ذہن پر اثر انداز ہو رہی تھیں۔ اس نے وفورِ جوش سے میرا بازو تھاما تو لمحہ بھر کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے برقی رو کا کوئی ننگا تار میرے بدن پر آگرا ہو۔ میرے وجود کو ایک سنسنی خیز جھٹکا سا لگا لیکن میں اس جھٹکے کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی اپنا بازو نادرہ کی گرفت سے چھڑا کر کچن سے باہر نکل گیا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نادرہ کی سادہ اور معصومانہ ہنسی رہی ہو مگر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھے چڑا رہی ہو' میرے فرار پر مجھے مشتعل کرنا چاہ رہی ہو۔ میں کچن سے دور' ڈرائنگ روم کے یک نشستی صوفے پر جا بیٹھا۔

میں نادرہ کی روپوشی کی تجویز پیش کر کے اپنی گردن پھنسا بیٹھا تھا۔ فلیٹ میں چار افراد کی موجودگی میں کسی پانچویں فرد' خاص طور سے نادرہ جیسی عورت کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس وقت تک نادرہ نے اخلاق سے گری ہوئی کوئی حرکت نہیں کی تھی اور ہر اعتبار سے باوقار نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن میں اپنے تجربے کی بنا پر اس کی آنکھوں میں وہ مخصوص حیوانی چمک دیکھ چکا تھا جو کسی بھی لمحے میرے خرمنِ صبر و سکون کو جلا کر راکھ کر سکتی تھی۔ غزالہ زمانہ شناس اور سمجھدار ہونے کے ساتھ ہی بہت زیادہ بامروت بھی تھی۔ وہ بہت سی باتوں کو دیکھ کر بھی ان جان بنی رہتی تھی۔ شاید وہ فلیٹ میں نادرہ کی موجودگی کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی لیکن ویرا اس معاملے میں گھاگ ہونے کے ساتھ ہی ضرورت سے زیادہ طرار اور منہ پھٹ بھی تھی۔ وہ نادرہ کی کسی بھی بے احتیاطی پر بات کا بتنگڑ بنا کر فلیٹ کے ماحول کو برباد کر سکتی تھی۔ اس کا نازک ترین جذباتی مسئلہ یہ تھا کہ وہ غزالہ کے حق میں میری ذات سے رضاکارانہ طور پر دستبردار ہو چکی تھی۔ کبھی کبھار ذہنی رو بہکتی تو تھوڑی بہت ہیرا پھیری ضرور کر لیتی تھی مگر غزالہ کے بعد وہ خود کو میری سب سے زیادہ توجہ کا حق دار سمجھتی تھی۔ کسی بھی لمحے اسے شبہ ہو جاتا کہ نادرہ اس کی حق تلفی کر کے میرے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی ہے تو وہ نادرہ کو دھکے دے کر فلیٹ سے باہر تک نکال سکتی تھی۔

نادرہ کے لیے شہر کا کوئی بھی ہوٹل مناسب نہیں تھا۔ پورے کراچی میں اس کا ایسا کوئی شناسا یا رشتے دار نہیں تھا جو چند دنوں کے لیے اسے اپنے یہاں پناہ دے دیتا۔ کافی غور و خوض کے بعد میرے ذہن میں جہانگیر کا نام ابھرا۔ شام ہی کو سلمیٰ فون پر بتا چکی تھی کہ ان دونوں نے ہمارے قریب ہی ایک گھر کرائے پر لے لیا تھا لیکن میں نے جہانگیر کا نام خود ہی مسترد کر دیا۔ وہ طرح دار عورتوں کے معاملے میں حد سے زیادہ نڈر تھا دوسری طرف سلمیٰ بھی ہر وقت اس کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کرتی رہتی تھی۔ وہ اس حد تک کہہ چکی تھی کہ جہانگیر کسی وقت کسی لولی لنگڑی فقیرنی کا بھی پیچھا کر سکتا ہے۔ نادرہ کا وجود ان دونوں کے لیے ہولناک مسائل بلکہ مصائب کا سبب بن سکتا تھا۔

وہ دو پیالیوں میں چائے لائی اور دونوں پیالیاں میز پر رکھ کر مسکراتی ہوئی زینوں کی طرف چلی گئی۔ میں نے اسے روکنا یا اس سے کچھ پوچھنا ضروری نہیں سمجھا۔

میری چائے کی پیالی خالی ہونے کے قریب تھی کہ وہ اوپر سے

لوٹ آئی۔ اس کے ہاتھ میں درمیانے سائز کا ایک سفری بیگ جھول رہا تھا۔ بیگ ایک کنارے سے رکھ کر وہ چائے نوشی میں میرا ساتھ دینے لگی۔

"تھیلے میں کیا لے آئی ہو؟" چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد میں اپنے تجسس پر قابو نہیں رکھ سکا۔

"شب خوابی کا ایک لباس' دو عام جوڑے' زیورات اور نقدی لے آئی ہوں اور روانگی کے لیے پوری طرح تیار ہوں" اس نے اپنی کارگزاری پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے کہا "بشیر لوٹ آئے تو اسے چھٹی کی خوش خبری سنا کر میں آپ کے ساتھ چل دوں گی۔"

"تمہارے خیال میں اب گھر میں ایسی کوئی چیز نہیں رہی جسے چوری کیا جا سکے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "روز مرہ استعمال کی چیزیں کون لے جائے گا؟ یہ چیزیں بھی میں اس طرح لائی ہوں کہ مکان کی تلاشی لینے والے بھی اندازہ نہیں لگا سکیں گے کہ کوئی یہاں سے ساری قیمتی اشیا سمیت کے رخصت ہوا ہے۔ اس وقت اس گھر کا سب سے بیش قیمت اثاثہ حبیب طرہ ہے۔"

"ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم اپنے گھر سے نکل بھاگنے پر تلی بیٹھی تھیں" میں نے اپنی چائے کی پیالی خالی کر کے کہا "اپنے گھر کے در و دیوار سے ہر شخص کی ایک جذباتی وابستگی ہوتی ہے....."

"مجھے بھی اپنے رچے بسے ہوئے گھر کو چھوڑ کر جاتے ہوئے دکھ ہو رہا ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ میں یہ سب اس گھر کو دوبارہ آباد کرنے کے لیے کر رہی ہوں۔ غنی اور فرخ کے بغیر یہ بے جان در و دیوار اب مجھے کاٹنے کو دوڑنے لگے ہیں۔ اس گھر کی ہر شے اور ہر لمحے سے ان دونوں کی ناقابلِ فراموش یادیں وابستہ ہیں۔"

"بشیر کو بھی یہاں سے جاتے ہوئے دکھ ہوگا؟" میں نے دھیمے سے کہا۔

"قدرتی بات ہے" وہ بے پروائی سے بولی "اسے مجھ سے بچھڑنے کے خیال سے بہت دکھ ہوگا... وہ...." وہ بولتے بولتے اچانک رک گئی۔ میرے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم پھیل گیا۔ نادرہ کو اندازہ ہوگیا کہ وہ روانی میں غلطی کر گئی ہے۔ اس نے سنبھالا لے کر دوبارہ اپنی بات شروع کی "آپ میری بات کا غلط مفہوم نہ لیں۔ اس بے جان گھر کی تنہائی میں ہم دونوں جاندار دو برس سے ایک دوسرے کے مونس و غم خوار ہیں۔ وہ بہت مخلص اور وفادار نوکر ہے۔ ان اوصاف کی قدر و قیمت کا اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی تنہائی کے جہنم میں سلگ رہا ہو۔"

"میں اپنا کوئی مفہوم اخذ کیے بغیر' کھلے ذہن سے تمہاری باتیں سن رہا ہوں۔"

"یہ اچھی بات ہے" وہ کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولی "مرد جو چاہے کہہ لے' اس کی کوئی بات نہیں پکڑی جاتی مگر عورت کو زبان کھولنے سے پہلے دس مرتبہ سوچنا پڑتا ہے کیونکہ اس کی ہر بات کو ہزار معنی پہنائے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے مجھے وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی ورنہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ بشیر کس طرح میرے اشاروں پر ناچتا ہے اور ہر لمحے میرے آرام کا خیال رکھتا ہے۔"

"تمہیں اپنی بہن کے گھر کا فون نمبر تو یاد ہے نا؟" میں نے بات بدل دی۔

"اچھی طرح.... وہ میری اکلوتی بہن ہے۔ اس کا میاں فوج میں کرنل ہے۔ آج کل اس کی پوسٹنگ رحیم یار خان میں ہے۔ سنا ہے کہ وہ بہت خوب صورت اور زندہ شہر ہے جہاں رات گئے تک رونقیں ماند نہیں پڑتیں۔ مجھے وہ شہر دیکھنے کی بڑی آرزو ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اپنے بہنوئی کو منالوگی" میں نے جواب میں کہا۔

"ایک بات ہم بھول رہے ہیں" وہ چونک کر بولی "ہماری غیر موجودگی میں جیف طرکے کھانے پینے اور دوسری ناگزیر ضروریات کا کیا بنے گا؟ بھوکا پیاسا رہ کر تو وہ چند ہی روز میں مرجائے گا۔"

"یہ باتیں قبل از وقت ہیں۔ ابھی اسے زیرِ دام آئے ایک گھنٹا بھی نہیں ہوا۔ اس کے مقدر کا انحصار گیری ہارٹ کے جوابی رویے پر ہوگا۔ وہ چاہے گا تو جیف طرز زندہ رہے گا ورنہ ہم اسے بھول جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب میں ان مسائل میں سر نہ کھپاؤں۔ سوچنے کا کام آپ کے لیے چھوڑ دوں۔"

"ایسا کرلو تو میں تمہارا ممنون رہوں گا۔ سوچنے سے کہیں زیادہ مشکل کام دوسروں کو اپنی بات سمجھانا ہے۔ باتوں میں ایسے ایسے نادر الوجود سوال سامنے آتے ہیں جن کا عملی دنیا سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔"

"سوچنے کے لیے آپ کو کسی سہارے کی ضرورت ہو تو میں اس کا بندوبست بھی کرسکتی ہوں۔"

"کیسا سہارا؟" اس بار میرے چونکنے کی باری تھی۔

"آپ کو معلوم ہے کہ غنی صاحب آگ سے کھیل رہے تھے اور دن رات وسوسوں میں گھرے رہتے تھے۔ جب وہ زیادہ پریشانی کے عالم میں ہوتے تھے تو اپنا ذہنی بار ہلکا کرنے کے لیے شراب پیتے تھے۔ اس وقت بھی میرے گھر میں بہت سی قیمتی شرابوں کا ذخیرہ موجود ہے۔ آپ چاہیں تو شغل کرسکتے ہیں۔"

"تو کیا غنی کے ساتھ تم بھی پیتی رہی ہو؟" میں نے اسے گھورا۔

وہ ہنس پڑی "مجھے پینے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی۔ غنی صاحب کی باتوں سے اتنا نشہ ہوجاتا تھا کہ اس سرور کے سامنے ہر نشہ ہیچ نظر آتا تھا۔ محبت کا نشہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ ذخیرہ غنی کا ہی چھوڑا ہوا ہے؟"

"جی۔ رکھے رکھے وہ ساری شرابیں پرانی ہو رہی ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ پرانی شراب مہنگی ہوتی ہے۔"

"شرابی کی بیوی ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ شرابوں کے بارے میں تمہاری معلومات کافی زیادہ ہیں لیکن میں یہ بتادوں کہ بوتل میں ہزار برس رہنے کے بعد بھی کوئی شراب پرانی نہیں ہوتی۔ اسے لکڑی کے پیپوں میں مخصوص حالات اور عمل سے گزار کر عمر دی جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ عورت نئی اور شراب پرانی اچھی ہوتی ہے۔ اسی لحاظ سے اس کی قیمتیں بھی زیادہ ہوجاتی ہیں۔"

"میرے لیے یہ نئی بات ہے۔ میری الماری میں آج بھی غنی صاحب کی برسوں پرانی کئی بوتلیں چھپی ہوئی ہیں۔ میں نے اپنی دانست میں چالاکی دکھائی تھی کہ ان کی لاعلمی میں ان کی بوتلوں کو پرانا کررہی تھی۔ آج آپ نے حقیقت بتا کر میری ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔"

"اسی لیے علم کو جہالت کی موت کہتے ہیں" میں نے ہنس کر کہا۔

"یہاں علم اور جہالت کا ذکر کہاں سے آگیا؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"جہالت نہ جاننے کا دوسرا نام ہے اور علم کا مطلب ہی جاننا ہے۔ حقیقت جانتے ہی وہ بت پاش پاش ہوگیا جو تم نے کچھ نہ جانتے ہوئے تراشا ہوا تھا۔ یہ کوئی موضوعاتی بات نہیں ہے۔ اس کا تعلق چیونٹی سے لے کر کائنات کے پیچیدہ ترین رازوں تک سے ہے۔"

"آپ جو کچھ کہتے ہیں اس کے حق میں دلائل دیے جاتے ہیں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ آپ کو اپنی کہی ہوئی کوئی بات واپس لینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ جو کہتے ہیں، اس پر جم جاتے ہیں۔"

"سوچ سمجھ کر بولا جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں بحث برائے بحث کا قائل نہیں ہوں۔"

"لیکن آپ نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"کون سا سوال؟" میں نے انجان بن کے پوچھا۔

"سہارا" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ تکلف نہ کریں۔"

"میں تکلفات کا قائل ہی نہیں ہوں۔ اس وقت بے ہوشی کی نہیں، ہوش کی ضرورت ہے" میں نے مضبوط لہجے میں گول مول جواب دے کر نادرہ کو خاموش کردیا۔

چائے ختم کرنے کے بعد اسے کچھ اور یاد آگیا۔ اس بار وہ مجھ سے معذرت کرکے اوپر گئی تھی۔

اس کی غیر موجودگی میں، میں نے سوچا کہ میں گھر سے باہر نکل کر سلطان شاہ کو بلالوں اور پھر ہم اسی کے ساتھ مقبول آباد سے روانہ ہوجائیں لیکن پھر وہی بات تھی کہ سلطان شاہ نادرہ کی نظروں میں آجاتا۔

ڈرائنگ روم کے دروازے پر دستک کی ہلکی سی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔

میرے اٹھنے سے پہلے ہی اس دروازے کے ہضمی قفل میں چابی گھومنے کی مخصوص آواز ابھری اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ نہ جانے وہ کون تھا اور کس مقصد سے آیا تھا۔

ں نے دروازے کے قریب دیوار سے لگ کر اپنی جیب سے
نکال لیا۔
رائنگ روم کا دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی اندرونی زینوں پر
ے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر
ز سیدھا کر لیا تاکہ دروازے سے کوئی اجنبی چہرہ طلوع ہوتے
بلا تاخیر فائر کر سکوں۔
نہیں!" اچانک اندر سے نادرہ کی نیم ہذیانی سی چیخ ابھری۔
نہ چلایئے.... وہ بشیر ہے!"
میں نے اپنا ہاتھ گرالیا اور بشیر پھرتی سے ڈرائنگ روم میں
اس نے اندر آتے ہی دروازہ بند کر دیا۔
"ب.... باہر خطرہ منڈلا رہا ہے" بشیر نے کسی تمہید کے بغیر
راتی ہوئی آواز میں کہا۔
"کیسا خطرہ؟" نادرہ جھپٹ کر اس کے قریب پہنچ گئی "باہر تم
یا دیکھا؟"
"باہر بہت دیر سے ایک پرانی ٹویوٹا کرولا گھوم رہی ہے۔ میں
ہرے کی وجہ سے اس میں موجود آدمی کا چہرہ نہیں دیکھ سکا مگر
یقین ہے کہ وہ گورے کا کوئی خطرناک ساتھی ہے جو ہمارے گھر
ھنے کے لیے موقع کی گھات میں ہے۔ یہاں سے جاتے ہوئے
نے اسے گلی کے نکڑ پر دیکھا تھا۔ واپس آیا ہوں تو وہ گاڑی
ل کی ویران عمارت کے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔ اس کا رخ
ے گھر کی طرف ہے۔"
میں اس کے ابتدائی فقرے سے ہی سمجھ گیا کہ اسے سلطان
کی گاڑی کی طرف سے تشویش ہو رہی تھی۔ میں نے برا سامنہ
کے کہا "بلاوجہ ہمیں پریشان نہ کرو، تمہارا معدہ خراب معلوم
ہے۔"
"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں" میرے استہزائیہ لہجے پر وہ بگڑ
"میں اپنی آنکھوں کے دیکھے ہوئے کو کیسے جھٹلا سکتا ہوں؟ ابھی
مدر گھس آئے گا تو ہم سب کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دے گا۔"
"سب کی نہیں، صرف اپنی بات کرو۔ میں نے چھٹی پر دودھ
بجائے شربتِ فولاد پیا تھا۔"
نادرہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور نہایت بے تکلفی
اسے اپنے پہلو میں لے کر ڈرائنگ روم کے ایک گوشے کی
ف چل دی۔ بشیر کے ساتھ اس کا وہ اضطراری رویّہ کئی ان کہی
انیاں سنا رہا تھا۔
وہ دونوں اس گوشے میں کافی دیر تک دھیمی آوازوں میں
ما کرتے رہے۔ میں نے دانستہ ایک ایسی کرسی سنبھال لی جہاں
ونوں میری پشت پر ہو گئے۔ ان کی یادگار الوداعی ملاقات کے
یع پر میں کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتا تھا۔ پتا نہیں وہ دونوں
کی مدت کے لیے ایک دوسرے سے بچھڑنے والے تھے؟
نادرہ واپس آئی تو قدرے ملول اور افسردہ تھی۔ اس نے آتے
ہی مجھے آگاہ کیا "میں نے بشیر کو سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ ہمارے
جانے کے بعد وہ بھی خاموشی سے یہاں سے رخصت ہو جائے گا اور
اپنے گھر کے بجائے گجرانوالہ میں اپنے کسی رشتے دار کے گھر جائے
گا.... آپ کا کیا پروگرام ہے؟"
"چلو!" میں ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا "میں صرف بشیر کی
واپسی کا منتظر تھا۔"
"بے چارہ بہت آزردہ ہو رہا ہے۔ اب اس کا مذاق نہیں
اڑایئے گا" وہ میرے قریب ہو کر منمنائی۔
"تم جیسی مالکن سے بچھڑنے پر ہر شریف النفس ملازم آزردہ
ہو گا۔"
"کہیں تو بشیر سے اپنی گاڑی نکلوا لوں۔ وہ ہمیں چھوڑ کر گاڑی
واپس لے آئے گا۔"
"اب ان نخروں کا وقت نہیں ہے۔ چیف طر کی واپسی میں
جتنی تاخیر ہوتی چلی جائے گی، اس کے خوں خوار حامیوں کے ادھر
آنے کا خطرہ بڑھتا رہے گا۔ گاڑی غائب ہوئی تو ہماری پول کھل
جائے گی۔"
نادرہ نے اپنا سفری بیگ اٹھالیا۔ ہم دروازے کی طرف بڑھے
ہی تھے کہ بشیر اپنی جگہ چھوڑ کر چہرہ لٹکائے ہماری طرف چلا آیا۔
اداسی اس کے توانا چہرے پر پھٹکار بن کر برس رہی تھی اور اس کی
آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ میری موجودگی
کی وجہ سے اس نے اپنے اوپر کڑا جبر کیا ہوا تھا۔
"گورے کی گاڑی کہاں چھوڑ کر آئے ہو؟" ان آخری لمحات
میں مجھے وہ اہم سوال یاد آگیا۔
"ڈرائیوان سینما میں!" اس کے جواب پر میں خوشی سے
بھونچکا رہ گیا۔ اس نے موقع کی مناسبت سے بہترین جگہ کا انتخاب
کیا تھا۔ وہاں شو ختم ہوتے ہی لاوارث قیمتی کار کی موجودگی پوشیدہ
نہیں رہ سکتی تھی۔
" وہاں وہ گاڑی صبح سے پہلے سب کی نظروں میں آجائے
گی" بشیر بھرائی ہوئی آواز میں وضاحت کر رہا تھا "کافی دیر تک دماغ
لڑانے کے بعد میں نے ادھر کا رخ کیا تھا۔"
"شاباش!" میں نے بزرگانہ انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر
کہا "تم نے گاڑی چھوڑنے کے لیے واقعی ایک انوکھی جگہ کا
انتخاب کیا ہے" وہ عمر میں مجھ سے بڑا ہونے کے باوجود انکسار سے
جھک گیا۔
اسی لمحے میری جیب میں پڑے ہوئے، چیف طر کے ایرپیس پر
ہلکی ہلکی آواز ابھرنے لگی۔ میں نے ابتدا ہی سے ایک سیکنڈ کے لیے
بھی ٹرانسیٹر کو آف نہیں کیا تھا۔ میں نے سرعت سے ایرپیس اپنی
جیب سے نکالا اور اس کی آواز بڑھا دی۔ نادرہ حیرت سے آنکھیں
پھاڑے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ بشیر کے لیے شاید وہ لاسلکی آلہ
نیا تھا۔ اس کی نمناک آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو کر پیشانی پر جا
چڑھی تھیں۔ انگریزی پیغام اس کے لیے یقیناً ناقابلِ فہم تھا۔
"کیری ہارٹ کالنگ.... چیف ڈی مشن میری آواز سن رہا ہو تو

جواب دے.... گیری ہارٹ برائے چیف.... اوور!" مختصر ریڈیائی وقفوں سے خالص امریکن لب و لہجے میں وہ پیغام نشر کرنے کے بعد بھاری اور تحکمانہ آواز خاموش ہوگئی اور لائن پر ہلکا ہلکا ریڈیائی شور گونجنے لگا۔

ٹرانسیٹر پر گیری ہارٹ کی آواز سن کر خوشی سے میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ ان خبیثوں کی سرکوبی کے سلسلے میں میرا منصوبہ دھیرے دھیرے کامیابیوں کی طرف بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"ان کے گرد جال کس رہا ہے" میں نے کہا۔ میری آواز سنتے ہی نادرہ کا چہرہ خوف سے زرد ہوگیا اور وہ اپنے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھ کر مجھے خاموش ہونے کے اضطراری اشارے کرنے لگی۔

میں نے اس کی تشویش کا سبب سمجھتے ہوئے اسے بتایا "اپنی عام حالت میں ایسے اپریٹس یک طرفہ کام کرتے ہیں۔ اس وقت یہ آلہ صرف ریسیور ہے جو دوسری طرف کے پیغامات وصول کرے گا۔ ٹرانسیٹر، یعنی پیغامات نشر کرنے والے آلے کا کام نہیں کرے گا۔ یہاں بم بھی پھٹ جائے تو آواز دوسری طرف نہیں سنائی دے گی۔ جب ایک بٹن دبا کر ہم اس پر اپنی آواز دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں گے تو جب تک وہ مخصوص بٹن دبا رہے گا' یہ آلہ صرف ٹرانسیٹر بنا رہے گا' دوسری طرف کا کوئی پیغام وصول نہیں کرے گا۔"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ یہ سب جانتے ہیں" نادرہ کے دہانے سے اطمینان کا ایک گہرا سانس خارج ہوگیا "میری تو جان ہی نکل گئی تھی کہ آپ بے خبری میں اپنی آواز انہیں سنا رہے ہیں۔"

"اٹ از گیری ہارٹ فار چیف ڈی مشن.... اوور!" خاصے طویل انتظار کے بعد گیری ہارٹ نے دوبارہ اپنا پیغام نشر کیا تو اس کی آواز میں غصے اور جھلاہٹ کی آمیزش تھی۔

"چیف آن لائن.... کم آن.... اوور!" اس بار چند سیکنڈ بعد ہی جواب آگیا۔ وہ آواز میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ ریڈیائی شور اور تبدیلیوں کے باوجود میں راس المیڈا کی آواز لاکھوں آوازوں میں پہچان سکتا تھا۔

"سر!" سی آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ کی آواز مؤدبانہ ہوگئی "میں شام کی پرواز سے کراچی لوٹ آیا ہوں۔ تمہارے ساتھ پیش آنے والے افسوسناک سانحے پر میں نے پورے انتظامی ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اب وہ ولد الحرام ہماری گرفت سے نہیں بچ سکے گا۔ ساری سرکاری ایجنسیاں حرکت میں آچکی ہیں۔ ہم واضح ثبوت کے بغیر اسپیشل ٹاسک فورس کا نام نہیں لے سکتے لیکن میں نے بالواسطہ دباؤ کے حربے استعمال کرکے انہیں مجبور کردیا کہ اس فورس کے اوّل خان کو پورے اختیارات کے ساتھ بحال کرکے ڈینی کی گرفتاری پر مامور کردیا جائے۔ آج اس کے لیے احکامات جاری ہوگئے ہیں...."

وہ بہت نازک گفتگو تھی۔ میں نے نادرہ کو وہاں سے ٹالنے کے لیے کہا "تم دونوں گیسٹ بیڈ روم میں جاؤ اور میرے سامان کے ڈبے سے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر اسے ایک تھیلی میں ڈال کر احتیاط سے لے آؤ۔"

نادرہ کے چہرے کے تاثرات سے فوراً ہی ظاہر ہوگیا کہ وہ میرا مقصد بھانپ گئی تھی لیکن اس نے وہاں رکنے پر اصرار نہیں کیا اور بشیر کو ساتھ لے کر گیسٹ بیڈ روم کی طرف چل دی۔ ان دونوں کی تاریک خلوت کدے کی طرف روانگی پر میرے ذہن میں ایک مرتبہ پھر شیطان کلبلایا لیکن میں نے سر جھٹک کر اپنی پوری توجہ اپریٹس سے ابھرنے والی آوازوں پر مرکوز کردی۔

گیری ہارٹ کی رپورٹ جاری تھی "...میری ... انسپکٹر حبیب طرا ایک قدم اٹھا بیٹھا ہے۔ ہم شہری محاذ ... گھیرنے کے لیے نادرہ نامی جس عورت کو ... وہ خاصی حرامزادی نکلی۔ پہلے اس نے انکار ... دھمکیاں دیں تو اس کا دماغ ٹھکانے پر آگیا۔ میرے پہنچنے سے پہلے حبیب اس عورت کو بریفنگ دینے کے لیے گیا تھا لیکن ابھی تک واپس نہیں لوٹا۔ اس کی واپسی میں تاخیر پر مجھے سخت تشویش ہے.... اوور!"

"تم سب ڈفر ہو۔ سارے سرکاری ملازم ایک جیسے ہوتے ہیں" راس المیڈا نے آواز بلند کیے بغیر تلخ و ترش لہجے میں اپنی برہمی کا اظہار کیا "اسے تم سے ہدایت لیے بغیر آگے بڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ تم جانتے ہو کہ پاکستانی دوستی اور دشمنی کے معاملات میں بہت جذباتی بلکہ جنگلی ہوتے ہیں۔ یہ اصولوں کی پروا کیے بغیر ہر قیمت پر کامیابی کا ارادہ لے کر لڑتے ہیں' خود پس کر رہ جاتے ہیں یا اپنے مدِمقابل کو پیس ڈالتے ہیں۔ کون سوچ سکتا تھا کہ وہ باسٹرڈ کی اولاد' ڈینی' کارڈیو سوچ باندھ کر ایلین کے کیمپ میں گھس آئے گا۔ ایلین آکسیجن ٹینٹ میں شاید اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہی ہے اور میں.... خیر مجھے چھوڑو اور میرے سوال کا جواب دو.... اوور!"

"سر! اسلام آباد میں میرا ایک ٹھکانا نہیں تھا۔ میں مختلف وزارتوں اور دفاتر کے درمیان چکراتا پھر رہا تھا۔ میرے سوا کسی کو تم سے براہِ راست بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ عورت چھپ رہی تھی۔ اس پر ہم نے کافی کام کیا تھا۔ اس سے ہر وہ احمقانہ کام کیا گیا تھا جو اسے خوش کرسکتا تھا' حبیب انتظار نہیں کرسکا.... اب میں اس کی تلاش میں نکلنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ انسپکٹر حبیب ہمارا بہت قیمتی اور تجربے کار افسر ہے.... اوور!"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں" راس المیڈا کی آواز قہربار ہوگئی۔ "نیویارک ٹائمز نے پاکستان میں امریکنوں کی بڑھتی ہوئی ہلاکتوں کے بارے میں سترہ دن میں چار خبریں لگائی ہیں۔ میرا میڈیا منیجر کہہ رہا ہے کہ اخبار والوں نے اندر کی خبریں نکالنی شروع کردیں تو ایک طوفان آجائے گا۔ ان ہلاکتوں کو سی آئی اے اور فارن آفس کے سر ڈال دیا جائے گا۔ سب لوگوں کی نقل و حرکت پر حفاظت کی خاطر پابندی لگائی گئی ہے۔ ابھی صرف حبیب لاپتا ہے۔ ایسا نہ ہو

وئی بھی تمہاری تلاش میں باہر نکلنے کی ہمت نہ کرسکے۔ ہم
رجے کے اس حقیر ملک میں اپنے کتنے آدمی گنوائیں گے؟"

خبار والوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں' سر!" گیری ہارٹ
بھی زہریلی ہوگئی "ان نامہ نگاروں کے معدوں میں مرغن
اور قیمتی شرابیں گلے تک بھری ہوئی ہوں تو یہ اپنی میز پر بیٹھ
فون کی مدد سے خبریں ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ ان کے
ر جیبیں خالی ہوں تو یہ خبروں کی تلاش میں نکلتے ہیں....
ذات میرے لیے گمنام ہے مگر تم مجھ سے اور میرے فرائض
ے اچھی طرح واقف ہو۔ اپنے میڈیا منیجر سے کہو کہ ڈالروں
استعمال سیکھے۔ اپنی ناکامیوں کا جواز پیش کرنے کے بجائے
طلاعات دے۔ میں جیف کو ضرور تلاش کروں گا۔ اوور!"
یرے لیے یہ انکشاف حیران کن بلکہ بڑی حد تک ناقابلِ
اکہ ایلن اور پیٹر' راس المیڈا کے کردار سے اس حد تک
تھے کہ وہ تینوں ایک ساتھ رہ رہے تھے جب کہ سی آئی اے
سٹنٹ ڈائریکٹر کو اپنے چیف ڈی مشن یا سربراہ کے بارے
معلوم نہیں تھا۔
گیری....!" راس المیڈا اپریٹس پر غرا رہا تھا "تمہیں اپنی
پیش کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے لیکن میرا خیال ہے کہ
ے ساتھ گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہو۔ میں اپنے نیچے کام
والوں کی اتنی آزاد روی برداشت نہیں کرتا۔ میرے ساتھ
حتاط رہنا ہوگا۔ اوور!"
"سوری سر!" گیری ہارٹ کا لہجہ فوراً معذرت خواہانہ ہوگیا۔
ں طر میرا بیس برس کا ساتھی ہے۔ شاید اسی وجہ سے میں
ہوگیا تھا۔ میں دوبارہ معافی چاہتا ہوں۔ اب میرے لیے کیا
ہے؟ اوور!"
"اسی شخص کی وجہ سے جمی لائیڈ وھائٹ ہاؤس سے نکلتے
مارا گیا اور یہاں جم کلارک موت سے ہم کنار ہوا۔ اگر ہم
آدی کے سامنے اتنے ہی بے بس ہیں تو ہمیں اپنے آدمیوں کی
دینے کے بجائے صبر و سکون سے اس وقت کا انتظار کرنا
ے جب ہمارے ستارے یاور ہوں۔ اپنے فیصلے کا اختیار میں تم
رہتا ہوں۔ یہ تمہارا سولو مشن ہوگا۔ کوئی امریکن تمہارے
نہیں ہوگا۔ تم کرائے پر مقامیوں کا لشکر بھی خرید لو تو مجھے
ض نہیں ہوگا مگر میں جاننا چاہوں گا کہ تم کدھر جاؤ گے اور کیا
گے.... اوور!"
"سر! میں نے فرض کیا ہوا ہے کہ جیف ہیروئن کے کسی ضمیر
اسمگلر کی بیوی کے بس کی چیز نہیں ہے۔ مجھے اس بارے میں
ھی شبہ ہوتا تو میں اپریٹس ہرگز استعمال نہ کرتا کیونکہ ایک
ل جیف بھی لے گیا ہے۔ وہ یقیناً کہیں اور الجھ گیا ہے ورنہ
وقت اپریٹس پر ہماری گفتگو سن کر درمیان میں دخل ضرور دیتا۔
چند مقامیوں کو نادرہ کی طرف بھیجوں گا۔ ان میں کوئی پولیس
پارٹی بھی ہوسکتی ہے۔ میں خود دوسرے ٹھکانوں پر مقدر آزمائی
کروں گا۔۔۔ اوور!"
"جیف طر گھاگ اور تجربے کار نہیں' محض اُلو کا پٹھا ہے"
راس المیڈا کا پارہ اچانک چڑھ گیا "وہ اپریٹس کیوں لے گیا؟ وہ
پھنسا تو ہمارا یہ مواصلاتی نیٹ ورک برباد ہوجائے گا۔ اتنی بڑی اور
اہم خبر تم ساری کہانی کے بعد سنا رہے ہو۔ میں صرف دعا کرسکتا
ہوں کہ جیف کا اپریٹس اس وقت اسی کے پاس ہو۔ اب جیف یا
اپریٹس کے بارے میں کوئی خبر ملنے سے پہلے میں اپریٹس پر بالکل
بات نہیں کروں گا۔ چاہے تمہیں پاتال میں جانا پڑے۔ مجھے صبح
نمودار ہونے سے پہلے خبر چاہیے۔ صرف خبر.... مجھے اچھی اور بری
سے کوئی غرض نہیں.... اوور اینڈ آل۔"
وہ گفتگو سنسنی خیز اور چشم کشا تھی۔ اس نے معاملات کی بہت
سی گم شدہ کڑیوں کو خود بہ خود یک جا کردیا تھا۔ پورے کھیل کا محور
اور مرکزی کردار صرف اور صرف راس المیڈا تھا۔ چھ کونوں
والے داؤدی ستارے کو متبرک اور مقدس سمجھنے والے اس
متعصب اور نسل پرست یہودی ارب پتی کی ذاتی دہشت گرد تنظیم
کا نام ہی ڈیوڈ اسٹارز تھا جس کو سی آئی اے جیسے رسوائے زمانہ
امریکن ادارے کی بھرپور اعانت کی کہانی میں چند لمحوں پہلے اپنے
کانوں سے سن چکا تھا۔ راس المیڈا ایک طرف پاکستان کو تیسرے
درجے کا حقیر ملک قرار دے رہا تھا دوسری طرف ریشہ دوانیوں کی
براہِ راست سرپرستی کے لیے خود کراچی میں موجود تھا۔ پاکستان میں
اپنی سازشوں کو پروان چڑھانے کے لیے اس نے دو فعال تکون
بنائے ہوئے تھے جن میں اس کی ذات مشترک تھی۔ پہلی تکون میں
اس کے ساتھ ایلن سیفریال اور پیٹر کنگ تھے' دوسری تکون میں
گیری ہارٹ اور جیف طر شامل تھے۔ پیٹر جہنم واصل ہوچکا تھا۔
جیف اسیر تھا' ایلن مصنوعی تنفس کے سہارے اپنی زندگی کے
آخری سانس پوری کررہا تھا اور سب سے بڑی بات یہی تھی کہ
راس المیڈا میرے مقابلے میں پے درپے ناکامیوں اور بڑھتی ہوئی
ہلاکتوں سے خائف تھا۔
جیف طر کے بارے میں گیری ہارٹ کی حد سے بڑھی ہوئی
پُرامیدی کے پس منظر میں' میں ان لوگوں کی اس ذہنی اذیت کا بہ خوبی
اندازہ کرسکتا تھا جو ڈرائیو ان سینما میں کھڑی ہوئی بی ایم ڈبلیو سے
جیف طر کی جلی ہوئی پنڈلی برآمد ہونے پر ہوتی۔ گیری ہارٹ کا نادرہ
کی طرف بذاتِ خود آنے کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ جن لوگوں کو بھی
ادھر بھیجتا' وہ سنجیدگی سے جیف طر کو تلاش کرنے کے بجائے نادرہ
کے بھرے پرے اور خالی مکان کی لوٹ مار میں زیادہ دلچسپی لیتے۔
میں چند لمحوں تک تنہا کھڑا یہی سب سوچتا رہا جیسے میرے سوا
وہاں کوئی اور ذی روح موجود نہ ہو پھر اچانک ہی مجھے نادرہ یاد آئی۔
اسے میرے ساتھ جانا تھا۔
میں نے اسے اپنے دستی بموں وغیرہ کا پیکٹ لینے کے لیے
گیسٹ روم میں بھیجا تھا۔ وہ بمشکل ایک ڈیڑھ منٹ کا کام تھا لیکن

وہ کافی دیر سے بشیر کے ساتھ وہاں گھسی ہوئی تھی۔

میں نے اسے نام لے کر پکارا تو اس نے بوجھل سی آواز میں "آرہی ہوں" کہہ کر میری بات کا جواب دیا لیکن فوراً ہی نمودار نہیں ہوئی۔ ویسے بھی گیسٹ بیڈ روم سے اندر کی طرف نکاس کا دروازہ ڈرائنگ روم سے نظر نہیں آرہا تھا۔ پہلے بشیر سر جھکائے آتا ہوا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک وزنی شاپنگ بیگ تھا جس میں شاید میرا لایا ہوا دستی بموں وغیرہ کا ڈبا تھا۔ نادرہ مست خرامی کے انداز میں اس کے پیچھے چلی آرہی تھی۔

انہیں دیکھ کر اچانک ہی میرا دورانِ خون تیز ہوگیا۔ میرا دل چاہا کہ انہیں اتنی دیر تک غائب رہنے پر ذلیل اور شرمندہ کروں لیکن میں نے جبر کرکے اپنی زبان بند رکھی۔

ضروری نہیں تھا کہ ان دونوں کے مراسم کے بارے میں میرے اندیشے درست ہوتے۔ آدمی کسی بھی معاملے کے بارے میں کوئی رائے قائم کرکے اس کا جائزہ لینے لگے تو اسے ہر موڑ اپنے اندیشوں کے عین مطابق نظر آنے لگتا ہے اور اگر ان دونوں میں مالکن اور ملازم سے ماورا کوئی اور رشتہ بھی استوار تھا تو مجھے اس پر بھڑکنے یا مشتعل ہونے کا کوئی حق نہیں تھا۔ وہ کون سے میرے عزیز، رشتے دار یا دوست تھے اور پھر جس کے دیدوں کا پانی ڈھل جائے، باتوں سے اس کا کچھ نہیں بگاڑا جاسکتا۔

میں نے اپنے ڈبے والا تھیلا بشیر کے ہاتھ سے لے لیا اور دروازے سے نکل گیا۔ نادرہ اپنا سفری تھیلا اٹھا کر خاموشی سے میرے پیچھے ہولی۔ بشیر اس وقت تک ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑا والہانہ انداز میں ہاتھ لہراتا رہا جب تک ہم چوبی پھاٹک عبور کرکے احاطے سے سڑک پر نہیں آگئے۔

"تم نے کمرے سے ڈبا لانے میں کافی دیر لگادی" باہر نکل آنے کے بعد میں اپنے دل میں بھرے ہوئے غبار پر قابو نہیں رکھ سکا اور نادرہ سے پوچھ ہی بیٹھا "تم نے گفتگو کے بہت اہم حصے نہیں سنے جو ضروری تھے۔"

اس سے بات کرتے ہوئے بھی میری نظریں متجسسانہ انداز میں پوری گلی کا جائزہ لے رہی تھیں لیکن مجھے سلطان شاہ کی گاڑی کہیں بھی نظر نہیں آرہی تھی۔

"میں بشیر کے ساتھ دانستہ اس کمرے میں رکی رہی کیونکہ وہ آپ کا بہانہ تھا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ آپ اس وقت مجھے وہاں سے ہٹانا چاہ رہے تھے۔ میں نے فوراً واپس آکر دوبارہ دخل انداز ہونا پسند نہیں کیا۔"

"تمہیں نہیں، میں بشیر کو وہاں سے ہٹانا چاہ رہا تھا" میں نے فوراً ہی قلابازی کھائی "لیرئس پر ہونے والی اہم اور خفیہ گفتگو ہر ایک کو نہیں سنائی جاسکتی تھی۔"

"آپ کی وہ خواہش غیر ضروری تھی کیونکہ گفتگو انگریزی میں ہورہی تھی اور بشیر انگریزی سے یکسر نابلد ہے۔ وہ وہاں موجود رہتا تب بھی کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا" نادرہ کی آواز میں ہلکا سا فاتحانہ طنز پوشیدہ تھا۔

"اسے تم میری غلط فہمی کہہ سکتی ہو۔ آج کل بے روزگاری کی لہر کی وجہ سے بہتیرے گریجویٹ بھی اپنا پیٹ پالنے کے لیے گھروں میں نوکریاں کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ بشیر تو چہرے مہرے سے بھی سلیقہ مند اور تعلیم یافتہ نظر آتا ہے۔"

"میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ بشیر اس گھر میں آج کا نہیں، پندرہ بیس سال پرانا ملازم ہے۔ اس زمانے میں پڑھے لکھے لڑکے گھروں میں نوکری کو سخت ترین توہین سمجھتے تھے کیونکہ بے روزگاری اتنی عام نہیں تھی۔"

ہم گلی سے سروس روڈ پر آئے تو سلطان شاہ کی کرولا ایک دیوار کے ساتھ کھڑی ہوئی نظر آگئی۔ اس طرف اتنا اندھیرا تھا کہ گاڑی کی اگلی نشست پر کسی کی موجودگی یا غیر موجودگی میں تمیز کرنا مشکل تھی۔

"میں بشیر کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اس کے بارے میں اتنی لمبی بحث کی جائے" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا "اس کی ذہنی سطح کا یہ عالم ہے کہ وہ ہمیں باہر کسی مشتبہ کار کے منڈلانے کی خبر سنا کر دہشت زدہ کرنا چاہ رہا تھا۔ اب تم خود دیکھ رہی ہو کہ ہر طرف میدان صاف ہے، کہاں گئی وہ مشتبہ کار؟"

"اسے بھول کر یہ بتائیں کہ وہ کون سی اہم باتیں تھیں جو آپ مجھے سنوانی چاہ رہے تھے؟"

"یہ تو تم نے سن ہی لیا تھا کہ اس لاسلکی گفتگو کی ابتدا گیری ہارٹ نے کی تھی۔ دوسری طرف سے اس کے مشن کا سربراہ بول رہا تھا۔ اسی سے تم اندازہ لگاسکتی ہو کہ یہ لوگ یہاں کتنے بڑے پیمانے پر منظم اور فعال ہیں اور کس بری طرح میری گرفتاری کے لیے بے تاب ہیں..."

"میں گیری ہارٹ کی باتیں سن کر ششدر رہ گئی تھی۔ ایک آدمی کی گرفتاری کے لیے سی آئی اے کے کسی اسسٹنٹ ڈائریکٹر کا میدان میں آنا ہی بہت غیر معمولی بات تھی لیکن یہاں اس کا بھی سربراہ موجود ہے۔"

"انہوں نے تمہارے معاملے میں میرے رہے سہے شبہات کی بھی تصدیق کر ڈالی تھی۔ گیری ہارٹ کا کہنا تھا کہ تمہیں راہِ راست پر لانے کے لیے ہر وہ احمقانہ وعدہ کیا گیا تھا جو تمہیں خوش کرسکتا تھا یعنی اول تا آخر، ان کی ہر بات لغو اور بے بنیاد تھی۔ غنی کی رہائی کی پیش کش تمہیں خوش کرنے کے لیے کی گئی تھی۔"

ہم سروس لین سے گزر کر شارع فیصل کے بلند کنارے پر چڑھ چکے تھے۔ میں نے ایک خالی ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا اور پھر ہم نرسری کی طرف روانہ ہوگئے۔ ٹیکسی ڈرائیور کی موجودگی میں ہم اپنے پسندیدہ موضوعات پر بات نہیں کرسکتے تھے اس لیے ٹیکسی میں خاصی دیر تک خاموشی چھائی رہی پھر نادرہ نے سکوت توڑنے کی

ایک راہ نکال ہی لی۔

"میرا خیال ہے کہ ہم انگریزی میں باتیں کرسکتے ہیں۔ یہ احمق ڈرائیور انگریزی کہاں جانتا ہوگا۔"

اس سے پہلے کہ میں انگریزی میں کہی ہوئی اس بات کا جواب دیتا، قمیص شلوار میں ملبوس نوجوان نے روانی سے انگریزی بول کر نادرہ کو بوکھلا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا "معاف کیجئے میڈم! میں احمق تو ہوسکتا ہوں لیکن انگریزی سے نابلد نہیں ہوں۔ اپنی نجی باتوں کے لیے آپ کو انگریزی، اردو، سندھی اور پنجابی کے علاوہ کسی اور زبان کا انتخاب کرنا ہوگا۔"

"اوہ... ہو... میرا یہ مطلب نہیں تھا" نادرہ بوکھلا کے بولی۔ "احمق کا لفظ میں روانی میں بول گئی۔ مجھے تمہاری تحقیر نہیں کرنی تھی۔ بس اندازہ تھا کہ پڑھے لکھے لڑکے ٹیکسیاں چلانا پسند نہیں کرتے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ یہ کام مجھے بھی پسند نہیں تھا لیکن دو وقت کی روٹی کمانے کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ پسند اور ناپسند کے چکر میں پڑنے والے فاقے جھیل کر زندہ درگور ہوجاتے ہیں۔ پڑھے لکھے نوجوانوں پر باعزت روزگار کے دروازے بند کردیے جائیں تو وہ شہر کے گٹر تک صاف کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔" وہ بہت تلخ اور جارح طبیعت کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ میں نے نادرہ کے پہلو میں کہنی مار کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ٹیکسی میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں وہ میرے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکی۔ میرے ٹہوکے کا غلط مفہوم سمجھ کر میرے بالکل قریب سرک آئی اور ڈرائیور سے بولی "محنت ہی میں عظمت ہے.... کوئی پیشہ حقیر نہیں ہوتا۔ صفائی کا گندا کام کرنے والوں نے ہی بڑے شہروں کو رہنے کے قابل بنایا ہوا ہے ورنہ ہر طرف غلاظت اور گندگی کے ڈھیر لگ جائیں اور پوری پوری آبادیاں وبائی بیماریوں کی نذر ہوجائیں۔"

"میں نے چپکنے کے لیے نہیں، خاموش رہنے کے لیے ٹہوکا دیا تھا" نادرہ کے کان کے نیچے سرگوشی کرتے ہوئے میرے اعصاب پر ایک مرتبہ پھر اس کے وجود کی مکار حملہ آور ہوئی لیکن بشیر کا خیال آتے ہی ابھرتا ہوا ولولہ سرد ہوگیا۔ اس اثنا میں نادرہ بھی شرم سار ہوکر مجھ سے ذرا دور ہٹ گئی تھی۔

"یہ سب کہنے کی باتیں ہیں" ڈرائیور کہہ رہا تھا "اور لیڈروں کو زیب دیتی ہیں۔ عام رویہ یہ ہے کہ بھنگی کو الگ برتنوں میں اسی طرح کھانا دیا جاتا ہے جیسے کتے کو راتب ڈالا جاتا ہے.... میں بہت ستم گزیدہ ہوں، اپنی تلخ نوائی پر معذرت چاہتا ہوں۔ میرا ضمیر مردہ ہوتا تو میں اپنی انگریزی دانی کا اعتراف کرنے کے بجائے خاموشی سے آپ کی باتوں سے لطف اندوز ہوتا رہتا۔ شاید یہی میری کمزوری ہے۔"

نادرہ خاموش رہی۔ مسافروں کی مرضی بھانپ کر اس نے بھی پورے سفر میں دوبارہ لب کشائی نہیں کی۔

ٹیکسی سے اتر کر ہم احاطے میں داخل ہوئے تو میں نے دور ہی سے سلطان شاہ کی گاڑی دیکھ لی۔ مجھے نادرہ کے ساتھ بخیر وعافیت دیکھ لینے کے بعد شاید وہ برق رفتاری کا مظاہرہ کرتا ہوا ہم سے پہلے گھر پہنچ گیا تھا۔

اوپر جاتے ہوئے میں سخت تذبذب میں مبتلا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں سب لوگ اچانک نادرہ کی نظروں میں نہ آجائیں۔ ایک ہی چھت کے نیچے ایسی احتیاط کا تصور بعید از قیاس محسوس ہو رہا تھا۔

ڈور بیل کے جواب میں غزالہ نے دروازہ کھولا تو اس نے میرے ساتھ نادرہ کو دیکھ کر ذرا بھی حیرت کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ نرم مسکراہٹ کے ساتھ ہم دونوں کے لیے اندر آنے کا راستہ چھوڑ دیا۔

میں اندر پہنچا تو فلیٹ خالی محسوس ہو رہا تھا۔ ویرا کی خواب گاہ کا دروازہ بند تھا۔

میرا غزالہ کے ساتھ نگاہوں کا تبادلہ ہوا اور اشاروں کنایوں میں یہ واضح ہوگیا کہ وہ دونوں شاید نادرہ کی متوقع آمد کی بنا پر ایک ہی کمرے میں محصور ہوگئے تھے۔

نادرہ نے ڈرائنگ روم کا رخ کیا۔ میں نے فوراً ہی اسے ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہاں بیٹھتے ہوئے میں نے دانستہ غزالہ کو ہدایت کی "نادرہ کی موجودگی میں کسی کو اندر نہیں بلانا۔ کوئی حل برآمد ہونے تک نادرہ کی موجودگی کو پوشیدہ ہی رکھنا ہے۔"

"کیوں؟ کیا کوئی خاص بات ہے؟" غزالہ نے اٹھلا کے پوچھا۔

"ایک گڑبڑ کی وجہ سے نادرہ کو اپنے گھر سے فرار ہونا پڑا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ نادرہ کی فوری واپسی ممکن نہ ہوسکے۔" میں نے کہا۔ "کچھ دیر ستانے کے بعد ہمیں اس مسئلے کا کوئی حل سوچنا ہوگا۔"

"حل بہت آسان ہے۔ ہوٹل کا کمرا فون پر بھی بک کرایا جاسکتا ہے۔"

"ایک منٹ!" نادرہ نے میرے بولنے سے پہلے کہا "میرا خیال ہے کہ آپ دونوں تخلیے میں کچھ باتیں کرلیں تو افہام و تفہیم کا بہتر راستہ تلاش کیا جاسکے گا۔ میں کسی بھی کمرے میں جاسکتی ہوں۔"

"پھر تم فی الحال میری خواب گاہ میں چلی جاؤ" میں نے موقع غنیمت جان کر کہا "ڈرائنگ روم میں تمہارے دیکھ لیے جانے کا خطرہ برقرار رہے گا۔ اس دوران میں غزالہ کوئی اور کمرا تیار کردے گی۔"

نادرہ نے ہماری بے آرامی کے حوالے سے تکلف کا مظاہرہ کرنا چاہا لیکن میرے پاس کوئی متبادل حل نہیں تھا۔ ایک کمرے میں ویرا کے ساتھ سلطان شاہ بند تھا۔ دوسری خواب گاہ میں سلطان شاہ کا مردانہ ساز و سامان نادرہ کو الجھن میں ڈال سکتا تھا۔ میں نے تقریباً زبردستی نادرہ کو اپنے کمرے میں دھکیل کر دروازہ بند کردیا۔

"تم تھوڑی دیر یہیں ٹھہرو اور وقفے وقفے سے دو مرتبہ

ڈور بیل بجاکر دروازہ کھولتی اور بند کرتی رہو تاکہ نادرہ خوف زدہ ہوکر باہر نکلنے کا حوصلہ نہ کرسکے۔ میں ویرا کے کمرے میں جارہا ہوں۔ بعد میں ہم ڈرائنگ روم ہی میں بیٹھ جائیں گے" میں نے جلدی جلدی غزالہ سے کہا۔

ایسے معاملات میں غزالہ ہمیشہ مجھ سے تعاون کرتی چلی آئی تھی۔ اس نے فوری طور پر کسی تجسس کا مظاہرہ کیے بغیر میری بات مان لی اور کہا "میں خود بھی اسے متوقع مہمانوں کے بارے میں بتاکر اپنے کمرے میں مقفل کردوں گی تاکہ ہم آزادی سے چل پھر سکیں۔"

میں نے پیار سے اس کے رخسار پر ہلکی سی تھپکی دی اور ویرا کی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔

اندر پہنچتے ہی میں نے سلطان شاہ کو شاباش دی کہ اس نے مجھ سے پہلے گھر پہنچ کر سب کو نادرہ کی آمد کی خبر سے مطلع کرکے مجھے کئی پریشانیوں سے بچالیا تھا۔ اس نے بتایا کہ نادرہ کے ہاتھ میں سفری بیگ دیکھنے کے بعد اسے خیال ہوا تھا کہ میں نادرہ کو کسی ہوٹل میں چھوڑوں گا پھر بھی اس نے گھر میں سب کو ہوشیار کردیا تھا۔

"لیکن یہ یہاں کیوں آئی ہے؟" ویرا نے اشتباہ آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ ان دونوں سے باغی ہوکر مجھ سے مل گئی ہے۔ اسے ان سے تحفظ درکار ہے" میں نے کہا۔

"کیا تم نے یہاں کوئی قومی یتیم خانہ کھولا ہوا ہے جہاں شہر بھر کی تمام مظلوم اور خوب صورت عورتوں کو پناہ دینا لازم ہے؟" ویرا نے جلے کٹے لہجے میں پوچھا۔

میں بے بسی سے ہنس کر رہ گیا "غزالہ کے سامنے ایسی جلی کٹی باتیں شروع نہ کردینا۔ اپنی بہن کو منانے کے بعد وہ ایک لمحے کے لیے بھی یہاں نہیں ٹھہرے گی۔ اس کے چکر میں الجھ کر تم اہم ترین باتوں کو نظرانداز کررہی ہو۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ سرخ بی ایم ڈبلیو سے آنے والے گورے کو تم اس مقامی کی قید میں چھوڑ کر آئے ہو جو بعد میں بی ایم ڈبلیو کہیں پہنچاکر ٹیکسی سے واپس آیا تھا۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"میرا منصوبہ میری توقعات سے کہیں زیادہ کامیاب ثابت ہوا ہے" میں نے کہا "تم نے دیکھ لیا کہ جیف ملر پروگرام کے مطابق بے خوفی سے نادرہ کے گھر پہنچا پھر اسے وہاں سے نکلنا نصیب نہیں ہوسکا۔ ہمارے نکل آنے کے بعد نادرہ کا مقامی ملازم بھی وہاں سے نکل بھاگا ہوگا۔ اس گھر میں اب صرف معذور جیف ملر رہ گیا ہے۔"

فلیٹ میں ڈور بیل کی آواز گونجی تو وہ دونوں چونکے مگر میں نے انہیں اطمینان دلادیا۔

"بیچ بیچ میں سے قصے سنانے کے بجائے پوری کہانی سناؤ" ویرا سگریٹ سلگاکے بولی "معلوم ہوتا ہے آج تم نے کچھ زیادہ ہی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ تمہارے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑرہی ہے۔"

"وہ نادرہ کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے" میں نے سلطان شاہ کو گھورا تو وہ گڑبڑا کے بولا "میرا مطلب ہے کہ ایک بے بس اور مظلوم عورت کی مدد کرکے بھی سچی خوشی حاصل ہوسکتی ہے۔"

میں نے انہیں دوسری گھنٹی کی آواز تک صبر کرنے کی ہدایت کی تاکہ غزالہ بھی نادرہ کو مقفل کرنے کے بعد اس محفل میں شریک ہوجائے اور میں ان سب کو ایک ساتھ تفصیلات بتاتا چلا جاؤں۔

اس مہلت سے فائدہ اٹھاکر میں نے اپنی جیبوں میں موجود ہتھیار اور دستی بم نکال کر ایک طرف رکھ دیے اور آخر میں جیف ملر کا ایرپیس بھی تپائی پر رکھ دیا۔

"یہ جیف سے چھینا ہے؟" ویرا نے اسے اٹھاکے بے ساختہ سوال کیا۔

"ہاں۔ اور میں اس پر راس الیمڈا اور گیری ہارٹ کی طویل گفتگو بھی سن چکا ہوں۔ تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہاں سی آئی اے کے اعلیٰ افسران راس الیمڈا کی سربراہی میں کام کررہے ہیں اور انہیں قطعی علم نہیں ہے کہ ان کی سربراہی کرنے والا کون ہے۔"

"پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ راس الیمڈا ان لوگوں پر مامور ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"تم بھول رہی ہو کہ ایلن کی کمین گاہ پر میں نے تمہاری بازیابی کے لیے اس سے براہِ راست مذاکرات کیے تھے۔ میں نے ایرپیس پر اس کی آواز پہچانی ہے..."

فلیٹ میں دوبارہ ڈور بیل بجنے سے میری بات ادھوری رہ گئی۔ شاید غزالہ جلد از جلد اپنی ذمے داری پوری کرکے ہمارے ساتھ شامل ہونے کے لیے بے چین تھی اور میں خود بھی اسی کا منتظر تھا۔

"جیف کو تم نے تشدد سے معذور کیا ہوگا؟" سلطان شاہ نے اندازے سے کہا۔

"بہت زیادہ تشدد کی نوبت ہی نہیں آئی۔ بس بیم گن سے اس کی ایک پنڈلی جل کر الگ ہوگئی۔"

چند سیکنڈ بعد غزالہ بھی اسی کمرے میں آگئی۔ اس کے ہاتھ میں نادرہ والے بیڈ روم کی چابی تھی۔ باہر سے دروازہ مقفل کیے جانے کے بعد وہ چاہتی بھی تو اندر سے دروازہ نہیں کھول سکتی تھی۔

"کہانی کہاں تک پہنچی ہے؟" غزالہ نے آتے ہی مسکرا کے پوچھا۔

"ابھی کہانی شروع ہی نہیں ہوئی۔ تمہاری آمد کا انتظار کیا جارہا تھا" میں نے کہا "نادرہ کو تم کس بہانے سے قید کرکے آئی ہو؟ وہ بہت چالاک عورت ہے۔"

"میں نے اسے بتایا ہے کہ ہم سے ملاقات کے لیے ایک بے

تکلف جوڑا آگیا ہے۔ دروازہ مقفل نہ کیا گیا تو ان دونوں میں سے کوئی بھی باتھ روم وغیرہ استعمال کرنے کے لیے اچانک کمرے میں داخل ہو سکتا ہے۔ بات اس کی سمجھ میں آگئی اور میں اندر سے چابی نکال لائی۔ دروازہ مقفل کرکے میں نے کی ہول پر ٹیپ بھی چپکا دیا ہے تاکہ وہ اندر سے جھانک کر باہر کی نقل و حرکت کا جائزہ نہ لے سکے۔ وہ بہت آرام سے ہماری مسہری پر لیٹی ہوئی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آج کا دن مبارک ہے.... ویرا نے اپنی خاموشی توڑ کر ہمارے جوش کو تازہ کردیا ہے اور آج ہم سب ہی اپنے ذہنوں سے بہترین کام لے رہے ہیں۔ شاید دشمنوں کی مکمل تباہی اب ان کا مقدر بن گئی ہے۔"

"تمہید کو غیر ضروری طول دینے کے بجائے کام کی باتیں بتاؤ۔ یہ خود ستائی بعد میں بھی ہوتی رہے گی" ویرا نے خشک لہجے میں کہا۔ "معذور حبیب کو اکیلے گھر میں چھوڑ کر تم نے خاصی سنگین حماقت کی ہے۔ اس کے ساتھی اسے تلاش کرتے ہوئے کسی بھی وقت وہاں پہنچیں گے اور تمہاری خوشیوں پر پانی پھیر دیں گے۔"

میں نے ابتدا سے اپنی کہانی دہرانی شروع کردی۔ بشیر کے مشتبہ کردار کو میں نے جان بوجھ کر گول کردیا کیونکہ اس تذکرے کے بعد نادرہ' غزالہ کی نظروں میں اپنی وقعت کھو بیٹھتی پھر وہ صرف میرا قیاس تھا' میں نے اپنی آنکھوں سے ان دونوں کی بے تکلفی کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا تھا۔

نادرہ کے گھر میں پیش آنے والے واقعات اتنے تیز رفتار اور مربوط تھے کہ خلافِ معمول ان میں سے کسی نے درمیان میں مجھے نہیں ٹوکا اور پوری توجہ سے میرا بیان سنتے رہے۔

نادرہ کے گھر سے واپسی کا ذکر آتے ہی ویرا بول پڑی۔ "تمہارے ٹیکسی میں سوار ہونے تک کی کہانی سلطان شاہ سنا چکا ہے۔ تم پچھلی نشست پر نادرہ کے ساتھ بیٹھ کر آئے ہو۔ اصولاً تمہیں آگے بیٹھنا چاہیے تھا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا" غزالہ ہنستے ہوئے بولی "انہوں نے آج بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ بدرو دادا کی مخاصمانہ حرکتوں سے شروع ہونے والی اس سازش کے سارے مہرے اب ہمارے سامنے آچکے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں ساری توجہ راس المیڈا پر مرکوز کردینی چاہیے۔"

"وہ اب بھول کر بھی اپرنس استعمال نہیں کرے گا" ویرا نے فتویٰ جاری کردیا "اپرنس کے سہارے مزید معلومات حاصل ہونے کی امید بے سود ہوگی۔ ہاں' فی الحال ہم انہیں مزید ہراساں کرسکتے ہیں۔ کیری ہارٹ کراچی آچکا ہے۔ اس کا فون نمبر تمہارے پاس موجود ہے۔ اس سے پہلے کہ ڈرائیو اِن میں حبیب ملر کی کار لاوارث کھڑی ہوئی پائی جائے' تم اسے فون کرکے کہہ دو کہ وہ ڈرائیو ان جاکر حبیب ملر کی ایک پنڈلی اور پیر وصول کرلے۔ میں دعوے سے کہتی ہوں کہ دہشت سے وہ اپنے گھروں میں محبوس ہوجائیں گے۔"

"میں نے بھی یہ سوچا تھا کہ لیکن میں اس کام کے لیے فلیٹ کا فون استعمال نہیں کرسکتا۔"

"کیوں؟ اس میں کیا حرج ہے؟ اس فون پر کون سا آبزرویشن لگا دیا گیا ہوگا۔"

"مواصلات کی دنیا میں اب سالوں کے بجائے گھنٹوں کے حساب سے ترقی ہورہی ہے۔" میں نے کہا "آبزرویشن اب بہت پرانی بات ہوگئی ہے۔ میں چند روز پہلے اخبار میں پڑھ رہا تھا کہ امریکا میں بازار میں ایسے ٹیلی فون سیٹ آگئے ہیں جنہیں ڈیجیٹل ایکسچینج کے کسی بھی نمبر پر استعمال کیا جائے تو باہر سے فون آنے کی صورت میں گھنٹی بجتے ہی ایک اسکرین پر وہ نمبر بھی روشن ہوجاتا ہے جہاں سے فون کیا جارہا ہو۔ اس طرح آبزرویشن کے بغیر ہی ہر آنے والی کال کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہمارے حریف یہاں اس سہولت سے استفادہ کررہے ہوں۔ میں انہیں باہر کے کسی پبلک بوتھ سے فون کروں گا۔"

"اخبار میں بھی دیکھتا ہوں لیکن ایسی خبریں میری نگاہ میں نہیں آتیں" سلطان شاہ چڑچڑے لہجے میں بولا "پتا نہیں تم اخبار میں کیا کیا چاٹتے رہتے ہو۔"

"یہ کوئی خبر نہیں تھی۔ خبر پرانی ہوچکی ہے۔ میرے سامنے کوئی اخباری مضمون تھا۔"

"آپ کیری ہارٹ کو ضرور فون کریں۔ وہ موجود نہ ہو تو جو بھی موجود ہو' اسی کو بتادیں۔ اگر وہ یہاں ہونے والے جانی نقصانات سے اتنے ہی خائف ہیں تو حبیب ملر کا انجام ان کے ہوش اُڑا کر رکھ دے گا" غزالہ بولی۔

"ابھی باہر جاؤں گا...." غزالہ کو جواب دے کر میں سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہوگیا "مجھے حبیب ملر کی بازیابی کی ذرا بھی امید نہیں۔ تمہیں اس کی دیکھ بھال کی ذمے داری پوری کرنی ہوگی۔"

"موذی دشمن کو پال کر تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟" ویرا نے تیز لہجے میں پوچھا "تم خود بتا رہے ہو کہ وہ لوگ نادرہ سے کیے ہوئے وعدوں کے بارے میں سنجیدہ نہیں تھے۔ کھل کر اسے بے وقوف بنا رہے تھے۔"

"نادرہ والے مسائل میں مجھے ان سے کوئی امید تھی اور نہ اب ہے" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "جب تک حبیب زندہ ہے' وہ اس کی تلاش میں تڑپتے اور حماقتیں کرتے رہیں گے اور ہمیں کبھی نہ کبھی ان حماقتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے گا۔ وہ ذرا سے سست پڑیں گے تو انہیں کسی فون پر حبیب ملر کی آواز سنوادی جائے گی جو ان کے لیے تازیانے کا کام کرے گی۔"

"اگر تم ان کے ساتھ بلی اور چوہے کا لمبا کھیل کھیلنے کا تہیہ کرچکے ہو تو تمہاری حکمتِ عملی بالکل مناسب ہے" ویرا نے نیم دلی سے کہا "لیکن ایسی لمبی لڑائیوں کے لیے جو وسائل درکار ہوتے ہیں' ہم ان سے محروم ہیں۔ ہمارے لیے مارو اور

ارہی سب سے زیادہ موزوں ہے۔"
مجھے یہ جنگ طویل کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے' میری
ہے کہ یہ قصہ کل نمٹ جائے لیکن یہ ممکن نظر نہیں آرہا۔
ت میرا اصل ہدف راس المیڈا ہے۔"
اش اس وقت اول خان ہمارے ساتھ ہوتا" سلطان شاہ
رت زدہ لہجے میں کہا "ہمیں معلوم ہے کہ وہ راؤنی آرک کے
یہاں آیا ہے۔ امیگریشن سے اس کے کوائف حاصل
وہ کسی نہ کسی طرح اس کا کھوج نکال لیتا اور ہم بے خبری
ے چھاپ لینے میں کامیاب ہوجاتے۔"
ہم بھول رہے ہو کہ ایلن کے مکان میں ہم اس کے سر پر پہنچ
تھے۔ اس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ بچ کر نکل گیا اور پیٹر
چھڑے اڑ گئے۔ ایلن بھی بس اپنے آخری دن گزار رہا

میرے لیے یہ خبریں دلی تسکین کا سبب بن رہی ہیں۔ میرے
ے مجرم ایک ایک کرکے مارے جارہے ہیں۔ افسوس اس
کا ہے کہ ان کی ہلاکت کے عمل میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔
راس المیڈا میرے ہاتھ آسکے۔ میری تذلیل کرنے والے
کرداروں میں اب صرف وہی باقی رہ گیا ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ وہ تمہاری بددعاؤں ہی سے مرجائے گا۔ تمہارا
گڑا ہوا ہے ورنہ تم اسے آنکھ مار کر بھی قتل کرسکتی تھیں۔"
ان شاہ اسے سلگانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

"یہ ہمیشہ بے وقت کی راگنی الاپتا رہتا ہے" وہ منہ بنا کر بڑبڑائی
پھر مجھ سے بولی "تم نمبر ٹریس کرنے والے جدید ترین فون کے
ے میں بلاوجہ فکر مند ہو۔ پاکستان کو تیسرے درجے کا ملک سمجھتے
ئے انہوں نے یہاں ایسی جدید ترین ایجادات استعمال کرنے کی
رورت محسوس نہیں کی ہوگی۔ بے فکر ہو کر یہیں سے بات کرو۔
فون پر تم اسے کھل کر کھری کھری نہیں سنا سکو گے۔"

غزالہ اور سلطان شاہ نے بھی ویرا کی تائید کی اور مجھے ان کا
مشورہ مان لینا پڑا۔

پہلی تین کوششوں میں گیری ہارٹ کا نمبر مصروف ملا۔ میری
نست میں یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ گیری ہارٹ اپنے ٹھکانے پر
تھا اور مسلسل فون پر رابطے کررہا تھا۔ نمبر ملانے سے قبل
جنکشن بکس سے وہ تار الگ کردیے تھے جو میری خواب گاہ
ایکس ٹینشن کو جارہے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ نادرہ ہماری گفتگو
خل انداز نہ ہوسکے۔

چوتھی کوشش بار آور ثابت ہوئی۔ میں حبیب طرسے حاصل
ئے ہوئے اپرٹیس پر گیری ہارٹ کی آواز سن چکا تھا اس لیے فوراً
پہچان گیا کہ ریسیور اسی نے اٹھایا تھا مگر میں نے پھر بھی انجان بن
انگریزی میں کہا "میری گیری ہارٹ سے بات کراؤ!"

"تم کون ہو!" دوسری طرف سے پھاڑ کھانے والے لہجے میں
ال کیا گیا۔

"میں اس کا سوتیلا یا مشترکہ باپ ہوں۔ میرا نام ڈینی ہے" میں
نے کہا۔

"اوہ... ڈینی... باسٹرڈ... یو سن آف اے بچ!" میرے تعارفی
فقروں پر وہ غصے سے ابل پڑا۔ "تمہاری یہ ہرزہ سرائیاں بہت جلد
ہمیشہ کے لیے بند کرادی جائیں گی... تم کو یہ نمبر کس حرام زادے
نے دیا ہے؟"

"اس کھوسٹ بلڈاگ کا نام حبیب طرہے۔ مجھے حیرت ہے کہ
اسے غائب ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے ہیں اور تم ابھی تک اپنی بھٹ
میں دبکے بیٹھے ہو۔ تمہارا وہ بلڈاگ میرے قبضے میں ہے۔"

"تم بکواس کررہے ہو... اول درجے کے مکار اور جھوٹے
ہو" وہ بدستور بپھرا ہوا تھا۔

"تمہاری تسلی کے لیے میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ بندریا بھی
میرے قبضے میں ہے جسے تم اپنی ڈگڈگی پر نچانا چاہ رہے تھے۔ وہ
دونوں مجھ تک پہنچنے کے چکر میں تھے اور آسانی سے پہنچ گئے۔ اب
بھی میری بات کا یقین نہیں آرہا ہو تو سر کے بل ڈرائیو ان سینما
چلے جاؤ۔ وہاں حبیب کی بی ایم ڈبلیو موجود ہے۔ تمہارے مزید
اطمینان کے لیے میں نے حبیب کی ایک پنڈلی بھی اسی گاڑی میں
رکھوادی ہے۔"

"یہ... یہ نہیں ہوسکتا" غصے اور صدمے کی وجہ سے اس کی
زبان پر لکنت آگئی۔

"مجھے افسوس ہے کہ آج کل تمہاری دعائیں پوری نہیں
ہورہیں۔ جب تم میرے ہاتھ آؤگے تو میں تمہارے بڑوں کے لیے
سب سے پہلے تمہارے کان کاٹ کر بھیجوں گا۔ شاید میں تم سے یہ
باتیں حبیب کے اپرٹیس پر ہی کرتا لیکن اس کی دھینگا مشتی میں وہ
چور چور ہوکر رہ گیا۔ میرے ہاتھ آؤگے تو اپرٹیس کا ملبہ بھی
تمہارے حوالے کردوں گا۔" آخری فقرے میں نے اپنے ساتھیوں
کو آنکھ مار کر ایک خاص مقصد سے کہے تھے۔

"ڈینی! حبیب کو فوراً چھوڑدو اور ہتھیار ڈال دو۔ تمہیں
اندازہ نہیں ہے کہ تمہارے خلاف کیسا بھیانک جال تیار ہوچکا
ہے۔ اگر تم نے واقعی حبیب کو لنگڑا کیا ہے تو میں قسم کھاتا ہوں کہ
میں تمہارے زندہ جسم کے ایک ایک حصے کو جسم سے الگ کیے بغیر
کچل کر قیمہ بناؤں گا اور تمہیں اتنی اذیت دوں گا کہ تم موت کی
آرزو میں تڑپتے رہوگے لیکن تمہیں موت نہیں آئے گی۔"

"اس وقت صدمے سے تمہارا دماغ الٹ گیا ہے۔ پہلے تم
ڈرائیو ان کی خبر لو۔ میں بعد میں تم سے بات کروں گا" میں نے
استہزائیہ لہجے میں یہ کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"گڈ!" فون بند ہوتے ہی ویرا میری تعریف کرنے لگی "یہ
بھیانک باتیں تم کسی پبلک فون سے نہیں کرسکتے تھے۔ تم نے
اپرٹیس کے بارے میں بھی خوب شوشہ..."

ویرا کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اپرٹیس یک بیک جاگ اٹھا
تھا۔ اس پر گیری ہارٹ اپنے چیف ڈی مشن سے رابطہ کرنے کی
کوشش کررہا تھا۔

ان تینوں کی تحسین آمیز نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں۔

"میں گیری ہارٹ بول رہا ہوں.... چیف میری آواز سن رہا ہو تو جواب دے.... اوور!" ایرئیس سے گیری ہارٹ کی مضطربانہ آواز سنائی دی۔ اپنے معمول کے مطابق وہ اس وقت بھی انگریزی بول رہا تھا۔

"تم نے جس برجستگی سے جیف ملر کا ایرئیس ٹوٹ جانے کا ذکر کیا اس کی بنا پر گیری ہارٹ کو شبہ تک نہیں ہو سکا کہ یہ لاسلکی مواصلاتی آلہ بالکل فعال حالت میں تمہارے پاس موجود ہوگا؟" ویرا نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد کہا "اور اب وہ اپنے گلے میں خود ہی پھندا ڈالنے کی تیاری کر رہا ہے۔"

"ہم سیدھے سادے لوگ ہیں" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کے بولا "للکار کر لڑتے ہیں' بری طرح مارتے ہیں یا پھر خاموشی سے ہار مان لیتے ہیں۔ ایسی چال بازیاں ہمارے بس سے باہر ہیں۔ تمہارا اور ڈینی کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ تم لوگ کب سیدھی سچی باتیں کرتے کرتے مکاری پر اتر آتے ہو۔ یہ....."

غزالہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا کیونکہ ایرئیس پر راس المیڈا کی غراتی ہوئی آواز ابھرنے لگی تھی "تم عقل سے عاری اور کوڑھ مغز ہو.... میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اب جیف ملر کا سراغ ملنے اور اس کا ایرئیس دستیاب ہونے تک ہم اس سسٹم پر بات نہیں کریں گے۔ پتا نہیں کس گدھے نے تمہیں سی آئی اے میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر بنایا ہے۔ تم نے جیف ملر کے بارے میں اب تک کیا تیر مارا ہے۔ اوور!"

"سر! پہلے میں یہ وضاحت کردوں کہ سی آئی اے میں سینئر افسران کا تقرر کوئی گدھا نہیں بلکہ صدر امریکا کرتا ہے" گیری ہارٹ کی آواز زہر آلود تھی "دوسری بات یہ کہ جیف ملر آزاد نہیں ہے۔ ڈینی نے اس کے ساتھ ہی ہماری مقامی ٹاؤٹ کو بھی پکڑ لیا ہے۔ وہ جیف پر بدترین تشدد کر رہا ہے۔ جیف کی ایک ٹانگ سمیت اس کی گاڑی ڈرائیو ان سینما میں چھوڑ دی گئی ہے۔ تیسری بات جو تمہارے لیے شاید اہم ترین ہو' یہ ہے کہ ڈینی کے ساتھ تصادم میں جیف کا ایرئیس بری طرح تباہ ہو چکا ہے اور ڈینی کو اس کے بارے میں بدترین خلش ہے۔ چند ثانیوں پہلے ڈینی نے مجھے فون کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا.... اوور۔"

"اوہ!" راس المیڈا کی مجروح غراہٹ سے درندگی جھلک رہی تھی "ڈینی کے مقابلے میں بھاری جانی نقصان اٹھانے کے باوجود تم اس خبیث مخلوق کی فطرت کو نہیں سمجھ سکے۔ وہ جلتے توے پر بیٹھ کر بھی کوئی بات کہے تو اس پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے قول اور فعل میں زمین اور آسمان کا تضاد ہوتا ہے۔ اگر تمہاری معلومات صرف ڈینی کی گفتگو پر منحصر ہیں تو یقین رکھو کہ وہ تمہیں کسی چوہے دان میں پھانسنے کی تیاری کر رہا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے جیف کو بھی اپنی روایتی سفاکی کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتار دیا ہو اور تمہیں دہشت زدہ کرنے کے لیے اس کی لاش سے ایک ٹانگ کاٹ کر الگ کرلی ہو۔ اب تمہیں اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہنا ہوگا.... اوور!"

"شکریہ چیف!" گیری ہارٹ کی آواز کاٹ دار ہوگئی "یہ ڈینی سے میرا پہلا مقابلہ ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ تمہارا پرانا حریف ہے اور تم اس کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانے کے بعد اس کی فطرت کے بارے میں بہت کچھ جان چکے ہو۔ میری آرزو ہے کہ میں اس پر ریسرچ کرنے کے بجائے پہلے ہی وار میں اسے نیست و نابود کردوں۔ میں نے اپنا ایک آدمی نادرہ کے گھر کی طرف بھیجا تھا۔ وہ خبر لایا ہے کہ مکان بالکل خالی پڑا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہاں رہنے والوں کو عجلت یا مجبوری کے عالم میں کہیں جانا پڑ گیا ہو۔ اب ایک اور پارٹی تفصیلی دیکھ بھال کے لیے ادھر گئی ہوئی ہے۔ میں اس کی واپسی کا انتظار نہیں کر سکتا۔ کسی کو فوراً ہی ڈرائیو ان سینما کی طرف بھیجنا پڑے گا۔ اوور!"

"گیری! تمہارا لب و لہجہ باغیانہ ہے۔ شاید اپنے عہدے کی بنا پر تم کسی کی باضابطہ ماتحتی میں کام کرنے کے آداب بھول چکے ہو.... کیا تمہیں الہام ہوا ہے کہ میں ڈینی سے مات کھا چکا ہوں۔ اوور۔" راس المیڈا نے غصے کے باعث گیری کی ان باتوں پر ذرا بھی دھیان نہیں دیا تھا جو نادرہ کے گھر کے بارے میں تھیں۔

"نہیں سر! ماتحتی کے آداب بھول چکا ہوتا تو میں اپنے عملے سے کام نہیں لے سکتا تھا لیکن ادب کے ساتھ یہ ضرور کہوں گا کہ ہر سطح پر یہ آداب بدل جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ڈینی ہمارے اعصاب پر سوار ہو چکا ہے اس وجہ سے ہم ایک دوسرے پر اپنا غبار نکال رہے ہیں۔ اگر میں تمہارے لیے اسی قدر ناقابلِ برداشت ہو گیا ہوں تو مجھے الگ کر کے واشنگٹن سے کسی اور کو بلالو۔ میں بالکل بھی برا نہیں مانوں گا۔ اوور۔"

"ڈینی دو ٹکے کا ایک معمولی بدمعاش ہے۔ میں اسے کسی بھی وقت اپنی چٹکی میں مسل سکتا ہوں۔ وہ اس لائق بھی نہیں ہے کہ میں زیادہ دیر تک اس کے بارے میں بات کروں۔ تمہارے سر پر اس کی دہشت سوار ہو گئی ہو تو دوسری بات ہے۔ اوور!" راس المیڈا اس پر برس پڑا۔

میرے لیے وہ صورتِ حال بہت دلچسپ تھی۔ میرے دو بدترین حریف آپس کی لڑائی میں ایک دوسرے کے زخموں پر نمک پاشی کرنے کے لیے میرے بارے میں مبالغہ آرائی کر رہے تھے۔ ان دونوں میں راس المیڈا کا منصب بہت بڑا تھا لیکن امریکن معاشرے کی آزاد خیالی کی وجہ سے وہ اپنے ایک ماتحت کی کڑوی کسیلی باتیں بھی برداشت کر رہا تھا۔ اس نے گیری ہارٹ کی تلخ نوائی پر چڑ کر آمرانہ انداز میں لاسلکی گفتگو کا سلسلہ منقطع نہیں کیا تھا بلکہ اسے بات جاری رکھنے کی اجازت دی تھی۔

"سوری سر!" گیری ہارٹ کی آواز یک بیک جذبات سے عاری ہوگئی "تم چیف ہو۔ میرا فرض تمہارے احکام کی بجا آوری

میرا خیال ہے کہ میں جیف ملر کے بارے میں ضرورت سے جذباتی ہو گیا تھا۔ ملک اور قوم کی ناموس کے لیے دنیا بھر میں ...چھپے نہ جانے کتنے امریکن ہر روز مرتے رہتے ہیں۔ ان کی ...میں ایک کا اضافہ ہونے سے کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔ ...حکم دو' میں اس کی حرف بہ حرف تعمیل کروں گا۔ میں اپنے ...پر تم سے معذرت چاہتا ہوں۔ اوور!"

...زہر میں بجھے ہوئے ان الفاظ اور فقروں سے اس کی دلی ...ورت صاف ظاہر ہو رہی تھی لیکن اس نے اپنے لہجے پر قابو ...کر اپنے چیف کی مزید برہمی کی راہ مسدود کر دی تھی۔

راس المیڈا نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ لائن پر کئی ثانیوں ...سنسنی خیز سکوت طاری رہا پھر راس المیڈا کی پُرسکون آواز ...ی "آنے والا وقت بتائے گا کہ تمہاری معذرت میں کہاں تک ...نیتی کا عنصر شامل ہے۔ اس وقت ہمیں کام کرنا ہے' میں محاذ ...رائی کو طول نہیں دوں گا لیکن میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ ...تک جیف ملر کا تباہ شدہ اپریٹس ہمارے ہاتھ نہیں آجاتا' یہ ...م قطعی غیر محفوظ ہے۔ کچھ پتا نہیں کہ کون خاموشی سے ہماری ...ی گفتگو سن رہا ہو۔ میں اندھا دھند خطرات مول لینے کا عادی ...ہوں۔ اوور۔"

"لیکن میرے پاس تم سے براہِ راست رابطے کا کوئی ذریعہ ...ہے۔ اوور۔"

"نہ ہو۔ تم بلیک ہاک کے ذریعے ہر وقت مجھے پیغام دے سکتے ...یہ اپریٹس صرف ناگزیر ضروریات کے لیے مہیا کیے گئے ہیں۔ ...را پیغام ملنے پر ضرورت کے مطابق میں خود رابطہ کر سکتا ہوں۔ ...ر۔"

"بعض معاملات پر فوری فیصلہ درکار ہوتا ہے۔ ان میں ہم ...کے متحمل نہیں ہو سکتے لیکن تم اسی طریقہ کار کو جاری رکھنا ...چاہتے ہو تو میں محتاط رہوں گا۔ تم میری آواز نہیں سنو گے۔ میرا ہر ...م بلیک ہاک کے ذریعے ملے گا۔ اب یہ بتاؤ کہ میرے لیے کیا حکم ...ہے؟ جذبات کا ابال ختم ہو جانے کے باوجود میں جیف کے لیے فکر ...مند ہوں۔ اوور۔"

"میں تمہاری فکر مندی میں برابر کا شریک ہوں لیکن میں بد ...نصیب جیف کے لیے خودکشی نہیں کر سکتا۔ تم اس کے گھرے ...درست ہو۔ اس کی گاڑی لینے کے لیے تم کو خود ڈرائیو اِن سینما جانا ...چاہیے۔ اوور!"

"چیف!" گیری ہارٹ کی آواز میں بھرپور احتجاج سمٹ آیا۔ "کیا تم میرے آزادانہ اظہارِ رائے کی سزا تجویز کر رہے ہو؟ تم جانتے ہو کہ وہ کار ڈینی نے وہاں بھجوائی ہے۔ اس کے آدمی کار کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ میں نے ادھر کا رخ کیا تو وہ خونی بھیڑیے مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اوور!"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے" ہلکی سی سفاکانہ ہنسی کے بعد راس المیڈا کی آواز سنائی دی "ڈینی تمہیں نہیں چھیڑے گا۔ اس وقت وہ تمہیں جیف ملر کی کٹی ہوئی ٹانگ دکھا کر دہشت زدہ کرنا چاہتا ہے۔ تم اطمینان سے جیف کی کار لے آؤ گے ویسے بھی تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑا جائے گا۔ ڈینی کے آدمی اگر تمہارا پیچھا کریں گے تو میرے کچھ آدمی ان کے عقب میں موجود ہوں گے۔ وہ تمہیں مارنا چاہیں گے تو خود بھی زندہ نہیں بچ سکیں گے۔ اوور!"

"ایک ہی بات ہے" گیری ہارٹ کی بڑبڑاہٹ سنائی دی "تم مجھے چارے کے طور پر استعمال کرنا چاہ رہے ہو۔ تمہیں میرے انجام سے زیادہ ان لوگوں تک رسائی کی فکر ہے جن کے سروں پر خون سوار ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے اپنے دل کی باتیں زبان پر لا کر سنگین غلطی کی ہے.... کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تم کون ہو اور تمہارا مزاج کیا ہے تو میں اسی لحاظ سے عافیت کے راستے کا انتخاب کرتا.... میں یہاں اس قدر یکہ و تنہا نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ میں تمہارے ہر جائز حکم کی تعمیل کے لیے آمادہ ہوں لیکن ایسی کسی ہدایت پر عمل نہیں کروں گا جس میں میری زندگی اور سلامتی کو سرے سے نظرانداز کر دیا گیا ہو۔ میرے بہی خواہ میری پوری حمایت کریں گے۔ اوور!"

"تمہارے ذہن میں زہر بھرا ہوا ہے اس لیے تم ایسی باتیں سوچ رہے ہو۔ میں تمہاری سلامتی کو نظرانداز نہیں کر رہا۔ یہ ہدایت میری ایک خاص حکمتِ عملی کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ بھول جاؤ کہ میری ماتحتی میں آنے کے بعد تمہیں کوئی دوسرا فرد تحفظ فراہم کر سکے گا۔ تمہاری اطلاع کے لیے یہ خبر دلچسپ ہونی چاہیے کہ پاکستان پہنچنے کے بعد تم نے جس دن بلیک ہاک کے ذریعے مجھے رپورٹ دی تھی' اسی دن تم سی آئی اے میں اپنے منصب اور مراعات سے محروم ہو کر میری تحویل میں آچکے تھے۔ تمہیں ہر حال میں وہی کرنا ہوگا جو میں چاہوں گا اور تمہیں اس بات پر پورا یقین ہونا چاہیے کہ تمہارا چیف کبھی بھی اپنے آدمیوں کا برا نہیں چاہ سکتا۔ اوور!"

راس المیڈا کے انکشاف پر گیری ہارٹ مزید بوکھلا گیا "یہ نہیں ہو سکتا۔ سی آئی اے سے میری طویل رفاقت میری لاعلمی میں یوں اچانک ختم نہیں کی جا سکتی۔ امریکا کا کوئی قانون ایسی زیادتی کی اجازت نہیں دیتا۔ میں آج سہ پہر تک اسلام آباد میں اپنی سرکاری حیثیت استعمال کرتا رہا ہوں۔ اوور!"

"لکھے ہوئے قانون کی حد تک شاید تمہاری بات درست ہو مگر مستحکم روایتیں بھی قانون کا درجہ رکھتی ہیں۔ قانون پر حرف بہ حرف عمل کر کے کوئی بڑا خفیہ ادارہ چند روز بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ جہاں تک تمہاری سرکاری حیثیت کے استعمال کا تعلق ہے' وہ ہماری چشم پوشی کا نتیجہ ہے۔ جب تک تم ہمارے لیے سود مند رہو گے' تمہیں ہر آزادی ملی رہے گی۔ جوں ہی تمہارے نظریات میں تبدیلی آئی' پاکستانی حکام کو حقائق سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ اوور!"

"میرے خدا! تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو؟ چیف! یہ یاد رکھنا کہ تم مجھے امریکا کا اول خان نہیں بنا سکو گے۔ سی آئی اے ایک آئینی ادارہ ہے' وہاں میں اپنے حق کے لئے آخری دم تک لڑوں گا۔ اوور!"

"ضرور لڑنا" بے پروائی سے کہا گیا "فی الحال میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری ہدایت پر عمل کرنے کے بارے میں تمہارا کیا ارادہ ہے۔ میں اپنا سارا وقت تمہارے ساتھ برباد نہیں کر سکتا۔ اوور!"

"اس وقت تم نے میرے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا ہے" گیری ہارٹ بوجھل اور شکستہ آواز میں بولا "میں اس وقت کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا۔ مجھے سوچنے کے لیے مہلت درکار ہے۔ صحیح فیصلے پر پہنچتے ہی میں تمہیں یا بلیک ہاک کو آگاہ کردوں گا۔ میں کسی بھی حالت میں بے مقصد موت کو گلے نہیں لگانا چاہتا۔ کسی بڑے مقصد کے لیے اسی وقت موت کی بے رحم وادیوں میں چھلانگ لگا سکتا ہوں لیکن بے مقصد موت سے مجھے نفرت ہے۔ تم جو کوئی بھی ہو' ڈیوڈ اسٹارز میں سے ہی ہو گے۔ اگر تم نے میرے ساتھ بے رحمانہ سلوک جاری رکھا تو میں راس المیڈا سے رجوع کرنے پر مجبور ہوجاؤں گا۔ وہ درست اور بے لاگ فیصلے کرنے میں بے مثال شہرت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میرا ساتھ دے گا۔ اوور!"

"اس وقت تمہاری ذہنی حالت واقعی قابلِ رحم ہے" راس المیڈا کا لہجہ ترحم آمیز ہوگیا "ابھی تم مجھے قانون اور آئین کے حوالے دے رہے تھے اور اب راس المیڈا کی دھمکیاں دے رہے ہو۔ جس شخص کا ذہنی توازن اس حد تک بگڑ چکا ہو' اس سے کسی ذمے دارانہ کارکردگی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ تم اپنے ساتھ ہمارے لیے بھی خطرناک ہو سکتے ہو۔ میں تم سے کسی قسم کا براہِ راست رابطہ رکھنا پسند نہیں کروں گا۔ تم جو بھی فیصلہ کرو' بلیک ہاک کو اس سے آگاہ کردینا۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ تم اپنا اپرٹیس اسی وقت بلیک ہاک کے حوالے کردو۔ شاید تمہیں ابھی تک اندازہ نہیں ہو سکا ہے کہ اگر جیف کا اپرٹیس ڈینی کے قبضے میں ہے اور وہ اس وقت خاموشی سے ہم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے تو ہم کتنی بڑی تباہی سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ اوور۔"

"تم ڈینی سے خائف ہو" گیری ہارٹ نے دل برداشتہ ہو کر اس پر براہِ راست الزام عائد کردیا "اتنی مرتبہ باتیں ہونے کے باوجود میں تمہارے نام' پتے اور ٹھکانے تک سے ناواقف ہوں تو ڈینی ان باتوں سے کیا جان سکے گا؟ اسے پہلے سے معلوم ہے کہ وہ اپنے کن دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔ اس سے اصل خطرہ صرف میری جان کو ہو سکتا ہے۔ اگر وہ ہماری باتیں سن رہا ہے تو اسے معلوم ہوگیا ہوگا کہ تم مجھے ڈرائیو اِن سینما بھیجنے کا ظالمانہ فیصلہ کر چکے ہو۔ وہ کسی عیار چیتے کی طرح گھات لگا کر میرا انتظار کرے گا اور بے خبری میں میرا کام تمام کرکے روپوش ہوجائے گا۔ تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا کیونکہ اس کے لیے تم اب بھی ایک بے نام آواز ہی رہو گے۔۔۔ مگر یہ سارے مفروضے غلط ہیں۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ڈینی نے میرے کسی استفسار کے جواب میں برسبیل تذکرہ اپرٹیس کی تباہی کے بارے میں بتایا تھا۔ دنیا کا کوئی مکار ترین فرد بھی ایسا فی البدیہہ اور بے ساختہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ جیف ملر کے ساتھیوں سے براہِ راست رابطے کا ایک ذریعہ اس کے ہاتھ آتے آتے تباہ ہوگیا تھا جس پر اسے قلق تھا اور ڈینی نے اس کا اظہار کردیا۔ تم میرے باس ہو۔ میں کہہ چکا ہوں کہ تمہارے کسی حکم سے سرتابی نہیں کروں گا۔ تم مجھے اپرٹیس کی سہولت سے محروم کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو تو یہ تمہارا حق ہے۔ تمہارے اس حق کے احترام میں' میں اپنا اپرٹیس بلیک ہاک کو دے دوں گا۔ اوور!"

"میں تمہارے فیصلے کا منتظر رہوں گا۔ اوور اینڈ آل" راس المیڈا نے گفتگو کا سلسلہ منقطع کردیا۔

ہم چاروں چند ثانیوں تک حیرت سے خاموش بیٹھے' ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے۔

اپرٹیس پر سنی جانے والی گفتگو ہر اعتبار سے بہت اہم تھی۔ ہم سب کا مشترکہ نظریہ تھا کہ پاکستان بلکہ کراچی میں راس المیڈا کی موجودگی ثابت ہوجانے کے بعد ایلن اور پیٹر کی حیثیت بے وقعت کٹھ پتلیوں کی سی رہ گئی تھی۔ جو کارنامے ان دونوں سے منسوب کیے جارہے تھے ان کے پیچھے راس المیڈا کا ذہن کام کررہا تھا۔ راس المیڈا کے لیے ایلن اور پیٹر کے مقابلے میں گیری ہارٹ اور انسپکٹر جیف ملر زیادہ اہم ہونے چاہییں تھے لیکن ثابت یہ ہورہا تھا کہ ایلن نہ صرف راس المیڈا کے ساتھ رہ رہا تھا بلکہ اس کی اصلیت سے بھی باخبر تھا۔ یہی صورتِ حال پیٹر کے ساتھ بھی تھی لیکن وہ دھماکے میں مرنے کے بعد کھیل سے باہر ہوچکا تھا جب کہ سی آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ کو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ اسے احکام دینے والا کون تھا۔ میرے لیے گیری ہارٹ کی بے خبری اس وجہ سے اور بھی زیادہ تعجب خیز تھی کہ ایلن کی کمین گاہ پر ہونے والے ٹکراؤ میں محض میرے قیاسات کی بنا پر راس المیڈا کو اپنی اصلیت کا اعتراف کرنا پڑا تھا۔ یہ دیگر بات ہے کہ میں اس کے اصل نام سے واقف ہونے اور کافی دیر تک اس کے ساتھ رہنے کے باوجود اس کی صورت دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ نادرہ کے مکان پر میں نے اسی اپرٹیس پر راس المیڈا اور گیری ہارٹ کی جو گفتگو سنی تھی اس میں راس المیڈا نے واضح الفاظ میں گیری ہارٹ کو میرا اور کارلو الیکٹرانک سوئچ کا حوالہ دیا تھا۔ ایلن کی کمین گاہ پر میری کارروائی کے ضمن میں وہ اپنا ذکر کرتے کرتے خاموش ہوگیا تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ گیری ہارٹ نے ایلن سے اپنے چیف کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کیوں نہیں کی تھی؟

ایک امکان یہ بھی ہو سکتا تھا کہ گیری ہارٹ نے بالا ہی بالا چیف کے بارے میں سب کچھ جان لینے کے باوجود اپنی زبان رکھی ہو مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ پھر گیری ہارٹ نے چیف سے گفتگو کرتے ہوئے، انتہائی مایوسی کے عالم میں یہ کیوں کہا کہ اگر اس نے اس کے ساتھ بے رحمانہ سلوک جاری رکھا تو وہ راس المیڈا سے رجوع کرے گا؟

وہ پُر پیچ تضادات دیر تک مجھے ستاتے رہے۔ جب ہم چاروں نے تبادلۂ خیال شروع کیا تو میں نے سب سے پہلے اپنی الجھن دوسروں کے سامنے پیش کر دی۔

غزالہ نے خلاف معمول بہت غور اور توجہ سے میری بات سنی اس کی فرمائش پر مجھے وہ مکالمے دہرانے پڑے جو راس المیڈا نے پہلی بار گیری ہارٹ سے گفتگو کرتے ہوئے میرے اور ایلین کے بارے میں ادا کیے تھے۔

"بات بالکل صاف ہے۔ آپ بلاوجہ الجھ رہے ہیں" میرے خاموش ہونے پر غزالہ نے اطمینان سے کہا۔

"کیا صاف ہے؟ میں وہی جاننا چاہتا ہوں" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ویرا اور سلطان شاہ کی مستفسرانہ نگاہیں بتا رہی تھیں کہ میرے سوال کے جواب میں ان کے ذہن بالکل کورے تھے۔

"ایلین کے ٹھکانے کی تباہی اور پیٹر کی موت کے فوراً بعد ہی گیری ہارٹ کو اسلام آباد دوڑا دیا گیا۔ اسے دوڑ لگوانے والا راس المیڈا تھا کیونکہ اس دھماکے میں وہ خود بھی زخمی ہوا تھا۔" غزالہ نے سکون سے کہنا شروع کیا "ان لوگوں میں اس واقعے کے صرف تین گواہ تھے۔ پیٹر دردناک موت کا شکار ہو چکا تھا، ایلین بری طرح زخمی ہونے کے بعد آکسیجن کے سہارے اپنی زندگی کے آخری سانس گن رہا تھا۔ گیری ہارٹ کس سے پوچھتا کہ اس واقعے کا تیسرا زخمی کون تھا؟ راس المیڈا کو ایلین کی موت کا پورا یقین ہے، اسی لیے اس نے گیری ہارٹ کو اس کے بارے میں بتا دیا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اپنے آدمیوں کے لیے وہ صرف چیف ہے جو سر سے پیر تک سیاہ لباس اور نقاب میں ملبوس ہو کر ان کے سامنے آتا ہے۔ کسی کو علم نہیں ہے کہ وہ راس المیڈا ہی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو" ویرا نے بے ساختہ غزالہ کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ راس المیڈا کے آدمی اپنے چیف کی اصلیت سے بے خبر ہیں لیکن ہم اس کے بدترین دشمن ہوتے ہوئے بھی اس سے بہ خوبی واقف ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ خود راس المیڈا اس عجیب و غریب صورت حال سے پوری طرح باخبر ہے" سلطان شاہ بولا۔

"بات کچھ دل کو لگ رہی ہے" میں نے تعریفی لہجے میں غزالہ سے کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی باریک وضاحت نے میرے ذہن

پر سے بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا تھا۔

"پھر اب گیری ہارٹ کے لیے کون جائے گا؟" سلطان شاہ دھول دھپے کے لیے مضطرب تھا۔

"کوئی نہیں۔" میرے سخت الفاظ پر اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔

"کیوں؟ اس نے راس المیڈا سے منہ ماری کی ہے تو ہم اسے پروان چڑھائیں گے؟"

"سطحی باتیں مت کیا کرو!" میں نے تلخی سے کہا "اگر تم نے ان دونوں کی گفتگو غور سے سنی ہے تو یہ اندازہ بھی لگا لیا ہوگا کہ راس المیڈا کو آخر تک جیف ملر کا اپریٹس تباہ ہونے کی کہانی پر یقین نہیں آیا۔ اس کی دانست میں گیری ہارٹ نے دوسری مرتبہ اپریٹس استعمال کر کے ناقابلِ معافی غلطی کی ہے اسی لیے اُس نے گیری ہارٹ کو ڈرائیو اِن سینما جانے کا حکم دیا ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی گفتگو سن رہے ہوں گے اور گیری ہارٹ کی گردن توڑنے کے لیے فوراً ہی ڈرائیو اِن سینما پہنچ جائیں گے۔ گیری ہارٹ کو اس کی بے احتیاطی کی عبرت ناک سزا مل جائے گی' یہ ثابت ہو جائے گا کہ اپریٹس تباہ نہیں ہوا بلکہ ہمارے قبضے میں ہے اسی کے ساتھ ہم لوگ اس پارٹی کی نظروں میں آ جائیں گے جو گیری ہارٹ کے پیچھے پیچھے ڈرائیو اِن سینما پہنچے گی...."

"تم یہ سب اتنے وثوق سے کہہ رہے ہو جیسے راس المیڈا نے تمہارے ہی مشورے سے یہ منصوبہ بنایا ہو!" ویرا نے جل کر میری بات درمیان سے ہی کاٹ دی۔

"خدا کو کسی نے نہیں دیکھا لیکن عقل سے پہچانا ہے" میں نے اسے گھورتے ہوئے ایک فرسودہ بات دہرائی "اس کی گفتگو کا ہر لفظ اسی ایک سمت کی نشان دہی کر رہا تھا۔ گیری ہارٹ نے بھی بھانپ لیا تھا کہ اس کا چیف اسے قربانی کا بکرا بنا کر مجھے پھانسنا چاہ رہا ہے۔"

"پھر تو سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ راس المیڈا اسے مروانے کے چکر میں ہے اس لیے تم اسے ڈھیل دینا چاہتے ہو تاکہ وہ بعد میں تمہیں کوئی گہری زک پہنچا سکے" ویرا نے تیزی سے کہا۔

"اگر راس المیڈا اس سے متنفر ہو چکا ہے تو وہ کسی بھی قیمت پر زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اگر وہ ڈرائیو اِن سینما سے جیف ملر کی کار لے کر کسی مزاحمت کے بغیر واپس لوٹ گیا تو راس المیڈا کی توقعات پوری نہیں ہو سکیں گی۔ میں اس وقت اسے مایوس کرنا چاہتا ہوں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ ہم نے دیدہ و دانستہ گیری ہارٹ کو چھوڑا ہے۔ اس نے گیری ہارٹ کو مشتعل کر کے ہمیں اکسانے کی کوشش کی ہے تاکہ ہم سمجھ لیں کہ گیری ہارٹ اپنے چیف سے باغی ہو چکا ہے اور اگر ہم اسے پکڑ لیں تو وہ ہمارے لیے بہترین مہرہ ثابت ہوگا۔ میں یہ سنگین غلطی کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ گیری ہارٹ کی صحیح و سلامت واپسی پر اسے یقین آ جائے گا کہ جیف ملر کا اپریٹس تباہ ہو چکا ہے اور میں اس پر ہونے والی کسی بات سے واقف نہیں ہو سکتا۔"

"اس طرح ہمارے معدوں کو خاصا افاقہ ہوگا" ویرا نے زہریلے لہجے میں ٹکڑا لگایا۔

میں نے اسے غصیلی نظروں سے گھورا لیکن اس کی حالت کے پیش نظر کوئی سخت جواب دینے کے بجائے تحمل سے کہا "وہ بے فکر ہو کر اپریٹس استعمال کرنا شروع کر دے گا اور ہم اس کی حکمت عملی سے واقف ہوتے رہیں گے۔ اس دوران میں ہمیں اس پر کاری وار کرنے کا سنہرا موقع مل سکتا ہے۔"

"اوہ....! تو تم اس سمت میں سوچ رہے ہو" ویرا فوراً ہی مزاحمت سے دست بردار ہو گئی۔

"میں کچھ اور ہی کر گزرنا چاہتا ہوں" سلطان شاہ پُرخیال لہجے میں بولا۔

"ارشاد!" میں نے ادب و احترام سے اپنے سر کو خم دے کر کہا۔

"بھاڑ میں جائے سب کچھ۔" سلطان شاہ تنک کر بولا "تم خود ہی سب کچھ سوچتے اور کرتے رہو...."

"چچ....چچ....!" ویرا اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ہمدردانہ لہجے میں بول پڑی "بے چارے پر گیری ہارٹ کا اثر ہو گیا ہے۔ وہ بھی اپنے چیف سے اسی طرح بھڑکا ہوا تھا۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے کسی سے بھڑکنے کی؟" سلطان شاہ پھاڑ کھانے والے انداز میں غرایا "سوچنے اور فیصلہ کرنے کا حق صرف تم دونوں کو حاصل ہے۔ مجھے تو بس حکم کا غلام بنایا ہوا ہے...."

"تم بلاوجہ ناراض ہو رہے ہو" میں نے موقع کی نزاکت بھانپ کر مصالحت کی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا "میں نے تمہیں اپنی تجویز پیش کرنے سے روکا تو نہیں تھا۔ تمہیں بولنے کی دعوت ہی دی تھی۔"

"رہنے دو اپنی وضاحتوں کو" وہ بے زاری سے بولا "میں اتنا بھولا نہیں ہوں کہ تمہارے لہجے میں چھپے ہوئے طنز کو محسوس نہ کر سکوں.... اب تم بھی ویرا کی طرح ہر وقت میرا مذاق اُڑانے پر تُلے رہتے ہو۔"

"اگر میں نے کوئی طنز کیا تھا تو میں اپنی غلطی پر معافی چاہتا ہوں۔ خدا کے لیے اب جلدی سے اپنی تجویز بتاؤ تاکہ ہم کسی متفقہ فیصلے پر پہنچنے کے بعد نادرہ کو دیکھ سکیں...."

"اوہ! اسے تو ہم بھول ہی گئے" غزالہ چونک کر بولی "بند کمرے میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ خوف اور بوکھلاہٹ کا شکار ہوتی جا رہی ہوگی۔"

وہ نکتہ سلطان شاہ کی سمجھ میں آ گیا اور وہ قدرے توقف کے بعد بولا "یہ راس المیڈا کی چال ہو یا نہ ہو' ایک بات طے ہے کہ اس وقت گیری ہارٹ اس سے بری طرح بدظن ہو چکا ہے۔ اس کا

ن نمبر ہمارے پاس موجود ہے۔ ہم براہِ راست اس سے بات کر کے اسے بتادیں کہ اس کا چیف راس المیڈا ہی ہے تو وہ ہمارے ساتھ بھرپور تعاون پر آمادہ ہو سکتا ہے۔"

"تم ان سیکرٹ ایجنٹوں کی فطرت سے واقف نہیں ہو ورنہ یہ تجویز پیش نہ کرتے" ویرا نے سنجیدگی سے کہا "پرانے اور گھاگ ایجنٹ اپنی گردن کٹوا لیتے ہیں لیکن اپنے مشن سے کبھی غداری نہیں کرتے۔ چیف کی اصلیت کا انکشاف اسے حیرت اور صدمے سے ضرور دوچار کر دے گا لیکن وہ پھر بھی ہمیں ڈبل کراس کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"یہ ایک مفروضہ ہے۔ ہمیں اسے توڑنے کی کوشش ضرور کرنی چاہئے" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

"یہ کوشش ناکام ثابت ہوئی تو ہم بہت بڑے خسارے میں چلے جائیں گے" اس بحث کو وہیں سمیٹنے کے لئے مجھے دخل اندازی کرنی پڑی "اس کا اشتعال اتنا زیادہ نہیں ہے کہ وہ چیف کی اصلیت سے واقف ہونے کے بعد کھلی بغاوت پر اتر آئے۔ ہماری طرف سے رابطہ ہوتے ہی وہ سمجھ لے گا کہ جیف ملر کے اریٹس کے بارے میں اس کے چیف کا نظریہ درست تھا۔ اپنی غلطی کا احساس ہونے پر وہ فطری طور پر اس کا ازالہ کرنے اور راس المیڈا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ چاہے گا کہ ہمیں اپنے تعاون کا یقین دلا کر کسی چنگل میں پھانس لے۔ یہ مت بھولو کہ اس طرح وہ دو مقاصد حاصل کر سکتا ہے۔ راس المیڈا سے بہترین مفاہمت اور اپنے قریبی دوست جیف ملر کے قتل یا اذیتوں کا انتقام۔ ایک بار ان لوگوں کو اریٹس کے بارے میں حقیقت کا علم ہو گیا تو ہم ان کے عزائم کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان سکیں گے۔ گیری ہارٹ کو نظر انداز کر کے ہم ہر اعتبار سے فائدے میں رہیں گے۔ یہ مت بھولو کہ ابھی جیف ملر ہمارے قبضے میں ہے۔"

"بلیک ہاک کا اہم نام بھی ہمارے علم میں آچکا ہے" ویرا نے بتا دیا "یہ امریکن قونصل خانے کے کسی افسر کا کوڈ معلوم ہوتا ہے۔ شاید وہی راس المیڈا اور اس کے ساتھیوں کے درمیان رابطے اور پیغام رسانی کا ذمے دار ہے تاکہ راس المیڈا غیر ضروری طور پر اپنے آدمیوں کے سامنے نہ آسکے۔"

"خالی نام جاننے سے کیا فرق پڑتا ہے؟" سلطان شاہ بے دلی سے بولا "کراچی کی آبادی ایک کروڑ سے زیادہ ہے۔ اتنی بڑی آبادی میں بلیک ہاک کا سراغ لگانے میں دانتوں پسینہ آجائے گا۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے سمندر میں لال دوا کا ایک قطرہ ٹپکانے کے بعد اسے دوبارہ تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔"

ویرا نے کوئی چبھتا ہوا جواب دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے آنکھ مار کر اسے خاموش کر دیا اور رسانیت سے کہا۔ "ہمارا اصل ہدف بلیک ہاک نہیں، راس المیڈا ہے۔ ویسے بلیک ہاک تک پہنچنا بھی اتنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ اگر تم یہ بات ذہن میں رکھو کہ بلیک ہاک ایک سفید فام بلکہ امریکن مرد ہے تو کراچی کی ساری مقامی آبادی باہر ہو جاتی ہے۔ امریکنوں میں سے بھی عورتوں اور بچوں کو خارج کردو تو بمشکل چند سو افراد رہ جائیں گے۔ ان پر کام کرنا، پورا شہر کھنگالنے سے کہیں زیادہ آسان ہے۔"

"تم اپنے دل کے ارمان پورے کرلو۔ میں منع نہیں کر رہا۔ لیکن اتنا بتادوں کہ امریکنوں کا پیچھا کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہوگا۔ ہمارے لئے یہ کام صرف اول خان کر سکتا تھا اور اسے تمہاری گرفتاری پر مامور کردیا گیا ہے۔ مجھے تو اب یہ کھیل بہت لمبا ہوتا ہوا نظر آرہا ہے" سلطان شاہ کے لہجے میں بے زاری عود کر آئی۔

"اول خان سے دوستی ہونے سے پہلے بھی ڈیڈی شی کے خلاف بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کرتا رہا ہے" ویرا اس مرتبہ بولے بغیر نہ رہ سکی "ہو سکتا ہے کہ جیف ملر ہی ذرا تشدد کے بعد بلیک ہاک کا پورا شجرہ اگلتا چلا جائے۔ تم راس المیڈا کے بارے میں ضرورت سے زیادہ مبالغے کا شکار ہو رہے ہو۔"

"فیصلہ ہوگیا" میں نے غزالہ کا ہاتھ تھام کر اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا "فی الحال گیری ہارٹ کو بھول کر نتائج کا انتظار کیا جائے گا۔ اب ہم دونوں نادرہ کے پاس جا رہے ہیں۔ اس کا بندوبست ہونے تک تم دونوں امن و سکون سے اسی کمرے میں محصور رہوگے.... کسی بھی قسم کے شور شرابے اور مار دھاڑ کے بغیر!"

"تم بے فکر ہو کر اس مصیبت کو ٹالنے کی کوشش کرو" سلطان شاہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "ابھی تو ویرا خانم کی بیٹری ویسے ہی ڈاؤن ہے۔ یہاں کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔"

میں ہنستا ہوا ویرا کے کمرے سے باہر نکل گیا۔ غزالہ میرے پیچھے تھی۔

دروازہ بند کر کے غزالہ لپک کر میرے برابر میں آگئی اور دھیمے، مستفسرانہ لہجے میں بولی "کیا آپ کو پورا یقین ہے کہ نادرہ آسانی کے ساتھ یہاں سے نکلنے پر آمادہ ہو جائے گی؟"

"میری کوشش تو یہی ہوگی" میں نے رک کر کہا "آگے اللہ مالک ہے۔ تمہارے ذہن میں کوئی متبادل تجویز ہو تو وہ بھی بتادو تاکہ میں ایک ہی مرتبہ اس مسئلے کو اس کے انجام تک پہنچادوں۔"

"میرے پاس کوئی متبادل تجویز نہیں ہے۔ میں بس اتنا جانتی ہوں کہ نادرہ کا یہاں رکنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ ویرا نے جب سے اس کی ایک جھلک دیکھی ہے، مسلسل اس کے خلاف زہر اگل رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ نادرہ کو یہ رات اس چھت کے نیچے گزارنی پڑی تو ویرا اس سے لڑ پڑے گی۔"

"ویرا کو اس اجنبی عورت سے کیا پرخاش ہے؟ اس نے میرا ساتھ دینے کا فیصلہ کر کے بہت بڑی قربانی دی ہے۔"

"سب کچھ معلوم ہو جانے کے بعد اسے اس خیال میں نہیں رہنا چاہئے کہ اس نے آپ کے لئے کوئی قربانی دی ہے۔ ان لوگوں

کے عزائم کھل کر سامنے آچکے ہیں۔ وہ نادرہ کو سنہرے خواب دکھا کر اپنا کھلونا بنانا چاہ رہے تھے۔ اسے آپ کا احسان مند ہونا چاہئے کہ آپ نے اسے ذلیل و خوار ہونے سے بچالیا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ ویرا نے نادرہ کے بارے میں تمہاری بھی برین واشنگ کی ہے" میں نے اس کی جھیل جیسی گہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "وہ نادرہ سے کیوں اتنی بھڑکی ہوئی ہے؟"

غزالہ نے میرے آخری سوال کو ٹالنا چاہا لیکن مجھے دال میں کالا نظر آرہا تھا۔ میں اڑ گیا اور غزالہ کو خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اعتراف کرنا پڑا "آپ جانتے ہیں کہ ویرا ضدی طبیعت کی مالک ہے۔ جس بات کے پیچھے پڑ جاتی ہے' اسے نہیں بھولتی۔ اس کی رائے ہے کہ نادرہ جیسی عورتیں مشکوک کردار کی حامل ہوتی ہیں اور مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی حیرت ناک مقناطیسی صلاحیت رکھتی ہیں.... سچ پوچھیں تو وہ مجھے بھی نادرہ کے خلاف اکساتی رہی ہے۔ ویرا کو شبہ ہے کہ ابھی وہ اپنی مظلومانہ ادائیں دکھا کر اپنا میل جول بڑھا رہی ہے اور پھر اچانک ہی آپ کے گلے کا ہار بن جائے گی۔"

"یہ شکایتیں تمہیں تو ہوسکتی ہیں' ویرا اس بارے میں اپنا سر کیوں کھپا رہی ہے؟" میں نے نادرہ اور بشیر کے مراسم کے بارے میں اپنے شکوک و شبہات کا اظہار کئے بغیر حیرت سے پوچھا۔

غزالہ ہنس پڑی "یہ سوال آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟ میں تو یہ دیکھ دیکھ کر لطف اندوز ہوتی رہتی ہوں کہ کبھی کبھی وہ مجھ سے بھی بڑھ چڑھ کر آپ پر اپنا حق جتاتی رہتی ہے اور آپ اسے نظر انداز کرجاتے ہیں۔ یہ آپ کا اور ویرا کا معاملہ ہے۔ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں؟"

غزالہ کی ہنسی میں معصومیت اور چہرے پر سادگی تھی۔ اس نے جو کچھ کہا' نیک نیتی سے کہا تھا لیکن میں اس کے وہ فقرے سن کر سناٹے میں آگیا۔ اتنی طویل رفاقت میں اس نے پہلی بار میرے اور ویرا کے تعلق کے بارے میں کوئی ایسی چبھتی ہوئی بات کہی تھی جو میری کمزوری کی طرف اشارہ کررہی تھی۔

میں نے جذباتی ہوکر مضبوطی سے غزالہ کے دونوں شانے تھام لئے اور تیز سرگوشی میں کہا "دیکھو غزالہ! یہ ہم دونوں کی مختصر سی کائنات کے بہت زیادہ نجی معاملات ہیں۔ تم ویرا کو اچھی طرح جانتی اور سمجھتی ہو۔ تمہاری حوصلہ افزائی کی وجہ سے میں اس کی بہت سی باتیں پی جاتا ہوں۔ ویرا ہو یا نادرہ.... ان کے بارے میں اصل اہمیت تمہاری رائے کی ہے..... میں ویرا کو اپنی نجی زندگی میں دخل انداز ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"وہ بے چاری آپ کی نجی زندگی میں کہاں دخل انداز ہورہی ہے.... نادرہ کے بارے میں اس نے مجھ سے بہت کھل کر باتیں کیں لیکن نادرہ کی طرف سے میرا دل بھی صاف نہیں تھا۔ ایف ایم مائیکروفون پر میں نے اپنے کانوں سے سنا تھا کہ وہ آپ سے بے تکلفی کی خواہاں تھی۔ اسے کیا ضرورت تھی کہ آپ کو آپ جناب کے بجائے تم سے مخاطب کرنے کی دعوت دے؟ ہوسکتا ہے کہ میں اب تک یہ ذرا سی باتیں بھول چکی ہوتی لیکن ویرا نے اپنے دل کی بھڑاس نکال کر ان وسوسوں کو زیادہ زہرناک بنادیا ہے۔ اس کے بارے میں میری اور ویرا کی سوچ ایک ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں درگزر کی قائل ہوں' وہ شدتِ اظہار پر آمادہ ہے۔"

"کاش تم نے مجھے پہلے ہی یہ سب بتادیا ہوتا تو میں نادرہ کے گھر کا رخ تک نہ کرتا" میں نے مجروح آواز میں کہا۔

وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر دھیمے سے ہنس پڑی "اب آپ بلاوجہ سنجیدہ ہورہے ہیں۔ ارے بھئی ویرا نے یہ باتیں آپ کے جانے کے بعد کی تھیں' میں آپ کو کب بتاتی؟ ویرا تو یہاں تک کہہ رہی تھی کہ نادرہ فلیٹ میں رہی تو وہ کسی بھی وقت بیم گن سے اس کے دماغ میں ایک کالی سرنگ بنادے گی۔"

"ویرا پر لعنت بھیجو!" میں نے جھلا کر کہا "یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو؟"

وہ اچانک میرے سینے سے لپٹ گئی اور منہ چھپا کے منمناتی ہوئی آواز میں بولی "جس راستے پر شکوک و شبہات کے کانٹے بکھرے ہوئے ہوں' اس سے گریز ہی بہتر رہتا ہے۔ آپ نادرہ اور اس کے غریب الوطن بیٹے فرخ کے لئے جو کچھ کرسکتے ہیں' کرتے رہیں لیکن اسے گھر میں نہ رکھیں.... آ.... آپ کو اندازہ نہیں کہ اس کی آنکھیں ہر لمحے آپ کا پیچھا کرتی ہیں اور ان میں ایسی چمک ہوتی ہے کہ دل ہولنے لگتا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں آج تک ایسی عورت نہیں دیکھی جو خوبصورت ہونے کے باوجود ڈراتی ہو۔"

"وہ یہاں نہیں رہے گی" میں نے اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ کر کہا "مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ تم اپنے دل ہی دل میں ان اندیشوں کو پروان چڑھاتی رہیں اور مجھے ان کی بھنک تک نہ مل سکی۔ مجھے ذرا سا بھی اشارہ مل گیا ہوتا تو میں اسے گھر سے بے گھر نہ کرتا۔ نہ جانے دنیا میں ہر روز کتنے جیفٹ ملر اور گیری ہارٹ ہزاروں ناداروں کو اپنا آلہ کار بناتے ہیں۔ ان میں ایک اور نادار کا اضافہ ہوجاتا تو کیا فرق پڑتا۔ اسے اس کے گھر سے نکالنے کی ذمے داری میرے سر آتی ہے۔ اب مجھ ہی کو اسے کسی دوسری چھت کا سایہ میسر کرنا پڑے گا۔"

"میری طرف سے آپ پر کوئی جبر نہیں ہے" وہ کسمسا کر میری مضبوط گرفت سے نکلتے ہوئے بولی "اسے جب سہولت ہو' وہ یہاں سے چلی جائے لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ جب تک نادرہ یہاں موجود ہے' ہمیں ویرا پر کڑی نظر رکھنی ہوگی ورنہ ہمیں پتا بھی نہیں چل سکے گا کہ اس نے کب نادرہ کا کام تمام کردیا۔"

وہ حسد و رقابت کے نسوانی جذبوں میں گندھی ہوئی ایسی صورت حال تھی کہ میں الجھ کر رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہورہا جیسے مجھے پوری رفتار سے دوڑتے دوڑتے' اچانک کسی نے

پھینک کر جکڑ لیا ہو اور میرے پیر زمین سے اکھڑ گئے ہوں۔ غزالہ اپنی بات پوری کرکے کچن کی طرف چل دی تھی۔

میں سر جھٹک کر ٹیلی فون کے اس جنکشن باکس کی طرف بڑھ گیا جہاں سے میں نے اپنی خوابگاہ والی لائن کے تار الگ کئے ہوئے تھے۔ میں نادرہ کو اپنی خواب گاہ سے باہر لائے بغیر اسے فون پر اپنی بہن سے بات کرنے کا موقع فراہم کرنا چاہتا تھا جس کے لئے تاروں کا دوبارہ جوڑنا ضروری تھا۔

میں تاروں کو درست کرکے لوٹا تو غزالہ اپنی خوابگاہ کے دروازے کے کی ہول سے ٹیپ ہٹا کر ہضمی قفل کھول رہی تھی۔ چند لمحوں کے لئے ہم دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔ اس کی بڑی بڑی، سحر انگیز آنکھوں میں سدا کی وہی معصومانہ شوخی اور شرارت رچی ہوئی تھی جس نے پہلی ملاقات میں ہی مجھے اپنا اسیر کرلیا تھا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں کے تاثرات سے یہ ظاہر ہی نہیں ہو رہا تھا کہ تھوڑی دیر قبل ہم کسی حساس اور سنگین مسئلے پر الجھے ہوئے تھے۔ مجھے غور سے اپنی طرف متوجہ پاکر غزالہ جھینپے ہوئے انداز میں بے ساختہ مسکرا دی۔

نادرہ کو ہوشیار کرنے کے لئے کی ہول میں چابی کے گھومنے کی کھٹکے دار آواز ہی کافی تھی لیکن غزالہ نے اس کے بعد بھی دستک دینی ضروری سمجھی۔ شاید نادرہ دروازے پر ہی موجود تھی۔ اس نے دستک ہوتے ہی اندر سے ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا۔

"میں تمہارے لئے چائے اور کچھ بسکٹ وغیرہ لے کر آتی ہوں" غزالہ نے نادرہ کی صورت دیکھتے ہی پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "اتنی دیر تم ان سے باتیں کرو..... تمہیں کافی دیر تک کمرے میں بند رہنا پڑا ہے" اپنی بات مکمل کرکے غزالہ نے نادرہ کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور نہایت دل رُبایانہ انداز میں لہراتی ہوئی کچن کی طرف چل دی!

"آپ کی بیوی بہت پیاری ہے" نادرہ کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی رشک آمیز آواز ابھری۔ اس کی نگاہیں عقب سے غزالہ کا تعاقب کررہی تھیں۔

"ہر بار تم غزالہ کی تعریف ضرور کرتی ہو" میں نے اس کے قریب سے گزر کر اندر داخل ہوتے ہوئے کہا اور نادرہ کے وجود سے پھوٹتی ہوئی ایک مانوس سی مہکار نتھنوں میں گھستے ہی چونک پڑا۔

میں نے رک کر غور سے نادرہ کی طرف دیکھا اور کہا "یہاں آنے تک تمہارے جسم یا کپڑوں سے کسی پرفیوم کی خوشبو نہیں آرہی تھی لیکن اب تم سر سے پیر تک پوائزن کی بھینی بھینی خوشبو میں رچی ہوئی ہو۔"

"ہاں!" وہ دروازہ بند کرکے کسی ندامت کے بغیر بولی "بند کمرے کی تنہائی میں، میں غزالہ کی ڈریسنگ ٹیبل کا جائزہ لے رہی تھی۔ پوائزن کی شیشی پر نظر پڑی تو خیال آیا کہ اگر وہی آپ کا پسندیدہ پرفیوم ہے تو میرے وجود سے بھی اسی کی خوشبو پھوٹنی چاہئے۔"

میں اندر جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کمرے میں ائرکنڈیشنر کی موہوم سی گونج کے ساتھ خوشگوار خنکی اور پوائزن کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ شاید نادرہ نے کافی فراخ دلی سے غزالہ کی پسندیدہ شیشی پر ہاتھ صاف کیا تھا۔

"پرفیوم کی خوشبو بہت جلدی اڑ جاتی ہے' اصل خوشبو وجود کی ہوتی ہے جو ہمیشہ برقرار رہتی ہے اور بعض اوقات مصنوعی خوشبو پر بھی غالب آجاتی ہے" میں نے تیکھے لہجے میں نادرہ کو ایک ناگفتہ بات سمجھانی چاہی۔

"کبھی کبھی آپ کی باتیں بہت دلچسپ اور شاعرانہ ہو جاتی ہیں" وہ میرے سامنے والی کرسی سنبھال کر میری طرف جھکتے ہوئے بولی "شاید آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ پوائزن کی خوشبو کے مقابلے میں میرے اپنے بدن کی خوشبو زیادہ بہتر اور پائیدار ہے...."

"پوائزن غزالہ کے وجود سے مل کر ایک انوکھی اور مسحور کن خوشبو دیتا ہے" میں نے ذرا بے رحمانہ انداز میں اپنی بات کی وضاحت کر ڈالی "تم غزالہ نہیں ہو' تمہارا وجود میرے لئے اجنبی ہے لہٰذا مجھے صرف پوائزن کی خوشبو نے چونکایا تھا۔ خوشبوؤں کے رشتے بہت عجیب ہوتے ہیں۔ مصنوعی خوشبو' مصنوعی سہاروں کی طرح بہت جلد ساتھ چھوڑ دیتی ہے جیسے آج ناگزیر حالات کے تحت بشیر تمہیں چھوڑ کر گاؤں چلا گیا۔ قدرتی اور فطری خوشبو سدا بہار ہوتی ہے.... زندگی بھر کے بندھن کی طرح.... جیسے غنی تم سے بہت دور ہونے کے باوجود بھی آج تمہارا شوہر ہے۔"

"غنی کے سزایاب ہونے کے بعد آج میں نے اپنی زندگی کے کچھ بہترین لمحے گزارے ہیں" وہ کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر مخمور لہجے میں بولی "آپ کی ذات بہت بھرپور ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے آپ میری طرف آنے والی ہر مصیبت کو اپنی ٹھوکر سے دور اچھال دیں گے۔ تحفظ اور عافیت کا یہ احساس بہت کم مردوں کے ساتھ ملتا ہے۔ بشیر میرا بہت وفادار ملازم تھا' میرے پسینے پر اپنا خون بہانے کے لئے تیار رہتا تھا لیکن اس کے ساتھ رہ کر میں ہر لمحے اپنی سلامتی کے بارے میں فکرمند رہتی تھی۔ جب بھی آپ کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا' مجھے یاد تک نہیں رہتا کہ میری ذات کو کوئی خطرہ بھی لاحق ہو سکتا ہے۔ میں چند روز آپ کے ساتھ رہی تو میری کایا ہی پلٹ جائے گی" میری اور غزالہ کی مشترکہ خواب گاہ میں تنہائی کے کچھ لمحات گزارنے کے نتیجے میں اس کے ذہن میں کوئی گرہ سی پڑ گئی تھی اور وہ میری باتوں میں پوشیدہ رموز تک پہنچنے کے بجائے صرف وہی کچھ سمجھ رہی تھی جو وہ سمجھنا چاہتی تھی۔ خواب گاہ کی فضا میں بکھری ہوئی پوائزن کی خوشبو کے ساتھ نادرہ کی وہ ذہنی کیفیت میرے لئے خطرناک تھی۔ غزالہ کسی بھی لمحے چائے کے ساتھ وہاں آ کر اپنے وسوسوں کو عملی روپ دھارتے دیکھ سکتی تھی۔ میری مجبوری یہ تھی کہ میں نادرہ سے بے زار ہونے کے باوجود اسے ناراض نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے اضطراری طور پر ایک سگریٹ سلگانے کے بعد کہا۔ "مردوں کے بارے میں تمہارا تجربہ قابلِ رشک ہے۔ ہمارے معاشرے میں بہت کم عورتوں کو اتنے زیادہ مردوں کے تجزیے کا موقع ملتا ہے کہ وہ تمہاری طرح کوئی رائے قائم کر سکیں۔ میں ایک عام سا آدمی ہوں۔ بے ضرر اور اپنی دنیا میں مگن رہنے والا۔ میری اتنی زیادہ تعریفیں نہ کرو کہ میرے قدم بہک جائیں۔ تم دو برس سے غنی سے جدائی کی آگ میں دھیمے دھیمے سلگ رہی ہو۔ کسی بہکے ہوئے شخص کی .... ایک ہلکی سی پھونک ان چنگاریوں کو بھڑکا سکتی ہے۔ میں ابھی سے اس خیالی آگ کی تپش اپنے دامن پر محسوس کر رہا ہوں۔ تمہارے لئے بہترین اور محفوظ ٹھکانا تمہاری بہن کا گھر ہے۔ تم جتنی جلدی وہاں چلی جاؤ' تمہارے حق میں اتنا ہی بہتر رہے گا۔"

"ہاں' میں آج ہی خالدہ اور حنیف سے بات کروں گی۔ مجھے ہر حال میں ان کو منانا پڑے گا لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ رحیم یار خان جانے سے پہلے ہم دونوں کسی ہوٹل میں پناہ لے لیں۔ مجھے آپ سے بالکل خوف نہیں آ رہا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ جو کچھ کریں گے' میرے فائدے کے لئے کریں گے.... غنی کا کام ایسا تھا کہ ہمارے گھر طرح طرح کے مرد آتے تھے۔ بعض اوقات نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے ان کی مہمان داری کرنی پڑتی تھی۔ وہ سب ہیروئن کے خریدار یا بیچنے والے ہوتے تھے۔ میں نے ان کی عادات و سکنات کو دیکھ دیکھ کر بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں آدمی کے دل کی بات اس کی آنکھوں میں پڑھ لیتی ہوں۔ آپ کے بارے میں میں یہ بات جان چکی ہوں کہ آپ سے میری ذات کو کوئی فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے' نقصان ہرگز نہیں پہنچے گا....."

"یہ باتیں ہم بعد میں بھی کر سکتے ہیں" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "اس وقت خالدہ سے بات کرنی ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری بہن فوراً مصالحت پر آمادہ نہ ہو سکے' اسے اپنے شوہر سے مشورے کی ضرورت ہو۔ انہیں اتنا موقع ملنا چاہئے کہ رات گہری ہونے سے پہلے وہ دونوں تم سے فون پر دوسرا رابطہ کر سکیں.... رہا کسی ہوٹل میں پناہ لینے کا خیال تو اس رومان انگیز مہم جوئی کو اپنے ذہن سے کھرچ ڈالو۔ تم بھول رہی ہو کہ اب تک سی آئی اے والوں کے مددگار اور ہمدرد پورے شہر میں میری اور تمہاری تلاش میں نکل چکے ہوں گے۔ اس محفوظ ترین چھت کے سائے سے باہر نکلتے ہی تم ناقابلِ تصور دشواریوں میں گھر جاؤ گی۔"

"عجیب بات ہے۔" وہ نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "آپ ایک ہی وقت میں دو مختلف بلکہ متضاد باتیں کر رہے ہیں۔ ایک طرف مجھے جلد از جلد رحیم یار خان جانے کا مشورہ دے رہے ہیں اور دوسری طرف اس فلیٹ سے باہر قدم نکالنے کے ہولناک مضمرات سے ڈرا رہے ہیں۔"

"دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ میں نے ان لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ میں نے تمہیں اور حنیف کو طاقت کے بل پر اغوا کر لیا ہے اس لئے تمہارا شہر سے کچھ عرصے کے لئے غائب ہو جانا ناگزیر ہو چکا ہے۔ شہر میں رہ کر تم کسی بھی وقت ان لوگوں کی نگاہوں میں آ سکتی ہو۔ شہر میں تمہارے لئے یہ فلیٹ سب سے زیادہ محفوظ ہے لیکن تم غیر معینہ مدت تک یہاں نہیں رہ سکتیں۔ تمہارے قیام کے طول پکڑنے کی صورت میں غزالہ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جائے گی۔ تم خود ایک شادی شدہ عورت ہو اور ایسے معاملات میں ایک بیوی کے جذبات کو اچھی طرح سمجھ سکتی ہو۔ غزالہ جتنی خوب صورت اور خوش مزاج نظر آتی ہے' غصے میں اسی قدر وحشی اور سفاک ہو جاتی ہے۔ یہ مشتعل ہو کر میری نظروں کے سامنے دو پالتو بلیوں کو فرش پر پٹخ کر ہلاک کر چکی ہے اسی وجہ سے میں نے بلیاں پالنے کا مشغلہ ترک کر دیا ہے۔ میں اس وقت سے ڈرتا ہوں جب تمہارے اور غزالہ کے درمیان تلخیاں پیدا ہو جائیں اور مجھے اپنی فطری مجبوریوں کی وجہ سے غزالہ کا ساتھ دینا پڑے۔"

وہ مجھے چڑانے والے انداز میں ہنس پڑی "تو سیدھی سی بات کہیں کہ آپ اپنی بیوی کے ڈر سے مجھے جلد از جلد رحیم یار خان بھیج دینا چاہتے ہیں۔"

"اگر اس طرح بات واضح ہو سکتی ہے تو یہی سمجھ لو۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ اسی لمحے میں نے دیکھا کہ ایک قریبی گل دان میں مصنوعی پھولوں کے درمیان میں ایف ایم مائیکرو فون

ِجود تھا۔
”یقین نہیں آتا کہ غزالہ جیسی نرم و نازک لڑکی اتنی خوں
ار ہو سکتی ہے۔“
اس کی بے اعتباری دیکھتے ہوئے میں نے فوراً ہی پینترا بدلنے
فیصلہ کرتے ہوئے کہا ”تم غیر ضروری طور پر مجھے زبان کھولنے پر
بور کر رہی ہو۔ غزالہ کا غصہ صرف بلیوں تک محدود نہیں رہا ہے۔
ی فلیٹ میں وہ میرے ایک دوست کی بیوی کو بری طرح زدوکوب
رکے اس کا حلیہ بگاڑ چکی ہے۔ اس بے چاری کا قصور صرف اتنا
کہ اس نے مجھے سال گرہ کی مبارکباد دیتے ہوئے اضطراری طور
اپنے روایتی انداز میں میرے رخسار کا بوسہ لے لیا تھا۔ غزالہ
مانوں کی پروا کئے بغیر مغلظات بکتے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑی.....“
”نہیں ’ڈیئی صاحب!“ اس نے مکمل بے یقینی سے میری بات
ڑا دی ”آپ بلاوجہ اس بے چاری پر اتنی سنگین الزام تراشی
ر رہے ہیں۔ یہ باتیں اس نے سن لیں تو اسے بڑا قلق ہوگا۔“
”تم براہِ راست غزالہ سے پوچھ سکتی ہو۔ چاہو تو میں مسز
ارج کو یہاں بلا سکتا ہوں۔ غزالہ سے پٹنے کے بعد وہ اپنا بگڑا ہوا
ولے کر اپنے گھر جانے کے بجائے یہیں علاج معالجہ کرا رہی
ہے۔“ یہ کہتے ہوئے میں نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میری
نجیدگی دیکھ کر نادرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔
قریبی پھول دان میں ایف ایم مائیک دیکھ لینے کے بعد مجھے
قع تھی کہ غزالہ نے موقع پاکر اسے آن کر دیا ہوگا اور وہ لوگ
غل کے طور پر ویرا کے کمرے میں بیٹھے ہماری ساری گفتگو سن
رہے ہوں گے اسی بنا پر میں نے پینترا بدل کر اپنے ایک فرضی
وست کی مجروح بیوی کا ذکر چھیڑا تھا۔
میرے تیور دیکھ کر نادرہ نے میرے پیچھے آنے کی ہمت نہیں
ی۔ میں نے ویرا کے کمرے کا دروازہ کھول کر اونچی آواز میں کہا
مسز جارج! ذرا باہر آؤ۔ میری ایک مہمان تم سے ملنا چاہتی
ہے۔“
اس وقت ان تینوں کے چہروں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔
ادرہ کی بے تول گفتگو نے ان لوگوں کے قیاسات پر تصدیق کی مہر
ثبت کر دی تھی۔
”یہ کیا مصیبت کھڑی کر دی تم نے؟“ ویرا میرے قریب آکر
دھیمی آواز میں غرائی۔
”گلے کے ڈھول سے نجات کے لئے یہ ڈراما ضروری ہوگیا
تھا۔“ میں نے آہستگی سے کہا۔
نادرہ نے کھڑے ہو کر ویرا کا استقبال کیا۔ ویرا کے متورم
چہرے کے نیل اور خراشیں دیکھ کر اس کی آنکھیں فرطِ حیرت سے
پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔
میں خواب گاہ کا دروازہ بند کر کے ان دونوں کے قریب پہنچا تو
نادرہ بوکھلائے ہوئے انداز میں ویرا کی مزاج پرسی کر رہی تھی اور
ویرا کسی نئی نویلی بیوہ کی طرح اداسی سے سر جھکائے کھڑی تھی۔
”مسز جارج! ذرا نادرہ کو بتاؤ کہ تمہیں کس نے اس حال کو
پہنچایا ہے!“ میں نے کہا۔
”او گاڈ!“ ویرا نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر ہلکی سی جھرجھری لی۔
”میرا چہرہ اتنی بری طرح مسخ نہ ہوا ہوتا تو جارج ایک لمحے کے لئے
بھی مجھے یہاں نہیں چھوڑتا۔ تمہاری بیوی مسکراتی ہے تو مجھے یوں
لگتا ہے جیسے کوئی بھیڑیا اپنے شکار کو بے بس دیکھ کر دانت چمکا رہا
ہو۔ اس جاہل عورت کو یہ تک معلوم نہیں کہ مغرب میں محبت کا
بوسہ ہونٹوں پر اور تہنیتی بوسے رخسار پر لئے جاتے ہیں جن میں
جنس کا دور دور تک شائبہ نہیں ہوتا۔ اس نے اتنی سی بات پر
مشتعل ہو کر مجھے ادھیڑ ڈالا لیکن نادرہ کو ان سب باتوں سے کیا
دلچسپی ہے؟“
”یہ میری گرل فرینڈ ہے۔“ میں نے رازدارانہ لہجے میں ویرا
کو بتایا تو نادرہ کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں ایک انوکھی سی چمک کوند
گئی۔ میں نے بات جاری رکھی ”یہ میری بیوی کو بے ضرر سمجھ کر
ایک دو راتیں یہیں بسر کرنا چاہ رہی ہے۔ اسے بتاؤ کہ ایسا ہونا کس
حد تک ممکن ہے۔“
ویرا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے مایوسی سے کہا ”اسے شبہ بھی
ہوگیا کہ یہ تمہاری گرل فرینڈ ہے تو یہ بیچاری سورج کی روشنی دیکھنے
کے لئے زندہ نہیں رہ سکے گی۔ میری مانو تو غزالہ کا ماتھا ٹھنکنے سے
پہلے نادرہ کو یہاں سے روانہ کر دو۔ اس وقت وہ جنون کی سی حالت
میں ہے۔ شاید اسے نادرہ پر شبہ ہوگیا ہے اور اب وہ تم کو تنہا چھوڑ
کر چوری چھپے اندر کی سن گن لینے کی کوشش کر رہی ہے۔“
نادرہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر کرسی پر بیٹھتی چلی گئی۔
ویرا کی ظاہری حالت خاصی ابتر تھی اس لئے وہ آرام کرنے
کا بہانہ کر کے فوراً ہی واپس چلی گئی۔ اس کی دہشت ناک کہانی نے
نادرہ کو اس قدر بدحواس کر دیا تھا کہ وہ ویرا کو الوداع کہنا تک بھول
گئی۔
”اب بتاؤ کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟“ میں نے نادرہ کے سامنے
بیٹھ کر پوچھا۔
”ارادہ؟“ اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھ
کر دہرایا ”میرا بس چلے تو میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے نکل کر
رحیم یار خان کی طرف چل دوں۔ میرے لئے یہ تصور ہی سوہانِ
روح ہے کہ میں ایک نیم وحشی عورت کے مکان میں پناہ گزین
ہوں۔ میں ایک منٹ بھی سکون سے یہاں نہیں رہ سکتی۔ مجھے حیرت
ہے آپ اسے کس طرح برداشت کرتے ہوں گے۔“
”میرے ساتھ وہ کسی سدھائی ہوئی شیرنی کی سی اطاعت کا
مظاہرہ کرتی ہے۔“

اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنے سر کو جھٹکا اور فون اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔

میں نے اسے سمجھایا کہ وہ اپنے ہوش و حواس بحال کرنے کے بعد اپنی بہن کو فون کرے لیکن وہ ویرا کی پُردرد کہانی سن لینے کے بعد ایک سیکنڈ بھی ضائع کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اگر اس کی بہن پچھلے اختلافات بھلا کر اسے اپنے گھر میں خوش آمدید کہنے پر رضامند ہوگئی تو وہ برقع میں رات کی کسی بھی ٹرین سے روانہ ہو کر منہ اندھیرے رحیم یار خان پہنچ جائے گی۔

پہلے وہ فلیٹ کی دہلیز سے باہر قدم رکھنے پر آمادہ نہیں تھی۔ جوشِ آوارگی میں میری ہر تجویز میں خامیاں نکال رہی تھی اور سر پر مصیبت سوار ہوتے ہی اس نے اپنے تحفظ کا ہر طریقہ خود ہی سوچ لیا تھا۔ میں حیران تھا کہ اسے دشمنوں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھنے کے لئے برقع میں نکال لے جانے کا خیال مجھے کیوں نہیں آیا تھا؟

وہ وقفے وقفے سے رحیم یار خان کا مطلوبہ نمبر ملانے کی کوشش کرتی رہی اور میں اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کا شوہر اونچے درجے کا ایک ہیروئن فروش تھا۔ اسے ہیروئن کی بھاری نفع اندوزی سے متعارف کرانے والی شی کا مقامی شیرازہ مدتوں پہلے بکھیر دیا گیا تھا مگر غنی کے منہ کو بلا مشقت آمدنی کا جو خون لگ گیا تھا وہ نہیں چھوٹ سکا۔ شی کی تباہی کے بعد بھی وہ اسی کاروبار سے چمٹا رہا۔ پیسے کی ہوس میں وہ اس حد تک گر گیا کہ اپنی بیوی سے اپنے ملاقاتیوں کی میزبانی کرانے لگا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ نادرہ کی کہانی کا وہ حصہ اتنا سادہ اور بے داغ نہیں رہا ہوگا کہ اس کا تذکرہ چند سطروں میں سمیٹا جاسکے۔ ایک ہیروئن فروش شرابی کی طرح دار بیوی جب بہکے ہوئے بدقماش لوگوں کے درمیان شمع محفل بنتی ہے تو اس محفل کے ہر لمحے سے ایک نئی داغ داغ کہانی جنم لیتی ہے۔

نادرہ نے اپنے بے ضمیر شوہر کی مرضی یا چشم پوشی سے نہ جانے کتنوں کے پیرہن تار تار کئے تھے اور کتنی بار خود جبر کے لمحوں سے دوچار ہوئی تھی۔ یہ اسی بے حساب آمدنی اور آزادی کا گندہ ثمر تھا کہ نادرہ نے دیارِ غیر میں اپنے شوہر کے سزایاب ہونے کے بعد اس کے خاندانی ملازم بشیر کے ساتھ جسم و جان کے وہ رشتے استوار کر لئے تھے جنہیں تہذیب و عفت کے منہ پر طمانچہ کہا جاسکتا تھا۔

نادرہ نے میرے ساتھ سپردگی کا جو والہانہ انداز اختیار کیا تھا وہ اس میدان میں اس کے تجربے کی دلیل تھا۔ وہ تجربہ اس نے اپنے شوہر کی نگرانی میں حاصل کیا تھا۔ نادرہ کے اس روپ کو اپنی خواب گاہ کی خلوت میں دیکھ لینے کے بعد مجھے یقین ہوگیا تھا کہ میں نے اس کے اور بشیر کے بارے میں جو کچھ سوچا تھا' درست ہی تھا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ نادرہ نے جیف ملر کو پھنسوانے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا اور میں راس المیڈا کا بڑھتا ہوا سحر توڑنے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن اس آخری تجزیے میں مجھے نادرہ اور اس کے اسیر شوہر سے ناقابلِ بیان کراہت محسوس ہونے لگی۔ وہ دونوں ہی مشرقی معاشرت پر ایک بدنما داغ تھے۔

غنی برطانیہ میں سزایاب ہو کر مکافات کے عمل سے گزر رہا تھا۔ دل آویز اور ہوس خیز نادرہ حالات کے گرداب میں پھنس کر بے گھر ہو چکی تھی۔ شاید یہ بھی قدرت کا کوئی خودکار بندوبست تھا کہ ان دونوں کا معصوم بیٹا اس عذاب سے بچ کر امریکا میں زیرِ تعلیم تھا۔ نادرہ سے ملاقات ہونے پر میں نے اس کے بچے کو حفاظت کے ساتھ پاکستان لانے کے بارے میں بہت کچھ سوچا تھا لیکن اب میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ جہاں تھا وہیں بہتر تھا۔ باپ کے جرائم اور ماں کی بے راہ روی کی کہانیاں سن سن کر خون کے آنسو رونے سے کہیں بہتر تھا کہ وہ ملک سے ہزاروں میل دور رہ کر اپنی راہ کا خود ہی انتخاب کرلے۔

گیری ہارٹ' جیف ملر اور راس المیڈا کی کہانی میں نادرہ اپنا مختصر مگر اہم ترین کردار ادا کر چکی تھی۔ چند ہفتوں یا مہینوں کی روپوشی کے بعد وہ آسانی کے ساتھ منظرِ عام پر آ کر میرے ظلم اور اپنی مظلومیت کی کہانیاں سناتی تو میرے حریفوں میں سے کوئی بھی اسے چھیڑنے کی ضرورت محسوس نہ کرتا اور وہ ہمیشہ کے لئے ان کے دباؤ سے آزاد ہو جاتی۔ اس اعتبار سے وہاں تک میرا اور نادرہ کا حساب صاف تھا۔ اسے فلیٹ سے نکال دینے کے بعد مجھے اس سے رابطہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میرے اور اس کے درمیان کرائے دار اور مالکہ مکان کا ایک موہوم سا تعلق باقی رہ جاتا جسے ہر ماہ کرائے کی رقم ادا کر کے نبھایا جاسکتا تھا۔ نادرہ کے اسٹیٹ ایجنٹ کی مہربانی سے یا پھر اس علاقے میں مروج طریقہ کار کی وجہ سے میں اس پابندی سے بھی آزاد تھا۔ میں نے زرِ ضمانت کے ساتھ معاہدے کی پوری مدت کا کرایہ پیشگی ادا کر دیا تھا اور اس مدت میں ہم لوگ کسی بھی وقت فلیٹ کو مقفل کر کے خاموشی سے اپنا ٹھکانا تبدیل کر سکتے تھے۔

شاید اس رات کراچی اور رحیم یار خان کے درمیان ٹیلی فون لائنوں پر بہت زیادہ دباؤ تھا۔ نادرہ مسلسل نمبر ملانے کی ناکام کوششیں کرتی رہی۔ اسی دوران میں غزالہ ہم دونوں کے لئے ایک ٹرے میں چائے کے ساتھ کچھ بسکٹ اور سموسے وغیرہ لے آئی۔ اس کے آتے ہی نادرہ کا خون خشک ہوگیا اور چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ وہ مسلسل غزالہ کی طرف دیکھے جا رہی تھی لیکن جب غزالہ نے ٹرے رکھنے کے بعد اس کی طرف دیکھا تو اس نے سٹپٹا کر نظریں چرا لیں۔ وہ بظاہر ایک دیوار کو تکنے لگی لیکن کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف بھی دیکھ رہی تھی۔

"تم چاہو تو میں چائے کی پیالیاں بنادوں۔" غزالہ نے زبردستی نادرہ کو مخاطب کیا۔ ایف ایم مائیکروفون کے کمال کی وجہ سے وہ پوری صورتِ حال سے باخبر تھی۔

"نن.... ہم.... مم.... نن.... نہیں۔" نادرہ ہڑبڑا کر بمشکل ایک لفظ ادا کرسکی پھر ہکلاتے ہوئے بولی "مم... میں خود بب...

لی۔" اتنا کہہ کر وہ بے بسی سے میری طرف دیکھنے لگی۔
"تم جاؤ، ہم ذرا کچھ اہم باتیں کر رہے ہیں۔" میں نے غزالہ کو ر کر کہا۔
"ایسی کون سی باتیں ہیں جو میری موجودگی میں نہیں ں؟" غزالہ نے خشک لہجے میں پوچھا "آپ دونوں بہت دیر س کمرے میں بند ہیں۔ کیا ابھی تک باتوں کا ذخیرہ ختم نہیں "

نادرہ سہم کر اپنی کرسی میں سمٹ گئی۔ میں نے لجاجت سے کہا ہ ایک شریف عورت ہے۔ تمہیں ہماری باتوں کے بارے میں ند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم نادرہ کی کسی متبادل رہائش گاہ بندوبست پر دماغ سوزی کر رہے ہیں تاکہ اسے بے آرامی کا انہ کرنا پڑے۔ تم مسز جارج کے پاس بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہے۔"

"یہ مسز جارج اس کمرے میں کیوں آئی تھی؟" غزالہ نے وقت ایسی اداکاری شروع کر دی جیسے اس کی ذہنی رَو واقعی بہکی ہو۔ "ویسے تو وہ ہر ایک سے اپنا چہرہ چھپائے بیٹھی ہے۔"
"میں نے نادرہ کو بتایا تھا کہ اس وقت ہمارے فلیٹ میں اس علاوہ ایک اور مہمان موجود ہے۔ اس نے ہماری مہمان سے کی خواہش ظاہر کی اور میں نے مسز جارج کو یہاں بلا لیا۔"
"ابھی ابھی جارج بھی اپنی بیوی سے ملنے آیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بھی رات یہیں بسر کرے۔ نادرہ کو جانا ہو گا تو جارج ہی اسے ڑ آئے گا۔" غزالہ نے اچانک ہی سلطان شاہ کو سامنے لانے کا خوب صورت جواز تلاش کر لیا۔ اس وقت اسے جارج بنا کر کے سامنے لایا جا سکتا تھا۔
"تم چلو۔ نادرہ کو رحیم یار خان کا فون مل جائے تو میں بھی آتا ہے۔"

"میں زیادہ دیر تک ان دونوں کے پاس نہیں بیٹھ سکوں گی۔" الہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیوں کو دباتے ہوئے بولی "میرا سر دے پھٹا جا رہا ہے۔ میں وہی 'دورے سے پہلے والی' پرانی تکلیف وس کر رہی ہوں۔ اس سے پہلے کہ میری حالت خراب ہو، میں ند کی گولی لے کر سو جانا چاہتی ہوں۔"
"میں سمجھ رہا ہوں۔ تم بہت اچھی عورت ہو۔ شاباش! اب ہر چلی جاؤ۔"
غزالہ نے کھڑے کھڑے تیز نگاہوں سے نادرہ کو ایک بار پھر گھورا اور پلٹ کر واپس چل دی۔
"اسے دیکھ کر مجھے وحشت ہو رہی ہے۔" غزالہ کے جاتے ہی ادرہ نے سرسراتی ہوئی آواز میں سرگوشی کی "یہ نارمل عورت ہیں، ذہنی مریضہ ہے۔ اس پر یقیناً دیوانگی کے دورے پڑتے ہوں گے۔ وہ... وہ مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔ میں اس کی لائی ہوئی کوئی چیز نہیں چکھوں گی کہیں اس نے دیوانگی کے عالم میں ان چیزوں میں زہر ہی نہ ملا دیا ہو۔"
"احمقانہ باتیں مت کرو۔" میں نے برا سا منہ بنا کے کہا "وہ تمہارے لئے الگ سے کوئی چیز نہیں لائی۔ میں بھی یہی سب چیزیں استعمال کروں گا۔ تمہیں چائے وغیرہ سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرنا چاہئے۔"
"نہیں..... بالکل نہیں۔" وہ ہاتھ لہراتے ہوئے نیم ہذیانی انداز میں بولی اور پھر ٹیلی فون پر نمبر ملانے میں مصروف ہو گئی۔ میں نے بھی اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔
اس بار نادرہ کی کوشش بار آور ثابت ہوئی۔ اس کی بات سے اندازہ ہوا کہ دوسری طرف سے اس کی بہن نے فون اٹھایا تھا اور نادرہ کی آواز پہچان کر سرد مہری کا مظاہرہ کیا تھا۔
وہ نادرہ کا نجی معاملہ تھا۔ ایک طویل مدت سے بگڑے ہوئے تعلقات کو ٹیلی فون پر مذاکرات کے ذریعے معمول پر لانا آسان نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری موجودگی میں وہ زیادہ کھل کر اپنی بہن اور بہنوئی کی خوشامد درآمد نہیں کر سکے گی۔ ویسے بھی میں غزالہ سے اٹھنے کا وعدہ کر چکا تھا۔ میں نادرہ کو ٹیلی فون پر مصروف چھوڑ کر خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔
وہ تینوں ویرا کے کمرے میں موجود تھے اور ان کے درمیان میز پر رکھے ہوئے ریڈیو کے ایف ایم بینڈ پر نادرہ کی بہت صاف اور

واضح آواز سنائی دے رہی تھی۔ ان تینوں نے چبھتی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا۔

"یہ کسی کی شرارت نہیں ہے۔" غزالہ نے میرے بیٹھنے سے پہلے ہی اپنی وضاحت پیش کرنی شروع کردی "ایف ایم مائیک میرے کمرے میں موجود تھا۔ نادرہ کو وہاں منتقل کرنے سے پہلے میں نے اس کی نظر بچا کر اسے آن کردیا تھا۔ مجھے آپ پر پورا اعتماد ہے لیکن میں نادرہ کی طرف سے مطمئن نہیں تھی۔ چھپ کر دوسروں کی باتیں سننا بہت واہیات فعل ہے لیکن میں اپنے تجسس سے مجبور تھی۔ ویرا نے میرے ایما پر ریڈیو لگایا ہے۔ میں اپنی اس غلطی پر آپ سے معافی چاہتی ہوں۔ یہ میری ایک اضطراری حرکت تھی۔ میں آپ کے سامنے شرمندہ ہوں۔"

"اس کی وجہ سے کوئی فائدہ نہ ہوا ہوتا تو میں تم سے اس بے اعتمادی پر باز پُرس ضرور کرتا لیکن مائیکروفون دیکھ لینے کے بعد مجھے نادرہ کے ساتھ تمہاری بربریت کا ڈراما رچانے کا موقع مل گیا جس کی بنا پر اب وہ خود یہاں سے نکل بھاگنے کے چکر میں ہے۔ اس کامیابی کی وجہ سے میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔"

"آپ واقعی بہت فراخ دل ہیں لیکن میں نے یہ سب کسی بے اعتمادی کی وجہ سے یا ارادی طور پر نہیں کیا تھا۔ بس اضطراری طور پر سب کچھ ہوتا چلا گیا۔" غزالہ اپنی حرکت پر بہت زیادہ شرمسار تھی۔

"زیادہ شرمندگی کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے اسے ڈانٹا۔ "ڈیبی اگر شرافت کا مظاہرہ کرتا رہتا تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم نے اپنے کانوں سے سن لیا کہ نادرہ کتیا کی پلی ہے۔ میں نے اسے ایک نظر دیکھنے کے بعد ہی جو گندی رائے قائم کی تھی وہ بالکل درست ثابت ہوئی۔ ڈیبی بلاوجہ اس حرّافہ کی پارسائی کے گُن گا کر مجھے اپنی طرف سے شکوک و شبہات میں ڈالتا رہا ہے۔"

ویرا کے الفاظ تلخ و ترش ضرور تھے لیکن وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اپنی جگہ پر بالکل درست تھا۔ میں اسے نظرانداز کرکے ریڈیو سے ابھرنے والی نادرہ کی آوازوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ میرے کمرے میں موجود لاسلکی مائیکروفون اتنا حساس تھا کہ ٹیلی فون کے ریسیور پر آنے والی دوسری طرف کی مدھم آواز بھی پکڑ رہا تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ دھیمی ہونے کی وجہ سے وہ آوازیں ناقابلِ فہم تھیں۔

اپنی بہن سے نادرہ کی گفتگو چل ہی رہی تھی کہ میں نے سلطان شاہ سے کہا "مسٹر جارج! ابھی بازار کھلا ہوا ہوگا۔ تم جلدی سے نادرہ کے لئے ایک برقع خرید لاؤ۔ وہ جب بھی یہاں سے باہر نکلے گی، اسے برقع کی ضرورت پیش آئے گی۔ دیر ہوگئی تو بازار بند ہوجائے گا۔"

"جب بھی نہیں، وہ آج رات ہی یہاں سے جائے گی" ویرا نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تم سن نہیں رہے کہ وہ رو پیٹ کر کس طرح اپنی بہن کو منانے کی سرتوڑ کوشش کررہی ہے۔"

میں خاموشی سے سرہلا کر مسکرادیا۔ اس حساس موضوع پر وہ تینوں ہم خیال تھے اور میں کوئی تبصرہ کرکے ایک نئی بحث کا آغاز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سلطان شاہ میری ہدایت پر کوئی چون و چرا کئے بغیر برقع خریدنے کے لئے چل دیا تھا۔

نادرہ واقعی رُندھی ہوئی آواز میں اپنی صفائی پیش کررہی تھی۔ کافی دیر بعد شاید اس کا بہنوئی لائن پر آگیا۔ نادرہ کے ساتھ ان لوگوں کا رویّہ بہت درشت تھا۔ نادرہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس سے اندازہ ہورہا تھا کہ غنی کی موجودگی میں ہی ان لوگوں کو نادرہ کے آزادہ چال چلن پر سخت اعتراضات تھے۔ ان کے جواب میں نادرہ نے بہت مضبوطی سے ایک ہی سخت موقف اختیار کیا ہوا تھا کہ وہ اپنے شوہر کی موجودگی میں جو کچھ کرتی رہی، اسی کی مرضی اور ہدایات پر کرتی رہی تھی۔ شوہر کو سزا ہونے کے بعد اس نے اپنا چلن بالکل بدل دیا تھا۔ وہ بھرے شہر میں تنہا تھی اور غنی کے کچھ قرض خواہوں نے اپنی رقوم کی وصولیابی کے لئے اسے قتل اور اغوا کی ایسی سنگین دھمکیاں دی تھیں کہ وہ اپنا گھر چھوڑ کر ایک ہوٹل میں روپوش ہونے پر مجبور ہوگئی تھی اور وہاں بھی خود کو غیر محفوظ محسوس کررہی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ غنی کے قرض خواہ کسی بھی وقت اسے تلاش کرکے اٹھالے جائیں گے۔

بہن پھر بہن ہوتی ہے۔ اس جان دار کہانی کے ساتھ نادرہ کی داد و فریاد نے رنگ دکھایا اور آخرکار نادرہ کے بہنوئی کا دل پسیج گیا۔ نادرہ کو کراچی سے رحیم یار خان کے لئے روانہ ہونے کی اجازت مل گئی۔

میں اپنی خواب گاہ میں واپس پہنچا تو نادرہ آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ، بھرائی ہوئی آواز میں فون پر اپنے بہنوئی کا شکریہ ادا کررہی تھی۔ میں اس کے سامنے ہی جم کر بیٹھ گیا۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ دونوں مجھ سے راضی ہوگئے۔" فون کا سلسلہ منقطع کرنے کے بعد نادرہ نے تشکر آمیز لہجے میں کہا "اب میں ایک لمحے کے لئے بھی یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ میں غزالہ کے ساتھ کچھ دیر اور اس فلیٹ میں بند رہی تو وحشت سے میرا دم گھٹ جائے گا۔ مجھے ابھی تک سخت حیرت ہے کہ ایسی پاگل اور جنونی عورت کے ساتھ آپ کیسے گزارہ کررہے ہیں۔ لڑکی ذہنی مریضہ ہو تو اس کا حسن بھی اپنی ساری دلکشی کھو بیٹھتا ہے۔"

"تم مجھے سرکس کا مداری سمجھ سکتی ہو۔ وہ خوں خوار درندوں کو اپنے اشاروں کا غلام بنا کر موج کرتا ہے۔ غزالہ کو قابو میں رکھنے کے لئے مجھے بس اتنا کرنا پڑتا ہے کہ دوسری عورتوں سے بہت دور رہتا ہوں۔"

"میں آج ہی رحیم یار خان جانا چاہتی ہوں" وہ اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے بولی "وہاں کے لئے رات میں کوئی پرواز ملنی مشکل ہے۔ آخری ٹرین پکڑنے کے لئے میرے پاس کافی وقت ہے۔"

"میں نے جارج کو تمہارے لئے برقع خریدنے کے لئے بھیجا ہوا ہے۔ وہ آجائے تو تمہاری روانگی ہو سکتی ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ غزالہ کے ہاتھوں اپنی بیوی کی صورت مسخ ہونے کے باوجود جارج نے تم دونوں سے اپنے تعلقات خراب نہیں کئے۔ کوئی اور ہوتا تو زندگی بھر دوبارہ ادھر کا رخ نہ کرتا۔" وہ ان گھپلوں پر واقعی حیران تھی۔

"وہ جانتا ہے کہ مشرق میں بوسہ صرف بوسہ ہوتا ہے جو رخسار پر لیا جاتا ہے۔ اسے احساس ہے کہ مجھے مبارکباد دیتے ہوئے اس کی بیوی ضرورت سے زیادہ جذباتی ہوگئی تھی اور غزالہ کا مشتعل ہونا فطری تھا۔"

ویرا اور سلطان شاہ کا ایک مفروضہ تعارف ہو جانے کے بعد ان دونوں کو نادرہ کی نظروں سے دور رکھنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ میں نادرہ کو اپنے ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں آگیا تاکہ غزالہ کو اپنے کمرے میں آنے جانے کی آزادی مل سکے۔ نادرہ کو اطمینان دلانے کے لئے میں نے کہہ دیا تھا کہ اس وقت کسی مہمان کی آمد متوقع نہیں تھی اس لئے وہ فلیٹ میں آزادی سے چل پھر سکتی تھی۔

ہمارے ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہی غزالہ قہربار نظروں کے ساتھ نادرہ کے سر پر آموجود ہوئی۔ وہ واضح طور پر شرارت اور نادرہ کو زچ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ غزالہ کے پیچھے پیچھے ویرا بھی ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

غزالہ کو دیکھتے ہی ایک مرتبہ پھر نادرہ کے فرشتے کوچ کر گئے اور اس کے بحال ہوتے ہوئے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ غزالہ اس کی طرف رخ کر کے ہوا میں یوں گہرے گہرے سانس لے رہی تھی جیسے فضا میں کوئی خاص بُو محسوس کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

نادرہ کسی قصاب کی چھری کے نیچے آئی ہوئی بکری کی طرح مظلوم نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم یہاں آئی تھیں تو تمہارے بدن سے پسینے کی بدبو آرہی تھی لیکن اب پوائزن کی مہک پھوٹ رہی ہے۔ تمہارے پاس یہ خوشبو کہاں سے آئی؟" غزالہ نے بہت زیادہ برہمی کا مظاہرہ کئے بغیر سردمہری سے پوچھا۔

مسکرانے کی مضحکہ خیز کوشش میں نادرہ کی باچھیں پھیل گئیں "م میں نے تمہاری ڈریسنگ ٹیبل سے یہ خوشبو استعمال کی تھی۔ تت.... تمہارا خوشبوؤں کا ذوق بہت عمدہ ہے۔"

"میرے ذوق کو جہنم میں ڈالو" غزالہ نے سرد لہجے میں کہا "کیا تم نے خوشبو استعمال کرنے سے پہلے مجھ سے اجازت لی تھی؟ میں نے تمہیں انتظار کا وقت گزارنے کے لئے اپنا کمرا دیا تھا۔ یہ نہیں کہا تھا کہ تم میرے کمرے میں موجود میرے ذاتی استعمال کی اشیا پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دو۔"

"سوری.... میں بھول گئی تھی۔ میں تم سے اپنی غلطی کی معافی چاہتی ہوں۔ تم چاہو تو میں تمہیں پوائزن کی ایک نئی شیشی خرید کر دے دوں گی" نادرہ گڑبڑا کے بولی۔

"تم ایسی ہی ساہوکار ہو تو مجھے نئی شیشی نہیں' اپنے پرفیوم کے وہی قطرے چاہئیں جو تم نے اپنے پسینے کی بدبو مارنے کے لئے استعمال کئے ہیں۔ لوٹاؤ گی میرے پرفیوم کے وہ قطرے؟"

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟" وہ بے چارگی سے ہکلا کر بولی۔ اس کی حالت قابل رحم ہونے لگی تھی۔

"جب تک یہاں موجود ہو' احتیاط سے کام لو" غزالہ نے اسے تنبیہہ کی "میں اپنی چیزوں پر دوسروں' خاص طور پر دوسری عورتوں کا تصرف برداشت نہیں کرتی۔ تم چاہو تو مسز جارج سے بھی اس بات کی تصدیق کر سکتی ہو۔"

"میں احتیاط کروں گی۔ مجھے اس بات پر تمہاری برہمی کا اندازہ نہیں تھا۔"

"تم معافی مانگ چکی ہو اس لئے میں تمہیں معاف کر رہی ہوں لیکن آئندہ معاف نہیں کروں گی۔"

میں ڈر رہا تھا کہ کہیں غزالہ مذاق ہی مذاق میں ذرا سی بات کا بتنگڑ نہ بنا دے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ غزالہ اطمینان سے ویرا کے برابر میں بیٹھ گئی۔ نادرہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

"تمہاری ڈینی سے کتنی پرانی دوستی ہے؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ویرا نے نادرہ کے انٹرویو کا آغاز کیا تو میں بوکھلا گیا۔ مجھے خدشہ محسوس ہوا کہ کہیں ویرا کسی نہ کسی بہانے سے غزالہ کے ہاتھوں نادرہ کی ہلکی پھلکی مرمت کرانے کا منصوبہ نہ بنا چکی ہو۔ اس گمان کی وجہ یہ تھی کہ میں نے ویرا اور نادرہ کا تعارف کراتے ہوئے نادرہ کو اپنی گرل فرینڈ ظاہر کیا تھا اور وہ ویرا کی جرح کے جواب میں کہیں بھی پھنس سکتی تھی۔

"بہت پرانی دوستی نہیں ہے" نادرہ سے پہلے میں بول پڑا۔ "لیکن ہماری دوستی مستحکم بنیادوں پر استوار ہے۔ نادرہ پہلے بھی یہاں آتی رہی ہے مگر آج غزالہ کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے اس بے چاری کو تھوڑی سی بدمزگی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس نے اس کا برا نہیں مانا ہوگا۔"

"تم نے میری کسی بات کا برا مانا ہے؟" غزالہ نے غرا کر نادرہ سے پوچھا۔

نادرہ نے جس سرعت سے انکار میں جواب دیا' وہ اس کی بے چارگی کی مظہر تھی۔ شاید غزالہ پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا اور وہ اپنی ہنسی چھپانے کے لئے بری طرح کھانستی ہوئی اندر بھاگ گئی۔

"اس سے ہوشیار رہنا" ویرا نے نادرہ کو مشورہ دیا "اسے شبہ بھی ہو گیا کہ تم ڈینی کی گرل فرینڈ ہو تو وہ تمہیں مار ڈالے گی۔ میں یہ بات تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔ اس وقت اس کی طبیعت تمہارے بارے میں بہت زیادہ سوچنے کی وجہ سے بگڑ رہی ہے۔"

ویسے تم یہاں سے کب تک جا رہی ہو؟"
"فوراً" نادرہ بولی "شاید ڈپٹی صاحب نے تمہارے شوہر کو برقع خریدنے کے لئے بھیجا ہوا ہے۔"
"برقع؟ کیا تم برقع بھی استعمال کرتی ہو؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔
"سمجھا کرو۔ کبھی کبھی اس کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ کوئی نادرہ کو یہاں آتے جاتے نہ دیکھ سکے۔"
اس کے بعد غزالہ دوبارہ ڈرائنگ روم میں نہیں آئی۔ ویرا کچھ دیر تک نادرہ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس دوران میں نادرہ بے تابی سے بار بار اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھتی رہی تھی۔
"پتا نہیں جارج کب لوٹے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آخری ٹرین نہ نکل جائے" تخلیہ ہونے پر وہ مضطربانہ لہجے میں بولی "خیبر میل چھوٹ گئی تو پھر مجھے سکھر ایکسپریس سے جانا ہوگا جو رات بھر کے سفر کے بعد روہڑی پہنچائے گی اور وہاں سے ٹرین بدلنی پڑے گی۔"
"ٹرینوں کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں!" میں نے حیرت سے کہا۔
"میں اپنی زندگی میں دوسری بار ٹرین سے سفر کروں گی۔ یہ ساری باتیں میرے بہنوئی نے بتائی ہیں۔ فوج میں ہونے کی وجہ سے اس کا اکثر کراچی آنا جانا لگا رہتا ہے۔"
پھر سلطان شاہ کے آنے تک ہمارے درمیان کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہوئی۔ جب سے وہ میرے دل سے اتری تھی' میری طبیعت اس سے متنفر ہوگئی تھی اور میں خود اسے جلد از جلد فلیٹ سے روانہ کرنے کا خواہاں تھا۔
نادرہ نے برقع پہن کے دیکھا۔ وہ بالکل مناسب تھا۔ اس نے اپنے سفری تھیلے کو تلاش کیا اور روانگی کے لئے تیار ہوگئی۔ اس کی مستفسرانہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔
"جارج!" میں نے سلطان شاہ سے مخاطب ہو کر کہا "میں چند ذاتی وجوہ کی بنا پر اس وقت باہر نہیں جا سکتا۔ تمہیں زحمت تو ہوگی لیکن ذرا نادرہ کو ریلوے اسٹیشن تک چھوڑ آؤ۔ اسے رحیم یار خان جانا ہے اور ہر قیمت پر جانا ہے۔ بہتر ہے بہتر درجے کا ٹکٹ دلانے کے بعد تم واپس آ سکتے ہو۔"
"کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ مجھے اسٹیشن پر چھوڑ دیں؟" نادرہ کی آواز اور آنکھوں میں التجا تھی۔
"میں پہچان لیا گیا تو تم بھی برقع کے باوجود دشواریوں میں پڑ جاؤ گی۔ جارج بہت شریف اور زن مرید قسم کا آدمی ہے۔ یہ تم کو پوری حفاظت سے ٹرین میں سوار کرا دے گا۔"
غزالہ کی موجودگی میں وہ مزید اصرار کرنے کی ہمت نہیں کر سکی۔

اس کی روانگی کا پورا یقین ہو جانے کے بعد غزالہ کے چہرے پر اس کی مخصوص مسکراہٹ پھیل گئی' چہرے کے عضلات کا تناؤ بھی دلکش نرماہٹ میں تبدیل ہوگیا۔ اس نے نادرہ سے بغل گیر ہو کر اپنی نادانستہ کوتاہیوں پر معافی چاہی تو نادرہ نے اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔
ان لمحات کے آنے تک نادرہ ہم سب کی ناپسندیدہ شخصیت تھی لیکن اسے یکہ و تنہا ٹرین کے ایک لمبے سفر پر روانہ کرتے ہوئے ہم سب ہی بے نام سی اداسی محسوس کر رہے تھے۔ آخر کار نادرہ جھلملاتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ سلطان شاہ کے پیچھے فلیٹ سے نکل کر زینوں کی طرف بڑھ گئی۔
"خس کم' جہاں پاک" فلیٹ کا دروازہ بند ہونے کے بعد ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اسے دیکھ کر میرا خون کھول رہا تھا' ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ تمہیں نظروں ہی نظروں میں کھا جائے گی۔"
"بس کرو ویرا!" غزالہ نے ٹوکا "ہم نے اسے خاصا ستا لیا۔ اب وہ جا چکی ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں رائے زنی سے گریز کرنا چاہئے۔ اسے ہم نے بگاڑا تھا' نہ سدھار سکتے ہیں۔ وہ جیسی بھی ہے' اس کے لئے ہدایت کی دعا کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارا دیا ہوا سبق ہی اس کے لئے کافی ثابت ہو۔"
"مجھے ایسی عورتوں سے سخت نفرت ہے جو پرائے مردوں پر ڈورے ڈالنے کے چکر میں رہتی ہیں۔ انہیں دیکھ کر مجھے ایسی چڑیلیں یاد آ جاتی ہیں جن کے دہانے زندہ انسانی خون سے لتھڑے ہوئے ہوں۔"
"دوسروں پر تنقید کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں بھی جھانک لینا چاہئے" میں نے کہا۔
"تم دونوں لڑتے رہو' میں ذرا کھانے کی تیاری کر لوں تاکہ سلطان شاہ کے آنے تک میز لگانے کا بندوبست ہو سکے" غزالہ نے موقع کی نزاکت بھانپ کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔
"تم مجھے اپنے گریبان میں جھانکنے کا مشورہ کیوں دے رہے ہو؟" غزالہ کی بات پر دھیان دیے بغیر ویرا نے پوچھا۔
"تمہارا دامن بھی پاکیزہ نہیں ہے۔ کچھ عرصے پہلے تک تم اس پر فخر بھی کرتی رہی ہو" میں اس موضوع کو آگے نہیں بڑھانا چاہتا تھا لیکن غزالہ کے چلے جانے کی وجہ سے مجھے ویرا کو مسکت جواب دینے کا موقع مل گیا۔ ویرا کو جلد از جلد اس کے ذہنی معمول پر لانے کے لئے ضروری تھا کہ اسے اس کے پسندیدہ موضوعات پر گفتگو میں مصروف رکھا جائے۔ اس وقت وہ خود ہی بات بڑھانے پر آمادہ تھی۔
"مجھے اب بھی اس بات پر فخر ہے کہ میں اپنی زندگی میں کبھی مردوں کا کھلونا نہیں بنی۔ جسے چاہا' حاصل کر لیا اور جب اس سے دل اکتا گیا تو اسے بھول گئی۔ یہ طعنہ دے کر تم کیا ثابت کرنا چاہ

رہے ہو؟"

"غنیمت ہے کہ تم نے میری بات کی تردید نہیں کی.... یہ بتاؤ کہ تم میں اور نادرہ میں کیا فرق ہے؟"

"اس فرق کو پرکھنے کے لئے نگاہ چاہیے۔ وہ پرائے مردوں کا پیچھا کرتی ہے' میں تازہ شکار پر گزر بسر کرنے کی عادی تھی۔ مرد ندیدے ہوتے ہیں۔ ہر قماش کی عورتوں اور لڑکیوں پر ڈورے ڈالنا ان کے مزاج کا حصہ ہوتا ہے لیکن عورت کو بگڑ کر بھی باوقار نظر آنا چاہیے ورنہ پھر عورتوں اور مردوں میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے؟"

میری توقع کے عین مطابق اس موضوع پر ویرا کا ذہن خوب چل رہا تھا۔

"اگر خود ستائی نہ سمجھو تو میں اپنی مثال دوں گا۔ میری اور تمہاری دوستی ہر معیار سے بہت گہری اور قریبی رہی ہے۔ اسے تم کس کھاتے میں ڈالو گی؟" میں نے قدرے دھیمی آواز میں اس سے پوچھا۔

"وہ سب اس وقت کی باتیں ہیں جب ڈون کوانگ فو نے ڈنڈے کے زور پر تمہاری اور غزالہ کی شادی نہیں کرائی تھی.... بعض اوقات تم پٹڑی سے اتر کر بالکل بے سروپا باتیں کرنے لگتے ہو۔"

"یہ بے سروپا باتیں نہیں' اسی زمین کے حقائق ہیں۔ ہم دونوں کی شادی بلاشبہ نہیں ہوئی تھی مگر تم کو معلوم تھا کہ میں غزالہ کو دیوانہ وار چاہتا ہوں۔ اسی جوشِ رقابت میں تم نے ایک بار اسے انگلینڈ پہنچا دیا تھا اور دوسری مرتبہ بھارت بھجوا دیا تھا۔"

"کسی کو چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ شناخت ٹھوس رشتوں سے ہوتی ہے" وہ ڈھٹائی سے بولی "غزالہ سے حادثاتی شادی ہونے سے پہلے تم کھلے نشانے پر تھے۔ جو گھائل کرے' وہ قبضہ کرے۔ تمہارے لئے میں نے کھل کر غزالہ کا مقابلہ کیا۔ ہر جائز اور ناجائز حربہ استعمال کیا۔ اسے اذیت بھی پہنچائی کیونکہ اس وقت وہ میری حریف بلکہ رقیب تھی لیکن جب تم نے اسے اپنی بیوی بنالیا تو میں نے اپنی شکست تسلیم کرلی۔ یہ میری زندگی کی پہلی اور شاید آخری ہار تھی۔ اس کے بعد تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ میرے رویّے میں ناقابلِ یقین تبدیلیاں آچکی تھیں۔"

میں نے بس ایک لمحے کے لئے سوچا اور محسوس کیا کہ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی مگر میں نے اسے چڑانے کے لئے کہا "تم اب بھی میرے ساتھ اس طرح پیش آتی ہو جیسے مجھ پر غزالہ سے زیادہ حق رکھتی ہو!"

"وہ میرے دل کی کسک ہے" ویرا ایک لمبا سانس لے کر بولی۔ "چور چوری سے جاتا ہے' ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ تم نے مجھے دغا دے دی تو کیا ہوا' میں تو اب بھی تمہیں پرانا ڈینی سمجھتی ہوں جب بھی تمہیں بھٹکتے دیکھتی ہوں تو بولنے پر مجبور ہو جاتی ہوں۔ غزالہ نے تمہیں مجھ سے چھین لیا لیکن وہ میرا بولنے کا حق نہیں چھین سکتی۔ تم خود گواہ ہو کہ اس نے کبھی مجھے روکنے ٹوکنے کی کوشش نہیں کی۔"

وہ ویرا تھی۔ ایک مختلف' منفرد اور پُرعزم عورت جو اپنے مخاطب کی سوچ کے ہر پیمانے کو توڑ کر ہمیشہ سے بہت اوپر نظر آتی تھی۔ وہ چند فقروں میں قلب و نظر کی وارداتوں کے بارے میں جو حکایتیں بیان کرگئی تھی وہ کوئی پُرگداز دل ہی محسوس کرسکتا تھا۔ ان حکایتوں کی کوئی تشریح ہوسکتی تھی اور نہ تاویل۔ ان سب کے لئے کتابوں کے دفتر ناکافی تھے۔

میں نے بارہا سوچا اور غور کیا تھا۔ ویرا' غزالہ کی موجودگی کی پروا کئے بغیر میرے ساتھ اس طرح پیش آتی تھی کہ میں اندر ہی اندر کٹ کر رہ جاتا تھا' مجھ پر خفت طاری ہونے لگتی تھی اور میں سوچتا تھا کہ غزالہ اس بے تکلفی پر ویرا سے لڑ پڑے گی لیکن کبھی بھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ غزالہ ہمیشہ اسے طرح دے جاتی تھی یا اس کا ہر رویّہ ہنس کے ٹال دیتی تھی لیکن نادرہ کو وہ اس کی محتاط روی کے باوجود زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکی۔ اس سے دوسری ملاقات ہی میں شکوہ زبان پر لے آئی۔ شاید یہ غزالہ کی نسوانی جبلت تھی' اس کی پرکھ تھی یا شاید دنیا کی ہر بیوی اس وصف سے مالا مال ہوتی ہے کہ دوسری عورتوں کی نگاہوں کے پیچھے پوشیدہ' دل کی ہر تحریر پڑھ لیتی ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ کون سی عورت بے ضرر ہے اور کون اس کی خلوت میں نقب لگا کر اس کی سیج پر کانٹوں کی فصل بکھیرنے کے چکر میں ہے۔

سلطان شاہ بہت دیر سے واپس آیا۔ پتا چلا کہ نادرہ نے خیبر میل کی روانگی تک اسے اسٹیشن ہی پر روکے رکھا تھا۔ غزالہ کو اس کی آمد میں تاخیر پر تشویش سی ہونے لگی تھی۔ اسے دیکھا تو کھل اٹھی اور فوراً ہی میز پر کھانا لگا دیا۔ میز پر سلطان شاہ کچھ کھویا کھویا اور نادم سا نظر آیا جیسے اس کے دل میں کوئی چور ہو۔ وہ نادرہ کے ذکر میں بالکل بھی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ میرے لئے سلطان شاہ کی وہ کیفیت بہت دلچسپ اور معنی خیز تھی۔ میں محسوس کررہا تھا کہ جاتے جاتے نادرہ اسے کوئی چرکا لگا گئی تھی۔

جب دونوں عورتیں ہر کام سے فارغ ہو کر اپنی خواب گاہوں میں چلی گئیں تو میں نے سلطان شاہ کو اس کے کمرے کی تنہائی میں جالیا۔ وہ اپنے بستر پر چت لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ نادرہ کے ساتھ کچھ اور بھی اسٹیشن پر چھوڑ آئے ہو!" میں نے کسی تمہید کے بغیر اس پر براہِ راست حملہ کردیا "اس وقت بھی شاید اسی کے تصور میں کھوئے ہوئے تھے!"

"پتھر کو کبھی جونک نہیں لگتی" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ویسے مجھے اس بات کا قلق ہے کہ ہم لوگوں نے اس بے چاری کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ یہاں وہ غزالہ سے خوف زدہ ہو کر خاموش تھی لیکن گاڑی چلتے ہی اپنی بدقسمتی پر پھوٹ پھوٹ کر

نے لگی.... مجھے اس کو سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا۔"

"وہ بڑی پُر فریب اور ریا کار عورت ہے' قریب ہو کر سنبھالتے تمہیں اتنی دشواری نہ ہوتی۔"

"مذاق مت کرو۔ ہم نے اپنا کام لے کر اسے مکھن سے بال کی طرح الگ نکال دیا۔ وہ ہماری مزید توجہ اور سہارے کی مستحق تھی۔ اس کے ساتھ جو ہونا تھا' ہو گیا لیکن مجھے اس سنگ دلی پر افسوس ہے۔"

"تم خود بھی اس کی مخالفت پر کمربستہ تھے" میں نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"اسی لئے زبان بند کی ہوئی ہے۔ میری کھری کھری باتیں غزالہ کو پسند نہیں آئیں گی۔"

"برخوردار! ہوش کے ناخن لو!" میں نے تیزی سے کہا "وہ اس قدر مکاری کے ساتھ مجھ پر ڈورے ڈال رہی تھی کہ ایک مرحلے پر میں خود گھبرا کے اس سے جان چھڑانے کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔"

"غلطی تمہاری تھی کہ تم اسے بند دروازے کے پیچھے خلوت میں لے کر بیٹھے ہوئے تھے۔ پیاسی زمین پر پانی ڈال کر تم یہ امید رکھو کہ پانی زمین پر کھڑا رہے گا تو یہ تمہاری بھول ہے۔ اجنبی مرد اور عورت کو خلوت میں یک جا ہونے سے اسی لئے روکا گیا ہے کہ جب ان دونوں کے درمیان کوئی تیسرا نہیں ہوتا تو شیطان خود بہ خود آجاتا ہے۔ تم نے اسے خلوت فراہم کی' اس نے اس کا غلط مفہوم لیا اور بہکتی چلی گئی۔"

میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"پیاسی زمین' اجنبی مرد اور بہکی ہوئی عورت! آج تم بہت ثقیل اردو بول رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ نادرہ کا جادو تمہارے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ اس کا کسی اور پر بس نہیں چلا تو تمہاری برین واشنگ کر ڈالی۔"

باتوں کا سلسلہ قدرے دراز ہوتا چلا گیا۔ مجھے تجسس تھا کہ نادرہ نے اس پر ایسا کون سا سحر آزمایا تھا کہ وہ مخالفت کو بالائے طاق رکھ کر اس کا ہمدرد بن گیا تھا لیکن کافی کریدنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ آنسو ہی عورت کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتے ہیں اور جب وہ آنسو کسی شیریں سخن اور سیمیں بدن حسینہ کی آنکھوں سے رواں ہوں تو بڑے بڑے داناؤں کی عقل اپنے ساتھ بہا لے جاتے ہیں۔

میں سلطان شاہ کو اس کے حال پر چھوڑ کر وہاں سے لوٹ آیا۔

نادرہ جس غیر متوقع بلکہ چونکا دینے والے انداز میں ہماری کہانی میں داخل ہوئی تھی' میرا قیاس تھا کہ وہ کافی دنوں تک ہمارے ساتھ شریکِ کار رہے گی لیکن وہ اپنے کردار کی وجہ سے قبل از وقت ہی کہانی سے باہر ہو گئی تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں ذہنی طور پر خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا کیونکہ نادرہ کی حفاظت اور آرام کی فکر اس کے ساتھ جا چکی تھی۔ اب میرے سامنے اکلوتا ہدف باقی رہ گیا تھا اور وہ راس المیڈا تھا۔ اس تک رسائی کے لئے جیف طر ہمارے قبضے میں تھا۔

میں بستر پر دراز ہو کر بھی جیف طر کی زبان کھلوانے کے طریقوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ نیند آنے تک میں ایک حتمی فیصلہ کر چکا تھا کہ رات کے اندھیرے میں جیف طر تک پہنچنے کی کوشش خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اس سے نادرہ کے غیر آباد مکان میں باز پرس کے لئے دن کا اجالا سب سے بہتر تھا۔

میں نے ایک موہوم سی امید میں جیف طر کا ریڈیائی ایرپیس آن کر کے اپنے سرہانے رکھ لیا تاکہ اس پر ہونے والی کسی بھی گفتگو سے پوری واقفیت حاصل ہوتی رہے لیکن پوری رات کسی خلل کے بغیر گزر گئی۔ میں اپنی نیند پوری کر کے بیدار ہوا تو فلیٹ میں ناشتے کا دور چل رہا تھا۔ میں نے حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے کے بعد میز پر آتے ہی اپنے منصوبے کا اعلان کر دیا۔ اس منصوبے کے مطابق دونوں عورتوں کو گھر میں رہنا تھا۔ سلطان شاہ کو میرے ساتھ نادرہ کے گھر جانا تھا جہاں جیف طر ایک محفوظ تہ خانے میں قید تھا۔

میری دانست میں نادرہ کے مکان پر ہم لوگوں کے لئے تصادم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس مکان کا رخ کرنے والے گیری ہارٹ کے آدمیوں کو جیف طر کا سراغ نہ ملا ہوتا تو قصہ ہی ختم تھا۔ اگر وہ جیف طر کا سراغ لگا کر اسے تہ خانے سے نکال لے گئے تھے تب بھی مکان کی نگرانی کا امکان نہیں تھا۔ وہ یہی سمجھتے کہ میں نے جیف طر کو معذور کر کے ان ہی کے لئے وہاں ڈال دیا تھا تاکہ اس کی معذوری اس کے دوسرے ساتھیوں کے حوصلے پست کر سکے۔

بیم گن میرے لئے ایک ناگزیر ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ ہم نے دو بھرے ہوئے ریوالور بھی لے لئے۔ سہراب گوٹھ سے خریدے ہوئے بارودی شعبدوں کے بارے میں سلطان شاہ نے یاد دہانی کرائی مگر مجھے مقبول آباد کی ممکنہ صورتِ حال میں ان حساس دستی بموں کی کوئی افادیت نظر نہیں آئی اور ہم ناشتے سے فارغ ہو کر مقبول آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔ جیف طر کا ایرپیس میری جیب میں موجود تھا۔

○☆○

مقبول آباد شہر کی ایک متمول اور قدیم آبادی تھی جو مین ریلوے لائن اور شارعِ فیصل کی مختصر سی پٹی میں واقع تھی۔ اس علاقے میں ہر مکان بڑے رقبے پر بنا ہوا تھا اس لئے ہر گلی میں گنتی کے چند مکان تھے۔ شہر کے دوسرے آسودہ حال رہائشی علاقوں کی طرح مقبول آباد میں بھی ہر مکان مکینوں کی قلت کا شکار تھا اس لئے وہاں بھیڑ بھاڑ کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔ وقفے وقفے سے کوئی پھیری والا یا کچی آبادی سے آنے جانے والا کوئی راہ گیر ان پختہ

گلیوں کی خاموش فضا میں تھوڑی بہت ہلچل مچا دیتا ہو تو وہ دیگر بات تھی۔

ہم دونوں نے گاڑی میں اس گلی کا ایک چکر لگایا جس میں نادرہ کا مکان واقع تھا۔ میدان ہماری توقع کے عین مطابق بالکل صاف تھا۔ گلی میں دور تک مشتبہ تو کیا' کسی بھی گاڑی کا وجود نہیں تھا۔ وہاں رہنے والوں کے گھر اتنے کشادہ تھے کہ وہ بیک وقت کئی کئی گاڑیاں اپنے گھروں میں کھڑی کر سکتے تھے۔

میرے ایما پر سلطان شاہ نے کار سروس روڈ پر ایک کنارے سے پارک کر دی۔ وہاں وہ گاڑی کسی بھی متجسس شخص کی نگاہوں میں ضرور آ سکتی تھی لیکن وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کار کے سوار علاقے کے کس مکان میں گئے ہوں گے۔

گاڑی کے چاروں دروازے مقفل کر کے ہم دونوں اپنی مطلوبہ گلی میں داخل ہو گئے۔

نادرہ کے گھر کا چوبی پھاٹک معمول کے مطابق بند تھا اور اندر کھڑی ہوئی نادرہ کی کار بھی اسی جگہ موجود تھی جہاں میں نے پچھلی شام اسے دیکھا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ باہر سے ہاتھ ڈال کر بھی اس چوبی پھاٹک کا کنڈا کھولا جا سکتا تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لئے چوبی پھاٹک کے قریب رک کر طائرانہ انداز میں گلی کا جائزہ لیا اور میدان صاف دیکھ کر سرعت سے چوبی پھاٹک کھول کر احاطے میں داخل ہو گیا۔ سلطان شاہ نے میری تقلید کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔

احاطہ ویران تھا۔ عمارت کا داخلی دروازہ بظاہر بند تھا اور اسے بند ہی ہونا چاہئے تھا۔ ہلکا سا دباؤ ڈالنے پر دروازہ کھل گیا۔ ہم یکے بعد دیگرے پوری احتیاط سے اندر داخل ہوئے تو میری توقع کے عین مطابق نادرہ کے ڈرائنگ روم کی بیشتر قیمتی آرائشی اشیا غائب تھیں۔ شاید حیف ملر کی تلاش میں وہاں پہنچنے والوں نے وزنی ساز و سامان کو چھیڑے بغیر چھوٹی موٹی مگر بیش قیمت چیزوں پر ہاتھ صاف کر دیا تھا۔

ہم نے پوری احتیاط سے گھر کا جائزہ لے ڈالا۔ وہاں کسی ذی روح کی موجودگی کے کوئی آثار نہیں تھے البتہ مجھے گھر میں بہت سی ایسی چیزوں کی کمی محسوس ہو رہی تھی جو گاڑی میں ڈال کر لے جائی جا سکتی تھیں۔

"ضروری نہیں کہ یہ حیف ملر کے ہمدردوں کی حرکت ہو۔ لمبا عاشق بھی یہ کارنامہ دکھا سکتا تھا" سلطان شاہ نے گم شدہ چیزوں کے بارے میں میری رائے سننے کے بعد کہا۔

"یہ لمبا عاشق کون ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہی۔ نادرہ کا خانگی ملازم۔ اس نے سوچا ہو گا کہ مالکن جا رہی ہے۔ کھلے ہوئے گھر کا سامان دوسروں کے ہاتھ لگے گا تو کیوں نہ وہ اپنا حصہ ساتھ لیتا جائے۔ مالکن کو کیا معلوم ہو سکے گا۔"

وہ میری ہی غلطی تھی۔ سلطان شاہ کے ذہن سے نادرہ کی ہمدردی کے اثرات مٹانے کے لئے میں نے گھر سے مقبول آباد آتے ہوئے اسے نادرہ اور بشیر کے مشتبہ مراسم کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔ اس وقت وہ مجھ سے سنی ہوئی بات مجھ ہی کو سنا رہا تھا۔

"جو چیز جس کا مقدر رہو گی' اسی کو پہنچے گی۔ بہت جلد یہ کھلا ہوا مکان خالی ہو جائے گا" میں نے کہا۔

"مکان کی سج دھج سے معلوم ہوتا ہے کہ نادرہ خاصی شوقین مزاج ہے....."

"نادرہ کا خمار اپنے ذہن سے جھٹک دو اور اس کی خواب گاہ سے ایک ٹیبل لیمپ اٹھا لاؤ تاکہ ہم حیف ملر کی مزاج پرسی بھی کر لیں۔ ہم یہاں نادرہ کے شوق اور مزاج پر تحقیق کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں۔"

"ٹیبل لیمپ کی کیا ضرورت ہے' اس وقت تہ خانے میں بھی اجالا ہو گا۔ ہم لیمپ کو اپنے ساتھ کہاں کہاں لئے پھریں گے؟ اس کی جگہ کوئی ٹارچ ہوتی تو بات بن سکتی تھی۔"

"تم سے جو کہہ رہا ہوں' وہ کرو۔ نہیں کر سکتے تو باہر جا کر گاڑی میں آرام کرو۔"

"بلاوجہ ناراض ہو رہے ہو" وہ منمنایا "میرا کیا ہے۔ کہو گے تو ڈرائنگ روم کا فانوس بھی اتار لاؤں گا۔"

اپنی بڑبڑاہٹ کے باوجود وہ سرعت سے نادرہ کے کمرے کی طرف گیا اور وہاں سے ایک ٹیبل لیمپ اٹھا لایا۔ اسے دیکھتے ہی میں کچن کے عقب میں جانے والی راہ داری میں بڑھتا چلا گیا۔

سلطان شاہ نے اس سے پہلے نادرہ کا گھر نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ روشن زینے طے کر کے تہ خانے میں پہنچا تو اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے کیونکہ وہ کسی بھی صورت سے تہ خانہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس زیر زمین خواب گاہ میں معذور ملر بے بسی کے عالم میں قالین پر پڑا ہوا تھا۔

حیف ملر میری ٹھوکریں کھانے کی وجہ سے خاصا زخمی ہوا تھا اور اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ اس کے منہ پر سختی سے پٹی بندھی ہوئی تھی اور طویل بے خوابی کے سبب آنکھیں متورم تھیں۔ وہ سب کچھ سن اور دیکھ سکتا تھا لیکن منہ میں حلق تک کپڑا ٹھنسا ہوا ہونے کی وجہ سے کوئی آواز نکالنے سے قاصر تھا۔ مجھے دیکھ کر اگر اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہو تو وہ میرے مشاہدے میں نہیں آ سکی کیونکہ اس کے چہرے کی کوئی لکیر اپنی اصلی حالت میں نہیں تھی۔ ٹوٹ پھوٹ' ورم اور بندشوں نے سب کچھ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

"ہم دونوں ہی حیف کے ساتھ اس چوہے دان میں آ گئے ہیں" سلطان شاہ نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی "غنیمت ہے کہ ابھی تک اس کے ہمدرد تہ خانے تک نہیں پہنچ سکے لیکن اس وقت کوئی یہاں آ نکلا تو سیدھا تہ خانے کی طرف آئے گا اور ہمیں

برکر گولی مار دے گا....."
"تم اوپر جاکر نگرانی کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔
نے بروقت ایک اہم ترین نکتے کی نشان دہی کی تھی جو کسی وجہ
میرے ذہن میں نہیں آسکا تھا۔ ہمیں مارنے کے بعد قاتل کے
ے لنگڑے جیف کو کندھے پر لاد کر باہر لے جانا نہایت آسان کام
بت ہوتا۔
"لیمپ بھی ساتھ لیتا جاؤں؟" سلطان شاہ نے معصومیت سے
چھا۔
"اسے یہیں رکھ دو" میں نے غراہٹ کے ساتھ کہا "یہ جیف
ے بدن سے روشن ہوگا۔"
سلطان شاہ لیمپ ایک تپائی پر رکھ کر چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ
یرے تبصرے پر جیف نے زور شور سے اپنے جسم اور ڈیڑھ ٹانگ
و ہلا کر مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوششیں شروع کردی تھیں
یکن میں اس کی طرف دھیان دیے بغیر لیمپ کے تاروں کی طرف
متوجہ ہوگیا۔
لیمپ کے ساتھ لگے ہوئے دہرے تار کی لمبائی میری ضرورت
ے زیادہ تھی۔ میں نے ان میں سے ایک تار کو درمیان سے کاٹ
کر اس کے دونوں سرے دوسرے تار سے الگ کرلئے۔ اس کے
عد میں نے ایک دیوار گیر بورڈ میں ٹیبل لیمپ کا پلگ لگا کر سوئچ آن
کردیا۔ لیمپ میں نصب سوئچ میں پہلے ہی آن کرچکا تھا۔ میں نے
کٹے ہوئے تار کے دونوں سروں کو جوں ہی ملایا' لیمپ روشن ہوگیا۔
میں کٹے ہوئے تار کے دونوں ننگے سرے لے کر جیف کی
طرف بڑھا تو اس نے تیزی سے قالین پر لوٹ لگا کر دور نکلنا چاہا
لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔
میں نے پھرتی سے تار کے ننگے سرے جیف کے جسم کے دو
کھلے ہوئے حصوں پر لگادیے۔ گردن اور بازو سے تار لگتے ہی ٹیبل
لیمپ جل اٹھا' اسی کے ساتھ جیف کے بدن کو اتنا شدید جھٹکا لگا کہ
تار کے سرے میرے ہاتھوں سے چھوٹ گئے۔ میں نے بڑھ کر دیوار
گیر بورڈ کا پلگ سوئچ بند کردیا۔
"لیمپ میں صرف چالیس واٹ کا بلب ہے" میں نے پہلی بار
جیف کو مخاطب کرکے سرد لہجے میں کہا "میں نے ابھی نمونے کے
طور پر تمہیں چالیس واٹ کا معمولی سا برقی جھٹکا دیا ہے لیکن تم نے
میرے سوالات کے بے تکان اور سیدھے جوابات نہیں دیئے تو یہ
جھٹکے دو سو اور پانچ سو واٹ کے بھی ہوسکتے ہیں۔ اب یہ تمہاری
قوتِ برداشت پر منحصر ہے کہ تم کتنی طاقت کے برقی جھٹکوں سے راہِ
راست پر آتے ہو۔ اب میں تمہارا دہانہ آزاد کروں گا۔ تم نے ذرا
بھی گڑبڑ کی تو دوبارہ اسی حال میں پہنچا دیے جاؤ گے۔ ہوسکتا ہے کہ
میں تمہاری داہنی پنڈلی کی طرح بائیں ٹانگ اور دونوں بازوؤں کو
بھی تمہارے دھڑ سے الگ کردوں۔"
اس کا حرکت کرتا ہوا جسم ساکت ہوگیا اور اس کی گردن
اثبات کی صورت میں دھیمے دھیمے ہلنے لگی۔
میں نے بڑھ کر اس کے منہ پر بندھی ہوئی پٹی کھولی پھر بے
رحمی کے ساتھ اس کے دہانے سے کپڑا باہر کھینچنا شروع کردیا۔
کپڑے کی تیز رگڑ سے اس کے نچلے ہونٹ سے خون جاری ہوگیا۔
کپڑا نکلتے ہی اس نے منہ کھول کر اور آنکھیں بند کرکے دو
گہرے گہرے سانس لئے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی مگر بولنے میں
کامیاب نہیں ہوسکا۔ شاید اس کا دہانہ بالکل خشک ہوچکا تھا اور
زبان اینٹھ چکی تھی۔
مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ پانی کے چند قطروں کے لئے ترس رہا
تھا۔
میں نے باتھ روم سے ایک گلاس میں پانی بھرا اور پھر کھڑے
کھڑے وہ گلاس اس کے کھلے ہوئے دہانے پر انڈیل دیا۔ چند
گھونٹ اس کے منہ میں گئے' باقی پانی اس کے چہرے کو بھگوتا ہوا
قالین میں جذب ہوگیا۔ میری نظریں اس دوران میں مسلسل اس
کے چہرے پر مرکوز رہی تھیں۔
"تت..... تم..... مجھ سے کک..... کیا چاہتے ہو؟" حلق تر کرنے
کے بعد جیف نے اٹک اٹک کر انگریزی میں سوال کیا۔ مجھے
اندازہ ہوا کہ معذوری' اذیت اور طویل بے خوابی نے اس کے
اعصاب کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔
"میں لمبی چوڑی جرح کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ میں جو باتیں
جانتا ہوں وہ اپنی جگہ اٹل ہیں۔ تم انہیں جھٹلا سکتے ہو' نہ مجھے
تمہاری تصدیق کی ضرورت ہے..... یہ بتاؤ کہ تمہارے چیف ڈی
مشن کا کیا نام ہے؟"
"میں نہیں جانتا۔" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔ اس کے سینے
کے پھولنے اور پچکنے سے اندازہ ہورہا تھا کہ یک بیک اس کے تنفس
کی رفتار تیز ہوچکی تھی۔
"میں مانے لیتا ہوں۔ گیری ہارٹ بھی اس بات سے بے خبر
ہے کہ راس المیڈا چیف کے روپ میں اسے اپنے اشاروں پر نچا
رہا ہے" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی جیب سے بیم گن نکال لی "اب
یہ بتاؤ کہ بلیک ہاک کون ہے؟"
"تمہاری ماں کا خصم!" وہ حلق کے بل دہاڑا اور تہ خانے کی
محدود فضا اس کی آواز سے گونج کر رہ گئی۔
اس کی گالی جتنی غیر متوقع تھی' میں اس سے کہیں زیادہ تیزی
سے حرکت میں آیا اور میری ٹھوکر نے اس کی کئی پسلیاں ادھیڑ کر
رکھ دیں۔ وہ بلبلاتا ہوا قالین پر دور تک لوٹتا چلا گیا۔
غیر ارادی بلبلاہٹ پر قابو پانے کے بعد وہ پھر غرانے لگا "اگر
میرے ہاتھ پیر کھلے ہوتے تو میں ایک ٹانگ سے معذور ہونے کے
باوجود تمہارا بھرکس نکال سکتا تھا۔ تم نالی کے گندے کیڑے ہو۔
تمہیں بہت جلد پیس کر رکھ دیا جائے گا۔ تم میری زبان سے کچھ
نہیں اگلوا سکتے۔"

اس کی وہ فرسودہ ترکیب مجھ پر کارگر نہیں ہو سکی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے چیلنج پر مشتعل ہو کر میں اس کے ہاتھ پیر کھول دوں گا لیکن میں ان بدمعاشوں کے ساتھ کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ میں نے بڑھ کر اس کے سر اور چہرے پر یکے بعد دیگرے اتنی ٹھوکریں رسید کیں کہ وہ دیوانگی کے عالم میں چیخنے لگا۔ میں نے نہایت سفاکی سے اپنے جوتے کا تلا اس کے دہانے پر رکھ کر پوری قوت سے دبا دیا۔

وہ کئی سیکنڈ تک میرے جوتے کے تلے کے نیچے دبا مچلتا رہا اور آخر کار اس دباؤ سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ جسمانی طور پر خاصا مضبوط تھا۔ میں نے اسی وقت اندازہ لگا لیا کہ اسے محض جسمانی ایذا پہنچا کر زبان کھولنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ مضبوط جسم کے ساتھ مضبوط قوتِ ارادی کا بھی مالک تھا۔ تہ خانے کی قید نے اس پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا تھا۔ دس پندرہ دن کی مسلسل بے خوابی اور ایذا رسانی ہی اس کے اعصاب کی مزاحمت کو تباہ کر سکتی تھی جب کہ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔

میں بیم گن سے اس کے جسم کے نازک حصوں کو داغ دار کر کے اسے ناقابلِ برداشت اذیت میں مبتلا کر سکتا تھا لیکن وہ میری نظروں میں اتنا اہم نہیں رہا تھا کہ اس پر بیم گن جیسے نادر اور بیش قیمت ہتھیار کو خالی کیا جاتا۔ بیم گن ایک طویل عرصے سے میرے استعمال میں تھی۔ میں اس سادہ لیکن مؤثر ترین ہتھیار کے استعمال میں پوری مہارت رکھنے کے باوجود اس بات سے لاعلم تھا کہ اس سے خارج ہونے والی مہلک نیلگوں شعاعوں کا سلسلہ کب موقوف ہو جائے گا۔ ویراشی کے بااختیار لوگوں سے بہت قریب رہی تھی۔ آخری دنوں میں شاید اسے جی لائیڈ کی خوشنودی بھی حاصل ہو چکی تھی لیکن وہ بھی بیم گن کا چارج ختم ہونے کے مسئلے پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکی تھی اسی وجہ سے میں اس ہتھیار کو انتہائی اہم اور ناگزیر مواقع پر استعمال کرتا تھا۔ جیف ملر کو محض اذیت پہنچانے کے لیے اسے برباد نہیں کیا جا سکتا تھا۔

دوسرا راستہ مختلف پاور کے برقی جھٹکوں کا تھا لیکن نادرہ کے گھر میں مجھے کہیں بھی سو واٹ سے زیادہ کے بلب نظر نہیں آئے تھے۔ جیف کو براہِ راست الیکٹرک شاک دینے میں یہ خدشہ تھا کہیں وہ کرنٹ کی زیادتی کی وجہ سے پہلے ہی جھٹکے میں جہنم واصل نہ ہو جائے۔

میرے نزدیک موت اس کا مقدر بن چکی تھی لیکن میں اسے آسانی سے نہیں، سسکا سسکا کر مارنا چاہتا تھا۔ پتا نہیں کس مرحلے پر اس کی قوتِ مزاحمت جواب دے جاتی اور وہ میرے دشمنوں کے بارے میں کام کی باتیں اگلنی شروع کر دیتا۔ اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ میں کچن کی کسی تیز دھار چھری سے اس کے بدن پر چرکے لگا کر اسے اپنی ہار ماننے پر مجبور کر سکتا تھا لیکن میری دانست میں وہ گھناؤنا طریقہ تھا جو طبیعت پر گراں گزر سکتا تھا۔ میرے لیے واحد راستہ یہی تھا کہ اسے محدود برقی جھٹکے دے کر بالکل ماؤف اور مفلوج کر دوں۔

میں نے لیمپ میں سے چالیس واٹ کا بلب نکالا اور اس تہ خانے کے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں سے سو واٹ کا بلب نکال کر ہلکی طاقت والا بلب وہاں لگایا اور پھر سو واٹ کا نسبتاً طاقت ور بلب لیمپ میں لگا کر سوئچ آن کر دیا۔ کٹے ہوئے تار کی وجہ سے بلب روشن نہیں ہو سکا۔

"اب میں تمہارے پورے بدن کو داغ دار کر دوں گا" میں نے کٹے ہوئے تار کے دونوں ننگے سرے قالین سے اٹھا کر جیف ملر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "ہر برقی جھٹکے پر تمہارا خون اپنے اجزا میں تحلیل ہو کر سوکھتا چلا جائے گا اور آخر کار تمہارے ہاتھ پیر اینٹھنے لگیں گے۔ تمہاری موت واقع ہونے تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اس میں میرا زیادہ وقت ضائع نہیں ہوگا۔ تم نے خاموش رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں تمہیں ہمیشہ کے لیے خاموش کر دوں گا۔"

اس کی آنکھوں میں دہشت اتر آئی۔ چہرے پر پسینے کی موٹی موٹی بوندیں چمکنے لگیں۔ وہ ایک برقی جھٹکا برداشت کر چکا تھا اور اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ میں کیا کرنے والا تھا۔ اس پر آنے والے کرب ناک لمحوں کی اذیت اپنا رنگ جما رہی تھی لیکن اس نے سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی۔

میں اس کے قریب جا کر رک گیا۔ کٹے ہوئے تار کے دونوں ننگے سرے دو زہریلے ناگوں کی طرح میری چٹکیوں میں دبے ہوئے تھے اور جیف ملر مسلسل ان ہی کو گھورے جا رہا تھا۔ اس کے بدن کے مساموں سے خارج ہونے والے پسینے کی مقدار میں یک بہ یک اضافہ ہو چکا تھا۔

میں اسے مارنے سے زیادہ زندہ رکھ کر دہشت زدہ کرنا چاہتا تھا۔ چند ثانیوں تک میں نے کوئی پیش قدمی نہیں کی اور اس کی بگڑتی ہوئی حالت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ جیف ملر قالین پر پڑے پڑے بے بسی سے کسمسا رہا تھا۔ میں نے اچانک ہی جھک کر دونوں تار اس کے رخساروں سے چپکا دیے۔ اس کے بدن کے ذریعے تاروں کا سلسلہ جڑتے ہی لیمپ میں لگا ہوا سو واٹ کا بلب جل اٹھا۔ جیف ملر کے حلق سے بے ساختہ چیخیں ابل پڑیں۔ اس کا بدن پوری وحشیانہ قوت سے تڑپ کر اچھلا اور تار اس کے رخساروں سے الگ ہو گئے۔

میرے لیے اس وقت وہ سفاکانہ کھیل بہت دلچسپ تھا۔ میں نے اندھا دھند وہ تار اس کے بدن کی کھلی ہوئی جلد سے لگا دیے۔ روشنی کا ایک اور جھماکا ہوا، جیف ملر کا بدن ایک بار پھر تڑپ کر اچھلا اور بلب تاریک ہو گیا مگر اس بار میں نے جیف ملر کو ذرا بھی مہلت نہیں دی، جگہ بدل کر تار کے سرے ایک مرتبہ پھر اس کے لرزتے ہوئے بدن سے جوڑ دیے۔

حیف ملر کے بدن کو شدید جھٹکا لگا۔ اس نے اپنی چیخ روکنے کی پوری کوشش کی تھی جس کے نتیجے میں اس کے حلق سے ایک تیز غراہٹ آزاد ہو کے رہ گئی۔ اس بار بھی میں نے حیف کو کوئی وقفہ نہیں دیا۔ تار ہٹتے ہی دوبارہ اس کے بدن سے لگاتا رہا اور وہ سلسلہ تواتر سے چل نکلا۔

وہ برقی جھٹکے یقیناً بہت روح فرسا رہے ہوں گے۔ حیف ملر کا پورا بدن پسینوں میں نہاتا چلا گیا۔ اس کا چہرہ بھی لحہ بہ لحہ تاریک ہونے کے ساتھ سیاہی مائل ہوتا جارہا تھا لیکن وہ نہایت پامردی سے اس اذیت کو برداشت کرتا رہا۔ اس نے مجھ سے رحم کی فریاد کی اور نہ ہی حلق پھاڑ کر چیخنا چلّانا شروع کیا۔ اس کے سوچے سمجھے ردِّعمل سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بدترین جسمانی اذیت سے گزرنے کے باوجود اس کا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔

چند ثانیوں تک اسے بری طرح ہلکان کرنے کے بعد میں رک گیا اور تار قالین پر ڈال کر اپنے لیے سگریٹ سلگانے لگا۔ نتیجے کے اعتبار سے مجھے اپنی وہ مشقت بے فیض ثابت ہوتی نظر آرہی تھی۔

”تم میرے بدن کا ریشہ ریشہ ادھیڑ ڈالو پھر بھی میری زبان نہیں کھلوا سکتے“ وہ ہانپتے ہوئے کرب و اذیت سے لرزتی ہوئی تحقیر آمیز آواز میں بولا ”اگر یہ سچ ہے کہ ہمارے چیف کے روپ میں راس المیڈا خود میدان میں اتر آیا ہے تو مان لو کہ تمہارے دن گنے جاچکے ہیں۔ مجھے اور مجھ جیسے دو چار آدمیوں کو ختم کر لینے کے بعد بھی تم اپنے انجام سے نہیں بچ سکو گے۔ راس المیڈا جلد ہی ایک ڈراؤنا خواب بن کر تمہارے اعصاب پر سوار ہو جائے گا۔ تم اس سے چھپتے پھرو گے لیکن تمہیں روئے زمین پر کہیں امان نہیں مل سکے گی۔“

میں سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے پوری توجہ سے اس کا جائزہ لیتا رہا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بہت زیادہ ضدی اور سخت جان تھا لیکن اس کے بشرے اور آواز سے تھکاوٹ کا اظہار ہونے لگا تھا۔ بجلی کا تار جلد سے لگنے اور ہٹنے کے نتیجے میں اس کی کھال جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی اور ننھے ننھے پھوڑوں جیسے ان زخموں سے خون رسنے لگا تھا۔

”تم میری فکر میں اپنی عاقبت خراب مت کرو۔“ میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا ”یہ سمجھ لو کہ جب تک تم میری ہدایات پر عمل نہیں کرو گے، تشدد کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اپنی ضد پر اڑے رہنے کی صورت میں تم میرے لیے بے مصرف ہو اور تمہارا مر جانا ہی بہتر ہوگا۔“

”شاید تم مجھے یہ سمجھانا چاہ رہے ہو کہ تمہارے سامنے ہتھیار ڈال دینے کی صورت میں مجھے زندگی کی بھیک مل جائے گی اور میں تمہارے بے رحمانہ سلوک سے نجات حاصل کرلوں گا۔“ وہ تلخ لہجے میں بولا ”مگر کان کھول کر سن لو کہ میں تمہارے ان چکروں میں آنے والا نہیں ہوں۔ میری عمر ہی تم جیسے بھیڑیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے گزری ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم قانون اور اپنے دشمنوں سے چھپتے پھر رہے ہو۔ تم زیادہ دیر تک مجھے پالنے کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ میری زبان سے اپنے مطلب کی باتیں اگلواؤ گے اور پھر مجھے گولی مار دو گے۔ جب بدقسمتی سے موت ہی میرا مقدر بن چکی ہے تو میں کیوں تمہاری خواہشات پوری کروں؟ مجھے مرتے ہوئے بھی اس بات کی خوشی رہے گی کہ میں نے تمہارے سامنے سرجھکانے سے انکار کردیا تھا۔“

میں نے جوتے سمیت اپنا ایک پیر مسہری پر رکھ کر کہا ”تم نے موت کا صرف نام سنا ہے، اسے قریب سے دیکھا تک نہیں۔ میں تمہیں کوئی غلط بات نہیں سمجھا رہا۔ یہ حقیقت ہے کہ مجھ سے سمجھوتا کرکے تم زندہ رہ سکتے ہو۔ تم نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں... ایسی باتیں بھی جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

میرے لیے بلیک ہاک کی بہت زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ میرا اصل نشانہ تمہارا چیف ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ راس المیڈا تم لوگوں کی صفوں میں چیف کے روپ میں صرف ایک آواز کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ اپنی ذات کو پوشیدہ رکھنے کے لیے اس نے بلیک ہاک کا کھٹراگ پھیلایا ہوا ہے۔ تم لوگ اپنے چیف سے اسی کے ذریعے رابطہ کرتے اور ہدایات لیتے ہو۔ میں کسی بھی لمحے بلیک ہاک کو چھیڑے بغیر راس المیڈا کی گردن ناپ سکتا ہوں۔ وہ مر کر بھی میرے اس محفوظ ٹھکانے تک نہیں پہنچ سکتا۔“

”تم جانتے ہو کہ میں راس المیڈا کے بارے میں بے خبر ہوں، بلیک ہاک تمہارے لیے غیر اہم ہے پھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو....؟ میرے اوپر کس لیے تشدد کر رہے ہو....؟ میرے ساتھ کس بات پر سمجھوتا کرنا چاہ رہے ہو؟ تمہاری ساری باتیں بالکل بے ربط ہیں۔ میں کوئی کم سن لڑکا ہوں اور نہ تم ہم جنس پرست نظر آتے ہو پھر تم مجھے کیوں زندہ رکھنا چاہو گے؟“ وہ بجا طور پر بری طرح الجھا ہوا تھا۔

”سنو انسپکٹر حیف ملر!“ میں نے تہ خانے میں ٹہلتے ہوئے کہا۔ ”میرا ریکارڈ رہا ہے کہ میں نے کبھی بھی دانستہ طور پر قانون کی قوتوں کو نہیں للکارا، میں قانون کا احترام کرتا ہوں۔ قانون کے محافظوں سے تصادم مول لینے کے بجائے راستہ کاٹ کر نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم اپنی سرکاری حیثیت میں یہاں کام کر رہے ہوتے تو شاید میں تم سے کبھی نہ الجھتا لیکن یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ تمہیں راس المیڈا جیسے خطرناک آدمی کی تحویل میں دیتے ہی سی آئی اے کی ملازمت اور مراعات سے محروم کیا جاچکا ہے۔ اب تم ایک بین الاقوامی بدمعاش کے کارندے کے سوا کچھ بھی نہیں ہو۔ گیری ہارٹ مجھے بتا چکا ہے کہ وہ ان باتوں سے ابھی تک لاعلم تھا۔ اس کی اپنے چیف سے تلخ کلامی تک ہو چکی ہے۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تمہارے ذریعے راس المیڈا پر ہاتھ ڈالوں۔ تمہارا اپریشن بدقسمتی سے مجھ سے تباہ ہوگیا۔ تم فون پر میری ہدایات کے مطابق

باک سے بات کرو۔ اسے بتادو کہ اپریٹس لڑائی میں تباہ ہوگیا
تم میری قید میں ہو۔ جس دن راس المیڈا میرے ہاتھ آگیا، میں
میں رہا کردوں گا۔"

"تم مجھے اپنے چیف کے خلاف نہیں اکسا سکتے۔ میں کیسے مان
لوں کہ تم سچ بول رہے ہو؟ کیا تم گیری ہارٹ سے میری بات
کرواسکتے ہو؟ کیا وہ اس بات کی تصدیق کرسکتا ہے کہ راس المیڈا
تمہارا چیف ہے؟"

"وہ خود اس بات سے بے خبر ہے تو تصدیق کیا کرے گا؟" میں
نے کہا۔

حبیب ملر زہر آلود انداز میں ہنسا اور بولا "ہر متعلقہ آدمی اس
بات سے بے خبر ہے تو تمہیں کیا چیف کے بارے میں الہام ہوا
ہے؟ تم اول درجے کے جھوٹے اور فراڈ ہو۔ میں تمہاری کسی بات
پر اعتبار نہیں کرسکتا۔" میں نے محسوس کیا کہ وہ حیرت ناک طور پر
اپنی جسمانی تکالیف کو بھول جانے پر قادر تھا۔

"چیف کی اصلیت کے سوا گیری ہارٹ میری ہر بات کی تائید
کرے گا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں تمہاری باتوں میں آکر گیری
ہارٹ یا بلیک ہاک کو فون کروں گا اور تم ان کے رابطوں کا سراغ
لگالوگے تو یہ تمہاری سخت بھول ہے۔ میرے بجائے کسی ایسے آدمی
کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرو جس نے تمہارے
فریب اور مکاریوں کے بارے میں کچھ نہ سنا ہو......

"تم اُلو کے پٹھے ہو اور تمہاری کھوپڑی میں بھس بھرا ہوا
ہے۔" مجھے اچانک ہی اس پر غصہ آگیا "تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ
نادرہ بھی میرے قبضے میں ہے۔ وہ مجھے گیری ہارٹ کا فون نمبر بتا چکی
ہے اور میں اس نمبر پر گیری ہارٹ سے بات کرچکا ہوں۔ تمہاری کٹی
ہوئی پنڈلی میں نے اسی کو بھجوائی ہے۔"

"کس قدر سفاک ہو تم!" وہ بے ساختہ بول پڑا "گیری ہارٹ
کے ستاروں نے اس کا ساتھ دیا تو وہ اکیلا ہی تمہیں قبر میں پہنچانے
کے لیے کافی ہوگا۔ وہ میرا انتقام لیے بغیر تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے
گا۔"

"میری تو خواہش ہے کہ راس المیڈا کی ٹیم میں کوئی سورما ہو تو
وہ میدان میں آئے لیکن تم لوگ دلیرانہ مقابلے کے بجائے نادرہ
جیسی کمزور عورتوں کے سہارے تلاش کرتے پھر رہے ہو۔ یہ
مردانگی نہیں، بزدلی کی انتہا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے عورتوں
کے بل پر کامیابیاں حاصل کرنا تم امریکنوں کا مزاج بن چکا ہے۔"

"عورت کے سامنے دنیا کا ہر مرد جھکنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔"
جسمانی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجانے کے باوجود اس کی ذہنی
صلاحیتیں پوری طرح کام کررہی تھیں "دنیا کے ہر کامیاب مرد کے
پیچھے تمہیں کوئی نہ کوئی عورت نظر آئے گی۔"

"میں تم پر زیادہ وقت برباد نہیں کرسکتا۔" میں نے اکتاہٹ کا
اظہار کرتے ہوئے کہا "میں اسی وقت تمہارا فیصلہ کروں گا۔ میری
پیشکش کے جواب میں تم کیا کہتے ہو؟"

"کون سی پیشکش؟" اس نے انجان بن کے حیرت سے سوال
کیا۔

"سمجھوتا۔ میری ہدایات پر حرف بہ حرف عمل کرنے کا
سمجھوتا۔" میں نے کہا۔

"میں گیری ہارٹ سے بات کیے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اس
نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں اس سے تمہاری بات کرائے دیتا ہوں۔ میں
تم دونوں کی پوری گفتگو سنوں گا۔ تم اسے یہ نہیں بتاؤ گے کہ میں
ساری باتیں سن رہا ہوں۔ نہ ہی انگریزی کے سوا کوئی اور زبان
استعمال کروگے۔ تم نے کوئی کوڈ ورڈ استعمال کرنے کی کوشش کی تو
میں فون کا سلسلہ منقطع کرکے تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کردوں
گا۔ یہ خالی دھمکی نہیں ہے۔ میں کسی تردد کے بغیر اس پر عمل کر
گزروں گا۔"

"میں اسے یہ تو بتا سکتا ہوں نا کہ تم نے مجھے نادرہ کے گھر میں
ہی قید کیا ہوا ہے؟"

حبیب ملر کے اس سوال پر میری کھوپڑی چکرا گئی۔ اسے بے
ہوشی کی حالت میں اوپر سے تہ خانے میں پہنچایا گیا تھا۔ اسے کیسے
علم ہوا کہ وہ نادرہ کے مکان ہی کے کسی حصے میں مقیم تھا؟

"بالکل بتادو!" میں نے اطمینان سے کہا "لیکن یہ یاد رکھنا کہ
اس وقت تم نادرہ کے گھر میں نہیں ہو۔"

"مجھے چکر دینے کی کوشش مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ نادرہ
کا گھر ریلوے لائن کے قریب واقع ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کمرا ساؤنڈ
پروف ہو لیکن میں ساری رات فرش میں ٹرینوں کے گزرنے کی
گڑگڑاہٹ سنتا رہا ہوں۔ کئی مرتبہ انجن کی سیٹی کی مدھم سی
آوازیں بھی سنی ہیں۔ تمہارے یہاں آنے کے بعد بھی میں کم از کم
دو ٹرینوں کے گزرنے کی وزنی دھمک محسوس کرچکا ہوں۔"

اس کی بات بالکل سیدھی اور قابلِ فہم تھی۔ یہ میری غلطی
تھی کہ میں اس اہم نکتے کو فراموش کربیٹھا تھا۔ میں نے بات
نبھانے کے لیے پورے اعتماد سے کہا "یہ ایک اتفاق ہے کہ تمہارا
یہ قید خانہ بھی ریلوے لائن کے پاس واقع ہے۔ تمہاری احمقانہ
نشان دہی کے باوجود گیری ہارٹ یہاں نہیں پہنچ سکے گا۔ مجھے یہ
فائدہ ضرور پہنچے گا کہ میں نادرہ کے ویران مکان میں اسے گھیرنے کی
کوشش کرسکوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ چند گھنٹوں بعد وہ بھی تمہاری
طرح میرا مہمان ہوکر یہیں پہنچ جائے۔"

"تم قانون کا احترام کرنے کے دعوے کررہے ہو تو پھر گیری
سے تمہیں کیا پرخاش ہے؟"

"اس وقت تم دونوں سی آئی اے کے افسر نہیں، راس المیڈا
جیسے سازشی غنڈے کے دست و بازو ہو۔ تم لوگوں کو قید کرکے میں
اسے بے بسی کے احساس سے دوچار کرنے کا آرزومند ہوں۔ ابھی
تک وہ اپنی کمین گاہ میں چھپا بیٹھا ہے اور تم لوگوں سے کام لے رہا

ہے۔ تم دونوں کے پکڑے جانے کے بعد وہ خود میدان میں اترنے پر مجبور ہو جائے گا اور مجھے اس کی گردن ناپنے کا موقع مل جائے گا۔"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ اگر ہمارا چیف راس المیڈا ہی ہے تو اسے سی آئی اے کے سربراہ سے زیادہ طاقت اور اختیارات حاصل ہوں گے۔ اس کے ایک اشارے پر یہاں بہت کچھ ہو سکتا ہے۔"

"میں اس کا یہی گھمنڈ توڑنا چاہتا ہوں۔ تم امریکنوں کو خدا نے اپنا نائب بنا کر زمین پر نہیں اتارا ہے کہ تم جہاں چاہو، اپنی بدمستیوں سے ہر ایک کو پامال کرتے پھرو۔ امریکا کا راس المیڈا یہاں ایک خارش زدہ کتے کی طرح بلبلاتا ہوا نظر نہ آیا تو میں اپنا نام بدل دوں گا۔"

"نام بدلتے رہنا تو تمہارا پرانا پیشہ ہے۔" اس نے برجستہ چوٹ کی "اب کوئی نئی بات سناؤ۔"

"اتنا تشدد سہنے کے بعد بھی تم خاصے ولد الحرام نظر آرہے ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور مسہری کے سرہانے بنی ہوئی دیوار گیر الماری کی طرف بڑھ گیا۔

نادرہ مجھے بتا چکی تھی کہ اس الماری کے پچھلے حصے میں ٹیلی فون کی لائن آئی ہوئی تھی۔ اسی خانے میں فون بھی ہونا چاہیے تھا جو پلگ لگاتے ہی کام کرنے لگتا۔ میں نے ٹیلی فون سیٹ نکال کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور پلگ لگایا تو ریسیور میں فوراً ہی جان پڑ گئی۔ میرا کام خاصا آسان ہو گیا تھا۔ اوپر سے دوسرا فون لا کر اسی لائن سے جوڑنے کے بعد میں جیف ملر کے ہاتھ کھول سکتا تھا۔

اس وقت جیف بری طرح بندشوں میں جکڑا ہوا تھا اور آزادانہ نقل و حرکت کے بھی قابل نہیں تھا۔ میں اسے یوں ہی چھوڑ کر وہاں سے زینوں والی مختصر سی راہداری میں نکل گیا۔

میرا اندازہ تھا کہ سلطان شاہ زینوں کے اختتام پر نگرانی کے فرائض انجام دے رہا ہو گا لیکن وہاں میدان صاف تھا۔ میں کچن کے قریب سے گزر کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا تو مجھے سلطان شاہ کی پشت نظر آگئی۔ وہ دیوار کی اوٹ میں دبک کر ڈرائنگ روم کی ایک کھڑکی میں سے باہر جھانک رہا تھا۔

میں نے پنجوں کے بل آگے بڑھ کر اس کی کمر پر ہاتھ رکھا تو وہ اس بری طرح اچھلا جیسے اس پر بجلی کا ننگا تار آگرا ہو۔ اس کے داہنے ہاتھ میں بھرا ہوا ریوالور موجود تھا۔

میرے لیے وہ سب تعجب خیز تھا۔ میرے استفسار پر سلطان شاہ نے بتایا کہ وہ کھٹکے کی آواز سن کر ڈرائنگ روم میں آیا تھا۔ ہم لوگوں نے نادرہ کے گھر میں داخل ہونے کے بعد اندر سے دروازہ مقفل کر لیا تھا۔ سلطان شاہ نے دیکھا کہ کوئی باہر سے دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے ہانک لگائی تو باہر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ جتنی دیر میں سلطان شاہ کھڑکی تک پہنچا، وہ نامعلوم شخص چوبی پھاٹک تک پہنچ چکا تھا اور پھر سلطان شاہ کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ پھاٹک کھول کر باہر غائب ہو گیا۔

اس واقعے کے بعد سلطان شاہ مسلسل پورے گھر کا گشت لگ[illegible] رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کسی کو نادرہ کا مکان غیر آباد ہونے کی بھنک مل گئی تھی اور وہ طالع آزمائی کے لیے وہاں آپہنچا تھا۔ یہ آنے والے کی صریح بدقسمتی تھی کہ اس سے پہلے ہم وہاں موجود تھے۔

"ضروری نہیں کہ وہ کوئی چور ہی رہا ہو۔" میں نے سلطان شا[illegible] کی کہانی سننے کے بعد کہا "وہ گیری ہارٹ یا راس المیڈا کا کوئی مخ[illegible] بھی ہو سکتا ہے۔ تمہیں چوکنّا رہنا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ مکان میں کسی کی موجودگی کی خبر پاتے ہی وہ لوگ پوری تیاری کے ساتھ او[illegible] کا رخ کریں۔"

"فکر نہ کرو۔ میں چوکس ہوں۔ تم کتنی دیر میں فارغ ہو رہے ہو؟"

"وہ گیری ہارٹ سے بات کرنی چاہ رہا ہے۔ تھوڑی دیر بع[illegible] قصہ ختم ہو جائے گا۔"

میں ڈرائنگ روم میں موجود ٹیلی فون سیٹ نکال کر تہ خانے کی طرف واپس چل دیا۔

"ہو سکے تو شرافت سے مجھے تھوڑا سا پانی پلا دو" میری صورت دیکھتے ہی جیف ملر نے لجاجت سے کہا "تمہاری سنگ دلی کی وجہ سے شاید میرے منہ میں زخم پڑ گئے ہیں اور حلق خشک ہو رہا ہے۔"

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر ایک گلاس میں پانی لانے کے بعد اس کے ہاتھوں کی بندشیں کھول دیں۔ وہ قالین پر سیدھا ہو کر بیٹھا اور ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر گیا۔

پانی پیتے ہی اس نے اچانک گلاس والا ہاتھ یوں پیچھے کیا جیسے خالی گلاس میرے اوپر پھینک کر مارنا چاہ رہا ہو۔ میں نے اضطراری طور پر مدافعانہ پوزیشن لے لی۔ اس کے زخمی ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے شیشے کا خالی گلاس قالین پر میری طرف لڑھکا دیا۔

"اب تم نے ایسی کوئی جارحانہ حرکت کی تو میں گولی مار دوں گا۔" میں نے برہمی سے کہا۔

"میں تو مذاق کر رہا تھا۔ ایک لنگڑا قیدی تم جیسے مکار اعظم کے ساتھ بھلا کیا جارحیت کر سکتا ہے؟"

میں اپنے ساتھ لائے ہوئے فون کے تار جوڑنے میں مصروف ہو گیا۔ وہ معمولی سا کام تھا لیکن میں اس دوران میں بھی جیف ملر سے غافل نہیں ہوا تھا۔ دونوں سیٹ چیک کرنے کے بعد میں نے اسے اشارہ کیا اور وہ بہت تیزی سے سرکتا ہوا فون کی طرف آگیا۔ میں نے یہ بات تشویش آمیز حیرت کے ساتھ نوٹ کی کہ ہاتھوں کی آزادی میسر آتے ہی جیف ملر خطرناک حد تک فعال ہو گیا تھا۔ مار دھاڑ اور روح فرسا برقی جھٹکے بھی اس پر بہت زیادہ اثر انداز نہیں ہو سکے تھے۔ میری ذرا سی غفلت کے نتیجے میں وہ مجھے شدید نقصان پہنچا سکتا تھا۔

میری اجازت سے اس نے گیری ہارٹ کا نمبر ملایا۔ آخری نمبر
ل ہوتے ہی میں نے دور سرک کر اپنے فون کا ریسیور اٹھالیا۔
ری گھنٹی بجتے ہی مجھے گیری ہارٹ کی بھاری آواز سنائی دی۔
"گیری! میں جیفٹ ہوں، جیفٹ......!" جیفٹ ملر فون پر اتنا ہی
پایا تھا کہ گیری ہارٹ بے قابو ہوگیا۔
"ہائے جیفٹ!" وہ خالص امریکن لب و لہجے میں بولا "تمہارا
یا حال ہے؟ تم کہاں ہو؟ میں رات ہی سنیما سے تمہاری بی ایم
بلوالایا ہوں۔ اس میں پیر سمیت ایک جلی یا کٹی ہوئی پنڈلی بھی
ے کہہ دو کہ وہ تمہاری پنڈلی نہیں تھی۔ میں نے جب سے تمہارا
زہ' جوتا اور پتلون کا بچا ہوا پائنچا پہچانا ہے' میری حالت غیر
ہے۔"

"گیری! وہ میری ہی پنڈلی ہے۔ اسے کسی مسیحی قبرستان میں
ن کرادو۔ اب تم مجھے کبھی اپنی دونوں ٹانگوں پر دوڑتا ہوا نہیں
کھ سکو گے... میرے لیے بھی یہ احساس سوہانِ روح ہے لیکن
یقت' حقیقت ہوتی ہے۔ دعا کرو کہ بات اس پنڈلی تک ہی رہے
ر میں تم تک پہنچ سکوں۔ معذوری کے بعد یہ مختصر سا سفر بھی اب
ے لمبا اور بہت دشوار محسوس ہونے لگا ہے۔ ڈینی صاحب میری
ندگی کے درپے ہیں۔"
"ڈینی صاحب؟" گیری کی تحیر زدہ آواز ابھری "کیا وہ تمہارے
ریب ہی موجود ہے؟"
"میں اسی کا قیدی ہوں اور وہ دور بیٹھا مجھے زہر آلود نظروں
سے گھور رہا ہے۔"
"اوہ! مگر اس نے تمہیں یہ فون کرنے کی اجازت کیسے دے
دی؟" گیری نے پوچھا۔
"یہ میری شرط تھی۔"
"کیسی شرط؟" وہ گیری ہارٹ کا فطری سوال تھا۔
"وہ چاہتا ہے کہ میں بلیک ہاک کو فون کروں۔ میں نے صاف
کہہ دیا کہ میں تم سے مشورہ کیے بغیر ایسا نہیں کرسکتا۔"
"اگر اس حرامی کے تیور خطرناک ہیں تو وہی کرتے رہو جو وہ
چاہتا ہے۔ تمہارا اپریٹس کہاں ہے؟"
"وہ ڈینی نے چھین لیا تھا مگر اس سے تباہ ہوگیا اسی لیے فون
استعمال کر رہا ہوں۔"
"تمہیں اپریٹس کی تباہی کا پورا یقین ہے؟" گیری ہارٹ کی
آواز متجسسانہ ہوگئی۔
"ڈینی یہی کہتا ہے۔ اس کی کوئی بات بھروسے کے قابل نہیں
لیکن اپریٹس صحیح سلامت ہوتا تو وہ مجھے مرعوب کرنے کے لیے
ضرور دکھاتا۔ تھوڑی دیر پہلے وہ مجھے توڑنے کے لیے بجلی کے جھٹکے
دے رہا تھا۔"
"خدا تم پر اپنا رحم کرے۔ وہ کتیا کہاں ہے جس کی وجہ سے تم
اس حال کو پہنچے ہو؟"
"وہ بھی ڈینی ہی کے قبضے میں ہے۔ اس نے اچانک نمودار
ہو کر ہم لوگوں کو چھاپ لیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ عورت کو وہ اپنی
عیاشی کے لیے گھر لے گیا ہو۔ اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ عورت
بہت رسیلی اور طرح دار ہے۔"
"اب تم خاموشی سے میری بات سنتے رہنا۔ ڈینی کو پتا نہ چلے
کہ میں نے کیا کہا ہے۔"
"تم بولتے رہو' میں سن رہا ہوں۔" جیفٹ ملر نے میری طرف
دیکھ کر کہا۔
"تم ڈینی کی قید میں ہو اور چیف..... وہ سؤر کا بچہ میرے ساتھ
سفاکی پر اتر آیا ہے۔ ڈینی نے رات فون کرکے بتایا تھا کہ تمہاری بی
ایم ڈبلیو پنڈلی سمیت ڈرائیو ان سنیما میں کھڑی ہے۔ وہ ٹریپ بھی
ہوسکتا تھا۔ چیف نے خاص طور پر مجھے وہاں جانے کا حکم دیا تھا۔
خدا کا شکر ہے کہ میں سرخ رو رہا۔ اگر ڈینی کو بھنک بھی مل جاتی کہ
میں خود کار لینے کے لیے جا رہا ہوں تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑتا۔
میری واپسی کے بعد چیف کا رویّہ تبدیل ہوا ہے ورنہ وہ یہی سمجھ رہا
تھا کہ ڈینی نے تم کو پکڑ کر تمہارے اپریٹس پر قبضہ کرلیا ہے اور اس
پر ہونے والی ہر بات سنتا رہتا ہے۔ اپریٹس دشمن کے ہاتھ لگ
جانے کے خیال سے وہ تم پر بھی بہت زیادہ برہم ہے۔ تم سے بات
ہونے کے بعد میں اسے یقین دلا سکوں گا کہ اس کا خیال غلط ہے....
یہ بتاؤ کہ تم کو کہاں رکھا گیا ہے؟"
"مجھے نہیں معلوم" میری توقع کے برعکس جیفٹ ملر نے نادرہ
کے مکان کا ذکر گول کردیا۔ اس طرح شاید وہ گیری ہارٹ کو ادھر
آنے سے روکنا چاہتا تھا۔ میں اسے پہلے ہی دھمکی دے چکا تھا کہ
اس کی تلاش میں نادرہ کے گھر کا رخ کرنے والا کوئی شخص میرے
ہاتھوں سے نہیں بچ سکے گا۔
وہ کہہ رہا تھا "ڈینی کے تیور ابتدا میں بہت خراب تھے لیکن
اب میں الجھن میں پڑ گیا ہوں۔ کچھ پتا نہیں چل رہا کہ وہ میرے
ساتھ کیا سلوک کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"
"تم اسے چکر دے کر وقت حاصل کرتے رہو۔ میں کسی نہ کسی
طرح تم تک پہنچنے کی راہ نکال لوں گا۔ بس یہ بات ذہن میں رکھنا کہ
جس طرح ہم ڈینی کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں' اسی طرح ڈینی
بھی موقع ملنے پر ہمارے ساتھ بے رحمی اور سفاکی کا مظاہرہ کرے
گا.... ہوسکے تو اس سے میری بات کرادو۔"
جیفٹ ملر کی نظریں میری طرف اٹھی ہی تھیں کہ میں نے اپنے
ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر اس سے کہا "تم اپنا ریسیور رکھ دو۔ میں
گیری سے بات کروں گا۔"
اس نے نیم دلی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ فطری طور پر
میری اور گیری ہارٹ کی گفتگو سننے کا خواہاں تھا۔
"اوہ! اس کا مطلب ہے کہ تم ایکس ٹینشن پر پوری گفتگو سن
رہے تھے" میری آواز سنتے ہی گیری ہارٹ بول اٹھا تھا۔
"اتنی عقل تم کو بھی ہونی چاہیے کہ کوئی ہوشیار آدمی اپنے
قیدی کو کھلی چھوٹ نہیں دیتا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہے ہو!"

"سیدھی سی بات ہے۔ تم مجھے پیس دینے پر تل گئے ہو، میں تمہیں تباہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں پوری ذمے داری کے ساتھ تمہیں پیشکش کررہا ہوں کہ ہتھیار ڈال کر ہم سے صلح کرلو۔ میں تمہیں امریکی شہریت کے ساتھ منہ مانگی رقم دلوادوں گا اور تم عیش و آرام کی زندگی گزار سکو گے۔"

"تم اپنی ذمے داری نہیں لے سکتے تو میرے بارے میں کیا کرسکو گے!" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "تمہاری دُم ہر وقت راس المیڈا کے جوتے کے نیچے دبی ہوئی ہے۔ وہ جب چاہے تمہاری بات رد کرسکتا ہے۔"

"راس المیڈا!؟" گیری ہارٹ نے تحیر زدہ آواز میں دہرایا۔ "اچانک اس کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟"

"یہ ذکر اچانک نہیں نکلا۔ میں جیف کو بتا چکا ہوں کہ راس المیڈا تمہارے چیف کا اصل نام ہے۔ میری بات پر یقین نہ ہو تو تم اسپتال میں ایلن ہمفریال سے اس بات کی تصدیق کرسکتے ہو۔ وہ اس وقت بھی آکسیجن ٹینٹ میں اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں گزار رہا ہے" میں نے جیف پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

اس وقت جیف کی دونوں رانیں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑی ہوئی تھیں۔ ہاتھ آزاد ہونے کے بعد وہ بندشوں کو کھولنے کی کوشش کرسکتا تھا لیکن مجھے اس بارے میں کوئی تشویش نہیں تھی۔ ایک پنڈلی سے محروم ہوجانے کے بعد وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوسکتا تھا نہ فرار ہونے کی کوشش کرسکتا تھا۔ اس کی طرف سے مجھے بس ایک ہی خطرہ تھا کہ کوئی وزنی چیز اس کے ہاتھ نہ لگ سکے۔ بے خبری میں میری کھوپڑی سے ٹکرانے والی کوئی چیز میری بے ہوشی کا سبب بن سکتی تھی۔ میری بیم گن اور ریوالور پر قابض ہونے کے بعد لنگڑا جیف مڈ بہت زیادہ خطرناک ہوجاتا۔

"یہ میرے لیے نئی خبر ہے" گیری ہارٹ کی آواز پُرتشویش ہوگئی پھر وہ قدرے توقف کے بعد بولا "تم اپنی رضامندی ظاہر کرو تو چیف براہِ راست تم سے بات کرسکتا ہے..... وہ تمہیں تمہاری تسلی کے مطابق ضمانتیں فراہم کرے گا۔"

"تمہاری یہ باتیں کسی ایسے آدمی کو اُلّو بنا سکتی ہیں جو تم لوگوں کے طریقۂ واردات سے واقف نہ ہو۔ جب جمی لائیڈ جیسا پرانا اور بارسوخ آدمی وائٹ ہاؤس کے باہر ایک نامعلوم گولی کا نشانہ بن سکتا ہے تو میرے ساتھ بھی کوئی سوچا سمجھا حادثہ پیش آسکتا ہے۔ ضمانتیں کسی کے دل اور نیت کا کھوٹ دور نہیں کرسکتیں۔ تم لوگ اپنے مفادات کے لیے اپنے ہی آدمیوں کو مروانے کی شہرت حاصل کرتے جارہے ہو۔ میں تمہاری کسی بات پر بھروسا نہیں کرسکتا.... میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم میرے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہو۔"

"انجان مت بنو۔ پاکستان میں تم ہمارے مشن اور منصوبوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہو۔ تم ہمارے ساتھ مفاہمت نہیں کرو گے تو جلد یا بہ دیر کتے کی موت مار دیے جاؤ گے۔"

"جمی لائیڈ بھی یہی دعوے کیا کرتا تھا۔ اس کا حشر تمہارے سامنے ہے۔ وہ جہنم واصل ہوگیا۔ اس کا جانشین جم کلارک بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا مگر میں زندہ ہوں۔ تم میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے۔"

"یہ مقدر کی بات ہے کہ تم اب تک بچے ہوئے ہو اور بڑے بول بول رہے ہو مگر اب تمہارے گرد گھیرا تنگ ہوچکا ہے۔ کوئی بھی لمحہ تمہاری زندگی کا آخری لمحہ ثابت ہوسکتا ہے...."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "مجھے دھمکیاں دینے کے بجائے جیف مڈ کی جان کی فکر کرو۔ یہ میرے ہاتھوں برے حال کو ضرور پہنچ چکا ہے لیکن ابھی زندہ ہے۔ تم چاہو تو اس کی زندگی بچاسکتے ہو۔"

"میں جیف کو ہر قیمت پر زندہ دیکھنا چاہوں گا" میری پیشکش پر وہ یک بہ یک جذباتی ہوگیا "میں کسی بھی معقول سودے بازی کے لیے تیار ہوں۔ اگر تم نے جیف کو زندہ چھوڑ دیا تو یہ مجھ پر ذاتی احسان ہوگا۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی تم میرے چنگل میں آئے تو میں بھی تمہیں زندہ رہنے کا ایک موقع دے کر تمہارا یہ احسان اتارنے کی کوشش کروں گا۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ میں تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کرتا مگر میں بے مقصد خوں ریزی سے بھی گریز کرتا ہوں۔ اگر جیف نے میرے سامنے مزاحمت نہ کی ہوتی تو یہ اپنی داہنی پنڈلی سے محروم نہ ہوا ہوتا۔ اس وقت میری تم دونوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میرا نشانہ راس المیڈا ہے۔ وہ متعصب اور نسل پرست دہشت گرد ہے۔ میں اسے پاکستان کا رخ کرنے کی سزا ضرور دوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ راس المیڈا تمہارے لیے ایک خواب ہے۔ تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے لیکن تم مجھے بلیک ہاک کے بارے میں ضرور بتا سکتے ہو۔"

"بلیک ہاک کوئی شخص نہیں، محض ایک پاس ورڈ ہے" اس کی آواز میں گہری سنجیدگی برقرار تھی "وہ صرف ایک فون نمبر ہے۔ وہ فون ریکارڈنگ مشین سے منسلک ہے۔ ہم اس پر اپنے پیغامات ریکارڈ کرادیتے ہیں۔"

مجھے معلوم تھا کہ وہ جھوٹ بول کر مجھے چکمہ دینے کی کوشش کررہا تھا۔ میں پچھلی شام اس کی اور راس المیڈا کی گفتگو میں بلیک ہاک کا ذکر سن چکا تھا۔ وہ نہ صرف راس المیڈا کے لیے پیغامات وصول کرتا تھا بلکہ ہدایات بھی جاری کرتا تھا۔ اس کے انسانی وجود کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ راس المیڈا نے گیری ہارٹ کو اپنا لاسلکی اپریٹس اسی کو واپس کرنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ نکات گیری ہارٹ کو لاجواب کرسکتے تھے مگر مشکل یہ تھی کہ میں ان کا حوالہ نہیں دے سکتا تھا۔ حوالہ دینے کی صورت میں ٹرانسیٹر کی تباہی کی

کہانی کا بھرم کھل جاتا اور انہیں معلوم ہو جاتا کہ جیف کا اپرٹمنٹ میرے قبضے میں موجود تھا اور میں اس پر ان کی گفتگو سن رہا ہوں۔

"اگر وہ صرف ریکارڈنگ مشین ہے تو تمہیں اپنے چیف کی ہدایت کیسے ملتی ہیں؟" میں نے محتاط رہ کر پوچھا۔

"بہت سہل طریقہ ہے۔ ہم پیغام ریکارڈ کرا دیتے ہیں۔ کوئی جواب طلب بات ہوتی ہے تو چیف ہم سے خود ہی فون یا ٹرانسمیٹر پر رابطہ کر لیتا ہے...."

"تم ایک منٹ ہولڈ کرو۔ میں ابھی تمہاری بات کی تصدیق کیے لیتا ہوں" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا پھر جیف ملر سے مخاطب ہو گیا "تم بلیک ہاک سے رابطے کے لیے جو طریقہ اختیار کرتے ہو' ذرا اسے تو دہرا دو۔"

اس کی متورم آنکھوں میں تشویش سی لہرانے لگی پھر وہ میری زبان سے سنی ہوئی بات کا سہارا لے کر بولا "بلیک ہاک ایک ریکارڈنگ مشین کا نام ہے۔ ہم فون کر کے اس پر اپنا پیغام ریکارڈ کرا دیتے ہیں۔"

"اور ہدایات کیسے ملتی ہیں؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ایک گھنٹے بعد ہم وہی نمبر ملاتے ہیں تو ریکارڈنگ ہونے کے بجائے اس مشین سے ریکارڈ کی ہوئی ہدایات سنائی دیتی ہیں" اس نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد بے اعتمادی سے جواب دیا۔

میں نے ریسیور اس زاویے سے تھاما ہوا تھا کہ جیف کی آواز گیری ہارٹ تک بھی پہنچ سکے۔ اپنے ساتھی کا جواب سن کر وہ غصیلی آواز میں بولنے لگا "تم بہت چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں تمہیں بلیک ہاک کا فون نمبر دے سکتا ہوں۔ تم خود سن لینا کہ وہ کوئی مشین ہے یا اس نمبر سے کوئی آدمی بولتا ہے۔"

"اگر تم اسے ہوشیار کر دو گے تو وہ تمہاری بات درست ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو.... اگر چیف کو بھنک بھی مل گئی کہ میں نے جیف ملر کی رہائی کے بدلے میں تمہیں کوئی بات بتائی ہے تو وہ مجھے پھاڑ کھائے گا۔ میں اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کی حماقت کیسے کر سکتا ہوں۔"

"تم نمبر دے دو لیکن یہ یاد رکھنا کہ یہ کوئی فریب ہوا تو میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ میں کسی وقت بھی تم دونوں کی گردنیں دبوچ لوں گا اور پھر کوئی رعایت نہیں دوں گا۔"

"میں جانتا ہوں لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ بلیک ہاک کا فون نمبر لینے کے بعد تم جیف ملر کو زندہ چھوڑ دو گے؟" وہ میری جانب سے بے اطمینانی میں مبتلا تھا۔

"میں تمہاری زبان پر اعتبار کر رہا ہوں۔ تمہیں میری بات پر بھروسا کرنا چاہیے۔"

"جیف معذور اور زخمی ہے۔ وہ مجھ تک کیسے پہنچے گا؟" اس نے پوچھا۔

"میں اس کے ہاتھ کھول چکا ہوں۔ وہ تم سے بات کر چکا ہے۔ ہمارے جانے کے بعد وہ باہر نکلے گا تو اسے کوئی نہ کوئی سواری مل جائے گی۔ یہ یاد رکھنا کہ میں تم سے بات کرتے ہی تمہارے دیے ہوئے نمبر پر فون کر کے اس بات کی تصدیق ضرور کروں گا کہ تم نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا ہے۔"

فون پر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر وہ مضمحل لہجے میں بولا "تم کو فریب دینا مشکل کام ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ تم مجھے جیف کا پتا بتاؤ گے اور میں سرعت سے وہاں پہنچ کر اسے رہا کرا لوں گا لیکن تم بہت چالاک ہو۔ جیف کی زندگی تمہارے رحم و کرم پر ہے.... غنیمت ہے کہ تم نے مجھ سے چیف کے ٹھکانے کے بارے میں نہیں پوچھا۔ وہ بات پوچھی ہے جو مجھے معلوم ہے۔ بلیک ہاک' چیف کا خاص آدمی ہے اور اسی کی طرح پس پردہ رہتا ہے۔ تم نے فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ سمجھے گا کہ جیف نے تشدد سے گھبرا کے تم کو اس کا فون نمبر دیا ہے اور جیف تمہاری قید سے رہا ہو جانے کے باوجود ایک نئے عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں تم دونوں کو شبہات سے بچانے کی پوری کوشش کروں گا۔"

گیری ہارٹ نے ایک نمبر بتایا جو میں نے فوراً ہی سگریٹ کے پیکٹ پر لکھ لیا۔

"جیف ملر کو ایک ڈیڑھ گھنٹے میں تم تک پہنچ جانا چاہیے" یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

"گیری ہارٹ نے مجھے نمبر دے دیا ہے۔ اب تم بھی شرافت سے بلیک ہاک کا نمبر دہرا ڈالو۔ تمہارے ساتھی نے یہ اعتراف بھی کر لیا ہے کہ بلیک ہاک کوئی ریکارڈنگ مشین نہیں' راس المیڈا کا دستِ راست ہے۔"

جیف ملر الجھن میں پڑ گیا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا "تم مجھے زندہ رکھو یا مار ڈالو' میں چیف کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ گیری ہارٹ نے جو کچھ کہا' وہ اس کا فعل تھا۔ میں جانتا ہوں کہ چیف اپنے غداروں کو کیسی کڑی سزا دے سکتا ہے.... میں نمبر نہیں بتاؤں گا۔"

"گیری ہارٹ سی آئی اے میں تمہارا سینئر تھا۔ اپنے بڑوں سے وفاداری کے بارے میں اسے تم سے زیادہ سخت ہونا چاہیے۔ تم ایک ٹانگ گنوانے اور تشدد سہنے کے باوجود راس المیڈا کے اعتماد کو دھوکا دینے کی ہمت نہیں کر پا رہے ہو تو گیری ہارٹ محض فون پر بیٹھ کر اتنی بڑی غلطی کیسے کر سکتا ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ اس کا دیا ہوا نمبر فرضی ہے۔ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے.... ایسی صورت میں تمہیں زندہ چھوڑنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔"

"تم پہلے ہی مجھے مرنے کے قریب پہنچا چکے ہو.... تمہیں کون روک سکتا ہے؟"

میں نے ریوالور نکال کر اس کی پیشانی کی طرف تان لیا "پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ!"

"ایک منٹ ٹھہرو!" اس کی آواز پر اچانک ہی نقاہت طاری ہوگئی "ہم دونوں کی تسلی کی ایک صورت ہوسکتی ہے۔ تم مجھے گیری ہارٹ کے بتائے ہوئے فون نمبر کے ابتدائی تین ہندسے بتادو۔ اگر وہ ہندسے درست ہوئے تو میں سمجھ لوں گا کہ گیری نے میری جان بچانے کے لیے ایک سنگین جوا کھیلا ہے۔ میں تمہیں بقیہ چار ہندسے بتادوں گا اور نمبر کی تصدیق ہوجائے گی۔ اگر ابتدائی تین ہندسے ہی غلط نکلے اور مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا تو مزید وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم جو چاہو' خاموشی سے کرگزرنا.... مجھے مزید اذیتوں سے گزار کر تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ میں مرنے کے بعد تمہارے ظلم اور تشدد کی کہانیاں چیف تک پہنچانے کے لیے باقی نہیں رہوں گا.... کوئی مردہ شخص دنیا میں لوٹ کر نہیں آتا۔ میرے ساتھیوں کو عبرت دلانے اور خوف زدہ کرنے کے لیے میری موجودہ حالت ہی کافی ہے۔"

اسے موت بالکل سامنے نظر آنے لگی تھی۔ اس نے داہنے ہاتھ کی انگلی سے اپنے سر اور سینے کو چھو کر خیالی کراس بنایا اور زیرِ لب کچھ پڑھنے لگا۔ اس کے زخمی ہونٹ ہل رہے تھے لیکن آواز مفقود تھی۔

میں نے سگریٹ کے پیکٹ پر نگاہ ڈال کر گیری ہارٹ کے دیے ہوئے فون نمبر کے ابتدائی تین ہندسے دہرائے اور حیف بیٹھے بیٹھے بے یقینی سے اچھل پڑا "ناقابلِ یقین.... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گیری میرے لیے اتنا فکر مند ہوسکتا ہے۔ وہ بہت عظیم ہے.... اس نے میری زندگی بچانے کی خاطر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے.... جب وہ میری خاطر اتنی دور تک جاسکتا ہے تو مجھے بھی چیف کی پروا نہیں۔ اس نمبر کے آخری ہندسے فوراً مین ڈبل تھری ہوں گے۔"

"تمہیں زندگی اور آزادی مبارک ہو" میں نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا "یہاں سے جانے کے بعد تم اپنی مرضی کے مالک ہوگے۔"

میں اسے بتانا چاہ رہا تھا کہ اس وقت وہ نادرہ کے مکان کے تہ خانے میں بند تھا لیکن آخری لمحے پر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ ہم لوگ یکے بعد دیگرے اپنے ہر ایسے ٹھکانے سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے جہاں کسی بیرونی مداخلت کے خطرے کے بغیر اپنے کسی حریف کو قید رکھ سکیں۔ میں نے جو فلیٹ کرائے پر لیا تھا اس میں سرے سے ایسی گنجائش ہی نہیں تھی۔ نادرہ کا ویران گھر ضرورت کے کٹھن لمحوں میں ہمارے کام آسکتا تھا۔

میں نے فون پر بلیک ہاک کا نمبر ملایا۔ سلسلہ ملتے ہی دوسری طرف سے ایک مردانہ غیر ملکی غراہٹ میں ہیلو کی آواز سنائی دی اور میں نے فوراً ہی کریڈل دبا کر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"ہم تمہیں نیشنل اسٹیڈیم کی قریبی جھاڑیوں میں چھوڑ دیں گے" میں نے حیف کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"تم نے تو کہا تھا کہ میں یہیں سے کوئی گاڑی پکڑ کر چلا جاؤں گا.... کیا اب تم مجھے بے ہوش کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" وہ بوکھلا کر بولا اور میں دل ہی دل میں انسان کے تلون کے بارے میں سوچنے لگا۔ ذرا سی دیر پہلے حیف نے پورے حوصلے کے ساتھ موت کو گلے لگانے کی تیاری کرلی تھی لیکن موت کا خطرہ سر سے ٹلتے ہی اس کا حوصلہ پست ہوکر اس سطح پر آگیا تھا کہ وہ اپنی بے ہوشی کے تصور سے خائف ہورہا تھا۔

وہ فضا میں دونوں ہاتھ لہرا کر مجھے دور رکھنے کی کوشش کررہا تھا اور مجھے متبادل راستے بھی سمجھا رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے بے ہوش کیے بغیر' ہاتھ پیر باندھ کر اور آنکھوں پر پٹی لپیٹ کر بھی وہاں سے لے جایا جاسکتا تھا۔

"سنو! مزاحمت کرنے کے بجائے ذرا سی تکلیف برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرو" میں نے کہا "یہ کوئی متروک حویلی نہیں' ہمارا واحد ٹھکانا ہے۔ میں کسی قیمت پر بھی اس کا محلِ وقوع تمہاری نظروں میں نہیں آنے دوں گا۔ دن کے اجالے میں تمہیں بے دست وپا کرکے لے جانے میں سنگین خطرات ہیں۔ کسی نے بھی تمہیں دیکھ لیا تو میری نیکی میرے گلے پڑ جائے گی۔ ہم دونوں کی بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی کنپٹی پر ایک آخری ضرب برداشت کرلو۔ میں خواب آور گولیوں کا عادی نہیں ہوں ورنہ تمہیں کوئی گولی بھی کھلا سکتا تھا۔"

"خواب آور گولیاں دیر سے اثر انداز ہوتی ہیں اور ان کا اثر بھی دیر میں زائل ہوتا ہے۔ جہاں اتنی درگت بنی ہے وہاں ایک اور ضرب سہی۔ تم بھی اپنے دل کا ارمان نکال لو لیکن یہ یاد رکھنا کہ ہم اپنے چیف کے تابع ہیں۔ یہ کہانی یہیں ختم نہیں ہوگی۔ بہت آگے تک چلے گی۔ ہم دوسری بار بھی ایک دوسرے کے سامنے آسکتے ہیں۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ گود میں رکھ کر سختی سے آنکھیں بند کیں اور سر جھکالیا۔ اس کی بائیں کنپٹی میری ٹھوکروں کی پے درپے ضربات سے پہلے ہی بری طرح لہولہان ہوچکی تھی۔ میں نے ریوالور کی نال تھام کر اسے اپنے ہاتھ میں تولا اور کھٹ کی آواز کے ساتھ اس کا منقش دستہ حیف کی داہنی کنپٹی پر رسید کردیا۔

حیف کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی اضطراری چیخ نکلی اور وہ بیٹھے ہی بیٹھے تیورا کر ایک طرف لڑھک گیا۔ اس مرتبہ سلطان شاہ مجھے سیڑھیوں کے قریب ہی مل گیا۔ میں اس کی مدد سے بے ہوش حیف کو تہ خانے سے ڈرائنگ روم میں نکال لے آیا۔ حیف کی ٹانگوں کی بندشیں بھی تہ خانے میں ہی کھول دی گئی تھیں۔

نادرہ کے گھر پر ہمارے حریفوں کی طرف سے جو کارروائی ہونی تھی وہ ہوچکی تھی۔ اس وقت وہاں میدان صاف تھا۔ میرے ایما پر سلطان شاہ چند منٹ میں گاڑی اندر لے آیا اور ہم دونوں نے بہت پھرتی کے ساتھ حیف کو پچھلی نشست کے پائے دان میں ڈال دیا اور اوپر ایک رنگین چادر ڈال دی۔

سلطان شاہ نے اوپر رہ کر اپنا وقت بے مصرف نہیں گزارا تھا۔ اس نے ایک ایسی کھڑکی دیکھ لی تھی جس کے ذریعے وہ آسانی

سے باہر آسکتا تھا۔ مجھے گھر سے باہر نکالنے کے بعد اس نے داخلی دروازے کو اندر سے بولٹ کیا اور پھر اپنی دریافت کی ہوئی کھڑکی سے باہر آگیا۔ اس کے دل میں نادرہ کے لیے بدستور نرم گوشہ موجود تھا اور وہ اس گھر کو امکانی حد تک محفوظ بنا کر مقامی چور اچکوں کی بے رحمانہ لوٹ مار سے بچائے رکھنا چاہتا تھا۔

ہماری گاڑی کا نادرہ کے مکان میں دیکھا جانا خطرناک ہو سکتا تھا اس لیے ہم وقت ضائع کیے بغیر تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوگئے۔

"ہم اسے لاد کر کہاں لے جا رہے ہیں؟" شارعِ فیصل پر نکل آنے کے بعد سلطان شاہ نے جیف کے بارے میں اپنا پہلا سوال کیا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا ورنہ اس کی طویل ہوتی ہوئی خاموشی سے مجھے عجیب سی وحشت ہونے لگی تھی۔ وہ میری الجھن سے بے خبر سڑک کی طرف متوجہ تھا۔

اس وقت اپنے دشمنوں کے بارے میں ہم جس حکمتِ عملی پر چل رہے تھے اس کی رو سے ہاتھ آئے ہوئے حریف کو زندہ چھوڑنا حرام تھا۔ ان میں سے جو بھی ہمارے ہاتھ آیا، جہنم واصل ہوتا چلا گیا لیکن جیف کا معاملہ مختلف تھا۔ تہ خانے میں معاملات کو سمیٹتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ سلطان شاہ اسے زندہ دیکھتے ہی مجھ پر سوالات کی بھرمار کردے گا مگر اس نے خلافِ توقع مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں پوچھا تھا۔

"آگے سے گاڑی موڑ لینا۔ اسے نیشنل اسٹیڈیم کے نواح میں اگی ہوئی جھاڑیوں میں ڈالنا ہے" میں نے کہا۔

"اسے کسی مجبوری کے تحت زندہ چھوڑ رہے ہو یا یہ بھی کوئی مصلحت ہے؟"

"قید میں آئے ہوئے شخص کی طرف سے کیا مجبوری ہو سکتی ہے؟ بس اسے مصلحت ہی سمجھو۔ اس نے اور گیری ہارٹ نے راس المیڈا کے خوف کے باوجود مجھے بلیک ہاک کا نمبر دے دیا ہے۔ اس غیر معمولی تعاون کے نتیجے میں جیف زندہ رہنے کا حق دار ہوگیا تھا۔"

"بلیک ہاک کا فون نمبر معلوم کرنے کے بعد بھی تم اس کے دل میں سوراخ کردیتے تو کون تمہارا ہاتھ پکڑ لیتا؟ معلوم ہوتا ہے کہ اب تم اسے چارا بنا کر راس المیڈا کو گھیرنے کی کوشش کرنی چاہتے ہو۔"

"تم ٹھیک سمجھ رہے ہو۔ گیری ہارٹ کو اندازہ ہے کہ جیف کو زندہ چھوڑ کر میں نے اسے بہت بڑی رعایت دی ہے۔ گیری نے میرے اس احسان کا بدلہ چکانے کا بلند و بانگ دعویٰ کیا ہے۔ اس کے دعوے سے قطع نظر مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ ان کے دل میں میری طرف سے ایک نرم گوشہ ہمیشہ موجود رہے گا۔ دوسری طرف راس المیڈا جیف کی پراسرار واپسی پر چکر میں پڑ جائے گا۔ میرا مقصد بھی یہی ہے کہ ان لوگوں کی صفوں میں بددلی اور انتشار پھیلے۔ انھیں ایک دوسرے پر اعتماد نہیں رہے گا تو یہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔"

"اور بلیک ہاک کا کیا بنے گا؟" سلطان شاہ نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"فی الحال اسے بھولے رہو۔ میں نے ان دونوں کی ہچکچاہٹ دیکھتے ہوئے اس کا فون نمبر حاصل کرنے پر زور دیا ورنہ مجھے معلوم ہے کہ بلیک ہاک بھی راس المیڈا کے بارے میں کوئی کارآمد بات نہیں بتا سکے گا... یوں سمجھو کہ بلیک ہاک کے فون نمبر کی صورت میں مجھے گیری اور جیف کو بلیک میل کرنے کا مواد مل گیا ہے۔ جب بھی ان دونوں نے تیزی دکھانے کی کوئی کوشش کی، میں انہیں یہ دھمکی دے سکوں گا کہ میں جیف کی رہائی کے سلسلے میں ہونے والی سودے بازی راس المیڈا کے علم میں لانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یہ بات راس کے علم میں آگئی تو وہ مشتعل ہو کر ان دونوں کی موت کا فیصلہ بھی صادر کرسکتا ہے۔"

"تو یوں کہو کہ تم نے راس المیڈا کی نفری زنجیر کی دو کڑیاں کمزور کردی ہیں۔"

"جیف کو زندہ چھوڑ کر ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس عمل کے نتیجے میں آخر کار ہمیں کوئی نہ کوئی فائدہ ہی پہنچے گا۔ ہو سکتا ہے کہ کارکردگی کر جانے کی وجہ سے راس المیڈا یہاں سے اپنا بوریا بستر سمیٹنے پر مجبور ہو جائے۔"

"مجھے یہ ساری بھاگ دوڑ ذاتی لڑائی کا رنگ اختیار کرتی ہوئی نظر آرہی ہے" وہ چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولا "وہ ہمیں پکڑنے یا مارنے کے درپے ہیں اور ہم ان کے آدمیوں کا پیچھا کررہے ہیں۔ اس بے مقصد لڑائی سے مجھے تھوڑی سی اکتاہٹ محسوس ہونے لگی ہے۔ جب تک کوئی بڑا مقصد سامنے نہ ہو، دشمن کا سر کچلنے میں لطف نہیں آتا۔ پتا نہیں یہ صورتِ حال کب تک اسی ڈگر پر چلتی رہے گی۔"

"ذاتی تحفظ ہی انسانی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہوتا ہے۔ گردن کٹ جانے کے بعد سب کچھ ختم ہو جاتا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ راس المیڈا صرف مجھے پکڑنے یا مارنے کے لیے پاکستان نہیں آیا ہے۔ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا ایک طویل سلسلہ تمہارے سامنے ہے۔ راس المیڈا کی یہاں موجودگی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ وہ مجھے اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہوئے میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ مجھے ٹھکانے لگانے کی کوششوں کے ساتھ ہی وہ اپنے اصل مشن پر بھی کام کررہا ہوگا۔"

"یہی تو میں بھی جاننا چاہتا ہوں کہ اس کا اصل مشن کیا ہے؟"

"ابھی تک کوئی بات کھل کر سامنے نہیں آسکی لیکن یہ طے ہے کہ بلیو کراس ڈیل کی کامیاب تکمیل کے بعد ہی ان لوگوں نے زیادہ سر اٹھایا ہے۔ اوّل خان سے ہمارا رابطہ منقطع ہو چکا ہے ورنہ وہ اندر کی خبریں لاتا رہتا تھا۔ یہی وہ سب الجھنیں تھیں جن کی وجہ سے میں جیف کے اپرنٹس کی موجودگی کو پوشیدہ رکھنے کی سرتوڑ

کوششیں کر رہا ہوں۔ یہ ان لوگوں کا کوئی جدید ترین مواصلاتی سلسلہ ہے لیکن راس المیڈا نے اپنے شبہات کی وجہ سے اس کا استعمال بالکل بند کیا ہوا ہے.... میرا خیال ہے کہ ڈرائیو ان سینما سے کیری ہارٹ کی خیریت سے واپسی اور جیف کے بیان کے بعد راس المیڈا کے شکوک و شبہات ختم ہوجائیں گے اور ہمیں اپریٹس کے ذریعے اہم باتیں معلوم ہوسکیں گی۔"

"جیف ان لوگوں کے عزائم پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکا؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے اسے اس بارے میں کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ کیری اور جیف جس انہماک سے نادرہ پر کام کر رہے تھے اس کی بنا پر میں نے پہلے ہی یہ رائے قائم کرلی تھی کہ ان دونوں کو صرف میری سرکوبی کا کام سونپ کر میدان میں اتارا گیا ہے۔ ان کے محدود کردار کی وجہ سے راس المیڈا نے خود کو ان پر ظاہر نہیں کیا اور چیف بن کر ان سے کام لیتا رہا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ میرا قصہ نمٹ جانے کے بعد ان دونوں سے دوسرے کام لینے کا ارادہ رکھتا ہو۔"

پھر کار میں خاموشی چھا گئی۔ میں نے سلطان شاہ کی دوٹوک اور سیدھی باتوں پر جتنا غور کیا' اتنا ہی ان سے متفق ہوتا چلا گیا۔ اس کی یہ بات سو فیصد درست تھی کہ ایلین کے سامنے آنے کے بعد صرف انداز بدل رہا تھا ورنہ سارے واقعات ایک ہی ڈگر پر چل رہے تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہیروئن کے عالمی اسمگلروں سے لڑتے لڑتے ہم کچھ طاقت ور اور بارسوخ امریکنوں کی دشمنی کے بھنور میں پھنس گئے تھے۔ یہ ایک سنسنی خیز اتفاق تھا کہ ان لوگوں نے میرا کھوج لگانے کے لیے جس عورت کا انتخاب کیا وہ ہیروئن کے ایک سزا یافتہ پاکستانی اسمگلر کی بیوی تھی اور اس کا شوہر شی کے ذریعے ہیروئن کے نفع بخش مگر کالے دھندے سے متعارف ہوا تھا۔

پاکستان میں ہیروئن کی مقامی طلب میں اضافے اور مغربی ممالک میں اسمگلنگ کے انسداد کی مہم کی ابتدا شی نے انتہائی منظم پیمانے پر کی تھی اور رفتہ رفتہ اسمگلنگ کے بیشتر کاروبار پر خود قابض ہوگئی تھی۔ اس غیر قانونی لین دین میں شی نے اربوں ڈالر کمائے تھے۔ وہ اندھی کمائی شی کے اہم گماشتوں کی پُرتعیش زندگی کے اخراجات سے بہت زیادہ تھی اس لیے شی کے منصوبہ سازوں نے دوسری عالمی سازشوں میں سرمایہ کاری شروع کردی۔ انہوں نے خاص طور پر یہ خیال رکھا تھا کہ ہیروئن کی پاکستان کی منڈی سے ہونے والی بھاری آمدنی اسی ملک کی بنیادوں پر کاری ضرب لگانے کے لیے استعمال کی جائے۔ اندرونِ سندھ سماج دشمن عناصر کی کھلی سرپرستی کرکے شورش کی فضا پیدا کرنے کی کوششیں' الحدید نامی لانچ کے ذریعے جدید ترین جنگی ہتھیاروں کی بھاری مقدار کی اسمگلنگ اور پھر بلیو کراس ڈیل کے تحت آنے والے سازوسامان کی تباہی کی سازشیں اسی پالیسی کا ایک حصہ تھیں۔

شی کو اپنی ان سرگرمیوں میں جہاں بہت سے غیر ملکی حکام کی پشت پناہی حاصل تھی وہاں پڑوسی ملک کے خفیہ اداروں کا بھرپور تعاون بھی حاصل تھا۔ دونوں ملکوں کے درمیان پائی جانے والی سرد جنگ کی فضا میں 'را' والے شی کی فنی اور مالی مدد سے پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کے لیے کوشاں تھے۔

ان سازشی قوتوں نے اپنے مقاصد میں ابتدائی کامیابیاں ضرور حاصل کیں لیکن میرے اور اوّل خان کے قریبی تعاون کی وجہ سے ان لوگوں کی ہر سازش بروقت بے نقاب ہوتی رہی اور ہماری مشترکہ جارحانہ کارروائیوں کی وجہ سے ان کا آخری کامیابی حاصل کرنے کا خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا۔

دوسری طرف شی کو پاکستان میں ناقابلِ برداشت نقصانات اٹھانے کے بعد پسپا ہونا پڑا لیکن میری اور ویرا کی قریبی رفاقت پروان چڑھتی رہی۔ ہم دونوں کے متضاد نظریات اور مفادات بھی اس دوستی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکے پھر شاید واشنگٹن میں بیٹھے ہوئے اعلیٰ ترین منصوبہ ساز اس نتیجے پر پہنچے کہ شی کا سربراہ جمی لائیڈ اپنی غیر قانونی بیٹی ویرا کی خوشنودی کے لیے مجھے ڈھیل دے کر شی کی تنظیم اور مقاصد کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا رہا تھا اور شاید اسی وجہ سے پاکستان سے پسپائی اختیار کی گئی تھی۔

ان کے نزدیک پاکستان پر گرفت مضبوط کرنے کے لیے شی جیسی طاقت ور تنظیم کا فعال وجود ضروری تھا۔ ایک انتہائی بھیانک اور خفیہ سازش کے نتیجے میں جمی لائیڈ کو وائٹ ہاؤس کے باہر اس وقت بے آواز گولی کا نشانہ بنا کر ختم کردیا گیا جب وہ امریکی صدر سے ملاقات کرکے واپس جا رہا تھا۔ اس کی جگہ جم کلارک کو اس کا جانشین مقرر کیا گیا۔ وہ اپنے منصب پر فائز ہوتے ہی شی کی تشکیلِ نو کے لیے بعض اہم امریکی اہل کاروں کے ساتھ کراچی آیا اور اپنے ساتھیوں سمیت موت کی سرد اور بھیانک وادیوں میں غرق ہوگیا۔

ان واقعات کے بعد راس المیڈا کے میدان میں آجانے سے مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے واشنگٹن کے منصوبہ ساز دماغوں نے اس علاقے میں اپنی ترجیحات میں ردوبدل کرلی تھی۔ پاکستان میں شی کے احیا کے معاملے کو عارضی طور پر پس پشت ڈال کر میرے خاتمے کو اوّلین ترجیح دی جا رہی تھی۔ مجھے یہ علم نہیں ہوسکا تھا کہ جم کلارک کی موت کے بعد شی کی سربراہی کے لیے کسے نامزد کیا گیا تھا لیکن آثار و قرائن بتا رہے تھے کہ راس المیڈا کو شی کے سربراہ سے زیادہ اختیارات' قوت اور وسائل کا مالک بنا کر پاکستان بھیجا گیا تھا۔ اس نے آتے ہی اس قدر بھرپور انداز میں سارے معاملات کو اپنی گرفت میں لیا تھا کہ 'را' والے بھی پس منظر میں چلے گئے تھے۔ ویرا اور غزالہ کے ہاتھوں ایچ ڈی نارمن اور اس کی گرل فرینڈ کے دہرے قتل کے بعد ان کے قونصل خانے پر خاموشی چھا گئی تھی۔ جانوں کے خوف سے انہوں نے غیر معینہ مدت کے لیے اپنے دفاتر بند کردیے تھے۔ اس طرح ہمارے مقابلے پر صرف راس المیڈا اور اس کے حواری میدان میں رہ گئے تھے۔

وہ ایک فرد اور متعدد ریاستی قوتوں کی ایک بھیانک جنگ تھی
س میں اس وقت تک میرا پلہ بھاری تھا لیکن آنے والے وقت
ے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ میری یا میرے ساتھیوں کی
ر اسی لغزش ہم سب کو لرزہ خیز انجام سے دوچار کر سکتی تھی۔

سلطان شاہ نے اسٹیڈیم کے گردونواح کا ایک چکر لگانے کے
بعد گاڑی ایک ویران سڑک پر موڑ لی۔ ان دنوں اسٹیڈیم کے اردگرد
کھلی شادی گاہوں کا جمعہ بازار زیادہ دور تک نہیں پھیلا تھا
لیکن اس کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ کرکٹ کے کھیل میں کارکردگی
اور مال کی کمی کی وجہ سے اس کھیل کے ناخداؤں نے اپنی جیبیں
بھرنے کے لیے اسٹیڈیم کے گرد پھیلے ہوئے میدانوں کو اپنی آمدنی کا
وسیلہ بنانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

اسٹیڈیم روڈ سے اتر کر پویلین کی طرف جانے والی سڑک کی
داہنی جانب جا بجا خود رو جھاڑیوں کے جھنڈ ہمارے منتظر تھے۔
سلطان شاہ نے ایسے ہی ایک گنجان جھنڈ کے قریب گاڑی روک
دی۔ ہم دونوں کو اپنے اپنے کام کا علم تھا۔ ہمیں جیف ملر کے بے
ہوش وجود کو گاڑی کے پائیدان سے جھاڑیوں میں منتقل کرنے میں
ایک منٹ سے بھی کم وقت لگا اور ہم فوراً ہی وہاں سے واپسی کے
لیے روانہ ہوگئے۔ نادرہ کے گھر سے جیف کے بدن پر ڈالی ہوئی
رنگین چادر میں نے وہاں نہیں چھوڑی تھی۔ اس کے کسی گوشے
میں پڑے ہوئے کسی نشان سے یہ ظاہر ہونے کا اندیشہ موجود تھا کہ
ہم نے جیف کو نادرہ کے گھر میں قید کیا ہوا تھا جب کہ میں اس گھر کو
ایک خفیہ پناہ گاہ کے طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

مقبول آباد سے اسٹیڈیم تک کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن وہاں
سے واپسی کا سفر قدرے طویل تھا۔ سلطان شاہ نے بڑی سڑکوں کے
بجائے غیر معروف اور سنسان گلیوں کا راستہ اختیار کیا ہوا تھا۔
اسے کہیں کہیں مجبوراً مین روڈ پر آنا بھی پڑ رہا تھا تو وہ دوبارہ گاڑی
گلیوں میں لے جاتا تھا۔ میں کچھ دیر تک اس کے اس کھیل سے
خاموشی سے لطف اندوز ہوتا رہا لیکن پھر سفر کی طوالت کی وجہ سے
مجھے اکتاہٹ محسوس ہونے لگی۔

"کیا آج شہر کی ساری ہی گلیاں چھان ڈالنے کا ارادہ ہے؟"
میں نے اس سے پوچھا۔

"تمہاری وجہ سے صراطِ مستقیم چھوڑ کر گلیوں میں بھٹک رہا
ہوں۔" اس نے کہا۔

"میری وجہ سے کیوں؟" میں نے خالی الذہنی کے عالم میں
سوال کیا۔

"دن کے اجالے میں مصروف اور معروف راستوں پر کوئی
تمہیں پہچان سکتا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ تمہارے بارے میں اخبارات
میں چند روز پہلے چھپنے والا انعامی اشتہار ابھی لوگوں کے ذہنوں سے
محو نہیں ہوا ہوگا۔"

"اوہ۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ ہاتھ پیروں کے ساتھ تم نے
ا... دماغ پر بھی زور ڈالنا شروع کردیا ہے۔"

اس نے لحہ بھر کے لیے مجھے تیکھی نظروں سے گھورا پھر دوبارہ
سڑکوں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا "تمہارے ساتھ رہ کر شاید
ہر شخص تمہارے مشوروں کا محتاج ہوتا چلا جاتا ہے۔ نادرہ نے بھی
اپنے بارے میں سوچنے کی ساری ذمے داری تم پر ڈال دی تھی...."

"نادرہ ابھی تک تمہارے ذہن پر سوار ہے....؟ اگر اس کی یاد
اسی قدر ستا رہی ہے تو میں ایک فون کر کے اسے دوبارہ کراچی بلا
سکتا ہوں۔ وہ رحیم یار خان کا فون نمبر دے گئی ہے۔"

"جانے والے لوٹ کر نہیں آتے" اس نے ہلکی سی ہنسی کے
ساتھ کہا "میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ ہم لوگوں نے اس بے
چاری کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ وہ ہماری طرف سے ایسے برے
سلوک کی مستحق نہیں تھی۔"

"تم بھی اخبارات میں ایک معذرت نامہ بلکہ لعنت نامہ چھپوا
دو اور اس میں نادرہ کے حوالے سے میرے خلاف اپنے دل کی
ساری بھڑاس نکال لو تاکہ تم پر وقفے وقفے سے اس کا ذکر چھیڑنے
کے دورے نہ پڑتے رہیں۔"

"نادرہ ایک اجنبی عورت تھی۔ آئی اور چلی گئی۔ تم میرے
محسن اور دوست ہو۔ میں تمہارے خلاف سوچ بھی نہیں سکتا لیکن
غلطی، غلطی ہوتی ہے۔ اس کی نشان دہی پر تمہیں برا نہیں ماننا
چاہیے۔"

"اس کے بارے میں ایک مرتبہ دل کھول کر میرے ساتھ
بحث کرلو اور پھر اس قصے کو ہمیشہ کے لیے دفن کردو۔ کسی بات کی
وقت نا وقت تکرار سے مجھے کوفت ہونے لگتی ہے" میں نے تلخی
سے کہا۔

"اب تم میری زبان سے اس کا ذکر نہیں سنو گے۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت کیا سننا پسند کرو گے؟" اس نے مجھے چڑانے والے شوخ لہجے میں کہا "راگ بھیرویں، میاں کی ٹھمری یا راگ مالکوس؟"

"تم نے انعامی اشتہار کا ذکر کر کے مجھے سوچ میں ڈال دیا ہے" میں نے اس کی شوخی کو نظرانداز کر کے کہا۔

"فکر مت کرو۔ رفتہ رفتہ وہ اشتہار لوگوں کے ذہن سے بالکل اتر جائے گا۔"

"یہی بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔ کسی بھی تشہیری مہم کا ایک طریقۂ کار ہوتا ہے۔ اپنی بات لوگوں کے ذہنوں میں پیوست کرانے کے لیے ایک یا ایک سے زیادہ بڑے اشتہارات سے ابتدا کی جاتی ہے پھر وہی پیغام نسبتاً چھوٹے اشتہارات کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے تاکہ چند روز تک اس پیغام کی تجدید ہوتی رہے۔ دوسری صورت میں لوگ ہر بات بھول جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس مالی وسائل کی کوئی کمی نہیں ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ وہ صرف ایک اشتہار دے کر کیوں رہ گئے؟ مجھ پر دباؤ بڑھانے کے لیے اشتہارات کی بھرمار ہو جانی چاہیے تھی تاکہ ہر شخص اٹھتے بیٹھتے میری گرفتاری میں مدد دے کر لکھ پتی بننے کے خواب دیکھنا شروع کر دے۔"

"تمہارے پاس بھی پیسے کی کمی نہیں ہے۔ اس بات سے اتنی زیادہ الجھن ہو رہی ہے تو اپنی طرف سے یہ کارِ خیر شروع کر دو۔ دو تین روز میں تمہیں افاقہ ہو جائے گا۔ ان کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔"

اس وقت سلطان شاہ کے منہ لگنا بے سود تھا۔ یہ بات اس کے ذہن میں نہیں سما سکتی تھی کہ ان لوگوں نے تشہیر کے کسی ماہر کے مشورے کے بغیر وہ انعامی اشتہار جاری نہیں کیا ہوگا۔ امریکن ہر شعبے میں پیشہ ورانہ تخصیص کے قائل ہوتے ہیں اور ہر کام میں متعلقہ شعبے کے ماہر سے ہدایت حاصل کرنا فرضِ عین سمجھتے ہیں۔ شاید پہلا اشتہار شائع ہوتے ہی انہیں احساس ہوا ہوگا کہ اس طرح وہ مجھے چوکنا کر رہے تھے۔ میں سامنے رہ کر ان کا مقابلہ کر رہا تھا، تب بھی وہ میری گرد نہیں پا سکے تھے۔ ایلن نے ہر بار میری کمین گاہ پر اس وقت دھاوا بولا تھا جب میں قبل از وقت خطرہ بھانپ کر وہاں سے صاف نکل چکا تھا۔ شاید انہوں نے سوچا ہو کہ میں ان کی اشتہار بازی سے خائف ہو کر عارضی طور پر زیرِ زمین چلا گیا تو ان کے لیے زیادہ مسائل پیدا کر سکوں گا اور وہ پھر بھی میری ذات تک رسائی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ وہ امکان سوچتے ہی انہوں نے اشتہاری مہم موقوف کر دی۔

اگر قدرت انسان کا ساتھ دے رہی ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس کے زیرک دشمنوں کی عقلیں ماؤف ہو جاتی ہیں اور وہ دانش مندی کے زعم میں سنگین غلطیوں کا ارتکاب کرتے چلے جاتے ہیں۔ میری نیت صاف تھی اور عزائم نیک تھے۔ شاید اسی لیے قدرت میرے اوپر حد سے زیادہ مہربان تھی۔

ہم گھر کے قریب پہنچے ہی تھے کہ اچانک جیپ کے اپریٹس سے ہلکی ہلکی آواز آنے لگی۔ وہ اپریٹس جب سے میری تحویل میں آیا تھا، ہر لمحے آن رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ میری جیب میں ہونے کے باوجود فعال تھا۔ میں نے اپریٹس جیب سے نکال کر اس کی آواز بڑھا دی تاکہ پیغام واضح ہو سکے۔

دوسری طرف سے راس المیڈا کی مانوس آواز سنائی دے رہی تھی۔ چیف بن کر وہ ہر اس شخص کو متوجہ کر رہا تھا جو اس کی آواز سن رہا ہو لیکن اپنی کال کا جواب صرف بلیک ہاک سے طلب کر رہا تھا۔

میرے لیے راس المیڈا کا وہ غیر متوقع پیغام سنسنی خیز تھا۔ اپریٹس سے آنے والی آواز سن کر سلطان شاہ بھی اپنی نشست پر چوکنا ہو کر بیٹھ چکا تھا۔ ہمارے فلیٹ والی عمارت قریب آ چکی تھی اور سلطان شاہ گاڑی کو اس کے احاطے میں لے جانے کے موڑ پر نظر آ رہا تھا۔

ہم بلڈنگ کی پارکنگ میں اپنی کار کے شیشے چڑھا کر اپریٹس پر ہونے والی بات چیت سن سکتے تھے لیکن وہاں ہم آنے جانے والوں کی نگاہوں میں آ سکتے تھے۔ میں نے لمحہ بھر میں فیصلہ کرتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا "گھر لوٹنے کے بجائے گاڑی ساحل کی طرف نکال لے جاؤ۔ ہم گفتگو ختم ہونے کے بعد واپس لوٹیں گے۔"

سلطان شاہ نے گاڑی کی لوٹتی ہوئی رفتار میں سرعت سے اضافہ کر دیا۔

راس المیڈا نے دوسری مرتبہ انگریزی زبان میں ہی اپنا پیغام نشر کیا۔ تجسس آمیز سکوت کے چند لمحے گزرے پھر اس آلے پر ایک اور آواز سنائی دینے لگی "بلیک ہاک آن لائن، چیف۔ اوور!"

وہ آواز سنتے ہی ہم دونوں چونک پڑے۔ سلطان شاہ کو علم نہیں تھا کہ میں تہ خانے سے بلیک ہاک کا فون نمبر ملا کر اس کی آواز سن چکا تھا۔ اس کے لیے بلیک ہاک کی آواز تحیر خیز تھی جب کہ میری مسرت کا سبب یہ تھا کہ اپریٹس پر بالکل وہی غیر ملکی آواز سنائی دی تھی جو میں فون پر سن چکا تھا۔

"تم اور تمہارے دونوں آدمی اب مجھ سے اپریٹس پر ہی رابطہ رکھیں گے" راس المیڈا کی سرد آواز سنائی دی "جیف ملر کا اپریٹس غیر متعلقہ ہاتھوں میں پہنچنے کی تردید ہو چکی ہے۔۔۔ پچھلی رات ڈرائیو ان سینما پر تم خود دیکھ چکے ہو کہ گیری ہارٹ کے لیے کوئی وہاں موجود نہیں تھا۔ میں اب فون پر نہیں ملوں گا۔ ضرورت اور حالات کے تحت میرے ٹھکانے بدلتے رہیں گے مگر میں تم کو اپنے بارے میں باخبر رکھوں گا۔۔۔ گیری ہارٹ ایک تجربے کار اور کارآمد آدمی ہے۔ اسے اپنی گستاخی اور زبان درازی کی کافی سزا مل چکی ہے۔ اسے اس کا اپریٹس واپس دے دو۔ ڈیپی کے خلاف وہ مؤثر رہے گا۔ انسپکٹر جیف کے لیے اس کی کوششیں جاری ہیں۔ میری آرزو ہے کہ وہ زندہ برآمد ہو سکے لیکن تم ان معاملات سے

رہو گے.... اس وقت آپریشن کے نائین ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم ہے۔ اوور!"

آخر کار میرے اندیشے درست ہی ہوئے تھے۔ راس المیڈا میرے ساتھ الجھ کر اپنی سازشوں سے غافل نہیں ہوا تھا۔ درحقیقت اس نے گیری ہارٹ، جیف ملر اور ایلن وغیرہ کی مدد سے مجھے اس بری طرح الجھا لیا تھا کہ میں کسی اور طرف توجہ ہی نہیں دے سکا تھا۔

وہ مجھے اپنے بچاؤ میں الجھا کر پوری رازداری اور اطمینان کے ساتھ اپنا کام کر رہا تھا۔ اس کی زبان سے آپریشن کے نائین کا حوالہ اس کی پوشیدہ سرگرمیوں کا واضح ترین ثبوت تھا۔ وہ حقیقت سامنے آتے ہی میری کھوپڑی میں انگارے سے بھرنے لگے۔ میں نے آپریشن کے نائین کے الفاظ پہلی بار سنے تھے۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ان الفاظ کا کیا مفہوم تھا اور اس بار راس المیڈا کا ہدف کیا تھا۔

"میں جانتا ہوں" بلیک ہاک کی آواز سعادت مندانہ تھی۔ "ہمارے دوست ہماری سرگرمیوں کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین ہیں۔ کراچی والوں نے آج پھر جنرل رمیش بھٹناگر کا پیغام دیا ہے۔ وہ جاننا چاہتا ہے کہ ہمیں فضائی راستوں کی تفصیلات کس لیے مطلوب ہیں.... اوور!"

"جنرل بھٹناگر سے کہو کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز نہ کرے"

بلیک ہاک سے ملنے والی اطلاع پر راس المیڈا برہم ہو گیا۔ "اس سے جو کچھ کہا جا رہا ہے' تیزی سے اس پر عمل کرے۔ مجھے تفصیلی نقشوں کے ساتھ ہر روٹ درکار ہے۔ کل تک یہ چیزیں نہیں ملیں تو اس کے ایوی ایشن ریسرچ سینٹر کو ملنے والے وہ دونوں طیارے کبھی انبالہ نہیں پہنچیں گے جن کے ذریعے را والے پڑوسیوں پر اپنی مواصلاتی برتری کا سکہ جمانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ مفاہمت دو طرفہ ہوتی ہے۔ مجھ سے [illegible]ین کیے بغیر وہ کچھ بھی حاصل نہیں کر سکیں گے.... اوور!"

"میں جنرل کے رتبے کی وجہ سے خاموش رہنے پر مجبور ہو گیا ورنہ میں بھی کرپال سنگھ کو کم و بیش یہی سب کہنے والا تھا۔ وہ پچھلے چار دن سے یہ کام لیے بیٹھا ہے اور میرے آدمیوں کا وقت برباد ہو رہا ہے۔ اوور!"

"جنرل بھٹناگر اُلو کا پٹھا ہے.... آدمی کا رتبہ اس کے رینک سے نہیں' اس کی کارکردگی سے بلند ہوتا ہے۔ وہ آج آر کے کا سربراہ صرف اس لیے ہے کہ اسے دو سال تک امریکا میں تربیت دی گئی ہے۔ اگر وہ اپنے ملک میں لوٹ کر کام کو بروقت مکمل کرنے کا احساس کھو بیٹھا ہے تو دونوں طیاروں کی ڈیلیوری منسوخ ہونے کی دھمکی اس کے ہوش ٹھکانے پر لے آئے گی۔ تم کوئی لحاظ کیے بغیر میرا پیغام اسے دے دو۔ کل تک تمہیں ٹیلکس پر سب کچھ مل جائے گا۔ اوور اینڈ آل۔"

گفتگو ختم ہوتے ہی میں نے وہ قیمتی اپریٹس بند کر کے جیب میں رکھ لیا۔ میں نے اسی وقت دیکھا تھا کہ پیغام وصول کرنے کے لیے اس اپریٹس کو ہر وقت آن رکھنا ضروری نہیں تھا۔ اسے بند کر کے اس کی بیٹری بچائی جا سکتی تھی۔ دوسری طرف سے پیغام آنے کی صورت میں اپریٹس پر کوئی مخصوص ریڈیو سگنل سنائی دیتا جس کے بعد اسے آن کیا جا سکتا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں نادرہ وغیرہ کے پیچھے لگا کر راس المیڈا نے کوئی اونچا چکر چلایا ہوا ہے" سلطان شاہ نے گاڑی کو واپسی کی راہ پر ڈالتے ہوئے پُرجوش لہجے میں کہا "جنرل کے عہدے کا فوجی افسر کسی چھوٹی موٹی بات پر اتنے زیادہ تجسس کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ اندرونِ خانہ بھارتی اب بھی ان لوگوں سے ملے ہوئے ہیں۔"

"وہ بچھڑے کب تھے جو اب مل گئے ہوں گے۔ وہ شروع ہی سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔"

"پتا نہیں یہ ایوی ایشن ریسرچ سینٹر کیا بلا ہے اور راس المیڈا کن فضائی راستوں کے نقشوں کے چکر میں ہے؟" سلطان شاہ وہ گفتگو سن لینے کے بعد خاصا پریشان نظر آ رہا تھا۔

"اول خان نے مجھے را کے بارے میں بہت تفصیل سے بتایا تھا" میں نے کہا "بھارتیوں نے اپنے دشمنوں بلکہ دوستوں کے بھی خلاف جاسوسی کے بیشتر ادارے ریسرچ' تحقیق اور تجزیے کے نام پر قائم کیے ہوئے ہیں۔ را بھی ریسرچ اینڈ اینالیسز ونگ کا مخفف ہے۔ اسی طرح آر کے یا ایوی ایشن ریسرچ سینٹر بھی را کا ذیلی ادارہ ہے۔ یہ لوگ اپنے مواصلاتی ذرائع کو ہر وقت ترقی دینے اور کار آمد رکھنے کے ساتھ دشمن کے مواصلاتی رابطوں کو فنی خلل اندازی سے جام کرنے کے نت نئے منصوبوں پر کام کرتے ہیں۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ان کے پاس ریڈار سے لے کر طیارے تک موجود ہیں اور دشمن کے ٹھکانوں کے قریب محوِ پرواز ہو کر بدترین ریڈیائی شور کے ذریعے ہر لاسلکی آلے کو ناکارہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً سرکار والے بلیک کیٹس را کے وہ تربیت یافتہ گوریلے ہیں جو دشمن کے علاقے میں مخصوص کارروائیاں کرنے کے ماہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کے اور شعبے بھی ہیں جن میں ایس ایس بی اور ای ٹوینٹی ٹو شامل ہیں۔ اس وقت کی گفتگو سے اندازہ ہو رہا ہے کہ جنرل رمیش بھٹناگر آر کے نامی ادارے کا سربراہ ہے اور راس المیڈا اس سے خاص قسم کے فضائی راستوں کے تفصیلی نقشے حاصل کرنا چاہ رہا ہے۔ حالات نشان دہی کر رہے ہیں کہ ان نقشوں کا تعلق پاکستان سے ضرور ہو گا...."

سلطان شاہ نے وفورِ جوش سے میری بات اڑا دی اور بولا "راس المیڈا ایک متعصب اور نسل پرست یہودی ہے۔ اس کی باتوں پر اس حوالے سے سوچ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" میں نے پُرتشویش نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ عرصے پہلے افواہیں سننے میں آئی تھیں کہ عراق کی ایٹمی تنصیبات پر کامیاب بمباری کے بعد اب اسرائیلی قیادت بھارتیوں کے تعاون سے کہوٹہ کی تنصیبات اور لیبارٹریز پر بھرپور فضائی حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے تاکہ کسی بھی اسلامی ملک کے ایٹمی طاقت بننے کے امکان کو ہمیشہ کے لیے ختم کیا جا سکے۔"

میں بے یقینی سے آنکھیں پھاڑ کر اسے گھورتا رہا۔ وہ سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہہ رہا تھا "ہو سکتا ہے کہ راس المیڈا یہاں بیٹھ کر اسی سازش پر کام کر رہا ہو۔ فضائی راستوں کے تفصیلی نقشوں اور اس علاقے کی مکمل معلومات کے بغیر اسرائیلی ہوا باز پاکستانی سرحدوں میں نہیں آ سکتے...."

"نہیں۔" میں نے ایک جھرجھری لے کر بے اعتباری سے اس کی بات کاٹ دی "یہ نہیں ہو سکتا.... یہ عملاً ناممکن ہے۔ تم بہت دور کی بات سوچ رہے ہو۔ ایسے مشن ٹیلکس، فون اور ٹرانسمیٹرز کی مدد سے پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچائے جاتے۔ یہاں سے اسرائیل کا فضائی فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ ان کے طیارے بھاری گولا بارود لے کر کئی ملکوں پر سے گزر کر براہِ راست یہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہ بالکل ناقابلِ عمل منصوبہ ہوگا۔ اس کے لیے راس المیڈا کو کراچی میں بیٹھ کر تیاریاں کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے لیے سب سے بہتر صورت یہ ہوتی کہ منجھے ہوئے اسرائیلی ہوا باز کچھ عرصے تک سری نگر یا پٹھان کوٹ کے ہوائی اڈوں سے جہاز اڑا کر ان علاقوں کے بارے میں تربیت اور مہارت حاصل کرتے اور پھر وہیں سے اپنے مشن پر نکلتے۔ اس کے لیے راس المیڈا کی دلالی اور کراچی میں موجودگی کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ اتنا بڑا مشن نہیں ہو سکتا۔ راس المیڈا کسی اور ہی چکر میں لگا ہوا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو.... لیکن مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے" وہ جھرجھری سی لے کر بولا۔

اس دوران میں ہم گھر پہنچ چکے تھے۔ سلطان شاہ نے اتر کر گاڑی کا دروازہ لاک کیا اور ہم دونوں اپنی اپنی سوچوں میں ڈوبے ہوئے زینوں کی طرف چل دیے۔ میں مسلسل راس المیڈا کے کہے ہوئے الفاظ کی کڑیاں ملانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ہر بار ناکامی ہو رہی تھی۔ ان اشاروں پر میرا کوئی نظریہ کام نہیں کر رہا تھا۔ ہر بار میرا ذہن بھٹک کر سلطان شاہ کی بنائی ہوئی دوراز کار کہانی میں الجھ جاتا تھا۔

ڈور بیل کی آواز پر غزالہ نے دروازہ کھولا تو میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ پریشان ہو گئی۔

"کیا بات ہے؟ آپ بہت مضمحل اور فکر مند نظر آ رہے ہیں" اس نے پوچھا۔

"اس وقت انہیں راس المیڈا ہو گیا ہے" سلطان شاہ نے میرے پیچھے اندر آتے ہوئے کہا۔

"کیا اس سے کہیں ٹکراؤ ہو گیا؟" ویرا نے سامنے آئے بغیر اندر ہی سے ہانک لگائی۔ اس کی آواز فلیٹ کے ڈرائنگ روم کی طرف سے آئی تھی۔ ہمارے آنے سے پہلے شاید وہ غزالہ سے سر جوڑے وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔

"یہ راس المیڈا کا کیا چکر ہے؟" ہم تینوں کے ڈرائنگ روم میں پہنچنے کے بعد ویرا نے پھر سوال کیا۔

"وہ خبیث میرے لیے سوہانِ روح بن کر رہ گیا ہے۔ پٹ رہا ہے مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ رہا۔"

"وہ نہیں، ابھی تک اس کے مہرے پٹے ہیں۔ جیف کی تازہ لاش اس کی عقل ٹھکانے پر لے آئے گی" ویرا نے پورے اعتماد سے کہا۔

"تم بھول رہی ہو کہ بم کے دھماکے میں پیٹر کی موت کے ساتھ وہ خود بھی زخمی ہوا تھا۔ دوسری بات یہ کہ میں نے جیف کو معاف کر دیا ہے۔ غزالہ مجھے مزے دار چائے پلائے تو میں پوری کہانی سنا سکوں گا" یہ حقیقت تھی کہ ناشتے کے بعد کی طویل مصروفیت کے بعد مجھے چائے کی طلب ستانے لگی تھی۔

غزالہ کو خود بھی پوری کہانی سننے کا تجسس تھا۔ وہ چند ہی منٹ میں چائے تیار کر کے لے آئی اور میں نے سگریٹ سلگا کے ابتدا سے پوری کہانی دہرانی شروع کر دی۔ سلطان شاہ کے لیے ان میں سے کوئی بات نئی نہیں تھی لیکن وہ بھی پورے انہماک سے یوں منہ پھاڑے بیٹھا تھا جیسے وہ واقعات اس کے لیے نئے ہوں۔

میری کہانی کے دوران میں ان لوگوں کے چہروں کے تاثرات میں متعدد بار تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں لیکن میرے اقدامات سے مکمل اتفاق یا اختلاف ہونے پر بھی ان میں سے کسی نے دخل اندازی نہیں کی۔ میں انہیں اپنے مختلف فیصلوں کے ساتھ ساتھ ان کا جواز بھی دیتا رہا تاکہ بعد میں ان کے لامتناہی سلسلۂ سوالات سے بچا رہ سکوں۔

چائے کی پیالیاں خالی ہونے سے پہلے ہی میری روداد اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔

"حالات کے تحت تم نے فیصلہ کرنے میں کہیں کوئی غلطی نہیں کی" میرے خاموش ہونے پر ویرا ناقدانہ لہجے میں بولی "لیکن جیف اپنی واپسی کے بعد بھی راس المیڈا کا پرانا اعتماد حاصل نہیں کر سکے گا۔ یہ بات راس کو ہمیشہ تشویش میں [illegible] رکھے گی کہ تم نے جیف کو کس مقصد کے لیے زندہ چھوڑا ہے۔"

"یہ بھی ایک طرح سے میری کامیابی ہوگی۔ ان لوگوں میں نفاق، تذبذب اور بے یقینی کے بیج بو کر بھی ہم اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں لیکن مشکل یہ آن پڑی ہے کہ راس المیڈا کی ٹیم میں گیری ہارٹ اور جیف کا کام میری ذات تک محدود ہے۔ اس کے اصل تخریبی منصوبے پر کام کرنے والے دوسرے لوگ ہیں اور وہ میری دسترس سے باہر ہیں۔"

"ایریئس کا استعمال بحال ہونے کے بعد ہماری کامیابی کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔

"کے نائین میرے لیے ایک نیا نام ہے۔ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ وہ لوگ اپنے کس تخریبی منصوبے پر کام کر رہے ہیں" ویرا فکر مندانہ لہجے میں بولی "اس کے بعد ہی ان کی راہ روکی جا سکے گی۔"

"ہمیں اپنی ذمے داریاں پوری کرنی چاہئیں" غزالہ نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا "لیکن صرف ہم ہی ہر بات کے ذمے دار نہیں ہیں۔ یہ کام اوّل خان کا ہے۔ ایس ٹی ایف والوں کو بھی میدان میں آنا چاہیے۔"

"اوّل خان اپنے مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا کہ اس وقت راس المیڈا میرے سوا کسی اور موضوع پر بھی سوچ رہا ہے۔ جب تک وہ خود یہاں نہیں آئے گا' میں اس سے رابطہ کرنے میں پہل نہیں کروں گا۔ وہ خود بھی کہہ چکا ہے کہ اسے میری گرفتاری پر مامور کیا گیا ہے۔"

"راس المیڈا نے بہت ہوشیاری اور مکاری سے سب کو ایک ہی مسئلے میں الجھا کر رکھ دیا ہے" غزالہ نے بے بسی سے کہا۔ "آپ اس سے رابطہ نہ کریں۔ میں فون پر بات کیے لیتی ہوں۔"

"تم نے بتایا ہے کہ راس المیڈا نے بلیک ہاک کے ساتھ اس کے دو آدمیوں کا بھی حوالہ دیا تھا" ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔ "ان لوگوں میں آپس میں بات چیت ہوگی تو ضرور معلومات میں اضافہ ہوگا۔"

"ان پر انحصار نہیں کیا جا سکتا" غزالہ پُر تشویش لہجے میں بولی۔ "ویسے تو راس المیڈا نے ہی آپریشن کے نائین کی بات چھیڑی تھی لیکن بے ربط اشاروں کے سوا کام کی کوئی بات نہیں معلوم ہو سکی۔ وہ لوگ بھی اشاروں کنایوں میں بات کریں گے۔ کسی جوابی کارروائی کے لیے ہمیں پورے منصوبے سے جلد از جلد واقفیت حاصل کرنی ہوگی۔ ان پر انحصار کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ ہم کچھ کرنے کا وقت گنوا بیٹھیں۔"

اس وقت میرا اور غزالہ کا ذہن یکساں خطوط پر کام کر رہا تھا۔

"تم اسی وقت اوّل خان سے بات کرو!" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر غزالہ سے کہا "وہ اس وقت اپنے دفتر ہی میں موجود ہوگا۔ وہ ذرا حساس اور فرض شناس آدمی ہے۔ اس سے گفتگو میں میرے نام کا کوئی حوالہ نہ آنے دینا۔ وہ خود ہی کچھ پوچھ لے تو دوسری بات ہے۔"

"اس فلیٹ میں اسپیکر فون کی کمی ہے" ویرا بولی "اسپیکر فون کی موجودگی میں دونوں کی گفتگو سن کر کوئی سوال کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اب ہم اوّل خان کی آواز نہیں سن سکیں گے۔"

فلیٹ میں ٹیلی فون کی تین لائنیں موجود تھیں۔ ایک انسٹرومنٹ ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ دوسرا میرے کمرے میں تھا' تیسرا ویرا کی خوابگاہ میں نصب تھا۔ میں نے فوراً ہی ان تینوں کو یک جا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح گھر میں اسپیکر فون نہ ہونے کے باوجود کم از کم تین افراد پوری گفتگو میں شامل رہ سکتے تھے۔

کمروں سے تار نکال کر ڈرائنگ روم میں جوڑنا زیادہ دیر کا کام نہیں تھا۔ ویرا نے میرا مقصد بھانپتے ہی ایک سیٹ پر قبضہ کر لیا اور سلطان شاہ اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

تینوں سیٹ چیک کرنے کے بعد میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیے اور غزالہ اپنے انسٹرومنٹ پر اوّل خان کا نمبر ملانے لگی۔ دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سن کر اس نے ہمیں اشارہ کیا اور میرے ساتھ ویرا نے بھی اپنے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

تین گھنٹیوں کے بعد اوّل خان کے بجائے ریسیور پر کسی اور کی اجنبی آواز سنائی دی تو مجھے خاصی مایوسی ہوئی مگر غزالہ نے اسے اپنا نام بتائے بغیر اوّل خان سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے بتایا کہ اوّل خان علالت کی وجہ سے اس روز دفتر نہیں آیا تھا۔ ہم تینوں نے بیک وقت فون بند کر دیے۔

"یہ اچھا ہے" میری مایوسی پر ویرا فوراً ہی بول پڑی "گھر پر وہ زیادہ آزادی سے بات کر سکے گا۔"

"بات تو ہو ہی جائے گی۔ پریشانی یہ ہے کہ وہ بیمار ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو ذرا ذرا سے بہانوں سے کام چھوڑ کر گھر بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر وہ دفتر سے غیر حاضر ہے تو اس کی بیماری تشویش ناک بھی ہو سکتی ہے۔"

ویرا چڑ کر بولی "تشویش کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ اپنی دیکھ بھال کر سکتا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ تم سے ملاقات ہونے تک وہ اپنی زندگی کے کم از کم پینتیس چالیس سال پوری خیریت سے گزار چکا تھا۔"

اوّل خان اپنے گھر پر تھا اور واقعی بیمار تھا۔ فون اس کی بیوی نے اٹھایا تھا۔ وہ آواز سنتے ہی غزالہ کو پہچان گئی۔ مزاج پرسی کے رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد اس نے فون اوّل خان کو دیا تو اس کی آواز سے نقاہت ظاہر ہو رہی تھی "تم خیریت سے تو ہو؟ اس وقت مجھے کیسے یاد کر لیا؟"

"میں خیریت سے ہوں۔ آپ کیسے بیمار پڑ گئے؟" غزالہ نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"طبیعت کا جبر رنگ لا رہا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ مجھ پر ایک ایسا کام مسلط کر دیا گیا ہے جو میری مرضی کے خلاف ہے۔ میں اندر ہی اندر پھنک رہا ہوں۔ ہر وقت کا ذہنی دباؤ اچھے بھلے آدمی کو تباہ کر دیتا ہے۔"

میرے ساتھ ویرا بھی وہ ساری گفتگو سن رہی تھی۔ اوّل خان کے جواب میں اس نے میری طرف دیکھ کر اپنے دیدوں کو گردش دی جیسے مجھے میری بدگمانی پر چڑا رہی ہو لیکن منہ سے کچھ نہ بولی۔

"میں ایک الجھن میں پڑ گئی ہوں" غزالہ نپے تلے لہجے میں بولی "کوئی اور بات چھیڑنے سے پہلے میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ کے نائین کیا بلا ہے۔ ہمارے حریفوں میں آج کل اس کا کافی چرچا ہو رہا

ہے۔"

"کے نائین؟" اوّل خان کی آواز پُرخیال ہو گئی "مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے یہ نام کبھی سنا ہو۔ کچھ تفصیل سامنے آئے تو شاید کوئی بھولی بسری بات یاد آجائے۔ یہ کوئی فرضی نام بھی ہو سکتا ہے۔"

"کچھ لوگ کسی آپریشن کے نائین پر کام کر رہے ہیں" غزالہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے سنبھل سنبھل کر کہنا شروع کیا "وہ کچھ فضائی راستوں کے تفصیلی نقشوں کی تلاش میں ہیں۔۔۔"

"تم کیری ہارٹ کی بات تو نہیں کر رہیں؟" اوّل خان نے مضطربانہ لہجے میں غزالہ کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ وہ اس معاملے سے بے خبر ہے۔ اس کا باس بالا ہی بالا کوئی چکر چلا رہا ہے۔"

"اس کا باس کہاں سے پیدا ہو گیا؟ وہ تو خود بہت بڑی چیز ہے۔"

"مجھے یہ سب نہیں معلوم۔۔۔ آج کل کیری ہارٹ' راس الیڈا کے لیے کام کر رہا ہے۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے کہ اندر ہی اندر یہ سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں!" بیماری کی نقاہت کے باوجود اس خبر پر اوّل خان کی آواز میں دلچسپی عود کر آئی "کیا ڈیبی کو اس بات کا پورا یقین ہے؟"

اس کی زبان سے اپنا نام سن کر میرے وجود میں تسکین کی ایک لہری سرایت کر گئی۔

"جی!" غزالہ نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا "یہ خبریں وہی نکال کر لائے ہیں۔"

"اور ویرا کا کیا حال ہے؟" ذاتی باتوں کا ذکر آتے ہی اوّل خان سب کچھ بھول بھال کر ہم لوگوں کے بارے میں ہر بات جان لینے کا خواہاں نظر آنے لگا "وہ بات چیت کرنے لگی ہے یا ابھی تک سکتے کی حالت میں ہے؟"

"وہ ٹھیک ہے۔ بس گھر میں محدود رہ کر چھو درست ہونے کا انتظار کر رہی ہے۔"

"اس سے میری بات ہو سکتی ہے؟" اوّل خان نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"ایک منٹ ہولڈ کریں" غزالہ نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "مگر پہلے میری بات کا جواب تو دے دیں۔"

میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر اشارہ کیا کہ وہ ویرا کو اوّل خان سے بات کرنے کا موقع دے دے۔

اوّل خان کہہ رہا تھا "معاملات بہت بگڑے ہوئے ہیں۔ تم سیدھی سادی خانہ دار لڑکی ہو۔ تم ان سے دور رہو۔ میں ویرا کو زیادہ بہتر طور پر ہر بات سمجھا سکوں گا۔ ذرا اسے فون پر بلا دو۔"

"میں اسے ابھی بلاتی ہوں" غزالہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔ سلطان شاہ نے فوراً ہی ریسیور اس سے چھین کر اپنے کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف اوّل خان لائن پر موجود تھا۔ غزالہ اس سے کوئی احتجاج نہیں کر سکی۔ بس اس کی زیادتی پر تلملا کر رہ گئی۔

قدرے توقف کے بعد ویرا نے اوّل خان سے بات شروع کر دی "میں ویرا بول رہی ہوں۔"

"تم کیسی ہو؟ میں تمہارے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ ان حرام زادوں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ میرے ساتھ اس قسم کی کوئی زیادتی نہیں کی گئی جو تم سمجھ رہے ہو" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر پورے اعتماد سے کہا "بس میں اپنی تضحیک اور ذہنی اذیت برداشت نہیں کر سکی تھی۔"

"مجھے ہر طرف سے گھیر کر بے بس کرنے کی کوششیں کی جا چکی ہیں لیکن مجھے برابر خبریں مل رہی ہیں۔ ڈیبی ان سے تمہارا بھرپور انتقام لے چکا ہے۔ تمہیں فخر ہونا چاہیے کہ تم کو ڈیبی جیسے بے جگر آدمی کی سرپرستی حاصل ہو گئی ہے۔ وہ دشمن کے حلق میں ہاتھ ڈال کر اس کی آنتیں باہر کھینچ نکالنے میں کمال رکھتا ہے۔"

"تمہاری دونوں باتیں غلط ہیں" ویرا نے بے خوفی سے کہہ ڈالا "ڈیبی میرا سرپرست نہیں صرف دوست ہے اور وہ بہت زیادہ بے جگر بھی نہیں ہے۔ اتنا ہی بے خوف ہوتا تو تم سے ڈر کر روپوش ہونے کے بجائے دندناتا ہوا تمہارے دفتر پہنچ کر اپنی گرفتاری پیش کر دیتا اور تمہیں ان پیچیدگیوں سے بچا لیتا جو تمہاری بیماری کا سبب بن رہی ہیں۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ اس کا داؤ چل گیا اور وہ میرا بدلہ لینے میں کامیاب ہو گیا۔"

"تم بہت بولتی ہو" اوّل خان کی تھکی ہوئی آواز ابھری "اگر وہ اتفاق بھی تھا تو صرف اس وجہ سے رونما ہوا کہ ڈیبی نے ہمت کی تھی۔ اب پھر دیکھ لو کہ وہ کچھ نئی خبریں نکال لایا ہے۔"

"اس بارے میں تم سے بات کرنی بے سود ہے" ویرا نے بے نیازی ظاہر کرتے ہوئے کہا "تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ پتا نہیں غزالہ نے کیا سوچ کے تم کو فون کیا ہے۔ ڈیبی سن لیتا تو غزالہ کو ہرگز فون نہ کرنے دیتا۔ وہ اپنی وجہ سے تم کو کسی امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا۔"

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو" اوّل خان کی آواز میں احتجاج تھا۔ "غزالہ نے بہت اچھا کیا کہ مجھے فون کر لیا۔ میں تم لوگوں کے لیے سب کچھ کروں گا۔ ان بھوکے بھیڑیوں سے لڑنا تمہارا نہیں' میرا فرض ہے۔ ہم ایسی معلومات حاصل کرنے کے لیے ترستے ہیں۔۔۔ میری مجبوری صرف اتنی سی ہے کہ میں ڈیبی سے دور رہنا چاہتا ہوں۔ اس سے سامنا ہو گیا تو میں اپنے فرض سے منہ نہیں موڑ سکوں گا۔۔۔ اس کشمکش سے بچنے کے لیے میں نے اس سے تلخ و ترش باتیں کی تھیں۔ اچھا ہوا کہ وہ اس وقت تم لوگوں کے ساتھ موجود نہیں ہے۔ میں اب بھی رابطے کے سلسلے میں اس کی حوصلہ افزائی نہیں کروں گا۔ مجھ سے دور رہنا خود اسی کے مفاد میں ہے۔"

"یہ ڈیبی کی بدقسمتی ہے کہ ایک طرف وہ اپنے جانی دشمنوں میں گھرا ہوا ہے اور دوسری طرف تم جیسے مونس و غمگسار اس کا

ساتھ چھوڑتے جارہے ہیں۔ یہ اچھے آثار نہیں ہیں۔ وہ جلد ہی....."

اوّل خان اسے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر مضطربانہ آواز میں بول پڑا "منحوس کلمات زبان سے مت نکالو۔ یہ عارضی گردش اسی کا نہیں، میرا امتحان بھی ہے۔ کامیابی بہت جلد ہمارا مقدر بنے گی۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ آپریشن کے نائین کا کیا چکر ہے۔ غزالہ نے ادھوری بات کرکے مجھے تشویش میں ڈال دیا ہے۔"

"یہ باتیں ٹیلی فون پر نہیں ہوسکتیں۔ کیا تم ہماری طرف نہیں آسکتے؟"

"مجھے معلوم ہی نہیں ہے کہ تم لوگ کہاں روپوش ہو" اس نے محتاط الفاظ میں ویرا کو سمجھایا۔ "میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں نے ملاقات کے لیے کہیں بلایا تو تم نہیں آؤ گی کیونکہ حال میں تمہارے بارے میں بڑے بڑے انعامی اشتہارات چھپ چکے ہیں۔ میں اپنے دفتر میں مجبور ہوتا ہوں۔ گھر کے اس فون پر تم مجھ سے کھل کر بات کرسکتی ہو۔"

"اگر یہ ٹیلی فون اسی قدر محفوظ ہے تو تم ملاقات کو اتنا مشکل کیوں بنا رہے ہو؟ تم جہاں چاہو، مجھے بلا سکتے ہو۔ میں نہیں آئی تو سلطان شاہ وہاں پہنچے گا۔ ارادہ ہو تو کوئی نہ کوئی راہ نکالی جاسکتی ہے۔"

"میں ملاقات کو مشکل نہیں بنا رہا۔ میں نے تمہیں اپنا مؤقف بتایا ہے۔ میں خود مختار نہیں ہوں۔ مجھے بھی کسی کو جواب دینا ہوتا ہے۔ مجھ سے پوچھا جارہا ہے کہ ڈینی سے میرے اتنے گہرے مراسم تھے تو وہ اب تک آزاد کیوں ہے۔ میں اپنا جواب تمہیں بتا چکا ہوں۔ مجھے تم میں سے کسی کے ساتھ ملتے ہوئے دیکھ لیا گیا تو ہم سب کے لیے نت نئی مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔ فی الحال ملاقات کا خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔ میں نے کئی مرتبہ گھر سے تم لوگوں کو فون کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر ہر بار یہ سوچ کر رک گیا کہ فون ڈینی نے اٹھالیا تو میں کیا کہوں گا۔ تم تصور نہیں کرسکتیں کہ ڈینی سے کٹ کر میں کتنے شدید ذہنی عذاب سے گزر رہا ہوں۔ اس سے تو بہتر تھا کہ مجھے بحال ہی نہ کیا جاتا۔"

میں نے ہاتھ کے اشارے سے ویرا کو بات آگے بڑھانے کی ہدایت دی۔ میں اوّل خان کی مجبوریوں کو بہ خوبی سمجھ رہا تھا۔ میرا معاملہ اس کے لیے گلے کی چھچھوندر بن کر رہ گیا تھا۔

"ایوی ایشن ریسرچ سینٹر کے نام سے را کا کوئی ذیلی ادارہ ہے....."

"ہاں، ہے!" ویرا نے بات شروع ہی کی تھی کہ اوّل خان نے بے صبری سے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "آج کل کوئی جنرل بھٹناگر آرک کا سربراہ ہے۔ کیا کے نائین اسی کا چلایا ہوا کوئی چکر ہے؟"

"تم اپنی ہم عصر تنظیموں کے بارے میں خاصے باخبر ہو لیکن عجلت سے کام لینے کے بجائے پہلے میری بات سن لو۔ میں بھی جنرل بھٹناگر کی طرف آرہی تھی۔ راس المیڈا اور اس کے چیدہ چیدہ آدمی آپریشن کے نائین پر کام کررہے ہیں اور اس سلسلے میں جنرل سے فضائی راستوں کے کچھ تفصیلی نقشے طلب کررہے ہیں۔ راس المیڈا نے ڈینی کو گیری ہارٹ اور جیف کے ساتھ بری طرف الجھا کر آپریشن کے نائین کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا منصوبہ بنایا ہو ہے۔ جیف اور گیری کو اس آپریشن کے متعلق شاید کچھ بھی نہیں بتایا گیا ہے۔ اس سے آگے ہم خود اندھیرے میں ہیں۔ ڈینی نے راس المیڈا کے آدمیوں کے استعمال میں رہنے والے ایک اپارٹمنٹ پر قبضہ کرکے راس المیڈا کو یہ باور کرادیا ہے کہ اس سے وہ اپارٹمنٹ تباہ ہوچکا ہے۔ اس پر ہونے والی گفتگو سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہوسکتا ہے لیکن اس کے لیے انتظار کرنا ہوگا۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ گتھی دنوں میں سلجھے گی یا مہینوں اسی طرح رہے گی۔"

"یہ کام میں گھر پر رہ کر بھی کرسکتا ہوں۔ سراغ ملتے ہی تم کو فون کروں گا۔ ڈینی آئے تو اسے منع کردینا کہ وہ خود کسی کال کا جواب نہ دے۔ اس کی آواز سنائی دی تو میں فون بند کردوں گا" اوّل خان کی آواز پُرخیال تھی۔

"تمہاری یہ ہدایت ڈینی کو پہنچا دی جائے گی۔ عمل کرنا یا نہ کرنا اس کا کام ہوگا۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ میری بات کی تہ تک پہنچ جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ اس عورت کا کیا بنا جس پر گیری اور جیف ڈورے ڈال رہے تھے۔ یہ حیرت ناک اتفاق تھا کہ ادھر مجھے ان دونوں کی سرگرمیوں کا علم ہوا اور ادھر وہ عورت خود ڈینی سے مشورہ لینے پہنچ گئی۔ وہ خاصی خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔"

"وہ بہت زیادہ زہریلی اور خطرناک تھی۔ اسے چھوٹ مل جاتی تو وہ غزالہ کو خون کے آنسو رلا دیتی" اس بار ویرا مجھ سے نگاہیں چار کیے بغیر روانی سے بولتی چلی گئی "ڈینی نے اس کے سامنے اپنی اصلیت کا اعتراف کرلیا مگر وہ ڈینی پر اس بری طرح لٹو ہوئی تھی کہ اسی کا دم بھرتی رہی۔ ڈینی نے نادرہ نامی اسی عورت کی مدد سے جیف کو پکڑ کر معذور کیا اور اس کا ایڈریس چھین لیا۔ نادرہ خوف زدہ ہوکر پچھلی رات رحیم یار خان جاچکی ہے جہاں اس کی بہن اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔ جیف کو رات بھر قید رکھنے کے بعد آج ڈینی نے رہا کردیا ہے۔"

"یہ اس نے برا کیا" اوّل خان نے بے ساختہ کہا "سانپ کے ساتھ سنپولیوں کے سر بھی کچل دینے چاہئیں ورنہ وہ پل پل کر جان کا روگ بن جاتے ہیں۔ یہ مرنے یا مار ڈالنے والے کھیل ہوتے ہیں۔ تیسرا راستہ ہمیشہ تباہی لاتا ہے۔"

"یہ باتیں تم ہی اس کے دماغ میں ڈال سکتے تھے۔ ہم سب کے

سامنے وہ فرعون بنا رہتا ہے۔ جو چاہتا ہے، کر گزرتا ہے اور بعد میں اپنے حق میں الٹی سیدھی دلیلیں دے کر ہمیں لاجواب کر دیتا ہے۔"

"وہ اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے گھر اور تعلیم کا سلسلہ چھوڑ کر فرار نہ ہوا ہوتا تو تو شی کے چنگل میں پھنسنے کے بجائے اپنے وقت کا کامیاب ترین آدمی بنا ہوتا۔ وہ ہیرا ہے۔ اسے برا نہ کہا کرو۔"

"یہ مل بیٹھ کر طے کرنے والے معاملات ہیں۔ تمہیں اس فلاطونی کھوپڑی کو بھی درست کرنا ہوگا۔ فی الحال ہم لوگوں کے پاس اس کی ہرزہ سرائیاں سننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ وہ اکیلا ہی ہر محاذ پر لڑ رہا ہے۔ آڑے وقت میں صرف سلطان شاہ اس کا مددگار ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے.... اپنے ساتھ اس کا بھی خیال رکھا کرو۔" اوّل خان کے لب و لہجے میں بزرگی عود کر آئی "اب میں فون بند کر رہا ہوں۔ کے نائین کا معاملہ حل ہوتے ہی رابطہ کروں گا۔"

فون کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ ویسے وہ میری ہزار تعریفیں کرتا رہا تھا لیکن میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ آخر میں اس نے میرے لیے کوئی پیغام تک نہیں دیا تھا۔ شاید وہ اس کے فرض کا تقاضا تھا۔

اوّل خان سے گفتگو ختم ہوتے ہی پھر چوپال جم گئی۔ اس بار اوّل خان کا رویّہ اور اس کا دوہرا کردار موضوع بحث بن گیا تھا اور میں خاموشی سے ویرا کی صلاحیتوں پر غور کر رہا تھا۔ اس نے بے لاگ انداز میں اوّل خان سے جتنی باتیں کی تھیں، وہ اسی کا کمال تھا۔ غزالہ کے لیے تو اوّل خان سے گفتگو کو برقرار رکھنا دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ اگر ویرا لائن پر نہ آتی تو غزالہ کے مکالمات چند لمحوں میں ختم ہو جاتے۔

"آرک سے مجھے یاد آ رہا ہے کہ راس المیڈا یہاں راڈنی آرک کے نام سے آیا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نام کا یہ انتخاب بھی اس سازش کے کسی اہم پہلو سے منسلک ہو۔" باتیں کرتے کرتے ویرا نے چونک کر مجھ سے کہا۔

"آپس میں کچھ طے کر لو تو بہتر رہے گا" میں نے خشک لہجے میں کہا "فرعون اور افلاطونی کھوپڑی کے خطابات ملنے کے بعد میں نے اپنی زبان پر قابو رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب میں اپنی مرضی چلانے کے بجائے تم لوگوں کے مشوروں پر عمل کیا کروں گا۔ تم تینوں ہاتھی کو مینڈک کہو گے تو میں بے چون و چرا اسے مینڈک تسلیم کر لوں گا۔"

"زیادہ نخرے مت دکھاؤ" ویرا آنکھیں نکال کے بولی "تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اسے اکسانے کے لیے ایسی باتیں کہہ رہی تھی۔ میرے فرعون کہنے کے بعد ہی اس نے تمہیں ہیرا قرار دیا ہے۔ مجھ سے الجھو گے تو میں بھی اوّل خان سے بات نہیں کروں گی، دیکھوں گی کہ غزالہ بی بی اس سے کیا مذاکرات کرتی ہیں۔"

"شاید تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ ہیرے کو صحیح مصرف میں نہ لایا جائے تو وہ مہلک ثابت ہوتا ہے۔"

"فکر مت کرو۔ میں تمہیں چبانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ یہ توقع تم نادرہ سے کر سکتے تھے۔"

"اوہ!" نادرہ کا ذکر آتے ہی غزالہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کے بولی "باتوں میں لگ کر میں آپ کو یہ بتانا تو بھول ہی گئی کہ آپ کے جانے کے بعد نادرہ کا فون آیا تھا۔ وہ خیریت سے اپنی بہن کے گھر پہنچ گئی ہے۔"

مجھے خاموش پا کر ویرا نے ٹکڑا لگایا "اس نے کہا تھا کہ تم واپس آؤ تو تمہاری اور اس کی بات کرا دی جائے، کہو تو اس کا رحیم یار خان کا نمبر ملا دوں؟ بے چاری تمہارے فون کے انتظار میں تڑپ رہی ہوگی۔"

"ویرا!" میں نے اسے گھور کر کہا "وہ یہاں سے جا چکی ہے۔ اس کا مضحکہ اڑا کر تم کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو۔"

"یہ واقعی اس کے ساتھ زیادتی ہے" سلطان شاہ نے میری تائید میں کہا۔

"تم چپ رہو!" ویرا نے اسے ڈانٹ دیا "سب کو معلوم ہے کہ تم ہی اسے اسٹیشن چھوڑنے گئے تھے۔ تم نہیں تو اور کون اس کی حمایت میں بولے گا...."

ویرا کی تقریر ادھوری رہ گئی کیونکہ میز پر رکھے ہوئے اپریٹس پر کال کا اشارہ آ رہا تھا۔ میں نے تیزی سے سوئچ آن کر کے آواز بڑھا دی۔ سب لوگ آپس کے تنازعات بھول کر ہمہ تن اپریٹس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"گرے ہاک کالنگ فار بلیک ہاک.... اوور!" پہلی بار ہم نے پیغام کے صرف آخری دو الفاظ سنے۔ وقفے سے دوسری بار نشر کیا جانے والا پیغام مکمل تھا۔

مجھے یہ جان کر قدرے حیرت ہوئی کہ ان لوگوں نے ہر شخص کے لیے الگ پاس ورڈ کے بجائے ایک ہی کوڈ کا انتخاب کیا ہوا تھا اور رنگوں کے فرق سے وہ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ راس المیڈا کے پیغام کے مطابق کراچی میں اس ساخت کے اپریٹس استعمال کرنے والوں کی کل تعداد چھ تھی۔ جیفت کا اپریٹس میرے قبضے میں تھا۔ ان لوگوں کی دانست میں وہ تباہ ہو کر ناکارہ ہو چکا تھا۔ راس المیڈا، بلیک ہاک اور گیری ہارٹ میرے لیے اجنبی نام نہیں تھے۔ ان کے علاوہ بلیک ہاک کے مزید دو آدمی ایسے آلات پر متصرف تھے۔ ان میں سے گرے ہاک کے سامنے آ جانے کے بعد صرف ایک نام بچتا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ بھی یلو، بلیو یا گرین ہاک ہی ہوگا۔

"بلیک ہاک ریسیونگ.... اوور!" اپریٹس سے بھاری، درشت

اور تحکمانہ آواز برآمد ہوئی۔

"میں چیف کے پیغام میں سن چکا ہوں کہ ہمارے لیے نقشے کتنے اہم ہیں لیکن مجھے ابھی تک اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوسکی" گرے ہاک خالص امریکن لب و لہجے میں رپورٹ دے رہا تھا "ائرروٹس کے مکمل نقشے صرف دو دفاتر میں موجود ہیں لیکن میں وہاں تک رسائی حاصل نہیں کرسکا۔ میری کوششیں جاری ہیں۔ اگلے دو تین دن میں کام پورا ہونے کی امید ہے۔ وائٹ ہاک بھی کوشش کررہا ہے۔ کل کے لیے ہم نے کام بانٹ لیا ہے۔ اوور!"

"روٹ میپ کن دفاتر میں موجود ہیں۔ مجھے ان کے نام بتاؤ۔ اوور" بلیک ہاک دہاڑا۔

"سول ایوی ایشن کا ڈی جی آفس اور کراچی کا ائر ٹریفک کنٹرولر۔ اوور!" دوسری طرف سے مرعوب ہوئے بغیر جواب دیا گیا۔ شاید وہ اپنے سربراہ کی چیخ پکار سننے کا عادی تھا۔

"اس ملک میں ڈالر پھینک کر ہر کام کرایا جاسکتا ہے۔ نقشے کیوں نہیں مل سکتے۔ اوور۔"

"سول ایوی ایشن میں تمام نقشے ڈائریکٹر جنرل کی تحویل میں مقفل رہتے ہیں۔ ائرپورٹ کے کنٹرول ٹاور میں زیر استعمال راستوں کا ایک بڑا نقشہ آویزاں ہے جسے وہاں سے نکالنا ناممکن ہے کیونکہ وہ ہال ہر وقت آباد رہتا ہے۔ وہاں بھی موجودہ اور متروک راستوں کے نقشے مقفل رہتے ہیں۔ اوور!"

"ایسی سنگین مشکلات بتا رہے ہو تو اگلے دو تین دن میں تم کیا جھک مارلوگے؟ اوور!"

"میں نے کوئی دعویٰ نہیں کیا' صرف امید ظاہر کی ہے۔ اب ہم نے ان دفاتر میں وقت برباد کرنے کے بجائے کراچی کے راستے آپریٹ کرنے والی ائرلائنز پر محنت کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ انہیں ان کے متعلقہ نقشے دیے جاتے ہیں۔ اس طرح کام ضرور بڑھ جائے گا مگر کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔ اوور!"

"تمہیں یہ ترکیب پہلے کیوں یاد نہیں آئی' اوور!" بلیک ہاک بد دماغی کے مظاہرے پر تلا ہوا تھا۔

"اگر اب بھی یاد نہ آئی ہوتی تو میں کیا کرسکتا تھا؟ اوور!" مسکین لہجے میں خالص امریکن قسم کا منہ توڑ جواب دیا گیا۔ بلیک ہاک سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں بن پڑا اور چند ثانیوں تک لائن پر سکوت چھایا رہا۔

"متروک راستوں کے نقشوں کا کیا بنے گا؟ اوور!" بلیک ہاک راہِ راست پر آچکا تھا۔

"ائرلائنز سے وہ بھی مل سکتے ہیں۔ کام بڑھ جانے کی وجہ سے ذرا اخراجات بڑھیں گے۔ اوور!"

"اخراجات کی پروا مت کرو۔ آپریشن کے نائین کی ڈیڈ لائن آچکی ہے اور ہم ابھی تک نقشوں کے لئے ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔ آرک والوں سے بھی کہا گیا ہے مگر یہ کام ہمارا ہے۔ ہم ہی کو کرنا چاہیے۔ اور کوئی بات؟ اوور۔"

"تو سرا!" گرے ہاک نے کہا۔ "اس وقت وائٹ ہاک بھی میرے ساتھ موجود ہے۔ اوور!"

"اوور اینڈ آل!" بلیک ہاک نے وائٹ ہاک سے بات کیے بغیر گفتگو ختم کردی۔

لمحے بھر بعد ہی اریٹس پھر بیدار ہوگیا۔ اس بار گیری ہارٹ' بلیک ہاک سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اس ساخت کے اریٹس اگروہ سب ہی استعمال کررہے تھے تو چیف اور گیری کو آپریشن کے نائین کے بارے میں بالکل بے خبر نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ لوگ ایک دوسرے کی باتیں سنتے رہتے تھے۔ اس لیے گیری اور چیف کو بہت کچھ معلوم ہونا چاہیے تھا۔ اس آپریشن کی جزئیات اور باریکیوں کے بارے میں ان کی لاعلمی بہرحال قابلِ فہم ہوتی۔

بلیک ہاک نے فوراً ہی گیری ہارٹ کی کال کا جواب دیا اور گیری نے چیف کی واپسی کی خوش خبری سنانے کے بعد میری قید سے اس کے مفروضہ فرار کی ایک جاندار کہانی چھیڑ دی۔

گیری ہارٹ نے اپنی پوری کتھا پہلے ہی سانس میں مکمل کرکے لائن بلیک ہاک کو منتقل کی تو وہ درشت آواز میں بولا۔

"یہ اچھا ہوا کہ چیف کو وہاں سے بچ نکلنے کا موقع مل گیا۔ اب ڈینی اپنا سر پیٹتا رہ جائے گا۔ چیف معذور ہونے کے بعد یہاں اپنی افادیت کھو بیٹھا ہے۔ اسے جلد از جلد وطن واپس بھیج دو تاکہ اس کے زخموں کی بہتر دیکھ بھال ہوسکے۔ اس کی کٹی ہوئی پنڈلی دفن نہ کرائی ہو تو وہ بھی اس کے ساتھ کردینا' ہوسکتا ہے کہ جدید ترین سرجری کا کوئی کمال اس کی پنڈلی دوبارہ جوڑ سکے۔ وہ تمہارا ہی نہیں' سب کا اچھا ساتھی ہے۔ اوور!"

"اس کی پنڈلی برف خانے میں محفوظ ہے۔ وہ منجمد حالت میں ہی امریکا جائے گی۔ اریٹس کی واپسی پر میری طرف سے چیف کا شکریہ ادا کردینا۔ اوور اینڈ آل۔"

"اس نے تمہارے سارے منصوبے پر پانی پھیر دیا" ویرا ایک گہرا سانس لے کے بولی۔

"ہاں' گیری ہارٹ میری توقع سے زیادہ چالاک ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ چیف کی رہائی کی کہانی سنائے گا اور چیف اپنے بڑوں کا اعتبار کھو بیٹھے گا۔ گیری ہارٹ نے اس کے فرار کی کہانی گھڑ کر اسے بہت سے شکوک و شبہات سے بچالیا ہے لیکن وہ ایک جگہ پھنس جائے گا۔ بلیک ہاک کو خیال نہیں آیا لیکن چیف اس عمارت کا پتا ضرور جاننا چاہے گا جہاں سے چیف نے راہِ فرار اختیار کی ہے....."

"بالکل!" سلطان شاہ میری بات کاٹ کر بولا "چیف کے نقطۂ نظر سے وہ عمارت تمہاری کمین گاہ ہونی چاہیے۔"

"یہ جیف کا امتحان ہوگا ورنہ چیف بھی جانتا ہے کہ جیف کے فرار سے واقف ہونے کے بعد میں نے وہ ٹھکانا چھوڑ دیا ہوگا۔ بہر حال یہ خوشی کی بات ہے کہ ان لوگوں نے ایریئس استعمال کرنا شروع کردیا ہے" میں نے کہا۔

"لیکن اب تک کی گفتگو میں نقشوں کی تکرار کے سوا اور کوئی بات سامنے نہیں آئی" ویرا بولی۔

"تم اہم ترین بات کو نظر انداز کر رہی ہو۔ شاید تم نے غور نہیں کیا کہ آپریشن کے نائین کے حوالے سے کراچی کے ائر ٹریفک کنٹرولر کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فی الحال کوئٹہ وغیرہ میں کسی کارروائی کا خطرہ نہیں ہے۔ یہ لوگ کراچی میں کوئی بڑی واردات کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"پھر تو کسی طیارے کا اغوا بھی ہو سکتا ہے" سلطان شاہ بولا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ طیارے کے اغوا کے لیے فضائی راستوں کے نقشے درکار نہیں ہوتے" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا۔ "یہ قیاس آرائیاں قبل از وقت ہیں۔ دیکھنا ہوگا کہ اوّل خان ہمیں کیا خبر دیتا ہے۔"

میں نے جواب دے کر سلطان شاہ کو تو خاموش کردیا لیکن اس کی کہی ہوئی بات پر کافی دیر تک سوچتا رہا لیکن کسی جہاز کے اغوا کی بات مجھے ہضم نہیں ہو سکی۔

دھیمے دھیمے کافی وقت گزر چکا تھا۔ غزالہ نے دوپہر کے کھانے کا بندوبست کیا اور ہم میز پر جا بیٹھے۔ ابھی ہم نے کھانا شروع بھی نہیں کیا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے غیر ارادی طور پر جگہ چھوڑنی چاہی لیکن ویرا نے مجھے اوّل خان کی ہدایت یاد دلا کر وہیں بیٹھے رہنے پر مجبور کردیا۔

میں بس لمحہ بھر کے لیے ہی وہاں رک سکا۔ ویرا نے جونہی اوّل خان کا نام لیا، میں نے لپک کر دوسرے انسٹرومنٹ کا ریسیور اٹھالیا۔

"خوش قسمتی سے کے نائین کا سراغ مل گیا ہے لیکن وہ بالکل بے سروپا ہے" اوّل خان سپاٹ آواز میں کہہ رہا تھا "پھر بھی میں نے ضروری سمجھا کہ تمہیں آگاہ کردوں۔ تم لوگ میری جوابی کال کا انتظار کر رہے ہوگے۔"

میری اور ویرا کی نظریں چار ہوئیں۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اس سراغ کے بارے میں دریافت کرنے کی ہدایت کی۔ بعض اوقات بے سروپا باتیں بھی کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔

"چلو قصہ ہی ختم ہوگیا" ویرا نے اپنے انداز میں بات آگے بڑھائی "ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے یہ نام اپنی مرضی سے رکھ لیا ہو۔ اس کا کوئی سر پیر نہ ہو۔ ویسے تم نے کیا معلوم کیا ہے؟"

"آج سے تقریباً چالیس سال پہلے امریکنوں کے تعاون سے کراچی کا ایک ترقیاتی ماسٹر پلان تیار کیا گیا تھا۔ اس میں بہت سے مقامات کو مخصوص نام دیے گئے تھے۔ ان ہی میں سے ایک علاقہ کے نائین تھا۔"

میں نے ویرا کو پھر اشارہ کیا لیکن وہ میری بات نہیں سمجھ سکی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار ابھر آئے۔

"یہ کے نائین شہر کا کون سا علاقہ تھا؟" قدرے تردد کے بعد وہ میرا مفہوم سمجھ ہی گئی۔

"یہ شہر کا ایک ساحلی علاقہ تھا جسے ترقی دے کر ایک مثالی تفریح گاہ میں تبدیل کیا جانا تھا۔"

"یہ کس طرف واقع تھا؟ میرا مطلب ہے کہ کلفٹن اور کیماڑی کے درمیان تھا یا اس سے بھی آگے تھا؟"

"میں نے اتنا غور نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ سینڈز پٹ کا علاقہ تھا۔ میں نے میونسپل ریفرنس لائبریری میں اپنے ایک دوست سے یہ معلومات حاصل کی ہیں۔ وہاں اس ماسٹر پلان کی پوری جلد موجود ہے۔ مالی دشواریوں کی وجہ سے اس منصوبے پر عمل نہیں ہو سکا تھا اور اسے سرد خانے کی نذر کردیا گیا تھا۔"

اس کی زبان سے سینڈز پٹ کا ذکر سنتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور میں بے تابی سے ویرا کو اشارے کرنے لگا۔

ویرا کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں ... بے بسی سے میری طرف دیکھتی رہی۔ میرے دل میں چھپی ہوئی بات اس کے ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔ آخر اس نے ماؤتھ پیس میں کہا "اس بارے میں ڈیلی کوئی اہم بات پوچھنی چاہ رہا ہے۔ تم اجازت دو تو میں ریسیور اسے دے دوں۔"

"نہیں ویرا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس سے بات نہیں کروں گا" اوّل خان کا لہجہ سپاٹ ہوگیا "میں اپنے بزرگوں کے سامنے حلف اٹھا چکا ہوں کہ اس سے رابطہ ہوتے ہی انہیں باخبر کروں گا۔ میں نے اس سے بات کی تو مجھے جھوٹ بولنا پڑے گا یا وہ مشکلات میں پڑ جائے گا۔ مجھے دونوں صورتیں نامنظور ہیں۔"

اوّل خان کے نائین کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ میرے لیے وہ معاملہ سنگین رخ اختیار کر چکا تھا۔ میرے دل و دماغ میں ایک طوفان سا برپا تھا۔ میں اضطراری طور پر ماؤتھ پیس میں بول پڑا "مجھے صرف اتنا بتا دو کہ یہ وہی جگہ تو نہیں تھی جہاں آج کل ایٹمی بجلی گھر واقع ہے؟"

میری بات پوری ہوتے ہی اوّل خان نے کچھ کہے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔ میرا سوال سن کر وہ تینوں سناٹے میں آگئے تھے۔

میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر شکست خوردہ انداز میں صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگالیا۔

"سینڈز پٹ کے نام پر تمہارے ذہن میں کینوپ کا نام کیسے آیا؟" ویرا نے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں تو کے نائین کو بالکل ہی بے سروپا کوڈ سمجھ رہا تھا....." سلطان شاہ نے کہا۔

"بات کے نائین سے کینوپ تک کیسے پہنچ گئی؟" غزالہ نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ سلطان شاہ نے اس سے تیسرے انسٹرومنٹ کا ریسیور چھین لیا تھا اس لیے اُسے یہ علم نہیں ہوسکا کہ ویرا اور اول خان کی گفتگو میں میری دخل اندازی کا کیا پس منظر تھا لیکن اس نے میری زبان سے سینڈز پٹ کے علاقے میں واقع پاکستان کے اس واحد ایٹمی بجلی گھر کا ذکر سن لیا تھا جو عام طور پر کینوپ یا کراچی نیوکلیئر پاور پروجیکٹ کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

میں نے ان تینوں کے استفسارات بہت سکون سے سنے اور جب وہ اپنے اپنے سوال داغ کر جواب طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگے تو میں نے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "میں بالکل خالی الذہنی کے عالم میں فون پر ہونے والی باتیں سن رہا تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ راس المیڈا اور اس کے معاونین پاکستان کے لیے بدترین جارحانہ عزائم رکھتے ہیں۔ اول خان نے جوں ہی کراچی کے ساحلی علاقوں کے ترقیاتی سروے کا ذکر چھیڑا' میں نے اپنے طور پر پوری ساحلی پٹی کا جائزہ لے ڈالا اور کیٹی بندر سے گوادر تک ایٹمی بجلی گھر کے سوا کسی اہم تنصیب کے وجود کا سراغ نہیں لگا سکا۔ اول خان بتا چکا ہے کہ چالیس سال پہلے امریکنوں کی سربراہی میں کیے جانے والے کراچی کے ترقیاتی سروے میں سینڈز پٹ کے کسی علاقے کو کے نائین کا نام دے کر مثالی تفریح گاہ اور ساحلی پٹی میں تبدیل کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی.... اول خان کے لیے یہ بات غیر اہم تھی لیکن میرے لیے یہی ایک نکتہ سب سے زیادہ اہم تھا۔ وہ ماسٹر پلان اپنی ساری ترقیاتی تجاویز کے ساتھ غتربود ہوگیا پھر آنے والے سالوں میں کے نائین کے کسی حوالے کے بغیر کم و بیش اسی علاقے میں پاکستان کے پہلے ایٹمی بجلی گھر کی داغ بیل ڈال دی گئی...."

"اوہ خدا!" ویرا میری بات کاٹ کر پُر خیال لہجے میں بڑبڑائی۔ "تمہارے کہنے پر مجھے یاد آرہا ہے کہ ابتدا میں عالمی قوتوں بلکہ امریکا نے اسی ایٹمی بجلی گھر کے بارے میں کافی شور و غوغا بلند کیا تھا کہ وہاں استعمال ہونے والے ایٹمی ایندھن کی سلاخیں چوری چھپے ایٹم بم کی تیاری میں استعمال کی جارہی ہیں۔"

"تمہارا حافظہ قابلِ رشک ہے" میں نے کہا "ایٹمی بجلی گھر کے کمرشل آپریشن کے بعد اس کے ہر فنی شٹ ڈاؤن پر پورے زور شور سے اعتراضات کیے گئے کہ ان بہانوں سے ایٹمی ہتھیاروں کے لیے افزودہ یورینیم حاصل کی جارہی ہے.... ان الزامات میں کوئی صداقت ہو یا نہ ہو لیکن یہ بات یقینی ہے کہ پاکستان کے جوہری پروگرام میں اس اکلوتے بجلی گھر کو مرکزی اہمیت حاصل ہے اور یہ اسی علاقے میں قائم ہے جسے چالیس برس پہلے امریکنوں نے اپنے مجوزہ ماسٹر پلان میں کے نائن کا نام دیا تھا اور اب راس المیڈا کے نائین نامی کسی منصوبے پر ہی کام کررہا ہے۔"

"شاید تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ راس المیڈا کینوپ کے خلاف کسی خطرناک منصوبے پر کام کررہا ہے؟" ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"یہ میری ٹھوس رائے ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا "مجھے افسوس ہے کہ اول خان نے میری بات کا جواب دیے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔ ایک اہم ترین معاملے میں یہ اس کی غیر ذمے داری کا کھلا ثبوت ہے۔ یہ شاید اسی کا یا اُس سے بھی بڑے لوگوں کا فرض ہے لیکن اب یہ بوجھ میرے کندھوں پر آپڑا ہے۔"

"تم نے ایک طرف سے سلسلہ جوڑ لیا لیکن دوسری طرف سے بالکل بے خبری کے بازار میں ہو" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں کہا "کے نائین' سینڈز پٹ اور ایٹمی بجلی گھر کے حوالے سے تمہارے مفروضات قرین قیاس معلوم ہوتے ہیں لیکن اس قصے میں آرک کے جنرل بھٹناگر اور فضائی راستوں کے نقشوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر کے نائین کا تعلق تمہارے ایٹمی بجلی گھر سے ہی ہے تو انہیں فضائی نقشوں کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہر بات اتنی ہی سہل ہو تو پھر معاملات خود بہ خود سلجھتے چلے جاتے ہیں...."

ویرا نے ترشی سے میری بات کاٹ دی اور کہا "ایٹمی بجلی گھر اور فضائی راستوں میں دور دور کا بھی کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ وہاں تو سمندر کی سمت سے بھی کوئی تباہ کن تخریبی کارروائی کی جاسکتی ہے۔ انہیں فضائی راستوں کے نقشوں کی کیا ضرورت پیش آسکتی ہے؟"

"اس وقت میں کسی لمبی بحث میں نہیں الجھنا چاہتا" میں نے نرمی سے کہا "لیکن میرا قیاس کہتا ہے کہ وہاں سمندری یا زمینی راستے سے رسائی اتنی آسان نہیں ہوسکتی۔ اس مقام کا انتخاب کرنے والوں نے اس نکتے پر پوری توجہ دی ہوگی کہ وہاں زمین یا سمندر کی راہ سے کوئی تخریبی کارروائی نہ کی جاسکے۔"

"جس زمانے میں وہ بجلی گھر تعمیر کیا گیا تھا' حالات بہت مختلف تھے" ویرا نے کہا "کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ آنے والے دنوں میں امریکا کے ساتھ اتنی زیادہ مخاصمت ہوجائے گی کہ وہ پاکستان کے ہر اہم قومی منصوبے کا دشمن ہوجائے گا.... میں بارہا پیرا ڈائز پوائنٹ اور اس سے آگے جانے کے لیے وہاں سے گزری ہوں۔ خود تم نے بھی دیکھا ہوگا کہ اس علاقے کی اکلوتی سڑک ایٹمی بجلی گھر کے احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ گزرتی ہے۔ تفریح اور سیاحت کے بہانے راس المیڈا یا اس کے آدمی

کسی بھی وقت وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ وہاں بظاہر ایسا کوئی انتظام نہیں ہے جو مشتبہ افراد کو ان اطراف میں منڈلانے سے روک سکے۔"
سڑک کے بارے میں ویرا کا اعتراض وزنی تھا۔ اس وقت ہم ایک خاص حوالے سے بات کررہے تھے لیکن میں نے خود بھی اس علاقے سے گزرتے ہوئے کئی بار سوچا تھا کہ بجلی گھر کی تعمیر کے بعد اس سڑک کا راستہ تبدیل کیا جانا چاہیے تھا لیکن متعلقہ اداروں نے شاید اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"یہ تمہارا مشاہدہ ہے" میں نے ویرا سے کہا "میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے معاشرے میں بے شمار خرابیاں پیدا ہوجانے کے باوجود ابھی تک قومی سلامتی کے بارے میں سرد مہری کا مجرمانہ رجحان پیدا نہیں ہوا ہے۔ وہاں خفیہ حفاظتی انتظامات کا نظر نہ آنے والا جال بچھا ہوا ہوگا۔ وہاں سے کسی کا بھی معمول کے مطابق گزر جانا واقعی بہت آسان ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہاں منڈلانے والا اس بجلی گھر کے نادیدہ محافظوں کی بے رحمانہ گرفت سے نہیں بچ سکے گا۔ وہ اس بات پر ضرور نگاہ رکھتے ہوں گے کہ کوئی بھی شخص یا گاڑی غیر ضروری طور پر ان اطراف میں موجود نہ رہنے پائے۔ ایک طرف کھلا سمندر اور بقیہ تین اطراف میں دور تک کھلا میدان ہونے کی وجہ سے وہاں کوئی بڑی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ ادھر کا رخ کرنے والے صرف اور صرف اپنی موت کو دعوت دیں گے۔"

ویرا کسی خیال کے تحت بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی "آج ہم اس بجلی گھر کے بارے میں بات کررہے ہیں تو مجھے یاد آرہا ہے کہ وہاں ایک دو فقیر ہر آنے والی گاڑی کے مسافروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے رہتے ہیں۔ مجھے وہ ہمیشہ ہی مخبر محسوس ہوئے ہیں جنہیں شاید آنے جانے والوں پر نگاہ رکھنے کے لیے وہاں بٹھایا گیا ہے۔ ان لوگوں کے واچ ٹاورز اور سرچ لائٹس کا نظام واقعی مرعوب کرنے والا ہے لیکن میں تمہارے اس خیال سے متفق نہیں ہوں کہ وہاں کوئی بڑی کارروائی نہیں کی جاسکتی.... وہاں سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن ایک بات یقینی ہے کہ وہ خودکش مشن ہوگا۔ کوئی تخریب کاری کرکے وہاں سے زندہ لوٹنا مشکل ہوگا۔"

"اور شاید یہی کینوپ کے حفاظتی حصار کا بنیادی محور ہوگا۔" سلطان شاہ بول پڑا۔

"اوہ!" ویرا نے اپنی آنکھیں مٹکا کے اسے گھورا اور استہزائیہ لہجے میں بولی "غنیمت ہے کہ تم سوچ رہے ہو ورنہ میں تو سمجھ رہی تھی کہ تمہاری عقل پر پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ قیاس آرائی کی ہے تو ذرا یہ بھی بتاتے چلو کہ تمہاری اس خوش گمانی کی کیا وجوہ ہیں تاکہ ہماری معلومات میں بھی کچھ اضافہ ہوسکے۔"

"خودکش مشن پر نکلنا آسان نہیں ہوتا" سلطان شاہ اس کے تمسخر کا برا مانے بغیر بولا "جنگِ عظیم میں جاپانی ہوا بازوں کے ہاراکیری مشن کے بعد ہمیں صرف چونڈہ کے محاذ پر ان پاکستانی

جانبازوں کی مثال ملتی ہے جو اپنے جسموں سے بم باندھ کر بھارتی ٹینکوں کی بڑھتی ہوئی دیوار کے سامنے اپنی جانوں پر کھیل گئے تھے۔ وہ جنگی جوش اور ولولے کے زمانے میں وطن پر قربان ہونے کی گنی چنی مثالیں ہیں۔ زمانۂ امن میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں؟ امن کے زمانے میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟" ویرا نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔

"جب تک کوئی کاز یا بڑا مقصد سامنے نہ ہو' ایسی مثالیں جنم نہیں لیتیں۔ جاپانی اور پاکستانی اپنے ملک اور قوم کی بقا کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے اور اسی جذبے سے سرشار ہو کر وہ اپنی جانوں پر کھیل گئے۔ امن یا سرد جنگ کے زمانے میں یہ سب ہونا ناممکنات میں سے ہے۔"

"تمہاری یہ باتیں کسی حد تک قابلِ فہم ضرور ہیں لیکن ان کا کینوپ کے دفاعی حصار سے کیا تعلق ہے؟"

"راس المیڈا ایک متعصب اور نسل پرست یہودی ہے۔ وہ اپنی دانست میں ایک کاز کے لیے کام کر رہا ہے۔ وہ اپنے مشن کی کامیابی کے لیے سب کچھ کر گزرنے کی صلاحیت رکھتا ہے" سلطان شاہ کہنے لگا "لیکن راس المیڈا ہر کام خود نہیں کر سکتا۔ اسے کرائے کے آدمیوں پر انحصار کرنا پڑ رہا ہے۔ کرائے کے پیشہ ور مجرم اور دہشت گرد صرف پیسہ کمانے کے لیے میدان میں اترتے ہیں۔ وہ دلیر' خوں خوار اور مکار ہو سکتے ہیں لیکن ان کے دل اس جذبے سے عاری ہوتے ہیں جس نے جاپانی ہوا بازوں کو اپنے جہازوں سمیت دشمن کے بحری جہازوں پر گرنے پر اکسایا یا پاکستانیوں کو آگ اگلتے ہوئے ہیبت ناک بھارتی ٹینکوں کے سامنے لیٹ جانے پر آمادہ کیا تھا۔ کرائے کا آدمی کسی ملک یا قوم کے لیے نہیں' صرف اپنی ذات کے لیے کام کرتا ہے۔ کوئی پاکستانی اس مذموم کام پر آمادہ نہیں ہوگا۔ راس المیڈا کے آدمی عقل' ہنر اور ہتھیاروں سے مالا مال لیکن جذبے سے عاری ہیں اس لیے وہ دیدہ و دانستہ موت کے منہ میں چھلانگ نہیں لگائیں گے۔ کینوپ کے منصوبہ ساز اور محافظ اس رمز سے واقف ہیں۔ امن کے زمانے میں وہ لوگوں کے لیے غیر ضروری مشکلات پیدا کرنے کے بجائے اپنے مورچوں سے گرد و پیش پر عقابی نظریں رکھتے ہیں۔۔۔ حالات بدل جائیں تو ان کی حکمتِ عملی بھی بدل جائے گی۔ شاید تم نے اکہتر کی جنگ میں کراچی کے ان ساحلی مقامات کا رخ نہیں کیا ورنہ تمہیں معلوم ہوتا کہ ان دنوں وہاں کیسی کڑی چھان بین کے بعد آگے جانے کی اجازت ملتی تھی۔"

ویرا حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس کی وہ تقریر سنتی رہی۔ سلطان شاہ خاموش ہوا تو وہ تعریفی لہجے میں بولی۔ "آج تم پہلی بار اپنی کسی بات کی معقول وضاحت پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہو۔۔۔"

"تم میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ جب بولتی ہو تو کفن پھاڑ کے بولتی ہو۔۔۔ ایسے بولنے سے تو بہتر تھا کہ تم صدمے اور کی حالت میں اپنے کمرے میں بند رہتیں" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کے کہا۔

"اب تم نے پھر لڑنا شروع کر دیا" غزالہ نے سلطان شاہ کہا "تمہیں دھیان رکھنا چاہئے کہ ابھی ویرا پوری طرح صحتیاب نہیں ہوئی ہے۔۔۔"

"بیمار سمجھ کر کسی کو مجھ پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں" و اس کی بات کاٹ کر بول پڑی "میں پوری طرح صحت مند ہوں۔ چ روز میں میرا بگڑا ہوا چہرہ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے اس کی کوئی پر نہیں ہے۔"

"آپ نے ہیروئن کے خلاف جہاد شروع کیا تھا" لمحہ بھر توقف کے بعد غزالہ نے مجھے براہِ راست مخاطب کر کے چونکا "وہاں تک سب ٹھیک تھا لیکن اب معاملات بہت آگے بڑھ گ ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ آپ ہیروئن کے خلاف ا جنگ جیت لینے کے بعد نئی چومکھی جنگ میں الجھ چکے ہیں جس کا کو اختتام نظر نہیں آتا۔"

"یہ سب ہیروئن کی بے حساب آمدنی ہی کے شاخسانے ہیں میرے بولنے سے پہلے ویرا نے جواب دینا شروع کر دیا "ٹی ی ابھی تک صرف ٹی اور مافیا کو زیر کیا ہے۔ وہ بھی صرف پاکستان کی حد تک۔ دنیا کے دوسرے حصوں میں ٹی کے ساتھ مافیا والے بھی دونوں ہاتھوں سے دولت بٹور رہے ہیں۔ وہی پیسہ ڈیوڈ اسٹارز کے کام آ رہا ہے۔ یہ ایک لمبی لڑائی ہے۔ یوں سمجھو کہ کبھی زمین پر لڑائی ہوتی ہے تو کبھی فضا میں معرکے ہونے لگتے ہیں پھر سمندری جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ یہ کوئی نئی لڑائی نہیں ہے' ایک ہی لڑائی کے مختلف روپ ہیں۔ شاید یہ اردو ہی کا محاورہ ہے کہ مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ پاکستان سے باہر بھیجی جانے والی خطیر رقوم کے علاوہ اس وقت بھی پاکستان میں ٹی کے پاس اتنے مالی وسائل موجود ہیں جو تمہارے ملک کے تین سال بجٹ کے مساوی ہوں گے۔ ویمنز کالج کی فٹ پاتھ پر چادر اوڑھ کر ہیروئن کا زہریلا دھواں اپنے پھیپھڑوں میں اتارنے والے میلے کچیلے اور نیم وحشی نظر آنے والے شخص کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ اس نے ہیروئن کی پڑیا خرید کر ہولناک عالمی سازشوں میں سرمایہ کاری کی ہے۔ ہیروئن پینے والوں کو عقل و خرد کا ایک لمحہ میسر آ جائے اور انہیں علم ہو کہ وہ اپنی لت کے ذریعے کن بھیانک سازشوں کا ایندھن بن رہے ہیں تو ذلت آمیز ندامت سے ان کا سارا نشہ ہرن ہو جائے۔ یوں سمجھو کہ ان سازشوں کے ایک سرے پر پانی سے خوف کھانے والا' گندہ اور بے مصرف ہیروئنچی ہوتا ہے اور دوسرے سرے پر جی لائیڈ' جم کلارک' صدرِ امریکا اور راس المیڈا جیسی نام نہاد عظیم المرتبت ہستیاں ہوتی ہیں۔ درمیان میں کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا' وہ تم خود سوچ سکتی ہو۔"

چھا کہ اس کا باپ کون ہے۔ یہ سوال اب اس قدر معیوب بن گیا ہے کہ ہر سرکاری دستاویز اور فارم میں سے ولدیت کا خانہ ہی ختم کر دیا گیا ہے تاکہ کسی کو شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے...... بہن دور نکل گئی۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتی تھی کہ میرا ایک لنگڑا لولا' غیر قانونی سا باپ تھا جس نے بہت مشکل سے مجھے اپنی اولاد تسلیم کیا تھا۔ وہ میری شناخت تھا۔ میں دل ہی دل میں اس پر فخر کیا کرتی تھی مگر امریکا کے صدر نے ...... میں یہی کہتی رہوں گی کہ امریکا کے صدر نے میرے باپ کو اپنے مفادات کے لیے مروا دیا۔ تم خود بتاؤ کہ میں اس کی تذلیل کیوں نہ کروں؟"

"بات ہیروئن کے بارے میں ہو رہی تھی۔ تم نے اسے بہت دور پہنچا دیا۔" غزالہ نے ہنس کے کہا۔

"بات کہیں بھی پہنچی ہو' ذکر ہیروئن ہی کا تھا۔ اس کی مار اتنی دور تک پہنچ رہی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔"

"اگر تم یہ ثابت کرنا چاہ رہی ہو کہ ہم آج بھی موت کے ان ہی سوداگروں کے خلاف صف آرا ہیں جنہوں نے ذیبی کو ابتدا میں غلط راستوں پر ڈالا تھا تو مجھے اس پر اعتراض ہے۔ کردار اس حد تک بدل چکے ہیں کہ ایک مدت سے ہم نے ہیروئن فروشی کا دھندا کرنے والی کسی بڑی مچھلی پر ہاتھ نہیں ڈالا ہے۔"

"صرف اس لیے کہ اب ہم زیادہ اہم معاملات میں الجھ گئے ہیں ورنہ ان سازشوں کی جڑیں پرانی ہی ہیں۔ حبیب جیوانی' بدرو داوا' سردار پائندہ گل اور پہلوان اسی نظام کے کل پرزے ہیں اور وہی ہمارے دشمنوں کو قوت فراہم کر رہے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ البرٹو ویلیسا' جم کلارک' بل جونز اور پال ایتھرٹن جیسے اہم ترین دشمن سامنے آتے ہیں تو ہمیں مقامی منشیات فروشوں کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔" اس وقت ویرا پوری سرگرمی سے بحث کرنے کے موڈ میں تھی۔

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی بالکل درست تھا۔ ثی نے پاکستان میں ہیروئن کے کالے دھندے میں مقامی منڈی سے اربوں روپیہ اور بیرونِ ملک اسمگلنگ سے خطیر زرِ مبادلہ کمایا تھا۔ روپوں کی صورت میں ہونے والی آمدنی مقامی اخراجات اور وسائل کو فروغ دینے میں استعمال ہوتی تھی۔ پاکستان سے ثی کے قدم اکھڑ گئے تھے لیکن اس کے وہ اثاثے شاید یہیں موجود تھے اور باہر سے آنے والے تخریب کاروں کے کام آ رہے تھے۔ آنے والا ہر شخص اخراجات سے بے پروا ہو کر صرف اور صرف اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتا تھا۔ ان کے لیے سرمائے کی فراہمی میں کوئی دقت نہیں تھی۔ وہ جسے چاہتے' منہ مانگے داموں پر خرید لیتے تھے۔ یہ بات بھی اپنی جگہ پر درست تھی کہ اس دوران میں مقامی منڈی میں پیدا ہونے والے خلا کو ان لوگوں نے پورا کیا تھا جو کسی زمانے میں ثی اور مافیا کے لیے کام کرتے رہے تھے۔ عالمی تنظیموں کی پسپائی کے بعد صرف اتنا فرق پڑا تھا کہ منظم کاروبار چھوٹے چھوٹے

موت کے سوداگروں میں بٹ گیا تھا جن کا سدِّباب کرنا آسان نہیں تھا۔ ان میں سے کئی اہم کردار بار بار ہمارے سامنے آتے رہے لیکن ایسے ہر موقع پر ہم ایسے بھیانک مسائل میں الجھے ہوئے ہوتے تھے کہ ان پر توجہ دینے کا وقت ہی نہیں مل پاتا تھا اور ہمارے فارغ ہونے تک ایسے رسوائے زمانہ لوگ دوبارہ زیرِ زمین روپوش ہوچکے ہوتے تھے۔

غزالہ نے اندازہ لگا لیا کہ ویرا کا ذہن صدماتی دھند سے باہر آچکا ہے اور وہ پوری حاضر دماغی کے ساتھ اپنے ہر موقف کا دفاع کرسکتی ہے اس لیے اُس نے بات بڑھانے کے بجائے خاموشی اختیار کرلی۔

"ویسے تمہاری تشویش بجا ہے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ویرا نے خود ہی غزالہ سے مخاطب ہو کر کہنا شروع کردیا۔ "میرا اندازہ ہے کہ ڈیٹی نے شی کی گن بوٹ بیچ کر ایک ہی سودے میں اتنی رقم ہتھیالی تھی کہ تم لوگ غمِ روزگار میں پڑے بغیر اپنی پوری زندگی عیش و آرام سے گزار سکتے ہو مگر بیگار کے کاموں نے تمہارا گھر دیکھا ہوا ہے' دشمن مسلسل ڈیٹی کا پیچھا کررہے ہیں اور شاید ڈیٹی کو بھی اپنے دشمنوں کو چرکے لگانے میں لطف آنے لگا ہے کہ کھیل روز بہ روز طوالت اختیار کرتا جارہا ہے۔ یہ سلسلہ کہاں ختم ہوگا' اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔"

"ہم باتیں شروع کرتے ہیں تو پھر بہت تیزی سے بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر بےزاری سے کہا۔

"تم خود بھی گفتگو میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہو۔" ویرا کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرا تبصرہ اسے شاق گزرا ہے۔ وہ قدرے غصے سے بولی۔ "ہم بھٹک جاتے ہیں تو تم ہمیں راہِ راست پر لاسکتے ہو۔"

"میں تمہیں یا کسی کو الزام نہیں دے رہا۔" میں نے مفاہمانہ لہجے میں کہا۔ "وقت کے اس ضیاع کی ذمے داری ہم سب پر ہے۔ میں اس کوتاہی سے بری الذمہ نہیں ہوں۔"

"تمہاری دانست میں اس وقت ہمیں کس معاملے پر دماغ سوزی کرنی چاہیے تھی؟" ویرا نے برافروختہ لہجے میں پوچھا۔

"اول خان!" میں نے ہمدردانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے مجھ سے بات کرنے یا یہاں آنے پر آمادہ نہیں ہے........ بقیہ تینوں افراد میں صرف تم ہی اول خان سے ڈھنگ سے بات کرسکتی ہو لیکن بعض مراحل پر تم میرا ذہن نہیں پڑھ سکتیں۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ کے نائین کے حوالے سے کینوپ کا نام تمہارے ذہن میں نہیں آسکا تھا۔ ہمیں سوچنا پڑے گا کہ ان حالات میں کام آگے کیسے بڑھ سکے گا۔"

"چند روز ٹھہرو۔" ویرا پورے اعتماد سے بولی۔ "میرا بگڑا ہوا چھو درست ہوجائے تو میں خود ہی اس کے گھر پر ڈیرا ڈال دوں گی اور اس کی فرض شناسی میں خلل ڈالے بغیر یہاں لے آؤں گی۔"

"تم نے جس طرح اچانک ایٹمی بجلی گھر کا ذکر چھیڑا تھا اس ہم سب بھی ششدر رہ گئے تھے۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "تمہار وہ الفاظ اول خان کے ذہن پر بم کی طرح گرے ہوں گے۔ اس اپنا فرض نبھانے کے لیے تم سے بات کیے بغیر فون تو بند کردیا مجھے یقین ہے کہ تمہارے اشارے نے اسے مضطرب کردیا ہوگا

"ایسا اضطراب کس کام کا؟" میں نے مایوسی سے کہا۔ اپنی جگہ پریشان ہے۔ ہم سب یہاں سر جوڑے بیٹھے ہوئے ہ ایسے کام مل جل کر کیے جاتے ہیں۔ ویسے بھی وہ بیماری کی وجہ اپنے گھر پر آرام کررہا ہے۔ ہم اس سے بہت زیادہ توقعات باندھ سکتے۔ اس وقت وہ میری بات کی تائید یا تردید کردیتا تو بہت الجھنیں دور ہوجاتیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" ویرا تفکر آمیز لہجے میں بولی صاحبِ فراش ہو کر گھر پر پڑا ہوا ہے تو کچھ بھی نہیں کرسکے گا۔ ا میں ذرا سی بھی ہمت ہوتی تو وہ اپنے دفتر سے غیر حاضر نہ ہوتا۔ م نے اس جیسے فرض شناس اور ذمے دار سرکاری ملازم کم ہی دیک ہیں۔"

"یہاں تم غلطی کررہی ہو" میں نے اس کی قطع کلامی کر ہوئے کہا۔ "اول خان سرکاری ملازم نہیں ہے۔ تمہیں معلوم کہ اسپیشل ٹاسک فورس پاکستان کی کوئی سرکاری تنظیم نہی ہے۔"

"اب تم مجھے یہ پٹی نہیں پڑھا سکتے" وہ یوں ہنس پڑی جیسے م نے کوئی احمقانہ بات کہہ ڈالی ہو۔ "میں ایس ٹی ایف کے طریقۂ اور اثر و رسوخ کی عینی شاہد ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مجھے گف میں احتیاط کرنی چاہیے کیوں کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہی مجھے یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ اب تم اول خان کو فون کرو اور اس میرے سوال کا جواب حاصل کرو۔" میں نے اس کی گہری آنکھو میں جھانکتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "میں راس الیڈا تک رسائی کی کوئی راہ نکالتا ہوں۔"

"اس بارے میں گیری ہارٹ بھی کام آسکتا ہے۔" غزالہ چونک کر کہا۔

ویرا فون پر اول خان کے گھر کا نمبر ملانے کی کوشش کرنے لگ اور میں گیری ہاٹ کو اپنے نئے جال میں پھانسنے کی منصوبہ بند کرنے لگا۔ ان لوگوں سے محاذ آرائی میں وہ پہلا موقع تھا کہ میں ا میں سے کسی کے دل میں اپنے لیے نرم گوشہ پیدا کرنے م کامیاب ہوا تھا اور اس کا واحد سبب یہ تھا کہ راس الیڈا چیف کے پُراسرار روپ میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ بد دماغی اور تند خو کا مظاہرہ کررہا تھا۔

میں نے جیف ملر کو بدترین تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ ا سوواٹ کی طاقت کے برقی جھٹکے دیے تھے مگر پھر گیری ہارٹ

بلیک ہاک کا فون نمبر حاصل کرنے کے بدلے اسے رہا کر دیا تھا۔ گیری ہارٹ نے بلیک ہاک کا فون نمبر افشا کر کے ایک سنگین غلطی کی تھی اور میں اس غلطی سے فائدہ اٹھا کر اسے آسانی سے بلیک میل کر سکتا تھا۔

"اول خان کے گھر کا فون مسلسل مصروف ہے۔" ویرا نے ریسیور پرُ شور آواز میں کریڈل پر پٹختے ہوئے جھلا کر کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اول خان نے ریسیور صحیح طریقے سے واپس نہ رکھا ہو۔"

میں نے اسے کوئی جواب دیے بغیر اپنے قریب رکھے ہوئے انسٹرومنٹ کا ریسیور اٹھا لیا۔

"کیا تم اُسی کا نمبر ملا رہے ہو؟" ویرا متجسس لہجے میں مجھ سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"گیری ہارٹ سے جیف مُر کی وصولیابی کی رسید لینے کا ارادہ ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"میں تم دونوں کی باتیں سنوں گی" ویرا نے میرے ارادے سے واقف ہوتے ہی اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

اسے روکنا یا سمجھانا بے سود تھا۔ ایسے چھوٹے موٹے معاملات میں وہ اپنی من مانی کرتی رہتی تھی۔ میں نے چوتھے ہندسے پر ہی کریڈل دبا کر کہا۔ "بات سننی ہے تو اپنے ریسیور میں سے ماؤتھ پیس کا اندرونی آلہ نکال دو۔ وہ بہت گھاگ آدمی ہے تمہارے سانسوں کی آواز بھی اس کے کانوں تک پہنچ گئی تو وہ میری طرف سے بدظن ہو جائے گا۔"

"ویسے وہ کون سا تمہارا خیر خواہ ہے جو اب بدظن ہو جائے گا؟" اس نے ماؤتھ پیس والا حصہ کھولتے ہوئے طنز سے کہا۔ "پتا نہیں تمہیں اپنے دشمنوں سے اچھی توقعات وابستہ کرنے کا مرض کب سے لاحق ہو گیا ہے؟"

میں جواب میں کچھ کہے بغیر ویرا کے فارغ ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ اس نے ماؤتھ پیس کا آلہ نکال دینے کے بعد کریڈل دبایا تو میں نے دوبارہ گیری ہارٹ کا فون نمبر ملانا شروع کر دیا۔

دوسری طرف گھنٹی بجتے ہی میں نے سرہلا کر ویرا کو اشارہ کیا اور اس نے کریڈل چھوڑ کر ریسیور اپنے کان سے لگا لیا۔ گھنٹی ختم ہونے سے پہلے ہی دوسری طرف سے گیری ہارٹ کی مختصری ہیلو سنائی دی۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا آدمی اب تک واپس پہنچ چکا ہو گا۔" میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

"اوہ! یہ تم ہو؟" ایک گہرے سانس کے ساتھ گیری ہارٹ کی آواز ابھری "جیف واپس آچکا ہے۔ تم نے اس کا بہت برا حشر کیا ہے لیکن پھر بھی میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے اسے زندہ چھوڑ دیا۔ میں اپنے باوقار دشمنوں کی بھی بہت عزت کرتا ہوں۔ جیف نے بتایا ہے کہ مجھ سے معاملات طے کر لینے کے بعد تم نے اسے بے ہوش کرنے کے سوا کوئی اور اذیت نہیں پہنچائی۔ میں تمہاری شرافت کا قائل ہو گیا ہوں اور اپنے اس وعدے پر قائم ہوں کہ تمہیں زیر کرنے کے بعد کم از کم ایک بار زندہ نکل جانے کا موقع ضرور دوں گا تاکہ تمہارا احسان اتار سکوں۔"

"اسی آرزو میں تمہارا آخری وقت آجائے گا مگر یہ آرزو پوری نہیں ہو سکے گی۔" میں نے خوشگوار لہجے میں کہا "مجھے زیر کرنے کی حسرت دلوں میں لیے 'کئی نام ور دشمن منوں مٹی کے نیچے جا سوئے ہیں۔ میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ میں اپنے ایک بدترین دشمن کا دل جیت لینے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔"

"مگر تم نے ایک سنگین وعدہ خلافی کر کے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔"

"یہ تمہارا وہم ہے۔ میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا اسے حرف بہ حرف پورا کیا ہے۔"

"یہی تو خرابی ہے کہ تم نے سمجھوتے پر حرف بہ حرف عمل نہیں کیا۔ تم نے کہا تھا کہ تم جیف کو اس کے قید خانے میں چھوڑ کر نکل جاؤ گے۔ وہ بعد میں باہر آجائے گا لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔ مجھے بعد میں پتا چلا کہ وہ تمہاری کمین گاہ کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ وہ ریلوے لائن کے قریب واقع ہے۔"

"تو کیا تم وہاں دھاوا بولنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"جیف آیا تو اس پر نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔ میں نے اس سے واقعات کریدنے کے بجائے اسے آرام سے بستر پر لٹا دیا اور ڈاکٹر کو فون کرنے کے بعد اپنے بڑے کو اس کی واپسی کی خبر دے ڈالی۔ اسے شبہات سے بچائے رکھنے کے لیے میں نے بلیک ہاک کو تمہاری قید سے جیف مُر کے دلیرانہ فرار کی فرضی کہانی سنائی تھی جو چیف تک پہنچا دی گئی۔ تھوڑی دیر پہلے چیف نے مجھے فون کر کے اس عمارت کے بارے میں جاننے کی خواہش ظاہر کی ہے جہاں سے جیف مُر فرار ہوا ہے۔ جیف مُر نے بلیک ہاک سے میری بات ہونے کے بعد مگر چیف کا فون آنے سے پہلے مجھے اپنی واپسی کی اصل روداد سنادی تھی اور مجھے اپنی سنگین غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ میں نے چیف کو یہ کہہ کر عارضی طور پر ٹال دیا ہے کہ ابھی جیف مسکن دواؤں کے زیر اثر گہری نیند سویا ہوا ہے' وہ بیدار ہو گا تو میں اس سے بات کر کے بلیک ہاک کو رپورٹ دے دوں گا مگر میں پریشان ہوں۔ میرا خیال ہے کہ چیف تمہارے ٹھکانے پر خود کوئی کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں نے غلط پتا بتایا تو بہت سے بے گناہ مارے جائیں گے۔ چیف کو شبہ ہو گیا تو ہم دونوں بے موت مارے جائیں گے۔ ہم اس شہر میں اجنبی ہیں۔ تم کو ہماری مدد کرنی چاہیے۔"

میری توقع کے عین مطابق وہ اپنی مفروضہ کہانی کے جال میں پھنس گیا تھا۔ میں نے خوش دلی سے کہا "مجھے جزئیات میں تبدیلی کا

پورا حق حاصل تھا۔ میں اپنے ایک اہم ٹھکانے سے اتنی آسانی سے دست بردار نہیں ہو سکتا تھا اسی لیے میں نے جیف کو بے ہوش کر کے رہا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب تم بلیک ہاک کو ڈیفنس کے ایک نیم آباد علاقے کے کسی زیر تعمیر مکان کا حوالہ دے سکتے ہو۔ جیف کی حالت ابتر تھی اس لیے وہ مکان کا پتا اور محل وقوع ذہن نشین کرنے کے بجائے وہاں سے نکل بھاگنے کے چکر میں تھا۔ تمہارا چیف ڈیفنس کے وسیع و عریض رہائشی علاقے میں جھک مارتا رہ جائے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ کہانی ہماری جان بچا سکتی ہے۔" اس کی مسرت آمیز آواز سنائی دی۔

"مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم میرے حریف کے بجائے حلیف بن چکے ہو۔"

"محدود مفہوم میں تمہارا یہ قیاس کچھ ایسا غلط بھی نہیں ہے۔" گیری ہارٹ نے جواب دیا۔

"راس المیڈا نے تمہارے ساتھ بہت درشت اور سفاکانہ رویہ اختیار کیا تھا۔ تم یقیناً اس سے اپنا بدلہ لینے کے بارے میں سوچ رہے ہو گے؟" میں نے محتاط لب و لہجے میں اسے اکسانا چاہا۔

"یہ میرے اور چیف کے باہمی معاملات ہیں۔ تمہیں ان پر رائے زنی کا کوئی حق نہیں ہے۔" یک بہ یک گیری ہارٹ کا لہجہ درشت اور توہین آمیز ہو گیا "اپنی گفتگو کو حد سے آگے مت بڑھاؤ۔"

"یہ کام تو تم خود ہی کر چکے ہو۔" میں نے اسے یاد دلایا "تم نے میرے ساتھ مل کر اپنے چیف کے خلاف دو سازشیں کی ہیں پہلے بلیک ہاک کا فون نمبر دے کر جیف طر کی رہائی کا سمجھوتا کیا اور اب میرے ٹھکانے کے بارے میں ایک مفروضہ کہانی پر مجھ سے مشورہ لیا ہے۔ میری پُر خلوص مدد کے جواب میں تمہیں بھی خیر سگالی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ میں جانتا ہوں کہ اپنے چیف کی اصلیت سے باخبر ہونے کے بعد تم آسانی سے اس کا سراغ لگا سکتے ہو۔"

"یہ ناممکن ہے۔" گیری ہارٹ کا لہجہ دو ٹوک تھا "تم مجھے اپنے اشاروں پر نہیں نچا سکتے۔"

"اگر بلیک ہاک کو فون کر کے یہ بتایا جائے کہ تم اس کا فون نمبر اس کے دشمنوں میں بانٹتے پھر رہے ہو تو کیسی رہے گی؟" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کاٹ دار لہجے میں کہا۔

"اوہ!" ریسیور پر گیری ہارٹ کی غراہٹ سنائی دی "اب تم مجھے بلیک میل کرو گے؟"

"ایسے گندے الفاظ زبان پر مت لاؤ۔" میں نے اس کو چڑانے والے انداز میں کہا "شائستہ زبان میں اسے بقائے باہمی کہتے ہیں۔ میں نے تمہارے مفادات پورے کیے' تم میری ضروریات پوری کرو۔ اس طریقے پر عمل کر کے ہم دونوں ہی عافیت میں رہیں گے۔ راس المیڈا میرا محبوب ہے نہ تم کو اس سے محبت ہے۔"

"یہ تمہارا چھوڑا ہوا شوشہ ہے کہ ہمارے چیف کے روپ میں راس المیڈا ہے۔ شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ یہ حقیقت تمہارے لیے کتنی بھیانک ثابت ہو سکتی ہے۔ بے شمار عرب اور فلسطینی اس کے خون کے پیاسے ہیں لیکن انہیں آج تک اس کی شکل و صورت کا علم نہیں ہو سکا۔ وہ ٹھوس عملی دنیا کا آدمی ہوتے ہوئے بھی کسی افسانوی کردار کی طرح ہزار پردوں میں رہتا ہے۔ وہ امریکا میں ہو یا پاکستان میں' اس تک پہنچنا ناممکنات میں سے ہے۔"

"یہ تمہارا خام خیالی ہے۔" میں نے اس کی باتوں کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا "چند روز پہلے تک وہ ایلن کے ساتھ اسی کے گھر میں رہ رہا تھا اور ایلن اس کی اصلیت سے واقف تھا۔ میرا اس سے ٹکراؤ ہو چکا ہے۔ اس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ زخمی ہونے کے باوجود بچ نکلا ورنہ تم لوگوں کے پائپ بم کے دھماکے میں اس کے بدن کے چیتھڑے بھی اڑ سکتے تھے۔ چاہو تو تم اپنے چیف سے میری ان باتوں کی تصدیق کر سکتے ہو۔"

"تم ایسے کارنامے سرانجام دے سکتے ہو مگر میں ایسی کوئی کوشش بھی نہیں کر سکتا۔" گیری ہارٹ کی آواز واضح طور پر نرم اور دھیمی ہو گئی۔ شاید اسے اپنی کمزوریوں اور نازک پوزیشن کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ہم لوگوں کے لیے وہ شجر ممنوعہ ہے۔ میں جو کچھ جانتا تھا' وہ تم کو بتا چکا ہوں۔ جو کام میرے بس سے باہر ہے' وہ میں کسی بھی صورت میں نہیں کر سکتا۔ تمہاری دھمکیاں بھی مجھے مجبور نہیں کر سکیں گی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میرے لیے راس المیڈا سے نہیں ٹکرا سکتے لیکن دوسرے کام کر سکتے ہو؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت گیری ہارٹ سے سوال کیا۔

"سچ پوچھو تو میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کرنا چاہتا۔ تم نے جیف طر کے سلسلے میں مجھے بہت چالاکی کے ساتھ جذباتی شکنجے میں جکڑا ہے۔ پہلے اس کی نیم سوختہ پنڈلی مجھ تک پہنچائی پھر تشدد کر کے اس کا حشر خراب کیا اور آخر میں اس سے میری بات کرا دی۔ اس کی آواز سنتے ہی میری عقل پر پردہ پڑ گیا اور میں تمہارے جال میں پھنس گیا۔" اس مرتبہ پھر اس کی آواز تلخ ہوتی جا رہی تھی "ان جذباتی لمحات میں میں یہ بھول بیٹھا تھا کہ تم پکے قاتل اور بلیک میلر ہو۔"

"میرے لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم میرے بارے میں کیا سوچتے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر سختی سے کہا "تم دونوں میری نظروں میں ہو۔ میں جب چاہوں' تمہیں پکڑ سکتا ہوں۔ تمہیں چارا بنا کر کھلے میدان میں ڈالا گیا ہے تاکہ میں تمہارے پیچھے لگا رہوں اور راس المیڈا کو آزادی سے اپنا کام کرنے کا موقع مل جائے۔ شاید تمہیں معلوم ہو گا کہ وہ بذاتِ خود

کے نائین نامی کسی منصوبے میں دلچسپی لے رہا ہے۔"
دوسری طرف لمحہ بھر کے لیے خاموشی چھاگئی۔ میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر گیری ہارٹ سے وہ نازک سوال کیا تھا اور میرے اگلے قدم کا انحصار گیری ہارٹ کے جواب پر تھا۔
"میرے لیے یہ نام اجنبی ہے۔" آخر کار سپاٹ لہجے میں اس کا حوصلہ شکن جواب سنائی دیا۔
اس کے انکار پر میں اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اس بارے میں سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ اس کالاسکی اپرٹیس واپس مل جانے کے بعد راس المیڈا نے بلیک ہاک سے کے نائین کے بارے میں کھل کر بات کی تھی جو میں نے اپنے کانوں سے سنی تھی۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ گیری ہارٹ نے وہ گفتگو نہ سنی ہو مگر میری مجبوری یہ تھی کہ میں اپرٹیس پر سنی ہوئی کسی بات کا حوالہ نہیں دے سکتا تھا۔
"گیری! تم مجھے فریب نہیں دے سکتے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کن باتوں سے باخبر ہو اور کون سی باتیں تمہارے علم میں نہیں ہیں۔ تم مجھے بلیک میلر اور قاتل قرار دے چکے ہو مگر میں تم سے مصالحانہ انداز میں بات کررہا ہوں۔ تم مجبور کروگے تو پھر مجھے بلیک میلر ہی بننا پڑے گا۔"
"یہ الفاظ کا ہیر پھیر ہے۔ تمہاری مصالحت میری سمجھ سے باہر ہے۔ تم میری مرضی کے خلاف، مجھ پر دباؤ ڈال کر جو کچھ اگلوانا چاہ رہے ہو، وہ تمہارے مفاد میں تو ہوسکتا ہے، میرے مفاد میں ہرگز نہیں ہوگا اور یہی بلیک میلنگ ہوتی ہے۔ ابھی میں نے تم کو صرف بلیک ہاک کا فون نمبر دیا تھا اور تم مجھے اسی کی مخبری کی دھمکی دے رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ میں تم سے جتنا کھلوں گا، اسی قدر پھنستا چلا جاؤں گا۔"
"بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست یا رشتے دار نہیں ہیں۔ ہمارے صرف مفادات مشترک ہیں۔" اس کے مدلل انداز ہوتے ہی میں نے تیزی سے اس کی بات کاٹ کر اپنی تصحیح کرتے ہوئے کہا "یا یوں سمجھ لو کہ ہمارے مفادات ایک دوسرے سے متصادم ہیں اس لیے ہماری ساری باتیں مفادات کے گرد گھومتی رہیں گی۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ اس معاملے میں مجھے تمہارے اوپر بالادستی حاصل ہے۔ تم تعاون نہیں کروگے تو راس المیڈا کو نقصان پہنچانے کے لیے مجھے تمہارے لیے بھی مشکلات پیدا کرنی پڑیں گی۔ تھوڑی دیر پہلے تم مجھے اپنا شریف دشمن قرار دے کر میرے رویے کی تعریف کرچکے ہو۔ یوں سمجھو کہ حیف طرکی جان بخشی کا حساب بے باق ہوجائے گا۔ اس کے بعد تمہیں اختیار ہوگا کہ تم مجھے دیکھتے ہی کوئی رعایت دیے بغیر ہلاک کردو۔ میں تم سے کوئی شکوہ نہیں کروں گا۔"
"تم راس المیڈا کو بھول کر اچانک کے نائین کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟" گیری ہارٹ کی آواز شکست خوردہ سی ہوگئی "میں نے ان کاغذات کے بارے میں سنا ہے لیکن وہ میری دسترس سے باہر ہیں۔"
کاغذات کے لفظ پر میں بری طرح چونک پڑا۔ گیری ہارٹ کے اس اشارے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ راس المیڈا کی کوئی زبانی کلامی سازش نہیں تھی بلکہ وہ کوئی تحریری منصوبہ تھا۔
"مجھے ان کاغذات کی ایک نقل درکار ہے۔" میں نے اپنے لہجے سے کسی قسم کی حیرت کا اظہار کیے بغیر پورے سکون سے مطالبہ کیا۔ "اس کام کے بعد میں تم پر کسی اور کام کے لیے دباؤ نہیں ڈالوں گا۔"
"مجھے بہلانے کی کوشش مت کرو۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارا اگلا مطالبہ زیادہ سخت ہوگا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں نے کے نائین کا ذکر سنا ہے لیکن مجھے نہیں معلوم کہ وہ کاغذات کہاں ہیں۔ میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کرسکتا۔"
"میں تم سے کوئی وعدہ نہیں، صرف تعاون کی یقین دہانی چاہتا ہوں۔ کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم نے کے نائن کا ذکر کہاں اور کس کی

زبان سے سنا تھا؟ ہو سکتا ہے کہ میں اپنے ذرائع سے اس بارے میں کامیابی حاصل کرلوں۔۔۔ ایسی صورت میں تمہاری خود بہ خود گلو خلاصی ہو جائے گی۔"

"یہ مجھے یاد نہیں" اس نے ایک مرتبہ پھر سفید جھوٹ بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میں نے واشنگٹن میں کے ٹائن کے بارے میں کچھ اُڑتی اُڑتی باتیں سنی تھیں۔ اب میں اپنے ذہن پر زور دینے کے ساتھ جیف ملر سے بھی تبادلۂ خیال کروں گا۔ مجھے کوئی بات یاد آگئی یا کوئی سراغ مل گیا تو میں فوراً تمہیں مطلع کروں گا۔ تم مجھے اپنا فون نمبر دے دو۔"

اس کی مکاری پر میرا خون کھول اٹھا۔ وہ کے ٹائن کے بارے میں انجان بننے کے ساتھ ساتھ نہایت معصومیت سے میرا سراغ حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔ شاید وہ اس وقت بھول رہا تھا کہ اس کا مدِمقابل اتنا احمق نہیں ہے۔

میں نے بھی تاؤ کھائے بغیر بہت سادگی سے کہا "جیف ملر تمہیں بتائے گا کہ میں اپنے فون والے ٹھکانے پر زیادہ وقت نہیں گزارتا۔ جیف نے پوری ایک رات وہاں تمہارے کر گزاری تھی۔ میں جہاں رہتا ہوں' وہاں فون کی سہولت نہیں ہے۔ تم مجھے وقت دے دو۔ میں تمہیں دوبارہ فون کرلوں گا۔"

"یہ حافظے کی بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ابھی تم سے بات ختم کرتے ہی میرے ذہن میں روشنی کا کوئی کوندا لپکے اور مجھے ہر بات یاد آجائے اور نہ آئے تو کئی دنوں تک یاد نہ آئے۔۔۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ کے ٹائن کے بارے میں میرا ذہن تازہ ہو گیا تو میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔"

"تمہاری باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم ہیر پھیر کرنے کے چکر میں ہو مگر میں تمہیں سوچنے کا ایک موقع دینا چاہتا ہوں۔ تم اچھی طرح سوچ لو' ہو سکتا ہے کہ کسی وقت تمہارے چیف یا بلیک ہاک نے اس بارے میں کوئی بات کی ہو۔ میں کل کسی وقت تم کو دوبارہ فون کروں گا۔"

میں اسے خوف اور بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا کرنا چاہ رہا تھا اس لیے میں نے اس کا جواب سننے کی زحمت کیے بغیر اچانک فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔ ویرا نے بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"گیری ہارٹ نے اپنی ساری عمر گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے' وہ جیف ملر کی زندگی بچانے کے واسطے واقعی جذباتی رو میں بہہ گیا تھا ورنہ وہ اتنی آسانی سے گرفت میں آنے والوں میں سے نہیں ہے؟" ویرا نے مایوسی کے عالم میں کہا۔ "وہ کسی بھی قیمت پر کے ٹائن کے بارے میں زبان نہیں کھولے گا۔"

"تم دیکھتی جاؤ۔ ابھی میرے پاس اور بھی راستے ہیں" میں نے پورے اعتماد سے کہا "بلیک ہاک کا فون نمبر میرے پاس موجود ہے۔ کل سلطان شاہ متعلقہ ٹیلی فون ایکسچینج میں جائے گا اور وہاں کے کسی اہل کار کو چند نوٹ دے کر بلیک ہاک کا پتا نکال لائے گا۔ پھر تم دیکھنا۔۔۔"

میری بات ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے کی وجہ سے ادھوری رہ گئی۔ میں نے غیر ارادی طور پر ہاتھ آگے بڑھایا تھا لیکن مجھ سے پہلے سلطان شاہ نے ریسیور اٹھالیا۔ میں نے جھپٹ کر ویرا والے انسٹرومنٹ کا ریسیور اٹھالیا۔

"اچھا ہوا کہ تمہارا فون آگیا" سلطان شاہ دوسری طرف کی آواز سن کر چکا "ویرا کافی دیر تک تمہارا نمبر ملاتی رہی لیکن تمہاری لائن مصروف تھی۔"

"اور اب کافی دیر سے تمہارا نمبر انگیج تھا" اول خان کی شناسا آواز میرے کانوں سے ٹکرائی "یہ بتاؤ کہ اس وقت ڈینی کہاں ہے؟"

"یہیں فلیٹ میں موجود ہے" سلطان شاہ نے مجھے آنکھ مار کر ماؤتھ پیس میں کہا "چاہو تو میں لمحہ بھر میں اسے فون پر بلا سکتا ہوں' وہ تمہاری طرف سے بدترین خلش کا شکار ہو چکا ہے۔"

"اسے بلانے کی ضرورت نہیں" اول خان کی عاجلانہ آواز سنائی دی "مجھے یقین ہے کہ وہ میری مجبوریوں کو سمجھ رہا ہوگا۔ اس سے کہو کہ وہ گھر پر رہے۔ کچھ اہم افراد آج رات اس سے ملنے کے خواہاں ہیں۔"

میں نے ہاتھ کے اشارے سے سلطان شاہ کو انکار کرنے کی ہدایت کی اور وہ ماؤتھ پیس میں کہنے لگا۔ "میں تمہارا پیغام ڈینی تک پہنچا دوں گا گھر پر رہنا یا نہ رہنا اس کی مرضی پر منحصر ہوگا۔ آج کل اس پر قنوطیت اور اُداسی نے حملہ کیا ہوا ہے۔ وہ بات بات پر ہم لوگوں سے لڑ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے پیغام کے ردِعمل میں وہ اسی وقت فلیٹ چھوڑ کر شہر کی سڑکیں ناپنے نکل جائے۔ ہم میں سے کوئی بھی اسے نہیں روک سکے گا۔"

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات پندرہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو جولائی 2005ء میں شائع ہوگا

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

حصہ 15

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خود نوشت اس نے منشیات کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر، ملک ملک، اور براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لئے خاک اڑانا اس نوجوان کا شغل ہو گیا مگر موت کے سوداگر بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا تیسرا سلسلہ۔ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کا تعاقب

"ہوسکتا ہے کہ وہ میری وجہ سے ذہنی پراگندگی میں مبتلا ہو کر ایسی اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتا رہا ہو۔ میں نے اس کی بات پورے دھیان سے سنی تھی لیکن اس وقت پاس ذہن میں ڈینی کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں اس سے غیر ضروری باتیں کر کے اپنے فرائض منصبی سے بے مقصد انحراف نہیں کرسکتا تھا اس لیے میں نے کچھ کہے بغیر فون بند کردیا مگر اس کا یہ سوال میرے ذہن میں بیٹھ چکا تھا۔ میں نے فوراً ہی اس پر کام شروع کردیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب تم ڈینی کے سوال کا جواب حاصل کر چکے ہو؟"

"نہیں!" میرے لیے اول خان کا جواب مایوس کن ثابت ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا "میونسپل ریفرنس لائبریری بند ہو چکی ہے۔ میں اپنے دوست کے گھر کے فون نمبر سے لاعلم ہوں۔ میرا بدن تیز بخار میں پھنک رہا ہے اور آنکھوں کے سامنے تاریک دائرے ناچ رہے ہیں۔ میں پاک کالونی میں اپنے دوست کے گھر خود تو پہنچ سکتا ہوں مگر اس کے پتے سے واقف نہیں ہوں۔ اس وقت میری بیماری میرے پیروں کی زنجیر بن گئی ہے مگر پھر بھی میں نے اپنی سی ساری کوششیں کی ہیں۔ یہ ان ہی کا نتیجہ ہے کہ کچھ لوگ ڈینی سے ملنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہیروئن کا مالی زہر ایک بار پھر ہمارے اہم قومی منصوبے کی جڑوں میں سرایت ہونے والا ہے۔ اس وقت ڈینی کو اشتعال اور غصے کے بجائے تحمل سے کام لینا چاہیے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ باتیں تم ہی اس کے دماغ میں بٹھا سکتے ہو۔ وہ تمہاری بات نہیں ٹالے گا۔"

"اگر یہ اُس کی ضد ہے تو میں اپنی ہار مانتا ہوں۔ اسے فون پر بلالو" اول خان کی آواز پر نقاہت غالب آگئی۔

میرے ریسیور میں ماؤتھ پیس نہیں تھا۔ میں نے وہ غزالہ کو تھمادیا اور پلٹ کر سلطان شاہ سے ریسیور لے لیا۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں وہ فقرہ ادا کیا تو مجھے خود ہی اپنی آواز اجنبی معلوم ہو رہی تھی لیکن اول خان کے دماغ میں سمائے ہوئے فرض شناسی کے بھوت کو اتارنے کے لیے میرا وہ رویہ ناگزیر تھا۔

"سنا ہے کہ تم مجھ سے بہت ناراض ہو۔۔۔ شاید تمہاری یہ خفگی بجا ہے۔ میں اپنی کسی بھی غلطی پر تم سے معافی چاہتا ہوں۔ میں نے اب تک جو کچھ کیا وہ میرے اور تمہارے مفاد میں تھا۔۔۔"

"اس تمہید کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم ایک ذمے دار افسر ہو۔ تمہیں قاتلوں اور مجرموں سے دور ہی رہنا چاہیے۔ آگ اور تیل یک جا ہو جائیں تو سب کچھ جل کر خاک ہو جاتا ہے۔ کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔ تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اس وقت تم نے اپنی احتیاط کو خیرباد کہہ کر مجھے فون پر کیوں بلایا ہے۔" میں اُس کی بات کاٹ کر بے رحمی سے اپنے دل کی بھڑاس نکالتا ہی چلا گیا۔ اول خان نے بھی مجھے ٹوکنے یا روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی" میرے خاموش ہونے پر اوّل خان بولا تو اس کی آواز رُندھی ہوئی تھی "میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہارا مداح ہوں۔ میں نے تمہیں قاتل اور مجرم تو کیا، کبھی برا بھی نہیں سمجھا لیکن میں اپنے فرض سے مجبور ہوں۔ میں اپنی کلائیاں توڑنے کی ہمت نہیں رکھتا اور نہ اپنے ہاتھوں سے تمہیں ہتھکڑیاں لگا سکتا ہوں۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ مجھے اپنی ملازمت پر بحال کر کے تمہاری گرفتاری پر مامور کر دیا گیا ہے۔ میں اس کڑے امتحان میں سرخ رُو رہنا چاہتا تھا۔ اپنے فرض سے منہ موڑے بغیر دوستی نبھانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن تم نے اس وقت میرا پندار توڑ دیا۔ تمہاری ضد کی وجہ سے میں تم سے بات کر رہا ہوں ورنہ اس وقت بھی حالات جوں کے توں ہیں۔"

"میں تمہاری دل آزاری پر معافی چاہتا ہوں۔ یہ باتیں بعد میں ہو سکتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں کوشش کے باوجود اپنے لہجے میں کوئی گرم جوشی پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

"کے ٹائن کے سلسلے میں آج رات کچھ لوگ تم سے ملنا چاہ رہے ہیں۔"

"وہ کون ہیں اور مجھ سے کہاں ملنا چاہتے ہیں؟" میں نے اسی لب و لہجے میں پوچھا۔

"وہ ذمے دار لوگ ہیں اور تمہارے گھر پر آئیں گے" اول خان نے کہا "غازی ان کا پاس ورڈ ہوگا۔"

پاس ورڈ کا ذکر آتے ہی میرا ماتھا ٹھنک گیا اور میں نے سختی سے کہا "میں کسی پاس ورڈ کو نہیں مانتا۔ تم ان کے ساتھ موجود ہوئے تو میرے گھر کے دروازے کھل جائیں گے ورنہ انہیں دروازے سے لوٹا دیا جائے گا۔"

"یہ مصلحت اور مجبوری ہے.... میں ان کے ساتھ نہیں آسکتا" اس نے مجھے سمجھانا چاہا "تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ اس وقت میرے گرد کیسا بھیانک جال بُنا ہوا ہے۔ میں اتنی پیش رفت میں صرف اس لیے کامیاب ہو سکا کہ بیماری کی وجہ سے گھر میں پڑا ہوا ہوں۔ اس حالت میں، میں خود بھی گھر سے نہیں نکلنا چاہتا۔"

"یہ کیسے ذمے دار افراد ہیں جو مجھ سے ملنے کے لیے آنا چاہتے ہیں لیکن مصلحتوں اور مجبوریوں کے جال نہیں توڑ سکتے۔ جو لوگ تمہیں سازشوں کا ایندھن بننے سے نہیں بچا سکتے، وہ راس المیڈا سے کس بل بوتے پر ٹکر لینا چاہ رہے ہیں۔ تمہارے بغیر کوئی بھی ادھر آیا تو مایوس ہو کر لوٹے گا۔ تم راستے کا کوئی بے نام پتھر نہیں ہو جسے ہر شخص ٹھوکریں مار کر اِدھر اُدھر لڑھکاتا رہے۔ کے ٹائن کے سلسلے میں ہم چاروں بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں اور میں نے اس کی داغ بیل ڈال دی ہے۔ کوئی اور ہمارے ساتھ آنا چاہتا ہے تو میری پہلی شرط یہ ہے کہ وہ تمہارا وقار بحال کرانے کے بعد آئے۔ میں چوروں اور دشمنوں کے ہاتھوں میں پھنس کر بے بس ہو جانے والوں سے رتی برابر بھی تعاون نہیں کروں گا۔"

"تم بے لگام ہو رہے ہو" اول خان نے مجھے تنبیہہ کی۔ "تمہارے پاس آنے والے میرے مسائل کے ذمے دار نہیں ہیں۔ وہ الگ ہی کہانی ہے۔ یہ لوگ ہمارے ہمدرد اور ہم نوا ہیں۔ تمہاری عزت کرتے ہیں۔ تم نے اس ملک کو ہیروئن فروشوں کی بھیانک اور نت نئی سازشوں سے بچانے کے لیے جو بھرپور کردار ادا کیا ہے اس کا احترام کرتے ہیں۔ انہوں نے میری باتوں کو اہمیت دی ہے۔ ان ہی اسباب کی بنا پر وہ تم سے ملنا چاہ رہے ہیں۔"

"کے ٹائن کی طرح تمہارا مسئلہ بھی میری نظروں میں بہت اہم ہے" میں نے کہا "اسے صرف اول خان کا مسئلہ مت سمجھو۔ یہ پاکستان کے ہر دردمند، حسّاس اور فرض شناس شہری کا مسئلہ ہے۔ کب تک اچھے لوگوں کے گلے میں شکوک و شبہات کے طوق ڈال کر ان کی پیش قدمی کے راستے مسدود کیے جائیں گے؟ کچھ لوگوں نے اپنی کرسیاں بچانے کے لیے تم کو راس المیڈا کے مفادات کا آلۂ کار بننے پر مجبور کر دیا ہے۔ کیا یہ ذلت اور بے ضمیری کی انتہا نہیں ہے کہ تم غلط بات کو صحیح اور صحیح بات کو بالکل غلط کہنے پر مجبور کر دیئے گئے ہو؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اول خان کی دھیمی اور پُرتشویش آواز ابھری "میں نے اپنے معاملے پر اس زاویے سے سوچا ہی نہیں تھا.... اسپیشل ٹاسک فورس کو البرٹو و یلیسا جیسے غدار سے پاک کیا جا چکا ہے تو پھر ایسے مصلحت آمیز فیصلوں کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ آج میں عتاب میں ہوں، کل دوسروں کے ساتھ بھی ایسی ہی کہانیاں دہرائی جا سکتی ہیں۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے اپنے دوستوں سے تمہاری اور کے ٹائن کی باتیں کیں لیکن اپنی مجبوریوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے مجھے ساتھ لے کر تمہارے گھر آنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا لیکن میں نے خود ہی شدید علالت کا بہانہ کر کے ان سے معذرت کر لی۔ یہ میرا مزاج نہیں ہے۔ مجھے چار کندھوں پر سوار ہو کر اسٹریچر پر بھی آنا پڑا تو میں ضرور آؤں گا۔ اگر کے ٹائن مشن کا تعلق ایٹمی بجلی گھر سے ہی ہے تو میں دور رہ کر تماشا نہیں دیکھ سکتا۔ میں آؤں گا اور ضرور آؤں گا۔ اس وقت تم نے مجھے جھنجوڑ

کر رکھ دیا ہے۔ شاید ہماری صفوں میں البرٹو و بلیسا کے بعد بھی کوئی کالی بھیڑ باقی رہ گئی ہے۔ راس المیڈا کا سر توڑنے کے ساتھ ساتھ ہمیں اس کی بھی سرکوبی کرنی پڑے گی۔"

"اپنے دوستوں سے دوبارہ بات کرو۔ میں تمہارے پیغام کا منتظر رہوں گا۔" میں نے کہا۔

"مجھے اب بات کھول ہی دینی چاہیے۔ وہ ملٹری سیکرٹ سروس والے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اندر کی ٹیڑھی کہانیوں سے باخبر ہوتے ہی وہ ہر خرابی کو سختی سے کچل دیں گے۔ غزالہ سے کہہ دینا کہ میں تم لوگوں کی طرف آیا تو اس کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے ضرور پیوں گا۔ وہ چائے بہت اچھی بناتی ہے۔"

"فکر مت کرو۔ یہاں تمہیں چائے کے ساتھ بہت کچھ تیار ملے گا۔ اور ہاں، اب تمہاری کھوپڑی پر جمی ہوئی برف پگھلنی شروع ہوگئی ہے تو ایک کام اور کرا دو ورنہ مجھے کل صبح تک انتظار کا عذاب سہنا پڑے گا۔"

"اس وقت تم نے اپنی زہر میں بجھی ہوئی باتوں سے مجھے بہت حوصلہ دیا ہے۔ جو کہو گے، وہ کر گزروں گا۔"

"یہ ایک فون نمبر ہے" میں نے بلیک ہاک کا فون نمبر بتانے کے بعد کہا "مجھے پتا درکار ہے۔ یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہیے۔"

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔ کہیں یہ اس یہودی دہشت گرد کا نمبر تو نہیں ہے؟"

"وہ بھی جلد ہی گرفت میں آجائے گا۔ یہ نمبر اُس کا نہیں ہے" میں نے گول مول جواب دیا۔

"بعض اوقات آپ کمال کر دیتے ہیں" فون کا سلسلہ منقطع ہونے پر غزالہ والہانہ خوشی سے بولی "آپ نے جس تیکھے اور خشک انداز میں گفتگو کا آغاز کیا تھا اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ آج آپ اوّل خان سے ہمیشہ کے لیے قطع تعلق کرنے کا تکلیف دہ فیصلہ کر چکے ہیں لیکن ان مذاکرات کا آخری نتیجہ حیران کن ثابت ہوا۔"

"مجھے خود بھی امید نہیں تھی کہ ایس ٹی ایف کے سخت ڈسپلن میں جکڑا ہوا ذہن اتنی آسانی سے آزاد روی پر آمادہ ہو جائے گا" میں نے ہنستے ہوئے کہا "آنے والی رات ایس ٹی ایف میں تطہیر کی رات ثابت ہوگی۔"

"یہ سب ہو رہا ہے اور پھر بھی تم مجھے گھسنے کی کوشش کرتے ہو کہ اسپیشل ٹاسک فورس کوئی سرکاری تنظیم نہیں ہے۔" ویرا نے تیسرے انسٹرومنٹ پر میرے اور اول خان کے مذاکرات سنے تھے اس لیے اس کا برہم ہونا فطری تھا "اگر وہ سرکاری ادارہ نہیں ہے تو ملٹری سیکرٹ سروس والے کیا کر سکیں گے؟"

"آئین اور قانون کے سہارے پروان چڑھنے والے ریاستی اداروں کی طاقت لرزہ خیز ہوتی ہے۔ یہ آہنی ہاتھ جس پر بھی پڑ جائیں، اس کے سارے کس بل نکال دیتے ہیں۔ ریاستی ادارے ایس ٹی ایف کے وجود سے بے خبر نہیں ہیں۔ اب وہ چشم پوشی کرنے کے بجائے بگڑے ہوئے معاملات کی گرفت کریں گے تو خاصی دلچسپ کہانیاں سامنے آئیں گی۔"

بمشکل بیس منٹ بعد اول خان کا دوسرا فون آگیا۔ مجھے فون نمبر کے ابتدائی ہندسوں سے اندازہ ہو گیا تھا کہ بلیک ہاک ڈیفنس کے علاقے میں رہ رہا تھا۔ اول خان نے میرے اس اندازے کی توثیق کر دی۔ اس نے بلیک ہاک کے گھر کا پتا لکھوانے کے بعد یہ خوش خبری بھی سنائی کہ اس نے ملٹری سیکرٹ سروس والوں سے بات کر لی تھی۔ انہوں نے اسلام آباد میں گیری ہارٹ کی سرگرمیوں اور بعض ناروا فیصلوں کے خلاف فوری چھان بین شروع کرانے کا وعدہ کرتے ہوئے اول خان کو اپنے ساتھ میرے پاس لانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس ٹیم کے سربراہ کو اسلام آباد سے کراچی پہنچنا تھا اس لیے مجوزہ ملاقات کا وقت آٹھ بجے شب رکھا گیا تھا۔

"کراچی میں ہمیشہ غیر ملکیوں کی بھاری تعداد رہتی رہی ہے" اول خان کی دوسری کال کے بارے میں تبادلۂ خیال ختم ہونے کے بعد ویرا نے کریدنے والے انداز میں کہا "پی ای سی ایچ ایس اور اس سے ملحقہ علاقوں کے ساتھ ساتھ باتھ آئی لینڈ وغیرہ ان کے پسندیدہ رہائشی علاقے ہوا کرتے تھے لیکن اب جو بھی باہر سے آتا

ہے' سید حاؤنفس کا رخ کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈیفنس رفتہ رفتہ غیر ملکیوں کا مخصوص اور مرغوب علاقہ بن جائے گا۔ اس رجحان کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟"

"وہاں جدید ترین سہولتوں سے آراستہ خوب صورت' آرام دہ اور بڑے مکانات کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے" میں نے کہا "یہاں ڈالروں کے حساب سے کرائے بہت کم ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کے معمولات میں دخل انداز ہوئے بغیر اپنی اپنی دنیا میں مگن رہنے کے عادی ہیں۔ علاقہ صاف ستھرا اور مکین خوش حال ہیں۔ یہی اسباب ہیں جو غیر ملکیوں کے لیے پُرکشش اور اہم ثابت ہوتے ہیں۔"

"تو پھر اب بلیک ہاک کے بارے میں کیا ارادہ ہے؟ وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے" ویرا نے پوچھا۔

"اس وقت پانچ بجنے والے ہیں" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "ہمارے پاس تین گھنٹے ہیں۔ اس وقفے میں بلیک ہاک کے ٹھکانے کا ایک چکر لگایا جا سکتا ہے لیکن وہاں کوئی اور کھیل شروع ہو گیا تو ہم مقررہ وقت پر یہاں واپس نہیں لوٹ سکیں گے۔ یہ کام بعد میں ہی ٹھیک رہے گا۔"

میں نے ویرا کو تو جواب دے کر خاموش کر دیا لیکن میرا ذہن بلیک ہاک ہی میں الجھا رہا۔ گیری ہارٹ' اگر کے نائن سے بے خبر نہیں تو بہت زیادہ باخبر بھی نہیں تھا۔ میں راس المیڈا کی زبانی سن چکا تھا کہ اسے کے نائن سے الگ ہی رکھا جا رہا تھا۔ ایسی صورت میں صرف چار افراد باقی رہ جاتے تھے جن پر ہاتھ ڈال کر کے نائن مشن کے بارے میں اہم معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں۔

ان میں سے راس المیڈا' گرے ہاک اور وائٹ ہاک کے ٹھکانے نامعلوم تھے' صرف بلیک ہاک میرے سامنے تھا۔

میں فلیٹ کی بند اور محدود فضا سے اکتا کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر کشادہ اور ہوادار بالکونی میں جا بیٹھا جہاں نادرہ نے مکینوں کی ہوا خوری کے لیے دو آرام دہ کرسیوں کے ساتھ ایک چھوٹی سی میز کا بندوبست بھی کیا ہوا تھا۔

"آپ کچھ فکر مند نظر آ رہے ہیں" چند ثانیوں بعد غزالہ نے وہاں پہنچ کر معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں ان میں فکر مند نہ ہونا حیران کن ہو گا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ وقت برباد کرنے کے بجائے بلیک ہاک کے مکان کا ایک چکر لگا ہی لیا جائے۔ وہاں کوئی بات بن گئی تو آٹھ بجے کی میٹنگ نتیجہ خیز ثابت ہو سکے گی ورنہ معاملہ نشستند و گفتند و برخاستند سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔"

"تو کیا وہ لوگ بلاوجہ ہی یہاں تک دوڑ لگا رہے ہیں؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہمیں بہت کچھ معلوم ہے' وہ لوگ اندھیرے میں ہیں۔ یہاں آ کر وہ ہماری کہانی سنیں گے اور ممکنہ سوالات وغیرہ کرنے کے بعد اپنا ایک خاکہ مرتب کریں گے لیکن میرا اکلوتا سوال ابھی تک جواب سے محروم ہے۔ ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کینوپ کا اہم منصوبہ کے نائن میں شامل ہے یا نہیں۔"

"میری دانست میں اب یہ ایک رسمی سا سوال رہ گیا ہے۔ میلوں لمبے اس ساحل پر ایٹمی بجلی گھر کے سوا کوئی اور اہم منصوبہ موجود نہیں ہے۔ راس المیڈا اور اس کے آدمیوں کو ویران ریتیلے ساحل سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

"تخلیے میں کیا ہو رہا ہے؟" اسی لمحے سلطان شاہ نے اندر سے ہانک لگائی "اجازت ہو تو میں بھی اندر آ جاؤں؟"

"آ جاؤ!" میں نے دروازے کی طرف منہ کر کے جواب دیا۔ "یہاں نابالغوں سے کوئی پردہ نہیں ہے۔"

وہ برے برے سے منہ بناتا ہوا' ہماری خواب گاہ سے گزر کر برآمدے میں آ گیا۔

غزالہ نے اس کے لیے اپنی کرسی خالی کر دی۔ سلطان شاہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مغموم لہجے میں بولا "تم بیٹھ جاؤ۔ یہ نادرہ کا فلیٹ ہے۔ اس نے یہاں کا حساب کتاب اپنی سوچ کے مطابق رکھا ہوا ہے۔ ان دو میں سے ایک کرسی مردانہ ہے اور دوسری زنانہ۔ دونوں پر ایک ہی جنس کے افراد براجمان ہو گئے تو گڑبڑ ہو سکتی ہے۔"

"جب سے تم نے نادرہ کو اسٹیشن پہنچایا ہے' وہ مسلسل تمہارے ذہن سے چپکی ہوئی ہے" میں نے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ ہم اسی کے کرائے دار ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ نرم دلی کا مظاہرہ نہ کرتی تو ہم اس وقت پورے شہر میں دردر کی خاک چھانتے پھر رہے ہوتے.... تم لوگوں نے آخر میں اس کے ساتھ جو سنگ دلانہ سلوک کیا تھا' میں اسے مشکل ہی سے بھول سکوں گا۔ وہ ایسی زیادتی کی مستحق نہیں تھی۔"

"میں تم سے اپنے اس سلوک کی معافی چاہتی ہوں" غزالہ نے جلدی سے کہا "صحیح یا غلط۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ نادرہ اس وقت رحیم یار خان میں مزے کر رہی ہو گی۔ اب اس کا ذکر بے سود ہے۔"

"آؤ!" میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر سلطان شاہ کو دعوت دی "ہم ایک چکر لگا کر آتے ہیں۔"

"کہاں؟" اس نے بھاڑ سا منہ کھول کر حیرت سے پوچھا۔

"بس میرے ساتھ چلے آؤ۔ کالے عقاب کا گھونسلا دیکھ کر آتے ہیں۔"

وہ خوش ہو گیا۔ میرے اس پروگرام پر ویرا نے بھی کوئی تعرض نہیں کیا لیکن یہ تاکید ضرور کر دی کہ میں دور ہی دور سے اس کا گھر دیکھ آؤں۔ اس سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ کی ابتدا نہ کروں۔

فلیٹ سے روانہ ہوتے ہوئے میں نے حیف طر سے چھینا ہوا ایریش ویرا کی تحویل میں دے دیا۔ وہ ایسے شعبدوں کے استعمال

سے بہ خوبی واقف تھی۔ اسے امید تھی کہ رات ہونے تک اس پر کوئی نہ کوئی پیغام ضرور سنا جاسکے گا۔

سلطان شاہ نے نیچے پہنچ کر گیراج سے گاڑی نکالی اور ہم دونوں خاموشی سے اپنی نئی مہم پر روانہ ہوگئے۔ سن سیٹ بلے وارڈ کے تقریباً آخری سرے پر سلطان شاہ نے کار دائیں طرف موڑلی کیونکہ ہمیں فیز نمبر دو میں ڈیفنس کلب کے قرب وجوار میں ہی جانا تھا۔

اس علاقے میں سڑکوں اور گلیوں میں کسی سے رہنمائی کی امید نہیں تھی اس لیے میں دن کے اجالے کا فائدہ اٹھا کر احاطوں پر لگی ہوئی نیم پلیٹوں پر مکانات کے نمبر پڑھ سلطان شاہ کو راستوں کے بارے میں ہدایات دیتا رہا اور آخر کار ہم کو اپنی منزل بہت قریب محسوس ہونے لگی۔

سلطان شاہ نے کار کی رفتار بہت دھیمی کرلی۔ وہ علاقہ خاصا سرسبز اور رچا بسا نظر آرہا تھا۔ سڑک پر اِکّادُکّا افراد ہی نظر آرہے تھے لیکن پھر بھی وہاں ویرانی کا احساس نہیں ہورہا تھا۔ آخر ہم اس مکان کے سامنے پہنچ گئے جس کا نمبر اول خان نے دیا تھا۔ مکان کے بند پھاٹک کے باہر ایک تنومند چوکیدار مستعد انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ ذیلی کھڑکی کے کھلے ہوئے حصے میں سے مجھے احاطے میں بند باڈی والے ایک ٹرک کی جھلک نظر آئی جس کا منہ پھاٹک کی طرف تھا۔ وہاں اِکّادُکّا افراد بھی موجود تھے۔

رینگتی ہوئی گاڑی میں سے مَیں بس اسی قدر دیکھ سکا اور ایک اندیشے سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ بلیک ہاک کی کمین گاہ میں ٹرک کی موجودگی کا یہ مطلب بھی ہوسکتا تھا کہ وہ وہاں سے کوچ کررہا تھا۔

"اس مکان میں گڑبڑ معلوم ہورہی ہے" آگے چل کر گاڑی کو ایک بغلی سڑک پر موڑتے ہوئے سلطان شاہ بڑبڑایا "وہ مجھے کسی ائرلائن کا بند کارگو ٹرک معلوم ہورہا تھا۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" میں نے بے ساختہ پوچھا "مجھے تو اس ٹرک پر کسی ائرلائن کا نام یا نشان نظر نہیں آیا۔"

"نشان وغیرہ تو مجھے بھی نظر نہیں آیا بس اس پر نگاہ پڑتے ہی ائرپورٹ کے ایپرن پر دوڑنے والے ٹرک یاد آگئے تھے۔ اس کے قریب کچھ نقل وحرکت بھی ہورہی تھی" اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ اس گھر سے نہیں بلکہ شہر سے ہی رختِ سفر باندھ رہا ہے" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا "اگر ہم نے دوبارہ ادھر کا چکر لگایا تو باہر کھڑے ہوئے چوکیدار کی عقابی نظروں سے نہیں بچ سکیں گے۔"

"دوبارہ ادھر جانا مناسب نہیں ہوگا۔ مشتبہ کار کی موجودگی کی خبر پاتے ہی بلیک ہاک چوکنا ہوجائے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ اس وقت ہم بہک رہے ہیں" چند ثانیوں کے غور کے بعد میں نے چونک کر کہا۔

"یہ تم اپنے بارے میں کہہ سکتے ہو۔ میں تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں" وہ بے پروائی سے بولا۔

"بے احمق! وہ امریکا سے آیا ہوا ہے، کوئی مقامی نہیں ہے۔ اسے نقل مکانی کے لیے اتنے بڑے ٹرک کی کیا ضرورت ہے؟ ایک سوٹ کیس اور زیادہ سے زیادہ ایک بریف کیس اٹھا کر کہیں بھی جاسکتا ہے۔"

"ہاں۔ یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو" وہ خفت اور قدرے حیرت سے بولا۔

"اس ٹرک میں وہاں یقیناً کسی قسم کا سازو سامان آیا ہے جو پوری رازداری سے اتارا جارہا ہے۔"

"ہیروئن سے بھرا ہوا ٹرک تو نہیں ہوسکتا" وہ بے اعتباری سے بڑبڑایا۔

"ہیروئن سے بھرا ہوا ایک بریف کیس بھی لاکھوں ڈالر کی مالیت رکھتا ہے۔ یہ یقیناً کوئی بھاری سامان ہے جس کی رازدارانہ نقل وحرکت کے لیے بند آہنی باڈی والے ٹرک کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔"

"یہ کیسے پتا چلے کہ ٹرک کچھ لے کر آیا ہے یا یہاں سے لے جارہا ہے؟" وہ متفکر نظر آنے لگا تھا۔

"ہمیں تھوڑا سا وقت برباد کرنا پڑے گا" میں نے سوچتے ہوئے کہا "ہمیں کسی ایسی جگہ رکنا چاہیے جہاں سے ہم بلیک ہاک کے مکان پر نگاہ رکھ سکیں اور پھر ٹرک کے باہر نکلتے ہی اس کے پیچھے لگ جائیں۔ ٹرک کی کمانیوں کا جھکاؤ لحہ بھر میں پوری پوزیشن واضح کردے گا۔ خالی ٹرک دور سے پہچانا جاتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے گاڑی گھماتے ہوئے کہا۔ "اس طرح ہم ٹرک کا نمبر اور نام ونشان بھی دیکھ سکیں گے۔ اگر ٹرک کا تعاقب کیا جائے تو اس کی منزل کا سراغ بھی لگایا جاسکتا ہے۔"

"دیکھنا ہوگا" میں نے رِسٹ واچ میں وقت دیکھ کر مضطربانہ لہجے میں کہا "ہمیں ہر حال میں آٹھ بجے سے پہلے فلیٹ پر واپس پہنچنا ہے۔ ٹرک جلد نکل آیا تو اس کا پیچھا بھی کرلیں گے۔"

بلیک ہاک کے گھر کے آگے سے ہوکر آنے والی سڑک جس مقام پر ایک سہ راہے سے مل رہی تھی، وہاں داہنی طرف علاقے کو پانی فراہم کرنے والا پمپ ہاؤس اور کنکریٹ کا بہت بلند اوور ہیڈ ٹینک موجود تھا۔ اس وقت ٹینک کے سائے میں دو مزدور نما افراد بیٹھے باتیں کررہے تھے۔

سلطان شاہ نے اسی سایہ دار مقام پر گاڑی اس طرح کھڑی کی کہ بلیک ہاک کے گھر کی طرف جانے والی سڑک دور تک صاف نظر آرہی تھی۔ سلطان شاہ نے انجن بند کرکے اپنی طرف کا دروازہ کھول دیا۔ میں نے سگریٹ سلگالی۔ وہاں ہم پر کسی قسم کا شک وشبہ

نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دیکھنے والے زیادہ سے زیادہ یہ سمجھتے کہ کوئی ڈرائیور اپنے مالک کی لاعلمی میں وہاں رک کر اپنے کسی دوست سے گپ شپ لڑا رہا ہے۔

انتظار کے لمحات شروع ہوتے ہی وقت کی رفتار گویا یک لخت سست پڑ گئی۔ سورج دھیمے دھیمے مغرب کی طرف جھکتا جا رہا تھا۔ بلند و بالا بلڈنگ اور درختوں کے سائے دراز ہوتے جا رہے تھے۔

بے کاری اور صبر آزما انتظار میں وقت گزارنے کے لیے ہمارے پاس بے سروپا باتیں کرنے کے سوا کچھ نہیں رہا تھا۔ چھ بجے تک ہم دونوں پر بھرپور بیزاری حملہ آور ہو چکی تھی۔ سلطان شاہ باربار منہ پھاڑ کر جمائیاں لے رہا تھا۔ اسے چائے کی شدید طلب نے ستایا ہوا تھا۔

"سبزے کی وجہ سے ابھی سے فضا میں مچھر منڈلانے لگے ہیں۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد ان کے غول کے غول ہمارے اوپر حملہ آور ہو جائیں گے۔ آخر ہم کب تک یہاں بیٹھے رہیں گے؟"

"کم از کم ساڑھے سات بجے تک" میں نے اسے اپنا فیصلہ سنا دیا "مچھروں سے خوف آرہا ہے تو گاڑی کے دروازے اور کھڑکیاں بند کرلو۔ میں تمہاری سہل پسندی کی وجہ سے ہاتھ آیا ہوا ایک موقع نہیں گنوا سکتا۔"

"سہل پسندی!" اس نے احتجاج کیا "شاید تمہیں علم نہیں کہ خدائی کا دعویٰ کرنے والے نمرود کا قاتل ایک مچھر ہی تھا جو اس کی ناک کے راستے دماغ میں گھس گیا تھا۔"

"اس کے پاس دماغ تھا اس لیے وہ مرگیا۔ تمہاری بالائی منزل خالی ہے، تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک دو چکر کاٹ کر مچھر خود ہی باہر نکل آئے گا" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ وہ ہر کام اپنی سہولت کے مطابق کریں گے۔" میرے مصنوعی اطمینان پر وہ جھلا گیا "ہوسکتا ہے کہ لوڈنگ یا آن لوڈنگ کے بعد وہ ٹرک وہیں کھڑا رہے اور عملے کے آدمی آرام کرنے چلے جائیں۔ وہ رات گہری ہونے کے بعد ڈیڑھ دو بجے بھی نکل سکتے ہیں۔"

"ہونے کو تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سرے سے رات ہی نہ ہو۔ سورج ڈوبتے ڈوبتے اچانک اوپر آنا شروع کردے اور ہر طرف تیز اجالا پھیلتا چلا جائے.... امکانات میں الجھ کر تم بلاوجہ اپنے ذہن کو تھکا رہے ہو۔ ہم ہر قیمت پر ساڑھے سات بجے واپس لوٹ جائیں گے۔ اس وقت تک ٹرک باہر نہ نکلا تو ہم میٹنگ سے فارغ ہوکر دوبارہ ادھر آئیں گے۔ ایک کلیو سامنے آیا ہے تو ہم اسے نظرانداز نہیں کریں گے۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا "اپنی تو رات کالی ہوتی نظر آرہی ہے۔"

"رات ہوتی ہی کالی ہے، مزید کیا کالی ہوگی؟" میں نے ہولے سے اس کے بال اپنی مٹھی میں پکڑ کر کہا "اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔ ہم نے اتنا وقت گزار لیا ہے۔ اب واپسی میں صرف ڈیڑھ گھنٹا باقی رہ گیا ہے۔ ضرورت پڑی تو دوبارہ میں اکیلا ہی آجاؤں گا، تمہیں زحمت نہیں دوں گا۔"

اس روز قدرت بھی ہمارے صبروتحمل کا پورا پورا امتحان لینے پر تلی ہوئی تھی۔ سات بج کر تین منٹ پر دیواروں کی دور تک پھیلی ہوئی قطار میں سے وہ ٹرک رینگتا ہوا نمودار ہوا پھر اس کا رخ ہماری طرف ہوگیا۔

سلطان شاہ نے اپنی طرف کا دروازہ بند کرکے انجن اسٹارٹ کیا اور کار کو وہاں سے دور لیتا چلا گیا تاکہ ٹرک والوں کو ہماری پہلے سے وہاں موجودگی کا علم نہ ہوسکے۔

ٹرک کے انجن کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خالی نہیں تھا بلکہ بلیک ہاک کے ٹھکانے سے کسی نامعلوم منزل کے لیے کچھ سازو سامان لے کر جا رہا تھا۔

سڑک کے اختتام پر آکر وہ ٹرک بائیں طرف گھوما تو اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں اس کی آہنی باڈی کا رنگ اور اس پر بنا ہوا مونوگرام سلطان شاہ کے اولین اندازے کی پوری پوری تائید کررہا تھا۔ وہ کراچی کے راستے آپریٹ کرنے والی ایک معروف غیر ملکی ایئرلائن کا کارگو ٹرک تھا جس کے اگلے حصے میں تین چہرے نظر آرہے تھے۔

میں نے ٹرک کا رجسٹریشن نمبر سگریٹ کے پیکٹ پر نوٹ کرلیا اور سلطان شاہ نے گاڑی ٹرک کے پیچھے لگادی۔

شہر کے اس مہنگے رہائشی علاقے کی سڑکیں دوسرے علاقوں سے بدرجہا بہتر ہیں لیکن ہموار نہیں ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سڑکیں بنانے والے مقامی ادارے اور ٹھیکیدار اپنے مخصوص مالی مفادات کی وجہ سے اس اہم پہلو کو نظرانداز کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت سڑک کی اس خامی سے پیدا ہونے والے ٹرک کے ہچکولوں نے میری خاصی رہنمائی کی اور میں نے بھانپ لیا کہ ٹرک خالی نہ ہونے کے باوجود بہت زیادہ وزن نہیں لے جا رہا تھا۔

ٹرک کی رفتار خاصی کم تھی۔ ڈیفنس کی متمول آبادی سے کورنگی روڈ پر نکلنے کے بعد ٹرک کا رخ پل کی طرف تھا۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ ٹرک شارع فیصل پر پہنچ کر ائرپورٹ کا رخ کرے گا۔

ریلوے لائنوں کے اوپر بنے ہوئے پل سے پہلے ٹریفک جام تھا۔ گاڑیوں کی ایک دوسرے سے تقریباً جڑی ہوئی قطاریں بہت ہلکی رفتار سے گورا قبرستان کی طرف رینگ رہی تھیں۔

مجھے الجھن اور وحشت سی ہونے لگی۔ ٹریفک جام میں جو وقت ضائع ہو رہا تھا، وہ تعاقب کے منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے کافی تھا۔ پل سے اتر کر آگے بڑھنے تک وہ مشتبہ ٹرک سڑک کی درمیانی پٹی کے ساتھ ساتھ داہنے سرے پر ہوچکا تھا اور اگلے سگنل سے اسی طرف مڑنے کے اشارے دے رہا تھا۔

سگنل متعدد بار کھل کر بند ہو چکا تھا لیکن اس سڑک پر ٹریفک کا ہجوم بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ سگنل کھلنے پر جتنی گاڑیاں روانہ ہوتی تھیں' ان سے کہیں زیادہ ٹرک' بسیں اور کاریں پیچھے جمع ہو جاتی تھیں۔ ہم سگنل سے دور تھے کہ ساڑھے سات بج گئے۔ اگر ہم ٹرک کے پیچھے جاتے تو فلیٹ پر بروقت موجودگی خارج از امکان ہو جاتی۔

میں نے شہر سے کورنگی جانے والے خالی راستے پر نگاہ ڈال کر سلطان شاہ سے کہا "سگنل سے گاڑی واپس گھما لینا' اب ہم ٹرک کا پیچھا نہیں کریں گے۔ ہماری واپسی کا وقت ہو گیا ہے۔"

"وہ لوگ انتظار کر لیں گے۔ ایک راہ پر چل پڑے ہو تو اسے انجام کو پہنچا دو....."

"پہلے سے طے شدہ پروگرام سے انحراف کرنا مناسب نہیں ہو گا" میں نے اسے سمجھایا "اوّل خان کے ساتھ آنے والوں میں اسلام آباد کا ایک آدھ مہمان بھی ہو گا۔ اس کے استقبال کے لیے میرا گھر پر موجود رہنا ضروری ہے۔ اوّل خان اکیلا آ رہا ہوتا تو دیر سویر بھی چل سکتی تھی۔ یہ ٹرک ائرپورٹ جا کر ممنوعہ علاقے میں گھس گیا تو ہم منہ لٹکائے واپس آ جائیں گے۔ بہتر ہے کہ یہیں سے واپسی کی راہ اختیار کر لی جائے۔"

معاملے کی نزاکت اور اہمیت اس کی سمجھ میں آ گئی۔ ٹرک ہم سے آگے تھا... سگنل کھلنے پر وہ داہنی طرف گھوم کر شارعِ فیصل پر ائرپورٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ہماری باری آنے سے پہلے سگنل کی بتی سرخ ہو گئی۔

اگلی باری آنے پر ہمیں کورنگی روڈ پر واپس گھومنے کا موقع مل گیا۔ اس طرف اتنی زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی۔ سلطان شاہ اطمینان سے گنگناتے ہوئے گاڑی چلاتا رہا۔ ذہنی مصروفیت میسر آ جانے کے بعد اس کے ذہن سے جھلاّہٹ کا خول اتر چکا تھا۔

میرے ایما پر سلطان شاہ نے واپسی پر گاڑی دوبارہ اس سڑک سے نکالی جس پر بلیک ہاک کا مکان دیکھا گیا تھا۔ اس بار میں نے پوری توجہ سے اس مکان کا جائزہ لیا۔ ڈیفنس کے رہائشی علاقوں میں مکانات کے پچھلے حصے میں گلیاں چھوڑنے کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے اس وجہ سے پشت پر مکانات کی دیواریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اور کونے کے مکانات میں بھی صرف دو دیواریں سڑک کی طرف ہوتی ہیں۔ بلیک ہاک کا مکان کونے پر واقع تھا اور اس کے احاطے کی دیواریں زیادہ بلند نہیں تھیں۔

اس وقت وہاں گیٹ لیمپس روشن تھے۔ آہنی پھاٹک بند تھا۔ ٹرک کی روانگی کے بعد اس عمارت کے مکینوں کے لیے رات آ گئی تھی اور وہ شاید اپنے کمروں میں محصور ہو کر اپنی دلچسپیوں میں گم ہو چکے تھے۔

"یہاں اسٹریٹ لائٹس بھی کچھ زیادہ ہی روشن ہیں" سلطان شاہ نے متفکرانہ لہجے میں کہا "رات کے وقت اندر گھسنے کے لیے بغلی سڑک کی طرف سے ہی کوشش کی جا سکتی ہے۔"

"ایک موٹر سائیکل کا بندوبست ہو جائے تو ہم کوئی بڑا خطرہ مول لیے بغیر گیٹ سے بھی اندر داخل ہو سکتے ہیں۔"

"کیا موٹر سائیکل گیٹ اور زمین کی درمیانی جھری سے گزر جائے گی؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"شاید ایسا بھی ہو جائے" میں نے اس کی ران پر زور سے ہاتھ مار کر کہا اور وہ ایک تیز سسکاری لے کر رہ گیا۔

"پھر موٹر سائیکل بھی آ جائے گی۔ بوٹ جیسن کی طرف طاقتور انجنوں والی بھانت بھانت کی موٹر سائیکلیں کرائے پر ملتی ہیں جو لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے شوقین لڑکے دوڑاتے پھرتے ہیں" چند ثانیوں بعد اس نے کہا۔

اس وقت تک میرا ذہن ملٹری سیکرٹ سروس والوں سے متوقع مذاکرات میں الجھ چکا تھا۔ میرے پاس اپنی کہانی کی صداقت ثابت کرنے کے لیے حیف ملرؔ کے اپریٹس کے سوا کوئی اور ثبوت نہیں تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ صحیح سمت میں کام کر کے وہ لوگ بہت تیزی سے سارے ثبوت جمع کر سکتے تھے۔

ہماری واپسی میں بہت زیادہ تاخیر ہو جانے پر دونوں عورتیں بہت فکر مند تھیں۔ ہم دونوں کو کسی ٹوٹ پھوٹ کے بغیر اپنے روبرو... پا کر ان کے چہرے انجانی مسرت سے کھل اٹھے۔

ان کے پاس تین خبریں موجود تھیں۔ رحیم یار خان سے نادرہ نے میرے لیے دوبارہ فون کیا تھا۔ غزالہ نے خاصی دیر تک خوشگوار موڈ میں اس سے باتیں کر کے اپنی بدسلوکی کا ازالہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ دوسرا فون جہانگیر کا تھا۔ وہ ہمارے قرب و جوار میں رہ رہا تھا اور مل بیٹھنے کے لیے مضطرب تھا۔ اسے ٹالنے کا کٹھن فریضہ وزیرا نے سرانجام دیا تھا۔ تیسری خبر سب سے زیادہ اہم تھی کہ سات بج کر دس منٹ پر اپریٹس پر مختصری گفتگو سنائی دی تھی۔

بلیک ہاک نے اپنے چیف کو رپورٹ دی تھی کہ خط قاصد کے حوالے کر دیا گیا۔ راس المیڈا نے ویری گڈ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ سات بج کر تین منٹ پر بلیک ہاک کے مکان سے کارگو ٹرک روانہ ہوا تھا۔ سات بج کر دس منٹ پر اس نے اپنے چیف کو رپورٹ دی جو یقیناً ٹرک پر لادے جانے والے سامان کے بارے میں تھی۔

بلیک ہاک کا وہ ریڈیائی پیغام اس امر کا غماز تھا کہ کارگو ٹرک کے ذریعے لے جایا جانے والا سامان اس قدر اہم تھا کہ راس المیڈا اس کی نقل و حمل میں گہری ذاتی دلچسپی لے رہا تھا۔ وہ کیا سامان ہو سکتا تھا؟ اس بارے میں میرا ذہن کوئی جواب دینے سے قاصر تھا۔

معاملات میں پیش رفت ضرور ہو رہی تھی لیکن اس وقت تک کوئی واضح صورتِ حال سامنے نہیں آ سکی تھی۔ ہماری ساری معلومات غیر مربوط اور منتشر منتشر سی تھیں جیسے کسی پہیلی کے کچھ

اشارے ہوں۔

کے نائین' ایٹی بجلی گھر' متروک اور زیر استعمال فضائی راستوں کے نقشے' آرک کے جنرل بھٹناگر کی دلچسپی اور آخر میں بلیک ہاک کے گھر سے مشتبہ سامان کی منتقلی۔ ان میں ایٹمی بجلی گھر کا خیال میرے ذہن کی پیداوار تھا اور اسی نے پوری تصویر کو بہت گمبھیر بنایا ہوا تھا۔ راس المیڈا کی سرگرمیوں میں سے کینوپ کا ذکر حذف کردینے کے بعد ان لوگوں کی ساری سرگرمیاں عمومی نوعیت کی دہشت گردی اور سازش کے زمرے میں آجاتی تھیں۔

میں ان لوگوں کو باتوں میں الجھا کر وہاں سے اٹھا اور ویرا کے کمرے میں چلا گیا۔ اس وقت مجھے اپنے اعصاب کو معمول پر لانے کے لیے اچانک ہی شراب کی طلب محسوس ہوئی تھی۔ میری دانست میں ویرا کے کمرے میں میری طلب کا کچھ نہ کچھ سامان موجود ہونا چاہیے تھا۔ میرے دل میں بادہ نوشی کی خواہش ایک طویل وقفے کے بعد ابھری تھی اور اتنی شدت سے ابھری تھی کہ میں اس کی تکمیل کے لیے مضطرب ہو گیا۔

ویرا کے کمرے کے کیبنٹ میں ڈمپل کی دو سہ رخی بوتلیں موجود تھیں۔ ہر بوتل کا ہر رخ ڈمپل یا نمایاں سے چاہِ غب غب کا منظر پیش کر رہا تھا۔ شیشے کے ان شفاف گڑھوں کے پیچھے ٹھہرا ہوا طلائی سیال موجود تھا۔

مے نوشی سے کئی ہفتوں کی مسلسل کنارہ کشی کے بعد اس خواہش سے مغلوب ہونے کے باوجود میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ غزالہ کو میرے شوق کی اس تجدید کی بھنک نہیں ملنی چاہیے۔ میں مے نوشی سے تائب ہوا تھا' نہ میں نے اس بارے میں غزالہ سے کوئی وعدہ کیا تھا لیکن پھر بھی میں نے لپک کر ویرا کی خوابگاہ کا داخلی دروازہ اندر سے بولٹ کردیا' واپس آکر سرعت سے ایک بڑا گلاس تیار کیا۔ الکحل کی تیزی کو مارنے کے لیے ٹھنڈے پانی کی بوتل کمرے میں موجود تھی۔ میں نے اتنی بے صبری سے وہ گلاس پے درپے گھونٹوں میں اپنے معدے میں اتارا کہ اپنے ندیدے پن پر میں خود مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

وہ تینوں بلیک ہاک کے گھر سے روانہ کیے جانے والے سامان کی نوعیت پر اس زور شور سے بحث میں الجھے ہوئے تھے کہ انہیں اس واقعے کی ہوا بھی نہیں لگ سکی۔ میں نے اسی گلاس سے سادہ پانی کے چند گھونٹ لیے اور سگریٹ سلگا کر ویرا کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

تیزی سے معدے میں اترنے والی الکحل نے میرے ذہن پر سرور کی لہر طاری کردی تھی۔ میں ان تینوں سے الگ تھلگ ایک صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں نے اپنی اس وقت کی مے نوشی کو غزالہ سے پوشیدہ رکھنے کی اضطراری کوششیں کیوں کی تھیں۔

ڈور بیل کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میری نگاہیں بے اختیار وال کلاک کی طرف اٹھیں۔ وہاں سوئیاں آٹھ بجا رہی تھیں۔ اوّل خان اپنے مہمانوں کے ساتھ پروگرام کے مطابق آہی پہنچا تھا۔

غزالہ دروازہ کھول کر ان تینوں کو ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ اوّل خان واقعی بہت جھنک گیا تھا۔ اس کے زرد چہرے پر نقاہت نمایاں تھی۔ دوسرے مہمانوں کے احترام میں اس نے صرف ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا۔ اس کے ساتھ آنے والے دونوں افراد کسرتی جسم اور متوسط قامت کے مالک تھے۔ کشادہ پیشانیوں کے نیچے ان دونوں کی آنکھیں بہت نمایاں تھیں۔ شفاف' چمک دار اور مضطرب آنکھیں جو لمحوں ہی لمحوں میں اپنے مخاطب کے باطن میں جھانک لینے کی عادی معلوم ہو رہی تھیں۔ ان میں سے گندمی رنگ والے کے ہاتھ میں بریف کیس جھول رہا تھا۔ صاف رنگ والا بالکل خالی ہاتھ تھا اور دونوں میں سینئر معلوم ہو رہا تھا۔

"کرنل اشفاق اور میجر غوث!" اوّل خان نے ان دونوں کا باری باری تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ہم سب باری باری ایک دوسرے سے گرمجوشی سے ہاتھ ملانے لگے۔ اوّل خان ان دونوں سے مخاطب ہو کر بتاتا رہا "یہ ڈینی کی بیگم غزالہ ہیں.... یہ ویرا لائیڈ اور یہ سلطان شاہ۔"

میں نے ان لوگوں کو بیٹھنے کی پیشکش کی۔ غزالہ خاموشی سے کھسک گئی۔ ویرا وہیں جمی رہنے کے موڈ میں تھی لیکن اوّل خان نے خوب صورتی سے اسے ٹال دیا۔ اس نے ویرا کی مزاج پرسی کرنے کے بعد کہا تھا "جاؤ' ذرا غزالہ سے عمدہ سی چائے بنوا کر لاؤ.... چائے کے ساتھ بسکٹ وغیرہ بھی چلیں گے۔"

اس اثنا میں بقیہ افراد اپنی اپنی جگہیں سنبھال چکے تھے۔ سلطان شاہ میرے برابر میں موجود تھا۔

"میں تمہارے بارے میں غائبانہ بہت کچھ سنتا رہا ہوں۔" کرنل اشفاق مجھ سے مخاطب ہو کر بے تکلفی سے بولا "آج ملاقات کا موقع بھی مل گیا۔ میس میں تمہارے بارے میں اکثر کچھ نہ کچھ سننے میں آتا رہتا ہے۔"

"یہ اوّل خان کی محبت ہے کہ بری باتیں بھول کر اچھی باتیں آگے بڑھاتا رہتا ہے" میں نے کہا۔

"بالکل نہیں۔ اوّل خان سے تمہارے بارے میں آج پہلی بار بات ہوئی ہے" میری بات پوری ہونے کے بعد اس نے کہا "تم بہت عرصے سے ہماری نظروں میں تھے۔ انفارمیشن کا ہمارا اپنا نیٹ ورک ہے جو دن رات کام کرتا رہتا ہے۔ میس کی محدود دنیا میں اسی ذریعے .... سے خبریں آتی ہیں۔ ہمیں جب علم ہوا کہ تم ایس ٹی ایف کے رابطے میں ہو تو تمہارا پیچھا چھوڑ دیا گیا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ ہمارے یہاں کام کرنے والے اس قدر باخبر رہتے ہیں۔"

"کینوپ!" میجر غوث نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"تمہارے ذہن میں کے نائین سے کینوپ کا نام کیسے آگیا؟ میرے لیے یہ پہیلی ابھی تک پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ کے نائین تو وہ مردہ ہے جو چالیس برس پہلے دفن کیا جا چکا ہے۔"

"بہت سیدھی سی بات تھی۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ کے نائین کیا بلا ہے۔ جب اوّل خان نے یہ بتایا کہ آج سے برسوں پہلے امریکنوں نے سینڈز پٹ کے ایک ساحلی حصے کو یہ نام دیا تھا تو میرے ذہن میں کینوپ آگیا۔ سینڈز پٹ کے ویران ساحلی علاقے میں وہی ایک اہم قومی منصوبہ چل رہا ہے۔"

"اس ماسٹر پلان کے سروے کے لیے لگائے ہوئے لینڈ مارکس بھی امتدادِ زمانہ کے باعث گل سڑ کر ختم ہو چکے ہیں۔" کرنل اشفاق نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "اس سروے میں امریکنوں نے ہر تین ہزار گز کی ساحلی پٹی کو ایک نام دیا تھا۔ ہم نقشوں کی مدد سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کینوپ کا بڑا حصہ کے نائین میں واقع ہے۔ اس کے کنڈنسر کو پانی فراہم کرنے والی مصنوعی سمندری نہر کا کچھ حصہ شاید کے ٹین تک چلا گیا ہے۔"

میرے لیے یہ خبر اہم تھی۔ اگر ان لوگوں نے اپنے منصوبے کو سوچے سمجھے بغیر کے نائین کا نام نہیں دیا تھا تو وہ یقیناً کینوپ کے خلاف کوئی بھیانک سازش تیار کر رہے تھے۔

"میرے ساتھی اوّل خان کو خبردار کر چکے ہیں کہ چند غیر ملکی کے نائین نامی ایک خفیہ مشن پر کام کر رہے ہیں۔ ان کی تیاریاں آخری مراحل پر ہیں۔ اگر ان پر تیزی سے وار نہیں کیا گیا تو وہ ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

"ہم اسی بارے میں بریفنگ لینے کے لیے آئے ہیں" کرنل اشفاق نے کہا "میجر غوث کراچی میں ہوتے ہیں۔ میں معاملے کی نزاکت کی وجہ سے انہیں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ ہم ابتدا سے پوری کہانی سننا چاہتے ہیں۔"

میں نے الجھن آمیز نظروں سے اوّل خان کی طرف دیکھا پھر مسکراتے ہوئے کہا "کے نائین کی کوئی کہانی نہیں ہے۔ میں نے پاکستان میں شی کا ہیروئن کا کاروبار تباہ کر دیا ہے۔ وہ میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ یہ میری پرانی لڑائی ہے۔ اس میں جو مہرہ پٹتا ہے، اس کی جگہ کوئی اور میدان میں اتر آتا ہے۔ اس بار راس المیڈا خود میدان میں موجود ہے۔"

"یہ بہت بڑی خبر ہے!" کرنل اشفاق نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "کیا تم پورے وثوق سے یہ دعویٰ کر رہے ہو؟"

"میرا اس سے تصادم ہو چکا ہے۔ وہ میرے ہاتھوں مرنے سے بال بال بچا ہے۔"

"حیران کن.... بلکہ ناقابلِ یقین سی بات ہے!" میجر غوث تعریفی لہجے میں بڑبڑایا۔ "وہ امریکا میں ایک زندہ لیجنڈ بن کر رہتا ہے۔ دنیا میں کہیں اس کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہے۔ اس کے دبدبے کی وجہ سے ڈیوڈ اسٹارز اپنے تمام حریفوں کے لیے ایک ہوّا بنے ہوئے ہیں۔ وہ کسی کی دسترس میں نہیں آتا اور تم کہہ رہے ہو کہ وہ پاکستان میں تمہارے ہاتھوں مار کھا چکا ہے۔ مجھے تم پر رشک آرہا ہے۔"

"میں حیران ہوں کہ ہمارے آدمی اس کی آمد سے اب تک کیوں بے خبر ہیں؟" کرنل اشفاق نے کہا۔

"اس کے اصل اور مفروضہ نام کے مخفف یکساں ہیں۔ وہ راڈنی آرک کے نام سے یہاں آیا ہے۔"

وہ دونوں ہی میرے اس انکشاف پر بری طرح چونک پڑے۔ کرنل اشفاق نے بے یقینی سے کہا "مگر راڈنی آرک تو سفارتی پاسپورٹ پر آیا ہے۔ سی آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ نے اسلام آباد میں اسی کی تذلیل اور مار دھاڑ پر ہنگامہ برپا کیا ہوا تھا۔ وہ کیسے راس المیڈا ہو سکتا ہے؟"

"ان معاملات میں سب کچھ الجھا ہوا ہے۔ اب بین الاقوامی مجرموں کو سفارتی تحفظ دے کر پاکستان بھیجا جا رہا ہے۔ راڈنی آرک یا راس المیڈا میرے لگائے ہوئے زخموں سے ہراساں تھا اور گیری ہارٹ بھی اب سی آئی اے کا افسر نہیں ہے۔ وہ یہاں راس المیڈا کی بچھائی ہوئی بساط کا حقیر سا مہرہ ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اسلام آباد میں اسے پورا پروٹوکول دیا گیا تھا۔"

"وہ امریکا سے روانہ ہوا تو سی آئی اے کا اسسٹنٹ ڈائریکٹر تھا۔ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی وہ اپنے منصب سے محروم ہو کر راس المیڈا کی تحویل میں چلا گیا۔ جب تک وہ امریکنوں کے لیے کارآمد ہے، وہ خاموش رہیں گے۔ جس دن گیری ہارٹ اپنی افادیت کھو بیٹھا، وہ اس سے آنکھیں پھیر لیں گے۔"

"گیری ہارٹ کے ساتھ سی آئی اے کا کوئی انسپکٹر بھی تو آیا تھا؟" میجر غوث نے پُرخیال لہجے میں کرنل اشفاق سے پوچھا "شاید اس کا نام حبیف مولر وغیرہ تھا۔"

"انسپکٹر حبیف ملر" میں نے اس کی تصحیح کی "وہ ایک ٹانگ سے معذور ہو چکا ہے اور کسی بھی وقت واپس امریکا روانہ ہونے والا ہے۔ آج صبح تک وہ میری نجی قید میں تھا۔"

اوّل خان بھی ان میں سے بیشتر باتوں سے ناواقف تھا اس لیے ہر نئی بات پر اس کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں۔ اس کی بے خبری پر کرنل اشفاق بولا "تمہیں صرف ایس ٹی ایف کی حمایت حاصل ہے۔ اگر اوّل خان بھی ان باتوں سے لاعلم ہے تو تمہاری معلومات کے کیا ذرائع ہیں۔"

میرے اشارے پر سلطان شاہ اٹھ کر اندر چلا گیا اور میں نے کہا "گیری ہارٹ نے اسلام آباد میں دباؤ ڈال کر اوّل خان کو ہم سے الگ کر دیا لیکن میں حبیف ملر کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب اس کا لاسلکی اپریٹس میرے قبضے میں ہے۔ میں نے انہیں باور

کرا دیا ہے کہ مجھ سے وہ اپریٹس ضائع ہو چکا ہے۔ میں ان کی پل پل کی سرگرمیوں کی خبر رکھ رہا ہوں لیکن کے نائین کی تفصیلات جاننے سے قاصر ہوں۔"

"وہ اپریٹس کہاں ہے؟" کرنل اشفاق نے اضطراری انداز میں سوال کیا۔

اسی وقت سلطان شاہ نے اپریٹس لا کر میز پر رکھ دیا۔ کرنل اشفاق نے اسے یوں اٹھایا جیسے اسے اپنا کوئی پسندیدہ کھلونا نظر آ گیا ہو۔ وہ اسے چند ثانیوں تک الٹ پلٹ کر دیکھتا اور اس پر لکھی ہوئی تحریر کو پڑھتا رہا۔ اس کے چہرے پر فکر مندی کی لکیریں نمودار ہوتی جا رہی تھیں۔

غزالہ ٹرالی پر چائے اور دیگر لوازمات لے آئی لیکن کرنل اشفاق اسی اپریٹس کے معائنے میں مستغرق رہا پھر اسے اپنے ساتھی کی طرف بڑھاتے ہوئے متردد آواز میں بولا "یہ پینٹاگون کا اسپیشل ملٹری اپریٹس ہے جو صرف کمانڈوز کے استعمال میں رہتا ہے۔ شہری علاقوں میں کسی بیرونی اینٹینا یا ایریل کے بغیر اس کی رینج ڈھائی سو کلو میٹر ہوتی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ ہیڈ کوارٹرز لے جانا چاہوں گا۔"

غزالہ اور ویرا نے ہم سب کے لیے چائے بنانی شروع کر دی تھی۔ میں نے کرنل سے کہا "فی الحال میں اس سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔ یہ میرا واحد انفارمر ہے۔ کراچی سے ڈھائی سو کلو میٹر دور نکلتے ہی یہ ناکارہ ہو جائے گا۔ میرا وعدہ ہے کہ راس المیڈا کا فتنہ ختم ہونے پر میں یہ آپریٹس اوّل خان کو دے دوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک ہم بقیہ پانچ اپریٹسوں پر بھی قابض ہو چکے ہوں۔"

"ایسی صورت میں یہ میرے پاس رہ سکتا ہے" میجر غوث نے فوراً ہی کہا۔

"نو سر!" میں نے سختی سے کہا "مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ لوگ اس سے بھرپور استفادہ نہیں کر سکیں گے۔ میرے ذہن میں کھیل کا پورا نقشہ جما ہوا ہے۔ آپ لوگ اب شامل ہو رہے ہیں۔ میں کچھ سنتا ہوں تو کوئی نہ کوئی کارروائی کر گزرتا ہوں۔ میرے لیے یہ مشکل ہو گا کہ اس مختصری بریفنگ میں میں آپ کو ہر بات سے آگاہ کر سکوں۔ کسی مرحلے پر کوئی چھوٹی سی بات بھی اہم ثابت ہو سکتی ہے۔"

کرنل اشفاق نے ویرا کے ہاتھ سے چائے کی پیالی لے کر اس کا شکریہ ادا کیا اور صوفے پر آگے سرک کر کہا "اس طرح ہم ساری رات بھی کچھ نہیں سمجھ سکیں گے۔ تم اپنے تجربات کی روشنی میں ہمیں راس المیڈا کی کہانی سناؤ۔"

میں اپنے ذہن میں واقعات کی کڑیاں یکجا کرنے لگا۔ ایلن کافی عرصے سے میرے پیچھے لگا ہوا تھا اور ابتدا سے ہی راس المیڈا کے لیے کام کر رہا تھا۔ ان سارے واقعات کو مربوط کرنا آسان کام نہیں تھا۔

ایلن کا قصہ چند سطروں میں سمیٹ کر مجھے نادرہ کا ذکر کرنا پڑا کیونکہ اسی کی وجہ سے جیف طر میرے ہاتھ آیا تھا۔ وہ دونوں ٹھوس عملی دنیا کے آدمی تھے لیکن ان واقعات کو سن کر یوں حیران نظر آ رہے تھے جیسے میں انہیں کوہ قاف کی کوئی طلسماتی کہانی سنا رہا ہوں۔

چائے اور اس کے لوازم چلتے رہے۔ میں نے غیر ضروری تفصیلات کو حذف کر کے اختصار کے ساتھ انہیں تمام اہم واقعات سے آگاہ کر دیا۔ انہوں نے مجھے درمیان میں کہیں بھی ٹوکنے کی کوشش نہیں کی لیکن بعض مراحل پر آپس میں معنی خیز نظروں کا تبادلہ کرتے رہے۔

میرے خاموش ہونے پر کرنل اشفاق سگریٹ سلگا کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹک گیا اور تھکی ہوئی آواز میں بولا "ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ قدرت نے تمہیں دشمن کو زیر کرنے کی اَن گنت خوبیوں سے مالا مال کیا ہے۔ ان خبیثوں کی کمزوریوں کو بروقت سمجھ کر ان پر جوابی ضرب لگائے بغیر تمہیں اتنی کامیابیاں حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔ تم نے یہاں ان کے پیر نہیں جمنے دیے لیکن کے نائین کے بارے میں ابھی کچھ واضح نہیں ہے۔"

"کے نائین کے بارے میں میرے ذہن میں ایک دھندلا سا خاکہ ابھر رہا ہے" میں نے سوچتے ہوئے اسے بتایا "لیکن اس کی بہت سی کڑیاں غائب ہیں۔ میرے چند مسائل حل ہو جائیں تو ہم تیزی سے پیش رفت کر سکتے ہیں۔"

"ہم تمہارا ہر مسئلہ حل کرنے کے لیے تیار ہیں" کرنل اشفاق نے فوراً پیش کش کی "بہتر یہ ہو گا کہ تم اپنے ذہن میں آنے والی ہر بات بتا ڈالو۔ ہو سکتا ہے ہم لوگ گم شدہ کڑیوں کی تلاش میں تمہاری مدد کر سکیں۔"

"پہلی بات تو میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اس وقت اوّل خان کی آمد خفیہ ہے یا اسے میری گرفتاری سے ہٹا لیا گیا ہے؟"

"یہ عارضی ملاقات ہے۔ کل تک احکام واپس لے لیے جائیں گے" کرنل اشفاق نے بتایا "مجھے اسلام آباد میں سن گن ملی ہے کہ محکمۂ داخلہ کا ایک اسسٹنٹ سیکریٹری گیری ہارٹ کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے۔ شاید اس نے امریکا میں بھاری بینک بیلنس کے ساتھ جائدادیں بھی بنائی ہوئی ہیں جن کا کوئی قانونی جواز نہیں ہے۔ اپنے شور و غوغا میں گیری ہارٹ نے اسی کو بلیک میل کر کے اپنی مرضی کے آرڈرز جاری کرائے تھے۔ اس سے باز پرس شروع کی جا چکی ہے۔ حقائق سامنے آتے ہی اوّل خان کے سر سے تمہاری گرفتاری کا بوجھ ہٹ جائے گا۔ اس بارے میں اوّل خان سے میری تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے جسے دہرانا وقت کا زیاں ہو گا مگر اس کا نتیجہ کل تک تمہارے سامنے آ جائے گا۔"

"میرے لیے اوّل خان کی مدد بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر مجھے بہت رکاوٹیں پیش آئیں گی۔"

"عام حالات میں شاید تمہیں یہ مجبوری محسوس ہو لیکن اس وقت کے نائین ریاستی معاملہ ہے۔ اوّل خان کا مسئلہ سلجھنے سے پہلے تمہیں کوئی دشواری محسوس ہو تو میجر غوث تمہاری بھرپور مدد کریں گے۔ کراچی میں ہماری بہت مؤثر تنظیم اور نفری موجود ہے۔ یہ وسائل تمہارا ساتھ دیں گے۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ ایلن یسمفریال کو فوراً حراست میں لے لیا جائے؟ وہ اس وقت شہر کے ایک اسپتال میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اسی کے ساتھ راڈنی آرک کی تلاش بھی شروع کردی جائے تو ان لوگوں کی سرگرمیاں ست پڑ سکتی ہیں۔"

"راڈنی آرک پر ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا۔ اسے سفارتی تحفظ حاصل ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ ملک بدر کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے لیے محکمۂ خارجہ کی اجازت درکار ہوگی۔ تمہیں ان الجھنوں میں پڑے بغیر' خاموشی سے اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔" کرنل اشفاق نے ناصحانہ انداز میں مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ پیچیدگیاں میں سمجھتا ہوں اسی لیے میں اوّل خان کی رفاقت کو ترجیح دیتا ہوں۔ اگر کے نائین کو واقعی ریاست کا مسئلہ سمجھا جارہا ہے تو یہ بات ان لوگوں پر واضح ہوجانی چاہیے۔ جب انہیں علم ہوگا کہ ان کا بنایا ہوا ڈھانچا شکست و ریخت کا شکار ہوچلا ہے اور مقامی حکام ان کی راہ پر لگ گئے ہیں تو وہ میدان چھوڑ کر فرار بھی ہوسکتے ہیں۔ عملاً کچھ ہو یا نہ ہو' ان پر نفسیاتی دباؤ پڑنا ضروری ہے۔"

"یہ بات قابلِ فہم ہے" اس نے مشفقانہ لہجے میں کہا "ان خطوط پر کام کیا جاسکتا ہے۔"

"فوری اہمیت اس ٹرک کی ہے جس میں بلیک ہاک کے گھر سے کچھ سامان لے جایا گیا ہے۔ سامان کی نوعیت معلوم ہوجائے تو ان لوگوں کے عزائم بھی سامنے آسکتے ہیں" میں نے کہا۔

میجر غوث کے ایما پر میں نے ٹرک کا نمبر اور بلیک ہاک کے گھر سے اس کی روانگی کا وقت ایک کاغذ پر لکھ کر اس کے حوالے کردیا۔ میجر غوث نے کاغذ پر ایک نظر ڈال کر اسے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

"تم کے نائین کے بارے میں کسی دھندلے خاکے کا ذکر کررہے تھے" کرنل اشفاق نے مجھے یاد دلایا۔

"فضائی راستوں کے حوالے سے ذہن میں فضائی حملے کا تصور ابھرتا ہے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "مگر میں جانتا ہوں کہ یہ احمقانہ خیال ہے۔ فضائی حملے کی حکمتِ عملی ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اس کا مسافر بردار طیاروں کے راستوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ساحل پر نیچی پرواز کرتا ہوا کوئی بھی بمبار طیارہ بہت آسانی سے اپنا ہدف دیکھ سکتا ہے۔ انفرا ریڈ ٹیکنالوجی کی مدد سے رات کے اندھیرے میں بھی سب کچھ اتنا ہی واضح نظر آتا ہے جتنا دن کے اجالے میں۔"

کرنل اشفاق بے بسی سے میری طرف دیکھنے لگا۔ چند ثانیوں بعد وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ دفاع کے شعبے میں ہونے والی تبدیلیاں تمہارے علم میں ہیں۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کینوپ کے گرد ایک مضبوط دفاعی حصار قائم ہے جس میں تباہ کن فضائی دفاع بھی شامل ہے۔ ہمیں اپنے ان انتظامات کی تشہیر کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سیٹلائٹ کے اس دور میں خلا میں گردش کرتی ہوئی ہزاروں حساس آنکھیں دن رات زمین کے چپّے چپّے پر نظر رکھتی ہیں۔ ہمارے حریفوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم کن تیاریوں کے ساتھ اپنے مورچوں میں مستعد رہتے ہیں۔"

وہ دونوں بہت زیادہ منتشر خیالی کے عالم میں آئے تھے لیکن طویل گفتگو کے بعد انہیں معاملات کی حقیقی سنگینی کا مکمل ادراک ہوچکا تھا جس کی وجہ سے ان کے چہرے بوجھل نظر آنے لگے تھے۔

ہماری گفتگو مکمل ہوچکی تھی اور وہ تینوں واپسی کے ارادے سے اٹھنے ہی والے تھے کہ اچانک اپریٹس پر کال کا اشارہ موصول ہونے لگا۔ کرنل اشفاق نے سرعت سے اپریٹس آن کردیا۔

اس وقت بلیک ہاک' گیری ہارٹ سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اچھا ہی ہوا کہ ان لوگوں کی موجودگی میں پیغام رسانی کا یہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ ان دو اہم کرداروں کی گفتگو ذاتی طور پر سن لینے کے بعد ان کے رہے سہے شکوک و شبہات بھی ختم ہوجاتے۔

بلیک ہاک کی پہلی ہی کال پر گیری ہارٹ نے اپریٹس پر جواب دے ڈالا۔

"اسلام آباد کے حالات اچانک بدل گئے ہیں۔" بلیک ہاک کسی تمہید کے بغیر بولنے لگا "فیڈرل ہوم ڈپارٹمنٹ میں جو افسر تمہارے لیے کام کرتا ہے' اسے دوپہر میں کچھ سادہ پوش اہل کار اس کے دفتر سے اٹھالے گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری بدقسمتی سے اس کی بدعنوانیوں کا بھانڈا پھوٹ گیا ہو۔ اس وقت تمہاری سلامتی خطرے میں ہے۔ جیف ملر کو ساتھ لے کر فوراً اپنے قونصل خانے میں پناہ لے لو۔ اپنے شناختی اور سفری کاغذات کے ساتھ اپریٹس ضرور لیتے جانا۔ وہ لوگ جیف ملر پر ظالمانہ تشدد کو جواز بنا کر تمہیں اپنی حفاظت میں لے کر وطن روانہ کردیں گے۔ یہ بہت ضروری بلکہ ناگزیر ہے۔ تم نے ذرا بھی تاخیر کی تو نتائج کے خود ذمّے دار ہوگے ـــ اوور!"

"یہاں میرا کام ابھی ادھورا ہے۔" گیری ہارٹ نے دبی زبان میں احتجاج کیا۔ "کہیں چیف نے مجھ سے برہم ہوکر تو یہ فیصلہ نہیں کیا ہے؟ اسے بتاؤ کہ میری پوری وفاداری اس کے ساتھ ہے اور میں ڈینی کو گھیرنے کی بھرپور کوشش کررہا ہوں ـــ ہوسکتا ہے اگلے ایک دو روز میں مجھے کامیابی حاصل ہوجائے.... اوور۔"

"یہ انتقامی نہیں' ہمدردانہ فیصلہ ہے' گیری!" بلیک ہاک کی

آواز نرم ہو گئی "چیف اپنے آدمیوں کا بھی خواہ ہے۔ تم خود اپنی گردن کٹوانی چاہتے ہو تو ضرور ڈٹے رہو۔ تم پھنس گئے تو چیف اپنی دوسری مصروفیات کی وجہ سے تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ پاکستانیوں کا کیا طریقہ کار ہے۔ کٹھ پتلیوں کی طرح کام کرتے کرتے ان کالوں پر کوئی دورہ پڑتا ہے اور اچانک ہی کوئی معجزہ رونما ہو جاتا ہے۔ اینٹی کرپشن یا ایف آئی اے والے برسوں سے اس افسر کو چشم پوشی کا فیض پہنچا رہے تھے۔ تم نے اس سے ذرا سا کام لیا تو وہ سب فعال ہو گئے۔ ہمیں ان خبیثوں سے دور رہ کر اپنا کام کرنا پڑے گا۔۔۔ اوور۔"

"میں گاہے گاہے سنتا رہا ہوں کہ چیف کی ساری توجہ کے ٹائین پر مرکوز ہے۔ میں تمہاری ہدایت پر عمل کروں گا اور چیف کی کامیابی کے لیے دعا گو رہوں گا کیونکہ اب میرا مستقبل اسی سے وابستہ ہے۔ اوور۔"

"تم اُلّو کی طرح سمجھ دار ہو" بلیک ہاک نے انگریزی محاورے میں اسے سراہا اور کہا "وطن جاؤ۔ وہاں تمہیں جلد ہی ایک بڑی خبر ملے گی۔ اس خبر کے پیچھے چیف کا ذہن کارفرما ہوگا۔ اوور اینڈ آل!"

یہ گفتگو سن کر ان دونوں کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے۔ میجر غوث بھرائی ہوئی آواز میں بولا "یہ جن سے کام لیتے ہیں، ان پر شاید ہر لمحے نظر رکھتے ہیں۔ قادر کو پوری رازداری کے ساتھ اٹھایا گیا ہے۔ یہ معاملہ صرف تین چار افسرانِ بالا کے علم میں تھا لیکن یہ لوگ باخبر ہیں اور بدلے ہوئے حالات کے مطابق تیزی سے فیصلے بھی کر چکے ہیں۔"

"فرد اور ادارے کی کارروائی میں یہی فرق ہوتا ہے" میں نے کہا "فرد صرف اپنی صوابدید پر عمل کرتا ہے، ادارے ضابطوں کے پابند ہوتے ہیں اسی لیے میں اداروں سے دور رہ کر اوّل خان کے ساتھ خوش رہتا ہوں۔"

"یہ ان کی نہیں، ان کے وسائل کی کامیابی ہے" کرنل اشفاق اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو پا کر بولا "میں ان باتوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ میرے لیے لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ بلیک ہاک نے اسے جلد ہی ایک بڑی خبر کی نوید دی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ خود کو کامیابی کے قریب محسوس کر رہے ہیں۔"

"انہیں خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے کا پورا حق حاصل ہے۔ ہمیں اپنے کام پر دھیان دینا چاہیے" اوّل خان نے ایک معقول بات کہی "اس وقت ہمارے سامنے پہلا کلیو بلیک ہاک کے سامان کا ہے۔ ہمیں پہلی فرصت میں اس کی نوعیت کا سراغ لگانا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے!" کرنل اشفاق نے اپنی جگہ چھوڑ دی "اس پر ابھی کام کیا جائے گا۔ میجر صاحب کو جس وقت بھی رپورٹ ملی، یہ تم کو باخبر کر دیں گے۔"

"یہ رات میں کسی بھی وقت فون کر سکتے ہیں۔ میں اپنا انسٹرومنٹ سرہانے رکھ کر سوتا ہوں" میں نے خوش دلی سے کہا۔ "میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اس سامان کا کے ٹائین سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔"

"ساری چھان بین اسی زاویے سے کی جائے گی" میجر غوث نے یقین دہانی کرائی۔

انہیں واپسی پر آمادہ دیکھ کر ویرا بھی آ گئی۔ اس نے اوّل خان سے کھانے کے لیے اصرار کیا لیکن ان تینوں میں سے کوئی بھی کھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ انتہائی پُرجوش دوستانہ فضا میں وہ واپس چلے گئے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا" اندر لوٹنے کے بعد سلطان شاہ نے پژمردہ آواز میں کہا "کے ٹائین کی کہانی جہاں تھی، وہیں رکی ہوئی ہے۔ پتا نہیں اب یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔"

"کے ٹائین کی حد تک تمہاری بات درست ہے لیکن یہ معمولی کامیابی نہیں ہے کہ ایک بدعنوان بڑے افسر کے خلاف اتنی تیزی سے کارروائی کی گئی ہے۔ گیری ہارٹ اور حبیب کی واپسی کا مطلب ہے کہ اب چیف نے بوکھلا کر اپنے پَر سمیٹ لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب ہم آزادی سے کام کر سکیں گے۔"

"اب تم ہی کام کرنا۔ میں تو کھانا کھا کر گہری نیند سونے کا ارادہ رکھتا ہوں" سلطان شاہ نے انگڑائی لے کر کہا۔

"بکومت! کھانے کے بعد ہمیں بلیک ہاک کی طرف جانا ہے۔ جب تک کے ٹائین کا مسئلہ حل نہیں ہوگا، میں سکون سے نہیں سو سکوں گا۔ اوّل خان کے آ جانے کے بعد میں اپنے وجود میں نیا ولولہ محسوس کر رہا ہوں۔"

"تم اپنا یہ ولولہ کل بھی پورا کر سکتے ہو۔ میجر غوث کو بھی کچھ وقت دو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ یہ گتھی سلجھانے میں کوئی کلیدی کردار ادا کر سکے۔" سلطان شاہ نے کسل مندی کے ساتھ احتجاج کیا۔

"یہ کاہلی نہیں چلے گی" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "آج ہم لوگوں نے حبیب طر کو بے ہوش کر کے نادرہ کے گھر سے نیشنل اسٹیڈیم کی جھاڑیوں میں پہنچانے کے سوا کام ہی کیا ہے؟"

"ابھی تمہاری اور اوّل خان کے مہمانوں کی گفتگو جو سن رہا تھا۔" اس نے بے ساختہ کہا "وہ کم کام نہیں تھا۔"

اس دوران غزالہ ویرا کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ شاید وہ دونوں کھانے کی تیاریوں میں مصروف ہو چکی تھیں۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہوتے رات کے گیارہ بج گئے۔ پیٹ میں چارا پڑ جانے کے بعد سلطان شاہ بھی تر و تازہ نظر آنے لگا تھا۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس نے بوٹ بیسن سے کرائے کی موٹر سائیکل لانے کا عندیہ ظاہر کیا تو میں نے اسے روک دیا۔

روانگی میں تاخیر ہو جانے کی بنا پر میں نے اپنے پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کر لی تھی۔ بلیک ہاک کے چوکیدار کو چکمہ دینے کے لیے موٹر سائیکل کا ہونا ضروری نہیں تھا۔

نادرہ کے فلیٹ میں منتقل ہو جانے کے بعد ہمیں سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا تھا کہ ہماری ہر ضروری اور غیر ضروری چیز کو ایک مستقل ٹھکانا میسر آگیا تھا۔ میں نے وضع وضع کے ہتھیاروں اور سراب گوٹھ سے خریدے ہوئے ہلکے پھلکے بارودی شعبدوں کے لیے کپڑوں کی ایک دیوار گیر چوبی الماری مخصوص کر دی تھی۔

الماری کا جائزہ لے کر ہم نے ضروری ہتھیار ساتھ لیے اور فلیٹ سے نکل کھڑے ہوئے۔

ویرا سمجھ رہی تھی کہ کے نائین کا قصہ جس موڑ پر آکر رک گیا تھا وہاں کوئی غیر معمولی پیش قدمی ناگزیر ہو گئی تھی۔ اس بارے میں راس المیڈا یا بلیک ہاک سے ہی مزید معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔ راس المیڈا نے روپوشی اختیار کی ہوئی تھی۔ لے دے کر صرف بلیک ہاک ہمارے سامنے تھا۔ اس کو للکارے بغیر بات بنتی نظر نہیں آرہی تھی۔

ویرا کے برعکس غزالہ بہت زیادہ متفکر تھی۔ شادی کے بعد سے وہ ایسی بدلی تھی کہ ایک خالص خانہ دار خاتون بن کر رہ گئی تھی۔ اس پوری مدت میں اس نے صرف ایک بار غیر معمولی سرگرمی کا مظاہرہ کیا تھا جب وہ ویرا کے ساتھ ایچ ڈی نارمن کو ہلاک کرنے کی مہم پر روانہ ہوئی تھی اور کامیاب و کامران واپس لوٹی تھی۔

چلنے سے پہلے مجھے اس کو سمجھانے میں کئی منٹ لگے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس نے مجھے اپریٹس یاد دلا دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر ہم بلیک ہاک سے ٹکرانے ہی جا رہے تھے تو وہ اپریٹس ہمارے ساتھ موجود رہنا چاہیے تھا تاکہ ان لوگوں کے تازہ ترین پیغامات ہمارے علم میں آتے رہیں۔

سلطان شاہ کو ڈرائیونگ میں بہت لطف آتا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ اس نے اپنا لڑکپن اور جوانی کا ابتدائی حصہ ٹرکوں کے ایک اڈے پر ملازمت کرتے گزارا تھا جہاں اسے کام کاج کی مصروفیت میں ڈرائیونگ کا کوئی موقع نہیں ملتا تھا لیکن لمبے سفر سے آنے والے ڈرائیوروں کی جھوٹی سچی کہانیاں اس کے دل میں ان ہی جیسے رنگین اور سنسنی خیز تجربات حاصل کرنے کا شوق پیدا کرتی رہتی تھیں۔ وہ درمیانی اور بڑی عمر کے ان ڈرائیوروں جیسے تجربات سے تو نہیں گزر سکا لیکن ڈرائیونگ کے ہر موقع سے فائدہ اٹھانا اس کی فطرتِ ثانیہ بن چکا تھا۔

اس نے بہت خاموشی سے گاڑی احاطے سے باہر نکالی لیکن سڑک پر پہنچتے ہی اس کی زبان چل پڑی "تم نے ابھی تک مجھے اپنے پروگرام سے آگاہ نہیں کیا ہے۔ اگر کسی نازک موقع پر مجھ سے کوئی گڑبڑ ہو جائے تو مجھے الزام نہ دینا۔ یہ بات میں ابھی سے واضح کیے دے رہا ہوں۔"

"تم دانستہ کھیل بگاڑنا چاہو تو پروگرام جان لینے کے بعد بھی دشواریاں پیدا کر سکتے ہو۔ دوسری صورت میں کسی گڑبڑ کا امکان نہیں ہے۔ ہم پہلے بھی اس طرح نکلتے رہے ہیں" میں نے ترشی سے کہا۔

"پہلے کی بات اور تھی۔ اس وقت ہم راس المیڈا کے دستِ راست پر ہاتھ ڈالنے جا رہے ہیں۔ ہمیں پوری احتیاط سے ہر بات کی پیشگی منصوبہ بندی کر لینی چاہیے" وہ میری خفگی کی پروا کیے بغیر بولا۔

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو" اس بار میں نے چڑ کر کہا "ہمیں اس مکان کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے تو ہم منصوبہ بندی کیسے کر سکتے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ ہمیں وہاں گھس کر مکان کی تلاشی لینی ہے۔"

"ہائیں!" وہ حیرت سے بولا "میں تو سمجھ رہا تھا کہ ہم بلیک ہاک کو اغوا کرنے جا رہے ہیں۔ میں نے تو احتیاطاً کلوروفارم کی شیشی بھی جیب میں رکھ لی ہے۔ کسی کو صرف بے ہوش کرنے کے لیے ضرب لگانا ذرا ظالمانہ فعل معلوم ہوتا ہے۔ چوٹ لگاتے ہوئے نشانہ خطا ہو جائے تو معاملہ الٹ بھی جاتا ہے۔"

میں بے بسی سے ہنستے ہوئے بولا "معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تم نے بسیار خوری کر لی ہے۔ اگر ہم بلیک ہاک سے ٹکرائے بغیر اپنا کام کر لیں تو بہت اچھی بات ہوگی۔ بظاہر اس کا امکان کم ہی ہے۔ وہ مزاحمت کرے گا تو ہمیں اس کو زیر کرنا ہی پڑے گا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اس کے گھر سے کے نائین کے بارے میں کچھ نہ کچھ مواد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اسے گمان بھی نہیں ہوگا کہ ہم اتنی جلدی اس کے سر پر پہنچ جائیں گے۔"

"بس، میں پوری بات سمجھ گیا" وہ بولا "تمہارے لیے بلیک ہاک نہیں، کے نائین زیادہ اہم ہے۔"

"گاڑی اس کے پھاٹک سے ذرا پہلے، دیوار کے ساتھ ہی روک لینا تاکہ ہمیں واپسی میں کوئی دشواری نہ ہو" میں نے اسے

ہدایت دی "اس علاقے سے پرانی گاڑیاں بہت کم چوری ہوتی ہیں۔ دروازے مقفل کیے بغیر چابی اگلے پائیدان کے نیچے چھوڑ دینا۔ ہو سکتا ہے کہ چوکیدار پر کلوروفارم ہی استعمال کرنی پڑ جائے۔ موقع کے مطابق کام کر لینا۔"

"اور اگر ہمیں واپسی پر اس طرف آنے کا موقع ہی نہ مل سکا؟" اس نے پوچھا۔

"ہم گاڑی کو بھول کر کسی بھی طرف بھاگ نکلیں گے۔ گاڑی ابھی تک پرانے مالک کے نام پر ہے۔ رسید پر تمہارا نام اور پتا فرضی ہے۔ گاڑی کی وجہ سے ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

بعد کا مختصر سا سفر خاموشی سے طے ہوا۔ سلطان شاہ نے وہ موضوع چھیڑ کر مجھے الجھا دیا تھا اور میں بلیک ہاک کے مکان پر پیش آنے والی متعدد متوقع صورتوں کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔

خوش حال بستی کی وہ رات خاصی خوشگوار تھی۔ سڑکوں پر سناٹا تھا۔ کبھی کبھی اِکّا دُکّا گاڑیاں تیزی کے ساتھ گزر جاتی تھیں۔ گلیوں میں کہیں کہیں قرب و جوار کے گھریلو ملازمین نے ایک دوسرے کو اپنے مالکان کی کہانیاں سنانے کے لیے محفلیں جمائی ہوئی تھیں جو میرے لئے پریشان کن تھیں۔

ہم بلیک ہاک کے مکان کے قریب پہنچے تو مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ اسٹریٹ ۔لیمپس کی تیز روشنی میں وہاں دور تک کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔

سلطان شاہ نے ہیڈ ۔لیمپس بند کر کے گاڑی بلیک ہاک کے احاطے کی دیوار کے ساتھ لگا دی۔

ہم دونوں بیک وقت گاڑی سے اترے۔ پھاٹک کی طرف جاتے ہوئے سلطان شاہ میرے پیچھے ہو لیا۔

وزنی آہنی گیٹ کے ساتھ بنے ہوئے کنکریٹ کے دو دیوہیکل ستونوں میں سے ایک پر اطلاعی گھنٹی کا سوئچ بہت نمایاں تھا مگر میں نے اس کو نظرانداز کر کے پھاٹک پر ہلکی سی دستک دی۔

اندر چوکیدار مستعد تھا "کون ہے؟" کی آواز کے ساتھ ہی چرچراہٹ کی ہلکی سی آواز سنائی دی جیسے کوئی چارپائی یا چوبی کرسی سے اٹھا ہو پھر وزنی قدموں کی ہلکی ہلکی آہٹیں سنائی دینے لگیں۔

"باہر سے خط آیا ہے.... یہ لے لو۔" میں نے پھاٹک کے قریب ہو کر اتنی اونچی آواز میں کہا کہ چوکیدار میرا پیغام سن لے۔ مکانوں کے وسیع رقبے کی وجہ سے یہ امکان نہیں تھا کہ میری آواز دوسروں تک پہنچتی۔

"خط اندر پھینک دو!" اندر سے کرخت لہجے میں کہا گیا "یہ خط لانے کا کون سا وقت ہے؟" لب و لہجے اور الفاظ کے بگڑے ہوئے مانوس تلفظ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کراچی والوں کی روایات کے مطابق اس مکان کا چوکیدار بھی پاکستان کے سرحدی علاقوں کا کوئی شہری یا دیہاتی تھا۔

"یہ ڈاک خانے سے نہیں، کوریر سے آیا ہے۔ خط لے کر انگوٹھا بھی لگانا ہوگا۔ دروازہ کھولو!"

ہو سکتا ہے کہ کوریر کا لفظ اس کے پلے نہ پڑا ہو لیکن بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔

اس نے بڑبڑاتے ہوئے کنڈی سرکا کر ذیلی دروازہ کھول دیا اور اس کی اشتباہ آمیز نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا کر کہا "کدھر ہے خط؟"

میں نے لفافہ اور کاغذ جیب سے نکالا اور اسے دیتا ہوا ذیلی دروازے سے اندر گھس گیا "بس' یہاں اپنا انگوٹھا لگا دو اور دروازہ بند کر کے آرام کرو" میں نے اس کے پیچھے پڑی ہوئی چارپائی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"قلم دو!" وہ غرایا "میں دستخط کروں گا" پھر وہ میرے دیے ہوئے بند لفافے کو گھورتے ہوئے بولا "مگر اس پر تو کسی کا نام نہیں ہے! یہ کس کا خط ہے؟ ہمارا یا صاحب کا....؟"

"نام نہیں' تم پتا دیکھو" میں نے داہنا ہاتھ پشت پر لے جا کر سلطان شاہ کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس قوی الجثہ اور جوان چوکیدار کے تیور دیکھ کر مجھے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ دوسری گڑبڑ یہ ہوئی کہ وہ میری توقع کے برعکس جاہل مطلق نہیں تھا۔ اگر وہ میری دی ہوئی رسید پر نگاہ ڈالتا تو فوراً اندازہ لگا لیتا کہ وہ دھندلائی ہوئی رسید مسز نادرہ غنی کے نام پر کئی ماہ پرانی تاریخ پر کاٹی گئی تھی۔

میں نے جیب سے قلم نکال کر اسے دیا۔ اسی لمحے میرے نتھنوں میں کلوروفارم کی تیز بُو آئی۔

چوکیدار قلم لے کر دیوار کی طرف پلٹا تاکہ اس کا سہارا لے کر رسید پر اپنے دستخط ثبت کر سکے۔ اس کے پلٹنے کی دیر تھی کہ سلطان شاہ اچھل کر اس کی کمر پر سوار ہو گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے چوکیدار کے دہانے پر جم گئے تھے۔ اس ناگہانی افتاد پر چوکیدار کے دہانے سے غوں غاں کی گھٹی گھٹی آوازیں نکلیں' میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے خوف ہوا کہ وہ جسیم اور تنومند چوکیدار سلطان شاہ کو اپنی پشت سے اچھال پھینکے گا۔

اچانک چوکیدار کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ اس کے دونوں ہاتھ بے تابانہ انداز میں فضا میں یوں لہرا رہے تھے جیسے وہ اپنا بگڑا ہوا توازن سنبھال کر کھڑا رہنے کی کوشش کر رہا ہو۔

شاید سلطان شاہ نے اپنے مدِمقابل کی صحت اور جسامت دیکھ کر کپڑے پر وافر مقدار میں کلوروفارم انڈیل لی تھی۔ اس سیال کے زود اثر بخارات نے چوکیدار کے ذہن اور اعصاب پر اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ لمحوں ہی لمحوں میں وہ تیورا کر کسی بے جان لاش کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ سلطان شاہ آخری لمحوں پر خود کو اس کے گرتے ہوئے بدن کی زد سے بچانے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ سب چشم زدن میں ہو گیا۔ میں اس دوران میں عمارت کی طرف سے غافل نہیں رہا۔ اندر والوں کو گیٹ پر رونما ہونے والے واقعات کی بھنک بھی نہیں مل سکی تھی۔

وہاں کنکریٹ کے دونوں ستونوں پر گیٹ لیمپ روشن تھے لیکن ہم تینوں براہِ راست روشنی میں ہونے کے بجائے، آہنی پھاٹک کے سائے میں موجود تھے جہاں تقریباً نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

میں نے پھرتی سے پھاٹک کے ذیلی دروازے کی کنڈی لگادی۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ چوکیدار کے قریب سے لفافہ، رسید اور قلم اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال چکا تھا۔

چوکیدار کے بے ہوش وزنی وجود کو نیچے سے اٹھا کر چارپائی پر ڈالنا ہم دونوں کے لیے بہت مشکل کام تھا۔ اس بے چارے نے پوری ہوش مندی سے کام لینا چاہا تھا لیکن ہمیں کسی کڑے امتحان میں مبتلا کیے بغیر نہایت آسانی سے ڈھیر ہوگیا تھا۔ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ اسے کوئی تکلیف پہنچائی جائے لیکن مجبوری تھی۔ ہم دونوں نے بہ وقت تمام اسے گھسیٹ کر دیوار کے ساتھ بنی ہوئی نرم کیاری میں پہنچا دیا جہاں شاید مٹی گود کر تازہ پنیری لگائی گئی تھی۔

اس کام سے فارغ ہو کر ہم دونوں وہیں دیوار سے لگ کر کھڑے ہوگئے اور مکان کا جائزہ لینے لگے۔ وہ ایک منزلہ مکان تھا۔ برآمدہ روشن ہونے کے باوجود مکان کے سامنے والے حصے کی کسی کھڑکی میں روشنی نظر نہیں آرہی تھی۔ اس وقت وہ مکان خالی پڑا ہوا تھا یا بلیک ہاک آرام کر رہا تھا۔

احتیاط کا تقاضا تھا کہ مکان میں گھسنے سے پہلے ایک بار عمارت کا طواف کر کے اندر کی سن گن لے لی جائے۔ بادی النظر میں یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس مکان کے سامنے والے حصے میں برآمدے کے ایک طرف ڈرائنگ روم اور دوسری طرف ایک خواب گاہ ہو۔ دوسرے کمرے پشت پر ہونے چاہیے تھے۔

"تم یہیں ٹھہرو" میں نے پھاٹک کے ساتھ بنی ہوئی، چوکیدار کی کشادہ کوٹھری کی طرف اشارہ کر کے سلطان شاہ سے کہا "میں احاطے کے ساتھ ساتھ گھوم کر مکان کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔"

"خیال رکھنا، اندر کسی خوں خوار کتے سے بھی ملاقات ہوسکتی ہے۔" اس نے مجھے متنبہ کیا۔

مجھے اپنی بُو پر سدھائے ہوئے ایلین کے وحشی اور خوں خوار کتے یاد آگئے اور بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں مگر پھر میں نے اس احمقانہ خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔

وہاں کوئی کتا موجود ہوتا تو چوکیدار کے آس پاس ہی ہوتا۔ پچھلے چند ثانیوں میں پھاٹک کے زیرِ سایہ جو واقعات رونما ہوئے تھے وہ اعلیٰ نسل کے کسی بھی واچ ڈاگ کو ادھر متوجہ کرنے کے لیے کافی تھے۔

میں سلطان شاہ کی پشت پر ہاتھ مار کر دیوار کے ساتھ ساتھ ایک طرف بڑھنے لگا۔

وہ علاقہ ڈیفنس سوسائٹی کے قیام کے ساتھ ہی تیزی سے آباد ہونا شروع ہوگیا اس لیے وہاں کے مکانات میں جدید طرزِ تعمیر کی وہ نزاکتیں نہیں تھیں جو ڈیفنس ہی کے بہت بعد میں آباد ہونے والے علاقوں میں جا بجا دیکھنے میں آتی تھیں۔ بلیک ہاک کا مکان بھی سادہ اور روایتی انداز میں بنا ہوا تھا۔ مکان کا لان کافی بڑا اور سرسبز تھا۔ اس میں خال خال پھولوں کے تختے بھی نظر آرہے تھے۔ ظاہر تھا کہ وہ مکان بلیک ہاک کی ملکیت نہیں تھا۔ وہ وہاں کرائے پر یا کسی کے مہمان کی حیثیت سے رہ رہا تھا لیکن مالک مکان خاصا باذوق آدمی معلوم ہوتا تھا۔

میں کچھ آگے گیا تو مجھے مکان کے داہنے پہلو پر ایک سفید کار کھڑی نظر آئی۔ مکان میں داخلے کا دوسرا دروازہ اسی طرف واقع تھا۔ شاید بلیک ہاک آمدورفت کے لیے وہی دروازہ استعمال کرتا تھا۔ اس طرف ایک بڑی کھڑکی روشن تھی، چند ثانیوں بعد مجھے اس کھلی ہوئی روشن کھڑکی میں سے دیوار گیر کیبنٹ بھی نظر آنے لگے۔ میں نے غور سے اس حصے کا جائزہ لیا اور ذہن میں محفوظ کر لیا۔

مکان کی پچھلی سمت میں ایک اور کمرا روشن نظر آیا۔ وہ ہر طرف سے بند تھا لیکن اس کی دیوار میں نصب ائرکنڈیشنر کی مسلسل گھوں گھوں اس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ بلیک ہاک اسی کمرے میں ہو سکتا تھا۔

میں مکان کے پیچھے راج کرتی ہوئی تاریکی سے نکلنے بھی نہ پایا تھا کہ میری جیب میں موجود ائرپیس پر ابھرنے والے اشاروں نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ میں نے دل ہی دل میں غزالہ کو دعا دی جس نے میری روانگی کے آخری لمحات پر مجھے ائرپیس یاد دلایا تھا۔ پھر میں نے وہیں دیوار کی جڑ میں سمٹ کر ائرپیس آن کیا اور اس کی آواز بہت دھیمی کر کے اسے اپنے کان سے لگالیا۔

"گیری ہارٹ کالنگ بلیک ہاک.... اوور!" دوسری طرف سے بھنبھناتی ہوئی مگر واضح آواز آئی۔

"یس گیری.... میں لائن پر ہوں۔ اوور" قلیل وقفے کے بعد ابھرنے والی آواز میرے شکار کی تھی۔

"میں نے تمہاری ہدایات پر حرف بہ حرف عمل کیا ہے" گیری ہارٹ کی سہمی ہوئی آواز سے خوف جھلک رہا تھا۔ "میں قونصل خانے میں ہوں۔ یہ لوگ میرا ائرپیس لینا چاہتے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ صبح چار بجے کی فلائٹ سے مجھے فرینکفرٹ کے راستے نیویارک کے لیے روانہ ہونا ہے۔ میرا ذہن ماؤف ہو رہا ہے۔ میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے.... اوور۔"

"اب وہی تمہارے باس ہیں جنہوں نے تمہیں پناہ دی ہے۔ ان کی ہدایات پر عمل کرو" بلیک ہاک کی آواز بالکل سرد اور جذبات سے یکسر عاری تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "وہاں پہنچ جانے کے بعد میں یہ بات تمہارے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ چیف کو شبہ ہوگیا ہے کہ جیف ملر ڈینی کی قید سے فرار نہیں ہوا، اسے ڈینی نے اپنے کسی ناپاک منصوبے کے تحت دانستہ آزاد کیا ہے اور جیف اپنی پوزیشن بچانے کے لیے جھوٹ بول رہا ہے۔ اس سے گہری دوستی اور جذباتی وابستگی کی وجہ سے تم بھی اس سے مل گئے ہو۔ تم جانتے ہو کہ چیف

اپنے آس پاس کسی مشتبہ آدمی کا سایہ بھی برداشت نہیں کرتا۔ تم دونوں کا فیصلہ واشنگٹن والے کریں گے۔ چیف نے تمہیں اپنی ٹیم سے ڈسچارج کردیا ہے۔ اوور۔"

"یہ تہمت ہے۔۔۔ سراسر الزام ہے" گیری ہارٹ کی وحشت زدہ آواز ابھری "چیف نے کیسے سمجھ لیا کہ ہم دونوں جھوٹے ہیں۔۔۔؟ کیا ہماری عرق ریزیوں اور قربانیوں کا یہی انعام ہے۔۔۔؟ اوورا"

"چیف ہر معاملے پر بہت گہری نظر رکھتا ہے" بلیک ہاک کی آواز ہمدردانہ ہوگئی "اس کے فیصلے کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا۔ سب کو معلوم ہے کہ چیف ہر قیمت پر ڈیبی کو سرنگوں دیکھنا چاہتا ہے۔ زندہ یا مردہ۔ یہ بات تم کو بھی معلوم ہے۔ اگر جیف اس مردود کی قید سے فرار ہوا تھا تو اسے سب سے پہلے اس ٹھکانے کو ذہن نشین کرنا تھا۔ تم نے اس کی واپسی کی خبر دی مگر ڈیبی کے ٹھکانے کا ذکر نہیں کیا۔۔۔ میرا ماتھا اسی وقت ٹھنک گیا تھا۔ چیف نے بھی میری رپورٹ میں اس سنگین کوتاہی کی نشان دہی کی اور اس کی ہدایت پر جب میں نے تم سے اس بارے میں استفسار کیا تو تم نے سی آئی اے کے شہرۂ آفاق انسپکٹر جیف ملر کی بوکھلاہٹ اور خوفزدگی کی کہانی سنا کر مجھے یہ باور کرانا چاہا کہ وہ اپنی اذیتوں کی وجہ سے اپنا مشن فراموش کر بیٹھا تھا۔ وہ چاہتا تو اس ٹیکسی ہی کا نمبر نوٹ کرسکتا تھا جس نے اسے اس علاقے سے نکالا تھا۔ چیف نے اس بارے میں مجھ سے پہلے تمہیں فون کیا تھا تو تم نے جیف پر مسکن دواؤں کے اثرات کی وجہ سے اس کے سونے کا بہانہ کیا تھا۔ تم کہانی بنانے کے لیے وقت حاصل کرنا چاہ رہے تھے۔ تم نے کہانی بنائی مگر وہ لنگڑی لولی تھی۔ جیف کے پائے کا سیکرٹ ایجنٹ موت کے دہانے پر ہوتے ہوئے بھی اپنے کام سے غافل نہیں ہوتا۔۔۔ اس نے کیسے ڈیبی کے ٹھکانے کو نظرانداز کردیا۔۔۔؟ کاش تم نے یہ بتایا ہوتا کہ جیف ڈیبی کا ٹھکانا ذہن نشین نہیں کرسکا لیکن فلاں نمبر کی ٹیکسی کا ڈرائیور اس علاقے کی نشاندہی کرسکتا ہے جہاں سے لنگڑا جیف اس میں سوار ہوا تھا۔ ٹیکسی تلاش کرکے جیف کو وہاں لے جایا جاتا تو وہ ڈیبی کے مسکن پر ہاتھ رکھ دیتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ چیف کا خیال ہے کہ جیف ملر کو سرے سے علم ہی نہیں ہے کہ ڈیبی نے اسے کہاں قید رکھا تھا۔۔۔ اندر ہی اندر کچھ ہوا۔۔۔ کیا ہوا؟ یہ جیف اور ڈیبی کے علاوہ صرف خدا ہی جانتا ہے پھر ڈیبی نے اسے بے ہوش کرکے کہیں ڈال دیا۔ وہ ہوش میں آیا اور لڑائی ہارے ہوئے کسی کتے کی طرح اپنے زخم چاٹتا ہوا تمہارے پاس پہنچ گیا اور تمہیں بھی اپنا ہم نوا بنالیا۔ ہر شخص تم دونوں کے تابناک کیریئر پر رشک کرے گا لیکن تمہارے انجام سے عبرت پکڑے گا۔۔۔ اس انجام کا انتخاب تم نے خود کیا ہے۔ تم دونوں نے چیف کو سمجھنے میں غلطی کی۔ وہ اپنے وقت کا جینئس ہے۔ میں نے تمہیں سب کچھ بتادیا ہے کیونکہ اب باہر کی دنیا سے تمہارا ہر رابطہ منقطع ہونے والا ہے۔ اپنا اپریٹس لوٹادو۔ اب تم دونوں زیرِ حراست ہو۔ اوور اینڈ آل!"

جیف ملر اور گیری ہارٹ کا وہ انجام دلدوز تھا۔ میں پھریری سی لے کر رہ گیا۔ راس المیڈا کی ذہنی خباثت بے مثال تھی۔ گیری ہارٹ کی کہانی میں سواری کا حوالہ نہ ہونا ایک معمولی سی بات تھی لیکن راس المیڈا کی باریک بین نگاہوں نے اسی موہوم سی لغزش کی بنا پر واقعات کو بالکل اسی ترتیب سے دیکھ لیا تھا جس سے وہ رونما ہوئے تھے۔

بلیک ہاک کی وہ طویل تقریر اتنی سنگین اور وحشت اثر تھی کہ چند ثانیوں کے لیے میں یہ بھول ہی گیا کہ میں کہاں تھا۔ قریب کے پودوں میں اچانک کوئی مینڈک تیز آواز میں ٹرایا اور میں چونک پڑا۔

مجھے فوراً ہی یاد آگیا کہ میں اس وقت اپنے بدترین حریفوں میں سے ایک کے احاطے میں موجود ہوں۔ وہ عمارت کی بند دیواروں میں محفوظ و محصور ہے اور میں کھلی فضا میں اس کی گھات لگائے بیٹھا ہوں۔

میں نے اپریٹس آف کرکے اپنی جیب میں ڈالا اور پیش قدمی شروع کردی۔

میں عمارت کا طواف مکمل کرکے واپس پہنچا تو سلطان شاہ مضطربانہ انداز میں میرا منتظر تھا۔

"غنیمت ہے کہ تم واپس لوٹ آئے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم اکیلے ہی اندر جا گھسے ہو اور اب کسی بھی لمحے اندر سے دھواں دھار فائرنگ کی آواز سنائی دینے لگے گی" مجھے دیکھتے ہی وہ بول پڑا۔

"تم نرے گدھے ہو۔۔۔"

"مگر چھوٹا ہوں" وہ میری بات درمیان سے اچک کر بے ساختہ بولا۔

"اپریٹس پر بات ہونے لگی تھی۔ وہ سننے کے لیے پیچھے رک گیا تھا" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے اسے بتایا۔ اس دوران میری نگاہیں سامنے کی تاریک کھڑکیوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"کیا گفتگو ہورہی تھی؟" اپریٹس کا ذکر سن کر سلطان شاہ کا تجسس بیدار ہوگیا۔

"وہی گیری اور جیف کی واپسی کا معاملہ تھا۔۔۔ یہ باتیں اب گھر چل کر ہوں گی۔ اس وقت یہاں سے نمٹنے کے بارے میں سوچو!" میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ خاموش ہوگیا۔

ویسے تو اندر گھسنے کے لیے کچن کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی لیکن اندر روشنی ہونے کی وجہ سے وہ جگہ مخدوش ہوگئی تھی۔ وسیع لان کے بعد دیوار کے اس پار دوسرے گھر میں رہنے والے ہمیں روشن کھڑکی کے ذریعے اندر گھستا دیکھ کر پولیس کو باخبر کرسکتے تھے۔ میں اس وقت ایسا کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"چوکیدار کا کیا حال ہے؟" دل ہی دل میں فیصلہ کرلینے کے

بعد میں نے پوچھا۔

"خان صاحب آرام فرما رہے ہیں اور شاید صبح تک فرماتے رہیں۔ خوراک کچھ تگڑی ہو گئی ہے" اس بار بھی سلطان شاہ کی آواز سے شوخی جھلک رہی تھی۔ میری دانست میں یہ اچھی بات تھی کہ وہ اس وقت شگفتہ موڈ کے ساتھ کام کرنے کے موڈ میں آچکا تھا۔

چوکیدار کے بارے میں سلطان شاہ کی وہ رائے سننے کے بعد میں نے اسے بے دست و پا کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور سلطان شاہ کو اندر گھسنے کے طریقے کے بارے میں سمجھانے لگا۔ میں نے اس پر یہ بات بھی واضح کر دی کہ اس وقت بلیک ہاک اندر موجود تھا اور جاگ رہا تھا۔

اس سے گفتگو مکمل کر کے میں نے عمارت کا رخ کیا' وہیں کھڑے کھڑے رکوع کی حالت میں جھکا اور پھر اسی طرح اس سمت میں دوڑ لگا دی جدھر ڈرائنگ روم کی موجودگی کی توقع تھی۔ برآمدے کے علاوہ عمارت کے بیرونی حصوں میں روشنیوں کا نظام ناقص تھا یا انہیں جلانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ دیوار کے ساتھ کھڑا ہونے کے بعد میں خود کو تاریکی ہی کا ایک جز محسوس کرنے لگا۔

میری اس دوڑ میں کوئی مداخلت ہوئی' نہ کوئی ردِعمل سامنے آیا۔ جوں ہی میں سیدھا ہوا' سلطان شاہ نے بھی اسی ترکیب کا سہارا لے کر اپنی جگہ چھوڑ دی اور چند ہی ثانیوں میں میرے پاس پہنچ گیا۔

اس طرف تین تاریک کھڑکیاں تھیں۔ بلیک ہاک کے اعتماد یا بے احتیاطی کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے کوئی کھڑکی مضبوطی سے بولٹ نہیں کی گئی تھی۔ پہلی کھڑکی کی لکڑیاں پھول کر چوکھٹ میں پھنسی ہوئی تھیں۔ زور آزمائی کی صورت میں وہ کھڑکی ضرور کھل جاتی لیکن کافی شور پیدا کرتی۔ برابر والی کھڑکی خفیف سی آواز کے ساتھ اندر کی طرف کھلتی چلی گئی۔ لطف کی بات یہ تھی کہ اس کھڑکی کے پردے سرکے ہوئے تھے۔

ہم دونوں چند ثانیوں تک نیچے جھکے رہے پھر میں نے آہستہ آہستہ اپنا سر اوپر اٹھایا اور میدان صاف پا کر تاریک کھڑکی میں سے اپنی گردن اندر داخل کر دی۔ بند کمرے کا حبس محسوس کر کے میں نے چوکھٹ پکڑی اور نہایت اطمینان سے اندر اتر گیا۔ مجھے اپنے جوتوں کے نیچے سخت فرش کے بجائے نرم قالین کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ میرے اشارے تک سلطان شاہ کو باہر ہی ٹھہرنا تھا۔ میں نے سرعت سے اس کمرے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

میرے اندازے کے برعکس وہ کھانے کا کمرا تھا۔ شاید ڈرائنگ روم برآمدے سے متصل تھا۔ میری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں۔ میز کے پیچھے مجھے لکڑی کی چند پیٹیاں نظر آرہی تھیں۔ مجھے معاً وہ کارگو ٹرک یاد آگیا جو شام کو وہاں سے کچھ سامان لے کر گیا تھا۔ میرے دل میں بے اختیار تجسس پیدا ہوا کہ ان پیٹیوں کا جائزہ لوں لیکن وہ ان چیزوں میں الجھنے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے سلطان شاہ کو اشارہ کیا اور وہ بھی اندر آگیا۔

کمرے میں پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں تاروں بھرے آسمان کی مدھم سی وہ روشنی بھی ایک نعمت معلوم ہو رہی تھی جو کھلی ہوئی کھڑکی سے کمرے میں آرہی تھی۔ اس روشنی میں کھانے کے کمرے سے نکاسی کا بیرونی دروازہ بند نظر آرہا تھا جب کہ اندرونی دروازہ پوری طرح کھلا ہوا تھا۔ اس دروازے پر جالی کا باریک پردہ لہرا رہا تھا۔

وہ بے یقینی اور تذبذب کے ہولناک لمحات تھے۔ کھلی ہوئی کھڑکیوں کے بعد کھلا ہوا دروازہ دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے بلیک ہاک نے خود ہی ہمارے لیے ایک راستہ بنایا ہوا ہے۔ میں اس دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ میں ذرا سی دیر پہلے اپنے کانوں سے راس المیڈا کی حیرت ناک قوتِ متخیلہ کا ذکر سن چکا تھا۔ اس نے ایک اشارے سے جیف طر کی اصل کتھا اخذ کر لی تھی۔ مجھے گمان ہوا کہ کہیں اسے کچھ اور اشارے نہ مل گئے ہوں' اس نے سمجھ لیا ہو کہ ہم لوگ بلیک ہاک کے گھر کا رخ ضرور کریں گے اور پھر اس نے چوہے دان میں ہمارے لیے وہ تمام آسانیاں فراہم کر دیں جو بظاہر مقدر کی یاوری نظر آرہی تھیں۔

"رک کیوں گئے؟ آگے بڑھو" سلطان شاہ نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔ اس کے گرم اور ناہموار سانس میرے چہرے سے ٹکرا رہے تھے "اس کے باہر آنے سے پہلے اسے اس کے کمرے میں ہی گھیر لو۔"

میں نے بیم گن جیب سے نکال لی اور نپے تلے انداز میں دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

دروازہ عبور کرتے ہی ہم ایک راہ داری میں آ گئے۔ اندر روشنی نظر آرہی تھی اور اس روشنی کا انعکاس ہمارے چہرے تک پہنچ رہا تھا۔ ہم رک کر اندر کی سن گن لیتے رہے۔ ہر طرف مکمل سکوت کا راج تھا۔ کانوں پر بہت زیادہ زور دینے کے بعد میں ائرکنڈیشنر کی بہت ہلکی سی گونج سننے میں کامیاب ہو گیا۔ مجھے اپنے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ وہ مشینی گونج ابھرتی اور ڈوبتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

آخر میں نے اس آواز کی سمت کا تعین کر کے روشنی کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

میں دیوار سے لگ کر قدم بہ قدم سرکتا ہوا ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سے آگے لابی نما حصہ تھا۔ ہمارے دائیں ہاتھ پر روشن کچن تھا۔ لابی کی بتیاں گل تھیں لیکن کچن سے آنے والی روشنی دور تک کام کر رہی تھی۔ بائیں طرف بلیک ہاک کی خواب گاہ تھی جس میں ائرکنڈیشنر چل رہا تھا۔

سلطان شاہ کو وہیں رکنے کا اشارہ کر کے میں نے پنجوں کے بل

چلتے ہوئے کچن اور آس پاس کے سارے کونے کھدرے چھان مارے لیکن ہر طرف میدان صاف تھا۔ شاید بلیک ہاک کے برے دن آہی گئے تھے۔

ہم دونوں بہت تیزی کے ساتھ اس دروازے پر پہنچ گئے جس کے نیچے ایک تنگ سا روشن مستطیل چمک رہا تھا۔ ہم نے دروازے کے دونوں طرف دیوار سے چپک کر پوزیشن لی ہوئی تھی۔ میں نے وہیں سے ہاتھ بڑھا کر دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا لیکن دروازہ اپنی جگہ منجمد رہا۔ میں نے بتدریج وہ دباؤ اتنا بڑھادیا کہ مجھے اپنا شانہ اور بازو کا جوڑ دکھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں نے مایوس ہوکر ہاتھ گرالیا۔

اس وقت حالات ہر طرح ہمارے حق میں تھے۔ ہم دو تھے' بلیک ہاک پورے گھر میں اکیلا تھا۔ ہم مسلح تھے' وہ بے خبری کے عالم میں اپنی خواب گاہ میں آرام کررہا تھا۔ اس کے فرار کے اکلوتے راستے پر ہم قابض تھے' ہمارے فرار کی ایک سے زیادہ راہیں کھلی ہوئی تھیں۔

میں نے چٹکی سے چوبی دروازے پر ہلکی سی ضرب لگائی۔ گھر میں چھائے ہوئے سناٹے میں کھٹ کی وہ آواز مجھے ہتھوڑے کی ضرب کی طرح گونجتی محسوس ہوئی۔ انتظار اور انتظار کے اعصاب شکن لمحات رینگ رینگ کر سرکنے لگے۔ میرے کان بلیک ہاک کی تیز آواز کے منتظر رہے لیکن وہاں سناٹا چھایا رہا۔

دوسری مرتبہ میں نے انگلی کے سرے سے ایک بار دروازہ بجایا۔ اس مرتبہ بھی میری کوشش رائگاں گئی۔ اندر سے ائرکنڈیشنر کی آواز کے سوا کوئی جواب نہیں آرہا تھا۔

میرے اعصاب چٹخنے لگے۔ میری بے چین نظریں گردوپیش کا طواف کرنے لگیں کہ کہیں بلیک ہاک خطرہ محسوس کرکے اپنا کمرا چھوڑ کر کہیں اور گھات لگائے نہ بیٹھا ہو۔ اگر وہ کمرے سے باہر نکل چکا تھا تو کمرے کا دروازہ کھلا ہوا ہونا چاہیے تھا۔ میرے ذہن نے اس دلیل کا خود ہی جواب دے ڈالا۔ کمرا چھوڑنے کے بعد وہ اسے باہر سے بھی بولٹ کرسکتا تھا۔

میرے ذہن میں یہ شکست و ریخت چل ہی رہی تھی کہ سلطان شاہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور وہ دیوار چھوڑ کر دروازے کے عین سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا۔

"لاحول ولا قوۃ" سلطان شاہ کی جھلائی ہوئی بے ساختہ آواز غیر محتاط اور کافی بلند تھی۔

میرے کچھ سمجھنے سے پہلے وہ ہاتھ بڑھا کر اس دروازے کا بیرونی بولٹ گرا چکا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی اندر سے آنے والی خنک ہوا کے پہلے جھونکے نے میری طبیعت خوش کردی۔ روشن خواب گاہ میں شکن آلود بستر خالی پڑا ہوا تھا۔

"شاید وہ تمہیں دیکھ کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا" سلطان شاہ نے خالی کمرے میں داخل ہوکر افسوس سے کہا۔ "کمرے کی حالت بتارہی ہے کہ تھوڑی دیر پہلے تک وہ یہیں موجود تھا۔"

"وہ میری جھلک بھی نہیں دیکھ سکا" میں نے دوبارہ چوکھٹ پر جا کر کہا "اگر وہ خطرہ سونگھ کر نکلا ہے تو اس وقت بھی اسی چھت کے نیچے ہوگا۔ سب سے پہلے ہمیں پورے گھر کی تلاشی لینی ہوگی۔"

"ابھی تم نے اسے ائرپیس پر بات کرتے ہوئے بھی سنا تھا؟" سلطان شاہ نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

اضطراری طور پر لاحول پڑھنے کے بعد سے وہ سرگوشیانہ لہجے میں بات کررہا تھا۔

بدترین اعصابی تناؤ کے باوجود میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی "یہ احمقانہ نکتہ میرے دماغ میں بھی آیا تھا مگر میں نے زبان نہیں کھولی۔ ضروری نہیں کہ اس نے اسی کمرے سے بات کی ہو۔ ائرپیس پر وہ کہیں سے بھی بات کرسکتا ہے۔"

سلطان شاہ نے طائرانہ نظروں سے کمرے کا جائزہ لے کر ایک میز پر پڑی ہوئی ٹارچ اٹھائی اور میری طرف بڑھ آیا "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اسے یہیں کہیں ہونا چاہیے" اس نے سرگوشی کی۔

وہ صورت حال جتنی سنگین تھی اس قدر مضحکہ خیز بھی معلوم ہورہی تھی۔ وہ بلیک ہاک کا گھر تھا لیکن یوں محسوس ہورہا تھا جیسے ہم کسی بے نام سائے کی تلاش میں بھٹک رہے ہوں۔

اس خواب گاہ کا دروازہ بولٹ کرکے ہم نے پوری احتیاط کے ساتھ ایک سرے سے گھر کی تلاشی لینی شروع کردی۔ اس مکان میں کوئی زیر زمین کمرا نہیں تھا۔ چھت پر جانے والے زینوں پر گرد کی موٹی موٹی بے داغ تہیں جمی ہوئی تھیں۔ زینے کی دیواروں سے چھت تک مکڑیوں کے جالے تنے ہوئے تھے۔ صاف نظر آرہا تھا کہ مہینوں بلکہ برسوں سے کسی نے ان زینوں پر قدم نہیں رکھا تھا۔ انہیں چھوڑ کر ہم نے ٹارچ کی روشنی میں ہر کونا جھانکنا شروع کردیا۔

ہر طرف سے بے نیل و مرام واپسی کے بعد ہم ڈائننگ روم میں پہنچے۔ وہ ابتدا ہی سے خالی پڑا ہوا تھا مگر اس بار میں وہاں رکھی ہوئی چوبی پیٹیوں کے بارے میں اپنے تجسس پر غالب نہیں آسکا۔

میں نے ٹارچ لے کر ان پیٹیوں کا جائزہ لینا شروع کردیا۔ وہ پیٹیاں جو بہت نفیس ساخت کی تھیں اور اوپر تلے رکھی ہوئی تھیں' میری توجہ کا مرکز بن گئیں۔ ان کے بعض حصوں پر کاغذ چپکے ہوئے تھے جیسے کچھ چھپانے کی کوشش کی گئی ہو۔ ان کے برابر میں تین بد وضع پرانی پیٹیاں تھیں۔ ان پر انگریزی میں "سنگ مرمر کا سامان" لکھا ہوا تھا۔

سلطان شاہ میرے کہے بغیر نفیس پیٹیوں پر سے کاغذ اکھاڑنے میں مصروف ہوگیا۔ یہ اتفاق تھا کہ سب سے پہلے نمودار ہونے والے حروف ٹی این ٹی تھے۔ میرے لیے وہ تین حروف بے معنی

نہیں تھے۔ ٹرائی نائٹرو ٹولین بارود کا کیمیائی نام اور وہ تین حروف اس کے مخفف تھے۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اگر غیر ملکی ائر لائن کا کارگو ٹرک وہی بارودی پیٹیاں ائرپورٹ کے لیے لے گیا تھا تو کراچی کے ہوائی اڈے کو بدترین خطرہ درپیش ہو سکتا تھا۔ شاید کے نائین کیتھوپ کے خلاف نہیں بلکہ کراچی ائرپورٹ کے خلاف بنایا جانے والا منصوبہ تھا..... میری ساری خود اعتمادی رخصت ہوگئی۔

میں نے سلطان شاہ کے ساتھ مل کر بہت احتیاط سے وہ دونوں پیٹیاں الگ کیں اور پھر خود بھی تحریر پر چپکا ہوا کاغذ نوچنے اور اکھاڑنے میں مصروف ہو گیا۔

ہاتھوں کے ساتھ ساتھ میرا ذہن بھی چل رہا تھا۔ میں ذاتی تجربات کے جس بھیانک عذاب سے گزر رہا تھا وہ پاکستان کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ ہر بڑے دارالحکومت کی ملکی تنصیبات اور مواصلات کو لاحق عالمی خطرات سے پوری طرح آگاہ تھا۔ ہوائی اڈوں کی حفاظت کے لیے خصوصی انتظامات تھے۔ ائرپورٹ سیکیورٹی فورس اور ائر کمانڈوز کے ساتھ ساتھ ہر جدید ترین مشینی سہولت استعمال کی جا رہی تھی۔ خاص نسل کے کھوجی کتے ہر وقت اہم ہوائی اڈوں پر موجود رہتے تھے۔ ان تمام انتظامات کے ہوتے ہوئے یہ ممکن نہیں تھا کہ راس المیڈا کے سازشی ساتھی کسی ائرلائن کی ملی بھگت سے غیر قانونی بارودی ذخائر ممنوعہ حدود میں لے جا سکیں۔

کاغذ صاف ہو گئے۔ ان پیٹیوں میں انتہائی حساس قسم کے آتشی اور بارودی ہتھیار محفوظ کیے گئے تھے۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کن مقاصد کے لیے وہاں رکھے گئے تھے۔ کسی ماہر کی معاونت کے بغیر ان پیٹیوں سے چھیڑ چھاڑ مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ عین ممکن تھا کہ کوئی تختہ اکھڑتے ہی ان ہتھیاروں کا حفاظتی نظام بیدار ہو کر اپنی زد میں آنے والی ہر زندہ اور بے جان شے کے ٹکڑے اڑا دیتا۔

وہ تفصیلات سن کر سلطان شاہ کی پیشانی عرق آلود ہو گئی اور وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا "یہ خبر اسی وقت اول خان یا میجر غوث تک پہنچنی چاہیے ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اگر بلیک ہاک گھر پر موجود نہیں ہے تو کسی بھی لمحے واپس آ سکتا ہے۔ ہماری یہاں آمد اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گی....."

"ذرا ماربل کے سامان کی ایک پیٹی تو کھولو۔ اسے بھی دیکھ لیا جائے" میں نے اسے ہدایت دی۔

وہ کھانے کا کمرا تھا۔ سلطان شاہ نے ٹارچ کی روشنی میں ایک الماری میں سے کیک کاٹنے والی لمبی چھری اور چند مضبوط سروس اسپون نکالے اور ایک پیٹی پر ٹوٹ پڑا۔ تختے اکھاڑنے میں اس نے ہر احتیاط بالائے طاق رکھ دی تھی۔ بلیک ہاک کی گھر میں موجودگی کا سحر ٹوٹنے کے بعد میں بھی قدرے بے فکر ہو چکا تھا۔

اس پیٹی میں گھاس پھوس کے درمیان سنگِ مرمر کی نفیس شکلیں موجود تھیں۔

"بس آ جاؤ!" میں نے ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں سے اٹھا لیا "بلیک ہاک کے کمرے کی تلاشی لے کر ہمیں اس کی آمد سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ اول خان وغیرہ کو فلیٹ سے فون کیا جائے گا۔"

"انہیں فوراً خبر کر دو" سلطان شاہ خوشامد کرتے ہوئے بولا۔ "انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت ہم موت کے دہانے میں بیٹھے ہوئے ہیں....."

"چلو.... یہ کام تم خود کر لینا تاکہ تمہاری تسلی ہو جائے" میں نے ملائمت سے کہا۔

بلیک ہاک کے کمرے میں مختلف ساخت کے تین پستول، ایک سائلنسر چڑھا ہوا ریوالور اور متعدد میگزین پہلے ہی نظر آ چکے تھے۔ میں انہیں نظر انداز کر کے وہاں موجود واحد الماری کی طرف بڑھ گیا۔

"ٹیلی فون ڈیڈ ہے" سلطان شاہ کی آواز میں ہراس پوشیدہ تھا۔

"تاروں کو ہلا جلا کر دیکھو!" میں نے پلٹ کر کہا اور دوبارہ الماری کا سامان الٹ پلٹ کرنے لگا۔

کپڑوں کے نیچے مجھے کتابی سائز کا ایک فولڈر نظر آیا جس میں بہت سے کاغذات ٹھنسے ہوئے تھے۔ میں نے اس کا سرسری جائزہ لیا۔ کئی کاغذوں پر ان ہی تاریخوں میں کچھ خفیہ اندراجات تھے۔ پھر مجھے ایک ایسا کاغذ بھی نظر آیا جس پر پنسل سے بہت چھوٹے حروف میں کے نائین لکھا ہوا تھا۔ میں نے فولڈر کو تہ کر کے اس کا کلپ لگایا اور اپنے گریبان کے بٹن کھول کر فولڈر کو اندر سے پتلون کی بیلٹ میں پھنسا لیا۔

"لائن بالکل بے جان ہے، ڈیڈی!" سلطان شاہ کی آواز میں وحشت اتر آئی "معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے باہر سے تار کاٹ دیے ہیں.... شاید بلیک ہاک آ چکا ہے۔"

میرے جواب دینے سے پہلے ہی اپرٹیس پر کال کا اشارہ ملنے لگا۔

"دروازے پر آ جاؤ تاکہ ہم باہر نگاہ رکھ سکیں" یہ کہتے ہوئے میں نے اپرٹیس نکال کر آن کر دیا اور بلیک ہاک کا بھرا ہوا بے آواز ریوالور اٹھا کر نیم روشن راہداری میں نکل گیا۔

"دس از بلیک ہاک آن ارجنٹ کال فار چیف.... اوور!"

اپرٹیس پر متوحش آواز میں غیر معمولی پیغام سنائی دیا جس کا مفہوم تھا کہ بلیک ہاک اپنے سربراہ سے کوئی ہنگامی رابطہ قائم کرنا چاہ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ گیری ہارٹ تمہیں جُل دے کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے؟ اوور!" چیف کے روپ میں راس المیڈا کی آواز استہزائیہ تھی۔

"وہ دونوں اپنے مقررہ ٹھکانے پر زیرِ حراست ہیں.... صبح چار

بچے ان کی پرواز ہے" بلیک ہاک کہہ رہا تھا "میرے گھر کے حالات سخت مخدوش ہیں۔ کچھ اجنبی لوگ اندر گھسے ہوئے ہیں..... اوور!"

"اور شاید تم اپنے کمرے میں محصور ہو؟ اوور!" بلیک ہاک کے اس پیغام نے ہم دونوں کے ساتھ راس المیڈا کو بھی بری طرح چونکا دیا تھا۔ اس کے اضطراری سوال سے تشویش جھلک رہی تھی۔

"نہیں..... میں نقشوں کے سلسلے میں مصروف تھا پھر گیری کو احکام دے کر گرے ہاک کے ساتھ کچھ لوگوں کو بزنس ڈنر پر لے گیا تھا..... واپس آیا ہوں تو میرا چوکیدار بے ہوش پڑا ہے..... گھر کے باہر ایک کھلی ہوئی مشتبہ کار کھڑی ہے..... میں اپنے احاطے میں ہوں۔ میرے ڈائننگ روم کی کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔ میں نے اندر ایک ٹارچ کی متحرک روشنی بھی دیکھی ہے۔ پتا نہیں وہ کون لوگ ہیں اور یہاں کیا لینے آئے ہیں۔ اوور!" وہ تفصیلات بیان کرتے ہوئے بلیک ہاک ہانپنے لگا۔ اپنی ساری بے خوفی اور طاقت کے باوجود وہ اپنی آواز سے خائف محسوس ہو رہا تھا۔

"یہ ڈینی کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا" راس المیڈا کی آواز غضب ناک ہو گئی "فوراً اپنے فون کے تار کاٹ دو۔ اپنے گھر کو آج اس حرام زادے کا مدفن بنا دو..... میں شرط لگاتا ہوں کہ اپنی زندگی کے عوض حبیف طرنے اسے تمہارے بارے میں کچھ بتایا ہوگا۔ اس نے تمہارے گریبان پر ہاتھ ڈالا ہے، تم اس کا نرخرا چیر کر پھینک دو۔ اوور!"

"روشنی دیکھتے ہی میں نے فون کے تار کاٹ دیے تھے، اوور!" جواب دیا گیا۔

"مکان کو گھیر لو۔ اس کی نکاسی کا ہر راستہ مسدود کر دو۔ کتنے آدمی ہیں تمہارے ساتھ؟ اوور!"

"چیف! ہم کل تین نفوس ہیں" بلیک ہاک کی آواز سے... بے بسی جھلک رہی تھی "وائٹ ہاک بھی ہمارے ساتھ ہے۔ یہ دونوں مجھے چھوڑنے کے لیے آئے تھے۔ جب میرے چوکیدار نے گیٹ پر روشنی پڑنے کے باوجود پھاٹک نہیں کھولا تو ہم تینوں کو تشویش ہوئی۔ وائٹ ہاک نے دیوار سے اندر کود کر پھاٹک کھولا تو مجھے نقشہ بگڑا ہوا نظر آیا۔ وہ دونوں اس وقت دو کونوں سے پورے گھر کی نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ باہر آتے ہی مارا جائے گا۔ اوور!"

"باہر ایک ہوائی فائر کرو..... وہ خوف زدہ ہو کر باہر نکلنے کی کوشش کرے گا..... ٹھہرو! فائر کرنے کی ضرورت نہیں، پولیس آگئی تو اسے مار گرانے کا یہ سنہرا موقع ضائع ہو جائے گا۔ کھلی ہوئی کھڑکی کے قریب سے اسے للکارو۔ وہ گھبرا کر باہر آنے کے لیے بے چین ہو جائے گا۔ اپنے ایریئل آن رکھو..... اس وقت ڈائننگ روم کی کھلی ہوئی کھڑکی کے قریب جو بھی موجود ہے، وہ مجھے رپورٹ کرے۔ اوور!"

"گرے ہاک..... میں کھڑکی سے صرف چند گز دور ہوں۔ مجھے روشنی نظر نہیں آئی۔ اندر سکوت اور گہرے اندھیرے کا راج ہے۔ مکان کا پچھلا حصہ کچھ روشن ہے، اسی طرف بلیک ہاک کا کمرا ہے۔ اوور!"

میں نے ایریئل سلطان شاہ کو تھما کر تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میں جو کچھ سن چکا تھا، میرے لیے وہی کافی تھا۔ میں ان لوگوں کو دہشت زدہ کرنے کا وہ موقع ضائع نہیں کر سکتا تھا۔

سلطان شاہ نے میرے پیچھے آنے کی کوشش کی لیکن میں نے غرا کے اسے روک دیا۔

"گرے ہاک! تم بڑھو اور اس چوہے کو اس کے بل سے باہر نکلنے پر مجبور کر دو۔ اوور!" ایریئل پر کہے جانے والے وہ آخری الفاظ تھے جو راس المیڈا کی آواز میں میرے کانوں سے ٹکرائے۔

آگے اندھیرے کا راج ہونے کے باوجود اس گھر کا نقشہ میرے ذہن میں جم چکا تھا۔ میں تقریباً دوڑتا ہوا ڈائننگ روم کے اندرونی دروازے تک پہنچا اور جالی کے لہراتے ہوئے پردے کی اوٹ میں ایک طرف دبک گیا۔ میرے ہاتھ میں دبے ہوئے بے آواز ریوالور کی مہیب آہنی نال گرے ہاک کے خونیں استقبال کے لیے کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ میں اس وقت ان درندوں کے نرغے میں آچکا تھا، فرار کی راہ بظاہر مسدود ہو چکی تھی مگر میں پھر بھی آخری سانس تک ان کا مقابلہ کرنے کا عزم کر چکا تھا۔

وہ معرکہ اس قدر نازک اور پُرپیچ تھا کہ میں بھی راس المیڈا کی طرح پولیس کو دور رکھنا چاہتا تھا۔ محض اسی وجہ سے میں نے اپنے پُرشور پستول کے بجائے بلیک ہاک کا بے آواز ریوالور استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ایک بار پھر انتظار کے لمحات میرے اعصاب کو چٹخانے لگے۔ شاید میں ضرورت سے زیادہ تیزی دکھا کر اپنے مورچے پر پہنچ گیا تھا۔ گرے ہاک شاید بہت زیادہ سنبھل سنبھل کر کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف آ رہا تھا۔

آخر چوبی فریم کے عقب میں ایک کھوپڑی کا کچھ حصہ نمودار ہوا۔ ٹریگر پر میری شہادت کی انگلی کی گرفت سخت ہو گئی۔ وہ کھوپڑی فوراً غائب ہو گئی۔ میں منتظر رہا۔ چند ثانیوں بعد وہ کھوپڑی بلند ہوتے ہوتے شانوں تک ایک انسانی ہیولا میرے سامنے آگیا۔ گہری تاریکی میں بس اس کی چمک دار اور متجسس آنکھیں ہی نظر آرہی تھیں جو بے چینی سے متحرک تھیں پھر اس کا داہنا ہاتھ بلند ہوا۔ وہ خالی نہیں تھا۔ شاید وہ کمرے میں پھیلی ہوئی تاریکی میں اپنا کوئی شکار تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ڈینی! گندے سؤر کی....." میں اُس کی اسی آواز کا منتظر تھا۔ اس کی پہلی گالی مکمل ہونے سے پہلے میں نے ٹریگر دبا دیا۔ میری کلائی کو تیز جھٹکا لگا، ٹھک کی غیر فطری سی آہنی آواز کے ساتھ نال سے ایک شعلہ لپکا اور کھڑکی میں نظر آنے والا سایہ اچانک معدوم

ہو گیا۔ نئے ہتھیار سے میرا پہلا فائر بے خطا رہا تھا۔ پگھلا ہوا سیسہ اس کے مغز کے ایسے حصے میں اترا تھا کہ اسے چیخنے کی مہلت بھی نہیں مل سکی تھی۔ اس کی دلدوز چیخ ایک بلند آہنگ ہچکی میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔ اس کے نیچے گرنے کی دھمک اس کی آخری آواز سے زیادہ پُرشور تھی۔

میں دوڑتا ہوا سلطان شاہ کے قریب جا پہنچا۔ پوری صورتِ حال کو سمجھ لینے کے بعد وہ اپریٹس سمیت کچن والی راہ داری تک بڑھ آیا تھا۔ نیم تاریکی میں خوف سے اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

اپریٹس پر بلیک ہاک ہذیانی آواز میں بول رہا تھا "..... مر گیا۔ شاید اس کے دل یا دماغ پر بے آواز فائر کیا گیا ہے..... چیف! وہ درندہ ہے، بالکل خونی بھیڑیے کی طرح! ہم اسے اس طرح زیر نہیں کر سکیں گے۔ وہ دبک کر موت کا انتظار کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔ گھر میں محصور ہو جانے کے باوجود مقابلے پر تُلا ہوا ہے۔ کاش! گرے ہاک زندہ رہتا..... ہم تینوں اسے بہت آرام سے مار لیتے..... اوور!"

"یہ بات ناقابلِ یقین ہے کہ وہ آواز نکالتے ہی اتنی آسانی سے مار لیا گیا" راس المیڈا کی آواز صدمے سے مرتعش تھی "ڈیتھ ایک ایک کر کے میرے آدمیوں کو کھاتا جا رہا ہے..... تم کیا کرنا چاہتے تھے؟ اوور!"

"دو آدمی باہر رہ کر نگرانی کرتے، میں چھت کے راستے مکان میں داخل ہو کر اسے باہر ہانک سکتا تھا۔ وہ کم از کم تین آدمیوں کا کام تھا..... ہم دونوں اب انتظار کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ اوور۔"

"عمارت کی نگرانی کرتے رہو اور مجھے سوچنے دو!" راس المیڈا کی آواز تھکی تھکی سی ہو گئی "آج ڈیتھ کو ہر قیمت پر فنا ہونا ہے..... اس کی چیرہ دستیاں اب میرے لیے ناقابلِ برداشت ہو چکی ہیں۔"

اپریٹس پر موت کا سا سنسنی آمیز سکوت طاری ہو گیا۔ راس المیڈا مجھے مارنے کی کوئی نادر ترکیب سوچ رہا تھا اور میں دل ہی دل میں اس پُرہول حصار سے نکلنے کے لیے فکر مند تھا۔

"بلیک ہاک کی گاڑی کی چابی تلاش کرو!" میں نے سلطان شاہ کے ہاتھوں سے اپریٹس لے کر کہا "وہ اس کے کمرے میں ہی موجود ہونی چاہیے۔ اب ہم اپنی گاڑی تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"اس کی گاڑی احاطے میں ہے، مضبوط فولادی پھاٹک بند ہو گا، باہر وہ دونوں ہمارے منتظر ہیں..... اس چھت کے سائے سے محروم ہوتے ہی موت ہمیں دبوچ لے گی... کاش ہمیں یہاں سے ایک فون کرنے کا موقع مل گیا ہوتا۔ اب دیکھنا ہے کہ ہمیں یہاں سے کب نکلنا نصیب ہوتا ہے۔"

وہ عجیب لڑائی تھی۔ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ فکر مند تھے۔ جو ہو چکا تھا اس پر ملول و افسردہ تھے، جو نہیں ہو سکا اس کی آرزو کر رہے تھے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ فتح کس کے نصیب میں تھی۔

میری دانست میں اس وقت وہ مقابلہ یک بیک وسائل کی جنگ کے بجائے اعصاب اور حوصلے کی لڑائی میں تبدیل ہو چکا تھا۔ میں نے سلطان شاہ کا دل بڑھانے کے لیے پوری نیک نیتی سے کہا۔ "ابھی تک ہم نے صرف ایک گولی چلائی ہے اور ان کا ایک آدمی مار لیا ہے۔ یہاں بہت میگزین موجود ہے۔ ہم کئی دن تک ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپریٹس کی وجہ سے ہم ان کی لمحہ بہ لمحہ سوچ سے واقف ہیں جب کہ وہ ہمارے عزائم سے بے خبر ہیں۔ ابھی ابتدا ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اجالا پھیلنے سے پہلے کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔"

سلطان شاہ کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی "یہ اپریٹس تمہیں غزالہ نے یاد دلایا تھا۔ ذرا تصوّر کرو کہ ہم اسے فلیٹ پر ہی بھول آتے تو کیا ہوتا؟ ان تینوں نے بے خبری میں ہمیں مار لیا ہوتا۔"

"چھٹی حس کے معاملے میں اچھی بیویاں بدروحوں سے کم نہیں ہوتیں۔" میں نے ہنس کر کہا "کسی سبب اور جواز کے بغیر آنے والے خطرات کو بہت پہلے بھانپ لیتی ہیں پھر اپنی عقل مندی پر اتراتی ہیں۔"

"میں اب یہاں گھٹن محسوس کر رہا ہوں۔" وہ میرے پُرمزاح فقروں کو نظرانداز کر کے بولا۔ دباؤ کی وجہ سے وہ ذہنی خلفشار میں مبتلا نظر آ رہا تھا "ایک آدھ گھنٹے میں کوئی نتیجہ نہ نکلا تو میں دھواں دار فائرنگ شروع کر دوں گا۔ پولیس آئے گی تو محاصرے کی یہ کیفیت تو ختم ہو گی۔"

"پولیس کو بارودی پیٹیوں اور دوسرے ہتھیاروں کا حساب کون دے گا؟ وہ بھاگ جائیں گے اور ہم پھنس جائیں گے۔ تم بھول رہے ہو کہ میری گرفتاری پر انعام کا اعلان ابھی تک برقرار ہے۔"

"ہر طرح مصیبت ہے۔" وہ اپنا سر جھٹکتے ہوئے بڑبڑایا "میں آمنے سامنے کی لڑائی سے نہیں ڈرتا۔ مرو، مارو یا دُم دبا کر بھاگ جاؤ۔ ایسی اعصاب شکن آنکھ مچولی میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

"چیف کالنگ بلیک ہاک!" غالباً راس المیڈا کی کھوپڑی میں کوئی نئی سوچ جنم لے چکی تھی اور اس نے بولنا شروع کر دیا تھا۔ "تمہارے پاس ٹی این ٹی چارج کے دو کریٹ باقی ہونے چاہئیں۔ وہ کہاں ہیں؟ اوور!"

"وہ ڈائننگ روم میں ہی موجود ہیں۔ ان کے نمبر سترہ اور اٹھارہ ہیں۔ اوور!" بلیک ہاک نے کچھ نہ سمجھنے والے لب ولہجے میں اپنے چیف کے اس سوال کا جواب دیا تھا۔

"پھر کام بن گیا" راس المیڈا کی آواز میں مسرت عود کر آئی "وہ چارج دو ہزار مربع گز کے رقبے پر بنی ہوئی کسی بھی کثیرالمنزلہ عمارت کو کھنڈر بنا دینے کے لیے کافی ہے۔ وہ کریٹ پھٹ جائیں تو

تمہارے مکان کی بنیادوں تک کا سراغ لگانا دشوار ہو جائے گا۔ اب تم اس کی تیاری کرلو۔ اوور!"

"مم... مگر وہاں تک رسائی کیسے ہوگی؟ کھڑکی کے پیچھے ڈینی کوئی بے آواز گن لیے بیٹھا ہے۔ وہ کھڑکی پر کسی کا سایہ بھی دیکھے گا تو بے دریغ گولی چلادے گا۔ میں تمہاری ہدایت سمجھنے سے قاصر ہوں۔ اوور!"

"میں اب تمہیں بتا ہی دیتا ہوں۔ ان پیٹیوں میں تباہ کن بارودی ہتھیار ہیں اور ہر پیٹی میں ایک ریموٹ کنٹرولڈ ڈیٹونیٹر بھی ہے۔ پیٹیوں کے نمبر اسی لیے اہم ہیں کہ ہر ڈیٹونیٹر کا ایک مخصوص ریموٹ کنٹرولر ہے اور یہ سب میرے پاس ہیں۔ یہ وقت ذرا غلط ہوگیا۔ گیری ہارٹ موجود ہوتا تو وہ سب کام آسانی سے کرسکتا تھا۔ تم ڈینی کو وہیں گھیرے رہو۔ میں آدھے گھنٹے میں دونوں ریموٹ کنٹرولر لے کر وہاں پہنچ رہا ہوں... اس کے بعد ڈینی کا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم سمجھو۔ وہ جتنی دھوم سے زندہ رہا ہے اس سے کہیں بڑے دھماکے میں ہلاک ہوگا... اوور اینڈ آل!"

راس المیڈا کا وہ شیطانی فیصلہ سن کر میں سناٹے میں آگیا۔ سلطان شاہ وحشت اور بے یقینی کے عالم میں میرا چہرہ تکے جارہا تھا پھر وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا "تم نے سن لیا؟ ہمارے پاس کچھ کرنے کے لیے صرف آدھے گھنٹے کی مہلت رہ گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ حرام زادہ اس سے پہلے ہی یہاں آپہنچے۔ وہ آگیا تو ہماری زندگیاں اس کی انگلی کے ایک اشارے کی مرہونِ منت رہ جائیں گی۔ اگر یہ کریٹ دو ہزار مربع گز کے رقبے پر تباہی پھیلا سکتے ہیں تو پتا نہیں ان کا ریموٹ کنٹرولر کتنی دور تک کام کرتا ہوگا۔"

"اس نے اوور اینڈ آل کہہ کر سلسلہ منقطع کیا ہے۔ اب وہ اس بارے میں کوئی بات نہیں کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہاں آکر ہم کو ایک موقع ضرور دے گا۔ اس کی خواہش ہوگی کہ مجھے زندہ گرفتار کرے۔ اگر ایسی کوئی صورتِ حال رونما ہوتی ہے تو گلو خلاصی کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا۔"

"ان سب باتوں کو چھوڑو۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔" وہ جھنجلا کر بولا "میں فائرنگ کرنے جارہا ہوں۔ زندگی رہی تو تم پولیس کچہری سے بھی نمٹ لوگے۔ یہ نہ بھولو کہ اب اول خان کے ساتھ ساتھ کرنل اشفاق اور میجر غوث جیسے ذمے دار افسر بھی تمہاری پشت پر ہیں۔ ان کی مداخلت پر پولیس والوں کو پسپائی اختیار کرنی پڑے گی۔"

"تم جو چاہو' کرسکتے ہو۔" میں نے تکرار سے گریز کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے۔

"یہ گونگا ریوالور پھینک کر اپنا پستول نکالو اور تم بھی میرے ساتھ آؤ۔" اس نے مجھے تقریباً جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ میں نے بلیک ہاک کا بے آواز ریوالور بائیں ہاتھ میں منتقل کرکے اپنا پستول نکالا اور اس کے ساتھ ہولیا۔ ڈائننگ روم کے دروازے سے کھلی ہوئی کھڑکی ویران نظر آرہی تھی۔ سلطان شاہ نے "فائر" کہا' میں نے کسی سحر زدہ معمول کی طرح فائرنگ شروع کردی اور پھر ٹریگر دباتا ہی چلا گیا حتیٰ کہ میگزین خالی ہوگیا۔ سلطان شاہ مجھ سے پہلے اپنے سارے راؤنڈ فائر کرچکا تھا مگر فضا پھر بھی ہولناک فائرنگ کے شور سے لرز رہی تھی۔

میرے لیے وہ صورتِ حال ناقابلِ فہم تھی۔ میں نے تحیر زدہ نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا تو وہ بھی بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

ہمارے مقابلے میں باہر صرف دو افراد تھے لیکن باہر ہونے والی دہشتناک فائرنگ سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہاں درجنوں ہتھیار بیک وقت آگ اگل رہے تھے۔ اگر وہ کوئی گشتی پولیس پارٹی تھی تو اس نے حیرت ناک کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے وہ باہر پوزیشنیں لیے ہمارے سگنل کے منتظر رہے ہوں اور ہماری طرف سے پہلا فائر ہوتے ہی انہوں نے راس المیڈا کے آدمیوں پر جہنم کے دہانے کھول دیے ہوں۔

سلطان شاہ کا مقصد حاصل ہوچکا تھا۔ کوئی تیسرا فریق میدان میں آچکا تھا۔ ہم نے اپنے ہتھیار لوڈ کیے اور مزید کوئی فائر کیے بغیر باہر ابھرنے والے آتشیں نغموں کو سننے میں مصروف ہوگئے۔

ان آوازوں پر دھیان دینے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ چلنے والی کم از کم تین رائفلیں ایسی تھیں جو پولیس والوں کے استعمال میں نہیں ہوسکتی تھیں۔ ایسے بھاری ہتھیار صرف فوجی یا نیم فوجی اہل کاروں کے استعمال میں ہوتے تھے۔

ان رائفلوں سے میرا ذہن فوراً ہی اول خان کی طرف چلا گیا۔ کیا وہ ایس ٹی ایف کی نفری لے کر ہماری مدد کے لیے میدان میں آکودا تھا؟ بظاہر اس سوال کا جواب نفی میں تھا۔ اول خان تو کیا' ویرا اور غزالہ تک کو اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ بلیک ہاک کے گھر میں گھسنے کے بعد ہم کیسی خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہوئے تھے۔ ہمیں درپیش خطرات سے واقف ہوئے بغیر ہمارا کوئی بھی ہمدرد وہاں نہیں آسکتا تھا۔

فضا تقریباً ایک ڈیڑھ منٹ تک دھواں دار فائرنگ سے لرزتی رہی پھر ہتھیار تیزی سے خاموش ہوتے چلے گئے اور فضا پر غیر فطری سناٹا چھاگیا۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کھڑکی سے جھانک کر باہر کا جائزہ لوں لیکن میں اپنی اس خواہش پر عمل نہیں کرسکا۔ اس وقت تک کوئی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ باہر ہمارے دشمنوں کا راج تھا یا کوئی اور کنٹرول سنبھال چکا تھا۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا تھا کہ نئے آنے والوں کا ہمارے ساتھ کیا رویہ ہوتا۔

کچھ دیر سکوت کی اسی فضا میں گزری پھر دھپ دھپ کی متعدد آوازوں کے ساتھ پورا احاطہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سے گونجنے لگا۔ باہر مزاحمت یا تصادم کی کوئی آواز نہیں ابھری۔

احاطے کی دیوار سے بیک وقت اندر کودنے اور دوڑ لگانے کا

وہ انداز بالکل کمانڈوز کی طرح تھا۔ بے یقینی اور عدم تحفظ کے ان روح فرسا لمحات میں میرے دل میں امید کی پہلی کرن جگمگا اٹھی۔

"پوری عمارت آرمی کے گھیرے میں ہے۔" باہر سے کسی نے پاٹ دار آواز میں کہا "اندر جو لوگ بھی ہیں' ہتھیار پھینک کر باہر آجائیں ورنہ کمانڈو ایکشن شروع کردیا جائے گا۔"

میں نے سوئچ دبا کر ڈائننگ روم میں روشنی کردی اور پستول اور بے آواز ریوالور سمیت اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ سلطان شاہ نے کسی روبوٹ کی طرح میری تقلید کی۔

"اوہ۔ ڈیڈی!" کسی سمت سے میجر غوث کی تحیر زدہ آواز ابھری پھر اس نے گرج کر شاید اپنے آدمیوں کو ہدایت کی۔ "آرمز ڈاؤن! اندر سے آنے والے دوست ہیں۔"

میجر غوث کی آواز پہچانتے ہی میرا دل فرطِ جذبات سے بھاری ہونے لگا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ زندگی اور موت کے اس نازک دوراہے پر میرے نئے دوست یوں غیر متوقع طور پر ہماری مدد کو پہنچ جائیں گے۔

"اپنے آدمیوں کو دور تک پھیلا کر پورے علاقے کی ناکہ بندی کرادو' میجر!" میں نے وہیں کھڑے کھڑے کہا "اس کمرے میں دو خطرناک بارودی کریٹ موجود ہیں جو ہولناک تباہی پھیلا سکتے ہیں۔ راس الیڈا ان کے ریموٹ کنٹرولر لے کر کسی بھی وقت اس علاقے میں آسکتا ہے۔ اسے یہاں جتنی دور ممکن ہو' روک دو۔"

میجر غوث اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے لگا۔ احاطے میں سرچ لائٹس چمک رہی تھیں۔ اسی ہنگامے میں کہیں سے اول خان نمودار ہوا اور کسی سبک اندام نوجوان کی طرح کھڑکی عبور کرکے اندر آگیا۔ اس نے اندر آتے ہی والہانہ انداز میں باری باری ہم دونوں کو گلے سے لگایا اور میں اسے فوراً ہی بارودی پیٹیوں کی طرف لے گیا۔

باہر پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک گونجنے لگی تھی۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا' سرعت سے ہو رہا تھا۔ چند ثانیوں بعد کچھ فاصلے پر بھاری گاڑیوں کے انجن چلنے کی آوازیں ابھریں اور مختلف سمتوں میں معدوم ہوتی چلی گئیں۔ اپنے آدمیوں کو روانہ کرنے کے بعد میجر غوث بھی کھڑکی کے راستے اندر آگیا۔

ان پیٹیوں پر پہلی نظر ڈالتے ہی اس کے چہرے پر تشویش کے سائے پھیل گئے اور اس نے بے یقینی سے پوچھا "یہ... یہ یہاں کہاں سے آگئیں۔ یہ تو امریکن آرمی کا کلا سیفائیڈ آرٹلری ایمونیشن معلوم ہوتا ہے۔"

"یہ یہاں ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کارگو ٹرک کے ذریعے یہی تباہ کن سامان ائرپورٹ منتقل کیا گیا ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعتماد اور بے خوفی سے کہا۔

"تو!" اس نے وثوق سے سر ہلا دیا "وہ ماربل کے سامان کے چالیس کریٹ ہیں جو ایک چارٹرڈ پرواز سے قبرص بھیجے جانے والے ہیں۔ میں نے یہی بتانے کے لیے تمہارے گھر فون کیا تو غزالہ نے بتایا کہ تم بھڑوں کے چھتے پر چڑھائی کرنے کے ارادے سے نکلے ہوئے ہو۔ میں نے پوری عجلت سے کام لے کر جوانوں کو تیار کیا' اول خان کو ڈیلٹا تھری پر بلایا اور وہاں سے اس کی رہنمائی میں ہم سب یہاں آگئے۔"

اس نے مختصر ترین الفاظ میں اپنی آدمی سے زیادہ کہانی سنا ڈالی۔

"راس الیڈا بہت خطرناک مجرم ہے۔" اول خان پُرتشویش انداز میں بولا "وہ ہمارے آدمیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل بھی سکتا ہے' ہمیں سب سے پہلے اس ذخیرے کو بے ضرر بنانے کا بندوبست کرنا چاہیے۔"

"اسے میرا ماہر ہی ہاتھ لگائے گا۔ میں ابھی آتا ہوں۔" میجر غوث یہ کہہ کر کھڑکی سے باہر کود گیا۔ اس وقت تک اس کی چمکتی ہوئی جیپ مکان کے احاطے میں لائی جاچکی تھی۔ جیپ کے عقبی بمپر پر بہت اونچا وائرلیس اپریٹس کا ایریل لہرا رہا تھا۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ گاڑی کے سوا کسی کے جسم پر کوئی فوجی شناخت نہیں تھی۔ میجر غوث کے سارے آدمی بھی سادہ لباسوں میں آئے تھے۔

اول خان بارودی پیٹیوں کے برابر میں موجود ماربل کے سامان کی پیٹیوں کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو سلطان شاہ غائب تھا۔ میں باتوں میں مصروف رہا اور اسے غائب ہونے کا موقع مل گیا۔

"مجھے پورا یقین ہے کہ ماربل کے سامان کے ساتھ بارودی کریٹ بھی ائرپورٹ لے جائے گئے ہیں۔" میں نے اول خان سے کہا "میجر سے کہو کہ اس سامان کی تفصیلی جانچ پڑتال کرائے۔ یہاں ماربل کی تین پیٹیاں ہیں اس کا مطلب ہے کہ ان کی جگہ بارود کے تین چوبی صندوق گئے ہیں۔ شاید اب کے نائین کی گتھی بھی جلد ہی سلجھ جائے گی۔"

"میں میجر سے بات کروں گا... یہ کھڑکی کے نیچے لاش کیسی پڑی ہے؟" وہ اچانک پوچھ بیٹھا۔

"یہ گرے ہاک ہے جو میرے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے دو ساتھی احاطے میں تھے۔ اب وہ کہاں ہیں؟"

"باہر کوئی نہیں تھا۔" اس نے حیرت سے کہا "ہم لوگ گاڑیاں دور چھوڑ کر عمارت کو گھیرے میں لینے کی تیاریاں کررہے تھے کہ اچانک فائرنگ شروع ہوگئی۔ میجر نے جوابی فائر کھلوادیا۔ ہم لوگ اندر آئے تو کوئی نہیں تھا۔"

"شاید ان خبیثوں نے بھاری گاڑیوں کی کچھ نہ کچھ آوازیں سن لی ہوں گی اسی لیے وہ گھیرا پڑنے سے پہلے نکل بھاگے۔" میں

نے متاسفانہ لہجے میں کہا "ہم ان کی ساری گفتگو سنتے رہے تھے۔"

اسی وقت سلطان شاہ لوٹ آیا۔ اس کے چہرے پر بشاشت دوڑ رہی تھی۔

"تم کہاں چلے گئے تھے؟" اسے آتا ہوا دیکھ کر مجھ سے پہلے اول خان پوچھ بیٹھا۔

"ٹیلی فون کے کٹے ہوئے تار جوڑنے گیا تھا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا "ان بدمعاشوں نے ہمیں ہر طرح سے اندر گھیر لیا تھا۔ مجھے تو نا قابلِ بیاں وحشت ہونے لگی تھی۔"

"ڈیبی اسی طرح آنکھیں بند کر کے خطرات میں چھلانگ لگانے کا عادی ہے۔" اول خان نے مشفقانہ لہجے میں کہا "اس کے ساتھ رہو گے تو بس یہی سب ہوتا رہے گا۔ کوئی ڈھنگ کی لڑکی ڈھونڈ کر اپنا گھر بسا لو ورنہ برباد ہو جاؤ گے۔"

"لڑکی بھی موجود ہے۔ اس کی رضامندی درکار ہے۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"بس! اب آگے نہ بولنا۔" سلطان شاہ آنکھیں نکال کر بولا۔ "مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

"وہ تو اب بھی نہیں ہے۔ فون ٹھیک ہو گیا ہے تو گھر فون کر دو۔ دونوں عورتیں پریشان ہوں گی۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا اور وہ جھینپے جھینپے انداز میں وہاں سے چلا گیا۔

"کے نائین کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟" سلطان شاہ کے جانے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"اسے دیکھ لوں پھر بات کر سکوں گا۔" میں نے اپنے پیٹ کے ساتھ چپکے ہوئے فولڈر پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یہ کیا ہے؟ میں کافی دیر سے سوچ رہا ہوں کہ تمہارا پیٹ چوکور کیوں نظر آ رہا ہے۔"

"یہ بلیک ہاک کے اہم کاغذات ہیں۔ گھر جا کر اطمینان سے دیکھوں گا۔"

"میجر کو بتا دینا۔ اسے بعد میں پتا چلا تو بدمزگی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہاں سے ملنے والی تمام شہادتیں ان کی تحویل میں ہی جائیں گی۔ تم نے ہیرا پھیری کی تو اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی۔" اول خان نے مجھے سمجھایا۔

"بتا دوں گا۔" میں نے کہا پھر پوچھا "یہ ڈیلٹا تھری کیا بلا ہے جہاں تمہیں بلایا گیا تھا؟"

"گورا قبرستان سے آگے سی ایس ڈی کو آج کل ڈیلٹا تھری کہا جاتا ہے۔ یہ مخصوص لینڈ مارک ہوتے ہیں۔"

میجر غوث نے اس مرتبہ اندر آنے کے بجائے ہمیں باہر بلا لیا۔ اس کے ہاتھوں میں دو اپریٹس موجود تھے۔

"ایک کھڑکی کے نیچے پڑی ہوئی لاش کے پاس سے ملا ہے' دوسرا لان پر پڑا ہوا تھا۔" اس نے بتایا "میں حیران ہوں کہ ان لوگوں کو یہ اہم ترین فوجی ساز و سامان کہاں سے مل رہا ہے۔"

"اپنے منصب کی وجہ سے تمہاری حیرت بجا ہے۔" میں نے بے تکلفی سے کہا "میری دانست میں تمہارے سوال کا جواب خود تمہارے سوال میں موجود ہے۔ بعض اوقات انسان بہت سی باتیں سمجھتے ہوئے بھی انجان بننے پر مجبور ہو جاتا ہے اور ایسی ناگزیر مجبوریوں کے لیے اسے قصوروار بھی نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔"

"میں نے وائرلیس پر پیغام دے دیا ہے۔ میرا آدمی نکل پڑا ہے۔" میجر غوث نے وہ موضوع ٹالتے ہوئے کہا "تم لوگ جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔ باقی باتیں ہم بعد میں کر لیں گے۔"

"میں چاہتا ہوں کہ ائرپورٹ لے جائی جانے والی ہر پیٹی کو کھول کر دیکھ لیا جائے کیونکہ اندر بارود کے برابر میں ماربل کے سامان کے تین کریٹ بھی رکھے ہوئے ہیں۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں اپنی ذمے داریوں سے بخوبی واقف ہوں۔" میجر غوث نے برا مانے بغیر ہنس کر کہا پھر پوچھا "کیا مرنے والا اس عمارت میں اکیلا ہی تھا؟"

"اس کے دو ساتھی بھی تھے۔ افراتفری میں انہیں نکلنے کا موقع مل گیا۔ ان میں سے ایک کا اپریٹس لان پر پڑا ہوا ملا ہے۔ چوتھا آدمی یہاں کا مقامی چوکیدار ہے جو گیٹ کے قریب ہی بے ہوش پڑا ہوا ہے۔"

پھر میں نے میجر غوث کو بلیک ہاک کے فولڈر کے بارے میں بتاتے ہوئے وہ کاغذات اپنے ساتھ لے جانے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ کاغذات سرکاری تحویل میں ہونے چاہئیں۔ اس نے وعدہ کیا کہ اگر ان کاغذات میں کوئی خفیہ تفصیلات شامل نہ ہوئیں تو اپنے مطالعے کے بعد وہ مجھے بھی وہ کاغذات پڑھنے کا موقع دے سکے گا۔ اس کے تیور دیکھتے ہوئے میں بات آگے نہیں بڑھا سکا اور ناچار پورا فولڈر اس کے حوالے کر دیا۔

بلیک ہاک کا بے آواز ریوالور مجھے پسند آ گیا تھا۔ میں نے اس کی ملکیت کا ذکر ہی گول کر دیا ورنہ پھر سرکاری اور غیر سرکاری کا تنازع چل پڑتا۔ سلطان شاہ کے آجانے پر میں نے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا تو میجر نے خندہ پیشانی سے اجازت دے دی۔ اس وقت اُس کے آدمی گرے ہاک کی لاش اٹھا رہے تھے۔

باہر وہ گاڑی لاوارث کھڑی ہوئی تھی جو ان لوگوں نے بزنس ڈنر سے واپسی پر وہاں آنے کے لیے استعمال کی تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ فوجی گاڑیوں کی آمد کا اندازہ لگاتے ہی وہ برابر کے کسی مکان میں کود کر وہاں سے پیدل فرار ہوئے تھے۔ مجھے امید تھی کہ اگر میجر کے آدمیوں نے راس الیڈا کو روکنے کے لیے کڑی ناکا بندی پر عمل کیا تو بلیک اور وائٹ ہاک اس علاقے سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے ضرور پکڑے جائیں گے۔

اول خان بیماری کی وجہ سے خاصا نحیف ہو چکا تھا۔ اس کے

لے گھر سے گاڑی چلا کر اتنی رات گئے وہاں تک آنا ہی دشوار ہو گیا تھا۔ بہرحال اس نے اپنا فرض خوش اسلوبی سے پورا کر دیا تھا۔ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ ان لوگوں کی بروقت آمد کی وجہ سے ہم ایک بہت بڑے خطرے سے بال بال بچ گئے تھے۔ میجر سے بات کر کے وہ بھی ہمارے ساتھ ہی واپسی کے سفر پر نکل کھڑا ہوا۔

اس کا ساتھ دینے کے لیے ہم نے سیدھے راستے کے بجائے ڈیلٹا تھری تک اس کے پیچھے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ویران سڑکوں سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ بلیک ہاک کے گھر کی طرف جانے والے راستوں کے داخلی سروں پر میجر غوث کے سادہ پوش مسلح جوان موجود تھے۔

دو مقامات پر ہمیں بھی روکا گیا لیکن اس قافلے کی قیادت کرنے کی وجہ سے اوّل خان ان سب کے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔ اس کی وجہ سے ہمیں بھی تلاشی وغیرہ کے بغیر گزرنے کی اجازت دے دی گئی۔ ہم نے دوسرا راستہ اختیار کیا ہوتا تو ہمارے ہتھیار ہمارے لیے پریشانی کا سبب بن سکتے تھے۔

اوّل خان کو سی ایس ڈی کے چوراہے پر الوداع کہہ کر ہم تیز رفتاری سے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس بار ہم نے سن سیٹ بولیوارڈ کا راستہ لیا تاکہ میجر غوث کے کسی آدمی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

○☆○

میں جب تک بلیک ہاک اور اس کے حواریوں کے ساتھ جاں گسل معرکے میں الجھا رہا، مجھے اس تصادم کے مضمرات کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا۔ وہاں سے رات ڈھائی بجے کے لگ بھگ واپسی کے بعد کچھ دیر تک ویرا اور غزالہ کے کڑے سوالات کے جوابات دینے پڑے پھر میں ایسا بے خبر سویا کہ اگلے دن دوپہر کی خبر لایا۔

پچھلی رات ڈیفنس کے علاقے میں جو کچھ ہوا، وہ اخبارات کی آخری کاپیاں پریس جانے کے بعد ہوا اس لیے صبح کے اخبارات اس بارے میں خاموش تھے لیکن غزالہ اس وقت تک آجانے والے شام کے دو اخبار بھی لے آئی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ڈیفنس جیسے پُرسکون رہائشی علاقے میں ہونے والی اتنی بڑی واردات کے بارے میں کسی اخبار میں ایک سطر بھی نہیں چھاپی گئی تھی۔

میری دانست میں وہ میجر غوث کی ذات اور شعبے کا کرشمہ تھا کہ شہر کے باخبر صحافی بھی اس واقعے سے چشم پوشی اختیار کر گئے تھے۔ میں ناشتا کرتے ہوئے بھی ان ہی واقعات میں الجھا رہا۔

مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ پچھلی رات تک سب کچھ میرے علم میں تھا۔ میں آپریشن کے ٹائمن کے خلاف ہونے والی کارروائیوں میں کلیدی کردار ادا کر رہا تھا لیکن پچھلی رات کے واقعات کے بعد یک بیک سب کچھ میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

کراچی میں راس المیڈا جس ٹیم کے ساتھ کام کر رہا تھا وہ بہت مؤثر اور فعال تھی، اس کے بیشتر اراکین میری نظروں میں آچکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ گیری ہارٹ اگر اپنے چیف کے عتاب کا نشانہ نہ بنا ہوتا تو وہ ان لوگوں کی بیخ کنی میں اہم کردار ادا کر سکتا تھا۔

گیری ہارٹ اور جیف طرمنظر سے یک بہ یک ہٹا دیے گئے تھے۔ بلیک ہاک اور اس کے دو ماتحت جو اپریٹس کی مدد سے بروقت میری دسترس میں تھے وہ بھی یکایک غائب ہو گئے۔ گرے ہاک کی موت اور مزید دو اپریٹس کھو دینے کے بعد رہے سہے افراد نے اپریٹس کا استعمال یوں ترک کیا تھا کہ پچھلی رات سے اس پر کسی کے سانس لینے کی آواز تک نہیں سنائی دی تھی۔

اپنی معلومات کے ان ذرائع سے محرومی کے بعد مجھے راس المیڈا کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا کہ وہ بلیک ہاک کے مکان پر ہونے والی ذلت آمیز شکست کا داغ دھونے کے لیے کیا حکمتِ عملی بنا رہا تھا۔

وہ حالات کا ایک رخ تھا جس کی اہمیت اور افادیت دوسروں کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتی تھی۔ دوسرا رخ یہ تھا کہ ٹائمن کا معاملہ جہاں تک پہنچا تھا وہیں ٹھپ ہو کر رہ گیا تھا۔ جن کاغذات سے مدد مل سکتی تھی، وہ میجر غوث کی تحویل میں چلے گئے تھے۔ کراچی ائرپورٹ پر مشتبہ چوبی پیٹیوں کی ایک بڑی کھیپ پہنچا دی گئی تھی۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ راس المیڈا کا تخریبی ذہن کیا سوچ رہا تھا۔

کیوٹو یا کراچی ائرپورٹ؟ یہ وہ اہم سوال تھا جس نے پچھلے روز کے واقعات کی کوکھ سے جنم لیا تھا اور کسی کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

میں ناشتے سے فارغ ہو چکا تھا کہ اوّل خان کا فون آگیا۔ اس کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار تمہاری مشکلات آسان ہو گئی ہیں؟" مزاج پرسی کے بعد میں نے اسے مزید کچھ بولنے کا موقع دیے بغیر معنی خیز لہجے میں سوال کر ڈالا۔

"ہاں۔ لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" وہ اپنے لہجے کی تبدیلی کو محسوس کیے بغیر میری باخبری پر حیران رہ گیا "آدھے گھنٹے پہلے ہی ٹیلکس پر آرڈرز آئے ہیں۔ ایک طویل مدت کے بعد آج میں خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہا ہوں۔ تمہارے بارے میں خصوصی احکام واپس لے لیے گئے ہیں۔"

"تو کیا اپنے دفتر پہنچے ہوئے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ میں بستر پر پڑے پڑے بیزار ہو گیا تھا۔ کل رات کی بھاگ دوڑ نے میرا حوصلہ بہت بڑھایا ہے۔ جب واقعات اتنی تیزی سے رونما ہو رہے ہوں تو گھر پر بیٹھے رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

"واقعات کہاں رونما ہو رہے ہیں؟ کل رات سے تو روپوشی کا سلسلہ چل پڑا ہے۔"

اس نے ایک جان دار قہقہہ لگایا اور کہا "ہمیں تمہاری بے بسی

سمجھ رہا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کیا کر رہے ہو۔ میں تھوڑی دیر کے لیے تمہارے پاس آنا چاہ رہا ہوں۔"

"ضرور آؤ۔ میں خالی بیٹھا کھیاں مار رہا ہوں" میں نے خوش دلی سے اسے دعوت دی۔

"میجر غوث کی طرف سے کوئی خیر خبر؟" اس نے دبے لفظوں میں پوچھا۔

"مجھے خود انتظار ہے۔ بلیک ہاک کے کتابی فولڈر سے میری خاصی امیدیں وابستہ ہیں۔"

"میں وہی جاننا چاہ رہا ہوں۔ یہ باتیں فون پر نہیں ہو سکتیں۔ میں تھوڑی دیر میں تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔" اوّل خان نے عجلت میں یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے اپنے دفتر میں کسی کی اچانک آمد کی وجہ سے باتوں کا سلسلہ منقطع کیا تھا۔

میں ڈرائنگ روم میں آنکھیں موندے اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ میری بے خبری میں ویرا کسی وقت وہاں آکر بیٹھ گئی۔ مجھے اس کی موجودگی کا علم اس وقت ہوا جب میری انگلیوں میں دبی ہوئی سگریٹ کے سلگتے ہوئے سرے کی تپش سفر کرتے کرتے میری جلد تک پہنچی اور میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ میں نے سگریٹ کے بقیہ حصے کو ایش ٹرے میں مسل کر بجھایا اور پیر مار کر قالین پر گری ہوئی راکھ کو پھیلا دیا۔

"یہ راکھ تم نے اٹھا کر ایش ٹرے میں ڈالنے کے بجائے پورے قالین پر پھیلا دی ہے۔ اس طرح قالین صاف ضرور نظر آنے لگا ہے لیکن یہ بدنیا تی ہے۔ اسے صفائی نہیں کہا جا سکتا" ویرا طنز سے بولی۔

"نہ کہو۔ گندگی کہہ لو۔ تمہیں کون مجبور کر رہا ہے؟" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"کوئی بھی غلط کام کر کے ثبوت کو مٹا دینا شاید اب تمہاری عادت بنتا جا رہا ہے۔"

"اگر یہ کوئی اطلاع ہے تو اس کا بہت بہت شکریہ!" میں نے دوسری سگریٹ سلگا کر کہا۔

"اور یہ اطلاع میں غزالہ کو بھی دینے والی ہوں" میری سرد مہری پر اس نے جل کر کہا۔

"اسے خوشی ہوگی۔ وہ جب سے میری بیوی بنی ہے' میری عادتوں سے واقف ہونے کے چکر میں پڑی رہتی ہے تاکہ میری پسند اور ناپسند کا خیال رکھ سکے۔ تمہاری یہ دھمکی نہیں چلے گی۔ کوئی نئی بات کرو۔"

"نئی بات کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے کل شام میری ڈمپل کی چوتھائی بوتل اس صفائی سے خالی کی ہے کہ وہاں کوئی نشان تک نہیں چھوڑا۔ غزالہ کو یہ جان کر صدمہ ہوگا کہ اس کے سامنے پرہیزگاری کا سوانگ رچا کر اب تم نے چوروں کی طرح مے نوشی شروع کر دی۔"

"میں نے کسی کی چوری نہیں کی۔ موڈ ہوا اور پی لی۔ یہ میں غزالہ کو بتا سکتا ہوں۔ اس نے آج تک میرے پینے پلانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کچھ دنوں سے میری طبیعت خود ہی ادھر راغب نہیں ہو رہی تھی۔"

"غزالہ کو اعتراض ہو یا نہ ہو' مجھے سخت اعتراض ہے کیونکہ تم نے میری اسکاچ چوری کی ہے۔"

"آج شام تمہارا یہ خسارہ پورا کر دیا جائے گا اور آئندہ احتیاط کی جائے گی۔"

"لیکن کل ایسا کیوں ہوا؟ پتا نہیں میری لاعلمی میں تم میرے کمرے میں گھس کر کہاں کہاں جھانکتے پھرتے ہو۔ یہ تو تمہاری وہ حرکت ہے جو میری نظروں میں آگئی" اس وقت وہ مجھ سے بلاوجہ الجھنے پر تلی ہوئی تھی۔

"تم بہت اچھی طرح جانتی ہو کہ تمہارے بارے میں مجھے کسی تاک جھانک کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مراحل میری شادی سے بہت پہلے طے ہو گئے تھے۔ ویسے بھی تم ایلن اور اس کے ساتھیوں سے مار کھانے کے بعد انڈوں پر بیٹھی ہوئی کڑک مرغی کی طرح مسلسل اپنے کمرے میں جمی ہوئی تھیں۔ کس کی مجال تھی کہ تمہارے کمرے کا رخ کرتا؟"

اس کے چہرے پر مصنوعی جھلاہٹ کی جگہ اچانک ہی نرماہٹ پھیل گئی اور وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "اگر تمہیں پینی ہی تھی تو مجھے بلا لیا ہوتا۔ کئی دن سے میں اپنی شامیں تنہا گزار رہی ہوں۔"

"گھر میں سب لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی تم تنہائی محسوس کرتی ہو تو حیرت ہے۔"

"میں ہم نوالہ اور ہم پیالہ ساتھی کی بات کر رہی ہوں۔ چوتھائی بوتل تم نے پانی کے گلاس کی طرح کھڑے کھڑے پی ہوگی۔ خاک بھی مزہ نہیں آیا ہوگا۔ آج شام میرے کمرے میں تمہاری دعوت ہے" وہ اس وقت نہایت حریصانہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ مچل رہی تھی۔

"شام ہوگی تو دیکھا جائے گا۔ ابھی اوّل خان بھی یہاں پہنچنے والا ہے۔"

"میں یہ سوچ کر پریشان ہوئی جا رہی ہوں کہ کل رات اوّل خان اور دوسرے لوگ بروقت تمہاری مدد کو نہ پہنچے ہوتے تو تم دونوں کا کیا حشر ہوا ہوتا۔ راس المیڈا اس مکان کو واقعی تمہارے مقبرے میں تبدیل کر دیتا" وہ ایک جھرجھری لے کر بولی "اس کے سر پر تمہارا خون سوار ہو چکا ہے۔"

"اس کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ تم دیکھ لینا کہ وہ بہت جلد میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔ اسے اب تک صرف اس کی ذہانت بچاتی رہی ہے لیکن اب وہ تنہا ہوتا جا رہا ہے۔ چالاک گیدڑ جب اکیلا رہ جاتا ہے تو بوکھلاہٹ میں خود ہی کسی گہرے گڑھے میں جا

گرتا ہے۔ اس کے مرنے کے بعد امریکنوں کے حوصلے جواب دے جائیں گے۔"

"اور کے نائین کا کیا بنے گا؟ اس کے بارے میں تم کہاں تک پہنچے ہو؟"

"وہ مسئلہ بھی کسی وقت حل ہو جائے گا۔ اوّل خان آجائے تو میں میجر غوث سے بات کروں گا۔"

"میجر غوث بھی ایک ملاقات میں تمہارا مداح بن چکا ہے" اس نے مجھے بتایا "اسے جوں ہی یہ پتا چلا کہ تم صرف سلطان شاہ کو لے کر بلیک ہاک کے پیچھے گئے ہو' وہ تڑپ اٹھا تھا۔ کل رات اسی کی فکر مندی نے تمہیں موت کے منہ میں جانے سے بچایا ہے۔ ورنہ اس وقت تمہاری باقیات کی رسمی تدفین کی تیاریاں ہو رہی ہوتیں۔"

میں بار بار اسے مختلف موضوعات میں الجھانے کی کوشش کرتا رہا اور وہ ہر بار گھوم پھر کر کے نائین کے بارے میں سوالات کرتی رہی۔ میں خود بھی اس بارے میں کسی سے بات کر کے اپنے ذہنی خاکے کے خد و خال واضح کرنا چاہتا تھا مگر مجھے اوّل خان کا انتظار تھا۔ اس کے آنے سے گفتگو میں نمایاں فرق پڑ سکتا تھا۔

ہماری تکرار کی آوازیں سن کر غزالہ بھی وہیں آگئی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر پچھلی رات کے قصے چھیڑ دیے۔ اسے سلطان شاہ نے بتادیا تھا کہ پچھلی رات ہم صرف اپرنٹس کی وجہ سے بچ سکے تھے ورنہ بلیک ہاک اور اس کے ساتھیوں نے میجر غوث وغیرہ کے پہنچنے سے پہلے ہمیں مار لیا ہوتا۔ غزالہ کو اپرنٹس کے بارے میں اپنے بروقت مشورے پر معصومانہ خوشی تھی۔ میں نے دل کھول کر اس کی تعریفیں کیں تو خوشی سے اس کا چہرہ گلنار ہو گیا۔

میں نے اپنی مختصر سی ازدواجی زندگی میں یہ بات شدت سے محسوس کی تھی کہ مرد کی فطرت ہی کچھ عجیب ہوتی ہے۔ وہ اپنی محبوبہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کے ایسے ایسے بے بنیاد قصیدے پڑھنے پر تلا رہتا ہے کہ سن کر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے لیکن بیوی کے معاملے میں اس کی انا اس قدر بلند ہو جاتی ہے کہ وہ اس عفیفہ کی کسی خوبی کی جائز تعریف کو بھی ذاتی ہتک سمجھ لیتا ہے جس کے نتیجے میں دونوں کے ذاتی تعلقات میں ایک نادیدہ خلیج حائل ہو جاتی ہے جو بڑھتے بڑھتے اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ عمر میں پختگی آنے کے ساتھ ساتھ وہ دونوں ایک دوسرے پر جا و بے جا تنقید کو اپنا پیدائشی حق تصور کرنے لگتے ہیں۔

میں نے غزالہ کو محبوبیت کے خوابوں سے گزار کر اپنی بیوی بنایا تھا اور پہلے دن سے اس معمول پر کاربند رہا تھا کہ اس کی ہر خوبی کو بروقت سراہا جائے' خامیوں کو ایک معقول حد تک نظرانداز کیا جائے۔ یہ میرے اسی رویے کا انعام تھا کہ غزالہ نے کبھی میری آزاد روی پر کوئی قدغن نہیں لگائی تھی۔ وہ میرے مزاج سے بہت اچھی طرح واقف تھی اور مجھے میری ہر خامی سمیت قبول کر چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اوّل خان آپہنچا اور آتے ہی ویرا کی مزاج پرسی میں مصروف ہو گیا۔ پچھلی شام وہ کرنل اشفاق اور میجر غوث کی وجہ سے اس پر زیادہ توجہ نہیں دے سکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ ویرا اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے اوّل خان کی نظروں میں ایک خاص مقام حاصل کر چکی تھی۔

جب تک ویرا اپنی توہین اور تذلیل کے احساس سے اندر ہی اندر جھلستی رہی تھی' اس کے لیے وہ موضوع بہت تکلیف دہ اور نازک تھا لیکن اپنے اس جذباتی بحران سے گزر جانے کے بعد وہ بہت کھلے دل کے ساتھ اوّل خان کو ہر وہ بات بتا رہی تھی جو ان دنوں اس کا مزاج برہم کر دیا کرتی تھی۔

"جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ ہمیں اس بارے میں سوچنا چاہیے جو اب ہونے والا ہے" اوّل خان کے سوالات کا سلسلہ دراز ہونے پر ویرا نے مسکراتے ہوئے خود ہی بات بدل دی۔

"کچھ نہیں ہوگا۔" اوّل خان پر جوش لہجے میں بولا "میرا ایمان ہے کہ یہ ملک جس قادرِ مطلق نے عطا کیا ہے' وہی اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ اس کے بدخواہ اپنی آگ میں سلگ سلگ کر راکھ ہو جائیں گے۔"

"برا نہ مانو تو کہوں کہ تم لوگوں نے اپنے قادرِ مطلق پر بہت زیادہ بوجھ ڈالا ہوا ہے۔" ویرا نے لطیف پیرائے میں کہا۔ "تم جیسے باعمل آدمی کی زبان سے یہ باتیں کھوکھلی نہیں لگتیں۔ عمل کے ساتھ مقصد سے پختہ وابستگی ہو تو کامیابی ضرور قدم چومتی ہے لیکن بے عمل لوگ تو ہر کام قادرِ مطلق سے ہی کرانا چاہتے ہیں' خود ایک پھلی بھی پھوڑ کر نہیں دیتے۔ حد تو یہ ہے کہ میں نے افیم سے ہیروئن کشید کرنے والے باریش افغانوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا کی مہربانی سے وہ پورے علاقے میں سب سے بہتر مال تیار کرتے ہیں۔"

اوّل خان نے ویرا کے اس چبھتے ہوئے تبصرے پر کوئی رائے زنی نہیں کی بلکہ مجھ سے مخاطب ہو گیا "قدرت کا نادیدہ ہاتھ اپنا کام کرتا رہے گا لیکن یہ بتاؤ کہ کے نائین کے بارے میں تم اپنے ذہن میں کیا کھچڑی لیے بیٹھے ہو۔"

"پہلے میرا خیال تھا کہ کے نائین مشن کینوپ کے خلاف ہے۔ جب مجھے ائرپورٹ بھیجی جانے والی پیٹیوں کی اصلیت کا علم ہوا تو مجھے شبہ ہونے لگا کہ ان لوگوں کی تخریبی تیاریاں کراچی کے ہوائی اڈے کے خلاف ہیں۔" میں نے بولنا شروع کیا تو اوّل خان ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "لیکن اب میری نپی تلی رائے ہے کہ راس الیمڈا کی گندی نگاہیں کینوپ پر لگی ہوئی ہیں۔ ہمیں اسی حوالے سے قدم اٹھانا پڑے گا۔"

"کل تک کل میں ایسے کون سے واقعات رونما ہو گئے کہ تمہیں دو مرتبہ اپنی رائے پر نظرِ ثانی کرنی پڑ گئی؟" ویرا نے میرے

خاموش ہونے پر سوال کیا۔
"بلیک ہاک کے گھر میں موجود دو مہلک ترین بارودی کریٹ مضبوط ترین محرک تھے۔"
"تمہارا خیال ہے کہ انہیں ائرپورٹ کے کسی گودام میں پہنچا کر ریموٹ کنٹرول سے اڑادیا جائے گا؟"
"مجھے یہ خیال ہوا تھا جسے بدلنا پڑا۔" میں نے کہا "ساری تیاریاں کینوپ کے لیے ہیں۔"
"مگر تم یہ کیسے کہہ رہے ہو؟" اوّل خان پر تشویش لہجے میں بولا۔ "میں تو اس بارے میں ابھی تک کوئی آخری رائے قائم نہیں کرسکا ہوں۔ تم کس بنیاد پر پل پل میں اپنی رائے بدل رہے ہو۔"
"میجر غوث نے شاید کل رات فون پر تم ہی کو بتایا تھا کہ ہوائی اڈے پر پہنچائی جانے والی پیٹیوں میں ماربل کا سامان ہے اور اسے ایک چارٹرڈ طیارے کے ذریعے قبرص بھیجا جانے والا ہے۔" میں نے تائید طلب لہجے میں ویرا سے کہا۔
"میجر غوث نے مجھے بھی یہی بتایا تھا۔" ویرا کے سر کی اثباتی جنبش کے ساتھ اوّل خان بولا۔
"کل رات اس کی زبان سے یہ بات سنتے ہی میرا ذہن کام کرنے لگا تھا۔" میں نے کہا "فرض کرو کہ وہ چارٹرڈ جہاز کراچی سے وہ پیٹیاں لے کر پرواز کرتا ہے اور خدانخواستہ ایٹمی بجلی گھر پر گر کر تباہ ہوجاتا ہے تو تم کیا کرسکو گے؟ ہر شخص اسے ایک ناگہانی فضائی حادثہ قرار دے گا۔ تم کچھ بھی نہیں کرسکو گے۔"
چند ثانیوں کے لیے وہاں بیٹھے ہوئے تمام افراد کے چہروں کے رنگ اڑ گئے مگر پھر اوّل خان سنبھالا لے کر بولا "تمہاری یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ کراچی سے جانے والی ہر پرواز کا ایک راستہ مقرر ہے اور ہوائی اڈے کا ائرٹریفک کنٹرولر اپنے ریڈار پر اس بات کی نگرانی کرتا ہے کہ کوئی جہاز اپنے مقررہ راستے سے انحراف نہ کرنے پائے۔ ان راستوں میں سے کوئی راستہ اہم قومی یا دفاعی تنصیبات پر سے ہو کر نہیں گزرتا۔"
"راس المیڈا اسی لیے موجودہ اور متروک نقشوں کی تلاش میں ہے تاکہ اس کا زرخرید ہواباز اپنے طیارے کو سمت نما آلات کی مدد سے اپنے نشانے پر لے جاسکے۔" میں نے کہا۔
"وہ ادھر نہیں جاسکے گا" اوّل خان نے زور دے کر کہا۔ "کیونکہ کنٹرول ٹاور والے اپنے ریڈار پر اس طیارے کی کڑی نگرانی کررہے ہوں گے۔ سمت بدلتے ہی وہ ہوشیار ہوجائیں گے۔"
"میں مانتا ہوں کہ وہ ہوشیار ہوجائیں گے۔ وہ ریڈیائی رابطے پر ہواباز کو اپنا اصل راستہ برقرار رکھنے کا حکم دیں گے..... مسلسل خلاف ورزی پر اسے انضباطی کارروائی کی دھمکی دیں گے لیکن عملاً وہ کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔ ایک بار طیارہ فضا میں بلند ہوجائے تو اس کی تقدیر کا مکمل انحصار ہواباز کی صوابدید پر ہوتا ہے۔ زمینی عملہ اور کنٹرول ٹاور والے ہواباز کی رہنمائی کرسکتے ہیں، اسے مشورہ یا حکم دے سکتے ہیں، اسے دھمکیاں دے سکتے ہیں لیکن جہاز کا رخ نہیں موڑ سکتے۔ اس کا ایک ہی علاج ممکن ہے کہ ایسے مشتبہ طیارے کو لڑاکا طیارے گھیر کر فضا میں تباہ کردیں لیکن پیشگی تیاری کے بغیر یہ قدم بھی نہیں اٹھایا جاسکتا۔"
"کیوں؟" میرے خاموش ہوتے ہی ویرا اضطراری طور پر سوال کربیٹھی۔
"ہوائی اڈے سے کینوپ تک چند منٹ کی مختصر سی فضائی مسافت ہے" میں نے سگریٹ کا ایک کش لے کر اپنی بات دوبارہ جاری رکھتے ہوئے کہا "جتنی دیر میں شہری ہوابازی والوں کی ہنگامی درخواست پر ائر ڈیفنس سسٹم حرکت میں آئے گا، سازشی طیارہ نشانے پر پہنچ کر اپنا کام دکھا چکا ہوگا۔"
"تمہاری بات قابلِ غور ہے" اوّل خان تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "کسی جنونی ہواباز کے پاس اپنے مشن کا مصدقہ ائرروٹ میپ موجود ہو تو وہ ائرٹریفک کنٹرول والوں کی مرضی اور ہدایات کے برعکس کوئی بھی کارروائی کرسکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہواباز بھی مارا جائے گا۔"
"اچانک رونما ہونے والے فضائی حادثوں تک میں بعض ہواباز... صحیح سلامت بچ نکلنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ کوئی سوچا سمجھا تخریبی منصوبہ ہو تو یہ امکان سو فیصد تک بڑھ جاتے ہیں۔ ہواباز کو پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے کس وقت کیا کرنا ہے۔ وہ جہاز کو کریش پوزیشن پر ڈالتے ہی پلک جھپکتے میں اپنے کیبن سے باہر نکل سکتا ہے۔"
"اس طرح بچ نکلنے والے پائلٹ کی زندگی عذاب نہیں بن جائے گی؟" ویرا بولی۔
"تم یہ بھول رہی ہو کہ اس سازش کو کن بین الاقوامی قوتوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ یہ اعلان کیے اور ذمے داری قبول کیے بغیر کی جانے والی جنگی کارروائی ہوگی۔ فضائی حادثوں کے تمام تحقیقی ماہرین سفید اقوام سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی تحقیقات جہاز کے خراب آلات کی کہانیاں گھڑ کر ہواباز کو بچانے میں اہم کردار کرسکتی ہیں۔"
"اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ راس المیڈا نے اس کام کے لیے کسی پرجوش اور متعصب یہودی ہواباز کا انتخاب کیا ہو جو جہاز کے ساتھ اپنی جان قربان کرکے اپنے موروثی وطن اور اپنی عالمی برادری کی بے مثال خدمت کے جذبے سے سرشار ہو۔ ہواباز کی موت سے پورا قصہ ہمیشہ کے لیے دھواں اگلتے ہوئے ملبے میں دفن ہوسکتا ہے" اوّل خان نے میری رائے سے اتفاق کرتے ہوئے پر زور لہجے میں کہا۔
"میرا خیال ہے کہ ہم فساد کی جڑ کو بھول کر شاخوں میں الجھ رہے ہیں" سلطان شاہ نے اپنے پہلے ہی فقرے سے سب کی توجہ

اپنی طرف مرکوز کرالی۔ وہ کہہ رہا تھا "یہ کہانی اسی وقت قرین قیاس ہوسکتی ہے جب یہ طے ہو جائے کہ اس جہاز پر لادے جانے والے سامان میں خطرناک بارودی کریٹ بھی موجود ہیں ورنہ ایک عام مال بردار طیارہ کسی ایٹمی پلانٹ کو بھاری یا ناقابلِ تلافی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"تمہاری یہ بات اپنی جگہ اٹل ہے۔" ویرا نے اس کی تائید کی "کل میجر غوث نے جو کچھ بتایا اس کے مطابق ائرپورٹ لے جائی جانے والی پیٹیوں میں صرف ماربل کا سامان ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ اس کے آدمیوں نے چند پیٹیاں دیکھ کر اپنی رپورٹ دے دی ہو۔" یہ کہہ کر میں اوّل خان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "ان پیٹیوں کی دوبارہ دیکھ بھال کے سلسلے میں تمہاری میجر غوث سے کوئی بات ہوئی ہے؟"

"ہاں، وہ آج رات بذاتِ خود ایک ایک پیٹی کھول کر دیکھے گا۔"

"کیا یہ کام دن میں نہیں کیا جاسکتا تھا؟" میں نے قدرے بدمزگی سے پوچھا۔

"نہیں، ان پیٹیوں کی بار بار دیکھ بھال سے سازشی عناصر ہوشیار ہوکر اپنا منصوبہ تبدیل کرسکتے ہیں۔ میجر غوث رات کو پوری رازداری سے اپنا کام کرے گا۔ وہ چاہتا ہے کہ اگر یہی پرواز کے نائین مشن ثابت ہوئی تو وہ اس سازش میں شریک ہر شخص کو رنگے ہاتھوں پکڑے گا۔ وہ پسِ پردہ رہ کر ان لوگوں کو آخری حد تک ڈھیل دینے کا منصوبہ بنائے بیٹھا ہے۔ میں اسے طریقۂ کار بدلنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔"

"اگر اس بار بھی میجر غوث نے قبرص جانے والی کھیپ کی کلیرنس دے دی تو کیا ہوگا؟" ویرا نے پوچھا۔

"بکواس مت کرو۔" میں پھاڑ کھانے والی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے غرایا "اگر کے نائین کے بارے میں میری یہ ساری عرق ریزی رائگاں گئی تو ہم اندھیرے میں بھٹکتے رہ جائیں گے.... فی الحال ہمارے پاس کے نائین کے سلسلے میں کوئی متبادل سراغ موجود نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم دل ہی دل میں اپنا نظریہ درست ثابت ہونے کے خواہاں ہو؟"

"تم احمق ہو۔ یہ میری خواہش کی بات نہیں ہے۔ حالات و واقعات اسی سمت کی نشان دہی کر رہے ہیں۔"

"اور ہمارے پاس وقت کم ہے۔" اوّل خان نے کہا "سامان قبرص لے جانے والا ایک چھوٹا مال بردار طیارہ بمبئی سے کراچی پہنچ چکا ہے۔ طیارہ کل دوپہر میں لوڈ ہوگا اور شام کو قبرص کے لیے پرواز کر جائے گا۔"

"کیا ایک چھوٹا طیارہ اتنی دور تک مسلسل پرواز کرسکے گا؟" اس وقت ویرا کا ذہن ہر بات کے منفی پہلو تلاش کرنے پر مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔

"مجھے جہاز کے پورے شیڈول کا علم نہیں ہے۔" اوّل خان نے مدافعانہ لہجے میں کہا "ہوسکتا ہے کہ راستے میں اسے تیل لینے کے لیے کہیں رکنا ہو۔ جہاز چارٹر کیا گیا ہے تو ان فنی امور کو بھی طے کرلیا گیا ہوگا۔"

"بے کار باتیں ہیں۔" سلطان شاہ پھر بول پڑا "جہاز کو کینوپ سے آگے جانا ہی کہاں ہے جو تیل دوبارہ بھروانے کی ضرورت پڑ آئے گی اور اب تو اس جہاز کی پرواز ہی سرے سے مشکوک ہوگئی ہے۔ کے نائین کی آخری گم شدہ کڑی ملتے ہی قصۂ زمین بر سرِ زمین طے ہو جائے گا۔ فضا کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔"

"خوشی کی بات ہے کہ یہ باتیں تمہاری ننھی سی کھوپڑی میں آ رہی ہیں۔" ویرا نے جل کر کہا۔

"یہ جہاز کس کمپنی کی ملکیت ہے؟" ان دونوں کے درمیان بات بڑھنے سے پہلے ہی میں نے اوّل خان سے پوچھا۔

"میجر غوث یہ تفصیلات جمع کر رہا ہے۔ میں لاعلم ہوں!" اس نے کہا۔

"کراچی میں طیارہ چارٹر کرنے اور یہاں سے مال بھیجنے والی پارٹی پر بھی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔"

"میجر غوث ان تمام پہلوؤں پر بیک وقت کام کر رہا ہے۔" اوّل خان نے کہا "اس وقت تم نے یہ ساری باتیں بتا کر مجھے اندر سے دہلا دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہماری سرزمین کے لوگوں کی خون آشام دشمنیوں کا سلسلہ کہاں جا کر رکے گا۔"

"قوموں کی تاریخ ایسی ہی دوستیوں اور دشمنیوں سے بنتی ہے۔ یہ سلسلے ازل سے چلے آرہے ہیں اور شاید ابد تک یوں ہی چلیں گے۔ جب ہم نہیں تھے تو دوسرے دشمنوں کا احتساب نہیں کر رہے تھے۔ ہم نہیں ہوں گے تو دوسرے خود بہ خود ابھر کر سامنے آجائیں گے۔ اس وقت اپنا دھیان بس کے نائین پر مرکوز رکھو۔" میں نے کہا۔

"ہمارے سامنے اب کے نائین کے سوا کیا باقی رہ گیا ہے؟" بولتے بولتے اوّل خان نے چونک کر پوچھا "رات سے اپریٹس پر ان لوگوں کی کوئی پیغام رسانی ہوئی ہے؟"

"اسے بھول جاؤ۔ اب وہ پلاسٹک کا ایک ناکارہ ڈبا ہے۔" میں نے تلخی سے کہا "ہمیں اس اپریٹس سے جو فیض حاصل ہونا تھا وہ ہوچکا ہے۔"

اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ویرا نے ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف کی بات سننے کے بعد خاموشی سے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔ ادھر سے میجر غوث کا آپریٹر بول رہا تھا۔

"معاملات بہت الجھ گئے ہیں۔" میجر غوث لائن پر آتے ہی تشویش زدہ لہجے میں بولا "میں نے گودام میں رازداری کا اہتمام کرکے سارے کریٹ خود دیکھ لیے ہیں۔ ان میں صرف ماربل کی

...وجات ہیں۔ پوری کھیپ میں کوئی کریٹ مشتبہ نہیں ہے۔ وہ ...ی پتیاں ماربل کے ان کریٹوں جیسی ہیں جو ڈیفنس کے بنگلے میں ...ود تھیں۔"

وہ بری خبر سن کر میرا دل بیٹھ گیا "پھر کسی اور لائن پر سوچنا ...ے گا۔ تمہارے حساب سے تو معاملہ صاف ہوا ہے۔ اب اس ...یا الجھن باقی ہے؟"

"یہ سامان یہاں کی ایک مشہور سیاسی شخصیت کی تجارتی فرم ...ر کر رہی ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس کا بلیک ہاک یا ...س المیڈا سے کیا تعلق ہے۔ اگر تم نے کل شام بلیک ہاک کے ...ے اتفاقاً وہ ٹرک نکلتے نہ دیکھ لیا ہوتا تو کسی کو کانوں کان بھی پتا ...ا کہ وہ فرم راس المیڈا کے لیے کام کر رہی ہے۔"

"ان لوگوں کے ہاتھ بہت دراز ہیں۔ تم خود اندازہ لگا سکتے ...یں نے بے بسی سے کہا۔

"میرا ذہن بارہ گھنٹوں میں ماؤف ہو کر رہ گیا ہے۔ پتا نہیں تم ...جہ کیسے سار رہے ہو۔ تم ہی کچھ سوچو۔ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ...ہے ورنہ راس المیڈا اور اس فرم کا خفیہ گٹھ جوڑ نہ ہوتا۔"

"فولڈر میں موجود کاغذات کیا کہتے ہیں؟" میں نے رسانیت ...وچھا۔

"وہ سب خفیہ تحریریں ہیں۔ میں نے پورا پلندہ کرپٹوگرافی ...کو بھجوا دیا ہے۔"

"اور اسلام آباد والے قادر کا کیا بنا؟" میں نے پھر سوال کیا۔

"اب وہ باقاعدہ زیرِ تفتیش ہے۔ اس نے زبان کھول دی ..."

میں فون پر اس سے باتیں ضرور کر رہا تھا لیکن میرا ذہن کے ...اور ائرپورٹ پر موجود طیارے میں ہی الجھا ہوا تھا۔ میں نے ...لہجے میں پوچھا "بمبئی سے آنے والا مال بردار طیارہ کہاں ...کیا بمبئی سے آمد پر اس کی تفصیلی تلاشی لی جاچکی ہے؟"

"طیارہ ٹیکسی وے کے آخری سرے سے ذرا پہلے ایپرن پر ...ہوا ہے۔ جہاز کی رسمی دیکھ بھال کی گئی تھی۔ جب تک کسی ...ے پر شبہ نہ ہو، عام طور پر تفصیلی تلاشی نہیں لی جاتی۔"

"لیکن یہ مشتبہ طیارہ ہے" میں نے زور دے کر کہا "ہو سکتا ...ہ راس المیڈا کے لیے کام کرنے والی ائرلائن کے عملے نے ...ا کر بارود کی کریٹ اس طیارے میں چھپا دیے ہوں۔"

"اوہ! مجھے یہ خیال نہیں آیا تھا" اس کی آواز اچانک پُرجوش ..."ایسی تلاشی کسٹم اور امیگریشن کا قانونی حق ہوتا ہے۔ چارٹر ...جانے والے جہازوں کے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ میں ابھی ...ی کی تیاری کرتا ہوں۔"

"میری خواہش ہے کہ میں بھی اس جہاز کو دیکھ سکوں۔" میں ...ہا۔

"تم آسکتے ہو" اس نے فوراً ہی کہا "اس وقت میں تمہارے بتائے ہوئے راستے پر چل رہا ہوں۔ تمہاری کسی بھی خواہش کو نظر انداز کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ بس ذرا مسئلہ یہ ہو سکتا ہے کہ جہاز پر کئی اجنبی چہروں کو دیکھ کر مجرم نہ بھاگ نکلیں۔ میں جرم کے ساتھ ہر مجرم کی بیخ کنی کے اصول پر یقین رکھتا ہوں۔"

"پھر میں نہیں آؤں گا۔" میں نے سختی سے کہا "میں خود بھی اپنی کسی خواہش کی وجہ سے مجرموں کو فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں دینا چاہتا۔ اگر یہی کے نائین مشن ہے تو اس کی مکمل تباہی میری سب سے بڑی خواہش ہے۔"

"تم بہت عظیم اور بے لوث انسان ہو" اس کے ایک ایک لفظ سے خلوص کی مہک آرہی تھی "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک عام اور گوشہ نشین شہری بھی اس قدر بلند کردار ہو سکتا ہے۔"

"مجھے میری جگہ پر رہنے دو!" میں نے ہنس کر کہا "میرا دماغ خراب مت کرو ورنہ شکوے شروع کردوں گا۔"

"شکوے....؟ کس بات کے شکوے؟ تم کہو، میں تمہارے شکوے کا جواب دوں گا۔"

"رہنے دو ورنہ ابھی سرکاری اور غیر سرکاری کی بحث چھڑ جائے گی" میں نے کہا۔

"اوہ! میں سمجھ گیا" وہ سمجھ دار افسر تھا، فوراً میری بات کی تہ تک پہنچ گیا "بلیک ہاک کے فولڈر والی بات اصولی تھی۔ میں نے اسی وقت اندازہ لگا لیا تھا کہ میرا رویّہ تمہیں پسند نہیں آیا مگر میں مجبور تھا۔ فولڈر میں سرکھپانے کے بعد میں سارے کاغذات تمہیں بھیج دیتا مگر اوپر سے کچھ ہدایت آگئی اور مجھے اس پر عمل کرنا پڑا۔ یہ ہماری مجبوریاں ہوتی ہیں مگر میں پھر بھی تم سے معذرت خواہ ہوں۔"

میجر غوث سے ملنے والی خبر سب کے لیے مایوس کن تھی۔ سلطان شاہ منہ لٹکا کے بولا "یہ تو کھودا پہاڑ، نکلا چوہا والی بات ہوئی، اب کیا ہوگا؟"

"کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ میجر غوث خود بھی اس نتیجے سے مطمئن نہیں ہے۔"

"کیوں؟ اسے کیا پریشانی ہے؟ وہ تو شاید بہت غیر جذباتی انداز میں پورے معاملے کو دیکھ رہا ہے" ویرا نے چونک کر کہا۔

"پہلے اس کی تعریف اور اب تنقیص کر رہی ہو!" میں نے اسے گھور کر کہا۔

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ غیر جذباتی ہونا بھی تعریف کے زمرے میں آتا ہے۔ جذباتی قسم کے لوگ اپنی زندگی میں کبھی کوئی بڑا مقام حاصل نہیں کرپاتے.... کیا کہہ رہا تھا وہ میجر غوث؟"

"بلیک ہاک کے گھر سے ائرپورٹ لے جایا جانے والا ماربل کا سامان ایک بڑے سیاست داں کی تجارتی فرم قبرص بھیج رہی ہے۔" میں نے میجر غوث کی دی ہوئی خبر کا دوسرا حصہ دہراتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" اول خان سیٹی بجانے والے انداز میں اپنے ہونٹ سکیڑ کر حیرت سے بولا "پھر تو میجر غوث کی بھی آنکھیں کھل گئی ہوں گی کہ ان لوگوں نے کہاں کہاں ہاتھ ڈالا ہوا ہے۔"

"وہ اسی ایک بات سے بہت پریشان ہے۔ اب میں نے اسے جہاز کو کھنگالنے کی آخری تجویز دی ہے۔ اگر یہ بھی بے ثمر ثابت ہوئی تو ہمارے پاس صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہے گا۔"

"جہاز کی تلاشی میں کیا رمز پنہاں ہے؟" ویرا نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"ہم ائرپورٹ لے جائی جانے والی پیٹیوں کی اصل تعداد سے لاعلم ہیں لیکن بلیک ہاک کے گھر پر نظر آنے والی شہادتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس کھیپ میں سے ماربل کے سامان کے تین کریٹ روک کر بارودی کریٹ بھیجے گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مقامی تجارتی فرم کو اس ہیرپھیر کا علم ہی نہ ہوسکا ہو اور ائرپورٹ پر خاموشی سے وہ تینوں خطرناک کریٹ جہاز پر پہنچادیے گئے ہوں۔ مال چڑھانے کے بعد گنتی ہوگی تو اس میں وہ کریٹ بھی شامل ہوسکتے ہیں یا پھر کاغذات میں تین پیٹیاں کم ظاہر کردی جائیں گی۔"

"تم پہلے ہیروئن فروش تھے اور آج کل سرفروش بنے ہوئے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم کو ان دونوں مشغلوں سے ہٹ کر وکالت کا پیشہ اختیار کرنا چاہیے تھا۔ تم بال کی کھال نکالنے میں کچھ زیادہ ہی ماہر ہو۔"

"تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میری ماں مجھے پڑھا لکھا کر وکیل بنانے کے خواب دیکھتی ہوئی اس دنیا سے چلی گئی۔" میں نے افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "شاید یہ اسی کی خواہشات کا فطری ثمر ہے کہ آج تم مجھے وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کا مفت مشورہ دے رہی ہو۔"

وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ اول خان سخت بے چینی کا شکار ہو رہا تھا۔ وہ اپنے دفتر جانے یا نہ جانے کے بارے میں بھی تذبذب کا شکار تھا۔ کے ٹائین کا مسئلہ سمٹ کر اپنے آخری مراحل پر آچکا تھا۔ میجر غوث نے فوری طور پر مشتبہ طیارے کی تلاشی کی مہم سر کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ اول خان اس مرحلے پر ہم لوگوں کے ساتھ ہی رہنا چاہ رہا تھا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ بیزاری کی حالت میں اپنے دفتر جا کر دوبارہ ہماری طرف لوٹے۔

اس نے اپنے جوتے اتارے اور صوفے پر نیم دراز ہوکر وہیں رک کر میجر غوث کی آخری کوشش کے نتیجے کا انتظار کرنے کا اعلان کردیا۔

"کے ٹائین کے چکر میں کس کی فرم ملوث ہے؟" غزالہ نے مجھ سے پوچھا۔ عام طور سے وہ ہمارے مباحثوں میں بہت کم حصہ لیتی تھی۔ بس خاموش بیٹھی بھانت بھانت کی بولیاں سنتی رہتی تھی۔

"میں نے نام پوچھا' نہ میجر غوث نے بتایا۔" میں نے کہا۔

"سیاست دانوں کے معاملات تو اتنے حساس اور نازک ہوتے ہیں کہ ان کے خلاف واضح مقدمات درج کرنے سے پہلے بھی جگہوں سے کلیرنس لینی پڑتی ہے۔ یہ قصہ بھی ان ہی نزاکتوں گزرے گا پھر کہیں نام سامنے آسکے گا۔"

"فرم کا نام کھلتے ہی سب کو پتا چل جائے گا کہ کون گندہ ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"لوگوں کو معلوم ہونے کی کسی کو پروا نہیں ہوتی۔ لوگوں گھلوملو تو وہ اندر کی ایسی ایسی سربستہ کہانیاں سناتے ہیں کہ چکرا کر رہ جاتی ہے لیکن یہ کہانیاں ہمیشہ سینہ گزٹ میں دفن ہیں' کبھی سرکاری ذرائع سے منظرِعام پر نہیں آتیں کیونکہ ملک گھوم پھر کر یہی چہرے حکومت کرتے ہیں۔"

میری اس بات پر سلطان شاہ منہ بگاڑ کر بولا "میرا بس چلے میں اس فرم کے غدار مالک کو ان ہی کریٹوں سے باندھ کر اڑا جو بلیک ہاک کے گھر سے ملے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ ڈیبی کے کہنے کے مطابق اس فرم کو سارے ہیرپھیر کا علم ہی نہ ہو" ویرا نے اسے سمجھایا۔

"بے کار بات ہے" سلطان شاہ نے حقارت سے کہا دینے کے لیے اس کا یہی جرم کافی ہے کہ اس فرم کے بلیک سے گہرے کاروباری مراسم ہیں۔ بھلا ان سازشی لوگوں کا کار سے کیا واسطہ؟ یہ تو کاروبار کے بہانے سے بھی بھاری رشو دینے کے عادی ہیں۔ اپنے زرخرید غداروں سے روپے کا مال روپے میں خریدتے ہیں تاکہ ان کے کالے دھن کو کاروباری پھیرے سے مسلسل قانونی تحفظ ملتا رہے۔"

وہ موضوع بہت نازک تھا۔ بات آگے چلی تو اول خان بھی خاموش نہیں رہ سکا اور صوفے سے اٹھ کر پورے زور شور اپنے خیالات ظاہر کرنے لگا۔

چار بجے فون کی گھنٹی بجی تو مجھے یقین ہوگیا کہ وہ میجر غوث فون تھا۔ اس وقت بھی تینوں فون ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ اول خان نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تو میں دوسرا ریسیور اٹھا تھا۔

"اول خان! خدا کا شکر ادا کرو کہ آج ہم سرخ رو ہوگئے ڈیبی کی ہر بات حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی ہے۔" میجر غوث کی آواز فرطِ جذبات سے کانپ رہی تھی "ڈیبی کو بلاؤ۔ میں یہ خبر سب سے پہلے اسی کو سنانا چاہتا ہوں۔"

"میں دوسری لائن پر موجود ہوں" میں نے اس کا پیغام سکون سے کہا۔

"تم واقعی جینئس ہو۔ تم میرے سامنے ہوتے تو اس میں تمہارا منہ چوم لیتا۔ کے ٹائین مشن بے نقاب ہوگیا۔ بالکل ویسی ہی تین پیٹیاں جہاز کے اکلوتے کیبن کی دیواروں پوشیدہ تھیں جو ہم پچھلی رات دیکھ چکے ہیں۔ اب یہ جہاز سے پرواز نہیں کرسکے گا۔"

"اس وقت تم کہاں سے بول رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔
"ائرپورٹ سے.... جہاز کے کپتان نے راز فاش ہوتے ہی ودکشی کرلی ہے.... ان خطرناک پیٹیوں کو ناکارہ بنانے کے لیے رجنسی کا اعلان کرکے ہوائی اڈا بند کردیا گیا ہے.... میں یہاں بہت صروف ہوں۔"

اول خان خوشی سے بے اختیار ہوکر کسی بچے کی طرح پوری واز سے چیخ پڑا۔
غزالہ کی آنکھوں میں تیزی کے ساتھ شبنم اترتی جارہی تھی۔

میجر غوث سے ملنے والی وہ خبر اس قدر اہم اور سنسنی خیز ی کہ فون پر اپنے فوری ردعمل کا اظہار کرنے کے بعد ہم میں سے وئی بھی کافی دیر تک کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا۔ چاروں ہی فرط بات سے بہت زیادہ مغلوب ہوگئے تھے۔ غزالہ کی آنکھوں کی نمی نے پہلے ہی دیکھ لی تھی، پھر اول خان کی آنکھیں بھی دھندلانے یں۔ ویرا نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر اس کی آواز حلق میں نس کر رہ گئی۔

"اتنی بڑی خبر ملنے پر سب یوں خاموش ہیں جیسے میجر غوث نے رے کسی قریبی عزیز کے انتقال کی خبر سنائی ہو۔" چند ثانیوں بعد لطان شاہ نے سنبھالا لے کر سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

"خودکشی کرنے والا کپتان تمہارا رشتے دار ہوگا" ویرا نے زی سے کہا "میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ ڈینی کا دماغ کس مٹی کا بنا ا ہے۔ یہ ایک نکتے پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے اور پھر اس پر سوچتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ اپنی بات منوالیتا ہے۔ ان بارودی پیٹیوں کے ے میں سب زچ آچکے تھے۔ آخری لمحوں تک حوصلہ شکن لاعات مل رہی تھیں لیکن ڈینی پُریقین تھا.... اور آخری جیت س کی ہوئی۔"

"یوں معلوم ہوتا ہے جیسے راس المیڈا نے ڈینی کے مشورے ے ہی یہ پورا بکھیڑا پھیلایا ہو" اول خان نے ہنس کر کہا "ورنہ رف کے نائین کے دو لفظی اشارے سے سب کچھ کھود نکالنا سان نہیں تھا۔"

"راس المیڈا اس وقت جھلا کر اپنی بوٹیاں نوچ رہا ہوگا" لطان شاہ نے بے ساختہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "کل رات کی ست کے بعد آج اس کی کمر ہی ٹوٹ گئی ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ رف کے نائین مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے یہاں یا تھا اور وہ مشن بری طرح ناکام ہوگیا۔"

"بس یہی ایک بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ کے نائین کام ہوگیا" میں نے کہا "ورنہ دوسری بہت سی باتیں ابھی تک ھیرے میں ہیں۔ جہاز کے کپتان کی خودکشی کے بعد اب اس راز ے کبھی پردہ نہیں اٹھ سکے گا کہ غیرقانونی اور خفیہ طور پر لے ی جانے والی بارودی پیٹیاں کس نشانے کو تباہ کرنے کے لیے ی جارہی تھیں۔"

"کیوں؟ اب اس بارے میں کیا شبہ ہے؟" ویرا نے چونک کر پوچھا۔

"میں نے کے نائین مشن کا ذکر راس المیڈا کی زبان سے سنا تھا۔ بعد میں پتا چلا کہ امریکنوں نے برسوں پہلے کراچی کے ایک ترقیاتی سروے میں اس ساحلی پٹی کو کے نائین کا نام دیا تھا جہاں بعد میں ایٹمی بجلی گھر بنا لیا گیا۔ اس سے آگے سب ہمارے قیاسات ہیں۔ کون بتائے گا کہ ماربل کے سامان اور بارودی ذخیرے کے ساتھ اڑنے والے جہاز کو کراچی کے ہوائی اڈے سے لے جاکر کہیں گرانے کی سازش تیار کی گئی تھی؟"

ویرا بوکھلائے ہوئے انداز میں اول خان کا منہ تکنے لگی۔ میری بات نے اسے چکرا کے رکھ دیا تھا۔

"ڈینی بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے" اول خان نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "بارودی پیٹیاں پکڑ کر یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے اصل عزائم کیا تھے۔ منصوبہ بنانے والا راس المیڈا ہے جو روپوش ہے۔ جہاز کے مشن کا صحیح علم صرف اس کے کپتان کو تھا، وہ خودکشی کرچکا ہے۔"

"لیکن وہ فرم ہمارے سامنے ہے جو ماربل کا سامان قبرص بھیج رہی تھی" سلطان شاہ نے مزاحمت کی۔

"وہ کبھی کسی سازش کا اعتراف نہیں کریں گے۔ وہ قبرص والی کہانی پر اڑے رہیں گے۔ بارود کی پیٹیوں کو وہ جہاز کے کپتان کی کوئی خفیہ بدمعاشی قرار دیں گے اور پھر یہ امکان اپنی جگہ پر بہت قوی ہے کہ مقامی فرم کے مالکان اور ملازمین اصل کھیل سے بالکل بے خبر ہوں۔ راس المیڈا نے انہیں مکاری سے اپنا آلۂ کار بنایا ہو" اول خان نے کہا۔

"ان کا یہی جرم کیا کم ہے کہ ان کا برآمدی سامان بلیک ہاک کی کمین گاہ سے روانہ کیا گیا تھا؟" سلطان شاہ کامیابی کی اہمیت میں کوئی کمی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

"وہ ایک دوسری بات ہوگی" میں نے کہا "ان لوگوں کو اپنے مشکوک مراسم کے لیے جواب دہی کرنی پڑے گی لیکن کے نائین والا قصہ اب ہمیشہ کے لیے ایک سربستہ راز رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ بلیک ہاک کے فولڈر سے بھی اس بارے میں کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔ یہ نہ بھولو کہ شی اور ڈیوڈ اشارز والے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے پوری منصوبہ بندی سے اور منظم ہوکر کام کرتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ انہوں نے مقامی فرم کے مالکان کو بلیک میل کرکے اپنے مضبوط چنگل میں لیا ہو.... کوئی پاکستانی کتنا ہی خودغرض اور کمینہ ہو، اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ جانتے بوجھتے ہوئے کے نائین جیسے کسی بھیانک منصوبے میں شریک ہوجائے گا...."

"یہ بحث بے کار ہے" ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا "ہمیں مجرموں کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرکے سزایاب نہیں کرانا

ہے جو ہم ثبوت اور گواہوں کی فکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ سازش کا تانا بانا بکھر چکا ہے۔ کچھ دشمن مارے جا چکے ہیں۔ راس المیڈا اپنے دو مددگاروں کے ساتھ باقی رہ گیا ہے۔ وہ تینوں بھی جلد ہی مارے جائیں گے۔ کرنل اشفاق اور میجر غوث کی حمایت کے بعد یہ کام آسان ہو جائے گا۔"

"یہ نہ بھولو کہ اب میں بھی اپنے مسائل سے آزاد ہو کر اپنے منصب پر پوری طرح بحال ہو چکا ہوں" اوّل خان نے آسودہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے" میں نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "جب تک اسلام آباد میں قادر کی نسل کا ایک بھی فرد موجود ہے، ہمیں کسی خوش گمانی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے۔ کڑی چھان بین کے بعد کرنل اشفاق کے آدمیوں نے اسے پکڑلیا ہے لیکن کون جانے کہ مزید کتنے قادران کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔ گنتی کے چند افسروں کو چھوڑ کر آج کل تو ہر ایک ہی امریکا اور سوئٹزرلینڈ میں اثاثے بڑھانے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ وہ کسی کی بھی گردن ناپ کر اس سے اپنی پسند اور مرضی کے فیصلے صادر کروا سکتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اوّل خان کے ہونٹوں پر سے مسکراہٹ معدوم ہوگئی اور اس کی آنکھوں میں فکرمندی کی جھلکیاں تیرنے لگیں۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"کرنل اشفاق کہہ رہا تھا کہ قادر کے معاملات کو خفیہ رکھنے کی کوششیں کی گئی تھیں لیکن بلیک ہاک نے وہ خبر حاصل کر ہی لی۔ میرا تو خیال ہے کہ قادر کے معاملے کو اچھالا جانا چاہیے تاکہ اس کا حشر دیکھ کر دوسرے بے ایمان اور خود غرض افسر اپنی حرکتوں سے باز رہیں.... ہمارے یہاں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ شاذ و نادر کسی بڑے گھڑیال کے خلاف کوئی کارروائی ہوتی ہے تو سیاسی عزائم کے تحت اسے ہر ایک سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے..."

"یہ کمال مکمل جمہوریت ہی دکھاتی ہے" ویرا اس کی بات کاٹ کے بول پڑی "قومی اہمیت کے مقدموں کی کھلی کارروائی ٹیلی وژن پر دکھائی جاتی ہے تاکہ عدالتوں کے ساتھ عوام بھی سچ اور جھوٹ کا تجزیہ کر کے اپنی رائے قائم کر سکیں۔ اس طرح بارسوخ مجرموں کے خلاف فیصلہ صادر کرتے ہوئے کوئی جج کسی خوف میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کے ملک کی مہذب رائے عامہ اس کی پشت پناہ ہے۔"

"جمہوریت کے زیادہ گن نہ گاؤ" سلطان شاہ منہ بنا کے بولا۔ "الزام کا سامنا کرنے والا بوریوں کے منہ کھول کر کسی چرب زبان کو اپنا وکیل بنالے تو بھیانک مجرم عوام کا ہیرو اور مظلوم بن جاتا ہے۔ اس وقت یہی رائے عامہ منصفانہ فیصلے کی راہ کی دیوار بن جاتی ہے..."

"تم وکیلوں کی توہین کر رہے ہو...." اوّل خان نے شرارتی لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"میں کسی کی توہین نہیں کر رہا" سلطان شاہ مدافعانہ لہجے میں بولا "اچھے اور برے لوگ ہر شعبے میں ہوتے ہیں۔ جب واٹرگیٹ اسکینڈل میں امریکا کے صدر کا دامن داغ دار ہو سکتا ہے تو وکیل کس گنتی میں آتے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھو کہ ہر مقدمے میں دو فریق ہوتے ہیں۔ دونوں کے وکیل پورے زور شور سے دلائل دیتے ہیں اور ان میں سے ایک مقدمہ ہار جاتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہارنے والا عدالت کی نظروں میں غلطی پر تھا، وہ مجرم کو بے گناہ قرار دلوانے پر سارا زور صرف کیے دے رہا تھا، وہ در حقیقت عمر قید یا پھانسی کی سزا کا مستحق تھا۔"

"ویری گڈ!" اوّل خان نے سلطان شاہ کی تعریف میں خیالات ظاہر کرتے ہوئے کہا "مجھے آج پتا چلا کہ تم بھی خوب بول لیتے ہو۔ یہ واٹرگیٹ اسکینڈل تمہارے دماغ میں کہاں سے گھس آیا؟"

"بس کبھی کبھی اخبار پڑھ لیتا ہوں۔ بعض باتیں خود بخود ذہن میں اٹکی رہ جاتی ہیں" سلطان شاہ نے انکسار سے کہا "ورنہ میں تو واٹرگیٹ کو بھاٹی یا لوہاری گیٹ کی قسم کی کوئی چیز سمجھتا رہتا۔"

"بات دور نکلتی جارہی ہے" میں نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "ہم کرنل اشفاق اور میجر غوث کی متوقع کامیابیوں کے بارے میں تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ بارودی پیٹیاں مل چکی ہیں، آگے کیا ہوگا؟"

"کے نائین والے قضیے کو اب دفن ہی سمجھو" اوّل خان نے قدرے توقف کے بعد بولا "تمہارے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی ہونا چاہیے کہ اس مشن یا سازش کو بری طرح ناکام بنایا جا چکا ہے۔ اب یہ معاملہ ملٹری والوں کے ہاتھوں میں ہے۔ ان کے پاس کوئی ہوئی بھی تو ہم تک نہیں پہنچ سکے گی۔ قادران کی تحویل میں دیکھنا ہوگا کہ ماربل کا سامان قبرص بھیجنے والوں کا کیا بنتا ہے۔ اس بارے میں میجر غوث ہی سے کچھ معلوم ہوگا۔ وہ اس وقت کراچی کے ہوائی اڈے پر بہت مصروف ہے۔ ہمیں صبر کے ساتھ اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"وہ واقعی کٹھن مراحل سے گزر رہا ہوگا" غزالہ پھریری لے کر بولی "ان میں سے ہر بارودی کریٹ میں ایک ریموٹ کنٹرول ڈیٹونیٹر ہے اور سارے ریموٹ کنٹرول راس المیڈا کے پاس ہیں۔ اگر وہ مقررہ رینج میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تو اب بھی وہ وے پر تباہی پھیلا سکتا ہے۔"

"اس نے سب سے پہلے ان ہی خطرات کا سدِباب کیا ہوگا" اوّل خان اضطراری لہجے میں بول پڑا "اسے معلوم تھا کہ ہر کریٹ ایک مخصوص ریموٹ کنٹرول سے لمحہ بھر میں اڑایا جا سکتا ہے۔ منفی پہلوؤں سے ڈرنے کے بجائے اس قصے کے خوش کن امکانات پر غور کرو۔ اس نے بلیک ہاک کے مکان پر ہی بارودی ماہرین کو بلالیا تھا۔"

"راڈنی آرک کے بارے میں اس نے پہلے ہی معذرت

تھی" میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا "راس الميڈا نے راڈنی آرک کا نام اختیار کر کے سفارتی مراعات حاصل کی ہوئی ہیں۔ وہ یہاں جتنا گند چاہے، پھیلاتا رہے، ہمارا قانون اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"لیکن اسے ناپسندیدہ قرار دے کر ملک سے نکالا جا سکتا ہے" اوّل خان نے کہا۔

"اس میں خارجہ تعلقات کی باریکیاں آڑے آسکتی ہیں" میں نے مایوسی سے کہا "میرے حساب سے یہ آرمی یا کسی اور ادارے کا کیس ہی نہیں ہے۔ اسے ہم لوگ اسپیشل ٹاسک فورس کی مدد سے نمٹا سکتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ہمارے دوست بھی اسی نتیجے پر پہنچیں اور ہمیں اپنا کام کرنے کا موقع مل جائے۔" ویرا نے پُرامید لہجے میں اپنا خیال ظاہر کیا۔

"تم اپنا ایک وعدہ بھول رہے ہو!" سلطان شاہ نے چونک کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ فوری طور پر مجھے اپنی کوئی وعدہ خلافی یاد نہیں آسکی۔

"جیف طرکا ایرپیس اب ہمارے لیے اپنی افادیت کھو بیٹھا ہے۔ تم نے میجر غوث سے وعدہ کیا تھا کہ وقت آنے پر یہ ایرپیس اوّل خان کے ذریعے اسے بھجوادو گے۔"

"اوہ...! وہ میں ابھی اوّل خان کو دے دوں گا لیکن اب میجر غوث کو اس کی ضرورت نہیں رہی۔ کل رات بلیک ہاک کے گھر سے ایسے دو ایرپیس اس کے ہاتھ لگے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ان دو آلات کی گم شدگی کی خبر ملتے ہی راس الميڈا نے ان کا استعمال ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا ہوگا۔ رات سے پلاسٹک کا یہ ڈبا بالکل خاموش ہے۔"

"بات کھل ہی گئی ہے تو تم خود اس سے بات کرنے کی کوشش کرو" سلطان شاہ نے برجستہ تجویز پیش کی "اس کے لیے یہ اطلاع دھماکے سے کم نہیں ہوگی کہ جیف طرکا ایرپیس تباہ نہیں ہوا تھا بلکہ مسلسل تمہارے تصرف میں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھڑک کر کام کی کچھ باتیں بکتا چلا جائے۔"

سلطان شاہ کی اس تجویز نے سب ہی کی توجہ مبذول کرالی اور ہر ایک نے اس کی حمایت میں اپنے دلائل دینے شروع کر دیے۔ اس وقت تک راس الميڈا کے ساتھ میری جو آنکھ مچولی چل رہی تھی، وہ اس کے، کے نائین مشن کے بارے میں تھی۔ میں اس کے خفیہ ارادوں سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا اس لیے اسے اپنی بے خبری کا عندیہ دیتا رہا لیکن کراچی ائرپورٹ پر بمبئی سے آنے والے مال بردار طیارے پر ہونے والی کامیاب کارروائی کے بعد ہر بات کھل گئی تھی۔ اس بارے میں رازداری کی مزید کوشش بے سود تھی۔

میری آمادگی دیکھ کر سلطان شاہ فوراً ہی ایرپیس اٹھا لایا۔ ایرپیس آن کرتے ہوئے میں دل ہی دل میں یہ سوچ کر مسکرا دیا کہ میجر غوث یا اس کے آدمی ایرپیس پر میری غیر متوقع آواز سن کر ہکا بکا رہ جائیں گے۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں.... چیف سے بات کرنی چاہتا ہوں۔ اوور!" میں نے بٹن دبا کر اپنا پیغام انگریزی میں نشر کیا اور بٹن چھوڑ کر جواب کا انتظار کرنے لگا۔

میں نے ایرپیس کی آواز خاصی بلند کی ہوئی تھی مگر وہ چاروں اپنی نشستوں پر یوں متجسسانہ انداز میں آگے کی طرف جھکے ہوئے تھے جیسے اس لاسلکی آلے سے سرگوشیوں میں آوازیں برآمد ہونے کی توقع کر رہے ہوں۔

چند ثانیوں تک لائن پر دھیما دھیما ریڈیائی شور گونجتا رہا پھر اچانک ہی شور کا وہ سلسلہ منقطع ہوا اور کمرے کی محدود فضا میں راس الميڈا کی ٹھہری ہوئی، بھاری آواز گونجنے لگی "شاید تم مجھے یہ جتانا چاہ رہے ہو کہ پچھلی رات میرے آدمیوں کی بے پروائی کی وجہ سے ایک یا دو ایرپیس تمہارے ہاتھ لگ گئے ہیں؟ اوور۔"

"وہ ایرپیس دوسرے مستحقین اپنے ساتھ لے گئے تھے، میں پہلے سے تمہاری رعب دار آواز سنتا رہا ہوں۔ تم نے جیف طرا اور گیری ہارٹ کو دھوکے سے پکڑوا کر ان کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ اوور۔"

"اوغ....!" ایرپیس پر اس کی بے ساختہ غراہٹ سنائی دی۔ وہ فوراً ہی میری بات کا مفہوم سمجھ گیا اور بولا "تو میرا شبہ درست تھا۔ جیف طر جھوٹا اور حرام زادہ نکلا.... اب وہ سسکا سسکا کر مارا جائے گا۔ ان دونوں کی پُرزور یقین دہانیوں نے مجھے مغالطے میں ڈالے رکھا اور اسی وجہ سے تم کو اپنی غنڈا گردی دکھانے کا موقع مل گیا.... میں حیران تھا کہ گرے ہاک آواز نکالتے ہی کیسے مارا گیا.... شروع سے آخر تک ہر بات پراسرار اور ناقابلِ فہم تھی مگر تمہاری اس کال نے یہ ساری گتھیاں سلجھادی ہیں.... یہ نہ سمجھنا کہ میرے ترکش کے سارے تیر ختم ہو چکے ہیں۔ میں اس وقت بھی تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا سکتا ہوں۔ اوور۔"

"تم غصے میں بہک کر غلط محاورہ بول رہے ہو" میں نے اسے سلگانے کے لیے خوش گوار لہجے میں کہا "کسی ٹھکانے کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا خواب دیکھنے والا کراچی کے ہوائی اڈے پر خود کشی کر چکا ہے۔ تمہارا کے نائین مشن ان بارودی پیٹیوں میں دفن ہو چکا ہے جن کے ریموٹ کنٹرول تم نے اپنی دُم سے باندھے ہوئے ہیں۔ تمہارے آدمیوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ تم چیف کے بہروپ میں ڈیوڈ اسٹارز والے راس الميڈا ہو۔ بلیک ہاک اپنے ایرپیس پر میری آواز سن رہا ہوگا۔ وہ میری ان باتوں کی تصدیق کرے گا.... یہاں اتنے جوتے کھانے کے بعد تم اپنے کس ترکش کا ذکر کر رہے

ہو.... یہ میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔ ہمت ہے تو کوئی وار کر کے دیکھو۔ اوور۔"

میں جان بوجھ کر اسے اشتعال دلانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن جواب میں اس کی آواز بدستور بھاری اور سرد تھی۔ "چیف طرح کی غداری کے نتیجے میں ملنے والی اتفاقی کامیابیوں پر اترانے کی کوشش مت کرو.... میرے منصوبے کبھی ناکام نہیں ہوتے.... میری کارروائی کے نتائج تمہارے سامنے آئیں گے تو دہشت سے تم ٹھٹھر کر رہ جاؤ گے۔ میرا راستہ کاٹنے والے کبھی سکھ سے نہیں مر سکے۔ میں جمی لائیڈ یا جم کلارک نہیں، راس المیڈا ہوں۔ میری شہرت سے تمہاری نسل کے بڑے بڑے تھراتے ہیں۔ بلیک ہاک یہ جان کر کہ وہ میرے لیے کام کر رہا ہے، فخر سے پھول گیا ہو گا۔ اوور۔"

"ابھی نہیں پھولا، ایک آدھ روز اس کی بے گور و کفن لاش اس شہر کے کسی ویرانے میں پڑی رہے گی تو وہ خود بہ خود پھول جائے گا.... اور ہاں یہ نہ بھولو کہ سخت جان چیف طرح جب تک اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہونے کے قابل تھا، تمہارا ہی نام لیوا تھا مگر ایک ٹانگ سے محروم ہونے کے بعد وہ دہشت زدہ ہو گیا۔ تمہیں یہ مان لینا چاہیے کہ اس جیسے نام ور اور تجربے کار انسپکٹر کو بے بسی کے احساس میں جتلا کرنا آسان کام نہیں تھا.... تم ایک ایک کر کے اپنے ساتھیوں کو کھوتے جا رہے ہو۔ بلیک ہاک اور وائٹ ہاک زیادہ دیر تک تمہارا ساتھ نہیں دے سکیں گے.... مجھے معلوم ہے کہ تمہیں مجرموں اور جدید ترین ہتھیاروں ہی کی نہیں، سفارتی مراعات کی آڑ بھی حاصل ہے.... چیف اور راس المیڈا بن کر تم یہاں خون کی ہولی کھیلنے کے منصوبے بنا رہے ہو لیکن جب قانون کا آہنی ہاتھ تمہاری گردن پر پڑے گا تو تم بلبلا کر راڈنی آرک بن جاؤ گے.... میں نے تمہارے فرار کی ساری راہیں مسدود کر دی ہیں۔ میں تم جیسے سفاک اور عالمی وہشت گرد کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے کسی رکاوٹ کی پروا نہیں کروں گا.... میرا ہاتھ تمہاری گردن پر جم گیا تو تمہارا منکا توڑ کر ہی ہٹے گا۔ ایلن سیمفریال تمہاری لاش پر گواہی دے گا کہ تم راڈنی آرک نہیں، راس المیڈا ہو۔ اوور۔"

"ان ہی خوش فہمیوں میں ڈوب کر ناچتے رہو" اس بار راس المیڈا کی آواز میں بے ساختہ تلخی عود کر آئی۔ وہ کہہ رہا تھا "ایلن مر چکا ہے.... اب تم اس سرزمین پر میرے خلاف مر کر بھی کوئی گواہ تلاش نہیں کر سکو گے۔ میں وہی رہوں گا جو میرا دعویٰ ہو گا۔ تم جو کچھ جان چکے ہو، وہی تمہاری موت کے لیے کافی ہے۔ اوور۔"

مجھے معلوم تھا کہ اس اپریٹس پر وہ میری اور اس کی پہلی اور آخری گفتگو تھی۔ وہ دوبارہ میری دہشت ناک دھمکیاں سننے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا اس لیے میں اسے اسی بار پوری طرح ہراساں کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ اس خبیث نے کے نائین کے علاوہ بھی اپنے دوسرے شیطانی منصوبوں کا ذکر کیا تھا۔ وہ اس کی کھلی دھمکی بھی ہو سکتی تھی مگر میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"تم مرنے سے پہلے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے رہو۔ آخری فیصلہ کسی بھی وقت ہو جائے گا۔ مرد ہو تو میدان سے نہ بھاگنا۔ تم نے ایلن کی کمین گاہ پر اپنی بدحواسیوں سے مجھے بہت مایوس کیا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ڈیوڈ اسٹارز کا خالق اپنے بدن سے خون کی دو بوندیں بہتے ہی کسی خارش زدہ کتے کی طرح دُم دبا کر بھاگ نکلے گا، اوور۔"

"تم اب ہذیان بک رہے ہو۔ کان کھول کر سن لو کہ میں تمہاری راہ پر لگ چکا ہوں۔ اب اس اپریٹس پر بھی تم میری آواز نہیں سن سکو گے۔ میں اس کی بیٹری نکال دوں گا۔ اب تم سے دوبدو ہی ملاقات ہو گی۔ میں نے سمجھ لیا ہے کہ تم راہِ راست پر آنے والوں میں سے نہیں ہو۔ اوور اینڈ آل۔"

میں نے مسکراتے ہوئے اپریٹس آف کر دیا۔ سب کے چہروں پر گمبھیر سنجیدگی چھا گئی تھی۔

"وہ تمہاری کس راہ پر لگ چکا ہے؟" ویرا نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"بھول جاؤ" میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کے کہا "وہ سب گیدڑ بھبکیاں تھیں۔ میں نے بھی اسے فرار کی ساری راہیں مسدود کرنے کی نوید سنائی تھی مگر حقیقت تمہارے سامنے ہے۔ وہ بہت چالاک مجرم ہے۔ میرے حربوں کو مجھ ہی پر لوٹانے کی کوششیں کر رہا تھا۔"

"دشمن کو کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے" سلطان شاہ نے ایک گھسی پٹی بات دہرائی "ہم سب اس کھیل میں الجھے ہوئے ہیں اور چاروں کھونٹ چوکس ہیں لیکن ہم جہانگیر کو بالکل ہی بھولے ہوئے ہیں۔ تمہاری وجہ سے وہ ایلن کی نظروں میں آگیا تھا۔ اس نے کئی بار بڑی اذیتیں برداشت کی ہیں۔ اسے ہوشیار کر دو کہ فی الحال گوشہ نشین رہے۔ وہ کسی چکر میں آگیا تو یہ لوگ چیف طرح والا حساب بے باق کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔"

ایک فرسودہ فقرے سے شروع ہونے والی سلطان کی وہ تقریر خاصی معقولیت پر مبنی تھی۔ جہانگیر اس بار ابتدا ہی سے میرے ایک مضبوط دوست اور حلیف کی صورت میں ایلن کی نگاہوں میں آیا ہوا تھا اور یہ ممکن نہیں تھا کہ ایلن نے اپنی پے در پے ناکام کارروائیوں کے باوجود اس کا نام اپنی ذات تک محدود رکھا ہو۔

بعد میں سامنے آنے والے حالات نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ایلن میرے خلاف جو کچھ کر رہا تھا، اس کے پیچھے راس المیڈا کا زرخیز ذہن کام کر رہا تھا۔ ایلن راستے سے ہٹ چکا تھا یا ہٹا دیا گیا تھا۔ اس کے بعد راس المیڈا مجھ تک رسائی کے لیے ایک مرتبہ پھر

جہانگیر کی تلاش شروع کرسکتا تھا۔
"تمہیں اس کی خیر خبر لینی چاہیے" ویرا بولی "وہ فون پر کہہ چکا ہے کہ کسی وقت تم سے ملنے کے لیے ادھر آئے گا۔ اس سے کہہ دو کہ آج کل گھر سے باہر نکلنا اس کے لیے مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔"
میں نے خالی الذہنی کے عالم میں ویرا کی طرف دیکھا اور پھر فون پر جہانگیر کا نمبر ملانے لگا۔
جہانگیر کی پہلی آواز سے وقار اور بردباری کا اظہار ہو رہا تھا لیکن میری آواز پہچانتے ہی اس کی زبان چل پڑی "تم کہاں غائب ہو؟ جب فون کرتا ہوں، گھر پر نہیں ملتے....."
"اسی بحران میں گھرا ہوا ہوں جس نے تمہارے فلیٹ، گھر اور پھر فیکٹری سے بھاگنے پر مجبور کیا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ تم ہم لوگوں سے ملاقات کے لیے آنے کا ارادہ کررہے ہو؟" میں نے کہا۔
"گھر پر پڑے پڑے بوریت ہونے لگی ہے۔ کئی بار ارادہ کیا مگر پھر ٹال دیا۔ پہلے میں اسے اپنی کاہلی سمجھ رہا تھا مگر آج صبح میں نے اپنی بلڈنگ کے سامنے والے کمرشل ایریا میں ایک ایسا چہرہ دیکھا ہے جو مجھے شناسا سا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ مشتبہ انداز میں کئی گھنٹے تک وہیں منڈلاتا رہا۔ اس کی زیادہ تر توجہ ہماری بلڈنگ سے نکاسی کے راستے پر تھی۔ یہ میرا وہم بھی ہوسکتا ہے مگر اب میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔"
"شاباش! اب تم خاصے سمجھ دار ہوگئے ہو..... ایسی کوئی صورتِ حال دیکھی تو فون پر ہم میں سے کسی کو آگاہ کیوں نہیں کیا؟ بے مقصد گپ شپ کے لیے فون پر وقت برباد کرتے رہتے ہو۔"
"تم لوگ خود پریشان ہو، تمہیں کیا تنگ کرتا۔ ان چھوٹے موٹے خطرات کو تو میں خود بھی سنبھال سکتا ہوں۔"
"مجھے معلوم نہیں تھا کہ اب تم اتنے بالغ ہوگئے ہو؟" میں نے طنز سے کہا۔
"دوسرا چکر یہ تھا کہ سلمٰی کے سامنے میں فون پر ایسی کوئی بات نہیں کرنی چاہتا تھا" اس کی خفت آمیز آواز آئی "صلح کو وقت ہی کتنا ہوا ہے..... خطرے کی کوئی بھنک اس کے کان میں پڑجاتی تو میرا اٹھنا بیٹھنا اجیرن کردیتی۔ بس اسی خیال سے تمہیں فون نہیں کیا۔"
"اور اب وہ کہاں ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔
"پڑوس میں گئی ہوئی ہے۔ وہ ہوتی تو میں اس وقت بھی خطرے کی بات نہ چھیڑتا۔"
"بس فلیٹ میں رہو اور رابطہ رکھو۔ اپنی بیوی سے اسی قدر ڈرتے ہو تو اشاروں کنایوں میں اپنا مقصد واضح کرسکتے ہو۔ میدان صاف ہوتے ہی میں خود بتادوں گا" میں نے نرمی سے کہا۔
بیوی کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ مجھ سے بہت کچھ پوچھنے پر مصر تھا لیکن میں نے اسے ہدایات میں الجھا کر خوش اسلوبی سے ٹالا اور ایک خوب صورت موقع پر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

میرے لیے وہ ایک تشویش ناک بات تھی۔ جہانگیر کے نئے فلیٹ کے قرب وجوار میں کسی مشتبہ اور شناسا چہرے کا یوں منڈلانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ جہانگیر کی کتھا سننے کے بعد میرے ذہن میں راس المیڈا کا ایک فقرہ کسی بچھو کے زہریلے ڈنک کی طرح چبھنے لگا۔ اس نے میری راہ پر لگنے کی بات روا روی میں کی تھی یا وہ واقعی کسی ٹھوس واقعاتی تبدیلی کی وارننگ دے رہا تھا؟ دشمن ذہین اور مکار ہو تو اپنی ذرا سی بات سے حریف کو ہراساں کردیتا ہے۔
میرے شکن آلود چہرے سے گہری فکرمندی جھلکنے لگی تھی اس لیے اوّل خان مجھ سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔
جہانگیر کا مسئلہ سنتے ہی اس نے پوچھا "وہ مشتبہ شخص مقامی تھا یا غیر ملکی؟"
"ایمان داری کی بات ہے کہ میں نے اس بارے میں اس سے کچھ نہیں پوچھا" میں نے کہا "لیکن میں اس سے پوچھے بغیر بھی جانتا ہوں کہ وہ کوئی مقامی رہا ہوگا۔ جہانگیر کی غیر ملکیوں سے کوئی جان پہچان نہیں ہے۔ وہ میرے ہی سلسلے میں ان کے چکروں میں پھنستا رہا ہے۔"
"ایسا دعویٰ نہ کرو۔ میری اس سے اچھی خاصی دوستی ہے" ویرا درمیان میں بول پڑی۔
"سنجیدہ باتوں میں دخل مت دو" سلطان شاہ مضطربانہ انداز میں اپنی نشست پر پہلو بدل کر بولا۔
"فکر مت کرو" اوّل خان نے بے فکری سے کہا "تم ابھی تک بھولے ہوئے ہو کہ ایس ٹی ایف میں میری سابقہ حیثیت بحال ہوچکی ہے۔ تشویش کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے آدمی جہانگیر کے گھر کی دیکھ بھال کرلیں گے۔"
اس کے ایما پر غزالہ نے ایک کاغذ پر جہانگیر کا پتا اور فون نمبر لکھ کر اوّل خان کے حوالے کردیا۔
اول خان نے وہیں سے اپنے دفتر فون کرکے اپنے کسی ماتحت سے بات کی اور اسے جہانگیر کے گھر کے ساتھ ہمارا بھی پتا بتاتے ہوئے ہدایت کی کہ دونوں جگہ فوری طور پر دو دو آدمی بھیج دیے جائیں جو اصل عمارت سے دور رہ کر یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ ان عمارات میں کون دلچسپی لے رہا ہے۔ ایسا کوئی شخص نظر میں آجائے تو اسے فوراً اٹھا کر ایس ٹی ایف کے مرکز میں بند کردیا جائے۔
مجھے یک بہ یک اپنے وجود میں غیر معمولی توانائی کا احساس ہونے لگا۔
افغانستان سے واپسی کے بعد میں نے اپنا بیشتر وقت ایس ٹی ایف کی مدد یا حمایت کے بغیر اپنے دشمنوں سے لڑنے میں گزارا تھا۔ کرنل اشفاق اور میجر غوث کی مداخلت تک ایسا وقت بھی گزارا تھا جب ایس ٹی ایف میری مددگار ہونے کے بجائے قادر نامی ایک خود غرض افسر کی وجہ سے میری گرفتاری کی خواہاں ہوگئی تھی مگر میں نے ان تمام نامساعد حالات کے باوجود اپنی بقا اور زندگی

کی ہر لڑائی جیتی تھی۔
اس تاریک دور کے بعد ایس ٹی ایف کی حمایت دوبارہ بحال ہو جانے سے مجھے ایک نئی تقویت ملی تھی۔ شہر میں میرے خون کے پیاسے دندناتے پھر رہے تھے' سفارتی نقاب میں سفاک عزائم میری گھات لگائے بیٹھے تھے مگر میرے لیے یہ احساس بڑا روح افزا تھا کہ شہر میں میری نقل و حرکت پر کوئی قدغن باقی نہیں رہی تھی۔ میں جہاں چاہتا' پوری آزادی سے آ جا سکتا تھا کیونکہ اوّل خان کے چوکنے اور مستعد آدمی ہماری دیکھ بھال کے لئے میدان میں بلا لیے گئے تھے۔
سات بجے اوّل خان نے روانہ ہونے سے پہلے ایک مرتبہ پھر اپنے دفتر سے فون پر رابطہ کیا۔ وہاں سے اسے بتایا گیا کہ چار افراد اس کے بتائے ہوئے پتوں کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ آنے والے ضرورت کے ہر ہتھیار سے لیس ہو کر نکلے تھے۔ انہیں سمجھا دیا گیا تھا کہ ان کو مکانات کے ساتھ مکینوں کی حفاظت بھی کرنی تھی۔ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ وہ بے چارے نادیدہ مکینوں کو کیوں کر شناخت کریں گے لیکن میں نے اوّل خان سے کوئی سوال کیے بغیر اسے خوش دلی سے رخصت کر دیا۔
مجھے معلوم تھا کہ ایس ٹی ایف میں افسر سے عام جوان تک' سب ہی ایک مشینی ضابطے کے تحت کام کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ حکم سن کر اس کی تعمیل پر نکل پڑنا ان کی سرشت میں داخل ہوتا ہے۔ حکم کی تعمیل کیسے اور کیوں کر ہو' یہ ان کی اپنی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔
اوّل خان کو گئے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہی گزرے ہوں گے۔ ہم تینوں گرم گرم اور مہکتی ہوئی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سورج غروب ہو چلا تھا۔ ویرا مجھے جلانے کے لیے اپنا وہسکی سے بھرا ہوا گلاس تیار کر کے وہیں لے آئی تھی۔ وہ غزالہ اور سلطان شاہ سے باتیں کرتے ہوئے میرے اوپر بالواسطہ چوٹیں کر رہی تھی لیکن میں نے سگریٹ اور چائے میں پوری طرح منہمک ہو کر اسے بری طرح نظر انداز کرنے کا مصمم ارادہ کیا ہوا تھا... کہ فون کی گھنٹی نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔
میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے جہانگیر کی مضمحل سی آواز سنائی دی۔
"مر کیوں رہے ہو؟ معلوم ہوتا ہے کہ بیوی وقت سے پہلے لوٹ آئی ہے" میں نے جل کر کہا۔
"جو آئے تھے ان سے تو اچھا تھا کہ سلمٰی ہی واپس لوٹ آتی۔ شاید وہ پڑوس والوں کے ملازم سے ناشتا منگوانے کے چکر میں ابھی تک وہاں جمی ہوئی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں پینے کے بعد گھر سے کم ہی نکلتا ہوں۔"
"منہ سے کچھ پھوٹو گے یا پہیلیاں ہی بجھواتے رہو گے؟" میرا پارہ مزید چڑھ گیا "آخر بتاتے کیوں نہیں کہ وہ کون تھے' جو آئے تھے اور تمہاری آدھی روح قبض کر کے چلے گئے۔"
"وہ دو خطرناک اور مضبوط آدمی تھے۔ کہہ رہے تھے کہ میری حفاظت کے لیے آئے تھے" ریسیور میں جہانگیر کی اندوہناک آواز سنائی دی "وہ جس طرح اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے اس سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مسلح بھی تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھا پھر اندر آ کر میرے ساتھ رہنے والوں کے بارے میں پوچھا۔ میں نے بتا دیا کہ میری بیوی بچے کو لے کر پڑوس میں گئی ہوئی ہے تو انہوں نے اس کی تصویر کا مطالبہ کیا اور خود ہی بیڈ روم میں گھس کر میری اور سلمٰی کی فریم کی ہوئی تصویر دیکھ کر چلے گئے... یار' پتا نہیں سالے کون تھے۔ مجھے کچھ گڑبڑ معلوم ہو رہی ہے۔"
"بس' نکل گئی ہوا بہادری کے غبارے میں سے؟ اسی بل پر دعویٰ کر رہے تھے کہ تم چھوٹے موٹے خطرات کو خود ہی سنبھال لو گے؟ اب نیچے اتر کر دیکھو کہ وہ کون تھے اور کہاں گئے ہیں۔"
"وہ آدھے گھنٹے تک فلیٹ میں رکنے کے لیے کہہ کر گئے ہیں" جہانگیر کی آواز سے بے چارگی مترشح تھی۔
"اور تم اس حکم پر عمل کرو گے خواہ وہ اس مدت میں تمہارے فلیٹ کو ڈائنامائٹ سے اڑا دیں؟"
"ایسی باتیں کر کے دل نہ دہلاؤ۔ میرے معدے میں دو گلاس نہ اتر چکے ہوتے تو انہیں اپنی دہلیز بھی پار نہ کرنے دیتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ اچھے دنوں میں میں دو چار آدمیوں کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔"
"وہ اچھے دن اب ہوا ہو گئے.... میں نے تو سنا ہے کہ شراب آدمی کو دلیر اور بے خوف بنا دیتی ہے۔ بیوی کی جوتیاں چاٹنے والا شیر ہو کر اس کی چوٹی پکڑ کر دو چار ہاتھ جھاڑ دیتا ہے۔ تم الٹی ہی کہانی سنا رہے ہو۔"
"جو ہونا تھا' وہ ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ اب میں کیا کروں؟ فلیٹ میں رہوں یا پڑوس سے سلمٰی کو ساتھ لے کر بلڈنگ ہی سے کہیں چلا جاؤں؟ تمہارے دشمنوں نے تو میری زندگی عذاب کر دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھیڑیے مجھے قبر میں بھی چین نہیں لینے دیں گے۔"
اس کی بے بسی پر بے اختیار میری ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا' وہ میری سمجھ میں آ چکا تھا۔ بات صرف اتنی سی معلوم ہوتی تھی کہ اوّل خان نے جن آدمیوں کو طلب کیا تھا' وہ دوستوں کی شناخت کے لیے شاید پہلے اسی کے گھر جا پہنچے تھے۔ دو نے نیچے کا مورچا سنبھالا اور دو اوپر جا کر مکینوں کی شناخت کر آئے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ چاروں ہماری طرف بھی آنے والے تھے۔ انہوں نے جہانگیر کو اسی لیے آدھے گھنٹے کی احتیاط کی ہدایت کی تھی کہ اس دوران میں وہ دوسرے ٹھکانے پر شناخت کی مہم سر انجام دے سکیں۔
ایس ٹی ایف والے ایسے ہی انوکھے اور دو ٹوک انداز میں اپنے کام کیا کرتے تھے۔
"میرا حال پتلا ہو رہا ہے اور تم ہنس رہے ہو... لعنت ہے ایسی

دوستی پر" جہانگیر کی آواز میں خفگی آگئی۔
"وہ ایس ٹی ایف والے تھے" میں نے جلدی سے اپنی ہنسی روک کر کہا "اب تم بے فکر ہو کر سو جاؤ۔ اگر کوئی بھی مشتبہ شخص تمہارے فلیٹ میں دلچسپی لے رہا ہے تو وہ خود اسے دیکھ لیں گے۔"
"تت.... تو کیا اوّل خان سے تمہاری صلح ہو گئی؟" اس نے بے یقینی سے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔
"بس یہی سمجھ لو۔ تمہاری وجہ سے مجھے اس کو منانا پڑا" میں نے بے پروائی سے کہا۔
"مگر اسے اتنی جلدی کیسے منالیا..... وہ تو شاید معزول کیا جا چکا تھا؟"
"ابے چغد! منانے کا معزولی سے کیا تعلق؟ وہ سب پرانی باتیں تھیں۔ انہیں بھول جاؤ۔ فون بند کرو اور اپنے گلاس پر دھیان دو۔ کیوں ان باتوں میں پڑ کر اپنا نشہ خراب کر رہے ہو؟" یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔
میرے اندازِ گفتگو سے ان تینوں نے سمجھ لیا تھا کہ فون پر میرا مخاطب کون تھا۔ میرے آخری فقروں نے گفتگو کا موضوع بھی بڑی حد تک واضح کر دیا تھا اس لیے فوری طور پر کسی نے کوئی سوال نہیں کیا اور ویرا کو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔
اس نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "اب میں سمجھی کہ تم آج کل شراب سے کیوں گریز کرتے ہو۔ تمہیں ڈر ہے کہ کہیں دلیری اور بے خوفی کے دورے کی حالت میں تم غزالہ کی چوٹی پر ہاتھ نہ ڈال دو۔"
میں نے اس وقت ویرا کو نظرانداز کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا لہٰذا اس کی بات سنی اَن سنی کر کے غزالہ کو بلاوجہ اپنی اور جہانگیر کی گفتگو کی تفصیل بتانے میں مصروف ہو گیا۔
وہ باتیں چل ہی رہی تھیں کہ ہمارے فلیٹ کی اطلاعی گھنٹی بج اٹھی۔
سلطان شاہ نے دروازہ کھولا اور فوراً ہی آنے والوں کو راستہ دے دیا۔
وہ دونوں چہرے میرے لیے اجنبی نہیں تھے۔ ایک زمانے میں مُں ایس ٹی ایف والوں کے ساتھ خاصا شیر و شکر ہوا کرتا تھا۔ ان دنوں میں نے بارہا انہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے بھی دور ہی سے مجھے پہچان کر سلام کیا اور مؤدب انداز میں آگے بڑھتے چلے آئے۔
"نگرانی اور حفاظت کے لیے آئے ہو؟" میں نے ان کے بولنے سے پہلے ہی سوال کر ڈالا۔
سروں کی اثباتی جنبش سے میرے سوال کا خاموش جواب دیا گیا۔ پرانی شناسائی کا فائدہ اٹھا کر انہوں نے بے تکلف ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ اس وقت وہ ڈیوٹی پر تھے۔
"پھر دیکھ لو کہ ہم چاروں ہی اس گھر کے مکین ہیں" میں نے کہا۔
انہوں نے صرف ویرا اور غزالہ سے نظریں چار کیں۔ سلطان شاہ بھی ان کے لیے اجنبی نہیں تھا۔
"یہاں آنے سے پہلے تم دونوں جہانگیر کے گھر گئے تھے؟" میں نے پوچھا۔
"ہم نہیں، دوسرے آدمی گئے تھے۔ اس وقت وہ نیچے موجود ہیں۔" ایک نے کہا "وہاں ان کی ڈیوٹی ہوگی۔ ہم یہاں رہیں گے۔ ہمیں یہ جاننے کے لیے اوپر آنا پڑا کہ ہمیں کن لوگوں کی حفاظت کرنی ہے۔"
"گڈ۔ مجھے تمہارا یہ طریقۂ کار پسند آیا" میں نے مسکرا کر کہا۔
وہ دونوں جس خاموشی سے آئے تھے اسی خاموشی سے واپس چلے گئے۔
مجھے راس المیڈا کی طرف سے کسی قسم کا خوف لاحق نہیں تھا۔ اس کی دھمکیوں کی حیثیت گرجنے والے بادلوں سے زیادہ نہیں تھی جو کبھی نہیں برستے لیکن اسپیشل ٹاسک فورس کے دو اہل کاروں کی آمد اور نیچے موجودگی نے میرے رہے سہے تفکرات کو بھی ختم کر دیا تھا۔ میری نظروں میں زیادہ اہمیت جہانگیر کی حفاظت کی تھی۔ وہ بے چارہ میری دوستی کی وجہ سے کئی مرتبہ مصائب جھیل چکا تھا۔ اگر واقعی اس کی نگرانی ہو رہی تھی تو اس کا بھی مناسب سدِباب کر لیا گیا تھا۔ کوئی وجہ نہیں تھی کہ مشتبہ شخص ایس ٹی ایف والوں سے بچ نکلتا۔
کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم لوگ سویرے سے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تاکہ پچھلی رات کی بے خوابی کے رہے سہے اثرات سے نجات حاصل کر سکیں۔ میں صبح سویرے گھر لوٹنے کے بعد لمبی اور گہری نیند لے چکا تھا اس لیے غزالہ کے سو جانے کے بعد بھی دیر تک خیالات کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا رہا اور آخر کار نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔
ہماری اگلی صبح کا آغاز معمول سے کچھ پہلے ہی ہو گیا۔ تینوں کمروں کے فون ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ڈرائنگ روم میں ہی رکھے ہوئے تھے۔ فون آیا تو تینوں گھنٹیاں پُرسکوت ماحول میں آسیبی شور کی طرح گونجنے لگیں اور فون اٹھائے جانے سے پہلے ہی ہم چاروں بیدار ہونے پر مجبور ہو گئے۔
سلطان شاہ نے بتایا کہ وہ فون اوّل خان کا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر میں اپنی آمد کی اطلاع دیتے ہوئے مجھے اپنے ساتھ کہیں لے جانے کا پیغام دیا تھا۔
نیند انسان کے مسائل اور خواہشات کے درمیان ایک پُرسرور دیوار کا کام کرتی ہے۔ ہم جب تک جاگتے رہتے ہیں، اپنی زندگی کے سنگین حقائق سے لڑتے رہتے ہیں لیکن جب ہمارا ذہن سرور کی اس غیر مرئی دیوار کے اُس پار پہنچ جاتا ہے تو ہم زندگی کے جھمیلوں کو بھول کر اپنی بے لگام خواہشوں اور آرزوؤں کی پُرفریب دنیا میں ہلکے بادلوں کی طرح تیرتے پھرتے ہیں۔ یہی کچھ میرے ساتھ ہوا۔ جب تک جاگتا رہا، نہ جانے حالات و واقعات کی کن کن دور راز کار کڑیوں کو یک جا کر کے خواب گاہ کے ملگجے اندھیرے میں

بھیانک خیالی تصویریں بناتا اور بگاڑتا رہا۔ سویا تو ان میں سے کسی تصویر کا ہوش نہیں رہا لیکن دوبارہ آنکھ کھلتے ہی ذہن پر بہت سے مسائل نے ایک ساتھ حملہ کردیا۔

ائرپورٹ پر میجر غوث کی طرف سے کی جانے والی کارروائی کی آخری رپورٹ کا کوئی علم نہیں تھا۔ اس نے اپنے طور پر راس المیڈا کی تلاش کا بیڑا اٹھانے کا بھی ارادہ کیا تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ اس سمت میں کیا پیش رفت ہوئی تھی۔ پھر ماربل کا سامان قبرص بھیجنے والی فرم کے مالک کا معاملہ تھا۔ وہ کس کے ہاتھ آیا تھا اور اس سے کیا کچھ اگلوایا جاسکا تھا۔ اوّل خان کے ایک پیغام نے ان سارے سوالات میں گویا جان ڈال دی تھی۔ پتا نہیں وہ اس بارے میں کیسی خبریں لے کر آرہا تھا۔

میں نہا دھو کر پوری تیاری کے ساتھ اپنی خواب گاہ سے باہر نکلا تو سلطان شاہ مجھ سے پہلے بنا سنورا' کچن کے دروازے پر کھڑا غزالہ سے خوش گپیاں کرنے میں مصروف تھا۔

"تم کہاں جانے کے لیے پر تول رہے ہو؟" میں نے اپنے لیے صبح کی پہلی سگریٹ سلگا کر اس سے تیکھے لہجے میں پوچھا تو اس نے میری طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے میرا سوال اس کے لیے ناقابلِ فہم رہا ہو۔

"شاید تم نے سنا نہیں تھا کہ اوّل خان ہمیں لینے کے لیے آرہا ہے" اس نے کہا۔

"ہمیں؟ تم نے تو کہا تھا کہ وہ مجھے لینے کے لیے آرہا ہے۔" میں نے اسے گھور کر کہا۔

"ایک ہی بات ہے" اس نے بے پروائی سے کہا "اس نے بے شک صرف تمہارا نام لیا تھا مگر میں بھی جاؤں گا۔ میں گھر پر اکیلا رہ کر کیا کروں گا؟ ویسے بھی اوّل خان مجھے اور تمہیں ایک جان دو قالب سمجھتا ہے۔"

"اگر میں اس وضاحت پر تمہارا سر توڑ دوں تو اس فارمولے سے آدھی چوٹ میرے حصے میں آئے گی۔"

وہ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بولا "محاورے صرف بولنے کے لیے ہوتے ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے آدمی خسارے میں رہتا ہے۔ کیا آج تک کوئی گنگا کو الٹی بہانے میں کامیاب ہوا ہے؟"

وہ پوری طرح تیار تھا اور میرے ساتھ چلنے پر آمادہ۔ میں ٹہلتا ہوا ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

ہم چاروں ناشتے سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ اوّل خان آپہنچا۔ وہ خاصی عجلت میں تھا۔ اس نے غزالہ کے اصرار پر کھڑے کھڑے چائے کی پیالی پی کر ہمیں ناشتا ختم کرنے کا موقع فراہم کیا اور پھر تیزی سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اس بات پر غور تک نہیں کیا تھا کہ میرے ساتھ سلطان شاہ بھی روانگی کے لیے تیار تھا۔

نیچے اوّل خان کے دفتر کی گاڑی موجود تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے غور سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور پُرتشویش لہجے میں بولا "تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے؟"

"ظاہر ہے۔ گھر میں رہنے کے لیے کوئی شریف آدمی اتنے سویرے لباس نہیں بدلتا۔"

"تمہیں کچھ دیر تک تنہا رہ کر انتظار کرنا ہوگا" سلطان شاہ کے سوار ہوجانے کے بعد اوّل خان نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "ہم ایک اہم میٹنگ میں شرکت کرنے جارہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں اپنی کوشش کے باوجود تمہیں اندر لے جانے میں کامیاب نہ ہوسکوں۔ باہر رہ کر تمہیں کوفت ہوگی۔"

"تم میری فکر نہ کرو۔ میں تم دونوں کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کروں گا۔"

بات ختم ہوگئی اور اوّل خان نے انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی آگے بڑھادی۔

سڑک پر آجانے کے بعد بھی اوّل خان کی تفکر آمیز خاموشی برقرار رہی تو مجھے الجھن ہونے لگی اور میں نے سکوت توڑتے ہوئے پوچھا "یہ کیسی میٹنگ ہے؟ ہم کہاں جارہے ہیں؟"

اوّل خان نے چونک کر خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھا پھر دوبارہ سڑک کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ "میجر غوث کے دفتر میں میٹنگ ہے۔ اس نے صبح چار بجے مجھے اطلاع دی تھی۔ اس نے خاص طور پر تمہیں بھی ساتھ لانے کے لئے کہا تھا۔ اس سے آگے میں خود بھی اندھیرے میں ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ واقعات نے کوئی نئی کروٹ لی ہے جو اتنی صبح ایک اجلاس ہورہا ہے" میں نے کریدنے والے انداز میں کہا کیونکہ میرے لیے کسی سرکاری میٹنگ کا وہ وقت غیر معمولی تھا۔

"وقت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ فوجی دفاتر صبح سات بجے شروع ہوجاتے ہیں۔"

اوّل خان نے شارع فیصل کے ابتدائی سرے پر واقع ایک وسیع وعریض فوجی احاطے میں گاڑی گھمائی تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ میرا خیال تھا کہ میجر غوث کا دفتر ملیر چھاؤنی کے کسی حصے میں رہا ہوگا لیکن وہ شہر کے قلب میں موجود تھا۔

صاف ستھرے احاطے میں راہداریاں چاق وچوبند اور صاف ستھرے فوجیوں کے جوتوں کی دھمک سے گونج رہی تھیں۔ اوّل خان دو مقامات پر اپنی شناخت کے مراحل سے گزرنے کے بعد آخرکار ایک لمبی سی بیرک نما عمارت کے سامنے گاڑی پارک کرکے نیچے اتر گیا۔

وہاں دفاتر کے آگے کشادہ برآمدہ تھا جو بھانت بھانت کے سرسبز پودوں سے سجا ہوا تھا۔

اوّل خان ہم دونوں کے ساتھ اس کمرے کے سامنے سے گزر گیا جس پر میجر غوث کے نام کی تختی نظر آرہی تھی۔ وہ ملحق کمرے میں داخل ہوا اور میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے باوردی ماتحت کو اپنا نام بتایا تو اس نے فوراً ہی انٹرکام پر اپنے افسر کو مہمانوں کی آمد سے آگاہ کردیا۔

ہم ماتحت کی پیش کش پر کرسیاں سنبھالنے بھی نہ پائے تھے کہ میجر غوث ہمارے استقبال کے لیے وہیں آ پہنچا۔ پُرتپاک مصافحوں کے بعد گرم جوشی سے مزاج پرسی کا مختصر سلسلہ وہیں اختتام کو پہنچا اور پھر میجر غوث نرمی سے میری پشت پر ہاتھ رکھ کر مجھے برآمدے میں ایک طرف لیتا چلا گیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ساتھی کا نام میٹنگ کے شرکا میں شامل نہیں ہے" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں دھیمے سے کہا "شاید اوّل خان یہ بات تم تک نہیں پہنچا سکا۔"

"مجھے معلوم ہے۔ وہ باہر رک کر انتظار کرلے گا" میں نے مجبوراً کہا۔

میجر غوث نے واپس آکر اپنے ماتحت کو سلطان شاہ کی تواضع کرنے کی ہدایت کی اور پھر مجھے اور اوّل خان کو لے کر اپنے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے پر ایک فوجی موجود تھا لیکن میجر غوث نے اپنا دروازہ خود کھولا اور ہمارے بعد اندر آکر دروازہ بند کردیا۔

اونچی ڈھلواں چھت والا وہ وسیع کمرا آرائش میں سادہ لیکن پُروقار تھا۔ ایک گوشے میں میجر غوث کی بڑی سی میز پڑی ہوئی تھی جس پر شیشے کے نیچے روایتی سبز بانات میز کے کناروں سے نیچے تک لٹک رہی تھی۔ میز کے سامنے ملاقاتیوں کے لیے چار کرسیاں موجود تھیں۔ وہیں ایک حصے میں گھسے ہوئے پرانے قالین پر ایک صوفہ سیٹ موجود تھا جس کے درمیان ایک چھوٹی سی میز موجود تھی۔

میجر غوث اپنی میز پر جانے کے بجائے صوفوں کی طرف ہولیا۔ یہ اس کی طرف سے دوستی اور بے تکلفی کا ایک رسمی اظہار تھا جو وہاں کے فوجی ماحول میں خاصی اہمیت کا حامل تھا۔

"میں نے کل رات ائرپورٹ پر وہ ساری گفتگو سنی جو تمہارے اور راس المیڈا کے درمیان ہوئی" میجر غوث نے بیٹھتے ہی کام کی بات شروع کردی "میرے پاس ایک اپریٹس موجود تھا مگر مجھے قلق ہے کہ میرے پاس کوئی ریکارڈر نہیں تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ تمہاری سوچی سمجھی شرارت تھی۔ اس گفتگو کا ایک ایک لفظ ریکارڈ کیے جانے کے قابل تھا۔ راس المیڈا کے عزائم اس کی اپنی آواز میں محفوظ ہوجاتے تو میں بہت کچھ کرسکتا تھا۔ اب ہر طرف رکاوٹیں ہی رکاوٹیں نظر آرہی ہیں" اس نے لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوکر اپنی رسٹ واچ پر سرسری نظر ڈالی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا "بیس منٹ بعد محکمۂ داخلہ اور خارجہ کے نمائندے یہاں آنے والے ہیں۔ ان کی گفتگو سے تم خود اندازہ کرلوگے کہ میری مشکلات کتنی زیادہ ہیں۔ انہیں ٹھوس ثبوت درکار ہیں۔ شاید تم کچھ کرسکو ورنہ قونصل خانے والوں نے راس المیڈا یا راڈنی آرک کے بارے میں کسی بھی قسم کی معلومات فراہم کرنے سے انکار کردیا ہے۔ یہ کوشش غیر سرکاری سطح پر کی گئی تھی۔"

"یہ تو ہونا ہی تھا۔ اسے بل کھود کر باہر نکالنا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ سرکاری طور پر اس کے بارے میں چھان بین سفارتی آداب کی خلاف ورزی تصور کی جائے گی" میں نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"یہی سب سے بڑی مجبوری ہے۔ ان لوگوں نے جیف ملر اور گیری ہارٹ کو آج صبح کی پرواز سے زبردستی فرینکفرٹ روانہ کردیا۔ وہ دونوں بے ہوش تھے۔ انہیں سفارت خانے کے ایک معالج کی نگرانی میں نکالا گیا ہے۔ بے ہوشی کا جواز یہ تھا کہ مقامی دہشت گردوں کے بہیمانہ تشدد کے بعد انہیں ذہنی خلل سے بچانے کے لیے مسکن دوائیں دی گئی ہیں تاکہ وہ بے ہوشی کی حالت میں سکون سے اپنے وطن پہنچ سکیں۔"

"اور وہاں ذبح کردیے جائیں" اوّل خان نے اس کے فقرے میں ٹکڑا لگایا۔

"دوسری طرف جہاز کا معاملہ ابھی تک الجھا ہوا ہے" میجر غوث خود ہی ہر وضاحت طلب موضوع پر بات کرتا جارہا تھا "جہاز کی تلاشی میں کپتان ہمارے ساتھ تھا۔ یہ یقین کرلیا گیا تھا کہ وہ غیر مسلح ہے لیکن اس کے پاس پوٹاشیم سائنائڈ جیسے مہلک زہر سے بھرا ہوا کیپسول موجود تھا۔ جیسے ہی بارودی پیٹیوں کو چھپائے جانے والے مقام کو چھیڑا گیا، اس نے آناً فاناً میں وہ کیپسول چبالیا اور جہاز کے کیبن ہی میں جہنم واصل ہوگیا۔ وہ نسلاً یہودی تھا اور امریکی شہریت رکھتا تھا۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ڈیوڈ میگیل ڈیوڈ اسٹارز کا رکن ہوگا۔"

"ان حالات میں آج کی میٹنگ کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"محکمہ جاتی تعاون کی آخری کوشش سمجھ لو" میجر غوث بہت زیادہ پُرامید نہیں تھا "اب تک سب کچھ زبانی کلامی چل رہا ہے۔ یہ پہلی باقاعدہ ملاقات ہوگی۔"

میجر غوث ہم دونوں کے لیے چائے وغیرہ منگوانی چاہتا تھا لیکن میں نے متوقع مہمانوں کی آمد تک اسے اپنا ارادہ ملتوی کرنے پر مجبور کردیا۔ سرکاری افسروں کے لیے چائے کی تقدیم و تاخیر بھی بدمزگی کا سبب بن سکتی تھی۔

ہم دھیمے دھیمے گزرے ہوئے واقعات پر تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ اسی دوران میں اجلے رنگ کا ایک دراز قامت شخص بے داغ سرمئی سوٹ میں ملبوس، میجر غوث کے دفتر کے دروازے پر نظر آیا۔ میجر غوث نے اس کا رسمی سا استقبال کیا۔ تعارف ہوا تو پتا چلا کہ محکمۂ خارجہ کا کوئی نمائندہ تھا۔

چند لمحوں کے بعد محکمۂ داخلہ کا افسر بھی آگیا۔ میجر غوث نے اس کے لیے بھی دفتر سے باہر جانے کی زحمت نہیں کی یا شاید وہ دونوں ہی میجر غوث کے ماتحت سے رجوع کرنے کے بجائے براہِ راست اس کے کمرے میں گھس آئے تھے۔

ان دونوں بیوروکریٹس میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ نفیس اور بے شکن مغربی لباس، واضح طور پر اکڑی ہوئی گردنیں، خشونت اور تجسس سے بھرپور آنکھیں اور مسکراہٹ سے ترسے ہوئے ہونٹ۔

میجر غوث نے اوّل خان کو ایک سیکرٹ ایجنسی کے نمائندے کے طور پر متعارف کرایا تھا۔ میرا تعارف ڈینی کے سوا کسی اور حوالے سے ممکن ہی نہیں تھا۔ میرے نام پر ان دونوں کے چہرے اس طرح سرد اور سپاٹ رہے جیسے وہ میرے نام سے بے خبر رہے ہوں حالانکہ وہ خود ہی میری کہانی میری زبان سے سننے کے خواہاں تھے۔

میں نے اندازہ لگایا کہ ان کے ذہنوں پر اپنی برتری اور بالادستی کی رعونت سوار تھی۔ وہ اپنی افسری کے حوالے سے کسی عام شہری کی شناخت کو اپنے لیے ہتک آمیز سمجھ رہے تھے۔

کورم مکمل ہوتے ہی چائے آگئی۔ روکھے پھیکے لہجوں میں باتیں شروع ہوگئیں۔ وہ دونوں مجھے اور اوّل خان کو نظر انداز کر کے صرف میجر غوث سے باتیں کر رہے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر تحیر آمیز خوشی ہوئی کہ ان دونوں کی رکھائی دیکھتے ہوئے میجر غوث نے بھی اپنی فطری گرم جوشی اور خوش دلی کو بالائے طاق رکھ کر ان ہی جیسا رویہ اپنالیا تھا۔

آخر محکمۂ خارجہ کے نمائندے نے میجر غوث سے کہا "میرا خیال ہے کہ پہلے راڈنی آرک کا مسئلہ نمٹالیا جائے؟"

میجر غوث کا اشارہ پاکر وہ مجھ سے مخاطب ہوگیا "تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ راڈنی آرک کے روپ میں راس المیڈا یہاں آیا ہوا ہے۔ یہ بہت سنگین الزام ہے جو ٹھوس ثبوت کا متقاضی ہے۔"

مجھے اس کی زبان سے اپنے لیے آپ کے مہذبانہ صیغے کے بجائے تم کا لفظ سن کر صدمہ ہوا مگر میں نے فوراً ہی سنبھالا لے کر جوابی حملہ کیا "اسے تم یوں سمجھ سکتے ہو کہ راڈنی آرک اقبالی مجرم ہے۔ ہم سب اس کے اعترافات سن چکے ہیں لیکن ہم کوئی ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہیں۔"

میری زبان سے تم کا لفظ سنتے ہی اس نے بے چینی سے کھنکار کر اپنی ٹائی کی گرہ کو چھیڑا مگر میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ بے بسی سے مجھے گھورتا رہا۔

میں خاموش ہوا تو اسے ہوش آچکا تھا۔ اس نے سنبھل کر کہا۔ "مسٹر ڈینی! یہ معاملات بہت نازک ہوتے ہیں۔ بہت سی باتیں جو ہم جانتے ہیں لیکن ثابت نہیں کر سکتے' انہیں زبان پر نہیں لاسکتے' سفارتی آداب کا تقاضا ہوتا ہے کہ مہمان جو کچھ کہہ رہا ہے' اسے درست تسلیم کیا جائے۔ یہ جنیوا کونشن اور ڈپلومیٹک پروٹوکول کی پابندیاں ہیں۔ ہم کسی طرح راڈنی آرک کو راس المیڈا نہیں کہہ سکتے۔ آپ کی بات کو درست مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اسے ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر مقررہ مدت میں ملک چھوڑنے کا حکم دے سکتے ہیں مگر آپ کو سمجھنا چاہیے کہ اس سے ناقابلِ تصور سفارتی پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔"

"میں ان سب باتوں سے واقف ہوں۔ یہ میرا ذاتی مسئلہ نہیں ہے۔ ایک بدنام عالمی دہشت گرد سفارت کار کے روپ میں آپ کی سرزمین پر موجود ہے۔ اس کے عزائم بھیانک ہیں۔ اس کا آپریشن کے نائین جنم واصل ہوچکا ہے مگر وہ کسی اور وار کی تیاری کر رہا ہے۔ اس کی سرکوبی آپ کا فرض ہے۔ آپ بتائیں کہ اس کا کیا حل ہونا چاہیے؟"

"آپ کی ایجنسی کے پاس اس کا حل ہونا چاہیے" وہ اوّل خان کی طرف متوجہ ہو کر معنی خیز لہجے میں بولا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں یہاں مبصر کی حیثیت میں آیا ہوں" اوّل خان نے ٹکا سا جواب دے دیا۔

"ہم سب ضابطوں اور طریقۂ کار کے پابند ہیں" محکمۂ داخلہ کے نمائندے نے اپنے ساتھی کا دفاع کرتے ہوئے کہا "ایک عام شہری کی حیثیت سے ہمارے جذبات آپ سے زیادہ شدید ہوسکتے ہیں لیکن مجبوری یہ ہے کہ ہم عام شہری نہیں' حکومت کے ذمے دار افسران ہیں۔ ہم جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی غلط فیصلہ نہیں کر سکتے۔"

محکمۂ خارجہ والا اپنے پیڈ پر بال پین سے جلدی جلدی کچھ لکھتے ہوئے بولا "میجر غوث صاحب نے جو کچھ بتایا تھا' میں اس کی سمری بنا رہا ہوں۔ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں' وہ بھی نوٹ کرلیا ہے۔ میں اپنی سمری میں یہ نکات بھی لے لوں گا۔ اگلے ہفتے یہ سمری اجلاس میں پیش کردی جائے گی مگر مجھے یقین ہے کہ ہمارا محکمہ راس المیڈا کے بارے میں کچھ نہیں کرسکے گا۔"

"اگلے ہفتے تک وہ کوئی بھی تباہی پھیلا سکتا ہے" میں نے غصے سے الفاظ چباتے ہوئے کہا "وہ ہمارے بجائے اپنی سمری پر عمل کرتا ہے جو وقت سے پہلے تیار رہتی ہے۔ ملک کی بقا اور اس کے مفادات کا تحفظ ہر چیز پر مقدم ہونا چاہیے۔ اگر ہم اس قسم کے ہنگامی حالات میں بھی عام رویے سے ہٹ کر سرعت سے کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے تو ہمارا مل بیٹھنا بے سود ہے۔"

اس کے بال پین کی رفتار کچھ تیز ہوگئی۔ اپنی سطور مکمل کرنے کے بعد اس نے اپنی عقابی نظریں اوّل خان کے چہرے پر گاڑ دیں اور دھیمی آواز میں کہا "جہاں قانون اور ضابطے راستے کی دیوار بن جاتے ہیں وہاں کچھ نامعلوم لوگ میدان میں اتر آتے ہیں۔ اگر راڈنی آرک واقعی کوئی مجرم ہے تو اس کے دشمن بھی ہوں گے اور وہی فیصلہ کن کردار ادا کریں گے۔"

میں نے محسوس کیا کہ اس نے بات کرتے کرتے اس کا رخ راڈنی آرک کے دشمنوں کی طرف موڑ دیا تھا۔ وہ بہت چالاک تھا۔ اپنوں کی اس بند محفل میں بھی زبان سے کوئی غیر محتاط لفظ ادا کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

میجر غوث اس رسمی اجتماع سے اکتایا ہوا سا نظر آنے لگا تھا۔ اس نے محکمۂ داخلہ والے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "سخی مراد کے بارے میں آپ اپنے بڑوں کا کیا فیصلہ لے کر آئے ہیں؟"

"یہ قصہ ابھی صرف دس بارہ گھنٹے پہلے شروع ہوا ہے" اس

نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "آپ جانتے ہیں کہ سخی مراد کس پائے کا آدمی ہے۔ کلیرنس آتے ہی ہم خود کارروائی کریں گے مگر آپ کو خبر ضرور دیں گے کیونکہ یہ معاملہ آپ ہی نے اٹھایا ہے۔ ہم اپنی ذمے داریوں سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہیں۔"

"یہ معاملہ بالکل صاف اور سیدھا ہے" میجر غوث نے کہا۔ "سخی مراد کی فرم نے بمبئی سے ایک جہاز چارٹر کیا۔ جہاز یہاں پہنچا تو صاف تھا۔ اب اس میں تین بارودی کریٹ ملے۔ جہاز کے کپتان نے خود کشی کرلی۔ ثبوت کے طور پر شہر کے ایک مشتبہ مکان میں ماربل کی پیٹیوں کے ساتھ ویسے ہی بارودی کریٹ ملے ہیں اور سخی مراد کا سامان اسی مکان سے ائرپورٹ لے جایا گیا تھا۔ یہ جہاز کینوپ پر گرانے کا بھیانک منصوبہ بنایا گیا تھا۔ سخی مراد کا کوئی عذر اسے مجرم قرار دیے جانے سے نہیں بچاسکتا۔ وہ باحیثیت اور بارسوخ ہے۔ اگر اسے غیر ضروری مہلت دی گئی تو وہ بھیس بدل کر ملک سے فرار ہوجائے گا۔ ائرپورٹ سے جو پانچ مشتبہ افراد پکڑے گئے ہیں' وہ جلد ہی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ بارود کے کریٹ جہاز پر پہنچانے اور چھپانے میں انہوں نے حصہ لیا تھا مگر وہ بڑے مجرم نہیں ہیں' ہمیں اپنے اصل ہدف پر نظر رکھنی ہوگی۔"

"سخی مراد کے جنرل منیجر نے رات گئے ایک ایف آئی آر کٹوائی ہے۔" محکمۂ داخلہ والے کے ان الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا "وہ لوگ ڈیفنس کے ایک غیر آباد مکان میں اپنا ماربل کا سامان رکھتے ہیں۔ مکان کو ویران پاکر شاید کچھ غنڈوں نے وہاں قبضہ جمالیا تھا۔ پچھلی رات وہاں زبردست فائرنگ وغیرہ ہوئی ہے۔ وہ پولیس کی حفاظت میں اپنے اس مکان کا قبضہ لینا چاہتے ہیں۔ اس درخواست کو فی الحال التوا میں ڈال دیا گیا ہے۔"

"آپ جانتے ہیں کہ وہ میری کارروائی تھی۔ وہاں غیر ملکی دہشت گرد گھسے ہوئے تھے اور وہ خونریزیوں کے ذمے دار تھے۔ آپریشن کے نتیجے میں ان میں سے ایک سفید فام کی لاش مردہ خانے میں موجود ہے۔ باقی دہشت گرد فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ ان کا چھوڑا ہوا سامان ہر محب وطن کی آنکھیں کھول دینے کے کافی ہے۔"

"میجر صاحب! یہ سب تفصیلات میرے علم میں ہیں" محکمۂ داخلہ والا لجاجا کر بولا "آپ سے کیا پردہ۔ آپ خود بھی میری مجبوریوں سے واقف ہیں۔ کہنے کو میں انیسویں گریڈ کا افسر ہوں لیکن بے بس ہوں۔ سخی مراد اور راس المیڈا جیسے ہاتھی میدان میں اترے ہوئے ہوں تو ہم جیسے مینڈکوں کی بلاوجہ شامت آجاتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ معاملہ میرے بس سے باہر ہے۔ یہ اوپر والے ہی طے کریں گے۔ ہمیں اور آپ کو اس سے دور رہنا چاہیے۔"

"یہ ناممکن ہے" میجر غوث سختی سے بولا "میں خود آپ کے بڑوں سے بات کروں گا۔ یہ کیس میرا ہے اور میں اپنے ہاتھوں سے اسے نمٹاؤں گا۔ اس کے لیے مجھے جس دروازے تک جانا پڑا' میں جاؤں گا۔ میں آپ کے کسی بڑے سے یہ بھی جاننے کی کوشش کروں گا کہ جس معاشرے میں قانون کے عمل دار خود کو مینڈک تصور کرکے دہشت گردوں کو ہاتھی سمجھنے لگیں وہاں آخری نتیجہ کیا نکلتا ہے۔"

"ارررر.... میجر صاحب!" وہ اپنا مصنوعی رکھ رکھاؤ بھول کر یک لخت گھگیانے پر اتر آیا "وہ بات تو ایسے ہی میرے منہ سے پھسل گئی تھی۔ وہ آف دی ریکارڈ ہے۔ آپ نے میری شکایت کردی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ میری ساری زندگی کی محنت رائگاں جائے گی۔"

"آپ فکر نہ کریں" میجر غوث نے زہریلی آواز میں کہا "مجھے آپ سے کوئی عناد نہیں ہے۔ میں آپ کی شکایت نہیں کروں گا۔ یہ سوچ آپ جیسے بہتیرے افسران کی ہے جو نوکری کو صرف وقت گزارنے کا بہانہ سمجھتے ہیں۔ ذمے داریوں سے گریز کرکے یا انہیں دوسری طرف دھکیل کر آخر کار پنشن حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ میری بات ہوگی تو اسی عام حوالے سے ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔"

اپنے ایک ساتھی کو لمحوں ہی لمحوں میں زیر ہوتے دیکھ کر محکمۂ خارجہ والا مکارانہ لہجے میں بولا "میں نے اپنی نظروں میں آنے والی دشواریاں آپ کے سامنے رکھ دی ہیں لیکن میں پورے خلوص سے جلد از جلد اپنی سمری تیار کروں گا۔ ہماری کوشش ہوگی کہ ہم اس معاملے میں آپ کی پوری پوری مدد کریں۔"

"آپ میری مدد کریں گے؟" میجر غوث کی کھوپڑی سنک چکی تھی۔ وہ رخ بدل کر اس پر بھی برس پڑا "یہ میرے بیوی بچوں کا کام نہیں ہے جس میں مجھے آپ کی کسی مدد کی ضرورت ہو' آپ کو ابھی تک اصل خطرے کا ادراک ہی نہیں ہوسکا۔ یہ میرا' ان کا اور آپ کا بلکہ ہم سب پاکستانیوں کا مسئلہ ہے۔ اس کے سدِباب میں حتی الامکان کوششیں کرکے ہم کسی پر کوئی احسان نہیں کریں گے بلکہ اپنا ایک قرض اتاریں گے جو اس مٹی نے ہمیں پروان چڑھا کر ہم کو دیا ہے۔ میرے لیے آپ بے شک کچھ نہ کریں لیکن اپنے دل' ضمیر اور وطن کے لیے کچھ کرسکتے ہیں تو ضرور کیجیے۔ میں آپ کی طرف سے کسی اچھی خبر کا منتظر رہوں گا۔"

وہ برہمی کے عالم میں اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور الوداعی مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ فضا میں آگے بڑھا دیا۔ ان دونوں نے چھری کے نیچے آئی ہوئی ذبح ہونے والی بکری کی سی نظروں سے میجر غوث کی طرف دیکھ کر باری باری اس سے ہاتھ ملایا اور گردنیں جھکائے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

ان کے جاتے ہی میجر غوث کا غصہ یک لخت کافور ہوگیا اور اس کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ اس نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی واپس بیٹھ گیا۔

"میٹنگ ہر بیورو کریٹ کا ایک مہلک حربہ ہوتا ہے" میں نے

میجر غوث کے موڈ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "وہ دونوں پہلے سے اپنا ذہن بنا کر آئے تھے۔ یہ میٹنگ ایک ڈھکوسلے سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ دونوں میری بات سننے سے زیادہ خود بول رہے تھے۔"

"ان کا رویّہ دیکھ کر میرا خون کھول رہا تھا۔ غنیمت ہوا کہ انہوں نے خود ہی مجھے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع فراہم کردیا۔ اب میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں۔ میں نادم ہوں کہ میں نے اس نام نہاد میٹنگ کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر سلطان شاہ کو باہر روک دیا۔ اب اسے بھی اندر بلالو۔"

میں نے اٹھنے کی کوشش ہی کی تھی کہ اس نے مجھے روک دیا اور اسٹینو فون پر اپنے ماتحت کو ہدایت کی کہ وہ اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے مہمان کو اندر بھیج دے۔

سلطان شاہ کے لیے سرکاری افسران کے دفاتر میں آمد و رفت کا تجربہ نیا تھا۔ وہ ڈرے سہمے انداز میں اندر آیا۔ ہمارے چہروں پر نظر پڑتے ہی اس کی جان میں جان آئی پھر جب میجر غوث نے اٹھ کر اس سے پورے خلوص سے معذرت کی تو اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"میں جانتا تھا کہ یہ لوگ کچھ نہیں کرسکیں گے" میجر غوث نے سلطان شاہ کو بٹھانے کے بعد کہا "ان کی میٹنگ کی تجویز پر جو تھوڑی بہت امید بندھی تھی وہ بھی خاک میں مل گئی۔ تم لوگ اپنا کام جاری رکھو۔ میں کرنل اشفاق سے مشورہ کرنے کے بعد اپنے کردار کے بارے میں فیصلہ کروں گا۔"

"ڈبی کا کام تو کسی تعطل کے بغیر روزِ اوّل ہی سے جاری ہے" اوّل خان نے کہا "اب صرف یہ فیصلہ کرنا باقی ہے کہ اس کا اگلا شکار کون ہوگا۔"

"یہ میٹنگ بالکل ہی بے سود نہیں رہی ہے" میں نے کہا "سخی مراد کے جنرل منیجر کی رپورٹ خاصی دلچسپ ہے۔ اگر وہ مکان سخی مراد ہی کی ملکیت ہے تو بلیک ہاک کو اسی نے وہاں پناہ دی ہوئی تھی۔ گڑبڑ ہونے کے بعد اس نے اپنی گردن بچانے کے لیے نامعلوم بدمعاشوں کے خفیہ قبضے کی کہانی گھڑی ہے۔ اب ہمارے سامنے صرف سخی مراد ہے۔ اسی سے اہم معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔"

"اسے خاموشی سے اٹھالیا جائے گا" اوّل خان نے سکون سے کہا "وہ ہر وقت دو چار مسلح محافظوں کے گھیرے میں رہتا ہے لیکن ان پر قابو پانا بھی زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوگا۔"

"فی الحال میں ایسے مشوروں میں فریق نہیں بنوں گا" میجر غوث نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "یہ باتیں تم لوگ آپس میں طے کرسکتے ہو۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

اس کا اشارہ بھانپ کر ہم تینوں ہی واپسی کے ارادے سے اٹھ گئے۔

"برا نہ مانو تو دو باتیں پوچھ لوں؟" میں نے میجر غوث سے کہا۔

"دو نہیں۔ تم دو سو باتیں بھی پوچھ سکتے ہو۔ میں ان کے جواب دوں گا" وہ خندہ پیشانی سے بولا۔

"پہلی بات تو یہ کہ بارودی پیٹیوں میں رکھے ہوئے ریموٹ کنٹرولڈ ڈیٹونیٹر کی رینج کیا تھی؟"

"اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ایک ڈیٹونیٹر پھٹتے ہی دوسرے ہتھیار بھی چل پڑتے اور ناقابلِ تصور تباہی پھیلا دیتے اور اگر تم ریموٹ کنٹرول کی رینج جاننا چاہ رہے ہو تو وہ ائرپورٹ جیسے کھلے علاقے میں سات سو میٹر اور شہر کی تعمیراتی رکاوٹوں میں صرف تین چار سو میٹر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ راس المیڈا اپنے گھر سے ان کو آپریٹ نہیں کرسکتا تھا۔ انہیں چلانے کے لیے اسے پیٹیوں سے اس فاصلے تک پہنچنا ضروری تھا۔"

"میرے سوال کا تعلق تمہارے جواب کے دوسرے حصے سے تھا" میں نے مسکرا کے کہا "دوسری بات ذرا ذاتی سی ہے۔ اس وقت تم بھی ہماری منصوبہ بندی سے الگ تھلگ رہنے کی۔۔۔"

"میں سمجھ گیا" اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کردیا اور خود بولنے لگا "مجھے ابتدا ہی سے اپنی مجبوریوں کا پورا پورا احساس ہے۔ میں تم سے اس کا اعتراف کرتا رہا ہوں۔ وہ لوگ حیلوں سے کام لے کر غیر ضروری طور پر ہم سب کا وقت برباد کر رہے تھے۔ وہ میٹنگ کا ڈھونگ رچائے بغیر بھی اپنا جواب دے سکتے تھے۔ مجھ میں اور ان میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ سویلین افسر ہیں، میں فوجی افسر ہوں۔"

"بس اب میں اجازت چاہتا ہوں" میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ مار کے مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور وہ میرا ہاتھ تھام کر دروازے کی طرف ہولیا۔

وہ اس وقت اپنی مکمل فوجی وردی میں بہت شاندار نظر آرہا تھا لیکن ہمارے ساتھ وردی کے کسی تکلف سے کام نہیں لے رہا تھا۔ اس کے برعکس دونوں بیوروکریٹس کے ساتھ اس کا رویّہ بہت محتاط اور رسمی تھا۔

اس نے دفتر سے باہر اور پھر برآمدے سے نیچے آکر ہمیں اوّل خان کی کار کے پاس رخصت کیا اور گاڑی کے حرکت میں آنے تک وہیں کھڑا رہا۔

"بہت کھرا اور نیک انسان معلوم ہوتا ہے" احاطے سے سڑک پر آنے کے بعد سلطان شاہ بولا۔

"تم نے تھوڑی دیر پہلے اسے اپنے سویلین ساتھیوں پر برستے دیکھ لیا ہوتا تو ہرگز یہ خوش گوار رائے قائم نہ کرتے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "اس وقت وہ پکا فرعون بن گیا تھا۔"

"سویلین افسر مصلحتوں سے کام لیتے ہیں لیکن فوجی افسروں کو میں نے عام طور پر کھرا پایا ہے۔ وہ جس بات کو غلط سمجھتے ہیں، کسی لگی لپٹی کے بغیر اسے غلط کہتے ہیں" سلطان شاہ نے کہا۔

"ہم نے اپنی بات ہر طرف پھیلادی ہے" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اوّل خان نے زبان کھولی "راڈنی آرک کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جائے یا نہ اٹھایا جائے' اس کی دہری شخصیت کے بارے میں ہر طرف کہانیاں پھیل جائیں گی۔ ایک طرف یہ دباؤ کام کرے گا اور دوسری طرف ہم اس کی تلاش میں نکل پڑیں گے۔"

"اسے ڈھونڈنا پڑے گا لیکن سخی مراد ہمارے سامنے ہے" میں نے اسے یاد دلایا "ہمیں پہلی فرصت میں اس کو اٹھالینا چاہیے۔ اب وہی راس المیڈا کے بارے میں کوئی نشان دہی کرسکے گا۔"

"سخی مراد تم دونوں کے قابو میں نہیں آئے گا" اوّل خان نے فیصلہ کن لہجے میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا "یہ کام میں اپنے آدمیوں سے لوں گا۔ تم دونوں بالکل الگ رہوگے۔"

"یہ زیادتی ہے" سلطان شاہ نے بلند آواز میں احتجاج کیا۔ "مجھے پہلی بار کسی قوم فروش رہنما کا دیدار کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ تم مجھے اس موقع سے محروم نہیں کرسکتے۔"

"تمہیں اسے دیکھنے اور جوتے لگانے کا پورا پورا موقع ملے گا" اوّل خان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "بس تم اس کے اغوا کے معاملے سے دور رہوگے۔ وہ ایک بار میری دفتری بیرکوں تک پہنچ گیا تو تمہیں وہاں آنے جانے کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔"

اوّل خان ہمیں فلیٹ کے نیچے ہی چھوڑ کر واپس جانا چاہ رہا تھا مگر میرا ذہن جہانگیر کے خدشوں میں الجھا ہوا تھا۔ مجھے مسلسل یہ فکر کھائے جارہی تھی کہ کہیں وہ ایک مرتبہ پھر دشمنوں کی نگاہ میں نہ آگیا ہو۔ اوّل خان کے آدمی اس کے فلیٹ کی نگرانی میں ایک پوری رات گزار چکے تھے۔ ان سے وہاں کے بارے میں کوئی خیر خبر مل سکتی تھی۔

اوّل خان بے مقصد وقت گزاری کا قائل نہیں تھا لیکن کوئی معقول کام سامنے آجائے تو اسے التوا میں بھی نہیں ڈالتا تھا۔ اپنے اختیارات کی بحالی اور فوجی اہل کاروں کی پشت پناہی مل جانے کے بعد اس کے ذہن سے ان انعامی اشتہارات کا خوف مٹ چکا تھا جو میری زندہ یا مردہ گرفتاری کے بارے میں شائع کرائے گئے تھے۔ وہ ہم دونوں کو اتارے بغیر جہانگیر کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

جہانگیر کا فلیٹ کم وبیش اسی بارونق رہائشی علاقے میں واقع تھا جہاں ویرا اور غزالہ نے امریکی قونصل خانے کے دو اہل کاروں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ جہانگیر والی عمارت خاصی بلند اور پرشکوہ تھی۔

ایس ٹی ایف والوں کے لیے اوّل خان کی جیپ ایک چلتے پھرتے اشتہار سے کم نہیں تھی۔ اس نے بارونق بازار کے درمیان سے گزرتے ہوئے گاڑی کی رفتار کم کی تو فوراً ہی دور سے ایک آدمی ہاتھ ہلاتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھتا چلا آیا۔ میرے لیے وہ قطعی اجنبی تھا۔

اوّل خان نے اسے دیکھتے ہی اپنی گاڑی کنارے سے لگا کر روک دی۔

وہ شخص آتے ہی اوّل خان والی کھڑکی پر جھکا اور کسی تمہید کے بغیر اپنی رپورٹ دہرانے لگا "یہاں سب ٹھیک ہے۔ آج صبح ایک مشتبہ نوجوان ادھر منڈلاتا ہوا نظر آیا تھا۔ اس کی ساری توجہ جہانگیر صاحب والی بلڈنگ پر تھی۔ میرا نمبر دو اسے اٹھا کر ساحلی ویرانے میں لے گیا۔ تھوڑی سی مار کھانے کے بعد اس نے اگل دیا کہ وہ کسی کی نگرانی نہیں کررہا بلکہ اپنے محلے کی ایک خوب صورت لڑکی کا پیچھا کرتا ہوا تین دن سے وہاں آرہا ہے۔ وہ لڑکی اسی بلڈنگ میں کام کرتی ہے۔ دو تین گھنٹے کے بعد فارغ ہوکر وہ باہر نکلتی ہے تو وہ ہیرو اس کے پیچھے چلا جاتا ہے۔ وہ فلمی سی محبت کا چکر ہے لیکن میرے نمبر دو سے مار کھانے کے بعد اب وہ ادھر نظر نہیں آئے گا۔ ہم دونوں پوری مستعدی سے اپنا کام کررہے ہیں۔"

"شاباش! اگلی ہدایات تک یہیں جمے رہو۔ اخراجات کی کمی پڑجائے تو ایک آدمی اسٹیشن جاکر رقم لاسکتا ہے۔ یہاں ہر وقت ایک نہ ایک آدمی کی موجودگی ضروری ہے" اوّل خان نے دھیمی آواز میں اسے اس کی اگلی ذمے داریوں سے آگاہ کرنے کے بعد گاڑی آگے بڑھادی۔

میرا دل کہہ رہا تھا کہ نگرانی اور خطرے کے بارے میں جہانگیر کا خوف بے بنیاد تھا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پرکشش مردانہ اور نسوانی چہرے انسان کو پہلی ہی نظر میں شناسا محسوس ہونے لگتے ہیں۔ شاید جہانگیر کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ اس نے گھریلو ملازمہ کے عاشقِ زار کو وہاں منڈلاتے دیکھا اور خوف میں مبتلا ہوگیا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اسی وقت اوّل خان کے ساتھ جہانگیر کے فلیٹ پر پہنچ کر اسے اصل صورتِ حال سے آگاہ کردوں لیکن میں نے فوراً ہی وہ ارادہ ترک کردیا۔ میری اس پیش رفت کے نتیجے میں باہمی میل جول کے سلسلے میں جہانگیر کی بے جا حوصلہ افزائی ہوسکتی تھی' جب کہ میں راس المیڈا کا قصہ نمٹنے تک ہر ممکنہ احتیاط پر عمل کرنے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا۔

ہم تینوں فلیٹ پر پہنچے تو دونوں عورتیں مضطرب تھیں۔ اوّل خان جس عاجلانہ انداز میں مجھے لینے کے لیے آیا تھا' اس کے سبب ان دونوں کو طرح طرح کی پریشان خیالیوں نے آگھیرا تھا۔

"کوئی سوال نہیں ہوگا" میں نے گھر میں گھستے ہی اعلان کردیا۔ "ہم لوگ فوجیوں کی چائے پینے گئے تھے۔ معاملہ صرف نشستند و گفتند و برخاستند کا تھا جسے رسمی طور پر میٹنگ کا نام دے دیا گیا تھا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ ہمیں ٹالنے کی کوشش مت کرو" ویرا نے احتجاج کیا۔

"ڈینی سچ بول رہا ہے" اوّل خان نے میری تائید کی "مجھے اندازہ ہوتا کہ وہاں جاکر اس طرح وقت کی بربادی ہوگی تو میں بھول

کر بھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔ اس وقت میں ایک اہم کام کے ارادے سے یہاں رکا ہوں اور اسے مکمل کرنے کے لیے مجھے تھوڑے سے سکون کی ضرورت ہے۔"

"ظاہر ہے کہ اس اہم کام میں تمہیں ڈیبی کی مدد کی ضرورت بھی ہوگی؟" ویرا نے چڑچڑے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں، تم اس کے سینڈوچ بنا سکتی ہو، مجھے سکون اور صرف فون کی ضرورت ہے۔"

"آؤ، پھر ہم لوگ کسی خواب گاہ میں بیٹھ جاتے ہیں" ویرا نے مجھے تقریباً کھینچتے ہوئے کہا۔

میں نے فوراً ہی اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا لیا اور تیزی سے کہا "تم غزالہ اور سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں اوّل خان کے ساتھ ہی بیٹھوں گا۔"

"وہ کہہ رہا ہے کہ اسے تمہاری ضرورت نہیں ہے" ویرا غرا کر بولی۔

"یہ اس کی بات ہے مگر میں اس کے پاس موجود رہنا چاہتا ہوں" میں نے تنک کر کہا۔

"اگر تم لوگوں کے یہ جھگڑے طے نہیں ہوسکتے تو پھر میں کہیں اور چلا جاتا ہوں" اوّل خان نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا "اس وقت تم لوگ ضدی بچوں کی طرح لڑ رہے ہو۔"

ویرا مجھے گھورتی ہوئی خاموشی سے اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی۔ غزالہ اس کے ساتھ تھی۔ میرے اشارے پر سلطان شاہ بھی ان دونوں کے پیچھے ہولیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ آسانی کے ساتھ ان دونوں کو دیر تک باتوں میں مصروف رکھ سکے گا۔

ویرا کی خواب گاہ کا دروازہ بند ہونے کے ساتھ ہی فلیٹ میں سناٹے کی حد تک سکوت چھا گیا۔

"دراصل میں نے دفتر جانے کا ارادہ ترک کردیا ہے" اوّل خان نے تخلیہ میسر آتے ہی کہا۔

"شاید تم سخی مراد کے بارے میں تیزی سے کام کرنے کا فیصلہ کرچکے ہو؟"

"بعض اوقات تم ذہن کی بات بالکل صاف پڑھ لیتے ہو" اس نے سر جھٹک کر کہا "اس کے بارے میں جو کچھ ہونا ہے، شہر ہی میں ہونا ہے پھر مجھے اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں دفتر فون کرکے دو تین آدمیوں کو اس کے پیچھے لگا سکتا ہوں۔ وہ مجھے تمہارے فون پر اپنی کارکردگی کی رپورٹ دے سکتے ہیں۔"

"یہ نام میرے لیے اجنبی نہیں ہے لیکن سیاست میں زیادہ دلچسپی نہ رکھنے کی وجہ سے میں اس کے بارے میں بہت زیادہ باخبر نہیں ہوں۔ یہ کون ہے اور اس کا شجرہ کیا ہے؟"

"حاجی مراد اس باحیثیت گھرانے کا پہلا سربراہ تھا جس نے سیاست کے میدان میں قدم رکھا اور پھر کامیابیاں ہی کامیابیاں حاصل کرتا چلا گیا۔ سخی مراد اس کا نوجوان پوتا ہے۔ اس وسیع اور مال دار خاندان کی شاخیں اتنی پھیلی ہوئی ہیں کہ ملک میں کسی بھی سیاسی جماعت کی حکومت ہو، ان کے ایک دو آدمی اسمبلی میں ضرور ہوتے ہیں۔ اس بار سخی مراد کامیاب نہیں ہوسکا مگر اس کا ایک بھتیجا قومی اسمبلی میں اور دو قریبی رشتے دار صوبائی اسمبلی میں موجود ہیں" اوّل خان نے اس معروف خاندان کے بارے میں اپنی سیاسی معلومات ظاہر کرتے ہوئے کہا "بنیادی طور پر یہ زمیندار لوگ ہیں۔ شاید انہیں خود بھی علم نہیں کہ یہ کتنی زمینوں کے مالک ہیں۔ اب ان کے منشی اور منیجر ہی زمینوں کا کام چلاتے ہیں۔ یہ لوگ بس سیر و تفریح یا شکار کے لیے اپنی زمینوں کا رخ کرتے ہیں ورنہ کراچی ہی میں عیش کرتے ہیں۔"

"مگر میجر غوث تو بتا رہا تھا کہ سخی مراد کی کوئی فرم بھی ہے" اسے خاموش پا کر میں نے لقمہ دیا۔

"میں وہی بتانے جارہا تھا" اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "سخی مراد پچھلے کئی برسوں سے مراد ٹریڈ کارپوریشن نامی برآمدی ادارے کا مالک ہے۔ حالیہ برسوں میں اس کی آمدنی میں اچانک اور اندھا دھند اضافہ ہوا ہے جس کا اظہار اس کے بیش قیمت نئے مکانات اور قیمتی گاڑیوں سے ہوتا ہے۔ اس سے پہلے یہ لوگ روایتی امرا کی طرح سادہ انداز میں رہتے تھے۔ ان لوگوں کے بارے میں آئے دن اخبارات میں کچھ نہ کچھ چھپتا رہتا ہے۔ سخی مراد اپنے خاندان کی سیاسی ضروریات کے پیش نظر اکثر بڑی دعوتیں کرتا رہتا ہے جن میں وہ اخباری دنیا کے اہم لوگوں کو بلانا کبھی نہیں بھولتا۔"

"اور خود ہر وقت مسلح محافظوں کے گھیرے میں رہتا ہے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"پہلے وہ روایتی شان و شوکت کے اظہار کے لیے ایسا کرتا تھا۔ اس کی پرانی مرسیڈیز میں ایک دو مسلح دیہاتی بیٹھے رہتے تھے۔ ان بکھیڑوں کے بغیر زمینداری زیادہ دن نہیں چل پاتی۔ اب تو خیر امن و امان کی حالت کی وجہ سے ہر باحیثیت آدمی اپنے تحفظ کے لیے فکرمند رہنے لگا ہے۔"

"آمدنی میں اچانک اور اندھا دھند اضافے کے کیا اسباب ہوسکتے ہیں؟"

"یہ وہی بتا سکے گا۔ ہوسکتا ہے کہ انکم ٹیکس کے گوشواروں میں اس نے تجارتی یا زرعی آمدنی میں کچھ اضافے دکھائے ہوں۔ مجھے ان تفصیلات کا علم نہیں ہے۔"

"وہ راس المیڈا یا اس کے آدمیوں کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی آمدنی میں اضافے کا ان رابطوں سے گہرا تعلق ہو" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اس نے چونک کر پوچھا "ذرا کھل کر بات کرو۔"

"کوئی ناجائز تجارت.... کوئی غیر قانونی برآمد ہوسکتا ہے کہ اس کی

ایسی سرگرمیاں ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی ہوں اور انہوں نے اسے اپنی بلیک میلنگ کے جال میں جکڑ لیا ہو۔"

"تم ان معاملات پر قبل از وقت اپنا سر کھپا رہے ہو۔ ایک آدھ روز کی بات ہے۔ وہ ہمارے قبضے میں بیٹھا' خود اپنی کہانی سنا رہا ہوگا" اوّل خان نے کہا۔

بات واقعی ضرورت سے زیادہ طویل ہو چلی تھی۔ میں نے فوراً ہی خاموشی اختیار کر لی۔

اوّل خان نے اپنے دفتر فون کر کے ایک آدمی کو فوری طور پر سخی مراد کی نگرانی پر مامور کیا اور مزید دو افراد کو ہمارے فلیٹ پر پہنچنے کی مختصر سی ہدایات دے کر فون بند کر دیا۔

"بس' اتنے سے کام کے لیے تم نے سکون' سکون کا شور مچایا ہوا تھا" میں نے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی اور وہ آہستگی سے بولا "آج تمہاری طرح میرا دماغ بھی تیزی سے کام کر رہا ہے۔ پہلے میں کچھ اور سوچ رہا تھا لیکن اب میں نے سخی مراد کی غیر قانونی حراست کو اغوا برائے تاوان کی واردات کا رنگ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ پچھلے دنوں شہر میں ایسی بڑی بڑی کئی وارداتیں تواتر کے ساتھ ہوتی رہی ہیں' کوئی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ اسے کسی اور چکر میں اٹھا لیا گیا ہے۔"

پھر اوّل خان میرے ساتھ اپنے منصوبے کے خدوخال پر تبادلۂ خیال کرنے لگا۔

تقریباً سوا گھنٹے بعد اوّل خان کے طلب کیے ہوئے دونوں آدمی فلیٹ پر آ پہنچے۔ وہ اپنے ساتھ کینوس کا ایک مختصر سا تھیلا بھی لائے تھے جو انہوں نے آتے ہی اوّل خان کے حوالے کر دیا۔

غزالہ فوراً ہی نوواردوں کے لیے چائے کی مزید دو پیالیاں لے آئی۔ اس دوران میں اوّل خان نے کینوس کا تھیلا کھولا تو اس میں ایک پستول' فاضل راؤنڈز' فاضل میگزین اور دو ٹرانسیسٹرز چمک رہے تھے۔ اوّل خان کافی دنوں بعد اپنے پرانے روپ میں واپس لوٹتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"یہ تمہارے لیے ہے" اوّل خان نے ایک اپریٹس میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ اب تم اس قسم کے ہر آلے کے استعمال میں ماہر ہو چکے ہو۔ تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں رہی ہے۔"

"سب کچھ ہو جائے گا۔ بس یہ بتا دو کہ میرا کوڈ یا پاس ورڈ کیا ہے؟"

"وقت آنے پر یہ بھی طے کر لیا جائے گا' فی الحال صرف تمہارا اور میرا رابطہ رہے گا اور میں تمہاری آواز آسانی سے پہچان سکتا ہوں" اوّل خان نے ہنس کر میری بات ٹال دی۔

تھوڑی دیر بعد اوّل خان کے اس آدمی کا جو سخی مراد کے تعاقب میں بھیجا گیا تھا' فون آ گیا۔

اوّل خان صرف ہوں ہاں کر کے دوسری طرف کی بات سنتا رہا مگر میں دیکھ رہا تھا کہ گزرتے ہوئے لمحات کے ساتھ اوّل خان کے چہرے پر مسرت اور کامیابی کی سرخی پھیلتی جا رہی تھی۔

"یہ کام توقع سے کہیں زیادہ آسان نظر آ رہا ہے" اوّل خان نے فون بند کر کے کہا "سخی مراد شاید اپنی رنگین مزاجی کی وجہ سے آج ہی ہمارے ہاتھ آ جائے گا۔"

رنگین مزاجی کے تذکرے پر میں چونکا لیکن میں کوئی سوال کیے بغیر اوّل خان کے دوبارہ بولنے کا منتظر رہا۔ اس کے ماتحتوں کے سامنے میں عام طور پر بے تکلفی کے مظاہرے سے گریز ہی کرتا تھا۔

"سخی مراد کے معمولات خاصے دلچسپ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ازدواجی زندگی کچھ زیادہ قابل رشک نہیں ہے۔ وہ صبح ٹھیک نو بجے آفس کھلتے ہی اپنے چار مسلح محافظوں اور ڈرائیور کے ساتھ وہاں پہنچ جاتا ہے۔ دوپہر تک وہ اپنے دفتر میں مصروف رہتا ہے اور پھر ایک بجے صرف دو محافظوں اور ڈرائیور کے ساتھ کوئنز روڈ کی طرف روانہ ہو جاتا ہے جہاں اس نے ایک مالدار بیوہ کے مکان کا ایک حصہ کرائے پر لے کر ایک لڑکی کو وہاں رکھا ہوا ہے۔ سخی مراد کی موجودگی میں محافظ باہر پہرا دیتے ہیں۔ ڈرائیور اندر کے کام کرتا ہے۔ وہ دوپہر کا کھانا وہیں کھاتا ہے اور پھر اندھیرا پھیلنے تک وہیں رہتا ہے۔ دفتر میں رکے ہوئے دونوں محافظوں کو دفتر کا ڈرائیور پانچ بجے سخی مراد کے گھر پہنچا دیتا ہے۔ ہفتے میں دو تین دن اس کا یہی معمول ہوتا ہے۔ وہ کوئنز روڈ سے گھر روانہ ہوتا ہے تو نشے میں دھت ہوتا ہے۔ جس دن اس کی شام کی دوسری مصروفیات ہوتی ہیں' وہ اپنا وقت دفتر میں گزارتا ہے اور پھر دفتر ہی کے ریٹائرنگ روم سے تیار ہو کر اپنے طے شدہ پروگرام میں شرکت کے لیے روانہ ہو جاتا ہے' آج وہ کوئنز روڈ گیا ہے۔"

"تمہارے آدمی نے مختصر سے وقت میں بہت زیادہ معلومات حاصل کر لیں!" میں نے تعجب سے کہا۔

"یوسف بہت کرتی آدمی ہے۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی سخی مراد کے تعاقب میں جانے کی زحمت نہیں کی۔ اس کے دفتر پر ایک لڑکے کی ضرورت کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ یوسف اندر پہنچا اور منتخب ہو گیا۔ اس وقت وہ سخی مراد کے دفتر میں کام کر رہا ہے۔ اس نے کھانے کے وقفے میں باہر سے فون کر کے اپنی رپورٹ دی ہے۔"

"حیرت ناک آدمی ہے۔ تو کیا وہ اب بھی وہاں ملازمت کرتا رہے گا؟"

"وہ چند روز وہاں گزارنا چاہتا ہے۔ دفتر کا ماحول بہت پراسرار اور سازشی معلوم ہوتا ہے۔ یوسف وہاں رہے گا تو ہمیں اندر کی خبریں ملتی رہیں گی۔ وہ جب چاہے گا' ٹہلتا ہوا دفتر سے نکل آئے گا۔"

"اسے یہ کیسے معلوم ہوا کہ سخی مراد ایک بجے کوئنز روڈ ہی گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ایک بجے دفتر چھوڑتا ہے تو وہیں جاتا ہے۔ یہ اس کا معمول بن چکا ہے۔ تم نچلے درجے کے ملازمین کی نفسیات نہیں جانتے۔ یہ لوگ معصوم صورتیں بنا کر اپنے مالکان کی ہر جنبش کا

مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور جب مل کر بیٹھتے ہیں تو ایک دوسرے پر اپنی برتری جتانے کے لیے اپنے مالک کی ہر کمزوری کو کھولتے چلے جاتے ہیں۔ یوسف نے وہاں نوکری نہ کی ہوتی تو یہی معلومات حاصل ہونے میں پورا ہفتہ ضائع ہو سکتا تھا۔"

"یوسف' مراد ٹریڈ کارپوریشن کے دفتر میں نوکری کر رہا ہے۔ سخی مراد کوئنز روڈ کے مکان میں عیش کر رہا ہو گا مگر ہمیں اس مکان کا پتا کیسے معلوم ہو گا؟"

"یوسف نے بتادیا ہے۔ وہ میرے ذہن میں نقش ہو چکا ہے"
اول خان کا لہجہ فاتحانہ تھا۔

اول خان نے اپنے دونوں آدمیوں کو فوراً ہی کوئنز روڈ کے اس مکان کی طرف روانہ کر دیا جہاں سخی مراد کی موجودگی کی خبر ملی تھی۔ ان دونوں کو یہ ذمے داری سونپی گئی تھی کہ وہ باہر سے مکان کی نگرانی کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش کریں کہ سخی مراد ہم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے اس مکان سے فرار نہ ہو سکے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ہر قیمت پر اس کا تعاقب کر کے اول خان کو ٹرانسمیٹر پر ہر لمحے تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ رکھا جائے۔

ان دو طے شدہ کاموں کے علاوہ یہ بات ان دونوں کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی تھی کہ حالات سازگار ہوں تو وہ مکان میں داخل ہو کر مسلح محافظوں کو زیر کر لیں اور اس گھر کا فون کاٹ کر سخی مراد کو اپنی تحویل میں لے لیں۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ کام ان دو افراد کے بس سے باہر تھا۔

اطلاعات کے مطابق اس مکان میں کم از کم چار افراد کی موجودگی ضروری تھی۔ سخی مراد' اس کی محبوبہ' سخی مراد کا ڈرائیور اور دو مسلح محافظ۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ صرف دو آدمی اپنے ہتھیاروں کے بل پر ان چاروں کو زیر کر سکیں۔

ان کے چلے جانے کے بعد اول خان مجھے تیار رہنے کی ہدایت کر کے چلا گیا۔ اس نے ایک ایریٹس میرے پاس چھوڑ دیا تھا تاکہ میں کسی بھی وقت اس سے رابطہ کرنے میں دقت محسوس نہ کروں۔

یہ خبر ہر ایک کے لیے حیرت اور خوشی کا باعث بنی کہ سخی مراد کو فوری طور پر اٹھانے کا منصوبہ بنا لیا گیا تھا۔

سلطان شاہ کا خیال تھا کہ اس بار اول خان نے اسے اپنے پروگرام سے الگ رکھنے کی کوشش کی ہو گی لہٰذا اس نے پروگرام سنتے ہی اعلان کر دیا کہ وہ ہر قیمت پر اس مہم میں شریک ہو گا۔ میں نے بھی اسے چڑانے کی کوئی کوشش کیے بغیر اس کی بات مان لی۔

کسی چالاک اور صحت مند شخص کو کوئی قابلِ ذکر گزند پہنچائے بغیر اغوا کرنے کے مراحل آسان نہیں ہوا کرتے۔ میری دانست میں اس مہم میں زیادہ سے زیادہ نفری کی موجودگی ضروری تھی تاکہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد ہمیں واپسی میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ سلطان شاہ کی شمولیت سے ہماری نفری میں اور کچھ نہیں تو ایک دلیر شخص کا اضافہ ہو سکتا تھا۔

ہم دونوں لباس کی حد تک پہلے ہی تیار تھے کیونکہ میجر غوث کے دفتر سے واپسی کے بعد ہم نے لباس تبدیل نہیں کیے تھے۔ ہتھیاروں کے انتخاب میں سب سے پہلی اہمیت بیم گن کی تھی' دوسرا درجہ بلیک ہاک کے اس بے آواز ریوالور کو حاصل تھا جو میں نے اس کی خواب گاہ سے حاصل کیا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ ہمیں ضرورت کا دوسرا سامان اسپیشل ٹاسک فورس والوں سے آسانی سے مل سکے گا۔

اول خان کی طرف سے کوئی اطلاع آنے سے پہلے ہی جہانگیر کا فون آ گیا۔ اس وقت تک سلطان شاہ نے تینوں فون ڈرائنگ روم سے الگ کر کے ان کی جگہوں پر پہنچا دیے تھے۔ جہانگیر کی کال ویرا نے وصول کی اور مجھے بتایا کہ وہ سخت پریشانی کے عالم میں مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا" میری آواز سنتے ہی جہانگیر نے بھرائی ہوئی آواز میں بولنا شروع کر دیا "معلوم ہوتا ہے کہ میرے ستارے ہی گردش میں آ گئے ہیں۔ چند روز بھی مصنوعی سکون سے نہیں گزرنے پاتے کہ کوئی نیا چکر شروع ہو جاتا ہے۔ یا پھر ناگہانی مصیبتیں نازل ہونے لگتی ہیں۔"

"کچھ بتاؤ گے بھی یا کسی جوان بیوہ کی طرح بس بین کرتے رہو گے" میں نے کہا۔

"فلیٹ میں ایک بے ہوش آدمی موجود ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس کا کیا کیا جائے؟" اس کی آواز سے شدید الجھن اور پریشانی مترشح تھی۔

"کھڑکی کھول کر اسے نیچے پھینک دو" میں نے غصیلی آواز میں کہا "وہ کون ہے اور کہاں سے آیا تھا؟"

"اس کا چہرہ میرے لیے اجنبی ہے۔ وہ دروازے سے آیا تھا اور آتے ہی اس نے میرے اوپر پستول تان لیا تھا۔ پتا نہیں اول خان کے آدمی نیچے کیا کر رہے ہیں۔"

"یہ نہ بھولو کہ اول خان کے آدمی غیب داں نہیں ہیں۔ تمہاری بلڈنگ میں کم از کم پندرہ بیس فلیٹ ضرور رہے ہوں گے۔ ہر آنے والے کی پیشانی پر لکھا ہوا نہیں ہوتا کہ وہ کس فلیٹ میں جا رہا ہے..."

اس نے فوراً میری بات کاٹ دی "پھر ایسا کرو کہ انہیں میرے گھر ہی بھیج دو۔ وہ دروازے کے ساتھ والے کمرے میں آسانی سے رہ سکتے ہیں۔ اس کمرے کا ایک دروازہ بیرونی راہ داری میں بھی کھلتا ہے۔ وہ ہم لوگوں کے گھر میں مخل ہوئے بغیر' آزادی سے کہیں بھی آ جا سکیں گے۔"

"پھر تم یہ کہنا کہ وہی تمہارا سر اپنی گود میں رکھ کر تمہیں لوری سنائیں تاکہ تمہیں نیند آ سکے.... جہانگیر! خدا کے لیے کچھ عقل کی باتیں کرو۔ اتنے بزدل تو تم کبھی نہیں تھے۔"

"میں اب بھی بزدل نہیں ہوں لیکن شادی شدہ ہو گیا ہوں"
اس نے وہ فقرہ اتنی بے ساختگی سے کہا کہ میں اپنی بے آواز مسکراہٹ پر قابو نہیں رکھ سکا۔

"تم بے تکی باتیں کر رہے ہو۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہ بے ہوش کیسے ہوا ہے۔ وہ بے ہوشی کی حالت میں چلتا ہوا تو نہیں آیا ہو گا۔ وہ تم سے کیا چاہ رہا تھا؟"

"سلمیٰ نے پیچھے سے اس کے سر پر بیلن مار کر اسے بے ہوش کیا ہے.... اس نے گھر میں گھستے ہی پستول نکال کر میرے ہاتھ اٹھوائے اور پھر مجھے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ وہ مجھ سے فلیٹ میں موجود دوسرے لوگوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا کہ سلمیٰ نے کچن سے یہ منظر دیکھ لیا۔ وہ اس وقت روٹی پکا رہی تھی۔ وہ بیلن لے کر پنجوں کے بل چلتی ہوئی اس کے سر پر پہنچی اور بیلن دے مارا۔ وہ قالین پر گرتے ہی بے ہوش ہو گیا..."

میرے لیے سلمیٰ کا وہ کارنامہ حیرت انگیز تھا۔ وہ ان عورتوں میں سے تھی جو ذرا سا بھی خطرہ دیکھ کر بدحواس ہو جاتی ہیں اور کوئی مدد کرنے کے بجائے خود ایک مسئلہ بن جاتی ہیں۔ میں نے جہانگیر کو مشورہ دیتے ہوئے کہا "فی الحال تم اس کے ہاتھ پیر مضبوطی سے باندھ کر منہ میں کپڑا ٹھونس دو اور اسے کسی باتھ روم میں مقفل کر دو۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ ایس ٹی ایف والے اسے جلد از جلد تمہارے گھر سے نکال لے جائیں۔"

"اور اگر اسی دوران میں اس کا کوئی ساتھی اسے تلاش کرتا ہوا آ گیا تو کیا ہو گا؟ ہم دونوں بار بار ایسے معجزے نہیں دکھا سکتے کہ نہتے ہوتے ہوئے بھی ایک مسلح آدمی کو زیر کر لیں۔"

جہانگیر کی وہ بات معقول تھی۔ میں نے لحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "کوئی بھی آ جائے، تمہیں شناخت کیے بغیر دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ ایس ٹی ایف والے جلد از جلد تمہارے پاس پہنچیں۔ یہ دن کا وقت ہے۔ کوئی بھی مشتبہ آدمی دن دہاڑے تمہارا دروازہ توڑنے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ فلیٹوں میں رہنے کا یہی ایک فائدہ ہوتا ہے کہ ذرا سی بھی گڑبڑ ہو تو پاس پڑوس والے چوکنا ہو جاتے ہیں.... یہ اچھی بات ہے کہ سلمیٰ نے وہاں آباد ہوتے ہی اپنے پڑوسیوں سے میل جول کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔"

"تم خود ہی ادھر کیوں نہیں آ جاتے؟" اس کی آواز میں الجھن تھی "آتے ہوئے تم ان دونوں کو بھی اپنے ساتھ لا سکتے ہو جو میرے فلیٹ کی حفاظت کر رہے ہیں۔"

جہانگیر کا وہ سوال منطقی تھا مگر میں اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میں اس وقت ٹرانسیٹر پر اول خان کے کسی اہم پیغام کا انتظار کر رہا تھا اور مجھے کسی بھی لمحے ایک اہم مشن پر روانہ ہونا تھا۔ ویسے تو میں ٹرانسیٹر بھی اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا لیکن راہ چلتے ہوئے اشارہ موصول ہونے لگتا تو میں اول خان کی کال کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔

اس وقت وہ دونوں مسئلے بہت اہم تھے۔ سخی مراد کے معاملے کو پس پشت ڈالا جا سکتا تھا نہ جہانگیر کی سلامتی کا کوئی خطرہ مول لیا جا سکتا تھا۔ میں نے اسے چند ثانیوں تک انتظار کرنے کے لیے کہا اور پھر سلطان شاہ کو بلا لیا۔

میرے فلیٹ سے ملے بغیر جہانگیر کا مسئلہ حل کرنے کی وہ تجویز اچانک ہی میرے ذہن میں آئی تھی۔ ہماری بلڈنگ کے نیچے بھی اسپیشل ٹاسک فورس کے دو آدمی مامور تھے۔ وہ ہم چاروں کے صورت آشنا تھے اور سلطان شاہ ان سے واقف تھا۔ اگر وہ نیچے جا کر ان کو جہانگیر کے فلیٹ میں گڑبڑ کی خبر دے آتا تو وہ چند ثانیوں میں وہاں پہنچ کر اپنے دونوں ساتھیوں کو جہانگیر کے فلیٹ پر بھیج سکتے تھے۔

سلطان شاہ نے میری بات سنتے ہی صورتِ حال کا پورا ادراک کر لیا اور ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر فلیٹ سے دوڑ لگا دی۔ مجھے اطمینان ہو گیا کہ میں نے اس مسئلے کا کوئی فوری حل تلاش کر لیا تھا۔

میرے لیے یہ واقعہ حیران کن تھا۔ تھوڑی ہی دیر پہلے جہانگیر کے مکان کے آس پاس سے ایک مشتبہ عاشق مزاج نوجوان کے پکڑے جانے کی اطلاع ملی تھی۔ مجھے مکمل یقین تھا کہ وہی شخص جہانگیر کی پریشانی کا سبب بن رہا ہو گا لیکن اس کے غائب ہونے کے بعد جہانگیر کے گھر پر کسی اور شخص کی کارروائی میری سمجھ سے باہر تھی۔ خاص بات یہ تھی کہ سلمیٰ کے بیلن سے بے ہوش ہونے والا وہ شخص نہیں تھا جسے دیکھ کر جہانگیر پریشان ہوتا رہا تھا۔ اس نے خود کہا تھا کہ بے ہوش ہونے والا اس کے لیے اجنبی تھا۔

وہ کون ہو سکتا تھا اور کس مقصد سے جہانگیر کے گھر میں گھسا تھا؟ یہ دو سوال بہت اہم تھے اور میرے ذہن میں بری طرح چبھ رہے تھے۔

ان دنوں شہر کے حالات خراب ضرور تھے لیکن اتنے بھی خراب نہیں تھے کہ کلفٹن جیسے متمول علاقے کے محفوظ فلیٹوں میں دن دہاڑے لوگ گھسنے لگے ہوں۔ آنے والا چوری یا ڈکیتی کی نیت سے وہاں داخل ہوا ہوتا تو جہانگیر کے ہاتھ اٹھوانے کے بجائے سب سے پہلے اسے بے ہوش کرنے کی کوشش کرتا تاکہ اسے کسی کی مداخلت کے بغیر فلیٹ کا صفایا کرنے کا موقع مل سکے۔

سلطان شاہ چند منٹ میں واپس لوٹ آیا۔ اس وقت تک میں نے ویرا یا غزالہ کو جہانگیر کے فلیٹ پر پیش آنے والے واقعے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن سلطان شاہ نے واپس آ کر اس بارے میں بات کرنی شروع کی تو وہ دونوں بھی حیران نظر آنے لگیں۔

غزالہ کو حیرت تھی کہ سلمیٰ نے غیر متوقع بے خوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بڑے خطرے کو ٹال دیا تھا۔

اس وقت تک یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ جہانگیر میرے ہی سلسلے میں کسی عتاب میں آیا تھا یا وہ ناکام واردات کسی اور سلسلے کی کوئی کڑی تھی۔

باتیں کرتے کرتے مجھے اچانک یاد آیا کہ میں نے جہانگیر سے چند منٹ بعد فون کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ میں نے نمبر ملایا تو اس بار

سلمٰی نے فون اٹھایا۔ اس کی آواز ہی سے شدید بوکھلاہٹ کا اظہار ہو رہا تھا۔

"تم ابھی تک فون کر رہے ہو!" وہ میری آواز پہچان کر روہانسی آواز میں گلہ کرنے لگی "میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم جہانگیر کا پیغام سنتے ہی ادھر دوڑ لگا دو گے۔"

میں نے اس کی بات کاٹ کر دلاسا دیتے ہوئے کہا "فکر مت کرو۔ چند منٹ میں دو آدمی تمہارے گھر پہنچنے والے ہیں۔ وہ سب کچھ سنبھال لیں گے۔ میں نے یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے۔ جہانگیر نے کہا تھا کہ بے ہوش ہونے والا اس کے لیے اجنبی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ دو روز سے نظر آنے والا مشتبہ آدمی آج بھی نظر آیا تھا یا نہیں۔ ذرا جہانگیر سے پوچھ کر بتا دو۔"

"وہ کئی بار پردے ہٹا کر جھانک چکے تھے لیکن اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ وہ دفع ہوا تو آج دوسرا گھر ہی میں گھس آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پورے شہر میں جہانگیر کے دشمن ہی دشمن بھرے ہوئے ہیں۔"

"تم بھول رہی ہو کہ ہم لوگ بھی اسی شہر میں رہتے ہیں اور جہانگیر کے دشمن نہیں ہیں" میں نے اس کی پریشانی کم کرنے کے لیے شگفتہ لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"تم اپنے چکروں میں گھرے رہتے ہو۔ تمہیں اتنا وقت ہی کہاں ملتا ہے کہ دوسروں کی خیر خبر لے سکو۔"

"فکر مت کرو۔ چند روز کے بعد فرصت ہی فرصت ہوگی اور تم دن رات ہم لوگوں کی صورتیں دیکھ دیکھ کر بیزار ہو جاؤ گی۔ یہ پریشانیاں اب اپنے آخری سانسوں پر ہیں۔ ان سے چھٹکارا ملنے ہی والا ہے۔"

"شاید کوئی آیا ہے!" اس کی بھرائی ہوئی آواز کے پس منظر میں مجھے ڈور بیل کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ قدرے توقف کے بعد سلمٰی سرگوشیانہ لہجے میں بولی "فون بند نہ کرنا۔ جہانگیر دیکھ لیں کہ کون آیا ہے؟"

اسی وقت میرے اپریٹس پر کال کا اشارہ موصول ہونے لگا۔ میں نے ریسیور غزالہ کو تھمایا اور جلدی سے اپریٹس اٹھا کر آن کر لیا۔ اس پر اول خان کی آواز آرہی تھی۔

"جلدی آجاؤ۔ میں نیچے تمہارا انتظار کر رہا ہوں" اس غیر رسمی گفتگو میں فقرہ اپنی جگہ مکمل تھا اس لیے اول خان نے کال مجھے اوور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"ہم آرہے ہیں لیکن ایک بری خبر کے ساتھ..... جہانگیر کے گھر میں ایک مسلح آدمی گھس آیا تھا۔"

"یہ کب کا قصہ ہے؟" اول خان وہ خبر سن کر چونک پڑا تھا۔

"تھوڑی دیر پہلے کی بات ہے" یہ کہہ کر میں نے اسے پورا قصہ سنا دیا۔

"میرے آدمی پہنچ گئے ہیں تو فکر کرنے کی ضرورت نہیں لیکن یہ واقعہ تشویش ناک ہے۔ اسے بھی دیکھنا پڑے گا.... فی الحال تم جلدی سے آجاؤ۔ میں دن کے اجالے میں ہی یہ قصہ نمٹانا چاہ رہا ہوں۔"

"بس ہم آرہے ہیں" میں نے اپریٹس آف کر کے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

غزالہ اس وقت بھی فون پر مصروف تھی۔ اس نے دوسری طرف کی بات سنتے ہوئے' ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ اول خان کے دونوں آدمی جہانگیر کے گھر پہنچ چکے تھے۔ میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کر اسے الوداع کہا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

نیچے اول خان سویلین نمبر پلیٹ والی ایک پرانی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر ہمارا منتظر تھا۔ میرے لیے وہ منظر غیر متوقع تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنی دفتری جیپ میں آدمیوں کو ساتھ لایا ہوگا۔

میں اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا' سلطان شاہ نے عقبی نشست سنبھال لی۔

"اکیلے اور اس چھکڑا سی گاڑی میں آئے ہو؟" میں نے بیٹھتے ہی کہا۔

"تم بھول رہے ہو کہ ہم کسی فرض کی ادائیگی کے لیے نہیں بلکہ اغوا برائے تاوان کی واردات کرنے جا رہے ہیں۔ تیاری بھی اسی طرح کی گئی ہے" اس نے میری مایوسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"شاید اسی لیے بھیڑ بھاڑ بھی نظر نہیں آرہی" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔

"ایک تعیش پسند سیاست داں کو اغوا کرنے کے لیے ہم تین ہی کافی ہیں" وہ بولا۔

"تعیش پسند سیاست داں نہیں' راس المیڈا کا معاون کہو" میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا "اور پھر وہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کی رکھیل کے گھر میں مسلح آدمی بھی موجود ہیں۔"

"میرے تین آدمی پہلے ہی وہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ مزید دو افراد راستے میں ہوں گے۔ اب یہ پانچوں صرف باہر پہرا دیں گے اور ہمیں کور فراہم کریں گے۔ اندر جانے کی راہ ہم خود تلاش کریں گے۔"

"اس بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں' گھر کا چکر لگانے کے بعد کچھ سوچا جائے گا" اس نے اطمینان سے کہا۔

میرا جی چاہا کہ اس سے کہوں کہ پھر وہ خودکشی کرنے کے موڈ میں نظر آرہا ہے مگر میں خاموش رہا۔ وہ ایک مہم کی رہنمائی اپنے سر لے رہا تھا۔ ایسے موقع پر میں اس کی حوصلہ شکنی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"کوئنز روڈ ایک پرسکون رہائشی علاقہ ہے" میں نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا "وہاں بڑے بڑے مکانات میں صاحب ثروت لوگ

رہتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ ہم سخی مراد کے ملاقاتیوں کے روپ میں جائیں تو ہمیں آسانی سے اندر تک رسائی مل جائے گی۔ اس کے آدمی کوئی مزاحمت نہیں کریں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" وہ سرہلاتے ہوئے بولا "وہ کسی بند کمرے میں پڑا ہوا ہوگا۔ اس کے آدمیوں کو اس سے رابطہ کرنے میں دیر لگے گی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھالیں۔"

"وہیں سے ہم اپنا کھیل شروع کردیں گے" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

بات طے ہوگئی۔ گاڑی میں خاموشی چھاگئی۔ میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگالی۔

پی آئی ڈی سی والے بالائے زمین ریلوے پل کو عبور کرنے کے بعد اول خان نے گاڑی داہنی طرف موڑلی۔ چند ثانیوں بعد ہم پُرسکون رہائشی علاقے کی کشادہ سڑکوں پر تھے۔

مطلوبہ مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے اول خان نے کار کی رفتار دھیمی کرلی۔ اس کی متجسسانہ نظریں سڑک کے ساتھ ہی گردوپیش کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ شاید اسے اپنے آدمیوں کی تلاش تھی۔

وہ مکان کے سامنے سے گزر کر کافی آگے تک نکلتا چلا گیا پھر اس نے گاڑی واپس گھمائی اور دوبارہ اسی طرف چل پڑا جدھر سے ہوکر وہاں تک آیا تھا۔

اس بار اول خان کے دو آدمیوں نے اپنی پوشیدہ کمین گاہوں سے نکل کر اسے غیر محسوس اشاروں میں تسلی بخش صورتِ حال کی خبردی۔ اول خان کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔ اس نے اپنی گاڑی موڑ کر مطلوبہ مکان کے پھاٹک کے سامنے روک دی اور ہارن بجایا۔

چند لمحوں بعد چوبی پھاٹک چرچراہٹ کی تیز آواز کے ساتھ قدرے کھلے اور ان کے درمیان سے ایک چست وتوانا نوجوان نکل کر الجھے الجھے انداز میں اول خان کی طرف بڑھا۔ میری عقابی نظریں اس کا گہرا جائزہ لے رہی تھیں۔ بظاہر اس کے جسم پر کوئی ہتھیار نہیں سجا ہوا تھا لیکن اس کی قمیص کی لٹکتی ہوئی داہنی جیب اعلان کررہی تھی کہ وہ نہتا نہیں تھا۔

وہ اپنی عمر اور وضع قطع سے چوکیدار نہیں لگ رہا تھا۔ میرا قیاس تھا کہ وہ سخی مراد کے محافظوں میں سے ایک تھا جو اپنے مالک کی عیش کوشی کے لمحات میں پھاٹک سے لگ کر اپنا فرض انجام دے رہا تھا۔

"پھاٹک کھولو۔ سخی مراد سے ملنا ہے" اس کے قریب آنے پر اول خان نے خشک اور کھردرے لہجے میں کہا۔

"صاب اِدر نہیں رہتا" اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ اول خان کے تحکمانہ لہجے سے مرعوب ہوچکا تھا۔

"مجھے معلوم ہے" اول خان نے بگڑ کر کہا "مگر اس نے خود مجھے یہاں بلایا ہے۔ جاکر اسے بتادو کہ رئیس غلام علی اس سے ملنے آیا ہے..... وہ مہمان کو بلاکر بے عزتی کرتا ہے تو میں چلا جاؤں گا۔"

"صاب مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس نے تم کو بلایا ہے" وہ کھگیاتے ہوئے بولا "تم گاڑی اندر لے کر چلو۔ میں اسے خبر کرتا ہوں..... ویسے سائیں، وہ اِدر کسی سے نہیں ملتا۔"

ہم میں سے کسی کو سخی مراد کے معمولات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہمارے لیے اتنا کافی تھا کہ اس نے فوراً ہی پھاٹک کھول دیا تھا۔ اول خان نے بے نیازی سے گاڑی یوں احاطے میں بڑھائی جیسے وہ خود اسی کا گھر ہو۔ میں نے دیکھا کہ بغلی پورچ کے سائے میں سخی مراد کی پجیرو موجود تھی۔

اس سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ کھلے ہوئے پھاٹک کے قریب ایک مسلح محافظ موجود تھا۔ ایک کلاشنکوف اس کے شانے سے لٹکی ہوئی تھی، دوسری اس کے ہاتھ میں تھی۔ شاید پھاٹک کھولنے والے نے باہر جانے سے پہلے اپنی کلاشنکوف بھی اسے تھمادی تھی۔

دوہرے ہتھیاروں والا ہماری گاڑی کے پیچھے پیچھے آیا۔ اس کے ساتھی نے بھی پھاٹک بند کرکے دوڑ لگائی تو میرا دل باغ باغ ہوگیا۔ ان دونوں کی آمد سے ظاہر ہورہا تھا کہ پھاٹک پر انٹرکام کی سہولت موجود نہیں تھی۔ وہ اندر جاکر ہی اپنے مالک کی مرضی معلوم کرسکتے تھے۔

"جلدی اترو" یہ کہہ کر میں کار سے نیچے آگیا۔ دونوں نے میری تقلید کی۔

دوہرے ہتھیار والے نے اپنے ساتھی کی کلاشنکوف اسے راستے ہی میں لوٹادی جو اس نے اپنے شانے سے لٹکالی۔ ان میں سے ایک ہمارے قریب ٹھہر گیا۔ دوسرا میرے قریب سے گزرا ہی تھا کہ میں نے اس کی کلاشنکوف کی نال پکڑ کر ایک تیز جھٹکے سے اسے اس کے بازو سے نکال لیا۔

میں نے وہ کارروائی بجلی کی سی سرعت سے کی تھی مگر دوسرے نے فوراً ہی اپنی رائفل کے دستے پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ اس سے آگے اسے کوئی مہلت نہیں مل سکی۔ اول خان حرکت میں آیا اور اس کا آہنی مکا اتنی طاقت سے اس کی کنپٹی پر پڑا کہ وہ تیورا کر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اول خان نے اس کی کلاشنکوف پر قبضہ کرلیا۔ لمحہ بھر بعد ہم چاروں اس طرح کھڑے ہوئے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"ذرا بھی آواز نکالی تو بدن چھلنی کردوں گا" میں نے اپنے شکار کے پیٹ میں اسی کی کلاشنکوف کی نال چبھاتے ہوئے کہا پھر سلطان شاہ کو ہدایت دی "اس کی قمیص کی داہنی جیب وزنی ہے۔ ذرا اسے بھی خالی کردو۔ اب یہی ہم کو سخی مراد تک لے جائے گا۔"

سلطان شاہ نے بڑھ کر اس کی جیب سے چھوٹے بور کا بھرا ہوا ریوالور نکال لیا۔ بالکل نہتا رہ جانے پر اس کا چہرہ خوف سے زرد پڑگیا اور وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"اندر چل کر ڈرائیور کو بلاؤ!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد آواز میں کہا "ہم کسی کو نہیں مارنا چاہتے..... ہمارا معاملہ تمہارے صاحب سے ہے۔ جو درمیان میں آئے گا' مارا جائے گا۔ مجبوری میں ہم لوگ خون خرابے سے بھی نہیں گھبراتے۔"

"وہ... وہ اندر سویا پڑا ہو گا" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"اندر اور کون ہے؟" میں نے اسے کلاشنکوف کی نال سے دھمکاتے ہوئے پوچھا۔

"بس' صاب اور اس کی عورت ہے" اس کی آنکھیں خوف سے پھیل چکی تھیں۔

وہ اطلاعات حوصلہ افزا تھیں۔ اگر وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا تو ہم معرکہ تقریباً سر کر چکے تھے۔

اس نے ہمارے لیے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا اور ہمیں کسی کے ہلکے خراٹوں کا شور سنائی دینے لگا۔ سخی مراد کا ڈرائیور کسی مردہ بیل کی طرح ایک سہ نشستی صوفے پر چت پڑا سو رہا تھا۔

"تم زیادہ ماہر ہو" میں نے اول خان سے کہا "اس کی نیند ذرا لمبی کر دو۔"

اول خان نے اس بار بھی اپنی پیشہ ورانہ مہارت کا ایسا بھرپور مظاہرہ کیا کہ اس کا مکا لگنے کے بعد سوئے ہوئے ڈرائیور کے تھلتھلے بدن نے ایک تیز جھرجھری لی اور پہلے سے زیادہ پُرسکون ہو گیا۔

"اب ہمیں تمہارے صاحب سے ملاقات کرنی ہے' ہمیں اس کے پاس لے چلو!"

"تت..... تم کون لوگ ہو؟" وہ گویا عالمِ سکرات سے ہوش میں آتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں بولا "تم صاب کے دوست نہیں ہو۔ وہ میرا چمڑا اُتروا دے گا' میرے اوپر رحم کرو۔"

"ہم تمہارے صاحب کو ایسی جگہ لے جا رہے ہیں جہاں اسے اس کی پسند کی ہر چیز ملے گی۔ ہمیں دو کروڑ روپے کی ضرورت ہے' وہ ملیں گے تو تمہیں تمہارا صاحب واپس مل جائے گا... شاباش' اب جلدی سے چل پڑو۔ دیر مت کرو..... ہمارا وقت برباد کرو گے تو تمہارا حشر بھی اپنے ساتھیوں جیسا ہو گا۔ تمہارے صاحب کو ہم خود ڈھونڈ لیں گے۔ ہمارے علم میں ہے کہ وہ شراب پی کر عورت کے کمرے میں پڑا ہوا ہو گا۔"

وہ اپنے ظاہری جثے اور ٹھسے کے باوجود بہت بودا اور بے ہمت ثابت ہوا۔ اس نے روتے اور گڑگڑاتے ہوئے' اول خان کے پیروں میں گرنے کی کوشش کی مگر اول خان نے اسے بالوں سے گھسیٹ کر قدموں پر کھڑا کر دیا۔ اس دوران میں سلطان شاہ ایک طرف رکھے ہوئے فون کا جائزہ لے کر مطمئن ہو چکا تھا کہ اول خان کے ایڈوانس دستے نے ہمارے پہنچنے سے پہلے تار کاٹ کر اسے ناکارہ کر دیا تھا۔

اسے آواز اونچی نہ کرنے کا حکم پہلے ہی دیا جا چکا تھا۔ اس کی پسلیوں میں دو ٹھُکے لگے تو وہ بس تلملا کر رہ گیا اور پھر کسی حاملہ عورت کی طرح دھیرے دھیرے مکان کے اندرونی حصے کی طرف چل دیا۔

ایک بند دروازے کے سامنے رک کر اس نے رحم طلب نظروں سے ہماری طرف دیکھا۔ تین سفاک چہرے' دو کلاشنکوفیں اور ایک مہیب بے آواز ریوالور اس کی طرف نگراں تھے۔

اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے بند دروازے کے چوبی پٹ پر ہلکی سی دستک دی۔

"کون ہے؟" اندر سے ایک برہم اور مترنم نسوانی آواز سنائی دی۔

"صاب کو بھیجو..... اس کا ملاقات آیا ہے" محافظ کی آواز سے یتیمی برس رہی تھی۔

"دفع ہو جاؤ۔ صاب سو رہا ہے۔ وہ یہاں کسی سے نہیں ملے گا" اندر والی لڑکی یا عورت غصے میں آپے سے باہر ہو کر چیخنے لگی۔

سلطان شاہ کے تیور بگڑ گئے۔ اس نے پوری قوت سے دروازے پر لات رسید کی۔ دروازہ اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ وہ اتنی تیزی سے اور اتنی دور تک اندر گیا کہ چوکھٹ میں لگے ہوئے آہنی قبضوں کی کیلیں تک چرچرا کر قدرے باہر نکل آئیں۔

وہ بہت خوش شکل اور سبک اندام لڑکی تھی۔ غصے کی سرخی سے خوف کی زردی میں ڈھلتے ہوئے رنگوں نے اس کے چہرے کا فسوں کچھ اور ہی بڑھا دیا تھا۔ اس کے بدن پر ناکافی لباس تھا۔ اس نے بے ساختہ ایک چادر اپنے بدن پر کھینچ لی اور مسہری کے سرہانے پرسمٹ گئی۔

ہتھیار بدست اجنبی چہروں کو اپنے خلوت کدے میں درانہ وار داخل ہوتے دیکھ کر وہ بری طرح دہشت زدہ ہو گئی تھی اور اس کا بدن کانپنے لگا تھا۔ دروازہ کھلنے کا تیز دھماکا سن کر مسہری پر موجود مرد بھی اٹھ گیا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر کا خوب رو شخص تھا۔ شراب کے خمار میں ڈوبی ہوئی بڑی بڑی آنکھوں کی سرخی نے اس کی مردانہ وجاہت میں کوئی قابلِ قدر اضافہ نہیں کیا تھا۔ اس کے بغیر بھی وہ خاصا وجیہہ ہوتا۔

"کیا ہے؟" وہ مسہری پر بیٹھے بیٹھے' کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں دہاڑا "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"ناٹک..... ناٹک ہو رہا ہے" سلطان شاہ نے اس کی کنپٹی پر ریوالور کی نال رکھ کر کہا۔

سرد لوہے کے لمس کو اس نے مدہوشی کے عالم میں بھی پہچان لیا تھا اور کسی کے کچھ کہنے سننے سے پہلے بیٹھے ہی بیٹھے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

لڑکی نے وہ منظر دیکھا اور شاید سخی مراد کی کنپٹی سے بہتے ہوئے گرم گرم اور زندہ لہو کا تصور کر کے ایک گھٹی گھٹی چیخ ماری اور بے

ہوش ہو گئی۔
"تو م.... جو چاہتے ہو وہ لے جاؤ لیکن لڑکی کو ہاتھ نہ لگانا" سخی مراد نے بہکی بہکی ہکو نجیلی آواز میں کہا "میں وعدہ کرتا ہوں کہ پولیس کو خبر نہیں کروں گا۔"
میں نے سر کی جنبش سے اشارہ دیا۔ سلطان شاہ نے پھرتی سے ریوالور فضا میں اچھال کر اس کی پھولی ہوئی بے آواز نال اپنی گرفت میں لی اور ریوالور کا بھاری دستہ سخی مراد کی کنپٹی پر رسید کردیا۔ اس گراں ڈیل عفریت نے اندھوں کی طرح فضا میں ہاتھ لہرائے اور پھر بستر پر ہی لڑھک گیا۔
ٹھیک اسی لمحے اوّل خان نے اپنے قریب کھڑے ہوئے محافظ کو گہری بے ہوشی کی سنسناتی ہوئی دلدلوں میں غرق کردیا تھا۔ چادر میں لپٹی ہوئی لڑکی پہلے ہی بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو چکی تھی۔ وہ ایک عجیب و غریب تجربہ تھا۔ ہم کل تین نفوس تھے مگر ہم نے کوئی گولی چلائے بغیر' اپنی مرضی کے عین مطابق بے ہوش کردیا تھا۔
میں سخی مراد کو باہر لے جانے میں سلطان شاہ کی مدد کرنی چاہتا تھا لیکن اس وزنی جسم کو ہاتھ پیروں سے لٹکا کر دور تک لے جانا بہت دشوار تھا۔ سلطان شاہ نے ہم دونوں کی مدد سے اسے اپنے شانے پر لادا اور توازن درست کرنے کے بعد آہستہ آہستہ باہر چل دیا۔
اوّل خان مال غنیمت میں ہاتھ آئے ہوئے ہتھیاروں سے کبھی دست بردار نہیں ہوتا تھا۔ اس نے دونوں کلاشنکوفیں اور چھوٹے بور کا ریوالور گاڑی کی ڈکی میں ڈال دیا۔ سلطان شاہ ہمارے بعد باہر آیا تو سخی مراد کے بے ہوش وجود کو پچھلی نشست اور پائیدان پر ڈال دیا گیا۔
"بہت بھاری اور لمبا چوڑا ہے" سلطان شاہ تقریباً ہانپتے ہوئے بولا۔
"گناہوں کا بوجھ زیادہ ہے" اوّل خان نے کہا "ایک دو روز میں ہلکا ہو جائے گا۔"
پھاٹک کھول کر گاڑی باہر نکالی گئی۔ سلطان شاہ نے پھاٹک کے پٹ ملائے اور پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اول خان نے اپنا ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر فضا میں بلند کیا تو میں نے سمجھ لیا کہ وہ اپنے آدمیوں کو کسی قسم کا اشارہ کررہا تھا۔
ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ سخی مراد کے اغوا کی خبر پورے شہر تو کیا ملک بھر میں ہلچل مچادے گی۔
"یہ بہت زیادہ نشے میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ آج یہ سیدھی بات نہیں کرے گا" اول خان نے رائے ظاہر کی "یہ کام کل کے لیے ملتوی کردیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔"
"ہوش میں آنے تک اس کا سارا نشہ ہرن ہو چکا ہوگا۔ اسے اپنے حفاظتی نظام اور شاید ساکھ پر اتنا گھمنڈ تھا کہ اس نے اپنے کمرے کا دروازہ بولٹ کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔"
"یہ تمہاری تجویز کا کمال تھا" اوّل خان نے کہا "ہم زبردستی کے مہمان بن کر نہ جاتے تو ہمیں اتنی خاموشی سے اس کے سر پر پہنچنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ اس کے محافظ پھاٹک پر ہی مزاحمت شروع کردیتے۔ ایک آدھ گولی چلتی اور سخی مراد بھڑک جاتا.... گولی کی آواز تو ایسی بھیانک ہوتی ہے کہ اس سے شرابی آدمی کیا' وحشی حیوان تک دہشت زدہ ہو کر میلوں دور تک بھاگتے چلے جاتے ہیں۔"
"وقت اور موقع میسّر ہو تو میں سوچے سمجھے بغیر قدم اٹھانے سے گریز کرتا ہوں اسی لیے تم سے تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کرلی تھی ورنہ وہی کیا جاتا جو تم نے سوچا ہوا تھا۔"
"میں تمہیں یہی تو بتا رہا ہوں کہ میں نے کچھ بھی نہیں سوچا تھا" اس نے زور دے کر کہا "میرے لاشعور میں یہ بات جم گئی تھی کہ سخی مراد میرے ہاتھ نہیں آسکے گا۔ ہنگامہ ہوگا تو وہ بدنامی سے بچنے کے لیے وہاں سے کسی نہ کسی طرح نکل بھاگے گا اور میرے آدمی کہیں نہ کہیں اسے گھیر کر پکڑلیں گے۔"
"اوہ!" میں ہنس پڑا "اسی لیے تم نے اندر کے بجائے باہر کے انتظامات پر بہت زیادہ زور دیا ہوا تھا۔ اسے خوف زدہ کرکے باہر نکالنے اور پھر گھیرنے میں بات پورے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی۔ اب اس کا محافظ ہوش میں آکر دو کروڑ روپے تاوان کی کہانی سنائے گا تو اس کے خیر خواہ اس خبر کو پوری طرح دبانے کی کوشش کریں گے۔ سب جانتے ہیں کہ تاوان کے لیے اغوا کرنے والے پیغامات اور خبروں کی رازداری کے سلسلے میں بہت حسّاس ہوتے ہیں۔ رازداری برقرار نہ رکھی جائے تو وہ مغوی کو مار بھی دیتے ہیں۔"
"تم چاہو تو میں تمہیں گھر پر اتار دوں۔ تم کل میرے پاس آسکتے ہو؟"
"نہیں۔ شکار ہاتھ آجانے کے بعد اب میں اس کھیل کا انجام بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔"
"تمہاری مرضی!" اوّل خان نے یہ کہہ کر گاڑی کی رفتار تیز کردی۔
"پتا نہیں جہانگیر والے قصّے کا کیا بنا ہوگا؟" اچانک سلطان شاہ اونچی آواز میں بڑبڑایا۔
"فکر نہ کرو۔ میرے آدمیوں نے اس قیدی کو بھی اسٹیشن فور پہنچادیا ہوگا" اول خان نے پورے اطمینان سے کہا۔ "سخی مراد ہوش میں آئے یا نہ آئے' اس سے پوچھ گچھ ہو جائے گی۔"
"سہراب گوٹھ سے آگے چلے جانے کے بعد بھی تمہارا دفتر سٹیشن فور ہی کہلاتا ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔
"یہ جگہ کی نہیں' ہمارے یونٹ کی شناخت ہے" اوّل خان نے وضاحت کی "ہم لوگ جہاں بھی پڑاؤ ڈال دیں' وہی جگہ

اسٹیشن فور کہلانے لگے گی۔"
اوّل خان نے اسٹیشن فور پہنچنے کے لیے شہر کے پُرہجوم راستوں کے بجائے متبادل راہ اختیار کی تھی تاکہ سخی مراد کے قصّے کی تشہیر نہ ہو۔ ایس ٹی ایف میں مکمل بحالی کے بعد اس کے کاغذات مکمل تھے اور وہ راستے کی کسی بھی رکاوٹ سے بہ آسانی گزر سکتا تھا لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ بات غیر متعلقہ لوگوں کے علم میں بھی آجائے کہ سخی مراد کو بے ہوشی کی حالت میں ایس ٹی ایف کے ایک اہل کار کی تحویل میں دیکھا گیا تھا۔
اوّل خان نے جم کلارک وغیرہ سے تصادم کے دنوں میں مجھے اسٹیشن فور کے محل وقوع کے بارے میں بتایا تھا لیکن پھر حالات ایسی قلابازیاں کھاتے رہے کہ مجھے ادھر کا رخ کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ اس اعتبار سے وہ اس سمت میں میرا پہلا سفر تھا۔
اوّل خان نے سراب گوٹھ اور اس کے مضافات میں خود رو درختوں کی طرح تیزی سے ابھرتی ہوئی عمارتوں کو بہت پیچھے چھوڑ کر ٹول پلازا سے کافی پہلے گاڑی بائیں طرف اتاری تو میرے سامنے چٹیل میدان یا ٹیلے ہی ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔ حدِ نظر تک کسی عمارت یا آبادی کا نام ونشان نہیں تھا۔
"میرا خیال تھا کہ اسٹیشن فور سپرہائی وے سے ہزار پانچ سو گز دور ہوگا مگر یہاں تو ہر طرف اجاڑ ویرانہ پھیلا ہوا ہے اور ہر طرف دھول اُڑ رہی ہے۔ ہم کدھر جارہے ہیں۔"
"یہ پورا راستہ کچا اور ناہموار ہے۔ نئے آدمی کے لیے تھوڑی دیر میں ہر سمت یکساں رہ جائے گی کیونکہ سپرہائی وے ٹیلوں کی اوٹ میں نظروں سے اوجھل ہوجائے گی۔ جب تک سڑک نظر آتی رہے، آدمی کو اندازہ رہتا ہے کہ وہ کدھر جارہا ہے لیکن ٹیلے حائل ہونے کے بعد سارے اندازے دھرے رہ جاتے ہیں۔"
پرانی گاڑی ہلکی رفتار سے تیز جھٹکے اور ہچکولے کھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی مگر اوّل خان ان صعوبتوں سے بے پروا بہت خوش نظر آرہا تھا۔
"حیرت ہے کہ کراچی کے مضافات میں ایسے ویرانے بھی موجود ہیں" میں نے کہا۔
"چند برسوں کی بات ہے پھر یہاں بھی عمارتیں اُگنے لگیں گی" اس نے جواب دیا "ہوسکتا ہے کہ شہر کے پیشہ ور دھوکے بازوں نے ابھی سے ان زمینوں کا لین دین شروع کیا ہوا ہو۔"
"تم نے یہ ابھی تک نہیں بتایا کہ اسٹیشن فور سپرہائی وے سے کتنی دور ہے؟"
"پانچ چھ کلومیٹر سمجھ لو۔ بس وہ اپنے وجود میں ایک الگ تھلگ دنیا ہے۔"
"چھ کلومیٹر کے سفر میں اس پرانی کار کے آدھے پرزے تو شاید راستے ہی میں گرجائیں گے" سلطان شاہ کے دہانے سے پُرتشویش آواز برآمد ہوئی۔
اوّل خان نے ایک جان دار قہقہہ لگایا اور کہا "اس گاڑی کی ظاہری حالت پر نہ جاؤ۔ یہ اتنی پرانی نہیں ہے جتنی نظر آرہی ہے۔ یہ اسی راستے پر مہینوں چل سکتی ہے۔"
"ظاہر ہے کہ مہینوں سے چل ہی رہی ہوگی" وہ بولا "لیکن اب اس کا شہر میں دیکھا جانا خطرناک ہوگا۔ سخی مراد کے محافظوں نے نمبر کے ساتھ اس کا ماڈل وغیرہ بھی ذہن نشین کرلیا ہوگا۔"
"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ اس راستے پر اس گاڑی کا پہلا سفر ہے اور واپسی میں آخری سفر ہوگا۔ یہ چوری کی گاڑی ہے اور اس وقت جعلی نمبر پلیٹ پر چل رہی ہے۔ ہمارے اسٹیشن فور پہنچنے کے بعد میرا کوئی آدمی اس گاڑی کو اصلی نمبر پلیٹ کے ساتھ شہر میں لاوارث چھوڑ دے گا اور یہ جلد ہی اپنے اصل مالک تک پہنچ جائے گی۔ گھپلے کے کاموں میں مَیں بہت محتاط رہتا ہوں۔"
وقت کے اعتبار سے وہ سفر چند منٹ سے زیادہ طویل نہیں تھا لیکن کچے اور ناہموار راستے کی وجہ سے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے ہم گھنٹوں سے اسی حالت میں سفر کررہے ہوں۔
خدا خدا کرکے مغرب میں ڈوبتے ہوئے سورج کی کمزور نارنجی شعاعوں میں ان بیرکوں کے ہیولے نظر آنے لگے جنہیں اسپیشل ٹاسک فورس والوں نے آباد کیا تھا۔ شہر، شہری سہولتوں اور آبادی سے دور اس ویرانے میں وہ لوگ خاموشی اور استقامت سے ملک و قوم کی بے مثال خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ لطف کی بات یہ تھی وہ جو کارنامے انجام دیتے تھے ان کا چرچا نہیں ہوتا تھا اور اگر کبھی کسی مجبوری کی وجہ سے کوئی خبر باہر نکل بھی جاتی تھی تو ایس ٹی ایف کے وجود کی رازداری برقرار رکھنے کے لیے اس کارنامے کا سہرا فوراً کسی اور کے سر منڈھ دیا جاتا تھا۔
بیرک نظر آتے ہی مجھے اپنے بے آرامی کے احساس پر ندامت ہونے لگی۔ وہ لوگ شب و روز اسی مشقت سے دوچار تھے اور میں چند منٹ کے ایک ہی سفر میں بے زار ہوگیا تھا۔
قریب پہنچ کر میری ساری کوفت اور کلفت ایک بے نام سی خوشی میں ڈھل گئی۔
ان بیرکوں کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ چند مہینے پہلے وہ ویران اور غیر آباد رہے ہوں گے۔ ان پر تازہ چونے کی چمک اس وقت بھی برقرار تھی۔ سادہ کپڑوں اور سفید بنیانوں کے ساتھ خاکی پتلونوں میں ملبوس چاق و چوبند لوگوں کی چہل پہل وہاں جنگل میں منگل کا سماں باندھ رہی تھی۔ زمین پر چونے اور پتھروں کی مدد سے راستے اور حصے بنائے ہوئے تھے۔ ایسے ہی ایک بڑے مستطیل میں یونٹ فور کی گاڑیاں ترتیب کے ساتھ قطار میں کھڑی ہوئی تھیں۔
اوّل خان راستے میں اشاروں سے اپنے آدمیوں کے سلام قبول کرتا ہوا درمیانی بیرک تک پہنچا اور وہاں گاڑی روک کر نیچے اتر آیا۔ اس کے ذاتی عملے کے تین افراد فوراً اس کے پاس آپہنچے۔

اوّل خان انہیں سخی مراد کے بارے میں ہدایات دے کر برآمدے سے گزر کر اپنے دفتر میں چلا گیا۔ ہم دونوں اس کے پیچھے تھے۔ اول خان کے دفتر میں فون اور برقی آلات کے ساتھ بلب وغیرہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا اور اس بارے میں سوال کرنے سے باز نہ رہ سکا۔

"ہنگامی ضرورتوں کے لیے ہمارے پاس موبائل جنریٹر بھی ہے لیکن یہاں سے گزرنے والی ہائی ٹینشن لائنوں سے چھوٹے مگر طاقت ور ٹرانسفارمر کے ذریعے ہماری ضروریات پوری کی جا رہی ہیں۔ یہ کام مہنگا اور خطرناک ہے مگر ناگزیر بھی ہے۔ فون کے لئے ہمیں وائرلیس سسٹم کے ذریعے دو لائنیں مل گئی ہیں جو کام چلانے کے لیے کافی ہیں۔ کھمبوں اور تاروں کا جال نہ ہونے کی وجہ سے یہ سہولتیں کسی کو بھی الجھن میں ڈالنے کے لیے کافی ہیں" اوّل خان نے اپنی کرسی سنبھال کر بتایا۔

"تمہارے لیے شہر کے مقابلے میں یہ جگہ ہر طرح بہتر اور محفوظ ہے" سلطان شاہ نے بزرگانہ سنجیدگی سے کہا "شہر والی عمارت پر تو آئے دن حملے ہوتے رہتے تھے۔ یہاں کوئی نہیں پھٹک سکتا۔"

"یہاں سے سپر ہائی وے تک ہمارے تین آدمی ہر وقت نگرانی پر رہتے ہیں لیکن آج کل جیسے دشمنوں سے پالا پڑا ہوا ہے' وہ گن شپ ہیلی کاپٹروں کے مختصر سے حملے سے سب کچھ فنا کر سکتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ کے نائین جیسا مشن ادھر کا رخ بھی کر سکتا ہے" میں نے کہا۔

اوّل خان مسکرا کر رہ گیا اور اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آہستہ آہستہ جھولنے لگا۔

"اپنی زوجہ کو فون کر کے کامیابی کی اطلاع دے دو۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا "سخی مراد کے نام کی اتنی دھوم ہے کہ وہ بے چاری پریشان ہو رہی ہوگی۔"

"اپنی بہن کے لیے تمہاری پریشانی قابلِ فہم ہے" میرے جواب نے اسے نادم سا کر دیا۔

اوّل خان نے فون میری طرف سرکا دیا اور خود انٹر کام پر کسی سے بات کرنے لگا۔

"تم کہاں پہنچے ہوئے ہو؟" ویرا نے فون پر میری آواز پہچانتے ہی سوال داغ دیا۔ دوسری گھنٹی پر اسی نے فون اٹھایا تھا "حالات کس رخ پر جا رہے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہے۔ ہم جس مہمان کو لینے گئے تھے' اسے کسی دقّت کے بغیر اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ ہم اس وقت اول خان کے ساتھ اس کے دفتر میں بیٹھے چائے کے منتظر ہیں۔" میں نے کہا۔

"وہاں تمہیں چائے ہی مل سکتی ہے۔ یہاں ہوتے تو عیش کر سکتے تھے۔ میں نے ابھی شام کا پہلا گلاس تیار کیا ہے۔ تمہارے نام کا بھی ایک پی لوں گی" ویرا اس وقت خوشگوار موڈ میں معلوم ہوتی تھی۔

"غزالہ کو بلاؤ۔ میں اس سے بات کرنی چاہتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"حیرت کی بات ہے کہ تمہارے گھر پر نہ ہونے کے باوجود وہ غسل کر رہی ہے۔"

"ویرا!" میں نے غرّا کر کہا "بعض اوقات تم بے ہودگی پر مائل ہونے لگتی ہو۔"

"اگر تم غسل کو بے ہودگی سمجھتے ہو تو میں ابھی غزالہ کو باہر بلائے لیتی ہوں۔"

"اردو کے دس پانچ محاورے سیکھ کر تم ہر ایک سے الجھنے لگی ہو۔"

"میری اطالوی اردو سے کہیں زیادہ کمزور ہے لیکن تمہیں معلوم ہے کہ ظفر کے روپ میں مَیں نے ہی البرٹو دیلیسا کی موجودگی دریافت کی تھی ورنہ وہ آج بھی اول خان کی جگہ براجمان ہوتا۔"

"غزالہ کو بتا دینا کہ ہماری واپسی میں دیر بھی ہو سکتی ہے" میں نے بات مختصر کرنی چاہی مگر ویرا نے فوراً ہی جہانگیر کا ذکر چھیڑ دیا۔

وہ کہہ رہی تھی "تمہارے جانے کے بعد اس کے تین فون آ چکے ہیں۔ اس کے قیدی کو فورس والے لے گئے تھے۔ اس نے انہیں اپنے فلیٹ کا ایک کمرا دے دیا ہے۔ فی الحال وہاں ایک ہی رہ رہا ہے۔ دوسرا قیدی کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہاں پہنچے گا۔ وہ تم سے بات کرنے کے لیے مرا جا رہا ہے۔ ہو سکے تو اسے فون کر لینا۔"

"اس کا قیدی بھی یہیں آنے والا ہے یا آ چکا ہے۔ اسے بھی دیکھ لوں گا۔"

"وہ آ چکا ہے!" اوّل خان نے میری بات سن کر لقمہ دیا۔ وہ انٹر کام پر گفتگو سے فارغ ہو چکا تھا۔

"اول خان کہہ رہا ہے کہ وہ آ چکا ہے" ویرا نے میری تصحیح ضروری سمجھی۔

"اس کا جواب میں نے بھی ابھی سنا ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میری نگاہ میں جہانگیر کا قیدی بہت اہم ہے۔ پہلے اسی کی جھاڑ پونچھ کر ڈالو۔ اگر وہ راس المیڈا کا آدمی نکلا تو سمجھ لو کہ ہمارے ارد گرد کوئی بہت بھیانک مصیبت منڈلا رہی ہے۔ وہ اکیلا جہانگیر کے گھر سے واقف نہیں رہا ہوگا۔ اس کے ساتھیوں کو بھی اس کا علم ہوگا۔"

وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔ میں نے اس پہلو پر سرے سے غور ہی نہیں کیا تھا۔ اس کی واپسی نہ ہونے پر اس کے مشتعل ساتھی جہانگیر کے گھر پر دوسرا دھاوا بول سکتے تھے۔ ایسے کسی نئے وار کو سہارنا جہانگیر کے بس سے باہر ہوتا۔ میں نے سوچا کہ اس نے

ایس ٹی ایف والوں کو اپنے فلیٹ میں جگہ دے کر اچھا ہی کیا تھا۔

"یہ سب پہلو میری نظروں میں ہیں" میں نے اس کی دور اندیشی کی تعریف کرنے کے بجائے خشک لہجے میں کہا "جہانگیر کے ساتھ ہمیں بھی خطرات لاحق ہوسکتے ہیں۔ اگر یہ راس المیڈا کا چکر ہے تو وہ آدمی میرا سراغ حاصل کرنے کے لیے جہانگیر کے گھر میں گھسا ہوگا۔ تم اتنی نہ پی لینا کہ رات گئے کوئی ہنگامہ ہو تو بے خبر سوتی رہو۔"

"فکر نہ کرو۔ تمہاری غیر موجودگی میں میں خود کو غزالہ کا سرپرست تصور کرتی ہوں۔"

"کوئی اہم بات ہو تو ہمیں فون کرلینا۔ میں جہانگیر سے بات کرلوں گا۔"

میں فون بند کرکے میز کی طرف متوجہ ہوا تو ہم تینوں کے لئے چائے آچکی تھی۔ اس کے ساتھ ایک پلیٹ میں بھاپ اڑاتے ہوئے گرم گرم سموسے بھی رکھے ہوئے تھے۔

"ہم تو خالی ہاتھ آئے تھے پھر اس ویرانے میں اتنے تازہ سموسے کہاں سے آگئے؟"

میرے ہر ایسے سوال پر اول خان کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی تھی جیسے وہ میری حیرت کو اپنی انتظامی صلاحیتوں کی تعریف تصور کرتا ہو۔ اس نے کہا "یونٹ کا اپنا فیلڈ میس ہے جہاں شہر سے لائے جانے والے گیس سلنڈر چولھوں کو روشن رکھتے ہیں۔ ایسے کڑے اور صبر آزما ماحول میں جوانوں کو اچھا کھانا بھی نہ ملے تو وہ زندگی سے بے زار ہونے لگتے ہیں۔ آخر کو انسان دو وقت کی روٹی کے لیے ہی سارے پاپڑ بیلتا ہے۔"

"دو وقت کی روٹی!" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "سخی مراد سے پوچھنا پڑے گا کہ اس کے گھر کون سے فاقے ہو رہے تھے جو اسے راس المیڈا کے لیے کام کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اول خان صاحب! تم قناعت پسند اور سیدھے سادے آدمی ہو اس لیے دو وقت کی روٹی، تن کے تین کپڑوں، سر پر سائے اور دو گز زمین کی بات کرتے ہو۔ یہ دنیا تمہاری نہیں، ان لوگوں کی ہے جنہیں اپنی دولت گننے کی فرصت ہے، نہ آسائشیں شمار کرنے کی مہلت مگر وہ پھر بھی اور دولت بٹورنے کی ہوس میں مبتلا رہتے ہیں۔"

"سخی مراد خاصا سخت جان ہے۔" اس نے ایک اداس سی مفاہمانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اس کے ہوش میں آنے کے آثار نمودار ہو چلے ہیں۔ چائے پی کر دونوں قیدیوں کا جائزہ لیا جائے گا۔"

"جہانگیر کے گھر پر پکڑے جانے والے قیدی کا کیا حال ہے؟" میں نے چائے کا گھونٹ لے کر پوچھا۔

"فی الحال اس پر فرسٹ ڈگری چل رہی ہے لیکن عام مار پیٹ سے وہ زبان نہیں کھولے گا۔ پہلے اس نے کہا، وہ ایک پولیس مقابلے سے فرار ہو کر پناہ لینے کے لیے اس بلڈنگ میں گھسا تھا لیکن وہ پولیس مقابلے کے بارے میں کوئی مربوط کہانی نہیں سنا سکا۔ دو دانت جھڑنے کے بعد اس نے بیان بدل دیا کہ وہ ڈکیتی کے ارادے سے جہانگیر کے گھر میں آیا تھا لیکن وہ ابھی تک یہ نہیں بتا سکا ہے کہ اسے جہانگیر کا نام کیسے معلوم ہوا۔ ڈاکو مال دیکھ کر گھروں میں گھستے ہیں، انہیں مالک مکان کے نام سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔"

"دلچسپ کیس ہے" میں نے کہا "میرا خیال ہے کہ ان دونوں کو یکجا کرلو۔ ذرا میں بھی ان پر ہلکی پھلکی ورزش کرلوں گا۔ ہاتھ پیر کھل جائیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ دونوں ایک دوسرے کی حالت سے سراسیمہ ہوں گے۔ ایسے مجرموں کی قوتِ ارادی کو ایک بار توڑ دیا جائے تو وہ سحرزدہ معمول کی طرح سب کچھ اگلتے چلے جاتے ہیں۔"

"حنیف طر کے ساتھ بالکل یہی ہوا تھا" سلطان شاہ بول پڑا۔ "وہ ایک خوں خوار درندے کی طرح مزاحمت پر تلا ہوا تھا لیکن بیم گن سے پنڈلی الگ ہوتے ہی اس کی ساری دلیری جھاگ کی طرح بیٹھ گئی اور ہم لوگوں کو کامیابی کا ایک نیا راستہ ملتا چلا گیا۔"

مجرموں سے بازپرس ہم تینوں کا محبوب مشغلہ تھا۔ یہ اور بات تھی کہ حالات کے تحت ہمیں اپنا یہ شوق پورا کرنے کے بہت کم مواقع ملتے تھے۔ ہمارے سامنے آنے والے بیشتر مجرم ایسے متند ہوتے تھے کہ ان کے کچھ کہے بغیر ان کے سیاہ کارنامے ہمارے سامنے ہوتے تھے اور انہیں مارنا واجب ہو جاتا تھا۔ چائے کا دور ختم ہونے تک ہم اسی موضوع میں الجھے رہے۔ اول خان اپنے تجربات کا نچوڑ سناتا رہا۔ جواب آں غزل کے طور پر سلطان شاہ نے ایسے ایسے بھولے بسرے حوالے دیے کہ میں اس کی یادداشت پر حیران رہ گیا۔

چائے ختم کرکے ہم تینوں دفتر سے نکلے اور کمرے کی طرف چل دیے جہاں سخی مراد کو رکھا گیا تھا۔ راستے میں اول خان نے ایک آدمی کو ہدایت کی کہ سات نمبر والے قیدی کو بھی دو نمبر میں پہنچا دیا جائے۔

ہم کمرے میں داخل ہوئے تو سخی مراد دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے فرش پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ کمرے میں ایک مسلح شخص کے ساتھ دوسرا تنومند نوجوان بھی موجود تھا۔ وہ دونوں سخی مراد کو کینہ توز نظروں سے گھور رہے تھے۔ آگے بڑھنے پر مجھے فرش پر وہ خون نظر آیا جو سخی مراد کے دہانے کے نیچے جمع تھا۔

وہ کھیل شروع ہو جانے کی ایک واضح نشانی تھی۔ سخی مراد کو نہ صرف ہوش آچکا تھا بلکہ وہ تشدد کی اذیت کو محسوس کرنے کے قابل بھی ہو چکا تھا۔ اس نے ہمارے قدموں کی چاپ سن کر بھی سر نہیں اٹھایا بلکہ اسی حالت میں بیٹھا خون فرش پر تھوکتا رہا۔

"سخی مراد!" اول خان نے ڈپٹ کر اسے مخاطب کیا "سیدھے کھڑے ہو جاؤ!"

اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس نے سر اٹھائے بغیر بھاری آواز میں کہا "تم لوگوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ ابھی شاید تم کو میری طاقت اور حیثیت کا اندازہ نہیں ہے......"

"ہوش میں رہ کر بات کرو۔" سلطان شاہ اس کی بات کاٹ کر کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا "اس وقت تم اپنی مرضی کے مالک نہیں، ہمارے قیدی ہو۔ تمہیں ہمارے سوالات کے جواب دینے ہوں گے ورنہ ہم تمہارے بدن کا ایک ایک ریشہ ادھیڑ ڈالیں گے۔"

"نہیں...... نہیں!" اس نے سختی سے کہا "جب تک مجھے یہ نہیں بتایا جائے گا کہ تم لوگ کون ہو، میں تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گا۔ سخی مراد مر جائے گا لیکن جھکے گا نہیں۔"

اسی وقت بیرونی راہداری میں ہلچل سی پیدا ہوئی۔ متعدد قدموں کی دھمک سنائی دی پھر دو آدمی ایک لہولہان شخص کو دھکیلتے ہوئے اسی کمرے میں لے آئے۔ مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ سلمٰی کے بیلن کا شکار ہونے والا قیدی تھا۔

جوں ہی وہ قریب آیا، اول خان نے اس کے زخمی چہرے پر اتنی زور کا تھپڑ رسید کیا کہ وہ کمرا تڑاخ کی آواز سے گونج اٹھا اور وہ شخص لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم دور جا گرا۔

اول خان اسے سنبھلنے کی مہلت دیے بغیر اس کے سر پر جا پہنچا اور پھر اس کی پسلیوں میں اتنی زور سے ٹھوکر ماری کہ وہ تڑپتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی پسلیاں دبائی ہوئی تھیں۔

"مم...... میں جھوٹ نہیں بول رہا...... تم مجھ پر ظلم کر رہے ہو۔" وہ فرش پر لوٹتے اور کراہتے ہوئے رک رک کر بولا "میں نے تمہیں سچ بتا دیا ہے...... پتا نہیں، تم مجھ سے کیا سننا چاہ رہے ہو۔"

اس شخص کی آواز میں نہ جانے کیا جادو تھا، اس کے پہلے ہی فقرے پر سخی مراد نے بھڑک کر اپنا سر اٹھایا اور اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے اس کی آواز پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو اور پھر وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا اور کمرے میں موجود ہر شخص کو بھول کر صرف اسی قیدی کو گھورے جا رہا تھا جو اذیت سے فرش پر تڑپ رہا تھا۔

میرے لیے سخی مراد کا وہ ردِعمل حیران کن ہی نہیں، سنسنی خیز تھا۔ میری چھٹی حس جاگ اٹھی اور میں کسی بڑے اور انہونے انکشاف کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

"ولی داد! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" سخی مراد غصے میں یہ کہہ کر مٹھیاں بھینچ کر قیدی کی طرف لپکا مگر میں نے اس کی ٹانگوں کے درمیان پھرتی سے اڑنگا دیا اور وہ مغلظات بکتا ہوا، منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہو گیا مگر فرش پر ہتھیلیاں جما کر فوراً ہی اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

جس طرح ولی داد کی آواز نے سخی مراد پر طلسماتی اثر دکھایا تھا، اسی طرح سخی مراد کی آواز پر ولی داد تھوڑی دیر کے لیے اپنی تکلیف بھول گیا اور بجلی کی سی سرعت سے فرش سے اٹھتا چلا گیا۔

ان ڈرامائی تبدیلیوں پر ہر شخص ہکا بکا رہ گیا تھا کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دو الگ الگ قیدی کس طرح ایک دوسرے کے شناسا نکل آئے تھے مگر میرا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ میں نے سخی مراد کے ابتدائی ردِعمل سے ہی کسی بڑی تبدیلی کا اندازہ لگا لیا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں تھے بلکہ شاید ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ سخی مراد نے پہلے اس کی آواز پہچانی تو اسے حیرت ہوئی لیکن ولی داد نے ایس ٹی ایف والوں کو فریب دینے کے لیے اپنی سچ بیانی پر اصرار کیا تو سخی مراد کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ ولی داد کے اعتراف کے نتیجے میں اسے وہ برا وقت دیکھنا پڑا ہے اور اسی خیال نے اسے ولی داد کے خلاف مشتعل کر دیا۔ ان دونوں میں سخی مراد کو واضح طور پر دوسرے قیدی پر برتری حاصل تھی۔

شاید وہ ایک سیکنڈ کا کوئی حقیر سا حصہ تھا جس میں، میں نے اپنا وہ ذہنی تجزیہ مکمل کر لیا۔ اس وقت تک ولی داد مؤدبانہ انداز میں فرش پر گرے ہوئے سخی مراد کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"صاحب، قسم لے لو جو میں نے......" وہ دونوں ایک ہی کھیل کے کردار تھے۔ ولی داد کو معلوم تھا کہ سخی مراد اس پر کیوں برہم ہوا ہے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ اس کے ساتھ سخی مراد بھی ہم لوگوں کی قید میں آ چکا ہے۔ وہ اپنے بڑے کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنی چاہ رہا تھا۔

وہ ایک نازک اور فیصلہ کن موڑ تھا۔ سب حیرت اور دلچسپی سے دونوں قیدیوں کا وہ ڈرامائی تماشا دیکھ رہے تھے مگر میں نے ولی داد کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع نہیں دیا۔ میں نے فضا میں جست لگائی اور اسے اپنے ساتھ لیتا ہوا فرش پر جا گرا۔ اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

میں نے فوراً اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کے زخمی چہرے پر تابڑ توڑ مکّے برسانے شروع کر دیے تاکہ وہ بول سکے اور نہ کچھ دیر بولنے کے قابل رہے۔

مجھے مصروفِ عمل دیکھ کر دوسروں کو ہوش آیا۔ اول خان کے دو آدمیوں نے بڑھ کر ولی داد کو بے رحمی سے بے دست و پا کر دیا۔ اول خان نے مجھے اس کے سینے پر سے اتار لیا۔

"اسے...... اسے فوراً یہاں سے واپس لے جاؤ!" میں نے ہانپتے ہوئے ولی داد کے بارے میں کہا۔

اول خان کے دونوں آدمی اس کی چیخ پکار کی پروا کیے بغیر اسے فرش پر گھسیٹتے ہوئے دروازے کی طرف لے چلے۔ اس دوران میں سخی مراد اپنی پیشانی پر چوٹ کا ایک نیا نشان لے کر کھڑا

کا تھا اور بپھرے ہوئے لب و لہجے میں ولی داد کو گندی گندی
لغات بک رہا تھا۔

سلطان شاہ نے دو آدمیوں کی مدد سے سخی مراد کو بمشکل روکا
تھا ورنہ وہ اچھل اچھل کر ان کی گرفت سے نکل کر ولی داد پر
نے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کی غصے سے ابلتی ہوئی بڑی بڑی
تھیں اسی سمت میں جمی ہوئی تھیں، جدھر ولی داد کو لے جایا گیا

اول خان اور سلطان شاہ نے مشینی انداز میں ہاتھ پیر ہلانے
وع کردیے تھے لیکن ان دونوں کے لیے وہ تمام تبدیلیاں ناقابلِ
رہی تھیں۔ ان کے چہروں پر سوالیہ نشانات تھے اور نگاہیں
تفسرانہ انداز میں بار بار میری طرف اٹھ رہی تھیں لیکن میں سخی
د کے سامنے ایک لفظ بھی نہیں بول سکتا تھا۔

جب ایک طویل وقفہ گزرنے کے باوجود سخی مراد کا اشتعال کم
ں ہوا تو سلطان شاہ نے اس کی ٹھکائی شروع کردی "یہ تیرے
پ کی حویلی نہیں ہے جہاں تو یہ غصہ اور نخرا دکھا رہا ہے۔ زبان بند
ں کی تو مار مار کر ناک سے بھیجا باہر بہادوں گا۔"

دو آدمیوں نے سخی مراد کے بازو مضبوطی سے جکڑے ہوئے
ے اور سلطان شاہ کو مارنے کے لیے اپنی پسند کے نشانوں کے
خاب کی آزادی حاصل تھی۔ چند ہی ثانیوں میں سخی مراد کے کس
نکل گئے اور وہ کسی تھکے ہوئے سانڈ کی طرح گہرے گہرے
س لے کر ہانپنے لگا۔

میرے اشارے پر سلطان شاہ نے سعادت مندی کا مظاہرہ
تے ہوئے اپنے ہاتھ روک لیے۔

"مجھے چھوڑ دو!" سخی مراد دو افراد کی گرفت سے پھسل کر فرش
ھتا چلا گیا۔ وہ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔
ں ساری بات سمجھ گیا ہوں۔ مجھے تم لوگوں سے کوئی شکوہ نہیں
جس کی آستین میں سانپ پل رہے ہوں، اسے مارنے کے لیے
ر نہیں پلانا پڑتا...... مجھے نہیں معلوم تھا کہ ولی داد اتنا کمینہ اور
ے حرام بھی ہوسکتا ہے۔"

"وہ تمہارا ہی خون ہے!" میں نے ان دونوں کے ناموں کے
دی حصوں کی گہری مماثلت کی بنیاد پر اندھیرے میں ایک تیر
ا اور وہ نشانے پر جا لگا۔

"وہ میرا چچا زاد ہے...... پتا نہیں اس کی ماں نے ہمارے
ان میں کس کا گناہ پالا ہے...... وہ اپنی اصل سے ہوتا تو کبھی
ی خطا نہ کرتا کہ مارپیٹ سے اپنی جان بچانے کے لیے مجھے
ارتا۔"

بات بالکل کھل گئی۔ غیر ارادی طور پر اول خان کا دہانہ خفیف
کھل گیا۔

جو کچھ ہوا، وہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اگر اس
ت بھی بازپرس کے لیے ان دونوں کو یکجا نہ کیا جاتا تو کوئی بات
کھلنے کا امکان ہی نہیں تھا۔ واقعات کے رونما ہونے میں ہم میں سے کسی کی قابلیت یا منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ سب کچھ اتفاقات کے تحت ہوتا چلا گیا۔

ہاں، یہ ضرور تھا کہ میں نے بروقت ولی داد کی زبان بند کرکے سخی مراد کی غلط فہمیاں دور ہونے کا موقع نہیں آنے دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ سخی مراد نے مایوسی کی حالت میں خود بہ خود بولنا شروع کردیا تھا۔

"تم اپنے کانوں سے سن چکے ہو کہ اس نے بلا کم و کاست سب کچھ اگل دیا ہے۔" میں نے اس کی حوصلہ شکنی کرنے کا نفسیاتی سلسلہ جاری رکھا "اس نے بہت مار کھائی ہے، تب کہیں جا کر زبان کھولی ہے۔ اب ہم تمہاری کہانی سن کر دونوں کے بیانات کا موازنہ کرنا چاہتے ہیں ورنہ تم جانتے ہو کہ تمہارے ساتھ بھی یہی کچھ ہوسکتا ہے۔ ایک دو روز میں وہ وقت آجائے گا، جب تم بولنا چاہو گے مگر زبان تمہارا ساتھ نہیں دے گی۔"

لوہا گرم تھا، چوٹ بار آور ثابت ہوئی۔ وہ چند ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم میں فرش کو گھورتا رہا پھر بولا تو اس کی آواز میں تیزی باقی تھی، نہ پہلے جیسا طنطنہ۔ وہ کہہ رہا تھا "میری شرط اب بھی اپنی جگہ پر ہے۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ میں کن لوگوں کی قید میں ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ولی داد کی یہاں موجودگی سے مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم لوگوں میں ڈپٹی کون ہے؟"

اس کی پھیلی ہوئی وحشت زدہ نگاہیں ایک ایک چہرے کا طواف کرتی ہوئی میری طرف آئیں اور پھر وہیں مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

سخی مراد کو علم تھا کہ ولی داد میرا سراغ لگانے کے لیے جہانگیر کے گھر گیا تھا۔ وہ پکڑا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ولی داد کی مہم ناکام رہی تھی۔ اس ناکامی کے پردے میں اسے میری ذات نمایاں نظر آرہی تھی۔ میں جہانگیر کا جگری دوست تھا اور آڑے وقت میں اسے بے یارومددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

کمرے میں سنسنی آمیز سکوت طاری تھا۔ یک بہ یک ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے وہاں سب ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہوں۔ پہلے شناسا اجنبی بن رہے تھے، اب اجنبی شناسا نظر آنے لگے تھے!

میں نے اپنے سر کو اثبات میں خفیف سی جنبش دی اور سپاٹ لہجے میں کہا "تمہارے اندازے درست ہیں۔ میں ڈپٹی ہوں اور اس وقت تم دونوں میری قید ہو۔"

"پھر سب کو باہر بھیج دو۔ میں تم سے تنہائی میں بات کرنی چاہتا ہوں۔"

"میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔ جو کچھ کہنا ہے' سب کے سامنے کہو!"

"ناممکن!" اس نے اٹل لہجے میں کہا "تمہیں مجھ پر بھروسا کرنا چاہیے۔ تم نے مجھے احساس دلایا ہے کہ اب میرا کھیل ختم ہوچکا ہے۔ بساط الٹ چکی ہے اور تمہاری بازی جم گئی ہے۔ جسم میں تم سے برتر نہیں تو کم تر بھی نہیں ہو۔ جیتا ہوا بزدل ہارے ہوئے سورما کو بھی آسانی سے مارلیتا ہے۔ اس کے علاوہ میں نہتا ہوں' تم اپنی حفاظت کے لیے ہتھیار رکھ سکتے ہو۔ میں شرارت کروں تو مجھے گولی مار دینا۔"

وہ معقول اور گہری باتیں کررہا تھا۔ میں نے اول خان کے آدمی سے رائفل لے کر تحکمانہ لہجے میں کہا "تم سب باہر جاؤ مگر برآمدے میں رکے رہو گے اور میری اگلی ہدایات کا انتظار کرو گے۔"

میری ہدایت پر سخی مراد کی آنکھوں میں ایک بے نام سی چمک ابھر آئی۔

اول خان کے پیچھے سب لوگ سر جھکا کر کمرے سے باہر نکلتے چلے گئے۔

کچھ دیر تک ہم دونوں براہِ راست ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے رہے۔ اس نے پلکیں جھپکائیں' نہ میں نے اپنے پپوٹوں کو حرکت دی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی حیوانی کشش تھی جو آسانی سے کسی بھی کمزور شخص کو مسحور کرسکتی تھی۔

آخر اس کے زخمی ہونٹوں کے سرے قدرے پھیلے۔ شاید وہ مسکرایا تھا۔

"بہت سخت جان اور ضدی ہو۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی سرگوشیانہ آواز برآمد ہوئی "بولو! کیا چاہتے ہو؟ کروڑ؟ دو کروڑ؟ چار کروڑ؟ جو چاہو کہہ دو' میں منظور کرلوں گا۔"

وہ اپنی طرح مجھے بھی سیاست کے بازار کی کوئی مہنگی جنس سمجھ رہا تھا جو ہر خریدار کی بساط سے باہر ہوتی ہے لیکن جو اس کے صحیح دام لگادے' وہی اس کا آقا بن جاتا ہے۔

"مجھے اس کام کا پورا معاوضہ پیشگی مل چکا ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "زیادہ پیسے کی لالچ میں میں اپنے پہلے سودے سے منہ نہیں موڑوں گا۔ میرے لیے پیسے کی کوئی وقعت نہیں' ساکھ زیادہ اہم ہے۔"

"کیا تمہیں میرے پکڑنے کے لیے معاوضہ دیا گیا ہے؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

وہ اعصاب کی ہولناک اور فیصلہ کن لڑائی تھی۔ میں اس میں سرہلا کر رہ گیا۔

"وہ کون ہے؟ تم کس کے لیے کام کررہے ہو؟" اس کی آواز میں منتقمانہ درندگی ابھر آئی۔

مجھے معلوم تھا کہ لفظوں کی جنگ ہوگی تو سخی مراد وار ضرور کرے گا۔ میرے پاس اس سوال کا جواب پہلے سے تیار تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا "راس الیمڈا یا چیف!"

اس دوران میں' میں نے ایک پل کے لئے بھی اس کے چہرے پر سے اپنی نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ پہلے پہل اسے اعتبار نہیں آیا لیکن دوسرے نام پر وہ بری طرح چونکا تھا۔

"ان دونوں کو تم ایک ساتھ کیوں ملا رہے ہو؟" اس نے ... کر پوچھا۔

"اس لئے کہ وہ ایک ہی ہیں۔ راس الیمڈا ہی چیف ہے۔ اسی وجہ سے وہ کسی کے سامنے نہیں آتا۔ ایک آواز بن کر شخص کے اعصاب پر چھایا رہتا ہے۔" میں نے اطمینان سے کہا۔

"میرے لیے یہ بات ناقابلِ یقین ہے۔ جو کل تک تمہارے خون کا پیاسا تھا' آج تمہارا حلیف کیسے بن سکتا ہے؟ ولی داد اس خاطر شہر میں تمہیں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ وہ جہانگیر تک پہنچا مارا گیا اور اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبا۔ مجھ سے صاف اور سیدھی بات کرو۔"

"وہ آج بھی میرے لہو کا طلب گار ہے۔" میں نے ایک ... مسکراہٹ کے ساتھ کہا "کے ٹائین مشن کی ناکامی پر وہ تم سے بھی برہم ہے...... مجھے معلوم ہے کہ وہ تم کو بلیک میل کررہا ہے۔ ... نے اس کے ایک آدمی کو مار کر اس کے اپریٹس پر قبضہ کرلیا ... اس پر راس الیمڈا سے بات کی تو اس نے اختلافات کے بہانے تمہاری بات چھیڑ دی۔ میں نے ایک رقم مانگی اور وہ مقررہ طریقے سے پرسوں مجھے مل گئی۔ وہ مجھے براہِ راست تم سے لڑوانا چاہتا تھا۔ ہم میں سے جو بھی جیتے' فائدہ اسی کو ہوگا۔ رقم اس کے لیے بے معنی ہے۔"

سخی مراد کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات سے پتا چل رہا تھا کہ ان میں سے کوئی بات اس کے لیے نئی نہیں تھی۔ وہ سب جانتا تھا اور پاکستان میں عملاً راس الیمڈا کا دستِ راست تھا۔

"تم بہت کچھ جانتے ہو۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بولا "چیف نے میری زندگی عذاب کردی ہے۔ وہ مجھے بلیک میل کررہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میں آگ سے کھیل رہا ہوں۔ شاید اس سے میرے حصے کا کام لے چکا ہے اسی لیے اس نے تم کو میرے پیچھے لگایا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس نے تم کو کتنی رقم دی ہے میں اس کی موت کے لیے تم کو دگنا معاوضہ دے سکتا ہوں

...ے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ دیکھ کر وہ اضطرابی لہجے میں بات
...اری رکھتے ہوئے بولا "تین، چار، پانچ گنا کرلو...... خود بتادو کہ کیا
...اہتے ہو۔"
میں نے حیرت زدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "اتنی
...ے اندازہ رقم کے مالک ہو تم؟ تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری یہ
...رمی چال اربوں تک جاسکتی ہے۔ کیا تمہاری اتنی مالی حیثیت
...ے؟"
"تم سوچ بھی نہیں سکتے۔" وہ آسودہ لہجے میں بولا "میری
...ت بے اندازہ ہے اور باہر کے بینکوں میں پڑی سڑ رہی ہے۔ تم
...وگے تو اس کا عشر عشیر ہی مانگو گے۔"
...کمائی کے اسی ذریعے کی وجہ سے وہ تمہیں بلیک میل کررہا
...ہے؟" میں نے پوچھا۔
"آج کی دنیا میں ہیروئن اور کوکین کے سوا کسی کاروبار میں
...نی آمدنی نہیں ہوتی۔ تم خود اس دنیا میں ایک ادنیٰ آدمی رہے ہو۔
...اتنا کما چکا ہوں کہ اب ہیروئن پر لعنت بھیج کر عزت کی سیاسی
...ندگی گزارنی چاہتا ہوں۔ میں ہیروئن کا کاروبار چھوڑ دوں گا مگر
...ف پھر بھی مجھے بلیک میل کرتا رہے گا۔ اس بلیک میلر کی موت
...رے لیے نئی زندگی کا پیغام بن سکتی ہے۔ یہ کام صرف تم کرسکتے
... جو آدمی سخی مراد کو اس کے گھر سے اٹھا سکتا ہے، وہ چیف کو بھی
...ر سکتا ہے۔ تم وعدہ کرو، میں تمہاری مدد کروں گا۔"
مجھے متردد پاکر اس نے فوراً ہی ایک اور بات شروع کردی۔
"...تم ہی نہیں، تم چاہو تو میں اپنا ہیروئن کا سارا کاروبار تم کو سونپ
...تا ہوں۔ سارا کام لگے بندھے طریقوں سے ہوتا ہے اور دن
...ت ڈالر برستے ہیں۔ تم چند ہی مہینوں میں ارب پتی ہوسکتے
...۔ یہ خواب نہ جانے کتنے لوگوں کی زندگیاں تباہ کرچکا ہے لیکن
...مجھ سے ہاتھ ملالو تو تمہارے لیے یہ سب حاصل کرنا ممکن ہے۔
...گزرے ہوئے چند گھنٹوں کی تلخیاں بھلا کر دوستی کے ایک نئے
...ر کی ابتدا کریں گے۔ میں حکمرانی کی راہ پر سفر کروں گا، تم دولت
...ں کھیلتے رہنا۔"
"یہ چند گھنٹوں کی نہیں، پچھلے ڈیڑھ دن کی تلخیاں ہیں جن کا
حساب کررہے ہو۔" میں نے ایک فوری خیال کے تحت اچانک
...انیا شوشہ چھوڑ دیا اور وہ حیران نظر آنے لگا۔
"کیوں؟ تم نے ابھی سہ پہر کو ہی توشیری کی خواب گاہ کا دروازہ
...وڑا تھا!"
"وہ کل سہ پہر کی بات ہے۔" میں نے سکون سے کہا "اس
...ے بعد سے تم مسلسل مسکن ادویہ کے اثرات میں رہے ہو۔
...راچی میں لوگوں کا خیال ہے کسی نے تمہیں تاوان کے لیے اغوا
...ہے۔"
وہ ایک مرتبہ پھر الجھ گیا۔ ملک پر حکمرانی کا خواب دیکھنے والے
...س درندے کو بار بار ذہنی جھٹکے دے کر مجھے عجیب سی لذت حاصل

ہورہی تھی۔ وہ جب بھی چونکتا اس کا پہلے سے بگڑا ہوا چہرہ کچھ اور
مسخ ہوجاتا اور وہ اپنے باطن سے زیادہ قریب نظر آنے لگتا تھا۔
"کراچی میں؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "کیا تم یہ جتارہے
ہو کہ میں کراچی میں نہیں ہوں؟"
"میں کچھ بھی نہیں جتارہا۔" میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔
"کراچی تمہارے وفاداروں کا شہر ہے، وہاں قدم قدم پر تمہارے
زرخرید پھیلے ہوئے ہیں۔ تمہیں وہاں رکھنا خطرناک تھا۔ میں تمہیں
اتنا بتاسکتا ہوں کہ اس وقت تم سرحد کے قریب ہو۔ یہاں سے
بھاگ بھی جاؤ گے تو سرحد پر گولیوں کی باڑھ میں بھون دیے جاؤ
گے یا پھر پیاسا صحرا تمہارے وجود کو نگل جائے گا۔ یہاں کراچی کے
صرف خواب دیکھے جاسکتے ہیں۔"
وہ سوچ میں پڑ گیا پھر چونک کر بولا۔ "تم نے میری پیش کش کا
جواب نہیں دیا۔"
"مجھے سوچنا پڑے گا۔ تم نے شاید میری صحیح بولی لگائی ہے۔
آدمی ارب پتی ہو تو ساکھ خود بہ خود بن جاتی ہے۔ صرف ساکھ کے
بل پر زندہ رہنے کی آرزو کرنے والے احمقوں کی جنت میں رہتے
ہیں۔"
"میرا بھی یہی فلسفہ ہے" وہ بے ساختہ بول پڑا۔ اس وقت
اندازہ ہی نہیں ہورہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر پہلے جسمانی تشدد کا ایک
اذیت ناک دور سہ چکا ہے۔
"تم اطمینان سے یہاں رہو۔ اب کوئی تم کو ہاتھ بھی نہیں
لگائے گا۔ میں تمہیں سوچ کر جواب دوں گا۔"
"میں ایک بار ولی داد سے ملنا چاہ رہا ہوں۔ ذرا اسے میرے
سامنے لے آؤ۔"
"غصہ تھوک دو!" میں نے ہنس کر کہا۔ "یہ مقدر کی باتیں
ہوتی ہیں۔ وہ نہ ہوتا تو کوئی اور ولی داد پیدا ہوجاتا۔ میری اور
تمہاری ملاقات اٹل تھی اور وہ ہو کر رہی، ماضی کو بھول کر اب
مستقبل پر نظر رکھو۔"
"تم اسے کب تک بچاؤ گے؟" وہ کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ
بولا۔ "وہ جلد ہی میرے ہاتھوں مارا جائے گا اور اس کا ماتم کرنے
والوں میں مَیں ہی سب سے آگے نظر آؤں گا۔ اسے کوئی نہیں ٹال
سکے گا۔"
"اس وقت تم مدر رانیا کے کسی گاڈ فادر جیسی باتیں کررہے
ہو۔"
"میں اپنے خاندان کا گاڈ فادر ضرور ہوں۔" وہ متکبرانہ لہجے
میں بولا "میں اتنا کما رہا ہوں کہ وہ سب مل کر بھی اسے کم نہیں کر
پارہے۔ میرے اثاثے دن بہ دن تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ میں اپنی
سیاسی شہرت کو داغ دار ہونے سے بچانے کے لیے پاکستان میں
بہت پیچ نوائی میں رہتا ہوں۔ میرا اصل رہن سہن دیکھنا ہو تو کبھی
میرے ساتھ باہر چلو۔ پیرس، شکاگو، ڈلاس، مونٹی کارلو اور لندن کی

مشہور تفریح گاہوں میں پورا عملہ میری آمد کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ میرے سامنے وہاں کے خاندانی روسا بھی بونے نظر آتے ہیں۔"

"مگر اس وقت تم میرے بے بس قیدی ہو۔" میں نے اسے ایک اور چرکا لگایا۔

وہ اپنے تصورات کی جنت سے یکایک حقائق کے جہنم میں آگرا اور اس کی آنکھوں میں اداسی تیرنے لگی۔

"تمہارے پاس اتنی دولت ہے تو تم اسے پاکستان میں کیوں نہیں لگاتے؟" میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے سینے میں ابھرنے والا وہ جذباتی سوال اس سے کر ہی ڈالا۔

"جب ارب پتی بنو گے تو اس سوال کا جواب خود بہ خود مل جائے گا۔ تجارت اور صنعت کو تو چھوڑ ہی دو' میں یہاں صدقہ خیرات بھی کروں تو عذاب میں آجاؤں گا۔ جو کام میری پورے خاندان والے اب تک نہیں کرسکے' وہ انکم ٹیکس والے دو تین سالوں میں کر دکھائیں گے۔ یہ جونک بن کر سرمایہ دار کو چوسنے لگ جاتے ہیں۔"

"تم گمنام رہ کر بھی بہت کچھ کرسکتے ہو۔" میں نے اسے ٹٹولنا چاہا۔

"اس کا فائدہ؟ اس سے بہتر ہے کہ میں اپنی رقم کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دوں۔ دینے کا مزہ اسی وقت آتا ہے جب آس پاس بہت سے سراہنے والے موجود ہوں۔ اندھیرے کا لین دین چور بازاروں ہی میں اچھا لگتا ہے جہاں کسی کی کوئی شناخت نہیں ہوتی۔ ہر چیز کی پہچان صرف پیسے سے ہوتی ہے۔"

"میں جارہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم میرے آدمیوں کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کرو گے۔"

"پوری کوشش کروں گا لیکن مجھے جواب کب ملے گا۔" اسے میری طرف سے امید ہو چلی تھی۔

"تم سے باتیں کرتے ہوئے بھی میں ڈالروں کی برسات کے بارے میں سوچ رہا تھا" میں نے اس کی امیدوں کی آبیاری کرتے ہوئے کہا "جس وقت بھی ذہن بن گیا' تمہیں جواب مل جائے گا۔"

"بستر اور ائرکنڈیشنر مل جائے تو میرا وقت اچھا گزر جائے گا۔"

"خدا کا خوف کرو۔ تم حکمرانی کے سفر کے ارادے باندھ رہے ہو اور تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس بے رحم صحرا میں بتی اور پنکھا بھی نعمتوں میں شمار ہوتے ہیں......... ہاں' بستر بھجوا دیا جائے گا۔"

میں نے اس کے کمرے سے باہر نکل کر دروازہ بولٹ کر دیا۔

دروازے کی آواز سنتے ہی سب کی متجسس اور متفکر نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

"یہ کیمپ سرحدی صحرا میں ہے" میں نے اول خان کے قریب جاکر دھیمی آواز میں کہا۔ "یہ بات اس کے پاس جانے والے ہر آدمی کو معلوم ہو جانی چاہیے ورنہ میرا پورا کھیل ... گا۔"

"یہ خبر ہر شخص تک پہنچا دو" اول خان نے وہاں ... آدمیوں سے کہا اور پھر مستفسرانہ انداز میں میرا منہ تکنے لگا۔

"باقی باتیں دفتر میں ہوں گی۔" میں ہاتھ سے اشارہ کر ... سے چل دیا۔

سخی مراد سے باتیں کرتے ہوئے مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ... کہ اس کے کمرے میں کوئی کھڑکی نہیں تھی اور روشن دان ... بلندی پر بنے ہوئے تھے کہ کسی طرح بھی وہ وہاں تک نہیں ... تھا۔

اول خان نے اپنے دفتر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا ... کا مطلب تھا کہ کسی کو مخل ہونے کی اجازت نہیں تھی پھر ... انٹر کام پر کسی کو مزید چائے لانے کی ہدایت کی اور اپنی کرسی ... گیا۔

میں نے آہستہ آہستہ اپنی اور سخی مراد کی گفتگو دہرانی شر... دی۔

O☆O

میرا اندازہ تھا کہ ہیروئن کی ناجائز کمائی سے بے انداز ... کما کر سیاسی چور دروازوں سے ملک پر حکمرانی کا خواب دیکھ ... سخی مراد اول درجے کا کینہ پرور اور مغلوب الغضب شخص ... ان سفاک لوگوں میں سے تھا جو اپنا انتقام لینے کے لیے برسوں ... بھی انتظار کر لیتے ہیں لیکن ان کے سینے میں سلگتا ہوا انتقام ... کبھی سرد نہیں ہوتا۔

معاشرے میں عزت اور نیک نامی کی ساکھ رکھنے کے ... اس نے اپنے برے وقت سے عارضی سمجھوتا کر لیا تھا اور ... ہم نفس سمجھ کر بے لاگ انداز میں اپنی ان تمام کمزوریوں ... اعتراف بھی کر لیا تھا جو ہم سب کی دانست میں سنگین ترین ... جرائم کے دائرے میں آتی تھیں۔

اپنے اعترافِ جرم کے ساتھ اس نے واضح طور ... وفاداریاں خریدنے کی کوشش کی تھی اور میں نے بہت ... انداز میں اسے اپنے کمزور پڑنے کا تاثر دیا تھا۔ اسے یقین ... یقینی کے درمیان معلق رکھنے کی بہت سی وجوہ میں اہم ترین ... تھا کہ سمجھوتا ہو جانے کی صورت میں اس نے راس ال... خلاف میری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا اور راس المیڈا سے ... گہری نفرت کے اسباب بہت واضح تھے۔

وہ بنیادی طور پر منتقم مزاج تھا لیکن عارضی سمجھوتے ... راس المیڈا کی ہر ہدایت پر بے چون و چرا عمل کیے جا... انتقام کا جذبہ اس کے دل میں پرورش پا رہا تھا۔ وہ ایک ... بعد میرے ذریعے اپنے اس وحشیانہ جذبے کی تسکین حاصل ... چاہ رہا تھا۔ ان سب باتوں میں کوئی پیچ نہیں تھا۔ ہر بات ...

ہی اور صاف تھی۔
اس سے آگے سب کھلا فریب تھا۔ شاید وہ راس المیڈا کے بارے میں مجھے کچھ بڑی رقمیں دینے کے بارے میں سنجیدہ رہا ہو لیکن میں نے اس کے چہرے سے پڑھ لیا تھا کہ اربوں کی باتیں اور کا کاروبار مجھے سونپ دینے کے وعدے بالکل بے سروپا تھے۔ وہ ہر حال میں ہر قیمت پر وقت خریدنا چاہ رہا تھا۔ یہ میری اپنی صلاحیت تھی کہ میں اس کی اس خواہش کے کیا دام وصول کر سکتا ہوں۔

وہ میرے ذریعے راس المیڈا سے چھٹکارا حاصل کرتے ہی ساری قوت اور صلاحیت مجھے پیس ڈالنے پر مرکوز کر دیتا۔ وہ روئے زمین پر ایسے کسی فرد کا وجود برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا جس نے اس کی سیمیں بدن محبوبہ کے پہلو سے اٹھا کر بہ یک بینی و دو گوش تپتی ہوئی کوٹھری کے کھردرے فرش پر لا ڈالا ہو۔
مجھے اس کی ترغیب اور تحریص سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ بظاہر وہ ملک کے سیاسی مندر کا ایک پرانا بت تھا لیکن درحقیقت وہ موت کے سوداگروں کے ایک ٹولے کا سرخیل تھا اور اس کی سزا صرف موت تھی لیکن اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے سے پہلے راس المیڈا کا صفایا ضروری تھا۔
میں جانتا تھا کہ وہ چالاک اور باحیثیت ہونے کے ساتھ ہی بہت زیادہ بارسوخ بھی تھا۔ اسے ایک بار آزاد کر دیا جاتا تو دوبارہ وہ ہاتھ آ ہی نہیں سکتا تھا۔ دوسری طرف یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ وہ ہماری قید میں رہتے ہوئے رضاکارانہ طور پر راس المیڈا کے رازوں کا پردہ چاک کر دے۔
سخی مراد کو آزاد کیے بغیر راس المیڈا کے بارے میں اس کی معلومات سے فائدہ اٹھانے کی کوئی صورت کسی کے ذہن میں نہیں تھی۔

سخی مراد کے ساتھ بند کمرے کی میٹنگ کے بعد میں اول خان اور سلطان شاہ کے ساتھ دیر تک سر کھپاتا رہا' راستے میں اسی معاملے پر سوچ بچار ہوتی رہی پھر گھر لوٹنے کے بعد ویرا اور غزالہ کو پوری کہانی سنانے کے بعد مشورے میں شامل کیا گیا لیکن کوئی حل سامنے نہیں آسکا۔
میرے ذہن میں رہ رہ کر سخی مراد کے وہ الفاظ گونج رہے تھے جن میں اس نے خود کو اپنے خاندان کا گاڈ فادر قرار دیا تھا' اس میں وہ دو الفاظ اقتدار و اختیار کی علامت اختیار کیے ہوئے تھے اور شاید وہ سیاست میں بھی وہی روپ اختیار کرنے کا ارادہ رکھتا تھا جس میں اس کا کہا ہوا ہر لفظ ملک اور قوم کی تقدیر کا آخری فیصلہ سمجھا جائے۔
ویرا نے بتایا کہ سخی مراد کے اغوا کے بارے میں ٹیلی وژن پر کوئی خبر نہیں تھی' نہ کسی اور ذریعے سے وہ خبر سننے میں آئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کے اہلِ خاندان نے ہمارے منصوبے کے مطابق اپنے گاڈ فادر کے اغوا کو اغوا برائے تاوان کا کیس تسلیم کر لیا تھا۔
دوسری طرف ولی داد کے غائب ہونے کے بعد جہانگیر کے فلیٹ پر کوئی جوابی کارروائی نہ ہونے کا معاملہ بھی فکر انگیز تھا' ولی داد اور سخی مراد کا باہمی تعلق ثابت ہو جانے کے بعد یہ سمجھنا غلط ہوتا کہ ولی داد کے حامی اپنی شکست سے خائف ہو کر پسپا ہو چکے ہیں۔ ان دونوں کا مضبوط گٹھ جوڑ تھا۔ انہوں نے اپنے کاموں کے لیے یقینی طور پر پیشہ ور افراد کو ملازم رکھا ہوا تھا۔ ان میں سے کسی نے ولی داد کے غائب ہونے پر کوئی کارروائی کیوں نہیں کی؟
اس سوال کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔ پہلا جواب تو یہ تھا کہ سخی مراد اپنی دانست میں گاڈ فادر بنا بیٹھا تھا۔ فیصلہ کرنے کا اختیار صرف اسی کو تھا' جب ولی داد کی گمشدگی کا اندازہ ہوا تو سخی مراد اغوا ہو چکا تھا۔ اس کی غیر موجودگی کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔
دوسرا امکان یہ بھی ہو سکتا تھا کہ معاملہ راس المیڈا کا تھا اس لیے سخی مراد نے اپنے ملازمین میں سے کسی کو اعتماد میں لیے بغیر... براہِ راست ولی داد کو وہ کام سونپا اور پھر دونوں اغوا ہو گئے۔ ولی داد کے بارے میں کسی کو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کہاں گیا تھا اس لیے جوابی کارروائی کا کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ وہ لوگ نیک امیدوں کے ساتھ ان دونوں کی واپسی کا انتظار کرنے پر مجبور تھے۔
ان الجھنوں کے ساتھ آپس کی نوک جھونک بھی چلتی رہی۔ آخر تھک ہار کر سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ غزالہ کے بعد میں خواب گاہ میں پہنچا تو اس کا موڈ بدلا ہوا تھا۔
”اوہو! معلوم ہوتا ہے کہ آج ویرا نے ناوقت غسل کی وجہ سے تمہیں سلگانے کی کوشش کی ہے“ میں نے اسے چھیڑتے ہوئے شوخی سے کہا۔
”ویرا کی بھی ایسی باتیں میں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتی ہوں' ان کی ذرا بھی پروا نہیں کرتی“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ”دوسروں کی باتیں کبھی کبھی مجھے کھلنے لگتی ہیں۔“
اس کی سنجیدگی دیکھ کر مجھے بھی سنجیدہ ہونا پڑا اور میں نے اس کی دلجوئی کرتے ہوئے پوچھا۔ ”آج گھر میں اور کون آیا تھا جس نے اپنی باتوں سے تمہیں آزردہ خاطر کیا ہے؟“
”آیا کوئی نہیں تھا' یہ اسی فون کا ذکر ہے جو آپ نے اچانک مجھے پکڑا دیا تھا۔“ وہ منہ بنا کے بولی۔
فوری طور پر اس کی بات میرے پلے نہیں پڑ سکی لیکن ذہن پر زور دینے سے مجھے یاد آگیا کہ ایرپیس پر اول خان کی کال آجانے کی وجہ سے میں نے سلمٰی کی کال اس کے حوالے کر دی تھی۔ میں نے چونک کر پوچھا۔ ”کیوں؟ کیا سلمٰی نے تم سے کوئی بدتمیزی کی ہے؟“
”نہیں' بدتمیزی تو کوئی نہیں کی' بہت میٹھی میٹھی باتیں کرتی رہی تھی۔“

"اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟ وہ اپنے میکے سے کراچی آکر خاصی اکیلی ہو جاتی ہے۔"

"برا ماننے کی بات یہ ہے کہ وہ ساری میٹھی میٹھی باتیں آپ کے بارے میں تھیں اور اب آپ بھی اس سے ہمدردی جتا رہے ہیں۔ وہ آپ کے چہیتے دوست کی بیوی ہے' میں اس پر کوئی الزام نہیں لگا رہی لیکن اس کی باتیں مجھے پسند نہیں آئیں۔ میں نے بہت مشکل سے اس سے پیچھا چھڑایا تھا۔"

"میں اسے سمجھا دوں گا۔ میں خود بھی اس کی بعض عادتوں سے نالاں ہوں" میں نے یہ کہتے ہوئے غزالہ کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا اور وہ پل بھر میں اپنے سارے شکوے بھول گئی۔

ہماری اگلی صبح کا آغاز ذرا قبل از وقت ہی ہو گیا کیوں کہ ہمیں اول خان کے ساتھ اس کے دفتر جانا تھا۔ اس نے بہت اصرار کیا تھا کہ وہ ہمیں فلیٹ سے لے لے گا لیکن میں نے سختی سے اسے منع کر دیا۔ اس کے لیے جمشید روڈ سے کلفٹن آنا اور پھر سپرہائی وے پر جانا خاصا دشوار ہو جاتا اس لیے ہم نے طے کیا تھا کہ اپنی گاڑی میں اس کے گھر جائیں گے اور اسے وہیں چھوڑ کر اول خان کی گاڑی میں اسٹیشن فور چلے جائیں گے۔

میں نے سخی مراد کو بتایا تھا کہ وہ میری قید میں ہے اس لیے میرا ہر روز اسٹیشن فور کا چکر لگانا ناگزیر ہو گیا تھا۔ جب تک اس سے کوئی دو ٹوک بات نہیں ہو رہی تھی' میں اسے کسی شک و شبہے کا موقع نہیں دینا چاہ رہا تھا اور ملاقات نہ ہونے سے اسے میرے دعوے پر شبہ ہو سکتا تھا۔

ہم لوگ اسٹیشن فور پہنچے تو سخی مراد کے کمرے کے قرب و جوار میں ہلکی سی افراتفری اور سراسیمگی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ گاڑی رکتے ہی ایک آدمی نے اطلاع دی کہ سخی مراد نے ناشتے کی ٹرے ناشتا لے جانے والے پر پھینک ماری اور اسی وقت سے اودھم مچا رہا ہے۔ اس کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ اسے ڈیڈی سے ملوایا جائے ورنہ وہ سب کچھ تہس نہس کر دے گا۔

عملے کو بتا دیا گیا تھا کہ وہ میرے بارے میں سخی مراد کو کوئی یقینی جواب دینے کے بجائے ٹال مٹول سے کام لیتے رہیں۔ اس وقت اسی حکمتِ عملی سے کام لیا جا رہا تھا۔

میں گاڑی سے اترتے ہی سخی مراد کے کمرے کی طرف چل دیا۔ اس کے چیخنے چلّانے کی آوازیں دور تک آ رہی تھیں۔ ڈیوٹی پر موجود تین افراد سراسیمگی کے عالم میں اِدھر اُدھر کھڑے ہوئے تھے۔

"کیا ہو رہا ہے؟" میں نے بھی دور سے گرج کر کہا۔ "یہاں بھیڑ کیوں لگی ہوئی ہے؟"

سخی مراد نے شاید میری آواز سن کر پہچان لی کیوں کہ اس کا شور فوراً موقوف ہو گیا۔

میں نے دروازے پر پہنچ کر بولٹ سرکایا اور دروازہ کھولا تو سخی مراد اپنے فرشی گدے پر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ زخموں سے خون صاف ہو جانے کے بعد اس کا حلیہ بہتر نظر آ رہا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" میں نے فرش پر بکھرے ہوئے کراکری کے ٹکڑوں کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں" اس نے نہایت اطمینان سے کہا۔ "میں ہنگامہ کر کے یہاں اپنی پوزیشن کا اندازہ لگانا چاہ رہا تھا۔ واقعی ... نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا"

"آئندہ تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے" میں نے ... گھورتے ہوئے کہا۔ "میری غیر موجودگی میں میرے کسی آدمی کا دماغ سنک گیا تو وہ میری ہدایات سے انحراف بھی کر سکتا ہے۔"

"آئندہ اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میری تسلی کے لیے یہی ایک تجربہ کافی تھا...... یہ بتاؤ کہ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ میں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کر سکتا۔" اس کے لہجے میں ذرا بھی ... نہیں تھا۔ وہ مجھ سے مساویانہ لہجے میں بات کر رہا تھا۔

"نہ کرو۔" میں نے اسے ٹکا سا جواب دے دیا۔ "میں آج رات ... راس الینڈا کو بتا دوں گا کہ میں نے تمہیں زیر کر لیا ہے۔ پھر ... ہو گا جو وہ چاہے گا۔"

"بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" وہ ٹھنڈے ماتھے سے بولا۔ "سب اپنی معمول کی زندگی گزار رہے ہیں اور تم نے مجھے یہاں ... ہوا ہے۔ میں ان حالات کا عادی نہیں ہوں' رات بھر جاگتا ... ہوں۔"

"میں تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔ پہلے تم ناشتا کرو۔ میں کسی ... کہہ دیتا ہوں۔"

میں نے دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا۔ ایک سادہ پوش ... دوبارہ ناشتا پہنچانے کی ہدایت کی اور ولی داد کے کمرے کی طرف چل دیا۔ پچھلے روز مجھے اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

وہ کھردرے فرش پر اس حالت میں پڑا ہوا تھا کہ اس کے چاروں ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ بیرکوں کے پچھلے برآمدے ... کمرے کے ساتھ بیت الخلا بنا ہوا تھا جس میں بالٹی کے پانی ... بھی جا سکتا تھا۔ اسے حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے اور ... کرنے کے لیے کھولا گیا تھا لیکن اس نے اپنے بگڑے ہوئے ... کے زخموں کو صاف کرنے کی ضرورت بھی نہیں محسوس کی تھی۔

"مجھے یہاں کیوں رکھا گیا ہے؟" مجھے دیکھ کر اس نے ... آواز میں پوچھا۔

"تاکہ تم مجھے ہلاک کر سکو۔ مجھے غور سے دیکھ لو۔ میرا نام ... ہے' تم مجھے پوری کراچی میں ڈھونڈتے پھر رہے تھے اور یہاں ... تمہارے سامنے موجود ہوں۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارا آقا ... بھی میرا مہمان ہے۔"

"ڈیڈی!" اس نے دہشت سے دہرایا پھر تقریباً رو دیا

واز میں بولا۔ "مجھے معاف کردو۔ میں بے قصور ہوں۔ مجھے بھائی
ن نے وہاں بھیجا تھا۔ میں اپنی مرضی سے نہیں گیا تھا۔"

"تمہارے بھائی جان نے سب کچھ اگل دیا ہے مگر تمہاری
ان اب تک بند ہے۔"

"میں بتا رہا ہوں ناکہ بھائی جان نے مجھے وہاں بھیجا تھا" وہ بے
ی سے بولا۔

"تمہارے بھائی جان کا ہیروئن کا دھندا کون چلاتا ہے؟" میں
نے پوچھا۔

اس سوال پر اس کا چہرہ تاریک ہوگیا اور وہ مایوسی سے بولا۔
انہوں نے سب کچھ بتادیا۔ وہ میرا نام لیں گے لیکن سارے کام
خود کرتے ہیں۔ میں ان کا ہاتھ بٹاتا تھا۔"

"تمہارے بھائی کا چیف کہاں رہتا ہے؟" میں نے سختی سے
سوال کیا۔

"مم...... پتا نہیں۔" وہ میری زبان سے پے در پے خفیہ
لے سن کر بوکھلا گیا۔ "اس کا فون آتا تھا تو بھائی جان مجھے باہر
کر دروازہ بند کرلیتے تھے۔ میں نے اسے دیکھا تک نہیں' بس
بھی اس کا فون سنا ہے۔"

"کے نائین کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" لمحہ بھر خاموشی کے
میں نے پوچھا۔

"یہ عجیب نام میں پہلی بار سن رہا ہوں۔" اس بار اس کے
ے پر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

"ماربل کی شطرنجوں کے ساتھ بارود کی پیٹیاں کون لایا تھا؟"

"ماربل کی کانوں میں دھماکوں کے لیے میں چمن سے پانچ
ٹ لایا تھا" وہ ہکلاتے ہوئے بولا "چمن والے آدمی کے نام
ی جان نے پرچہ دیا تھا۔ وہ کانوں کو گہرا کرنے والا خاص بارود
"

"اور وہ پیٹیاں تم ہی نے ڈیفنس والے مکان میں پہنچائی
تھیں؟"

"ہاں' کبھی کبھی مال وہیں سے ائرپورٹ جاتا ہے۔ میں نے
ں موجود گورے کے سامنے پانچوں پیٹیاں اندر رکھوادی تھیں۔
اس سے آگے مجھے کچھ معلوم نہیں کہ ان کا کیا بنا؟"

"ان کاموں کے لیے تمہیں بھائی جان سے کتنی تنخواہ ملتی
؟"

"مم..... پچاس ہزار روپے!" رقم بتاتے ہوئے اس کی آواز
ب گئی۔

"تم اب تک اپنی بدمعاشی سے کتنے آدمیوں کو قتل کرچکے
؟" میں نے سختی سے پوچھا۔

"بس... صرف دو!" اس نے جلدی سے کہا "ایک بھائی جان
کا کانٹریکٹ تھا جو لمبی رقم لے کر علاقہ غیر میں چلا گیا تھا' دوسرے
میری لڑائی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ میرے ہاتھ صاف ہیں۔"

اس کے جواب سے میرے سر پر سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ وہ ہم سب کو دیکھ چکا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ سخی مراد ہماری قید میں ہے۔ اس کی رہائی ہمارے لیے ایک عذاب بن سکتی تھی۔ اسے لمبی قید میں بھی نہیں ڈالا جاسکتا تھا۔ اس کا بس ایک ہی علاج تھا کہ اسے قتل کردیا جائے لیکن بادی النظر میں اس کے قتل کا کوئی جواز نہیں بن رہا تھا۔ اس نے اپنی زبان سے دو افراد کے خون کا اعتراف کرکے بہت آسانی سے وہ جواز مہیا کردیا تھا۔

"دوسرے آدمی سے تمہاری لڑائی کیوں ہوئی تھی؟" میں نے سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔

"وہ ایک لڑکی کا چکر تھا۔ پہلے وہ میری دوست تھی پھر اس کے پاس چلی گئی۔"

میں اس کے مقدر کا فیصلہ کرچکا تھا مگر اس کی زبان میرے ارادے کی راہ میں رکاوٹ تھی۔ اس کا کہا ہوا ایک بھی غلط لفظ یا جملہ سخی مراد کے اور میرے مراسم میں تلخیاں گھول سکتا تھا۔ اس کی زبان بند کرنے کی بہترین صورت یہ ہوتی کہ اس کی زبان میں مچھلی پکڑنے والا کانٹا پھنسادیا جاتا۔ وہ کانٹا نکالے بغیر بول سکتا تھا نہ زبان کو بری طرح ادھیڑے بغیر کانٹا باہر نکال سکتا تھا مگر اسپیشل ٹاسک فورس کے اس دور افتادہ پڑاؤ میں ایسے کانٹے کا حصول ممکن نہیں تھا۔

میں نے اپنی جیب میں سے تیز دھار والا قلم تراش چاقو نکالا اور اس کی نوک ولی داد کی گردن سے لگادی۔ وہ ایک بھیانک چیخ مار کر پیچھے الٹ گیا۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔

"ڈرو نہیں" میں نے سفاکانہ ہنسی کے ساتھ کہا پھر اس کا بایاں کان تھام کر اسے چاقو کی دھار سے سہلاتے ہوئے بات جاری رکھی "میں تمہیں ذبح نہیں کروں گا۔ تم نے میرا کام آسان کیا ہے' میں تمہارا کام آسان کردوں گا۔ مجھ سے تمہاری جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں اپنی جان کے دشمنوں کو معاف کرنے کا عادی ہوں مگر تمہارا بھائی جان بہت موذی ہے' وہ کسی کو نہیں بخشتا۔"

وہ سہم کر فرش پر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اسے وحشت ہورہی تھی کہ کہیں میں اچانک ہی اس کا کان الگ نہ کردوں۔ میں اس کے کان سے کھیل رہا تھا کہ اول خان' سلطان شاہ سمیت وہاں آپہنچا۔ شاید ولی داد کی بھیانک چیخ کی آواز دور تک سنی گئی تھی۔

ان دونوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد میں پھر اپنے کھیل میں مصروف ہوگیا۔

"شاباش! اب ذرا اپنی زبان نکالو" اس نے منہ کھول کر کسی کتے کی طرح اپنی زبان باہر لٹکادی۔ اس کوشش میں اس کی آنکھوں کی پتلیاں پپوٹوں میں چڑھ گئی تھیں۔

وہ میرے لیے شاندار موقع تھا۔ میں نے پھرتی سے اس کی زبان کا سرا بائیں چٹکی میں دبایا اور ننھے سے چاقو کے پھل سے

زبان کا اگلا حصہ پنیر کے کسی نرم قتلے کی طرح کاٹ کر فرش پر پھینک دیا۔
اس کے دہانے سے خون کے ساتھ عجیب وغریب آوازوں کا سلسلہ رواں ہوگیا۔ وہ بولنا چاہ رہا تھا مگر بولنا اس کے بس سے باہر ہو چکا تھا۔ زبان کا کٹا ہوا ٹکڑا چند ثانیوں تک تڑپنے اور پھڑکنے کے بعد بے جان ہوگیا مگر ولی داد بری طرح مچلتا رہا۔
لعاب دہن کے حیرت ناک اثرات سے خون کا بہنا جتنی تیزی سے شروع ہوا تھا، اسی سرعت سے بند ہوگیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ تکلیف سے زیادہ دہشت کے باعث تڑپ رہا تھا۔
اس کے کپڑوں سے ہاتھ اور چاقو کا پھل صاف کر کے میں اول خان کے پاس پہنچ گیا۔
"اس کی زبان کاٹی ہے؟" سلطان شاہ نے نیچی آواز میں سوال کیا۔
"اس کا مطلب ہے کہ تم نے اسے سخی مراد کے سامنے ڈالنے کا فیصلہ کرلیا ہے" میرا جواب سنتے ہی اول خان بے ساختہ بول اٹھا "اچھا ہے، اس کے خون کا بوجھ ہماری گردنوں پر نہیں رہے گا۔"
"بوجھ نہیں، اب یہ ثواب کا کام بن چکا ہے" میں نے باہر نکل کر کہا "میں خود بھی بے گناہوں کے خون سے بچتا ہوں۔ یہ ابھی اپنی مکمل زبان سے دو آدمیوں کے قتل کا اعتراف کرچکا ہے۔"
"میں خود بھی اس کی طرف سے فکر مند تھا۔ یہ آزاد اور زندہ رہ کر کسی بھی وقت ہمارے لیے گھر کا بھیدی بن کر لنکا ڈھا سکتا تھا۔ تمہارا فیصلہ بہت مناسب ہے" اول خان میری وضاحت سے مطمئن ہوگیا۔
ہم تینوں ٹہلتے ہوئے سخی مراد کے کمرے میں پہنچے تو وہ ناشتے سے فارغ ہوگیا۔
"ایک سگریٹ مل جائے گی؟" ہمیں دیکھتے ہی اس نے سوال کیا۔
ماچس یا لائٹر سے وہ بستر کو آگ لگا سکتا تھا۔ میں نے نئی سگریٹ سلگا کر اس کی طرف اچھال دی۔ اس نے بے تابانہ انداز میں وہ سگریٹ اپنے ہونٹوں سے لگائی اور ایک گہرا کش لینے کے بعد اپنے نتھنوں سے دھواں خارج کرتے ہوئے بولا "تم میری ہر بات مانتے جارہے ہو لیکن میری ایک فرمائش کو مسلسل ٹال رہے ہو۔ میری بڑی آرزو تھی کہ میں اپنی قید کا پہلا ناشتا اپنے چچا زاد کے ساتھ کرتا لیکن میں تم سے نہیں کہہ سکا۔ پتا نہیں تم اسے مجھ سے دور کیوں رکھ رہے ہو؟"
"تم میرے سامنے اس کے قتل کا عہد کرچکے ہو۔ تم اسے دیکھتے ہی مشتعل ہو جاؤ گے۔ وہ بھی کمزور نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ جھگڑا ہو اور وہ تمہارا حلیہ بگاڑ دے" میں نے نپے تلے الفاظ میں اسے اکسایا۔
وہ ایسے ہی دماغ کا آدمی تھا۔ فوراً ضد میں آگیا اور کہنے لگا "تم اسے بلاؤ۔ جھگڑا ہو بھی جائے تو تم دخل نہ دینا اور پھر دیکھ[illegible] کون جیتتا ہے، وہ پدی کی اولاد مجھ پر ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکے گا۔"
"تم مصر ہو تو میں اسے بلائے لیتا ہوں" میں نے مکار[illegible] چارگی سے کہا۔
میرے اشارے پر سلطان شاہ باہر گیا اور کسی کو ہدایت کر اندر لوٹ آیا۔
"وہ تمہارا چچا زاد ہے اور تم اسے پدی کی اولاد کہہ ہو؟" میں نے اسے چڑایا۔
"وہ چچی کی اولاد بھی ہے اور وہ پدی تھی.... میں تو اب[illegible] کو سرے سے اپنا چچا زاد ہی نہیں مانتا۔ پتا نہیں وہ کس کا گن[illegible] ہے۔ تم بار بار کیوں میری زبان کھلوا رہے ہو؟" اس نے یہ کہ[illegible] سگریٹ سے جلدی جلدی لمبے لمبے کش لے کر کثیف دھواں[illegible] لگا حتیٰ کہ اس پر کھانسی کا دورہ سا پڑ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا[illegible] ولی داد کے آنے سے پہلے پوری سگریٹ ختم کرنی چاہ رہا تھا۔
وہ کھانسی کے دورے سے پوری طرح سنبھلنے بھی نہیں[illegible] کہ ولی داد آپہنچا۔
اس کا چہرہ زخموں سے نیلا اودا ہو کر پہلے ہی بہت بگڑ چکا[illegible] زبان کے زخم سے بہنے والے تازہ خون نے اسے مزید دہشت بنا دیا تھا۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے دروازے پر رک کر خوف احترام کی ملی جلی نظروں سے اپنے تایا زاد بھائی کی طرف دیکھ[illegible] کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ بگڑے ہوئے اور تلفظ غیر واضح تھا۔[illegible] کوئی بات کسی کے پلے نہیں پڑ سکی۔ اسی وقت سخی مراد نے[illegible] سے سنبھل کر دروازے کی طرف دیکھا اور اپنے چچا زاد[illegible] پڑتے ہی وہ ایک مرتبہ پھر اشتعال میں آگیا۔
وہ دونوں بیک وقت ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ سخ[illegible] کے تیور جارحانہ تھے جب کہ ولی داد کا انداز پوری خوشامدانہ تھا۔ ہم تینوں نے تیزی سے ان کی ملاقات کے لیے[illegible] خالی کردی۔
سخی مراد نے اپنی دانست میں ولی داد کے چہرے کو اپنے[illegible] پر لے کر کسی لڑاکا مینڈھے کی طرح ٹکر رسید کرنے کی کوشش[illegible] عین اسی وقت ولی داد شاید اپنے بڑے بھائی کے قدم چھو[illegible] لیے جھکا، سخی مراد کا نشانہ خطا گیا، وہ اوندھے منہ ولی داد پر آ[illegible] داد اس ناگہانی افتاد سے بوکھلا کر سیدھا کھڑا ہوا تو گراں ڈ[illegible] مراد اس کے کندھے پر اوندھا لٹکا ہوا تھا۔
ولی داد نے ہڑبڑا کر اسے اپنے کندھے سے اچھال کر[illegible] پھینک دیا۔ سخی مراد بہت مضحکہ خیز انداز میں فرش پر گرا۔[illegible] کسی چوپائے کی طرح کہنیوں کے اور گھٹنوں کے بل جھک[illegible] کر اپنا چہرہ ادھڑنے سے بچایا اور کسی مداری کی طرح ا[illegible] سیدھا ہوگیا۔
سخی مراد کی غراہٹوں اور گالیوں نے ولی داد کی ہر غلط[illegible]

کردی تھی۔ سخی مراد سنبھل کر اس پر حملہ آور ہوا تو وہ اپنی مدافعت کے لیے تیار تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو کوئی کاری ضرب لگائے بغیر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔

واضح طور پر سخی مراد کا پلہ بھاری تھا۔ وہ جسیم اور توانا ہونے کے ساتھ اشتعال میں بھی آیا ہوا تھا۔ اس نے چند ہی جھٹکوں میں خود کو ولی داد کے شکنجے سے آزاد کرا کے اس کے چہرے اور جسم کے دوسرے حصوں پر بے تحاشا گھونسوں کی بوچھاڑ کردی۔ چند ہی لمحوں میں ولی داد کا چہرہ اور جسم تازہ خون میں ڈوبنے لگا اور وہ اپنے اوسان کھو کر فرش پر گر گیا۔

سخی مراد اسے ننگی ننگی گالیاں دیتا ہوا کسی سفاک قاتل کی طرح اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ سینے پر سواری گانٹھنے کے بعد اس نے ولی داد کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا اور اس کے سہارے اس کا سر فرش سے کئی کئی انچ اوپر اٹھا کر زور زور سے نیچے مارنے لگا۔ وہ چوٹیں کسی بھی شخص کی بربادی کے لیے کافی تھیں۔ ولی داد ادھ موا ہو کر ہانپنے لگا۔ اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ چکے تھے۔

اسے پوری طرح مغلوب کرلینے کے بعد بھی سخی مراد کے کلیجے میں ٹھنڈک نہیں پڑی۔ اس نے ولی داد کے سینے سے اترے بغیر تیزی سے سر جھکایا اور کسی کے کچھ سمجھنے سے پہلے ولی داد کے نرخرے میں اپنے دانت گاڑ دیئے۔ مجھے اس کی وحشیانہ حرکت کا اندازہ ولی داد کے تڑپنے اور چیخنے سے ہوا۔

وہ ایک عبرت اثر منظر تھا۔ ان کے جسموں میں وہ آمدنی لہو بن کر دوڑ رہی تھی جو ہیروئن کی تجارت سے حاصل کی گئی تھی۔ وہ دونوں اس کھیل میں ملوث تھے۔ ایک نیک نام اور نام نہاد سیاسی گھرانے میں پروان چڑھنے والے موت کے دو سوداگر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے برسرپیکار تھے۔ میرے لیے ان دونوں کی ایک ہی شناخت تھی اور وہ یکساں انجام کے حق دار تھے۔ وہ ایک دوسرے کے منصب کو اچھی طرح پہچانتے تھے اور اسی شایان شان انداز میں لڑ رہے تھے‘ ایک دوسرے کے زندہ جسم کو بھنبھوڑ رہے تھے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ان میں سے کون غالب تھا اور کون مغلوب۔

حکمرانی کا خواب دیکھنے والے سخی مراد نے اس وقت مردار خور گدھوں کو بھی شرمایا ہوا تھا۔ وہ قریب المرگ جسموں کے قریب بیٹھ کر روح فرسا آوازوں میں شاید اس کی موت کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں لیکن اس وقت تک اس جسم کو نہیں چھوتے‘ جب تک اس سے روح پرواز نہ کر جائے مگر سخی مراد اپنے زندہ بھائی کا نرخرا اپنے دانتوں سے نوچ رہا تھا‘ اس کے ابلتے ہوئے لہو کی گرمی اپنے لبوں پر محسوس کر رہا تھا اور پھر بھی اپنے آپ سے شرمسار نہیں تھا۔

وہ منظر دیکھ کر اول خان کراہت اور خوف سے پھریریاں لے رہا تھا۔ اس نے بڑھ کر سخی مراد کو الگ کرنا چاہا لیکن میں نے سختی سے اسے روک دیا۔ وہ ملک کے بدن سے ریشے نوچ رہے تھے‘ انہیں کس نے روک لیا تھا جو اس برادر کشی میں مداخلت کی جاتی۔

سخی مراد کے دانتوں کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ وہ نکیلے دانت اپنی بنائی ہوئی جگہوں میں گہرے اور گہرے اترتے چلے جا رہے تھے۔ ولی داد تھکنے لگا۔ دشمن کا مارا پھر بھی پنپ جاتا ہے لیکن اپنوں کا مارا پانی بھی نہیں مانگتا۔ سخی مراد نے اس کی شہ رگ پر وار کیا تھا جو کاری ثابت ہونے والا تھا۔

ہوتے ہوتے ولی داد کے بدن کی ساری جنبشیں معدوم ہو گئیں۔ اس کا کرب آلود پسینوں میں نہایا ہوا چہرہ موت کی دہشت سے سفید ہو چلا تھا۔ اس کی آنکھوں کے ڈھیلے اپنے حلقوں سے باہر ابلے پڑ رہے تھے۔ شاید چند آخری سانس اس کے سینے کے قفس میں قید رہ گئے تھے۔ مرتے ہوئے حریف کا سینہ آخری سانسوں پر اتنی تیزی سے پھولنے اور پچکنے لگا کہ اس کے اثر سے سخی مراد کا دھڑ واضح طور پر اوپر نیچے ہوتا ہوا نظر آیا تھا۔ پھر ولی داد کی گردن ایک جھٹکے سے بائیں طرف ڈھلک گئی۔

سخی مراد کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی بربریت ولی داد کے لہو سے اپنا خراج وصول کر چکی ہے۔ وہ ولی داد کے کچلے ہوئے نرخرے کو چھوڑ کر اس کے بے جان جسم پر سے اتر آیا۔ اس کا پورا دہانہ اور چہرہ خون میں لتھڑا ہوا تھا اور اس خون آشام چہرے کی لہو رنگ سرخی میں صرف دو بڑی بڑی‘ حیوانی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے آستین سے اپنا منہ صاف کرنے لگا۔

”سخی مراد کا انتقام بہت بھیانک ہوتا ہے“ وہ رکی رکی اور مخمور آواز میں بولا۔

”اندر جا کر پانی سے اپنا دہانہ اور چہرہ صاف کرو!“ سلطان شاہ کراہت سے مغلوب ہو کر بے اختیار چیخ پڑا۔ ”اس وقت تم کسی آدم خور درندے سے بھی گئے گزرے لگ رہے ہو۔“

سخی مراد نے برا مانا اور نہ کوئی حجت کی۔ آواز پر سدھائے ہوئے درندے کی طرح اس عقبی دروازے کی طرف بڑھ گیا جو پچھلے برآمدے میں بنے ہوئے بیت الخلا یا غسل خانے میں کھلتا تھا۔

”دوسروں کی زندگیوں سے کھیلنے والے اندر سے اسی طرح بے حس ہو کر آدمیت کا احترام کھو بیٹھتے ہیں۔“ اس کے چلے جانے کے بعد اول خان نے درد انگیز لہجے میں کہا ”اس وقت مجھے سخی مراد کا اصل روپ دیکھ کر اس کی صورت سے نفرت ہو گئی ہے۔ میرا بس چلے تو اسے اسی وقت گولی مار دوں۔“

”صبر سے کام لو... اسے برداشت نہیں کر سکتے تو اپنے دفتر میں چلے جاؤ۔ وہ اس وقت اپنی برتری کے گھمنڈ میں گم ہے۔ میں اسی وقت اس سے کچھ کام کی باتیں کرنی چاہتا ہوں۔“

”وہ ویسے بھی تم سے تخلیے میں بات کرتا ہے‘ میں جا رہا ہوں۔“

اول خان بوجھل قدموں سے واپس چلا گیا۔ سلطان شاہ وہیں
...کارہا۔
...نی مراد واپس آیا تو سر اور چہرے کے ساتھ اس کے کپڑے
...اس طرح پانی میں بھیگے ہوئے تھے جیسے وہ لباس سمیت نہا کر آیا
...کمرے میں آتے ہی اس نے حقارت سے ولی داد کے سر کو اپنی
...کرے چھیڑا اور میری طرف متوجہ ہو کر کہا "اسے انتقام کہتے
...۔۔۔ میں اپنے دشمنوں کو کبھی بھی معاف کرنے کا قائل نہیں
...۔ اب میں چیف کا بھی یہی انجام دیکھنا چاہتا ہوں۔ جو میری
...ت کا خواہاں ہو' اسے اس زمین پر زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں
...۔۔۔۔ بولو' تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"اس وقت تم نے اپنے قول و فعل سے میرا تذبذب دور کر دیا
... جس کے بعد میں تم سے کھل کر بات کر سکتا ہوں۔ اس وقت ہم
... دوسرے کا گلا کاٹنے کے بھیانک کھیل میں الجھے ہوئے تھے جو
... بھی چوکا' وہ ولی داد کی طرح مارا جائے گا۔"

"ہرگز نہیں' میری نیت صاف ہے۔ میں تمہارے ساتھ کوئی
...دی حرکت نہیں کروں گا۔"

"میں آنے والے وقت کا حساب پچھلے تجربے سے لگاتا ہوں۔
...' تم اور راس المیڈا۔۔۔۔ اس کھیل کے تین فریق ہیں۔ پہلے میری
...ر راس المیڈا کی دشمنی تھی پھر اس نے تمہیں میرے پیچھے
...یا۔ تمہاری شہ پر ولی داد میرے ایک دوست تک پہنچ گیا۔ اسی
... ساتھ راس المیڈا نے مجھے تمہارے پیچھے لگا دیا۔ اب تم مجھ
... راس المیڈا کے لیے بات کر رہے ہو۔ تم باہر نکلے تو راس
...یڈا تمہیں کسی نئی چال میں پھانس سکتا ہے۔ تمہاری ایک بہت
... کمزوری اس کے ہاتھ میں ہے۔ تم اس سے نہیں بچ سکتے۔
...سکتا ہے کہ اس کے مجبور کرنے پر کل تم ولی داد کی طرح میرا بھی
...خرا چبا ڈالو۔ اسی لیے میں کہہ رہا ہوں کہ ہم سب ایک دوسرے
... پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ جو چوکے گا' وہ بے رحمی سے ذبح کر دیا
...ئے گا۔"

وہ چند ثانیوں تک تفکر آمیز خاموشی میں ڈوبا رہا پھر ٹہلتے
...ئے کہنے لگا "میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں' تم اس بلیک میلر سے
...ف زدہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ پھر مجھے تمہارے خلاف
...سائے لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے ٹالتا رہوں گا۔ پہلے میں
...ل ہاتھ تھا۔ اب میرے ہاتھوں میں ولی داد کی لاش ہوگی۔ میں
...سے بتاؤں گا کہ وہ تمہارے ہاتھوں مارا گیا ہے۔"

"میں ان اندازوں پر نہیں چل سکتا" میں نے فیصلہ کن لہجے
...ں کہا "تم خود بتا چکے ہو کہ وہ تم سے تمہاری مرضی کے خلاف
...یرے کام لیتا رہا ہے۔ میں یہ ماننے سے قاصر ہوں کہ تم اس کا
...ؤ قبول نہیں کرو گے۔ تمہاری طرح وہ بھی اپنے نافرمانوں کا بہت
...احشر کرتا ہے۔"

"پھر تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے سوال
کیا۔

"اگر تم راس المیڈا سے واقعی نجات حاصل کرنی چاہتے ہو تو
اس کی موت تک تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔"

"یہ کوٹھری میرے لیے جیل سے بھی بدتر ہے۔ میں زیادہ دن
یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"یہاں نہ سہی' میں تمہیں کراچی میں کوئی آرام دہ کمرا پیدا
کر سکتا ہوں۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہاں میرے آدمیوں کی نگرانی
ہوگی۔ تم میری مرضی کے بغیر باہر نہیں نکل سکو گے" میں نے اپنے
مؤقف میں ذرا سی لچک پیدا کرلی۔

وہ وقت کا خریدار تھا تاکہ نجات کی کوئی راہ نکال سکے۔ میری
نئی تجویز میں اسے وقت ملتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کی آنکھیں چمکنے
لگیں لیکن وہ بولا تو اس کی آواز سپاٹ تھی "اس کا مطلب یہ ہوا
کہ میں تمہاری قید میں رہنے کے لیے تیار ہو جاؤں ورنہ تم مجھے
راس المیڈا کے سپرد کر دو گے؟"

"بدقسمتی سے تمہارے سامنے انتخاب کے لیے صرف یہی دو
راستے رہ گئے ہیں۔ تیسرا راستہ تصادم کا ہے۔ تم یہاں سے فرار کی
کوشش کر کے دیکھ لو' ستارے یاور ہوئے تو زندہ و سلامت صحرا کے
اس پار نکل جاؤ گے' بدنصیبی نے راستہ کاٹا تو میرے کسی آدمی کی
گولی تمہیں چاٹ جائے گی۔"

"تمہارا معاوضہ کیا ہوگا؟" وہ تکلفات چھوڑ کر براہِ راست
سوال کر بیٹھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ اپنی زندگی کے لیے تم بہت کچھ لٹا سکتے ہو۔
تم نے اپنا ہیروئن کا کاروبار مجھے سونپنے کی پیش کش بھی کی تھی لیکن
پیسہ ہی میری زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ تمہاری ہیروئن تم کو مبارک
ہو۔ میں برسوں پہلے اسے طلاق دے چکا ہوں۔ مجھے چار کروڑ روپیہ
درکار ہے۔۔۔۔ نقد اور بڑے نوٹوں کی صورت میں۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم رقم لے کر اپنے وعدوں
سے مکر نہیں جاؤ گے؟"

"تمہیں میری نیت پر شبہ ہے تو رقم رہا ہونے کے بعد دے
دینا" میں نے بے پروائی سے کہا۔

میری پیش کش پر وہ بھونچکا رہ گیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے
بے یقینی سے بولا "اگر رہا ہونے کے بعد میں نے رقم دینے سے انکار
کر دیا تو تم کیا کرو گے؟"

"موجودہ تجربے کے بعد تم ایسا نہیں کر سکو گے' منحرف ہوئے
تو میرے ہاتھ بہت دراز ہیں۔ وعدہ خلافی کا حساب میں رقم سے
نہیں' خون سے چکایا کرتا ہوں۔ میں نے تمہارا اصل روپ دیکھ لیا
ہے۔ وعدہ خلافی کر کے تم میرا اصل روپ دیکھ لو گے۔"

"اس کام میں تمہیں کتنا وقت لگے گا؟" وہ یک بہ یک فکرمند
نظر آنے لگا تھا۔

"میں اسے جلد از جلد نمٹانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے صرف

راس الیڈا کا پتا درکار ہوگا۔ اس کے تین دن کے اندر اندر وہ اس دنیا میں نہیں ہوگا" میں نے پورے وثوق کے ساتھ کہا۔

"تمہاری شرائط معقول ہیں" وہ چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد بولا "تمہاری طرح مجھے بھی سوچنے کی مہلت درکار ہے۔ میں تمہیں کل تک جواب دوں گا۔ بظاہر ہمارا سمجھوتا نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔"

"تم سوچنے کے لیے ایک ہفتہ بھی لے سکتے ہو مگر یہ یاد رہے کہ اس طرح تم اپنی قید کی مدت میں اضافہ کررہے ہو۔ رضامندی کے بعد تمہیں صرف راس الیڈا کا سراغ بتانا ہوگا۔"

"مجھے یہی ایک بات پریشان کررہی ہے۔ تمہیں چار کروڑ کی رقم کی پروا نہیں ہے۔ یوں معلوم ہورہا ہے جیسے تم صرف اور صرف راس الیڈا تک پہنچنے میں دلچسپی رکھتے ہو" دل کی بات اس کی زبان پر آگئی۔

"پھر تم راس الیڈا ہی کی تحویل میں چلے جاؤ تو بہتر رہے گا" میں نے برہمی سے کہا اور گھوم کر دروازے کی طرف چل دیا۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس کی برین واشنگ کے لیے میرا ایک بار ہتھے سے اکھڑنا ناگزیر ہوگیا تھا۔ میرے مصالحانہ رویّے سے اسے میرے اصل ارادوں کی بھنک ملنے لگی تھی۔

اس نے دوڑ کر دروازے پر میرا بازو پکڑلیا۔ میں برہمی کے عالم میں اس کی طرف پلٹا تو اس کا اعتماد متزلزل ہوچکا تھا۔ وہ آہستگی سے بولا "یہ نہ بھولو کہ میں تمہارا قیدی ہوں اور زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ ایک مغلوب شخص کا ذہن ہزار وسوسوں کی آماجگاہ ہوتا ہے۔ تمہیں صبر سے میری بات سننی چاہیے۔"

"صبر کی ایک حد ہوتی ہے۔ اب تم حد سے تجاوز کرتے جارہے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے" اس نے اسی لہجے میں کہا "مجھے تمہاری تجاویز منظور ہیں۔"

اسی وقت دو آدمی ولی داد کی لاش اٹھانے کے لیے آگئے اور ہماری گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا۔ ان دونوں نے لاش کو اسٹریچر پر ڈالا اور چند منٹ میں وہاں سے چلے گئے۔ سلطان شاہ نے ان سے کہہ دیا کہ وہ فرش وغیرہ کی صفائی تھوڑی دیر بعد کریں تاکہ ہماری گفتگو مکمل ہوسکے۔

"تم خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لو پھر مجھے راس الیڈا کا پتا بتادینا" میں نے کہا۔

"میں اپنی قید کی راتوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں ابھی سب کچھ بتانے کے لیے تیار ہوں۔ آج سے میری راتوں کی گنتی شروع ہوجائے گی۔ تم مجھے زیادہ سے زیادہ آج رات یہاں رکھ سکتے ہو۔ کل سے میں دو راتیں کراچی میں بسر کرنے کا حق دار ہوجاؤں گا۔ اس کے بعد تمہیں مجھ کو رہا کرنا ہوگا۔"

اس نے میری تین راتوں والی بات کو مضبوطی سے پکڑلیا تھا اور اپنی دانست میں ان کا حساب بھی لگالیا تھا۔ میں نے اس کی تائید کی تو اس نے ایک گہرا سانس لے کر مجھ سے سگریٹ مانگ لیا۔ میں نے اپنے پیکٹ سے دو سگریٹیں سلگا کر ایک اس کے حوالے کردی۔

وہ کمرے میں ٹہل کر سگریٹ کے گہرے گہرے کش لینے لگا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس نازک موڑ پر وہ کسی شدید اندرونی کشمکش میں مبتلا تھا اور وقت گزار کر اس پر قابو پانے کی کوشش کررہا تھا۔

"ہم تمہارے بولنے کا انتظار کررہے ہیں" چند لمحوں کے بعد سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا۔

"میری چھٹی حس مجھے تنگ کررہی ہے" وہ رک کر خائف آواز میں بولا۔

"چھٹی حس نہیں، یہ تمہاری اپنی مکاری ہے جو تمہیں ستارہی ہے" میں نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں کہا "تم یہ سوچ کر پریشان ہورہے ہو کہ اس وقت تم میری جگہ ہوتے تو تمہاری کیا چال ہوتی۔ تم کینہ پرور اور مغلوب الغضب آدمی ہو اس لیے آئینے میں نظر آنے والی تصویر تمہیں خوف زدہ کررہی ہے۔"

"تم نے میرے ساتھ عہد شکنی کی تو شاید تم مجھے مارنے میں کامیاب ہوجاؤ لیکن یہ یاد رکھنا کہ میں مرکر بھی تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ میری روح تم سے بھیانک انتقام لے گی اور تم تاقیامت جہنم کی آگ میں سلگتے رہوگے۔"

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم قیامت اور جہنم پر یقین رکھتے ہو" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "اب یہ وعظ بند کرو اور مجھے کام کی بات بتاؤ تاکہ میں یہاں سے کراچی کی طرف روانگی کا پروگرام بناسکوں۔ میں خود بھی کیمپ کی اس صحرائی زندگی سے بے زار ہوچکا ہوں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کراچی کی آسائشوں کو چھوڑ کر یہاں کیوں پڑے ہوئے ہو؟"

"تم پھر بہک رہے ہو۔ راس الیڈا کا پتا بتاؤ ورنہ ہم جارہے ہیں۔"

اس نے اضطراری طور پر سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر تھوک نگلنے کی کوشش کی پھر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے کے بعد راس الیڈا کے مکان کا محلِ وقوع بتانے لگا۔

ڈیفنس سوسائٹی میں سعودی قونصل خانے سے ساحل کی طرف جانے والی سڑک کا ذکر آتے ہی میں چونک پڑا۔ سخی مراد جس عمارت کا ذکر کررہا تھا اسے میں بارہا دیکھتا رہا تھا اور وہ چوکور قلعہ ہمیشہ ہی میری نظروں میں کھٹکتا رہا تھا۔

سلطان شاہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے خشونت بھری نظروں سے سخی مراد کو گھور رہا تھا مگر وہ میری طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے سلطان شاہ کی طرف سے یکسر غافل تھا۔

میں جب بھی ادھر سے گزرا، وہ مکان میری خصوصی توجہ کا مرکز بنے بغیر نہ رہ سکا۔ سامنے کے حصے میں تقریباً بیس فٹ اونچے ستونوں کے درمیان اوپر نیچے سرکنے والے بند دروازوں کے علاوہ اس عمارت میں کبھی بھی رسائی کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا تھا۔

وہ میرا ایک ذہنی مبالغہ بھی ہو سکتا تھا لیکن سخی مراد نے راس المیڈا کی کمین گاہ کا محل وقوع بتانے کے ساتھ اس کا جو نقشہ بتایا تھا، وہ اس عمارت پر منطبق ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا جو میرے ذہن میں جاگزیں تھی۔

وہ اپنے قرب وجوار کے دوسرے مکانات سے کئی گنا زیادہ رقبے پر بنی ہوئی عمارت تھی۔ کنکریٹ کے بلند وبالا ستونوں کے درمیان لگے ہوئے آہنی دروازے اتنے کشادہ تھے کہ ان کے کھول دیے جانے پر بڑے سے بڑے ٹریلر وغیرہ بھی آسانی سے اندر جا سکتے تھے۔ عمارت کے سامنے والے حصے میں جو سڑک پر کھلتا تھا، ایک دوسرے سے متصل ایسے چار دروازے تھے۔ اس سمت میں کسی بھی دیوار وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی گئی تھی۔

سخی مراد کو اس مکان کا نمبر وغیرہ نہیں معلوم تھا۔ میری دانست میں وہ ایک معمولی بات تھی۔ شہروں میں رہنے والے بیشتر لوگ اپنے شناساؤں اور رشتے داروں کے گھروں کے محلِ وقوع سے بہت اچھی طرح واقف ہوتے ہیں اور جب چاہتے ہیں، کسی دشواری کے بغیر وہاں پہنچ جاتے ہیں لیکن ان سے ان گھروں کا پتا پوچھ لیا جائے تو ان پر دقت پڑ جاتا ہے۔

سخی مراد پتے سے لاعلم ہوتے ہوئے اس مکان کی جو نشانیاں بتا تا رہا، میری نظروں میں وہ بہت واضح تھیں۔ ان نشانیوں سے باخبر ہونے کے بعد دھوکا کھانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

"تم سب کچھ بتا رہے ہو تو اس مکان کا نمبر کیوں نہیں بتاتے؟" سخی مراد کے خاموش ہونے پر سلطان شاہ نے غرا کر پوچھا۔ وہ ڈیفنس کے علاقے سے بہت زیادہ واقف نہیں تھا اس لیے اس کی الجھن اپنی جگہ پر بجا تھی۔ میں اس کی الجھن رفع کر سکتا تھا لیکن سخی مراد کے سامنے میں زیادہ نرمی دکھانے کے حق میں نہیں تھا۔ میں نے سلطان شاہ سے کچھ کہنے کے بجائے خاموشی اختیار کیے رکھی۔

"میں اس مکان کے نمبر سے واقف نہیں ہوں۔ مجھے ایک بار بریفنگ کے لیے وہاں بلایا گیا تھا۔ وہ عمارت ایسی ہے کہ اسے باہر سے ایک بار دیکھ کر بھلایا نہیں جا سکتا۔ تم اس سڑک پر پہنچ گئے تو اس عمارت کو دور ہی سے پہچان لوگے۔ یقین کرو کہ میں تم سے کوئی بلف نہیں کر رہا۔ مجھے اپنی زندگی اور آزادی بہت عزیز ہے۔ اگر مجھے اس گھر کا پتا معلوم ہوتا تو میں اتنی لمبی چوڑی تقریر کرنے کے بجائے تمہیں مکان کا نمبر وغیرہ ضرور بتا دیتا۔" سخی مراد نے کہا۔

"کراچی میں اس طرز کے مکانات بنانے کا رواج نہیں ہے۔" اول خان نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا "ڈیفنس کے علاقے میں ویسے بھی خوبصورت مکان بنوانے کا رواج ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ محلات نما مکانوں کے درمیان میں کسی نے ایک بے ہنگم ڈبا کیوں بنوایا ہوگا۔"

"وہ مکان دیکھنے کے بعد تم کو میری ہر بات پر یقین آ جائے گا۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

وہ دونوں اس نکتے پر سخی مراد کے ساتھ سختی برتنے پر مائل نظر آ رہے تھے۔ مجھے مجبوراً کھنکھار کر دخل دینا پڑا۔ میں نے آہستگی سے کہا "میرا خیال ہے کہ میں نے ڈیفنس میں اس قسم کا مکان دیکھا ہوا ہے۔"

سخی مراد کے چہرے پر رونق سی آ گئی اور وہ ممنونیت بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "خدا کا شکر ہے کہ یہاں کوئی میرا ہم نوا بھی ہے...... ایک سمجھوتا ہو جانے کے بعد مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ابھی تم نے کہا کہ تم ایک بار اس عمارت میں جا چکے ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے استفسار کیا۔ اس نے اپنے سر کی پُرجوش جنبش سے اثبات میں جواب دیا۔

"اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو باہر سے دیکھنے پر وہ ویران عمارت کسی بڑے گودام سے مشابہ نظر آتی ہے......"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ میری بات کاٹ کے اضطراری لہجے میں بول پڑا "یہ اس مکان کی سب سے بڑی پہچان ہے۔ یہ بات میرے دماغ میں گھوم رہی تھی لیکن زبان پر نہیں آ رہی تھی۔"

"اگر تم نیک نیتی سے راس المیڈا کی موت کے خواہاں ہو تو اس عمارت کے بارے میں ہر بات بتاتے چلے جاؤ۔ وہ کسی احاطے کے بغیر، کنکریٹ اور لوہے کی ایک بلند فصیل ہے۔ میں اندر رسائی کے طریقے کے بارے میں تمہارا مشورہ چاہتا ہوں۔ اس فصیل میں کہاں اور کیسے شگاف ڈالا جا سکتا ہے؟"

"وہاں داخلے کی راہ تلاش کرنا ہی شاید سب سے بڑا کام ہوگا۔" وہ چند ثانیوں کے توقف کے بعد فکر مندانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے وہاں گیٹ نمبر چار پر پہنچنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ دروازوں پر کوئی نمبر نہیں تھا، اس لیے مجھ سے غلطی ہوگئی اور میں نے بائیں جانب سے پہلے گیٹ کے سامنے گاڑی روک دی۔ میں نیچے اتر کر سپاٹ ستونوں میں کسی اطلاعی گھنٹی وغیرہ کا بٹن تلاش کر رہا تھا کہ کسی خفیہ اسپیکر سے ابھرنے والی تحکمانہ آواز نے مجھے بوکھلا دیا۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ میں پہلے گیٹ کے سامنے موجود ہوں۔ اس وقت مجھے چوتھے گیٹ کے سامنے ہونا چاہیے تھا۔ باہر کسی متنفس کے موجود نہ ہونے اور سامنے ٹھوس دیوار موجود ہونے کے باوجود اندر والوں کو میری آمد کا علم ہو گیا تھا۔ اس اچانک انکشاف نے مجھے خوفزدہ کر دیا اور میں اپنی گاڑی تیزی سے چوتھے گیٹ کے سامنے

لے گیا۔ وہاں کسی نے باہر آنے یا میری شناخت طلب کرنے کی زحمت نہیں کی۔ میری گاڑی رکتے ہی چوڑا فولادی شٹر کسی خودکار نظام کے تحت اوپر اٹھنا شروع ہوا۔ چند ہی ثانیوں میں فرش اور فولادی شٹر کے درمیان اتنا خلا پیدا ہو چکا تھا کہ بیک وقت کئی گاڑیاں اندر جا سکتی تھیں۔ اندر اندھیرا تھا' میں ڈرتے ڈرتے گاڑی اندر لے گیا اور شٹر تیزی سے دوبارہ بند ہو گیا۔"

وہ سانس لینے کے لیے خاموش ہوا تو سلطان شاہ بول پڑا "ہم بیسویں صدی میں رہ رہے ہیں۔ یہ اس دور کے معمولی سائنسی شعبدے ہیں۔ انہیں طلسماتی رنگ دینے کی کوشش مت کرو۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے اعتراف کیا "بعد میں مجھے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ فوٹو سیل اور ویڈیو کیمروں کی مدد سے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے لیکن اگر بے خبری میں اچانک ہی ایسے شعبدوں کا سامنا کرنا پڑ جائے تو اچھے خاصے آدمی کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے...... شٹر بند ہوتے ہی اندر دن کا سا اجالا پھیل گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی اونچی سرنگ کے ابتدائی حصے میں ہوں۔ اندر گاڑیاں پارک کرنے کے لیے کشادہ جگہ تھی۔ اس سے آگے ایک دیوار نے سب کچھ چھپایا ہوا تھا۔ دیوار کے وسطی دروازے سے ایک سفید فام نے باہر آ کر میرا استقبال کیا۔ وہ دروازہ ایک کمرے میں کھلتا تھا۔ کمرے کی بقیہ دو دیواروں میں بند دروازے موجود تھے۔ تیسری دیوار شیشے کی تھی لیکن اس کی دوسری جانب اندھیرے کا راج تھا۔ میرے وہاں پہنچنے کے چند ثانیوں بعد میرے کانوں میں راس المیڈا کی آواز آئی۔ خفیہ مائیکروفون کے ذریعے میری آواز اس تک پہنچتی رہی۔ وہ مجھے بتا رہا تھا کہ مجھے قبرص کے لیے ماربل کی شطرنجوں کی ایک کھیپ تیار کر کے اس مکان میں پہنچانی ہے جہاں اس کا ایک آدمی پہلے سے رہ رہا تھا۔ میں چیف یا راس المیڈا سے ہمیشہ خائف رہا ہوں لیکن اس وقت مجھے اپنا مستقبل خطرے میں نظر آنے لگا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ شطرنجوں کی کھیپ میں کوئی بڑی گڑبڑ کی جائے گی۔ اگر وہ گڑبڑ پکڑی جاتی تو میری سیاسی زندگی تباہ ہو سکتی تھی۔"

جب کئی ثانیوں کی خاموشی کے بعد بھی اس نے بولنا شروع نہیں کیا تو مجھے احساس ہوا کہ اس مدافعانہ موڑ پر اس نے اپنی بات پوری کر لی تھی۔ میں نے پوچھا "تمہاری بات ادھوری ہے۔ تم نے اپنے اندیشے کے بارے میں راس المیڈا سے کوئی نہ کوئی سوال ضرور کیا ہو گا۔"

"اس نے میرے اندیشے کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں دی" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا "اسے پورا یقین تھا کہ پاکستان میں کوئی بھی اس کھیپ کو ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ منزل کے بارے میں اس نے استہزائیہ لہجے میں بتایا تھا کہ اس کھیپ کی سرے سے کوئی منزل ہی نہیں تھی۔ چارٹر جہاز کو پرواز کے چند منٹ بعد ایک مقررہ نشانے پر گر کر تباہ ہو جانا تھا۔ ہر ثبوت جہاز اور نشانے کے جلے ہوئے ملبے کی راکھ میں نیست و نابود ہو کر رہ جاتا۔"

راس المیڈا کے کے نائین نامی مشن کے بارے میں ہم سب نے بہت زیادہ دماغ سوزی کر کے واقعات کی کڑیاں یک جا کی تھیں اور پھر اپنی دانست میں اس مشن کو پرواز سے پہلے ہی برباد کر دیا تھا لیکن ہمیں کہیں سے اس بات کی کوئی شہادت نہیں مل سکی تھی کہ ہم صحیح خطوط پر سوچتے رہے تھے۔ سخی مراو کے بیان سے یہ بات پہلی بار ثابت ہو رہی تھی کہ ہمارے اندیشے درست تھے۔ بارودی پیٹیاں لے جانے والا مال بردار طیارہ قبرص جانے کے بجائے اسی مقام پر کریش ہونا تھا جسے امریکنوں نے چالیس برس قبل کیے جانے والے شہری ترقیاتی منصوبے میں کے نائین کا نام دیا تھا۔

"تم نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ وہ جہاز کہاں گرایا جانے والا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"چیف سوالات بالکل پسند نہیں کرتا۔ یہی غنیمت تھا کہ اس نے میرے ایک سوال کا جواب دے دیا تھا۔ میں کوئی اور سوال کرتا تو وہ برہم ہو سکتا تھا۔ وہ ہر شخص کو اپنے حکم کا غلام دیکھنا پسند کرتا ہے۔ سوچنے والے لوگ اسے بالکل پسند نہیں ہیں۔ یہ بات اس نے روز اول ہی مجھ پر واضح کر دی تھی۔"

"تم نے دیکھ لیا تھا کہ اس کی حد سے بڑھی ہوئی یہی... خود اعتمادی اسے لے ڈوبی...... طیارے کے انجن چلنے سے پہلے ہی راس المیڈا کے منصوبے کا پردہ چاک کر دیا گیا اور تم یہاں پہنچا دیے گئے۔"

"وہ اپنے قول و فعل کا ذمے دار ہے' میں تو ناگہانی اس چکر میں آ گیا۔"

"تم اتنے معصوم نہیں ہو۔ وہ تم سے تمہارے جرائم کی قیمت وصول کر رہا تھا۔"

"ہیروئن کی تجارت جرم نہیں ہے۔ اسے مغرب والوں نے جرم بنایا ہوا ہے۔ میرے لیے سرحد اور افغانستان سے مال لانے والوں میں بہت سے پنج وقتہ نمازی اور روزے دار بھی ہوتے تھے۔ انہوں نے کبھی ہیروئن کو حرام اور برا نہیں کہا۔ جرم وہ ہوتا ہے جسے قانون کے ساتھ معاشرہ بھی برا سمجھے۔ تم مجھے مجرم کہہ رہے ہو لیکن میں ایک سانس میں تمہیں ان عزت داروں کے نام بتا سکتا ہوں جو اسی پیسے پر پل رہے ہیں......"

"بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں" میں نے سختی سے اسے خاموش کر دیا "ہر مجرم اپنے جرائم کے لیے خود ساختہ جواز لیے پھرتا ہے لیکن پھر بھی قانون کی گرفت سے نہیں بچتا۔ انسان کے بنائے ہوئے قانون کند ہو جائیں تو قدرت کا قانون حرکت میں آتا ہے۔ تم صرف یہ بتاؤ کہ وہاں تم نے اور کیا دیکھا' راس المیڈا کی مزید ہدایات کیا تھیں؟"

"اس نے مجھے قبرص والی کھیپ کی اہمیت سمجھانے کے لیے بلایا تھا' اپنی بات پوری کرنے کے بعد رخصت کر دیا۔ میں نے وہاں اس کمرے کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔ خود کار آہنی دروازہ کھلا

اور میں وہاں سے رخصت ہوگیا۔"

"تم نے بعد میں اس عمارت کا طواف کر کے کوئی اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی؟"

"نہیں۔" اس نے کسی جھجک کے بغیر کہا "چیف کے وسائل کا اندازہ لگانے کے بعد میں ایسی کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ بریفنگ کے بعد میری نگرانی شروع کرا دی گئی تھی۔"

"اس سے پہلے وہ ایلین کے ساتھ پی ای سی ایچ ایس میں رہ رہا تھا" سلطان شاہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "کتوں والے منصوبے کی ناکامی اور عمارت کی تباہی کے بعد وہ وہاں سے نکلا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اب بھی وہ کہیں اور رہ رہا ہو۔ اس نے سخی مراد کو چکر دینے کے لیے اس عمارت میں بلایا ہو۔"

"تم لوگ اپنے نتائج اخذ کرنے کے لیے آزاد ہو۔" سخی مراد نے دخل انداز ہوتے ہوئے کہا "لیکن میں نے وہاں جو کچھ دیکھا' اس کے بعد اس عمارت کو نظرانداز نہیں کیا جانا چاہیے۔"

"میرے ساتھی کا اعتراض وزنی ہے۔" میں نے سخی مراد سے معنی خیز لہجے میں کہا "اگر راس الیڈا وہاں نہیں رہ رہا تو ہم اسے کہاں تلاش کریں گے؟ اصل مسئلہ اس کے ٹھکانے کا ہے۔"

"یہ سب تمہارے مسائل ہیں۔" سخی مراد تیزی سے بولا۔ "مجھے جو کچھ معلوم تھا' میں نے بتا دیا۔ اب تین راتوں کے بعد چوتھی رات میں اپنی خواب گاہ میں گزارنے کا حق دار بن چکا ہوں۔ تم میرے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کرو گے۔ میں آزاد ہونے کے بعد بھی تمہارے ساتھ بھرپور تعاون کرتا رہوں گا۔ یہ تعاون اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تم راس الیڈا کو جہنم واصل نہیں کر دیتے۔"

میں نے گمبھیر مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "تم نے اس وقت مجھے ایک نئی پیچیدگی کا احساس دلایا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں رہا کرنے کے بعد میرا کیا بنے گا۔"

"تمہارا کیا مسئلہ ہے؟" اس نے مضطربانہ آواز میں کہا "تم تو ویسے ہی راس الیڈا کے ساتھ محاذ آرائی میں مصروف ہو۔ میرے رہا ہونے سے تم پر کیا اثر پڑے گا؟"

"تم بھول رہے ہو کہ یہ کہانی اتنی سیدھی نہیں۔ ہم تینوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں مگر پھر بھی آپس میں گٹھ جوڑ کر کے تیسرے کو مروانے کی فکر میں ہیں۔ اس وقت کی تازہ ترین صورتِ حال یہ ہے کہ تمہیں بھاری تاوان کے لیے اغوا کیا جا چکا ہے۔ اگر راس الیڈا کو بھنک بھی مل گئی کہ تمہارے اغوا میں میرا ہاتھ تھا اور میں نے اس سے بدعہدی کرتے ہوئے اس کی رقم ہضم کر کے' کسی نئے سمجھوتے کے تحت تمہیں چھوڑ دیا ہے تو میرے لیے بہت زیادہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ وہ میری طرف سے چوکنا ہو جائے گا۔ میں اسے ٹھکانے نہ لگا سکا تو تم مجھے رقم دینے سے انکار کر دو گے۔ تم دونوں یک جا ہو کر میری دشواریوں میں اضافہ کر سکتے ہو۔"

"میں رہا ہوتے ہی تمہیں پوری رقم ادا کر دوں گا۔" بات بگڑنے کے خوف سے وہ ترغیب و تحریص پر اتر آیا۔ "میں فون پر اپنے کسی آدمی سے چار کروڑ کی نقد رقم بڑے نوٹوں کی صورت میں منگوالوں گا۔ تم اپنی مرضی کے مقام اور وقت پر مجھے آزاد کر کے وہ رقم لے سکو گے۔ اس کے بعد بھی راس الیڈا نہ مارا جا سکا تو میں اس مالی نقصان کو اپنے اغوا کا تاوان سمجھ کر بھول جانے کی کوشش کروں گا۔"

"شاید ہم قبل از وقت ان تفکرات میں الجھ رہے ہیں" اول خان نے اس وقت میری بالادستی پر اثر انداز ہوئے بغیر معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "تین دن بعد اصل صورتِ حال سامنے آ جائے گی۔ اس وقت تم اپنی مرضی کے مطابق نیا طریقۂ کار طے کر سکو گے۔"

"تمہارا ساتھی ٹھیک کہہ رہا ہے" سخی مراد نے اول خان کے دل میں پروان چڑھنے والے عزائم کا اندازہ کیے بغیر جلدی سے کہا۔ "مگر میں اب اس جھلستے ہوئے صحرا میں مزید وقت نہیں گزار سکتا۔ مجھے فوری طور پر کراچی کے کسی بہتر ٹھکانے پر منتقل کرنے کا بندوبست کرو۔"

"یہ مت بھولو کہ اس وقت بھی تم بہت بہتر ٹھکانے پر ہو۔" سلطان شاہ اس کے خلاف اپنے دل کے بغض و عناد پر قابو نہیں پا سکا اور زہر آلود لہجے میں بول ہی پڑا۔

"کیا مطلب؟" سخی مراد نے کسی زخمی درندے کی طرح بھڑک کر تیزی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے جلدی سے بات سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تم نے ولی داد کو مار ڈالا۔ اس کے مقابلے میں تم اس وقت بہتر جگہ پر ہو۔ اس مقابلے کا انجام مختلف ہوتا تو ولی داد کی طرح تم بھی صحرا اور شہر کی تمیز سے بے نیاز ہو چکے ہوتے۔"

اس موازنے پر سخی مراد کی ذہنی رو بھٹک گئی اور وہ رعونت سے گردن پھیر کر بولا "ولی داد نمک حرام تھا۔ وہ بچپن سے میری کمائی پر پلتا رہا اور آج اس نے میرے خلاف تم لوگوں کے ہاتھ مضبوط کر کے میرے مان کو خاک میں ملا دیا۔ اس کا یہی حشر ہونا

تھا...... تم نہیں جانتے کہ میں برسوں سے اپنے پورے خاندان کی کفالت کر رہا ہوں۔ وہ سب، کچھ کیے بغیر عیش کر رہے ہیں۔ میرے چھوٹے تو چھوٹے، بڑے بھی میرے سامنے نظریں جھکا کر ادب سے بات کرتے ہیں، مجھے بے چون و چرا اپنا سربراہ مانتے ہیں۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ ولی داد نے پیٹھ پیچھے اپنی زبان سے زہر اگلا لیکن جب میری نگاہوں میں خون اترا تو اس کے دست و بازو میں مجھ پر وار کرنے کی سکت نہیں تھی۔ مدافعت اس کا حق تھا۔ ٹوٹے ہوئے پروں والے پرندے بھی جان بچانے کے لیے بھوکے درندوں کے دانتوں میں پھڑپھڑاتے ہیں۔ وہ مجھے مار ہی نہیں سکتا تھا۔ تم نے اس سے میرا موازنہ کر کے میری توہین کی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" میں نے بحث ختم کرنے کے لیے سنجیدگی سے اس کی بات کی تائید کی "تم اگر اپنے خاندان کے اَن داتا ہو تو ان گیدڑوں سے تمہارا موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ اپنا شکار کھانے والا، پس خوردہ کھانے والوں کے برابر کبھی نہیں ہوتا۔ تم یہاں آرام کرو۔ میں تمہاری کراچی منتقلی کا بندوبست کرتا ہوں۔ میری کوشش ہوگی کہ میں تم سے کیے ہوئے اپنے وعدے کو پورا کر سکوں۔"

"تم صاف اور سلجھے ہوئے ذہن کے مالک ہو۔" وہ تعریفی لہجے میں بولا "جانے سے پہلے مجھے سگریٹ کا پیکٹ دیتے جاؤ۔ اب تک تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میں آگ وغیرہ لگا کر خودکشی کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں اپنی عقل اور زورِ بازو سے اپنا راستہ بنانا جانتا ہوں۔"

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر اپنا سگریٹ کا پیکٹ اس کی طرف اچھال دیا۔

اس نے حریصانہ انداز میں وہ پیکٹ فضا ہی میں لپک لیا اور عامیانہ انداز میں اسے بوسہ دے کر دوبارہ اپنی ہرزہ سرائی شروع کردی "سیاست میری طاقت اور دولت میرا ہتھیار ہے۔ ولی داد شاید بھول گیا تھا کہ پہاڑوں سے ٹکرانے والے سنگریزے دھول بن کر بکھر جاتے ہیں۔ تم دیکھ لو کہ ہمارا آمنا سامنا دشمنوں کی طرح ہوا تھا۔ تم بہت کچھ جانتے ہو لیکن آخر کار ہمارے درمیان مفاہمت ہو ہی گئی۔ ولی داد جیسے نادان دوست آدمی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں لیکن تم جیسے دانا دشمنوں سے مصالحت کر کے آدمی بہت کچھ سیکھتا ہے......"

رسی جل گئی تھی لیکن اس کے بل نہیں نکلے تھے۔ قید و عتاب میں آنے کے بعد اس کی زخم خوردہ انا لفظی سہاروں سے بلندی حاصل کرنے کی جستجو کر رہی تھی۔ وہ بولتا رہا اور ہم تینوں نے اس کے کمرے سے باہر آکر دروازہ بولٹ کر دیا۔

"اس وقت سخی مراد ذہنی خلل میں مبتلا ہو چکا ہے۔" وہاں سے اپنے دفتر کی طرف جاتے ہوئے اول خان نے سرد اور جذبات سے عاری لہجے میں تبصرہ کیا۔

"ولی داد کا خون اس کے سر پر سوار ہے۔ اس نے مشتعل ہو کر جس بہیمانہ انداز میں اسے ہلاک کیا ہے، اسے آسانی سے نہیں بھلا سکے گا۔ وہ منظر خوابوں میں بھی اسے ڈراتا رہے گا۔" سلطان شاہ نے کہا "مجھے تھوڑا سا قلق ہے کہ اس وحشیانہ واردات میں ہم خاموش تماشائی بنے رہے۔"

"ولی داد دو آدمیوں کا قاتل اور موت کا سوداگر تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا "تم نے سنا نہیں کہ اس نے دبے لفظوں میں اعتراف کر ہی لیا تھا کہ اپنے بھائی جان کے ہیروئن کے کاروبار کی دیکھ بھال وہی کرتا ہے۔ یہ ہونا ہی تھا۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کے سامنے صف آرا کرنے کے بعد ہمیں یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ سخی مراد اپنے اصل روپ میں کس قدر بھیانک اور وحشی ثابت ہو سکتا ہے۔"

سلطان شاہ نے اول خان کے دفتر میں پہنچ کر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے احتجاج آمیز لہجے میں کہا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس سے راس الیمیڈا کے ٹھکانے کے بارے میں معلومات اگلوانے کے بعد تم اسے منہ کیوں لگا رہے ہو؟ وہ ایک خونی درندہ ہے۔ اسے ختم کر دیا جانا چاہیے۔"

"میں حیران ہوں ایک ممتاز سیاستداں ہوتے ہوئے وہ اتنا شقی القلب انسان ہے" اول خان جھرجھری لے کر بولا "اس کے ظاہر اور باطن میں کیسا لرزہ خیز تضاد ہے۔ اگر اس جیسے انسان کو ہم سب کی قضا و قدر کا مالک بنا دیا جائے تو ہمارا انجام کیا ہوگا؟"

"سیاستدانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں لیکن خدا کا شکر ادا کرو کہ سب ایسے ہی نہیں ہیں۔ اس سے پہلے بھی تم دیکھ چکے ہو کہ ہمارے سیاست داں نہ صرف مجرموں کی پشت پناہی کرتے ہیں بلکہ خود بھی دامن بچا کر جرائم کر گزرتے ہیں" میں نے تلخ لہجے میں پچھلے تجربات کا سرسری حوالہ دیتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "وہ دور ختم ہو چکا ہے جب معززین اور شرفا سیاست کو قومی عبادت سمجھ کر اپنے اثاثے لٹا ڈالتے تھے۔ اب یہ ایک کاروبار ہے۔ ایک لگا کر جب ہر ایک سو اور ہزار کمانے کے چکر میں پڑ جائے تو سخی مراد جیسے لوگوں کو ابھر کر اوپر آنے کا موقع مل جاتا ہے۔ سب ایک دوسرے کے رازداں ہوتے ہیں لیکن پرامن بقائے باہمی کے نظریے کے تحت کوئی کسی پر انگشت نمائی نہیں کرتا۔ کوئی کسی کی دُم کچل ڈالے تو وقتی طور پر الزامات اور جوابی الزامات کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور پھر حیرت ناک طور پر ہر طرف سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ جس حمام میں سب ایک جیسے ہوں، وہاں کون کسی کو طعنہ دے کر نادم کر سکتا ہے؟"

"یہ حشر دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ ہم لوگ سب کچھ بھول بھال کر سیاست کے میدان میں کود پڑیں" سلطان شاہ جذباتی لہجے میں بولا "کم از کم ایسے لوگوں سے تو نجات مل سکے گی۔"

"مٹی پلید ہو جائے گی۔" میں نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "ہمارا تو خیر ماضی ہی داغ دار ہے، جو شریف آدمی کمر کس کے میدان میں آتا ہے، سارے سیاسی گدھ اسی پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور وہ اپنے زخموں کو چاٹتا ہوا میدان سے بھاگ کھڑا ہوتا

ہے...... لوگوں کا حافظہ اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ چناؤ کا وقت آتا ہے تو ولی داد اور سخی مراد جیسے لوگوں کو کندھوں پر اٹھا کر دیوانہ وار ناچنا شروع کردیتے ہیں۔"

"یہ نظام کی خرابیاں ہیں" اول خان کی آواز افسردہ ہوگئی۔ "ان کے بارے میں سوچ سوچ کر اپنا خون نہ جلاؤ۔ یہ ہمارے بس سے باہر کی باتیں ہیں۔ ہمیں اسی نظام میں رہ کر برائیوں سے لڑنا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب تم نے سخی مراد کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ اس سرزمین پر زہریلے ناگوں کو پروان چڑھاتے رہیں گے اور ہم ساری عمر ان سے لڑتے رہنے کے بعد ایک روز خود بھی اس دنیا سے رخصت ہوجائیں گے؟" میرے جواب دینے سے پہلے ہی سلطان شاہ غصے اور مایوسی کے عالم میں بول پڑا۔

"زمین پر انسانی خون کی پہلی بوند گرنے سے اب تک یہی ہوتا چلا آیا ہے اور شاید ابد تک ہوتا رہے گا" اول خان ملول سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "ہر دور میں چہرے بدلتے رہتے ہیں' کردار وہی ہوتے ہیں۔ لڑائی میں ایک فریق غالب آتا ہوا نظر آتا ہے اور کبھی دوسرا چھانے لگتا ہے......"

"یہ بحث کبھی ختم نہیں ہوسکتی" میں نے فیصلہ کن لہجے میں اول خان کی بات کاٹ کر کہا "سخی مراد کے انجام کے بارے میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ قانون کے محافظوں کی موشگافیاں ہم سن چکے ہیں۔ سخی مراد کے مقابلے میں بھی قانون بے بس رہے گا کیونکہ اس کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ اس نے ہمارے سامنے جو کچھ اعترافات کیے ہیں' وہ ان سے پھر سکتا ہے۔ اسے ہم کو کیفرِ کردار تک پہنچانا ہوگا۔"

"سوال یہ ہے کہ یہ نیک کام کب ہوگا؟" سلطان شاہ اس بارے میں بہت بے چین تھا۔

"ہم نے انگلی ہلائے بغیر ولی داد کو اس انجام تک پہنچادیا۔ ہوسکتا ہے کہ سخی مراد کے ساتھ بھی ایسی ہی کہانی دہرائی جائے۔ میں راس المیڈا کی تلاش تک اسے زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم نے اسے یہ پٹی پڑھادی ہے کہ وہ تھر کے کسی صحرائی کیمپ میں مقید ہے۔ وہ کل کا دن طلوع ہوتے ہی ہنگامہ کھڑا کردے گا کہ اسے کراچی کیوں نہیں پہنچایا گیا" اول خان نے کہا۔

"اگلی صبح وہ خود کو کراچی کی کسی آرام دہ خواب گاہ میں پائے گا" میں نے اطمینان سے کہا "اسے کھانے پینے کے لیے اب جو چیز بھی دی جائے' اس میں کسی خواب آور دوا کی خاصی مقدار ملادی جائے تاکہ وہ رات ہونے سے پہلے ہوش میں نہ آسکے......"

"اس کے لیے کس ہوٹل میں کمرا بک کرانے کا ارادہ ہے؟" سلطان شاہ نے جل کے پوچھا۔

"تمہارا کیا مشورہ ہے؟" میں نے ماحول پر چھائے ہوئے جمود کو ختم کرنے کے لیے اسے چڑایا۔

"ہمیں اپنے لیے ہی مشکل سے سر چھپانے کا ٹھکانا ملا ہے' اول خان کے پاس اس ویرانے کے علاوہ صرف اپنا گھر ہے۔" سلطان شاہ غصیلے لہجے میں بولا "اس مصیبت کو تم کہاں لے جاؤ گے؟"

میں سکون اور دلچسپی سے اس کی بات سنتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے سنجیدگی سے کہا "تم بھول رہے ہو کہ اس وقت نادرہ کا گھر بھی ویران پڑا ہوا ہے۔ اول خان کے دو آدمیوں کی نگرانی میں سخی مراد کو اسی تہ خانے میں ڈالا جاسکتا ہے جہاں گیری ہارٹ کے ماتحت 'انسپکٹر جیف ملر کو رکھا گیا تھا۔"

"اور اگر سخی مراد نے وہاں ہنگامہ آرائی شروع کردی؟" سلطان شاہ نے کھسیائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اول خان کے آدمی تماشا نہیں دیکھیں گے۔ ناگزیر ضرورت پڑنے کی صورت میں اسے قبل از وقت ہلاک بھی کیا جاسکتا ہے۔ وہ زندہ رہا تو شاید ہم اسے ایک مہرے کی صورت میں استعمال کرسکیں۔"

بات طے ہوگئی۔ سخی مراد کے لیے نئے ٹھکانے کی تجویز سننے کے بعد سلطان شاہ مطمئن نظر آنے لگا لیکن زبان سے میری تجویز کی تائید کرنے کے بجائے وہ لاتعلقانہ انداز میں بیٹھا رہا۔

نادرہ کے گھر کا محلِ وقوع بہت آسان تھا۔ محض پتا بتادینے پر بھی اول خان کے آدمی سخی مراد کو لے کر آسانی سے وہاں پہنچ سکتے تھے لیکن وہ گھر سلطان شاہ کا دیکھا بھالا تھا۔ اس کی رہنمائی میں وہ کام بہتر طریقے سے سرانجام دیا جاسکتا تھا۔

سخی مراد کو کسی شبے کا موقع دیے بغیر وہاں سے نادرہ کے گھر منتقل کیا جانا تھا اس لیے اسے فوری طور پر یا زبردستی بے ہوش کرنا مناسب نہ ہوتا۔ ایس ٹی ایف والوں کو پورے صبر و تحمل سے اس وقت کا انتظار کرنا تھا جب سخی مراد بھوک یا پیاس سے مغلوب ہوکر خورونوش کی کسی چیز کی فرمائش کرتا۔

سلطان شاہ کو وہاں رک کر وقت گزارنا تھا لیکن میں راس المیڈا کا ایک نیا سراغ مل جانے کے بعد وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرا مسئلہ یہ تھا کہ میں اول خان ہی کے ساتھ اسٹیشن فور آیا تھا اور میری گاڑی اول خان کے گھر پر کھڑی ہوئی تھی۔ اسٹیشن فور سے اول خان کے گھر تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔

مجھے اس بارے میں لب کشائی کی ضرورت نہیں پڑی۔ اول خان نے نظروں ہی نظروں میں میری الجھن بھانپ لی اور اپنے اردلی سے ایک ڈرائیور کو بلوا کر اسے میرے حوالے کردیا۔

میری خواہش تھی کہ وہ ڈرائیور مجھے سپرہائی وے یا زیادہ سے زیادہ سہراب گوٹھ پر چھوڑ کر لوٹ آتا اور میں وہاں سے کوئی ٹیکسی وغیرہ پکڑ کر اول خان کے گھر پہنچ جاتا لیکن اول خان ایسے معاملات میں بہت حساس اور وضع دار واقع ہوا تھا۔ اس نے اپنے ڈرائیور کو ہدایت کردی کہ وہ مجھے اس کے گھر تک پہنچا کر واپس لوٹ آئے۔ ناچار مجھے خاموش ہوجانا پڑا۔

میں ان دونوں کو الوداع کہہ کر وہاں سے رخصت ہوا تو مجھے یہ

اطمینان تھا کہ اول خان کا دیا ہوا اپریٹس میرے پاس موجود تھا اور میں ضرورت پڑنے پر شہر کے کسی بھی حصے سے اس سے رابطہ کر سکتا تھا۔ مجھے لے جانے والا ڈرائیور بہت کم گو اور ڈسپلن کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ اس کی خاموشی کی وجہ سے مجھے راستے میں سوچنے کا موقع مل گیا اور میں اپنے ذہن میں بہت سے نقشے بناتا اور بگاڑتا ہوا اول خان کے گھر کے قریب جا پہنچا جہاں میری گاڑی موجود تھی۔

اپنی گاڑی کو کشمیر روڈ کے راستے پر لاتے ہوئے میں راس المیڈا کی متوقع کمین گاہ کا ایک چکر لگانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ دن کے اجالے میں قرب و جوار کا گہرا جائزہ لینے کے بعد میں کارروائی کے وقت اور طریقۂ کار کا بہتر تعین کر سکتا تھا۔

اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا' میں ڈیفنس کے اس علاقے میں پہنچ گیا جہاں سے ایک سڑک سمندر کے تفریحی ساحل کی طرف اور دوسری ویران ساحل کی طرف جاتی تھی۔ میں نے سعودی قونصل خانے والے چوراہے سے اپنی کار دوسری سڑک پر ڈال دی۔

ساحلی ویرانے کی طرف جانے والی وہ دو رویہ سڑک خاصی کشادہ تھی اور اس وقت اس راستے پر برائے نام ٹریفک چل رہا تھا۔ میں چاہتا تو تیز رفتاری سے درمیانی فاصلہ طے کر کے مطلوبہ مقام تک پہنچ سکتا تھا لیکن میں رفتار میں غیر معمولی کمی بیشی کر کے غیر ضروری طور پر کسی کی نظروں میں آنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ سیاہ آہنی شٹرز کی اونچی فصیل مجھے دور ہی سے نظر آنے لگی۔

اس عمارت کی پہلی جھلک نظر آتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس عمارت سے راس المیڈا کا تعلق ظاہر ہونے کے بعد میرے ذہن میں عجیب عجیب وسوسے سر ابھار رہے تھے۔

میں چوکنّے انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اچانک عقب نما آئینے میں ایک تیز رفتار سیاہ کار کا عکس نظر آیا۔ وہ کار اتنی تیز رفتار سے چلی آ رہی تھی جیسے اسے چلانے والا اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو روندتے چلے جانے کا عزم لے کر شہر کی سڑکوں پر نکلا ہو۔

اس کار کی وجہ سے چند ثانیوں کے لیے میری توجہ بٹ گئی۔ میں نے داہنی طرف کافی جگہ چھوڑی ہوئی تھی جو آنے والی کار کے گزرنے کے لیے بہت کافی تھی لیکن اس کار کے ڈرائیور نے مسلسل ہارن بجانے کے ساتھ ہی ہیڈ لیمپس جلانے بجھانے شروع کر دیے۔

وہ واضح طور پر اس کی شرارت تھی۔ میں نے اپنی گاڑی مزید ہٹا لی۔ وہ گاڑی میرے برابر سے گزری تو میں نے اگلی نشستوں پر دو نوعمر چہرے دیکھے اور پھر میرے بدن میں خوف کی لہر سرایت کر گئی۔ پسنجر سیٹ والے لڑکے نے میرا نشانہ لے کر کچھ پھینکنے کی کوشش کی تھی۔ میں بے اختیار اسٹیئرنگ کی طرف جھک گیا۔ چلتی گاڑی میں میرے لیے اس سے زیادہ مدافعت کی گنجائش نہیں تھی۔

اچانک کوئی ٹھوس چیز میری گردن سے ٹکرائی اور پھٹ گئی' فضا ان دونوں لڑکوں کے قہقہوں سے گونج اٹھی اور وہ کار خطرناک رفتار سے آگے نکلتی چلی گئی۔

میں نے گردن پر نمی محسوس کر کے ہاتھ لگایا تو چپچپاہٹ کا احساس ہوا پھر کالر میں پھنسا ہوا انڈے کا چھلکا میرے ہاتھ میں آ گیا اور میں بے اختیار ایک گہرا سانس لے کے رہ گیا۔

شاید وہ دونوں شرارتی لڑکے اپنے بڑوں کی بے خبری میں بے رحمی سے گاڑی دوڑاتے اور دوسروں کو کچے انڈوں کا نشانہ بنا کر لطف اندوز ہوتے پھر رہے تھے۔ میں شہر کے آسودہ حال گھرانوں کے نوخیز بچوں کی نت نئی اور مردم آزاد تفریحات کے بارے میں آئے دن اخبارات وغیرہ میں کچھ نہ کچھ پڑھتا رہتا تھا' اس لیے میں نے اپنے اس ناخوشگوار تجربے کو شہر کے اس علاقے کا ایک معمول سمجھ کر فوراً ہی ذہن سے جھٹک دیا۔

اس وقت تک میری گاڑی مطلوبہ عمارت کے سامنے پہنچ چکی تھی۔ ادھر نگاہ پڑتے ہی یہ دیکھ کر میرے ذہن کو جھٹکا لگا کہ اس عمارت کا ایک سیاہ شٹر تقریباً نصف بلندی تک زمین سے اٹھا ہوا تھا اور اس کے نیچے پیدا ہونے والی مستطیل سرنگ میں سے ایک دیو ہیکل ٹرک نمودار ہو رہا تھا جس کے عقب میں کنٹینر بردار ٹریلر بھی نظر آ رہا تھا۔ اس غیر متوقع منظر کو دیکھ کر میں چند ثانیوں کے لیے بوکھلا گیا۔

اس وقت عمارت کا ایک شٹر کھلا ہوا تھا۔ ٹرک کی ونڈ شیلڈ کے پیچھے دو انسانی چہرے بہت حقیر نظر آ رہے تھے۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ اس تاریک سرنگ میں مزید کتنی نگراں آنکھیں موجود تھیں۔ میں اس عمل کا جائزہ لینے کے لیے وہاں رکتا تو اپنے نادیدہ دشمنوں کی نگاہ میں آ سکتا تھا اور انہیں شکار کرنے سے پہلے خود ہی شکار ہو سکتا تھا۔ میں نے اپنی رفتار میں کمی کیے بغیر' نئی مراد کی بتائی ہوئی ترتیب کو ذہن میں تازہ کیا اور یہ تعین کر لیا کہ وہ سڑک اور ٹریلر دوسرے گیٹ میں سے باہر نکل رہا تھا۔

آگے جا کر میں نے قدرے خطرہ مول لیا اور گاڑی کی رفتار کم کر کے عقب نما آئینے کو اس طرح ترچھا کر دیا کہ وہ ٹریلر مجھے نظر آتا رہے۔ ٹریلر اور اس پر لدے ہوئے کنٹینر کو کھینچنے والا اونچا ٹرک سڑک کے تقریباً وسط تک آ چکا تھا لیکن ٹریلر کا کنٹینر کا آخری سرا غائب تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ چالیس فٹ لمبا کنٹینر تھا جو اس پُراسرار اور مشتبہ عمارت سے کسی نامعلوم منزل کے لیے روانہ ہو رہا تھا۔

کنٹینر کی بغلی دیوار پر اے پی ایل کے بڑے بڑے انگریزی حروف اور تقریباً چوکور پروں والے عقاب کی تصویر بھی مجھے عقب نما آئینے میں نظر آنے لگی تھی۔ وہ امریکن پریذیڈنٹ لائن کا آہنی کنٹینر تھا جو اس ٹریلر پر لدا ہوا تھا۔

مجھے بے اختیار افغان کوچی کیمپ میں اپنی قید کے وہ ایّام یاد آ گئے جب مجھے ایسے ہی ایک آہنی کنٹینر میں قید رہنے پر مجبور کر دیا گیا تھا لیکن وہ خیال میرے ذہن سے فوراً ہی محو ہو گیا۔ جو کچھ گزر

چکا تھا' وہ ایک بھولا ہوا خواب تھا لیکن میں اس وقت جو کچھ دیکھ رہا تھا' وہ بہت سنسنی خیز اور ناقابلِ یقین تھا۔

سخی مراد نے اس عمارت کے چوتھے گیٹ کے اندرونی حصے کی جو کہانی سنائی تھی' وہ بہت مختلف تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ شٹر کے پیچھے صرف گاڑی پارک کرنے کی جگہ تھی۔ اس سے آگے ایک مضبوط دیوار نے راستہ مسدود کیا ہوا تھا جب کہ میں دوسرے گیٹ سے چالیس فٹ لمبے کنٹینر سمیت ایک ٹرک کو نمودار ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس عمارت کی بیرونی ساخت کی طرح اندرونی بناوٹ بھی بہت پُرپیچ تھی۔ ہر گیٹ کے پیچھے تعمیراتی سہولتوں کا ایک بالکل مختلف سلسلہ پھیلا ہوا تھا یا پھر سخی مراد کو نظر آنے والی کنکریٹ کی مضبوط دیوار محض ایک فریب تھی۔ اسے ضرورت کے مطابق آگے یا پیچھے سرکایا جاسکتا تھا۔

بیس فٹ اونچی اور کم و بیش اسی قدر چوڑی ایک دیوار اور اس سے ملحقہ کمروں وغیرہ کے بارے میں میرا آخری قیاس خود میری نظروں میں مضحکہ خیز تھا لیکن میرے حریفوں کے لیے کوئی بات ناممکن نہیں تھی۔ جو کچھ نظر آرہا تھا' وہ خود بھی کم حیران کن نہیں تھا۔

پتا نہیں راس المیڈا نے اس عمارت میں کون سا شیطانی کارخانہ لگایا ہوا تھا جس کی کوکھ میں ٹرانسپورٹ کی اتنی بڑی بڑی گاڑیاں سما سکتی تھیں؟ وہ کنٹینر وہاں سے کیا لے جارہا تھا؟ اس کی منزل کہاں تھی؟

میرے ذہن میں خیالات اور اندیشوں کی آندھیاں سی چلنے لگیں۔ میں نے جیب سے رومال نکال کر اپنی گردن صاف کی' انڈے کے چھلکے کے باقی ماندہ ٹکڑے کالر سے الگ کیے اور گاڑی واپس گھمالی۔

پورا ٹریلر باہر آجانے کے بعد ٹرک شہر کی طرف جانے والے راستے پر مڑ رہا تھا۔

ٹریلر بڑے محیط میں گھوم کر سڑک پر سیدھا ہوا تو اس کے رفتار پکڑتے ہی میں نے بھی سست روی سے اپنی کار اس کے تعاقب میں ڈال دی۔

وہ عمارت جیسی بھی اور جہاں بھی تھی' وہیں رہنی تھی۔ اسے کسی طلسماتی شعبدے کے بغیر وہاں سے ہلایا نہیں جاسکتا تھا لیکن وہ ٹرک اور ٹریلر ایک بار غائب ہوجاتے تو ان کا سراغ لگانا ناممکن ہوجاتا۔ اس خیال سے میں نے اس وقت عمارت کا جائزہ لینے کے بجائے کنٹینر بردار ٹریلر کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

میرے لیے اس کارگو ٹرک کا تجربہ زیادہ پرانا نہیں تھا جو ماربل کے سامان کے ساتھ بارودی کریٹ ائرپورٹ لے گیا تھا۔ میں کے نائین مشن سے اس کارگو ٹرک کے گہرے تعلق کی بنا پر ٹریلر کے بارے میں سخت تشویش میں مبتلا ہوگیا تھا۔ پتا نہیں راس المیڈا نے کراچی میں کیا چکر چلایا ہوا تھا کہ اس کی ہر بڑی سرگرمی میں بھاری ٹرانسپورٹ کی کارکردگی ضرورت سے زیادہ نمایاں تھی۔

میں اس عمارت کے سامنے سے گزرا تو اس کے چاروں دراس طرح بند تھے جیسے انہیں برسوں سے نہ کھولا گیا ہو۔ عمارت کے آس پاس کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔ کسی بھی چیز سے یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا کہ چند منٹ قبل ایک ٹرک اور ٹریلر' کنٹینر لے کر وہاں سے نکلا تھا۔

اس وقت مجھے ان نوعمر رئیس زادوں پر سخت غصہ آیا جو سیاہ کار میں خرمستیاں کرتے پھر رہے تھے۔ اگر انہوں نے اہم موقع پر میری توجہ اپنی طرف مبذول نہ کرالی ہوتی تو میں اس عمارت کا زیادہ گہرا مشاہدہ کرسکتا تھا لیکن ان کی مداخلت سے وہ موقع ضائع ہوگیا تھا۔

گزری روڈ پر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ اس گاڑی کی عقبی نمبر پلیٹ خشک کیچڑ اور مٹی میں اس بری طرح لتھڑی ہوئی تھی کہ اس کا نمبر نہیں پڑھا جاسکتا تھا۔ میں چند گاڑیوں کے فاصلے سے اس ٹریلر کے پیچھے لگا رہا۔

ٹریلر کی اٹھی ہوئی کمانیوں' ٹرک کی رفتار اور اس پر لدے ہوئے کنٹینر کے شور سے مجھے جلد ہی احساس ہوگیا کہ کنٹینر خالی تھا۔ کے نائین مشن کی تکمیل کے لیے ایک کارگو ٹرک بارودی کریٹ ائرپورٹ لے گیا تھا اور اس مرتبہ چالیس فٹ کے کنٹینر میں کچھ سازوسامان راس المیڈا کے ٹھکانے پر پہنچایا گیا تھا۔

اس زمانے میں کلفٹن کے علاقے کو بندرگاہ سے ملانے والا مائی کلاچی بائی پاس تعمیر نہیں ہوا تھا۔ وہ ٹرک کلفٹن کا پُل عبور کر کے ہوشنگ روڈ' ڈاکٹر ضیاء الدین روڈ اور پھر پی آئی ڈی سی ہاؤس والے پل سے گزر کر مولوی تمیزالدین خان روڈ پر مڑا تو مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ بندرگاہ کی طرف جارہا تھا۔

کیماڑی کے نئے پل کو عبور کرنے کے بعد بھی میں اسی خوش فہمی میں مبتلا رہا پھر اچانک ہی وہ ٹرک ٹمبر پونڈ کی طرف مڑ گیا جہاں بدبودار پانی کی وسیع کھاڑیوں کے کنارے کئی شپنگ کمپنیوں کے سیکڑوں کنٹینر ہر وقت جمع رہتے ہیں۔

میں نے پورے راستے یہ احتیاط رکھی تھی کہ ڈرائیور یا کلینر کو اپنے تعاقب کا شبہ نہ ہونے پائے۔ اسی احتیاط کی وجہ سے میں ٹمبر پونڈ والے راستے پر نہ مڑ سکا۔ اس وقت وہاں کوئی ٹریفک نہیں تھا۔

میں نے اگلے موڑ سے گاڑی واپس گھمائی اور گہری سوچوں میں غلطاں دوبارہ اسی قلعے کی طرف روانہ ہوگیا جس کی فصیلوں کے پیچھے راس المیڈا روپوش تھا۔

معاً مجھے اول خان کا دیا ہوا ایڈریس یاد آیا اور میں نے فوراً ہی اس پر اول خان سے رابطہ کرنے کی کوششیں شروع کردیں۔ دوسری کال پر اول خان لائن پر آگیا۔

"تمہارا دوست بے ہوش ہوچکا ہے۔ اب اسے کراچی منتقل

کرنے کی تیاری ہو رہی ہے۔" میری آواز پہچان کر اول خان نے خوش دلانہ آواز میں مجھے مطلع کیا۔

"اور میں کیماڑی بلکہ بندرگاہ کے علاقے میں بھٹک رہا ہوں۔"

اس کی آواز معدوم ہونے پر میں نے اس کی طرف سے لائن اوور ہونے کا انتظار کیے بغیر کہا۔

"تم ڈیفنس سے وہاں کیسے پہنچ گئے؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"ستارے جہاں لے جائیں' جانا پڑتا ہے۔ اس میں میری مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے۔"

"راس المیڈا بھی خود کو ڈیوڈ اسٹار کہتا ہے۔ اگر تم اسی داؤدی ستارے کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں پہنچے ہو تو تمہاری کارکردگی قابلِ رشک ہے۔ اس وقت وہ کہاں ہے؟"

"وہ جہاں بھی ہوگا' عذاب میں ہوگا۔ میں لوہے کے ایک صندوق کے پیچھے یہاں پہنچا ہوں۔"

اس کے استفسار پر میں نے اپنی پوری کہانی اسے سنا ڈالی۔

"تم ذرا سا خطرہ مول لے کر ٹریلر کی منزل دیکھ لیتے تو بہت کچھ معلوم ہوسکتا تھا۔ وہ علاقہ میرا دیکھا بھالا ہے۔ کنٹینروں اور ٹریلروں کے اس جنگل میں نمبر وغیرہ کے بغیر کچھ معلوم کرنا بہت دشوار ہے" میرے خاموش ہونے پر اس نے کہا۔

"پھر میں ادھر کا ایک چکر لگا ہی لیتا ہوں۔ وہ ٹریلر وہیں موجود ہوگا۔"

"کوشش کرلو۔" اول خان کی آواز سے ناامیدی مترشح تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "وہاں ہر وقت لفٹر اور کرینیں متحرک رہتی ہیں۔ چند منٹ میں ٹنوں وزنی کنٹینر اتر کر اونچی قطاروں میں گم ہوجاتے ہیں۔"

"بہرحال میں کوشش کیے لیتا ہوں۔ اوور اینڈ آل!" میں نے سلسلہ منقطع کردیا۔

میں نے ایک لمبا چکر کاٹ کر گاڑی دوبارہ نمبر پونڈ کی طرف موڑ دی۔

ٹریلر کے ٹرک ڈرائیور نے اپنی کسی مصلحت یا ضرورت کی بنا پر جس بغلی سڑک پر موڑ لیا تھا' میں نے اپنی کار اس سے پہلے والی سڑک پر موڑ لی۔ اس بار میں ٹریلر کے پیچھے کے بجائے ٹرک کے سامنے سے اسے دیکھنا چاہتا تھا تاکہ ٹرک کا نمبر اور وہ نہ سہی تو کم از کم کنٹینر ہی کا نمبر وغیرہ دیکھ سکوں۔

مجھے معلوم تھا کہ عالمی جہاز رانی اور مال برداری میں استعمال کیے جانے والے کنٹینروں کے بھی اسی طرح نمبر ہوتے ہیں جس طرح گاڑیوں کے نمبر ہوتے ہیں اور کوئی بھی کنٹینر ہزاروں کے ڈھیر میں محض اپنے مخصوص نمبر کی بنا پر آسانی سے پہچانا جاسکتا ہے۔

میں یہی سب کچھ سوچتا ہوا' نمبر پونڈ کی طرف جانے والی پتلی سی سڑک پر گاڑی چلا رہا تھا کہ اچانک نمبر پونڈ کے متوازی سڑک پر داہنی طرف سے اچانک نیلے رنگ کا وہی ٹرک اور ٹریلر نمودار ہوا جو میں راستے بھر دیکھتا چلا آیا تھا۔ ٹریلر پر وہی کنٹینر بدستور لدا ہوا تھا۔

اس طویل گاڑی کو جوں کا توں دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ وہ خالی کنٹینر وہاں اتارنے کے بجائے کچھ چھوڑنے آئے تھے یا پھر اپنے تعاقب کا اندازہ لگانے کے بعد کسی مقصد کے بغیر اس طرف مڑ گئے تھے۔ شاید وہ وہاں رک کر میرا انتظار کرتے رہے اور پھر میدان صاف پاکر اصل منزل کی طرف چل پڑے تھے۔

میں نے اس ٹرک اور ٹریلر کو پہچانا اور ڈرائیور نے اسی لمحے میری گاڑی کو پہچان لیا۔ ایک غضب ناک آواز کے ساتھ اس مہیب گاڑی کی رفتار یک بہ یک تیز ہوگئی۔ ٹرک نے بائیں طرف مڑنے کے بجائے' اس بار میری گاڑی کا رخ کیا تھا۔

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ڈرائیور بے رحمی کے ساتھ مجھے کار سمیت اپنے وزنی ٹرک اور ٹریلر کے پہیوں کے نیچے روند ڈالنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں گاڑی روک کر اسے پیچھے لے جانے کی کوشش کرتا۔ گاڑی رکنے سے پہلے ہی ٹرک مجھے پیس ڈالتا۔ میرے پاس نجات کی بس ایک ہی راہ تھی۔ میں نے گیئر چھیڑے بغیر ایکسلریٹر پر یک لخت پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔

انجن کے ہلکے سے احتجاج کے ساتھ کار کی رفتار تیز ہوئی اور میں چشم زدن میں ٹرک کی زد سے نکلتا چلا گیا۔ عقب نما آئینے میں یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ وہ ٹرک بھی اسی طرف گھوم رہا تھا۔ چلتے ہوئے ٹرک کے کیبن کے بائیں دروازے سے تنومند کلینر کود کر نیچے آچکا تھا اور اپنے ٹرک سے آگے آگے دوڑتا ہوا میرے پیچھے چلا آرہا تھا۔ میں یک بہ یک الجھ کر رہ گیا۔ کھلے راستے پر وہ کسی بھی طرح میری کار کی گرد نہیں پاسکتے تھے لیکن ان کی حرکات سے ناقابلِ فہم اعتماد ظاہر ہو رہا تھا۔

چند ہی ثانیوں میں ہر بات روزِ روشن کی طرح میری کھوپڑی پر عیاں ہوگئی۔

میں ٹرک کی زد سے بچ کر ساحل کی طرف آنے والی جس سڑک پر بڑھتا چلا آیا تھا' وہ ایک بند گلی کی طرح تھی۔ اس کے اختتام پر نمبر پونڈ کا گدلا اور ناہموار ساحل تھا اور دونوں اطراف میں واقع پلاٹوں پر خالی کنٹینروں کے انبار لگے ہوئے تھے۔

وہ بہت خطرناک صورتِ حال تھی۔ پیچھے ٹرک اپنے ٹریلر سمیت کسی دیو پیکر عفریت کی طرح چلا آرہا تھا' آگے وسیع سمندری کھاڑی تھی۔ جس کار نے مجھے ٹرک کے نیچے آنے سے بچایا تھا' وہ اچانک ہی اپنی افادیت کھو بیٹھی تھی۔ میں نے پوری قوت سے بریک لگا دیے۔ کلچ دبائے بغیر رفتار ختم کرنے کی کوشش کے نتیجے میں پوری کار نے دو تین شدید جھٹکے لیے اور انجن دھڑ دھڑا کر بند ہوگیا۔

میں نے دروازہ کھول کر پھرتی سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ اسی وقت ٹرک کے دوڑتے ہوئے کلینر نے چند مغلظات بکتے ہوئے مجھے رکنے کا حکم دیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھنے کی زحمت کئے بغیر کنٹینرز سے بھرے ہوئے ایک پلاٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔

میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ میری وہ جدوجہد غیر متوقع طور پر اس قدر خطرناک رخ اختیار کرلے گی۔ اس ٹرک کا ڈرائیور اور کلینر یقینی طور پر راس المیڈا یا اس کے ساتھیوں کے پکے جاں نثاروں میں شامل تھے۔ انہیں اپنے مشن کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ تھا اور وہ اپنا راستہ کاٹنے والے کو سرد مہری کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارنے پر تلے ہوئے تھے۔ میرے لئے ان سے دور رہنا ہی میرے حق میں بہتر تھا۔

میں نے کلینر کی للکار پر دھیان نہیں دیا تو اچانک ہی فضا ایک فائر کے دھماکے سے لرز اٹھی۔ اس وقت کسی خوش فہمی کی گنجائش نہیں تھی۔ وہ فائر میرے اوپر ہی کیا گیا تھا۔ کلینر نے وہ فائر دوڑتے ہوئے کیا تھا اس لئے اس کا نشانہ خطا گیا اور گولی ٹھک کی آواز کے ساتھ کسی کنٹینر کی فولادی چادر میں پیوست ہو گئی۔

اس فائر نے میرے اعصاب کے لئے ایک تازیانے کا کام کیا۔ بات آخر کار زندگی یا موت کے دوراہے پر پہنچ چکی تھی۔ ایک طرف نمبر پونڈ کا ہلکورے لیتا ہوا پُرسکون پانی تھا جس کی بساند فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں پانی میں کود تا تو وہ چند ثانیوں میں کنارے پر پہنچ جاتے اور میرے رینج سے نکلنے سے پہلے ہی گولیوں کی باڑھ پر رکھ لیتے۔ میں کوئی ماہر تیراک نہیں تھا۔ وہ پانی میں کود کر بھی مجھے بے بس کرسکتے تھے۔

ان کے آتشیں ہتھیار یا ہتھیاروں کے مقابلے میں میرے پاس بدقسمتی سے کوئی جوابی ہتھیار نہیں تھا۔ بیم گن محدود فاصلے کے لئے توقع سے زیادہ مہلک تھی لیکن اس کی رینج پستول یا ریوالور کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔

میں سوچتا اور دوڑتا رہا۔ دوسرے فائر نے کئی فٹ کے فاصلے پر زمین سے دھول اڑائی تو میں کئی منزلہ کنٹینروں کی دیوار تک پہنچ چکا تھا۔ میں نے دور ہی سے بھانپ لیا تھا کہ سارے کنٹینر مختلف بلاکوں کی صورت میں ذخیرہ کئے گئے تھے۔ ہر بلاک آٹھ دس کنٹینروں کی لمبائی اور چوڑائی پر مشتمل تھا اور ان اونچے اونچے بلاکوں کے درمیان کئی کئی فٹ کا فاصلہ موجود تھا۔ میں دوڑتا ہوا ایسے ہی قریب ترین خلا میں گھس گیا۔

کھلی فضا کے مقابلے میں وہ تنگ سی آہنی گلی محفوظ ہونے کے ساتھ خطرناک بھی تھی۔ کنٹینروں کی مشینی ساخت کی وجہ سے پوری بلندی تک ان گلیوں کی چوڑائی یکساں تھی لیکن ان میں اوپر سے آنے والی روشنی ناکافی تھی۔ میں ملگجے سے اجالے میں دوڑتا رہا پھر پہلا بغلی راستہ نظر آتے ہی اس میں مڑ گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ وہ دونوں ان پُرہول آہنی گلیوں میں بھی میرا تعاقب کریں گے۔ اگر میں سیدھا بھاگتا رہتا تو وہ پیچھے سے ایک ہی فائر کرکے مجھے ڈھیر کرسکتے تھے۔ مجھے اپنے پیچھے ان دونوں کی مشتعل آوازیں سنائی دے رہی تھیں لیکن اس دوران میں میں اتنے موڑ گھوم چکا تھا کہ مجھے خود بھی سمت کا کوئی اوراک نہیں رہا تھا۔ کنٹینروں کے جنگل میں بنی ہوئی بھول بھلیاں نے وقتی طور پر مجھے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔

بھاگتے بھاگتے میرا ایک پیر کچھ نرم اور لجلجے جسموں پر پڑا۔ کمزور آوازوں کے شور میں کوئی غضب ناک بلی غرائی اور میں نے اس کے پنجے کی خراش اپنی داہنی پنڈلی کی جلد پر محسوس کی۔ شاید اس بلی نے اس محفوظ گوشے میں بچے دیے ہوئے تھے اور میں نے بے خبری میں اس کے بچوں کو اپنے پیر سے کچل دیا تھا۔

میں پنڈلی کی خراشوں کی پروا کئے بغیر دائیں، بائیں اور سیدھا بھاگتا رہا۔ بھاگنے کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے میرا سانس پھولنے لگا تھا لیکن میں نے رکنے کی حماقت نہیں کی۔ مجھے اپنے دونوں حریفوں کی وحشیانہ آوازیں لوہے کے کنٹینروں میں گونجتی ہوئی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ اپنے ٹرک، ٹریلر اور کنٹینر کو بھول کر اس وقت صرف میرے پیچھے لگے ہوئے تھے اور میرے غائب ہوجانے پر پاگل ہوئے جارہے تھے۔

انہیں اپنے فرار کی سمت سے بے خبر رکھنے کے لئے میں پنجوں کے بل دوڑ رہا تھا۔ ایک موڑ کاٹنے کے بعد میں دوڑتا ہوا آہنی گلیارے کے سرے پر پہنچا تو اچانک ہی خود کو نمبر پونڈ کے ساحل پر پایا۔

اتنی دوڑ کے بعد آخر کار میں لوہے کے جنگل سے ایک محفوظ مقام پر نکل آیا تھا۔ داہنی طرف کافی فاصلے پر بہت سے لوگ بڑے بڑے پتھروں پر پیر ٹکائے اپنی بنسیوں میں مچھلیاں پھنسنے کا انتظار کررہے تھے۔ ان سے آگے متعدد پیشہ ور ماہی گیر چھوٹے جال ڈال کر مچھلیاں پکڑنے میں مصروف تھے۔ ساحل سے تھوڑے فاصلے پر سمندری پانی میں جا بجا خودرَو سمندری جھاڑیوں اور کیچڑ کے چھوٹے چھوٹے جزیرے پھیلے ہوئے تھے۔ بعض لوگ ان جھاڑیوں تک بھی پہنچے ہوئے تھے۔ حد نظر تک پھیلی ہوئی اس آڑی ٹیڑھی کھاڑی میں کہیں کہیں ماہی گیروں کی کشتیاں بھی ایک جگہ ٹھہری ہوئی نظر آرہی تھیں۔

باہر کے ان مناظر پر ایک سرسری نظر ڈال کر میں اپنی نکاسی کے راستے میں دو قدم اندر سٹ آیا۔

اگر میرے دشمن آتشیں ہتھیاروں سے لیس نہ ہوتے تو میں ان سے تصادم کا خطرہ مول لے کر اپنے فرار کی کوئی نہ کوئی راہ نکال سکتا تھا لیکن ان کے تیور بہت خراب تھے۔ وہ دیکھتے ہی مجھے گولی مارنے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ آسانی سے میری واپسی کا راستہ دیتے ہوئے نظر نہیں آرہے تھے۔ ان حالات میں میرے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے کہ ان ہی کنٹینروں کے درمیان چھپ کر

اندھیرا پھیلنے کا صبر آزما انتظار کروں اور اندھیرا پھیلنے پر چوری چھپے وہاں سے نکلنے کی کوشش کروں۔ متبادل صورت ایک ہی تھی کہ کار تک رسائی کا خیال ذہن سے نکال کر میں ٹمبر یونڈ کے گندے اور عفونت زدہ پانی میں چھلانگ لگا دوں اور تیر کر کسی محفوظ کنارے تک پہنچنے کی کوشش کروں۔

آبی راستہ اختیار کرنے میں کئی قباحتیں تھیں۔ پانی سے بیم گن کو کوئی نقصان نہ پہنچتا لیکن اول خان کا ایرپیس بھیگ کر قطعی ناکارہ ہو جاتا اور میں رابطے کی اس واحد سہولت سے بھی محروم ہو جاتا۔

دوسری دشواری یہ تھی کہ پورے لباس اور جوتوں کے ساتھ سمندر میں تیراکی آسان نہیں تھی۔ یہ حرکت مجھے ہر تماشائی کی توجہ کا مرکز بنا سکتی تھی۔ میں لباس کو خیرباد کہہ کر زیر جاموں میں وہ مہم سر کر سکتا تو خطرے سے نکلنے کے بعد اس ہیئت کذائی میں گھر تک پہنچنا محال تھا۔

میں نے اپنے دشمنوں کی آوازوں پر کان جمائے تو اندازہ ہوا کہ وہ بھٹک کر کافی دور نکل چکے ہیں اور میں ان کی آوازوں کی بازگشت سن رہا تھا۔

میں کنٹینرز کے درمیان چھوڑی ہوئی تنگ گلیوں سے فائدہ اٹھانے کے گُر سے واقف ہو چکا تھا۔ مجھے یہ اندازہ بھی ہو چکا تھا کہ جہاں بھی کنٹینرز موجود تھے وہاں ایسی گلیاں قدم قدم پر مل سکتی تھیں۔

میں چند ثانیوں تک گاؤں سے شہر آئے ہوئے کسی دیہاتی کی طرح سر اٹھا اٹھا کر دائیں بائیں دیکھتا رہا۔ دراصل میں اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ میری کار کس طرف ہو سکتی تھی۔ آخر میں نے ساحل کے متوازی مگر کنٹینرز کے سائے میں بائیں طرف چلنا شروع کیا۔ مجھے یاد آ گیا تھا کہ میں نے اپنی کار کو خیرباد کہنے کے بعد داہنی طرف دوڑ لگائی تھی اس لئے میں بائیں طرف چل کر ہی اس مقام تک پہنچ سکتا تھا۔

واپسی میں مجھے اندازہ ہوا کہ میں اپنی جان بچانے کے لئے دوڑتا ہوا کافی دور نکل گیا تھا۔ واپسی میں ان دونوں کی آوازیں بھی رفتہ رفتہ معدوم ہو گئیں۔ میں نے سوچا کہ کار تک پہنچنے کے بعد میں قریبی کنٹینرز کے درمیان چھپ کر ان دونوں کی واپسی کا انتظار کروں گا اور موقع ملا تو اس دوران میں ایرپیس پر اول خان سے رابطہ کر کے اسے بتا دوں گا کہ اس کا مشورہ مجھے کتنا مہنگا پڑا تھا۔

ایک سرے پر پہنچنے کے بعد آخر کار مجھے اپنی گاڑی نظر آ گئی۔ وہ سڑک کے تقریباً وسط میں اسی طرح کھڑی ہوئی تھی جس طرح میں نے اسے چھوڑا تھا۔ فرق صرف یہ پڑا تھا کہ ٹرک ڈرائیور نے اپنی فطری خباثت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹرک کے اگلے حصے سے ضرب لگا کر میری کار کا پچھلا حصہ پچکا دیا تھا۔

ان دونوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا مگر میں نے کار کے قریب جانا مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے دور ہی سے یہ رائے قائم کی تھی کہ باڈی کو نقصان پہنچنے کے باوجود شاید میری گاڑی چلنے کے قابل تھی۔

گاڑی اور ٹرک وغیرہ پر نظر رکھنے کے لئے کنٹینرز کا عقبی ساحلی حصہ بالکل نامناسب تھا۔ اس طرف کمین گاہ سے باہر آنے کا خطرہ مول لیے بغیر کچھ دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ میرے چھپنے کے لیے وہی رخ بہترین تھا' جدھر سے میں ان دونوں کو جُل دے کر فرار ہوا تھا۔

میں نے پوری احتیاط سے قرب و جوار کا جائزہ لیا۔ بیم گن ہاتھ میں سنبھالی اور میدان صاف دیکھتے ہی پنجوں کے بل اپنے مطلوبہ رخ پر دوڑنا شروع کر دیا۔ میں فیصلہ کر چکا تھا کہ پہلا خلا نظر آتے ہی میں وہاں گھس جاؤں گا اور پھر اطمینان سے اپنے دشمنوں کی واپسی کا انتظار شروع کر دوں گا۔

مجھے اپنی راہ میں کسی رکاوٹ کے حائل ہونے کا ذرا بھی اندیشہ نہیں تھا اس لئے میں تقریباً دوڑتا ہوا ہی پہلی تنگ گلی میں داخل ہوا اور بری طرح کسی سے الجھ گیا۔ اگر دونوں طرف چُنے ہوئے کنٹینرز بہت قریب نہ ہوتے تو شاید میں بری طرح منہ کے بل گرا ہوتا لیکن میں نے بروقت کنٹینرز کی عمودی نالیوں میں ہتھیلیاں پھنسا کر خود کو سنبھال لیا۔ اس بار میرے پیروں میں آنے والے بلی کے بچے نہیں بلکہ دو مضبوط انسان تھے۔

ان میں سے ایک بیٹھا ہوا تھا۔ میری غیر ارادی ٹھوکریں اور گھٹنوں کی ضربات سے وہ بری طرح بلبلایا تھا۔ میرا دھڑ اس کے ساتھی کے بدن اور چہرے سے ٹکرایا تھا۔ وہ دونوں ہی گندی گندی گالیاں بک رہے تھے۔

میرے لئے وہ آوازیں اجنبی نہیں رہی تھیں۔ یہ مقدر کی ستم ظریفی تھی کہ میں نے جو حکمتِ عملی سوچی تھی' وہ دونوں پہلے سے اس پر عمل کئے بیٹھے تھے اور مقدر کی گردش نے ہم تینوں کو اس تنگ جگہ میں یکجا کر دیا تھا۔

میرے ناگہانی بوجھ اور تصادم سے وہ دونوں بری طرح بوکھلائے ہوئے تھے۔ میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں پہل کا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

کھڑا ہوا حریف جو میری جھونک کی وجہ سے غراتا ہوا پیچھے لڑکھڑاتا چلا گیا تھا' سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ میں نے ملگجے سے اجالے میں بیم گن کی پوزیشن سیدھی کر کے فائر کر دیا۔ میری ٹانگوں میں موجود حریف کسی جونک کی طرح میری پنڈلیاں دبوچ چکا تھا لیکن میں نے اپنے جسم کی ساری قوت مجتمع کر کے اپنا نشانہ نہیں بھٹکنے دیا۔ لمحہ بھر کے لئے بیم گن کے نوزل سے موت کی نیلگوں شعاعوں کی ایک پتلی سی دھار خارج ہوئی اور میرے حریف کی پیشانی کے وسط میں سوراخ کرتی ہوئی معدوم ہو گئی۔

فولاد کو جلا دینے والی اس ہولناک شعاع نے یقیناً اس کے

کاسہ سر اور مغز میں ایک آرپار سرنگ تخلیق کردی تھی۔ وہ کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کرسکا۔ جس حالت میں تھا' اسی حالت میں کسی بے جان شہتیر کی طرح پیچھے گرتا چلا گیا۔

"اوئے فرزند!" نیچے والا وحشیانہ آواز میں غرایا "سالے کی گردن دبوچ لے۔ میں نے اس حرامی کی پنڈلیاں جکڑلی ہیں۔ ہم اسے یہیں کاٹ کے رکھ دیں گے۔ اس کی ...." اس کی زبان سے گالیاں ابل پڑیں۔

فرزند شاید اس کے ساتھی کا نام تھا۔ اس کے فعّال ہونے سے پہلے ہی موت اسے اپنی فرزندی میں لے چکی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں دوسرے کو بھی فوراً ہی ٹھکانے لگادیتا لیکن وہ کسی سانڈ کی طرح طاقتور تھا۔ اس نے میری دونوں پنڈلیاں جوڑ کر میرے پیر زمین سے اکھاڑ دیے تھے اور میں اپنا توازن برقرار رکھنے کے لئے دونوں ہاتھوں سے کنٹینروں کا سہارا لینے پر مجبور ہوگیا تھا۔

اس وقت مجھے لمحہ بھر کی بھی مہلت ملتی تو بیم گن کا نزول اوپر سے اس کی کھوپڑی پر جما کر پلک جھپکنے میں اس کا کام تمام کیا جاسکتا تھا۔ میں پوری طاقت صرف کرکے اپنی پنڈلیاں اس کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کررہا تھا لیکن اس نے کسی طاقتور ناگ کی طرح اپنے بازوؤں کو بل دے کر میری پنڈلیوں کو اپنے پیٹ اور سینے سے لگالیا تھا۔

یک بہ یک مجھے احساس ہوا کہ اس کے بازو میرے گھٹنوں کے پیچھے لپٹے ہوئے تھے اور میں اپنے پیروں کو کسی حد تک آگے پیچھے ہلا سکتا تھا۔ میں نے بلا تردّد اس کے زیرِ ناف حصے میں ہلکی سے داہنی ٹھوکر لگائی۔ اس گرفت میں رہتے ہوئے میں اس سے زیادہ کاری وار کرہی نہیں سکتا تھا۔

میری ٹھوکر ٹھیک نشانے پر لگی۔ اس کے حلق سے ادغ کی بے ساختہ آواز برآمد ہوئی۔ لمحہ بھر کے لئے اس کی گرفت کمزور ہوئی اور میں نے اچھل کر اپنی دونوں پنڈلیاں اس کے بازوؤں کے حلقے سے آزاد کرالیں مگر اس کوشش میں بدقسمتی سے بیم گن میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

میں چند قدم پیچھے لڑکھڑانے کے بعد سنبھلا تو میرا حریف بہت تیزی سے اپنے قدموں پر اٹھ چکا تھا۔ فرزند کی مسلسل خاموشی سے اس نے خطرے کا ادراک کرلیا تھا۔ دوسری طرف میری فکرمندی میں اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ کسی آتشیں ہتھیار سے لیس تھا اور میں بیم گن گرانے کے بعد بالکل نہتا رہ گیا تھا۔ بیم گن مجھے نظر آرہی تھی لیکن اسے اٹھانے کا موقع نہیں تھا۔

مجھے اپنے حریف کی آنکھوں میں سراسیمگی نظر آنے لگی تھی۔ شاید وہ مڑ کر بھاگ نکلنے کے چکر میں تھا۔ وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوجاتا تو چند قدم دور جانے کے بعد پلٹ کر مجھے آسانی سے گولی مار سکتا تھا۔

ہم دونوں خالی ہاتھ ایک دوسرے کو کینہ توز نظروں سے گھورتے رہے۔ ہمارے درمیان کئی قدم کا فاصلہ تھا۔ میرے پیچھے سڑک پر نکاسی کا راستہ تھا اور میرے حریف کے عقب میں فرزند کا بے جان جسم سدِ راہ تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ فرزند ہمیشہ کے لئے اس کا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔

اس نے اچانک پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی۔ میں اس کے پیچھے لپکا لیکن وہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی فرزند کے پہلو میں الجھ کر اس پر ڈھیر ہوگیا۔ پیچھے سے میں اس پر ٹوٹ پڑا۔

تنگ جگہ میں ہونے والی وہ لڑائی بہت خون آشام ثابت ہوئی۔ کئی سیکنڈ تک ہم فرزند کے بے جان جسم پر لڑتے رہے اور پھر یکایک مجھے موقع مل گیا۔ میں نے اس کے بال پکڑ کر اس کا سر قریبی کنٹینر کی آہنی دیوار سے دے مارا۔ ایک آہنی جھنکار کے ساتھ اس کی غراہٹ ابھری۔ اس کے بعد میں نے اس کے چہرے اور کنپٹیوں پر تابڑتوڑ مکّوں کی بوچھاڑ کردی۔

وہ میری توقع سے کہیں زیادہ سخت جان ثابت ہوا۔ میرے اعصاب پر تھکن طاری ہونے لگی تھی لیکن وہ مسلسل مزاحمت کئے جارہا تھا۔ میرے آخری تین مکّے کاری ثابت ہوئے اور اس کے ہاتھ' پیر بالکل ڈھیلے پڑگئے۔ میں اس کی جیب سے بھرا ہوا ریوالور نکال کر الگ ہوگیا۔

مجھے حیرت تھی کہ ٹرانسپورٹ اور جہازراں کمپنیوں وغیرہ کے کاروبار کا مرکز ہونے کے باوجود وہاں کام کرنے والوں میں ذرا ذرا سی بات پر اپنا کام چھوڑ کر تماش بنی کی عادت نہیں تھی۔ تھوڑی دیر پہلے وہاں دو گولیاں چلی تھیں لیکن اس وقت وہاں فائرنگ کا کوئی ردِ عمل نظر نہیں آرہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ کھلی فضا میں گولیاں چلنے کی وجہ سے کسی نے ان پھیلتی ہوئی آوازوں کو اہمیت نہیں دی ہو اور جنہیں اس بارے میں تجسس رہا ہو وہ قرب وجوار میں کسی ہنگامے کے آثار نہ پاکر مطمئن ہوگئے ہوں۔

غیر متوقع طور پر اس تصادم کا نتیجہ میرے حق میں رہا تھا۔ میں نے تیزی سے فرزند کے ساتھی کے بارے میں سوچا۔ وہ دونوں راس المیڈا کے خونی کارندے تھے۔ اگر دوسرے کو زندہ چھوڑ دیا جاتا تو ہوش میں آنے کے بعد اپنے آقاؤں کو تفصیلی واقعات سے آگاہ کردیتا اور راس المیڈا ہوشیار ہوکر ٹھکانا بھی بدل سکتا تھا۔ دوسرے کے مارے جانے کے بعد ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

دو لاشیں اور لاوارث ٹرک اور ٹریلر کی دریافت کے بعد بھی کوئی شخص یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ ان معاملات کا راس المیڈا سے تعلق رہا ہوگا۔ کنٹینر کی گمشدگی کے حوالے سے اگر کوئی کڑی مل جاتی تو وہ دیگر بات ہوتی اور اس میں دو تین دن کا وقت لگ سکتا تھا۔

میں نے زمین پر سے بیم گن اٹھائی اور خاموشی سے دوسرے شکار کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

وہ دونوں مقامی تھے اور میں مقامی مجرموں کے بارے میں اپنے

دل میں ہمیشہ ایک نرم گوشہ محسوس کرتا تھا۔ اپنے لڑکپن اور نوجوانی کے تلخ تجربات کی بنا پر میں جانتا تھا کہ ہمارے معاشرے کی اندوہناک ناہمواریاں اور طبقاتی ظلم بھی بہتیرے شریف النفس اور نرم خو نوجوانوں کو زبردستی جرائم کی اندھی دلدلوں میں دھکیل دیتا ہے لیکن ان دونوں کے معاملے میں بات صرف اتنی نہیں تھی۔ وہ دونوں مجرم ہی نہیں بلکہ غیر ملکی دشمنوں اور سازشیوں کے اندھے ہمدرد اور وفادار تھے۔ جرم و گناہ کے راستے پر چل کر اپنی روزی کماتے ہوئے انہوں نے یہ تمیز بھی کھو دی تھی کہ جرم اور غداری میں کیا فرق ہوتا ہے۔

ٹرک، ٹریلر اور کنٹینر کے خوں خوار محافظ اجل کی آغوش میں جاسوئے تھے۔ میں نے باہر نکل کر اچھی طرح ہر چیز کے نمبر اور نشانات دیکھے۔ میرا ارادہ تھا کہ میں کنٹینر کے غیر مقفل دروازے کھول کر اندر بھی ایک نگاہ ڈال لوں لیکن وہ قدرے وقت طلب معاملہ تھا۔ جو کچھ حاصل ہو چکا تھا، میں نے اسی پر اکتفا کرنے کا فیصلہ کیا اور پھر اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے اسے آہستگی سے ٹرک کے مہیب بمپر سے الگ کر لیا۔

میں ہیجان اور سنسنی کے عالم میں اس بند راستے پر پہنچا تھا لیکن وہاں سے لوٹتے ہوئے میں خود کو اندر سے بہت آسودہ اور مطمئن محسوس کر رہا تھا۔ چوراہے پر پہنچ کر میں نے کسی ارادے کے بغیر گاڑی ساحل کے متوازی، اس سڑک پر ڈال دی جو عمارات کے درمیان واقع تھی۔

مختلف کمپنیوں کے پلاٹوں پر میں نے کنٹینروں کو جمانے کا مختلف طریقہ دیکھا۔ بیشتر پلاٹوں پر زمینی رقبہ ملانے کے لئے سارے کنٹینر اس طرح ایک دوسرے سے ملا کر رکھے گئے تھے کہ ان کے درمیان صرف حشرات الارض ہی رینگ سکتے تھے۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے ایک ایسا وسیع کنٹینر یارڈ مل گیا تھا جہاں آہنی گلیاروں کی بھول بھلیاں بنی ہوئی تھیں۔ اسی وقت مجھے ایک لرزہ خیز خیال آیا۔ ایک دوسرے پر لدے ہوئے کنٹینروں کی کوئی بھی ٹکڑی اگر کسی فنی خرابی کی وجہ سے گر پڑتی تو قرب و جوار کے ہر انبار کا توازن درہم برہم کر دیتی۔ ایسی صورت میں آہنی گلیوں میں پھنسے ہوئے افراد کا جو حشر ہو سکتا تھا، اس کے تصور کے لئے کسی غیر معمولی صلاحیت کی ضرورت نہیں تھی۔

ایک طویل چکر کاٹ کر میں نے گاڑی ویران ساحل کی طرف اتار دی۔

گاڑی کا انجن بند کر کے میں کسی بے فکرے کی طرح پانی کے کنارے جا بیٹھا اور وائرلیس پر اول خان سے بات کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اول خان نے فوراً ہی میری کال کا جواب دیا تھا۔

"کہو! کیا خبر ہے؟ وہ ٹریلر ملا یا غائب ہو گیا؟" اس نے پوچھا۔

"ایسا ملا کہ اب اس کا کوئی ولی وارث ہی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟ کیا وہ ٹریلر کو کہیں چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"ہاں، ذرا جہنم تک ٹہلنے گئے ہیں۔ آج کافی مدت کے بعد میں ایک خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہوا تھا۔ بس یہ سمجھ لو کہ مرنے سے بال بال بچا ہوں۔ میرے بچنے کا نتیجہ ان دونوں کی موت کی صورت میں نکلا اور میں سمندر کے کنارے بیٹھا ٹھنڈی ہوا کھا رہا ہوں۔"

"پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو؟ صاف صاف بتاؤ کہ کیا ہوا ہے!" اس کا لہجہ ناخوش گوار ہو گیا۔

"وہ مجھے دھوکا دینے کے لئے نمبر پونڈ کی طرف مڑے تھے ورنہ ان کی منزل کوئی اور ہی تھی۔ میری گاڑی دیکھتے ہی انہوں نے اسے ٹریلر سے کچلنے کی کوشش کی تھی۔" اس تمہید کے ساتھ میں اپنی کہانی دہراتا چلا گیا۔

وہ لاسلکی مواصلاتی رابطہ تھا جس میں ایک وقت میں صرف ایک فریق بول سکتا تھا۔ دوسرے کو وہ پیغام خاموشی سے سننا پڑتا تھا۔ دونوں بیک وقت بولنے کی کوشش کریں تو کسی پیغام کا کوئی لفظ دوسری طرف سے موصول نہیں ہوتا۔ اول خان خاموشی سے میری کہانی سن رہا تھا۔

میں نے جوں ہی لائن اسے اوور کی تو وہ مسرت آمیز لہجے میں بولا "آج آگ کے بدلے پیغمبری والا قصہ ہوا ہے۔ تم اس پُراسرار عمارت کا سروے کرنے گئے تھے لیکن درمیان میں یہ کنٹینر بردار ٹریلر آکودا۔ اب سب کام چھوڑ کر اس ٹریلر کو غائب کر دو۔ ٹرک کی چابیاں کہاں ہیں؟"

"مجھے چابیوں کا علم نہیں۔ وہ ڈرائیور کے پاس ہوں گی۔ لیکن تم کیا چاہ رہے ہو؟ شیطان کی آنت جیسے اس ٹریلر اور کنٹینر کو میں کہاں غائب کروں گا؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "بعض اوقات تم سوچے سمجھے بغیر ایسی باتیں کہہ جاتے ہو جن پر عمل کرنا ناممکن ہوتا ہے۔"

"میں نے ایک ایک لفظ سوچ سمجھ کر ادا کیا ہے..... تم کہانی سنا رہے تھے اور میں مسلسل سوچ رہا تھا۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کر گزرو۔ نتائج سامنے آئیں گے تو تم بھی جھوم اٹھو گے۔" اس نے میری بات کا برا مانے بغیر نہایت خوش دلی کے ساتھ کہا۔

"یہ جناتی ٹریلر کہاں غائب کیا جا سکے گا؟ تم کیا چاہ رہے ہو؟"

"بہت سیدھی سی بات ہے۔ لاشوں کی تلاشی لے کر ان کی شناخت ضائع کر دو۔ چابیاں اپنی تحویل میں لو اور اس ٹرک کو ٹریلر سمیت وہاں سے نکال لاؤ۔ کسی بھی مقررہ جگہ پر میرے آدمی تم سے وہ سب وصول کر کے اسٹیشن فوراً لے آئیں گے۔" اول خان نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"اور میں اپنی گاڑی کندھے پر اٹھا کر خالی کنٹینروں میں چھپ

دوں؟"

"چھڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس وقت تمہاری گاڑی غیر اہم ہے۔ تم اسے کہیں بھی پارک کرسکتے ہو۔ اسے بعد میں منگوالیا جائے گا۔ اس وقت ساری اہمیت ٹرک، ٹریلر اور کنٹینر کی ہے۔ شاید تمہاری کھوپڑی پر برف جمی ہوئی ہے۔ تمہیں ابھی تک اندازہ ہی نہیں ہوسکا ہے کہ تم نے کیا تیر مارا ہے۔"

"تیر وہ ہوتا ہے جو کسی ہدف پر چلایا جاتا ہے۔ اگر یہ کوئی اہم واقعہ ہے تو تم اسے تُکا کہہ سکتے ہو۔"

"پھر تم ٹریلر کو وہاں سے نکال کر کہاں پہنچا رہے ہو؟" اول خان نے پوچھا۔

میں نے لمحہ بھر کے لئے سوچا۔ ٹریلر ڈیفنس سے نکل کر جس راستے سے نمبر پونڈ تک پہنچا تھا، وہ ان لوگوں کا معمول کا راستہ ہوسکتا تھا۔ ماری پور روڈ کی طرف جانے میں اندیشہ تھا کہ ٹریلر پہچان نہ لیا جائے۔ اگر مرنے والوں کا کوئی شناسا ان کے کیبن میں ایک اجنبی چہرے کو دیکھتا تو تشویش میں مبتلا ہوسکتا تھا اور اس کی وہ تشویش ٹرانسپورٹروں کے اس علاقے میں میرے لئے کسی سنگین بدمزگی کا سبب بن سکتی تھی۔

میں نے کہا "میں ٹریلر کو یہاں سے نکال کر بیچ لگژری ہوٹل کے قرب وجوار کی کسی بھی سڑک پر اس طرح پارک کروں گا کہ اسے مین روڈ سے نہ دیکھا جاسکے۔ تمہارے آدمیوں کو وہیں پہنچنا چاہئے۔"

"اور تمہاری گاڑی کے لئے نمبر پونڈ پہنچنا ہوگا؟" اس کا لہجہ تائید طلب تھا۔

"میری گاڑی کی فکر مت کرو۔ ٹریلر تمہارے آدمیوں کے حوالے کرنے کے بعد میں ٹیکسی سے واپس آکر اپنی گاڑی خود لے لوں گا...... یہ بتاؤ سلطان شاہ ابھی تک وہیں ہے یا نکل چکا ہے؟"

ایرپیس پر اس کی پُراطمینان آواز ابھری۔ "وہ لوگ سخی مراد کو لے جاچکے ہیں۔"

میں نے دانستہ اول خان سے اس کے پلان کے بارے میں مزید سوالات نہیں کئے۔ میں اپنے طور پر سوچنا چاہ رہا تھا کہ وہ کون سا نکتہ تھا جسے میں فراموش کر بیٹھا تھا مگر اول خان نے پکڑ لیا تھا۔

اس سے گفتگو ختم کرکے میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور اپنی گاڑی مین روڈ پر لیتا چلا گیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ نمبر پونڈ کی گلیوں میں بار بار ایک گاڑی کو دیکھ کر لوگ چوکنا ہوجائیں۔

مین روڈ سے اتر کر ایک معقول جگہ پر اپنی گاڑی پارک کرنے کے بعد میں نے دروازے مقفل کئے اور بظاہر بے پروایانہ انداز میں اسی طرف چل دیا جہاں ٹریلر موجود تھا۔

میں کن انکھیوں سے گرد وپیش کا جائزہ لیتا ہوا مطلوبہ سڑک پر پہنچا تو وہ لاوارث ٹریلر جوں کا توں کھڑا ہوا تھا۔

میں نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور قرب وجوار میں میدان صاف دیکھ کر سرعت سے اسی تنگ جگہ میں گھس گیا جہاں دو تازہ لاشیں موجود تھیں۔

بیم گن میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ اس کا درست نشانہ لیا جاتا تو اس کا شکار تکلیف کا کوئی احساس ہونے سے پہلے ہی حیرت ناک سرعت کے ساتھ بے جان ہوجاتا تھا۔ اس کے استعمال کا دوسرا کمال یہ تھا کہ وجود میں آنے والی لاش مسخ ہوتی تھی، نہ خون سے آلودہ ہوتی تھی۔ میں نے کسی داغ دھبے کی پروا کئے بغیر باری باری ان دونوں کی جیبوں کی تلاشی لے کر سب کچھ اپنی تحویل میں لے لیا۔

کاغذات، لائسنس، نقدی، دو فحش تصاویر اور ٹرک کی چابیوں کے ساتھ مزید ایک ریوالور میرے قبضے میں آیا۔ میں نے وہ ساری چیزیں اس شاپنگ بیگ میں ڈال لیں جس میں فرزند علی کا ڈرائیونگ لائسنس تھا۔ اسی سے یہ معلوم ہوا کہ فرزند علی ڈرائیور اور دوسرا اس ٹریلر کا کلینر تھا۔

اس کام سے فارغ ہوکر میں کھلی سڑک پر نکل آیا۔ میرا حلیہ روایتی ڈرائیوروں سے بہت مختلف تھا لیکن اس وقت وہاں سے گزرنے والے اکا دکا افراد کو میری طرف توجہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان ہوگیا۔

میں نے اپنی زندگی میں عام ٹرکوں سمیت بھانت بھانت کی گاڑیاں چلائی تھیں لیکن چالیس فٹ لمبے ٹریلر کو کھینچنے والے ٹرک کے کیبن میں بیٹھنے کا احساس ہی بہت مختلف تھا۔ اس ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ عام ٹرکوں سے کہیں زیادہ بلند اور شاہانہ تھی۔

نشست سنبھالنے کے بعد میں نے دونوں دروازوں پر لگے ہوئے بڑے بڑے عقب نما آئینوں کو اپنے حساب سے درست کیا اور انجن کے ہیٹر آن کرنے کے مقررہ وقفے کے بعد انجن اسٹارٹ کردیا۔

بظاہر وہ بہت لمبی اور مشکل گاڑی تھی لیکن اس کے کنٹرول عام گاڑیوں سے زیادہ مختلف نہیں تھے۔ میرے لئے اصل دشواری صرف ایک تھی کہ اس وقت ٹرک کا رخ سمندر کی طرف تھا، ٹرک کو یوٹرن دینے کے لئے اس سڑک کی چوڑائی ناکافی تھی۔ مجھے اس کو چوراہے تک ریورس کرکے مخالف سمت میں موڑنا تھا۔ کسی مددگار کے بغیر اس عفریت کو پورے اعتماد سے ریورس کرنا آسان نہیں تھا۔

میں چوراہے تک ٹریلر کو آہستہ آہستہ پیچھے لے گیا لیکن اسے نوّے درجے کے زاویے پر داہنی سڑک پر موڑنے کا مرحلہ آتے ہی ٹریلر نے کسی اونٹ کی طرح اپنا رنگ دکھانا شروع کردیا۔ دو ناکام کوششوں کے بعد مجھے اندازہ ہوسکا کہ ٹرک کے اسٹیئرنگ وھیل اور ٹریلر میں کیسا نازک رشتہ قائم ہوتا ہے۔ تیسری بار میں ٹرک کو سیدھا کرنے کے بعد ریورس کرنے لگا تو ایک پیشہ ور کلینر خود بخود

ٹریلر کے آخری سرے کے پیچھے پہنچ کر مجھے اشارے دینے لگا۔

عقب نما آئینے میں اس شخص کے اشاروں کو دیکھتے ہوئے میں نے ٹریلر کو آہستہ آہستہ مطلوبہ سمت میں موڑ لیا اور پھر اشارے سے اپنے مددگار کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ٹریلر کو مین روڈ کے رخ پر ڈال لیا۔

مین روڈ پر ایک مرتبہ پھر مجھے شدت سے احساس ہوا کہ مشق اور تجربے کے بغیر اتنی بڑی گاڑی کو سڑک پر لانا آسان کام نہیں تھا۔ ٹریلر کو چھوٹے محیط میں گھمانے کی کوشش میں ٹریلر کے عقبی پہیے درمیانی پٹی یا کسی اور رکاوٹ پر چڑھ کر ٹریلر کو الٹنے کا سبب بن سکتے تھے۔

میرے موڑ کاٹنے کے دوران میں بندرگاہ سے شہر جانے والے راستے پر متعدد گاڑیاں رک گئی تھیں۔ میں نے بہت سست رفتار اور احتیاط کے ساتھ ٹریلر کو سڑک پر ڈال کر سیدھا کیا۔ اور اس علاقے سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ میرا سفر زیادہ طویل نہیں تھا لیکن ناتجربے کاری کی وجہ سے مجھے وہ فاصلہ بہت طویل محسوس ہورہا تھا۔ سڑک پر سفر کرتے ہوئے مجھے یہ خیال بھی آیا کہ کہیں ٹریفک پولیس کا عملہ کلیئرنس کے بغیر وہ ٹریلر سڑک پر نکالنے کے جرم میں مجھے نہ روک لے لیکن میری خوش قسمتی تھی کہ آمدنی کے لحاظ سے نہایت زرخیز ثابت ہونے والا وہ راستہ اس وقت ٹریفک پولیس کی توجہ سے یکسر محروم تھا۔ میں آسانی اور اعتماد کے ساتھ پل عبور کرکے مولوی تمیزالدین خان روڈ پر اتر گیا۔

ایک لمبے چوڑے ٹریلر کا اغوا میرے لیے ایک انوکھا تجربہ تھا۔ میں نے وہ ٹریلر بیچ لگژری ہوٹل سے پہلے ہی ایک گلی میں روک دیا۔ وہاں دو رویہ رہائشی بنگلے تھے۔ ٹرک کے ڈرائیونگ کیبن کی نشست اتنی بلند تھی کہ میں اس پر بیٹھے بیٹھے کئی مکانات کے احاطوں سے اندر کا جائزہ لے سکتا تھا۔

ٹریلر کے اغوا کی پریشانی دور ہوتے ہی میرا ذہن اول خان کے منصوبے میں الجھ گیا۔

وہ اس مسروقہ ٹرک اور ٹریلر سے کون سا اہم کام لینا چاہتا تھا؟ یہ سوال ایک [illegible] بن کر میرے ذہن میں اٹک گیا تھا۔ میں نے اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہوئے ایک سگریٹ سلگائی اور آرام سے ٹرک کے کشادہ کیبن کی نشست پر ہی نیم دراز ہوگیا۔

کافی دیر تک میرے ذہن میں متعدد بے سروپا خیال آتے رہے اور تجزیے کے بعد میرا ذہن ان کو خود ہی مسترد کرتا رہا اور پھر اچانک ہی ایک نیا خیال میرے ذہن میں ابھرا جو قرین قیاس معلوم ہوتا تھا۔

اس وقت تک ہمیں راس المیڈا کی کمین گاہ کے اندرونی معاملات کے بارے میں کوئی اہم بات معلوم نہیں ہوسکی تھی۔ سخی مراد کے بیان سے اتنا ضرور معلوم ہوچکا تھا کہ اس عمارت کے داخلی راستوں کی نگرانی حساس الیکٹرونک آلات کے ذریعے کی جاتی تھی۔ ان سے بچ کر کوئی اجنبی اس قلعے میں داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس عمارت میں بظاہر ایسا کوئی حصہ نہیں تھا جسے استعمال کرکے ہم لوگ اندر رسائی حاصل کرسکتے۔

ایک طرف وہ حقائق تھے اور دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ مسروقہ ٹریلر کا اس عمارت سے گہرا تعلق تھا۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے اسی عمارت سے برآمد ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اب اگر ہمارا کوئی آدمی وہ ٹریلر لے کر دوبارہ اس عمارت کے بند دروازوں کے سامنے پہنچ جاتا تو اس عمارت کے نادیدہ نگہبان ٹریلر کو وہاں دیکھ کر سخت حیرت اور تشویش میں مبتلا ہوسکتے تھے۔ ان کی یہ تشویش اس وقت دوچند ہوجاتی جب انہیں ٹرک میں شناسا چہروں کے بجائے اجنبی چہرے نظر آتے۔

ان لوگوں میں اپنی چار دیواری سے باہر آنے کا زیادہ رواج نظر نہیں آتا تھا۔ اپنے بھیجے ہوئے ٹریلر یا کنٹینر کے بارے میں مزید اور تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لیے انہیں اس کو اندر بلانا پڑتا۔ اس طرح عمارت میں داخلے کی ایک سہل صورت پیدا ہوسکتی تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ اندر پہنچنے کے بعد ٹریلر لے جانے والوں کو بدترین صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑتا اور ان کی گلوخلاصی کی ہر راہ مسدود ہوکر رہ جاتی۔

اس کے سدِّباب کے لیے ٹریلر پر ایک خالی کنٹینر موجود تھا۔ اس میں ایس ٹی ایف کے مسلح افراد کی بھاری نفری آسانی سے سماسکتی تھی۔ وہ سب تربیت یافتہ جنگ جو افراد تھے۔ اگر ان کی ایک ٹولی ٹریلر کے اندر پہنچتے ہی سرعت سے باہر کود کر وہاں خوف و ہراس پھیلا دیتی اور حفاظت پر مامور عملے کو بے بس کرلیتی تو دنیا کی کوئی طاقت ان لوگوں کو عمارت میں داخلے اور تصرف سے نہیں روک سکتی تھی۔

ایسی صورت میں اندر خوں ریزی کے ہونے یا نہ ہونے کا انحصار اندر والوں کے رویّے پر ہوتا۔ مجھے یقین تھا کہ راس المیڈا کے اس ٹھکانے پر بھاری مسلح نفری موجود ہوگی اور وہ لوگ ہر قیمت پر حملہ آوروں کو ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ منصوبہ بہت خوں ریز اور بھیانک ثابت ہوسکتا تھا لیکن اس وقت مجھے وہی قرین قیاس معلوم ہورہا تھا۔ اول خان اپنے دماغ میں کوئی اور ترکیب لیے بیٹھا تھا تو وہ میری دسترس سے باہر تھی۔

ہم لوگ راس المیڈا کی کمین گاہ پر دھاوا بولنے کی تیاریوں کے ابتدائی مراحل میں تھے اور میں اس کا جائزہ لے کر کام کی ابتدا کے ارادے سے اس طرف گیا تھا۔ وہاں اتفاقاً وہ کنٹینر بردار ٹریلر نظر آگیا۔ بظاہر وہ ایک ضمنی واقعہ تھا لیکن مجھے محسوس ہورہا تھا کہ آنے والے وقت میں اول خان اس ٹریلر سے اہم کام لینے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

اسٹیشن فور سہراب گوٹھ سے بھی آگے شہر کا ایک سرا تھا تو بیچ لگژری ہوٹل ساحل سمندر پر شہر کا تقریباً آخری سرا تھا۔ ان

دونوں کے درمیان طویل فاصلہ تھا اور دن کے اوقات میں شہر کے سارے ہی راستے پُرہجوم ٹریفک میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ صاف ظاہر تھا کہ اول خان کے آدمیوں کو مجھ تک پہنچنے میں وقت لگتا لیکن میں تنہائی اور انتظار سے جلد ہی اکتاہٹ محسوس کرنے لگا۔ میری جیب میں اول خان کا ایرپیس موجود تھا۔ میں نے فوراً ہی اسے بھی اپنی بوریت میں شریک کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"میں پچھلے ایک گھنٹے سے تمہارے آدمیوں کے انتظار میں مکھیاں ماررہا ہوں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ٹرک کو مقفل کرکے چابیاں ڈیزل کی ٹنکی پر چھپادوں۔ تمہارے آدمی وہاں سے چابیاں حاصل کرلیں گے۔" سلسلہ مل جانے پر میں نے براہِ راست اپنی بات شروع کردی "اس طرح میں بوریت سے بچ جاؤں گا۔"

میرے شکوے پر اس نے سرزنش کے انداز میں کہا "ڈیئی! خدا کا خوف کرو۔ ابھی تو ہماری آخری گفتگو کو بھی ایک گھنٹا نہیں ہوا۔ میرے دو آدمی موٹر سائیکل پر اسی وقت نکل گئے تھے۔ بس وہ کسی بھی وقت پہنچنے والے ہوں گے۔ تھوڑی دیر اور انتظار کرلو۔ میں شام کو دفتر سے نمٹ کر تمہارے گھر آؤں گا۔"

"تم اپنے آدمیوں کو کنٹینر میں چھپاکر راس المیڈا کے ٹھکانے میں لے جانے کا منصوبہ بنارہے ہو؟"

وہ خوش ہوکر بولا "خدا کا شکر ہے کہ تمہاری کھوپڑی پر جمی ہوئی برف پگھل رہی ہے۔ میں حیران تھا کہ اتنی آسان اور سادہ سی ترکیب تم جیسے آدمی کے ذہن میں کیوں نہیں آسکی تھی۔"

"ایک نہتا آدمی دو مسلح شکاریوں کے نرغے میں آیا ہوا ہو تو سب کچھ بھول جاتا ہے۔ میری یہ بات یاد رکھنا کہ ٹرک چلانے والا شاید مشکل ہی سے بچ سکے گا۔ خطرہ بھانپتے ہی وہ لوگ اسے اڑادیں گے۔"

"میں نے ایک مبہم سا خاکہ بنایا ہے۔ اب اس کے رنگ مکمل کرنے میں تم بھی میری مدد کروگے۔"

"اس عمارت کا جائزہ لینے کے بعد ہی کچھ کہا جاسکتا ہے۔ فی الحال میں خود بھی خالی الذہن ہوں۔"

کسی خیال کے تحت اس کی چونکی ہوئی آواز ابھری "تم نے ان دونوں کی جیبیں تو خالی کردی تھیں نا؟"

"اس بارے میں تم اتنے زیادہ فکرمند کیوں ہو؟ ویسے میں تمہاری ہدایت پر عمل کرچکا۔ ان کی جیبوں سے برآمد ہونے والی ساری چیزیں ایک شاپنگ بیگ میں اسی ٹرک کے کیبن میں موجود ہیں۔"

"گڈ!" اس کی ستائشی آواز ابھری "اپنے منصوبے پر عمل درآمد کے لیے یہ بہت ضروری تھا۔ لاشوں کی شناخت نہ ہونے سے راس المیڈا کے ساتھیوں کو ان کے یا ٹریلر کے انجام کا علم نہیں ہوسکے گا۔ وہ لوگ اچانک ہی ٹریلر کو اپنے دروازے پر دیکھ کر حواس باختہ ہوجائیں گے اور کوئی صحیح فیصلہ نہیں کرسکیں گے۔"

"شاید تمہارے آدمی آپہنچے ہیں؟" میں نے ٹرک کے قریب ایک موٹر سائیکل رکنے کی آواز سن کر کہا۔

"اب تم اپنی گاڑی لے کر سیدھے گھر ہی جاؤگے؟" اس نے سوال کیا۔

"پہلے ڈیفنس والے مکان کا جائزہ لوں گا۔ میرا اصل کام ابھی تک ادھورا ہے۔"

"ویرا تمہارے لیے دو مرتبہ فون کرچکی ہے۔ وہ جاننا چاہتی ہے کہ تم کہاں ہو اور کیا کرتے پھر رہے ہو۔"

"میں اسے دیکھ لوں گا اوور اینڈ آل" میں نے ایرپیس آف کرکے جیب میں ڈالا اور ٹرک کے کیبن سے نیچے کود گیا۔ وہ دونوں موٹر سائیکل کا انجن بند کرکے میرا انتظار کررہے تھے۔

ان میں سے ایک چہرہ میرا شناسا سا تھا۔ میں نے سر کی جنبش سے ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا "تم دونوں ہی آئے ہو تو اس موٹر سائیکل کا کیا بنے گا؟ دو آدمی تو صرف ٹریلر پر درکار ہوں گے۔"

"موٹر سائیکل ہم کنٹینر میں چڑھالیں گے" سنجیدگی سے جواب دیا گیا۔

وہ اسپیشل ٹاسک فورس کے ملازمین تھے۔ ان میں سے ہر فرد' ہر وقت اپنی بساط سے بڑھ کر کام کا بوجھ اٹھانے کے لیے تیار رہتا تھا۔ وہی اگر عام سرکاری ملازم ہوتے تو موٹر سائیکل کو اونچے کنٹینر پر چڑھانا درکنار' اسے کچھ دور تک دھکیلنے کے نام پر بھی ناک بھوں چڑھانے لگتے۔ میں نے دل ہی دل میں ان کی لگن کا اعتراف کرتے ہوئے' ٹرک کی چابیاں دیں اور الوداعی انداز میں ہاتھ لہراکر ایک طرف چل دیا۔

ہوٹل سے مین روڈ کی طرف آنے والی سڑک پر مجھے فوراً ہی خالی ٹیکسی مل گئی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے بندرگاہ کی طرف جانے سے انکار کیا لیکن میٹر سے دس روپے زائد کی پیش کش پر فوراً رضامند ہوگیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد میں اپنی گاڑی میں واپسی کا سفر طے کررہا تھا۔

○☆○

شام کی چائے پر ہم چاروں یک جا تھے۔ میں انہیں اپنی کتھا سناچکا تھا۔ سلطان شاہ کی کہانی بس اتنی تھی کہ وہ سخی مراد کو اول خان کے دو آدمیوں سمیت نادرہ کے مکان کے تہ خانے میں چھوڑ آیا تھا۔ مکان بالکل اسی حالت میں تھا جس حالت میں ہم نے اسے چھوڑا تھا۔ بادی النظر میں وہاں کسی چوری چکاری کے آثار نہیں تھے۔

ویرا کی ذہنی اور جسمانی صحت پوری طرح بحال ہوچکی تھی۔ اس کے چہرے کا ورم وغیرہ دور ہوچکا تھا۔ نیل اور سوجن غائب ہونے کے بعد اس کے چہرے کا پرانا نکھار واپس لوٹ آیا تھا۔ وہ

اس بات پر بہت زیادہ برہم تھی کہ اس کے ٹھیک ہو جانے کے باوجود ہم نے اسے عضوِ معطل بنا کر گھر میں محبوس کیا ہوا تھا۔

اس وقت بھی ویرا چڑچڑے لہجے میں یہی کہہ رہی تھی "اگر میں بھی تم دونوں کے ساتھ اول خان کے دفتر چلی جاتی تو کون سی قیامت آجاتی؟ میں گھر میں بند رہ کر خود کو بیمار محسوس کرنے لگی ہوں۔"

"قربِ قیامت کی نشانیاں ہیں" سلطان شاہ خاص طور پر کسی سے مخاطب ہوئے بغیر بڑبڑانے لگا "جب عورتیں گھروں سے نکل کر بازاروں میں اپنے جلوے دکھانے پر کمربستہ ہو جائیں اور مرد کاٹھ کے اُلو کی طرح اپنی دم ہلاتے رہیں تو قیامت کسی بھی لمحے آسکتی ہے۔"

"بکواس مت کرو" وہ سلطان شاہ پر برس پڑی "یہ وعظ تم غزالہ کو سنا سکتے ہو، مجھے نہیں۔ میں ایک آزاد خیال مغربی لڑکی ہوں۔ میں گھر میں بند نہیں رہ سکتی، تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟"

"ماشاء اللہ!" سلطان شاہ استہزائیہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ "مغربی اور پھر وہ بھی لڑکی! میں نے تو سنا ہے کہ پچیس برس سے عمر ایک دن بھی اوپر ہو جائے تو لڑکی عورت کہلانے لگتی ہے۔ یہاں چالیس برس کی عمر کی مغربی لڑکی دیکھنے میں آرہی ہے۔ شاید یہ بھی قربِ قیامت ہی کی نشانی ہے۔"

سلطان شاہ کے اس سلگا دینے والے تبصرے پر ویرا آپے سے باہر ہو گئی۔ وہ دانت پیستے ہوئے اٹھی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے سلطان شاہ کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجوڑتے ہوئے کہا "میں تمہیں چالیس برس کی لگتی ہوں تو جانوروں کے کسی ڈاکٹر سے اپنی آنکھوں کا علاج کراؤ۔ سبزہ کھا کر تمہاری بینائی تیز ہو جائے گی.... میری عمر صرف بائیس برس ہے.... یہ اور بات ہے کہ تم جیسے ...دوں میں رہ کر میں نے اتنی ہی عمر میں اتنا کچھ سیکھ لیا ہے جو تم جیسے کوڑھ مغز سو برس کی عمر پا کر بھی نہیں سیکھ سکتے.... سمجھ گئے؟"

"سمجھ گیا!" سلطان شاہ نے بے بسی سے کہا "لیکن یہ غنڈا گردی کیوں دکھا رہی ہو؟ بیٹھ کر بات کرو۔ ہاتھا پائی کرنے سے ...رس آدمی ظاہر ہونے لگیں تو دنیا بھر کے غنڈے ہمیشہ جوان نظر آئیں گے۔"

"تم آرام سے بیٹھو اور اسے بولنے دو!" میں نے ویرا سے کہا۔ "اس کی زبان میں خارش ہے۔ یہ جب تک تمہاری بیماری کے دنوں کا کوٹا پورا نہیں کرے گا، ایسی اوٹ پٹانگ باتیں ہی کرتا رہے گا۔"

ویرا ایک جھٹکے سے اس کا گریبان چھوڑ کر پلٹی تو سلطان شاہ ڈھٹائی کے ساتھ اپنے گریبان پر آئی ہوئی شکنیں دور کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولا "جب سے تم نے ہمارے ساتھ یک جہتی کا اعلان کیا تھا اور اپنی قومیت تک کو ٹھکرا دیا تھا، میں تمہیں غزالہ کی طرح سمجھنے لگا تھا مگر آج پتا چلا کہ تم غزالہ سے مختلف ہو اور میں اپنے وعظ تم کو نہیں سنا سکتا۔ ڈیئی کو تمہارے قول و فعل کا یہ تضاد بھی نظر نہیں آتا مگر میری ہر بات اوٹ پٹانگ نظر آتی ہے۔ پتا نہیں تم نے اسے کیا گھول کر پلایا ہے کہ اسے تمہاری خامیاں بھی خوبیاں بن کر نظر آتی ہیں۔"

سلطان شاہ نے مکاری سے کام لے کر مجھے بھی اس جھگڑے میں ملوث کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں کچھ کہے بغیر بے نیازی سے سگریٹ نوشی میں مصروف رہا۔

ویرا نے ایک نظر میری طرف دیکھا پھر پھٹ پڑی "میری زندگی تم لوگوں کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے۔ میں غزالہ کو خود بتا چکی ہوں کہ میرے باپ نے ڈان مریانو کا روپ دھار کر مجھے روم کے عیاش امرا کی محفلوں میں کس طرح پروان چڑھایا تھا۔ اس کی وہ تربیت میری سرشت میں شامل ہو چکی ہے۔ میرے چند الفاظ میری اس فطرت کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ تم لوگوں سے یک جہتی کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے اپنی فطرت بدل لی ہے یا آزادی بیچ دی ہے۔ میں جو ہوں اور جیسی ہوں، ویسی ہی رہوں گی مگر امریکا کے جہنم میں جانے کے بجائے تم لوگوں میں رہوں گی.... میں مذہب کی زیادہ قائل نہیں ہوں مگر پھر بھی میں نے اپنا مذہب نہیں بدلا ہے، مسلمان نہیں ہوئی ہوں۔ تم اپنی اسلامی تعلیمات غزالہ کو شوق سے سناؤ۔ مجھ سے یہ توقع کبھی نہ رکھنا کہ میں اپنی آزادی کو تج کر گھر کی بند دیواروں میں قید رہوں گی۔ میری یہ باتیں بری لگتی ہیں تو ایک بار بتا دو۔ مجھے اس شہر میں بہتیرے ٹھکانے مل جائیں گے۔"

"خوب!" سلطان شاہ اس بار بھی خاموش نہ رہ سکا اور حیرت آمیز سنجیدگی سے بولا "مجھے یہ جان کر اچنبھا ہوا کہ تم جذباتی بھی ہو سکتی ہو۔ اے بائیس برس کی آزاد خیال اور غیر مسلم دوشیزہ! میں اپنے کہے پر نادم ہوں اور تمہاری اطلاع کے لیے صرف اتنا اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس شہر میں تمہیں بہتیرے ٹھکانے ضرور مل جائیں گے لیکن وہاں ہر مرد کے نفس میں تمہیں ڈان مریانو کا ایک چیلا نظر آئے گا۔ ہم لوگوں جیسے شریف اور مسکین ساتھی کہیں نہیں مل سکیں گے۔ میں سبزے کے بجائے سبزی کھا کر اپنی بینائی تیز کرنے کی کوشش ضرور کروں گا تاکہ مجھے تمہاری صحیح عمر نظر آتی رہے۔ اگر مجھ سے کبھی بھول چوک ہو جائے تو اسے اپنے دل پر نہ لیا کرو۔"

سلطان شاہ وہ معذرت کرتے ہوئے غیر ارادی طور پر ایسے برے برے منہ بنا رہا تھا جیسے اپنی مرضی کے خلاف کوئی کڑوی دوا نگل رہا ہو۔ ویرا اسے گھورتی رہی۔ مجھے اس کے بھینچے ہوئے ہونٹوں اور چمکتی ہوئی آنکھوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنی بے ساختہ ہنسی کو روکنے کی سرتوڑ کوشش کر رہی تھی لیکن جب سلطان شاہ نے اپنی بینائی تیز کرنے کا ذکر کیا تو غزالہ ہنس پڑی۔ اسی کے ساتھ ویرا کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تت.... تم کیسے سُور ہو!" وہ ہنسی کے دوران بہ دقت تمام

صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

"بچے تو بڑے بھائی ہیں" سلطان شاہ نے میری طرف اشارہ کر کے برجستہ کہا "میں ابھی کچا ہوں۔"

بظاہر مذاق میں ہونے والی وہ ترش، ذو معنی اور قدرے دوستانہ گفتگو میری دانست میں بہت دوررس اثرات کی حامل تھی۔ اگر اسے ذہن میں محفوظ کرلیا جاتا تو ہم لوگ مستقبل میں ایک دوسرے کی دل آزاری کا سبب بنے بغیر مکمل افہام و تفہیم کے ساتھ اپنا وقت گزار سکتے تھے۔

دونوں عورتوں کا ہنسی کا دورہ ختم ہوا تو غزالہ نے مجھے بتایا کہ سلمٰی اپنے ہاتھوں بے ہوش ہونے والے آدمی کا انجام جاننے کے لیے سخت بے چین تھی اور اسی چکر میں میری غیر حاضری میں دو مرتبہ فون بھی کر چکی تھی۔

"اس کا انجام میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں" میں نے شانے اچکا کے غزالہ سے کہا "سلمٰی نے حوصلے اور حاضر دماغی سے کام لے کر ولی داد کو بے ہوش نہ کیا ہوتا تو آج کی روداد بہت مختلف اور مایوس کن ہوتی اور ہم پورے شہر میں جہانگیر کو تلاش کرتے پھر رہے ہوتے۔"

"اس کا تیسرا فون کسی بھی لمحے آسکتا ہے" غزالہ نے تنبیہی لہجے میں کہا۔

اور یہی ہوا۔ اس کی بات پوری ہوتے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے سلمٰی میرے ہی بارے میں پوچھ رہی تھی۔

لمحہ بھر کے لیے میرے دل میں خیال آیا کہ میں اسے اپنی آواز سنائے بغیر ریسیور کسی اور کو دے دوں لیکن پھر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ میں اس طریقے سے سلمٰی کو زیادہ دیر تک نہیں ٹال سکتا تھا۔

میری آواز سنتے ہی سلمٰی خوش ہوگئی اور چہکتی ہوئی آواز میں بولی "خدا کا شکر ہے کہ تمہاری آواز سننے کو ملی۔ شاید غزالہ نے تمہیں نہیں بتایا کہ میں پہلے بھی دو مرتبہ فون کر چکی ہوں۔"

"میں ابھی ابھی گھر پہنچا ہوں۔ غزالہ مجھے یہی بتا رہی تھی۔ تم اس آدمی کے بارے میں فکرمند کیوں ہو؟"

"وہ آدمی جہنم میں جائے۔ مجھے اس کی فکر کیوں ہونے لگی؟ میں تو صرف یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ اس نے پکڑے جانے کے بعد کیا کہانی سنائی ہے۔ وہ جہانگیر کے دشمنوں میں سے کوئی تھا یا کوئی عادی چور ہے۔"

"اسے پولیس کے حوالے کر دیا گیا ہے" میں نے سلمٰی کو مطمئن کرنے کے لیے کہا "تھوڑی سی مار کھاتے ہی اس نے سب کچھ اگل دیا ہے۔ وہ چوری بلکہ ڈکیتی کی نیت سے تمہارے گھر میں آیا تھا۔"

"خدا کا شکر ہے" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں تو ڈر رہی تھی کہ اب جہانگیر کے دشمنوں نے ہمارا نیا گھر بھی دیکھ لیا ہے.... لیکن جہانگیر کہہ رہے تھے کہ یہ وہ آدمی نہیں تھا جسے وہ بلڈنگ کے سامنے منڈلاتا ہوا دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے۔"

"وہ فلیٹوں میں کام کرنے والی ایک لڑکی کا عاشق تھا۔ اسے بھی سرزنش کر دی گئی ہے۔ اب وہ بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا" میں سلمٰی کو اس بارے میں پوری طرح مطمئن کرنا چاہ رہا تھا۔

"اس کا مطلب تھا کہ جہانگیر بلاوجہ ہی اس قدر خوف زدہ ہو رہے تھے!"

"اس کے دشمنوں کا وجود اپنی جگہ پر ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ تم جانتی ہو کہ آدمی ہر طرف سے خطرات میں گھرا ہوا ہو تو اسے اپنے سائے سے بھی خوف آنے لگتا ہے" میں نے کہا۔

"وہ خوف زدہ ہوتے ہیں تو اپنے ساتھ مجھے بھی دہلا کر رکھ دیتے ہیں۔"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ وہ تم ہی کو اپنے دکھ سکھ کا ساتھی سمجھتا ہے۔"

"تم انہیں اچھی طرح جانتے ہو۔ تم تو ایسی باتیں کر کے میرا دل نہ جلایا کرو" اس نے شکایتی لہجے میں کہا "جب تک وہ خطرات میں گھرے ہوئے ہیں تو میرے ساتھ وقت گزارنے پر مجبور ہیں۔ آج حالات بہتر ہو جائیں تو وہ نئی لڑکیوں کے چکر میں نکل پڑیں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں اتنی آسانی سے اپنے مطلب کی لڑکیاں کیسے مل جاتی ہیں؟"

"یہ تمہارے سمجھنے کی باتیں نہیں ہیں۔ تم اپنے بچے اور شوہر پر دھیان دو....."

"اچھا، یہ بتاؤ کہ تم کب آرہے ہو؟" اس نے میری بات کاٹ کر پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"غزالہ کے ساتھ کسی بھی وقت چکر لگا لوں گا" میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ میری طرف پشت کیے وریا سے باتیں کرنے میں مصروف تھی مگر میں جانتا تھا کہ اس کے کان میری ہی طرف لگے ہوئے تھے۔

"اکیلے نہیں آؤ گے؟" سلمٰی کی آواز دھیمی اور رازدارانہ ہوگئی "مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

"دیکھوں گا۔" میں نے سرسری جواب دے کر فوراً ہی موضوع بدل دیا "جہانگیر کیا کر رہا ہے؟"

"صبح سے خطرہ ٹل جانے کی خوشی میں خدا کا شکر ادا کر رہے ہیں!" اس کی آواز استہزائیہ ہوگئی۔

"کیا نمازیں پڑھ رہا ہے؟" میں نے شدید حیرت اور بے یقینی کے عالم میں پوچھا۔

"نمازیں؟" وہ زہریلی آواز میں بولی "نماز کیا، انہیں تو وضو کرنے کا طریقہ بھی معلوم نہیں ہے۔ ان کے لیے تو ہر چیز کا حل صرف شراب ہے۔ خوشی ظاہر کرنے کے لیے اور غم بھلانے

لیے وہ صرف شراب پیتے ہیں۔ آج خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے صبح سے پی رہے ہیں اور مدہوش ہیں۔ جب آنکھ کھلتی ہے' ایک اور گلاس اپنے معدے میں انڈیل لیتے ہیں۔"
"دونوں محافظوں کے آنے کے بعد وہ کچھ زیادہ بے فکر ہو گیا ہے۔"
"وہ دونوں بہت اچھے آدمی ہیں" سلمیٰ کے اس تبصرے پر میرے کان کھڑے ہوگئے اور مجھے اول خان کے ان شریف آدمیوں کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی "حفاظت کے ساتھ ساتھ میرے باہر کے چھوٹے موٹے کام بھی کر رہے ہیں۔"
ازدواجی زندگی کی بے کیفی اور تلخیوں سے اکتائی ہوئی بہتیری خانہ دار عورتیں اس دھیمی دھیمی آگ میں سلگ کر کسی بے وفائی کا ارتکاب کیے بغیر اپنی پوری عمر گزار دیتی ہیں مگر ان کے دشت خیال میں کبھی کسی اجنبی کے تصور کا بھی گزر نہیں ہوتا لیکن سلمیٰ کا شمار ایسی قناعت پسند عورتوں میں نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس جیسی عورتیں ساری زندگی یقین اور بے یقینی' وفا اور بے وفائی کے دوراہے پر ڈگمگاتی رہتی ہیں۔ بعض اسی عالم میں اپنی تشنہ کامیوں سمیت اپنے سانس پورے کر لیتی ہیں لیکن جنہیں ذرا بھی ترغیب اور تحفظ نظر آئے' وہ رازداری سے دلدل میں اتر جاتی ہیں۔
اول خان کے دو آدمیوں کو جہانگیر کے گھر پر رہنے کی اجازت دیتے ہوئے میرا ذہن اس خطرے کی طرف مبذول نہیں ہو سکا تھا۔ میں سلمیٰ کی ذہنی کج روی کے ہلکے پھلکے ذاتی تجربات سے دوچار ہوتا رہتا تھا۔ اس کی زبان سے اول خان کے آدمیوں کی تعریف سن کر یک بہ یک مجھے احساس ہوا کہ میں نے آگ اور تیل کو یکجا کر کے جہانگیر کی خانگی زندگی کے لیے ایک حادثے کا پورا اہتمام کر ڈالا تھا۔
میں نے فوراً ہی سلمیٰ سے کہا "تمہیں ان دونوں سے فاصلہ برقرار رکھنا چاہیے۔ تم ان سے جو کچھ کہو گی' وہ اسے تمہارا حکم سمجھ کر بجا لائیں گے۔ تم ان کی سعادت مندی پر ناز کرتی رہ جاؤ گی اور وہ اپنے ایک ایک فعل کی رپورٹ اپنے اس افسر کو پہنچا دیں گے جو میرا گہرا دوست ہے۔"
"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی!" اس کی آواز سے شدید الجھن مترشح تھی۔
"وہ اچھے ضرور ہیں لیکن انہیں اپنے ساتھ غیر ضروری طور پر بے تکلف ہونے کا موقع نہ دینا۔"
"تم مجھے ایسا ہی گیا گزرا سمجھتے ہو؟" میری وضاحت پر وہ بھڑک اٹھی "میں اچھی..."
میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ کے کہا "میری بات کا غلط مفہوم نہ لو۔ ان کے آنے سے پہلے بھی تمہارے گھر کے سارے کام کاج چل رہے تھے۔ انہیں صرف وہی کام کرنے دو جس کے لیے انہیں بھیجا گیا ہے۔ تم نے انہیں اپنا گھریلو ملازم سمجھنا شروع کر دیا تو میرے لیے دشواری پیدا ہو جائے گی۔"
"اوہ! یہ مطلب تھا تمہارا" وہ اپنے ردِ عمل پر نادم ہو کر بولی۔ "میں کچھ اور سمجھی تھی۔"
"یہ تمہاری پرانی خرابی ہے۔ جو کہا جاتا ہے اس سے زیادہ سمجھنے کی کوشش کرتی ہو۔"
اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی کے ساتھ اس کی شوخ آواز آئی "پتا نہیں تم میں کیا خوبی ہے کہ تمہارا ایسا کڑوا کسیلا لہجہ بھی برداشت کر لیتی ہوں' جہانگیر ایسی باتیں کریں تو میں ان سے لڑ پڑتی ہوں۔"
اس کے وہ فقرے ایک طویل جواب اور سرزنش کے طالب تھے لیکن میں اس وقت زیادہ کھل کر بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اس لیے بس اتنا کہہ کر رہ گیا "یہ تمہاری مہربانی ہے۔"
"وہ ڈاکو تو پکڑا گیا لیکن اس کی وجہ سے ہم لوگوں کو عدالتوں کے چکر تو نہیں لگانے پڑیں گے؟" وہ اچانک ہی پٹڑی بدل کر ایک نیا سوال کر بیٹھی "میں نے سنا ہے کہ ایسے قصوں میں پولیس والے بھی خاصا پریشان کرتے ہیں۔"
"سب بندوبست ہو جائے گا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ابھی تک کوئی بھی پولیس والا تمہارے گھر نہیں آیا ہوگا۔ میں تم دونوں کا دشمن نہیں' بہی خواہ ہوں" میں نے سخت لہجے میں کہا۔
"جہانگیر تمہاری دوستی پر ناز کرتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ ان کا یہ ناز بجا ہے۔ کاش میری بھی تم سے ایسی ہی گہری دوستی ہو سکتی لیکن تم نہ جانے کیوں مجھ سے دور بھاگنے کی کوششیں کرتے رہتے ہو!"
وہ ایک مرتبہ پھر بہکنے لگی تھی۔ میں اس کی ایسی باتوں کا کوئی جواب نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے اس کے تبصرے کو گول کر کے جلد ہی اس کے گھر آنے کا وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔
"اگر سلمیٰ کو ولی داد کے اصلی انجام کا پتا چل جائے تو وہ دہشت سے بے ہوش ہو جائے گی" فون بند ہوتے ہی غزالہ نے تبصرہ کر کے میرے اس خیال کی تصدیق کر دی کہ وہ اپنی ظاہری مصروفیت کے باوجود میری اور سلمیٰ کی گفتگو پوری توجہ سے سنتی رہی تھی۔
چائے سے فارغ ہونے کے بعد ہم چاروں اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف رہے لیکن ہمیں شدت سے اول خان کا انتظار تھا۔ اس کے آنے کے بعد ہی راس المیڈا کی تلاش کے لیے کوئی اور منصوبہ طے کیا جا سکتا تھا۔
میں نے انتظار سے اکتا کر فون کیا تو پتا چلا کہ اول خان کافی دیر پہلے دفتر سے نکل چکا تھا۔ میں نے اپریٹس کی مدد سے اسے تلاش کرنے کا ارادہ کیا اور ترک کر دیا۔ میری دانست میں چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے اس لاسلکی آلے کے استعمال سے اس کی اہمیت اور افادیت کم ہوتی تھی۔

سورج غروب ہونے سے ذرا دیر پہلے اول خان آ پہنچا۔ اس کے بدن پر صبح والے دفتری لباس کے بجائے قمیص شلوار نظر آ رہی تھی۔ چہرے مہرے سے بھی وہ بالکل تر و تازہ نظر آ رہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ راستے میں اپنی بیگم سے ملتے ہوئے آ رہے ہو!" میں سوچتا ہی رہ گیا اور ویرا نے بے تکلفی سے اپنی بے باکانہ رائے کا اظہار کر ڈالا۔

"سہراب گوٹھ سے ادھر آتے ہوئے میرا گھر راستے میں پڑتا ہے" اول خان کا لہجہ مدافعانہ تھا۔

"یہ نہ کہو۔ میں کئی ایسے راستے بتا سکتی ہوں جو تمہارے گھر سے نہ گزرتے ہوں۔"

"نہا دھو کر لباس تبدیل کیے بغیر یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ڈیوٹی ختم ہو چکی ہے۔ تر و تازہ ہونے کے بعد کام کرنے میں کچھ اور ہی لطف آتا ہے" ویرا سے یہ کہہ کر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا "تم کیا خبریں لائے ہو؟"

"وہ عمارت شاید چار پلاٹوں پر مشتمل ہے" میں نے کہا "اس کے دونوں طرف رہائشی مکانات ہیں۔ احاطے کی دیوار کی ہر طرف وہی اونچائی ہے جو مین روڈ کی طرف نظر آتی ہے لیکن پچھلی سڑک پر مین روڈ کی طرف پوری اونچائی اور پوری چوڑائی والے شٹرز کے بجائے دیوار میں عام سائز کے دو گیٹ ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے عمارت کے مکین اپنی آمد و رفت کے لیے وہی عقبی راستہ استعمال کرتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ عمارت میں داخلے کے لیے عقبی سڑک بھی استعمال کی جا سکتی ہے" اول خان نے پُرخیال انداز میں کہا پھر پوچھا "عمارت کے مکینوں کے بارے میں تم نے وہاں پوچھ کچھ تو کی ہوگی؟"

"وہاں کے باشندے اس عمارت کو پراسرار تصور کرتے ہیں۔ عمارت کے مکین کسی سے میل جول نہیں رکھتے۔ ابتدا میں یہ سمجھا گیا کہ وہ کوئی سفارتی عمارت ہے لیکن وہاں آج تک کوئی پرچم بردار گاڑی نہیں دیکھی۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ وہاں غیر معمولی آمد و رفت نہیں ہے۔ عام گھروں کی طرح دن میں چار چھ بار دروازہ کھلتا ہے اور گاڑیوں میں مقامی یا غیر ملکی آتے جاتے نظر آتے ہیں۔"

اس عمارت کے بارے میں معمول کی آمد و رفت کے علاوہ ہر بات غیر معمولی تھی مثلاً وہاں کبھی دودھ، اخبار یا سبزی والوں کو نہیں دیکھا گیا تھا۔ شاید وہ لوگ اپنی جملہ ضروریات کی اشیا بازار سے خود ہی خرید کر لانے کے عادی تھے۔ اس طرح وہ اپنے آس پاس رہنے والوں سے بالکل کٹے ہوئے تھے۔

کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ مکان کس کی ملکیت تھا اور وہاں رہنے والے خود اس جگہ کے مالک تھے یا کرائے دار کی حیثیت سے وہاں رہ رہے تھے۔ علاقے کے دوسرے گھروں کے برعکس وہاں کبھی کوئی تقریب بھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔

میں نے اپنے ساتھیوں کو بھی ان تفصیلات سے آگاہ نہیں کیا تھا اس لیے وہ بھی اس گفتگو میں گہری دلچسپی لے رہے تھے اور اپنے طور پر سوالات بھی کرتے جا رہے تھے۔

وہ سب سن لینے کے بعد ویرا نے کہا "اگر اس عمارت کی پراسرار تاریخ اتنی پرانی ہے تو ہمیں وہاں راس المیڈا کے بجائے راڈنی آرک کو تلاش کرنا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ امریکن قونصل خانہ کسی غیر سفارتی انداز میں اس عمارت کا مالک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے مہمانوں کو وہاں ٹھہراتے ہوں۔ آج کل راس المیڈا یہاں راڈنی آرک کے نام سے آیا ہوا ہے۔ وہ اسی روپ میں وہاں ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عمارت کے عملے کو بھی راڈنی آرک کی دہری شخصیت کا علم نہ ہو اور وہ اسے سرکاری مہمان سمجھ رہے ہوں۔"

"تمہاری آخری بات قرین قیاس نہیں ہے" اول خان نے کہا "سخی مراد نے بتایا ہے کہ راس المیڈا نے سامنے آئے بغیر چیف کے روپ میں اسے کے نائین کے بارے میں بریفنگ دی تھی۔ عمارت کے عملے کو اعتماد میں لیے بغیر ایسی کارروائی کرنی ممکن نہیں تھی۔ وہ جو کوئی بھی ہیں، سب ایک ہیں۔ ان میں کوئی تفریق نہیں کی جا سکتی۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں" سلطان شاہ نے کہا "وہاں آپریشن ہوا تو سب کچھ سامنے آجائے گا۔ ہمیں آج رات ہی اس عمارت پر دھاوا بولنے کی تیاری کر لینی چاہیے۔"

"ہم کبھی بھی بے مقصد خون خرابا نہیں کرتے" اول خان نے گمبھیر سنجیدگی سے کہا "آپریشن سے پہلے، وہاں رہنے والوں کی حیثیت کا تعین ضروری ہے ورنہ ہمارے ہاتھوں بہت سے بے گناہ بھی مارے جا سکتے ہیں۔"

ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "تم نے ابھی سے فرض کر لیا کہ تم وہاں فاتح رہو گے۔ ابھی تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ تم وہاں میں کامیاب ہو سکو گے یا نامراد لوٹ آؤ گے۔"

"شاید ڈینی نے تمہیں ٹریلر کی کہانی نہیں سنائی ہے؟" اول خان نے اسے گھور کر پوچھا۔

"وہ میں سن چکی ہوں۔ ضروری نہیں کہ وہ تمہارے سوچے ہوئے طریقے پر اپنے ردعمل کا اظہار کریں۔ وہ ٹریلر کی دوبارہ کسی سازش کا پیش خیمہ بھی سمجھ سکتے ہیں۔"

"ہونے کو ہر بات ہو سکتی ہے" میں نے کہا "ناکامی کے خوف سے ہم آپریشن کا ارادہ ترک نہیں کر سکتے۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں" سلطان شاہ نے میری تائید کی "ہمیں فوراً ہی اپنی منصوبہ بندی کا آغاز کر دینا چاہیے۔ ہم کریں گے تو ہماری کامیابی کے امکانات بھی موہوم ہوتے جائیں گے۔"

"ہم ٹھیک کہہ رہے ہو" اول خان نے کہا "سخی مراد کے گھر والوں کا صبر جواب دے چکا ہے۔ تاوان کا کوئی باقاعدہ مطالبہ نہ ملنے پر انہوں نے آج دوپہر اعلیٰ حکام کو سخی مراد کے اغوا کے واقعے سے باخبر کردیا ہے اور اس کی تلاش کے لیے بڑے پیمانے پر سرگرمیاں شروع کردی گئی ہیں۔ یہ بات پھیلتے ہی راس الیمیڈا بھی چوکنا ہوجائے گا۔"

"تمہیں سخی مراد سے جو کچھ معلوم کرنا تھا' وہ تم معلوم کرچکے ہو" ویرا نے اول خان سے کہا "اب اسے میجر غوث کے حوالے کردو۔ وہ اسی کا کیس ہے۔ وہ سخی مراد کو اپنے شکنجے میں جکڑ لے گا۔"

اول خان کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا "وہ خود جانتا ہے کہ وہ عدالت میں سخی مراد کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کرسکے گا۔ سخی مراد بہت بڑی مچھلی ہے۔ اپنے ذرائع سے اس کے اغوا کی خبر ملتے ہی میجر غوث نے مجھے فون کیا تھا۔ وہ غیر سرکاری طور پر سخی مراد کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔ میں نے انجان بن کر اس کے اغوا پر اپنی حیرت کا اظہار کیا تو وہ مزید کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں کرسکا۔"

"تم نے اس کے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" ویرا نے تیزی سے پوچھا۔

"وہ اور کچھ ہو یا نہ ہو' ولی داد کا قاتل ضرور ہے۔ مناسب وقت پر شہر کے کسی حصے سے ان دونوں کی لاشیں دستیاب ہوں گی اور مجھے یقین ہے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سخی مراد کے دانتوں سے ولی داد کی گردن کے ریشوں کی برآمد کی کہانی سنائے گی تو ہر طرف سنسنی پھیل جائے گی۔"

"تمہارا خیال ہے کہ مناسب وقت آنے تک سخی مراد ان ریشوں کی پرورش کرتا رہے گا؟" سلطان شاہ نے اس انکشاف پر بے اعتباری سے پوچھا۔

"تم دیکھ ہی چکے ہو کہ اس نے کتنی طاقت سے اپنے دانت ولی داد کے نرخرے میں گاڑے تھے۔ سخت برش یا خلال کے بغیر وہ ان ریشوں سے نجات حاصل نہیں کرسکے گا۔ وہ سڑ کر اس کے مسوڑھوں کو خراب کردیں گے۔ میں نے بندوبست کیا ہے کہ ایسی کوئی چیز سخی مراد کو نہ مل سکے جس سے وہ اپنے دانت صاف کرسکے۔"

"اگر ایسا ہوگیا تو یہ اخبارات کے لیے ایک لرزہ خیز کہانی ہوگی۔ اپنے دانتوں سے بھائی کا نرخرا نوچنے والے رہنما کی کہانی لوگوں کی آنکھیں کھول کر رکھ دے گی مگر مجھے بھی تمہاری اسکیم کی کامیابی میں شبہ ہے" میں نے ان کی باتوں میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"دانتوں کے علاوہ اس کا لباس بھی اس کے جرم کی گواہی دے گا" اول خان نے پُراعتماد مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اس نے سلطان شاہ کی ہدایت پر اپنا چہرہ اور لباس پانی سے دھولیا تھا لیکن کپڑے کے تانے بانے سے خون کے ذرات اتنی آسانی سے الگ نہیں ہوتے۔ ایک گمنام فون کے ذریعے حکام کو ان راہوں پر ڈال دیا جائے گا۔"

"سخی مراد کے ساتھ یہی ہونا چاہیے" غزالہ نے آنکھیں بند کرکے جھرجھری لیتے ہوئے کہا "ایسے درندہ صفت انسان کو بے نقاب کیا جانا ضروری ہے جو اپنی عام زندگی میں لوگوں کا رہنما اور غم گسار بنا پھرتا ہے لیکن اندر سے بالکل حیوان ہے۔ میرا بس چلے تو میں اسے زندہ رکھ کر یہ سب باتیں ثابت کروں تاکہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔"

"اسے زندہ رکھا گیا تو کچھ بھی نہیں ہوسکے گا۔" اس خیال نے اول خان کو افسردہ کردیا "ملزم سخی مراد کی طرح قد آور شخصیت کا مالک ہو تو اس کے خلاف کام کرنے والوں پر قانون اور ضابطوں کی پابندیاں بہت سخت ہوجاتی ہیں۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ بدعنوان حکمرانوں کی سرپرستی میں کرپشن کا ناسور کتنا گہرا ہوچکا ہے۔"

"بس!" اول خان کی بات مکمل ہوتے ہی ویرا نے اسے خاموش کردیا "ہمیں تقریروں کے بجائے کام کرنا چاہیے اور اس وقت راس الیمیڈا کی سرکوبی سب سے بڑا کام ہے۔"

ہم میں سے ہر شخص کی دلی خواہش تھی کہ راس الیمیڈا کا فتنہ جلد از جلد اپنے کیفر کردار کو پہنچے لیکن میں نامعلوم وجوہ کی بنا پر عجلت کے حق میں نہیں تھا۔ دوسری طرف اول خان نے ٹریلر کے اسٹیشن فور پہنچتے ہی اسے ایک ہلکے پھلکے آرمرڈ پرسونل کیریئر میں تبدیل کرانے کا کام شروع کردیا تھا۔

کنٹینر کی پتلی اور غیر محفوظ آہنی دیواروں کے پیچھے چار فٹ اونچی اور موٹی چادریں ویلڈ کی جارہی تھیں تاکہ ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے افراد باہر سے ہونے والی فائرنگ سے محفوظ رہ سکیں۔ ان چادروں کی موٹائی اتنی رکھی گئی تھی کہ ہلکے اور درمیانی کلیبر کے ہتھیاروں کا فائر ناکام بنایا جاسکے۔ اس چار فٹ کی بلندی کے بعد کنٹینر کی دیواروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ کیے جارہے تھے تاکہ ان کے ذریعے اندھادھند فائرنگ کرکے دشمن کو ہراساں کیا جاسکے۔ اول خان کا خیال تھا کہ وہ کام رات تک مکمل ہوجانا چاہیے تھا۔

ان تیاریوں پر بات کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر ٹریلر کے ڈرائیور کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پورے پلان میں بظاہر وہی ایک فرد تھا جس کی جان کو سب سے زیادہ خطرہ لاحق ہوسکتا تھا۔ ونڈ شیلڈ سے آنے والی ایک ہی گولی اس کا کام تمام کرسکتی تھی اور اول خان اپنے کسی بھی آدمی کو ایسے خطرے میں جھونکنے پر آمادہ نہیں تھا۔ کھلے مقابلے میں اس کے دس آدمی بھی مارے جاتے تو شاید اسے اس جنگی ناکامی کی پروا نہ ہوتی لیکن جانتے بوجھتے ہوئے وہ اپنے کسی آدمی کو زخمی کرانے کا خطرہ تک مول لینا نہیں چاہتا تھا۔

"کیوں نہ سخی مراد سے یہ کام لیا جائے؟" سلطان شاہ نے تجویز پیش کی "اسے اول اور آخر مرنا ہی ہے تو کیوں نہ وہ اپنے چیف کے حواریوں کے ہاتھوں انجام کو پہنچے۔"

ویرا نے پُرزور لہجے میں اس کی تائید کی لیکن میں نے اس مشورے کو یکسر مسترد کردیا۔

"سارا خطرہ ڈرائیور کے پہچان لیے جانے کی صورت میں پیدا ہوگا۔ انہوں نے ٹریلر دیکھ کر ڈرائیور پر دھیان نہ دیا اور تاریکی نے مدد کی تو ٹریلر کسی مزاحمت کے بغیر اندر پہنچ جائے گا۔" میں نے کہا "خرابی اس وقت پیدا ہوگی جب وہ ڈرائیور کو پہچاننے کی کوشش کریں گے۔ سخی مراد ایک معروف سیاسی رہنما ہے۔ اس کی تصاویر اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ اسے دیکھتے ہی وہ خطرہ بھانپ لیں گے۔ اگر راس المیڈا کو سخی مراد کے اغوا کی خبر مل چکی ہے تو بات اور بھی گمبھیر ہوجائے گی۔ میں اتنا بڑا خطرہ مول لینے کے حق میں نہیں ہوں۔"

"ہم اس بارے میں بلاوجہ اتنی مغززنی کررہے ہیں" غزالہ نے اچانک ہی سب کو چونکا دیا "رات کے گہرے اندھیرے میں تاریک کیبن میں بیٹھے ہوئے ڈرائیور کو کون پہچان سکے گا؟ یہ سب فضول باتیں ہیں۔"

"تم ان لوگوں سے ناواقف ہو اس لیے ایسی بات کہہ رہی ہو" ویرا نے ناصحانہ لہجے میں کہا "امریکا انفراریڈ ٹیکنالوجی میں بہت آگے نکل چکا ہے۔ ایسی دوربینوں کے ذریعے گھور اندھیرے میں بھی دور کی اشیا بالکل صاف نظر آتی ہیں۔ اس عمارت میں جدید سہولتوں کا ایک منظم جال بچھا ہوا ہوگا اور پھر وہاں خفیہ سرچ لائٹس بھی ہوسکتی ہیں جو ضرورت پیش آنے پر آس پاس کے علاقے کو منور کردیں۔"

"پھر بھی یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" غزالہ نہایت سادگی سے اپنے مؤقف پر قائم رہی "اپنے آدمی کے سر، چہرے اور جسم کے بعض حصوں پر ڈریسنگ کرکے ناقابل شناخت بنایا جاسکتا ہے۔ اسے دیکھ کر وہ یہی سمجھیں گے کہ ان کا آدمی کسی حادثے میں زخمی ہوکر رات گئے واپس لوٹ آیا ہے۔"

غزالہ کی وہ سیدھی سادی تجویز سن کر سب ہی حیرت اور مسرت سے اچھل پڑے۔

"تم نے کمال کردیا" اول خان تحسین آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "سامنے کی اتنی سی بات ہم میں سے کسی کی عقل میں نہیں آرہی تھی۔ اب ہم کسی بھی وقت کارروائی کرسکتے ہیں۔"

"میری زوجہ ہے!" میں نے قہقہہ لگاکر کہا "عام طور پر خاموش رہتی ہے لیکن جب بولتی ہے، کفن پھاڑ کر بولتی ہے اور ہر ایک کو دنگ کردیتی ہے۔"

"اس نے سیدھے سادے انداز میں سوچنے کا یہ دیسی طریقہ مجھ ہی سے سیکھا ہے" سلطان شاہ بولا۔

"ہاں، ہاں۔۔۔ اس نے تو دودھ پینا بھی تم ہی سے" ویرا نے جل کر کہا۔

"کھال میں رہو!" سلطان شاہ اس پر بگڑ کر بولا، بدتمیزی پسند نہیں کرتا۔"

"اس میں بدتمیزی کی کیا بات ہے؟" ویرا نے بے "تم خود ہی اسے اپنی چھوٹی بہن کہتے ہو۔۔۔"

"خاموشی!" اول خان نے ہاتھ اٹھا کر ویرا کی بات "ذرا میں اپنے دفتریات کرلوں۔"

ویرا نے اپنی جگہ چھوڑی اور سلطان شاہ کو زبان چل دی۔ غزالہ بے اختیار ہنس پڑی۔

وہ ایک سنگین تعطل تھا جو باتوں ہی باتوں میں اچانک تھا۔ منصوبے پر عمل شروع ہونے کی امید بندھتے ہی پُرجوش اور فعال نظر آنے لگا تھا۔

میں نے پردوں کے درمیان سے دیکھا کہ باہر اندھیرا تھا۔ شاید ویرا شام کا پہلا گلاس لینے کے لیے اپنے کمرے تھی۔ میرے دل میں یک بہ یک مے نوشی کی خواہش نے اور میں نے اپنی جگہ چھوڑدی۔

"شاید تم ویرا سے وقت معلوم کرنے جارہے ہو!" سلطان نے ذومعنی لہجے میں مجھے ٹوکا۔ وہ اتنا خرانٹ ہوگیا تھا اوقات میرے چہرے سے میرے دل کی بات پڑھ لیتا تھا۔

میں غصے سے اسے گھور کر رہ گیا۔ اس وقت تک فون پر گفتگو شروع کرچکا تھا۔ غزالہ نے سلطان شاہ کے کہا "ان سے مت لڑو۔ آؤ ہم عمدہ سی چائے بناکر پیتے ہیں۔"

میں رکے بغیر ڈرائنگ روم سے نکل کر ویرا کے طرف بڑھتا چلا گیا۔

اس کے کمرے میں پہنچ کر مجھے دوسری حیرت کا سامنا اس کے سامنے میز پر دو گلاس رکھے ہوئے تھے اور وہ دوسرے گلاس میں اسکاچ انڈیل رہی تھی۔

"یہ دوسرا گلاس کس کے لیے بنارہی ہو؟" میں نے سامنے والی کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے لیے" اس نے بے ساختہ کہا "ہم پانچوں کون اسے منہ لگاتا ہے؟ مجھے معلوم تھا کہ تم ضرور آؤ گے میں نے پہلے سے دو صاف گلاس نکال لئے تھے۔"

"میں مے نوشی کے لیے نہیں، تم سے تخلیے میں کرنے کے لیے آیا تھا" میں نے بھنا کر کہا۔

"تم پینے کے موڈ میں نہیں ہو تو دوسرا گلاس بھی میں گی۔ کہو کیا بات کرنی ہے؟"

اس نے وہ فقرے ایسی بے پروائی سے کہے تھے میری وضاحت پر ذرا بھی یقین نہ آیا ہو۔ میں چند ثانیوں

بھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتا رہا اور پھر گلاس اٹھا کر ایک لمبا گھونٹ اپنے معدے میں منتقل کرلیا۔

اس وقت تک ویرا نے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا تھا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر گہری دلچسپی سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں فوراً ہی اسے نظر انداز کر کے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔ میں پہلا کش بھی نہیں لے پایا تھا کہ اس نے جھک کر میرے ہونٹوں سے سگریٹ اچک لی اور میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی ہنس کر کہنے لگی "یہ گلاس کا حساب ہے۔ شریف بچے کی طرح اپنے لیے دوسری سگریٹ سلگالو۔"

"میں غزالہ کی وجہ سے گھر میں تمہارا لحاظ کرنے پر مجبور ہوگیا ہوں ورنہ بعض اوقات تمہارے بال پکڑ کر تھپڑ لگانے کو طبیعت چاہتی ہے۔ کبھی کبھی تم مجھے آپے سے باہر کردیتی ہو۔" میں نے دوسری سگریٹ سلگا کر کہا۔

"میرا لحاظ نہ کرو۔ باہر چل کر تم اپنا یہ شوق بھی پورا کرسکتے ہو مگر یہ یاد رکھنا کہ شی کے ابتدائی دنوں میں میں بلیک کوئین ہوا کرتی تھی تو میرے مارشل آرٹس سے تم سب ہی تھراتے تھے۔"

"وہ اور زمانہ تھا۔ اس وقت میں شی کی غلامی کررہا تھا اور جی لائیڈ کے کتوں سے بھی ڈرنے پر مجبور تھا۔ اسی کے بل پر تمہاری دھونس چل رہی تھی اور میں نے بعد میں تمہارا مقابلہ بھی کیا ہے۔"

اس نے گلاس سے بمشکل چند چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیے تھے لیکن وہ اپنی کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر مخمور آواز میں ہولے سے ہنس پڑی اور بولی "میرا چہرہ بگڑا ہوا تھا تو تم میرے ساتھ عزت اور احترام سے پیش آرہے تھے۔ اب میری صورت کچھ سنوری ہے تو تھپڑ لگانے کی باتیں کررہے ہو۔ سچ سچ بتاؤ کہ تمہارے دل میں کیا ہے؟"

"میرے دل میں تمہارے لیے اب صرف ہمدردی ہی ہمدردی رہ گئی ہے!"

"مجھے یوں لگتا ہے جیسے کبھی کبھی تم اپنے فیصلوں پر پچھتاوا محسوس کرتے ہو.... اور شاید اسی کی کسک تمہیں کچھ تلخ بنادیتی ہے۔ پہلے تم ایسے تو نہیں تھے۔ حسین عورتوں کی دل داری اور ناز برداری کے سارے طریقے جانتے تھے۔"

"گڑے مردے مت اکھیڑو!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر اپنا گلاس اٹھایا اور خالی کر کے میز پر رکھ دیا۔ "شادی انسان کو باہر سے ہی نہیں، اندر سے بھی بالکل بدل دیتی ہے۔ مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ میں غزالہ کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ انسان بیوی کے ساتھ اس سے زیادہ خوشیوں کی توقع نہیں کرسکتا۔"

"لیکن محبوبہ کے ساتھ اس سے زیادہ خوشیاں مل سکتی ہیں" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں کہا پھر میرے گلاس میں اسکاچ انڈیلتے ہوئے بات جاری رکھی "برے بھلے وقت کے لیے آدمی کی کوئی محبوبہ ہو تو وہ کبھی خسارے میں نہیں رہتا۔ میاں بیوی کا رشتہ بہت جلد پرانا ہوجاتا ہے اور باہمی کشش کھو کر بہن بھائی کی طرح ایک دوسرے کے لیے بے ضرر ہوجاتے ہیں لیکن محبوبہ پچاس برس بعد بھی محبوبہ رہتی ہے۔ اسے جب چھوا جائے، کرنٹ لگتا ہے۔ پتا نہیں تم نے یہ خانہ کیوں خالی چھوڑ رکھا ہوا ہے۔"

"اگر تم اس خالی خانے کے لیے امیدوار ہو تو اپنا ٹینڈر دو۔ وقت آئے گا تو تمہارے بارے میں بھی سوچ لوں گا" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر بے رحمانہ لہجے میں کہا "تم آج بھی خوب صورت ہو۔"

"تم بہت سفاک ہو" وہ اپنا گلاس خالی کر کے گھائل آواز میں بولی "تم نے مجھے برباد کردیا ورنہ ڈان مرسیانو نے مجھے یہی سکھایا کہ ہر مرد کو ایک کھلونا سمجھ کر اس سے کھیلتی رہوں۔ دل بھر جائے تو اسے دھتکار دوں۔ تمہارے سامنے میری یہ تربیت برسوں کا سارا ریاض دھرا کا دھرا رہ گیا۔ میں تمہیں کھلونا نہ بنا سکی۔ میں نے تمہیں جیتنے کی کوشش کی اور تم نے مجھے ہی بنالیا۔ تم نے مجھے یہ آزار نہ دیا ہوتا تو میں آج بھی ایک آزاد پنچھی کی طرح خوشی کے گیت گاتی ہوئی ڈال ڈال گھوم رہی ہوتی۔ میں، میں نہیں رہی ہوں۔ تمہارے دیے ہوئے دکھ کا ایک سایہ بن کر رہ گئی ہوں۔ ذرا جلدی سے گلاس خالی کرو۔ ہم زیادہ دیر یہاں نہیں بیٹھ سکتے۔"

ابتدا میں مَیں نے تیزی دکھائی تھی لیکن تیسرا گلاس ہم دونوں نے ایک ساتھ ختم کیا۔ وہ مغربی معیار کے گلاس نہیں تھے جن میں شراب بقدر اشکِ بلبل اور برف بے حساب ہوتی ہے۔ پاکستان میں رہتے رہتے ویرا بھی دیسی حساب سے پیمانے بنانے کی عادی ہوچکی تھی۔

ڈرائنگ روم سے ہم دونوں ہی بہت خوشگوار موڈ میں الگ اٹھے تھے لیکن ویرا کی خواب گاہ میں چند لمحوں میں نہ جانے کیا ہوا کہ ساری خوشی ایک بے نام سی اداسی میں ڈھل گئی تھی۔

میں نے اپنے دل و دماغ کو ٹٹولا لیکن دور دور تک پچھتاوے کا نام و نشان نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ اپنے اکیلے پن سے ویرا بہت مغموم ہوگئی تھی۔ یہ شاید اسی کے موڈ کا پرتو تھا جو مجھے اداس کر گیا تھا۔

"کیا تم دونوں لڑ کر آرہے ہو؟" ہمیں دیکھتے ہی اول خان نے بے ساختہ سوال کیا۔ وہ فون سے فارغ ہو کر غزالہ اور سلطان کے ساتھ چائے نوشی میں مصروف تھا۔

"نن.... نہیں تو!" ہم دونوں نے بوکھلا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے تقریباً بیک آواز کہا۔

"تو پھر تمہاری چمک دار آنکھوں میں نمی کیوں جھلملا رہی ہے؟" اول خان نے ویرا سے پوچھا۔

"باپ یاد آگیا تھا" ویرا کی آواز اچانک بھرا سی گئی "وہ کتنا
ا سہی لیکن میرا باپ تھا۔ مجھ جیسے لوگ تو ویسے بھی اپنی
ائش سے موت تک اپنے باپ کے پیار کے لیے ترستے رہتے
اوب۔"
اس کی آواز رندھ گئی اور وہ اپنی بات پوری نہیں کر سکی۔
نے اپنے اندر کے دکھ کو کمال مہارت سے اپنے باپ کی طرف
ورہا تھا۔ میں نے نرمی سے اس کا بازو تھام کر ایک صوفے پر
یا۔ غزالہ فوراً ہی اس کے پاس آبیٹھی۔ میں نے اول خان کو
رے سے بتایا کہ وہ پی کر آئی تھی اس لیے زیادہ حساس ہو رہی
ورنہ اس کے بارے میں فکر مندی کی کوئی بات نہیں تھی۔
"پھر تم نے کیا طے کیا ہے؟" میں نے اپنی نشست سنبھالنے
بعد ویرا کی کیفیت کو نظر انداز کرتے ہوئے، اونچی آواز میں
خان سے پوچھا "راس المیڈا کے شکار کے لیے کون سا وقت
ب رہے گا؟"
"آج اس پروگرام کو ملتوی کر دو!" اول خان پُر تشویش نظروں
ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "ویرا کو شاید تم لوگوں کی دیکھ
کی ضرورت ہے۔"
"میں شرمندہ ہوں کہ میں نے یہاں کا ماحول بوجھل کر دیا"
پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی تو اس کی آنکھوں میں خمار کے گلابی
ڈورے تیر رہے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی "میں بالکل ٹھیک
۔ میری وجہ سے پروگرام ملتوی کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں
بھی اس مہم میں شریک ہونا چاہوں گی۔"
"یہ ہم بعد میں طے کرلیں گے کہ اس مہم میں کس کس کو
ل ہونا ہے" میں نے کہا پھر اول خان سے پوچھا "یہ بتاؤ کہ
شن فور کی کیا خبریں ہیں۔ کنٹینر کب تک تیار ہو جائے گا؟"
"ایک گھنٹے میں سارا کام ختم ہو جائے گا۔ اگر ہم ابھی کوئی
کرلیتے ہیں تو رات کے ایک بجے کے بعد میرے آدمی کسی بھی
ٹارگٹ پر پہنچ سکتے ہیں۔ آدمیوں کو تیار ہونے میں وقت نہیں
گا۔"
"ہمیں اس عمارت کو دونوں طرف سے دیکھنا ہو گا۔ کیا
رے پاس اتنی نفری موجود ہے؟" میں نے اس کے پھنسے ہوئے
میوں کی تعداد پر غور کرنے کے بعد سوال کیا۔
"گی مراد پر مامور ایک آدمی کو ہٹانا پڑے گا۔ جہانگیر کے گھر پر
رات میں صرف ایک آدمی رہے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ صبح
ورت ہوئی تو میں وہاں دوسرا آدمی بھی بھیج دوں گا۔ تمہارے
پر دونوں آدمی ضائع ہو رہے ہیں۔ انہیں ساتھ لینا پڑے گا"
خان نے پوری وضاحت پیش کر دی۔
"یہاں کا معاملہ ذرا ٹیڑھا ہے۔ میرے اور سلطان شاہ کے
تھ ویرا بھی چلنے پر مصر رہی تو غزالہ یہاں اکیلی رہ جائے گی۔ میں
کے بارے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"آپ میری طرف سے بے فکر رہیں۔ میں دروازے مقفل کر کے آرام سے سو جاؤں گی۔ میں اپنی وجہ سے کسی پر کوئی جبر نہیں کرنا چاہتی" غزالہ نے بے خوفی سے کہا "جو عورت آتشیں ہتھیاروں کے استعمال سے واقف ہو، وہ کسی خوف کے بغیر اکیلی بھی رہ سکتی ہے۔"

"کنٹینر میں سات آدمی بلکہ کمانڈو موجود ہوں گے۔ آٹھواں ڈرائیور ہو گا۔ ٹریلر والوں کو باہر سے مدد فراہم کرنے کے لیے ایک چار نفری موبائل یونٹ پوری تیاریوں کے ساتھ موجود رہے گا۔ اسی قسم کے دو یونٹ عقبی سمت سے اندر گھسنے کے لیے تیار رہیں گے۔ ان میں چھ، چھ افراد ہوں گے" اول خان کے لیے وہ اس کا پیشہ ورانہ موضوع تھا۔ وہ پوری تفصیل کے ساتھ اپنا پلان پیش کر رہا تھا۔

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میں ٹریلر کے پیچھے والے موبائل یونٹ سے کمان کروں گا۔ شٹر اٹھتے ہی ٹریلر اندر داخل ہو گا اور ایسی پوزیشن میں روک لیا جائے گا کہ کنٹینر کا کچھ حصہ باہر نکلا رہے۔ اس طرح وہ کوشش کے باوجود اس کھلے ہوئے راستے کو بند نہیں کر سکیں گے۔ ٹریلر رکتے ہی ساتوں کمانڈو ایک برسٹ ماریں گے۔ یہ پچھلے موبائل یونٹوں کے لیے کارروائی کے آغاز کا سگنل ہو گا۔ کمانڈوز باری باری کنٹینر سے باہر نکل کر ٹریلر کی آڑ میں فائر کرتے ہوئے اندر پیش قدمی کریں گے۔ اسی وقت پچھلی سڑک والے موبائل یونٹ دونوں پھاٹکوں پر پہنچ کر انہیں کھولنے کا حکم دیں گے۔ تعمیل میں تاخیر ہوئی تو ان مخصوص گاڑیوں کی فاضل آہنی گرل کی ضربات سے گیٹ گرا دیے جائیں گے۔ وہ اندر گھستے ہی فضا میں ٹریسر فائر کریں گے جس سے مجھے ان کی کامیابی کا علم ہو جائے گا۔ اس کے بعد کھلی جنگ ہو گی۔ ہر گروپ کمانڈر کے پاس اس کا اپنا ایریئس ہو گا جس پر سب لوگ ایک دوسرے سے رابطہ رکھیں گے۔"

"شاندار!" سلطان شاہ اس کے خاموش ہوتے ہی بے ساختہ بول پڑا۔

"پورے منصوبے میں کہیں کوئی جھول نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم دن بھر اسی پلان پر کام کرتے رہے ہو" ویرا اپنی اداسی بھول کر دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ اول خان سے مخاطب ہوئی۔

"دن بھر کہاں" اول خان عاجزانہ ہنسی کے ساتھ بولا "دوپہر کے بعد تو ٹریلر کی خبر ملی ہے۔ ڈینی کو ٹریلر کے اغوا کی ہدایت دیتے ہی میں نے عرق ریزی سے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔"

"مگر مجھے تمہارے منصوبے میں ایک سنگین سقم نظر آ رہا ہے" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کیا؟" اول خان میرے اعتراض پر ہمہ تن گوش ہو گیا اور صوفے سے آگے جھک آیا۔

"اس میں ہم میں سے کسی کا کوئی کردار نہیں ہے" میں نے

سگریٹ کا کش لے کر کہا۔

اول خان بے اختیار ہنس پڑا "تم بھول رہے ہو کہ کلیدی کردار تمہارا ہی ہے۔ اگر وہ ٹریلر اور کنٹینرز ہمارے ہاتھ نہ آتا تو اتنا قابلِ عمل پلان بن ہی نہیں سکتا تھا۔"

"وہ الگ بات ہے۔ میں راس المیڈا کی سرکوبی کے معاملے سے اتنا الگ تھلگ نہیں رہ سکتا" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ویرا اور سلطان شاہ نے ہم آواز ہو کر میری تائید کر ڈالی۔

"پہلے مجھے اپنی بات پوری کر لینے دو پھر اپنے اعتراضات پیش کرنا" اول خان نے مفاہمانہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "اندر مذاکرات نہیں ہوں گے۔ وہ مارنے یا مرجانے کا مشن ہوگا۔ اس کے لیے صرف اور صرف میرے پیشہ ور آدمی موزوں رہیں گے۔ تم نے یہ نہیں سنا کہ میں کمانڈر ہوتے ہوئے بھی اپنے یونٹ کے ساتھ باہر رہوں گا۔ میری طرح تم تینوں پچھلی سڑک پر بھاگنے والوں کی گوشمالی کے لیے موجود رہو گے۔ تمہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اچھے کمانڈر محاذ سے ذرا پیچھے رہ کر پوری منصوبہ بندی سے اپنے آدمیوں کو لڑاتے ہیں اور انہیں ہدایات دیتے رہتے ہیں۔ وہ خود جنگ میں ملوث ہو جائیں تو یہ اہم ترین کام کون کرے گا؟ محاذ پر مناسب رہنمائی نہ ہو تو بہت جلد سب کچھ بکھر کر رہ جاتا ہے۔"

ویرا نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ اول خان نے مجھے لاجواب کر دیا تھا۔ بظاہر اس کی حکمتِ عملی پر اعتراض کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا تھا۔

"اور اگر ہم تماشائی بن کر وہاں جانے کے بجائے یہیں رکے رہیں؟" سلطان شاہ نے بے تکا سا سوال کر ڈالا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ تم وہاں تماشائی نہیں، میرے دستِ راست ہو گے" اول خان ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا "اگر میرے ذہن میں تم لوگوں کا خیال نہ ہوتا تو میں پیچھے سے حملہ آور ہونے والے بارہ افراد کے دو کے بجائے تین یونٹ بناتا اور ایک یونٹ کو باہر مامور کر دیتا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اندر زیادہ نفری کی ضرورت پڑے گی۔ حملہ آوروں کی بھاری تعداد اندر والوں کو سراسیمہ کر کے ان کے پیر اکھاڑ دے گی۔"

"وہ سوال میں نے ایسے ہی کر لیا تھا" سلطان شاہ نے نادم ہو کر کہا۔

"اب سوال یہ ہے کہ وقت کیا رکھا جائے؟" اول خان نے چند ثانیوں کے بعد کہا "اس کے مطابق یہ بندوبست بھی کروانا پڑے گا کہ پولیس کی کوئی گشتی پارٹی اس محاذ آرائی میں فریق بننے کی کوشش نہ کرے۔"

"رات جتنی گہری ہو جائے اسی قدر بہتر رہے گا" غزالہ نے رائے دی "نیند سے اٹھنے والا دشمن صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے بڑی حد تک محروم ہوتا ہے اور پھر شہر بھی ویران ہو چکا ہوتا ہے۔"

"لیکن اتنی تاخیر نہیں ہونی چاہیے کہ ہم سورج نکلنے تک وہیں الجھے رہیں۔ ہم لوگوں کو ہر حالت میں سورج نکلنے سے پہلے وہاں سے نکل جانا ہوگا" اول خان نے زور دے کر کہا۔

میں اس کی مجبوری جانتا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس خدمات سرانجام دیتی تھی جو ماورائے قانون ہوتی تھیں۔ اس سے اس کا وجود خفیہ رکھا گیا تھا۔ سرکاری کاغذات پر اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ اس کی داغ بیل ڈالنے والے گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ کسی ایک واقعے کی وجہ سے اس کے نام کو وجود کی کوئی سند مل جائے۔ خفیہ طور پر پاکستان کے دشمنوں بلکہ امریکا جیسے نامہربان دوست کو بھی معلوم تھا کہ ملک کی سرزمین پر ایس ٹی ایف نام کی کوئی خفیہ تنظیم فعال لیکن وہ خود بھی اسے ثابت کرنے کے اہل نہیں تھے۔

"دو بجے کا وقت مناسب رہے گا۔ ہم اجالے سے پہلے سے نکل سکتے ہیں" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے!" اول خان نے کہا "تمہارا اپرئیس تمہارے پاس ہے۔ میں اب چلتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں میرا کوئی آدمی تینوں کے لیے ہتھیار اور فاضل میگزین وغیرہ لے آئے گا۔ تم اپنی ہی استعمال کرو گے۔ بس رات کو اس کی نمبر پلیٹ پر کچھ دینا۔ ہم رات کو ٹھیک دو بجے آبدوز والے چوراہے پر ایک جا گے۔"

"ہتھیار ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہمیں فاضل میگزین راؤنڈز کی ضرورت ہوگی۔" میں نے اس سے کہا۔

اس کے استفسار پر میں اسے میگزین اور راؤنڈز کا سا بتانے لگا۔ وہ ایک کارڈ کی پشت پر جلدی جلدی نوٹ لیتا چلا گیا پھر عجلت میں فلیٹ سے رخصت ہو گیا۔

"آج راس المیڈا کی آخری رات ہوگی" سلطان شاہ انگڑائی لیتے ہوئے کہا "اس کے بعد فی الحال کوئی اور دشمن مید میں نہیں ہے۔ ایک طویل مدت کے بعد ہمیں سکون میسر آ گا۔"

"اس خوش فہمی کو دل سے نکال دو" میں نے کہا "تخ باہر سے نہیں بھیجا گیا تھا۔ ہماری اپنی سرزمین پر ایسے ایسے زہر سنپولیے پھل پھول رہے ہیں جو سیکڑوں دساوری ناگوں پر بھاری پھر بھارتی دوست بھی حسبِ توفیق منہ ماری کرتے رہتے ہیں بھی نہیں کہا جا سکتا کہ آج کی رات گزرنے کے بعد امریکنوں ردِعمل ہوگا۔"

"وہ اپنا سر پیٹیں گے اور بوٹیاں نوچیں گے۔" اس نے

"اس بار راس المیڈا کے خلاف ایسا مضبوط منصوبہ بنا ہے کہ کر نہیں نکل سکے گا۔ اس کا قصہ پاک ہونے سے ہمارے سر ایک بڑا بوجھ ہٹ جائے گا۔"

"جم کلارک کی موت کے بعد سے ٹی کی کوئی خیر خبر نہیں

نے کہا "ہو سکتا ہے کہ راس المیڈا کی ناکامی کے بعد ایک بار دوسری کا سہارا لیا جائے۔ مشکل یہ ہو گئی ہے کہ وہ لوگ تمہارے پھرتی ہوئے زخموں کو کبھی نہیں بھول سکیں گے۔ ان کے پاس مالی اور افرادی وسائل کی کوئی کمی نہیں ہے۔ وقفے وقفے سے کوئی نہ کوئی میدان میں آتا ہی رہے گا۔"

"کبھی خیریت اور سکون کی باتیں بھی سوچ لیا کرو" سلطان شاہ نے آنکھیں نکال کے کہا "اور ہاں' یہ تو بتاؤ کہ اول خان کے سامنے شراب پی کر رونا کیوں شروع کر دیا تھا؟ اگر نشہ برداشت نہیں کر سکتیں تو اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتی ہو۔ وہ بے چارہ شریف آدمی ناحق پریشان ہو رہا تھا۔"

"اپنی زبان کو قابو میں رکھو ورنہ میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔ بولو کہ میں اس وقت نشے میں ہوں۔" ویرا نے سرد لہجے میں کہا "نشے کی حالت میں رونے والیاں کبھی کبھی کاٹنا بھی شروع کر دیتی ہیں۔"

سلطان شاہ پھر کوئی تلخ و ترش جواب دینے والا تھا لیکن میری گھورتی ہوئی نظریں دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

اس وقت ساڑھے آٹھ بجنے والے تھے۔ وقت کم رہ گیا تھا۔ میرا مشورہ تھا کہ قبل از وقت کھانا کھا کے کچھ دیر آرام کر لیا جائے تاکہ مقررہ وقت تک ہم سب تر و تازہ ہو سکیں۔

غزالہ کو آمادہ پا کر ویرا اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ سلطان شاہ نہانے کے لیے غسل خانے کی طرف چلا گیا۔

تنہائی میسر آتے ہی غزالہ نے میرے سامنے آ کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اس کے لب خاموش تھے مگر اس کی آنکھوں میں مجھے کئی سوال ہلکورے لیتے نظر آ رہے تھے۔ میرے دل میں کوئی چور نہیں تھا۔ میں نے بے اختیار اسے اپنی بانہوں میں لے لیا اور اس نے اپنا چہرہ میرے سینے میں چھپا لیا۔ وہ کسی نرم موم کے مجسمے کی طرح میری گرفت میں یوں سما گئی تھی جیسے ہم دونوں ایک جان دو قالب ہوں۔

ہم دونوں کئی ثانیوں تک اسی طرح کھڑے رہے۔ اس کے جسم کی بھینی بھینی حیوانی مہکار مجھے قدرے مشتعل کر رہی تھی۔ اس کی نرم زلفوں کی خوشبو مجھے سرور دے رہی تھی۔ میں نے اپنے ہونٹ اس کے بالوں پر رکھ دیے۔

"ڈیڈی! میں تمہارا انتظار کر رہی تھی" اندر سے آنے والی ویرا کی آواز نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔

"اب وہ آپ کو پھر پینے کی دعوت دے گی اور آپ بیٹھ جائیں گے" غزالہ نے ایک مرتبہ پھر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر شکوہ کیا "آپ تنہائی میں اس کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگتے ہیں۔ پہلے مجھے پروا بھی نہیں ہوتی تھی اب اس کی نظریں کچھ بدل رہی ہیں۔ کبھی کبھی میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔"

غزالہ کے اس بروقت شکوے پر میں حیران رہ گیا۔ تھوڑی دیر پہلے ویرا مجھ سے ذو معنی باتیں کر رہی تھی اور اب غزالہ شکایت کر رہی تھی۔ وہ میری بیوی تھی اور اپنے حق کے سلسلے میں شاید اس کی جبلت پوری طرح کام کر رہی تھی۔

"تم احمق ہو۔" میں نے اس کے نرم رخسار پر ہلکی سی تھپکی دے کر کہا "ویرا بری عورت ہوا کرتی تھی۔ وہ خود اس کا اعتراف کرتی ہے مگر اب وہ بری نہیں ہے۔ تمہیں مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر پینے سے تھوڑی سی ذہنی عیاشی ہو جاتی ہے اور اب تو میں ویسے بھی کبھی کبھار ہی پیتا ہوں۔"

"میں خدا سے دعا کرتی رہوں گی کہ آپ ہمیشہ میرے اعتبار کو قائم رکھ سکیں۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے کچن کی طرف چلی گئی۔ میں چند ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم میں وہیں کھڑا رہا پھر بوجھل قدموں سے ویرا کے کمرے کی طرف چل دیا۔

میں نے اپنے دل کو ٹٹولا اور محسوس کیا کہ میں اس وقت بھی غزالہ سے پہلی جیسی محبت کرتا ہوں۔ میرے بارے میں ویرا کے خیالات جو بھی رہے ہوں' میرے دل میں اس کے لیے دوستی کے سوا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر' پی کر اور باتیں کر کے مجھے لطف ضرور آتا تھا لیکن اس سے زیادہ کوئی بات نہیں تھی۔ جو کچھ تھا' وہ میری اور غزالہ کی شادی سے پہلے کا افسانہ تھا جو رفتہ رفتہ ایک بھولا ہوا خواب بنتا جا رہا تھا۔

اگر سب کچھ ٹھیک ہی تھا تو پھر گڑبڑ کہاں تھی؟ غزالہ کی جبلت اسے کیوں اکسا رہی تھی؟ کہیں ویرا نے ہی میری غیر موجودگی میں غزالہ سے الٹی سیدھی باتیں کرنی تو نہیں شروع کر دی تھیں؟

میں ان ہی خیالات میں غلطاں ویرا کے کمرے میں پہنچا تو اس نے فوراً ہی فقرہ چست کر دیا "غزالہ کے شوہر ہو۔ مجھ سے دوستی ہے لیکن سوچ کسی اور کے بارے میں رہے ہو۔ کون ہے وہ؟"

"تمہارا ہم وطن۔ راس المیڈا!" مجھے بروقت وہ موزوں جواب سوجھ گیا۔

"تم نے میری باتوں کا برا تو نہیں مانا تھا؟" ویرا نے ٹٹولنے والی نظروں سے میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں سوال کیا تو میں نے پہلی بار اپنے وجود میں بے چینی کی ایک لہر ابھرتی ہوئی محسوس کی۔

مجھے یاد آیا کہ ہمارے گھر میں ایف ایم مائیکرو فون جیسا خطرناک آلہ آ چکا تھا جس پر وہ لوگ میری اور نادرہ کی بات چیت سن چکے تھے۔ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ غزالہ نے اسی آلے کی مدد سے میری اور ویرا کی کوئی غیر محتاط گفتگو سن لی ہو اور اپنے مستقبل کے بارے میں فکرمند ہو گئی ہو۔

میں نے تیزی سے ویرا کو جواب دیا "میں نے تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانا تھا لیکن تمہاری نمناک آنکھوں نے مجھے سب

کے سامنے شرمندہ کیا۔ غزالہ بے زبان عورت ہے۔ اس نے کچھ نہیں کہا لیکن تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے وہ میری طرف سے بدگمان ہو سکتی ہے۔ اب میں تم سے ذاتی نوعیت کی کوئی گفتگو نہیں کروں گا۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا" وہ تلخی سے بولی "ہم کیڑے مکوڑوں پر باتیں کرلیا کریں گے۔ میں نے تو ویسے بھی اپنی ذات کو بڑی حد تک بھلا دیا ہے۔ تم چاہتے ہو تو اب اس پر بات بھی نہیں ہوگی۔"

"پلیز! میرا مطلب سمجھنے کی کوشش کرو ویرا!" اس کے ردِعمل پر مجھے ملتجیانہ لہجہ اختیار کرنا پڑ گیا "مجھے تمہاری ذات سے کوئی پرخاش نہیں ہے لیکن کبھی کبھی تمہارا جذباتی ردِعمل میری پوزیشن مشکوک بنا دیتا ہے۔ ان تینوں نے سوچا ہو گا کہ میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے......"

"تم خود بتاؤ کہ کیا میرا جذباتی ردِعمل غلط ہوتا ہے؟" اس نے تیزی سے پوچھا۔

"مم..... میں کیا کہہ سکتا ہوں!" ویرا کے اس براہِ راست سوال پر میں گڑبڑا کر رہ گیا۔

"تم بہت کچھ کہہ سکتے ہو اور بہت کچھ جانتے ہو۔ اگر تم نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی مجھے اپنی مصلحتوں کا ایندھن بنانے کا فیصلہ کرلیا ہے تو مجھے یہ بھی منظور ہے۔ اب یہ باتیں ختم کرو۔ لو! اپنا گلاس اٹھاؤ! اب ہم راس المیڈا کی بربادی کا جام نوش کریں گے۔"

میں نے گلاس اٹھاتے ہوئے ویرا کی آنکھوں میں جھانکا اور دھیمے سے کہا "صرف جام تجویز کرکے دشمن کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تمہاری مکمل صحت یابی اور بحالی کا جام ہے۔"

وہ کھل اٹھی۔ فضا میں دونوں گلاس ہولے سے ٹکرائے اور واپس لبوں کی طرف ہولیے۔

میں ویرا سے کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا مگر مجھے خوشی تھی کہ میں نے اپنا مدعا کسی نہ کسی حد تک اس پر واضح کردیا تھا۔ مجھے اس سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ ویرا نے میری بات سمجھ لی تھی اور وہ عام موضوعات پر باتیں کررہی تھی۔ اس بار ہم نے وہی ایک گلاس ختم کیا اور وہاں سے اٹھ گئے۔

غزالہ کسی فرض شناس بیوی کی طرح میز لگا رہی تھی۔ فلیٹ کی بند فضا میں کھانے کی اشتہا انگیز خوشبوئیں چکرا رہی تھیں۔ میں نے اپنی مخصوص کرسی سنبھال لی۔ ویرا، غزالہ کے ساتھ مصروف ہوگئی۔

سلطان شاہ کی خواب گاہ کی طرف سے اس وقت بھی پانی گرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی۔ "جلدی نکل آؤ ورنہ کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں بچے گا۔"

"یہ عجیب آدمی ہے۔" ویرا نے میز پر پانی کے گلاس لگاتے ہوئے کہا "شادی شدہ نہ ہونے کے باوجود ہر وقت نہاتا رہتا ہے۔ پتا نہیں اسے کون سا مرض لاحق ہے۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر حیا آمیز تبسم بکھر گیا۔ میں نے [...] لہجے میں ویرا سے کہا "تمہیں کون سا مرض ہے جو تم [...] دوسروں کے غسل کا شمار کرتی رہتی ہو؟ اس کے سامنے [...] کہہ دینا۔ وہ مرنے مارنے پر تل جائے گا۔ کسی کو ہر وقت [...] ستھرا رہنے کا خبط ہو اور پانی بھی وافر مقدار میں دستیاب ہو [...] طور پر ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ گرم ممالک میں کثرت سے نہانا [...] عادتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔"

ویرا نے شاید میرا مشورہ مان لیا تھا کیونکہ سلطان شاہ [...] میں لباس تبدیل کرکے کھانے کی میز پر آیا تو ویرا نے اس پر [...] چبھتا ہوا تبصرہ نہیں کیا اور یوں پرسکون ماحول میں کھانے [...] شروع ہوگیا۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہوتے ساڑھے نو بج گئے۔ میں [...] خواب گاہ میں گیا تو فوراً ہی محفل بکھر گئی۔ تنہا رہ جانے کے [...] غزالہ بھی باہر کی روشنیاں گل کرکے کمرے میں آگئی۔

کمرے میں ٹیلی وژن پر کوئی انگریزی فلم چل رہی تھی [...] ویرا نے دروازہ بند کرکے خواب گاہ کی روشنیاں گل کیں تو [...] ٹیلی وژن اسکرین کا ہلکا ہلکا نیلگوں اجالا پھیل گیا۔ میں بستر [...] خاموشی سے غزالہ کی نقل و حرکت دیکھتا رہا۔ مجھے اچانک ہی اس [...] بہت زیادہ پیار آنے لگا تھا اور وہ تھی بھی پیار کے قابل۔ [...] جمال اور سبک اندام ہونے کے ساتھ ساتھ وہ خوب سیرت [...] تھی۔ ماں کی موت، باپ کی خودکشی اور اکلوتے بھائی کے سفا[...] قتل کے بعد وہ بھری دنیا میں بالکل تنہا رہ گئی تھی۔ مجھ سے شا[...] کے بعد اس نے اپنی ساری توقعات اور خوشیاں صرف میری ذا[...] سے وابستہ کرلی تھیں۔ میں اس کی دل آزاری کا تصور بھی نہ[...] کرسکتا تھا۔

وہ شب خوابی کے حریری لبادے میں ملبوس ہو کر بستر پر آ[...] میں اس کے سارے گلے شکوے دور کرنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

راس المیڈا کے خلاف صف آرا ہونے میں بس چند گھنٹ[...] وقت باقی رہ گیا تھا۔ تمام تر آثار اچھے ہونے کے باوجود مجھے [...] خوفناک معرکے کے بارے میں زیادہ خوش فہمی نہیں تھی۔ میں [...] ان چند گھنٹوں کو غزالہ کے ساتھ تجدیدِ محبت کے ان یادگار او[...] و نازک لمحوں میں تبدیل کرنے کا ارادہ کرلیا تھا جو کسی بھی جوڑ[...] کے لیے زندگی بھر کا اثاثہ بن جاتے ہیں اور مرتے دم تک [...] خوشگوار یاد بن کر ذہن سے چپکے رہتے ہیں۔

میں لمحہ بھر کے لیے بھی پلک جھپکائے بغیر ایک بج[...] طرح تیار ہو کر اپنے کمرے سے باہر آیا تو سلطان شاہ ڈرائنگ [...] کی بالکونی میں کھڑا ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"اول خان کا آدمی میگزین اور راؤنڈز لے کر نہیں [...]" سلطان شاہ نے میرے قدموں کی آہٹ پا کر پُرتشویش لہجے [...]

"نہ ہی اول خان کا کوئی فون آیا۔"

"مختصر نوٹس پر اتنے بڑے آپریشن کی تیاری آسان نہیں ہوتی۔ وہ کام میں الجھ گیا ہوگا۔ دو بجے ملے گا تو میگزین وغیرہ لے لیں گے۔ راس المیڈا سے ملاقات کے لیے ہمارا کوئی وقت طے نہیں ہے۔" میرے جواب نے اسے مطمئن کردیا۔

پھر ویرا بھی آگئی۔ اس کی متورم آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سونے کے بجائے مسلسل پیتی رہی تھی۔

"میں تیز کافی کی ضرورت محسوس کررہی ہوں۔" وہ آتے ہی بولی "کہو تو تمہارے لیے بھی بنالوں۔"

"نیکی اور پوچھ پوچھ! جلدی لاؤ اور اس کے ساتھ کچھ بسکٹ وغیرہ بھی لیتی آنا۔"

مقابلے کا وقت قریب آنے کے ساتھ ساتھ ہمارے پاس باتوں کا ذخیرہ ختم ہوتا جارہا تھا۔ سلطان شاہ کینوس کے تھیلے میں ہتھیاروں کو یک جا کرنے میں مشغول ہوگیا اور میں صوفے پر نیم دراز ہو کر ایلین کی سازشوں سے شروع ہونے والی اس کہانی کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا جو راس المیڈا کی ذات پر اٹک گئی تھی۔

غزالہ اپنے کمرے سے خاصی دیر میں برآمد ہوئی۔ اس وقت تک ہم تینوں کافی پی چکے تھے۔

ہمارے گھر سے آبدوز والے چوراہے کا راستہ زیادہ نہیں تھا۔ اتنی رات گئے ہم پانچ منٹ سے بھی کم وقت میں وہاں پہنچ سکتے تھے مگر میں نے احتیاطاً پونے دو بجے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

غزالہ کو بہت احتیاط سے دروازے مقفل کرکے گھر میں محصور رہنے کی رسمی ہدایات دے کر ہم تینوں فلیٹ سے روانہ ہوگئے۔ سلطان شاہ کے ہاتھ میں جھولتے ہوئے وزنی تھیلے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہم تینوں کسی طویل سفر پر جارہے ہوں۔ نیچے اونگھتے ہوئے چوکیدار نے ہمیں قدرے تحیر زدہ نگاہوں سے دیکھا۔ ہم اسے نظرانداز کرکے گاڑی میں سوار ہوئے اور وہاں سے روانہ ہوگئے۔

ڈرائیونگ سلطان شاہ نے سنبھال لی۔ میں اس کے برابر والی نشست پر تھا۔ ویرا پچھلی سیٹ پر بیٹھی، تھیلے میں سے ہتھیار نکال کر انہیں لوڈ کررہی تھی۔

کراچی میں دن بھر موسم کیسا ہی سخت رہے، رات کو ساحلِ سمندر سے آنے والی ہوائیں خوشگوار ہوتی ہیں۔ اس وقت ہم ساحل سے قریب تر اور آلودگی سے پاک علاقے میں تھے اس لیے وہ ہوائیں قدرے خنک محسوس ہو رہی تھیں۔

سلطان شاہ نے سپر مارکیٹ والے چوراہے سے کار داہنی طرف گھمائی تو ہمیں سڑک کے بائیں جانب کنارے کے ساتھ ساتھ چار وزنی گاڑیوں کا ایک کارواں فوجی انداز میں سفر کرتا ہوا نظر آیا۔ سب سے آگے کنٹینر سے لدا ہوا ایک لمبا ٹریلر تھا، اس کے پیچھے اونچے ایکسل والی تین پک اپس تھیں۔ واضح طور پر وہ اول خان کا مشینی کارواں ہی تھا۔

ان گاڑیوں کو دیکھتے ہی سلطان شاہ جوش میں آگیا۔ وہ کارواں وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سست رفتار سے جارہا تھا تاکہ اسے مقررہ مقام پر زیادہ دیر تک نہ رکنا پڑے۔ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی ان سے آگے نکالی تو ٹریلر کے پیچھے والی پک اپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر مجھے اول خان نظر آیا۔ میں نے اسے ہاتھ لہرایا اور ہماری گاڑی آگے نکلتی چلی گئی۔

آبدوز والے چوراہے سے گزری روڈ پر داہنی طرف گھوم کر سلطان شاہ نے گاڑی کنارے سے لگادی۔

چند منٹ میں انجنوں کی وزنی گڑگڑاہٹ کے ساتھ وہ کارواں ہماری کار کے پیچھے آرکا۔

پچھلی گاڑیاں رکتے ہی تین چاق وچوبند ہیولے ہماری طرف آئے۔ وہ سب چھاپا ماروں جیسے چست اور نیالے لباسوں میں ملبوس تھے۔ ان میں سب سے آگے اول خان تھا۔ پیچھے والوں میں سے ایک کے ہاتھ میں تھیلا تھا جو اس نے آتے ہی ہماری طرف بڑھادیا۔ سلطان شاہ نے وہ تھیلا فوراً ہی ویرا تک پہنچادیا۔

"مصروفیت کی وجہ سے میں بھول گیا تھا" اول خان نے کہا "اس تھیلے میں میگزین اور فاضل راؤنڈز کے علاوہ فرسٹ ایڈ کا سامان بھی ہے۔ دوسری بات یہ کہ تمہاری گاڑی کی پچھلی نمبر پلیٹ دور ہی سے پڑھی جارہی ہے۔ اب کیچڑ نہیں ملے گی، اس کا بلب نکال لو یا توڑ دو۔"

سلطان شاہ اس کے کسی ماتحت کی طرح دوبارہ کار کی طرف چلا گیا۔

"میرا کوڈ ٹام اور تمہارا ہیری ہے۔" اول خان اس وقت بہت سنجیدہ اور فکر مند نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ٹریلر کا گروپ کمانڈر الفا ہے۔ پچھلی سمت کے داہنے گیٹ والوں کا کوڈ بیٹا اور بائیں گیٹ والوں کا گاما ہے۔ دشمن جدید ترین وسائل سے مالا مال ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس ایسے آلات ہوں جو فوراً ہی ہماری ٹرانسمٹنگ فری کوئنسی مانیٹر کرکے ہمارے پیغامات پکڑنے لگیں اس لیے گفتگو میں بہت احتیاط ضروری ہے۔"

اس نے اپنے ساتھ آنے والوں کا تعارف بیٹا اور گاما کے طور پر کرایا۔ الفا پٹیوں میں لپٹا ہوا ہونے کی وجہ سے اپنے ٹرک کے کیبن میں براجمان تھا۔

"یہاں سے تم ہماری فارمیشن کے آخر میں چلو گے۔" تعارف کرانے کے بعد اول خان نے ہماری بریفنگ جاری رکھی "مسعودی قونصل خانے سے اگلی دو گاڑیاں سیدھی نکل جائیں گی۔ آخری گاڑیاں داہنی طرف گھومنے کے بعد ٹارگٹ کے پچھلے حصے میں پہنچیں گی۔" لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو کر اس نے اپنی رسٹ واچ

پر نظر ڈالی پھر سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے بولا "ہمارا ایچ آور یعنی حملے کا وقت دو بج کر دس منٹ ہے مگر پیٹا اور گاما یونٹ برسٹ فائرنگ کے بعد حرکت میں آئیں گے۔ عمارت وسیع ہے اور آپس میں کراس فائر کا نشانہ بننے کا امکان نہیں ہے لیکن اندر گھسنے کے بعد سب کو پوزیشنوں کا علم رہنا چاہیے" یہ کہہ کر اوّل خان نے مجھ سے اور سلطان شاہ سے ہاتھ ملایا اور وہ تینوں تقریباً دوڑتے ہوئے اپنی گاڑیوں کی طرف چلے گئے۔

میں نے مڑکر دیکھا تو ہماری گاڑی کی پچھلی نمبر پلیٹ تاریک ہو چکی تھی۔

ٹرک کا انجن بدستور بیدار تھا۔ وہ ایک تیز غراہٹ کے ساتھ حرکت میں آیا اور ٹریلر ہماری گاڑی سے آگے نکلتا چلا گیا۔ ہم دونوں پھرتی سے اپنی گاڑی میں آبیٹھے۔

وہ بہت سنسنی خیز لمحات تھے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کسی جنگی مشن کے ساتھ محاذ پر جانے والا ہوں۔ اول خان کی ساری تیاریاں اسی انداز کی تھیں۔

چوتھی گاڑی یعنی گاما یونٹ کے گزرتے ہی ہماری گاڑی بھی حرکت میں آ گئی۔

دن میں وہ سڑک خاصی مصروف اور پُرہجوم ہوتی ہے لیکن اس وقت بالکل ویران پڑی ہوئی تھی۔ نیول اسکول کے قریب کھڑی ہوئی چند ٹیکسیوں کے ڈرائیوروں نے حیرت بھری نظروں سے اس کارواں کو دیکھا اور لمحہ بھر میں ہم دوبارہ سڑک کے ویران حصے میں پہنچ گئے۔

گزری کی آبادی سے ملحق ڈیفنس کا رہائشی علاقہ شروع ہو گیا۔ مقررہ چوراہے پر ٹریلر رفتار کم کر کے سیدھا نکل گیا۔ اول خان کی گاڑی اس کے پیچھے رینگ رہی تھی۔ بقیہ گاڑیاں داہنی طرف گھوم کر بائیں سمت کے پہلے موڑ پر مڑ گئیں۔ اگلی گاڑیوں کی رفتار بڑھتے ہی سلطان شاہ نے بھی اپنی گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

میرا خیال تھا کہ اول خان کے آدمی شہر کے ان علاقوں سے بہت زیادہ واقف نہیں تھے لیکن اس وقت اندازہ ہو رہا تھا کہ اصل کارروائی سے بہت پہلے اس علاقے کی دیکھ بھال کر لی گئی تھی۔ چند موڑ گھومنے کے بعد مجھے دور ہی سے راس المیڈا کے پُرہول مسکن کی بلند عقبی فصیل نظر آنے لگی۔ ہم تینوں نے فوراً اپنے اپنے ہتھیار سنبھال لیے۔

پہلی گاڑی مطلوبہ مکان کے تقریباً وسطی حصے کی طرف رک گئی۔ دوسری گاڑی مکان سے پہلے تھم گئی تھی۔ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی اسی کے پیچھے روک لی۔ تینوں گاڑیوں کے انجن بند کر دیے گئے تھے۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ دو بج کر نو منٹ کا اعلان کر رہی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ پچھلے پندرہ بیس منٹ اتنی تیزی سے گزرے تھے کہ وقت کا احساس ہی نہیں ہو سکا تھا۔

"وقت ہو گیا" چند ثانیوں بعد پیچھے سے ویرا کی سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔ میرے اعصاب تن گئے۔ میں نے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا تو ویرا کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔

میرے کان برسٹ فائر کے شور کا انتظار کرنے لگے۔ سلطان شاہ نے بے چینی سے اپنی سیٹ میں پہلو بدل کر کہا "یہ انتظار بہت روح فرسا ہے۔ میرے تو اعصاب چٹخنے لگے ہیں۔"

لمحہ بہ لمحہ وقت سست رفتاری سے رینگتا رہا۔ فضا پر موت کا ہیبت ناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس مختصر سے فاصلے میں بیک وقت پندرہ چاق و چوبند نفوس موجود تھے لیکن ہر طرف سناٹا تھا۔ کہیں سے کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ دو بج کر بارہ منٹ ہو گئے لیکن کچھ نہ ہوا۔

بے یقینی کے صدمے سے میرا دل بیٹھنے لگا۔ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی لیکن وہ کیسی گڑبڑ تھی جو اتنی خاموشی اور رازداری سے ہوئی تھی کہ کانوں کان کسی کو پتا نہیں چل سکا تھا۔ گڑبڑ کی صورت میں بھی کچھ نہ کچھ فائرنگ اور ہنگامہ آرائی ہونی لازمی تھی۔ اگر الفا پارٹی کا لیڈر کسی مشکل سے دوچار ہو گیا تھا تو تام یعنی اول خان کہاں سو گیا تھا۔ اس نے حملے کی جو منصوبہ بندی کی تھی، وہ بہت بے داغ تھی۔ یہ امکان ہی نہیں تھا کہ وہ دونوں پارٹیاں بیک وقت دشمن کی کسی ناگہانی چال کا شکار ہو جاتیں۔

تیرہواں منٹ پورا ہونے سے پہلے ہی فضا بھیانک فائرنگ کے شور سے لرز اٹھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ ایک ہی وقت میں متعدد خودکار رائفلوں کے جہنمی دہانے کھل گئے تھے۔ دونوں اگلی گاڑیوں کے انجن جاگ اٹھے۔ گاما پارٹی کی پک اپ اچھل کر آگے بڑھی پھر بہت تیزی سے داہنی طرف گھوم کر بائیں پھاٹک سے چند انچ کے فاصلے پر رک گئی۔

دونوں پک اپس کے ہیڈلیمپ روشن تھے اور ان کے ہارن بھی بجائے جا رہے تھے۔ پُرسکون رہائشی علاقے میں اس وقت فائرنگ کا ایسا لرزہ خیز شور گونج رہا تھا کہ کان پڑی آواز تک نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اگلے محاذ پر آتشیں ہتھیار موت کے نغمے اگل رہے تھے لیکن عقبی سمت میں مسلسل بے یقینی کا راج تھا۔

اندر سے آنے والا شور اچانک اور تیز ہو گیا۔ واضح طور پر محسوس ہوا تھا کہ فائرنگ میں کچھ نئے ہتھیار شامل ہوئے تھے۔ شاید اندر والوں نے سنبھالا لے کر الفا پارٹی پر جوابی فائر کھول دیا تھا۔

ایسے بھیانک مقابلے میں یہ توقع بے سود تھی کہ پھاٹک رضاکارانہ طور پر کھول دیے جائیں گے۔ پارٹی لیڈروں نے بھی اس بات کا ادراک کر لیا۔ دیوہیکل ڈبل پک اپس اچھل کر آہنی پھاٹکوں سے ٹکرائیں اور فضا کان کے پردے پھاڑ دینے والی آہنی جھنجھناہٹ سے گونج اٹھی۔ پھاٹک لرزہ کر رہ گئے۔ پہلی ٹکر انہیں اکھاڑنے میں ناکام رہی تھی۔

دونوں پک اپس میں سے پانچ پانچ مسلح آدمی، میگزینوں کے تھیلے پشت پر لادے نیچے کود گئے۔ گاڑیوں میں صرف ڈرائیور رہ گئے وہ دونوں گاڑیاں ممکنہ حد تک پیچھے ہٹیں۔ لمحہ بھر کے لیے رکیں پھر ان کے ٹائر سڑک پر چرچرائے اور وہ بہت تیزی سے پھاٹکوں سے ٹکرا گئیں۔

اس بار دونوں پھاٹک اکھڑ گئے۔ بیٹا پارٹی کی پک اپ کی ضرب اتنی شدید تھی کہ وہ پھاٹک اکھاڑنے کے بعد اسے روندتی ہوئی نصف سے زیادہ اندر گھستی چلی گئی۔ گاما پارٹی کی پک اپ پھاٹک گراتے ہی رک گئی تھی۔ ان دونوں گاڑیوں پر جتنی مقدار میں بھاری ملبہ گرا تھا' اس نے مجھے تشویش میں مبتلا کردیا۔ دونوں گاڑیوں کے ڈرائیونگ کیبن بند ضرور تھے مگر اس تصادم کے نتائج ڈرائیوروں کے لیے مہلک ثابت ہوسکتے تھے۔

فضا میں دو ٹریسر فائر ہوئے اور زمین سے بہت اوپر تک ایک روشن لکیر تیرتی چلی گئی۔ دس مسلح آدمیوں نے پھاٹک اور اپنی گاڑیوں کی آڑ لے کر اندر آگ برسانی شروع کردی۔ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی قدرے آگے بڑھالی جہاں سے ہم حالات پر بہتر انداز میں نظر رکھ سکتے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ بایاں گیٹ گرانے والی پک اپ کا ڈرائیور بھی پھرتی سے باہر آکر فائرنگ کرنے والوں میں شامل ہوچکا تھا۔

عمارت میں پھیلی ہوئی روشنی میں مختصر اندرونی احاطہ ویران نظر آرہا تھا۔ اگلی سمت میں خطرہ محسوس کرتے ہی شاید اندر والوں کی ساری نفری اسی طرف مرکوز ہوگئی تھی۔ اندر سے جوابی فائرنگ نہ ہونے پر اول خان کے آدمی احتیاط اور پھرتی سے اپنی پوزیشنیں بدل بدل کر اندر پیش قدمی کررہے تھے۔

پھر میں نے اس مقابلے کا پہلا زخمی دیکھا۔ اس کا داہنا بازو غیر فطری انداز میں اس کے پہلو سے جھول رہا تھا۔ وہ جھومتا اور لڑکھڑاتا ہوا اس پک اپ کی اوٹ سے نمودار ہوا تھا جو پھاٹک گرا کر اندر گھس گئی تھی۔ اس کی چست وردی دیکھتے ہی اندازہ ہوگیا کہ وہ ہمارے ساتھیوں میں سے تھا۔

اس کے کسی ساتھی نے اسے دیکھا اور فوراً ہی اپنی فائرنگ پوزیشن چھوڑ کر اس کی مدد کے لیے باہر آگیا۔ اس اثنا میں میں بھی دوڑ کر اس تک پہنچ چکا تھا۔ وہ بہت بری طرح زخمی تھا مگر اپنی مضبوط قوت ارادی کے سہارے اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تھا۔

اس کی پھٹی ہوئی آستین خون میں تر تھی اور بازو کی حالت سے اندازہ ہورہا تھا کہ ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔ اس نے میرا سہارا پاتے ہی اپنا بوجھ میرے اوپر منتقل کرتے ہوئے غنودہ آواز میں کہا۔
"سر! ۔۔۔۔ سر! ۔۔۔۔ گھس ۔۔۔۔ گیا ۔۔۔۔ جج ۔۔۔۔ جیب ۔۔۔۔ سے ۔۔۔۔ اپ ۔۔۔۔ اپریٹس ۔۔۔۔ لل ۔۔۔۔" وہ اپنی بات مکمل کیے بغیر ہمارے بازوؤں میں جھول گیا۔

اگر اپریٹس اس کے پاس تھا تو وہ بیٹا گروپ کا لیڈر ہی ہوسکتا تھا۔

اسے ہماری کار کی عقبی نشست پر ڈال دیا گیا۔ اس کا ساتھی فوراً ہی اپنی جگہ پر لوٹ گیا۔ میں نے ویرا کو فرسٹ ایڈ فراہم کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے اپنا اپریٹس اٹھایا ہی تھا کہ اس پر آواز آنے لگی۔

"الفا فارنام! اندر سے سخت مزاحمت ہورہی ہے۔ میں ابھی تک اپنے کیبن ہی میں پھنسا ہوا ہوں۔ میں نے اپنی ساری پٹیاں کھول دی ہیں۔ اب ایڈوانس شروع ہوتے ہی رپورٹ دوں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

"ہیری فارنام!" وہ گفتگو مکمل ہوتے ہی میں نے اپنا پیغام نشر کرنا شروع کردیا "گیٹ کریش کرتے ہوئے بیٹا زخمی ہوکر بے ہوش ہوچکا ہے۔ اس کا بازو ٹوٹا ہوا معلوم ہورہا ہے۔ نرس اسے فرسٹ ایڈ دے رہی ہے۔ اوور!"

"پوزیشن کیا ہے؟ اوور!" اول خان کی آواز سے فکرمندی مترشح تھی۔ اس نے اپنے آدمی کے ناکارہ ہوجانے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ شاید وہ مطمئن تھا کہ ویرا اس کی دیکھ بھال کررہی ہے۔

"اندر بہت چھوٹا سا احاطہ ہے۔ مزاحمت بالکل نہیں ہے۔ گروپ اب اندر بڑھ رہے ہیں۔ اوور!"

"مزاحمت نہیں ہے تو تیزی سے بڑھو!" اول خان نے تیزی سے کہا۔ یقینی طور پر اس کی آواز گاما بھی سن رہا تھا۔ اول خان کہہ رہا تھا "الفا پارٹی ڈٹی ہوئی ہے۔ پیچھے سے بڑھ کر دشمن کو گھیرلو۔ اوور اینڈ آل۔"

"میں الفا ہوں ۔۔۔۔ باہر نکل چکا ہوں۔" اچانک ہی ایک حوصلہ افزا پیغام سنائی دیا "دشمن کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ اس کا فائر کمزور ہوگیا ہے۔ کسی بھی وقت پاؤں اکھڑ سکتے ہیں۔ اوور!"

"شاباش!" اول خان کی آواز میں جوش سمٹ آیا "پوری طاقت سے دشمن کو تہس نہس کردو۔ کوئی زخمی ہوا ہے تو اسے باہر نکال دو۔ میرا یونٹ دروازے پر ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

ایک لمحہ بعد ہی اچانک وہ عمارت گھور اندھیرے میں ڈوب گئی۔ اس اندھیرے میں گولیوں کی چھوڑی ہوئی بارودی لکیریں بہت واضح نظر آنے لگی تھیں۔ میرے لیے وہ اندھیرا پریشان کن تھا۔

"فائر روک دو! کوئی نظر آئے تو اڑا دو۔ اوور اینڈ آل" اول خان کی اس ہدایت کے ساتھ ہی عقبی حصے کے شور میں تیزی سے کمی آتی چلی گئی۔

"الفا سر!" چند ثانیوں بعد پیغام آیا "پوری عمارت اندھیرے میں ڈوب چکی ہے۔ دشمن نے فائر روک دیا ہے۔ مگر ایڈوانس مہلک ہوسکتا ہے۔ اوور!"

"اس راستے پر تمہارا قبضہ ہے۔ باقی راستے میری زد میں ہیں۔

پیچھے تیسری پارٹی ہے۔ دشمن بری طرح گھر چکا ہے۔ فائر بند کردو اور ٹرک کے ہیڈ لیمپس روشن کردو۔ اوور۔"

"ٹرک کا اگلا حصہ چھلنی ہو چکا ہے' سر! سرچ لائٹس استعمال نہیں کی جاسکتیں۔ اوور!"

"ٹھیک ہے۔ فائر بند کر کے اگلی ہدایات کا انتظار کرو۔ اوور اینڈ آل!"

"دلچسپ!" اچانک میرے ایرپیس پر ایک نئی آواز ابھری۔ وہ لب و لہجے سے غیر ملکی معلوم ہو رہا تھا اور انگریزی بول رہا تھا "تمہاری خوش فہمیاں اچھی نہیں۔ میرا نام راس المیڈا ہے۔ تم شیر کی کچھار میں گھسے ہو تو تم کو اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ تم میری گرد بھی نہیں پاسکو گے۔ میری شاید ڈیبی کا کوڈ ہے۔ میں نے تمہاری آواز پہچان لی ہے اور میں براہِ راست تم سے مخاطب ہوں۔ اوور۔"

اس کا دوسرا فقرہ شروع ہوتے ہی میں نے اس کی آواز پہچان لی تھی اور میرے بدن کے مساموں سے یک لخت ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی غدار نے ایس ٹی ایف کا کوئی ایرپیس راس المیڈا کے کسی حواری تک پہنچا دیا ہوگا لیکن راس المیڈا کا وہ پیغام اس حقیقت کو ثابت کر رہا تھا۔

اس وقت تک فائرنگ بالکل تھم چکی تھی۔ میں نے راس المیڈا سے بات کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا "آج تم نہیں بچ سکو گے۔ یہ تمہاری زندگی کی آخری رات ثابت ہوگی۔ ایک ایرپیس حاصل کر کے تم سمجھ رہے ہو کہ تم نے ہماری قوت کے بارے میں سب کچھ جان لیا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ تم نے ہتھیار نہ ڈالے تو تم اپنے اسی بھٹ میں سڑا دیے جاؤ گے۔ کوئی تمہاری مدد کے لیے نہیں آسکے گا۔ اوور۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم فوج لے کر آئے ہو۔ میں تمہاری کئی غلط فہمیاں دور کرنا چاہتا ہوں۔ تم نے جیفر کا ایرپیس چوری کر کے مجھے زک پہنچائی تھی آج میں نے تمہاری اس گھٹیا حرکت کا مسکت جواب دے دیا ہے۔ میں نے کچھ چرانے کے بجائے اپنے ریڈیو فری کوئنسی اسکینر پر تمہارے پیغامات پکڑے ہیں اور میں اسی پر تم سے بات کر رہا ہوں۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ میں اس عمارت سے میلوں دور ہوں جہاں تم جھک مار رہے ہو۔ آخر میں تمہیں چند اور باتیں بتاؤں گا تو تم غصے سے پاگل ہو جاؤ گے۔ یہ لکھ لو کہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اوور۔"

"پتا نہیں تم یہ باتیں میرے علم میں لا کر کیا حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟ اوور!"

"وہی جو تم نے آخری گفتگو میں حاصل کیا تھا۔ انا کی تسکین بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ حریف کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسے کس ترکیب سے زیر کیا گیا ہے۔ جب تک میں اس شہر میں ہوں' تم کوئی ریڈیو ٹرانسمیٹر استعمال کرنے کی جرأت نہیں کر سکو گے۔ تمہیں ہر لمحے یہ خوف ستاتا رہے گا کہ میں تمہاری بات سن رہا ہوں۔ اوور!"

"عمارت میں اندھیرا کرنے کے بعد تم نے مجھ سے رابطہ کیا ہے۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ یہ تمہاری کوئی چال ہے لیکن تم اپنی اس چال سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکو گے۔ ہم کسی صورت میں محاصرہ ختم نہیں کریں گے۔ اوور۔"

میں نے اپنی بات پوری کی تھی کہ سامنے سے ایک تیز رفتار گاڑی آکر ہمارے قریب رکی اور اس کا انجن بند ہوتے ہی اول خان دوڑتا ہوا میرے پاس پہنچ گیا۔

راس المیڈا ٹرانسمیٹر پر کہہ رہا تھا "تم محاصرہ ضرور جاری رکھو لیکن میرا مشورہ ہے کہ اپنے بے گناہ فوجیوں کو اس عمارت سے نکال کر کچھ فاصلے پر مامور کردو۔ میری ان سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں تمہاری طرح خونی بھیڑیا نہیں ہوں کہ ان بے گناہوں کو بھی اندھا دھند ہلاک کردوں۔ ٹریلر کی واپسی کی خبر ملتے ہی میں نے کسی گڑبڑ کا اندازہ لگا لیا تھا اور اس عمارت کے تمام حفاظتی سسٹم آن کرا دیے تھے۔ اسی وجہ سے ٹریلر کو اندر بلانے میں دیر ہوئی۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ تم کنٹینرز ہی میں فوجیوں کو بھر کر لائے ہوگے۔ تھوڑی دیر بعد اس عمارت کے تہ خانوں میں محدود طاقت کا ایک عدد ڈائنا مائیٹ پھٹنے والا ہے جس کے نتیجے میں دوسرے مکانات کو نقصان پہنچائے بغیر یہ عمارت ڈھے جائے گی اور ملبہ آگ پکڑ لے گا۔ اگر تمہیں اپنے آدمیوں کی زندگی عزیز ہے تو انہیں باہر نکالو اور فائر انجنوں کا انتظام کرلو۔ ملبے کی کیمیائی آگ بہت تیزی سے پھیلے گی۔ اس پر قابو نہ پایا گیا تو آس پاس کے مکان بھی جل جائیں گے۔ اوور!"

"تو کیا تم اپنے تمام آدمیوں کو اسی ملبے میں دفن کردینے کا ارادہ رکھتے ہو؟ انہیں باہر نکالنے کے بجائے میرے آدمیوں سے اتنی ہمدردی کیوں جتا رہے ہو؟ اوور!"

اس کی مکارانہ ہنسی کی آواز سنائی دی وہ پھر بولا "تم بہت چالاک ہو۔ تم نے میرے کافی آدمی مروائے ہیں۔ انہیں یہیں جلنا ہوگا۔ جو اپنے پیروں پر چلنے کے قابل تھے' وہ ایک خفیہ سرنگ کے راستے یہاں سے نکل چکے ہیں۔ اندر میرا کوئی آدمی نہیں ہے۔ اپنے آدمیوں کو بچا سکتے ہو تو بچالو۔ اوور!"

"تم جھوٹے ہو راس!" میں نے غرا کر کہا "میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تم اس وقت بھی اندر موجود ہو۔ اوور!"

"ذرا مجھے بھی تو معلوم ہو کہ تمہیں یہ غلط فہمی کیوں پیدا ہوئی۔ اوور!"

"تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ تم اپنی گفتگو میں اس عمارت کے لیے مسلسل یہاں کا لفظ استعمال کر رہے ہو۔ اگر تم کہیں اور مرے ہوئے ہوتے تو اس عمارت کے لیے وہاں کا لفظ استعمال کرتے۔ تمہاری اس خفیف سی لاشعوری غلطی نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ تم مجھے باتوں میں الجھا کر صرف وقت حاصل کرنا چاہ رہے

..... مگر کیوں؟ اوور!"
"تم واقعی بہت چالاک اور حرامی ہو" راس المیڈا کا لہجہ زہریلا ہوگیا۔ اسی وقت خاموش فضا میں کسی بڑے انجن کے اسٹارٹ ہونے کا شور گونج اٹھا۔
راس المیڈا نے قدرے توقف کے بعد زہریلے لہجے میں بات جاری رکھی۔ "میں جارہا ہوں۔ تمہارے فرشتے بھی مجھے نہیں روک سکیں گے۔ اوور!"
میں نے محسوس کیا کہ راس المیڈا کے پیغام کے ساتھ بھی انجن کا وہ شور اپریٹس پر گونج رہا تھا۔
"دوڑو، ورنہ وہ نکل جائے گا۔" یہ کہہ کر میں پوری قوت سے دوڑ پڑا مگر پھاٹک کے ملبے نے مجھے احتیاط برتنے پر مجبور کردیا۔ میری نظریں بار بار عمارت کی چھت کی طرف اٹھ رہی تھیں۔
انجن کی آواز بتدریج بلند ہونے کے بعد ایک جگہ ٹھہر گئی تھی اور اسی کے ساتھ کسی پنکھے کا شور بھی سنائی دینے لگا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس مکان کی چھت سے ایک چھوٹا ہیلی کاپٹر بہت تیزی کے ساتھ سیدھا اوپر اٹھتا چلا گیا۔ سب کی حسرت زدہ نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔
"تم صدمے سے گونگے ہوگئے ہو تو اب میں اپنی بات پوری کرلوں" اپریٹس پر ہیلی کاپٹر کے شور کے ساتھ راس المیڈا کی آواز ابھرنے لگی۔ "یہ چھوٹا سا ہیلی کاپٹر برے وقتوں کے لیے پرزوں کی صورت میں لاکر خفیہ طریقے سے یہاں، بلکہ وہاں جوڑا گیا تھا۔ اس کو آزمایا نہیں جاسکا تھا۔ فائرنگ شروع ہونے پر اسے اسٹارٹ کرنے کی کوششیں کی گئیں تو فیول پمپ لیک تھا۔ مجھے تم سے صرف اتنا وقت درکار تھا کہ میرے آدمی اس معمولی خرابی کو دور کرکے انجن اسٹارٹ کرلیں اور دیکھ لو کہ میں تمہیں چکما دینے میں کامیاب ہوگیا۔ میں نے احتیاطاً اوپر آنے والے زینوں کے قالین کو پٹرول میں بھگویا ہوا تھا۔ اگر تم آہی جاتے تو میں اسے آگ لگا دیتا۔ اس کی نوبت نہیں آئی لیکن میں نے چلتے ہوئے ادھر دیا سلائی اچھال دی تھی۔ تم چاہو تو اندر جاکر دیکھ سکتے ہو۔ ہیلی کاپٹر میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے مجھے اپنے ہاتھوں سے اپنے چند پرانے وفاداروں کو ہلاک کرنا پڑا ہے۔ ان کی لاشیں چھت پر موجود ہیں۔ یہ سارے خون تمہارے کھاتے میں ہیں اور میں قسم کھاتا ہوں کہ اب جلد ہی تم سے یہ سارا حساب لوں گا" اوور اینڈ آل۔"
میں نے اپریٹس بند کرکے اول خان کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں غم و غصے کے ساتھ اداسی تیر رہی تھی۔
اسی وقت عمارت میں بہت سے لوگوں کا ملا جلا شور گونجنے لگا اور متعدد افراد دونوں ہاتھ بلند کیے باہر آنے لگے۔ مجھے یقین تھا کہ دوسری طرف کے گھور اندھیرے میں بھی وہی صورتِ حال رونما ہوچکی ہوگی۔
اندر لگی ہوئی آگ کے شعلوں کی سرخ سرخ روشنی نے شیشوں سے باہر اتنا اجالا پھیلا دیا تھا کہ راس المیڈا کے لیے کام کرنے والوں کے ہراساں چہرے واضح طور پر دیکھے جاسکتے تھے۔
"آدمیوں کو باہر نکال لیا جائے؟" اول خان نے میرے قریب ہوکر آہستہ سے پوچھا۔
"کیوں؟ پھر ہتھیار ڈالنے والوں کو کون سنبھالے گا؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔
"ڈائنامائٹ" اول خان نے آہستہ سے کہا "پتا نہیں وہ کب پھٹ جائے۔"
"وہ اس کا فراڈ تھا۔ اسے بھول جاؤ۔ اندر کوئی خفیہ سرنگ بھی نہیں ملے گی۔ سرنگ ہوتی تو اندر سے ہتھیار ڈالنے والا ایک شخص بھی برآمد نہ ہوتا۔ سب سے پہلے اپنے آدمیوں کا جائزہ لے کر زخمیوں کی فکر کرو۔ بیٹا کی حالت خراب ہے۔ اس کے بعد فائر بریگیڈ والوں کو اطلاع دو۔ مجھے قلق ہے کہ ہماری آج کی ساری بھاگ دوڑ رائگاں گئی۔ خود مجھے بھی ہوش نہیں آیا ورنہ ہیلی کاپٹر پر فائرنگ کی جاتی تو اس کے بلند ہونے سے پہلے ہی ایک آدھ گولی نشانے پر لگ کر اسے نیچے گرا سکتی تھی۔"
"تم سمجھ گئے تھے۔ بار بار تمہاری نظریں چھت کی طرف اٹھ رہی تھیں" سلطان شاہ نے اعتراف کرتے ہوئے کہا "مگر ہم میں سے کسی کو بھی اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ کیسے نکلنے والا ہے۔"
"میں اس چوٹ کو عمر بھر نہیں بھلا سکوں گا" میں نے افسردگی سے کہا "وہ تو غنیمت ہوا کہ محاصرے میں گھرے ہوئے راس المیڈا کو بوکھلاہٹ یا تاریکی کی وجہ سے ہیلی کاپٹر سے فائرنگ کا خیال نہیں آیا۔ اگر وہ چھت سے پرواز کرتے کرتے دو چار ہلکے برسٹ بھی چلا دیتا تو ہم میں سے کئی افراد ٹھنڈے ہوسکتے تھے۔"
اس پورے مقابلے میں صرف ایک بات ہی طمانیت کا باعث تھی کہ اول خان کو کہیں سے بھی اپنے کسی آدمی کی ہلاکت کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ صرف تین افراد زخمی ہوئے تھے جن میں بیٹا کی حالت سب سے خراب تھی۔
میں راس المیڈا کے فرار سے اس قدر دل برداشتہ ہوگیا تھا کہ میرے لیے وہاں ٹھہرنا محال ہونے لگا۔ اصل مجرم کے نکل جانے کے بعد میری دلچسپی صرف اتنی رہ گئی تھی کہ چھت پر موجود لاشوں کو دیکھ لوں۔ میرا اندازہ تھا کہ ان میں بلیک اور وائٹ ہاک کی لاشیں بھی ہونی چاہیے تھیں کیونکہ گرے ہاک کی ہلاکت کے بعد صرف وہی دونوں راس کے مقربین خاص تھے۔
زینوں میں لگی ہوئی آگ مصنوعی ریشے کے قالینوں کے سبب ہر طرف پھیل رہی تھی اس لیے اس طرف سے چھت پر جانا ممکن نہیں تھا۔ عمارت کی سپاٹ اور اونچی دیواروں کے باعث باہر سے چھت پر پہنچنا آسان نہیں تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میرا دل کھٹا ہوچکا تھا اور مجھے وہاں کی کسی بات سے زیادہ دلچسپی نہیں رہی تھی۔

وہ معاملات آسانی سے سمٹتے ہوئے نظر نہیں آرہے تھے۔ میں نے اول خان کو مشورہ دیا کہ وہ میجر غوث کے آدمیوں کو اس عمارت کا چارج دے کر نکلنے کی فکر کرے ورنہ بارسوخ شرفا کی آبادی میں ہونے والے اس بھیانک تصادم پر پریس والے دن چڑھتے ہی اس کی زندگی عذاب بنا دیں گے۔

بات اول خان کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے الفا کو زخمیوں کی اسپتال روانگی' قیدیوں کی تحویل اور دیگر معاملات کے بارے میں ہدایات دے کر اپنی گاڑی بھی وہیں چھوڑ دی کیونکہ واپسی میں ان آٹھ افراد کے لیے بھی سواری کی ضرورت تھی جو ٹریلر پر سوار ہو کر وہاں پہنچے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ عقبی گیٹ گرانے والی گاڑیاں نقصان پہنچنے کے باوجود استعمال کے قابل تھیں۔

الفا سے جلد واپسی کا وعدہ کر کے اول خان ہمارے ساتھ روانہ ہو گیا تاکہ فون پر میجر غوث سے تفصیلی بات کر سکے۔ روانگی سے پہلے بے ہوش بیٹا کو اس پک اپ میں منتقل کر دیا گیا تھا جو زخمیوں کو لے جانے کے لیے تیار تھی۔

ہم ساڑھے تین بجے فلیٹ پر پہنچے تو غزالہ نے گہری نیند سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ ہم اس مہم سے اتنی جلد واپس لوٹ آئیں گے۔

سب کے لٹکے ہوئے چہرے دیکھ کر غزالہ مہم کے بارے میں ویرا سے سوال کر ہی بیٹھی۔

"ڈینی نے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا" ویرا کا وہ جواب سن کر میری کھوپڑی بھنا گئی۔

"جو کچھ ہوا' اس میں میرا کیا قصور تھا۔ یہ سراسر ہمارے مقدرات کی خرابی تھی۔"

"تمہارا قصور یہ ہے کہ تمہاری کھوپڑی نے ذرا سی تاخیر سے کام کرنا شروع کیا۔ اگر تم ذرا پہلے ہی اپنی کوئی رائے قائم کر لیتے تو راس المیڈا کو ہیلی کاپٹر کا انجن چلنے سے پہلے پکڑا جا سکتا تھا۔"

"اس کی باتیں سب ہی سن رہے تھے۔ میں نے کسی کو سننے یا سوچنے سے نہیں روکا تھا۔"

اول خان خاموشی سے میجر غوث کے گھر کا فون نمبر ملانے میں مصروف ہو چکا تھا۔

پوری بات سمجھنے کے بعد غزالہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے سلطان شاہ سے کہا "یہ تو پتا چل گیا کہ راس المیڈا صاف نکل گیا لیکن یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ منصوبے میں کیا کمی رہ گئی تھی کہ اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا؟"

سلطان شاہ نے ڈرائنگ روم کے دور افتادہ گوشے کا رخ کرتے ہوئے کہا "سب کچھ شاندار طریقے سے ہوتا چلا گیا۔ دھواں دھار فائرنگ کے سائے میں انہیں دونوں طرف سے گھیر لیا گیا تھا لیکن پھر راس المیڈا ہم سب کو الجھا کر ہیلی کاپٹر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔"

"وہاں ہیلی کاپٹر کہاں سے آ گیا؟" غزالہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"وہ پہلے سے اس مکان کی چھت پر موجود تھا اور شاید اسی کو پوشیدہ رکھنے کے لیے اس مکان کی دیواریں اتنی اونچی بنائی گئی تھیں۔ خوشی کی بات صرف اتنی سی ہے کہ اس مار دھاڑ میں اول خان کا کوئی آدمی نہیں مارا گیا' دوسری طرف کے کئی آدمی مارے گئے ہیں۔"

"لیکن یہ سب اتنی جلدی کیسے نمٹ گیا؟" غزالہ کی نیند بالکل غائب ہو چکی تھی۔

"وہاں بکھیڑا پھیلا ہوا ہے۔ ڈینی بددل ہو کر عمارت میں داخل ہوئے بغیر لوٹ آیا۔ اب اول خان واپس جا کر میجر غوث یا اس کے آدمیوں کو وہاں کا چارج دے دے گا۔ اندر کی خبریں بعد میں ہی مل سکیں گی۔ راس المیڈا نے جاتے جاتے اپنے ان قریبی ساتھیوں کو بھی مار ڈالا جو اس کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے۔ اسے خدشہ رہا ہو گا کہ پکڑے جانے کے بعد وہ تشدد کے سامنے اس کے سارے راز اگل دیں گے اس لیے اس نے جاتے جاتے ان کا قصہ پاک کر کے عمارت میں آگ لگا دی۔"

"مجھے افسوس یہی ہے کہ اب وہاں سے ناکارہ قیدیوں کی ایک کھیپ کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آسکے گا" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "آگ نے وہاں بہت کچھ جلا کر راکھ کر دیا ہو گا۔"

اس دوران اول خان نے میجر غوث سے اپنی بات مکمل کر لی تھی۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "میجر غوث گہری نیند سے اٹھا تھا لیکن وہ بہت فرض شناس افسر ہے۔ پوری بات سمجھتے ہی خود ہی وہاں پہنچنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ اس کے آدمی بھی آدھے گھنٹے میں وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ اب سورج نکلنے سے پہلے تمہاری گلوخلاصی ہو جائے گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے میرے تبصرے کے جواب میں مایوسی سے کہا "راس المیڈا کے مقابلے میں اس ناکامی کے بعد مجھے شدید تھکن کا احساس ہو رہا ہے۔ میں گھر جا کر آرام کروں گا۔"

"جانے سے پہلے فائر بریگیڈ والوں کو بھی کھڑکا دو ورنہ وہ آگ پھیل جائے گی۔"

"شعلوں کی سرخی دیکھ کر پڑوسیوں نے خبر دے دی ہو گی پھر بھی میں اپنا فرض پورا کیے لیتا ہوں۔"

اس نے ڈائریکٹری کی مدد سے سینٹرل فائر بریگیڈ کا نمبر ملا کر بات کی تو اسے بتایا گیا کہ اس آتش زدگی کی خبر پہلے ہی سے مل چکی تھی اور قریبی اسٹیشنوں سے چار گاڑیاں جائے وقوع کی طرف روانہ کی جا چکی تھیں۔

وہ ڈیفنس کے علاقے میں آگ لگنے کا معاملہ تھا اس لیے

اطلاع پر تیزی سے کارروائی کی گئی تھی۔ اول خان نے فوراً ہی واپس لوٹنا چاہا لیکن میں نے اسے چائے کے لیے روک لیا۔

"اب وہاں رسمی کارروائیوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ میجر غوث کو بھی پہنچنے میں وقت لگے گا۔ یہاں تک آ گئے ہو تو چائے کی ایک پیالی پیتے جاؤ۔ پتا نہیں اب تمہیں کس وقت کھانا پینا نصیب ہو گا۔"

"پھر میں الفا سے رپورٹ لے لیتا ہوں" اول خان نے اپنا ٹرانسمیٹر نکالتے ہوئے پژمردہ آواز میں کہا اور ٹرانسمیٹر آن کر کے الفا کو کال کرنے لگا۔

الفا اپنی ڈیوٹی پر مستعد اور فعال تھا۔ اس نے فوراً ہی اول خان کی کال کا جواب دیا "الفا رپورٹنگ، سر! یہاں فائر انجن آ چکے ہیں۔ زخمیوں کو اسپتال روانہ کیا جا چکا ہے۔ دشمن کے اٹھارہ قیدی ہاتھ آئے ہیں۔ جن حصوں تک ہماری رسائی ہو سکی، وہاں سے دو زخمی اور چار لاشیں ملی ہیں۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اندر کی آگ میں کتنے زخمی جل کر مر جائیں گے۔ فی الحال میں نے قیدیوں کو غیر مسلح کر کے پھنسے ہوئے کنٹینر میں بند کر دیا ہے اور ان پر دو گارڈ لگا دیے ہیں۔ قرب و جوار کے مکانوں سے لوگ خوف زدہ ہو کر باہر نکلنے شروع ہو گئے تھے لیکن میں نے اپنے آدمیوں کی مدد سے انہیں اپنے اپنے احاطوں میں واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا ہے۔ آبادی میں سخت خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں رہنے والوں کے دباؤ سے اعلیٰ حکام یہاں پہنچ جائیں۔ میں ان کے دباؤ کا سامنا نہیں کر سکوں گا۔ مجھے شدت سے آپ کی کمی محسوس ہو رہی ہے اوور!"

"تم فکر نہ کرو۔ میں پندرہ بیس منٹ میں واپس لوٹ رہا ہوں۔ ہو سکے تو ٹریلر کو اس عمارت سے باہر نکالنے کی کوشش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ آگ بے قابو ہونے کی صورت میں سارے قیدی زندہ جل کر مر جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان میں کوئی بھی قابل ذکر مجرم نہیں ہو گا۔ اوور!"

"کوشش کی تھی مگر وہ ناکام رہی۔ ٹرک کا انجن اسٹارٹ نہیں کیا جا سکا۔ اسے دھکیل کر باہر نکالنا بھی ناممکن ہو کر رہ گیا ہے کیونکہ آہنی شٹر کنٹینر کی چادریں پھاڑ کر تقریباً ایک فٹ تک اس میں پھنسا ہوا ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ٹریلر کے رکتے ہی اندر والوں نے شٹرز کو بار بار بلند کر کے پوری طاقت سے نیچے گرا کر راستہ بند کرنا چاہا تھا۔ ان کوششوں میں شٹر کنٹینر میں بری طرح پھنس گیا تھا۔ اوور!"

"میں اسی لیے تمہیں پسند کرتا ہوں کہ تم بدترین حالات میں بھی سارے امکانات پر نظر رکھتے ہو" اول خان نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا "تم نے کسی قابل ذکر مجرم کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ابھی تک اپنی کوئی رائے نہیں دی، اوور۔"

"اس بارے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اٹھارہ قیدیوں میں تین سفید فام ہیں۔ وہ مقامیوں سے کہیں زیادہ دہشت زدہ ہیں اور ہذیانی انداز میں بار بار اپنی بے گناہی کا دعویٰ کر رہے تھے۔ ان کی زبانیں بند کرانے کے لیے مجھے ان پر تھوڑا سا تشدد کرنا پڑا ہے۔ اب وہ سب خوف زدہ چوہوں کی طرح کنٹینر میں بند ہیں اوور۔"

"تم نے اپنے ٹرانسمیٹر پر بڑے مجرم کی ہرزہ سرائی سن لی ہو گی۔ یہ اطمینان رکھو کہ اس عمارت میں کوئی ڈائنا مائٹ یا خطرناک کیمیکل نہیں ہے۔ یہ انتظامات ہوتے تو وہ فرار ہوتے ہوئے پٹرول ڈال کر عمارت کو آگ نہ لگاتا۔ وہ سب اس کی کھوکھلی دھمکیاں اور مکاریاں تھیں۔ اوور۔"

اسی وقت غزالہ سب کے لیے چائے تیار کر کے لے آئی۔ اسی کے ساتھ وہ بسکٹ بھی لے آئی تھی۔

الفا ٹرانسمیٹر پر کہہ رہا تھا "مجھے ہیری کی جوابی گفتگو سے ان سب کی باتوں کا اندازہ ہو گیا تھا۔ ہیری بہت حاضر دماغ آدمی ہے اس نے راس المیڈا کی گفتگو میں یہاں اور وہاں کا فرق چند لمحوں پہلے بھانپ لیا ہوتا تو بازی ہمارے ہی ہاتھ میں رہ سکتی تھی مگر پھر بھی یہ ضرور ہوا کہ راس المیڈا کی دھمکیوں کا بھرم کھل گیا۔ میں پریشان ہوں کہ باہر کا ایک آدمی ہمارے ٹرانسمیٹر پر کیسے بات کر رہا تھا... اوور۔"

"تم سب عمر بھر پریشان رہو گے!" ٹرانسمیٹر پر اچانک ہی ایک سرد اور سفاکانہ آواز ابھرنے لگی جو ہم سب کے لیے اجنبی تھی۔ میں بھونچکا ہو کر اول خان کا منہ دیکھنے لگا۔ وہ مجھ سے زیادہ بوکھلایا ہوا تھا۔

اگر وہ راس المیڈا کی آواز ہوتی تو بات قابل فہم تھی کیونکہ وہ ریڈیو فری کوئنسی اسکینر کے حوالے سے پہلے بھی ہم سے بات کر چکا تھا مگر اردو بولنے والی وہ اجنبی آواز میرے لیے حیران کن تھی۔

بولنے والے نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے ہم لوگوں کی حیرت خود ہی رفع کر دی۔ وہ کہہ رہا تھا "راس عظیم ہے اور اپنا بدلہ لینا جانتا ہے۔ تم نے اس کے ٹرانسمیٹر پر قبضہ کر کے اس کا قیمتی سسٹم ناکارہ بنایا تھا۔ آج وہ تمہارے سسٹم پر دسترس حاصل کر چکا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ صرف انگریزی سمجھتا ہے۔ وہ تھوڑی بہت اردو بھی سمجھ لیتا ہے اور اسے ہمارا تعاون حاصل ہے۔ اس وقت بھی میں نے اسے تمہارے ہر فقرے سے آگاہ کیا ہے۔ تمہاری سازشوں کے باوجود وہ محفوظ ہے اور بہت جلد تم سے اپنا بدلہ لے گا۔ اوور!"

راس یقیناً اپنے کسی مقامی ہمدرد کے ٹھکانے پر پہنچ چکا تھا۔ اول خان نے اپنے ٹرانسمیٹر پر الفا سے رابطہ کیا تو سب ہی یہ بات بھول چکے تھے کہ راس المیڈا ٹرانسمیٹر پر ہونے والی ہر بات سننے پر قادر ہو چکا تھا اور اہم معاملات کے لیے اس کا استعمال خطرناک ہو سکتا تھا۔

اس بار میں نے اول خان کے ہاتھ سے ٹرانسمیٹر لے لیا اور انگریزی میں براہ راست راس المیڈا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تم درندے اور خود غرض ہو۔ تم نے فرار ہوتے ہوئے محض اپنی ذات

کا پردہ رکھنے کے لیے اپنے ان سفید فام وفاداروں کو بھی ہلاک کردیا جو تمہارے ایک اشارے پر اپنی جان کی بازی لگاتے رہے تھے۔ تم نے اپنے زخمیوں اور مردوں کی پروا کیے بغیر عمارت میں پٹرول چھڑک کر ان سب کو صرف اس لیے نذر آتش کردیا کہ تم اس عمارت سے بہت سے ثبوت ضائع کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت یہ مقامی غدار کتا یہ سمجھ کر تمہارے تلوے چاٹ رہا ہے کہ اسے تمہاری وفاداریوں کا کوئی بڑا انعام ملے گا۔ اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ برا وقت آنے پر تم اسے خود اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ اس بار تم بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگئے لیکن میں پاتال میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ اگلی بار تم سے میرا سامنا ہوا تو وہ فیصلہ کن ہوگا۔ تمہارے دن گنے جاچکے ہیں۔ اوور!"

میں انتظار کرتا رہا لیکن اپرٹیس پر سناٹا چھایا رہا۔ بے نام ریڈیائی لہروں کے دھیمے دھیمے شور کے سوا اس پر کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

"تم نے اس کے آدمیوں کو بغاوت پر اکسانے والی باتیں چھیڑ دی تھیں" اول خان نے کافی انتظار کے بعد زبان کھولی "معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تمہاری اس زہرافشانی سے اپنے ہمدرد کو محفوظ رکھنے کے لیے درمیان ہی میں کسی وقت اپنا اسکینر بند کردیا تھا۔"

"اب وہ کسی مقامی کے ذریعے ہمیں للکارنے کی ہمت نہیں کرے گا" میں نے زہرخند کے ساتھ کہا۔

"تم اس سے اسی کی زبان میں بات کرنی جانتے ہو" اول خان نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر ہنستے ہوئے کہا "اس قسم کی چالوں سے اپنے حریف کو بے بسی کے احساس میں مبتلا کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"حریف ہی نہیں، ڈی بعض اوقات اپنی باتوں سے اپنے حلیفوں تک کی ہڈیاں سلگادیتا ہے" ویرا نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "مجھے اس کے ساتھ رہتے ہوئے کئی بار ایسے تلخ تجربات سے گزرنا پڑا ہے۔"

میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے ویرا کو گھورا پھر اول خان سے مخاطب ہوکر کہا "اب میرا ذہن ایک اور ہی راستے پر کام کررہا ہے۔ میری دعا ہے کہ میرا یہ اندازہ غلط ثابت ہو ورنہ ہم مارے جائیں گے۔"

"اب تمہیں کیا سوجھ رہی ہے؟ اشاروں کنایوں کے بجائے کھل کر بات کیا کرو" ویرا بولی۔

"درمیان میں فقرے اچکنے کی کوشش نہ کرو۔ میری بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے راس! لمیڈا کا ریڈیو فری کوئنسی اسکینر والا قصہ بھی سراسر بے بنیاد معلوم ہورہا ہے۔"

"کیا اس کا ہم سے بات کرنا اس کے دعوے کا ٹھوس ثبوت نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں" میں نے سنجیدگی سے کہا "اس نے ہمیں فری کوئنسی اسکینر کی کہانی میں الجھادیا ہے لیکن درحقیقت وہ اسی قسم کا اپرٹیس حاصل کرنے میں کامیاب ہوچکا ہے۔"

اول خان کا چہرہ دھواں ہوگیا اور اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا "مگر اس کے پاس ایس ٹی ایف کا یہ مخصوص اپرٹیس کہاں سے آگیا؟"

"کوئی غدار!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "ہمیں اس کو تلاش کرنا ہوگا اسی لیے میں اپنے اندازے کی غلطی ثابت ہونے کی دعا کررہا تھا۔ اگر میرا اندازہ صحیح ہے تو پھر یہ امکان قوی ہوجاتا ہے کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی صفوں میں ایک مرتبہ پھر کوئی البرٹو ڈیلیسا گھس آیا ہے اور اسی نے فورس کا اپرٹیس چوری کرکے راس المیڈا تک پہنچایا ہے۔"

"نہیں!" اول خان کے دہانے سے ایک بے ساختہ مایوسانہ آواز برآمد ہوئی "یہ نہیں ہوسکتا' یہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر اب پھر ہمارے درمیان کوئی کالی بھیڑ گھس آئی ہے تو میں کسی پر اعتبار نہیں کرسکوں گا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے ایک تلخ امکان کی نشان دہی کی ہے لیکن ہم شترمرغ کی طرح ریت میں گردن چھپا کر طوفان کو نہیں ٹال سکتے۔ ہمیں حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

اول خان کھوئی کھوئی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا "تم خود کہہ رہے ہو کہ یہ تمہارا اندازہ ہے.... تم نے کس بنیاد پر یہ ہولناک رائے قائم کی ہے؟"

"اگر تم یاد کرو تو راس المیڈا ہماری گفتگو میں دخل انداز ہونے کے بعد سے لے کر ہیلی کاپٹر میں فرار ہونے تک اپرٹیس پر کسی وقفے کے بغیر بات کرتا یا سنتا رہا تھا" میں نے کہا۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں نے ہیلی کاپٹر کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز اپرٹیس پر بھی سنی تھی۔"

"اس کا اسکینر اگر وجود رکھتا ہے تو وہ اتنا مختصر ہرگز نہیں ہوسکتا کہ راس المیڈا اسے اپنے ساتھ لیے پھرتا رہے۔ میں نے فری کوئنسی پکڑنے اور جام کرنے والے جن جنگی آلات کے بارے میں پڑھا یا سنا ہے' وہ کافی بڑے ہوتے ہیں اور کسی ایک جگہ یا گاڑی میں نصب ہوتے ہیں۔ ان کے لیے مسلسل برقی طاقت کی فراہمی بھی ضروری ہوتی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اول خان نے تفہیمی انداز میں مجھے لقمہ دیا۔

"اگر راس المیڈا ایسے ہی کسی اسکینر کو استعمال کررہا ہے تو یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ اپنی جگہیں بدل بدل کر ہم سے بات کرتا رہا اور جب انجن اسٹارٹ ہوگیا تو اس اسکینر کو اپنے ساتھ لے کر پل بھر میں ہیلی کاپٹر سے فرار ہوگیا؟ یہ ایک الجھا ہوا سوال ہے۔ بظاہر یہ

معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپریٹس ہی استعمال کر رہا ہے۔"

"ہم میں سے کوئی بھی ریڈیائی مواصلات کا ماہر نہیں ہے" ویرا نے فوراً کہا "تم جو کچھ کہہ رہے ہو' وہ قرینِ قیاس ہونے کے باوجود ایک عام سا اندازہ ہے۔ چند برسوں میں مواصلات کے میدان میں حیرت ناک ترقی ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی جدید ترین اسکینر استعمال کر رہا ہو جو سائز میں بہت چھوٹا اور وزن میں ہلکا ہو۔"

"بالکل ہو سکتا ہے" میں نے فراخ دلی سے اعتراف کیا "لیکن اس کی تصدیق ضروری ہے۔"

"میں آرمی سگنل کور یا نیول ریڈار آفس سے یہ معلومات حاصل کر سکتا ہوں" اول خان نے کہا۔

"پھر اس کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔" میں نے کہا۔ "کوئی بڑا نقصان اٹھانے سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ ایس ٹی ایف میں کوئی غدار موجود ہے یا نہیں۔ اس کا انحصار تمہاری حاصل کی ہوئی معلومات پر ہو گا۔"

"میں اپنی موجودہ الجھنوں سے فارغ ہوتے ہی کام شروع کرتا ہوں۔"

"باتوں میں الجھ کر تم یہاں بیٹھے رہ گئے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میجر غوث تم سے پہلے وہاں پہنچ جائے اور بے چارہ الفابے بسی کا شکار ہو جائے" اچانک سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔

"میں چلتا ہوں' کوئی خبر مل گئی تو فون پر بتا دوں گا ورنہ شام کو ادھر آؤں گا" یہ کہہ کر اول خان سرعت سے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ اس کے پاس اپنی سواری نہیں تھی اس لیے وہ ہماری گاڑی کی چابی اپنے ساتھ لیتا چلا گیا تھا۔ شام کو ہماری گاڑی بہرحال واپس مل ہی جاتی تھی۔

"میں مسلسل ایک فکر انگیز خیال میں الجھا ہوا ہوں" اول خان کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے کہا "بعض اوقات قدرت انسان کی زبان سے نکلی ہوئی کسی بات کی ایسی گرفت کرتی ہے کہ حالات و واقعات کے بالکل برعکس' انسان کا کہا ہوا ایک ٹھوس حقیقت بن جاتا ہے۔"

"جس انسان کا کہا ہوا حقیقت کا روپ دھارنے لگے' وہ درویش کامل کہلانے لگتا ہے۔ اس وقت تم کس کو اس درجے پر پہنچانے کی فکر میں لگے ہوئے ہو؟" ویرا نے طنز سے پوچھا۔

"آبدوز والے چوراہے پر تم کار میں بیٹھی نشے سے اونگھ رہی تھیں" سلطان شاہ اسے ترکی بہ ترکی جواب دینے میں کبھی بھی نہیں چوکتا تھا۔ وہ ویرا ہی کے لہجے میں کہہ رہا تھا "اول خان نے وہاں بریفنگ دیتے ہوئے اپریٹس کے محتاط استعمال کا مشورہ دیتے ہوئے یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ حریف جدید مواصلاتی سہولتوں سے لیس ہونے کی وجہ سے ریڈیائی گفتگو سننے کا اہل ہو سکتا ہے اور دیکھ لو کہ آخر کار یہی ہو کر رہا۔"

اس کے کہنے پر مجھے یاد آیا کہ اس خطرے کی بنیاد کا اولین اظہار اول خان کی زبان سے ہوا تھا مگر وہ خود بھی شاید اپنی کہی ہوئی بات کو سرے سے بھول چکا تھا۔

"اول خان تمہاری طرح ہر کام قدرت کو سونپ کر عیش کرنے والوں میں سے نہیں ہے" ویرا نے اسے چڑانے کے لیے کہا "وہ عملی آدمی ہے۔ جو شخص اپنے کام سے پورا پورا انصاف کرتا ہے' اسے آنے والے خطرات صاف نظر آنے لگتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں تو کوئی خطرہ بھی نہیں سوجھتا ہو گا۔"

"تم دونوں لڑتے رہو۔ میں اب لمبی تان کو سوؤں گا" میں انگڑائی لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"سونے سے پہلے اسے اس کے کمرے بلکہ پنجرے میں بند کر دو تاکہ یہ میرے منہ نہ لگے۔ اس نے زیادہ بک بک کی تو میں اسے بالکونی سے نیچے پھینکنے میں دریغ نہیں کروں گی" ویرا نے غصے سے کہا۔

"تمہارے منہ لگا تو شراب کے بھبکوں سے میرا دماغ اڑ جائے گا" سلطان شاہ کا لہجہ تمسخرانہ ہو گیا "نشے کی جھونک میں ایک چوہا بھی شہر بھر میں بلی کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا' تم مجھے پھینک دینے کا دعویٰ کر رہی ہو تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے' یہ ہوتا رہتا ہے۔"

میں اس وقت ان کی تکرار سے محظوظ ہونے کے موڈ میں نہیں تھا۔ دونوں کی طرف ہاتھ لہرا کر ڈرائنگ روم سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ غزالہ میرے ساتھ ہو لی۔

جسم پر شدید تکان اور ذہن پر کوفت سوار تھی۔ مجھے رہ رہ کر مہم کی ناکامی پر جھنجلاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ اس وقت میری بالکل وہی کیفیت تھی جو ہاتھ آئی ہوئی بڑی مچھلی پھسل جانے پر کسی شکاری کی ہوتی ہے۔

غزالہ نے میرے بالوں میں اپنی نرم اور گداز انگلیاں پھیرنی شروع کیں تو تھوڑی ہی دیر میں نیند نے مجھے آلیا۔

دن کی نیند کتنی بھی طویل اور گہری ہو' رات کی بے خوابی کا ازالہ نہیں کر سکتی۔ ویسے بھی رات کو جاگ کر دن میں سونا قانونِ قدرت سے لڑنے کے مترادف ہوتا ہے اور ایسا کرنے والے ہمیشہ خسارے میں رہتے ہیں۔ اس کا اندازہ مجھے یوں ہوا کہ جب میں شام کے چار بجے بیدار ہوا تو تکان دور ہونے کے بجائے میرے پورے بدن میں میٹھا میٹھا درد لہریں لے رہا تھا۔ میں نے کروٹ لی تو غزالہ غائب تھی۔ شاید وہ مختصر سی نیند لے کر ہی گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی تھی۔

میں غسل خانے میں گھس گیا اور پورا شاور کھول کر نہانے

کے لیے کھڑا ہوگیا۔ جب دیر تک ٹھنڈے اور نیم گرم پانی کی تیز دھاریں دیر تک بدن اور کھوپڑی پر پڑتی رہیں تو مجھے کچھ سکون ملا اور میں شیو وغیرہ کرنے کے بعد غسل خانے سے باہر آگیا۔ باہر سناٹا تھا۔ غزالہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی ٹیلی وژن دیکھ رہی تھی۔

"دوپہر میں آپ کے لیے اول خان کا فون آیا تھا" مجھے دیکھتے ہی غزالہ نے کہا۔

"وہ کیا کہہ رہا تھا؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔ میرا ذہن فوراً اپرنٹس کی طرف گیا تھا۔

"وہ ویرا سے بات کرتا رہا تھا۔ تفصیل اسی کو معلوم ہوگی۔" اس نے جواب دیا۔

"یہ دونوں کہاں ہیں؟"

"سلطان شاہ کہیں سے ایک شطرنج اٹھالایا ہے اور ویرا کے کمرے میں ہے۔ دونوں کھیل میں منہمک ہوں گے" غزالہ نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا اور میں اس انقلاب پر حیران رہ گیا۔

"ہم سونے کے لیے گئے تو وہ دونوں لڑ رہے تھے اور اب اکٹھے شطرنج کھیل رہے ہیں۔"

"یہی ہوتا ہے" غزالہ کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم پھیل گیا۔ "سب کے سامنے وہ ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔ تنہائی میسر آجائے تو شیر و شکر ہوجاتے ہیں۔"

"دونوں ہی بے چارے اپنی اپنی ذات میں اکیلے ہیں۔ وہ ہم دونوں کو ایک کمرے میں یک جا دیکھ کر اور بھی کڑھتے ہوں گے۔" میں نے ہنس کر کہا "کبھی کبھی تو مجھے بھی ان پر رحم آنے لگتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کا کیا بنے گا۔"

"انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ وہ خود ہی اپنی اپنی راہیں نکال لیں گے۔"

"آؤ! ذرا دیکھتے ہیں کہ وہ اندر گھسے کیا کر رہے ہیں؟" میں نے اسے دعوت دی۔

غنیمت یہ تھا کہ ان کا کمرا مقفل نہیں تھا۔ میں نے ہینڈل گھمایا تو سامنے ایک دلچسپ منظر نظر آیا۔

کھڑکیوں کے سارے دبیز پردے کھنچے ہوئے ہونے کی وجہ سے کمرے میں رات اتری ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ فضا میں ہلکی ائرکنڈیشننگ کی وجہ سے خوش گوار خنکی رچی ہوئی تھی۔ کمرے کی تاریکی کو دور کرنے کے لیے ویرا کے سرہانے دھیمی روشنی والا صرف ایک سائیڈلیپ روشن تھا۔ ویرا بائیں پہلو کے بل، سر ہتھیلی پر ٹکائے اپنی مسہری پر دراز تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں سگریٹ سلگ رہی تھی۔ سلطان شاہ اس کے مقابل ایک کرسی پر آگے جھک کر بیٹھا ہوا تھا۔ ان دونوں کے درمیان رکھی ہوئی میز پر شطرنج جمی ہوئی تھی۔ اسی کے برابر میں ایش ٹرے اور اسکاچ کا دمکتا ہوا گلاس رکھا ہوا تھا اور ان دونوں کی نظریں شطرنج کے مہروں پر مرکوز تھیں۔

"خوب!" غزالہ اندر گھس کر گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے بولی "یہاں تمباکو اور الکحل کی اتنی تیز بو رچی ہوئی ہے کہ میں زیادہ دیر یہاں رکی تو میرا سر چکرانے لگے گا۔"

وہ دونوں ہی چونک کر ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ مجھے دیکھ کر سلطان شاہ نے بوکھلا کر اپنی کرسی چھوڑ دی اور خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا "ویرا بہت اچھی شطرنج کھیلتی ہے.... تم کھیلو گے؟"

"باہر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنے رہتے ہو اور دوسروں کو پریشان کرتے ہو اور بند کمرے میں یہ خرمستیاں ہوتی ہیں" میں نے آنکھیں نکال کے کہا۔ غزالہ میرے بولنے سے پہلے ہی وہاں سے رخصت ہوکر دروازہ بند کرچکی تھی۔

"دیکھو' ڈیڈی تمہیں گدھا کہہ رہا ہے" ویرا نے مخمور مسکراہٹ کے ساتھ اسے اکسایا "خرمستیاں گدھے ہی کرتے ہیں۔"

"ڈیڈی ٹھیک کہہ رہا ہے" سلطان شاہ اپنا سر کھجاتے ہوئے بولا۔ "بعض اوقات میں واقعی گدھا ہو کر رہ جاتا ہوں۔"

"اول خان کیا کہہ رہا تھا؟" میں نے سلطان شاہ کو نظرانداز کرکے خشک لہجے میں ویرا سے پوچھا۔

"پہلے اپنا لہجہ درست کرو" وہ اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر بے پروائی سے بولی "بند کمرے میں شطرنج کھیلنا کوئی جرم نہیں ہے جو تم اتنی برہمی دکھا رہے ہو۔ بیٹھ کر شرافت سے بات کرو۔"

"ایک وقت میں ایک ہی کام ہوسکتا ہے کہ تم سے بات کی جائے یا شرافت سے" یہ کہہ کر میں نے بیٹھتے ہوئے عاجزانہ لہجے میں اپنی بات جاری رکھی "اگر تم مجھے اول خان کی گفتگو سے آگاہ کرسکو تو میں عمر بھر تمہارا ممنون رہوں گا۔"

"یہ ٹھیک ہے" وہ اٹھتے ہوئے بولی "وہ آرمی سگنل کور کے کسی افسر سے تمہاری بات کرانی چاہ رہا تھا۔"

"وہ ایک اہم معاملہ ہے۔ تمہیں پورا پس منظر معلوم ہوگا۔ مجھے بیدار کردیا ہوتا۔"

"اول خان کو پتا چلا کہ تم سو رہے ہو تو اس نے تمہیں جگانے سے منع کردیا۔ اس قصے میں کچھ ایسی باتیں تھیں جو اول خان کی سمجھ میں نہیں آرہی تھیں مگر پھر اس نے خود ہی معاملہ نمٹانے کا فیصلہ کرلیا۔"

میں ان دونوں کو چھوڑ کر باہر آگیا۔

میں نے باری باری اسٹیشن فور اور اول خان کے گھر فون کیا لیکن وہ دونوں جگہوں سے غائب تھا۔ اس کی بیوی نے بتایا کہ وہ پچھلی شام کو گھر سے نکلنے کے بعد واپس ہی نہیں لوٹا تھا۔ بس فون کرکے اپنی مصروفیت کی اطلاع دے دی تھی۔ میرے پاس اپرنٹس بھی تھا لیکن راس المیڈا کی مداخلت کی وجہ سے میں اسے استعمال نہیں کرسکتا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ راس المیڈا کی قیام گاہ پر جو کارروائی کی گئی تھی، وہ غیر معمولی نوعیت کی تھی۔ وہاں سے گرفتار کیے جانے والوں اور فرار ہونے والوں کے خلاف قانونی ضابطوں کے تحت کارروائی کا کام خاصا طویل اور پُرپیچ تھا جس میں اول خان کا ملوث ہونا ناگزیر تھا۔ بات صرف اتنی ہی نہیں تھی بلکہ آتش زدگی اور ہلاکتوں کے واقعات اول خان کی دشواریوں میں مزید اضافہ کرسکتے تھے۔

سوا چھ بجے میجر غوث کا فون آیا۔ وہ بھی اول خان کی تلاش میں تھا۔

میری آواز پہچان کر اس نے کہا "تمہارا اصل شکار تمہارے ہاتھوں سے نکل گیا مگر پھر بھی تم لوگوں نے جو کچھ کیا ہے، اس پر تم سب مبارک باد کے مستحق ہو۔ پریس میں ان خبروں کا مکمل بلیک آؤٹ کرادیا گیا ہے لیکن شہر کا ہر چھوٹا بڑا افسر اول خان کی زبان سے پورے واقعات سننے پر کمربستہ ہے۔ شاید وہ اسی لیے کہیں روپوش ہوگیا ہے۔"

"روپوش ہوگیا ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"جب کوئی شخص اپنے سارے ممکنہ ٹھکانوں سے غائب ہو تو اسے روپوشی ہی کہیں گے۔ اس سے رابطہ ہو تو بتادینا کہ میں نے اس کی مشکلات حل کردی ہیں۔ یہ کیس براہِ راست میرے محکمے کی تحویل میں آگیا ہے۔ سویلین حکام کو اس معاملے سے بالکل دور رہنے کے احکام جاری ہوچکے ہیں۔"

"میرا رابطہ ہوا تو میں بتادوں گا۔ وہ تمہیں مل جائے تو اس سے کہنا کہ مجھے فون کرلے۔"

ریسیور پر میجر غوث کا ایک جاندار قہقہہ سنائی دیا اور پھر لائن بے جان ہوگئی۔

میں ریسیور کریڈل پر رکھنے بھی نہ پایا تھا کہ اچانک ڈور بیل چیخ اٹھی۔

میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا مگر مجھ سے پہلے ہی سلطان شاہ، دیرا کے کمرے سے نکل کر دروازے پر پہنچ گیا۔

سلام کی آواز سے علم ہوا کہ آنے والا اول خان تھا۔ میں اس کے استقبال کے لیے اٹھ گیا۔

وہ اندر آتے ہی تھکے ہارے انداز میں صوفے پر گر گیا۔

"ایک گلاس پانی دو۔ آج میں سارا دن بھاگ بھاگ کر بری طرح تھک گیا ہوں" اس نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔

سلطان شاہ اس کے لیے پانی لینے چلا گیا۔ میرے لیے اپنے تجسس اور اضطراب پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا۔ میں نے اس کے قریب بیٹھ کر آہستہ سے پوچھا "ریڈیو فری کوئنسی اسکینر والے قصے کا کیا بنا؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے" اس نے چونک کر کہا "وہ لوگ بہت سی پیچیدہ اصطلاحات استعمال کررہے تھے جو میری سمجھ سے باہر تھیں۔

تم سے رابطہ نہ ہونے کے بعد میں نے انہیں اصل صورتِ حال سے آگاہ کردیا۔ ان کی حتمی رائے ہے کہ فری کوئنسی معلوم کرنے والا کوئی آلہ اتنا ہلکا پھلکا اور خودکار نہیں ہوسکتا کہ ایک آدمی اسے لے کر تیزی کے ساتھ آزادانہ نقل و حرکت کرسکے۔ راس المیڈا یقینی طور پر کوئی اپریٹس استعمال کررہا ہے۔"

اول خان کے اس انکشاف نے میرے ذہن کو سُن کرکے رکھ دیا۔ وہ جو کچھ بتا رہا تھا اس سے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی فولادی صفوں میں ایک مرتبہ پھر شگاف پڑچکا تھا اور اس بار اس شگاف کے اُس پار راس المیڈا کا شیطانی چہرہ واضح طور پر دیکھا جاسکتا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ایس ٹی ایف کا کوئی اپریٹس راس المیڈا کی تحویل میں چلا گیا ہے؟" میری خاموشی پر ویرا نے متجسسانہ لہجے میں اول خان سے سوال کیا۔

"اس بارے میں وثوق سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی" اول خان نے سلطان شاہ کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر دھیرے سے کہا "وہ کئی امکانات کی بات کر رہے ہیں۔ میں ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔"

وہ نہ جانے کب سے پیاسا تھا کہ اپنی بات پوری کرتے ہی گلاس منہ سے لگا کر خالی کرتا چلا گیا۔ ان چند لمحوں میں میرے ذہن میں دو صورتیں نمودار ہوئیں۔ ان واقعات کے پیشِ نظر پہلا امکان یہ ہوسکتا تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی مقامی تنظیم کا کوئی آدمی راس المیڈا کے ہمدردوں کے ساتھ مل گیا ہو اور اس نے فورس کا کوئی اپریٹس ان کے حوالے کردیا ہو جس پر راس المیڈا اول تا آخر ساری گفتگو سنتا رہا ہو اور دوسری صورت یہ ہوسکتی تھی کہ راس المیڈا کے مسکن پر واقعی کوئی ریڈیو فریکوئنسی اسکینر موجود رہا ہو۔ اس نے ہم لوگوں کے مشترکہ حملے کا آغاز ہوتے ہی اپنے اس حساس آلے کے ذریعے سراغ لگایا ہو کہ اس کے دشمن کس ریڈیو فریکوئنسی پر ہدایات اور معلومات کا تبادلہ کر رہے ہیں اور پھر اس نے اسی فریکوئنسی پر کام کرنے والے کسی ہلکے پھلکے اپریٹس کے ذریعے ہماری گفتگو میں دخل انداز ہونے کا فیصلہ کرلیا ہو۔ دوسرا امکان ایس ٹی ایف میں کسی غدار کی موجودگی کی واضح نفی کرتا تھا۔

پانی کا گلاس خالی کرنے کے بعد اول خان نے اپنی بات کا سلسلہ جوڑتے ہوئے کہا "ایک بات طے ہوگئی ہے کہ ابھی تک کوئی اتنا ہلکا پھلکا ریڈیو فریکوئنسی اسکینر ایجاد نہیں ہوا ہے جسے کوئی شخص ایک دستی آلے کے طور پر اپنے ساتھ لے کر گھومتا پھرے۔ اگر راس المیڈا اپنے اسکینر پر بات کر رہا ہوتا تو چھت سے ہیلی کاپٹر میں منتقلی کے وقت اس کی باتوں میں کچھ نہ کچھ تعطل ضرور آنا چاہیے تھا۔"

ویرا اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی مضطربانہ لب ولہجے میں بول پڑی "اس کا مطلب ہے کہ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی اپریٹس حاصل کرچکا ہے؟"

"نہیں، میں نے اس بارے میں اپنا پورا اطمینان کرلیا ہے" اس نے کہا "فورس کے لیے ایس آر سیون تھری فور قسم کے کل چالیس اپریٹس درآمد کیے گئے تھے اور اب سے ایک گھنٹے پہلے تک یہ پوری تعداد ایس ٹی ایف کے مختلف یونٹوں کی تحویل میں موجود تھی۔ ان میں سے نو اپریٹس اسٹیشن فور کے پاس تھے اور یہ تعداد اس وقت بھی پوری ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے کسی آدمی کی غداری کا شبہ اب بے بنیاد ثابت ہوچکا ہے۔"

"پھر تمہارے مواصلاتی نظام میں راس المیڈا کیسے مداخلت کر رہا تھا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"اس نے اپنے اسکینر پر ہماری آپریٹنگ فریکوئنسی کا سراغ لگایا اور پھر اسی رینج کے کسی اپریٹس پر ہماری گفتگو میں مداخلت شروع کردی۔ یہ اس پوری پہیلی کا آسان ترین حل ہے۔" اس نے کہا۔

ویرا کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔ اس نے کہا "اگر میری یادداشت دھوکا نہیں دے رہی تو ایس آر سیون تھری فور امریکا ہی کے بنے ہوئے ہیں۔ بدقسمتی سے وہ میرا وطن ہے اور میں اپنے مکار ہم وطنوں کو بہت اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ وہ ترقی پذیر ملکوں کو مدد دے رہے ہوں یا ان سے تجارت کر رہے ہوں، ہر وقت ان کے حلقوم پر اپنی انگلی رکھے رہتے ہیں۔ انہوں نے کسی فوجی یا نیم فوجی معاہدے کے تحت چالیس ایس آر سیون تھری فور تم کو بھیجے ہوں گے تو دو اپنے کمرشل یا فوجی اتاشی کو بھی بھیجے ہوں گے تاکہ وہ خفیہ طور پر ان آلات کے استعمال کی نگرانی کرتے رہیں اور وہی خفیہ اپریٹس راس المیڈا کی مدد کر رہے ہوں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو" اول خان نے اعتراف کیا "ہم نے ایک مدت تک ان سے فریب کھائے ہیں لیکن اب ہم بھی ہوشیار ہوگئے ہیں۔ وہ ان آلات کو جس فریکوئنسی پر سیٹ کرکے بھیجتے ہیں، ہم استعمال سے پہلے اسے بدل دیتے ہیں۔ یہ صرف ایس ٹی ایف کا معاملہ نہیں ہے پورے دفاعی نظام میں یہ حکمتِ عملی اختیار کی جاتی ہے ورنہ کسی بھی شعبے میں ہماری رازداری برقرار نہیں رہ سکتی۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے کہ ہمارے ذمے دار اہل کار ہماری قومی ترجیحات پر ہر وقت نگاہ رکھتے ہیں۔" سلطان شاہ ویرا کے چہرے پر نظریں جما کے قدرے استہزائیہ لہجے میں بولا "لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم امریکا اور اس کے سازشی فتنوں کے بارے میں اتنے وثوق سے دعوے کیسے کرتی ہو؟ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے امریکا کے مقتدر حکام تم سے مشورہ کرکے اپنی ساری حکمتِ عملیاں مرتب کرتے ہیں۔"

"تم میری باتوں پر بلاوجہ سلگ رہے ہو" ویرا نے نرمی سے کہا۔ "موجودہ حالات کو تو چھوڑ ہی دو، میں نے جی لائیڈ کی زندگی میں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں امریکن پالیسیوں میں کوئی عمل دخل رکھتی ہوں۔ ساری بات اس فوجی اور سیاسی جن کی نفسیات کو سمجھنے کی ہے۔ میں اپنے ہم وطنوں کی ذہنیت کو اچھی طرح سمجھتی ہوں اور اسی لیے ان کے بارے میں کھلی کھلی باتیں کہہ ڈالتی ہوں جو سچ نہیں تو سچ سے بہت قریب ہوتی ہیں۔ شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہو کہ پچھلے چند برسوں میں امریکا میں عالمی حکمرانی کا ایک نیا تصور انگڑائیاں لینے لگا ہے۔ اب واشنگٹن میں بیٹھا ہوا ہر طاقت ور سرکاری اہل کار یہ سمجھنے لگا ہے کہ وہ امریکن ٹیکس دہندگان کا خادم ہونے کے ساتھ ساتھ پوری دنیا کا مخدوم ہے اور عالمی نقشے پر موجود

کسی بھی ملک کو اپنے اشاروں پر نچانے کا مکمل اختیار رکھتا ہے۔ وہ برابری کے بجائے دوسروں سے اپنی برتری کے پیشِ نظر معاملات طے کرتے ہیں۔"

"تم بلاوجہ سیاست میں ٹانگ اڑا رہی ہو" میں نے ناخوشگوار لہجے میں ویرا کو ٹوکا "اس وقت ہمارا مسئلہ راس المیڈا ہے۔ ہمیں اپنی ساری توجہ اسی پر مرکوز رکھنی چاہیے۔"

"راس المیڈا آسمان سے نہیں ٹپکا" وہ ان حالات کی پیداوار ہے جن پر میں روشنی ڈال رہی تھی۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو" سلطان شاہ نے سہلا کر تفہیمی لہجے میں تبصرہ کیا "اگر تم اس پر روشنی نہ ڈالتیں تو گہرے اندھیرے کی وجہ سے ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ اول خان راس المیڈا کے بجائے مائیکل جیکسن کے پیچھے ہولیتا اور راس المیڈا اندھیرے میں چھپا رہ جاتا۔"

"تم دونوں تھوڑی دیر کے لیے اپنی زبانیں بند رکھو" میں نے سختی سے انہیں ڈانٹا "خاموش نہیں بیٹھ سکتے تو یہاں سے چلے جاؤ۔ میں اول خان سے کچھ اہم باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

میری برہمی پر غزالہ بے اختیار مسکرانے لگی۔ ویرا نے مجھے کینہ توز نظروں سے گھورا لیکن زبان سے کچھ نہیں بولی۔

"رات جس عمارت میں راس المیڈا سے ہمارا تصادم ہوا' وہ فریڈم لاج کہلاتی ہے اور پچھلے تین برس سے ریمی مارٹن نامی ایک امریکن کے تصرف میں ہے۔ اس نے وہ عمارت کرائے پر لی ہوئی تھی اور ہر سال مالک مکان سے معاہدے کی باقاعدہ تجدید کرتا رہا ہے" اول خان نے قدرے توقف کے بعد بتایا۔

"ایک غیر ملکی کو شہر میں اتنی بڑی عمارت کی کیا ضرورت تھی؟ اس نے کرائے داری کے معاہدے میں اس عمارت کا کوئی نہ کوئی مصرف تو ظاہر کیا ہی ہوگا" میں نے کہا۔

اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر وضاحت کرتے ہوئے بتایا "وہ مقامیوں کے تعاون سے کوئی رفاہی ادارہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ عمارت کو رہائش کے ساتھ اس رفاہی ادارے کے دفتر کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔"

"مجرمانہ مقاصد کی آڑ کے لیے اس سے بہتر عذر ہو ہی نہیں سکتا تھا" غزالہ نے تبصرہ کیا "رفاہی ادارے کی آڑ میں وہاں ہر طبقے کے لوگوں کی آمدورفت کو تحفظ حاصل رہا ہوگا۔"

"بظاہر ریمی مارٹن وہاں کرائے دار تھا لیکن اس نے خطیر رقم خرچ کرکے اس مکان میں بہت سی تبدیلیاں کرائی تھیں۔ ان ہی میں دیواروں کا اونچا کیا جانا اور خود کار شٹرز کی تنصیب بھی شامل ہے۔"

"لیکن وہ ہے کہاں؟" میں نے اول خان سے پوچھا "وہ ہاتھ آجائے تو ہمیں اپنے بہت سے سوالات کے جواب مل سکتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ تین سال سے یہاں موجود تھا اور اس کی سرگرمیاں بھی جاری رہی ہوں گی مگر وہ ہم سب کی نگاہوں سے اس طرح اوجھل تھا کہ کسی کو اس کے وجود کی بھنک تک نہیں مل سکی۔"

"فریڈم لاج میں مرنے والوں میں ریمی مارٹن بھی شامل تھا" اول خان نے انکشاف کیا "اٹھارہ قیدیوں اور چار لاشوں کے علاوہ تم دو زخمیوں کے بارے میں بھی سن چکے تھے۔ ایک جلی ہوئی لاش بھی وہاں پائی گئی تھی۔ مکان کی چھت پر دو سفید فاموں اور ایک مقامی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ ان تینوں کی پیشانیوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ یہ تینوں شاید راس المیڈا کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے اس لیے اس نے فرار ہوتے ہوئے ان تینوں کو خود ہی ختم کر دیا۔ ان ہی میں سے ایک گورے کو ریمی مارٹن کی حیثیت سے شناخت کیا گیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ریمی مارٹن ہی بلیک ہاک رہا ہوگا" ویرا نے تبصرہ کیا۔

"ریمی مارٹن وائٹ ہاک بھی ہو سکتا ہے۔ بلیک ہاک براہِ راست راس المیڈا کو جواب دہ تھا۔ وہ سخی مراد والے بنگلے میں رہ رہا تھا اور میں نے اسے وہیں گھیرا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ ریمی مارٹن شروع ہی سے فریڈم لاج سنبھال رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ میرے ہاتھوں مرنے والا گرے ہاک بھی اسی کے ساتھ رہتا ہو" میں نے کہا۔

"کسی کے کہیں بھی آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا" اول خان نے کہا "ہو سکتا ہے کہ بلیک ہاک صرف کے نائین مشن کی تکمیل کے لیے سخی مراد کی کوٹھی میں منتقل ہوا ہو۔ اہم بات یہ ہے کہ راس المیڈا کو خود ہی اپنے دو قابلِ اعتماد ساتھیوں کو ختم کرنا پڑا اور اب وہ عملاً تنہا ہو کر رہ گیا ہے۔"

"تنہا نہیں ہوا" میں نے جواب دیا "تم بھول رہے ہو کہ اسے امریکن قونصل خانے کی پشت پناہی بھی حاصل ہے۔"

"ان کی مدد لینے کے لیے اسے راڈنی آرک بننا ہوگا" سلطان شاہ بولا۔

"ہم نے راس المیڈا کی سرکوبی کے لیے پورا منصوبہ بنا لیا تھا" اول خان نے اچانک جھرجھری لے کر کہا "لیکن کل رات مجھے خیال آیا کہ اس کی پناہ گاہ کوئی سفارتی عمارت ثابت ہوئی تو ایک کہرام برپا ہو جائے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ فریڈم لاج کا قونصل خانے والوں سے کوئی تعلق سامنے نہیں آیا۔"

راس المیڈا فریڈم لاج میں آٹھ لاشیں اور بیس قیدی چھوڑ کر اپنے زخموں کو چاٹتا ہوا فرار ہوا تھا۔ وہ بلاشبہ ایک بہت بڑا واقعہ تھا اور میجر غوث کی مداخلت کے بغیر اسے پریس میں آنے سے نہیں روکا جا سکتا تھا۔ اول خان نے بتایا کہ فریڈم لاج میں متعدد کمپیوٹروں کے ساتھ ساتھ بہت سا جدید مواصلاتی سازوسامان بھی موجود تھا جس کا بیشتر حصہ راس المیڈا کی لگائی ہوئی آگ کا ایندھن

بن گیا لیکن وہ کمرا محفوظ رہا جہاں سے ہتھیاروں وغیرہ کی ایک بڑی کھیپ برآمد ہوئی۔ اس میں بیس خود کار رائفلوں اور چار ہلکے راکٹ لانچرز کے علاوہ اندھیرے میں دور تک دیکھنے والی انفراریڈ دوربینوں کا ایک کریٹ، گولیوں اور میگزین کا انبار اور ڈائنامائٹ اسٹکس کا ذخیرہ شامل تھا۔ ہمارے مقابلے کے لیے فریڈم لاج کے مکین جو ہتھیار استعمال کر رہے تھے وہ اس ذخیرے کے علاوہ تھے۔

میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ ریمی مارٹن کن مقاصد کے تحت تین برس سے فریڈم لاج میں مقیم تھا، وہ لوگ وہاں کیا کر رہے تھے؟ ان کی سرگرمیوں کی کیا نوعیت تھی اور وہاں ہتھیاروں وغیرہ کا ذخیرہ کیوں موجود تھا؟

میرے ان سوالات نے سب ہی کو الجھا دیا۔ راس المیڈا کا نام کے نائین مشن کے محدود حوالے کے ساتھ اچانک ہی ہمارے سامنے آیا تھا۔ کے نائین نامی منصوبے کی بربادی کی آنکھ مچولی میں ہمیں کسی بھی موقع پر یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی منظم نفری بھی رہی ہوگی۔ اس وقت لے دے کر بس ایلین سیمفریال ہمارے سامنے تھا جو مقامی غنڈوں کے سہارے راس المیڈا کی معاونت کر رہا تھا لیکن کے نائین کے بھیانک منصوبہ ناکام ہوتے ہی راس المیڈا نے ایک دم اپنی کینچلی بدل لی تھی اور ایک بالکل ہی نئے روپ میں ہمارے سامنے آیا تھا۔

ہم پانچوں اس بارے میں کافی دیر تک مغززنی کرتے رہے پھر اس نتیجے پر پہنچے کہ راس المیڈا ابتدا میں ایلین اور پیٹر سے کام لیتا رہا پھر اس کی اعانت کے لیے کیری ہارٹ اور جیف طرح بھی میدانِ عمل میں آگئے لیکن ایلین اور پیٹر اپنی بدقسمتی سے ہمارے چنگل میں پھنس گئے۔ پیٹر مارا گیا، ایلین بری طرح زخمی ہونے کے بعد چل بسا۔ اس موقع پر راس المیڈا بھی بال بال بچا اور زخمی ہونے کے بعد موقع سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ ایلین کی اس... کمین گاہ پر جشن میں جو لوگ جمع ہوئے تھے، وہ غالباً فریڈم لاج ہی کے مکین تھے۔ مقامیوں اور غیر ملکیوں کے اس ملے جلے بدمست ہجوم نے ایلین کی کمین گاہ پر وہ ایسی تذلیل کی تھی کہ وہ عارضی طور پر اپنا ذہنی توازن کھو کر سکتے کا شکار ہو گئی تھی۔

جب راس المیڈا ہر طرف سے تنہا ہونے لگا تو غالباً امریکن قونصل خانے نے ریمی مارٹن اور اس کے دو ساتھیوں کی خدمات راس المیڈا کے سپرد کر دیں۔ بنیادی طور پر وہ تینوں اپنے قونصل خانے کے ایجنٹ تھے جو اپنے سفارتی رابطوں سے بالکل الگ تھلگ ہو کر برسوں سے فریڈم لاج میں اپنی گھناؤنی سازشوں کو پروان چڑھا رہے تھے۔

فریڈم لاج سے اسپیشل ٹاسک فورس یا ملٹری سیکرٹ سروس والوں کو کوئی ایسا ریکارڈ نہیں مل سکا تھا جس سے ان کی سرگرمیوں اور مقاصد پر روشنی پڑتی ہو لیکن وہاں موجود ہتھیاروں وغیرہ کی بنا پر یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ فریڈم لاج والے غیر سفارتی مگر پیشہ ورانہ انداز میں پاکستان میں دہشت گرد اور تخریبی عناصر کی سرپرستی کر کے امن و امان کو تباہ کرنے کا کام کر رہے تھے۔ ہتھیاروں سے بھری ہوئی الحدید نامی لانچ کے پکڑے جانے کے بعد، پہلے بھی امریکنوں کے اس قسم کے عزائم کی نشان دہی ہو چکی تھی۔

اس وقت ان کے رابطے بھی سامنے آگئے تھے۔ وہ بھارتی ایجنٹوں کے ذریعے غیر قانونی ہتھیار اندرونِ سندھ پھیلے ہوئے ڈاکوؤں اور دہشت گردوں میں پھیلا کر انہیں ریاستی قوتوں کے خلاف صف آرا کرانا چاہتے تھے۔

راس المیڈا کا کے نائین نامی منصوبہ ناکام ہونے کے ساتھ ساتھ فریڈم لاج کا فتنہ بھی بڑی حد تک مٹ گیا تھا۔ ان دنوں راس المیڈا کے ستارے ہی گردش میں آئے ہوئے تھے کہ اس کی نحوست کا سایہ اس کے حلیفوں کی بربادی کا سبب بن رہا تھا۔ اپنے آدمیوں کو کھو دینے کے بعد اس نے فریڈم لاج کے مضبوط قلعے میں پناہ لی تو وہ قلعہ ہی برباد ہو گیا۔ اس کے مکین ہلاک یا گرفتار ہو چکے تھے مگر فکرمندی کی بات یہ تھی کہ راس المیڈا زندہ اور آزاد تھا۔

"اتنی پے در پے ناکامیوں کے بعد وہ یہاں سے فرار کی راہ بھی اختیار کر سکتا ہے" وہ بحث سمیٹنے کے بعد سلطان شاہ نے پُرامید لہجے میں اپنی رائے ظاہر کی۔

"اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک ایک کر کے اپنے تمام ہی ٹھکانوں سے محروم ہو چکا ہے" اول خان نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "لیکن وہ بہت ڈھیٹ اور ضدی آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اتنی آسانی سے میدان چھوڑ کر نہیں بھاگے گا۔ اس نے اب اپنے آقاؤں سے مدد طلب کی ہوگی۔"

"وہ پاکستان سے بہت زیادہ ناخوش ہیں۔ دل کھول کر اس کی مدد کریں گے" ویرا بول پڑی۔

اچانک ہی مجھے راس المیڈا کے ہیلی کاپٹر کا خیال آگیا اور میں نے اول خان سے سوال کر ڈالا "یہ بات قابلِ فہم ہے کہ ہیلی کاپٹر پرزوں کی صورت میں فریڈم لاج کی چھت پر لا کر جوڑا گیا اور پھر ترپالوں وغیرہ میں چھپا دیا گیا لیکن فریڈم لاج سے پرواز کرنے کے بعد وہ اتنی آسانی سے کہیں غائب نہیں ہو سکتا تھا۔ کوشش کی جائے تو پتا لگایا جا سکتا ہے کہ کل رات راس المیڈا نے کہاں پناہ لی ہے۔"

"کسی کو اتنا ہوش نہیں تھا کہ اس بارے میں سوچتا" اول خان نے ایمان داری سے کہا "راس المیڈا نے اسے کسی ویرانے میں چھوڑنے کی حماقت نہیں کی ہوگی بلکہ اسے قونصل خانے کے اسی وسیع گیراج میں اتارا ہوگا جہاں بکتر بند ایمبولینس پہنچائی گئی تھی۔ وہاں کوئی مقامی اہل کار داخل نہیں ہو سکتا۔ میرا خیال ہے کہ اب اس کے پیچھے سر کھپانا بے سود ہے۔"

"وہ نکل گیا مگر اب میرے اعصاب پر نئی مراد سوار ہو رہا ہے" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"اوہ! اسے تو میں بھول ہی بیٹھا تھا۔ وہ نادرہ کے ویران مکان کے تہ خانے میں اپنی آزادی کا انتظار کررہا ہوگا" میرے یاد دلانے پر اول خان اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کے بے ساختہ بولا "تمہارے مشورے کے مطابق میں نے اسے بے ہوشی کی حالت میں اپنے دو آدمیوں کے ساتھ نادرہ کے گھر کے لیے روانہ کردیا تھا۔"

"لیکن وہ بدکار اور قابلِ نفرت شخص تمہیں کیوں یاد آگیا؟" سلطان شاہ نے مجھ سے پوچھا۔

"وہ ایک جانا پہچانا سیاسی لیڈر ہے" میں نے اسی سرد لہجے میں کہا "اپنی منافقت کے سہارے اس نے اپنے حامیوں کا ایک قابلِ ذکر حلقہ بنایا ہوا ہے۔ وہ اقتدار کا اس قدر بھوکا ہے کہ ہیروئن کی تجارت سے کمائی ہوئی دولت کے سہارے منتخب ہو کر جلد از جلد اقتدار کے ایوانوں میں پہنچ جانا چاہتا ہے۔ اسی جیسے قوم فروش لوگوں نے راس المیڈا جیسے سازشیوں کو یہاں پہنچنے کے لیے سازگار فضا فراہم کی ہوئی ہے۔ سانپ نکل گیا ہے مگر میں اس بل کو تباہ کردوں گا۔ سخی مراد کو مرنا ہوگا تاکہ اس کے انجام سے دوسرے غدار عبرت حاصل کرسکیں۔"

"اسے مارنا تو شاید اس وقت دنیا کا آسان ترین کام ثابت ہوگا۔ قید میں موجود دشمن کو مارنے کے بارے میں تمہاری فکرمندی میری سمجھ سے باہر ہے" سلطان شاہ بولا۔

"میں بھی جانتا ہوں کہ اب وہ ایک گولی کا مہمان ہے" میں نے زہرخند کے ساتھ کہا "مگر میں اسے اتنے سہل انجام کا حق دار نہیں سمجھتا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی موت اپنے حلیف کے ہاتھوں ہو تو دوسروں کو کچھ عبرت حاصل ہوسکے۔"

"تم اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو؟" اول خان نے بے چینی سے پوچھا۔

"ہم نے اس سے آزادی کا وعدہ کیا ہے۔ کل اسے آزادی مل جانی چاہیے۔"

"تم الجھی ہوئی باتیں کررہے ہو۔ ایک بار وہ نکل گیا تو دوبارہ اتنی آسانی سے ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔ وہ جس اثر و رسوخ کا مالک ہے، تم جانتے ہی ہو۔ اس کی شکایت پر شہر کی پوری انتظامیہ اس کی حفاظت کے لیے حرکت میں آجائے گی۔ ابھی تک تاوان کی وجہ سے یہ قصہ دبا ہوا ہے۔"

میں نے یکے بعد دیگرے سگریٹ کے چند گہرے کش لیے پھر کہا "فریڈم لاج کے بارے میں آج اخبارات کو ایک مختصر مگر سنسنی خیز خبر جاری کرادو کہ ملک کے نامور سیاسی رہنما، سخی مراد کی نشان دہی پر مقامی حکام نے بین الاقوامی دہشت گردوں کی ایک خفیہ پناہ گاہ پر چھاپا مار کر بھاری مقدار میں اسلحہ برآمد کیا ہے۔"

"یہ خبر معاملات کو الجھادے گی۔ ایک طرف سخی مراد کی... گمشدگی کے بارے میں اغوا برائے تاوان کا تاثر پیدا کیا گیا ہے۔ اب اس کی نشان دہی پر چھاپے کی خبر جاری کی گئی تو سخی مراد کے اغوا کی ذمے داری کسی نہ کسی ایجنسی پر آجائے گی۔ میجر غوث بھی یہ ذمے داری لینے پر آمادہ نہیں ہوگا۔"

"اور پھر وہ خبر دیکھ کر سخی مراد سمجھ لے گا کہ تم پاکستان کی سرکاری ایجنسیوں کے لیے کام کررہے ہو" سلطان شاہ نے اول خان کا ساتھ دیتے ہوئے اضافہ کیا۔

"کھیل میں شریک ہر اہم فریق اب میرے اصل کردار سے باخبر ہوچکا ہے" میں نے بے پروائی سے کہا "سخی مراد کے جان لینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا مگر اغوا کی ذمے داری والی بات قابلِ فہم ہے۔ میں کوئی نئی الجھن کھڑی کیے بغیر صرف اتنا چاہتا ہوں کہ سخی مراد کو رہا کرنے سے پہلے یہ بات راس المیڈا کو ذہن نشین کرادی جائے کہ فریڈم لاج میں اس کی بربادی سخی مراد کی مخبری کی بنا پر ہوئی ہے۔"

"اوہ! اب میں سمجھا" اول خان اپنے ہونٹوں کو دائرے کی شکل میں سکیڑ کر تحیر سے بولا "تم سخی مراد کو اپنا چارا بنانا چاہتے ہو۔ راس المیڈا اس کا رخ کرے گا اور تم اسے پکڑلوگے۔"

"یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ رازداری کی خاطر راس المیڈا ایسی حماقت کرگزرے تو ادر بات ہے ورنہ وہ سخی مراد کی زندگی کے خاتمے کے لیے کرائے کے کسی آدمی کو بھی استعمال کرسکتا ہے" میں نے کہا۔

"خبر جاری کرنے میں ایک اور خطرہ بھی پوشیدہ ہے" غزالہ نے آہستگی سے کہا۔ وہ ابتدا ہی سے پوری گفتگو بہت غور سے سن رہی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "آزادی پانے کے بعد سخی مراد وہ خبر دیکھتے ہی گھبرا جائے گا کہ اس کے سارے راز آپ کے ذریعے سرکاری ایجنسیوں تک پہنچ گئے ہیں یا پہنچ سکتے ہیں۔ اپنی سلامتی کو خطرے میں پاکر اگر وہ فوراً ہی ملک سے فرار ہوگیا تو ہم سب ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔"

"پھر کوئی اور تجویز سوچنی پڑے گی" ان لوگوں کی باتوں نے مجھے فکرمند کردیا۔

"وہ ایس ٹی ایف کا اپریٹس نہیں تو اسی فریکوئنسی پر کوئی اور ٹرانسمیٹر استعمال کررہا ہے" غزالہ نے پھر کہا "آپ راس المیڈا کو براہِ راست مخاطب کیوں نہیں کرتے۔ وہ اپنی خفت مٹانے کے لیے لاف و گزاف ضرور کرے گا۔ آپ باتوں ہی باتوں میں اسے بتادیں کہ سخی مراد نے فریڈم لاج کی نشان دہی کی تھی۔"

غزالہ کی اس سیدھی سی تجویز پر سب ہی خوشی سے اچھل پڑے۔

"اس وقت تم بہت دور کی کوڑی لائی ہو۔" میں نے ستائشی لہجے میں کہا "اپنے چچا زاد بھائی ولی داد کو سخی مراد نے ہلاک کیا۔ تمہاری تجویز پر عمل کرنے کی صورت میں کسی کے لیے کوئی دشواری پیدا نہیں ہوگی اور سخی مراد، راس المیڈا کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ ہمارا مقدر یاور رہا تو ہم راس المیڈا کا کوئی نیا سراغ حاصل کرلیں

گے۔"

"غزالہ بہت کم بولتی ہے۔ لیکن ہماری باتوں میں جب بھی دخل دیتی ہے' کوئی چونکا دینے والا نکتہ لاتی ہے" وہ فقرے ادا کرتے ہوئے سلطان شاہ کی باچھیں کھلی جارہی تھیں۔

"مجھے خوشی ہے کہ غزالہ ہماری باتیں سنتی ہی نہیں' ان پر غور بھی کرتی رہتی ہے" اول خان نے کہا۔

"اس سے پہلے کہ میرا دماغ خراب کردیا جائے' مجھے یہاں سے اٹھ جانا چاہیے" غزالہ نے انکسار سے ہنستے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھنا چاہا مگر ویرا نے ہاتھ پکڑ کر اسے دوبارہ اس کی جگہ پر بٹھا دیا۔

ایس ٹی ایف کا ایک اپریٹس پچھلی رات سے ہماری تحویل میں تھا۔ سلطان شاہ میری خواب گاہ سے وہ اپریٹس لینے گیا اور پھر انتہائی جوش کے عالم میں دوڑتا ہوا واپس آیا۔ اپریٹس اس کے ہاتھ میں تھا اور اس پر کسی کال کی آمد کا مخصوص اشارہ موصول ہو رہا تھا۔

"میں نے اسے ہاتھ لگایا ہی تھا کہ کال سگنل آنے لگا" یہ کہتے ہوئے اس نے اپریٹس آن کرکے میری طرف بڑھا دیا۔

"راس کالنگ فار ڈیبی!" اپریٹس کے ریسیور پر راس المیڈا کی مخصوص آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"بات کرو!" اول خان نے اضطراری انداز میں مجھے ٹھوکا دے کر کہا۔

"یہ بہترین موقع ہے" ویرا بھی بول پڑی "وہ خود ہی تمہارے دام میں آرہا ہے۔"

اپریٹس پر قدرے وقفے کے بعد راس المیڈا کا وہی پیغام دوبارہ سنائی دیا۔ اس بار وقفہ ہوتے ہی میں نے بٹن دبا کر کہا "کیا بات ہے؟ میں ڈیبی بول رہا ہوں" میرا فقرہ مکمل تھا اس لیے میں نے بھی راس المیڈا کی طرح کال اوور کرنے کی رسمی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ایسے لاسلکی آلات پر دو تجربے کار آدمی بات کررہے ہوں تو وہ فقروں سے خود ہی اندازہ کرلیتے ہیں کہ دوسری طرف کی بات پوری ہونے کے بعد انہیں کب بولنا چاہیے۔

"اب میں تم سے کھل کر بات کرسکتا ہوں" راس المیڈا بولا۔ "کیونکہ میرے آس پاس ایسا کوئی آدمی موجود نہیں ہے جسے تم اپنی زہریلی باتوں سے گمراہ کرسکو۔"

"گمراہ میں نہیں' تم کرتے ہو۔ میں تمہارے آدمیوں کے خون کا پیاسا ہوں لیکن تم نے بلیک ہاک اور وائٹ ہاک کے ساتھ جو سفاکانہ سلوک کیا ہے' اس نے مجھے لرزا دیا ہے۔"

"وہ حلق کاٹنے کی لڑائی تھی۔ میں انہیں زندہ چھوڑ دیتا تو وہ تمہارے قیدی بن جاتے۔ جیف ملر کے معاملے میں میں تمہاری بے رحمانہ حرکتوں سے واقف ہوچکا ہوں۔ وہ میرا قابل فخر آدمی تھا۔ جب وہ تمہارے سامنے اپنی زبان بند نہیں رکھ سکا تو وہ دونوں کسی گنتی میں نہیں تھے۔ میں جیف ملر کی اگلی ہوئی باتوں کے زخم ابھی تک سہہ رہا ہوں۔ میں کوئی نیا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ وہ زندہ رہتے تو میرے بہت سے راستے مسدود ہوکر رہ جاتے۔"

"تمہارے راستے مسدود ہوچکے ہیں۔ بہت جلد تم خود کو میرے روبرو پاؤ گے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم نے ان دونوں کو کیسے پہچان لیا" راس المیڈا کی آواز تحیر زدہ تھی۔ "وہ کبھی بھی تمہارے سامنے نہیں آئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف تمہاری قیاس آرائی تھی۔"

میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کے کہا "اگر وہ میری قیاس آرائی تھی تو اب تم اس کی تصدیق کرچکے ہو۔ تمہاری معلومات کے لیے میں یہ ضرور بتانا چاہوں گا کہ تمہارے کے نائین نامی منصوبے کا سراغ ملنے کے بعد میں نے ڈیفنس کے مکان میں اپنی انفراریڈ دوربین سے اندھیرے میں بھی تمہارے آدمیوں کو دیکھ لیا تھا اور اسی وجہ سے گرے ہاک وہاں مارا گیا تھا۔ میں تمہارے ساتھ تمہارے ہی معیار کی لڑائی لڑ رہا ہوں۔"

"میں یہی جاننا چاہتا ہوں کہ تم میری راہ میں روڑے کیوں اٹکا رہے ہو؟"

"یہ میری ہابی ہے۔ ہتھیار ڈال دو ورنہ کسی بھیانک انجام کا سامنا کرنے کی تیاری کرلو کیونکہ ایک ایک کرکے تمہارے سارے مہرے ٹوٹتے جارہے ہیں۔ تم نے دیکھ لیا کہ فریڈم لاج جیسا قلعہ بھی میری دسترس سے نہیں بچ سکا۔"

"میں واقعات کی کڑیاں یکجا کررہا ہوں۔ سخی مراد کو کسی نے تاوان کے لیے اغوا کیا ہوا ہے۔ پورے شہر میں صرف وہ جانتا تھا کہ فریڈم لاج سے میرا کوئی تعلق ہے۔ کیا وہ تمہارے قبضے میں ہے؟"

وہ خود ہی میرے جال میں پھنس رہا تھا۔ میں نے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "دانا دشمن کا مقابلہ کرکے مجھے ہمیشہ لطف آتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ بعض باتیں تم خود بہ خود سمجھ لیتے ہو۔ میں غیر ضروری خون خرابے سے ہمیشہ ہی پرہیز کرتا ہوں۔ جیف ملر سے کام کی باتیں معلوم کرکے میں نے ایمان داری سے اسے رہا کردیا تھا۔ اب سخی مراد کو بھی آزادی مل جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ تم اسے نہیں چھیڑو گے۔"

"اپنے فیصلوں کے لیے میں تمہارے مشوروں کا محتاج نہیں ہوں" اس کا سرد لہجہ قدرے سخت ہوگیا۔

"تو پھر تم نے مجھ سے کس لیے رابطہ کیا ہے؟" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے پوچھا۔

"سنو اور کان کھول کر سنو کہ اسپیشل ٹاسک فورس کا وجود اب کوئی راز نہیں رہا ہے" وہ کہہ رہا تھا "پاکستان کی حکومت لاکھ انکار کرتی رہے لیکن البرٹو ویلیسا نے اپنی جان پر کھیل کر اس بھیانک فورس کے سارے کارنامے دنیا بھر میں پھیلا دیے ہیں"

البرٹو دیلیسا نے ظفر کے روپ میں تمہارے لیے بھی بہت کچھ کیا تھا۔ اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا ہے کہ تم اسپیشل ٹاسک فورس کے مخبر بن چکے ہو۔ میں تمہیں اس ذلت سے نکال کر عزت کا کوئی مقام دلوا سکتا ہوں۔"

"اپنی عزت اور ذلت کی سند کے لیے مجھے تمہارے کسی ہم وطن کی رائے کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم دو منہ والے سانپ ہو۔ ایک سرے پر راس المیڈا ہو اور دوسرے پر راؤنی آرک۔ تمہارے ان دونوں دہانوں میں زہریلی زبانیں ہیں جو کسی بھی حالت میں تریاق نہیں اگل سکتیں۔"

"تم اسی طرح لڑتے لڑتے ایک دن مرجاؤ گے اور کوئی تمہارا نام تک لینا گوارا نہیں کرے گا۔ میں آواگون کا قائل نہیں ہوں۔ ہر انسان کو صرف ایک بار زندگی ملتی ہے جسے احترام اور عزت سے گزارنا چاہیے۔ میری بات مان لو تو تمہیں امریکا کی شہریت اور تمہارے من پسند کاروبار کی ضمانت مل سکتی ہے۔"

"مجھے اپنے وطن کی مٹی تمہارے ملک کے سونے سے ہزاروں گنا زیادہ عزیز ہے۔"

"پھر مجھے تم کو اسی مٹی میں ملانا پڑے گا" اس کی آواز قہربار ہوگئی "یہ آخری موقع تھا جو تم گنوا رہے ہو۔ ابھی تک میں دوسرے کاموں میں الجھ کر تمہیں ڈھیل دے رہا تھا مگر اب میری پوری توجہ تم پر مرکوز رہے گی۔"

"تم خونی بھیڑیے ہو۔ تمہیں اپنے ساتھیوں کو کھانے سے ہی فرصت نہیں ہے۔ تم میرا کیا بگاڑ سکو گے؟"

"تمہارا وقت تیزی سے پورا ہو رہا ہے۔ اگر کسی وقت تمہیں عقل آجائے تو اپنے اسی اپریٹس پر مجھ سے رابطہ کر لینا۔ میں تمہاری دہشت کو سمجھ رہا ہوں لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں غدار حلیفوں کے معاملے میں بہت سنگ دل اور سفاک ہوں البتہ ہتھیار ڈال دینے والے دشمنوں کے حق میں ہمیشہ مہربان ثابت ہوتا ہوں۔ ماضی کی مثالوں میں تم اس اصول کو ہر جگہ کارفرما پاؤ گے۔"

"شاید حیف ملر کے بارے میں تمہاری بات درست ہو" میں نے اپنے لہجے میں تذبذب کی کیفیت پیدا کرتے ہوئے کہا "اس نے زبان کھول کر تم سے غداری کا ارتکاب کیا تھا لیکن بلیک اور وائٹ ہاک کا کیا قصور تھا؟ تم غیب داں نہیں ہو۔ تم نے صرف ایک شبہے کی بنا پر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

مجھ پر اثر انداز ہونے کا احساس ہوتے ہی اس نے پُرزور الفاظ میں وضاحت کرنی شروع کر دی "ہر اچھا سربراہ اپنے ساتھیوں کی خامیوں اور خوبیوں سے پوری طرح واقف ہوتا ہے۔ مجھے مان تھا کہ حیف ملر اپنے بدن کا ریشہ ریشہ الگ ہو جانے کے باوجود مجھ سے دغا نہیں کرے گا مگر اس نے میرا مان توڑ دیا۔ یہ اس کی کمزوری نہیں، تمہارے بے پناہ تشدد کی کامیابی تھی کہ وہ بے بسی کے احساس میں مبتلا ہو کر بہک گیا۔ دوسرے دونوں آدمی حیف ملر سے کہیں زیادہ کمزور تھے۔ میں جانتا تھا کہ وہ حیف سے آدھا تشدد بھی نہیں سہہ سکیں گے۔ ہیلی کاپٹر ان کا بوجھ اٹھانے سے قاصر تھا۔ وہ مجھے بہت عزیز تھے۔ میں نے بہت دکھ کے ساتھ انہیں گولیاں ماری تھیں۔"

"تمہاری یہ باتیں بے وزن اور پھسپھسی ہیں، میں ان پر اعتبار نہیں کر سکتا۔"

"سوچ لو۔ تمہیں تمہاری مرضی کی ضمانتیں فراہم کی جا سکتی ہیں۔ شاندار مستقبل تمہارا منتظر ہے۔ مٹی سے رشتے نبھانے کا دور گزر چکا ہے۔ اب پوری دنیا ایک گاؤں میں بدل چکی ہے۔ گوادر کے رہنے والے نیویارک میں ٹہلتے ہیں اور میں اپنے شہر کو بھول کر یہاں بیٹھا ہوا ہوں۔ سوچو اور سوچتے رہو۔ ایک دن تم میرے ہم خیال ہو جاؤ گے، بائی۔"

راس المیڈا کے آخری لفظ کے ساتھ ہی اپریٹس پر صرف ہلکا سا ریڈیائی شور باقی رہ گیا۔ میں نے اپنے لاسلکی آلے کو بے پروائی سے تپائی پر ڈال دیا۔

"راس کی اس کال کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا" ویرا بڑبڑائی۔
"ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے تمہارا مقصد پورا کرانے کے لیے یہ کال کی ہو۔ اس کی ساری باتیں بے سروپا تھیں۔"

"ترغیب اور تحریص کے اس گھسے پٹے حربے کو بے سروپا بھی کہا جا سکتا ہے۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت راس المیڈا نے میری اور اپنی گفتگو کسی تیسرے اہم فرد کو سنوانے کے لیے بات کی ہو۔ میں نے یہ بات کئی مرتبہ محسوس کی تھی۔"

"تمہارے خیال میں اتنا اہم آدمی کون ہو سکتا ہے؟" اول خان نے خالی الذہنی کے عالم میں پوچھا۔

"وہ امریکن قونصل جنرل بھی ہو سکتا ہے۔ راس المیڈا نے منہ کی کھانے کے بعد اسی کا رخ کیا ہوگا اور اب اس سے مدد مانگ رہا ہوگا۔ وہ لوگ یہاں پے درپے اتنے نقصانات اٹھا چکے ہیں کہ اب ہمارے خلاف کوئی نئی مہم جوئی کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہوں گے۔ فریڈم لاج میں پھیلنے والی تباہی نے ان کا رہا سہا حوصلہ بھی ختم کر دیا ہوگا اور راس المیڈا کو انہیں عملی اقدام پر آمادہ کرتے میں دشواری پیش آ رہی ہوگی۔" میں نے کہا۔

"اگر یہی بات ہے تو تم نے اپنے ابتدائی سخت رویے کو ترک کر کے آخر میں تذبذب اور بے یقینی کا لب ولہجہ کیوں اپنا لیا تھا؟" ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"میں نے سوچ سمجھ کر وہ انحراف کیا تھا۔ اگر قونصل خانے والے خوف زدہ ہو کر راس المیڈا کی مدد سے پیچھے ہٹ رہے ہیں تو میرا بدلا ہوا لب ولہجہ ان کی پسپائی کو تقویت دے گا۔ وہ راس المیڈا پر زور دیں گے کہ میرے ذہن میں تبدیلی کی لہر آچکی ہے۔ محاذ

آرائی سے گریز کرکے چند روز انتظار کیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ میں راس المیڈا سے مصالحت کے جال میں پھنس کر خود کو ان کے حوالے کردوں۔"

"آسان کامیابی کی امید میں وہ انتظار کرسکتے ہیں" اول خان نے میری تائید میں سرہلا کر کہا "لیکن راس المیڈا سخی مراد کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ ابھی تک اس کے اغوا کی خبر عام نہیں ہوئی ہے۔ اس کے گھر والوں نے اس کی اور ولی داد کی پراسرار گمشدگی کو سختی سے راز میں رکھا ہوا ہے مگر راس المیڈا اندر کی اس بات سے بھی باخبر ہے۔ وہ اپنی بساط کے ہر مہرے پر گہری نظر رکھنے کا عادی معلوم ہوتا ہے۔"

"آؤ!" میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر کہا "ذرا سخی مراد سے بھی کچھ باتیں کرلی جائیں۔"

سلطان شاہ نے بھی ہمارے ساتھ چلنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن میں نے سختی سے اسے روک دیا۔ نادرہ کے بظاہر غیر آباد مکان میں زیادہ افراد کی آمدورفت کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ بھی بن سکتی تھی۔

راستے میں اول خان نے مجھے بتایا کہ اس کے آدمی سخی مراد کو طویل وقفوں کے لیے مسکن دواؤں کے زیر اثر رکھ رہے ہوں گے تاکہ انہیں بھی آرام کرنے کا موقع مل سکے۔ خور و نوش کی اشیا میں ملا کر دی جانے والی ادویات کی مقدار اس طرح کم و بیش کی جاتی تھی کہ سخی مراد کھانے پینے کے اوقات پر ہوش میں رہ سکے مگر دن اور رات کے بیشتر حصوں میں گہری نیند سوتا رہے۔

اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے ہم تھوڑی دیر میں نادرہ کے گھر جاپہنچے۔ اول خان کا ایک آدمی احاطے میں مستعد تھا۔ دوسرا تہ خانے میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا۔ باہر والے سے یہ معلوم کرکے ہم دونوں کو خوشی ہوئی کہ سخی مراد رات کے کھانے کے انتظار میں اس وقت ہوش میں تھا۔

تہ خانے کے زینوں تک پہنچنے سے پہلے ہی اول خان نے بلند آواز میں راجر کا لفظ کہا۔ شاید وہ باہمی شناخت کا کوئی طے شدہ کوڈ تھا جو تہ خانے والے کو یہ بتانے کے لیے ادا کیا گیا تھا کہ آہٹوں پر اسے بھڑکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیوں کہ آنے والے دوست تھے۔

تہ خانے میں سخی مراد ہمارا منتظر تھا۔ اس کے ہاتھ میں اخبار دبا ہوا تھا اور وہ مسہری پر نیم دراز تھا۔ اس کا محافظ مسہری سے دور ایک کرسی کے قریب کھڑا ہوا تھا۔

"اچھا ہوا کہ تم آگئے۔" سخی مراد نے بوجھل آواز میں کہا۔ "میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم مجھے اس جہنم سے یہاں لے آئے ہو مگر تمہارے آدمی بہت خشک مزاج ہیں۔ میری کسی بات کا جواب نہیں دیتے۔"

"یہ نہ بھولو کہ یہاں بھی تم قیدی ہو۔ یہ قید تم نے اپنی مرضی سے منتخب کی ہے۔" میں نے کہا۔

"یہاں ائرکنڈیشنر اور شراب کی کمی بری طرح کھل رہی ہے۔" اس نے شکایت کی۔

"یہ کمرا ٹھنڈا ہے اور شراب جگر کی دشمن ہوتی ہے اس لیے یہاں نہیں پائی جاتی۔"

"میں ایک رات گزار چکا ہوں' دوسری رات آچکی ہے۔ کل یہاں میری آخری رات ہوگی۔ اس کے بعد تمہیں مجھ کو رہا کرنا ہوگا۔ اس معاہدے کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے۔" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

"بے فکر رہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے یقین دلایا۔ "ہوسکتا ہے کہ تمہیں کل ہی رہا کردیا جائے۔"

"تو کیا راس المیڈا تمہارے ہاتھ آچکا ہے؟" اس نے میری بات کاٹ کر بے یقینی سے پوچھا۔

"فی الحال میں نے اسے بھول جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اسے بعد میں دیکھا جائے گا۔"

وہ پُرتشویش انداز میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا "مگر تم تو اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے بے چین تھے۔ اس کے خاتمے کے لیے میرا اور تمہارا سودا بھی طے ہوچکا ہے۔"

"اس سودے کی مد میں ہم نے تم سے کوئی رقم نہیں لی ہے۔ رہائی کے بعد تم ہمیں تاوان کی رقم ادا کرنے کے پابند ہو۔ راس المیڈا کا قصہ تمام ہوگا تو وہ حساب بھی کرلیا جائے گا۔" میں نے اطمینان سے کہا۔

"مگر میرا کیا بنے گا؟ میرے خلاف راس المیڈا تمہیں رقم دے چکا ہے۔ میری واپسی اسے شبے میں ڈال دے گی۔"

"پھر یہیں رہتے رہو۔" میں نے مکارانہ مسکراہٹ سے کہا "شراب اور ائرکنڈیشنر کے بغیر۔"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم میرے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہے ہو۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کے بولا "تم نے مجھے بدترین الجھن میں ڈال دیا ہے......"

"تم پورے ملک پر حکمرانی کرنے کا خواب دیکھ رہے ہو مگر اتنی سی بات پر پریشان ہوگئے!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "ابھی تک راس المیڈا کو یہ علم نہیں ہے کہ تم میرے ہاتھ آچکے ہو۔ یہ بات کھل چکی ہوتی تو تم سے کوئی سودا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تم گھر جاکر آرام کی نیند سونا۔ راس المیڈا تم سے کوئی تعرض نہیں کرے گا۔"

خوشی سے اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ بولا "تم واقعی بہت ذہین آدمی ہو۔ تم میرے ساتھ مل جاؤ تو میں تھوڑے ہی عرصے میں اپنا ہر خواب پورا کرسکتا ہوں۔ تمہارے پاس سوچنے والا ذہن ہے اور میرے پاس بے حساب پیسہ۔ اس ملک میں انسان سے زمین تک ہر چیز بکاؤ ہے۔ کوئی سستے داموں بک جاتا ہے' کوئی اپنی پوری بولی

قیمت وصول کرتا ہے۔ میں ہر ایک کے دام لگا ڈالوں گا اور تم میرے دستِ راست ہو گے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ فی الوقت راس الیڈا نے تمہیں خریدا ہوا ہے اور تم اس کے دیے ہوئے احکام بجا لانے پر مجبور ہو۔ جو خود بک چکا ہو' وہ دوسروں کو کیا خرید سکتا ہے۔" میں نے اسے چرکا لگایا۔

وہ ایک خوش فہم اور خود پرست سیاست دان تھا۔ میرے فقروں کی تلخی کو نرمی سے سہہ گیا اور مسکرا کر بولا "دس راس الیڈا بھی مل کر میری قیمت ادا نہیں کر سکتے۔ وہ میری کمزوریوں کی قیمت وصول کر رہا ہے۔ آدمی اقتدار میں آتا ہے تو اس کی کمزوریاں خود بہ خود چھپ جاتی ہیں۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم ایمان داری کے ساتھ اپنے وعدوں پر عمل کرنے کا ارادہ کیے ہوئے ہو۔ میں بھلے وقت آنے پر بھی تمہیں یاد رکھوں گا۔"

وہ بالکل بھولا ہوا تھا کہ اپنا بھلا وقت وہ پہلے ہی گزار چکا تھا۔ آنے والا وقت اس کے لیے ذلت اور موت کا پیغام لے کر آ رہا تھا۔ ملک زوال کی طرف جا رہا تھا۔ حکمرانوں کا انتخاب کرنے والوں کے حافظے کمزور سے کمزور تر ہوتے چلے جا رہے تھے۔ لیکن پھر بھی ان پر اتنا برا وقت نہیں آیا تھا کہ وہ تخی مراد جیسے رنگے سیار کو اپنی قضا و قدر کا مالک بنا کر اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیتے۔

"تم سیاست کے میدان کے پرانے کھلاڑی ہو۔ اندر کی بہت سی کہانیاں جانتے ہو گے۔ کیا کچھ کہانیاں سنانی پسند کرو گے؟" میں نے نرم لہجے میں کہا "مجھے دوسروں کی کمزوریاں جاننے کا بہت شوق ہے۔"

"میرے ساتھ رہو گے تو رفتہ رفتہ سب کچھ جان لو گے۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولا "ایک دوسرے کی کمزوریوں کو اچھالنا ہماری سیاسی تہذیب کے خلاف ہے کیوں کہ کسی کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل سکتا۔"

"پتا نہیں تم کس تہذیب کی بات کر رہے ہو۔ یہاں تو آئے دن ایک دوسرے پر بدعنوانیوں کے الزامات لگتے رہتے ہیں۔" اول خان نے بے ساختہ لہجے میں پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"وہ فائدے حاصل کرنے کے سیاسی حربے ہیں' ان میں کوئی جان نہیں ہوتی۔ آج تک کسی نے عدالت میں اپنے لگائے ہوئے الزامات کو ثابت کیا ہے اور نہ ملزم بنائے جانے والوں نے اپنے حریفوں پر ہتکِ عزت کا مقدمہ دائر کیا ہے۔ ایسی لڑائیوں کو صرف اخبارات اچھالتے ہیں کیوں کہ انہیں ہر روز اپنا پیٹ بھرنے کے لیے بھاری مواد درکار ہوتا ہے۔ لڑائیاں زور پکڑلیں تو اخباروں کو لاکھوں روپے کے اشتہار بھی ملنے لگتے ہیں۔ سب سیاسی خاندان جانتے ہیں کہ انہوں نے ایک دوسرے کے اصل جرائم کو بے نقاب کرنا شروع کر دیا تو ان کی برادری تباہ و برباد ہو جائے گی اور نئے چہرے ان کی مسندوں پر بیٹھ جائیں گے۔ جب تک برادری برقرار ہے' دیر سویر ہر ایک کو اس کا حصہ ملتا ہی رہے گا۔ ہر دم من و سلویٰ اگلنے والی ہانڈی کے پیندے میں کوئی احمق بھی سوراخ نہیں کرتا۔"

"تمہاری باتیں دلچسپ ہیں۔" اس کی بے تکان تقریر میں وقفہ آتے ہی میں بول پڑا "زندگی رہی تو تمہارے ساتھ محفلیں جمتی رہیں گی۔ یہ بتاؤ کہ تائین کے سلسلے میں تمہاری فرم پر بننے والے مقدمے کا کیا بنے گا؟"

"کچھ بھی ثابت نہیں کیا جاسکے گا۔ جہاز کے کپتان کی خودکشی نے سب کا بھرم رکھ لیا ہے۔ بارودی کریٹ وہی بمبئی سے لایا تھا اور نامعلوم مقاصد کے لیے قبرص لے جا رہا تھا۔ میرے وکیل اس کہانی میں جان ڈال دیں گے۔" بولتے بولتے اس نے چونک کر سوال کیا "مگر یہ سب لمبی کہانیاں ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ولی داد کی لاش کہاں ہے؟"

"اس میں تمہیں کیا دلچسپی ہے؟ تم اسے مار کر اپنی خون کی پیاس بجھا چکے ہو۔" میں نے کہا۔

"وہ میرا ایک روپ تھا جو تم نے دیکھ لیا۔ اس کے علاوہ بھی میرا ایک روپ ہے۔ میں اپنے خاندان کا گاڈ فادر یا ان داتا بھی ہوں۔ اس کی لاش پر ماتم کرنا اور اسے عزت سے دفن کرانا میرا فرض ہے۔" وہ نہایت مکاری اور ڈھٹائی کے ساتھ مسکراتے ہوئے بولا۔ آزادی کی خوش خبری نے اس کے مزاج میں خاصی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔

"ولی داد کی لاش ہم صحرا میں پھینکنے کے بجائے کراچی لے آئے تھے۔ یہاں وہ لاش ایک ویرانے سے پولیس کی تحویل میں جا چکی ہے۔ تم ذرا سی تگ و دو کرو گے تو اپنے مقتول کو کسی سرکاری اسپتال کے مردہ خانے میں تلاش کر لو گے۔ حیرت ہے کہ تم دوسروں کے ساتھ ہی نہیں' اپنے خاندان میں بھی اس قدر منافقت سے کام لیتے ہو۔ پہلے اپنے جیتے جاگتے چچازاد کو ایک لاش میں تبدیل کیا اور اب اسی لاش پر ڈرامے بازی کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"اس نے میری نشان دہی کر کے تمہیں میرے پیچھے لگایا' وہ ایسی ہی موت کا مستحق......"

"ہرگز نہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر تصحیح کی "اس نے تمہارے بارے میں کوئی بات نہیں بتائی تھی۔ تم دونوں الگ الگ پکڑے گئے تھے۔ اسے تمہارے سامنے لانے تک ہمیں یہ بھی علم نہیں تھا کہ تم دونوں آپس میں رشتے دار ہو۔ تم دونوں کے یک جا ہو جانے کے بعد ہی ہمیں تمہارے تعلق کا علم ہوا تھا۔"

"مگر تم نے کہا تھا کہ اس نے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے؟" میرے انکشاف پر وہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"میں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ اس نے میرے ساتھی کا تھپڑ کھانے کے بعد خود ہی فریاد کی تھی کہ وہ ہر بات سچ سچ بتا چکا ہے اور اس کے اسی فقرے نے تمہارا دماغ الٹ دیا تھا۔ سچ کیا تھا؟ یہ تمہارے اور ولی داد کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھا۔ اس نے تشدد سے بچنے کے لیے جھوٹ بولا تھا۔ تم اس جھوٹ کو سچ سمجھے اور یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ تمہارے بارے میں اسی نے زہر اگلا ہے۔ تمہارے دل میں چور تھا اس لیے تم نے خود ہی پوری کہانی ترتیب دی اور یہ سمجھ کرکہ تمہارے گھر کے بھیدی نے لنکا ڈھایا ہے' ہر بات اگلتے چلے گئے۔"

سخی مراد کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا پڑیں۔ وہ مجھے یوں گھور رہا تھا جیسے میرے سر پر اچانک سینگ نکل آئے ہوں۔ پھر اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "اس کا مطلب ہے کہ ولی داد ناحق ہی میرے ہاتھوں مارا گیا...... ہائے میرا چچا زاد......! وہ میرا کس قدر وفادار تھا!"

لمحوں ہی لمحوں میں اس کی آواز رندھ گئی اور آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی۔

اول خان نے حقارت سے کہا "ہوش میں رہو اور ڈراما بند کرو۔ اس وقت تم اپنے خاندان میں نہیں' اس قتل کے دو چشم دید گواہوں کے سامنے بیٹھے ہو۔ مگرمچھ کے آنسو اپنے گھر کے لیے بچا کر رکھ لو۔"

"اگر مجھے غلط فہمی ہوئی تھی تو تم نے اسے دور کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" اس نے اول خان کو نظر انداز کر کے بھرائی ہوئی دردناک آواز میں شکوہ کیا "تم اسے قتل ہونے سے تو بچا سکتے تھے۔"

"وہ بھی پارسا نہیں تھا۔ بعد میں اس نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ تم نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ یہ میرا اصول ہے کہ دو بھیڑیے لڑ رہے ہوں تو دخل اندازی کرنے کے بجائے دور رہ کر تماشا دیکھتا ہوں۔ لڑائی کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو پھر میں جیتنے والے سے اپنا حساب بے باق کرتا ہوں۔"

"جو ہونا تھا' ہوگیا...... اب ولی داد کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جاسکتا...... کاش! تم نے یہ بات مجھے نہ بتائی ہوتی۔ اب یہ بوجھ زندگی بھر مجھے تڑپاتا رہے گا کہ میں نے بلاوجہ اپنے بھائی کو ماردیا۔"

"تم نے ہی بات بڑھائی تھی۔ تم مجھ پر غلط بیانی کا الزام نہ لگاتے تو میں اس وقت بھی تمہیں کچھ نہ بتاتا۔" میں نے اس کی ذہنی اذیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "میں غیر ضروری گفتگو سے پرہیز کرتا ہوں۔"

اصل صورتِ حال کے انکشاف سے سخی مراد کو واقعی شدید ذہنی صدمہ پہنچا تھا۔ اسے ملول اور دل گرفتہ چھوڑ کر ہم دونوں وہاں سے لوٹ آئے۔

میں نے اس کی رہائی کے بارے میں اُس کے ذہن میں ایسی اطمینان بخش تصویر بٹھادی تھی کہ اسے اپنے خلاف کسی سازش کا شبہ تک نہیں ہوسکتا تھا۔ اگر اسے اس بریفنگ کے بغیر رہا کردیا جاتا تو وہ شدید ذہنی خلفشار میں مبتلا ہو کر ملک سے فرار تک ہوسکتا تھا۔ اس کی مکمل برین واشنگ کے بعد ہم دونوں کو یقین ہوگیا تھا کہ سخی مراد رہائی ملتے ہی پوری بے فکری سے اپنے معمولات میں مشغول ہوجائے گا اور اسے اس وقت تک سنگین خطرے کا ادراک نہیں ہوسکے گا جب تک راس المیڈا یا اس کا کوئی ہرکارہ اس کے سر پر مسلط ہوجائے۔

واپسی پر اول خان ٹیکسی لینے پر مُصر تھا کیونکہ اسے میری مستعار لی ہوئی گاڑی چھوڑنی تھی مگر میں نے زبردستی اسے اس کے گھر پہنچایا اور واپس گھر پہنچ گیا۔

وہاں تینوں بے چینی سے میرے منتظر تھے۔ وہ میرے اس غیر متوقع دورے کے محرکات اور نتائج جاننے کے خواہش مند تھے۔ اسی کے ساتھ ان کے پاس ایک اہم اطلاع بھی تھی کہ میجر غوث بہت شدت سے مجھے اور اول خان کو تلاش کررہا تھا۔ میرے گھر پہنچنے سے پہلے اول خان کا فون آیا تھا۔ وہ یہی خبر دے رہا تھا کہ میجر غوث نے ہم دونوں کی تلاش میں اس کے گھر کئی فون مرتبہ فون کیا تھا۔

فریڈم لاج کا پورا قضیہ باضابطہ طور پر میجر غوث کے سپرد کیا جا چکا تھا۔ اس عمارت سے گرفتار کیے جانے والے قیدی بھی اسی کی تحویل میں تھے۔ میں نے اس کے پیغام سے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا کہ فریڈم لاج والے قصے میں کوئی ایسی الجھن پیدا ہوگئی تھی جسے سمجھنا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔

وہ تینوں میری جان کو جونک بنے ہوئے تھے اور یہ جاننے پر مُصر تھے کہ میں سخی مراد کی طرف کیوں گیا ہوا تھا۔ میں نے اول خان سے بات کرنے کے لئے تین مرتبہ فون کا ریسیور اٹھایا لیکن تینوں مرتبہ ویرا کریڈل دبا کر بیٹھ گئی۔ اس کا مطالبہ تھا کہ کسی بھی دوسری مصروفیت سے پہلے اسے مطلوبہ معلومات فراہم کی جائیں۔

اس مضحکہ خیز صورتِ حال پر مجھے بہت غصہ آیا۔ میں کہیں بھاگا نہیں جارہا تھا لیکن اس وقت ویرا کی سربراہی میں وہ تینوں یک زبان ہوچکے تھے۔ میں نے جھلاتے ہوئے لہجے میں صرف تین فقروں میں ان کا مطالبہ پورا کردیا اور پھر پھاڑ کھانے والی نظروں سے ویرا کو گھورنے لگا۔

"تم اسے صرف یہ بتانے کے لئے گئے تھے کہ فی الحال تم راس المیڈا کو بھول چکے ہو' اسے رہا کررہے ہو اور اسے کسی طرح فکر مند نہیں ہونا چاہیے...... آخر تمہیں اس پیغام رسانی کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟" ویرا نے میرے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اپنی یہ بے ہودہ جرح تم بعد میں بھی کرسکتی ہو۔ پہلے مجھے

اول خان سے بات کرنے دو۔ جرح کا سلسلہ چل پڑا تو بات میں سے بات نکلتی چلی آئے گی۔" میں نے غصے سے کہا۔

ویرا ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے بولی "تم میری جرح سے بچنا چاہتے ہو تو فی الحال صرف اتنا ہی بتا دو کہ پہلے مرغی پیدا ہوئی یا انڈا وجود میں آیا تھا۔"

صاف ظاہر ہے کہ وہ اس وقت مجھے سلگانے پر تُلی ہوئی تھی۔ میں برہمی یا بے زاری کا اظہار کر کے اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا کیونکہ اسے غزالہ اور سلطان شاہ کی حمایت بھی حاصل تھی۔ میں نے دل پر جبر کر کے ہنستے ہوئے کہا "پہلے انڈا دیتی ہوئی مرغی وجود میں آئی تھی۔ ہوا لگنے سے انڈے کا چھلکا سخت ہوتے ہی مرغی اس پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔۔۔ بالکل اسی طرح جیسے اس وقت تم کریڈل پر قابض ہو اور پھر پولٹری فارمنگ کا سلسلہ چل نکلا اور سیکڑوں کے وارے نیارے ہو گئے۔"

ویرا کو شاید مجھ سے ایسی بے باکی کی توقع نہیں تھی۔ میرے جواب پر حیرت سے اس کا دہانہ کھل گیا۔ میں نے فون کا ریسیور اٹھایا تو اس بار وہ کریڈل دبانا بھول گئی اور میں نے اول خان کا نمبر ملا لیا۔

اول خان کی آواز سنتے ہی میں پوچھ بیٹھا "بڑے بھائی! کیا تم انڈے اور مرغی کے قصے پر روشنی ڈال سکتے ہو؟ ان دونوں میں سے پہلے کون وجود میں آیا تھا؟"

"کیا بک رہے ہو؟" میرے کانوں میں اول خان کی جھلائی ہوئی آواز آئی۔ "میجر غوث ہم دونوں سے بات کرنے کے لئے مرا جا رہا ہے اور اب اس کا فون مسلسل مصروف ہے۔ ایسے میں تم کو انڈے اور مرغی کی سوجھ رہی ہے۔ تم نے اس کا نمبر ملانے کی کوئی کوشش کی تھی؟"

"اس وقت وہ بھی کڑک...... مم.... میرا مطلب ہے کہ شاید مصروف ہے۔ یہ میرا نہیں، ویرا خانم کا سوال ہے جو میں نے تم سے پوچھا ہے ورنہ میں خود بھی میجر غوث کے بارے میں جاننا چاہ رہا ہوں۔"

"تم فون بند کر دو۔" اول خان نے اسی جھونک میں کہا "میں اس کا نمبر ملا رہا ہوں۔ بات ہو گئی تو پھر تم سے رابطہ کروں گا۔ اس وقت تک تم اپنے انڈے بچوں سے نمٹنے کی کوشش کرو۔"

لائن کٹنے کی آواز کے ساتھ ہی فون پر ٹوں ٹوں کی اینگیج ٹون سنائی دینے لگی۔ میں نے ریسیور کو اپنے کان سے الگ کر کے غصے سے گھورا اور جھلا کر اسے کریڈل پر پٹخ دیا۔

"ایک نمبر پر تین انسٹرومنٹ ہونے کا یہی نقصان ہوتا ہے کہ آدمی فون سے کشتی لڑنی شروع کر دیتا ہے اور تینوں کو توڑے بغیر اعتدال پر نہیں آتا۔" سلطان شاہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"بیویوں سے ڈرنے والے عام طور پر گھر کی چیزوں پر ہی غصہ اتارتے ہیں۔" ویرا نے پُرتشویش آواز میں کہا "پتا نہیں کہ فون کے بعد کس چیز کی باری آئے گی۔"

"اپنے جھگڑے میں مجھے نہ گھسیٹو!" غزالہ نے فوراً ہی احتجاج کیا "میں کسی کو نہیں ڈراتی۔"

پتا نہیں میرے پہنچنے سے پہلے وہ تینوں کس رنگ میں تھے کہ اس وقت اچانک ہی میرے خلاف متحدہ محاذ بنا بیٹھے تھے۔ میں بھنّا کر وہاں سے اٹھا اور اپنی خواب گاہ میں پہنچ کر مسہری پر گر گیا۔

وہ تینوں ابتدا ہی سے میرے ساتھ بے تکلفی کے باوجود ادب و احترام کا خصوصی برتاؤ کیا کرتے تھے۔ آپس کی ہلکی پھلکی چوٹوں میں بھی یہ احترام جھلکتا رہتا تھا لیکن کچھ دنوں سے مجھے محسوس ہونے لگا تھا کہ ویرا میرے ساتھ کبھی کبھی بہت جارحانہ رویّہ اختیار کر لیتی تھی اور سلطان شاہ کچھ سمجھے بوجھے بغیر اس کا ساتھ دینے لگتا تھا جبکہ غزالہ منہ سے کچھ نہ کہنے کے باوجود ایسے مواقع پر خود کو الگ تھلگ رکھ کر یہ ظاہر کر دیتی تھی کہ وہ اس قسم کی بے لحاظی کو پسند نہیں کرتی تھی۔ میں خاصی دیر تک یہی سوچ کر اپنا خون سلگاتا اور سگریٹ پھونکتا رہا۔ میرے پیچ و تاب کا یہ سلسلہ اس وقت موقوف ہوا جب فون کی گھنٹی چیخنے لگی۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ویرا ڈرائنگ روم والے انسٹرومنٹ کے ذریعے مداخلت نہ کرے لیکن میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ دوسری طرف مجھے صرف اول خان کی آواز سنائی دی تھی۔

"میجر غوث نے ایک چونکا دینے والی خبر سنائی ہے۔" ابتدائی رسمی کلمات کے بعد اس نے بتایا۔ "ابھی ابھی میں فون پر اس سے طویل گفتگو کر کے فارغ ہوا ہوں۔"

"موجودہ حالات میں شاید ہمیں ایک ہی خبر چونکا سکتی ہے کہ فریڈم لاج سے گرفتار ہونے والوں میں راس المیڈا بھی موجود ہے۔" میں نے اپنا ذہن صاف کرتے ہوئے، خوش دلی سے کہا۔

"فریڈم لاج سے پکڑے جانے والوں میں ایک امریکن عورت بھی ہے۔ ابتدا میں اس نے اپنا نام کچھ اور بتایا تھا۔ اسے دوسرے قیدیوں کے ساتھ لاشوں کی شناخت کے لئے لے جایا گیا تو ریمی مارٹن کی لاش دیکھتے ہی صدمے سے اس کی حالت غیر ہو گئی اور وہ لاش سے لپٹ کر بری طرح رونے لگی۔ بعد میں اس نے بتایا کہ اس کا اصل نام ایلس گومز ہے اور وہ ریمی مارٹن کی بیوی ہے۔ میجر نے ابھی تک اسے یہ نہیں بتایا کہ راس المیڈا پہچان لیا گیا ہے۔"

"مغرب میں ناموں کا جو طریقہ رائج ہے، اس سے تم بھی اچھی طرح واقف ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ریمی مارٹن کی بیوی کے نام کا آخری حصہ مارٹن کے سوا کچھ اور ہو؟"

اول خان کی ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی پھر اس نے کہا "تمہارا اعتراض درست ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کے شوہر نے پاکستان میں کام کرنے کے لئے ریمی مارٹن کا فرضی نام اختیار کیا تھا۔ اس کا

اصل نام بوب کومز ہے۔ اسی نے پاکستان میں فریڈم لاج کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ لوگ یہاں شی کے لئے کام کررہے تھے اور اس کا شوہر ایک سازش کے تحت بین الاقوامی مجرموں کی رسّا کشی کی بھینٹ چڑھایا گیا ہے۔"

"اگر اس عورت کا ذہنی توازن درست ہے تو اس کی کہانی واقعی سنسنی خیز ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "حیرت کی بات ہے کہ شی کا یہ یونٹ تین برس سے کراچی میں فعّال ہے اور ویرا بھی اس کے وجود سے بے خبر ہے۔ کیا دوسرے قیدیوں میں سے کسی نے ایلس کی کہانی کی تصدیق کی ہے؟"

"نہیں، وہ سب نچلی سطح کے کارکن اور محافظ ہیں۔ وہ ایلس کو مس ہاروے کے نام سے جانتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایلس کی باتوں کی تصدیق کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔"

"معاملہ دلچسپ اور اہم نظر آتا ہے۔ ایلس سے مل کر ہی کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا۔ اس نے اپنے بیان میں شی کے بارے میں عجیب و غریب باتیں بتائی ہیں جو میجر غوث کے پلّے نہیں پڑ سکیں اسی لئے وہ ہم لوگوں کی تلاش میں تھا لیکن اس وقت وہ ہمیں اپنے دفاتر سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ ہم ایلس سے ملنے کے لئے وہاں گئے تو دشواریاں پیدا ہوسکتی ہیں۔"

"کیسی دشواریاں؟ مسلّہ مجرموں کے خلاف کام کرتے ہوئے ہمیں کیا پریشانی ہے؟"

"کراچی میں تھوڑا سا بھی اثر و رسوخ رکھنے والے ہر شہری کو فریڈم لاج کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہوچکا ہے اور ہر شخص خبریں اڑانے کے لئے ملٹری سیکرٹ سروس پر نظریں جمائے بیٹھا ہے۔ دوسری طرف کچھ امریکن شہریوں کی گرفتاری کے حوالے سے امریکن قونصل خانہ بھی حرکت میں آچکا ہے۔ وہ شہری حکام سے یہ جاننے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں کہ ان کے کتنے شہری کن الزامات میں پکڑے گئے ہیں۔"

"پھر میجر غوث ہم سے کیا چاہتا ہے؟" میں نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"میری تجویز پر اس نے یہ بات مان لی کہ وہ اپنے ریکارڈ میں مس ہاروے یا مسز ایلس کومز کی گرفتاری کا سرے سے اندراج نہ کرے اور اسے اسپیشل ٹاسک فورس کے حوالے کردے۔ ضرورت محسوس ہوئی تو بعد میں کسی بھی وقت اس کی گرفتاری ظاہر کی جاسکے گی۔"

"پھر کیا مسئلہ ہے؟ اسے اسٹیشن فور لے آؤ۔ اس سے دو بہ دو باتیں کرکے سب کچھ معلوم کرلیا جائے گا۔ تم نے ابھی تک جو کچھ بتایا ہے، اس میں دو باتیں بری طرح میرے ذہن میں چبھ رہی ہیں۔"

"میرے ذہن میں بھی بے شمار سوالات ہیں مگر میجر غوث ان کے جواب نہیں دے سکا۔ ویسے تم کیا سوچ رہے ہو؟ ہمیں ایک دوسرے کی الجھنوں سے پوری طرح باخبر رہنا چاہئے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ راس المیڈا نے کل رات ہی قونصل خانے والوں کو فریڈم لاج کے زوال کی خبر دے دی ہوگی۔ انہیں معلوم ہے کہ وہاں کون کون تھا پھر وہ تفصیلات جاننے کے لئے اتنے مضطرب کیوں ہیں؟"

"یہ سامنے کی بات ہے۔ راس المیڈا سے ملنے والی خبر اطلاعات کو وہ کہیں استعمال نہیں کرسکتے۔ وہ جلد از جلد ساری تفصیلات حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کے جو آدمی زندہ ہیں زندہ ہی رہیں۔ ہمارے بارے میں منظم پیمانے پر یہ خبریں پھیلائی جاتی ہیں کہ ہماری زیر تفتیش قیدی تشدد کی تاب نہ لاکر حراست میں مرجاتے ہیں اور پھر ریکارڈ بدل دیا جاتا ہے کہ وہ مردہ حالت میں ہاتھ لگے تھے۔ ان افواہوں کو مدِنظر رکھا جائے تو ان کی تشویش اور بھاگ دوڑ کا جواز مل جاتا ہے اور دوسری بات کیا ہے؟"

"راس المیڈا گھر کا بھیدی تھا۔ اگر ایلس اتنی اہم عورت تھی تو اس نے اسے زندہ کیوں چھوڑا؟ آخری لمحات پر وہ دو سفید فام اور ایک مقامی کے ساتھ ایلس کو بھی چھت پر بلا کر گولی مار سکتا تھا۔ اس نے فرار ہوتے ہوئے بھی ہر اہم گواہ کو ختم کرنے کا پورا پورا اہتمام کیا تھا۔"

"تمہاری یہ بات واقعی قابلِ غور ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا اور کہا "ایلس کی ساری کہانی شی کے گرد گھومتی ہے اس معاملے میں ہمیں ویرا سے بہت مدد مل سکتی ہے۔ ہوسکتا ہے وہی ایلس کے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ کردے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن فی الحال میں اسے زیادہ منہ نہیں لگاؤں گا۔" میں نے ہلکی سی تلخی سے کہا "ابھی اس نے میرے ساتھ خاصی بدتمیزی کی ہے۔ میں اسے تھوڑی سی سزا دینا چاہتا ہوں۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ کب شیر و شکر ہوتے ہو اور کب ایک دوسرے سے خفا ہوجاتے ہو۔ میرے جانے تک سب ٹھیک ٹھاک تھا۔ تم شاید تھوڑی ہی دیر پہلے گھر پہنچے ہو۔ اس ذرا دیر میں کیا ہوگیا؟"

"اینڈا" میں نے ایک گہرا سانس لے کے کہا۔ "میں نے اسے بلاوجہ ہی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ بے سروپا بات ویرا ہی نے چھیڑی تھی۔ جب وہ کسی کو چڑانے پر تُل جاتی ہے تو اس کی ہڈیوں تک سلگا کر رکھ دیتی ہے لیکن تم فکر مت کرو۔ ایک آدھ روز میں سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

"پھر اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟" چند ثانیوں کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"ایلس اسٹیشن فور پہنچ جائے تو وہیں پہنچنا پڑے گا۔" میں نے بلا توقف جواب دیا۔ "اگر وہ عورت ہمیں چکر دینے کے لئے جھوٹ بول رہی ہے تو اسے سوچنے کی مہلت دیے بغیر اس پر سوالات کی یلغار کرنی ہوگی تاکہ اسے اپنی کہانی کے جھول دور

کا موقع نہ مل سکے۔ وہ وہاں کب پہنچے گی؟"
"میجر غوث کے رضامند ہوتے ہی میں نے ہدایات جاری کردی تھیں۔ اسے اگلے دو گھنٹے میں اسٹیشن فور پر ہونا چاہئے۔" اس نے پورے وثوق سے کہا۔ "مگر یہ سمجھ لو کہ وہاں تمہاری پوری رات کالی ہو جائے گی۔"
"اگر یہ کسی فلم کے مکالمے ہوتے تو میں یہاں ضرور یہ جذباتی فقرہ ادا کرتا کہ ہماری راتیں کالی ہونے سے اگر ہمارے کروڑوں ہم وطنوں کو سکون و عافیت کی گہری نیند میسر آسکتی ہے تو ہم اپنی ہر رات کا سکھ کھونے پر تیار ہیں۔" میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کے کہا اور اول خان بھی میری ہنسی میں شریک ہو گیا۔
"میں نہانے جا رہا ہوں۔ آدھے گھنٹے میں کھانا مل جانا چاہئے۔" میں نے کچن کے دروازے پر رک کر خشک لہجے میں کہا تو غزالہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں حیرانی تیر رہی تھی۔
"کیا بات ہے؟" اس نے رسانیت سے پوچھا۔ "کیا آپ مجھ سے کچھ ناراض ہیں؟"
مجھے غزالہ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو میرا موڈ بھی خاصا خوشگوار تھا مگر میں نے ویرا اور سلطان شاہ کو اپنی برہمی کا احساس دلانے کے لئے اپنے چہرے کے تاثرات بگاڑ لئے تھے مگر غزالہ کے سہمے سہمے سے سوال نے نہ جانے مجھ پر کیا اثر کیا کہ اسے کوئی جواب دیئے بغیر اپنی خواب گاہ کی طرف چل دیا۔ مڑے بغیر مجھے احساس ہو گیا تھا کہ وہ میرے رویئے سے فکرمند ہو کر' اپنے کام کو ادھورا چھوڑ کر میرے پیچھے آرہی تھی۔
مجھ پر یک بہ یک غزالہ سے ہلکی سی لڑائی لڑنے کا خبط سوار ہو چکا تھا۔ دل ہی دل میں مجھے اچھی طرح احساس تھا کہ میرا وہ خبط باشوق قطعی غلط اور غیر منصفانہ تھا لیکن بس تھا اور میں اسے پورا کرنے کا ارادہ بھی رکھتا تھا۔
میاں بیوی میں مفاہمت اور ذہنی ہم آہنگی ہو تو یہ رشتہ بڑی نرم و نازک لطافتوں کا امین بن جاتا ہے۔ لڑنے کے اصول ہوتے ہیں نہ چاہت کا کوئی ضابطہ۔ پورا گھر الٹ جائے تو پیشانی پر کوئی شکن نہیں آتی' کبھی ایک تنکا سرک جانے پر فساد برپا ہو جاتا ہے۔
بے زاری یا انانیت کی کوئی لہر ذہن پر سوار ہو تو سولہ سنگار میں لپٹی ہوئی بیوی بھی دل کو مائل نہیں کرتی مگر جب دل کے نرم گوشوں میں ہلکی ہلکی سی گدگدی ہو رہی ہو تو ہر زیبائش اور بناوٹ سے محروم' اپنے فطری انداز میں بے پروائی سے سوئی یا ٹہلتی ہوئی بیوی حسینہ عالم نظر آنے لگتی ہے اور مرد اپنی انا کو بالائے طاق رکھ کر اپنا دل اس محبوب ہستی کے قدموں میں رکھ دیتا ہے۔
میں اندر داخل ہو کر دروازہ بند کرنے کے لئے پلٹا تو غزالہ کا نرم اور حرارت آگیں وجود میرے بدن سے ٹکرایا۔ میری اور اس کی نگاہیں چار ہوئیں۔ اس کی جھیل جیسی گہری اور سیاہ آنکھوں میں اداسی کے ساتھ ہلکی سی نمی بھی تیر رہی تھی۔ ان نگاہوں میں قیامت کا ایک خاموش شکوہ پنہاں تھا۔
غزالہ نے میرے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر بائیں ہاتھ سے ادھ کھلا دروازہ بند کر دیا اور لرزتی ہوئی آواز میں ہولے سے بولی۔ "آپ مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔"
غزالہ میرے لئے کوئی اجنبی دوشیزہ نہیں تھی لیکن اس کے اچانک ہی آٹکرانے کی وجہ سے میں خاصا بوکھلا گیا تھا۔ اس کے وجود کی حرارت ایک سرور بن کر میرے ذہن پر سوار ہو گئی۔ میرا لڑنے کا ارادہ متزلزل ہو گیا مگر پھر بھی میں نے قدرے سختی سے کہا۔
"غصہ اسی بات کا ہے کہ تم نے کچھ نہیں کیا۔" میرے پُرفتور ذہن نے اس کی وضاحت میں سے لڑنے کا ایک نکتہ نکال لیا۔ "ویرا نے مجھ سے بدتمیزی کی اور تم تماشا دیکھتی رہیں۔"
اس کی آنکھوں سے دو شفاف موتی بے چین ہو کر اس کے گلابی رخساروں پر ڈھلک آئے اور وہ تقریباً رُندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں آپ دونوں کے درمیان کبھی بھی کچھ نہیں بولتی...... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں بیوی ہو کر بھی بس تماشا دیکھتی رہتی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے کرب آلود انداز میں اتنی زور سے اپنی آنکھیں بھینچیں کہ اس کے اوپر اور نیچے کی پلکیں یک جان ہو گئیں اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایک ہلکی سی لڑی بہہ کر نیچے قالین میں معدوم ہو گئی۔ یک بہ یک مجھے محسوس ہوا کہ اس وقت غزالہ کے ساتھ میرا سلوک سنگین اور بے رحمانہ ہو گیا تھا۔ میں نے اضطراری حالت میں اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ اس کے لب خاموش تھے لیکن اس کا سراپا پیکر اندر ہی اندر' ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ میری مضبوط گرفت میں آتے ہی اس نے اپنا سارا بوجھ میرے اوپر ڈال دیا۔

O☆O

میں نے اپنی گاڑی اول خان کے گھر چھوڑ دی تھی اور اس وقت اس کی جیپ میں اسٹیشن فور کی طرف جانے والے راستوں پر رواں تھا۔ اول خان اسٹیئرنگ وہیل میرے حوالے کر کے پسنجر سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔
"تمہاری ویرا سے صلح ہو گئی یا ابھی تک لڑائی چل رہی ہے؟" حسن اسکوائر کے ٹریفک سگنل سے آگے نکلنے کے بعد اول خان نے سرسری لہجے میں مجھ سے پوچھا۔
"اس سے صلح کیا ہوتی' غزالہ سے سنگین بلوہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔" میں نے اپنے رگ و پے میں گزرے ہوئے نشاط آور لمحوں کا سرور محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "غزالہ صلح جو ہے اس لئے لڑائی ٹل گئی ورنہ ویرا نے آج اپنے چند ہی فقروں سے میرے دماغ پر سنک سوار کر دی تھی۔"
"طویلے کی بلا بندر کے سر نہ ڈالا کرو۔" اول خان نے تہدیدی لہجے میں کہا۔ "میں غزالہ کا ہم عمر ہوں' نہ اتنا بڑا کہ اسے اپنی بیٹی کہہ سکوں مگر میں تمہیں اتنا ضرور بتانا چاہوں گا کہ وہ

اپنائیت کو ترسی ہوئی ایک قابلِ قدر لڑکی ہے۔ تم خوش نصیب ہو کہ ڈون کو انگ فونے زبردستی اسے تمہاری شریکِ حیات بنوا دیا۔ اس کا خیال رکھا کرو۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ اتنی حساس اور خوددار طبیعت کی مالک ہے کہ تمہاری بے وفائی کو شاید اپنا نصیب سمجھ کر برداشت کرلے مگر تمہاری بے اعتنائی نہیں سہہ سکے گی۔۔۔۔ میرا خیال ہے کہ میں نے بہت آسان اردو میں اپنی بات واضح کردی ہے۔ بے وفا کھونٹے سے بندھا ہوا وہ شخص ہوتا ہے جس کی رسّی ڈھیلی بلکہ دراز ہوتی ہے۔ وہ دن بھر جہاں بھی منہ مارتا رہے مگر شام کا دھندلکا پھیلتے ہی اپنے کھونٹے کے پاس آبیٹھتا ہے لیکن بے اعتنا وہ ہوتا ہے جو کھونٹے پر قابض ہونے کے باوجود خود کو کسی چھوٹی بڑی رسّی کا پابند نہیں سمجھتا اور جب چاہتا ہے' اپنا کھونٹا بدل لیتا ہے۔"

"بس! اب آگے نہ بولنا ورنہ سنسر کی زد میں آجاؤ گے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "مجھے گھریلو زندگی کی ان نزاکتوں کا پورا پورا احساس ہے۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ غزالہ سے لڑتے لڑتے میں پگھل گیا۔ اس نے عجیب طبیعت پائی ہے' بالکل پانی کی طرح ہے اور پانی میں کس نے آگ لگتی دیکھی ہے۔"

"یہ نہ کہو" اول خان نے چیلنج کرنے والے لہجے میں کہا۔ "جلتے ہوئے تیل کی چھینٹیں چند لمحوں کے لئے پانی میں بھی آگ بھڑکا دیتی ہیں اور عیال دار کی زندگی میں کبھی کبھی وہ چند لمحے ہی زندگی بھر کا عذاب بن جاتے ہیں۔"

اول خان کی بات ذومعنی اور فکر انگیز تھی۔ میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ شادی سے پہلے مجھے یہ تجربہ ہوچکا تھا کہ غزالہ میری کسی بات پر روٹھ کر ایسی غائب ہوئی تھی کہ میں جب بھی اسے ڈھونڈ کر اُس کے قریب پہنچا' وہ میرا سامنا کئے بغیر سرعت سے کہیں اور روپوش ہوگئی۔ وہ بہت حساس اور رومانوی طبیعت کی مالک تھی۔ ایسے لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سنگین جذباتی صدمے سے دوچار ہونے کی صورت میں کیا کرگزریں گے۔

راشد منہاس روڈ کا پل عبور کرنے کے بعد ٹریفک کی رفتار یک لخت سست ہوگئی۔ آگے بڑھنے پر پتا چلا کہ پولیس کی دو گاڑیوں نے راستہ اس طرح مسدود کیا ہوا تھا کہ پورا ٹریفک وہاں سے صرف ایک قطار کی صورت میں گزر سکتا تھا۔ راستے کے دونوں اطراف میں کھڑے ہوئے سپاہی متعدد گاڑیوں کو تفصیلی دیکھ بھال کے لئے ٹریفک کی روانی سے الگ کرکے کنارے سے روک رہے تھے جہاں پولیس کی بھاری نفری گاڑیوں اور کاغذات کی دیکھ بھال کررہی تھی۔

آج کل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن اُن دنوں اسپیشل ٹاسک فورس کی گاڑیوں پر عام شہری نمبر پلیٹ ہوتی تھی اور کوئی بھی عام آدمی ان گاڑیوں کو شناخت نہیں کرسکتا تھا البتہ گھاگ نظریں ان گاڑیوں کی سج دھج اور ساخت سے اندازہ لگاسکتی تھیں کہ وہ عام گاڑیاں نہیں تھیں۔

"معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں کوئی بڑی واردات ہوگئی ہے۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "بڑی تعداد میں گاڑیاں قطار سے الگ کی جارہی ہیں۔ اندازہ ہورہا ہے کہ ہمیں بھی روکا جائے گا۔"

"کل شہر میں ہڑتال ہے۔ یہ تلاشیاں اسی کا پیشگی خمیازہ ہیں۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کے کہا۔ "کوئی بھی حکومت ضد پر اتر آئے تو ریاستی قوت سے پنجہ آزمائی کرنے والوں کو تھوڑی سی مدت کے لئے ناک چنے چبوا دیتی ہے اور پھر حالات اپنی پرانی ڈگر پر چلنے لگتے ہیں۔"

"جو کچھ ہورہا ہے' اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے اسے کریدا۔

"کچھ بھی نہیں؟" اس نے بے دلی سے جواب دیا۔ "یہ سب سیاسی باتیں ہیں اور سیاست ہمارا شعبہ نہیں ہے۔ میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہمارے سسٹم میں بے شمار خرابیاں ہیں۔ ایسے ایسے بھیانک جھول ہیں کہ سخی مراد جیسے سفاک اور خود غرض درندے قومی رہنماؤں کی صف میں داد و تحسین کے ڈونگرے وصول کرتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن سسٹم کی تبدیلی ہمارا کام نہیں ہے۔ اسپیشل ٹاسک فورس کے ہرادنیٰ اور اعلیٰ اہل کار کو ملک میں رائج سسٹم میں رہ کر کام کرنے کی تنخواہ دی جاتی ہے۔ ہم اپنی حدود سے تجاوز نہیں کرسکتے۔"

ہماری گاڑی پولیس والوں کے چھوڑے ہوئے تنگ راستے سے گزر گئی' کسی نے بھی ہمیں روکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ شاید ایس ٹی ایف کا جلال کسی واضح علامت کے بغیر اس جیپ سے عیاں ہورہا تھا۔

"اسپیشل ٹاسک فورس کے ملازم ہونے کے ساتھ ساتھ تم ایک عام شہری بھی تو ہو۔" رکاوٹوں سے گزر جانے کے بعد میں نے جیپ کی رفتار بڑھاتے ہوئے اول خان کو چھیڑا۔

"ایس ٹی ایف کی ملازمت ایک نظریاتی نوکری ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہم پر کوئی قاعدہ یا قانون لاگو نہیں ہوتا۔ ہم ہر کام اپنی ایمان دارانہ صوابدید پر کرتے ہیں۔ جسے حق پر سمجھتے ہیں' اسے پوری قوت سے تحفظ فراہم کرتے ہیں جو ملک اور قوم کا دشمن یا غدار نظر آتا ہے' اسے سرد مہری سے موت کی بھیانک وادیوں میں دھکیل دیتے ہیں۔ ہماری لغزشوں پر کوئی سزا دی جاتی ہے' نہ بہترین کارکردگی پر کوئی انعام ملتا ہے کیونکہ ہمارے بارے میں یہ یقین کیا جاتا ہے کہ ہماری نیتیں صاف ہوتی ہیں۔ ہماری غلطی بھی نیک نیتی کی مرہونِ منت ہوتی ہے' اس میں ذاتی بغض و عناد کا کوئی عنصر نہیں ہوتا۔ ایسی نظریاتی نوکری اختیار کرتے ہی ہر اہل کار کو اپنی انفرادیت قربان کرنی پڑجاتی ہے۔ ملازمت کے معاہدے پر دستخط کرتے ہی ہم عام شہری نہیں رہتے۔ سوتے اور جاگتے ہوئے ہر وقت اسپیشل ٹاسک فورس کے ملازم ہوتے ہیں۔ اگر اسپیشل ٹاسک فورس کے کارکنوں میں کام کرنے کی یہ روح موجود نہ ہو

...دن بھی کام نہیں کرسکتے۔ میرے ایک سپاہی نے ایک مشن
...میں نفری کی کمی ہونے کی وجہ سے اپنی ماں کے جنازے میں
...نہیں کی کیونکہ اس کے لئے مشن زیادہ مقدس اور اہم تھا۔
...کل کے ماحول میں تم کسی عام شہری سے اتنے عظیم ایثار کی توقع
...کرتے ہو؟ میں سنتا ہوں کہ تنخواہ دار طبقے کے بہت سے لوگ
...صرف اس بنیاد پر کئی کئی دن کی چھٹی کرلیتے ہیں کہ ان کی بیوی کے
...بچے کی ولادت ہوئی ہے۔ زچگی کا کرب عورت سہتی ہے لیکن
...یہاں مرد کے ڈھیلے ہوجاتے ہیں۔۔۔ تمہارے سوال پر مجھے حیرت
...ہوئی ہے۔ اچھی طرح سن لو کہ اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی بھی اہل
...کار عام شہری نہیں ہوتا۔"

"تمہاری تقریر طویل ضرور تھی مگر بے مزہ نہیں تھی۔" میں
...نے ہنستے ہوئے کہا۔ "وقت کے سمندر میں ڈوب کر کبھی کبھی میں
...تمہاری فورس کو قہر و جبروت کا ایک طوفانی ریلا سمجھنے لگتا ہوں۔
...تمہاری زبان سے گاہے گاہے ایس ٹی ایف کے مقاصد کی تجدید
...ہوتی ہے تو میرا حافظہ تازہ ہوجاتا ہے۔ شاید گاہے گاہے باز خواں
...ایں قصۂ پارینہ را والی بات ایسے ہی مواقع کے لئے شعر بند کی گئی
...ہے۔"

اس نے میری باتوں کو سراہتے ہوئے کہا۔ "اچھا مصرع ہے۔
...میرا خیال ہے کہ اچھا شعر کہنا بھی کوئی صحت مند بچہ جننے کی طرح
...مشکل اور کرب ناک کام ہوتا ہے۔"

میں اس کی دی ہوئی بونگی مثال پر بے ساختہ ہنستے ہوئے بولا۔
...شاعری کی صلاحیت خداداد ہوتی ہے۔ اچھے شاعر پر شعر نازل
...ہوتے ہیں تو بس ہوتے ہی چلے جاتے ہیں۔ دیرینہ قبض کے مریض
...کی طرح ناک منہ پھیلا کر جو لوگ کسی شعر کی تلاش میں مبتلا نظر
...آتے ہیں، وہ بے چارے شاعری کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔
...یہ مثال کسی اچھے اور فطری شاعر کے سامنے نہ دہرا دینا۔ وہ چند
...منٹ میں تمہاری ایک ایسی ہجو لکھے گا کہ تمہاری طبیعت صاف
...ہوجائے گی۔ شعر جننے والے شاعر دوسرے ہوتے ہیں جن کے
...ذہنوں پر ہر وقت اقلیدس کے مثلث، تکون، مربعے اور مستطیل
...ناچتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

"یہ سب زندگی گزارنے کے لطیف پیرائے ہیں جن سے ہم
...جیسے ترپھوڑ قسم کے لوگ ہمیشہ ناآشنا رہتے ہیں۔" اس نے سادگی
...سے کہا۔ "تمہاری زندگی تو بس سنگین حقیقتوں سے لڑتے ہوئے گزر
...جائے گی۔ اس میں جانو ماچھی، ملا سرکار، جمی لائیڈ اور جم کلارک
...جیسے زور آور عفریت کسی لطافت کو آنے ہی نہیں دیں گے۔"

"کئی دن سے تمہاری باتوں سے مایوسی جھلک رہی ہے جیسے تم
...کسی بھی چیز سے مطمئن نہ ہو اور نشتم پشتم اپنا وقت گزار رہے ہو۔
...کیا اس مایوسی اور بے زاری کا کوئی خاص سبب ہے؟" میں نے
...پوچھا۔

"کیا تم اپنے گرد و پیش سے مایوس اور بے زار نہیں؟" اس

نے فوراً ہی مجھ سے جوابی سوال کر ڈالا۔ "جب ہر طرف زوال ہی زوال نظر آرہا ہو تو کوئی خوش کیسے رہ سکتا ہے؟ ہم لوگ ان معنوں میں عام آدمی ہوتے ہیں کہ ہمیں اپنے فطری جذبوں پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ وہ خودرَو ہوتے ہیں۔ چھوئی موئی کے نرم و نازک پودے کی طرح حالات کے نرم و گرم تھپیڑوں سے کھلتے اور مرجھاتے رہتے ہیں۔"

بات دھیمے دھیمے سنجیدگی کا موڑ لیتی جارہی تھی۔ میں نے یک لخت خاموشی اختیار کرلی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ باتیں زیادہ دیر تک جاری رہیں تو اول خان اس قدر ملول اور افسردہ ہوجائے گا کہ پھر اسٹیشن فور پر ایلس سے باز پُرس میں گہری دلچسپی نہیں لے سکے گا۔

ہم سرہائی وے سے بائیں طرف کے کچے راستے پر مڑے تو میرے لئے گھور اندھیرے میں ہر سمت یکساں تھی۔ مجھے بس وہی راستہ نظر آرہا تھا جو ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی نے دور تک نمایاں کیا ہوا تھا مگر اول خان کی بات مختلف تھی۔ وہ اس علاقے کے چپّے چپّے سے واقف ہوچکا تھا۔ راستے میں اس نے تین مقامات پر گاڑی کی روشنیوں سے اشارے دیئے تاکہ اندھیرے میں چھپے ہوئے ایس ٹی ایف کے نگہبانوں کو بتاسکے کہ وہ ان کا دشمن نہیں، دوست تھا۔

معاً مجھے ایک پرانی بات یاد آگئی اور میں نے اول خان سے کہا۔ "خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہارا یہ ٹھکانا ہمارے ہر دشمن کی نگاہوں سے محفوظ ہے ورنہ راس المیڈا کے بارے میں ظاہر کئے ہوئے خدشات درست ثابت ہوسکتے تھے۔"

"کن خدشات کی بات کررہے ہو؟" اس کے لہجے سے گہرا تجسس جھلک رہا تھا۔

"زمین پر تمہارے محافظوں کا جال پھیلا ہوا ہے مگر فضائی راستہ ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے۔ راس المیڈا نے پہلے کے تائین منصوبے میں ایک ہلکا مال بردار طیارہ استعمال کیا پھر فریڈم لاج سے ہیلی کاپٹر میں فرار ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فضائی وسائل پر دسترس رکھتا ہے اور اس ویرانے میں بہت آسانی سے کوئی فضائی وار کرسکتا ہے؟"

"کاش، وہ ادھر کا رخ کرنے کی حماقت کرہی گزرے۔" اول خان کی آواز میں حسرت سمٹ آئی۔ "کل ہی ائرفورس والوں سے دو ہلکی اینٹی ائرکرافٹ گنیں مستعار لے کر یہاں نصب کی گئی ہیں۔ میرے ذہن میں کوئی خطرہ جنم لیتا ہے تو میں فوراً ہی اس کا تدارک کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ وہ ادھر آیا تو جلے ہوئے ملبے میں اس کی لاش پہچانی بھی نہیں جاسکے گی۔ میرے دونوں گنر ائرفورس ہی سے ریٹائر ہوکر آئے ہیں۔"

ہم اسٹیشن فور کی حدود میں داخل ہوئے تو رات کے ساڑھے بارہ بج چکے تھے اور وہاں رات اتری ہوئی تھی۔ بیرکوں میں کہیں کہیں ہلکی روشنی کے قمقمے جل رہے تھے لیکن بیشتر کمرے تاریک تھے البتہ اول خان کے دفتر والی بیرک میں کچھ چہل پہل نظر آرہی تھی۔

اول خان اپنے آدمیوں کے سلام قبول کرتا ہوا اپنے بجائے اس سے ملحق کمرے میں گھستا چلا گیا۔ دروازہ کھلا دراز سفید فام عورت ہڑبڑا کر اٹھی مگر چارپائی سے نیچے نہیں وہ پختہ عمر کی ایک دراز قامت اور حسین عورت تھی اسے الوداع کہہ رہی تھی لیکن اس کے چہرے پر ایسی باوقار پھیلی ہوئی تھی جس نے اس کے ڈھلتے ہوئے حسن کو لگادیئے تھے۔ اس کے بال قدرے بکھرے ہوئے تھے اور خاصی متورم تھیں جیسے وہ دیر تک روتی رہی ہو۔

"اب میں کہاں ہوں؟ کن لوگوں میں ہوں؟ خدا کے لئے کچھ بتاؤ ورنہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔" ہمیں ہی اس نے شستہ انگریزی میں بے بسی سے فریاد کرتے ہوئے کہا

"صبر اور سکون سے کام لو۔" اول خان نے وہاں موجود سنبھال کر بے پروائی سے کہا۔ "تمہارے اطمینان کے لئے کافی نہیں کہ تم ابھی تک زندہ ہو اور تقریباً چوبیس گھنٹے گزر کے باوجود کسی نے تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔ تم دیکھ چکی تمہارے پچھلے دوست ریمی مارٹن کو ہلاک کرچکے ہیں۔"

"مجھے صرف لاشیں دکھائی گئی ہیں.... یہ نہیں بتایا انہیں کس نے مارا ہے۔"

"رفتہ رفتہ تمہیں سب کچھ بتادیا جائے گا۔ فی الحال پُرسکون رکھنے کی کوشش کرو اور ہمارے سوالات کے جواب چلی جاؤ۔ تمہاری ادھوری کہانی ہم تک پہنچی ہے مگر بہتر ہوگا از سرِ نو گفتگو کا آغاز کریں۔" اول خان اس سے بہت نرمی بات کررہا تھا۔ اس اثنا میں، میں دوسری خالی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

"پہلے میں جہاں تھی، وہاں مجھے دوسرے قیدیوں کے رکھا گیا تھا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ "غنیمت یہاں مجھے الگ کمرا اور بستر دے دیا گیا ہے۔ تم شریف لوگ ہوتے ہو۔"

"فریڈم لاج سے پہلے تم اپنا تعارف کرادو تو بہتر ہے تم مس ہاروے کہلاتی تھیں لیکن اب تم اچانک ایلس گومز کی دعوے دار بن گئی ہو۔ اس میں کیا چکر ہے؟" میں نے راہ پر لاتے ہوئے پوچھا۔

"میرے شوہر کا اصل نام بوب گومز ہے بلکہ تھا۔" نظریں نیچی کرکے چند ثانیوں تک اپنی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت یکجا کیا پھر بولنے لگی۔ "وہ ڈیٹرائٹ میں گاڑیوں کے بنانے والی ایک بڑی فیکٹری کا مالک تھا۔ وہ فیکٹری اتنی مشہور تھی کہ صرف جنرل موٹرز کے لئے پرزے بناتی تھی۔ گومز نے جب اپنے سارے اثاثے سمیٹ کر پاکستان آنے کا کیا تو ہم دونوں نے خود کو پوشیدہ رکھنے کے لئے الگ الگ

اپنے کا ارادہ کرلیا۔ وہ بوب گومز سے ریکی مارٹن بن گیا اور میں
مسز ایلس گومز سے مس للی ہاروے بن گئی۔"
اول خان نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا پھر ایلس
سے پوچھا۔ "پاکستان آنے کے لئے تم دونوں کو اپنی شخصیات کو
بدلنے کا خیال کیوں آیا؟"
وہ ایک گہرا سانس لے کے بولی "یہ ایک لمبی کہانی ہے۔
ان دنوں ہمارے دلوں میں ہیروئن کے خلاف ایک مشنری جذبہ بھرا
ہوا تھا۔ ہم دونوں امریکا میں ہیروئن کی فراہمی کے خلاف کوئی قابل
قدر کام کرنا چاہتے تھے۔" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوئی جیسے اپنے
ابلتے ہوئے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کررہی ہو پھر اپنی بات
جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "فریڈم لاج کی بربادی اور بوب کے قتل
کے بعد میرے پاس کسی بات کو چھپائے رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہا
مجھے بتا دیا گیا ہے کہ تفتیش مکمل ہونے تک مجھے میرے ملک
کے سفارتی حکام سے نہیں ملنے دیا جائے گا۔ میں پہلے بھی بتا چکی
ہوں اور اب پھر بتا رہی ہوں کہ بوب اور جمی لائیڈ پرانے کلاس فیلو
تھے۔ بوب کو معلوم تھا کہ جمی لائیڈ امریکا میں بنائی گئی سوسائٹی فار
ہیروئن اراڈی کیشن کا طاقت ور سربراہ ہے۔ وہ دونوں ایک
دوسرے سے ملتے رہتے تھے۔ جمی لائیڈ ہمارے دکھ سے پوری طرح
واقف تھا۔ اسی نے بوب کے جذبے کو دیکھتے ہوئے اسے نام بدل کر
پاکستان آنے کا مشورہ دیا تھا۔"
ایلس کے انکشافات واقعی اہم اور سنسنی خیز تھے۔ ٹی کی
پوری تاریخ جانے بغیر کوئی اس کہانی پر بھرپور جرح کر ہی نہیں سکتا
تھا۔ اول خان نے اس سے اگلا سوال کیا۔ "نام بدلنے کے
مشورے سے بوب کو یہ خیال نہیں آیا کہ جمی لائیڈ اسے اپنی مجرمانہ
سازش میں ایک مہرے کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔"
"جمی لائیڈ نے پہلے ہی اسے ہر بات بتا دی تھی۔ وہ ایک
دوسرے کے مخلص دوست تھے اور دونوں ہی امریکا سے ہیروئن کا
نام و نشان مٹانے کا عزم لئے ہوئے تھے۔ جمی لائیڈ نے اسے بتایا تھا
کہ امریکا میں ہیروئن کی بیشتر مقدار پاکستان سے آتی ہے۔ یہ ہیروئن
افغانستان' پاکستان اور بھارت کے سرحدی علاقوں میں پیدا کی
جانے والی افیم سے تیار کی جاتی تھی مگر یورپ اور امریکا کے لیے
اس کی اسمگلنگ پاکستان سے ہوتی تھی۔ ڈیمانڈ اور سپلائی کے
معروف معاشی اصول پر عمل کرتے ہوئے امریکا کی نئی نسل میں
ہیروئن کی مانگ کو ختم کرنا ناممکن تھا اس لیے ٹی پاکستان میں
ہیروئن کو مقبول بنانے کے لئے ایک لمبے منصوبے پر کام کررہی
تھی۔" ایلس پوری وضاحت کے ساتھ اپنی کتھا سنا رہی تھی۔ "جمی
لائیڈ کا مشورہ تھا کہ اگر بوب اپنی عمر بھر کی کمائی ہیروئن کے خلاف
لگانے کا ارادہ کر ہی چکا ہے تو اسے اپنے اثاثوں کی پاکستان میں
سرمایہ کاری کرنی چاہئے جہاں ہر طرف کرپشن کا راج ہے۔ وہ سماجی
بہبود کے کسی بھی منصوبے کی آڑ لے کر پاکستان کی غریب آبادیوں

میں مفت ہیروئن تقسیم کرنا شروع کردے تو چند ہی برسوں میں صرف
پاکستان میں ہیروئن کی کھپت اتنی بڑھ جائے گی کہ ہم لوگ دوسرے
ملکوں سے پاکستان میں ہیروئن کھپا سکیں گے۔"
"جمی لائیڈ امریکا کا ایک مراعات یافتہ مجرم تھا۔" اول خان
نے تلخی سے کہا۔ "وہ صدر امریکا تک براہِ راست رسائی رکھتا تھا۔
اسے خطیر رقمیں مہیا کی جاتی تھیں۔ آخر بوب کے دماغ میں کیا
خلل آگیا تھا کہ وہ اپنی کامیاب زندگی کو تج کر اپنی ساری دولت
پاکستان کے خلاف لٹانے پر آمادہ ہوگیا تھا۔"
"یہی ہمارے دکھ' مصائب اور بربادی کی اصل داستان
ہے۔" ایلس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ٹیڈ گومز ہمارا اکلوتا بیٹا
تھا۔ گھریلو آزادیوں کی وجہ سے وہ سات سال کی عمر میں ہیروئن کا
عادی ہوگیا۔ ہمیں اس کے ایڈکشن کا علم ہوا تو پانی سر سے گزر چکا
تھا۔ بوب دیوانگی کے عالم میں اسے اپنے ساتھ لے کر دنیا بھر کی
خاک چھانتا رہا لیکن ٹیڈ کی لت نہیں چھوٹ سکی۔ اس کا نشہ ٹوٹتا تو
اس کا پورا بدن اکڑ کر کانپنے لگتا' آنکھوں کی پتلیاں اوپر چڑھ
جاتیں' بدن سے پسینے کی دھاریں بہنے لگتیں اور اکثر پتلے دست
شروع ہوجاتے۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر اس کے معالج تو کیا'
خود بوب کو اسے ہیروئن دینی پڑجاتی تھی۔ بوب کو ہیروئن سے شدید
نفرت تھی مگر اپنے ٹیڈ کے لیے وہ ہر وقت اس ہوش ربا سفوف سے
بھری ہوئی شیشی جیب میں لیے پھرتا تھا۔ ہماری محنت کسی کام نہیں
آسکی۔ گیارہ سال کی عمر میں ٹیڈ نے ہماری بانہوں میں سسک
سسک کر دم توڑ دیا۔ اس کی موت بہت بھیانک تھی۔ ہم نے اپنی
آنکھوں سے دیکھا تھا کہ ہیروئن معصوم انسانوں کو دھیرے دھیرے
کس طرح موت کی اندھی اور بے رحم وادیوں میں دھکیلتی ہے۔
ٹیڈ کو دفنانے کے بعد بوب کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہوگیا۔ وہ کہنے لگا
کہ بے جان موٹروں کے پرزے بنا بنا کر اس نے اپنی زندگی برباد کی
ہے۔ اسے زندہ انسانوں کے لیے کچھ کرنا چاہئے اگر وہ ایک انسان
کی زندگی بھی بچا لے تو سمجھے گا کہ اس نے اپنا مقصدِ حیات پالیا
ہے۔"
"گڈ!" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "اور اس طرح اس
نے امریکا میں بسنے والوں کی زندگیاں بچانے کے لیے پاکستان کے
انسانوں کو اس ہولناک وبا میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کرلیا ..... بڑا
سفاک تھا' تمہارا شوہر جو انسانوں میں صرف رنگ اور نسل کی بنیاد
پر اتنا گھناؤنا امتیاز برتتا تھا۔"
"یہ اس کی سوچ نہیں تھی' وہ بس ہیروئن کا دشمن تھا۔"
ایلس نے اپنی مدافعت کرتے ہوئے کہا۔ "اسے یہ سوچ جمی نے دی
تھی۔ وہ کہتا تھا کہ پاکستان اور افغانستان کے مشترکہ سرحدی
علاقوں میں افیم کی جڑیں تباہ کئے بغیر دنیا کو دردناک موت کے اس
عذاب سے نہیں بچایا جاسکتا اور پاکستان کے حکمراں یہ قدم اسی
وقت اٹھائیں گے' جب ان کی سرحدوں میں گھر گھر ہیروئن کا

آسیب ناچ رہا ہوگا۔"

"قدرت نے بوب کے قابلِ نفرت جرم کے خلاف اپنا فیصلہ صادر کردیا ہے۔" میں نے بے رحمی سے کہا۔ "تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی موت کے بعد شی میں شمولیت اختیار کی تھی۔"

"میں نے یہ نہیں کہا... ہم کبھی بھی شی میں شامل نہیں ہوئے۔ بوب کے اثاثے کئی ملین ڈالر مالیت کے تھے۔ وہ یہ سب جمی لائیڈ کو سونپ دینا چاہتا تھا مگر جمی لائیڈ نے اسے روک دیا۔ شی کو خطیر سرکاری گرانٹ ملتی تھی۔ جمی لائیڈ اسے ایمان داری سے ان ہی مقاصد پر خرچ کرتا تھا جن کے لیے شی بنائی گئی تھی۔ لیکن زیرِ زمین دنیا کے بعض بے تاج بادشاہ اس رقم پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ وہ جمی لائیڈ کو اپنے ساتھ ملا کر یا اسے راہ سے ہٹا کر ساری گرانٹ کھا جانا چاہتے تھے۔ جمی لائیڈ نے بوب سے کہا کہ اس نے اپنا سرمایہ شی میں لگایا تو وہ کسی بھی وقت ڈوب جائے گا۔ پھر اس نے بوب کو پاکستان آکر مشن چلانے کا ایک منصوبہ دیا۔ بوب، جمی لائیڈ سے مشورے ضرور لیتا تھا لیکن وہ فریڈم لاج کا مالک و مختار تھا۔ پچھلے تین سالوں میں اس نے بڑی عرق ریزی سے کام کرتے ہوئے یہاں کروڑوں روپے خرچ کیے ہیں۔"

مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اندر کی بہت سی باتیں جانتی تھی۔ میرے لیے یہ ایک چونکا دینے والا انکشاف تھا کہ امریکا میں بھی کوئی لابی جمی لائیڈ کے خلاف کام کررہی تھی۔ ایلس کے سینے میں چھپے ہوئے وہ تمام راز نرمی سے ہی اگلوائے جاسکتے تھے۔ ہمارے سخت سوالات اور تبصروں سے وہ کسی بھی لمحے بھڑک کر خاموشی اختیار کرسکتی تھی۔

"یہاں شی کے کارندے تمہاری مدد تو کرتے ہوں گے؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"بالکل نہیں" اس نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ "جمی لائیڈ کو یہاں بغاوت کا سامنا تھا۔ حالات قابو میں آنے تک اس نے بوب کو بالکل الگ تھلگ رہ کر کام کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر مناسب وقت آنے سے پہلے ہی جمی لائیڈ کو واشنگٹن میں گولی مار کر ہلاک کردیا گیا۔ اس کے مخالف آخر کار صدر کو اپنا ہم نوا بنانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔"

"یعنی امریکا کے صدر نے جمی لائیڈ کے مخالفوں سے گٹھ جوڑ کرکے انہیں شی کی سرکاری امداد کھانے کی کھلی چھوٹ دے دی اور جمی لائیڈ کو مروادیا؟" میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

"ہوسکتا ہے کہ سب کچھ بالکل اسی طرح نہ ہوا ہو مگر جمی لائیڈ کے جانشین کی نامزدگی نے ثابت کردیا کہ وائٹ ہاؤس کی سوچ میں کوئی ایسی ہی تبدیلی آئی تھی۔ جمی لائیڈ نے اپنے قتل سے دو دن پہلے سیٹلائٹ فون پر بوب سے بات کی تھی۔ اس کی چھٹی حس نے اسے چوکنا کردیا تھا اور وہ اپنی جان کو خطرے میں محسوس کررہا تھا۔ اسے اپنے گرد کوئی جال مضبوط ہوتا ہوا معلوم ہو رہا تھا کہ ... کی انتخابی مجبوریاں اسے جمی لائیڈ کے مخالفوں کی طرف ... مجبور کررہی تھیں۔"

"تم اپنی گفتگو میں بہت اختصار سے کام لے رہی ہو... لائیڈ کے قتل کا پورا پس منظر جاننا چاہتا ہوں۔"

"صدر کے کسی اہم ملاقاتی کا ایوانِ صدر کے احاطے ... ہونا ہی میری باتوں کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ جمی لائیڈ کو ... کسی بے آواز رائفل کا نشانہ بنایا گیا، جب وہ صدر سے ... کے بعد روانگی کے لیے اپنی آرمرڈ کار میں بیٹھ رہا تھا۔ یہ کوئی ... نہیں تھا، اس واقعے کی پہلے سے منصوبہ بندی کرلی گئی تھی۔ ... لائیڈ کے جانشین کے تقرر نے پوری بات ہی کھول دی۔" ... میں محو ہو کر ایلس عارضی طور پر اپنے غم اور صدمے کو بھلا ... تھی اور نہایت پُر اثر انداز میں کہہ رہی تھی "جم کلارک ... سربراہ بنادیا گیا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ راس المیڈا ... تھا اور راس المیڈا جمی لائیڈ سے ظاہری دوستی رکھنے کے باوجود ... رقم کا جو شی کو ملتی ہے، سب سے بڑا طلب گار تھا۔ راس ... ایک ارب پتی صنعت کار ہونے کے باوجود ڈیوڈ اسٹارز نامی ... یہودی تنظیم کا روحِ رواں ہے۔ اس حوالے سے زیرِ زمین ... با اثر لوگوں میں اس کا گہرا اثر و رسوخ ہے۔ اس بات میں کوئی ... نہیں کہ وہ ڈیوڈ اسٹارز کی ترقی پر بے دریغ اپنی دولت لٹاتا ہے ... ذاتی معاملات میں وہ بہت حریص اور لالچی انسان ہے۔ اس کی ... آرزو تھی کہ شی کو ملنے والی بے اندازہ رقوم پاکستان میں ... کے فروغ میں لٹانے کے بجائے ہیروئن کی تجارت میں لگائی ... اور اس طرح حاصل ہونے والی بھاری آمدنی سے ڈیوڈ اسٹارز ... کی طاقتور ترین نسلی اور سیاسی تنظیم بنادیا جائے۔ اپنے ان ... کے لیے اسے امریکا میں آباد پوری یہودی برادری کی حمایت حاصل ... ہے۔ امریکا میں یہودیوں کے ہر معبد کے ربّی ڈیوڈ اسٹارز سے ... مشاہرہ حاصل کرتے ہیں۔ راس المیڈا نے امریکا کے صدر ... دھمکی دی تھی کہ جمی لائیڈ کو شی کی سربراہی سے معزول کرکے ... کے آدمی کو نامزد نہ کیا گیا تو امریکا میں آباد سارے یہودی ... انتخابات میں مخالف جماعت کا ساتھ دیں گے۔"

"یعنی جمی لائیڈ کو ہٹانا صدر کی انتخابی مجبوری بن گئی تھ..." میں نے کہا۔

"یہودیوں کی حمایت امریکی انتخابات میں کلیدی کردار ادا ... ہے۔" ایلس بولی "دونوں پارٹیاں اپنے انتخابی منشور میں ... کی خوشنودی کے لیے خاص اہتمام کرتی ہیں۔"

"صدر کو آنے والے انتخابات میں یہودیوں کی حمایت ... یقین دہانی مل گئی اور راس المیڈا کو شی کے وسائل سے ... آزادی مل گئی۔ جمی لائیڈ کے خون پر ہونے والا یہ سودا ... سیاست میں یہودیوں کے اثر و نفوذ کا ایک خون آشام ثبوت ...

لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تمہارے صدر نے جمی لائیڈ کے قتل کے لیے ایوانِ صدر کا انتخاب کیوں کیا؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اسے کہیں بھی قتل کرایا جا سکتا تھا مگر بوب کا ایک خاص نظریہ تھا۔ صدر نے اسے استعفیٰ دینے کے لیے بلایا ہوگا۔ جمی لائیڈ اڑ گیا۔ وہ صدر کے بہت سے رازوں کا امین تھا۔ باہر جا کر وہ زبان کھولتا تو امریکا میں ایک طوفان برپا ہو جاتا۔ جمی کا انکار صدر کے لیے غیر متوقع ثابت ہوا اور جمی کو وہاں سے زندہ لوٹنا نصیب نہ ہو سکا۔"

"اس سے مذاکرات ضروری تھے" اول خان نے کہا۔ "مذاکرات کیے بغیر صدر اس کی موت کا پروانہ جاری نہیں کر سکتا تھا کیونکہ جمی لائیڈ بہرحال صدر کا ایک خاص مہرہ تھا جس سے دوسرے کام بھی لیے جا سکتے تھے۔"

"جمی لائیڈ کے قتل کے بعد شی سے تمہارے رابطے ختم ہو گئے؟" میں نے ایلس سے پوچھا۔

"جمی لائیڈ کے ہمدردوں سے کچھ خبریں ملتی رہیں۔ جم کلارک نے شی کی سربراہی سنبھالتے ہی پاکستان کے ذریعے امریکا اور یورپ میں ہیروئن کی اسمگلنگ کا کاروبار منظم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان بھیڑیوں کو صرف پیسہ کمانے سے غرض ہے، انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ ہیروئن استعمال کرنے والے کتنی سرعت سے دردناک موت کی آغوش میں پہنچتے ہیں۔ جم کلارک شی کے باغیوں اور جمی لائیڈ کی روپوش بیٹی سے گہری کاروباری مفاہمت کرنے کے ارادے سے کراچی آیا لیکن وہ ان لوگوں کو اپنی نیک نیتی کا یقین نہیں دلا سکا۔ ویرا لائیڈ اپنے باپ کے کسی جانشین کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ باغی یہ سمجھے ہوں گے کہ جم کلارک ان کی سرکوبی کے لیے بہ نفسِ نفیس یہاں آ پہنچا ہے۔ انہوں نے بے دردی سے اسے بھون ڈالا۔"

میں محسوس کر رہا تھا کہ ایلس کو اس وقت تک یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ فریڈم لاج میں ان لوگوں پر حکم چلانے اور بوب کو ہلاک کرنے والا راس المیڈا ہی تھا۔ اس کے بارے میں ایلس کا لب و لہجہ لاتعلقانہ سا تھا۔

"جم کلارک کی جگہ کس نے لی ہے؟" ایلس کو خاموش پا کر میں نے سوال کیا۔

"وہ بھی راس المیڈا ہی کا کوئی حاشیہ بردار ہوگا" ایلس نے قدرے حقارت سے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ آخری دنوں میں کراچی میں شی نے بوب کے حریف کا روپ دھار لیا تھا۔ بوب ہیروئن کو یہاں پھیلانے پر محنت کر رہا تھا اور شی یہاں کی ساری ہیروئن سمیٹ کر رنگی منڈیوں میں لے جانا چاہتی ہے۔"

"کوشش یہی تھی لیکن شی کو ابھی تک کوئی کامیابی نہیں ہو سکی ہے۔ وہ یہاں کے باغیوں سے خوف زدہ ہیں۔ ان میں ڈیبی کا نام سرفہرست ہے۔ وہ کسی بدمست سانڈ کی طرح ہر اس شخص سے الجھتا پھرتا ہے جو پاکستان کے کسی بھی مفاد کے خلاف کوئی کام کر رہا ہو۔ بوب اور رینڈل سے بھی حال ہی میں اس کی جھڑپیں ہوئی تھیں۔"

"اس کے بارے میں بھی بتاتی چلو۔" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ہماری بدنصیبیوں کی ابتدا تھی" ایلس ایک گہرا سانس لے کے بولی "بوب اپنے عروج کے دنوں میں امریکا کا ایک معروف آدمی تھا۔ وہ یہاں جس مشن پر کام کر رہا تھا، وہ پاکستانیوں کے نزدیک کوئی سنگین جرم ہو سکتا ہے لیکن ہماری اس وقت کی سرکاری پالیسی اور شی کے مقاصد سے ہم آہنگ تھا۔ ابتدا میں ہمیں اپنی بقا کے لیے یہاں متعین سفارت کاروں سے مدد لینی پڑی۔ رفتہ رفتہ سفارتی اہل کاروں سے ہمارے ایسے مراسم ہو گئے کہ ہم کبھی کبھار ان کے لیے خفیہ معلومات فراہم کرنے لگے۔

"جب بوب نے اپنے مشن کے لیے فریڈم لاج حاصل کر لیا تو اس نے اپنے دو ہم خیال اور قریبی ساتھیوں کو بھی امریکا سے یہاں بلا لیا۔ بوب بہت فیاضی سے ان کی ساری مالی ضروریات پوری کرتا رہتا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام رینڈل اور دوسرے کا نام تھا۔ ٹام چند روز پہلے ہی ڈیبی سے ایک مقابلے میں مارا گیا تھا۔"

"ڈیبی سے ان تینوں کو کیا پرخاش تھی؟" میں نے پوری بات سمجھ لینے کے باوجود انجان بن کر معصومانہ لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "پچھلے تین برسوں میں ہمارا کسی سے کوئی تصادم نہیں ہوا تھا۔ ہم نہایت خاموشی مگر لگن سے اپنا کام کر رہے تھے۔ سماجی کاموں میں دلچسپی لینے والے معزز گھرانوں سے ہمارا گہرا میل جول تھا لیکن چیف کی آمد نے ہمارا سارا نظام درہم برہم کر دیا۔"

"یہ چیف کون ہے اور کہاں سے آیا تھا؟" میں نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ وہی منحوس ہے جو فریڈم لاج میں بوب اور رینڈل کو قتل کر کے ہیلی کاپٹر سے فرار ہوا تھا" وہ غصیلے لہجے میں بولی "وہ سی آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ اور انسپکٹر جیف مر کو ساتھ لے کر ڈیبی کا قلع قمع کرنے آیا تھا مگر چند ہی روز میں ان دونوں پر اعتماد کھو بیٹھا۔ چیف کی مدد کے لیے ہمارے قونصل جنرل نے بوب کو فون کیا تھا۔ بوب جب چیف سے مل کر آیا تو سخت مضطرب اور پریشان تھا۔ اس نے بتایا کہ قونصل خانے کے ایک کمرے میں چیف نے پردے کے پیچھے سے سارے مذاکرات کیے تھے۔ اس نے رینڈل اور ٹام کے بارے میں جاننے کے بعد بوب کو تین اپرنٹس دیے تھے اور ان تینوں کو بلیک گرے اور وائٹ ہاک کے کوڈ دیے تھے۔ اس کے بعد ہی سے وہ تینوں مصروف اور پریشان رہنے لگے تھے۔ ایک رات چیف کے حکم پر بوب اور ٹام گھر سے گئے لیکن پھر

بوب اکیلا واپس آیا۔ وہ سخت خوف زدہ تھا کیونکہ ٹام ڈیٹی سے مقابلے میں مارا گیا تھا۔ اس کے بعد بوب اور رینڈل مجھ سے بھی رازداری برتنے لگے۔"

"انھوں نے تم کو نہیں بتایا کہ چیف کے روپ میں کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں!" اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دے کر کہا۔ "وہ خود اس کی اصلیت سے ناواقف تھے تو بے چارے مجھے کیا بتاتے لیکن میں جانتی ہوں کہ چیف کے آنے کے بعد ان کی زندگیاں اجیرن ہوگئی تھیں۔ وہ تینوں ہر وقت خوف زدہ اور پریشان رہنے لگے تھے۔"

"بعد میں چیف فریڈم لاج ہی میں آپہنچا تھا۔ اس وقت بھی تم کو نہیں معلوم ہوا کہ وہ کون تھا۔"

"وہ قد آور اور وجیہہ آدمی تھا لیکن اس نے اپنا کوئی تعارف نہیں کرایا۔ ہم لوگ اسے ادب اور احترام سے چیف ہی کے نام سے پکارنے پر مجبور تھے۔" ایلس نے بے بسی سے کہا۔

"تم چاروں میں سے کوئی راس المیڈا کو پہچانتا تھا؟" میں نے دھیرے سے پوچھا۔

میرے سوال پر وہ بری طرح چونک پڑی اور مجھے گھورتے ہوئے سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔ "کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ چیف کے روپ میں راس المیڈا خود یہاں آیا ہوا ہے؟"

"فی الحال میں کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرے ذہن میں ایک موہوم سا خیال آیا تھا۔ مجھے اپنے سوال کا جواب درکار ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی راس المیڈا سے واقف نہیں تھا۔ امریکا میں بھی بہت کم لوگوں نے اسے دیکھا ہوگا۔ وہ اپنی ذات کو ہمیشہ پس منظر میں رکھتا ہے۔ اس کے طور طریقے بالکل جمی لائیڈ جیسے ہیں۔"

پہلی بات یہ تھی کہ ابتدا میں وہ چاروں راس المیڈا کو نہیں پہچانتے تھے اور نہ انہیں یہ راز معلوم تھا کہ چیف کے پردے میں راس المیڈا کراچی آیا ہوا ہے مگر گیری ہارٹ اور حبیب ملر کے قبضے میں 'میں نے ایرٹیس پر تلخ و ترش باتیں کرتے ہوئے اس کا یہ راز فاش کردیا تھا مگر بوب اور رینڈل نے ایلس کی پریشانی کے خیال سے یا پھر راس المیڈا کی کسی دھمکی کے زیر اثر ایلس کو یہ راز نہیں بتایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایلس اپنے فریڈم لاج میں چیف کو فعال دیکھ کر بھی اسے شناخت نہیں کرسکی۔ تاہم وہ راز جاننے سے پہلے ہی جہنم واصل ہوچکا تھا۔ بوب اور رینڈل کو راس المیڈا نے فرار ہوتے وقت ہلاک کردیا۔ پتا نہیں اس نے ایلس کو کیوں فراموش کردیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ایلس یا مس للی ہاروے کو ان معاملات سے بالکل الگ تھلگ سمجھ رہا ہو۔

"تم نے ہمارے ساتھیوں کے سامنے ابتدائی بیان میں کہا ہے کہ تمہارے شوہر کی موت بین الاقوامی مجرموں کی رسّا کشی کا نتیجہ ہے۔ کیا تم اپنے اس بیان کی وضاحت کرو گی؟" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"جب تک شی میں جمی لائیڈ کے قدم جمے ہوئے تھے' ہیروئن اور پاکستان کے حوالے سے ہم سب کا مشن یکساں تھا۔ ہماری حکومت سے بوب تک' سب کی یہی کوشش تھی کہ پاکستان میں ہیروئن کی مانگ اور کھپت بڑھا کر امریکا کو محفوظ کیا جائے۔ شی پر راس المیڈا کا قبضہ ہونے کے بعد پوزیشن بدل گئی۔ حکومت اپنے موقف سے دستبردار ہوگئی۔ راس المیڈا پاکستانی اور افغان ہیروئن کا طلب گار تھا جب کہ ہم اپنے خرچ پر اسے یہاں مفت بانٹ رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جو شخص اپنے سینے پر اکلوتے بیٹے کی دردناک موت کا داغ لے کر' اپنا سب کچھ برباد کرکے ایک مشن پر پاکستان آیا ہے' وہ کسی بھی قیمت پر اپنے مشن سے انحراف نہیں کرے گا۔ چیف ہماری حکومت کا نمائندہ رہا ہو یا راس المیڈا کا ہرکارہ' وہ امریکا ہی سے فریڈم لاج کی بربادی کا منصوبہ لے کر چلا تھا اور تم دیکھ لو کہ چیف نے پسپا ہوتے ہوتے بھی بوب اور رینڈل کو مار کر فریڈم لاج کا مشن ہمیشہ کے لیے دفن کردیا۔"

"تمہیں یقین آگیا کہ انہیں چیف نے فرار ہوتے ہوئے قتل کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"پہلے مجھے شبہ تھا کہ مجھے چیف سے بدظن کرنے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن پھر مجھے لاشوں کی حالتیں دکھائی گئیں۔ جو لوگ لڑتے ہوئے مارے گئے تھے' ان کی لاشیں بری طرح چھلنی ہوگئی تھیں۔" ایلس نے کہا۔ "میں خود فریڈم لاج میں محصور تھی مجھے معلوم ہے کہ وہاں تاک تاک کر نشانے بازی نہیں ہورہی تھی بلکہ اندھا دھند برسٹ برسائے جارہے تھے۔ اس مقابلے میں مرنے والوں کا وہی حشر ہونا چاہیے تھا۔ دوسری طرف تین لاشیں بالکل صحیح سلامت تھیں۔ ان تینوں کے دل یا پیشانی میں صرف ایک مہلک گولی کا داغ تھا۔ بوب اور خان کے سینوں میں دل کے مقام پر سوراخ تھے اور رینڈل کی پیشانی کے وسط میں گولی پیوست ہوئی تھی۔ مقابلے میں ایسا ہونا ممکن نہیں تھا۔"

"چیف کے ہاتھوں مرنے والا تیسرا مقامی کون تھا؟" اسے تعاون پر آمادہ پاکر میں ہر بات جان لینی چاہ رہا تھا۔

"وہ ایک وفادار قبائلی دلاور خان تھا مگر ہم اسے صرف خان کہا کرتے تھے۔ وہ بہت دبنگ آدمی تھا۔ ہمارے مقامی اسٹاف کو وہی کنٹرول کرتا تھا۔ اس کی صورت سے سب کی روح فنا ہوتی تھی کیونکہ ڈسپلن کے معاملے میں وہ بہت سخت تھا۔ ہماری ضرورت کے لیے عمدہ ہیروئن کی خریداری بھی وہی کیا کرتا تھا۔"

"بوب کو ایسا وفادار قبائلی کہاں سے مل گیا جو ہر فن مولا تھا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہمارے سفارت کار تمہارے ملک کے مختلف حصوں کے

دورے پر جاتے رہتے ہیں اور لوگوں سے ملنے جلنے کے دوران کام کے آدمیوں کو تاڑ لیتے ہیں۔ وہ پہاڑوں میں رہنے والے ایک ملک کا بیٹا تھا۔ وہ اپنے ماحول سے بری طرح اکتایا ہوا تھا اور کراچی کی بارونق زندگی کے مزے اٹھانا چاہتا تھا۔ اس کے باپ نے ایک سفارت کار سے اس کا ذکر کیا تھا۔ فریڈم لاج بنا تو اس سفارت کار نے خان کو اس کے پہاڑی گاؤں سے کراچی بلا کر بوب کے حوالے کردیا۔ بوب کی دی ہوئی مراعات اور آزادیوں نے اس کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ بوب کے اشارے پر کسی کو قتل بھی کرسکتا تھا۔ وہ میٹرک تک پڑھا ہوا تھا۔"

"وہ تمہارے لیے ہیروئن کہاں سے لایا کرتا تھا؟" کافی دیر بعد اول خان نے دوبارہ دخل انداز ہو کر پوچھا۔

"اس کے ہیروئن فروشوں سے قریبی رابطے تھے۔ صوابی میں اس کے باپ کی زمینوں پر افیم کی کاشت ہوتی ہے اور وہ لوگ اس مہنگی فصل کی وجہ سے خوش حالی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ افیم کی کاشت کرنے اور ہیروئن بنانے والوں کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ یہ دلاور خان کے لیے کوئی کام ہی نہیں تھا۔"

میجر غوث نے ایلس کے سامنے راس المیڈا کا نام نہ لے کر نہایت ہوش مندی کا ثبوت دیا تھا۔ چیف کی اصلیت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ایلس نے شاید اپنی پوری کہانی بلا کم و کاست سنادی تھی۔ اگر اسے پہلے ہی حقیقت کا علم ہوگیا ہوتا تو وہ ہرگز بھی اتنی تفصیل میں نہ جاتی۔

اس نے جی لائیڈ، راس المیڈا اور امریکا کے صدر کے درمیان انتہائی گٹھ جوڑ اور پھر خوں ریزی کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا، وہ بہت الم ناک تھا۔ ہم پاکستان میں سخی مراد کے گھناؤنے کردار کو رو رہے تھے لیکن انسانی آزادیوں کے سب سے بڑے علم بردار امریکا کی سیاست بھی کچھ کم گندی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سائنسی اور مشینی ترقی کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں انسانی معاشرے تضاد، شکست و ریخت اور تنزل کا شکار ہو رہے تھے، رہی سہی انسانی اور اخلاقی اقدار تیزی سے مٹ رہی تھیں اور جمہوریت کی آڑ میں ہر جگہ جنگل کا سا قانون پھل پھول رہا تھا۔ باہر سے نرم خو، انسان دوست اور منکسرالمزاج نظر آنے والے سیاست داں شاید دنیا کے ہر حصے میں ایک جیسے تھے۔ ان کا باطن سیاہ تھا اور وہ اپنے اقتدار کے لیے اپنے بھائیوں اور جاں نثاروں تک کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے۔

"جب چیف فریڈم لاج میں آیا تو تم لوگوں کو حیرت نہیں ہوئی کہ اس بار اس نے خود کو چھپانے کی کوشش کیوں نہیں کی تھی؟" میں نے ایک سگریٹ سلگانے کے بعد ایلس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"سب ہکا بکا رہ گئے تھے کیونکہ پہلی ملاقات میں بوب اور چیف کے درمیان ایک دبیز پردہ حائل رہا تھا۔ وہ آیا تو اسے کوئی بھی نہیں پہچان سکا مگر پھر بوب نے اس کی آواز میں چند اہم باتیں سنیں تو فریڈم لاج کا شٹر اٹھا دیا گیا اور چیف کسی شہنشاہ کی طرح اندر داخل ہو کر پورے نظم و نسق پر چھاتا چلا گیا۔"

"تمہیں اب یہ جان کر حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ چیف دراصل راس المیڈا ہی تھا۔"

تھوڑی دیر پہلے وہ خود بھی سوال کرچکی تھی لیکن میری زبان سے وہ انکشاف سن کر اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی چلی گئیں اور اس کے ہونٹوں سے کانپتی ہوئی آواز برآمد ہوئی "آخر میرے شبہات درست ہی نکلے۔ وہ فریڈم لاج کو تباہ کرنے کا منصوبہ لے کر آیا تھا اور اپنا کام پورا کرکے چلا گیا۔"

وہ شہر کے میلے میں گئے ہوئے دیہاتی کی سی بات تھی۔ میلے میں اتفاقاً اس کا کمبل گم ہوگیا۔ واپسی پر گاؤں والوں نے بڑے اشتیاق سے شہر کے میلے کا احوال پوچھا تو دیہاتی نے برا سا منہ بنا کر کہا تھا "میلہ ویلہ کچھ نہیں تھا۔ یار لوگوں نے میرا کمبل چرانے کے لیے سارا سوانگ رچایا ہوا تھا۔"

ایلس نے میری توقع سے کہیں بڑھ کر تعاون کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں نے اپنے خیال کا اظہار کرکے اس کے جذبات کو مجروح کیے بغیر کہا "وہ فریڈم لاج سے ضرور چلا گیا لیکن ابھی اسی شہر میں ہے کیونکہ اسے اپنے کچھ اور کام بھی نمٹانے ہیں۔ تم صرف یہ سوچو کہ اسے کس طرح گھیرا جاسکتا ہے۔ تم اس کی موت یا گرفتاری میں کوئی مدد کرسکیں تو تمہیں آزاد کرکے امریکا بھیج دیا جائے گا ورنہ یہاں کی کوئی خستہ حال جیل تمہارا مقدر بن جائے گی۔"

"میں کیا، تم سب بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ بہت چالاک اور سفاک درندہ ہے۔" ایلس خوف زدہ لہجے میں بولی "وہ ہیلی کاپٹر تین برس سے فریڈم لاج کی چھت پر پوشیدہ تھا۔ اسے کسی برے وقت کے لیے وہاں لایا گیا تھا لیکن تم نے دیکھ لیا کہ جب ہم لوگوں پر برا وقت آیا تو وہ ہیلی کاپٹر ہمارے کسی کام نہیں آسکا، راس المیڈا اس میں فرار ہوگیا۔"

"اس ہیلی کاپٹر میں کتنے افراد کو لے جانے کی گنجائش تھی؟" میں اچانک ہی پوچھ بیٹھا۔

"کل تین افراد.... ہوا باز کے علاوہ صرف دو" اس نے کہا۔ "کلف ہمارا ہوا باز تھا۔ بقیہ قیدیوں اور لاشوں میں صرف مارون غائب ہے۔ پتا نہیں راس المیڈا نے ان دونوں کا کیا حشر کیا ہوگا۔"

ہوا باز کو ساتھ لے جانا ناگزیر تھا مگر مارون کون تھا۔ میں نے ایلس سے یہ بھی پوچھ لیا۔

"وہ شاید ہماری صفوں میں راس المیڈا کا جاسوس تھا۔ وہ امریکا سے تمہارے شمالی علاقوں کی سیاحت کے لیے پاکستان آیا ہوا تھا۔ اسے تین ہفتے پہلے ہیری نے بوب کے پاس بھیجا تھا۔"

"ہیری کون ہے؟" ایلس کی بات میں سے بات نکلتی چلی آرہی

تھی۔

"وہ قونصل خانے کا ایک ملازم تھا جسے مارون کی سفارش کے اگلے ہی روز اس کی خواب گاہ میں کسی دور مار رائفل کا نشانہ بنادیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی گرل فرینڈ بھی ماری گئی تھی۔"

ایلس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی میرے ذہن میں غزالہ اور ویرا کا وہ کارنامہ تازہ ہو گیا جو خطرناک ہونے کے ساتھ میرے لیے حیران کن بھی تھا۔ وہ ان دنوں کی بات تھی جب امریکن قونصل خانے نے میرے خلاف انعامی اشتہار شائع کرائے تھے اور میں جہانگیر کے ویران گھر میں محصور ہو کر رہ گیا تھا اور ان دونوں عورتوں نے میدانِ عمل میں کود کر کلفٹن کے علاقے میں اس جوڑے کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

مجھے یک بہ یک محسوس ہونے لگا کہ ہمارے لیے ایلس کا کردار بہت اہم تھا۔ پچھلے کئی مہینوں سے پے درپے متعدد اہم ترین واقعات رونما ہوتے چلے آرہے تھے لیکن ان کا کوئی سبب سامنے نہیں آرہا تھا' نہ ان میں کوئی ربط نظر آرہا تھا۔ وہ سلسلہ جمی لائیڈ کے قتل کی خبر سے شروع ہوا تھا اور اس وقت تک جاری تھا۔

امریکا میں جمی لائیڈ قتل کردیا گیا پھر اچانک ٹی کا نیا سربراہ جم کلارک پاکستان آپہنچا۔ اس کے ساتھ کرنل جیسی جونز کا بیٹا بھی تھا اور پال ایتھرٹن بھی۔ وہ تینوں جہنم واصل کردیے گئے۔ امریکنوں نے میرے خلاف محاذ آرائی تیز کردی پھر شاید راس المیڈا خود میدان میں آگیا۔ وہ پس پردہ رہ کر میرے خلاف ایلن اور پیٹر سے کام لیتا رہا مگر پھر اسے خود سامنے آنا پڑ گیا۔ وہ اپنی اپنی جگہ مکمل واقعات تھے لیکن ان میں کوئی ربط نہیں تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی زنجیر کی کڑیاں بکھری پڑی ہوں مگر ایلس کی پُرپیچ کہانی نے ان تمام کڑیوں کو یک جا کر کے میری آنکھیں کھول دی تھیں کہ امریکا کے بیشتر سرکردہ مجرم اپنے مفادات کے زبردست ٹکراؤ کے باوجود میری مخالفت پر متفق تھے۔

جمی لائیڈ اور راس المیڈا ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تو تھے ہی مگر اپنی اپنی جگہ دونوں میری جان کے دشمن تھے اسی وجہ سے ٹی میں قیادت بدل جانے کے باوجود میری مخالفت کا طوفان جاری تھا۔ ایلس نے موت کے عالمی سوداگروں کی داستان کے گمشدہ حصے فراہم کر کے یہ ثابت کردیا تھا کہ بظاہر چھوٹے چھوٹے مفادات کا تصادم نظر آنے والی وہ لڑائی درحقیقت ہیروئن کے مہاجنوں کے خلاف میری مہیب جنگ کا تسلسل تھی۔

راس المیڈا ابتدا ہی سے میری بیخ کنی پر تُلا ہوا تھا تو اب اس کے قابلِ فہم اسباب بھی سامنے آگئے تھے۔ وہ ٹی پر قابض ہونے کے بعد ہیروئن کی اسمگلنگ پر اپنی اجارہ داری کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میری زندگی میں اس کے لیے اپنے خواب کی تعبیر حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسی لیے اُس نے ایلن' پیٹر' کیری ہارٹ' جیف ملر' نادرہ اور پھر فریڈم لاج کے مکینوں کے ذریعے

گمیرنے کی کوششیں کیں' مجھے الجھانے کے لیے کے نائین جیسا خوفناک منصوبہ تیار کیا مگر اسے ہر محاذ پر ناکامی ہو رہی تھی۔ وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ تھا نہ فرار کی راہ اختیار کر رہا تھا۔ وہ موذی جب تک پاکستان کی سرزمین پر موجود تھا' میں اس سے غافل نہیں رہ سکتا تھا۔

"راس المیڈا کے ہاتھوں بوب اور رینڈل کے قتل کے اسباب سمجھ میں آتے ہیں" اول خان ایلس سے پوچھ رہا تھا "ہام زندہ ہوتا تو وہ بھی راس المیڈا کے ہاتھوں مارا جاتا لیکن اس نے دلاور خان کو کیوں قتل کیا؟"

"فریڈم لاج میں مارون موجود تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے بوب کے معاملات میں خان کے کردار کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہو اور راس المیڈا نے خان کو بوب کا ہم راز سمجھ کر اسی کے ساتھ ٹھکانے لگادیا ہو" ایلس نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اس کے علاوہ خان کے قتل کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"اگر ایسا ہی تھا تو بوب کی بیوی ہونے کی وجہ سے تمہاری زیادہ اہمیت تھی۔ راس المیڈا نے تمہیں کیوں زندہ چھوڑ دیا؟" اول خان نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولی "یہ سوال میری حیثیت مشکوک بنادیتا ہے لیکن مارون نیا آدمی تھا۔ اس کے لیے میں صرف مس للی ہاروے تھی۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ میں بوب کی بیوی ہوں۔ دوسری طرف راس المیڈا بھی مجھے نہیں پہچانتا ہوگا۔ وہ شہرت سے بچنے کی وجہ سے کسی تقریب میں جاتا ہے' نہ لوگوں سے میل جول پسند کرتا ہے۔ امریکا میں ہم کبھی بھی اس سے نہیں ملے تھے۔"

"لیکن تمہارے قونصل خانے والے اس بات سے پوری طرح باخبر ہوں گے کہ بوب اپنی بیوی کو مس للی ہاروے کے روپ میں کراچی لایا ہے۔ راس المیڈا کے ان سے گہرے مراسم ہیں بلکہ وہ راڈنی آرک کے فرضی نام سے ایک سفارت کار بن کر یہاں آیا ہے۔ کیا قونصل خانے والوں نے اسے تمہارے بارے میں نہیں بتایا ہوگا۔"

اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ کمزور لہجے میں بولی "ضرور بتایا ہوگا۔ اس صورت میں میں یہی کہہ سکتی ہوں کہ اس نے مجھے ضروری اہمیت نہیں دی۔ اسٹاف کی نظروں میں میں اس کی بیوی نہیں تھی اس لیے اس سے الگ تھلگ ہی رہتی تھی۔ ہمارے سونے کے کمرے بھی الگ تھے جو مشترکہ باتھ روم کے ذریعے ملے ہوئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ راس المیڈا نے ہمارے اس رویے کو ہمارے تعلقات کی کشیدگی سمجھ کر مجھے نظرانداز کردیا ہو۔"

اول خان کے سوالات نے ایلس کے دل میں خوف پیدا کردیا تھا لیکن وہ جو کچھ کہہ رہی تھی' وہ بالکل ہی بے وزن نہیں تھا۔ لم

ول خان کے کسی نئے سوال سے پہلے بات بدل دی "اگر فریڈم
رف ہیروئن کے مقامی استعمال کی حوصلہ افزائی کے لیے کام
ھا تو وہاں ہتھیاروں کی بھاری کھیپ کہاں سے آگئی؟"
ھیں سوچ رہی تھی کہ تمہیں یہ سوال سب سے پہلے کرنا
ھا" وہ اپنی پیشانی رگڑتی ہوئے بولی "اس سوال کا جواب
ے پہلے میں پانی پینا چاہوں گی' اتنی دیر سے بولتے بولتے میرا
ک ہو گیا ہے۔"

ول خان نے فوراً ہی کسی نورے کو آواز دی۔ برآمدے سے
ی اس کا سادہ پوش اردلی اندر آگیا۔ اول خان نے اسے پانی
رجائے لانے کی ہدایت دے کر واپس بھیج دیا۔
انی آنے تک کمرے کی فضا میں گمبھیر سکوت چھایا رہا۔ ہم
ی اپنی اپنی جگہ گہری سوچ میں مستغرق تھے۔
لیس اتنی پیاسی تھی کہ ٹھنڈے پانی کے پورے دو گلاس پی
یاس بجھانے کے بعد وہ پُرسکون لہجے میں کہنے لگی۔ "میری
ں میں یہ واحد خطرناک اور مجرمانہ کام تھا جو فریڈم لاج کی
کے نیچے ہو رہا تھا۔ میں نے ابتدا میں ہی اس کی مخالفت کی
بوب کی اپنی مجبوریاں تھیں۔ وہ قونصل خانے کی کسی ہدایت
راف نہیں کر سکتا تھا۔ یہ مال بند ٹرکوں میں آتا ہے اور اسی
معلوم مقامات پر بھیج دیا جاتا ہے۔ میں اس کام کے خلاف
لیے میں نے کبھی بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ہتھیار
ے آتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں۔"
یہ کام بوب خود ہی سرانجام دیتا تھا؟" میں نے نئی سگریٹ
چھا۔
"ہم تینوں بلکہ چاروں مل کر ایسے کام کیا کرتے تھے۔ بوب'
ورتھم کے ساتھ خان بھی شریک ہوا کرتا تھا۔ خان میٹرک
۔ اپنے شوق کی وجہ سے اس نے ابتدائی چند مہینوں میں ہی
ریزی بولنی شروع کر دی تھی کہ بات سمجھنے یا سمجھانے میں
شواری پیش نہیں آتی تھی۔"
ہدایات فون یا ٹرانسیٹر پر ہی ملتی ہوں گی؟" میں نے
ب لہجے میں پوچھا۔
ں کا جواب نفی میں تھا۔ اس نے کہا "یہ کام معمولات میں
یں تھا۔ مہینے' دو مہینے بعد کوئی کھیپ آتی تھی اور چند روز
رازداری سے کہیں بھیج دی جاتی تھی۔ اس کام کے لیے
ائیلر استعمال ہوتا تھا جس کی آڑ میں تم لوگوں نے فریڈم
افتی حصار توڑا تھا۔ ہر کھیپ آنے سے چند روز پہلے ایک
صد بوب کے لیے زبانی ہدایات لے کر آتا تھا اور چند منٹ
لوٹ جاتا تھا۔"
ں کی موت پر بوب نے اپنے قونصل خانے سے چیف کی
رگرمیوں کی کوئی شکایت تو ضرور کی ہو گی؟" میں نے اپنے
ابھرنے والا آخری سوال بھی پوچھ ڈالا۔

"بوب کی ہمت ہی نہیں تھی کہ اس کی شکایت کرتا۔ میں
تمہیں بتا چکی ہوں کہ وہ تینوں اپنے چیف سے بری طرح خائف
رہتے تھے اور پھر ہمیں قونصل خانے سے دور رہنے کی سخت
ہدایات تھیں۔ حد یہ ہے کہ ہم عام امریکن شہری کی حیثیت سے
بھی وہاں فون نہیں کر سکتے تھے۔ جب بھی ضرورت پیش آتی تھی' وہ
لوگ خود ہی فون یا قاصد کے ذریعے ملاقات کا وقت اور مقام طے
کرتے تھے۔ یہ ملاقاتیں عموماً ہوٹلوں یا پارکوں میں ہوا کرتی
تھیں۔"

"تم لوگوں کے پاس پاکستان میں قیام کا ویزا تو ہو گا؟" اول
خان نے پوچھا۔

"ہم امریکا سے کئی ملین ڈالر لے کر یہاں آئے تھے۔ ہمیں
رفاہی اور سماجی خدمات سرانجام دینے کے لیے پاکستانی سفارت
خانے نے پانچ سال کا ابتدائی ویزا دیا تھا جو ابھی تک کارآمد ہے۔"
ایلس نے جواب دیا۔

اسی وقت اول خان کا آدمی چائے لے آیا۔ اس طویل ذہنی
مشقت سے ہم تینوں تھک چکے تھے' اس لیے سب فوراً ہی چائے
کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے عقل مندی اور صاف گوئی سے کام
لیا ہے" میں نے تھوڑی دیر بعد ایلس سے ستائشی لہجے میں کہا "اس
طرح تم نے خود کو نہ صرف بہت سی پریشانیوں سے بچا لیا ہے بلکہ
کچھ مراعات کی حق دار بھی بن گئی ہو۔ فی الحال تم یہیں رہو گی اور
تمہیں تمہاری ضرورت کی ہر معقول چیز فراہم کی جائے گی جس میں
لباس سے شراب تک ہر چیز شامل ہے۔"
شراب کی فراخ دلانہ فراہمی کی پیش کش پر اول خان نے مجھے
گھورا لیکن ایلس کے ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ پھیل
گئی۔ وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی "میں نے اپنی گود میں سر رکھے
ہوئے اکلوتے بیٹے کی آنکھوں میں موت کو دھیرے دھیرے اپنے
ڈیرے جماتے دیکھا ہے۔ کیا تم کسی ماں سے ایسی سنگ دلی کی توقع
رکھ سکتے ہو کہ وہ اپنی زندگی کا ایسا بھیانک المیہ سہنے کے بعد بھی
اپنے گرد و پیش کی پُرفریب رنگینیوں میں دلچسپی لیتی رہے.... ٹیڈ کی
موت کے بعد سے میں نے الکحل اور سگریٹ کو ہاتھ لگانا بھی چھوڑ
دیا ہے.... میں قناعت پسند ہو گئی ہوں۔ اب میرا مشن صرف یہی رہ
گیا ہے کہ ٹیڈ کے بعد امریکا میں کسی اور ماں کا کوئی لختِ جگر ایسی
اذیت ناک موت کا شکار نہ ہونے پائے۔"
اس کی آنکھیں بھیگ گئیں اور آواز رُندھ کر حلق میں پھنس
گئی۔

"تمہارا مشن بہت نیک ہے ایلس" میں نے نرمی سے کہا۔
"لیکن بہتر ہو گا کہ اس میں امریکا کے ساتھ پاکستان کی ماؤں اور ان
کے معصوم جگر گوشوں کو بھی شامل کر لو۔ ہیروئن ہر ملک میں ایک
جیسی تباہی لاتی ہے اور کالے' گورے یا زرد میں کوئی امتیاز نہیں

کرتی۔"

وہ سر جھکائے، خاموشی سے سسکیاں لے کر رہ گئی۔

O☆O

میں اول خان کے گھر سے گاڑی لے کر واپس گھر پہنچا تو اس وقت صبح کے چار بجنے والے تھے اور ہوا میں سرور انگیز خنکی رچی ہوئی تھی۔ گاڑی پارک کرکے میں عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا تو خمار سے میری آنکھیں بند ہوئی جارہی تھیں۔ گھر قریب آجانے پر رات بھر کی تکان ایک دم رنگ دکھانے لگی تھی۔

میں نے ڈوربیل بجائی تو سلطان شاہ نے دروازہ کھولا کیونکہ اسی کی خواب گاہ دروازے سے سب سے زیادہ قریب تھی۔

اس کے بدن پر شب خوابی کا لباس ضرور موجود تھا لیکن آنکھوں میں نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ اسے دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ بستر پر دراز ہوجانے کے باوجود میرے انتظار میں جاگ کر کروٹیں بدل رہا تھا۔ میں اس کے سلام کا جواب دے کر اندر داخل ہوگیا۔

اس وقت تک بقیہ دونوں کمروں کے دروازے بھی کھل چکے تھے اور وہاں سے دونوں عورتیں باہر آچکی تھیں۔ ان کی کیفیت سلطان شاہ سے زیادہ مختلف نہیں تھی۔ میں ان تینوں کی حالت پر دل ہی دل میں ہنس دیا۔ وہ ایک دوسرے کو دھوکا دینے کے لیے بظاہر اپنے اپنے کمروں میں محصور ہوگئے تھے لیکن تشویش اور اضطراب کے باعث پہاڑ جیسی رات میں ایک پل کے لیے بھی نہیں سوسکے تھے کیونکہ میں نے وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے انہیں فون پر اول خان سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا تھا اور نہ ہی یہ بتایا تھا کہ میں کہاں جارہا ہوں۔

میرے موڈ کی وجہ سے ویرا یا سلطان شاہ نے مجھ سے الجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ویرا اپنی خواب گاہ کے دروازے کے سامنے، دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کھڑی تھی اور مجھے گھور رہی تھی۔ میں نے کن انکھیوں سے اسے ضرور دیکھا مگر پھر اسے نظرانداز کرکے براہِ راست اپنے کمرے میں جانے کا فیصلہ کرلیا۔

میں محسوس کررہا تھا کہ ویرا کی نگاہیں میرے قدموں کے ساتھ حرکت کررہی تھیں۔ میں اس کے قریب سے گزراہی تھا کہ اچانک میرے بدن کو ایک جھٹکا لگا اور میرا اگلا قدم اٹھا ہی رہ گیا۔

میں بھنا کر پلٹا تو ویرا نے پشت سے میری قمیص پکڑی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں سے برہمی مترشح تھی۔

"یہ کیا حرکت ہے؟ قمیص چھوڑو میری!" میں نے اس کا ہاتھ جھٹک کر تیزی سے کہا۔

"گھر میں دوسرے لوگوں کی موجودگی کی پروا کیے بغیر کہاں جارہے ہو؟" ویرا نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"اس وقت صبح کے چار بجنے والے ہیں۔ اپنے کمرے کے سوا کہاں جاؤں گا؟" میں نے تلخی سے جواب دیا۔

"ہم سب کے لیے چار بج رہے ہیں" وہ غرائی "غضب ہے کہ تم گھر میں کسی کو کچھ بتائے بغیر ہی یہاں سے [illegible] ہوئے تھے اور ہم تینوں پوری رات تمہاری طرف سے [illegible] ہیں۔"

"یہ تمہارا احسان تھا مجھ پر.... مگر میں کوئی بے [illegible] ہوں جو شہر میں گم ہوجاتا۔"

"تم پوری رات گزار کر کہاں سے آرہے ہو؟" [illegible] قدرے تمتمانہ ہوگئی۔

"جھک مار کر آرہا ہوں۔ ویرا! خدا کا خوف کرو۔ [illegible] بھی ہوسکتی ہے۔ اس وقت مجھے نیند آرہی ہے۔ میں [illegible] ہونے سے پہلے کچھ دیر سونا چاہتا ہوں" میں نے چڑ چڑ[illegible] کہا۔

"جانے سے پہلے فون پر تمہاری اول خان سے [illegible] تھی؟" وہ میرے ردِعمل کو یکسر نظرانداز کرکے مشینی [illegible] سوالات کیے جارہی تھی۔ غزالہ اور سلطان شاہ تماشائ[illegible] ہم دونوں کے قریب خاموش اور قدرے حیران حیران [illegible] تھے۔

"اس وقت مجھے نیند کے سوا کچھ یاد نہیں۔ مجھ[illegible] تکرار مت کرو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم اب مجھے کوئی بھی با[illegible] چاہتے" وہ پیر پٹخ کر بولی۔

"تم جو چاہو، سمجھ لو مگر مجھے تھوڑی دیر کے [illegible] سونے دو" میں نے بے رخی سے کہا۔

"اچھی طرح سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو" وہ [illegible] ہوئے بولی۔

"تم مجھے کس بات کی دھمکی دے رہی ہو؟" م[illegible] پوچھا۔

"یہ تمہارا گھر ہے۔ میں یہاں بن بلائے مہمان [illegible] ہوں" اس نے اکھڑے اکھڑے لہجے میں کہا "میں [illegible] بات کی دھمکی نہیں دے سکتی۔ اگر تمہاری نظریں بدل[illegible] ایک پل کے لیے بھی اس چھت کے نیچے نہیں رہ سک[illegible] مجھ پر اعتماد نہیں رہا تو میں ابھی اور اسی وقت یہا[illegible] ہوں۔"

اس کا چہرہ گمبھیر اور لہجہ اٹل تھا۔ اس کی چمک[illegible] سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، اس پر عم[illegible] عزم کرچکی تھی۔

میرا ارادہ صرف اسے چڑانے اور جلانے کا تھا [illegible] کی غلطی کا احساس دلاسکوں مگر وہاں مذاق ہی مذاق نظر آنے لگی تھی۔ میرے پیروں کے نیچے سے زمین

مذاق میں، میں اتنی دور نکل گیا تھا کہ میری فوری واپسی ممکن ہی نہیں رہی تھی۔

پتا نہیں غزالہ نے میرے دلی جذبات بھانپ لیے یا وہ از خود اس تصادم پر پریشان ہوگئی تھی کہ اس نے بڑھ کر ویرا کے دونوں بازو تھام لیے اور لجاجا کر کہا "غصہ مت کرو۔ تمہیں احساس ہونا چاہیے کہ ڈیڈی اس وقت تھکے ہارے واپس آئے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی تم کو بن بلایا مہمان نہیں سمجھتا۔ صبح تمہیں ہر بات معلوم ہوجائے گی۔"

"یہ کہیں ہل نہیں جوت رہا تھا جو اتنا تھک گیا ہوگا" ویرا اس بار غزالہ سے مخاطب ہو کر بولی تھی "اس سے پوچھو کہ یہ کہاں گیا تھا۔ کئی کئی راتوں تک مسلسل جاگنے والے کو آج اتنی نیند کیوں آرہی ہے۔"

میں نے غزالہ کا چہرہ اپنی طرف گھما کر کہا "اسے بتادو کہ میں کہیں رنگ رلیاں نہیں منا رہا تھا۔ ہمیشہ اس کا ساتھ دینے والے کو آج نیند ستا رہی ہے تو یہ چراغ پا کیوں ہو رہی ہے؟"

ویرا نے غزالہ کا بازو کھینچ کر تیزی سے کہا "اس سے پوچھو کہ یہ خود کو اتنا چالاک اور اہم کیوں سمجھتا ہے؟ میں اس کی زر خرید باندی نہیں ہوں کہ اس کی رام لیلا سننے کے لیے صبح کا انتظار کروں گی۔" غزالہ دخل اندازی کر کے ایک نئی مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ وہ ہکا بکا نظروں سے ویرا کو تکے جا رہی تھی۔

"خدا کے لیے نیچی آواز میں لڑو!" سلطان شاہ ویرا کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا "یہ کوئی الگ تھلگ مکان نہیں، ایک فلیٹ ہے۔ ذرا سے شور پر پڑوسیوں کی بھیڑ دروازے پر جمع ہوجائے گی۔"

"یہ میری باندی نہیں ہے تو میں بھی اس کا غلام نہیں ہوں۔ وہی کروں گا جو چاہوں گا۔"

"پھر میں بھی وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا" ویرا بدستور غزالہ سے مخاطب تھی۔ "میں ابھی یہاں سے اپنا منہ کالا کر رہی ہوں۔ کوئی بھی میرا راستہ روکنے کی کوشش نہ کرے۔"

یہ کہہ کر اس نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ سلطان شاہ اس کے سامنے آگیا۔ ویرا نے سلطان شاہ کے سینے پر دو ہتڑ مار کر اسے پیچھے دھکیلنا چاہا لیکن سلطان شاہ نے مضبوطی سے اس کی دونوں کلائیاں پکڑ لیں۔

"اگر ڈیڈی اس وقت سب کچھ بتائے بغیر اپنے کمرے میں گیا تو میں بتا رہی ہوں کہ یہ عمر بھر پچھتائے گا۔ اگر اسے ضد ہے تو میں بھی ضد کی پکی ہوں" ویرا اپنی کلائیاں چھڑانے کے لیے سلطان شاہ سے زور آزمائی کرتے ہوئے غرائی مگر اس بار اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"لاحول ولا قوۃ۔" میں نے سر جھٹک کر کہا۔ مجھے محاذ آرائی ختم کرنے کا وہ موقع مل گیا تھا جس کا میں منتظر تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر یہ میری مجبوری کو ضد کہ... تو میں اپنی نیند قربان کیے دیتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ب... اس کے دماغ کی چولیں ہلا ڈالی ہیں، اسی وجہ سے یہ مجھ ر... ہے۔"

"بکواس مت کرو" اس بار ویرا پھر کر دوبارہ مجھ... راست مخاطب ہوگئی "مجھے تمہاری آنکھوں کی ہر تحریر پا... نظر آتی ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے رات کے ... لینے پر تلے ہوئے ہو....."

"ہو نہیں بلکہ تھے" سلطان شاہ نے اس کی بات... جلدی سے کہا "اب ڈیڈی نے اپنی ضد ختم کر کے محفل... آمادگی ظاہر کر دی ہے تو پرانی باتوں پر لعنت بھیج دو۔ ... روم میں بیٹھتے ہیں۔"

"ہونہہ!" میں پلٹتے ہوئے اتنی اونچی آواز میں بڑبڑا... میری بات سن لے "بوڑھا ڈرائے مرنے سے اور جوا... بھاگنے سے بھاگ کر جائے گی کہاں؟"

"مجھے بھی پھبتیاں کسنی آتی ہیں" ویرا نے کہا "... گھمنڈ ہے تو دیکھ لینا کہ میں کسی دن خاموشی سے نکل جا... اور تم دور دور تک میرا سراغ نہیں پا سکو گے۔"

میں نے چلتے چلتے پلٹ کر پوچھا "تم نے سراغ ہی کہا..."

وہ سوال اضطراری طور پر میری زبان پر آگیا تھا مگر... برمحل ثابت ہوا کہ ویرا خاموش ہوگئی۔ اس کے بشر... وندامت کی سرخی پھیل گئی تھی۔

ڈرائنگ روم میں پہنچتے ہی میں ایک دہرے صوفے... اور سگریٹ سلگانے کے بعد بولا "تم لوگوں نے میری ن... کرہی دی۔ اب کچھ پوچھتے بھی جاؤ تاکہ تمہارے سار... کے جواب دے کر آرام کر سکوں۔"

چند ثانیوں تک وہ تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ... غزالہ نے پہل کرتے ہوئے پوچھا "رات کو جانے سے... کے پاس اول خان کا کوئی فون آیا تھا؟"

"ہاں۔ اب اگلا سوال" میں نے گہری سنجیدگی سے ک...

"کوئی کچھ نہیں پوچھے گا" میری اس حرکت پر ویرا... صادر کر دیا "تم خود ہی پوری کہانی سناتے چلے جاؤ۔"

"وہ کوئی کہانی نہیں ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل... سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں" میں نے مذاق کو بالائے... ہوئے کہا "میرا خیال تھا کہ یہ باتیں صبح ہوتیں تو بہتر ہوتا..."

"رات کے اندھیرے میں ہم سب کی عقلیں بہت... کام کرتی ہیں" ویرا نے بھی اپنے لیے سگریٹ سلگا... دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا "صبح کا انتظار کر... اپنی جرح ابھی سے شروع کردو۔"

"اول خان کو میجر غوث سے اطلاع ملی تھی کہ ر...

قیدیوں میں ایک سفید فام عورت بھی ہے جو خود کو ریمی مارٹن کی بیوہ قرار دے رہی ہے۔ اس کی بہت سی باتیں میجر غوث کے لیے قابلِ فہم نہیں تھیں اس لیے اسے اسٹیشن فور منتقل کر دیا گیا۔ میں اول خان کے ساتھ وہیں گیا تھا" میں نے ان تینوں کو بتایا۔

"قیدیوں میں کسی عورت کا ہونا اتنا اہم تو نہیں تھا کہ تم دونوں ادھر دوڑ لگا دیتے" سلطان شاہ نے کہا۔

میں نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے ویرا سے پوچھا۔ "تم بوب گومز نام کے کسی امریکن سے واقف ہو؟"

"وہ جمی لائیڈ کے بچپن کے ان چند دوستوں میں سے ہے جو ہمیشہ ایک دوسرے سے ملتے رہے" اس نے بلا توقف جواب دیا۔ "امریکا میں، مَیں نے کئی بار اسے دیکھا تھا۔ وہ ڈیٹرائٹ میں جنرل موٹرز کے لیے پرزے بنانے والی ایک بہت بڑی اور منافع بخش فیکٹری کا مالک ہے لیکن تمہیں اس کا نام کیسے معلوم ہوا؟"

"بدقسمتی سے وہی فریڈم لاج کا سربراہ اور بلیک ہاک تھا" میں نے اسے آگاہ کیا "وہ پچھلے تین برسوں سے پاکستان میں اپنی عمر بھر کی کمائی خرچ کر کے ہیروئن کے استعمال کو پھیلا رہا تھا۔"

"اوہ خدا!" ویرا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "اس کا مطلب ہے کہ وہ شریف النفس آدمی بھی آخر کار میرے باپ کی باتوں میں آ کر غلط راستوں پر نکل چکا ہے۔ ٹکڑوں میں بات کرنے کے بجائے مجھے پوری بات بتاؤ۔ شی میں جمی لائیڈ کے اقتدار کا سورج غروب ہونے کے بعد اس پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا ہوگا۔"

میں نے بوب گومز کے بیٹے ٹیڈ کے المناک کردار سے وہ قصہ شروع کر دیا۔

بوب گومز، ایلس گومز اور ٹیڈ گومز کے مختصر سے خاندانی مثلث کے گرد گھومنے والی تباہی و بربادی کی وہ حکایت ان تینوں کے لیے ناقابلِ یقین حد تک حیرت ناک اور سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ وہ تینوں منہ پھاڑے ہمہ تن گوش بنے رہے۔ میری عقابی نظریں دیکھ رہی تھیں کہ ویرا کے چہرے پر کہیں کہیں غم و غصے کے آثار ابھر آتے تھے لیکن ان میں سے کسی نے درمیان میں کوئی دخل اندازی نہیں کی۔

وہ پُرپیچ واقعات اور بھیانک سازشوں کا ایک ایسا سلسلہ تھا جسے بیان کرنے کے لیے کافی وقت درکار تھا۔ میں ایلس کے بیان کے بارے میں ویرا کی رائے بھی حاصل کرنی چاہتا تھا اس لیے میں نے اپنی طرف سے ایلس کے بیان کی بہت سی وضاحتیں بھی شامل کر دی تھیں۔

ایلس کی آخری کیفیت اور عزم کا اظہار کرتے ہوئے میں نے آخر کار بات ختم کر دی۔

"یہ بالکل ناقابلِ یقین سی بات ہے کہ بوب اتنے عرصے سے کراچی میں کام کر رہا تھا اور کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔" سلطان شاہ نے حیرت سے کہا "جرائم پیشہ لوگوں کو بھی اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔"

"اصل بات یہ تھی کہ اسے شروع ہی سے زیرِ زمین دنیا کے لوگوں سے خفیہ مراسم پیدا کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی" غزالہ نے جواب میں کہا "ایک سفارتی افسر کے ذریعے آنے والے دلاور خان نے اس کا کام بہت آسان کر دیا تھا۔ وہ آدمیوں سے لے کر ہیروئن تک، ضرورت کی ہر چیز فراہم کرنے کے وسائل کا مالک تھا۔"

"یہ بوب کی نہیں، جمی لائیڈ کے خلاف سازشوں کی اندرونی کہانی ہے" ویرا قہربار آواز میں بولی "اس کی موت کے بارے میں، مَیں اب تک غلط فہمی کا شکار رہی تھی۔ اب پتا چلا کہ میرے باپ کو امریکا کی انتخابی سیاست کی بھینٹ چڑھایا گیا تھا۔"

"جمی لائیڈ کے قتل کا فیصلہ صدر کا تھا لیکن اس پر دباؤ ڈالنے والا راس المیڈا ہے جو امریکا کے سارے یہودی ووٹوں کا مالک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے" سلطان شاہ نے کہا۔

"پہلے بہت سی باتیں صاف نہیں تھیں لیکن اب سب کچھ سامنے آ گیا ہے۔ ایلس کے بیان نے میرے زخموں کو تازہ کر دیا ہے۔ اگر جمی لائیڈ اپنے اثر و رسوخ کے باوجود زندہ نہیں رہ سکا تو میں راس المیڈا کو بھی زیادہ دن سانس نہیں لینے دوں گی۔" ویرا اس وقت واقعی مشتعل نظر آنے لگی تھی۔

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ ایلس پر کس حد تک اعتبار کیا جا سکتا ہے؟" میں نے ویرا کی ذہنی حالت کو اعتدال پر رکھنے کے لیے ایک سوچا سمجھا سوال کیا۔

"میں ایلس سے واقف نہیں تھی" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "میں صرف بوب سے واقف تھی۔ میرا باپ بھی کبھی کبھی اس کا ذکر کرتا رہتا تھا۔ اسے فخر تھا کہ اگر اس نے غیر قانونی کاموں سے بے اندازہ دولت کمائی ہے تو اس کے جگری دوست نے اپنے قانونی کاروبار سے تقریباً اسی قدر دولت کے ساتھ نیک نامی بھی کمائی ہے۔"

"جمی لائیڈ نے کبھی ٹیڈ کی علت یا اس کی موت کا ذکر تو کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں، بوب کی گھریلو زندگی کے بارے میں ہماری کبھی کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"وہ جگری دوست تھے اور دونوں کا تقریباً ایک جیسا انجام ہوا" سلطان شاہ افسردگی سے بولا "ان کی دولت ان کے کسی کام نہیں آ سکی۔ یہ صرف خراب صحبت کی کرشمہ سازی نظر آتی ہے۔"

"تم کس کی خراب صحبت کی بات کر رہے ہو؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔

"میں کسی پر طنز نہیں کر رہا لیکن یہ غور کرنے والی بات ہے کہ

بوب کو عزت، شہرت اور دولت، سب ہی چیزیں حاصل تھیں لیکن وہ جمی لائیڈ کے بہکاوے میں آکر اچانک غلط راستے پر چل پڑا۔ دیکھا جائے تو اس نے نہایت نیک نیتی سے اس راستے کا انتخاب کیا تھا جو کہیں نہ کہیں عبرت ناک موت کے اندھیرے میں گم ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ دونوں کے قتل میں راس الیڈا کا کلیدی حصہ تھا۔"

"راس الیڈا کو امریکا، وہاں کے انتخابات یا شی سے کوئی ہمدردی نہیں ہے" ویرا پُرخیال لہجے میں بولی "اس کی ساری دلچسپی ڈیوڈ اسٹارز میں ہے۔ وہ اپنی بنائی ہوئی نسل پرست تنظیم کو طاقت اور وسائل کے اس مقام پر لے جانا چاہتا ہے جہاں کوئی اس کا حریف نہیں ہو۔ تم لوگ امریکا کو نہیں جانتے۔ میں وہاں کی سیاست کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے پاس ایلس کے بیان پر شبہ کرنے کی کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہے۔ وہ واقعات پر گہری نظر رکھنے والی ایک سمجھ دار عورت معلوم ہوتی ہے۔"

"راس الیڈا نے امریکا میں صدر کو اپنے ہزار پا شکنجے میں جکڑ کر تمہارے باپ کو قتل کرا دیا" سلطان شاہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "لیکن وہ پاکستان میں کہیں بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔ ابھی تک اسے اپنے ہر مقصد میں مسلسل ناکامیوں کے سوا کچھ بھی نہیں مل سکا۔"

ویرا کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی "تم سخی مراد کو بھول رہے ہو۔ تمہارا نامور سیاست داں اس کے ہاتھوں بکا ہوا ہے۔"

"لیکن وہ بھی پوری طرح نہیں بک سکا۔ پرواز کرنے سے پہلے اس کے پر کاٹ دیے گئے۔"

"پوری صورتِ حال میں سے اسپیشل ٹاسک فورس اور ہم چاروں کے کردار منہا کر کے دیکھ لو۔ تمہیں امریکا سے بدتر نتیجہ ملے گا۔ تم نے ایک سخی مراد پر ہاتھ ڈالا ہے۔ یہاں نہ جانے کتنے سخی مراد پل رہے ہوں گے۔"

سخی مراد کے نام نے میرے ذہن کے کچھ دریچے کھول دیے۔ اس وقت وہ ہمارے لیے بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ اگر اسے پوری احتیاط سے استعمال کیا جاتا تو راس الیڈا کو کراچی ہی میں پیوندِ خاک کیا جا سکتا تھا۔

"پتا نہیں جم کلارک کے بعد کون شی کا سربراہ بنایا گیا ہو گا؟" غزالہ بولی۔

"وہاں اب کوئی کالا کتا بھی ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا" ویرا نے تلخی سے کہا "شی اب راس الیڈا کی مٹھی میں ہے۔ اس کی نظر شی کی گرانٹ پر تھی، وہ اسے حاصل کر چکا ہے۔ کاغذوں پر شی کے مقاصد وہی رہیں گے جو طے کر لیے گئے تھے لیکن عملاً انہیں الٹ دیا جائے گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ راس الیڈا بہت حریص اور لالچی ہے۔ اگر وہ پاکستان میں ملنے والی سستی اور بہترین ہیروئن یہاں سے سمیٹ کر امریکا اور یورپ میں پھیلانے کا فیصلہ کر چکا ہے تو وہ تخریب کاریوں کے ساتھ اس منصوبے پر بھی کام کر رہا ہو گا۔"

"اگر اسے یہاں کی ہیروئن ہی خریدنی تھی تو اس کے لیے بہترین راستہ یہ تھا کہ وہ پاکستان اور افغانستان کے سرحدی علاقوں میں خاموشی سے آتا اور لمبی مدت کے سودے کر کے لوٹ جاتا۔ اسے کراچی میں گند پھیلانے اور خطرات مول لینے کی کیا ضرورت تھی؟" سلطان شاہ نے کہا۔

"تم جمی لائیڈ کے تجربات کو بھول رہے ہو" ویرا نے جواب دیا۔ "پاکستان میں شی بہت مستحکم اور توانا ہو گئی تھی۔ ہم یہاں اپنے من مانے فیصلے نافذ کرنے لگے تھے مگر ایمان داری کی بات یہ ہے کہ ڈیبی کی بغاوت نے شی کی بنیادوں میں ایسی دراڑیں ڈال دیں کہ آج شی پاکستان میں اپنا وجود کھو بیٹھی ہے۔ پھر مدر مافیا کے عالمی حلقوں میں حبیب جیوانی کی کہانی بھی ابھی تک گردش کر رہی ہو گی۔ ان کے ڈان نے ڈیبی سے خود سمجھوتا کیا تھا مگر انجام یہ ہوا کہ مافیا پاکستان میں پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ گئی، حبیب جیوانی خاک میں مل گیا۔ پاکستان میں شاید بے خبر لوگ بستے ہوں گے مگر پاکستان سے باہر ہر بڑے منشیات فروش کی یہ اٹل رائے ہے کہ ڈیبی کو راستے سے ہٹائے بغیر پاکستان میں منشیات کی کوئی بھی منظم تجارت نہیں چل سکتی۔ ہم بعد میں ڈیبی کے ساتھ شریک ہوئے ہیں۔ ایس ٹی ایف بھی بہت بعد کی بات ہے۔ ابتدا میں شی سے ٹکر صرف ڈیبی نے مول لی تھی۔"

"تم جہانگیر کی خدمات اور قربانیوں کو فراموش کر رہی ہو" سلطان شاہ نے شکوہ کیا۔

"آج بھی کوئی آئی مین اس کے سامنے اپنی سلور آئی لہرائے تو اس کا پیشاب خطا ہو جائے گا" ویرا غصے سے بولی "اس کی بات رہنے دو۔ وہ بس ڈیبی سے دوستی کی وجہ سے پانچوں سواروں میں شامل ہے۔"

"یا مظہرالعجائب!" سلطان شاہ حیرت سے بولا "تھوڑی دیر پہلے تم ڈیبی سے لڑ کر یہاں سے بھاگی جا رہی تھیں اور اب اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہی ہو۔ تمہارا کوئی بھروسا ہے؟"

"دوستی یا اختلاف کی وجہ سے حقیقتیں نہیں بدلا کرتیں۔ ڈیبی میں جو خوبیاں ہیں، وہ ہیں۔ میری تنقید سے وہ کم نہیں ہو سکتیں مگر ڈیبی کو مان لینا چاہیے کہ اس میں بہت سی برائیاں بھی ہیں۔"

"خوبیوں سے پہلے میں اپنی برائیوں کو تسلیم کرتا ہوں" میں نے اس کی بات کاٹ کے کہا "تم بات کو دوسرے رخ پر لے گئیں۔ ابھی سلطان شاہ کے اس سوال کا جواب دینا باقی ہے کہ راس الیڈا کراچی میں زبردست گند پھیلا کر خطرات کیوں مول لے رہا ہے۔"

"میرا اندازہ ہے کہ وہ کھسیائی ہوئی بلی کی طرح کھمبا نوچنے میں

مصروف ہے" ویرا نے کہا۔
"ہرگز نہیں۔ وہ بہت چالاک اور مکار ہے" میں نے زور دے کر کہا "تم خود کہہ رہی ہو کہ وہ ڈیوڈ اسٹارز کو دنیا کی ایک ناقابلِ تسخیر قوت بنانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"
"شاید میں نے یہی کہا تھا اور میں اب بھی اپنی اس رائے پر قائم ہوں" ویرا نے میری مستفسرانہ نگاہوں کے جواب میں دھیرے سے کہا "راس المیڈا جائز اور ناجائز ذرائع سے اربوں ڈالر کماتا ہے اور اپنی اس بے اندازہ آمدنی کو اندھادھند ڈیوڈ اسٹارز پر خرچ کرتا ہے۔"
"ڈیوڈ اسٹارز یعنی داؤدی ستارے ویسے ہی یہودیوں کے مقدس داؤدی ستارے کا جمع کا صیغہ ہے۔ اس نام ہی سے ظاہر ہے کہ راس المیڈا مجرم، دہشت گرد، سیاست دان یا صنعت کار جو کچھ بھی ہو، اندر سے کٹر اور نسل پرست یہودی ہے۔" میں نے کہنا شروع کیا "شروع میں فلسطینیوں اور عربوں کی یہودیوں سے بدترین دشمنی تھی کیونکہ ان ہی کی زمین پر جبری لکیریں ڈال کر اسرائیل کا مصنوعی جغرافیہ تیار کیا گیا تھا۔ عربوں سے یہودی کئی خون آشام جنگیں بھی لڑ چکے ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ زخم مندمل ہوتے جا رہے ہیں۔ ان روایتی حریفوں کی دشمنی رفتہ رفتہ دوستی میں بدلتی جا رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دونوں نے ایک دوسرے کے پچھلے گناہ معاف کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمارا ملک جو اسرائیل سے سیکڑوں میل دور واقع ہے اور کبھی بھی اسرائیل کے ساتھ کسی براہِ راست لڑائی میں ملوث نہیں ہوا، آج بھی ہر متعصب یہودی کی نفرت کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ راس المیڈا نہایت بدبودار نسلی جنونی ہے۔ وہ یہاں آیا ہے تو اپنے اصل کاموں کے ساتھ ساتھ پاکستان کے قومی مفادات کو سبوتاژ کرنا اپنا فرض تصور کرتا ہے۔ اسی لیے کے نائین کی سازش سامنے آئی تھی۔"
"میں تم سے متفق ہوں" ویرا نے کہا "کے نائین کی ناکامی کے بعد وہ کوئی اور سازش کر سکتا ہے۔ پہلے وہ ہمارا ایک عام سا حریف تھا لیکن ایلس کے بیان کے بعد میں نے اسے اپنا خاص ہدف بنالیا ہے۔"
"تم پہلے اس کو معاف کرتیں، نہ اب کروگی پھر عام اور خاص ہدف بنانے سے کیا فرق پڑتا ہے؟"
"راس المیڈا یہاں سازشیں کر رہا ہے، میں ڈیوڈ اسٹارز کو ان کے گڑھ میں تگنی کا ناچ نچاؤں گی" ویرا نے سفاکانہ لہجے میں کہا "میں نے اس سے اپنے باپ کی موت کا انتقام لینے کے لیے جلد از جلد امریکا جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"
ویرا کے اس انکشاف نے ہم سب کو حیران کردیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ اس نے تھوڑی دیر پہلے خاموشی سے فرار ہونے کی جو دھمکی دی تھی، وہ اسی کو عملی جامہ پہنانے کے بہانے تراش رہی تھی۔
"تم اس طرح یکایک امریکا نہیں جاسکتیں" میں نے بے اعتباری سے کہا۔
"کیوں؟ میری وجہ سے یہاں کون سا خاص کام رک جائے گا؟" اس نے پوچھا۔
"کوئی کام رکے یا نہ رکے، تمہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری اصل دشمنی ڈیوڈ اسٹارز سے نہیں، راس المیڈا سے ہے اور وہ اس وقت کراچی میں موجود ہے" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔
"اس کو سزا دینے کے لیے تم لوگ کافی ہو۔ میں جانتی ہوں کہ وہ مکار اور بزدل ہے۔ اگر اس کو اپنی جان کا حقیقی خطرہ محسوس ہوا تو وہ دُم دبا کر یہاں سے بھاگ جائے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ یہاں سے منہ کی کھا کر امریکا پہنچے تو میں اس کے استقبال کے لیے وہاں موجود رہوں۔"
"اس کا مطلب ہے کہ تم کو ہماری ناکامی کا مکمل یقین ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔
"میں سیدھی سیدھی باتیں کر رہی ہوں۔ ان سے کوئی مطلب نکالنے کی کوشش مت کرو۔"
"مگر تم امریکا کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ چکی تھیں" غزالہ نے حیرت سے سوال کیا "بیٹھے بٹھائے تم کو اچانک وہاں جانے کی کیا سوجھی ہے؟"
"میں نے امریکا کی شہریت کو خیرباد کہا ہے، وہاں نہ جانے کا کوئی عہد نہیں کیا۔ میں اپنی مرضی سے دنیا کے کسی بھی حصے کا سفر کرسکتی ہوں۔ میرا وعدہ ہے کہ گھوم پھر کر میں واپس پاکستان ہی آؤں گی۔"
"اس وقت تم ہم لوگوں میں مایوسی اور بددلی پھیلا رہی ہو" غزالہ نے صاف کہہ دیا۔
"یہ مجھ پر الزام تراشی ہے" ویرا نے احتجاج کیا "اپنے باپ کے خون کا انتقام لینا میرا فرض ہے۔ میں اپنا یہ فرض پورا کرنے کے لیے قطب شمالی تک بھی دوڑ لگا سکتی ہوں۔"
"تم سب کچھ کرنے کا حق رکھتی ہو مگر ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے" میں نے اپنے لہجے میں قدرے بے اعتنائی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "ابھی ایک اہم ترین کارڈ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ راس المیڈا بے چینی سے تخی مراد کی رہائی کا منتظر ہے۔ ہم اسے چھوڑ کر شاید راس المیڈا تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں۔ وہ زیر ہوجاتا ہے تو کھیل یہیں ختم ہوجائے گا۔ تمہیں اس سے اپنا انتقام لینے کا موقع مل جائے گا۔"
"تم لوگ میری بات کی تہ تک پہنچ ہی نہیں سکتے" اس نے زچ ہو کر کہا "راس المیڈا میرے باپ کے قتل کی سازش کا سب سے بڑا مجرم ہے لیکن اس سازش میں کچھ اور لوگ بھی شریک تھے۔ اس شخص کا جرم کچھ کم سنگین نہیں ہے جس نے جی لائیڈ کو ختم

کر دینے کا حکم صادر کیا تھا۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں یہاں بیٹھ کر اپنے دشمنوں کے بارے میں سوچ سوچ کر کڑھتی رہوں گی۔ ایک بار یہاں سے باہر نکل گئی تو موت کی بھیانک آندھی کی طرح ایک ایک کر کے اپنے دشمنوں کو چاٹتی چلی جاؤں گی۔"

"ہم تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کرسکتے لیکن یہ یاد رکھو کہ اب امریکا تمہارا دوست نہیں، دشمن ہے۔ اس سرزمین پر قدم رکھتے ہی تم مشکلات میں گھر جاؤ گی" غزالہ نے اسے ایک اہم خطرے کا احساس دلانا چاہا۔

ویرا کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولی۔

"تم بھول رہی ہو کہ میں آخری بار میلان سے کراچی آئی تو انطونیو میرے چارٹرڈ جہاز کا ہوا باز تھا اور میرا نام ماریانا گبرائیل تھا۔ میرے وہ سفری کاغذات ابھی تک محفوظ ہیں۔ میں پل پل میں روپ بدلنے والی عورت ہوں۔ تم لوگوں کا محبت بھرا ساتھ مل جانے کے بعد کاہل اور آرام پسند ضرور ہو گئی ہوں لیکن میری صلاحیتوں کو زنگ نہیں لگا ہے۔ مجھے جانے دو۔ میں اکیلی کچھ کرنے کے لیے نکلوں گی تو میری پرانی توانائیاں بحال ہو جائیں گی۔ واپسی پر نئی ویرا تمہارے لیے زیادہ کارآمد ثابت ہو گی۔"

"خیر، تم صبح کی پرواز سے تو نہیں جا رہی ہو" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "یہ فیصلہ بعد میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت شاید ہم سب کو تھوڑے سے آرام کی ضرورت ہے۔"

"میں آج ہی سے تیاریوں کا آغاز کرنا چاہتی ہوں۔ تم مصر ہو تو تھوڑی سی تاخیر ہی سہی۔"

"اور اگر میں تمہارے ساتھ چلنا چاہوں؟" سلطان شاہ نے نہایت معصومانہ لہجے میں پوچھا۔

"تاکہ تم وہاں لڑ لڑ کر میری زندگی اجیرن کر دو!" ویرا نے ہنستے ہوئے پوچھا "آخر تم تینوں اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہاری ٹولی میں شامل ہونے سے پہلے میں اکیلی تم سب سے لڑتی رہی تھی۔ میرا نام بلیک کوئن تھا اور اس نام سے بڑے بڑے سورما تھراتے تھے۔"

"وہ تمہارے عروج کا زمانہ تھا۔ اب تم سہاروں کی عادی ہو گئی ہو۔ یہ حقیقت تم کو مان لینی چاہیے" غزالہ نے محبت سے ویرا کی پشت پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"میں اسی طرح بلیک کوئن بن کر اپنی بقیہ زندگی گزارنے کی آرزومند ہوں۔ میری واپسی پر تم دیکھ لو گی کہ میں کسی سہارے کے بغیر بھی خود کو منوانے کی ہمت رکھتی ہوں۔"

"میں مانتا ہوں کہ تمہارے حوصلے بہت بلند ہیں لیکن تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کس قدر مہلک باتیں سوچ رہی ہو۔ امریکا کے صدر سے انتقام لینے کی سوچ سراسر دیوانگی ہے" میں نے کہا۔

وہ پھر ہنس پڑی "تمہیں معلوم ہے کہ امریکی تاریخ کے کتنے صدر قاتلانہ حملوں میں مارے گئے ہیں؟ کوئی دیوانہ اپنی جان ہتھیلی پر لے کر میدان میں کود پڑے تو بڑی بڑی ان ہونی باتیں ہو جاتی ہیں۔ خیر، اب اس بارے میں مزید کوئی بات نہیں ہو گی۔ تم خود کہہ چکے ہو کہ ہمیں تھوڑے سے آرام کی ضرورت ہے۔"

اس وقت سلطان شاہ عجیب سی نظروں سے ویرا کو تکے جا رہا تھا جیسے وہ پہلی بار اس کے سامنے آئی ہو۔ وہ ایک ادا کے ساتھ ہم تینوں کی طرف ہاتھ لہرا کر اپنی خواب گاہ میں گھس گئی اور دروازہ بند کر لیا۔

"اور لڑو اس سے" میں نے آہستہ سے سلطان شاہ سے کہا۔ "وہ چلی گئی تو پھر عمر بھر تمہاری نگاہیں اسے ڈھونڈتی ہی رہیں گی اور تم اسے نہیں پاسکو گے۔ اس پر جنون ساطاری ہو گیا ہے۔"

"مجھے تو اس سے لڑے ہوئے بھی بہت دن ہو گئے ہیں" اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا "اس وقت تم ہی سے اس کی جھڑپ ہوئی تھی۔ وہ اپنی نادانیوں کی وجہ سے ماری گئی تو اس کا خون تمہاری گردن پر ہو گا۔"

"جاؤ! اس وقت اچھے بچوں کی طرح سو جاؤ، جو ہونا ہے، وہ ہو کر رہے گا" میں نے اسے پچکارتے ہوئے کہا اور پھر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ سلطان شاہ نے سر جھکا کر لمحہ بھر کے لیے کچھ سوچا اور پھر فیصلہ کن انداز میں ویرا کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"ادھر کہاں جا رہے ہو؟" میں نے بوکھلائی ہوئی دھیمی آواز میں اس سے پوچھا۔

"نیند نہیں آ رہی۔ تھوڑی دیر تک اس کے ساتھ شطرنج کھیلوں گا" اس نے مغموم سی آواز میں کہا۔

اسے اس کے حال پر چھوڑ کر میں اپنے کمرے میں گھس گیا۔ غزالہ مجھ سے پہلے اندر پہنچ کر بستر کی چادر اور تکیے وغیرہ درست کرنے میں مصروف ہو چکی تھی۔

حالات اتنی تیزی سے کروٹیں بدل رہے تھے کہ میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی تھی۔ ویرا کے نئے فیصلے نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی۔ ویرا کے رہنے یا چلے جانے سے ہماری کارکردگی میں کوئی بڑا فرق پڑنے کا امکان نہیں تھا لیکن اس نے اپنی مخصوص عادتوں کی وجہ سے ہم سب کے دلوں میں اس طرح گھر کر لیا تھا کہ اس کی روانگی کے تصور نے ہم تینوں کو پریشان کر دیا تھا۔

بستر پر بھی غزالہ مجھ سے دیر تک ویرا کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ کچھ دنوں سے اسے میرے ساتھ ویرا کی بے تکلفی کھلنے لگی تھی۔ اس بارے میں اس نے مجھ سے شکایت بھی کی تھی۔ اس کے باوجود وہ ویرا کے جانے کے ارادے سے خوش نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ویرا کسی طرح بھی اپنے گزرے ہوئے دنوں کی سی شہرت حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ اس وقت اسے جمی لائیڈ کی خاموش حمایت حاصل تھی۔ بہت سے نامی گرامی مجرم جمی لائیڈ کے

دُخ سے ویرا کا راستہ کاٹتے ہوئے گھبراتے تھے اور وہ آزادی سے ہر طرف دندناتی پھرتی تھی۔ جمی لائیڈ کے قتل کے بعد ویرا اس سائے سے محروم ہو چکی تھی۔ راس المیڈا کے زیرِ اثر آجانے کی وجہ سے شی کی پوری تنظیم ہی ویرا کے خون کی پیاسی ہو چکی تھی۔ ان حالات میں اس کا امریکا جانے کا فیصلہ نہایت غیر دانش مندانہ تھا۔

مجھے غزالہ کی کئی باتوں سے اتفاق نہیں تھا لیکن میں نے زبان سے اس کا اظہار نہیں کیا۔ اس وقت میں ایسی کسی بحث میں الجھ کر غزالہ کے دل میں شکوک و شبہات پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سوچتے سوچتے مجھے نیند کی مہربان دیوی نے آلیا اور میں خوابوں کی دنیا میں گم ہو گیا۔

میں سہ پہر کو بیدار ہوا تو گھر میں چہل پہل تھی۔ وہ تینوں پہلے ہی اپنی نیند پوری کر چکے تھے۔

وہ ناشتے کا وقت نہیں تھا۔ دوپہر کا کھانا کھایا جا چکا تھا۔ رات کے کھانے میں کافی دیر باقی تھی۔ میں نے غزالہ سے ذرا بھاری ناشتے کی فرمائش کی اور اخبار بینی میں مصروف ہو گیا۔

سلطان شاہ ڈرائنگ روم کی جھاڑ پونچھ میں مصروف تھا۔ ویرا بیٹھی ٹیلی وژن دیکھ رہی تھی۔ میں اخبار کی اوٹ سے دیکھ رہا تھا کہ وہ کن انکھیوں سے باربار میری طرف دیکھ رہی تھی۔ مجھے اپنی طرف متوجہ نہ پا کر اس نے تھوڑی دیر بعد ٹیلی وژن آف کر دیا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"ویرا ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کہ رات کے اندھیرے میں ہماری عقلیں بہت تیزی سے کام کرتی ہیں اور دن میں کند ہو کر رہ جاتی ہیں۔" اس کے چلے جانے کے چند لمحوں بعد سلطان شاہ نے گہرا سانس لے کر کہا۔

میں نے اخبار ایک طرف پھینک کر اس سے پوچھا "تمہیں یہ نادر خیال کیسے آگیا؟"

"رات کو سب ہی ویرا کے جانے یا نہ جانے کے بارے میں پورے زور شور سے بحث کر رہے تھے۔ آج سب کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ تم آئے تو تم بھی اس سے بات کرنے کے بجائے اخبار لے کر بیٹھ گئے۔"

"آپ کو اس سے بات کرنی چاہیے تھی" غزالہ نے میرے ناشتے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا "اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ہماری طرف سے بات چیت کی ابتدا کی توقع کر رہی ہے۔"

"تم کہتی ہو تو میں ناشتے کے بعد اس سے بات کرلوں گا۔ سلطان شاہ بلاوجہ مبالغہ کر رہا ہے۔ ویرا سے آج صبح چار بجے کے بعد بات ہوئی تھی اور ابھی میں نے ناشتا تک نہیں کیا ہے۔ اس کا جانا اتنا سنگین مسئلہ نہیں ہے کہ اس پر نہار منہ بحث چھیڑ دی جاتی۔"

میں ناشتے سے فارغ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سلطان شاہ نے فون اٹھایا۔ اس کی سلام دعا کی آوازوں سے پتا چلا کہ دوسری طرف اول خان تھا اور مجھ سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔

میں ایک لمبے گھونٹ میں چائے کی پیالی خالی کر کے فون کی طرف متوجہ ہوا تو اول خان بولا "تھوڑی دیر پہلے سخی مراد کو نیم بے ہوشی کی حالت میں شہر سے باہر ایک ویرانے میں ڈال دیا گیا ہے۔ ایک آدمی چھپ کر اس کی نگرانی کر رہا ہے' دوسرا اس کے مکان پر مامور ہے۔ مکان والے نے اطلاع دی ہے کہ بند اور تاریک شیشوں والی ایک کار میں دو غیر ملکی وقفے وقفے سے سخی مراد کے مکان کے گرد منڈلا رہے ہیں۔"

"بہت اچھی خبر ہے" میں نے خوش ہو کر کہا "اس کا مطلب ہے کہ ہمارا منصوبہ بار آور ہونے کے آثار نمودار ہو رہے ہیں۔ تمہارے آدمیوں نے حاضر دماغی سے کام لیا تو ہمارا شکار ضرور پھنس جائے گا۔"

"مجھے ایسی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ ہم میں سے کون راس المیڈا کو پہچان سکے گا؟"

اول خان کے اس سوال پر میں لمحہ بھر کے لیے چکرا کر رہ گیا۔ صرف میں نے اسے ایک بار ایلین کی کمین گاہ پر دیکھا تھا۔ اس وقت وہ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں چھپا ہوا تھا۔ میں نے اپنی یادداشت تازہ کرتے ہوئے کہا "وہ خاصا جسیم اور قد آور ہے۔ اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"شاید ایک چوتھائی امریکن اسی قدو قامت کے ہوتے ہیں۔ مشتبہ گاڑی والے نیچے نہیں اترے لیکن ان کے بارے میں اندازہ ہے کہ دونوں کے مضبوط جسم چھ فٹ سے نکلتے ہوئے ہوں گے۔"

وہ اطلاع تشویش انگیز تھی۔ اگر وہ دونوں ایسے ہی تھے تو اس کا ایک ہی مطلب نکالا جا سکتا تھا کہ راس المیڈا کو ہماری اس کمزوری کا علم تھا۔ وہ سخی مراد کی آزادی میں پنہاں خطرات سے بھی واقف تھا۔ اس نے ہم لوگوں کو تذبذب میں ڈالنے کے لیے ایسے آدمیوں کو مامور کیا تھا جو اسی جیسی جسامت کے مالک تھے۔

"اس جیسا چالاک مجرم اتنی بڑی حماقت نہیں کر سکتا کہ نگرانی جیسے معمولی کام پر نکلنے کا خطرہ مول لے۔ یہ دونوں ڈمی معلوم ہوتے ہیں۔ ان سے چھیڑ چھاڑ کیے بغیر دور سے نگرانی کی جائے۔ راس المیڈا یہ یقین کرنے کے بعد میدان میں آئے گا کہ سخی مراد اپنے گھر پہنچ چکا ہے۔"

"اس کی شناخت کا مسئلہ پھر بھی باقی رہے گا۔ ہم راس المیڈا ہونے کے شبہے میں ہر لمبے چوڑے امریکن پر تو ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کس کو پکڑنا چاہ رہے ہیں۔"

"تم اس وقت کہاں موجود ہو؟" ذہن میں ایک خیال آتے ہی میں نے اس سے پوچھا۔

"اس وقت میں اسٹیشن فور میں ایک نئے اپرنٹس کے ساتھ

موجود ہوں۔ راس المیڈا اس پر ہونے والی گفتگو نہیں سن سکے گا۔ ہمارے پاس اس ساخت کے صرف دو یونٹ ہیں۔ ایک میرے پاس اور دوسرا مکان کی نگرانی کرنے والے کے پاس موجود ہے تاکہ وہ مجھے موقع کی بدلتی ہوئی صورتِ حال سے باخبر رکھ سکے۔"

"یہ بہت اچھا ہے۔ تم مسز ایلس کو مزے سے بات کرکے راس المیڈا کی نشانیاں معلوم کرو۔ اس نے فریڈم لاج میں اس خبیث کو بہت قریب سے دیکھا ہوا ہے۔ اس وقت صرف ایلس ہی ہماری مدد کرسکتی ہے۔"

"گڈ! تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اول خان کی مسرت آمیز آواز آئی پھر اس نے بتایا "ایلس بہت اداس ہے۔ اس نے ابھی تک کسی چیز کی فرمائش نہیں کی لیکن اپنی بلی کے بارے میں بہت فکرمند ہے۔"

"بلی؟" میں نے حیرت سے دہرایا "یہ بلی کہاں سے پیدا ہوگئی؟"

البرٹو ویلیسا کے سدھائے ہوئے دھماکا خیز بندروں اور ایلین کے خوں خوار کتوں کے بعد ایلس کی بلی کا ذکر میرے لیے بہت زیادہ حیرت کا سبب بنا تھا۔ معلوم ہورہا تھا کہ ہمارا ہر مجرم کوئی نہ کوئی جانور پالنے کے خبط میں مبتلا تھا۔

"ہاں' وہ کالے رنگ کی ایک بڑی سی سیامی بلی ہے جس کا نام پوپی ہے" اول خان بتا رہا تھا۔ "وہ ایلس کی پالتو بلی ہے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ وہ بلی مل جائے تو وہ اس کے ساتھ مصروف رہ کر آسانی سے اپنا وقت گزار سکے گی۔"

"وہ بلی تم کہاں سے پیدا کروگے؟ اس سے کہو کہ وہ کسی اور جانور کو سدھانے پر توجہ دے۔"

"میں نے اس سے وعدہ کرلیا ہے کہ میں فریڈم لاج میں تلاش کراؤں گا۔ پوپی وہاں موجود ہوئی تو ضرور اس کے حوالے کردی جائے گی۔ تم مشورہ دو تو میں یہ کوشش کرکے دیکھ لوں" اول خان ہنس رہا تھا۔

"مجبوری ہے۔ اس وقت ایلس بہت اہم ہے۔ ہمیں اسے خوش رکھنا ہوگا۔"

اول خان سے ملنے والی دونوں ہی اطلاعات عجیب وغریب تھیں۔ سخی مراد کے مکان کے گرد دو ہم قامت غیرملکی دیکھے جارہے تھے اور ایلس اپنی پالتو بلی کے لیے مری جارہی تھی۔ اول خان نے ان دونوں باتوں کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی تھی مگر میں راس المیڈا سے لڑتے ہوئے ہر احتیاط سے کام لینے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ ہم لوگوں نے ابتدا میں راس المیڈا کی طاقت اور حیثیت کا بہت غلط اندازہ لگایا تھا اور اس سے عام مجرموں کی طرح نمٹنے کی کوشش کی تھی لیکن وقت گزرنے کے بعد رفتہ رفتہ یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ وہ جرائم کی ایک ایسی سلطنت کا حکمراں تھا جو جمی لائیڈ کی شی سے ہر اعتبار سے بڑی تھی۔

میں نے غزالہ اور سلطان شاہ کو اس گفتگو کے بارے میں آگا کردیا۔

ویرا ہر فون کال کے بارے میں گہرے تجسس کا مظاہرہ کرنے کی عادی تھی لیکن اس مرتبہ اس نے اول خان کے فون کی گھنٹی سن لینے کے بعد بھی باہر آنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"اندر جاکر دیکھیں کہ وہ کیا کررہی ہے؟" غزالہ نے اس کے کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں غزالہ کی اسی ہدایت کا منتظر تھا۔ میں اس کے بند دروازے پر لمحے بھر کے لیے ٹھٹک گیا کیونکہ اندر سے دھیمے سُروں میں سیٹی بجانے کی دلکش آواز آرہی تھی۔ معلوم ہورہا تھا کہ ویرا اپنی کسی دُھن میں خاصی مگن تھی۔

چند ثانیوں کے بعد میں نے چوبی دروازے پر دستک دی تو اندر سے کم اِن کی آواز آئی۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ ویرا میرے سامنے تھی۔ میں مسحور نظروں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

وہ اس وقت گلابی رنگ کے پھول دار حریری لبادے میں ایک کرسی پر بیٹھی سگریٹ پی رہی تھی۔ اسکاچ کا گلاس اس کے دائیں ہاتھ میں تھا اور پیر شیشے کی میز پر رکھے ہوئے تھے۔ قدرت نے اسے بہت فیاضی سے ہر قسم کے حسن سے نوازا تھا۔ خدوخال سے لے کر اپنے پیکر تک وہ مرمر سے تراشے ہوئے ایک مجسمے کی طرح تھی لیکن اس وقت شبِ خوابی کے ڈھیلے ڈھالے لباس نے اس کے وجود کی کشش کئی گنا بڑھادی تھی۔

"دروازے پر رک کیوں گئے؟ اندر آجاؤ" اس نے بے پروائی سے پیر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ابھی تو تم اچھے خاصے لباس میں تھیں۔ اس وقت شبِ خوابی کا لباس پہننے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"دل چاہ رہا تھا۔ یہ لباس تمہیں برا لگ رہا ہو تو باہر چلے جاؤ۔ بعد میں بات کرلینا۔"

"یہ سب کیا ہے؟" میں نے مسہری پر پھیلے ہوئے چند جوڑوں' سفری تھیلے اور ویرا کی روز مرّہ ضرورت کی متعدد اشیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خشک لہجے میں پوچھا۔

"تم دیکھ ہی رہے ہو کہ یہ کیا ہے۔" اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر کہا "لمبے سفر کے لیے میری یہ تیاریاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ کراچی سے لندن یا فرینکفرٹ اور پھر وہاں سے دوسرے طیارے میں نیویارک کا سفر طویل ہوتا ہے۔ ویسے یہ سب تمہارا ہی لایا یا دلایا ہوا ہے۔ اعتراض ہو تو چھوڑ دوں؟"

"اس کا مطلب ہے کہ تم جانے کا یک طرفہ فیصلہ کرچکی ہو؟"

"فیصلے ہوتے ہی یک طرفہ ہیں۔ آدمی اتنا خود غرض ہوتا ہے کہ سارے فیصلے اپنی پسند اور ناپسند سے کرتا ہے۔ میں نے بہت سوچا ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ مجھے اپنا فیصلہ برقرار رکھنا چاہیے۔"

"تم نے فیصلہ کر ہی لیا تھا تو سوچنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔"

"تم تینوں کا اصرار میرے دل پر بوجھ بن رہا تھا۔" اس نے ایک ادا سے مسکرا کے کہا۔

میرے دل پر تیر سے چل گئے مگر میں مسہری کے جس سرے پر تھا' وہیں ٹکا رہا اور پوچھا "تو کیا اب تم نے اس بوجھ کو اپنے دل سے اتار کر کچرے کے کسی ڈھیر پر پھینک دیا ہے؟"

"مجھے محسوس ہوا ہے کہ مسلسل تمہارے ساتھ رہنے کی وجہ سے میں تمہاری نظروں میں اپنی توقیر کھو بیٹھی ہوں۔ دور رہ کر کچھ عرصے بعد واپس آؤں گی تو تم میری زیادہ قدر کرو گے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ جمی لائیڈ کے انتقام اور راس المیڈا کے انجام کی باتیں محض بہانہ تھیں؟"

"یہ کس نے کہا؟ میرے سفر کے اصل محرکات وہی ہیں۔ دوسری باتوں سے انہیں تقویت ملی ہے۔"

"دوسری باتیں نہ ہوتیں تو تم اپنے سفر کو کچھ عرصے کے لیے ملتوی کر دیتیں؟"

اس نے زبان سے کچھ کہے بغیر اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ فی الحال اپنا ارادہ ملتوی کر دو!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ حکم ہے یا التجا؟" اس نے ذومعنی تبسم کے ساتھ سوال کیا۔

"جو چاہو' سمجھ لو۔" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا۔ اس کا وہ سوال بہت ٹیڑھا تھا۔

"مگر کس رشتے سے؟" اس وقت ویرا کی آنکھوں کی چمک بہت بڑھ گئی تھی۔

"دوستی کے رشتے سے۔" میری آواز اچانک ہی کمزور پڑ گئی تھی۔

"مرد اور عورت کے درمیان صرف تین رشتے ہوتے ہیں۔ ماں' جو میں ہو نہیں سکتی کیوں کہ ہم دونوں تقریباً ہم عمر ہیں۔ بیوی' جو میں بن نہیں سکتی کیوں کہ یہ عزت تم غزالہ کو دے چکے ہو۔ بہن اور بیٹی' جو تم کہہ نہیں سکتے کیوں کہ ہمارا دھندلایا ہوا ماضی ان مقدس رشتوں سے کوئی میل نہیں کھاتا۔ ان کے درمیان جو تھا کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔" ویرا کی آواز اچانک تلخ اور کاٹ دار ہو گئی تھی "دوستی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے کچھ بھی نہیں ہیں اور اگر ہم ایک دوسرے کے کچھ بھی نہیں ہیں تو تم مجھ سے التجا کرنے یا حکم دینے والے کون ہوتے ہو؟"

سب کچھ واضح ہو گیا تھا۔ وہ صرف اور صرف میری سرد مہری سے مایوس ہو کر واپس جا رہی تھی۔

"میں پھر کہوں گا کہ اپنا فیصلہ بدل دو۔ اس میں تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

اس نے ایک اور گھونٹ لیا' بائیں آنکھ دبا کر مسکرائی اور سرگوشیانہ آواز میں بولی "میں ایک شرط پر اپنا فیصلہ تبدیل کر سکتی ہوں ورنہ کل کراچی سے نکل جاؤں گی۔"

"میرے بس میں ہوا تو میں تمہاری شرط پوری کر دوں گا۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ بہت محتاط لفظوں میں جواب دیا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ مجھ سے کھیل رہی تھی لیکن میں اس کے اُن کہے الزام سے بچنا بھی چاہتا تھا۔ مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کے امریکا لوٹ جانے کی ساری ذمے داری میرے اوپر آ جائے۔

"اسی وقت میرے پہلو میں آ کر بیٹھ جاؤ۔" اس نے سرک کر کرسی میں میرے لیے جگہ بناتے ہوئے کہا۔

"غزالہ آ گئی تو قیامت آ جائے گی۔" الفاظ اضطراری طور پر میری زبان سے پھسلتے چلے گئے۔

وہ اپنا سر پیچھے جھکا کر تلخ آواز میں ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی تھمی تو اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں کہا "مجھے معلوم تھا کہ تمہارا جواب یہی ہوگا۔ کچھ ہونے اور کچھ بھی نہ ہونے میں یہی فرق ہوتا ہے۔ میں چوری کا مال نہیں ایک جیتی جاگتی عورت ہوں۔ تم تصور نہیں کر سکتے کہ جب تمہاری خواب گاہ کا دروازہ بند ہوتا ہے تو میرے دل پر کیا گزرتی ہے۔ کئی بار میں گھنٹوں ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اس بند دروازے کو دیکھتی رہی ہوں لیکن ہر صبح میں نے مسکرا کر تم دونوں کا استقبال کیا ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرا حق چھین لیا گیا ہو۔ میں پہلے ہی تمہیں اور غزالہ کو بہت دکھ دے چکی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ میرا یہ دبا دبا انتقامی جذبہ کسی روز آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑے۔ میں تم دونوں کو مزید دکھ نہیں دینا چاہتی اسی لیے جا رہی ہوں مگر یقین رکھو کہ اپنی سوچ کا یہ زہر دھو کر میں جلد ہی واپس آؤں گی۔ میری طرف سے غزالہ اور سلطان شاہ کو بھی سمجھا دینا۔ سلطان شاہ بہت پیارا نوجوان ہے لیکن وہ اندر سے ایک بچہ ہے۔ فی الحال اسے محبوبہ کی نہیں' ایک ایسی آیا کی ضرورت ہے جو کبھی کبھی فیڈر بھر کر اس کی شکم پری کرا سکے......"

میں نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا "ان باتوں کے ساتھ ساتھ میں تمہیں یہ بھی بتانے آیا تھا کہ سخی مراد کو چھوڑ دیا گیا ہے مگر وہ ابھی تک اپنے گھر نہیں پہنچ سکا اور دو لمبے تڑنگے مشتبہ سفید فام صبح سے اس کے گھر کے اردگرد چکر لگا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ راس المیڈا اسے ایک لمحے کی مہلت بھی دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ اسے آتے ہی دبوچنے کی کوشش کرے گا۔"

"تم اسے مار بھی لو تو مجھے سفر سے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔" اس نے کہا "میں نے تمہیں کھل کر اپنے دل کا حال بتا دیا ہے۔ یہاں سے میرا دل اچاٹ ہو گیا ہے۔ دعا کرو کہ میں

دربدر کی ٹھوکریں کھا کر جلد ہی تمہاری دہلیز پر لوٹ آؤں۔ تقدیر نے یاوری کی تو کچھ روز ڈٹ کر اپنی مرضی کی زندگی گزاروں گی۔"

"میں تمہارا بدخواہ نہیں ہوں۔ تم جانے پر تل ہی گئی ہو تو کامیابیوں کی دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔" یہ کہہ کر میں اٹھا اور تیزی کے ساتھ اس کے کمرے سے نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

سلطان شاہ نے دور ہی سے بھانپ لیا کہ میرا نشانہ خطا گیا تھا۔ میں ڈرائنگ روم میں شکست خوردہ انداز میں صوفے پر گر گیا اور انہیں بتایا "تم دونوں اسے چھیڑنے کی کوئی کوشش نہ کرنا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس موذی عورت کا دماغ سنک گیا ہے۔ اب اسے راس المیڈا کے انجام سے بھی زیادہ دلچسپی نہیں رہی ہے۔ ہاں وہ بھاگ نکلا تو امریکا میں اسے ضرور گھیرے گی۔"

"وہ موذی ضرور ہے لیکن بلاوجہ نہیں سنک سکتی۔" سلطان شاہ نے سوچتے ہوئے کہا "یقیناً کوئی نہ کوئی بات اس کی مرضی کے خلاف ہوئی ہے۔ اس کی معافی تلافی ہو جائے تو وہ رک سکتی ہے۔"

"افلاطون مت بنو!" میں نے آنکھیں نکال کے کہا "وہ کل روانگی کے لیے اپنی پیکنگ کر رہی ہے۔"

"کل؟" سلطان شاہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا "وہ کل کیسے جائے گی۔ اس کا ٹکٹ بنا ہے' نہ سیٹ کنفرم ہوئی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ تم دونوں میں ہی کچھ ٹھنی ہوئی ہے۔ میں اس سے......"

"نہیں!" میں نے اس کی پوری بات سنے بغیر کہا "میں کہہ رہا ہوں کہ اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا ورنہ بات بہت زیادہ بگڑ جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی وقت اپنا سفری تھیلا لے کر ائرپورٹ پر ڈیرا ڈال دے۔"

میرے بگڑنے پر سلطان شاہ خاموش ہو گیا لیکن اس کی آنکھوں میں تشویش کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔

"اس کے بغیر یہ گھر اداس اور خالی خالی رہ جائے گا۔" غزالہ فکرمندانہ لہجے میں بولی۔

میں مزید کچھ کہے بغیر بھنا کر وہاں سے اٹھا اور اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ شاید وہ میرے اندر کا مجرمانہ احساس تھا جو ان کے ہمدردانہ تبصروں پر مجھے کچوکے لگا رہا تھا۔

گھر کی ہنستی کھیلتی فضا میں دیکھتے ہی دیکھتے کشیدگی اور اداسی سرایت کر گئی۔ چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ ہر ایک بولنے میں بھی یوں کفایت سے کام لے رہا تھا جیسے ہنسنے بولنے پر بھی سیلز ٹیکس لگا دیا گیا ہو۔ سلطان شاہ کی سرگرمیاں مشکوک ہو گئی تھیں۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ وہ بار بار میری نظریں بچا کر ویرا کے پاس جا گھستا تھا اور اس کی دلجوئی کی کوششیں شروع کر دیتا۔ اس معاملے میں شاید اسے غزالہ کی خوشنودی بھی حاصل تھی۔

چھ بجے اول خان کی طرف سے تین خبریں آئیں۔ سخی مراد اپنے گھر پہنچ گیا تھا۔ ایلس کی پالتو سیامی بلی فریڈم لاج سے برآمد کر کے اس تک پہنچا دی گئی تھی اور ایلس نے راس المیڈا کی چند واضح نشانیاں بتا دی تھیں۔

میرا اندازہ تھا کہ سخی مراد کو اپنے گھر پہنچنے میں بہت دیر لگی جب کہ پومی کو بہت سرعت کے ساتھ فریڈم لاج کی حدود سے برآمد کر لیا گیا ہے۔

ایلس کی بتائی ہوئی نشانیوں میں سب سے واضح نشانی یہ تھی کہ راس المیڈا کے چہرے پر بائیں آنکھ کے سرے اور کان کے درمیان چنے کے دانے کے برابر سیاہ رنگ کا ایک مسّا موجود تھا جو دور ہی سے نمایاں نظر آتا تھا۔ وہ ایک اہم شناخت تھی اور مجھے حیرت تھی کہ راس المیڈا جیسا رازداری کا شوقین شخص اپنے چہرے پر ایک ایسی نشانی لیے پھر رہا تھا جسے ایک حقیری سرجری سے الگ کیا جا سکتا تھا۔

ساڑھے چھ بجے اول خان فلیٹ پر پہنچا تو میں حیران رہ گیا کہ وہ آدھے گھنٹے کی قلیل سی مدت میں اسٹیشن فور سے ہمارے گھر تک کیسے پہنچ گیا لیکن اس نے یہ بتا کر کہ اس نے مجھ سے راستے کے ایک پبلک بوتھ سے بات کی تھی' میری الجھن دور کر دی۔

اول خان کو ویرا کے ارادوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ وہ آیا تو ویرا اپنے کمرے میں بند تھی۔ اول خان کا ذہن اپنے ہی مسائل میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے ویرا کی غیر حاضری کو محسوس کیے بغیر مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور میں فوراً ہی تیار ہو گیا۔

اس وقت گھر میں کشیدگی' گھٹن اور راز و نیاز کی جو صورت حال پیدا ہو چکی تھی وہ میری برداشت سے باہر تھی۔ اول خان نہ آتا تو میں تھوڑی دیر میں خود ہی گاڑی لے کر شہر کی آوارہ گردی کے لیے نکل کھڑا ہوتا۔

غزالہ اور سلطان شاہ کی کھوپڑیوں پر اس وقت ویرا سے کسی مفاہمت کا بھوت سوار تھا اس لیے انہوں نے میری اور اول خان کی مختصر گفتگو میں کوئی دلچسپی لی' نہ خلاف معمول سلطان شاہ نے ہمارے ساتھ چلنے پر اصرار کیا۔ شاید وہ یہ سوچ رہا ہو گا کہ میرے چلے جانے کے بعد اسے ویرا سے کھل کر بات کرنے کا موقع مل سکے گا۔

"مجھے راستے میں اطلاع ملی ہے کہ سخی مراد کے مکان کے قرب و جوار میں گھومنے والے دو میں سے ایک سفید فام کے چہرے کے بائیں حصے پر سیاہ مسّا موجود ہے۔" سفر شروع ہوتے ہی اول خان نے پُرجوش لہجے میں مجھے بتایا "زیادہ بھیڑ بھاڑ سے معاملہ خراب ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اوپر یہ بات نہیں بتائی تھی۔"

"شاید تم نے بتایا تھا کہ ان کے پاس بند اور تاریک شیشوں والی ایک کار ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں' شاید ان کی کار ائرکنڈیشنڈ ہے۔" اول خان نے روانی میں جواب دیا۔

"پھر راس المیڈا کے چہرے کا مسّا کیسے دیکھ لیا گیا؟" میں نے

سوال کیا۔
"یہ...... یہ تو میں نے نہیں پوچھا تھا۔ ابھی معلوم کیے لیتا ہوں۔" وہ گڑبڑا گیا۔
"اتنی عجلت نہ کرو۔" میں نے اس کے ہاتھ سے ایرٹیس واپس لے لیا اور کہا "اس معاملے میں کچھ اور باتیں بھی غور طلب ہیں۔ اگر وہ واقعی راس المیڈا ہے تو نگرانی جیسے معمولی کام میں کیوں الجھا ہوا ہے۔ یہ کام کسی اور سے بھی لیا جاسکتا تھا۔ جب سخی مراد کی واپسی کی اطلاع مل جاتی تو وہ خود میدان میں آجاتا۔"
"تمہاری بات معقول ہے۔ اتنے بڑے مجرم سے ایسی حماقت کی توقع نہیں کی جاسکتی لیکن جب کسی کا وقت پورا ہوجاتا ہے تو اس کی عقل پر پردے پڑجاتے ہیں اور وہ خود ہی آگ میں کود پڑتا ہے۔"
میں سگریٹ سلگا کر کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اول خان سے پوچھا "تمہارے پاس وہ ناکارہ ایرٹیس موجود ہے جس پر ہونے والی ہربات راس المیڈا سن لیتا ہے۔"
"آج کل میں اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہوں کہ پتا نہیں کب اس کی ضرورت پڑجائے یا راس المیڈا کا کوئی پیغام آنے لگے۔ وہ گلو کمپارٹمنٹ میں پڑا ہوا ہے۔"
"اب، ذرا اپنے آدمی سے پوچھو کہ اس نے راس المیڈا کا مسّا کیسے دیکھا تھا۔ یہ بھی معلوم کرنا کہ مکان کی نگرانی کرنے والے اس سے پہلے وہاں موجود تھے یا بعد میں نظر آئے تھے۔" میں نے کہا۔
اول خان نے فوراً ہی اپنے آدمی سے رابطہ کرکے اس کی رپورٹ طلب کی۔ اس نے بتایا کہ وہ سخی مراد کے مکان کے سامنے ایک اوٹ میں چھپا ہوا تھا لیکن پچھلے پندرہ بیس منٹ سے تاریک شیشوں والی مشتبہ کار غائب ہے۔ مکان میں کسی قسم کی کوئی ہلچل دیکھنے میں نہیں آرہی۔
"وہ کار تمہارے پہنچنے کے بعد وہاں دیکھی گئی تھی یا پہلے سے موجود تھی؟" اول خان نے پوچھا۔
"وہ شاید پہلے سے وہاں منڈلا رہے تھے۔ میں اپنے لیے مناسب جگہ تلاش کررہا تھا تو میں نے پہلی بار اس کار کو دیکھا اور نظر انداز کردیا مگر تاریک شیشوں اور غیر ملکی چہروں کی وجہ سے کار میرے ذہن میں محفوظ ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد وہی کار دوبارہ نظر آئی تو میں سمجھ گیا کہ وہ مجھ سے پہلے اس مکان میں دلچسپی لے رہے تھے۔ جب تک مجھے پورا یقین نہیں ہوگیا میں نے ان کی موجودگی کی رپورٹ نہیں دی تھی۔"
"اور تمہیں ان میں سے ایک کا سیاہ مسّا کیسے نظر آیا تھا؟" اول خان نے اگلا سوال کیا۔
"مسّے والا پسنجر سیٹ پر سوار تھا۔ ایک مرتبہ وہ گاڑی کے ٹائروں کی ہوا دیکھنے کے لیے نیچے اترا تھا تو میں نے وہ سیاہ مسّا دیکھا تھا۔ اپنی طرف کے ٹائروں کو ٹھوکریں مارنے کے بعد وہ دوبارہ اندر بیٹھ گیا تھا۔"
"میں اسی طرف آرہا ہوں۔ ضرورت پڑی تو دوبارہ بات کرلوں گا۔" "وہ کھلا ہوا دھوکا تھا۔" بات ختم ہوجانے پر میں نے اول خان سے کہا "راس المیڈا سمجھ چکا ہے کہ ہم اسے خبردے کر سخی مراد کو رہا کررہے ہیں تو اسے گھیرنے کے چکر میں ہیں۔ سخی مراد کے گھر کی نگرانی کرنے والے کسی بھی آدمی کو سامنے لانے کے لیے وہ گاڑی بہت پہلے سے ادھر گھوم رہی ہوگی۔ یہ ساری کارروائی اتنے بھونڈے انداز میں ہوتی رہی ہے کہ ہربات خود بہ خود واضح ہے۔"
"مسّے والے کا گاڑی سے اترنا بھی اسی اسکیم کا حصہ رہا ہوگا۔" اول خان سوچتے ہوئے بولا "مگر راس المیڈا کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہم لوگ مسّے والے کو تلاش کررہے ہوں گے؟"
"اس کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا۔ فریڈم لاج سے پکڑے جانے والے اس سے ناواقف تھے مگر یہ بات ہر ایک جانتا ہوگا کہ سیاہ مسّے والا وہاں آتے ہی اپنا حکم چلانے لگا تھا اور وہی فساد کی جڑ تھا۔"
"اس سے تو یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ تاریک شیشوں والی کار میں راس المیڈا خود سوار تھا۔"
"وہ یہ حماقت کرہی نہیں سکتا۔ وہ خود ہوتا تو کبھی نیچے اتر کر ٹائروں کی ہوا نہ دیکھتا۔ یہ کام اس کے ڈرائیور کو کرنا چاہیے تھا۔ وہ اپنے جیسے قدو قامت والے کسی بھی سفید فام کے چہرے پر زنانہ میک اپ والی سیاہ پنسل سے ایسا داغ ڈال سکتا ہے جو دور سے دیکھنے پر مسّا معلوم ہو۔"
"ہوسکتا ہے کہ وہ مارون یا ہیلی کاپٹر کا ہوا باز ہو۔ فرار ہوتے ہوئے راس المیڈا ان دونوں کو اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔ وہ اب بھی اس کے لیے کام کررہے ہوں گے۔"
"وہ فریڈم لاج میں قدم رکھے بغیر بھی اپنا کام چلا رہا تھا۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس کا قونصل خانہ اسے بھرپور حمایت فراہم کررہا ہے۔ آدمیوں کی فراہمی اس کے لیے بہت آسان ہے۔"
"یہ برا ہوا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے وہ کار غائب ہوگئی ورنہ ہم ان دونوں کو ہی رگید سکتے تھے۔"
"کار کا غائب ہونا اس اعتبار سے برا ہوا کہ ہم نے راس المیڈا کی ڈی کو آزمانے کا موقع کھودیا۔"
"آزمانے کا موقع؟ تم نے تو انہیں چھیڑنے سے منع کیا ہوا تھا۔" اول خان نے حیرت سے کہا۔
"ہم انہیں چھیڑے بغیر آزما سکتے تھے۔" میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "وہ کار نگاہوں میں آتی تو میں ایرٹیس پر راس المیڈا سے رابطہ کرتا۔ اس کا جواب ملتے ہی اندازہ ہوجاتا کہ مشتبہ کار والا ڈمی ہے یا اصل راس المیڈا ہے۔ وہ اصل ہوتا تو ایرٹیس پر انجن کا شور سنائی دیتا اور پھر اس کی حرکات سے بھی ظاہر ہوجاتا کہ وہ بے کار بیٹھا ہوا ہے یا ایرٹیس استعمال کررہا ہے۔"

"آج کل تم ضرورت سے زیادہ سوچنے اور بال کی کھال نکالنے لگے ہو۔" اس نے ہنس کر کہا۔
"مجبوری ہے ورنہ کون اپنے ذہن کو بلاوجہ تھکانا پسند کرے گا۔ اور ہاں ایک طرح سے مشتبہ کار کا غائب ہونا بہتر بھی ہے۔ طویل جائزہ لینے کے بعد وہ دونوں میدان صاف ہونے اور سخی مراد کے آجانے کی خبر لے کر گئے ہیں تو راس الیڈا کسی بھی وقت اپنے شکار پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔"
"کاش تمہارا یہ شگون درست ثابت ہو ورنہ آج کی محنت رائگاں جائے گی۔ میں تو مشتبہ کار میں راس الیڈا کی ڈی کی موجودگی کی خبر پا کر بہت خوش ہوا تھا اور تمہارا نمبر نہ ملنے پر دفتر سے نکل کھڑا ہوا تھا۔"
"راس الیڈا کا معاملہ نہ ہوتا تب بھی تمہیں فلیٹ پر آنا ہی پڑتا۔" چند ثانیوں بعد میں نے کہا۔
"کیوں؟ کیا کوئی خاص بات ہے؟" میرے لہجے نے اسے چونکا دیا۔
"ہاں۔ تمہاری چہیتی کی کھوپڑی الٹ گئی ہے۔ آج شاید تم اس سے آخری ملاقات کر سکو گے۔"
"کس چہیتی کی بات کر رہے ہو؟ میں عورتوں سے بہت دور بھاگتا ہوں۔"
"تم ویرا کو اپنی فورس میں نوکری دلوانے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے مگر کسی وجہ سے اس کا دماغ اچانک ہی الٹ گیا۔ وہ کل امریکا جا رہی ہے اور اپنے اس فیصلے پر اڑی ہوئی ہے۔"
وہ انکشاف سن کر اول خان حیرت سے اچھل پڑا "وہاں وہ ماری جائے گی۔ اسے روکو، ہر قیمت پر روکو۔ یہ تم نے عجیب ہی خبر سنائی ہے۔ وہ ہر قدم پر ہمارے بہت کام آتی رہی ہے۔"
"تمہاری سب باتیں بجا ہیں لیکن اب وہ نہیں رکے گی۔ ملو گے تو تم بھی اسے سمجھا کر دیکھ لینا۔ اس کے چلے جانے کی خبر نے سب کو اداس اور پریشان کر دیا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ بہت ضدی طبیعت کی مالک ہے۔"
"میرا خیال تھا کہ وہ ایلس سے ضرور ملے گی۔ اس کے بیان پر وہ کیا کہتی ہے؟"
"وہ ایلس کو نہیں جانتی لیکن بوب سے واقف تھی۔ اصل خرابی ایلس کے بیان ہی سے پیدا ہوئی ہے۔ وہ اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لیے امریکا جانا چاہتی ہے۔" میں نے بتایا۔
"لیکن جمی لائیڈ کے قتل کا اصل ذمے دار تو یہاں دندناتا پھر رہا ہے۔"
"اس نے راس الیڈا کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔ وہ بچ نکلا تو پھر ویرا اس کی خبر لے گی۔"
"مگر راس الیڈا کے بارے میں اس کی یہ سوچ ہے تو کیا وہ اپنے صدر سے ٹکرانے کا ارادہ رکھتی ہے؟" اول خان نے بالکل منطقی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے بے اعتباری اور حیرت سے پوچھا۔
"وہ یہی کچھ سوچ رہی ہے۔ کہتی ہے کہ امریکا میں کچھ وقت گزار کر پاکستان لوٹ آئے گی۔"
"خدا کرے کہ وہ زندہ رہے اور لوٹ آئے لیکن میں اس کے بارے میں ایک بات ضرور کہوں گا۔"
میں اس کی رائے سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہو گیا۔ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد وہ کہنے لگا "اس بے چاری کے ساتھ تمہارا اور سلطان شاہ کا رویّہ اکثر بے رحمانہ ہو جاتا ہے۔ آپس کی نوک جھونک اور ہنسی مذاق حد سے بڑھ جائے تو تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔ ایسے لمحات میں وہ خود کو بالکل اکیلا محسوس کرتی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی اکتاہٹ نے اسے یہاں سے منتقل ہونے پر مجبور کیا ہو۔"
وہ پورے حالات اور پس منظر سے ناواقف تھا لیکن اس کا تجزیہ سو فیصد درست تھا۔ میں جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس کے ایریٹس پر کال کا اشارہ آنے لگا۔
"سر! سخی مراد کا مکان دھماکوں سے اڑا دیا گیا ہے۔" رابطہ ہونے پر اول خان کے آدمی کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی "سیاہ رنگ کی ایک تیز رفتار کار اس مکان کے قریب آکر اچانک رکی۔ اس میں سے دو بم اندر اچھالے گئے اور دھماکوں سے پوری عمارت اڑ گئی۔ بم بہت طاقت ور تھے۔ فضا میں گرد اور دھواں ہی دھواں بھر گیا۔ میں پوری رفتار سے اس کار کا پیچھا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر مجھے ڈر ہے کہ میری موٹر سائیکل کا انجن میرا ساتھ نہیں دے سکے گا۔" اس خبر میں سن ہو کر رہ گیا۔
"تعاقب جاری رکھو اور پوزیشن بتاتے رہو۔ میں اسی طرف آنے کی کوشش کرتا ہوں۔"
"یہ بہت برا ہوا۔" اول خان متاسفانہ لہجے میں بولا "اس نے وار کرنے میں حیرت ناک تیزی دکھائی ہے۔ سخی مراد کے ساتھ نہ جانے اور کتنے لوگ مرے ہوں گے۔"
ایریٹس پر سیاہ کار کی پوزیشن آ رہی تھی۔ اول خان اس کے مطابق راستہ طے کر کے تیز رفتاری سے موڑ پر موڑ کاٹتا جا رہا تھا۔ وہ جوش اور سنسنی کے عجیب لمحات تھے۔ میری دلی آرزو تھی کہ ہم سیاہ کار کو پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں لیکن اول خان کا آدمی سیاہ کار کا فاصلہ بڑھنے کی خبر دے رہا تھا۔ پھر وہ کار اس کی نظروں سے غائب ہو گئی۔ وہ پوری رفتار سے سیدھا بڑھتا چلا گیا لیکن آگے میدان بالکل صاف تھا۔ سیاہ کار ٹریفک کی آڑ لے کر راستے میں ہی کہیں مڑ چکی تھی۔
"کار کا نمبر کیا تھا؟" وہ ساری مشق رائگاں جانے کے بعد اول خان نے اپنی گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے مایوسانہ آواز میں پوچھا۔ اس کے چہرے سے اندرونی کرب کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔
"کار کی نمبر پلیٹ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ میں آرکائیو سے آگے

کچھ نہیں پڑھ سکا۔"
"سیدھے اسٹیشن فور چلے جاؤ اور وہاں کی رپورٹ دو۔ میں شہر میں رکوں گا۔"
"سخی مراد اپنے ساتھ اپنے اہلِ خانہ اور شاید کچھ ملازمین کو بھی لے ڈوبا۔" تھوڑی دیر بعد میں نے کہا۔
"مجھے دکھ ہے کہ وقت کے ذرا سے فرق سے وہ سب بلاوجہ مارے گئے۔"
"بلاوجہ کوئی نہیں مارا جاتا۔ اسے تم مکافاتِ عمل کہہ سکتے ہو۔ ان سب کی پرورش حرام کی اسی آمدنی سے ہو رہی تھی جو سخی مراد کو حاصل ہوتی تھی۔ ولی داد کی طرح سب جانتے ہوں گے کہ ان سب کا کفیل کن ذرائع سے کما رہا ہے لیکن کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی اور آج وہ سب نہیں تو ان میں سے کافی مارے گئے۔"
"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن یہ راس المیڈا کا اندھا دھند حملہ تھا جس میں نشانہ لیے بغیر وار کیا گیا تھا۔ اگر مارے جانے والوں میں سخی مراد شامل نہ ہوا تو تمہارا ردِعمل کیا ہوگا؟"
"میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس کا زندہ رہ جانا انصاف کے فطری اصولوں کے خلاف ہوگا۔"
"میرا خیال ہے کہ راس المیڈا اس وقت سخی مراد کے مکان کے قریب ہی کہیں روپوش ہے جب ہی وہ اتنی جلدی وہاں تک پہنچ گیا۔" اول خان نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا۔
میں نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میرا اندازہ تھا کہ راس المیڈا اس وقت خود کو شہر میں کہیں بھی محفوظ تصور نہیں کر سکتا تھا۔ فریڈم لاج میں موت کے جبڑوں سے نکلنے کے بعد وہ صرف اور صرف قونصل خانے میں ہی پناہ لینے کا تصور کر سکتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اس نے سخی مراد پر وار کرنے کے لیے اس کے مکان کے قرب وجوار میں واقع اپنے کسی ہم وطن کے گھر کو عارضی اڈے کے طور پر استعمال کیا ہو اور وار کرنے کے بعد دوبارہ اپنے مستقل مسکن کی طرف فرار ہو گیا ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو لڑتے ہوئے بے خوفی سے خطرات مول لیتے رہتے ہیں۔
ہم سخی مراد کے مکان کے کھنڈرات کے قریب پہنچے تو اس وقت بھی فضا گرد وغبار اور کثیف دھوئیں سے اٹی ہوئی تھی۔ وسیع رقبے پر بنے ہوئے مکان کا بیشتر حصہ دھماکوں کی شدت سے مسمار ہو چکا تھا۔ اس وقت تک کوئی امدادی پارٹی جائے وقوع پر نہیں پہنچی تھی اور وہاں جمع ہو جانے والے دہشت زدہ تماشائیوں میں کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ملبے میں گھس کر زخمیوں کی مدد کرنے کی کوشش کرتا۔ لوگوں کی چہ میگوئیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہاں موجود ہر شخص تیسرے دھماکے کے خطرات سے سخت خوف زدہ تھا۔
سخی مراد کا وہ گھر ایک کشادہ لیکن غیر مصروف سڑک پر واقع تھا۔ علاقہ پوری طرح آباد نہیں ہوا تھا بلکہ جابجا خالی پلاٹ نظر آ رہے تھے۔ بیشتر مقامات پر تعمیراتی سرگرمیاں چل رہی تھیں۔ مجموعی طور پر وہ ایسا علاقہ تھا جہاں کوئی بھی اجنبی دوسروں کی نظروں میں آئے بغیر نگرانی وغیرہ کا کام سرانجام دے سکتا تھا۔
اول خان جوش اور انسانی ہمدردی کے جذبے سے مغلوب ہو کر گاڑی سے اترا۔ دروازے مقفل کر کے ہم دونوں منہدم ملبے میں چند ہی قدم بڑھے تھے کہ گہرے دھوئیں نے نتھنوں کے راستے اول خان کے پھیپھڑوں پر حملہ کر دیا۔ بارود اور غبار کے مہلک ذرات کی سوزش سے اس پر کھانسی کا شدید دورہ پڑا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ دبائے راستے سے ہی واپس لوٹ گیا۔
تماشائی اسے حیرت اور تحسین کی نظروں سے دیکھ رہے تھے وہ کچھ بھی نہیں کر سکا تھا لیکن اہم بات یہ تھی کہ اس نے ایک نیک کام کرنے کی اپنی سی کوشش ضرور کی تھی۔
شدید کھانسی نے اول خان کو بے حال کر دیا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور ان سے پانی رواں ہو گیا تھا۔ میں اسے سہارا دے کر گاڑی تک لایا اور دروازہ کھول کر پسنجر سیٹ پر بٹھا دیا۔ مزدور طبقے کے کچھ لوگ ہماری گاڑی کے گرد جمع ہونے لگے تھے۔ میں نے وہاں مزید رک کر تماشا بننے کے بجائے تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس بار میرا رخ اپنے گھر کی طرف تھا۔
"یہ بھی مکافاتِ عمل کا ہی ایک حصہ ہے۔" اول خان کی کھانسی تھم جانے پر میں نے دھیرے سے کہا۔
"خدا کی پناہ!" وہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا "میرا سینہ ابھی تک جل رہا ہے۔ گیس ماسک کے بغیر کوئی بھی اندر قدم نہیں رکھ سکے گا۔"
"سخی مراد ملبے سے بچ گیا ہوگا تو دھوئیں سے دم گھٹنے کی وجہ سے مر جائے گا۔ اصولاً اسے مرنا ہی چاہیے۔ تم نے قدرت کی اس مرضی میں دخل دینے کی کوشش کی اور دھوئیں نے تمہیں واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ میں تمہارے ساتھ تھا لیکن دھوئیں نے میرا کچھ نہیں بگاڑا...... لاؤ ذرا گلو کمپارٹمنٹ میں سے دوسرا اپریٹس تو دو۔ دیکھتے ہیں کہ راس المیڈا اب کیا کہتا ہے۔ اسے یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ ہم اس سے غافل نہیں ہیں۔"
"یہاں ٹریفک ملے گا۔ گھر سے بات کر لینا۔" اس نے تقریباً ہانپتے ہوئے کہا۔ دھوئیں کے موذی اثرات سے نجات پانے کے لیے اس کے پھیپھڑوں کو اس وقت بہت زیادہ آکسیجن کی ضرورت پیش آ رہی تھی۔
ہم گھر پہنچے تو غزالہ اور سلطان شاہ کی کوششوں سے جمود کچھ ختم ہوا تھا۔ وہ ریا عام لباس اور بہتر موڈ میں ڈرائنگ روم میں موجود تھی۔ اول خان سیدھا اسی کی طرف گیا اور پُرخلوص لہجے میں بولا
"میں نے سنا ہے کہ تم امریکا جانے کے لیے پر تول رہی ہو...... بھول کر بھی ایسی حماقت نہ کرنا۔ وہاں جا کر تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔"
"سب کچھ جاننے کے بعد بھی میں یہاں بیٹھی رہی تو اپنے فرض

سے بے وفائی کروں گی۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے راس المیڈا کی کیا خبریں ہیں؟ ڈمی اس کے خاتمے کے بارے میں بہت پُرامید ہے۔" اس نے چالاکی سے بات بدل دی۔

"ہم اسی کے پیچھے گئے تھے۔ وہ سخی مراد کے مکان کو تباہ کر کے نکل گیا۔"

ویرا کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولی۔ "میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ ایک بار پھر کسی چمکتی مچھلی کی طرح پھسل کر ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ وہ لومڑی کی طرح مکار اور بھیڑیے کی طرح خوں خوار درندہ ہے۔ جو شخص امریکا کے صدر کو اپنے ایک حلیف کے قتل پر مجبور کر سکتا ہو' وہ عام آدمی سے بہت مختلف ہوتا ہے اور اس سے اسی طرح نمٹنا پڑتا ہے۔ اسے یہاں سے نکل جانے دو۔ میں اسے اس کے گھر میں گھیر کر کسی خارش زدہ کتے کی موت ماروں گی۔ تم میری بات لکھ لو کہ وہ میرا مجرم ہے اور میرے ہی ہاتھوں مارا جائے گا۔"

"اسے زبردستی یہاں سے نہیں نکالا جا سکتا۔" اول خان نے نفت سے کہا "تم امریکا جانے پر تلی ہی گئی ہو تو کوشش کر کے اسے بھی اپنے ساتھ لیتی جاؤ۔"

"خاموشی!" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا "ذرا میں راس المیڈا کی مزاج پرسی کر لوں۔"

میں اپریٹس پہلے ہی آن کر چکا تھا۔ خاموشی ہوتے ہی بٹن دبا کر راس المیڈا کے لیے پیغام نشر کرنے لگا۔

"کیا بات ہے؟ تم بار بار مجھے کیوں پریشان کرتے ہو؟" دوسری طرف سے فوراً ہی راس المیڈا کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تمہارا شکریہ ادا کرنا تھا کہ آخر کار تم نے وہی کیا' جس کی تم سے توقع کی جا رہی تھی۔" میں نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا مگر پھر فوراً ہی بات میں ٹکڑا لگاتے ہوئے کہا "لیکن تمہارا نشانہ بہت خراب ہے۔ کئی ہلاکتوں کے باوجود سخی مراد زندہ ہے اور اس وقت سرکاری مہمان خانے میں ہے۔"

"نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا۔" اس کی سخت آواز میں بے یقینی تھی "اس کی خواب گاہ مکان کے اگلے حصے میں ہے۔ وہ کسی بھی صورت میں نہیں بچ سکتا تھا۔ تمہیں کچھ نہیں معلوم' تم صرف قیاس آرائی کر رہے ہو۔"

"میں پورے واقعے کا چشم دید شاہد ہوں۔ کیا تم انکار کر سکتے ہو کہ تم نے چلتی کار روک کر سخی مراد کے گھر پر دو طاقت ور دستی بم پھینکے تھے؟"

"تم وہاں تھے تو سامنے کیوں نہیں آئے؟ تم نے میرے لیے چوہے دان بنانے کی کوشش کی تھی۔"

"عین وقت پر گاڑی جواب دے گئی ورنہ تمہاری سیاہ کار بچ کر نہیں نکل سکتی تھی۔ ویسے اس کا نمبر دیکھ لیا گیا ہے اور اب تمہاری گردن پھندے سے بہت قریب ہو گئی ہے۔"

اس نے ایک اور قہقہہ لگایا اور کہا "اس نمبر کی گاڑی تم عمر بھر ڈھونڈتے رہو گے۔ اس پر آگے پیچھے دو مختلف اور نامکمل نمبر پلیٹیں لگی ہوئی تھیں۔"

"دوسری بات یہ کہ تمہارے ڈمی کے چہرے پر بنایا ہوا مسّا بہت ناقص تھا۔ میں اس کے ہاتھ پیر توڑ کر تمہارے پاس بھیج سکتا تھا لیکن میں نے محض تمہارے انتظار میں اس سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔ خود کو نمایاں کرنے کی کوششوں میں اس نے بس سڑک پر ناچنے سے گریز کیا ورنہ وہ ساری احمقانہ حرکتیں کر گزرا تھا۔"

"زیادہ تیزی دکھانے کی کوشش کرو گے تو تم خود ہی منہ کے بل گرو گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب ہمارے درمیان فیصلہ ہونے کا وقت بہت قریب آگیا ہے۔" اس کی آواز بہت زیادہ تلخ ہو گئی۔

"ہمارے درمیان مقابلہ ہونے سے پہلے سرکاری ادارے تمہیں گھیر لیں گے۔ سخی مراد کے خلاف انہیں بہت سا مواد میں دے چکا ہوں۔ وہ اس سے باز پرس کریں گے اور تمہارا کھوج نکال لیں گے۔ سخی مراد کو یہ سمجھنے میں دقت نہیں ہو گی کہ اس پر ناکام قاتلانہ حملہ تم نے کرایا ہے۔"

"میں مان ہی نہیں سکتا کہ پاکستان میں کوئی سرکاری ادارہ سخی مراد پر ہاتھ ڈال سکتا ہے۔"

"یہ اس وقت تک ہوتا ہے جب تک نصیب ساتھ دیتا ہے۔ بدنصیبی کا آغاز ہو جائے تو سب کچھ ہوتا چلا جاتا ہے۔ تمہیں ایک بار راس المیڈا ثابت کر دیا گیا تو راڈنی آرک کے نام سے بنے ہوئے سفری کاغذات تمہارے کسی کام نہیں آسکیں گے۔ اس بات کو لکھ لو کہ تم پاکستان سے زندہ نہیں نکل سکو گے۔"

"رفتہ رفتہ تم بہت کچھ جان گئے ہو۔ اب تمہارا ہٹایا جانا گزیر ہو گیا ہے۔" اس کی آواز سرد غراہٹ میں تبدیل ہو گئی "تم سب کچھ کر سکتے ہو لیکن مجھے راس المیڈا ثابت نہیں کر سکو گے اور یہی تمہاری سب سے بڑی شکست ہو گی کہ کوئی تمہاری بات پر اعتبار نہیں کرے گا۔"

"تم کو شاید یاد نہیں رہا کہ تم نے فریڈم لاج میں اپنے خلاف ایک مضبوط گواہ چھوڑ دیا تھا۔"

"تم کس کی بات کر رہے ہو؟ ان تینوں کو میں نے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کیا تھا۔ میرا نشانہ اتنا بے خطا ہوتا ہے کہ ایک گولی کھانے والا دوسرا سانس لینے کے قابل نہیں رہتا۔"

"میں ان تینوں کی نہیں' مس للی ہاروے کی بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ! وہ سیامی بلی سے کھیلنے والی حسین بڑھیا! وہ تمہیں کیا بتا سکے گی۔"

"پھر تم اسے پہچان ہی نہیں سکے یا پھر تمہارے دوستوں نے تمہیں دانستہ اندھیرے میں رکھا۔ وہ حسین بڑھیا ریمی مارٹن یا بوب گومز کی بیوہ ایلس گومز کہلاتی ہے اور اس نے تمہارا سارا کچا چٹھا کھول دیا ہے۔ اس کی کہانی پھیل گئی تو دنیا میں تہلکہ مچ جائے گا۔"

لائن پر چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پہلی بار وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہوا تھا۔

"اس نے تمہیں کیا بتایا ہے؟" چند لمحوں کے بعد راس المیڈا کی آواز سنائی دی۔

"میرے دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہاری سازشوں اور کرتوتوں سے وہ اتنی ہی باخبر تھی جتنا بوب گومز تھا۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ اس کے سینے میں کیسے کیسے راز پوشیدہ ہوں گے۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ میں کسی عدالت کے کٹہرے میں نہیں ہوں کہ اپنے خلاف ثبوتوں اور گواہوں کی فکر کروں۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ میں جو چاہتا ہوں' کر گزرتا ہوں۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے اپنے ارادوں پر عمل کرنے سے نہیں روک سکتی۔ مجھے اس بڑھیا کو بھی ماردینا چاہیے تھا لیکن اس کے زندہ رہنے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہو سکے تو اس کی گواہی پر میرے بلیک وارنٹ جاری کرادو۔"

ابتدائی جھٹکے کے بعد اس نے سنبھالا لے لیا تھا۔ دل کی طرح اس کے اعصاب بھی سخت تھے۔

"اس بھول میں نہ رہنا کہ تم امریکا میں ہو جہاں کا صدر اپنی انتخابی مجبوریوں کے تحت تمہارا ہر دباؤ قبول کرلیتا ہے۔ یہاں کا ایک عام شہری تمہیں اپنی ٹھوکروں سے اڑا کر رکھ دے گا۔"

"تمہارے ایک ایک لفظ سے حسرت اور بے بسی ٹپک رہی ہے۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"یہ تمہیں آنے والا وقت بتائے گا۔ سفارتی مراعات زیادہ دیر تک تمہاری گردن نہیں بچا سکیں گی۔ اوور اینڈ آل۔" یہ کہہ کر میں نے اپریٹس بند کردیا۔

"اس وقت کی گفتگو نے اندر سے اسے ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔" اول خان نے کہا۔

"یہ احساس ہی بہت جان لیوا ہوتا ہے کہ موت انسان کا تعاقب کررہی ہو۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا "اس وقت تم نے راس المیڈا کی دکھتی رگ پر ہاتھ ڈالا ہے۔ تم کو خود سے اتنا قریب محسوس کر کے وہ واقعی خوف زدہ ہوگیا ہوگا۔"

"اس کا خوف زدہ ہونا کافی نہیں ہے۔ وہ کافی دنوں سے یہاں دندناتا رہا ہے۔ اب اس کا کھیل ختم ہونا چاہیے۔" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا "اس وقت اس کا نیا سراغ ملنا ضروری ہے۔"

"یہ باتیں چلتی رہیں گی۔" اول خان نے اچانک کہا "کل ویرا یہاں سے جارہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج کے بعد ایک طویل مدت تک ہم پانچوں کو یوں مل کر بیٹھنا نصیب نہ ہو۔ ہمیں اس وقت کو بہترین طریقے پر استعمال کرنا چاہیے۔ میرے خیال میں بہترین صورت یہ ہوگی کہ ہم سب مل کر ایک بار پھر ویرا کو منانے یا سمجھانے کی کوشش کریں تاکہ یہ پاکستان سے امریکا جانے کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔"

"نہیں!" ویرا نے سخت لہجے میں کہا "اس بارے میں بہت باتیں ہوچکی۔ اب انہیں دہرانا بے سود ہے۔ میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔ جانے کا فیصلہ میرا اپنا ہے۔ اس کے لیے کسی کو الزام نہ دیا جائے۔"

"پھر ہم آج مل کر باہر کھانا کھاتے ہیں۔" سلطان شاہ نے خوش ہو کر کہا۔

"ہم سب کا ایک ساتھ باہر نکلنا حکمتِ عملی کے خلاف ہوگا۔ تم ہوٹل سے اپنی پسند کا کھانا لے آؤ۔ ہم مل کر گھر ہی میں کھالیں گے۔" اول خان نے نرمی سے اس کی تجویز مسترد کردی۔

سلطان شاہ خوشی سے ہر ایک کی فرمائش معلوم کرنے میں مصروف ہوگیا۔

"میرا امیگریشن کا ایک مسئلہ ہے" ویرا نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "میں ماریانا گبرائیل کے نام سے تین ماہ کے ویزے پر یہاں آئی تھی مگر میرا قیام کئی سالوں پر محیط ہے۔ اس سلسلے میں تم میری کوئی مدد کر سکو تو بہتر ہوگا ورنہ مجھے ائرپورٹ پر رشوت کا ہتھکنڈا استعمال کرنا پڑے گا۔"

"یہ کوئی کام نہیں ہے' تم اپنا پاسپورٹ میرے حوالے کردو۔" اول خان نے کہا۔

"پھر ٹکٹ بھی تم ہی کرادینا" اول خان سے یہ کہتے ہوئے میں نے غزالہ کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر اندر گئی اور ایک لاکھ کے نوٹوں کی ایک گڈی اول خان کے حوالے کردی۔

"ابھی امریکا کے ٹکٹ اتنے مہنگے نہیں ہوئے ہیں" اول خان بے ڈھنگے پن سے ہنستے ہوئے بولا۔

"یہ سب ٹکٹ کے لئے نہیں ہیں" میں نے کہا "جو رقم بچے' اس کے ڈالر منگوالینا۔ ویرا کو اپنے اخراجات کے لئے بھی ضرورت ہوگی۔"

"اخراجات کی فکر نہ کرو۔ پاکستان میں میرے سارے اخراجات تم لوگ ہی اٹھاتے رہے ہو۔ میرے پاس ہزار' بارہ سو ڈالر پڑے ہوئے ہیں جو ابتدائی اخراجات کے لئے کافی ہوں گے پھر امریکا میں ہی گزارے کا کوئی نہ کوئی بندوبست ہوجائے گا" ویرا نے تکلف سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"کہاں سے بندوبست ہوجائے گا؟" اول خان نے اسے گھور کر پوچھا "نوکری کروگی وہاں؟"

ویرا' اول خان کے اس سوال پر دیر تک ہنستی رہی پھر بولی۔

"جمی لائیڈ کے زمانے میں مجھے پورے امریکا کے زیرِ زمین حلقوں میں زبردست شہرت حاصل تھی۔ وہاں بے شمار غیر قانونی کاروبار چلانے والوں میں سیکڑوں ایسے شریف بدمعاش ہوں گے جو جمی لائیڈ کے ذاتی احسانات کی وجہ سے میرا احترام کریں۔ میں جہاں بھی گئی' خاطر تواضع کے ساتھ دو چار ہزار ڈالر لے کر اٹھوں گی۔"

ہماری لائن کے لوگ نوکریاں کرتے ہیں نہ ایسی پابندیاں انہیں راس آتی ہیں پھر بھی زندگی ٹھاٹ سے بسر ہوتی ہے۔"

"پھر بھی تم ڈالر منگوالو۔ یہ ہماری طرف سے ویرا کے لئے ایک حقیر تحفہ ہوگا" اول خان سے بات کرکے میں ویرا کی طرف متوجہ ہوگیا "تمہیں معلوم ہے کہ گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی خطیر رقم میرے پاس موجود ہے۔ تم چاہو تو مزید رقم لے سکتی ہو۔"

"مجھ سے زیادہ اس رقم کی ضرورت تمہیں اور غزالہ کو ہے" اس نے ایسے لہجے میں کہا جس کی کسک میرے سوا شاید کسی اور کو محسوس نہ ہو سکی ہو۔

"یہاں جو کچھ ہے اس پر سب کا برابر کا حق ہے۔" غزالہ نے مسکرا کر ویرا کو جواب دیا "تم واپس آؤگی تو اپنا حصہ محفوظ پاؤگی۔ ہم قناعت پسند لوگ ہیں۔ زیادہ اسراف نہیں کریں گے۔"

اسی وقت مجھے یاد آیا کہ اول خان کے آدمی نے اسٹیشن فور پہنچ کر اسے کوئی رپورٹ نہیں دی تھی۔

اول خان باتوں میں لگ کر اسٹیشن فور کو بھول ہی گیا تھا لیکن اسٹیشن فور کے ساتھ ہی اسے اپنا وہ آدمی یاد آگیا جو سیاہ کار کے ناکام تعاقب کے بعد اپنی موٹر سائیکل پر اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اول خان کو یقین تھا کہ وہ اسٹیشن فور پہنچ گیا ہوتا تو سب سے پہلے اپرنس پر اس سے رابطہ کرتا۔ اس کی طرف سے رپورٹ نہ ملنے کا ایک ہی سبب ہو سکتا تھا کہ اسے راستے میں کوئی حادثہ پیش آگیا ہو یا راستے میں اس کی موٹر سائیکل جواب دے گئی ہو۔ اس نے پہلے اپنے آدمی کی خیر خبر لینے کا فیصلہ کرلیا۔

وہ کافی دیر تک اس کے لیے پیغام دیتا رہا لیکن دوسری طرف مکمل سکوت چھایا رہا۔ وہ صورتِ حال پریشان کن تھی۔ اول خان کی پیشانی پر پُرتشویش لکیروں کا ایک جال سا پھیلتا چلا گیا۔

ادھر سے مایوس ہوکر اول خان نے فون پر اسٹیشن فور کا نمبر ملایا تو ادھر سے انگیج ٹون سنائی دے رہی تھی۔ دوسرے نمبر پر بھی یہی کیفیت طاری تھی۔ اول خان پُرتشویش اور ہیجان کے عالم میں باری باری دونوں نمبر ملانے کی کوشش کرتا رہا لیکن اپنے دفتر کے کسی آدمی سے رابطہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک دم سب رابطے کیسے ختم ہوگئے۔" وہ دونوں ہاتھ اپنی پشت پر باندھ کر اضطراری حالت میں ٹہلتے ہوئے بڑبڑایا "اپرنس والا لاپتا ہے۔ فون مسلسل انگیج ہیں۔"

اس کی بڑھتی ہوئی پریشانی دیکھ کر میں فون ملانے کی کوشش کرنے لگا لیکن میری کوششیں بھی بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔ سب کے ہنستے مسکراتے چہروں پر اچانک تشویش اور پریشانی کے سائے لہرانے لگے

اس وقت تک سلطان شاہ کھانے کا ساز و سامان لینے کے لیے جاچکا تھا۔

"عجیب اور لرزہ خیز اتفاق ہے۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اول خان سے کہا "تم ٹیلی فون کے محکمے سے معلومات کیوں نہیں لیتے؟"

اول خان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ تیزی سے فون کی طرف لپکا اور اس محکمے کے کسی خاص افسر کا نمبر ملانے لگا۔ محکمۂ ٹیلی فون کے شکایات کے عام نمبروں کے برعکس وہ نمبر فوراً ہی مل گیا۔ اول خان نے کسی کوڈ کے حوالے سے اپنے نمبروں کے بارے میں استفسار کیا تو لائن ہولڈ کرانے کے تقریباً ڈیڑھ منٹ بعد اسے بتایا گیا کہ انسٹرومنٹس کے ریسیور غلط رکھے ہوئے تھے یا پھر تاروں کے کنکشن خراب ہوگئے تھے۔ اول خان کی استدعا پر فوراً ہی عملہ بھیجنے کا وعدہ کرلیا گیا۔

اگر ایک نمبر کی بات ہوتی تو یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ ریسیور غلط رکھا گیا ہوگا لیکن وہاں دونوں لائنوں کا ایک ہی حال تھا۔ وہ صرف ریسیور کی بات نہیں تھی کوئی اور ہی گڑبڑ تھی۔

"مجھے وحشت ہو رہی ہے۔ میں دفتر جارہا ہوں۔" اول خان نے ٹہلتے ٹہلتے کہا۔ اندرونی خلفشار اور پریشانی کے باعث اس کی پیشانی پسینوں میں ڈوب چکی تھی۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔" میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس ڈرامائی صورتِ حال پر سب دم بخود رہ گئے تھے۔

ہم دونوں نکاسی کے راستے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ میں نے تیزی سے پلٹ کر ریسیور اٹھالیا۔

"سر! یہ ڈپٹی صاحب کا گھر ہے؟" ایک سخت اور کمزوری آواز میرے کان میں گونجی۔

"اول خان صاحب کو تلاش کرکے خبر کردیں کہ اسٹیشن پر بڑا حادثہ ہوگیا ہے۔ میرا نام میر علی ہے۔ میں نے ان کے گھر بھی پیغام چھوڑ دیا ہے۔ فون ناکارہ ہوگئے ہیں۔ میں سہراب گوٹھ چنگی سے فون کررہا ہوں۔"

اپنے فطری تجسس کی وجہ سے میں درمیان میں دخل دیے بغیر اس کی پوری بات سنتا رہا پھر کہا "میں اول خان سے بھی بات کراتا ہوں مگر وہاں کیا حادثہ ہوا ہے؟"

"صاحب! سیاہ بلی زبردست دھماکے سے پھٹ گئی......"
میں نے اتنی بات سنتے ہی ریسیور اول خان کی طرف بڑھا دیا۔
میرے ذہن میں اچانک راس الیڈا کا ایک فقرہ گونجنے لگا۔

اس نے ایلس گومز کے لیے خاص طور پر بلی سے کھیلنے والی حسین بڑھیا کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ کہیں وہ مجھے کوئی بات جتانی تو نہیں چاہ رہا تھا!

میں نے خاموشی سے ہبر علی کا پیغام سنا تھا اور اپنی زبان سے کچھ کہے بغیر ریسیور اوّل خان کے حوالے کردیا تھا۔

ہبر علی نے مجھے جو کچھ بتایا تھا' وہ بہت ہولناک تھا۔ اگر ایلس گومزکی سیامی بلی اسٹیشن فور میں دھماکے سے پھٹ گئی تھی تو حادثہ یقیناً سنگین رہا ہوگا۔ اس دھماکے کی تباہ کاری کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ اسٹیشن فور کے فون ناکارہ ہوچکے تھے اور ہبر علی کو اوّل خان سے رابطہ کرنے کے لیے سہراب گوٹھ کی چنگی تک آنا پڑا تھا۔

ایلس نے نہایت معصومانہ بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے اوّل خان سے پوی نامی اپنی سیامی بلی کی تلاش کی فرمائش کی تھی جو چند گھنٹوں میں پوری کردی گئی تھی۔ مجھے پوی کی اہمیت کا کچھ اندازہ اس وقت ہوا تھا جب راس المیڈا نے ایلس کے لیے سیامی بلی سے کھیلنے والی حسین بڑھیا کا استہزائیہ فقرہ استعمال کیا تھا لیکن اس وقت بھی یہ بات میرے سان وگمان میں نہیں آسکی تھی کہ پوی پالتو بلی کے روپ میں کوئی بارودی ہتھیار بھی ثابت ہوسکتی ہے۔

اوّل خان نے ہبر علی کی زبان سے اسٹیشن فور پر رونما ہونے والے المناک سانحے کی خبر سنی تو وہ بے اعتباری سے تقریباً چیخ اٹھا۔ اس کے اضطراری ردِّعمل نے دوسروں کو بری طرح چونکا دیا تھا۔

فون پر اوّل خان کے سوالات بے ربط اور کم وبیش بالکل وہی تھے جو وہ بری خبر سننے کے بعد میرے ذہن میں پیدا ہوئے تھے۔ میں اوّل خان کا کہا ہوا ہر لفظ سن رہا تھا مگر ہبر علی کے جوابات میری سماعت کی دسترس سے باہر تھے۔

ہبر علی' اوّل خان کے آدمیوں میں یقیناً کسی اہم مرتبے کا مالک تھا۔ ان دونوں کی گفتگو بہت زیادہ طویل نہیں تھی۔ اسٹیشن فور کے بارے میں تازہ ترین معلومات حاصل کرنے کے بعد اوّل خان نے اسے امدادی کارروائیوں کے بارے میں مختصر مگر جامع ہدایات دیں اور فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

اس وقت وہ اپنے بشرے سے بہت فکرمند نظر آرہا تھا۔ آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔ سب کی متجسس نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں لیکن کوئی بھی اس سے سوال کرنے میں پہل کرنے کی ہمت نہیں کرسکا۔

"ایلس میرے اندازوں کے برعکس بہت چالاک اور مکار عورت ثابت ہوئی" چند ثانیوں کے اعصاب شکن سکوت کے بعد اوّل خان نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں کہا "پوی نامی سیامی بلی کے بارے میں اس کا اضطراب بلاسبب نہیں تھا۔ اس نے اپنی سادگی سے مجھے بے وقوف بنایا اور میں نے فریڈم لاج کے کھنڈرات میں سے وہ بلی تلاش کرکے اس تک پہنچادی... مجھے یقین ہے کہ اسے اپنا انجام نظر آنے لگا تھا اور اس نے مایوسی کے عالم میں خودکشی کی ہے۔ اپنی یہ غلطی مجھے مدتوں یاد رہے گی۔"

"تمہارے آدمیوں کو بھی نقصان پہنچا ہوگا؟" ویرا نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

اوّل خان نے لمحہ بھر کے لیے ویرا کی طرف دیکھا پھر ملول آواز میں بتایا "ایلس کے چیتھڑے اڑ گئے۔ میرے دفتر اور اس سے ملے ہوئے تین کمروں سمیت' پوری بیرک ملبے کا ڈھیر بن گئی تھی لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرا کوئی آدمی اس حادثے میں کام نہیں آیا۔ صرف تین آدمی زخمی ہوئے ہیں۔ غنیمت یہ ہوا کہ وہ تینوں بیرک اور اس کے برآمدے سے باہر کھلی فضا میں بیٹھے ہوئے' دور سے ایلس کے کمرے کی نگرانی کررہے تھے۔ انہیں دھماکے سے اڑنے والے ملبے سے نقصان پہنچا ہے۔ وہ براہِ راست دھماکے کی زد میں آئے ہوتے تو ایلس کی طرح ان کا بھی پتا نہ چلتا۔"

وہ تفصیل سن کر میری جان میں جان آئی۔ ہبر علی نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا' اس میں جھوٹ کا ذرا بھی شائبہ نہیں تھا لیکن اس کے الفاظ نے مجھے دہلا دیا تھا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ شاید سیامی بلی کے دھماکے نے پورے اسٹیشن فور ہی کو اڑا دیا تھا مگر وہاں کی صورتِ حال اتنی زیادہ خراب نہیں تھی۔ وہاں ہونے والے مالی نقصان کا تخمینہ جو کچھ بھی رہا ہو' یہ بات اطمینان بخش تھی کہ ایس ٹی ایف کا کوئی آدمی ضائع نہیں ہوا تھا۔

اسپیشل ٹاسک فورس کا اصل اثاثہ اس کے جوان ہی تھے جن کا کوئی بدل نہیں تھا۔ سازوسامان اور عمارت تو پیسے کے بل پر دس بار حاصل کی جاسکتی تھی۔

"ذرا سی دیر ٹھہرو!" اوّل خان کو روانگی پر آمادہ پاکر میں نے آہستگی سے کہا "تم خود بتا رہے ہو کہ وہاں کسی کو خطرناک زخم نہیں آئے ہیں۔ تمہارے آدمی زخمیوں کی دیکھ بھال کرلیں گے.... چند منٹ میں' میں بھی تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔ بس ذرا سلطان شاہ کو آجانے دو۔"

"سلطان شاہ کا انتظار بے سود ہے۔ اب مجھ سے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا جائے گا" اوّل خان بولا "وہ آئے تو تم لوگ مل جل کر میری کمی پوری کرلینا۔ میں جب تک اسٹیشن فور نہیں پہنچوں گا' بے چین رہوں گا۔"

"لاحول ولا قوۃ!" اوّل خان کی اس نکتہ آفرینی نے میری طبیعت بے مزہ کردی اور میں نے فوراً ہی کہا "اس وقت ہم میں سے کوئی بھی کھانا زہر مار نہیں کرسکے گا۔ میں سلطان شاہ کو کچھ سمجھانا چاہتا ہوں۔"

میرے جواب نے اوّل خان کو شرمندہ کردیا مگر وہ ڈرائنگ روم میں ٹک کر کہیں بیٹھنے کے بجائے مضطربانہ انداز میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلے جارہا تھا۔

"تم نے اس واقعے کو کس بنا پر ایلس کی خودکشی کی واردات قرار دیا ہے؟" تھوڑی دیر بعد میں نے پوچھا۔

"اس نے بلی کی تلاش کے لیے میری خوشامد کی تھی۔ وہ دیکھ

...اسٹیشن فور کے بھاری پرے میں اس کی کوئی کارروائی نہیں ہوسکے گی۔ دوسری طرف اسے یہ معلوم تھا کہ اس کے بدن کے کسی حصے میں کوئی ایسا ڈیٹونیٹر وغیرہ موجود ... کے ساتھ بہت کچھ اڑا سکتا ہے۔ بلی پر قابو پانے کے بعد ... اپنے فیصلے پر بہت اچھی طرح غور و خوض کیا اور پھر خودکشی ... کرلیا۔ اس واقعے کے بارے میں اس کے سوا کوئی اور بات نہیں جاسکتی" اوّل خان روانی سے کہتا چلا گیا۔

... ٹھیک کہہ رہے ہو" ویرا نے اس کی تائید کی "اس واقعے ... المیڈا سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ یوں' ایلس کی پالتو بلی ... راس المیڈا کے فریڈم لاج پہنچنے سے پہلے وہاں رہ رہی تھی' ... ہے کہ بوب گومزہی نے کسی برے وقت میں اپنی اور ایلس کی ... خاتمے کے لیے اس سیاہ بلی کے جسم میں کوئی طاقت ور ... نصب کرائی ہو۔ وہ راس المیڈا کے ہاتھوں مارا گیا۔ ایلس ... سے واقف تھی۔ اس نے عذاب میں گھر کر زندہ رہنے کے ... بلی کے ذریعے اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا۔"

"اس وقت یہ حادثہ پیش نہ آیا ہوتا تو میں راس المیڈا کے ... کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔" اوّل خان متاسفانہ لہجے میں بولا۔ ... اب بھی اسے معاف نہیں کروں گا۔ اسے پتا چلنا چاہیے کہ ... کی سرزمین پر وہ اس طرح اپنی من مانیاں نہیں کرسکتا جس ... امریکا میں کرتا پھرتا ہے۔"

"تم اس وقت بھی اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنا سکتے ہو" میں نے ... مسکرایا۔

"تم میری ذہنی کیفیت کا اندازہ نہیں لگاسکتے" اس نے لمحہ بھر ... اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے رکھنے کے بعد جواب دیا۔ ... اسٹیشن فور کے فون بند ہونے کا سبب سامنے آچکا ہے۔ اب مجھے ... اس آدمی کی فکر ہے جو سخی مراد کے گھر پر بموں سے حملہ کرنے ... والے کار کے ناکام تعاقب کے بعد اسٹیشن فور جارہا تھا۔"

"اوہ!" میرے منہ سے ایک بے ساختہ اور تحیر زدہ آواز نکلی۔ ... یہ تھی کہ میں عارضی طور پر اس شخص کو یکسر فراموش ... تھا۔

"اس کے پاس اپریٹس تھا" اوّل خان نے اپنی بات جاری ... "اگر موٹر سائیکل جواب دے گئی تھی تو وہ شہر کے آخری حصے ... اپنے ٹرانسیٹر پر مجھ سے رابطہ کرسکتا تھا۔ یہ کیسا عجیب ... ہے کہ اسٹیشن فور کے فون ایلس نے ناکارہ کردیے اور میرا ... آدمی پراسرار طور پر غائب ہے۔"

... ذرا سی بے رحمانہ تھی مگر میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ ... ملک کے بالائی علاقوں کی طرف جانے والے بھاری ... ٹریلروں اور دوسرے تمام ٹریفک کے لیے نیشنل ہائی وے ... کے گرد کے دو ہی راستے تھے۔ ان میں سے سپر ہائی وے ... استعمال ہوتی تھی۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں اوّل خان کا موٹر سائیکل سوار آدمی کسی حادثے کا شکار نہ ہوگیا ہو مگر میں نے اوّل خان پر اپنا یہ خیال ظاہر نہیں کیا۔

"موٹر سائیکل غیر محفوظ سواری ہوتی ہے" ویرا نے اسے تسلی دی "اس پر تیز رفتاری سے سفر کرنے والے کی جیب سے کوئی بھی چیز گر سکتی ہے۔ ٹرانسیٹر ایک نازک اور حساس آلہ ہوتا ہے۔ وہ....."

اوّل خان اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا "وہ کوئی عام موٹر سائیکل سوار نہیں تھا۔ دشمن کے مقابلے پر میدان میں اترے ہوئے جیالوں کو اپنے مواصلاتی آلات ہر چیز سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔ مواصلات کا سلسلہ برقرار رہنے یا ٹوٹ جانے پر ہی ہر بڑی اور چھوٹی لڑائی میں ہار جیت کا فیصلہ ہوتا ہے۔"

اوّل خان کے اس سخت جواب پر ویرا نے چپ سادھ لی اور کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

میں اوّل خان کی لحہ بہ لحہ بڑھتی ہوئی بے چینی کو بھانپ رہا تھا۔ سلطان شاہ کو گئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ اگر وہ اپنے سامنے خورونوش کی تازہ اشیا بنوانے کا فیصلہ کرلیتا تو اس کی واپسی میں دیر لگ سکتی تھی۔ میں نے فیصلہ کرکے اپنی جگہ چھوڑ دی اور غزالہ سے کہا "سلطان شاہ آجائے تو اسے گھر میں روکے رکھنا۔ وہ جہانگیر کی بھی خیر خبر لے لے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں سخی مراد نے اپنے لوگوں کو یہ نہ بتادیا ہو کہ دلی داد' جہانگیر کو گھیرنے کے نتیجے میں کسی آفت کا شکار ہوا ہے۔"

میری اس بات پر اوّل خان چونک پڑا "تم صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔ اس وقت سخی مراد کے حامی تمہارے لیے راس المیڈا سے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں۔ ابھی تو یہ بھی پتا نہیں چل سکا کہ راس المیڈا کے کیے ہوئے دھماکوں میں سخی مراد زندہ بچا ہے یا مرچکا ہے' تمہیں گھر پر ہی رکنا چاہیے۔"

"نہیں' میں تمہارے ساتھ اسٹیشن فور چل رہا ہوں" میں نے اصرار کیا۔

"تم یہیں رکو گے" اوّل خان نے سختی سے یہ کہتے ہوئے اپنا اپریٹس نکال کر میری طرف بڑھادیا "میں اسٹیشن فور پر وہاں کے مسائل میں گھرا رہوں گا۔ یہ تم رکھ لو' موٹر سائیکل والے کا نام اسرار ہے۔ اس کا کوئی بھی پیغام آئے تو تم اپنے طور پر فیصلہ کرکے عمل کر ڈالنا۔"

شہر سے باہر' اسٹیشن فور میں اوّل خان کی ضرورت تھی اور شہر میں بھی کئی معاملات توجہ طلب تھے۔ چند ثانیوں کی بحث کے بعد مجھے ہتھیار ڈالنے پڑ گئے اور اوّل خان اکیلا ہی اسٹیشن فور کے لیے رخصت ہوگیا۔

"اب میرے پاسپورٹ اور ٹکٹ کا کیا بنے گا؟" اوّل خان کے چلے جانے کے بعد ویرا پُرتشویش لہجے میں بولی۔

اوّل خان بے دھیانی میں ایک لاکھ کے نوٹوں کی گڈی اپنے

ساتھ لے گیا تھا لیکن ویرا کا پاسپورٹ اس کے حوالے کرنے کی نوبت ہی نہیں آسکی تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد مجھے خیال آیا کہ ہم لوگوں کے پاس گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی بیشتر رقم ڈالروں کی صورت میں موجود تھی۔ ہم اس میں سے نسبتاً چھوٹی چھوٹی رقمیں اپنی ضروریات کے لیے مقامی کرنسی میں تبدیل کراتے رہتے تھے۔ ویرا کو ضرورت ہوتی تو ہم کسی وقت کے بغیر اسے ڈالروں کی صورت میں خطیر رقم دے سکتے تھے۔

"ٹکٹ بنوانا شاید اتنا بڑا مسئلہ نہ ہو لیکن تمہارے پاسپورٹ پر ویزے کی مدت سے زیادہ قیام کا کوئی نہ کوئی قانونی جواز موجود ہونا چاہیے۔ یہ کام صرف اوّل خان ہی کے بس کا ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن میری دانست میں ٹکٹ کا معاملہ بھی اتنا سیدھا نہیں ہے۔ بین الاقوامی پروازوں پر ٹرینوں کی طرح رش رہنے لگا ہے۔ مجھے کل کا ٹکٹ ملنے کی اب کوئی امید نہیں رہی۔ پتا نہیں اوّل خان کو اپنی الجھنوں سے کب تک فرصت مل سکے گی۔ اس وقت تو اس سے اس بارے میں بات بھی نہیں کی جاسکتی" ویرا کی آواز سے مایوسی مترشح تھی۔

"تم ایک اور بات بھول رہی ہو" میں نے اسے یاد دلایا "آج کل کے سفری قوانین کے تحت ویزے پر بین الاقوامی سفر کرنے والوں کو دو طرفہ ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ تمہاری شہریت امریکا کی ہے۔ تمہیں یہاں سے نیویارک تک کا ٹکٹ بنوانے میں دشواری پیش آئے گی۔"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے" اس نے بے فکری سے کہا "میں چارٹرڈ پرواز سے یہاں آمد کا ذکر گول کر کے ٹکٹ گم ہوجانے کا بہانہ کر کے ٹکٹ بنوا سکتی ہوں۔ اوّل خان کے لیے یہ باتیں رکاوٹ نہیں بنیں گی۔"

جب تک اوّل خان ہمارے ساتھ موجود رہا' ہمارے ذہن اسپیشل ٹاسک فورس کے مقامی ٹھکانے پر رونما ہونے والے روح فرسا واقعے میں اس بری طرح الجھے رہے کہ ہم اپنی ساری ضروریات کو فراموش کر بیٹھے تھے لیکن اس کے چلے جانے کے بعد ہماری فطری ضروریات رفتہ رفتہ سر ابھارنے لگیں۔

"پتا نہیں یہ سلطان شاہ کہاں مرگیا" اس بارے میں سب سے پہلے ویرا نے اپنی زبان کھولی تھی "معلوم ہوتا ہے کہ بکرے ذبح کرا کے کھانا تیار کرا رہا ہے۔ اچھا ہی ہوا کہ اوّل خان اس کا انتظار کرنے کے بجائے چلا گیا۔"

"یہی حال میرا بھی ہے" غزالہ ہنستے ہوئے بولی "پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔"

"اوّل خان یہ باتیں سن لے تو تم دونوں کی منافقت پر اپنا سر پیٹ لے گا" میں نے طنز سے کہا۔

"یہ منافقت نہیں' سچائی ہے" ویرا نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"دنیا میں انسانی ضرورتوں میں صرف دو ہی اٹل سچائیاں ہ
اور بھوک۔ یہ ہر جگہ اور ہر حال میں ستاتی ہیں۔ مرنے
لواحقین میت کے گرد سوگھا منہ بنا کر غم کے آنسو بہاتے
لیکن موقع پا کر بازار میں کھسک جاتے ہیں اور پھر آنتوں
کر کے دوبارہ میت کے سرہانے سے لگ کر بیٹھ جاتے
حال۔۔۔"

وہ چونک کر خاموش ہوگئی کیونکہ اوّل خان کے
ہوئے مخصوص ٹرانسیٹر پر کال آنے کا اشارہ موصول ہوا
سب کے لیے وہ ایک اہم پیش رفت تھی۔ میں نے
ٹرانسیٹر آن کردیا۔

دوسری طرف سے اسپیشل ٹاسک فورس کا اسرار
تھا۔

"میں ڈیلی بول رہا ہوں۔ تمہارا باس تھوڑی دیر پہلے
فور گیا ہے۔ تم کہاں غائب ہو؟" میں ایک ہی سانس میں
پوری کرتا چلا گیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں باس کی ہدایت پر عمل کر
بجائے دوبارہ سیاہ کار کے پیچھے لگ گیا۔ وہ مجھے اچانک ہی
سے نکلتی نظر آئی اور میں اس کے پیچھے ہولیا" اسرار نے بتایا۔

"لیکن تم نے کوئی پیغام کیوں نہیں دیا؟ باس تمہارے
میں پریشان تھا۔"

"سر! میں مجبور تھا۔ میں نے کئی مرتبہ رابطہ کرنے کی
کی لیکن میرے اپریٹس کے بیٹری سیل کمزور ہوچکے تھے۔ اب
سیل ڈالنے کا موقع ملا تو بات کر رہا ہوں۔" اس کا لہجہ مدافعا

"رپورٹ کیا ہے؟" میں نے غزالہ کی معنی خیز نگاہو
ابھرنے والا سوال دہرایا۔

"سیاہ کار سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے ایک اجا
کے احاطے میں گئی تھی۔ بظاہر وہ مکان غیر آباد نظر آتا ہے لیک
نے وہاں کم از کم چار افراد دیکھے ہیں۔ ان میں وہ دونوں بھی
تھے جو سخی مراد کے گھر پر بم پھینکنے کے بعد سیاہ کار میں وہاں
تھے۔"

"تو کیا تم اس مکان میں داخل ہونے میں کامیاب
تھے؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"یس سر!" اس کی آواز پُرعزم تھی "باس نے اس کا
لیے سخت ہدایات دی ہوئی تھیں اس لیے میں پوری تیاری
تھا۔ موٹر سائیکل پر ہونے کی وجہ سے میں آخر تک ان کی
سے بچا رہا۔ جب کار احاطے میں چلی گئی تو میں نے واپس
موٹر سائیکل چوراہے پر واقع اسنیکس بار کے سامنے کھڑی
دوبارہ وہاں پہنچ گیا۔ وہ چاروں ایک کمرے میں بیٹھے شراب
تھے۔ میں چاہتا تو وہاں بہت کچھ کر سکتا تھا لیکن مجھے ان کو
کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ میں نے احاطے میں چھپ کر

...ہے انہیں بہت غور سے دیکھا' اپنے اسپائی کیمرے سے
...ویریں لیں اور لوٹ آیا۔"
...ول ڈن!" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا "ان کی تصویریں
...نے ناقابل تصور کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اب وہ لوگ
...کیں گے۔ کیا ان میں سیاہ مسّے والا بھی شامل تھا؟"
...لیکن وہ نہیں تھا جس نے تاریک شیشوں والی ائرکنڈیشنڈ
...از کر ٹائروں کی ہوا چیک کی تھی" اسرار کا جواب خاصا
...تھا "وہ اسی جیسی جسامت والا ایک اور ہی درشت رو غیر
...اس کی بائیں آنکھ اور کان کے درمیان سیاہ چنے کے برابر
...را ہوا مسّا موجود تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے وہ مسّا
...ے اکھیڑ کر جیب میں ڈال لیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہی
...لبہ آدمی ہے جو لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ہر وقت اپنی
...مصنوعی مسّا لگائے پھرتا ہے۔"
...سرار! تم اتنی اہم باتیں رک رک کر کیوں بتا رہے ہو؟"
...ننت آمیز خفگی سے پوچھا۔
...وری سر! میں اتنی باتیں ایک دم کیسے بتا سکتا ہوں؟ ان
...ہیں مصنوعی مسّے والا ہی سب سے برتر معلوم ہو رہا تھا۔
...اس سے مرعوب بلکہ کچھ کچھ خائف تھے۔"
...وسروں میں کوئی مقامی بھی تھا یا وہ چاروں ہی غیر ملکی نظر
...ے؟"
...ے والے کے علاوہ دو غیر ملکی اور ایک مقامی وہاں موجود
...ملکیوں کے نام ہارون اور وکٹر تھے۔ مقامی کو ساگا کہا جا رہا
...والے کو نام سے نہیں پکارا گیا تھا۔"
...ساگا!" میں نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے دہرایا "یہ
...صورت والا وہ تنومند شخص تو نہیں تھا جو بولتا ہے تو اس
...د بخود حرکت کرنے لگتے ہیں؟"
...لک بالکل وہی تھا" اسرار کی طرف سے بے ساختہ

...روہ چاروں اس وقت بھی اس عمارت میں موجود ہیں؟"
...خیال لہجے میں پوچھا۔
...کی واپسی تک وہ وہیں بیٹھے شراب نوشی کر رہے تھے"
...کہا۔
...ارا کہنا ہے کہ اس عمارت کا احاطہ بالکل ویران پڑا ہوا
...ے ذہن میں سوالات ابھرتے چلے آ رہے تھے۔
...ری کی معلوم ہو رہا تھا۔ کسی مزاحمت کے بغیر میری واپسی
...ثبوت ہے۔"
...نے اس سے سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے اس مشتبہ
...تفصیل بتا لینے کے بعد کہا "اپنے کیمرے کی ریل دھلنے کے
...ر ہر نگیٹو کے چار پرنٹ بنوالو اور جلد از جلد اسٹیشن فور
...ں ایک مہلک دھماکے کے نتیجے میں سارا مواصلاتی نظام
درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔"

"مہلک دھماکا!" اس کی آواز سے حیرت اور بے یقینی چھلک رہی تھی "مم۔۔۔ مگر یہ کیسے ہوا؟ اس دھماکے میں کون کون مارا گیا ہے؟"

"فی الحال ایک قیدی کی موت کی خبر ملی ہے۔ تمہارے تین ساتھی زخمی ہیں۔ تم پرنٹ لے کر جلد از جلد وہاں پہنچو اور اوّل خان سے میری بات کراؤ۔ تمہاری حاصل کی ہوئی معلومات نے معاملات کو نیا رخ دے دیا ہے۔"

"بہادر آباد یا طارق روڈ سے ایک گھنٹے سے پہلے پرنٹس مل جائیں گے۔ وہاں سے میں سیدھا اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ اس وقت تک باس سے کوئی نئی خبر ملے تو مہربانی کر کے مجھے مطلع کر دیں۔ دھماکے کی اطلاع نے میرے دل و دماغ کو منتشر کر دیا ہے۔"

اسی وقت فلیٹ کی ڈور بیل بج اٹھی۔ غزالہ نے دروازہ کھولا تو سلطان شاہ مہکتے ہوئے کھانوں کے کئی تھیلے سنبھالے اندر چلا آیا۔ حالات سے بے خبری کی بنا پر اس کے چہرے پر مسرت ناچ رہی تھی۔

"تم بے فکر ہو کر فوراً چل دو۔ اگر تمہارے ٹرانسمیٹر کی بیٹریاں جواب دے گئی تھیں تو میرا اپریٹس بھی کسی وقت دھوکا دے سکتا ہے۔ میں اس کا بندوبست کرتا ہوں۔ اب ہمارے رابطے میں کوئی خلل نہیں آنا چاہیے۔ پتا نہیں اسٹیشن فور کے فون وغیرہ کب تک بحال ہوں گے۔ اوور اینڈ آؤٹ!"

سلطان شاہ کے جانے تک ہم لوگ اسٹیشن فور اور موٹر سائیکل سوار سے رابطے کی کوششوں میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ اس نے واپسی پر مجھے اسرار سے گفتگو میں مصروف پایا تو خوش گوار حیرت میں مبتلا ہو گیا لیکن زبان سے کوئی تبصرہ کرنے سے پہلے ہی اس کی متجسس نظروں نے اوّل خان کی غیر حاضری محسوس کر لی۔

"ہمارا جرنیل کہاں ہے؟" اس نے شاپنگ بیگ میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

ویرا نے اسے اختصار سے ان تمام واقعات سے آگاہ کر دیا جو اس کے علم میں نہیں تھے۔

"اگر ہمیں راس الیڈا کا ٹھکانا معلوم ہو چکا ہے تو ہم یہاں اپنا وقت کیوں برباد کر رہے ہیں؟" ویرا کے خاموش ہوتے ہی غزالہ بے چینی سے بول پڑی "یہ اس پر وار کرنے کا سنہری موقع ہے۔ اسے ضائع کر دیا گیا تو پھر ہم شاید کبھی اس کی گرد بھی نہیں پا سکیں گے۔"

"سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کا علاقہ قدیم اور گنجان آباد ہے" میرے بولنے سے پہلے ہی سلطان شاہ اسے سمجھانے لگا "اگر ہم نے اسپیشل ٹاسک فورس کی چھتری کے بغیر ان پر ہاتھ ڈالا اور

بات بڑھ کر کھلے تصادم تک پہنچ گئی تو ہمیں خاصے مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہاں پولیس فورس بہت تیزی سے مداخلت کرے گی۔ وہاں چوراہے پر ہر وقت پولیس کے ایک دو گشتی دستے موجود رہتے ہیں۔۔۔ڈیٹی کو اس بارے میں سوچنے دو۔"

"اگر مصنوعی مسّے والا راس الیڈا ہی ہے اور اس کی تصاویر لے لی گئی ہیں تو سمجھ لو کہ اب اس کا برا وقت قریب آچکا ہے" ویرا نے پورے اعتماد سے اپنا فیصلہ صادر کر دیا "وہ اسی مکان میں رہے یا وہاں سے نکل بھاگے، ہر حالت میں مارا جائے گا مگر مجھے وکٹر اور ساگا کی فکر ہے۔ یہ دونوں کہاں سے آٹپکے؟"

آخری سوال اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کیا تھا۔ میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "راس الیڈا کا ہیلی کاپٹر اڑانے والے ہوا باز کا نام ایلس نے کلف بتایا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا پورا نام کلف وکٹر یا وکٹر کلف رہا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دونوں الگ الگ شخصیتیں ہوں۔ رہا ساگا کا معاملہ تو وہ کچھ عرصے قبل تک سب سے بڑے پیمانے پر یہاں سے ہیروئن یورپ لے جا رہا تھا۔ راس الیڈا کے عزائم سامنے آجانے کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے ہیروئن کے بڑے اسمگلروں سے رابطہ کرے گا۔ ایسے مقامیوں میں ساگا کا نام شاید آج بھی سرِفہرست ہے۔"

"پھر تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے پوچھا۔

"راس الیڈا، وکٹر اور مارون کو ٹھکانے لگانے کا یہ موقع گنوایا نہیں جا سکتا" میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا "آج راس الیڈا کے میدان میں اتر آنے کی وجہ سے شی کا عملی کردار بدل چکا ہے لیکن امریکا کے صدر کی انتخابی مجبوریاں پیدا ہونے تک شی کا منشور کچھ اور تھا۔ وہ ہمارے دامن کو آگ لگانے کی کوششیں کر رہی تھی اور ساگا آگ کے اس طوفان کو ان کی سرزمین پر دھکیل رہا تھا۔ ہمیں اس پر ہلکا ہاتھ رکھنا ہوگا۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟ کھانا کھاتے جاؤ" ویرا نے سلطان شاہ کے لائے ہوئے تھیلوں میں سے کھانے کے ڈبے نکالتے ہوئے کہا۔ "پتا نہیں وہاں سے تمہاری واپسی کب ہو۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ ویرا نے ہمارے ساتھ چلنے پر اصرار نہیں کیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی والے مشتبہ مکان میں ہمیں کامیابی یا ناکامی کی پروا کیے بغیر بہت سرعت سے اپنی کارروائی مکمل کر کے نکل آنا تھا۔ وہاں دیر لگانے کا مطلب خود کو چوہے دان میں پھنسانے کے مترادف ہوتا لیکن میں نے ویرا کی فرمائش کے جواب میں وہ تاویل پیش کرنے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔

چکن روسٹ، سیخ کباب، بُھنے ہوئے گردوں اور فرائڈ فش کے بھاپ اڑاتے ہوئے اشتہا انگیز پیکٹ کھولے گئے تو ہم چاروں کی بھوک جاگ اٹھی۔ باقاعدہ میز لگانے کا تکلف کیے بغ کھڑے کھڑے ان ہی ڈبوں سے اپنی شکم سیری کی پھر ہاتھ میں سلطان شاہ کے ساتھ فلیٹ سے نکل کھڑا ہوا۔

اس بار راس الیڈا کے خلاف جس قدر خفیہ انداز ہوئی تھی، اس کے پیشِ نظر میں نے بہت زیادہ تیاری کی محسوس نہیں کی تھی لیکن پھر بھی ہم نامساعد حالات کا سا کے لیے تیار تھے۔

"اسٹیشن فور پر رونما ہونے والے واقعے کی وجہ سے کل روانگی تو ٹل ہی گئی ہوگی" سلطان شاہ نے کچھ دور تک سے کار ڈرائیو کرنے کے بعد تجسس سے پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ اوّل خان اپنے معاملات سے نمٹنے کے ویرا کے ویزے میں توسیع کرا سکے گا۔"

"ویرا بلاوجہ اس جھنجٹ میں پڑ رہی ہے۔ وہ ماریا کے نام سے سفر کرنے کا ارادہ ترک کر دے تو میں چند اس کا نیا پاکستانی پاسپورٹ بنوا سکتا ہوں" اس نے پُرخیال کہا۔

"ایسا ہی ہے تو تم نے یہ تجویز اس کے سامنے کیوں کی؟"

"وہ بے وقوف ہے۔ میں اس کی روانگی میں آسانیا کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ دو چار دن کی تو اس کے ذہن سے امریکا جانے کا بھوت خود بخود اتر جائے

میں ہنس پڑا اور بولا "بے وقوف وہ نہیں بلکہ ماریا ناگبرائیل کے روپ میں وہ امریکن ہے۔ جب چا روک ٹوک کے بغیر امریکا میں داخل ہو سکتی ہے۔ تم نے ا لیے پاکستانی پاسپورٹ بنوا دیا تو اسے امریکا میں داخلے ویزے کی ضرورت ہوگی۔ آج کل امریکا کا ویزا آسانی ملتا۔"

"ایسے مسئلے ڈرپوک اور مفلس لوگوں کو پریشان کرتے اس نے بے پروائی سے کہا "جیب میں پیسے ہوں تو کراچی میں کا ہر کام کھڑے کھڑے ہو جاتا ہے۔ لاکھ، ڈیڑھ لاکھ میں لوگ عمدہ ویزا لگاتے ہیں کہ امریکن امیگریشن افسر بھی اصل اور میں تمیز نہیں کر سکتے۔"

"یہ دو نمبر کیا ہوتا ہے؟" میں نے جانتے بوجھتے انجان پوچھا۔

اس بار وہ میری بے خبری پر دل کھول کر ہنسا اور بولا " برسوں سے چلنے والی ایک نئی اصطلاح ہے۔ ہر جعلی کام اور قانونی دھندا دو نمبر کہلاتا ہے۔ اب تو آدمی تک دو نمبر ہونے ہیں۔ ضرورت پڑ جائے تو زید کہیں بھی بکر بن کر ہر کام کر گزر اور کسی کو اس پر شبہ نہیں ہوتا۔"

"تھوڑی دیر کے لیے ویرا کو اپنے ذہن سے جھٹک د

نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا "اور صرف راس المیڈا کے بارے میں سوچو۔ ہم ابھی تک صرف قیاس کے سہارے اس سے لڑتے چلے آئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ سندھی مسلم سوسائٹی میں دیکھا جانے والا راس المیڈا آخری لمحات میں دو نمبر ثابت ہو۔"

"راس المیڈا تو مہینوں سے ہمارے سروں پر سوار ہے" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو۔ اگر آج بھی وہ خود موجود نہ ہوا تو یہ قصہ طول پکڑتا چلا جائے گا۔"

پھر ہم دونوں خاموشی سے اپنے اپنے خیالوں کی دنیا میں گم ہو گئے۔

شہر میں اپنی آوارہ گردی کے دوران میں نے شاہراہ قائدین سے شارع فیصل پر آنے کے لیے سیکڑوں بار سندھی مسلم سوسائٹی کا راستہ اختیار کیا تھا لیکن کبھی بھی اس آبادی کے اندرونی حصوں میں گھومنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس وقت سلطان شاہ نے مشتبہ مکان کا رخ کرنے سے پہلے ایک دو گلیوں کا چکر لگایا تو مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ شہر کی اس آبادی میں ہر مکان کے دونوں طرف سڑکیں یا گلیاں موجود تھیں۔ بعد میں ابھرنے والی آبادیوں کی طرح اس علاقے میں مکانوں کی پشت ایک دوسرے سے نہیں ملی ہوئی تھی۔

اس ابتدائی جائزے سے فارغ ہو کر میں نے سلطان شاہ کو اصل ٹھکانے کی طرف چلنے کی ہدایت کی تو اس نے نہایت سعادت مندی سے تعمیل کی۔

گاڑی گلی میں مڑتے ہی پہلی خوش گوار علامت نے ہمارا استقبال کیا۔ گلی کے سارے اسٹریٹ لیمپ تاریک پڑے ہوئے تھے۔ بس اکا دکا مکانوں کے پھاٹکوں پر جلنے والی روشنیوں کی وجہ سے گلی میں ہلکا سا اجالا پھیلا ہوا تھا۔

سلطان شاہ اس سنسان اور نیم تاریک ذیلی سڑک پر یوں سست رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا جیسے نمبروں کی مدد سے کسی خاص مکان کی تلاش میں ہو لیکن ہم دونوں نے دور ہی سے اپنا مطلوبہ مکان دیکھ لیا تھا۔

اس مکان کے احاطے کی دیواریں خاصی نیچی تھیں۔ اندر اندھیرے کا راج تھا۔ مکان کے در و دیوار باہر ہی سے اپنے مکینوں یا مالکوں کی عدم توجہی کا نوحہ کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اس وقت اندھیرا کافی پھیل چکا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ دن کے اجالے میں وہ مکان اسی طرح ویران اور اجاڑ نظر آتا ہو گا۔

ہماری گاڑی دھیرے دھیرے اس مکان سے آگے نکل گئی۔ اس وقت ہم اسی سڑک پر تھے جس کی نشان دہی اسرار نے کی تھی۔ میرے ایما پر سلطان شاہ نے مکانوں کی قطار کے آخری سرے سے گاڑی اس سڑک پر موڑ لی جدھر مشتبہ مکان کا عقبی حصہ ہونا چاہیے تھا۔

اس گلی میں اسٹریٹ لیمپس روشن تھے۔ مکان کے اس رخ پر

بھی اندھیرے کا راج تھا لیکن پھاٹک کے قریب لگے ہوئے کھمبے پر جلنے والے بلب نے مکان کے بیرونی حصے کو اتنا روشن کیا ہوا تھا کہ اس طرف سے کوئی بھی تاریکی کی آڑ لے کر خفیہ طور پر مکان میں نہیں گھس سکتا تھا۔

ہم نے گاڑی اس مکان سے دور لے جا کر ایک مکان کی ایسی بغلی دیوار کے سائے میں لگا دی جس میں کوئی پھاٹک نصب نہیں تھا۔ گاڑی پارک کرتے ہی ہم دونوں تیزی سے اسی گلی میں ہو لیے جو تاریک پڑی ہوئی تھی۔

گھر سے چلتے ہوئے ہم دونوں نے بھرے ہوئے پستولوں اور فاضل راؤنڈز کے ساتھ سراب گوٹھ سے خریدے ہوئے چند چھوٹے چھوٹے بارودی شعبدے بھی اپنی جیبوں میں رکھ لیے تھے۔ ان معمولی تیاریوں میں میں نے یہ احتیاط ضرور رکھی تھی کہ ہیم گن اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اول خان والا ٹرانسیسٹر ابتدا سے ہی میری جیب میں تھا۔

"میں آگے رہوں گا.... تم کچھ وقفے کے بعد دیوار پھاندنا" میں نے چلتے چلتے اپنی حکمت عملی واضح کرتے ہوئے کہا "ایک دوسرے سے الگ رہ کر ہم اپنے دشمنوں سے بہتر طور پر نمٹ سکیں گے۔"

"مگر اس بھوت بنگلے میں اندھیرے کا راج ہے' ایسا نہ ہو کہ تاریکی میں ہم ایک دوسرے سے بھڑ جائیں۔"

"ہم میں سے کوئی اتنا احمق نہیں ہے" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا اور اپنی چال تیز کر کے سلطان شاہ سے آگے نکلتا چلا گیا۔

پیش قدمی کرتے ہوئے میں کن انکھیوں سے گرد و پیش کا جائزہ بھی لیتا جا رہا تھا۔ مجھے اطمینان تھا کہ اس وقت تک میدان بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ میں نے اپنا رخ قدرے تبدیل کیا اور چند ہی ثانیوں میں مشتبہ مکان کے احاطے کی دیوار کے تاریک سائے میں پہنچ گیا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو سلطان شاہ چند قدم پیچھے چلا آ رہا تھا۔ اس کی طرف سے اپنا اطمینان کر کے میں نے پنجوں کے بل اچک کر مکان میں نگاہ ڈالی تو بیک وقت دو باتیں میرے مشاہدے میں آئیں۔ گو دور سے وہ مکان بالکل تاریک نظر آ رہا تھا لیکن اس کی ایک کھڑکی کے شیشے پر مجھے روشنی کی خفیف سی عمودی لکیر نظر آئی تھی۔ شاید وہ وہی کھڑکی تھی جس کی جھری میں سے اسرار نے اندر کے مناظر دیکھے تھے لیکن دوسرا مشاہدہ تلخ تھا۔ اسرار کے بیان کے برعکس سیاہ کار اندر موجود نہیں تھی۔

میں وہی سب سوچتا ہوا' اپنے ہاتھ دیوار کے سرے پر جما کر فضا میں اچھلا اور دیوار پر سے اڑتا ہوا' دھپ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ احاطے کی کچی زمین پر جا کودا۔ میں چند ثانیوں تک کوئی جنبش کیے بغیر زمین پر اسی حالت میں بیٹھا رہا جس حالت میں میرے قدموں نے زمین کو چھوا تھا۔ میرے کان کہیں سے بھی پیدا ہونے والی کسی آواز کے منتظر تھے۔ اس خطرناک مکان میں پہنچتے ہی میری چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی اور بظاہر سب کچھ نارمل نظر آنے کے باوجود مجھے کسی سنگین خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔

میں ہتھیلیوں اور پنجوں کے بل تیزی سے سرک کر خود رو پودوں کے ایک کنج کے قریب پہنچ گیا۔ وہ پوزیشن لیتے ہی میں نے روشن جھری والی کھڑکی کی طرف نگاہ ڈالی اور میرے بدن میں چیونٹیاں سی سرسرانے لگیں۔ اس کھڑکی کے شیشے مکمل تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہاں روشنی کی کوئی رمق تک باقی نہیں رہ گئی تھی۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ اس مکان میں کوئی نہ کوئی موجود تھا اور اس نے مجھے احاطے کی دیوار پھلانگتے ہوئے دیکھ کر فوراً ہی مکان کی رہی سہی روشنیاں گل کر دی تھیں تاکہ اندھیرے میں پوشیدہ رہ کر وہ میری نقل و حرکت کا غور سے جائزہ لے سکے لیکن فوراً ہی ایک اور خیال بھی آیا۔ میں نے کھڑکی میں جو روشن عمودی لکیر دیکھی تھی' وہ شیشے پر سامنے کے کسی مکان سے پڑنے والا عکس بھی ہو سکتا تھا۔ باہر سے وہ عکس نظر آ رہا تھا لیکن میری پوزیشن تبدیل ہوتے ہی وہ عکس میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ انعکاس کا وہ ایک اٹل اور سادہ سا اصول تھا۔

دونوں امکانات اپنی اپنی جگہ مضبوط تھے مگر میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے شاید ایک سیکنڈ کے سوویں حصے میں وہ سب سوچا اور سلطان شاہ کو عارضی طور پر باہر ہی روکنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس وقت میرا ذہن اتنی تیزی سے کام کر رہا تھا کہ فیصلے پر پہنچتے ہی میرے دہانے سے خود بہ خود ٹرچ کی ایک تیز آواز برآمد ہوئی۔ کسی عام آدمی کو شبہ ہوتا کہ جھاڑیوں میں پوشیدہ' حشرات الارض کی کسی قسم نے آواز پیدا کی ہے لیکن درحقیقت وہ اکلوتی آواز سلطان شاہ کے لیے انتظار کا اشارہ تھی۔

جب تک میں اندر کی چھان بین کر کے اپنا اطمینان نہ کر لیتا سلطان شاہ باہر رک کر میرے دوسرے اشارے کا منتظر رہتا۔ میدان صاف ہونے پر میں اسی قسم کی دو مسلسل آوازیں نکال کر اسے باخبر کر سکتا تھا۔

میں جھاڑیوں کی اوٹ میں دبکا صبر آزما انتظار سے گزرتا رہا۔ ہر طرف ایسے گہرے سکوت کا راج تھا جیسے میرے سوا وہاں کسی اور ذی روح کا وجود نہ ہو لیکن میرا ذہن اس مصنوعی سناٹے پر اعتبار کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ میں باہر کی کھلی فضا میں تھا اور میرا دشمن' اگر کوئی تھا تو وہ اس مضبوط عمارت کی فصیلوں میں محصور تھا۔ میری ذرا سی بے احتیاطی میرے لیے موت کا پیغام بن سکتی تھی۔

میں نے ٹٹول کر جھاڑیوں کی جڑوں میں سے ایک ڈھیلا اٹھایا اور پھر اسے دور اچھال دیا۔ اس پُرہول سچویشن میں ڈھیلا زمین پر گرنے کی آواز بھی غیر معمولی محسوس ہوئی۔ فوراً فضا میں کسی ز

ذرہ آہنی قبضے کی ہلکی سی آواز گونجی۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ کسی بے آواز فائر یا ٹارچ کی تیز روشنی کا منتظر رہا لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔

بجلی کی سی سرعت سے میرے ذہن میں خیال آیا کہ قبضے کی آواز کھڑکی کھلنے سے نہیں، بند ہونے سے پیدا ہوئی تھی۔ اندر جو کوئی بھی تھا، سمجھ چکا تھا کہ کوئی اجنبی عمارت میں داخل ہو چکا ہے۔ اس نے تجسس میں پڑنے یا اجنبی سے الجھنے کے بجائے پسپائی یا شاید فرار کی راہ اختیار کرنے کو ترجیح دی تھی۔

میں نے اپنے قدموں پر اٹھ کر پنجوں کے بل عمارت کی طرف دوڑ لگا دی۔

اسی وقت مجھے عمارت کے پختہ فرش پر کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی ہلکی سی دھمک سنائی دی اور میں نے اس پر کان جما دیے۔ عام حالات میں شاید میں وہ آواز نہ سن پاتا لیکن خطرے میں گھر جانے کے بعد ہر ذی روح کی ساری جبلی صلاحیتیں معمول سے کئی گنا زیادہ کام کرنے لگتی ہیں۔

توجہ کے ارتکاز نے ثابت کر دیا کہ وہ میرا وہم نہیں تھا۔ وہ واضح طور پر کسی ایک شخص کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک تھی جو تیزی سے دور ہوتی جا رہی تھی اور آخر کار وہ معدوم بھی ہو گئی۔

میں نے اضطراری طور پر قریب ترین کھڑکی پر ہاتھ ڈال دیا۔ میری زور آزمائی کے باوجود کھڑکی اپنی جگہ پر جمی رہی۔ بند شیشوں کے پیچھے مضبوطی سے بولٹ لگا ہوا تھا۔

قدموں کی معدوم ہو جانے والی دھمک سے میں یہ نتیجہ اخذ کر چکا تھا کہ اسرار کے مشاہدے کے برعکس اس وقت اندر صرف ایک آدمی موجود تھا۔ اس کے بقیہ ساتھی شاید سیاہ کار لے کر جا چکے تھے اور اندر رہ جانے والا اپنی سلامتی کے لیے کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ صرف ڈھیلے کے گرنے کا شور سن کر ہی بھاگ نکلا تھا۔

میں نے اپنی جیب سے پستول نکالا اور دیوار کی اوٹ میں جھکے ہو کر شیشے پر آہنی دستے سے ضرب لگائی۔ ایک ہلکے سے چھناکے سے شیشہ ٹوٹ کر اندر کی طرف گر گیا۔ میں نے اس مرتبہ بھی چند ثانیوں تک انتظار کیا پھر ٹوٹے ہوئے شیشے میں ہاتھ ڈال کر ذرا سی جدوجہد کے بعد کھڑکی کا بولٹ کھول دیا۔

کھڑکی کے آگے دبیز پردہ لہرا رہا تھا۔ میں باہر سے ٹارچ کی روشنی اندر ڈالنے کا خطرہ مول لیے بغیر تن بہ تقدیر ہو کر کھڑکی کے راستے اندر پہنچ گیا۔

وہاں کوئی ہوتا تو میرے سنبھلنے سے پہلے مجھے چھاپ چکا ہوتا۔ اندر امن و عافیت کا ہونا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ اس وقت میدان میں میرا کوئی حریف نہیں تھا۔ میں نے اطمینان سے اپنی جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کر لی۔

وہ فرشی قالین سے آراستہ ڈرائنگ روم تھا جہاں وسطی تپائی پر چار خالی گلاسوں کے ساتھ اسکاچ کی ایک خالی بوتل اور شراب نوشی کے دیگر لوازم موجود تھے لیکن ان سب سے زیادہ اہم وہ لاش تھی جو اسی تپائی کے قریب قالین پر پہلو کے بل پڑی ہوئی تھی۔

میں نے ٹارچ بجھا کر فوراً ہی اپنے پیچھے والی کھڑکی پر پردہ پھیلایا تاکہ باہر سے کسی کو اندر کا منظر نظر نہ آ سکے اور دوبارہ ٹارچ روشن کر کے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ گیا۔ چند ثانیوں میں وہ کمرا روشن ہو چکا تھا۔

مرنے والا ایک جوان عمر سفید فام تھا۔ اس کے جسم یا لباس پر تشدد یا مزاحمت کی کوئی علامت نہیں تھی لیکن اس کی پیشانی کے وسط میں گولی کا صاف ستھرا سوراخ دور ہی سے نمایاں تھا۔ مجھے فریڈم لاج کی چھت پر مارے جانے والوں کے بارے میں سنی ہوئی باتیں یاد آ گئیں۔ اپنے حریفوں کے دل یا پیشانی میں ایک گولی اتار کر ان کا خاتمہ کرنا راس الیڈا کا محبوب ترین مشغلہ تھا!

لاش کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے مجھے سلطان شاہ کا دھیان آیا۔ میں اپنی پیش قدموں میں منہمک ہو کر اسے بالکل ہی بھول بیٹھا تھا جب کہ وہ میری طرف سے خطرہ ٹل جانے کا اشارہ سننے کے انتظار میں باہر کھڑا سوکھ رہا تھا۔

میں نے پردے کے قریب جا کر اپنے دہانے سے دو مرتبہ مخصوص آواز نکالی پھر پردہ ہٹا کر باہر جھانکنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فضا میں کسی گاڑی کے انجن کی غضب ناک آواز گونجنے لگی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی غصے یا عجلت میں گیئر تبدیل کیے بغیر ڈیزل انجن والی گاڑی کو دوڑائے چلا آ رہا تھا۔

بریکوں کی پرشور آواز کے ساتھ انجن کی آواز تھم گئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ آوازیں اسی مکان کی دوسری جانب والی سڑک سے آئی تھیں اور میرا نامعلوم حریف بھی اسی طرف سے فرار ہوا تھا۔

میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کا نعرہ گونجا مگر اس وقت تک مکان کا احاطہ دھپا دھپ اور پھر بھاری قدموں کے شور سے گونجنے لگا تھا۔ آنے والے بہت تیزی اور بے خوفی سے اندر کود کر عمارت کے گرد پھیل رہے تھے۔

"پولیس.... ہتھیار ڈال کر سب لوگ باہر نکل آؤ.... تم گھیرے میں لیے جا چکے ہو" فضا میں ہانپتی ہوئی ایک بے لوچ آواز گونجی اور میرا دل بیٹھ گیا۔ وہ دشمن کے ہرکارے نہیں بلکہ پولیس والے تھے۔

اس مکان سے بھاگنے والے نے میدان چھوڑتے ہوئے بھی زبردست چال چلی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اندر ایک لاش موجود تھی۔ اس نے جاتے جاتے پولیس کے کسی بھی گشتی دستے کو خبر دے دی ہوگی کہ اس مکان میں کچھ مجرم روپوش ہیں یا پھڈا پڑ رہا ہے اور ان کی موبائل آناً فاناً میں وہاں پہنچ گئی۔

سلطان شاہ باہر تھا۔ شاید اس نے بروقت خطرے کا ادراک کرلیا تھا اس لیے وہ میرے اشارے کا جواب دینے یا اندر داخل ہونے کے بجائے خاموشی سے کہیں کھسک گیا تھا۔

پولیس پارٹی مکان کے احاطے میں دوسری طرف سے داخل ہوئی تھی۔ ان کے بے رحمانہ چنگل سے بچنے کے لیے میرے سامنے صرف ایک راہ باقی تھی کہ میں پردہ ہٹا کر کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر کود جاتا اور جدھر سینگ سماتے' اسی طرف بھاگتا چلا جاتا۔

میں نے آخری فیصلے تک پہنچنے میں بہت تیزی دکھائی تھی مگر پولیس والوں کو نہ جانے کیا اطلاع دی گئی تھی کہ وہ مجھ سے کہیں زیادہ پھرتیلے ثابت ہوئے۔ میں نے جوں ہی کھڑکی سے پردہ ہٹایا' تاریک احاطے سے غراہٹ ابھری "اوئے ڈاکو! ہاتھ اوپر کرلے ورنہ فیر کردوں گا۔"

اپنی آزادی کو طول دینے کے لیے میں اچانک بیٹھ کر خود کو اس نادیدہ سپاہی کی زد سے بچا سکتا تھا لیکن میری ایسی کوئی بھی حرکت صورتِ حال کو بہت زیادہ بگاڑ سکتی تھی۔ وہ اضطراری طور پر بے مقصد فائر کردیتا تو اس کے ساتھی بھی بھڑک سکتے تھے۔ مجھے ان کی نفری کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ میں ان کے ساتھ آنکھ مچولی میں مصروف رہتا اور وہ تھانے وغیرہ سے مزید نفری طلب کر کے میرے فرار کی ہر راہ مسدود کردیتے۔ مجھے اچھی طرح علم تھا کہ مقابلے کے بعد ملزم کو اپنے قابو میں لینے پر پولیس والوں کا ردِعمل کس قدر شدید اور بے رحمانہ ہوتا ہے۔

میرے ایک ہاتھ میں پستول تھا اور دوسرے میں ٹارچ دبی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھادیے۔

"شاباش اوئے نر کے بچے!" مجھے للکارنے والے کی آواز سے فاتحانہ مسرت مترشح تھی۔ "تو نے میری بات مان کر میرا دل خوش کردیا۔ میں تیری..... اوئے خانہ خراب....." ایک ہلکے سے دھماکے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

وہ بہت گھٹا گھٹا اور محدود دھماکا تھا۔ اس کی آواز کسی پٹاخے سے بھی کم تھی لیکن تاریک احاطے کے ایک حصے میں تیزی سے تاریک تر دھواں پھیلنے لگا تھا۔ شاید سلطان شاہ نے موقع کی نزاکت بھانپ کر سہراب گوٹھ سے لائے ہوئے شعبدے استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

میرے نزدیک سلطان شاہ کا وہ قدم خطرناک اور ناپسندیدہ تھا مگر وہ اپنی صوابدید پر عمل کرچکا تھا۔ میں اس دھماکے سے فائدہ اٹھاتا یا نہ اٹھاتا' پولیس والے اس کا عذاب میرے ہی کھاتے میں جوڑ دیتے۔ میں نے دھواں پھیلتے ہی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگادی۔

اس وقت پولیس والوں کی ساری توجہ دھماکے اور دھوئیں پر مرکوز ہوگئی تھی۔ مجھے ہینڈز اپ کرانے والا شاید اپنی جگہ چھوڑ کر کسی محفوظ آڑ میں پہنچ چکا تھا۔ اسے میرا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

"پیچھے رہو..... ادھر بمباری شروع ہوگئی ہے" کسی کی دہشت زدہ آواز سن کر میں اس حالت میں بھی اپنی بے ساختہ مسکراہٹ پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس وقت تک میں دھوئیں کی اوٹ میں پہنچ چکا تھا۔

دوسرا دھماکا ہوا۔ وہی گھٹی گھٹی سی آواز تھی۔ میں ہر طرف سے دھوئیں میں گھر گیا۔

پھر کسی نے فائر کردیا۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ گولی کس طرف چلائی گئی تھی۔ میں اپنی پنڈلیوں کی پوری قوت مجتمع کر کے احاطے کی دیوار کی طرف دوڑ پڑا۔ سلطان شاہ نے مجھے بدترین مشکل سے دوچار کردیا تھا۔ دھوئیں کے ہلکے بموں کے دھماکوں کے بعد پولیس والے مجھ پر غالب آجاتے تو پھر کوئی معجزہ ہی مجھے اس پولیس مقابلے میں جہنم واصل ہونے سے بچا سکتا تھا۔ اس وقت میری بقا صرف اور صرف تیز ترین فرار میں مضمر تھی۔

میں جس سرعت سے اس احاطے میں داخل ہوا تھا اس سے کہیں زیادہ تیزی سے باہر پہنچ گیا۔ سلطان شاہ نہ جانے کس وقت گاڑی وہیں لے آیا تھا۔ اس کا انجن بیدار تھا اور اگلے دونوں دروازے کھلے ہوئے تھے۔ میں اچھل کر ڈرائیونگ سیٹ پر جم گیا۔ سلطان شاہ چکر لگانے کے بجائے دروازہ کھول کر عقبی نشست پر گر گیا۔ میں نے بہت تیزی سے گاڑی آگے بڑھائی تو جھٹکے کی وجہ سے تینوں دروازے پُرشور آواز سے بند ہوگئے۔

"یہاں سے جلدی نکل چلو" سلطان شاہ کی آواز سے خوف جھلک رہا تھا "مین روڈ یا چوراہے کی طرف جانے کے بجائے گلیوں ہی گلیوں میں ہوتے ہوئے خداداد کالونی کی طرف نکلنے کی کوشش کرو....."

"تم نے بہت بڑا رِسک لیا ہے.... پہلے دھماکے کے وقت میں ایک سپاہی کے نشانے پر تھا۔"

"میں نے پولیس موبائل کو تیز رفتاری سے دوسری گلی کی طرف جاتے ہوئے نہ دیکھ لیا ہوتا تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ اول خان کی طرف سے کوئی مدد ملنے سے پہلے وہ تمہیں اتنا رگید ڈالتے کہ تم بھی خود کو نہ پہچان پاتے۔"

"تمہاری کارروائی کامیاب رہی ہے اس لیے اس وقت تم جو چاہو' کہہ سکتے ہو۔ ناکامی کی صورت میں نتائج اس قدر بھیانک ہوتے کہ تم شاید عمر بھر روتے رہتے....."

"حقیقت کو دیکھو۔ مفروضوں پر بات کرکے اپنی زبان مت تھکاؤ" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "اس وقت میری عقل بُری طرح چکرائی ہوئی ہے۔ ہم راس المیڈا کو مارنے آئے تھے لیکن یہاں پولیس کے نرغے میں پھنس گئے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اول خان کا آدمی دوسرے اپریٹس سمیت پکڑا گیا ہو اور راس المیڈا کے کسی آدمی نے تمہیں بھٹکا کر ادھر کی راہ دکھائی ہو اور تم اس بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو!" میں نے چڑ کر کہا "وہ کال دراصل

اول خان کے لیے تھی۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ اس نے اپنا اپرنٹس میرے حوالے کر دیا ہے۔"

"وہ بات کرتا تو راس المیڈا یہی چال اس کے لیے بھی استعمال کرتا۔ تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ ایس ٹی ایف کے ایک اہم افسر کو شہری پولیس کے ہاتھوں مروا کر اسے کس قدر خوشی ہوتی۔۔۔"

"خاموش بیٹھو اور خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کرو۔ دیکھ رہے ہو کہ پولیس والوں کی گاڑیاں سڑکوں پر نکل آئی ہیں۔ دعا کرو کہ سڑک کے اندھیرے میں کسی نے ہماری کار کے نمبر نہ دیکھے ہوں۔"

"شاید تم بھول گئے کہ فریڈم لاج پر حملے سے پہلے اول خان نے نمبر پلیٹ والی روشنی کے بلب نکلوا دیے تھے" اس نے مجھے یاد دلایا اور کہا "کسی نے نمبر دیکھ بھی لیا ہو تو وہ پولیس کو نہیں بتائے گا۔۔۔ یہ رجحان روز بہ روز جڑ پکڑتا جا رہا ہے۔ قانون کی مدد کرنے کی کوشش کرنے والوں کو ایک طرف پولیس گواہی کے چکروں میں رگڑتی ہے اور دوسری طرف دہشت گردوں کی انتقامی کارروائی کی دہشت زندگی عذاب کر دیتی ہے۔ ہم ایک ..فعہ سمیل وا... یہ پہنچ جائیں تو بالکل محفوظ ہو جائیں گے۔ یہ ... راس ا... کہاں غائب ہو گیا؟"

"وہ چار تھے۔ تین غائب ہیں اور چوتھا بے جان حالت میں وہاں پڑا ہوا تھا۔"

"چوتھا؟ تو کیا انہوں نے ساگا کو ہلاک کر دیا؟" سلطان شاہ نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"وہ دکٹریا ماروَن کی لاش ہے۔ اب اول خان کا آدمی ہی اسے شناخت کر سکے گا۔ اس کی پیشانی میں گولی ماری گئی ہے۔ بظاہر وہ راس المیڈا کا کام معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے نشے کی جھونک میں راس المیڈا کے خلاف کوئی سخت بات کہہ دی ہو۔ اپنے آدمیوں کی آزاد خیالی کے بارے میں وہ بہت کینہ پرور ہے۔ دیکھا جائے تو یہ اس کا چھٹا شکار ہے۔ گیری ہارٹ اور حنیف طرکو قید کر کے امریکا بھیج دیا گیا۔ بوب گومز، رینڈل اور دلاور خان کو اس نے فریڈم لاج کی چھت پر گولیاں مار کر ہلاک کیا اور اب ایک اور سفید فام اس کی درندگی کی بھینٹ چڑھ گیا۔"

"وہ اپنے ہی ساتھیوں کو پھاڑ کھانے والا خونی درندہ ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر بھی اسے وفادار ساتھی کہاں سے مل جاتے ہیں۔۔۔۔ اس کی سفاکیاں انہیں اپنا انجام کیوں یاد نہیں دلاتیں؟"

"بھاری معاوضے کے لالچ میں لوگ ہر برے کام پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس دلدل میں جو بھی قدم رکھتا ہے، دھنستا ہی چلا جاتا ہے۔ بعد میں دہشت اور بلیک میلنگ کی وجہ سے وہ کنارہ کشی اختیار نہیں کر سکتے۔"

"اگر اندر ایک لاش موجود تھی تب بھی پولیس اچانک کیسے آ گئی؟" اسے اپنا سوال پھر یاد آ گیا۔

"پہلے میرا اندازہ تھا اور اب مجھے پورا یقین ہے کہ میں احاطے میں کودا تو اندر ایک زندہ آدمی بھی موجود تھا۔ وہ خطرہ بھانپ کر دوسری طرف سے فرار ہو گیا۔ جاتے جاتے اسی نے پولیس پارٹی کو کوئی اطلاع دی ہو گی۔"

"وہ زندہ آدمی راس المیڈا بھی ہو سکتا ہے" سلطان شاہ نے رائے زنی کی "ایسی بزدلی کی توقع صرف اسی سے کی جا سکتی ہے۔ اپنے آدمیوں میں وہ وحشی درندہ بنا رہتا ہے، دشمن کے مقابلے میں گیدڑ بن جاتا ہے۔"

میں اس کی دی ہوئی مثالوں پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا پھر میں نے کہا۔ "سانپ نکل چکا ہے۔ اب لکیر کو پیٹنا بے سود ہے۔ ویسے میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ راس المیڈا نہیں تھا۔ راس المیڈا اپنے ایک ساتھی کو ٹھکانے لگانے کے بعد دوسرے ساتھی سمیت کسی محفوظ تر ...نے کی طرف چلا گیا ہو گا۔ لاش کے ساتھ ساگا موجود رہا ہو گا۔"

"ساگا کے بارے میں تو تم ہی جانتے ہو۔ میرے لیے وہ ایک اجنبی نام ہے۔"

"ساگا ایک زمانے میں بہت نڈر اور دلیر بدمعاش ہوا کرتا تھا لیکن اب اس کے دن پھر چکے ہیں۔ جو لوگ گروہ بندیوں میں پڑ جاتے ہیں، وہ لڑنا بھڑنا چھوڑ کر بس منصوبہ بندیاں کرتے رہتے ہیں۔ وہ اپنے جاں نثاروں کے حصار میں ہوں تو بہت بے جگری دکھاتے ہیں، تنہا کہیں گھر جائیں تو میدان چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ساگا اب شہر کا معمولی بدمعاش نہیں رہا۔ وہ غنڈوں کی ایک بڑی کھیپ کو پال رہا ہے۔"

"تمہیں اس کا ٹھکانا تو معلوم ہی ہو گا؟" سلطان شاہ نے تجسس سے پوچھا۔

"ایسے لوگ جو تنہائی میں اپنے سائے سے بھی خوف کھاتے ہوں، ہر وقت اپنے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں" میں نے جواب دیا۔ "لیکن پھر بھی اس کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ راس المیڈا کی طرح چھلاوا نہیں بن سکے گا۔"

"وہ گرفت میں آ جائے تو پھر راس المیڈا کے نرخرے تک بھی رسائی حاصل ہو جائے گی۔"

ہم ٹریفک کی بھیڑ میں شامل ہو کر نہایت اطمینان سے پرانی نمائش کے چوراہے تک پہنچ گئے۔ وہاں بنی ہوئی ٹریفک پولیس کی چوکی کے قریب پولیس والوں کی تین گشتی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کا عملہ اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں سڑک کی وسطی پٹی کے قریب خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ ناقص مواصلاتی نظام یا پھر ریڈیائی پیغامات میں عدم دلچسپی کی بنا پر شاید انہیں علم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ ان سے دو چار کلو میٹر دور ایک پولیس پارٹی "سنگین

بمباری" کے خطرے سے دوچار ہو چکی تھی اور مجرم فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

میں نمائش کے چوراہے سے صدر کے راستے پر گھوم رہا تھا کہ اچانک ایریٹس کے ریسیور پر کال کا اشارہ موصول ہونے لگا۔ وہ سگنل سلطان شاہ سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکا۔

مجھے متذبذب پا کر اس نے میری جیب سے ایریٹس نکالنا چاہا لیکن میں نے سختی سے اسے روک دیا۔

اس نے حیرت سے کہا "یہ اول خان کی کال معلوم ہوتی ہے۔ وہ کوئی اہم بات کرنی چاہ رہا ہوگا۔"

"مجھے بھی معلوم ہے" اس کے اضطراب پر میں نے دانت پیس کر کہا "لیکن یہ یاد رکھو کہ اس وقت ہم مفرور مجرم ہیں۔ اتنے بھاری ٹریفک میں ایریٹس استعمال کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔"

"میں پچھلی سیٹ پر لیٹ کر بات کیے لیتا ہوں" اس نے نیم دلی سے کہا۔

"تم گدھے ہو.... بسوں اور اونچی گاڑیوں میں سفر کرنے والے کاروں میں اندر تک جھانک سکتے ہیں۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ ابھی تک ہمیں کہیں نہیں روکا گیا۔ تلاشی کی نوبت آ گئی تو ہم ہتھیاروں اور دستی بموں کی موجودگی کا کوئی ہلکا سا جواز بھی پیش نہیں کر سکیں گے۔ چین سے بیٹھو۔ گھر پہنچ کر اول خان سے رابطہ کر لیا جائے گا۔"

"اس وقت تم بھی گروہ بند شہزادوں کی طرح مصلحت کی راہ اختیار کر رہے ہو۔"

میں برقی اشتہاروں کے تیز انعکاس میں اسے غصیلی نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

ہمارا بقیہ سفر تقریباً خاموشی سے طے ہوا۔ میرے ذہن پر اس وقت بس ایک ہی الجھن سوار تھی کہ راس المیڈا کے ساتھ ہمارا تصادم جوں جوں طول پکڑ رہا تھا' شہر میں خوں ریزیوں میں شدت آتی چلی جا رہی تھی۔ ان دنوں ویسے بھی امن و امان کی صورتِ حال تسلی بخش نہیں تھی' ان بے نام ونشان مقابلوں کی آڑ لے کر شہر کے چھوٹے موٹے بدمعاش بھی انتظامیہ کے لیے دشواریاں کھڑی کر سکتے تھے۔ ان واقعات کا جلد از جلد تدارک کیا جانا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ راس المیڈا کا قصہ تمام کر دیا جائے یا پھر اسے پاکستان کی سرحدوں سے باہر فرار ہونے پر مجبور کر دیا جائے۔

میں اسی اُدھیڑبُن میں الجھا ہوا تھا کہ راس المیڈا کے لیے بدترین مصائب پیدا کرنے کا ایک خوش گوار منصوبہ میرے ذہن میں سر ابھارنے لگا۔ اس پر عمل کر کے اس موذی درندے پر بہت آسانی سے عرصۂ حیات تنگ کیا جا سکتا تھا۔ اس منصوبے میں کلیدی اہمیت ان تصاویر کی تھی جو اول خان کے اسرار نامی ماتحت نے اپنے اسپائی کیمرے سے حاصل کی تھیں۔

سارے راستے رہ رہ کر ایریٹس پر کال کے اشارے موصول ہوتے رہے لیکن میں مسلسل انہیں نظر انداز کرتا رہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری طرف سے جواب نہ ملنے پر اول خان سخت پریشان ہو رہا ہوگا۔ جواب نہ ملنے سے وہ ایک ہی نتیجہ اخذ کر سکتا تھا کہ میں کسی مصیبت سے دوچار ہو گیا ہوں مگر میں مجبور تھا۔

ہم دونوں گاڑی میں آگے پیچھے سوار تھے لیکن سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کی حدود سے باہر آتے ہی سلطان شاہ عقبی نشست سے اچک کر میرے برابر والی سیٹ پر آ چکا تھا اور اپنی زبان بند رکھنے کے باوجود وقفے وقفے سے بہت غور سے میرے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ راس المیڈا کے خلاف ایک شاندار منصوبہ سوجھ جانے پر میرے چہرے کے تاثرات میں تبدیلی آنی فطری تھی۔ سلطان شاہ نے وہ تبدیلی بھانپ کر کئی مرتبہ زبان کھولنے کا ارادہ کیا مگر مجھے اپنی طرف متوجہ نہ پا کر خاموش رہنے پر مجبور ہو گیا۔ بظاہر میری ساری توجہ پُر ہجوم سڑکوں پر مرکوز تھی لیکن میں کن انکھیوں سے وہ ساری کیفیات دیکھ کر سلطان شاہ کی پریشانی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

جب میں گاڑی بند کر کے اترا تو اس سے نہ رہا گیا اور وہ پوچھ ہی بیٹھا "تم راستے بھر کیا منصوبہ بندیاں کرتے آئے ہو؟ تمہارے چہرے سے دبی دبی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔"

"اتنا صبر کیا ہے تو چند منٹ اور انتظار کر لو۔ گھر آ ہی گیا ہے۔ وہاں بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔"

ہم دونوں گھر میں داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اول خان ہم سے پہلے وہاں موجود تھا۔ اس کا چہرہ فق تھا اور آنکھوں میں تشویش کے سائے لرزاں تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ کہہ اٹھا۔

"میرا دم نکلا ہوا تھا۔ کیا تمہارے ایریٹس کی بیٹریاں جواب دے گئی ہیں؟" اس نے سلطان شاہ کو تپاک سے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"ایریٹس ٹھیک ٹھاک ہے۔ ہماری بیٹریاں ڈس چارج ہونے سے بال بال بچ گئیں" میں نے ہنس کر کہا۔

"پھر تم میری کالز کا جواب کیوں نہیں دے رہے تھے؟ میں از کم دس مرتبہ تمہیں ٹرائی کر چکا ہوں۔"

"مجبوریاں۔ یہ بتاؤ کہ اسٹیشن فور کی کیا خبریں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"پریشانیوں کا سلسلہ چل نکلے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آسمان ٹوٹ پڑے گا.... وہاں کے فون بے جان تھے' اسرار کی طرف سے جواب نہیں مل رہا تھا۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا پھر بھلا وقت شروع ہوا تو پتا چلا کہ وہ مسائل اتنے سنگین نہیں تھے۔ اسرار کی چونکا دینے والی کہانی تم سن چکے ہو۔ اسٹیشن فور پر دو آدمیوں کو معمولی خراشیں آئی ہیں۔ اپنے زخموں سے زیادہ

...نے کی وجہ سے وہ بھیانک نظر آرہے تھے۔ تیسرے آدمی کے
زخم ذرا گہرے ہیں مگر وہ بھی چند روز میں بھر جائیں گے۔ مجھے ان
تینوں کی فکر تھی۔ مالی نقصان کی مجھے کبھی پروا نہیں ہوتی۔ ایلس
کی حرکت سے فورس کو خاصا مالی نقصان پہنچا ہے۔ چند روز میں اس
کا بھی ازالہ کرلیا جائے گا۔"

"شاید اسی لیے تم وہاں سے اتنی جلدی لوٹ آئے؟" سلطان
شاہ نے رائے ظاہر کی۔

"وہاں مجھے زیادہ دیر نہیں لگی۔ مجھے اسرار کی زیادہ فکر تھی۔
مجھے راستے میں مل گیا۔ اس کی کہانی سننے کے بعد میں نے اس کا
اربس لے کر اسے اسٹیشن فور بھیج دیا۔ میں راستے بھر تم سے بات
کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔"

"حیرت کی بات ہے کہ تم سراب گوٹھ سے یہاں پہنچ گئے مگر
تم نے سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی سے یہاں تک آنے میں زیادہ
وقت لیا" سلطان شاہ نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"میں شہر کی کم مصروف سڑکوں پر تیز رفتاری سے سفر کرتا رہا۔
پورے شہر کے گندے ٹریفک سے گزر کر یہاں تک پہنچے ہو۔ وقت
میں کچھ نہ کچھ فرق تو پڑنا ہی تھا... یہ بتاؤ کہ تم دونوں کیا کر کے آئے
ہو۔ سنا ہے کہ تم راس المیڈا اور اس کے ساتھیوں کے شکار پر نکلے
ہوئے تھے۔"

"ارادہ یہی تھا لیکن ستاروں نے یاوری نہیں کی ورنہ آج
اس کا قصہ نمٹ جاتا۔"

میرے جواب پر ویرا کے خوب صورت ہونٹوں پر ہلکی سی
مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بولی "مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم بھی
ستاروں وغیرہ میں یقین رکھتے ہو۔ یہی بات میں نے کی ہوتی تو تم
اعتراض جڑ دیتے۔"

"میں ان خرافات میں یقین نہیں رکھتا۔ بس محاورے کی
بات تھی جو کہہ ڈالی۔"

"بس!" اول خان ہاتھ اٹھا کے بولا "آپس کی بحث میں الجھنے
کے بجائے اپنی کہانی شروع کرو۔"

"مجھے صرف ایک بات بتادو!" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔
"اسرار کی بنائی ہوئی تصاویر کہاں ہیں؟"

"وہ میں لے آیا ہوں مگر پہلے تمہاری کہانی......" وہ معنی خیز
مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اول خان وہ تصاویر اپنے ساتھ
لے آیا تھا۔ میں نے ڈرامائی جزئیات سے گریز کرتے ہوئے ان
دونوں کو وہ تمام واقعات بلا کم وکاست سنا دیے جو سندھی مسلم
ہاؤسنگ سوسائٹی میں ہمارے ساتھ پیش آئے تھے۔ میری کہانی
زیادہ طویل نہیں تھی۔ میرے خاموش ہوتے ہی سوالات کا سلسلہ
چل نکلا مگر وہ واقعات اس قدر واضح سمتوں کی نشان دہی کر رہے
تھے کہ چند ہی منٹ میں ان تینوں کے سوالات کا ذخیرہ جواب دے
گیا۔

"اور اب وہ تصاویر!" کمرے میں خاموشی ہوتے ہی میں نے
اپنا مطالبہ پیش کردیا۔

اول خان کے اشارے پر ویرا نے کشن کے نیچے سے تصاویر کا
لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

"اسرار کا اسپائی کیمرا بہت حسّاس اور جدید ترین ہے۔" اول
خان مدافعانہ لہجے میں بولنے لگا "اس نے ان لوگوں کے چھتیس فریم
لیے تھے لیکن کھڑکی کی جھری ناکافی تھی۔ پینتیس تصویروں میں کسی
کا بھی مکمل چہرہ نہیں آسکا۔ بس راس المیڈا کی تصویر مکمل ہے مگر
اس کا فوکس بگڑا ہوا ہے۔"

میں پوسٹ کارڈ سائز کی رنگین تصاویر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔
پہلی تصویر پر نظر پڑتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ پردوں کی درمیانی
جھری تصویر کشی کے لیے ناکافی تھی۔ ہر زاویے سے صرف وہی کچھ
قلم بند کیا جاسکتا تھا جو جھری میں سے نظر آسکتا تھا۔ بقیہ تفصیلات
دائیں بائیں موجود پردوں کے پیچھے چھپ گئی تھیں۔

ساگا میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ میں نے اس کی ادھوری
تصویروں میں بھی اسے پہچان لیا۔ ویسے بھی تین سفید فاموں میں وہ
واحد گندمی جلد والا تھا۔ رنگت کی بنا پر اس کی شناخت دشوار نہیں
تھی۔

پھر مجھے اس چہرے کا ایک حصہ نظر آیا جو مجھے سندھی مسلم
سوسائٹی کے مکان میں بے جان نظر آیا تھا۔ اول خان نے بتایا کہ
اسرار نے اس کا نام مارون بتایا تھا۔ اس کی زبان سے وہ انکشاف
سن کر مجھے راس المیڈا کی بربریت میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ مارون
اسے اس قدر عزیز تھا کہ وہ بوب، رینڈل اور دلاور کو قتل کرکے
اسے فریڈم لاج سے اپنے ساتھ نکال لے گیا تھا۔ وہ مارون کے
لیے راس المیڈا کی محبت کا ایک رخ تھا۔ جب اسی مارون نے
راس المیڈا کی افتادِ طبع کے خلاف کوئی بات کی تو اس نے بلا تامل
مارون کی پیشانی میں پگھلا ہوا سیسہ اتار دیا۔ وہ اپنے گستاخ غلاموں
کے لیے راس المیڈا کی نفرت کی دوسری انتہا تھی۔ اپنے ان متضاد
رویوں کی وجہ سے وہ نارمل نظر نہیں آتا تھا۔

اس کی تصویر خوش قسمتی سے مکمل تھی۔ شاید اسرار نے اپنی
ساری توجہ اسی کو فوکس کرنے پر مرکوز رکھی تھی۔ جوں ہی اس کا
پورا چہرہ کیمرے کی گرفت میں آیا اسرار نے بٹن دبا دیا۔ وہ تصویر
بہت واضح نہیں تھی، تھوڑی سی دھندلی تھی۔

آگے کی طرف قدرے مڑے ہوئے کانوں، چوڑے جبڑوں،
تنگ پیشانی، سرد آنکھوں اور سیدھی لکیر کی طرح کھنچے ہوئے
سفاکانہ ہونٹوں سے راس المیڈا بالکل ویسا ہی نظر آرہا تھا جیسا وہ
تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہسکی کا گلاس تھا اور اس کی نظریں اپنے
گلاس پر جمی ہوئی تھیں۔

وہ راس المیڈا کی واحد مکمل تصویر تھی۔ دوسری تصاویر میں

اس کے چہرے کے بعض حصے موجود تھے۔ مکمل تصویر دیکھ لینے کے بعد ان جزوی خدوخال کو آسانی سے پہچانا جاسکتا تھا۔

سلطان شاہ میرے بدن سے چپک کر ان تصاویر پر جھکا ہوا تھا۔ میں کئی سیکنڈ تک اپنے اس خون آشام حریف کی تصویر دیکھتا رہا پھر میں نے وہ پورا پلندا سلطان شاہ کو تھمادیا۔

"مجھے اسرار سے پوچھنا یاد نہیں رہا...... جب اس نے اپنے کانوں سے ان لوگوں کے نام سنے تھے تو ان کی دوسری گفتگو بھی سنی ہوگی۔ وہ وہاں جمع ہو کر کس موضوع پر باتیں کررہے تھے؟" میں نے اول خان سے پوچھا۔

"وہ سب سخی مراد کے خلاف اپنے دل کا غبار نکال رہے تھے۔" اول خان نے جواب دیا "ان کی گفتگو میں اس غدار کے لیے برے القاب اور گالیوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ ایک طرح سے سخی مراد کی ہلاکت کا جشن تھا۔"

"ہاں' اس کی کیا خیر خبر ہے؟" میں نے چونک کر سخی مراد کے بارے میں پوچھا۔

"کچھ پتا نہیں۔" اول خان اپنے شانے اچکا کے بولا "اسٹیشن فور کے فون ناکارہ ہونے کی وجہ سے میرا کسی سے رابطہ نہیں ہوسکا۔ چند گھنٹوں میں وہاں کی لائنیں بحال ہوسکیں گی۔ ابھی فون کر کے معلوم کرتا ہوں۔"

"ہوسکے تو یہ بھی معلوم کرو کہ سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے مکان پر رونما ہونے والے واقعات اور ہارون کی لاش کے بارے میں کیا سوچا جارہا ہے۔ ان حوالوں سے میں ایک نئی بساط بچھانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

اول خان فون پر نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔ سلطان شاہ میرے سر ہوگیا "ہم گھر آچکے ہیں۔ اب بتاؤ کہ تم راستے بھر کیا سوچ سوچ کر دل ہی دل میں خوش ہورہے تھے؟"

"اول خان فون سے فارغ ہوجائے تو اس بارے میں بات کریں گے۔"

"تم ایک ہی بات سوچ کر خوش ہوسکتے ہو کہ میں عنقریب تمہارا پیچھا چھوڑنے والی ہوں۔" ویرا استہزائیہ لہجے میں بیچ میں بول پڑی۔

"ویرا! میں تم سے دست بستہ التجا کررہا ہوں کہ فضا کو اتنا مکدّر نہ کرو کہ تمہاری روانگی تک ہم سب کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے تلخیوں کی بنیاد پڑجائے۔" میں نے اسے گھور کر خشک لہجے میں کہا۔

اول خان شاید نمبر ملا کر دوسری طرف سے ریسیور اٹھائے جانے کا انتظار کررہا تھا۔ اس نے بھنا کر اپنا ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور کہنے لگا "پہلے تم لوگ اپنے جھگڑوں سے نمٹ لو' میں بعد میں فون کرلوں گا۔"

"آؤ! ہم سب کمرے میں چلتے ہیں۔" ویرا نے غزالہ کا ہاتھ تھام کر اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے مجھ سے کہا "اول خان کو سکون سے فون پر بات کرنے دو۔ ہماری باتوں کی وجہ سے ان کا دھیان بٹ رہا ہے گا۔"

سلطان شاہ نے فوراً ویرا کی تقلید کی تھی۔ غزالہ کے ہونٹوں پر میٹھی میٹھی مسکان پھیل گئی تھی۔ وہ بہت دلچسپی سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ دوسری طرف ویرا کی سلگا دینے والی نظریں بھی میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں بے بسی سے مسکراتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ ویرا ذرا ذرا سی باتوں میں مجھ سے ان بھلے دنوں کا خراج وصول کرنے کی خواہاں نظر آرہی تھی جو ہم نے ساتھ رہ کر بڑی آسودگی سے گزارے تھے۔

اس نے مجھے کبھی بھی کوئی ناشائستہ دھمکی نہیں دی تھی لیکن مجھے اس کی آنکھوں میں یہ تحریر ہروقت بہت واضح نظر آتی تھی کہ میں نے اس کا دل توڑا یا اس کی بات نہ مانی تو وہ کسی نہ کسی طرح غزالہ کو ان خوش گوار ملاقاتوں کا احوال سنادے گی جن کی یادیں میرے اور اس کے دلوں میں دفن تھیں۔

اول خان نے ہمارے قافلے کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کسی بت کی طرح اپنی ٹھوڑی ہتھیلی پر ٹکائے ہمیں ڈرائنگ روم سے رخصت ہوتے دیکھتا رہا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں اس کی پیشہ ورانہ لاتعلقی ابھر آئی تھی۔ ایسے لمحات میں وہ اخلاق اور مروّت کو بھول کر صرف ڈسپلن کا پابند رہ جاتا تھا۔

ویرا' غزالہ کو لے کر اپنی خواب گاہ کی طرف چل دی تھی۔ مجھے بھی مجبوراً ادھر کا ہی رخ کرنا پڑا۔ اس روز موسم خاصا اچھا تھا لیکن بند دروازہ کھلتے ہی اندر سے آنے والے خنک ہوا کے جھونکے سے اندازہ ہوا کہ ویرا کے کمرے کا ائرکنڈیشنر پورے زور شور سے کام کررہا تھا۔

"آبی جانور کو خشکی پر چھوڑ کر مرغ مسلّم کھلایا جائے تو وہ زندہ نہیں رہتا۔" میں نے سلطان شاہ کو آنکھ مار کر کہا۔

وہ لمحے بھر کے لیے بوکھلایا مگر سنبھالا لے کر فوراً ہی پورے زور شور سے میری ہاں میں ہاں ملانے لگا۔

"وہ کون سے آبی جانور ہیں جو مرغ مسلّم کھاتے ہیں؟" ویرا نے مڑ کر آنکھیں نکالیں۔

"اصل اہمیت آبی جانور کو خشکی پر لانے کی ہے۔ مرغ مسلّم بلاوجہ مارا جاتا ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اس کمرے میں آئے ہو تو اب ایسی بے سروپا باتیں کر گئے؟" وہ غرا کے بولی۔

"مجبوری ہے۔ یہاں کا موسم ہی کچھ ایسا ہورہا ہے۔" میں نے اس کی برہمی کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی۔

"اس کمرے کے موسم میں کون سے کیڑے نکل آئے جو تمہارے دماغ پر اثرانداز ہورہے ہیں۔"

"برفانی ریچھ استوائی جنگلات میں بلک بلک کر مرجاتا ہے۔"

عادت کی باتیں ہوتی ہیں۔ تم نے اپنے کمرے کو اچھا خاصا خانہ بنایا ہوا ہے۔ میں تھوڑی دیر یہاں بیٹھا تو مجھے سرسام ہو جائے گا۔"

"میں ائرکنڈیشنر بند کردوں گی لیکن تم کو یہاں سے بھاگنے نہیں دوں گی۔"

"ابھی رہنے دو۔" اسے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھتا دیکھ کر میں نے کمزور آواز میں کہا "سرسام شروع ہوتے ہی میں تمہیں بتادوں گا۔ یہ بتاؤ کہ تم ہمیں گھیر کر یہاں کیوں لائی ہو؟"

"وہاں اول خان ڈسٹرب ہو رہا تھا۔ اب تم یہ بتاؤ گے کہ سلطان شاہ سے کیا بات چھپا رہے ہو؟"

"وہ تم بتا ہی چکی ہو۔" میں نے اسے سلگانے کے لیے دانستہ ٹیڑھا جواب دیا۔

"ویرا سے زیادہ میں بے چین ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم کوئی لائن طے کر چکے ہو۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"چند منٹ بعد اول خان آئے گا تو پوری کتھا پھر سے سنانی پڑے گی۔" میں نے ان دونوں کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے بتایا۔ "میرے منصوبے کی کامیابی کے لیے اول خان کا تعاون ضروری ہے۔"

"تفصیل بعد میں بتادینا۔ سرپیر کا تو کچھ پتا چلے!" ویرا جھلا کر بولی۔

"میں راس الیمڈا کی تصویر کے ساتھ کسی اخبار میں ایک فیچر چھپوانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"آپ کیوں ان دونوں کو غصہ دلانے پر تلے ہوئے ہیں؟" غزالہ نے دخل دیتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو!" ویرا نے ہاتھ اٹھا کر غزالہ سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت غیر معمولی چمک پیدا ہوگئی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی "میرا خیال ہے کہ میں ڈیبی کی بات سمجھ گئی ہوں۔ یہ پھر بہت دور کی کوڑی لایا ہے۔"

"میری قریب کی نظر کمزور ہوتی جارہی ہے، میں دور کی کوڑی ہی لاؤں گا؟"

"بکومت...... ابھی تک وہ آزادی سے ہر طرف دندناتا پھر رہا ہے کیوں کہ اس کی کوئی شناخت نہیں ہے۔ لوگ اس سے مل کر بھی اسے پہچاننے سے قاصر رہتے ہیں۔ تصویر چھپنے کے بعد وہ اپنی شہرت کے حصار میں گھر کر رہ جائے گا۔ جدھر جائے گا' اس کے دوستوں کے ساتھ دشمن بھی اسے پہچان لیں گے اور یہی اس کی موت ہوگی۔"

میں حیرت سے ویرا کا منہ تکنے لگا۔ غزالہ کی ستائشی نظریں بھی اسی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

ویرا کی اس خوبی نے برسوں سے مجھے اس کا گرویدہ بنایا ہوا تھا کہ وہ حسین ہونے کے ساتھ ہی بلا کی ذہین بھی تھی اور ذرا سا اشارہ پاتے ہی ہر بات کی تہ تک پہنچ جانے کی بے پناہ فطری صلاحیت رکھتی تھی۔

"اگر تم میرے منصوبے کی افادیت کی قائل ہو چکی ہو تو اس پر مزید دماغ کھپانا بے سود ہے۔ اب تم ہی اول خان کو پوری بات سمجھا دینا۔ وہ اب بھی تمہاری بات بہت توجہ سے سنتا ہے۔"

"اب بھی سے کیا مطلب ہے تمہارا؟ اب کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں؟"

"سینگ نکل آئیں تو انہیں کاٹ کر سانڈ بھی بچھڑوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ تمہارا مرض لاعلاج ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دنیا کی کوئی طاقت تمہیں امریکا روانگی سے نہیں روک سکے گی۔"

اسی وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور پھر اول خان دروازہ کھول کر اندر آگیا۔

اسے اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس وقت بند کمرے کا اجلاس کس منزل پر پہنچا ہوا تھا۔ ہم چاروں عارضی طور پر خاموش ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی بات شروع کر دی "سخی مراد کی موت کی تصدیق ہو چکی ہے۔ دھماکے میں نچلا دھڑ اڑ جانے کے باوجود اس کی لاش شناخت کر لی گئی ہے۔"

وہ ایک مثبت خبر تھی۔ ایک ایک کر کے ہمارے حریف رفتہ رفتہ مارے جا رہے تھے۔ اس بار کمال یہ تھا کہ یہ کارِ خیر ہمارے بجائے راس الیمڈا اپنے ہاتھوں سے انجام دے رہا تھا اور اسی کو اپنی فتح سمجھ رہا تھا۔

"اور مارون کی لاش کے بارے میں کیا سوچا جارہا ہے؟" چند ثانیوں بعد میں نے پوچھا۔

"سب کی عقلیں ماؤف ہیں۔ لاش پولیس کی تحویل میں ہے لیکن ابھی تک کوئی کہانی نہیں بن سکی۔ پولیس والے دھوئیں کے بموں کے استعمال کی کہانی سنا رہے ہیں لیکن وہ دھماکے اتنے ہلکے تھے کہ قرب وجوار میں رہنے والوں نے بھی نہیں سنے۔ اعلیٰ حکام اس پورے واقعے کو شک وشبے کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔"

"یعنی انہیں اپنے موبائل اسکواڈ کے بتائے ہوئے واقعات پر یقین نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بہ ظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے۔ غیر ملکیوں کی لاشوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے سب کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میرے منصوبے کے لیے فضا خود بہ خود سازگار ہوتی جارہی ہے۔"

"تمہارا کیا منصوبہ ہے؟ وہی جس کے بارے میں سلطان شاہ کچھ کہہ رہا تھا۔"

"اس پر ویرا خانم روشنی ڈالیں گی۔" میں نے اول خان کو جواب دے کر سگریٹ نکال لی۔

ویرا نے پورے اہتمام سے اول خان کو میری تجویز سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ اس کے الفاظ کم وبیش وہی تھے جو چند منٹ پہلے استعمال کر چکی تھی۔ اول خان پورے دھیان سے اس کی بات سن رہا تھا۔

"یہ سب تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن یہ فیچر کس بنیاد پر بنے گا؟" اس کی بات مکمل ہونے پر اول خان نے اس سے سوال کیا اور وہ بوکھلا کر میرا منہ دیکھنے لگی۔

"اب مجھ سے کوئی امید نہ رکھو۔ تم بہت عقل مند ہو۔ سب کچھ سمجھ گئی تھیں اس لیے اب تم ہی اول خان کے سوالوں کے جواب دو۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا میں اس وقت سگریٹ سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ میرے اس مشغلے میں خلل مت ڈالو۔" میں نے قدرے بے رخی سے کہا۔

"جو حقائق ہیں، ان ہی کو لے کر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔" چند ثانیوں بعد ویرا بولی۔

"ان کو ثابت کون کرے گا۔ اخبار والے بہت کائیاں ہوتے ہیں اور ہم لوگ تو ویسے بھی اخبار والوں سے بہت دور بلکہ الگ تھلگ رہتے ہیں۔ انہیں ذرا سا سرا مل جائے تو وہ راس المیڈا کو بھول کر اسپیشل ٹاسک فورس ہی کے پیچھے لگ جائیں گے۔" اول خان کے اعتراضات خاصے وزنی تھے۔

"اخبارات میں لکھنے کے لیے کچھ ثابت کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اصل بات یہ ہے کہ پریس سے تمہارے مراسم ہی نہیں ہیں۔ اخبار والوں سے دوستی ہو تو وہ خود ہی رائی کا پہاڑ بنا لیتے ہیں۔"

"ہماری براہِ راست دوستی ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اول خان چڑ کر بولا "میں کوشش کروں تو انٹر سروسز پبلک ریلیشنز میں میری کوئی نہ کوئی جان پہچان نکل آئے گی۔ وہ لوگ پریس میں بڑا اثر و رسوخ رکھتے ہیں لیکن ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے کہانی میں جان ہونی چاہیے۔"

"میجر غوث بہت سے واقعات کا گواہ ہے۔ وہ تمہاری کہانی کی تائید کرے گا۔"

"وہ واقعات کا گواہ ہو سکتا ہے لیکن ان میں راس المیڈا کے ملوث ہونے کے بارے میں وہی کچھ جانتا ہے جو ہم اسے بتاتے رہے ہیں۔ وہ تو یہ بھی نہیں بتا سکے گا کہ راس المیڈا کی تصویر اصلی ہے یا نقلی۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ راس المیڈا اس وقت راڈنی آرک کے سفارتی روپ میں یہاں آیا ہوا ہے۔ اس کی تصویر کسی اور حوالے سے چھاپنا آسان کام نہیں ہے۔ ہمارے دوستوں کی تیوریوں پر وسیوں بل آ جائیں گے اور ان کا لب و لہجہ تلخ ہو جائے گا۔ ان تمام پہلوؤں پر غور کیے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔"

ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولی۔

"اول خان نے میری تجاویز کا تو بے رحمانہ پوسٹ مارٹم کر ڈالا مگر میرا دل کہہ رہا ہے کہ تمہاری تجویز قابلِ عمل ہے۔ میں کہیں بھٹک رہی ہوں۔ اب تم ہی اول خان کو سمجھاؤ کہ تمہارے ذہن میں اس منصوبے کا کیا خاکہ ہے۔"

"تم اپنے آدمیوں پر ظلم کر رہے ہو۔" میں نے اول خان سے کہا "اسرار نے راس المیڈا کی تصاویر لے کر ایسا کام کیا ہے کہ اسے جو بھی انعام دیا جائے، وہ کم ہو گا اور تم اسے اسٹیشن فورس سے شہر تک موٹر سائیکل پر دوڑ لگوا رہے ہو۔"

"واقعی۔" سلطان شاہ بے ساختہ بول پڑا "اس نے ہمارے غیر ملکی دشمنوں کے خلاف لڑتے ہوئے جس دلیری سے یہ کام کیا ہے اس پر اسے نشانِ حیدر ضرور ملنا چاہیے۔"

اول خان یوں ہنس پڑا جیسے اس نے کوئی احمقانہ بات کہہ ڈالی ہو اور سمجھاتے ہوئے بولا "جو بات معلوم نہ ہو، اس پر زبان نہیں کھولا کرتے۔ اعزازات ملک و قوم کے جذبۂ تشکر کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتے۔ نشانِ حیدر زندہ سورماؤں کو نہیں دیا جاتا۔ یہ ان مثالی شہیدوں کے لیے وقف ہے جو ملک و قوم کے دفاع میں ناقابلِ فراموش کارنامے سرانجام دیتے ہوئے اپنی جانوں پر کھیل کر ہمیشہ کے لیے امر ہو جاتے ہیں۔"

"لیکن کیوں؟ شجاعت کا یہ اعزاز کسی زندہ انسان کو کیوں نہیں دیا جا سکتا؟"

"اس اعزاز کو ملک کا سالارِ اعظم بھی اپنا سلام پیش کرتا ہے۔" اول خان سنجیدگی سے بولا "فوج کے مراتب اور ڈسپلن میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی کہ بڑا افسر اپنے چھوٹوں کو باضابطہ سلامی دے۔ دادِ شجاعت دینے والے غازیوں کے لیے دوسرے اعزازات موجود ہیں۔ انہیں نشانِ حیدر دیا گیا تو ڈسپلن کا کیا بنے گا؟"

بات سلطان شاہ کی سمجھ میں آ گئی اور وہ تفہیمی انداز میں سر ہلانے لگا۔

"تمہاری بات ادھوری رہ گئی۔ تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے تھے؟" اول خان نے مجھے ٹوکا۔

"اسرار کی لی ہوئی تصاویر میں راس المیڈا کی ایک تصویر کے علاوہ ایسی تصاویر بھی ہیں جن میں ہارون اور راس المیڈا کے چہروں کے کچھ حصے دیکھے جا سکتے ہیں اور ایسی ہی تصویریں کہانی کی بنیاد بنیں گی۔ متوفی اپنی موت سے قبل اس مکان میں امریکا کے رسوائے زمانہ صیہونی دہشت گرد، راس المیڈا کے ساتھ مے نوشی کر رہا تھا پھر راس المیڈا نے اسے ہلاک کر دیا۔ میجر غوث کی تحویل میں موجود چند قیدی یہ تصدیق کر سکتے ہیں کہ راس المیڈا ہی چیف بن کر فریڈم لاج میں رہنے والوں پر حکمرانی کر رہا تھا۔ پورا فیچر سختی سے ان ہی واقعات تک محدود رہے گا۔ کے تائین یا دوسری تخریبی سرگرمیوں کا کوئی ذکر نہیں ہو گا۔ تم یقین کرو کہ اس فیچر کی اشاعت

کے بعد راس المیڈا اپنی سفارتی حیثیت کہیں استعمال نہیں کرسکے گا۔ وہ جہاں جائے گا' پہچان لیا جائے گا۔"

"یہ بات بن سکتی ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا "مگر یہ فیچر تم ہی تیار کرسکتے ہو۔"

میں بے اعتباری سے ہنس پڑا "خدا کا خوف کرو۔ میں نے آج تک کوئی خط تک نہیں لکھا ہے۔ میں مر کر بھی فیچر تیار نہیں کرسکوں گا۔ یہ کام تمہارے انٹر سروسز پبلک ریلیشنز والے ہی کسی سے کروا دیں گے۔"

"فیچر کوئی بھی لکھ لے گا۔ نکات تم کو بتانے پڑیں گے۔ مجھے بہت زیادہ زبانی بریفنگ دینی پڑی تو میں بھک کر دوسرے واقعات کا ذکر بھی نکال لوں گا۔ یہ کام تم اسی وقت کرڈالو۔" اول خان بولا۔

اس منصوبے کا کلیدی نکتہ یہ تھا کہ پاکستان میں موجود ہر امریکن اہل کار کے ذہن میں یہ بات بٹھادی جائے کہ راس المیڈا صرف اپنا ہمدرد تھا۔ دوسرے اس کے لیے محض چارے کا کام کرتے تھے۔ وہ بے رحمی سے اپنے ساتھ کام کرنے والے امریکنوں کو موت کے گھاٹ اتار رہا تھا۔ راس المیڈا پر سیکڑوں پاکستانیوں کے قتل کا الزام عائد کرکے بھی امریکنوں کے دل میں اس کے خلاف نفرت پیدا نہیں کی جاسکتی تھی۔ دوسری طرف صرف مارون کے قتل کی فردِ جرم پڑھ کر ہر امریکن اس کی طرف سے خوف اور نفرت کا شکار ہوسکتا تھا۔ چند روز بعد اس پر بوب کومز اور رینڈل کے قتل کا الزام بھی عائد کیا جاسکتا تھا۔

اس حکمتِ عملی کے تحت وہ اپنے قریبی ساتھیوں کی ہمدردیاں کھو کر بالکل تنہا رہ جاتا۔ اپنی تصویر کی تشہیر کے بعد وہ راڈنی آرک بن کر بھی منظرِ عام پر نہیں آسکتا تھا۔ فیچر میں اس کے لیے یہی پیغام پنہاں ہوتا کہ وہ اب صرف نام سے نہیں' اپنے چہرے سے بھی پہچان لیا جائے گا اور سامنے آتے ہی مار ڈالا جائے گا۔

"سب کچھ اسی طرح ہوا تو اس کے لیے پاکستان کی زمین تنگ ہوجائے گی اور وہ چوری چھپے یہاں سے فرار ہونے کی کوششوں میں مصروف ہوجائے گا۔" مزید تبادلۂ خیال کے بعد ویرا نے اپنا نظریہ پیش کیا۔

"اس کی کوششوں کو ناکام بنانا ہمارا کام ہوگا" میں نے کہا "وہ یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہوگیا تو نیویارک کے کسی بھی ہوائی اڈے پر تم اس کا استقبال کروگی۔ ایک بار اس کے اعصاب بکھر گئے تو وہ ہم سے کہیں بھی مقابلہ کرنے کی جرات نہیں کرسکے گا۔"

"تم اسی وقت اول خان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ یہ کام جلد از جلد ہوجانا چاہیے۔ میں ائرکنڈیشنر کا تھرموسٹیٹ لو کرکے تم دونوں کے لیے یہ کمرا خالی کیے دیتی ہوں۔ آج کی رات غزالہ کے ساتھ گزار لوں گی۔"

"تم جاؤ۔ خنکی میں کمی بیشی ہم خود کرلیں گے" میں نے اس کی

تجویز مان لی۔

"اور ہاں!" وہ جاتے جاتے اوّل خان کی طرف پلٹ پڑی۔ "کل میرے پاسپورٹ اور ٹکٹ کا کام ہو جانا چاہیے۔ میں اس کام میں ایک دو دن سے زیادہ تاخیر برداشت نہیں کر سکوں گی۔ زیادہ دیر ہوئی تو میں خود ہی کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لوں گی۔"

"ابھی جا کر آرام کرو" اوّل خان نے بزرگانہ لہجے میں کہا۔ "اپنے کام سے نمٹ لیں تو تمہارے بارے میں بھی کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیا جائے گا۔ تمہیں غیر قانونی ذرائع استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

وہ تینوں ویرا کی خواب گاہ سے چلے گئے اور میں اوّل خان کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"کیا دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟ اس طرح کیوں مسکرا رہے ہو؟" اوّل خان بگڑ کے بولا۔

"میرے ذہن میں ابھی ابھی کہانی کا ایک نیا اور بھرپور خاکہ ابھرا ہے۔ میں اپنے نوٹ بنا لوں تو تم اچھل پڑو گے۔"

"بس یہ یاد رکھنا کہ ہم جو کچھ کہیں، اسے کسی نہ کسی حد تک ثابت ضرور کر سکیں۔ آئی ایس پی آر والے ہم سب سے زیادہ محبِ وطن ہیں لیکن وہ بے سروپا باتیں قبول نہیں کریں گے۔"

"تم فکر مت کرو۔ جہاں ضرورت ہوئی، میں تم سے مشورہ لیتا رہوں گا۔"

بظاہر وہ زیادہ لمبا کام نہیں تھا۔ راس المیڈا کی فتنہ انگیزیوں کے بارے میں بس چند رہنما نکات قلم بند کرنے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم ایک ڈیڑھ گھنٹے میں نمٹ جائیں گے لیکن بات شروع ہوئی تو پھر وقت تیزی سے گزرتا ہی چلا گیا۔ میں اس کہانی کو جی لائیڈ اور راس المیڈا کی محاذ آرائی سے شروع کرنا چاہ رہا تھا۔ اس میں شی اور جی لائیڈ کا نام تک بدل دیا گیا مگر امریکا کے صدر اور وائٹ ہاؤس کے کردار کے تعین کے بغیر بات نہیں بن رہی تھی۔ وہ نام ایسے حساس تھے کہ انہیں سرِعام کسی اسکینڈل میں ملوث نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان دنوں راس المیڈا کے دیس میں وہی شخص حکمراں تھا جو اس کھیل میں کلیدی کردار ادا کر کے اسی شی کے سفید و سیاہ کا مالک بن چکا تھا۔ وہ کسی قیمت پر بھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کا منظورِ نظر تیسری دنیا کے ایک تیسرے درجے کے ملک میں بے بسی کا شکار ہونے کے بعد آنے والے انتخابات میں اس کی مدد کرنے سے قاصر ہو جائے۔ کہانی میں ذرا سا بھی سیاسی اشارہ شامل ہوتا تو اس مقتدر شخص کو مداخلت کا نادر بہانہ مل سکتا تھا۔ اس کی مداخلت کا امکان ایک ہی صورت میں ختم کیا جا سکتا تھا کہ پوری کہانی صرف راس المیڈا کے جرائم اور خوں ریزیوں پر مشتمل ہو۔ اس میں سیاست کے بارے میں کوئی لفظ نہ آنے پائے۔

کافی بحث کے بعد یہ نکتہ طے پا گیا۔ آخر کار کہانی کی ابتدا گومز خاندان کی بدقسمتی کی حقیقی کہانی سے شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

ٹیڈ گومز کسی گمنام اور عسرت زدہ گھرانے کا اکلوتا وارث تھا۔ اس کی ہیروئن نوشی اور ہلاکت کی کہانی امریکا میں یقیناً اچھ ہوگی۔ ٹیڈ کی ہلاکت کے بعد بوب گومز کو جی لائیڈ نے تباہ راستے پر ڈالا تھا۔ وہ اپنے عروج کے زمانے میں ایوان اق منظورِ نظر تھا۔ سیاست کا آخری شائبہ تک دور کرنے کے لی لائیڈ کا نام حذف کر کے کہانی یہ بنائی گئی کہ راس المیڈا کو یہ بالکل پسند نہیں آئی تھی کہ بوب گومز اپنی خطیر دولت پاکستان ملک میں برباد کرے۔ وہ ڈیوڈ اسٹارز کو تیزی سے آگے بڑھا لیے بوب گومز کی بے اندازہ دولت پر قبضے کا خواہاں تھا۔ اس بوب پر ہر طرح دباؤ ڈلوائے اور ناکامی کے بعد خود پاکستان آ اس نے اپنی سازشوں کے ذریعے کسی طرح فریڈم لاج پر اپنا لیا۔ اپنے حریفوں کو قتل کر کے اس عمارت میں بڑے پیمانے پ پھیلائی اور خود وہاں سے نکل گیا۔ مارون نے اس کی ان کارروائیوں پر احتجاج کیا تو راس المیڈا نے سرد مہری سے اس موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ بوب کی دولت تک رسائی حا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور پاکستان سے فرار کے لیے پر تو تھا۔

اس کہانی میں رنگ بھرنا اوّل خان کے ان دوستوں کا کا جو پریس کی زبان اور ضروریات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ تصا ایک سیٹ اوّل خان نے ہمیں دے دیا تھا۔ دوسرا سیٹ ان کے ساتھ منسلک کیا جانا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اسرار کی ادھوری تصویروں کی مدد سے وکٹر اور ساگا کی مکمل تصاویر بنا کر کہانی میں مزید جان ڈالی جا سکتی تھی۔

ہم اپنے کام سے فارغ ہوئے تو صبح کے پانچ بج چکے تھے۔ کی بند اور خنک خواب گاہ میں وقت کا کوئی احساس نہیں ہو ہم کمرے سے باہر نکلے تو فضا میں صبح کا ملگجا اجالا تیزی سے جا رہا تھا اور فضائیں بھانت بھانت کے پرندوں کی چہکار سے رہی تھیں۔

سلطان شاہ اور ویرا کو کسی وقت نیند نے آ لیا تھا۔ غ ساری رات جاگتی اور ہمیں چائے وغیرہ فراہم کرتی رہی تھی۔ اس وقت بھی تھکن کے کسی اظہار کے بغیر جاگ رہی تھی او دونوں کے لیے ناشتا تیار کرنے کے لیے کچن میں گھسی ہوئی تھی۔

"اب ایک کام تمہیں کرنا ہوگا" اوّل خان نے برآمدے تازہ ہوا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"ایک نہیں، میں چار کام کر سکتا ہوں۔ بس اس سے آرام کا ذرا سا وقفہ چاہوں گا۔"

"میں شادی شدہ جوڑوں کے آرام کا مقصد خوب ہوں" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم جو چاہو سمجھ سکتے ہو۔ تم خود بھی اسی صف میں شامل" میں نے کہا۔

وہ یک لخت سنجیدہ ہوگیا "اب میں اس کہانی کی تیاری اور اشاعت کے مسائل میں الجھ جاؤں گا۔ ویرا کے کام کے لیے مجھے وقت نہیں مل سکے گا۔ اس کے پاسپورٹ پر اندراج اور سیٹ کی بکنگ کا کام تم کرالو۔"

"اگر یہ کام اسی قدر آسانی سے ہو سکتے ہیں تو مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔"

"میں کسی بھی وقت کرنل رحمٰن کو فون کردوں گا۔ تم دس بجے کے بعد ائرپورٹ سیکیورٹی فورس کے دفتر میں پہنچ کر اس سے مل لینا۔ وہ بیٹھے بیٹھے پاسپورٹ والا کام کرادے گا۔ اس کے بعد سیٹ بک کرائی جاسکتی ہے۔"

"اب تم اس طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔ میں کرنل رحمٰن سے مل لوں گا۔"

ہم تینوں نے ایک ساتھ ناشتا کیا۔ ناشتے کے دوران اوّل خان نے ایک لاکھ کے نوٹوں کی گڈی واپس کرنے کے ساتھ اپنا اپریٹس میرے ہی پاس چھوڑ دیا۔ اپنے لیے وہ اسرار والا اپریٹس لے چکا تھا۔ اس نے اسٹیشن فور کی پوری طرح بحالی تک کے لیے وہ عارضی بندوبست کیا تھا تاکہ ہم دونوں ہر وقت ایک دوسرے کے رابطے میں رہ سکیں۔

اسٹیشن فور کا ذکر آنے پر غزالہ نے اسے یاد دلایا کہ ٹیلی فون والے پچھلی شام ہی کو وہاں پہنچ گئے تھے۔ اوّل خان کا اندازہ تھا کہ چند گھنٹوں میں فون بحال ہو جائیں گے۔ اس نے مشورہ دیا کہ اوّل خان جانے سے پہلے نمبر ملا کر دیکھ لے کہ فون ٹھیک ہو چکے ہیں یا بدستور خراب ہیں۔

ناشتے سے فارغ ہو کر اوّل خان نے اسٹیشن فور کا نمبر ملایا تو اس کا چہرہ دمک اٹھا۔ اسے پہلی ہی گھنٹی پر وہاں سے جواب مل گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک فون پر مصروف رہا پھر فلیٹ سے روانہ ہوگیا۔

○☆○

راس المیڈا کو ہر طرف سے گھیرنے کی کارروائی کی داغ بیل ڈالی جا چکی تھی۔ میں نے اپنے حصے کا کام کرلیا تھا۔ باقی ذمے داری اوّل خان کی تھی۔ اس طرف سے بے فکری ہو جانے کے بعد میرے سر پر صرف دو بوجھ باقی رہ گئے تھے۔ پہلا کام ویرا کے پاسپورٹ اور ٹکٹ کا تھا جس کے لیے میں اس وقت ائرپورٹ کی طرف جارہا تھا۔ اس کے بعد مجھے پوری طرح ساگا کی تلاش میں مصروف ہو جانا تھا۔

سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے مکان سے ساگا کے بجائے ہارون کی لاش ملنے سے یہ ثابت ہوگیا تھا کہ کھیل کے اس مرحلے میں راس المیڈا نے ہارون کو اپنے عتاب کا نشانہ بنا کر ساگا کو زندہ رکھا ہوا تھا۔ اس سے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ امریکا اور پاکستان کے ان دو بڑے مجرموں کے درمیان باہمی تعاون کا کوئی اہم معاہدہ ہو چکا تھا اور وہ ان دنوں ایک دوسرے کے ساتھ روا داری کے اصولوں پر کاربند تھے۔

میں اپنی دھن میں مگن سڑک کی وسطی قطار میں گاڑی چلا رہا تھا۔ داہنی قطار میں یکے بعد دیگرے بہت سی تیز رفتار گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ میں نے ان میں کسی پر دھیان دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن جب عقب نما آئینے میں مجھے دو ایسی گاڑیاں نظر آئیں جو سڑک پر انتہائی داہنی طرف رواں تیز رفتار ٹریفک سے بھی آگے نکلنے کے لیے بار بار قطار بدل رہی تھیں تو میں ان میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوگیا۔

ان میں سے اگلی گاڑی کا رنگ سیاہ تھا۔ دوسری سرخ بی ایم ڈبلیو تھی۔ ان دونوں گاڑیوں پر عام نمبر پلیٹیں تھیں اور وہ یوں ایک دوسرے کے پیچھے لگی ہوئی تھیں جیسے ان میں تیز رفتاری کا مقابلہ ہو رہا ہو۔

ذرا سی دیر میں وہ دونوں گاڑیاں وسطی قطار میں دوسروں کو دباتی ہوئی میرے پیچھے آگئیں۔ سیاہ کار والے نے ہارن بجا کر مجھے اپنی قطار سے مزید بائیں طرف دھکیلنا چاہا لیکن میں نے سنی ان سنی کردی پھر اچانک ہی دونوں گاڑیاں قدرے ترچھی ہو کر میرے بائیں پہلو پر آئیں اور زن سے آگے نکل گئیں۔

اس وقت تک میری پوری توجہ ان گاڑیوں پر مرکوز ہو چکی تھی۔ شاید اس کا ایک لاشعوری سبب یہ بھی تھا کہ پچھلے روز راس المیڈا نے سخی مراد کے مکان پر حملے میں سیاہ کار ہی استعمال کی تھی۔

سیاہ کار میں ڈرائیور کے علاوہ دو افراد سوار تھے۔ اپنی چستی اور لباس سے وہ محافظ معلوم ہو رہے تھے لیکن پچھلی کار میں ڈرائیور کے پیچھے صرف ایک سفید فام سوار تھا جس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک جمی ہوئی تھی۔ میں اس کی بس ایک ہی جھلک دیکھ سکا اور میرے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔

میں نے سرخ بی ایم ڈبلیو میں جو کچھ دیکھا' وہ میرے لیے بڑی حد تک ناقابلِ یقین تھا۔ وہ سو فیصد جی لائیڈ کا بدترین حریف اور میرے لہو کا پیاسا راس المیڈا تھا جو نہایت اطمینان سے پچھلی نشست میں دھنسا بیٹھا تھا۔ اس کی صورت بالکل وہی تھی جو میں اسرار کی لی ہوئی تصویر میں دیکھ چکا تھا۔

اگر وہ راس المیڈا ہی تھا تو سیاہ کار میں یقیناً اس کے محافظ یا سفارتی ملازمین تھے جو اس کے لیے راستہ بنا رہے تھے۔ وہ راستہ سیدھا ائرپورٹ کی طرف جاتا تھا۔ اس سے آگے شہر کی مضافاتی بستیاں اور دیہی علاقے شروع ہو جاتے تھے۔

یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ راس المیڈا ان مضافاتی بستیوں یا دیہی علاقوں کی طرف جارہا ہوگا۔ وہ واضح طور پر ائرپورٹ ہی کا قصد رکھتا تھا۔

شاید پے در پے ناکامیوں کا منہ دیکھ کر اس نے نوشتۂ دیوار پڑھ لیا تھا۔ میں نے گھر سے نکلنے سے پہلے اخبارات نہیں دیکھے تھے مگر میرا اندازہ تھا کہ اسے اخبارات سے یا پھر ساگا کی زبانی یہ معلوم

ہو چکا تھا کہ پچھلی رات نامعلوم افراد نے سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے مکان میں گھسنے کی کوشش کی اور پھر وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگئے۔ ان جارحانہ واقعات کے تواتر نے غالباً راس المیڈا کے حوصلے پست کرکے اس کے قدم اکھاڑ دیے تھے اور اس نے پہلی فرصت میں پاکستان سے نکل جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

امریکنوں کے ساتھ شہر میں جا بہ جا پیش آنے والے مہلک واقعات کی وجہ سے ان کے سفارت خانے نے اسلام آباد سے واضح ہدایات جاری کی ہوئی تھیں کہ ان کے شہری ایسی سواریوں میں سفر نہ کریں جن کی وجہ سے انہیں دور ہی سے شناخت کیا جاسکے۔ اپنی آمدورفت کے لیے اوقات اور راستوں کے معمولات میں اچانک تبدیلیاں کرتے رہیں تاکہ انہیں گھات لگا کر کسی دہشت گردی کا نشانہ نہ بنایا جاسکے' اجنبی ملاقاتیوں کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیں۔ اپنی ڈاک کسی کھلی جگہ پر اپنے ملازمین سے کھلوانے کے بعد پڑھیں' مقامیوں سے میل جول سے اجتناب کریں اور ایسی ہی بہت سی احتیاطی تدابیر تھیں جن کا مقصد امریکنوں کو غیر متوقع دہشت گردی سے بچانا تھا۔

راس المیڈا ان دنوں راؤنی آرک بن کر کراچی میں مقیم تھا۔ اس حیثیت میں وہ بہت سی سفارتی مراعات کا حق دار تھا لیکن اس نے عام نمبر پلیٹ والی کار میں سفر کرکے یہ واضح کردیا تھا کہ وہ خود بھی اپنی شناخت کے امکانات سے خاصا خوف زدہ تھا۔

چند ہی ثانیوں کی کوششوں کے بعد میری گاڑی اور سرخ بی ایم ڈبلیو کے درمیان صرف دو گاڑیاں رہ گئیں۔ میں نے اپنے عقب نما آئینے پر نظر ڈالی تو مجھے پچھلی گاڑی ضرور نظر آئی مگر سورج کی شعاعوں کے تیز انعکاس کی وجہ سے اس کے ڈرائیور کا چہرہ نظر نہیں آسکا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس تعاقب میں اگلی دونوں گاڑیوں کا کوئی ڈرائیور میرے چہرے کا عکس دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکے گا۔

اچانک ہی سامنے آنے والی اس نئی صورت حال نے مجھے سخت اعصابی اضطراب میں مبتلا کردیا تھا۔ اگر راس المیڈا نے خاموشی سے پاکستان سے نکل جانے کا فیصلہ کرلیا تھا تو ان آخری لمحات میں اسے روکنے کے لیے کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دوسرا اور کمزور سا امکان یہ بھی تھا کہ وہ پاکستان سے باہر نہیں بلکہ کسی دوسرے شہر تک جارہا ہو۔ میرے لیے اس کا کسی اور شہر کا رخ کرنا بھی سود مند نہیں تھا۔ کراچی میں میں ساگا کے ذریعے اس کا کھوج نکال سکتا تھا۔ وہ کہیں اور چلا جاتا تو اس کی تلاش کا ہر امکان معدوم ہوکر رہ جاتا۔

سفر جاری تھا۔ میں ویرا اور اس کی سفری دستاویزات کو بھول کر بہت تیزی کے ساتھ یہ سوچ رہا تھا کہ راس المیڈا کو کس طرح اس کے متوقع سفر سے روکا جائے۔

میرے ذہن میں پہلی تجویز یہ آئی کہ طیارے پر کسی بم کی موجودگی کی گمنام اطلاع دے کر پرواز ملتوی کرادی جائے لیکن میں نے خود ہی اس تجویز کو مسترد کردیا۔ پہلی بات یہ تھی کہ مجھے سرے سے یہ معلوم نہیں کہ راس المیڈا کس پرواز سے اور کہاں جارہا تھا۔ کسی طرح یہ معلوم کرلیا جاتا تب بھی بم کی اطلاع پر پرواز ملتوی ہوسکتی تھی' اس کے منسوخ ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ طیارہ خالی کرانے کے بعد پورے جہاز کی تفصیلی تلاشی لی جاتی اور سیکیورٹی کلیرنس کے بعد پرواز کو روانگی کی اجازت مل جاتی۔

ائرپورٹ سیکیورٹی فورس والا کرنل رحمٰن بھی راس المیڈا کو روکنے کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ گو وہ کسی کروفر کے بغیر جارہا تھا لیکن راؤنی آرک بن کر اس نے سفارتی سفری دستاویزات حاصل کی ہوئی تھیں۔ ان کی وجہ سے اسے روکنے کا ہر امکان خارج از بحث ہوجاتا تھا۔

اسٹار گیٹ سے وہ دونوں گاڑیاں ائرپورٹ کی طرف جانے والے راستے پر مڑ گئیں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ راس المیڈا کہیں بھی جارہا ہو' روانگی کے لیے بھیڑ بھاڑ میں پھنسنے سے گریز کرتے ہوئے وی آئی پی لاؤنج استعمال کرے گا۔

وقت پر لگا کر اڑ رہا تھا۔ ہم لحہ بہ لحہ ائرپورٹ سے قریب تر ہوتے جارہے تھے۔ ہمارے مہینوں کے ریاض کا ثمر ہاتھ آنے کا موقع آیا تو راس المیڈا ملک چھوڑ کر فرار ہورہا تھا اور میں بے بس تھا۔ اس معاملے میں مجھے اول خان سے بھی کسی مدد کی کوئی امید نہیں تھی ورنہ میں چاہتا تو اس سے ائرپیس پر رابطہ کرسکتا تھا۔

آخر تعاقب کا یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ میری توقع کے مطابق وہ دونوں گاڑیاں وی آئی پی لاؤنج کی طرف بڑھتی چلی گئیں۔ میں نے سست روی سے اپنی کار پارکنگ ایریا میں داخل کرتے ہوئے دیکھا کہ دراز قامت اور قوی الجثہ راس المیڈا کار سے اترتے ہی بہت تیزی سے عمارت میں داخل ہوتا چلا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک وزنی بریف کیس جھول رہا تھا۔ دوسرا سامان اگر کوئی تھا تو وہ ڈرائیوروں وغیرہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

سخت جھنجلاہٹ اور بے بسی کے عالم میں اپنی گاڑی مقفل کرکے میں وی آئی پی لاؤنج سے ملحق عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ اے ایس ایف کے ایک اہل کار سے میں نے کرنل رحمٰن کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دینے سے پہلے' چبھتی ہوئی نظروں سے میرا جائزہ لیا پھر ایک طرف اشارہ کردیا۔

کرنل رحمٰن اے ایس ایف کا کوئی بڑا افسر اور خاصا مصروف آدمی تھا۔ اوّل خان کے حوالے سے پرچی اندر پہنچتے ہی اس نے مجھے بلالیا۔ اندر مجھ سے پہلے تین مرد اور دو عورتیں موجود تھیں۔

کرنل رحمٰن کی میز کے سامنے ملاقاتیوں کے لیے صرف پانچ ہی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنی کرسی چھوڑتے ہوئے مجھے الگ پڑے ہوئے صوفوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور تیزی کے ساتھ

میرے پاس آگیا۔ اپنے چہرے مہرے سے وہ خاصا خشک اور دبنگ نوبی نظر آرہا تھا۔ میں احتراماً دوبارہ کھڑا ہوگیا۔

اس نے آتے ہی مجھ سے تپاک سے ہاتھ ملایا اور کسی تمہید یا تعارف کے بغیر پاسپورٹ کا مطالبہ کردیا۔

"میں ایک اہم مسئلے کے لیے آپ کے چند منٹ لینا چاہتا ہوں" میں نے دھیمی آواز میں درخواست کی۔

"آپ جس کام کے لیے آئے ہیں' میں اس سے واقف ہوں۔ آپ پاسپورٹ مجھے دے دیں۔"

"وہ پاسپورٹ کے علاوہ دوسرا کام ہے" میں نے لجلجا کر کہا۔

"اوّل خان نے مجھ سے صرف پاسپورٹ کے لیے بات کی ہے" اس کی آواز میں تلخی عود کر آئی "آپ دیکھ رہے ہیں کہ میرے پاس آپ سے پہلے دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے ہیں.... پاسپورٹ لائیں!"

اس کے ریکارڈ کی سوئی صرف اور صرف پاسپورٹ پر اٹکی ہوئی تھی۔ میں نے ناچار اپنے بلیزر کی اندرونی جیب سے پاسپورٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا اور مایوسانہ لہجے میں کہا "یہ میرا ذاتی نہیں' قومی کام تھا.... وقت نکل گیا تو کچھ بھی نہیں ہوسکے گا.... مم ـــ مگر آپ مصروف ہیں!"

"قومی کام!" کرنل رحمٰن کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اس نے اضطراری طور پر مضبوطی سے میرا بازو تھاما اور مجھے ساتھ لے کر صوفے کے ایک کنارے پر ٹک گیا پھر اس نے عقابی نظروں سے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے نیچی آواز میں کہا "مجھے مختصر ترین الفاظ میں بتاؤ کہ کیا معاملہ درپیش ہے۔"

"ہم لوگ ایک بدترین مجرم کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ وہ اس وقت کسی پرواز سے فرار ہو رہا ہے۔"

"اوہ!" اس کے ہونٹ ایک دائرے کی صورت میں سکڑ گئے "تو یہ معاملہ ہے۔ وہ کس پرواز سے جارہا ہے؟"

"مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں نے اتفاقاً اسے راستے میں دیکھا ہے۔ اس وقت وہ وی آئی پی لاؤنج میں موجود ہے۔ اسے روک کر آپ ملک و قوم کی بہت بڑی خدمت کریں گے۔"

"کسی وی آئی پی کو پرواز سے آف لوڈ کرنا ایک ناممکن سی بات ہے۔ کیا وہ کوئی سرکاری افسر ہے؟"

"وہ ایک امریکن دہشت گرد ہے جو ڈپلومیٹ بن کر یہاں آیا ہوا ہے" میں نے اسے آگاہ کیا۔

کرنل رحمٰن کی چمکتی ہوئی آنکھیں لحہ بھر کے لیے دھندلا گئیں' چہرے پر مایوسی نے ڈیرے ڈال دیے اور وہ پژمردہ آواز میں بولا۔ "سوری مسٹر! ڈپلومیٹک اسٹاف کا معاملہ بہت نازک اور حساس ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں اسلام آباد کا محکمۂ خارجہ ہی کچھ کرسکتا ہے اور آپ بتا رہے ہیں کہ وہ امریکن ڈپلومیٹ ہے۔ اسے تو کوئی بھی نہیں چھیڑے گا۔ میرا فون حاضر ہے' آپ چاہیں تو اسلام آباد میں کسی سے بات کرسکتے ہیں۔"

"کسی سے بات کرنے کا وقت نہیں رہا" میں نے مایوسی سے کہا۔ ان ہی لمحات میں میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔ میں نے پُرامید لہجے میں اس سے پوچھا "آپ چند منٹ کے لیے مجھے وی آئی پی لاؤنج میں داخل ہونے کی اجازت تو دلوا سکتے ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ اسی طرح ہمارا کام بن جائے۔"

"نہیں!" اس نے مجھے گھورتے ہوئے سختی سے کہا "میں تمہیں اندر جاکر اسے ہراساں کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس نے فارن آفس کو شکایتی خط لکھ دیا تو پورا سیکیورٹی اسٹاف معطل کردیا جائے گا۔"

"آپ کے مسلح آدمی میری نگرانی کرسکتے ہیں۔ میں چند منٹ اندر رہ کر باہر لوٹ آؤں گا۔"

"پتا نہیں تم کیا کہنا چاہ رہے ہو" وہ جھلا کر آپ سے تم پر اتر آیا "اندر جاکر تم کون سا منتر پڑھو گے کہ چند منٹ میں تمہارا مطلوبہ مقصد حاصل ہوجائے گا۔ یہ یاد رکھنا کہ ائرپورٹ کے ممنوعہ علاقے میں تشدد کرنے والے یا کسی بھی مشتبہ شخص کو للکار کر گولی مارنے کے مکمل اختیارات سے لیس نگہبان چپے چپے پر پھیلے ہوئے ہیں۔"

"مجھے صرف ایک سفری بیگ درکار ہوگا جس سے یہ ظاہر ہوسکے کہ میں بھی اسی کے ساتھ سفر پر نکل رہا ہوں" میں نے اپنے خیالات کو یکجا کرتے ہوئے اسے بتایا "میں اسے جانتا ہوں' وہ مجھے پہچانتا ہے۔ وہ ہرگز میرا قرب پسند نہیں کرے گا اور مجھے دیکھتے ہی وی آئی پی لاؤنج سے فرار ہوجائے گا۔"

میری تجویز پر وہ سوچ میں پڑ گیا پھر متذبذب لہجے میں پوچھنے لگا۔ "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اندر پہنچنے کے بعد تم اپنی اس تجویز سے انحراف نہیں کرو گے؟"

"ضمانت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ مجھے اوّل خان نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ میں ایک ذمے دار اور فرض شناس شہری ہوں۔ اپنی کسی حرکت سے آپ کی عزت پر آنچ نہیں آنے دوں گا.... انحراف کروں تو مجھے بے دریغ گولی ماردی جائے۔"

اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات سے ظاہر ہورہا تھا کہ میری بے باکانہ گفتگو نے اسے متاثر کیا ہے۔ وقت ایسا آگیا ہے کہ قومی مفاد کے لیے گولی کھانا صرف پیشہ ور سرکاری اداروں کا فرض بن کر رہ گیا ہے۔ عام شہریوں میں کوئی قربانی کے اس بے لوث جذبے سے سرشار نہیں ہوتا۔

"یہ معقول بات ہے" اس نے میرا بازو چھوڑ کر کہا پھر پوچھا۔ "تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔"

"ڈیٹی!" میرے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

وہ میرا ہاتھ دباتے ہوئے گرم جوشی سے بولا "اب مجھے پورا

اطمینان ہے۔ میں نے تمہارے بارے میں اڑتی اڑتی افسانوی خبریں سنی ہیں۔ تمہارا نام ہی تمہارے الفاظ کی بھرپور ضمانت ہے۔"

بگڑتے بگڑتے بات اچانک سنبھلنے لگی۔ پروازوں کے ساتھ جانے والے کسی ائر کمانڈو کا ایک سفری بیگ عارضی طور پر میری تحویل میں دے دیا گیا۔ کرنل رحمٰن نے اے ایس ایف کے دو سینئر افسران کو مختصر ہدایات دے کر میرے ساتھ کردیا اور تینوں فوراً ہی وی آئی پی لاؤنج کی طرف چل دیے۔

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وی آئی پی پارکنگ لاٹ میں راس المیڈا کو لانے والی دونوں میں سے کوئی گاڑی موجود نہیں تھی۔ وہ لوگ اس خبیث کو اندر پہنچانے کے بعد بے فکر ہو کر واپس جا چکے تھے۔

اے ایس ایف کے دونوں افسر اپنے اور دیگر عملے کو ہدایات دینے کے لیے مجھ سے چند قدم آگے چل رہے تھے۔ میرے بہروپ کو مکمل کرنے کے لیے ایک استعمال شدہ بلکہ ناکارہ ٹکٹ میرے حوالے کردیا گیا تھا جو میرے ہاتھ میں تھا۔

میں بورڈنگ اور سیکیورٹی کے مراحل سے گزر کر لاؤنج میں داخل ہوا تو میری عقابی نظروں نے دیکھ لیا کہ راس المیڈا دو نشستوں والی ایک دور افتادہ میز کے گرد بیٹھا سگریٹ نوشی کررہا تھا۔

سارے مراحل طے ہونے کے بعد اے ایس ایف والے پیش قدمی ترک کرکے میرے پیچھے ہوگئے تھے۔

میں ایک چکر کاٹ کر ایسے زاویے سے راس المیڈا کے سامنے نمودار ہوا کہ اس نے فوراً ہی مجھے دیکھ لیا۔

میں اپنے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ لیے اس کی طرف بڑھتا رہا۔ اس نے بوکھلا کر اپنی کرسی چھوڑ دی۔ کرسی پیچھے الٹ گئی اور چائے یا کافی کی پیالی میز پر گر گئی۔

اس ہڑبونگ پر پورے لاؤنج میں سنسنی پھیل گئی۔ میں جہاں تھا، وہیں رک گیا۔

راس المیڈا کے چہرے کے نقوش وحشت اور بے یقینی سے بری طرح بگڑ گئے تھے۔ اس نے بائیں ہاتھ سے بریف کیس اٹھایا اور داہنے ہاتھ سے اپنے دل کے مقام کو دباتا ہوا امدادی ڈیسک کی طرف دوڑ پڑا۔

وی آئی پی لاؤنج کے سنجیدہ اور گمبھیر ماحول میں وہ واقعہ وحشت ناک تھا۔

پتا نہیں وہ حقیقت تھی یا اداکاری مگر معلوم یہی ہورہا تھا جیسے گراں ڈیل راس المیڈا پر دل کا دورہ پڑ گیا ہو۔ ایک سفید فام وی آئی پی کو ایسی کربناک حالت میں دیکھ کر سول ایوی ایشن کا امدادی عملہ تیزی سے حرکت میں آیا اور راس المیڈا کو ڈیسک تک پہنچنے سے پہلے ہی سنبھال لیا۔

"ایمبولینس یا ٹیکسی لاؤ۔ اسے دل کا شدید دورہ پڑا ہے۔" اسے سنبھالنے والوں میں سے کسی نے ہانک لگائی۔

راس المیڈا نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ میری زہریلی مسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔

راس المیڈا میری طرف اشارہ کرتے ہوئے ہذیانی آواز میں دھاڑا "سب کو روک دو..... کوئی میرے قریب آیا تو میں اس کا گلا دبا دوں گا..... اوہ گاڈ! میرا دل..... مجھے یہاں سے جلدی باہر نکالو۔"

سول ایوی ایشن والے بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے نکاسی کے راستے کی طرف لے جانے لگے۔

وہاں میرا کام ختم ہوچکا تھا۔ راس المیڈا دل کے دورے کے بہانے باہر نکل کر فرار ہوجاتا مگر میں بورڈنگ لاؤنج میں داخل ہونے کے بعد اے ایس ایف والوں کی مدد کے بغیر باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

میری نظروں سے وہ دونوں میرا مدعا سمجھ گئے اور ایک مرتبہ پھر میرے آگے چلنے لگے۔

وی آئی پی لاؤنج سے نکلتے ہی میں نے اے ایس ایف والوں سے کہا "کرنل رحمٰن کو یہاں کی روداد بتا دینا۔ میں اپنے شکار کے پیچھے جارہا ہوں۔ اسے کچھ بھی نہیں ہوا۔ یہ دل کے دورے کی اداکاری کررہا ہے۔"

میں نے بلاوجہ ہی اس کی اداکاری کی بات نہیں کی تھی۔ اس نے جس انداز میں لوگوں کو دور رکھنے اور اپنے باہر جانے کی بات کی تھی اس سے ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ پوری طرح اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ اگر کسی کو دل کا شدید دورہ پڑ جائے تو وہ اس حالت میں گردوپیش سے بالکل ہی بے خبر ہو کر ناقابل برداشت اذیت سے گزرتا رہتا ہے۔ راس المیڈا نے مجھے دیکھتے ہی وہاں سے فرار ہونے کی وہ ترکیب سوچی تھی ورنہ بورڈنگ کارڈ لے لینے کے بعد وہ اتنی آسانی سے وہاں سے فرار نہیں ہوسکتا تھا۔

میں نے پارکنگ لاٹ سے اپنی گاڑی باہر لانے میں بہت تیزی دکھائی۔ اس وقت تک راس المیڈا ایک ٹیکسی میں سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہوچکا تھا۔ یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ سول ایوی ایشن کے عملے نے اسے ایمبولینس کے ذریعے اسپتال بھیجنا چاہا ہوگا لیکن اس مکار اعظم کا مفاد ٹیکسی لینے میں تھا۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور کو بھاری معاوضے کا لالچ دے کر بہت آسانی سے اپنی انگلیوں پر نچا سکتا تھا۔

ائرپورٹ کی حدود میں مختلف فضائی کمپنیوں کی گاڑیوں میں لاسلکی ٹرانسیٹرز کا استعمال عام تھا۔ ان اطراف میں آنے جانے والے ایسے آلات کے استعمال کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے۔ اس ضمن میں اسٹار گیٹ تک آنے والی سڑک بہت محفوظ تھی۔

راس المیڈا کی ٹیکسی برق رفتاری سے سڑک پر اڑی جارہی تھی۔ میں نے اپنی کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے اپرٹیس نکال کر اڑا

سے رابطہ کرنے کی کوشش شروع کردی۔
اس نے چھوٹتے ہی مجھ سے ویرا کی سفری دستاویزات کی تفصیل کے بارے میں پوچھا تھا۔
"کاغذات پر لعنت بھیجو۔ اس وقت میں ائرپورٹ سے راس المیڈا کا پیچھا کرتا ہوا نکلا ہوں۔ اس کی ٹیکسی بہت تیزی سے اسٹار گیٹ کی طرف جارہی ہے۔ اس وقت اسے گھیر لیا جائے تو وہ بالکل بے نقاب ہوجائے گا۔"
"فی الحال ممکن..... فوری طور پر کچھ بھی نہیں ہوسکتا" اس کی آواز معذرت خواہانہ تھی "تمہیں ائرپورٹ پر راس المیڈا کہاں سے مل گیا؟ تم تو ویرا کے پاسپورٹ کے لیے کرنل رحمٰن سے ملنے گئے تھے۔"
"لمبی کہانی ہے۔ بہت سی باتیں تم کو کرنل رحمٰن سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ میں زیادہ دیر تک اپریٹس استعمال نہیں کرسکتا۔ بس تم میری کامیابی کی دعا کرتے رہو۔ مشکل یہ ہے کہ اس وقت میں بالکل غیر مسلح ہوں۔"
"موقع پاکر رپورٹ دیتے رہنا..... خدا تمہاری حفاظت کرے" اس کی آواز میں خلوص ہی خلوص رچا ہوا تھا۔
دونوں گاڑیوں کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ سڑک کی گولائی کی وجہ سے ایک مرحلے پر ٹیکسی میری نظروں سے اوجھل ہوتی چلی گئی۔ بھاگنے میں میری گاڑی کا انجن لاجواب تھا لیکن راس المیڈا کو ابتدا میں فاصلے کی جو برتری حاصل ہوگئی تھی وہ میری کوشش کے باوجود ختم ہونے میں نہیں آرہی تھی۔
مجھے ڈر یہ تھا کہ کہیں وہ ٹیکسی میری نظروں میں آنے سے پہلے نہ مڑ جائے۔ کامیاب تعاقب کے لیے میرا یہ جاننا ضروری تھا کہ راس المیڈا بدحواسی کے عالم میں اپنے ٹھکانے ہی کا رخ کرتا ہے یا مجھے دھوکا دینے کے لیے ملیر کی طرف جانے والے راستے پر مڑ جاتا ہے۔
سڑک کی گولائی عبور کرتے ہی مجھے سرخ سگنل پر رکی ہوئی ٹیکسی نظر آگئی۔ پتا نہیں راس المیڈا کیا سوچ رہا تھا۔ سرخ سگنل پر وہ میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔ اس کے لیے بہترین موقع تھا کہ وہ شہر کے بجائے ملیر جانے کے لیے بائیں طرف گھوم جاتا اور تھوڑی دور جانے کے بعد اطمینان سے واپسی کا سفر شروع کردیتا۔
میرے پہنچنے سے پہلے سگنل سبز ہوگیا۔ راس المیڈا کی ٹیکسی شہر کی طرف گھوم گئی۔ مجھے اطمینان تھا کہ میں اس کا نمبر دیکھ چکا تھا۔ اگر ٹریفک میری راہ میں حائل نہ ہوتا تو میں اسے پکڑ سکتا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ مجھے راس المیڈا کی ٹیکسی کا نمبر تک معلوم تھا جب کہ اسے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ میں کس سواری میں اس کا پیچھا کرنے کی کوشش کروں گا۔ وہ بس تعاقب کی دہشت سے بھاگا ہی چلا جارہا تھا۔
شارع فیصل پر گھومنے کے بعد میں نے گاڑی کی رفتار تیز کردی۔ میری بے چین نگاہیں آگے جانے والی ہر ٹیکسی کا جائزہ لے رہی تھیں پھر میں بری طرح چونک پڑا۔
شاہ فیصل کالونی کے لیول کراسنگ سے پہلے، ریلوے لائن اور سڑک کے درمیان واقع قبرستان کی دیوار کے ساتھ وہی ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی جس میں راس المیڈا سفر کررہا تھا۔ میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ ٹیکسی خالی تھی اور اس کا منحنی سا ڈرائیور باہر کھڑا سگریٹ پھونک رہا تھا۔
میں نے تیز رفتاری سے گاڑی اس کی ٹیکسی کے پیچھے لے جاکر پوری قوت سے بریک لگادیے۔ اپنی اس حرکت سے میں ٹیکسی ڈرائیور کو خوف زدہ کرنا چاہ رہا تھا۔ میری کوشش بارآور ثابت ہوئی۔ سڑک پر ٹائر رگڑنے کی تیز آواز سن کروہ پھرتی سے میری طرف پلٹا تھا۔
میں گاڑی کا انجن بند کرکے سرعت سے اس کے سرپر جاپہنچا۔ وہ خائفانہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔
"گورا کہاں ہے؟" میں نے اس کا بازو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے پوچھا۔ "جلدی جواب دو۔ وہ نکل گیا تو تم ساری عمر جیل میں سڑتے رہو گے۔"
میری اور اس کی جسامت کے نمایاں فرق اور پھر میرے منتخب الفاظ نے اسے مرعوب کردیا۔ وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "وہ ٹیکسی سے اتر کر اندر گیا ہے" اس کا اشارہ قبرستان کی طرف تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "وہ مجھے یہیں رک کر انتظار کرنے کے لئے کہہ گیا ہے۔ کرائے کے پانچ سو روپے اس نے راستے میں ہی دے دیے تھے۔"
"پھر تم یہیں ٹھہرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے قبرستان کے قریبی دروازے کی طرف دوڑ لگادی۔
میں ابتدا ہی سے راس المیڈا کے نکل جانے کے امکان سے پریشان تھا اور وہ میرے مسلط ہونے کے خطرے سے خوف زدہ تھا اسی لئے وہ شہر کے معروف راستوں پر سفر جاری رکھنے کے بجائے قبرستان میں بھاگ نکلا تھا۔
وہ گوروں کا بنایا ہوا کوئی مسطح اور خوب صورت قبرستان نہیں تھا۔ میں اونچی نیچی اور شکستہ قبروں کے درمیان اپنا راستہ بناتا ہوا اس طرف ہولیا جہاں ایک چھتنار درخت کے سائے میں بہت سے میلے کچیلے ہیروئنچی لیٹے یا بیٹھے ہوئے اونگھ رہے تھے۔ راس المیڈا ہیروئن کی غیر قانونی تجارت سے ہونے والے بے اندازہ مالی فائدوں کی ایک عالمی علامت تھا تو وہ میلے کچیلے اور یرقان زدہ چہرے ہیروئن کا عذاب جھیلنے والے اَن گنت لوگوں کی تصویر تھے۔ قدرت نے کچھ دیر کے لئے ان دونوں انتہاؤں کو اس قبرستان میں اکٹھا کردیا تھا جہاں صرف دو گز زمین ہر بشر کے حصے میں آتی ہے۔ زندگی بھر کی غربت وامارت، صحت مندی اور بیماری یا تکبر وانکسار میں سے کوئی وصف انسان کی اس آخری تقدیر کو بدلنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ شاہ وگدا، سب آخر کار مٹی میں مل کر فنا ہوجاتے

ہیں۔

"ابھی یہاں ایک لمبا تڑنگا گورا آیا تھا' وہ کدھر گیا ہے؟" میں نے ہیروئنچیوں کے پاس رک کر پوچھا۔

موت جیسی سرد اور بے روح آنکھوں کی بہت سی پتلیاں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ لاتعلقانہ انداز میں مجھے یوں دیکھ رہے تھے جیسے میں مریخ سے اتر کر ان کی ٹولی میں پہنچا ہوں۔ ان میں سے کئی نے منمنا کر کوئی جواب دیا جو میرے پلے نہیں پڑ سکا مگر ایک نے قبرستان کے آخری گوشے کی طرف ہاتھ اٹھا کر محض اشارے سے میرا مسئلہ حل کر دیا۔ میں ان بدنصیب اور اجل گرفتہ انسانوں کے غول کو ان کے حال پر چھوڑ کر ان کی دی ہوئی سمت میں دوڑ پڑا۔

تھوڑی سی مشقت کے بعد راس المیڈا مجھے نظر آ گیا۔ وہ مجھ سے بہت آگے تھا اور دیوار کے آخری سرے تک پہنچنے والا تھا۔ اس کا بریف کیس اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بھاگتے بھاگتے پلٹ کر بھی دیکھتا جا رہا تھا۔

وہ بورڈنگ کارڈ لینے اور سیکیورٹی کلیرنس کے مراحل سے گزرنے کے بعد لاؤنج سے فرار ہوا تھا اس لئے مجھے پوری امید تھی کہ وہ بھی میری طرح غیر مسلح ہو گا۔ وہ بالکل برابر کا جسمانی مقابلہ تھا۔ میرے لئے اس سے بہتر پچویشن پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ سیٹلائٹ کی سہولتوں' لاسلکی مواصلات' جدید ترین ایجادات اور مہلک ہتھیاروں پر ہر وقت دسترس رکھنے والا راس المیڈا ایسا بے سروسامان کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ چند ثانیوں بعد راس المیڈا قبرستان کی بوسیدہ دیوار پر چڑھا تو اس نے مجھے دیکھ لیا اور چلا کر کچھ کہا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کی بات میرے پلے نہیں پڑ سکی اور وہ دوسری طرف کود کر میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

میں دوڑتا ہوا اس شکستہ دیوار تک پہنچا تو راس المیڈا بلندی پر بچھی ہوئی ریلوے لائن عبور کر کے دوسری طرف اتر رہا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں ٹیکسی چھوڑ کر بہت زیادہ عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ وہ سوچ رہا ہو گا کہ قبرستان پار کر کے وہ پوری رازداری سے کہیں بھی غائب ہو جائے گا لیکن مجھے اپنے پیچھے آتا دیکھ کر اس کا پریشان ہونا ناگزیر تھا۔ پیدل چل کر وہ زیادہ دیر تک میری دسترس سے باہر نہیں رہ سکتا تھا۔

شاہ فیصل کالونی کا علاقہ میرے لئے اجنبی تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ریلوے لائن کے اس پار کوئی ویرانہ ہو گا جس میں راس المیڈا کو دور ہی سے دیکھا جا سکے گا لیکن پٹڑیوں تک پہنچنے سے پہلے ہی مجھے دوسری طرف کچی آبادی کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ آبادی ریلوے لائن سے اتنے قریب تھی کہ تیز رفتار ٹرینوں کی آمدورفت سے اڑنے والے سنگریزے ان مکانات پر دن رات برستے رہتے ہوں گے۔

راس المیڈا ریلوے لائن عبور کر کے اس گنجان اور پُرہجوم آبادی میں کہیں گم ہو گیا تھا۔

اس کچی آبادی میں راس المیڈا جیسے کسی خوش پوش غیرملکی کا آنکلنا ایک غیر معمولی واقعہ ہوتا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آبادی میں داخل ہوتا یا وہاں سے گزرتا چلا جاتا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ میں نے وہاں کھیلنے والے چند بچوں اور کئی افراد سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کی لیکن کوئی بھی سراغ نہیں مل سکا۔ میں نے ہمت نہیں ہاری اور ریلوے لائن کے کنارے کنارے اس کی تلاش کا سلسلہ جاری رکھا۔ آخر کار ایک اپاہج عورت نے مجھے بتایا کہ اس نے کچھ دیر پہلے ایک گورے کو قریبی گلی میں گھستے دیکھا تھا۔

راس المیڈا کو وہاں سے گزرے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی پھر بھی میں ایک نئے عزم کے ساتھ اس گلی میں گھس گیا۔ آڑی ترچھی اور تنگ گلیوں میں مجھے مثبت شہادتیں ملتی رہیں حتیٰ کہ میں آبادی سے گزر کر کالونی کے مین روڈ پر نکل آیا۔ وہاں ٹھیلے والا سے پتا چلا کہ پسینوں میں شرابور اور بدحال گورا ایک ٹیکسی لے کر کہیں چلا گیا تھا۔

اس آخری اطلاع نے میرا حوصلہ پست کر دیا۔ وہ راس المیڈا کو زیر کرنے کا سنہرا موقع تھا جو بالکل غیر متوقع طور پر سامنے آیا تھا۔ میں نے اپنی پوری ذہانت اور توانائیوں سے کام لے کر اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا لیکن پھر بھی بے نیل ومرام رہا تھا۔ مجھے صرف اس بات کی تسلی تھی کہ میں نے اپنی جانب سے اسے پکڑنے میں کوئی کمی یا کوتاہی نہیں کی تھی۔ یہ اس کے مقدر کی یاوری تھی کہ وہ ایک مرتبہ پھر بچ نکلا تھا۔

مجھ میں مزید پیدل چلنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔ میں نے وہاں سے رکشا لے کر لیول کراسنگ عبور کیا اور اپنی گاڑی تک پہنچ گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں اپنی گاڑی کھلی ہوئی چھوڑ کر گیا تھا لیکن اس وقت کھڑکیوں کے شیشے چڑھے ہوئے تھے اور دروازے مقفل تھے۔ اس ٹیکسی کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا جس میں راس المیڈا نے ائرپورٹ سے وہاں تک دوڑ لگائی تھی۔

میں نے نیم دلی سے گاڑی کھولی اور وہاں سے واپس ائرپورٹ کی طرف ہو لیا۔ راس المیڈا اگر ہاتھ نہیں آ سکا تھا تو کم از کم دیر کے پاسپورٹ کا مسئلہ ہی حل ہو جانا چاہئے تھا۔

کرنل رحمٰن کو اپنے آدمیوں سے ائرپورٹ کے وی آئی پی لاؤنج میں پیش آنے والے حیران کن واقعات کا علم ہو چکا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ خوش ہو گیا۔ اس وقت وہ دفتر میں اکیلا تھا۔ اس نے کام پر اپنے پی اے کو ہدایت کی کہ وہ کچھ دیر تک کسی ملاقاتی کو اندر نہ آنے دے پھر مجھ سے میری بھاگ دوڑ کے بارے میں سوالات کرنے لگا۔

میری مختصر سی کہانی نے اسے بھی مایوس کر دیا۔ مکمل تباہی

دہانے پر پہنچ کر راس المیڈا کا یوں بال بال بچ نکلنا اس کے لئے ناقابلِ فہم تھا۔ اس نے مجھ سے اس خبیث کے بارے میں ساری معلومات حاصل کرنے کے بعد وعدہ کیا کہ راس المیڈا نے اس کی ڈیوٹی کے دوران میں راڈنی آرک بن کر دوبارہ ائرپورٹ کا رخ کیا تو وہ فوری طور پر اوّل خان کو اطلاع دے گا۔

ویرا کے پاسپورٹ پر پاکستانی ویزے کی مدت میں اگلے تین ماہ تک کا اضافہ ہو چکا تھا۔ اس نے پاسپورٹ میرے حوالے کیا اور میں وہاں سے نکل آیا۔

مغرب کے سفر کے بارے میں ویرا کی ترجیحات میرے علم میں تھیں۔ وہ یورپ کے حسین اور پُرفضا شہروں کے مقابلے میں قدامت پرست لندن کو زیادہ پسند کرتی تھی۔ کرنل رحمٰن کے دفتر سے نکل کر میں نے براہِ راست برٹش ائرویز کے کاؤنٹر کا رخ کیا۔ وہاں مجھے پتا چلا کہ ان لوگوں نے کراچی سے لندن کے لئے اپنی ہفتہ وار پروازوں کی تعداد میں خاصا اضافہ کر دیا تھا۔ اگلے دن کی پرواز پر بھی نشستیں خالی تھیں لیکن میں ویرا کو اتنی جلدی الوداع کہنے کا خواہاں نہیں تھا۔ اس کی وجہ سے ہم لوگوں کی محدود مصروفیات میں خاصی دلچسپیاں پیدا ہوتی رہتی تھیں۔ میں نے دو دن بعد لندن کے راستے نیویارک کا ٹکٹ بنوایا اور ائرپورٹ سے واپس روانہ ہو گیا۔

راس المیڈا کے نکل جانے پر میں ایسے ڈپریشن میں مبتلا ہو چکا تھا کہ میں نے راستے بھر اوّل خان کو اطلاع دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور سیدھا گھر پہنچ گیا۔

ویرا اپنے پاسپورٹ کا اندراج اور ٹکٹ دیکھ کر اتنی خوش ہوئی کہ اسے یہ دھیان بھی نہیں آیا کہ میں نے اسے اس کی مرضی کے خلاف مزید دو دن کے لئے کراچی میں روک لیا تھا۔ اس نے گرم جوشی سے میرا شکریہ ادا کیا۔ میری طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور اس کی نگاہوں میں میرے لئے ہمدردی کا جذبہ امڈ آیا۔ میں نے فوراً ہی سمجھ لیا کہ وہ میرے چہرے پر پھیلی ہوئی اداسی سے غلط فہمی میں مبتلا ہو چکی ہے۔

غزالہ مجھے اپنی صورت دکھا کر کمرے میں جا چکی تھی۔ سلطان شاہ برآمدے کے فرش پر بیٹھا اپنے ناخن تراشنے میں مصروف تھا' میں جوتے اتارے بغیر صوفے پر نیم دراز تھا۔ ویرا قالین پر میرے قدموں کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بات شروع کرنے کے لئے مناسب الفاظ یکجا کر رہی تھی۔

"شاید تمہیں افسوس ہو رہا ہے کہ میری روانگی کا انتظام تم ہی کو کرنا پڑا ہے؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے نہایت نرمی سے پوچھا۔

"تم ضد پر اڑ گئی تھیں تو یہ ناخوش گوار فرض کسی نہ کسی کو انجام دینا ہی تھا۔ قرعۂ فال کسی کے بھی نام نکلتا' اسے یہ کام کر کے خوشی نہیں ہوتی۔ ہم لوگوں نے تمہیں گھر کے ایک فرد کی طرح قبول کر لیا تھا۔"

"سچ پوچھو تو میں بچپن ہی سے سیماب صفت رہی ہوں۔ بہت تیزی سے دوست بدلتی رہی ہوں۔ کبھی ٹک کر ایک جگہ نہیں رہی۔ میں اتنی مدت سے یہاں پڑے پڑے اکتا گئی ہوں۔ تم سب کی مہربانیوں کے باوجود مجھے گھٹن کا ایسا احساس ہونے لگا ہے جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس گھٹن کو کوئی بڑی تبدیلی ہی ختم کر سکتی ہے۔ میں نے اپنی روانگی کے بارے میں مختلف اوقات میں مختلف باتیں کی ہیں لیکن میرے فیصلے کا بڑا سبب اندر کی بے نام گھٹن ہے۔ ماحول تبدیل ہوگا تو یہ گھٹن ختم ہو جائے گی اور میں لوٹ آؤں گی۔"

"جمی لائیڈ اپنی زندگی میں بہت مال دار تھا۔ کنگ لائنز کے نام سے اس کی جہاز راں کمپنی بھی تھی۔ تمہیں اس کے اثاثوں کے بارے میں بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا ہوگا" میں نے کسل مندی سے کہا۔

"اس کا کچھ بھی نہیں تھا۔ ٹی کے سارے اثاثے اس کے نام تھے۔ اس کے مرتے ہی وہ اثاثے ٹی کے نئے سربراہ کی ملکیت بن گئے ہوں گے۔ میرا باپ بہت ایمان داری سے کام کرتا تھا۔ اگر اس کے تھوڑے بہت اثاثے ہوں تو مجھے اس سے کیا لینا۔ میں اس کی جائز اولاد تھی' نہ یہ ثابت کر سکتی ہوں کہ وہی میرا باپ تھا۔ میں نے پیسے کی کبھی پروا نہیں کی۔ میرے اس دورے میں راس المیڈا اور ڈیوڈ اسٹارز کا کوئی نہ کوئی انجام ضرور سامنے آئے گا۔"

"اس کے ساتھ آج پھر آنکھ مچولی ہوئی ہے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آج سے پہلے وہ ہمیشہ ہماری نظروں سے اوجھل رہا تھا۔ آج ہم دونوں آمنے سامنے تھے پھر وہ بھاگ نکلا۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے تحیر زدہ آواز نکلی "اتنی اہم خبر تم اب بتا رہے ہو؟"

"یہ اہم خبر اس وقت بنتی جب وہ میرے ہاتھوں مارا جاتا یا کم از کم زخمی ہی ہو گیا ہوتا۔"

ویرا کی تحیر زدہ آواز سن کر سلطان شاہ بھی آ پہنچا تھا۔ اس نے بے اعتباری سے پوچھا "وہ حرام زادہ تمہیں کہاں مل گیا؟ تم تو ائرپورٹ کی طرف گئے ہوئے تھے۔"

"اسرار کی بنائی ہوئی تصاویر کا کمال تھا ورنہ آج بھی وہ نکل جاتا اور میں اسے شناخت بھی نہ کر پاتا" یہ کہہ کر میں نے انہیں راس المیڈا سے ٹکراؤ کی پوری کہانی سنا دی۔

"یہ بہت برا ہوا" ویرا کفِ افسوس ملتے ہوئے بولی "یہاں سے اس کی یخ بستہ لاش کا تابوت امریکا جاتا تو وہاں کے نسل پرست یہودیوں میں صفِ ماتم بچھ جاتی۔ وہ خود بھی سمجھ رہا ہے کہ یہاں اس کی دال نہیں گل سکے گی اسی لئے وہ رازداری کے ساتھ یہاں سے بھاگ رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ تم اسے ٹھوکر مار کر ایک بار پھر میدان میں لے آئے ہو۔ کاش! اس وقت وہ تمہارا قیدی ہوتا اور

"میں اسے جوتے لگا رہی ہوتی۔"
اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ویرا نے ریسیور اٹھایا اور پھر مجھے تھما دیا۔ دوسری طرف سے اول خان میری تازہ ترین مہم کے بارے میں جاننے کے لئے مرا جا رہا تھا۔ آخری نتیجہ اس کے لئے بھی مایوسانہ تھا۔

"فکر مت کرو!" وہ سلگتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا "آج تم نے اسے پہچانا ہے۔ کل سے پورا شہر اس عفریت کو پہچاننے لگے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اسے اسی طرح تھکا تھکا کر مار ڈالیں۔"

"وہ اتنی آسانی سے مرنے والوں میں سے نہیں ہے" میں نے تلخی سے کہا "وہ داڑھی رکھ لے گا' بالوں کا رنگ اور اسٹائل بدل لے گا' کانٹیکٹ لینس لگا کر آنکھوں کا رنگ تبدیل کر لے گا۔ آج کل بہت کچھ ہونے لگا ہے۔ تصویر کی اشاعت اسے چند روز سے زیادہ پریشان نہیں کر سکے گی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آج کی بے نتیجہ بھاگ دوڑ نے تمہارا دل کھٹا کر دیا ہے۔ ایک ناکامی پر تمہارا یہ حال ہے تو ذرا سوچو کہ پے در پے زخم کھانے کے بعد وہ کن انگاروں پر لوٹ رہا ہو گا۔"

"ایک...؟ ہم بھی مسلسل ناکام ہوتے چلے آ رہے ہیں" میں نے کہا "اس کے آدمی ضرور مرتے چلے جا رہے ہیں لیکن ہم اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے۔ اسے مہلت ملی تو اب وہ یہاں نہیں رکے گا۔"

"تم بلاوجہ جذباتی ہو رہے ہو" اول خان کا لہجہ ناصحانہ ہو گیا۔ "اس کی تصاویر ہاتھ آنے تک ہم ایک ایسے سائے سے برسرپیکار تھے جس سے ہم واقف نہیں تھے۔ وہ اپنے حلیے میں لاکھ تبدیلیاں کر لے' ہماری نظروں سے نہیں بچ سکے گا۔ مجھے کرنل رحمٰن سے ائرپورٹ کے ابتدائی واقعات معلوم ہو چکے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ وہ تمہیں دیکھ کر کیوں گھبرا گیا تھا؟ اسے تو ابھی تک یہ زعم ہے کہ اسے کوئی نہیں پہچانتا۔ کل جب اس کی تصویر چھپے گی تو وہ حواس باختہ ہو کر اپنے بال نوچنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس پر بہت زبردست اور سنسنی خیز فیچر تیار ہوا ہے۔"

اول خان کی یہ بات واقعی قابل غور تھی کہ میرا سامنا ہونے پر راس المیڈا نے اتنا شدید ردعمل کیوں ظاہر کیا۔ اس وقت بھی وہ یہ سمجھتا تھا کہ میں اسے نہیں پہچانتا۔ اس کی بوکھلاہٹ کا صرف ایک ہی جواز ہو سکتا تھا کہ اس نے بالکل غیر متوقع طور پر مجھے اپنے روبرو موجود پایا تو دہشت کی وجہ سے اپنے اضطراری ردعمل پر قابو نہیں پا سکا۔ اگر وہ اس مرحلے پر سکون اور سرد مہری کا مظاہرہ کر کے راڈنی آرک ہی بنا رہتا تو میں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ پرواز کا وقت ہو جاتا اور وہ اپنے سفر پر روانہ ہو جاتا۔ ثابت یہ ہو رہا تھا کہ ہمارے ساتھ ساتھ اس کا مقدر بھی گردش میں آیا ہوا تھا۔ اس نے خود ہی اپنا بنا بنایا کھیل بگاڑ لیا تھا۔

"تم بگلے کے سر پر موم بتی جما کر اس کو شکار کرنے کی کوشش کرتے رہو' میں دوسرا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ ممکن ہے کہ مجھے تمہارے دو چار تندرست آدمیوں کی ضرورت پیش آ جائے۔"

"آدمی مل جائیں گے.... ذرا جہانگیر کی بھی خیر خبر لے لو۔ ولی داد والے قضیے کے بعد میرے دو آدمی مستقل طور پر اسی کے مہمان بنے ہوئے ہیں۔ اگر وہاں ضرورت نہ ہو تو انہیں لوٹ آنا چاہئے۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے یاد دلا دیا۔ میں اسے بالکل ہی بھولا ہوا تھا۔ میں آج ہی اس کی خبر لوں گا۔"

"میری طرف سے تمہیں ہر قسم کا تعاون ملے گا لیکن کان کھول کر سن لو کہ عجلت یا جھلاہٹ میں تم کوئی احمقانہ قدم نہیں اٹھاؤ گے۔ ہمیں راس المیڈا کی موت سے کہیں زیادہ تمہاری زندگی عزیز ہے۔"

میں نے ایک قہقہہ لگا کر گفتگو کا سلسلہ وہیں ختم کر دیا تاکہ وہ مجھ پر مزید جرح نہ کر سکے۔

"میں آج رات کا کھانا جہانگیر کے ساتھ کھاؤں گا" غزالہ کے آتے ہی میں نے اعلان کر دیا۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی" وہ خوش ہو کے بولی "وہ جب سے اس علاقے میں آباد ہوا ہے' ہم ایک بار بھی اس کے گھر نہیں گئے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر وہ خوش ہو جائے گا۔"

"وہ ایسا ہی مہمان نواز ہو گیا تو پھر میں بھی تم دونوں کے ساتھ چلوں گی" ویرا بولی "گھر کی چوکیداری کے لئے سلطان شاہ کافی رہے گا۔ یہ شراب پیتا ہے اور نہ سلمٰی کو پسند کرتا ہے۔ وہاں جا کر کیا کرے گا۔"

"سلمٰی سے مجھے اتنی زیادہ پرخاش بھی نہیں ہے" سلطان شاہ نے اپنے معمول کے برعکس' بھڑکے بغیر کہا "مگر آج میرا باہر جانے کا موڈ نہیں ہے۔ تم تینوں ہی ان لوگوں سے مل آؤ' میں لمبی تان کے سوؤں گا۔"

"تم گھر کی فکر نہ کرو" میں نے سلطان شاہ سے کہا "جہانگیر کے گھر پر ایس ٹی ایف کے دو آدمی رہ رہے ہیں۔ چند گھنٹوں کے لئے ان میں سے کوئی یہاں آ جائے گا۔ تم چاہو تو اپنے دوستوں اور رشتے داروں سے ملنے چلے جاؤ۔ تمہیں ان سے ملے ہوئے ایک عرصہ بیت گیا ہے۔"

سلطان شاہ کے چہرے پر تشکر کے جذبات امڈ آئے "تم ہر بات کا کتنا خیال رکھتے ہو۔"

میں اسی وقت اسے ایک کام بھی بتانا چاہ رہا تھا لیکن اس کا ممنونیت سے لبریز ردعمل دیکھ کر میں نے وہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ کام بتانے سے اس کے جذبات کو ٹھیس لگ سکتی تھی اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ میں نے صرف اسی کام کی وجہ سے اسے اپنے لوگوں میں جانے کا مشورہ دیا ہے۔

پروگرام طے ہوگیا۔ ویرا کی رائے تھی کہ ان کے گھر پر اچانک دھاوا بولنے کے بجائے فون کرکے اپنے پروگرام سے آگاہ کردیا جائے لیکن میں نے اس کی تجویز کو سختی سے مسترد کردیا۔ جہانگیر کنگال تھا اور نہ اس علاقے میں کھانے پینے کے سامان کا قحط تھا۔ تھوڑی سی رقم خرچ کرکے ہر چیز کا بندوبست کیا جاسکتا تھا۔

چھ بجے چاروں تیار ہوچکے تھے۔ ان تینوں کے چہروں پر پھیلی ہوئی رونق دیکھ کر مجھے احساس ہورہا تھا کہ ہم چاروں ایک طویل مدت کے بعد ایک ساتھ گھر سے باہر نکل رہے تھے۔ کام اور بھیانک خطرات کے دباؤ نے ہمیں ہلکی پھلکی تفریحات تک سے الگ تھلگ کرکے رکھ دیا تھا۔

شاید ماحول سے ویرا کی بے زاری کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ زندگی کے معمولات سے کٹ کر گھر میں محصور ہوکر رہ گئی تھی۔ یہ میرا خیال تھا لیکن میں نے اسے ویرا کے سامنے دہرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

سلطان شاہ نے بمشکل ایک ڈیڑھ منٹ میں ہمیں جہانگیر کی قیام گاہ کے سامنے اتار دیا۔ وہ گاڑی چھوڑنے پر مُصر تھا مگر میں نے اسی گاڑی سے جانے پر مجبور کردیا۔ جہانگیر اپنے ہوش وحواس میں رہتا تو ہمیں ہمارے گھر پہنچا سکتا تھا۔ وہ مدہوش ہوجاتا تب بھی ہم چہل قدمی کرتے ہوئے گھر پہنچ سکتے تھے۔

عورتوں کے آگے بڑھ جانے پر سلطان شاہ نے میرے قریب آکر دھیمے سے کہا "گاڑی میں پٹرول اور میری جیب میں پیسے نہیں ہیں..... ہوسکے تو اس کا کوئی بندوبست کردو۔"

سلطان شاہ کے اس انکشاف نے مجھے نادم کردیا۔ میں اس کی مالی ضروریات سے عام طور پر غافل رہتا تھا۔ وہ بھی مجھ سے کوئی مطالبہ نہیں کرتا تھا۔ ضرورت ہوتی تو غزالہ سے پیسے لے لیا کرتا تھا۔ اچانک پروگرام بننے کی وجہ سے شاید اسے غزالہ سے پیسے مانگنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ گاڑی میں پٹرول کی پوزیشن کا اندازہ، اگنیشن آن کرنے سے پہلے ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

میں نے اپنی جیب سے سو روپے والے نوٹوں کی ایک گڈّی نکال کر اُس کی جیب میں اڑس دی اور اس کی طرف دیکھے بغیر عمارت کی طرف چل دیا۔

جہانگیر کے گھر کی گھنٹی بجتے ہی راہداری میں واقع ایک دروازہ کھلا۔ جھری میں ایس ٹی ایف کا ایک شناسا چہرہ موجود تھا۔ مجھے پہچان کر اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور دروازہ بند ہوگیا۔

ہمیں چند ثانیوں تک انتظار کرنا پڑا۔ سلمٰی نے دروازہ کھولا اور ہم لوگوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس نے بڑھ کر غزالہ کو اپنے سینے سے لپٹا لیا تھا پھر وہ اسی تپاک سے ویرا سے بھی بغل گیر ہوگئی۔

"کون ہے؟" فلیٹ کے کسی حصے سے جہانگیر کی آواز گونجی۔

"تمہارے بزرگ تمہاری خیریت لینے آئے ہیں" میں نے اندر داخل ہوکر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"آخ.... خاہ!" وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر والہانہ انداز میں ایک دروازے میں سے نمودار ہوا اور زہے نصیب' زہے نصیب کہتا ہوا مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ اس کے سانسوں میں الکحل کی ہلکی ہلکی بو موجود تھی۔

"میں تم سے بہت ناراض ہوں" وہ ڈرائنگ روم کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے بولا "مجھے اپنے گھر آنے دیتے ہو' نہ خود یہاں آتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ چند مہینوں میں تمہارا خون بالکل سفید ہوگیا ہے۔"

غزالہ نے سلمٰی سے اس کے بیٹے کی خیریت پوچھی اور وہ ان دونوں کو اپنی خواب گاہ میں لیتی چلی گئی۔

"ویرا کو دیکھتے ہی تمہیں ثقیل اردو بولنے کا دورہ کیوں پڑگیا ہے؟" ڈرائنگ روم میں پہنچنے کے بعد میں نے جہانگیر کو گھورتے ہوئے پوچھا "تم خوب صورت عورتوں کو دیکھتے ہی بے قابو ہونے لگتے ہو اسی لئے سلمٰی سے آئے دن تمہاری اَن بَن رہتی ہے۔ کسی وقت اپنی کھوپڑی پر قابو بھی رکھا کرو۔"

وہ مجھے آنکھ مار کر لوفرانہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا "روز روز کیک کھانے والے اس میں اور روٹی میں کوئی تمیز نہیں کرتے۔ کیک کی قدروقیمت وہی جانتا ہے جو اس کے لئے مہینوں ترستا رہتا ہو۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ ویرا کیک ہے اور میں اسے روز نوش فرماتا ہوں۔"

وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا پھر بولا "کیوں میری زبان کھلواتے ہو؟ کیا تم نے اس جیسی بے لگام عورت کو پوجا کرنے کے لئے اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ تمہاری موج ہے کہ بیوی بھی کوئی اعتراض نہیں کرتی۔"

"آہستہ بولو" میں نے غرّا کے کہا "اعتراض والی بات ہوگی تب ہی تو اعتراض کرے گی نا۔"

"اگر تم کو ایسی ہی پارسائی لاحق ہوگئی ہے تو اسے ہفتے عشرے کے لئے یہاں چھوڑ دو" اس نے حریصانہ لہجے میں التجا کی "ظالم نے ایسی صورت پائی ہے کہ اسے دیکھتے ہی طبیعت تازہ ہوجاتی ہے۔"

"وہ تمہیں راس نہیں آسکے گی۔ یہاں رہی تو تم دن رات نشے میں وحشت ہوکر اسی کے قصیدے پڑھتے رہوگے اور سلمٰی تمہاری زندگی عذاب بنادے گی.... یہ بتاؤ کہ اس وقت تمہارا گلاس کہاں ہے؟"

"خدا کی قسم' ابھی پہلا گلاس بنا کر دو ہی گھونٹ لیے تھے کہ تم آگئے۔ بھابی برا نہ مانے تو بوتل وغیرہ یہیں اٹھا لاتا ہوں۔ تمہارے ساتھ پیے ہوئے بہت دن ہوگئے۔ میں تو اپنے کمرے میں پی رہا تھا۔"

تو کیا آج کل تمہارے اور سلمٰی کے کمرے پھر الگ الگ
ہوگئے ہیں؟"
"رات بے رات بچے کے رونے سے نیند خراب ہوتی ہے۔
اس کی وجہ سے میں الگ سوتا ہوں ورنہ ہم دونوں میں کوئی جھگڑا
نہیں ہے۔ جب دل چاہتا ہے' وہ بچے کو گود میں لے کر میرے
کمرے میں گھس آتی ہے۔"
اندر سے اچانک ہی بچے کے رونے کی آواز آنے لگی پھر سلمٰی
اسے چپ کرانے کی بلند آہنگ کوششوں میں مصروف ہوگئی۔
معلوم ہورہا تھا کہ ویرا یا غزالہ نے بچے کو چھیڑ کر رونے پر مجبور کردیا
تھا۔
"دن میں اس پر بہت پیار آتا ہے" جہانگیر کہہ رہا تھا "رات
کے دو بجے گلا پھاڑ کر روتا ہے تو اس کی آواز زہر لگتی ہے۔ پتا نہیں
مائیں روتے ہوئے بچوں کو کس دل سے پیار کرتی ہیں۔"
اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ کچھ کہے بغیر اندر غائب ہوگیا۔ چند
ثانیوں بعد وہ آستین سے اپنا منہ پونچھتا ہوا واپس لوٹا تو تینوں
عورتیں بھی ہنستی بولتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آگئیں۔ شاید سلمٰی
نے بچے کو بہلا پھسلا کر دوبارہ اس کے بستر میں ڈال دیا تھا یا پھر اسے
فیڈر میں مصروف کردیا تھا۔
"آؤ! عورتوں کے لئے یہ کمرا خالی کرکے ہم اندر بیٹھتے ہیں۔"
جہانگیر نے مکاری سے مجھے مخاطب کیا۔
"کیوں؟ کیا انہیں عورتوں میں بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے" سلمٰی
نے جہانگیر سے پوچھا۔
میں اٹھتے اٹھتے صوفے سے چپک کر رہ گیا۔ سلمٰی کے فقرے پر
ویرا نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا اور کہا "جانے دو۔ مردوں کی
باتیں عورتوں کی باتوں سے بہت مختلف ہوتی ہیں۔ بے چارے
دوسرے میں بیٹھ کر کچھ شغل کرلیں گے۔ دونوں بہت دنوں بعد ایک
دوسرے سے ملے ہیں۔"
"میں ان کی عادتوں سے خوب واقف ہوں" سلمٰی خوش دلی
سے کہتے ہوئے اسی صوفے پر بیٹھ گئی جس کا ایک گوشہ میں نے
سنبھالا ہوا تھا۔ میں بوکھلا کر اپنی جگہ سے مزید سمٹ گیا۔ وہ کہہ رہی
تھی "مجھے غصہ اس بات پر آتا ہے کہ یہ مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں۔
یہ سیدھی طرح بھی کہہ سکتے تھے کہ ہم اندر بیٹھ کر پیتے ہیں۔ ان
دونوں کو کون روک لیتا۔ یہ ہمیشہ اپنی ہی من مانی کرتے ہیں۔"
"ڈیڈی کبھی من مانی نہیں کرتے" غزالہ نے دفاع کیا "اب تو
انہوں نے پینا بھی کم کردیا ہے۔"
"پہلے میں بھی ان کی بری عادتوں کو اپنے رشتے داروں سے
کسی طرح چھپاتی تھی۔ رفتہ رفتہ ان کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا کہ انہوں
نے پورے گھر کو ہی شراب خانہ بنا کر رکھ دیا" سلمٰی کی زبان خوب
چل رہی تھی۔
"پینے میں کوئی حرج نہیں' میں بھی پیتی ہوں" ویرا بول پڑی۔
"میرے کمرے میں بہت سی بوتلیں موجود رہتی ہیں۔ ہاں' پی کر
بہکنے سے آدمی تماشا بن جاتا ہے۔ میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتی
ہوں۔"
"پھر تم بھی ان دونوں کے ساتھ اندر ہی چلی جاؤ" سلمٰی نے برا
مانے بغیر کہا "میں غزالہ کے ساتھ یہیں بیٹھوں گی۔ ہم دونوں ایک
طویل مدت کے بعد ایک دوسرے سے ملے ہیں۔"
جہانگیر دروازے میں کھڑا' سلمٰی کی نظریں بچا کر مجھے اٹھنے کے
مضحکہ خیز اشارے کررہا تھا۔ میں نے اطمینان سے اٹھ کر ایک
سگریٹ سلگائی اور دروازے کی طرف چل دیا۔ اس بار سلمٰی
خاموش رہی تھی۔
"تم برا نہ مانو تو میں اپنا گلاس بنا کر یہیں لے آؤں؟" ویرا کی
آواز میرے کانوں میں آئی۔
"شوق سے لے آؤ۔ ایک شرابی کی بیوی ایسی باتوں کا برا نہیں
مانتی" سلمٰی کا جواب کاٹ دار تھا۔
"یار' اس بار تو سلمٰی اپنے میکے سے بہت تیز و طرار بن کے لوٹی
ہے" میں نے جہانگیر کے آراستہ کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے حیرت
سے کہا "ہر بات کا منہ توڑ جواب دے رہی ہے۔"
"لعنت بھیجو اس پر اور اپنی کرسی سنبھالو!" وہ بے پروائی سے
ایک گدیلی کرسی میں دھنس کر بڑبڑایا "ویرا بھی آتی ہوگی۔ ابھی
سے تین گلاس بنائے لیتے ہیں۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"
"ضرور بناؤ لیکن یہ یاد رکھنا کہ آج ویرا عورتوں میں بیٹھ کر پیے
گی۔ تمہاری دال نہیں گلے گی۔"
جہانگیر نے دو لمبے لمبے گھونٹ لے کر اپنا گلاس خالی کردیا اور
برے برے منہ بناتے ہوئے نئے سرے سے تین گلاس تیار کرنے
میں مصروف ہوگیا۔ اس مہلت کو غنیمت جانتے ہوئے میں نے اپنی
جگہ چھوڑ دی۔ جہانگیر نے مجھ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ مجھے اس
کے گھر میں کبھی کسی روک ٹوک کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔
میں نے فلیٹ سے راہ داری میں نکل کر جہانگیر کے گیسٹ بیڈ
روم کے باہر کھلنے والے دروازے پر دستک دی تو اول خان کا وہی
آدمی باہر آیا جسے میں پہلے دیکھ چکا تھا۔
"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" میں نے متجسسانہ لہجے میں سوال
کیا۔
"جج...... جی وہ گھر کا سودا لینے گیا ہے۔ بس آتا ہی ہوگا۔"
وہ خفت سے بولا۔
"وہ آجائے تو تم ہمارے گھر چلے جانا۔ اس وقت وہاں کوئی
نہیں ہے۔" یہ کہہ کر میں نے فلیٹ کی چابی اس کے حوالے کردی
اور دوبارہ جہانگیر کے کمرے میں لوٹ آیا۔
ڈرائنگ روم میں سلمٰی' غزالہ کے ساتھ باتوں میں مصروف
تھی۔ ویرا موقع پاتے ہی جہانگیر کے کمرے میں پہنچ گئی تھی اور
دونوں ہاتھوں سے گلاس تھامے دلچسپی سے جہانگیر کی کوئی بات سن

رہی تھی۔

جہانگیر کہہ رہا تھا "....... یہ رشتہ ہی بہت عجیب ہوتا ہے۔ دنیا کی ساری عورتیں حسین اور خوش مزاج ہوتی ہیں۔ وہ مسکراتی ہیں تو دل اچھل کر حلق میں آنے لگتا ہے۔ بدن چھولیں تو خون کا دوران تیز ہو جاتا ہے لیکن شادی ہوتے ہی ان پر نہ جانے کیا پھٹکار برسنے لگتی ہے کہ شوہر کے لیے زہر کا گولا بن جاتی ہیں......"

"شاید تم ویرا کو اس کے مستقبل سے آگاہ کرنے کی کوشش کررہے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر ٹکڑا لگایا۔

"میرا شادی کرنے کا سرے سے کوئی ارادہ نہیں ہے۔" ویرا گلاس لے کر کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی "میرے لیے یہ خوش خبری ہے کہ اس طرح میں ساری عمر بیویوں پر برسنے والی خدائی پھٹکار سے بچی رہوں گی۔"

"جہانگیر اپنی ان ہی لچھے دار باتوں سے عورتوں کو فریب دیتا ہے۔ بیوی میں ہزار عیب نکالے بغیر کوئی شادی شدہ مرد دوسری عورتوں کی توجہ حاصل نہیں کرسکتا۔ اگر یہ سچا ہے تو اس سے کہو کہ یہ یہی باتیں سلمٰی کے سامنے بھی دہرائے ورنہ اسی پر دنیا جہان کی پھٹکار نازل ہوگی۔" میں نے کہا۔

"دھیرج سے کام لو!" ویرا اپنی کمر کو ہلکا سا بل دے کر بولی "ہم یہاں بلوہ کرانے نہیں اچھا وقت گزارنے کے لیے آئے ہیں۔ میں عورتوں میں جارہی ہوں۔ تم جہانگیر کو اشتعال نہ دلا دینا۔"

وہ چلی گئی اور جہانگیر کے ہونٹوں کے مسکراتے ہوئے گوشے خود بہ خود نیچے ڈھلک گئے۔

"تم نے اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی مٹی پلید کی ہوئی ہے۔ وہ لڑاکا لوگ ہیں اور تم ان سے گھر کے کام لے رہے ہو۔" میں نے تخلیہ ہوتے ہی اس پر ملامت کرنی شروع کردی۔

"مجھے خود برا لگتا ہے مگر سلمٰی کو سمجھانا میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ وہ ہنس ہنس کر انہیں کام بتاتی ہے اور وہ کاٹھ کے الو کی طرح اس کے اشاروں پر ناچنے لگتے ہیں۔" وہ ایک گھونٹ لے کر بے زاری سے بولا "پرسوں ہی ان میں سے کوئی سلمٰی کے باتھ روم میں گھسا واشنگ مشین پر اس کے کپڑے دھو رہا تھا۔"

"لعنت ہو تم پر...... تم یہ سب خرافات کیسے برداشت کرلیتے ہو؟" مجھے واقعی تاؤ آگیا۔

"میں کچھ برداشت نہیں کرتا۔" اس نے متکبرانہ انداز میں کہا "اس نے جس دن مجھ سے کپڑے دھونے کی فرمائش کی، میں اسی روز اسے ریل کے دوسرے درجے میں بٹھا کر میکے روانہ کردوں گا۔"

"ابے لمڈھگ! میں کپڑے دھونے کی نہیں، سلمٰی کے ہنس ہنس کر باتیں مٹھارنے کا ذکر کررہا تھا۔ وہ دونوں جوان مرد ہیں۔ تم کیسے برداشت کرلیتے ہو کہ تمہاری بیوی غیر مردوں سے اس طرح باتیں کرتی رہے۔"

"وہ غیر ہوتے تو میں ایک دن بھی انہیں یہاں نہ ٹکنے دیتا۔ تم ہی نے بتایا تھا کہ وہ اول خان کے آدمی ہیں۔ سلمٰی ان کا دھیان رکھتی ہے۔ وہ لحاظ مروّت میں اس کا ہاتھ بٹا دیتے ہیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ جہاں تک اصول کی بات ہے، یہ سب غلط ہو رہا ہے۔ انہیں وہی کام کرنا چاہیے جس کے لیے انہیں یہاں بھیجا گیا ہے۔"

میرا دل چاہا کہ دونوں ہاتھوں سے اس کا سر پیٹ کر رکھ دوں۔ بعض معاملات میں وہ اکثر اس قدر کند ذہن ثابت ہوتا تھا کہ اپنے رویّے سے میری ہڈیاں سلگا کے رکھ دیتا تھا۔

"ساری غلطی ان ہی کی ہے۔ وہ اپنی حدود سے تجاوز کررہے ہیں۔" میں نے الفاظ چبا چبا کے غصے سے کہا "انہیں یہاں گارڈ بنا کر بھیجا گیا مگر وہ دھوبی اور ملازموں والے کام کررہے ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں کل ہی یہاں سے معزول کرکے اول خان کے پاس بھیج دیا جائے۔"

"نہیں!" میری دھمکی پر اس نے گلاس اپنے لبوں سے ہٹا کر جلدی سے کہا "وہ دونوں چلے گئے تو ہمارا کیا بنے گا؟ ہم اپنے دشمنوں کے رحم و کرم پر رہ جائیں گے۔ میں سلمٰی کو سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ وہ ان دونوں کو ان کی اوقات میں رہنے دے۔ وہ تو ٹی وی ڈرامے دیکھنے کے لیے انہیں گھر میں بلالیتی ہے۔"

ٹی وی والی بات میں پہلے بھی سن چکا تھا۔ جہانگیر خود جی بھر کر سلمٰی سے بے وفائیاں کرتا رہتا تھا لیکن سلمٰی کی ناروا حوصلہ افزائیوں کے بارے میں اس کی عقل پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہاں یہی رنگ ڈھنگ چلتے رہے تو کسی دن ایسا دھماکا ہوگا جو اپنے ساتھ سب کچھ لے ڈوبے گا۔ میں نے مصالحانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا "دشمنوں کا پتا صاف کیا جاچکا ہے۔ تمہیں ان کی طرف سے فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ دونوں یہاں پڑے مفت کی روٹیاں توڑتے رہے تو تھوڑے ہی دنوں میں اول خان کے لیے اپنی افادیت کھو بیٹھیں گے۔ میرا مشورہ مانو تو کل صبح ہی انہیں یہاں سے چلتا کردیا جائے گا۔ گھر کے کام کاج کے لیے تم آسانی سے ایک دو ملازم رکھ سکتے ہو۔"

"اگر تمہارا یہ مشورہ ہے تو انہیں واپس ہی کردو۔" وہ سوچتے ہوئے بولا "گھر کے کام تو لشتم پشتم چل ہی جاتے ہیں۔"

"یہ سناؤ کہ اس بلڈنگ میں کیسی گزر رہی ہے؟" میں نے اس کی عادات اور مزاج کی مناسبت سے ایک دلچسپ سوال پوچھا "اوپر آتے ہوئے مجھے کئی دل فریب چہرے نظر آئے تھے۔"

"سب ہاتھی کے دانت ہیں جو بس دیکھنے کے لیے ہوتے ہیں۔" اس نے افسردگی سے جواب دیا "سب مردم بے زار ہیں۔ لوگ اپنے پڑوسیوں تک سے ملنا گوارا نہیں کرتے۔ آپس میں میل جول کا کوئی سلسلہ ہو تو پھر اسی میں دوستیاں ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اس علاقے میں فلیٹوں کا ماحول بہت مختلف ہے۔"

"اس کی ایک اہم وجہ ہے۔" میں نے ایک گھونٹ لینے کے بعد کہا "ملک میں شراب پر پابندی لگی تو کروڑوں کا کاروبار سرکاری کنٹرول سے نکل کر چور بازار میں چلا گیا۔ ملک میں شراب کی کھپت کم ہونے کے بجائے بڑھ گئی۔ یہ اور بات ہے کہ پابندی کی وجہ سے شراب کے دام بے تحاشا بڑھ چکے ہیں۔ اسی......"

"ارے بھائی! فلیٹوں کے ماحول کو تم نے شراب سے کہاں ملا دیا۔ میں حسینوں اور نازنینوں کی بات کر رہا تھا جو ہر وقت اپنی ہی دنیا میں کھوئی رہتی ہیں، دوسروں کی ذرا بھی پروا نہیں کرتیں۔" وہ میری بات کاٹ کے بولا۔

"میں اسی طرف آ رہا تھا۔ جسم فروشی کے قدیم ترین پیشے پر پابندی لگا کر ان کی معروف بستیاں اجاڑ دی گئیں تو وہ سب گلی گلی میں پھیل گئیں۔ ان کی تعلیم یافتہ اولادیں آج بھی اپنے موروثی پیشے سے منسلک ہیں لیکن انہوں نے دام بڑھا کر مال کمانے کے نئے ڈھنگ ایجاد کر لیے ہیں۔ وہ شہر کے فیشن ایبل علاقوں میں کرائے کے مکانوں میں آباد ہیں۔ ان کی مشتبہ مصروفیات پڑوسیوں کی نظروں میں آنے لگتی ہیں تو وہ ٹھکانے بدل لیتی ہیں۔ وہ اپنے پیشے کی رازداری کی وجہ سے پڑوسیوں سے الگ تھلگ رہتی ہیں۔ شریف گھرانے اس خوف سے اپنے خول میں بند رہتے ہیں کہ کہیں بے خبری میں وہ کسی آبرو باختہ گھرانے سے دوستی نہ کر بیٹھیں۔ یہ مرض اتنا بڑھ چکا ہے کہ فلیٹوں کے سنگلاخ جنگلوں میں بسنے والے چوری چھپے ایک دوسرے کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں لیکن روز سامنا ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے شناسائی کا اظہار کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔"

"تمہیں اس علاقے میں آباد آبرو باختہ گھرانوں کے بارے میں ضرور معلوم ہوگا؟" اس نے رازدارانہ تجسس کے ساتھ دھیمے لہجے میں پوچھا "آس پاس کے ایسے چند پتے مل جائیں تو مزہ آ جائے گا۔"

"سنا ہے کہ اخبارات کے چھوٹے اشتہاروں میں ذومعنی اور مخصوص متن کے ساتھ ساری اطلاعات چھپوانے کی ابتدا ہو چکی ہے۔ تاڑنے والے مطلب کے اشتہار فوراً تاڑ لیتے ہیں۔ تم باقاعدگی سے اشتہار بینی شروع کر دو۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس بارے میں خود کفیل ہو جاؤ گے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہم واقعی ترقی کر رہے ہیں۔" وہ حیرت سے پلکیں جھپکا کے بولا "سنا ہے کہ وہ لندن وغیرہ کے ہر پبلک فون بوتھ میں کال گرلز کے سیکڑوں رنگین اشتہار اور وزیٹنگ کارڈ لگے ہوئے ہیں۔ آدمی ایک فون کال پر اپنی مرضی کی رفاقت خرید سکتا ہے۔"

"تم اسے ترقی کہہ رہے ہو؟" میں نے حقارت سے کہا "یہ پس ماندگی کی انتہا ہے۔ مصر کے بازاروں میں لگنے والے انسانی بازاروں کو انسانیت کی تذلیل قرار دینے والے آج ان ہی راستوں کے مسافر ہیں۔ وہ خود بھی اس گندگی کو ترقی کا نام دیتے ہوئے شرماتے ہیں اسی لیے اسے انفرادی آزادی کہہ لیتے ہیں۔"

"ہاں۔ آزادی زیادہ مناسب ہے۔" وہ جلدی سے بولا "ویسے وہ چھوٹے اشتہار یہاں کے کس اخبار میں چھپتے ہیں؟"

"میں نے یہاں کے اخبارات کا ذکر نہیں کیا تھا۔" میں نے آنکھیں نکال کے کہا "وہ سب مقدس گائے ہیں۔ ان پر ایسی الزام تراشی نہیں کی جا سکتی۔ میں نے صرف اخبارات کی بات کی تھی۔ وہ قطب شمالی کے اخبار بھی ہو سکتے ہیں۔"

اس نے بولائے ہوئے انداز میں اپنا دوسرا گلاس بھی خالی کر دیا۔ مجھے اس بدتمیز میزبان کا ساتھ دینے کے لیے اپنا گلاس ختم کرنا پڑ گیا اور اس نے فوراً ہی دونوں گلاسوں میں اسکاچ انڈیلنی شروع کر دی۔ وہ میرے گلاس میں برف ڈالنے کے بعد پانی ملا رہا تھا کہ پیچھے سے اچانک ویرا آئی اور اپنا خالی گلاس میرے سامنے رکھ کر جہانگیر کا بھرا ہوا گلاس اٹھا لے گئی۔

"پرانے لوگوں میں سے اب تمہارا کس کس سے میل جول ہے؟" جہانگیر کے فارغ ہونے کے بعد میں نے سرسری لہجے میں سوال کیا "میرے مقابلے میں تمہارے ملنے والوں کی تعداد ہمیشہ قابلِ رشک رہی ہے۔"

"شادی کے بعد سب کچھ اجڑ گیا۔" وہ حسرت بھری آواز میں بولا "پہلے محفلیں جما کرتی تھیں تو بہت سے دوست اکٹھے ہو جاتے تھے۔ اب تو ان کی صورتیں دیکھے ہوئے بھی برسوں بیت گئے۔"

"ایسے لوگ ہر احمق دولت مند کو اپنے نرغے میں لے لیتے ہیں۔ وہ خود غرض کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ مفت کی شراب پینے اور اپنی شامیں رنگین بنانے کے لیے ہر روز کسی نئے دسترخوان پر نظر آتے ہیں۔ جہاں راتب ملنے کی امید نہ ہو، وہاں ان کا سایہ بھی نظر نہیں آتا۔ انہیں دوست کہہ کر اس مقدس رشتے کی تحقیر نہ کرو۔"

"اب تو بس گھر ہی گھر رہ گیا ہے۔ جس سے دوستی پکی ہونے لگتی ہے اسی کو سلمٰی کی نظر لگ جاتی ہے۔ کئی برس سے تم بہت قریب سے میرا رہن سہن دیکھ رہے ہو۔" وہ سگریٹ کا کش لگا کر بولا۔

"بدرو دادا اور کئی پرانے آدمیوں کے بارے میں تم نے مجھے بہت کچھ بتایا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"جب تک گارمنٹس فیکٹری آباد تھی، کچھ یاروں سے میل ملاقات یا بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ اب اپنا وہ آشیانہ بھی برباد ہو چکا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آدمی کس سے ملے اور کس سے نہ ملے۔"

"ساگا کی کوئی خیر خبر ہے؟" میں نے پوری امید کے ساتھ وہ اہم ترین سوال کر ڈالا۔

"کون ساگا؟" وہ اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا "پتا نہیں

تم کون سے گڑے مردے اکھاڑ رہے ہو۔"
"ارے وہی جو لیاری کے اڈے پر کالو مکرانی کے لیے کام کرتا تھا اور اکثر نادر کے پاس آتا رہتا تھا۔"
"اوہ!" اس نے بہت زور دے کر کہا "تم بہت دور کی بات کر رہے ہو۔ نادر بھی کیا نادر آدمی تھا۔ یاروں کا یار۔ لیکن زبان کا کڑوا تھا۔ دیکھ لو کہ ہم میں سے کوئی بھی اپنے اس جگری یار کے جنازے کو کندھا نہیں دے سکا تھا۔" ساگا کو بھول کر اس کا ذہن اچانک نادر کی طرف بھٹک گیا تھا۔
"نادر شی میں میرا پہلا ہم خیال تھا۔ فرق اتنا تھا کہ میں خاموشی سے کام کرتا رہا اور اس نے اپنے بڑوں کی طاقت کا اندازہ لگائے بغیر ہر ایک کے سامنے کڑوی کسیلی باتیں کرنی شروع کر دیں۔ نتیجہ تم نے دیکھ لیا۔ وہ بے خبری میں مار ڈالا گیا مگر میرا خیال ہے کہ ساگا ابھی تک زندہ ہے۔"
"تم اس شخص کی بات تو نہیں کر رہے جو باتیں کرتے ہوئے اپنے کان ہلاتا رہتا ہے۔"
میں بے اختیار ہنس پڑا "تمہاری یادداشت لاجواب ہے مگر وہ جان بوجھ کر اپنے کان نہیں ہلاتا تھا۔ اس کے چہرے کے عضلات میں ایسی کوئی خوبی یا خرابی تھی کہ وہ بولتا تھا تو اس کے کان خود بہ خود ہلنے لگتے تھے۔"
"وہ بہت مزے میں ہے۔ ہم لوگوں کے بعد بھی وہ اپنے پرانے دھندے سے چمٹا رہا۔ چند مہینے پہلے کسی سے سنا تھا کہ اب وہ ہیروئن کا بہت بڑا بیوپاری بن چکا ہے۔ اس کا مال پورے یورپ میں جاتا ہے۔" بات کرتے کرتے اس نے پوری طرح آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا اور لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد سوال کیا "آج تمہیں ساگا کیوں یاد آرہا ہے؟"
"میں ایک ذاتی کام کے لیے اس سے ملنا چاہ رہا ہوں۔" میں نے بات کھول دی۔
"یہ کہو کہ تمہیں اس کے پتے کی ضرورت ہے۔ ساگا اب اتنا بڑا آدمی ہو چکا ہے کہ شہر میں اسے آسانی سے تلاش نہیں کیا جا سکے گا۔ میں ایک بات جانتا ہوں کہ اس نے ڈیرے وارنی کی چوکھٹ نہیں چھوڑی ہوگی۔"
"یہ ڈیرے وارنی کون ہے؟" اس کی ٹھہری باتیں میرے تجسس کو ابھار رہی تھیں۔
"حیرت ہے کہ تم اس کے بارے میں نہیں جانتے۔ وہ پرنس ساگا کے حوالے سے بہت مشہور ہوئی تھی۔"
"تمہیں یاد ہو تو اس کی کہانی سناؤ۔ شاید میرا حافظہ کام کرنے لگے۔"
"نیپئر روڈ پر بلبل ہزار داستان بلڈنگ بہت مشہور ہے۔ وہاں رہنے والیوں نے ایک زمانے میں فلموں میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ اسی کے برابر میں ڈیرے وارنی کا تنگ فلیٹ تھا۔ پرنس ساگا اس بازار کے مستقل گاہکوں میں سے تھا۔ ایک دن اس نے ڈیرے وارنی کی بیٹی کو دیکھا اور اسے دل دے بیٹھا۔ اس زمانے میں بھی اس کے پاس بہت مال ہوا کرتا تھا۔ اس نے ڈیرے وارنی کو بہت لالچ دیے لیکن وہ بڑھاپے میں اپنی اکلوتی بیٹی سے دست بردار ہونے پر تیار نہیں ہوئی۔ وہ بہت لمبا قصہ تھا۔ مختصر یوں سمجھ لو کہ ساگا نے ڈیرے وارنی کا ماہوار خرچہ باندھ دیا اور اس فلیٹ میں تماش بینوں کی آمد بند ہو گئی۔ سنا ہے کہ اس وقت سے ساگا روزانہ اپنا کچھ وقت اس لڑکی کے پاس گزارتا ہے۔ لڑکی کا نام نادیہ یا شازیہ ہے۔ آج کل کی خبر نہیں۔ سال بھر پہلے ساگا نے اسے گارڈن ایسٹ کے علاقے میں ایک کوٹھی خرید کر دی تھی۔ اگر وہ لڑکی اب بھی وہیں رہ رہی ہے تو وہاں ساگا ضرور مل سکے گا۔"
"اس کوٹھی کا پتا بھی چل جائے گا۔ تمہیں یہ باتیں کس نے بتائی تھیں؟"
"ڈیرے وارنی اور اس کی لڑکی کا قصہ مجھے معلوم تھا۔ کوٹھی والی بات چند مہینے پہلے کسی نے بتائی تھی۔ اس وقت یاد نہیں آرہا ...کہ یہ کس سے سنی تھی۔ تم کو اچانک ساگا کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے۔"
میں اس کے سامنے راس الیمیڈا کا نام لیتا تو پھر وہ اس کی پوری کہانی کریدتا چلا جاتا۔ میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہا "وہ بھی شی کے ہاتھوں بکا ہوا ہے مگر میں اسے مارنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس سے شی کے دوسرے اہم گرگوں کے بارے میں بہت سی کارآمد باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔"
"خوب!" سلمٰی کی چبھتی ہوئی آواز پر میں تیزی سے گھوما تو تینوں عورتیں جہانگیر کے کمرے کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھیں اور سلمٰی دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کہہ رہی تھی "مہمانوں کے کھانے کا بھی کچھ خیال ہے یا صبح تک یہی دَور چلتا رہے گا؟ معلوم ہوتا ہے کہ گھر کے بارے میں تم ہر ذمے داری سے مبرّا ہو۔"
جہانگیر ان تینوں کو دیکھتے ہی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا "اسکاچ تو وقت گزاری کا ایک بہانہ ہے ورنہ ہم دونوں ایک اہم موضوع پر بات کر رہے تھے۔"
"تم دونوں جب بھی کسی اہم موضوع پر بات کرتے ہو اس کے دو چار دن بعد ہی کوئی نہ کوئی مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے۔ خدا خیر کرے۔ پتا نہیں اب کیا ہونے والا ہے۔"
"بے فکر رہو' کچھ نہیں ہوگا۔ کھانے کے لیے جو چاہو' منگوا لو۔ یہ اپنے لوگ ہیں۔ کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔"
"اور پیسے کہاں سے لاؤں؟" سلمٰی نے دھیرے سے پوچھا۔
جہانگیر نے جیب سے چند بڑے نوٹ نکالے اور گنے بغیر سلمٰی کی طرف بڑھا دیے "یہ کم ہوں تو اور لے لینا۔"
سلمٰی' غزالہ کے ساتھ واپس لوٹ گئی۔ ویرا دروازے سے گزر کر اندر آگئی۔

"تم دونوں کس اہم موضوع پر گفتگو کر رہے تھے؟" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔
"پرنس ساگا کے بارے میں۔" میری کسی وضاحت سے پہلے جہانگیر بول پڑا۔
"یہ واقعی اہم موضوع تھا۔" وہ اپنے لہجے پر نادم ہو کر بولی۔ میں سمجھی کہ تم سلمیٰ کو گھس رہے ہو۔"
"بلاوجہ اپنی ٹانگ اڑانے کے بجائے ڈرائنگ روم میں بیٹھو اور ہمیں بات کرنے دو۔" میں نے ویرا کو گھور کر کہا۔ مجھے ڈر تھا کہ اس نے ساگا کے حوالے سے راس المیڈا کا ذکر چھیڑ دیا تو میرا جھوٹ کھل جائے گا۔
ویرا نے اپنا گلاس خالی کر کے میز پر رکھتے ہوئے کہا "اسے ایکسٹرا لارج کردو۔ یہ میرا آخری پیگ ہوگا۔ اس کے بعد ہم کھانے کی تیاری کریں گے۔ اس وقت تک تمہارے مذاکرات بھی مکمل ہو جائیں گے۔"
وہ اپنا گلاس لے کر لوٹ گئی تو میں نے جہانگیر سے پوچھا "ساگا پرنس کب سے ہوگیا؟"
"اس کے پاس پیسہ بہہ کر آیا تو لوگوں نے خود ہی اس کے نام کے ساتھ پرنس لگا دیا۔ اب وہ بھی خود کو پرنس ساگا کہہ کر متعارف کراتا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ انسان دوسروں کے دیئے ہوئے برے خطاب کو نظر انداز کردیتا ہے لیکن اچھے خطاب کو زبردستی اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔"
میرا ارادہ تھا کہ وہ گلاس ختم ہونے کے بعد میں جہانگیر کو مزید مے نوشی سے روک دوں گا۔ میرے ٹوکنے سے پہلے اس نے خود ہی اعلان کردیا کہ گھر میں مہمان خواتین کی موجودگی کی وجہ سے اس دور کو وہیں ختم کردے گا تاکہ کھانے کے بعد کچھ دیر کے لیے سب اکٹھے بیٹھ کر باتیں کر سکیں۔
میں جہانگیر سے ساگا کے بارے میں وہ اہم باتیں معلوم کر چکا تھا جن کے لیے میں نے اس ملاقات کا پروگرام بنایا تھا۔ ہم دونوں اپنے گلاسوں کی تلچھٹ صاف کر کے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔
سلمیٰ نے جہانگیر کو پورے ہوش و حواس کے ساتھ مہمان داری میں شریک ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنی خوشی کے اظہار پر قابو نہیں رکھ سکی اور بول اٹھی "مجھے یقین نہیں آرہا کہ آج انہوں نے خود ہاتھ روک لیا ہے۔ اس طرح شوق کریں تو میں کبھی بھی روک ٹوک نہ کروں۔ یہ ایک مرتبہ بیٹھتے ہیں تو پھر سلسلہ اسی وقت تھمتا ہے جب یہ مدہوش ہو جاتے ہیں۔"
"تم مجھے اپنے دوستوں میں بلاوجہ بدنام کر رہی ہو۔" جہانگیر نے مسکرا کر احتجاج کیا۔
"ان سے تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس شہر میں کوئی تو ایسا ہے جس کی رائے کی تم پروا کرتے ہو۔ تمہارے نزدیک میں تو کسی گنتی میں ہی نہیں ہوں۔"
"ارے، سلطان شاہ کہاں ہے؟ اسے تم اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے؟" جہانگیر کو پہلی بار اس کی غیر موجودگی کا احساس ہوا اور وہ چونک کر سوال کر بیٹھا۔
"وہ آج اپنی برادری کے لوگوں سے ملنے گیا ہوا ہے۔ ایک طویل جمود کے بعد آج ہم سب کو کوئی شام اپنی مرضی کے مطابق گزارنے کا موقع ملا ہے ورنہ ہم بھی تمہاری طرح بدترین دباؤ میں تھے۔" ویرا بولی۔
"چلو، کوئی حرج نہیں۔" جہانگیر بزرگانہ انداز میں بولا "مجھے خیال ہوا تھا کہ کہیں تم لوگ اسے اپنے فلیٹ کی چوکی داری کے لیے نہ چھوڑ آئے ہو۔ وہ بھی بہت سیدھا اور با اخلاق لڑکا ہے۔"
"فلیٹ کی دیکھ بھال کے لیے میں نے یہاں مامور آدمیوں میں سے ایک کو بھیج دیا ہے۔" میں نے سلمیٰ کو سنانے کے لیے کہا۔ "ویسے بھی یہ دونوں کل واپس چلے جائیں گے۔ اب ان کی یہاں کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے اور اوّل خان کو اپنے عملے میں آدمیوں کی کمی کا مسئلہ درپیش ہے۔"
"یہ اوّل خان کون ہے؟" سلمیٰ پوچھ بیٹھی "تم لوگوں کی زبانی اس کا نام سنتی رہتی ہوں، کبھی اس سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا...... بڑا عجیب سا نام ہے اس کا!"
"وہ خالص پٹھان ہے اور پٹھانوں میں ایسے نام اکثر ہوتے ہیں۔ ہر علاقے میں نام رکھنے کا ایک جداگانہ مزاج ہوتا ہے جو دوسروں کو عجیب معلوم ہوتا ہے۔" مجھے وضاحت کرنی پڑ گئی۔
مجھے توقع تھی کہ سلمیٰ ایس ٹی ایف کے دونوں آدمیوں کی واپسی کی مزاحمت کرے گی مگر اس نے ان کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ شاید اسے خدشہ تھا کہ اس نے اس موضوع پر زبان کھولی تو اس کے دل کا چور پکڑا جائے گا۔
اس وقت تک بازار سے کھانا نہیں آیا تھا۔ میں نے وقت گزاری کے لیے ویرا کی امریکا واپسی کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس خبر پر جہانگیر نے ایسے ردعمل کا اظہار کیا تھا جیسے ویرا اس کی قریبی عزیزہ رہی ہو اور یوں ایک مرتبہ پھر ویرا پر جرح کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

○☆○

اگلے دن کے متعدد اخبارات نے راس المیڈا کے بارے میں باتصویر خبریں یا فیچر شائع کیے تھے۔ بعض اخبارات نے اس فیچر کو قدرے مختصر کر کے سنسنی خیز سرخیوں کے ساتھ خبر کے انداز میں شائع کیا تھا۔ اخباری معمول کے مطابق باوثوق ذرائع کو اس اہم ترین خبر کا ذمے دار قرار دیا گیا تھا۔ دوسرے اخبارات نے کئی تصاویر کے ساتھ اس فیچر کو خوب پھیلا کر شائع کیا تھا۔
ہر اخبار کا بنیادی مواد کم و بیش وہی تھا جو میں نے اوّل خان کے مشورے سے منتخب کیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ خبریں ملک کے ان ذمے دار حلقوں میں ہلچل مچا دیں گی جو ایسے مسائل کی دیکھ بھال کے ذمے دار ہوتے ہوئے بھی ملک میں راس المیڈا کی

موجودگی سے بے خبر تھے۔

اخبارات میں وی آئی پی لاؤنج میں ایک غیر ملکی سفارتی اہل کار پر دل کا شدید دورہ پڑنے اور پھر اسے اسپتال منتقل کرنے کی چھوٹی سی خبر بھی موجود تھی۔ اس کے متن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اخبار والوں کو اس سنگین واقعے کے پس منظر کی بھنک بھی نہیں مل سکی تھی۔ شاید کرنل رحمٰن نے بھی سفارتی پیچیدگیوں کی بنا پر اس غیر معمولی واقعے پر لب کشائی نہیں کی تھی۔

وہ سب راس المیڈا کو گھیرنے کی پیش بندیاں تھیں۔

○☆○

مگر میں منصوبہ بندیوں کے بجائے اس کے نرخرے کو اپنی گرفت میں دیکھنے کا خواہاں تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ ساگا پر ہاتھ ڈال کر ہی راس المیڈا کو اچانک پکڑنا ممکن تھا۔ دوسری پُرشکوہ کارروائیاں اسے زیر نہیں کر سکتی تھیں۔

غزالہ نے میرے لیے ناشتا تیار کیا اور میں اپنی شکم پری کے بعد گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ اس وقت تک ویرا نیند سے بیدار ہوئی تھی نہ سلطان شاہ اپنی خواب گاہ سے باہر آیا تھا۔

میرے لیے کراچی وہ غریب پرور شہر تھا جس نے مجھے پروان چڑھایا تھا۔ لاہور کی سرزمین میری جنم بھومی تھی۔ اپنی زندگی کے سفر میں ہزاروں نرم گرم راستوں پر سفر کرنے کے باوجود میں وہ دن نہیں بھولا تھا جب میری بیوہ ماں کی موت کے بعد سوتیلی ماں اور بھائیوں نے میرے اوپر آبائی گھر کے دروازے بند کر دیے تھے۔

بھوک' پیاس اور ماں کی موت کے صدمے سے نڈھال' میں لاہور کی سڑکوں اور گلیوں پر نہ جانے کب تک چلتا ہی رہا لیکن کسی نے میرا دکھ بانٹنے کی کوشش نہیں کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میرے سارے ہمدردوں کو موت کی کوئی بھیانک آندھی نگل گئی ہو۔ جب میری آنکھوں پر چھائی ہوئی دھند چھٹی تو میں نور جہاں کے حسرت ناک مدفن کے قریب' کچے جوہڑ میں نہاتی ہوئی بھینسوں کے قریب بیٹھا اپنی تقدیر پر نوحہ خواں تھا۔

اپنی مٹی سے میرا دل اچاٹ ہو گیا اور میں کراچی چلا آیا۔ اس پُرشکوہ اور روشنیوں میں نہائے ہوئے شہر میں مَیں ایک غریب الوطن لڑکا تھا جسے دو وقت کی روٹی میسر تھی نہ سر چھپانے کے لیے سایہ دستیاب تھا مگر شہر بہت مہربان تھا۔ میری روزی کے وسیلے پیدا ہو گئے' مجھے قابلِ رشک ٹھکانے میسر آ گئے۔ کراچی وہی شہر تھا جس نے یتیم و اسیر تنویر علی کو ڈیتھ کے مضبوط اور فولادی قالب میں ڈھال دیا تھا۔

شہر نے اپنا حق ادا کر دیا تھا لیکن میں اپنا حق ادا نہیں کر سکا تھا۔ چاروں طرف پھیلتے ہوئے اس انسانی جنگل کے بے شمار حصے ایسے تھے جو میں نے دیکھے ہی نہیں تھے۔

جب میں لاہور میں تھا تو کراچی کے حسن کے ساتھ اس کے بازارِ حسن کے بارے میں بہت کچھ سوچا کرتا تھا۔ میرے دل میں اس بازار کے پھیرے لگانے اور دل فریب مومی پیکروں کے مول چکانے کی بے شمار تشنہ خواہشیں ابھرتی رہتی تھیں لیکن کراچی کے دامن میں پناہ لینے کے بعد میرے وہ سارے خواب میرے ذہن سے محو ہو گئے۔ مشینی شہر میں دو روٹیوں کی امید بندھتے ہی میں بھی ایک مشینی پرزہ بن گیا۔

اس وقت مجھے خود حیرت ہو رہی تھی کہ غزالہ سے محبت کی داغ بیل پڑنے سے پہلے میں نے تجرد' خود مختاری اور آوارہ گردی کا ایک طویل دور اسی شہر میں گزارا تھا لیکن میں نے کراچی کے بازارِ حسن کی صورت تک نہیں دیکھی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ میں جو کچھ چاہتا تھا' وہ مجھے گھر بیٹھے مل جاتا تھا۔ کنواں پیاسوں کی تلاش میں مارا مارا پھرنے لگے تو بھلا پیاسوں کو کنوئیں کے پاس آنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔

اس بازار کے بارے میں میری ساری معلومات سنی سنائی باتوں پر مشتمل تھیں۔ وہ معلومات اتنی کافی تھیں کہ میں کسی دشواری کے بغیر وہاں پہنچ سکتا تھا۔ پرنس ساگا کا سراغ لگانے کے لیے میرا وہاں پہنچنا ناگزیر ہو چکا تھا کیوں کہ ڈیرے دارنی وہیں سے اٹھ کر شہر کی کسی کوٹھی میں منتقل ہوئی تھی۔

کلفٹن سے نکل کر میں عبداللہ ہارون روڈ پر سیدھا ہی بڑھتا رہا پھر بمبینو سینما والے راستے سے ایم اے جناح روڈ عبور کر کے گارڈن روڈ پر ہولیا۔ مجھے اتنا معلوم تھا کہ میں ایک بار نشتر روڈ پر بائیں جانب مڑ جاؤں تو وہ سڑک مجھے میری منزل پر پہنچا دے گی۔

نشتر روڈ بالکل سیدھا چلتا ہوا اچانک ہی نیپئر روڈ سے مل کر ختم ہو جاتا تھا۔ اس علاقے کا نام عرفِ عام میں نیپئر روڈ ہی چل رہا تھا حالاں کہ برسوں پہلے اس سڑک کا نام تبدیل کیا جا چکا تھا۔

وہ قدیم کراچی کا اہم ترین حصہ اور دل تھا۔ میں نے سنا تھا کہ پان منڈی' مین منڈی' کیمیکل مارکیٹ اور جوڑیا بازار جیسے متعدد اہم کاروباری مراکز ابتدا ہی سے اس علاقے میں مرتکز تھے اور شاید یہی وجہ تھی کہ ناچنے اور گانے والیوں نے دور دور سے آنے والے تاجروں کے اسی مرکز میں اپنے قدم جمائے تھے۔

وہاں ایک دوسرے سے لگ کر متعدد قطاروں میں رینگتی ہوئی گاڑیوں کے درمیان پارکنگ کی جگہ تلاش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔ سسک سسک کر آگے بڑھتی ہوئی گاڑیوں کے کان پھاڑ دینے والے شور اور کثیف دھوئیں نے فضا کو بوجھل بنایا ہوا تھا۔ میرے لیے ٹریفک کی رو کے ساتھ چلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد مجھے کورٹ والی سڑک پر جو پہلی جگہ نظر آئی' میں نے گاڑی وہیں لگا دی۔

گاڑی پارک کرنے کے بعد میں نے پان منڈی سے گزرتے ہوئے ایک تھوک فروش سے بلبل ہزار داستان بلڈنگ کے بارے میں پوچھا تو وہ پان کے سوکھے ٹوکروں پر پانی کا تکڑا چھینٹا لگانے کا شغل ترک کر کے مجھے یوں گھورنے لگا جیسے میں نے اس کی شان

میں کوئی براہِ راست گستاخی کر ڈالی ہو۔

"پردیسی معلوم ہوتے ہو!" اس نے الفاظ چبا چبا کر استہزائیہ لہجے میں کہا۔

مزید تضحیک سے بچنے کے لیے اس کے سوال کا جواب اثبات میں دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے بے پروائی سے کہا۔ "ہاں۔ لاہور سے آیا ہوں۔"

وہ آگے جھک کر دھیمی آواز میں بولا "سورج نکلنے سے پہلے وہاں کی رونقیں اجڑ جاتی ہیں۔ شوقینی کرنی ہے تو جھٹپٹے کے وقت آنا۔ ہر دیگ چولھے پر چڑھی' تیار رکھی ہوتی ہے۔"

میرا خون کھول اٹھا۔ وہ مجھے کوئی اوباش پردیسی سمجھ بیٹھا تھا۔ میں نے بھنا کر کہا "شوقینی کے لیے لاہور کی ہیرا منڈی بہت بڑی ہے...... مجھے اس بلڈنگ کے پاس کسی سے ملنا ہے۔"

اسے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا "سینما کے نکڑ سے بائیں طرف چلے جاؤ۔ کونے پر دائیں طرف دیکھو گے تو وہ بلڈنگ نظر آجائے گی۔"

میں نے غصہ تھوک کر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل دیا۔

بلڈنگ دیکھ لینے کے باوجود میں وہاں نہیں رکا۔ وہاں دودھ لسی' مٹھائی' کباب تکے اور دوسری اشیائے خورونوش کی بہت سی چھوٹی چھوٹی اور بجی سجائی دکانیں تھیں۔ پان والوں کے کیبن اس سے زیادہ آراستہ تھے لیکن سب ٹھنڈے پڑے ہوئے تھے۔ قرب وجوار کی بلڈنگوں میں کھڑکیوں اور چوباروں پر چلمنیں اور چقیں گری ہوئی تھیں۔ فٹ پاتھوں پر سیکڑوں کا ریلا چل رہا تھا لیکن رونق مفقود تھی۔ سب کچھ اجڑا اجڑا نظر آرہا تھا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ دشمن کی فوجیں اجالا نمودار ہونے سے پہلے آس پاس کی گلیوں کو تاراج کر کے جا چکی تھیں۔

تنگ اور پراسرار گلیوں میں مردانگی سے عاری مشٹنڈے مرد جا بہ جا تھڑوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے بشروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ عورتوں کی کمائیوں پر پل کر پھل پھول رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ ان گلیوں میں کچھ شرفا بھی پھنسے ہوئے تھے۔ تین اور چار منزلہ عمارتوں میں ایسے گھر اپنے رکھ رکھاؤ سے دور ہی سے پہچانے جا رہے تھے۔ حسن و شباب کی منڈی سجا کر سرِشام طبلوں پر تھاپ دینے والے سوداگروں کے اڈوں پر بھانت بھانت کی چلمنیں اور چقیں اپنی بے نوری سے چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھیں کہ ہماری رونق دیکھنی ہو تو اجالا کاٹ کر اندھیرے میں آؤ۔

اس پورے علاقے میں تنگ چائے خانوں کی بہتات تھی۔ ان میں چار چھ افراد سے زیادہ نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ شاید رات کو دکانیں بند ہو جانے کے بعد وہ اپنی میز کرسیوں سے پوری گلیاں گھیر کر کام چلاتے تھے۔

دوسرے چکر میں مجھے نیپئر روڈ کے ایک چائے خانے میں گنجائش نظر آئی اور میں اندر گھس گیا۔

مجھ سے پہلے تین افراد وہاں موجود تھے۔ وہ تینوں ہی اپنی پھٹکار زدہ صورتوں سے اس علاقے کے باسی اور دلال نظر آرہے تھے۔ تینوں نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے کو اشارے کرنے لگے۔ میں ان کی وہ حرکتیں دیکھ لینے کے باوجود انجان بن کر سگریٹ کے کش لیتا رہا۔

ایک بڑے برتن میں چائے کو مسلسل کھولانے والے نے میرا آرڈر پوچھا تو میں نے اچانک ان تینوں سے پوچھا "تم لوگ چائے پیو گے میرے ساتھ؟"

"واہ جوان! تو تو بڑا سخی معلوم ہوتا ہے۔" ان میں سے ایک ہنس کر بولا "ہم سخی کا مال کبھی نہیں چھوڑتے۔ منگوا لے چار دودھ پتی...... مزہ آجائے گا...... اس ٹھیے کی رسیلی چائے بڑے بڑے کوٹھوں پر جاتی ہے۔"

ان تینوں نے اپنی میلی اور شکستہ کرسیاں یوں گھمائیں کہ ہم چاروں ہی اکلوتی بوسیدہ میز کے گرد یک جا ہو گئے۔

"تپتی دھوپ میں ان گلیوں میں کیوں دھکے کھاتے پھر رہے ہو؟" دوسرے نے بے تکلفی سے مجھ سے پوچھا "یہ رات کو دیکھنے کی جگہ ہوتی ہے۔ جیب میں مال ہے تو رات کو یہیں آجانا۔ میرا نام فخرو ہے۔ ایسی ایسی لڑکیاں دکھاؤں گا کہ تمہاری طبیعت خوش ہو جائے گی۔"

"اس وقت کوئی بندوبست نہیں ہو سکتا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دھیمے سے پوچھا۔

وہ میری تیز نظروں کی تاب نہ لا سکا' سر جھکا کر ہنس دیا اور بولا "مزہ نہیں آئے گا۔ رات بھر کی سہاگنیں اس وقت اجڑی ہوئی بیواؤں کی طرح سر جھاڑ منہ پہاڑ سو رہی ہوں گی۔ حرام زادیاں نئے گاہک کے لیے دن میں بہت نخرے دکھاتی ہیں۔ تم چاہو تو ایک دو گھر جھانک لیتے ہیں......"

"میں گھر بھول گیا ہوں...... کئی برس پہلے آیا تھا اور نئے میں تھا۔" میں نے موقع مناسب دیکھ کر الجھے الجھے انداز میں اپنی بات چھیڑ دی "وہ کوئی ڈیرے دارنی تھی۔ میں اسی کا گھر ڈھونڈ رہا ہوں۔ اس کی لڑکی لاکھوں میں ایک تھی۔ تم مجھے اس سے ملوا سکتے ہو؟"

تینوں کے چہروں پر سنجیدگی پھیل گئی۔ فخرو بولا "تو یوں کہو کہ پرانے ڈسے ہوئے ہو۔ وہ چھوکری واقعی بازار کی جان تھی مگر اب وہ یہاں نہیں ہے۔ ڈیرے دارنی زمرد بن کر یہاں سے جا چکی ہے۔"

"اس کا پتا بتا دو۔" میں نے جھجکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "میں اس کی ایک جھلک دیکھنی چاہتا ہوں۔ اس نے بلا لیا تو مل لوں گا۔ نظریں پھیر لیں تو اس کی تصویر دل میں بسا کر لوٹ جاؤں گا۔"

"بے' چھمیا باجی آج کل ایک بہت بڑے آدمی کی رکھیل
ہے اور اپنی ماں کے ساتھ کوٹھے کے بجائے بہت بڑی کوٹھی میں
رہتی ہے۔" دوسرا شخص کہنے لگا "کوٹھے والیاں جب کوٹھیوں میں
ں جاتی ہیں تو بڑے بڑے ان کی صورت دیکھنے کو ترس جاتے ہیں۔
جیسے کو تو اس کا کوئی نوکر ہی پھاٹک سے بھگا دے گا۔"

"وہ میری قسمت ہوگی۔" میں نے کسی الم زدہ عاشق کی طرح
ہا "ہو سکے تو تم اس کا پتا بتا دو۔ میں تمہیں سو روپے دوں گا۔
چھمیا نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں جب بھی کراچی آؤں گا' اس
ے ضرور ملوں گا۔"

فخرو اس طرح ہنس دیا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو
ناصحانہ لہجے میں بولا "اپنے سو روپے برباد کرنے کے بجائے اس
ں دو سو اور ملا لو تو شام کو میں تمہیں ایسی آفت سے ملاؤں گا کہ تم
چھمیا کو بھول جاؤ گے......... یہاں کی ساری لڑکیاں اپنے گاہکوں کو
ھانے کے لیے ایسی باتیں کرتی ہیں۔ یہی سب سنتے سنتے ہمارے
ں سفید ہو رہے ہیں۔ گاہک سے وعدے لینا اور اس کے ساتھ
ل نکلنے کے وعدے کرنا اس بازار کا چلن ہے۔ تم شریف
ے معلوم ہوتے ہو۔ چھمیا کا خیال چھوڑ دو۔ ان چکروں میں
پڑو۔ پرنس ساگا کو بھنک بھی مل گئی کہ تم اس کی رکھیل پر نگاہ
کھتے ہو تو پتا بھی نہیں چلے گا کہ تمہیں زمین کھا گئی یا آسمان نگل
یا۔ وہ بہت ٹیڑھا آدمی ہے۔"

"مجھے اس کا پتا دے دو۔" میں نے التجا کی "چلو' میں تمہیں
ت میں دو سو دے دوں گا۔"

"باؤ! ہم تین ہیں۔" تیسرے نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے
ہانہ لہجے میں کہا "سو روپے کی پتی تو ملنی ہی چاہیے ہر ایک کو۔
سو روپے دو تو میں ابھی زمرد اور چھمیا کا پتا لائے دیتا ہوں۔"

"تین سو بہت ہیں۔" میں نے مصنوعی احتجاج کیا "فخرو تین سو
سالم لڑکی دلوانے کی بات کر رہا ہے اور تم صرف پتے کے تین سو
ے رہے ہو۔ کچھ تو انصاف سے کام لو!"

"کونڈیا تھوڑی دیر کے لیے ملتی ہے' پتا عمر بھر کے لیے تمہارا
ائے گا۔ تین سے ایک روپیہ کم نہ زیادہ۔ منظور ہے تو بات کرو
ہ جائے کے پیسے دے کر چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

"تین سو ٹھیک ہیں۔" فخرو نے اپنے لالچی ساتھی کی وکالت کی۔
نہیں معلوم کہ یہ کتنا خطرناک کام ہے۔ پرنس ساگا کو پتا چل
کہ چھمیا کے پرانے عاشقوں کو اس کا نیا پتا بتاتے پھر رہے
تو وہ ہمارے ہاتھ پیر توڑ ڈالے گا۔ وہ شہر کا بہت بڑا اور رجی دار
اش ہے۔ ہمیں مار پڑی تو ہمارے دلوں کو یہ تسلی تو رہے گی کہ
فت میں نہیں پٹے۔ ہم تم سے تین سو روپے نہیں' یہ سمجھو کہ
ے کی تین بوتلیں مانگ رہے ہیں۔ بندہ نشہ پانی کر کے بوسکی کا
ا اور لٹھے کی کلف لگی ہوئی شلوار پہن کر شام کو گاہکوں سے
کرے تو وہ رعب کھا جاتے ہیں۔ مول تول نہیں کرتے۔ پتے

کے لیے نہیں تو ہمارے اچھے دھندے کے لیے ہی تین سو دے
دو۔"

میں پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا کہ تین سو میں بھی وہ سودا منگا نہیں
تھا۔ اگر میں کسی حیل و حجت کے بغیر ان کی شرط مان لیتا تو وہ میری
طرف سے شک و شبے میں مبتلا ہو سکتے تھے۔ باتوں باتوں میں انہوں
نے خود ہی اگل دیا تھا کہ ساگا اپنی محبوبہ کے نئے ٹھکانے کی تشہیر
پسند نہیں کرتا تھا اور ایسا کرنے والوں کے خلاف تشدد پر بھی اتر
سکتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ دال میں کالا محسوس کر کے پتا بتانے
سے انکاری ہو جاتے۔

اس وقت میرے ذہن میں دو باتیں کھٹک رہی تھیں۔ جہانگیر
نے مجھے بتایا تھا کہ پرنس ساگا کی محبوبہ کا نام نازیہ یا شازیہ تھا جب
کہ ان لوگوں نے دوران گفتگو اسے چھمیا باجی کے نام سے یاد کیا
تھا۔ مجھے تسلی اس بات سے تھی کہ لڑکی کے اصل نام اور عرفیت
میں ابہام ہونے کے باوجود یہ طے ہو چکا تھا کہ وہی پرنس ساگا کی
محبوبہ تھی۔ لڑکی کوئی بھی ہوتی' مجھے اس سے غرض نہیں تھی۔ میں
اس کے ذریعے ساگا پر ہاتھ ڈالنا چاہتا تھا۔

دوسری اور تشویش ناک بات ان گماشتوں کی نیت کے
بارے میں تھی۔ وہ مجھے کوئی بھی فرضی پتا دے کر تین سو روپے
اینٹھتے اور رفو چکر ہو جاتے۔ ان جیسے بے ضمیر' بدکردار اور لالچی
لوگوں سے ہر بات کی توقع کی جا سکتی تھی۔ اس بارے میں واحد نکتہ
یہ تھا کہ اس پتے میں گارڈن ایسٹ کے علاقے کی نشان دہی ہوتی تو
ان پر اعتبار کیا جا سکتا تھا۔ پچھلی رات یہ بات بھی جہانگیر نے مجھے
بتائی تھی۔

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم مجھے غلط پتا نہیں دو گے؟"
میں نے سوال کیا۔

"باؤ! ہم بے ایمان نہیں' عزت دار لوگ ہیں۔" ان کے
حریص ساتھی نے بھڑک کر ایک مضحکہ خیز دعویٰ کیا "تیرے تین سو
روپے کے لیے اپنا ایمان نہیں بیچیں گے۔"

اس نے جس روانی سے وہ فقرے ادا کیے تھے اس کی بنا پر میں
نے سمجھ لیا کہ جسم و آبرو کے سودوں میں عزت و ایمان کا فراخ
دلانہ استعمال بھی شاید اس بازار کی روایات میں شامل تھا ورنہ
کہاں عزت و ایمان اور کہاں وہ رند ہائے خرابات جو اپنی روزی
بھی گندی نالیوں میں سے چن چن کر اٹھاتے تھے۔

"بس' میرے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" میں نے
ہاتھ اٹھا کر بات ختم کر دی۔

"نکالو ایک نوٹ کا بیعانہ۔ میں پتا لے کر آتا ہوں۔" عزت
و ایمان کے دعوے دار نے ہاتھ پھیلا دیا۔

"پتا لے آؤ۔ میں تمہارے آدمیوں کے ساتھ بیٹھا ہوں'
کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔ اکٹھے پیسے دے دوں گا۔"

"اسے سو روپے دے دو۔" فخرو نے بہت بے غیرتی سے مجھے

مشورہ دیا "اسے بھی پتا مفت نہیں مل جائے گا۔ کسی کو سو پچاس دینے دلانے پڑیں گے۔ یہاں بیعانے کے بغیر کوئی سودا نہیں ہوتا۔"

وہ دروغ گو سو پچاس روپے کے خرچ کا ذکر کرتے ہوئے بھول گیا تھا کہ چند لمحوں پہلے ہی وہ دونوں سو روپے فی کس معاوضے کی بات کر رہے تھے اور اسی پر معاملہ طے ہوا تھا۔

میں نے خاموشی سے سو روپے کا ایک نوٹ دے دیا۔ وہ پورے سودے کا بیعانہ تھا اور آخر کار اسے کل رقم میں سے منہا ہو جانا تھا۔ اگر وہ ہیر پھیر کر کے مزید سو روپے ہتھیا بھی لیتے تو میں اس کے لیے تیار تھا۔

عزت داری کا دعویٰ کرنے والا نوٹ اپنی جیب میں رکھ کر چائے خانے سے اترا اور تیزی سے ایک طرف غائب ہو گیا۔ فخرو نے پوچھے بغیر میرے پیکٹ سے ایک سگریٹ نکال کر سلگالی۔

"تم تینوں ایک ہی گھر میں رہتے ہو؟" خاموشی سے بیٹھ کر بے زار ہونے کے بجائے میں نے بات چیت کو ترجیح دیتے ہوئے فخرو سے پوچھا "تم تینوں کی عادتیں بڑی حد تک ملتی جلتی ہیں۔"

"ہم صرف دوست ہیں اور باہر ملتے جلتے رہتے ہیں ورنہ ہمارے الگ الگ کاروبار ہیں۔"

مجھے گمان ہوا کہ آڑ اور دنیا دکھاوے کے لیے شاید وہ کوئی کاروبار بھی کرتے ہوں۔ اسی گمان کے تحت میں بے ساختہ سوال کر بیٹھا "کاروبار؟ تم لوگ کس چیز کا کاروبار کرتے ہو؟"

وہ بے ڈھنگے پن سے ہنس پڑا اور اسی ہنسی کے دوران بولا۔ "بھولے بادشاہو! تمہارا وہی حساب ہے کہ ساری رات یوسف زلیخا کی کہانی سنتے رہے اور صبح پوچھتے ہو کہ زلیخا مرد تھی یا عورت تھا۔ اتنی باتیں ہوئی ہیں' لڑکیوں کے بھاؤ تک بتادیے ہیں اور تم کاروبار پوچھ رہے ہو۔ یہاں اور کیا کاروبار ہو سکتا ہے؟"

"پیٹ بڑا بدکار ہے بابا' پیٹ بڑا بدکار۔" میرے ذہن کے کسی گوشے میں آدم کے بانکے بیٹے اور حوا کی سُندر بیٹی کے بارے میں جوش کے کہے ہوئے اشعار کا وہ مصرع گونجا۔ اس وقت فخرو اس کی مکمل تعبیر بنا ہوا تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے اعتراف کیا "میری بھول تھی کہ میں نے وہ سوال پوچھا۔ دلدل میں گلاب اگتا کس نے دیکھا ہے؟ وہاں تو کنول کے پھول ہی کھل سکتے ہیں۔ سب کچھ جانتے ہوئے مجھے وہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔" اس کی آواز بے ملال تھی "ہم جو کرتے ہیں' وہ کرتے ہیں۔ شام کو دیکھا کرو کہ کیسے کیسے شریف اور رئیس زادے چمکتی ہوئی گاڑیوں میں یہاں آکر ہماری خوشامدیں کرتے ہیں کہ فلاں سے ملوادو' فلاں کو بھیج دو۔ ہم محنت کرتے ہیں اور اپنی روزی کماتے ہیں۔"

"بالا خانوں سے اتر اتر کر شہر کی کوٹھیوں میں بس جانے والیوں کی وجہ سے یہاں کی رونقوں کو دھچکا تو ضرور لگا ہوگا؟" میں نے پوچھا "یہاں کی ہر چھمیا کسی ساگا کا انتظار کرتی رہتی ہوگی۔"

"بہت فرق پڑا ہے۔" اس نے میری تائید کی "یہ کھلا ہے' وہاں بند دروازوں کے پیچھے سارے قصے طے ہو جاتے ہیں یہ یاد رکھو کہ جہاں مال ہوگا' وہاں خریدار ضرور آئے گا۔ اللہ کا روزی رساں ہے۔ ایک زمرد جو خود غرض نکل گئی تو کیا فرق ہے۔ یہاں سے جانے والی ہر لڑکی اپنے ساتھ دس پانچ کو ماموں' خالہ' پھوپی بنا کر لے جاتی ہے۔ طبلہ' ہارمونیم اور ... بجانے والے ان رشتوں کے سہارے بڑے سکھی رہتے ہیں۔ ناچنے والیاں باہر نکل کر بڑے بڑوں کو اپنے اشاروں پر نچاتی ... ان کی اولادیں ہماری طرح زبوں اور خوار نہیں ہوں گی۔ ... اپنی کہانیاں گھڑ کر عزت دار گھرانوں میں رشتے داریاں کر لیں اور کھپ جائیں گے۔"

فخرو بہ ظاہر جاہل تھا لیکن اس کی باتیں واقعی فکر انگیز تھیں۔ شہروں میں بسنے والے بہت تیزی سے اپنی ہر شناخت کھو کر دولت کے اسیر ہوتے جا رہے تھے۔ پچھلی رات جہانگیر کے گھر یہ معاملہ اٹھا تھا لیکن وہاں اس کی نوعیت محدود تھی۔ جہانگیر پڑوسیوں کی گوشہ نشینی سے نالاں تھا۔ فخرو جو کچھ کہہ رہا تھا وہ سنگین تھا۔ اس کی برادری شہر میں پھیل رہی تھی۔ گناہ کی کوکھ ... جنم لینے والے شبستانوں میں پروان چڑھ رہے تھے' اعلیٰ ... حاصل کر رہے تھے اور پھر انہیں اپنے گردوپیش میں ضم ہو جانا ...

"تمہارے ساتھیوں کے نام کیا ہیں؟" سوچوں کی یلغار ... نجات پانے کے لیے میں نے ہڑبڑا کے پوچھا۔

"یہ جوی ہے۔ جو پتا لینے گیا ہے اس کا نام علم دین ہے۔ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"پھر کیا پوچھوں؟ میرے لیے خاموش رہ کر انتظار کرنا مشکل کام ہے۔"

"اور باتیں کرو۔ باتیں کرنے کے لیے پوری دنیا پڑی ہے۔" وہ ہنس کے بولا۔

"یہ بتاؤ کہ چھمیا کا اصل نام کیا ہے؟" میں نے اشتیاق ... لہجے میں پوچھا۔

"اصل نام......؟" وہ سوچتے ہوئے بولا "مجھے یاد پڑتا ہے ... ڈیرے دارنی نے اس کا نام شازیہ رکھا تھا مگر وہ پیار سے اسے ... چھمیا کہتی تھی۔ پورے بازار میں بہت کم لوگوں کو اس کا اصل ... معلوم ہوگا۔"

"اور تیرا نام کیا ہے؟" جوی نے مٹھی بند کر کے سگریٹ ... ایک کش لینے کے بعد پوچھا۔

"عبدالودود۔" میں نے بلا سوچے سمجھے کہہ دیا۔

"ہد ہد!" جوی بہت زور سے ہنس پڑا۔ فخرو بھی اس بے ساختہ ... مذاق پر اپنا قہقہہ نہیں روک سکا اور وہ دونوں دیر تک ہنستے ... گئے۔ میں خاموش بیٹھا پُرتشویش نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔

ہنسی تھمی تو جوی نے پھر ہدہد کہا اور دونوں دوبارہ ہنس پڑے۔
"تمہارے ماں باپ کو کوئی اور نام نہیں ملا تھا رکھنے کے لیے؟" ہنسی رکنے کے بعد فخرو نے پوچھا۔
"نہیں پتا ہوتا کہ تم اچھے خاصے نام کو ہدہد بنا دو گے تو ضرور کوئی دوسرا نام سوچتے..... علم دین کو گئے ہوئے بہت دیر ہو گئی۔ وہ کب تک واپس آئے گا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔
"بس ٹھو کر گلی کے نکڑ تک گیا ہے۔ آتا ہی ہو گا" جوی نے یہ کہتے ہوئے اپنی کرسی چھوڑ دی "تم دونوں گپیں لڑاؤ۔ میں اسے دیکھ کر آتا ہوں۔ کہیں اسے راستے میں کسی نے روک نہ لیا ہو۔"
میں سوچ میں پڑ گیا۔ چھمیا یا شازیہ کا پتا معلوم کرنے میں اتنی ناخیر غیر معمولی تھی۔
نچلے طبقوں کی یہ اجتماعی نفسیات ہوتی ہے کہ ان میں سے کوئی ابھر کر اوپر جاتا ہے تو ہر شخص اس سے اپنا قریبی تعلق جتانے میں فخر محسوس کرتا ہے اور اس تعلق کو ثابت کرنے کے لیے اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ باخبر رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ میری دانست میں وہاں کے ہر شخص کو چھمیا اور زمرد کا پتا زبانی یاد ہونا چاہیے تھا۔ اگر انہوں نے مجھے اسامی سمجھ کر پتا نہ بتانے کا ارادہ کرلیا تھا تو دوسری بات تھی۔
"تم کیا سوچ رہے ہو؟" مجھے خاموش پا کر فخرو نے ٹوکا۔ وہ مجھے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
"کہیں علم دین کو کوئی حادثہ پیش نہ آگیا ہو" میں نے مختصری کرسی میں پہلو بدل کر کہا۔
"یہاں رہنے والے سب لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ حادثہ ہوا ہوتا تو اب تک خبر آچکی ہوتی۔"
"مجھے دیر ہو رہی ہے۔ وہ پتا لے آئے تو تم رکھ لینا۔ میں کسی وقت آکر لے لوں گا۔"
"تو کیا تم جا رہے ہو؟" اس نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔
"ہاں! میں نے کسی کو وقت دیا ہوا ہے۔ میرا وہاں پہنچنا بہت ضروری ہے۔"
"کمال ہے" اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا "میں تو سمجھ رہا تھا کہ چھمیا کے عشق نے تمہاری کھوپڑی الٹ دی ہے اور تم اس سے ملنے کے لیے دنیا کے ہر کام کو پیچھے ڈال سکتے ہو۔"
اس نے میری دکھتی رگ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ میں نے کرسی چھوڑنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ اس وقت میرے چلے جانے سے میری کہانی کمزور پڑ سکتی تھی۔ وہ تینوں سمجھ لیتے کہ چھمیا کا عشق محض ایک بہانہ تھا ورنہ میں اس کا پتا حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ میری اس کوشش یا خواہش کو وہ تینوں اپنی مرضی کا کوئی بھی رخ دے سکتے تھے۔
"تم اندازہ نہیں کرسکتے کہ چھمیا کے وجود میں قدرت نے کیسا جادو چھپایا ہوا ہے۔ تمہیں معلوم ہی ہے کہ اس بازار میں چند گھنٹوں کی دوستیاں خریدی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ گزارے ہوئے چند گھنٹے برسوں سے میری زندگی کا اثاثہ بنے ہوئے ہیں۔ میں جب سے کراچی آیا ہوں، اس سے ملنے کے لیے تڑپ رہا ہوں۔"
"سچ پوچھو تو ایک بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی" فخرو کے الفاظ نے مجھے چوکنا کردیا۔
"ایک نہیں، بہت سی باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آسکیں گی کیونکہ تم اسے چھمیا باجی کہتے ہو" میں نے اس کی کہی ہوئی بات کا وزن کم کرنے کی نیت سے کہا "باجی اور محبوبہ کے رشتے میں بہت فرق ہوتا ہے۔"
"میں دوسری بات کہہ رہا تھا۔ تمہیں اس سے عشق ہو گیا تھا تو تم اتنے سالوں سے کہاں تھے؟"
"اپنے مقدر کا لکھا جھیل رہا تھا" میں نے روایتی عاشقوں والے لب و لہجے میں کہا "میری کھوئی کھوئی سی حالت دیکھ کر میرے گھر والوں نے مجھے شادی کے بندھن میں جکڑ دیا تھا۔ میں بیوی کو چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتا تھا۔ رشتے داروں کے گندے طعنے میرے گھر والوں کی زندگی اجیرن کردیتے۔ موقع ملا تو میں یہاں آگیا اور اب میرا عہد ہے کہ چھمیا سے ایک فیصلہ کن ملاقات کیے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"
"لیکن تم تو چند منٹ پہلے ہی جا رہے تھے۔ میں نہ روکتا تو اس وقت تم نہ جانے کہاں ہوتے۔"
"میں ہمیشہ کے لیے نہیں جا رہا تھا۔ پتا لینے کے لیے کل پھر لوٹ آتا۔"
"وہ کون ہے جو تمہارے لیے چھمیا سے بھی زیادہ اہم ہے؟" اس نے متجسس لہجے میں پوچھا۔
"وہ الو کا پٹھا ہے" میں نے ایک عذر ذہن میں آتے ہی تلخی سے کہا "چھمیا کے مقابلے میں اس کی پرکاہ سے زیادہ اہمیت نہیں ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مجھے اس سے ایک بڑی رقم لینی ہے۔ آج کل دو چار سو روپے تو فقیر بھی لیے پھرتے ہیں۔ اہمیت بڑی رقم کی ہوتی ہے۔ جیب خالی ہو تو چھمیا جیسی ریشمیں اور ملائم محبوبہ سے ملنے کا سارا لطف غارت ہو جاتا ہے۔"
"بات تو تم ٹھیک ہی کہتے ہو" وہ بائیں آنکھ دبا کر بولا "لمبی رقم کا معاملہ ہے تو وقت ضائع مت کرو۔ علم دین بہت ندیدا شرابی ہے۔ مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ وہ سو کا نوٹ لے کر سیدھا شراب خانے چلا گیا ہو گا اور اب اس وقت تک یہاں نظر نہیں آئے گا جب تک بوتل خالی کرکے غل غپاڑہ مچانے پر نہ اتر آئے۔"
"اسے وہ نوٹ تم ہی نے دلوایا تھا" میں نے ملامت آمیز لہجے میں شکوہ کیا۔
"بس، آدمی سے غلطی ہو ہی جاتی ہے" وہ اپنے فیصلے پر شرمندہ تھا "اس وقت تک تم سے اتنی باتیں نہیں ہوئی تھیں۔ میں نے

سوچا تھا کہ ساری نہیں تو تھوڑی رقم ہی پکڑ لی جائے۔"

"پھر میں چلا!" میں نے کرسی چھوڑ دی "پانچ بجے کے قریب دوبارہ ادھر کا چکر لگاؤں گا۔"

فخرو نے بڑے تپاک سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ وہ بے چینی کے ساتھ گردن اٹھا اٹھا کر باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

میں نے چائے کی قیمت ادا کر کے ہوٹل کی پہلی سیڑھی سے قدم اتارا ہی تھا کہ فٹ پاتھ سے جوی وہاں آنکلا۔ اس کے ساتھ ایک صحت مند نوجوان بھی تھا جس کے بدن پر فخرو کی آرزوؤں کے مطابق بوسکی کا کرتا اور لٹھے کی کلف لگی ہوئی شلوار موجود تھی۔

نووارد نوجوان نے اپنی امارت کے اظہار کے لیے ہر ممکنہ طریقہ استعمال کیا تھا۔ اس کے گلے میں پڑی ہوئی بھاری طلائی چین کرتے کے گریبان سے باہر سینے پر جھول رہی تھی، بائیں کلائی پر سنہرے کیس اور چین والی کوئی بیش قیمت گھڑی موجود تھی۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں قیمتی نگینوں والی کم و بیش پانچ طلائی انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔

اس کی خوب صورتی میں کوئی کلام نہیں تھا پھر بھی اس کے کلین شیو چہرے پر مجھے نسائیت کی جھلکیاں نظر آرہی تھیں۔ میرے سامنے وہ بمشکل دو تین قدم ہی چلا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ اس کی چال بھی لچکیلی تھی۔

"لو جی! وہ حرام دا پتّر تو غائب ہو گیا" جوی چائے خانے کے سامنے رک کر غصیلی آواز میں ہنکار رہا تھا "کہیں پڑا سو روپے میں کتے کا موت پی رہا ہو گا۔ میں سنی کو لے آیا ہوں۔ اسے پھمیا باجی کا پتا تو نہیں معلوم لیکن اس نے اُس کا گھر دیکھا ہوا ہے۔ یہ تمہیں وہاں پہنچا دے گا۔"

میں چائے خانے سے اتر کر ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔ گورا چٹا سنی شرمیلی نظروں سے میری طرف دیکھ کر یوں مسکرا رہا تھا جیسے اگلے چند ثانیوں میں دل و جان سے مجھ پر فدا ہونے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"پھمیا کا گھر کہاں ہے؟" میں نے اپنی تسلی کے لیے سنی سے پوچھا۔

"لسبیلہ اور خوجہ جماعت خانے سے پہلے ہے صاحب جی!" اس نے خالص مردانہ آواز میں کہا۔

لمحہ بھر میں اس کی شخصیت کا بھرم کھل گیا۔ وہ خوب رُو مگر جاہل نوجوان بھی کوئی طوائف زادہ ہی تھا۔ شاید اسے بدنام مردوں کی صحبت سے بچانے کے لیے عورتوں میں ہی پالا پوسا گیا تھا اس لیے اس کے ہر تیور اور انداز سے زنانہ پن جھلک رہا تھا۔

اس نے جس علاقے کا حوالہ دیا تھا، وہ گارڈن ایسٹ ہی کہلاتا تھا۔

"پہلے رقم لینے جاؤ گے یا پھمیا سے ملو گے؟" فخرو نے نیچے آکر میرے کان میں سرگوشی کی۔

"سنی آگیا ہے تو پہلے پھمیا سے ہی مل لوں گا" میں نے ... سوچتے ہوئے کہا۔

میں ان تینوں کے لالچ کا حال دیکھ ہی چکا تھا۔ اس سے پہلے جوی یا فخرو کوئی مطالبہ کرتا، میں نے جیب سے دو سو روپے نکال ... فخرو کے حوالے کر دیے۔ اس نے اسی وقت ایک نوٹ جوی کو ... کر اپنا لین دین کا حساب برابر کر لیا۔ غنیمت یہ ہوا کہ ان میں ... کسی نے مجھ سے مزید رقم کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

میں گھر سے کسی اور ہی پروگرام سے نکلا تھا۔ میرا ارادہ تھا ... میں ڈیرے دارنی کے پرانے محلے سے اس کا نیا پتا معلوم کر کے ... لوٹ آؤں گا اور پھر منظم پروگرام کے تحت کسی وقت ڈیرے دار... کی قیام گاہ پر پہنچ کر وہاں قبضہ کر لیا جائے گا۔ اس قبضے میں ... کوشش ہوتی کہ ڈیرے دارنی یا اس کی بیٹی کو کوئی نقصان پہنچا... بغیر کڑی نگرانی میں رکھا جاتا اور پھر پرنس ساگا وہاں پہنچتا تو ... بے خبری کے عالم میں اچانک دھاوا بول کر زیر کر لیا جاتا۔ ... راست وہاں کا رخ کرنا میرے پروگرام میں شامل نہیں تھا۔

لیکن وہاں حالات ہی بدل چکے تھے۔ میرا سوچا ہوا پروگرا... دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔ علم دین کے غائب ہو جانے اور پھر سنی کی ... سے سب کچھ بدل کر رہ گیا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ وہ علاقہ چھو... دینے کے باوجود ڈیرے دارنی کو وہاں کے مکینوں کی ہمدردیاں حاصل ... تھیں اور اگر میں فوری طور سے سنی کی خدمات سے استفادہ نہ ک... تو شاید بعد میں ڈیرے دارنی کا پتا حاصل کرنا ناممکن ہو جاتا۔

حریص شرابی، علم دین نے غیر متوقع طور پر پیسوں سمیت غائب ہو کر میرا سارا پروگرام درہم برہم کر دیا تھا۔

"سنی تمہیں وہاں پہنچا کر لوٹ آئے گا" فخرو نے محبت سے اس نوجوان کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "چاہو تو اس گبرو جوان ... تھوڑا بہت انعام دے دینا۔"

میں فخرو کو قہربار نظروں سے گھور کر رہ گیا مگر زبان سے کچھ کہے بغیر سینما کی طرف چل دیا۔ سنی ان دونوں کی طرف ہاتھ لہرا کر میرے پیچھے ہو لیا تھا۔

نکڑ تک وہ چلتے چلتے میرے برابر میں آگیا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بے تکلفی سے بولا "صاحب جی! موڑ سے آگے ہو... یہیں سے کوئی رکشا ٹیکسی پکڑ لیں؟ پھمیا باجی کا گھر یہاں سے کا... دور ہے۔"

اس کی شکل، صورت اور اٹھان دیکھ کر میں دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا کہ ایسا خوب صورت نوجوان جہالت، گمراہی اور گناہوں کی کس دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ جسمانی طور پر وہ ... دکھانے کے قابل ایک قابلِ رشک مرد تھا لیکن اس کی چال ڈھال اور بول چال میں دور دور تک اس مردانگی کا نام و نشان نہیں تھا جو اس میں ہونی چاہیے تھی۔

اگر سنی وہ سوال کر کے مجھے نہ چونکا دیتا تو میں سیدھا اپنی گا...

ی طرف ہی جارہا تھا۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے اس کے سوال پر غور کیا اور پھر فوراً ہی اپنا ارادہ بدل کر کہا "کرائے کی کوئی سواری لے لیتے ہیں۔"

اس وقت تک میں نے بازارِ حسن کے مکینوں کو اپنا فرضی نام بتانے کے علاوہ کوئی ایسی بات نہیں بتائی تھی جس سے میری اصل شناخت ظاہر ہوتی۔ ان کے لیے میں لاہور سے آیا ہوا ایک ایسا شادی شدہ نوجوان تھا جو ایک مدت سے پھمیا کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر تھا۔ اگر میں سنی کے ساتھ اپنی گاڑی استعمال کرتا تو وہ گاڑی کا ماڈل، میک اور نمبر ذہن نشین کر کے کسی بھی وقت میرے لیے پریشانی کا باعث بن سکتا تھا۔

بہتر یہی تھا کہ میں اپنی گاڑی کی موجودگی کو ایک راز ہی رہنے دیتا۔ اسے بعد میں کسی بھی وقت لیا جاسکتا تھا۔

سنی اس علاقے میں خاصا معروف اور مقبول تھا۔ مختصر سے راستے میں وہ لوگوں سے دعا سلام کرتا، ان کی چھیڑ چھاڑ سہتا اور ان پر فقرے بازی کرتا ہوا ایک شوخ ٹیکسی تک پہنچا تو ٹیکسی ڈرائیور بھی اس کا شناسا نکلا۔

سنی نے میرے لیے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔ میں اندر داخل ہو کر سرکنے بھی نہ پایا تھا کہ وہ اسی دروازے سے اچانک میرے اوپر آپڑا اور میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔ وہی واقعہ اگر اندھیرے میں رونما ہوا ہوتا تو سنی کے وجود کے گداز سے میں یہی سمجھتا کہ کوئی الہڑ دوشیزہ بے خبری میں میرے اوپر آگری ہے۔ میں جلدی سے دوسرے دروازے کی طرف سرک گیا۔

"کہاں جارہے ہو سنی بادشاہ!" ٹیکسی ڈرائیور نے عقب نما آئینے میں ہم دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"چل، ٹیکسی واپس موڑ لے۔ ذرا لسبیلہ کے پاس جانا ہے۔" اس کا لہجہ خشک تھا۔

ٹیکسی کا انجن بیدار ہوا اور پھر وہ حرکت میں آگئی۔ اس وقت بھی اس مصروف سے راستے پر اس قدر ٹریفک تھا کہ وہاں سے گاڑی کا گزرنا دشوار تھا مگر ٹیکسی ڈرائیور نے نہایت مشاقی سے، آتی ہوئی گاڑیوں کا راستہ کاٹ کر، دیکھتے ہی دیکھتے یوٹرن لے لیا اور نشتر روڈ کے ابتدائی سرے کی طرف جانے والی ٹریفک میں شامل ہو گیا۔

ایک ڈیڑھ فرلانگ تک ٹیکسی جوں کی رفتار سے رینگتی رہی پھر اس نے ذرا رفتار پکڑلی۔

"تم پھمیا سے ملے ہو؟" میں نے دھیمی آواز میں سنی سے پوچھا۔

"ہو صاحب جی! ہمارا بچپن ایک ساتھ گزرا ہے۔ وہ یہیں پلی بڑھی تھی اور اب بھی کبھی کبھی ہمیں یاد کرتی رہتی ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم جیسا کڑیل جوان بھی اسے پھمیا باجی کہتا ہے؟" میں نے کہا۔

"میں سمجھ گیا" وہ ہنس کر بولا "یہ یہاں کا دستور ہے۔ ہم لوگ برادری کی ساری عورتوں کو اپنی ماں، بہن سمجھتے ہیں۔ ہم لوگ آپس ہی میں عشق اور محبت شروع کردیں تو دھندا کون کرے گا اور گاہک کون لائے گا؟ وہ عمر میں میرے برابر ہی ہوگی مگر بڑی پیاری اور سمجھ دار ہے۔ وہ برادری سے باہر کی ہوتی تو دوسری بات ہوتی۔"

وہ سب نرے جاہل تھے لیکن وقت اور تجربے نے انہیں بہت کچھ سمجھادیا تھا۔ سنی نے اپنی دانست میں میرے ایک سوال کا سادہ سا جواب دیا تھا مگر میری دانست میں وہ ایک اہم معاشی اصول بیان کرگیا تھا کہ گھوڑا گھاس سے دوستی بلکہ عشق کرے گا تو کھائے گا کیا؟

دور سے گندے اور گھناؤنے نظر آنے والے ان بے ضمیر لوگوں کی زندگی میں جھانکنے سے مجھے ان کی کچھ مجبوریاں نظر آنے لگی تھیں۔ وہ لوگ جس مکروہ دھندے میں ملوث تھے اسے تاریخی اور معاشرتی ماہرین تاریخ کا قدیم ترین پیشہ قرار دیتے تھے۔ وہ کیوں اور کیسے وجود میں آیا، اس کے بارے میں ذہن پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ مجبوروں اور بالادستوں کی خفیہ مصالحت اور مفاہمت کی ایک سیدھی سی کہانی نظر آتی تھی۔ عورت ہمیشہ سے مجبور و محکوم چلی آرہی تھی۔ مرد بالادست تھا جب پہلی عورت کی کوئی ضرورت یا مجبوری مرد کی عیش کوشی کا سامان بنی تو اس پیشے کی داغ بیل پڑگئی۔

مشکل یہ تھی کہ خلوت میں طوائفوں اور طوائف زادیوں کے تلوے چاٹنے والے شرفا اور معززین میں سے کسی میں کبھی اتنی ہمت پیدا نہیں ہوسکی تھی کہ وہ برسرِعام ان کو اپنے نام کی شناخت دے سکیں۔ انہیں ہمیشہ سے ایسا کھلونا سمجھا گیا تھا جس سے دل بھر کر کھیلا جاتا ہے لیکن اسے اپنی ضرورت نہیں بنایا جاتا اور معاشرے کے ان ہی گھناؤنے تضادات نے ہر دَور میں اس قدیم پیشے کی جڑوں کی فراخ دلانہ آب یاری کی تھی۔

"تم کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو؟" سنی نے میرے پہلو میں بے تکلفی سے کہنی مار کے شوخی سے کہا "کیا پھمیا باجی سے ملاقات کے لیے ڈائیلاگ یاد کررہے ہو؟"

"تمہاری چھمیا باجی تو ایسی ہے کہ اس کے سامنے آدمی اپنا رٹا رٹایا سبق تک بھول جاتا ہے....."

وہ خوش ہو کر ہنسنے لگا پھر بولا "ذرا اس سے دیکھ بھال کر بات کرنا۔ اس کا خرچہ اٹھانے والا کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ اس نے تمہیں چھمیا باجی کے ساتھ دیکھ لیا تو پل بھر میں تمہاری گردن مروڑ کے رکھ دے گا۔"

"چھمیا سے ایک بار ملاقات ہو جائے پھر اسے بھی دیکھ لیا جائے گا" میں نے کہا۔

لسبیلہ چوک سے پہلے پڑنے والے ٹریفک سگنل پر سنی نے ٹیکسی واپس مڑوالی۔ ہمارے راستے میں کہیں بھی داہنی طرف مڑنے کی گنجائش نہیں تھی اس لیے میں اس الٹے سفر پر خاموش رہا۔ سنی نے ٹیکسی کو ایک سڑک پر مڑنے کے لئے کہا جہاں بائیں کونے پر پان والے کی دکان تھی اور درختوں کے سائے میں کئی گھوڑا گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ بجلی کے کھمبے پر لگی ہوئی چھوٹی سی نیلی تختی پر نمایاں سفید حروف میں مانک جی اسٹریٹ کے اردو اور انگریزی الفاظ دور سے بھی پڑھے جا رہے تھے۔

مانک جی اسٹریٹ میں داخل ہونے کے بعد ٹیکسی نے ایک دو موڑ کاٹے اور پھر ایک بند پھاٹک کے سامنے رک گئی۔

سنی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اترا اور بند پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر فارغ کیا اور سنی کے پاس پہنچا تو کھلے ہوئے پھاٹک پر ایک پستہ قامت بنگالی یا برمی ملازم آ چکا تھا۔

اگر وہ کوٹھی ہی تھی تو اس کا احاطہ بہت وسیع نہیں تھا۔ برآمدے میں کھڑی ہوئی بھاری بدن والی ادھیڑ عمر عورت مجھے پھاٹک ہی سے واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ میں اس وقت تک جو کچھ سنتا چلا آیا تھا، اس کی بنا پر مجھے یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ ادھیڑ عمر عورت ہی زمرد عرف ڈیرے دارنی تھی جسے چھمیا کی ماں سمجھا جاتا تھا۔

زمرد نے اجنبی ہونے کے باوجود گرمجوش مسکراہٹ کے ساتھ ہم دونوں کا استقبال کیا۔

"مامی! یہ چھمیا باجی کے کوئی پرانے قدردان ہیں۔ صبح سے بازار میں دھکے کھاتے پھر رہے تھے، انہیں جوی نے بھیجا ہے۔"

"آؤ جی آؤ..... میں صدقے واری.... سر آنکھوں پر آؤ!" زمرد مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی پھر اچانک ہی لہجہ بدل کر سنی سے بولی "تو بس پکڑ کے جلدی سے گھر جا۔ تیری ماں پریشان ہو جائے گی۔ یہ کرائے کے پیسے رکھ لے۔ جو بچیں اس سے شام کو دودھ جلیبی کھا لینا" یہ کہتے ہوئے زمرد نے اپنے کشادہ گریبان میں ہاتھ ڈال کر بلاؤز کے کسی حصے میں اڑسا ہوا سو روپے کا ایک نوٹ نکالا اور سنی کی طرف بڑھا دیا۔

سنی نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر وہ نوٹ لیا اور برآمدے سے ہی واپسی کے لیے مڑ گیا۔

اس گھر کا ڈرائنگ روم برآمدے سے ملحق تھا۔ زمرد مجھے اندر لے گئی۔

ڈرائنگ روم کی پرتعیش آرائش میں بے دریغ پیسہ خرچ کیا گیا تھا لیکن اس میں سلیقے کا فقدان تھا۔ ہر جگہ شوخی نمایاں تھی۔

"تو تم میری چھمیا سے ملنے آئے ہو؟" مجھے بٹھانے کے بعد زمرد نے کاروباری لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.... ہاں جی!" میں نے کن انکھیوں سے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "بس ایک ملاقات ہو جائے تو میں بڑے سکھ سے لاہور واپس جا سکوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ چھمیا جی کو میرا چہرہ بھی یاد نہ ہو مگر ان کی تصویر میرے دل پر نقش ہے۔"

"تم جھوٹے ہو" زمرد نے بہت اطمینان سے کہا "چھمیا اس وقت بھی کہیں سے تمہیں دیکھ رہی ہوگی۔ پہچان لیتی تو وہ ضرور تمہارے سامنے آتی۔ شاید تمہیں پتا نہیں کہ میری چھمیا ایک دن کے لیے بھی بازار میں نہیں بیٹھی۔ تم کس طرح پورے شہر میں ڈھنڈورا پیٹتے پھر رہے ہو کہ کئی برس پہلے تم نے چھمیا کے ساتھ وقت گزارا تھا؟"

میری چھٹی حس بیدار ہو گئی۔ میں نے بے خبری میں جس چٹان پر قدم رکھا تھا وہ بھیانک دلدل کی سوکھی پپڑی ثابت ہوئی تھی۔ سنی نے زمرد سے جو کچھ کہا تھا، میرے سامنے کہا تھا۔ اس میں وہ باتیں شامل نہیں تھیں جن کا حوالہ وہ دے رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے پہلے ہی فون پر ہدایات بتادی گئی تھیں۔

شاید علم دین مجھے وہاں الجھائے رکھنے کے لیے دانستہ غائب ہوا تھا۔ وقت حاصل کر کے اس نے فون پر زمرد سے ہدایات لیں اور پھر مجھے پتا دینے کے بجائے سنی کے ساتھ اس اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا جہاں وہ موٹی نائکا میرے استقبال کے لیے تیار تھی۔ میں خوش فہمیوں میں مبتلا ہو کر مصائب کے ایک نادیدہ جال میں آ پھنسا تھا۔

زمرد ایک صحت مند اور بے حیا عورت تھی۔ میں آسانی سے اسے زیر کر سکتا تھا مگر میں عورتوں پر ہاتھ اٹھانے کا ذرا بھی قائل نہیں تھا۔ میں نے خون آشام تیوروں کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی اور پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا "بڑھیا! میں ساگا کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔"

"میں موجود ہوں ڈینی!" ایک سرد اور سفاکانہ آواز نے دل ہلا کر رکھ دیا "میں اپنے دشمنوں کو مایوس نہیں کرتا۔"

میں آواز کی سمت میں مڑا تو اندرونی دروازے سے ساگا آ رہا تھا۔ وقت نے اس کی کنپٹیوں پر برف جیسی سفیدی بکھیر دی تھی لیکن برسوں بعد بھی وہ چہرہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہ نقش میرا جانا پہچانا تھا۔

ساگا کے ہاتھ میں بڑے بور کا ایک بے آواز ریوالور دبا ہوا تھا جس کی مہیب آہنی نال میری طرف اٹھی ہوئی تھی اور ساگا کے پہلو میں ایک حسین و جمیل دوشیزہ کھڑی، بڑی متانت سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

میں نے وہ سارے جتن ساگا کو تلاش کرنے کے لیے کیے
مہم میں اس کے ذریعے راس المیڈا تک رسائی حاصل کرنے کا
خواہاں تھا لیکن اسے یوں غیر متوقع طور پر اپنے روبہ رو پاکر میرے
وجود میں خوف اور سنسنی کی لہریں سی سرایت کرگئی تھیں۔ وہ نہ
صرف میرے سامنے آکھڑا ہوا تھا بلکہ اس نے مجھے پہچان بھی لیا
تھا۔

میں نے اپنی دانست میں خاصی مناسب منصوبہ بندی کی تھی۔
میں گھر سے صرف یہ ارادہ لے کر نکلا تھا کہ بازارِ حسن کے مکینوں
سے ساگا اور اس کی رکھیل کا پتا حاصل کرکے لوٹ آؤں گا اور پھر
مناسب تیاری کے بعد ساگا پر ہاتھ ڈال دیا جائے گا مگر فخرو' جوی اور
علم دین نے حیرت ناک مکاری سے کام لیتے ہوئے میرے سارے
عزائم پر پانی پھیر دیا تھا۔

میری دانست میں وہ تینوں عورتوں کی کمائیوں پر پلنے والے
بے ضمیر اور غبی دلّال تھے جنہیں عزت و آبرو اور دین ودھرم سے
دور کا بھی سروکار نہیں تھا۔ وہ صرف اور صرف پیسے کے لوبھی تھے
اور چند ٹکوں کے لیے دنیا کا ہر ذلیل سے ذلیل کام سرانجام دے
سکتے تھے مگر مجھے خوب صورتی سے ساگا کے چنگل میں پھنسوا کر
انہوں نے یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ پرائے پیسے پر نظر رکھنے کے ساتھ
ساتھ سازشی ذہنوں کے بھی مالک تھے۔

میں کسی پیشگی پروگرام کے بغیر اچانک ہی ان سے ملا تھا۔
معاملات طے ہونے تک ہم چاروں ہر لمحے ایک دوسرے کی نظروں
کے سامنے موجود رہے تھے' ان تینوں کو تخلیے میں میرے خلاف
مشورہ کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ خریدار کی
نظروں میں لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ کر اشاروں ہی اشاروں میں
جسموں کا مول چکانے والے ان مسٹنڈوں نے مجھ سے گفتگو کے
دوران' میری نظریں بچاکر' اشاروں کنایوں میں ایک دوسرے کو
اپنی حکمتِ عملی سمجھادی ہو اور پھر نہایت خاموشی سے اس پر عمل
کرگزرے ہوں۔

زمرد بائی' ساگا کی دولت کے بل پر' اپنی بیٹی چھمیا کو ساتھ لے
کر اس گندے بازار کے ایک کوٹھے سے شہر کی کوٹھی میں ضرور
منتقل ہوگئی تھی لیکن بازار والوں سے اس کے گہرے رشتے بدستور
استوار تھے۔ ان کے دلوں میں ڈیرے دارنی اور چھمیا کے لیے
ہمدردی اور وفاداری کے جذبات موج زن تھے۔

یہ سراسر جھوٹ تھا کہ ان تینوں میں سے کسی کو ڈیرے دارنی
کا نیا پتا معلوم نہیں تھا۔ وہ خبیث سب کچھ جانتے تھے۔ زمرد بتا چکی
تھی کہ اس کی چھمیا نے بازارِ حسن میں ایک دن کے لیے بھی اپنے
حسن و جمال کا بازار نہیں سجایا تھا۔ شاید وہ بازار کی جنس بننے سے
پہلے ہی ساگا کے دل و دماغ میں سما چکی تھی۔ جوں ہی میں نے چھمیا
کے ساتھ وقت گزارنے کا ذکر کیا' ان تینوں نے میرا جھوٹ پکڑ کر
اندازہ لگالیا ہوگا کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔

انہوں نے مجھے اپنے اس اندازے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔
حریصانہ انداز میں مول تول کرتے رہے پھر علم دین سو روپے کا نوٹ
لے کر پتا لانے کے بہانے وہاں سے کھسک گیا۔ اس نے یقیناً کہیں
سے ڈیرے دارنی کو فون پر خبر دی ہوگی کہ بازار میں کوئی شخص اس
کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھر رہا ہے اور ڈیرے دارنی نے فوراً ہی
اس مشتبہ شخص کو اپنے نئے ڈیرے پر پہنچانے کی ہدایت دے کر
ساگا کو اس صورتِ حال سے آگاہ کردیا ہوگا۔ پہلا امکان تو یہی تھا
کہ ساگا اپنی خوش جمال محبوبہ کی زلفوں کے سائے میں ابتدا ہی
سے اس چھت کے نیچے موجود رہا ہو۔ اگر وہ وہاں نہیں تھا تو ڈیرے
دارنی سے نئی خبر ملتے ہی مشتبہ آدمی کے استقبال کے لیے وہاں پہنچ
گیا۔

پورا کھیل بتا رہا تھا کہ عصمت اور آبرو کے وہ سوداگر اشاروں
کی زبان سمجھنے اور سمجھانے میں پوری طرح طاق تھے اور اشاروں
ہی اشاروں میں آنکھوں سے کاجل چرالینے تک کا ملکہ رکھتے تھے۔
علم دین کی کسی اشاراتی پیغام رسانی کے نتیجے میں جوی اس کی تلاش
کے بہانے نکلا' علم دین نے اسے ڈیرے دارنی کی ہدایت سے آگاہ
کیا۔ جوی نے مجھے بے خبری میں شکار کرنے کے لیے علم دین کو وہیں
چھوڑا اور کسی کوٹھے سے سنی کو ساتھ لے کر میرے پاس لوٹ آیا۔

سنی کو شاید اس سازش کا علم نہ رہا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ جوی نے
اسے ایک گاہک کو ڈیرے دارنی کے نئے گھر تک پہنچانے کے لئے
آمادہ کیا ہو جب ہی سنی نے راستے میں مجھ سے کہا تھا کہ اس کی
چھمیا باجی کا خرچہ اٹھانے والا اچھا آدمی نہیں ہے' اس نے مجھے
چھمیا کے ساتھ دیکھ لیا تو پل بھر میں میری گردن مروڑ کے رکھ دے
گا۔ اس سازش میں سنی کا کردار بہت محدود تھا۔ وہ جب تک
خاموش رہا' اس کی مردانہ وجاہت کا بھرم قائم رہا لیکن زبان
کھولتے ہی اس بدنصیب نے اپنا وہ بھرم بھی کھودیا۔ وہ حسین تھا
لیکن اپنے لب و لہجے اور لچکیلی چال ڈھال کی وجہ سے مکمل مرد تھا'
نہ شیو کی وجہ سے عورت تھا۔ اس نے تیسری جنس کا روپ بھی
نہیں دھارا ہوا تھا۔ فطرت اور اس کی مخصوص معاشرت کے
ہولناک تضاد نے اسے کچھ بھی نہیں رہنے دیا تھا۔ انسان فطرت
کے ابدی اصولوں کو للکار کر زندہ رہنے کی کوشش کرتا ہے تو یہی
سانحہ پیش آتا ہے کہ وہ ہر جہت میں اپنی شناخت کھو کر ایک بے
جنس و نام حیوان بن کر رہ جاتا ہے۔

سنی نے مجھے ڈیرے دارنی کے گھر پہنچایا' اس کے بلاؤز کے
پسینے میں مہکا ہوا سو روپے کا نوٹ کرائے کے نام پر حاصل کیا اور
مجھے اس نامہربان احاطے میں چھوڑ کر رخصت ہوگیا۔

وقت اپنی رفتار سے چلتا ہے اور اپنی راہ میں آنے والی ہر شے
کو روند کر بس چلتا ہی چلا جاتا ہے۔ یہ انسان کے اپنے جذبے اور
احساسات ہوتے ہیں جو کبھی اسے وقت کے تھم جانے کا احساس
دلاتے ہیں اور کبھی برق رفتاری کا لیکن حقیقت یوں نہیں ہوتی۔

منٹ ہمیشہ ساٹھ سیکنڈ کا ہوتا ہے اور سال تین سو پینسٹھ دن کا لیکن جب بات سوچ پر آتی ہے تو وقت کی بساط لپٹ جاتی ہے۔ سالوں اور صدیوں کا حساب لمحوں میں ذہن کی اسکرین سے گزرتا چلا جاتا ہے۔ صدیوں کے اس ذہنی سفر کے باوجود، ہم اگلا سانس لیتے ہیں تو خود کو اسی ماحول میں موجود پاتے ہیں جہاں ہم اس سفر کے آغاز سے پہلے تھے۔

اس وقت بھی یہی ہوا۔ ساگا کی للکار سنتے ہی میرے ذہن میں گزرے ہوئے واقعات کی ریل تیزی سے چلتی چلی گئی۔ شاید وہ اپنے دشمنوں کو مایوس نہ کرنے کا دعویٰ کرنے کے بعد لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا تھا۔ میں گزرے ہوئے واقعات کی کڑیاں ملاتا ہوا سنی کی روانگی تک پہنچا تو ساگا کہہ رہا تھا "تم بھول گئے تھے کہ تم نے ساگا کی تلاش کے لیے جن دروازوں پر دستک دی ہے، وہ نادیہ کے میکے میں کھلتے ہیں..."

"خوب!" میں نے زہریلے لہجے میں اس کی بات کاٹ دی اور کہا "وہ چھمیا کا میکہ ہے تو تمہاری سسرال ہوگی۔ تم نے کیا دیکھ کر اس گندگی میں منہ مارا ہے؟ تم تو ہمیشہ سے عزت دار بننے کے شوقین تھے!"

میرے تلخ اور بے رحمانہ فقروں پر ساگا کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے۔ وہ بولا تو الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ اس کے دونوں کان حرکت کررہے تھے "اپنی زبان کو لگام دو.... وہ دن گزر گئے جب تم فرعون بن کر دوسروں پر حکمرانی کرتے تھے۔ اب تم میرے قیدی ہو۔ اپنی اس اوقات کو مت بھولو!"

"میں وہی ہوں جو تھا" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا "یہ تم ہو جو اپنی کینچلی بدل رہے ہو.... وقت نے تمہیں ذرا سا سہارا دیا ہے تو تم فرعون بننے کی کوشش کررہے ہو حالانکہ تمہاری اصل کچھ اور ہی ہے۔ تمہاری بیوی بلکہ ہونے والی بیوہ کو اس کے دلاّل شازیہ کہہ رہے تھے، تم نے اسے نادیہ کا نام دیا ہے اور اس کے حسن پر مرمٹنے والے اسے چھمیا جانی کے نام سے پکارتے ہیں۔ چند محروم عاشق اسے نازیہ بھی کہتے ہیں۔ ایسی بے نام ونشان اور سستی عورت کو اپنے پہلو میں کھڑا کرکے تم مجھے کیا جتانا چاہ رہے ہو؟"

میرے الفاظ بہت تیکھے اور لہجہ اس سے کہیں زیادہ کاٹ دار تھا۔ ساگا کے چہرے کا رنگ بدل کر تاریک سا ہوگیا اور وہ غضب ناک غراہٹ کے ساتھ بولا "نادیہ تمہارا نرخرا دبائے گی تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ کیا شے ہے.... تم عمل کی عمر گزار چکے ہو۔ اب جنم جلی بیواؤں کی طرح جلے کٹے الفاظ ہی کا سہارا لے سکتے ہو.... یہ تمہاری بدنصیبی یا میری خوش نصیبی ہے کہ تم خود چل کر میری چاردیواری میں آگئے ہو.... شاید تمہیں معلوم نہیں کہ آج کل تمہاری کھوپڑی کا بھاؤ بہت اوپر چڑھا ہوا ہے۔ میں آسانی سے تمہیں نہیں بیچوں گا۔ تمہارے پورے دام وصول کروں گا۔ زندہ مگر بے دست وپا ڈینی کے لیے مجھے ہر کوئی منہ مانگا معاوضہ ادا کرنے پر تیار ہوجائے گا۔"

مجھے ساگا اور راس المیڈا کے گٹھ جوڑ کے بارے میں پورا اندازہ تھا۔ اس کی ہرزہ سرائی پر میری زبان خاموش نہ رہ سکی۔ میں نے تلخی سے کہا "تمہارے پہلو میں کھڑی ہوئی لڑکی کے دام لگ سکتے ہیں۔ تمہیں خریدنے والا تمہاری اس عشوہ طراز محبوبہ کی بولی بھی لگا سکتا ہے۔ تم نے اپنی دولت کے بل پر اسے چھمیا سے نادیہ بنایا ہے، تم سے بڑا کوئی ساہوکار اسے نادیہ سے دوبارہ چھمیا بنا کر چھما چھم اپنے اشاروں پر نچائے گا مگر ڈینی کو اتنی آسانی سے نہیں بیچا جاسکتا۔ یہ بات تم خود بھی اچھی طرح جانتے ہو" میں نے دانستہ راس المیڈا کا نام نہیں لیا تھا۔

اس کی وحشیانہ انا میں لفظوں کے وہ گہرے گھاؤ لگاتے ہوئے میرے ہاتھ غیرارادی طور پر پتلون کی جیبوں کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ساگا پیر زمین پر پٹخ کر چلاّ اٹھا "ہاتھ اوپر اٹھاؤ.... میرے ساتھ کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

میں نے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ شانوں سے اوپر اٹھالیے اور کہا "میری کھوپڑی اڑا دوگے تو میری شناخت ختم ہوجائے گی۔ تمہارا نیا آقا اپنے ساتھیوں کو ڈسنے والا زہریلا ناگ ہے۔ وہ تمہارے دعوے پر اعتبار نہیں کرے گا۔ سمجھے گا کہ تم کسی اور کو مار کر ڈینی بنا لائے ہو۔ وہ ایک ایک کرکے اپنے کئی ساتھیوں کو نگل چکا ہے۔ کسی بہانے سے تمہیں بھی ڈس لے گا اور نادیہ کو اس کے ماتمی لباس سمیت اپنے کسی عشرت کدے میں لے جائے گا جہاں ہر رات ایک نئی نادیہ اس کے لیے پھولوں کی سیج سجا کر خود کانٹوں پر لوٹتی ہے..."

"بس ڈینی!" میرے نپے تلے الفاظ نے ساگا کو اس بری طرح گھائل کیا کہ اس نے بلبلا کر مجھے خاموش کردیا اور کہا "تم مجھے مشتعل نہیں کرسکتے۔ میں اسی وقت تمہیں ختم کرکے تمہاری لاش کی قیمت وصول کرسکتا ہوں مگر میں تمہیں زندہ رکھوں گا۔ تمہیں سب کچھ معلوم ہی ہے تو تم یہ بھی جانتے ہوگے کہ تم میرے چالاک دشمن ہو تو تمہارا سودا کرنے والا میرا مکاّر دوست ہے۔ میں اس سے تمہاری منہ مانگی قیمت وصول کروں گا۔ تم میری لاٹری ہو، میں اس لاٹری سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤں گا۔"

"مجھے یہ جان کر دکھ ہوا ہے کہ اپنے کان ہلا ہلا کر، جی داری سے اپنی روزی کمانے والے ساگا کو آج اپنی لاٹری کے لیے بازارِ حسن کے ان پڑھ دلاّلوں کے سہارے کی ضرورت پڑرہی ہے" میں نے اپنے اندر کی دہشت کو دباتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں کہا "ان گھٹیا لوگوں کے سہارے مجھے گھیر کر تم کیا حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟"

"اب اس بازار کا نام لیا تو میں تمہاری زبان گدّی سے کھینچ لوں گا" وہ بپھر کر بولا "وہ بازارِ حسن نہیں، زندہ لاشوں کا بازار ہے جہاں ہر لڑکی اپنی ضرورتوں کے لیے سرِشام نیلام چڑھتی ہے، اپنے

منحوس خریداروں کے مکروہ دست وبازو میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھاتی ہے اور پھر معاوضہ لے کر اپنی کسی تنگ کوٹھری میں دبک جاتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک میرا احسان مند ہے۔ میں نے کسی کو تمہارے پیچھے نہیں لگایا تھا۔ یہ اَن اَن پڑھ آبرو فروشوں کی دلی محبت ہے کہ تم نے نادیہ کے بارے میں سوال کیا اور انہوں نے میری احسان مندی سے مغلوب ہوکر فوراً زمرد بائی کو خبر کردی۔ وہ گندی نالیوں میں ضرور رہتے ہیں مگر کیڑے نہیں' انسان ہیں۔ محبت اور احسان کو خوب سمجھتے ہیں۔ تمہیں گھیر کر انہوں نے تم پر اپنی برتری ثابت کردی ہے۔"

"میں بھی تمہیں یہی سمجھانا چاہ رہا تھا" میں نے اسے سلگانے کے لیے کہا "بازارِ حسن تمہاری ازدواجی مجبوری ہے تو میں اب اس کا نام نہیں لوں گا مگر میں تم کو یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ آج مسمات نادیہ تمہاری مکروہ بانہوں میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھارہی ہے تو کل یہ کسی اور گاہک کی ہڈیوں کا عرق چوستی ہوئی نظر آئے گی۔ اسے اپنے ساتھ کھڑا کرکے تم مجھے کیا بتانا اور سمجھانا چاہ رہے ہو؟ ہم اپنے معاملات نادیہ' نازیہ' شازیہ یا چھمیا بائی کے بغیر بھی مناسب طریقے پر طے کرسکتے ہیں" اس نے چند سیکنڈ پہلے جذبات کی رو میں آکر یہ اعتراف کرلیا تھا کہ وہ راس المیڈا سے میری بھاری قیمت وصول کرنے کے لیے مجھے زندہ رکھنے کا خواہاں تھا اس لیے میری زبان ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بے لگام ہوچلی تھی۔ میں نے اس سے ہر وہ بات کہہ ڈالی تھی جو میرے دل میں آئی تھی۔

میرے وہ الفاظ مصلحت کوش ساگا کو مشتعل نہیں کرسکے لیکن اپنی نام نہاد بیٹی کی تذلیل اور تحقیر پر زمرد بائی کا پارہ چڑھ گیا اور وہ مشتعل ہوکے بولی "ساگا! کھڑا کھڑا منہ کیا دیکھ رہا ہے اس حرامی کا؟ سر میں گولی مار کے قصہ ختم کر حرام زادے کا..... مقدر سے جو ملنا ہے' وہ مل ہی جائے گا۔ اس کا سانس چلتا رہا تو زبان بھی یوں ہی چلتی رہے گی اور زہر اگلتی رہے گی۔"

"تم دونوں اندر جاؤ!" ساگا نے اپنے مہیب ریوالور کی آہنی نال لہرا کے سرد اور خشک لہجے میں نادیہ اور زمرد بائی سے کہا "تمہارے سامنے یہ زیادہ ہی بول رہا ہے۔ میں تنہائی میں اس سے کچھ فیصلہ کن بلکہ آخری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی زندگی کا انحصار ان ہی باتوں پر ہوگا۔"

"اے میاں! میں اندر جاتو رہی ہوں لیکن کان کھول کر سن لو کہ میں اپنی چاند سی معصوم بچی پر بے وفائی کا الزام برداشت نہیں کرسکتی۔" ڈیرے دارنی بازاری انداز میں دونوں ہتھیلیاں پیٹ کر مجھے داہنا انگوٹھا دکھاتے ہوئے بھڑک کر ساگا سے بولی "تم میری نادیہ کو کوٹھے سے بھگا کر نہیں لائے ہو۔ یہ تمہاری بیوی ہے اور اللہ نے چاہا تو بیوہ بھی تمہاری ہی کہلائے گی۔ یہ یاد رکھو کہ تمہاری بیوی کی عزت تمہاری عزت ہے۔ اس پر باتیں بنانے والا تمہارا دوست ہو ہی نہیں سکتا۔"

ڈیرے دارنی یہ کہتی اور مٹکتی ہوئی اندرونی دروازے کی طرف چل دی۔ ساگا کے ساتھ نمودار ہونے والی ہوش ربا نازنین اس سے پہلے ہی اس دروازے سے گزر کر اندر غائب ہوچکی تھی۔

ساگا میرے وجود پر سے نظریں ہٹائے بغیر اس کمرے میں بڑھ آیا اور نہایت اطمینان سے ایک صوفے پر دراز ہوگیا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کی مہیب آہنی نال میں جھانکتے ہوئے پُر تشویش آواز میں پوچھا۔ اس کے چہرے پر چھا جانے والی کرختگی سے مجھے واقعی خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

"تمہاری جیبوں میں کوئی ہتھیار موجود ہے تو اسے نکال کر قالین پر ڈال دو۔ اس کے بعد تم سے کوئی بات ہوسکے گی" ساگا نے سرد اور بے رحمانہ لہجے میں کہا۔

"میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے" میں نے قدرے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا "میں تمہارے ساتھ لڑنے کے لیے نہیں' کسی مصالحت کے ارادے سے آیا ہوں اور اسی لیے غیر مسلح ہوں۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے" اس نے قہقہہ لگا کے کہا "نہتا دشمن ناکارہ بکرے کی طرح ہوتا ہے جو بہت زیادہ شور مچانے کے باوجود کوئی کارکردگی نہیں دکھا پاتا۔ مجھے تمہارے الفاظ پر اعتماد ہے۔ تم چاہو تو کہیں بھی بیٹھ سکتے ہو لیکن اب تم میرے نشانے پر ہو' میں تمہیں ٹانگوں سے معذور کردوں گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے اپنے ریوالور کی لبلبی دبادی۔ ہولناک دھماکوں کے ساتھ پے درپے دو گولیاں چلیں۔ میرے حلق سے اضطراری طور پر چیخیں آزاد ہوگئیں لیکن اس کے ساتھ ہی میرے قدم بھی تیزی سے حرکت میں آئے تھے۔ میری نظریں ساگا کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کی نال پر تھیں اور میں نے بجلی کی سی سرعت سے خود کو آگ اگلتی ہوئی اس نال کی زد میں آنے سے بچالیا تھا۔

ریوالور کی دھواں اگلتی نال کے پیچھے ساگا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسے یقین نہیں آسکا تھا کہ میں اس کی چلائی ہوئی گولیوں سے خود کو بچانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ میرے یوں بچ جانے میں میری پھرتی سے کہیں زیادہ ساگا کی بے پروائی کا دخل تھا۔ اس نے یہ فرض کرکے کہ میں اسے فائر کرنے کی مخصوص پوزیشن میں دیکھ کر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلوں گا' میری پنڈلیوں کی بلندی پر دونوں فائر جھونک مارے تھے۔

میں اس کی چلائی ہوئی گولیوں سے بچ تو گیا تھا لیکن میرا دل کھوپڑی میں دھمکنے لگا تھا اور میرے بدن کے مساموں سے بے اختیار ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔

میں اس وقت ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے کے قریب موجود تھا' دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اگر میں وہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرتا تو کوئی بھی میری راہ میں حائل نہیں ہوسکتا تھا لیکن وہ

ساگا سے میری جسمانی لڑائی نہیں تھی۔ میرے ہاتھ خالی تھے جب کہ وہ بھرا ہوا ریوالور لیے بیٹھا تھا جس کے چیمبر میں سے صرف دو گولیاں استعمال ہوئی تھیں۔ میرے فرار کی صورت میں وہ اپنی جگہ سے ہلے بغیر بھی مجھے گولیوں کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ میں نے اپنی اس مخدوش پوزیشن کے پیشِ نظر فوری طور پر وہاں سے بھاگ نکلنے کا ارادہ ترک کردیا۔

فرار کے بجائے مجھے اسی چھت کے نیچے رک کر ساگا کا مقابلہ کرنا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سفاکی تیر رہی تھی۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ میرے اوپر کب تیسرا فائر جھونک مارے گا۔ میری عقابی نگاہیں دھیرے دھیرے ڈرائنگ روم کے وزنی فرنیچر کا جائزہ لے رہی تھیں۔ مجھے شدت سے ایسی کسی مضبوط اوٹ کی تلاش تھی جو ساگا کی چلائی ہوئی مزید گولیوں کو بے اثر بنا سکے۔

ساگا نے دھماکوں کی پروا کیے بغیر بہت بے خوفی سے میرے اوپر فائر کئے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے الگ تھلگ بنے ہوئے بڑے بڑے مکانوں پر مشتمل آسودہ آبادی تھی۔ مکانوں کے صرف احاطے کی دیواریں مشترک تھیں ورنہ ہر گھر اپنے حصار میں بالکل مکمل تھا۔ کھلی ہوئی فضا کی وجہ سے قرب وجوار میں رہنے والوں کو ذرا بھی اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ گولیاں کہاں چلی تھیں اور شاید ساگا کے اطمینان کا سبب بھی یہی تھا۔ فائرنگ تواتر سے ہوتی رہتی یا اس کے ساتھ کوئی شوروغل ہوتا تو لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول نہیں ہوسکتی تھی۔

"جہاں ہو‘ وہیں کسی بھی صوفے پر بیٹھ جاؤ اور ہوش میں رہ کر میرے سوالوں کے جوابات دو ورنہ میں اس بار تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کردوں گا۔" چند ثانیوں کے بعد ساگا نے غرا کر کہا "تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ اب میں تمہاری دھونس میں نہیں آسکتا۔ ذرا سی بھی چالاکی دکھائی اور مارے جاؤ گے۔"

میں بہت احتیاط کے ساتھ اس اکہرے صوفے پر بیٹھ گیا جو ضرورت پڑنے پر مجھے آڑ بھی میسر کرسکتا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ جوں ہی ساگا کی نظر ذرا سی چوکی‘ میں نشست چھوڑ کر اس صوفے کے پیچھے چلا جاؤں گا۔

"اس وقت تم مسلح ہو اور میں نہتا۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔"

وہ اپنے دونوں کانوں کی تیز جنبش کے ساتھ بولا "یہ تمہاری غلط فہمی ہے........ میری تلاش میں اس ٹھکانے تک پہنچ کر تم اپنی زندگی کا سب سے بھیانک خطرہ مول لے چکے ہو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم جیسا مکارِ اعظم اتنی بڑی حماقت کا ارتکاب کرے گا...... شاید تم نے سوچ لیا تھا کہ مجھ سے یہاں ملاقات نہیں ہوسکے گی اور تم عورتوں کو ڈرا دھمکا کر میرا کوئی نہ کوئی سراغ حاصل کرلو گے؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"میں ہر طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا کہ تم بھی ان سے مل گئے ہو تو میں اپنے غصے پر قابو نہیں رکھ سکا اور تمہاری تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔"

"میں تمہارے سامنے ہوں۔" وہ تحقیر آمیز ہنسی کے ساتھ بولا "مجھے قتل کرکے کھالو۔"

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں تم سے مصالحت کے لیے آیا تھا۔ تصادم کی راہ اختیار کرنی ہوتی تو خالی ہاتھ ادھر کا رخ نہ کرتا۔" میں نے مصلحت کی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"پھر زمرد بائی کو اور مجھے آنکھیں دکھانے کا کیا مطلب تھا؟" اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مترشح تھی۔

"اسے میرا مان سمجھ لو۔ شی کے دنوں میں سب کے ساتھ میرا رویہ تحکمانہ ہوتا تھا۔ میں بھول گیا تھا کہ شی ختم ہوچکی ہے اور ہم دونوں برابری کی سطح پر آچکے ہیں۔" میں بتدریج نرم پڑتا جارہا تھا۔

"تم نے اپنی دانست میں شی کو تباہ کردیا تھا۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولا "تمہارے زمانے میں شی پردہ داروں کی تنظیم تھی‘ آج اسے مردانہ زندگی دے رہے ہیں۔ سنا ہے کہ جمی لائیڈ کبھی کسی کے سامنے نہیں آتا تھا لیکن اب میں خود سپر آئی مین سے مل چکا ہوں۔ اس کی دونوں سلور آئیز میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔"

ساگا کے اس انکشاف نے مجھے چونکا دیا اور میں نے حیرت سے پوچھا "کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ اب جمی لائیڈ کے بجائے کوئی اور شی کا سربراہ ہے اور وہ سرعام اپنی شناخت دکھاتا پھر رہا ہے؟"

"بات کو چکر میں مت ڈالو!" اس کا لہجہ درشت ہوگیا "جمی لائیڈ کہاں گیا‘ یہ مجھے نہیں معلوم۔ میرے لیے سپر آئی مین وہ ہے جو دو سلور آئیز پر قابض ہے........ تمہیں یہ بھی بتادوں کہ میں شی کا کوئی عام آدمی نہیں ہوں‘ بہت جلد مجھے بھی ایک سلور آئی ملنے والی ہے اور میں یہاں کا آئی مین بن جاؤں گا........ تم یہ بتاؤ کہ تھوڑی دیر پہلے تم اپنے ساتھیوں کو ڈسنے والے کس زہریلے ناگ کا ذکر کررہے تھے۔"

اس وقت تک میں نے ساگا سے اس قسم کی جتنی باتیں کی تھیں‘ راس المیڈا کے بارے میں کی تھیں‘ بس اس کا نام نہیں لیا تھا لیکن اس نازک موڑ پر میں نے قلابازی کھانے کا فیصلہ کرلیا۔ اول خان کے اسرار نامی آدمی کی لی ہوئی تصاویر سے یہ ثابت ہوچکا تھا کہ سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے ایک مکان میں ساگا‘ راس المیڈا اور اس کے دو سفید فام ساتھیوں کے ہمراہ مے نوشی کرتے ہوئے سخی مراد کی تضحیک میں شامل تھا۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ ساگا اور راس المیڈا کے درمیان کیسی مفاہمت چل رہی تھی اور ان کے درمیان تعاون کا دائرہ کتنا وسیع تھا لیکن پھر بھی میرے لیے ایک چال چلنے کا موقع موجود تھا۔

"سخی مراد!" میں نے قدرے توقف کے بعد آہستہ سے کہا "اور اس کا پشت پناہ۔ وہ لوگ اپنی غرض کے لیے اندھے ہوچکے

اپنی مقصد بر آری کے لیے اپنے ساتھیوں تک کو موت کے
جھونک دیتے ہیں۔ سخی مراد نے اپنے ہاتھوں سے اپنے چچا
ولی داد کو ہلاک کیا اور پھر خود بھی ایک کتے کی موت مارا
میں سمجھ رہا تھا کہ تم ان ہی لوگوں کے لیے کام کررہے ہو۔ وہ
یے ہیں۔ بھوکے ہوتے ہیں تو اپنے ہی ساتھیوں کو چیرنا پھاڑنا
کردیتے ہیں۔"

ساگا کی آنکھوں میں دلچسپی عود کر آئی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا
ے میرے بیان پر شبہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے پوچھا "سخی مراد
سرمایہ دار سیاست داں تھا۔ اس سے تمہارا کیا واسطہ تھا؟"

"بیشتر سیاست داں طاقت کے رسیا ہوتے ہیں۔ وہ مجھے خریدنا
تا تھا لیکن میں اس کے کرتوت دیکھ کر اس سے متنفر ہو گیا تھا۔
کے مارے جانے کے بعد اس کا آقا مجھے دھمکیاں دے کر
چاہ رہا ہے........"

"اور تمہارا خیال ہے کہ میں اس سے ملا ہوا ہوں؟" اس نے
بات کاٹ کے بے چینی سے پوچھا۔

"میرا قیاس یہی کہتا ہے اور اسی وجہ سے میں یہاں موجود
مجھے کئی روز سے تمہارے بارے میں عجیب اور پُراسرار
مل رہی تھیں۔ کسی کو کچھ نہیں معلوم کہ آج کل تم کیا
ہے ہو۔ میرے پرانے واقفوں میں اب تم ہی اتنے طاقت ور
ہو جو میرے سامنے آسکو۔"

"دوسروں کو تم اپنی دادا گیری سے کھا گئے۔" اس بار بھی ساگا
میری بات درمیان سے اچک لی اور پھر پوچھا "سخی مراد کو
نے اور تمہیں دھمکیاں دینے والا کون ہے؟"

"یہ معلوم ہو جاتا تو میں تمہارے پاس آنے کے بجائے اسی
کا حساب برابر کرتا۔ وہ جو کوئی بھی ہے 'پردے میں ہے۔ جس
اس کا سراغ مل گیا' میں اس کا نرخرا اُدھیڑ ڈالوں گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے آج کل شہر میں اپنے بہت سے
پالے ہوئے ہیں۔" وہ میری بے بسی سے محظوظ ہوتے ہوئے
تمہیں یہ جان کر خوشی نہیں ہوگی کہ جمی لائیڈ کے بعد آنے
تمہارے لہو کا پیاسا ہے۔ تم نے شی کو جو زخم لگائے تھے' وہ
سور بن کر رِس رہے ہیں اور اب تمہیں ان کا خمیازہ بھگتنا
"

تی میں اب جمی لائیڈ کا جانشین کون ہے؟" میں نے پہلو بدل
چھا۔

"دشمن کو یہ جاننے کا کوئی حق نہیں ہے۔" اس کے ہونٹوں پر
مسکراہٹ پھیل گئی۔ میری طرح اس نے بھی راس المیڈا کا
لیا۔ مجھے حیرت تھی کہ اخبارات میں اس کی تصویری کہانی
کے بعد بھی ساگا کی آنکھیں بند تھیں۔

"میں تمہاری قید میں ہوں نا۔ تم مجھے اپنے سپر آئی مین کے
کردینے کا ارادہ رکھتے ہو۔ اگر مجھے ایسی ایک آدھ بات
معلوم ہو بھی جائے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میں اس بات کو کہیں نہیں
پہنچا سکتا۔"

"مرنے سے پہلے تم کو ہر بات معلوم ہو جائے گی۔" وہ پورے
اعتماد سے بولا "فی الحال تمہاری زندہ یا مردہ گرفتاری پر ایک بڑا
انعام مقرر ہے گا مگر پیسہ میرے لیے بے وقعت ہے۔ مجھے طاقت
اور اختیار کی ضرورت ہے۔ تمہیں اپنے سامنے دیکھنے کے بعد میری
آرزو ایک ہی ہے کہ تمہارے پکڑے جانے کی خوشی میں سپر آئی
مین مجھے ایک سلور آئی کا مالک بنا دے۔ اس میں ہم سب کا فائدہ
ہے۔ میری یہ سودے بازی مکمل ہو جائے تو میں تمہیں سب کچھ
بتا دوں گا۔ اس وقت تک تمہیں میری قید میں رہنا ہوگا۔"

"قید!" میں نے آزردگی سے کہا "اگر قید ہی کرنا ہے تو مجھے
پڑھنے کے لیے کچھ اخبارات وغیرہ ضرور دے دینا تاکہ میں ایک
کونے میں پڑے پڑے اپنی زندگی سے بیزار نہ ہو جاؤں۔" میں نے
اس نپے تلے فقرے کے ذریعے اسے یہ یاد دلانے کی کوشش کی تھی
کہ اس روز کے اخبارات میں راس المیڈا کا کچا چٹھا تفصیل سے
شائع ہوا ہے۔

وہ میری بات کا کوئی اثر لیے بغیر بے پروائی سے ہنس کر بولا۔
"شاید تم بھول گئے کہ میں صرف تین جماعت پڑھا ہوا ہوں۔ مجھے
میری روزی تعلیم سے نہیں' نصیب سے مل رہی ہے۔ ایک اَن پڑھ
آدمی کے گھر میں اخباروں کا کیا کام؟ ویسے بھی میں تمہارے ہاتھ پیر
باندھ کر رکھوں گا۔ ایسے میں آدمی کو اخبار کے بجائے نانی یاد آنے
لگتی ہے۔"

اس سے گفتگو ضرور ہوتی رہی تھی لیکن اس کا عناد اپنی جگہ
برقرار تھا۔ یہ بات بھی میری سمجھ میں آ گئی کہ وہ راس المیڈا کے
بارے میں اس روز کے اخبارات میں چھپنے والی سنسنی خیز کہانی سے
کیوں بے خبر تھا۔ مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ راس
المیڈا ہی شہر میں شی کا سپر آئی مین بنا ہوا تھا اور اسی نے ساگا کو آئی
مین بنانے کی امید دلا کر سستی اور بہترین ہیروئن کی فراہمی کے کام
پر مامور کیا ہوا تھا۔

"اٹھو!" ساگا نے اپنے ریوالور کی نال کو جنبش دے کر مجھے
حکم دیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

باتیں بہت ہو چکی تھیں۔ میرے لیے وقت بہت کم رہ گیا تھا۔
میں کوئی مزاحمت کیے بغیر ساگا سے اپنے ہاتھ پیر بندھوا کر اس کا
قیدی بن جاتا یا پھر اس کے چنگل سے نکلنے کی کوئی راہ نکالتا۔

میں نے کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھا پھر کسل مندانہ
انداز میں اکہرے صوفے سے اٹھنے کی اداکاری کرتے ہوئے پوری
قوت سے اچھل کر صوفے کے پیچھے چلا گیا۔

کمرے کی فضا میں ٹھک کی ایک مانوس سی آواز گونج کر رہ گئی
اور میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔

شاید ساگا نے میری غیر متوقع حرکت پر کسی ارادے کے بغیر ہی

ٹریگر دبا دیا تھا۔ مجھ پر دو گولیاں برباد کرنے کے بعد اس کے ریوالور کا چیمبر خالی ہو چکا تھا اس لیے گھوڑا لوہے سے ٹکرا کر رہ گیا۔

میں کسی پروگرام کے بغیر بالکل غیر متوقع طور پر ساگا کے اس ٹھکانے پر پہنچا تھا۔ اسے میرے استقبال کے لیے کسی تیاری کا موقع نہیں مل سکا اور وہ محض دو گولیوں کے ساتھ اپنا ریوالور لے کر میرے مقابل آکھڑا ہوا۔ اس نے پہلا موقع ملتے ہی اپنے ریوالور کی دونوں گولیاں میرے اوپر چلادیں۔ یہ میرے مقدر کی یاوری اور اس سفاک کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی تھی کہ وہ دونوں گولیاں میرا بال بیکا کیے بغیر ضائع ہو گئیں۔

میں مسلسل خائف تھا کہ وہ کسی بھی لمحے مجھ پر تیسرا فائر کر سکتا ہے۔ ادھر ساگا جانتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں آتشیں ہتھیار کے بجائے صرف لوہے کا ایک ٹکڑا رہ گیا ہے۔ وہ مجھ سے اتنا متنفر تھا کہ مجھے فوری طور پر ہلاک یا معذور کردینے پر تلا ہوا تھا۔ لیکن نہتا ہوتے ہی اس نے مکارانہ چال بازی سے اپنی حکمت عملی بدل دی۔ مجھے گمان ہوا کہ وہ اپنا رویّہ بدل رہا ہے لیکن وہ نرم گرم باتوں میں الجھا کر، کوئی خطرہ مول لیے بغیر مجھے بے دست وپا کرنے پر تلا ہوا تھا۔ ایک بار وہ مجھے پوری طرح بے بس کر لیتا تو پھر میرا بچنا محال تھا۔

ریوالور کے خالی گھوڑے کی آواز سنتے ہی میں نے صوفے کی آڑ سے نکل کر اس پر چھلانگ لگادی۔ اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان امڈ پڑا تھا۔ اس نے تاک کر خالی ریوالور میری کھوپڑی کی طرف پھینک مارا، میں نے بائیں طرف جھک کر اپنا سر بچایا اور وزنی ریوالور شیشے کی کئی چیزیں توڑنے کی پُرشور آوازوں کے ساتھ دور جاگرا۔

اس اثنا میں، میں ساگا کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ وہ اپنے بودے ہتھیار کے سہارے مجھے باندھ لینے کا منصوبہ ناکام ہوجانے پر بری طرح بوکھلایا ہوا تھا جب کہ میں ابتدا ہی سے اپنے بازو کو آزمانے پر تلا بیٹھا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا گریبان جکڑا اور اسے اپنی جھونک میں کئی قدم پیچھے رگیدتا لے گیا۔

میری پہلی وحشیانہ ٹکر نے اس کی پیشانی لہولہان کردی اور اس کے حلق میں غراہٹیں گھٹنے لگیں۔

"کیا ہے...... کیا بدمعاشی ہو رہی ہے یہاں؟" اندر سے زمرد چنگھاڑتی ہوئی ڈرائنگ روم میں گھس آئی۔

شیشے کا آرائشی سامان ٹوٹنے کا شور، آہنی ریوالور کی جھنکار اور پھر ساگا کی گالیاں دونوں عورتوں کو ڈرائنگ روم کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کافی تھیں۔ میں ان کی مداخلت کا خطرہ بھانپتے ہی ساگا کو مکوں کے زور پر ڈرائنگ روم کے تقریباً وسط سے بھی آگے لے گیا۔ اس کا پورا چہرہ خون میں ڈوب کر بگڑ چکا تھا۔

وہ منظر شاید اتنا بھیانک اور روح فرسا تھا کہ زمرد روہانسی آواز میں گالم گلوچ کرنے کے باوجود چوکھٹ عبور کرکے ڈرائنگ روم میں گھسنے کی ہمت نہ کرسکی۔

زمرد کوئی عام گھریلو عورت نہیں تھی۔ وہ کراچی کے زمانہ بازار کی ایک سکہ بند ڈیرے دارنی تھی۔ اس لیے نہیں تھا کہ کب میرے اور ساگا کے جھگڑے میں دخل دے اس کی طرف سے خطرے کا ادراک کرتے ہوئے میں گریبان چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبوچ کر دیا کہ اس کی پشت ڈیرے دارنی کی طرف ہوگئی۔ میں شانوں کے اوپر سے مکان کے اندرونی حصے پر نگاہ رکھ سکتا وقت میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ بگڑے ہوئے حالا تیزی سے سازگار ہوئے تھے کہ میں چاہتا تو اس وقت ساگا لے کر وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرسکتا تھا مگر اس ہوئے خون آلود چہرے کی وجہ سے مجھے راستے میں دشوا سامنا ہوسکتا تھا۔ ایسے کسی بھی خطرے سے بچنے کے لیے ہو تاکہ میں ساگا کو وہیں دھکیل کر اس مکان سے نکل جاتا۔

میں نے ساگا کا گلا دبوچ کر پلٹتے پلٹتے یہ دیکھ لیا تھا کہ اشیا کی کرسیاں وغیرہ میرے اور بیرونی دروازے کے درمیا نہیں تھیں۔ میں آسانی سے الٹے قدموں بھی دروازے بڑھ سکتا تھا۔

میں اسی اُدھیڑبُن میں مبتلا تھا کہ اندر سے نادیہ تقر ہوئی نمودار ہوئی۔ اس کے دلکش چہرے کا رنگ لال بھبھ تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شدید غصے یا ہیجان میں مبتلا کے انداز اور تیوروں میں کوئی ایسی بات تھی کہ میں چونکا ہو

وہ دوڑتی ہوئی زمرد کی اوٹ سے چند لمحوں کے لیے با

مجھے اس کے داہنے ہاتھ میں دبا ہوا چھوٹا سا پستول نظر آ اسے پستول لینے میں ہی دیر لگ گئی تھی ورنہ ڈرائنگ اچانک شروع ہونے والی ہڑبونگ نے اسے اور زمرد کو یک چونکایا تھا۔

"وہیں رک جاؤ!" میں نے ساگا کے نرخرے پر اپنی کی بے رحمانہ گرفت کو سخت کرتے ہوئے جلدی سے کہا "میں سے کوئی بھی آگے بڑھا تو میں ساگا کا گلا گھونٹ دوں گا۔"

"کیسے روک رہا ہے؟ لگتا ہے کہ یہ اس کے باپ کا" زمرد اپنی جگہ پر بل کھا کر کلکلائی "چھمیا، چلادے گولی ا بتادے کہ تجھے ولایتی طمنچہ چلانا آتا ہے۔"

ویسے تو زمرد صرف چھمیا کی ماں ہونے کی دعوے دار اس وقت ام الخبائث معلوم ہو رہی تھی۔ جدید ماحول میں بہت کچھ سیکھ گئی تھی مگر اس کی بول چال سے قدامت کا جھلک رہا تھا جو اس کے طبقے کی عورتوں کی پہچان ہوتا ہے۔

نادیہ یا چھمیا نے زمرد کے اُکسانے پر اپنا پستول والا میں بلند کرکے سیدھا کیا لیکن ساگا کی پشت کو اپنے اور درمیان دیکھ کر گولی چلانے کی ہمت نہیں کرسکی۔

ساگا اپنے تمام تر اندازوں کے برعکس اچانک ہی میری گرفت میں آیا تھا اور اس وقت تک سنبھلنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ نرخرے پر پڑنے والے دباؤ نے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کردیے تھے۔ اس کے حلق سے عجیب اور بے معنی آوازیں نکل رہی تھیں مگر جسمانی طور پر اس کی مزاحمت برائے نام تھی۔

ساگا کے ریوالور کا چیمبر خالی ہونے کے انکشاف پر مجھے جو خوشی ہوئی تھی، وہ چھمیا کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر کافور ہوگئی۔ خوب صورت اور دلفریب نظر آنے والی چھمیا نے اپنی ساری عمر معاشرے کے برے لوگوں کے ساتھ رہ کر گزاری تھی۔ مگر میں دیکھ رہا تھا کہ ننھا سا پستول سنبھالنے کے معاملے میں وہ بے اعتمادی کا مظاہرہ کررہی تھی۔

آتشیں ہتھیار کسی گھاگ دشمن کے ہاتھ میں ہو تو خطرناک ہوتا ہے۔ مگر اناڑی حریف کے ہاتھوں میں وہی ہتھیار کئی گناہ زیادہ بھیانک ہوتا ہے۔ دفاع کرنے والے کو کچھ پتا نہیں ہوتا کہ اناڑی حریف سے کب اور کدھر گولی چل جائے گی۔ چھمیا کے مسلح ہوجانے سے خطرہ ایک مرتبہ پھر سنگین ہوگیا تھا۔

میں ساگا کی اوٹ میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا چھمیا کا پستول والا ہاتھ غیرارادی طور پر قدرے جھک گیا تھا لیکن پوری طرح نیچے نہیں گرا تھا۔ زمرد کی گندی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ چند ثانیوں تک ان دونوں کو میری پسپائی کا اندازہ نہیں ہوسکا پھر اچانک ہی چھمیا کا بازو فضا میں دوبارہ تن گیا۔

"ٹھہرو!" وہ حلق کے بل بولی تو اس کی آواز پھٹ گئی۔ گائیکی کی تربیت پانے والے نرم و نازک گلے کے لیے وہ کوشش ظلم سے کم نہیں تھی۔ چھمیا جھلا کر کھانسی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "تم ساگا کو لے کر یہاں سے نہیں جاسکتے۔ اگر تم نہیں رکے تو میں نتیجے کی پروا کیے بغیر فائر کردوں گی۔"

"نتیجے کی پروا ساگا کو ہونی چاہیے کیونکہ اس کی پشت تمہارے نشانے پر ہے" میں نے اسے چڑانے کے لیے اس کا مضحکہ اڑایا "تم خوشی سے گولی چلاؤ۔ شاید ساگا اپنی پشت پر دوسرا سوراخ خاموشی سے سہہ لے۔"

پیچھے سے آنے والی روشنی سے اندازہ ہورہا تھا کہ میں نکاسی کے راستے سے بہت قریب تھا اور ایک ہی جست میں باہر نکل سکتا تھا۔

چھمیا نوجوان اور شائستہ نظر آتی تھی۔ زمرد کے برعکس وہ نئی روشنی میں پلی بڑھی تھی لیکن میرے تضحیک آمیز تبصرے پر جھلا کر اس نے مجھے بھاری بھرکم گالیاں دینی شروع کیں تو اپنی ماں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ اوپر سے ایسی پُرکشش اور نرم و نازک نظر آنے والی چھمیا اندر سے ایسی بدزبان اور فحش کلام بھی ہوسکتی ہے۔ وہ اس کا خون تھا جو اس وقت اس کے سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

میں نے لمحے بھر کے لیے رک کر ساگا کی خون میں نہائی ناک پر بھرپور ٹکر رسید کی، اس کے حلق سے ایک بھیانک غرا... آزاد ہوئی اور میں نے اس کا گلا چھوڑ دیا۔ میرے ہاتھوں کا ... ختم ہوتے ہی وہ تیورا کر نیچے گرنے لگا تھا کہ ڈرائنگ روم میں ... کے چھوٹے سے پستول کا دھاکہ گونج اٹھا۔

ساگا کی دوسری چیخ سے مجھے اندازہ ہوا کہ گرتے گرتے ... چھمیا کی چلائی ہوئی گولی کا نشانہ بن چکا تھا۔ وہ سب ... اندازے تھے کیونکہ ساگا کا نرخرا آزاد کرنے کے بعد ایک ... کے دسویں حصے کے لیے بھی کمرے میں نہیں رکا تھا۔ جست ... برآمدے اور پھر کچے احاطے میں نکلتا چلا گیا تھا۔

مجھے ہوش اس وقت آیا جب زمرد کا بری یا بنگالی ملازم ... دیوار کی اوٹ سے نکل کر اچانک میرے سامنے آگیا۔ کپڑ... دھونے بلکہ کوٹنے والا ایک موٹا سا ڈنڈا اس کے ہاتھ میں دبا... تھا۔

مجھے اپنے اوپر سخت تاؤ آیا کہ اندر رونما ہونے والے ... واقعات کی تیزی میں الجھ کر میں اس منحنی سے ملازم کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔ وہ شاید کہیں چھپ کر اندر کے حالات کا جا... لیتا رہا تھا اور پوری صورتِ حال سے باخبر تھا۔ جب تک اندر ... دھاڑ ہوتی رہی، وہ خاموش تماشائی بنا ہوا۔ میرے فرار ہونے ... اس کا وفاداری کا جذبہ جاگ اٹھا اور وہ ڈنڈا لے کر میرے مقابلے پر اتر آیا۔

جسمانی اعتبار سے وہ میرے مقابلے میں بہت کم تر تھا۔ ... اسے اپنے بازوؤں میں لے کر زور سے بھینچ دیتا تو اس کی کئی پسلیاں چیخ سکتی تھیں لیکن اس وقت اس کی آنکھیں عجیب سے ... جوش سے چمک رہی تھیں۔

اس نے ڈنڈا سر سے اوپر اٹھا کر میرے سامنے یوں ... شروع کردیا جیسے میرا سر کچلنے کے لیے مناسب موقع کی تلاش ... ہو۔ چھمیا کے باہر نکل آنے کے خطرے کی وجہ سے میں وہاں ... وقت برباد نہیں کرسکتا تھا میں بس ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا اور ... اس پر جھپٹ پڑا۔

میری وحشیانہ پیش قدمی نے اسے دہشت زدہ کردیا۔ وہ ڈ... وہیں پھینک کر پوری رفتار سے مخالف سمت میں بھاگ نکلا۔ ... کے خوف سے اس کی ساری نمک حلالی جھاگ کی طرح بیٹھ ... تھی۔ میں اس کے تعاقب میں جانے کے بجائے پھاٹک کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اس وقت ان لوگوں میں سے کسی کو مارنے، پکڑنے یا باز... کرنے سے زیادہ میرے لیے اہم بات یہ تھی کہ میں کسی سنگین ... پھوٹ کا شکار ہوئے بغیر وہاں سے نکل جاؤں۔

وہ پڑھے لکھے اور امن پرور لوگوں کا علاقہ تھا۔ دن کا ابتدائی حصہ ہونے کی وجہ سے مرد گھروں میں موجود نہیں تھے یا ...

بکھیڑے میں نہیں الجھنا چاہتے تھے۔ مجھے سڑک صاف ملی۔ بھاگنے کے بجائے میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ایک قریب ترین گلی میں گھس گیا۔

میں نے غیرارادی طور پر آستین سے اپنی پیشانی صاف کی اور آستین پر خون کا تازہ نشان دیکھ کر بری طرح چونک پڑا۔ لمحے بھر بعد ہی مجھے یاد آگیا کہ میں نے چلتے چلتے' ساگا کے خون آلود چہرے پر آخری وحشیانہ ٹکر رسید کر کے اس کے گندے خون سے اپنی پیشانی داغ دار کرلی تھی۔

پیشانی پر خون کے داغ کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھنے کے بجائے میں نے وہیں رک کر اپنی جیب سے رومال نکالا اور رگڑ رگڑ کر پوری پیشانی کو صاف کرنے لگا۔ آخری چند منٹوں میں ساگا کے ساتھ ہونے والی زور آزمائی اور بھاگ دوڑ کی وجہ سے مجھے پسینہ آیا ہوا تھا۔ پسینے کی نمی نے خون کی صفائی میں خاصی مدد دی اور جب سفید رومال کے صاف حصوں پر خون کی سرخی منتقل ہونی بند ہوگئی تو میں مطمئن ہو کر آگے بڑھ گیا۔

الٹے راستے پر ایک طویل چکر کاٹ کر نشتر روڈ کی طرف واپس جاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ میری وہ پُر مشقت بھاگ دوڑ نتیجے کے اعتبار سے رائگاں ہی گئی تھی۔ میں نے ساگا کا سراغ ضرور لگالیا تھا لیکن اس سے راس الیمڈا کے بارے میں ٹھوس معلومات حاصل کرنے کی نوبت نہیں آسکی تھی۔ میری معلومات میں بس اسی قدر اضافہ ہوسکا تھا کہ اس بار راس الیمڈا نے بذاتِ خود جمی لائیڈ اور جم کلارک کی جگہ سنبھال لی تھی اور شہر کے گنے چنے لوگوں کو دو عدد سلور آئیز دکھا کر اپنی طاقت اور وسائل سے مرعوب کرتا پھر رہا تھا۔

کامیابی کی ایک موہوم سی امید باقی تھی۔ میں واپس جا کر اول خان کو ساگا کی کمین گاہ سے آگاہ کردیتا اور وہ سرعت سے حرکت میں آجاتا تو ساگا کو ٹھکانا بدلنے سے پہلے گرفت میں لے سکتا تھا۔

ساگا اتنا احمق نہیں تھا کہ بات بڑھ جانے کے باوجود اسی چار دیواری میں بیٹھ کر مزید مصائب کے نزول کا انتظار کرتا رہا۔ وہ ایک تجربے کار مجرم تھا اور ایسے مواقع پر وقت کی اہمیت سے پوری طرح واقف تھا لیکن اس کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے۔

میری مار سے اسے اتنی شدید ضربات نہیں آئی ہوں گی جتنی چھمیا کے ایک فائر سے آئی ہوں گی۔ گولی کے زخم کے خطرناک ہونے کے نتیجے میں اگر زمرد اسے کسی اسپتال میں منتقل کردیتی تو یہ امید کی جاسکتی تھی کہ وہ دونوں بد زبان عورتیں اپنا ٹھکانا بدلنے کی اہمیت پر فوری طور پر غور ہی نہ کرسکیں اور یوں ساگا کو مزید مصائب کے جہنم میں دھکیلنے کا سبب بن جائیں۔

یہی سب سوچتا ہوا میں نشتر روڈ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ ٹیکسی لے کر سیدھا گھر لوٹ جاؤں مگر کار سے عارضی محرومی کی صورت میں میری نقل و حرکت بہت محدود ہو کر رہ جاتی۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو نگار سینما چلنے کی ہدایت کی اور پچھلی نشست میں دھنس کر سگریٹ سلگالی۔

میں شہر میں بغیر ڈھکن کے مین ہولوں کے نتیجے میں رونما ہونے والے متعدد چھوٹے موٹے اور اکا دکا مہلک حادثات کے بارے میں آئے دن اخبارات میں کچھ نہ کچھ پڑھتا رہتا تھا لیکن اس روز مجھے ایسے مین ہولوں کی افادیت کا تجربہ بھی ہوا۔ میں نے نشتر روڈ پر پہنچنے سے پہلے اپنا خون آلود رومال ایک کھلے ہوئے مین ہول میں ڈال کر اس سے نجات حاصل کرلی تھی۔ کراچی جیسے گنجان آباد شہر میں کھلے ہوئے چند سو مین ہول مجھ جیسے ضرورت مندوں کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ کا درجہ رکھتے تھے۔

ٹیکسی نشتر روڈ سے ہو کر نیپیئر روڈ کا ایک چکر کاٹتی ہوئی کورٹ کی طرف پہنچی تو یہ دیکھ کر میرا دل دھک سے رہ گیا کہ میری کار غائب تھی۔ میرے ذہن پر یکایک وسوسوں نے یلغار کردی۔

سب کوئی بھی رہا ہو' اگر کار غائب تھی تو بس غائب تھی۔ اس کا آسانی سے بازیاب ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ میرے لیے وہاں رک کر وقت برباد کرنا بے سود تھا۔

میں اسی ٹیکسی کے ذریعے کلفٹن روانہ ہوتا تو ٹیکسی ڈرائیور میری طرف سے شبہات کا شکار ہوسکتا تھا۔ میں نے اسے روک کر کرایہ ادا کیا اور نیچے اتر گیا۔ چند منٹ بعد ہی میں دوسری ٹیکسی میں گھر کی طرف جارہا تھا۔

میری کار کے ساتھ جو بھی واقعہ پیش آیا ہو' مجھے اتنا یقین تھا کہ اس واردات میں زمرد کے پرانے محلے داروں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ میں کار بہت دور پارک کر کے پیدل وہاں پہنچا تھا۔ ان کے لیے یہ سراغ لگانا ناممکنات میں سے تھا کہ میں وہاں تک کسی کار میں سفر کر کے پہنچا تھا۔

دوسری ٹیکسی کو فارغ کر کے میں گھر پہنچا تو وہ تینوں ہی کسی بحث میں الجھے ہوئے تھے اور ڈرائنگ روم میں متعدد اردو اور انگریزی اخبارات قالین پر بکھرے ہوئے تھے۔

مجھے دیکھتے ہی ویرا کا منہ بن گیا اور اس نے تلخی سے پوچھا۔ "کچھ کہے سنے بغیر کہاں گئے تھے؟"

میں نے اسے کوئی جلا کٹا جواب دینے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے ہنس کر کہا "میرے جاتے ہوئے غزالہ جاگ رہی تھی۔ اتنی سخت باز پرس تو اس نے بھی نہیں کی تھی۔"

"میں بھی اسے یہی سمجھا رہی تھی کہ حد سے زیادہ ڈھیل دے کر وہ تمہیں بگاڑ رہی ہے" ویرا کے لہجے کی تلخی میں کوئی فرق نہیں آیا "میں جاگ رہی ہوتی تو دیکھتی کہ تم خاموشی سے کیسے نکل سکتے تھے؟"

"میں اسے کیا بتاتا؟ دراصل میں کراچی کے بازارِ حسن کی سیر کرنے گیا تھا" میں نے بے چارگی سے جواب دیا اور بے اختیاری سے ان تینوں کی آنکھیں پھیل کر رہ گئیں۔

"کیا واقعی؟" غزالہ کے بے ساختہ سوال سے بے یقینی جھلک رہی تھی۔

"یہ کون سا وقت تھا وہاں جانے کا؟" ویرا کا سوال خالص تیکنیکی نوعیت کا تھا۔

"یہی سوال اس علاقے کے ایک پان فروش نے بھی پوچھا تھا" میں نے سمجھتے ہوئے لہجے میں ویرا سے کہا "اسی یکسانیت سے تم اپنی ذہنی سطح کا اندازہ لگا سکتی ہو۔ اب میرا وقت برباد مت کرو۔ میں اول خان سے بات کروں گا۔ تو بہت سی باتیں خود بہ خود تمہارے سامنے آجائیں گی۔"

"اخبارات میں راس المیڈا کی باتصویر کہانی چھپنے کے بعد تمہارا یوں باہر جانا خطرناک تھا" سلطان شاہ ملامت آمیز لہجے میں بڑبڑا رہا تھا "تمہارے اچانک غائب ہوجانے سے ہم سب پریشان ہوگئے تھے۔"

میں کوئی جواب دیے بغیر اول خان کے گھر کا نمبر ملاتا رہا۔ وہ وہاں موجود نہیں تھا۔

اسٹیشن فور پر ہونے والے' ایلس کی سیاہ بلی کے تباہ کن دھماکے کے بعد وہاں کے فون پہلے ہی بحال ہوچکے تھے۔ وہاں اول خان نے خود ہی فون اٹھایا تھا۔

"تم کسی کو کچھ بتائے بغیر کہاں غائب ہوگئے تھے؟" میری آواز پہچانتے ہی اول خان نے لعن طعن شروع کی تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکا کہ اسے میری غیر حاضری کا علم کیسے ہوگا مگر اس کے اگلے فقرے سے ہی بات صاف ہوگئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ویرا کا خیال تھا کہ تم میری طرف آئے ہو۔ اس نے تمہاری تلاش میں مجھے فون کیا تھا۔"

"میں دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں۔ ان دونوں کو سونے سے فرصت نہیں تھی۔ میں نے غلطی یہ کی کہ ان کے بیدار ہونے کا انتظار کیے بغیر ساگا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور اب سب باتیں بنا رہے ہیں۔"

"تم خوش نصیب ہو کہ تمہارے لیے اتنے لوگ فکرمند رہتے ہیں۔ یہ بات وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہیں اپنی خبر گیری کے لیے کوئی میسر نہیں" اول خان کا لہجہ نرم پڑگیا پھر اس نے قدرے حیرت سے سوال کیا "تم ساگا کی تلاش میں کہاں بھٹکتے پھر رہے تھے؟"

"میں بھٹک نہیں رہا تھا' اسے اس کی کمین گاہ پر زخمی حالت میں چھوڑ کر مشکل سے واپس آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم فوراً اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرو" میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

"کمین گاہ؟ تمہیں اس کے ٹھکانے کا سراغ کہاں سے مل گیا؟" اول خان کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"مجھے بازارِ حسن سے اس کا پتا چلا تھا۔ یہ لمبی کہانی ہے' بعد میں مجھ سے پوری تفصیل سن لینا۔ اس وقت اہمیت اس پر ہاتھ ڈالنے کی ہے۔ دیر کی گئی تو وہ کہیں بھی روپوش ہوسکتا ہے۔ اس وقت وہ دو عورتوں اور ایک ملازم کے ساتھ اپنے ٹھکانے پر موجود ہوگا" میں نے زور دے کر کہا۔

"یہ بہت بڑی خبر ہے۔ مجھے اس کا پتا بتاؤ۔ میں ابھی آدمی روانہ کرتا ہوں" اول خان کی اضطراری آواز ابھری "وہ نہیں ملا تو عورتوں کو اٹھوالیا جائے گا۔ وہ خود ہی سامنے آنے پر مجبور ہوجائے گا۔"

"نہیں!" میں نے سختی سے اسے منع کردیا "عورتیں بالکل غیر اہم ہیں۔ ایک ساگا کی رکھیل ہے اور دوسری اس لڑکی کی ماں۔ ملے تو وہ تینوں ساتھ ہی ملیں گے یا سب غائب ہوں گے۔"

گارڈن ایسٹ کا علاقہ میرا دیکھا بھالا ہوا نہیں تھا' نہ ہی ساگا کے مکان کے باہر نام یا نمبر کی کوئی تختی موجود تھی۔ میں نے سڑکوں اور گلیوں کے حوالے سے اول خان کو اس عمارت کی ٹھیک ٹھیک نشان دہی کرادی جہاں میں نے ساگا کو زخمی حالت میں چھوڑا تھا۔

"میں نے کاغذ پر نقشہ بنالیا ہے" میرے خاموش ہوتے ہی اول خان بول پڑا "میں ایک پارٹی کو فوری طور پر اُدھر بھیجنے کا بندوبست کرکے تمہاری طرف آتا ہوں۔ گھر پر ہی میرا انتظار کرنا۔ تم نے اخبارات دیکھ ہی لیے ہوں گے۔ اپنی تصویر کی اشاعت کے بعد اب راس المیڈا شہر سے بھاگنے کی فکر میں ہوگا۔ ساگا ہمارے ہاتھ آگیا تو فرار ہونے سے پہلے ہی راس المیڈا کی گردن دبوچی جاسکے گی۔ تم ہمیشہ کوئی نہ کوئی حیران کُن کارنامہ سرانجام دینے کی فکر میں لگے رہتے ہو۔"

"بس' جلدی پہنچو۔ میں اس کوشش میں اپنی گاڑی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا ہوں۔ اس کی بازیابی کے لیے بھی مجھے تمہاری تھوڑی سی مدد کی ضرورت ہوگی" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

وہ تینوں حیرت سے منہ پھاڑے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میری یک طرفہ گفتگو سن کر انہوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ میں کس مہم پر نکلا ہوا تھا اور کیا نتائج لے کر واپس آیا تھا۔

"میری جلد کے مساموں اور بالوں کی جڑوں میں ساگا کا خون جم رہا ہوگا' میں بدن پر پانی بہا کر چند منٹ میں آتا ہوں۔ اس کے بعد تم لوگوں کو تفصیلی رپورٹ دوں گا" کسی کے سوال کرنے سے پہلے ہی میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

گھر پہنچنے تک مجھے احساس ہورہا تھا کہ میں اس مہم میں اپنی گاڑی گنوا کر بے نیل و مرام ہی واپس لوٹا تھا لیکن اپنے لوگوں سے بات ہوتے ہی مجھے اندازہ ہونے لگا تھا کہ میں اتنا زیادہ ناکام بھی نہیں رہا تھا۔

غسل خانے میں اپنے بدن پر ٹھنڈے اور گرم پانی کی تیز دھاریں بہاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ راس المیڈا کے خلاف مختصر سے وقت میں پے در پے متعدد کارروائیاں کرکے ہم نے اس

کے قدم اکھاڑ دیے تھے۔ پہلے فریڈم لاج نامی مضبوط اور پُر اسرار قلعے کو پامال کر کے راس المیڈا کو بے سروسامانی کے عالم میں فرار ہونے پر مجبور کیا پھر ڈرامائی انداز میں سخی مراد کو آزاد کر کے ایسی سنسنی پھیلائی کہ راس المیڈا ہر خطرہ مول لے کرائس کی زندگی کا خاتمہ کر گزرا۔ وہاں سے اول خان کا آدمی اسرار جونک بن کر راس المیڈا کے پیچھے ہولیا۔

سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے مکان میں رونما ہونے والے واقعات راس المیڈا کے تابوت کی آخری کیل ثابت ہوئے تھے۔ اسے علم نہیں تھا کہ وہاں اس کی تصاویر لی جاچکی تھیں مگر ہماری مسلسل یلغار سے وہ اس قدر ہراساں ہوگیا کہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر آمادہ ہوگیا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ میں ویرا کے ٹکٹ اور ویزے کے بندوبست کے لیے ائرپورٹ جا پہنچا اور وہ مردود اپنے پروگرام کے مطابق فرار ہونے میں بھی کامیاب نہیں ہوسکا۔

مجھے اندازہ تھا کہ اخبارات میں چھپنے والی تصاویر اور کہانی نے اسے کس قدر بدحواس کیا ہوگا۔ اول خان نے اپنے حسّاس وسائل کو بروئے کار لاکر اس کہانی کی اشاعت کا انتظام تو کرلیا تھا لیکن اس کے ساتھ شہر سے راس المیڈا کے متوقع فرار کو روکنے کے لیے اس نے کیا تدابیر اختیار کی تھیں' اس بارے میں میری اور اس کی کوئی بات ہی نہیں ہوسکی تھی۔ اخبارات کو بازار میں آئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اگر اول خان موثر تدابیر اختیار نہیں کرسکا تھا تو راس المیڈا کے لیے کراچی سے نکلنے کے بہت سے راستے کھلے ہوئے تھے۔ وہ ایک بار شہر سے بھاگ جاتا تو شاید ساگا بھی اس کے خلاف ہماری کوئی رہنمائی نہیں کرسکتا تھا۔ ہربات ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم بنی ہوئی تھی اور کسی بھی معاملے میں ذرا سی لغزش ہماری ساری کامیابیوں پر پانی پھیر سکتی تھی۔

میں تازہ دم ہو کر غسل خانے سے نکلا تو ڈرائنگ روم میں گرما گرم ناشتے کے ایک ہلکے پھلکے دور کی تیاریاں دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا۔ غزالہ حسن اور دلکشی کے ساتھ بہت سی بے مثال خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ وہ میرے کچھ کہے بغیر ہر وقت میرے جسم و جان کی ضرورتوں کا پورا پورا خیال رکھتی تھی۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ نہانے کے بعد مجھے چائے کی ضرورت ہوگی۔

"ہم سے تم کہہ رہے تھے کہ بازارِ حسن کی سیر کرنے گئے تھے۔ اول خان کو بتایا کہ تم ساگا کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے" ویرا نے میرے غسل کی مہلت ختم ہوتے ہی اپنی جرح کا آغاز کردیا "آخر تم گئے کہاں تھے؟"

"دونوں باتیں درست ہیں" میں نے چائے کا گھونٹ لے کر آہستہ سے کہا "مجھے بازارِ حسن سے ہی ساگا کا نیا پتا معلوم ہوا تھا۔ اور وہ وہاں موجود تھا۔ میں نے اس وقت کوئی غلط بیانی نہیں کی ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہاں سے ساگا کا سراغ مل سکتا ہے؟" ویرا کا لہجہ مشکوک تھا۔

"کل رات جہانگیر سے کچھ اشارے ملے تھے۔ میں ان ہی کے سہارے چل پڑا۔"

"میں بھی وہاں موجود تھی۔ میرے سامنے تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔"

"تمہارے سامنے اس کی عقل چوپٹ ہو کر رہ جاتی ہے۔ جب تم سلمٰی کے ساتھ اس کی غیبت کرنے میں مصروف تھیں تو تھوڑی دیر کے لیے اس کی عقل بحال ہوئی تھی۔ اسی وقت کچھ کام کی باتیں ہوئی تھیں۔"

مجھے اندازہ تھا کہ میری وہ تشنہ وضاحتیں ان کی آتشِ شوق کو مزید بھڑکا دیں گی۔ ویرا سوال کرتی رہی' میں نپے تلے جوابات دیتا رہا اور جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تو میں نے اپنی کہانی چھیڑ دی۔

"یہ تمہاری بدترین حماقت تھی کہ تم کوئی ہتھیار اپنے ساتھ لیے بغیر ساگا کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے" پورا قصہ سن لینے کے بعد ویرا تیزی سے بولی "اگر قسمت ساتھ نہ دیتی تو آج تم مارے ہی گئے ہوتے۔ ہمیں کانوں کان بھی پتا نہیں چلتا کہ ساگا نے تمہیں کہاں دبایا ہے۔"

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میرا ارادہ اس سے بھڑنے کا نہیں تھا۔ میں صرف معلومات حاصل کر کے لوٹ آنا چاہتا تھا مگر وہاں ملنے والے تینوں آدمیوں نے مکاری سے مجھے ایسے جال میں جکڑا کہ مجھے وہاں جانا ہی پڑ گیا۔"

"لیکن گاڑی کہاں چلی گئی؟ اس کا یوں غائب ہونا سمجھ میں نہیں آرہا" غزالہ بولی۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے گاڑی کی تلاش میں نکلنا ہی پڑے گا" سلطان شاہ مسمسی آواز میں بولا۔

"کیوں؟ تمہیں اچانک گاڑی کی اتنی فکر کیوں لاحق ہوگئی؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"گڑبڑ ہوگئی" اس نے سر جھکا کے ندامت سے کہا "کل رات میں بیم گن اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ غلطی سے کار کے ڈیش بورڈ ہی میں رہ گئی تھی۔ اس کی وجہ سے کار کا معاملہ سنگین ہوگیا ہے۔"

اس انکشاف پر میرا دل چاہا کہ میں اپنا سر پیٹ لوں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ بیم گن گاڑی ہی میں موجود ہے تو اس کی حفاظت کے خیال سے میں اسے ضرور اپنے ساتھ لے لیتا۔ اس طرح میں ساگا کے گھر پر نہتا رہتا اور بیم گن بھی یوں ہاتھوں سے نہ نکلنے پاتی!

میں نے بہ دقت تمام اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو پایا اور صرف اتنا کہا "اب بیم گن سے تو ہاتھ ہی دھولو.... وہ نادر ہتھیار کار میں رہ گیا تھا تو تمہیں ہم سے اس کا ذکر ضرور کردینا چاہیے تھا۔"

"مجھے یاد ہوتا تو میں کسی سے ذکر کرنے کے بجائے نیچے جاکر اسے نکال لاتا" اس نے برجستہ جواب دیا "کار کی گمشدگی کے ذکر پر ابھی ابھی مجھے یاد آیا ہے کہ میں رات کو بیم گن ڈیش بورڈ سے نکالنی بھول گیا تھا۔"

"کیا اپنے رشتہ داروں پر رعب جمانے کے لیے بیم گن اپنے ساتھ لے گئے تھے؟" ویرا نے طنز سے پوچھا۔

"تم جو چاہو کہہ سکتی ہو۔ اس وقت میری پوزیشن کمزور ہے۔" سلطان شاہ نے گہرا سانس لے کے بے بسی سے کہا "تمہیں کبھی کبھی ہی دوسروں کی ٹانگ کھینچنے کا موقع ملتا ہے۔"

تلخی پیدا ہونے سے پہلے ہی غزالہ نے جلدی سے بات بدل دی۔ "ہماری گاڑی نئی نہیں تو اتنی پرانی بھی نہیں تھی۔ یہ کسی پیشہ ور کار لفٹر کا کام بھی ہوسکتا ہے۔ ایسا ہوا تو ہم گاڑی کہاں تلاش کریں گے؟"

"گاڑی دوسری بھی خریدی جاسکتی ہے، بیم گن کسی قیمت پر نہیں مل سکے گی" ویرا نے تیزی سے کہا "بعض کار لفٹر گاڑیوں سے قیمتی سامان نکال کر انہیں چھوڑ دیتے ہیں کار مل بھی گئی تو خاطر جمع رکھو کہ اس میں بیم گن موجود نہیں ہوگی۔ ہم اس سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔"

"کار لفٹر کے بجائے یہ کسی لفٹر کا کام بھی ہوسکتا ہے" غزالہ نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"ان دونوں میں بھلا کیا فرق ہوتا ہے؟" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

"ایسا تو نہیں کہ آپ نے گاڑی کسی غلط جگہ پارک کردی ہو اور ٹریفک پولیس لفٹر کی مدد سے اسے اٹھا لے گئی ہو؟" غزالہ نے ویرا کے سوال پر دھیان دیے بغیر مجھ سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں، میں نے اپنی گاڑی پارکنگ کی مخصوص جگہ میں لگانے کے لیے کافی لمبا چکر لگایا تھا۔ میں چاہتا تو آس پاس ہی کسی غلط جگہ پر گاڑی چھوڑ سکتا تھا" میں نے پورے یقین سے کہا۔

"پھر بھی میں ایک چکر لگا لیتا ہوں" سلطان شاہ بے چینی سے اٹھ کھڑا ہوا "بعض اوقات پولیس والے پیسے بنانے کے لیے پارکنگ والے حصے سے بھی گاڑیاں اٹھا لیتے ہیں۔"

بیم گن کا معاملہ اس قدر اہم تھا کہ ہم میں سے کسی نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی مگر مجھے اس کی کامیابی کی کوئی امید نہیں تھی۔ اس کے استفسار پر میں نے اسے وضاحت سے اس جگہ کے بارے میں سمجھا دیا جہاں میں نے گاڑی کھڑی کرکے بلبل ہزار داستاں بلڈنگ کا رخ کیا تھا۔

سلطان شاہ کے چلے جانے کے بعد کئی منٹ تک ہم تینوں خاموش بیٹھے رہے پھر اچانک ہی میں نے غزالہ سے کہا "بعض اوقات سلطان شاہ کسی ناسمجھ بچے کی سی بے وقوفی کرگزرتا ہے۔ ذرا...."

ویرا میری بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی "یہ بعض اوقات کی بات نہیں ہے۔ جسمانی طور پر بالغ ہوجانے کے باوجود وہ ذہنی طور پر نابالغ ہے۔ اس کے ہاتھ میں فیڈر تھما کر گلے میں چسنی لٹکا دو تو بہتر رہے گا۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ سلطان شاہ کے بارے میں ویرا کی ازلی خلش کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ طویل رفاقت کے نتیجے میں ویرا اس کی محبت میں گرفتار ہوگئی تھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ جب بھی ویرا نے اپنے سدا بہار نسوانی حربوں سے کام لے کر اسے اپنے اشاروں پر نچانا چاہا تھا، وہ بدک کر اس سے دور بھاگ نکلا تھا۔ وہ اپنے اس رویے کو مشرق کا مردانہ وقار اور کردار قرار دیتا تھا، ویرا اسے سلطان شاہ کی بزدلی اور توہین سمجھ کر جھلا جاتی تھی اور اسی لیے رہ رہ کر اسے تنگ کرتی رہتی تھی۔

اس وقت بھی ویرا نے میری بات کاٹ کر سلطان شاہ کے بارے میں جو فقرے ادا کیے تھے، ان سے اس کے لاشعور میں بسی ہوئی وہی جھلاہٹ ظاہر ہورہی تھی جس کا وہ اکثر مظاہرہ کرتی رہتی تھی۔

"بعض اوقات تم بلاوجہ بات کاٹ دیتی ہو" میں نے ترشی سے کہا "سلطان شاہ نے بیم گن کے بارے میں تو بتا دیا ہے مگر مجھے اول خان کے دیے ہوئے دوسرے اپریٹس کی فکر ہے۔ ایسا نہ ہوا ہو کہ سلطان شاہ بیم گن کے ساتھ اپنے دوستوں کو دکھانے کے لیے وہ اپریٹس بھی لے گیا ہو اور گاڑی میں بھول آیا ہو۔"

وہ اپریٹس بہت اہم تھا۔ غزالہ تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر سلطان شاہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

مجھے یاد آیا کہ پچھلے روز باتیں کرتے ہوئے ہم نے وہ اپریٹس بے پروائی سے کہیں چھوڑ دیا تھا، بعد میں سلطان شاہ اسے اپنے کمرے میں اٹھا لے گیا تھا۔ اگر اس نے بیم گن کی طرح وہ اپریٹس بھی کار میں بھول جانے کی حماقت نہیں کی تھی تو اسے اس وقت بھی سلطان شاہ کے کمرے میں موجود ہونا چاہیے تھا۔

اس وقت سلطان شاہ میری گم شدہ کار کی تلاش میں نکلا ہوا تھا، غزالہ اپریٹس کی تلاش میں سلطان شاہ کے کمرے میں جا گھسی تھی اور میں ویرا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں تنہا رہ گیا تھا۔

تنہائی بلکہ خلوت کے اس احساس کو مٹانے کے لیے میں نے اضطراری طور پر نئی سگریٹ سلگالی۔

"ڈیئی!" ویرا کی دبی دبی بلکہ سرگوشیانہ آواز نے اچانک ہی میری حیوانی جبلتوں کو بیدار کردیا۔

"ہوں! کیا بات ہے؟" میں نے اپنی نشست میں سنبھل کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میری روانگی میں کتنی دیر باقی رہ گئی ہے۔ آج تمہارے شہر میں میری آخری رات ہے۔"

"میری دعا ہے کہ تمہاری یہ رات تمہارے لیے یادگار ثابت ہو۔" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

اس کی تلخ سی ہنسی کی دھیمی آواز ابھری پھر اس نے آہستگی سے کہا "کیسی عجیب بات ہے کہ جو میری اس رات کو یادگار بنا سکتا ہے' وہ صرف اپنی دعاؤں کے حصار میں جکڑا ہوا ہے۔ کیا تمہیں میرے بچھڑنے کا دکھ نہیں ہے؟ چند دنوں کی رفاقت کے بعد کتیا بھاگ جائے تو اصیل کتا کئی دنوں تک کھویا کھویا اور اُداس سا رہتا ہے۔ تم تو پھر بھی ایک مکمل اور بھرپور انسان بلکہ نوجوان ہو۔"

"ویرا!" میں مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور مٹھیاں بھینچ کر کہنے لگا "ماضی کو بھولنے کی کوشش کرو۔ اسی طرح تم موجودہ صورتِ حال سے سمجھوتا کر سکتی ہو۔ تم اکیلی ضرور رہ گئی ہو مگر میں اب تنہا نہیں ہوں۔ میری ذات سے غزالہ کا مستقبل وابستہ ہے اور اسے تم نے اپنی بہن کا درجہ دیا ہوا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" وہ تلخ ہنسی کے ساتھ کہنے لگی "یہ میرا ظرف ہے کہ میں نے اسے اپنی بہن بنا لیا۔ تم تو آج تک مجھے اس مقدس رشتے سے بھی نہیں پکار سکے۔ تم نے ایک بار مجھے اپنی بہن ہی قرار دے دیا ہوتا تو مجھے صبر آجاتا کہ میں تمہارے ساتھ ایک مقدس رشتے میں بندھ چکی ہوں مگر تمہاری زبان پر تو وزنی تالے لگے ہوئے ہیں۔"

میں نے بولنا چاہا مگر میری زبان نہیں ہل سکی۔ میرا اور ویرا کا مشترکہ ماضی ہمارے کسی بھی مقدس رشتے کے درمیان ایک آہنی دیوار بنا ہوا تھا۔

غزالہ بہت ہوش مند اور سمجھ دار لڑکی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ جائے گی تو ہم دونوں کے درمیان کچھ تلخ و شیریں ذاتی سی باتیں ہوں گی۔ وہ چاہتی تو فرش پر دیوار تا دیوار بچھے ہوئے دبیز قالین پر بے آواز قدموں سے واپس لوٹ کر ہمیں جذباتی فضا میں باتیں کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ سکتی تھی لیکن اسے ویرا کی آزاد روی کے ساتھ میرے ارادوں کی مضبوطی کا بھی علم تھا۔ اس نے واپسی سے پہلے سلطان شاہ کے کمرے سے خود کلامی کے انداز میں بلند آہنگ صدا لگا کر اپریٹس مل جانے پر خدا کا شکر ادا کیا اور دروازے سے نکل آئی۔

ویرا کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ نیم سرگوشیانہ لہجے میں بولی "تم کچھ نہیں بولو گے...... مجھے معلوم ہے کہ تم کچھ بول ہی نہیں سکتے...... میں آخر کس لیے یہاں پڑی رہوں۔"

"سلطان شاہ کی کامیابی کے بارے میں تمہارا کیا اندازہ ہے؟" میں نے اس کے تبصرے کو نظرانداز کر کے اونچی آواز میں ایک بالکل ہی نیا سوال کر ڈالا۔

"یہ امریکا نہیں' تمہارا ملک ہے۔" اس نے تلخی سے کہا۔ "یہاں کھوئی ہوئی چیزیں اتنی آسانی سے نہیں ملا کرتیں۔ وہ اپنی خفت مٹانے کے لیے گیا ہے۔ دو چار گھنٹے تک اِدھر اُدھر جھک مار کر لوٹ آئے گا۔"

اتنی دیر میں غزالہ آ گئی۔ اس کے ہاتھوں میں دونوں لاسلکی اپریٹس موجود تھے۔ ایک وہ تھا جو فریڈم لاج پر تصادم کے بعد اس وجہ سے متروک قرار دے دیا گیا تھا کہ اس کی فری کوئنسی پر راس المیڈا نے مداخلت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ دوسرا وہی اپریٹس تھا جو اول خان نے کسی بھی ہنگامی رابطے کے لیے میرے حوالے کیا ہوا تھا۔ شاید سلطان شاہ نے ان دونوں کو ہی یک جا رکھا ہوا تھا۔

"غنیمت ہے کہ یہ بچ گئے۔" ویرا کہنے لگی "ہم چاہیں تو اب راس المیڈا سے تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کر سکتے ہیں۔ آج کے اخبارات دیکھ لینے کے بعد وہ بری طرح بوکھلایا ہوا ہو گا۔"

"آخری بار بات ہوئی تھی تو اس نے کہا تھا کہ اب وہ اپنے اپریٹس کے سیل نکال دے گا تاکہ ہم بار بار اسے تنگ نہ کر سکیں۔" غزالہ نے یاد دلایا "یہ امکان بھی ہے کہ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے خود ہی ڈینی سے رابطہ کرنے میں پہل کر بیٹھے۔"

"اس نے رابطہ کیا تو دل کھول کر ڈینی کو جلی کٹی سنائے گا۔" ویرا بولی۔

سلطان شاہ جس مشن پر نکلا تھا' اس کی کامیابی کی کوئی امید نہ ہونے کے باوجود مجھے پورا یقین تھا کہ اس کی جلد واپسی ممکن نہیں ہو سکے گی۔ وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ ویرا نے ایک مرتبہ پھر بازارِ حسن اور پھر ساگا کے گھر پیش آنے والے واقعات کریدنے شروع کر دیے۔ وہ اس تصور ہی سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ وہاں کے تین جاہل اور بے ضمیر دلالوں نے مجھے اتنی خوب صورتی سے بے وقوف بنایا تھا کہ میں ساگا کے سامنے آنے تک اصل صورتِ

حال کو سمجھ ہی نہ سکا تھا۔
میں نے کبھی بھی ویرا یا اپنے ساتھیوں کے سامنے کوئی بڑا بول نہیں بولا تھا لیکن ویرا میرے بڑھتے ہوئے منطقی تجزیوں سے چڑ کر مجھے عقلِ کُل قرار دینے لگی تھی۔ اُس کے اس مزاج کی بنا پر اس کی خوشی میرے لیے ناقابلِ فہم نہیں تھی۔ میری برتری کا طلسم ٹوٹنے پر اس کا وہی ردِعمل ہونا چاہیے تھا۔
سلطان شاہ کو گئے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس وقت میں ہی فون کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے پہلی گھنٹی پر ہی ریسیور اٹھا لیا۔
"مل گئی...... میں تھوڑی دیر میں آرہا ہوں۔" میری ہیلو کے جواب میں سلطان شاہ نے مسرت آمیز آواز میں کہا "تمہاری تسلی کے لیے میں ایک پبلک کال آفس سے فون کر رہا ہوں۔"
اس کی دی ہوئی اطلاع پر مجھے خوش گوار مسرت ہوئی مگر میں نے خشک لہجے میں کہا "تم تو ایسے بتا رہے ہو جیسے تمہیں کوئی خوب صورت لڑکی مل گئی ہو...... گاڑی مقفل ہے یا اسے کھولا جا چکا ہے؟ وہ کہاں سے ملی ہے؟"
"گاڑی جوں کی توں ہے اور تھانے کے احاطے میں کھڑی ہوئی ہے۔ لفٹر کے کرائے اور جرمانے وغیرہ سمیت ساڑھے چار سو روپے دینے پڑے ہیں۔ ٹریفک کے عملے کا کہنا ہے کہ گاڑی غلط جگہ پر پارک کی ہوئی تھی۔ میں نے ڈیش بورڈ دیکھ لیا ہے۔ اس میں ہر چیز موجود ہے۔" اس نے لفظ ہر پر زور دے کر کہا تھا۔
"وہ جھوٹے ہیں۔" میں نے بے ساختہ کہا "گاڑی غلط جگہ پر نہیں تھی۔"
"میں نے بھی پورے زور شور سے یہی دعویٰ کیا تھا مگر وہاں کسی کی شنوائی نہیں ہو رہی۔ ہر لمحے میدان میں گاڑیاں چلی آرہی ہیں اور ہر شخص بے چون وچرا ان کے مطالبات پورے کر رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج کل ان لوگوں نے کوئی مہم شروع کی ہوئی ہے۔"
"ہاں...... اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی بڑے افسر کو بڑی رقم کی ضرورت پیش آگئی ہو۔ یہ کھلی ہوئی دھاندلی ہے۔ لاکھوں کی گاڑی کی بازیابی کے لیے اگر ہر شخص خاموشی سے چار پانچ سو روپے دے رہا ہے تو اس سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ ہر شخص جان چھڑانے کا فدیہ دے رہا ہے۔"
"بس میں گاڑی لے کر آدھے گھنٹے میں لوٹ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر اُس نے فون بند کر دیا۔
"خدا کا شکر ہے کہ گاڑی کے ساتھ بیم گن بھی موجود ہے۔ صرف ساڑھے چار سو روپے کا ڈنڈ بھرنا پڑا ہے۔" میں نے ان دونوں کو مطلع کرتے ہوئے کہا۔
"رقم خاصی حقیر ہے لیکن اس کوفت کا اندازہ اور حساب لگانا ناممکن ہے جو گاڑی کو غائب پا کر اُس کے مالک کو ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو تو یہ پتا چلانا ہی دشوار ہو جاتا ہو گا کہ ان کی گاڑی چور لے گئے ہیں یا پولیس والوں نے اٹھائی ہے۔" ویرا نے بدمزگی سے کہا "جتنا عملہ گاڑیوں کو اٹھانے کے لیے درکار ہوتا ہے، اس سے آدھا عملہ بھی ایمان داری سے کام کرے تو غلط جگہ پر گاڑی رو کی ہی نہیں جا سکتی۔"
"یہ تمہاری خوش فہمی ہے، صرف دو سپاہی میلوں لمبے علاقے سے پچاسیوں گاڑیاں اٹھوا لیتے ہیں۔ لفٹر اور اس کے عملے کا خرچ کار کے مالک سے وصول کیا جاتا ہے۔" میں نے کہا "یہ عملے اور کارکردگی کا نہیں، ذاتی اور سرکاری آمدنی کا مسئلہ ہے جس کا کوئی متبادل حل نہیں ہے۔"
اچانک ڈور بیل بج اٹھی۔ سلطان شاہ کے اتنی جلدی لوٹ آنے کا امکان ہی نہیں تھا۔ میں نے دروازہ کھولا تو اول خان میرے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ میں نے اُس کے اندر آنے کے لیے جگہ چھوڑ دی۔
"آج کل ہم لوگ لاسلکی آلات کے استعمال سے گریز کر رہے ہیں۔" اس نے دونوں عورتوں سے سلام دعا کے بعد خود ہی بولنا شروع کر دیا "میں نے تمہارے بتائے ہوئے پتے پر تین آدمیوں کا گروپ بھیج دیا ہے۔ وہ لوگ تمہارے فون پر ہی مجھے اپنی کارکردگی کی رپورٹ دیں گے۔" غزالہ اسے دیکھتے ہی باورچی خانے میں چلی گئی تھی۔
"مجھے ڈر ہے کہ راس المیڈا شہر سے نکلنے میں کامیاب نہ ہو گیا ہو۔ بنیادی طور پر وہ بزدل آدمی ہے۔ آج کے اخبارات نے اسے خوف زدہ کر دیا ہو گا۔ مشکل یہ ہے کہ اتنے بڑے شہر میں اسے کہاں ڈھونڈا جائے؟"
"اتنی زیادہ فکر مندی سے جوانی میں السر کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔" اس نے بزرگانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "کچھ تفکرات دوسروں کے لیے بھی چھوڑ دیا کرو۔"
"اگر اس وقت راس المیڈا سڑک کے راستے کراچی سے نکل جائے تو ہم اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟"
"کراچی سے باہر نکلنے کے کُل بائیس باقاعدہ اور بے قاعدہ زمینی راستے ہیں جن میں سے چند بندرگاہوں یا خفیہ بحری اڈوں تک جاتے ہیں۔ تیئسواں راستہ کراچی ائرپورٹ ہے۔" وہ متانت سے وضاحت کرنے لگا "صبح کے پانچ بجے، جب اخبارات کے بنڈل شہر میں تقسیم کے ٹھکانوں تک پہنچائے جانے کے لیے گاڑیوں میں لادے جا رہے تھے تو ان تمام تیئس راستوں پر راس المیڈا کی تصاویر کے ساتھ، تجربے کار آدمی پہنچ چکے تھے۔ اخبارات میں یہ معاملہ اچھالنے سے پہلے میں اس پہلو پر غور کر چکا تھا۔ وہ کسی بھی طرف جانے کی کوشش کرے، پکڑا جائے گا۔"
"تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس تو پہلے ہی نفری کی قلّت کے مسئلے سے دوچار تھی، اب اتنے آدمی کہاں سے آگئے؟" میں نے حیرت سے پوچھا "میرا خیال ہے کہ تمہاری کل نفری ہی تیئس کے لگ بھگ ہو گی۔"

وہ کسی خیال کے تحت اچانک مسکرا دیا پھر بولا "جہانگیر کے گھر پر ڈیوٹی دینے والوں کو آج صبح میں اسٹیشن فور پر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ان سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ تم نے انہیں فوراً اپنے یونٹ میں رپورٹ کرنے کی ہدایت کی تھی۔ مجھے واقعی ان کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ میں اس تعاون پر تمہارا شکر گزار ہوں۔"

"تمہیں میرا کچھ زیادہ ہی شکر گزار ہونا چاہیے۔" میں نے ویرا کو اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر قدرے بے تکلفی سے کہا کیوں کہ اس وقت ڈرائنگ روم میں صرف ہم دونوں رہ گئے تھے۔

"وہ کس لیے؟" اس نے حیرت اور دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔

"وہ دونوں مزید چند روز وہاں رہتے تو فورس کے لیے بالکل ناکارہ ہو جاتے۔ انہوں نے سلمٰی کے لیے کپڑے دھونے اور گھر کے اوپری کام کرنے شروع کر دیے تھے اور بہت خوش تھے۔"

"کیا مطلب؟" وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے حیرت سے اپنی پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔

"تمہیں جہانگیر اور سلمٰی کی ازدواجی زندگی کی تلخیوں کا علم ہے۔ آئے دن کی ناچاقیوں سے اس کے ذہن میں کچھ گرہیں پڑ گئی ہیں۔ ان میں سے ایک گرہ یہ بھی ہے کہ اسے مردوں سے میل جول بڑھا کر خوشی ہوتی ہے۔ آج کل اسے کوئی اور میسر نہیں تھا تو وہ تمہارے آدمیوں پر مہربان ہو چلی تھی۔ جب میں نے ان کے ریشہ خطمی ہونے کے بارے میں سنا تو انہیں فوراً ہی واپس بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔"

"اچھا!" اول خان نے اس لفظ کو کھینچ کر کہا "میں ان کی کھال کھنچوا دوں گا۔ وہ سب جانتے ہیں کہ میں عام حالات میں اپنے آدمیوں پر بہت مہربان رہتا ہوں لیکن غلطیوں کو کبھی نظر انداز نہیں کرتا۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے سختی سے کہا "اس بے اعتدالی میں تمہارے آدمیوں کا کوئی قصور نہیں۔ سلمٰی معمولی شکل و صورت کی کوئی ادھیڑ عمر عورت نہیں ہے۔ وہ جس سے بھی ہنس کر بات کرے، اس کی عقل ٹخنوں میں اتر سکتی ہے۔ میں اسے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا اس لیے تمہارے آدمیوں کو واپس کر دیا۔"

"تم کہتے ہو تو میں مانے لیتا ہوں لیکن مجھے اپنے آدمیوں کا فرائض سے انحراف یا تجاوز کرنا بالکل پسند نہیں ہے۔ انہیں پوری توجہ اسی کام پر مرکوز رکھنی چاہیے جو ان کے سپرد کیا گیا ہو۔"

"نظریاتی طور پر تمہاری باتیں درست ہو سکتی ہیں لیکن عملاً ان کا نفاذ ممکن نہیں ہے۔"

"میں تمہیں کئی بار بتا چکا ہوں کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی بنیاد ہی نظریاتی ہے۔ اگر میرے جوان نظریے کو بھول کر اپنی صوابدید پر عمل کرنے لگیں تو کچھ بھی باقی نہیں رہے گا......" بات کرتے کرتے اس نے چونک کر پوچھا "ہاں، وہ تمہاری گاڑی کا کیا چکر تھا؟ تم بتا رہے تھے کہ ساگا کی تلاش میں اپنی گاڑی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہو۔"

"گاڑی مل گئی۔ سلطان شاہ لے کر آتا ہی ہو گا۔ ٹریفک پولیس والے ایک ناکردہ جرم میں لفٹر کے ذریعے میری گاڑی اٹھا کر تھانے میں لے گئے تھے۔ ساڑھے چار سو روپے دے کر اسے چھڑا لیا گیا ہے۔"

"ابھی میں تم کو یہی بتا رہا تھا۔ جہاں بھی قانون یا کسی اور نظریے کی بالادستی کے بجائے صوابدیدی اختیارات کا اندھا دھند استعمال شروع ہوتا ہے، ایسی دھاندلیاں رونما ہونے لگتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ سلطان شاہ کو پورے ساڑھے چار سو روپے کی رسید نہیں دی گئی ہو گی۔ میرے آدمی بھی اسی معاشرے میں رہتے بستے ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایس ٹی ایف ابھی تک کرپشن کی لعنت سے محفوظ ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ایک قوم کی حیثیت سے ہم روز بہ روز کرپشن میں سرفہرست آتے چلے جا رہے ہیں۔ اب تو صرف نائیجیریا اور ایک آدھ ملک ہی ہمارا حریف رہ گیا ہے۔ تمہیں ریاضی کا یہ اصول تو معلوم ہی ہو گا کہ ایک آدمی سو فیصد ایمان دار ہو اور دوسرا سو فیصد بے ایمان تو وہ دونوں مل کر پچاس فیصد ایمان دار قرار دیے جاتے ہیں یعنی ایمان دار کے ماتھے پر نصف بے ایمانی کی کالک مل دی جاتی ہے اور بے ایمان کو نصف ایمان داری کا تمغا دے دیا جاتا ہے۔ تمہاری ایس ٹی ایف اس قوم میں رہ کر کیا نیک نامی کما رہی ہے، یہ تم خود سمجھ سکتے ہو۔ یہاں تو آج کل ہر کہ در کانِ نمک رفت، نمک شد والی بات چل رہی ہے۔"

"تم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تم ہر بات کو سیاسی رخ پر لے جاتے ہو۔"

"اول خان صاحب! یہ سیاسی نہیں، ایک معاشرتی سرطان کی بات ہے....."

اس نے تیزی سے میری بات کاٹ دی اور کہا "رشوت اور کرپشن کو اوپر سے فروغ ملتا ہے۔ ہماری سیاسی قیادت آج ان جرائم کی کڑی اور عبرت ناک سزائیں مقرر کر دے تو کل ہی سے سب پارسائی کی راہ پر چل نکلیں گے مگر یہ کام کون کرے؟ اس حمام میں سب ننگے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ" میں نے اپنا سر جھٹک کر کہا "بات میری کار کی ہو رہی تھی اور تم نے حمام کے ننگوں کی نمائش لگانی شروع کر دی۔ تمہارے اندر بھی ہر وقت لاوا کھولتا رہتا ہے۔"

"لاوا کھولے گا۔" اس نے زور دے کر کہا "ابھی تم ہی نے ریاضی کا اصول بتایا ہے۔ بے ایمان دل کھول کر لوٹ کھسوٹ کرنے کے باوجود نیم پارسائی کا حق دار ٹھہرایا جاتا ہے اور ایمان دار ہر حق تلفی سے بچ کر بھی آدھا بے ایمان قرار دیا جاتا ہے تو وہ بھی اپنی ایمان داری کو بھول بھال کر بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ کب تک اور کس لیے اپنے اوپر جبر کرے گا؟ کرپشن کا یہ طوفان ایک روز سب کچھ برباد

کردے گا۔"

"میں کسی سیانے سے پوچھ کر تمہارے ان سوالوں کے جواب دوں گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "ہم بہک کر بہت دور نکل گئے۔ تم کراچی سے نکاسی کے تینوں زمینی، بحری اور فضائی راستوں کے بارے میں اپنی پُرکسی حکمتِ عملی پر روشنی ڈال رہے تھے۔ سلسلہ دوبارہ وہیں سے جڑ جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

اسی وقت غزالہ چائے کی ٹرے لے آئی۔ ویرا اس کے ساتھ تھی۔

"یہ کھانے کا وقت ہے؟ اول خان وال کلاک کی طرف دیکھ کر بولا "مگر چائے بھی چلے گی۔ ذرا اس کے ساتھ بسکٹ وغیرہ کی معقول تعداد ہونی چاہیے۔"

"اور وہ ہے۔" غزالہ نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ نمکین اور کریم والے بسکٹوں سے بھری ہوئی دو پلیٹیں ٹرے میں پہلے سے موجود تھیں۔ اول خان نے غزالہ کی تعریف کرتے ہوئے ایک ساتھ دو نمکین بسکٹ اٹھا لئے۔

"ایس ٹی ایف کی طاقت قابلِ رشک بلکہ حریفوں کے لیے ہول ناک ہے مگر ہماری نفری واقعی کم ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اول خان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اعتراف کیا۔ "کراچی سے نکاسی کے سارے راستوں کی ناکا بندی کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں تھا۔ میں نے اس بارے میں میجر غوث سے مدد لی ہے۔ فوجی براہِ راست اور نچلی سطح پر شہری معاملات میں دخل انداز ہونے کے مجاز نہیں ہیں لیکن شہر میں ان دنوں انتظامیہ کی مدد کے لیے رینجرز موجود ہیں۔ میجر غوث نے ناکا بندی کی ذمے داری ان ہی پر ڈالی ہے۔ وہ لوگ صرف راس المیڈا پر نگاہ رکھیں گے۔"

"راس المیڈا کھلی گاڑی میں ائرپورٹ کا سفر کر کے دیکھ چکا ہے کہ ڈینی اس کے سر پر پہنچ گیا تھا۔" ویرا نے پوری بات سمجھتے ہوئے کہا "اگر وہ چھپ چھپا کر نکل ہی گیا تو تمہاری تیاریوں کا کیا بنے گا؟؟"

"وہ تیسرے درجے کا کوئی لفنگا نہیں، ڈیوڈ اسٹارز بلکہ اب ٹی کا بھی سربراہ ہے۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کسی لنگور کی طرح کار کی ڈکی میں دبک کر سفر کرے گا۔" میں نے کہا "وہ اپنی وضع قطع تبدیل کر سکتا ہے۔ اسے پہچاننا رینجرز کے جوانوں کا کام ہوگا۔"

"جوان ہی نہیں، ان ناکوں پر ذمے دار افسر بھی مامور ہیں۔" اول خان نے میری تصحیح کی۔

"راس المیڈا شعبدے بازی کا شوقین ہے۔" ویرا تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی "اس نے سخی مراد کے مکان پر حملہ کرنے سے پہلے اپنے ممکنہ حریفوں کو دھوکا دینے کے لیے اپنے ایک ہم قامت شخص کو میدان میں اتارا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس بار وہ اپنا سر اور بھویں منڈوا کر تاریک عینک کے ساتھ شہر سے بھاگے۔ اس کی خوش قسمتی ہے کہ اب لاہور اور اسلام آباد کے ہوائی اڈے بھی بین الاقوامی ہیں۔ وہ وہاں سے امریکا بھاگ سکتا ہے۔

کراچی ائرپورٹ کے وی آئی پی لاؤنج میں ڈینی کا بھوت دیکھ لینے کے بعد وہ دوبارہ ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہ کر سکے گا۔"

"قیاس آرائیوں کا میدان بہت وسیع ہے۔" اول خان نے اپنی رائے ظاہر کی "ہم اپنے ترکش کا ہر تیر چلا چکے ہیں، ہمیں اب صبر و سکون سے نتیجے کا انتظار کرنا چاہیے۔ راس المیڈا نے عقل مندی سے کام لیا تو وہ ہمارے ہر وار کو ناکام بنا کر صاف نکل جائے گا۔ ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ اس سے غلطی ہو۔ عمل یا اندازے کی کوئی معمولی سی غلطی بھی اسے ہمارے پھیلائے ہوئے جال میں لا گرائے گی۔"

"اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ ہر طرف سے گھیرا جا چکا ہے۔" غزالہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "وہ یہیں مارا گیا تو تم امریکا جا کر کیا کرو گی؟ اس بارے میں تم نے کچھ سوچا ہے؟؟"

"راس المیڈا میرا منگیتر نہیں ہے جو مجھے اس کی فکر ہو۔" ویرا طنزیہ لہجے میں بولی "وہ یہاں پکڑا یا مارا جاتا ہے تو بہت اچھا ہے۔ بچ نکلتا ہے تو امریکا میں میری خدمات حاضر ہوں گی۔ میں تو ماحول کی تبدیلی کے لیے امریکا جا ہی رہی ہوں۔"

"میری مانو تو چند روز کے لیے اپنا ارادہ ملتوی......" اول خان اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اپنے اس متروک اپریٹس کو گھورنے لگا جس پر کال آنے کا اشارہ موصول ہو رہا تھا۔

ویرا نے لپک کر اس اپریٹس کا سوئچ آن کر دیا۔ وہ بہت سنسنی خیز صورتِ حال تھی۔ راس المیڈا کو اس اپریٹس کی آپریٹنگ فری کوئنسی تک رسائی حاصل ہونے کی وجہ سے ایس ٹی ایف والے اس کا استعمال ترک کر چکے تھے۔ ایسی صورت میں وہ کال راس المیڈا کی طرف سے ہو سکتی تھی۔

سوئچ آن ہوتے ہی اپریٹس پر دھیما دھیما ریڈیائی شور گونجنے لگا۔

"یہ راس المیڈا ہوا تو اس سے کون بات کرے گا؟" ویرا نے سنسناتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"باتیں کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ یہ تمہارا اور ڈینی کا کام ہے۔" اول خان نے کہا۔

اسی لمحے اپریٹس پر ایک مانوس اور بھاری آواز گونجی "اٹ از راس فار ڈینی، دی سن آف اے بچ...... اوور!" وہ غلیظ فقرہ مکمل ہوتے ہی اپریٹس پر دوبارہ ہلکا سا ریڈیائی شور باقی رہ گیا۔

ویرا کی استفسار طلب نگاہیں بے اختیار میری طرف اٹھ گئیں۔ ان نگاہوں میں بلا کی سرد مہری امڈ آئی تھی۔

"وہ گالیوں پر اتر آیا ہے، میں اپنی کھوپڑی پر قابو نہیں رکھ سکوں گا۔" میں نے رسانیت سے کہا "اس مردود سے تم ہی بات کر لو۔ دیکھو کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔"

خاموشی کا وقفہ طویل ہونے سے پہلے ہی راس المیڈا کی آواز دوبارہ ابھری۔ اس بار گالی کی تبدیلی کے سوا پورا پیغام جوں کا توں تھا۔ راس المیڈا کے خاموش ہوتے ہی ویرا نے اپریٹس اٹھا لیا۔

"ویرا کالنگ۔" وہ کہنے لگی۔ اس کی آواز حیرت ناک طور

ہموار اور پُرسکون ہوگئی تھی "ڈینی موجود نہیں ہے۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم اسے گالی دے رہے ہو۔ تمہارے اس ناشائستہ رویے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ڈینی اپنے نفسیاتی حربوں سے تمہیں مایوسی اور جھلاہٹ میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اوور!"

"اوہ!" ویرا کی آواز سننے کے بعد راس المیڈا کا لہجہ تحیرزدہ سا ہو گیا "یہ اچھا ہوا کہ ڈینی نہیں ہے اور تم مجھ سے بات کر رہی ہو۔ کیا ہم ماضی کی تلخیوں کو فراموش کر کے دوستانہ موڈ میں کچھ باتیں کر سکتے ہیں؟ میری اس کال کا مقصد ہی یہی تھا کہ میں ڈینی کے ذریعے تم تک پہنچنا چاہ رہا تھا۔ اوور!"

"اُلّو کا پٹھا!" ویرا دانت پیس کر بڑبڑائی پھر اپریٹس کا ٹرانسمٹنگ بٹن دبا کر حلیمی سے بولی "یہ شاید میری اور تمہاری پہلی براہِ راست گفتگو ہے۔ میں تم سے خوب واقف ہوں اور تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو گے۔ اگر تمہارے ہاتھ جمی لائیڈ کے خون سے آلودہ نہیں ہیں تو تمہیں سب سے پہلے مجھ سے میرے باپ کے سفاکانہ قتل پر تعزیت کرنی چاہیے تھی۔ اس کے بغیر کسی دوستانہ گفتگو کا تمہارے ذہن میں کیا تصور ہے؟ تم مجھے شادی کی پیش کش کرنا چاہ رہے ہو یا پھر مجھ سے ڈیٹ لینا چاہ رہے ہو؟ اوور!"

"تم واقعی بہت بولڈ اور عملی لڑکی ہو۔" ہلکی سی کھسیائی ہوئی ہنسی کے بعد راس المیڈا کی آواز ابھری "میری اور جمی لائیڈ کی کھلی لڑائی کے بارے میں امریکا کا ہر شخص جانتا ہے۔ تم نے اس کے خون سے میرے ہاتھوں کی آلودگی کی بات کی ہے تو میں بتا تا چلوں کہ وہ کسی اور ہی کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ وہ ایک بزدل چوہا تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تم اس کی نہیں، کسی عظیم آدمی کی اولاد ہو۔ وہ تو ایک کیچوا بھی پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ وقت گزارنے والی ہر لڑکی کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ جمی لائیڈ کے بچے کی ماں بن سکے لیکن سیکڑوں میں سے کوئی بھی لڑکی اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تم سے جمی لائیڈ کے قتل پر تعزیت نہیں کی ورنہ افسوس کے دو بول کہنے میں میرا کیا گھس جاتا تھا؟ اوور!"

"یہ تمہاری رائے ہے۔ میرا یقین ہے کہ وہ میرا باپ تھا۔ اوور" ویرا کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"پھر مجھے تمہارے باپ کی موت پر بہت افسوس ہوا۔ خدا اس کی روح کو جہنم سے محفوظ رکھے" راس المیڈا کے رسمی تعزیتی کلمات سنائی دیے۔ اس نے شاید دانستہ جنت کے ذکر سے گریز کرتے ہوئے جہنم سے تحفظ کا ذکر کیا تھا۔ ویرا کی آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی اور کیوں نہ جھلملاتی۔ وہ اپنے باپ کے قاتل کی تعزیت سن رہی تھی۔ پھیلتی ہوئی نمی کا ایک قطرہ ویرا کی داہنی آنکھ کے اندرونی گوشے سے موتی بن کر اُس کے گلابی رخسار پر ڈھلک آیا اور پھر اپنے پیچھے نمی کی ایک لکیر چھوڑتا ہوا قالین پر گر کر جذب ہو گیا۔

وہ ایک سیاہ کار باپ کے لیے اس کی بیٹی کا نذرانۂ عقیدت تھا۔ اچانک ہلکی سی برہمی عود کر آئی "تیسری دنیا کے ان چھوٹے موٹے

راس المیڈا کہہ رہا تھا "اپنی دانست میں تم باپ کے سائے سے محروم ہو گئی ہو مگر تم میری چند باتیں مان لو تو ہمیشہ مجھے کسی باپ ہی کی طرح شفیق اور مہربان پاؤ گی۔ سب جانتے ہیں کہ میں عورتوں سے عزت و احترام کا سلوک کرتا ہوں۔ میں ایک بے نفس آدمی ہوں اور صرف اپنے کاز کے لیے کام کرتا ہوں۔ اوور۔"

"ڈینی کسی بھی وقت واپس آ سکتا ہے" ویرا نے اسے تنبیہہ کی "لمبی تمہید کے بجائے مختصر بات کرو' اوور۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں ڈیوڈ اسٹار ہوں اور ڈیوڈ اسٹارز میری جماعت ہے۔ ڈینی میرا بدترین حریف ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میری حلیف بن کر ڈینی کے خاتمے میں مدد دو' میں امریکا میں تمہارے سارے شفاف حقوق بحال کروا دوں گا۔ ڈینی کے ساتھ رہ کر تم نے خود کو بھی ہٹ لسٹ میں شامل کر لیا ہے۔ اوور۔"

"میرے لیے یہ سوال ابھی تک ایک معما بنا ہوا ہے کہ میں ہٹ لسٹ میں آنے کی وجہ سے ڈینی سے ملی ہوں یا ڈینی سے ملنے کی وجہ سے ہٹ لسٹ پر آئی ہوں۔ دونوں میں سے جو بھی صورت رہی ہو' میں نے حالات کا مقابلہ کرتے رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں تمہاری اس اتفاقی کال پر اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتی' اوور۔"

"یہ تمہارے لیے سنہرا موقع ہے" راس المیڈا نے زور دے کر کہا "تم جانتی ہو کہ ریاستی قوت سے لڑ کر آج تک کوئی بھی نہیں پنپ سکا۔ ایسے لوگ کبھی بھی اپنی طبعی عمر پوری نہیں کر پاتے۔ اوور۔"

"مجھے دھمکیاں مت دو!" ویرا نے سخت لہجے میں کہا "میں اس بارے میں صرف دُو بہ دُو بات کر سکتی ہوں تاکہ تمہاری آنکھوں میں ابھرنے والے مکاری کے تاثرات بھی دیکھ سکوں۔ اس وقت تمہیں ہر قیمت پر ڈینی کا سر درکار ہے۔ تم مجھے بہلا پھسلا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی کوشش مت کرو۔ اوور۔"

"اچھی طرح سوچ لو۔ یہ تمہاری گلوخلاصی کا شاید آخری موقع ہے جو تقدیر نے اتفاق سے تمہیں فراہم کر دیا ہے ورنہ بعد میں تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا' اوور۔"

"یہی بات میں تمہارے لیے بھی کہہ سکتی ہوں۔ تم یہاں کی ریاستی قوت سے لڑ رہے ہو۔ اوور۔"

"کیا تم یہ اعتراف کر رہی ہو کہ ڈینی یہاں کا سرکاری آدمی ہے؟ اوور۔"

"ڈینی ایک الگ ذات کا نام ہے مگر تم یہاں جو کچھ کرتے پھر رہے ہو' وہ ڈینی سے زیادہ اس ملک کے خلاف ہے۔ ڈینی تو اپنے انتقام کی رَو میں بہہ کر تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ وہ درمیان میں ہوتا یا نہ ہوتا' یہاں والے تمہاری حرکتوں کو زیادہ دیر تک نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ اوور۔"

"آج کے اخبارات میں میرے خلاف جو زہر اگلا گیا ہے' وہ سب تم لوگوں کے ذہن کی پیداوار ہے۔" راس المیڈا کی آواز میں اچانک ہلکی سی برہمی عود کر آئی "تیسری دنیا کے ان چھوٹے موٹے

ملکوں میں غیر ملکی سازشوں کا نعرہ لگانا ایک فیشن بن چکا ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ بین الاقوامی مفادات کیا ہوتے ہیں۔ اس طرف سے آنکھیں بند کر کے کوئی بھی منصوبہ بندی کی جائے گی تو اس کے خلاف بھیانک ردعمل ضرور ہوگا۔ اس پر شور مچانا بے کار ہے' اوور۔"

"تم بین الاقوامی پولیس مین کب سے بن گئے ہو جو ایسی ہرزہ سرائی کر رہے ہو۔ اوور۔"

"ڈیوڈ اسٹارز بین الاقوامی پولیس سے بھی آگے کی چیز ہے۔ سفارتی حیثیت میں میری یہاں موجودگی سے ہی تم لوگوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ مجھے کس عالمی طاقت کی پشت پناہی حاصل ہے۔ اوور۔"

"وہ سب سمجھ لیا گیا ہے اسی لیے تم کسی خارش زدہ کتے کی طرح ڈیبی کو گالیاں دے رہے تھے" ویرا کو اچانک ہی غصہ آگیا اور وہ راس المیڈا پر برس پڑی "تم کچھ بھی نہیں' ایک بھوکے کتے ہو جو روٹیوں کے پیچھے دوڑ رہے ہو۔ تم نے تی کو ملنے والی بھاری گرانٹ ہضم کرنے کے لیے میرے باپ کو ختم کرایا اور اب یہاں سے ہیروئن کی اسمگلنگ کر کے تم ڈیوڈ اسٹارز کے لیے سونا کمانے کی تیاریاں کر رہے ہو۔ میں تمہاری راہ کا پتھر ہوں۔ ڈیبی تمہارے لیے ایک رکاوٹ ہے۔ تم ہمارے خون کے پیاسے ہو۔ تم سے کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکتا۔ یہ میرا اٹل اور آخری فیصلہ ہے۔ ڈیبی نے مجھ سے اتفاق نہ کیا تو میری راہ اس سے بھی الگ ہو جائے گی۔ اوور۔"

"مجھے تم پر ترس آرہا ہے۔ تم ایک نوجوان اور جذباتی لڑکی ہو۔ ابھی تم نے اس دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔ اپنی بساط سے بڑھ چڑھ کر دعوے کرنے کے نتیجے میں تم بہت جلد ہار دی جاؤ گی۔ اوور۔"

"اس اطلاع کا شکریہ" ویرا نے میرا اشارہ دیکھ کر تلخی سے اپنی بات جاری رکھی "تمہارا دوست آگیا ہے۔ چاہو تو اب ڈیبی سے بات کر سکتے ہو۔ اوور۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے کہ وہ شروع ہی سے تمہارے ساتھ جڑا ہوا ہے" اس کی غراہٹ ابھری "اب مجھے اسی سے اصل بات کرنی پڑے گی۔ ایرپیس اسے دے دو۔ اوور۔"

"مجھ سے تم کیا بات کرنی چاہ رہے ہو؟" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں پوچھا "تمہارے درمیان بہت باتیں ہو چکی ہیں۔ اب ہم دونوں میں سے کسی ایک کو جانا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنا انجام سامنے دیکھ کر تم کچھ خوف زدہ ہو گئے ہو۔ اس روز تم قبرستان سے نکل کر آبادی میں نہ گھس گئے ہوتے تو کتے کی موت مارے جاتے۔ اوور۔"

"یہ تمہاری خوش فہمیاں ہیں۔ میرے خلاف تم نے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا رکھی ہے لیکن ہر بار تم اپنا سر پیٹ کر رہ جاتے ہو' میرا بال تک بیکا نہیں ہوتا۔ تمہاری جگہ کوئی حیادار شخص ہوتا تو اپنی ان شرمناک ناکامیوں پر خودکشی کر چکا ہوتا۔ ماضی کے واقعات میں تمہارے لیے شرمندگی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے' اوور۔"

"تقریر کرنے کے بجائے اصل مقصد پر آؤ۔ میرا وقت بہت قیمتی ہے۔ اوور۔"

"اخبارات میں میرے خلاف کس کے اشارے پر زہر اگلا گیا ہے؟ اوور۔"

"اشتہار چھپوا دو۔ جو بھی ہوگا' تمہارے سامنے آکر کھلے دل سے معافی مانگ لے گا۔ اوور۔"

"یہ سب تمہاری اور ویرا کی سازش معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایلس گومز تمہارے قبضے میں تھی۔ بیشتر کہانی اسی کی فراہم کی ہوئی معلوم ہو رہی ہے' اوور۔"

"تم کہتے ہو تو ایسا ہی ہوگا۔ پھر اب کیا کیا جائے؟ اوور" میں نے سلگا دینے والے انداز میں پوچھا۔

"تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ میں تم کو چیونٹی کی طرح مسل دوں گا" وہ ایک دم ہی اپنے آپے سے باہر ہو گیا "تم اپنی ساری پولیس اور پیرا ملٹری فورسز کو اپنے ساتھ لے کر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اب یہاں ایک بڑی تباہی نازل ہوگی اور اس کی ساری ذمے داری تمہارے سر ہوگی۔ اوور اینڈ آل۔"

میں نے ایرپیس آف کر کے میز پر ڈال دیا اور سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

"یہ ایک شکست خوردہ شخص کی بے مقصد کال تھی" اول خان پُرخیال آواز میں بولا۔

"ہاں! اس کی باتیں بے ربط تھیں" میں نے کہا "آخری دھمکی بھی مایوسی کا نتیجہ معلوم ہو رہی تھی۔"

"اس دھمکی کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا" اول خان پہلو بدل کر بولا "اپنی ناکامی پر جھنجلا کر وہ شہر میں کوئی بڑی تخریبی کارروائی بھی کر سکتا ہے۔ اس کے سدباب کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا"

"وہ انتظامیہ کی ذمے داری ہے۔ تم ان لوگوں کو متوقع خطرے سے آگاہ کر سکتے ہو۔"

"میرے لیے اہم ترین بات یہ سامنے آئی ہے کہ راس المیڈا نے اپنی گفتگو میں ساگا کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔"

ویرا کے اس فقرے نے مجھے چونکا دیا۔ وہ تازہ ترین واقعہ تھا۔ اگر راس المیڈا کو اس کا علم ہو چکا ہوتا تو وہ کسی نہ کسی حوالے سے اس کا ذکر ضرور کرتا۔ مجھے ساگا کے پاس سے واپس آئے ہوئے کافی دیر گزر چکی تھی۔ اول خان کے آدمیوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے ساگا کے پاس اتنا وقت تھا کہ وہ راس المیڈا کو آگاہ کر سکتا تھا۔ "شاید ابھی تک ساگا اور راس المیڈا کا رابطہ نہیں ہوا ورنہ یہ ذکر ضرور آتا" میں نے کہا۔

"ایک اعتبار سے یہ اچھا ہی ہوا" اول خان بولا "راس المیڈا لاعلم ہے کہ اسے کسی اور سمت سے بھی گھیرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اگر ساگا ہاتھ آجاتا ہے تو ہم راس کی بے خبری میں اس تک

سکتے ہیں۔"
"دوسرا امکان اتنا خوش گوار نہیں بلکہ پریشان کن ہے" میں
نے سوچتے ہوئے کہا۔
"وہ کیا؟" دونوں کی زبانوں پر بیک وقت وہی ایک سوال آیا تھا۔
"ساگا نے مہلت ملنے کے باوجود اپنے آقا کو میری آمد کی
اطلاع نہیں دی ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ
اسے راس الیمیڈا سے رابطے کے ذریعے کا سرے سے علم نہ ہو۔
دوسری یہ ہو سکتی ہے کہ اس کے پاس راس الیمیڈا کی کمین گاہ کا فون نمبر
بھی نہ ہو۔ ضرورت پڑنے پر راس الیمیڈا ہی اسے فون کرتا ہو؟"
میں نے کہا۔
"باتوں میں وہ قصہ رہ ہی گیا۔ تم نے ابھی تک مجھے یہ نہیں
بتایا کہ تم نے ساگا کا کھوج کیسے نکالا اور پھر تمہارے ساتھ وہاں کیا
واقعات پیش آئے۔" اول خان نے چونک کر کہا۔
"ایک منٹ!" میرے بولنے سے پہلے غزالہ نے ہاتھ اٹھا کر
کہا "وہ قصہ چل پڑا تو میری بات ذہن سے نکل جائے گی۔ ہم نے
راس کی لاعلمی کے بارے میں دو مفروضے کتنے سوچ لیے ہیں۔ ان
کے درمیان بھی ایک صورت ہو سکتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ چھمیا
کی چلائی ہوئی گولی نے ساگا کو اس بری طرح زخمی کیا ہو کہ اسے
راس الیمیڈا کو خبر دینے کا ہوش ہی نہ رہا ہو اور اسے عجلت میں
اسپتال وغیرہ منتقل کردیا گیا ہو۔"
"تم ٹھیک کہہ رہی ہو" ویرا نے تعریفی لہجے میں اس کی تائید کی۔
"تمہاری اس بات سے یہ امکان بھی نظر آرہا ہے کہ کہیں چھمیا کی
گولی ساگا کے لیے جان لیوا ثابت نہ ہوئی ہو۔ وہ مرگیا تو ڈینی کی
ساری دوڑ رائگاں جائے گی۔ ہمارے سامنے صرف ڈیرے وارنی
اور اس کی بیٹی رہ جائے گی۔"
"وہ دونوں ہمارے لیے بالکل بے کار ہیں" میں نے پُرتشویش
لہجے میں کہا۔ غزالہ اور ویرا کے اٹھائے ہوئے نکات نے مجھے ذہنی
الجھن میں مبتلا کردیا تھا۔
"میں اس وقت بہت سی باتیں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ تم اپنا
قصہ سناؤ" اول خان نے مجھے ٹوکا۔
میں نے بہت اختصار کے ساتھ اول خان کو سب کچھ بتادیا۔
اس نے بہت سے سوالات کیے اور پوری کہانی سمجھ لینے کے بعد بولا۔
"میں تو جہانگیر کو بالکل ہی نکما اور بودا سمجھتا تھا لیکن وہ بہت کام کا
آدمی نکلا۔ حیرت ہے کہ برسوں بعد بھی اسے ساگا کے بارے میں
تازہ ترین معلومات حاصل تھیں۔"
"وہ یہی رو رہا تھا کہ گارمنٹس فیکٹری ختم ہوجانے سے اس کا
ایک ٹھکانا اجڑ گیا" میں نے کہا "وہ باقاعدگی سے دفتر جاتا رہتا تھا تو
شہر کے اچھے برے لوگوں سے فون پر رابطہ ضرور رکھتا تھا۔ اب وہ
ہر ایک سے تقریباً کٹ کر رہ گیا ہے اور ہماری طرح روپوشی کی
زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔"
"یہ برا دور بھی جلد ہی ختم ہوجائے گا" اول خان نے پُرامید
لہجے میں کہا۔
"ہماری آزادی کا دور شروع ہونے سے پہلے ویرا یہاں سے
جاچکی ہوگی۔" غزالہ بولی۔
"مجبوری ہے۔" ویرا اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے بولی۔
"ورنہ میری خواہش تھی کہ میں راس الیمیڈا کا انجام اپنی آنکھوں
سے دیکھ سکوں۔ اس بار وہ مجھے بچتا ہوا نظر نہیں آرہا۔"
فون کی گھنٹی بجی اور اول خان نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔
دوسری طرف کی آواز سن کر اس نے دھیمی آواز میں کچھ کہا۔
پھر خاموشی سے فون کرنے والے کی بات سنتا رہا۔ میری نگاہیں اس
کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ فون اسی
کے آدمیوں کا تھا۔ اول خان کے چہرے کے تاثرات میں کوئی
تبدیلی نہ پاکر مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ ساگا غائب ہوچکا تھا۔
"ساگا کی کمین گاہ مقفل ہے۔" اول خان نے ٹیلی فون پر اپنی
گفتگو ختم کرنے کے بعد ہمیں آگاہ کیا "اندر کسی ذی روح کا وجود
نہیں ہے لیکن ڈرائنگ روم کے قالین پر تازہ خون کا ایک بڑا سا
داغ نمایاں ہے۔ شاید غزالہ کا اندازہ درست ہے کہ لڑکی کی چلائی
ہوئی گولی نے ساگا کو بہت زیادہ زخمی کردیا ہے۔"
"لیکن وہ سب کہاں غائب ہوگئے؟ اگر وہاں ساگا کی لاش
نہیں ہے تو اسے کسی قریبی اسپتال میں ہونا چاہیے۔ گولی کے زخم
سے اتنا خون بہہ جانے کے بعد کوئی احمق بھی اسے گھر میں نہیں
چھپائے گا۔"
"اسی سمت میں کام ہو رہا ہے۔ ایدھی کی ایمبولینس اس گھر
میں آئی تھی جس کی وجہ سے خاصے لوگوں کی توجہ ادھر مبذول ہوگئی
تھی۔ ایمبولینس ایک زخمی کو لے کر چلی گئی۔ چند منٹ بعد ہی وہاں
سے ایک کار میں دو عورتیں بدحواسی کے عالم میں کہیں روانہ
ہوگئیں۔ جوان عورت کار چلا رہی تھی۔ دوسری اس کے ساتھ
بیٹھی ہوئی تھی۔ لوگوں سے معلوم ہوا کہ دہشت سے دونوں عورتوں
کے چہرے زرد پڑے ہوئے تھے۔"
"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے آدمیوں کی رپورٹ ادھوری
ہے۔ ابھی تلاش جاری ہے۔" ویرا بولی۔
اول خان کی دہرائی ہوئی باتیں میرے ذہن میں گردش کرنے
لگیں۔ میں چھمیا کے فائر کرتے ہی ساگا کی کمین گاہ سے فرار ہوگیا۔
علاقے میں رہنے والوں نے اپنے قرب وجوار میں وقفے وقفے سے
تین فائروں کی آوازیں سنیں لیکن سمت یا مقام کا تعین نہیں
کرسکے۔ چھمیا یا زمرد کے فون پر ایمبولینس آئی تو لوگوں نے سمجھ لیا
کہ فائرنگ اسی گھر میں ہوئی تھی۔
ساگا کے زخمی ہوجانے پر دونوں عورتیں بدحواس تھیں۔
انہوں نے ساگا کو ملازم کے ساتھ ایمبولینس میں روانہ کردیا۔
انہوں نے یقیناً یہی کہا ہوگا کہ وہ اپنی گاڑی میں اسپتال پہنچیں گی مگر
مجھے اس میں شبہ تھا۔
ساگا میرے ہاتھوں نہیں، چھمیا کی چلائی ہوئی گولی سے زخمی

ہوا تھا۔ اس کے دل میں چور تھا۔ وہ جانتی رہی ہوگی کہ اس نے اسپتال کا رخ کیا تو پہلے میڈیکو لیگل عملہ اور پھر پولیس کڑی جرح کرے گی اور وہ پھنس جائے گی۔

ویسے تو اخلاقی جرائم کے ہر اڈے کو اپنے علاقے کی پولیس کے بعض بدعنوان اہل کاروں کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے لیکن جب یہی لوگ کسی سنگین جرم میں ملوث ہو جائیں تو ان کے وردی پوش آشنا ان سے آنکھیں بدل لیتے ہیں اور تھانوں میں بہت بے رحمانہ سلوک کرتے ہیں۔ پولیس اپنی تفتیش کے دوران میں مشتبہ ملزموں پر تشدد ضرور کرتی ہے مگر اس میں ملزموں کے طبقاتی فرق کو بڑی حد تک ملحوظ رکھتی ہے۔ جن کا تعلق ہی اخلاقی جرائم کے کسی اڈے سے ہو' ان کے ساتھ ایسی کسی رُورعایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آثار بتا رہے تھے کہ اس وقت ساگا سول یا جناح اسپتال میں پڑا طبّی امداد کا انتظار کر رہا ہوگا۔ اس کی داشتہ اپنی ماں سمیت اپنے پرانے ٹھکانے پر روپوش ہوگئی ہوگی جہاں چاروں طرف ان دونوں کے ہم نفس' ہمدرد اور مددگار بسے ہوئے تھے۔ میرے لیے عورتیں بے وقعت تھیں۔ اس وقت ساگا پورے کھیل کا کلیدی کردار تھا۔

ویرا اور ادل خان میں باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے اپنا تجزیہ مکمل کر کے ان کی گفتگو میں دخل دیا تو ادل خان نے بتایا کہ شہر کے وہی دو سرکاری اسپتال اس کے آدمیوں کی نظروں میں تھے جو میرے ذہن میں آئے تھے۔

"ساگا اس وقت ایک میڈیکو لیگل کیس ہے۔ تمہارے آدمی شاید اسے آسانی سے اپنی تحویل میں نہ لے سکیں۔"

اس کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم بکھر گیا۔ اس نے کہا "یہ بات تم میرے بارے میں کہتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔ میں اسپتال جاؤں تو واقعی ضابطے اور طریقے کے چکروں میں پھنس کر رہ جاؤں گا۔ فیلڈ میں رہ کر کام کرنے والے فورس کے آدمی اس ہنر میں طاق ہیں۔ وہ اپنے بڑوں کے جاہ و جلال کا ہوّا دکھا کر ہر کام نکال لیتے ہیں۔"

"انہوں نے ساگا کو تلاش اور پھر حاصل کر لیا تو کہاں لے جائیں گے؟"

"اسٹیشن فوری لے جانا ہوگا کیوں کہ شہر میں ہمارے پاس کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔"

"تم بھول رہے ہو۔ نادرہ کا مکان ابھی تک خالی پڑا ہوا ہے۔ سخی مراد کو وہیں رکھا گیا تھا۔"

"یہ اچھا ہوا کہ تم نے یاد دلا دیا۔" وہ خوش ہو کر بولا "ساگا تک پہنچنے کے بعد وہ لوگ اسپتال سے مجھے فون کریں گے تو میں انہیں نئی ہدایات دے دوں گا۔ ان میں سے ایک آدمی سخی مراد کے ساتھ نادرہ کے گھر پر رہ چکا ہے۔"

"وہ بے چاری تو ایسی غائب ہوئی ہے کہ اب فون بھی نہیں کرتی۔" غزالہ بولی۔

"ڈیبی نے اس کی کسی کال کا جواب نہیں دیا۔ اب وہ کس لیے فون کرے گی؟" ویرا نے کہا۔

"وہ ایک اچھی مگر ستم رسیدہ عورت تھی۔ گیری ہارٹ اور حیف طر کو شاید اسی کی بددعائیں لے ڈوبیں ورنہ وہ کبھی بھی ایسے الم ناک انجام سے دوچار نہ ہوتے۔ راس المیڈا نے ان کی ساری عمر کی کارکردگی پر پل بھر میں سیاہی پھیر دی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اب تک وہ مارے جا چکے ہوں۔" ادل خان نے رائے ظاہر کی۔

"یہ حیرت کی بات ہے کہ شہر کی ہر اچھی اور مظلوم عورت ڈیبی سے ضرور ٹکراتی ہے۔" ویرا نے غزالہ سے مخاطب ہو کر استہزائیہ انداز میں کہا "ڈیبی کوئی زنانہ یتیم خانہ کھول لے تو وہ بہت چلے گا۔"

وہ تینوں ہی مل کر ہنسنے لگے۔ میرے پاس ویرا کی ان بے سروپا باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ان کی ہنسی میں شریک ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ بھی فاتحانہ شان سے لوٹ آیا۔ اس نے آتے ہی اپنی جیب سے بیم گن نکال کر میرے حوالے کر دی اور اپنے دونوں کان پکڑ کر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "توبہ' میرے باپ کی توبہ جو اب تم سے پوچھے بغیر کبھی بیم گن کو ہاتھ لگاؤں۔ گاڑی کو بھی اسی دن اٹھنا تھا جب میں بیم گن اس میں رکھ کر بھول گیا تھا۔"

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے صوفے پر گرا لیا "اچھا ہوا کہ تم چلے گئے اور گاڑی مل گئی ورنہ ہم اس وقت بھی کوفت میں مبتلا رہتے۔ آدمی سے بھول چوک ہو ہی جاتی ہے۔ بیم گن چلی جاتی تو چند روز کے بعد ہمیں خود بہ خود صبر آ جاتا۔ یہ ہتھیار ہمیشہ سے تو میرے پاس نہیں تھا۔ اس کے بغیر بھی ہم زندہ رہ سکتے ہیں۔"

"رات تم دیر سے آئے' صبح ڈیبی کی گم شدگی کا مسئلہ کھڑا ہو گیا پھر گاڑی کی تلاش کا سلسلہ چل پڑا" ویرا نے دلچسپی کے ساتھ سلطان شاہ سے کہا "تم نے اپنے دوستوں یا رشتے داروں سے ملاقات کی تفصیل ہی نہیں سنائی۔"

"یہاں کسی کو میری کوئی بات سننے کی فرصت نہیں ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں وہاں سے خاصی گرما گرم خبریں لایا ہوں۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا "مجھے ایک ایسے آدمی کا پتا چلا ہے جو بولتے ہوئے اپنے دونوں کان ہلاتا ہے۔"

اس وقت تک ساگا کے بارے میں ہونے والی کم و بیش ساری باتیں سلطان شاہ کے علم میں تھیں مگر ساگا کے کان ہلنے والی بات سے وہ بے خبر تھا کیوں کہ ساگا کے اس عیب یا خوبی کا تذکرہ میرے اور جہانگیر کے درمیان ہوا تھا۔ اس بات سے کوئی بھی باخبر نہیں تھا۔

"تمہارے دوستوں نے آدمی نہیں' مچھر یا گدھا دیکھ لیا ہوگا۔" ویرا نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا "وہی دونوں جانور رینگتے ہوئے اپنے کانوں کو ہر طرف ہلاتے رہتے ہیں تاکہ اپنی آواز کے سوز و گداز سے خود بھی لطف اندوز ہوتے رہیں۔"

اول خان کی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔ سلطان شاہ کا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ کر میں نے ویرا کو گھورا اور کہا "اس وقت تم نے نری جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ سلطان شاہ کی ہر بات ہی بے مغز اور لغو نہیں ہوتی۔"

"تو پھر تم میں سے کوئی مجھے اپنے کان ہلا کر دکھائے!" وہ سینہ تان کر غرائی "میں مان لوں گی کہ سلطان شاہ بے پر کی نہیں ہانک رہا۔ اس کی بات میں کوئی نہ کوئی وزن ہے۔"

"بک بک مت کرو۔" مجھے غصہ آگیا "تم ایک احمقانہ مطالبہ کر رہی ہو۔"

میرے لہجے کی تیزی پر اول خان کی ہنسی یک بہ یک تھم گئی۔ ویرا نے تحمل سے کام لینے کے بجائے جارحانہ تیوروں کے ساتھ کہا "تم پورے شہر میں ایسا آدمی ڈھونڈ کر دکھا دو جو بولتے ہوئے اپنے کان ہلاتا ہے تو میں...... م...... میں امریکا جانے کا ارادہ ترک کر دوں گی۔" اس نے اپنی گفتگو کے دوران میں ہکلاتے ہوئے لمحہ بھر کے لیے کسی جان دار شرط کے بارے میں سوچا اور پھر بات مکمل کر دی۔

ویرا کی شرط سنتے ہی میرا دل خوش ہو گیا۔ سلطان شاہ کی بات پر اس نے خود ہی بدمزگی پھیلائی تھی اور پھر خود ہی ایک مضبوط ٹریپ میں پھنس گئی تھی۔

"پھر تم اپنے سفری کاغذات ضائع کر دو۔" میں نے اپنی خوشی کا اظہار کیے بغیر خشک لہجے میں کہا "ساگا جب بات کرتا ہے تو اس کے دونوں کان خود بہ خود ہلنے لگتے ہیں۔ جہانگیر کو اس کا نام یاد نہیں آیا تھا۔ اس نے اسی خوبی یا خامی کے حوالے سے ساگا کو پہچان کر اپنی معلومات کا اظہار کیا تھا۔ گئے دنوں میں اس کے بے تکلف ساتھی اسے ڈنہل سگریٹ کے وزن پر کنہل کہا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ پرنس ساگا ہی کہلانے لگا۔"

میرے اس انکشاف پر سب حیران رہ گئے۔ ویرا کا چہرہ اتر گیا اور وہ کمزور آواز میں بولی "میں نہیں مان سکتی۔ تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو۔"

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ وہ پکڑا جائے گا تو تم خود دیکھ لوگی کہ وہ کوئی گھچڑ یا گدھا نہیں بلکہ ساگا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اپنے چہرے کے عضلات میں کسی پیدائشی نقص کی وجہ سے بولتے ہوئے اس کے کان ہلتے ہیں۔ تم جوش میں آکر شرط ہار چکی ہو۔"

"حیرت ہے کہ جو کام ہم سب اپنی سر توڑ کوششوں کے باوجود نہیں کر سکے، وہ ساگا کے ذکر نے کر دکھایا ہے۔" غزالہ نے اس دلچسپ موڑ پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"بلاوجہ اچھلنے کی ضرورت نہیں۔" ویرا ناگواری سے بولی۔ "ڈنی پیشہ ور جواری کی طرح اندھی چال چلنے کا عادی ہے۔ میں ثبوت سامنے آنے تک اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں کر سکتی۔ اگر ڈنی سچا ہے تب بھی یہ نہ بھولو کہ اس وقت ساگا شدید زخمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے سامنے آنے سے پہلے ہی وہ جہنم واصل ہو جائے اور ہم میں سے کوئی بھی اس کے ہلتے ہوئے کانوں کو نہ دیکھ سکے۔"

"اپنی ذرا سی سرخروئی کے لیے ہمیں اتنی بڑی بددعا نہ دو۔" اول خان کراہا "راس الیڈا کے خلاف اس وقت ساگا ہی ہمارا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ وہ ہمارے ہاتھ آنے سے پہلے مر مرا گیا تو بڑا نقصان ہوگا۔"

"یہ حشر ہوتا ہے میری بات کا!" سلطان شاہ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بولا "گدھوں اور گھچڑوں کے ذکر میں میری بات ادھوری رہ گئی تو اب کسی کو فکر ہی نہیں ہے کہ میں کیا کہہ رہا تھا۔"

"ہاں۔ تم کان ہلانے والے کی بات کر رہے تھے۔" میں نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"میرے جاننے والوں میں سے کئی لوگ کان ہلانے والے سے مل چکے ہیں۔ انہیں ساگا سے ملوانے والا شخص بنارس چوک پر رہتا ہے۔ آج کل اسے ایسے نیم تعلیم یافتہ لڑکوں کی تلاش ہے جو مفت میں یورپ اور امریکا سیر کرنے کے شوقین ہوں۔ ایسے لڑکوں کو ہر پھیرے کے لیے دس ہزار روپے معاوضہ دیا جائے گا۔"

"منشیات کی اسمگلنگ کا یہ بہت فرسودہ اور روایتی طریقہ ہے۔" میں نے کہا "تو کیا اب اس بارے میں اس قدر کھل کر کام ہونے لگا ہے کہ ہر شخص کو ان باتوں کا پتا ہے؟"

"سارا کام بہت راز داری سے ہو رہا ہے۔ پہلے بنارس چوک والا لڑکوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ گنے چنے لڑکوں کو کان ہلانے والے سے ملایا جاتا ہے جو اپنے اطمینان کے بعد شرائط طے کرتا ہے۔ ساری باتیں محدود حلقوں کے سینہ گزٹ میں چل رہی ہیں۔ مجھے تو اتفاقاً ہی یہ سب معلوم ہو گیا۔ میرے دوستوں کو معلوم ہے کہ میں نے ٹرانسپورٹ کی لائن چھوڑنے کے بعد کافی دن یورپ میں گزارے ہیں۔ وہ مجھ سے وہاں کے بارے میں جاننا چاہ رہے تھے اور یوں بات سے بات کھلتی چلی گئی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اسی کا نام ساگا ہے۔ لڑکوں میں وہ باس کے نام سے مشہور ہے۔"

"عجیب اتفاق ہے کہ کل تم کو جہانگیر سے ساگا کے بارے میں معلوم ہوا اور کل ہی سلطان شاہ کو اپنے دوستوں سے اس کے متعلق پتا چلا۔" اول خان بولا "ویسے ہم اسے ڈھونڈتے رہتے تو مہینوں بھی شہر میں اس کا کھوج نہیں ملتا۔ بعض اوقات ایسے اتفاقات کمال دکھا جاتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اول خان اٹھا اور باتھ روم استعمال کرنے کے لیے سلطان شاہ کے کمرے میں چلا گیا۔

اسے گئے ہوئے چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ویرا سے پہلے میں نے ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے اول خان کا آدمی بول رہا تھا۔ میری آواز سن کر وہ چونکا تھا۔

"میں ڈنی بول رہا ہوں۔ تمہارا چیف باتھ روم میں ہے۔ کیا رپورٹ ہے؟"

"ہمارا مطلوبہ آدمی سول اسپتال میں لاوارث پڑا ہوا ہے۔ اسے ایک مخنی سا بری شخص ایمبولینس میں لایا تھا۔ اس نے کہا کہ اس کی مالکنیں اپنی گاڑی میں اسپتال پہنچنے والی تھیں۔ کافی دیر تک کوئی نہیں آیا تو وہ مخنی شخص بھی غائب ہو گیا۔ ساگا سخت تکلیف میں ہے۔ ایک گولی اس کی ریڑھ کی ہڈی کو نقصان پہنچاتی ہوئی کمر میں گھسی ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ گولی نہ نکالی گئی تو زخم ریڑھ کی ہڈی کو زیادہ نقصان پہنچائے گا۔"

"ساگا تمہاری تحویل میں ہے یا اسپتال والوں کے قبضے میں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہو چکا ہے۔ گولی نکالنے کے بعد بھی اسے کئی روز اسپتال میں رہنا ہوگا۔ ہم لوگ اسے لے کر آئے تو اس کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ پولیس آچکی ہے لیکن ہم نے انہیں الگ رہنے پر آمادہ کر لیا ہے۔"

"پولیس والوں کو بتا دو کہ نیپیئر روڈ کی چھمیا اور ڈیرے دارنی کو تلاش کر کے ساگا کے بارے میں باز پُرس کریں۔ ڈاکٹروں سے کہو کہ تم اپنے طور پر اس کا آپریشن کراؤ گے اور اسے اٹھا لاؤ۔ وہ خطرناک مجرم ہے۔"

"بہت بہتر جناب، ایسا ہی ہوگا۔ اسے ایک گھنٹے کے اندر اندر اسٹیشن فور پہنچا دیا جائے گا۔"

"نہیں، اسے مقبول آباد کے ویران مکان میں لے جاؤ۔ ہم وہیں پہنچتے ہیں۔"

"میں اس مکان سے واقف نہیں ہوں۔" اس کی معذرت خواہانہ آواز ابھری۔

"تم تینوں میں سے کوئی ایک اس مکان میں رہ چکا ہے۔ چند روز پہلے بھی ایک قیدی وہاں رکھا گیا تھا۔"

اسی وقت اول خان آگیا۔ اس کی استفسار طلب نگاہیں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"تمہارا آدمی ہے۔ میں ہدایات دے چکا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کون بول رہا ہے؟" اول خان نے ماؤتھ پیس میں دبنگ آواز میں پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔" اپنے آدمی کی بات سن کر اس نے کہا "وہی کرو جو ڈپٹی نے بتایا ہے۔ اس پر عمل کرنے میں تمہیں کوئی دشواری تو نہیں ہوگی؟"

"بس ہم آدھے گھنٹے میں وہاں آرہے ہیں۔" قدرے توقف کے بعد اول خان نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

"اب بتاؤ کہ تم نے اس سے کیا کہا ہے؟" فون بند کرنے کے بعد اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

اول خان کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ گولی نے ساگا کی ریڑھ کی ہڈی کو نقصان پہنچا کر مفلوج کر دیا ہے۔ ایسی حالت میں وہ مزاحمت یا فرار کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔

واقعات اور مذاکرات سے غزالہ نے ہماری روانگی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ ویسے بھی اول خان کو وہاں آئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ غزالہ نے آملیٹ اور پچھلے دن کا بچا ہوا سالن وغیرہ یک جا کر کے کھانے کی میز لگا دی۔

میز پر اول خان۔ نے میرے ساتھ جا کر ساگا سے باز پُرس کرنے کا ارادہ کیا تو ویرا بول اٹھی "میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلوں گی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کے جلتے ہوئے کان نہ دیکھے تو شرط منسوخ سمجھو۔"

"پھر تو مجھے بھی جانا ہوگا۔" سلطان شاہ نے لقمہ نگل کر کہا۔ "شرط میری لائی ہوئی خبر پر لگائی گئی ہے۔"

"پھر تم لوگ ہی چلے جاؤ۔ میں گھر پر آرام کروں گا۔" میں نے جل کر کہا۔

"یہ ٹھیک ہے۔" ویرا اطمینان سے بولی "بازارِ حسن کی سیر کے بعد تم کو آرام کی ضرورت ہے۔ اپنے حصے کی ساری بھاگ دوڑ تم نے صبح صبح ہی پوری کر لی ہے۔ اب ہمیں بھی گھر سے نکلنا چاہیے۔"

تھوڑی سی تلخی اور نوک جھوک کے بعد سلطان شاہ اپنے مطالبے سے دست بردار ہو گیا۔ طے یہ پایا کہ ہم دونوں کے ساتھ ویرا بھی ساگا کی زیارت کے لیے جائے گی تاکہ اپنی آنکھوں سے اس کے کانوں کا مشاہدہ کر سکے۔

سول اسپتال سے مقبول آباد کا فاصلہ زیادہ طویل نہیں تھا۔ ہم سب ہی ساگا کے معاملے کو جلد از جلد نمٹانے کے خواہاں تھے تاکہ شام ہونے تک راس المیڈا کے خلاف کسی بھرپور کارروائی کا فیصلہ کیا جا سکے۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہوتے بھی کافی وقت گزر گیا۔ ہم تینوں گھر سے نکلے تو ڈھائی بج رہے تھے۔

ہم تینوں نے سفر کے لیے اول خان کی جیپ کا انتخاب کیا تھا۔ راستے میں مَیں نے کہا "ساگا بہت سخت جان آدمی ہے۔ ہم آسانی سے اس کی زبان نہیں کھلوا سکیں گے۔"

"اس کی محبوبہ نے اسے زخمی کر کے ہمارا کام شاید آسان کر دیا ہو۔" اول خان نے کہا "ریڑھ کی ہڈی زخمی ہونے کے بعد وہ عمر بھر کی معذوری کی دہلیز پر پہنچ چکا ہے۔ اس زخم نے اُس کے خاصے کس بل نکال دیے ہوں گے۔"

"باز پُرس کے بعد اس کا کیا انجام سوچا ہے تم نے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"میں بے مقصد خون ریزی کا قائل نہیں ہوں لیکن جو لوگ معاشرے پر بوجھ اور دوسروں کی زندگیوں کے لیے خطرہ بن گئے ہوں، انہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔" اول خان نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔

"وہ مار دیا گیا تو اسے لوگ جلد ہی بھول جائیں گے۔ معذوری کی حالت میں زندہ رہ کر وہ عمر بھر دوسروں کے لیے عبرت کا سامان

بنا رہے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا زخم بگاڑ کے اسے کہیں پھینک دیا جائے۔"

"تاکہ وہ زندگی بھر اپنے ہمدردوں کو ہمارے ظلم و ستم کی کہانیاں سناتا رہے۔" میں نے طنز سے کہا۔

"یہ بھی ایک نکتہ ہے۔" ویرا فوراً ہی قائل ہو گئی "ہمیں اپنے تحفظ کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔"

تھوڑی ہی دیر میں ہم شارع فیصل سے داہنی طرف کے سروس روڈ پر اتر کر نادرہ کے غیر آباد مکان کی طرف جا رہے تھے۔ اس پتلی سی سڑک پر دو طرفہ ٹریفک اور بے تکی پارکنگ کی وجہ سے چھوٹے سے حصے میں ہماری رفتار بہت کم رہی۔ اس بھیڑ سے نکلتے ہی ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے۔

اول خان کے آدمی اس کی گاڑی ہی کو نہیں گاڑی کے انجن کی آواز کو بھی اچھی طرح پہچانتے تھے۔ گاڑی پہنچنے سے پہلے پھاٹک کھول دیا گیا تھا۔ اول خان اپنی جیپ کو پارکنگ کے لیے مکان کے بغلی راستے پر دور تک لیتا چلا گیا۔

"سر! قیدی بہت گھبرایا ہوا ہے۔" جیپ سے اترتے ہی دوسرے آدمی نے ایک اوٹ سے نمودار ہو کر اول خان کو رپورٹ دی۔

"ہم نے تشدد اور کاٹ پیٹ کے آلے جمع کر کے اس کا مورال بہت ڈاؤن کیا ہوا ہے۔"

"شاباش!" اول خان نے اس کی پیٹھ پر تھپکی دے کر کہا اور ہم تینوں عمارت کی طرف بڑھ گئے۔

ساگا ہمارا بے ضرر قیدی تھا اس لیے تیسرا آدمی ہمیں تہ خانے کی سیڑھیوں پر ملا اور اول خان نے اسے وہیں سے تازہ ہوا کھانے کے لیے باہر بھیج دیا۔ تہ خانے میں سے ساگا کی ہلکی ہلکی کرب ناک آوازیں آ رہی تھیں۔

وہ اسی بستر پر چت پڑا ہوا تھا، جس پر پہلے جیف ملر اور پھر سخی مراد نے کچھ وقت گزارا تھا۔ ہم نے ان دونوں قیدیوں کو زندہ رخصت کیا تھا مگر ان کا انجام بخیر نہیں ہو سکا۔ جیف ملر، راس الميڈا کے عتاب کا نشانہ بن کر زبردستی امریکا بھیج دیا گیا، سخی مراد کو راس الميڈا کے آدمیوں نے بموں سے اُڑا دیا۔

قدموں کی چاپ پر ساگا نے اپنی گردن کو خفیف سا گھما کر ہمیں دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہا۔ شاید گردن کو زیادہ گھمانا اس کے بس سے باہر تھا کیوں کہ ریڑھ کی ہڈی میں نیچے سے اوپر تک مہرے بہت مضبوطی کے ساتھ ایک دوسرے میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور ایک مہرے کی جنبش پوری ہڈی پر اثر انداز ہوتی ہے۔

"کون ہے؟" وہ ہمارے قریب پہنچنے کا انتظار کیے بغیر ہذیانی آواز میں تقریباً چیخ پڑا۔

"ڈیتھ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟" میں نے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"تم...... تم کیوں میری جان کا روگ بن گئے ہو؟" نگاہیں چار ہونے پر وہ رو دینے والی آواز میں بولا "تم چلے جاؤ۔ تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ میں عمر بھر تمہارا راستہ نہیں کاٹوں گا۔"

صبح کی ضربات سے اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔

"میں تمہارے سامنے ہوں۔ مجھے پکڑو اور راس الميڈا کے پاس جاؤ۔" میں نے اس کے سامنے پہلی بار راس الميڈا کا نام لے کر سفاکانہ لہجے میں کہا "میں تمہاری لاٹری ہوں۔ دولت، طاقت اور اختیار کی لاٹری۔ وہ یہودی دہشت گرد جو آج دو طلائی سکوں پر نقرئی آنکھیں لیے پھرتا ہے، اسی سے مدد مانگو...... وہ تمہیں آئی مین بنانے والا ہے۔ میں صبح بھی نہتا تھا اور اس وقت بھی خالی ہاتھ یہاں آیا ہوں۔ ہو سکے تو میرا کچھ بگاڑ لو۔"

اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ وہ مجھ سے نظریں چرا کر چھت کے آہنی کنڈے سے جھولتی ہوئی میلی رسی کو دیکھنے لگا پھر بولا "مجھے معاف کر دو...... خدا کے لیے مجھے معاف کر دو! صبح میں نے تم پر دو گولیاں چلائی تھیں، قدرت نے مجھے خود ہی سزا دے دی۔"

"قدرت کا نام مت لو!" میں نے اس کی بات کاٹ کر درشت لہجے میں کہا "تمہیں یہ سزا چھمیا نے دی ہے۔ میرا حساب باقی ہے۔"

اول خان میز پر سے دُہری دھار والا خنجر لے کر اس پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔ ویرا ابتدا سے تحیر زدہ نظروں سے ساگا کے ہلتے ہوئے کانوں کو گھورے جا رہی تھی۔ لبوں کی جنبش کے ساتھ اس کے کان اوپر نیچے ہل رہے تھے۔

"تمہاری بچت کی صرف ایک ہی صورت ہے۔" اول خان اپنا وزنی جوتا بستر پر رکھ کر ساگا پر جھک گیا۔ اس نے خنجر کی نوک ساگا کے نرخرے پر ٹکا دی تھی اور کہہ رہا تھا "اپنے سُپر آئی مین کا پتا بتا دو۔ راس الميڈا مل جائے گا تو تمہاری جان چھوٹ جائے گی ورنہ سب سے پہلے تمہارے ہلتے ہوئے کان کاٹ ڈالے جائیں گے پھر باری باری دوسرے اعضا الگ کر کے چیل کوّوں کو ڈالے جاتے رہیں گے۔ تمہارے پاس کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔"

وہ کچھ نہیں بولا۔ بستر پر پڑا گہرے گہرے سانس لیتا رہا۔ اس نے اپنی آنکھیں موند لی تھیں۔ اس کے مرجھائے ہوئے بند پپوٹوں کے نیچے پتلیوں کی حرکت صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ یقیناً کسی گہری سوچ میں تھا۔

چند سیکنڈ یوں ہی گزر گئے۔ اس کی حالت میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی تو اول خان نے داہنے ہاتھ سے اس کے بال جکڑ کر اس کی گردن کو کئی جھٹکے دیے۔ اس کی چیخیں نکل گئیں۔

اس کی آنکھیں کھل کر پھیل گئی تھیں، چہرہ تاریک ہو کر پسینوں میں نہا گیا تھا۔

"ہم...... میں نہیں جانتا...... میں کسی راس الميڈا کو نہیں جانتا۔" وہ ہانپتے ہوئے رک رک کر بولا۔

اس کھلے جھوٹ پر میرا خون کھول اٹھا اور میں نے سرہانے

جا کر اُس کے جبڑے پر ایک مکا جڑ دیا۔
دانت ٹوٹنے کی آوازوں کے ساتھ ہی اس کے دہانے کے ایک گوشے سے خون بہہ نکلا پھر اس نے گردن ہلائے بغیر ٹوٹے ہوئے دانت اپنے سینے پر تھوکنے شروع کر دیے۔ میرا مکا کھانے پر اس کے حلق سے غیر ارادی غراہٹ ضرور نکلی تھی مگر وہ چیخا نہیں تھا۔ اسے اصل تکلیف ایسی جنبشوں سے ہو رہی تھی جن سے ریڑھ کی ہڈی پر زور پڑتا ہو۔

"اسے چھت سے الٹا لٹکانے کا بندوبست کرو۔" میں نے اول خان سے کہا "اور لٹکا کر اسے اس وقت تک جھلاتے رہو جب تک یہ ہر بات نہ اگل دے۔ آج میں اس کی ریڑھ کی ہڈی کا ایک ایک مہرہ توڑ دوں گا۔"

"ٹھہرو!" اچانک ویرا سرد آواز میں بولی اور میں چونک کر اسے گھورنے لگا۔

"تشدد سے پہلے مجھے اس سے بات کرنے دو۔" وہ کہہ رہی تھی "ہو سکتا ہے کہ یہ میری بات سمجھ سکے۔"

ساگا نے اپنی آنکھوں کی پتلیاں گھما کر خاموشی سے ویرا کی طرف دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہا۔

میں اول خان کا ہاتھ تھام کر چند قدم پیچھے سرک گیا تاکہ ساگا ہمیں نہ دیکھ سکے۔

"راس المیڈا کو تم کتنے عرصے سے جانتے ہو؟" چند ثانیوں بعد ویرا نے پوچھا۔

"تین چار مہینے سے!" ساگا کسی سحر زدہ معمول کی طرح مشینی انداز میں بول پڑا۔ اس کی وہ تبدیلی میرے لیے حیران کن تھی۔ ویرا نے اس کے ساتھ نرمی برتنے کا جو نفسیاتی فیصلہ کیا تھا' وہ کامیاب رہا تھا۔

"اور میں اسے برسوں سے جانتی ہوں...... اگر تم بھی شی میں رہے ہو تو تم نے میرا نام ضرور سنا ہوگا۔ میں ویرا ہوں اور بھی بلیک کوئن کہلاتی تھی۔ تمہیں میری بات کا اعتبار کرنا چاہیے کہ راس المیڈا بہت خود غرض اور موذی ہے۔"

"تت...... تو...... تم ویرا ہو!" وہ ہکلایا۔ اذیت سے اس کی آواز کے جذباتی نشیب و فراز معدوم ہو چکے تھے لیکن میں نے اندازہ لگایا کہ ویرا کے بارے میں جان کر اسے حیرت ہوئی تھی۔

"سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے مکان میں شاید ہارون تمہارے سامنے مارا گیا تھا۔ وہ برسوں سے راس المیڈا کا چہیتا تھا۔ وہ ہر ایک کے ساتھ یہی کرتا ہے۔ بڑے بڑے لالچ دے کر اپنے کام لیتا ہے اور افادیت ختم ہوتے ہی مار ڈالتا ہے۔ سلور آئی دینے کا وعدہ کر کے وہ تمہارے ساتھ یہی کھیل کھیل رہا ہے کیوں کہ اسے ڈیبی کی ضرورت ہے۔"

"ہارون نے نشے میں اسے باسٹرڈ کہا تھا۔" ساگا نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "یہ بدترین غلطی تھی اس کی۔ میں اس کے لیے کچھ اور ہی کر رہا ہوں۔ ڈیبی کی بات بعد میں آئی ہے۔"

"یہ اس کی مکاری ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ہیروئن کی خریداری اور اسمگلنگ کے لیے وہ تم سے مل بیٹھا تھا۔ یہ تمہیں پھانسنے کا ایک بہانہ تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ بنارس کالونی کا نجیب خان تمہارے لیے کیریئر تلاش کرتا ہے اور تم دس ہزار روپے معاوضے اور مفت کی سیر کے بہانے سے نوجوان لڑکوں کے ذریعے ہیروئن باہر اسمگل کر رہے ہو۔"

"تم بہت کچھ جانتی ہو۔ میرا اور اس کا اصل معاہدہ یہی ہے۔" وہ ویرا کے سامنے بالکل موم ہو کر رہ گیا تھا۔

"میں ڈیبی سے بہت زیادہ باخبر ہوں۔ تمہیں راس المیڈا کے انتقام سے دہشت زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ جمی لائیڈ کو قتل کر کے ایک سازش سے سپر آئی مین بنا ہے۔ اسے مارلوں گی تو میں اس کی جگہ لے لوں گی۔ میرا وعدہ ہے کہ وہ دن آیا تو تم وہیل چیئر پر بھی میرے قریبی ساتھیوں میں شامل ہو گے۔"

"اسے...... اسے مارنا اتنا آسان نہیں ہے۔" وہ اپنے دہانے میں جمع ہو جانے والا خون تھوک کر بولا۔

"تم صرف اس کا پتا بتا دو۔ کل کا سورج نکلنے سے پہلے اس کی لاش تمہارے سامنے ہوگی۔ تم عورت کے انتقام سے واقف نہیں ہو۔ وہ درندگی پر اترتی ہے تو سب کو پیچھے چھوڑ دیتی ہے۔ میرے وجود میں اپنے باپ کے خون کا انتقام ایک الاؤ بن کر دہک رہا ہے۔ اسے سرد کیے بغیر مجھے چین نہیں مل سکے گا۔"

"نادیہ کہاں ہے؟" وہ ویرا سے اچانک ہی ایک غیر متعلق سوال کر بیٹھا "وہ اسپتال میں بھی نہیں آئی تھی۔"

"تم نے اسے لاکھ نادیہ بنانا چاہا لیکن اندر سے وہ چھمیا ہی ہے۔ تمہیں اسپتال بھیجنے کے بعد گرفتاری کے ڈر سے اپنے پرانے محلے میں جا چھپی ہے۔ بازاری عورت کبھی کسی کی نہیں ہوتی۔ پیسہ اسپرنگ بن کر اسے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اسپرنگ کمزور پڑتے ہی وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ وہ تمہاری خدمت کیوں کرے؟ تم معذور ہو گئے یا مر گئے تو اس کا کیا بنے گا؟ اس کی تو ابھی پوری پڑی ہوئی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم چھمیا سے بھی مل چکی ہو۔" اس بار اُس نے بھی نادیہ کو چھمیا کہا تھا۔

"اسی نے بتایا تھا کہ ایمبولینس تمہیں سول اسپتال لے گئی ہے۔" ویرا نے سنجیدگی سے کہا پھر اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہوئے بولی "تم نے ابھی تک راس المیڈا کا پتا نہیں بتایا۔"

"مجھے اس کا پتا نہیں معلوم۔" اس کی آواز یک بہ یک کمزور پڑ گئی۔

"کوئی فون نمبر' کوئی نشان' تمہیں کچھ نہ کچھ تو معلوم ہی ہوگا۔ تم اس سے رابطہ کیسے کرتے ہو؟"

"سچ سچ بتاؤ کہ تم نے ڈیبی کو میرے اوپر تشدد کرنے سے کیوں روکا ہے؟" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی گردن ویرا کی طرف موڑنے کی غیر ارادی کوشش کی اور اس کی بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

"تمہاری حالت پہلے ہی خراب ہے۔ مرتے ہوئے کو مارنا مردانگی نہیں ہوتی۔"

"ہم...... میں تمہیں کیسا لگ رہا ہوں؟" سخت اذیت کے باوجود اس کے ذہن کی کوئی رگ پھڑک چکی تھی۔

"ڈراؤنے اور قابل رحم!" ویرا نے انجان بن کر معصومانہ سادگی سے کہا "تمہارا چہرہ بہت بگڑا ہوا ہے۔"

"ڈیبی اور اس کا ساتھی کہاں ہے؟" ساگا کو ایک دم ہم دونوں کا دھیان آگیا۔

ہم پہلے ہی اس کی نگاہوں کی رسائی سے دور تھے۔ ویرا نے اطمینان سے کہا "شاید وہ میری مداخلت پر ناراض ہو کر باہر چلے گئے ہیں۔ تم کو ان کی فکر کیوں ہو رہی ہے؟"

میری اور اول خان کی نگاہیں چار ہوئیں اور پھر جھک گئیں۔

ہم دونوں ہی ویرا اور ساگا کی گفتگو کے معنی خیز پیچ وخم پر حیران رہ گئے تھے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ساگا جیسی اذیت ناک تکلیف میں مبتلا کوئی تڑپتا ہوا شخص اپنی تکلیف کو بھول کر یوں زندگی کے جمالیاتی پہلوؤں کے بارے میں بھی سوچ سکتا تھا مگر مثال میرے سامنے موجود تھی۔ سچ ہی ہے کہ انسان روئے زمین کی ایسی پیچیدہ ترین مخلوق ہے جو کسی بھی وقت کوئی روپ دھار سکتی ہے۔

"ان کے قدموں کی آواز نہیں آئی۔ وہ کب باہر چلے گئے؟" ساگا پوچھ رہا تھا۔ اس کے سوال سے عیاں تھا کہ بدترین اذیت میں مبتلا ہونے کے باوجود وہ اپنے گردوپیش سے غافل نہیں تھا۔

"وہ ٹہلتے ہوئے اسی وقت چلے گئے تھے۔ تم نے باتوں میں دھیان نہیں دیا ہوگا۔" ویرا کی آواز میں لحہ بہ لحہ نرمی اور لوچ پیدا ہوتا جارہا تھا "سیڑھیاں چڑھنے کے مقابلے میں ویسے بھی اترتے ہوئے زیادہ شور ہوتا ہے۔ تم نے ہمارے آنے کی آوازیں سن لیں لیکن ان کے جانے کی ہلکی آوازیں اسی لیے فراموش کر بیٹھے۔"

اس کے ہونٹوں سے ایک بے ساختہ کراہ نکلی پھر وہ بولا "تم بہت اچھی ہو۔ مجھے اچھی لگ رہی ہو۔ حسن بچپن ہی سے میری کمزوری رہا ہے۔ حسن کو جہاں بھی دیکھوں، اپنانے کے لیے تڑپ اٹھتا ہوں۔ چھمیا ہی کو لے لو۔ وہ بہت حسین ہے۔ بازار میں رہتی تھی لیکن پھول کیچڑ میں ہو یا کسی خوب صورت گملے میں، وہ کھلتا ہے تو پھول ہی رہتا ہے۔ میں نے چھمیا کو خاک سے اٹھا کر تخت پر بٹھادیا لیکن تم ٹھیک ہی کہتی ہو۔ میری کوششیں چھمیا کو نادیہ نہیں بنا سکیں۔ مجھ پر برا وقت آتے ہی وہ مجھے چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی فکر میں پڑ گئی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میں نے اپنے دشمن کو زیر ہی کرلیا تھا اور اس نے میری پشت پر گولی چلا کر مجھے اس حال کو پہنچادیا ہے۔ ڈیبی کو نیچا دکھانے والا اس وقت چھمیا کے ہاتھوں مفلوج ہو کر اپنے بستر کا قیدی بن چکا ہے۔"

"تم بہت بول رہے ہو۔ کام کی چند باتیں بتا کر سونے کی کوشش کرو۔ میں ڈیبی وغیرہ کو اپنے ساتھ لے کر واپس چلی جاؤں گی اور کسی قابل سرجن سے تمہارے آپریشن کی بات کروں گی۔" ویرا کی آواز کی نرمی لگاوٹ میں بدل گئی تھی۔

"تم بہت اچھی ہو۔" متبادل فقرہ نہ سوجھنے پر اس نے اپنی کہی ہوئی بات دہرائی "تم سے باتیں کرتے رہنے کو دل چاہ رہا ہے...... کاش ہم ایک دوسرے کے دشمن نہ ہوتے۔ ہماری دوستی ہو سکتی۔"

"ہم میں کوئی دشمنی نہیں ہے۔" ویرا نے تیزی سے کہا "میری دشمنی تم سے نہیں، راس المیڈا سے ہے۔ میں اس سے انتقام لے لوں اور تم صحت یاب ہو جاؤ تو ہمارے درمیان دوستی بھی ہو سکتی ہے۔"

ساگا کے خون آلود اور متورم ہونٹ قدرے پھیلتے ہوئے نظر آئے۔ شاید وہ ویرا کے حوصلہ افزا جواب پر خوش ہو کر مسکرایا تھا۔ اس نے کہا "اور ڈیبی؟ وہ تو میرے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔"

"وہ جنگلی اور تیز مزاج کا مالک ہے۔ وہ تم سے راس المیڈا کا پتا میرے لیے ہی پوچھ رہا تھا۔ تمہارے انکار پر اسے غصہ آگیا...... وہ...... وہ میرے لیے کام کرتا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ میرے ڈانٹتے ہی وہ دُم دبا کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ میری مرضی کے خلاف وہ تم کو دیکھ بھی نہیں سکے گا۔"

"راس المیڈا کہتا ہے کہ تم دونوں دوست ہو...... ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہو۔"

"حقیقت میں نے تمہیں بتادی۔ دوستی اور ملازمت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ راس المیڈا اس فرق کو نہیں سمجھتا تو نہ سمجھے۔ مجھے اُس کی پروا نہیں ہے۔ میں اپنی مرضی کی مالک ہوں۔"

"تو یہ غلط ہے کہ تم ڈیبی سے محبت کرتی ہو؟" ساگا نے ویرا کی دُکھتی رگ چھیڑ دی۔

"غلط ہی نہیں، یہ بکواس ہے۔" ویرا بپھر کر بولی "ملازم سے کون سی عورت محبت کرسکتی ہے اور پھر ڈیبی شادی شدہ ہے۔ وہ مجھے اپنا کھلونا بنا سکتا ہے، تحفظ کا سایہ فراہم نہیں کرسکتا۔"

"کاش" تمہاری کہی ہوئی باتیں درست ہوں۔" اس کی آواز میں حسرت سمٹ آئی "میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ ایک کاری زخم کھانے کے بعد بھی تم سے باتیں کررہا ہوں۔ یہ باتیں میرے روئیں روئیں میں سکون کی لہریں دوڑا رہی ہیں۔"

"تم مسلسل بولے جارہے ہو۔" ویرا نے اپنائیت سے اسے ڈانٹا "یہ باتیں بعد میں بھی ہوسکتی ہیں۔"

"تمہاری دوستی میں ذرا سی بے تکلفی تو ہو سکتی ہے نا؟" اس ڈھیٹ نے پوچھا۔ وہ آہستہ آہستہ پیش رفت کررہا تھا۔

"دوستی کا مفہوم بہت وسیع ہوتا ہے۔ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن تمہارے صحت مند ہونے کے بعد۔ ایمانداری کی بات ہے کہ میں ایک مفلوج بوائے فرینڈ کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ ویسے مجھے خود بھانت بھانت کے مردوں سے دوستی کر کے عجیب سی خوشی محسوس ہوتی ہے۔"

کڑوا سچ بول کر تم نے مجھے اپنی سچائی کا یقین دلا دیا۔ پھر دوست ہوتا ہے۔ عورت شاید مفلوج شوہر تک کو زیادہ تک برداشت نہیں کر سکتی۔ تمہاری دوستی کی آرزو مجھے بہت مند کر دے گی۔"

"تمہاری صحت مندی کے ساتھ راس المیڈا پر میری فتح بھی ضروری ہے۔"

"وہ تمہارا کام ہے۔ میں تمہیں اس کی کمین گاہ کا پتا تو نہیں سکتا۔ اس کا فون نمبر مجھے یاد ہے' وہ دے دوں گا۔ یہ صرف نرمی اور محبت کا جواب ہے۔ ڈیبی میرے بدن کا ریشہ ریشہ ادھیڑ ڈالتا تو مجھ سے یہ نمبر نہیں اگلوا سکتا تھا۔ دشمن کے آگے یہ شاخ ٹوٹ سکتی ہے' جھک نہیں سکتی۔"

"تم مجھے باتوں میں الجھائے چلے جا رہے ہو۔" ویرا نے اس کا پھیلا ہوا ہاتھ تھام کر شکوہ کیا۔

ساگا نے ویرا کا نرم ہاتھ اپنی ہتھیلی میں لیا اور پھر آہستہ آہستہ دباتا چلا گیا۔

میں نے وہ نمبر سگریٹ کے پیکٹ پر لکھ لیا۔ وہ اسی علاقے کا نمبر معلوم ہوتا تھا۔

"یہ جان کا فون نمبر ہے۔" وہ کہہ رہا تھا "میرا کوڈ سن کر وہ المیڈا کو فون پر بلا دیتا ہے۔"

"اور تمہارا کوڈ کیا ہے؟" ویرا نے اِٹھلا کر پوچھا۔ اُس کا ہاتھ اور ساگا کے ہاتھ میں تھا۔

"وہ میرے ساتھ قبر میں جائے گا۔ ڈیبی جوش میں میرا کوڈ استعمال کر بیٹھا تو راس المیڈا سمجھ جائے گا کہ اس کا فون نمبر میں نے کسی کو دیا ہے۔ تمہیں اس کو فون کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ بلاوجہ چوکنا ہو جائے گا۔ فون نمبر سے پتا معلوم کرو اور وہاں پہنچ جاؤ۔"

"ذرا میرا ہاتھ چھوڑو تاکہ میں نمبر کہیں لکھ لوں۔" ویرا نے کہا۔ "نمبر مجھے زبانی یاد نہیں رہتے۔"

"لکھ لینا۔ ذرا سی دیر تو یہاں بیٹھ جاؤ۔ تمہاری موجودگی سے راحت مل رہی ہے۔"

میں نے اول خان کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور ہم دونوں پنجوں کے بل چلتے ہوئے زینوں کی طرف بڑھ گئے۔

"ہاتھ چھوڑو۔ میں بیٹھ بھی جاؤں گی۔ میں نے زور آزمائی کی تو تمہارے زخم میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں گی۔" میرے کان میں یہ الفاظ آئے۔ وہ آخر تک اپنی اداکاری برقرار رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم لیٹے رہو۔ میں اوپر باتھ روم میں ہو کر آتی ہوں۔" چند لمحے بعد ویرا کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ شاید ساگا نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ تہ خانے میں تیز تیز قدموں کی چاپ گونجنے لگی۔

ویرا ہمارے پیچھے پیچھے ہی اوپری منزل پر پہنچی تھی۔ اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔

"شاباش!" اول خان نے اس کا بازو تھام کر بے ساختہ ستائشی لہجے میں کہا "آج تم نے برجستہ فیصلہ کر کے پوری بازی جیت لی ہے۔ تمہیں اس پر تشدد بند کرانے کا خیال کیسے آیا تھا؟"

"میں نے جب سے اس کے بارے میں سنا تھا' مسلسل سوچ جا رہی تھی۔" ویرا ہمارے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے بتانے لگی "ایک خوب صورت طوائف زادی کو ڈنکے کی چوٹ پر اپنے گھر میں رکھ لینے والے کے بارے میں بہت آسانی سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے عیاش تو نہیں حسن پرست ضرور ہو گا اور کسی کی پروا کئے بغیر اپنی من مانی کرنے کا عادی بھی ہو گا۔ ایسے فیصلے ضدی لوگ ہی کرتے ہیں۔ عام آدمی تو دوسروں کے ردِعمل کے بارے میں سوچ سوچ کر ہی ادھ موا ہو جاتا ہے۔"

"مان لیا کہ تم انسانی فطرت پر بہت بڑی ریسرچ اسکالر ہو۔" اس کے خاموش ہونے پر میں نے کہا "لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے اپنے اس تجزیے کو کس بنا پر آزمانے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"ہم پہنچے تو وہ سخت اذیت میں تھا۔ اس کے باوجود اس نے نظریں بھر کر میری طرف دیکھا تھا۔ ایسی خستہ حالت میں بھی اس کی حسن پرستی برقرار تھی۔ جب اس نے تم دونوں کے تشدد کے جواب میں بے لچک انکار کا رویّہ اختیار کیا تو میں نے اپنی ترکیب آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ غنیمت ہوا کہ تم نے مجھ پر کوئی جرح کئے بغیر میری بات مان لی' اس طرح آخر میں اسے اپنی کئی باتوں کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گئی۔"

"تم نے سلطان شاہ کی لائی ہوئی اطلاعات کو بھی استعمال کر ڈالا" اول خان نے کہا۔

"یہ ضروری تھا۔ میں اپنے ذہن کو کرید کرید کر ہر وہ نکتہ استعمال کر رہی تھی جو اسے متاثر کر سکتا تھا۔ ان تمام چھوٹی چھوٹی باتوں نے مل کر اس کے دماغ پر میری ذات کا ایسا سحر طاری کر دیا کہ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر میرے جال میں الجھتا چلا گیا۔" ویرا اپنی اس کامیابی پر بجا طور پر بہت نازاں تھی۔

برآمدے سے نیچے اتر کر ہم تینوں رک گئے۔ اول خان کے تینوں آدمیوں کا دور دور تک کہیں پتا نہیں تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ تینوں کہیں نہ کہیں چھپے ہوئے ہوں گے اور ضرورت پیش آنے پر جادوئی چراغ کے جن کی طرح اچانک آموجود ہوں گے۔

"اس کے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟" ویرا نے دھیمے سے پوچھا۔

"وہ تمہارے ساتھ منصوبے بنا رہا تھا۔ ہم کیا سوچ سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"تم نے کسی اور کے سامنے ان باتوں کو دہرایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" وہ تیزی سے بولی۔

"وہ تو اب بھی کوئی نہیں ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "اس وقت یہاں کوئی اور نہیں ہے۔ یہاں ہم اس دلچسپ واقعے پر

آزادی سے بات چیت کر سکتے ہیں۔ ہمارا یہ حق تو برقرار رہنے ہی دو۔"

"وہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو لیکن اب تھوڑی سی ہمدردی اور رحم کا مستحق ہو گیا ہے۔" ویرا بولی۔

"چاہو تو اسے دوبارہ سول اسپتال بھجوائے دیتے ہیں۔" اول خان نے بے پروائی سے کہا "ہو سکتا ہے کہ وہاں آپریشن کے بعد اسے اپنی معذوری سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے۔"

"میں فیصلہ بدلنے کی بات نہیں کر رہی۔" وہ برا سا منہ بنا کے بولی "سارا مسئلہ فیصلے کے نفاذ کے طریقے کا ہے۔"

"کھل کر کہو کہ کیا کہنا چاہ رہی ہو۔" میں نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس جیسا تخیل پرست کسی دردناک موت کا حق دار نہیں ہے۔ اس کی موت ایسی سہل ہونی چاہیے کہ اسے خود بھی اپنی موت کا اندازہ نہ ہو سکے۔ اس نے مرنے سے پہلے ہی کافی اذیت جھیل لی ہے۔"

"آخر اسے مارنا کیا ضروری ہے؟" اول خان کے اس سوال نے مجھے حیران کر دیا۔

"ابھی تک اس کا کوئی بڑا جرم ہمارے سامنے نہیں آیا۔" ہمیں خاموش پا کر اول خان خود ہی بولنے لگا "وہ ہیروئن کا اسمگلر ہے اور اسی سلسلے میں راس المیڈا سے اس کا گٹھ جوڑ ہوا تھا۔ شی والوں نے امریکن سرمائے کے بل پر جس بے رحمی سے ہیروئن کو اس ملک میں فروغ دیا ہے' اس کے بعد میں خود یہ چاہتا ہوں کہ اب یہاں کی ساری ہیروئن سمیٹ کر یورپ اور امریکا میں پھیلا دی جائے۔ ساگا یہی کر رہا تھا۔ مارون کا قاتل وہ نہیں ہے۔ اس کا بس ایک قصور ہے کہ اس نے ڈیبی پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی........"

"اس کا ذکر مت کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "وہ کوئی جرم نہیں تھا۔ رقم یا سلور آئی کے لالچ میں کوئی بھی میرے مقابلے میں آ سکتا تھا۔ اس نے مجھ پر دو ناکام فائر کیے۔ اسے اس جسارت کی بہت مہنگی سزا مل چکی ہے۔ اگر تم اسے زندہ چھوڑنا ہی چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"پھر پہلے اسے مارنے کا فیصلہ کیوں کیا گیا تھا؟" ویرا نے تیزی سے سوال کیا۔

"اس وقت اس کی نرم دلی اور حسن پرستی کا علم نہیں تھا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "ہماری نظروں میں راس المیڈا کا ہر ساتھی موت کا حق دار ہے۔ اس پر بھی یہی فارمولا لگایا گیا تھا لیکن اول خان کی دلیل بہت وزنی ہے۔ وہ راس المیڈا کا ساتھ ضرور دے رہا تھا مگر پاکستان میں ہیروئن کے ذخائر کم کر رہا تھا۔ یہ ایک اچھا کام ہے۔ کسی کو مارنے کے لیے مضبوط جواز ہونا بہت ضروری ہے۔"

"پرانا فیصلہ برقرار رہنا چاہیے۔" ویرا نے احتجاج کیا "اسے زندہ چھوڑا گیا تو وہ میرا اور ڈیبی کا بدترین دشمن ثابت ہو گا اور سمجھ لے گا کہ میں نے اسے بے وقوف بنا کر راس المیڈا کا فون نمبر معلوم کیا تھا۔"

"اسے اسی وقت مارا یا زندہ نہیں چھوڑا جا رہا ہے۔ یہ فیصلہ بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔ فی الحال ہمیں یہاں سے واپس چلنا چاہیے۔ ایک غیر آباد مکان میں اتنے لوگوں کی موجودگی پڑوسیوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دے گی۔" اول خان یہ کہہ کر گاڑی کی طرف ہو لیا۔

گاڑی کے قریب پہنچتے ہی اس کا ایک آدمی پھر نمودار ہوا۔ اول خان نے اسے ہدایات دیں کہ قیدی کو زیادہ تر بے ہوش رکھا جائے، مناسب دیکھ بھال کی جانی چاہیے اور اس کے کسی سوال کا جواب نہ دیا جائے۔

ہم تینوں تیز رفتاری کے ساتھ واپسی کے سفر پر روانہ ہوئے۔ اس وقت اول خان کے سامنے راس المیڈا ہی اہم ترین مسئلہ تھا اس لیے اس نے دفتر جانے کا ارادہ سرے سے ترک کر دیا۔

"شرط کا کیا رہا؟" گھر پہنچتے ہی سلطان شاہ نے سوال داغ دیا۔

"فی الحال میں شرط ہار چکی ہوں۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا "اس کے کان واقعی انچوں کے حساب سے اوپر نیچے چلتے ہیں۔ اسے دیکھے بغیر یہ بات میری سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی تھی۔"

"اور اصل کام کا کیا بنا؟" ہم لوگوں کے بیٹھ جانے کے بعد غزالہ نے پوچھا۔

ان دونوں کو یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ ویرا نے کس چال بازی سے ساگا کی زبان کھلوائی تھی۔ ان کے لیے اتنا کافی تھا کہ ہم راس المیڈا کا ایک نیا سراغ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

اول خان ٹیلی فون کے محکمے میں جس آدمی سے کام لیتا تھا وہ اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔ اول خان اس کے لیے پیغام چھوڑ کر ہم چاروں کی گفتگو میں شریک ہو گیا۔

ویرا نے گھر پہنچتے ہی ساگا کو زندہ چھوڑنے یا ختم کرنے کا معاملہ پورے زور شور سے چھیڑ دیا تھا۔

"ٹھہرو! ہم میں سے کوئی بھی ساگا کے ماضی سے بہت زیادہ واقف نہیں ہے۔" غزالہ نے سلطان شاہ کی بات کاٹ کر کہا "ساگا کا پتا جہانگیر نے دیا تھا۔ وہ اس کے پچھلے گناہوں سے اچھی طرح باخبر ہو گا۔"

غزالہ کی تجویز بہت معقول تھی۔ میں نے فون پر فوراً جہانگیر کے گھر کا نمبر ملا لیا۔

"صبح سے بازار اور دکانوں کے چھ سات چکر لگ چکے ہیں۔" میری آواز پہچانتے ہی وہ تقریباً کراہتے ہوئے بولا "اول خان کے آدمیوں نے چند روز یہاں رہ کر ہماری عادتیں ایسی خراب کی ہیں کہ گھر کا سارا انتظام بگڑ کر رہ گیا ہے۔ چائے بناؤ تو چینی ختم ملتی ہے۔ سالن بناتو دھنیا موجود نہیں تھا۔"

"اپنی بداعمالیاں اسی طرح بھگتتے رہو۔ ان دونوں کے

"پہلے گھر کیسے چل رہا تھا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"میں خود ہی سوچ سوچ کر حیران ہو رہا ہوں...... بھائی! ایک مہربانی کرو۔ جب تک کسی مناسب ملازم کا بندوبست نہیں ہوتا' ان میں سے ایک کو میرے گھر بھیج دو ورنہ میری زندگی عذاب بن جائے گی۔"

"ناممکن۔" میں نے سختی سے کہا "اول خان نے ان دونوں کو کام سے لگا دیا ہے۔ انہیں وہاں سے نہیں ہٹایا جاسکتا۔ ویسے کل تمہارے گھر بہت لطف آیا۔ ہم سب کی طرف سے سلمیٰ کا شکریہ ادا کر دینا۔"

"تو کیا تم نے صرف شکریہ ادا کرنے کے لیے فون کیا تھا؟" اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی۔

"چاہو تو ساگا کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو۔ کل ہم نے اس کے ماضی کے بارے میں زیادہ باتیں نہیں کی تھیں۔" میں نے اس پر ساگا کی اہمیت واضح کیے بغیر سرسری لہجے میں کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ شی میں کوئی شریف آدمی نہیں رہ سکتا تھا۔ ان دنوں وہ بھی دوسروں جیسا ہی تھا بلکہ لڑکیوں کے بارے میں ضرورت سے زیادہ ندیدا تھا۔ جو لڑکی اسے پسند آجاتی تھی' اسے حاصل کر کے رہتا تھا اور اب دیکھو کہ ایک بازاری عورت کو گھر میں لیے بیٹھا ہے۔"

"تو کیا شریف لڑکیوں کو اغوا بھی کیا کرتا تھا؟" میں نے اول خان کو آنکھ سے اشارہ کر کے پوچھا۔

"آئے دن ایسی خبریں سننے میں آتی ہی رہتی تھیں۔ مجھے بس ایک قصہ یاد ہے کہ اس کا ظلم سہنے والی ایک لڑکی نے اپنے گھر لوٹتے ہی خودکشی کر لی تھی۔ مرنے والی کے چھوڑے ہوئے پرچے سے اس کے بھائی کو ساگا کی حرکت کا علم ہوا تو وہ جوش اور غیرت سے مغلوب ہو کر اس کے اڈے پر پہنچ گیا۔ ساگا نے اس کی اصلیت سے واقف ہوتے ہی اس کے سینے میں تین گولیاں اتار دی تھیں۔"

"اور آزادی سے شہر میں دندناتا پھرتا رہا تھا؟" میں نے مشتعل ہو کے پوچھا۔

"وہ شی کے لیے کام کرتا تھا۔ ہمارے آدمیوں پر کون ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ پولیس والوں نے اسے نامعلوم قاتل کے کھاتے میں ڈال کر فائل داخل دفتر کر دی مگر برسوں بعد اب تم کیوں اس کے پیچھے پڑ گئے ہو؟ وہ پہلے بھی شی کا آدمی تھا۔ اگر اب پھر ان کے ہاتھوں بک گیا ہے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ اکیلا چنا کون سا بھاڑ پھوڑ لے گا؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لعنت بھیجو اس پر" کام کی بات معلوم ہوتے ہی میں نے اپنا لب و لہجہ بدل لیا "شہر میں پتا نہیں ایسے کتنے ناگ پل رہے ہوں گے۔ میں کس کس کا پیچھا کروں گا؟"

"تم ہر معاملے میں یہی سوچ اپنا لو تو بڑے سکھی رہو گے۔ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ کل کلاں کو بال بچے بھی ہو جائیں گے۔ کیا اس وقت بھی اسی طرح بھاگتے رہو گے۔ کہیں تو یہ سلسلہ ختم ہونا چاہیے۔"

"تم کبھی کبھی بہت کام کی باتیں کرنے لگتے ہو۔ موقع ملا تو کسی وقت بیٹھ کر اس موضوع پر باتیں کریں گے۔ میری طرف سے سلمیٰ کا شکریہ ضرور ادا کر دینا تاکہ آئندہ بھی تمہارا نمک کھانے کا موقع ملتا رہے۔"

"سلمیٰ آگئی ہے' تم خود ہی اس سے بات کر لو۔" میں نے اس کی پوری بات سننے سے پہلے ہی بوکھلا کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس سے بات شروع ہو جاتی تو میرے لیے دیر تک پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا۔

"گھنٹی بجے تو تم اندر سے فون اٹھا لینا" میں نے غزالہ سے کہا۔ "سلمیٰ مجھے پوچھے تو کہہ دینا کہ کافی دیر سے گھر سے نکلا ہوا ہوں۔ وہ بلاوجہ میرا دماغ چاٹ جائے گی۔"

غزالہ کو ہدایت دے کر میں اول خان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ویرا کا اصرار بجا ہے۔ ساگا کے خلاف مضبوط ترین فردِ جرم مل گئی ہے۔ اسے کسی خلش کے بغیر موت کے گھاٹ اتارا جاسکتا ہے۔"

"جہانگیر سے تمہاری گفتگو بہت مختصر رہی ہے۔ فردِ جرم دہرا دو تو مجھے بھی تسلی ہو جائے گی" اول خان نے کہا۔

میں نے جہانگیر سے سنی ہوئی باتیں اختصار سے دہرا دیں۔ اول خان کا چہرہ لٹک گیا۔

"ایسے لوگ تخیل پرست نہیں' گھناؤنے ہوس پرست ہوتے ہیں۔ انہیں تو زمین پر ایک لمحے کے لیے بھی زندہ رہنے کا حق نہیں ملنا چاہیے" ویرا زہریلے لہجے میں بولی "میں حیران تھی کہ تم نے اچانک ہی اپنا ارادہ کیوں بدل دیا ہے۔ وہ زندہ رہ گیا تو ہماری زندگیاں عذاب بنا دے گا۔"

"بس!" اول خان نے اسے خاموش کر دیا "فیصلہ ہو گیا۔ اب اس بارے میں مزید کوئی بات نہیں ہو گی۔"

وہ معاملہ طے ہوتے ہی سب کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔ پانچوں افراد یوں خاموش ہو گئے جیسے ایک دوسرے سے لڑنے کے بعد ستا رہے ہوں۔

خلافِ توقع سلمیٰ کا فون نہیں آیا مگر ٹیلی فون کے محکمے سے اول خان کے شناسا کی کال آگئی۔

محکمے میں کمپیوٹر آجانے کے بعد بہت سے مسائل حل ہو چکے تھے۔ چند منٹ بعد ہی اول خان کو ساگا کے دیے ہوئے فون نمبر کے حوالے سے راس المیڈا کا پتا مل گیا۔

اس بار راس المیڈا نے کشمیر روڈ کے کسی مکان میں پناہ لی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے پی ای سی ایچ ایس کا علاقہ پسند ہے اور وہ اسی کی حدود میں اپنے ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔

اس مکان پر حملے وغیرہ کا کوئی پروگرام بنانے کے لیے وہاں کا

جائزہ لینا ضروری تھا۔ اس کام کے لیے اول خان مجھے یا ویرا کو بھیجنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اسے ڈر تھا کہ جس طرح میں نے ائرپورٹ کے راستے میں اتفاقاً راس المیڈا کو سفر کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا' اسی طرح وہ بھی اتفاقاً ہمیں دیکھ سکتا تھا۔ ہم دونوں کے نام خارج ہونے کے بعد اول خان کا ساتھ دینے کے لیے صرف سلطان شاہ باقی رہ جاتا تھا۔

گھر سے نکلنے سے پہلے اول خان نے اپنے دفتر فون کیا تو پتا چلا کہ اس کی تلاش میں متعدد فون آتے رہے تھے لیکن اس کے دفتر والوں نے اس کی نقل و حرکت سے مکمل لاعلمی کا اظہار کرکے ہر شخص کو ٹال دیا تھا۔

"اخبارات نے سرکاری حلقوں میں ہلچل مچادی ہے" فون بند کرنے کے بعد اول خان مزے لے لے کر ہمیں بتانے لگا "خبروں میں کہیں بھی راڈنی آرک اور راس المیڈا میں مماثلت کا ذکر نہیں ہے لیکن بیشتر اعلیٰ سرکاری افسران نے تصویریں دیکھتے ہی پہچان لیا ہے کہ وہ راڈنی آرک ہی ہے۔ صبح سے میری جان عذاب میں تھی۔ چند فون سننے کے بعد ہی میں نے مزید کالز سننے کا سلسلہ موقوف کردیا۔ افسران ان خبروں کا ذریعہ جاننا چاہ رہے تھے۔"

"اخبارات پر تو اس بارے میں کافی دباؤ ہوگا؟" ویرا نے دھیرے سے پوچھا۔

"اخبارات کو پشت پناہی حاصل ہے۔ وہ ڈٹ کر اس دباؤ کا مقابلہ کررہے ہوں گے" اول خان بولا۔

"اور میجر غوث کا کیا حال ہے؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"وہ بھی دفتر سے بھاگا ہوا ہے۔ فریڈم لاج کا معاملہ اسی کے حوالے کیا گیا تھا اس لیے اسے سب سے زیادہ باخبر تصور کیا جارہا ہے۔ خبر بیشتر اخبارات میں ایک ساتھ آئی ہے اس وجہ سے یہ بات بھی کھل گئی ہے کہ وہ خبر کسی طاقت ور ذریعے نے اخبارات تک پہنچائی ہے۔ ایک دو روز تک یہ ہنگامہ رہے گا پھر یہ بات دب جائے گی۔"

"امریکا کے سفارتی افسران کا کیا ردِّعمل ہے؟" میرے نزدیک وہ سوال سب سے اہم تھا۔

"عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ کوئی احتجاج کرنے کے بجائے خاموشی سے گرد بیٹھ جانے کا انتظار کریں۔ میں ان کی طرف سے بالکل بے خبر ہوں۔ انہوں نے کچھ لکھا بھی ہوگا تو ہمارے دفترِ خارجہ کو لکھا ہوگا۔ ان لوگوں کا اپنا ہی طریقۂ کار ہوتا ہے۔ میٹنگ بیٹھے بغیر شکایت پر کوئی کارروائی ہونی مشکل ہے۔"

اس وقت تک فضا میں کافی اجالا باقی تھا۔ وہ دونوں وقت ضائع کیے بغیر اپنے مشن پر نکل گئے۔

"مجھے محسوس ہورہا ہے کہ اب راس المیڈا کا آخری وقت آچکا ہے" ان دونوں کے چلے جانے کے بعد ویرا نے گہری سنجیدگی سے کہا "اس وقت وہ ہر طرف سے دباؤ میں آیا ہوا ہے۔"

"ہر بار یہی محسوس ہوتا ہے مگر نتیجہ صفر رہتا ہے۔ دیکھیں اس بار کیا ہوتا ہے۔"

"اس مرتبہ بھی اول خان کی فورس کارروائی میں بھرپور حصہ لے گی؟" غزالہ نے پوچھا۔

"ابھی تک ایسا کوئی پروگرام نہیں ہے" میں نے کہا "وہ دونوں جائزہ لے کر لوٹ آئیں تو کچھ طے کیا جائے گا لیکن یہ طے ہے کہ میں بھاری نفری استعمال کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔"

"ایک بہت آسان سی تجویز میرے ذہن میں بھی کلبلا رہی ہے" ویرا بولی۔

"کہہ ڈالو۔ اسی مباحثے میں وقت آسانی سے گزر جائے گا" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"ہم لوگ تین گاڑیوں میں اس مکان کی نگرانی کریں۔ پھر ایک مقررہ وقت پر تم اسے فون کرکے خوف زدہ کرو کہ اسے پکڑنے آرہے ہو۔ وہ بوکھلا کر گھر سے نکلے گا اور نگرانی کرنے والے اسے گھیر لیں گے۔"

"ترکیب اچھی ہے لیکن یہ راس المیڈا جیسے مجرم پر کام نہیں کرے گی۔"

"کیوں؟ اس میں ایسی کون سی خامی ہے؟" ویرا کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"وہ فون کا مطلب سمجھ جائے گا اور گھر سے ہرگز باہر نہیں نکلے گا" میں نے کہا۔

"جب وہ بنیادی طور پر بزدل ہے تو اس دھمکی کے بعد گھر میں کیوں بیٹھا رہے گا۔"

"وہ سخی مراد کے گھر پر ہونے والے حملے میں اپنا ڈمی استعمال کرچکا ہے۔ وہ خود باہر آنے کے بجائے کسی اور کو باہر روانہ کرے گا' ہم اس کا پیچھا کریں گے اور ہمارا کھیل بے نقاب ہوجائے گا۔ اسے ایسا ہی زیادہ خطرہ محسوس ہوا تو وہ بعد میں خاموشی سے کسی دوسری گاڑی میں نکل جائے گا۔ ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔"

"میں نے اسی لیے اپنی تین گاڑیوں کا ذکر کیا ہے۔ ہم یکے بعد دیگرے تین گاڑیوں کا پیچھا کرسکیں گے۔ اگر اس عمارت میں شوفروں کے ساتھ چھ سات گاڑیاں موجود ہیں تو اور بات ہے ورنہ اس اسکیم کی کامیابی کے لیے ہمارے تین گروپ بہت کافی ہوں گے۔"

"اس میں کامیابی اور ناکامی کے مساوی امکانات رہیں گے۔ وہ بہت چالاک مجرم ہے۔"

وہ چڑ کر بولی "پتا نہیں تم نے راس المیڈا کو اتنی زیادہ اہمیت کیوں دی ہوئی ہے۔ وہ غیر معمولی حد تک ذہین ہوتا تو پاکستان میں اب تک نہ جانے کیا کچھ کرگزرا ہوتا۔ وہ خاصا کند ذہن معلوم ہوتا ہے.... اور پھر اس قسم کی ایک کوشش کرلینے میں ہرج ہی کیا ہے؟"

مشکل یہ ہے کہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ اس بار ہم کوئی رسک نہیں لے سکتے۔ ساگا کے بعد اس کا کوئی معاون ہمارے سامنے نہیں ہے۔ وہ پاکستان سے بھاگنے پر تلا بیٹھا ہے۔ ایک بار وہ نکل گیا تو ساری عمر ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا اور باہر سے ہمیں تگنی کا ناچ نچاتا رہے گا۔"

"شہر کی ناکا بندی کرنے والے بھی بالکل خاموش ہیں" غزالہ نے تشویش سے کہا "پتا نہیں وہ کیا کر رہے ہیں اور کس کو جواب دہ ہیں۔ منصوبہ بناتے ہوئے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اخباروں میں فیچر چھپتے ہی راس المیڈا گھیر کر پکڑ لیا جائے گا۔ اب ہر طرف خاموشی ہی خاموشی ہے۔"

"مایوسی سے بچو۔ یہ ذہن کو تباہ کر دیتی ہے۔ اول خان بتا چکا ہے کہ شہر سے نکاسی کے راستوں کی نگرانی رینجرز کے سپرد ہے۔ ان کا اپنا نظام ہے۔ کوئی خبر ہوگی تو وہ ہمیں بھی مل ہی جائے گی۔"

○☆○

اول خان بہت دیر سے واپس آیا۔ غزالہ سلطان شاہ کے انتظار میں دروازہ کھولے کھڑی رہی۔ چند ثانیوں بعد اول خان نے اس سے کہا "دروازہ بند کر دو، سلطان شاہ نہیں آئے گا۔"

وہ الفاظ سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ ویرا نے مضطربانہ لہجے میں اول خان سے پوچھا "وہ کہاں رہ گیا؟ کیا ہوا ہے؟ تم صرف جائزہ لینے گئے تھے پھر کیا ہوا؟"

اول خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے نرمی سے کہا "فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ بالکل محفوظ ہے۔ میں اسے کام پر لگا کر آیا ہوں۔ اب ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ راس المیڈا پر آج رات ہی کو ہاتھ ڈالا جائے یا اگلی رات کا انتظار کیا جائے۔ ہمیں بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔"

"یہ وقت کی لڑائی ہے اور ہم دھیمے دھیمے وقت کھوتے جا رہے ہیں" میں نے سگریٹ کا کثیف دھواں اپنے پھیپھڑوں میں اتارنے کے بعد کہا "وہ پاکستان سے نکل بھاگنے پر تلا بیٹھا ہے۔ ہو سکتا ہے اگلی رات آنے سے پہلے وہ یہاں سے ہزاروں میل دور جا چکا ہو۔ ہم انتظار کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ کوئی بڑی مجبوری نہ ہو تو ہمیں آج رات ہی کارروائی کرنی چاہیے مگر اس سے پہلے سلطان کے بارے میں بتاؤ۔ وہ کہاں ہے؟"

"وہ ایک خالی مکان میں رہ کر راس المیڈا کی کمین گاہ کی نگرانی کر رہا ہے۔ وہ کشمیر روڈ پر سڑک کے کنارے ایک عام سے مکان میں مقیم ہے۔ وہاں صرف تین افراد رہتے ہیں۔ دو سفید فام اور تیسرا چوکیدار ہے جو دن میں گھر کا کام کاج بھی کرتا ہے" اول خان نے بتایا۔

"اگر وہ کشمیر روڈ پر رہ رہا ہے تو اس کے سامنے کے ایم سی کا کوارٹرز کمپلیکس واقع ہے" میں نے کہا "پھر سلطان شاہ کس جگہ سے اس کی نگرانی کر رہا ہے؟"

"وہ راس المیڈا کے برابر والا مکان ہے جو آج کل کرائے کے لیے خالی ہے۔ وہاں فون بھی موجود ہے۔ میں نے دوربین اور مناسب ہتھیاروں کے ساتھ اسے وہاں چھوڑ دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت تم کو خود ہی فون کرلے۔ چاہو تو تم ابھی اس سے بات کر سکتے ہو۔"

"کیا اس خالی مکان میں چوکیدار تک نہیں تھا؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

اول خان ہنس پڑا "وہ بوڑھا چوکیدار ایک کمرے میں قید ہے۔ جب اسے یہ بتایا گیا کہ ہم سرکاری آدمی ہیں تو وہ خود ہی ہر قسم کے تعاون پر آمادہ ہو گیا۔ راس المیڈا کے گھر کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات اسی نے فراہم کی ہیں۔ دونوں سفید فام بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں۔ ان کا چوکیدار بھی پڑوس کے ملازموں سے دور رہتا ہے۔ کسی ہنگامی ضرورت کے لیے میں نے اپنا اپریٹس سلطان شاہ کو دے دیا ہے۔ اس قسم کا دوسرا اپریٹس تم لوگوں کے پاس ہے۔ فون پر جواب نہ ملے تو سلطان شاہ سے اپریٹس پر بات کی جا سکتی ہے۔"

"اس مکان میں گاڑیاں کتنی ہیں؟" ویرا نے پوچھا۔ شاید وہ اپنی تجویز سے دست بردار نہیں ہوئی تھی۔

"دو۔ لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟" اول خان نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہاں صرف دو گاڑیاں اور تین نفوس ہیں" ویرا نے میری طرف دیکھ کر اول خان کو اپنی تجویز سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ خاموشی سے پوری بات سنتا رہا لیکن میں نے اس کے چہرے کے تاثرات سے بھانپ لیا کہ وہ ویرا کی تجویز سے متفق نہیں ہو سکا تھا۔

"یہ اچھی بات ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے ذہن سے کام لے رہے ہیں لیکن موجودہ حالات میں تعاقب کر کے پکڑنے والی بات قابلِ عمل نہیں ہے۔ راس المیڈا کے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل بہت ہو چکا۔ اب اسے ختم ہونا چاہیے۔ سلطان شاہ کو اس خالی مکان میں بٹھانے کا مقصد یہی ہے کہ راس المیڈا اس کی نظروں میں آجائے تو اسے دور ہی سے گولی مار دی جائے۔ ہم سب اس کی تصویر دیکھ چکے ہیں اور اب اسے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔"

"پھر تم نے کیا حکمتِ عملی طے کی ہے؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"اگر تم وقت کے بارے میں اسی قدر حساس ہو تو ہم دونوں کو اسی وقت باری باری خالی گھر میں پہنچ جانا چاہیے.... مجھے امید نہیں کہ آج کے اخبارات دیکھ لینے کے بعد راس المیڈا کھلے آسمان کے نیچے آنے کی حماقت کرے گا۔ اگر وہ ہم میں سے کسی کے نشانے پر آگیا تو وہیں قصہ ختم سمجھو۔ ورنہ پھر دونوں عورتوں کو فون پر پروگرام بتا دیا جائے گا۔ ہم رات کے آخری پہر میں کارروائی کریں

تو انہیں گہری نیند میں چھاپ سکتے ہیں۔"
"میں راس المیڈا کی زندہ گرفتاری کو ترجیح دوں گا" میں نے کہا "تمہارے بہت سے سوالوں کے جواب وہی دے سکے گا۔ وہ مارا گیا تو اس کے راز اسی کے ساتھ کہیں دفن ہو جائیں گے۔"
"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں لیکن اسے زندہ پکڑنے کی فکر میں ہم اسے مارنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کریں گے۔" اس نے کہا "یہ اس کا مقدر ہے کہ وہ پہلے مارا جاتا ہے یا ہمیں مقابلے کا موقع دیتا ہے۔"
"ہم تینوں یک جا ہوں گے اس لیے دوسرا اپریٹس بھی یہیں...."
"نہیں!" اول خان نے میرا فقرہ مکمل نہیں ہونے دیا "دونوں اپریٹس ہمارے پاس رہیں گے تاکہ اس کے مکان میں کودنے کے بعد کم از کم دو آدمی ایک دوسرے کے رابطے میں رہ سکیں۔"
"کیوں نہ ہم دونوں بھی وہیں منتقل ہو جائیں" ویرا نے تجویز پیش کی "یہاں رہ کر سوچتے سوچتے ہمارا حال ابتر ہو جائے گا۔ وہاں ہمیں ذہنی یک سوئی حاصل رہے گی۔ ہماری ضرورت پیش نہ آئی تو ہمارے لیے وہ غیر آباد عمارت ہی کافی ہوگی۔ آپریشن مکمل ہونے پر ہم یکجا ہو سکتے ہیں۔"
"میں بھیڑ بھاڑ سے گریز کرتے ہوئے بہت رازداری سے کام کرنا چاہتا ہوں لیکن تمہاری بات بھی معقول ہے۔ اگر تم دونوں اپنی رات برباد کرنے پر آمادہ ہو تو یوں ہی سہی۔"
"ویرا کی بات درست ہے۔ یہاں رہ کر ہماری رات زیادہ بری گزرے گی" غزالہ بولی۔
کچھ ہتھیار اول خان کی گاڑی میں موجود تھے اور اس مہم کے لیے وہی کافی تھے لیکن اس نے پھر بھی ہمارے گھر میں موجود ذخیرے کا جائزہ لے کر اس میں سے کچھ ضروری چیزیں نکال کر احتیاط سے ایک تھیلے میں رکھ لیں۔ وہ کسی غیر متوقع اور آڑے وقت کے لیے ہر تیاری کر لینی چاہتا تھا۔
"تم نے اس بات کا یقین کر لیا ہے کہ اس وقت راس المیڈا اسی مکان میں موجود ہے" اس کا ہاتھ بٹاتے بٹاتے ویرا ایک بہ یک سوال کر بیٹھی اور اول خان سٹپٹا گیا۔
"میرے لیے اندر جا کر دیکھنا تو ممکن نہیں ہے لیکن قرائن یہی بتاتے ہیں کہ وہ گھر میں موجود ہے" اس کے پاس ویرا کے سوال کا مسکت جواب موجود تھا "دونوں گاڑیاں احاطے میں موجود ہیں۔ چند کمرے روشن ہیں اور پھاٹک بند ہونے کے ساتھ ہی ویران ہے۔ اگر وہ پیدل کہیں چل دیا ہے تو یہ اور بات ہے۔"
تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ غزالہ نے تھرماس میں چائے بھر کر دیگر لوازم کے ساتھ خورونوش کی اشیا کی ایک باسکٹ تیار کر لی اور روانگی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ہم لڑائی کے بجائے پکنک پر جا رہے ہوں" اول خان ان تیاریوں پر مسکراتے ہوئے بولا "بھاگنا پڑ گیا تو تمہیں یہ سب سنبھالنا دشوار ہو جائے گا۔"
"اس غیر آباد مکان میں پہاڑ سی رات انتظار میں گزارنی ہے۔ کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہیے" غزالہ بولی۔
"چند منٹ بیٹھو۔ ذرا سلطان شاہ سے بات کر لی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیں دیر تک پھاٹک پر رک کر اس کا انتظار کرنا پڑے۔ ہمیں نہایت خاموشی سے دونوں گاڑیاں اندر لے جانی ہوں گی" اول خان نے یہ کہتے ہوئے اپنا اپریٹس اٹھا لیا۔
"اسے فون کیوں نہیں کر لیتے؟" ویرا نے اسے اپریٹس کے استعمال پر آمادہ پا کر ٹوک دیا۔
"اس نے ابھی ابھی ڈیوٹی شروع کی ہے۔ جوش میں مارا مارا پھر رہا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ٹیلی فون سے دور چھت وغیرہ پر چڑھا ہوا ہو۔ اپریٹس پر اس سے آسانی سے بات ہو جائے گی۔"
"اے کالنگ فار ایس!" اپریٹس آن کر کے اول خان نے دوسری بار پیغام دیا تھا کہ جواب مل گیا۔
"اس وقت میں چھت پر موجود ہوں" سلطان شاہ کی دبی دبی اور پرجوش آواز آئی "تھوڑی دیر پہلے ایک گورا برآمدے میں سے گزرا تھا۔ یہ سالے بہت بے شرم ہیں۔ اس کے بدن پر ایک [illegible] کا بس ایک نیکر تھا۔ اس کے بعد سے ہر طرف سناٹے کا راج ہے۔ ادھر گھورتے گھورتے میری آنکھیں دکھنے لگی ہیں۔"
"فکر مت کرو۔ ہم سب وہیں آ رہے ہیں" اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا "اس وقت پونے دس بجے ہیں۔ ٹھیک ساڑھے دس بجے تمہیں گیٹ پر ہونا چاہیے تاکہ ہم رکے بغیر دونوں گاڑیاں احاطے میں لا سکیں۔ جو کچھ ہونا ہے آج رات ہی کو ہو جائے گا۔ اس کے بعد تم دل کھول کر آرام کر سکو گے۔"
"ہو سکے تو تھرماس میں تھوڑی سی چائے لیتے آنا۔ اندھیرے اور تنہائی میں ابھی سے جماہیاں آنے لگی ہیں۔"
سلطان شاہ کی فرمائش پر غزالہ کی گردن تن گئی۔ اس نے فخریہ انداز میں اول خان کی طرف دیکھا۔ اس نے سر جھکا کر جواب دیا "غزالہ نے پہلے ہی سب بندوبست کر لیا ہے۔ اگر وہاں کیٹ بجانے کی آزادی ہوتی تو آج رات تمہیں وہاں پکنک کا مزا آ جاتا.... وقت یاد رکھنا۔ خدا حافظ۔"
کشمیر روڈ پہنچنے کے لیے پینتالیس منٹ کا وقت بہت کافی تھا لیکن کالے پل سے گورا قبرستان تک کے راستے پر ٹریفک کی صورت حال ہر وقت غیر یقینی رہتی تھی۔ کبھی کبھی وہاں ٹریفک جام ہوتا تھا تو وہ مختصر سا حصہ طے کرنے میں دس پندرہ منٹ لگ جاتے تھے۔
سلطان شاہ سے وقت طے ہو جانے کے بعد اس سے انحراف کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔ ہم چاروں فوراً ہی گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ کھانے پینے کا ساز و سامان غزالہ نے سنبھالا ہوا

تھا۔ ہتھیاروں والا تھیلا ویرا کے قبضے میں تھا۔ نیچے اتر کر ویرا اول خان کے ساتھ ہولی۔ میں غزالہ کو لے کر اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

ہم باہر نکلے تو اول خان کی جیپ آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔

"ایک مدت کے بعد ہم دونوں کو ایک ساتھ نکلنے کا موقع ملا ہے" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد غزالہ نے مسرت سے مغلوب لہجے میں کہا "اپنی خواب گاہ سے باہر ہمیں کہیں خلوت نہیں ملتی۔"

"یہ خلوت بھی بس کشمیر روڈ تک کی ہے" میں نے ہنس کر کہا۔

"زندگی کچھ ایسی ڈگر پر چل رہی ہے کہ ذاتی ضرورتوں کا احساس ہی ذہن کے نہاں خانوں میں کہیں چھپ کر رہ گیا ہے۔"

"آپ کی بات صحیح ہے۔ ویرا نے جانے کا قصد کیا تو عارضی طور پر مجھے خوشی ہوئی کہ اس کے چلے جانے کے بعد ہمیں کچھ آزادی میسر آسکے گی مگر پھر مسلسل تنہائیوں کا دھیان آیا تو اس کے جانے کا خیال ہی مجھے آزردہ کرنے لگا۔ ہمارے ساتھ رہتے رہتے وہ بھی ہمارے گھر کی ایک فرد بن گئی ہے۔"

"یہ عارضی مجبوریاں ہیں۔ راس المیڈا کا قصہ نمٹ جائے تو اسے الگ ہونا ہی پڑے گا۔ دور رہنے سے آپس میں محبت کے رشتے زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں اور پھر یہ ہر وقت کی نوک جھوک بھی ذرا کم ہو گی۔"

وہ مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ کھلی ہوئی فضا میں سفر کرتے ہوئے اس کا یوں بولنا میرے کانوں کو بہت بھلا لگ رہا تھا۔ وہ اپنی ایک بات ختم کرتی تو میں اسے چھیڑ دیتا اور وہ دوبارہ بولنے لگتی۔

اس وقت رات کو کورنگی کے صنعتی علاقے سے نکلنے والے ٹرکوں اور ٹریلروں کا ہجوم نہیں تھا۔ ہمیں پورا راستہ صاف ملا اور ہم بہت آرام سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے شارع فیصل پر نکل آئے۔

ہمارے پاس کچھ وقت باقی تھا لیکن اس وقت رہنمائی اول خان کے ذمے تھی۔ گورا قبرستان سے داہنی طرف مڑنے کے بعد پہلے سگنل سے ہم بائیں طرف گھوم کر سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی والی سڑک پر بڑھے تو میں نے غزالہ کو اشارے سے اس گھر کے بارے میں بتایا جہاں اسرار نے راس المیڈا وغیرہ کی تصاویر لی تھیں اور بعد میں میں مارون کی لاش سمیت پولیس کے نرغے میں آنے سے بال بال بچا تھا۔

چوراہے پر ہم ست روی سے اسنیکس بارز کے قریب سے گزرے تو میرے دل میں وہاں رکنے کی خواہش ہوئی۔ اول خان نے چوراہا چھوڑ دیا لیکن پھر اس نے نیم تاریکی میں جیپ کنارے سے لگا کر روک لی۔

عقابی نظروں کے ساتھ گاہکوں کی تلاش میں بھٹکنے والے کئی لڑکے ہماری گاڑیوں کی طرف لپکے۔ اول خان جیپ سے اتر کر ہماری طرف آرہا تھا۔ میں نے اس کا انتظار کیے بغیر ایک لڑکے کو ٹھنڈی بوتلوں کا آرڈر دے دیا۔

"میں بھی یہی کہنے آیا تھا" اول خان میرے قریب پہنچ کر سادگی سے ہنس پڑا۔ اس نے لڑکے کو اپنی اور ویرا کی پسند کے دو مشروب بتائے اور کھڑکی پر جھک کر کہنے لگا "چند منٹ میسر ہیں تو میں نے سوچا کہ بوتلوں کی عیاشی ہی کر لی جائے۔ اتنے کم وقت میں اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔"

"یہ جعلی بوتلیں ہیں۔ اصل بوتل تو اس وقت ویرا کے پاس ہو گی" میں نے کہا۔

غزالہ کی ہنسی چھوٹ گئی "آپ دونوں ایک دوسرے کو کتنا جانتے ہیں! وہ پلاسٹک کی ایک بوتل میں تقریباً آدھی بوتل انڈیل کر لائی ہے تاکہ وقفے وقفے سے اپنے اعصاب کو سکون پہنچا سکے۔"

"جب ہی اس نے خاموشی سے ہتھیاروں والا تھیلا اٹھالیا تھا" اول خان نے خوش دلی سے کہا "میں حیران تھا کہ وہ اتنی شرافت کا مظاہرہ کیوں کر رہی ہے۔ اس کی بوتل شاید اسی تھیلے میں ہے۔"

"اسے دیکھ لینا۔ ایسا نہ ہو کہ دستی بم کے دھوکے میں ہم میں سے کوئی وہ بوتل ہی راس المیڈا کے گھر پر اچھال دے۔" میں نے اول خان سے کہا "یہ عورت کہیں بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی۔"

لڑکا بوتلیں لے آیا۔ اول خان اسے ساتھ لے کر اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

"آپ کو اول خان سے ایسی سخت بات نہیں کہنی چاہیے تھی" غزالہ نے لیمن بارلے کی پہلی چسکی لے کر شکوہ کیا۔

"پھر کیا کہتا؟ ویرا کی بعض حرکتیں مجھے خواہ مخواہ مشتعل کر دیتی ہیں۔"

"اب اول خان نے اس سے کوئی بات کی تو وہ یہی سمجھے گی کہ میں نے اس کی شکایت کی ہے۔ اس نے آپ دونوں سے چھپ کر باورچی خانے میں وہ بوتل میرے سامنے بھری تھی۔"

"اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا کرو گی تو ویرا کے ساتھ گزارہ مشکل ہو جائے گا۔ وہ شکایت کرنے والیوں میں سے نہیں ہے۔ اسے تمہاری کوئی بات بری لگے گی تو وہ پہلی فرصت میں اس کا بدلہ لے گی۔"

بوتلیں خالی کرنے کے بعد میں نے میٹھے اور خوشبو والے پان منگوائے۔ رقم ادا کر کے ایک پان غزالہ کے منہ میں رکھا اور ہمارے مختصر سے سفر کا دوسرا مرحلہ شروع ہو گیا۔

کشمیر روڈ پر بنے ہوئے مکانات کی ایک بڑی خرابی ابتدا ہی سے میری نظروں میں تھی۔ مزار قائد کی طرف سے آنے والوں کو کسی بھی مکان کے پھاٹک پر پہنچنے کے لیے ایک چکر کاٹنا لازمی تھا۔ صرف سرسید روڈ اور علامہ اقبال روڈ کے سروں پر بنے ہوئے مکان اس خامی سے مبرا تھے۔

اول خان نے درمیان سے کشمیر روڈ پر نکلنے کے بجائے براہ

راست شہید ملت روڈ کی راہ اختیار کی تو مجھے مان لینا پڑا کہ وہ عقابی نگاہیں رکھتا تھا۔ اس علاقے کی وہ خامی اس کے علم میں تھی۔

وہ بہت سست روی سے گاڑی چلا کر وقت گزارتا رہا اور جب صرف پانچ منٹ کا وقت باقی رہ گیا تو اس نے رفتار قدرے بڑھا دی۔ ہماری دونوں گاڑیاں جیل کے چوراہے کے سرے سے ہی کشمیر روڈ پر آگئیں۔ اول خان کے بیان کے مطابق میں نے راس المیڈا کے جس مکان کا تعین کیا تھا' اس سے تیسرے مکان کے پھاٹک کے سامنے اول خان نے اپنی جیپ بائیں طرف گھمالی۔

سلطان شاہ شاید گیٹ کی کسی جھری سے آنکھ لگائے ہماری آمد کا منتظر تھا۔ اس نے اتنی پھرتی سے گیٹ کھولا کہ اول خان بریک پیڈل پر پیر رکھے بغیر جیپ کو اس مکان کے احاطے میں لیتا چلا گیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ ہم دونوں نے گاڑیاں موڑتے ہی تمام روشنیاں گل کردی تھیں کہ کہیں ان کا انعکاس برابر والوں کی توجہ کا مرکز نہ بن جائے۔ انجن بند کرکے میں گاڑی سے نیچے اترا تو سلطان شاہ پھاٹک بند کرچکا تھا۔

گھور اندھیرے میں ڈوبی ہوئی وہ پرانی سی عمارت دو منزلہ تھی۔ اس اعتبار سے اس کی چھت خاصی بلند تھی۔ اگر سلطان شاہ وہاں سے نگرانی کرتا رہا تھا تو خاصا بڑا علاقہ اس کی نظروں میں رہا ہوگا۔

"ابھی تک سب خیریت ہے" ہم پانچوں کے یک جا ہونے پر اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا "میں نے چوکیدار کی چارپائی اوپری منزل کے ایک کمرے میں پہنچا دی۔ برابر والوں کی دیکھ بھال کے لیے وہ بہترین کمرا ہے۔ سنبھل کر آہستہ آہستہ میرے پیچھے چلے آؤ۔"

اندھیرے میں ایک دوسرے کے ہیولوں پر نظر جمائے اور دیواریں ٹٹولتے ہوئے ہم اوپر چل دیے۔ تنگ زینوں کی گہری تاریکی سے ہم سلطان شاہ کے منتخب کیے ہوئے کمرے میں پہنچے تو وہاں کھڑکی کی راہ سے آنے والے تاروں کے انعکاس کا نمایاں احساس موجود تھا۔

اول خان کے ایما پر ہم سب کھڑکی کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ احاطے کی مشترکہ دیوار کی دوسری جانب پرانا سا ایک منزلہ مکان چند قمقموں کی روشنی میں بہت واضح نظر آرہا تھا۔ احاطے کے ساتھ دو کمروں کی کھڑکیاں بھی روشن تھیں۔ یہ اندازہ لگانا ناممکن تھا کہ ان میں سے کون سا کمرا کس کا رہا ہوگا۔ ان لوگوں کا پارکنگ والا حصہ شاید دوسری طرف واقع تھا کیونکہ ان کی گاڑیاں ہماری نظروں سے اوجھل تھیں۔

کشمیر روڈ کی آبادی کا شمار کراچی کے قدیم علاقوں میں کیا جاتا ہے۔ کسی زمانے میں اس پتلی سی سڑک کے ایک کنارے پر بنے ہوئے مکانات اپنے زمانے کے اعتبار سے ضرور منفرد اور یکتا رہے ہوں گے لیکن برسوں کے سرد و گرم سے گزرنے کے بعد ان میں سے بیشتر مکانات کہنگی کا شکار ہونے لگے تھے۔ تجدید کے مراحل سے گزرنے والے مکان اس سڑک پر دور ہی سے پہچانے جاسکتے تھے۔

"ہم میں سے دو آدمی احاطے کی مشترکہ دیوار کے دونوں سروں سے اندر کود کر عمارت کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ تیسرا رائفل اور دوربین کے ساتھ اسی کھڑکی میں موجود رہے گا۔ اندر جانے والے ایرپیس پر ایک دوسرے سے رابطہ رکھیں گے" عمل کے مراحل قریب آنے کے ساتھ ساتھ اول خان کی پیشہ ورانہ جبلت پوری طرح بیدار ہوتی جارہی تھی "دونوں عورتیں مسلح ہوکر نیچے دیوار کے قریب موجود ہوں گی تاکہ ضرورت کے وقت ہر جگہ پہنچ سکیں۔ میری رائے ہے کہ ہم تین بجے تک وقفے وقفے سے راس المیڈا کی کمین گاہ کا جائزہ لیتے رہیں اور ٹھیک تین بجے اپنی کارروائی کا آغاز کردیں۔ اس وقت تک ہمارے حریف گہری نیند سوچکے ہوں گے۔"

"اس بارے میں تمہاری ہر رائے مستند ہے" ویرا کی آواز ابھری "ان جنگی چالوں کے معاملے میں ہم سب ہی کورے ہیں۔ ہاں' سیدھی سادی لڑائی میں دشمن کو زیر کرنے کے فن میں طاق ہیں۔"

ہم کھڑکی سے ہٹ گئے۔ دونوں عورتیں چارپائی پر بیٹھ گئیں۔ ہم نے فرش پر پھسکڑا مار لیا۔ اول خان کھڑکی کی اوٹ سے گہری نظروں سے اپنے ٹارگٹ کا معائنہ کررہا تھا۔

اول خان نے دشمن پر وار کرنے کا جو منظرنامہ بیان کیا تھا' وہ بہت واضح تھا۔ اس میں کرداروں کے ردوبدل کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ سلطان شاہ او پی یا آبزرویشن پوسٹ کے لیے مناسب ترین آدمی تھا۔ مجھے اور اول خان کو پیش قدمی کرکے دشمن پر کاری ضرب لگانی تھی۔ اگر سب کچھ ہماری توقعات کے عین مطابق ہوتا چلا جاتا تو وہ قصہ چند ہی منٹ میں راس المیڈا کی چھت کے نیچے نمٹ جاتا تھا۔

غزالہ کو اندھیرے میں سلطان شاہ کو چائے دیتے ہوئے خاصی خفت کا سامنا کرنا پڑا۔ روشن فلیٹ میں بیٹھ کر تیاریاں کرتے ہوئے وہ تاریکی کے مسائل کا ادراک ہی نہیں کرسکی تھی اور پوری باسکٹ بھرلائی تھی۔

وہاں اہتمام' تکلف اور ترجیحات کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ فضا میں گرم گرم چائے کی خوشگوار بو مہکی تو ایک ایک کرکے سب ہی سلطان شاہ کے شریک ہوگئے۔

تازہ ہوا کی آمدورفت کے لیے اس کمرے کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ ہوا کے دوش پر آوازوں کے سفر کے خیال سے سب ہی دھیمی دھیمی آوازوں میں حسب توفیق اظہار خیال کررہے تھے اور قسمت سے میسر آجانے والی اس بے سروسامان رات کو یادگار بنانے کی کوشش کررہے تھے۔

"اس منزل پر تین باتھ روم ہیں" سلطان شاہ نے سب کو مطلع کرنا ضروری سمجھا۔ "مکان کے انتہائی سرے والا باتھ روم بہت بہتر اور محفوظ ہے۔ دروازہ بند کرنے کے بعد بتی جلالی جائے تو اس طرف پتا بھی نہیں چلتا۔"

ہم سب باری باری دوربین سے پڑوس کی عمارت کا جائزہ لیتے رہے۔ لیکن بارہ بجے تک وہاں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ روشنیوں سے لے کر سناٹے تک ہر چیز جوں کی توں تھی۔

اول خان نے اگلے مشاہدے کے لیے اٹھتے ہی اطلاع دی کہ دونوں کمروں کی روشنیاں گل کردی گئی تھیں مگر احاطے میں بدستور روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ اچھی بات تھی کہ ان لوگوں نے بارہ بجے سے سونے کی کوشش کا آغاز کردیا تھا۔ تین بجے تک ان پر اتنی گہری نیند کا غلبہ ہوجاتا کہ وہ اٹھائے بھی نہ اٹھتے۔

میں کھڑکی سے برابر کے مکان پر سرسری نظر ڈالتا ہوا اٹھا اور مکان کے اندرونی حصے کی طرف چل دیا۔ مجھے سگریٹ کی طلب شدت سے ستا رہی تھی۔ یہ شوق اس کمرے میں رہتے ہوئے پورا نہیں کیا جاسکتا تھا۔

سلطان شاہ کے بتائے ہوئے کمرے اور باتھ روم تک پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہ واقعی ایک محفوظ جگہ تھی۔ میں نے باتھ روم کا دروازہ بند کرکے سگریٹ سلگائی، لائٹر کی روشنی میں سوئچ بورڈ کا تعین کیا اور پھر ایک بلب بھی روشن کردیا۔ چائے نوشی کے طویل وقفے کے بعد سگریٹ کا پہلا کش ہی مزہ دے گیا۔

اس وقت ہم جس مہم پر آئے ہوئے تھے' بظاہر وہ بہت آسان نظر آرہی تھی لیکن میرے ذہن پر اس کا شدید دباؤ تھا۔ اس دباؤ کی وجہ سے محض آدھی سگریٹ پھونکنے کے بعد میری طلب پوری ہوگئی۔ میں نے بقیہ سگریٹ کموڈ میں پھینک کر بلب بند کیا اور دروازہ کھول کر باہر آگیا۔

واپسی پر میں نے دوسروں کو بسکٹ کھانے میں مشغول دیکھا تو مجھے یاد آیا کہ عجلت اور جوش میں ہم میں سے کسی کو رات کا کھانا یاد نہیں آیا تھا۔ رات لمبی تھی اور اس وقت وہی کچھ میسر تھا جو غزالہ اپنی باسکٹ میں بھرلائی تھی۔ میں نے بھی اندھیرے میں ٹٹول کر اپنا حصہ لے لیا۔ غزالہ بچی ہوئی چائے کو ٹھکانے لگانے میں مصروف تھی۔

اس وقت میں چائے پیتے ہوئے' اول خان سے ہتھیاروں کی تقسیم کے اہم موضوع پر تبادلۂ خیال کررہا تھا۔ عورتوں سمیت ہم میں سے کوئی بھی اناڑی نہیں تھا۔ اول خان کلاشنکوف کی قسم کی چار خودکار رائفلیں اوپر لے آیا تھا۔ لمبی رینج کی جی تھری رائفل پہلے ہی سلطان شاہ کے پاس موجود تھی۔ خیال یہ تھا کہ دوسرا اسلحہ وقت آنے پر بانٹ دیا جائے گا۔

اچانک چٹ کی آواز کے ساتھ وہ کمرا تیز نیلگوں روشنی میں نہا گیا۔ سب کے دہانوں سے بوکھلائی ہوئی آوازیں نکلیں' روشنی معدوم ہوگئی مگر میں دیکھ چکا تھا کہ ویرا نے بے دھیانی میں سگریٹ سلگانے کی کوشش کی تھی۔

"بند کرو یہ بے ہودگی" روشنی معدوم ہونے سے لمحہ بھر پہلے میں غرا کر ویرا کی طرف جھپٹا۔ میرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ٹکراتا ہوا اس کے منہ پر پڑا اور لائٹر ایک چھناکے سے نیچے فرش پر گرگیا۔ میرا وہ ردِعمل اس قدر اضطراری اور تیز تھا کہ دوبارہ اندھیرا ہوجانے کے باوجود میں اپنا ہاتھ نہیں روک سکا۔

"یہ کیا کیا تم نے؟" سلطان شاہ ملامت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "اتنی روشنی تو میلوں دور تک دیکھ لی گئی ہوگی۔"

"سوری!" اندھیرے میں ویرا کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ "میں تم سب سے شرمندہ ہوں۔ بے خیالی میں مجھ سے ایک سنگین حماقت سرزد ہوئی ہے۔ ڈینی نے میرے منہ پر تھپڑ مار کر مجھے بالکل مناسب سزا دی ہے۔"

"وہ تھپڑ نہیں تھا" میں تیز سرگوشیانہ غراہٹ میں بولا "میں تمہارے ہاتھ سے جلتا ہوا لائٹر گرانا چاہ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے میں اندر والے باتھ روم میں بند ہوکر اپنا یہی شوق پورا کرنے گیا تھا۔"

"اندھیرے میں تمہارا ہاتھ تھپڑ بن کر میرے منہ پر پڑا ہے لیکن اس میں تمہارا نہیں' میرا اپنا قصور ہے۔"

"گڑبڑ ہوگئی.... انہوں نے احاطے کی روشنیاں بھی بجھادی ہیں۔ اب پورا مکان اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے" اول خان کی آواز میں اضطراب نمایاں تھا۔ اس وقت وہ دیوار کی اوٹ میں دبک کر کھڑکی کے ایک سرے سے راس المیڈا کے گھر کی طرف جھانک رہا تھا۔

سب نے اِدھر اُدھر دبک کر دیکھا۔ چند منٹ پہلے روشن نظر آنے والا احاطہ تاریک پڑا ہوا تھا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ سوئے نہیں' جاگ رہے ہیں اور انہوں نے ویرا کے لائٹر کی روشنی دیکھ لی ہے" سلطان شاہ نے کہا۔

"یہ بہت برا ہوا" ویرا کی آواز سے پشیمانی مترشح تھی "روشنی کی وجہ سے انہیں شبہ ہوگیا ہے تو اب بنا بنایا کھیل بگڑ سکتا ہے۔ میں نے اپنا پورا پیکٹ مسل ڈالا ہے لیکن میں گزرے ہوئے لمحوں کو کسی طرح واپس نہیں لاسکتی۔"

"تم اس تاریک احاطے پر کڑی نظر رکھو" اول خان نے سلطان شاہ سے کہا پھر وہ کھڑکی چھوڑ کر ہمارے درمیان آگیا "جو ہونا تھا' وہ ہوگیا۔ اب اس پر پچھتانا بے سود ہے۔ ہمیں وقت گزارنے کے بجائے اسی وقت ہلہ بول دینا چاہیے' بدلے ہوئے حالات میں سلطان شاہ کو بھی ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"وہ کیوں؟" یہ سوال ویرا نے کیا تھا "کیا تم تینوں ہی ان کے احاطے میں کودو گے؟"

"نہیں.... بے خبری میں حملہ ہوتا تو مقابلہ ان کے گھر میں

ہوتا۔ اب وہ خطرہ بھانپ کر ہوشیار ہو چکے ہیں۔ کسی بھی آہٹ پر وہ پچھلی گلی سے فرار ہونے کی کوشش کرسکتے ہیں۔ سلطان شاہ کو اس گلی میں جانا ہوگا۔ اس کی جگہ نگرانی کا کام تم سنبھالوگی۔ انہوں نے سڑک کا رخ کیا تو غزالہ انہیں روکے گی۔ ہم پانچوں کو اپنی اپنی جگہ مستعد رہنا ہوگا۔ کچھ پتا نہیں کہ وہ بھڑکے ہوئے بھیڑیئے کدھر کا رخ کر بیٹھیں" اول خان نے کہا۔

"میری حماقت کی وجہ سے سلطان شاہ کی جگہ تبدیل نہیں ہوگی۔ وہ وہیں رہے گا جہاں پہلے اس کی ضرورت تھی۔ پچھلی گلی کو میں سنبھالوں گی" ویرا کی آواز سخت اور سرد تھی "اپنی حماقت سے کھولے ہوئے نئے محاذ کو سنبھالنے کی اخلاقی ذمے داری میری ہے۔ اپنا کام میں خود سرانجام دوں گی۔"

اچانک سلطان شاہ کھڑکی سے ہٹ آیا اور سرگوشیانہ آواز میں بولا "احاطے میں ایک چھوٹا سا تاریک دھبا حرکت کررہا ہے۔ تم لوگ بھی اسے دیکھ لو۔ وہ آدمی یقیناً نہیں ہے۔"

اول خان اس کے ہاتھ سے دوربین لے کر کھڑکی کی طرف چلا گیا۔ بہت احتیاط سے دوسری طرف کا جائزہ لینے کے بعد وہ لوٹ آیا اور پُرتشویش آواز میں بولا "وہ کوئی کتا معلوم ہورہا ہے۔"

"اس گھر میں سرے سے کتے کا وجود ہی نہیں ہے" سلطان شاہ نے اصرار کیا "میں نے چھت تک سے جائزہ لیا ہے۔ ان کے یہاں کتا ہوتا تو اب تک کئی بار بھونک چکا ہوتا۔ اس عمارت کے چوکیدار نے بھی یہی بتایا تھا کہ پڑوس میں کتا نہیں ہے پھر اب وہ کہاں سے آسکتا ہے۔"

"پھر وہ کوئی آدمی ہے جو چاروں ہاتھ پیروں پر چلتا ہوا احاطے کی مشترکہ دیوار کی طرف آرہا ہے" اول خان نے کسی فوری خیال کے تحت تیزی سے کہا "تم دونوں یہیں رکو.... میں دونوں لڑکیوں کو ان کی جگہوں پر پہنچا کر آتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ کھیل شروع ہوچکا ہے۔ خطرہ بھانپتے ہی وہ حرکت میں آگئے ہیں۔"

دوربین میرے ہاتھ میں تھما کر وہ بہت تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا۔ ویرا اور غزالہ نے اپنی خود کار رائفلوں اور بھرے ہوئے فاضل میگزینوں کے ساتھ اس کی تقلید کی تھی۔

اول خان مستقل مزاج اور حوصلہ مند ہونے کے باوجود حالات کی اس کایا پلٹ پر سخت دل برداشتہ نظر آرہا تھا۔ ویرا کی موجودگی کی وجہ سے اس نے کوئی تلخ و ترش فقرہ نہیں کہا تھا لیکن میں اس کی دلی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ اس وقت وہ ایک ایسا کمانڈر تھا جس کے ایک سپاہی کی نادانستہ لغزش سے پورا سفینہ غرق ہونے کا سنگین خطرہ پیدا ہوچکا تھا۔

اس کے جاتے ہی میں دوربین اپنی آنکھوں سے لگا کر پڑوس کے تاریک احاطے کا جائزہ لینے لگا لیکن وہاں ہر طرف گہری اور یکساں تاریکی کا راج تھا۔ مجھے کوئی متحرک دھبا نظر نہیں آسکا۔

"وہاں تو کچھ بھی نہیں ہے" میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

"ایسا تو نہیں کہ بڑھے ہوئے ہیجان کی وجہ سے تم دونوں کو نظر کا دھوکا ہوا ہو؟"

"وہ شخص چاروں ہاتھ پیروں پر وہاں رما سما نہیں ناچ رہا تھا جو اب تک وہیں نظر آتا" میرے سوال پر سلطان شاہ چڑ کر بولا "وہ احاطے کی دیوار تک آرہا تھا اور اب آچکا ہوگا۔ ایک وقت میں دو آدمیوں کو ایک جیسا فریب نظر نہیں ہوسکتا۔ ویرا کی بچی نے ہماری ساری محنت برباد کردی ہے۔"

چند ہی سیکنڈ گزرے تھے کہ فضا کے گہرے سکوت میں ٹن کی ایک تیز آواز گونج اٹھی۔

"دیکھو! یہ ہماری کسی گاڑی کی چھت پر کنکر گرنے کی آواز ہے" سلطان شاہ نے ہیجانی لہجے میں کہا "وہ جو کوئی بھی ہے' دیوار کے سائے سے کنکر اچھال کر ہماری طرف کے ردِعمل کا اندازہ لگانا چاہ رہا ہے۔ ٹن کی یہ آواز اس کے شبہات کو تقویت دے گی کہ ادھر کوئی دھاتی چیز موجود ہے۔"

چند ثانیوں بعد دوبارہ ٹن کی وہی آواز ابھری اور سلطان شاہ کے شبے کی تصدیق ہوگئی۔ ہمارا کوئی حریف دوبارہ اسی مقام پر کنکر پھینک کر کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کررہا تھا۔

اول خان اندھیرے میں پنجوں کے بل تقریباً دوڑتا ہوا اوپر آیا اور ایک اپریٹس مجھے دے کر بولا "دیوار کے پیچھے کوئی آچکا ہے اور ہمارے احاطے میں کنکر پھینک رہا ہے۔ ہمیں فوراً ادھر اترنا ہوگا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے سلطان شاہ کی طرف پلٹا اور بولا "ہماری طرف سے تم فائر میں پہل نہیں کروگے۔ تم صرف ایک صورت میں پہلا فائر کرسکتے ہو جب تمہیں پورا یقین ہو کہ راس الیڈا ہی تمہارے نشانے پر آیا ہوا ہے۔ مقابلہ شروع ہوجانے کے بعد تم اپنے فیصلے خود کروگے.... ویرا پچھلی گلی میں ہے' غزالہ پھاٹک سے لگی کھڑی ہے۔ اس لڑکی نے لمحہ بھر میں سب کچھ چوپٹ کردیا اور روہانسی آواز میں معافیاں مانگ کر اور غصہ دلا رہی ہے۔"

سلطان شاہ کو وہیں چھوڑ کر ہم دونوں تیزی سے نیچے اترتے چلے گئے۔ احاطے کی دیوار سے لگ کر اول خان نے مجھے پھاٹک والے سرے کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور خود دیوار سے لگ کر مخالف سمت میں دوڑتا چلا گیا۔

میں کونے میں پہنچا تو چند قدم دور غزالہ رائفل سنبھالے کھڑی تھی۔

"فی امان اللہ!" اس کی موہوم سی آواز میرے کانوں میں آئی اور میں دیوار کی دراڑوں کا سہارا لے کر اوپر چڑھنے کی کوششوں میں مصروف ہوگیا۔

سب کچھ عجلت میں ہورہا تھا۔ قبل از وقت کارروائی شروع ہوجانے کی وجہ سے ہم میں سے کسی کو پوری طرح تیار ہونے اور اپنے ٹھکانے کا جائزہ لینے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اوپر چڑھنے کی ناکام

رشتوں میں میرے کئی ناخنوں کے سرے ٹوٹ گئے۔ یہ دیکھ کر زالہ تیزی سے میری طرف آئی اور اس نے جھک کر اپنا بایاں کندھا میری ٹانگوں کے سامنے کردیا۔ میں نے ایک نظر اس کے زم و نازک وجود کی طرف دیکھا اور مجھے اس پر ٹوٹ کر پیار آنے لگا۔

وقت گزر رہا تھا۔ میرے پاس کوئی متبادل راہ نہیں تھی۔ میں نے دیوار کا سہارا لے کر جوتوں سمیت اپنا سارا بوجھ اس کے شانوں پر منتقل کردیا۔ میرے بوجھ سے اس کا بدن لرز اٹھا۔ پھر وہ اپنی پوری قوت مجتمع کر کے کانپتی ہوئی' دھیمے دھیمے اٹھتی ہی چلی گئی۔ مناسب بلندی میسر آتے ہی میں نے اچھل کر دیوار کے کنارے پکڑ لیے اور پھر کسی آبی جونک کی طرح دیوار سے چپک کر اوپر جا پہنچا۔

اسی وقت میری نگاہ اس ہیولے پر پڑی جو راس المیڈا کے احاطے میں کسی چیز پر چڑھ کر' دیوار سے دھڑ اوپر کی طرف نکالے شاید ہماری گاڑیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی جھلک دیکھتا ہوا میں اندر گھاس کے قطعے پر کود گیا اور پھر میں نے دیوار کے ساتھ ساتھ اس طرف دوڑنا شروع کردیا جہاں دشمن کا ایک آدمی موجود تھا۔

وہ یقیناً وہی آدمی تھا جو کسی کتے کی طرح اپنے ہاتھوں اور پیروں پر چل کر دیوار تک پہنچا تھا اور پھر ہمارے احاطے میں وقفے وقفے سے کنکر پھینکتا رہا تھا۔ میں اسے اپنا پہلا شکار بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

میں بمشکل دس بارہ گز ہی دوڑا تھا کہ مجھے دیوار کے پار جھانکنے والے کے قریب ایک اور ساکت سایہ نظر آگیا۔ اسے میں اس سے زیادہ تاریکی میں بھی پہچان سکتا تھا۔ وہ مجھ سے پہلے اس شکار کو دیکھ چکا تھا اور شاید خاموشی سے اس کے نیچے اترنے کا انتظار کر رہا تھا۔

اس وقت تک جو کچھ بھی ہوتا رہا تھا' مکمل خاموشی سے ہوا تھا۔ فضا پر بدستور ڈھلتی رات کا گہرا اور خواب آور سکوت چھایا ہوا تھا۔ اول خان اپنے شکار کو نیچے گھسیٹ کر سکوت کے اس تسلسل کو توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ پہلے ہی ارادہ کر چکا تھا کہ اس مہم میں مکمل خاموشی اور رازداری سے کام لیا جائے گا۔

اسے جو کچھ دیکھنا تھا' وہ اس نے دیکھ لیا تھا۔ وہ دیوار کے سہارے ٹکی ہوئی کسی چیز پر سے اچھل کر اندھیرے میں نیچے کودا اور اسی لمحے اول خان کا ایک بازو فضا میں بلند ہو کر غیبی ہتھوڑے کی طرح نیچے آیا۔ میرے کانوں میں دھب کی ایک بہت ہلکی سی آواز آئی اور دیوار سے نیچے آنے والا اپنے حلق سے کوئی آواز نکالے بغیر تیزی سے زمین پر ڈھیر ہو کر میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اول خان کو اپنے اس وار پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے وہاں رک کر اپنے شکار کا جائزہ لینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی اور دیوار کے ساتھ ساتھ دوڑتا ہوا واپس ہولیا۔

"ویل ڈن!" میں نے دوڑتے دوڑتے ٹرانسمیٹر پر کہا "تمہیں پہلا بے آواز شکار مبارک ہو۔"

"تم اس وقت کہاں ہو؟" اول خان کی ہانپتی ہوئی آواز آئی۔

"اندر کودنے کے بعد میں بھی اس پر لپکا تھا مگر تم پہلے سے اس کے منتظر تھے۔ اب میں بھی واپس ہو رہا ہوں۔"

"وہ مقامی ہے اس لیے میں نے اسے صرف بے ہوش کیا ہے۔ گوروں نے شاید اسے پڑوس کی سن گن لینے کے لیے بھیجا تھا۔ اب برابر کا مقابلہ ہے۔ ہماری طرح وہ بھی دو رہ گئے ہیں۔"

میں نے دل میں سوچا کہ اس وقت اول خان کی آخری ہدایت نے اس مقامی کی زندگی بچالی ورنہ سلطان شاہ ایسی جھلاہٹ میں مبتلا تھا کہ دیوار سے اس کا سر ابھرتا دیکھ کر فوراً ہی گولی چلا دیتا۔

"ہالٹ!" اس رات کے سناٹے میں وہ پہلی آواز تھی جو کسی بھی طرف سے نکالی گئی۔ لب و لہجہ غیر ملکی تھا مگر وہ راس المیڈا کی سرد' بھاری اور سپاٹ آواز نہیں تھی۔ اس نے آواز بدل لی ہو تو یہ اندازہ غلط ہو جاتا تھا۔

آواز اندھیرے میں سے آئی تھی۔ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا کہ کسے للکارا گیا تھا۔ میں دوڑتا ہی رہا۔

اچانک پہلا فائر ہوا۔ وہ بڑے بور کے کسی ہتھیار کا ہولناک دھماکا تھا۔ فضا لرز اٹھی۔ اندھیرے میں فائر کی چمک اور پھر سرمئی دھوئیں سے میں نے فائر کرنے والے کی پوزیشن دیکھ لی۔ اس نے فائر میرے بجائے اول خان کی طرف کیا تھا۔ میں نے رک کر اس سمت میں ایک ہلکا سا برسٹ فائر کردیا۔ فائرنگ کے شور میں شیشے ٹوٹنے کی بے شمار آوازیں بھی شامل ہو گئیں لیکن میرے حریف کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ شاید اس نے کسی پیشہ ور لڑاکا کی طرح' فائر کرتے ہی اپنی پوزیشن بدل لی تھی۔

پھر یکے بعد دیگرے احاطے کی متعدد بتیاں روشن ہوتی چلی گئیں۔ وہ بہت بھیانک صورتِ حال تھی۔ جب تک دونوں فریق اندھیرے کی پناہ میں تھے' وہ تقدیر کی اندھی لڑائی تھی۔ لیکن احاطہ روشن ہونے کے بعد ہماری پوزیشن مخدوش ہو چکی تھی۔ وہ اندھیرے میں سے ہمیں دیکھ سکتا تھا' ہم اسے دیکھنے سے قاصر تھے۔

"روشنی ہو گئی۔ میں ڈیش کر رہا ہوں" ٹرانسمیٹر پر یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی پوری قوت ٹانگوں میں سمیٹی اور احاطے کی دیوار سے عمارت کی طرف دوڑ لگادی۔ وہ فاصلہ خاصا طویل تھا۔

"میں گولی سے بال بال بچ کر عمارت تک پہنچ چکا ہوں اور اندر گھسنے کا راستہ تلاش کر رہا ہوں" اول خان کی طرف سے فوراً ہی جواب آگیا۔ ہم دونوں کے ٹرانسمیٹر ابتدا سے ہی مسلسل آن تھے۔

مجھے مختصر ترین وقت میں طویل کھلا فاصلہ طے کرنا تھا۔ اندر کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی تیز دھمک گونجنے لگی۔ پے درپے

کئی گولیاں چلیں۔ میری سمت محفوظ تھی۔ میں آسانی سے عمارت تک پہنچ گیا اور دیوار سے اپنی پشت ٹکا کر ہانپنے لگا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے پھیپھڑوں میں موجود ساری آکسیجن ختم ہو چکی ہو۔ تیز تیز سانس لینے کے باوجود میرا دم گھٹا جا رہا تھا۔ شاید میں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنی تیز دوڑ نہیں لگائی تھی۔

فضا میں اچانک ایک برسٹ چلا۔ وہ یقیناً اول خان تھا۔ جواب میں دو دھماکے ہوئے۔

"تم خیریت سے ہو؟" میں نے چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان بہ دقت تمام پوچھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا ہو رہا ہے.... ادھر کا احاطہ پھر تاریک ہو گیا اور اندھا دھند گولیاں آ رہی ہیں۔" اول خان کی آواز سے شدید پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔

"میں ادھر آنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میری طرف ابھی بھی روشنی ہے۔"

"وہ شاید ادھر سے فرار ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تم کسی بھی طرح اندر گھسو اور ان پر پیچھے سے فائر کھول دو۔ ان کا دباؤ اسی طرح ختم ہو سکتا ہے" پریشانی کے عالم میں بھی اس کا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔

"میں کوشش کرتا ہوں۔ تم انہیں اسی طرف الجھائے رکھو" یہ کہہ کر میں نے دیوار سے الگ ہوئے بغیر ایک طرف سرکنا شروع کر دیا۔ اسی وقت فضا ایک اور برسٹ سے لرز اٹھی۔ برسٹ تھمنے سے پہلے تین جوابی گولیاں چلیں اور پھر خاموشی ہو گئی۔

اس دوران میں مَیں ایک بند کھڑکی تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ میں نے اندر سے ہونے والی کسی متوقع جوابی کارروائی سے خود کو بچاتے ہوئے کھڑکی پر زور ڈالا تو اسے ہلانے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکا۔ کھڑکی اندر سے بولٹ تھی۔ خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ کھڑکی پر آہنی گرل موجود نہیں تھی۔ میں نے اپنے لیے میگزین کا نچلا حصہ مار کر کھڑکی کا شیشہ چکنا چور کر دیا۔ شیشہ ٹوٹنے کا شور کافی تھا مگر ٹکڑے اندر گرنے کی آواز ہلکی تھی۔ شاید کمرے میں فرش پر قالین بچھا ہوا تھا جس نے شور کو جذب کر لیا تھا۔

پچھلی سمت میں ایک مرتبہ پھر دو فائر ہوئے۔ میں نے ٹوٹے ہوئے شیشے میں سے ہاتھ ڈال کر نچلا بولٹ اوپر سرکا دیا۔ کھڑکی پر ہاتھ مارا تو وہ اپنی جگہ چھوڑ چکی تھی۔ میں نے نیچے بیٹھ کر دوہ پٹ باہر کھینچ لیا۔

"پوزیشن دو.... میں انتظار کر رہا ہوں" اول خان کی مضطربانہ آواز ابھری اور میں نے آواز فوراً ہی گھٹا دی۔

فضا میں یکے بعد دیگرے دو فائر گونجے۔ میں نے نیچی آواز میں جواب دیا "میں ایک کھڑکی توڑ چکا ہوں۔ یہاں سے میری آواز اندر سنی جا سکتی ہے.... میں کسی بھی لمحے اندر کود جاؤں گا۔"

"اندر سے ہر بار ایک ہی ہتھیار استعمال ہو رہا ہے۔ ان میں سے ایک زخمی ہے، مر چکا ہے یا فرار ہو گیا ہے۔ اب ہمیں صرف ایک بھیڑیے کو زیر کرنا ہے۔"

میرے لیے اول خان کا وہ اشارہ کافی تھا۔ وہ ہتھیاروں کی گونج کو الگ الگ پہچاننے کے فن میں طاق تھا۔ اگر اندر ایک ہی آدمی تھا تو وہ اول خان کے قدم اکھاڑنے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ میں بے خوفی سے کھلی ہوئی کھڑکی میں سے تاریک کمرے میں کود گیا اور کئی ثانیوں تک ہلے بغیر اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

کمرے کو خالی پا کر میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اول خان سے پیغام رسانی اس مرحلے پر خطرناک ہو چکی تھی۔ کوئی بھی آواز میرے حریف کو بھڑکا سکتی تھی۔ میں نے اپنا ایرپیس بند کر دیا اور پنجوں کے بل آگے بڑھنے لگا۔

وہ طرفہ فائرنگ کا سکوت اس بار کچھ طویل ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا کہ ایک زبردست برسٹ فائر ہوا۔ یوں محسوس ہوا جیسے اول خان نے ایک ہی مرتبہ اپنا پورا میگزین خالی کر ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ برسٹ تھمنے بھی نہ پایا تھا کہ فضا ایک زبردست دھماکے سے دہل اٹھی۔ میرے قدموں کے نیچے فرش تک لرز اٹھا۔

وہ کسی فائر کا نہیں، بلکہ بم کا دھماکا تھا۔ پوری کوششوں کے باوجود اپنے فرار کی کوئی راہ نہ پا کر ہمارے حریف نے شاید دستی بموں کے استعمال کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مجھے اطمینان تھا کہ وہ دھماکا اول خان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکا ہو گا۔ وہ عمارت کی دیوار سے چپکا ہوا تھا اور عمارت کی کسی بھی بنیاد میں دھماکا کرنے کا مطلب صرف اور صرف خودکشی ہوتا۔

میں گہرے اندھیرے میں اپنے گرد و پیش کی سن گن لیتا ہوا آہستہ آہستہ پیش قدمی کرتا رہا۔ اچانک مجھے ایک بغلی راہداری میں کوئی قوی ہیکل سایہ سا لہراتا ہوا محسوس ہوا اور میرے قدم وہیں گڑ کر رہ گئے۔

میں نے اندر کے خوف اور اندھیرے ماحول پر اپنی توجہ اس حد تک مرکوز کی ہوئی تھی کہ کئی موڑ کاٹنے کے بعد میں اپنی پیش رفت کی سمت بھول چکا تھا۔ سامنے والی کھڑکی سے اندر گھسنے تک میرے دماغ میں یہ خیال راسخ تھا کہ مجھے سیدھا چل کر مکان کے پچھلے حصے میں پہنچنا ہے جہاں اول خان مکان سے باہر مشکل صورتِ حال سے دوچار تھا۔

گمان یہ تھا کہ اس وقت اس مکان میں ایک حریف موجود تھا۔ اگر اندھیرے میں میری آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا اور بغلی راہداری میں واقعی کوئی موجود تھا تو اس کا مطلب تھا کہ وہی مکان کے عقبی حصے تک رسائی کا راستہ تھا اور مجھے پوری ہوش مندی سے راہداری میں داخل ہو کر سائے کو تلاش کرنا چاہیے تھا۔

میں ایک دیوار سے لگ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ میں

پنجوں کے بل احتیاط سے چل رہا تھا تاکہ کوئی ہلکی سی آواز تک پیدا نہ ہو۔

راستے میں داہنی طرف ایک دروازہ نظر آیا تو میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ وہ سایہ اس دروازے کے پیچھے بھی موجود ہو سکتا تھا۔ میں نے پھونک پھونک کر قدم آگے بڑھائے اور پھر وہ تنگ کمرا دیکھ ڈالا۔ وہاں کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔

بڑھتے بڑھتے مجھے اس راہداری کا آخری بند سرا نظر آنے لگا اور میں چکرا کر رہ گیا۔ پتا نہیں میں اس مکان کی کن بھول بھلیوں میں بھٹک رہا تھا۔ اس پر اسرار سائے کا پتا تھا' نہ ہی دوسرا عقبی راستہ تھا۔

ان الجھنوں کے باوجود میں بڑھتا ہی رہا اور پھر اچانک میرے سامنے آیا کہ سامنے سے وہ راہداری ضرور بند تھی مگر آخر میں وہ داہنی طرف مڑ گئی تھی۔ داہنی دیوار میں موجود خلا سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ راستہ نوّے درجے کے زاویے پر مڑتے ہی کشادہ ہو گیا تھا۔

میں رخ بدل کر پھرتی سے اس راستے کی داہنی دیوار سے چپک گیا اور بڑھتے بڑھتے اس کے آخری سرے تک جا پہنچا۔ جوں ہی میں نے سرے سے سر آگے نکال کر اس حصے میں جھانکا' فضا گولیوں کے ایک نئے برسٹ سے لرز اٹھی۔ اس بار وہ آوازیں بہت قریب کی تھیں اور میرے نتھنوں میں بارود کی تیز بو بھی آئی تھی۔

برسٹ ختم ہو گیا۔ مگر میری نظریں اسی راستے پر جمی رہیں۔ اس کے اختتام پر ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جس میں سے بارودی دھواں اندر آ رہا تھا۔ تاریکی میں دروازے کے ساتھ ایک دراز قامت اور گراں ڈیل سایہ چپکا کھڑا تھا۔ اس عمارت میں جاری محاذ آرائی کا گڑھ وہی مقام تھا۔

میں نے اپنی رائفل کو سیدھا کیا اور سامنے والی دیوار پر ایک ہلکا سا برسٹ مار کر دھاڑا "ہتھیار ڈال دو۔ تم ایک چوہے کی طرح اس راستے پر گھیرے جا چکے ہو۔"

میرے برسٹ اور آواز کے جواب میں باہر سے اول خان نے بھی گولیاں برسائیں۔ میں نے اپنا ایرپیس آن کر دیا۔ اس مقام پر پہنچنے کے بعد کسی احتیاط کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

"تم.... کتے کے بچے!" اس طرف سے انگریزی میں جھلائی ہوئی آواز گونجی۔ اس بار مجھے آواز پہچاننے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوا۔ آخر کار راس المیڈا ہمارے دام میں آ ہی گیا تھا۔ داہنی طرف کی راہداری سے نکاسی کے ایک رخ پر میں اپنی رائفل کے ساتھ تھا' باہر اول خان اس کے بارودی استقبال کے لیے تیار تھا۔

میں نے اپنے ایرپیس کا بٹن دبا کر راس المیڈا کو سنانے کے لیے انگریزی میں کہا "ڈی فاراے۔ کتے کا بچہ گھیرا جا چکا ہے۔ وہ اندر بھاگا تو میں اسے بھون دوں گا' تم دروازے پر نگاہ رکھو۔"

اول خان نے خوشی کے عالم میں اتنا لمبا برسٹ فائر کیا کہ وہ راہداری بارود کے دھوئیں سے بھرنے لگی اور راس المیڈا پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

"فائرنگ بند کرو" وہ بری طرح کھانستے ہوئے چیخا "میں نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔"

"دونوں ہاتھ اٹھا کر کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکل جاؤ" میں نے اسے حکم دیا۔ یہ کہتے ہوئے میں نے ایرپیس کا بٹن بھی دبا دیا تھا تاکہ اول خان صورت حال سے غافل نہ رہے۔

"باہر والا دیوانہ وار فائرنگ کرتا ہے۔ وہ مجھے چھلنی کر دے گا" راس المیڈا کی آواز پر خوف غالب آگیا تھا۔

"وہ کچھ نہیں کہے گا۔ باہر نکلو.... یو سن آف اے گن!" میرے اعصاب چٹخنے لگے۔

"یہ باہر آگیا ہے اور میرے نشانے پر ہے" مجھے اپنے ایرپیس پر اول خان کا پیغام ملا۔

میں نے رائفل تھام کر اپنی سمت والی کشادہ راہ داری میں دوڑ لگا دی۔ وہاں اس وقت بھی جلے ہوئے بارود کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔

میں بارودی دھوئیں سے بھری ہوئی راہ داری طے کر کے اس مکان کے عقب میں کھلی فضا میں باہر نکلا تو تاروں بھرے آسمان کی پراسرار چھاؤں میں وہاں وہ منظر میرا منتظر تھا جس کی حسرت ایک مدت سے میرے دل میں پروان چڑھ رہی تھی۔

احاطے کے اس حصے میں گھور اندھیرے کا راج تھا لیکن تاروں کی مدھم روشنی میں وہ منظر بہت واضح تھا۔ اوّل خان کے ہاتھ میں اس کی بھیانک رائفل دبی ہوئی تھی اور اس رائفل کی نال اس قد آور جسیم ہیولے کی طرف اٹھی ہوئی تھی جس کے بدن پر گہرے رنگ کے نیکر اور آدھی آستینوں والے سفید بنیان کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھائے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر پہلے سنائی دینے والے بم کے دھماکے سے پیدا ہونے والا غبار اور دھوئیں کا بادل بیٹھ چکا تھا۔ اس وقت سکون اور سناٹے میں راس المیڈا کو اپنی رائفل کی زد پر لیتے ہوئے یہ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ چند ثانیوں پہلے وہ مکان لرزہ خیز فائرنگ اور دھماکوں کے شور سے لرز رہا تھا۔

میں پستہ قامت تھا' نہ اوّل خان منحنی شخصیت کا مالک تھا لیکن اس وقت راس المیڈا اپنے سوا چھ فٹ کے قد کے ساتھ ہمارے سامنے ایک دیو پیکر عفریت نظر آ رہا تھا۔

میری آہٹ پر اس نے اپنی گردن کو قدرے گھمایا' میں نے اس چھلاوے کا چہرہ غور سے دیکھنے کے لیے اپنی جگہ تیزی سے تبدیل کی اور اسی وقت فضا ایک سائرن کی دل اڑانے والی آواز سے گونج اٹھی۔

"پولیس.... شاید پولیس آگئی۔" اوّل خان کے دہانے سے

اضطراری آواز نکلی "مجھے ہر لمحے یہی دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اتنی فائرنگ کے بعد تو قبر کے مُردے بھی اٹھ کر یہاں آجاتے تو مجھے تعجب نہ ہوتا...... پولیس پارٹی کو صرف میں ہی سنبھال سکتا ہوں۔ تمہیں اس خبیث کو سنبھالے رکھنا ہوگا۔" اس نے وہ فقرے اردو میں ادا کئے تھے۔

میرے جواب دینے سے قبل راس المیڈا بھرائی ہوئی اور سپاٹ آواز میں انگریزی میں بولا "پولیس اب آئی ہے تو تم لوگوں کو کس کی حمایت حاصل ہے؟ تم کس اختیار کے تحت آگ سے کھیل رہے ہو؟"

بظاہر اس کا سوال چونکا دینے والا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اردو سے بالکل نابلد ہے۔ اول خان نے جو کچھ کہا' اردو میں کہا تھا۔ راس المیڈا نے اس کی گفتگو کے دو چار انگریزی الفاظ سمجھ لئے ہوں تب بھی وہ اس کی تشویش سے واقف نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس نے پولیس کی کسی گشتی گاڑی کا قریب آتا ہوا سائرن کا شور سنا تھا اور پھر اول خان کے لہجے کی بے ساختگی بھی محسوس کی تھی اس لیے اس نے آسانی سے اپنا مفہوم اخذ کرلیا تھا۔

"بھول جاؤ کہ اب تم قانون اور اختیار کی نزاکتوں کا سہارا لے کر بچ سکو گے۔" میں نے تلخ اور سفاکانہ آواز میں اسے جواب دیا "اس تاریک اور بے نام ٹھکانے پر تم راڈنی آرک نہیں' صرف راس المیڈا ہو...... تھوڑی دیر بعد ہمارے خون آشام کتے بہت رغبت سے تمہارے بدن سے بوٹیاں ادھیڑیں گے۔"

"نن...... نہیں! تم میرے ساتھ ایسا گھٹیا سلوک نہیں کرسکو گے۔"

سائرن کی آواز کشمیر روڈ پر اس مکان کے قریب آکر یک بہ یک ...دم توڑ گئی۔

صرف ایک لمحے کے لیے سکوت چھایا رہا پھر پولیس والوں نے اپنی آمد کے اعلان کے لیے ایک ہوائی فائر کردیا۔ سرخ شعلہ فضا میں تیرتا ہوا کافی بلندی تک گیا اور معدوم ہوگیا۔

"باہر نکلو!" سڑک کی طرف سے کوئی اضطراری لہجے میں چیخا۔ "پولیس نے علاقہ گھیر لیا ہے۔"

اس وقت ہم لوگ مکان کے عقب میں تھے لیکن سڑک سے بہت زیادہ دور نہیں تھے۔ اول خان نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے اونچی آواز میں ہانک لگائی "یہاں جو کچھ ہورہا ہے' قانون کے نام پر ہورہا ہے...... اپنے ہتھیار نیچے کرلو۔ میں تم سے ملنے کے لیے باہر آرہا ہوں۔"

اول خان کے حرکت میں آتے ہی راس المیڈا نے پاؤں بدلے۔ شاید وہ کسی مکارانہ چال کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن میں اس بار اسے اپنے ہاتھوں سے پھسلنے کا کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ میری رائفل کی نال اس کے چوڑے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور آنکھیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

اس وقت تک میری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہوچکی تھیں۔ میں اس سے پہلے کراچی ائرپورٹ پر بھی اسے دیکھ چکا تھا لیکن وہاں اس نے اتنی سرعت سے اپنے ردِعمل کا مظاہرہ کیا تھا کہ میں غور سے اس کا جائزہ نہیں لے سکا تھا۔ اس لمحے وہ میری زد پر آیا ہوا تھا اور آزادانہ نقل و حرکت پر قادر نہیں تھا۔ میں اسے گھورتا رہا۔

اس کے دونوں کان آگے کی طرف قدرے مڑے ہوئے تھے۔ چھوٹے چھوٹے گھونگھریالے بالوں کے نیچے اس کی تنگ پیشانی چمک رہی تھی۔ کسی پیشہ ورجواری کی طرح سرد مگر بے چین آنکھیں مجھے کسی ایسے سانپ کی یاد دلا رہی تھیں جو اپنے شکار کو نظروں ہی نظروں میں مسحور کرکے اچانک ہڑپ کرجانے کے چکر میں ہو۔ سیدھی لکیر کی طرح کھنچے ہوئے سفاکانہ ہونٹ یوں بھنچے پڑے تھے جیسے وہ مسکرانا ہی نہ جانتے ہوں۔

اول خان پولیس والوں سے نمٹنے کے لیے بہت تیزی سے وہاں سے غائب ہوا تھا۔ ہم دونوں دیر تک خاموشی سے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے رہے۔ میری نظریں قہربار تھیں۔ میں اپنے اس حریف سے پچھلا حساب چکانے کے لیے بے چین تھا اور وہ شاید مجھے تول رہا تھا۔

"مقابلہ ختم ہوگیا۔" آخر کار راس المیڈا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی دھیمی آواز برآمد ہوئی "تم جیت گئے' میں ہار گیا..... اس سرزمین پر اپنی یہ شکست میں مرتے دم تک نہیں بھول سکوں گا۔ یہاں آکر مجھے ذلت اور زخموں کے سوا کچھ بھی نہیں ملا...... آؤ! اب سودا کئے لیتے ہیں۔ یہ ڈیل ہمیشہ میرے سینے میں دفن رہے گی۔ تم صرف زبان کھولو' میں تمہاری ہر شرط مان لوں گا۔"

میں استہزائیہ اور قدرے بھیانک ہنسی کے ساتھ بولا۔ "تمہارے جسم پر ٹی شرٹ اور سال خوردہ نیکر کے سوا تیسرا کپڑا نہیں ہے' تم میری شرط کیا پوری کرو گے...... شاید یہودی بھی اپنے مُردے کو پورا کفن دیتے ہیں۔ یہاں سے ہم تمہاری لاش کو کفن میں لپیٹ کر وائٹ ہاؤس بھیجیں گے۔ سر سے پیر تک تمہارے جسم کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہیں رہے گا۔ زندہ دشمن کا ہم لہو چوس لیتے ہیں مگر مرے ہوئے دشمن کا احترام کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آنے والے الیکشن میں تمہاری سالم لاش امریکا کے موجودہ صدر کو دوسری میعاد کے لیے صیہونی حمایت دلا سکے..... ہاتھی مر بھی جائے تو سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔"

"آنے والے انتخابات میں ہم ہاتھی کی نہیں' گدھے کی حمایت کررہے ہیں۔" وہ گھبراہٹ میں میرے کہے ہوئے محاورے کا مفہوم سمجھے بغیر جلدی سے بولا "تم چاہو تو ہم اس حمایت سے دست بردار ہوسکتے ہیں۔ امریکا میں میرے ہم مذہب بہت منظم ہیں

اور میرے اشاروں پر عمل کرتے ہیں۔"
وہ واضح طور پر امریکا کی ڈیموکریٹک اور ری پبلکن پارٹی کے انتخابی نشانات کی بات کر رہا تھا۔ میرے لیے سیاست کا وہ موضوع قطعی غیر دلچسپ تھا۔ میں نے کہا "گدھے ہمیشہ گدھوں کی ہی حمایت کرتے ہیں۔ تم جو چاہو کرتے رہو لیکن اپنی سرزمین پر۔ یہاں تم نے اب تک جو کچھ کیا ہے اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔"

"میں اب تک یہ سمجھ رہا تھا کہ تمہیں پولیس اور قانون نافذ کرنے والے دوسرے اداروں کی بھرپور سرپرستی حاصل ہے لیکن ابھی تمہارے ساتھی نے پولیس کی تکرار کے ساتھ تم سے جس لب و لہجے میں باتیں کیں اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس جنگ وجدل میں قانون تمہارا ساتھی نہیں ہے۔ مجھے پکڑ کر تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ تم نے مجھے مار بھی دیا تو یہاں ہمارے وفاداروں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ وہ تمہیں گھیر گھار کر ایسے انجام سے دوچار کریں گے کہ تم ہر ایک کے لیے عبرت کا نشان بن جاؤ گے۔ ہم لوگ دو چیزوں پر کوئی سمجھوتا قبول نہیں کر سکتے۔ ہیروئن اور اسلامی ایٹم بم۔ تمہاری سرزمین پر یہ دونوں چیزیں پنپ رہی ہیں۔ بلیو کراس ڈیل کے تحت ایران سے آنے والے ایٹمی ساز و سامان اور آلات کی کھیپ پاکستان کی سرحدوں میں پہنچتے ہی حیرت ناک طریقے پر کہیں غائب ہو چکی ہے۔ شمالی مغربی پہاڑوں میں پاکستانی اور افغان دن رات ہیروئن بنا رہے ہیں جو دنیا بھر میں اپنا رنگ جما رہی ہے.... مجھ سے لڑ کر تمہارا انجام بہت بھیانک ہوگا۔ امریکا میں ہاتھی والوں کی حکمرانی ہو یا گدھے والوں کی ان دونوں کے لیے یہ مسائل اہم ہیں۔ وہ ان معاملات کو کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کریں گے۔ میں زندہ رہوں یا تمہارے ہاتھوں مارا جاؤں تمہارا انجام اچھا نظر نہیں آتا۔ مجھ سے سمجھوتا کر کے تم اپنا مستقبل محفوظ کر سکو گے۔"

میں نے اپنی رائفل کی نال کو برہمی سے جنبش دی اور زہر آلود آواز میں کہا "تم میرے مستقبل کی نہیں اپنے حشر کی فکر کرو۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ ہم اپنے زندہ دشمن کے بدترین دشمن ہوتے ہیں لیکن دشمن کے مُردے کی تذلیل نہیں کرتے۔ کتوں کے بھنبھوڑنے کے بعد تم جس حالت کو پہنچو گے اسی حالت میں امریکا پہنچائے جاؤ گے۔ اگر تمہاری صحیح سالم لاش امریکا کے آنے والے صدارتی انتخاب پر کوئی خوش گوار اثر نہیں ڈال سکی تو پھر تمہیں احتیاط سے مارنا بے سود ہوگا۔ تمہاری موت اسی طرح عبرت کا نشان بنے گی جس طرح تم میری موت کو عبرت کا کوئی انوکھا شاہکار بنانا چاہ رہے ہو۔"

"تم مجھے نہیں مار سکتے۔" اس نے سرد اور مستحکم آواز میں کہا۔ "مارنا ہوتا تو اب تک مار چکے ہوتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا اور قانون کا کوئی ناجائز رشتہ ہے جو اجالوں میں معدوم ہو جاتا ہے لیکن اندھیروں میں گناہ کی طرح تیزی سے پروان چڑھتا ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو فریڈم لاج پر تمہاری وحشیانہ چڑھائی کے بعد ملٹری والے ہرگز اس درندگی کی ذمے داری قبول نہ کرتے۔ میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ تم کسی مضبوط کھونٹے پر اچھل رہے ہو۔ تمہارے ملک کی قانونی قوتیں میرے سامنے بے بس بلکہ بے دست و پا ہیں کیوں کہ میں راس المیڈا نہیں راؤنی آرک ہوں۔ ایک بڑے اور سب سے زیادہ طاقت ور ملک کا سفارت کار لیکن تم جیسے قانون شکن لٹیرے کو اسپیشل ٹاسک فورس کی سرپرستی حاصل ہے۔ تمہاری حکومت ایسی کسی فورس کے وجود سے مسلسل انکار کرتی چلی آ رہی ہے لیکن میرے چہیتے البرٹو ویلیسا نے اس فورس میں برسوں کام کر کے ایسا ٹھوس مواد فراہم کر دیا ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ اس ملک میں درندوں کا ایسا غول سرگرم عمل ہے جو کسی قاعدے قانون کا لحاظ کیے بغیر صرف اپنی صوابدید پر کام کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بے دریغ مار ڈالتا ہے۔"

میرے لیے حیران کن بات یہ تھی کہ ہم نے کئی بار بھرپور تیاریوں کے ساتھ راس المیڈا کے خلاف کارروائیاں کی تھیں اور کراچی ائرپورٹ والے آخری واقعے کے سوا ہر موقع پر زبردست خون ریزی کے باوجود کسی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکے تھے لیکن اس روز ہمارے ستاروں نے یاوری کی تھی تو مہلک ترین بارودی ہتھیاروں کے دوطرفہ استعمال کے باوجود خون کا کوئی قطرہ بہا تھا نہ جسمانی تشدد کی کوئی نوبت آئی تھی اور راس المیڈا میری رائفل کے خون آشام دہانے کی زد پر موجود تھا۔

"تمہاری اطلاعات ناقص ہیں۔" میں نے کہا "مگر تم اپنی آسانی کے لیے سمجھ لو کہ اس وقت تم اسپیشل ٹاسک فورس کے قیدی ہو۔ تم اس کے بارے میں جانتے ہو۔ وہ بہت سفاک لوگ ہیں۔ ملک و قوم کے مفادات کا معاملہ ہو تو قانون کی ذرا بھی پروا کیے بغیر من مانی کر گزرتے ہیں۔ تم راہِ راست پر نہ آئے تو وہ خاموشی سے تمہاری گردن کاٹ دیں گے۔"

"شاید تمہارا ساتھی اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی بڑا آدمی ہے۔" لمحہ بھر کے توقف کے بعد وہ نپی تلی آواز میں بولا "میں حیران ہوں کہ مجھے پہچان لینے کے باوجود وہ مجھے اپنی رائفل کی زد پر لیے رہا۔ اگر وہ لوگ میری جان کے اتنے ہی دشمن ہیں تو اس نے پہلی فرصت میں میرا بدن چھلنی کیوں نہیں کر دیا؟"

"تمہاری یہ حسرت جلد ہی پوری کر دی جائے گی۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "تمہاری موت سے پہلے ہم اپنے کچھ سوالوں کے جواب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ موقع مل گیا ہے تو ہم اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔"

"بے سود کوششیں ہوں گی تمہاری...... مجھے زندگی کا لالچ دے کر شاید تم اپنا مقصد حاصل کر لیتے لیکن میرا فیصلہ سنا دینے کے بعد یہ امید نہ رکھو کہ میں تمہاری توقعات کو پورا کرتا چلا جاؤں گا۔"

"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" مجھے اچانک ہی اس کے سفید فام ساتھی کا خیال آگیا۔

"ڈھونڈ لو!" وہ فخر آمیز زہریلی ہنسی کے ساتھ بولا "میں پھنس گیا ہوں مگر وہ آزاد ہے۔ اسی گھر کے کسی اندھیرے گوشے میں دبک کر موقع کا انتظار کر رہا ہوگا۔ کسی بھی طرف سے ایک برسٹ چلے گا اور تم سب خاک و خون میں تڑپتے ہوئے نظر آؤ گے۔ میں اس وقت بھی اتنا بے یار و مددگار نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔"

میں بے اختیار پھریری لے کر رہ گیا لیکن زبان سے کچھ نہیں بولا۔

اس نے مجھے بروقت ایک خطرے کا احساس دلایا تھا۔ اس کا ساتھی مسلح اور آزاد تھا۔ وہ اس گھر کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر کسی بھی لمحے مجھے نشانہ بنا سکتا تھا۔ میں نے اضطراری طور پر اپنی رائفل کی نال کو جنبش دے کر کہا "فوراً اندر چلو..... بالکل اسی پوزیشن میں۔"

میں اسے اسی راہ داری میں واپس لے جانا چاہتا تھا جہاں سے ہم دونوں مکان کے عقب میں نکلے تھے۔ اس نے میری دھمکی کو نظر انداز کر دیا اور اپنی جگہ سے جنبش کئے بغیر کہا "باہر پولیس موجود ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ جب تک تمہارا ساتھی واپس نہ آجائے، تم گولی چلانے کی حماقت نہیں کرو گے۔ میں کھلی فضا میں ہی رہوں گا۔ تم زبردستی مجھے کنکریٹ کی بند دیواروں کے پیچھے نہیں لے جا سکتے۔"

میں نے فوری طور پر کسی ردِعمل کا مظاہرہ کئے بغیر گزرے ہوئے لمحات کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ میری زہر آلود نظریں نیکر اور بنیان میں ملبوس، راس المیڈا کے وجود پر جمی ہوئی تھیں۔ مجھے یاد آیا کہ باتوں باتوں میں اول خان نے بتایا تھا کہ اس کی فائرنگ کے جواب میں صرف ایک ہی ہتھیار استعمال کیا جا رہا تھا۔ قدرے تواتر کے ساتھ برقرار رہنے والی اس یکسانیت سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ دو میں سے ایک حریف مر چکا تھا، زخمی ہو گیا تھا یا پھر فرار ہو چکا تھا۔ اس وقت راس المیڈا میری رائفل کی زد میں تھا، اس لیے یہ بات بالکل واضح تھی کہ جو کچھ بھی ہوا تھا، وہ اس کے جان نامی ساتھی کے ساتھ ہوا تھا۔

راس المیڈا کو خوش فہمی تھی کہ پولیس فورس ہماری حلیف نہیں بلکہ حریف تھی اور جب تک وہ لوگ اس مکان کی کشمیر روڈ والی سمت پر موجود تھے، میں اس پر گولی چلانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے اسپیشل ٹاسک فورس والوں کے اندرونی طریقۂ کار کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں تھیں مگر میں اپنے پچھلے تجربات کی روشنی میں اتنا ضرور جانتا تھا کہ ایس ٹی ایف والے کوئی نہ کوئی شعبدہ آزما کر پولیس کو اپنے معاملات سے دور رکھنے میں کبھی بھی ناکام نہیں ہوئے تھے۔ قانون سے ماورا ایک ایجنسی کے طور پر انہیں کچھ ایسے اختیارات حاصل تھے جن کی بنا پر وہ امن و امان قائم رکھنے والی عام شہری ایجنسیوں کی مداخلت کے بغیر اپنے فرائض انجام دے سکتے تھے۔

مجھے یقین تھا کہ اوّل خان کو پولیس پارٹی کو وہاں سے ٹالنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔

"یو سوائن!" میں نے غرّا کر کہا "اندر چلو ورنہ میں ابھی تمہاری پنڈلیاں چھلنی کر دوں گا۔"

"کر دو!" راس المیڈا نے سرد آواز میں کہا پھر بالکل غیر متوقع طور پر اس دیو پیکر عفریت نے میرے اوپر حملہ کر دیا۔ میرے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی وہ میرے اتنے قریب آچکا تھا کہ میرے لیے اس پر فائر کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ میں نے پھرتی سے اپنی پوزیشن قدرے تبدیل کی اور لمحہ بھر میں اپنی رائفل فضا میں اچھال کر اس کی نال اپنی گرفت میں لے لی۔ جوں ہی راس المیڈا میری زد میں آیا میں نے نال پکڑ کر اپنی رائفل پوری طاقت سے فضا میں گھمائی اور اس کے وزنی دستے نے پُرشور آواز کے ساتھ راس المیڈا کے چہرے کا بایاں حصہ ادھیڑ ڈالا۔

وہ دیو پیکر عفریت اپنی پیش قدمی کے زور میں بری طرح لڑکھڑا کر کرب ناک آواز میں دہاڑا اور پھر میری داہنی ٹانگ حرکت میں آگئی۔ پیٹ میں پڑنے والی اس وحشیانہ ٹھوکر نے راس المیڈا کو زمین بوس کر دیا۔

اس نے اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے بہت بری طرح مار کھائی تھی اور زمین چاٹنے پر مجبور ہو گیا تھا لیکن اسی کے ساتھ اس کے منہ سے ناقابلِ بیان مغلظات کا نہ رکنے والا طوفان ابل پڑا تھا۔

وہ زمین پر گر کر کرب و اذیت سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا کہ میں نے بڑھ کر بائیں ہاتھ سے اس کے سر کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لئے، اس کے دہانے سے چند کریہہ اور بے ساختہ آوازیں ابھریں مگر میں اسے بالوں کے سہارے کچی زمین یا لان پر گھسیٹتا ہوا اس اکلوتے دروازے کی طرف ہو لیا جو پوری عمارت کو اس عقبی حصے سے ملانے کا شاید واحد ذریعہ تھا۔ میں نے اسی دروازے سے راس المیڈا کو باہر ہانکنے کے بعد خود باہر آنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"حرام زادے...... میرے بال چھوڑ دو!" راس المیڈا غصے اور جھلاہٹ کے عالم میں چیخنے لگا "جان ابھی تم کو چھلنی کر کے رکھ دے گا۔ اس نے کچھ نہ کیا تو میں تمہارے ساتھ تمہاری پوری ٹولی کو فنا کر کے رکھ دوں گا...... وہ سب حرام کے جنے تھے۔ ان میں سے ایک بھی اصیل ہوتا تو تم میرے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتے تھے۔"

وہ بساط کا پٹتا ہوا ایک مہرہ تھا۔ اگر وہ سب اس کی داد و فریاد ہوتی تو قابلِ درگزر ہو سکتی تھی لیکن وہ تو کسی خوں خوار بھیڑیے کی طرح غرا رہا تھا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ مار کھانے کے باوجود ہار ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں نے پوری قوت سے اس کے بالوں کو

ایک جھٹکا دیا اور پھر اس کا چہرہ اپنے قدموں میں جھکاتا چلا گیا۔
"تم کسی کنجر کے تخم ہو۔" اپنے ٹخنوں پر اس کے چڑھے ہوئے سانسوں کی حرارت محسوس کرکے میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا "بازی ہار کر بھی ہار ماننے پر آمادہ نہیں ہو۔ تمہارا علاج یہی ہے کہ اب تم اپنی ناپاک زبان سے میرے پیر یا جوتے چاٹو...... تم نے ایسا نہ کیا تو میں پگھلا ہوا سیسہ تمہاری کھوپڑی میں اتاردوں گا۔ تم جانتے ہو کہ تمہیں ماردینا ہی میرا اوّلین مقصد ہے۔ تمہیں زندہ رکھ کر میں کوئی فیض حاصل نہیں کرسکوں گا۔"

اچانک میرے داہنے پیر کے برہنہ حصوں پر راس المیڈا کی گرم اور لیس دار زبان پھسلنے لگی اور وہ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان کہنے لگا "تم...... تم مجھے زندہ رہنے دو۔ میں تمہارے پیر یا جوتے ہی نہیں' بدن کا کوئی بھی حصہ خوشی سے چاٹ لوں گا۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا' اپنی زندگی کے لیے مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔"

موت کی دہشت اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ اپنا پورا زور دکھانے اور اس کے نتیجے میں مار کھانے کے بعد اس کی ساری دلیری کافور ہوچکی تھی اور ایک مرتبہ پھر یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ راس المیڈا بذاتِ خود بزدل آدمی تھا اور صرف اپنے آدمیوں کے بل بوتے پر لڑنا جانتا تھا۔

میں نے دوبارہ اسے دروازے کی طرف لے جانے کی کوشش کی تو اس نے ذرا بھی مزاحمت نہیں کی' اپنے قدموں پر چلتا ہوا مکان کے پچھلے حصے میں داخل ہوگیا۔ اس کے بال بدستور میری مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے۔

دروازے کے ساتھ ہی دیوار گیر سوئچ بورڈ موجود تھا۔ میں نے بٹن دباکر راہ داری روشن کردی۔

راس المیڈا خوف اور بے یقینی کے عالم میں پلکیں جھپکاتے ہوئے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"ہیلو...... تمہاری طرف کیا صورتِ حال ہے؟" اچانک ایرپیس پر اول خان کی آواز ابھری۔

"میں اس بھیڑیے کو اندر لے آیا ہوں۔ تم کہاں ہو اور آنے والوں کا کیا بنا؟" میں نے راس المیڈا کے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر اردو میں جواب دیا۔

"وہ لوگ واپس جاچکے ہیں۔ میں غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ ویرا کی تلاش میں مصروف ہوں۔ پچھلی گلی بالکل ویران پڑی ہوئی ہے۔ ویرا کا کہیں کوئی پتا نہیں ہے۔"

وہ خبر سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ اس رات کی پہلی بری خبر تھی اور بہت زیادہ تشویش ناک تھی۔ میں نے فوراً ہی کہا "جان بھی غائب ہے۔ ابھی تک اس کی موجودگی کا کوئی سراغ نہیں ملا ہے۔ ذرا اچھی طرح دیکھو۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے پچھلی گلی سے فرار ہوتے ہوئے ویرا کو بے ہوش کردیا ہو۔"

"ہم نے پوری گلی چھان ماری ہے۔" اول خان کی آواز سے مایوسی مترشح تھی "میرا خیال ہے کہ جان ٹکراؤ ہوتے ہی خاموشی سے بھاگ نکلا تھا۔ آثار کچھ اچھے نہیں ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ویرا کو اپنے ساتھ ہی نہ لے گیا ہو۔ آج اس لڑکی نے بے پروائی سے اپنا لائٹر جلا کر جس خرابی کی ابتدا کی تھی' اس کا سب سے بھاری خمیازہ شاید اسی کو بھگتنا پڑا ہے۔ پتا نہیں اب وہ کہاں اور کس حال میں ہوگی۔"

"تم فوراً واپس آؤ اور اس وحشی سانڈ کو سنبھالو۔ میں خود بھی ایک دفعہ ویرا کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا "تم تینوں میں سے جو بھی مکان کے سامنے والے حصے سے اندر آئے' وہ ساری روشنیاں جلاتا ہوا آئے۔ اب تاریکی کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

ایرپیس پر خاموشی چھاگئی مگر میری طبیعت پر اضطراب طاری ہوتا چلا گیا۔ راس المیڈا سے ہمارے آخری تصادم میں جان کی طرف سے کوئی مداخلت نہ ہونے کی بنا پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ وہ خطرہ بھانپ کر حالات بگڑنے سے پہلے ہی اس مکان سے فرار ہوگیا تھا لیکن میرا دل یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ اس نے مکمل خاموشی اور رازداری کے ساتھ ویرا کو زیر کرلیا

ہوگا۔ وہ بے خبری میں وار کرکے ویرا کو بے ہوش کر بھی لیتا تو اس کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اتنی رات گئے ویرا کو اپنے کندھے پر لاد کر پیدل ہی دوڑ لگانے کا سنگین خطرہ مول لیتا۔ اس احاطے میں دو گاڑیاں موجود تھیں، میں نے انہیں نہیں دیکھا تھا لیکن میں یہ جانتا تھا کہ اس تمام بھاگ دوڑ میں کہیں بھی کسی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہوا تھا، نہ اس احاطے سے کوئی گاڑی باہر نکلی تھی۔ جان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ویرا کو اپنے کندھے پر لاد کر طویل عقبی گلی طے کرتا اور پھر کسی خطرے سے دوچار ہوئے بغیر اپنے کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچ جاتا۔

میری نگاہیں راس المیڈا کے زخمی چہرے پر مرکوز تھیں۔ روشنی ہونے کے بعد میں یہ دیکھ چکا تھا کہ اس کے چہرے کے بائیں حصے پر اس وقت مصنوعی سیاہ مسا موجود نہیں تھا۔ وہ بازی ہار جانے پر بہت سراسیمہ اور پریشان نظر آرہا تھا مگر مجھے اس صورتِ حال سے حاصل ہونے والی عارضی خوشی ویرا کے لیے پیدا ہونے والی تشویش میں معدوم ہوچکی تھی۔ میرا ذہن مسلسل ویرا کی سلامتی میں الجھا ہوا تھا۔

انسان تشویش، مایوسی اور وسوسوں کے کسی مضبوط جال میں گھرا ہوا ہو تو خوش فہمیوں کی راہ نکالنے کے لیے اس کا ذہن بعض اوقات عجیب کرشمے دکھاتا ہے۔ ان لمحات میں مجھے ایک انوکھا خیال آیا۔ ہوسکتا ہے کہ ویرا پچھلی گلی کے کسی تاریک گوشے میں چھپی ہوئی ہو اور اس نے جان کو فرار ہوتے ہوئے دیکھ کر، اس پر وار کرنے یا اسے براہِ راست للکارنے کے بجائے خاموشی سے اس کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کرلیا ہو۔

ویرا کے خاموشی سے غائب ہونے کی ایک وہی امکانی صورت ہوسکتی تھی مگر غور کرنے پر وہ امکان بھی اپنا جواز کھو بیٹھا۔ ویرا خاموشی سے اس کے تعاقب میں نکلی ہوتی تو وہ سلسلہ صرف عقبی گلی کے اختتام تک برقرار رہ سکتا تھا۔ گلی ختم ہونے کے بعد وہ دونوں سڑک پر نکلتے تو جان کوئی نہ کوئی سواری حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ اتنی رات گئے یہ ممکن نہیں تھا کہ جان کے ساتھ ویرا کو بھی کوئی سواری مل جاتی۔ تعاقب کا سلسلہ ٹوٹنے کا خطرہ بھانپتے ہی ویرا کو جان کے مقابلے پر آجانا چاہیے تھا۔ اس مقابلے کا جو بھی نتیجہ برآمد ہوتا، ہمیں یہ معلوم ہوجاتا کہ اس مکان کی حدود سے باہر بھی تصادم کا کوئی سلسلہ چل نکلا ہے لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ جو کچھ ہو رہا تھا، راس المیڈا کی کمین گاہ میں ہو رہا تھا۔ اس سے باہر فضا پر گہرا سکوت طاری تھا۔

ساری مغز سوزی کے باوجود ویرا کی پراسرار گمشدگی کا مسئلہ اپنی جگہ پر برقرار تھا۔

روشن راہ داری میں راس المیڈا میرے نشانے پر تھا۔ بظاہر میں پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوگیا تھا مگر میرا ذہن ویرا کی گتھی میں الجھا ہوا تھا۔ وقت رینگ رینگ کر بہت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ پھر اچانک مکان کے کسی دور افتادہ حصے میں دھمک کی آواز ابھری پھر رات کے سناٹے میں کسی سوئچ کی آواز سنائی دی۔ تاریک مکان کے کسی حصے میں یک بہ یک روشنی پھیل گئی تھی اور درودیوار کی رکاوٹوں کے باوجود میری حساس نگاہیں اس روشنی کا انعکاس محسوس کررہی تھیں۔

"جو جہاں ہے، وہیں رکا رہے ورنہ میں بے دریغ فائر کردوں گا۔" فضا میں سلطان شاہ کی متجسس آواز گونجی "اس وقت پوری عمارت محاصرے میں لی جاچکی ہے۔"

سلطان شاہ کی آواز سنتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ میں نے بے خوفی سے بلند آواز میں کہا "بے فکری سے روشنیاں جلاتے ہوئے اندر آجاؤ۔ اس وقت پوری عمارت سنسان پڑی ہوئی ہے۔ میں مکان کے پچھلے حصے میں اپنے گندے شکار کے ساتھ موجود ہوں۔"

"میں آرہا ہوں!" سلطان شاہ کی آواز گمبھیر تھی۔ میری طرح شاید وہ بھی ویرا کی طرف سے فکر مند تھا۔

"گولی نہ چلا دینا...... ہم بھی آرہے ہیں۔ ہمیں تم دونوں کی آوازیں بہت واضح سنائی دے رہی ہیں۔" لمحہ بھر کے توقف کے بعد ایریٹس پر اول خان کی آواز ابھری۔ شاید غزالہ اس کے ساتھ تھی۔

چند ثانیوں بعد ہی وہ دونوں کھلے ہوئے عقبی دروازے سے روشن راہ داری میں آگئے۔ اس وقت غزالہ آگے تھی۔ وہ اپنی رائفل کے ساتھ بہت پُرعزم اور خطرناک نظر آرہی تھی۔ اول خان اس کے پیچھے تھا۔

ان دونوں کی آنکھوں میں تیرتی ہوئی مایوسی دیکھ کر مجھے کوئی سوال پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میں نے بھانپ لیا کہ وہ ویرا کا سراغ لگانے میں ناکام رہے تھے۔ ان دونوں کے کڑے تیور دیکھ کر راس المیڈا کی آنکھیں خوف سے مزید پھیل گئی تھیں۔ وہ نسل پرست صیہونی دہشت گرد اپنے ہر ردِ عمل سے یہ بات ثابت کررہا تھا کہ اپنے آدمیوں سے بچھڑ کر وہ اپنی ساری ہیبت اور بربریت بھول چکا تھا۔ اس وقت اسے اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔

اسی اثنا میں سلطان شاہ بھی پوری عمارت میں چراغاں کرتا ہوا ہمارے ساتھ آملا۔

"ویرا کا کچھ پتا چلا؟" غزالہ اور اول خان پر نگاہ پڑتے ہی اس نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

ان دونوں کی خاموشی اس کے سوال کا بھرپور جواب تھی۔ اس کی آنکھیں دہک اٹھیں اور وہ راس المیڈا کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے اپنی مہیب دور مار رائفل کی لمبی نال راس المیڈا کے سینے پر [illegible] کراتنے زور سے دبائی کہ وہ گراں ڈیل عفریت اس دباؤ سے نجات پانے کے لیے لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے سرک گیا۔

"ویرا کہاں ہے؟" سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے غرا کر پوچھا۔ یہ سوال اس نے انگریزی میں کیا تھا۔
پہلی کوشش میں راس المیڈا بولنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ اس کے ہونٹ ہلے اور دہانے سے چپ چپ کی ایسی آواز برآمد ہوئی جیسی راتب کھاتے ہوئے کتے کے منہ سے نکلتی ہے۔ غالباً موت کی دہشت سے اس کا دہانہ خشک ہو رہا تھا اور زبان تالو سے چپک رہی تھی۔
"مم...... مجھے........ نن...... نہیں معلوم۔" اس نے ہکلاتے ہوئے بدقت تمام جواب دیا "میں تمہارا قیدی ہوں اور شروع سے اب تک اسی چھت کے نیچے موجود ہوں۔"
سلطان شاہ نے جی تھری کی نال سے راس المیڈا کے سینے پر بے رحمی سے ہلکی سی ضرب لگائی اور وہ بے اختیار ایک سسکی لے کر رہ گیا۔
"یہ کچھ نہیں بتا سکے گا۔" میں نے اردو میں سلطان شاہ کو سمجھایا "اگر وہ کہیں بھی موجود نہیں ہے تو اس کی زندگی سخت خطرے میں ہے۔ ہمیں اس کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔"
"میں نے دوڑ کر دونوں سروں تک پچھلی گلی دیکھ ڈالی ہے۔" اول خان نے زبان کھولی "وہاں دور دور تک کسی ذی روح کا وجود نہیں ہے۔"
"گلان ، مردود کے بے ہوش چوکی دار کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔" غزالہ بولی "اول خان کا اندازہ ہے کہ بھاگنے والے کا کوئی داؤ چل گیا ہوگا۔ وہی ویرا کو بے ہوش یا زخمی کر کے اٹھا لے گیا ہے۔"
"ویرا اتنی کمزور اور بودی نہیں تھی کہ کوئی آواز نکالے بغیر یوں ڈھیر ہو جاتی۔" سلطان شاہ نے تڑپ کے کہا "وہ اپنی خواب گاہ میں نہیں تھی' ایک مکار دشمن کے مقابلے پر میدان میں اتری ہوئی تھی۔ وہ اتنی غافل نہیں ہو سکتی تھی کہ کوئی بھگوڑا اسے اتنی آسانی سے اٹھا لے جائے۔"
"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" اول خان نے اسے ٹوکا "حالات اور واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ اب خوش فہمی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ جان یہاں سے بھاگ کر کہاں گیا ہوگا۔"
"یہ بات تو ہمارا قیدی ہی بتا سکتا ہے۔" میں نے راس المیڈا کو گھورتے ہوئے کہا۔ اردو میں ہونے والی ہماری گفتگو نے اسے بہت زیادہ ہراساں کر دیا تھا۔
"تمہارے دو انجام ہو سکتے ہیں۔" میں نے اس سے انگریزی میں کہا "تم پر وقت برباد کیے بغیر' تمہیں ذبح کر کے یہیں پھینک دیا جائے...... اگر تم جان کی نئی پناہ گاہ کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو تو تمہیں ویرا کی بازیابی تک زندہ رکھا جا سکتا ہے۔ جلدی بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"یہ اسی کا گھر ہے۔" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں فوراً ہی بولنے لگا "آج کل میں اسی کا مہمان تھا۔ مجھے کچھ پتا نہیں کہ وہ کہاں گیا ہوگا...... اگر وہ ویرا کو اٹھالے گیا ہے تو اس وقت قونصل کے گھر یا دفتر بھی جا سکتا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص ویرا کی قدر و قیمت سے پوری طرح واقف ہے۔ اسے ہر جگہ خوش آمدید کہا جائے گا۔"

میں نے لمحے بھر کے لیے سوچا۔ وہ ہمارے جنگل میں پھنس کر چوکڑی بھول چکا تھا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں کے تاثرات سے پتا چل رہا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

"کیا اس نے ویرا کو اپنے کندھے پر لاد کر یہاں سے قونصل خانے تک پیدل دوڑ لگائی ہوگی؟" سلطان شاہ نے درشت لہجے میں سوال کیا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں؟" وہ بے بسی سے بولا "وہ قونصل خانے میں اسٹینو کا کام کرتا ہے لیکن اول درجے کا قفل شکن بھی ہے۔ وزنی تجوریوں کے تالے تک کھول لیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سڑک کے کنارے پارک کی ہوئی کوئی گاڑی چرا لے گیا ہو۔ میں اس کے کسی بھی قول یا فعل کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔"

یہ ایک اہم بات تھی کہ راس المیڈا کو تحفظ فراہم کرنے والا امریکن قونصل خانے کا باقاعدہ ملازم تھا۔ ایسی صورت میں غالب امکان یہی تھا کہ اس نے فرار ہونے کے بعد اپنے کسی بڑے افسر کے گھر کا رخ کیا ہوگا۔ ان دنوں شہر میں تواتر سے جو واقعات پیش آئے تھے، ان کے بعد اس ملک کے تمام سفارت کاروں کو غیر معمولی تحفظ فراہم کیا جا رہا تھا اور نادیدہ خطرات کی بنا پر انہوں نے خود بھی نقل و حرکت بہت محدود کر لی تھی۔

"یہ اس سے زیادہ نہیں جانتا۔" میں نے اول خان سے مخاطب ہو کر اردو میں کہا "یہ اس وقت خوف زدہ ضرور ہے مگر بلا کا مکار اور چالباز ہے۔ اسے پوری احتیاط سے کہیں پہنچانے کے بعد ہی ہم یکسو ہو کر ویرا کے لیے کچھ سوچ سکیں گے۔ صبح ہونے سے پہلے ویرا ہمارے ہاتھ نہ آئی تو بات بگڑ بھی سکتی ہے۔"

"اس کے لیے نادرہ کے مکان کا تہ خانہ قریب اور محفوظ رہے گا۔" غزالہ بول پڑی۔

"نہیں۔" میں نے ساگا کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا "دوسرے قیدی کو دیکھ کر یہ ہمارا کھیل سمجھ جائے گا اور اس کے توڑ کی ترکیبیں سوچنے لگے گا۔ اسے ہیبت اور بے یقینی میں مبتلا رہنا چاہیے۔ اسے بالکل بھی اندازہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم نے اس پر کس کی مدد سے ہاتھ ڈالا ہے۔"

"میرے ذہن میں بھی نادرہ کا گھر ہی تھا۔" اول خان نے کہا "تم دونوں کو یک جا نہیں کرنا چاہتے تو پھر راس المیڈا کو چار نمبر والے ٹھکانے پر لے جانا ہوگا۔ شہر میں میرے پاس متبادل جگہ نہیں ہے۔"

"اسے وہاں پہنچا کر واپس آنے میں کافی وقت ضائع ہو جائے گا۔" میں نے اسٹیشن فور کے فاصلے اور دشوار گزار راستے کا تصور کرتے ہوئے فکر مندانہ آواز میں کہا "لیکن یہ ہماری مجبوری ہے۔"

"کوئی مجبوری نہیں ہے۔ میں اسے بے ہوش کر کے اپنی گاڑی سے لے جاتا ہوں۔ تم تینوں گھر پہنچ کر کوئی راہ نکالو۔ ایک اپرٹیس تمہارے پاس ہے، دوسرا میں لے جاؤں گا۔ اس پر ہم ایک دوسرے سے مشورہ کرتے رہیں گے۔ میری واپسی تک کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو ہی جائے گا۔"

مجھے راس المیڈا سے بہت کچھ پوچھنا تھا۔ اپنے تشنہ سوالوں کے جواب پالینے کے بعد اس موذی کو زندہ رکھنا بالکل بے سود ہوتا۔ اگر حالات پوری طرح سازگار رہتے تو صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے دھرتی کو راس المیڈا کے ناپاک وجود سے نجات دلائی جا سکتی تھی لیکن ویرا کی پراسرار گمشدگی نے معاملات الجھا دیے تھے اور اس کی بازیابی تک راس المیڈا کے قصے کو پسِ پشت ڈالنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

میں نے سلطان شاہ کو آنکھ ماری۔ وہ رہ رہ کر راس المیڈا کو خوں خوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ میرا اشارہ پاتے ہی اس نے رائفل کی نال سے راس المیڈا کی برہنہ پنڈلی پر زوردار ضرب لگائی۔ وہ اپنے حلق سے عجیب و غریب آوازیں نکالتا ہوا، چند ثانیوں تک ایک پیر پر چکراتا رہا پھر دونوں ہاتھوں سے اپنی مجروح پنڈلی دباتا ہوا فرش پر بیٹھ گیا۔

میں نے سلطان شاہ کو گھورنا چاہا لیکن اس نے دانستہ مجھ سے نظریں چار نہیں کیں۔ میرے اشارے کا مقصد یہ تھا کہ سلطان شاہ اس کی کنپٹی پر ضرب لگا کر اسے بے ہوش کردے لیکن اس نے جان بوجھ کر اس عمل کو طول دینے کی کوشش کی تھی تاکہ راس المیڈا کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکال سکے۔

راس المیڈا کے بیٹھتے ہی سلطان شاہ نے اپنی رائفل فرش پر ڈالی اور بڑھ کر راس المیڈا کے زخمی چہرے پر تابڑ توڑ مکّے برسانے شروع کردیے۔ راس المیڈا کی دبی دبی اضطراری چیخیں راہداری میں گونجنے لگیں۔ اپنے آسیب صفت حریف کا چہرہ بگاڑتے ہوئے سلطان شاہ کا دل کا غبار ذرا ہلکا ہوا تو اس نے پسلیوں میں ٹھوکر مار کر راس المیڈا کو فرش پر گرا دیا۔ اس کی اگلی زوردار ٹھوکر اس عفریت کی بائیں کنپٹی پر پڑی۔ وہ ضرب اتنی شدید تھی کہ راس المیڈا کے وجود نے فرش پر دو تین لمبے لمبے لیے اور پھر ساکت ہو گیا۔

"بعض اوقات تم اپنی کھوپڑی سے باہر ہو جاتے ہو۔" میں نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

سلطان شاہ میری بات کا جواب دیے بغیر اپنی رائفل کی طرف بڑھ گیا۔ اول خان نے اس کی طرفداری کرتے ہوئے کہا "کبھی کبھی بگلے کے سر پر موم بتی جلا کر شکار کھیلنے میں لطف آتا ہے۔ ویرا

کی طرف سے پریشانی دور ہو جائے پھر تم دیکھنا کہ میں اس کی کیا درگت بناتا ہوں۔"

تشویش اور فکرمندی کے ماحول میں اول خان کا وہ شگفتہ فقرہ رائگاں گیا۔ سلطان شاہ نے اپنی جی تھری رائفل شانے سے لٹکائی اور راس المیڈا کے دونوں پیر تھام کر اسے کسی مویشی کی طرح فرش پر گھسیٹ کر عقبی دروازے کی طرف لے جانے لگا۔

میرے استفسار پر اول خان نے بتایا کہ گاڑی پیچھے لانے کے لیے کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا لیکن سرسبز لان کو روند کر اس کی جیپ آسانی سے پیچھے آسکتی تھی۔ راس المیڈا کی وزنی لاش کو کم از کم محنت کے ساتھ لے جانے کے لیے وہی سب سے بہتر راستہ تھا۔

فیصلہ ہو جانے کے بعد سارے کام تیزی سے ہوتے چلے گئے۔

راس المیڈا بے ہوش تھا مگر یہ خطرہ تھا کہ وہ راستے میں ہوش میں آنے کے بعد اول خان کے لیے مسئلہ نہ بن جائے۔ اس خطرے کے سدِّباب کے لیے اس کے ہاتھ پیر مضبوط ڈوریوں سے جکڑ کر اسے اول خان کی جیپ کے عقبی حصے میں ڈال دیا گیا۔ دیوار کے سائے میں بے ہوش پڑے ہوئے مقامی چوکی دار کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اول خان بے ہوش قیدی کو لے کر وہاں سے اسٹیشن تو... لیے روانہ ہو گیا۔

اسے رخصت کرنے کے بعد ہمارا زیادہ دیر تک وہاں رکنا مخدوش تھا۔ غزالہ پہلے ہی برابر والے مکان میں جا کر اپنے ساتھ لایا ہوا سامان سمیٹنے میں مصروف ہو چکی تھی۔ میں نے وہاں جاتے ہوئے سلطان شاہ کو ہدایات دیں اور اس نے بند کمرے کے قریب جا کر وہاں قید چوکی دار کو بتایا کہ وہاں مسلح تصادم کی وجہ سے بدترین حالات پیدا ہو چکے تھے۔ باہر سے اس کے کمرے کی کنڈی کھولی جا رہی تھی لیکن دن کا اجالا نمودار ہونے سے پہلے اسے کمرے ہی میں رہنا تھا۔ اندھیرے میں باہر آنے کی صورت میں اس کی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔

وہ خوف زدہ شخص ابتدا سے ہی تعاون پر آمادہ تھا۔ اس نے اندر سے پھنسی پھنسی آواز میں سلطان شاہ کی ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور اس کے دروازے کی کنڈی کھول دی گئی۔

اس آخری کام سے فارغ ہو کر ہم تینوں وہاں سے روانہ ہو گئے۔

مجھے خوف تھا کہ اس وقت اول خان ہمارے ساتھ نہیں تھا۔ اگر راستے میں پولیس کی کسی گشتی پارٹی سے سامنا ہو جاتا تو ہم اپنے پاس موجود اسلحے کا کوئی جواز پیش نہیں کر سکتے تھے لیکن غنیمت یہ تھا کہ اس وقت کشمیر روڈ پر دور تک سناٹے کا راج تھا۔ کے ایم سی اسپورٹس کمپلکس میں اگر اس دن شادی بیاہ کی تقریبات منعقد بھی ہوئی تھیں تو وہ شہر کے بگڑے ہوئے حالات کی وجہ سے بہت دیر پہلے ختم ہو چکی تھیں اور اس وقت ان میدانوں میں بس واجبی سی اکا دکا روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔

واپسی کے لیے ہمارے پاس دو متبادل راستے تھے۔ کشمیر روڈ سے ہو کر ہم مزارِ قائد اور پھر نمائش اور پھر صدر سے ہوتے ہوئے کلفٹن کی طرف نکل جاتے مگر اس راستے میں نمائش کی پولیس چوکی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اس علاقے میں وہ چوکی رات بھر فعال اور پُرہجوم رہتی تھی۔ دن کے اوقات میں وہاں ٹریفک کے عملے کی بھیڑ بھاڑ ہوتی تھی لیکن رات میں وہاں قرب و جوار کے گشتی دستوں اور ان کی گاڑیوں کی بھیڑ بھاڑ رہتی تھی۔ دوسرا راستہ طارق روڈ کا تھا جس سے ہو کر ہم وہاں تک پہنچے تھے۔ میں نے ممکنہ خطرات کا موازنہ کرنے کے بعد سلطان شاہ کو طارق روڈ ہی کی طرف چلنے کی ہدایت دے ڈالی۔

علامہ اقبال روڈ سے طارق روڈ کی طرف گھومتے ہوئے میں نے ایرپیس پر اول خان سے رابطہ کیا "کہاں تک پہنچے ہو؟ تمہارا سفر کیسا چل رہا ہے؟"

"ویران سڑکوں پر ڈرائیونگ میں مزہ آ رہا ہے۔" اول خان نے جواب دیا "قیدی بدستور بے ہوش ہے اور اس وقت میں حسن اسکوائر سے آگے نکل چکا ہوں۔ سبزی منڈی پر پھلوں اور سبزیوں سے لدے ہوئے ٹرکوں اور تھکے تھکے مزدوروں کی بھیڑ کے باوجود سڑک بند نہیں تھی۔ میرا خیال ہے کہ مجھے واپس لوٹنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

"ہمیں بھی ابھی تک میدان صاف ملا ہے۔ راستے میں کوئی پولیس پارٹی ٹکرا گئی تو کیا ہوگا؟"

"ایسی باتیں مت سوچو۔" اول خان کا لہجہ سخت ہوگیا "کوئی مل ہی جائے تو اپریشن پر مجھ سے بات کرادینا۔ میں خود انہیں ہر بات سمجھادوں گا...... یہ بتاؤ کہ ویرا کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟"

"میرا ذہن بالکل سپاٹ ہے۔ اتنے بڑے شہر میں ایک لڑکی کا سراغ لگانا آسان نہیں ہے۔"

"سوچتے رہو' کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔ میں خود بھی اس احمق لڑکی کے لیے پریشان ہوں جو اس وقت اپنی ہی غلطی کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔ اسے بازیاب کرانا ہوگا۔"

"تم اس طرح بات کررہے ہو جیسے اس کے اغوا پر مجھے موردِ الزام ٹھہرا رہے ہو۔" میں نے شکوہ کیا۔

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟" اول خان کی آواز میں حیرت عود کر آئی۔

"تم بار بار حوالہ دے رہے ہو کہ وہ اپنی غلطی کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔ اس نے غلطی کی ہے تو اسی کو مزہ چکھنا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ اس واقعے پر ہم میں سے کوئی بھی خوش نہیں ہے۔"

"وہ بہت حساس لڑکی ہے۔" ایک گہرے سانس کے بعد اول خان کی آواز آئی "تمہیں یاد ہوگا کہ گڑبڑ کا آغاز ہوتے ہی میں نے سلطان شاہ کو پچھلی گلی میں بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اس کی حماقت کی وجہ سے سلطان شاہ کی جگہ تبدیل نہیں ہوگی۔ اپنی حماقت کے نتائج کو بھگتنے کی اخلاقی ذمے داری اسی کی ہے۔ میں صرف اس بات کو اجاگر کرتا رہا ہوں۔ میرا مقصد تمہیں یا کسی اور کو الزام دینا نہیں ہے۔"

"چلو' میں مانے لیتا ہوں۔ اب تم یہ نہ کہہ دینا کہ اپنی حماقت کی اخلاقی ذمے داری نبھانے کے لیے ویرا نے مجرمانہ احساس کے ساتھ خود کو جان کے حوالے کردیا ہوگا۔ وہ حساس ضرور ہے لیکن دشمن اور لڑائی کے معاملے میں بہت سفاک ہے۔ وہ آسانی اور خاموشی سے ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

"مایوسی کی وجہ سے اس وقت تم چڑچڑے پن کا شکار ہورہے ہو' میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔ کوئی معقول تجویز ذہن میں آئے تو مجھ سے رابطہ کرلینا۔ فی الحال خدا حافظ۔"

"میں شرط لگا سکتا ہوں کہ اول خان کے ذہن کے کسی گوشے میں ویرا نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔" سلطان شاہ سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر پُریقین لہجے میں بولا "وہ ہمیشہ اس کے گن گاتا رہتا ہے۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم ویرا کی وجہ سے راس المیڈا کو پھاڑ کھانے پر تلے ہوئے تھے۔" غزالہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں اسے یاد دلایا "میں مانتی ہوں کہ اس میں بہت سے عیب اور خامیاں ہیں مگر ہم میں سے کون ہے جو اس سے متاثر نہیں ہے؟ اپنی ساری خرابیوں کے باوجود وہ سحر انگیز بلکہ طلسماتی شخصیت کی مالک ہے۔"

"شاید تم میرے بجائے ڈیڈی پر چوٹ کررہی ہو" سلطان شاہ نے خوش دلی سے کہا۔

"اس وقت مذاق برا لگ رہا ہے" غزالہ کی آواز سے خفگی مترشح تھی "میں کسی پر چوٹ نہیں کررہی' حقیقت بیان کررہی تھی۔ بعض اوقات میں بھی اس سے چڑنے لگتی ہوں لیکن اس کے اغوا کے بعد مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے میری کوئی عزیز سہیلی بلکہ بہن مجھ سے بچھڑ گئی ہو۔"

"وہ جادوگرنی ہے" سلطان شاہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا "موقع ملنے پر ہم سب کو کچوکے لگاتی رہتی ہے اور پھر بھی ہمارے دلوں پر حکمرانی کرتی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم سب اس کے لیے فکرمند کیوں رہتے ہیں۔"

"تم سمجھ ہی نہیں سکتے" غزالہ نے ترشی سے کہا "وہ تمہیں چڑانے کے لیے تم سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے اور تم اس سے بدکنے لگتے ہو۔ اس کی ان چھوٹی چھوٹی دل آزاریوں میں بھی اپنائیت کی جھلک ہوتی ہے۔ وہ دل کی بری نہیں ہے۔ میرا بس چلے تو میں آج ہی تمہاری اور اس کی شادی کرواکے ہمیشہ کے لیے سارے جھگڑے ختم کردوں۔"

"وہ بازیاب ہوگئی تو میں اس سے تمہاری اس تجویز پر بات ضرور کروں گا" میں نے جلدی سے کہا۔

"یہ ہرگز نہیں ہوسکتا" سلطان شاہ برہم ہوکر بولا "اس سے تو بہتر ہوگا کہ تم دونوں مجھے ہمالیہ کی کسی چوٹی سے موت کی اندھی کھائیوں میں دھکیل دو۔ اسے میری زندگی پر ذرا بھی تصرف حاصل ہوگیا تو وہ میرا جینا حرام کردے گی۔ جو عورت دن رات شراب کے نشے میں غرق رہنے کو زندگی کی معراج سمجھتی ہو' اسے کون اپنی بیوی بنانا پسند کرے گا۔ اپنی عورتیں شرابی شوہروں کو برداشت نہیں کرتیں تو ایک شرابی بیوی کو کون بھگتے گا۔"

"وہ اپنی تنہائیوں کی تلخی کو شراب میں گھول گھول کے پیتی رہتی ہے" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "اس سے بات کی جاسکتی ہے۔ گھر بسنے کی کوئی صورت پیدا ہوئی تو وہ یقیناً یہ عادت ترک کردے گی۔"

اس وقت ہماری گاڑی شارع فیصل سے گھوم کر گورا قبرستان کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ سلطان شاہ نے بھناکر اسٹیئرنگ کاٹا اور گاڑی فٹ پاتھ کے کنارے لے جاکر اچانک بریک لگادیے اور تیز آواز میں کہا "اگر میرے بارے میں تم دونوں کی سوچ اسی قدر بے رحمانہ ہے کہ تم ویرا کی خوشی کے لیے مجھے قربانی کا بکرا بنانے پر تلے ہوئے ہو تو میرا تمہارے ساتھ گزارہ نہیں ہوسکتا۔ مجھے کہیں

اپنا منہ کالا کر لینا چاہیے....."

وہ غصے میں گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر رہا تھا مگر میں نے اس کا بازو دبوچ کر اسے سیٹ پر بیٹھا رہنے پر مجبور کر دیا اور کہا۔ "رات کے سناٹے میں بلاوجہ تماشا بننے اور بنانے کی کوشش مت کرو اور گاڑی چلاتے رہو۔ اپنی ان حرکتوں سے تم مجھے پاگل کر دو گے...."

"میری کیا حرکتیں ہیں؟" وہ میری بات کاٹ کے بولا "سب کچھ تم دونوں کا کیا دھرا ہے۔"

اشتعال کے باوجود اس نے موقع کی نزاکت سمجھ لی تھی اور چون وچرا کیے بغیر گاڑی کو دوبارہ حرکت میں لے آیا تھا۔ میں نے اسے ملامت کرتے ہوئے کہا "تمہاری ہر بات نرالی اور عقل سے باہر ہوتی ہے۔ ویرا پر ذرا سا بھی برا وقت آجائے تو یوں تڑپ اٹھتے ہو جیسے وہ تمہاری پیدائشی محبوبہ ہو اور ہم تمہاری اور اس کی شادی کی بات چھیڑیں تو اسے گالی سمجھتے ہو.... ٹھنڈے دل سے تم خود اپنے ان متضاد رویّوں کا تجزیہ کرو اور ایمان داری سے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم خود بھی کسی فوری نتیجے پر نہیں پہنچ سکو گے۔"

"تم لوگ میری انسانی ہمدردی کو غلط سمجھتے رہے ہو" وہ غراتے ہوئے بولا۔

"یہ انسانی ہمدردی کی کون سی قسم ہے کہ تم نے ویرا کے اغوا کی خبر سنتے ہی مار مار کر اس الیڈا کا بھرکس نکال دیا تھا۔ اس وقت تم جنون کے عالم میں نظر آرہے تھے" میں نے کہا۔

"وہ میری غلطی تھی" سلطان شاہ تلخی سے بولا "اس بار تو ویرا صرف اغوا ہوئی ہے۔ آئندہ وہ ماری بھی گئی تو میں کوشش کروں گا کہ اس کے لیے کسی دردمندی یا نرم دلی کا مظاہرہ نہ کروں۔"

"مریں اس کے دشمن!" غزالہ بے ساختہ تلملا کر بول پڑی۔ "پتا نہیں اس وقت تم کیا ہذیان بک رہے ہو۔"

"سچ باتیں کڑوی بلکہ ہذیان ہی لگتی ہیں" سلطان شاہ لڑاکا لہجے میں بولا "میں بھی ویرا کی جان کا دشمن نہیں ہوں۔ میری طرف سے وہ ہزار برس زندہ رہے مگر میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب اس کے دکھ سکھ پر کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کروں گا۔ اس کی ہمدردی اور خبرگیری کے لیے تم لوگ ہی کافی ہو۔"

بات بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ سب ہی خاموش ہو گئے۔ فضا میں انجن کا دھیما شور باقی رہ گیا۔

میں نے سگریٹ سلگا کر اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرا لیا اور بحیرۂ عرب کی طرف سے آنے والی ڈھلتی رات کی خنک ہواؤں سے لطف اندوز ہونے لگا۔ اس وقت ہمارے سفر کی سمت ایسی تھی کہ گزرتا ہوا ہر لمحہ ہمیں سمندر سے قریب تر لے جا رہا تھا اور فضا پر اس قربت کے آثار لمحہ بہ لمحہ زیادہ واضح ہوتے جا رہے تھے۔

سلطان شاہ کی اس وقت کی گفتگو نے میرے ذہن میں ایک تلاطم سا برپا کیا ہوا تھا۔ سگریٹ کا ایک گہرا کش لینے کے بعد میں نے فوری خیال کے تحت، پچھلی نشست پر بیٹھی ہوئی غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا "جان کے لیے ویرا ایک قیمتی شکار ہے۔ کافی غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جان اسے لے کر قونصل کے گھر ہی گیا ہو گا۔ اگر ہم پوری راز داری اور اسپیشل ٹاسک فورس کی بھرپور مدد کے ساتھ وہاں دھاوا بول دیں تو تھوڑے سے کشت وخون کے بعد ویرا کو آزاد کرا سکتے ہیں۔"

میری وہ برجستہ خیال آفرینی غزالہ کے پلے نہیں پڑ سکی اور وہ گڑبڑا کر رہ گئی مگر سلطان شاہ دو ٹوک لہجے میں بول پڑا "اگر ویرا اب تک زندہ ہے تو حملہ ہوتے ہی وہ اسے ہلاک کر دیں گے۔ تمہیں اس کی زندگی سے دلچسپی نہ ہو تو ضرور اس منصوبے پر عمل کرو۔ اسے زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو تمہیں کوئی اور راہ تلاش کرنی ہو گی۔"

میں گاڑی میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں بے ساختہ مسکرا دیا۔ سلطان شاہ میری مسکراہٹ نہیں دیکھ سکا لیکن اس نے میرے لہجے کی چبھن ضرور محسوس کر لی ہو گی۔ میں نے کہا "ذرا ہی دیر پہلے تم نے فتویٰ دیا تھا کہ آئندہ تم ویرا کے دکھ سکھ پر اپنے کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کرو گے، پھر اب اس کے معاملات میں دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟"

میرے ان کاٹ دار فقروں نے سلطان شاہ کو بوکھلا دیا۔ وہ جھنجلا کر خود ملامتی انداز میں بولا "سالی ذہن سے چپک کر رہ گئی ہے۔" پھر اس کی آواز قدرے بلند ہو گئی "یہ ویرا کی نہیں، لڑائی

کے اصول کی بات ہے۔ ویرا کی جگہ کوئی کالا چور بھی ہو سکتا ہے۔ اسے چھڑانے کے لیے کوئی اندھا دھند کارروائی کی جائے گی تو وہ دشمن کے ہاتھوں مارا جائے گا اور تمہیں ناکامی کے زخموں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔"

"اے میرے منہ بولے اور احمق بھائی!" غزالہ نے اس مرحلے پر پوری بات سمجھنے کے بعد ایک گہرا سانس لے کے کہا۔ "الٹے سیدھے جواز پیش کرنے کے بجائے اپنے دل کو ٹٹولو۔ ویرا تمہارے دل کے کسی انجان گوشے میں دبک کر تمہارے دل و دماغ کی ڈوریاں ہلاتی رہتی ہے۔ اس وقت ڈینی نے یہی بات ثابت کرنے کے لیے امریکن قونصل کے گھر پر اچانک دھاوا بولنے کی بات چھیڑی تھی اور تم بے ساختہ ان کے چکر میں آ گئے..."

"بس!" سلطان شاہ نے اسے خاموش کر دیا "میں کسی چڑیل یا بھتنی کا شوہر ہو سکتا ہوں مگر ویرا کا نہیں۔ تم نے اس بارے میں مزید کوئی بات کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

"وہ تو اب بھی کوئی نہیں ہے" میں اس کے احمقانہ فقروں پر بڑبڑا کر رہ گیا۔

وہ نوک جھوک اور چھیڑ چھاڑ چلتی ہی رہی۔ گفتگو میں وقفہ آتا تو غزالہ کوئی نہ کوئی ایسی بات کہہ دیتی تھی کہ سلطان شاہ دوبارہ بولنے لگتا تھا۔ میں نے ان دونوں کی اس تکرار سے لاتعلقی اختیار کر لی تھی۔ میرا ذہن ایک بار پھر ویرا کی ذات میں الجھ گیا تھا مگر میں کوئی بھی قابلِ قبول رائے قائم کرنے سے قاصر تھا۔

آخر کار ہم تینوں کسی خطرے سے دوچار ہوئے بغیر گھر پہنچ گئے۔ غزالہ فلیٹ کا دروازہ کھول رہی تھی تو اندر سے مسلسل فون کی گھنٹیاں بجنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ وہ اول خان ہو سکتا تھا۔ شاید وہ اسٹیشن فور پہنچ کر یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ ہم گھر پہنچ چکے تھے یا راستے میں ہی تھے۔

غزالہ نے تالا کھول کر اندر داخل ہونے میں بہت پھرتی دکھائی لیکن ہمارے اندر پہنچتے ہی فون کی گھنٹیوں کا سلسلہ موقوف ہو چکا تھا۔ غزالہ فون کی طرف لپکتے لپکتے راستے میں ٹھہر گئی۔

میں نے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اسٹیشن فور کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا لیکن ماؤتھ پیس میں ابھرنے والی آواز میرے لیے اجنبی تھی۔

"کیا اول خان صاحب اسٹیشن فور پہنچ چکے ہیں؟" سلسلہ ملتے ہی میں نے براہِ راست سوال کر ڈالا۔

"آپ کون بول رہے ہیں سر؟" میرے سوال کو ٹال کر متجسس لہجے میں پوچھا گیا۔

مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں نے اپنی کوئی شناخت بتائے بغیر وہ سوال کر کے غلطی کی تھی۔ میں نے کہا "میں ڈینی بول رہا ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے تک ہم لوگ اکٹھے ہی تھے۔"

"وہ ابھی یہاں نہیں پہنچے سر!" میرا نام سن لینے کے بعد وہ بولا "کوئی پیغام ہو تو نوٹ کرا دیں۔"

"وہ آئیں تو انہیں میرے فون کے بارے میں بتا دینا" یہ کہہ کر میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اگر وہ اول خان کا فون نہیں تھا تو اتنی رات گئے کون ہم سے فون پر بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا؟ اس سوال پر غور کرتے ہوئے میرا ذہن الجھ گیا۔ میں چاہتا تو اول خان سے اپرنٹس پر فوری رابطہ کر سکتا تھا لیکن وہ اس فون کے بارے میں کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اسی سوچ میں لمحہ بھر کے لیے میرا ذہن جہانگیر کی طرف مبذول ہوا۔ میں نے سوچا کہ کہیں وہ کسی ناگہانی مسئلے سے دوچار نہ ہو گیا ہو۔

میں نے اسے فون کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی رات کے سکوت میں کسی آسیب کی طرح چیخ اٹھی اور میں نے فوراً ہی ریسیور اٹھا لیا۔

"کون بول رہا ہے؟" ایک اجنبی اور بھاری آواز نے انگریزی میں سوال کیا اور میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سی سرایت کر گئیں۔ شاید وہ راس المیڈا کا کوئی ہمدرد ہی تھا۔

"تم اتنی رات گئے، اس نمبر پر کس کی تلاش میں ہو؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"ڈینی!" دوسری طرف سے کسی تردّد کے بغیر جواب دیا گیا "کوئی اس سے بات کرنے کا خواہاں ہے۔"

"کون بات کرے گا؟ نام جاننے کے بعد ہی تمہارے سوال کا جواب دیا جا سکتا ہے۔"

"مس ویرا لائیڈ!" سپاٹ آواز میں الفاظ کے صحیح مخرج کے ساتھ جواب آیا۔

"میں بول رہا ہوں۔ ریسیور اسے دے دو" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔

"اس سے بات کرنے سے پہلے یہ سن لو کہ یہ ایک سودے بازی ہے۔ حالات کی ستم ظریفی نے ہم دونوں فریقوں کو باندھ کر رکھ دیا ہے۔ میرا باس شاید تمہاری تحویل میں ہے اور ویرا میری قید میں ہے۔ ابھی تک میں نے اسے عزت اور احترام سے رکھا ہے اور میں اسی وقت راس المیڈا سے بات کرنا چاہوں گا۔ اس لمحے کے بعد تم نے اس پر کوئی زیادتی کی تو وہی سلوک ویرا کے ساتھ کیا جائے گا" وہ انکشاف سن کر میں سناٹے میں آ گیا۔

"تم کون...." میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ دوسری طرف سے بولنے والے غیر ملکی نے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر ریسیور ویرا کے حوالے کر دیا تھا اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولنے لگی تھی۔

"اس وقت میرا سر چکرا رہا ہے اور آنکھوں کے سامنے تاریک دائرے ناچ رہے ہیں" ویرا کی آواز سے کمزوری اور نقاہت عیاں ہو رہی تھی۔ اس وقت وہ خلافِ معمول انگریزی بول رہی

تھی جہیں تین مسلح نقاب پوشوں کے ہتھیاروں کی زد پر ہوں۔ ابھی تک میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی گئی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ میری قسمت کا انحصار اس فون کال کے نتائج پر ہوگا۔ تم ان کی شرائط مان لوگے تو میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ ان کی باتیں نہ مانی گئیں تو یہ کہتے ہیں کہ مجھے خود اپنی زندگی اور وجود سے گھن آنے لگے گی۔"

"یہ کون لوگ ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟" میں نے تشویش آمیز انداز میں پوچھا۔

"یہ میرے اور راس المیڈا کے تبادلے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ پتا نہیں ان کی یہ تجویز تمہارے لیے قابلِ قبول ہوگی یا نہیں... میں انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ یہ تمہارے لیے سنہرا موقع ہے۔ تم راس المیڈا کو مار دوگے اور یہ لوگ مجھے بے عزت کر کے مار دیں گے۔ تمہیں ایک ہی تیر سے دو شکار کھیلنے کا موقع مل رہا ہے۔ تم ان کی سودے بازی کو قبول نہیں کروگے کیونکہ شادی ہو جانے کے بعد تمہیں میری ذات میں ذرا بھی دلچسپی نہیں رہی ہے۔"

میں نے ویرا کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ کو پورے تحمل اور غور سے سنا۔ وہ دشمن کی کچھار سے بول رہی تھی اور پوری طرح ہوش و حواس میں تھی۔ میں برسوں سے اس کا مزاج شناسا تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ دشمنوں میں گھری ہوئی ہونے کی وجہ سے ایک ایک لفظ ناپ تول کر بول رہی تھی اور اپنے فقروں سے مجھے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

شاید اس نے اپنے دشمنوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ غزالہ سے شادی کر لینے کے بعد میں اسے یکسر مسترد کر چکا تھا اور اسے پہلے جیسی اہمیت حاصل نہیں رہی تھی۔ میں نے پوچھا "یہ لوگ راس المیڈا سے تمہارے تبادلے کی بات کس طرح کر رہے ہیں؟ انہیں کیا معلوم کہ وہ زندہ ہے یا مارا جا چکا ہے۔"

"یہ ایک مفروضہ ہے۔ اگر وہ مارا جا چکا ہے تو قصہ ختم سمجھو۔ اپنے اسی اطمینان کے لیے یہ لوگ فوراً راس المیڈا سے بات کرنے کے خواہاں ہیں۔"

"میں حیران ہوں کہ تم بالکل خاموشی سے ان لوگوں کے قبضے میں کیسے چلی گئیں۔"

"مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔ میں اپنی جگہ پوری طرح مستعد تھی لیکن اس نے عین میرے سر کے اوپر سے دیوار پھاندنے کا فیصلہ کیا۔ کنپٹیوں پر اس کے ہاتھ پڑنے تک مجھے اس کی آمد کا احساس نہیں ہو سکا۔ جو ہونا تھا' وہ ہو چکا۔ اب اس پر سر کھپانا بے سود ہے۔ اگر تم میری زندگی کے خواہاں ہو تو اب راس المیڈا کو ہاتھ بھی نہ لگانا۔ یہ لوگ ہاتھ کے بدلے ہاتھ اور سر کے بدلے سر اتارنے کے قائل ہیں۔ میں نے اپنا پیغام دے دیا ہے۔ اب باقی باتیں جان کرے گا۔ وہی ان تین نقاب پوشوں کا سرغنہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے مجھے غلیظ دھمکیاں دے کر تم سے فون پر بات کرنے پر مجبور کیا ہے۔"

"اب بتاؤ کہ تم کیا کہتے ہو؟" لمحہ بھر کے توقف کے بعد ریسیور پر پہلے والی غیر ملکی آواز سنائی دی۔

"ویرا میرے لیے اتنی اہم نہیں ہے کہ میں اضطراری حالت میں کوئی فیصلہ کر گزروں" میں نے بے پروایانہ انداز اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے بتایا "مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔"

"تمہیں چوبیس گھنٹے دیے جا سکتے ہیں۔ اس مدت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔"

"وقت کی یہ پابندی غیر ضروری ہے" میں نے ہلکا سا احتجاج کیا۔

"ہم دونوں کے پاس ایک دوسرے کا ایک ایک قیدی یرغمال میں ہے پھر اس عجلت کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں اپنی ترجیحات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تمہارے لیے ویرا غیر اہم ہے مگر ہمارے لیے راس المیڈا بہت زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ تمہیں اس سے باز پرس کرنے کے لیے مہلت نہیں دی جا سکتی۔ ہمارے ساتھ تمہارا مخاصمانہ رویہ برقرار رہا تو ویرا کی ہلاکت کے ساتھ شہر میں ایک قیامت برپا ہو سکتی ہے۔ ہم اپنے طریقوں سے تمہیں جھکنے پر مجبور کر دیں گے۔ تم زیادہ دیر تک راس المیڈا کو اپنی تحویل میں نہیں رکھ سکو گے۔"

"یہ کھلی بلیک میلنگ ہے۔ میری معلومات کے مطابق تم سب امریکا کے شہری ہو۔ سرکاری سطح پر ہم تمہارے حلیف ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم لوگوں کو وسائل فراہم کرنے والے سفارت کار تمہیں یہاں موت اور زندگی کا ایسا بھیانک کھیل کھیلنے کی اجازت نہیں دیں گے جس سے دونوں ملکوں میں کشیدگی پیدا ہو۔"

اس نے فون پر ہلکا سا استہزائیہ قہقہہ لگایا اور کہا "مفادات کی جنگ سفاکی سے لڑی جاتی ہے۔ مصلحت آڑے آ جائے تو اپنے پیاروں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارنا پڑ جاتا ہے۔ تمہارے لوگ کس گنتی میں ہیں۔ تم انکار کرو اور پھر دیکھو کہ شہر کے تفریحات اور خریداری کے پُرہجوم مراکز میں اس شہر کے باسی چیونٹیوں کی طرح مسل کر رکھ دیے جائیں گے اور تم ان کی لاشیں اٹھاتے اٹھاتے تھک جاؤ گے۔ یہ اور بات ہے کہ ہلاک اور زخمی ہونے والوں کے لیے بھاری مالی امداد کی پہلی کھیپ ہمارے ملک سے ہی آئے گی اور سارے ماتم گسار ہماری عظمت کے ترانے گائیں گے۔ اندر کے کھیل سامنے کی باتوں سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

"میں نے ابھی تک مصالحت کے امکانات کو مسترد نہیں کیا' میں صرف وقت کی بات کر رہا تھا۔ میں اپنی لڑائی میں تنہا نہیں ہوں۔ تم سب جانتے ہو کہ بعض اہم مگر گمنام قوتیں میری پشت پناہی کرتی ہیں۔ راس المیڈا ان ہی کی تحویل میں ہے۔ ان کی

رضامندی کے بغیر' میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کرسکتا۔"

"راس المیڈا کہاں ہے' اس سے میری بات کراؤ" اس نے مطالبہ کیا۔

"یہ میری رہائش گاہ کا فون نمبر ہے۔ راس المیڈا جیسے وحشی قیدی کو کسی چھوٹے سے رہائشی فلیٹ میں نہیں رکھا جاسکتا۔ تم اپنا فون نمبر دے دو۔ میں پہلی فرصت میں اس سے تمہاری بات کرادوں گا۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ نمبر کی مدد سے تم میرے ٹھکانے کا سراغ لگاؤ گے اور پھر ایک خون آشام لشکر کے ساتھ یہاں دھاوا بول دو گے۔ میں تمہیں کوئی سراغ نہیں دے سکتا۔ راس المیڈا جہاں بھی ہے' اسے اپنے گھر لاؤ۔ میں تمہیں دو گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں۔ میری اگلی کال پر راس المیڈا موجود نہ ہوا تو میں ویرا کے داہنے گھٹنے پر گولی مار کر اسے زندگی بھر کے لئے ایک ٹانگ سے معذور کردوں گا۔"

"میری طرف سے تم ویرا کو ایک ٹانگ سے معذور کردو یا دونوں ٹانگوں سے' میں صرف کوشش کرسکتا ہوں۔ راس المیڈا کا آنا یا نہ آنا میرے اختیار سے باہر ہے۔ تم کو اندازہ ہوچکا ہوگا کہ اس بار تمہارے گرد بہت مضبوط جال بُنا گیا ہے۔ اگر تم راہِ فرار اختیار کرنے کے بجائے مقابلے پر ڈٹے رہتے تو تمہارا حشر بھی راس المیڈا سے مختلف نہ ہوتا۔"

"موت اور باہر برستی ہوئی گولیوں سے خوف زدہ ہوکر وہ کنکریٹ کی دیواروں میں ہی رکا رہا۔ وہ ذرا سا خطرہ مول لے لیتا تو ہمیں ویرا کو زندہ رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ بھی اب تک اپنے حرام کے باپ تک پہنچ چکی ہوتی۔"

"یہ تصادم تو خیر چلتا ہی رہے گا لیکن تم حیرت ناک آدمی ہو" میں نے اچانک ہی موضوع بدلتے ہوئے کہا "رات کے ایک بجے کسی بے ہوش لڑکی کو کندھے پر لاد کر مشتبہ انداز میں فرار ہونا آسان کام نہیں تھا۔ راس المیڈا بتا رہا تھا کہ تم تجوریوں سے لے کر گاڑیوں تک کے تالے توڑنے میں ماہر ہو۔"

"وہ شہنشاہ ہے۔ جو چاہے کہہ سکتا ہے۔ ایسے بدترین لمحات میں بھی آدمی باہر چھوڑی ہوئی گاڑیوں سے فائدہ نہ اٹھاسکے تو اس پر لعنت ہے۔ ویسے ویرا بہت سبک اور گداز بدن کی مالک ہے۔ اسے کندھے پر لاد کر آدمی خوشی خوشی دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاسکتا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک دن جمی لائیڈ کی اکلوتی بیٹی اس طرح میرے قبضے میں ہوگی۔ اس کے بدن کا لمس محسوس کرکے ان گمبھیر لمحات میں بھی میرا دورانِ خون بہت تیز ہوگیا تھا۔ وہ مس یونیورس نہیں تو مس امریکا ضرور منتخب ہوسکتی ہے۔"

"اسے لنگڑا کرنے کے بعد تم اسے جو چاہو' منتخب کراسکتے ہو" میں نے اشتعال میں آئے بغیر کہا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ ایسی باتیں کرکے مجھے غصہ دلانے کی کوشش کررہا تھا۔ اس طرح اسے اندازہ ہوسکتا تھا کہ میرے اور ویرا کے مراسم میں ان دنوں کتنی گہرائی پائی جاتی ہے۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم راس المیڈا سے میری بات نہیں کراؤ گے؟" وہ غرایا۔

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟ میں تم سے کوشش کرنے کا وعدہ کرچکا ہوں۔"

"پھر تم نے ویرا کو لنگڑا کرنے کی بات اتنے وثوق سے کیوں کی تھی؟"

"وہ تمہاری اشتعال انگیزی کا جواب تھا۔ میرے لئے ویرا اب صرف ایک نام ہے۔"

"ٹھیک ہے' میں دو گھنٹے بعد دوبارہ فون کروں گا۔ اس وقت صبح کے تین بجنے والے ہیں۔ پانچ بجے راس المیڈا سے میری بات نہ ہوئی تو آئندہ ویرا تمہاری لنگڑی محبوبہ کہلائے گی۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہی اس نے فون بند کردیا۔ میں نے بھی آہستگی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

جان اور ویرا سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ ان دونوں کے لئے حیران کن ثابت ہوا۔

"یہ بہت برا ہوا کہ ویرا نے اسے یہاں کا فون نمبر دے دیا" سلطان شاہ مضطربانہ لہجے میں بولا "اب ہمیں بہت چوکنا رہنا ہوگا۔ فون نمبر کے سہارے وہ اس فلیٹ کا سراغ لگا کے ہمیں نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔"

میں چونک پڑا۔ اس کا اندیشہ بالکل درست تھا۔ میں نے اس طرف سرے سے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

"ایسے کاموں کے لئے دو گھنٹے کا وقت بہت کافی ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دو گھنٹے بعد وہ فون کرنے کے بجائے پوری تیاری کے ساتھ یہاں حملہ کردیں" غزالہ نے قیاس آرائی کی "راس المیڈا یہاں موجود ہوا تو وہ اسے نکال لے جانے کی کوشش کریں گے۔ وہ نہ ملا تو ہم سے آج رات کا بدلہ لینے میں کامیاب ہوجائیں گے۔"

"صورتِ حال سنگین ہوگئی ہے۔ اول خان سے فوراً بات کرنی پڑے گی" میں نے کہا۔

"سب کچھ پروگرام کے مطابق ہورہا تھا" سلطان شاہ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا "تین بجے ان کی بے خبری میں چھاپا مارا جاتا تو راس المیڈا پکے ہوئے پھل کی طرح ہاتھ آجاتا اور ہم میں سے کسی کا بال بھی بیکا نہ ہوتا۔ تمہیں سگریٹ پینے کی خواہش ہوئی تو تم پچھلے باتھ روم میں گئے لیکن ویرا کی عقل پر نہ جانے کیا پردہ پڑگیا تھا کہ وہ وہیں بیٹھے بیٹھے لائٹر جلا بیٹھی۔ اسے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس بھی ہوگیا تھا۔ اس نے ہم میں سے کسی کے ردِعمل سے پہلے ہی لائٹر بجھا دیا تھا مگر لمحہ بھر کی وہ غلطی ہم سب کو بہت مہنگی پڑی۔ پتا نہیں وہ ویرا کے ساتھ کیا سلوک کررہے ہوں

گے۔"
"تم نے پھر اس کے لئے فکرمندی کا مظاہرہ کیا؟" غزالہ نے اسے گھورتے ہوئے ٹوکا "تم مان کیوں نہیں لیتے کہ تمہیں اس سے نفرت نہیں ہے۔ وہ تمہارا بہت خیال رکھتی ہے۔"
سلطان شاہ اسے جواب دینے کے بجائے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔
اس بار میں نے فون کے بجائے ٹرانسمیٹر پر اول خان سے بات کرنے کا ارادہ کرکے اپریٹس آن کردیا۔
"راس المیڈا کو یہاں لاک اپ میں ڈال دیا گیا ہے۔ میں بس واپسی کے لئے نکل ہی رہا ہوں" اول خان نے میرا ابتدائی پیغام سنتے ہی کہا "تم لوگوں نے ویرا کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"
"بات سوچنے سمجھنے سے آگے جاچکی ہے۔ ویرا کے بدلے راس المیڈا کی رہائی کا مطالبہ سامنے آچکا ہے۔"
"نہیں!" اول خان کی آواز سے حیرت اور بے اعتباری مترشح تھی "یہ کیسے ہوسکتا ہے؟"
"جان یہی چاہتا ہے" میں نے اسے بتایا اور پھر تمام باتیں دہراتا چلا گیا۔
"اس کا مطلب ہے کہ ہماری ساری محنت برباد ہوجائے گی" اول خان کی آواز میں مایوسی ہی مایوسی تھی "راس المیڈا کو پکڑ لینے کے بعد دوبارہ آزاد کرنا پڑے گا۔"
"ہماری بازی اتنی آسانی سے نہیں بگاڑی جاسکے گی۔ فی الحال ہمیں صرف وقت درکار ہے۔"
"یعنی تم راس المیڈا کو اپنے فلیٹ پر بلانے کا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کرچکے ہو؟"
"اس وقت میرا ذہن کچھ الجھا ہوا ہے لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ کوئی نہ کوئی راہ نکالی جاسکتی ہے۔"
"وقت ملنے کی ایک ہی صورت ہے کہ پانچ بجے جان اور راس کی بات کرادی جائے۔ اس طرح ویرا بھی زخمی ہونے سے بچ جائے گی۔ خطرہ یہی ہے کہ پانچ بجے وہ لوگ فلیٹ پر حملہ نہ کردیں۔"
"بولتے رہو" اسے خاموش ہونے پر میں نے مضطربانہ لہجے میں ٹوکا "تم بول رہے ہو تو میرے ذہن میں ایک نقشہ ابھر رہا ہے۔ تمہارے ذہن میں جو کچھ بھی آرہا ہے، اسے تسلسل سے بیان کرتے چلے جاؤ۔"
"فرض کرو کہ پانچ بجے راس المیڈا کی بات کرادی جاتی ہے اور وہ فلیٹ پر حملہ آور بھی نہیں ہوتے تو ہمارے پاس صرف بائیس گھنٹے رہ جائیں گے۔ تم بتا ہی چکے ہو کہ جان چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر قیدیوں کا دو طرفہ تبادلہ کرنا چاہ رہا ہے اور یہ بات اب سے کچھ دیر پہلے کی ہے۔"
"قیدیوں کے تبادلے کا پروگرام بعد میں طے ہوگا" میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا "وہ چوبیس گھنٹے کے اندر یہ جاننا چاہتا ہے کہ میں تبادلے پر آمادہ ہوں یا ویرا سے ہاتھ دھونے کے لئے تیار ہوں۔"
"اس طرح ہمیں وقت مل سکتا ہے" اس نے اعتراف کیا۔ "لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم کس بنا پر پُرامید ہو۔ ہمارے ساتھ اسے بھی وقت ملے گا اور وہ اس وقت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا۔"
"ٹھہرو! میرا خیال ہے کہ بات کچھ بن رہی ہے۔ اگر تمہارے پاس نفری کا مسئلہ نہ ہو تو ہم موجودہ صورتِ حال سے نمٹ سکتے ہیں۔ تمہارے آدمیوں کو دو ٹھکانوں کی نگرانی کرنی پڑے گی۔"
"اس کی فکر مت کرو۔ نادرہ کے گھر پر میرے صرف دو آدمی ساگا کی نگرانی پر مامور ہیں۔ باقی آدمی فارغ ہیں۔"
"ساگا کے بارے میں فیصلہ ہوچکا ہے کہ اسے مرنا ہے" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اسے مکان کے تہ خانے سے ہٹادو۔ نادرہ کا مکان بہت بڑا ہے۔ اسے ہاتھ، پیر اور دہانہ باندھ کر اوپر کے کسی بھی کمرے میں ڈالا جاسکتا ہے یا پھر اس کا قصہ ہی ختم کردیا جائے۔ میدان صاف ہونے کے بعد راس المیڈا کو اس تہ خانے میں پہنچا کر اپنے چند آدمی وہاں تعینات کردو۔ ہمارے گھر کی حفاظت کے لئے بھی کچھ بندوبست ہونا چاہئے تاکہ ادھر کا رخ کرنے کی صورت میں ان کی سرکوبی کی جاسکے۔ پانچ بجے جان کا فون آئے گا تو میں اسے بتادوں گا کہ حفاظتی وجوہ کی بنا پر راس المیڈا کو یہاں لانا ناممکن ہے۔ وہ چاہے تو دوسرے فون نمبر پر راس المیڈا سے رابطہ کرسکتا ہے۔ اسے نادرہ کے گھر کا نمبر دے دیا جائے۔ وہ راس المیڈا سے بات کرلے گا تو ویرا کے معذور ہونے کا خطرہ ٹل جائے گا۔ جان اس سے صرف یہ جاننا چاہے گا کہ پکڑے جانے کے بعد اس پر تشدد ہورہا ہے یا نہیں۔ اس کے بعد راس المیڈا کو دوبارہ اسٹیشن فور پر منتقل کردیا جائے گا۔"
"اس طرح ہم شہر کے وسط میں اپنے ایک خفیہ ٹھکانے سے محروم ہوجائیں گے اور انہیں ہمارے دو ٹھکانوں کا علم ہوجائے گا۔ میری دانست میں یہ برا ہوا کہ ویرا نے انہیں تمہارا نمبر دے دیا۔"
"یہ ایک جوا ہے جو کھیلنا پڑے گا۔ میری پہلی ترجیح یہ ہے کہ ہم راس المیڈا کو رہا کئے بغیر ویرا کو آزاد کرالیں۔ اس مقصد کے لئے میں یہ قربانی دینے پر آمادہ ہوں۔"
"ابھی تم نے جو کچھ بتایا، اس کا مطلب چوبیس گھنٹے کی مہلت ہے۔ اس کے بعد کیا سوچا ہے تم نے؟"
"ہم تبادلے پر رضامندی ظاہر کردیں گے اور تبادلے کے موقع پر کوئی مؤثر حکمتِ عملی تیار کریں گے۔"
"مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ نادرہ کے گھر کی کیا خیر خبر ہے۔ میں اپنے آدمیوں سے معلومات حاصل کرکے چند منٹ بعد دوبارہ تم سے بات کرتا ہوں۔"

"یہ طریقہ زیادہ محفوظ اور بہتر ہے" میری گفتگو کا سلسلہ منقطع ہونے پر سلطان شاہ نے کہا "جان کی پوری توجہ نادرہ کے مکان کی طرف مبذول ہو جائے گی۔ وہ لوگ بیک وقت دو دو محاذوں پر نہیں لڑیں گے۔"

"جان نے رابطے میں پہل کر کے میرا ذہن ماؤف کر دیا تھا" میں نے اسے بتایا "میں اس کی باتیں سن کر سناٹے میں آ گیا تھا۔ اب میں مدافعانہ رویہ ترک کر کے اس سے مطالبہ کروں گا کہ کسی فیصلے پر پہنچنے تک ویرا ہر دو گھنٹے بعد فون کر کے مجھے اپنی خیریت کی اطلاع دیتی رہے ورنہ راس المیڈا پر تشدد شروع کر دیا جائے گا۔"

"اس مطالبے سے آپ کا مؤقف کمزور پڑ جائے گا" غزالہ نے مجھے یاد دلایا "آپ اس سے کہہ چکے ہیں کہ ویرا آپ کے لئے غیر اہم ہے۔ یہ مہروں کے ساتھ ساتھ اعصاب کی بھی لڑائی ہے۔ اسے ویرا کے بارے میں ہماری حقیقی پریشانی کا اندازہ ہو گیا تو وہ بھی اپنی شرائط پیش کر دے گا۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "مگر ایسا کرنا پڑے گا۔ میرے منصوبے میں ویرا کی فون کالز کی آمد کلیدی اہمیت رکھتی ہے۔"

"ابھی تک تمہارے منصوبے کے سر پیر ہی کا پتا نہیں چل سکا۔ ہر بات گول مول ہے" سلطان شاہ بولا۔

میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی اسپیکر پر اول خان کی قدرے پریشان آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا "نادرہ کے مکان کا خفیہ نام ڈیری رکھا گیا ہے۔ وہاں کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ پچھلی شام سے وہاں والوں نے کوئی رپورٹ نہیں دی ہے۔ ابھی فون پر رابطے کی کوشش کی گئی تو فون انگیج مل رہا ہے۔ راس المیڈا کو وہاں لے جانے سے پہلے ہمیں وہاں کا جائزہ لینا ہوگا۔"

میں نے اضطراری انداز میں اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان ہی کوششوں میں پانچ بج جائیں اور ویرا عمر بھر کے لئے معذور ہو جائے۔"

اول خان شاید سوچ میں پڑ گیا تھا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس کی آواز ابھری "ڈیری کے سروے کے لئے ایک آدمی بھیجا جا چکا ہے مگر ہم کوئی خطرہ مول نہیں لیں گے۔ تم جان کو میرے دفتر کا فون نمبر دے دینا۔ اس کی ایک لائن ابھی راس المیڈا کے لاک اپ تک پہنچا دی جائے گی۔"

"اسٹیشن فور ہمارے لئے ویرا سے بھی زیادہ اہم ہے" میں نے حیرت سے کہا "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"ٹیلی فون کے محکمے میں اس فون نمبر کے حوالے سے کوئی پتا درج نہیں ہے۔ وہ مر کر بھی نمبروں کے سہارے اسٹیشن فور کا کھوج نہیں لگا سکیں گے۔ اگر اپنی بدقسمتی سے وہ اس ویرانے میں آ بھی گئے تو یہاں سے زندہ نہیں لوٹ سکیں گے۔ تم اسٹیشن فور کے گرد بچھے ہوئے نگرانی کے جال کا خود مشاہدہ کر چکے ہو۔ شاید میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہاں ٹیلوں میں فوج والوں کی دو اینٹی ائر کرافٹ گنیں تک چھپی ہوئی ہیں جن پر ریٹائرڈ گنرز مامور ہیں۔"

"اگر وہ نمبروں سے پتا نہیں معلوم کر سکتے تو یہ سب سے بہتر تجویز ہے" میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا "اسی کے ساتھ ہمارے فون پر آبزرویشن بھی لگوا دو تاکہ ہمیں جان کے فون نمبر اور ٹھکانے کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔"

"ڈیری کی صورت حال نے مجھے الجھا دیا ہے۔ آبزرویشن لگوانے میں وقت صرف ہوگا۔ اس وقت کوئی بھی افسر اپنا بستر چھوڑ کر یہ کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا جب کہ جان تمہیں پانچ بجے فون کرے گا۔"

"تم پانچ بجے کی فکر نہ کرو۔ میں اس سے مطالبہ کروں گا کہ ویرا ہر دو گھنٹے بعد مجھے فون پر اپنی خیریت بتاتی رہے ورنہ میں راس المیڈا پر تشدد شروع کرا دوں گا۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی کال آبزرویشن کی گرفت میں آ جائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم مسلسل سوچ رہے ہو" اول خان کے لہجے سے ستائش کا اظہار ہو رہا تھا "یہ ترکیب کارگر رہے گی۔ اگر پانچ بجے کی پابندی نہیں ہے تو پھر صبح آبزرویشن کا بندوبست ہو جائے گا۔"

"میں گھر پر ہی ہوں۔ ڈیری کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوں ان سے مجھے بھی باخبر کرتے رہنا۔"

"تم بے فکر رہو۔ میں خود بھی اکثر تمہارے مشوروں کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ اگر وہاں سب کچھ ٹھیک ہوا تو میں سارا کا قصہ ہی ختم کرا دوں گا۔ اس کی وجہ سے میرے دو آدمی وہاں پھنسے ہوئے ہیں۔"

"میں پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ کر تمہیں آگاہ کر چکا تھا۔ بازی پھیلانے کے بجائے سمیٹتے ہوئے چلو۔"

"دیکھا جائے تو اب کھیل سمٹ ہی رہا ہے۔ خدا حافظ" اس کی آواز معدوم ہو گئی۔

"آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ آبزرویشن کے ذریعے ان کے ٹھکانے کا پتا معلوم کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھے ہیں" غزالہ نے شکوہ کیا "یہ تو سب سے سہل راستہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یرغمالیوں! قیدیوں کے تبادلے کی نوبت آنے سے پہلے ہی ہم ویرا کو ان کی قید سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

"یہ تازہ ترین خیال تھا" میں نے بے کیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میرے بتانے سے پہلے ہی اول خان کی کال آ گئی۔ جب ناگہانی مصائب نازل ہونے لگتے ہیں تو بعض اوقات ذہن واقعات کی رفتار کا ساتھ نہیں دیتا۔ ویرا کے اغوا کے بعد اب میں خود کو اس قابل کر سکا ہوں کہ حالات کا تجزیہ کر کے درست نتیجے کر سکوں۔"

"یہ بات تو اول خان بھی کئی بار کہہ چکا ہے کہ بد ترین دباؤ میں بھی تم تیز اور درست فیصلے کرتے ہو" سلطان شاہ نے انکشاف کیا۔

"ویرا بھی تمہارے جیسے اعصاب کی مالک ہوتی تو کمرے میں لائٹر روشن کرنے کی غلطی نہ کرتی، تمہاری طرح اندرونی باتھ روم میں جاکر اپنی سگریٹ کی طلب پوری کر لیتی۔"

"بار بار ویرا کی اس لغزش کا ذکر مت کرو" میں نے اسے تادیب کی "وہ ہونے والی بات تھی جو ہوگئی۔ ویرا کے سامنے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ اس کے لئے اس کے دل کا بوجھ ہی کافی ہے۔"

"کس قدر پُرامیدی جھلک رہی ہے آپ کے الفاظ میں" غزالہ کا چہرہ دمک اٹھا "جیسے ویرا لوٹ ہی آئے گی۔ آدمی کو اپنی نیت اور ارادے پر اتنا پختہ یقین ہو تو وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ ویرا جلد ہی ہمارے ساتھ ہوگی۔"

کھلی ہوئی کھڑکیوں سے آنے والے نسیم سحری کے خنک اور شبنم میں بھیگے ہوئے جھونکے اس وقت ایسی میٹھی تھپکیاں دے رہے تھے کہ ہم میں سے کوئی بھی بند خواب گاہوں میں جانے کے لئے آمادہ نہیں تھا۔ وقت گزاری کے لئے قرعۂ فال غزالہ کے نام نکلا اور وہ چند منٹ میں بھاپ اڑاتی ہوئی خوشبودار چائے کے تین کپ تیار کرکے لے آئی۔

گزری ہوئی رات کی تھکن، ہوا کے خوشگوار جھونکوں سے مل کر ہم تینوں پر اپنا اثر دکھا رہی تھی لیکن گرم چائے کے پہلے ہی گھونٹ نے میرے ذہن کو ترو تازہ کر دیا۔

غزالہ کسی کام سے اٹھ کر ڈرائنگ روم سے باہر گئی تو سلطان شاہ دھیمی آواز میں بولا "میں کچھ عرصے سے تم میں بڑی نمایاں تبدیلیاں دیکھ رہا ہوں لیکن سبب جاننے سے قاصر ہوں۔"

"کن تبدیلیوں کی بات کر رہے ہو؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"اب یہی دیکھ لو کہ پہلے تم اعصابی دباؤ کی حالت میں اسکاچ کا سہارا لیتے تھے اور دن میں بھی بلا نوشی کا مظاہرہ کرتے رہتے تھے لیکن اس وقت تم چائے کی پیالی سے خود کو سکون پہنچا رہے ہو۔"

"بری عادتیں بری ہی ہوتی ہیں اور زندگی بھر ساتھ نہیں چھوڑتیں۔ ایک وقت ایسا آتا ہے جب انسان خود انہیں برا سمجھنے لگتا ہے۔ اگر میں شراب پیئے بغیر نارمل زندگی گزار سکتا ہوں تو مجھے اس کا سہارا لینے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ویرا یا جہانگیر کے ساتھ بیٹھتے ہو تو تم پھر اپنے پرانے رنگ میں آجاتے ہو؟"

"کبھی کبھی کی ذرا سی بے اعتدالی چل جاتی ہے۔ ویسے سچ پوچھو تو میری اس تبدیلی میں غزالہ کا ہاتھ ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا" میرے اعتراف پر وہ خوش ہوگیا۔ "اس نے ٹوک ٹوک کر تمہیں شراب سے دور رہنے پر مجبور کیا ہوگا۔ پتا نہیں وہ الکحل کی تیز بُو کیسے برداشت کرتی تھی۔"

"تم احمق ہو" میں نے مسکرا کے کہا "اس نے آج تک ایک بار بھی مجھے ٹوکا اور نہ الکحل کی بُو پر منہ بنایا۔ قصہ یہ ہے کہ وہ اس قدر خوش اخلاق اور نرم خو ہے کہ مجھے اس سے باتیں کرکے ہی انوکھا سرور ملتا ہے۔ وہ سلمیٰ کی طرح شکی مزاج اور چڑچڑی طبیعت کی مالک ہوتی تو شاید میری شراب نوشی گھٹنے کے بجائے اور بڑھ جاتی۔ اس نے اپنے بے مثال رویے سے میرے مزاج میں یہ تبدیلی پیدا کی ہے۔"

"جہانگیر تمہارے ان نظریات سے واقف ہو جائے تو آج ہی دوسری شادی رچانے پر تل جائے گا۔"

"ازدواجی زندگی میں وہ ناکام ثابت ہو چکا ہے" میں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا "اسے دوسری بیوی اچھی مل گئی تو سلمیٰ کی خامیاں اسے اور زیادہ کھلنے لگیں گی۔ ایک شوہر بیک وقت خوش مزاج اور تند خو بیویوں کے ساتھ گزارہ نہیں کر سکتا، اسی وجہ سے دوسری شادی کرنے والے بیشتر مرد اپنی پہلی بیوی سے بے اعتنائی برتنے لگتے ہیں۔ ان کی اس بے رخی کے اسباب قطعی فطری ہوتے ہیں لیکن بد زبان اور تنک مزاج عورتیں اسے مرد کی تبدیلی قرار دے کر اپنی زندگی کو جہنم بنا لیتی ہیں اور پھر اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگتی ہیں۔"

"حیرت ہے کہ شادی کے مختصر سے عرصے میں تم نے اتنا کچھ جان لیا۔ جہانگیر کو تو یہ بھی اندازہ نہیں ہو سکا ہوگا کہ وہ دن رات نشے میں کیوں غرق رہتا ہے۔"

"اس کا ذکر اتنی حقارت سے نہ کرو۔ اس کی بربادی کی ذمے داری میرے سر پر بھی آتی ہے۔"

"ظاہر ہے، تم نے کبھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے ساتھ شریک ہو کر ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے رہے ہو۔ غنیمت ہے کہ تمہیں اپنی اس غلطی کا احساس ہے۔"

"آج تم ہر بات کا الٹا مقصد اخذ کر رہے ہو۔ جب اس کا کاروبار چل رہا تھا اور وہ باقاعدگی سے اپنی گارمنٹس فیکٹری جاتا تھا تو گھر سے دوری کے اوقات میں زیادہ مے نوشی نہیں کرتا تھا۔ دن میں ہمیشہ چاق و چوبند رہتا تھا۔ اس کا کاروبار میرا ساتھ دینے کی وجہ سے تباہ ہوا ہے۔ بے کاری میں وہ دن رات گھر میں پڑا رہتا ہے۔ سلمیٰ سے ویسے ہی ذہنی ہم آہنگی نہیں ہے۔ اب وہ شراب نہ پیئے تو کیا کرے؟ کاروبار یا ملازمت انسان کے کمانے کے ہی ذرائع نہیں ہوتے، باہر کی ان مصروفیات سے آدمی کی زندگی میں توازن اور قرینہ پیدا ہوتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو" وہ تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "مختلف مزاج والے دو آدمی ہر وقت ایک دوسرے کے سر پر سوار رہیں تو انہیں ایک دوسرے کی اچھی عادتیں بھی خراب معلوم ہو سکتی ہیں۔"

سوا چار بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو ہم تینوں ہی چونک پڑے۔ راس الیمیڈا کا ساتھی اپنے وقت سے پہلے فون نہیں کر سکتا تھا۔ ریسیور اٹھاتے ہی میرے کانوں میں اول خان کی مغموم آواز آئی "آج میں بہت غمگین ہوں ڈیبی اور اسی وقت ڈیری جا رہا ہوں۔ وہاں تہ خانے میں ایک آدمی مردہ اور دوسرا زخمی حالت میں بند تھا۔ ساگا غائب ہے۔ کچھ پتا نہیں کہ اس مکان میں کیا ہوا ہے۔ زخمی کو طبی امداد دینے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا کہ وہاں کیا سانحہ پیش آیا ہے۔ میرے آدمی نے ابھی ابھی فون پر وہاں کی ابتدائی رپورٹ دی ہے۔"

"تو کیا نادرہ کے مکان کا فون کام کر رہا ہے؟" سوال کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں نے اس کے آدمیوں سے ہمدردی کا اظہار نہ کر کے سنگین غلطی کی تھی۔

"ہاں۔ فون کے تار کٹے ہوئے تھے۔ باہر سے انہیں جوڑ کر لائن بحال کر لی گئی ہے۔"

"فورس کے ایک آدمی کی شہادت ایک بڑا نقصان ہے" میں نے اپنی غلطی کا ازالہ کرتے ہوئے کہا..... "اللہ اسے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا کرے۔ میں تمہارے کرب کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔ سخت محنت اور تربیت سے برسوں میں تیار ہونے والا کوئی ساتھی پل بھر میں ساتھ چھوڑ جائے تو دل پر چوٹ لگتی ہے۔ ویسے دوسرے آدمی کی حالت خطرے سے تو باہر ہے نا؟"

"طبی معائنے سے پہلے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہاں کون پہنچ سکتا تھا۔ ساگا تو بستر پر ہلنے جلنے سے بھی معذور تھا۔ اس کے ہمدردوں کو ڈیری کا سراغ کیسے ملا؟" اس کی آواز سے کرب جھلک رہا تھا۔

"وہ جو بھی رہا ہو' بچ نہیں سکے گا۔ ذرا پانچ بجے والی فون کال کا بوجھ ذہن سے اتر جائے تو پھر سوچا جائے گا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس کام میں راس الیمیڈا یا اس کے آدمی ملوث نہیں ہو سکتے۔ ان کا ذرا بھی ہاتھ ہوتا تو راس الیمیڈا یا جان میں سے کوئی ایک ساگا کا حوالہ ضرور دیتا۔"

"وہ اپنی دانست میں میرے دونوں آدمیوں کو ہلاک کر کے گئے ہیں۔ دوسرا آدمی زخمی ہونے کے بعد بے ہوش نہ ہو گیا ہوتا تو وہ بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ ساگا ان دنوں راس الیمیڈا کے لئے کام کر رہا تھا۔ اسی نے ویرا کو راس الیمیڈا کی کمین گاہ کا پتا دیا تھا۔ اگر وہ اس معاملے سے باہر ہے تو پھر ان واقعات کی پشت پر کون ہو سکتا ہے؟ اس قسم کی واردات کوئی مضبوط گروہ ہی کر سکتا ہے۔"

"تمہارا آدمی بیان دینے کے قابل ہو جائے تو بہت کچھ معلوم ہو جائے گا" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "اگر تم اس کی دیکھ بھال کے لئے جا رہے ہو تو پانچ بجے تک تمہاری واپسی ناممکن ہے۔ تمہاری غیر حاضری میں جان اور راس الیمیڈا کی گفتگو کی ذمے داری کس پر ہو گی۔"

"راس الیمیڈا کسی لومڑی کی طرح مکار ہے۔ یہ کام میں کسی اور پر نہیں چھوڑ سکتا" اس کی پُر تشویش آواز آئی۔ "میں پورے پس منظر سے آگاہ ہوں۔ میں خود ہی اس کی باتیں سمجھ سکتا ہوں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے" میں نے نرمی سے کہا "تم مسائل میں گھر گئے ہو۔"

"تمہارا گھر پر رہنا ضروری ہے۔ جان سے کوئی بھی بات نہیں کر سکے گا" اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

میں خاموشی سے اس کی کسی تجویز کا منتظر رہا۔ کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری "میں ڈیری کی طرف ایک پارٹی روانہ کر کے خود یہاں رکتا ہوں۔ راس الیمیڈا اور ویرا کا معاملہ بھی بہت اہم ہے۔"

"پانچ بجے جان مجھے فون کرے گا۔ مجھ سے نمبر لینے کے بعد وہ تم سے رابطہ کرے گا۔ پتا نہیں وہ کتنی دیر تک بات کرتا رہے۔ اس کی کال ختم ہونے کے بعد تم خود ہی مجھے فون کر لینا۔"

"یہ مناسب رہے گا۔ تم سے بات کرتے ہی میں شہر کی طرف چل دوں گا۔"

"روانگی سے پہلے میرے فون پر آبزرویشن لگوانے کا بندوبست کرنا نہ بھولنا" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم فکر مت کرو۔ یہ ذمے داری ایک آدمی کو سونپ چکا ہوں۔" اس نے فون بند کر دیا۔

نادرہ کے ویران مکان پر نامعلوم افراد کے حملے کی خبر بہت اندوہناک اور سنسنی خیز تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ راس الیمیڈا سے ہونے والی خوں ریز لڑائی کے سارے اہم کردار ہماری نظروں میں تھے اور ان کی متوقع سرگرمیاں بھی ہمارے علم میں تھیں مگر اس واقعے نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ ہماری خوش فہمی تھی۔ کچھ ایسے حریف بھی میدان میں اترے ہوئے تھے جو ہمارے لیے بالکل اجنبی تھے۔

"ایک بازاری عورت کے چکر میں پڑ کر ساگا بالکل ہی نیم ہو کر رہ گیا تھا۔" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا "اس پر برا وقت آیا تو چھمیا اور اس کی ماں بھی اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر نکل گئی تھیں۔ شہر میں وہ کون لوگ ہیں جو ساگا کے لیے بے خوف ہو کر ایل ٹی ایف تک سے ٹکرا گئے؟"

"تم بھول رہے ہو کہ اب وہ ساگا نہیں' پرنس ساگا ہے۔ جرائم کی دنیا میں پیسے کے زور پر بہت سی ہمدردیاں اور وفاداریاں خریدی جا سکتی ہیں۔" میں نے کہا۔

"ساگا بستر پر ہلنے کے قابل نہیں تھا۔ وہ گھر پر زخمی ہو کر اسپتال پہنچا اور وہاں سے رازدارانہ طور پر نادرہ کے گھر پہنچایا گیا۔ اسے کسی کی ہمدردیاں یا وفاداریاں خریدنے کی مہلت کہاں ملی تھی؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"وہ راس الیڈا کے لیے اکیلا تو کام نہیں کر رہا ہوگا۔ اس کے ساتھ کچھ لوگ رہے ہوں گے۔ بھیا اور زمرد کے ذریعے ساگا کے زخمی ہو کر اسپتال پہنچنے کی بات پھیلی ہوگی تو اس کے آدمی اپنے آقا کی تلاش میں نکل پڑے ہوں گے۔ ان کی گندی روزیاں ساگا کی زندگی سے وابستہ ہیں۔ ان ہی میں سے کسی کو نادرہ کے گھر کا سراغ مل گیا ہوگا۔"

"راس الیڈا کے اس گرگے کو ٹیکسی یا سرکاری ایمبولینس میں نہیں' اول خان کے آدمیوں نے ایس ٹی ایف کی گاڑی میں اسپتال سے منتقل کیا تھا۔" سلطان شاہ نے میری بات کی تردید کرتے ہوئے کہا "اس کے آدمیوں کے اسپتال پہنچنے کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن انہیں نادرہ کے گھر کا سراغ کیسے ملا؟ وہ تو ایس ٹی ایف کا کوئی باقاعدہ ٹھکانا بھی نہیں ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تیسرے درجے کے مجرم اتنی تیزی سے ساگا تک کیسے پہنچ گئے ہ؟"

"یہ سوال فکر انگیز ہے۔" غزالہ نے اس کی تائید میں کہا۔ "دیکھا جائے تو یہ واقعہ راس الیڈا کی گرفتاری سے زیادہ بڑا اور سنگین ہے جس میں اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک آدمی مارا بھی گیا ہے۔"

سلطان شاہ کا اٹھایا ہوا سوال نادرہ کے مکان پر پیش آنے والے المناک سانحے کی گتھی سلجھانے میں کلیدی حیثیت رکھتا تھا۔ ہم تینوں اس پر اپنے اپنے انداز میں رائے زنی کرتے رہے لیکن کوئی بھی قابلِ قبول جواب سامنے نہیں آسکا۔ میری خواہش تھی کہ اول خان سے اگلی مرتبہ بات ہونے سے پہلے ہم اس معاملے میں کوئی حتمی رائے قائم کر سکیں مگر ہر دلیل ہمیں گھما پھرا کر دوبارہ سلطان شاہ کے سوال پر پہنچا دیتی تھی۔

گفتگو کے دوران میری نظریں غیر ارادی طور پر بار بار وال کلاک کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ آخر کار پانچ بھی بج گئے اور میرے اعصاب پر ہلکا سا تناؤ سوار ہونے لگا۔ ویرا اور راس کے موجودہ زنداں کی نشان دہی کے لیے جان سے ہونے والی گفتگو بہت اہم تھی۔ عارضی طور پر ساگا کا قصہ میرے ذہن کے کسی نہاں خانے میں اتر گیا تھا۔

پانچ بج کر تین منٹ پر فون کی پہلی گھنٹی بجی۔ شاید گھڑیوں کے فرق کی وجہ سے وہ تاخیر ہوئی تھی۔ میں نے دوسری گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھالیا اور ایک فوری خیال کے تحت اپنی آواز کو خوابیدہ بنا کر ہیلو کہا۔

"میں جان بول رہا ہوں۔ کیا تم سو رہے تھے؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"ہاں۔ تھوڑی دیر پہلے آنکھ لگ گئی تھی۔ رات کے واقعات نے تھکا دیا تھا۔"

"حیرت ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہیں واقعی ویرا کی کوئی پروا نہیں ہے۔ راس الیڈا کہاں ہے؟"

"اس کی اور اپنی حفاظتی وجوہ کی بنا پر اسے یہاں نہیں لایا جاسکا۔ تمہیں یقین کرلینا چاہیے کہ ہماری تحویل میں وہ خیریت سے ہے۔ گرفتاری کے بعد سے اس پر کوئی تشدد نہیں کیا گیا۔"

"تمہاری مکارانہ باتوں پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔" وہ برہم ہو کر بولا "ہوسکتا ہے کہ تم نے اسے مار دیا ہو۔ مُردوں پر کون تشدد کر کے اپنا وقت برباد کرتا ہے۔ میں اس سے بات کیے بغیر تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کرسکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم ویرا کو ایک ٹانگ سے معذور کرانے کا پختہ ارادہ کرچکے ہو۔"

"میں اتنا سفاک نہیں ہوں۔ میرے لیے بہت اہم نہ ہونے کے باوجود وہ اب بھی میری دوست ہے۔"

"اس کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ یہ فون بند کرکے میں اس کے داہنے گھٹنے میں سے گولی گزاروں گا۔ وہ زندگی بھر کے لیے معذور ہونے والی ہے اور تم بے فکری سے سو رہے تھے۔ کیا تم اسی کو دوستی کہتے ہو؟" میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے لعن طعن کرنے سے زیادہ ویرا کو وہ باتیں سنا رہا تھا تاکہ اس کا حوصلہ پست کرکے اپنے ساتھ تعاون پر آمادہ کرسکے۔

"یوں معلوم ہورہا ہے جیسے مجھ سے زیادہ تمہیں اس کی معذوری کی فکر ہو۔"

"فکر نہیں' مجھے تمہاری سرد مہری اور سنگ دلی پر حیرت ہے۔ کسی زمانے میں ویرا تمہاری محبوبہ سمجھی جاتی تھی۔"

"پرانی باتوں کا ذکر مت کرو۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "اس ذکر سے زخم تازہ ہونے لگتے ہیں۔"

"تم ویرا اور راس الیڈا کے تبادلے کے بارے میں شاید سنجیدہ نہیں ہو؟" بھنائی ہوئی آواز آئی۔ میں راس الیڈا کی زندگی کے بارے میں اس کے ذہن میں شک کا بیج بو چکا تھا۔ میرا سرد اور خمار آلود لب ولہجہ اس کے اعصاب کو چٹخانے لگا تھا اور اس وقت یہی میرا منصوبہ تھا۔

"اس وقت میرا ذہن ماؤف ہورہا ہے۔ میں چند گھنٹوں کی نیند لینے کے بعد ہی ڈھنگ کی کوئی بات سوچ سکوں گا لیکن اتنی بات تم بھی جانتے ہو کہ تبادلہ برابر کی چیزوں یا شخصیات کا ہوتا ہے۔ راس الیڈا اور ویرا کے رتبوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ راس الیڈا آج بھی ٹی شی کا طاقت ور اور بااختیار سربراہ ہے جب کہ ویرا ٹی شی کے ایک معتوب اور مقتول سربراہ کی غیر قانونی بیٹی ہے۔"

"وہ تمہارے لیے اتنی ہی غیر اہم ہے تو رات کو مقابلے میں تمہارے ساتھ کیوں موجود تھی؟"

"اسے تنہا گھر میں نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔ ویسے بھی وہ راس الیڈا سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کی باتیں کرتی رہتی ہے۔ وہ ایک دلیر لڑکی ہے۔ اسے ساتھ لاکر میں نے اپنی نفری میں اضافہ کیا تھا۔ مجھے اس کے اغوا کا افسوس ہے لیکن اس کی زندگی بچانے کے لیے میں اندھا دھند فیصلے نہیں کرسکتا۔"

"میں نے تمہیں فیصلہ کرنے کے لیے چوبیس گھنٹوں کی مہلت دی ہے۔ وہ اب بھی برقرار ہے۔ تم سوچ سمجھ کر اپنا فیصلہ کر سکتے ہو۔ اس وقت میں صرف راس المیڈا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"
میری بحث سے وہ زچ ہو چلا تھا۔
"تم بلاوجہ ضد کر رہے ہو۔ اس کی سلامتی کے بارے میں تمہیں میری بات پر یقین کر لینا چاہیے۔"
"تم اسے میری ضد ہی سمجھ لو مگر اس سے میری بات کرا دو ورنہ میں قسم کھا رہا ہوں کہ ویرا کا گھٹنا چُورا کر دوں گا۔ دنیا کا بڑے سے بڑا مائیکرو سرجن اس کا گھٹنا ٹھیک نہیں کر سکے گا۔"
"یہ دھمکیاں میرے لیے بے اثر ہیں۔ اگر راس المیڈا سے بات کرنا تمہاری ضد ہے تو اس کے لیے میری بھی ایک شرط ہے۔"
"میں تمہارے لیے آسمان سے تارے توڑ کر نہیں لا سکوں گا۔ کوئی معقول شرط ہوئی تو مان لوں گا۔"
"ویرا ہر دو گھنٹے بعد مجھے فون کر کے اپنی خیریت سے آگاہ کرتی رہے گی۔"
"ابھی وہ تمہارے لیے غیر اہم تھی اور اب اچانک اتنی عزیز ہو گئی کہ تم ہر دو گھنٹے بعد اس کی خیریت جاننی چاہتے ہو۔" اس کی جھلائی ہوئی آواز ابھری "معلوم ہوتا ہے کہ نیند کے دباؤ سے تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"
"تم یہی سمجھ لو...... یہ تمہاری ضد کا جواب ہے۔ اگر مقررہ اوقات پر ویرا کا کوئی فون نہ آیا تو میں اسی لمحے راس المیڈا کی مٹی پلید کر کے رکھ دوں گا۔ میری ایک شرط یہ بھی ہو سکتی تھی کہ تم مجھے ویرا کا فون نمبر بتاؤ مگر میں جانتا ہوں کہ تم اس شہر میں کسی چور کی طرح رہ رہے ہو۔ مر کر بھی اپنا فون نمبر نہیں بتاؤ گے۔ یہ تمہاری مرضی ہے کہ اب مجھے اپنا فون نمبر دو یا ہر دو گھنٹے بعد ویرا سے مجھے فون کراتے رہو۔"
"گھڑی میں وقت ملا لو۔ ویرا ہر دو گھنٹے بعد تمہیں فون کرتی رہے گی لیکن تم دونوں کی گفتگو ڈیڑھ منٹ سے زیادہ طویل نہیں ہوگی۔ مجھے حق ہوگا کہ جب چاہوں' کریڈل دبا کر لائن کاٹ دوں۔ اب راس سے بات کراؤ!"
میں نے اول خان کے دفتر کا فون نمبر دہرانے کے بعد کہا "تم اپنا ایک نمبر چھپا رہے ہو' میں نے تمہیں دوسرا نمبر بھی دے دیا ہے۔ راس المیڈا سے تم اس نمبر پر بات کر کے اپنا اطمینان کر سکتے ہو۔"
"میں تمہاری مکارانہ سوچ اور ذہنیت کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" اس نے زہریلے لہجے میں کہا "تم مجھے چارا ڈال رہے ہو مگر میں تمہارے جال میں آنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ تم چاہتے ہو کہ میں ان نمبروں کے ذریعے پتا حاصل کر کے ادھر دوڑ لگاؤں اور وہاں تمہارے آدمیوں کے نرغے میں گھر کر بے بس ہو جاؤں۔ میں ایسی غلطی ہرگز نہیں کروں گا۔ تمہارے پھیلائے ہوئے آدمی میرے انتظار میں سوکھ جائیں گے مگر میرا سایہ بھی نہیں پا سکیں گے۔"
میں دانستہ کھسیائے ہوئے انداز میں ہنس دیا جیسے اس نے میری چال پکڑلی ہو پھر کہا "تم واقعی بہت چالاک ہو مگر یہ تمہاری بدگمانی ہے۔ میرا ایسا کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ اب آؤ گے تو تمہیں تیاریاں مکمل ملیں گی۔"
وہ عجیب صورتِ حال تھی۔ میں جان سے خائف تھا اور وہ میری چالاکیوں کے بارے میں ضرورت سے زیادہ حساس تھا۔ میرے لیے خوشی کی بات یہ تھی کہ اس نے باتوں ہی باتوں میں میرا ایک اندیشہ دور کر دیا تھا۔ اتنی کھلی کھلی باتیں ہو جانے کے بعد وہ ہمارے فلیٹ کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔
"اب ویرا سات بجے تم کو فون کرے گی۔" وہ فون پر کہہ رہا تھا۔
"شرط کا آغاز اسی وقت ہوگا ورنہ تم راس المیڈا سے بات نہیں کر سکو گے۔ میں دوسری لائن پر اس کا فون انگیج کر کے اپنے آدمیوں کو تازہ ترین ہدایات دوں گا اور تم راس المیڈا کی آواز سننے کو ترستے رہو گے۔"
"لعنت ہو تم پر...... تم پکے بلیک میلر اور شاطر ہو۔ وقت آنے پر میں تمہیں دیکھ لوں گا۔"
اسے سلگانے کے لیے میں استہزائیہ انداز میں زور زور سے ہنسنے لگا۔
ویرا کی آواز سن کر میری ہنسی کو بریک لگے۔ وہ کہہ رہی تھی۔
"مجھے معلوم ہے کہ آج کل تم بہت خود غرض اور وحشی ہو گئے ہو۔ اپنے سست رفتار ساتھیوں کو اپنے ہاتھ سے گولی مار کر ہمیشہ کے لیے پیچھے چھوڑ دیتے ہو مگر مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم اب بھی ہر دو گھنٹے بعد میری خیریت جاننی چاہتے ہو۔ فی الحال میں تشدد سے محفوظ ہوں اور یہ لوگ میری مناسب دیکھ بھال بھی کر رہے ہیں۔"
اس نے شاید جان کی ہدایت پر پوری بات انگریزی میں کی تھی۔
"حوصلہ بلند رکھو۔ تم کو کسی بھی وقت خوش گوار حیرت کا سامنا ہو سکتا ہے۔ ہم اپنا......" آخری الفاظ میرے منہ میں رہ گئے کیونکہ کلک کی آواز کے ساتھ فون کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔
"سب کچھ اسی طرح ہوتا چلا گیا جیسا آپ نے سوچا تھا۔" یہ کہتے ہوئے غزالہ کا چہرہ اندرونی مسرت سے گلنار ہو رہا تھا "لیکن پیچ دار اور ٹیڑھی گفتگو ہم میں سے کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔"
"زبان کا زخم تلوار سے زیادہ کاری ہوتا ہے۔" سلطان شاہ بولا "ویسے تو سب کچھ منصوبے کے مطابق ہی ہوتا چلا گیا لیکن میں بار بار یہ سوچ رہا تھا کہ ویرا اپنے بارے میں تمہارے ظالمانہ فقرے سن رہی ہوگی تو اس کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ دشمن کی قید میں پھنسی ہوئی ایک عورت اپنوں کی ایسی بے وفائی سے دل برداشت

ہو کر غداری کی راہ پر بھی چل سکتی ہے۔ اس بارے میں تمہیں محتاط رہنا چاہیے تھا۔"

"یہ راستہ ویرا نے ہی مجھے سمجھایا تھا۔" میں نے وضاحت کی۔
"اس نے جان کے ذہن میں یہ بات بٹھادی ہے کہ آج کل میرے اور اس کے تعلقات سرد مہری کا شکار ہیں۔ ویرا سمجھ رہی ہوگی کہ میں اسی کی دی ہوئی حکمتِ عملی کو آگے بڑھا رہا ہوں۔ یہ میرے دماغ کا فتور نہیں ہے۔"

"میرا کام نشان دہی کا تھا جو میں نے پورا کردیا۔ تم ویرا کو مجھ سے بہت زیادہ جانتے ہو۔ اگر تمہارا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو تو پھر یہ ٹھیک ہی ہوگا۔ دراصل تم نے اپنا آخری جملہ جس طرح ادھورا چھوڑا' اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ دوسری طرف سے فون اچانک ہی بند کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں ایک ہی نمبر پر دو فون لگے ہوئے ہوں۔ جب جان تم سے بات کر رہا تھا تو ویرا خاموشی سے دونوں طرف کی گفتگو سن رہی تھی۔ ویرا کے بولنے کی باری آئی تو جان خاموشی سے باتیں سننے لگا۔ تمہاری زبان سے اردو کے ناقابلِ فہم فقرے سنتے ہی اس نے لائن کاٹ دی تاکہ ویرا کو اپنی مادری زبان میں کوئی خفیہ پیغام نہ پہنچا سکو۔"

میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے سلطان شاہ کی بات سنتا رہا۔ وہ اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوا تو مجھے کہنا پڑا "خدا کی پناہ! آج مجھے اندازہ ہوا کہ اب تمہارا مشاہدہ بہت تیز ہو چکا ہے اور تم چاہو تو بہت منطقی انداز میں ہر بات کا تجزیہ بھی کر سکتے ہو۔ تمہیں یہ وصف مبارک ہو۔"

وہ ہنس کر بولا "تمہاری موجودگی میں مَیں عام طور پر اپنے ذہن پر زور نہیں دیتا۔ اس وقت میری دانست میں تم غلطی کا ارتکاب کر رہے تھے' اس لیے مجھے ذرا ذرا سی بات پر دھیان دینا پڑا۔"

"وہ آپ کی چال میں آگیا ہے۔ اب جو کچھ بھی ہونا ہے' جلد ہی ہوجائے۔ اس گھر میں ویرا کی کمی بری طرح محسوس ہو رہی ہے۔" غزالہ نے دونوں ہاتھ دباتے ہوئے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"جب تک راس الیمڈا ہماری تحویل میں ہے' تم بے فکر رہو۔ وہ ویرا کی پوری طرح دیکھ بھال کرے گا۔ اب ہماری کسی بھی پیش رفت کا انحصار آبزرویشن کی رپورٹ پر ہے۔ دیکھنا ہے کہ وہ کب موصول ہوتی ہے۔"

"آج دوپہر تک اس کا نتیجہ سامنے آجانا چاہیے۔" سلطان شاہ بولا۔

میں نے خاموشی سے اپنے لیے سگریٹ سلگالی۔ سلطان شاہ نے فوراً ہی مجھے ٹوک دیا "شراب نوشی بڑی حد تک کم کر دینے کے بعد تمہاری سگریٹ نوشی میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے۔ یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ اسے بھی کم کر سکو تو بہتر ہوگا۔ پتا نہیں سلگتے ہوئے کاغذ اور تمباکو کا زہریلا دھواں نگلنے اور اگلنے سے کیا لطف آتا ہوگا۔"

"مجھے اپنے جیسا بنانے کی کوشش نہ کرو۔ دوستانہ ہمدردی اچھی چیز ہوتی ہے مگر میں ڈیڑھی رہ کر ہی خوش ہوں۔ جس دن میں اپنی بری عادتیں ترک کر کے سلطان شاہ بن گیا' ہماری آپس میں ٹھن جائے گی۔"

"اوہ! تم شاید میری بات کا برا مان گئے......" اس نے فوراً ہی معذرت چاہنے کی کوشش کی مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ میں کچھ بولنے بھی نہ پایا تھا کہ فون آگیا۔

"جان کا فون آیا تھا۔" اول خان نے کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کردی "راس الیمڈا سے بات کر کے وہ بہت خوش تھا۔ میں نے اسے پہلے ہی بریفنگ دے دی تھی کہ ان دونوں میں کسی قسم کی سازشی گفتگو کا آغاز ہوا تو فون بند کر دیا جائے گا۔ راس الیمڈا بہت محتاط تھا۔ اسے یہ جان کر بہت اطمینان ہوا ہے کہ ویرا اس کے دستِ راست کے قبضے میں ہے اور وہ دونوں کے تبادلے کے لیے مذاکرات کر رہا ہے۔"

"جب تک اس جمود کا کوئی حل نہیں نکل آتا' ہم راس الیمڈا سے روایتی باز پرس نہیں کر سکتے۔ تم نرمی سے کام لے کر دیکھو' ہو سکتا ہے کہ روانی میں وہ اپنے عزائم پر کوئی روشنی ڈال سکے۔"

"میں کوشش کروں گا لیکن جان سے بات ہوجانے کے بعد اس کی خود اعتمادی بڑی حد تک بحال ہوگئی ہے۔ وہ مشکل ہی سے زبان کھولے گا۔ اس نے جان کو بتادیا ہے کہ پکڑے جانے کے بعد اسے خاصا تشدد سہنا پڑا تھا لیکن اس کے بعد اس سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی گئی۔ میں نے سوچا ہے کہ جسمانی تشدد کے بجائے اس پر دواؤں کا استعمال کیا جائے۔ اس کے اعصاب کو کمزور کرنے کے لیے اسے چائے میں ایسی دوا دینی شروع کردی گئی ہے جو اسے نیند لائے بغیر اضمحلال اور گہری نقاہت کے احساس میں مبتلا کردے گی۔ اس دوا کی چند خوراکوں کے بعد اس پر مصالحت اور سمجھوتے کا موڈ طاری ہوجائے گا تو میں اس پر وقت صرف کروں گا۔ اس وقت تک ساگا کا چکر بھی کھل جائے گا۔ اس نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے۔ اس وقت میں ڈیری کی طرف جا رہا ہوں۔ وہاں کا جائزہ لے کر اسپتال کا رخ کروں گا۔"

اس سے گفتگو ختم کرنے کے بعد بھی میرا ذہن اس کی باتوں میں الجھا رہا۔ وہ ایک پیشہ ور آدمی تھا اور ہر کام میں پیشہ ورانہ انداز اختیار کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ میں اس وقت تک پوچھ گچھ کے لیے جسمانی تشدد ہی کو بہترین طریقہ تصور کرتا تھا۔ صرف ساگا کا معاملہ ایسا تھا کہ میں تشدد کر کے بھی اس کی زبان نہیں کھلوا سکا تھا مگر ویرا نے محبت اور نرمی کے ذریعے اسے اس قدر مسحور کرلیا کہ اس نے بے چون وچرا ویرا کے سوالات کے جواب دے دیے۔

میں پاکستان کی سرزمین سے ہیروئن کے استعمال کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی ایک ہولناک لڑائی لڑ رہا تھا اور اس لڑائی میں

ہیروئن کی کمائی پر پلنے والے مقامی اور بین الاقوامی مجرم میرے خلاف صف آرا تھے۔ میں بہت قریب سے دیکھ رہا تھا کہ اس ناجائز سوداگری سے حاصل ہونے والی خطیر رقوم بے شمار غیر قانونی دھندوں کے فروغ میں استعمال ہو رہی تھیں جن میں اسلحے کی اسمگلنگ سرِفہرست تھی۔

اس وقت اول خان نے باتوں ہی باتوں میں ایک اور ہولناک وبا کی نشان دہی کی تھی۔ اس نے راس الیڈا کے اعصاب اور قوتِ ارادی کو محض چند خوراکوں میں تباہ کرنے کے لیے کسی دوا کے استعمال کا ذکر کیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ ملک بھر میں ایسی خطرناک اور مسکن دوائیں کھلے بندوں ریوڑیوں کی طرح بکی جا رہی تھیں جو دھیرے دھیرے انسان کی غور و فکر کی صلاحیتوں' اعصاب اور عزم و ہمت کو تباہ کر کے اسے اپنا اسیر بنا لیتی تھیں۔ بہت سے پڑھے لکھے لوگ ان دواؤں کے مہلک اثرات پر غور کیے بغیر محض وقتی سکون کے لیے ان کی ابتدا کر کے رفتہ رفتہ ان کے اس قدر عادی ہوتے جا رہے تھے کہ چند گولیاں لیے بغیر ان کا سونا ناممکن ہو گیا تھا۔ کسی ماہرانہ طبی مشورے اور دیکھ بھال کے بغیر بڑے پیمانے پر فروغ پانے والا وہ رجحان ہلاکت خیز تھا۔

دکھ کی بات یہ بھی تھی کہ ایسی ادویہ پر اجارہ داری رکھنے والے مغربی ممالک میں ایسی حساس اور خطرناک دواؤں کی ایک خوراک بھی نسخے کے بغیر نہیں خریدی جا سکتی تھی۔ مستند ماہرین کی واضح طبی ہدایات کے بغیر ایسی دواؤں کی خرید و فروخت سنگین جرم تھی لیکن پاکستان جیسے ملک کو ان دواؤں کی زرخیز منڈی بنا لیا گیا تھا۔ پاکستان میں نشے کو ہر سمت اور زاویے سے فروغ دے کر اس ملک کی نئی نسل کی رگوں میں زہر پھیلایا جا رہا تھا اور متعلقہ ادارے .... معاشرے میں خاموشی سے پھیلنے والی اس تباہی پر کوئی کارروائی نہیں کر رہے تھے۔

المیہ یہ تھا کہ دانا دشمن بہت ہوشیاری سے اور بظاہر ایک دوسرے سے الگ رہ کر اس ملک کی جڑوں میں زہریلی عادات کی آب یاری کیے چلا جا رہا تھا اور ناداں ملک دوست اپنی کوتاہ بینی' بے پروائی یا پھر بے خبری کی وجہ سے اس طوفان کو روکنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر رہے تھے۔ انھیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ ان کی غفلت آنے والے دنوں میں اس معاشرے پر کتنی بڑی تباہی لا سکتی ہے۔

غزالہ اور سلطان شاہ نے سمجھ لیا تھا کہ اول خان نے مجھے جان کے فون کی اطلاع دینے کے لیے رِنگ کیا ہو گا' اس لیے ان دونوں کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اپنی سوچوں پر میرا ذہن بھاری ہونے لگا تو میں نے ڈرائنگ روم چھوڑ کر اپنی خواب گاہ میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔

نشہ آور' مسکن اور خواب آور اشیا کے بارے میں سوچ سوچ کر مجھے نیند سی آنے لگی تھی۔

○☆○

مجھے آٹھ بجے کے بعد' اول خان کی آمد پر بیدار کر دیا گیا۔ دیوار گیر گھڑی پر نظر پڑتے ہی مجھے خیال آیا کہ سات بجے ویرا کا دوسرا فون آنا تھا۔ میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑ دیا۔

"سات بجے ویرا کا فون آنا تھا۔ اس کا کیا ہوا؟ تم نے مجھے کیوں نہیں اٹھایا؟" میں نے بستر سے اترتے ہی غزالہ سے پے درپے سوالات کر ڈالے۔ وہ اپنے یاقوتی ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں پونے سات بجے آپ کو اٹھانے کے ارادے سے آئی تھی مگر آپ گہری نیند سو رہے تھے۔ میرا دل نہیں چاہا کہ آپ کی اتنی اچھی نیند خراب کروں۔ ویرا کا فون آیا تھا۔ اس سے سلطان شاہ نے مختصر سی بات کی تھی۔ وہ بہت خوش ہے۔ ویرا ابھی تک خیریت سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جان نیک نیتی سے اپنے وعدوں پر عمل کرنا چاہتا ہو۔"

غزالہ کے اس معصومانہ خلوص پر مجھے ہمیشہ ہی ٹوٹ کر پیار آتا تھا۔ وہ ہر وقت میرے آرام اور آسائش کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھی۔ میں نے منہ بنا کر اس سے پوچھا "اس وقت نہیں اٹھایا تھا تو اب اول خان کو رخصت کیوں نہیں کر دیا؟ اس وقت بھی میں بہت گہری نیند سو رہا تھا۔"

"مجھے بالکل غصہ دکھانے کی کوشش نہ کریں" وہ میرا موڈ بھانپ کر شوخی سے بولی "وہ بھی رات بھر کا جاگا ہوا ہے اور پروگرام کے مطابق ایک لمبی دوڑ لگا کر یہاں تک پہنچا ہے۔ وہ بہت اداس اور دل گرفتہ ہے۔ آپ سے بات کر کے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ اسے جواب دینا مناسب نہیں تھا۔"

میں نے اس کی طرف قدم بڑھایا ہی تھا کہ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"تیار ہو کر جلدی باہر آ جائیں۔ میں ناشتا تیار کر رہی ہوں" یہ کہہ کر وہ خواب گاہ سے باہر نکل گئی۔

میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کسل مندانہ انداز میں کھڑے کھڑے ایک انگڑائی لے کر اپنے بدن کا تناؤ دور کیا اور غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔

میں تازہ دم ہو کر ڈرائنگ روم میں پہنچا تو اول خان اخبار کے مطالعے میں مصروف تھا۔ دھیمی آواز میں ٹیلی وژن بھی چل رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے ایک اداس مسکراہٹ کے ساتھ اخبار میز پر ڈال دیا۔

"رات کے واقعے کے بارے میں اخبار کیا کہتا ہے؟" میں نے اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اتنی تاخیر سے رونما ہونے والے غیر متوقع واقعات صبح کے اخباروں میں جگہ نہیں پاتے۔ ان سے شام کے اخبارات اپنی سنسنی خیز شہ سرخیاں نکالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پولیس والے اپنے بیشتر منصوبوں پر رات گئے عمل کرتے ہیں تاکہ بارسوخ ملزموں کے ہمدرد تیزی سے میدان میں نہ آ سکیں۔ شام کو دیکھو کہ کیا لکھا

جاتا ہے۔"

"زخمی کا کیا حال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"گولی اس کے پیٹ کے اوپری حصے میں لگی ہے۔ اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ میں اسی سے بات کرکے سیدھا یہاں آیا ہوں۔ اس کی کہانی میرے لئے حیران کن ہے جو مجرموں کی نشان دہی نہیں کرسکتی۔"

"پھر بھی میں اس کا بیان سننا چاہوں گا کیونکہ وہی اس قاتلانہ واردات کا واحد گواہ ہے۔"

"وہ تین افراد تھے جو ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ انہوں نے اپنے چہروں پر رومال باندھے ہوئے تھے۔ وہ غالباً کافی دیر سے اسی مکان میں کہیں چھپے ہوئے تھے اور میرے آدمیوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کررہے تھے کیونکہ ٹیلی فون حملے سے کم از کم ایک گھنٹے پہلے ناکارہ ہوچکا تھا۔ انہوں نے اس وقت دھاوا بولا جب میرے دونوں آدمی تہ خانے میں موجود تھے۔ دبے قدموں زینے طے کرتے ہی انہوں نے سائلنسر لگے ہوئے پستولوں سے فائرنگ شروع کردی۔ میرے آدمیوں کو سنبھلنے کا موقع تک نہیں مل سکا اور وہ دونوں گولیاں کھا کے گرگئے۔ زخمی ہونے والے کو ہوش آیا تو ساگا غائب تھا اور تہ خانے سے باہر جانے والا راستہ بند تھا۔ وہ پوری کوشش کے باوجود اس مضبوط دروازے کو کھولنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ حملہ آور واپسی میں ان دونوں کے ہتھیار بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔"

"یہ بات معجزے سے کم نہیں ہے کہ ان تینوں کی اندھا دھند فائرنگ کے باوجود زخمی ہونے والے کو صرف ایک گولی لگی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حملہ آور اناڑی تھے۔ نشانہ لے کر فائرنگ کرتے تو دوسرا آدمی بھی ضائع ہوسکتا تھا۔"

"اسے کئی گولیاں لگی ہیں مگر وہ سب جلد کو چھوتی یا چھیدتی ہوئی گزر گئیں۔ اصل نقصان اس گولی نے پہنچایا ہے جو پیٹ میں لگی ہے۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ وہ کون تھے۔" اول خان نے غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔

"ان کے بارے میں تمہارے آدمی نے جو بات بھی بتائی ہو' دوہرا ڈالو۔"

"اسے زیادہ غور کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ وہ تینوں کسی بلائے ناگہانی کی طرح تہ خانے میں داخل ہوئے تھے.... مگر ہاں' اس نے ایک دو باتیں ضرور بتائی ہیں۔ ان میں سے ایک کی چال نارمل نہیں تھی۔ وہ لچک کر یا اپنی کمر بل دے کر زینے طے کررہا تھا اور وہی سب سے آگے تھا۔"

اول خان کے ان الفاظ نے مجھے بری طرح چونکا دیا اور میں نے بے ساختہ پوچھا "لچکیلی چال والا گورا اور دراز قامت تو نہیں تھا؟"

"یہ اس نے بتایا' نہ میں نے پوچھا" میرے ردِ عمل نے اول خان کو ہیجان میں مبتلا کردیا "اگر یہ سوال اہم ہیں تو ہم ابھی اسپتال چل کر اس سے بات کرسکتے ہیں۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی نام آرہا

ہے؟"

"کسی مرد کی اور صحت مند مرد کی لچکیلی چال ہر ایک کی نظروں میں آجاتی ہے۔ اگر تمہارا آدمی میرے سوالوں کے جواب اثبات میں دیتا ہے تو یوں سمجھ لو کہ تمہارے آدمی کے قاتل کی گردن تمہاری گرفت میں ہے۔"

"تو پھر چلو!" وہ میرا بازو تھام کر اضطراری انداز میں اٹھ کھڑا ہوا "انتظار کس بات کا ہے۔ ابھی اس سے پوری معلومات حاصل کیے لیتے ہیں۔ اگر حملہ آور میرے ہاتھ آگئے تو مجھے چین آجائے گا۔ ہمارا پیشہ ایسا ہے کہ ہم ہروقت اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔ موت کے جبڑوں میں ہاتھ ڈال کر اپنے مقصد اور زندگی کے لئے لڑنا ہی ہمارا مشن ہے۔ ہمارے لئے جان و مال کے نقصانات معمول میں شامل ہیں لیکن اس بار میرے آدمی مقابلے کے بغیر مکاری کا نشانہ بنائے گئے ہیں۔ اسی خلش نے میرا خون کھولایا ہوا ہے۔ اگر تم بے مقصد اشاروں کی مدد سے میرے مجرموں تک پہنچ سکو تو یہ ایک کمال ہوگا۔"

اول خان اول درجے کا محبِ وطن اور جذباتی شخص تھا۔ وہ جذباتی نہ ہوتا تو اسپیشل ٹاسک فورس میں پُرخطر روزی کمانے کے بجائے کسی شاندار شہری دفتر میں کرسی توڑ کر دنیا جہان کی آسائشیں سمیٹ رہا ہوتا۔ اپنے آدمیوں کے لئے اس کی بے چینی اور خلش قابلِ فہم تھی۔ میں ناشتے کا انتظار کئے بغیر اس کے ساتھ جانے پر آمادہ ہوگیا۔

ہمارے مڑتے ہی غزالہ ناشتے کی ٹرے لے کر باورچی خانے سے نکل آئی اور حیرت سے بولی "ارے، آپ دونوں ناشتا کئے بغیر کہاں جارہے ہیں؟ میں نے اتنی محنت سے گرم گرم انڈے اور ٹوسٹ فرائی کئے ہیں....."

"ناشتا کر کے چلیں گے" اول خان نے غزالہ کا دل رکھنے کے لئے دھیرے سے کہا "رات بھر کی بیداری کے بعد میں بھی معقول اور بھاری ناشتے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ غزالہ پیٹ کی ضرورتوں کا ہروقت خیال رکھتی ہے۔"

میرا خیال تھا کہ غزالہ نے مشکل سے ہی کمر سیدھی کی تھی۔ مگر ہم دونوں کی خدمت کرتے ہوئے اس کا چہرہ یوں شاداب اور شگفتہ تھا جیسے اس کی زندگی کا محور یہی رہا ہو۔

مجھے یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ نو بجے ویرا کا تیسرا فون آنے والا تھا۔ سلطان شاہ شاید نیند کی وادیوں میں کھویا ہوا تھا۔ گھر میں صرف غزالہ ہی تھی۔ اگر ویرا سے پہلے جان فون پر موجود ہوتا تو وہ پریشان ہوسکتی تھی۔ میں جلدی جلدی ناشتے میں مصروف ہوگیا تاکہ نو بجے سے پہلے اسپتال سے گھر واپسی کا امکان پیدا ہوسکے۔

"تمہارے فون پر دس بجے تک آبزرویشن لگا دیا جائے گا" اول خان نے نیپکن سے اپنے ہاتھ صاف کرتے ہوئے مجھے مطلع کیا "اگر ویرا دو دو گھنٹے کے وقفے سے فون کرتی رہی تو دوپہر تک کوئی نتیجہ سامنے آجائے گا۔"

"اس سے سات بجے بات ہوچکی ہے۔ اب نو بجے اس کا فون آئے گا" غزالہ نے کہا۔

"میں یہ سوچ سوچ کر لرز اٹھتا ہوں کہ اگر راس الیڈا ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا اور ویرا بھی اغوا ہوجاتی تو اس بے چاری کا کیا حشر ہوتا۔ غنیمت ہے کہ اب وہ حیوانی تشدد سے بچی ہوئی ہے" اول خان بولا۔

"تم نے اس فلیٹ پر اپنے آدمی تو مامور نہیں کئے ہیں؟" مجھے اچانک ہی وہ بھولی ہوئی بات یاد آگئی۔

"میں نے تم سے بات ہوتے ہی رات کو تین آدمی ادھر روانہ کردیے تھے۔ ان میں سے ایک ملنگ کے روپ میں سامنے والے درخت کے نیچے ڈیرا لگائے بیٹھا ہے۔ انہوں نے ادھر کا رخ کیا تو واپس نہیں جاسکیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہے" میں نے اعتماد سے کہا۔

اول خان کے استفسار پر میں نے اسے اپنے اعتماد کا سبب بتایا تو وہ اس دلچسپ صورتِ حال سے خاصا محظوظ ہوا۔ ہم جان سے خائف تھے کہ وہ ہمارے فون نمبر کے سہارے فلیٹ پر کوئی بڑا حملہ کرنے کی کوشش کرے گا اور وہ ہم سے خوف زدہ تھا کہ ہم اسے حملے پر اکسا کر پکڑنے یا مارنے کی سازش کر رہے ہیں۔

"دشمن کسی وقت بھی کوئی چال چلنے کا فیصلہ کرسکتا ہے" اول خان نے پوری بات سننے کے بعد کہا "بہتر یہ ہے کہ جان کی سرکوبی ہونے تک میرے آدمی یہاں موجود رہیں اور ضرورت کے وقت کام آسکیں۔"

ناشتے سے فارغ ہوتے ہی ہم اسپتال جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ اپنی گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اول خان نے مجھے اس باریش اور گندے مجذوب کے بارے میں بتایا جو ایک درخت کے نیچے بے خبری کے عالم میں براجمان تھا۔

اول خان کا زخمی کارندہ جناح اسپتال میں زیرِ علاج تھا۔ اسے الگ کمرے میں ڈالنے کے بجائے اسپتال کے جنرل سرجیکل وارڈ میں ایک بستر دیا گیا تھا۔ اس طویل ہال میں تقریباً سارے بستر آباد تھے اور اکثر بستروں پر ایسے ایسے مریض موجود تھے جنہیں دیکھ کر رواں رواں کانپ اٹھتا تھا۔

"کیا اسے کوئی پرائیویٹ کمرا نہیں مل سکتا تھا؟" میں نے ہال میں سے گزرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ سرکاری اسپتال ہے" اول خان کی آواز غیرارادی طور پر تلخ ہوگئی "جنرل وارڈ میں ہروقت کوئی نہ کوئی ڈاکٹر اور طبی عملہ موجود رہتا ہے۔ الگ کمروں میں رہنے والے مریض گھنٹوں ان کی صورت دیکھنے کے لئے ترستے رہتے ہیں۔ عملے کی کمی اور احساسِ ذمے داری کے فقدان کی وجہ سے علاج کے لئے جنرل وارڈ ہی بہتر

آرام کرنا ہو تو ہوٹلوں کے کمرے اسپتال سے کہیں بہتر ہوتے ہیں۔"

اول خان کا آدمی اسپتال کے سفید لباس میں بستر پر دراز تھا۔ اس نے بستر سے اٹھ کر پھیکی مسکراہٹ سے اسے سلام کیا۔ اس کے پیٹ اور سینے کے نچلے حصے پر موٹی ڈریسنگ نظر آ رہی تھی۔ اس کی دیکھ بھال کے لئے شاید فورس ہی کا ایک آدمی وہاں موجود تھا۔

"رپورٹیں آ گئی ہیں" زخمی نے کمزور آواز میں بتایا "ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ زخم خطرناک نہیں ہے۔ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے کمزوری بڑھ گئی ہے۔ کل صبح گولی نکالنے کے لئے آپریشن ہو گا تو خون بھی چڑھایا جائے گا۔"

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں' چند روز میں تم اپنے قدموں پر چلنے کے قابل ہو جاؤ گے" اول خان نے اس پر جھک کر دھیمی آواز میں کہا "ہم حملہ آوروں کی راہ پر لگ گئے ہیں۔ وہ جلد ہی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچیں گے۔"

وہاں گفتگو میں وہ احتیاط ناگزیر تھی کیونکہ قطار میں لگے ہوئے بستروں کا درمیانی فاصلہ اتنا کم تھا کہ کہیں بھی ہونے والی بات آس پاس کے مریض سن سکتے تھے۔

"بس سر' مجھے افسوس ہے کہ ہماری غفلت کی وجہ سے یہ واقعہ ہوا۔ ہم دونوں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بے فکر ہو گئے تھے کہ دشمن کو ہماری بے خبری میں وار کرنے کا موقع مل گیا۔ میں زندگی بھر خود کو سرور کی شہادت کا ذمے دار سمجھتا رہوں گا۔ اس کے بیوی بچوں کے بارے میں سوچ کر میری شرمندگی اور بڑھ رہی ہے۔"

"زیادہ سوچو اور نہ زیادہ باتیں کرو" اول خان نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے نرمی سے کہا "سرور کی شہادت اسی طرح لکھی گئی تھی۔ اسے کوئی نہیں ٹال سکتا تھا۔ اب اس کے خون کا بدلہ لینا ہم پر فرض ہے۔ ہم اسی بارے میں کچھ اور باتیں کرنے کے لئے آئے ہیں۔"

"سر' آپ کتنے مہربان ہیں' بالکل سگے باپ کی طرح" وہ جذبات سے مغلوب ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا "آپ کی یہ محبت اور مہربانی ہی ہمیں بار بار دشمن سے لڑنے کا نیا حوصلہ دیتی ہے۔ میرے پیٹ میں گولی نہ لگی ہوتی تو میں خود بھی آپ کے ساتھ سرور کے قاتلوں کی تلاش میں نکلتا۔ آپ حکم کریں' میں آپ کی سوالات کا جواب بہت سوچ سمجھ کر دوں گا۔ سرور میرا بھائی تھا۔ ہم برسوں سے ایک دوسرے کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ اس کے قاتلوں کو سزا دلوانا میرا فرض ہے اور میں اس فرض کو ہر حال میں پورا کروں گا۔"

میں اس زخمی سے گہری ہمدردی محسوس کر رہا تھا لیکن مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ چرب زبان نہ ہونے کے باوجود زیادہ بولنے کا عادی تھا اور اس کی یہ عادت میرے لئے مددگار ثابت ہو سکتی تھی۔

"ڈپٹی کو تم سے چند سوال پوچھنا ہیں" اول خان نے یہ کہہ کر میرے لئے جگہ خالی کر دی۔

"تہ خانے پر حملہ کرنے والے تینوں آدمیوں کے چہروں پر رومال بندھے ہوئے تھے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"جی صاحب!" اسے میرے پہلے سوال کی عمومی نوعیت پر قدرے حیرت ہوئی تھی۔

"مگر ان کی آنکھوں سے اوپر کا حصہ کھلا ہوا تھا جسے تم نے ضرور دیکھا ہو گا۔"

"دیکھا تھا مگر بس پل بھر کے لئے۔ ان میں سے کسی کو پہچاننا مشکل ہو گا۔"

"ان میں سے کوئی گورا چٹا نوجوان بھی تھا؟" میں نے پُرامید لہجے میں پوچھا۔

"یہ تو مجھے پتا نہیں کہ وہ نوجوان تھا یا ادھیڑ عمر لیکن آگے آنے والے کا رنگ گورا تھا۔ اس کی چال بگڑی ہوئی تھی۔ وہ اس طرح لچک لچک کر سیڑھیاں اتر رہا تھا جیسے اس کے کولھے کی ہڈیوں میں تکلیف ہو۔"

اس کے جواب پر میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ میرا ابتدائی اندازہ درست ثابت ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"لچکیلی چال والے اس گورے آدمی کے بارے میں اپنے ذہن پر زور دے کر اور باتیں بھی یاد کرنے کی کوشش کرو۔ وہ پکڑا گیا تو یوں سمجھو کہ تینوں مجرم اول خان کے ہاتھ آ سکتے ہیں۔"

وہ فوراً کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں پُرخیال انداز میں چھت پر جم گئی تھیں جیسے وہ اپنے ذہن میں تہ خانے کا خونیں منظر تازہ کر رہا ہو پھر وہ رک رک کر بتانے لگا "وہ کافی تگڑا اور لمبا تھا۔ اس کے کھلے ہوئے گریبان میں ایک سنہری چین جھول رہی تھی اور ۔۔۔ اور شاید اس کی انگلیوں میں کئی چمکدار انگوٹھیاں بھی تھیں ۔۔۔ اس سے آگے کوئی اور بات مجھے یاد نہیں آ رہی۔ انہوں نے آتے ہی ہم پر فائر کھول دیا تھا۔ کچھ دیکھنے یا سننے سے پہلے ہی میں گر گیا تھا۔ پیٹ میں گولی لگنے سے پہلے کئی گولیوں نے مجھے زخمی کر دیا تھا۔"

"تم نے بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تعریفی لہجے میں کہا "اب قاتل گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔"

میں نے کراچی کے بازارِ حسن سے ساگا کا سراغ حاصل کر کے اس کے زخمی ہونے تک کی کہانی کم و بیش اپنے تمام ساتھیوں کو سنائی تھی جس میں صرف ان اہم کرداروں کا ذکر شامل تھا جن کا ساگا سے براہِ راست یا گہرا تعلق تھا۔ وہاں میں نے مزید جو کچھ دیکھا یا سنا' وہ میرا اپنا مشاہدہ تھا جس کا ذکر میں نے گول کر دیا تھا۔

ساگا کی اس کہانی میں زمرد بائی عرف ڈیرے والی' نادیہ عرف چھمیا اور خود ساگا کا تفصیلی ذکر آتا تھا۔ باقی کرداروں کا ذکر محض دلالوں کے طور پر آیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس وقت میری نظروں

میں سنی، جوی، علم دین اور فخرو وغیرہ اس بازار میں صنم گری اور جسم فروشی کرنے والی لڑکیوں اور عورتوں کے بے ضمیر دلال تھے اور اسی وجہ سے کسی تفصیلی رائے زنی کے حق دار نہیں تھے۔

اول خان نے اپنی ابتدائی باتوں میں لچک کر چلنے والے ایک مجرم کا حوالہ دے کر میرے ذہن کے کئی بند دریچے کھول دیئے تھے۔ سنی اسی بازار کے گناہوں میں پیدا ہونے اور پرورش پانے والا ایک گوراچٹا، صحت منداور خوبرو نوجوان تھا جسے اس بازار کی بودو باش اور معاشرت نے مکمل مرد رہنے دیا تھا اور نہ ہی وہ اپنی فطری ساخت کو خیرباد کہہ کر عورت کا روپ دھار سکا تھا۔ وہ جو کچھ بھی تھا، اپنے حال میں مگن تھا۔ اس نے اپنی ذات کے تضادات کو چھپانے کے لئے تیسری جنس کا سوانگ رچانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔

وہ جاہل مگر کڑیل نوجوان عورتوں میں پلنے بڑھنے کی وجہ سے بہت سی زنانہ عادتوں میں مبتلا تھا۔ اس کی بول چال کا لب ولہجہ بھی عورتوں جیسا تھا جو خالص مردانہ آواز میں بہت اجنبی اور عبرت انگیز محسوس ہوتا تھا۔ صحت مندی کے باوجود اس کے بدن میں نسوانی نرمی اور گداز موجود تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنی کمر کو بل دے دے کر انتہائی لچکیلے نسوانی انداز میں چلتا تھا۔ اس کی یہ آخری خرابی اتنی نمایاں تھی کہ میرے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی۔

ساگا کے معاملے میں بظاہر اس کا کردار نہ ہونے کے برابر تھا۔ میرے مذاکرات جوی اور اس کے ساتھیوں سے ہوئے تھے۔ مجھ سے رقم بھی انہوں نے ہی اینٹھی تھی اور پھر آخر میں سنی کو کوئی معمولی سا لالچ دے کر مجھے ڈیرے دارنی کے نئے ٹھکانے پر پہنچانے کی ذمے داری سونپ دی تھی۔

گارڈن ایسٹ میں ڈیرے دارنی نے بھی سنی کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ اسے اپنے بلاؤز میں سے سو روپے کا نوٹ دے کر برآمدے میں سے ہی رخصت کردیا تھا۔ ان واقعات کی روشنی میں سنی کا کردار قابلِ رحم ضرور تھا لیکن کسی بھی اعتبار سے قابلِ ذکر نہیں تھا۔

اول خان کی باتوں سے میرے ذہن میں سنی کی لچکیلی چال کا تصور ابھرا، تب بھی مجھے یقین نہیں تھا کہ تعلیم اور مناسب صحبت سے محروم وہ بے توقیر نوجوان کوئی بڑا جرم کرنے کی ہمت کرسکتا ہے لیکن سراغ پھر سراغ ہوتا ہے۔ میں مزید وضاحت کے لئے اسپتال پہنچا تو واردات کے چشم دید گواہ کا ہر لفظ چیخ چیخ کر سنی کا نام دہرا رہا تھا۔

میرے لئے وہ حیران کن صورتِ حال تھی۔ بادی النظر میں حقیر، بے ضرر بلکہ ناکارہ نظر آنے والا ایک شخص اچانک ہی سہ نفری گروہ کے سربراہ اور سفاک قاتل کا روپ دھار چکا تھا۔ مزید پُراسرار بات یہ تھی کہ سنی مجھے ڈیرے دارنی کے برآمدے میں چھوڑ کر الٹے قدموں واپس چلا گیا تھا۔ وہاں جو کچھ ہوا، اس کے جانے کے بعد ہی ہوا۔ سوال یہ تھا کہ اسے کیسے معلوم ہوا کہ ہم لوگوں نے ساگا کو اسپتال سے نکال کر نادرہ کے مکان میں منتقل کردیا تھا۔

مجھے محسوس ہونے لگا کہ سنی درحقیقت وہ نہیں تھا جو نظر آتا تھا۔ اس کے باطن میں کوئی خبیث اور سفاک مجرم پوشیدہ تھا جو اپنی سادہ لوحی سے لوگوں کو فریب دے کر بڑے مجرمانہ مقاصد کے لئے مصروفِ عمل تھا۔

اول خان استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے آہستگی سے کہا "آؤ، اب باہر چل کر باتیں ہوں گی۔ تمہارے مجرموں میں سے ایک کی نشان دہی ہوچکی ہے۔"

"وہ کون ہے؟ تم کس پر شبہ کررہے ہو؟" اسپتال سے باہر نکلتے ہوئے اول خان نے پوچھا۔

"بات شبے سے بڑھ کر اب یقین تک پہنچ چکی ہے" میں نے فکر مندی کے ساتھ کہا "لچکیلی چال والا شخص بازارِ حسن کا ایک عجیب وغریب نوجوان ہے جو مرد ہوتے ہوئے بھی زنانہ عادات میں مبتلا ہے۔ اسے دیکھ کر تم سوچ بھی نہیں سکو گے کہ وہ کسی پر ہتھیار اٹھا سکتا ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ میرے آدمی کو غلط فہمی ہوئی ہو یا تم اس کے جوابات سے غلط نتائج اخذ کررہے ہو" اول خان نے بے چینی سے کہا "اگر ایسا نہیں ہے تو ہمیں فوراً اس بہروپیے کو پکڑ لینا چاہئے۔"

"کسی سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ چند کڑیاں غائب ہونے کے باوجود حقائق کی بہت سی کڑیاں مل رہی ہیں۔ بازارِ حسن سے ساگا کا تعلق بہت پرانا اور گہرا ہے۔ وہ نادیہ کو وہیں سے اٹھا کر شرفا کے علاقے میں لایا ہے۔ اس نے خود کہا تھا کہ اس علاقے کا بچہ بچہ اس کے احسانوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے.... ہوسکتا ہے کہ سنی نے اس کے ایسے ہی کسی احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے خوں ریزی کی ہو۔"

گاڑی میں گھر کی طرف واپس لوٹتے ہوئے میں نے اسے سنی کے بارے میں ہر وہ بات بتا ڈالی جو میرے مشاہدے میں آچکی تھی۔ پھر واقعات اس کی غمازی کررہے تھے۔ میری باتوں نے اسے بھی حیران کردیا۔ اس نے کئی بار یہ خیال ظاہر کیا کہ کہیں سنی دہری شخصیت کا کوئی بگڑا ہوا نفسیاتی کیس نہ ہو مگر میں نے اس کی اس رائے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میں سنی سے مل کر ہی کوئی فیصلہ کن رائے قائم کرسکتا تھا۔

واپسی میں کافی تیزی دکھانے کے باوجود ہم نو بجے گھر نہیں پہنچ سکے۔ ہماری متوقع واپسی کے پیشِ نظر غزالہ نے سلطان شاہ کو بیدار کردیا تھا۔ نو بجے ویرا کا فون آیا تو سلطان شاہ نے ہی اس سے بات کی تھی۔ اس مرتبہ ویرا نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ بتا دیا تھا کہ بے یقینی کی حالت میں اس کے لئے وقت گزارنا دشوار

ہو رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کے تبادلے کے بارے میں جلد از جلد ... کوئی فیصلہ کیا جائے تاکہ وہ دوبارہ آزادی کی زندگی گزارنے کے قابل ہوسکے یا پھر باعزت موت کو گلے لگالے۔

میں وہ تفصیل سن کر مسکرا دیا۔ میری دانست میں ویرا نے وہ باتیں جان کو سنانے کے لئے ہی کی تھیں ورنہ وہ جانتی ہی تھی کہ ہم اس کی آزادی کے لئے سرتوڑ کوششیں کر رہے تھے۔

"سنی کو کہاں بلوایا جائے؟" سلطان شاہ کی بات ختم ہونے کے بعد اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

"نادرہ کا مکان ہی بہتر رہے گا" میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد دھیمے سے کہا۔

"وہ گھر ان لوگوں کا دیکھا ہوا ہے۔ وہ بہت بے خوف اور خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ دوبارہ وہاں پہنچ جائیں اور سنی کے زبان کھولنے سے پہلے ہی محاذ آرائی کا سلسلہ چھڑ جائے۔"

"ایک طرف ویرا کا قصہ چل رہا ہے اور دوسری طرف سنی کی نشان دہی ہو چکی ہے۔ اگر سنی کو اسٹیشن فور بھیج دیا گیا تو ہم شہر کے معاملات پر پوری توجہ نہیں دے سکیں گے۔ تم یہاں مامور کئے ہوئے تینوں آدمیوں کو ہٹا کر ڈیری پر مامور کردو۔ وہ آئے تو انہیں بھی دیکھ لیا جائے گا۔ اس بار تم بے خبر نہیں، بہت زیادہ باخبر ہو۔"

میری خواہش تھی کہ میں خود ہی نیپیئر روڈ جا کر سنی کو پکڑ کر لاتا لیکن اول خان نے سختی سے میری مخالفت کی۔ اس کا کہنا تھا کہ جس بازار میں سنی جیسے صورت حرام قاتل پل رہے ہوں، وہاں آدمی اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔ ساگا کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کی بنا پر میرا وہاں پہچانا جانا یقینی تھا۔ میں ایک بار ان بے ضمیر بدمعاشوں کے نرغے میں پھنس جاتا تو معاملات کافی طول پکڑ سکتے تھے۔

بہتر یہی تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے دو اجنبی چہرے وہاں جاتے اور کسی بھی بہانے سے سنی کو اس کے محلے سے نکال کر نادرہ کے غیر آباد مکان میں پہنچا دیتے۔

اول خان سے سنی کے بارے میں میری اتنی تفصیلی باتیں ہو چکی تھیں کہ اسے اپنے آدمیوں کو سنی کے کوائف سمجھانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اس نے انہیں فوری طور پر روانہ ہونے اور سنی کو پہلی فرصت میں ڈیری پر پہنچانے کی واضح ہدایات کی تھیں۔

اس دوران میں غزالہ اور سلطان شاہ کو ہماری گفتگو سے نئے واقعات کا علم ہو چکا تھا۔ غزالہ کو ایسے علاقوں کے رہنے والوں کے چال چلن اور کردار کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا اس لئے اس نے سرگرمی سے باتوں میں حصہ نہیں لیا مگر سلطان شاہ بار بار حیرت کا اظہار کرتا رہا۔

اس کا کہنا تھا کہ گانے بجانے والیوں کے رذیل طبقے کے مرد انتہائی بزدل اور بودے ہوتے ہیں۔ خون خرابا تو بڑی بات ہے، وہ اپنا دھندا خراب ہونے کے خوف سے دنگا فساد سے بھی کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ ایسے ماحول میں پلے ہوئے کسی لڑکے نے اگر ساگا کو آزادی دلانے کے لئے انسانی خون بہایا تھا تو یہ بازارِ حسن کی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ بھی قرار دیا جا سکتا تھا۔

ہمارے سامنے جو معلومات موجود تھیں، ان پر کام کا آغاز ہو چکا تھا اور ہمیں ان کے نتائج کا انتظار کرنا تھا۔ اول خان پچھلے روز سے اپنے گھر نہیں جا سکا تھا۔ اس نے اس عارضی تعطل سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا اور کہا "میں کچھ وقت گھر پر گزارنے کے بعد اسٹیشن فور ہی چلا جاؤں گا۔ وہاں روزمرّہ کا کافی کام جمع ہو گیا ہے۔"

"ہائیں!" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا "تو ایس ٹی ایف آج کل راس الميڈا کی سرکوبی کے علاوہ کوئی اور کام بھی کر رہی ہے؟ میرے لئے یہ اطلاع خاصی تعجب خیز ہے۔"

"اسپیشل ٹاسک فورس ایک ملک گیر تنظیم ہے" اول خان نے گمبھیر سنجیدگی سے جواب دیا "ہمیں ہر روز دوسرے علاقوں سے ملنے والی رپورٹوں کی روشنی میں اقدام کرنے ہوتے ہیں پھر ہم اپنی رپورٹیں باقاعدگی سے اوپر والوں کو بھیجتے ہیں۔ میرے بیشتر آدمی دن بھر کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتے ہیں۔"

"تم کئی بار اپنے آدمیوں کے فارغ ہونے کا ذکر کر چکے ہو" سلطان شاہ نے کہا۔

"یہ ایک ذو معنی جملہ ہوتا ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمیوں کی مصروفیات ناگزیر نہ ہوں اور انہیں ان کے فرائض سے ہٹا کر کہیں اور مامور کرنے کی گنجائش موجود ہو۔"

"پھر بھی کبھی تو تمہارے آدمی بے کار رہتے ہوں گے؟" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

"سسٹم میں بے کار رہنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ جب دوسرے کام نہیں ہوتے تو صفائی، زمین ہموار کرنے یا پھر نئی کیاریاں بنانے کا کام شروع کردیا جاتا ہے۔ فلسفہ یہ ہے کہ بے کار انسان کا دماغ شیطان کا کارخانہ ہوتا ہے اور وہ بہت آسانی سے تخریبی راہوں پر نکل جاتا ہے۔ اسے فارغ نہ رہنے دو۔"

"یہی بات ملک کے لاکھوں بے روزگار نوجوانوں پر بھی لاگو کی جا سکتی ہے۔"

"بالکل!" اول خان نے پُرزور لہجے میں کہا "یہ ایک آفاقی اصول ہے اور ہر جگہ لاگو ہوتا ہے۔ تم دیکھ لو کہ بے روزگاری کے ساتھ ملک بھر میں اخلاقی اور معاشرتی جرائم کی رفتار بھی روز افزوں ہے۔"

"تو کیا ایس ٹی ایف کا ڈسپلن ان لوگوں پر نافذ نہیں کیا جا سکتا؟"

"سب کچھ ہو سکتا ہے مگر اس کے لئے نیت کا پُرخلوص ہونا ضروری ہے۔ یہ لمبی باتیں ہیں۔ کبھی فرصت کے وقت ہوں گی۔

اس وقت میں جا رہا ہوں۔ اپریٹس پر تم لوگ ہر وقت مجھ سے رابطہ کر سکو گے۔"

کوئی نئی بحث شروع ہونے سے پہلے ہی وہ دروازہ کھول کر نکل گیا۔

غزالہ کھانے کی تیاری کے لئے کچن میں گئی تو سلطان شاہ نے میرے قریب سرک کر رازدارانہ لہجے میں کہا "تم نے سی کے کردار کو ایک پہیلی کیوں بنایا ہوا ہے؟ اسے صاف صاف ہیجڑا کیوں نہیں کہتے؟"

"وہ ہیجڑا نہیں ہے" میں نے اسی رسانیت سے جواب دیا "وہ مرد بنا رہنا چاہتا ہے۔ مردانہ لباس پہنتا ہے مگر اس پر نسوانی عادات کا گہرا غلبہ ہے۔ یہاں کون ہے جس کے سامنے میں کھلی کھلی باتیں نہیں کر سکتا؟"

"میں سمجھ رہا تھا کہ تم غزالہ کی وجہ سے تکلف کر رہے ہو۔" وہ مایوسی سے بولا۔

"غزالہ اب کنواری لڑکی نہیں' ایک شادی شدہ عورت اور میری بیوی ہے۔ اس سے کیا تکلف؟"

"پھر تو اس مخلوق کو دیکھنا ہی پڑے گا کہ درحقیقت وہ کیا شے ہے۔"

"اسے دیکھ کر تمہیں صدمہ ہوگا کہ ایسا وجیہہ آدمی ایسی شرمناک کمزوریوں کا شکار ہے۔"

سلطان شاہ میں خاص بات یہ تھی کہ وہ اپنے مشاہدوں سے زیادہ میرے تجربات سے بہت کچھ سیکھنے کا آرزومند رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اکثر باتوں پر مجھ سے الجھتا رہتا تھا اور کرید کرید کر ایسے سوالات کرتا تھا کہ بعض اوقات میں چڑ جاتا تھا۔ اس وقت بھی وہ ایسے ہی موڈ میں نظر آ رہا تھا۔

میں اسے جواب دے دے کر اکتاہٹ کی منزل پر پہنچا ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور میری جان چھوٹ گئی۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو جان کی آواز سن کر چونک پڑا۔ غیر ارادی طور پر میری نظریں وال کلاک کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں سوئیاں دس بج کر پینتیس منٹ کا اعلان کر رہی تھیں۔

"تم نے قبل از وقت فون کیسے کر لیا؟" میں نے اس کی ہیلو کے جواب میں حیرت سے پوچھا۔

"یہ بتانے کے لئے کہ اب میں تمہاری عاید کی ہوئی شرط کی پابندی نہیں کر سکوں گا۔"

"کیوں؟" میں نے کاٹ دار لہجے میں سوال کیا "تم کو وعدے کی پابندی کرنی ہوگی۔"

"ہر کال کے بعد دو گھنٹے تک انتظار کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ شام تک میں نڈھال ہو جاؤں گا۔"

"یہ تمہیں پہلے سوچنا چاہئے تھا۔ وعدہ خلافی ہوئی تو راس المیڈا عتاب میں آ جائے گا۔"

"اب مجھے اس کی بھی پروا نہیں رہی۔ صورتِ حال بہت تیزی سے بدل رہی ہے۔"

اس کے لہجے میں جھوٹ کی آمیزش نہیں تھی۔ میں اس تبدیلی پر حیران رہ گیا مگر میں نے اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے سکون سے پوچھا "ایسی کون سی تبدیلی آئی ہے جس نے تمہیں راس المیڈا سے متنفر کر دیا ہے؟"

"میں پیسے کے لئے اس کے ساتھ تھا۔ مجھے کسی اور ذریعے سے رقم مل جائے تو مجھے اس کی کیا پروا ہو سکتی ہے؟"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے راس المیڈا کے دشمنوں سے... گٹھ جوڑ کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"اس سرزمین پر تمہارے سوا اس کا کوئی دشمن نہیں ہے جب کہ تمہارے بے شمار دشمن ہیں۔"

"کھل کر بات کرو۔ میرے دشمن راس المیڈا کے خلاف کیسے ہو سکتے ہیں؟"

"یہ آسانی سے سمجھ میں آنے والی باتیں نہیں ہیں.... میں تمہیں آج رات دس بجے تک کا وقت دے رہا ہوں۔ دس بجے تک تم نے فیصلہ نہیں کیا تو میں ویرا کو بیچ دوں گا پھر تم عمر بھر راس المیڈا کی خدمت کرتے رہنا۔"

"اگر تم میری معلومات میں تھوڑا سا اضافہ کر سکو تو مجھے فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔"

"میری طرف سے پوری رازداری کے باوجود باخبر لوگوں کو پتا چل گیا ہے کہ راس المیڈا مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے اور ویرا میرے قبضے میں ہے۔ کچھ لوگ ہر قیمت پر ویرا کو حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ میں اس سودے سے پندرہ' بیس ملین ڈالر حاصل کر سکتا ہوں۔ اتنی رقم سے میں اپنی ساری زندگی عیش سے گزار سکتا ہوں۔ مجھے کسی کی غلامی کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

"پھر تم مجھے مزید مہلت کیوں دے رہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا "دونوں قیدیوں کے تبادلے میں تو تمہیں بیس ڈالر بھی نہیں مل سکیں گے۔ شاید یہ تمہارا کوئی نیا فراڈ ہے۔"

"یہ خبریں کسی سے پوشیدہ نہیں رہیں گی اور جلد یا بدیر راس بھی آزادی حاصل کر لے گا۔ میں نے ویرا کا سودا کر لیا تو وہ میرے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔ میں منظرِ عام پر رہ کر اپنی مرضی سے اپنی دولت خرچ نہیں کر سکوں گا۔ تبادلے کی صورت میں وہ عمر بھر میرا احسان مند رہے گا کہ میں نے اس کی خاطر اتنی بڑی پیشکش ٹھکرا دی۔ وہ نہ صرف مجھے انعام دے گا بلکہ میرا معاوضہ بھی بڑھا دے گا جو میں عمر بھر وصول کرتا رہوں گا۔..."

"یہ خیالی منصوبے ہیں۔ وہ بہت کینہ پرور اور خود غرض انسان ہے۔ تمہیں پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میں ابھی اسے بتاتا ہوں کہ تم اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو۔"

فون پر اس کی زہریلی ہنسی کی آواز ابھری پھر اس نے کہا۔
"اسے بتانا کافی نہیں ہوگا۔ اس کی کینہ پروری کا مظاہرہ دیکھنے کے لئے تمہیں اس کو رہا بھی کرنا ہوگا اور میں یہ کہہ کر اپنی جان بچالوں گا کہ یہ اس کی رہائی کی ایک ترکیب تھی جو کامیاب رہی۔ تم اسے مار دوگے تو میری زندگی بہت سہل ہو جائے گی ورنہ مجھے بیس ملین ڈالر کے ساتھ نیپال یا تبت میں اپنی زندگی گزارنی پڑے گی۔ تم میرے دوست نہیں' بدترین دشمن ہو لیکن یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ اب میرے فیصلے کا انحصار تمہارے فیصلے پر ہے۔"

"میں ان تبدیلیوں کا پابند نہیں ہوں" میں نے سوچ کر سخت لہجے میں کہا "تم نے مجھے چوبیس گھنٹے کی مہلت دی تھی۔ اسے برقرار رکھنا ہوگا ورنہ راس المیڈا سے پہلے میں تمہاری زندگی جہنم بنادوں گا۔"

"تمہارے لئے ویرا بہت اہم نہیں ہے' میرے لئے راس المیڈا اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔ بھول جاؤ کہ ہمارے درمیان ان دونوں کے تبادلے کی کوئی بات ہوئی تھی۔ تم اپنے قیدی کو مار دو' میں اپنی قیدی کا سودا کئے لیتا ہوں۔ میرے ساتھ تم بھی ہمیشہ سکھی رہو گے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ راس المیڈا تمہارا کتنا بڑا دشمن ہے۔"

گفتگو کے اس موڑ پر میری عقل چکرا کر رہ گئی۔ پہلے جان' راس المیڈا سے بات کرنے کے لئے مرا جارہا تھا اور اب وہ خود مجھے راس المیڈا کے عزائم سے خبردار کررہا تھا۔ حالات کی اس قلابازی میں ویرا واضح طور پر بدترین خسارے میں جاتی نظر آرہی تھی جب کہ میں ہر قیمت پر اسے بچانا چاہتا تھا۔

جان کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی سے مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے رات کی فائرنگ کی خبریں پھیلنے کے بعد ہی شہر کے باخبر حلقوں میں قیاس آرائیوں کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ امریکن سفارت کار ... راس المیڈا کی نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر تھے' اس لئے وہی صحیح تر اندازے لگا سکتے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ جان نے انہیں اپنے ابتدائی منصوبے کے بارے میں بتائے بغیر صرف یہ بتادیا تھا کہ ویرا اس کے قبضے میں تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ جان سے سودے بازی کر کے ویرا کو مجھے بلیک میل کرنے کے لئے حاصل کرنا چاہ رہے ہوں۔ اس طرح ویرا اور راس المیڈا کی حد تک پوری صورتِ حال جوں کی توں رہتی اور جان پندرہ' بیس ملین ڈالر جیب میں ڈال کر ویرا کا قبضہ امریکن سفارت کاروں کے سپرد کر کے خاموشی سے کہیں کھسک جاتا۔

میں نے گفتگو کا پینترا بدل کے کہا "میری پشت پر مقامی قانون کارفرما ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ راس المیڈا کے جرائم بہت سنگین ہیں لیکن اس کے خلاف ثبوت ناکافی ہیں۔ اسے سزایاب نہیں کرایا جاسکتا۔ مختصر سے عرصے میں وہ نکل جائے گا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آخر کار یہی ہونا ہے تو کیوں نہ اس کی آزادی کے بدلے ویرا کی زندگی بچالوں۔ تم جانتے ہو کہ وہ طویل عرصے تک میری دوست رہی ہے۔"

وہ دخل اندازی کئے بغیر میری پوری بات سنتا رہا پھر بولا "مجھے چکر دینے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہیں اور تمہارے قانونی اداروں کو خوب جانتا ہوں۔ تمہارے ہاتھ اَن گنت لوگوں کے خون سے آلودہ ہیں۔ تمہاری پولیس ہر روز مقابلوں میں اپنے مطلوبہ ملزموں کو چھلنی کررہی ہے جس پر ہر طرف شور ہورہا ہے..... تمہارے لئے راس المیڈا کو مارنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس کے لئے دس سینٹ کی ایک گولی ہر ثبوت اور دلیل سے زیادہ مؤثر ثابت ہوگی۔"

"تمہیں وہ نمبر دیا جاچکا ہے جس پر راس المیڈا موجود ہے" میں نے مصالحانہ لہجے میں کہا "ہوسکے تو خود معلوم کرلو کہ وہ کون لوگ ہیں اور قانون کی پاسداری میں ان کی کیا شہرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے راس المیڈا سے میری نفرت کا اندازہ لگا کے اسے اپنی تحویل میں رکھا ہے...."

"مجھے تمہاری ان خرافات سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے" اس نے میری بات کاٹ کر تیزی سے کہا "میں صرف یہ جانتا ہوں کہ ویرا تمہیں پہلے بھی عزیز تھی اور اب بھی عزیز ہے۔ مجھ پر دباؤ ڈالنے کے لئے تم نے ابتدا میں اس سے اپنی لاتعلقی کا ڈراما رچایا تاکہ راس المیڈا کے لئے میری بے چینی سے فائدہ اٹھاسکو۔ اب میرے سامنے ایک متبادل راستہ موجود ہے تو تم بوکھلا گئے ہو اور ویرا کو آزاد کرانا چاہتے ہو۔"

"تمہاری تقریر سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ راس المیڈا کے بدلے ویرا کی رہائی کی پیشکش تمہاری تھی۔ بڑی رقم کے لالچ نے اب تمہاری سوچ میں زہر بھر دیا ہے تو میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ جو لوگ ویرا کو حاصل کرنے کے لئے پندرہ' بیس ملین ڈالر خرچ کرسکتے ہیں' وہ اس کے خیر خواہ نہیں ہوسکتے۔ میں سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں کہ اس اچھی لڑکی کو ان درندوں کے چنگل میں جانے سے بچایا جائے۔"

"اس کا مطلب یہ سمجھوں کہ تم نے آخر کار فیصلہ کرلیا ہے؟" اس نے برجستہ سوال کیا۔

"فیصلے کے لئے تم نے رات دس بجے کا وقت مقرر کیا ہے۔ یہ میری موجودہ رائے ہے جو آخری تجزیے میں بدل بھی سکتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ میری موجودہ رائے برقرار رہی تو قیدیوں کے تبادلے کی کیا صورت ہوگی؟"

دوسری طرف سے میرے اس غیر متوقع سوال کا فوری جواب نہیں آیا' لائن پر خاموشی چھاگئی۔ چند ثانیوں بعد اس نے پوچھا "تم کیا طریقہ اختیار کرنا چاہو گے؟"

"شہر کے کسی بڑے اور محفوظ ہوٹل میں یہ کام سرانجام دیا جاسکتا ہے۔"

ریسیور پر اس کی ہلکی سی اعصاب زدہ ہنسی ابھری پھر اس نے

کہا "تم ابھی خود اعتراف کر چکے ہو کہ تمہیں مقامی قانون کی پشت پناہی حاصل ہے۔ کیا تم اور تمہارا قانون اتنا ہی بھولا ہے کہ تبادلہ مکمل ہو جانے کے بعد مجھے راس المیڈا کے ساتھ اس ہوٹل سے نکل جانے دے گا۔ میں اتنا احمق نہیں ہوں مسٹر ڈینی!" آخری الفاظ اس نے چبا چبا کے زہریلے لہجے میں ادا کئے تھے۔

"تم میری طرف سے بدگمانیوں میں مبتلا ہو اسی لئے میں نے تم سے تمہارا طریقۂ کار پوچھا تھا۔"

"یہ تبادلہ کسی غیر ملکی سرزمین پر ہو تو سب سے بہتر رہے گا۔"

"اتنی لمبی دوڑ لگانے کے بجائے یہ کام پاکستان میں بھی ہو سکتا ہے۔"

"پاکستان میں، مَیں خود کو کہیں بھی محفوظ نہیں سمجھتا۔ یہاں تمہاری بالادستی برقرار رہے گی۔"

"امریکا کے سوا کسی بھی ملک کے سفارتی مشن کی عمارت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"یہ ایک اچھی تجویز ہے لیکن مشن کا تعین باہمی رضامندی سے ہو گا۔"

"اس کا مطلب ہے پاکستان میں کام کرنے والے سفارتی اداروں میں تمہارے مراسم ہیں؟"

"راس المیڈا ایک بڑا نام ہے۔ تم نے اسے یہاں بہت بدنام کیا ہے۔ اخباروں میں دہشت گرد کے طور پر اس کے تصویری فیچر چھپوائے ہیں لیکن اپنی سفری دستاویزات کے مطابق وہ راڈنی آرک نامی سینئر سفارت کار ہے۔ اس کا ملک اس بات کی تصدیق کرے گا۔ ایک سپرپاور کی خوشنودی کے لئے ہر سفارت کار ہماری مدد کرے گا۔"

"تم ویرا کی بولی لگانے والوں کو بھول رہے ہو۔ وہ تمہاری راہ میں رکاوٹ ڈالیں گے۔"

"میں ان سے نمٹ لوں گا۔ میں اپنے کارڈ کھیلنے کا فن اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"پھر تم نے کیا طے کیا ہے۔ تم کس ملک کے مشن کو ترجیح دو گے؟"

"تم دس بجے تک کوئی فیصلہ کر لو تو میں بھی دو تین متبادل نام طے کر لوں گا" اس کی آواز میں طنز کی کاٹ پیدا ہو گئی "متبادل نام تمہیں شکوک و شبہات میں مبتلا نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے" میں نے مصالحانہ لہجے میں کہا "میں دس بجے تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔ اب ذرا ویرا سے میری بات کرا دو۔ میں رات کو بھی اس سے بات کرنا چاہوں گا۔"

"اس وقت وہ باتھ روم میں ہے۔ رات کو اس سے بات کر لینا۔ تم بے فکر رہو' اسے کسی قسم کے تشدد کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا اور میں راس المیڈا کے بارے میں بھی یہی توقع رکھوں گا۔ تبادلے کے موقع پر اس نے تمہاری کوئی شکایت کی تو بہت برا ہو گا۔"

"فکر مت کرو' تمہاری توقعات پوری کی جائیں گی" میں نے فون بند کر دیا۔

میں نے اس کی پُرپیچ گفتگو کے ایک ایک لفظ پر پوری توجہ دی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ بھی کوئی بہت بڑا شاطر تھا اور راس المیڈا کا حلیف ہونے کے باوجود' قسمت سے ہاتھ آئے ہوئے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

راس المیڈا کا ساتھی ہونے کی وجہ سے وہ بنیادی طور پر امریکن لابی کا ہی کارندہ تھا۔ یہ اور بات ہے کہ راس المیڈا کی موجودگی میں بڑے لوگوں سے براہِ راست اس کے روابط نہ رہے ہوں۔

اس نے اپنے آقاؤں کو ویرا کے زیرِ دام آنے کی خبر دے کر ایک بہت بڑا داؤ کھیلا تھا۔ اگر مجھ سے کوئی بات نہ بنتی تو وہ ایک بڑی رقم لے کر ویرا کو ان کے حوالے کر دیتا۔ دونوں قیدیوں کے تبادلے کی صورت میں بظاہر اسے بھاری نقصان ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا لیکن میں نے باتوں ہی باتوں میں اندازہ لگا لیا تھا کہ مجھ سے تبادلے کا سمجھوتا ہونے کے بعد وہ اپنے آقاؤں کو ویرا کے بدلے راس المیڈا کی بازیابی کی خبر دے کر میرے نام پر دی یا کچھ کم رقم اینٹھ لیتا۔ ان لوگوں کے لیے راس المیڈا ویرا سے کہیں زیادہ اہم تھا کیوں کہ شی کی سربراہی' ان کے آنے والے انتخابات اور متعدد تخریبی منصوبوں پر عمل در آمد کی ذمے داریاں اسی پر تھیں۔

اس بندوبست میں وہ نہ صرف بھاری رقم کما سکتا تھا بلکہ اسے راس المیڈا کی خوشنودی بھی حاصل رہتی۔ اس نے چند گھنٹوں کے اندر ہی اندر ایسی دہری چال چلی تھی کہ اسے ہر صورت میں فائدہ ہوتا تھا۔

راس المیڈا متعدد مواقع پر ہاتھ آتے آتے ہماری گرفت سے نکل چکا تھا۔ پچھلی رات اسے اپنی رائفل کی نال کی زد پر لیتے ہوئے مجھے خوشی ہوئی تھی کہ آخر کار تقدیر نے ہمارا بھی ساتھ دیا تھا لیکن ویرا کے اغوا کا انکشاف ہوتے ہی یہ تکلیف دہ احساس ہوا کہ وقت کا دھارا بدستور راس المیڈا کے حق میں بہہ رہا تھا۔

اس وقت ہمارا سارا انحصار ٹیلی فون پر آبزرویشن کی رپورٹ پر تھا۔ اگر ہمیں جان کے ٹھکانے کا علم نہ ہوتا تو پھر ویرا اور راس المیڈا کے تبادلے کی تیاری کے سوا کوئی اور راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

جان کوئی گھاگ اور منجھا ہوا مجرم تھا۔ اس نے بیرونِ ملک یا کسی سفارتی مشن کے ذریعے قیدیوں کی تبدیلی کی تجویز پر زور دے کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اپنی کمزوریوں سے غافل نہیں تھا۔ اس لیے ان مراحل پر بھی اسے نیچا نہیں دکھایا جا سکتا تھا۔ ایک بار راس المیڈا ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا تو پھر اس کا گرفت میں آنا ممکن نہیں تھا۔

فون پر جان سے میری طویل گفتگو ہوئی تھی۔ غزالہ اور سلطان شاہ نے میری گفتگو سنی تھی اور اس سے جان کی کہی ہوئی بہت سی باتوں کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس کے باوجود ان کے ذہنوں میں متعدد سوالات مچل رہے تھے۔ وہ تجسس اور گہری دلچسپی کے ساتھ سوال کرتے رہے اور میں ان کے جوابات دیتا رہا۔

جان کی نئی قلابازیوں کے بارے میں جان کر ان کے چہرے بھی اتر گئے۔ ہم لوگوں نے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا کر جس جاں فشانی سے راس المیڈا کو زیر کیا تھا' وہ ہمارا دل ہی جانتا تھا۔ اس خبیث اور سفاک دہشت گرد کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچانا ہمارا حق تھا لیکن آثار کچھ اچھے نہیں تھے۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ دونوں نیند پوری کرنے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں جا گھسے۔ بدلے ہوئے حالات نے میری بھوک اور نیند بالکل ہی اڑا دی تھی۔ پھر بھی میں نے ان دونوں کا ساتھ دینے کے لیے میز پر چند لقمے لئے اور ٹیلی وژن کھول کر خالی الذہنی کے عالم میں ایک صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

تین بجے کے قریب اول خان آ پہنچا۔ وہ دونوں ہی اتنی گہری نیند سوئے ہوئے تھے کہ ڈور بیل کی آواز بھی ان کے آرام میں خلل نہیں ڈال سکی۔ میں دروازہ کھول کر اول خان کو ڈرائنگ روم میں لے آیا۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ ست اور اداس نظر آ رہے ہو۔" اول خان نے بیٹھتے ہی پوچھا۔

"جب حریفوں کے ستارے عروج پر ہوں تو اداسی ناگزیر ہو جاتی ہے۔" میں نے پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"کیوں؟ کیا کوئی نئی بات ہوئی ہے؟"

میں نے اسے جان سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سنا ڈالا۔

"وہ بہت اونچا اڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔" اول خان نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا "منہ کے بل گرے گا۔"

"ایسا ہوگا تو میرے چہرے پر خود بخود رونق آجائے گی۔ ابھی تک ایسے آثار نہیں ہیں۔"

"میرے پاس کچھ اچھی اور کچھ خراب خبریں ہیں۔ ان کا ملا جلا نتیجہ کچھ اچھا ہی ہے۔ سنو گے؟"

"ضرور سنوں گا لیکن سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ آبزرویشن کا کیا ہوا؟"

"پہلی خبر وہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں جان کی کمین گاہ کا سراغ مل چکا ہے۔"

وہ خبر سن کر میں بے ساختہ خوشی سے اچھل پڑا۔ "یہ شاید اس سال کی سب سے بڑی خبر ہے۔ اب جان واقعی پرواز سے پہلے منہ کے بل گرے گا...... میں تو سوچ رہا تھا کہ شاید ابھی تک آبزرویشن ہی نہیں لگ سکا ہوگا۔"

"صبح آٹھ بجے سے تمہارا فون آبزرویشن میں ہے۔ قاعدے کے مطابق رپورٹ مجھ کو ہی دی گئی ہے۔" اس نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔

"کاغذوں پر لعنت بھیجو۔ یہ بتاؤ کہ رپورٹ کیا ہے۔ میرا بلڈ پریشر بڑھ رہا ہے۔"

"نو بج کر دو منٹ اور دس بج کر پینتیس منٹ پر ایک ہی نمبر سے دو مختصر اور طویل کالز کی گئی ہیں جن کی مکمل ریکارڈنگ صبح تک مل جائے گی۔ وہ نمبر ڈیفنس کے فیز فائیو کے ایک مکان کا ہے۔ وہ مکان ایک مشہور صنعت کار کی ملکیت ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اس صنعت کار کا جان سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"تم سخی مراد کو بھول رہے ہو۔" میں نے تلخی سے اسے یاد دلایا "جس ملک میں اخلاقی زوال اس حد کو پہنچ چکا ہو' وہاں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ بڑے اور مشہور ناموں کی چکا چوند اب ماند پڑنے لگی ہے۔"

"میرا ایک آدمی اس پتے پر گیا ہے۔ اچھا ہوا کہ میں نے فوری طور پر رابطے کے لیے اپنا ایرپیس اسے دے دیا ورنہ معلومات مجھ تک آنے میں تاخیر ہو سکتی تھی۔ اس کی طرف سے کوئی خیر خبر ملے تو ہم فوراً ادھر کا رخ کر سکتے ہیں۔"

"تم نے اپنا ایرپیس اسے دے دیا ہے تو تم کیا کرو گے؟"

"میں تمہارا ایرپیس استعمال کر لوں گا۔ میرا اسی طرف آنے کا ارادہ تھا۔"

"یہ بہت بڑی خوش خبری ہے۔ ہم دس بجے سے پہلے جان کے سر پر پہنچ سکیں تو آج کا دن یادگار بن جائے گا۔"

"دعا کرتے رہو۔ میری کوششیں تو یہی ہیں کہ ہم ایک لمحہ ضائع نہ کریں۔ بے یقینی کی حالت میں ویرا بہت سسک سسک کر اپنا وقت گزار رہی ہوگی اور ہم راس المیڈا کو زندہ رکھنے پر مجبور ہیں۔"

"یہ تو اچھی خبر ہوئی جس کے باقی حصے کا انتظار ہے۔ اب بری خبر بھی سنا دو!"

"ایک بری خبر یہ ہے کہ سنی بازارِ حسن سے غائب ہے۔ اس کے بارے میں سب لاعلم ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اس کے بارے میں میرا اندازہ درست ہی تھا۔"

"اس کے نہ ملنے کے باوجود تمہارا اندازہ درست ہے کیوں کہ ساگا نے کل شام بازارِ حسن کے ایک بالا خانے میں دم توڑ دیا۔ اس کی لاش نمازِ جنازہ کے بغیر خاموشی سے میوہ شاہ کے قبرستان میں دفنا دی گئی۔"

"یہ مقامِ عبرت ہے۔ وہ کیسی بدنام جگہ جا کے مرا ہے اور پھر اس کی میت کو نماز تک نصیب نہیں ہوئی۔"

"گارڈن ایسٹ کے گھر سے فرار ہونے کے بعد ڈیرے دار اپنی بیٹی سمیت ایک بڑے بالا خانے میں پناہ گزین تھی۔ پتا چلا؟

ہ کل شام سے ذرا پہلے سنی نے ساگا کو بے ہوشی کی حالت میں ہاں پہنچایا اور پھر غائب ہوگیا۔ ساگا نے بے ہوشی کی حالت میں وڑی دیر بعد دم توڑ دیا۔ اس وقت بازار میں شب بیداری کی ریاں ہو رہی تھیں۔ ہر مکان اور مکین محفل آرائی کے لیے تیار ں۔ ساگا کی موت کی خبر پھیلتی تو ان کے کاروبار میں مندی آجاتی۔ رے دارنی نے چند استادوں کو بلا کر خاموشی سے میت کو کفن نایا اور لاش میوہ شاہ روانہ کردی۔ بازار والوں کو آج ساگا کی وت کی خبر ملی ہے۔ پولیس بھی وہاں پوچھ گچھ کرتی پھر رہی تھی۔"

"سنی کا ملنا ضروری ہے۔ وہی بتا سکے گا کہ وہ لوگ نادرہ کے گھر ں کیسے پہنچے تھے اور پھر وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے دو ساتھی اور ھے وہ کون تھے اور اب کہاں ہیں؟"

"یہ باتیں سامنے آجائیں گی۔ مجرموں کی نشان دہی ہو جانے کے بعد میری تسلی ہوگئی ہے۔ وہ جب بھی سامنے آئیں گے' بری ح رگڑ دیے جائیں گے۔ ابھی تو یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ کام انہوں نے خود کیا تھا یا وہ کسی اور کے اشارے پر وہاں پہنچے تھے۔ ساگا اس المیڈا کے لیے کام کررہا تھا تو سنی بھی اس کا گرگا ہو سکتا ہے۔"

"ڈیرے دارنی اب بھی اسی بالا خانے میں پڑی ہوئی ہے؟" نے پوچھا۔

"میں نے اس کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کیا تھا۔ ساگا کی ت سے نجات حاصل کرتے ہی وہ دونوں اپنے کئی حواریوں کے اتھ گارڈن ایسٹ والے مکان پر قابض ہوگئی ہیں۔ ڈیرے دارنی اگا کو اپنا داماد قرار دے رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو اگا سے زیادہ اس کے مال و دولت سے دلچسپی تھی۔"

"ایسا تو نہیں کہ سنی بھی ان دونوں کے پاس پہنچ گیا ہو؟" میں نے چونک کر کہا۔

"ابھی تک وہاں کا رخ نہیں کیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس ہی ی کو ڈھونڈ نکالے۔"

"تمہاری اس خوش فہمی کا نتیجہ جلد ہی سامنے آجائے گا۔" ل نے سرہلا کر کہا۔

"پورے شہر میں ساگا کی موت کی خبر پھیل چکی ہے مگر اس کے صل اہل خانہ سامنے نہیں آئے ہیں۔"

"اس کی موت اور تدفین پر وہ منہ چھپاتے پھر رہے ہوں گے۔ ابھی تک جو کچھ ہوا ہے' وہ تو ہو ہی گیا۔ اب دیکھ لینا کہ پولیس وسٹ مارٹم کے لیے ساگا کی لاش قبر سے نکلوائے گی اور اس کی ت کا زخم سامنے آتے ہی اس کی خودساختہ بیوی اور ساس عتاب ں آجائے گی۔"

"مجھے شبہ ہے کہ اس معاملے میں نادیہ اور زمرد بھی شامل ہیں۔" اول خان قدرے توقف کے بعد بولا "میں عام طور پر ایسی رتوں سے نہیں الجھتا لیکن انہیں دیکھنا ہی پڑے گا۔"

"یہ تمہارے مراسم اور رسوخ کا معاملہ ہے۔ تم چاہو تو تھانے میں بھی ان سے بات کرسکتے ہو۔"

"ہاں' یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔" اول خان کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے "اتنی سیدھی سی بات میرے ذہن میں کیوں نہیں آسکی؟ میں بس ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ ان دونوں کو اسٹیشن فوربلوانا مناسب نہیں ہوگا اور اسی وجہ سے مجھے ان دونوں عورتوں سے دور رہنا چاہیے۔"

"میری خواہش ہے کہ میں بھی ان دونوں کی مزاج پرسی کروں لیکن وہ مجھے پہچانتے ہی شور مچانا شروع کردیں گی۔ یہ کام تمہیں اکیلے ہی سرانجام دینا ہوگا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم نے پورے واقعات بتادیے ہیں۔ میں انہیں دیکھ لوں گا۔" اول خان نے اطمینان سے کہا۔ سرور کے قاتلوں کی ابتدائی نشان دہی کے بعد وہ ذہنی طور پر خاصا پُرسکون نظر آرہا تھا۔

"کب دیکھ لوگے؟ ابھی تمہارے پاس کافی وقت ہے۔ انہیں تھانے بلانے کے بجائے تم دو سپاہیوں کو لے کر ان کے گھر بھی جاسکتے ہو۔ جو کام اس وقت ہو سکتا ہے' اسے کل پر کیوں چھوڑتے ہو؟"

"بعض باتوں پر تم بری طرح اڑ جاتے ہو۔ جان کی تلاش میں جانے والے کی رپورٹ بھی تو آنی ہے۔"

"وہ فون پر تمہیں' ٹرانسیٹر پر آئے گی۔ اسے تم اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔" میں نے سائڈ ٹیبل سے سیاہ اپریٹس اٹھا کر اس کے حوالے کردیا۔

اس کے ہونٹوں پر شکست خوردہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا "تم کو ان لوگوں سے پوچھ گچھ کی اتنی کیا عجلت ہے۔ میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ ان دونوں عورتوں کا راس المیڈا سے کوئی تعلق نہیں نکلے گا۔ سنی کوئی گڑبڑ کر بھی رہا ہے تو اس نے انہیں اعتماد میں نہیں لیا ہوگا۔"

"یہ بات ہر شک و شبے سے بالا تر ہے کہ سنی تمہارے ایک آدمی کے قتل کا ذمے دار ہے۔" میں نے اس کے ساتھ دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہا "اس کے خلاف ساری شہادتیں موجود ہیں۔ ہمیں صرف دو سوالوں کے جواب معلوم نہیں ہیں۔ اول یہ کہ سنی کس کس کے لیے کام کررہا ہے' دوسرا سوال یہ ہے کہ سارے معاملات سے الگ تھلگ رہنے کے باوجود وہ سیدھا نادرہ کے مکان پر کیسے پہنچ گیا۔ یہ باتیں معلوم ہوجائیں تو تمہیں سنی پر وقت برباد کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میری خلش دور ہو جائے گی۔ اپنے مجرم کے بارے میں تمہارا ذہن صاف ہوگا اور تم سنی کو دیکھتے ہی گولی مارنے کی پوزیشن میں آجاؤ گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ عورتیں اس بارے میں کچھ بتا سکیں۔"

"بریفنگ کا شکریہ۔ میں یہ بیگار نمٹا کر جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے خوشی ہے کہ سرور کے قتل کے مجرموں

میں تم اتنی گہری دلچسپی لے رہے ہو۔"
وہ چلا گیا اور میں ہولے ہولے سیٹی بجاتا ہوا دوبارہ ٹیلی وژن کے سامنے آبیٹھا۔

اول خان کے آنے سے پہلے میرے ذہن پر مایوسی اور بددلی کی جو دھند چھائی ہوئی تھی' وہ حیرت ناک طور پر صاف ہو چکی تھی کیوں کہ تازہ ترین اطلاعات حوصلہ افزا تھیں۔

ساگا نے مجھ سے خود کہا تھا کہ وہ حسن پرست طبیعت کا مالک ہے۔ پھولوں پر جان دیتا ہے' اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہ کیچڑ میں کھلے ہوئے ہیں یا کسی خوب صورت گملے میں۔ میں نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کی وہ خود ستائی شدید خوش فہمی پر مبنی تھی۔ وہ درحقیقت ہوس پرست اور ندیدا انسان تھا۔ ایسے لوگ حسن کو دیکھ کر اس کی نزاکت اور لطافت سے لطف اندوز ہونے کے بجائے اسے اپنا اسیر کرنے پر تل جاتے ہیں۔

اپنی زندگی کے آخری دور میں ساگا نے طبع آزمائی کے لیے جس پھول کا انتخاب کیا' وہ گندی کیچڑ میں کھلا ہوا تھا۔ ساگا نے نادیہ کے انتخاب کو اپنی فراخ دلی قرار دیا تھا مگر وہ اس کی بدقسمتی تھی۔ نادیہ اور اس کی ماں کے گھناؤنے کردار کی نحوست ساگا کو لے ڈوبی تھی۔ اس کا انجام آنکھیں کھول دینے والا تھا۔ اپنی دولت اور طاقت سے وہ عزت کی زندگی کے آخری لمحے تک نہیں خرید سکا تھا۔

وہ اپنی محبوبہ کے ہاتھوں زخمی ہوا اور اس نے جسموں کے نیلام گھر میں اپنی آخری سانسیں پوری کیں جہاں بسنے والیوں کو اس کی دردناک موت سے زیادہ اپنے شام کے دھندے کی فکر تھی۔ اسے کفن ضرور مل گیا تھا مگر شاید آخری غسل میسر نہیں آسکا تھا۔ کچی قبر مل گئی تھی لیکن جنازہ اٹھنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اسے کسی گناہ کی طرح پوری رازداری اور پھرتی سے منوں وزنی مٹی کے ڈھیر میں چھپا دیا گیا تھا۔

ساگا بہت تیزی سے میری اس کہانی میں شامل ہوا اور راس المیڈا کے ٹھکانے کی نشان دہی کرنے کے بعد اسی تیزی سے اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا۔ جب تک اس کی موت کی خبر نہیں ملی تھی' میں یہی سوچے جا رہا تھا کہ ریڑھ کی ہڈی کے زخم کے ساتھ' اسے لے جانے والے کہاں گئے ہوں گے اور اس کا کیا بنا ہوگا۔ اس کا ایس ٹی ایف کے آدمیوں کی تحویل سے نکل جانا میرے لیے صدمے کا باعث بنا تھا۔ اس کے انجام نے میری اس خلش اور تشویش کو دور کر دیا تھا۔

ساگا کے پیوندِ خاک ہونے کے بعد میدان میں صرف دو حریف باقی رہ گئے تھے۔

جان کی کمین گاہ کا کھوج لگانے کا کام تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا اور اول خان سنی کی راہ پر لگ چکا تھا۔ ان دونوں کا صفایا ہو جانے کے بعد ویرا کو آزادی مل جاتی اور ہم راس المیڈا کو اپنی مرضی کے مطابق اس طرح زندہ رکھ سکتے تھے کہ وہ اپنے ہر سانس کے ساتھ سہل موت کی آرزو کرتا اور موت اس سے دور بھاگی رہتی۔

خوش مزاجی کے عالم میں میرا رخشِ خیال خوب زقندیں لگا تھا۔ آدمی پر قنوطیت طاری ہو تو وہ تحت الثریٰ میں گرتا ہی چلا جا ہے اور جب رجائیت کا سرور ہو تو وہ سامنے کی رکاوٹوں کو بھی پھلا جاتا ہے۔ اسے اپنے ہر طرف کامیابیاں ہی کامیابیاں بکھری ہوئی نظر آنے لگتی ہیں۔ اس وقت میں اسی کیفیت سے دوچار تھا۔

اس وقت تک غزالہ اور سلطان شاہ کے کمروں کے درواز بند تھے۔ مجھے ان دونوں کی تھکن اور بے آرامی کا پوری طر احساس تھا۔ میں نے انہیں بیدار کرنے کے بجائے فون پر جہانگیر خیر خبر لینے کا ارادہ کر لیا۔

"ارے' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" میری آواز پر جہانگیر کی طنز میں ڈوبی ہوئی آواز آئی تھی "آج کیسے فون کر لیا اس ناچیز کو معلوم ہوتا ہے کہ آج پھر تمہیں کسی پرانے آدمی کے بارے میں معلومات درکار ہوں گی۔"

"کیا بک رہے ہو؟" میں نے غرا کر کہا "میں تمہیں مطلب سے فون نہیں کرتا۔ میں لعنت بھیجتا ہوں تمہاری معلومات پر۔ پتا نہیں کبھی کبھی تم اتنی بے تکی باتیں کیوں کرنے لگتے ہو۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا تھا کہ پہلے تم مجھ سے معلومات حاصل کرتے ہو اور پھر ان پر لعنت بھیج دیتے ہو۔ یہ مجھے ابھی تھوڑی پہلے ہی شام کے ایک اخبار سے معلوم ہوا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب کس پر نظر ہے۔"

"نوبت یہ آگئی ہے کہ تم شام کے سنسنی خیز اخبار پڑھنے لگے ہو۔" میں نے جھنجلا کر کہا "تم چبا چبا کر باتیں کیوں کر رہے ہو صاف صاف بتاؤ کہ تم کیا جتانا چاہ رہے ہو۔"

"ارے بھائی' ناراض کیوں ہوتے ہو۔ ابھی پرسوں اتر کی بات ہے کہ تم نے مجھ سے پرنس ساگا کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور پھر اس بے چارے پر لعنت بھیج دی۔ شام کے ایک اخبار نے نیپئر روڈ پر اس کی پراسرار موت کی چھاپی ہے۔ وہ سالا اتنا برا تو نہیں تھا۔"

"دیکھو جہانگیر! فون پر ہوش میں رہ کر بات کیا کرو۔ میں شہر کا کوتوال نہیں ہوں کہ میری مرضی کے بغیر یہاں پتا بھی ہو۔ وہ جن دھندوں میں پھنسا ہوا تھا' میں نے تم سے ان کا ذ تھا۔ ان کا یہی انجام ہوتا ہے۔ اس خبر پر تمہیں حیرت نہیں چاہیے۔"

"تم کہتے ہو تو میں اسے اتفاق مان لیتا ہوں۔ یہ بتاؤ ک لوگ کیسے ہو۔"

"اچھے خاصے ہیں۔ ایک آدھ روز میں تمہاری طرف لگائیں گے۔" میں نے کہا۔

"یار آنا جانا مشکل ہو تو کم از کم فون ہی کرلیا کرو۔ سلمٰی تم سے بہت ناراض ہے۔ اس روز وہ لپک کر فون پر آئی تھی مگر تم اس کے آنے سے پہلے فون بند کرچکے تھے۔ اس کے بعد اب تمہیں ہمارا دھیان آیا ہے۔"

"میں گیان دھیان کی باتیں نہیں جانتا۔ قصہ یہ ہوا کہ اس روز ہمارا فون اچانک خراب ہوگیا تھا اور آج ہی اس میں زندگی کے آثار نمودار ہوئے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ یہاں یہی سب ہوتا رہتا ہے۔"

"میں سلمٰی کو یہی سمجھا رہا تھا کہ ڈینی خود سے فون نہیں بند کرسکتا۔ وہ تو تم سے بہت شوق سے باتیں کرتا ہے مگر وہ ابھی تک برہم ہے۔ فرصت ہو تو آجاؤ۔ اسے منانے کے ساتھ ایک دو چسکیاں بھی لے لینا۔ آج میرے پاس بہت عمدہ مال آیا ہوا ہے۔ اکیس سال پرانا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آج کل تم صبح سے شام تک اسی دھندے میں لگے رہتے ہو۔"

"اپنا کیا ہے۔ بس پی لیتے ہیں، جی لیتے ہیں۔ پینا، کھانا اور پھر سوجانا۔ اس کے علاوہ زندگی میں اور کیا رہ گیا ہے۔ کبھی کبھی ان تینوں کاموں میں ذرا بھی وقفہ آتا ہے تو سلمٰی لڑنے بیٹھ جاتی ہے۔ میں آلو خراب لاتا ہوں، پیاز چھوٹی اور گلی ہوئی ہوتی ہے، برف لگے ہوئے مٹر کے دانے دن بھر میں بھی نہیں گلتے، میرا لایا ہوا لاہوری نمک کرکرا ہوتا ہے، دھنیے میں لکڑی کا برادہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ میری لائی ہوئی ہر چیز میں کیڑے نکلنے لگتے ہیں۔ اس کے شکوے سن سن کر یہ ساری باتیں مجھے ازبر ہوگئی ہیں۔"

اس کی باتیں سن کر میں دل ہی میں ہنسا پھر بولا "خوش قسمت ہو کہ تمہاری بیوی تم سے لڑتی ہے۔ اس شہر میں بہت سے ایسے بدنصیب شوہر بھی ہیں جن کی بیویاں انہیں محبت تو دور کی بات ہے، لڑنے کے قابل بھی نہیں سمجھتیں۔ دونوں کاموں کے لیے دوسروں سے رجوع کرتی ہیں۔"

"یہ تمہاری پرانی عادت ہے۔ ہمیشہ اس کی تعریف کرتے رہو گے۔ کبھی میرے لیے بھی ہمدردی کے دو بول بول دیا کرو۔ تمہارا کیا کم ہوجائے گا؟" مجھے یقین تھا کہ وہ شکوہ کرتے ہوئے جہانگیر کا چہرہ قابلِ رحم ہوگیا ہوگا۔

"ہر وقت کی یہ لڑائیاں تم دونوں کی زندگی اجیرن کردیں گی۔ اب حالات سازگار ہورہے ہیں۔ میری مانو تو کسی کاروبار کی داغ بیل ڈالو۔ دن بھر اس سے دور رہو گے تو شام کو وہ تمہاری قدر کرنے لگے گی۔ ورنہ روز یہی جوتم پیزار ہوتی رہے گی۔"

"میں خود بھی سوچ رہا ہوں مگر ڈھنگ کا کوئی کاروبار سمجھ میں نہیں آتا۔"

"گارمنٹس کا پرانا کام کیوں شروع نہیں کرتے۔ تمہارے پاس اس کا تجربہ بھی ہے۔"

"وہ کام اب بے کیف ہوگیا ہے۔ سال میں تین مرتبہ ری بیٹ کی شرح میں ردوبدل ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو لوگوں کو ساکھ بچانے کے لیے خسارہ اٹھا کر آرڈر پورا کرنا پڑتا ہے۔ ایکسپورٹ سے زیادہ آج کل امپورٹ میں فائدہ ہے۔ ڈیوٹی کم ہو تو آنے والے مال پر منافع، ڈیوٹی بڑھ جائے تو پرانا اسٹاک لاٹری بن جاتا ہے۔ اس بار امپورٹ کا ہی کوئی آئٹم تلاش کروں گا۔ تمہارا یہ مشورہ درست ہے کہ مجھے گھر سے نکلنا چاہیے۔"

"یہ سب نہیں کرسکتے تو شہر میں کوئی اچھا سا ہوٹل ہی خرید لو۔ یہ بھی اچھا کام ہے۔"

"نہیں۔" اس نے فوراً ہی انکار کردیا "میں دو چار جوان بیٹوں کا باپ ہوتا تو ضرور اس کام کے بارے میں سوچتا۔ اس دھندے میں اکیلا آدمی اپنے ملازمین کے لیے کماتا ہے۔ اس تک صرف اتنی آمدنی پہنچتی ہے کہ وہ عزت سے زندہ رہ سکے۔ میں اپنے ایک دوست کا انجام دیکھ چکا ہوں۔"

"جب تمہاری طرف آنا ہوگا تو اس بارے میں بھی بات کریں گے۔"

"ضرور کریں گے بلکہ تم چاہو تو ہم دونوں مل کر بھی کوئی کاروبار شروع کرسکتے ہیں۔"

میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "ایسا صرف ایک ہی صورت میں ہوسکتا ہے کہ میں کوئی بریوری کھول لوں اور تم اس کے مستقل خریدار بن جاؤ۔ کسی اور کاروبار میں ہم دونوں ایک ساتھ نہیں چل سکیں گے۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ اس وقت مجھے کیوں فون کیا ہے۔"

"اکیلا بیٹھا بور ہورہا تھا۔ سوچا کہ تم ہی سے بات کرلوں اور تم نے پرنس ساگا کی موت کی خبر سنادی۔"

"شرم کی بات ہے۔ سالا کہاں مرا ہے اور کس کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔"

"تو کیا اخبار نے اس کے قاتل کا نام بھی لکھا ہے؟" میں نے چونک کر حیرت سے پوچھا۔

"یہ اخبار والے بہت چالاک ہوتے ہیں۔ قتل کا شبہ سنی نام کے کسی زنخے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ ساگا کی موت کے بعد سے روپوش ہوچکا ہے۔"

"چلو...... وہ اپنے کسی سسرالی کے ہاتھوں ہی مارا گیا ہے۔ ہمیں اس سے کیا لینا۔"

وہ گفتگو کو مزید طول دینے کا خواہاں تھا لیکن میں نے سلسلہ منقطع کردیا۔ اس نے اخباری اطلاع میں سنی کے نام کی موجودگی کا ذکر کرکے مجھے اپنے نظریے پر نظرِثانی کرنے پر مجبور کردیا تھا۔

میں نے کافی ذہنی ورزش اور اول خان کے زخمی آدمی کے بیان کے بعد سنی پر قتل کے شبے کا اظہار کیا تھا اور وہ قتل بھی ساگا

کا نہیں، سرور کا تھا۔ اول خان کا گواہ منظرِ عام پر نہیں آیا تھا اور ساگا کے قتل کا ناکردہ گناہ سنی کے سر پر لادا جارہا تھا۔ وہ کون تھا جس نے اخباری نمائندے کو وہ خبر فراہم کی تھی؟ مجھے محسوس ہونے لگا کہ ساگا کے راہ سے ہٹ جانے کے بعد کوئی گمنام طاقت سنی کے گرد سازش کا تانا بانا تیار کررہی تھی۔

پانچ بجے اول خان دوبارہ لوٹ آیا۔ اس بار گھنٹی کی آواز پر غزالہ کمرے سے نکل آئی تھی۔

"تمہاری نیند پوری ہوگئی ہو تو جلدی سے چائے بنا کر لے آؤ۔ میں بہت تھک ہار کے لوٹا ہوں۔" اول خان نے اسے دیکھتے ہی فرمائش کردی اور غزالہ تازہ دم ہو کر لوٹنے کا وعدہ کر کے دوبارہ اپنی خواب گاہ میں گھس گئی۔

"وہ دونوں بہت مکار اور سازشی عورتیں ہیں۔" اول خان نے صوفے میں گر کر کہنا شروع کیا "پولیس والوں کو دیکھتے ہی بین کرنے لگیں کہ ان کے سر والا اٹھ گیا اور پولیس بھی ان کے پاس آرہی ہے۔ نادیہ نئے فیشن کے کالے سوٹ میں تھی اس کی ماں نے کالا دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔"

"تم اتنی تفصیل میں گئے تو یہ باتیں رات تک ختم نہیں ہوں گی۔ یہ بتاؤ کہ نتیجہ کیا رہا۔"

"نادیہ نے سمجھ لیا ہے کہ ساگا کی لاش قبر سے نکال کر اس کا پوسٹ مارٹم کیا جائے گا اور ساگا کی ریڑھ کی ہڈی کا زخم سامنے آجائے گا۔ اس نے بتایا ہے کہ ڈینی نام کا ایک آدمی ساگا کے پاس آیا تھا۔ دونوں میں کسی بات پر تکرار ہوگئی، ڈینی نے اس پر گولی چلائی اور بھاگ گیا۔ میرا خیال ہے کہ اپنے دفاع میں اتنا جھوٹ بولنا ہر مجرم کا حق ہوتا ہے۔ اس جھوٹ کی بنا پر انہیں ناقابلِ اعتبار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔"

"بازاری عورتوں کا یہی کمال ہوتا ہے کہ وہ اپنے سامنے آنے والے ہر نئے مرد کو آسانی سے اپنی معصومیت اور مظلومیت کا یقین دلانے میں کامیاب ہوجاتی ہیں۔ یہی ان کے روزگار کی کامیابی کا گر ہوتا ہے۔"

اول خان نے میری بات کا برا نہیں مانا اور بدستور مسکراتا رہا۔ "ساگا کو ملازم کے ساتھ اسپتال روانہ کرکے وہ دونوں اپنے پرانے محلے میں گئیں تاکہ وہاں سے کسی مرد کو ساگا کی دیکھ بھال کے لیے اسپتال بھیج سکیں۔ سنی سے ساگا اکثر اپنا بدن دبواتا تھا اور انعام میں اسے خاصی بڑی رقمیں دیتا رہتا تھا۔ سنی نے اس کی دیکھ بھال کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ وہ اسپتال پہنچا تو ساگا کو اسٹریچر پر باہر لایا جارہا تھا۔ میرے آدمی ساگا کو لے کر ڈیری کی طرف روانہ ہوئے تو سنی نے ایک ٹیکسی میں ان کا پیچھا کرنا شروع کردیا۔ نادرہ کا گھر دیکھ کر وہ لوٹ آیا۔

"ان سب کی روزیوں کا بڑا حصہ ساگا کی زندگی سے وابستہ تھا۔ انہوں نے ساگا کو ان پُراسرار آدمیوں کی قید سے نکالنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ ذمے داری بھی سنی نے اپنے اوپر لے لی۔ اس کے بعد کے واقعات سے وہ بے خبر ہیں۔ انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ سنی نے اپنی مدد کے لیے کن لوگوں کو اپنے ساتھ لیا تھا۔ سنی واپس آیا تو قریب المرگ ساگا بے ہوشی کی حالت میں اس کے ساتھ تھا۔ اس کی باچھوں سے نیلے نیلے جھاگ نکل رہے تھے۔ ساگا کو ڈیرے وارنی کے پاس چھوڑ کر وہ چلا گیا اور اب تک لاپتا ہے۔"

"نیلے جھاگ؟ اس کا مطلب ہے کہ ساگا کو راستے میں زہر بھی دیا گیا تھا۔"

"ضروری نہیں کہ اسے زہر دیا گیا ہو۔ سانس گھٹنے اور بدن میں آکسیجن کی کمی ہوجانے سے بھی ایسی علامات ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ مجھے اس کہانی میں کوئی جھول نظر نہیں آتا۔"

"سنا ہے کہ شام کے کسی اخبار نے سنی کو قاتل قرار دیا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"یہ بہت پرانی بات ہوگئی۔ بازار والوں کو گارڈن ایسٹ کے مکان میں پیش آنے والے واقعات کا سرے سے علم نہیں تھا۔ انہیں صرف یہ معلوم ہوا کہ سنی نے بے ہوش اور زخمی ساگا کو ڈیرے وارنی تک پہنچایا اور پھر غائب ہوگیا۔ ڈیرے وارنی بھی لاش کو قبرستان بھیج کر گارڈن ایسٹ کوچ کرگئی۔ لوگ یہی سمجھے کہ ساگا کو سنی نے مارا ہے۔ بعد میں ڈیرے وارنی سے رابطہ ہوا تو اس غلط فہمی کی تردید ہوگئی۔"

"یعنی اخبار والوں نے سنسنی اور چٹخارا پیدا کرنے کے لیے دانستہ ایک ایسی افواہ چھاپی جو پہلے ہی دم توڑ چکی تھی۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "جھوٹی خبروں اور افواہوں پر اخبار چلانا کھلی بددیانتی ہے۔"

"شام کے بیشتر اخباروں کا یہی معیار اور انداز ہے۔ اس مقابلے میں اصل اخبارات بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔"

"اگر لوگ ان جھوٹے اخباروں کو خریدتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ خود افواہوں کے شیدائی ہیں اور یہی کچھ پڑھنا چاہتے ہیں۔" مجھے اس تازہ ترین تجربے سے واقعی دکھ ہوا تھا۔

"اس وقت یہ غیر متعلقہ باتیں ہیں۔" اول خان نے مجھے ٹوک کر اپنا بدلہ لے لیا اور کسی توقف کے بغیر کہا "سنی کے ڈیری پہنچنے کا معما حل ہوگیا۔ یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ اس واقعے میں کسی سازش کا امکان نہیں ہے۔ وہ لوگ اپنی معلومات کی روشنی میں بلاسوچے سمجھے سب کچھ کرتے چلے گئے اور جب نتائج کے خوف نے سر ابھارا تو تینوں آدمی خاموشی سے روپوش ہوگئے...... مگر وہ کب تک چھپے رہیں گے۔ ایک نہ ایک دن انہیں سامنے آنا ہوگا اور وہی ان کے احتساب کا پہلا اور ان کی زندگیوں کا آخری دن ہوگا۔"

"ان تینوں میں سے صرف سنی کو شناخت کیا گیا ہے۔ بقیہ دو افراد کی شناخت ہونی ہے۔"

"سنی پر عاقبت روشن ہوگی تو وہ خود ہی ان کے نام اگل دے گا۔"
"یعنی سرور کے خون کا حساب بے باق کرنے کے لیے اب ہمیں صرف سنی کو تلاش کرنا ہے۔"
"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس کا انحصار سنی کے اعترافات پر ہوگا۔"
"تم نے ابھی تک دوسرے معاملے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"کون سا معاملہ؟" اس نے خالی الذہنی کے عالم میں بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔
"جس کے لیے تم اپریٹس اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ وقت تیزی سے گزرتا جارہا ہے۔"
"ہاں اُس نے ابھی تک رابطہ نہیں کیا۔ شاید وہ کہیں الجھ گیا ہے۔"
"میرا خیال ہے کہ یہ اپریٹس دو طرفہ ہے۔ چاہو تو تم ہی اس سے رابطہ کرسکتے ہو۔"
"پتا نہیں وہ کس سچویشن سے دوچار ہو۔ میری کال اس کے لیے پریشانی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ وہ ذمے دار آدمی ہے۔ پہلی فرصت میں مجھے اپنی رپورٹ دے گا۔ ویسے اس کی یہ تاخیر غیر معمولی ہے۔"
غزالہ ہمارے لیے شام کی چائے اور کچھ لوازم لے آئی۔ باتوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔
ہم تینوں چائے پینے میں مصروف تھے کہ اول خان کی گود میں رکھے ہوئے ٹرانسمیٹر پر کال کا اشارہ موصول ہونے لگا۔ اس نے چائے کی پیالی ٹرے میں رکھ کے فوراً ہی اپریٹس اٹھالیا۔
"برڈ کالنگ اے!" دوسری طرف سے دھیمی آواز سنائی دی جیسے کوئی اپنی آواز دبا کر بول رہا ہو۔
"اے آن لائن۔ کیا بات ہے؟ تم نے بہت دیر سے رابطہ کیا ہے۔" اول خان نے پوچھا۔
"میں سخت مخمصے میں ہوں سر! یہ مکان دو تین مہینے سے خالی پڑا ہوا ہے۔ کھڑکیوں کے شیشوں پر گرد جمی ہوئی ہے' دروازے مقفل ہیں اور احاطے کے لان میں اگی ہوئی گھاس کئی انچ لمبی ہوچکی ہے۔ میں اس وقت لان ہی کے ایک کونے سے بات کررہا ہوں۔ مجھے مجبور ہوکر اندر آنا پڑا ہے۔"
"یہ مکان سردار وجاہت اللہ کا ہی ہے یا تم کسی اور گھر میں پہنچے ہوئے ہو؟"
"یہ سردار وجاہت اللہ کا ہی گھر ہے۔ مجھے قرب وجوار سے معلوم ہوا کہ ان کی فیکٹریوں پر بینکوں کے بیالیس کروڑ روپے برسوں سے واجب الادا ہیں۔ ان کی وصولی کے لیے قرقی اور گرفتاری کے وارنٹ کے خوف سے وہ پورے کنبے سمیت ملک سے جاچکے ہیں۔ یہاں چوکی دار تک نہیں ہے۔"
"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اس مکان کا فون ایسے لوگوں کے زیر استعمال ہے جو آج منہ اندھیرے ہی وہاں پہنچے ہیں۔ یہ مکان ویران اور غیر آباد کیسے ہوسکتا ہے؟"
"احاطے میں چوہوں اور مینڈکوں کی بہتات ہے۔ مکان کے ایک دروازے کے سامنے فرش پر جمی ہوئی گرد پر جوتوں کے تازہ نشانات کے سوا عمارت میں انسانی موجودگی کے کوئی آثار نہیں ہیں۔"
"عمارت ویران ہے تو گرد پر جوتوں کے تازہ نشان کہاں سے آگئے؟"
"باہر سے ویرانی کا احساس ہورہا ہے۔ وہ کسی ایک ہی آدمی کے جوتوں کے نشان ہیں۔ ان کے علاوہ اسی مقام پر کچھ پرانے نشانات بھی ہیں جو تازہ گرد جمع ہونے سے دھندلا گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس راستے سے کوئی مکان میں آتا جاتا رہا ہو مگر اندر داخل ہوئے بغیر اس بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔"
"وہ روپوش مجرم ہیں اس لیے اتنی زیادہ احتیاط کررہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد سورج غروب ہونے والا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی کھڑکی کے پیچھے روشنیوں کی جھلک نظر آجائے۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی کوئی صحیح اندازہ ہوسکے گا۔ اس وقت تک تم اندر ہی رک کر جائزہ لیتے رہو۔"
"رائٹ سر! میں اندھیرا ہونے کے بعد اگلی رپورٹ دوں گا۔"
"ایسا تو نہیں ہے کہ اندر والوں نے کسی کھڑکی کے اندھے شیشوں کے پیچھے سے تم کو دیکھ لیا ہو۔"
"کچھ نہیں کہا جاسکتا...... میں نے اپنی طرف سے پوری احتیاط کی ہے۔ اندر اترنے کے بعد سے کھڑکیوں کے سامنے والے حصوں میں پیٹ اور کہنیوں کے بل گھسٹ رہا ہوں۔ گرد آلود فرش کا جائزہ لینے کے لیے میں اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تھا کیوں کہ ادھر سپاٹ دیوار کے ساتھ صرف بند دروازہ ہے۔"
"مشتبہ دروازے پر خاص طور پر نظر رکھو۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد ضروری ہوا تو میں خود وہاں آؤں گا۔ اس عمارت میں کم از کم دو افراد...... ایک مرد ایک عورت کو موجود ہونا چاہیے۔"
"یس سر!" اول خان کی اس زبردستی کے جواب میں وہ یہی کہہ سکتا تھا۔
"آؤٹ۔" یہ کہہ کر اول خان نے اپریٹس بند کردیا اور چائے پینے میں مصروف ہوگیا۔
غزالہ کو تازہ ترین حالات کا علم تھا' نہ یہ معلوم تھا کہ ٹیلی فون پر آبزرویشن کا مثبت نتیجہ آچکا تھا۔ اس کے سامنے اول خان نے اپریٹس پر پُراسرار سی گفتگو کی تھی لیکن اس نے میری توقع کے برعکس کوئی سوال نہیں کیا۔ اطمینان سے بیٹھی چائے پیتی رہی جیسے

ان معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔

اول خان اس کی بے خبری میں گہری دلچسپی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ جب اس سے رہا نہ گیا تو وہ غزالہ سے پوچھ ہی بیٹھا۔ "تمہیں میری گفتگو کے بارے میں کوئی تجسس نہیں ہے؟"

"میرے کان خراب ہوتے تو شاید ذرا بھی تجسس نہ ہوتا۔ اس وقت تو یہ فطری سی بات ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"لیکن تم نے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔"

"کیا ضرورت ہے؟ ہر بات ہر ایک کے جاننے کے لیے نہیں ہوتی۔ ضروری ہوا تو مجھے خود ہی بتا دیا جائے گا۔"

"نہ بتایا تو تم خلوت میں بھی ڈیڈی سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کرو گی۔"

"اگر بتانے کے لیے اتنے ہی بے چین ہو تو خود بتا دو۔ میں غیر ضروری سوالات نہیں کروں گی۔"

"جان کی پناہ گاہ کا سراغ مل گیا ہے۔ اول خان کا ایک آدمی وہاں پہنچ چکا ہے۔"

"ایک مرد اور ایک عورت کی موجودگی کی بات سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اندھیرا پھیلنے کے بعد آج کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔" وہ بہت پُرامید نظر آ رہی تھی۔

"مقدر نے یاوری کی تو آج رات ویرا ہمارے ساتھ ہو گی اور راس المیڈا کو ٹکٹکی سے باندھ دیا جائے گا۔ وہ قیدی ہونے کے باوجود نہایت سکون سے ہمارے سینے پر مونگ دل رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"قابلِ غور بات یہ ہے کہ وہاں گرد پر ایک ہی آدمی کے جوتوں کے نشان ہیں۔ ویرا جوگرز پہنے ہوئے تھی۔ اگر وہ وہاں ہیں تو ویرا کے جوگرز کے نشان کیوں نہیں آئے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"ویرا اپنے قدموں پر چل کر وہاں نہیں گئی۔ جان اسے بے ہوش کر کے اٹھا لے گیا تھا۔" مجھ سے پہلے اول خان بول پڑا "اہم بات یہ ہے کہ قدموں کے وہ نشان تازہ ہیں۔"

"میں ایک اور بات بھی کئی مرتبہ سوچ چکی ہوں۔" غزالہ نے پُرخیال آواز میں کہا۔

"ہمارے پاس کچھ وقت باقی ہے۔ اپنی بات کہہ ڈالو۔" اول خان نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"ہم نے اس کا سراغ لگانے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا' کیا جان نے اس پر غور نہیں کیا ہو گا؟"

"یہ ایک اہم سوال ہے۔" اول خان خوش ہو کر بولا "اس پر ہماری بات نہیں ہوئی مگر میں بھی یہ سوچتا رہا ہوں۔ ویرا کو اٹھالے جانے کے بعد جان کے پاس متبادل راستہ نہیں تھا۔ وہ راس المیڈا سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اس نے اپنا فون نمبر ظاہر کیے بغیر ہم سے رابطہ کر لیا پھر ڈیڈی نے ایک منصوبے کے تحت اسے اپنی باتوں میں پھانس کر آمادہ کر لیا کہ وہ ہر دو گھنٹے بعد ویرا سے اس کی بات کراتا رہے۔ دباؤ میں ہونے کی وجہ سے اس وقت بھی جان کو آبزرویشن کے خطرے کا ادراک نہیں ہو سکا۔ ویرا سے تین مرتبہ فون کرانے کے بعد اسے یک بیک اندازہ ہوا کہ وہ غلطی کر رہا ہے اور اس نے اپنے اصل اندیشے کا اظہار کیے بغیر' دوسرے بہانوں سے وہ سلسلہ جاری رکھنے سے انکار کر دیا۔"

"یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ اس کی آخری دو کالز ریکارڈ کر لی گئیں۔ اس کے انکار سے پہلے ہم اپنے مقصد میں مکمل کامیابی حاصل کر چکے تھے۔" میں نے اول خان کی بات میں ٹکڑا لگایا۔

"اگر یہ سب اسی طرح ہوا ہے تو اس کا وقت پورا ہو چکا ہے۔" غزالہ بولی۔

"تو کیا تمہیں اس پر شبہ ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"شبہ نہیں تو یقین بھی نہیں ہے۔ جو شخص قیدیوں کے تبادلے کے لیے کسی تیسرے ملک کی سرزمین استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کیے بیٹھا ہے' وہ اتنے واضح خطرے کو کیسے نظرانداز کر سکتا تھا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ آبزرویشن کی رپورٹ غلط ہے یا پھر جان خود ہی ہمیں چوہے دان میں پھانسنے کی کوشش کر رہا ہے؟" میں نے قدرے تیز لہجے میں پوچھا۔

"میرا کوئی بھی مطلب نہیں ہے۔ ایک نکتہ میرے ذہن میں چبھ رہا ہے۔ میں نے اسے بیان کر دیا۔ اس میں کوئی وزن ہے یا نہیں' یہ فیصلہ کرنا آپ لوگوں کا کام ہے۔"

"غزالہ کی بات معقول ہے۔" اول خان نے اعلان کیا "میں پہلے ہی اس کا جواب دے چکا ہوں۔ حالات کے بدترین دباؤ میں جان پہلے یہ خطرہ نہیں بھانپ سکا۔ اندازہ لگاتے ہی اُس نے اس [illegible] توڑ کر لیا۔"

"آج سلطان شاہ بہت لمبی تان کر سویا ہوا ہے۔ وہ جاگ رہا ہوتا تو ہمارے تجزیے پر کچھ اور ہی اعتراض کرتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "ہر شخص اپنے اپنے انداز میں سوچتا ہے۔"

"مشورے کی اجازت ختم کر دیں یا پھر مشوروں پر تنقید نہیں ہونی چاہیے۔ ہر شخص پوری نیک نیتی سے سوچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ آپ کے خیالات سے متفق ہو۔ سلطان شاہ بھی کبھی تنقید برائے تنقید نہیں کرتا۔ اپنی طرف سے بہتر سے بہتر بات سامنے لاتا ہے۔"

"جھگڑا ختم۔" اول خان نے غزالہ کے لہجے کی ترشی کا اندازہ لگانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر کہا "اب اس بارے میں کوئی بات نہیں ہو گی۔ تھوڑی دیر بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

"السلام علیکم...... میرے کانوں میں اپنا نام گونجا ہے۔" سلطان شاہ نے اچانک نمودار ہو کر تمسخرانہ لہجے میں کہا "خیریت ہے؟ مجھے کس نے یاد کیا ہے؟"

"تم آرام کرو۔ اب تمہارا نام نہیں لیا جائے گا۔" میں۔۔

مشورہ دیا مگر وہ نہا دھو کر باہر آیا تھا۔ واپس جانے کے بجائے ڈرائنگ روم ہی میں آ بیٹھا۔

"اپرنٹس بھی میدان میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص منصوبہ زیر غور ہے۔" سلطان شاہ متجسسانہ نظروں سے باری باری سارے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

میں نے غزالہ کو آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ سلطان شاہ سے بولی۔ "یہ دونوں اپنی باتیں دہراتے رہے تو ان کے گلے خراب ہو جائیں گے۔ تم میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں ساری بات سمجھا دوں گی۔"

"مگر یہ یاد رکھنا کہ آج کی کارروائی بہت محدود پیمانے پر اور مکمل رازداری سے ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں تمہاری موجودگی کی گنجائش نہ نکل سکے۔" اول خان نے اس کے اٹھنے سے پہلے ہی واضح کر دیا۔

سلطان شاہ تیز نظروں سے مجھے گھورتا ہوا غزالہ کے پیچھے پیچھے باہر نکل گیا۔

باہر کی فضا میں اترتا ہوا دھندلکا تیزی سے گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ سورج اپنے سفر کی آخری منزل پر پہنچا ہوا تھا اور ذرا سی دیر میں ردائے شب ہر طرف پھیل جانی تھی۔

"بڑ سے بات ہو تو ذرا یہ بھی پوچھ لینا کہ وہاں کوئی گاڑی نظر آ رہی ہے یا نہیں۔" میں نے طویل سکوت کے بعد اول خان کو یاد دلایا۔ میرے ذہن میں آنے والے وقت کا دھندلا سا منظر نامہ ترتیب پا رہا تھا اور میں اس ویران مکان سے جان کے فرار کی ہر راہ مسدود کرنے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

باہر کے اندھیرے کا جائزہ لینے کے لیے ہم دیر تک یوں ہی بیٹھے رہے۔ جب ہمارے چہرے بھی تاریکی میں مدغم ہونے لگے تو میں نے اٹھ کر ڈرائنگ روم روشن کر دیا۔

چند ثانیوں بعد بڑ اپرنٹس پر اول خان سے بات کر رہا تھا۔ "یہاں ہر طرف اندھیرا پھیل چکا ہے۔ اسٹریٹ لیمپس روشن ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے۔ احاطے میں جھینگروں اور مینڈکوں کی آوازیں گونج رہی ہیں مگر پورا مکان پہلے کی طرح گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے۔ کہیں بھی روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آ رہی۔ گرد آلود فرش کی سمت والا دروازہ اب بھی بند ہے مگر کچھ دیر پہلے مجھے اندر سے ایک عجیب سی آواز آئی ہے۔"

"مردانہ یا زنانہ؟ کیسی آواز تھی وہ؟" اول خان نے بے چینی سے پوچھا۔

"وہ انسانی نہیں، ننگے فرش پر کسی چیز کے گرنے کی آواز تھی۔ اس کے بعد پھر سناٹا چھا گیا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم آ رہے ہیں۔ میرے ساتھ صرف ڈپٹی ہے۔ تم کہاں ملو گے؟"

"آپ دونوں پھاٹک میں بنے ہوئے ذیلی راستے سے اندر آ جائیں۔ وہ مقفل نہیں ہے۔ میں وہیں رک کر سگنل کا انتظار کروں گا۔ میں نے اندر جانے کے لیے بھی ایک کھڑکی منتخب کر لی ہے۔"

"بس ہم ذرا سی دیر میں پہنچ رہے ہیں۔" اول خان اپرنٹس جیب میں ڈال کر اٹھ گیا۔ وہ اپنے آدمی سے گاڑی کے بارے میں پوچھنا بھول گیا تھا۔

اس بار زیادہ ہتھیاروں کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ ہم دونوں نے بھرے ہوئے پستولوں کے ساتھ طاقت ور سرچ لائٹس لیں، میں نے بیم گن جیب میں ڈالی اور ہم گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔

ہمارے گھر سے ڈیفنس کا فیز فائیو زیادہ دور نہیں تھا۔ زمزمہ اسٹریٹ عبور کرتے ہی وہ علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔ ہم چند منٹ میں وہاں پہنچ گئے۔ نمبروں کی مدد سے اول خان کو اپنے مطلوبہ مکان تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اس نے اپنی گاڑی اس مکان سے دور ایک خالی پلاٹ پر چڑھا کے روک دی پھر ہم دونوں پیدل ہی اپنی منزل کی طرف لوٹ آئے۔

سردار وجاہت اللہ کے مشتبہ مکان کے سبز پھاٹک پر رک کر اول خان نے ہولے سے سیٹی بجائی، فوراً ہی آہنی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھلی اور ہم دونوں یکے بعد دیگرے اندر داخل ہو گئے۔

بڑ نے اس مکان کی بالکل صحیح منظر کشی کی تھی۔ مکان میں مکمل تاریکی چھائی ہوئی ہونے کے باوجود دور افتادہ اسٹریٹ لیمپس کا ہلکا سا انعکاس اس مکان کے ماحول کو ہلکا سا واضح کر رہا تھا۔ وہ مکان چند ماہ پہلے آباد تھا اور ایک ایسے صنعت کار کے تصرف میں تھا جو بینکوں کے بیالیس کروڑ روپے دبائے بیٹھا تھا، اس لیے کھنڈر نما یا بوسیدہ نہیں رہا ہوگا لیکن اس وقت جھینگروں اور مینڈکوں کے شور میں وہ کوئی پرانا بھوت بنگلا معلوم ہو رہا تھا۔

اول خان اپنے ماتحتوں کے مشوروں پر عمل کرنے کے بجائے اپنی مرضی پر چلنے کا عادی تھا۔ اس نے دیوار کے سائے میں کسی چوپائے کی طرح رینگ رینگ کر عمارت کا ایک طواف کیا اور پھر ایک ایسی کھڑکی کے مقابل رک گیا جس کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"سر! میں نے اسی کھڑکی کا انتخاب کیا ہے اور ہاتھ ڈال کر اندر کا بولٹ اٹھا چکا ہوں۔ ذرا سے اشارے سے یہ کھڑکی کھل جائے گی۔" بڑ نے سرگوشیانہ لہجے میں اول خان کو آگاہ کیا۔

"میں اندر جاتا ہوں۔" میں نے اول خان سے کہنا شروع کیا۔ "تم یہیں رک کر مجھے کور فراہم کرو گے۔ بڑ کو پچھلے دروازے پر بھیج دو تاکہ ادھر سے کوئی فرار نہ ہو سکے۔"

میں نے مکان کا طواف کرتے ہوئے یہ دیکھ لیا تھا کہ مکان کے احاطے میں کوئی گاڑی موجود نہیں تھی جو ہنگامی ضرورت کے وقت جان کے کام آ سکے۔ پختہ گیراج میں گاڑیاں بند رہی ہوں تو وہ دیگر بات تھی۔

"تمہارا اکیلا اندر جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ آگے پیچھے ہم دونوں ہی اندر چلتے ہیں۔"

"اندر جان اکیلا ہوگا۔ ویرا اس کا ساتھ نہیں دے گی۔ اگر وہ اندر کی گہری تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اسی کھڑکی سے بھاگ نکلا تو ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ تم فکر مت کرو۔ وہ اندھیرے میں آسانی سے مجھے نہیں مار سکے گا۔ مقابلہ شروع ہوجائے تو تم ضرور اندر آجانا۔"

بڑ مکان کے پچھلے حصے کی طرف چلا گیا۔ میں نے کھڑکی کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ میرے داہنے ہاتھ میں پستول اور بائیں ہاتھ میں ٹارچ دبی ہوئی تھی۔

کھڑکی آرام سے کھل گئی۔ غیر آباد ہونے کی وجہ سے اندر سیلن کی ہلکی سی بو رچی ہوئی تھی۔ میں پوری توجہ مرکوز کرکے اندر کی سن گن لینے کی کوشش کرتا رہا لیکن وہاں مہیب اور مکمل سناٹے کا راج تھا۔ میں نے کھڑکی کی چوکھٹ پر ہاتھ ٹکائے اور کوئی آواز پیدا کئے بغیر پنجوں کے بل اندر اتر گیا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس زمانے کی مروجہ احتیاطی تدابیر کے برعکس اس مکان کی کھڑکیوں پر آہنی گرل نہیں لگائی گئی تھی۔

مکان کا طواف کرکے مجھے ساخت کا اندازہ ہوچکا تھا۔ میں نے براہِ راست اندر گھسنے کے بجائے بغلی سمت میں آگے بڑھنا شروع کردیا۔ مکان کی وسعت کے اعتبار سے کمرے بڑے بڑے اور سازوسامان سے بھرے ہوئے تھے اور وہ سارا آسائشی اور آرائشی سازو سامان یقیناً قیمتی رہا ہوگا۔ قدم قدم پر موجود ان رکاوٹوں کی وجہ سے میں پھونک پھونک کر قدم آگے بڑھاتا رہا۔

وہ شاید کوئی خواب گاہ تھی۔ میں وہاں کا جائزہ لے کر جوں ہی پلٹا، مجھ سے ذرا سی چوک ہوئی۔ میری کہنی لگتے ہی ایک اونچی تپائی پر رکھا ہوا کوئی وزنی گلدان فرشی قالین پر آگرا۔ قالین دبیز تھا مگر پھر بھی وہ دھمک بہت تیز تھی، اس آواز کے ساتھ ہی اندر کہیں کھٹکا ہوا۔ میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہوگئیں۔

شاید جان نے وہ آواز سن کر اپنی جگہ چھوڑی تھی۔ میں نے اس آواز کی سمت کا تعین کرکے اپنی نگاہیں اسی طرف مرکوز کردیں اور خود وہیں جم کر کھڑا ہوگیا۔

وقت کی رفتار سست ہوگئی۔ مجھے ایک ایک لمحہ بہت طویل محسوس ہو رہا تھا۔ میں ایک مرتبہ پھر اپنے ایک چالاک اور مکار دشمن کے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے تھا۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ پچھلی رات ہم نے ایسے ہی اندھیرے مکان میں شدید فائرنگ کے تبادلے کے بعد راس المیڈا کو گھیر کر پکڑا تھا اور اس رات میں وہاں اس کے ساتھی کی تلاش میں اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھر رہا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ سردار وجاہت اللہ کی چھت کے سائے میں اس وقت تک گولی نہیں چلی تھی، اندھیرے میں مکارانہ پیش رفت جاری تھی۔

کافی دیر گزر گئی۔ اندر سے پیدا ہونے والی کھٹکے کی آواز کے بعد فضا پر دوبارہ گہرا سکوت چھا گیا تھا۔

اس وقت صورتِ حال بہت نازک ہوچکی تھی۔ سب سے پہلے یہ بات ثابت ہوچکی تھی کہ وہ مکان ویران یا غیر آباد نہیں تھا۔ وہاں اندھیرے میں کوئی موجود تھا اور میری ذرا سی لغزش کی وجہ سے خود کو درپیش خطرے سے آگاہ ہوکر چوکنا ہوچکا تھا۔ وہ میری گھات میں تھا اور میں اُس کے انتظار میں تھا۔

میں اپنی پیش قدمی جاری رکھتا تو اندھیرے میں اس سے کہیں بھی غیر متوقع طور پر ٹکراؤ ہوسکتا تھا۔ ایسے اندھے تصادم کے نتائج کے بارے میں پہلے سے کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ جو وار کرنے میں پہل کر گزرتا، وہی اپنے حریف کو آسانی سے مار لیتا۔ میرے لیے دشمن کی موت کا امکان بہت مسرت انگیز تھا لیکن اپنی موت کا تصور میرے لیے قابلِ قبول نہیں تھا۔

میرا حریف بند دیواروں میں اندھیرا کئے وہاں قلعہ بند تھا۔ اس کے اعصاب اتنے بھڑکے ہوئے تھے کہ اس نے دھمک پیدا ہوتے ہی ایسے اضطراری ردِّعمل کا مظاہرہ کیا تھا کہ کھٹکے کی آواز پیدا ہوگئی تھی مگر پھر وہ اپنے مورچے میں ہی رک گیا تھا۔

اپنی جگہ چھوڑنے کے بجائے میں نے قالین پر گری ہوئی اس چیز کو چھوا تو مجھے کسی ٹھنڈی دھات کا احساس ہوا۔ میں نے جھک کر بہت احتیاط سے اپنے پستول کی نال اس کھوکھلے گلدان کے پیندے سے آہستگی سے ٹکرائی، ٹن کی ہلکی سی آواز ابھری اور اس کی بازگشت پورے گھر کی تاریک فضا میں پھیلتی چلی گئی۔

"کون ہے؟" اندر سے پھنسی پھنسی اور دبی ہوئی ایک مردانہ آواز آئی اور میرے بدن کے مساموں کے دہانے کھل گئے۔ سوال اردو میں کیا گیا تھا جب کہ جان اردو سے نابلد تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ مقابلہ برابر کا نہیں تھا۔ دشمن کی تعداد ایک سے زیادہ تھی۔

میں وہیں کھڑا سوچتا رہا۔ میرے ذہن میں واپسی کا خیال آیا۔ ابھی میں کسی نتیجے پر پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ میری نظروں نے اندر کی تاریکی کو لرزتے ہوئے دیکھا۔ میں آنکھیں پھاڑ کر اس طرف گھورنے لگا پھر مجھے ادراک ہوا کہ اندر تاریکی نہیں لرز رہی تھی، اس تاریکی میں کوئی ہیولا آہستہ آہستہ میری طرف آرہا تھا۔ میں نے اپنے وجود کو دروازے سے اندر سمیٹ کر چوکھٹ کی اوٹ سے اس طرف جھانکا پھر اپنا بایاں ہاتھ سیدھا کرکے طاقت ور سرچ لائٹ روشن کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"ہینڈز اَپ!" میں نے چوکھٹ کی اوٹ سے نکلے بغیر غرا کر سرچ لائٹ روشن کردی۔ آنے والا جہاں تھا، وہیں جم کر رہ گیا اور اسے دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کرگئے۔

وہ سنی تھا جسے اول خان سرور کے قتل کے الزام میں پولیس شہر میں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ آخر کار وہ جان اور راس المیڈا کا ہی نکلا تھا۔

سنی ایک بانکا' سجیلا اور قد آور نوجوان تھا۔ اس وقت اس کی گوری رنگت پھیکی پڑگئی تھی اور چہرے پر سراسیمگی کے آثار اُمڈ آئے تھے۔ اس کے داہنے ہاتھ میں درمیانے بور کا ریوالور دبا تھا۔ مگر غنیمت یہ تھا کہ میری کرخت آواز پر اس نے کوئی بھی مزاحمت کئے بغیر اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھالئے تھے۔ ریوالور کی نال چھت کی طرف تھی اور سنی کی شہاوت کی انگلی ٹریگر پر سے ہٹ چکی تھی۔

"اللہ.....! یہ روشنی بند کرو۔ ہماری آنکھیں چکا چوند ہورہی ہیں۔" لحہ بھر بعد ہی سنی نے خوف زدہ نسوانی لب و لہجے میں احتجاج کیا "ہمیں کچھ بھی نظر نہیں آرہا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اضطراری طور پر اپنا بایاں ہاتھ گرا کر کلائی سے آنکھوں پر پڑنے والی تیز روشنی روکنے کی کوشش کی تھی۔

"ٹریگر کو چھوئے بغیر ریوالور نیچے ڈال دو ورنہ میں فائر کردوں گا۔" میں نے غرا کر کہا۔

"پتا نہیں تم کون ہو۔" سنی کی آواز پُرتشویش ہوگئی مگر اس نے پھرتی سے ریوالور فرش پر ڈال دیا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ہم چور نہیں ہیں۔ ہمیں یہاں بلایا گیا ہے۔"

میں سرچ لائٹ کے روشن عدسے کے عقب میں سے اسے پوری طرح دیکھ رہا تھا۔ اس جیسی شان وشوکت رکھنے والے خوب رو نوجوان کی زبان سے زنانہ لہجے میں وہ الفاظ سن کر میرا خون کھول اٹھا اور بے اختیار میرے ذہن میں ایک غلیظ گالی در آئی مگر میں نے اسے اپنے لبوں پر آنے سے روک دیا۔

میں جان اور ویرا کی تلاش میں سراغ کے سہارے پیش رفت کرتا ہوا' اس ویران اور تاریک مکان میں داخل ہوا تھا۔ میرے قیاس اور دستیاب شہادتوں کی بنا پر وہی مکان جان کا مسکن ہوسکتا تھا لیکن اس وقت جان کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا البتہ سنی ناگہانی طور پر میری نظروں میں آگیا تھا اور مضحکہ خیز انداز میں اپنی وہاں موجودگی کا دفاع کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

سرچ لائٹ کی روشنی اور پھر فریقین کی آوازوں کی وجہ سے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ اس وقت تک مجھے یقین تھا کہ وہ مکان ان سازشیوں کا ایک مضبوط ٹھکانا تھا اور صوت و آہنگ کی تبدیلیوں کے نتیجے میں سنی کے طاقت ور سرپرست بھی اس معاملے میں مداخلت کرسکتے ہیں۔

میں نے دبی دبی غضب ناک آواز میں کہا "حرام زادے۔ ریوالور سے دور ہٹ جاؤ۔ تمہارے کرتوت مجھے معلوم ہوچکے ہیں۔ تم نے ذرا سی بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں تمہارا بھیجا اڑادوں گا۔"

"ہائے' ہم مرگئے۔" سنی کی سہمی ہوئی بے ساختہ آواز ابھری۔ "پتا نہیں ہم بے خبری میں کہاں پھنس گئے ہیں۔" ان الفاظ کے ساتھ وہ فرش پر پڑے ہوئے ریوالور سے چند قدم پیچھے سرکتا چلا گیا۔

میں نے پھرتی سے اول خان کے شانے پر ہاتھ مارا۔ اس ماحول میں وہ پیش قدمی کا ایک واضح اشارہ تھا۔

اس وقت تک میری ہر شعوری کوشش اور خواہش یہ تھی کہ کسی اور حریف کے سامنے آنے سے پہلے ہی سنی کو بے دست وپا کر کے ناکارہ کردیا جائے۔ اسی چکر میں میں نے گھور اندھیرے میں روشنی کی کرنیں بکھیرتی ہوئی سرچ لائٹ بند کردی۔

شاید وہ میری ایک بڑی غلطی تھی۔ اندھیرا ہوتے ہی میرے کانوں میں اول خان کی بوکھلائی ہوئی اضطراری آواز آئی۔ وہ کہہ رہا تھا "ارے باپ رے......! یہ سالی لڑکی کہاں سے کہاں لے گئی؟؟"

اس وقت صورتِ حال کی کمان میرے ہاتھ میں تھی اور میرا ذہن پوری طرح فعال تھا۔ میں نے اول خان کی آواز سنتے ہی اندازہ لگالیا کہ وہ سنی پر حملہ آور ہوتے ہی کسی سنگین غلط فہمی میں مبتلا ہوگیا ہے۔ میری پوری کہانی سننے کے بعد بھی اس بے چارے کو اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ سنی عادات واطوار میں ہی نہیں بلکہ جسمانی لوچ اور گداز میں بھی بہت بری طرح نسائیت کا شکار تھا۔ قدرت نے اسے پیدائشی طور پر مردانہ کل پرزے عطا نہ کئے ہوتے تو وہ نئے زمانے میں مولویوں کو پیڑوں پر چڑھانے والی امراؤ جان ادا کا کردار تک ادا کرسکتا تھا۔

"دھوکا کھانے کی ضرورت نہیں۔" میں نے لحہ بھر میں صورتِ حال کا ادراک کرتے ہوئے تیز سرگوشیانہ آواز میں کہا۔ "اس بدمعاش کا بدن لڑکیوں کی طرح نرم اور لچکیلا ہے۔ اسے نکلنے نہ دینا۔"

میرے کانوں میں کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آئیں۔ شاید سنی' اول خان کی بوکھلاہٹ کا فائدہ اٹھا کر اندھیرے میں کسی طرف بھاگ نکلا تھا اور اول خان نے میری للکار پر اس کے پیچھے دوڑ لگادی تھی۔

چند ہی ثانیوں بعد قدموں کی دھمک ختم ہوگئی اور اٹھا پٹخ کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے اضطراری طور پر دوبارہ سرچ لائٹ روشن کرکے اس کا رخ گھمایا تو اول خان کشادہ راہ داری میں سنی کے ساتھ لڑتا ہوا نظر آیا۔ سنی اپنی اکتسابی نزاکتوں کے باوجود ایک پیدائشی مرد تھا اور اس وقت مردانہ وار اول خان کا مقابلہ کررہا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اول خان کے مقابلے میں وہ قطعی نو آموز نظر آرہا تھا۔

روشنی ہوتے ہی اول خان کو اس اندھا دھند لڑائی میں اپنا نشانہ تاکنے کا موقع مل گیا۔ اس کا بھرپور داہنا مکا سنی کے بائیں جبڑے پر پڑا تو وہ تیورا کر کئی بل کھاتا ہوا دیوار سے ٹکرایا اور پھسل کر وہیں ڈھیر ہوتا چلا گیا۔ اول خان کسی سفاک جلاد کی طرح فوراً ہی اس کے سر پر سوار ہوگیا۔

"ٹھہرو ٹھہرو......!" سنی دونوں ہاتھ جوڑ کر بے ساختہ گڑگڑایا۔ "ہمیں کیوں مار رہے ہو؟ ہمارا قصور تو بتا دو۔ ہم یہاں مارنے آئے ہیں نہ کسی کو مروانے آئے ہیں' کسی کے بلانے پر آئے ہیں.........."

"کس کے بلانے پر آئے ہو؟" اول خان اس کی بات کاٹ کے غرایا۔

"اے لو۔" سنی دونوں ہتھیلیاں جوڑ کے بولا "ہمیں کیا پتا کہ وہ کون تھا۔ اللہ مارا کوئی فرنگی تھا۔ اپنی بات سمجھا رہا تھا نہ ہماری سمجھ رہا تھا........ خدا کے لیے' پیچھے ہٹو تو ہم کچھ بتائیں۔ تم نے ہماری کمر چھیل کے رکھ دی ہے۔ کمر پر دیوار کی وہ رگڑ لگی ہے کہ سات دن دودھ جلیبی کھا کر بھی نہیں جائے گی۔"

"تیری کمر سے نیچے کا کیا حال ہے سنی بائی؟" میں نے اس کے سر پر پہنچ کر زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"نیچے کا حال تو اوپر والے کو ہی معلوم ہے۔" وہ کراہتے ہوئے بولا "ہمیں ساری عمر میں اتنی چوٹیں نہیں آئی تھیں جتنی تم لوگوں نے ذرا دیر میں لگائی ہیں۔ تم سے خدا سمجھے' پتا نہیں تم کون ہو اور ہمارے دشمن کیوں ہو رہے ہو۔"

میں نے فرش پر پڑا ہوا سنی کا بھرا ہوا ریوالور اپنی تحویل میں لے لیا۔

اس وقت تک وہاں کافی دھما چوکڑی ہو چکی تھی لیکن سنی کے سوا کوئی ہمارے سامنے نہیں آیا تھا۔ اس صورتِ حال سے دو ہی نتائج اخذ کیے جا سکتے تھے۔ پہلا اور اطمینان بخش پہلو یہ تھا کہ اس تاریک مکان میں سنی کی پشت پناہی کے لیے کوئی دوسرا نفس موجود نہیں تھا' ہم اسے زیر کر کے عملاً اس مکان پر قابض ہو چکے تھے۔ دوسرا اور قوی تر امکان یہ تھا کہ وہاں موجود دوسرے لوگ اس مقابلے میں کوئی دخل اندازی کیے بغیر' تاریکی میں چھپ کر حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ وہ مناسب موقع ملنے پر اچانک ہم پر حملہ آور ہوتے اور ہماری گردنیں کاٹ کے رکھ دیتے۔ دوسرے امکان پر سوچتے ہوئے میں بے اختیار پھریریاں سی لے کر رہ گیا۔

میری دانست میں وہاں کسی اور کے موجود نہ ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ جان مجھ سے فون پر بات کرتا رہا تھا۔ اس نے ویرا سے بھی میری بات کرائی تھی اور پھر ٹیلی فون کے محکمے کی مدد سے جان کے فون نمبر کا سراغ لگا کر اس مکان کی نشان دہی کی گئی تھی۔ اصولی طور پر جان اور ویرا کو اسی مکان کے کسی حصے میں موجود ہونا چاہیے تھا مگر وہ دونوں غائب تھے اور سنی قربانی کے بکرے کی صورت میں ہمارے سامنے تھا۔

مجھے یک بیک جان کے تصور سے ہلکا سا خوف محسوس ہونے لگا۔ کشمیر روڈ کی کمین گاہ میں راس المیڈا کو اکیلا چھوڑ کر میدان سے راہِ فرار اختیار کرنے والا وہ شخص میری توقعات سے زیادہ چالاک ثابت ہو رہا تھا۔

اس وقت تک ہم تینوں اس مکان کی کسی تنگ سی گزرگاہ م
تھے۔ میں نے سرچ لائٹ کی روشنی میں قریبی دروازے کا جائزہ
اور پھر سنی کو اس میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ وہ بل کھاتا ہوا ز
سے اٹھا اور پھر لنگڑاتا ہوا ہولے ہولے دروازے کی طرف چ
دیا۔ اول خان اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

وہ فرشی قالین سے آراستہ سونے کا کمرا تھا جس میں عق
کھڑکی اور ملحقہ باتھ روم کے دروازے کے سوا نکاس کا ک
متبادل راستہ نہیں تھا۔ ہر چیز پر گرد و غبار کی تہیں موجود تھیں ج
سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خواب گاہ کافی عرصے سے مکینوں کے ان
میں خالی پڑی ہوئی ہے۔

اول خان بھی موقع کی نزاکت کو پوری طرح سمجھ رہا تھا۔ ا
نے کھڑکی پر پڑے ہوئے دبیز پردے ملائے پھر پلنگ تلاش کرنے
بعد سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا لیمپ روشن کر دیا۔ وہ روشنی کم نہیں ت
لیکن لیمپ کے بلب پر شیڈ لگا ہوا ہونے... کی وجہ سے اسے باہر
دیکھا جانا قدرے دشوار تھا۔

"اِدھر اُدھر کی ہانکنے کے بجائے اب پوری کہانی سناتے
جاؤ۔" کمرے میں پہنچنے کے چند ثانیوں بعد میں نے اسے گھور
ہوئے سرد لہجے میں کہا "تم ساگا کو نکالنے کے لیے گئے تو تمہار
ساتھ دو آدمی کون تھے؟ ساگا کو ڈیرے دارنی تک پہنچانے کے ب
تم کہاں غائب ہو گئے تھے اور اب یہاں کیا کر رہے ہو؟"

سنی میرے سوالات پر مضمحل سا نظر آنے لگا اور شکست خو
لہجے میں بولا "اس کا مطلب ہے کہ تم بہت کچھ جان چکے ہو....
سچ سچ بتاؤ کہ تم ہمیں مار تو نہیں دو گے؟" کمرے میں روشنی ہو
کے بعد اس نے پہلی بار مجھے دیکھا تھا۔ مجھے پہچان کر اس کی نگا
میں حیرت ابھر آئی تھی اور اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا لیکن اس با
میں اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم نے ساگا کو آ
کرانے کے لیے ایک سرکاری آدمی کا خون کیا ہے اور دوسر
بری طرح زخمی کیا ہے۔ تمہارے یہی جرائم تمہارے گلے
پھانسی کا پھندا ڈلوانے کے لیے کافی ہوں گے۔"

"ہمیں پھانسی کی دھمکی مت دو۔" وہ خوف زدہ آواز می
"ہمیں چھیا باجی نے بتا دیا ہے کہ تم پولیس والے نہیں
پرانے بدمعاش ہو اور تمہارا نام ڈینی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم اس و
مکان میں کیسے پہنچ گئے؟"

اس کے آخری سوال پر مجھے اضطراری طور پر غصہ آیا مگ
نے فوراً ہی سنبھل کر پوچھا "اگر اس وقت یہ مکان ویران
پہلے یہاں اور کون موجود تھا؟"

"جب سے ہم آئے ہیں' کوئی حرام کا جنا یہاں نہیں آیا
بے بسی سے بولا اور میرے ذہن پر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ
اگر اس مکان میں سنی کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا تو ہم

توجہ اور بیکسوئی کے ساتھ اس سے باز پرس کر سکتے تھے۔ سنی اپنی رو میں کہہ رہا تھا "لیکن اس مکان کی ویرانی سے تم کسی بھول میں نہ رہنا۔ ہمارے ہمدرد کسی بھی وقت یہاں آکر تمہارا نرخرا ناپ لیں گے۔"

"اگر تم مزید ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو ڈینی کے سوالوں کے جواب دیتے چلے جاؤ۔" اول خان نے سفاکی سے کہا۔ "تم نے ٹال مٹول کی تو تمہارے ہمدردوں کو تمہارا اگڑا ہوا چہرہ دیکھ کر افسوس ہوگا۔"

تھوڑی سی ردوکد کے بعد سنی نے بولنا شروع کر دیا۔ اس کی کہانی کا ابتدائی حصہ وہی تھا جو اول خان کے آدمی بازارِ حسن میں گھوم پھر کر معلوم کر چکے تھے البتہ بعد کی باتیں ہمارے لیے نئی تھیں۔

اس نے بتایا "پرنس ساگا اس تہ خانے میں بہت خراب حالت میں تھے۔ ہم نے انہیں اٹھایا تو ان کی چیخیں نکل گئیں۔ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ وہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہیں گے۔ انہوں نے راستے میں تکلیف اور غنودگی کے عالم میں ایک فون نمبر بتا کر حکم دیا تھا کہ انہیں چھمیا باجی کے پاس چھوڑتے ہی ہم اس نمبر پر فون کر کے ان کی حالت کی خبر دے دیں۔ اس نمبر پر کوئی گورا تھا جو فرنگی میں ٹاؤں ٹاؤں کیے جا رہا تھا۔ بس پرنس ساگا کا نام اس کے پلے پڑا اور اس نے ہمیں ہولڈ آن کہہ کے اپنے چوکی دار کو فون پر بلایا۔ پرنس ساگا کے زخمی ہونے کی خبر سنتے ہی گورے نے اپنے چوکی دار سے کہلوایا کہ ہم اس خالی مکان میں پہنچ کر کسی چیز کو چھیڑے بغیر اس کا انتظار کریں۔ چوکی دار سے پتا لے کر ہم کل رات ہی یہاں آگئے مگر یہاں کوئی بھی نہیں آیا...... ہائے، ہم مر گئے۔" وہ اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر کراہا پھر ناک بھوں چڑھا کر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارے یہاں آنے کا انتظار کر رہا ہے اور اب کسی بھی وقت یہاں چڑھ دوڑے گا۔"

"تمہارے ساتھ ساگا کو نکالنے کے لیے اور کون کون گیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"فخرو اور رمیش چند تھے۔ دونوں نیپیئر روڈ کے پرانے اور بہت ہی دار دلال ہیں۔ جس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں اسے کوئی مائی کا لال میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔" وہ اپنی رو میں بتانے لگا "مگر تہ خانے میں ہونے والی مار دھاڑ سے دونوں ڈر گئے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ پرنس ساگا کو قید میں رکھنے والوں میں سے ایک مر چکا ہے اور وہ پولیس کیس ضرور بنے گا۔ وہ دونوں سب کے سب شیر بنے رہتے ہیں لیکن پولیس کے نام سے ان کے پیشاب خطا ہوتے ہیں۔ وہ دونوں ہمیں راستے میں ہی پرنس ساگا کے ساتھ چھوڑ کر گاڑی سے اتر گئے تھے۔ ان کے بھاگنے کے بعد پرنس ساگا نے ہمیں گورے کا فون نمبر دیا تھا۔"

"تو کیا تم گاڑی چلا لیتے ہو؟" اول خان نے حیرت سے بے ساختہ سوال کیا۔

"اے لو، ہم بازار میں بڑے بڑوں کو چلاتے ہیں۔ گاڑی واڑی کو چلانے میں کیا کمال ہے۔ مشین بڑی مسکین ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ جو سلوک چاہو کر لو۔ بازار والیوں کے ناز نخرے اٹھا کر انہیں اپنے راستے پر چلانا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ ہم نے آنکھ کھولتے ہی یہ کام سیکھ لیا ہے۔ اب گاڑیوں میں کیا رکھا ہے۔"

"فخرو اور رمیش اب کہاں ہوں گے؟" میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"جہاں بھی ہوں، کراچی میں ہرگز نہیں ہوں گے۔" اس نے پورے وثوق سے جواب دیا۔

"تہ خانے والا آدمی کس کی گولیوں سے مرا تھا؟" میں نے اس کا اقرارِ جرم سننے کے ارادے سے پوچھا۔

وہ بہت چالاک تھا۔ اس نے خطرہ بھانپ لیا اور پہلو بدل کر بولا "یہ تو ہمارا مولا ہی جانتا ہے کہ وہ کس کی گولی سے مرا ہوگا۔ ان پر ہم تینوں نے ہی گولیاں برسائی تھیں۔ جس گولی پر اس کا نام لکھا ہوا ہوگا، وہی اس کو لے ڈوبی ہوگی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اس کے مقدر کا لکھا کس نے پورا کیا ہوگا؟"

"تم جھوٹے ہو" میں نے غرا کر کہا "زخمی ہونے والے نے بتایا کہ ان دونوں پر اندھا دھند فائرنگ تم نے کی تھی اور تم ہی سب سے آگے تھے۔"

سنی کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ اس نے واضح طور پر تھوک نگلنے کی کوشش کی اور کہا "یہ جھوٹا الزام ہے۔ ہم نے کسی کا خون نہیں کیا۔ جنہوں نے تمہارے آدمی کو مارا ہے، وہ پہلے ہی بھاگ چکے ہیں۔"

"اتنی آسانی سے تمہاری گلو خلاصی نہیں ہوگی۔" میں نے تلخی سے کہا "ان میں سے کوئی قاتل ہے تو اس کے پکڑے جانے تک تم ہمارے اسی مہمان خانے میں رہو گے جہاں تمہارا ماموں بند تھا۔"

"ہمارا ماموں؟" اس نے بھڑک کر کہا پھر وہ فوراً ہی سمجھ گیا کہ میں نے ساگا کا حوالہ دیا تھا۔ اس نے تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا "وہ ہمارا ہی نہیں، سارے بازار والوں کا ماموں تھا۔ ہم اس امید پر اسے نکالنے گئے تھے کہ وہ اس کارنامے پر ہم سب کو مالا مال کر دیتا لیکن ہمارے نصیب خراب تھے۔ اس کی زندگی نے وفا نہیں کی اور ہمارا مقدر ہم سے روٹھ گیا۔ اب دیکھنا ہے کہ آگے کیا ہوتا ہے۔"

"جو کچھ ہوگا، وہ تمہاری طبیعت صاف کر دے گا۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

وہ سنی سے میری دوسری ملاقات تھی۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ جو کچھ جانتا تھا، اپنے مخصوص حلقے کی صحبت کی وجہ سے جانتا

تھا ورنہ رسمی تعلیم تک سے اس کا دور دور تک کوئی علاقہ نہیں تھا۔ انگریزی کے وہی دو چار الفاظ اس کا کل سرمایہ تھے جو روز مرّہ کی گفتگو میں ہر کس و ناکس کثرت سے استعمال کرتا ہے۔

میں نے اول خان سے مخاطب ہو کر انگریزی میں کہا ”اس کا کہنا ہے کہ کل شام سے یہ مکان یوں ہی تاریک اور ویران پڑا ہوا ہے۔ تم اسے سنبھالو‘ میں ذرا پورے مکان کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔“

”اسے کیا سنبھالنا۔ میرا آدمی بتا چکا ہے کہ یہ سرور کا قاتل ہے۔ جان کے آنے سے پہلے ہی ہمیں اس سے نجات حاصل کر لینی چاہیے ورنہ یہ بھی دو ہو جائیں گے۔“ اول خان نے بے ساختہ کہا۔

”قاتل نہیں بلکہ قاتلوں میں سے ایک ہے۔“ میں نے اس کا ذہنی دباؤ دور کرنے کے لیے وہ تصحیح ضروری سمجھی ”تمہارے آدمیوں پر ان تینوں نے بے آواز پستولوں سے فائرنگ کی تھی........“

”ٹھیک ہے!“ اول خان میری بات کاٹ کر بولا ”مگر ان تینوں میں یہ عجوبہ سب سے آگے تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی چلائی ہوئی گولی سرور کی موت کا سبب نہ بنی ہو مگر یہ ان کی سربراہی کر رہا تھا۔ وہاں جو کچھ ہوا‘ اس کی پوری پوری ذمے داری اسی پر عائد ہوتی ہے۔“

”میں اس مردود کا دفاع نہیں کر رہا۔ یہ ہر اعتبار سے اس دھرتی کا بوجھ ہے لیکن تم اس کے بارے میں عجلت سے کام لے رہے ہو۔ گھر کا جائزہ لینے کے بعد بھی ہم اس کے مستقبل کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔“

”اندھیرا گہرا ہو چکا ہے۔ کیا پتا کہ جان کس وقت آ جائے۔ میں وقت گنوانے کا عادی نہیں ہوں۔“

”ساگا کے بارے میں ہم طے کر چکے تھے کہ اسے ختم کر دینا چاہیے۔ تم نے دیکھ لیا کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہ خود ہی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔ ہمیں اس کا خون اپنے سر نہیں لینا پڑا۔“

”تو کیا تم یہ توقع کر رہے ہو کہ جان آتے ہی اسے گولی مار دے گا۔“

”ہونے کو یہ بھی ہو سکتا ہے۔ جان نہ آیا تو تم فکر نہ کرو‘ اسے میں خود گولی مار دوں گا لیکن اس کام کے لیے تھوڑا سا وقت دے دو۔ میں گھر کا ایک چکر لگا کر ابھی واپس آتا ہوں۔“

”تم ہو آؤ۔ میں اسے دیکھتا ہوں۔“ اول خان نے بادلِ ناخواستہ ہتھیار ڈال دیے۔

وہ ساری گفتگو انگریزی میں ہوئی تھی اس لیے اس کا ایک لفظ بھی سنی کے پلے نہیں پڑ سکا تھا۔ وہ کسی ہونق کی طرح کھڑا باری باری ہم دونوں کے چہرے تکتا رہا تھا۔ ہمارے غیر جذباتی لب و لہجے سے وہ کوئی بھی مفہوم اخذ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

ان دونوں کو اس روشن کمرے میں چھوڑ کر میں خاموشی سے باہر رینگ گیا۔

سردار وجاہت اللہ اپنی جیسی تیسی صنعتوں کے بل پر بینکوں کے بیالیس کروڑ روپے ہضم کر کے خاموشی سے ملک سے فرار ہو گیا تھا اور اس کا وہ ویران مکان جان جیسے مجرموں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اندھیرے میں کہیں کہیں اپنی ٹارچ کی روشنی سے مدد لے کر پیش قدمی کرتے ہوئے مجھے اس بات کا اطمینان تھا کہ مکان سے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں اول خان کا ایک مسلح آدمی نگرانی پر مامور تھا اور جان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اس کی نظروں سے بچ کر خاموشی سے اس عمارت میں داخل ہو سکے۔

وہ مکان واقعی کافی وسیع اور کشادہ تھا۔ ہر کمرا آسائشی سہولتوں اور آرائشی اشیا سے لدا ہوا تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ سردار وجاہت اللہ نے کاروباری ہیر پھیر کے ذریعے بینکوں سے لوٹی ہوئی خطیر رقم پوری دریا دلی کے ساتھ اپنی شاہانہ بود و باش کے لیے استعمال کی تھی اور جب اسے اپنا برا وقت قریب نظر آیا تو وہ کسی پھندے میں پھنسنے سے پہلے سب کچھ جوں کا توں چھوڑ کر ملک سے فرار ہو گیا۔ یہ دوسری بات تھی کہ اس کے چھوڑے ہوئے جملہ اثاثے اس کی لوٹی ہوئی دولت کا عشرِ عشیر بھی نہیں تھے۔

اپنے اصل مکینوں سے محروم اس تاریک مکان میں گھومتے ہوئے ذرا سی دیر کے لیے میری ذہنی رو بہک گئی۔ میرے وطن میں ایک طرف اول خان جیسے جاں فروشوں کی قلیل سی تعداد تھی جو اپنی جانیں ہتھیلی پر لیے ہر لمحہ اس ملک کے مفاد اور عزت و آبرو کے لیے بے خوفی سے لڑ رہے تھے اور اپنے مقدس لہو سے اس پاک مٹی کی آبیاری کر رہے تھے اور دوسری طرف چور‘ ڈاکو اور لٹیرے تھے جو طرح طرح کے روپ دھار کے دونوں ہاتھوں سے ملکی وسائل کو لوٹ رہے تھے مگر ان پر کوئی قدغن نہیں تھی۔

گھروں میں ڈاکے ڈالنے اور رہزنی کرنے والوں کو تو پھر بھی پولیس کی دخل اندازی کا خوف لاحق رہتا تھا جو گرفتاری یا پھر حصہ داری کے لیے شہر شہر اور نگر نگر ان کی بُو سونگھتی پھرتی تھی لیکن قومی ڈاکوؤں کا معزز طبقہ بالکل بے خوف تھا۔ وہ لاکھوں کی نہیں کروڑوں کی ڈکیتیاں کرتے تھے اور پھر بھی ان پر انگلی اٹھانا ممکن نہیں تھا۔ وہ راشی‘ خائن اور بددیانت افسروں‘ صنعت کاروں اور سیاست دانوں کا ٹولہ تھا جو ہر لمحے قوم کی شہ رگ سے خون چوس رہا تھا اور سردار وجاہت اللہ اسی ٹولے کا ایک رکن تھا۔

ان ہی خیالات کی رو میں میرا پیر ایک وزنی میز کے پائے سے ٹکرایا اور میرے خیالات کی رو فوراً بدل گئی۔

وہ وسیع تر ملکی اور قومی معاملات پر دماغ سوزی کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اس وقت ہم ایک شاطر دشمن کے خلاف میدانِ جنگ میں اترے ہوئے تھے۔ اس کے مقابلے میں ہماری ذرا سی لغزش ہمیں تباہ کر سکتی تھی اور پھر راس ایلیڈا کے حواریوں سے ہماری کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ ہم وہ لڑائی بھی مادرِ وطن کے لیے

رہے تھے۔ مقابلہ کیا جاتا تو راس المیڈا ہر اعتبار سے سردار جاہت اللہ سے کہیں زیادہ بڑا دشمن تھا۔

میں نے خواب گاہوں سمیت کل پانچ کمرے دیکھ ڈالے۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ دو خواب گاہوں میں منقش اور بتی ٹیلی فون موجود تھے مگر ان کے تار اس طرح کٹے ہوئے تھے کہ وہاں تک آنے والی لائن کا کوئی سراغ باقی نہیں چھوڑا گیا تھا۔

میں نے چھٹے دروازے میں قدم رکھا تو میری توجہ خود بخود اس سرخ نقطے پر مرکوز ہوگئی جو کمرے کے ایک گوشے میں فرش سے ذرے بلندی پر روشن تھا۔ وہ سرخ روشنی اتنی مدھم تھی کہ ٹارچ روشن ہوتے ہی معدوم سی محسوس ہونے لگی۔ میں نے آزمانے کے لیے ٹارچ بجھائی تو سرخ نقطہ اپنی جگہ پر روشن تھا۔

روشنی میں دیکھ چکا تھا کہ روشنی کا مخرج کسی قسم کا فون ہی تھا۔ میں دوبارہ ٹارچ روشن کر کے تیزی سے اسی طرح بڑھتا چلا گیا۔

وہ کورڈلیس ٹیلی فون سیٹ کا بیس اسٹیشن تھا جو بجلی اور فون کی لائن سے منسلک ہونے کے سبب پوری طرح فعال تھا لیکن اس پر بنے ہوئے مخصوص کھانچے میں اس سیٹ کا ہینڈ سیٹ موجود نہیں تھا۔ میرے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا اور پوری صورتِ حال میری سمجھ میں آ گئی۔

میں نے اس سیٹ کا کھلا ہوا ایریل بند کیا اور بٹنوں کو ذرا بھی چھیڑے بغیر پوری احتیاط سے جائزہ لیا تو اس کے پیندے پر ابھری ہوئی تحریر سے انکشاف ہوا کہ وہ لاسلکی ٹیلی فون سیٹ پانچ سو میٹر کی رینج کا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بیس اسٹیشن سے تار کے کسی کنکشن کے بغیر ہینڈ سیٹ کے ذریعے اس مقام سے پانچ سو میٹر کے فاصلے تک وہ فون پوری طرح استعمال کیا جا سکتا تھا۔

میں نے ایک گہرا سانس لے کے وہ ایرئیس واپس رکھ دیا۔ وہ کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ اس زمانے میں ایسے لاسلکی سیٹ بازاروں میں بھرے ہوئے تھے لیکن اس کا مجرمانہ استعمال میرے لیے انوکھا تھا۔

ایرئیس پر ایک بٹن موجود تھا جسے دبا کر ہینڈ سیٹ والے کو متوجہ کر کے اس سے انٹر کام جیسی سہولت سے بات کی جا سکتی تھی لیکن میں نے اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ جان کو شبہ بھی ہو جاتا کہ کوئی اس بیس اسٹیشن تک پہنچ چکا ہے تو کھیل بگڑ سکتا تھا۔

جان واقعی بہت چالاک مجرم تھا۔ اس نے ایک معمولی سا شعبدہ استعمال کر کے ہم لوگوں کو شدید الجھن اور بے یقینی میں مبتلا کر دیا تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ سردار وجاہت اللہ کے ویران مکان سے پانچ سو میٹر نصف قطر کے دائرے میں کوئی ایسا شخص رہائش پذیر تھا جو جان اور راس المیڈا کا معتمدِ خاص بلکہ مددگار تھا۔ اسے معلوم تھا کہ سردار وجاہت اللہ قرقی اور گرفتاری کے خوف سے گھر چھوڑ کر بیرونِ ملک فرار ہو چکا تھا۔ اس نے مجرمانہ رازداری کے ساتھ خالی گھر میں گھس کر فون کی فاضل لائنیں منقطع کیں اور ایک مقام پر کورڈلیس فون کا سیٹ جوڑنے کے بعد ہینڈ سیٹ اپنے ساتھ لے گیا۔ اس طرح اسے اپنے گھر میں رہتے ہوئے سردار وجاہت اللہ کے فون پر مکمل تصرف حاصل ہو گیا۔

ہینڈ سیٹ کی بیٹری چارج کرنے کے لیے الگ سے متبادل بندوبست کرنا دشوار کام نہیں تھا۔ وہ گھر بیٹھے اس فون سے کہیں بھی بات کر سکتا تھا اور ہمارے ساتھ یہی ہوتا رہا تھا۔ جان کو پورا یقین تھا کہ فون نمبر کے سہارے اس کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا' اسی لیے وہ بے خوفی سے مجھے فون کرتا رہا تھا۔ فون نمبر ٹریس ہونے کے بعد سردار وجاہت اللہ کا مکان ایک سنگین رکاوٹ بن کر سامنے آ گیا تھا۔

جان کی اصل کمین گاہ کا کھوج لگانے کے لیے اس لاسلکی ایرئیس کی رینج میں واقع ہر مکان کا جائزہ لینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ مکانوں کے وسیع رقبے کے باوجود وہ تعداد کئی سو مکانوں پر مشتمل ہو سکتی تھی۔

واقعات کی کڑیوں کو یکجا کرنے کی کوششوں میں میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ پرنس ساگا کو چھمیا تک پہنچانے کے بعد سنی روپوش ہوا تو راس المیڈا پورے اطمینان سے کشمیر روڈ والے مکان میں فروکش تھا۔ ساگا کو اسی مکان کا نمبر معلوم تھا جو اس نے ویرا کو بتایا تھا۔ اس وقت تک ہم نے راس المیڈا کے ٹھکانے پر چڑھائی نہیں کی تھی۔ سنی نے وہاں فون کیا تو راس اور جان نے ایک پٹے ہوئے مہرے کو اپنے پاس بلانے کا خطرہ مول لینے کے بجائے اسے مفرور سردار کے خالی مکان میں چھپ کر انتظار کرنے کی ہدایت کی۔ بعد میں حالات نے اتنی تیزی سے پلٹا کھایا کہ راس المیڈا ہمارا قیدی بن گیا اور جان' ویرا کو اغوا کر کے اپنے اسی ہمدرد کے ٹھکانے پر پناہ لینے پر مجبور ہو گیا جو پہلے سے سردار کے فون پر قابض اور متصرف تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جان سنی کو بھولا نہیں ہوگا۔ ویرا اور راس المیڈا کے تبادلے کے قصے کو کسی نتیجے تک پہنچانے کے بعد وہ ضرور سنی تک پہنچنے کی کوشش کرتا اور ہمارے چنگل میں آ جاتا۔

جان نے ویرا اور راس المیڈا کے تبادلے کے لیے مجھے رات دس بجے تک کی مہلت دی تھی۔ میں نے اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ کا جائزہ لیا تو سوئیاں سوا آٹھ بجا رہی تھیں۔ اگر میں مقررہ وقت پر فلیٹ میں رہ کر جان کا فون وصول نہ کرتا تو وہ مایوسی کی حالت میں ویرا کو کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا تھا جب کہ اسے پکڑنے کے لیے ان ہی اوقات میں میرا سنی کے قریب رہنا بھی ضروری تھا۔ وہ نئی صورتِ حال سامنے آنے کے بعد میں تذبذب بلکہ بے یقینی میں مبتلا ہو گیا تھا۔

اس بارے میں میرے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ ادل خان کے آدمی کی اطلاع کے مطابق وہ مکان دو تین ماہ سے یوں ہی ویران اور غیر آباد پڑا ہوا تھا۔ اس کے سارے مکین ملک سے فرار ہو چکے تھے۔ ایسی صورت میں بجلی اور فون کے بلوں کی باقاعدہ ادائیگی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ نادہندگی کے باوجود وہاں

ان دونوں سہولتوں کا برقرار رہنا ناقابلِ فہم تھا۔
شہر کے متمول لوگوں کی اس بستی میں بجلی اور فون کے محکموں کی فیاضی کا یہ عالم تھا اور شہر کے متوسط اور غریب علاقوں میں ان ہی محکموں کی سختی کا یہ عالم تھا کہ چند سو روپوں کے بل کی ادائیگی میں دو ماہ کی تاخیر ہوتے ہی کسی نوٹس کے بغیر اپنے صارف کی فون یا بجلی کی سہولتیں منقطع کر کے اسے اپنے دفاتر کے چکر لگانے پر مجبور کر دیتے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ ایسی شہری سہولتیں فراہم کرنے والے اداروں کے ذمے دار اہل کار شہر کے امراو رؤسا کے اثر رسوخ سے خوف زدہ ہو کر انہیں چھیڑنے سے گریز کرتے ہوں لیکن ان کی یہ پہلو تہی جہاں شہریوں میں طبقاتی نفرت کو فروغ دینے کا باعث بن رہی تھی وہیں راس المیڈا اور جان جیسے خوفناک ملک دشمنوں کو مضبوط سہارے فراہم کر رہی تھی۔
وہیں کھڑے کھڑے مجھے خیال آیا کہ جان اور ویرا سے جب بھی فون پر میری بات ہوئی' ان کی آوازیں بالکل صاف اور بہت واضح تھیں۔ میری معلومات کے مطابق گھروں میں بیش تر لاسلکی آلات اپنی صراحت میں دی گئی انتہائی رینج پر اول تو کام ہی نہیں کرتے اور کرتے ہیں تو کارکردگی بہت ناقص ہوتی ہے۔ درو دیوار' تعمیری رکاوٹوں اور ٹیلی وژن وغیرہ کے نشریاتی خلل کی وجہ سے ان کی عملی رینج بہت گھٹ جاتی ہے۔
اس حساب سے ہماری تلاشی کا دائرہ پانچ سو میٹر کے وسیع نصف قطر سے گھٹ کر دو ڈھائی سو میٹر بھی ہو سکتا تھا۔ وہ خیال آتے ہی میں تیزی سے واپس چل دیا۔ اس نظریے کی روشنی میں مشتبہ مکانوں کی تعداد سیکڑوں سے گھٹ کر بہت کم رہ جاتی تھی اور اس پر کام فوراً شروع کیا جا سکتا تھا۔
میں اول خان کے پاس پہنچا تو وہاں کی صورتِ حال جوں کی توں تھی۔
"اس گھر میں پانچ سو میٹر رینج کے ایک کورڈلیس فون کا بیس اسٹیشن موجود ہے۔" میں نے سامنا ہوتے ہی انگریزی میں اول خان کو اطلاع دی مگر اس کا چہرہ سپاٹ رہا۔
لحہ بھر بعد اس نے قدرے حیرت سے کہا "اس میں کیا خاص بات ہے؟ آج کل تو کورڈلیس فون تقریباً ہر بڑے گھر کی ضرورت بن چکے ہیں۔ لوگ اپنی کال وصول کرنے کے لیے فون تک جانے کی زحمت سے بچنے کے لیے ان پر انحصار کرنے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں۔"
"یہ مجھے بھی معلوم ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "ہمارے سامنے ایک بڑا سوالیہ نشان تھا کہ جان اس گھر کا فون استعمال کر رہا ہے تو خود یہاں کیوں موجود نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اس سوال کا جواب مل گیا۔"
"اوہ!" اول خان کے دہانے سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔
"پانچ سو میٹر کا کورڈلیس فون۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اسی علاقے کے کسی اور مکان میں دبکا بیٹھا ہے اور ہم یہاں جھک مار رہے ہیں۔"
"تمہیں معلوم ہے کہ یہاں ایک کمرے میں نئی وضع کا فو ہے......" میں نے سنی سے مخاطب ہو کر اردو میں سوال کرنا چا لیکن وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔
"یہ کورڈلیس ہمارے بہت سے کوٹھوں پر موجود ہیں۔" وہ ک رہا تھا "نشے میں دھت تماش بین جب اٹھنے کے قابل نہیں رہتے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے اپنی گھر والیوں کو فون پر کوئی کہانی سنانے لیے یہی مانگتے ہیں...... پتا نہیں تم لوگ اس عام سی چیز کو ا اہمیت کیوں دے رہے ہو؟ فون پر گورے کے چوکی دار نے بھ خاص طور پر ہم سے کہا تھا کہ ہم اس نازک فون کو ہاتھ بھی لگائیں۔ کیا خاص بات ہے اس اللہ مارے کورڈلیس میں؟"
مجھے اس کے سوال کا جواب دینے کی ضرورت نہیں تھ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اس کے بیان نے میرے خدشات پوری پوری تصدیق کر دی تھی اور ہمیں کام جاری رکھنے کے ایک نئی سمت مل گئی تھی۔
"اب تم اس کے ساتھ جو سلوک چاہو' کر سکتے ہو۔" میں اول خان سے کہا۔
"ساگا کی پہرے داری کرنے والوں پر پہلی گولی تم نے چلا تھی اور تم ہی پیش پیش تھے۔" اول خان نے اسے قہربار نظر سے گھورتے ہوئے' تائید طلب سفاکانہ لہجے میں کہا۔
"یہ تہمت...... ٹھیک ہے کہ ان دونوں کو ہم ہی وہاں لے گ تھے لیکن ہمیں یہ یاد نہیں کہ پہلی گولی کس نے چلائی تھی۔ اس وقت ہم تینوں گھبرائے ہوئے تھے۔ مرنے والے کا بدلہ تم ہم نہیں لے سکتے۔"
ایس ٹی ایف کے آدمیوں کی اہمیت سے میں اچھی ط واقف تھا۔ ان میں سے ہر ایک برسوں تجربے کی بھٹی سے گزر کے بعد کندن بنتا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کی جان بہت بیش ق تھی لیکن سنی جیسے زنانہ صفت شخص کی چلائی ہوئی ایک ہی گول اثاثے کو تباہ کر سکتی تھی۔ سرور کے ساتھ یہی ہوا تھا۔ مجھے ا تھا کہ سرور کی ناگہانی موت کا صدمہ اول خان کے ذہن پر تھا۔ وہ اپنے آدمیوں کو کسی شفیق اور مہربان باپ کی طرح اپنے سائے میں رکھتا تھا' ان کی ہر تکلیف کو اپنی تکلیف تھا۔ اسی وجہ سے وہ لوگ اس کے ایک اشارے پر اپنی ج دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ اول خان اپنے ایسے کسی جا کے قاتل کو کیسے معاف کر سکتا تھا۔
وہ خاموش کھڑا سرد اور بے رحم نگاہوں سے سنی کو گھور وجود کو چھیدتی ہوئی ان تیز نگاہوں نے سنی کو سراسیمہ کر دیا نے سٹپٹا کر اول خان سے نظریں چرالیں اور بوکھلائے ہو میں مجھ سے بولا "تمہارا یہ ساتھی ہمیں ایسی نگاہوں سے کیو

رہا ہے؟ یہ کچھ دیوانہ سا معلوم ہوتا ہے۔"
"یہ بہت فرزانہ ہے۔" میں نے دھیرے سے کہا "تمہارے مقتول کے خون کی چھینٹوں نے اسے دیوانہ بنایا ہوا ہے۔ اب تم وار کرنے کا موقع کھو چکے ہو۔ تمہیں انتقامی وار کو روکنا ہو گا......"
"مجھ سے بات کرو۔" اول خان نے اپنا پستول جیب میں رکھ کر سنی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "اس معاملے میں ڈیئی فریق نہیں ہے۔ تم نے میرا آدمی مارا' اب میں تمہارا نرخرا چیروں گا۔"
سنی وہشت زدہ ہو کر الٹے قدموں پیچھے سرکنے لگا۔ پسپائی اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ہکلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "تت...... تم...... ہمیں نن...... نہیں مار سکتے۔" یہ جج...... جرم ہو گا...... تت تمہیں پھانسی ہو جائے گی۔"
"پھانسی کی ایسی کی تیسی۔" اول خان نے بھنّا کر یہ فقرہ ادا کرتے ہوئے تیزی سے پیش رفت کی اور پوری قوت سے سنی کے پیٹ میں مُکّا رسید کردیا۔ سنی کے حلق سے اوغ کی بلند آواز نکلی اور وہ اذیت سے دہرا ہو گیا۔ اول خان نے اس کی جھکی ہوئی کمر پر دونوں ہاتھ ملا کر اگلی ضرب لگائی اور وہ ڈکراتا ہوا منہ کے بل نیچے ڈھیر ہو گیا۔
اس کے گرتے ہی قالین میں سے باریک ریت کا غبار فضا میں بلند ہوا۔ اس ریت نے سنی کے نتھنوں کے ذریعے سانس کی نالی میں داخل ہو کر ایسی سوزش پیدا کی کہ اس پر بے تحاشا چھینکوں کا دورہ پڑ گیا۔ وہ بڑی کرب ناک صورتِ حال تھی۔ سنی یک بہ یک دہرے عذاب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اسے نیم جان کرنے کے لیے اول خان کی لگائی ہوئی دو مسلسل ضربات ہی کیا کم تھیں کہ اس پر چھینکوں کا قہر مسلط ہو گیا تھا۔ ہر چھینک اور بدن کے جھٹکے سے قالین کے روئیں میں سے گرد کا ایک نیا مرغولہ اس کے نتھنوں میں داخل ہو کر چھینکوں کو تحریک دے رہا تھا۔
اسے چھینکوں کے خود رو عتاب میں مبتلا دیکھ کر اول خان کا اشتعال قدرے کم ہو گیا اور وہ سنی کے سر پر مسلط رہ کر اس کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔ میری نظروں میں سنی کی کوئی افادیت نہیں رہی تھی اس لیے میں نے اول خان کی کارروائی پر غیر جانب دار رہنے کا فیصلہ کر لیا۔
اس وقت میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ نئی صورتِ حال کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔ مجھے اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ جان نے ویرا اور راس المیڈا کا قضیہ طے ہونے تک کے لیے سنی کو اس سنسان اور تاریک مکان میں محصور ہونے کا حکم دیا تھا۔ دس بجے وہ فلیٹ پر فون کرتا تو غزالہ یا سلطان شاہ کی زبانی اسے معلوم ہوتا کہ میں گھر پر موجود نہیں ہوں۔ وہ میری غیر حاضری کو سودے بازی میں میری عدم دلچسپی پر محمول کرتے ہوئے جھلا جاتا اور ویرا کو کوئی نقصان پہنچانے کے بعد سنی سے ملاقات کے لیے نکل کھڑا ہوتا۔ اس وقت اول خان کے دونوں ایریئٹر، ہمارے ہی پاس تھے۔
سردار وجاہت اللہ کے گھر کا فون ہمارے لیے شجرِ ممنوعہ بنا ہوا تھا۔ میرے سامنے فوری طور پر ایسی کوئی متبادل راہ نہیں تھی کہ میں گھر پر غزالہ یا سلطان شاہ سے رابطہ کر کے انہیں یہ پیغام دیتا کہ جان کا فون آنے کی صورت میں وہ اسے مایوس نہ ہونے دیں بلکہ میری کسی ناگزیر مصروفیت کا عذر کر کے اس سے اگلی صبح تک کی مزید مہلت طلب کریں۔ مجھے یقین تھا کہ ایسا کیا جاتا تو جان اپنے بدترین ردِّعمل کے مظاہرے کے باوجود مزید مہلت دینے پر مجبور ہو جاتا اور درمیانی مدت میں سنی سے ملاقات کے لیے ہمارے بچھائے ہوئے جال میں آگرتا۔
اس وقت پہلی اہم ترین ضرورت گھر سے رابطے کی تھی اور دوسرا نکتہ یہ تھا کہ ہمارا اس عمارت میں موجود رہنا بے سود تھا۔ یہ بات شک و شبہے سے بالاتر تھی کہ جان کہیں اور روپوش تھا۔ ہمیں اس مکان کے احاطے میں پھیل کر اس کی آمد کا انتظار کرنے کی ضرورت تھی۔
میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ جان نے پچھلی رات سے سنی کو اس مکان میں پہنچنے کی ہدایت کی ہوئی تھی تو پھر کم و بیش چوبیس گھنٹے گزر جانے کے باوجود اس نے سنی تک پہنچنے کی کوئی کوشش کیوں نہیں کی؟
تھوڑی سی ذہنی ورزش کے بعد اس سوال کا امکانی جواب بھی واضح ہو گیا۔ پچھلی رات سنی سے بات ہونے کے بعد ہی ہم لوگوں نے راس المیڈا کے پڑوس والے خالی گھر میں ڈیرے جمائے تھے اور بعد میں سامنے آنے والے شواہد سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ رات کے بارہ بجے سے پہلے ہی جان اور راس المیڈا کو اپنے پڑوس میں کسی گڑبڑ کا شبہ ہو گیا تھا۔ وہ دونوں ہماری نظروں سے اوجھل ہو کر مشتبہ مکان کی کڑی نگرانی کرتے رہے اور جوں ہی ویرا نے سگریٹ کی اضطراری طلب سے مجبور ہو کر بے دھیانی میں لحہ بھر کے لیے لائٹر جلایا' ان دونوں کے شبہات کی تصدیق ہو گئی اور پھر کھیل شروع ہو گیا۔
اس طرح ان دونوں کی وہ رات بیداری اور سخت اعصابی تناؤ کے عالم میں گزری تھی۔ ہو سکتا ہے کہ جان کو ویرا سمیت اپنے ٹھکانے پر پہنچتے پہنچتے صبح ہو گئی ہو۔ نئی کمین گاہ پر پہنچنے کے بعد اسے شدت سے راس المیڈا کا انتظار رہا ہو گا۔ وہ جانتا تھا کہ راس المیڈا دشمنوں کے نرغے سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تو سیدھا وہیں پہنچے گا جہاں جان' ویرا کے ساتھ موجود تھا۔
جان دیر تک تکلیف دہ انتظار کے مراحل سے گزرتا رہا۔ جب اسے راس المیڈا کی واپسی کی امید نہ رہی تو اس نے ویرا پر دباؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا اور قیدیوں کے دو طرفہ تبادلے کے لیے ہم سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ صبح دس بج کر پینتیس منٹ تک وہ وقفے وقفے سے فون پر مجھ سے رابطہ کرنے میں الجھا رہا۔ اس کے بعد یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ دن کے اجالے میں سردار

وجاہت اللہ کے ویران مکان میں گھسنے کا خطرہ مول لیتا۔ دوسری طرف رات بھر کی تکان اور بے آرامی کے بعد شاید اسے آرام کی بھی ضرورت رہی ہو اور اس نے سنی سے ملاقات کا معاملہ رات کے دس بجے تک مؤخر کردیا ہوگا کہ رات کے اندھیرے اور سناٹے میں بے خوفی سے وہاں آسکے۔

اِدھر میں اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا' اُدھر چھینکتے چھینکتے سنی کا حال ابتر ہوچکا تھا۔ اس کی ناک اور آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا' آنکھیں سرخ ہوچکی تھیں اور وہ بری طرح نڈھال نظر آرہا تھا۔

نگاہیں چار ہونے پر میں نے اشارے سے اول خان کو مشورہ دیا کہ وہ گولی مار کے سنی کا قصہ ختم کردے۔ جواب میں اس کے ہونٹوں پر سفاکانہ مسکراہٹ عود کر آئی اور اس نے کہا "اس بزدل اور غلیظ آدمی پر گولی ضائع نہیں کی جاسکتی۔ یہ سرور کا قاتل ہے۔ میں اسے اپنے ہاتھوں سے سزا دوں گا۔"

"ٹھہرو!" سنی کمزور آواز میں اچانک بول پڑا "آنے والے کے لیے ساگا نے ہمیں ایک اہم پیغام بھی دیا تھا۔ تم ہماری جان بخشی کا وعدہ کرو تو ہم وہ پیغام تمہیں بتادیں گے۔"

اول خان کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ سنی کے چھوڑے ہوئے اس نئے شوشے پر وہ الجھن میں پڑگیا تھا۔ بادی النظر میں حقیر اور ناکارہ نظر آنے والا سنی پرت در پرت اپنی اہمیت ثابت کرتا جارہا تھا۔

اول خان کے لیے سنی کو زندہ چھوڑنا ممکن نہیں تھا۔ وہ فورس کے کارکنوں پر اٹھنے والے ہر ہاتھ کو توڑ دینے کا قائل تھا۔ میں نے اس کے تذبذب کا اندازہ لگا کر سنی سے کہا "یہ یاد رکھو کہ کوئی جھوٹ بول کر تم اپنی جان نہیں بچاسکو گے۔"

"قسم پاک پروردگار کی' یہ جھوٹ نہیں ہے۔" وہ بے ساختہ بول اٹھا "ہم جھوٹ بولیں تو ہم پر ہمارے مولا کی مار پڑے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ پرنس ساگا نے نخرو اور رمیش کے بھاگنے کے بعد ہمیں فون والے کے لیے ایک پیغام دیا تھا۔ زبان کی مشکل نہ ہوتی تو ہم نے فون پر ہی اسے وہ بات بتادی ہوتی۔" دبی دبی بلکہ دم توڑتی ہوئی چھینکوں کے درمیان اس نے رک رک کر اپنی بات مکمل کی۔

"سچ اور جھوٹ کا فیصلہ تمہاری بات سن کر ہی کیا جائے گا۔" میں نے سختی سے کہا۔

"اے ہے...... ہم اتنے گاؤدی نہیں ہیں کہ تم سے وعدہ لئے بغیر اتنی بڑی بات کریں۔ پہلے تم وعدہ کرو کہ ہم نے پرنس ساگا کی بات بتادی تو تم ہمیں نہیں مارو گے۔ تم دونوں بڑے ظالم معلوم ہوتے ہو۔"

"تم ضد کرتے ہو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں نہیں ماروں گا۔" میں نے دانستہ واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"تم قسم کھاؤ پاک پنج تن کی!" اس نے اصرار کیا اور میری کھوپڑی بھناگئی۔

"بولتا ہے یا ادھیڑوں تیری کھال!" اول خان غصے سے اس کی پشت پر لات رسید کرکے غرایا "سالا بے غیرتی سے عورتوں کی کمائی پر گلچھرے اڑاتا ہے اور اب جان پر بنی ہے تو مولا اور پروردگار یاد آرہے ہیں۔"

"قسم کے بغیر ہم تم دونوں پر اعتبار نہیں کرسکتے۔" وہ دہرا ہو کے کراہتا ہوا بولا۔

اول خان نے اسے ٹھوکروں میں اڑانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ میں نے اس کا بازو تھام لیا اور کہا "میں تمہاری بتائی ہوئی قسم کھاتا ہوں کہ تم سچ بولے تو تمہیں نہیں ماروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

"تمہاری نیت خراب ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ہماری بتائی ہوئی قسم کیا ہوئی...... پوری قسم کھاؤ۔ اس کو توڑو گے تو پھر بچ نہیں سکو گے۔ ہم نے بڑوں سے یہی سنا ہے۔"

میں دانت کچکچا کے رہ گیا۔ وہ اس وقت کسی اڑیل ٹٹو جیسی حرکتیں کررہا تھا۔ جوتے کھارہا تھا اور پوری قسم کھلوانے پر اڑا ہوا تھا۔ یہ نہیں سن رہا تھا کہ میں جو کچھ کہہ رہا تھا' اپنی طرف سے کہہ رہا تھا۔ اول خان پر اس کی پابندی کی کوئی ذمے داری عائد نہیں ہوتی تھی۔

میں نے دل پر جبر کرکے اس کا مطالبہ پورا کردیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا قالین پر اٹھ کھڑا ہوا۔

چند ثانیوں کے لیے اس کمرے کی فضا پر بوجھل سکوت چھاگیا۔ ہم دونوں اس کی لب کشائی کے منتظر تھے اور وہ اپنی بکھری ہوئی قوتوں کو مجتمع کرنے کی ناکام کوششوں میں مصروف تھا۔

"سارا بدن دکھ رہا ہے۔" وہ اپنی کمر پکڑ کے بولا "ہمارا تو حال ہی بگڑ کے رہ گیا ہے۔"

"زبان کھولو ورنہ حال کے ساتھ چال بھی بگاڑ دی جائے گی۔" میں نے غصے سے دھمکی دی۔

"وہ عجیب سے دو لفظ تھے۔ تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو ہمیں جھوٹا نہ سمجھنا۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے کہا "پرنس ساگا نے نیلوربابے کہا تھا۔ مجھے بس یہ بات اس گورے تک پہنچانی تھی اور پھر اسے یہ بھی بتانا تھا کہ دشمنوں نے پرنس ساگا کو موت سے کتنا قریب پہنچادیا ہے...... اب تو خیر' بے چارے پرنس ساگا مرہی چکے ہیں۔ ان کی زندگی میں ہم نے ان سے کوئی دغا نہیں کی۔"

نیلوربابے۔ میرے ذہن میں ان دو الفاظ کی بازگشت گونجی۔ ابتدائی طور پر وہ دونوں الفاظ ذہن کو نامانوس محسوس ہوئے لیکن بازگشت پر غور کرتے ہوئے پہلے لفظ کے بارے میں میرا حافظہ تازہ ہوگیا۔

نیلور کوئی اجنبی یا نامانوس لفظ نہیں تھا۔ وہ پنجاب کے ایک چھوٹے لیکن بہت اہم مقام کا نام تھا جہاں تدریس اور تحقیق کے لیے عرصۂ دراز سے ایک چھوٹا سا ایٹمی ری ایکٹر کام کررہا تھا۔ نیلور

کی شہرت کی وجہ صرف اور صرف پنٹیک یا پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف نیوکلیر سائنس اینڈ ٹیکنالوجی نامی ادارہ تھا جو ایک طویل مدت سے ملکی نوجوانوں کو جوہری توانائی کے شعبوں میں اعلیٰ صلاحیتوں سے مالا مال کر رہا تھا۔

سنی کی زبان سے نیلور کا اس انداز میں ذکر بہت خطرناک اور چونکا دینے والا تھا۔ اس سے پہلے ہم راس المیڈا کے آپریشن کے ناکام کو ناکام بنا چکے تھے۔ وہ منصوبہ فضا میں روبہ کار آنے سے پہلے ہی زمین پر تہس نہس کر دیا گیا تھا اور اس بات کی ساری شہادتیں مل گئی تھیں کہ راس المیڈا اس سازش کے ذریعے پاکستان کے پہلے جوہری بجلی گھر کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کا عزم لے کر پاکستان آیا تھا اور اب سنی جیسے جاہل مطلق کی زبان سے نیلور کا نام سننے کے بعد مسئلہ پھر نازک ہوتا نظر آ رہا تھا۔

اول خان کی آنکھوں میں تیرتی ہوئی بے پایاں حیرت اور بے اعتباری سے مترشح ہو رہا تھا کہ میری طرح اس کے لیے بھی نیلور کا نام اجنبی نہیں تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس کی تشکیل کا بنیادی مقصد ہی غالباً پاکستان کے ایسے حساس قومی اداروں کا تحفظ کرنا تھا جو دشمنوں کی نگاہوں میں کھٹکتے ہوں۔

نیلور کے ساتھ بامبے کا لفظ چکرا دینے والا تھا۔ عام طور پر بھارتی شہر بمبئی کو انگریزی میں بامبے ہی کہا جاتا ہے۔ تو کیا وہ لوگ اس مرتبہ نیلور کے ساتھ ساتھ بمبئی کے قریب واقع ایٹمی مرکز پر بھی کچھ کام کر رہے تھے؟ میرے لیے یہ حیران کن بات تھی کہ اس قدر اہم اور حساس معاملات پرنس ساگا جیسے اوباش لفنگے اور سنی کے حوالے کر دیے گئے تھے۔ ان لوگوں کو اپنے ذاتی مفادات سے آگے کسی قومی ذمے داری سے دلچسپی نہیں تھی۔ سنی کا تو یہ عالم تھا کہ اس نے محض اپنی جان بچانے کے لیے وہ دونوں الفاظ اگل دیے تھے۔

"اس پر شبہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اول خان نے ذومعنی لہجے میں مجھ سے کہا "اس نامرد یا عورت کو جو کچھ معلوم تھا' اس نے ایمان داری سے بتا دیا ہے۔ اب تم اپنی قسم پوری کرو۔ میں اسے اس کے ماموں ساگا کے پاس روانہ کیے دیتا ہوں۔"

اول خان کے آخری الفاظ پر سنی کا رنگ فق ہو گیا مگر اس کے کسی غیر معمولی ردِعمل سے پہلے ہی اول خان نے جھپٹ کر اپنے دونوں ہاتھ اس کے نرخرے پر جما دیے اور وہ اس گرفت سے آزاد ہونے کی وحشیانہ کوششوں میں الجھتا چلا گیا۔ وہ اول خان کے مقابلے میں جوان العمر اور گراں ڈیل تھا اور اپنی جان بچانے کی جدوجہد کر رہا تھا جب کہ اول خان جذبۂ انتقام سے مغلوب ہو کر اسے جہنم واصل کرنا چاہ رہا تھا۔ دونوں میں بس ذرا سی دیر فیصلہ کن زور آزمائی ہوئی اور سنی ایک مرتبہ پھر قالین پر ڈھیر ہوتا چلا گیا۔

اس دوران میں اول خان نے ایک لمحے کے لیے بھی اس کی شہ رگ پر اپنی گرفت کمزور نہیں ہونے دی تھی۔ دورانِ خون میں رکاوٹ پیدا ہونے کی وجہ سے سنی کے گورے چٹے چہرے پر سیاہی سی غالب آنے لگی۔ اس کی بڑی بڑی اور وحشت زدہ آنکھیں اپنے حلقوں سے گویا باہر ابلی پڑ رہی تھیں اور گزرتے ہوئے ہر لمحے کے ساتھ اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑتے جا رہے تھے۔

ان دونوں میں وہ جاں گسل معرکہ چند منٹ تک جاری رہا۔ اول خان کسی بپھرے ہوئے درندے کی طرح سنی کے سینے پر سوار تھا۔ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کے ایک اہل کار کا قاتل ہی نہیں' ملک و قوم کے دشمنوں کا آلۂ کار بھی ثابت ہو چکا تھا اور ذرا بھی رحم کا مستحق نہیں تھا' ہر گزرتا ہوا لمحہ زندگی سے اس کا رشتہ کمزور کرتا جا رہا تھا اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے سانس کی ڈور کٹ گئی اور اس کا جسم آخری جھرجھری لے کر ساکت ہو گیا۔

اول خان نے اپنے نیچے دبے ہوئے حریف کے وجود پر موت کا سایہ محسوس کرتے ہی جگہ چھوڑ دی اور سنی کے سینے سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت اس کا چہرہ سرد اور سپاٹ نظر آ رہا تھا۔

موت کا ذکر کیا جائے تو وہ زندگی کی صاف' سیدھی اور سب سے اٹل حقیقت نظر آتی ہے جس سے کسی ذی روح کو مفر نہیں لیکن سوچے سمجھے انداز میں کسی برے سے برے جیتے جاگتے انسان کو یوں موت کی اندھی اور بے رحم وادیوں میں معدوم ہوتے دیکھنا شاید دنیا کا بدترین کام ہے۔ سنی سے مقابلہ ہوتا' گولیوں کی دھواں دھار بوچھاڑ ہوتی اور پھر بھٹکتی ہوئی چند گولیاں اس کے وجود کو چاٹ جاتیں تو میرے دل پر اس کی موت کا ذرا بھی اثر نہ ہوتا لیکن وہ جس انداز میں مارا گیا تھا اس پر میں اپنے دل پر بوجھ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

اول خان نے شاید میری آنکھوں میں میرے دل کی تحریر پڑھ لی اور بھرائی ہوئی سپاٹ آواز میں بولا "یہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔ خس کم جہاں پاک۔ اب تم اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کرو گے۔"

"جان دس بجے کے بعد ضرور یہاں آئے گا۔" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد زبان کھولی "میری رائے ہے کہ تم بھی باہر اپنے آدمی کے پاس چلے جاؤ۔ تم دونوں باہر سے اس کے فرار کی راہیں مسدود کرو گے۔ میں اندر چھپ کر اسے پکڑنے کی کوشش کروں گا۔ اسے کسی قیمت پر نہیں نکلنا چاہیے۔"

"ان موذیوں کو زندہ پکڑنے کے بجائے براہِ راست موت کے گھاٹ اتارنا ہی سب سے بہتر رہے گا۔"

"اس وقت تمہارے سر پر خون سوار ہے اس لیے ایسی بات کہہ رہے ہو ورنہ راس المیڈا جیسے سب سے بڑے موذی کو تم نے اپنے اسٹیشن فور پر زندہ رکھا ہوا ہے۔ جان کا زندہ پکڑا جانا ضروری ہے۔"

اول خان خاموش رہا۔ شاید اسے یاد آگیا تھا کہ ویرا اس وقت تک جان کے قبضے میں تھی۔ اس کی صحیح سلامت بازیابی کے لیے جان کی زندہ گرفتاری ناگزیر تھی۔

کمرے کی روشنی گل کر کے ہم دونوں ٹارچ جلا کر باہر نکل آئے۔ اول خان نے اپنا ایریئس میرے حوالے کردیا۔ اسی فری کوئنسی پر کام کرنے والا دوسرا ایریئس برڈ کے پاس موجود تھا جس پر ہم آپس میں رابطہ رکھ سکتے تھے۔

کھڑکی پر چڑھتے چڑھتے اول خان کسی خیال کے تحت میری طرف پلٹ پڑا اور بولا "جان دس بجے گھر فون کرے گا۔ تم گھر کے بجائے یہاں موجود ہو۔ تمہاری غیر حاضری اسے مشتعل کرسکتی ہے۔"

"مجھے اس خطرے کا پورا پورا ادراک ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "میں بس توقع ہی کرسکتا ہوں کہ وہ مشتعل ہو کر ویرا کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس وقت اس کے لیے ویرا سونے کی چڑیا ہے۔ ویرا کے لیے پندرہ بیس ملین ڈالر ادا کرنے والے اسے زخمی یا معذوری کی حالت میں وصول کرنا پسند نہیں کریں گے۔"

اول خان کے ذہن میں بات تازہ ہوگئی۔ واقعات کی روانی میں وہ شاید یہ حقیقت فراموش کر بیٹھا تھا کہ ویرا کے خریدار سامنے آنے کے بعد جان کو راس المیڈا کی رہائی میں بہت زیادہ دلچسپی نہیں رہی تھی۔ ویرا کو اپنے قبضے میں رکھ کر وہ دہری چال چل رہا تھا جس میں اسے سراسر فائدہ ہی فائدہ ہوتا تھا۔

اول خان کھلی ہوئی کھڑکی عبور کر کے باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں کود گیا اور میں سگریٹ سلگا کر مکان کے اسی کمرے میں لوٹ آیا جہاں کورڈلیس فون کا بیس اسٹیشن موجود تھا۔

میں اندھیرے میں کافی دیر تک اپنے خیالات میں غلطاں و پیچاں بیٹھا رہا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ہم کامیابی کی راہ پر لگ چکے تھے لیکن ہماری پیش رفت کی رفتار اتنی سست تھی کہ اعصاب پر تناؤ مسلط ہونے لگا تھا۔ اس وقت تک ہمارے سامنے صرف ایک ہی مسئلہ تھا کہ راس المیڈا کو آزاد کیے بغیر کسی طرح ویرا کو جان کے چنگل سے رہائی دلا لیں لیکن سنی نے اپنی موت سے پہلے نیلوربامبے کا انکشاف کر کے نئی الجھن کھڑی کردی تھی۔

خالی بیٹھے بیٹھے میری ذہنی رو اس نئی گتھی میں الجھ گئی۔ یہ درست ہے کہ بظاہر نیلور اور بامبے یا بمبئی دو ایسے اہم ترین مقامات کے نام تھے جہاں غیر معمولی نوعیت کی ایٹمی تنصیبات موجود تھیں۔ ان میں سے پہلا مقام پاکستان میں واقع تھا تو دوسرا بھارت کی سرزمین پر موجود تھا۔ بظاہر ان دونوں میں کوئی ایسا تعلق نہیں تھا جسے راس المیڈا کی دلچسپی سے جوڑا جاسکے۔

ناموں میں ایک ظاہری تعلق کے باوجود مجھے کچھ ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے وہ صرف نام نہ ہوں۔ وہ کوئی خفیہ کوڈ بھی ہوسکتا تھا جس سے صرف جان یا راس المیڈا ہی کوئی مطلب اخذ کرسکتا تھا۔

راس المیڈا اور اس کے ساتھیوں کی پاکستان سے ازلی دشمنی کی بنا پر یہ بات یقین سے کہی جاسکتی تھی کہ اس دو لفظی پیغام میں جو کچھ بھی پوشیدہ تھا، اس کا نیلور سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔ جان سے نمٹنے کے بعد اس معاملے میں راس المیڈا سے سختی سے... بازپرس کی جاتی تو کوئی نہ کوئی سراغ مل سکتا تھا۔

بامبے کے لفظ پر غور کرتے کرتے مجھے خیال آیا کہ بمبئی کے انگریزی تلفظ کے علاوہ کوئی مشترکہ لفظ بھی ہوسکتا تھا۔ بامب اور بے کو ملا کر روانی سے ادا کرتے ہوئے بامبے ہی کا مخرج ادا ہوتا تھا۔ بامب یا بومب کا سیدھا سا مطلب بم ہوتا تھا اور بے کسی خلیج، کھاڑی یا سامان کی آمدورفت کے لیے استعمال ہونے والے عمارتی حصے کو کہا جاسکتا تھا۔ اس مفہوم میں وہ نیلور میں کسی بم کی تنصیب کا مبہم سا اشارہ بھی ہوسکتا تھا لیکن ضروری نہیں تھا کہ ہر حالت میں ان دو الفاظ کا وہی مفہوم رہا ہو۔

ساگا اپنی بازاری محبوبہ کے ہاتھوں ایک کاری زخم کھانے کے بعد اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ مرنے سے پہلے اس نے ویرا کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر کسی دل پھینک عاشق کی طرح راس المیڈا کی کمین گاہ کا فون نمبر بھی بتادیا تھا لیکن اس نے اپنے اصل عزائم پر پوری تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی تھی۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہوسکا تھا کہ راس المیڈا نے پاکستان کے راستے بڑے پیمانے پر اعلیٰ درجے کی ہیروئن اسمگل کرنے کے لیے اس سے مفاہمت کی تھی اور اسے یہ لالچ دیا تھا کہ کام چل نکلا تو اسے شی کا آئی مین بنادیا جائے گا۔ ساگا نے ویرا پر فریفتگی کا اظہار کرنے کے باوجود اپنی کسی اور سازش کی نشان دہی نہیں کی تھی اور نہ ہی اس سمت میں اس سے کوئی بازپرس کی جاسکی تھی۔

راس المیڈا، جان، ساگا، سنی اور نیلوربامبے، اندھیرے میں وہی سب میرے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔

اچانک اول خان کے دیئے ہوئے ایریئس پر کال کا اشارہ آنے لگا۔ میں نے جلدی سے ایریئس آن کر کے اول خان کا پیغام سنا اور اسے اپنی لائن پر موجودگی کی اطلاع دے دی۔

"میں نے ابھی اپنے آدمی کو بتایا ہے کہ ہمارا حریف کتنی چالاکی سے کورڈلیس فون استعمال کر رہا ہے اور اس مکان سے دور ہونے کے باوجود یہاں کا فون استعمال کر رہا ہے۔" اول خان نے کہا۔

"یہ غیر معمولی بات ہے کہ تم نے اپنے ماتحت کو رپورٹ دی ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"رپورٹ نہیں، اسے مشورہ کہتے ہیں۔ اپنا کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے میں دوسروں کی رائے ضرور لیتا ہوں اور اس سے عام طور پر فائدہ ہی ہوتا ہے۔ اس وقت بھی یہی کچھ ہوا ہے" اس نے دانستہ اپنی بات ادھوری چھوڑدی۔

"رک رک کر کیوں بتا رہے ہو۔ ایک ہی مرتبہ بات مکمل کر

ڈالو" میں نے اسے ٹوکا۔

"اسے معلوم ہے کہ ہم جان نامی کسی سفید فام کی تلاش میں ہیں۔ اس نے سردار وجاہت اللہ کے مکان تک پہنچنے کے لیے آس پاس کی کئی گلیوں کا چکر لگایا تھا اور یہ بات نوٹ کی تھی کہ اس مکان سے پیچھے کی طرف ملی ہوئی قطار کا دوسرا مکان کسی سفید فام فیملی کے استعمال میں ہے۔ اس نے وہاں سے شہری نمبر پلیٹ والی گاڑی میں ایک سفید فام مرد کے ساتھ ایک عورت اور دو بچوں کو نکلتے دیکھا تھا۔"

"پچھلی قطار کا دوسرا مکان" میں نے پُرخیال لہجے میں دہرایا۔ "کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ اس مکان کے احاطے کی دیوار کا ایک کونا سردار وجاہت اللہ کے احاطے کی دیوار کے کونے سے ملا ہوا ہے؟"

"شاید میرا یہی مطلب ہے" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اول خان کی آواز ابھری۔

"کراچی میں امن و امان کے بگڑے ہوئے حالات اور بیشتر علاقوں میں شہری سہولتوں کی ناقص فراہمی کی وجہ سے شہر میں موجود بیشتر غیر ملکیوں کا قیام ڈیفنس ہی کے علاقے میں ہے۔ یہ ایک اتفاق بھی ہو سکتا ہے۔ ہمیں برڈ کی اس اطلاع پر زیادہ خوش نہیں ہونا چاہیے۔ ویسے تمہیں اس مکان سے ملنے والے کونے پر خاص طور سے نظر رکھنی چاہیے۔ اگر جان کو اسی خاندان نے پناہ دی ہوئی ہے تو وہ سڑک کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے دیوار پھاند کر یہاں آنے کو ترجیح دے گا۔ اگر وہ اسی مکان سے آتا ہے تو ہم اسے مار کر بھی ویرا تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"فی الحال میں اسی مشتبہ کونے کی نگرانی کر رہا ہوں" اول خان نے اطلاع دی "دس بجنے میں ابھی کافی دیر باقی ہے۔ میں نے برڈ کو دوبارہ باہر بھیجا ہے تاکہ وہ اس مکان کے بارے میں زیادہ معلومات جمع کر سکے۔"

"یوں کہو کہ اکیلے رہ گئے ہو اس لیے وقت گزاری کے لیے اپریٹس استعمال کر رہے ہو۔"

"یہ بھی ٹھیک ہی ہے۔ تنہائی اور انتظار کے عالم میں وقت گزارنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ میں سنی کی لاش سے ہنسی مذاق کر رہا ہوں۔ میں بھی تو اندھیرے میں اکیلا ہوں۔"

"سب کے خواص یکساں نہیں ہوتے۔ کسی کسی کو اندھیرے اور تنہائی میں ہی سکون ملتا ہے۔"

"کسی شہتیر سے الٹی لٹکی ہوئی چمگادڑ اور الّو کے سوا ایسی مخلوق کہیں نہیں پائی جاتی۔"

"اس بارے میں ویرا ہی تم کو کوئی مستند جواب دے سکتی تھی" اول خان میرے لہجے کی تلخی پر ہنس کے بولا "تم جانتے ہو کہ میں تم سے بحث مباحثے سے گریز کرتا ہوں۔"

"تمہارے برڈ کا اصل نام کیا ہے، وہ لوٹ آئے تو بتانا کہ کیا [illegible] لایا ہے؟"

"اللہ ورایو آئے گا تو میں تم سے رابطہ کروں گا" یہ کہہ کر اول خان نے رابطہ منقطع کر دیا۔

میرے ذہن میں ایک مرتبہ پھر خیالات ہجوم کرنے لگے مگر اس بار چند ہی سیکنڈ میں مجھے ایک نئی راہ سوجھ گئی۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو اندھیرے میں نظر آنے والی سوئیاں دھیرے دھیرے نو بجانے کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ میرے پاس ایک گھنٹے کا وقت تھا۔ میں نے فیصلہ کن انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔

جس کمرے میں کورڈلیس فون کی لائن دی گئی تھی، وہ خواب گاہ کی طرز پر ہی بنا ہوا تھا مگر وہاں تزئین و آرائش کا وہ معیار نہیں تھا جو سردار وجاہت اللہ کے گھر کے چپے چپے پر نظر آ رہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کمرا مکینوں کی ضروریات سے زیادہ رہا ہو اور گھر میں موجود ہر فاضل چیز ایک قرینے سے اس کمرے میں جمع کر دی گئی ہو۔

اس کمرے میں ہلکی روشنی والا کوئی بلب یا ٹیبل لیمپ موجود نہیں تھا۔ میں زیادہ روشنی والے دیوارگیر بلب جلانے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا جب کہ مجھے اپنا کام کرنے کے لیے کچھ دیر تک محدود روشنی کی ضرورت تھی۔ اگر مجھے خواب گاہوں سے کوئی لیمپ نہ ملتا تو وہ ضرورت ٹارچ سے بھی پوری کی جا سکتی تھی۔

میں نے سنی کی لاش والے کمرے میں جانے سے دانستہ گریز کرتے ہوئے ایک پُرتعیش خواب گاہ سے ایسا ٹیبل لیمپ لے لیا جس کی روشنی ضرورت کے مطابق گھٹائی یا بڑھائی جا سکتی تھی۔ اپنے مطلوبہ کمرے میں مناسب روشنی کا بندوبست کرنے کے بعد میں ایک منقش ٹیلی فون انسٹرومنٹ بھی وہیں لے آیا۔ وزنی انسٹرومنٹ پلاسٹک اور مٹی چینی کی بے مثال صناعی کا ایک منہ بولتا شاہکار تھا جسے حلال کی روزی سے خریدنا اور استعمال کرنا ممکن نہیں تھا۔ ایسے نوادرات زیادہ تر ان لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں جو رشوت، اسمگلنگ، ٹیکسوں کی چوری یا پھر فراڈ کے ذریعے بے اندازہ دولت اپنی تجوریوں میں سمیٹ لیتے ہیں۔

ایسا نہیں تھا کہ میں نوادرات کے ہر شوقین کو ان ہی نظروں سے دیکھتا تھا۔ دنیا میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو اپنے گھروں اور دفتروں کو انفرادی شان دینے کے لیے خوشی سے اپنی خون پسینے کی کمائی لٹا دیتے ہیں اور اندر سے آسودہ رہتے ہیں لیکن وہاں بات ٹیلی فون اپریٹس جیسی کثرت سے استعمال ہونے والی چیز کی تھی۔ مٹی چینی پر طلائی اور نقرئی رنگوں سے ابھرے ہوئے نازک نقوش [illegible] سے مرصع وزنی ریسیور کسی بھی وقت ہاتھ سے پھسل کر چکنا چور ہو سکتا تھا لیکن اس گھر کے مالک نے وہاں کم از کم دو خواب گاہوں میں ایسے ہی فون رکھے ہوئے تھے۔ سبب یہ تھا کہ ان پر خرچ ہو[illegible]

والی رقم اس کی اپنی نہیں تھی۔ سردار وجاہت اللہ نے بینکوں سے جو رقم شیر مادر سمجھ کر ہضم کی تھی اس سے وہ انسٹرومنٹ تو کیا' انسٹرومنٹ بنانے والی فیکٹری تک خریدی جاسکتی تھی۔

اپنی تیاری کرنے کے بعد میں نے آخری بار اپنے منصوبے پر غور کیا۔ میرا ہر فیصلہ اپنی جگہ پر درست معلوم ہو رہا تھا۔ گڑبڑ کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر وہ برقی سوئچ بند کر دیا جو پلگ کے ذریعے کورڈلیس فون کو برقی رو فراہم کر رہا تھا۔ بجلی بند ہوتے ہی انسٹرومنٹ پر چمکتا ہوا چھوٹا سا سرخ نقطہ تاریک ہوگیا۔

برقی رو منقطع ہونے تک مجھے پورا یقین تھا کہ سوئچ بند ہوتے ہی جان کے پاس موجود کورڈلیس فون ناکارہ ہو چکا ہوگا مگر اس مرحلے پر میں تذبذب کا شکار ہوگیا۔ میں نے کبھی عملی طور پر اس قسم کا تجربہ نہیں کیا تھا۔ میں نے مزید کوئی چھیڑ چھاڑ کرنے کے بجائے وہاں موجود بیس اسٹیشن سے ٹیلی فون لائن کے تار الگ کر دیے اور جان کو اس فون کے استعمال کی سہولت سے محروم کر دیا۔

میرا مفروضہ یہ تھا کہ جان اپنے پاس موجود کورڈلیس فون کو بے جان پا کر اسے ٹیلی فون لائن کی معمول کی خرابی سمجھے گا اور جب تک وہ لائن بحال نہیں ہوگی تو کسی دوسرے فون کے ذریعے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ ہمارے فلیٹ کے فون پر اول خان نے آبزرویشن لگوایا ہوا تھا۔ جان جو بھی متبادل نمبر استعمال کرتا' وہ ریکارڈ کرلیا جاتا اور اگر بعد میں کسی مرحلے پر جان کو پناہ دینے والوں کے خلاف کارروائی کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ آبزرویشن ریکارڈ ان کے خلاف استعمال کیا جاسکتا تھا۔

جان کا پتا کاٹ دینے کے بعد میں نے تیزی کے ساتھ منقش انسٹرومنٹ کو اس لائن سے جوڑ دیا۔ اس طرح مجھے بیٹھے ہی بیٹھے رابطے کی وہ سہولت میسر آگئی جس پر پہلے جان قابض تھا۔ ریسیور پر ٹون سن کر میں نے فوراً فلیٹ کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے غزالہ کی آواز سنائی دی۔ اس نے خشک اور روکھے لہجے میں ہیلو کہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم اس وقت بیزاری کی حالت میں بیٹھی ہوئی ہو" میں نے شوخی سے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ گھنٹوں گزارنے کے بعد آپ کو گھر کا خیال تو آیا" ایک گہرے سانس کے ساتھ غزالہ کی آواز میں زندگی کی حرارت عود کر آئی "اس وقت کہاں سے بول رہے ہیں آپ؟"

"کنگال کروڑپتی کے گھر میں بیٹھا انتظار کی گھڑیاں گن رہا ہوں۔"

"کنگال کروڑپتی؟" غزالہ کی تحیر زدہ آواز ابھری "یہ اصطلاح میں پہلی بار سن رہی ہوں۔ کنگال کو کروڑپتی نہیں کہا جاسکتا اور کروڑپتی کو کنگال سمجھنا حماقت ہوگا۔ آپ کس کا ذکر کر رہے ہیں؟"

"یہ وہی ذات شریف ہے جس کے فون پر جان ہم سے بات کرتا رہا ہے۔ وہ بینکوں سے بیالیس کروڑ روپے کے قرضے لے کر ملک سے فرار ہوگیا ہے۔ اس کا مکان ویران پڑا ہوا ہے مگر فون پر جان قابض تھا۔ یہ....."

"شاید آپ اسی فون سے بات کر رہے ہیں" غزالہ نے میری بات کاٹ کے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.... لیکن اس بارے میں فکرمندی کی بات نہیں ہے...." اس بار بھی غزالہ کی مداخلت کی وجہ سے میری بات ادھوری رہ گئی اور میں پیر پٹخ کر چھت کو گھورنے لگا۔

غزالہ کہہ رہی تھی "ہوسکتا ہے کہ اس نے باہر سے تار جوڑ کر کہیں لائن لے لی ہو۔ ایسی صورت میں وہ آپ کی ہر بات سن سکتا ہے۔ آپ اس کے لیے جال بچھا رہے تھے اور اس نے آپ کے لیے پنجرہ تیار کیا ہوا ہے۔"

"یہاں چکر ہی کچھ اور تھا۔ یہ باتیں واپسی پر بتاؤں گا۔ تم بے فکر رہو۔ وہ ہماری گفتگو نہیں سن سکتا۔"

"دشمن کو کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے اور پھر وہ تو راس الیڈا جیسے مکار آدمی کا ساتھی ہے۔"

"یہ سب باتیں مجھے معلوم ہیں۔ اس وقت میں نے سبق لینے کے لیے تم کو فون نہیں کیا ہے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق جان دس بجے ہمیں فون کرے گا۔ تمہیں ہوشیاری سے اسے سنبھالنا ہوگا۔"

"پون گھنٹے سے کچھ زیادہ وقت باقی ہے۔ آپ جیسا چاہیں گے ویسا ہی ہوگا" اس نے برا مانے بغیر شائستگی سے کہا "مجھے سمجھا دیں کہ اس سے کیا بات کرنی ہے۔"

"دس بجے اسے یہ بتانا تھا کہ میں ویرا اور راس الیڈا کے تبادلے کے لیے تیار ہوں یا نہیں۔ تم رسانیت سے اسے بتا دینا کہ میں کسی کی ناگہانی وفات کی وجہ سے اچانک مصروف ہوگیا ہوں۔ وہ کل صبح مجھ سے بات کرلے۔"

"میں اپنی پوری کوشش کروں گی۔ اگر وہ فیصلہ جاننے پر اڑا رہے تو میں کیا کروں؟"

"تم کچھ بھی نہیں کرسکتیں۔ اپنی طرف سے نرمی برقرار رکھنا۔ وہ بھڑکنے نہ پائے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ہوسکا تو میں اس سے آپ کی غیر حاضری کا کوئی اور بہانہ کردوں گی۔ کسی کی موت کا عذر پیش کرنے میں ذرا بدشگونی محسوس ہوتی ہے۔ یہ بات آپ میری مرضی پر چھوڑ دیں۔"

"تم نے ثابت کردیا کہ اول اور آخر' تم ایک عورت ہی ہو۔ مشرقی لڑکی کتنی ہی پڑھ لکھ کر روشن خیال ہوجائے' شگون اور بدشگونی جیسے اوہام سے کبھی بھی چھٹکارا حاصل نہیں کرسکتی۔"

"جب جھوٹ ہی بولنا ٹھہرا تو کیوں نہ کوئی خوش گوار جھوٹ بولا جائے۔"

"یہ جھوٹ نہیں، حقیقت ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اول خان کا سرور نامی ایک آدمی قتل کیا جا چکا ہے اور تھوڑی دیر پہلے اول خان نے اسی مکان میں سنی کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا ہے؟"

"ارے، سنی وہاں کہاں سے آگیا؟" ریسیور پر غزالہ کی تحیر زدہ آواز گونجی۔

"یوں سمجھ لو کہ اجل کے بے رحم ہاتھوں نے پچھلی رات ہی اسے دھکیل کر اس کے مقتل میں پہنچا دیا تھا اور وہ یہاں یکہ و تنہا چھپا ہوا اپنے برے وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ اب تمہیں بدشگونی کا احساس نہیں ہونا چاہیے۔"

"یہ سلطان شاہ بھی آپ سے کچھ بات کرنی چاہ رہا ہے" غزالہ نے کہا اور میرا انکار سنے بغیر اپنا ریسیور سلطان شاہ کے حوالے کردیا جو شاید اس کے قریب ہی موجود تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی لمبے چکر میں پھنس گئے ہو۔ ضرورت ہو تو میں بھی آجاؤں۔"

میں نے خاموش رہ کر سلطان شاہ کی پوری بات سنی پھر کہا "تم گھر پر ہی رہو۔ میں زیادہ دیر تک بات نہیں کرسکتا۔ غزالہ تمہیں بریف کردے گی۔ میری واپسی میں تاخیر ہوسکتی ہے۔ آؤں گا تو تفصیل بتادوں گا۔"

میں نے اپنی بات مکمل کرتے ہی کریڈل دبا کر فون بند کردیا اور ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا۔

بے کاری اور انتظار کے لمحات گزارنے کے لیے وہاں صرف سگریٹ ہی میسر تھی۔ میں نے نئی سگریٹ سلگا کر دو گہرے کش لیے تو مجھے ہلکی سی بھوک کا احساس ہوا اور میں نے آرام کرسی چھوڑ دی۔

گھر کی حالت بتا رہی تھی کہ وہاں رہنے والے عجلت اور گھبراہٹ کے عالم میں ہر چیز کو اس کی اصل حالت میں چھوڑ کر بھاگے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں نظر آنے والی نام نہاد خوش حالی کے اثرات باورچی خانے میں بھی موجود ہوں گے۔ وہاں خشک اور خراب نہ ہونے والی ایسی چیزیں مل سکتی تھیں جن سے آتشِ شکم سرد کی جاسکے۔

باورچی خانے تک پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہاں سب سے پہلے میری نظر ریفریجریٹر اور ڈیپ فریزر پر پڑی۔ غذائی سازو سامان کو لمبی مدت تک محفوظ رکھنے والی وہ دونوں مشینیں چل رہی تھیں۔ میں نے بڑے فرج کا دروازہ کھولا تو میری طبیعت خوش ہوگئی کیونکہ وہ دروازہ کھلتے ہی ویران باورچی خانے کی سیلن زدہ فضا میں اچانک کئی اشتہا انگیز خوشبوئیں تیر گئی تھیں۔ مکھن، پنیر، جام جیلی اور جوسز کے پیکٹوں کے ساتھ مخصوص خانوں میں گھر کی بنی ہوئی کئی اشیا بھی موجود تھیں جن میں شامی کبابوں کی ٹرے سب سے ممتاز تھی۔ بغیر تلے ہوئے وہ شامی کباب اسی طرح بھی کھائے جاسکتے تھے۔ شاید سنی نے بھی پچھلے چوبیس گھنٹوں میں اشیائے خورونوش کے اسی ذخیرے سے استفادہ کیا تھا۔

میرے لیے ریفریجریٹر اتنا زرخیز ثابت ہوا تھا کہ مجھے کسی
طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ میں پورے ان
سے اپنی شکم پری میں مصروف تھا کہ اپریٹس ایک مرتبہ پھر
اٹھا۔

"اللہ ورایو لوٹ آیا ہے" اول خان کہہ رہا تھا "اور دل
خبریں لایا ہے۔"

"بتاؤ، بتاؤ۔ میں سن رہا ہوں" میں نے اپنے منہ میں
لقمہ نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم کیا کھا رہے ہو؟" میری آواز نے اول خان کو چو
تھا۔

"باورچی خانے پر چھاپا مار کر گزارہ کرنے کی کوشش
ہوں۔ چاہو تو کھڑکی سے کچھ چیزیں تمہیں بھی پہنچا سکتا ہوں۔"

"حاجت نہیں ہے لیکن کچھ دے ہی دو۔ وقت آسانی سے
جائے گا۔ پچھلے مکان میں رہنے والا جوڑا امریکن ہے۔ میاں
مقامی قونصل خانے میں ملازم ہیں۔ وہ جس ٹھاٹ سے رہ
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اچھے عہدوں پر فائز ہیں لیکن شا
سے بچنے کے لیے سفارتی نمبر پلیٹ والی گاڑی استعمال نہیں کر
ان کے دونوں بچے کراچی کے امریکن اسکول میں زیر تعلیم
میرا اندازہ ہے کہ اللہ ورایو نے کام کے لوگوں کو تاکا ہے۔
جان کا ٹھکانا معلوم ہوتا ہے۔"

"ہمارے کام بہت سست رفتار سے سیدھے ہو رہے
معلوم ہوتا ہے کہ راس المیڈا کا قصہ مزید طول پکڑے گا مگر
آج رات آزاد ہوجانا چاہیے۔ اگر تمہارا اندازہ درست
جان کو آسانی سے ہماری گرفت میں آجانا چاہیے۔ وہ یقین
دیوار کود کر ادھر آئے گا۔ تمہاری اطلاع کے لیے یہ بھی بتا
میں خالی نہیں بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر پہلے جان کا فون کاٹ کر
غزالہ اور سلطان شاہ کو ہوشیار کردیا ہے۔"

وہ ایک بہت آسان اور سادہ سی کارروائی تھی جو اول
حیران کرگئی۔ زندگی میں ہر موڑ پر انسان کے سامنے بہتیر
باتیں آتی ہیں جن پر ذرا بھی غور کرلیا جائے تو بہت سے
اور سودمند نتائج سامنے آسکتے ہیں لیکن ہوتا یوں ہے کہ ز
دوڑ میں کسی کو ان باتوں پر غور کرنے کا دھیان نہیں آتا۔ نت
حادثات سامنے آنے کے بعد آدمی ماضی کو کھنگالتا ہے تو ان
سے اسے پچھتاووں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ وہ معاملہ بھی ایسا
اول خان نے جان کو فون کا مالک و مختار تصور کرکے سو
دروازے بند کرلیے تھے اور میری کارروائی کے بعد پچھتا
اتنی معمولی سی اور سامنے کی بات اس کے ذہن میں کیوں
آسکی تھی۔

ہماری باتیں ہوتی رہیں۔ اسی دوران میں، مَیں نے ایک چھوٹی ٹرے میں اول خان کے لیے کھانے پینے کی کچھ چیزیں یکجا کیں اور پھر ٹارچ کی روشنی میں انہیں اسی کھڑکی کی طرف لے چلا جو آمدورفت کے لیے استعمال ہو رہی تھی۔ کھڑکی تک پہنچنے سے پہلے میں نے ٹارچ بجھا دی۔ ویرا کے لائٹر سے لمحہ بھر کے لیے ہونے والی روشنی کے بدترین تجربے کے بعد میں روشنی کے استعمال میں ضرورت سے زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم تو پوری دعوت کا سامان سمیٹ لائے؟" اول خان نے ٹرے دیکھتے ہی کہا "بس چند چیزیں دے دو۔ باقی سامان ہم کہاں سنبھالتے پھریں گے۔"

"یہ سردار کا چھوڑا ہوا مالِ غنیمت ہے۔ اسے سنبھالنے کی کیا ضرورت ہے، جو بچ جائے اسے برتنوں سمیت کہیں بھی چھوڑ دینا۔ کڑے مقابلے کے وقت پیٹ خالی ہو تو دباؤ میں آتے ہی آدمی کی عقل معدے میں اتر جاتی ہے اور وہ پے در پے حماقتیں کرتا چلا جاتا ہے۔ جان کے آنے میں ابھی کافی وقت ہے۔ اس وقت تک برتن خالی ہو جائیں گے۔"

اول خان ٹرے لے کر ایک طرف چل دیا۔ میں چند ثانیوں تک وہیں کھڑا رہا اور پھر اس بند دروازے کی طرف چل دیا جس کے باہر جمے ہوئے گرد و غبار پر جوتوں کے نشانات پائے گئے تھے۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا پھر سوئیاں دس بجے کا ہندسہ بھی عبور کر گئیں۔ مجھے وقت کی رفتار مزید سست پڑتی ہوئی محسوس ہوئی اور میں نے کرسی چھوڑ کر بے چینی سے کشادہ گزرگاہ میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

پھر اچانک ہی سناٹے میں فون کی گھنٹی کی آواز آسیبی چیخ کی طرح گونج اٹھی۔ میں یوں چونکا جیسے کسی نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ غیر ارادی طور پر میں سرعت سے فون والے کمرے کی طرف لپکا لیکن دو قدم بڑھنے کے بعد ہی میری رفتار سست پڑ گئی۔

فون کی گھنٹی پر بے اختیار لپکتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا تھا کہ غزالہ نے جان سے بات کرنے کے بعد مجھے تفصیلات سے باخبر کرنے کے لیے فون کیا ہوگا مگر فوراً ہی میں نے وہ احمقانہ خیال اپنے ذہن سے جھٹک دیا کیونکہ میں نے غزالہ کو اس فون کا نمبر نہیں دیا تھا۔ سچ بات یہ ہے کہ اس وقت تک خود مجھے بھی وہ فون نمبر معلوم نہیں تھا۔ اول خان کی لائی ہوئی آبزرویشن رپورٹ میں وہ نمبر درج رہا ہوگا مگر میں نے اول خان کی زبانی تفصیل سننے کے بعد اس رپورٹ پر نظر ڈالنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔ فون نمبر سے ہر ایک کی مکمل لاعلمی میں اسے کوئی دوستانہ فون کال سمجھنا حماقت سے کم نہ ہوتا۔

وقفے وقفے سے گھنٹی بجتی رہی۔ میں معمول کے انداز میں اس طرف بڑھتا رہا۔ اس وقت میرے ذہن میں کئی امکانات ابھر رہے تھے۔ وہ جان کے لیے اس کے کسی معتمد ساتھی کا فون ہو سکتا تھا۔ ایسی صورت میں چالاکی سے گفتگو کر کے جان کے کسی نہ کسی سربستہ راز تک رسائی حاصل کی جا سکتی تھی پھر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ کال خود جان کی رہی ہو۔ اس وقت دس بج کر چند منٹ ہوئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ جان نے دس بجے مجھ سے رابطہ کرنے کے لیے کورڈلیس فون اٹھایا ہو اور اسے بے جان پا کر کسی شبے کا شکار ہو گیا ہو۔ ایسی صورت میں وہ فون کی خرابی کی تصدیق کے لیے اپنی کمین گاہ کے کسی اور فون سے اس نمبر پر رابطہ کر سکتا تھا۔ اگر میں غلطی سے وہ فون اٹھا لیتا تو جان چوکنا ہو جاتا۔ اسے معلوم ہو جاتا کہ سن گن کے پیچھے کوئی اور بھی سردار وجاہت اللہ کے مکان میں داخل ہو چکا ہے۔ خطرہ بھانپ کر وہ ادھر کا رخ کرنے کا ارادہ منسوخ کر دیتا اور ہم اندھیرے میں سوکھتے رہ جاتے۔

پانچ گھنٹیوں کے بعد فون کی آواز معدوم ہو گئی۔ دوبارہ سناٹا ہوتے ہی مجھے سکون کا احساس ہوا۔

"باہر فون کی گھنٹی کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دے رہی ہے۔ یہ میرا وہم تو نہیں ہے؟" ایئر پیس پر اول خان کی آواز ابھری۔ اس وقت میں نے اپنا ایئر پیس آن ہی رکھا ہوا تھا۔

"پانچ گھنٹیوں کے بعد لائن کٹ گئی؟" میں نے اسے بتایا۔

"دیکھنا ہوگا کہ اب کیا ہوتا ہے؟"

"تمہیں بات تو کرنی چاہیے تھی۔ تم فون سے کیوں ڈر رہے ہو؟"

"اگر دوسری طرف سے جان ہی لائن چیک کرنے کے لیے فون کر رہا ہو تو کیا ہوگا؟"

"ہاں، یہ بھی ہو سکتا ہے" میرے سوال پر وہ گڑبڑا گیا "ویسے بھی یہ مکان مہینوں سے ویران پڑا ہوا ہے۔ سردار وجاہت اللہ کے سارے ہی دوستوں اور رشتے داروں کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ اب وہ یہاں نہیں ہے۔"

"غزالہ اور.....؟" میں چونک کر خاموش ہو گیا۔ ایئر پیس کے بٹن پر سے میری انگلی خود بخود ہٹ گئی کیونکہ مختصر سے وقفے کے بعد فون کی تیز گھنٹی دوبارہ بج اٹھی تھی۔ اگر وہ آواز براہِ راست اول خان کے کانوں تک پہنچ رہی تھی تو خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ میں نے اس کی آواز کم کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔

دھیما کر دیا کہ صرف بزر کی ہلکی سی جھنجھناہٹ باقی رہ گئی۔ اس بار جو کوئی بھی لائن پر تھا، بہت ڈھیٹ اور مستقل مزاج تھا۔ مسلسل گھنٹیاں بجنے کے باوجود سلسلہ منقطع کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"شاید تم نے گھنٹی کی آواز گھٹا دی ہے" دوسری طرف سے اول خان نے کہا۔

"ہاں..... مگر گھنٹیاں بجنے کی جھنجھناہٹ مسلسل آ رہی ہے۔ کوئی لائن سے چپک کر رہ گیا ہے۔"

"تم اپنے گرد و پیش پر گہری نظر رکھو۔ میری چھٹی حس کسی خطرے کی بو سونگھ رہی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اول خان کی آواز پُرجوش ہو گئی۔

"پچھلی قطار کے مشتبہ مکان کے احاطے میں ابھی ابھی روشنیاں گل کی گئی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جان فون کو انگیج رکھ کر ادھر کودنے کی تیاری کر رہا ہو۔"

"تم ٹھیک سوچ رہے ہو" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "اس طرح وہ فون چیک کرنے کے ساتھ ساتھ سنی سے ملاقات کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے" اس سے بات کرتے ہوئے میں نے کمرے میں روشن ٹیبل لیمپ بند کر دیا۔

کمرے کی تاریک اور بند فضا میں بزر کی موہوم سی آواز وقفے وقفے سے ابھر رہی تھی۔ میں وہاں سے نکل کر دوبارہ اسی دروازے کی طرف چل دیا جو کسی کے زیر استعمال رہ چکا تھا۔

میں راستے میں ہی تھا کہ ائرپیس پر اول خان کی دبی دبی سرگوشیانہ آواز ابھری "اس کونے پر کسی کا سر ابھرا تھا پھر اس نے پوری طرح اوپر چڑھے بغیر جھک کر قلابازی کھائی اور دیوار پر سے ہماری طرف کود گیا۔ میں اندھیرے میں اسے دیکھنے کی پوری کوشش کر رہا ہوں۔ اللہ ڈرایو اس وقت اگلے حصے میں ہے۔"

"باہر اس سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ اسے بلا روک ٹوک اندر آنے دو۔ میں دروازے کے پیچھے موجود ہوں۔ آتے ہی اس کی گردن ناپ لوں گا۔ غنیمت ہے کہ اب ہاتھ پیر ہلانے کا موقع قریب آ رہا ہے۔"

"میں نے اسے دیکھ لیا ہے" تھوڑے سے وقفے کے بعد اول خان کی آواز پھر ابھری۔ "وہ پوری تیاری کے ساتھ آیا ہے۔ اس کے داہنے ہاتھ میں کوئی ہلکا ہتھیار ہے اور بائیں ہاتھ سے اس نے اس کی آواز کم کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔"

"تم خاموش کیوں ہو گئے؟ معلوم ہوتا ہے کہ گھنٹی پھر بج رہی ہے"، قدرے توقف کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"ہاں.... میں اس کی گھنٹی کی آواز کم کرنے جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اسے بند ہی کر دوں۔"

چوتھی گھنٹی پر میں وہاں پہنچ گیا۔ میرے لیے اس فون کی کوئی افادیت نہیں تھی۔ میں نے جان کی لائن کاٹ کر اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ میں نے ناب گھما کر گھنٹی کی آواز کو کم کرتے کرتے اتنا اپنی آنکھوں پر دوربین جمائی ہوئی ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے وہ ہر طرف کا جائزہ لے رہا ہے۔"

"تم نیچے لیٹ کر زمین سے چپک جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ انفرارڈ دوربین ہو۔ اسے اندھیرے میں بھی ہر چیز روز روشن کی طرح واضح نظر آ رہی ہوگی۔ اس نے تمہاری جھلک بھی دیکھ لی تو بھاگ جائے گا۔"

"فکر مت کرو۔ میں پیشہ ور کمانڈو رہ چکا ہوں۔ میں نے پہلے ہی زمین پکڑلی تھی۔"

جان کا وہ صبر آزما جائزہ میرے لیے تکلیف دہ حد تک طویل ہو گیا۔ نہ جانے اس کے ذہن میں کیا خطرات یا تحفظات کلبلا رہے تھے کہ وہ عمارت کی طرف بڑھنے میں پس و پیش کر رہا تھا۔

آخر کار اول خان نے اس کی پیش قدمی کی خبر دی اور میں نے سنی سے حاصل کیا ہوا ریوالور اپنی جیب میں ڈال کر بیم گن سنبھال لی۔ وریا کی زندگی بچانے کے لیے ہمیں شور شرابے سے ہر صورت میں گریز کرنا تھا۔ یہ میرا عمر بھر کا تجربہ تھا کہ کسی حریف کی زندگی کے خاتمے کے لیے بیم گن سے زیادہ بے آواز اور مہلک ہتھیار کوئی اور نہیں تھا۔

اول خان نے بہت دھیمی آواز میں آخری اطلاع دی کہ جان نے دوربین مستقل طور پر اپنے گلے میں لٹکائی ہوئی تھی اور پوزیشن بدلتے ہوئے وہ ہر چند قدم کے بعد گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ پیغام دینے کے بعد اول خان نے ائرپیس بند کر دیا تاکہ اس پر ابھرنے والا کوئی ناگہانی ریڈیائی شور جان کو چوکنا نہ کر دے۔

آخر فیصلہ کن لمحات آ ہی گئے۔ جان بے آواز قدموں سے چلتا ہوا دروازے تک پہنچا تھا لیکن میں نے اس کے چابی گھمانے سے پہلے ہی دروازے کے پیچھے اس کی موجودگی محسوس کر لی تھی۔

دروازہ کھلا اور تاریکی میں بھاری جسم والا ایک متوسط انسانی ہیولا اندر رینگ آیا۔ اندر آ کر وہ دروازہ بند کرنے کے لیے پلٹا ہی تھا کہ میں پیچھے سے اس پر ٹوٹ پڑا۔ میں نے اپنے لمبے قد کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت آسانی سے اس کی موٹی گردن اپنے بائیں بازو اور کلائی میں جکڑلی تھی۔ اس کے منہ سے خوف زدہ چیخ کے بجائے ایک غضب ناک غراہٹ بلند ہوئی اور اس نے میری گرفت سے نکلنے کے لیے زور آزمائی شروع کر دی۔ میں نے فوراً ہی داہنے ہاتھ میں موجود بیم گن کی پتلی سی آہنی نال سے اس کی کھوپڑی پر ضربات لگانی شروع کر دیں۔ میری اس کارروائی نے اسے حواس باختہ کر دیا اور وہ انگریزی میں گالیاں بکنے پر اتر آیا۔

اس وقت تک وہاں پیدا ہونے والی آوازیں اول خان تک پہنچ چکی تھیں۔ وہ دوڑتا ہوا آیا اور پھر کھلے ہوئے دروازے سے باہر رک کر گورے کی بے بسی کا تماشا دیکھنے لگا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے ہماری لڑائی میں بلا ضرورت دخل انداز ہونے کی حماقت نہیں کی تھی۔

اسے اچھی طرح رگیدنے کے بعد میں نے اچانک ہی آزاد کر کے ایک طرف دھکیل دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے گیا اور میں نے اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اس کے سر اور چہرے پر مکوں سے تابڑ توڑ حملہ کر دیا۔ اس سے پہلے میں نے بیم گن پھرتی سے اول خان کی طرف اچھال دی تھی۔

وہ بھی خاصا مضبوط اور ڈھیٹ حریف ثابت ہوا۔ اپنی مدافعت کرتے ہوئے اس نے میرے جسم کے متعدد حصوں کو اپنا نشانہ بنایا۔ اس لڑائی میں اس کا پستول پہلے ہی اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ بعد میں اسٹریپ ٹوٹنے کی وجہ سے دوربین بھی گر گئی۔ وہ لمحہ بہ لمحہ کمزور پڑنے کے باوجود میرے مقابلے پر ڈٹا ہوا تھا۔ ہم دونوں کے سانس بری طرح پھول چکے تھے۔ ایک بار وہ جیسے ہی میرے پیٹ میں ٹکر رسید کرنے کے ارادے سے نیچے جھکا، مجھے اس کی بائیں کنپٹی پر پوری قوت سے مکا رسید کرنے کا موقع مل گیا۔ میرا وہ وار فیصلہ کن ثابت ہوا۔ جان بری طرح ڈگراتا ہوا راہداری کے فرش

پر ڈھیر ہو گیا۔

میں اسے معاف کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ تاریکی میں مجھے دوبارہ اپنے سر پر سوار پاتے ہی وہ گڑگڑانے لگا "بند کرو۔ اب مجھ میں زیادہ مار کھانے کی سکت نہیں رہی ہے۔ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"

لڑائی کا فیصلہ ہوتے ہی اول خان اندر رینگ آیا۔ اس کا ساتھی بھی وہاں آچکا تھا مگر وہ باہر ہی رکا رہا۔ اول خان نے میری جیب سے ٹارچ نکال کر اس کی روشنی جان کے ادھڑے ہوئے چہرے پر ڈالی اور نفرت سے کہا "راس المیڈا کے بعد تمہارا وقت بھی پورا ہو چکا ہے۔ یہ بتاؤ کہ ویرا کہاں ہے۔"

"میں کسی راس المیڈا یا ویرا کو نہیں جانتا۔ تم لوگ میرے ساتھ غنڈا گردی کر رہے ہو" اس نے بوکھلا کر تیزی سے کہا۔

"ساگا کے جس آدمی کو تم نے کل یہاں بلایا تھا' وہ اب اپنے کفن دفن کا منتظر ہے۔ تمہارا کھیل ختم ہو چکا ہے" میں نے سرد لہجے میں کہا "پچھلی رات تم ویرا کو اغوا کر کے نکل آنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن اب تمہارا وقت پورا ہو چکا ہے۔ اٹھو اور اندر چلو ورنہ معذور کر دیے جاؤ گے۔"

"اوہ! اس کی اذیت میں ڈوبی ہوئی تحیر زدہ آواز ابھری "اس کا مطلب ہے کہ تم ڈینی کے گرگے ہو" یہ کہہ کر وہ لڑکھڑاتا ہوا فرش سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میری بے رحمانہ مار نے اسے حواس باختہ کیا ہوا تھا۔

"یہ میری بدقسمتی ہے" وہ آگے بڑھتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ اس کا لہجہ متاسفانہ تھا "مجھے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ فون کی خرابی خطرے کی علامت ہے۔ کاش میں نے ساگا کے آدمی کے سوا کچھ اور بھی سوچا ہوتا۔ میں نے اپنے ہاتھوں سب کچھ تباہ کر لیا۔ دیکھنا ہے کہ اب کیا ہوتا ہے۔"

اول خان میرے پیچھے آ رہا تھا۔ شاید اس نے جان کے گلے سے گرنے والی دوربین اٹھالی تھی اور اس کا جائزہ بھی لے ڈالا تھا۔ اس کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز میرے کانوں میں آئی۔ وہ کہہ رہا تھا "یہ تو واقعی انفراریڈ دوربین ہے۔ اس کا پستول بھی منفرد ساخت کا معلوم ہوتا ہے۔"

میں جان کو اسی کمرے میں لے گیا جہاں کورڈلیس فون کا بنیادی حصہ رکھا ہوا تھا میں نے محسوس کیا کہ کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی منقش فون کا بزر جھنجھناتا رہا تھا۔ میں نے بڑھ کر ٹیبل لیمپ روشن کر دیا۔

وہ مکان جان کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اس نے خوف سے پھیلی ہوئی نگاہوں سے ادھورے کورڈلیس فون کو دیکھا اور اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ یہ اچھی بات تھی کہ اسے اپنی شکست کا احساس ہو چکا تھا۔

"تم یہاں کا فون ملا کر آئے تھے۔ لائن پر دوسری طرف کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

میرے اس انکشاف پر وہ چونک پڑا۔ اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ لائن سے دوسرا فون منسلک کیا جا چکا تھا۔ میں نے منقش فون کی تاب کو آہستگی سے چھیڑا اور کمرے میں گھنٹی کی ہلکی سی آواز گونج اٹھی۔

"بات کر کے دیکھ لو۔ معلوم ہو جائے گا کہ دوسری طرف کون ہے؟" اس نے کسی خیال کے تحت اچانک کہا۔

"تم سؤر کے بچے ہو" میں نے بھنا کر کہا اور ریسیور قدرے اٹھا کر دوبارہ کریڈل پر ڈال دیا اور اس کی طرف مڑ کر پوچھا "ہمیں معلوم ہے کہ اس وقت تم کہاں سے آئے ہو مگر پھر بھی ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ویرا کہاں ہے؟"

"تمہاری اس وقت کی کامیابی نے راس المیڈا کی زندگی پر خطِ تنسیخ پھیرا ہے۔ ابھی میرا آخری کارڈ باقی ہے۔ تم نے مجھے بہت مار لیا۔ اب لوٹ جانے دو' ویرا کو آزادی مل جائے گی" یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے اپنی مایوسی پر بہت تیزی سے قابو پالیا ہو۔

"راس المیڈا کو بھول کر اب صرف اپنی بات کرو ورنہ تمہاری دونوں ٹانگوں کو چیر کر رکھ دیا جائے گا" میں نے سفاکانہ آواز میں کہا "ہمیں متبادل تجاویز نہیں' اپنے سوالات کے جواب درکار ہیں۔"

"میں اس کی نقل و حرکت سے بے خبر ہوں۔ اسے اپنے ساتھ لیے پھرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو پہلے ہی اس کی بولی لگا چکے تھے....."

میں خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ میرے ایک ہی تھپڑ نے اسے زمین پر گرا دیا۔

"کتیا کے بچے! مجھ سے جھوٹ مت بولو۔ آج صبح تک تم اس سے میری بات کراتے رہے ہو۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" وہ گہرے گہرے سانس لیتا ہوا بولا۔ "بارہ بجے تک وہ میری تحویل میں تھی۔ اب میری شرائط بدل چکی ہیں۔ اگر انہیں ویرا کے بدلے راس المیڈا مل جائے تو وہ زیادہ خوش ہوں گے۔ دونوں صورتوں میں مجھے میرا پورا معاوضہ ادا کیا جائے گا۔"

اس کے انکشاف پر میری نگاہوں کے سامنے اندھیرا سا آ گیا۔ اگر وہ سچ بول رہا تھا تو معاملات بہت زیادہ الجھ چکے تھے۔ میں نے پوچھا۔ "اگر یہ درست ہے تو پھر تم اپنی رہائی کے بدلے ویرا کو کیسے آزاد کرا لو گے؟"

"میں اپنے کارڈز کھیلنا جانتا ہوں۔ انہیں اصل معاملے کی ہوا بھی نہیں لگے گی۔ میں یہ بتادوں گا کہ راس المیڈا کو لانے سے پہلے ویرا کو لے جانا ضروری ہے۔"

"بعد میں انہیں اس فریب کا علم ہو گا تو کیا تم ان سے بچ سکو گے؟"

"وہ بعد کی بات ہے۔ اس وقت تم سے سودے بازی زیادہ اہم ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ڈینی مجھے ایک لمحے کے لیے بھی زندہ نہیں

چھوڑے گا۔ ویرا کے خریدار میرے دشمن ہوجائیں گے تو میں بہت دور نکل چکا ہوں گا۔ یہ دنیا بہت وسیع اور رحم دل ہے۔ جب دوسری جنگ عظیم کے نازی مجرم روپوش رہ کر اپنی پوری پوری عمریں گزار گئے تو مجھے کون پکڑے گا؟ اس وقت پیسے سے زیادہ اہمیت میری زندگی کی ہے۔"

"یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس کی کس بات پر اعتبار کیا جائے" اول خان نے اردو میں اپنی الجھن کا اظہار کرتے ہوئے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"کہیں نہ کہیں یہ پکڑا جائے گا" اول خان کو اردو میں جواب دے کر میں دوبارہ جان کی طرف متوجہ ہوگیا "ویرا کی خریداری میں صرف امریکن ہی دلچسپی لے سکتے ہیں۔ وہ یقیناً سفارتی درجہ رکھتے ہوں گے۔"

"میرا یہی اندازہ ہے" اس نے روا روی میں جواب دیا اور میرا ماتھا ٹھنک گیا۔

"اس وقت تم خود ایک سفارت کار جوڑے کی پناہ میں ہو اور پھر بھی اتنے بے خبر ہو۔"

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ قلیل سے وقت میں ہم نے اس کے بارے میں اتنی معلومات جمع کرلی ہوں گی۔ اس نے کمزور لہجے میں کہا "وہ امریکن ضرور ہیں لیکن مجھے یہ علم نہیں ہے کہ وہ یہاں کس قسم کی سفارتی ذمے داریاں انجام دے رہے ہیں۔"

"تم جھوٹے ہو" اول خان بے ساختہ بول پڑا "تم خود بھی پچھلے سات ماہ سے پاکستان میں مقیم ہو اور اپنے سفارتی عملے کی مالی امداد سے اپنے اخراجات پورے کررہے ہو۔ تم اتنے بے خبر نہیں ہوسکتے۔"

"اس وقت تمہیں بالادستی حاصل ہے۔ تم جو الزام چاہو، میرے اوپر عائد کرسکتے ہو۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ تم ویرا کی بازیابی کے خواہاں ہو اور میں مزید کچھ عرصے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ دونوں مسائل کا حل ہماری مفاہمت میں ہے۔ راس المیڈا کو تم اپنا خالص منافع سمجھ سکتے ہو۔ ڈینی سامنے ہوتا تو وہ میری ان باتوں کو آسانی سے سمجھ سکتا تھا۔ تم اسے یہاں کیوں نہیں بلا لیتے؟"

"چیرا لگاؤ سالے کو" میں نے برہم ہوکر اول خان سے کہا پھر ہم دونوں نے سرعت سے اسے نیچے گرا کے مضبوطی سے اس کا ایک ایک پیر پکڑ لیا۔ وہ خاصا جان دار شخص تھا لیکن جب ہم نے اس کے دونوں پیر دھیمے دھیمے مخالف سمت میں کھینچنے شروع کیے تو اذیت سے اس کا چہرہ دھواں ہوگیا۔

وہ ہماری اس حرکت کو شاید پوری طرح نہیں سمجھ پایا تھا اس لیے مختلف حیلوں بہانوں سے ہماری منت سماجت کرتا رہا لیکن جب ایک خفیف سے جھٹکے سے اس کی ٹانگیں مزید کشادہ ہوئیں تو وہ تکلیف سے بلبلا اٹھا۔ اس کی پھٹی ہوئی جلد سے تازہ خون کی دھاریں بہہ کر اس کے وسطی دھڑ کے قریب قالین کو سرخ کرنے لگیں۔

"تم درندے ہو.... اف میرے خدا۔ میں مرجاؤں گا۔" وہ اپنا سر پٹختے ہوئے کرب و بے بسی سے کراہا۔

"یہ تھرڈ ڈگری کا دیسی طریقہ ہے" میں نے سپاٹ آواز میں اسے آگاہ کیا "ہم اسی طرح تمہارے جسم کو شانوں تک دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ویرا کہاں ہے؟"

"میں بتا چکا ہوں.... اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا" وہ اذیت سے بری طرح تڑپ رہا تھا۔

اس کی دونوں ٹانگوں پر ہمارا کھنچاؤ برقرار تھا۔ اس کے تڑپتے ہوئے جسم کا ہر جھٹکا اس کی ٹانگوں کو مزید کشادہ کررہا تھا۔ اسے خود بھی اندازہ ہوگیا کہ اس کے اوپری دھڑ کی ہر جنبش اسے مزید لہولہان کیے دے رہی ہے تو اس نے بہت ضبط سے کام لیتے ہوئے اپنے بدن کو ساکت کرلیا مگر اپنی بات پر اڑا رہا۔

اچانک فون کی گھنٹی پھر بجنے لگی۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ایک زور کا جھٹکا دے کر جان کی ٹانگیں چھوڑ دیں۔ اس بار اس کی بے ساختہ چیخ بہت اونچی تھی۔

اس کے مددگار کا وہ دوسرا فون ظاہر کررہا تھا کہ وہ جان کے بارے میں تشویش میں مبتلا ہوچکا تھا۔ عین ممکن تھا کہ اسے وقت مل جاتا تو وہ جان کو درپیش خطرے کا ادراک کرتے ہوئے ویرا کو واقعی کہیں اور منتقل کردیتا۔ اس خطرے کا سدباب کرنے کے لیے فوری کارروائی ناگزیر ہوچکی تھی۔

معاملات اتنے الجھ گئے تھے کہ جان سے نیلو ربا بیبے کے بارے میں کچھ پوچھنے کی نوبت ہی نہیں آسکی تھی۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اسے وہیں بے ہوش کرکے باندھ دیا جائے۔ ویرا کی ابتدائی تلاش کے مرحلے سے نمٹ کر اس سے دوبارہ باز پرس شروع کی جاسکتی تھی۔

"تم ڈوریاں لاؤ" میں نے اول خان سے کہا اور خود سنی کا ریوالور نکال کر جان کے سر پر پہنچ گیا۔

کنپٹی پر پڑنے والی، آہنی دستے کی پہلی ضرب بہت بھرپور تھی مگر جان اذیت کے کئی مراحل سے گزرنے کے باوجود کسی وحشی سانڈ کی طرح ہوش و حواس میں تھا۔ اس پر غفلت ضرور طاری ہوگئی مگر بے ہوشی غالب نہیں آسکی۔ میں نے اس کے دکھتے ہوئے زخم پر بے رحمی سے دوسری ضرب لگائی اور وہ ہولے سے لرز کر ساکت ہوگیا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات سولہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو ساتھ ہی شائع ہورہا ہے۔

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

حصہ 16

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خود نوشت اس نے منشیات کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر، ملک ملک، اور براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لئے خاک اڑانا اس نوجوان کا شغل ہو گیا مگر موت کے سوداگر بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا تحیری سلسلہ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں

اس مرتبہ بھی فون کی گھنٹی معین وقفوں سے بجتی چلی جارہی تھی۔ اول خان پردوں کی کئی مضبوط ڈوریاں کاٹ کرلے آیا تھا۔ ہم دونوں نے بجتے ہوئے فون کو نظرانداز کر کے جان کو پھرتی سے باندھ ڈالا۔ آخر میں نے اس کے دہانے میں کپڑا ٹھونس کر لگام کی صورت میں ایک ڈوری دہانے سے گزار کر سر کے پیچھے باندھ دی تاکہ وہ ہوش میں آنے کے بعد شور شرابانہ کرسکے

اس کام سے فارغ ہو کر اول خان نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا تو میں نے کہا "اب ہمیں پوری ہوشیاری سے پچھلی قطار کے مشتبہ مکان میں گھسنا ہے۔ دیر ہوگئی تو ویرا کو وہاں سے ہٹادیا جائے گا۔"

مجھے معلوم تھا کہ میرا وہ فیصلہ خطرناک تھا۔ دونوں احاطوں کا صرف ایک کونا مشترک تھا اور جان اسی کونے سے سردار وجاہت اللہ کے گھر کے احاطے میں کودا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ مشتبہ مکان میں کوئی نہ کوئی اس کونے کی نگرانی کررہا ہوگا۔ ہم میں سے جو بھی ادھر کا رخ کرتا، کسی نادیدہ گولی کا نشانہ بن سکتا تھا۔

اسی طرح پھاٹک کے ذریعے اندر پہنچنا آسان نہیں تھا۔ اول خان کے آدمی نے پھاٹک پر ایک مسلح چوکیدار کی موجودگی کی خبردی تھی۔ جان کی مشکوک سرگرمیوں کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ چوکیدار اجنبیوں کو کسی روک ٹوک کے بغیر اس مکان میں داخل ہونے دیتا۔ ویسے بھی ان دنوں ہر امریکن اپنی سلامتی کی خاطر مقامیوں اور خاص طور پر اجنبی چہروں سے دور ہی رہنا پسند کرتا تھا۔

معاً میرے ذہن میں بجلی کی طرح ایک خیال آیا اور میں نے لپک کر فون کا ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو، کون بول رہا ہے؟" میں نے ریسیور اٹھاتے ہوئے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا اور اول خان آنکھیں پھاڑ کر مجھے گھورتا رہ گیا۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکا تھا کہ میں نے یک بیک فون سننے کا فیصلہ کیوں کرلیا تھا۔

"ہیلو... کیا تم انگریزی سمجھ سکتے ہو؟" چند ثانیوں کے گہرے سکوت کے بعد دوسری طرف سے کسی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر انگریزی میں سوال کیا۔

"ہاں... مگر بولنا مشکل ہے" میں نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔ میرا لہجہ بھی بگڑا ہوا تھا۔

"مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور وہاں کیا کررہے ہو؟" نرمی سے سوال کیا گیا۔

"میرا نام سنی ہے، مجھے مسٹر جان نے کل رات یہاں بلایا تھا۔ میں اس وقت سے اندھیرے میں یہاں پھنسا ہوا ہوں۔ اب خدا خدا کر کے مسٹر جان آئے ہیں تو ان پر کوئی دورہ پڑگیا ہے۔"

"جان پر دورہ پڑگیا ہے؟" دوسری طرف سے حیرت سے پوچھا گیا۔

"ہاں صاحب۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ تھام کر کراہتے ہوئے نیچے گر گئے اور اب بے ہوش ہیں" میں نے بگڑے ہوئے اور ناموزوں الفاظ جوڑ جوڑ کر اپنا پیغام اس تک پہنچادیا۔

"اوہ۔ یہ تشویش کی بات ہے مگر تم کس فون سے بات کررہے ہو؟" اس نے چالاکی سے پوچھا۔

"اسی فون سے جو کئی بار بج چکا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تو وہ مسلسل بجے جارہا تھا۔"

"تم نے پہلے فون اٹھایا تھا؟" وہ بہت محتاط انداز میں مجھ سے

باز پرس کر رہا تھا۔
"مسٹر جان نے مجھے فون چھونے سے خاص طور پر روکا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے جب گھنٹی بند ہی نہیں ہو رہی تھی تو میں نے پریشان ہو کر ریسیور اٹھالیا تھا مگر مسٹر جان کا حکم یاد آتے ہی بات کیے بغیر ریسیور رکھ دیا" میں نے اپنے لہجے میں بے چارگی کا تاثر پیدا کرتے ہوئے اٹک اٹک کر بتایا۔
"پھر تم نے اب فون کیوں اٹھایا؟"
"مجبوری تھی" میں نے بے بسی سے کہا "مسٹر جان بے ہوش ہیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔ انہیں طبی امداد کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ اگر تم ان کے دوست ہو تو مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟"
"ابھی بتاتا ہوں۔ پہلے میری ایک دو باتوں کا جواب اور دے دو۔" "جو جی چاہے پوچھ لو' میں تیار ہوں مگر اب مجھے یہاں وحشت ہو رہی ہے۔"
"جان سے تمہاری ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی؟" اس نے پوچھا۔
"میں نے تو ابھی پہلی مرتبہ ان کی صورت دیکھی ہے۔ دراصل میں پرنس ساگا کا آدمی ہوں۔ پرنس کی ہدایت پر کل مسٹر جان کو فون کیا تو انہوں نے مجھے یہاں پہنچنے کا حکم دے ڈالا۔ اس کے بعد سے میں یہاں بیٹھا ان کا انتظار کر رہا تھا" میں نے سنی کی پوری کہانی من وعن دہرا دی تاکہ اسے کوئی شبہ نہ رہے۔
"جان نے مجھے بتایا تھا کہ اس غیر آباد گھر میں صرف ایک کورڈلیس فون لگا ہوا تھا جس کا ریسیور وہ اپنے ساتھ رکھتا ہے پھر تم وہاں کس فون کی گھنٹیاں سنتے رہے ہو؟" ٹیڑھا سوال اس نے آخر میں پوچھا تھا۔
"جہاں کورڈلیس فون لگا ہوا ہے وہاں کوئی اور فون نہیں ہے۔" میں نے پورے اعتماد سے کہہ ڈالا "مسٹر جان نے یہی دیکھ کر تمہیں بتایا ہوگا۔ یہ گھنٹی والا عام فون ایک خواب گاہ میں ہے۔ میں نے آج کئی بار اس کی آواز سنی ہے اور اس وقت بھی اسی سے بات کر رہا ہوں۔ تم چاہو تو خود آکر دیکھ سکتے ہو۔"
"ٹھیک ہے۔ میں آتا ہوں" اس کی پُرسکون آواز سن کر میرا دل بلیوں اچھل پڑا۔ وہ کہہ رہا تھا "تم ساگا کے آدمی ہو تو تمہیں ایسے کاموں کی اونچ نیچ بھی معلوم ہوگی۔ تم گھر سے باہر نکل کر احاطے کی پچھلی دیوار کی طرف منہ کرو تو تمہارے بائیں ہاتھ پر جو کونا ہوگا' میں وہیں سے اندر کودوں گا' باہر آکر میرا انتظار کرو۔"
"اوہ۔ تو تم اس وقت اتنے قریب موجود ہو؟" میرے لیے حیرت کا اظہار کرنا ضروری تھا۔
"جان بھی میرے ہی پاس تھا۔ ہم بہت گہرے دوست ہیں۔ بس میں ابھی آتا ہوں۔"
"کمال ہوگیا۔ مسٹر جان اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی چوبیس گھنٹوں بعد میرے پاس آئے ہیں۔"
"یہ سب مت سوچو۔ جان بہت سے کاموں میں الجھا ہوا ہے۔ اب میں فون بند کر رہا ہوں۔"
"گڈ بائے..... بائے بائے!" میں نے احمقانہ انداز میں یہ کہہ کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔
"خدا کی پناہ! تمہاری کھوپڑی ہر وقت نت نئے گل کھلانے کے لیے تیار رہتی ہے" اول خان بے یقینی کے عالم میں کہہ رہا تھا "اب اس سے کیا طے ہوا ہے۔"
"وہ خود دیوار پھاند کر چوہے دان میں آ رہا ہے" میں نے اس کا بازو تھام کر اسے دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "میں سامنے رہ کر اس کا استقبال کروں گا۔ تم اللہ ورایو کے ساتھ کہیں چھپے رہنا۔" "تم نے واقعی شیطانی دماغ پایا ہے۔ اگر وہ اتنی آسانی سے ہمارے ہاتھ آگیا تو میں سمجھوں گا کہ اس نے سفارت کاری میں رہ کر ساری عمر جھک ماری ہے۔ تمہیں اس کا استاد ہونا چاہیے۔"
"دشمن کے خلاف کام کرنے والا ذہن سلطان شاہ جیسے دوستوں کے سامنے جواب دے جاتا ہے۔"
وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔ بے یقینی اور تناؤ کے عالم میں کئی گھنٹے گزارنے کے بعد میں نے پہلی بار اسے خوش گوار موڈ میں دیکھا تھا۔ باہر نکلتے ہی اول خان نے میرا ساتھ چھوڑ کر اللہ ورایو کے ساتھ احاطے کی بغلی دیوار کی طرف دوڑ لگادی۔ میری دانست میں اس کی وہ احتیاط ضروری تھی۔ کھلے آسمان کے نیچے غیر ضروری طور پر ہم تینوں کا یک جا رہنا سنگین خطرات کا سبب بن سکتا تھا۔
میں قدرے تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کونے پر پہنچ گیا جہاں سے ہمارے شکار کو دام میں آنا تھا۔
مجھے وہاں کھڑے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ اوپر سے کسی نے سنی کہہ کر پکارا۔
نامعلوم غیر ملکی کی آواز پہچان کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ میں نے اپنے ہیجان پر قابو پاتے ہوئے فوراً ہی اس آواز کا جواب دیتے ہوئے کہا "یس سر! میں موجود ہوں۔"
جواب دیتے ہوئے میں نے دیوار پر نگاہ ڈالی تو وہاں کسی کا پتا نہیں تھا۔ میرے جواب دیتے ہی چھریرے بدن والا ایک شخص دیوار پر ابھرا اور کسی بندر کی سی پھرتی سے دیوار پر چڑھ کر نیچے کود آیا۔ اس کے زمین سے اٹھنے سے پہلے ہی میں نے اس کی پتلی سی گدی تھام کر بیم گن کی نال اس کی کنپٹی سے لگادی۔
"آواز نکالی تو مار ڈالوں گا" میں نے صاف اور شستہ انگریزی میں اسے دھمکی دی "خاموشی سے اٹھو اور میرے ساتھ عمارت کی طرف بڑھتے چلے آؤ۔ وہاں جان تمہارا منتظر ہے۔"
"تو کیا تم سنی نہیں ہو؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ اس کا ذہن صورت حال کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔
"سنی مر چکا ہے۔ میں اس کی بھٹکتی ہوئی روح ہوں۔ آؤ' اندر چلتے ہیں۔"
میں نے گدی کھینچ کر اسے اس کے قدموں پر کھڑا کر دیا۔ اسی کے ساتھ میں نے اس کے بدن اور لباس کے مختلف حصوں پر ہاتھ

پھیر کر اندازہ لگالیا کہ وہ مسلح نہیں تھا۔

وہ جان اور راس المیڈا کی طرح کوئی پیشہ ور دہشت گرد نہیں بلکہ ایک پڑھا لکھا اور جوان سفارت کار تھا۔ ویسے بھی وہ اس وقت سنی جیسے بے ضرر آدمی کے فرضی پیغام پر اپنے علیل دوست کی خبر گیری کے لیے آیا تھا۔ اس لیے اس کے ہتھیار بند ہونے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

اس کے اٹھتے ہی اول خان بھی اندھیرے میں سے نکل کر سامنے آگیا۔

"ٹریپ۔ تم لوگوں نے پہلے ہی سے یہاں کوئی جال بچھایا ہوا ہے" اول خان کو دیکھتے ہی وہ تشویش زدہ آواز میں بولا مگر میں نے اس کو جواب دینے کی ضرورت محسوس کیے بغیر پیش قدمی جاری رکھی۔

"میں کوئی اخلاقی مجرم نہیں ہوں۔ میری گردن چھوڑ دو اور اپنے ہتھیار جیبوں میں رکھ لو" چند قدم چلنے کے بعد اس نے میری گرفت میں کسمسا کر کہا "میں ایک عیال دار سرکاری افسر ہوں اور اپنے ساتھ تمہاری بھی سلامتی کا خواہاں ہوں۔ میں مزاحمت کیے بغیر تمہاری ہدایات پر عمل کرتا رہوں گا۔"

اس کی باتوں نے مجھے چونکا دیا۔ مجھے اس کے لب ولہجے سے صداقت کی بو آرہی تھی۔ میں حیران رہ گیا کہ راس المیڈا اور جان جیسے سفاک بھیڑیوں کا ساتھ دینے والا کوئی شخص اتنا سیدھا اور راست گو بھی ہو سکتا ہے۔ میں نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ اس نے فوراً ہی میرا شکریہ ادا کیا تھا۔

تھوڑی سی دیر میں دوسرے حریف کو راہداری سے اندر لے جاتے ہوئے مجھے خوشی کا ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ وہ ہمارے ساتھ روشن کمرے میں داخل ہوا تو بندھے ہوئے جان پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پر اندرونی کرب کے اثرات ابھر آئے "یہ اچھا سلوک نہیں ہے" وہ دھیرے سے بولا "تم نے اسے بری طرح زخمی کرکے لہولہان کیا ہوا ہے اور پھر کسی چوپائے کی طرح بے دست وپا کر ڈالا ہے۔ مجھے یہ جان کر دکھ ہوا ہے کہ تم لوگ اتنے شقی القلب ہو۔"

"شکر ادا کرو کہ جان زندہ ہے۔ وہ ہم پر غالب آجاتا تو ہمیں ایک پل بھی نہ جینے دیتا" اول خان نے طنز وحقارت سے کہا "تم بھی اسی کے ساتھی ہو۔ ایسی معصومانہ باتیں کرکے تم اپنی چمڑی نہیں بچا سکتے۔"

"میں کسی کا ساتھی نہیں ہوں" اس نے احتجاج کیا "میں بڑوں کے احکام کی تعمیل کر رہا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں خوں ریز... جھگڑوں میں ملوث ہونے جا رہا ہوں۔ مجھے اپنے گھر اور فیملی سے پیار ہے۔ میں اپنی ملازمت کی کسی مجبوری کی وجہ سے ان کے سکھ چین کو برباد نہیں ہونے دوں گا۔"

وہ ابتدا ہی سے عجیب باتیں کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا "اگر تم اتنے ہی امن پرور اور نرم دل ہو تو جان کے ساتھ مل کر یہاں کیا کرنا چاہ رہے تھے۔ ہر شریف آدمی دوسروں کے گھر میں دیوار پھاندنے کے بجائے دروازے سے آنے کو ترجیح دیتا ہے اور تم چور کی طرح یہاں آئے ہو۔"

"ابھی تک مجھے نہیں معلوم کہ تم کون ہو۔ یہ بات یہیں صاف ہو جانی چاہیے تاکہ تم لوگوں کو میری صحیح پوزیشن کا علم ہو سکے۔ میں [illegible]م پیشہ ہوں اور نہ کسی جرم کا فریق بننا پسند کروں گا۔" "تمہاری باتیں دلچسپ ہیں۔ شاید تم پاکستان میں پہلے امریکن سفارت کار ہو جو اپنے بڑوں کے فلسفے سے برگشتہ نظر آرہے ہو۔ میں تمہیں بولنے کے لیے وقت دے سکتا ہوں" میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں قومی مفاد کی خاطر سرکاری اور ذاتی حیثیت میں ہر طرح سے راس المیڈا اور جان سیموئیل کی مدد کروں" اس نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد اپنی کہانی چھیڑ دی "کل منہ اندھیرے جان میرے گھر پہنچا تو اس کے ساتھ ویرا لائیڈ بھی بے ہوشی کی حالت میں موجود تھی۔ میں نے ان دونوں کو اپنی چھت کے نیچے پناہ دی تو میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ میں کسی سنگین معاملے میں ملوث ہونے جا رہا ہوں۔۔"

اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی میں نے بے یقینی سے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔ "اب ویرا کہاں ہے؟"

"خواب آور دواؤں کے زیر اثر میرے گھر کے ایک آرام دہ کمرے میں سو رہی ہے" اس نے برجستہ جواب دیا "مجھے کافی عرصے سے بتایا جا رہا ہے کہ ویرا لائیڈ کو ڈینی نامی ایک بدمعاش نے اغوا کیا ہوا ہے۔ پچھلے دنوں ان دونوں کے بارے میں انعامی اشتہارات بھی چھپوائے گئے تھے۔ میری دانست میں یہ ہر امریکن سول سرونٹ کا فرض ہے کہ اپنی ہم وطن خاتون کی بازیابی اور وطن واپسی کے لیے اقدامات کرے۔۔۔۔"

"ڈینی میں خود ہوں۔" میں نے دوبارہ اس کی بات کاٹ کر کہا "یہ بالکل غلط ہے کہ ویرا کو اغوا کیا گیا تھا۔ ویرا اپنی مرضی سے یہاں رہ رہی ہے۔ امریکن ایجنٹ اسے یہاں سے اغوا کرکے اپنی سرزمین پر لے جانا چاہتے ہیں جہاں ظلم وستم کا ایک ہولناک سلسلہ اس کا منتظر ہے۔"

وہ چونک کر بولا "تمہاری صورت جب ہی کچھ شناسا سا لگ رہی تھی۔ رہا ویرا کا معاملہ تو ابھی تک اس سے میری بات نہیں ہو سکی۔ وہ ہوش میں آئے گی یا بیدار ہو گی تو خود ہی حقیقت بتا دے گی۔ میرے لیے یہ سب ضمنی باتیں ہیں۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ میں نے صبح سے اب تک جو کچھ کیا، پوری نیک نیتی سے کیا ہے اور آئندہ جو کچھ کروں گا وہ بھی اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق ہی کروں گا۔ میرے اس مؤقف کو کوئی نہیں بدل سکتا۔"

"یہ بہت کیکر کا بیج معلوم ہوتا ہے" اول خان نے بھنا کر اردو میں کہا "پھنس گیا ہے تو پٹڑی بدل کر ہمیں چونا لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ہم اسے یرغمال بنا کر اس کے گھر

جائیں گے تو ویرا کو دیکھ لیں گے۔ اس نے وہ مرحلہ آنے سے پہلے خود ہی بتا دیا کہ ویرا اس حرامی کے گھر میں سو رہی ہے۔"

"شکل و صورت سے تم اتنے کم سن اور معصوم نہیں لگتے" میں نے اس سے کہا "تمہارے چہرے پر عمر اور تجربے کی لکیریں واضح ہیں مگر باتوں سے تم یہ ظاہر کر رہے ہو جیسے اپنے ملک کی سفارتی سرگرمیوں کے بارے میں تمہاری معلومات صفر سے زیادہ نہ ہوں۔ کیا تم ان معاملات میں واقعی اتنے کورے ہو؟"

"تمہاری دونوں باتیں درست ہیں" اس نے میرے تیکھے فقروں کا برا مانے بغیر متانت سے اعتراف کیا "میں نے ساڑھے سات برس مشی گن یونیورسٹی میں طلبا کو بزنس ایڈمنسٹریشن کے مضامین پڑھائے ہیں۔ چند مہینے پہلے ایک دوست کے اصرار پر میں نے وہ پیشہ چھوڑ کر فارن سروس میں شمولیت اختیار کی ہے۔ پانچ ماہ پہلے پاکستان میں تقرری سے پہلے مجھے اکیڈمی میں جو کچھ پڑھایا اور سمجھایا گیا وہ میرے اصولوں سے کہیں بھی متصادم نہیں تھا۔ ملک و قوم کا مفاد ہر شخص کو عزیز ہوتا ہے۔ میرا حلف بھی یہی تھا۔ سول سرونٹ مجرم نہیں، قانون کے پاسدار ہوتے ہیں۔ وہ جرم کیسے کر سکتے ہیں؟ وہی تو اپنے ہاتھوں سے آبیاری کر کے قانون کے پودے کو تناور درخت بناتے ہیں۔"

"اگر تم مکاری سے کام نہیں لے رہے تو مجھے کہنا پڑے گا کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔ اکیڈمی میں پڑھائی اور سمجھائی جانے والی باتیں سادہ لوح لوگوں کے لیے ہوتی ہیں۔ تمہارے بیشتر سفارت کاروں کا عملی کردار اور روپ بہت گھناؤنا ہوتا ہے۔ تم اپنی خفیہ فائلیں دیکھو تو تمہیں پتا چلے گا کہ پچھلے مہینوں میں پاکستان میں تمہارے متعدد سفارت کار میرے ساتھیوں کے ہاتھوں جہنم واصل ہوئے ہیں۔ آخر کیوں؟ صرف اس لیے کہ وہ یہاں سازشوں اور دہشت گردیوں میں ملوث تھے۔ میں ایسے چہروں کو بے نقاب کرنے کا عہد کیے بیٹھا ہوں تو تمہارے شکاری کتے میرے خون کی بُو پر ڈال دیے گئے ہیں۔ ان کی ناکامی پر جھلا کر مجھے اشتہاری مجرم ٹھہرا دیا گیا ہے۔"

"پاکستان میں پوسٹنگ کے بعد آج میں پہلی بار ایسے کسی تجربے سے گزرا ہوں جس میں جرم کا شبہ سر ابھار رہا ہے۔ مجھے یقین ہو جائے کہ مجھے کسی جرم میں آلۂ کار بنایا گیا ہے تو میں نوکری کی پروا کیے بغیر اپنے فیصلے کروں گا۔ میں تعلیم یافتہ ہوں۔ مجھے امریکا میں عتاب کا نشانہ بنایا گیا تو میں کینیڈا یا پھر جنوبی امریکا کے کسی ملک میں چلا جاؤں گا مگر زندگی اپنے ڈھنگ سے اور اپنے اصولوں کے مطابق گزاروں گا۔ عزت کی روزی مجھے کہیں نہ کہیں مل جائے گی۔"

"اور تمہارے یقین کا پیمانہ کیا ہوگا؟" اول خان نے پوچھا۔ اس بار اس کا لہجہ احترام آمیز تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس شخص کی بے لاگ باتوں نے اول خان پر اثر ڈالا تھا۔

"وہ پہلے سے میری تحویل میں ہے۔ میرے افسران ویرا لائیڈ کو مغویہ قرار دیتے ہیں۔ تمہاری کہانی کچھ اور ہی ہے۔ یہ ٹیسٹ کیس ہوگا۔ ویرا نے تمہاری تائید کی تو میں تمہاری ہر بات کو مان کر تمہارا ساتھ دوں گا۔ ورنہ تم ہمیشہ مجھے اپنے دشمنوں کی پہلی صف میں کمربستہ پاؤ گے۔"

"کاش سارے امریکن تمہاری طرح حق پرست اور صاحب کردار ہو جائیں!" میں نے حسرت سے کہا۔

"بیشتر امریکن میری ہی طرح سوچتے ہیں" اس نے زور دے کر کہا "حق و انصاف اور انسانی آزادیوں کا جتنا شہرہ امریکا میں ہے، دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ ظلم وہ لوگ کرتے ہیں جو ان نعروں کی آڑ لے کر اقتدار کی چھوٹی بڑی کرسیوں پر براجمان ہوتے ہیں اور پھر ان نعروں کو بھٹی میں جھونک کر لوگوں کے اعتماد کا خون کرتے ہیں۔"

"اور تمہاری رائے عامّہ اتنی سادہ لوح ہے کہ پھر بھی اپنی حکومتوں کی سیاہ کاری سے بے خبر رہتی ہے۔"

"لوگوں کو کچھ خبر نہیں کہ اندر کیا ہوتا ہے۔ امریکا میں واٹر گیٹ اسکینڈل کا بھانڈا پھوٹا تو حکومت کو ذلیل ہو کر جانا پڑا۔ باہر جو کچھ ہوتا ہے اس سے امریکنوں پر زیادہ اثر پڑتا ہے، نہ اس بارے میں انہیں بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ بیوروکریسی ایک منظم ترین برادری ہے۔ ہر آنے والا اپنے پیش رو کے گناہوں اور غلط کاریوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ جرائم کبھی ریکارڈ پر نہیں لائے جاتے، سارا نظام زبانی احکام پر چلتا ہے اور آخر کار یہ سب سینوں میں دفن ہو جاتا ہے۔ ریکارڈ پر وہی کچھ لکھا جاتا ہے جو اکیڈمی میں پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے۔"

"تمہاری سوچ بہت واضح اور قابل رشک ہے" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "وجہ صرف یہ ہے کہ تم اپنے تدریسی پس منظر کے ساتھ مکاروں کے غول میں شامل ہوئے ہو۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میرے رابطے میں آنے والے تم پہلے سفارتی افسر ہو جسے حق اور ناحق کے درمیان موجود باریک سی لکیر نظر آتی ہے ورنہ تمہارے بیشتر ساتھی صرف نتائج سے سروکار رکھتے ہیں۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ ان نتائج کے لیے قانونی ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں یا طاقت اور غنڈا گردی کے زور پر قانون پامال کر کے ہدف حاصل کیا جاتا ہے۔"

"میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم میری باتوں پر دھیان دے رہے ہو۔"

"مگر تمہاری دو باتیں تمہارے ان صاف ستھرے نظریات سے واضح طور پر متصادم ہیں۔"

"تم نشان دہی کرو۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں مطمئن کرنے میں کامیاب ہو سکوں۔"

"دروازے سے گزرنے کے بجائے دیوار پھاند کر تم نے خلوت کا احترام پامال کیا ہے..."

"تمہارا اعتراض درست ہے مگر اس میں میری بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ مکان خالی ہے۔ میں نے جلد از جلد بے ہوش جان تک پہنچنے کے لیے وہ راہ اختیار کی ہے۔"

"تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ جان سیموئیل غیر قانونی طور پر اس گھر کا فون استعمال کر رہا ہے۔"

"مشکل حالات میں پیغام رسانی کے لیے بہت سے ایسے مواصلاتی ذرائع استعمال ہوتے ہیں جو عام حالات میں ممنوع ہوتے ہیں۔ ایک غیر آباد مکان کا فون استعمال کرنا کوئی بڑا جرم نہیں ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ مجھے جان کی سرگرمیوں کی اصل نوعیت معلوم نہیں تھی۔ اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ وہ قتل و غارت گری کے دھندوں میں مصروف ہے تو میں اسے اپنی چھت کے نیچے پناہ بھی نہ دیتا۔ میری بیوی کو یہ جان کر دلی صدمہ ہوگا کہ آج کا سارا دن اس نے تیسرے درجے کے ایک مجرم کی مہمان داری کرتے ہوئے گزارا ہے۔ یہ سراسر میری غلطی تھی۔"

"تیسری بات یہ کہ تمہیں ساگا اور جان وغیرہ کے گٹھ جوڑ کا پورا پورا علم تھا۔"

"اس میں کیا خرابی نظر آتی ہے" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہیں معلوم تھا کہ ساگا اچھا آدمی نہیں ہے۔ تم نے فون پر مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں ساگا کا آدمی ہوں تو مجھے غلط کاموں کی اونچ نیچ بھی معلوم ہوگی۔ یہ بات اب میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔"

"یہ غلط ہے" اس نے پورے اعتماد سے کہا "میری معلومات کے مطابق ساگا پاکستان کا ایک معزز اور بارسوخ شہری ہے جو اس پس ماندہ ملک میں اچھے اور بُرے ذرائع استعمال کر کے انسانی فلاح کے نیک کاموں کو آگے بڑھا رہا ہے۔ پسماندہ ملکوں میں تعلیم کی شرح عام طور پر کم ہوتی ہے۔ اگر وہاں انسانی بہبود کے لیے دھونس اور جبر سے کام لیا جائے تو اسے بُرا نہیں سمجھنا چاہیے۔"

"ساگا اور انسانی فلاح دو متضاد حقیقتیں ہیں۔ اگر ہیروئن کے طلب گار کو اس نشے کی فراہمی کو تم انسانی فلاح کا کام سمجھتے ہو تو ساگا واقعی یہاں کا سب سے بڑا مصلح ہے" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"وہ ہیروئن یعنی موت کا سوداگر ہے؟" اس نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"ہے نہیں بلکہ تھا۔ اب وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ چکا ہے" میں نے سپاٹ لہجے میں بتایا۔

"تو تم نے اسے بھی مار دیا" وہ بے اختیار بول اٹھا "تم میں یہی خرابی ہے کہ تم نے مجرموں کو سزا دینے کا اختیار یہاں کے قانون سے چھین کر اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ یہ قابلِ فخر بات نہیں ہے۔"

"میں خرابی کا اعتراف کرتا ہوں مگر ساگا کا قاتل کوئی اور ہے۔ وہ کچھ دن اور زندہ رہتا تو شاید میرے ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ جاتے لیکن وہ اس سے پہلے ہی چل بسا۔"

"ہاں، جان کوسنی سے فون پر یہی خبر ملی تھی کہ وہ قریب المرگ ہے۔ مگر سنی کہاں ہے؟"

قتل و خونریزی کے ذکر پر وہ مضمحل ہوا جا رہا تھا۔ گوسنی کی لاش ایک کمرے میں موجود تھی مگر وہ اس کے انجام سے واقف نہیں تھا۔ میں نے جواب دیا "وہ جہاں بھی ہو، مکافاتِ عمل سے نہیں بچ سکے گا۔"

"اور جان کا کیا بنے گا؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"اصولی طور پر یہ میرا مجرم ہے۔ مجھے اس کی قسمت کا فیصلہ کرنا چاہیے لیکن ساتھ ہی یہ تمہارا دوست بھی ہے۔ میں اپنی طرف سے خیرسگالی کے اظہار میں کہہ سکتا ہوں کہ تم چاہو تو اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ طبّی امداد دینے کے بعد اس سے پوچھو کہ یہ تباہی کے راستے پر کیوں چل رہا ہے۔"

"میں تمہاری پیش کش قبول کرتا ہوں" اس نے تفہیمی انداز میں سرہلاتے ہوئے کہا "جان کو میں لے جاؤں گا مگر پھر راس المیڈا کا معاملہ باقی رہ جاتا ہے۔ جان بتا رہا تھا کہ وہ تمہارا قیدی ہے۔"

"میرا نہیں، وہ یہاں کے قانون کا قیدی ہے۔ اس کا ذکر درمیان میں مت لاؤ اور یہ بتاؤ کہ ویرا کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔ میں جلد از جلد اسے آزاد دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ میں دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ ویرا کی آزادی کو راس المیڈا کی رہائی سے مشروط نہ کر دے۔

"یہ دونوں الگ الگ معاملات ہیں" اس نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔ ہر معاملے میں اس کا ذہن بہت واضح تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ویرا کو اس طرح اغوا کر کے یرغمال بنانا غیر قانونی اور غیر انسانی فعل ہے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہتی ہے تو میں اسے نہیں روکوں گا۔ اس کی رائے جاننے تک تمہیں انتظار کرنا ہوگا۔"

"تم کس بات کا انتظار کرنا چاہتے ہو؟" اول خان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"جان اسے مسکّن دواؤں کی نپی تلی خوراک دے رہا تھا۔ رات کے کھانے کے لیے وہ گیارہ بجے کے لگ بھگ ہوش میں آئے گی۔ اس وقت ویرا سے بات کرلی جائے گی۔ اس نے تم سے نفرت کا اظہار کیا تو جان کو پورا حق حاصل ہوگا کہ وہ ویرا کو سکون آور دوا دے کر دوبارہ گہری نیند سلا دے" اس کی تجویز معقول تھی۔

"اتنی دیر انتظار کیا جا سکتا ہے لیکن یہ وقت یہاں گزارنا

خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ جگہ سنی کی نظروں میں آچکی ہے۔ وہ اپنے کچھ حمایتیوں کے ساتھ دوبارہ ادھر کا رخ کر سکتا ہے" میں نے ایک فرضی خطرہ کھڑا کر کے اسے متبادل تجویز سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میری دانست میں بہترین صورت یہ ہوتی کہ ہم لوگ اسی کے گھر میں ویرا کے قریب رہ کر اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتے۔

میری توقع کے برعکس وہ ذرا بھی فکر مند ہوئے بغیر بے پروائی سے بولا "میں مزید کشت و خون نہیں دیکھنا چاہتا۔ جان کو یہاں سے ہٹانا ہی ہے۔ اگر تم لوگ شریفانہ رویّے کی یقین دہانی کراؤ تو یہ وقت میرے گھر میں گزار سکتے ہو۔ یہ خیال رکھنا کہ میری بیوی بہت حساس اور زود رنج واقع ہوئی ہے۔"

"تم بے فکر رہو" میں نے دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا "تمہاری چھت کے نیچے ہم شریف النفس مہمان ثابت ہوں گے لیکن ہم ابھی تک اپنے میزبان کے نام سے واقف نہیں ہیں۔"

"میرا نام جارج اسٹارک ہے۔ پہلے میں قونصل خانے میں ویزا افسر ہوا کرتا تھا۔ آج کل کمرشل سیکشن کی دیکھ بھال کر رہا ہوں۔ میری بیوی کا نام نینسی ہے۔ بچوں کے نام ٹیڈ اور موہر ہیں۔"

مجھے جان سے نمٹنے کے بعد بھی ویرا تک پہنچنے کا معاملہ بہت مشکل اور سنگین نظر آرہا تھا لیکن جارج نے سامنے آکر ہماری مشکل کو اس قدر آسان کر دیا تھا کہ مجھے اپنے مقدر کی یاوری پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ ہماری بہت ہی اچھی اور بُری باتوں سے واقف ہونے کے باوجود ہم سے اس طرح تعاون کر رہا تھا جیسے وہ بھی اس کے بڑوں کا حکم رہا ہو۔

"نینسی اسی قدر حساس اور زود رنج ہے تو میرا مشورہ ہے کہ جان کو اپنے گھر مت لے جاؤ" اول خان نے اسے رائے دی۔ "اس کے بگڑے ہوئے چہرے اور خون میں نہائے ہوئے دھڑ کو دیکھ کر وہ ہذیانی کیفیت سے دوچار ہو سکتی ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ ٹانگیں چیرے جانے کی وجہ سے جان کی کافی جلد پھٹ چکی ہے..."

"بس، زیادہ منظر کشی مت کرو" جارج نے ہاتھ اٹھا کر اول خان کو خاموش کر دیا "تمہاری بات میری سمجھ میں آرہی ہے" اس کی پیشانی پر اچانک ہی تفکر آمیز سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔

"تم چاہو تو ہم اسے اسپتال پہنچا سکتے ہیں" میں نے اسے ایک اور پیش کش کی۔

"نہیں، تم اس کے جانی دشمن ہو۔ میں اسے تمہارے رحم و کرم پر چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مجھے ٹکا سا جواب دے دیا اور میں سٹپٹا کر رہ گیا۔

وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ موقع پا کر اول خان میرے قریب سرک آیا اور عام سے انداز میں اردو میں بولا "سنی کے بارے میں جھوٹ بول کر تم نے خطرہ مول لیا ہے۔ اس کی لاش یہاں سے غائب ہونی چاہیے ورنہ ہمارے ہاتھ آتا ہوا ایک شکار نکل جائے گا۔ ہم نے اسے مطمئن کر دیا تو آگے چل کر یہ ہمارا مخبر بھی بن سکتا ہے۔"

"ابھی میں نے سنی کا نام سنا ہے" اول خان کے خاموش ہوتے ہی جارج بول پڑا "اس کے بارے میں تم لوگ اپنی زبان میں کیا باتیں کر رہے ہو؟"

"سنی کی طرف سے متوقع حملے کی بات ہو رہی تھی" میں نے جلدی سے کہا "جان کو یہاں چھوڑا گیا اور سنی پہنچ گیا تو وہ جان کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ہم نے تمہاری وجہ سے اپنے دشمن کو معاف کر دیا ہے تو اب اسے زندہ بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ مارا گیا تو ہمارا ایثار رائگاں جائے گا۔"

"تم مشورے کرو میں بھی سوچ رہا ہوں۔ کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔"

"یہ مخبر بننے والوں میں سے نہیں ہے" میں نے اردو میں اول خان سے کہا "یہ باتیں بعد میں کی جا سکتی ہیں۔ فی الحال یہ سوچو کہ مردے کا کیا کیا جائے۔ اس لاش کا جارج کی نظروں میں آنا واقعی مناسب نہیں ہے۔"

"میں کسی کو فون پر ہدایت دیے دیتا ہوں۔ ہم لوگوں کے یہاں سے نکلنے کے بعد وہ اپنا کام کر گزرے گا۔"

"اللہ ورایو یہ کام کیوں نہیں کر سکتا؟" میں نے سوچتے ہوئے کہا "وہ یہیں موجود ہے۔ ذرا سی دیر میں سنی کو غائب کر سکتا ہے۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکے گا کہ وہ یہاں آیا تھا۔"

"میں نے بھی سوچا تھا مگر وہ موٹر سائیکل پر آیا ہے۔ لاش کیسے لے جائے گا۔"

"اس وقت تمہاری کھوپڑی شاید کہر آلود ہو رہی ہے۔ اگر تم اپنی گاڑی اس کے حوالے کر دو تو کسی دقت کے بغیر یہ کام خوش اسلوبی سے پورا ہو سکتا ہے۔"

"اور ہم اپنے اس نئے ہمدرد سے لفٹ لیں گے؟" اس کا لہجہ استفسار طلب تھا۔

"ہم اللہ ورایو کی موٹر سائیکل استعمال کر لیں گے۔ جارج کو یہ باور کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہو گی کہ ہم دونوں موٹر سائیکل پر سوار ہو کر یہاں آئے تھے۔ واپسی پر ویرا کے لیے ٹیکسی لے لی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ تم اسے باتوں میں لگاؤ۔ میں اللہ ورایو کو ہدایات دے کر آتا ہوں۔"

"تم ہم پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا کہ جان کے لیے کیا کیا جائے؟" میں نے قدرے توقف کے بعد تھکی ہوئی آواز میں جارج سے کہا "تم نے اس بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"میں دوسروں سے زیادہ امریکن نہیں ہوں" اس نے قدرے چڑچڑے لہجے میں جواب دیا "اگر جان کی کوئی اہمیت ہے تو

اس کے بارے میں دوسروں پر بھی برابر کی ذمّے داری عائد ہوتی ہے"
"بات میری سمجھ میں نہیں آئی" میں نے الجھن محسوس کرتے ہوئے کہا۔
"یہاں تک جو ہونا تھا' وہ ہوگیا۔ میں نے پوری ذمّے داری سے اپنا کام نبھایا ہے۔ اس سے آگے میری مجبوریاں حائل ہیں۔ میں قونصل خانے کے ریذیڈنٹ میڈیکل آفیسر کو مطلع کیے دیتا ہوں۔ وہ خود ہی ایمبولینس بھیج کر جان کو یہاں سے اٹھوالے گا۔ وہ بھی امریکی قومیت کا حامل ہے۔ اسے میرا ہاتھ بٹانا ہوگا۔"
اس کی وہ تجویز قابلِ عمل ہونے کے ساتھ ساتھ خطرناک بھی تھی۔ ہماری موجودگی میں جو لوگ جان کو لے جانے کے لیے آتے' ان کا جارج کے خیالات سے متفق ہونا قطعی ضروری نہیں تھا۔ ہماری موجودگی کی اطلاع ملتے ہی وہ محاذ آرائی پر کمربستہ ہوسکتے تھے۔ اگر ایمبولینس کی آمد کے ساتھ وہاں کوئی نیا ٹکراؤ شروع ہوجاتا تو ویرا کو نکال لے جانے کا معاملہ کھٹائی میں پڑ سکتا تھا۔
"میڈیکل آفیسر کو تم کیا کہانی سناؤ گے؟" میں نے تشویش سے سوال کیا۔
"کہانی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جو ہوا ہے' وہ صاف صاف بتادوں گا۔"
اس خبطی کے عزائم خطرناک تھے۔ اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ حق وصداقت اور انصاف کا پرچم بلند رکھنے کی دھن میں وہ ہمارا بیڑا غرق کرنے کے پورے پورے اسباب مہیا کردیتا۔
"تمہاری اس کہانی میں ہمارا ذکر بھی آئے گا" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔
"لازمی بات ہے۔ جان خود بخود زخمی ہوکر تو اپنے ہاتھ پیر نہیں باندھ سکتا۔"
"تم یہ ذمّے داری مفرور سنی پر بھی ڈال سکتے ہو۔ مصلحت کی خاطر بولا جانے والا جھوٹ' جھوٹ نہیں کہلاتا" میں نے زور دے کر کہا۔ اس وقت تک اول خان موقع پاکر خاموشی سے باہر کھسک گیا تھا۔
"لیکن مصلحت آمیز جھوٹ بھی کیوں بولا جائے۔ میں نے باتیں چھپائیں تو جان ہوش میں آکر سب کچھ بتادے گا۔ اس سے بہتر ہے کہ میں دروغ گوئی نہ کروں۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ اس کے پوچھے بغیر میں یہ نہیں بتاؤں گا کہ تم لوگ اس وقت بھی میرے مکان میں موجود ہو۔ میرا مقصد کسی کو پکڑوانا یا سزا یاب کرانا نہیں ہے۔ میں صرف اور صرف جان کی زندگی بچانے کا خواہش مند ہوں۔"
"سنو جارج!" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر' اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "تم ایک اچھے آدمی ہو۔ جھوٹ' فریب اور مکاریوں ۔ کہ اس دور میں تم جیسے لوگوں کا دم غنیمت ہے۔ اسی احترام کی وجہ سے ہم نے ہتھیار واپس رکھ لیے ہیں اور تم سے کوئی بگاڑ پیدا کیے بغیر واپس جانا چاہتے ہیں ورنہ ہمارے سامنے متبادل راستہ بھی موجود تھا۔ جان بتاچکا ہے کہ ویرا تمہارے گھر میں ہے۔ تمہارے نیفے سے سر پر زخم لگا کر ہم تمہیں بھی جان کے ساتھ اس کمرے میں بند کردیں اور تمہارے گھر میں گھس جائیں تو کون ہمیں روک سکے گا۔ اس خوفناک کارروائی سے حساس اور نرم دل نینسی دہشت زدہ ہوجائے گی.... تمہارے لیے مسائل کھڑے ہوجائیں گے مگر ہم بہت آسانی سے ویرا کو نکال لے جائیں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نہیں روک سکے گی۔"
"میں تمہاری دھمکی سمجھ رہا ہوں" وہ بے چینی سے بولا۔ "تم چاہو تو مجھے گولی بھی مار سکتے ہو۔"
"ہم بے مقصد خوں ریزی نہیں کرتے۔ ہم دہشت گرد نہیں ہیں.... میں تمہیں یہ بھی بتادوں کہ میں نے تمہیں دھمکی نہیں دی ہے۔ حقائق سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب تمہارا رویّہ کچھ بھی ہو' ہم تم پر تشدد کرکے تمہارے اہلِ خانہ کو ہرگز ہراساں نہیں کریں گے۔ مجھے معلوم ہے کہ ایسے صدمات سے گزرنے والے بعض افراد عمر بھر کے لیے اپنا ذہنی توازن تک کھو بیٹھتے ہیں۔ نینسی پر یہ ظلم نہیں کیا جاسکتا۔"
میں نے تلخ کلامی کے بجائے نرم اور ہمدردانہ لہجے میں اسے وہی سمجھانے کی کوشش کی تھی جو وہ سمجھ رہا تھا۔ وہ ایک صلح جو' راست گو اور مرنجان مرنج قسم کا آدمی تھا۔ اس کی ذکاوت میں بھی کوئی کلام نہیں تھا۔ وہ میری زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کی روح کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔
"جان میرے پاس پناہ لینے آیا تھا۔ یہ بات کئی افراد کے علم میں ہے۔ اب وہ یہاں زخمی بلکہ بے ہوشی کی حالت میں بندھا ہوا پڑا ہے۔ تمہارے ذکر کے بغیر جان کی اس درگت کا جواز کہاں سے پیدا کیا جاسکتا ہے۔"
"مجھے اندازہ ہوچکا ہے کہ جھوٹ بولنا تمہارے مزاج کے خلاف ہے۔ یہ بات تمہارے بڑے اور ساتھی بھی جانتے ہوں گے۔ تم ایک مرتبہ جو کچھ بتادو گے اس پر یقین کرلیا جائے گا۔ تمہیں جرح کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"
"مسئلہ تو یہی ہے کہ میں انہیں کیا بتاؤں؟ میں ایسی کہانی کہاں سے لاؤں جو تمہارے لیے بھی قابلِ قبول ہو۔"
"جان تمہارے پاس روپوش تھا لیکن تم کو جواب دہ نہیں تھا۔ تمہیں کچھ نہیں معلوم کہ وہ کن لوگوں سے اور کس قسم کے رابطے کررہا تھا۔ دس بجے وہ تمہارے احاطے کی دیوار کود کر ایک اہم کام کے بہانے سردار وجاہت اللہ کے احاطے میں پہنچا۔ اس نے دس منٹ بعد آنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب زیادہ دیر ہوگئی تو تم اسی راستے سے یہاں پہنچے اور تمہیں جان موجودہ حالت میں نظر آیا۔ تمہیں وہ پولیس کیس نظر آرہا تھا اس لیے تم نے اسے چھیڑنے یا اٹھاکر اپنے گھر لے جانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے میڈیکل آفیسر کو مطلع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔"

اس کی آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی پھر اس نے تعریفی لہجے میں کہا "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ جان چند منٹ میں واپسی کی یقین دہانی کرا کے ادھر آیا تھا۔ اس کہانی میں کسی کا نام نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہر بات اپنی جگہ سچ اور پتھر کی طرح اٹل ہے۔"

"خوشی کی بات ہے کہ میرا مشورہ تمہیں قابلِ قبول محسوس ہو رہا ہے۔"

"اب انتظار کی کیا ضرورت ہے۔ میں یہیں سے ڈاکٹر مونڈیل کو فون کیے دیتا ہوں۔"

"ابھی ساڑھے دس بھی نہیں بجے۔ تھوڑا سا وقت گزر جانے دو۔ تمہارا اتنی سرعت سے تفتیش کے لیے نکل پڑنا دوسروں کے ذہن میں بھانت بھانت کے شبہات کو جنم دے سکتا ہے۔"

وہ ایک بہانہ تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں اول خان کو اتنی مہلت دینی چاہتا تھا کہ وہ اللہ ورایو کو سنی کی لاش کے بارے میں پوری بات سمجھا کر واپس لوٹ آئے تاکہ اللہ ورایو ہمارے جاتے ہی اپنا کام کر سکے۔

"تمہارا کہنا ہے کہ ہمارے مشن کی طرف سے تمہارے اوپر عائد کیے ہوئے الزامات بے بنیاد ہیں؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد جارج اسٹارک نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"یہ میرا کہنا نہیں، حقیقت ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ پاکستان میں بھی کسی نہ کسی حد تک قانون کی حکمرانی ہے۔ اگر میں اتنا ہی خطرناک مجرم تھا تو مقامی حکام ایک طویل مدت تک مجھے کیوں نظرانداز کرتے رہے۔ آخر کیا سبب ہے کہ میری اور راس المیڈا کی لڑائی چھڑتے ہی میرے اوپر الزامات کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ مقابلوں میں مار کھانے کے بعد وہ لوگ دوسرے حربوں سے مجھے زیر کرنا چاہ رہے ہیں۔"

اسی وقت اول خان باہر سے لوٹ آیا۔ اس کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ اسے اپنے انتظامات میں کوئی غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی تھی۔

جارج نے سرسری نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر بولا۔ "مقامی حکام کی چشم پوشی کی وجہ بتائی جاتی ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ تم بعض حساس ایجنسیوں کے انفارمر بھی ہو۔ وہی تم کو بچاتی ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے بڑے ایک سرکاری انفارمر سے لڑ رہے ہیں" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "اگر ان کو معلوم ہے کہ میں کسی ایجنسی کا انفارمر ہوں تو انہیں مجھ سے دور رہنا چاہیے۔ اس ملک میں رہ کر یہاں کے کسی بھی سرکاری اہل کار کے خلاف کام کرنا سفارتی آداب کے منافی ہے۔ مجھ پر جھوٹا سچا الزام لگانے کے چکر میں وہ لوگ خود ہی اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے پھرتے ہیں۔"

"معلوم ہو رہا ہے کہ ہم نے یہ رات جان کے سوگ میں اسی کے سہانے گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے" اول خان نے بلند آواز میں دخل انداز ہوتے ہوئے ہم دونوں کو ٹوکا۔

"اوہ!" جارج یک بیک مضطرب ہو گیا "دیر ہونے سے نینسی پریشان ہو جائے گی۔ میں ڈاکٹر مونڈیل کو اپنے گھر سے بھی فون کر سکتا ہوں اور پھر ویرا کا قصہ بھی طے ہونا ہے۔"

ہم دونوں اس کے ساتھ دروازے کی طرف چلے مگر وہ جاتے جاتے جم کر کھڑا ہو گیا۔ چند ثانیوں تک وہ باری باری ہم دونوں کو گھورتا رہا پھر سپاٹ آواز میں بولا "یہ نہ سمجھنا کہ تم نے اپنی باتوں میں الجھا کر مجھے بے وقوف بنا لیا ہے۔ میں سوچ سمجھ کر تمہیں اپنے گھر لے جا رہا ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ وہاں تم میرے یا میرے بال بچوں کے لیے کسی قسم کی دشواریاں کھڑی نہیں کرو گے۔"

میں نے اپنی جیب سے سنی کا بھرا ہوا ریوالور نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا اور کہا "خیر سگالی کے اظہار میں میری طرف سے یہ تحفہ قبول کرو۔ ہم میں سے کوئی اپنے وعدے سے انحراف کرے تو اسے اسی ریوالور سے شوٹ کر دینا۔ ہمارے برتاؤ سے تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

اس نے میرے ہاتھ سے ریوالور لے لیا اور اسے چیک کر کے سیفٹی کیچ لگایا اور پھر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

وہ ایک جھٹکے سے واپسی کے لیے چلا تو میں نے راہداری کا ایک بلب روشن کر دیا۔ بلی کے تھیلے سے باہر آ جانے کے بعد وہ احتیاطی تدابیر اپنی افادیت کھو بیٹھی تھیں۔

ویران عمارت کے فرش پر ہمارے قدموں کی آواز بہت نمایاں تھی۔ یہ قدرے عجیب سی بات تھی کہ سردار وجاہت اللہ نے کمروں میں پورے فرش پر دبیز قالین ڈلواتے ہوئے راہداریوں کو نظرانداز کر دیا تھا۔ اس فرق کا ایک فائدہ ضرور تھا کہ کمروں میں موجود افراد کو آنے جانے والوں کی آہٹوں سے اپنے آس پاس ہونے والی نقل و حرکت کا مکمل علم ہو سکتا تھا اور شاید اس کنگال گرد ٹپی کی سوچ بھی یہی رہی ہو۔

"ذرا اس کمرے میں چلو" اول خان نے جارج اسٹارک سے فرمائش کی تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ اسی کمرے کی طرف اشارہ کر رہا تھا جس میں سنی کی بگڑی ہوئی لاش موجود تھی۔

"سنی سے اس کمرے میں ہمارا ٹکراؤ ہوا تھا" اول خان نے ایک دیوار گیر بلب روشن کر کے کہا "پھر وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ یہاں گرد و غبار پر تمہیں جدوجہد کی علامات مل جائیں گی۔"

اس وقت کمرا خالی پڑا ہوا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اول خان مجھے اپنی کارکردگی سے آگاہ کرنے کے لیے اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس نے اللہ ورایو کو محض ہدایات دینے کے بجائے سنی کی لاش اپنی گاڑی میں ڈال کر وہاں سے روانہ کر دیا تھا۔ ہمارے حساب سے میدان صاف ہو چکا تھا۔

"تم مجھے اس کمرے میں کیوں لائے ہو؟" جارج نے الجھ کر اول خان سے سوال کیا۔

"محض تمہاری تسلی کے لیے" اول خان نے دیدہ دلیری سے کہا "ورنہ تم یہ بھی سوچ سکتے تھے کہ ہم نے سنی کو مار کر کہیں ڈال دیا ہے اور تم سے غلط بیانی کر رہے ہیں۔"

"اس وقت سب کٹھ پتلیاں ہیں۔ میری نظروں میں صرف دو افراد کی اہمیت ہے" اس نے کمرے سے نکل کر دوبارہ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "جان سیموئیل اور ویرا لائیڈ۔ جان کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے اور ویرا کو اس کی مرضی کے مطابق تمہارے یا جان کے ساتھ رہنے کی آزادی ملنی چاہیے۔ سنی صرف ایک بہانہ تھا، جان کی بدقسمتی کا بہانہ۔ وہ آیا اور جان کے لیے ایک مشکل صورت حال پیدا کر کے چلا گیا۔"

"میں لکھ کر دے سکتا ہوں کہ جان کو اب دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکے گی" اول خان اردو میں بڑبڑایا "اس کے زخموں سے کافی خون بہہ چکا ہے اور بند پپوٹوں کے نیچے اس کی آنکھوں کی پتلیاں بہت اوپر جا چکی ہیں۔ صبح ہونے سے پہلے وہ بھی جہنم واصل ہو جائے گا۔"

جارج اول خان کی زبان سے اردو سن کر چونکا تھا۔ میں نے اسے اطمینان دلانے کے لیے ناخوشگوار لہجے میں اول خان سے کہا۔ "تم جان کے لیے اپنے ان ہمدردانہ جذبات کا اظہار اردو کے بجائے انگریزی میں بھی کر سکتے تھے۔ تمہارے اردو بولنے سے جارج کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔"

"فطری بات ہے۔" جارج نے میری تائید کی "مگر یہ بات بھی اپنی جگہ اٹل ہے کہ اضطرار یا بے ساختگی کے عالم میں ہر شخص اپنی مادری زبان ہی بولتا ہے۔ ویسے یہ کیا کہہ رہا تھا؟"

"سوری جارج!" اول خان نے سنجیدگی سے کہا "مجھے جان کی حالت تشویش ناک لگ رہی ہے مگر مجھے یہ بات انگریزی میں کہنی چاہیے تھی۔ ان نازک لمحات میں باہمی اعتماد سب سے زیادہ اہم ہے۔"

"تم لوگوں کی گاڑی کس طرف ہے؟" جارج نے باہر کھلی فضا میں پہنچنے کے بعد پوچھا "اب ہم دیوار کے بجائے گیٹ سے مکان میں داخل ہوں گے۔ اپنی گاڑی اسی طرف لے چلو۔"

"ہم موٹر سائیکل پر آئے ہیں" اول خان نے کہا "تم ڈینی کے ساتھ چلو۔ میں موٹر سائیکل ادھر لے آتا ہوں۔"

باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں میری متجسس نگاہیں ہر سمت میں دوڑ رہی تھیں لیکن اللہ ورایو کا کہیں پتا تھا، نہ اول خان کی گاڑی کہیں موجود تھی۔ وہ بہت خاموشی کے ساتھ سنی کی لاش ٹھکانے لگانے کے مشن پر روانہ ہو چکا تھا۔

"اگر آج کے دور میں سفارتی کاموں کا مطلب سازشوں کو پروان چڑھا کر ناپسندیدہ لوگوں کی سرپرستی کرنا رہ گیا ہے تو یہ کام مجھے راس نہیں آسکے گا" میرے ساتھ اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے جارج خودکلامی کے انداز میں آزردگی سے کہنے لگا۔ "میرے لیے تعلیم و تدریس کا پیشہ ہی بہتر تھا۔"

"سیاست اور سفارت قناعت پسند یا راست باز لوگوں کے لیے نہیں ہوتی" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "یہ شعبے ان اولوالعزم اور دنیا دار لوگوں کے لیے ہیں جو راتوں رات دولت، شہرت اور اقتدار پر قابض ہونے کا آئیڈیل لے کر ساری عمر جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ تمہارے لیے مشی گن یونیورسٹی ایک بہتر جگہ تھی۔"

"جب میں دیوار سے کودا اور تم نے میری گردن ناپی تو مجھے اپنے وجود پر شرم آنے لگی تھی۔ میری ایسی اہانت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ غنیمت ہوا کہ میرا واسطہ تم جیسے شریف حریف سے پڑا۔ کوئی عادی مجرم ہوتا تو وہ مجھے گولی ہی مار دیتا۔ میں موت سے نہیں ڈرتا لیکن ایسی شرمناک موت سے ضرور ڈرتا ہوں جس کے بعد میرے بیوی بچے بھی میرے کردار کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو جائیں۔ برسوں سے ورثے میں ملنے والی داغ دار شہرت نئی نسل کی ہر کامیابی کو نگل جاتی ہے۔"

چکر کاٹ کر ہم جلد ہی جارج کے مکان کے قریب پہنچ گئے۔ اول خان نے عقل مندی کی کہ ہمارے بعد وہاں آیا ورنہ گیٹ پر رکنے والی موٹر سائیکل چوکیدار کو چوکنا کر سکتی تھی۔

جارج نے گھنٹی بجانے کے بجائے چوکیدار کو آواز دے کر گیٹ کھلوایا۔ مسلح اور چاق و چوبند چوکیدار اپنے مالک کو دو اجنبی چہروں کے ساتھ باہر موجود پا کر حیران رہ گیا۔ اس کی دانست میں اس کے مالک کو گھر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔ شاید اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ جارج دیوار پھاند کر پیچھے والے احاطے میں کودا تھا۔

نگاہوں میں تیرتی ہوئی حیرت کے باوجود چوکیدار جارج سے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ وہ باوقار انداز میں آگے بڑھ گیا۔ اول خان نے اپنی موٹر سائیکل باہر ہی چھوڑ دی جسے چوکیدار اندر دھکیل لایا۔

جارج کا مکان بہت خوب صورت تھا۔ لان میں جا بجا بنی ہوئی کیاریوں اور بے شمار گملوں میں کھلے ہوئے رنگا رنگ موسمی پھول خوب بہار دے رہے تھے۔ برآمدے میں واقع داخلی دروازہ بند تھا۔ شاید اس کی بیوی پچھلے حصے میں اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔

جارج نے ہمیں برآمدے میں پڑی ہوئی بید کی آرام دہ کرسیوں پر بٹھایا اور خود دروازے پر دستک دینے کے بجائے برآمدے سے اتر کر گھر کے پچھلے حصے کی طرف چل دیا۔

"اس وقت جارج کی نیت میں فتور آجائے تو ہم لوگ بہت آسانی سے مارے جائیں گے" اول خان نے دھیرے سے کہا۔ وہ خائف نہیں تھا لیکن بہت زیادہ مطمئن بھی نہیں تھا۔

"مجھے اس سے کسی گڑبڑ کی امید نہیں ہے لیکن پھر بھی اس کی واپسی تک ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ ستارے ساتھ نہ دے رہے ہوں تو سایہ بھی زمین سے اٹھ کر حملہ آور ہوتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے۔"

بظاہر ہم دونوں کرسیوں پر براجمان تھے لیکن ہماری بے چین

نظریں مسلسل چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ آخر کئی منٹ بعد برآمدے میں کھلنے والے دروازے کے ہضمی قفل میں چابی گھومنے کی آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔
وہاں جارج اکیلا کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر فکرمندی کے سائے لرزاں تھے۔ اس کی دعوت پر ہم ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئے۔ اس آراستہ کمرے میں آرائش کے لیے ثروت و امارت کے مظاہرے سے زیادہ سلیقے سے کام لیا گیا تھا۔ وہاں بیٹھ کر تحفظ' تازگی اور آرام کا احساس ہوا تھا۔
"میں نے تم سے کہا تھا کہ نینسی بہت حساس عورت ہے" وہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "وہ اس بات پر پریشان ہوگئی ہے کہ میں دیوار سے جا کر گیٹ سے واپس آیا ہوں اور دو مقامی میرے ساتھ ہیں۔ کراچی میں مقیم امریکنوں کو درپیش خطرات کی باربار کی یاددہانیوں نے نینسی کو مقامیوں سے خوف زدہ کیا ہوا ہے.... وہ تمہاری میزبانی نہیں کرسکے گی۔ میں اس وقت اسکاچ کی شدید طلب محسوس کررہا ہوں۔ تم دونوں کیا پسند کروگے؟"
"میں تمہارا ساتھ دوں گا" جارج کی پیش کش پر میرے دل کے کسی خانے میں خوابیدہ مے نوشی کی خواہش اچانک بیدار ہوگئی۔ اول خان کی طرف اشارہ کرکے میں نے بات جاری رکھی۔
"اس کے لیے جوس لے آؤ۔"
"گڈ!" جارج کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیرگئی "مجھ سے ملنے والے بیشتر پاکستانی شراب سے انکار نہیں کرتے' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگوں کو بنیاد پرست کیوں کہا جاتا ہے؟"
اس کا وہ بے ساختہ اور معصومانہ سوال بہت سخت تھا۔ لمحہ بھر کے لیے اول خان کا چہرہ سرخ ہوگیا پھر اس نے سنبھل کر کہا "یہ سیاسی باتیں ہیں۔ ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیے۔"
ڈرائنگ روم سے ملحق کھانے کا کمرا تھا۔ جارج ایک کیبنٹ میں سے جملہ لوازم ٹرے میں رکھ کر وہیں لے آیا پھر اس نے فرج میں سے آئس ٹرے بھی نکال لی۔ مغربی آداب و روایات کے مطابق پہلے اس نے فروٹ جوس کی بوتل سے اول خان کا گلاس لبریز کیا پھر میرے اور اپنے گلاسوں میں ڈبل پیگ کے برابر اسکاچ انڈیلی۔ میرے لیے وہ مقدار بقدرِ اشکِ بلبل تھی جس سے حلق تر ہونا بھی محال تھا۔
میں نے اپنے گلاس کی مقدار میں خود اضافہ کیا تو جارج حیران رہ گیا "تم تو اسکاچ بھی بیئر کی طرح لیتے ہو۔"
"نہیں' میں اس میں ٹھنڈا پانی ملاؤں گا" میرے جواب پر اس نے اخلاقاً ہلکا سا قہقہہ لگایا اور اٹھ کر ٹھنڈے پانی کی بوتل لینے چلا گیا۔ میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگالی۔
اس نے برف کے ڈلے ڈالے' میں نے اپنے گلاس کو پانی سے بھرلیا پھر بھی میرے گلاس کا رنگ گہرا تھا۔
"ہماری نئی دوستی کے نام!" جارج نے جام تجویز کیا۔ دونوں گلاس بیک وقت لبوں تک گئے اور پھر میز پر آگئے۔ جارج نے اپنے لب تر کیے تھے۔ میرے دہانے سے معدے تک آگ کی ایک گہری لکیر اترتی چلی گئی تھی۔
"ویرا کہاں ہے؟ ہمیں اس کے پاس لے چلو" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔
"وہ ایک خواب گاہ میں سورہی ہے۔ میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ وہ گیارہ بجے کے قریب ہوش میں آئے گی۔ اتنی دیر تک تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔ سوتی ہوئی عورت کے کمرے میں مردوں کا جانا مناسب نہیں ہے۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور دوبارہ بولا "سوا دس بج رہے ہیں۔ اب میں ڈاکٹر مونڈیل سے بات کرلوں۔"
وہ اپنا گلاس لے کر ڈرائنگ روم کے اس گوشے میں چلا گیا جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔
"اگر ویرا کے ہوش میں آنے سے پہلے ڈاکٹر مونڈیل یہاں آگیا اور اس نے کوئی ہنگامہ کھڑا کردیا تو کیا ہوگا؟" اول خان نے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا اور میں بھی مضطرب ہوگیا۔
اس بارے میں مَیں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ ڈاکٹر مونڈیل سردار وجاہت اللہ کے مکان سے جان کو اٹھا کر رخصت ہوجاتا۔ اصولی طور پر اسے پہلے جارج کے گھر آنا چاہیے تھا پھر اسے ساتھ لے کر جان کی طرف جانا چاہیے تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ جارج کو کس طرح فون کرنے سے روکوں؟
میں نے جارج کی طرف دھیان دیا تو وہ فون پر باتیں کرنے میں مصروف تھا جس کا مطلب تھا کہ اس کا مونڈیل سے رابطہ قائم ہوگیا تھا۔ اس بارے میں کچھ سوچنا بے سود تھا۔ اب ہمیں آنے والے وقت کی تیاری کرنی تھی۔ ڈاکٹر مونڈیل ہمیں کسی بھی طرح آسانی سے نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔
کئی منٹ تک میرا ذہن ان ہی باتوں میں الجھا رہا۔ گلاس میں سے آتشیں سیال میرے معدے میں منتقل ہوتا رہا اور پھر میں نے مدافعانہ سوچ یکسر مسترد کردی۔
ہم ہر قیمت پر ویرا کو آزاد کرانے کا مشن لے کر گھر سے نکلے تھے۔ تشدد آمیز ٹکراؤ کے بعد خوش قسمتی سے جارج اسٹارک ہمارے سامنے آگیا۔ اس کے مفاہمانہ رویّے کی وجہ سے ہمارے بعد کے مراحل آسان ہوگئے اور ہم لڑے بھڑے بغیر اس وقت جارج کے مکان میں موجود تھے۔
جہاں تک جارج اور اس کے بیوی بچوں کا تعلق تھا' میں ان میں سے کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا لیکن ڈاکٹر مونڈیل اگر ہمارے لیے کوئی مسئلہ کھڑا کرنے کی کوشش کرتا تو اسے طاقت کے بل پر زیر کیا جاسکتا تھا اور پھر ہم طاقت ہی کے بل پر ویرا کو وہاں سے نکال لے جاسکتے تھے۔
اس ناخوش گوار تصادم کے نتیجے میں جارج اور اس کے اہلِ

خانہ کا متاثر ہونا ناگزیر تھا مگر جارج اس کے لیے ساری ذمے داری ہمارے سر نہیں ڈال سکتا تھا۔

میں نے اول خان کو اپنے افکارِ تازہ سے باخبر کیا تو اس کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ خوش ہو کر بولا "خدا کا شکر ہے کہ تم نے ان خطوط پر سوچنا شروع کر دیا ورنہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جارج کے گھر سے رخصت ہونے تک تم مہاتما بن کر عدم تشدد کی زندگی اپنا لو گے۔"

جارج ٹیلی فون پر گفتگو سے فارغ ہو کر ہم لوگوں کے پاس لوٹ آیا۔

"ڈاکٹر مونڈیل ایمبولینس میں اپنے دو آدمی لے کر آ رہا ہے" اس نے آتے ہی اعلان کیا "سامنا ہو جائے تو تم دونوں کو اس سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اس وقت جان کے لیے بہت فکر مند ہے۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔"

"تو کیا وہ سیدھا تمہارے گھر آ رہا ہے؟" اول خان بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

"اور کہاں جائے گا؟ سردار وجاہت اللہ کا گھر اس کے لیے اجنبی ہے" اس نے کہا اور اپنا گلاس خالی کر کے یہ کہتا ہوا اٹھ گیا کہ وہ نینسی کو دیکھ کر چند منٹ میں واپس آ جائے گا۔

"میں سنتا رہا ہوں کہ مغرب میں خاندانی رشتے بہت کمزور اور ہر احترام سے عاری ہوتے جا رہے ہیں لیکن جارج اپنے رویے سے ان سب باتوں کو غلط ثابت کر رہا ہے" اول خان نے خوش گوار حیرت سے کہا۔

"جارج اسٹارک کی ذات میں اخلاق، کردار اور زندگی کی دوسری قدروں کا ایک عمدہ تسلسل موجود ہے۔ اسے اپنی عزتِ نفس عزیز ہے۔ فریب کاری سے نفرت ہے، وہ قناعت پسند ہے اور اسی لیے بیوی بچوں سے محبت کرتا ہے۔ لالچی اور مکار شخص تو شاید اپنی ذات سے بھی وفادار نہیں ہوتا" میں کہنے لگا "زندگی بہت سی اقدار کا مجموعہ ہوتی ہے۔ جارج کو صحیح تربیت اور صحبت ملی ہے اس لیے وہ مثالی رویوں کا عادی نظر آتا ہے۔ بگڑے ہوئے لوگ قدم قدم پر ان اقدار کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

اس کی واپسی تک ہم دونوں اسی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ اپنے کردار کی مضبوطی کی وجہ سے وہ اسی لائق تھا کہ اس کے بارے میں باتیں کی جاتیں اور اس کی کامیاب زندگی سے سبق لیا جاتا۔

جب وہ سر جھکائے اپنے لیے اسکاچ کا دوسرا گلاس بنا رہا تھا تو میں یہ سوچ کر دل ہی دل میں نادم ہو رہا تھا کہ میں امریکنوں کو مجموعی طور پر ہمیشہ برے القاب سے یاد کرتا رہا تھا جب کہ جارج بھی امریکن ہی تھا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ جارج سے پہلے جو لوگ مجھ سے ٹکرائے وہ سب ہی چالاک، مکار اور خونی درندے تھے۔ ایسے لوگوں کے ذریعے کسی بھی قوم کا صحیح تعارف حاصل نہیں ہوتا کیونکہ قوم بہر حال افراد ہی کا مجموعہ ہوتی ہے۔ افراد کے مزاجوں کا تضاد ظاہر کرنے کے لیے راس المیڈا اور جارج اسٹارک کی صورت میں دو جیتے جاگتے امریکن میرے سامنے تھے۔

ڈیفنس کراچی کا ایک کشادہ اور بہت پُرسکون علاقہ ہے جہاں اندرونی حصوں میں ٹریفک کا شور تو درکنار، ہارن کی آواز بھی بھولے بھٹکے ہی سنائی دیتی ہے۔ جارج کا مکان ایسے ہی علاقے میں واقع تھا۔ باہر ہارن کی تیز آواز گونجی تو ہم تینوں ہی بری طرح چونکے تھے۔

"یہ باہر کے کسی آدمی کی حرکت ہے" جارج نے خوش دلی سے کہا "ڈیفنس کے مکین عام طور پر یوں ہارن نہیں بجاتے۔"

"ہاں.... ڈیفنس میں سارے ہی فرشتے جو رہتے ہیں" اول خان نے زہر خند کے ساتھ کہا۔

"نہیں، یہاں چور، ڈاکو، اسمگلر اور قاتل بھی ضرور رہتے ہوں گے۔ یہاں ہر مکان اپنی جگہ پر ایک جزیرہ ہے۔ کسی کو غرض نہیں ہوتی کہ اس کے پڑوس میں کون رہ رہا ہے۔ اس ماحول میں بدنام لوگوں کو چھپنے کا موقع مل جاتا ہے مگر وہ بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی ایسی حرکتوں سے گریز کرتے ہیں تاکہ نظروں میں نہ آئیں...."

اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ مسلح چوکیدار دروازے پر آموجود ہوا تھا۔

"ڈاکٹر مونڈیل ایمبولینس میں آئے ہیں۔ آپ کو باہر بلا رہے ہیں" جارج کے متوجہ ہونے پر اس نے انگریزی فقرے جس لب و لہجے میں ادا کیے تھے اس کا قریب ترین ترجمہ یہی ہو سکتا تھا۔

"میں آتا ہوں" جارج یہ کہہ کر سرعت سے باہر نکلتا چلا گیا۔

میرے سر سے ایک بوجھ ہٹ گیا۔ ڈاکٹر مونڈیل نے خود اندر آنے کے بجائے جارج کو باہر بلایا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ جلد از جلد جان تک پہنچنے کے لیے بے چین تھا۔ وہاں جان جس ابتر حالت میں پڑا ہوا تھا اس کی بنا پر مجھے یقین تھا کہ مونڈیل طبی امداد کا فوری آغاز کر کے اسے جلد از جلد کسی آپریشن تھیٹر تک لے جانا چاہے گا اور یوں واپسی میں بھی اس سے سامنا ہونے کا خطرہ ٹلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"گلاس جلدی ختم کرلو" اول خان نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"کیوں؟ کیا ارادہ ہے تمہارا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں پوچھا۔

"پونے گیارہ بج چکے ہیں" اس نے اپنی رسٹ واچ میرے سامنے کرتے ہوئے کہا "جارج دس پندرہ منٹ میں واپس نہیں آسکے گا۔ ڈاکٹر مونڈیل بھی آگیا ہے۔ ہمیں جلد از جلد ویرا تک پہنچنا چاہیے۔"

جارج اسٹارک کی غیر موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر مکان کے اندرونی حصوں میں گھسنا غیر اخلاقی حرکت تھی۔ بات صرف جارج کی ہوتی تو میں سختی سے اول خان کی مخالفت کرتا لیکن جارج جن لوگوں کے لیے کام کر رہا تھا وہ بدترین فتنہ گر تھے اور اخلاقی نزاکتوں پر غور کرنے سے زیادہ حریف کو ادھیڑ ڈالنے میں دلچسپی رکھتے تھے۔

اول خان کے ساتھ اندرونی حصے میں چکراتے ہوئے مجھے یہ اندیشہ لاحق تھا کہ ہم ویرا کی تلاش میں کہیں نینسی کی خواب گاہ میں نہ جا گھسیں۔ اس بدتمیزی پر خوف کی وجہ سے وہ شاید ہمیں تو کچھ نہ کہتی لیکن جارج پر ضرور برہم ہوتی کہ اس نے تہذیب سے عاری مقامیوں کو اپنے گھر میں کھلا چھوڑ دیا تھا۔

ہم نے کہیں طبع آزمائی کرنے سے پہلے یکے بعد دیگرے ہر بند دروازے کا جائزہ لے ڈالا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس گھر میں سونے کے صرف تین ہی کمرے تھے۔ ان میں سے اگلے سرے پر بنا ہوا کمرا ایسا تھا جو بیرونی دروازہ ہونے کی صورت میں شاید پورے گھر سے الگ تھلگ ہو کر گیسٹ روم کا کام دے سکتا تھا۔

اول خان نے آہستگی سے دروازے کا ہینڈل گھما کر زور ڈالا مگر دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اول خان نے دروازے کے اوپری اور نچلے حصوں پر دباؤ ڈالا تو وہ اپنی جگہ سے ہلتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ دروازہ اندر سے بولٹ نہیں تھا بلکہ باہر سے مقفل کیا گیا تھا۔

نینسی یا بچوں کے زیر استعمال ہونے کی صورت میں وہ دروازہ بولٹ ہونا چاہیے تھا۔ جارج کی باہر موجودگی میں دروازہ مقفل ہونے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ لازمی طور پر بے ہوش ویرا کو اسی کمرے میں رکھا گیا تھا۔

اول خان پنجوں کے بل چلتا ہوا کہیں غائب ہو گیا۔ چند منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کے پاس موٹے اور پتلے کئی تار کے ٹکڑے موجود تھے جو اس نے میرے حوالے کر دیے۔

اس کی اس حرکت پر میں مسکرا کر رہ گیا اور فوراً ہی تار کی مدد سے تالا کھولنے کی کوشش شروع کر دی۔

نقب زنی کو میں نے کبھی بھی پیشے کے طور پر نہیں اپنایا تھا لیکن مختلف قسم کے پیچیدہ تالوں کو کھولنا ہمیشہ میرا شوق رہا تھا۔ ڈیڑھ لیور والا وہ ہفضی قفل صرف نمائشی تھا۔ تیسری کوشش میں تالا کھل گیا۔

دروازہ کھول کر ہم دونوں پھرتی سے اندر گھسے۔ سامنے ہی مسہری پر کوئی نازک سا وجود چادر میں لپٹا سو رہا تھا۔ اول خان نے دروازہ بند کر کے اندر سے بولٹ کر لیا اور میں مسہری تک پہنچ گیا۔

بدن پر سے چادر ہٹائے بغیر میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ویرا ہی تھی۔ اس نے سر سے پیر تک چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ میں نے دھیرے دھیرے اس کے چہرے سے چادر کھینچ لی۔

وہ ذرا کسمسائی مگر اس کی گہری نیند یا بے ہوشی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اس کی بڑی بڑی آنکھوں پر پپوٹوں کی چلمن گری ہوئی تھی۔ اس سے نیچے لمبی لمبی پلکوں کی جھالر بچھی ہوئی۔ سرخ و سفید چہرے پر ایسا بیکراں اطمینان پھیلا ہوا تھا جیسے وہ دشمن کی قید کے بجائے اپنے کمرے میں سو رہی ہو۔

"جارج نے اسی لیے کسی عورت کی خواب گاہ میں اجنبی مردوں کے داخلے کی مخالفت کی تھی" اول خان نے مجھے ٹہوکا دے کر کہا "گھورنے کے بجائے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔"

سچ یہ ہے کہ ایک طویل وقفے کے بعد اسے بے حجابی کے ساتھ عالم خواب میں دیکھ کر مجھ پر بے ساختہ رقت سی طاری ہونے لگی تھی۔ میں نے جھرجھری لے کر خود کو سنبھالا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی منرل واٹر کی بوتل سے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔

پتا نہیں ویرا کے ذہن پر سے مسکن دوا کے اثرات ختم ہو رہے تھے یا یہ پانی کے چھینٹوں کا کمال تھا کہ ویرا پہلے کسمسائی پھر اس نے آنکھیں کھولے بغیر کسل مندانہ انداز میں کئی انگڑائیاں لیں اور آخر کار ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس وقت ویرا کی نیلگوں آنکھوں میں خمار کے گہرے ڈورے تیر رہے تھے۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو میرا چہرہ اس کے سامنے موجود تھا۔ خمار اور بے یقینی کے عالم میں اس نے دو تین مرتبہ آہستہ آہستہ پلکیں جھپکائیں اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک والہانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ شاید وہ خوشی سے بے قابو ہو کر چیخ ہی پڑتی مگر میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔

"خود پر قابو رکھو۔ ابھی ہم دشمن کے گھیرے میں ہیں" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

وہ اچھل کر بستر سے نیچے آئی اور میرے سینے سے لپٹ گئی۔ وہ اس کا بے ساختہ ردِعمل تھا جس سے اپنائیت پھوٹ رہی تھی۔ فرطِ جذبات یا پھر مسکن دوا کے اثرات سے اس کا بدن ہولے ہولے کپکپا رہا تھا۔ اسی عالم میں اس نے اول خان کو دیکھا اور پھر میری بانہوں سے نکل کر اس سے بغل گیر ہو گئی۔

اس ناگہانی افتاد پر اول خان کے فرشتے کوچ کر گئے۔ وہ بوکھلا کر اپنے دونوں ہاتھ ویرا کے سر پر پھیرنے لگا اور پھر آہستگی سے اسے اپنے بدن سے الگ کر دیا۔

"اس بار مجھے یقین نہیں تھا کہ کوئی میری مدد کے لیے پہنچ سکے گا"

وہ خوشی سے بھرائی ہوئی آواز میں بولی "میری سگریٹ پینے کی ایک سادہ سی خواہش نے مجھے موت کے دہانے میں پہنچا دیا تھا مگر میں اپنے کیے کی سزا بھگتنے کے لیے تیار تھی۔ کیا انہوں نے تم کو بھی پکڑ کر یہاں قید کروا دیا ہے؟"

"عورت!" میں دھیمے سے غرایا "ہوش کی باتیں کرو۔ قیدی ہوتے تو ہم دونوں بھی تمہاری طرح انٹا غفیل پڑے ہوئے ہوتے۔ ایسے منحوس کلمات منہ سے مت نکالو اور بھاگنے کی تیاری کرو۔"

ویرا اس وقت بھی اسی جینز اور جیکٹ میں ملبوس تھی جو وہ اپنے اغوا کے وقت پہنے ہوئے تھی۔

"ہم لوگ اس وقت کہاں ہیں؟" ویرا نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا پھر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ جان مجھے نشہ آور دوائیں دیتا رہا ہے۔ میں بہت زیادہ کمزوری اور نقاہت محسوس کر رہی ہوں۔"

"تمہیں کندھے پر نہیں بٹھایا جائے گا۔ بکھرے ہوئے بالوں میں برش پھیر کر اپنا حلیہ درست کرو تاکہ دشمنوں کو منہ دکھانے کے قابل ہو سکو۔ ان کی ٹولی کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتی ہے۔"

ویرا فوراً ہی دیوار گیر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے پہنچ گئی اور جلدی جلدی حلیہ درست کرنے لگی۔

چند ہی ثانیوں میں ہم تینوں اس کمرے سے باہر نکل آئے۔ گھر میں بدستور سناٹا تھا۔ عیسی اور جارج کے بچے غالباً اپنے اپنے کمروں میں محصور ٹیلی وژن وغیرہ سے محظوظ ہونے لگے تھے کیونکہ اس مرتبہ راہداری میں کسی انگریزی پروگرام کی دبی دبی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"اب کیا کرنے کا ارادہ ہے؟" ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے اول خان نے پوچھا۔

"بس جارج کا انتظار کریں گے۔" میں نے بے ساختہ جواب دیا "وہ آجائے تو پھر ہم گھر چل دیں گے۔"

"اس چکر میں مت پڑو۔ پتا نہیں ڈاکٹر مونڈل کیا گل کھلا بیٹھے۔

اس وقت میدان صاف ہے۔ خاموشی سے نکل چلو۔ تم پر مروت کا ایسا ہی دورہ پڑ گیا ہے تو بعد میں فون کر کے جارج سے معذرت کر لینا۔ اب تک اس کا نمبر بھی آبزرویشن ریکارڈ کا ایک حصہ بن چکا ہوگا۔"

"گھر سے دوبارہ بات نہیں ہوئی۔ پتا نہیں جان نے دس بجے وہاں فون کیا تھا یا نہیں۔" میں نے کہا۔

"ضرور کیا ہوگا۔ وہ زبان سے کچھ بھی کہتا رہا ہو' اس کے لیے راس المیڈا بہت اہم ہے۔ غزالہ یا سلطان شاہ سے بات ہونے کے بعد ہی وہ سنی سے ملاقات کے لیے نکلا ہوگا اور جارج کا نمبر ریکارڈ پر آگیا ہوگا۔"

"جو کچھ کرنا ہے' جلدی کرو۔" پورے پس منظر سے لاعلمی کے باجود ویرا کو اندازہ ہو گیا کہ ہمارے لیے وقت سب سے زیادہ اہم تھا۔ وقت کھو دینے کے بعد ہم افسوس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ہم جارج کی واپسی کا انتظار کیے بغیر خاموشی سے وہاں سے نکل بھاگتے تو جارج سے ہمارے آئندہ تعلقات بگڑ سکتے تھے لیکن ہمارا حفاظت سے نکل جانا یقینی تھا۔ اگر ہم وہاں رکتے اور جارج کے ساتھ ڈاکٹر مونڈل آکر کوئی ہنگامہ کھڑا کر دیتا تو سب کچھ خطرے میں پڑ جاتا۔ مشکل یہ تھی کہ اس وقت سواری کے نام پر ہمارے پاس صرف ایک موٹر سائیکل تھی۔

اس وقت مجھے ایک بات کی خلش تھی کہ خوش گوار ماحول میں کافی دیر تک ایک ساتھ رہنے کے باوجود میں جارج اسٹارک سے نیلو ربا بیبے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھ سکا تھا۔

میں نے چند سیکنڈ میں وہاں سے فوراً نکل جانے کا فیصلہ کر لیا اور پھر ہم تینوں برآمدے میں نکل گئے۔

جارج کے مسلح چوکی دار نے ہم تینوں کو حیرت سے دیکھا اور پوچھا "صاحب! جا رہے ہو؟"

"ہاں۔ ہو سکتا ہے کہ جارج کو واپسی میں دیر ہو جائے۔ ہم زیادہ دیر تک نہیں رک سکتے۔"

چوکی دار کی آنکھوں میں شکوک و شبہات کی واضح جھلکیاں نظر آ رہی تھیں مگر وہ مجبور تھا۔ اس کا مالک ہم لوگوں پر اعتماد کر کے ہمیں گھر میں چھوڑ گیا تھا۔ اگر ہم ویرا کو اپنے ساتھ لے جا رہے تھے تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"تم تینوں اس موٹر سائیکل پر ہی جاؤ گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ اس وقت تک اول خان موٹر سائیکل گیٹ سے باہر لے جا کر انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ چوکی دار نے مزید کہا "صاحب پچھلی گلی میں گیا ہے۔ وہ بس واپس آتا ہی ہوگا۔ اس کا انتظار کر لو

تو وہ تمہیں گاڑی دے دے گا۔"

"ہمیں کہیں جانے کی جلدی ہے۔ جارج کو معلوم ہے۔"

اسے حیران و پریشان چھوڑ کر ہم باہر آ گئے۔

شاید ہم تینوں ہی موٹر سائیکل چلا سکتے تھے لیکن اس کا تجربہ کسی کو نہیں تھا اور پھر تین سواریوں کے ساتھ یہ معاملہ اور بھی دشوار نظر آ رہا تھا۔ باہر نکلتے ہی ویرا اول خان کے پیچھے چپک کر بیٹھی تو وہ بدک گیا۔

"تم پیچھے بیٹھو۔" وہ بوکھلا کر بولا "اس طرح تو میں کہیں حادثہ کر بیٹھوں گا۔"

"مجھے چکر آ رہے ہیں۔ پیچھے سے میں کہیں لڑھک جاؤں گی۔ بیچ میں تم دونوں کا سہارا رہے گا۔"

وہ بڑی احمقانہ صورتِ حال تھی۔ ایک مرتبہ باہر آ جانے کے بعد ہمارے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ کسی بھی لمحے ڈاکٹر مونڈیل اپنی ایمبولینس سمیت گلی میں نمودار ہو سکتا تھا۔

میں نے ویرا کو زبردستی اتارا' اس کی جگہ خود سنبھالی اور وہ بڑبڑاتی ہوئی میرے پیچھے بیٹھ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ ڈال کر میری کمر مضبوطی سے کس لی تھی تاکہ گرے تو مجھے ساتھ لے کر ہی گرے۔

اول خان نے گیئر ڈال کر ایک جھٹکے سے موٹر سائیکل چلا دی۔ وہ پہلا جھٹکا اس کے اناڑی پن کا کھلا ثبوت تھا۔ ہماری موٹر سائیکل چند گز بھی نہیں گئی ہو گی کہ سامنے سے اونچی اور بند باڈی والی ایک سفید ایمبولینس گلی میں مڑتی ہوئی نظر آئی اور اول خان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"وہ آ گئے اور اب ہمیں کچل دیں گے۔" اول خان ہذیانی انداز میں بولا۔ اس وقت تک ویرا کو ایمبولینس کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔

چند ثانیوں میں وہ دیو ہیکل ایمبولینس اس گلی میں گھوم چکی تھی۔ مڑتے ہوئے اس کی رفتار سست تھی۔ جوں ہی اس کا زاویہ سیدھا ہوا' ہم تینوں ایمبولینس کی ہیڈلائٹس کی روشنی میں نہا گئے۔ اس تیز روشنی کے ریلے میں موٹر سائیکل کی مسکین سی ہیڈ لائٹ اپنا وجود کھو بیٹھی تھی۔

"یوٹرن لے کر موٹر سائیکل پوری رفتار سے دوڑا دو۔ شاید انہوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔"

میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اول خان نے یوٹرن لینے کی کوشش کر ڈالی۔ رفتار کم ہونے کی وجہ سے موٹر سائیکل بری طرح ڈگمگائی' ویرا کے حلق سے ایک سریلی سی بے ساختہ آواز بلند ہوئی اور پھر موٹر سائیکل واپس دوڑنے لگی۔ جارج کے مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ چوکی دار اس وقت بھی ذیلی کھڑکی کھولے کھڑا تھا۔

وہ موٹر سائیکل بنانے والوں نے کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا کہ کبھی اس ننھی سی جان پر تین آدمی سوار ہو کر موت کے دہانے سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔ تنگ نشست پر ہم تینوں جونکوں کی طرح ایک دوسرے سے چپکے بیٹھے تھے۔ اول خان ہمارے دباؤ کی وجہ سے جزوی طور پر پٹرول کی فولادی ٹنکی پر جا چڑھا تھا۔ اول خان نے شاید ایک ہی مرتبہ میں پورا تھروٹل لیور کھینچ لیا تھا۔ موٹر سائیکل کی رفتار لحہ بہ لحہ تیز ہو رہی تھی لیکن انجن کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کھلے راستوں پر وہ ایمبولینس کی برق رفتاری کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

میں نے سر گھما کر دیکھا تو ایمبولینس شاید جارج کے گیٹ پر رکی ہوئی تھی مگر اس کے ہیڈ لیمپس بدستور روشن تھے۔ معاملہ صرف جارج کا ہوتا تو وہ شاید بات کو سنبھال لیتا مگر وہاں ساری ذمے داری چوکی دار کے سر آ پڑی تھی۔ چوکی دار ہمارے اچانک فرار کے بارے میں جارج کو جو کچھ بتا رہا ہو گا وہ ڈاکٹر مونڈیل بھی سن رہا ہو گا۔ وہ ہم لوگوں کے بارے میں جو بھی بری بھلی رائے قائم کرتا' وہ ایک الگ بات تھی۔ اس کا فوری فیصلہ یہی ہوتا کہ موٹر سائیکل پر بھاگنے والوں کا تعاقب کر کے پہلے انہیں پکڑا جائے اور پھر ان کے بارے میں جارج کی کہانی سنی جائے۔

"موٹر سائیکل کسی بھی تپلی گلی میں لیتے چلے جاؤ جہاں ایمبولینس ہمارا پیچھا نہ کر سکے۔" انجن کے تیز احتجاجی شور اور ہوا کے دباؤ کی وجہ سے میں نے تقریباً چیخ کر اول خان کو ہدایت دی۔

"یہاں سالی کوئی تپلی گلی ہی نہیں ہے۔" اول خان کی جھلائی ہوئی آواز آئی "ہر طرف چوڑی چوڑی سڑکیں ہی سڑکیں ہیں۔ ذرا دیکھو تو۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ رک گئے ہیں۔"

"ہاں' وہ رکے ہوئے ہیں۔" یہ کہہ کر میں نے اضطراری طور پر سر گھمایا تو ایمبولینس کی رکی ہوئی روشنیاں دھیرے سے حرکت میں آ گئیں۔ میں چیخ پڑا "وہ دوبارہ چل پڑے ہیں۔ اپنی رفتار بڑھاؤ اور گزری وغیرہ کی طرف نکلنے کی کوشش کرو۔ ڈیفنس میں ہمیں پناہ نہیں ملے گی۔ وہ ہمیں روند ڈالیں گے۔"

"کتنا مزہ آ رہا ہے۔" ویرا اپنا چہرہ میرے شانے پر ٹکا کر ہولے سے منمنائی "رات کی بھیگی بھیگی ہواؤں میں ہم دونوں کتنے قریب ہیں۔ قید سے رہائی ملی تو ایسی کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ جی چاہ رہا ہے کہ دبوچ کر تمہیں مسل ڈالوں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی میری کمر پر اس کے ہاتھوں کی گرفت سخت ہو گئی۔

"ویرا کی بچی۔" میں بے اختیار برس پڑا "ہوش میں رہو' میرا دم گھٹ جائے گا۔ تمہیں یہ احساس بھی نہیں کہ ہم کس قدر خطرناک پوزیشن میں ہیں۔ ذرا سی دیر میں وہ ہمیں کچلنے پر قادر ہو جائیں گے۔"

"کچل دیں۔" اس بار وہ میرے کان سے اتنے قریب ہو کر بولی تھی کہ میں نے اپنے چہرے پر اس کے سانسوں کی حرارت محسوس کی تھی۔ وہ بالکل سرگوشیانہ آواز میں کہہ رہی تھی "مجھے کسی بات کی پروا نہیں ہے۔ وہ کچلیں گے تو ہم دونوں ایک ساتھ

ہوں گے۔ جلنے والے اپنی آگ میں بالکل ہی جھلس کر رہ جائیں گے اور......."

"ہوش میں رہو ویرا۔" میں غرایا "ورنہ میں کہنی مار کر تمہیں چلتی موٹر سائیکل سے نیچے پھینک دوں گا۔"

"یار کیوں شور مچائے جا رہے ہو۔" اول خان بے زاری کے عالم میں بولا "دو کی سیٹ پر تین آدمی بیٹھتے ہیں تو تھوڑی سی تنگی ہوتی ہی ہے۔ مجھے تم نے ٹنکی پر دھکیلا ہوا ہے۔ اب میں بھی تمہیں کہنی مارنے لگوں۔"

ہوا اور سرگوشیانہ لہجے کی وجہ سے ویرا کی بے ہودہ بکواس اول خان کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی جب کہ میری اونچی آواز وہ پوری طرح سن رہا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ میں محض بے آرامی کی وجہ سے ویرا کو جھاڑ رہا تھا۔

جارج کے گھر سے فرار ہوتے ہوئے ہم تینوں نے کچھ بھی نہیں سوچا تھا۔ ایمبولینس نظر آنے کے بعد ذہن میں صرف ایک بات تھی کہ ہمیں ان سے آگے دوڑ لگانی چاہیے۔ اول خان سیدھا جانے کے بجائے راستے کے تقریباً ہر موڑ اور کراسنگ کو پوری مہارت سے استعمال کر رہا تھا۔ جگہ جگہ مڑنے کی وجہ سے ایمبولینس اپنی پوری رفتار پر نہیں پہنچ پا رہی تھی۔ یہ بات ہمارے حق میں تھی۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ وہی محفوظ فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے ہم کسی کچی آبادی کے قریب پہنچ جائیں تو ہمیں اپنے تعاقب میں آتے ہوئے مشینی عفریت سے نجات مل سکتی تھی۔

ویرا چھیڑ چھاڑ اور فقرے بازی پر تلی ہوئی تھی مگر میں اس کی طرف سے پتھر بن کے رہ گیا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس قدر روح فرسا حالت میں جب موت ہم سے ذرا ہی دور چلی آ رہی تھی، اس کی جمالیاتی حس کیوں کر کام کر رہی تھی مگر وہ ویرا تھی۔ اس کے بارے میں پہلے سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

ایک جگہ مجھے خیابانِ تنظیم کا بورڈ نظر آیا تو میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ اول خان دانستہ یا نادانستہ طور پر موٹر سائیکل کو بالکل صحیح راستے پر دوڑا رہا تھا۔ خیابانِ تنظیم ختم ہوتے ہی اول خان نے موٹر سائیکل بائیں طرف گھما دی اور ڈھلتی ہوئی رات کا روشن بازار امید کی کرن بن کر نظر آنے لگا۔

موٹر سائیکل شور مچاتی، پوری قوت سے دوڑی چلی جا رہی تھی۔ پیچھے آنے والوں کے پاس ہتھیار نہیں تھے یا پھر انہیں موقع ہی نہیں مل سکا تھا کہ وہ چلتی گاڑی سے فائرنگ کر کے ہمیں خوف زدہ کرنے کی کوشش کرتے۔ بس وہ کسی مقناطیس کی طرح مسلسل ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

بازار کا آغاز ہوتے ہی اول خان نے موٹر سائیکل سڑک کے کنارے پر لے جا کر اسی رفتار سے کچے میں اتار دی۔ چند جھٹکے کھانے کے بعد موٹر سائیکل بجری کے ایک ڈھیر میں پھنس کر پھسلی

اور زمین پر لہراتی ہوئی دور تک چلی گئی۔ وہاں موجود ٹھیلے والوں اور دکان داروں میں شور مچ گیا۔ اس وقت وہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی لیکن پھر بھی کافی لوگ موٹر سائیکل کی طرف دوڑتے چلے گئے۔ ہم تینوں ایک دوسرے میں گتھے ہوئے بجری کے ڈھیر پر پڑے رہ گئے۔

ہمارے گرنے کا منظر دیکھنے والے چند افراد ہماری طرف بھی آئے لیکن زیادہ بڑی بھیڑ کی توجہ بہت آگے جا کر بند ہونے والی موٹر سائیکل پر مرکوز تھی۔ وہ لوگ حیران تھے کہ موٹر سائیکل کے سوار کہاں غائب ہو گئے تھے۔

چند لمحوں بعد سفید ایمبولینس تیز رفتاری سے ہمارے سامنے سے گزری۔ جواں سال لیکن باریش ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر جارج اسٹارک بھی موجود تھا۔ ہم تینوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کپڑے جھاڑتے ہوئے بجری کے ڈھیر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تماشائیوں کی پُراشتیاق نظریں ویرا کے دلکش سراپا پر جم گئی تھیں۔

"جاؤ بھائی۔ کچھ نہیں ہوا۔ ہم ٹھیک ہیں۔" اول خان نے ذرا تیزی سے کہا۔

اسی وقت سڑک پر کسی گاڑی کے ٹائروں کا تیز شور بلند ہوا اور پھر ہم نے ایمبولینس کو اس بھیڑ کے پاس رکتے دیکھا جو موٹر سائیکل کے گرد جمع ہوتی جا رہی تھی۔

وہ غیر ملکیوں کی ایمبولینس تھی۔ اس مقام پر ایک حادثہ رونما ہو چکا تھا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مونڈیل کو وہاں پوچھ گچھ کرنے کا موقع مل سکتا تھا جو ہمارے حق میں بہتر نہ ہوتا۔

"ایمبولینس رکی ہے۔" ہمارے قریب موجود لوگوں میں سے کسی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "چوٹ آئی ہو تو وہیں چلے جاؤ۔ وہ لوگ اسپتال پہنچا دیں گے۔"

"ہم ٹھیک ہیں۔ تم ذرا موٹر سائیکل کا دھیان رکھنا۔ ہم قدوس میاں کو لے کر ابھی آتے ہیں۔" اول خان نے خاص طور پر کسی سے مخاطب ہوئے بغیر کہا اور ایک قریبی گلی میں گھستا چلا گیا۔ ہم دونوں اس کے پیچھے ہو لیے۔

وہ خاصی تنگ، گندی اور بل کھاتی ہوئی گلی تھی۔ ہم تینوں سر جھکائے تیزی سے آگے بڑھتے رہے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ ہم لوگ جلد از جلد وہاں سے دور نہ نکلے تو ہمارے دشمن حادثے کے زخمیوں کی تلاش کے بہانے ان گلیوں میں بھی آ سکتے تھے۔ ڈاکٹر مونڈیل نے دو آدمیوں کو اپنے ساتھ لانے کی اطلاع دی تھی۔ جارج اسٹارک کے مل جانے کے بعد ان کی تعداد چار ہو چکی تھی۔ وہ کوئی بڑا خطرہ مول لیے بغیر آسانی سے ہماری تلاش کا بیڑا اٹھا سکتے تھے۔

ڈیفنس کی منظم، پُرفضا اور صاف ستھری آبادی کے پہلو میں چھوٹے بڑے، کچے پکے اور بھانت بھانت کے مکانوں کا وہ طویل سلسلہ شیطان کی آنت کی طرح پُرپیچ گلیوں سے جڑتا ہوا دور تک چلا گیا ہے۔ ہم تینوں سمت اور فاصلے کا کوئی تعین کیے بغیر کافی دیر تک ان گلیوں میں چلتے رہے لیکن ہمیں کھلی سڑکیں نظر نہ آئیں تو مجھے احساس ہوا کہ ہم اسی بھول بھلیاں میں چکراتے پھر رہے تھے۔ بعض راستوں سے ہم دو اور تین مرتبہ گزر چکے تھے۔

"اب تک وہ لوگ مایوس ہو کر واپس جا چکے ہوں گے۔ ہم کب تک یہاں بھٹکتے رہیں گے؟" اچانک ویرا مجھ سے پہلے بول پڑی "میری حالت ابتر ہے۔ اب مجھے چلتے ہوئے چکر آ رہے ہیں۔"

"رات کی بھیگی بھیگی ہواؤں میں ہمیں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے۔ ہم ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر چلتے چلتے افق کے اس پار اتر سکتے ہیں جہاں پریوں کے دیس میں سورج کا پیارا سا گھر ہے۔" میں نے اسے سلگانے کے لیے اس کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ کس قسم کا مذاق ہے؟" اول خان نے مجھے گھور کر کہا "اس بے چاری کی حالت بگڑ رہی ہے اور تمہیں ایسا گھٹیا مذاق سوجھ رہا ہے۔ کم از کم موقع محل تو دیکھ لیا کرو۔"

ویرا زیر لب مسکرانے لگی۔ میں نے جل کر اول خان سے کہا۔ "جب میں موٹر سائیکل پر اس کے شکنجے میں تھا" اس وقت یہ بھی ایسی ہی بکواس کر رہی تھی۔ وہ تمہیں بری نہیں لگی تھی بلکہ اس وقت بھی مجھ پر بگڑ رہے تھے۔"

"یہ چکر چلتے رہتے ہیں۔" ویرا نے موضوع بدلتے ہوئے اول خان سے کہا "مجھے بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے۔ مجھے کہاں سے نکالا گیا ہے؟ جان کہاں ہے اور راس المیڈا کس حال میں ہے؟"

"یہ ساری باتیں گھر چل کر ہی معلوم ہو سکیں گی۔" اول خان بے زاری سے بولا "فی الحال اتنا جاننا ہی کافی ہے کہ تم آزاد ہو اور راس المیڈا ہماری تحویل میں ہے۔ اب ہمیں سنجیدگی سے یہاں سے نکلنے کی فکر کرنی چاہیے۔ ہمارے سروں پر مسلسل مچھروں کے بڑے بڑے غول منڈلا رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ صبح ہم ملیریا میں تپ رہے ہوں۔"

"اب نکل ہی جائیں گے۔ نکلنے کے بعد مجھے راس المیڈا کی طرف لے چلو۔" ویرا نے خوشامدانہ لہجے میں کہا "تم جانتے ہو کہ وہ میرا پرانا حریف ہے۔ میں فوراً ہی اس سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتی ہوں۔"

"اس وقت ہم گھر جائیں گے۔ تمہیں پہنچانے کے بعد میں اپنے گھر چلا جاؤں گا۔ آج کل میرے بچوں کو مجھ سے پھر شکایت ہونے لگی ہے۔ تم لوگوں کے ساتھ میں انہیں بالکل ہی فراموش کر بیٹھتا ہوں۔"

"یہ واقعی زیادتی ہے۔" ویرا نے متاسفانہ لہجے میں کہا "مگر راس المیڈا کو کہاں رکھا گیا ہے؟"

"وہ اسٹیشن فور پر ہے۔ اب تم چالاک بننے کی کوشش نہ

کرو۔" اول خان طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "میرے بغیر تم وہاں پہنچ ہی نہیں سکو گی۔ ویسے بھی وہ ممنوعہ علاقہ ہے۔"

میں ان دونوں کی باتوں میں دخل دیے بغیر اپنی یادداشت کے سہارے راس المیڈا کی فردِ جرم مرتب کرتا رہا۔ اس نے آزاد رہ کر ایک لمبے عرصے تک ہمیں ناکوں چنے چبوائے تھے۔ اب وقت آگیا تھا کہ اس سے اگلے پچھلے حساب بے باق کرنے کے ساتھ نیلور ہاپیے کے بارے میں باز پرس کی جائے۔

○☆○

ویرا کی واپسی اس کے اغوا سے کہیں زیادہ ڈرامائی اور غیر متوقع تھی۔ اسے دیکھ کر غزالہ اور سلطان شاہ کے چہرے بے اختیار کھل اٹھے تھے۔ اول خان ہمارے ساتھ اوپر فلیٹ تک نہیں آیا تھا اس لیے پوری بے تکلفی اور فراخ دلی سے ویرا کو خوش آمدید کہا گیا تھا۔

اللہ ورایو نے سنی کی لاش ٹھکانے لگانے کے بعد اول خان کی گاڑی ہمارے فلیٹ کے قریب پہنچادی تھی۔ ہم لوگ ٹیکسی سے اترے تو وہ خود ہی اول خان سے آملا اور اول خان نیچے سے ہی اپنی گاڑی لے کر گھر روانہ ہوگیا۔

ویرا اپنے نرم و نازک وجود کے برعکس عملی طور پر بہت سخت جان بلکہ ڈھیٹ واقع ہوئی تھی لیکن جان سیموئیل نے اسے نہ جانے کون سی دوا دی تھی کہ گرم جوشی اور خوش مزاجی کے مظاہرے کے باوجود وہ اندر سے بجھی بجھی سی تھی اور جلد ہی اپنی خواب گاہ میں چلی گئی تھی۔

راس المیڈا کے ساتھ ہم لوگوں نے ایک طویل اور صبر آزما جنگ لڑی تھی جس کا آغاز وادیِ گالان سے واپسی پر چیفنا سرائے میں ایلن سیمفریال اور پیٹر کنگ سے ملاقات ہوتے ہی ہوگیا تھا۔ کشت و خون دشمن کا مقدر بنتا رہا۔ میری حمایت کے نتیجے میں جہانگیر کو بھاری مالی اور کاروباری نقصانات سے دوچار ہونا پڑا جن کا ازالہ انشورنس سے بہر حال ہوجاتا تھا۔ مجھے قلق ان دو افراد کا تھا جو اسپیشل ٹاسک فورس کے پرانے اہل کار تھے اور ان خونیں جھڑپوں کا ایندھن بن گئے تھے۔ ان میں سے سرور کی موت کا زخم بالکل تازہ تھا۔ اطمینان کی بات یہ تھی کہ اسے مارنے والا بھی زیادہ دنوں تک زندگی کے مزے نہیں لوٹ سکا تھا۔

وہ اعصاب کو تھکا دینے والی ایک طویل لڑائی تھی جس میں راس المیڈا اور اس کے سرپرستوں نے مجھے زیر کرنے کے لیے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگادیے تھے لیکن اس کا انجام ان کی امیدوں سے بہت مختلف نکلا تھا۔ ویرا کی بحفاظت بازیابی کے بعد راس المیڈا ہمارا قیدی تھا۔ اس کے اثر رسوخ اور دولت مندی کے طلسم کو توڑا جا چکا تھا۔ امریکا کی سرزمین پر وہاں کے صدر سے اپنی شرائط منوانے اور اسے جی لائیڈ کے قتل پر مجبور کرنے والا راس المیڈا مجبوری اور بے کسی کی عبرت آموز تصویر بنا اسٹیشن فور کی ایک کوٹھری میں بند تھا۔

بستر پر گرتے ہی مجھے گہری نیند نے آلیا۔ طویل بے خوابی اور مسلسل جسمانی مشقت نے میرے اعصاب کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا تھا۔ گھر اور بستر کا آرام میسر آتے ہی میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگیا۔ اگلی صبح آنکھ کھلی تو مشرق سے سورج طلوع ہو رہا تھا مگر میرے ساتھی گہری نیند سو رہے تھے۔

میں نے شیو وغیرہ بنا کر دیر تک تیز شاور کے نیچے غسل کیا۔ پوری تیاری کے بعد چائے بنانے کے ارادے سے میں باہر نکلا تو مسہری خالی تھی۔ باہر نکل کر پتا چلا کہ غزالہ پہلے ہی چائے بنانے میں مصروف ہو چکی تھی۔

مجھے معلوم تھا کہ اول خان اپنے دفتری معمولات کی وجہ سے سحر خیزی کا عادی تھا۔ میں نے اس کے گھر فون کیا تو وہ ناشتا کرنے میں مصروف تھا۔ فون پر آتے ہی بولا "مجھے معلوم تھا کہ تم آنکھ کھلتے ہی مجھے فون کرو گے۔"

"نیند خوب آئی لیکن خوابوں میں رات بھر سفید ایمبولینس پیچھا کرتی رہی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "خدا کی پناہ! ایسے سفاک دشمن میں نے کم ہی دیکھے ہیں۔ تمہارے ستارے اچھے تھے کہ تم جلد ہی ڈیفنس کی ویران اور کشادہ سڑکوں سے موٹر سائیکل نکال لائے ورنہ وہ کہیں بھی ہمیں پیس کر خاموشی سے فرار ہوجاتے۔"

"مجھے دفتر جانے کی عجلت ہے۔ یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ یہ بتاؤ کہ فون کیوں کیا ہے۔"

"ابھی تم غیب دانی کا دعویٰ کررہے تھے۔" میں نے ہنس کر اسے یاد دلایا۔

"کل رات دس بجے اس نمبر سے فلیٹ پر فون کیا گیا تھا۔ یہی جارج اسٹارک کے گھر کا نمبر ہوسکتا ہے۔" اس نے ڈیفنس کے علاقے کا ایک فون نمبر دہرانے کے بعد کہا اور میں اس کے قیاس کا قائل ہوگیا۔

پچھلی رات کے سنسنی خیز واقعات کے بعد میں شدت سے جارج سے بات کرنے کی ضرورت محسوس کررہا تھا۔

میں نے جارج کے گھر کا فون ملایا تو پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا گیا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے کوئی میری کال کے انتظار میں فون سے لگا بیٹھا تھا۔ پھر میرے کانوں میں ایک غیر ملکی نسوانی آواز آئی۔ اس نے متجسسانہ آواز میں صرف ہیلو کہا تھا مگر اس کے کہے ہوئے اس واحد لفظ سے بھی تشویش جھلک رہی تھی۔

"میں جارج سے بات کرنی چاہتا ہوں۔" میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔

"وہ فون پر نہیں آسکتا۔" مجھے یوں محسوس ہوا جیسے جارج کا نام سنتے ہی اس کی آواز رندھنے لگی ہو "تم اپنا پیغام دے دو۔ وہ آئے گا تو میں اسے بتادوں گی...... اپنی آواز سے تم مقامی معلوم ہوتے ہو۔ ایسا تو نہیں کہ کل رات تم ہی ایک اور آدمی کو لے کر

جان سے ملنے آئے ہو؟"
میں نے بہت تیزی سے سوچا۔ فون پر اعتراف کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ وہ پریشان تھی۔ شاید رات کے واقعات ہی اس زود حس عورت کی پریشانی کا سبب رہے ہوں۔ میرا اعتراف سن کر وہ شکوے شکایت کے انداز میں میری معلومات میں قابلِ قدر اضافہ کر سکتی تھی۔ میں نے کہا "ہاں، میرا نام ڈیبی ہے۔"
"ڈیبی۔" اس نے حسرت وغصے کے انداز میں دہرایا "تم نے ہمارا سکھ چین برباد کردیا...... تمہیں معلوم ہے کہ جان سیمو ئیل رات کو طبی امداد ملنے سے پہلے دم توڑ چکا تھا؟ شاید پھر بھی ہمیں کسی عذاب سے نہ گزرنا پڑتا۔ ڈاکٹر مونڈیل اس کی لاش اٹھانے کے بعد جارج کو گھر کے باہر اتار کر چلا جاتا مگر اس نے تم تینوں کو بائیک پر دیکھ لیا۔ ایمبولینس دیکھ کر تم پلٹ کر بھاگے تو اسے شبہ ہو گیا اور جان بے چارہ پھنس گیا۔"
"شاید تم نینسی بول رہی ہو۔ میں......" میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے برہم ہو کر میری بات کاٹ دی۔
"تم جیسے سنگ دل اجنبی کے لیے میں نینسی نہیں ہوں۔ تمہیں میرا پہلا نام لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مجھے مسز جارج کہو...... جارج نے مجھے بتادیا کہ تم نے اس کے اعتماد کو کس طرح ٹھیس پہنچائی ہے۔"
"میں شرمندہ ہوں مسز جارج!" میں نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔ "جو کچھ ہوا، اس میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ جارج کو واپس لوٹنے میں دیر ہوئی اور ویرا ہوش میں آگئی۔ وہ بہت سے مجرمانہ فنون میں طاق ہے۔ اپنے کمرے کا تالا کھول کر ٹہلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آگئی اور پھر اس نے ہمیں فوراً ہی بھاگنے پر مجبور کردیا۔ وہ جارج کو جان کا شریکِ کار سمجھ رہی تھی اور اس کی واپسی کے خطرے سے خوف زدہ تھی۔"
میری تراشی ہوئی اس برجستہ کہانی میں کوئی جھول نہیں تھا۔ لائن پر چند ثانیوں کے لیے سکوت چھا گیا "تم لوگ رکے رہتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ ڈاکٹر مونڈیل باہر سے چلا جاتا۔ ویرا کو اپنی مرضی کے مطابق تمہارے ساتھ جانے کی آزادی مل جاتی۔ رہا جان تو وہ مر ہی چکا تھا۔ اسے دوبارہ زندہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تم تینوں کے فرار نے سب کچھ تباہ کردیا۔ فخر سے سینہ تان کر کام کرنے والے جارج کو آج معذرت خواہانہ وضاحتیں کرنی پڑ رہی ہوں گی۔"
"برا نہ مانو تو ذرا سی تفصیل بتادو۔ میرے دل میں جارج کی عظمت نقش ہو چکی ہے۔ ہو سکا تو میں اس کی مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس نے میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی، میں اس کا برا نہیں چاہتا۔"
"موٹر سائیکل پر فرار ہونے والوں کے بارے میں چوکی دار نے بتایا تو ڈاکٹر مونڈیل کے کان کھڑے ہو گئے۔ اسے بھنک مل چکی تھی کہ جان نے ویرا لائیڈ کو ہمارے گھر میں قید کیا ہوا ہے۔ اس کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ ویرا کو نکال لے جانے والا کون ہو سکتا ہے۔ رات دو بجے تک پورے علاقے کی خاک چھاننے کے بعد ڈاکٹر مونڈیل نے جارج کو گھر پہنچادیا تھا۔ جارج بہت فکر مند تھا۔ وہ ساری رات نہیں سو سکا۔ صبح سویرے دو تفتیشی افسر گھر آکر اسے لے گئے ہیں۔ اس کے بعد سے اس سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہو رہا۔ وہ دفتر میں نہیں ہے۔ پتا نہیں اسے کہاں لے جایا گیا ہے۔"
"یہ واقعی بہت برا ہوا۔ میں جارج کے لیے دعا کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے اس کے لیے کوئی بھی قدم اٹھایا تو اس پر میرا ساتھی ہونے کا مستند ٹھپا لگا دیا جائے گا۔ کاش اس سادہ لوح شخص نے مشی گن یونیورسٹی کی ملازمت نہ چھوڑی ہوتی!"
"پچھتاوے بہت سے ہیں۔ کاش جان نے ہمارے گھر کا رخ نہ کیا ہوتا۔ کاش جان نے سنی کو نہ بلایا ہوتا۔ کاش جارج کی تم سے ملاقات نہ ہوئی ہوتی۔ یہ سب بے کار باتیں ہیں۔ آج کی ٹھوس حقیقت یہ ہے کہ تم مزے کر رہے ہو اور میرا جارج مصائب کا سامنا کر رہا ہوگا...... تم نے یہاں فون کس لیے کیا ہے؟"
"میں اس سے معذرت کرنی چاہ رہا تھا کہ کل رات اس سے ملے بغیر اٹھ آیا......"
"خدا کے لیے اب ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔" وہ روہانسی آواز میں تقریباً چیخ پڑی "پتا نہیں اب تم اسے کس نئے عذاب میں پھنسوانا چاہتے ہو۔ میں تمہاری کسی بھی بات پر صرف اس وقت اعتبار کر سکوں گی جب تم ویرا کو میرے گھر پہنچادو گے۔ وہ ہماری اجازت کے بغیر لے جائی گئی ہے۔ اسے لوٹنا چاہیے۔"
"ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ جارج کو ویرا کے جانے پر کوئی اعتراض نہیں تھا پھر یہ اجازت کی بات کہاں سے آگئی؟"
"وہ اس وقت کی بات تھی جب تم یہاں رکے رہتے اور بات نہ بگڑی ہوتی۔ اب معاملہ خراب ہو چکا ہے۔ مجھے پتا چلا ہے کہ تم شادی شدہ ہو۔ اگر ویرا تمہاری بیوی نہیں ہے تو تم اس سے دست بردار کیوں نہیں ہو جاتے؟"
"مجھے ڈر ہے کہ تمہاری باتوں کا جواب دینے میں میری زبان سے کوئی گستاخانہ بات نہ نکل جائے۔ مزید گفتگو بے سود ہے۔ زندگی رہی تو کبھی بھلے وقت میں تم سے بات یا ملاقات ہوگی۔"
میں نے فون بند کردیا۔ غزالہ میرے لیے چائے بنا کر لے آئی تھی اور قریب کھڑی ہوئی وہ گفتگو سن رہی تھی۔
"آپ کو وہاں فون ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔" غزالہ نے فوراً ہی اعتراض جڑ دیا۔
"بہت ضروری تھا۔ ابھی نیلو ربا ہیرے کا معاملہ بالکل اندھیرے میں ہے۔ جارج ہوتا تو اس پر کچھ نہ کچھ روشنی ڈال سکتا تھا۔" میں نے گرم گرم چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔ پچھلی رات میں اسے بتا چکا تھا کہ سنی ساگا کا وہ دو لفظی پیغام جان تک پہنچانے کے چکر

میں مارا گیا تھا۔ ویرا کو راستے میں ہی اس خفیہ پیغام کے بارے میں بتا دیا گیا تھا۔

"آپ کی بات تو کافی دیر سے ہو رہی تھی اور کیا کہہ رہی تھی وہ؟"

میں نے تفصیل دہرادی۔ جارج کے زیرِ عتاب آنے کے سوا وہ سب باتیں ہماری مکمل کامیابی کی نشان دہی کر رہی تھیں۔ ایلن اور پیٹر کی ہلاکت سے جان سیموئیل کی موت تک راس المیڈا نے اپنے متعدد آدمی گنوائے تھے۔ مجھے نہیں یاد تھا کہ اس سے پہلے ہم نے کبھی اتنی قلیل سی مدت میں اپنے کسی حریف کو اتنا بھاری جانی نقصان پہنچایا ہو۔

تھوڑی دیر بعد ویرا بھی تیار ہو کر کمرے سے باہر آگئی۔ سلطان شاہ کے آجانے پر غزالہ نے میز پر باقاعدہ ناشتا لگادیا۔ وہاں بیٹھتے ہی ویرا نے مجھ سے جارحانہ لہجے میں بازپرس شروع کردی۔

ابتدا میں مجھے اس پر خاصا غصہ آیا اور میں نے بھی اسے ٹیڑھے جوابات دیے مگر پھر مجھے احساس ہوا کہ کشمیر روڈ پر ہونے والے تصادم کے درمیان میں ہی اسے اغوا کرلیا گیا تھا اس لیے وہ ان تمام اہم واقعات سے بالکل بے خبر تھی جو اس کی قید کے دوران رونما ہوتے چلے گئے۔

میں نے مفاہمانہ رویّہ اختیار کر کے ترتیب وار واقعات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

جان سیموئیل کی موت اور جارج اسٹارک کے عتاب میں آجانے کے بعد ہمارے سامنے صرف راس المیڈا ہی رہ گیا تھا جو نیلوربا میے جیسے عجیب وغریب الفاظ کے مفہوم پر کوئی روشنی ڈال سکتا تھا۔ یہ بات ہم سب جانتے تھے کہ راس المیڈا سے بہت سی ایسی باتیں بھی اگلوائی جاسکتی تھیں جن کی مدد سے پاکستان کو ایک لمبی مدت تک دشمنوں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے محفوظ رکھا جاسکتا تھا۔

ویرا کا اصرار تھا کہ ان مقاصد کے حصول کے لیے راس المیڈا کو اس کے قبضے میں آجانا چاہیے۔ پہلے ویرا کو شبہ تھا لیکن بعد میں اس بات کی تصدیق ہوگئی تھی کہ جمی لائیڈ کو راس المیڈا کے ایما پر ہی موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ ویرا اپنے باپ کے قاتل کو اپنے ہاتھوں سے کیفرِ کردار تک پہنچا کر اپنے سینے میں بھڑکتی ہوئی انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی۔

راس المیڈا کے بارے میں وہ اہم فیصلہ کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ اس خبیث مجرم کی دہری شخصیت تھی۔ راس المیڈا کے نام سے وہ شہر میں دو سلور آئیز چمکا کر چیدہ چیدہ بدمعاشوں کو اپنے سپر آئی مین ہونے کا یقین دلاتا اور بھیانک جرائم کا ارتکاب کرتا پھر رہا تھا تو راڈنی آرک کے نام سے اسے سفارتی مراعات حاصل تھیں۔ وہ خطرناک اور حساس مجرم ایس ٹی ایف کی تحویل میں تھا۔ اول خان ہمیشہ کہتا رہا کہ وہ کوئی سرکاری یا نیم سرکاری فورس نہیں تھی مگر میں جانتا تھا کہ وہ لوگ اپنی اپنی جگہ محدود خود مختاری رکھنے کے باوجود سخت ڈسپلن کے تابع تھے۔ بڑے فیصلے اوپر کی سطح پر ہوتے تھے جن کا نفاذ ہر درجے کے افسر اور جوان کیا کرتے تھے۔

وہ بحث طویل پکڑنے لگی تو میں نے اول خان سے رجوع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ فون پر بتایا گیا کہ وہ کافی دیر سے اپنے دفتر سے نکلا ہوا تھا۔ آپریٹر میری آواز پہچانتا تھا اور میرا احترام بھی کرتا تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ وہ راس المیڈا کے بارے میں میرے کسی سوال کا جواب نہیں دے گا۔ خوش اسلوبی سے بات کو ٹال دے گا اس لیے میں نے فون بند کردیا۔

بارہ بجے اول خان خود ہی فلیٹ پر آگیا اور چہکتے ہوئے بولا۔

"خوب! آج چاروں پھر سر جوڑے بیٹھے ہو!"

"راس المیڈا زیرِ غور ہے۔ میں اس تک پہنچنے کے لیے بے چین ہوں۔" ویرا بولی۔

"خدا کی قدرت ہے ورنہ کل تک تمہارے بدلے اسے آزاد کرنے کی باتیں ہو رہی تھیں۔" سلطان شاہ نے ویرا کی واپسی کے بعد پہلا چبھتا ہوا تبصرہ کیا اور ویرا اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورنے لگی۔

"یہ نہ بھولو کہ ویرا کے اغوا کی وجہ سے خاصا گند سمٹ گیا ہے۔" اول خان نے مجھے آنکھ مار کر کہا۔

"تو کیا وہ لوگ ویرا سے جھاڑو پھروانے کا کام لیتے رہے تھے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ابے اُلّو!" میں نے اپنی بے ساختہ ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ "سنی اور جان سیموئیل صرف اس وجہ سے مارے گئے کہ ویرا اغوا کرلی گئی تھی۔ وہ دونوں بیچ میں نہ آئے ہوتے تو ہمیں نیلوربا میے کا بھی علم نہ ہوپاتا۔"

"یہ نیلوربا میے کیا بلا ہے؟" سلطان شاہ نے چونک کر پوچھا۔ اس نے وہ الفاظ پہلی بار سنے تھے۔

"یہ تم بتاؤ گے!" میں نے اول خان سے کہا "راس المیڈا اس بارے میں کیا کہتا ہے؟"

"ابھی تک یہ ایک خفیہ پیغام ہی ہے۔ کوئی بھی اس کا مفہوم سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا ہے۔ بس ایک بات سامنے آئی ہے کہ کافی عرصے پہلے امریکنوں نے شور مچایا تھا کہ نیلور کے ایٹمی ری ایکٹر کے لیے خریدا جانے والا یورینیم چوری چھپے ہتھیار سازی کی سطح تک افزودہ کیا جارہا ہے۔ پھر یہ بات بھی دب گئی تھی۔"

"میرے لیے پیغام میں نیلوربا میے کا ذکر ہی تشویش ناک ہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر سوچتے ہوئے کہا "باہر سے ہونے والی دوسری سازشوں سے قطع نظر پاکستان کی ایٹمی تنصیبات ہمیشہ سے مغربی حریفوں کی نگاہوں میں کھٹکتی رہی ہیں۔ ایران سے بلوچ کراس ڈیل سے تحت ٹریلروں پر آنے والے ایٹمی سازوسامان کو ویرا نے خوف ناک تباہی سے بچایا تھا ورنہ ایک ٹریلر میں پوشیدہ

ریموٹ کنٹرول بم کے ذریعے سب کچھ راکھ کردیا جاتا۔ اس ریموٹ کا تعلق ایک امریکن سٹیلائٹ سے تھا۔ مجھے یہ کل کی سی بات معلوم ہوتی ہے......"

"یہ باتیں بھلائی نہیں جاسکتیں۔" اول خان نے میری بات کاٹ کے کہا "کرنل جیسی جونز کا دستِ راست البرٹو ویلسیا ایک مدت تک ظفربن کر میری ناک کے نیچے سلذشیں کرتا رہا اور مجھے پتا نہیں چل سکا۔ اس کی نظریں کہوٹہ کی تنصیبات پر تھیں۔ پھر بل جونز نے بھی ادھر ہی کا رخ کیا تھا۔ راس المیڈا نے کے نائین سے کینوپ کو نشانہ بنانا چاہا اور ناکام رہا۔ ہوسکتا ہے کہ اس بار یہ لوگ نیلور یا بیجے کے بارے میں کچھ سوچ رہے ہوں۔"

"میں وہی پوچھ رہا ہوں۔" میں نے کہا "راس المیڈا اس بارے میں کیا کہتا ہے۔"

"پہلی دفعہ یہ الفاظ سن کروہ بری طرح چونکا تھا پھر انجان بن گیا۔ اب تو وہ تقریباً بہرا بن گیا ہے۔ پوچھے گئے کسی بھی سوال کا جواب نہیں دیتا۔ ہمارا منہ دیکھتا رہتا ہے۔"

"اسے معلوم تھا کہ اس پر تشدد نہیں کیا جائے گا۔ اسے ویرا سے اپنے تبادلے کی آس ہے۔ تم نے اسے بتایا تو نہیں کہ ہم ویرا کو آزاد کراچکے ہیں؟" بات کرتے کرتے میں اچانک پوچھ بیٹھا۔

"نہیں، اسے تبدیلیوں کی بھنک بھی نہیں ملی" اول خان مسکراتے ہوئے بولا "اس کے لیے بدترین ذہنی جھٹکا یہ ہوگا کہ ویرا اچانک خود اس کے سامنے پہنچ جائے۔ یہ ترکیب کارگر نہ ہوئی تو تھرڈ ڈگری چل پڑے گی۔"

"اس پر تھرڈ ڈگری ہی آزمانی پڑے گی۔ یہ لوگ سخت جان معلوم ہوتے ہیں۔"

"میں نے اوپر والوں کو تفصیلی رپورٹ دے دی ہے۔ صبح سے میں اسی کام میں مصروف تھا..."

میں نے اس کی بات کاٹ کے کہا "اس رپورٹ میں یہ اضافہ کرلینا کہ ڈاکٹر مونڈیل کے پہنچنے سے پہلے ہی جان کا قصہ ختم ہوچکا تھا۔ وہ رات کو اس کی لاش لے کر گیا تھا۔"

"مجھے یہی امید تھی۔ میں نے اپنی رپورٹ میں اسے قریب المرگ ظاہر کیا ہے لیکن دوسری خبریں خاصی پریشان کن ہیں۔" اول خان نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "وہ لوگ راس المیڈا کی حمایت میں ایک لفظ بھی نہیں بول سکتے کیونکہ وہ ایک مستند مجرم اور عالمی دہشت گرد ہے۔ مقامی اخبارات میں اس کے خلاف مواد کی اشاعت کے بعد حالات بہت بدل چکے ہیں لیکن انہوں نے دفترِ خارجہ میں راڈنی آرک کی گمشدگی کی باقاعدہ رپورٹ داخل کردی ہے اور اس کی تلاش کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کردیا ہے۔"

"ان سے پوچھا جائے کہ راڈنی آرک کہاں سے اور کن حالات میں غائب ہوا ہے۔ وہ سچ بولیں گے تو انہیں راس المیڈا کی بات کرنی ہوگی۔ جھوٹ خود ہی پکڑلیا جائے گا۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"راس المیڈا ان کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ آسانی سے اسے فراموش نہیں کریں گے۔ نیول انٹیلی جنس کی اطلاعات ہیں کہ مسقط کی بندرگاہ پر لنگرانداز امریکی بحریہ کے ایک جہاز نے کل سے کچھ مشکوک سرگرمیاں شروع کی ہوئی ہیں۔ اٹھارہ کمانڈوز کو لے جانے والے ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے ساحلی پٹی پر کمانڈو ایکشن کی مشقیں ہورہی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ اپنے طور پر سراغ لگانے کی کوششیں کررہے ہوں کہ راس المیڈا کو کہاں رکھا گیا ہے؟"

"تو کیا وہ راس المیڈا کو نکال لے جانے کے لیے مسقط سے کوئی کمانڈو ایکشن بھی کرسکتے ہیں" سلطان شاہ نے حیرت اور بے اعتباری سے پوچھا۔

"جو شخص امریکا کے صدر تک براہِ راست رسائی رکھتا ہو اس کی اہمیت میں تمہیں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے" ویرا نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میرا باپ پھر بھی شریف اور فرماں بردار آدمی تھا جو اپنے بڑے کا احترام کرتا تھا۔ راس المیڈا کمینہ اور بلیک میلر ہے۔ اسے بچانے کے لیے وہ لوگ سب کچھ کر گزریں گے۔"

"یہ خبر نکلنی نہیں چاہیے کہ راس المیڈا ایس ٹی ایف کی تحویل میں ہے" میں نے تشویش سے کہا "بات پھیلتی ہے تو پھر پھیلتی ہی چلی جاتی ہے۔ ان کے مخبر پورے شہر میں فعال ہوچکے ہوں گے۔"

"ہاں۔ اب بات راس المیڈا سے بڑھ کر سرکاری اہل کاروں کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے۔ وہ کامیابی کے لیے اپنے تمام وسائل کو استعمال کریں گے۔ اسی لیے ہمیں جلد از جلد راس المیڈا کا قصہ طے کرلینا چاہیے۔"

"یہ ہمارے بس کی بات کہاں ہے" سلطان شاہ بولا "اگر وہ تھرڈ ڈگری کے استعمال کے باوجود زبان کھولنے پر آمادہ نہ ہوا تو ہم انتظار کے سوا کیا کرسکیں گے۔"

اول خان نے اپنے گلے پر شہادت کی انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔ "جب تک وہ زندہ ہے، ہم ایک لمحے کے لیے بھی سکون سے نہیں رہ سکیں گے۔ مجھے صرف دو دن کی مہلت دی گئی ہے۔ پرسوں اس کا فیصلہ ہوجانا چاہیے۔"

"کیسا فیصلہ؟" ویرا کے چہرے پر الجھن کے آثار ابھر آئے۔ "ذرا کھل کر بتاؤ کہ مہلت سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"وہ جب تک زندہ رہے گا، عذاب بنا رہے گا" اول خان نے کہا "ہمیں راس المیڈا سے جو کچھ معلوم کرنا ہے اس کے لیے مجھے دو دن دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد کہیں نہ کہیں سے اس کی لاش برآمد ہونی ضروری ہے تاکہ اس کے ہمدردوں کی ساری امیدیں خاک میں مل جائیں۔ اس کی موت راس المیڈا کی حیثیت سے

سامنے آئے گی تو راڈنی آرک کا قصہ خود بخود دب جائے گا۔"
"پھر تم نے کیا سوچا ہے؟" میں نے اول خان سے پوچھا۔
"تم جانتے ہو کہ اسپیشل ٹاسک فورس میں اوپر سے کوئی واضح حکم جاری کردیا جائے تو سوچنے سمجھنے کی ہر گنجائش ختم ہوجاتی ہے۔ حکم کی ہر قیمت پر تعمیل کی جاتی ہے۔ پرسوں شام تک راس المیڈا کی لاش گڈانی بیچ کی بپھری ہوئی لہروں کے حوالے کروی جائے گی۔"
"اگر یہ طے ہوچکا ہے تو وقت بہت کم ہے۔ راس المیڈا کی غلط فہمی دور ہوجانی چاہیے۔"
"اس وقت میں اسی لیے لینڈ کروزر جیسی کشادہ گاڑی لے کر آیا ہوں تاکہ اسے ویرا کے رخِ زیبا کی زیارت کراسکوں۔ جلدی تیار ہوجاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ راس المیڈا کے خاتمے تک ہم لوگوں کو اسٹیشن فور پر ہی مسلسل قیام کرنا پڑے۔ وہاں رہنے یا شہر واپس آنے کا انحصار راس المیڈا کے رویے اور حالات پر ہوگا۔"
"حد ہوگئی" سلطان شاہ نے جھلا کر اپنی جگہ چھوڑ دی "اہم ترین بات سب سے آخر میں بتارہے ہو۔ میں نے تو آج تک اس کی منحوس صورت بھی نہیں دیکھی ہے۔ آج یہ خواہش بھی پوری ہوجائے گی۔"
اسٹیشن فور جانے کے لیے ہمیں کسی تیاری کی ضرورت نہیں تھی۔ چائے کا ایک نیا دور مکمل کرتے ہی ہم پانچوں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔
اول خان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی' میں اس کے برابر میں براجمان ہوگیا۔ بقیہ تینوں افراد پیچھے سماگئے اور ہمارا کارواں آنے والے وقت سے بے خبر' اپنے خوفناک عزائم کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگیا۔
شہر کے پُرہجوم راستوں پر لینڈ کروزر کا سفر خاموشی سے جاری رہا۔ ہم پانچوں ہی خاموشی سے اپنی اپنی جگہ گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جوں ہی گاڑی سہراب گوٹھ پر واقع میونسپل چنگی ناکے سے آگے نکلی' ویرا بول پڑی "اب تک جو کچھ ہوتا رہا ہے' وہ سب ناقابلِ یقین سا ہے۔ راس المیڈا کو آزاد کیے بغیر مجھے رہا کرا کے تم لوگوں نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ کل میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اب میں کبھی راس المیڈا سے اپنے باپ کے خون کا انتقام لے سکوں گی۔"
"اسے صرف تمہارے لیے زندہ رکھا گیا ہے۔" اول خان نے ہنس کر کہا "میرا خیال ہے کہ اب اسے تمہاری آزادی کی ٹرافی قرار دے کر تمہارے حوالے کردیا جانا چاہیے۔"
"یہ اچھا ہوا کہ تم نے اسے جان سیموئیل کی موت سے بے خبر رکھا ہے۔ وہ میرے اور اپنے تبادلے کی خوش فہمی میں زبان بندی اختیار کیے ہوئے ہے۔ میں اچانک اس کے سامنے جاؤں گی تو وہ ہل کر رہ جائے گا۔"
"تمہاری یہ خوش فہمیاں ہی کسی دن تمہیں لے ڈوبیں گی۔" سلطان شاہ نے خشک لہجے میں کہا "تمہارے سر پر سینگ نہیں ہیں جنہیں دیکھ کر وہ دہل جائے گا۔ اس کا نام راس المیڈا ہے۔ تم نے بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا تو وہ اپنے انجام کی پروا کیے بغیر تمہاری گردن مروڑ کر رکھ دے گا۔"
"بڑوں کی باتوں میں اپنی ٹانگ مت اڑاؤ۔" ویرا نے اسے ڈانٹ دیا "وہ سازشیں کرنے اور پیچھے سے وار کرنے میں ماہر ہے۔ آمنے سامنے مقابلے میں اس نے ہمیشہ بزدلی کا ثبوت دیا ہے۔"
"تمہارا آج تک اس سے آمنا سامنا نہیں ہوا پھر تم نے کیسے اندازہ لگالیا کہ وہ تم پر پیچھے سے ہی وار کرے گا؟" سلطان شاہ نے بھینچتے ہوئے ذومعنی لہجے میں سوال کیا۔
"اپنی زبان کو لگام دو۔" ویرا کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔۔۔۔۔۔ "اب تم نے میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی تو میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔ بعض اوقات تم اپنی زہریلی باتوں کی وجہ سے ناقابلِ برداشت ہوجاتے ہو۔"
"میں تمہیں مشق کرارہا تھا۔ یہ نہ سمجھنا کہ راس المیڈا تمہارے حسن سے مرعوب ہو کر میٹھی میٹھی باتیں کرنی شروع کردے گا۔ اسٹیشن فور پر تمہیں زہر میں بجھے ہوئے الفاظ کا سامنا کرنا ہوگا۔" سلطان شاہ نے ڈھٹائی سے کہا۔
"یہ سلطان شاہ اپنی ٹانگ اڑا کر ہمیشہ بے مقصد باتیں شروع کردیتا ہے۔" ویرا بطورِ خاص کسی سے مخاطب ہوئے بغیر بدمزگی سے بولی "میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ سارے ہی واقعات تم لوگوں کی کامیابی کی نشان دہی کررہے ہیں لیکن ایک بات رہ رہ کر میرے ذہن پر کچوکے لگارہی ہے۔ میں۔۔۔۔۔۔"
"وہ زندگی بھر کچوکے لگاتی رہے گی۔" سلطان شاہ اس کی بات کاٹ کے بے پروائی سے بولا "تم بار بار اپنی سگریٹ نوشی کی خواہش پر بھونڈی ندامت کا اظہار کرکے کوئی تمغا حاصل نہیں کرسکتیں۔ وہ تمہاری بدترین حماقت تھی اور تم زندگی بھر اس پر پچھتاتی رہو گی۔۔۔۔۔"
پتا نہیں ویرا نے اسے کیوں اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیا۔ وہ تینوں پچھلی نشست پر تھے اس لیے میں انہیں نہیں دیکھ سکا۔ سلطان شاہ کے اچانک خاموش ہونے پر میں نے اپنا سر گھمایا تو ویرا اسے پھاڑ کھانے والی قہربار نظروں سے گھور رہی تھی۔ مجھے فوراً ہی اندازہ ہوگیا کہ اگر غزالہ ان دونوں کے درمیان حائل نہ ہوتی تو ویرا برہمی کے عالم میں سلطان شاہ کی گردن دبوچ چکی ہوتی۔
"تم ڈیڈی کے ساتھ دنیا کے کئی ملک دیکھ چکے ہو مگر تمہاری کھوپڑی ابھی تک مینڈک کے اس ننھے بچے جتنی ہے جو ہری پور کے کسی کنوئیں کی تہ میں پلا بڑھا ہو۔" قدرے توقف کے بعد ویرا الفاظ چبا چبا کر بولنے لگی "میں نے ایک غلطی کی تھی اور اس کا پورا پورا خمیازہ بھگت چکی ہوں۔ میری اس غلطی کی وجہ سے تم میں

سے کسی کو کوئی خراش تک نہیں آئی۔ مجھے اس کی ذرا بھی پروا نہیں ہے......"

"پھر تم کس بات کا ذکر کر رہی تھیں؟" میں نے اس کی بات کاٹ کے پوچھا۔

"یہ ہمیشہ شیطان کی طرح ٹانگ اڑا کر میرا ذہن پٹڑی سے اتار دیتا ہے۔" وہ سر جھٹک کر بولی "مجھے جارج اسٹارک کی فکر ہے۔ وہ ایک اچھا اور سچا امریکن ہے۔ وہ پیشہ ورانہ منافقت کا قائل نہیں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میری رہائی کے الزام میں اس شریف آدمی کو بہت برے وقت سے گزرنا پڑے گا۔"

"اس کے سوا اس بھیڑ میں سے جو بھی ہمارے مقابلے پر میدان میں آیا' وہ نہایت سنگ دل بلکہ سفاک ثابت ہوا ہے۔" غزالہ نے پُرخیال لہجے میں کہا "ہو سکتا ہے کہ ناکامی کی جھنجلاہٹ میں وہ بھیڑیے جارج اسٹارک کی زندگی کا چراغ ہی گل کر دیں اور اس کے بیوی بچے ساری زندگی کے لئے بے سہارا ہو جائیں۔"

"یہ نہیں ہو سکے گا۔" ویرا نے پورے یقین کے ساتھ کہا۔ "جارج اسٹارک کوئی لاوارث آدمی نہیں ہے جسے دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے موت کے گھاٹ اتارا جاسکے۔ اس کو ہر طرح سے پریشان کیا جاسکتا ہے لیکن وہ اسے مارنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔ اسے کچھ ہوا تو اس کی بیوی واشنگٹن میں وزارتِ انصاف کے در و دیوار ہلا دے گی۔ امریکا میں وہی لوگ خسارے میں رہتے ہیں جو حرص' لالچ یا دوسری وجوہ کی بنا پر عام آدمی کی سطح سے بھی نیچے گر کر کمانے کے لیے کام کرنے لگتے ہیں۔ وہاں عام آدمی کی پشت پر قانون کی پوری قوت کی حمایت موجود ہوتی ہے جس سے کوئی ٹکر نہیں لے سکتا۔"

"اسے ٹریفک کے کسی مصنوعی حادثے میں بھی مارا جاسکتا ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

"وہ لوگ بے مقصد خوں ریزی میں یقین نہیں رکھتے۔ اپنے کسی آدمی کو مارتے یا سزا دیتے ہیں تو اس کا مقصد دوسرے کارندوں کو وارننگ دینا ہوتا ہے کہ فرائض سے غفلت برتنے کی صورت میں وہ بھی اسی انجام سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ کوئی کسی فرضی حادثے میں قتل کر دیا جائے تو اس سے اُس کی موت کے علاوہ کیا مقصد حاصل ہو گا؟ کسی کو سزا دینے کے لیے ان کے پاس موت سے کہیں زیادہ دہشت ناک متبادل موجود ہوں گے۔ ان عذابوں میں گھر کر ان کے معتوب موت کی آرزو کرتے ہوں گے لیکن موت ان سے دور بھاگتی ہو گی۔"

"ویری گڈ!" سلطان شاہ خوش ہو کر بولا "امریکن سیکرٹ ایجنسیوں کے اصول بنانے والی ہستی جب ہمارے درمیان موجود ہے تو ہمیں کسی بات کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ ہم گدھے گھوڑے بیچ کر سکون کی گہری نیند سو سکتے ہیں۔ حیرت ہے کہ ہم نے اب تک یہ بات کیوں نہیں سوچی۔"

"اسے اپنی زبان کی خارش مٹانے دو۔" ویرا کے برسنے سے پہلے ہی میں ناصحانہ انداز میں بول پڑا۔

"اپنی زبان کی خارش دور کرنے کے لیے یہ میرے ہی پیچھے کیوں پڑتا ہے۔ گاڑی میں تم تینوں بھی تو موجود ہو۔ یہ تمہارے ساتھ جھک کیوں نہیں مارتا؟" وہ بھنا کر بولی۔

"آدمی اسی سے الجھتا ہے جس سے اسے کوئی خاص رغبت ہوتی ہے۔" غزالہ نے ذو معنی مسکراہٹ سے ویرا کو جواب دیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں ستائے بغیر سلطان شاہ کا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے!" ویرا سلطان شاہ کو گھور کر سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "یہی بات ہے تو میں پہلی فرصت میں اس کا ہاضمہ درست کرنے کا کوئی مستقل بندوبست کروں گی۔ یہ مرض خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اس سے غفلت برتی گئی تو یہ جلد ہی ہیضے کا شکار ہو جائے گا۔"

"سلطان شاہ کے معاملے میں تم اکثر زود رنجی کا مظاہرہ کرنے لگتی ہو۔" میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "تمہیں خوش دلی کے ساتھ اس کی نوک جھوک کا جواب دینا چاہیے۔"

"یہی سلوک تمہارے ساتھ کیا جائے تو میں دیکھوں کہ تم کتنی دیر تک خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہو۔ اس کی باتیں بعض اوقات تو ہڈیاں تک سلگا دیتی ہیں۔"

"میری کوشش ہوتی ہے کہ میں تم سے نہ الجھوں مگر تمہاری بے سروپا باتیں اکثر مجھے بولنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "اگر جارج اسٹارک کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے تو ہمیں اس کے بارے میں پشیمان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دانستہ یا نادانستہ طور پر وہ جان سیموئیل کی سازش میں شریک رہا ہے اور اسے اپنی حرکتوں کی تھوڑی بہت قیمت ادا کرنی چاہیے۔"

"وہ درندوں کی بھیڑ میں ایک صاف گو اور نیک دل انسان ہے۔" میں نے کہا "اس کی ذات میں مجھے ایک باکردار اور آبرو مند امریکن کا بھرپور عکس نظر آتا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ اس کے بارے میں فکر مند ہوا جاسکتا ہے۔ اگر ہر شخص اچھے انسانوں کو درندہ صفت مجرموں کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا رویہ اختیار کر لے تو پھر دنیا میں کہیں بھی بھلائی نہیں پنپ سکے گی۔ ہر شخص دوسروں کو روند کر اپنا قد بلند کرنے کے چکر میں پڑ جائے گا۔"

"میں تم سے پوری طرح متفق ہوں۔" اول خان نے کچے راستوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے لقمہ دیا "برے لوگوں سے نفرت اور اچھے انسانوں سے محبت کا اظہار ہی رواداری کو فروغ دیتا ہے۔ اتنا سا فرق بھی نہ رہے تو پھر بدی کے مقابلے میں خیر و عافیت کی راہ اختیار کرنے کی کیا ترغیب باقی رہ جائے گی۔"

"یہ سب افلاطونی باتیں ہیں۔" سلطان شاہ نے بے پروایانہ لہجے میں کہا "معافی اور درگزر کا سبق دینے والے پادری کی گدی پر کوئی زوردار تھپڑ رسید کرے تو وہ اپنی ساری تقریر بھول کر تھپڑ مارنے والے کا گریبان پکڑ لے گا اور اس پر مغلظات کی بھرمار

کردے گا...... یہ دور منافقت کا ہے۔ جو کرتے ہو اُس کا بھول کر بھی ذکر نہ کرو اور جو گاتے پھرتے ہو اُس پر ہرگز عمل نہ کرو۔ یہ کامیابی کی کنجی ہے۔ جارج اسٹارک کے بارے میں تم لوگوں کے خیالات قابلِ قدر ہیں۔ میں بھی کسی نہ کسی حد تک ان سے متفق ہوں مگر بدقسمتی یہ ہے کہ تمہارے یہ نادرِ روزگار خیالات جارج اسٹارک تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر وہ کسی عذاب میں مبتلا ہو چکا ہے تو اس وقت دل بھر کر ہم سب کو کوس رہا ہوگا کیوں کہ اس کی دانست میں ہم ہی اس کے مصائب کے ذمے دار ہیں۔"

"اس وقت تم پر چڑچڑاپن سوار ہے۔" غزالہ نے سلطان شاہ سے مخاطب ہو کر نرمی سے کہا "ہماری باتوں سے متفق ہونے کے باوجود بحث کر کے تم کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہ رہے ہو؟"

"بالکل صاف اور سیدھی سی بات ہے۔ ہم نے خود کو بُھلا کر ویرا کے ایما پر اپنی ساری ہمدردیاں جارج اسٹارک کے لیے وقف کردی ہیں۔ یہ ہمدردیاں بھی صرف باتوں تک محدود ہیں جن سے جارج اسٹارک کو کوئی فیض نہیں پہنچ سکتا جب کہ نادیدہ خطرات ہمارا بیڑا غرق کر سکتے ہیں۔"

"تم کن نادیدہ خطرات کی بات کر رہے ہو؟" اول خان نے چونک کر پوچھا۔

"وہ نادیدہ ضرور ہیں لیکن ناگفتہ نہیں ہیں۔ تم خود ہی بتا چکے ہو کہ نیول انٹیلی جنس والے مسقط کے ساحل پر لنگرانداز امریکن بحری جہاز پر مشکوک مشقوں کی خبر دے رہے ہیں اور......"

"اوہ!" اول خان نے اس کی بات کاٹ کر ایک گہرا سانس لیا اور کہا "وہ ایک دور از کار امکان تھا مگر میں نے تم لوگوں سے اس کا ذکر کر ڈالا تھا۔ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ راس المیڈا جیسے وی وی آئی پی کے غائب ہونے پر وہ بری طرح حواس باختہ ہو گئے ہیں اور ہر طرف ڈنڈ پیلتے پھر رہے ہیں۔"

"نہیں دوست!" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "سلطان شاہ صحیح خطرے کی نشان دہی کر رہا ہے۔"

میرا فقرہ مکمل ہوتے ہی سلطان شاہ نے بات اچک لی اور بولا۔ "میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ آنے والا وقت خطرناک ہے اور تم لوگ جارج اسٹارک کی فکر میں گُھلے جا رہے ہو۔ مجھے قطعاً اندازہ نہیں کہ آنے والے وقت میں کیا ہو سکتا تھا مگر میں یہ جانتا ہوں کہ وہ خوش گوار نہیں ہوگا۔"

"اور تم سلطان شاہ کے اس اندازے سے متفق ہو؟" اول خان نے دو سنگلاخ ٹیلوں کے درمیان لینڈ کروزر کی رفتار کم کرتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"اول خان! یہ مجبوری ہے!" میں نے اپنے وجود کی گہرائیوں میں ابھرنے والی تشویش کی لہر کو دباتے ہوئے کہا "شاید ہم سب کا حافظہ کمزور ہو گیا ہے جو ہم ماضیِ قریب میں پیش آنے والے واقعات تک بُھلا بیٹھے ہیں۔"

"تم کن واقعات کا ذکر کر رہے ہو؟" ویرا نے ترش لہجے میں سوال کیا۔

"مائی ڈیر ڈارلنگ! ان واقعات کا تعلق تمہاری ذات سے ہی ہے" میں نے مڑ کر طنز سے کہا "شاید تمہیں یاد نہیں رہا کہ تمہارے ہم وطنوں نے تمہاری نقل و حرکت کے ذریعے میرا سراغ لگانے کے لیے تمہارے جسم میں ایک ایسا ننھا سا آلہ نصب کر دیا تھا جو ان کے ریسیور کے لیے ہر وقت طاقت ور ریڈیو سگنلز نشر کر کے انہیں تمہاری لحہ بہ لحہ پوزیشن سے آگاہ رکھتا تھا اور تم مفرور ہوتے ہوئے بھی ہر وقت ان کی دسترس میں ہوتی تھیں۔"

"اوہ خدا!" ویرا بے اختیار اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کراہی۔ "کوئی بات ذہن میں کھنکھجورے کے پیروں کی طرح چبھ رہی تھی لیکن کچھ یاد نہیں آ رہا تھا...... تمہارا حافظہ قابلِ رشک ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ تم ہی نے میرے بدن میں ہلکا سا شگاف لگا کر وہ چپ نکالا تھا اور پھر کسی دور افتادہ مقام کی طرف روانہ کر دیا تھا۔"

"گڈ!" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "کچھ عرصے کے لیے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ تم کراچی سے بہت دور چلی گئی ہو۔ یہ خبیث امریکن سیکرٹ ایجنٹ اپنی جنگ میں روایتی حربوں سے جدید ترین ٹیکنالوجی تک ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ آج کل ان کے لیے راس المیڈا بہت اہم ہے۔ ہم اسے اسٹیشن فور میں قید کر کے خوش ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ اپنے اس اہم آدمی کی حفاظت کے لیے انہوں نے اس کے بدن میں بھی کوئی خفیہ چپ لگایا ہوا ہو۔ یہ......"

"ارے باپ رے!" سلطان شاہ میری بات کاٹ کر تقریباً اچھلتے ہوئے بولا "اتنی بھیانک منظر کشی نہ کرو۔ میری چھٹی حس کی ذرا سی تنبیہہ کو تم نے پاتال سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

میرے اس انکشاف پر اول خان اضطراری طور پر لینڈ کروزر کی رفتار میں خاصا اضافہ کر چکا تھا۔ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اگر ڈینی کا اندازہ درست ہے تو راس المیڈا کو قید کر کے ہم اسٹیشن فور کی رازداری کھو چکے ہیں اور میرا خیال ہے کہ ڈینی کا دماغ صحیح رخ پر چل نکلا ہے۔ آخر مسقط کے ساحل پر اینڈنے والے امریکن فوجیوں پر کیا افتاد آن پڑی ہے کہ انہوں نے اچانک ایک اٹھارہ نفری کمانڈو ایکشن کی مشقیں شروع کر دی ہیں۔"

"راس المیڈا کے جسم میں چھپا ہوا چپ ہر لمحے طاقت ور ریڈیو سگنل نشر کر رہا ہے جو کسی نہ کسی امریکن بیس یونٹ پر وصول کیے جا رہے ہیں۔" میں نے اپنے ذہن میں جمنے والے نقشے کو الفاظ میں ڈھالتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "ان طاقت ور سگنلز کے سہارے انہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ پچھلے پچاس ساٹھ گھنٹوں سے راس المیڈا کسی ایک ہی مقام پر ہے۔ سگنلز اس مقام کی نشاندہی کر رہے ہیں اور اب وہ اپنے اس اہم ترین آدمی کو بازیاب کرانے کی منصوبہ بندی میں مصروف ہیں جس کے لیے امریکا کا صدر بھی فکرمند ہوگا۔ آنے والے انتخابی مہم میں یہودی ووٹوں پر مکمل ترین

کنٹرول کی وجہ سے راس المیڈا امریکا کے موجودہ صدر کی ضرورت بلکہ ناگزیر ضرورت بن چکا ہے۔ راس المیڈا کی مدد کے بغیر وہ اگلی مدت کے لیے امریکا کا صدر منتخب نہیں ہو سکتا۔ اس کی رہائی کے لیے وہ اٹھارہ نفری کمانڈو ایکشن کے بجائے دو چار امریکی بحری بیڑوں کو بھی حرکت میں لے آئے تو حیرت نہیں ہونی چاہیے۔"

"تمہارا تجزیہ بالکل درست ہے۔" اول خان نے تحیر زدہ آواز میں کہا "پاکستان کے دفاعی معاملات سے اسپیشل ٹاسک فورس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے لیکن کل میں نے کہیں سنا ہے کہ بحرِ ہند میں مامور ساتواں امریکن بحری بیڑا خیر سگالی کے مشن پر اچانک ہی کراچی کی بندرگاہ سے باہر کھلے پانیوں میں لنگر انداز ہو چکا ہے۔ ساتواں بحری بیڑا مسقط کے مقابلے میں اسٹیشن فور سے بہت قریب ہے۔ اس میں ایک دیو پیکر طیارہ بردار جہاز بھی شامل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مسقط میں مشقیں کرنے والے کمانڈوز کو پورے سازو سامان کے ساتھ ساتویں بحری بیڑے کی تحویل میں دے دیا جائے اور پھر وہ وہیں سے اسٹیشن فور کا رخ کرنے کی کوشش کریں۔"

"اول خان! ہم وقت کھو رہے ہیں۔ گاڑی کی رفتار تیز کرو۔" میں نے حالات کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا اور لینڈ کروزر کے طاقت ور انجن کی غراہٹوں نے یک بیک غضب ناک روپ دھار لیا۔ ناہموار کچے راستوں پر وہ دیو ہیکل جیپ بری طرح اچھلتی کودتی اپنے طے شدہ راستوں پر بڑھنے لگی۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں کسی مسکّن دوا کی ضرورت ہے۔"

چند ثانیوں کے بعد ویرا کی طنز میں ڈوبی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے مجھے مخاطب کیا تھا لیکن میں اپنی نشست پر یوں انجان بنا بیٹھا رہا جیسے میں نے ویرا کی بات ہی نہ سنی ہو۔

"کیا تم ہواؤں سے بات کر رہی ہو؟" چند ثانیوں بعد سلطان شاہ کی آواز ابھری۔

"میں ڈیڈی سے پوچھ رہی تھی۔" ویرا بولی "معلوم ہوتا ہے کہ تشویش کی وجہ سے اس کے کانوں کے پردے بھی سُن ہو کر رہ گئے ہیں۔ بے چارہ اس وقت سخت عذاب میں مبتلا معلوم ہوتا ہے۔"

"میں کچھ کہوں گا تو تم پھر بلبلانے لگو گی کہ تمہارے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"میرے ساتھ زیادتیاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے، کہہ ڈالو۔" وہ بولی۔

"میں مصطفیٰ زیدی ہوں، نہ تم شہناز گل۔ پھر تمہیں مسکّن دوائیں کیوں یاد آ رہی ہیں؟"

"تم اس وقت راس المیڈا سے خوف زدہ معلوم ہو رہے ہو۔ بلاوجہ ذرا سی بات کا اتنا بڑا بتنگڑ بنا دیا تھا کہ ساتویں بحری بیڑے کو میدان میں اتار لائے۔ آدمی کے اعصاب پر جب کسی حریف کی اتنی دہشت سوار ہونے لگے تو اسے سکون آور بلکہ خواب آور دوائیں بہت فائدہ پہنچاتی ہیں۔"

"ساتویں بحری بیڑے کی بات میں نے نہیں، اول خان نے چھیڑی ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ راس المیڈا کوئی معمولی قیدی نہیں ہے۔" میں نے کہا "اس کے ہمدرد اسے آزاد کرانے کے لیے کوئی بھی بڑا قدم اٹھا سکتے ہیں۔ ہمیں ان تمام امکانات پر نظر رکھنی ہو گی۔"

"یہ معقول بات ہے لیکن راس المیڈا کے بدن میں کوئی چِپ پوشیدہ ہونا یا اس کی رہائی کے لیے بحریہ کی طرف سے کسی کارروائی کا مفروضہ بالکل لغو اور بے سروپا ہے۔" ویرا بولی "اول خان نے راس المیڈا کو آج اسٹیشن فور نہیں پہنچایا ہے۔ وہ وہاں دو راتیں گزار چکا ہے۔ اس دوران میں جان سیموئیل نے بھی فون پر اس سے بات کی تھی اور وہ میرے بدلے اسے آزاد کرانے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ اگر ان لوگوں کو ریڈیو سگنلز سے یا کسی بھی ذریعے سے راس المیڈا کے موجودہ ٹھکانے کا علم ہو جاتا تو وہ اب تک وہاں حملہ آور ہو چکے ہوتے۔"

"آنے والا وقت ہی بتا سکے گا کہ ہم میں سے کون صحیح خطوط پر سوچ رہا ہے۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا "میرا نظریہ ہے کہ وہ پُرتشدد کارروائی کے نتیجے میں راس المیڈا کی موت کا خطرہ محسوس کر رہے ہیں اسی وجہ سے وہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں امید رہی ہو گی کہ جان سیموئیل تمہارے بدلے اپنے آقا کو آزاد کرا لے گا لیکن جان سیموئیل کی موت اور تمہاری ڈرامائی آزادی کے بعد بازی ان کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے۔ اب وہ کوئی بھی انتہائی قدم اٹھانے سے گریز نہیں کریں گے۔ ہمیں اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"تم فکر مت کرو۔ ہم ہر طرح تیار ہیں۔" اول خان نے پُراعتماد لہجے میں کہا "بظاہر اسٹیشن فور ایک ویرانے میں بنی ہوئی سال خوردہ بیرکوں کا نام ہے لیکن اسپیشل ٹاسک فورس کے جوان جہاں بھی موجود ہوتے ہیں، وہاں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوتے ہیں۔ اُدھر کا رخ کر کے وہ زندہ نہیں لوٹ سکیں گے۔"

"شاید اب ہم اسٹیشن فور کے بہت قریب، پہنچ چکے ہیں۔" غزالہ نے دھیمے سے کہا۔

"تم نے کیسے اندازہ لگا لیا؟" اول خان نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

غزالہ ہنستے ہوئے بولی "ویسے تو سپر ہائی وے سے گاڑی کچے میں اترتے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اسٹیشن فور قریب ہے مگر میں نے ابھی ابھی ایک مسلح آدمی کو ٹیلے کی اوٹ میں چھپتے دیکھا ہے۔ شاید ان راستوں پر فورس کے مسلح محافظ دن رات موجود رہتے ہوں گے۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔" اول خان نے ہنس کر وہ بات وہیں اڑا دی۔

چند منٹ بعد ہی لینڈ کروزر بیرکوں کے درمیان بنے ہوئے اس میدان میں جا رکی جہاں چونا لگے ہوئے سفید پتھروں اور چونے کی لکیروں سے راستے وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ لینڈ کروزر کو دیکھتے ہی دو مسلح اور چاق و چوبند افراد گاڑی کے قریب آ پہنچے۔ ان کے جسموں پر عام شہری لباس موجود تھا اور شانوں سے ہلکی خود کار رائفلیں جھول رہی تھیں۔

جیپ کی چابی ان میں سے ایک کے حوالے کر کے اول خان اس بیرک کی طرف چل دیا جس میں اس کا دفتر واقع تھا۔

غزالہ ایس ٹی ایف کے اس ٹھکانے پر پہلی بار آئی تھی اس لیے وہ ہر چیز کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس ویرانے میں پائی جانے والی نیم فوجی ترتیب اور صفائی واقعی حیران کن تھی۔

فریڈم لاج سے گرفتار ہونے والی ایس اسٹیشن فور کی قیدی رہی تھی۔ ہم سب کو معلوم تھا کہ اس کی پالتو سیامی بلی کے دھماکے سے پھٹنے کے نتیجے میں وہاں ایسی تباہی پھیلی تھی کہ عارضی طور پر سارا مواصلاتی نظام درہم برہم ہو کے رہ گیا تھا لیکن اول خان کے آدمیوں نے قلیل سی مدت میں اس تباہی کے سارے آثار مٹا کر وہاں۔۔۔ ساری سہولتیں اس طرح بحال کی تھیں کہ کسی نقصان کا اندازہ لگانا ناممکن تھا۔

اول خان کے کمرے میں آرام دہ فرنیچر کی کمی تھی۔ اس کے مہمانوں میں دو عورتوں کو دیکھتے ہی اس کے آدمی کسی قریبی کمرے سے دو نرم کرسیاں لے آئے اور اول خان نے اپنی میز کے پیچھے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہی سرخ رنگ کا ایک ایرپیس اٹھا لیا۔

"چیف کالنگ ریڈیو کنٹرول۔ رپورٹ!" اس نے ایرپیس دہانے کے قریب لا کر کہا۔

"سب ٹھیک ہے سر!" دوسری طرف سے ایک کرخت مردانہ آواز ابھری "دو مرتبہ قیدی کے لیے کسی نامعلوم آدمی کا فون آیا تھا۔ ہماری طرف سے بات کرانے سے انکار پر اس نے گالیاں دے کر فون بند کر دیا۔"

"مقامی تھا یا غیر ملکی؟" اول خان نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"کوئی گورا تھا۔ امریکن لب ولہجے میں انگریزی بول رہا تھا۔۔۔ دوسری بات سر! کسی کمانڈر سعید کا فون آیا تھا۔ وہ آپ سے بات کرنی چاہتے ہیں۔ کہہ رہے تھے نمبر آپ کو معلوم ہے۔"

"نیول انٹیلی جنس کا نمبر ملاؤ۔ کوبرا تھری کے پاس ورڈ پر آپریٹر کمانڈر کے پی اے سے لائن ملا دے گا۔ اس سے میں خود بات کروں گا۔ آؤٹ!" اول خان نے یہ کہہ کر سرخ ایرپیس قدرے زور سے میز پر رکھ دیا۔

اس وقت اول خان کے چہرے سے دبے دبے جوش کا اظہار ہو رہا تھا اور اس کی آنکھیں بھی چمک رہی تھیں۔

"یہ کمانڈر سعید کون ہے جس کے پی اے سے بات کرنے کے لیے بھی پاس ورڈ ضروری ہوتا ہے؟" میں نے اول خان کے چہرے پر نظریں گاڑ کے سوال کیا۔

"اس کے پاس یقیناً کوئی اہم خبر ہوگی۔ وہ نیول انٹیلی جنس کی اریا کمان میں تیسرے نمبر پر ہے۔ میں نے مسقط اور کراچی کے مضافاتی سمندر میں جاری سرگرمیوں کے بارے میں اسے اعتماد میں لیا تھا۔ وہ یقیناً ہمیں تازہ ترین اور مستند خبریں سنا سکے گا۔"

"یہ کام بعد میں بھی ہو سکتے تھے۔" ویرا نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا "پہلے ہمیں راس الیڈا کی خبر لینی چاہیے۔ اس وقت ہم پورے ہاتھی کو چھوڑ کر اس کی دم ٹٹولنے میں لگ گئے ہیں۔"

سلطان شاہ اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو نہیں رکھ سکا اور ہنستے ہوئے بولا "بعض اوقات تم ایسے ایسے محاورے بول جاتی ہو کہ تمہاری اردو دانی پر رشک آنے لگتا ہے۔ یہ محاورہ تو تمہاری ہی ایجاد معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھے محاوروں سے کوئی دلچسپی نہیں۔" ویرا نے رکھائی سے جواب دیا "اپنی بات واضح کرنے کے لیے جو کچھ ذہن میں آتا ہے، کہہ گزرتی ہوں۔ یہاں بیٹھ کر ہم لوگ وقت برباد کر رہے ہیں۔"

"اس فون کا تعلق بھی راس الیڈا سے ہے۔" اول خان نے مفاہمانہ لہجے میں کہا "بدلے ہوئے حالات سے باخبر ہونے کے بعد ہم راس الیڈا سے صحیح باز پرس کر سکیں گے۔"

ویرا نے بے پروائی سے ٹانگ پر ٹانگ رکھی اور سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گئی۔ اس کے رویّے سے صاف ظاہر ہو رہا

تھا کہ راس المیڈا اس کے اعصاب سے چپک کر رہ گیا تھا۔ اس کے سوا ویرا کو کسی اور بات سے دلچسپی نہیں رہی تھی۔ وہ جلد از جلد راس المیڈا کے سر پر سوار ہو کر اس سے جمی لائیڈ کے خون کا حساب لینا چاہتی تھی۔

چند ثانیوں بعد فون کی گھنٹی بجی اور اول خان نے اپنی میز پر رکھا ہوا اسپیکر فون آن کر دیا۔

"کمانڈر سعید کا پی اے لائن پر ہے سر!" آپریٹر کی آواز آئی۔ اس کے بعد ہی دوسری طرف سے کہا گیا "سر! ہولڈ کریں۔ میں کمانڈر صاحب سے لائن ملاتا ہوں۔"

"ہیلو!" قدرے توقف کے بعد اسپیکر فون پر ایک دبنگ آواز ابھری۔

"کہو' کیسے یاد کیا تھا تم نے؟ مجھے ابھی ابھی تمہارا پیغام ملا ہے۔" اول خان نے کہا۔

"تمہاری اطلاعات درست ہیں۔" دوسری طرف سے کیے جانے والے اس انکشاف نے ویرا کو بھی چونکا دیا۔ کمانڈر سعید کہہ رہا تھا "لبرٹی نامی تباہ کن جہاز کئی ہفتوں سے مسقط سے دور لنگر انداز ہے۔ وہ لوگ بالکل ایٹ ایز تھے۔ کوئی جنگی مشق یا سرگرمی نہیں تھی لیکن پرسوں سے ان کا ایک ہیلی کاپٹر مشتبہ سرگرمیوں میں مصروف تھا۔ آج علی الصباح وہ ہیلی کاپٹر لبرٹی سے ایک لمبی پرواز کر کے کولمبیا نامی جہاز پر آیا تھا جو دوسرے جنگی جہازوں کے ساتھ کراچی کے جنوب مغرب میں کھلے سمندر میں لنگر انداز ہے۔"

"اوہ! یعنی ان کے ارادے خطرناک ہیں۔" اول خان نے حیرت سے کہا۔

"پوری بات سنو گے تو تم حیران رہ جاؤ گے۔" کمانڈر سعید کی آواز ابھری "چند گھنٹے پہلے کولمبیا کے چیف ریڈیو افسر نے کراچی نیول بیس کو اطلاع دی ہے کہ ان کا ایک ہیلی کاپٹر عملے کے بیس افراد کے ساتھ معمول کی پرواز کے دوران غائب ہو گیا ہے۔ یہ وہی ہیلی کاپٹر ہے جو لبرٹی سے پرواز کر کے کولمبیا پر آیا تھا۔"

"کیا وہ درست کہہ رہے ہیں؟" اول خان نے حیرت آمیز لہجے میں سوال کیا۔ کمانڈر سعید کے پے در پے انکشافات نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"ہمارے ریڈار پر اس ہیلی کاپٹر کو آخری بار شمال کی جانب نیچی پرواز کرتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ اس کے بعد اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ قرائن بتا رہے ہیں کہ وہ لوگ کراچی کے قرب و جوار میں کسی مشن پر نکلے ہیں۔"

"وہ کوئی خفیہ مشن ہے تو انہوں نے کراچی نیول بیس کو غلط اطلاعات دے کر اس معاملے میں کیوں ملوث کیا؟ ان کا وہ ہیلی کاپٹر اپنا مشن پورا کر کے خاموشی سے کولمبیا پر واپس آ سکتا تھا۔"

"یہی بات مجھے بھی پریشان کر رہی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ لوگ ضرورت سے زیادہ چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمیں ان سے اسی طرح نمٹنا پڑے گا۔"

"کوئی مجبوری نہ ہو تو مجھے بھی بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے ہو۔"

چند ثانیوں کے توقف کے بعد کمانڈر سعید کی آواز آئی۔

"انہیں معلوم ہے کہ نیول انٹیلی جنس سمیت کئی کوسٹل ایجنسیاں کراچی کے اہم ترین ساحل کی دن رات نگرانی کرتی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مشتبہ ہیلی کاپٹر کو دیکھ سکتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ عام حالات میں ایسے مشتبہ ہیلی کاپٹر کو مار گرایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اس کی گمشدگی کی اطلاع دے کر اسے تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی اس حرکت کے نتیجے میں وہ ایک گم شدہ ہیلی کاپٹر ہے جسے مشتبہ قرار دے کر گرایا نہیں جا سکے گا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں ہماری سرزمین پر ایسی کسی کارروائی کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے۔"

"یہ مجھے واضح طور پر اپنا کیس نظر آ رہا ہے۔" اول خان نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"یہ راڈنی آرک والا معاملہ تو نہیں ہے؟" کمانڈر سعید کے لہجے میں بلا کا تجسس تھا۔

"بالکل وہی ہے۔ وہ مردود میری تحویل میں ہے۔ شاید ٹریسر چپ کے اشاروں کے ذریعے انہیں پتا چل گیا ہے کہ راس المیڈا کو کہاں رکھا گیا ہے اور اب وہ کمانڈو ایکشن کے ذریعے اسے نکال لے جانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اب تک وہ میری تمام توقعات پر پورے اترتے چلے آئے ہیں۔"

"وش یو گڈ لک' اولڈ بوائے۔" کمانڈر سعید کی آواز میں گرم جوشی سمٹ آئی "یہ بہت بڑا شکار ثابت ہوگا۔ تم چاہو تو اسٹیشن فور کی فضائی حدود کی حفاظت کے لیے کوئی طیارہ فضا میں بھیجا جا سکتا ہے۔"

"نہیں کمانڈر..... تم لوگ اس معاملے سے باہر رہو۔ وہ کھلا میدان سمجھ کر بے خوفی سے آئیں گے اور مارے جائیں گے۔ ہم لوگوں کے پاس سارا ایمونیشن فوج سے مختلف ہے۔ تباہی کے بعد دنیا کی کوئی طاقت یہ ثابت نہیں کر سکے گی کہ اس ہیلی کاپٹر کو کسی سرکاری ایجنسی نے تباہ کیا ہے۔"

"تشویش کی بات یہ ہے کہ وہ ہیلی کاپٹر اب تک کہاں ہے؟" کمانڈر سعید نے پوچھا۔

"وہ ساحلی پٹی پر کہیں نہ کہیں لینڈ کر کے چھپ گئے ہوں گے اور مقررہ وقت پر حرکت میں آئیں گے۔ تم فکر مت کرو۔ میں ان کی تباہی کی خبر سب سے پہلے تم ہی کو دوں گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہم انہیں دیکھ بھی لیں تو نظر انداز کریں؟"

"یہی بہتر رہے گا۔" اول خان نے کہا "انہیں اپنے ہدف تک پہنچنے کا موقع ملنا چاہیے۔"

رسمی کلمات اور نیک خواہشات کے تبادلے کے بعد اول خان

نے فون بند کردیا۔
اس وقت میرے وجود میں اضطراب کی ایک ہول ناک لہر بیدار ہو چکی تھی۔ میں نے فوراً ہی اپنی کرسی چھوڑ دی۔ اول خان سے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ وہ موقع کی نزاکت سمجھ رہا تھا۔ وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔
"دونوں عورتیں یہیں رکیں گی۔" میں نے سب کو اٹھتے دیکھ کر سخت لہجے میں کہا۔
غزالہ دوبارہ بیٹھ گئی لیکن ویرا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھے گھورنے لگی۔
اس وقت اس سے بحث بے سود تھی۔ میں اول خان کے ساتھ دفتر سے باہر چل دیا۔
تیز تیز قدموں سے طویل برآمدہ طے کرنے کے بعد اول خان ایک بند دروازے کے سامنے رک گیا جہاں دو مسلح پہرے دار موجود تھے۔ وہ اپنے بڑے کو دیکھتے ہی ایڑیاں بجا کر اٹینشن ہو گئے۔
اول خان نے دروازے کی مضبوط کنڈی کھول کر پہلا قدم بڑھایا ہی تھا کہ پیچھے سے ویرا اسے دھکیل کر برق رفتاری سے کمرے میں گھستی چلی گئی۔
ہم تینوں کے اندر پہنچنے سے پہلے ہی اونچی چھت والا وہ کمرا اذیت میں ڈوبی ہوئی مردانہ چیخوں سے لرز اٹھا۔
شاید راس المیڈا اس وقت نرم بستر پر دراز تھا۔ ویرا اندر پہنچتے ہی بھوکی شیرنی کی طرح اس پر ٹوٹ پڑی تھی۔ راس المیڈا کے لیے وہ دوہرا صدمہ تھا۔ پہلی بات یہ کہ ویرا آزاد ہو کر اس کے سر پر مسلط ہو چکی تھی۔ دوسری بات یہ کہ اس کے تیور بہت خطرناک تھے۔
ویرا کافی دنوں سے سہل پسندی کی زندگی گزار رہی تھی لیکن اس وقت اس کے بدن میں بلا کی پھرتی اور توانائی عود کر آئی تھی۔ اس نے راس المیڈا کو وحشیانہ انداز میں اپنی ٹھوکروں پر رکھا ہوا تھا اور وہ گراں ڈیل بھیڑیا ویرا کی ٹھوکروں سے بچنے کی ناکام کوششوں میں خون میں نہاتا جا رہا تھا۔
پھر ویرا نے موقع ملتے ہی ایک جھٹکے سے اس کی قمیص کے چیتھڑے اڑا دیے۔
وہ منظر دیکھ کر میرے ہاتھ پیروں میں بھی خارش ہو رہی تھی مگر میں رکا رہا کیوں کہ ویرا اپنے حریف پر بری طرح غالب آرہی تھی اور کمانڈر سعید کی گفتگو کے بعد فوری ضرورت کا احساس کر چکی تھی۔
اس نے آناً فاناً میں راس المیڈا کے ریچھ جیسے بالوں سے بھرے ہوئے اوپری دھڑ کو برہنہ کر دیا' اس کا داہنا بازو بے رحمی سے موڑ کر اس کی پشت سے لگایا اور اسے جھٹکے دے کر راس المیڈا کے بدن پر سوار ہو گئی۔ اس کا بایاں ہاتھ بہت تیزی کے ساتھ راس المیڈا کا بدن ٹٹولنے میں مصروف تھا۔
"مل گیا۔" اچانک وہ ہانپتے ہوئے غرائی "چاقو لاؤ!" اس وقت اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔
راس المیڈا نے خطرہ بھانپ کر پوری طاقت سے ویرا کو الٹ کر اس کی گرفت سے نکل جانا چاہا لیکن ویرا اس وقت نرم و نازک دوشیزہ نہیں رہی تھی۔ اس نے حلق سے ایک تیز آواز نکال کر زور لگایا' کھٹ کی ایک واضح آواز کے ساتھ راس المیڈا کے داہنے بازو کا کوئی جوڑ اپنی جگہ چھوڑ بیٹھا۔
اس اثنا میں اول خان نے اپنی جیب سے کھٹکے دار چاقو نکال کر ویرا کو تھما دیا تھا۔
راس المیڈا کے پرانے زخموں سے بھی دوبارہ خون بہنے لگا تھا۔ اس کے خون کے دھبوں نے ویرا کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا تھا مگر ویرا بے خوف تھی اور وہ واضح طور پر وحشت زدہ نظر آرہا تھا۔
ویرا نے اچانک ہی اس کی داہنی کلائی چھوڑ دی اور راس المیڈا کا وہ بازو بے جان ہو کر ایک طرف ڈھلک گیا۔ جوڑ اتر جانے کی وجہ سے اس کی لمبائی میں نمایاں اضافہ ہو چکا تھا۔
اپنے حریف کا بازو چھوڑتے ہی ویرا نے کھٹکا دبا کر چاقو کا تیز پھل برآمد کیا اور پھر نہایت بے رحمی سے وہ پھل اپنے شکار کے داہنے پہلو میں پسلیوں سے نیچے بھونک دیا۔ چاقو کے لگائے ہوئے زخم سے زندہ اور گاڑھے خون کی دھار بہہ نکلی۔
راس المیڈا تکلیف سے دوہرا ہو گیا۔ ویرا نے زخم سے چاقو کا پھل باہر کھینچ کر اپنی انگلیاں لہولہان شگاف میں ڈال دیں۔ وہ بہت بے چینی کے ساتھ اس چپ پر قابض ہونے کی کوشش کر رہی تھی جو مسلسل سگنلز نشر کر کے راس المیڈا کی نشان دہی کر رہا تھا۔
آخر کار ویرا اچھل کر راس المیڈا کے جسم پر سے اتر گئی۔ اس کا ایک ہاتھ راس المیڈا کے گندے خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ اسی ہاتھ کی انگلیوں میں کوئی چیز موجود تھی جو خون کی وجہ سے ناقابلِ شناخت ہو گئی تھی۔
راس المیڈا ننگے فرش پر پڑا کراہتا اور تڑپتا رہا۔ ویرا نے اپنے ہاتھ ایک چادر سے صاف کیے۔ خون کی تہ اتر جانے کے بعد اس کی انگلیوں میں دبی ہوئی نرم اور لچک دار پلاسٹک کی وہ تھیلی بھی نظر آنے لگی جس میں سلیکون کا ایک مخروطی چپ موجود تھا۔
وہ مختصر اور سخت جان لاسلکی چپ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اسے شاید آگ میں جلا کر بھی ناکارہ نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ ویرا نے غور سے اس ننھی سی تھیلی کو دیکھا اور پھر اسے فرش پر ڈال کر اپنے جوتے کی سخت ایڑی سے کچلنے لگی۔ اول خان نے جیب سے ریوالور نکال کر اس کا سیفٹی کیچ ہٹایا۔ ویرا الگ ہٹ گئی اور اول خان نے قریب سے فائر کر کے اس چپ کو تباہ کر دیا جو راس المیڈا اور اس کے ہمدردوں کے درمیان مسلسل ایک خاموش رابطے کا کام سر انجام دے رہا تھا۔ فرش پر بارود کے دھبے کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس وقت تمہیں چپ کو تباہ کرنے کی اہمیت یاد رہی۔" اول خان سیفٹی کیچ لگا کر ریوالور دوبارہ اپنی جیب میں رکھتے ہوئے بولا "میں ڈر رہا تھا کہ کہیں تم جوشِ انتقام میں اسے بھول ہی نہ جاؤ۔"

"کمانڈر سعید کے انکشافات کے بعد اسے بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔" ویرا گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے بولی "اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ اب ہیلی کاپٹر والوں پر وقت پڑ جائے گا۔"

مجھے احساس ہوا کہ ہم چاروں ہی وہاں موجود تھے لیکن غزالہ نہیں تھی۔

"غزالہ کہاں رہ گئی؟" میں نے حیران ہو کر سلطان شاہ سے پوچھا۔

"تم خود ہی تو اسے اول خان کے دفتر میں روک کر آئے ہو" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"جاؤ۔ اسے بھی یہیں بلا لاؤ۔ میں نے تو دونوں عورتوں کو رکنے کے لیے کہا تھا۔"

"کیا تم غزالہ کو کمزور اعصاب کا مالک سمجھتے ہو؟" سلطان شاہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

"تم نرے گھامڑ ہو" میں اس کی سادہ لوحی پر مسکرا کر رہ گیا۔

"میرا ارادہ راس المیڈا کو برہنہ کر کے اس کے بدن میں چھپے ہوئے چپ کو تلاش کرنے کا تھا۔ عورتوں کے....."

"میں سمجھ گیا" اس نے درمیان میں سے ہی میری بات کاٹ دی "اس کا مطلب ہے کہ تم تینوں ہی چپ حاصل کرنے کا ارادہ کر کے ادھر آئے تھے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم راس المیڈا کی گوشمالی کرو گے۔"

"ویرا نے اس کی اچھی خاصی گوشمالی کی ہے۔ اس کا داہنا بازو ڈیڑھ دو انچ لمبا ہو چکا ہے۔"

سلطان شاہ قائل ہوتے ہی غزالہ کو بلانے کے لیے اس کمرے سے چلا گیا۔

میں راس المیڈا کی طرف متوجہ ہوا تو وہ بائیں ہاتھ سے اپنے پہلو کا زخم دبائے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کا داہنا ہاتھ ایک طرف جھول رہا تھا جب کہ اس شانے پر ورم نمودار ہونے لگا تھا۔

"تم سب درندے ہو" ہمیں اپنی طرف متوجہ پا کر راس المیڈا غراتے ہوئے بولا "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمہارے ساتھ رہ کر ویرا اتنی خونخوار ہو گئی ہو گی۔"

"ابھی میں نے صرف چپ حاصل کیا ہے" ویرا اسے گھورتے ہوئے بولی "میرا اور تمہارا اصل حساب کتاب اب شروع ہو گا۔ میں دیکھوں گی کہ اب تمہیں میرے چنگل سے کون نکالتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ذہن میں میرے خلاف زہر بھرا گیا ہے۔ تم یقین کرو کہ جی لائیڈ کے قتل میں میرا کوئی کردار نہیں تھا۔ صدر کو شبہ ہو گیا تھا کہ جی لائیڈ ایف بی آئی کا مخبر بھی ہے۔"

"یہ صفائی پیش کر کے تم کون سا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟" اول خان نے بڑھ کر سوال کیا۔

"میں اس وقت تم لوگوں کے رحم و کرم پر ہوں۔ اس وقت مجھے طبی امداد کی ضرورت ہے۔ میں تمہاری سرزمین پر یوں بے یارومددگار نہیں مرنا چاہتا۔ میں خود کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ میری مدد کرو' میں تمہاری کسی ہدایت سے سرمو انحراف نہیں کروں گا۔"

راس المیڈا کے ان ذلت آمیز فقروں نے مجھے حیران کر دیا۔ وہ صیہونی نسل پرست اور عالمی دہشت گرد تھا۔ امریکا میں وہ زیرِ زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ تصور کیا جاتا تھا۔ تباہ کن سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے سلسلے میں اس کا ذہن اتنا زرخیز تھا کہ اس نے امریکا جیسی سپرپاور کے صدر کو اپنے سامنے بے بس کیا ہوا تھا' پاکستان میں اس نے تخریب کاریوں کے ایک ہولناک سلسلے کا آغاز کیا ہوا تھا لیکن ویرا کے ہاتھوں مار کھانے کے بعد وہ یک بیک کسی چوہے سے زیادہ حقیر نظر آنے لگا تھا۔

"نیلو ربا میں کیا ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں پوچھا۔

لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی کی علامات نظر آئیں پھر اس نے کہا "یہ بھی بتا دوں گا مگر پہلے میرے زخموں کا بندوبست کرو۔ خون اسی طرح بہتا رہا تو تم اپنے کسی سوال کا جواب حاصل نہیں کر سکو گے۔"

اسی وقت غزالہ' سلطان شاہ کے ساتھ اس کمرے میں آ گئی۔

"تم لوگ اسے دیکھو۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں" اول خان نے چونک کر اردو میں کہا "ہو سکتا ہے کہ چپ تباہ ہونے کے بعد آنے والے مہمان بھٹکتے ہی رہ جائیں لیکن احتیاط ضروری ہے۔ میں اپنے عملے کو ضروری ہدایات دے کر واپس آتا ہوں۔ میری واپسی تک اس کی زندگی کا چراغ گل نہ کرنا۔"

"فکر مت کرو" ویرا عجیب سے لہجے میں بولی "یہ اتنی آسانی سے مرنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

اول خان عجلت آمیز انداز میں اس کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

"اس وقت تم پوری دنیا سے کٹ چکے ہو" ویرا نے راس المیڈا سے کہا "یہاں میلوں دور تک ویرانہ ہی ویرانہ ہے۔ تمہاری چیخ پکار پر کوئی تمہاری مدد کے لیے نہیں آئے گا۔ تمہارے ہمدرد تمہیں راڈنی آرک کہنے پر مصر ہیں۔ ہم تمہیں راس المیڈا کے روپ میں دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ اپنی شرائط پیش کرنے کے بجائے ہمارے چند سوالوں کے جواب دے ڈالو۔"

ویرا کے نپے تلے الفاظ میں یہ پیغام پنہاں تھا کہ ہم اسے زندہ رکھ کر دنیا کو اس کا اصل روپ دکھانا چاہتے تھے۔ راس المیڈا نے

وہ نکتہ بھانپ لیا اور مصالحانہ انداز میں بولا "میں نیلوربا میے کے سوا تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کو تیار ہوں۔ اس کا جواب اس وقت ملے گا جب تم مجھے دنیا کے سامنے پیش کرو گی۔"

ویرا آگے بڑھی۔ راس المیڈا نے دہشت زدہ ہو کر بہت سرعت سے اپنے زخمی وجود کو سمیٹا اور فرش کو چھوڑ کر پھرتی سے اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

اس وقت وہ سبک اندام ویرا کے مقابلے میں مار کھایا ہوا... بن مانس معلوم ہو رہا تھا۔ جسیم اور قد آور ہونے کے ساتھ اس کے برہنہ دھڑ پر اگے ہوئے گھنے سیاہ بال' زخمی چہرے پر بڑھا ہوا شیو اور دائیں پہلو کے زخم سے جھولتے ہوئے لوتھڑے اس کی ہیبت میں کئی گنا اضافہ کر رہے تھے۔

ویرا رک کر تضحیک آمیز نظروں سے اسے گھورنے لگی۔ راس المیڈا کے دونوں ہاتھ پہلوؤں پر جھول رہے تھے۔ ان میں داہنے ہاتھ کا طول خاصا بڑھا ہوا تھا۔

اچانک ویرا کھڑے کھڑے اپنی جگہ سے اچھلی' اس کے دونوں جوتے پوری قوت کے ساتھ راس المیڈا کے بائیں شانے پر پڑے اور وہ ایک بے ساختہ چیخ کے ساتھ فرش پر جا گرا۔ ویرا اس کے شانے کو ادھیڑ کر ہتھیلیوں کے بل فرش پر ٹکی اور فضا میں قلابازی کھا کر دوبارہ سیدھی کھڑی ہو گئی۔

ویرا کی اس بے مثال مہارت پر میں حیران رہ گیا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے اپنے حریف پر وار کیا تھا۔ ضرب لگنے تک اس کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ویرا فضا میں اڑ کر کدھر حملہ آور ہونے والی تھی۔

اسے خوف تھا کہ کہیں ویرا دوبارہ چا تو سنبھال کر اس کے سر پر سوار نہ ہو جائے اس لیے وہ بوکھلا کر لڑکھڑاتا ہوا جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس بار اس کا بایاں ہاتھ بھی لمبا ہو چکا تھا۔ ویرا نے یکے بعد دیگرے اس کے دونوں شانے اتار کر اسے ہاتھوں کے آزادانہ استعمال سے معذور کر دیا تھا۔

"ساگا تمہارے لیے کیا کام کر رہا تھا؟" ویرا نے سفاکانہ لہجے میں اس سے پوچھا۔

"وہ اس علاقے میں بننے والی ہیروئن پر اجارہ داری حاصل کرنا چاہتا تھا" راس المیڈا نے درد میں ڈوبی ہوئی آواز میں دھیرے دھیرے کہا "مجھے سرمائے کی ضرورت ہے اور خطیر سرمایہ صرف ہیروئن کی تجارت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ میرا ایک پرانا خواب تھا جو شاید اب پورا نہیں ہو سکے گا۔"

"ہیروئن کی تجارت اور شی کی سربراہی دو متضاد باتیں نہیں ہیں؟"

"شی ہیروئن کی تجارت کی سب سے بڑی سنڈیکیٹ ہے۔ فرق اتنا تھا کہ جمی لائیڈ کے زمانے میں شی دنیا کے خاص خاص علاقوں میں ہیروئن کو فروغ دیتی تھی۔ میں اسے کھلی منڈیوں میں لے جانا

چاہتا تھا تاکہ دولت کے انبار حاصل کرسکوں اور میرا یہی خواب آج مجھے لے ڈوبا" وہ سخت اذیت میں ہونے کے باوجود ویرا کے سوالوں کے جواب ٹالنے کی ہمت نہیں کرسکا۔

"اور دولت کے یہ انبار تمہیں ڈیوڈ اسٹارز کے لیے درکار تھے؟" میں نے سوال کیا۔

"سرمایہ وہیں کام آتا" اس نے اعتراف کیا "ڈیوڈ اسٹارز کو کوئی ختم نہیں کرسکتا۔ آج وہ تنظیم اتنی مضبوط ہو چکی ہے کہ کسی سہارے کے بغیر بھی دن بہ دن ہر طرف چھاتی چلی جائے گی۔"

"تمہارا ہونا یا نہ ہونا بھی اس کی ترقی میں رکاوٹ نہیں بنے گا؟"

"اس سوال کا جواب آنے والا وقت دے گا۔ میں اپنے حصے کا کام کرچکا ہوں۔"

"نیلوربا ہیبے سے ساگا کا کیا تعلق تھا؟" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"پھر وہی سوال!" وہ کراہا "میرے ہاتھ پیر توڑ کر تم میری زبان نہیں کھلوا سکتے۔"

ویرا نے فرش پر پڑا ہوا خون آلود چاقو اٹھا کر چادر سے صاف کیا اور خطرناک نظروں سے راس المیڈا کو گھورتے ہوئے بولی۔

"اب میں اس سے تمہارے جسم پر ان گنت شگاف لگاؤں گی اور پھر تمہارے ان زخموں میں پسی ہوئی مرچیں بھردی جائیں گی۔ تم بھول رہے ہو کہ تھرڈ ڈگری بڑے بڑوں کا دماغ درست کردیتی ہے۔"

"ٹھہرو!" یہ کہتے ہوئے راس المیڈا نے شاید مدافعانہ انداز میں ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے جھولتے ہوئے بازو بس اپنی جگہ پر ہل کر رہ گئے۔ شانے اتر جانے کی وجہ سے عضلات بھی ناکارہ ہوگئے تھے۔ اس کوشش میں اس کے چہرے پر بے پناہ کرب کا ایک گہرا سایہ آکر گزر گیا تھا۔

"تم نے کہا تھا کہ تم مجھے میرے اصل روپ میں دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہو؟" اپنی اذیت پر قابو پانے کے بعد اس نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"وہ ہمارے عزائم ہیں۔ تمہیں ان سے سروکار نہیں ہونا چاہیے" ویرا نے تلخی سے کہا۔

"تم ابھی چاہو تو ایک پریس کانفرنس بلالو۔ میں ہجوم کے سامنے اپنی اصلیت کا اعتراف کرلوں گا.... مجھے زندہ رہنے کی کوئی موہوم سی ضمانت بھی مل جائے تو میں تمہارے بڑے سے بڑے سوال کا جواب دے دوں گا۔"

ویرا اس وقت چاقو کے پھل پر انگلی پھیر رہی تھی۔ اس نے چاقو کی نوک اپنی چٹکی میں دبائی اور پھر تیزی سے چاقو راس المیڈا کے پیٹ کی طرف پھینک دیا۔ چاقو فضا میں چکراتا ہوا اپنے ہدف کی طرف لپکا تو راس المیڈا بے بسی سے چیخ پڑا۔ اس کے ہاتھ آزادانہ حرکت سے معذور تھے۔ اس نے اپنے جسم کو بل دے کر چاقو سے بچنا چاہا اور چاقو اس کے داہنے پہلو کے پہلے زخم سے ذرا نیچے پیوست ہوتا چلا گیا۔

"آؤ۔ فی الحال اسے یوں ہی چھوڑ دو" میں نے ویرا کا بازو تھام کر نرمی سے کہا "بھوک اور پیاس کی حالت میں اس کے زخموں کی تکلیف بڑھے گی تو اس کا دماغ ٹھکانے پر آجائے گا۔"

ویرا میری طرف پلٹی اور پھر میرا اشارہ سمجھ کر دروازے کی طرف چل دی۔

"ظالمو! میرے پیٹ میں سے یہ چاقو تو نکالتے جاؤ" راس المیڈا بے بسی سے گڑگڑایا۔

"یہ اسی طرح پیوست رہے گا۔ آہنی پھل میں نمی اور ہوا کی وجہ سے زنگ آنا شروع ہوگا تو تمہارے جسم میں اس کا زہر سرایت کرنے لگے گا۔ تم سسک سسک کر اسی طرح مرجاؤ گے" میں نے رک کر سفاکانہ لہجے میں کہا اور پھر خود بھی اس کمرے سے باہر نکل گیا۔

"یا خدا!" راس المیڈا کی لرزتی ہوئی آواز میرے کانوں میں آئی "کچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ سفاک درندے مجھے زندہ رکھیں گے یا مار ڈالیں گے... تو مجھ پر اپنا رحم فرما۔"

راس المیڈا کی وہ فریاد عبرت کا ایک شاہکار تھی۔ انسان جب بااختیار ہوتا ہے تو کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کو کیڑے مکوڑوں کی طرح روند کر اپنا راستہ بناتا رہتا ہے۔ اسے خدا یاد رہتا ہے' نہ خدا کے بندوں سے محبت کا دھیان آتا ہے' لیکن جب وہی انسان طاقت و اختیار سے محروم ہوکر بے سروسامان ہوجاتا ہے تو اسے اپنے معمولی معمولی دکھوں پر خدا یاد آنے لگتا ہے۔ وہ ان رعایتوں کا طالب نظر آتا ہے جو وہ بھلے وقتوں میں دوسروں سے چھینتا رہا تھا۔ کمال کی بات یہ ہے کہ اپنی ذات کے یہ تضادات کسی انسان کو کبھی نظر نہیں آتے۔

میں ان لوگوں کے قریب پہنچا تو سلطان شاہ' ویرا سے کہہ رہا تھا "تم نے دل کھول کر راس المیڈا سے اپنے مصنوعی باپ کا انتقام لے لیا ہے۔ اب اس کے ساتھ جو کچھ ہوگا' وہ بونس کے طور پر ہوگا۔"

"مصنوعی باپ! یہ تم کیا بک رہے ہو؟" ویرا نے بھنا کر پوچھا۔

"قدرتی ہوتا تو تمہیں اپنی بیٹی تسلیم کرنے سے کبھی انکار نہ کرتا" سلطان شاہ نے بوکھلا کر وضاحت کرنے کی کوشش میں مزید بگاڑ کے امکانات روشن کردیے "ایسے باپ کو نرم الفاظ میں تم اور کیا کہو گی؟"

میں نے معاملے کی نزاکت بھانپتے ہوئے فوراً ہی موضوع بدل دیا اور ویرا سے پوچھا "یہ بتاؤ کہ اب راس المیڈا کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ نیلوربا ہیبے کے بارے میں بولے گا یا خاموش رہے گا؟"

"اس کے فرشتے بھی بولنے پر مجبور ہو جائیں گے" ویرا نے پرعزم لہجے میں کہا۔ "اس وقت میں خود بھی اسے سوچنے کی مہلت دینے کے بارے میں سوچ رہی تھی اسی لیے میں نے تمہارا مشورہ مان لیا ورنہ تم دیکھتے کہ میں اس کا کیا حشر کرتی۔ یہ تماشا اب اول خان کی موجودگی میں ہوگا۔"

"اتنی مار دھاڑ اور چاقو زنی کے بعد اب کون سا حربہ باقی رہ گیا ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"اسے مصلوب کروں گی" ویرا نے سفاکانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"یہ صلیب کی توہین ہوگی۔ راس المیڈا ایسے اعزاز کا مستحق نہیں ہے" سلطان شاہ بولا۔

"اسے فرش پر چت لٹا کر اس کی دونوں ہتھیلیاں کیلوں سے فرش میں گاڑنا کوئی اعزاز نہیں ہو سکتا" ویرا نے کہا "ایسی حالت میں اس کے بدن کو کسی گرم سلاخ سے داغا بھی جا سکتا ہے۔"

باتیں کرتے ہوئے ہم اول خان کے دفتر میں پہنچے تو وہ وہاں موجود نہیں تھا لیکن ہم لوگوں کے لیے دیگر لوازم کے ساتھ چائے تیار تھی۔ اس کے آدمی نے ہمارے پہنچتے ہی پیالیاں تیار کرنی شروع کر دیں۔

"اول خان کا خیال ہے کہ راس المیڈا کے بدن میں چھپا ہوا چپ تباہ ہونے کے بعد اس کی تلاش میں آنے والے بھٹک سکتے ہیں۔ مجھے یہ خیال سراسر خوش فہمی معلوم ہوتا ہے۔" چائے پیتے ہوئے غزالہ نے کہا۔

"یہ بات اول خان بھی جانتا ہے" میں نے کہا "اگر وہ لوگ راس المیڈا کی تلاش میں ہیں تو پچھلے سگنلز کی روشنی میں اس مقام کا تعین کر کے اپنے نقشے وغیرہ بنا چکے ہوں گے اور اسی کے مطابق کارروائی کریں گے۔ سگنلز کا سلسلہ یکلخت موقوف ہونے سے وہ الجھن میں پڑ سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ادھر آنے والے ہیلی کاپٹر میں اس چپ سے براہِ راست رہنمائی حاصل کرنے والا کوئی خاص آلہ نصب ہو جو ان کی مدد نہ کر سکے مگر یہ ناممکن ہے کہ چپ تباہ ہونے کے بعد اسٹیشن فور ہر خطرے سے محفوظ ہو گیا ہو۔"

"میں بھی بالکل یہی باتیں سوچ رہی تھی مگر میرے شبہات ذرا منتشر سے تھے" غزالہ نے ہنس کر کہا۔

"تم دونوں کا دماغ ایک فری کوئنسی پر کام کرتا ہے اسی لیے تمہاری گاڑی کامیابی سے چل رہی ہے۔" ویرا نے برجستہ تبصرہ کر ڈالا "سوچ میں زیادہ فرق ہو تو معاملہ گڑبڑ ہو جاتا ہے۔"

"ویسے تو تمہارے دماغ کی فری کوئنسی بھی ذہنی سے ملتی ہے" سلطان شاہ نے شوخی سے کہا۔

"میں ہر ٹیڑھے اور سیدھے آدمی کے ساتھ سمجھوتا کر سکتی ہوں لیکن تمہاری کھوپڑی میری سمجھ سے بالکل باہر ہے۔ پتا نہیں تمہارے ساتھ کس کا مقدر پھوٹے گا" ویرا نے بے رحمی سے اسے رگڑ ڈالا۔

غزالہ نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "گھر کی بات گھر میں طے ہو جائے تو کسی کا مقدر پھوٹنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ تم دونوں لڑ بھڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ گزارہ کر ہی لو گے۔"

"وہ تو اب بھی ہو رہا ہے" ویرا نے خفت کے کسی مظاہرے کے بغیر کہا پھر اچانک ہی میری طرف متوجہ ہو گئی "راستے میں تم نے مسکن دواؤں کے حوالے سے کسی مصطفیٰ زیدی اور شہناز گل کا حوالہ دیا تھا' یہ دونوں کون ہیں؟"

"نئے دور کے دو چاہنے والے تھے" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا "موصوف بہت اچھے شاعر تھے اور وصال کے موسم میں کبھی کبھی مسکن دوائیں استعمال کرتے تھے۔ اب یہ کہانی اخباروں میں دفن رہ گئی ہے۔"

ہم لوگوں نے باتیں کرتے ہوئے چائے ختم کر لی لیکن اول خان واپس نہیں آیا تو مجھے تشویش ہونے لگی۔

بظاہر میری تشویش کا کوئی جواز نہیں تھا کیونکہ اس وقت ہم سب اسپیشل ٹاسک فورس کے گڑھ میں بیٹھے ہوئے تھے جو ان دنوں کے حالات میں شہر کا محفوظ ترین علاقہ تصور کیا جا سکتا تھا۔ میں نے دفتر سے برآمدے میں نکل کر اول خان کے آدمی سے اس کے بارے میں استفسار کیا تو پتا چلا کہ وہ چند منٹ پہلے راس المیڈا والے کمرے میں جاتا ہوا دیکھا گیا تھا۔

اول خان کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد عمل میں آئی۔ اس کے چہرے سے فکرمندی جھلک رہی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری کسی اینٹی ایئرکرافٹ گن میں خرابی پیدا ہو گئی ہے" ویرا نے اس سے کہا۔

"دونوں گنیں بالکل ٹھیک ہیں۔ ہیلی کاپٹر گرانے کے لیے تو لمبی رینج کی رائفل بھی بہت کارآمد ثابت ہوتی ہے" اول خان نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میری تشویش کا سبب کچھ اور ہی ہے۔"

سب کی استفسار طلب نگاہیں اول خان کے گمبھیر چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"تم جا کر اپنا حلیہ درست کرو" اول خان نے ویرا سے کہا۔ "تمہارے چہرے اور کپڑوں پر راس المیڈا کے خون کے داغ بہت بدنما معلوم ہو رہے ہیں۔"

"کر لوں گی" ویرا نے بے پروائی سے کہا "پہلے تم اپنی تشویش کا سبب بتاؤ۔"

"میں نے تمہارے بے رحمانہ تشدد کی فرضی کہانیاں سنا کر راس المیڈا کو زبان کھولنے پر آمادہ کر لیا ہے۔ اس نے جو کچھ بتایا ہے' وہ بہت تشویشناک ہے۔"

اول خان کے خاموش ہوتے ہی ویرا اضطراری طور پر بول پڑی۔

"خاموش کیوں ہو گئے؟ بات پوری کرو۔"

"راس المیڈا نے پاکستان میں اپنی مسلسل ناکامیوں کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ اور اس کے اہم ساتھی سفید فام ہونے کی وجہ سے ہر جگہ نظروں میں آجاتے ہیں اور کام بگڑ جاتا ہے۔ اس نے اپنی مدد کے لیے بھارت سے را کے دو تجربے کار ایجنٹوں کو پاکستان بلایا تھا۔ انہیں سمندری راستے سے پاکستان پہنچانے کا کام ساگا کو سونپا گیا تھا۔ نیلوربا میں اس مشن کی تکمیل کا پیغام تھا۔"

"یعنی نیلور کے تجرباتی ری ایکٹر سے اس قصے کا کوئی تعلق نہیں ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"شاید براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ را کے ایجنٹ یہاں قدم جمانے کے بعد نیلور کی طرف بھی متوجہ ہو جائیں۔ وہ یہاں آئے ہیں تو ضرور کوئی نہ کوئی گل کھلائیں گے۔"

"وہ راس المیڈا کی مدد کے لیے آئے تھے تو اسے ان کے ٹھکانے کا علم بھی ہونا چاہیے" ویرا نے کہا۔

"انہیں کشمیر روڈ والی کمین گاہ کے فون پر جان سیموئیل سے رابطہ کرنا تھا۔ اس سے مل بیٹھنے کے بعد آئندہ کا کوئی پروگرام طے کیا جانا تھا۔ ہماری کارروائی کے نتیجے میں کشمیر روڈ والا ٹھکانا ویران ہو گیا' جان مارا گیا۔ اب کچھ پتا نہیں کہ وہ دونوں کہاں ہوں گے اور کیا کر رہے ہوں گے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ راس المیڈا نے تمہیں چکما دینے کی کوشش نہیں کی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جھوٹ کو میں ہرگز اتنی اہمیت نہ دیتا۔ وہ موت سے بہت زیادہ خائف ہے۔ دہشت زدہ ہونے کے بعد اس نے جو کہانی سنائی ہے' وہ قابلِ یقین معلوم ہوتی ہے۔"

"وہ چاہتا تو اسے بھارتی قونصل خانے سے را کے ایجنٹوں کی خدمات مستعار مل سکتی تھیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اول خان نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "یہ سوال میں نے بھی پوچھا تھا۔ راس المیڈا بالکل نئے چہروں سے کام لینا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بھارت کے سفارتی عملے کے ساتھ ساتھ را کے مقامی ایجنٹ ہماری متعلقہ ایجنسیوں کی نظروں میں ہیں۔ ان سے کام لینے کی کوشش کی گئی تو اس کا سارا کھیل چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ یہ دلیل خاصی وزنی اور قرینِ قیاس ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ڈیڈی کو ایک مرتبہ پھر کراچی کے بازارِ حسن کے پھیرے لگانے پڑیں گے" سلطان شاہ نے پوری سنجیدگی اور فکرمندی سے کہا۔

"وہ کیوں؟" غزالہ نے چونک کر پوچھا "تمہیں وہ گندہ علاقہ کیوں یاد آرہا ہے؟"

"مجبوری ہے۔ ساگا اپنا زیادہ وقت وہیں گزارتا تھا۔ اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات وہیں سے مل سکیں گی۔ اسی طرح ہم را کے ان دونوں خطرناک ایجنٹوں کا سراغ لگا سکتے ہیں۔"

"کوئی مجبوری نہیں ہے" میں نے تیزی سے کہا "اگر وہ دونوں پاکستان کی سرزمین پر اجنبی ہیں تو ساگا اور جان کی موت کے بعد اب بالکل بے یارومددگار رہ گئے ہوں گے اور جلد ہی اپنے ان ساتھیوں سے ملنے کی کوشش کریں گے جو پہلے سے یہاں موجود ہیں اور کام کر رہے ہیں....."

"وہ کسی سے ملے بغیر واپس بھی جا سکتے ہیں" ویرا نے رائے ظاہر کی "کوئی بھی ہوشیار سیکرٹ ایجنٹ اجنبی سرزمین پر زیرِ زمین دنیا کے سرغنوں سے رابطہ کرنے کے گر اچھی طرح جانتا ہے۔ ساگا نہ سہی' اس کی جگہ دوسرے بہت سے لوگ انسانوں کو غیر قانونی طور پر یہاں لانے اور یہاں سے لے جانے کا کام کرتے ہوں گے۔"

"وہ لوٹ جاتے ہیں تو قصہ ہی پاک ہو جاتا ہے" میں نے کہا۔

"انہیں یہاں آنے سے پہلے کچھ نہ کچھ بریفنگ ضرور دی گئی ہوگی۔ انہوں نے اسی کی روشنی میں یہاں رک کر ہاتھ پیر پھیلانے شروع کر دیے تو کیا ہوگا؟"

"تم سب اپنی اپنی ذات میں یہاں کے ایک عام شہری ہو" ویرا نے زور دے کر کہا "بعض اوقات نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ تم یہاں کے قانون کے محافظوں سے چھپتے پھرے ہو۔ ایسی صورت میں تمہیں بہت زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہاں بہت سے لوگ ان ہی کاموں کی تنخواہ لیتے ہیں اور وہ اپنے فرائض انجام دینا جانتے ہیں۔"

"تمہاری یہ تاویل مجھ پر لاگو نہیں ہوتی۔ میں ایک ذمے دار افسر ہوں" اول خان نے احتجاج کیا۔

"تمہیں آج تک یہی نہیں معلوم کہ تم سرکاری ملازم ہو یا غیر سرکاری۔ پھر تم اپنی ذمے داری کا تعین کیسے کر سکتے ہو؟ تم پورے ملک کے ٹھیکے دار نہیں بن سکتے۔"

"ویرا!" میں نے سختی سے کہا "تم بہت ذہین اور ہوشیار ہو لیکن ہمارے درمیان مایوسی اور بددلی پھیلانے کی کوشش مت کرو۔ اول خان کی ذمے داری کا تعین اس کے رسوخ اور اختیارات سے ہو جاتا ہے۔ تم نے سنا نہیں کہ یہ تھوڑی دیر پہلے نیول انٹیلی جنس کے کس افسر سے بات کر رہا تھا۔"

"میں حقائق بیان کر رہی تھی" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"میرا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ تم لوگ راس المیڈا پر اپنا کام ختم کر چکے ہو تو اسے میرے حوالے کر دو۔ میں اسے میدان میں دوڑا دوڑا کر ہلاک کروں گی۔ یہ میرا حق ہے۔ تم لوگوں کو اس کا احترام کرنا ہوگا۔"

"فکر مت کرو۔ اپنا دل ٹھنڈا کر لینا لیکن اس سے پہلے اپنا حلیہ درست کر لو" اول خان نے کہا "میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ مجھے راس المیڈا کے لیے صرف دو دن دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس

کی لاش کو کہیں نہ کہیں سے برآمد ہونا چاہیے۔ موقع ملا تو یہ کام آج ہی پورا کرلیا جائے گا۔"

ویرا ایک آسودہ سی مسکراہٹ کے ساتھ دفتر سے نکل کر عقبی حصے کی طرف چلی گئی جہاں غسل خانہ موجود تھا۔

"کولمبیا سے غائب ہونے والا ہیلی کاپٹر نہ جانے کب نمودار ہوگا؟" ویرا کے جانے کے بعد سلطان شاہ نے خودکلامی کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"وہ کہیں نہ کہیں چھپے ہوئے ہوں گے اور اندھیرا پھیلنے کے بعد اپنے مشن پر نکلیں گے" غزالہ نے رائے ظاہر کی۔

وہ ایک پیشہ ورانہ مسئلہ تھا اس لیے اول خان خاموش نہ رہ سکا۔ اس نے کہا "وہ آئے تو اندھیرا پھیلنے سے قبل یا پھر علی الصباح آئیں گے۔ اجالے میں اوپر سے ہدف کا تعین آسانی سے ہوجاتا ہے۔ اندھیرے میں اس قسم کے مشن عام طور پر ناکام رہتے ہیں۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ان کا ہیلی کاپٹر واقعی کسی حادثے کا شکار ہوگیا ہو" سلطان شاہ بولا۔

"راس المیڈا کے جسم سے چپ برآمد ہونے کے بعد یہ سوچنا بے سود ہے" اول خان کا لہجہ اٹل تھا۔

تھوڑی دیر میں ویرا ہاتھ منہ دھو کر واپس آگئی۔ لباس پر پڑے ہوئے خون کے داغ بدستور موجود تھے۔

اس نے آتے ہی راس المیڈا کے بارے میں اپنا مطالبہ دہرایا اور ہم ایک مرتبہ پھر دفتر سے نکل کھڑے ہوئے۔ باہر آکر مجھے حیرت ہوئی کہ اسٹیشن فور کے پارکنگ ایریا میں موجود گاڑیاں غائب ہوچکی تھیں۔ اسی کے ساتھ وہاں نفری کی کمی بھی محسوس ہورہی تھی۔

وہ صرف میرا مشاہدہ نہیں تھا۔ وہ تبدیلیاں اتنی نمایاں تھیں کہ سلطان شاہ نے بھی محسوس کرلیں۔ ہماری الجھن بھانپ کر اول خان نے بتایا کہ دشمنوں کی متوقع فضائی مہم جوئی کے خطرے کی وجہ سے اس نے میدان میں جمع گاڑیوں کو اس علاقے میں دور تک پھیلا دیا تھا تاکہ فضا سے کسی زمینی اڈے کی موجودگی کا سراغ نہ مل سکے۔ اس حکمتِ عملی کا دوسرا فائدہ یہ تھا کہ ایس ٹی ایف کے مستعد اہل کار اپنی گاڑیوں میں موجود رہ کر کافی دور تک فضائی حدود پر نگاہ رکھ سکتے تھے اور اپنی رینج میں آنے والے مشتبہ ہیلی کاپٹر کو گرا سکتے تھے۔

ایس ٹی ایف کا خاصا عملہ گاڑیوں کے ساتھ چلا گیا تھا۔ جو لوگ باقی رہ گئے تھے انہیں بیرکوں میں محدود ہوجانے کے احکام دے دیے گئے تھے۔ ان حفاظتی اقدامات کے بعد وہ علاقہ خاصا محفوظ نظر آنے لگا تھا۔

ہم ان تبدیلیوں اور تیاریوں پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے راس المیڈا کے کمرے میں پہنچے تو وہ بہت ابتر حالت میں فرش پر پڑا ہوا ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔

"ہم نے تمہیں امداد فراہم کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے" راس المیڈا سے سامنا ہوتے ہی میں اضطراری انداز میں بول پڑا حالانکہ وہاں پہنچنے تک میرے ذہن میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔

"میرے جسم سے بہت خون بہہ چکا ہے" وہ کمزور آواز میں بولا۔ اس کے آس پاس فرش پر جمے ہوئے خون کے لوتھڑے اس کی شکایت کی کھلی تصدیق کررہے تھے۔

"تھوڑی دیر میں تمہاری ساری تکلیفیں دور ہوجائیں گی" میں نے تشفی آمیز لہجے میں کہا "ہم نے نیلو ربا سے کے بارے میں تمہاری کمزور کہانی سن لی ہے۔ اب ذرا یہ بھی بتادو کہ ڈیوڈ اسٹارز میں تمہارا جانشین کون ہے؟"

"جب تک میں زندہ ہوں، کوئی میرا جانشین بننے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اگر مجھے کچھ ہوگیا تو پھر آئزک نیل میرا انتقام لے گا۔ نیل.... نیلو ربا سے کے بارے میں، میں نے جو کچھ کہا ہے وہ لفظ بہ لفظ درست ہے۔ تمہیں اس پر اعتبار نہیں تو یہ میرا قصور نہیں ہے۔ مجھے تمہاری انسانی ہمدردی کی ضرورت ہے۔"

"اپنے قدموں پر کھڑے ہوجاؤ اور ان لوگوں کا تصور کرو جو تمہارے رفیق کار تھے اور فریڈم لاج کی چھت پر تمہارے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ کیا وہ کسی انسانی ہمدردی کے حق دار نہیں تھے؟"

"ڈینی! تم تلخ ہورہے ہو" اس کی آواز سے خوف جھلکنے لگا۔ "کیا اب تم وعدہ خلافی کروگے؟"

"نہیں، میں اپنی مٹی سے کیا ہوا عہد پورا کروں گا۔ میں وعدہ شکن اور ضمیر فروش نہیں ہوں۔ اٹھو اور اس بند کمرے سے باہر آکر دیکھو کہ کھلے آسمان کے نیچے ہماری زمین کتنی خوب صورت لگتی ہے۔"

اس کی پھولی ہوئی آنکھوں میں تشویش کے سائے لرزنے لگے۔ وہ اٹھتے ہوئے بڑبڑایا "اپنی مٹی سے کیا ہوا عہد.... تمہاری باتوں سے خون کی بو آرہی ہے۔"

"یہ تمہارے اپنے خون کی بدبو ہے جو تمہیں ستارہی ہے" میں نے بے رحمی سے کہا "اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ اس بند اور سڑتے ہوئے کمرے سے نکل کر تازہ ہوا کی خوشبو اپنے وجود میں سمیٹو، یہ سعادت تمہیں دوبارہ نہیں ملے گی۔"

اس کی سہمی ہوئی نظریں میرے چہرے سے پھسل کر اول خان کے بشرے پر مرکوز ہوگئیں "تم نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے ویرا کی بربریت سے محفوظ رکھوگے مگر اب ڈینی پر خون سوار ہے۔ یہ کیا ہورہا ہے؟"

"ڈینی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ باہر آجاؤ" اول خان نے نرمی سے کہا۔

وہ چلا تو اس کے قدم ڈگمگارہے تھے۔ اس کے دونوں ہاتھ پہلوؤں پر یوں جھول رہے تھے جیسے مفلوج ہوچکے ہوں۔ ورم آلود

شانے آگے کی طرف ڈھلکے ہوئے تھے۔ ہم پانچوں نے اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

وہ جیسے ہی دروازے سے باہر نکلا' ویرا نے لپک کر اُس کی پشت پر زوردار لات رسید کی اور وہ چیخیں مار کر دور تک گھسٹتا چلا گیا۔ وہ رودینے والی آواز میں گھگیاتا ہوا بہت مشکل سے برآمدے کے پختہ فرش سے اٹھا تو ویرا دوبارہ اس کے سر پر مسلط ہو چکی تھی۔ جاتے جاتے اس نے اول خان کی جیب سے ریوالور اچک لیا تھا۔

"اب دوڑو اور دوڑ کر میری دسترس سے نکلنے کی کوشش کرو۔ تم پانچ منٹ تک مجھ سے دور رہنے میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں زندگی مل جائے گی ورنہ جہنم کے دہانے پر میرا باپ تم سے اپنا حساب بے باق کرنے کا انتظار کر رہا ہے" ویرا نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں اس سے کہا "تم اس کے پاس پہنچ جاؤ گے۔"

اس نے ویرا کی طرف دیکھا اور کانپ اٹھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے دوڑ لگا دی۔ اس نے ویرا کی آنکھوں میں اس کے عزائم کی تحریر بالکل صاف پڑھ لی تھی۔

راس المیڈا کے دوڑتے ہی ویرا کسی معصوم بچے کی طرح قلقاری مار کر ہنس پڑی پھر اس نے بھی اپنے شکار کے تعاقب میں دوڑ لگا دی۔ اس وقت تک راس المیڈا برآمدے سے اتر کر میدان میں پہنچ چکا تھا۔ وہ نڈھال اور زخمی تھا۔ ویرا جوان اور تندرست تھی۔ وہ چند لمحوں میں اپنے شکار تک پہنچ گئی۔ اس نے پیچھے سے راس المیڈا کو اڑنگی لگائی اور وہ فضا میں اچھل کر ایک مرتبہ پھر خاک چاٹنے پر مجبور ہو گیا۔

"اٹھو اور بھاگو!" ویرا پوری قوت سے دہاڑی۔ اس کی وحشیانہ آواز میں ایسی تاثیر تھی کہ راس المیڈا ایک مرتبہ پھر میدان میں دوڑتا ہوا نظر آیا۔

"یہ واقعی بربریت ہے" غزالہ جھرجھری لے کر بولی "اب اسے گولی ماردینی چاہیے۔"

"یہ بربریت ضرور ہے لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ اس کا نشانہ راس المیڈا ہے۔ اپنے اعمال کی بنا پر وہ اس سے زیادہ پُراذیت موت کا حق دار ہے اور پھر ویرا کو اس وقت کون روک سکے گا۔ تم نے سنا نہیں کہ اس کی آواز سے کیسی درندگی جھلک رہی ہے۔"

"تم میرے دفتر میں جاکر بیٹھو۔ یہ کھیل زیادہ دیر تک جاری نہیں رہے گا" اول خان نے غزالہ کے شانے پر تھپکی دے کر نرمی سے کہا اور غزالہ اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اس کے دفتر کی طرف چل دی۔

میدان راس المیڈا کی کربناک چیخوں اور ویرا کے وحشیانہ قہقہوں سے گونجتا رہا۔ ویرا بار بار اسے دوڑا کر گرا رہی تھی۔ ایک بار راس المیڈا اس بری طرح ڈھیر ہوا کہ زمین پر گھسٹنے اور رینگنے کے باوجود اپنے قدموں پر کھڑا ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

اس وقت وہ اذیت اور دہشت سے بلبلا کر لرزہ خیز آواز میں دہاڑیں مار رہا تھا۔

"ویرا! اب اس باسٹرڈ کو شوٹ کردو" اول خان نے تقریباً چیخ کر کہا۔ چوہے اور بلی کے اس کھیل میں ویرا ہم لوگوں سے کافی دور نکل چکی تھی۔

اس وقت ویرا پر دیوانگی طاری ہو چکی تھی۔ اس نے وہیں سے چیخ کر کہا "میں اس پر گولی ضائع نہیں کروں گی۔" یہ کہہ کر اُس نے خاک وخون میں آلودہ دشمن پر ٹھوکریں برسانی شروع کردیں۔

اسی وقت اول خان کے ہاتھ میں دبے ہوئے مخصوص اپریٹس پر آواز آنے لگی "گن پوسٹ ون والے اپنی ٹیلی اسکوپ میں ایک ہیلی کاپٹر کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ دائروں کی صورت میں ایک بڑے علاقے میں گھومتا ہوا رفتہ رفتہ اسی طرف آرہا ہے۔ اس کے لیے کیا حکم ہے؟"

"فی الحال اسے آنے دو" یہ کہتے ہوئے اول خان سمیت ہم سب کی نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "وہ جائزہ لیتا ہوا آرہا ہے۔ لوکل نیٹ ورک پر سب کو بتادو کہ میری ہدایت کے بغیر فائر نہ کیا جائے۔"

"اوکے سر!" اول خان سے ہدایت لینے کے بعد جب وہی آواز ہر ایک کو عمومی ہدایت جاری کرنے لگی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اول خان کا وہ مخصوص اپریٹس ایک محدود دائرے میں کام کرنے والے کسی لاسلکی نظام سے وابستہ تھا۔

مغرب کی طرف جھکتے ہوئے سورج کی تیز کرنوں سے آنکھوں کو بچانے کے لیے میں نے اپنی پیشانی پر ہتھیلی کا چھجا بنایا اور پھر میری نگاہیں فضا میں بھٹکنے لگیں۔ آسمان دور دور تک صاف پڑا ہوا تھا۔ فضا بھی خاموش تھی۔ بس ویرا کے قہقہے یا راس المیڈا کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

رفتہ رفتہ ہوا کے دوش پر کسی ہیلی کاپٹر کے انجن کا دھیما شور سنائی دینے لگا۔ وہ آواز بتدریج قریب آتی جارہی تھی۔ اول خان کا اپریٹس خاموش رہا۔ اس کے آدمی غیر ضروری جوش اور زور بیان کا مظاہرہ کرنے کے بجائے مکمل انہماک سے اپنا کام سرانجام دینے کے عادی تھے۔

ہیلی کاپٹر کے انجن کا لحظہ بہ لحظہ واضح ہوتا ہوا شور شاید ویرا نے بھی سن لیا۔ اس نے اپنے قریب المرگ حریف کو بھول کر آسمان پر اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں پھر وہ زمین پر پڑے ہوئے راس المیڈا پر جھک گئی۔

فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے کسی کو اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ دشمن کے ساتھ کیا سلوک کر رہی تھی مگر میرا اندازہ تھا کہ ویرا اس ہولناک انتقام کے آخری لمحوں کا حساب برابر کر رہی تھی۔

ویرا کے واپس لوٹنے تک آسمان پر سیاہی مائل ہیلی کاپٹر کا وجود نظر آنے لگا تھا۔ وہ اس ویرانے میں پنہاں ہولناک خطرات

سے بے خبر یہی پرواز کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ سیدھا آتے آتے اس ہیلی کاپٹر نے اچانک داہنی سمت کا راستہ اختیار کرلیا۔ میرے اضطراب میں اضافہ ہوگیا۔ مگر جلد ہی میرے خدشات غلط ثابت ہوگئے۔ ایک لمبا چکر لینے کے بعد ہیلی کاپٹر دوبارہ پرانے راستے پر آگیا۔

اپنے وجود میں بیک وقت اٹھارہ مسلح کمانڈوز اوران کے وزنی سازوسامان کو چھپالینے والا وہ دیوپیکر مشینی عفریت ایک بڑے دائرے کی صورت میں پرواز کرتا ہوا ہماری نظروں سے معدوم ہوکر بیرکوں کے اوپر سے آگے نکلتا چلاگیا۔ اس کا شور تیز ہونے کے بعد دھیما ہونے لگا تھا۔

"وہ آگے نکل گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان بیرکوں کی اہمیت کا ادراک نہیں کرسکے" اول خان نے پہلو بدلتے ہوئے مضطربانہ لہجے میں کہا "اب وہ میری گنوں کی رینج سے نکل جائیں گے۔"

"اس پر فائر کرنے سے پہلے یہ یقین کرلینا ضروری ہے کہ وہی ہمارا مطلوبہ ہیلی کاپٹر ہے" سلطان شاہ نے اول خان کو یاد دلایا۔ "ایسا نہ ہو کہ عجلت میں ہم اپنا ہی کوئی نقصان کربیٹھیں۔"

"میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہیلی کاپٹر کو نہیں' اس پر بنے ہوئے نشانات دیکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کے نشان واضح تھے۔ وہی ہمارا ہدف ہے۔"

اسی وقت ویرا ہمارے پاس آپہنچی اور پُرسکون لہجے میں بولی۔ "آخر کار راس الیمیڈا کے ہمدردوں نے اپنا راستہ تلاش کرہی لیا۔ وہ بالکل صحیح وقت پر یہاں پہنچے ہیں لیکن تمہارے ہتھیار کیوں خاموش ہیں؟"

"وہ کہیں نہ کہیں اتریں گے" اول خان نے پُرامید لہجے میں کہا پھر اچانک اپنی رسٹ واچ دیکھنے لگا۔

اس کا وہ انداز اس قدر غیر معمولی تھا کہ میں اس سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"مجھے ساڑھے پانچ بجے اپنے بڑوں کو رپورٹ دینی ہے۔ ابھی تو صرف چار ہی بجے ہیں" اس کے جواب نے میری الجھن دور کردی۔

"اس ہیلی کاپٹر کو فضا ہی میں مار لیا جاتا تو بہتر تھا" ویرا کہنے لگی۔ "اس میں تربیت یافتہ کمانڈو بھرے ہوئے ہوں گے۔ وہ ایک بار کہیں لینڈ کرنے کے بعد اپنے مورچے جمانے میں کامیاب ہوگئے تو انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ٹھکانے لگانا بہت مشکل ثابت ہوگا۔ پورا علاقہ اچھے خاصے میدان جنگ میں تبدیل ہوکر رہ جائے گا۔"

ویرا کی وہ رائے سوفیصد درست تھی۔ اس پر کسی نے کوئی بحث نہیں کیا۔

فضا میں ہیلی کاپٹر کا مدھم شور دوبارہ سنائی دیا تو اول خان کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ میرا بازو دباتے ہوئے بولا "پہلے وہ سروے کررہے تھے۔ اب شاید کسی منتخب مقام کی طرف لوٹ رہے ہیں۔"

"اس ویران اور بے آب وگیاہ علاقے میں ان خالی بیرکوں سے زیادہ بہتر جگہ کون سی ہوسکتی ہے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "وہ یقیناً اسی طرف آئیں گے۔"

"راس الیمیڈا مرچکا ہے یا تم اسے بے ہوش کرکے آئی ہو؟" غزالہ ویرا سے پوچھ رہی تھی۔

"اب وہ کبھی ہوش میں نہیں آئے گا۔ میں نے اس کی گردن توڑدی ہے" ویرا نے اطمینان سے کہا۔

اس بار ہیلی کاپٹر کا شور تیزی سے قریب آرہا تھا۔ وہ ابھی تک ہماری نظروں میں نہیں آیا تھا کہ اچانک اول خان کے ایرفیس پر اضطراری آواز ابھرنے لگی "سر! ہم ہیلی کاپٹر کو دیکھ رہے ہیں۔ اس میں سے چھاتا برداروں نے باہر کودنا شروع کردیا ہے۔ دو...... تین......چوتھا بھی کود چکا۔"

اس کی بات پوری ہونے تک ہیلی کاپٹر ہماری نظروں کے سامنے آگیا۔ چھاتا بردار کمانڈوز کو اتارنے کی وجہ سے اس بار وہ قدرے زیادہ بلندی پر پرواز کررہا تھا۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس میں سے دو ہیولے کھلی فضا میں کودے اور پھر ان کے سرمئی پیراشوٹ کھل کر فضا میں تن گئے۔

"فائر...... چھاتا برداروں کو زمین پر آنے سے پہلے ہی اڑادو۔" اول خان نے ایرفیس میں حکم جاری کیا۔

اس وقت تک ہمارے سامنے فضا میں تیرتے ہوئے چھاتا برداروں کی تعداد چار ہوچکی تھی۔ جو ہماری نظروں سے اوجھل تھے' وہ ان کے علاوہ تھے۔ اس وقت ہوائیں تیز نہیں تھیں اس وجہ سے سارے پیراشوٹ بہت مختصر زاویہ بناتے ہوئے آہستہ آہستہ نیچے آرہے تھے۔

اچانک فضا دو زبردست دھماکوں سے لرز اٹھی۔ ایک موٹی سی آتشی لکیر اپنی راہ میں آنے والے ایک چھاتا بردار کو نیست ونابود کرتی ہوئی ہیلی کاپٹر کے نیچے سے گزر گئی۔ دوسری طرف سے فائر کیا جانے والا گولہ عین اپنے ہدف پر پہنچا اور فضا میں پرواز کرتا ہوا ہیلی کاپٹر ایک زوردار دھماکے سے آگ اور دھوئیں کے کثیف بگولے میں تبدیل ہوکر زمین کی طرف آنے لگا۔

وہ فیصلہ کن لمحات اس قدر سنسنی خیز اور ہیجان انگیز تھے کہ مسرت سے بے اختیار ہماری چیخیں نکل گئیں۔ اینٹی ایئرکرافٹ گنوں کے راؤنڈ فائر ہوتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے سرمائی وے کے اس دورافتادہ ویرانے میں اچانک بارودی بہار آگئی ہو۔ ہر طرف لمبی رینج کی بھاری رائفلوں کے نغمے گنگنانے لگے۔

ایس ٹی ایف کے اہل کار بھی آخر گوشت پوست کے انسان ہی تھے۔ ہیلی کاپٹر کی تباہی پر غالباً وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکے تھے اور دھواں دھار فائرنگ کرکے اپنی خوشی کا اظہار کررہے تھے۔

وہ سب پیشہ ور جنگجو تھے۔ ان کی وہ فائرنگ ایسی اندھا دھند بھی نہیں تھی۔ جو لوگ ہیلی کاپٹر میں موجود تھے وہ اسی میں کندۂ جہنم بن کر رہ گئے تھے اور جو فضا میں تیرتے ہوئے نیچے آ رہے تھے وہ ان گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ ایک غضب ناک گولی اپنے زندہ لٹکے ہوئے شکار سے بھٹک کر اُس کی پھولی ہوئی پیراشوٹ کو پھاڑتی ہوئی نکل گئی اور تحفظ کی وہ چھتری تباہ ہوتے ہی اس کے آخری سرے پر لٹکا ہوا کمانڈو کششِ ثقل کے زیرِ اثر بڑھتی ہوئی رفتار کے ساتھ نیچے آنے لگا۔ اسے سہارنے والی پیراشوٹ نے سکڑ کر محض ایک رسّی کی سی صورت اختیار کر لی تھی۔ پلک جھپکتے میں وہ کمانڈو لرزہ خیز رفتار سے سنگلاخ زمین سے آ ٹکرایا۔ وہ ہم سے بہت دور گرا تھا مگر ہم میں سے ہر شخص کو اندازہ تھا کہ اس کے چیتھڑے دور دور تک بکھر گئے ہوں گے۔

ہیلی کاپٹر کا جلتا ہوا ڈھانچا زمین پر گرنے کے بعد دہکتے اور بھڑکتے ہوئے الاؤ میں تبدیل ہو کر فضا میں دھوئیں کے کثیف بادل اگل رہا تھا۔ اس میں آنے والے یقیناً مہلک بارودی ہتھیاروں سے لیس رہے ہوں گے کیونکہ تپش میں اضافے کے ساتھ ساتھ اس الاؤ میں متعدد دھماکے بھی گونج رہے تھے۔ ان آوازوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ طاقتور بارودی اسلحے کے پھٹنے سے پیدا ہو رہی تھیں۔

بظاہر اسپیشل ٹاسک فورس کچھ بھی نہیں تھی۔ سرکاری کاغذوں پر تو سرے سے اس کا وجود ہی نہیں تھا مگر اس ہوش ربا میدانِ کارزار میں وہ فورس اپنی تمام تر تابناکیوں کے ساتھ مستعد اور فعّال تھی۔ دشمنوں پر کاری وار ہو رہے تھے۔ ہیلی کاپٹر کے شکم سے برآمد ہوتے ہوئے چند سورماؤں کو میں نے خود گنا تھا۔ باقی وہ تھے جو ہماری نگاہوں سے دور فضا میں کودے تھے اور پھر ہوا کے رخ پر تیرتے ہوئے ہماری نظروں کے سامنے آ گئے تھے۔ میری یادداشت کے مطابق ان کی کل تعداد نو سے زیادہ نہیں تھی۔ ان میں سے ایک کو اینٹی ائرکرافٹ گن کے گولے نے فضا میں بکھیر کے رکھ دیا تھا۔ باقی رہ جانے والوں کو دور مار رائفلوں کی گولیاں چاٹتی جا رہی تھیں۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ان کمانڈوز میں سے دو تین زمین کو چھو لینے میں کامیاب ہو جائیں گے اور پھر اس ویرانے میں موت و حیات کا ایک طویل معرکہ چھڑ جائے گا لیکن ان میں سے آخری کمانڈو بھی محض چند فٹ کی بلندی پر ایک خون آشام گولی کا نشانہ بن گیا اور مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

"بریوو!" اول خان ائرپیس اپنے دہانے کے قریب لا کر جذبات آمیز لہجے میں بولا "دشمن کو مکمل تباہی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اب ہمیں صرف ان کی لاشوں کا شمار کرنا ہے۔ ہر شخص واپس لوٹ آئے۔ جلتے ہوئے ملبے کو اپنے محاصرے میں لے لو۔ مجھے یقین ہے کہ ان میں سے کوئی زندہ نہیں بچا ہو گا۔"

محاذ صاف ہو چکا تھا۔ دشمن عبرتناک شکست سے دوچار ہوا تھا۔ بہت تیزی کے ساتھ فائرنگ کا تسلسل ٹوٹنے لگا اور پھر فضا پر ایک بھیانک سناٹا طاری ہو گیا۔

"کس قدر دہشت انگیز ہے یہ خاموشی بھی!" اول خان جھرجھری لے کر بولا۔

"کسی بھی بڑی بربادی سے پہلے اور بعد میں ایسا ہی جاں گسل سنّاٹا ہو جایا کرتا ہے۔" ویرا نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔ "اس وقت تمہارے آدمیوں نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔"

"مجھے اس کا احساس ہے۔" اول خان نے پورے انکسار سے کہا۔ "مہینوں پر محیط جنگ کا آخری مقابلہ اسی وقت ہوا ہے اور میرے آدمیوں نے دشمن کو بے دست و پا کر کے بھون ڈالا ہے۔"

"بھُنا ہوا یہ دشمن اب تمہارے گلے بھی پڑ سکتا ہے۔" سلطان شاہ کی بھرائی ہوئی آواز نے ہر ایک کو چونکا دیا۔

"کیا ہذیان بک رہے ہو؟" ویرا نے اس کی طرف گھوم کر تضحیک آمیز لہجے میں پوچھا۔

"ہذیان نہیں، یہ حقیقت ہے۔ تم اول خان سے میرے بیان کی تصدیق کر سکتی ہو۔"

ویرا مشینی انداز میں اول خان کی طرف متوجہ ہو گئی اور چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "تمہارا پیارا اور ڈینی کا دُلارا کیا کہہ رہا ہے؟ اس کی بات تمہاری سمجھ میں آ رہی ہے؟"

"اس وقت میرا ذہن ایک بڑی کامیابی کے نشے سے ماؤف ہو چکا ہے۔ راس المیڈا اپنے سارے حمایتیوں سمیت مارا جا چکا ہے۔ اس کے آگے میں کچھ بھی نہیں سوچ رہا۔ اپنے دوست سے پوچھو کہ یہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔" اول خان نے ویرا سے کہا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" میں نے سلطان شاہ کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "ہم نے اسٹیشن فور کو درپیش خطرے کا سدِّباب تو کر لیا ہے لیکن ابھی تک اس کے نتائج کو بھولے ہوئے ہیں۔ اس ہیلی کاپٹر کی عملے سمیت گمشدگی ریکارڈ پر موجود ہے۔ جوں ہی اس کی تباہی کی تصدیق ہو جائے گی، یہ علاقہ بہت سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جائے گا۔ اگر ایس ٹی ایف نے یہ جگہ نہیں چھوڑی تو اس حادثے کی ساری ذمے داری اسی پر آ جائے گی۔ فوری طور پر فورس کو یہاں سے ہٹا لے جانا ناگزیر ہو چکا ہے۔"

وہ بات بہت واضح تھی۔ اول خان کے چہرے پر تشویش کے سائے پھیلتے چلے گئے۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ تم لوگ اپنی موجودگی کی ساری علامات مٹا کر یہاں سے نکل جاؤ؟" ویرا نے اول خان سے سوال کیا۔ اس صورتِ حال پر تو وہ بھی پریشان نظر آنے لگی تھی۔

"مجبوری کے عالم میں سب کچھ کرنا پڑے گا۔ یہ بات ہمیں پہلے ہی سوچ لینی چاہئے تھی۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں جو کچھ ہوا، اس میں

تمہاری مرضی یا ارادے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اگر وہ لوگ یہاں اترنے کا ارادہ نہ کرتے اور آگے نکل جاتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ یہاں ہونے والی خونریزی تم پر مسلط کی گئی ہے۔ تم انہیں جہنم واصل نہ کرتے تو وہ تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔"

"ہمارے لئے یہ ایک بہترین ٹھکانا ثابت ہوا تھا۔ اسے چھوڑ کر میں پریشان ہو جاؤں گا۔"

"عارضی طور پر یہاں سے کوچ کرنا ہی ہوگا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ہیلی کاپٹر کے بارے میں چھان بین کا زور ٹوٹنے کے بعد تم دوبارہ یہاں آسکو گے۔"

معاملے کا وہ رخ واقعی بہت سنگین تھا۔ ہیلی کاپٹر اور اس سے کودنے والے کمانڈوز کی موت میں آتشیں ہتھیاروں کے استعمال کا ہر واضح ثبوت اس طرح موجود تھا کہ کسی بھی طرح اسے مٹایا نہیں جا سکتا تھا۔ ان شواہد کی روشنی میں ہیلی کاپٹر اور اس کے عملے کی مکمل تباہی کو اتفاقی حادثہ قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ کولمبیا والے اس تباہی کو آسانی سے ہضم نہیں کر سکتے تھے۔ وہ ہر قیمت پر یہ جاننے کی کوشش کرتے کہ ہیلی کاپٹر کی تباہی میں کن لوگوں کا ہاتھ ہے۔ غنیمت یہ تھا کہ انہوں نے خود ہی ہیلی کاپٹر کی گمشدگی کی اطلاع دی ہوئی تھی ورنہ غیر سرکاری طور پر ان کے لئے یہ سمجھنا دشوار نہ ہوتا کہ راس المیڈا کے جسم میں پوشیدہ چپ کے سگنلز نے اس کے قید ہو جانے کی نشان دہی کی تھی اور اسے قید کرنے والے لوگ ہی ہیلی کاپٹر اور اس کے عملے کی تباہی کے ذمے دار تھے۔

اندرون خانہ جو سازشیں چل رہی تھیں، وہ فریقین کے لئے کھلے رازوں کا درجہ رکھتی تھیں۔ ہم اُن کے عزائم سے واقف تھے اور وہ ہمارے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے۔ جان سیموئیل مرنے سے پہلے ویرا اور راس المیڈا کے تبادلے کی جو کوششیں کرتا رہا، ان کی بنا پر یہ بات کھل چکی تھی کہ راس المیڈا میرا قیدی تھا اور مجھے اسپیشل ٹاسک فورس کی پشت پناہی حاصل تھی۔ گو جان سیموئیل کوئی شہادت دینے کے لئے زندہ نہیں رہا تھا لیکن جارج اسٹارک ان لوگوں کی باز پرس کا نشانہ بنا ہوا تھا۔

وہ ایک راست گو اور باکردار آدمی تھا۔ معاملے کی سنگینی کے پیش نظر وہ جو حقائق بیان کرتا، وہ پوری تصویر مکمل کر سکتے تھے۔ جان سیموئیل کی سودے بازی کی کوششوں کو ناکام بنا کر ہم ویرا کو جارج کے گھر سے نکال لے گئے اور پھر اپنی راہ پر لگنے والوں کو پوری صفائی سے ختم کر دیا۔

جو ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا۔ اپنے دشمنوں کی خوف آور طاقت کے باوجود ہم نے نمایاں کامیابی حاصل کی تھی جس پر پچھتانے کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔ فوری ضرورت دشمنوں کے جوابی وار سے بچاؤ کی تھی۔ وہ اپنے اتنے بڑے نقصان کو آسانی سے ہضم نہیں کر سکتے تھے۔

اس وقت تک جو خطرناک کھیل ہوتا رہا، وہ درپردہ چل رہا تھا لیکن ہیلی کاپٹر کی تباہی کا معاملہ سرکاری سطح پر اچھالا جاتا اور مقامی حکام اخلاقی طور پر اس واقعے کے ذمے داروں کی تلاش پر مجبور ہو جاتے۔ ان تمام متوقع مضمرات سے بچاؤ کی ایک ہی صورت تھی کہ ایس ٹی ایف سرعت سے وہ ٹھکانا چھوڑ دیتی اور ہم لوگ بھی کچھ دنوں کے لئے روپوش ہو جاتے۔

ہیلی کاپٹر کی تباہی پر ہونے والا شور و غوغا کچھ عرصے میں ختم ہو ہی جانا تھا۔ اس کے بعد ہم دوبارہ میدان میں اتر کر ان لوگوں کو تلاش کر سکتے تھے جو نیلو ربا بیمے کے حوالے سے پاکستان میں آئے ہوئے تھے۔

وہاں تباہ ہونے والے دیو پیکر ہیلی کاپٹر کے ملبے میں لگی ہوئی آگ بہت شدید تھی۔ دور ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ آگ جلد ہی سرد ہونے والی نہیں تھی۔ شعلوں کی تیزی ختم ہونے کے بعد بھی ملبہ کئی دن تک اس قابل نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کا جائزہ لیا جا سکے۔

اوّل خان نے اپنے آدمیوں کو جلتے ہوئے ہیلی کاپٹر کا محاصرہ کرنے کا حکم دے دیا تھا لیکن نئے تجزیے کے بعد اس قدم کی کوئی افادیت باقی نہیں رہی تھی اس لئے وہ ہمارے ساتھ اپنے دفتر میں آ بیٹھا تھا۔

کافی دیر کی مغز زنی کے بعد جب ہم سب ایک فیصلے پر متفق ہو گئے تو اوّل خان نے کمانڈر سعید سے بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔

ہر خفیہ ایجنسی کی طرح نیول انٹیلی جنس کا بھی اپنا ایک پیچیدہ طریقۂ کار تھا۔ ایسے اداروں کے ذمے دار اہل کار عام طور پر پس پردہ رہ کر خاموشی سے کام کرتے ہیں اور نجی زندگی میں بھی لوگوں میں زیادہ گھلنا ملنا پسند نہیں کرتے۔ اپنی اسی محتاط روش کی وجہ سے وہ مواصلاتی رابطوں پر آسانی سے دستیاب نہیں ہوتے۔ ان کے ماتحت غیر ضروری افراد کو مختلف حیلوں بہانوں سے بالا ہی بالا ٹال دیتے ہیں۔ اوّل خان کو اپنے ماتحت عملے کے اسی سلوک سے بچانے کے لئے کمانڈر سعید نے اسے کوبرا تھری کا کوڈ یا پاس ورڈ دیا ہوا تھا۔ اس مرتبہ اوّل خان نے اپنے آپریٹر سے مدد لئے بغیر اپنے اسپیکر فون پر کمانڈر سعید کا نمبر ملایا۔

سلسلہ ملتے ہی دوسری طرف کے آپریٹر کی سپاٹ مشینی آواز ابھری تو اوّل خان نے کسی تمہید کے بغیر اپنا پاس ورڈ بتا کر کمانڈر سعید سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اسپیکر پر چند ثانیوں تک ایک ولولہ انگیز جنگی نغمے کی موسیقی گونجتی رہی پھر پی اے کے بجائے براہِ راست کمانڈر سعید کی آواز سنائی دی۔

اس نے دبنگ اور پُرجوش لہجے میں اوّل خان کی مزاج پُرسی کی تو وہ بولا۔ "اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے اندازے درست ثابت ہوئے اور ہم سُرخرو رہے ہیں لیکن ہمارے ساتھ وہی مشکل آن پڑی ہے جو موٹے کو گرا کر مارنے والے مخنی سے آدمی کو درپیش تھی۔"

"اوہ! تم خاصے خوشگوار موڈ میں ہو۔" کمانڈر سعید کی تحیر زدہ

آواز ابھری۔ "مخنی آدمی کا کیا قصہ ہے؟"

"وہ موٹے کے سینے پر سوار ہو کر اُس کی ٹھکائی کر رہا تھا اور آنسوؤں سے رو رہا تھا۔ تماشا دیکھنے والوں نے حیرت سے اس کے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ اس ڈر سے رو رہا ہے کہ جب وہ تھک کر موٹے کے سینے پر سے اترے گا تو وہ اٹھ کر اُس کی جوابی مرمّت شروع کر دے گا اور حلیہ بگاڑ دے گا۔ اس وقت میں بھی کچھ ایسی ہی پریشانی سے دوچار ہوں۔"

کمانڈر سعید کے جاندار قہقہے میں زندگی کی پوری گھن گرج موجود تھی۔ اس نے پوچھا۔ "سرخروئی کے ذکر کے بعد یہ پریشانی کچھ ناقابلِ فہم لگتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ وہ بڑی بڑ کہاں ہے۔"

"بھیانک شعلوں میں گھرا ہوا ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ میدان صاف پا کر بے خوفی سے ادھر آئے تو مار گرائے جائیں گے۔ ان کے پیراٹروپرز نے یہاں اترنے کی کوشش کی تھی مگر وہ بھی فضا میں بھون ڈالے گئے۔ ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکا لیکن اب میرا یونٹ یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"ہاں' یہ تو ہے۔" اس نے برجستہ کہا۔ "لیکن یار' تم نے زبردست کام کیا ہے۔ یہ سالے خود کو سن آف اے گن سمجھتے ہیں۔ جہاں جاتے ہیں' اپنے میزبانوں کے سینے پر مونگ دلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کولمبیا کے چیف ریڈیو افسر نے بس آدمی آن بورڈ ہونے کی خبر سنائی تھی۔ ہوا باز اور اس کے معاون کے علاوہ اٹھارہ میرین کمانڈو رہے ہوں گے اور تم نے ان سب کو مار دیا۔ یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ تمہارے یہاں سیلف ڈسپلن چلتا ہے۔ تم نے سوچا اور پورے خلوص سے انہیں مار ڈالا۔ ہم انہیں تلاش بھی کر لیتے تو اتنی آسانی سے مار نہیں سکتے تھے۔ ہمیں ان کی رپورٹ کو بھی مدِ نظر رکھنا پڑتا...... تم بے فکر رہو۔ تم نے موٹے کو مار مار کر اُس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ اب تم اسے چھوڑ بھی دو گے تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

"مجھے یہاں سے جانا تو ہو گا۔" اول خان نے افسردگی سے کہا۔ "کوچ میرے منصوبے میں نہیں تھا۔"

"تمہارے پاس بہت وقت ہے۔" کمانڈر سعید کے لہجے سے بے فکری مترشح تھی۔ "وہاں جو کچھ ہو رہا ہے' ہونے دو اور اپنا ساز و سامان سمیٹ کر ملیر چھاؤنی میں گھس کر کسی بھی میدان میں ڈیرا ڈال دو۔ جنگی مشقوں کی وجہ سے وہاں آج کل کافی گنجائش ہے۔ میں رات میں کسی وقت جلتے ہوئے ملبے کے دیکھے جانے کی رپورٹ ریکارڈ کروں گا۔ سب جانتے ہیں کہ ایسی چیزیں رات کے اندھیرے میں ہی صاف نظر آتی ہیں۔ اس کے بعد جو ہو گا' دیکھا جائے گا۔ یہ بات زیادہ اہم ہے کہ انہیں اپنی جسارت کا منہ توڑ جواب مل چکا ہے۔"

"یہ یاد رکھنا کہ اسے حادثہ قرار نہیں دیا جا سکے گا۔ فضا میں اترے ہوئے متعدد کمانڈو گولیوں کا نشانہ بنے ہیں۔ یہ بات فوراً ہی واضح ہو جائے گی کہ ہیلی کاپٹر زمین سے ہونے والی کسی کارروائی کا نشانہ بنا ہے۔"

"فکر مت کرو۔ وقت اور مہلت سے فائدہ اٹھاؤ۔ بکھری ہوئی لاشیں سمیٹ کر آگ میں جھونک دو۔ کھلے ہوئے پیراشوٹ کاٹ کر غائب کر دو۔ آگ سے چلنے والی گولیاں کسی بھی طرف پیوست ہو سکتی ہیں۔ کولمبیا والوں کی طرح ہم بھی اصل واقعات سے بے خبر ہوں گے۔ قیاس آرائیاں چلتی رہیں گی۔ میرے آدمی نت نئے نکتے نکال کر انہیں تھکا ڈالیں گے۔ کچھ بھی نہیں ہو سکے گا تو آخر میں یہ تباہی مفرور ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کے کھاتے میں ڈال دی جائے گی۔ دنیا جانتی ہے کہ آج کل ہم ان سنگین مسائل سے دوچار ہیں۔"

"راس المیڈا اور اس کے ٹریسر چپ کو تم بھول رہے ہو۔" اول خان بولا۔

"وہ سب آف دی ریکارڈ باتیں ہیں۔ ان کا حوالہ دے کر وہ خود پھنس جائیں گے۔ انہوں نے معصوم بن کر ہیلی کاپٹر گم ہونے کی رپورٹ دی' ہم ان سے زیادہ معصوم بن کر ملبہ ملنے کی اطلاع دے دیں گے۔ راس المیڈا کا نام وہ مر کر بھی نہیں لیں گے کیونکہ اس کی آمد سرے سے ریکارڈ پر نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب اس کے بارے میں کیا فیصلہ کیا گیا ہے؟ جب تک اس کا انجام سامنے نہیں آئے گا' راڈنی آرک کا قضیہ چلتا رہے گا اور وہ اس کے حوالے سے دباؤ ڈالتے رہیں گے۔"

"اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ کل سمندر سے اس کی پھولی ہوئی لاش مل جائے گی۔"

"گڈ!" کمانڈر سعید کی آواز سے پسندیدگی مترشح تھی۔ "ہم لوگ بھی دشمنوں کے بدترین دشمن ہیں لیکن تم ہماری مجبوریوں سے واقف ہو۔ ڈسپلن اور ضابطے سے ہٹ کر ہم ایک مکھی بھی نہیں مار سکتے۔ یہ اچھا ہوا کہ راس المیڈا جیسے خطرناک دہشت گرد کا معاملہ شروع سے ہی تمہارے ہاتھوں میں رہا ہے۔"

"میرے نہیں' ڈیڈی کے ہاتھوں میں رہا ہے۔" اول خان نے میری طرف دیکھتے ہوئے اس کی تصحیح کی۔ "آج کل ایس ٹی ایف کے لئے بڑے شکار وہی فراہم کر رہا ہے۔"

"یہ کوئی خطرناک سویلین ہے۔ میں نے اکثر اس کا ذکر سنا ہے۔ یہ کیا بلا ہے؟"

"نیم پاگل اور خبطی آدمی ہے۔" اول خان نے مجھے آنکھ مار کر کہا۔ "وہ ہر وقت ملک کے دشمنوں کی تلاش میں لگا رہتا ہے اور حیران کن بات ہے کہ اسے ایسے لوگ ملتے رہتے ہیں۔"

میں نے محسوس کیا کہ کمانڈر سعید کی بے خوف اور حوصلہ افزا باتوں نے اول خان کی پریشانیاں کافی حد تک دور کر دی تھیں اور اس کی خوش مزاجی بحال ہو چلی تھی۔

"میں کسی وقت اس دلچسپ شخص سے ملنا چاہوں گا۔" کمانڈر

سعید کہہ رہا تھا۔

"جب چاہو گے' اسے لے آؤں گا۔ راس الیڈا کے ذریعے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ پچھلے دنوں سمندری راستے سے را کے دو خطرناک اور شاطر ایجنٹ پاکستان بلکہ کراچی میں داخل ہوئے ہیں۔ اب ڈیٹی ان کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس معاملے میں جلد ہی کوئی بات سامنے آ جائے۔"

"اوہ!" کمانڈر سعید اس نئے انکشاف پر شاید چونک پڑا تھا۔ "یہ کب کی بات ہے؟"

"دو چار دن سے زیادہ پرانا قصہ نہیں ہے۔" اول خان نے جواب دیا۔

"وہ چاہے تو اس کے بارے میں مَیں اس کی تھوڑی بہت مدد کر سکتا ہوں۔"

"اس کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ تو ایک قومی کام ہے۔" اول خان نے فوراً ہی کہا۔ "آنے والے ایجنٹ یقینی طور پر یہاں کسی بڑے ارادے سے ہی آئے ہوں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ایک گہرے سانس کے بعد کمانڈر سعید کی آواز ابھری۔ "مشکل یہ ہے کہ تم لوگ آئین اور قانون سے ماورا ایک ادارہ ہو۔ عام حالات میں کوئی سرکاری محکمہ بلکہ سروسز والے بھی تم سے ربط ضبط رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے ورنہ ہماری معلومات اور تمہاری خود مختاری سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔"

کمانڈر سعید درست کہہ رہا تھا۔ ایس ٹی ایف والے پولیس' رینجرز اور فوج سے بہت مختلف مقاصد کے لئے کام کرتے تھے۔ وہ اندھیری راتوں میں چلنے والی خونی آندھی کی طرح اپنے ہدف پر حملہ آور ہو کر سرعت سے اسے نگل جانے پر یقین رکھتے تھے۔ ان کے عمل کا پیمانہ صرف ان کا یقین تھا۔ وہ جسے اپنا مجرم سمجھ لیتے تھے' اسے کسی حالت میں نہیں بخشتے تھے اور میں بارہا دیکھ چکا تھا کہ دوست اور دشمن کے بارے میں ان کے فیصلے غلط نہیں ہوتے تھے۔

"تم ڈیٹی کی مدد کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔" اول خان نے اسے یاد دلایا تھا۔

"ہاں' اپنے فرائض کی بجا آوری میں بہت سے ایسے حقائق بھی ہمارے علم میں آتے رہتے ہیں جن کا تعلق دوسرے سرکاری اداروں سے ہوتا ہے۔ ہم یہ حقائق متعلقہ محکموں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ان پر کارروائی کرنا یا نہ کرنا ان کے سربراہوں کی صوابدید پر ہوتا ہے۔ میں کراچی کے ساحل پر انسانوں کی غیر قانونی آمدورفت کا کاروبار کرنے والے دو بڑے ناموں سے واقف ہوں۔ را کے ایجنٹوں کی آمد کے بارے میں وہ ضرور بتا سکیں گے۔"

"وہ دونوں اتنے ہی بدنام ہیں تو تم ان پر ہاتھ کیوں نہیں ڈالتے؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک بار یہ حماقت کی تھی۔" کمانڈر سعید کا لہجہ یک بہ یک تلخ ہو گیا۔ "دوسرے دن ہی ڈیفنس سیکریٹری نے اوپر کے دباؤ پر انہیں رہا کرانے کے لئے فون کر ڈالا تھا۔ تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ ڈیفنس سیکریٹری پر دباؤ ڈالنے والا کس رتبے اور اختیار کا مالک رہا ہو گا۔"

"یہ کرپشن کی بدترین شکل ہے۔" اول خان آزردہ ہو کر بولا۔

"اور سفارش کی یہی لعنت ہمارے پیروں کا بوجھ بن کر ہمیں بربادی کے سمندر میں غرق کرتی جا رہی ہے۔"

"مجھے ڈیفنس سیکریٹری کے الفاظ آج بھی یاد ہیں۔ اس نے کہا تھا کہ ہر ادارے کو اپنے دائرے میں رہ کر کام کرنا چاہئے۔ نیول انٹیلی جنس کا محکمہ کوسٹ گارڈ' امیگریشن پولیس یا شہری پولیس کی سطح کے کاموں میں الجھ گیا تو اس کا اصل کام بہت پیچھے رہ جائے گا... اور شاید وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ ہماری بھیجی ہوئی خبریں فائلوں میں دفن کر دی جاتی ہیں۔ بعد میں کسی نے انسانوں کے ان دونوں اسمگلروں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔"

"تمہارا ڈیفنس سیکریٹری کوئی خرانٹ اور پرانا بیوروکریٹ رہا ہو گا۔ ایسے لوگ دریا میں اتر کر بھی اپنا دامن تر نہیں ہونے دیتے۔ مطلوبہ آدمیوں کو رہا کراتے ہوئے اس نے تمہیں سوچنے کے لئے ایک نیا فلسفہ دے دیا..."

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس نے اپنی سفارش کو ملامت کا روپ دے ڈالا تھا۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ انسانوں کی اسمگلنگ سے میرے محکمے کا کیا تعلق ہے۔ یہ امیگریشن کے قصے ہیں اور ان ہی لوگوں کو سنبھالنے چاہئیں لیکن اب دیکھو کہ تم اسی راہ سے را کے دو ایجنٹوں کی آمد کی خبر دے رہے ہو اور یہ دفاعی معاملہ بھی ہو سکتا ہے۔ ہمارا دفاعی نظام را والوں کا خصوصی ہدف بن چکا ہے۔"

"میں تو ذرا آگے بڑھ کر یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ دفاع میں ہماری ایٹمی صلاحیتوں کے خلاف مخبری اور تخریب کاری ان دنوں را والوں کے محبوب ترین شعبے ہیں۔ تم کن دو بڑے اسمگلروں کی بات کر رہے تھے؟"

"حاجی دل مراد اور غفور بھٹی اس بڑے کاروبار کو کنٹرول کرتے ہیں۔ بھارت کے ویران ساحلوں سے جوان سال مگر ننگی بھوکی بنگلہ دیشی عورتیں یہاں لائی جاتی ہیں اور یہاں سے بہت سے لوگ مشرق وسطیٰ اور خلیجی ریاستوں کی طرف روانہ کئے جاتے ہیں جن میں نارکوٹکس بلکہ ہیروئن لے جانے والے بھی شامل ہوتے ہیں۔"

"تم بہت دلچسپ اور باخبر آدمی ہو۔" اول خان نے ادب و احترام کے دائرے میں رہتے ہوئے کہا۔ "آج پہلی بار تم سے اتنی طویل گفتگو ہوئی ہے جس نے مجھے متاثر کیا ہے۔ حاجی دل مراد کے نام سے مجھے تخی مراد..."

اس نے قہقہہ لگا کر اول خان کی بات کاٹ دی اور کہا۔ "تم بتاؤ یا نہ بتاؤ مگر اندر کی خبریں مجھے مل ہی جاتی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ نجی مراد اپنے غیر ملکی آقاؤں کے کندھے پر سوار ہو کر ملکی سیاست میں اپنا قد بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا اور وہی اپنے کزن ولی داد کا قاتل تھا مگر حاجی دل مراد کا اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ بھٹ آئی لینڈ کے قریب واقع ایک چھوٹے سے جزیرے کا اکلوتا مالک ہے اور ایک ایسی خوابگاہ میں اپنی راتیں بسر کرتا ہے جو ایک مصنوعی سمندری نہر پر شیشے کا فرش ڈال کر تعمیر کی گئی ہے۔ سمندر چڑھتا ہے تو نہر کا پانی اس کے پیروں کو چھوتا ہوا شیشے کے فرش پر بہنے لگتا ہے۔ پانی اترتا ہے تو وہ مصنوعی نہر ایک پتلی سی پختہ نالی میں محدود ہو جاتی ہے۔"

"حیرت ہے کہ کراچی کے گردونواح میں بھی لوگ ایسی تخیلاتی زندگی گزار رہے ہیں۔"

"کراچی باخبر لوگوں کے لئے ایک جنتِ ارضی ہے جہاں پیسے کے زور پر دنیا کی ہر آسائش مل جاتی ہے۔ یہ ساری آسائشیں کہیں بھی مفت نہیں ملتیں۔ اسی کراچی میں جب باہر سے بے خبر لوگ آتے ہیں تو یہاں کی بلند و بالا عمارتوں تلے اپنے سائے تک سے محروم ہو جاتے ہیں۔ جہاں سایہ تک ساتھ چھوڑ دے، وہاں کسی اجنبی کو کوئی جیتا جاگتا ساتھی کیسے مل سکتا ہے؟"

"تو کیا تمہارا مشورہ یہ ہے کہ ڈیٹی خود اس جزیرے پر جا کر حاجی دل مراد سے ملے؟"

"نہیں، اس طرح اُس سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ وہ اجنبیوں سے دور رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کراچی کے کسی اچھے علاقے کے بجائے اپنے جزیرے پر رہتا ہے۔ میں خود کوئی راہ نکالوں گا۔"

"حاجی دل مراد کے علاوہ تم نے غفور بھٹی کا ذکر بھی کیا تھا۔"

"وہ دونوں ایک ہی کینڈے کے آدمی ہیں۔ خود کوئی کام نہیں کرتے لیکن اپنی دنیا کے بے تاج بادشاہ ہیں۔"

"آدمیوں کی اسمگلنگ کے لئے انہوں نے عملہ رکھا ہوا ہو گا؟" اول خان کا لہجہ استفسار طلب تھا۔

"ان کی کہانیاں عجیب سی ہیں۔ عشروں پہلے یہ اپنی بادبانی کشتیوں کے ملاح ہوا کرتے تھے۔ سمندر میں جال ڈال کر مچھلیاں پکڑتے اور فش ہاربر پر انہیں نیلام کر کے اپنی قلیل سی روزی کماتے تھے مگر اب سب کچھ بدل کر رہ گیا ہے۔ سارے غیر قانونی کام لانچوں کے مالکان کرتے ہیں اور یہ دونوں ان سے اپنا حصہ وصول کرتے ہیں۔ کراچی کے اطراف کے ہر غیر قانونی گھاٹ اور کھاڑی کو چھونے والی لانچ ان کا حصہ دینے پر مجبور ہے۔ ساحل پر اترنے والوں کے لئے پانچ سو روپے فی کس اور باہر جانے والوں کے لئے یہ ڈھائی ہزار فی کس لیتے ہیں۔ میں ان پر دباؤ ڈالوں گا تو کراچی اور بمبئی کے درمیان کام کرنے والوں سے بہت کچھ معلوم ہو جائے گا۔ یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ ڈیٹی کے جانے سے وہ اچٹ جائیں گے۔"

کمانڈر سعید کی وہ بات جاری تھی کہ میں نے اول خان کی میز پر سے قلم اور کاغذ لے کر ایک سطر لکھی "اس سے نیلور بامبے کے بارے میں پوچھو" اور پھر وہ کاغذ اول خان کے سامنے کر دیا۔

"تم نے اپنی زندگی سمندر میں گزاری ہے۔ نیلور بامبے بھی اب ایک ساحلی پہیلی معلوم ہوتی ہے۔ ان دو الفاظ نے کافی دنوں سے مجھے زچ کیا ہوا ہے۔ تم اس پر کوئی روشنی ڈال سکتے ہو؟"

"بمبئی کو انگریزی میں بامبے ہی لکھا اور کہا جا سکتا ہے۔ نیلور کراچی کے طویل ساحل پر نیلم پوائنٹ سے آگے ایک محفوظ ترین سمندری گھاٹ کا نام ہے۔ یہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوا؟"

"یہ دونوں الفاظ را کے ایجنٹوں کی آمد کے بارے میں ایک خفیہ پیغام کی صورت میں سامنے آئے تھے۔ میں اسے نیلور کے تحقیقی ری ایکٹر سے متعلق سمجھ رہا تھا۔"

"تمہارا قیاس بھی درست ہو سکتا ہے۔ سیکرٹ سروس والے اکثر ذومعنی اشارے کرتے ہیں۔ یہ بتا کر تم نے میرا کام آسان کر دیا ہے۔ شاید را والے بمبئی سے نیلور نامی گھاٹ پر لائے گئے ہوں گے۔ اُس طرف غفور بھٹی کا سکہ چلتا ہے۔ میں اس سے بات کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تم سے کل یا پرسوں رابطہ کروں گا۔" اول خان کے چہرے پر آسودگی پھیل گئی۔

"تمہارے پاس رات دس بجے تک وقت باقی ہے۔ میں اس کے بعد ہی ہیلی کاپٹر کا جلتا ہوا ملبہ دیکھنے کی اطلاع دوں گا۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔" کمانڈر سعید کی آواز آئی۔

اول خان نے ان باتوں کی تائید کی اور پھر اسپیکر فون بند کر دیا۔

"بڑی عجیب بات ہے کہ نئی مشکلات کا آغاز ہوتے ہی پرانے مسائل حل ہوتے ہوئے نظر آنے لگے ہیں۔" ویرا نے انگڑائی لے کر کہا۔ "اب کچھ دنوں کے لئے آرام ملتا ہوا نظر آ رہا ہے۔"

"راس الیڈا کی مدد کے لئے آنے والے اب زیادہ دیر تک نہیں بچ سکیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ سعید خود ہی ان کا کھوج نکال کر قصہ پاک کر دے۔ ایسے معاملات میں وہ ہمیشہ بہت سفاک ثابت ہوا ہے۔" اول خان نے پُرخیال لہجے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اسے سب کچھ بتا دیا گیا مگر ایک اشارے کا ذکر نہیں کیا گیا۔" غزالہ بولی۔

اول خان نے چونک کر اپنی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

"اسے نیلور بامبے والے پاس ورڈ کے ساتھ ساگا کے بارے میں بھی بتا دیا جاتا تو غفور بھٹی کا حافظہ آسانی سے تازہ ہو سکتا تھا۔

بھارت سے آنے والے ایجنٹوں کو ساگا نے ہی شہر میں کہیں پہنچایا ہو گا۔" غزالہ نے فوراً ہی اپنی بات کی وضاحت پیش کر ڈالی۔
غزالہ کا پیش کیا ہوا وہ نکتہ بہت جاندار تھا۔ اول خان نے فون پر دوبارہ کمانڈر سعید سے رابطہ کیا اور اسے نیلور بابیسے نامی سازش میں پرنس ساگا کے کردار سے آگاہ کر کے فون بند کر دیا۔ اس نے کسی بھی مرحلے پر اس کو یہ جتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کہ میں اس کے ساتھ موجود تھا۔
ساڑھے پانچ بجنے والے تھے۔ اول خان کے اسلام آباد رپورٹ دینے کا وقت سر پر آ گیا تھا۔ اسی کے ساتھ اسے شہر کے کسی محفوظ علاقے میں اپنے یونٹ کے نئے پڑاؤ کے انتظامات کرنے تھے۔ اس نے اپنے اریٹس پر اپنے کسی ذمے دار آدمی کو ہدایات دیں کہ سب لوگ جلتے ہوئے ملبے وغیرہ کو بھول کر اگلے ڈیڑھ گھنٹے میں وہاں سے بستر بوریا سمیٹ کر کوچ کی تیاری کر لیں۔ وہاں آبادی اور انسانی موجودگی کی علامات مٹا دی جائیں۔ میدان میں چونے کی لکیریں مٹا کر چونے سے رنگے ہوئے پتھروں کو زمین میں دفن کر دیا جائے۔ تین آدمیوں پر مشتمل ایک فعال ٹیم چھاتا برداروں کی لاشوں کو جلتے ہوئے ملبے میں ڈال دے اور ان کے کھلے ہوئے پیراشوٹوں کو یکجا کر کے اس طرح نذرِ آتش کر دیا جائے کہ ان کا کوئی سراغ باقی نہ رہے۔
"کیسی مجبوریاں ہیں۔" اس کے فارغ ہونے پر سلطان شاہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے آدمی اپنی ہی زمین پر خانہ بدوش بنے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے لئے ایک ٹھکانے کو بناتے اور سنوارتے ہیں اور جب زمین کے اس ٹکڑے سے اپنائیت کی بو آنے لگتی ہے تو وہ کسی اور ٹھکانے کا رخ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"
"ہم پیشہ ور مہاجر ہیں۔" اول خان نیم دلانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "کہیں بھی عمر بھر کا ساز و سامان کر کے اپنا گھر نہیں بناتے۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حالات کے دباؤ یا پر ملکی سلامتی کی ضروریات کے تحت کسی بھی وقت ہمیں اپنا ٹھکانا بدلنا پڑ جائے گا اس لئے ہر پڑاؤ پر ناگزیر اور کم سے کم لوازم کے ساتھ گزارہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری ہر ہجرت اپنی ہی زمین کے ایک ٹکڑے سے دوسرے ٹکڑے کی جانب ہوتی ہے۔ جگہ ضرور بدل جاتی ہے مگر مٹی کی بو باس وہی رہتی ہے۔"
"حیرت ہے کہ اس مادی دور میں بھی کچھ لوگ ایسی قناعت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔" سلطان شاہ نے پورے خلوص سے کہا۔ "ورنہ ہر طرف مقابلے کی ایک تھکا دینے والی دوڑ نظر آتی ہے۔"
"ہم نیم فوجی انداز میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بیشتر فوجیوں میں اس سے زیادہ قناعت نظر آتی ہے۔ خدا کی اس بادشاہی میں ہر طرح کی مخلوق رہتی ہے۔ کچھ لوگ مٹی پر پیر رکھنا بھی پسند نہیں کرتے اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو مٹی ہی میں لوٹ پوٹ کر اپنی ساری عمر گزارتے ہیں پھر اسی میں سو جاتے ہیں۔"
بات کرتے ہوئے اول خان نے مضطربانہ انداز میں اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ ساڑھے پانچ بجے فون کرنے کے لئے تخلیئے کا خواہش مند نہ ہو۔ میں نے فوراً ہی اسے پیشکش کر ڈالی۔ "اگر تم اکیلے میں فون کرنا چاہ رہے ہو تو ہم باہر جا سکتے ہیں۔"
"تم ہر بات کو عین موقع پر محسوس کر لیتے ہو۔" اس نے ہنس کر کہا اور ہم چاروں نے اپنی جگہیں چھوڑ کر دروازے کا رخ کر لیا۔

میں نے برآمدے کے ایک ستون سے ٹک کر سگریٹ سلگا لی۔ وہ تینوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے برآمدے میں آگے بڑھتے چلے گئے۔

اس وقت بھی ہماری بیرک سے بہت دور ہیلی کاپٹر کا ملبہ دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ دوسری آتش خیز اشیا کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں ایندھن کا ذخیرہ بھی موجود رہا ہو گا جو اس آگ کو بھڑکائے ہوئے تھا۔ آگ سے خارج ہونے والے دھوئیں کے سیاہ بادل ہلکی ہلکی ہواؤں کے ساتھ ایک وسیع علاقے میں اس طرح پھیل گئے تھے کہ وہاں مطلع ابر آلود ہونے کا سا سماں پیدا ہو گیا تھا۔
ایس ٹی ایف کی گاڑیاں ہر طرف سے سمٹ کر دوبارہ بیرکوں کے سامنے جمع ہو چکی تھیں اور فورس کے اہلکار بہت تیزی سے اپنا سارا ساز و سامان مال بردار ٹرکوں میں منتقل کر رہے تھے۔
میں ستون کے سہارے کھڑا پرُخیال نظروں سے دشمن کی چتا کا نظارہ کرتا رہا۔ ان لوگوں نے اپنا کام صحیح منصوبہ بندی سے کیا تھا اور پورے علاقے کا فضائی سروے کرنے کے بعد ایک محفوظ مقام پر اترنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ان سے بڑی غلطی یہ سرزد ہوئی تھی کہ وہ ہمارے ٹھیک ٹھیک اندازوں اور پیش بندیوں کا ذرا بھی ادراک نہیں کر سکے تھے اور اپنی اس کج فہمی کے نتیجے میں عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے تھے۔
میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایس ٹی ایف کی ایک گاڑی کہیں سے نمودار ہو کر ہیلی کاپٹر کے جلتے ہوئے ملبے کے قریب رکی اور پھر کئی افراد اس پک اپ کے پچھلے حصے میں سے وزنی لاشیں اتار کر جلتے ہوئے ملبے میں پھینکنے لگے۔ وہ ان کی روانگی کی تیاریوں کا ایک اہم مرحلہ تھا۔
ہمیں تقریباً دس منٹ تک برآمدے میں انتظار کرنا پڑا۔ ویرا اور غزالہ طویل برآمدے کے آخری سرے تک دو چکر لگانے کے بعد میرے قریب ہی آ کھڑی ہوئی تھیں۔ سلطان شاہ تھکے ماندے انداز میں ایک سیڑھی پر بیٹھا تنکے سے زمین پر لکیریں لگا رہا تھا۔
آخر اول خان اپنی اہم فون کال سے فارغ ہو کر خود ہی باہر آ گیا اور بولا۔ "اب تم لوگ اندر آ سکتے ہو۔ میں نے اپنا کام ختم کر لیا ہے۔"

"اندر آکر کیا کرنا ہے۔ اب ہمیں واپس لوٹنا چاہئے۔ تمہیں بھی یہ جگہ چھوڑنے کی تیاری کرنی ہے۔" میں نے آخری کش لے کر سگریٹ کا بچا ہوا حصہ چٹکی سے دور اچھالتے ہوئے کہا۔

"تم ہمیں کئی دنوں تک یہاں قیام کرانے کے ارادے سے لائے تھے مگر اب تمہیں خود اپنا یہ ٹھکانا چھوڑنا پڑ رہا ہے۔" ویرا نے قریب آتے ہوئے کہا۔ "انقلاب آتے ہیں تو سب کچھ کتنی تیزی سے بدل کے رہ جاتا ہے۔"

"تم لوگوں کے آنے سے واقعات کی رفتار تیز ہو گئی۔ میں اکیلا ہی سارے معاملات میں سر کھپاتا رہتا تو شاید ہیلی کاپٹر سے آنے والوں کا معاملہ ہی بہت طول پکڑ جاتا۔ مجھے خوشی ہے کہ چند ہی گھنٹوں میں یہ سارے قصے نمٹ گئے ورنہ ہم راس المیڈا تک پہنچنے کے بعد ایک ہی جگہ جم کر رہ گئے تھے۔" اول خان نے بائیں ہاتھ سے اپنا سر سہلاتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔ "اب دیکھو کہ کمانڈر سعید سے کیا خبریں ملتی ہیں۔"

"ہو سکے تو اس کا نمبر مجھے دے دینا۔" میں نے چونک کر یاد دلایا۔

"ہو سکتا ہے کہ ہمیں نئی جگہ پر جمنے میں کچھ وقت لگ جائے۔ تم میرے پاس ورڈ کے حوالے سے اس سے بات کر لینا۔ وہ خود بھی تمہارا گرویدہ معلوم ہوتا ہے۔" اول خان بولا۔

اول خان ہمیں اپنی گاڑی میں لایا تھا۔ ہماری واپسی کے لئے اس نے لینڈ کروزر کی چابی میرے حوالے کرنا چاہی مگر میں نے انکار کر دیا۔ منتقلی کے اہم موقع پر اسے لینڈ کروزر جیسی کثیر المقاصد اور طاقت ور گاڑی سے محروم کرنا مناسب نہیں تھا۔ آخر اس نے ایک ڈرائیور ہمارے حوالے کر دیا جو ہمیں گھر چھوڑ کر اول خان کی گاڑی واپس اسی مقام پر لے آتا۔ اول خان ویسے بھی اندھیرا پھیلنے تک وہیں رکنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"آج کے واقعات نے بڑوں کو فکرمند کر دیا ہے۔" اول خان نے ہمارے ساتھ لینڈ کروزر کی طرف جاتے ہوئے بتایا۔ "وہ اس جارحانہ مداخلت کو کسی بڑے واقعے کا پیش خیمہ قرار دے رہے ہیں۔"

"لیکن کمانڈر سعید کی باتیں تو بہت حوصلہ افزا تھیں۔" میں نے کہا۔

"وہ اس واقعے سے ہمیں بری الذمہ قرار دینے کی باتیں تھیں۔ میرے بڑے کو خوشی ہے کہ وہ اتنے ہمدردانہ انداز میں سوچ رہا ہے لیکن وہ ان کے مستقبل کے عزائم کو تبدیل نہیں کر سکتا۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ وقت آئے گا تو ان کی سازشوں کا تدارک بھی کر لیا جائے گا۔ ان سے ہر مقابلے کے بعد میرا حوصلہ بہت بڑھتا جا رہا ہے۔ تمہارے بڑوں کو خوش ہونا چاہئے کہ آج راس المیڈا کے فتنے کے خاتمے کے ساتھ ان کا ایک بڑا مشن بھی مکمل تباہی سے ہمکنار ہوا ہے۔ آنے والے دنوں کے بارے میں تشویش کا اظہار کر کے اس دن کی اہمیت کم نہیں کی جا سکتی۔"

"اور ہاں" وہ چونک کر بولا۔ "میں ایک بات بتانی بھول ہی گیا۔ راس المیڈا کی لاش سمندر سے برآمد نہیں ہو گی۔ اسے یہیں چھوڑ دیا جائے گا تاکہ صبح کے اخبارات میں اس کی خبر آ سکے۔"

وہ بہت مناسب تجویز تھی۔ ان دونوں واقعات کو یکجا کر کے حکام بہت سے مسائل اور وضاحتوں سے بچ سکتے تھے اور دوسری طرف رائے عامہ بھی بنائی جا سکتی تھی۔ بادی النظر میں یوں معلوم ہوتا جیسے وہ راس المیڈا کو قید کرنے والوں اور بحری کمانڈوز کا مقابلہ رہا ہو جس میں دہشت گرد اپنے سارے حریفوں کو ختم کر کے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ راس المیڈا کے بارے میں پہلے ہی اخبارات میں اتنا مواد چھپ چکا تھا کہ مقامی طور پر اس کے لئے ہمدردی کی کوئی لہر پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔

اول خان سے گفتگو ختم کر کے ہم لینڈ کروزر میں شہر کے لئے روانہ ہو گئے۔

○☆○

اگلے دن کے اخبارات سنسنی خیز خبروں سے بھرے ہوئے تھے۔ خبروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ہمارے لوٹ آنے کے بعد اول خان نے کچھ اور لوگوں سے بھی رابطے کئے تھے اور انہیں مزید معلومات فراہم کی تھیں۔

اعلیٰ حکام نے ہیلی کاپٹر کے پُراسرار حادثے میں مرنے والوں کے لئے تعزیتی پیغامات دینے کے ساتھ اس بات پر حیرت کا اظہار کیا تھا کہ اپنے بیڑے سے بھٹکا ہوا ہیلی کاپٹر ساحل سے ایک طویل فاصلہ طے کر کے اس ویرانے میں کیسے جا پہنچا تھا جہاں راس المیڈا جیسا رسوائے زمانہ دہشت گرد اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں پوری کر رہا تھا۔ وہ ایک خیال انگیز سوال تھا اور یہ رہنمائی فراہم کر رہا تھا کہ گمشدگی کی آڑ میں وہ ہیلی کاپٹر دراصل راس المیڈا کی تلاش میں ہی نکلا ہوا تھا کہ حریفوں کی زد میں آ گیا۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکنوں کی ایک دُکھتی ہوئی رگ پر بھی ہاتھ ڈال دیا گیا تھا۔

جان سیموئیل تک رسائی کے چکر میں سروار وجاہت اللہ کے غیر آباد مکان میں جو کچھ ہوا تھا' اس کا اخباروں میں ذکر آیا تھا نہ ان واقعات کی کوئی رپورٹ کی گئی تھی مگر ایک بڑے تحقیقاتی افسر کے حوالے سے یہ خیال ظاہر کر دیا گیا تھا کہ راس المیڈا کے بارے میں امریکن قونصل خانے کا جارج اسٹارک نامی افسر بہت کچھ بتا سکتا تھا۔ اس سے رابطے کی ہر باضابطہ کوشش ناکام رہی تھی۔ بتایا گیا تھا کہ وہ شدید علالت کی وجہ سے زیرِ علاج تھا اور اسے ملاقاتیوں سے بالکل دور رکھا گیا تھا۔

جارج اسٹارک ان لوگوں کی بہت بڑی کمزوری بنا ہوا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اسے کسی بھی پاکستانی افسر سے ملوایا گیا تو وہ اپنی راست گوئی کی بنا پر ان کے ہر فریب کا پردہ چاک کر دے گا جس

میں راس المیڈا کے سفارتی مراسم کا ذکر سرفہرست ہوتا۔

"یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے سب کچھ سنبھال لیا گیا ہو" اخبار پڑھ کر ویرانے دھیرے سے کہا۔

"ہمیں جو کچھ کرنا تھا' وہ کر گزرے ہیں۔ دشمن ان زخموں کی کسک دیر تک محسوس کرتا رہے گا۔ جن لوگوں کو حالات سنبھالنے ہیں' وہ اپنے کام سے واقف ہیں۔ اس بارے میں ہمیں فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔"

"تم نے اپنا انتقام لے لیا" سلطان شاہ نے ویرا سے کہا "یہ بڑی بات ہے کہ تمہیں اپنا عہد پورا کرنے کا موقع مل گیا۔ اس بار راس المیڈا بچ نکلتا تو وہ پاکستان میں رکنے کی حماقت ہرگز نہ کرتا اور تم ہاتھ ملتی رہ جاتیں۔ دیکھا جائے تو اس کھیل نے تمہاری ایک ذرا سی بات کی وجہ سے اتنا طول پکڑا ہے۔"

"شاید اب تم پھر وہی پرانا گیت گاؤ گے کہ میں نے کشمیر روڈ والے واقعے میں سگریٹ لائٹر جلا کر کھیل بگاڑنے کی داغ بیل ڈالی تھی؟" ویرانے تیوریوں پر بل ڈال کر کہا۔

"بگڑنے کی ضرورت نہیں" وہ جلدی سے بولا "سکون سے بات کرو۔ تمہاری کوشش تو یہی تھی کہ سب کچھ ختم ہو جائے۔ راس المیڈا تمہاری پرورش کی ذمے داری لے لے اور ہم لوگ کشمیر روڈ سے ناکام و نامراد لوٹ آئیں لیکن قدرت نے تمہاری اس تخریب کاری میں بھی بہتری کی ایک راہ پیدا کر دی۔"

"کچھ پتا نہیں چل رہا کہ تم میرے اوپر تنقید کر رہے ہو یا میری تعریف کرنی چاہ رہے ہو۔"

"کشمیر روڈ پر تم گڑبڑ نہ کرتیں تو سارا کھیل وہیں ختم ہو جاتا۔ سی زندہ رہتا' جارج اسٹارک جیسا ایمان دار امریکن ہماری نظروں میں نہ آتا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ راس المیڈا کے لیے امریکنوں کی حمایت اور فکر مندی کی انتہا واضح نہ ہوتی۔ یوں سمجھو کہ اس ذرا سی گڑبڑ کے بعد بلی تھیلے سے باہر آگئی اور مفت میں ان کے بیس، بحری کمانڈوز کو چاٹ گئی۔"

"نیلو ربا سے والی بات بھی اسی چکر میں کھلی ہے" غزالہ نے کہا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے اسپیکر فون کا ریسیور اٹھایا تو میرے کان میں وہ سریلی سی آواز آئی جو غیر ملکی فون کال ملتے ہوئے سنائی دیتی ہے۔ اس آواز پر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ مخصوص اشارے کے فوراً ہی بعد ریسیور میں ایک بھاری مردانہ آواز میں میرے بارے میں پوچھا گیا۔ وہ کوئی غیر ملکی تھا اور انگریزی بول رہا تھا۔

میں نے ارادہ کیا کہ اسے اپنے فرار یا روپوشی کے چکر میں ڈال دوں تاکہ وہ فون میرے دشمنوں کی طبع آزمائی کا مرکز نہ بن سکے لیکن اس طرح مجھے بولنے والے کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بارے میں جاننے کی واحد صورت یہی تھی کہ گفتگو کو حتی الامکان طول دیا جائے۔

میں نے لمحہ بھر میں ارادہ بدل کر انگریزی میں کہا "ڈینی گھر پر موجود نہیں ہے۔ تم کون ہو؟"

"وہ کب تک واپس آئے گا؟" اس نے میرے سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ میں اس کا گھریلو ملازم ہوں۔ وہ مجھے ہر بات بتا کر نہیں جاتا۔"

"گھریلو ملازم؟" اس کی آواز تضحیک آمیز ہو گئی "پاکستان جیسے جاہل اور پس ماندہ ملک میں انگریزی بولنے والے معمولی ملازم کب سے ملنے لگے؟"

"انگریزی پاکستان کی سرکاری زبان ہے اور یہاں معقول تنخواہ پر ہر زبان جاننے والے لگ مل جاتے ہیں۔ تم اپنی آواز سے غیر ملکی معلوم ہو رہے ہو۔ شاید تمہیں یہاں آئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔"

"میں اس وقت نیویارک سے بول رہا ہوں" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "مگر میں پاکستان اور ڈینی کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ ڈینی نے جو کچھ کیا ہے' بہت برا کیا ہے۔ اسے بتا دینا کہ میں جلد ہی پاکستان آرہا ہوں۔ اب اس کا وقت بہت کم رہ گیا ہے۔"

اس کا لہجہ دھمکی آمیز تھا مگر میں نے انجان بن کر سادگی سے پوچھا "تاریخ اور فلائٹ کا نمبر بتا دو تاکہ تمہیں لیا جاسکے۔ تم میرے مالک کے کوئی دوست معلوم ہوتے ہو۔"

"تم الو کے پٹھے ہو" اس کی غراہٹ ابھری "مسخرے کی طرح باتیں کرنے کے بجائے کان کھول کر سن لو کہ میں اس کی گردن توڑنے کے لیے آؤں گا۔ راس المیڈا کا خون معاف نہیں کیا جائے گا۔"

"تم راس المیڈا کے کوئی وارث ہو سکتے ہو جب کہ ڈینی ہمیشہ اسے لاوارث کتا کہتا رہا ہے۔"

"شاید تم خود ہی ڈینی ہو" وہ کسی فوری خیال کے تحت بولا۔ "اور اب اپنے انجام سے خوفزدہ ہو کر چھپنے کی کوشش کر رہے ہو مگر یہ یاد رکھو کہ اب تمہارے دن گنے جا چکے ہیں۔"

"اگر ڈینی تمہارے لیے اتنا ہی اجنبی ہے تو تم مجھے ڈینی سمجھ کر بات کر سکتے ہو۔ کبھی کبھی وہ اپنی مہمات پر مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ میں اس کی ساری نہیں تو بیشتر مصروفیات سے ضرور باخبر رہتا ہوں۔"

"میرے فون سے اسے سمجھ لینا چاہیے کہ میرا ہاتھ ہر وقت اس کے گریبان پر ہے۔ اس نے دوسروں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ میں کسی بھی وقت اسے مسل کر رکھ دوں گا۔"

"تمہاری یہ فون کال ڈینی کو ذرا بھی خوفزدہ نہیں کر سکے گی۔ یہ نمبر جان سیموئیل کو معلوم تھا۔ مرنے سے پہلے اس نے یہ نمبر

دوسروں کو بھی بتا دیا ہوگا۔ ڈینی کو ڈرانے کے لیے کوئی ڈھنگ کی بات بتاؤ۔"

"اس کے ساتھ کتیا کی بچی بھی بری طرح ماری جائے گی" میرے نقرے نے اسے بھڑکا دیا۔

"پتا نہیں اس عامیانہ گالی سے تم اپنی ماں کو کیوں یاد کررہے ہو۔"

"ویرا آج کل ڈینی کی ماں بنی ہوئی ہے۔ وہ دونوں ایک ساتھ موت کے گھاٹ اتارے جائیں گے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ نیویارک کے بجائے تم ملک الموت کے حجرے سے بول رہے ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری یہ گھٹیا باتیں اپنے مالک کے سامنے نہیں دہرا سکوں گا۔ تم اس قدر ڈرپوک چوہے ہو کہ یہاں سے ہزاروں میل دور ہوتے ہوئے بھی اپنا نام بتاتے ہوئے ڈر رہے ہو......"

"ڈیوڈ اسٹار کوئی نام نہیں' ایک تحریک ہے اور اب وہ ڈینی کے خون کی پیاسی ہے۔"

"پھر تم آئزک بیل سے ضرور واقف ہوگے" میں نے شوشا چھوڑا "اسے یہ بتادینا کہ راس المیڈا نے مرنے سے پہلے اسے بہت گالیاں دی ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے بعد آئزک اپنی نالائقیوں سے ڈیوڈ اسٹارز کو تباہ کردے گا۔"

"تم ڈینی ہو..... گندے سوڑ! تم ڈینی ہو" وہ اضطراری طور پر بول پڑا "یہ باتیں ایک معمولی ملازم کے بس کی نہیں ہیں۔ تم کان کھول کر سن لو کہ تمہاری موت میرے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے۔"

اس نے اعتراف نہیں کیا تھا مگر میں اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ آئزک بیل ہی ہوسکتا تھا۔ شاید اسے راس المیڈا کی موت کے بارے میں سب کچھ معلوم ہوچکا تھا اور اس نے مایوسی کے عالم میں مجھے فون کرڈالا تھا۔ نیویارک اور کراچی کے وقت میں دس گھنٹے کا فرق ہوتا ہے' اس لحاظ سے آئزک بیل رات کے بارہ بجے فون پر مایوسانہ ہذیان بک رہا تھا۔ اس کی وہ کیفیت ناقابلِ فہم نہیں تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ راس المیڈا کی موت کی خبر نے اس کے پرستاروں اور خیر خواہوں میں صفِ ماتم بچھادی ہوگی۔

"میں مسلسل تمہاری بکواس سن رہا ہوں۔ اب فون بند کردو اور کہیں غرق ہوجاؤ" میں نے درشتگی سے کہا "یہاں آؤگے تو میں تمہیں اپنے جسم کا ایک اہم بال دوں گا۔ تم نے اسے سیدھا کر دکھایا تو میں خود ہی ذبح ہونے کے لیے تمہارے سامنے لیٹ جاؤں گا۔"

جواب میں اس کا پارہ چڑھ گیا اور اس نے مغلظات کا دریا بہانا شروع کردیا۔ میرے لیے اس کی ذات میں مزید کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی۔ میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

جتنی دیر تک میں فون پر باتیں کرتا رہا' وہ تینوں حیرت اور بے یقینی سے میرا چہرہ تکتے رہے۔ میری یک طرفہ بے سروپا گفتگو نے انہیں بہت زیادہ الجھا دیا تھا۔

"راس المیڈا کی موت کی خبر امریکا پہنچ چکی ہے" ان میں سے کسی کے سوال سے پہلے ہی میں نے بتانا شروع کردیا "یہ فون وہیں سے آیا تھا۔ بولنے والے نے اعتراف نہیں کیا مگر وہ آئزک بیل ہی ہوسکتا تھا۔"

"اس کے اس فون کا کیا مقصد تھا؟" ویرا نے تجسس سے سوال کیا۔

"کھسیانی بلی کھمبا نوچ رہی تھی" میں نے ہنس کر کہا "وہ احمقانہ انداز میں یہ کہہ رہا تھا کہ اسے میرے فون نمبر تک سے واقفیت حاصل ہے اس لیے وہ جب چاہے' مجھے مار سکتا ہے۔"

"وہ ٹھیک کہہ رہا ہے" غزالہ نے کہا "جان کے ذریعے یہ فون نمبر نہ جانے کن کن لوگوں تک پہنچ چکا ہوگا۔ اس کے ذریعے کوئی بھی دشمن اس فلیٹ تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔"

"یہ خطرہ اپنی جگہ بجا ہے مگر یہ مکان چھوڑنے میں کتنی دیر لگتی ہے۔"

"تم یہاں سے کہاں جاؤ گے؟" ویرا نے پوچھا "ایسا آرام دہ مکان آسانی سے نہیں ملے گا۔"

"فی الحال میں یہیں رہ کر دیکھنا چاہوں گا کہ ان میں سے کون ادھر کا رخ کرتا ہے۔ اب انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ میرے ہاتھ بہت مضبوط ہیں۔ ادھر آنے والے زندہ بچ کر نہیں جاسکیں گے۔"

جب تک راس المیڈا زندہ تھا ہم ہر لمحے اسی کی تلاش میں سرگرداں تھے اور وہ ہماری بُو پر لگا ہوا تھا۔ اس کی موت کے بعد مجھے اپنی سرگرمیوں میں وقفہ آتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

لاہور سے کراچی آنے کے بعد میں نے جب سے ٹی میں شمولیت اختیار کی تھی' میرا سارا وقت منشیات یا ان سے پیدا ہونے والے مسائل میں ہی گزرا تھا۔ ابتدا میں میرا کام شہر میں چرس کی باقاعدہ فراہمی تک محدود تھا پھر ہیروئن کے آتے ہی میری ذمے داریوں میں اضافہ ہوگیا۔ میں نے بہت کم مدت کے لیے ہیروئن کے فروغ کے لیے کام کیا اور پھر اس کی تباہ کاریوں کے جیتے جاگتے مناظر دیکھ کر اس سے اتنا متنفر ہوا کہ بات بڑھتے بڑھتے ٹی سے بغاوت تک پہنچ گئی۔

وہ برسوں پرانی بات تھی۔ اس کے بعد میں اَن گنت محاذوں پر لڑتا رہا لیکن ہیروئن اور اس سے کمائی ہوئی بے اندازہ دولت مجھے ہر بڑی مجرمانہ سرگرمی میں کارفرما نظر آئی۔ یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے ہیروئن کے بل پر جرائم پیشہ وہشت گردوں نے ایک مضبوط اقتصادی نظام قائم کرلیا تھا اور دن بہ دن طاقت حاصل کرتے جارہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ راس المیڈا نے جمی لائیڈ کو ہٹا کر ٹی پر اپنا قبضہ جمایا تھا۔ بظاہر میری لڑائی راس المیڈا اور اس کے ہمدردوں سے تھی لیکن وہ کھیل بھی ہیروئن کے گرد گھوم رہا تھا۔ راس المیڈا اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا لیکن اس کا مشن آگے

بڑھانے والوں کا نیا سرخیل میدان میں آ چکا تھا۔

آئزک بیل کے فون کے بعد سے میرے ذہن کے کسی گوشے میں بار بار یہ تحریک پیدا ہو رہی تھی کہ میں امریکا کی سرزمین پر جا کر ٹی اور ڈیوڈ اسٹارز کے ادغام کے مشن کو ناکام بنانے کی کوشش کروں۔ ان لوگوں کی جڑوں پر وار کیے بغیر آئے دن کی فتنہ انگیزیوں پر قابو پانا ممکن نہیں تھا۔

میرے لیے امریکا کا رخ کرنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ ویزا اور دوسری سفری دستاویزات کے حصول میں اول خان میری مدد کر سکتا تھا۔ ویرا کو خوشی ہوتی کہ اس بہانے اسے اپنے وطن جانے کا موقع مل رہا ہے۔ غزالہ اور سلطان شاہ کو تو ہمیشہ ہی تبدیلیوں کی تلاش رہتی تھی مگر ایسا کوئی فیصلہ فوری طور پر نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ راس المیڈا کا معاملہ تازہ تھا اور دوسری طرف را کے دو خاص... ہرکارے پاکستان کی سرزمین پر موجود تھے۔ ان کی بیخ کنی کیے بغیر میں اول خان کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں ڈرائنگ روم میں تنہا رہ گیا۔ دوسرے لوگ ادھر ادھر مصروف ہو چکے تھے۔ میں نے وقت گزارنے کے لیے آواز دھیمی کر کے ٹیلی وژن کھول دیا۔

ٹیلی وژن کے پروگرام پھیکے اور بے جان تھے۔ میری طبیعت پر اکتاہٹ طاری ہونے لگی۔ میں ٹی وی بند کر کے وہاں سے نکلا تو غزالہ کچن میں مصروف تھی۔ میں خاموشی سے اپنے کمرے میں جا گھسا۔

میں ایک طویل غسل کے بعد لباس تبدیل کر رہا تھا کہ سلطان شاہ میرے کمرے کا دروازہ کھول کر بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر آگھسا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟ اس قدر پریشان کیوں ہو؟" میں نے غور سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"تین آدمی ہلاک اور سترہ زخمی ہوئے ہیں" اس نے بالکل بے تکے انداز میں کہا۔

"یہ کہاں کی خبر ہے اور تم تک کیسے پہنچی ہے؟" میں نے قدرے جھلا کر پوچھا۔

"یہ جوابی کارروائی معلوم ہوتی ہے" وہ بولا "صدر اور جناح اسپتال کے قریب طاقت ور بموں کے دو دھماکے ہوئے ہیں جن میں یہ نقصان ہوا ہے۔ میں اپنے بستر پر لیٹا ریڈیو پر گانوں کا فرمائشی پروگرام سن رہا تھا کہ مختصر خبروں کے بلیٹن میں یہ خبر بھی نشر کی گئی۔"

"یہ کب کا واقعہ ہے؟" میں نے اپنے اعصاب پر قابو پا کر سوال کیا۔

"بلیٹن میں صرف آج صبح کا ذکر تھا۔ وقت نہیں بتایا گیا۔"

"ایسی وحشیانہ کارروائی پر ہر دردمند آدمی کو صدمہ ہونا چاہیے مگر تم کچھ زیادہ ہی پریشان ہو گئے ہو۔"

"تم خود غور کرو کہ اس دھماکے کے ذمے دار کون ہو سکتے ہیں۔"

"دہشت گردوں کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ وہ صرف دہشت گرد ہوتے ہیں۔ کوئی بھی یہ کارروائی کر سکتا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ راس المیڈا بھی بہت بڑا دہشت گرد تھا۔ شہر بلکہ ملک بھر میں مہینوں سے ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ پھر راس المیڈا کے مرتے ہی یہ تباہی کیسے نازل ہو گئی؟"

"وہ لوگ ابھی اپنے صدمے ہی سے نہیں سنبھل سکے ہوں گے۔ اس کارروائی کو اندھا دھند طریقے پر ان سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ دس میں سے ایک امکان یہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"اور تم کہاں جانے کی تیاری کر رہے ہو؟" اس کا لہجہ ناقدانہ ہو گیا۔

"شہر کی سڑکیں ناپنے کا ارادہ تھا۔ اب وہ جگہیں بھی دیکھ لوں گا جہاں بموں کے دھماکے ہوئے ہیں۔"

"تم بے مقصد بہت کم باہر نکلتے ہو۔ سچ بتاؤ کہ کیا ارادہ ہے۔"

"ابھی میرا ذہن بالکل صاف ہے۔ باہر نکلنے کے بعد کوئی پروگرام بن جائے تو دوسری بات ہے۔"

ایک مرتبہ پھر فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے لپک کر اپنی خواب گاہ میں موجود ایکس ٹینشن کا ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے آنے والی آواز سن کر میرے وجود میں طمانیت کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

ادھر سے اول خان کہہ رہا تھا "میں رات گئے گھر لوٹ آیا تھا۔ اب تک ہمارا نیا پڑاؤ جم چکا ہوگا۔ سوچا کہ ادھر جانے سے پہلے تم سے بات کر لوں۔ ابھی ہمارے پاس فون نہیں ہے۔"

"چلتے ہوئے ایک اپریٹس ہی دے دیتے تو رابطہ کرنے میں بروقت آسانی رہتی۔"

"فی الحال ہمارے پاس وہی ایک طاقت ور سیٹ ہے۔ ایک اپریٹس تحویل سے نکل جانے کے بعد ہم نے وہ پورا سسٹم بند کر دیا تھا۔ نیا سسٹم آئے گا تو تمہاری شکایت دور ہو جائے گی۔"

اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شہر میں ہونے والے دھماکوں سے لاعلم تھا۔ میں نے اسے سلطان شاہ کی سنی ہوئی خبر سے آگاہ کیا تو وہ چونک پڑا۔

تفصیل سننے کے بعد اس نے جو تبصرہ کیا وہ سلطان شاہ کی رائے سے ہم آہنگ تھا۔

میرے پاس اعتراض تیار تھا۔ اس نے کہا "اس وقت کوئی امریکن ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ تمہاری یہ بات سو فیصد درست ہے کہ اکیس لاشیں اٹھانے کے بعد ان پر سوگ کے ساتھ دہشت بھی طاری ہو گی لیکن تم را والوں کو کیوں بھول رہے ہو۔ ان کے دو آدمی راس المیڈا کے بلاوے پر ہی آئے تھے۔ اخبارات دیکھنے کے بعد انہوں نے شہر میں اپنی موجودگی کا احساس دلانے کا کوئی بندوبست کر لیا ہو گا۔"

"شہر میں موجود بھارتی سفارت کاروں میں را کے کتنے آدمی ہیں؟" میں نے سوچتے ہوئے پوچھا۔
"کہا جاتا ہے کہ پاکستان آنے والے ہر سفارت کار کو را والے تربیت دے کر بھیجتے ہیں تاکہ معلومات کے حصول کا کوئی موقع ضائع نہ ہونے پائے۔ کل سترہ نفوس میں تین آدمی را کے جانے پہچانے ایجنٹ ہیں۔"
"ان کے ذریعے ہم نئے آنے والوں تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ویسے عام حالات میں بھی را کے تینوں ایجنٹوں پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔"
"تمہارے چھوڑے ہوئے ویرانے کی کیا خبریں ہیں؟ کیسی کہانیاں بن رہی ہیں؟"
"رات کو ہم اندھیرے میں وہاں سے روانہ ہوئے تو سلگتا ہوا ملبہ کسی بھیانک شمشان کا سماں باندھ رہا تھا۔ اب وہاں کے معاملات دوسرے متعلقہ لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ کوئی خبر مل گئی تو ٹھیک ہے ورنہ میں دوسروں کے معاملات میں عام طور پر دلچسپی نہیں لیتا۔"
"ادھر کی خیر خبر رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں ایک مرتبہ پھر معزول کردیا جائے....."
"میری روزی اور عزت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے ان چیزوں کی کبھی پروا نہیں رہی۔ میں اپنے کام سے پورا پورا انصاف کرتا ہوں اور نتیجہ اس پر چھوڑ دیتا ہوں۔ حالات نارمل رہے اور میں رات کو گھر آیا تو تمہیں فون کروں گا۔ اس وقت اس بارے میں مزید باتیں ہوں گی۔"
وہ اس کی طرف سے بات ختم کرنے کا اشارہ تھا۔ میں نے بھی گفتگو کو طول نہیں دیا۔ فون بند کرکے میں مڑا تو خلافِ توقع سلطان شاہ غائب تھا۔
میں پوری طرح تیار ہو کر کمرے سے کچن کے دروازے پر پہنچا تو غزالہ نے بڑی حیرت سے میرا جائزہ لیا۔
"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں' میں ہوا خوری کے لیے جارہا ہوں۔ شام تک لوٹ آؤں گا" میں نے محبت سے اس کا رخسار تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے پیچھے سے سلطان شاہ کے زبردستی کھانسنے کی آواز آئی۔
غزالہ شرما کر چولھے کی طرف متوجہ ہوگئی۔ سلطان شاہ اس قلیل سی مدت میں اپنے بدن پر کپڑوں سے جوتے تک منڈھ کر تیار ہوچکا تھا اور پیچھے کھڑا مسکرا رہا تھا۔
"کیا بات ہے؟ تم کہاں جارہے ہو؟" میں نے انجان بن کر خشک لہجے میں پوچھا۔
"تمہارے ساتھ جارہا ہوں" اس نے ڈھٹائی سے کہا۔
"عورتوں کے ساتھ یہاں رہ کر کیا کروں گا۔"
"میں تمہیں نہیں لے جاؤں گا" میں نے برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔
"غصہ مت کرو" وہ میرے قریب آکر سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "آوازیں سن کر دیرا باہر نکل آئی تو میرے علاوہ اسے بھی ساتھ لے جانا پڑے گا۔ وہ راستے بھر تمہارا دماغ چاٹتی رہے گی۔"
میں بے بسی سے اسے گھور کر رہ گیا اور ایک جھٹکے سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ سلطان شاہ اپنی کامیاب بلیک میلنگ پر فاخرانہ انداز میں زیرِلب مسکرا رہا تھا۔
سلطان شاہ نے گاڑی روانہ ہوتے ہی بموں کے دھماکوں والی جگہیں دیکھنے کی فرمائش کی تو میں نے چڑ کر وہ ارادہ منسوخ کردیا حالانکہ پہلے میں خود ہی ادھر سے گزرنے کا ارادہ کرچکا تھا۔
"تم ہنستے بولتے ہوئے اچھے لگتے ہو" تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد سلطان شاہ کی زبان چل پڑی "بلاوجہ اپنے اوپر غصہ طاری کرکے تم ساری مردانہ وجاہت تباہ کرلیتے ہو۔"
"ذرا پیچھے کا خیال رکھو" میں نے بلاوجہ عقب نما آئینے پر نگاہ ڈال کر سنجیدگی سے کہا۔
"کیوں؟ کیا کوئی گاڑی پیچھا کررہی ہے" اس نے تیزی سے پوچھا۔ وہ پہلو بدل کر اپنی سیٹ میں فوراً ہی یوں ترچھا ہو کر بیٹھ گیا تھا کہ کن انکھیوں سے پیچھے کا جائزہ بھی لے سکے۔
"ہاں۔ مجھے کالی ٹویوٹا پر شبہ ہورہا ہے" میں نے اسے پوری طرح وہم میں ڈال دیا۔
ڈرائیونگ سیٹ میرے قبضے میں تھی۔ میں ٹریفک کی آڑ لے کر اپنی گاڑی کی رفتار اس طرح گھٹاتا بڑھاتا رہا کہ وہ کالی کار کوششوں کے باوجود گنجان ٹریفک میں مجھ سے آگے نکلنے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ سلطان شاہ وقفے وقفے سے پیچھے کا جائزہ لے رہا تھا اس لیے اسے میرے اس مشغلے کا اندازہ نہیں ہوسکا۔ وہ پوری سنجیدگی سے اسی غلط فہمی میں مبتلا رہا کہ کالی ٹویوٹا ہمارا پیچھا کررہی تھی۔
وہ وقفے وقفے سے پُرجوش لہجے میں تبصرے بھی کرتا جارہا تھا۔ کلفٹن برج سے اترتے ہوئے وہ بے بسی سے بولا۔ "خدا کی قدرت ہے کہ شہر کے ہر کونے میں کوئی نہ کوئی واقعہ تمہاری آمد کے انتظار میں رکا رہتا ہے.... اب گھومنے نکلے ہو تو اس منحوس گاڑی نے پیچھا کرنا شروع کردیا۔"
بے اختیار میری ہنسی چھوٹ گئی "تم نرے گھامڑ ہو۔ اتنی شاندار گاڑی کو منحوس کہہ رہے ہو۔"
پل اترنے کے بعد میں نے داہنی طرف جگہ خالی کی اور کالی کار زن سے آگے نکل گئی تو سلطان شاہ کسی ہونق کی طرح میرا منہ تکتے ہوئے بولا "یہ تو آگے نکل گئی۔"
"تم یہی چاہتے تھے نا؟ اب کیا پریشانی ہے تمہیں؟" میں نے لطف اندوز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ میں بالکل مطمئن اور خوش ہوں" وہ منہ پھلا کر بولا۔

ہوٹل میٹروپول کے سگنل تک پہنچنے سے پہلے میں اپنے اس بے مقصد سفر کی کسی سمت کا تعین کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مجھے حاجی دل مراد اور غفور بھٹی کے نام یاد آگئے اور میں نے اس ٹریفک سگنل سے بائیں طرف مڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ شہر میں بے مقصد بھٹکنے سے بہتر تھا کہ وقت کو کام میں لایا جاتا۔

وہ چھٹی کا دن نہیں تھا۔ کاروباری ایام میں آئی آئی چندریگر روڈ پر صبح سے رات تک ٹریفک کی اس قدر کثرت رہتی ہے کہ وہاں گاڑی چلانی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس پی آئی ڈی سی ہاؤس کے قریب واقع ریلوے پل سے آگے مولوی تمیزالدین روڈ پر سڑک صاف ستھری رہتی ہے۔ ویسے بھی ان دنوں مائی کلاچی بائی پاس کا منصوبہ نہیں تھا اس لیے وہاں بہت کم ٹریفک رہتا تھا۔ میں نہایت اطمینان سے اس راستے پر گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا پل پر سے کیماڑی کی طرف مڑ گیا۔

"تم بہت دیر سے خاموش بیٹھے ہوئے ہو" میں نے گاڑی موڑ کر سلطان شاہ کو چھیڑا۔

"جب تم کرنٹ مارنے لگتے ہو تو خاموشی میں ہی عافیت نظر آتی ہے۔"

"تمہیں پتا ہے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے اسے مزید اکسایا۔

"یہ راستہ کیماڑی کی طرف جاتا ہے۔ اس سے آگے حاجی دل مراد کا جزیرہ ہے۔"

"خوب!" میں نے اس کے حافظے کی داد دے کر کہا "تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ کمانڈر سعید نے اسے اجنبیوں سے دور رہنے والا شخص قرار دیا تھا۔"

"وہی کیا' سارے بڑے مجرموں کا یہی وتیرہ ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت اپنے جان نثاروں میں گھرا رہنا پسند کرتے ہیں۔ بھیڑ بھاڑ سے انہیں خوف آتا ہے۔ پتا نہیں تم ادھر کیوں جا رہے ہو۔ مناسب تیاری اور منصوبہ بندی کے بغیر میں تمہیں ادھر کا رخ کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"مشورے کا شکریہ۔ ہم کھلے سمندر میں تھوڑی دیر تک موٹر بوٹ کی سیر کر کے لوٹ آئیں گے۔ مجھے خودکشی کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ حاجی دل مراد کی بات تم ہی نے چھیڑی ہے۔"

"اگر تمہیں دل مراد میں دلچسپی نہیں ہے تو ادھر کا راستہ کیوں لیا ہے؟"

"کہیں نہ کہیں تو جانا ہی تھا۔ میں نے سوچا کہ تمہیں سمندر کی سیر کرا دی جائے۔"

"اب یہ احسان بھی میرے سر پر ہی رکھو گے؟" وہ تنک کر بولا۔

"مجبوری ہے کیونکہ اس وقت یہاں تمہارے سوا اور کوئی دستیاب نہیں ہے۔"

"تمہارے ذہن میں کوئی خطرناک منصوبہ پرورش پا رہا ہے تو اسے جھٹک دو اور آگے سے گاڑی موڑ لو" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "دل مراد جیسے لوگ بہت گھنے اور خطرناک ہوتے ہیں۔ ساحل پر بھی اس کے گرگے پھیلے ہوئے ہوں گے۔ تم اس کا نام زبان پر لاؤ گے اور اسے خبر مل جائے گی۔"

میں راستے میں اپنی دل بستگی کے لیے اس سے الجھتا چلا آیا تھا ورنہ حقیقت میں میرا کوئی پلان نہیں تھا۔ اسی وجہ سے میں نے اس کے اصرار کو کوئی اہمیت نہیں دی اور گاڑی ایک طرف پارکنگ میں لگا دی۔

پتھروں سے بنی ہوئی قدیم ایک منزلہ عمارت میں بنے ہوئے راستے سے گزر کر ہم اس سائبان کے نیچے پہنچ گئے جس سے آگے سمندر کا پانی جھلملا رہا تھا۔

ہمیں دیکھ کر کئی افراد ہماری طرف آئے۔ وہ ہمیں بادبانی کشتی یا موٹر بوٹ میں کھلے سمندر میں سیر کرانے کی پیشکش کر رہے تھے۔ نیچے پانی میں انجنوں اور انسانوں کا ملا جلا شور سنائی دے رہا تھا۔ سائبان کے نیچے بنے ہوئے پختہ گھاٹ سے سمندر میں اترنے والی سیڑھیوں کے ساتھ فی سواری کے حساب سے چلنے والی متعدد بوٹس لنگر انداز تھیں اور اگلی بوٹ کے بعد اپنی باری کی منتظر تھیں۔

کرائے والی ان کشتیوں میں سیاحوں کی تعداد آٹے میں نمک سے زیادہ نہیں تھی۔ بیشتر مسافر وہ تھے جو منوڑہ اور اس کے قرب و جوار میں واقع جزائر سے اپنی روزی کمانے کے لیے منہ اندھیرے کراچی چلے آتے تھے اور پھر مناسب رقم کمانے کے بعد شام سے پہلے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔

مسافروں میں مردوں سے زیادہ تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی۔ ان میں سے بعض دور ہی سے بیمار نظر آ رہے تھے۔ شاید ان بیماروں کو سمندر میں گھری ہوئی اپنی آبادیوں میں علاج معالجے کی زیادہ سہولتیں میسر نہیں تھیں جس کی وجہ سے بیماروں کو کراچی لانا اور لے جانا ناگزیر تھا۔

سمندر کا سینہ چیر کر اپنی روزی کمانے والے مچھیروں اور ملاحوں کی وہ نسلیں صدیوں سے یوں ہی رہتی بستی چلی آ رہی تھیں۔ کراچی کی پُرشکوہ عمارتوں اور پُرہجوم بازاروں کو دیکھ کر بھی ان غریبوں کی زبان پر کوئی شکوہ نہیں آتا تھا۔ وہ اپنی اپنی قسمتوں پر شاکر رہنے کے عادی تھے۔ ایمان کی مضبوطی اور دنیا کی رنگینیوں سے بے نیازی کا احساس درحقیقت ایسے ہی صابر و شاکر چہروں کو دیکھ کر تقویت پکڑتا ہے۔

میرے لیے وہ تماشا نیا نہیں تھا۔ میں پہلے بھی اس طرف آتا رہا تھا اور میں نے اس چھوٹے سے گھاٹ پر نئی اور پرانی قدروں کا

ایسا امتزاج دیکھا تھا جو دلوں کو سکون اور روح کو بالیدگی عطا کرتا ہے۔ میں اپنے گردوپیش سے لطف اندوز ہوتا ہوا داہنی طرف چل دیا جہاں پانی کی لہروں پر پرائیویٹ کشتیاں ہلکورے لے رہی تھیں۔
ہمیں اس طرف آتا دیکھ کر کئی چہروں پر امید کے دیے روشن ہوگئے۔
ہم نے ایک آدمی سے بات کی۔ اس نے ہمیں اشارے سے سفید رنگ کی ایک صاف ستھری موٹر بوٹ دکھائی جس پر چھوٹا سا کیبن بھی بنا ہوا تھا۔
اس نے ایک طویل چکر کے چار سو روپے طلب کیے۔ اس کی مسکینی اور شرافت کو دیکھتے ہوئے میرا دل نہ چاہا کہ اس سے مول تول کروں مگر خود کو ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالا رکھنے کے لیے ایسی گفتگو ضروری تھی۔ وہ ساڑھے تین سو روپے میں ہمیں سمندر کی سیر کرانے پر رضامند ہوگیا۔
سودا ہوجانے کے بعد پتا چلا کہ سفید موٹر بوٹ اس کی نہیں تھی۔ وہ گھاٹ پر مسافروں کو گھیر گھار کر بوٹ والوں سے اپنا معاوضہ لیتا تھا۔ بوٹ کا دو نفری عملہ اس کے مالک اور اس کے نوخیز بیٹے پر مشتمل تھا۔ ان دونوں نے ہمیں سیڑھیوں سے اپنی بوٹ تک پہنچنے میں کافی مدد دی کیونکہ درمیان میں دوسری بہت سی کشتیاں حائل تھیں اور پانی کے مدوجزر کے ساتھ بری طرح ہل رہی تھیں۔ انہیں ہٹائے بغیر سفید بوٹ کو سیڑھیوں تک لانا ممکن نہیں تھا۔
گاہک مل جانے پر ہماری بوٹ کے ناخدا کا سینہ قدرے تن گیا تھا۔ دوسری کشتیوں پر کھڑے ہوئے ملاح اور ناخدا اسے رشک و رقابت کی ملی جلی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ باپ بیٹے نے صاف نشستوں کو مزید رگڑ کر ادب اور احترام سے ہمیں بٹھایا پھر معمر ناخدا نے وھیل پر جا کر انجن اسٹارٹ کردیا۔ نوخیز لڑکے نے برابر والی کشتی کے بانس سے بندھا ہوا رسا کھول کر سمیٹا اور پھر بوٹ آہستہ آہستہ گھوم کر گھاٹ سے دور ہونے لگی۔ کشتی کے پیچھے پانی میں ایک سفید سی لہریے دار لکیر بنتی جارہی تھی۔
ہم دو آدمیوں کے لیے وہ موٹر بوٹ کافی بڑی تھی۔ بوٹ چینل سے باہر نکلی تو داہنی طرف برتھوں پر لنگرانداز مال بردار جہازوں کی قطاریں نظر آئیں۔ بھانت بھانت کے پرچموں اور خوشنما رنگوں والے جہازوں کی وہ بھیڑ بہت دلکش تھی۔ موٹر بوٹ کی رفتار آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی مگر سامنے کھلا سمندر ہونے کی وجہ سے وہ مناظر ایک ہی جگہ تھمے ہوئے محسوس ہورہے تھے۔
کراچی کی بندرگاہ کی اپروچ سے باہر پائپوں اور بڑے بڑے والوں سے لیس پختہ آئل جیٹی ہمارے بائیں ہاتھ پر تھی۔ خوردنی اور دیگر اقسام کا تیل لانے والے چھوٹے جہازوں سے سپر ٹینکر تک بندرگاہ میں داخل ہوئے بغیر سارا تیل طویل پائپوں کے ذریعے ساحلی ٹینکیوں میں منتقل کرسکتے تھے۔

بظاہر میں ان نظاروں میں ڈوبا ہوا تھا مگر میری نظریں باپ بیٹے پر مرکوز تھیں۔ اس وقت تک وہ دونوں ہی مصروف تھے۔ جوں ہی موٹر بوٹ کھلے سمندر میں آئی، معمر ملاح نے وھیل اپنے بیٹے کے حوالے کیا اور خود ہمارے پاس آکھڑا ہوا۔ اس کی عمر بہت زیادہ نہیں تھی لیکن پختہ رنگ کی جلد پر بے شمار لکیروں کی صورت میں تجربے کی تحریر نمایاں تھی۔
نگاہیں چار ہونے پر وہ دوستانہ انداز میں مسکرایا تو اس کے سفید دانت موتیوں کی قطاروں کی طرح چمکنے لگے۔ "صاب یہ جرمنی کا جہاز ہے۔ وہ فرنچی لوگ کا کنٹینر شپ ہے جو پرسوں آیا ہے....." اس نے داہنی طرف اشارے کرکے ہمیں بتانا شروع کیا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔
"کھڑے کیوں ہو؟ یہاں ہمارے پاس بیٹھ جاؤ!" میری پیشکش پر وہ ہمارے سامنے والی سیٹ کے ایک کنارے پر معذرت خواہانہ انداز میں ٹک گیا۔
"ادھر سمندر میں لوگ ڈرتا ہے۔ بولتا ہے بوٹ بچہ لوگ کو مت دو" وہ کہنے لگا "تم دلیر لوگ ہے۔ ہمارا بیٹا فرسٹ کلاس بوٹ چلاتا ہے۔ اس کا اینٹی کارڈ بنے گا تو اسے بھی لیسنس مل جائے گا۔"
"تمہارا بچہ پڑھنے جاتا ہے؟" گفتگو کو ہمدردانہ نجی رنگ دینے کی خاطر میں نے پوچھا۔
اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ معدوم ہوگئی۔ اس نے اداسی سے کہا "کیسے پڑھیں گا؟ ہم نے یہ موٹر بوٹ قسطوں پر خریدا ہے۔ روزی ملے یا نہ ملے، قسط دینا پڑتا ہے۔ شہر کا لوگ ابھی کلفٹن جاتا ہے۔ ادھر کوئی کوئی آتا ہے۔ دھندا بہت خراب ہوگیا ہے۔ کبھی کبھی دھکے پر اکھا دن خراب ہوجاتا ہے، کوئی نہیں ملتا۔ موٹر بوٹ کا ہیلپر روز کا سو روپیہ لیتا ہے۔ ہم کدھر سے دے گا۔ اسی لیے بچہ لوگ ہمارا ہیلپر ہے۔"
"بڑی کٹھن زندگی ہے تمہاری..... رہتے کہاں ہو؟" میں نے اگلا سوال کیا۔
"اُدھر!" اس نے شمال مغرب کی طرف سمندر میں نظر آنے والے آثار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا "بھٹ آئی لینڈ پر ہم لوگ کا گھر ہے۔ روز موٹر بوٹ دھکے پر باندھ کر رات بارہ بجے والی لانچ سے ہم لوگ گھر جاتا ہے۔ صبح پھر واپس آنا پڑتا ہے۔"
"اپنی بوٹ میں گھر نہیں جاتے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔
"ڈیزل بہت جلتا ہے" اس نے معصومانہ بیچارگی سے کہا "لانچ چار روپے کرایہ لیتا ہے۔ خدا کا شکر ہے ہمارا سب لوگ بھوکا اٹھتا ہے مگر بھوکا نہیں سوتا۔ گزارہ ہوجاتا ہے۔"
"بھٹ آئی لینڈ پر رہنے والوں کا یہی حال ہوگا" میں نے کہا۔
"ارے نہیں صاب!" وہ برا مان کر بولا "ادھر پیسے والا لوگ

بھی رہتا ہے۔ اپنا حاجی دل مراد آج تجوری کھولے تو سارا کراچی خرید لے گا..... اپنا اپنا نصیب ہے۔ موٹر بوٹ کا قسط اترے گا تو ہمارا بھی دن بدلے گا۔ سمندر سے موٹر بوٹ میں بہت سامان کراچی آتا ہے۔ جہاز باہر لنگر ڈال کے مال نیچے ہریا کرتا ہے۔ اس میں بہت پیسہ ہے مگر قسط والا لانچ ادھر نہیں جاسکتا۔"

کام کی بات نکل آئی تھی۔ مجھے یاد تھا کہ کمانڈر سعید نے حاجی دل مراد کو کسی جزیرے کا مالک بتایا تھا مگر ہماری بوٹ کا ناخدا اسے بھٹ آئی لینڈ کا باسی بتا رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید وہ دل مراد کی امارت کی وجہ سے اسے اپنا کر بھٹ آئی لینڈ کی عزت میں اضافہ کرنا چاہ رہا ہے۔ میں نے انجان بن کر سوال کیا "حاجی دل مراد تمہارے جزیرے پر ہی رہتا ہے؟"

"اور کدھر رہے گا۔ اس کا گھر میں شیشے کا زمین ہے اندر رنگا رنگ بتی جلتا ہے اور جب پانی چڑھتا ہے تو ادھر بھی بہتا ہے۔ شہر کا لوگ ادھر جا کر پاگل ہو جاتا ہے۔"

"وہ غریبوں کی مدد نہیں کرتا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کس کس کا مدد کرے گا؟ جو بنتا ہے وہ کرتا رہتا ہے۔ ہر لڑکی کا شادی پر پانچ ہزار روپیہ دیتا ہے۔ ہمارے ساتھ دس دوسرا لوگ کو بھی اس نے موٹر بوٹ دلایا ہے۔ ابھی وہ اور کیا کرے گا؟"

میں اس سے حاجی دل مراد اور اس کی پراسرار مصروفیات کے بارے میں بہت سی باتیں کرنی چاہ رہا تھا لیکن وہ اندر سے اتنا دکھی تھا کہ دوسروں کے بارے میں زیادہ سوچنے یا بولنے کا عادی نہیں تھا۔ وہ دل مراد کے بارے میں ایک آدھ فقرہ بول کر پھرتی سے پٹڑی بدل لیتا تھا۔ میرے بار بار ٹوکنے سے اسے میری نیت پر شبہ ہوسکتا تھا۔ اس لیے میں نے چند ناکام کوششوں کے بعد اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

رفتہ رفتہ بات سلطان شاہ کی سمجھ میں آگئی تھی کہ میں ادھر کیوں آیا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے ناخدا سے دل مراد کا تحیر خیز مکان دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے فوراً ہی اپنی جوابی شرائط پیش کر دیں جن میں سو روپے کا اضافی معاوضہ سرفہرست تھا۔

دوسری شرائط یہ تھیں کہ حاجی دل مراد کے گھر میں ہر کس و ناکس کا داخلہ ممکن نہیں تھا اس لیے وہ جزیرے کا چکر کاٹ کر دور سے اس کا شاندار مکان دکھا سکتا تھا۔ ہمیں دوربین یا کیمرے سے اس کے گھر کا جائزہ لینے یا تصویر بنانے کی اجازت نہیں تھی۔

ہمارے پاس دوربین یا کیمرے کا وجود نہیں تھا۔ سلطان شاہ معاوضے پر اس سے الجھتا رہا۔ آخر پچاس روپے میں بات بن گئی اور وہ اپنے بیٹے کو ہٹا کر خود وھیل پر جم گیا۔ اس کا بیٹا ہماری طرف آنے کے بجائے موٹر بوٹ کے پیندے میں جمع ہو جانے والا وہ پانی باہر پھینکنے میں مصروف ہو گیا جو اونچی لہروں کی بوچھاڑ سے اندر آرہا تھا۔

موٹر بوٹ کے انجن کی غراہٹ تیز ہوتی چلی گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہمارا ناخدا اپنی کشتی کو اسپیڈ بوٹ بنانے پر تل گیا ہو۔ جھاگ اڑاتی ہوئی دیو پیکر موجوں کا سینہ چیر کر ہماری موٹر بوٹ تیز رفتاری سے رخ بدلتی رہی۔ وہ بندرگاہ سے دور ہو کر بھٹ آئی لینڈ کے آثار سے قریب تر ہوتی جارہی تھی۔

وہ بہت طویل فاصلہ نہیں تھا۔ چند ہی منٹ میں ہماری موٹر بوٹ بھٹ آئی لینڈ کے پسماندہ ساحل کے متوازی دوڑ رہی تھی اور پھر کسی کے کہے بغیر وہ مکان ہماری نظروں میں آگیا جو اپنی وسعت کے اعتبار سے کسی حویلی سے کم نہیں تھا۔

ساحل پر اس کی ایک دیوار پانی میں آگے تک بڑھی ہوئی تھی۔ ساحلی محلِ وقوع کی وجہ سے وہ مکان جزیرے کی دوسری آبادی سے بالکل الگ ہو کر رہ گیا تھا۔ اپنے رقبے کے سوا اس میں باہر سے کوئی خصوصیت نظر نہیں آرہی تھی کیونکہ وہ عام گھروں کی طرح سپاٹ چھت والا ایک منزلہ گھر ہی تھا جس کی بلندی قدرے زیادہ تھی۔

اس مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے معمر ناخدا نے گردن گھما کر ہمیں وہی بات بتائی جو ہم پہلے سے جان چکے تھے۔ انجن اور لہروں کے ہم آہنگ شور میں ناخدا کی آواز دب کر رہ گئی۔ ہم نے اس سے کچھ پوچھا' نہ اس نے اپنی بات دہرانے کی ضرورت محسوس کی۔ سفر اسی رفتار سے جاری رہا۔

جلد ہی ہماری موٹر بوٹ بھٹ آئی لینڈ سے دور نکل گئی۔ ایک مرتبہ پھر ہم کھلے سمندر میں تھے جہاں سمندر کی سطح کے ساتھ ساتھ جا بجا آبی پرندوں کے غول منڈلا رہے تھے۔ وہ ایک دلچسپ تماشا تھا۔ جوں ہی پانی کی سطح پر مچھلی یا کوئی اور آبی مخلوق نمودار ہوتی تھی' کوئی بھوکا پرندہ تیزی سے اس پر حملہ آور ہوتا اور پانی میں چونچ ڈال کر شکار کو دبوچتے ہی بلندیوں کی طرف پرواز کر جاتا۔

ناخدا کو ہم سے جو کچھ ملنے کی امید تھی' وہ پوری ہو چکی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ہمارے اس تفریحی سفر کو مختصر کر کے زیادہ سے زیادہ ڈیزل یا رقم بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہم دونوں کو بھی سمندر اور سمندری حیاتیات سے کوئی خاص رغبت نہیں تھی۔ اس نے منوڑہ کے ایک مختصر سے حصے کے قریب سے ہو کر موٹر بوٹ کو واپسی کی راہ پر ڈالا تو ہم نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اس دوران میں ناخدا مسلسل موٹر بوٹ چلاتا رہا۔ اس نے دوبارہ ہمارے پاس آنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہماری موٹر بوٹ تھکے ماندے انداز میں سست روی سے مسافر لانچوں والے چینل میں داخل ہو رہی تھی اور بالآخر وہ خالی سیڑھیوں کے ساتھ جا لگی۔

رقم ادا کر کے ہم دونوں موٹر بوٹ چھوڑ کر اوپر آگئے۔ سب کو معلوم تھا کہ ہم سمندر کی سیر سے واپس لوٹے ہیں لہٰذا اس بار پُرامید نظروں نے ہمارا پیچھا نہیں کیا اور چند منٹ بعد ہم اپنی گاڑی

میں سفر کر رہے تھے۔

"یہاں آکر تمہیں کیا حاصل ہوا؟" آخر کار سلطان شاہ وہ متوقع سوال پوچھ ہی بیٹھا۔

"گھر بیٹھے رہتے تو جو چار باتیں معلوم ہوئی ہیں، وہ بھی نہ معلوم ہوتیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم نے دل مراد کا گھر دیکھ لیا۔ اس تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ ذاتی جزیرے کے بجائے گنجان آباد بھٹ آئی لینڈ پر ہی رہتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ کمانڈر سعید کو اس بارے میں مغالطہ ہے۔"

"ہم نے دل مراد کا مکان بہت دور سے دیکھا ہے۔ اس بارے میں ہم کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے۔"

"کمال ہے کہ تم آنکھوں دیکھی ایک حقیقت سے چشم پوشی کر رہے ہو۔"

"چشم پوشی کے ساتھ نظر بندی کے بارے میں بھی سوچ لو۔ بظاہر وہ بھٹ آئی لینڈ کے ایک ساحلی حصے پر قابض ہے لیکن جو شخص سمندری پانی کو اپنی خواب گاہ میں سے گزار سکتا ہو اس کے لیے یہ کیا مشکل ہے کہ وہ اپنی حویلی کے گرد ایک وسیع سمندری نالا تیار کر کے اسے بھٹ آئی لینڈ سے الگ ایک ذیلی جزیرے کی صورت دے دے؟ یہ ایسی بات ہے جو ساحل پر اترے بغیر نہیں دیکھی جا سکتی۔"

"شاید تمہارا اندازہ درست ہے" میں نے خندہ پیشانی سے اپنی شکست تسلیم کر لی "کمانڈر سعید جیسا پیشہ ور آدمی کوئی غیر مستند بات زبان سے نہیں نکال سکتا۔"

ہم ٹمبر پونڈ کے سامنے سے گزرے تو میرے ذہن میں عرصے پہلے ہونے والی وہ خوفناک معرکہ آرائی تازہ ہو گئی جو خالی کنٹینرز کے جنگل میں لڑی گئی تھی۔ اس مقابلے میں ٹریلر پر قابض ہونے کے بعد ہی ہم اس قابل ہو سکے تھے کہ فریڈم لاج کے شٹر کھلوا کر وہاں کوئی کارروائی کر سکیں۔

واپسی میں میرا موڈ معمول پر آ چکا تھا۔ سلطان شاہ کی خواہش سے بڑھ کر میں خود بھی ان مقامات کا جائزہ لینا چاہتا تھا جہاں صبح بموں کے دھماکے ہوئے تھے۔

صدر کے اس حصے کی طرف جانے والے راستے پر ٹریفک جام تھا۔ شاید ہر شخص ادھر ہی سے گزر کر گھر جانے کے چکر میں تھا۔ میں خود بھی کافی دیر تک اسی بھیڑ میں پھنسا رہا پھر چند جارحانہ کرتب دکھا کر اپنی گاڑی کو ایک گلی کے راستے جام سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

شہر کے مرکزی حصے کا ایک طویل چکر کاٹ کر ہم شارع فیصل کے چوراہے پر پہنچے تو وہاں پولیس کی گاڑیوں نے جناح اسپتال کی طرف جانے کا راستہ مسدود کیا ہوا تھا۔ ٹریفک کی روانی کی وجہ سے وہاں رک کر کسی سے پوچھ گچھ کرنے کا موقع نہیں تھا۔ بس آثار کچھ ایسے تھے جیسے وہ پورا علاقہ تفتیش کرنے والوں کی زد میں آیا ہوا ہو۔ ان کی آزادانہ کارروائیوں کے لیے اہل کاروں نے وہ سڑک ہی بند کر دی تھی۔

"جناح اسپتال کے ساتھ امراض قلب کے قومی ادارے کا راستہ بھی بند کر دیا گیا ہے۔" آگے نکل جانے کے بعد سلطان شاہ غصیلے لہجے میں بولا "اس وقت کسی کو دل کا دورہ پڑ جائے تو پولیس والوں کی حرکتوں کی وجہ سے اسے طبی امداد بھی نہیں مل سکے گی۔"

"ایسا شاید نہ ہو" میں نے خوش فہمی کا سہارا لے کر کہا "وہ راستہ عام لوگوں کے لیے بند کیا گیا ہے۔ مریضوں کو ادھر جانے سے نہیں روکا جا رہا ہوگا۔"

سلطان شاہ مجھے کوئی جواب دینے کے بجائے کھڑکی کی طرف منہ پھیر کر زیر لب بڑبڑاتا رہا۔

یہ اس کی فطرت تھی کہ وہ کسی بات پر الجھتا تھا تو پھر الجھتا ہی چلا جاتا تھا۔ میں ایسے مواقع پر اسے اس کے حال پر چھوڑ دینے کی پالیسی پر عمل کیا کرتا تھا۔

آپس میں مزید کوئی بات کیے بغیر ہم گھر پہنچے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔

وہاں ویرا قہربار نظروں کے ساتھ میرے استقبال کے لیے تیار تھی میرے اندر گھستے ہی اس نے کاٹ کھانے والے لہجے میں سوال کیا "دیکھ آئے بموں کے دھماکوں والی جگہ؟"

"میں ڈرائیونگ کے لیے نکلا تھا۔ میرا خیال تھا کہ تم سو رہی ہوگی ورنہ تمہیں بھی ساتھ لے لیتا۔ اتنی سی بات پر تم اپنا موڈ کیوں خراب کر رہی ہو؟" میں نے نرم اور مصالحانہ لہجے میں کہا۔

"تم دونوں کہاں گئے تھے؟" اس بار ویرا نے سلطان شاہ سے سوال کیا تھا۔

"کہیں بھی نہیں.... بے مقصد آوارہ گردی کر رہے تھے۔ واپسی پر متاثرہ علاقوں سے گزرنا چاہا تو وہاں راستے مسدود ہیں۔ میں زبردستی ڈیڈی کے ساتھ لگ گیا تھا۔"

"میں مان ہی نہیں سکتی کہ تم دونوں نے اتنا وقت بے مقصد گزارا ہوگا۔"

اس وقت سمندر کی سیر یا حاجی دل مراد کا گھر دیکھنے کا ذکر کرنا اپنی شامت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا۔ حقیقت کچھ نہ ہونے کے باوجود دل مراد کے نام میں ایک تجسس تھا۔ ویرا اس کا نام سنتے ہی اور زیادہ بھڑک اٹھتی۔ میں نے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا "تم یقین کرو کہ ہم وقت برباد کر کے آئے ہیں۔"

ویرا جھانسے میں آ گئی۔ اس وقت میں نے جھوٹ بولا تھا نہ حقیقت بیان کی تھی۔ میرے الفاظ کا تعلق نتائج سے تھا مگر وہ بات ویرا کی سمجھ میں نہیں آئی اور اس کے چہرے کے عضلات نرم پڑ گئے۔

"ویرا غصے کے عالم میں ٹیکسی کے ذریعے تمہاری تلاش میں نکلنا چاہ رہی تھی۔ میں نے بہت مشکل سے اسے روکا ہے۔" جھگڑا

مل جانے پر غزالہ نے مجھے بتایا۔
"فی الحال بھول کر بھی ایسا قدم نہ اٹھانا" میں نے بوکھلا کر کہا "زخم خوردہ دشمن کم ظرف ہو تو بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ صرف تم کو پہچانتے ہیں۔ حلیے میں نمایاں تبدیلیاں کیے بغیر تم باہر نکلیں تو کہیں نہ کہیں پہچان لی جاؤ گی۔ تازہ معاملات سرد ہونے تک تمہیں احتیاط برتنی ہوگی۔"
"میں جب تک یہاں رہوں گی، جلد کی رنگت کا معاملہ رہ رہ کر مجھے ستاتا رہے گا۔"
"جلد کی رنگت ہی نہیں، تمہارے تیکھے خدوخال بھی مغرب کی چغلی کھاتے ہیں۔"
"کسی وقت میری کھوپڑی سنک گئی تو میں ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر چہل قدمی کے لیے نکل پڑوں گی۔"
"ہم لوگ کوشش کریں گے کہ ایسی نوبت نہ آنے پائے" میں نے کہا۔
"تمہاری ہر بات پر ہاں میں ہاں ملاتے رہیں گے تاکہ تم خوش رہو" سلطان شاہ دانت نکال کر بولا۔
غزالہ ایک مرتبہ پھر غیر جانب دار ہو گئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ہم دونوں کھانا کھائے بغیر گھر سے چلے گئے تھے۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور چائے کے ساتھ متعدد لوازم لاکر میز پر جمع کر دیے۔
ہم لوگ چائے نوشی میں مصروف تھے کہ اول خان نے اچانک پہنچ کر سب کا دل خوش کر دیا۔
"اس وقت یہاں چائے تیار ملی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وقت کا پہیہ اب میرے حق میں گھوم رہا ہے۔ اس وقت مجھے گرم اور تیز چائے کی شدید خواہش محسوس ہو رہی تھی" یہ کہتے ہوئے اس نے بے تکلفی سے سلطان شاہ کی پیالی اٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگالی۔
"امریکن سفارتی افسران اس وقت شدید پریشانیوں میں گھر گئے ہیں" چائے کے دو گھونٹ لینے کے بعد اول خان نے کہا "ہر بات ان کے خلاف جا رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ مدافعانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"
"تم کس حوالے سے یہ بات کر رہے ہو؟" میں نے اس سے وضاحت طلب کرنی چاہی۔
"ہر حوالے سے سمجھ لو۔ تمہارے ذہن میں کیا بات آ رہی ہے؟" اول خان خوش مزاجی کے مظاہرے پر تلا ہوا تھا۔
میں نے پلک جھپکتے میں ایک دور از کار نکتہ سوچ کر کہا "کیا یہ بات جارج اسٹارک کے بارے میں ہے؟"
"انہوں نے اسے بیمار قرار دے کر کڑی نگرانی میں محصور کیا ہوا ہے۔ انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ جارج کے صحت یاب ہوتے ہی وہ اس سے ملاقات کا بندوبست کرائیں۔ اب وہ خاموشی سے اسے یہاں سے نہیں نکال سکیں گے۔ ان کے پاس ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اسے واقعی بیمار کر دیں اور ابتر حالت میں بہتر علاج کے بہانے اسے یہاں سے نکال لے جائیں۔ ایسی صورت میں بھی انہیں ہمارے دفتر خارجہ کو پیشگی اطلاع دینی پڑے گی۔"
"یہ تم کیا لے بیٹھے" ویرا چڑ کر بولی "پہلے راس المیڈا کی بات ہونی چاہیے۔"
"راڈنی آرک کی گمشدگی کے بعد وہ اس کی تصاویر فراہم کر چکے ہیں جو راس المیڈا کی ہی ہیں۔ تصاویر کی لاش سے اتنی گہری مماثلت کی وجہ سے لاش کی شناخت کو متنازع بنا دیا گیا ہے۔ فنگر پرنٹس کے بغیر یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ وہ ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں۔"
"اسے ٹال مٹول نہ سمجھو۔ یہ وقت حاصل کرنے کے بہانے ہیں" میں نے کہا "وہ کسی بھی شخص کے جعلی فنگر پرنٹس دے دیں گے۔ کون ثابت کرے گا کہ وہ راڈنی آرک کے فنگر پرنٹس نہیں ہیں۔"
"راڈنی آرک اور راس المیڈا ایک ہی شخصیت کے دو نام تھے۔ یہ بات کہیں نہ کہیں ثابت ہو کر رہے گی" اول خان نے اصرار کیا "تفتیش سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن مجھے بتایا گیا ہے اس بات پر بھرپور زور دیا جائے گا۔"
"وہ راڈنی آرک کی بازیابی کے مطالبے سے دستبردار ہو جائیں گے تو یہ معاملہ خود بخود سرد خانے کی نذر ہو جائے گا۔ ہمارے زور دینے سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔" میں نے جواب دیا۔
"سفارتی محاذ پر ایسی ہی شطرنجی چالیں چلی جاتی ہیں۔ یہ بات وہ بھی جانتے ہیں کہ راڈنی آرک کی گمشدگی کو بھول جانے کا کیا مطلب ہوگا۔ وہ یہاں اپنی سرگرمیاں محدود کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس وقت ان کے سامنے ایک بڑا سوال یہ بھی ہے کہ ان کا ہیلی کاپٹر اس مقام پر کیسے پہنچ گیا جہاں راس المیڈا مارا جا چکا تھا۔ یہ بہت الجھی ہوئی باتیں ہیں۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کا پورا کھیل بے نقاب ہو چکا ہے" وہ بولا۔
"یہ سب دکھاوے کی کاغذی لڑائیاں ہیں" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "تمہیں ان کی رگ رگ سے واقفیت حاصل ہو چکی ہے۔ وہ تمہارے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ ان پر ساری تباہی ڈینی اور اسپیشل ٹاسک فورس کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے نازل ہوئی ہے۔ وہ اس الزام کو ثابت نہیں کر سکتے اس وجہ سے خاموش ہیں۔ کام کی بات صرف اتنی سی ہے کہ وہ یہاں اپنی سرگرمیاں محدود کرنے پر مجبور ہو جائیں گے مگر میری ایک بات کہیں لکھ لو کہ وہ ڈینی کو معاف نہیں کریں گے۔"
"تمہارا یہ فتویٰ تشویشناک ہے" غزالہ نے کرسی پر پہلو بدل کر کہا۔
"اس کا سبب ہے" ویرا زور دے کر بولی "اداروں کی لڑائیاں مدتوں چلتی ہیں کیونکہ ان میں عہدوں کا تسلسل ہوتا ہے۔ اچھے اور

برے افسر آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان کی وجہ سے محاذ آرائی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے لیکن فرد صرف اپنی زندگی تک لڑ سکتا ہے۔ اس کی زندگی کا چراغ گل کردیا جائے تو اس سے وابستہ سارے خطرات وہیں ختم ہوجاتے ہیں۔ وہ ڈینی کے بارے میں کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے۔"

"آج اس کا اظہار بھی ہوچکا ہے" سلطان شاہ نے ویرا کی بات میں اضافہ کیا۔

"کیا اظہار؟" اول خان نے چونک کر پوچھا۔

سلطان شاہ نے نیویارک سے آنے والی دھمکی آمیز فون کال کی کہانی دہرادی۔

"بھونکنے والے کتے کاٹا نہیں کرتے" اول خان نے پوری بات سن کر حقارت سے کہا "وہ سب مل کر بھی ڈینی کا بال بیکا نہیں کرسکتے۔ اب تک انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ڈینی ایک فرد نہیں ہے۔ وہ اعزازی طور پر ایس ٹی ایف کا ناگزیر حصہ بن چکا ہے۔ ہماری منصوبہ بندیوں میں ڈینی کے کردار پر خصوصی بحثیں ہوتی ہیں۔ یہ راز کی بات ہے جو میں آج پہلی بار تم لوگوں کو بتا رہا ہوں۔ میں نہ رہا تب بھی ایس ٹی ایف ڈینی کی بھرپور پشت پناہی کرے گی۔"

"یہ تمہاری بڑائی ہے کہ تم اتنے کھلے دل سے میری عزت افزائی کررہے ہو" میں نے اول خان کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا "مگر مجھے ایس ٹی ایف سے الگ ہی رکھو۔ تمہارا کڑا ڈسپلن میرے بس سے باہر ہے۔ میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندہ رہنا جانتا ہوں۔ یہ بزدل مجھ سے نفرت کرنے کے باوجود میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ میں جلد ہی ان کے گھر میں گھس کر انہیں سبق سکھاؤں گا۔"

حیرت سے اول خان کی آنکھیں پھیل گئیں "ذرا سی بات پر اتنا اشتعال!"

"یہ اس وقت کی بات نہیں ہے" میں نے کہا "میں پہلے ہی امریکا کا رخ کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں مگر اس میں کچھ وقت لگے گا۔ میں اپنے فیصلے بہت سوچ سمجھ کر کرتا ہوں۔"

"اس بات کو یہیں ختم کردو" اول خان نے اضطراری انداز میں اپنی چائے کی پیالی خالی کرکے کہا "ابھی ہم کو نیلو ربا میں آنے والے ایجنٹوں کے بارے میں بھی کچھ کرنا ہے۔"

"کیا ہم یہ فرض نہیں کرسکتے کہ وہ مایوس ہوکر واپس چلے گئے ہوں گے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"کیسے فرض کرلیں۔ تم آج کراچی میں ہونے والے دھماکوں کو کیوں بھول رہی ہو۔"

"کیا اس بارے میں کچھ شواہد سامنے آئے ہیں؟" غزالہ نے اس سے جوابی سوال کرڈالا۔

"شواہد بھی سامنے آجائیں گے مگر میں ان کی تاریخ کی روشنی میں سوچتا ہوں" اول خان نے تحمل سے کہا "پاکستان میں وہ ہمیشہ بموں کے دھماکوں سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے ہیں۔ یہ ان کا مخصوص طریقۂ واردات ہے۔ پچھلے چند برسوں سے وہ سندھ کے اندرونی علاقوں سے بڑھ کر کراچی میں بھی امن وامان کے مسائل پیدا کرنے لگے ہیں۔ ان کو کسی بھی صورت میں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔"

"ان کے بارے میں کمانڈر سعید کیا کہتا ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"ابھی بات کرتا ہوں" وہ وال کلاک پر نگاہ ڈال کر بولا "وہ آٹھ نو بجے تک اپنے دفتر میں رہتا ہے۔ اس وقت بھی وہیں ہوگا۔"

اول خان نے وہیں بیٹھے بیٹھے کمانڈر سعید کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

معمول کے مراحل کے بعد وہ لائن پر آیا تو آتے ہی شکوہ کرنے لگا کہ اس کے بار بار فون کرنے پر بھی اول خان کے گھر سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔

اول خان ہنس پڑا "اسٹیشن فور چھوڑنے کے ساتھ میرے گھر کا نظام بھی گڑبڑ ہوگیا ہے۔ بیوی بچے چھٹیاں ہونے کی وجہ سے آج صبح ہی پشاور کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔"

"مجھے تشویش ہونے لگی تھی کیونکہ اب میرے پاس تمہارا وہی رابطہ تھا۔ غفور بھٹی سے میری بات ہوگئی ہے۔ وہ ساگا کے حوالے سے دو مشتبہ آدمیوں کی آمد کی کہانی سنا رہا ہے۔"

"وہ کون ہیں اور آج کل کہاں ہوسکتے ہیں؟" اول خان وہ خبر سنتے ہی جوش میں آگیا۔

"یہ سب اسے نہیں معلوم" کمانڈر سعید کا جواب حوصلہ شکن تھا "ابتدا میں وہ ایک لفظ بھی نہیں بتا سکا تھا۔ ان راستوں سے اتنے لوگ آتے جاتے ہیں کہ ان کے بارے میں کچھ یاد رکھنا ناممکن ہے۔ جب اسے ساگا کا حوالہ دیا گیا تو اسے یاد آگیا کہ سات آٹھ دن پہلے بمبئی سے آنے والی لانچ کے ذریعے دو ایسے آدمی نیلو گھاٹ پر اترے تھے جنہیں لینے کے لیے ساگا خود وہاں آیا تھا۔"

"اور ساگا مرچکا ہے" اول خان نے مایوسانہ لہجے میں کہا "ہم بند گلی میں کھڑے ہیں۔"

"میں اس سچویشن کو سمجھ رہا تھا۔ غفور بھٹی نے اپنی یادداشت کے سہارے ان دونوں کا جو حلیہ بتایا ہے' اس کی بنیاد پر میرے آرٹسٹ الگ الگ خاکے بنا رہے ہیں۔ وہ مکمل ہوگئے تو غفور بھٹی کی مدد سے انہیں اصل چہروں سے قریب تر لایا جائے گا" کمانڈر سعید اسپیکر فون پر کہہ رہا تھا۔

"یہ خاصا طویل کام ہوگا۔ اس وقت تک وہ نجانے کہاں ہوں گے۔"

"یہ کام کل مکمل ہوجائے گا۔ یوں سمجھو کہ غفور کی یادداشت

نے اسے دھوکا نہ دیا تو یہ خاکے تصاویر کا بدل ثابت ہوں گے۔ ان کی مدد سے تم دونوں کو تلاش کر سکو گے۔"

"میں ان تصاویر کا انتظار کروں گا۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ تم نے نیلور گھاٹ کے وجود سے آگاہ کر کے مجھے ایک ذہنی عذاب سے نجات دلا دی ہے۔ موجودہ حالات میں مجھے ان خاکوں پر ہی انحصار کرنا ہوگا۔"

"ایک بات یاد رکھنا۔ اگر وہ اتنی رازداری کے ساتھ آئے ہیں کہ انہوں نے غیر قانونی راستہ اختیار کرنے کو ترجیح دی ہے اور پھر وہ ساگا کی مدد سے شہر پہنچے ہیں تو وہ ہر قیمت پر اپنے معروف ساتھیوں سے دور ہی رہیں گے۔ یہ نکتہ ان کی تلاش میں مددگار ثابت ہوگا۔"

"اپنے ساتھیوں سے دوری کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی ہوٹل وغیرہ میں ٹھہرے ہوں گے۔"

"تم ٹھیک سمجھ رہے ہو۔ چھوٹے اور درمیانہ درجے کے ہوٹلوں میں ان کا سراغ مل سکتا ہے۔"

"ہوٹل والے غیر ملکیوں کو سفری دستاویزات کے بغیر نہیں ٹھہراتے۔ وہ چوری چھپے آئے ہیں۔ کیا انہیں کہیں سر چھپانے کی جگہ مل گئی ہوگی؟"

"پاکستان اور بھارت کے باشندے ایک دوسرے سے بہت مختلف نہیں ہوتے۔ ہو سکتا ہے کہ ساگا نے انہیں اندرونِ ملک سے آئے ہوئے مہمانوں کے طور پر ہوٹل میں جگہ دلائی ہو۔"

"ہاں..... وہ کہیں نہ کہیں تو ٹھہرے ہی ہوں گے۔ خاکے مل جائیں تو میں آدمی پھیلا دوں گا۔"

"ہیلی کاپٹر کا قصہ اُلٹا ان کے گلے پڑ گیا ہے۔ اب وہ کہہ رہے ہیں کہ سمت بتانے والے آلات کی خرابی کی وجہ سے ہیلی کا پٹر ادھر نکل گیا ہوگا۔ اس بات کا اب بھی کوئی جواب نہیں ہے کہ آلات ہی خراب تھے تو اس تیز رفتار ہیلی کاپٹر نے تیس پینتیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے میں سارا دن کیوں لگا دیا۔"

"اگر وہ سارا دن بھٹک کر پرواز کرتا رہا تھا تو اس کی ٹنکی میں کتنا ایندھن تھا" اول خان نے اپنی طرف سے ایک نیا سوال پیدا کرتے ہوئے کہا "ان کی کمزوری ہاتھ آگئی ہے تو اب انہیں بری طرح رگید دیا جانا چاہیے تاکہ وہ دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔"

"ایسا ہی بندوبست ہو رہا ہے۔ راس المیڈا کی لاش وہاں ملنے سے اس معاملے میں بہت جان پڑ گئی ہے۔ آخری لمحات میں کیا جانے والا یہ فیصلہ بہت زبردست تھا۔"

وہ دونوں کچھ دیر تک اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ حقائق وہی تھے جو اول خان بتا چکا تھا۔ اس بارے میں دونوں ہی کی الگ الگ آرا تھیں۔ شاید کمانڈر سعید تبادلۂ خیال کر کے ان واقعات کے نئے خدوخال ابھارنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

کمانڈر سعید کی آواز میں را کے ایجنٹوں کی آمد کی کہانی سننے کے بعد سے میرا ذہن مسلسل کام کر رہا تھا۔ اچانک ہی میرے ذہن میں روشنی کا ایک جھما کا ہوا۔ مجھے یاد آیا کہ سنی نے نادرہ کے مکان کے تہ خانے سے ساگا کی بازیابی کے سلسلے میں اپنے دو مددگاروں کا ذکر کیا تھا جن میں سے ایک کا نام رمیش چند تھا۔ فخرو نامی دوسرے آدمی سے میں مل چکا تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ کہیں رمیش چند ہی را کا ایجنٹ نہ رہا ہو۔ ایسے لوگ اپنے مشن کی خاطر بازارِ حسن تو کیا اس سے بھی گئی گزری جگہوں پر گزارہ کر سکتے تھے۔

رمیش چند اور فخرو کے بارے میں سنی کی کہی ہوئی باتوں کو اپنے ذہن میں تازہ کرتے ہوئے مجھے یاد آیا کہ رمیش چند اس بازار میں نووارد نہیں تھا۔ سنی کے بیان کے مطابق اس کے دونوں مددگار بازارِ حسن کے بہت پرانے اور بے خوف دلّال تھے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ ان میں سے ایک کا نام ہندوانہ تھا۔

اول خان اپنی گفتگو سے فارغ ہوا تو میں اپنی ذہنی مشقت سے مایوس ہو چکا تھا۔

"اسکیچ کل کسی وقت ملیں گے" ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پُرخیال لہجے میں کہا "اس وقت تک ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ سکتے۔ ڈور کا ایک سرا مل گیا ہے تو ہمیں اس کے سہارے آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔"

"اس قدر پُرپیچ فقرے کیوں استعمال کر رہی ہو؟" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا "نیلو ربا جیسے کے الفاظ ساگا نے سنی سے کہے تھے۔ وہ ہر قیمت پر وہ خفیہ پیغام جان یا راس المیڈا تک پہنچانا چاہتا تھا۔ یہ بات اب کھلی ہے کہ راس المیڈا نے را کے آدمیوں کی میزبانی ساگا کے حوالے کی تھی۔ یہ ایک سراغ ضرور ہے مگر اس کے سہارے کیا پیش رفت ہو سکتی ہے؟"

ویرا کھوئی کھوئی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس وقت اُس کا ذہن کہیں اور مصروف ہو۔ زیادہ پریشان کن حالات میں وہ کبھی کبھار ایسی کیفیت سے دوچار ہو جاتی تھی۔

"ساگا دل پھینک اور اوباش آدمی تھا" ویرا نے دھیمی آواز میں مجھ سے تائید چاہی۔

"سوال جواب کے بجائے کھل کر بات کرو۔ ساگا کے بارے میں ہم سب کی معلومات برابر ہیں۔"

"ایسے لوگ عورتوں پر اپنی اہمیت اور بڑائی کا رعب جھاڑنے کے لیے اکثر انہیں اپنا رازداں بنا لیتے ہیں" ویرا میرے اعتراض کا برا مانے بغیر کہنے لگی "ہو سکتا ہے کہ ساگا بھی نادیہ کو ہر بات بتا تا رہا ہو....."

میں اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اپنی جگہ سے اچھل پڑا "تم بہت دور کی کوڑی لائی ہو۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔ دن رات گھر میں عیش کرنے والا مرد اپنی ہر معمولی سرگرمی کو بھی بڑھا

چڑھا کر بیان کرتا ہے جیسے وہ بستر پر لیٹے لیٹے بہت سے کارنامے سرانجام دے رہا ہو۔ نادیہ سے پوچھ گچھ سود مند ثابت ہو سکتی ہے۔"

"یہ کام اس علاقے کے پولیس والے بھی کر سکتے ہیں" سلطان شاہ بولا۔

"نہیں' یہ ذمے داری اول خان کو لینی ہوگی" میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا "پولیس سے مدد لی گئی تو بات کا بتنگڑ بن جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ خبر اصل مجرموں تک پہنچ جائے۔"

"میں انھیں اپنے نئے کیمپ میں نہیں بلوا سکتا" اول خان نے آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "میری پوچھ گچھ علاقے کے تھانے میں ہی ہوگی۔"

"یہ کام تم نادیہ کے کوٹھے پر بھی کر سکتے ہو مگر اسے اندازہ نہیں ہونا چاہیے کہ تمہارے اصل سوال کیا ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں اپنی بات واضح طور پر بیان کر رہا ہوں۔"

"تم چاہتی ہو کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہ بیٹھا جائے" اول خان نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "ادھر میرا گھر خالی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ میں یہ کام اسی وقت کر ڈالوں۔"

اول خان کی وہ رضا کارانہ پیشکش بہت مناسب تھی۔ کسی نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی اور وہ اپنی جگہ چھوڑ کر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"وہ دفتر سے تھکا ہارا آیا تھا اور تم نے پھر اسے دوڑا دیا" غزالہ نے ویرا سے کہا۔

"ایسی ہی ہمدردی تھی تو تم نے اسے کیوں نہیں روک لیا؟" ویرا نے آنکھیں نکال کے جواب دیا۔

ان دونوں کو برسرِ پیکار چھوڑ کر میں اپنے کمرے کی طرف ہو لیا تاکہ کپڑے تبدیل کر سکوں۔

میں واپس آیا تو ویرا ڈرائنگ روم سے غائب تھی۔ غزالہ نے اس کی کمی ٹیلی وژن سے پوری کر لی تھی۔ سلطان شاہ بڑے صوفے پر ٹانگیں پسارے بیٹھا تھا۔

"تم نے اسے ناراض تو نہیں کر دیا؟" میں نے غزالہ کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اسے اپنے کمرے میں جانے کا بہانہ چاہیے تھا۔ وہ ناک بھوں چڑھاتی ہوئی گئی ہے حالانکہ میں نے کوئی غلط بات نہیں کی تھی۔ آپ چاہیں تو سلطان شاہ سے تصدیق کر سکتے ہیں" غزالہ نے اپنی صفائی پیش کی۔

"سورج ڈوبے کافی دیر ہو چکی ہے۔ وہ کمرے میں جا کر اپنا شغل شروع کر چکی ہوگی۔ پوچھو گے تو کہہ دے گی کہ موڈ آف ہونے کے بعد وہ مے نوشی کے سوا اور کیا کر سکتی ہے۔"

"تم اسے اتنی اچھی طرح سمجھتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ وہ تمہیں پسند نہیں ہے۔"

"پسند؟ میں تو کہتا ہوں کہ وہ جس کے گلے پڑے گی اس کی زندگی عذاب کر دے گی۔"

"یعنی تم اپنے مستقبل کے بارے میں زیادہ پُرامید نہیں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"فکر مت کرو۔ میرا مستقبل محفوظ اور شاندار رہے گا۔ امید کے بارے میں ویرا سے پوچھ لینا۔"

"جاؤ۔ ذرا دیکھ کر آؤ کہ وہ اپنے کمرے میں گھس کر کیا کر رہی ہے۔"

"اس وقت معافی دے دو" وہ اپنے دونوں کانوں کو چھوتے ہوئے بولا "ایسی حالت میں میں اس کا سامنا کرنے سے گریز کرتا ہوں۔ وہ گلے پڑ گئی تو میرا باہر آنا مشکل ہو جائے گا۔"

غزالہ شوخ نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی۔

"دروازے سے ہی جھانک کر لوٹ آنا" میں نے اس پر دباؤ ڈالنا چاہا۔

"اس وقت یہ نیک کام تم خود کر لو۔ میں بعد میں تمہاری خدمت کروں گا" وہ اڑیل ٹٹو بن کر رہ گیا۔

میں تیز قدموں سے درمیانی راستہ طے کر کے ویرا کے کمرے کے سامنے پہنچا اور بند دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر فوراً ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔ اسی لمحے اندر سے ویرا کی کم ان کی آواز آئی اور میں دروازہ کھول کر اس کے سامنے موجود تھا۔

وہ نہایت سکون سے ایک کرسی پر بیٹھی سگریٹ کا دھواں اُڑا رہی تھی۔ اس کے سامنے تپائی پر اسکاچ کا گلاس رکھا ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے اس کے بارے میں بالکل درست اندازہ لگایا تھا۔

میں نے اندر کا جائزہ لے کر دروازے سے ہی واپسی کا ارادہ کیا تھا کہ ویرا نے دھیمی مگر تحکمانہ آواز میں مجھے پکار لیا۔ "اندر آؤ.... دروازے سے کیوں واپس لوٹ رہے ہو؟"

میں نے پلٹ کر غزالہ کی طرف ہاتھ لہرایا۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی میری طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ غزالہ یوں ہی بیٹھی رہی اور میں ویرا کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

"کیا غزالہ نے تمہیں میری خبر گیری کے لیے بھیجا تھا؟" اس نے میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"وہ فکر مند تھی اور سلطان شاہ دعویٰ کر رہا تھا کہ تم پی رہی ہوگی۔"

"وہ دن بدن نکھرتا جا رہا ہے اور بہت منہ پھٹ بھی ہو گیا ہے۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی "کہتا ہے کہ میں پی رہی ہوں گی۔"

"تمہیں اپنا شوق ہی پورا کرنا تھا تو غزالہ سے ناراض ہونے کی اداکاری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مزہ آتا ہے۔ وہ بہت اچھی اور سادہ دل لڑکی ہے۔ ذرا ذرا

ہی بات پر میرے لیے پریشان ہو جاتی ہے۔ جو ناز اٹھاتا ہے اسے نخرے دکھانے میں ایک عجیب سی لذت ملتی ہے۔"

"یہ اس کی اچھائی اور سادہ دلی کا انعام ہے کہ تم اسے بلاوجہ پریشان کرتی ہو؟"

"میں پریشان نہیں کرتی' وہ خود پریشان ہو جاتی ہے۔ سلطان شاہ بھی وہیں بیٹھا تھا مگر وہ ذرا بھی پریشان نہیں ہوا۔ میرے اٹھنے پر اس نے برا سا منہ بنا کر وال کلاک کی طرف دیکھا تھا۔"

"میں ان چھوٹی موٹی باتوں پر محض اس خیال سے چپ سادھے رہتا ہوں کہ کہیں تم میری مداخلت کو بیوی کی بے جا حمایت سمجھ کر روٹھ نہ جاؤ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تم اکثر غزالہ کے ساتھ زیادتی کرتی ہو۔"

"بہت خوبصورتی سے اپنی بیوی کی حمایت کر رہے ہو" وہ مجھ سے پوچھے بغیر اسکاچ کا دوسرا گلاس تیار کرنے لگی۔

"اس وقت میں پینے کے موڈ میں نہیں ہوں" میں نے احتجاج کیا۔

"تمہارے سوا یہاں میرا ساتھ دینے والا کون ہے؟" اس نے تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھ کر کہا "اس وقت تو تمہیں پینی ہی پڑے گی۔ جس دن توبہ کر لو گے' میں مجبور کرنا بلکہ پوچھنا بھی چھوڑ دوں گی۔"

"توبہ کرتے ہوئے ڈرتا ہوں......"

اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی اچک لی اور بولی۔ "کہ پھر اسے توڑنا مشکل ہو جائے گا...... بھول جاؤ ان باتوں کو۔ لو یہ تمہارے نئے احسانات کے نام!" یہ کہہ کر اُس نے میرے لیے تیار کیا ہوا تازہ گلاس میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

"یہ کن احسانات کا ذکر ہے؟" میں نے لب تر کرنے سے پہلے تعجب سے پوچھا۔

"تفصیل میرے سینے میں دفن رہنے دو۔ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ میں تمہارے احسانات کے بوجھ تلے دبتی جا رہی ہوں اور دکھ یہ ہے کہ اب تم اپنی مہربانیوں کا صلہ بھی وصول نہیں کرتے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آج تم اسکاچ کی بو سے ہی بہکنے لگی ہو؟" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

"تمہاری بے نیازی اور سلطان شاہ کی بے اعتنائی کبھی کبھی مجھے بہت کھلنے لگتی ہے۔"

"ایسی باتیں مت سوچا کرو" میں نے ایک بڑا گھونٹ لے کر گلاس تپائی پر رکھ دیا "ہم سب تمہارے دوست اور خیر خواہ ہیں۔ دیکھا جائے تو اب ہم آپس میں ہی ایک دوسرے کے مونس و غم گسار ہیں۔"

"پتا نہیں اول خان کب واپس آئے گا" اس نے اپنے گلاس سے پے درپے دو گھونٹ لینے کے بعد اچانک ہی موضوع بدل دیا۔ "وہ بھی ایک عجیب ہی انسان ہے۔"

"کیا بات ہے؟ آج تم باری باری سب کا تجزیہ کرنے کیوں بیٹھ گئی ہو؟"

"تلخ تجربات کے بعد جب اچھے انسان دوبارہ سامنے آتے ہیں تو ذہن کا کمپیوٹر خود بخود چل پڑتا ہے۔ اس کے لیے کسی کوشش یا ارادے کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"تم کن تلخ تجربات کا ذکر کر رہی ہو؟" میں نے چونک کر اُس کی آنکھوں میں جھانکنا چاہا۔

"سوچتی ہوں کہ تمہارے سامنے اعتراف کر ہی لوں۔ کرسچین عقیدے کے لوگ پادریوں کے سامنے گناہوں کا اعتراف کر کے اپنے سینے کا بوجھ ہلکا کر لیتے ہیں۔ شاید مجھے بھی اپنی گھٹن سے نجات مل جائے۔"

"تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی" میں نے بے چینی سے کہا۔

اس نے اپنا گلاس ہونٹوں سے لگا کر غٹاغٹ خالی کر دیا۔ وہ آستین سے اپنے ہونٹ صاف کر رہی تھی تو اس کی آنکھوں میں نمناک خمار کے ڈورے ابھر آئے تھے۔ اس نے قدرے رک کر کہا۔

"میں نے جان کی قید میں جانے کے بعد اچھا وقت نہیں گزارا۔ اس کے بارے میں سوچ سوچ کر میرا سر دُکھنے لگتا ہے۔"

"مگر تم فون پر مجھے اپنی خیریت کی اطلاع دیتی رہی تھیں" میں نے اسے یاد دلایا۔

"دشمن کے چنگل میں پھنسے ہوئے قیدی سے تم اور کیا توقع کر سکتے ہو۔ میں تشدد سے بچی ہوئی تھی اور اسی کو اپنی خیریت سمجھنے لگی تھی ورنہ مجھے اپنی آزادی یا زندگی کی کوئی امید نہیں تھی۔ میں جانتی تھی کہ تم لوگ راس المیڈا جیسے درندے کو آزاد نہیں کرو گے اور جان مجھے مار ڈالے گا۔"

"تمہارا ہر دشمن بہت برے انجام سے دوچار ہوا ہے۔ جان کی ٹانگیں چیر کر اسے سسکنے کے لیے زندہ چھوڑ دیا گیا تھا اور وہ اسی حالت میں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ کاش مجھے معلوم ہو گیا ہوتا کہ تمہارے ساتھ اس کا سلوک اچھا نہیں تھا۔"

"وہ درندہ بلکہ درندوں سے بھی بدتر تھا" ویرا حقارت بھری آواز میں بولی "مجھے اس کے شیطانی چہرے سے کراہت آنے لگی تھی۔ مجھے زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اسی قابل تھا کہ اس کی ٹانگیں حلق تک چیر دی جاتیں۔ وہ میرے باپ کو زبانی اور عملی گالیاں دیتا تھا۔"

میرا دماغ سن ہو کے رہ گیا۔ اس کی باتیں الجھی ہوئی اور غیر واضح تھیں مگر ایک بات یقینی تھی کہ اس نے نہایت خاموشی اور حوصلے سے جان کا مقابلہ کیا تھا۔

"تمہارا یہ اعتراف امانت بن کے میرے سینے میں دفن رہے گا" کچھ دیر کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے کہا "یہ سفاک اور درندہ صفت مردوں کی دنیا ہے۔ اس میں عورت کبھی ان کی برابری

نہیں کر سکتی کیونکہ وہ کمزور ہے اور اس سے انتقام لینا بہت سہل ہے۔ جمی لائیڈ کی زندگی میں تم کو اس کا نادیدہ تحفظ میسر تھا اس وجہ سے ہر بھیڑیا تمہارے سائے سے بھی دور بھاگتا تھا لیکن اب تمہارے سر پر سے وہ چھتری ہٹ چکی ہے۔ حالات بدل چکے ہیں۔ میں بار بار تمہیں مستقبل کا خیال دلاتا ہوں۔ وہ مذاق نہیں ہوتا۔ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں کہ تم اس بارے میں سوچو اور کسی اچھے فیصلے پر پہنچ جاؤ۔"

وہ اس وقت اپنے لیے دوسرا گلاس تیار کر رہی تھی۔ گلاس میں برف کے ڈلے ڈال کر اس نے سر اٹھایا اور اس کی چمکتی ہوئی مخمور نظریں میرے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ وہ نگاہیں سراپا سوال تھیں اور میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں نے اپنا سر جھکا لیا۔

سوال اور التجا کے وہ منجمد لمحے پگھلنے کے بعد ہمارے درمیان زیادہ باتیں نہیں ہو سکیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہمارے درمیان کوئی نادیدہ اور ناگفتہ سا حجاب حائل ہو گیا ہو۔

میں اپنا گلاس خالی کر کے اٹھا تو ویرا نے خالی خالی نظروں سے ایک بار پھر میری طرف دیکھا اور اس کے لبوں پر نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی "جا رہے ہو" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

"دیر ہو گئی ہے۔ اول خان بھی واپس آتا ہو گا۔ ہمارا یوں بند کمرے میں بیٹھے رہنا مناسب نہیں ہے۔ اپنا گلاس ختم کر کے تم بھی ڈرائنگ روم میں آ جاؤ۔ اول خان تمہارے ایما پر گیا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ نادیہ سے کیا خبر لے کر آتا ہے" میں نے رک رک کر کئی ٹکڑوں میں اپنی بات پوری کر ڈالی۔

"تم چلو۔ میں آتی ہوں" اس نے اپنا گلاس فضا میں لہرا کے کہا اور میں اس کے کمرے سے باہر نکل آیا۔

غزالہ ڈرائنگ روم میں وہیں بیٹھی ہوئی تھی جہاں میں نے اسے چھوڑا تھا۔ جب مجھے دیکھ کر بھی اس کے چہرے پر تبسم نمودار نہیں ہوا تو میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ کچھ خفا ہو گئی ہے۔

"ویرا کے بارے میں تمہارا اندازہ بالکل درست تھا" میں نے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر سلطان شاہ سے کہا "وہ اپنے مطلب سے اٹھ کر کمرے میں گئی تھی۔"

"تم نے اتنا سا اندازہ لگانے میں بہت دیر لگا دی" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

"مجھے اس کا ساتھ دینا پڑا" میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کا جائزہ لیتے ہوئے معذرت کی "میں اس نتیجے سے واقف تھا اس وجہ سے تمہیں بھیج رہا تھا مگر تم ضدی ہو۔ میری بات نہیں مانے۔"

غزالہ اٹھ کر خاموشی سے چلی گئی۔ اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

"کیا غزالہ سے تمہاری کوئی جھڑپ ہوئی ہے؟ اس کے تیور خراب ہیں" میں نے انجان بن کر سلطان شاہ سے پوچھا وہ بھنا کر صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ماشاء اللہ۔ کتنے معصوم ہو تم کہ بے خبری میں دوسرے کا کام تمام کر دیتے ہو" اس نے دھیمی مگر سخت آواز میں کہا "غزالہ اس وقت واقعی ناراض ہے۔ میں نے آج تک اسے ایسے موڈ میں نہیں دیکھا۔"

"تم سے کیا کہہ رہی تھی؟" میں نے اپنے کمرے کی طرف نظر ڈال کر رازداری سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں کہہ رہی تھی، بس چپ سادھ لی تھی۔ جا کر اسے مناؤ ورنہ کوئی بڑا فساد کھڑا ہو جائے گا۔"

مجھے اپنی غلطی کا احساس تھا۔ میں چون و چرا کیے بغیر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ غزالہ مسہری سے ٹیک لگائے میری منتظر تھی۔ اس کی نگاہوں میں شکوہ پنہاں تھا۔

"میں شرمندہ ہوں اور تم سے معافی چاہتا ہوں" میں نے غزالہ کو نرمی سے اپنی بانہوں میں لے کر کہا۔

وہ کسمسا کر میری گرفت سے نکل گئی اور روٹھے ہوئے انداز میں بولی "آپ کو میرے سامنے شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ اپنی مرضی سے وہاں نہیں گئے تھے۔ سارا قصور ویرا کا ہے۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ اب وہ حیلے بہانوں سے آپ کو اپنی دلجوئی میں الجھا کر غیر محسوس انداز میں مجھے چڑانے کی کوشش کر رہی ہے۔ میں یہ سلوک برداشت نہیں کر سکتی۔"

"ایسا نہیں ہے۔ راس المیڈا کے آدمیوں کے ہاتھوں ہونے والی تذلیل کو وہ ابھی تک فراموش نہیں کر سکی ہے" میں نے ویرا کے نئے اعتراف کا ذکر گول کر کے پرانی بات دہرائی "ہمیں معلوم ہے کہ اس واقعے کے بعد وہ بہت زود رنج ہو گئی ہے اور میں عام طور پر اس کی کوئی فرمائش نہیں ٹالتا۔ میں یہ سب نیک نیتی سے کرتا ہوں مگر میں اس کی دلجوئی پر تمہاری خوشی قربان نہیں کر سکتا۔ آئندہ میں محتاط رہوں گا۔"

"آپ سارا الزام اپنے سر لے کر مجھے کیوں شرمندہ کر رہے ہیں؟ آخر وہ اپنا رویہ کیوں نہیں بدلتی؟ وہ یہ کیوں بھول جاتی ہے کہ میں آپ کی بیوی ہوں؟" اس نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

"یہ ایسی نازک باتیں ہیں جو اس سے نہیں پوچھی جا سکتیں۔ اسے کسی ذہنی صدمے میں مبتلا کر کے پریشانی اٹھانے سے بہتر ہے کہ میں ذرا سی احتیاط کر لوں۔ تمہیں اس سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ اب تمہیں کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

اس کا معصوم چہرہ کھل اٹھا۔ میں اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فضا میں ڈور بیل کا شور گونج اٹھا۔

میں تیزی کے ساتھ باہر نکلا تو سلطان شاہ بولٹ کھول کر اندر

خان کو اندر بلا چکا تھا۔ اس کے چہرے پر پائی جانے والی بشاشت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی نہ کوئی اچھی خبر لے کر آیا ہے۔ اس کی کہانی سننے کے لیے غزالہ بھی آگئی تھی لیکن نادیہ سے باز پرس کی تجویز پیش کرنے والی ویرا نے اپنے کمرے سے باہر آنے کی زحمت نہیں کی تھی یا پھر وہ مدہوش ہو کر سو چکی تھی۔

اول خان نے بیٹھتے ہی ویرا کی کمی محسوس کرلی اور پوچھا "مجھے بھیجنے والی خود کہاں غائب ہو گئی؟"

"وہ آجائے گی۔ اس کی طبیعت کچھ خراب ہے" میں نے کہا۔ "تم اپنی کہانی سناؤ۔"

"میری کہانی سننے کا پہلا حق ویرا کا ہے۔ میں نے اسی کی تجویز پر عمل کیا ہے۔"

"اس کے کمرے میں جھانک لو۔ وہ نشے میں وُحت پڑی ہوئی ہوگی" اسے مُصر دیکھ کر میں نے دھیرے سے کہا "وہ ہوش میں آئے گی تو اسے بھی ہر بات بتادی جائے گی۔ فی الحال وقت ضائع نہیں ہونا چاہیے۔"

"ویرا کا اندازہ بالکل درست تھا۔ نادیہ کو وہ تقریباً ہر بات بتادیا کرتا تھا۔ اپنی موت سے دو تین روز پہلے وہ راجن اور وکرم نامی دو مہمانوں کو کسی لمبے سفر سے واپسی پر نادیہ سے ملوانے کے لیے اپنے گھر لایا تھا۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں سے اور کیسے آئے ہیں۔ مہمانوں نے اس کے گھر ہی میں نہا دھو کر کپڑے تبدیل کیے تھے۔ ساگا ان کے آگے بچھا جا رہا تھا۔ نادیہ نے بھی کھانے پر ان کی خوب تواضع کی۔ اس دن ساگا نے زمرد بائی کو کسی بہانے سے اس کے پرانے محلے میں بھیج دیا تھا اور نادیہ کو منع کردیا تھا کہ وہ راجن اور وکرم کے بارے میں اپنی ماں تک سے کوئی ذکر نہ کرے۔ رات کے کھانے کے بعد ساگا انہیں اپنے ساتھ لے کر کہیں چلا گیا۔ واپسی پر وہ اکیلا تھا۔ نادیہ کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ صدر کے ایک بڑے ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔ اس کے بعد وہ مہمان دوبارہ نظر نہیں آئے۔"

"یہ کیسے پتا چلا کہ راجن اور وکرم ہی ہمارے مطلوبہ آدمی ہیں؟" سلطان شاہ بے ساختہ ایک عجیب سا سوال کر بیٹھا۔

اول خان نے اسے غصیلی نظروں سے گھورا پھر بے ساختہ ہنستے ہوئے بولا "راجن اور وکرم انگریزوں کے نام نہیں ہوتے۔ ہر بات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہی ہمارے مطلوبہ آدمی تھے۔ صبح کمانڈر سعید سے ان دونوں کے خاکے ملیں گے تو نادیہ سے ایک مرتبہ پھر تصدیق کرالی جائے گی کہ اس کے گھر وہی دونوں آئے تھے۔"

"یہ سب باتیں اپنی جگہ پر ہیں۔ تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ وہ صدر کے کس ہوٹل میں مقیم ہیں۔" میں نے کسی تجسس کا مظاہرہ کیے بغیر گہری سنجیدگی سے اسے یاد دلایا۔

اول خان نے ہوٹل کا نام لے کر کہا "نادیہ میری صورت سے کچھ ایسی خوف زدہ ہوئی کہ میرا وقت برباد کیے بغیر میرے سارے سوالوں کے جوابات دیتی چلی گئی۔ اس سے نمٹ کر میں نے ہوٹل میں بھی جھک ماری لیکن نادیہ کی بتائی ہوئی ممکنہ تاریخوں میں وہاں راجن یا وکرم نام کے کسی مسافر کا اندراج نہیں ہے۔"

"وہ بہت بڑا ہوٹل ہے۔ را کے ایجنٹ وہاں اپنے اصل ناموں سے نہیں ٹھہرے ہوں گے" میں نے اول خان کی بات سننے کے بعد کہا "اس ہوٹل کے ایسے تمام مسافروں کو فرداً فرداً دیکھنا پڑے گا جو ممکنہ تاریخوں پر وہاں آنے کے بعد ابھی تک رکے ہوئے ہوں......"

"ہاں۔ اب یہی ایک صورت رہ جاتی ہے مگر یہ لمبا کام ہے۔ ہوٹل کے عملے کے کسی ذمے دار آدمی کو بھی اعتماد میں لینا ہوگا۔ اس کی ابتدا صبح ہی ہو سکے گی۔"

میرے پاس اول خان کی بات مان لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس التوا کا یہ فائدہ ضرور تھا کہ کام شروع کرنے تک ہمیں کمانڈر سعید سے خاکے مل جانے کی امید تھی۔ را کے ایجنٹوں کے خدّ و خال نگاہ میں آجانے کے بعد ہوٹل کے مہمانوں میں انہیں دور سے بھی پہچانا جا سکتا تھا۔

اول خان کی اس وقت کی بھاگ دوڑ خاصی مفید ثابت ہوئی تھی مگر کام کے لیے پہاڑ جیسی رات سے فائدہ اٹھانے کی کوئی راہ نہیں نکل سکی تھی۔ اس کا ہم سب کو افسوس تھا۔

ایک نتیجے پر پہنچنے کے بعد سب ہی اپنے اپنے خیالوں میں ڈوب گئے۔ اسی اثنا میں ویرا بھی اپنی خواب گاہ سے باہر آگئی۔ اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے ڈورے تیر رہے تھے لیکن یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ باہر نکلنے سے پہلے وہ کچھ دیر کے لیے سوئی ہو۔

ڈرائنگ روم میں اس نے دوسروں کو نظر انداز کر کے اپنی نگاہیں اول خان کے چہرے پر مرکوز کردیں اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک گہری مسکراہٹ تیرنے لگی۔ اول خان سٹپٹا کر اس سے نظریں چُرانے لگا۔ اس کے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ اس وقت ویرا سُرور کے عالم میں تھی۔

"کیا خبریں لائے ہو؟" ویرا نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اول خان سے پوچھا۔

اول خان قدرے بوکھلائے ہوئے انداز میں وہی باتیں دہرانے لگا جو ہم اس کی زبانی سن چکے تھے۔

وہ ویرا سے مخاطب تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ دشمنوں کی سرکوبی کرتے ہوئے اسپیشل ٹاسک فورس کو ایک مرتبہ پھر بہت سرعت سے اپنا ٹھکانا تبدیل کرنا پڑا تھا۔ اس بار ان بے خوف شہبازوں نے ملیر چھاؤنی کے ایک خالی میدان کو اسٹیشن فور بنالیا تھا۔ وہ جہاں ڈیرے ڈال دیتے تھے، وہی جگہ چشم زدن میں اسٹیشن فور بن جاتی تھی۔ ایک طرف ایس ٹی ایف کا وہ عارضی پڑاؤ تھا، دوسری طرف اول خان کے بال بچے پشاور گئے ہوئے تھے۔ راس

المیڈا کو جنم واصل کرنے کے صلے میں اول خان چند دنوں کے لیے گھر اور دفتر کے ہر آرام سے محروم ہو چکا تھا۔

"گھر بند ہے اور دفتر کا آرام بھی گیا۔" اول خان کی کتھا سننے کے بعد ویرا کی زبان سے وہ فقرہ سن کر میں بری طرح چونک پڑا۔ وہ وہی کچھ بول رہی تھی جو میں سوچ رہا تھا۔

ویرا کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اول خان کا منہ بن گیا اور اس نے ویرا سے نظریں چار کیے بغیر خشک لہجے میں کہا "اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم میرے دفتر کو بھی آرام کی جگہ سمجھتی ہو؟"

"اس میں کیا شبہ ہے۔" ویرا کے جواب دینے سے پہلے ہی سلطان شاہ بول پڑا "ہمارے بیشتر سرکاری ملازمین اپنی نیندیں تک دفاتر ہی میں پوری کرتے ہیں۔"

بات کا رخ بھانپتے ہوئے مجھے گفتگو میں دخل دینا پڑ گیا اور میں نے ترش لہجے میں کہا "تم گھامڑ ہو...... تم بھول رہے ہو کہ اسپیشل ٹاسک فورس کوئی سرکاری تنظیم نہیں ہے۔ اسٹیشن فور میں مصروفیت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہاں رہنے والوں کو چوبیس گھنٹوں میں چھ گھنٹے کی نیند بھی مشکل سے میسر آتی ہے۔"

"میں نے کب کہا کہ اسٹیشن فور والے سوتے رہتے ہیں یا عیش کرتے ہیں؟" سلطان شاہ نے حیرت سے سوال کر کے فوراً ہی بات بدل دی۔

"ابھی تم ویرا کے ہم نوا بن کر کیا تقریر کر رہے تھے؟" میں نے بدمزگی سے پوچھا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑا اور بے پروائی سے بولا "وہ عام دفتروں کی بات تھی۔ میری بات کا یقین نہ ہو تو سرکاری کیا، بعض بگڑے ہوئے دوسرے دفتروں میں جا کر دیکھ لو۔ لوگ کرسیوں پر اینڈا اینڈ کر اتنی دیدہ دلیری سے اپنے ذاتی کاموں میں مصروف رہتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ گھریلو بجٹ کی تیاری سے لے کر سارے دوستوں اور رشتے داروں کی فون پر مزاج پرسی تک سارے اہم کام دفتروں میں ہی انجام دیے جاتے ہیں۔ تم بلاوجہ ان اشاروں کا رخ ایس ٹی ایف کی طرف کر رہے ہو۔"

"اس وقت ہم دنیا جہاں کی باتیں نہیں کر رہے تھے۔" غزالہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا "سارے قصے کا تعلق صرف اول خان کی ذات سے تھا۔ بعض اوقات تم واقعی بہکنے لگتے ہو۔"

شاید اس وقت سلطان شاہ کی کھوپڑی چل پڑی تھی۔ غزالہ کی بات پوری ہوتے ہی وہ پلکیں جھپکاتا ہوا ویرا کی طرف متوجہ ہو کر بولا "اب میں سمجھا...... تو تم کوئی قصہ سنا رہی تھیں۔ سناؤ، سناؤ۔ مجھے قصے سننے کا بہت شوق ہے۔ ہاں، تو پھر آگے کیا ہوا تھا؟"

اس نے وہ فقرے اتنی بے ساختگی سے ادا کیے تھے کہ اول خان کی ہنسی چھوٹ گئی۔

اس وقت تک ویرا خاموش تھی۔ اس کے ہونٹوں پر رقص کرتی ہوئی پُرکشش مسکراہٹ بھی برقرار تھی۔ سلطان شاہ کے براہِ راست متوجہ کرنے پر اس نے کہا "بعض اوقات تم سب مل کر بات کو بری طرح الجھا دیتے ہو۔ میں صرف یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ اول خان کو اکیلے گھر میں جا کر کیا حاصل ہو گا۔ بہتر ہے کہ یہ رات یہیں بسر کر لے۔ اس وقت خاصی دیر ہو چکی ہے۔"

"ابھی کوئی کہیں نہیں جا رہا۔" سلطان شاہ تیزی سے بولا "تو شربتِ فولاد پیتی رہی ہوگی، میرا بھوک سے دم نکلا جا رہا ہے۔ اول خان کو تم نے دفتر سے آتے ہی نادیہ خانم کے پیچھے دوڑایا تھا۔ اب ہم لوگوں کے کھانے کی بھی کچھ فکر کرو۔ پیٹ خالی ہو تو خواب بھی بڑے بُرے آتے ہیں۔"

"تم سو رہو!" ویرا یہ کہہ کر اٹھلاتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

سلطان شاہ کا اٹھایا ہوا وہ نکتہ بہت معقول تھا۔ اول خان کی واپسی کے انتظار میں سب ہی بھوکے بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی نے اس ہدایت پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ غزالہ بھی اٹھ کر خاموشی سے ویرا کے پیچھے کچن کی طرف ہو لی اور میرے دل کی دھڑکنیں یک لخت قدرے تیز ہو گئیں۔

تھوڑی دیر پہلے غزالہ نے ویرا کے خلاف جس جذباتی ابال کا مظاہرہ کیا تھا وہ کچن میں دوبارہ کوئی رنگ دکھا سکتا تھا۔ میری نگاہیں کچن کے دروازے تک ان دونوں کا تعاقب کرتی رہیں۔

مجھے اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں کہ ویرا کے معاملے میں غزالہ نے ہمیشہ فراخ دلی اور رواداری کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کی جگہ کوئی متعصب اور تنگ نظر لڑکی ہوتی تو مدتوں پہلے ہمارے اتحادِ ثلاثہ کا شیرازہ بکھیر چکی ہوتی۔ اس کے ردِعمل کا سامنا کرتے ہوئے میں ہمیشہ اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھتا تھا کہ اپنی اصل میں وہ ایک مشرقی لڑکی اور میری وفا شعار بیوی ہے۔ اس نے صدموں اور محرومیوں کے بھیانک جہنم سے گزر کر مجھے اپنا رفیق بنانے کا فیصلہ کیا تھا اور اس رشتے سے وہ اپنی ذات کو میری تمام تر توجہ کا مستحق سمجھتی تھی۔ اس کا یہ مان ایسا غلط بھی نہیں تھا مگر مشکل یہ تھی کہ ویرا سے میرا تعلق بہت پرانا ہی نہیں، قریبی بھی تھا۔ غزالہ کو شاید اچھی طرح معلوم تھا کہ ماضی میں ویرا ایک طرف میرے اور غزالہ کے لیے سنگین مسائل پیدا کرتی رہی تھی تو دوسری طرف نہایت کمزور اور نازک جذباتی لمحات میں میرے سامنے سپر بھی ڈالتی رہی تھی۔

یہ غزالہ کے کردار کی بے مثال عظمت تھی کہ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ویرا کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ رہی تھی۔ ہاں، کبھی کبھی اس پر حسد و رقابت کی نسوانی جبلت غالب آتی تھی تو وہ ویرا کو غاصب قرار دے کر اس کے خلاف تلخ نوائی پر اتر آتی تھی۔ کمال کی بات یہ تھی کہ ازدواجی محبت کے حاسدانہ جذبات سے مغلوب ہو کر بھی غزالہ نے کبھی ویرا سے براہِ راست بدکلامی نہیں کی تھی۔ وہ جو کچھ بھی شکوہ و شکایت کرتی تھی، مجھ سے

کرتی تھی کیونکہ وہ میری ذات پر اپنا پورا پورا حق تصور کرتی تھی۔
حد یہ تھی کہ کچھ دیر پہلے میں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے آئندہ محتاط رہنے کا وعدہ کیا تو غزالہ نے میرے اس اعتراف کو بے جا سمجھ کر مطالبہ کرڈالا کہ ویرا کو خود ہی میری ازدواجی زندگی کی نزاکتوں کا احساس ہونا چاہیے مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ میرے یا کسی اور کے بتائے بغیر ویرا کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا۔

مکار، سازشی اور بدطینت افراد کے سوا عام لوگ جان بوجھ کر کوئی غلطی نہیں کرتے۔ ہر شخص اپنی دانست میں سب کچھ صحیح کرتا ہے اور جوں ہی نتائج سامنے آنے پر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے، وہ اس سے تائب ہوجاتا ہے۔ فرق بس نکتہ نظر کا ہوتا ہے۔ ویرا ماضی کے حوالے سے میری ذات سے اپنے لگاؤ کا اظہار کرتی رہتی تھی۔ اس بارے میں اسے زیادہ دوش نہیں دیا جاسکتا تھا۔ میں نے ایک مدت سے اس کی حوصلہ افزائی کا سلسلہ ترک ضرور کردیا تھا مگر کھل کر کبھی بھی اسے سرزنش کرنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ وہ عجیب سودائی اور حساس لڑکی تھی۔ میری طرف سے دل ٹوٹ جانے پر وہ کوئی بھی ایسا بڑا قدم اٹھاسکتی تھی جو میرے دل اور ضمیر کے لیے زندگی بھر کا بوجھ اور روگ بن کے رہ جاتا۔

میرے لیے وہ پائے رفتن نہ جائے ماندن والا معاملہ تھا۔ میری نیت میں پہلے جو بھی کھوٹ رہا ہو، وہ قصۂ پارینہ سا بن چکا تھا۔ ان دنوں بات صرف اتنی رہ گئی تھی کہ گاہے گاہے ویرا کے ساتھ آوارہ کلامی ہوتی رہتی تھی۔ تکلف اور ناز و انداز کے بکھیڑوں سے آزاد رہ کر کی جانے والی ایسی باتیں اکثر میرے دل و دماغ کو تفکرات کے بوجھ سے آزاد کرکے موڈ خوش گوار بنادیتی تھیں۔

مجھے فکر یہ لاحق ہوگئی تھی کہ ویرا اس وقت خاصے سُرور میں تھی۔ یہ سرور ایسا ہوتا ہے کہ اس کے زیر اثر چوہا بھی شیر ہوجاتا ہے اور پھر وہ تو ہمیشہ کی منہ پھٹ اور حاضر جواب تھی۔ دوسری طرف غزالہ کا ذہن شاید اشتعال کی کیفیت سے پوری طرح باہر نہیں آسکا تھا اور سلطان شاہ کی نادر شاہی فرمائش نے ان دونوں لڑکیوں کو کچن کی خلوت میں یک جا ہونے کا موقع فراہم کردیا تھا۔

میری یہ فکر مندی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ سلطان شاہ نے انتظار کے لمحات گزارنے کے لیے ٹی وی آن کردیا اور اوّل خان اپنی جگہ چھوڑ کر میرے قریب آبیٹھا۔

"میں گیا تو ویرا ٹھیک ٹھاک تھی مگر اب خاصے موڈ میں نظر آرہی ہے۔" اوّل خان نے دھیمی اور تجسس آمیز آواز میں یوں کہا جیسے مجھ سے اپنی رائے کی تائید طلب کررہا ہو۔

"وہ تمہارے سامنے ہی ہے۔ تم خود تجربے کار آدمی ہو۔ اس کی کیفیت کو سمجھ سکتے ہو۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "اس وقت تم پر زیادہ مہربان ہے۔"

"مجھے اس کی مہربانی کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے تو یہ فکر ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ الکحل استعمال کرکے اپنی صحت برباد کررہی ہے۔"

"اپنی ضرورت کا اندازہ وہ خود ہی لگاتی ہے اور دوسروں کے مشورے قبول نہیں کرتی۔"

"لیکن وہ تمہاری بات مانتی ہے۔" اوّل خان نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"اس چھت کے نیچے ہر شخص اسی غلط فہمی میں مبتلا نظر آتا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کے کہا "تم اس کے بارے میں زیادہ تردّد نہ کرو۔ تم نے دیکھا نہیں کہ زیادہ پی لینے کے بعد اس کے رخساروں سے آنکھوں تک میں کیسی حیات آور سرخی دوڑنے لگتی ہے۔"

"ڈیئر! تم اسے سمجھاؤ۔" وہ میرا بازو دباتے ہوئے مضطربانہ آواز میں بولا "اس طرح وہ وقت سے پہلے خود کو ختم کرلے گی۔ میں اس کے کسی عبرت ناک انجام سے ڈرتا ہوں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش نہیں کی ہوگی؟"

"پھر وہ کیوں نہیں سمجھتی؟ آخر اسے کیا روگ لگا ہوا ہے جو اسے اندر ہی اندر کھائے جارہا ہے اور وہ منہ سے کچھ بولنے کے بجائے اپنے دُکھوں کو خود ہی پیتی رہتی ہے۔"

"اب تم ٹھیک پہنچے ہو۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ اس کے اندر کوئی دکھ پروان چڑھ رہا ہے۔" میں نے اوّل خان کی اس دردمندی کا رخ تبدیل کرنے کے لیے پورے خلوص سے کہا "جمی لائیڈ نے اسے زندگی بھر اپنی بیٹی تسلیم نہیں کیا۔ وہ ہر جگہ اس کی بیٹی ہونے کا اعلان کرتی پھری۔ اس کی زندگی میں دل کھول کر اُس سے اپنی نفرت کا اظہار کیا مگر میرا خیال ہے کہ دل ہی دل میں وہ جمی لائیڈ کو ٹوٹ کر چاہتی تھی۔ اس کے بے رحمانہ قتل کے بعد وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی ہے اور اب خود کو بے یارومددگار محسوس کرتی ہے۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ پُرخیال انداز میں بڑبڑایا۔

"تم تینوں اس کے بہترین دوست اور بہی خواہ ہو لیکن محض دوستوں کے سہارے ایک حسّاس اور جوان لڑکی پہاڑ جیسی عمر تو نہیں گزار سکتی۔ وہ تمہیں اور غزالہ کو خوش و خرم دیکھتی ہوگی تو اس کا احساسِ زیاں اور گہرا ہوجاتا ہوگا۔"

"احساسِ زیاں؟ کیسا احساسِ زیاں؟" میں نے چونک کر پوچھا مگر وہ میرے اپنے دل کا چور تھا۔ اوّل خان کی نظروں میں طنزیا تضحیک کا شائبہ تک نہیں تھا۔

اس نے کہا "باپ کو کھودینے کا احساس اسے کچوکے لگاتا ہوگا۔ ویرا نے ہمارے اور ہمارے ملک کے لیے کیا کچھ نہیں کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہم اس کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ کسی کسی وقت میں خود کو اس کے لیے بہت دکھی محسوس کرتا ہوں۔"

"وہ اس قدر خودسر اور انا پرست ہے کہ ہم اس کی مرضی کے

خلاف اسے کسی سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کرسکتے۔" میں نے معصومانہ بے بسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ناممکن ہے۔" اول خان سہلاتے ہوئے بولا "وہ مغربی معاشرے میں پلی بڑھی ہے' تعلیم یافتہ ہے' اس نے دنیا دیکھ رکھی ہے۔ اسے یوں کسی کھونٹے سے نہیں باندھا جاسکتا۔"

"ہوں۔" گفتگو کو ختم کرنے کے ارادے سے میں نے مختصر ترین جواب پر اکتفا کیا۔

چند ثانیوں کے لیے ہم دونوں خاموش ہوگئے۔ سلطان شاہ ٹی وی پر کشمیری حریت پسندوں کی سرگرمیوں کی ایک دستاویزی فلم دیکھنے میں منہمک تھا۔

"میں اکثر غور سے اس کے رویّوں کا مشاہدہ کرتا رہا ہوں۔" سکوت کے دوران اپنے خیالات کو یک جا کرنے کے بعد اول خان نے دوبارہ بولنا شروع کردیا "اسے بلاوجہ ہی پاکستان اور اس کے مفادات سے ہمدردی نہیں ہے۔ اس کی تہ میں کوئی اور ہی جذبہ کار فرما نظر آتا ہے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم چپکے چپکے اس پر ریسرچ کررہے ہو۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تم اسے صرف دوست تصور کرتے ہو لیکن میرا خیال ہے کہ وہ تم کو اپنا آئیڈیل بنا چکی ہے۔ اگر اسے اپنے محبوب کے انتخاب کی آزادی دی جائے تو وہ یقیناً تم جیسے کسی مرد کا انتخاب کرے گی۔"

اول خان نے بہت دبے دبے اور محتاط لفظوں میں وہ بات کہہ ہی ڈالی جسے میں ٹالنا چاہ رہا تھا۔

"اول خان! خدا کا خوف کرو۔ غزالہ نے تمہارا یہ ماہرانہ تجزیہ سن لیا تو میری زندگی ویرا سے بھی زیادہ قابلِ رحم ہوجائے گی۔"

"میری بات کا غلط مفہوم اخذ مت کرو۔" اول خان فوراً ہی مدافعت پر اتر آیا "میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ویرا تم سے اس قدر مرعوب اور متاثر ہوچکی ہے کہ اب اسے مغربی معاشرے میں اپنی پسند کا کوئی مرد نہیں مل سکتا۔ اس نے اسی لیے اپنے وطن اور شہریت کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ اب وہ صرف اس آس پر یہاں پڑی ہوئی ہے کہ تم جیسا کوئی دوسرا مشرقی مرد اسے بھرپور محبت اور تحفظ کا سایہ فراہم کرسکے۔"

"اپنی یہ تاویلیں تم خود ہی سمجھ سکتے ہو۔" اس مرحلے پر میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے بے بسی سے کہا "میری ذات میں سرخاب کے پر نہیں لگے ہوئے۔ ملک خدا بہت وسیع ہے۔ یہاں چپّے چپّے پر ایسے لوگ ملیں گے جو صاف ستھرے ماضی کے ساتھ قابلِ رشک کردار کے مالک ہوں گے۔"

"یہی اصل نکتہ ہے۔" اس نے زور دے کر کہا اور میں اس کی نکتہ آفرینی پر قدرے پریشان ہوگیا۔ وہ کہہ رہا تھا "ویرا کا ماضی قابلِ رشک اور صاف ستھرا نہیں ہے۔ وہ اپنے جیسے ہی کسی آدمی کے ساتھ خوش اور بے فکر رہ سکے گی۔ صاف ستھرے ماضی کا مالک اسے کیوں قبول کرے گا۔"

اس وقت اول خان مجھے محتاط انداز میں لاجواب کرنے پر تلا ہوا تھا۔ میں اس کی بات کا جواب سوچ ہی رہا تھا کہ چمچے سے پلیٹ بجانے کی آواز آئی اور میں اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا "آؤ۔ میز لگ گئی ہے۔ اب میں ایک منٹ بھی انتظار نہیں کرسکتا۔"

ڈائننگ ٹیبل پر یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ غزالہ اور ویرا کے جگمگاتے ہوئے چہروں پر مسکراہٹیں بکھری ہوئی تھیں۔ فضا میں منڈلاتا ہوا تصادم کا سنگین خطرہ ٹل چکا تھا۔

اس وقت تک ہم سب اول خان کی کہانی میں الجھے ہوئے تھے۔ وہ پہلی بار آیا تو اس سے بہت سی باتیں ہوئی تھیں۔ نادیہ سے بازپُرس کے بعد وہ لوٹا تب بھی دوسری باتیں ہوتی رہیں لیکن ہماری سمندری سیر کا کوئی ذکر نہیں ہوسکا۔ کھانے کی میز پر سلطان شاہ نے وہ کہانی چھیڑ دی۔

"یہ بہت غلط فیصلہ تھا۔" اول خان نے پوری بات سن کر قدرے خفگی سے کہا "پتا نہیں تم بیٹھے بٹھائے اتنے خطرناک فیصلے کیوں کرلیتے ہو۔ حاجی دل مراد اور غفور بھٹی پاکستان کے ساحلوں پر ہونے والی انسانوں کی اسمگلنگ کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ ایسے لوگ مخبروں اور محافظوں کے مضبوط گھیرے میں رہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری بوٹ کا ناخدا بھی اس کا مخبر ہو اور اب تک اسے یہ خبر پہنچا چکا ہو کہ آج دو مقامیوں نے اس کے گھر میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا تھا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ سرغنے بھی ہم جیسے انسان ہوتے ہیں۔ انسانوں کے سمندر میں آسانی سے دو آدمیوں کا سراغ نہیں لگاسکتے۔" میں نے کوفتے کا لقمہ نگل کر کہا۔

"یہ مان لو کہ اُدھر کا رخ کرکے تم نے ایک غیر ضروری اور سنگین خطرہ مول لیا تھا۔" اول خان نے چڑچڑے لہجے میں کہا "دل مراد اور غفور بھٹی زہریلے ناگ ہیں۔ اپنی زد میں آنے والے کسی حریف کو نہیں بخشتے۔ زندہ دشمن کے پیروں میں وزنی پتھر باندھ کر اسے جیتی جاگتی حالت میں گہرے سمندر میں غرق کرنا ان کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ یہ وحشیانہ کام وہ اپنی لانچوں میں بہت دور نکل کر خود ہی سرانجام دیتے ہیں۔"

"ایک بات اور بھی ہے۔" ویرا نے پُرخیال انداز میں کہا "جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' کمانڈر سعید نے بتایا تھا کہ ان دونوں نے اپنے اپنے علاقے بانٹے ہوئے ہیں اور نیلور والا سمندری گھاٹ غفور بھٹی کی سلطنت میں شامل ہے۔ ایسی صورت میں دل مراد پر وقت برباد کرنا بے سود تھا۔"

"یہ دونوں ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے بستر میں پڑے رہ کر وقت برباد نہیں کیا۔ ہم حاجی دل مراد کے

بارے میں کچھ نہ کچھ جاننے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔" میں نے کہا۔

"میرا دعویٰ ہے کہ اس مختصر سے پھیرے میں تم کام کی کوئی بات معلوم نہیں کرسکے ہوگے۔" میری بے نیازی پر اول خان کو یک بہ یک ہلکا سا غصہ آگیا۔

"سب سے بڑی کام کی بات یہی ہے کہ کمانڈر سعید کی معلومات ناقص ہیں۔" میں نے اسے چڑانے کے لیے کہا "حاجی دل مراد کسی الگ جزیرے پر نہیں، بھٹ آئی لینڈ ہی کے ایک کنارے پر رہتا ہے......"

"اس سے بہت زیادہ معلومات میرے پاس موجود ہیں۔" اول خان میری بات کاٹ کر تیزی سے بولا "جزیرے کے اس وسیع رقبے کے گرد ایک گہری سمندری نہر کھود کر اسے ایک ذیلی جزیرے کا روپ دے دیا گیا ہے۔ وہاں کے رہنے والے اس حصے کو بھٹ آئی لینڈ کا حصہ نہیں سمجھتے 'اسے شاہ بیلہ کہتے ہیں۔"

"شاہ بیلہ؟" غزالہ نے چونک کر دہرایا "بیلہ تو شاید دریائی جزیروں کو کہتے ہیں۔"

"کہتے ہوں گے۔ لوگوں کے دیے ہوئے ناموں پر کسی اصول کا اطلاق نہیں ہوتا۔"

"جیسے ڈشکا۔" سلطان شاہ بے اختیار بول پڑا "وہ بھی ایک عجیب آدمی تھا اور لوگوں نے اسے عجیب ہی نام دیا ہوا تھا۔ اب تم لغتیں کھنگالتے رہو۔ ڈشکا کہیں نہیں ملے گا۔ شاہ بیلہ تو پھر بھی ذرا ڈھنگ کا نام ہے۔ سمندر اور دریا میں فرق ہی کتنا ہوتا ہے۔ ایک کھارا اور دوسرا میٹھا۔ پھر جائیں تو دونوں ہی بھیانک تباہی لاتے ہیں اور اتفاق کی بات ہے کہ دونوں ہی خاصے گیلے ہوتے ہیں۔"

سلطان شاہ کی بے سروپا وضاحتوں نے ماحول کا تناؤ دور کردیا اور اول خان نے سر جھکا کر اپنی پوری توجہ کھانے کی طرف مبذول کردی۔

بظاہر وہ گفتگو وہیں ختم ہوگئی مگر میرا ذہن الجھا رہا۔ کراچی کے اطراف میں واقع دو آباد جزیرے ہی ہمیشہ سے مشہور چلے آرہے ہیں۔ ان میں سے ایک اور شاید زیادہ بڑا منوڑا ہے جہاں سمندری جہازوں کی رہنمائی کے لیے خاصا اونچا لائٹ ہاؤس بنا ہوا ہے جو رات کی گھور تاریکی میں بھی میلوں دور سے اپنے وجود کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ اس جزیرے پر نہ صرف بحریہ کی کئی اہم تنصیبات ہیں بلکہ اس جزیرے کے ایک رخ پر عام لوگوں کے لیے تفریحی ساحل بھی موجود ہے۔ دوسرا جزیرہ پہلے صرف اپنے نام کے بجائے دو جزیروں کے ناموں کو ملا کر بابا بھٹ کہلاتا تھا اور زبان دانی کے تدریجی مراحل سے گزر کر بھٹ آئی لینڈ ہوگیا تھا۔ بعض کم علم لوگ اس جزیرے کی نسبت بھٹ شاہ سے خلط ملط کر بیٹھتے تھے جہاں سندھ کے عظیم صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کا مزار موجود ہے لیکن ایک بات طے تھی کہ میں نے ان تذکروں میں کبھی بھی شاہ بیلہ کا نام نہیں سنا تھا۔

اگر بھٹ آئی لینڈ کے ایک حصے کو کاٹ کر باقی زمین سے الگ کرلیا گیا تھا اور حاجی دل مراد نے وہاں اپنا قلعہ بنالیا تھا تو یہ کوئی پوشیدہ راز نہیں ہوسکتا تھا۔ سنسنی خیز اور تجسس آمیز خبروں کے متلاشی نامہ نگار اس افسانوی اور پُراسرار قلعے کی کہانیاں اپنے اخبارات میں ضرور چھاپتے اور یوں شاہ بیلہ کا نام ملک بھر میں مشہور ہوجاتا مگر ایسا نہیں تھا۔ اس کا ایک ہی سبب ہوسکتا تھا کہ حاجی دل مراد اپنے مسکن کی تشہیر پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ ایک طاقت ور اور بارسوخ سرمایہ دار تھا۔ اس کی دہشت کی وجہ سے کوئی بھی اس کی پسند یا مرضی سے انحراف کی جرات کرکے سمندر میں غرق ہونا پسند نہیں کرسکتا تھا۔

ان جزائر کے اطراف میں سمندر کی سیاحت کرنے والوں کی توجہ ادھر مبذول ہی نہیں ہوتی ہوگی کیوں کہ اس جزیرے کے ایک سرے پر کی جانے والی زمینی تبدیلیاں سطح سمندر سے نظر نہیں آسکتی تھیں۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ حاجی دل مراد کا مسکن اندرونی شکوہ اور پُراسراریت سے مالا مال ہونے کے باوجود باہر سے ذرا بھی غیر معمولی یا اہم نظر نہیں آتا تھا۔ باہر سے دیکھنے والے اسے کچے پکے مکانات اور جھونپڑوں پر مشتمل جزیرے کے کسی خوش حال شخص کا پختہ گھر سمجھ کر نظرانداز کردیتے ہوں گے۔

اول خان نے شاید مختصر سے وقت میں حاجی دل مراد کے اس ٹھکانے کے بارے میں خاصی معلومات جمع کرلی تھیں جن کا وہ حوالہ بھی دے چکا تھا مگر مشکل یہ تھی کہ اسی کے ساتھ اس نے حاجی مراد کو غیر اہم قرار دے دیا تھا۔ ہماری اس وقت کی مصروفیات کے اعتبار سے ویرا نے بھی اس کے نظریے کی تائید کی تھی اس وجہ سے میں نے دوبارہ وہ موضوع چھیڑنے کی کوشش نہیں کی اور کھانے کا دور خاموشی سے ختم ہوگیا۔

کھانے کے بعد ہم تینوں میز سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آگئے۔ برتن سمیٹنے کے بعد ویرا سب کے لیے بھاپ اڑاتی ہوئی خوش بودار کافی کی پیالیاں وہیں لے آئی۔

"یہ کیا ہے؟ میں کافی نہیں پیوں گا۔" ٹرے سامنے آتے ہی سلطان شاہ نے بدک کر کہا "اس وقت میں صرف اور صرف چائے پینا چاہتا ہوں۔"

"بھلا کیوں؟" ویرا نے پسپائی اختیار کیے بغیر سنجیدگی سے پوچھا۔

سلطان شاہ نے لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں جھانک کر اس کی سنجیدگی کا اندازہ لگایا پھر مطمئن ہونے کے بعد کہا "کافی اس وقت میری نیند اڑا دے گی۔ میرے لیے چائے بنادو۔"

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی "اگر تم سونے کے لیے اسی قدر مر رہے ہو تو تمہیں چائے بھی نہیں پینی چاہیے۔ تمہارے لیے

بھنگ کا ایک گلاس ہونا چاہیے کیوں کہ تمہارے لیے وہی خواب آور مشروب کا کام کرسکے گی۔ یہ ہوٹل نہیں، گھر ہے۔ یہاں ہر شخص کی فرمائش پوری نہیں کی جاسکتی۔ جو حاضر ہے وہ قبول کرو ورنہ بستر میں تکیہ دبا کر سو جاؤ۔" یہ کہہ کر وہ ہماری طرف آ گئی۔

سلطان شاہ اسے غصے اور بے بسی سے گھورتا رہ گیا۔ ویرا نے اسے لاجواب کردیا تھا۔

نادرہ کا وہ سجا سجایا فلیٹ ہم چاروں کی بنیادی ضروریات سے کہیں زیادہ گنجائش اور سہولتوں کا حامل تھا۔ ایک کمرا میرے اور غزالہ کے تصرّف میں تھا۔ دوسرے میں ویرا نے مے نوشی کے لوازم سجا کر ڈیرا ڈالا ہوا تھا۔ تیسری خواب گاہ میں اول خان بہت آسانی کے ساتھ سلطان شاہ کے ساتھ سو سکتا تھا۔ اصولی طور پر یہ باتیں طے کرلی گئیں مگر وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور سب ڈرائنگ روم میں ہی جمے بیٹھے رہے۔

ایک بجے کے بعد غزالہ کسل مندانہ انداز میں مسکراتی ہوئی ہماری محفل سے اٹھی تو ویرا کو بھی بہانہ مل گیا۔ میں محسوس کررہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے ہلکے پڑتے جارہے تھے۔ شاید وہ گہری نیند کے لیے مزید ایک دو گلاس اپنے معدے میں انڈیلنے کی ضرورت محسوس کررہی تھی۔

ان دونوں کے چلے جانے کے بعد میں نے اول خان کو کچھ دیر سو لینے کا مشورہ دیا لیکن وہ ہوں ہاں کرکے بھی وہیں جما رہا۔ اس کے بشرے پر نظر آنے والی لکیروں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ تفکرات میں گھرا ہوا تھا۔

بھارتی سیکرٹ سروس را کے، دو تجربے کار ایجنٹ راس المیڈا کے ایما پر خفیہ طور پر پاکستان میں داخل ہوچکے تھے۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ان سب کے یک جا ہونے سے پہلے ہی ہم نے راس المیڈا کو بے دست و پا کرکے کیفر کردار کو پہنچا دیا تھا لیکن قرائن یہ بتارہے تھے کہ راجن اور روکرم کے ناموں سے بھارتی ایجنٹ شہر میں موجود تھے اور اول خان کی تھیوری کے مطابق راس المیڈا کی موت کی خبر پھیلتے ہی انہوں نے شہر میں بموں کے دو دھماکے کرکے غیر سرکاری طور پر اپنا احتجاج ریکارڈ کرادیا تھا۔ ان خطرناک دہشت گردوں کا خاتمہ کیے بغیر ہم اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے تھے۔

"آج شہر کے مصروف اور بارونق علاقوں میں بموں کے دو دھماکے ہوئے ہیں۔ کل کچھ اور بھی ہوسکتا ہے۔" کچھ دیر بعد اول خان نے ان فقروں کے ذریعے اپنی فکر مندی کا سبب خود ہی ظاہر کردیا۔

"تیزی دکھانے کے چکر میں وہ بری طرح ٹھوکر کھائیں گے اور ہمارے ہاتھ ان کی گردنوں پر پہنچ جائیں گے" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "وہ زیادہ دیر تک آزاد نہیں رہ سکیں گے۔"

"فی الحال یہ صرف خوش فہمی ہے۔" اول خان نے تلخی سے کہا "اس وقت وہ دونوں بے نام و نشان سائے ہیں۔ جب تک وہ ہماری نظروں میں نہیں آجاتے، ہم ان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکیں گے۔"

"پتا نہیں تم کمانڈر سعید پر بھروسا کیوں نہیں کررہے؟" سلطان شاہ نے گفتگو میں دخل انداز ہوتے ہوئے ایک معقول نکتہ پیش کیا "غفور بھٹی کی یادداشت کے سہارے تیار ہونے والے خاکے انہیں بے نقاب کرنے میں کلیدی کردار ادا کرسکیں گے۔..."

"ان خاکوں کو ٹی وی پر اور اخبارات میں بڑے پیمانے پر مشتہر کرایا جائے تو وہ بزدل چوہے اپنی کمین گاہوں سے باہر نکلنے کی ہمت بھی نہیں کرسکیں گے۔" میں نے سلطان شاہ کے خاموش ہونے سے پہلے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "ان کے بارے میں تمہاری فکر مندی بجا ہے لیکن تم انہیں ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو۔"

"قانون نافذ کرنے والے ہر ادارے کے اہل کار بے گناہ شہریوں کی جان و مال کے امین ہیں۔ آج کے دھماکوں میں مجھے دو شہریوں کی شہادت کی خبر ملی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ اس تعداد میں اضافہ ہوا ہو۔ ان کا کیا قصور تھا؟ یہ خون کس کے سر جائے گا؟ کیا ہم اپنی سرزمین پر بھی اپنے معصوم شہریوں کو عالمی دہشت گردوں کا نشانہ بننے سے نہیں بچا سکتے؟ یہ بہت تیکھے سوالات ہیں۔ یہ میرے دماغ کی شریانیں پھاڑ دیں گے۔"

"یہ سوال واقعی بہت اہم ہیں۔" میں نے اعتراف کیا "شہری کے لہو کی بوند تو بڑی بات ہے، اس کی عزتِ نفس اور آبرو کے تحفظ کی ذمے داری بھی یکساں اہمیت کی حامل ہے مگر یہ دیکھ کر مجھے دکھ ہوتا ہے کہ اب یہ سب نظریاتی باتیں ہو کر رہ گئی ہیں۔ عملاً ہمارے تھانوں وغیرہ میں کیا ہوتا ہے؟ ہم خود اپنی ذمے داریوں سے تجاوز کرکے لوگوں کو عزت و ذلت بانٹنے پر قادر ہوتے جارہے ہیں......"

"گھر کی خرابیوں کو را والوں کے مظالم کا جواز مت بناؤ۔" اول خان میری بات کاٹ کر تیزی سے بولا۔

"گھر کی خرابی سے ہی باہر والے فائدہ اٹھاتے ہیں۔" میں نے زور دے کر کہا "جس شہر میں لوگ معمولی اختلافات پر آپس میں دس پانچ لاشیں گرانے لگیں وہاں باہر والوں کو بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کا موقع مل جاتا ہے۔ جو کچھ ہورہا ہے اور شہر میں آج جو کچھ ہوا، وہ واقعی اندوہناک ہے۔ ان حالات پر میرا دل بھی خون کے آنسو روتا ہے لیکن یہ مسائل صرف آنسو بہانے سے حل نہیں ہوسکتے۔ ان کے خلاف بھی اسی جذبے سے کام کرنا ہوگا جس جذبے سے تم را والوں سے نفرت کرتے ہو۔ اپنی سوچ کو ذرا دھیما رکھو۔ وہ دونوں بچ کر نہیں نکل سکیں گے۔"

"اور پھر یہ بھی یاد رکھو کہ تم اس ملک میں قانون کے نفاذ کے ذمے داروں میں سے نہیں ہو۔" سلطان شاہ نے میرا ساتھ دیتے ہوئے کہا "تم اسپیشل ٹاسک فورس کے ایک یونٹ کے سربراہ ہو۔

نہیں قانون کی حدود اور پابندیوں سے آزاد کر کے ملکی سلامتی کی حفاظت کا مقدس فریضہ سونپا گیا ہے اور اپنی اس حیثیت میں تم سرکاری ملازم ہو نہ نیم سرکاری اہل کار۔"

"ان باتوں کی بار بار یاد دہانی میرا حافظہ تازہ کرتی رہتی ہے مگر حقیقت ہم سب جانتے ہیں۔ یہ سب منطقی باتیں ہیں۔ عالمی اداروں کی غنڈا گردی سے بچنے کے لیے ان سب باتوں کا سہارا لیا گیا ہے۔ اگر ہم سرکاری یا نیم سرکاری ملازم نہیں ہیں تو پھر کیا ہیں؟ کون لوگ ہمیں اسپیشل ٹاسک دیتے ہیں؟ ہمارے بڑے کس کو جواب دہ ہیں؟ ظاہر ہے کہ آسمانی فرشتے ہمارے لیے احکام جاری نہیں کرتے۔ ہم جیسے انسان ہی خطروں کا ادراک کر کے ہمارے لیے کام کی حدود اور نوعیت کا تعین کرتے ہیں۔ وہ کون ہو سکتے ہیں' یہ کوئی بھی سمجھ سکتا ہے۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس ملک کی ایک خفیہ اور تباہ کن تنظیم تھی جس کے ہر رکن کو ان گنت آزادیاں حاصل تھیں۔ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے وہ لوگ ہر لمحے اپنے فیصلے کرنے کی آزادی رکھتے تھے مگر بدقسمتی یہ تھی کہ وہ فار میشن ملک کے آئین اور قانون سے ماورا تھی اس لیے گرفت یا ناکامی کی صورت میں ان کو کوئی قانونی تحفظ حاصل نہیں تھا اور شاید دنیا کے ہر سیکرٹ ایجنٹ کا یہی مقدر ہوتا ہے۔ وہ لوگ کامیابی کی صورت میں اپنی قوم کے ہیرو ہوتے ہیں لیکن کسی مشن کی تکمیل میں ناکام ہو کر پکڑے جائیں تو ان کے اپنے بھی ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ملک اور قوم کے مفاد کے نام پر انہیں سفاک دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وہ لوگ اپنے اس انجام سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں مگر پھر بھی اسی پیشے میں رہ کر اپنی روزی کماتے ہیں۔ انہیں بس ایک بات کا یقین ہوتا ہے کہ ان کا انجام جو کچھ بھی ہو' ان کے بعد اُن کے اہلِ خانہ بھوکوں نہیں مریں گے۔ ان کو اتنا کچھ دے دیا جائے گا کہ وہ دنیاوی آسائشوں سے مالا مال ہو کر اپنے دکھ کا بوجھ ہلکا محسوس کرنے لگیں گے اور معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔

سلطان شاہ کی آنکھوں میں نیند کا خمار جھلکنے لگا تھا۔ اس نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے سر ہلا کر اسے جانے کی اجازت دے دی۔

"میرے کمرے کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ جب چاہو' اندر آ سکتے ہو" اس نے اٹھتے اٹھتے اول خان سے کہا "میری اتنی چوڑی ہے کہ تعلقات خراب ہونے کی صورت میں میاں بیوی ایک دوسرے کی دسترس سے محفوظ رہ کر دونوں سروں پر سو سکتے ہیں۔"

"تم جاؤ!" اول خان نے پیر پھیلا کر ہلکی سی انگڑائی لیتے ہوئے کہا "میری نیند اُڑ چکی ہے۔ جب جھونک سوار ہوگی تو اندر آ جاؤں گا۔ تمہاری نیند میں خلل نہیں پڑے گا۔"

وہ چلا گیا تو چند لمحوں بعد اول خان مجھ سے مخاطب ہو کر دھیرے دھیرے کہنے لگا "تم تاریخ داں نہیں ہو لیکن پڑھے لکھے ضرور ہو۔ تمہیں یاد ہوگا کہ محمد بن قاسم نے ایک عورت کی فریاد پر اپنا سفینہ سندھ کے ساحلوں کے رخ پر ڈالا تھا۔ اپنے شہریوں کی حرمت اور عزت کے بے مثال تحفظ کا وہ پہلا منفرد واقعہ تھا۔ پھر تم نے پہلی جنگِ عظیم کے بارے میں بھی پڑھا ہوگا۔ بوسنیا کے شہر سرائیوو میں ایک سرب طالب علم نے آسٹریا کے آرک ڈیوک فرڈی ننڈ اور اس کی بیوی کو قتل کر دیا تھا اور اسی بنا پر آسٹریا نے سربیا پر حملہ کر دیا تھا جس میں دنیا کی تمام بڑی قوتیں تیزی کے ساتھ ملوث ہوتی چلی گئیں اور دہرے قتل کے واقعے سے شروع ہونے والی وہ خون آشام جنگ چار سال میں لاکھوں انسانی جانوں کو چاٹ گئی اور ابھی چند برس پہلے اپنے چند شہریوں کی تذلیل و تضحیک پر برطانیہ کی شاہی بحریہ نے فاک لینڈ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ یہ غیور اور بے جگر قوموں کے انداز ہوتے ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ دشمن ہمارے سینے پر مونگ دل کر چلا جاتا ہے اور ہم اف بھی نہیں کر پاتے۔"

میں سمجھ رہا تھا کہ را کے دونوں ایجنٹوں کی ممکنہ تخریب کاری اور پھر کم از کم دو شہریوں کی ہلاکت اول خان کے ذہن پر سوار تھی اور وہ اسی کے حوالے سے بات کر رہا تھا۔ میں نے کہا "اس وقت تم صرف ایک ہی رخ پر سوچے جا رہے ہو۔ یہ بری بات ہے۔ تمہاری دی ہوئی تینوں مثالیں بے مثال ہیں لیکن ہمارے حالات سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ان تینوں واقعات میں جرم ثابت ہو چکا تھا' مجرم سامنے تھے مگر فریقِ ثانی انہیں سزا دینے پر

آمادہ نہیں تھا۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ را کے ایجنٹ روپوش ہیں۔ بموں کے دھماکے کس نے کیے؟ یہ معلوم ہی نہیں ہو سکا۔ ایسی صورت میں تم کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔ تم سر دھڑ کی بازی لگا کر راجن اور روکرم کو پکڑ لو اور ان سے سارے اعترافات کرالو' تب بھی کچھ نہیں کر سکو گے۔ را کا چیف فوراً ان سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کردے گا۔ ایسی ڈھکی چھپی لڑائیاں ازل سے ہوتی چلی آرہی ہیں۔ ان میں بس یہی ہوتا ہے کہ پکڑے جانے والوں کو مقامی قانون کے مطابق سب سے کڑی سزا سنا دی جاتی ہے اور تم قانون سے ماورا ہو اس لیے ان دونوں کی گردنوں میں فولادی طوق پہنا کر انہیں بحیرۂ عرب کے گہرے پانیوں میں غرق کرسکتے ہو۔ کوئی تم سے نہیں پوچھے گا کہ وہ ملعون کہاں گئے۔"

"یہ تو انشاء اللہ ہو کر رہے گا" اول خان نے زہر خند سے کہا۔ "اب اس سے آگے بھی کچھ ہونا چاہیے۔"

"وہ ضرور ہو رہا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ تم اس سے بے خبر ہو۔"

"کیا ہو رہا ہوگا؟" اس نے بے یقینی اور قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"ہمارے بھی کچھ سرفروش اپنی جانیں ہتھیلی پر لیے ان کے علاقوں میں کام دکھا رہے ہوں گے۔ وہ آئے دن ہمارے ایجنٹوں کے بارے میں شور مچاتے رہتے ہیں اور جب کوئی ہاتھ نہیں آتا تو جھلاہٹ میں وہ ہمارے کسی سفارتی کارکن کو اپنے عتاب کا نشانہ بنا کر ملک بدر کردیتے ہیں۔ یہ کہانیاں تم بھی اخباروں میں پڑھتے رہتے ہوگے۔ تمہارا یہ عالم ہے کہ تم نے ان کے ایجنٹوں کا جینا دوبھر کیا ہوا ہے اور پھر بھی آزردہ ہو رہے ہو۔"

اول خان کے ہونٹوں پر پہلی بار بے ساختہ مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے کہا "میں اسی لیے کہتا ہوں کہ تم سوچنے کا کام بہت عمدگی سے سرانجام دیتے ہو۔ میری ذہنی رُو ایک طرف لگ جاتی ہے تو دوسرے سارے امکانات چوپٹ ہو کر رہ جاتے ہیں.... میرا بھی یہی مطلب تھا کہ اب ہمیں ان کے گھر میں گھس کر کام دکھانا چاہیے۔ جوش اور غصے میں مَیں بھول ہی گیا تھا کہ ہم اندر کی دیکھ بھال کرنے والے لوگ ہیں' سرحدوں سے باہر کام دکھانے والے دوسرے ہیں جو یقیناً اپنے کام سے غافل نہیں ہوں گے۔"

"اور یہی ایک ایسی...." میرا فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ اچانک ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

میری نگاہ بے اختیار اپنی رسٹ واچ پر گئی۔ وہ سوا دو بجا رہی تھی۔

"اتنی رات گئے کون فون کرسکتا ہے؟" اول خان پُرتشویش آواز میں بڑبڑایا۔

گھنٹی دوبارہ بجی' مجھے یکایک آئزک بیل کا خیال آیا۔ شاید راس المیڈا کا وہ جانشین نیویارک میں اپنی نیند پوری کرلینے کے بعد دوبارہ میرے ساتھ مُنہ ماری کرنی چاہ رہا تھا۔

تیسری گھنٹی بجنے سے پہلے میں نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے ایک مترنم نسوانی آواز میں ہیلو سنتے ہی میرے بدن کے تنے ہوئے عضلات یک بہ یک ڈھیلے پڑ گئے۔ اس آواز کو میں آسانی سے نہیں بھول سکتا تھا۔

"نادرہ! خیریت تو ہے۔ اتنی رات گئے فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

میری زبان سے نادرہ کا نام سن کر اول خان پُرسکون ہوگیا۔ سلطان شلہ بھی خواب گاہ سے نکل کر ہماری طرف آتے آتے واپس لوٹ گیا۔

"اوہ ڈیئی! خدا کا شکر ہے کہ فون تم ہی نے اٹھایا ہے" میری آواز سنتے ہی اس کا لہجہ پُرجوش اور تشکر آمیز ہوگیا "دوسروں سے بات ہوتی ہے تو وہ مجھے ٹال دیتے ہیں اور شاید تمہیں پیغام بھی نہیں دیتے۔"

"مجھے پیغامات ملتے رہتے ہیں مگر میں ان دنوں بہت مصروف ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت فون کیوں کیا ہے؟"

"بس نیند نہیں آرہی تھی۔ میرا ذہن تمہاری ذات میں الجھا ہوا تھا۔ تم نے مجھے کراچی سے نکال دیا تھا مگر میں تم کو بہت سنگین خطرات میں گھرا ہوا چھوڑ کر آئی تھی۔ کیا وہ چکر ابھی تک چل رہا ہے؟" اس نے بے تکلفی سے کہا۔

"تم سے رابطہ کرنے والے سی آئی اے کے ایجنٹ واپس جاچکے ہیں لیکن میرے گرد جال بچھانے والے دوسرے لوگ ابھی تک میدان میں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت مجھے تمہارا یہ فلیٹ بھی چھوڑنا پڑے۔"

"ہائے.... ایسا نہ کہو۔ غنی کے بعد اب تم ہی میرا سہارا ہو۔" اس کی آواز بے ساختہ تھی "تم اندازہ نہیں لگاسکتے کہ اندر سے ٹوٹی پھوٹی اور بکھری ہوئی عورت کتنی بے اعتبار ہوجاتی ہے مگر میں نے تم پر اعتبار کیا ہے۔ تم مجھے اپنے بہت قریب محسوس ہوتے ہو۔ میں...."

اس کے مزید جذباتی ہونے سے پہلے ہی میں نے قدرے بے رحمانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی "اس وقت تم رحیم یار خان اور میں کراچی میں ہوں۔ سیکڑوں میل کا یہ فاصلہ ایک حقیقت ہے اور ہمیں حقیقت کی دنیا میں رہنا چاہیے کیونکہ غزالہ ابھی جاگ رہی ہے۔"

"اس کا نام نہ لو۔ مجھے اب اس کے نام سے بھی خوف آنے لگا ہے۔ پتا نہیں تم نے ایسی خوں خوار بیوی کیوں پالی ہوئی ہے۔ جو عورت اپنے شوہر پر دوسری عورت کا سایہ تک برداشت نہ کرسکے اسے مرد زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتا۔"

"مگر میں اسے دل و جان سے چاہتا ہوں" میں نے نرمی سے کہا۔

"غنی بھی مجھے بہت چاہتے تھے مگر جب بھی وہ شام باہر گزار کر گھر آتے تھے تو ان کے لباس میں کسی عورت کے لمبے لمبے بھورے بال چپکے ہوئے ہوتے تھے۔ میں احتیاط سے ایک ایک بال گنتی اور ٹٹولتی تھی مگر میں نے انہیں کبھی کچھ نہیں جتایا۔ وہ مجھے بے خبر رکھ کر خوش رہنا چاہتے تھے اور میں بے خبر بنی رہی۔ میں مردوں کی فطرت کو بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں اور تم بھی آخر کو ایک مرد ہی ہو۔"

"تو یہ کہو کہ غنی تمہارا دل جلانے کی وجہ سے کارڈف کی جیل میں پہنچا ہے ورنہ ہیروئن تو ایک بہانہ تھی" میں نے اس کے آخری فقروں کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا "سنا ہے کہ ماں کی دعا اور بیوی کی بددعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔"

"یہ تم نے غلط سنا ہے" کھلکھلاتی ہوئی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی "ایسا ہوتا تو صرف کراچی کی بے شمار عورتیں بیوہ ہو چکی ہوتیں....."

"کراچی کی نہیں، اپنی جاننے والیوں کی بات کرو" میں نے دوبارہ اس کی بات کاٹ کر تصحیح کی "کراچی میں زندگی اتنی مصروف ہے کہ لوگوں کو ایسی بے اعتدالیوں کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ تمہاری دوستوں کو اپنے شوہروں کے کپڑوں میں اجنبی عورتوں کے بال کثرت سے ملتے ہوں تو اور بات ہے۔ ایسے مردوں کا تعلق بھی غنی کے کاروبار سے ملتے جلتے کسی دھندے سے ہو گا۔"

"پلیز! ان کا ذکر اتنی بے رحمی سے نہ کرو۔ وہ آج بھی میرے سرتاج ہیں" اس نے احتجاج کیا۔

"میں حیران ہوں نادرہ!" میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد کہا۔ "مجھے تم نے بے تکلفی سے بات کرنے کی اجازت دی تھی لیکن کراچی چھوڑنے تک تم مجھے آپ کے صیغے سے مخاطب کرتی رہی تھیں۔ آج تمہارے لہجے سے بہت بے تکلفی جھلک رہی ہے۔ کیا میں اس کا سبب جان سکتا ہوں؟"

"وہ اجازت یک طرفہ نہیں تھی" اس کی آواز میں مٹھاس سمٹ آئی "میں تمہارے ساتھ بے تکلفی سے اپنے دل کی باتیں کرنی چاہ رہی تھی مگر اچانک ہی تمہاری بیوی کی دیوانگی کا قصہ شروع ہو گیا۔ شاید تم یقین نہ کرو کہ غنی کے پکڑے جانے کے بعد تم پہلے شخص ہو جس کے بارے میں مَیں تنہائی میں بہت کچھ سوچتی رہتی ہوں۔"

"پہلا نہیں، دوسرا کہو" میں نے بائیں ہاتھ سے اپنا سر سہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ دوسرا کہاں سے آگیا؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی "کیا تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو؟"

"الزام نہیں، یہ تصحیح ہے" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم اپنے پرانے نمک خوار بشیر کو بھول رہی ہو جو غنی کی گرفتاری کے بعد تمہاری ہولناک تنہائیوں کا ساتھی بنا ہوا تھا....."

"نہیں ڈیئر" اس نے مجروح لہجے میں میری بات کاٹ دی۔ "بشیر کے ساتھ اپنا موازنہ نہ کرو اور نہ ہی مجھے طعنے دو۔ میں نے تمہیں اپنا سمجھ کر تمہارے سامنے بہت کچھ کہہ ڈالا تھا۔ بشیر میرا دوست نہیں، صرف ملازم تھا۔ وہ میرے اشاروں کی تعمیل ضرور کرتا تھا مگر اس میں وہ مردانگی نہیں تھی جو کسی بھی عورت کو تحفظ کا احساس دلاتی ہے۔ غنی کو بچھڑے دو سال ہو چکے ہیں۔ اس مدت میں مَیں بشیر کو منہ نہ لگاتی تو اب تک پاگل ہو چکی ہوتی۔ وہ جا چکا ہے۔ مجھے اس کے جانے کا کوئی ملال نہیں ہے لیکن تم سے بچھڑنے کا احساس اب کچوکے لگانے لگا ہے۔"

"کیوں؟ کیا تمہارے ساتھ بہن اور بہنوئی کا رویّہ اچھا نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بہن پھر بہن ہوتی ہے۔ وہ میری دل جوئی کی کوششوں میں لگی رہتی ہے لیکن میرا بہنوئی بددماغ ہے۔ شاید اسے کہیں سے سُن گُن مل گئی ہے کہ غنی مجھے اپنے اہم دوستوں سے ملوا کے خوش ہوتے تھے۔ وہ کئی بار کہہ چکا ہے کہ کراچی میں غنی کے بہتیرے دوست مجھے کرائے کے کسی محفوظ فلیٹ میں ٹھہرا سکتے تھے۔ اس بے وقوف کو یہ علم نہیں کہ میں صرف غنی کی خوشنودی کے لیے ان کے دوستوں کی زیادتیاں برداشت کرتی تھی کیونکہ ہیروئن کی تجارت جاری رکھنے کے لیے یہ سب ضروری تھا۔ غنی کی گرفتاری کے بعد میں اپنی ذات میں محصور ہو گئی تھی....."

"بات ذرا تلخ ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کے کہا "لیکن ناگزیر ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ غنی ہیروئن کے ساتھ اپنی عزت بھی بیچ رہا تھا تو کیا یہ زیادہ درست نہیں ہو گا؟"

"تم جو چاہو، کہہ سکتے ہو" نادرہ نے برا مانے بغیر کہا "حسین بیویوں کے شوہر جب کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں تو انہیں رشوت میں اسی حسن کا نذرانہ دینا پڑتا ہے۔ یہ میری یا غنی کی بدقسمتی تھی کہ میں تھوڑی سی خوبصورت ہوں۔ ان کا ہر حریص دوست گھر آتا تھا تو غنی سے زیادہ مجھے اہمیت دیتا تھا۔ غنی ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ میں نے ان کی مرضی کے خلاف کبھی کوئی پیش رفت نہیں کی۔ بشیر کو بھی انہوں نے ہی کچھ سوچ سمجھ کر ملازم رکھا تھا۔ غنی ایک آزاد خیال شوہر ہیں۔ اگر ہم دونوں ایک دوسرے کی کوئی حق تلفی کیے بغیر ہنسی خوشی رہ رہے تھے تو تمہیں اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ کیا، ان کی مرضی سے کیا۔"

"تو کیا اب غنی نے تمہیں میرے ساتھ دوستی کرنے کی اجازت دے دی ہے؟"

"طنز مت کرو۔ تم کو معلوم ہے کہ غنی کو اولڈ بیلی کی عدالت نے دس سال قید کی سزا سنائی ہے۔ وہ کارڈف کی جیل میں ابھی صرف دو سال پورے کر سکے ہیں اور تمہارا اندازہ ہے کہ اچھے رویّے کے باوجود اگلے چار چھ سال تک انہیں پیرول پر بھی رہائی

نہیں مل سکے گی۔ کیا مجھے اتنا حق بھی نہیں ہے کہ میں تنہائی کے اس جہنم کو سرد کرنے کے لیے اپنی مرضی سے کسی دوست کا انتخاب کرسکوں؟"

"اس معاملے میں تم خود مختار ہی نہیں بلکہ مادر پدر آزاد ہو" میں نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا "لیکن تم بھول رہی ہو کہ میرے بارے میں غزالہ کس قدر حاسد بلکہ جنونی ہے۔ اسے شبہ بھی ہوگیا کہ تم میری دوستی کی متمنی ہو تو وہ رحیم یار خان پہنچ کر تمہارا چہرا اپنے ناخنوں سے ادھیڑ ڈالے گی۔"

"اپنے گھر میں چیونٹی بھی شیر ہوتی ہے۔ یہاں وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی اور پھر اصل اہمیت تمہاری ہے۔ کیا تمہارے لیے میری ذات بالکل بے روپ اور بے کشش ہے؟"

"خدا کی پناہ!" میں نے بے ساختہ کہا "جب میں جیف طر سے نمٹنے کے لیے تمہارے گھر میں تھا تو تمہارے لمس نے میرے وجود میں آگ سی بھڑکا دی تھی۔ تم واقعی ساحرہ ہو۔ تم غنی کے دوستوں کی چھیڑ چھاڑ کو اپنے لیے خراج تحسین سمجھتی تھیں تو میرے اس اعتراف کو بھی تعریف کا ایک پیمانہ سمجھ سکتی ہو۔ تم بہت اچھی‘ بہت فراخ دل‘ خوب رو اور سیمیں بدن ہو مگر مشکل یہ ہے کہ میں اب ایک بزدل شوہر ہوں۔ اپنی نیم وحشی بیوی سے ڈرتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ اتنی رات گئے تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟"

"آج میں گھر میں اکیلی ہوں۔ کرنل صاحب میری بہن کے ساتھ کسی تقریب میں بہاولپور گئے ہوئے ہیں۔ وہ دونوں صبح واپس آئیں گے۔ میں نے سوچا کہ اس فرصت میں ذرا تم سے کھل کر کچھ باتیں ہی کرلی جائیں مگر تم مجھے مایوس کررہے ہو۔ تم یہاں آجاؤ تو غزالہ کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلے گا کہ تم کہاں گئے ہو۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ گیری ہارٹ اور جیف طر سے گلوخلاصی ہوجانے کے باوجود دوسرے لوگ میری راہ پر ہیں۔ موجودہ حالات میں میرا غیر محتاط رویّہ مجھے لے ڈوبے گا۔"

"وہ دونوں دفعان ہوچکے ہیں تو میں کراچی آجاتی ہوں" اس نے فوراً متبادل تجویز پیش کردی۔

"مگر کیوں؟ تمہارے اس اضطراب کا سبب کیا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے فرخ کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے امریکا بھیجا ہوا تھا" وہ ایک گہرا سانس لینے کے بعد بتانے لگی۔ "وہ یہاں سے گیا تو نا سمجھ تھا مگر اب وہ نو سال کا لڑکا ہے۔ سی آئی اے والوں سے خوف زدہ ہوکر میں نے اس سے فون پر رابطہ کیا تھا۔ اس کے بورڈنگ منیجر نے کچھ ایسا چکر چلایا ہے کہ کل وہ امریکا سے لندن پہنچ چکا ہے۔ وہاں غنی کا ایک دوست مقیم ہے۔ اسے مجھ سے ہمدردی ہے۔ اب تم سے کیا پردہ‘ وہ غنی سے زیادہ میرا دوست تھا۔ اس نے فرخ کو لندن کے ایک اسکول میں داخلہ دلانے کا وعدہ کیا ہے۔ میرے لیے یہ بہت بڑی خوشی ہے کہ اب میرا بیٹا بھی اسی ملک میں پہنچ چکا ہے جہاں میرا شوہر قید کاٹ رہا ہے۔ اب میں انگلینڈ جاکر ان دونوں سے مل سکوں گی۔"

"یہ واقعی ایک اچھی خبر ہے مگر اس سے میرا کیا تعلق ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اوہ۔ تم اتنی جلدی بھول گئے۔ یہ تمہارا ہی مشورہ تو تھا کہ میں فرخ کو انگلینڈ بلانے کے بعد خود بھی وہاں چلی جاؤں تاکہ جیل میں غنی سے ملتی رہوں اور بیٹے کی دیکھ بھال بھی کرتی رہوں۔ آڑے وقت میں بھلا مشورہ دینے والے آج کل کہاں ملتے ہیں۔ میں تمہاری احسان مند ہوں کہ تم نے مجھے صحیح راہ دکھائی۔ بس احسان مندی کے اسی جذبے سے مغلوب ہوکر میں تمہارے ساتھ مل بیٹھنا چاہ رہی تھی۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میرا مشورہ تمہارے کام آیا لیکن فی الحال تم مجھ سے دور ہی رہو۔ کراچی میں مطلع ابھی تک صاف نہیں ہے۔ تمہارا ہتھول آباد والا گھر بھی بعض دشمنوں کی نظروں میں ہے۔ وہ آباد ہوتے ہی انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بن جائے گا۔ تم کراچی آنے کے بجائے پاکستان سے نکلنے کی فکر کرو۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے اتنی اہم بات کا شروع میں کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ بالکل ہی بے سروپا باتیں کرتی رہیں۔"

"وہ تمہارے لیے بے سروپا باتیں ہوسکتی ہیں‘ میرے لیے وہی سب کچھ تھیں۔ ہر عورت کا کوئی مان ہوتا ہے‘ اس کی انا ہوتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اسے چاہا جائے۔ میں جب بھی تم سے ملی میں نے تمہاری آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک دیکھی تھی۔ تم اپنی بیوی سے ڈر کر پارسائی کے کتنے بھی دعوے کرتے رہو مگر میں اس چمک کی بنا پر یہ جانتی ہوں کہ تمہارے دل میں میرے لیے کوئی نہ کوئی اچھا یا برا خیال جاگزیں ہے۔ میرا اندازہ تھا کہ میرے اکسانے پر تم رحیم یار خان آنے کا وعدہ کرلو گے یا پھر مجھے کراچی بلاؤ گے مگر تم بلا کے انا پرست ہو یا پھر ڈرپوک ہو۔ مجھے آج پہلی بار اندازہ ہوا کہ تازہ پراٹھوں کو چھوڑ کر باسی روٹی پر قناعت کرنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں۔"

نادرہ کے آخری فقرے بہت اشتعال انگیز تھے مگر میں نے تحمل سے کام لیا اور ایک نرم سا جواب دے کر اس منہ زور خاتون کو لاجواب کردیا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ فون پر ہونے والی اس گفتگو کی طوالت سے اکتا کر اول خان ڈرائنگ روم سے جاچکا تھا اور میں وہاں اکیلا رہ گیا تھا۔

اس فلیٹ کی مکانیت محدود سی تھی۔ اول خان جیسے خوددار اور شائستہ آدمی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ بے دھڑک غزالہ یا ویرا کی خواب گاہ میں جا گھسا ہوگا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے میری مکالماتی مصروفیت کی بنا پر صرف اور صرف سلطان شاہ کے کمرے کا رخ کیا ہوگا جہاں ایک دیو ہیکل مسہری دوسرے فرد کی منتظر تھی۔

نادرہ کی ذہنی رو اس وقت بہکی ہوئی تھی۔ خجالت اور شرمندگی سے دوچار ہونے کے باوجود وہ باتوں کو طول دیے جارہی تھی اور اس کی باتوں میں کچھ ایسی چاشنی گھلی ہوئی تھی کہ مجھے خود بھی فون بند کرنے کا دھیان نہیں آسکا۔ باتوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔

اس وقت تک میرے مشاہدے میں بے شمار ایسے کردار آئے تھے جو منشیات بلکہ خاص طور پر ہیروئن کا شکار ہوئے تھے۔ ان منشیات زدہ انسانوں میں مردانہ کرداروں کی بھرمار تھی۔ انہوں نے نشے کی تجارت یا اس کے شوق میں اپنی زندگیوں کو برباد کرلیا تھا مگر ان کے ساتھ ساتھ عورتوں کی کہانیاں بھی تھیں جن میں چار کردار قابلِ ذکر تھے۔ ان میں میرا اوّلین تجربہ غزالہ کی دکھیاری ماں شمع کا تھا جو اپنے خاندانی پس منظر کی وجہ سے محرومیوں میں مبتلا رہی تھی اور کرنل زوار زیدی کی بیوی بن کر بھی ایک خانہ دار عورت کی سی عزت نہیں پاسکی تھی۔ اس خاتون نے اپنے غم کو بھلانے کے لیے اپنی ذات کو کوکین کے نشے میں گھلانا شروع کردیا اور پھر اس کا اکلوتا بیٹا اسی کوکین کی ایک بڑی مقدار لینے کے بعد ہمیشہ کے لیے عقل و خرد کی سرحدوں سے بہت دور چلا گیا۔ شمع اپنی آنچ میں سلگتے سلگتے ایک روز پگھل کر خاکستر ہوگئی اور اس کے ازلی پروانے کرنل زوار زیدی نے اپنی کنپٹی میں گولی مار کر خودکشی کرلی۔ دوسری ویرا تھی جو ایک عجیب لڑکی تھی۔ بے باک، خوب رو اور سبک اندام ویرا نے ہیروئن ہی کے سائے میں ہوش سنبھالا تھا۔ اپنے باپ کے تعلق سے وہ پاکستان میں ہیروئن کے استعمال اور فروغ کی سب سے فعال حمایتی اور امریکا کی سرزمین پر اس کی سب سے بڑی دشمن تھی۔ اس کی زندگی کا محور ہیروئن تھی جس کے علاقائی فروغ کے لیے شب و روز کوشاں تھی۔ تیسری عورت ایلس گومز تھی جو فریڈم لاج کے خلاف ہونے والے آپریشن میں ایس ٹی ایف کی تحویل میں آئی تھی۔ ایلس اور بوب گومز اپنے اکلوتے بیٹے کو ہیروئن کی بھینٹ چڑھانے کے بعد نیت کے پورے خلوص سے اس ہولناک نشے کے خلاف میدانِ عمل میں کودے تھے مگر اس الیڈا کی رہنمائی میں اصل مقصد سے بھٹک کر بھٹک گئے اور پھر بے موت مارے گئے۔ ان تینوں کے بعد مسز نادرہ غنی ہیروئن کی بین الاقوامی اسمگلنگ کا شکار ہونے والی چوتھی عورت تھی۔ اس کا حریص اور لالچی شوہر دولت کمانے کی دُھن میں اس حد تک گرگیا تھا کہ اس نے اپنے کالے دھندے کے فروغ کے لیے رشوت اور سفارش کے طور پر اپنی بیوی کو بے دریغ استعمال کرنا شروع کردیا۔ آدمی جرم کرتا ہے تو اس کا ضمیر اسے کچھ نہ کچھ ملامت کرتا ہے۔ شریف النفس لوگ پہلی سیڑھی سے واپس لوٹ جاتے ہیں۔ جو سیاہ کار ہوتے ہیں وہ اپنے ضمیر کو تھپک تھپک کر سلادیتے ہیں۔ چند سکوں کے لیے عزت و آبرو کے ہر معیار کو داؤ پر لگادیتے ہیں۔ مال و زر بچانے کے لیے اپنی آبرو کو طشتری میں رکھ کر حریفوں کی نذر کرتے ہیں۔ اندھیری خلوتوں میں گناہ کا بازار گرم ہوتا ہے تو اپنی آنکھیں موند لیتے ہیں۔ اجالے میں اپنی بچائی ہوئی رقمیں گن گن کر اپنی مکاریوں اور چالاکیوں پر خوش ہوتے ہیں۔ ان کا سود و زیاں کا حساب ہی نرالا ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک اصل نقصان صرف نقد زر کا ہوتا ہے۔ فرسودگی یا انسانی اور اخلاقی اقدار کی شکست و ریخت ان کے ہر حساب سے خارج ہوتی ہے۔

نادرہ ہیروئن کے ایک بین الاقوامی اسمگلر کی خوب صورت اور جواں سال بیوی تھی جو نو برس کے ایک لڑکے کی ماں ہوتے ہوئے بھی کسی نوخیز دوشیزہ کی طرح سبک اندام اور منہ زور نظر آتی تھی۔ اس کے شوہر نے اسے اپنے اور اپنے محسنوں کے لیے بے دردی سے استعمال کرکے ذہنی دیوالیا پن کی ایسی سرحدوں میں دھکیل دیا تھا جہاں وہ اچھائی اور برائی کا امتیاز کھو کر اپنے سنگین وقت کو رنگین لمحات میں ڈھالنے کی فکر میں کوشاں تھی اور اس مشق میں اس نے اپنے ایک اور قدیم ملازم کو بھی اپنے شوق کا ایندھن بناڈالا تھا۔

"میری حسرت ہے کہ میں تم سے مل کر بھی نہ مل سکی" ریسیور میں نادرہ کی آواز آرہی تھی "مجھے اپنے اوپر کوئی گھمنڈ نہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ میں نے غنی کے جن دوستوں سے دوستی کرنی چاہی، انہوں نے سر کے بل میرے ہر خواب کی آبیاری کی مگر تم نہ جانے کیسے آدمی ہو۔ خود آتے ہو نہ مجھے بلاتے ہو۔ میں تمہیں بتادوں کہ اب میں اس ملک میں چند روز کی مہمان ہوں پھر یہاں سے نکل جاؤں گی۔"

"تو کیا تمہیں برطانیہ کا ویزا مل گیا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ابھی غنی کی سزا کے آٹھ برس باقی ہیں۔ اتنی مدت کا ویزا مجھے کون دے گا؟"

"کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔ تم غنی کی بیوی ہو۔ وہ لوگ انسانی حقوق اور رشتوں کا احترام کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں غنی کی سزا ختم ہونے تک وہاں قیام کی اجازت مل جائے۔"

"ہوسکتا ہے اور نہیں بھی ہوسکتا" اس نے الفاظ چبا چبا کے کہا "میں اب امکانات کے سہارے زیادہ دن نہیں گزار سکتی۔ میں نے ایک اور بندوبست کرلیا ہے۔"

"وہ کیا ہے؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

"اوّل تو یہاں سے برطانیہ کا ویزا مشکل سے ملتا ہے۔ ویزا مل جائے تو انٹری تین مہینے سے زیادہ ملنی مشکل ہے اور واپسی کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے جو آج کل بیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ آٹھ سال تک واپسی کا کوئی ٹکٹ کارآمد نہیں رہے گا۔ ری فنڈ کلیم کروں گی تو دھری جاؤں گی۔ میں نے جن لوگوں سے بات کی ہے وہ چالیس ہزار میں آرام سے وہاں پہنچادیتے ہیں۔"

"خوب!" میں نے گہرا سانس لے کر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے اگلے آٹھ برس غنی کے ساتھ انگلینڈ کے کسی جیل میں رہ کر

گزارنا چاہتی ہو۔ وہاں غیر قانونی تارکین وطن کے لیے سخت تعزیری قوانین ہیں۔ تم پکڑی گئیں، تو وہاں کوئی فریاد سننے والا بھی نہیں ہوگا۔"

"میں وہی کررہی ہوں جو میرے بس میں ہے۔ تمہارے سامنے کوئی متبادل راستہ ہو تو اس کا بندوبست کردو" اس نے میری بات سنتے ہی سارا بوجھ میرے کندھوں پر ڈال دیا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ آج کل میں خود گوشہ نشین ہوں۔ ایسے کام سامنے آئے بغیر نہیں ہوتے۔ تمہیں خود ہی ہاتھ پیر مارنے ہوں گے۔ یہ چالیس ہزار والی بات کس سے ہوئی ہے؟"

"میں خود بھی خوف زدہ ہوں۔ رحیم یار خان کے ایک ٹریول ایجنٹ نے چالیس ہزار والی بات بتائی ہے۔ وہ کراچی کے کسی غفور بھٹی کے لیے کام کرتا ہے۔"

نادرہ نے وہ فقرے بالکل روا روی میں ادا کیے تھے مگر میں غفور بھٹی کا نام سنتے ہی چونک پڑا۔ میں نے پوچھا "تمہیں کس نے بتایا کہ وہ غفور بھٹی کے لیے کام کرتا ہے۔"

"بیس ہزار پیشگی لینے کے بعد اسی ایجنٹ نے بتایا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں کسی سے اس نام کا ذکر نہ کروں۔ تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟" میرے سوال نے نادرہ کو چونکا دیا۔

میرے ذہن میں غفور بھٹی کا جو حوالہ اور خاکہ تھا، وہ نادرہ کو نہیں بتایا جاسکتا تھا مگر مجھے یہ یقین کرلینا پڑا کہ دنیا وسیع وعریض ہونے کے باوجود بہت مختصر تھی۔ اتنی مختصر کہ غفور بھٹی کا نام را کے ایجنٹوں کی آمد کے ساتھ ہی نادرہ کی روانگی میں بھی ملوث تھا۔

"یوں ہی خیال آگیا تھا" میں نے نادرہ سے کہا "لوگ عام طور پر ایسے نام آخر تک ظاہر نہیں کرتے۔ حیرت ہے کہ تمہارے ایجنٹ نے رقم پکڑتے ہی تمہیں آخری آدمی کا نام بتادیا۔"

"تمہیں کیسے پتا کہ غفور بھٹی ہی مجھے لے جانے والا آخری آدمی ہوگا؟"

"میں کراچی میں رہتا ہوں۔ بہت زیادہ باخبر نہیں تو اتنا بے خبر بھی نہیں ہوں کہ اتنی کھلی کھلی باتوں سے لاعلم رہوں۔ وہ لوگ تمہیں ہوائی راستے کے بجائے بحری راستے سے لے جائیں گے۔"

"تم واقعی مرد ہو۔ ہمہ وقت چوکنے اور باخبر" نادرہ کی تعریفی آواز سنائی دی "کراچی سے خلیج کی کسی ریاست تک بحری سفر ہوگا۔ وہاں سے برٹش چینل کے کسی جزیرے تک ہوائی سفر اور پھر وہاں سے پلے ماؤتھ تک دوسرا بحری سفر ہوگا۔ سنا ہے کہ غفور بھٹی بہت معتبر آدمی ہے۔ اس نے آج تک کسی سے دھوکا نہیں کیا۔"

"اس بار کچھ بھی ہوسکتا ہے کیونکہ وہ میری نظروں میں ہے۔ وہ ان لوگوں کا آلۂ کار ہے جو تمہارے موجودہ مسائل کے ذمے دار ہیں اور تمہاری گھات میں ہیں۔"

"اب تم نے مجھے پھر دہشت زدہ کرنا شروع کردیا۔ اس وقت کون میری گھات میں لگا ہوا ہے؟"

"گیری ہارٹ اور جیف طرمنظر سے ہٹ چکے ہیں لیکن اس ٹولے کے دوسرے لوگ سرگرم عمل ہیں۔ کراچی کا رخ کرو تو بہت محتاط رہنا۔ تم اس بار ان کی نظروں میں آگئیں تو بچنا مشکل ہوجائے گا۔"

"اگر تم غفور بھٹی کے پیچھے لگے ہوئے ہو تو شاید کراچی آنے کا معاملہ ٹل جائے۔ اسے کچھ ہوا تو میری روانگی کا پروگرام منسوخ ہونے کے ساتھ پیشگی دی ہوئی رقم بھی ڈوب جائے گی۔"

"تمہارے لیے بیس ہزار کی رقم اتنی اہم نہیں ہونی چاہیے۔ غنی نے اپنے ہیر پھیر میں کروڑوں کمائے ہوں گے۔"

"میں انکار نہیں کروں گی" اس نے کہا "لیکن خرابی یہ ہے کہ غنی کے بیشتر اثاثے ملک سے باہر اور انہی کے نام پر ہیں۔ میں انہیں استعمال نہیں کرسکتی۔ میرے اکاؤنٹ میں جو چند لاکھ روپے پڑے ہیں، وہ مجھے دیکھ بھال کر اگلے آٹھ برسوں تک چلانے ہیں اور پھر ملک سے باہر فرخ کی تعلیم کے بھاری اخراجات بھی ہیں۔ غیر قانونی راستے سے باہر جانے کی کوششوں کا ایک سبب یہ بھی ہے۔"

"فرخ کی تعلیم کا غیر قانونی سفر سے کیا تعلق؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں ساری رقم بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔ ائرپورٹ پر گڑبڑ ہوگئی تو اور کچھ ہو یا نہ ہو، میں رقم سے ضرور محروم ہوجاؤں گی اور پھر مجھے اپنا گھر یا فلیٹ بیچنا پڑجائے گا۔ لانچ سے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ میں نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا۔"

"تمہاری یہ تشویش میری سمجھ سے باہر ہے۔ کرائے کی مد میں تمہیں ہم سے بھی معقول رقم ملی ہے۔ تم ایک بار انگلینڈ پہنچ جاؤ تو غنی تمہارے سارے مسائل کا کوئی نہ کوئی حل ڈھونڈ لے گا۔ جیل میں تم اس سے چیکوں کے ساتھ کسی مختارنامے پر بھی دستخط کراسکتی ہو۔ میرا اب بھی یہی مشورہ ہے کہ ٹریول ایجنٹ کو دیے ہوئے بیس ہزار روپے کو بھول کر قانونی راستہ اختیار کرو۔ غنی کی سزایابی کی بنیاد پر تمہیں ویزا مل جانا چاہیے۔"

"یہ نزاکتیں تم نہیں سمجھ سکتے" اس کی آواز سے بے بسی جھلکنے لگی "غنی نے خفیہ طور پر مجھے ایک دستی خط بھیجا تھا۔ انہیں انگلینڈ میں سوا دو کلو ہیروئن لے جانے کے اکلوتے جرم پر سزا دی گئی ہے۔ اولڈ بیلی میں کسی کو بھنک بھی نہیں مل سکی کہ غنی برسوں سے وہی کام کررہے ہیں۔ یہ راز فاش ہوگیا تو ان کے سارے اثاثے ضبط ہوسکتے ہیں۔ دس برس کی قید کے بدلے غنی نے یہ دولت ہی کمائی ہے۔ بے فکری اور آسودگی کے دنوں کے انتظار میں وہ شاید اپنی قید برداشت کرلیں لیکن وہ قلاش ہوگئے تو یہ صدمہ ان کی جان لے لے گا۔"

نادرہ کے مسائل واقعی بہت الجھے ہوئے اور پیچیدہ تھے۔ اسے کہیں نہ کہیں سمجھوتے کرکے اپنے لیے ایک قابلِ عمل راستہ تلاش کرنا تھا۔ میں نیک نیتی سے اسے جو بھی مشورہ دے سکتا تھا، وہ

دے رہا تھا۔ وہ رحیم یار خان سے اس طرح بات کر رہی تھی جیسے وہ لوکل کال ہو' آخر کار ہماری گفتگو ختم ہو گئی۔

میں نے اپنی زندگی میں ہیروئن بیچنے اور استعمال کرنے والوں کا حشر خراب ہی دیکھا تھا۔ استعمال کرنے والے تو خیر عزت' دولت' صحت اور رشتوں کی ہر نعمت سے محروم ہو کر آخر کار مدقوق ڈھانچوں کی صورت میں زمین کے سینے میں جا سوتے ہیں لیکن اس منحوس نشے کی تجارت میں اندھا دھند دولت کما کر بظاہر عیش و عشرت کی زندگی گزارنے والوں کو بھی سکھ چین نصیب نہیں تھا۔ وہ عام طور پر نادیدہ مصائب و آلام میں مبتلا رہتے تھے۔

میں نے اٹھ کر ایک بھرپور انگڑائی لی اور پھر سگریٹ سلگا رہا تھا کہ سلطان شاہ کے کمرے سے اول خان باہر نکل آیا اور بولا۔ "بڑی لمبی گفتگو ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ ذرا سی دیر کے لیے کمر سیدھی کر لوں۔"

"تھکے ہوئے ہو تو تم سو کیوں نہیں جاتے؟"

"سو جاؤں گا۔ یہ عورت تم سے کیا چاہ رہی ہے؟" اول خان نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"وہی جو ایک بے راہ رو عورت کسی اجنبی مرد سے چاہ سکتی ہے۔ اس نے کام کی ایک ہی بات بتائی کہ وہ غفور بھٹی کے ذریعے انگلینڈ جانے کی تیاری کر رہی ہے۔"

نادرہ کا وہ انکشاف اس کے لیے دلچسپی کا باعث بن گیا۔ اس کے استفسار پر میں نے اسے وہ مختصر سی کہانی سنا دی۔

"اب شاید وہ کچھ بھی نہیں کر سکے گا" اول خان نے تلخی سے کہا "مجھے ان دونوں کے اصل کرتوتوں کا علم نہیں تھا مگر میں نے کمانڈر سعید سے ان کی گرفتاری اور پھر رہائی کی جو کہانی سنی تھی' اس نے میرا دماغ خراب کر دیا تھا۔ میرے آدمی اس وقت بھی غفور بھٹی اور حاجی دل مراد کے خلاف مواد اکٹھا کر رہے ہوں گے۔"

"کھانے کی میز پر تم دعویٰ کر رہے تھے کہ تم ان کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو مگر وہ بات ادھوری رہ گئی تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"بعض اوقات تم اپنی باتوں سے بلاوجہ تاؤ دلا دیتے ہو" اس نے ہنستے ہوئے کہا "ابھی مجھے شاہ بیلہ سے زیادہ کوئی اور بات معلوم نہیں ہو سکی ہے لیکن کل کا دن ہمارے لیے خاصا اہم ہو گا۔ اب تم جا کر آرام کرو۔ غزالہ تمہارے انتظار میں جاگ رہی ہو گی۔ اپنے ساتھ اس کے آرام کا بھی خیال رکھا کرو۔"

"بہت بہتر" میں نے سر جھکا کر تمسخرانہ انداز میں کہا "اب یہ بھی بتا دو کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"میں یہیں یا سلطان شاہ کی مسہری پر سو جاؤں گا۔ تم میری فکر مت کرو۔"

میں وہاں سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ مجھے خوشی تھی کہ نادرہ سے فون پر بات کرتے ہوئے غزالہ میرے آس پاس موجود نہیں تھی ورنہ میں کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔

○☆○

اگلی صبح اول خان سب سے پہلے اخبار لیے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے سے اداسی جھلک رہی تھی کیونکہ اخبار کے مطابق پچھلے دن ہونے والے دھماکوں میں چار افراد ہلاک اور گیارہ زخمی ہوئے تھے۔

"نقصان ہمارے اندازے سے زیادہ ہوا ہے" اس نے غم و غصے کے عالم میں اخبار ایک طرف پھینک کر کہا "مجھے پورا یقین ہے کہ ان دھماکوں میں راجن اور وکرم کا ہاتھ تھا۔ میں انہیں فنا کر دوں گا۔"

مسلمان ہونے کی بنا پر ہمارا یہ ایمان ہوتا ہے کہ ہر شخص بلکہ ذی روح کی موت کا ایک وقت معین ہوتا ہے۔ کسی کا وقت پورا نہ ہوا ہو تو وہ بڑے سے بڑے حادثے سے گزر کر بھی حیرت ناک طور پر زندہ رہتا ہے اور وقت پورا ہو چکا ہو تو ہلکی سی خراش کے بغیر بستر پر لیٹا ہوا انسان پل بھر میں زندگی کی حرارت سے محروم ہو جاتا ہے اور یہی قانونِ قدرت ہے جو ہمیشہ سے اٹل ہے۔ ہمارے گرد و پیش ہر روز سیکڑوں افراد طبعی یا حادثاتی طور پر مرتے رہتے ہیں لیکن دہشت گردی کی کارروائی میں جاں بحق ہونے والوں پر دل بہت مغموم ہوتا ہے۔ ان کی موت پر سرسری ردِّعمل ممکن ہی نہیں ہوتا۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مرنے والے چاروں افراد میرے قریبی دوست رہے ہوں۔

اس وقت تک میرے اور اول خان کے سوا کوئی بیدار نہیں ہوا تھا۔ اول خان اپنے مجرموں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے لیے اتنا بے چین تھا کہ میرے اصرار کے باوجود ناشتے کے لیے رکنے پر آمادہ نہیں ہوا اور کمانڈر سعید سے مجرموں کے خاکے حاصل کرنے کے ارادے سے فوراً ہی فلیٹ سے چلا گیا۔

میں نے خالی الذہنی کے عالم میں میز پر بکھرا ہوا اخبار اپنے سامنے پھیلا لیا۔

اخباری تفصیلات بہت لرزہ خیز تھیں۔ مرنے والوں میں سے بیشتر کے اعضا دھماکوں میں اڑ گئے تھے۔ صرف ایک لاش کو جامہ تلاشی کے بغیر شناخت کیا جا سکا تھا۔ بقیہ تین افراد کے اس بری طرح چیتھڑے اڑے تھے کہ وہ ناقابلِ شناخت ہو کر رہ گئے۔ زخمی ہونے والوں میں سے پانچ کی حالت نازک بتائی گئی تھی۔

میں اس خبر کی تفصیلات پڑھ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے اضطراری طور پر فوراً ہی ریسیور اٹھا لیا۔ ریسیور کان تک لاتے لاتے میں نے اس میں وہی مخصوص آواز سنی جو بین الاقوامی فون کالز کا سلسلہ ملنے پر سنائی دیتی ہے۔ اس آواز پر میرے اعصاب تن گئے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آرک بیل اتنی قلیل سی مدت میں مجھ سے دوبارہ رابطہ کرے گا۔

"ہیلو... ڈینی کہاں ہے؟" دوسری طرف سے انگریزی میں سوال کیا گیا۔ وہ آواز اس وقت تک میرے لیے اجنبی نہیں رہی تھی۔ میرے قیاس کے عین مطابق وہ آئزک بیل ہی تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ سوتے میں بھی اب تمہیں ڈینی کے خواب آنے لگے ہیں۔ اس وقت تمہیں کیا تکلیف ہے؟" میں نے چبھتی ہوئی زہریلی آواز میں کہا۔

"تمہارے ملک پر بربادیوں کا نزول شروع ہوچکا ہے" وہ میرے فقروں کو نظرانداز کر کے بولا "دوپہر میں سی این این نے خبر دی ہے کہ کراچی میں آج طاقت ور بموں کے دو دھماکے ہوئے ہیں جن میں چار آدمی مارے گئے ہیں۔ یہ راس المیڈا کی موت کا انعام ہے اور عنقریب تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔"

"تو کیا تم ان دھماکوں کی ذمے داری قبول کر رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"دھماکے جس نے بھی کیے ہوں، وہ تم لوگوں کا دوست نہیں ہوسکتا اور تمہارا ہر دشمن ہمارا دوست بلکہ منظورِ نظر ہے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ہمارے ایک بڑے کا خون تم کو بھاری پڑا ہے۔"

"نیویارک میں بیٹھ کر بغلیں بجانے کے بجائے میدان میں آؤ تو تمہیں پتا چلے گا کہ دال آٹے کا بھاؤ کیا ہے۔ دوسروں کی دہشت گردی کا حساب ان سے لیا جائے گا۔ غنیمت ہے کہ ان دھماکوں کو تم نے اپنا کارنامہ قرار نہیں دیا۔"

"ہم دوسروں کے شکار پر جو تا رکھ کر دلیری کا اعلان کرنے کے قائل نہیں ہیں" وہ زہریلے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "اپنا شکار خود کھیلتے ہیں۔ آنے والا ہفتے کا دن تمہارے ایک بجلی گھر کی تباہی کا پیغام لائے گا اور یہ تباہی ہماری طرف سے آئے گی۔ ہوسکے تو اسے روکنے کی کوشش کرلینا۔ ہفتہ ہمارے لیے مقدس دن ہوتا ہے۔ اس دن ہمیں اپنے دشمنوں پر برتری حاصل رہتی ہے۔ یہ بات تم خود بھی دیکھ لوگے۔"

اس کی دھمکی بہت خوفناک تھی۔ نہ جانے وہ کس بجلی گھر کی تباہی کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ اگر وہ اپنی اس سازش میں کامیاب ہوجاتا تو ہمیں بھاری جانی اور مالی نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اس تصور سے میرے وجود میں اینٹھن سی ہونے لگی۔ اپنے منصوبے کی پیشگی اطلاع دے کر اس نے مجھے بدترین اعصابی دباؤ سے دوچار کردیا تھا۔ سازش کی پوری جڑوں سے واقف ہوئے بغیر میں اس کے سدِّباب کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

بظاہر آئزک بیل کا وہ وار کارگر رہا تھا مگر میں نے اپنے فطری اور اضطراری ردِّعمل پر قابو پاتے ہوئے سکون سے کہا۔ "اتنے ہی دلیر اور پُراعتماد ہو تو اپنے نشانے کا تعین بھی کردو ورنہ تم کسی بھی اتفاقی حادثے کو اپنی کامیابی قرار دے لوگے۔ پرانے بجلی گھروں میں چھوٹے بڑے اتفاقی حادثات ہوتے ہی رہتے ہیں۔"

"اتفاقی حادثات سب کچھ نہیں اڑاتے۔ یہ واقعہ ایسا ہوگا کہ عالمی ذرائع ابلاغ میں نمایاں جگہ پائے گا۔ راس المیڈا کو مار کر تم نے ڈیوڈ اسٹارز کے قہر کو للکارا ہے۔ اب ہر ڈیوڈ اسٹار تمہاری بیخ کنی پر کمربستہ ہوجائے گا۔ یہ نوشتۂ دیوار ہے۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بدل سکتی۔"

"راس المیڈا تمہارا سب سے بڑا ڈیوڈ اسٹار تھا۔ وہ داؤدی ستارہ کراچی کے ایک بے آب وگیاہ ویرانے میں اس شان سے غروب ہوا ہے کہ اس کی تلاش میں آنے والے بیس سورما بھی اس کے سوگ میں نذرِ آتش ہوگئے۔ تم جیسے چھوٹے موٹے داؤدی ستارے بھی اسی طرح ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔"

وہ مجھ پر نفسیاتی دباؤ ڈال رہا تھا۔ جواب میں، میں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس وقت تک اس نے مرنے والے کمانڈوز کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میری یاددہانی پر تلملا کر بولا "امریکا کی بحریہ کے ہیلی کاپٹر کی تباہی کو حادثہ قرار دے کر نہیں ٹالا جاسکتا۔ وہ یقیناً تمہاری پشت پناہی کرنے والوں کی سازش تھی لیکن وہ ایک الگ واقعہ تھا۔ یہاں کی حکومت تم سے اس کا بدلہ لے گی اور تمہارے ملک کو اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔"

"جنگی ہیلی کاپٹر میں سوار ہوکر راس المیڈا کی تلاش میں نکلنے والے کمانڈوز کے ماتم گساروں میں تم بھی شامل ہو۔ تمہارے اور تمہاری حکومت کے مفادات الگ الگ نہیں ہیں۔ راس المیڈا یہاں راڈنی آرک کے سفارتی روپ میں آیا تھا۔ اس کی موت نے بہت کچھ بے نقاب کردیا ہے۔ اس کی لاش کے قریب تباہ ہونے والے ہیلی کاپٹر کے بارے میں ایسے ایسے ٹیڑھے سوال جنم لے رہے ہیں کہ تم لوگ اس قضیے سے اپنی جان چھڑانے پر مجبور ہوجاؤ گے۔"

اسی وقت مجھے اچانک خیال آیا کہ میں نے بجلی گھر کی تباہی کے بارے میں آئزک بیل کی دھمکی کو سطحی انداز میں لیا تھا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ راس المیڈا کا کے نائین نامی منصوبہ بھی ایک بجلی گھر کے خلاف تھا اور وہ کینوپ نامی ایٹمی بجلی گھر تھا۔ یہ کوئی اتفاق نہیں ہوسکتا تھا کہ ڈیوڈ اسٹارز کے بانی کے بعد اس کا جانشین بھی پاکستانی بجلی گھروں کو اپنا ہدف بنانے کے عزائم رکھتا تھا۔

"اس واقعے نے دنیا بھر کو ہلادیا ہے۔ امریکا کی بحریہ کے تجربے کار افسروں اور جوانوں کی پراسرار ہلاکت صاف طور پر سازش کی نشاندہی کررہی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن پوری قوت سے چیخ رہے ہیں۔ تم لوگ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کررہے ہو۔ تم نے شکوک وشبہات کی دھند پھیلا کر حقیقت چھپانے کی کوشش کی ہے جو آخرکار رائگاں جائے گی۔ سچائی ہر حال میں سرباد رہتی ہے۔ اس سے ٹکرانے والے فنا ہوجاتے گئے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین پر ہلاکت، بربادی اور جنگ پھیلانے کا سارا اختیار آسمانی فرشتوں سے تم یہودی طرف

ہو گیا ہے۔ ایک بجلی گھر کی تباہی کا کے نائین نامی منصوبہ بنا کر راس المیڈا نے بے بسی سے اپنا سر پیٹا تھا۔ اب دوسرا بجلی گھر تمہارے خون کی بھینٹ لے لے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈیوڈ اسٹارز اندھیروں میں بسنے والے اُلوّوں کی نسل میں سے ہیں اسی لیے روشنی پھیلانے والے بجلی گھروں کی بربادی کو اپنا نصب العین بنا چکے ہیں" میں نے بہت تیزی سے سوچتے ہوئے بات کا رخ اپنے مطلوبہ موضوع کی طرف موڑ دیا۔

"انسان کی رگوں میں خون دوڑتا ہے اور دولت کمانے والی صنعتی مشینوں میں بجلی کا کرنٹ دوڑتا ہے" وہ اپنے جوشِ انتقام میں اپنا تخریبی فلسفہ اگلنے لگا "ہم تمہاری ہر اس تنصیب کے دشمن ہیں جو تمہاری بقا کے لیے ناگزیر ہے۔ تم لوگ بہت کٹر اور متعصب ہو۔ ہم سے برسوں مار کھانے والے عربوں نے اپنے زخم بھلا کر ہم سے دوستی کرنے کے فیصلے کیے لیکن تمہاری قوم آج بھی اسی طرح ہماری دشمن ہے۔ تمہیں اس تنگ نظری کا سبق سکھایا جائے گا۔ راس المیڈا ہم سے بچھڑ چکا ہے مگر اس نے تمہاری سرحدوں میں مخبروں کی جو کھیپ خریدی ہے، وہ تمہاری جڑوں پر کاری وار کرے گی۔ انہیں رہنمائی میں فراہم کروں گا۔ باقی کام تمہارے اپنے لوگ کریں گے۔"

"راس المیڈا کے ساتھ آستین میں پلنے والے سانپوں کا سر بھی کچلا جا چکا ہے۔ تمہاری بازی بگڑ چکی ہے۔ اب شاید تمہارے سفارت کار بھی کسی پیش قدمی کے تصور سے خوف محسوس کریں گے۔"

"آنے والا وقت تمہاری یہ خوش فہمیاں خود دور کردے گا۔ ہفتے کا انتظار کرو۔"

"یوم السبت ہر ہفتے آتا ہے۔ اس بار بھی آکر گزر جائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ذہن میں پاکستان کے خلاف زہر بھرا ہوا ہے۔ تم اسے صرف افیم کاشت کرنے والا ایک پسماندہ ملک دیکھنا چاہتے ہو تاکہ تمہیں ہیروئن کی عالمگیر تیاری کے لیے بہترین خام مال ملتا رہے مگر پھر بھی میں یہ بتا دوں کہ ہم یہودیوں کے دشمن نہیں ہیں۔ پاکستان میں ہزاروں یہودی گھرانے امن وعافیت سے رہ رہے ہیں۔ ان کے گھروں پر سنگ باری کی جاتی ہے نہ ان سے روزی کمانے کا حق چھینا جاتا ہے۔ دنیا کا ہر باضمیر انسان اس صیہونی نسل پرستی اور دہشت گردی سے نفرت کرتا ہے جسے تم جیسے لٹیرے پروان چڑھا رہے ہیں......"

اس نے برہمی سے میری بات کاٹ دی اور کہا "دنیا کو سنانے اور دکھانے کے لیے ہمارے معبدوں میں بھی سارے ربّی امن ومحبت کے ایسے ہی نغمے گاتے ہیں لیکن ہیکلِ سلیمانی کے رکھوالوں کا اصل مشن وہی ہے جسے ہم آگے بڑھا رہے ہیں۔ یہ لکھ دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ذلیل وخوار کیے بغیر ہم پوری قوت سے نہیں ابھر سکیں گے۔ تم کو بہت ڈھیل دی جا چکی ہے۔ اب شکنجہ کس دیا جائے گا۔ میں نے ہفتے کی خوش خبری تمہیں آج ہی سنا دی ہے۔ اسے یاد رکھنا، تم زندہ رہے تو جلد ہی دوبارہ بات ہوگی۔"

میں نے منہ توڑ جواب دینے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ لائن اچانک بے جان ہوگئی اور میں نے شکست خوردگی کے عالم میں ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

آئزک بیل کی باتیں بہت روح فرسا اور تشویش انگیز تھیں۔ اس وقت تک مجھے صرف اتنا معلوم تھا کہ راس المیڈا نے اپنے ذاتی سرمائے سے امریکا میں ڈیوڈ اسٹارز کی داغ بیل ڈالی تھی اور وہ اس کے لیے ہر جائز وناجائز طریقے سے فنڈ اکٹھا کرنے پر تلا ہوا تھا۔ پیسے کے بے دریغ استعمال سے وہ ڈیوڈ اسٹارز کو اس قدر مضبوط اور فعال بنا دینا چاہتا تھا کہ وہ تنظیم دنیا بھر میں صیہونی غلبے کے صدیوں پرانے خواب کو حقیقت کا روپ دے سکے۔ بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ عالمی اقتدار کے ان بھوکوں کی پہلی لڑائی ان قوتوں سے ہوگی جو سپر پاور بن کر دنیا کے مختلف علاقوں کو اپنی اپنی خفیہ عمل داریوں میں بانٹ چکے تھے۔ یہ ایک ضمنی سی بات تھی کہ جمی لائیڈ کے قتل کے بعد راس المیڈا شی پر قابض ہوا تو اس نے ہیروئن کی تجارت سے ڈیوڈ اسٹارز کے مالی وسائل کو استحکام دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ بدقسمتی تھی کہ ہیروئن کی عمدہ اقسام کی خریداری کے لیے پاکستان کے سرحدی قبائلی علاقوں کی منڈی ہمیشہ سے عالمی اسمگلروں کی آماجگاہ بنی رہی تھی۔ وہاں مقامی ہی نہیں، افغانستان میں تیار ہونے والی ہیروئن بھی فروخت ہونے کے لیے آتی تھی۔

میرے ذہنی نقشے کے مطابق ابتدا میں راس المیڈا نے ایلن سیمفریال اور پیٹر کنگ کے ذریعے اس منڈی پر قابض ہونے کی کوشش کی۔ اسے معلوم تھا کہ میں ماضی میں پاکستان سے شی کے پاؤں اکھاڑ چکا تھا اور اپنی سرزمین پر ہیروئن کی تیاری یا اس کے استعمال کا بدترین دشمن تھا اور ویرا بھی میری شریکِ کار بنی ہوئی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ ہم دونوں کو راہ سے ہٹائے بغیر وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکے گا لہٰذا اس نے ایلن اور پیٹر کے ذریعے مجھے ٹھکانے لگانے کی کوششیں شروع کردیں۔ میرے منظر سے ہٹنے کے بعد ویرا خود ہی پسپا ہوتی چلی جاتی۔ ایلن کی کئی ناکامیوں کے بعد راس المیڈا خود پاکستان پہنچا تو اس کے پاس پاکستان کی جوہری صلاحیتوں کے خلاف ایک بے داغ تخریبی منصوبہ موجود تھا جس پر عمل کرکے ایک اسلامی سلطنت کو بھاری نقصان پہنچایا جاسکتا تھا۔ ان دنوں مغربی حلقوں میں یہ سائنسی کہانیاں عام تھیں کہ پاکستان کینوپ اور نیلور کے ایٹمی بجلی گھروں کے لیے حاصل ہونے والے یورانیم کی پوری مقدار ایٹمی ری ایکٹروں میں جلائے بغیر وہ ایندھن چوری کررہا تھا اور عالمی اداروں کی نظروں سے دور، اسے افزودہ کرکے اسلامی ایٹم بم بنانے کی کوششوں میں مصروف تھا۔

ان کہانیوں کے پس منظر میں راس المیڈا کے کے نائین مشن

کا جواز نظر آتا تھا کیونکہ وہ بہرحال اسرائیل کی برتری کا علم بردار تھا۔

لیکن آئزک بیل نے ناکامی کی جھلاہٹ اور اشتعال میں مبتلا ہو کر یہ اعتراف کر لیا تھا کہ راس المیڈا نے کسی عارضی ضرورت کے تحت پاکستان کا سفر نہیں کیا تھا بلکہ ڈیوڈ اسٹارز کے منشور کے مطابق پاکستان عربوں سے بھی بڑھ کر اسرائیل کا دشمن تھا اس لیے اسے ہر طرح سے مفلوج کرنا ضروری قرار دے دیا گیا تھا۔ واضح الفاظ میں پاکستان کو ڈیوڈ اسٹارز نے اپنا سب سے بڑا دشمن ٹھہرایا تھا اور راس المیڈا یقیناً تباہ کن عزائم لے کر پاکستان آیا تھا۔ ہیروئن کی منڈی پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ وہ پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کا خواہاں تھا۔

آئزک بیل کی طرف سے ہفتے کے روز کسی بڑے بجلی گھر کی تباہی کا اعلان بہت پریشان کن تھا مگر میری نظروں میں اس کا یہ انکشاف زیادہ اہم تھا کہ راس المیڈا نے پاکستان میں بہت سے مخبر خریدے ہوئے تھے۔

اس بارے میں میری جملہ معلومات پرنس ساگا تک محدود تھیں۔ وہ کراچی کی زیرِ زمین دنیا کا واقعی ایک نامور شخص تھا جو ایک اشارے پر اجرتی قاتلوں سے لے کر معمولی مجرموں تک کو اپنے گرد جمع کر سکتا تھا اور وہ راس المیڈا کے لئے کام کر رہا تھا۔

یہ راس المیڈا اور ساگا کی بدقسمتی تھی کہ بولتے ہوئے ساگا کے کانوں کی غیر معمولی عمودی حرکت کی بنا پر اسے پہچان لیا گیا۔ شاید وہ میرے ہی ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچتا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس کی محبوبہ کی چلائی ہوئی گولی میرے سینے کے بجائے ساگا کی ریڑھ کی ہڈی میں پیوست ہو گئی اور آخر کار وہ سنی جیسے مرد نما زنانے کی آغوش میں دم توڑ گیا۔

ہو سکتا ہے کہ راس المیڈا نے ساگا کے ذریعے دوسرے لوگوں سے بھی کام لیا ہو لیکن رابطے کی درمیانی کڑی ٹوٹ جانے کے بعد وہ شیرازہ بکھر گیا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ راس المیڈا کی موت کے بعد مقامی آبادی میں کوئی ایسا فرد باقی رہا ہو جو اس کے مشن کو آگے بڑھا سکے۔

دور دراز کی کڑیاں ملانے پر غفور بھٹی اور حاجی دل مراد کا نام قدرے مشتبہ نظر آتا تھا۔ وہ ساگا کے ایما پر راجن اور دوکرم کو بمبئی سے غیر قانونی طور پر نیلور نامی سمندری گھاٹ تک لائے تھے لیکن وہ بات اور ساکھ والے مجرم تھے جو اپنے خود ساختہ اصولوں کے مطابق اپنی لائن کا کام کرتے تھے۔ اس سے انحراف کر کے معاوضے پر کسی اور کے لئے کام کرنا شاید کسرِ شان سمجھتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ راس المیڈا کے لئے مخبری کا کام کر رہے ہوں گے۔

میں نے میدانِ عمل میں اترے ہوئے کرداروں کے بارے میں ایک بار پھر غور کیا لیکن مجھے کسی مشتبہ مقامی کا نام یاد نہیں آ سکا۔ بظاہر امریکن قونصل خانے کے بعض افسران ہی راس المیڈا کے مشن کو آگے بڑھا سکتے تھے۔

وہ تینوں باری باری بیدار ہو کر آئے تو میں ان سے صرف اخباری اطلاعات پر تبادلۂ خیال کرتا رہا۔ سب کے یکجا ہونے کے بعد میں نے آئزک بیل کی کہانی چھیڑی تو ویرا کا منہ بن گیا کیونکہ ان تینوں میں وہی سب سے پہلے بیدار ہوئی تھی مگر میں نے اسے بھی آئزک بیل کی دوسری فون کال کی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔

ان کو اپنی تشویش میں شریک کر کے بھی میں ان متوقع مسائل کا حل تلاش نہیں کر سکا جو آئزک بیل کی دھمکیوں کے نتیجے میں پیدا ہو سکتے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم چاروں الفاظ کی بھول بھلیاں میں بھٹک رہے ہوں اور اپنے سوالوں کے جواب پانے سے قاصر ہوں۔

"اسحاق نیویارک میں بیٹھا اپنی بربادی پر بری طرح تلملا رہا ہے۔" ویرا گفتگو کے ایک موڑ پر بولی تو میں چونک کر حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگا۔

"یہ اسحاق کہاں سے پیدا ہو گیا؟" میرے بولنے سے پہلے سلطان شاہ نے سوال داغ دیا۔

"اردو اور عربی میں آئزک کو اسحاق ہی کہا جاتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "یہ بات مجھ سے بہتر تم لوگ جانتے ہو گے کہ ابراہیم، اسحاق، داؤد، یعقوب اور سلیمان وغیرہ کو انگریزی میں ابراہام، آئزک، ڈیوڈ، جیکب اور سولومن کہا جاتا ہے۔ دشمن کو اس کے صحیح نام سے یاد کرنا بہتر رہتا ہے۔"

"ایسا ہے تو پھر بیل کا ترجمہ بھی کر ڈالو اور اسے اسحاق گھنٹی بنا دو۔" سلطان شاہ نے تیزی سے کہا۔

"اصولی اعتبار سے تمہاری تجویز بہت معقول ہے۔" ویرا نے اسے سلگانے کے لئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ قلیل سی مدت میں اس کی دوسری فون کال اس کی ذہنی ہزیمت کا اظہار کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے ہمیں جوابی اذیت میں مبتلا کرنے کے لئے کسی بجلی گھر کی تباہی کی بے بنیاد دھمکی دی ہو۔"

"راس المیڈا کا جانشین ذہنی طور پر اتنا دوالیا نہیں ہو سکتا۔" میں نے کہا۔

"مسلسل مار کھانے کے بعد ہر مجرم گھٹیا حربوں پر اتر آتا ہے۔ ڈیوڈ اسٹارز اس اصول سے مستثنیٰ نہیں سمجھے جا سکتے۔ اب وہ ہمیں دوڑا کر ہلکان کرنا چاہ رہا ہے۔ ہمیں فی الحال اس کی دھمکی کو بھول جانا چاہئے۔" ویرا اپنے مؤقف پر اصرار کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں، اسے حماقت سمجھتا ہوں۔ یہ کھوکھلی دھمکی ہوتی تو وہ آنے والے ہفتے کے دن کا تعین نہ کرتا تاکہ ہم غیر معینہ مدت تک خوف اور بے یقینی میں مبتلا رہیں۔ دن بتا کر اس نے اپنے عزائم کی سنگینی واضح کر دی ہے۔"

اسی وقت اول خان لوٹ آیا۔ اس کے پاس کمانڈر سعید کے مصوروں کے بنائے ہوئے خاکے موجود تھے جب کہ ہمارے پاس اس کے لئے اسحاق کے فون کی خبر موجود تھی۔
اسحاق کی دھمکی پر اس کا ردِعمل مجھ سے مختلف نہیں تھا۔ وہ بے بسی سے اسے برا بھلا کہہ کر رہ گیا۔
غزالہ اس کے لائے ہوئے خاکے دیکھنے لگی۔ اول خان کو بہت زیادہ مضطرب دیکھ کر ویرا نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر تم لوگ آہزک یا اسحاق کی دھمکی کو اسی قدر اہمیت دے رہے ہو تو پھر میں احتیاطی تدابیر کے سلسلے میں اہم مشورے بھی دے سکتی ہوں۔ بڑے بجلی گھروں کے بارے میں مجھے کچھ باتیں معلوم ہیں جو تمہارے لئے کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔"
"کسی بم سے تباہی پھیلانے کے لئے بجلی گھر کی کارکردگی یا ساخت سے واقف ہونا ضروری نہیں ہوتا۔" اول خان نے اس کی بات کو اہمیت دیے بغیر کہا۔ "بم ایک چٹان سے لے کر آبادی تک ہر چیز کو اڑا سکتا ہے۔"
"میں یہی بتانا چاہ رہی ہوں۔" ویرا نے کہا۔ "بجلی گھر میں دھماکا کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ وہاں بم یا ڈائنا مائیٹ ہی لگایا جائے۔ یہ کارروائی اندر سے بھی رونما ہو سکتی ہے۔"
میں بظاہر خاکوں کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا تھا مگر میرے کان ان دونوں کی باتوں پر لگے ہوئے تھے۔
"تفصیل بتا رو۔" اول خان بے دلی سے کہہ رہا تھا۔ "ممکن ہوا تو ان امکانات کو بھی حفاظتی تدابیر میں شامل کر لیا جائے گا۔ ابھی ہفتہ آنے میں کئی دن باقی ہیں۔ شاید ہم تباہی کو ٹالنے میں کامیاب ہو سکیں۔"
"ایٹمی بجلی گھر اپنی جگہ پر ایک کنٹرول کیا ہوا ایٹم بم ہی ہوتا ہے جس کے قابو سے باہر ہونے کے امکانات کم ہوتے ہیں۔ ری ایکٹر اور بوائلر بھاپ بنانے کے لئے صرف حرارت پیدا کرتے ہیں۔ کہیں یہ بھاپ ٹربائن چلاتی ہے اور کہیں بند سے خارج ہونے والا پانی زبردست بہاؤ سے ٹربائن چلاتا ہے۔ ان سے آگے بڑے جنریٹر ہوتے ہیں جو بجلی پیدا کرتے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق ہر بڑے جنریٹر کو اندر سے ٹھنڈا رکھنے کے لئے ہائیڈروجن گیس استعمال کی جاتی ہے۔ وہ کہیں سے بھی لیک ہو جائے تو ہولناک دھماکے سے آگ پکڑ کر سب کچھ بھسم کر سکتی ہے۔ دیگر حصوں کے مقابلے میں یہ کسی بھی بجلی گھر کا اہم نظام ہوتا ہے جس میں معمولی سی گڑبڑ سے بہت بڑی تباہی نازل ہو سکتی ہے۔ اگر بجلی گھروں کی انتظامیہ کو خبردار کر دیا جائے تو اندر سے کسی تخریبی کارروائی کا امکان ختم کیا جا سکتا ہے۔"
"یہ سسٹم اسی قدر اہم ہے تو اسی طرح اس کی دیکھ بھال بھی ہوتی ہوگی۔ میری کوشش ہوگی کہ اس پر اب دہری نگرانی شروع کرا دی جائے۔ کراچی سے مالا کنڈ تک چھوٹے اور بڑے بجلی گھروں کا ایک جال پھیلا ہوا ہے۔ پتا نہیں وہ خبیث کدھر کا رخ کریں گے۔ ایس ٹی ایف اپنے طور پر اتنی بڑی ذمے داری نہیں سنبھال سکتی۔ یہ کام اسلام آباد میں پانی اور بجلی کی وزارت سے ہی ہو سکے گا۔"
"میں تم سے سو فیصد متفق ہوں۔" میں نے ان دونوں کی گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ راجن اور وکرم کے خاکے مل جانے کے بعد اب تم کیا کر رہے ہو؟"
"ابتدا مایوس کن ہے۔" اول خان نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "میں ہوٹل کے منیجر سے ملتا ہوا آیا ہوں۔ اس نے رازداری کی ہدایت کے ساتھ روم سروس اسٹاف کو طلب کیا تھا مگر یہ خاکے ان سب کے لئے اجنبی ثابت ہوئے۔ رسمی کارروائی کے لئے میرے دو آدمی اس وقت بھی ان خاکوں کی تصاویر کے ساتھ ہوٹل میں مامور ہیں اور پوری رازداری کے ساتھ وہاں ٹھہرے ہوئے لوگوں کو چیک کر رہے ہیں۔"
"کیا یہ خاکے غفور بھٹی کو دکھا لیے گئے ہیں؟" میں نے خاکے میز پر ڈال کر پوچھا۔
"وہ کمانڈر سعید کے مصوروں کے ساتھ کئی گھنٹے مصروف رہا ہے۔ اس نے ابتدائی خاکوں میں متعدد تبدیلیاں بتائی تھیں۔ اس کے مطمئن ہونے کے بعد ہی کمانڈر سعید نے یہ خاکے میرے حوالے کئے ہیں۔"
"کیا اسے یقین ہے کہ اس کی یادداشت پوری طرح اس کا ساتھ دے رہی ہے؟" میں نے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔
"اس سے میری ملاقات نہیں ہوئی مگر کمانڈر سعید کا یہی کہنا ہے کہ غفور بھٹی نے خدوخال کی ساری جزئیات پر پوری توجہ دے کر تبدیلیاں کرائی ہیں۔ اس کی یادداشت ساتھ نہ دیتی تو وہ اتنے جھمیلے میں پڑنے کے بجائے ابتدائی خاکوں پر ہی اطمینان ظاہر کر کے گلو خلاصی حاصل کر سکتا تھا۔"
"تم بری خبر لائے ہو۔" میں نے مایوسی سے کہا۔ "میں آس لگائے بیٹھا تھا کہ خاکے مکمل ہوتے ہی را کے دونوں ایجنٹ ہماری گرفت میں آ جائیں گے لیکن یہ کوشش رائگاں جاتی نظر آ رہی ہے۔"
"ان کے بارے میں ہم ایک مرتبہ پھر اندھیرے میں ہیں۔" ویرا ان خاکوں کو دیکھ کر بولی۔ "اب ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ اخبارات میں اور ٹیلی وژن پر ان تصویروں کی تشہیر کی جائے تاکہ وہ دونوں بوکھلا کر یہاں سے فرار ہو جائیں۔ جب تک وہ یہاں موجود ہیں۔ ہمارے سروں پر بھیانک نادیدہ خطرات منڈلاتے رہیں گے۔"
"نہیں۔۔۔ اس وقت ہم یہ آخری طریقہ استعمال نہیں کریں گے۔" میں نے اول خان کے چہرے پر نظریں جما کر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے ساتھ کہیں نہ کہیں کوئی

گڑبڑ ہوئی ہے۔ نادیہ نے صاف بتایا ہے کہ ساگا نے اپنے دونوں اجنبی مہمانوں کو خاطر مدارات کے بعد صدر کے اس ہوٹل میں پہنچایا تھا پھر کیا وجہ ہے کہ ہوٹل کا عملہ اب ان دونوں کے خاکے پہچاننے سے انکار کر رہا ہے۔"

"جب کہ غفور بھٹی نے ان خاکوں کو مکمل کرانے کے لئے پورا پورا تعاون کیا ہے۔" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا۔

"غفور بھٹی ان کی شناخت کے لئے حرفِ آخر نہیں ہے۔ اس نے ان دونوں کو ویران سمندری گھاٹ پر ذرا سی دیر کے لئے سرسری نظروں سے دیکھا تھا۔ نادیہ نے گھنٹوں ان کی میزبانی کی ہے۔ میرے نزدیک اس کی تصدیق بہت ضروری ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب یہ خاکے نادیہ کو دکھائے جائیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان فوراً ہی بول پڑا۔ "ہو سکتا ہے کہ غفور بھٹی کچھ ضروری تفصیلات بھول رہا ہو۔ نادیہ ایسی خامیوں کی نشاندہی کر سکتی ہے۔"

"اس مرتبہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اول خان میری اس پیش کش پر خوش ہو گیا۔ "اس جیسی منہ زور لڑکی سے تنہائی میں ملنا مجھے بھی پسند نہیں۔ وہ پوری کوشش کر رہی تھی کہ اپنے ناز و نخرے دکھا کر مجھے اپنی خوبصورتی کی طرف الجھا سکے۔ میں نے کئی بار اسے بری طرح پھٹکار بھی دیا مگر وہ آخر تک باز نہیں آئی۔"

"تخم تاثیر، صحبت کا اثر ایسے ہی مواقع کے لئے کہا گیا ہے۔" سلطان شاہ نے خلافِ معمول محاورے کی ٹانگ توڑے بغیر کہا۔ "وہ ایک مستند طوائف زادی ہے۔ گہوارے سے محفل تک اس نے ایک ہی سبق سیکھا ہے اور ہر ایک پر اسی کو آزماتی ہوگی۔ یہ بتاؤ کہ وہ تم پر اتنی مہربان کیوں ہو رہی تھی؟ تم تو اس سے ایک الگ ہی قصے کے بارے میں چند باتیں معلوم کرنے کے لئے گئے تھے۔"

سلطان شاہ کے اس بے تکلفانہ سوال پر اول خان سٹپٹا کر رہ گیا۔ غزالہ نے اس کی کیفیت بھانپ کر سلطان شاہ کو ڈانٹا "شوخی میں آکر بعض اوقات تم حد سے تجاوز کر جاتے ہو۔ تمہیں احساس ہونا چاہئے کہ ہر ایک سے تم ویرا کی طرح بات نہیں کر سکتے۔"

"کوئی بات نہیں۔" اول خان نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ کہا۔ "ایسی باتیں سامنے نہ کی جائیں تو پیٹھ پیچھے موضوعِ سخن بنتی ہیں۔ میں ان کا برا نہیں مانتا۔" یہ کہہ کر وہ سلطان شاہ سے مخاطب ہو گیا۔ "تھانے میں ایس ایچ او اور دوسرے عملے نے مجھے جو عزت دی، اس سے نادیہ کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ میں پولیس کے محکمے کا کوئی بڑا افسر ہوں اور سادہ کپڑوں میں اس سے پوچھ گچھ کے لئے آیا ہوں۔ اسے ساگا کے قتل کے سلسلے میں اپنی گردن پھنستی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ میں اسے اس الزام سے بچا لوں۔"

"اسے بچنا چاہئے۔" ویرا نے سنجیدگی سے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ "وہ ساگا کو گولی نہ مارتی تو ذہنی مشکلات سے دوچار ہو سکتا تھا پھر بعد میں ہم ہی میں سے کسی کو ساگا کا خون اپنے سر لینا پڑتا۔ ساگا کو یہ حقیقت جہنم میں بھی تڑپاتی رہے گی کہ وہ اپنی منہ بولی محبوبہ کے لگائے ہوئے زخم کے نتیجے میں مرا تھا۔"

"یہ منہ بولی محبوبہ کیا بلا ہوتی ہے؟" میں ویرا سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اس کے مطابق تمہارے مذہب میں نامحرموں کا آپس میں عشق لڑانا منع ہے۔ ایک صورت میں صرف بیوی ہی انسان کی محبوبہ ہو سکتی ہے۔ پسند کی دوسری عورتوں کو صرف منہ بولی محبوبہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ جب منہ بولی بیٹی اور بہن ہو سکتی ہے تو محبوبہ کیوں نہیں ہو سکتی۔"

"تم نے وکرم اور راجن کے بارے میں بہت اچھی بات سوچی ہے۔" اول خان نے نوک جھوک کا خاتمہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں وقت ضائع کئے بغیر نادیہ سے مل لینا چاہئے۔ وہ دونوں ہوٹل میں بیٹھ کر ہمارا انتظار نہیں کریں گے۔ وہ کسی بھی وقت اپنا ٹھکانا بدل سکتے ہیں۔"

"میں تیار ہوں۔" میں نے کہا اور اول خان فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مجھے گھر پر کوئی ضروری کام نہیں ہے۔ چاہو تو تم مجھے بھی اپنے ساتھ چلنے کا حکم دے سکتے ہو۔" سلطان شاہ نے مسکین صورت بنا کر کہا۔

وہ غیر ضروری بھیڑ کا کام نہیں تھا۔ میں نے سلطان شاہ کو سختی سے منع کر دیا۔ اول خان فون پر نیپیئر تھانے کے انچارج سے بات کر کے نادیہ کو دوبارہ تھانے میں بلوانے کا بندوبست کر رہا تھا۔

اس وقت تک ساگا کے قتل کے بارے میں یہ بات نہیں کھل سکی تھی کہ ساگا نادیہ کی چلائی ہوئی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ اس کی لاوارث لاش بازارِ حسن کے مکینوں نے غسل اور باقاعدہ تجہیز و تکفین کے بغیر ہی قبر میں دبا دی تھی لیکن بعد میں لاش کو قبر سے نکال کر اس کا پوسٹ مارٹم کیا جا چکا تھا اور پولیس حقائق کا سراغ لگانے کے لئے اپنے روایتی انداز میں نادیہ اور زمرد بائی کو ڈرا دھمکا رہی تھی اور وہ اپنے احساسِ جرم سے خوف زدہ تھی۔

نادیہ پر کوئی الزام نہیں تھا اس لئے وہ حراست میں نہیں تھی۔ ایس ایچ او نے تفتیش کے بہانے اسے فوری طور پر تھانے میں بلانے پر آمادگی ظاہر کر دی تھی۔

ہم وہ دونوں خاکے اپنے ساتھ لے کر پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔

"میں حیران ہوں کہ ہر بڑے جرم کے پیچھے کہیں نہ کہیں ہیروئن کا عمل دخل ضرور ہونے لگا ہے" راستے میں اول خان نے باتوں باتوں میں کہا "میں ذاتی تجربات سے نہ گزرا ہوتا تو میرے لئے یہ یقین کرنا دشوار ہوتا کہ راس المیڈا جیسے ارب پتی سرمایہ دار کی

بنائی ہوئی ڈیوڈ اشارز نامی جماعت ہیروئن کے لئے لڑ رہی ہے۔"

ہیروئن آج کل ہر مجرم کی ایک معاشی ضرورت بن چکی ہے۔ بسوں میں سفر کرنے والے غریب لوگوں کی جیبیں کاٹنے والے سے لے کر کرنل جیسی جونز جیسے پیشہ ور اجرتی دہشت گرد تک سب مجرم سارے جرائم صرف پیسہ کمانے کے لئے کرتے ہیں۔ زیادہ پیسے کما کر وہ زیادہ آسودگی اور خوشی حاصل کرتے ہیں۔ دنیا بھر میں سخت قانونی پابندیوں اور مخاصمانہ معاشرتی ردِ عمل کے باوجود ہیروئن کا نشہ بہت تیزی سے مقبول ہوا ہے اور اس میں بہت پیسہ ہے اسی وجہ سے ہر مجرم کہیں نہ کہیں اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ راس المیڈا دنیا کی ہر نعمت سے مالا مال تھا لیکن اپنی زیر زمین تنظیم کے فنڈز میں تیزی سے اضافے کے لئے اسے بھی ہیروئن کی سوجھی۔ یہ ایک لعنت بن چکی ہے۔ جب تک اس کی طلب ختم نہیں ہوگی یا پھر اسے سرکاری سطح پر ڈھیل نہیں دی جائے گی، اس کی سحر انگیز حیثیت ختم نہیں ہوگی، دن بہ دن ترقی کرتی رہے گی۔"

"سرکاری سطح پر ڈھیل دینے سے تمہاری کیا مراد ہے؟" میری نادیل نے اسے متحیر کر دیا۔

"صرف امریکا ہی کی مثال لے لو۔" میں نے کہا۔ "وہاں سالانہ دس ہزار ٹن ہیروئن اسمگل کرنے کی کوشش کی جاتی ہوگی تو اس میں سے صرف دو ڈھائی ہزار ٹن اصل منڈی میں پہنچ پاتی ہے۔ باقی پکڑی جاتی ہے یا پھر پکڑے جانے کے خوف سے آخری لمحات پر ضائع کر دی جاتی ہے۔ یوں ضائع ہونے والی ہیروئن پر کی گئی سرمایہ کاری کا بوجھ بھی بچ نکلنے والی ہیروئن کی فروخت پر پڑتا ہے۔ یہ ہیر پھیر کامیاب اسمگلروں کے منافع کی شرح بڑھا دیتا ہے۔ اس بارے میں نرمی برتی جائے تو نفع کم ہوگا اور یہ بتدریج اپنا مقام کھوتی چلی جائے گی۔ اسی کے ساتھ یہ خطرہ بھی ہوگا کہ اس نرمی کے نتیجے میں ہیروئن کا استعمال وبائی صورت اختیار کر لے گا۔"

"تمہارا آخری اندیشہ اس تجویز کو خود ہی مسترد کر دیتا ہے۔ پابندیاں نرم پڑتے ہی ہر گھر ہیروئن کا نشانہ بن جائے گا۔ نفع میں کمی کا ازالہ فروخت میں اضافے سے ہو جائے گا۔ آخر پاکستان اور خلیج کے دوسرے ملکوں میں پابندی کے باوجود شراب جیسا نشہ بھاری مقدار میں اسمگل ہوتا ہے۔ مالیت کے اعتبار سے اس کا وزن اور حجم بہت زیادہ ہوتا ہے۔ بوتلوں کی ٹوٹ پھوٹ کا نقصان بھی ہوتا ہوگا اور پھر ہیروئن کے مقابلے میں اس پر نفع کی شرح بھی بہت کم ہے مگر بہت سے منظم گروہ بڑے پیمانے پر یہ دھندا کر رہے ہیں۔ ان تجربات کی روشنی میں ہیروئن کے خاتمے کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اسے تو طاقت ہی سے کچلا جا سکتا ہے مگر تمہاری یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ امریکا میں ہر سال ٹنوں کے حساب سے ہیروئن کی کھپت ہوگی۔ آج تک بڑی بڑی خبروں میں بھی صرف چند کلو ہیروئن پکڑے جانے کا ذکر آتا رہا ہے۔ امریکا میں اتنی ہیروئن کہاں جاتی ہوگی۔"

میں اس کی سادگی پر مسکرا دیا۔ "یہ خبریں ان طالع آزماؤں اور اناڑی مجرموں کی انفرادی ناکامیوں کے بارے میں ہوتی ہیں جو ایک کے سو بنانے کے چکر میں کسی لمبے سفر پر نکلتے ہیں۔ ہیروئن کی اصل اسمگلنگ پر کسی نہ کسی شی، مافیا یا دوسرے سنڈیکیٹ کی اجارہ داری ہوتی ہے۔ ان کے زر خرید سرکاری اہل کار ہر کھیپ کو یوں کانوں کان نکال دیتے ہیں کہ کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی۔"

"مگر پھر بھی ہزاروں ٹن کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ مقدار دو چار ٹن سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔"

"شاید میں نے پہلے تمہیں بتایا تھا کہ عالمی اداروں کے ایک محتاط سروے کے مطابق پاکستان میں ہیروئن کے عادی افراد کی تعداد پچاس لاکھ سے زیادہ ہے۔ امریکا میں ہیروئنچی بہتر لاکھ کی تعداد میں ہیں۔ وہ معاشی طور پر نسبتاً خوش حال ہیں اور اپنے نشے پر زیادہ رقم خرچ کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔"

"وہ بہتر لاکھ ہیروئنچی کتنی ہیروئن استعمال کر لیتے ہوں گے؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"فی الحال انہیں چھوڑ دو۔ پاکستان کے کنگال اور بدحال ہیروئنچیوں کا حساب لگا لو۔ اگر ایک شخص دن میں صرف تین گرام ہیروئن استعمال کرتا ہو تو کل مقدار کتنی ہو جاتی ہے؟"

"تین گرام؟" اول خان نے بے اعتباری سے دہرایا۔ "یہ تو بہت کم ہے۔ میں نے کراچی کی متعدد فٹ پاتھوں پر عادی نشے بازوں کی ٹولیوں کو دن میں تین چار بار نشہ کرتے دیکھا ہے۔"

"میں اوسطاً کم از کم ایک گرام فی خوراک کے حساب سے ایک شخص کے یومیہ تین گرام لے رہا ہوں۔ امریکا میں یہ مقدار یقیناً بہت زیادہ ہوگی۔ پچاس لاکھ افراد تین گرام کے حساب سے یومیہ پندرہ ٹن ہیروئن چاٹ جاتے ہوں گے۔ سال بھر کے لئے یہ مقدار ساڑھے پانچ ہزار ٹن کے لگ بھگ ہو جاتی ہے۔ میں نے تو امریکا کے لئے بہت کم مقدار بتائی ہے۔ یہ ہزاروں ٹن کا لمبا کھیل ہے جبھی راس المیڈا اس کاروبار پر قبضہ کرنے کے لئے مرا جا رہا تھا اور امریکا کا صدر اس کی حمایت کرنے پر مجبور تھا۔ امریکا میں ہیروئن اس وقت ملین اور بلین نہیں ٹریلین ڈالر بزنس ہے۔"

"یہ اعداد و شمار چشم کشا بلکہ ناقابلِ یقین ہیں۔ صرف تین گرام فی کس سے ایسی ہیبت ناک مقدار بن جاتی ہے! اسی لئے کہا جانے لگا ہے کہ اب پاکستان کی مقامی ضروریات کے لئے بھی باہر سے ہیروئن آتی ہے۔ ہم تو ویسے ہی افیم کی بیشتر فصلوں کو برباد کر کے زمینوں پر غلہ اگانے لگے ہیں۔"

"یہاں یہ کام شی نے پس پردہ رہ کر دکھایا ہے۔ ابتدا میں ہیروئن کی پڑیاں چرس کی ایک گولی کے داموں بلکہ مفت میں بانٹی گئی ہیں اور پھر رفتہ رفتہ اس کے دام بڑھا دیئے گئے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ دیگر طبقوں کے علاوہ ہمارے ملک کی بعض مشہور زنانہ

درسگاہوں میں آزاد خیال طالبات تک ہیروئن کا نشہ کرنے لگی ہیں۔"

"اس اعتبار سے دیکھا جائے تو جمی لائیڈ ہمارا بدترین دشمن تھا۔ وہ پاکستان میں بننے والی ہیروئن کو یہیں فروغ دے کر اپنے ملک کو ہیروئن کی وبا سے بچا رہا تھا۔ راس المیڈا اس کی ضد تھا۔ وہ یہاں کی ساری ہیروئن سمیٹ کر مہنگی منڈیوں میں بیچنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔"

"اس کا مشن اسی قدر ہوتا تو شاید ہم سب اسے نظرانداز کر دیتے بلکہ پس منظر میں رہ کر حتی الامکان اس کی مدد بھی کرتے لیکن آئزک بتا چکا ہے کہ ڈیوڈ اسٹارز ہیروئن سے ہونے والی آمدنی کو ہمارے خلاف دوسرے اور زیادہ تباہ کن محاذوں پر استعمال کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔"

"جو کچھ ہو رہا ہے' ٹھیک ہی ہو رہا ہے۔ باہر سے کوئی ہماری مدد نہیں کرے گا۔ جو آئے گا' اپنے خفیہ عزائم کے ساتھ آئے گا۔ ہمیں اپنا گند خود ہی صاف کرنا ہو گا۔"

"دکھ اسی بات کا ہے کہ جو بات بہت آسانی سے میری اور تمہاری سمجھ میں آ جاتی ہے وہ ہمارے حکمرانوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ ہر آنے والا دوسری قوتوں کے کندھے پر سوار ہو کر اپنا قد بڑھانے کی کوشش کرتا ہے اور منہ کے بل نیچے گرنے سے پہلے اس خمار سے باہر نہیں آتا۔"

"تمہارا نام اب مقتدر حلقوں میں غیر معروف نہیں رہا ہے۔ تم جانتے ہو کہ ماضی میں ہماری پُرامن ایٹمی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے خراب شہرت رکھنے والے چند افراد کو خفیہ مراعات دی گئیں اور انہوں نے اپنے تمام وعدے پورے کر کے اپنا ایک مقام بنا لیا۔ تمہارے ہاتھ صاف ہیں۔ تمہاری اثر انگیز باتیں توجہ سے سنی جائیں گی۔"

"مجھے معاف رکھو۔" میں نے ہنس کر ہاتھ جوڑ دیئے "سیاست میرا میدان نہیں ہے۔ میں بس دعا کر سکتا ہوں کہ جن لوگوں کا یہ کام اور پیشہ ہے وہ اپنی ذات کے خول سے باہر نکل کر اس کی نزاکتوں کو سمجھیں تاکہ راس المیڈا جیسے سازشی کتے راڈنی آرک کے روپ میں یہاں آ کر ہمارے سینوں پر مونگ نہ دل سکیں۔"

"راس المیڈا کا قصہ تمام ہوا۔ اب تو مجھے راجن اور روکرم کی فکر ہے۔"

"نادیہ سے ملاقات کے بعد کوئی نہ کوئی نئی راہ ملے گی۔ میں ابھی مایوس نہیں ہوں۔"

اس نے ہونٹ بھینچ کر اپنی ساری توجہ پُرہجوم ٹریفک پر مرکوز کر دی۔

دراز قامت' خوف آور چہرے اور فربہی مائل جسم کے مالک ایس ایچ او نے پانچ سپاہیوں کی باوردی نفری کے ساتھ ایڑیاں بجا کر ہمارا استقبال کیا تو تھانے کی حدود میں سنسنی پھیل گئی۔

اول خان نے شاید فون پر ہی ایس ایچ او کو بتا دیا تھا کہ ضرورت سے زیادہ تھانے میں نہیں ٹھہرے گا۔ وہ ہم دونوں کو اپنے ساتھ لے کر عمارت میں داخل ہوا۔ ڈیوٹی پر موجود عملہ اپنی اپنی جگہ پر مستعد بیٹھا ہوا تھا۔ ایس ایچ او ہمیں راہداری کے دوسرے سرے کی طرف لیتا چلا گیا جہاں آہنی سلاخوں والے دروازے کے پیچھے دو قیدی لاک اپ میں بند تھے۔

لاک اپ کے برابر میں ایک بند کمرے کا دروازہ کھول کر اس نے ہمیں اندر جانے کی دعوت دی اور پھر خود واپس لوٹ گیا۔ وہ ایک دہشتناک اور پراسرار سا کمرا تھا جس کی سپاٹ دیواروں میں کھڑکی یا روشندان نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ فضا میں ہلکی ہلکی عفونت زدہ سیلن رچی ہوئی تھی۔ چھت کے وسط میں لٹکا ہوا تیز روشنی والا بلب کام نہ کر رہا ہوتا تو اس کمرے میں اتنی تاریکی ہوتی کہ ہم دونوں شاید ایک دوسرے کی شکلیں بھی واضح طور پر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ فرش اور دیواروں کے نچلے حصوں پر گہرے داغ تھے جو خون کے اڑے ہوئے رنگ کی نشان دہی کر رہے تھے۔ اس منظر اور ماحول میں وہاں رکھی ہوئی دو آرام دہ کرسیاں نہایت غیر موزوں نظر آ رہی تھیں۔

"کیا اس افسر کو معلوم تھا کہ تم اپنے ساتھ کسی اور کو بھی لا رہے ہو؟" میں نے ان کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اول خان سے پوچھا۔

"دوسری کرسی نادیہ کے لئے ہے۔ کل رات میں نے خاص طور پر اس کے لئے کرسی منگوائی تھی۔"

میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "پھر تو سلطان شاہ کا سوال بے تکا نہیں تھا۔ تم نے عورت سمجھ کر اسے بیٹھنے کے لئے جگہ دی اور اس کے اندر کی طوائف زادی اسے تمہاری کمزوری سمجھ کر تم پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرنے لگی۔ ان لوگوں کو ذرا سا منہ لگاؤ تو یہ منہ کو آنے لگتے ہیں۔"

جواب میں اول خان ہنس کر رہ گیا۔ وہ کہہ بھی کیا سکتا تھا۔

چند ہی لمحوں میں ایک سپاہی تیسری کرسی بھی لے آیا۔ اس نے ایڑیاں بجا کر ہم دونوں کو سلام کیا اور کرسی رکھ کر واپس چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی تھانے دار نادیہ کے ساتھ آ پہنچا۔

نادیہ نے دروازے میں قدم رکھا تو اس کا رنگ پہلے ہی سے اڑا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ ٹھٹک کر یوں اپنی جگہ پر رک گئی جیسے اسے اپنی نگاہوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔ تھانے دار اس کے ساتھ تھا اس لئے اس کے چہرے کے تیزی سے بدلتے ہوئے تاثرات نہ دیکھ سکا اور اسے چوکھٹ سے اندر دھکیل کر باہر سے دروازہ بند کر دیا۔

نادیہ پھر بھی آگے نہ بڑھی۔ وہ ایک ٹک مجھے گھورے جا رہی تھی۔ اس کا چہرہ فق ہو گیا تھا اور آنکھوں میں ہراس سمٹ آیا تھا کیونکہ میں اس کے ہاتھوں ساگا کے زخمی ہونے کا عینی شاہد تھا۔

"مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے نرمی سے کہا۔

میری دشمنی ساگا کے ساتھ تھی۔ تم سے مجھے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ اگر تم نے ساگا کے اجنبی مہمانوں کے بارے میں ہمارے ساتھ تعاون کیا تو میں بھول جاؤں گا کہ ساگا کس کی گولی سے زخمی ہوا تھا۔ دوسری صورت میں میرا بیان سنتے ہی پولیس تمہیں برابر والے لاک اپ میں ڈال دے گی۔"

"ہم۔۔۔ میں تمہارے ساتھی کو ہر بات بتا چکی ہوں۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ میری دھمکی سنتے ہی اس کے قدم حرکت میں آگئے اور وہ اس مختصر سے کمرے میں رکھی ہوئی نیبری کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اب اس سے آگے بات ہوگی؟" اول خان نے لفافے میں سے کاغذی خاکے نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھو اور بتاؤ کہ کیا یہ تصویریں ان ہی دونوں کی ہیں؟"

نادیہ نے اول خان سے وہ خاکے لئے تو اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ اس نے دونوں خاکوں کو الگ الگ ہاتھوں میں تھام کر غور سے دیکھنا شروع کیا پھر سرہلاتے ہوئے بولی۔ "نہیں۔ ان تصویروں میں ان دونوں کی تھوڑی بہت شباہت ہے مگر یہ ان کی تصویریں نہیں ہیں۔"

میری اور اول خان کی نگاہیں چار ہوئیں۔ نادیہ کے جواب نے ہم دونوں کے سر سے ایک بڑا بوجھ ہٹا دیا تھا۔ اگر وہ دونوں خاکے مطلوبہ آدمیوں کے نہیں تھے تو انہیں ہوٹل کا عملہ مرکر بھی شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ ہوٹل کی حد تک اول خان کی مہم کسی ناکامی سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔

اس اطمینان کے ساتھ ساتھ میرے ذہن میں بچھو کے ڈنک کی طرح ایک خلش نے بھی سر ابھارا تھا۔ اگر غفور بھٹی نے سرسری طور پر ان خاکوں کو درست تسلیم کرلیا ہوتا تو خاکوں کی خامی کو اس کی یادداشت کا قصور قرار دے کر نظرانداز کیا جا سکتا تھا۔ اول خان خبر لایا تھا کہ اس نے گہری دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مصوروں سے ان خاکوں میں متعدد تبدیلیاں کرائی تھیں۔ آخر کیا وجہ تھی کہ غفور بھٹی اتنے ارتکاز سے کام لینے کے باوجود ان خاکوں میں اصل مجرموں کی ایسی قریب ترین شباہت بھی نہیں لا سکا تھا جس کی بنا پر نادیہ پہلی نظر میں اپنے مہمانوں کو پہچان لیتی۔ میرے ذہن میں پہلی بار ایک شبے نے سر ابھارا کہ کہیں غفور بھٹی نے دیدہ دانستہ ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش نہ کی ہو مگر میں اپنے ذہن پر زور ڈالنے کے باوجود ایسا کوئی جواز تلاش نہیں کر سکا جو غفور بھٹی کو ایسی کسی کوشش کی طرف مائل کرتا۔

اس کے لئے راجن اور وکرم دو معمولی غیر ملکی گاہک تھے۔ انہیں بمبئی سے کراچی لانے کا معقول معاوضہ لیا گیا تھا۔ اس میں غفور بھٹی کا کمیشن بھی شامل رہا ہوگا۔ اس کے برعکس کمانڈر سعید ایک طاقت ور افسر تھا۔ غفور بھٹی واقف رہا ہوگا کہ سمندر میں رہ کر مجھ سے بیر پیدا کرنا اس کے کاروبار کے لئے سود مند ثابت نہیں ہو سکتا۔ وہ کسی اور کے ساتھ فریب کر سکتا تھا مگر کمانڈر سعید کو اتنا کھلا دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔

"تھوڑی بہت شباہت کہاں کہاں مل رہی ہے؟" اول خان نے نادیہ سے پوچھا تھا۔

نادیہ نے دوبارہ خاکوں پر نظریں جمادیں اور چند ثانیوں کے توقف کے بعد آہستہ آہستہ کہنے لگی۔ "ان کے چہرے ایسے کتابی سے نظر آتے تھے۔ ان کے سروں کے بال اور کان بھی ان تصویروں سے ملتے جلتے ہیں۔ وکرم کی پیشانی سے آگے کے بال اڑے ہوئے تھے۔۔۔ اور۔۔۔ اور بس۔ باقی سب مختلف ہے اور ہاں!" اس نے یوں چونک کر کہا جیسے اسے کوئی نئی بات یاد آگئی ہو۔ "ان دونوں کے چہرے صفاچٹ تھے۔ یہاں راجن کے ہونٹوں پر ہلکی مونچھیں بنی ہوئی ہیں۔ یہ آدمی کوئی اور ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"یہ ان دونوں کے خاکے بنانے کی ابتدائی کوششیں ہیں۔" اول خان نے اپنی کرسی پر آگے جھک کر کہا۔ "اب تمہیں چند گھنٹوں کے لئے ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ تم ہمارے مصوروں کو بتاؤ گی کہ ان خاکوں میں کہاں کہاں تبدیلیاں کرنی ہیں۔"

"میرے ساتھ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوگی؟" اس نے ہراساں ہو کر پوچھا۔ اس وقت اس کی دلکش آنکھیں خوف اور بے یقینی سے پھیلی ہوئی تھیں۔

میرا دل چاہا کہ اس سے صاف صاف کہہ دوں کہ گڑبڑ صرف عزت دار خواتین محسوس کرتی ہیں جب کہ وہ موروثی طور پر گڑبڑ کے ذریعے روزی کمانے والے ایک خاندان سے وابستہ ہے مگر میں خاموش ہی بیٹھا رہا۔ اس وقت ہمیں اپنے مجرموں کی نشان دہی کے لئے اس کی بھرپور مدد کی ضرورت تھی۔

"تم اطمینان رکھو۔" اول خان نے اس سے کہا۔ "ڈپٹی تمہیں اصل بات بتا چکا ہے۔ اپنا کام پورا کرنے کے بعد تم اپنے گھر لوٹ آؤ گی۔ ہو سکتا ہے کہ ساگا کے قصے میں بھی تمہارا پیچھا چھوڑ دیا جائے۔"

"میں نے جان بوجھ کر ساگا کو نہیں مارا۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "وہ گولی میں نے ڈپٹی کو روکنے کے لئے چلائی تھی مگر میری بدقسمتی سے ساگا اس کی زد میں آگیا میں۔۔۔"

"اس بارے میں وضاحتیں کر کے تم اپنی پوزیشن خراب کرلو گی۔" اول خان نے اسے تنبیہہ کی "ہمیں سب معلوم ہے۔ تمہارا نشانہ خطا نہ ہوتا تو وہ گولی ڈپٹی کے لئے مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ قتل کے ارادے سے چلائی ہوئی گولی قاتلانہ حملے کے برابر ہوتی ہے۔"

"میرا کسی کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔" اس نے رو دینے والی آواز میں کہا۔ "ساگا کی مرضی کے مطابق میں ڈپٹی کو روکنا چاہ رہی تھی۔ مجھ جیسی لڑکی کسی کو کیسے قتل کر سکتی ہے۔"

"میں کہہ رہا ہوں کہ بحث مت کرو۔ ساگا کا قتل اب ایک

ڈراؤنی حقیقت کی طرح تمہارے سامنے ہے۔ جتنی بحث کرو گی، الجھتی چلی جاؤ گی۔ تمہارے اطمینان کے لئے اتنا ہی کافی ہونا چاہئے کہ ڈپٹی اس واقعے کو اپنی یادداشت سے کھرچ دینے پر آمادہ ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کہتی ہو۔"

"میں چلنے کے لئے تیار ہوں مگر مجھے اپنی ماں کو سمجھانا ہوگا۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"تم اپنی ماں سے یا کسی اور سے بھی ذکر نہیں کرو گی کہ تمہیں کہاں لے جایا گیا تھا۔ میں کل رات بھی تمہیں بتا چکا ہوں کہ دونوں مہمانوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی خبر پھیلی تو تمہارے ستارے گردش میں آجائیں گے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ میں نے کل بھی ماں کو یہی بتایا تھا کہ مجھ سے ساگا کے بارے میں پوچھ گچھ ہوئی تھی۔" اس نے جلدی سے کہا "اس وقت بھی میں اسے یہی بتاؤں گی۔ تم اسے کچھ بتانے کا موقع دیئے بغیر مجھے لے گئے تو وہ بازار میں کہرام مچا دے گی۔ وہ تھانے میں ہی ہے۔ میں اس سے بات کرکے آجاؤں گی۔"

اول خان نے اٹھ کر خاموشی سے دروازہ کھولا تو باہر تھانے دار چند سپاہیوں کے ساتھ مستعدی سے موجود تھا۔

"انور صاحب! نادیہ کو ذرا ہی دیر کے لئے اس کی ماں سے ملوا دو۔ اس وقت تک میں ایک فون کروں گا۔" اول خان نے اس سے کہا۔ "یہ کچھ دیر کے لئے ہمارے ساتھ جائے گی۔"

اسی لمحے دیوار کی اوٹ سے کرخت چہرے اور سلونے خدوخال والی ایک ادھیڑ عمر لیڈی کانسٹیبل نکل آئی۔ اس نے کمرے میں آکر نادیہ کا بازو پکڑا اور تھانے دار کے اشارے پر اسے باہر لے چلی۔ اس کے پیچھے اول خان، انور کے ساتھ ہولیا۔ میں دونوں خاکے لفافے میں ڈال چکا تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ چل دیا۔

لیڈی کانسٹیبل نادیہ کو لے کر راستے میں ہی ایک کمرے میں گھس گئی جہاں شاید زمرد بائی اپنی بیٹی کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ تھانے دار ہمیں لے کر سیدھا اپنے دفتر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

دفتر میں اول خان کو متذبذب پا کر تھانے دار فوراً ہی موقع کی نزاکت بھانپ گیا اور اپنی نشست پر جانے کے بجائے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔ "سر، آپ فون کرلیں۔ میں ذرا لڑکی کو دیکھ کر آتا ہوں۔ اس کی ماں بڑی ڈرامے باز عورت ہے۔ کہیں وہ کوئی ہنگامہ کھڑا نہ کردے۔"

تخلیہ ہوتے ہی اول خان نے فون پر ایک نمبر ملانا شروع کر دیا۔ میرے لئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ تبدیل شدہ صورتِ حال پر کمانڈر سعید سے مشورہ کرنا چاہ رہا تھا۔

اول خان نے نادیہ کو سختی سے اپنی زبان بند رکھنے کی ہدایت دی تھی مگر اس بازاری لڑکی پر زیادہ اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ راجن اور وکرم کے قلمی خاکوں کی تصدیق کے لئے اسے اعتماد میں لینا ناگزیر تھا۔ اس سے آگے وہ بھروسے کے قابل نہیں تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ اول خان اس کے ساتھ نیول انٹیلی جنس کے دفاتر کا رخ نہ کرے تاکہ اس اہم قومی ادارے سے ہمارے روابط صیغۂ راز میں رہ سکیں۔

اول خان چند منٹ تک دھیمی آواز میں کمانڈر سعید سے فون پر بات کرتا رہا۔ کمرے میں چھت سے لٹکے ہوئے سرکاری پنکھے کی گھوں گھوں کی وجہ سے اس کے پورے فقرے میرے پلے نہیں پڑ سکے۔ ریسیور رکھ کر اس نے بتایا کہ کمانڈر سعید نے اسے نادیہ کے ساتھ اسٹیٹ بینک کی پانچویں منزل پر بلایا تھا جہاں ایک علیحدہ کمرے میں اس کے مصور نادیہ کی مدد سے قلمی خاکوں میں ردوبدل کر لیتے۔

انور نامی ایس ایچ او کافی ذہین اور فرض شناس افسر تھا۔ اس نے اول خان کی ضرورت کے تحت اسے تخلیہ فراہم کر دیا تھا لیکن اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ ہم دونوں مختصر سی رسمی گفتگو کے بعد کرسیوں سے اٹھے تو وہ فوراً ہی اندر آگیا۔ اس کے چہرے سے ہلکی سی تشویش جھلک رہی تھی۔

"کام ہو جانے کے بعد آپ لڑکی کو گھر کے بجائے یہیں بھجوا دیں۔" اس نے مؤدب ہو کر اول خان سے کہا۔ "میں یہاں سے ماں بیٹی کو ان کے گھر روانہ کردوں گا۔"

"تو کیا نادیہ کی واپسی تک ڈیرے دارنی تھانے میں ہی رکی رہے گی؟" میں نے پوچھا۔

"جی۔ کچھ ایسی ہی بات ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ اپنی بیٹی کے پیچھے پیچھے جانے پر مصر تھی۔ اسے ذرا دھمکا کر بہت مشکل سے روکا گیا ہے۔ آپ اطمینان سے اپنا کام کرلیں۔ میں اسے دیکھ لوں گا۔"

"بہت خبیث عورت ہے۔" اول خان نے قدرے برہمی سے کہا۔ "اس کی بیٹی میں کون سے لعل جڑے ہوئے ہیں جنہیں کوئی چرا لے گا۔ تھانے میں بیٹھ کر کوئی جی دار عورت ہی ایسی اکڑ فوں دکھا سکتی ہے۔"

"وہ بہت پرانی پاپی ہے۔ کہتی ہے کہ بیٹی کو پولیس والوں کے پاس چھوڑ کر اکیلی واپس گئی تو بازار میں باتیں بنیں گی اور اس کی عزت کرکری ہو جائے گی۔" انور نے سر جھکا کر کہا۔

"خوب! اس کا مطلب ہے کہ ایسی عورتوں کی بھی کوئی عزت ہوتی ہے۔"

"وہ یہی کہتی ہے۔ یہ سب اس کا ڈھونگ ہے۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں سب سنبھال لوں گا۔"

ہم تینوں باہر آئے تو نادیہ ایک لیڈی کانسٹیبل اور کئی سپاہیوں کی معیت میں راہداری میں ہماری منتظر تھی۔ اس کے دلکش چہرے پر خوف اور تشویش کے سائے بہت گہرے ہو چکے تھے۔

انور نے اپنے آدمیوں کے ساتھ گاڑی تک آکر ہمیں

رخصت کیا۔ نادیہ ایک خطرناک بازاری لڑکی تھی۔ وہ ساگا کی چھت کے نیچے پستول یا ریوالور سے فائر کر کے غیر ارادی طور پر اسے زخمی کر چکی تھی۔ حفاظتی نکتۂ نظر سے اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے اسے اول خان کے برابر والی پسنجر سیٹ پر جگہ دے دی اور خود دروازہ کھول کر عقبی نشست پر براجمان ہو گیا۔

نادیہ نے خوف اور دباؤ کے تحت ہمارے ساتھ چلنے کا فیصلہ ضرور کر لیا تھا مگر اس کے ذہن میں اپنی سلامتی کے بارے میں شکوک و شبہات کا لاوا ایک رہا تھا جس کا اظہار وقفے وقفے سے کئے جانے والے مختصر اور منتشر منتشر سے سوالات سے ہو رہا تھا۔ ہم دونوں اپنی واضح حکمتِ عملی کے تحت اسے دلاسے دیتے رہے اور یوں جب ہم مختصر مسافت طے کر کے اسٹیٹ بینک پہنچے تو نادیہ کا اعتماد بڑی حد تک بحال ہو چکا تھا۔

پانچویں منزل پر اسٹیٹ بینک کے اہم اور اعلیٰ افسران کے دفاتر واقع تھے جس کی وجہ سے وہاں کے ماحول میں بوجھل پن اور پراسراریت کے اثرات نمایاں تھے۔ ہم تینوں کانفرنس روم کے دروازے پر پہنچے تو ایک شخص نے ہمیں عزت و احترام سے اس وسیع کمرے میں پڑی ہوئی لمبی سی میز کے گرد بٹھا دیا۔ اسے اس کے افسر کی طرف سے ہماری پیشوائی کی ہدایت مل چکی تھی مگر کمانڈر سعید اور اس کے مصور اس وقت تک وہاں نہیں پہنچے تھے۔

اس خنک اور باوقار کمرے میں پہنچ کر نادیہ بہت مرعوب نظر آ رہی تھی۔ چائے پینے کے دوران اس نے مجھ سے پوچھا۔ "ساگا تم کو بہت برے ناموں سے یاد کر رہا تھا۔ میں سمجھی تھی کہ تم بھی اسی جیسے لوگوں میں سے ہو گے لیکن اب پتا چل رہا ہے کہ تم سی آئی ڈی کے کوئی افسر ہو۔ کیا میرا یہ اندازہ درست ہے؟"

"اپنی تسلی کے لئے تم جو چاہو، سمجھ سکتی ہو۔" میں نے کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ میں ساگا کی طرح کوئی مجرم نہیں بلکہ مجرموں کا دشمن ہوں۔ ساگا سے میری دشمنی کا یہی سبب تھا۔"

"پولیس والے تم سے اتنا ڈرتے ہیں تو تم نے ساگا کے گھر میں اکیلے داخل ہونے کا خطرہ کیوں مول لیا تھا؟ میری طرح اسے بھی تم تھانے میں بلوا سکتے تھے۔ تم نے ایسا کیا ہوتا تو وہ آج بھی زندہ ہوتا۔"

"یہ باریکیاں تمہاری ننھی سی عقل میں نہیں آ سکتیں۔ بڑے مجرموں کو بھنک بھی مل جائے کہ کوئی سرکاری ایجنسی ان کی ذات میں دلچسپی لے رہی ہے تو وہ ان کا سامنا کرنے کے بجائے فوراً زیرِ زمین چلے جاتے ہیں۔"

تھوڑی دیر میں کمانڈر سعید اپنے دونوں مصوروں کے ساتھ وہاں آ پہنچا۔ مجھ سے تعارف ہوتے ہی وہ والہانہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بغل گیر ہو گیا۔ اول خان نے نادیہ کی وجہ سے اس کے تعارف سے اس کا عہدہ حذف کر دیا تھا۔ اسی احتیاط کی بنا پر ہمارے درمیان زیادہ بات نہیں ہوئی۔ وجیہہ اور دراز قامت کمانڈر سعید نے میرا ہاتھ گرمجوشی سے تھاما ہوا تھا۔ اس نے مختصر بریفنگ کے ساتھ نادیہ کو اپنے مصوروں کے حوالے کیا اور ہمیں ساتھ لے کر کانفرنس روم سے باہر نکل گیا۔ باہر آتے ہی اس نے میری تعریفوں کے ایسے پل باندھ دیئے کہ مجھے ندامت ہونے لگی۔

اس بار وہ ہمیں اسی طور پر ایک ڈائریکٹر کے مکلف اور آراستہ دفتر میں لے گیا۔ اس ڈائریکٹر سے اپنے گہرے مراسم کی بنا پر ہی اس نے اسٹیٹ بینک کی عمارت کو اپنی ایک سرکاری ضرورت کے لئے استعمال کرنے کا اہتمام کیا تھا۔ وہاں بیٹھتے ہی کمانڈر سعید نے ہم دونوں کو اپنے دوست سے متعارف کرایا اور پھر تحیر زدہ انداز میں یوں گفتگو چھیڑ دی جیسے میں ماضی میں محیر العقول کارنامے انجام دیتا رہا ہوں۔

وہ بحری فوج کے ایک ایسے شعبے میں ذمے دار افسر تھا جو گرد و پیش میں رونما ہونے والی ہر تبدیلی پر نگاہ رکھنے کا فرض انجام دیتا ہے۔ اپنی ان پیشہ ورانہ سرگرمیوں کی بنا پر وہ اندر کی ایسی باتوں سے بھی باخبر تھا جو کبھی بھی منظرِ عام پر نہیں آ سکی تھیں اور انہیں پوری رازداری سے دبا دیا گیا تھا۔

راس المیڈا کے عبرتناک انجام پر اسے بے حد خوشی تھی۔ اس کی رائے تھی کہ راس المیڈا نے جس مکاری سے اپنی ذات کو راڈنی آرک کے سفارتی روپ میں چھپا رکھا تھا اس کے پیشِ نظر اس کے خلاف کوئی مؤثر باضابطہ کارروائی نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس کی کہانی کا بہترین انجام وہی ہو سکتا تھا جو ہوا تھا۔ وہ ایک ذمے دار فوجی افسر تھا اور اس وقت تخلیے کے بجائے اپنے ایک دوست کے دفتر میں موجود تھا اس وجہ سے اس نے ایک امریکن بحری جہاز کے عرشے سے پرواز کر کے آنے والے ہیلی کاپٹر کی تباہی پر کوئی غیر محتاط تبصرہ نہیں کیا۔ وہ ایک حساس بین الاقوامی معاملہ تھا جس پر سرکاری مؤقف سے ہٹ کر ایک لفظ بھی بولنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

بینک افسر نے ظاہری طور پر ہماری گفتگو کے بارے میں کسی تجسس کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ اپنے سامنے رکھی ہوئی فائلوں کے مطالعے میں منہمک ہو چکا تھا۔ ویسے بھی یہ ظاہر تھا کہ وہ بھروسے کے قابل نہ ہوتا تو کمانڈر سعید اس اہم ملاقات کے لئے اس کا دفتر ہرگز استعمال نہ کرتا۔

ہمیں وہاں بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اردلی نے اندر آ کر اطلاع دی کہ کمانڈر سعید کے آدمی اس سے ملنا چاہ رہے تھے۔ میرے کان کھڑے ہو گئے۔ شاید کانفرنس روم میں کوئی نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا۔

اردلی نے وہ پیغام اپنے افسر سے مخاطب ہو کر دیا تھا۔ اس نے استفسار طلب نظروں سے اول خان کی طرف دیکھا تو اس نے اردلی سے کہا۔ "ان میں سے ایک کو میرے پاس لے آؤ۔ دوسرا وہیں لڑکی کے پاس رکا رہے۔"

فوجیوں کی ہلاکت کے بارے میں بہت حساس ہوگئے ہیں۔ وہ یہ بات توگوارا کرلیتے ہیں کہ امریکا کے وسیع تر مفاد میں ان کے ادا کیے ہوئے ٹیکسوں کی بھاری رقوم سمندر پار فوجی تنصیبات اور تجاوزات پر خرچ کی جاتی رہیں لیکن دوسروں کی سلامتی کے لیے وہاں کے فوجیوں کو قربانی کا بکرا بنانے کا تصور دن بدن کمزور ہوتا جارہا ہے۔ اب تک وہاں کے اخبارات نے اس پورے واقعے کے بخیے ادھیڑ ڈالے ہوں گے کیوں کہ یہودیوں کے زیرِ اثر ہونے کے باوجود وہاں کا پریس بہت آزاد ہے۔"

"ہٹلر نے شاید بہت سوچ سمجھ کر یہودیوں کو اپنا نشانہ بنایا تھا۔" سلطان شاہ پُرخیال لہجے میں بولا "اس نے مار مار کر ان پر زمین تنگ کردی تھی اور آج ہر سازش کے پیچھے یہودی ذہن یا سرمایہ کام کررہا ہے۔"

"ہٹلر کے مظالم کے بعد ہی دنیا بھر میں ان کے لیے ہمدردی کی لہر ابھری تھی۔" ویرا نے کہا "اس سے پہلے یہ اتنے متحد بھی نہیں تھے۔ بعد میں یہ مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر پوری دنیا میں پھیل گئے۔ ہر سفید فام قوم نے ان کی حمایت کی اور انہیں اپنی زمین پر پناہ دی۔ آج یہ رفتہ رفتہ ہر شعبے پر غالب آچکے ہیں۔"

"ہم عام یہودیوں کو قابلِ نفرت نہیں سمجھتے۔" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا "ہم ان یہودیوں کے دشمن ہیں جو دہشت گرد اور نسل پرست ہیں....."

"یہ تقریر رہنے دو۔" ویرا نے میری بات کاٹ کر مضحکہ اُڑانے والے انداز میں کہا "یہ منافقانہ تقریریں ہیں جو بڑے اجتماعات میں کی جاتی ہیں۔ راس المیڈا کون تھا؟ اسے وسائل کون فراہم کررہا تھا؟ اسے یہودی ووٹوں پر مکمل کنٹرول کیوں حاصل تھا؟ اس کی اصل طاقت امریکا میں آباد بے ضرر اور عام یہودی ہی تھے۔ وہ ان کا لیڈر تھا اس لیے ہر ایک کی نظروں میں تھا۔ عام یہودی ڈیوڈ اسٹارز اور راس المیڈا کی حمایت نہ کررہے ہوتے تو راس المیڈا شی پر قبضہ کرنے کے لیے امریکا کے صدر کو بلیک میل کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ راس المیڈا شی کی گرانٹ پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ صدر کو اگلی مدت کے لیے یہودی ووٹوں کی ضرورت تھی۔ سمجھوتا ہوگیا اور میرا باپ ایک نادیدہ قاتل کی بے آواز گولی کا نشانہ بن گیا۔ ہر یہودی اس گھناؤنے کھیل میں دامے' درمے اور سخنے شریک ہے۔ سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہٹلر نے اہلِ زمین کو مستقبل کی بھیانک سازشوں سے بچانے کی مخلصانہ کوشش کی تھی مگر مغرب نے اسے ناکام بنادیا۔ یہی نہیں' اس کی اتنے منظم پیمانے پر کردار کشی کی گئی کہ جو لوگ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے وہ بھی اس سے نفرت کرنے لگے۔"

"آج تم باقاعدہ تقریروں کے موڈ میں نظر آرہی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "تمہارے ان نظریات سے تمہارے کتنے ہم وطن اتفاق کرسکیں گے؟"

"بے شمار غیر یہودی اب ان حقائق کو سمجھنے لگے ہیں اور یہودیوں سے خوف زدہ رہتے ہیں۔"

"مگر عالمی ذرائع ابلاغ میں دور دور تک ایسے لوگوں کی کوئی نمائندگی نظر نہیں آتی۔"

"کیسے آئے گی؟" اس نے برجستہ کہا "گوئبلز مرگیا مگر اس کا سکھایا ہوا سبق یہودیوں نے سختی سے اپنالیا۔ وہ جانتے ہیں کہ دنیا میں وہی قوم فاتح اور سرخرو ہے جو پروپیگنڈے میں سب سے آگے ہے۔ آج اخبار اور ٹی وی سمیت وہ ابلاغ کے ہر ذریعے پر چھائے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے مخالفانہ رجحانات کی تشہیر کیوں کریں گے۔"

"ڈیوڈ اسٹارز نے اس جنگ کو ہمارے ملک میں بھی دھکیل دیا ہے۔" میں نے افسردگی سے کہا "کل یوم السبت ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ آئزک بیل کی دھمکی کیا رنگ دکھاتی ہے۔"

"ابتدا میں سب بوکھلائے ہوئے تھے۔" اول خان نے کہا۔ "وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حفاظتی انتظامات مربوط ہوتے چلے جارہے ہیں۔ ہمیں امید کرنی چاہیے کہ وہ ناکام رہیں گے۔"

"عام زندگی میں یہ سب بہت مہذب اور شائستہ نظر آتے ہیں۔ امن اور رواداری کے لیے ان کی کوششیں بظاہر قابلِ تعریف نظر آتی ہیں۔ یہ ان کی زندگی کا وہ رخ ہے جسے دن رات اچھالا جاتا ہے لیکن ان کی اصل قوت ان کی خفیہ تنظیموں میں ہے۔ میری معلومات کے مطابق ان میں ڈیوڈ اسٹارز سب سے طاقت ور ہے اور راس المیڈا اس کا بہترین دماغ تھا۔ اسے مار کر ہم نے ڈیوڈ اسٹارز کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ یہ تنظیم ٹوٹ گئی تو سمجھو کہ بہت سے عالمی مسائل خود بخود حل ہوجائیں گے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی ویرا نے اپنی بات شروع کردی۔

"جمی لائیڈ کے قتل ہونے تک تم نے کبھی ڈیوڈ اسٹارز کا ذکر نہیں کیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"اس وقت میرا باپ امریکا کے صدر کی ناک کا بال ہوا کرتا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ راس المیڈا کبھی اس سے دشمنی مول لینے کی ہمت کرسکے گا۔"

"لیکن تمہارا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا۔ اپنے باپ کے مرتے ہی تمہیں ڈیوڈ اسٹارز کے سارے عیب یک بہ یک نظر آنے لگے۔ اس وقت تک پانی سر سے گزر چکا تھا۔"

"سازش اس وقت سامنے آئی جب میرے باپ کی جگہ جم کلارک کو آگے لایا گیا۔ یہ راس المیڈا کی بزدلی تھی کہ اس نے خود سامنے آنے کے بجائے اپنے ایک قابلِ اعتماد مہرے کو آگے بڑھایا۔ جم کلارک کے مرنے کے بعد اسے مجبور ہوکر خود سامنے آنا پڑا اور میرا بعد کا اندازہ درست ثابت ہوگیا۔ تمہارا یہ الزام میں تسلیم کرتی ہوں کہ اپنے باپ کی زندگی میں مجھے راس المیڈا کی اصل قوت کا ادراک نہیں ہوسکا تھا۔"

"بس بس' میں صرف یہی بات کہہ رہا تھا۔ اب ہمیں باتوں

ہیں وقت برباد کرنے کے بجائے کام کرنا چاہیے تاکہ اس فتنے کا سر کچلا جاسکے۔ جم کلارک اور راس المیڈا کے بعد کسی طرح آئزک بیل کو بھی جلد از جلد جہنم واصل کردیا جائے تو ان کی کمر ٹوٹ جائے گی۔"

"اس وقت کام صرف تمہارے ذمے ہے۔ ہم سب تماشائی بنے ہوئے ہیں۔" وہ شانے اچکا کے بولی۔

"وہ ایک الگ معاملہ ہے۔ وکرم اور راجن تو ابھی تک خود اندھیرے میں بھٹک رہے ہیں۔"

"تمہارا معاملہ ان سے مختلف نہیں ہے۔ راس المیڈا کے مرتے ہی مطلع بالکل صاف ہوگیا ہے۔"

"مگر آئزک بیل کی دھمکی۔" اول خان بولا "وہ یقیناً کسی بل بوتے پر بول رہا ہے۔"

"کل تک یہ معاملہ بھی صاف ہوجائے گا پھر دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔" میں یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گیا۔

میں نے کچن میں جھانکا تو چولھا روشن تھا۔ اس پر پریشر ککر چڑھا ہوا تھا مگر غزالہ وہاں نہیں تھی۔ میں کمرے میں داخل ہوا تو وہ مسہری پر نیم دراز ایک رسالے کے مطالعے میں مصروف تھی۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ کو اس کمرے کا دھیان آگیا۔" غزالہ نے مسکرا کر رسالہ ایک طرف ڈالا اور بستر پر سمٹ کر نیم دراز سی ہوگئی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اور شوخی رقصاں تھی۔

"دھواں دھار مذاکرے بھگت کر آرہا ہوں۔" میں نے اس کے قریب بیٹھ کر جھکتے ہوئے کہا اور وہ بوکھلا کر مسہری کے دوسرے کنارے کی طرف لڑھکتی چلی گئی۔

"آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں۔" اس نے آنکھیں نچاتے ہوئے شریر لہجے میں کہا "دروازہ بند ضرور ہے مگر بولٹ نہیں ہے۔ کوئی اندر آگیا تو کیا سوچے گا۔"

"ہم دونوں کے اندر ہوتے ہوئے کون آئے گا؟ یہاں کوئی بھی اتنا ناسمجھ نہیں ہے۔"

"ناسمجھی کی بات اور ہوتی ہے مگر ویرا سے میں ہر بات کی توقع کرسکتی ہوں۔"

"کبھی کبھی تم اس کی طرف سے بہت زیادہ بدگمان ہونے لگتی ہو۔ یہ بری بات ہے۔"

"ہوا کرے۔ میں آپ کو اپنے دل کی بات بتا رہی ہوں۔ میاں بیوی ہی ایک دوسرے کی بری بھلی باتوں کے امین ہوتے ہیں۔ میں کوشش کے باوجود ان وسوسوں کو اپنے ذہن سے نہیں کھرچ سکی۔"

"اور اس بارے میں سلطان شاہ تمہارا ہم خیال ہے۔" میں نے ٹٹولنے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا "وہ بھی ویرا سے زیادہ خوش نہیں ہے۔"

"ظاہر یہی کرتا ہے مگر وہ اس کا......" غزالہ کی بات ادھوری رہ گئی۔ کسی نے ہماری خواب گاہ کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تھی۔ غزالہ ہڑبڑا کر مسہری سے قالین پر اتر گئی۔

"کم اِن!" میں نے ناگواری سے اونچی اور خشک آواز میں کہا۔

دروازہ کھلا اور جھری میں سے ویرا کا مسکراتا ہوا چہرہ جھانکنے لگا۔ میرے چہرے پر سے پھسلتی ہوئی اس کی نظریں غزالہ پر مرکوز ہوگئیں "ککر میں پانی یا مسالے ڈالنے کی ضرورت تو نہیں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں سب کام پورا کرکے آئی تھی۔ وِسل ہونے کا انتظار تھا۔" غزالہ نے جواب دیا۔

"سوری!" ویرا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہوگئی "اس مداخلتِ بے جا کی معذرت۔" اس کا چہرہ غائب ہوگیا۔ وہاں سے ہٹنے سے پہلے اس نے دروازہ دوبارہ بند کردیا تھا۔

"دیکھ لیا!" غزالہ نے فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میری چھٹی حس کی تائید کے لیے وہ آخر کار آہی گئی۔ اب آپ میری بدگمانیوں کے بارے میں کیا کہیں گے؟"

"ساری دنیا میں آزادی سے گھومنے پھرنے والی لڑکی یہاں قید ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ اس کی چھیڑ چھاڑ ہے۔ اپنا دل بہلانے کے لیے وہ کہاں جائے؟ اس کی ایسی حرکتوں کو نظرانداز کردیا کرو۔"

"ہمیشہ ہی نظرانداز کرتی رہتی ہوں۔ ایسا نہ کرتی تو گزارہ کیسے ہوتا۔" غزالہ کی شگفتہ مسکراہٹ بدستور برقرار تھی "مگر یہ تو بتائیں کہ وہ کس سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے۔"

"تمہارے سوا اور کس سے ایسا مذاق کرسکتی ہے؟" میں نے سٹپٹا کر کہا۔

غزالہ منہ پر ہاتھ رکھ کر بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی "اب آپ مذاق کررہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہ ساری چھیڑ چھاڑ آپ کے ساتھ کرتی ہے اور آپ اس سے کتراتے رہتے ہیں۔"

"چلو یوں ہی سہی۔" میں نے اس موضوع کو وہیں ختم کرنے کے لیے کہا "تم نے یہ تو مان لیا کہ میں اس کی کسی قسم کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ وہ اپنا شوق پورا کرکے چلی گئی ہے۔ اب دروازہ بولٹ کرکے تھوڑی دیر کے لیے میرے قریب بیٹھ جاؤ۔ کھانا کھا کر میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"اب آپ کی راتیں ان خبیثوں کے ساتھ گزریں گی؟" اس نے اُداس ہو کر پوچھا۔

"چند روز کی مجبوری ہے۔ کوشش کروں گا کہ ڈینی کی تلاش کا بہانہ کرکے ایک آدھ رات یہاں بسر کرلوں۔ اب میں خود بھی تمہارا بہت زیادہ عادی ہوگیا ہوں۔ دوسری جگہ مشکل سے نیند آتی ہے۔"

وہ ایک مرتبہ پھر دبی دبی اور شرمیلی آواز میں ہنس پڑی "میں

کیا فلم یا ہیروئن ہوں جو آپ میرے عادی ہو گئے ہیں؟"
"خطرناک قسم کی ہیروئن۔" میں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ "فلم سے بننے والی نہیں بلکہ دل پر راج کرنے والی اور زندہ ہیروئن۔ آجاؤ ورنہ میں دوبارہ باہر ان لوگوں میں جا بیٹھوں گا۔"

وہ میرے صبر کا امتحان لینے کے لیے بہت دھیرے دھیرے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے شکایتی لہجے میں بولی "آپ کو ورا کی فکر ہے کہ وہ اپنا دل بہلانے کے لیے کہاں جائے گی مگر میرے لیے آپ نے......"

"اپنا اور اس کا موازنہ مت کیا کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "تم دونوں کے خمیر اور ماضی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اسے تمہاری طرح رکھا جائے تو وہ گھٹ کر مر جائے گی۔"

"تو آپ اسی لیے اسے غفور بھٹی والی مہم پر اپنے ساتھ سمندر میں لے گئے تھے؟" اس نے دروازے کے قریب پہنچ کر بولٹ لگاتے ہوئے معصومانہ سادگی سے پوچھا۔

ندامت کی ایک لہر نے میرے وجود کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ میں نے اس سے نگاہیں چار کیے بغیر کمزور آواز میں کہا "بلیک سی پر وہ میرے ساتھ اکیلی نہیں تھی۔ وہاں......"

"ہاں، مجھے معلوم ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر ایک ادا سے بولی "وہاں غفور بھٹی بھی تھا جسے کھلے سمندر میں ہی ڈبو دیا گیا۔ آپ یہ کیوں بتا رہے ہیں؟"

"وہی نہیں، واپسی کے سفر میں بوٹ پر تین ملاح بھی تھے۔" میرے من کا چور مجھے وضاحتوں پر مجبور کر رہا تھا۔

غزالہ نے قریب آکر محبت سے اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں اور معصومانہ سادگی سے کہنے لگی "پتا نہیں آپ میرے سیدھے سادے سوالوں پر کیوں پریشان ہو جاتے ہیں...... آپ میری زندگی ہیں۔ میں آپ کو اپنی وجہ سے ایک لمحے کے لیے بھی فکرمند یا پریشان نہیں دیکھ سکتی۔"

اس وقت وہ براہِ راست میری آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ میں اس کی سیاہ اور روشن آنکھوں کی تاب نہ لا سکا اور آنکھیں موند کر والہانہ انداز میں اسے اپنے قریب بٹھا لیا۔

○☆○

گھر پر غزالہ کی رفاقت میں گزارے ہوئے وقت کی خوشگوار یادوں میں ڈوب کر میں اپنی خوش نصیبی پر رشک کرتا ہوا نادرہ کے گھر پہنچا تو را کے دونوں ایجنٹ لابی میں بیٹھے بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کے بشروں پر تشویش اور فکرمندی کے سائے لرزاں تھے جو مجھ سے سامنا ہوتے ہی تیزی سے معدوم ہو گئے۔

راجن اور وکرم کے لیے میں ڈینی نہیں علی شیر تھا اور میرا وہی گھر تھا جہاں وہ دونوں بیٹھے میرا انتظار کر رہے تھے۔ ان سے فلیٹ کا ذکر کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔

میں نے تھکے ہوئے انداز میں ایک خالی کرسی میں گر کر اپنی تھکا دینے والی بھاگ دوڑ کی ایک فرضی کہانی چھیڑ دی جو ان دونوں کے لیے بہت دلچسپ اور سنسنی خیز ہو سکتی تھی۔

میں نے انہیں بتایا کہ میں نے شہر کے تین ٹھکانوں پر ایسے آدمیوں کی خدمات حاصل کر لی تھیں جو خود ڈینی کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے لیکن رقم کے لالچ میں اس کی صورت دیکھتے ہی مجھے فون پر مطلع کرنے پر رضامند ہو گئے تھے۔ اپنی طویل غیر حاضری کا مزید جواز پیدا کرنے کے لیے میں نے ایک ایسی عورت کی کہانی بھی تراش لی جو دس روز پہلے ڈینی کے ساتھ دیکھی جاتی رہی تھی۔ میں نے اس کی تلاش میں کافی خاک چھانی لیکن اس تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کی تلاش کی مہم میں نے اگلے روز کے لیے ملتوی کر دی تھی۔

"ان تینوں آدمیوں کے مقابلے میں وہ اکیلی عورت زیادہ سود مند ثابت ہو سکتی ہے" میرے خاموش ہو جانے پر وکرم نے پُرسکون لہجے میں کہا "ڈینی بہت رنگین مزاج اور اوباش فطرت آدمی ہے۔ کوئی عورت ہی اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک سکے گی۔"

"اسے تلاش کرو" راجن نے اپنے ساتھی کی بات میں گرہ لگائی "وہ عورت دو چار دن میں بھی ہاتھ آجائے تو ہماری ساری محنت وصول ہو سکتی ہے۔ ڈینی ایک آسیب بن کر ہمارے اعصاب پر سوار ہو چکا ہے۔"

"میں اس عورت کو اٹھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اسے لالچ ہی دیا جا سکتا ہے کہ اس نے ڈینی تک پہنچنے میں میری مدد کی تو اسے ایک خطیر رقم دی جا سکتی ہے۔ وہ فلموں میں اداکاری کے شوق میں اپنے گھربار کو خیرباد کہہ کر اب نیم بازاری عورت بن چکی ہے۔ رقم کا لالچ اسے اندھا کر سکتا ہے۔"

"ہاتھ آنے سے میرا بھی یہی مطلب تھا کہ ملاقات ہو جائے۔" راجن نے جلدی سے وضاحت کی "اسے اٹھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہاں آگئی تو اودھم مچا کر ہمیں بھی یہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دے گی۔"

"وکرم جی!" میں نے راجن کی طرف متوجہ ہو کر مزاحیہ انداز میں کہا "یہ اچھا ہی ہے کہ تم کم بولتے ہو کیونکہ جب بولتے ہو کوئی گڑبڑ کر دیتے ہو۔ کبھی ہندی بولنے لگتے ہو تو کہیں ایسی بات کہہ جاتے ہو جس کے دو معنی نکلتے ہوں۔ یہ کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔"

"ایسی فضول باتیں مجھے پسند نہیں ہیں" اس نے برا سا منہ بنا کر مجھے جھاڑ دیا "کام کے معاملے میں تمہیں ادب اور لحاظ کا خیال رکھنا پڑے گا۔ ایسی گفتگو وکرم کو بھی اچھی نہیں لگتی۔"

"نہیں راجن!" وکرم نے ہنس کر اس سے کہا "اب علی شیر ہمارا ملازم نہیں ہے۔ اس کی چھت کے نیچے پناہ لینے کے بعد ہم اس کے مہمان ہو چکے ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ برابری

کا دوستانہ رویّہ رکھنا ہوگا ورنہ ہم زیادہ دیر تک ایک دوسرے کا ساتھ نہیں دے سکیں گے۔"

"میں اپنی غلطی مانتا ہوں" میں نے فراخ دلی سے کہا "شاید ابھی ہمارے درمیان اتنی بے تکلفی نہیں ہوئی کہ ایک دوسرے کا مذاق اڑایا جائے۔ مجھے محتاط رہنا چاہیے تھا۔"

راجن کے چہرے پر نرمی پھیل گئی اور وہ مسکرا کر بولا "غلطی کرنے والا اتنی آسانی سے اپنی خطامان لے تو یہ اس کی بڑائی ہوتی ہے۔ میں بھی اپنی تلخ کلامی پر شرمندہ ہوں۔ اب ہم دوست ہیں۔"

ان مکالموں کے تبادلے میں میں نے واضح طور پر دیکھا تھا کہ چند ثانیوں کے لیے وکرم کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ میرے الفاظ پر اس کے تیوروں میں برہمی کے ہلکے سے آثار نظر آئے تھے مگر اس نے زبان کھولی تو وہ محبت اور دوستی کے پھول برسا رہا تھا۔ شاید اس کے اس نرم رویّے نے فوری طور پر راجن کو بھی حیرت میں مبتلا کردیا تھا۔

وہی کچھ محسوس کرکے میں نے اس سے کہیں زیادہ خلیقانہ انداز اپنایا تھا ورنہ میں ان بدمعاش خونیوں کے سامنے اپنی کوئی غلطی تسلیم نہیں کرسکتا تھا۔

مشکل یہ آن پڑی تھی کہ اس وقت جو دو حریف ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے وہ برابر کے عیار، مکار اور تجربے کار تھے۔ وہ میری بالا دستی سے خائف تھے اور میں ان پر حاوی ہونے کی فکر میں تھا۔ مشکل یہ تھی کہ ایک دوسرے کے بدترین حریف ہوتے ہوئے بھی ہمیں خود پر قابو رکھنا تھا کیونکہ دونوں کی اہم ترین ضرورتیں ایک دوسرے سے وابستہ تھیں۔

وہ کراچی بلکہ پاکستان میں اجنبی تھے۔ انہیں خوش آمدید کہنے والا بازارِ حسن کے دلّالوں کے کندھوں پر سوار ہوکر بے غسل و کفن مٹی کے نیچے جا سویا تھا۔ انہیں بلانے والا ان سے ملے بغیر ایک ایسی مشکوک جگہ پر مردہ پایا گیا تھا جہاں امریکا کے بیس بحری کمانڈوز بھیانک موت سے دو چار ہوئے تھے۔ ساگا اور راس المیڈا کے جہنم واصل ہونے کے بعد انہیں ایسے کسی سہارے کی شدید ضرورت تھی جو کراچی میں انہیں سکون اور تحفظ کے ساتھ کسی چھت کا سایہ فراہم کرسکے۔ میں نے علی شیر کے روپ میں وہ ذمے داری خوش اسلوبی سے اپنے سر لے لی تھی۔ وہ میری ان خدمات سے بظاہر مطمئن تھے اس لیے دیگر معاملات میں میری کسی بھی بے اعتدالی کو برداشت یا نظرانداز کرنے پر مجبور تھے۔

اور یہی مسئلہ میرے ساتھ تھا۔ انہیں دل مراد اور بخشل کی تحویل سے نکال کر اپنے مضبوط چنگل میں لانے کے لیے مجھے علی شیر کا بہروپ بھرنا پڑا تھا لیکن یہ ایک اٹل حقیقت تھی کہ میں وہ نہیں تھا جو اس وقت بنا ہوا تھا۔ اپنے اصل روپ میں را کے ہر ایجنٹ سے میری کھلی دشمنی تھی۔ انہیں فوری طور پر موت کے گھاٹ اتارنا میری ایک جبلی ضرورت تھی۔ ان کے کھیل کو سمجھنے اور ان کے دوسرے حواریوں تک پہنچنے کے لیے مجھے ان کو زندہ رکھ کر کسی مناسب وقت کا انتظار کرنا تھا اور وہ مناسب وقت اس وقت دور تھا۔ بہتر یہی تھا کہ وہ ڈیبی کا نرخرا دبوچنے کی آرزو میں مجھے علی شیر سمجھ کر ڈھیل دیتے رہیں اور میں ڈیبی ہوتے ہوئے بھی علی شیر بن کر انہیں اپنا آقا تسلیم کرتا رہوں۔

"دونوں طرف سے ایسی مفاہمت کا مظاہرہ ہو تو کدورتیں خود بھی صاف ہو جاتی ہیں۔" میں نے فراخدلانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میرا خیال ہے کہ ہم دیر تک... ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ چل سکیں گے۔"

"پردیسیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا۔" وکرم نے معنی خیز لہجے میں کہا "ہماری دوستی بس ڈیبی اور ویرا کی تلاش تک رہے گی۔ وہ ابھی مل جائیں تو کل ہمارے راستے جدا ہو جائیں گے۔ اتنا ضرور ہوگا کہ زندگی کے سفر میں اگلی بار کہیں ہمارا آمنا سامنا ہوا تو ہم اجنبی نہیں ہوں گے۔"

میں ہنس پڑا اور بولا "میں تمہاری پہلی جھلک دیکھتے ہی چونک پڑا تھا۔ تم یہاں آئے تو قمیص پتلون میں ملبوس اور خالی ہاتھ تھے مگر اس وقت تم ٹی شرٹ اور نیکر میں ملبوس ہو۔ یہ ایک جیسے لباس تم نے کہاں سے حاصل کرلیے؟"

"یہ ہمارے زیر جامے ہیں۔ قمیص پتلون اتارتے ہی یہ حلیہ بن گیا۔" وکرم نے میری الجھن سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "ہمارا بنیان وسا اوپر جاتا ہے تو ٹی شرٹ کہلاتا ہے۔ ان کا نیکر چست ہوکر ہمارے قبضے میں آتا ہے تو انڈرویئر بن جاتا ہے۔ ڈینم کلاتھ کے یہ زیر جامے بہت نرم اور آرام دہ ہیں۔ دل مراد کے قلعے میں بھی ہم رات کو اسی لباس میں سوتے تھے۔"

"گھر میں تمہیں پوری آزادی ہے۔ جو چاہو پہنو یا سرے سے کچھ بھی نہ پہنو کیونکہ اس چار دیواری میں عورت کا گزر نہیں ہے بس اتنی احتیاط رکھنا کہ پڑوس کے کسی گھر کے مکین ان مختصر لباسوں میں سے جھانکتے ہوئے تمہارے کسرتی جسم نہ دیکھ سکیں ورنہ فساد برپا ہو جائے گا۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں خود بھی اپنے جسموں کی نمائش کا شوق نہیں ہے۔ بھارت میں بھی یہ سب یوں ہی ہوتا ہے۔ شکایت کرنے والی عورتوں سے کوئی نہیں پوچھتا کہ پرائے گھروں میں کیوں جھانکتی ہیں۔ ہر سُورما لٹھ لے کر ان شرفا پر چڑھ دوڑتا ہے جو اپنی چار دیواری میں لنگوٹی باندھ کر ہوا خوری کررہے ہوں۔ ہم دونوں کو تمہارا شاندار گھر بہت پسند آیا ہے۔ اپنی کسی بے احتیاطی کی وجہ سے اس سے محروم ہونا پسند نہیں کریں گے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ بولنے کی ساری ذمے داری تم نے لی ہے۔ راجن بس سنتا رہتا ہے۔ یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے۔ کیا تم نے اس پر بولنے کی کوئی پابندی لگائی ہوئی ہے؟"

"یہ کڑوے مزاج کا آدمی ہے بولتا ہے۔ تو کہیں نہ کہیں گڑبڑ ی ہے۔ ابھی تم دیکھ ہی چکے ہو کہ تمہارا مذاق اسے برا لگا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں بہت جان ہے۔ یہ مضبوط سے مضبوط گلاس ہتھیلی میں بھینچ کر ریزہ ریزہ کردیتا ہے یا پھر محض گردن دبا کر ن کی گردن کے منکے توڑ دیتا ہے۔"

"تو کیا تم صرف اسی خوبی کی وجہ سے اسے اپنے ساتھ لائے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"راجن میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ وقت آنے پر تم اس کے ں دیکھ کر حیران ہو جاؤ گے۔ ویسے اس کی یہ اکلوتی خوبی بھی کم ں ہے۔ جب ہتھیار چھن جائیں تو کوئی اس کا مقابلہ نہیں سکتا۔"

"بختل کے گھر پر شاید اسی لیے تم دونوں نے خاموشی سے اپنی تلاشی دے دی تھی۔"

"ایک اچھا سیکرٹ ایجنٹ کبھی غیر ضروری خطرات مول نہیں ۔ تمہاری نیڈل گن کی زد پر ہوتے ہوئے ہم مزاحمت نہیں سکتے تھے۔ ہمیں نہتا کرکے تم کوئی زیادتی کرتے تو پھر کچھ بھی سکتا تھا۔ ہمارے بڑوں نے کچھ دیکھ بھال کر ہی ہمیں ڈینی کی ش میں بھیجا ہے۔"

"پتا نہیں تم لوگ ڈینی کو کیوں اتنی اہمیت دیتے ہو۔" میں نے سا منہ بنا کے کہا۔

"وہ آدم خور ہے۔ اس سے پالا پڑے گا تو تم خود دیکھ لو گے کہ تنا موذی ہے۔"

"کوئی بھی اوباش اور رنگین مزاج شخص عورت خور تو ہو سکتا ، آدم خور نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "تم دیکھ لینا کہ اسے اچانک ہی تمہارے سامنے لے آؤں گا.... کسی پالتو بیل طرح۔"

"ایسا کرلیا تو تم مالا مال ہو جاؤ گے۔ ہم تک جو کہانیاں پہنچی ان سے تو یہی پتا چلتا ہے کہ وہ کوئی بدروح یا آسیب ہے۔ اپنے منوں پر شب خون مارتا ہے اور غائب ہو جاتا ہے۔ حد ہے کہ کوششوں کے باوجود آج تک اس کی کوئی واضح تصویر حاصل نہیں جا سکی۔"

"چند روز کی بات ہے پھر دل کھول کر اس کی تصویریں بنا لینا۔ میرا وعدہ ہے۔"

"تم دونوں مل کر ایک ایسے وحشی درندے کے قصیدے پڑھ ہے ہو جس کا وقت قریب آ چکا ہے۔" راجن نے وکرم سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اب کچھ کام کی باتیں بھی کرلو۔ وقت تیزی سے گزرا جا رہا ہے۔"

راجن کا وہ لب و لہجہ سن کر میں چونک پڑا۔ ریشم بخت کے گھر پر وکرم نے جس طرح راجن کو ٹوکا تھا اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہی لیڈر ہے لیکن اس وقت راجن نے اسے ٹوک کر میرے اس تاثر کی نفی کردی تھی۔ اپنی اپنی جگہ پر وہ دونوں ہی لیڈر تھے۔ یہ اور بات تھی کہ مفاہمت کے جذبے سے وہ ایک دوسرے کی تنقید برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔

"ہاں" راجن کے ٹوکنے پر وکرم چونک کر مجھ سے بولا "تم نے آتے ہی ہمیں بے مقصد باتوں میں الجھا لیا۔ ذرا اپنا کمرا کھولو۔ مجھے ایک بہت ضروری فون کرنا ہے۔"

"اور ہو سکے تو رات کے لیے کچھ پینے پلانے کا بندوبست بھی کرلو۔" راجن نے اس کی بات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری چھوڑی ہوئی بوتل بالکل سوکھ چکی ہے۔ ویسے بھی ہم شام کے سمے جن نہیں وہسکی پیتے ہیں۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد وہی مزہ دیتی ہے۔"

"سمے نہیں وقت کہو۔" وکرم شاید ہر وقت راجن کے ایک ایک لفظ پر کان رکھتا تھا۔

"دونوں کام ہو جائیں گے۔" میں نے کسی پیشہ ور بدمعاش کی طرح مسکرا کر کہا "لیکن مال خرچ کرنا ہوگا۔ اپنی رقم میں سے چھ سو ڈالر میں پہلے ہی مخبروں کو بانٹ آیا ہوں۔"

"مخبروں کو لینا دینا تمہارے ذمے ہے۔ اوپر کی چھوٹی موٹی رقمیں جب چاہو حساب کرکے لے سکتے ہو لیکن اتنا ضرور بتا دوں کہ تم نے ڈینی کو زیر کرلیا تو اتنا مال ملے گا کہ سارا حساب کتاب بھول جاؤ گے۔"

"وہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ میرا سودا صرف بیس ہزار میں طے ہوا ہے اور مجھے اس سے زیادہ کا لالچ نہیں ہے۔ بس نوٹ اصلی ہونے چاہئیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

"یہ تم بار بار نوٹوں کی اصلیت پر شبہ کیوں کر رہے ہو؟" وکرم نے تنک کر پوچھا۔

"شبہ نہیں ہے۔ نئے نوٹوں سے مجھے ہمیشہ ڈر لگتا ہے اور پھر سو سو ڈالر کے نئے نوٹ! اس بات پر تمہیں برا نہیں ماننا چاہیے۔ تم کون سے نوٹ چھاپتے ہو گے۔ یہ گڈیاں تمہیں کسی نہ کسی نے دی ہوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی نے چونا لگانے کی کوشش کی ہو۔ یہ تو ایک وہم ہی ہے نا۔"

"تم واقعی بہت بولتے ہو۔ دو چار نوٹ بدلوا کر کل ہی اپنا اطمینان کرلینا۔"

"وہ بھی ہو جائے گا مگر تم دونوں میرے ساتھ کہاں چلے آ رہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"فون کرنا ہے نا" وکرم نے ٹھنک کر کہا "کیا اتنی جلدی اپنی بات بھول گئے۔"

"میرے کمرے میں بہت کچھ بکھرا ہوا ہے۔ ایسی چیزیں بھی ہیں جو میں دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں اور پھر تمہاری کوئی مجبوری بھی ہو سکتی ہے۔" میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھتے

ہوئے کہا۔

"کیسی مجبوری؟ ہماری کوئی مجبوری نہیں ہے۔" اس نے بے ساختہ جواب دیا۔

"سوچ لو۔ ایسا نہ ہو کہ تم میری موجودگی میں فون پر کھل کر بات نہ کر سکو۔"

"وہاں کون سی حسینہ عالم سو رہی ہوگی کہ ہمیں چند منٹ کے لیے بھی وہاں نہیں چھوڑ سکو گے۔"

"یہ میری مجبوری ہے۔" میں نے بے بسی سے کہا "اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ تم لابی میں بیٹھو۔ میں تار کاٹ کر فون وہیں لائے دیتا ہوں۔ لابی میں پوائنٹ موجود ہے۔ دو منٹ میں تار جڑ جائیں گے پھر جتنی دیر تک چاہو تخلیے میں باتیں کرتے رہنا۔"

"علی شیر ٹھیک کہہ رہا ہے" راجن نے میری تائید کی "فون لابی میں آجائے گا تو محتاجی ختم ہو جائے گی۔ ہم مدن کو وہیں سے فون کرلیں گے۔"

وکرم کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے راجن کا مشورہ پسند نہیں آیا تھا مگر وہ زبان سے کچھ کہے بغیر راجن کے ساتھ واپسی کے لیے مڑ گیا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ میری خواب گاہ کا جائزہ لینے میں کیوں اتنی گہری دلچسپی لے رہا تھا۔ انہیں واپس بھیج کر میں نے وکرم کے کسی امکانی منصوبے پر پانی پھیر دیا تھا۔

اس وقت میں جو کچھ کرنے جا رہا تھا گھر سے ہی اس کی تیاری کر کے چلا تھا۔ سلطان شاہ کا چھوٹا مگر طاقتور کیسٹ پلیئر میرے بیگ میں موجود تھا۔ اس کے ساتھ ایک ہلکی سی ڈبیا بھی موجود تھی جسے فون لائن سے منسلک کر کے نہ صرف زیر استعمال فون پر ہونے والی گفتگو ریکارڈ کی جا سکتی تھی بلکہ کسی ضرورت کے تحت کیسٹ پلیئر کے اسپیکر پر واضح آوازیں بھی سنی جا سکتی تھیں۔

ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کو یہ بات پہلے ہی سمجھا دی گئی تھی کہ میری غیر حاضری میں میری خواب گاہ کا مقفل رہنا ضروری تھا لیکن میرے احاطے میں قدم رکھتے ہی تالا کھل جانا چاہیے تھا۔ میں نے اطمینان سے دروازہ کھولا' روشنیاں جلائیں اور دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

پردوں کی وجہ سے اس کمرے کا دروازہ بند ہونے کے بعد دن کے اوقات میں بھی اندر اتنا اندھیرا ہو جاتا تھا کہ بلب جلائے بغیر ہر چیز دھندلائی ہوئی سی نظر آتی تھی۔

فون ایک جیک پن کے ذریعے ساکٹ سے منسلک تھا۔ میں پن نکال لیتا تو وکرم لمحہ بھر میں اسے لابی میں لگے ہوئے ساکٹ سے جوڑ سکتا تھا۔ میں نے ڈریسنگ ٹیبل سے قینچی اٹھا کر تار کاٹ دیا اور فون اٹھا کر باہر چلا گیا۔ وہ دونوں مجھے اتنی جلدی واپس آتا دیکھ کر حیران ہو گئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں کوئی فالتو سیٹ مل گیا جو اتنی جلدی لوٹ آئے۔" وکرم نے کہا۔

"پورے گھر میں یہ اکلوتا فون ہے جسے میں نے تار کاٹ کر ... ہے۔ اسے جوڑ لو۔ اگر میری موجودگی پسند نہ ہو تو میں تازہ دم ہو ... لباس تبدیل کیے لیتا ہوں۔"

"میں تخلیے میں بات کرنی پسند کروں گا" وکرم نے زہر ... باچھیں پھیلا کر کہا۔

میں شانے اچکا کر واپس ہولیا۔ میں خود بھی کمرے میں لوٹ ... اپنے آلات کو لائن سے منسلک کرنے کے لیے بے چین تھا تاکہ اپنے کانوں سے ساری گفتگو سن سکوں۔

فون ریکارڈنگ سرکٹ کے ایک سرے کو کیسٹ ریکارڈر سے جوڑ کر دوسری طرف لگی ہوئی جیک پن میں نے فون کے ساکٹ سے منسلک کر دی۔ میری توقع کے عین مطابق وہ کام ذرا سی دیر میں مکمل ہو گیا۔

مجھے یقین تھا کہ ایس ٹی ایف کے تینوں آدمی اس وقت میرے کمرے کے ارد گرد ہی منڈلا رہے ہوں گے۔ ان کے ہوتے ہوئے را کے ایجنٹ میرے کمرے کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے پھر بھی میں نے بڑھ کر دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا اور پھر ریکارڈر آن کر کے ہلکی سی آواز کھول دی۔

ریکارڈر کے اسپیکرز پر ہلکی سی سنسناہٹ کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ کٹے ہوئے تاروں کے سرے چھیل کر انہیں دیوار گیر ساکٹ سے جوڑنا میرے کام کے مقابلے میں زیادہ وقت طلب تھا۔ انتظار کے وہ لمحات میرے لیے خاصے سنسنی خیز تھے۔ میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگائی اور مسہری سے ٹیک لگا کر فرشی قالین پر نیم دراز ہو گیا۔ وہ دونوں تار جوڑ کر کسی بھی لمحے گفتگو کا آغاز کر سکتے تھے۔

یکساں سنسناہٹ چند لمحوں بعد کھڑکھڑاہٹ میں تبدیل ہو گئی۔ وہ آوازیں لائن کے تاروں سے چھیڑ چھاڑ کی نشان دہی کر رہی تھیں۔ وہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہا۔ لائن پر سکوت ہوا اور پھر اسپیکر پر نمبر ڈائل کیے جانے کی آوازیں آنے لگیں۔

وکرم کا ملایا ہوا نمبر مصروف نہیں تھا۔ دو بار گھنٹی بجی۔ میں نے غیر ارادی انداز میں اسپیکر کی آواز مزید کم کر دی۔ بند کمرے کی خاموش فضا میں گھنٹی کی ہلکی سی آواز بھی بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔

دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا۔ ایک بھاری اور اجنبی آواز نے ہیلو کہا۔

"ابے مدن! میں بدری بول رہا ہوں۔ ایس ایس کا سی ٹی ٹو سن رہا ہے نا؟" وہ سرسراتی ہوئی پرجوش آواز یقینی طور پر وکرم کی تھی۔ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد شاید اسے پہلی بار اپنے کسی ہم وطن سے بات کرنے کا موقع ملا تھا۔ وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ اس وقت وہ اپنے ایک جانی دشمن کی چھت کے نیچے پناہ گزیں تھا اور موت کسی بھی لمحے اس سے زیادہ دور نہیں

"بدری! سی ٹی تو! اب تو ابھی تک زندہ ہے۔ کہاں ہے؟ کہاں سے بول رہا ہے۔" وہ وکرم نہیں بدری تھا۔ اس کا پورا نام بدری ناتھ ہو یا بدری لال بھی ہو سکتا تھا۔ مدن واقعی اس کا کوئی بے تکلف گہرا دوست تھا۔ وہ اپنے پرانے دوست کے دیئے ہوئے حوالوں سے پہچان کر خوشی سے بے قابو ہوتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

"کراچی میں کرائے کا ایک ٹٹو پکڑا ہے۔ اسی کے گھر سے بول رہا ہوں اور بڑی مشکل میں ہوں۔" وکرم یا بدری نے دھیمی آواز میں جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔ "وہ اِدھر آگیا تو میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگوں گا۔ یہ بتاؤ کہ تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟" خوشی یا گھبراہٹ کے عالم میں وہ تو تڑاخ سے تم پر آگیا۔

"فون پر یہ سب باتیں نہیں ہو سکتیں۔ کل آجا پھر گپ شپ ہو گی۔"

"یار یہ مشکل ہے۔ مجھے ہرڈی پی سے دور رہنے کا سخت حکم ہے۔ تجھے اس لیے فون کر لیا کہ تو اپنا یار ہے۔ میں تای ٹین سے رابطہ کرنا چاہ رہا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟"

"تای ٹین؟" مدن کی تحیر زدہ آواز ابھری۔ "ان سے تجھے کیا کام ہے؟"

"کل وقت دے دے۔ میرا ٹٹو بہت چالاک بننے کی کوشش کر رہا ہے مگر میں اسی کو بھیجوں گا۔ تو میری مشکل تو سمجھ ہی چکا ہو گا۔ تیرے مشورے مجھ تک پہنچا دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ میرا کام بن جائے۔"

چند لمحوں کے لیے لائن پر سکوت چھایا رہا پھر اسپیکر پر مدن کی آواز ابھری۔ "اسے تین بجے پرل کی لابی میں بھیج دے۔ میرے سر پر ذرا سی ٹوپی ہو گی۔ اس کا پاس ورڈ یوگا ہو گا۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ تیری مشکل حل ہو جائے۔ بات میری سمجھ میں آتی ہے مگر میں اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تیرا بار بار فون کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ کسی کو پتا چل گیا تو ہم دونوں کی نوکریاں تیل ہو جائیں گی۔"

میں نے محسوس کیا کہ بدری یا وکرم اپنی عام فہم گفتگو میں بھی درحقیقت اشاروں سے کام لے رہا تھا مگر میرے لیے وہ اشارے زیادہ نا آشنا نہیں تھے۔ ایس ایس پی کے بارے میں وہ خود مجھے بتا چکا تھا۔ سی ٹی تو اس کا عہدہ یا شناختی کوڈ ہو سکتا تھا۔ ڈی پی بظاہر ڈپلومیٹک پرسن یا سفارتی رکن کا مخفف معلوم ہوتا تھا اور تای ٹین کسی سفارتی مشن کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

ان کنایوں کے ذریعے اس نے اپنی ہر مجبوری مدن کو بتا دی تھی۔ ابتدا میں مدن نے بہت گرم جوشی کا مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن مدن کو ڈی پی سے دور رہنے والی ہدایات کا ذکر آتے ہی اس کے لب و لہجے میں پہلے جیسے گرم جوشی باقی نہیں رہی تھی۔ حد یہ تھی کہ آخر میں اس نے بدری کو دوبارہ فون کرنے سے بھی منع کر دیا تھا۔

"میں نے انتہائی مجبوری کے عالم میں تجھے فون کیا ہے۔ تیری مدد کے بغیر تای ٹین والے میری کوئی بات نہیں سنیں گے۔ مجھے پتا ہے کہ میں نے بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے لیکن تجھے میرا کام کرنا ہو گا۔"

"جو ہو سکے گا، کروں گا۔ اب فون بند کر دے۔ تیرا ٹٹو آئے نہ آئے، اِدھر کسی کو ان باتوں کی بھنک مل گئی تو اچھا نہیں ہو گا" مدن اس سے اپنی جان چھڑانی چاہ رہا تھا۔

"تو کل تین بجے کی بات پکی ہے نا؟" بدری کی آواز بہت زیادہ پُرامید تھی۔

"بالکل پکی۔ مگر تو اسی کو بھیجے گا۔ تیرے اوپر ڈی پی بین لگا ہوا ہے تو اب مجھے تیرے سائے سے بھی دور رہنا ہو گا۔ اسی میں ہم دونوں کی خیریت ہے۔"

مدن کا فقرہ مکمل ہوتے ہی لائن بند ہونے کی آواز آئی۔ بدری نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ پھر اس نے بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ کلک کی آواز کے بعد اسپیکر پر ایک بار پھر وہی ہلکی سی سنسناہٹ گونجنے لگی۔

میں نے اسپیکر کی آواز بند کی۔ ریکارڈر کو مسہری کے نیچے چھپایا اور تیزی سے باتھ روم میں جا گھسا۔

میں گھر سے نہا دھو کر آیا تھا مگر اس وقت بدری اور راجن کو اپنی مصروفیت کا کوئی بہانہ دکھانا ضروری تھا۔ میں نے واش بیسن میں سر جھکا کر اپنے بال خوب گیلے کیے، منہ پر پانی کے چھپکے مارے اور باتھ روم سے باہر نکل آیا۔ تولیے سے بالوں کو خشک کر کے میں نے بیگ میں سے قمیص شلوار کا جوڑا نکال کر تبدیل کیا اور آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

جلدی جلدی بال سنوار کر میں باہر نکلا تو کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں نے غسل نہیں کیا ہے۔

وہ دونوں لابی میں سر جوڑے دھیمی آوازوں میں تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ میری جھلک دیکھتے ہی انہوں نے اپنی گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا اور میری طرف دیکھنے لگے۔

"نہا دھو کر خاصے نکھر آئے ہو" بدری نے اپنی ظرافت اور بے فکری کا مظاہرہ کرنے کے لیے ہنس کر کہا مگر اس کے چہرے کے تاثرات اس کی پریشانی کی چغلی کھا رہے تھے۔

"تم نے فون کیا یا ابھی تک سوچ ہی رہے ہو؟" میں نے ایک کرسی سنبھال کر پوچھا۔

"بات ہو گئی ہے" بدری نے پُرخیال لہجے میں دھیرے سے کہا۔ "مدن کو یہاں آئے ہوئے چار چھ ہفتے ہی ہوئے ہیں۔ وہ خود یہاں پاؤں جمانے کی کوششوں میں لگا ہوا ہو گا۔ دیکھنا ہو گا کہ وہ کیا کرتا ہے۔"

"تم کچھ مایوس اور بددل نظر آ رہے ہو۔ شاید اس کا رویّہ

ٹھیک نہیں تھا۔"

"سفارتی بلکہ ہر سرکاری ملازم کی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں۔ اگر حاجی دل مراد اور بخشل نے مجھے تمہارے پاس نہ بھیجا ہوتا تو میں تم سے ہرگز اتنی کھلی کھلی باتیں نہ کرتا۔ جسے اپنوں سے دور رہنے کا حکم مل چکا ہو وہ پرایوں پر آسانی سے بھروسا نہیں کرتا مگر میں آہستہ آہستہ تم سے مانوس ہوتا جا رہا ہوں۔ تمہاری ذات میں کوئی نہ کوئی ایسی خوبی ضرور ہے کہ تم پر اعتماد کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

"شاید اسی وجہ سے وکرم نے تم سے بہت سی ایسی باتیں بھی کرلیں جو عام حالات میں نہیں کرنی چاہیے تھیں" راجن نے اس کی بات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا "ہمارے پاس اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہا۔ ہمیں تم کو اپنے ساتھ لے کر چلنا ہوگا اور یہ دو طرفہ رواداری کی صورت میں ہی ممکن ہو سکے گا۔"

"تم دونوں اس وقت کچھ زیادہ ہی مایوس ہو یا پھر کوئی قلابازی کھانے کا ارادہ رکھتے ہو" میں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تمہارے کہنے کے مطابق سیکرٹ ایجنٹ بہت بڑی شے ہوتا ہے' اس کی ایک الگ ہی کائنات ہوتی ہے۔ حیرت ہے کہ تم اتنی روانی سے اپنی کمزوریوں کا اعتراف کر رہے ہو کہ کوئی عام سا بدمعاش بھی نہیں کرے گا۔ ایسا تو نہیں کہ جن نے کچھ زیادہ ہی رنگ جمالیا ہو۔ میں نے بوتل میں خاصی جن چھوڑی تھی۔"

"وہ کسی کمزوری کا اعتراف نہیں ہے" بدری نے گہری سنجیدگی سے کہا "میں تم پر حالات کی نزاکت واضح کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ڈبنی کے خاتمے اور اپنی نئی راہ متعین کرنے کے لیے ہم نے اپنی کشتیاں جلا ڈالی ہیں۔ ہم تم پر انحصار کر رہے ہیں۔ اگر تم نے ہمیں پیٹھ دکھانے کی کوشش کی یا دغا دی تو سمجھ لو کہ کیا ہو سکتا ہے۔"

"ایسے مواقع پر مارنے یا مر جانے کے سوا تیسری کوئی صورت نہیں ہوتی" میں نے مسکرا کر کہا "سچ پوچھو تو تمہیں خود پر اعتماد ہے نہ مجھ پر بھروسا۔ میں نے ایک بار تم سے جو وعدہ کرلیا ہے' میں اسے مرتے دم تک نبھاؤں گا۔"

"ہمارے درمیان مرنے مارنے کی نوبت نہیں آنی چاہیے" بدری نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"کہو تو میں لکھ کر دے دوں" میں نے تحمل سے جواب دیا۔ "اپنے محسن سے دغابازی میرا شیوہ نہیں ہے۔"

میں نے اس سے وفاداری کا ذکر کرنے کے بجائے اپنے مشن کی بات کی تھی مگر وہ دونوں الفاظ کے جال میں پھنس گئے اور اطمینان سے سہلانے لگے۔ یہ حالات کی ستم ظریفی تھی کہ وہ اپنے جس دشمن کو ٹھکانے لگانے کے لیے مرے جا رہے تھے وہ ان کے روبرو بیٹھا تھا اور وہ اسی کو اپنا ہمدرد و رازداں بنانے پر مجبور تھے۔

"کل تین بجے!" اتنا کہہ کر بدری لمحہ بھر کے لیے ڈرامائی انداز میں خاموش ہوا پھر بولا "تمہیں پرل کی لابی میں [illegible] موہن سے ملنا ہے۔ وہ تمہیں جو کچھ دے گا' وہ تم ہمیں پہنچا دو گے۔ بہت اہم ہے۔"

"میں اس پر پورے خلوص سے عمل کروں گا مگر یہ ملہار کون؟" میں نے پوچھا۔

"کالا چور۔ تمہیں اس بارے میں کوئی تجسس نہیں ہونا چاہیے" راجن اچانک بول پڑا "وہ ہمارا دوست اور ہمدرد ہے۔ وکرم تمہیں بتا چکا ہے کہ وہ بھارتی قونصل خانے میں کام کرتا ہے۔"

"اور ابھی وکرم نے کہا تھا کہ اسے یہاں آئے چار چھ ہفتے ہوئے ہیں" میں نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا مگر میرے لیے یہ نکتہ بہت اہم تھا۔ ابتدا میں مَیں نے سوچا تھا کہ اپنی شناخت کے ہولناک خطرے سے بچنے کے لیے ایسی کسی بھی ملاقات کے موقع پر میں اپنی جگہ سلطان شاہ کو بھیج دوں گا۔ اگر مدن کو پاکستان آئے چھ ہفتے ہی ہوئے تھے تو میں اس کا سامنا کرنے کا خطرہ مول لے سکتا تھا۔ بھارتی قونصل خانے والوں سے میری براہ راست آویزش کو مہینوں گزر چکے تھے۔ چند ہفتوں پہلے آنے والا کوئی بھی اہلکار مجھے نہیں پہچان سکتا تھا۔

"ہاں" بدری نے کہا "کسی سروس میں آدمی کتنا ہی پرانا کیوں نہ ہو' نئی جگہ جاتا ہے تو اسے جمنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسے کچھ دشواریاں درپیش ہوں۔ کل کوئی بات نہ بن سکے تو تمہیں دوبارہ اس سے ملنا ہوگا۔ ہم کسی بھی امید کو اس خوف کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتے کہ اس کا انجام مایوسی ہوگا۔"

"تم چاہو گے تو میں اس سے دس بار بھی ملنے کے لیے تیار ہوں" میں نے خفیف سے طنز سے کہا "میں اجرتی خدمت گار ہوں۔ معقول پیسے ملتے رہیں گے تو تمہارا ہر کام ہوتا رہے گا۔"

میرے الفاظ پر بدری چونک پڑا۔ میں نے تعلق سے مجبور ہو کر وہ الفاظ ادا کیے تھے۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال ڈنک مار رہا تھا کہ اس نے فون پر میرے لیے کرائے کے ٹٹو کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ شاید میری زبان سے اجرتی خدمت گار کا ذکر سن کر بدری کو بھی وہ بات یاد آگئی تھی لیکن میں کسی بھی قسم کے تاثر سے عاری نگاہوں سے براہِ راست اس کی طرف دیکھتا رہا۔ کافی دیر تک ہماری نظریں چار رہیں۔ وہ مجھے تولنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں کیا بول رہا ہوں لیکن وہ میری نگاہوں سے اتر کر میرے دل میں نہیں جھانک سکا۔

"ہم اپنی کمزوریوں کا اعتراف کر رہے ہیں تو تم اپنی تحقیر کر رہے ہو۔ ہمارے لیے اب تم اجرتی خدمت گار یا کرائے کے ٹٹو نہیں' ہمارے محسن اور میزبان ہو۔ یہ بات تمہیں ذہن نشین کر لینی چاہیے" اس نے کہا۔

"اگر اسی لمحے میں بلندی کی طرف پرواز شروع کردوں اور کرائے کے ٹٹو کے بجائے ڈبنی ہونے کا دعویٰ کر بیٹھوں تو تمہارا ردِ عمل کیا ہوگا؟" میں نے ایک ہی فقرے میں اس پر دُہرا

ردیا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" بھونڈی سی ہنسی کے ساتھ اس نے
ی اعتباری سے کہا "تم علی شیر ہو۔ ہمارے دوست اور ہمدرد۔ تم
ں جیسے خونخوار بھیڑیے کیسے بن سکتے ہو؟"

"یہ دعویٰ کرکے دیکھو میں تمہیں اسی وقت شوٹ کردوں گا"
جن کی کرخت آواز پر میں اس کی طرف مڑا تو اس کے ہاتھ میں
ں چمکیلا خنجر موجود تھا جو ریشم بخت کے مکان پر بخشل نے بدری
ے برآمد کیا تھا۔ غصے سے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ میں نے
ندازہ لگایا کہ میرے غیر متوقع سوال نے اسے یک لخت خوف زدہ
ردیا تھا۔

"ڈیبی تمہارے لیے واقعی ایک آسیب بن چکا ہے" میں نے
اجن کی طرف متوجہ ہوکر کہا "خنجر ہاتھ میں لے کر تم مجھے شوٹ
رنے کا دعویٰ کررہے ہو۔ تم شاید ریوالور سے اپنے دشمنوں کو ذبح
رتے ہوگے۔"

راجن نے بری طرح چونک کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا اور پھر
کھلا کر بغلیں جھانکنے لگا۔

"راجن کے الفاظ پر نہ جاؤ" بدری نے بلا توقف کہا "ہاتھ میں
نجر ہو یا ریوالور، دونوں کا استعمال ایک ہی مقصد کے لیے ہوتا
ہے۔ دشمن کو گرادو۔ اس کی شہ رگ کاٹ دو۔ ریوالور بچے بھی
چلا لیتے ہیں۔ لیکن مڑی ہوئی، پتلی سی دوہری دھار والے اس خنجر
سے پلک جھپکتے میں دشمن کی گردن اتار لینا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔
راجن اس فن میں طاق اور میرا استاد ہے" یہ کہہ کر اس نے اپنے
چست نیکر کے داہنے حصے کو تھپتھپایا اور بات جاری رکھتے ہوئے
بولا "ہم دونوں ہی خنجر زن بھی ہیں اور یہ خنجر ان زیر جاموں کے
اندر لگے ہوئے نرم چمڑی غلاف میں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ ڈیبی
کبھی ناگہانی طور پر سامنے آیا تو ان خنجروں کا ہی نشانہ بنے گا۔"

"میرا مشورہ ہے کہ ان خنجروں کو چھپانے کی جگہ تبدیل کرلو"
میں نے سنجیدگی سے کہا "ڈیبی تو بعد میں آئے گا۔ ایسا نہ ہو کہ بے
خبری میں یہ خنجر تمہارے نرم ونازک اعضا کو ہی مجروح کردیں۔"

میں تو خیر ان کی اصل سے واقف تھا اور ان کے لہو کا پیاسا تھا
گر وہ بھی میرے بارے میں تذبذب اور گومگو کی کیفیت سے دوچار
تھے۔ کبھی مجھے اپنا ہمدرد و رازداں قرار دیتے تھے تو کبھی بھڑک اٹھتے
تھے۔ وہ اعصاب کو ریزہ ریزہ کردینے والی ایک اذیت ناک سرد
جنگ تھی جو مسلسل جاری تھی۔ میں اپنے حقیقی جذبات کو پوشیدہ
رکھ کر پوری مکاری سے انہیں بے یقینی کی اسی دلدل میں دھنسائے
جارہا تھا جہاں وہ آخری لمحات آنے تک میرے بارے میں کوئی صحیح
فیصلہ نہیں کرسکتے تھے۔

"ہمارے ہتھیار سدا کے وفادار ہیں۔ وہ دوست اور دشمن کو
پہچانتے ہیں۔ دشمن کی گردن اتار لینے والے یہ خنجر اپنی میان میں
جاتے ہیں تو ان کی دھاریں کند اور ریشم کی طرح نرم ہوجاتی ہیں"

میرے سنگدلانہ تبصرے پر گول آنکھوں والا بدری جذباتی ہوگیا "پتا
نہیں تم بار بار احمقانہ باتیں کیوں کرنے لگتے ہو۔"

"راجن کو چھیڑنے اور اکسانے میں مزہ آنے لگا ہے" میں نے
سنبھالا لے کر کہا۔

"اسے نہ چھیڑا کرو" وہ ناصحانہ انداز میں مجھے سمجھانے لگا۔
"اسے تمہارے بدن پر ڈیبی کا سایہ بھی نظر آگیا تو یہ تمہیں لہولہان
کرکے رکھ دے گا۔ یوں سمجھ لو کہ اسے بس ڈیبی ہی کی بُو پر سدھایا
گیا ہے۔"

"اور اگر عین وقت پر اس کی ناک ہی بند ہوگئی تو کیا ہوگا؟"
میں وہ سوال پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"اس حرامی کو ایک بار میرے سامنے لے آؤ پھر دیکھو کہ کس
کی کیا بند ہوتی ہے" راجن بپھر کر بولا "وہ بولنا بھول جائے گا۔"

"مل گیا تو فوراً لے آؤں گا۔ فی الحال تو صرف میں ہی حاضر
ہوں۔"

"یہ ناگوار بحث بند کرو" بدری نے بیزاری کے عالم میں کہا۔
"مدن سے ملاقات کی بات ابھی ادھوری ہے۔"

میں سب کچھ بھول بھال کر اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ میں
کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا کہ راجن خاموش تھا مگر اس کے لب
ہل رہے تھے۔ شاید وہ مجھے یا ڈیبی کو بلکہ دونوں صورتوں میں صرف
مجھے ہی گالیاں دے رہا تھا۔

اگلے روز مدن سے ملاقات کے بارے میں بدری نے مجھے جو
کچھ بہت تفصیل سے سمجھایا وہ میں بہت توجہ سے سنتا رہا۔ اس میں
کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ سب میں اپنی خواب گاہ میں براہِ راست
سن چکا تھا۔

ایس ٹی ایف کے کارندے عام طور پر شریف النفس اور
راست باز تھے لیکن وہ سب ہی فرشتے یا مولوی نہیں تھے۔ اپنا کام
نکالنے کے لیے انہیں بیشتر اوقات ٹیڑھے کام بھی کرنے پڑ جاتے
تھے... اسی لیے وہ زندگی کے ہر گھر گھاٹ سے واقف ہوا کرتے
تھے۔ میں نے ان ہی میں سے ایک کو علیحدگی میں بلا کر شراب کے
بارے میں دریافت کیا تو اس نے وسیع اور حیرت ناک معلومات
فراہم کرکے مجھے حیران کردیا۔

اس نے بتایا کہ نادرہ کے مکان سے تھوڑے ہی فاصلے پر پی
ای سی ایچ ایس کے بلاک نمبر چھ میں کرسیوں کے مشہور شو روم
کے ساتھ والی گلی میں بھری آبادی کے بیچوں بیچ ایک باضابطہ دکان
موجود تھی جہاں ہر قسم کے خریدار کو اس کی ضرورت کا مال ڈنکے
کی چوٹ پر مل سکتا تھا۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مقبول آباد میں اپنی ڈیوٹی سر
انجام دینے والا وہ شخص قرب وجوار کے بارے میں اتنا زیادہ باخبر
ہوسکتا ہے۔ میں نے ایک معقول رقم دے کر اسے خاموشی سے
روانہ کردیا۔ اس خریداری کے لیے میں نے اسے پاکستانی کرنسی

کے ساتھ آزمائشی طور پر سوڈالر کے چار نوٹ بھی اس ہدایت کے ساتھ دیے تھے کہ پہلے وہ ان ہی کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کرے۔ بدری کی دی ہوئی گڈی میں سے پانچ نوٹ میں اپنے ساتھ واپس لے آیا تھا اور بقیہ گڈی اول خان کے سپرد کردی تھی تاکہ وہ ان کی اصلیت کی جانچ کروا سکے۔

وہ تھوڑی ہی دیر میں دو وزنی کارٹن خرید کر لوٹ آیا۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ اس نے ڈالروں کے چاروں نوٹ استعمال کرنے کی خاطر ضرورت سے زیادہ خریداری کرلی تھی۔ بقیہ رقم اسے زیر استعمال پاکستانی نوٹوں کی صورت میں واپس کی گئی تھی۔ اس دکان پر خاصی جانچ پڑتال کے بعد بھی کسی کو ان ڈالروں پر شبہ نہیں ہوسکا تھا۔ میرے لیے یہ واقعہ غیر متوقع تھا۔ اگر شراب فروشی کا دھندا کرنے والے چالاک عناصر نے ان نوٹوں پر کسی شبے کا اظہار نہیں کیا تھا تو وہ نوٹ اصلی بھی ہوسکتے تھے۔

ان میں سے ایک کارٹن اسکاچ اور لندن ڈرائی جن کی بوتلوں پر مشتمل تھا۔ دوسرے میں مقامی بیئر کی بوتلیں بھری ہوئی تھیں۔ اپنے مطلب کا وہ خزانہ دیکھ کر راجن اور بدری کے چہرے کھل اٹھے۔

"یار تم تو بہت کام کے آدمی ہو" بدری نے تپاک سے میرا بازو دباتے ہوئے کہا تھا "ہم نے تو سنا تھا کہ پاکستان میں ان سب چیزوں پر سخت پابندی ہے اور شراب پینے یا بیچنے والوں کو قید اور کوڑوں کی ذلت آمیز سزائیں دی جاتی ہیں۔ تم نے یہ سب اتنی آسانی سے کیسے حاصل کرلیا۔"

"سزائیں سرکاری اجازت کے بغیر کاروبار کرنے والوں کو ملتی ہیں۔ جن کے پاس پرمٹ ہیں ان سے کوئی کچھ نہیں پوچھتا۔ پی کر اپنی چار دیواری میں بدمستیاں کرتے رہو تو تمہیں بھی کوئی نہیں پوچھے گا" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟" میری وضاحت نے اسے حیران کردیا "یعنی یہاں سرکاری اجازت سے شراب بیچی جاتی ہے؟"

"اجازت یا مفاہمانہ چشم پوشی۔ ایسے تمام دھندے ان ہی دو اصولوں کے تحت ہوتے ہیں۔"

"یہ تو کھلی منافقت ہے" راجن نے منہ پھاڑ کر کہا "حکومت ہی پابندی لگا کر کڑی سزائیں مقرر کرتی ہے اور پھر خود ہی ان کاموں کے اجازت نامے جاری کرتی ہے۔ یہ قانون سے زیادہ ایک مذاق معلوم ہوتا ہے۔"

"تم غیر ملکی ہو۔ اسے مذاق ہی سمجھ لو۔ میں مقامی ہوں۔ ایسی گستاخی نہیں کرسکتا" میں نے تلخی سے کہا۔

"پھر بھی اس دو عملی کا کوئی نہ کوئی جواز تو دیا ہی جاتا ہوگا" بدری نے اصرار کیا۔

"اس جواز کا تعلق مسلمانی سے ہے، تمہاری سمجھ میں نہیں آسکے گا۔ تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ تمہیں اپنی ضرورت کی چیزیں مل گئیں۔ اب تم اس چار دیواری میں زیادہ خوش و خرم رہو گے۔"

"بھگوان تمہیں خوش رکھے...." راجن نے مجھے دعا دینی چاہی مگر بدری نے اسے ٹوک دیا۔

"تم بوتلیں دیکھ کر ہی بہک رہے ہو۔ یہاں بھگوان نہیں، خدا چلتا ہے" اس نے کہا۔

"اسے بھگوان، خدا، ایشور، یزداں، اللہ اور گاڈ کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا" راجن نے اس کی دخل اندازی پر برا سا منہ بناتے ہوئے کہا "اس کے بارے میں تمہارا یہ یقین بالکل صاف اور واضح ہونا چاہیے کہ ہر چیز کا خالق وہی ہے۔ اگر اس بارے میں تمہیں ذرا سا بھی شبہ ہے تو پھر تم اسے جو چاہو کہتے رہو، نرک کی بھڑکتی ہوئی آگ کا ایندھن بننے سے نہیں بچ سکتے۔"

"نرک نہیں۔ بڑے بھائی! یہاں اسے جہنم کہتے ہیں۔ میں تمہیں کب تک یہ باتیں یاد دلاتا رہوں گا" بدری نے اپنی پیشانی تھام کر تقریباً کراہتے ہوئے کہا "تمہاری یہ عادت ہمیں مروادے گی۔"

"اس وقت ہم آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ علی شیر ہمارا اپنا ساتھی اور ساجھی ہے۔ باہر میں ویسے ہی خاموش رہتا ہوں۔ مجھے یوں بار بار نہ ٹوکا کرو۔ برا لگتا ہے۔"

میرے لیے راجن کی سوچ کی وہ تبدیلی بہت حوصلہ افزا تھی۔ اس نے پہلی بار اپنی زبان سے مجھے اپنا ساتھی اور ساجھی تسلیم کیا تھا ورنہ اس سے پہلے بدری یہی بات دہراتا رہا تھا مگر وہ کسی مرکھنے بیل کی طرح میری مخالفت پر کمربستہ رہا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ راجن کی کھوپڑی پر جمی ہوئی مخاصمانہ برف پگھل رہی تھی۔ سرد اعصابی جنگ دھیمے دھیمے کمزور پڑ رہی تھی۔ یہ ان کے گرد میرے حصار کی مضبوطی کی علامات تھیں۔

"میں تمہیں گھر میں ہی ٹوک سکتا ہوں۔ باہر یہ موقع نہیں ملتا۔ وہاں تمہاری زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح ہوگا جو واپس نہیں آتا۔ تمہاری ہندی سن کر کسی.... سرپھرے کا ماتھا ٹھنک گیا تو پھر وہ ہم دونوں کی ایسی کی تیسی کردے گا۔ علی شیر بے چارہ مفت میں مارا جائے گا۔"

"اب تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی لیکن مجھ سے کہیں کوئی بھول چوک ہوجائے تو تم مجھے ٹوکنا نہیں۔ میں خود ہی اپنی بات سنبھال لوں گا" راجن نے اپنی دانست میں ہتھیار ڈال دیے۔

بدری بے بسی سے ہنس پڑا "یہ تو وہی بات ہے کہ پنچوں کا کہا سر آنکھوں پر مگر پرنالا وہیں گرے گا۔ اس وقت تم نے سرداروں جیسی بات کی ہے۔"

"تم جو چاہو کہہ لو۔ میں جان بوجھ کر تمہیں پھنسوانے کی کوشش نہیں کرتا۔ ایک عادت ہے تو بس ہے۔ یہاں والے اپنی زبان میں ہندی کے ہزاروں الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ایک آدھ

...ان کا کیا بگاڑ لے گا؟"
وہ بات وہیں ختم ہوگئی۔ میری ہدایت پر خانساماں ان دونوں
...لیے پینے پلانے کے لوازم لے آیا تھا۔
میں ان سے بہت کچھ اگلوا چکا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ پینے کے
...لے میں وہ دونوں ہی کچے تھے۔ شراب ان کے معدوں میں
...نے کے بجائے ان کی کھوپڑیوں میں چڑھتی تھی۔ انہیں ان کے
...شوں میں جتلا کرکے میں ان سے بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا۔
میں نے محض ان کا ساتھ دینے کے لیے اپنے گلاس میں
...وڑی سی اسکاچ لے لی اور گلاس کو پانی سے پورا کرلیا۔ ان دونوں
...نے نبیذوں کی طرح اسکاچ لی تھی اور پھر ابتدا کر بیٹھے۔
...دن میں جن کی خاصی مقدار پی لینے کی وجہ سے اسکاچ کے
...لے گلاس نے ہی ان پر اپنا اثر دکھانا شروع کردیا۔ مونگ پھلی کے
...مکین دانوں اور مونگ کی تلی ہوئی دال کے ساتھ وہ دور چلتا رہا۔
...ہنی ہوتی رہیں۔ وہ زور زور سے بے مقصد ہنس رہے تھے۔ میں
...پنے گلاس کو چھوئے بغیر گہری دلچسپی سے ان کا مشاہدہ کرتا رہا۔
وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ سورج ڈھل گیا۔ گھر میں
...تیاں جلادی گئیں اور وہ دور یوں ہی چلتا رہا۔ ان کی آنکھوں
...نشے کے گہرے اثرات اتر چلے تھے۔ ڈھیلے ترچھے ہوکر یوں بار
...ڑ لگا رہے تھے جیسے ان میں آپس کا ربط ٹوٹ چلا ہو۔ ان کی
...وازیں بھاری ہوگئی تھیں اور زبان لڑکھڑانے لگی تھی۔
"دل مراد کے قلعے میں بھی تم نے دل کھول کر پی ہوگی؟" میں
نے ایک موقع پر ان سے پوچھا۔
"خاک پی تھی" راجن نے جلے بھنے لہجے میں کہا "دل مراد
...ار تھا۔ بخشل خود غائب رہتا تھا۔ ہم نوکروں کے رحم و کرم پر تھے۔
...ہی غنیمت تھا کہ وہاں وقت پر ہماری مرضی کا کھانا مل جاتا تھا۔"
"بھائی" بدری نے لڑکھڑائی ہوئی آواز میں کہا "جب آدمی کو
...گے کا کچھ پتا نہ ہو تو نشہ پانی بھی یاد نہیں رہتا۔ یہ سب فرصت اور
...راغت کی باتیں ہیں۔ دیکھو اپنا راجن یہاں پی کر کیسا بہک رہا
...ہے۔ جھوم جھوم کر باتیں کررہا ہے۔ لہک لہک کر ہنس رہا ہے۔
...وہاں اس کی بھی بولتی بند تھی" وہ عامیانہ باتوں پر اتر آیا تھا۔
"یہ ہوتا ہے" میں نے پورے خلوص سے اس کی ہاں میں ہاں
ملائی "یہ اچھی بات ہے کہ یہاں تم بے فکری محسوس کررہے ہو مگر
ابھی بھی تم کو مجھ پر پورا بھروسا نہیں ہے۔ شاید سیکرٹ ایجنٹ کسی پر
بھروسا نہیں کرتے۔"
"سیکرٹ ایجنٹ اُلّو کے پٹھے ہوتے ہیں" راجن نے ایک بہکا
بہکا نعرہ لگا کر انکشاف کیا "تمہیں یہ سوچ کر دکھ ہورہا ہوگا کہ ہم
ابھی شبہ کررہے ہیں مگر تم یہ کیوں سوچ رہے ہو؟ بتاؤ؟"
"ابھی تک مجھے تمہارے اصل نام بھی معلوم نہیں ہیں۔
وکرم اور راجن تو تم یہاں آنے کے لئے بنے ہو گے۔"
"تم بہت چالاک ہو" وہ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر بولا "ہر بات فوراً
سمجھ جاتے ہو" یہ کہہ کر وہ پلکیں جھپکاتا ہوا بدری کی طرف متوجہ
ہوا "وکرم راجا! بتادیں اسے اپنے نام؟ ناموں میں کیا رکھا ہے۔ یہ
ہمارا کیا کرلے گا۔ روٹی پانی کا ساتھ ہے تو پھر نام چھپانے کا
فائدہ؟"
میں نے ان کی باہمی مشاورت میں ذرا بھی دخل نہیں دیا۔
خاموشی سے انتظار کرتا رہا۔ بدری بھی خاموشی سے سوچتا رہا۔ وہ
دونوں سرور کی حدوں سے گزر کر گہرے نشے میں ڈوبتے جارہے تھے
لیکن ان کی پیشہ ورانہ چھٹی حس پوری طرح بیدار تھی۔ اس حالت
میں بھی وہ بے دھڑک خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھے۔
"بتادو۔ سب کچھ کھل چکا ہے تو نام کھل جانے سے کون سی
قیامت آجائے گی اور پھر علی شیر تو اب اپنا یار ہے نا۔ اس سے پردہ
کیا؟ بتا ہی دو" بدری نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے رک رک کر اپنا
فیصلہ صادر کردیا۔
"پیارے! یہ بدری ناتھ ہے" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا "مگر تم
اسے وکرم ہی کہتے رہو گے" بدری نے میری طرف ہاتھ بڑھادیا
جیسے اسی وقت ہمارا پہلا تعارف ہوا ہو۔ میں نے اس سے ہاتھ
ملایا۔ اسی دوران میں راجن اپنی کرسی چھوڑ کر لڑکھڑاتا ہوا میری
طرف بڑھا اور بولا "میں انبالے کا رمیش اگروال ہوں۔"
میں نے بوکھلا کر اپنی کرسی نہ چھوڑ دی ہوتی تو وہ سیدھا میرے
اوپر آگرا ہوتا۔ ہاتھ ملانے کو ناکافی سمجھتے ہوئے اس نے اس موقع
پر مجھ سے گلے ملنا ضروری سمجھا تھا۔
"شاباش" میں نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا "تمہارے
پاس کیس، کڑا، کرپان اور کنگھا تو نہیں ہے مگر نیکر کی صورت میں
کچھا ضرور ہے۔ اسی ایک نشانی سے تم انبالے کے سردار معلوم
ہوتے ہو۔"
"جے واہ گورو کی" اس نے میرے سینے سے الگ ہوتے
ہوئے کہا "تمہیں اصل آدمی کی بڑی پہچان ہے۔ سب کہتے ہیں کہ
سردار بے وقوف ہوتے ہیں۔ بکواس کرتے ہیں۔ ذرا دیکھ کر بتاؤ'
میں صورت سے سردار تو نہیں لگتا؟"
"صورت سے تو نہیں لگتے" میں نے اس کے احمقانہ سوال
سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "تمہاری باتوں سے مجھے پہلے ہی گڑبڑ کا
شبہ ہوگیا تھا۔ تم واقعی پکے سردار ہو۔"
کہا گیا ہے کہ مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر ہوتا ہے۔
اس وقت یہی صورت تھی۔ مرد ناداں' مرد مدہوش میں بدلا ہوا
تھا۔ میرے فقرے اس کے سر کے اوپر سے گزر گئے تھے۔ وہ
سہلاتا ہوا دوبارہ اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ اس وقت اس کے تمتماتے
ہوئے چہرے پر نسلی تفاخر کی چمک نمایاں ہوگئی تھی۔
"مزہ آرہا ہے" بدری ناتھ جھومتے ہوئے بولا "بھارت ماتا
سے جدا ہونے کے بعد آج پہلی بار زندگی کا مزہ آیا ہے۔ کاش یہاں
بھی کوئی گرم توا موجود ہوتا تو میں ایک روٹی اپنی بھی لگا لیتا۔"

"بس بدری!" رمیش اگروال یا راجن نے غرا کر کہا "لطیفے کی بات لطیفے تک رہنے دو۔ اس وقت کسی سردارنی کا ذکر آیا تو سب بھنڈ ہو جائے گا۔ عزت ہر جن کو پیاری ہوتی ہے۔"

وہ لطیفہ میرا سنا ہوا تھا۔ اس کا ذکر رمیش اگروال کے لئے خجالت کا سبب بن سکتا تھا اس لئے میں نے اپنی زبان بند رکھ کے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا مگر بدری کو اپنے ساتھی پر جوابی وار کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے بوجھل آواز میں کہا "تعارف کی بات تعارف تک رہنے دو۔ سب کے لئے ہم اس وقت بھی وکرم اور راجن ہی ہیں۔ رمیش اگروال انبالے میں اور بدری ناتھ دلی میں رہ گیا ہے۔ اور ہاں..... تم گئو ماتا کا یہ ذرا سا پیشاب پی کر کچھ زیادہ ہی بہک رہے ہو۔ اس گھر میں علی شیر کے تین نوکر بھی ہیں۔ تمہارے بے کارے ان کے کان کھڑے کردیں گے۔"

"بس کان ہی کھڑے ہوں گے نا؟ ہونے دو۔ اس چھت کے نیچے بھی ہم اپنے دل کی بھڑاس نہ نکال سکے تو پھر کہاں جائیں گے اور تم جو گئو جل کی بات کر رہے ہو تو یہ یہاں کہاں ہوتا ہے؟ یہ لوگ تو تمہاری ماتا کی دُم مروڑ کر اس کی گردن کاٹ دیتے ہیں اور پھر اس کے قیمے کے کباب کھاتے ہیں۔ بے چاری کا پیشاب خطا ہوتا ہے تو تمہارے منہ میں جانے کے بجائے نالیوں میں بہہ کر گٹر میں پہنچ جاتا ہے۔"

"تم..... تم اب واقعی بہکنے لگے ہو" بدری ناتھ کی لڑکھڑائی ہوئی آواز سے تشویش جھلکنے لگی "تمہیں کچھ پتا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ بہتر یہ ہوگا کہ اب بوتل بند کردی جائے ورنہ گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو" میں نے بدری ناتھ کی طرف جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا "اس کی وجہ سے تم کیوں اپنا نشہ خراب کرتے ہو۔ ہم دونوں باتیں کر کے وقت گزار سکتے ہیں۔"

"ہاں۔ میں کیوں اپنا نشہ خراب کروں؟" وہ تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا۔ خود کو نارمل کرنے کی کوششوں میں وہ بالکل احمق نظر آنے لگا تھا مگر پھر اس نے اگلا فقرہ کہہ کر مجھے چونکا دیا "تم کیوں نہیں پیتے؟ تمہارا پہلا گلاس ابھی تک اسی طرح رکھا ہوا ہے۔"

میں بس چند ثانیوں کے لئے سٹپٹایا پھر ہنس کر بولا "پہلا نہیں' یہ میرا چوتھا گلاس ہے۔ میں شروع سے تمہارا ساتھ دے رہا ہوں اور مسلسل یہ سوچ رہا ہوں کہ مدن موہن سے میری ملاقات کیسی رہے گی۔"

میں محسوس کر رہا تھا کہ میں ان کے ساتھ غیر ضروری باتوں میں بہت وقت برباد کر رہا تھا لیکن انہیں دھیرے دھیرے ایک مخصوص ذہنی سطح پر لانے کے لئے میرا ان صبر آزما مراحل سے گزرنا ناگزیر تھا۔ میرے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی تھی کہ وہ دونوں میرے سامنے پوری طرح بے نقاب ہو چکے تھے اور میں ڈبل

ہوتے ہوئے بھی ان کے لئے علی شیر بنا رہنے میں پوری طرح کامیاب تھا۔

میں نے بخشل کی محبوبہ کے گھر میں ان دونوں کو دیکھتے ہی مار ہوتا تو ان کا قصہ وہیں ختم ہو جاتا مگر میں ان پر محنت اور وقت صرف کر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے نتائج سامنے آرہے تھے دوسری بہت سی چیزوں کے ساتھ مدن موہن کا ایک نیا نام میرے سامنے آچکا تھا اور اس کے بارے میں مجھے ہی کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ شخص اول خان کو کام کا بہت سا مواد فراہم کر سکتا تھا۔

"مدن موہن اپنے نام کی طرح بہت خوبصورت آدمی ہے" بدری ناتھ کہہ رہا تھا۔ "کالج کے زمانے میں ہم اسے موہنی کہہ کر چھیڑا کرتے تھے" بولتے ہوئے اس کی بھاری آواز یک لخت دھیمی اور پُرخیال ہوگئی تھی جیسے وہ خود فراموشی کے عالم میں یادوں کے کچھ خوابناک جزیروں میں بھٹک گیا ہو۔ وہ خلا میں کسی نکتے کو گھورتے ہوئے کہے جا رہا تھا "وہ بہت شوقین مزاج تھا۔ سرخی لگا کر زنانہ کپڑوں میں ناچتا تھا تو سب کلیجا تھام کے رہ جاتے تھے۔ پانی سے بھرے ہوئے غبارے انگیا سے اپنے سینے پر باندھ لینے کے بعد وہ سر سے پیر تک لڑکی ہی نظر آتا تھا۔ ہم تینوں نے ایک ساتھ را میں شمولیت اختیار کی تھی۔ دو ساتھی ناکام ہوگئے۔ ہم تینوں کڑی تربیت کے مرحلے بھی ایک ساتھ طے کئے۔ پھر پوسٹنگ کا وقت آیا تو مدن ہم سے بچھڑ کر فارن سروس میں چلا گیا۔ ہم اس سروسز بیورو میں آگئے۔ اس کے بجائے رمیش میرے مقدر میں اور یہ آج بھی میرے ساتھ ہے۔"

"مرد ہو کر زنانے روپ میں ناچتے ہوئے مدن موہن کو نہیں آتی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"شرم کس بات کی؟ وہ ویسے ہی پرلے درجے کا بے شرم اور ناچ گانا تو ویسے بھی ہمارے دین دھرم کا حصہ ہے۔ تم جانے کہ کالجوں میں ہر قماش کے لڑکے ہوتے ہیں۔ سب ہی اس دوستی کے لئے مرتے تھے۔ بڑی عمر کے دادا گیر لڑکوں نے اس شوق سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اپنے کمروں میں لے جا کر پہلے وہ اس کے قدموں پر اور پھر اپنے اشاروں پر نچاتے تھے۔ ناچ شوق تھا۔ وہ ہر طرح کے ناچ ناچتا تھا مگر اب وہ انڈین فارن سر کا ایک ذمے دار افسر ہے۔ وہ فارن سروس میں رہ کر بھی را بڑوں کو جواب دہ ہے۔ وہ ہمارے مسائل سمجھ سکتا ہے اسی میں نے اسے فون کیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ کل وہ کوئی نہ کوئی ضرور بتائے گا۔"

"وہ اسی قدر بے شرم اور بے ضمیر ہے تو فارن سروس بہت کامیاب ہوگا" اس کی باتیں سن کر مدن موہن کی ذات میری دلچسپی میں اضافہ ہونے لگا۔

"بہت زیادہ کامیاب ہے" اس نے لڑکھڑاتے ہوئے میں جواب دیا "انگلینڈ کے رجواڑوں میں مدن موہن جیسے

...تے عام ہیں کہ ان لوگوں نے اپنی پارلیمنٹ سے ہم جنسوں سے
...ادانہ میل جول کا بل پاس کرا لیا تھا۔ ان دنوں مدن موہن بہت
...اور سروس میں نیا نیا تھا۔ اسے پہلی پوسٹنگ لندن میں دی گئی
...اس کے زمانے میں وہاں کی ہر خبر دونوں ہاؤسز سے پہلے نئی دہلی کو
... جاتی تھی۔ وہ ہاؤس آف کامنز اور ہاؤس آف لارڈز کے بیشتر
...کین کی آنکھوں کا تارا تھا۔ وہ خود مزے لے لے کر بتاتا ہے کہ
...ن میں سے کچھ اس کے شوہر تھے اور بیشتر نے اسے اپنا شوہر بنایا
... تھا۔ وہ ایک قومی جذبے سے دونوں خدمتیں سرانجام دیا کرتا
..."

وہ کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا تھا۔ مغربی معاشروں کے بارے میں مدتوں سے ایسی خبریں پڑھتا چلا آ رہا تھا۔ قانون سازوں کی اعلیٰ ترین سطح پر سفید فاموں کی اس اخلاق باختگی پر ہمیشہ میرا دل کڑھتا تھا۔ میرے نزدیک انسانی تہذیب کا اس سے بڑا کوئی المیہ نہیں ہو سکتا تھا کہ انسان خود ہی انسانیت کی توہین و تذلیل پر کمربستہ ہو جائے اور فطرت کے قائم کئے ہوئے رشتوں کی تکذیب کر کے من مانے حیوانی راستے اختیار کرنے لگے مگر ان خبروں کو پڑھنے کے بعد میرا ردِعمل کبھی بھی اتنا شدید اور کراہت آمیز نہیں ہوا جتنا بدری ناتھ کی سیدھی سادی سی کہانی سن کر ہوا تھا۔ مدن موہن کی کامیابیوں کی مختصر سی کہانی مغرب کے امرا اور سیاسی معززین کے گھن دلانے والے اور مکروہ ترین زوال کی عبرت اثر داستان تھی۔

کچھ پتا نہیں تھا کہ طاقت و جبروت کے سرچشموں پر حکمرانی کرنے والوں میں کون کون مدن موہن کے ساتھ زن یا شوہر کے رشتوں میں وابستہ رہا تھا۔

"ایسے کارآمد شخص کو تمہارے بڑوں نے یہاں کیوں بھیج دیا۔ اس کے لئے انگلینڈ یا اسکینڈے نیویا ہی بہتر جگہ ہو سکتی ہے۔ یہاں تو وہ ضائع ہو جائے گا" میں نے کاٹ دار لہجے میں بدری ناتھ سے کہا۔

"بڑوں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی اسے یہاں بھیجا ہوگا۔ وہ اتنا بدمعاش ہے کہ مردوں کے ساتھ عورتوں میں بھی بہت آسانی سے گھل مل جاتا ہے۔ اسے کسی نہ کسی افادیت کی بنا پر کراچی کی پوسٹنگ دی گئی ہوگی۔ وہ یہاں نہ چل سکا تو اس کے لئے دوسرے اسٹیشن موجود ہی ہیں۔"

میری دانست میں بدری ناتھ نے بہت مختصر اور مؤثر الفاظ میں اعلیٰ ترین کہلائے جانے والے سیاسی اور سماجی حلقوں کے گھناؤنے گند کی کہانی مکمل کر دی تھی۔ اس کے آخری مکالموں نے خطرناک رخ اختیار کر لیا تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ میں نے اس گند کو زیادہ کریدا تو چھینٹوں سے کہیں میرا دامن بھی داغ دار نظر نہ آنے لگے۔ میں نے فوراً ہی بات کا رخ ایک اور موضوع کی طرف موڑتے ہوئے کہا "اگر مدن موہن امریکی قونصل خانے میں تمہارا کوئی ہمدرد تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو تم کیا کرو گے؟"

"پھر ہمارے کرنے کے لئے زیادہ کام نہیں رہ جاتا۔ ڈیبی اور ویرا کے لئے ہم چند روز انتظار کریں گے۔ کامیابی ہو یا نہ ہو، ہم واپس چلے جائیں گے۔ ہم بروقت اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تو ہو سکتا ہے کہ ہمیں سری لنکا جانے والے ٹیررا سکواڈ میں جگہ مل جائے۔ خطرات کے باوجود وہ ملک بہت خوبصورت اور رنگین ہے۔ تعلیم کی شرح اتنی بلند ہے کہ بیشتر طوائفیں تک گریجویٹ ہوتی ہیں۔ مجھے آج تک وہاں جانے کا موقع نہیں مل سکا۔"

"میں تمہارے ساتھ وہاں نہیں جاؤں گا" رمیش اگروال نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "سنا ہے کہ انتہا پسند اور قوم پرست لڑکیاں بھی وہاں طوائفوں کے روپ میں غیر ملکی ایجنٹوں کو سونگھتی پھرتی ہیں۔ جو ان کی نظروں میں آ جاتا ہے اسے عام طور پر کپڑوں کے بغیر مردہ پایا جاتا ہے۔ ایسی خطرناک رنگینی سے میں پناہ مانگتا ہوں۔ اس سے بہتر ہے کہ یہیں رک کر دو چار مہینے ڈیبی اور ویرا کو ڈھونڈ لیا جائے اور کچھ ہو یا نہ ہو، یہاں شراب تو باقاعدگی سے ملتی رہے گی۔ نشے میں آدمی چاہے تو کولمبو کیا جنت تک میں پہنچ سکتا ہے۔"

رمیش کی مداخلت سے بدری ناتھ بھی فوراً ہی پٹڑی سے اتر گیا۔ اندر سے وہ دونوں ہی اوباش طبیعتوں کے مالک تھے۔ نشہ گہرا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے حیوانی تقاضے پوری قوت سے بیدار ہوتے جا رہے تھے۔ ان کی باتوں میں وہ رنگ نمایاں ہوتے ہی میں اپنا بھرا ہوا گلاس لے کر وہاں سے اٹھ گیا۔

"ہمیں اکیلا چھوڑ کر تم کہاں چلے؟" رمیش نے لہک کر ہانک لگائی۔

"تمہاری خبر گیری کے علاوہ مجھے کچھ اور کام بھی ہوتے ہیں۔ تم شغل جاری رکھو۔ اب کھانے کی میز پر ملاقات ہوگی" یہ کہتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ میں نے خود ہی کمرے سے فون کاٹ کر لابی میں پہنچا دیا تھا اور میں اپنی خواب گاہ سے کسی کو فون نہیں کر سکتا تھا۔

میں جاتے جاتے ٹھٹک کر رک گیا۔ اسی وقت بدری ناتھ نے رمیش اگروال سے کوئی ایسی بات کہہ دی کہ وہ بھڑک کر کسی نلنی کور کو بے تحاشا ننگی ننگی گالیاں دینے لگا۔

میں نے بدمزگی سے رمیش کی طرف دیکھا۔ میری نظریں اس کے چہرے سے پھسلتی ہوئی بدری ناتھ سے چار ہوئیں تو اس نے لوفرانہ مسکراہٹ کے ساتھ مجھے آنکھ مارنے کی کوشش کی۔ بسیار نوشی نے اس کے اعصاب اور عضلات کو متاثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیک وقت اس کی دونوں آنکھیں بند ہوئیں اور پھر فوراً ہی کھل گئیں۔ وہ اسے واقعے پر کچھ پریشان نظر آنے لگا۔

اپنے دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد رمیش اگروال خاموش ہو چکا تھا اور گلاس سے گھونٹ لینے کے بعد یوں برے برے منہ

بتا رہا تھا کہ اس سے کراہت محسوس ہو رہی تھی۔

"اگر کسی سے بات نہ کرنی ہو تو میں فون واپس اپنے کمرے میں لے جا رہا ہوں" میں نے انہیں آگاہ کیا۔

"لے جاؤ۔ جو جی چاہے لے جاؤ" بدری ناتھ نے کسل مندانہ لہجے میں کہا "فون کو یوں ہی اِدھر اُدھر آنا جانا ہے تو تار کے سرے پر ایک جیک پن لگالو ورنہ یہ کٹ کٹ کے بہت چھوٹا رہ جائے گا۔"

وہ ایک صحیح اور معقول مشورہ تھا لیکن بدری ناتھ نے جس لب و لہجے میں آخری فقرے ادا کئے تھے انہوں نے پورا مفہوم ہی بدل کے رکھ دیا تھا۔ میں نے غصے اور ملامت سے ان دونوں ملعونوں کو گھورا اور پھر فون کا تار کھینچ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ میرے ایک ہاتھ میں اسکاچ کا گلاس اور دوسرے میں فون تھا۔

ریکارڈنگ سسٹم الگ کر کے فون کو دوبارہ لائن سے منسلک کر کے میں نے گھر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف غزالہ موجود تھی۔ اس کی آواز سے گہری آسودگی اور طمانیت جھلک رہی تھی۔

"اول خان کہاں ہے۔ ذرا اس سے میری بات کرادو" میں نے غزالہ سے کہا۔

"اس وقت اول، دوم اور سوم میں سے کوئی گھر پر نہیں ہے۔ جو کہنا ہے، مجھے بتادیں" میری آواز پہچانتے ہی غزالہ کی آواز میں شوخی عود کر آئی جس میں گزری ہوئی دوپہر کی ہلکی سی جھلک نمایاں تھی۔

"یہ تینوں کہاں گئے ہوئے ہیں؟" میں نے قدرے حیرت اور پریشانی سے پوچھا۔

"سلمٰی کا فون آیا تھا۔ جہانگیر نے نشے میں مدہوش ہو کر چلّانا شروع کردیا تھا کہ اسے دل کا دورہ پڑا ہوا ہے۔ وہ سلمٰی کے قابو سے باہر ہوا جا رہا تھا۔ وہ تینوں اسی کو دیکھنے گئے ہیں۔"

"اللہ ہم سب کی مغفرت کرے۔" میں نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کمزور آواز میں کہا "وہ تینوں وہاں ہیں اور میں یہاں دو شرابیوں کی دیکھ بھال کر رہا ہوں۔ آج کا دن کچھ نامناسب سا معلوم ہوتا ہے۔"

"آپ انہیں چکمادے کر گھر کیوں نہیں آجاتے؟" غزالہ نے نرمی سے ترغیب دی۔

"گھٹنے کمزور ہو جائیں گے" میں سوچے سمجھے بغیر روانی میں کہہ گیا پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا "مم.... میرا مطلب ہے کہ میں اتنی آزادی سے آمدورفت جاری نہیں رکھ سکتا۔ آج ایک نیا نام سامنے آیا ہے، میں اسی کے بارے میں اول خان سے مشورہ کرنا چاہ رہا تھا۔ اس سلسلے میں تم کچھ نہیں کرسکو گی۔"

"وہ آئے گا تو میں فون کرادوں گی" غزالہ نے کسی حجت کے بغیر میری بات مان لی۔

میں نے لمحہ بھر سوچا اور پھر اس کی وہ تجویز مان لی۔ باہمی تعلق کے حوالے سے چند ذاتی تبصروں کے تبادلے کے بعد میں نے فون بند کردیا اور فوراً ہی جہانگیر کے گھر کا نمبر ملانے لگا۔

میں خود اس بات کا شاہد تھا کہ کثرت سے شراب نوشی کے بعد جہانگیر بری طرح بہکنے لگتا تھا مگر نشے میں دل کے دورے والی بات کسی طرح میرے حلق سے نہیں اتر رہی تھی۔ اگر میرے اندیشے کے برعکس وہ خبر درست تھی تو صورتِ حال سنگین تھی۔ اس نازک پوزیشن میں مَیں جہانگیر کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا گیا۔ میرے کانوں میں چیخم دھاڑ کے ساتھ ویرا کی نرم و شیریں آواز گونج اٹھی۔

"کیا بات ہے؟ وہاں کیا ہو رہا ہے؟" میں نے فکرمندانہ لہجے میں ویرا سے پوچھا۔

"جہانگیر کو دل کا کوئی خطرناک دورہ پڑا ہوا ہے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا دل تھامے پورے فلیٹ میں چیختا اور چکراتا پھر رہا ہے۔ وہ کسی کے قابو میں نہیں آرہا۔ سلمٰی کے ہاتھ پیر پھولے ہوئے ہیں کہ کہیں وہ مر ہی نہ جائے۔ تم بتاؤ کہ ہم کیا کریں۔ یہاں آکر بھی ہم سب بے بس تماشائی بنے ہوئے ہیں۔"

"یہ دل کا کیسا دورہ ہے کہ وہ بے ہوش یا نڈھال ہونے کے بجائے کسی گھوڑے کی طرح پورے فلیٹ میں دوڑتا پھر رہا ہے؟" ویرا کی پوری بات سن کر میں نے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا۔

"پتا نہیں۔ یہ تو کوئی ڈاکٹر ہی بتا سکے گا۔ سلمٰی کی حالت اور باتوں سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ میاں بیوی میں جھگڑے کے بعد جہانگیر کو یہ ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ اس کی حالت واقعی قابلِ رحم ہے۔"

"ذرا اسے فون پر بلادو" میں نے کچھ سوچتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"بلادوں؟" ویرا کی آواز تحیر زدہ تھی "وہ کسی کی سن ہی نہیں رہا۔ فون پر کیا آئے گا۔"

"اس کے سامنے میرا نام لو" میں نے تیزی سے کہا "اسے بتاؤ کہ میں اس سے بات کرنی چاہ رہا ہوں۔"

"بے سود ہوگا۔" ویرا نے مایوسی سے جواب دیا "وہ سخت اذیت میں ہے۔ تم کہتے ہو تو میں ایک کوشش کئے لیتی ہوں۔ ذرا سی دیر ہولڈ کرو۔"

ویرا ریسیور رکھ کر چلی گئی۔ میرے کانوں میں متعدد ملی جلی لیکن غیر واضح آوازیں آتی رہیں۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ جہانگیر نے اپنے گھر میں خاصی ہڑبونگ مچائی ہوئی تھی اور سب ہی اس کی بگڑی ہوئی حالت سے خوف زدہ تھے۔

کچھ دیر بعد چڑھے ہوئے سانسوں کے ساتھ ریسیور پر جہانگیر کی کراہیں ابھریں "مر گیا.... ہائے میں مر گیا.... میرا دل.... آجاؤ۔ میرے بھائی! تم بھی آجاؤ اور میرا آخری دیدار کرلو۔ ہائے میرا

دل۔"

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ اپنا فقرہ مکمل کرنے سے پہلے اسے اپنا دل یاد نہیں آیا تھا۔ میں اس کی رگ رگ کو پہچانتا تھا۔ وہ جہانگیر تھا اور کسی بھی وقت کوئی ڈراما کر سکتا تھا۔

"یہ کیا دل دل لگا رکھی ہے" میں نے برہمی سے کہا "ہوش میں آتے ہو یا وہیں آکر جوتے لگاؤں۔"

"میرا دل..... بڑے بھائی! میرا دل" میری بات سنتے ہی وہ پھر شروع ہو گیا "آتا ہوں۔ ابھی آجاؤں گا.... مگر میرا دل.... یہ عورت مجھے مارے گی' دوسری شادی کرے گی۔ مجھے سب معلوم ہے۔ ہائے میں مرا....."

"کیا ہو گیا؟ بولتے کیوں نہیں ہو۔" اس کی آواز میں وقفہ آتے ہی میں غرایا۔

"کچھ نہیں ہوا۔ سب ٹھیک ہے۔" جہانگیر کی سرگوشیانہ آواز ابھری "ابھی ڈراما ختم کیا تو سب چوپٹ ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر اس نے پھر اپنی بکواس شروع کر دی۔

مجھے تسلی ہو گئی کہ اسے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ سب کی پریشانی بالکل بے بنیاد تھی۔ میں نے تھوڑی دیر بعد دوبارہ فون کرنے کی دھمکی دے کر سلسلہ منقطع کر دیا اور پھر اٹھ کر اپنے گلاس کی ہلکی اسکاچ واش بیسن میں بہا دی۔ اس وقت شراب سے میری طبیعت اچانک ہی متلانے لگی تھی۔

غزالہ' ویرا اور پھر خود جہانگیر سے میں نے جو کچھ سنا تھا اس کی بنا پر کچھ کڑیاں میں خود بھی یکجا کر سکتا تھا۔ وہاں جو کچھ ہو رہا تھا' اس میں جہانگیر کی مے نوشی کا بڑا دخل تھا۔ عین ممکن تھا کہ سلمٰی اس کی بسیار نوشی پر برہم ہوئی ہو اور پھر بات اتنی بڑھ گئی ہو کہ کسی بڑی افتاد کو ٹالنے کے لیے جہانگیر کو دردِ دل کا بہانہ کرنا پڑا۔ یہ اور بات تھی کہ اس نے گھر میں وہ پاکھنڈ پھیلایا ہو۔ کہ سلمٰی جھگڑے جھمیلے کو بھول کر اس کی زندگی کی فکر میں مبتلا ہو جائے مگر اس نے گھر پر بھیڑ جمع کر لی۔

وقت گزاری کے لیے بدری اور رمیش کے پاس جانے کے بجائے میں اپنے کمرے میں ہی بستر پر دراز ہو گیا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ اس وقت وہ دونوں بھی نشے میں دھت ہو کر ایسی حالت کو پہنچ چکے تھے کہ جانوروں سے بدتر ہو کر رہ گئے تھے اور بدکلامی پر اتر آئے تھے۔

ایک بات ان تینوں میں ہی مشترک تھی کہ نشے کی زیادتی کی وجہ سے دوسرے کے لیے ناقابلِ برداشت ہو جانے کے باوجود انہیں اپنا اپنا مفاد خوب یاد تھا۔ جہانگیر نے اپنی بیوی سے حیلہ سازی شروع کی ہوئی تھی اور وہ دونوں اپنے پیشہ ورانہ مفادات سے ذرا بھی غافل نہیں ہوئے تھے۔

مجھے یقین تھا کہ جہانگیر کو اپنا مفروضہ درد بھول کر فون پر مجھ سے ہم کلام دیکھنے کے بعد اول خان وغیرہ کو جہانگیر کی اداکاری کا علم ہو گیا ہو گا اور انہوں نے وہاں رک کر اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے فوری واپسی کو ترجیح دی ہوگی۔ پھر بھی میں نے خاصی دیر انتظار کیا اور ایک مرتبہ پھر جہانگیر کے گھر کا نمبر ملا لیا۔

اس بار جہانگیر نے فون خود ہی وصول کیا تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی وہ چہکنے لگا۔

"یہ کیا بدمعاشی تھی؟ تم نے دل کے دورے کا کیا ڈراما رچایا ہوا تھا؟" میں نے تیز آواز میں پوچھا۔

"دھیرج سے کام لو۔ میں سب بتائے دیتا ہوں۔ اس وقت میدان بالکل صاف ہے۔ مجھے کسی سالی کا ڈر نہیں ہے۔ اس وقت میں نے مجبور ہو کر وہ حرکتیں شروع کی تھیں۔ میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ بات بڑھ کر تمہارے کانوں تک پہنچ جائے گی۔" اس کی مکارانہ آواز سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"میدان بالکل صاف ہے تو سلمٰی کہاں گئی؟" میں نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"وہ اپنے میکے چلی گئی۔ اس کے رشتے دار اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ اچھا ہے اس کا دماغ ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"اس کا میکا یہاں کہاں سے پیدا ہو گیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا "وہ سب تو لاہور میں ہیں۔"

"تم بھی بہت بھولے ہو۔ تم لوگ میرے سسرالیوں سے کیا کم ہو۔ ویرا اور اول خان اسے اپنے ساتھ لے جانے میں پیش پیش تھے۔ رات کے کھانے کے بعد وہ پھر یہیں آجائے گی۔"

"مگر ہوا کیا تھا۔ تمہیں ڈرامے بازی کی کیا مجبوری پیش آئی تھی؟"

"وہی پرانا جھگڑا تھا۔ وہ میری شراب نوشی سے ہمیشہ سے جلتی آئی ہے۔ آج پھر زبان چلانے لگی۔ میں نے ایک ہاتھ مارا تو بس پھیل گئی اور روتے پیٹتے ہوئے اپنا سامان سمیٹنے لگی۔ جب اس نے یہ اعلان کیا کہ وہ اسی وقت لاہور جا رہی ہے تو میرے چھکے چھوٹ گئے۔ اسے مناتا تو اس کا دماغ خراب ہو جاتا۔ بس میں نے دل کا دورہ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا اور وہ سارا جھگڑا اور رونا دھونا بھول کر میرے لیے پریشان ہو گئی۔"

میں اس کی وضاحت سن کر زیرِ لب مسکرانے لگا مگر اس سے خشک لہجے میں پوچھا "تمہیں اتنی بھی تمیز نہیں ہے کہ دل کے دورے میں آدمی بھاگا نہیں پھرتا' نڈھال اور بے جان ہو جاتا ہے؟"

"اس وقت سوچنے سمجھنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ ایک بات دماغ میں آئی اور بس میں کر گزرا۔ ہو سکتا ہے کہ میرے دماغ میں گردے میں درد کے کسی مریض کی حالت بیٹھی ہوئی ہو۔ ایک بار میں نے درد سے تڑپتے ہوئے شخص کو چیخیں مار کر دیوانہ وار اِدھر اُدھر دوڑتے دیکھا تھا۔ خود سلمٰی کو بھی کچھ پتا نہیں ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ اس کا میکے بھاگنے کا خطرہ ٹل گیا اور اس کا دماغ بھی

درست ہوگیا۔ اس عورت نے میری زندگی عذاب کی ہوئی ہے۔ اس کا بس چلے تو وہ میری ساری بوتلیں نالی میں بہادے۔"

"وہ اتنی ہی بری ہے تو اسے کیوں روک لیا؟ جانے دیتے اس کے میکے۔"

"بس یار، سمجھا کرو نا۔" وہ بے حیائی سے ہنس دیا "بری ہے یا بھلی مگر ہے تو اپنی بیوی۔ سالی برا بھلا سنتی اور سہتی ہے پھر بھی اشاروں پر ناچتی ہے۔ بس کبھی کبھی کھوپڑی سنک جاتی ہے تو اب میں نے اس کا علاج بھی ڈھونڈ لیا ہے۔ دیکھوں گا کہ کیسے گھر چھوڑ کر بھاگتی ہے۔ تم لوگ ہفتے عشرے میں ملتے ملاتے رہا کرو تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ وہ اکیلے پن کا بھی شکار ہے اور تم لوگوں کو بہت چاہتی ہے۔"

"اتنا بڑا فساد کھڑا کرنے کے بعد اب تمہارا نشہ ہرن ہوچکا ہے؟" میں نے طنز سے پوچھا۔

"سارا لطف غارت ہوگیا ہوتا اگر ویرانہ آتی۔ وہ میرے اوپر سلمٰی سے زیادہ آنکھیں نکال رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہی میری سب سے بڑی سالی ہے۔ بالکل مردوں کی طرح میرے اوپر چڑھی چلی آرہی تھی اور مجھے بازوؤں سے پکڑ پکڑ کر جھنجوڑ رہی تھی۔"

"اس کے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ وہ جہاں جاتی ہے، لوگ اسے اپنا رشتے دار سمجھنے لگتے ہیں۔ بس یہ خیال رکھنا کہ کبھی اس کی کھوپڑی سنک گئی تو تمہارا دل کا دورہ بھی کام نہیں آئے گا۔"

"تم بڑے خوش نصیب ہو۔" اس کی آواز رشک آمیز ہوگئی۔ "ایک ساتھ دو کشتیوں میں سفر کررہے ہو اور دونوں کشتیاں قابو میں ہیں۔ کمال ہے کہ غزالہ اسے برداشت کررہی ہے۔"

"اپنی کالی زبان بند رکھو اور اب آرام کرو۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

○☆○

میرے لیے مدن موہن صرف ایک مدراسی ٹوپی کا نام تھا۔ اس کے بارے میں بدری ناتھ نے مجھے خاص طور پر کچھ نہیں بتایا تھا لیکن باتوں ہی باتوں میں میں نے اپنے ذہن میں ایک خوب رو اور وجیہہ نوجوان کا خاکہ مرتب کرنے میں کامیابی حاصل کرلی تھی۔ ناچ گانے اور مخلوط محفلوں کے شوقین اس نوجوان سے ملاقات کے لیے میں مقررہ وقت سے ذرا پہلے ہی پرل کی بلند اور وسیع لابی میں پہنچ کر وہاں کی رونقوں سے لطف اندوز ہورہا تھا مگر میری نظریں باری باری راہ داری کے دونوں سروں کا طواف کررہی تھیں۔

ٹھیک تین بجے وہ راہ داری کی مشرقی سمت سے نمودار ہوا۔ وہ راستہ پٹرول پمپ اور پارکنگ کی طرف نکلتا تھا۔ شاید راز داری برقرار رکھنے کے لیے وہ اکیلا ہی آیا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو ڈرائیور اسے مرکزی دروازے پر اتار کر گاڑی کہیں بھی لگا سکتا تھا۔

اس کی مخصوص مدراسی ٹوپی کی وجہ سے میں نے اسے دور ہی سے پہچان لیا۔ وہ گورے چٹے رنگ کا ایک وجیہہ اور خوب رو نوجوان تھا جو اپنی چال ڈھال سے بھی شوقین مزاج نظر آرہا تھا۔

اس وقت ہوٹل کی پوری لابی میں اس کے سوا ہر مرد اور عورت کا سر کھلا ہوا تھا۔ اس وقت پورے تین بجے تھے اس لیے وہی میرا مطلوبہ آدمی ہوسکتا تھا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی اپنی نشست چھوڑ دی۔ میں اس سے راہ داری ہی میں اپنا تعارف کرانے کا ارادہ رکھتا تھا تاکہ ضرورت کے تحت ہم بعد میں کوئی گوشۂ عافیت منتخب کرسکیں۔

میں نے اس کا راستہ روکا تو وہ اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال رہا تھا۔ اپنی راہ میں کسی کے حائل ہونے کا احساس ہوتے ہی وہ ٹھٹکا اور میرے قریب رک گیا۔

"یوگا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اوہ!" اس نے بے ساختہ کہا "تم وقت پر آگئے۔ یہ بہت اچھا ہوا۔"

اس کا لہجہ سپاٹ بلکہ کسی حد تک نخوت آمیز تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے معلوم ہوتا تھا جو اپنے سے کم رتبے کے لوگوں سے بے تکلف ہونا بالکل پسند نہیں کرتے۔ ان سے کام نکال کر سرد مہری سے اپنی راہ بدل لیتے ہیں۔

میں نے اسے راہ داری کے وسط میں روکا تھا۔ وہاں دوسرے لوگوں کی آمدورفت بھی جاری تھی۔ وہ راستے سے ہٹ کر بائیں طرف سرک گیا جہاں بڑے بڑے گروپوں کی صورت میں آرام دہ نشستیں بچھی ہوئی تھیں۔

میں نے غور سے اس کا جائزہ لیا۔ اس نے ٹائی کے بغیر نفیس کپڑے کا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ سفید قمیص کے دو اوپری بٹن کھلے ہوئے تھے اور کھلے ہوئے گریبان میں وہ باریک سی طلائی چین نظر آرہی تھی جو اس کی گردن میں پڑی ہوئی تھی۔ بدری ناتھ کی بتائی ہوئی باتوں کے عین مطابق وہ اس وقت بھی کوئی پلے بوائے نظر آرہا تھا۔ "بدری کا کیا حال ہے؟" اس نے داہنے ہاتھ سے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں کچھ ٹٹولتے ہوئے روا روی میں مجھ سے سوال کیا۔ وہ ایک سپاٹ سا سوال تھا جس میں ذرا بھی جذباتی گرم جوشی نہیں تھی۔

"بدری ٹھیک ہے۔ اس کے ساتھ رمیش اگروال مزے کررہا ہے۔" اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پوچھا "تو کیا رمیش بھی اس کے ساتھ ہے؟"

"ساتھ نہ ہوتا تو مزے کیسے کرتا۔" میں نے بے خوفی سے کہا۔ میں شروع ہی سے اس پر غالب رہنے کا خواہاں تھا۔

"وہ تم پر بہت زیادہ بھروسا کررہے ہیں۔" اس نے ذو معنی لہجے میں کہا "ان کا تندہی سے خیال رکھو گے تو تمہیں بعد میں بھی کام

...ے گا۔ یہ لفافہ اسی طرح لے جا کر بدری کو دے دینا۔ مجھے
کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ اس لفافے میں موجود
...کہتے ہوئے اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے خاکی
...کا ایک مہربند لفافہ نکال کر مجھے دیا۔ میں نے دیکھے بغیر وہ لفافہ
...جیب میں ڈال لیا۔ لفافہ میرے سپرد کرتے ہی اس نے روانگی
...ارادے سے اپنی جگہ چھوڑنی چاہی مگر میں نے سخت سرگوشیانہ
...میں اسے روک لیا۔
"ٹھہر جاؤ۔ تھوڑی دیر کے لیے تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔
...ضروری کام پڑ گیا ہے۔"
اس نے بھڑک کر خوف اور بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔
...ین فارن سروس میں ہوتے ہوئے بھی وہ بنیادی طور پر سیکرٹ
...وس کا ایک اہم رکن تھا اور بھرے پرے ہوٹل میں اپنے کسی
...ن کے بدلے ہوئے درشت لہجے کا مطلب بہت اچھی طرح
...تا تھا۔

"میں اس وقت کہیں نہیں جا سکتا۔" اس نے تیز سرگوشیانہ
...از میں کہا "بدری سے کہہ دینا کہ میں اس سے بعد میں کہیں مل
...ں گا۔ میں مشکل سے وقت نکال کر یہ لفافہ دینے آیا ہوں۔"
بدری کا نام لے کر اس نے دانستہ میری بات کا وزن کم کرنے
...کوشش کی تھی۔ میں اپنا داہنا ہاتھ جیکٹ کی جیب میں ڈال کر
...سے تقریباً مل کر کھڑا ہو گیا اور بولا "بدری اور رمیش کا کھیل
...م ہو چکا ہے۔ اس وقت وہ سرکاری مہمان ہیں۔ تمہیں میں لے
...ا چاہتا ہوں۔ سنا ہے تم بہت اچھا ناچتے ہو۔"
اس کا چہرہ خوف سے دھواں ہو گیا۔ اس کا سبب میرے الفاظ
...ے زیادہ وہ دباؤ تھا جو میری جیکٹ کی جیب میں موجود ریوالور کی نال
...س کے پہلو پر ڈال رہی تھی۔
"تت..... تم نے انہیں ڈبل کراس کیا ہے۔ سچ بتاؤ تم کون
...و؟" اس کی نظریں میرے چہرے پر جم گئیں۔
"میرے ساتھ چلو۔ سب معلوم ہو جائے گا۔ یوگا کا کوڈ لے
...کرانے والا بھی اندر ہو چکا ہے۔"
"تم ایک بھرے ہوئے ہوٹل سے مجھے اس طرح نہیں لے
جا سکتے۔ میں ایک ذمے دار سفارتی افسر ہوں۔ یہ کھلی ہوئی بدمعاشی
ہے۔ تم پیچھے نہ ہٹے تو میں ابھی شور مچا دوں گا۔ مجھ سے دور ہٹ
جاؤ۔"

"میرا نشانہ بے خطا ہوتا ہے۔ یہاں کوئی میری راہ میں حائل
نہیں ہو سکے گا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں آئی بی بہت
طاقت ور ہے۔ تمہارے قتل کی کہانی ہماری مرضی کے مطابق لکھی
جائے گی۔ شور مچاؤ اور جان دے دو۔ زندگی عزیز ہے تو خاموشی کے
ساتھ میرے ساتھ چل دو۔"
میں نے اس کے بدن سے الگ ہو کر اپنی پوزیشن بدل لی مگر
میرا داہنا ہاتھ بدستور جیکٹ کی جیب میں رہا۔ اس وقت ہم دونوں
جہاں کھڑے ہوئے تھے وہاں شیشے کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے دور
افتادہ صوفوں پر دو غیر ملکی بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی نشستیں خالی تھیں

اس لیے یہ اندیشہ نہیں تھا کہ کوئی ہماری سرگوشیانہ باتیں سن کر ہماری طرف متوجہ ہوسکے گا۔

"تم آئی بی کے آدمی ہو تب بھی میرے مشن کو اطلاع دیے بغیر مجھے کہیں نہیں لے جاسکتے۔ یہ میرا سفارتی حق ہے، میرے ساتھ تم غنڈا گردی کررہے ہو۔" وہ سخت تذبذب اور ہیجان میں مبتلا ہوگیا تھا۔

"چند سوالوں کے جواب دینے کے بعد تم آزاد ہوجاؤ گے ورنہ میری انگلی ٹریگر پر بالکل تیار ہے۔"

وہ خود کو ایک سنگین جال میں محسوس کررہا تھا۔ میرے پُرعزم لب ولہجے نے اس کے اعتماد اور بے پروائی کو خاک میں ملادیا تھا۔ وہ فیصلہ نہیں کرپارہا تھا کہ میری ہدایت پر عمل کرے یا بھاگ نکلنے کی کوشش کرے۔

"چلو!" میں نے سکوت کا وقفہ بڑھنے پر غرا کر نیچی آواز میں کہا۔ "میں زیادہ دیر تک یہاں نہیں رک سکتا۔"

"اگر تم آئی بی کے آدمی ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم کتنا سنگین جرم اپنے سر لے رہے ہو۔ میری رہائی کے بعد مشن والے یہ معاملہ اعلیٰ سطح پر اٹھائیں گے تو تم مشکلات میں پڑجاؤ گے۔"

"تمہارے جرم کے ثبوت کے لیے خاکی لفافہ میرے پاس موجود ہے......"

"سفارت کار قتل بھی کردے تو مقامی قانون کے تحت اسے گرفتار نہیں کیا جاسکتا۔" اس نے میری بات کاٹ کر قانونی موشگافیوں کا سہارا لینا شروع کردیا "اس کی تقدیر کا فیصلہ اس کے مشن کا سربراہ ہی کرتا ہے۔ وہ خود کسی کو قانون کے حوالے کردے تو یہ اس کی صوابدید ہوتی ہے......"

"یہ تقریر بے سود ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا "چلو ورنہ مرنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

"اپنا شناخت نامہ دکھاؤ۔ مجھے یہ اطمینان ہونا چاہیے کہ مجھے کسی سرکاری ایجنسی کا آدمی ہی لے جارہا ہے۔"

"اس وقت میری جیب میں پوشیدہ ریوالور میرا شناخت نامہ ہے۔ باہر نکلو گے تو میں تمہیں اپنا کارڈ بھی دکھادوں گا۔ اب دیر کی تو میں انتظار نہیں کروں گا۔ تمہارے خون کے لیے کوئی کسی کو جواب دہ نہیں ہوگا۔ تمہارا قتل بہت آرام سے شہر میں ہونے والی دہشت گردیوں کے کھاتے میں ڈال دیا جائے گا۔ لوگ یہی سمجھیں گے کہ سڑکوں اور گلیوں میں وارداتیں کرنے والوں نے اب شہر کے بڑے ہوٹلوں کا رخ کرلیا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ یہاں کی سیکیورٹی کا نظام بہت سخت ہے۔ مجھے مار کر تم ہوٹل کے مسلح محافظوں سے نہیں بچ سکو گے۔ میں نے یہی سوچ کر اس ہوٹل کا انتخاب کیا تھا۔"

"سیکیورٹی والوں کے لیے میری اصل شناخت کافی ہوگی۔ تم ایک مرتبہ پھر بھول رہے ہو کہ تمہارے قتل کی کہانی ہماری مرضی کے مطابق بنے گی۔ کسی کو کچھ حاصل ہو یا نہ ہو، تم مفت میں جان سے جاؤ گے۔"

وہ نرم رو نظر آنے کے باوجود میری توقع سے کہیں زیادہ اور سخت جان تھا۔ اول خان نے بھی فون پر میرا منصوبہ سن کر اس نکتے پر زور دیا تھا کہ ہوٹل کی رونق سے حوصلہ پاکر مدن موہن میری دھونس میں آنے سے انکار کردیا تو کیا ہوگا۔ میں نے اس امکان کو بالکل مسترد کردیا تھا۔ میری رائے تھی کہ جان کے خوف سے میرا شکار مزاحمت کی ہمت نہیں کرسکے گا۔

وہ نازک صورتِ حال تھی۔ میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ اول خان اس وقت اپنی مختصر سی پارٹی کے ساتھ نئے قیدی کا انتظار کررہا تھا۔ وہ لوگ اندر آبھی جاتے تو میری مدد نہیں کرسکتے تھے۔ میں مدن موہن سے بہت کچھ کہہ رہا تھا مگر ایک سنگین حقیقت تھی کہ اسے مار کر میں ہوٹل سے زندہ وسلامت باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ وہ ایک کھلا قتل ہوتا۔ ساری خرابیوں کے باوجود ہمارا معاشرہ اتنا حساس ضرور تھا کہ اس کی ساری ہمدردیاں مقتول کے لیے ہوتیں اور میں قاتل کے طور پر شخص کی نفرت کا نشانہ بن جاتا۔ بعد میں مدن موہن کا اصل چہرہ بے نقاب کرکے میرے جرم کے بوجھ کو شاید ہلکا کرلیا جاتا لیکن اس سے ابتدائی اور فوری صورتِ حال میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔

اسے چھوڑ کر پسپا ہونے کا نتیجہ مکمل تباہی کی صورت میں برآمد ہوتا۔ مدن موہن کے اغوا کی ناکام کوشش کی خبر تیزی سے سفارتی حلقوں میں پھیل جاتی۔ امریکی ایجنٹ ہوشیار ہوجاتے۔ بدری ناتھ اور رمیش اگروال کے منصوبے ناکام ہوجاتے۔ یہ خبر ملنے کے بعد وہ دونوں مجھ سے بھی بدظن ہوجاتے یا شاید میری اصلیت کا ہی اندازہ لگالیتے اور ہم ایک مرتبہ پھر اندھیروں میں بھٹکتے رہ جاتے۔

"تم بہت سفاک اور خود غرض معلوم ہوتے ہو۔" اچانک مدن موہن بھرائی ہوئی شکست خوردہ آواز میں بول پڑا "میں قدم اٹھانے سے پہلے بتارہا ہوں کہ یہ حرکت تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔ مجھے چار بجے ایک اہم میٹنگ میں شریک ہونا ہے۔ میں وہاں نہ پہنچا تو تم اندازہ لگاسکتے ہو کہ کیا ہنگامہ کھڑا ہوگا۔"

اپنی بات پوری کرکے وہ اسی طرف چل دیا جدھر سے لابی میں نمودار ہوا تھا۔ میں نے کوئی تعرض نہیں کیا کیوں کہ میں خود بھی اسے اسی سمت میں لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

ہوٹل کے خنک ماحول سے ہم باہر کی چمکیلی دھوپ میں نکلے تو وہاں اول خان کے دو آدمی بے پروایانہ انداز میں گاڑیوں سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ انہوں نے کن انکھیوں سے ہمیں دروازے سے برآمد ہوتے دیکھا اور پھر ہمارے ساتھ ہولیے۔ قیدیوں وغیرہ کو لے جانے والی ایک بند پک اپ قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ اول خان وہیں ہمارا انتظار کررہا تھا۔ ایس ایف کے دونوں آدمی قیدی کو لے کر پک اپ کے پچھلے حصے میں

ہوگئے۔ میں اول خان کے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا اور پھر
...واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔
پرانے پولو گراؤنڈ اور ہوٹل کے درمیان بنی ہوئی نجی سڑک
پر کرکے ہم خلیق الزماں روڈ پر آئے اور ہوٹل کے گرد گھوم کر
فیصل کی طرف جانے والے راستے پر ہولیے۔
"تم نے بہت خطرناک قدم اٹھایا تھا۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تم
...رہے ہو۔ فی الحال اس کا سامنے آجانا ہی کافی تھا۔ ہم اسے
...بھی اٹھا سکتے تھے۔" چند ثانیوں بعد اس نے زبان کھولی۔
میں اس وقت مدن موہن کے دیے ہوئے لفافے کا جائزہ لے
...تھا۔ مدن نے اسے مضبوطی سے بند کرکے دونوں طرف اس
...راز میں بڑے بڑے دستخط وغیرہ کیے تھے کہ لفافے کو کھول کر
...اس کی اصل حالت میں لوٹانا ناممکن تھا۔ میں نے اول خان
...بات سن کر گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "یہ واقعی بہت اعصاب
...کن کام ثابت ہوا۔ وہ کچھ دیر 'ڈرا اڑا رہتا تو پتا نہیں کیا ہوتا۔
...شاید میں نے اپنی زندگی کا کمزور ترین فیصلہ کیا تھا۔ جو ہونا تھا وہ
...گیا۔ اب ہمیں اس کو بھول جانا چاہیے..."
"بس وہ ڈر گیا ورنہ تم کچھ بھی نہ کرپاتے" اس نے میری بات
...ات کے کہا۔
"میں نے انسانی فطرت کے اس پہلو پر انحصار کیا تھا۔ اس
...نے بہت دیر تک مزاحمت کی مگر پھر انسانی فطرت اس پر غالب
...آئی۔ وہ بدری ناتھ کے لیے یہ لفافہ لے کر آیا تھا" میں نے بات
...ول دی۔ مدن موہن کو پکڑنے میں کامیابی کے باوجود میں اس
...ذکرے پر خفت سی محسوس کررہا تھا۔
اول خان نے بائیں ہاتھ سے لفافہ ٹٹول کر کہا "یہ بہت ہلکا سا
ہے۔ اسے کھول کر دیکھنا ہوگا۔"
"نہیں' لفافے پر دستخطوں کی صورت میں شاید کوئی شناخت
ڈالی گئی ہے۔ لفافہ کھولا تو گڑبڑ ہوجائے گی۔ لفافہ بدلنے سے بھی وہ
دونوں شک میں پڑجائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ان کوششوں میں
وقت ضائع کرنے کے بجائے میں اسی وقت یہ لفافہ ان تک
پہنچادوں۔ ابھی تک وہ آنکھیں بند کرکے مجھ پر اعتماد کررہے ہیں۔
لفافے کا پیغام خود ہی میرے سامنے آجائے گا۔"
"بہت عجلت ہے تمہیں اپنے نئے دوستوں تک پہنچنے کی!"
اول خان نے مسکرا کے کہا۔
"مدن موہن کی گمشدگی زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔
وہ پیچھے بے ہوش پڑا ہوا ہے جب کہ اسے چار بجے کسی اہم میٹنگ
میں شریک ہونا تھا۔ اس وقت سوا تین ہوئے ہیں۔ تم اسٹیشن فور
جارہے ہو۔ شارع فیصل پر مجھے ٹیپو سلطان روڈ کے جنکشن پر اتار
دینا۔ اپنی ذات کو شکوک وشبہات سے بالاتر رکھنے کے لیے میں
ایک نئی کہانی سوچ رہا ہوں۔ وہ چل گئی تو دو چار روز میں مدن موہن
کے سارے چاہنے والے اس کے خون کے پیاسے ہوجائیں گے۔
میں یہ بات پھر کہہ رہا ہوں کہ تمہارے لیے مدن موہن بہت کارآمد
ثابت ہوگا۔"
"ان معاملات کو تم خود ہی بہتر سمجھ سکتے ہو۔ آج ایک کامیابی
ملی ہے۔ دن خیریت سے گزر جائے تو میں سمجھوں گا کہ ہم نے
دوسری بڑی کامیابی بھی حاصل کرلی ہے" اول خان نے پُرامید لہجے
میں کہا۔
"دوسری کامیابی؟" میں نے حیرت سے پوچھا "کیا تم کہیں اور
بھی الجھے ہوئے ہیں؟"
"تم بھول رہے ہو۔ آج یوم السبت ہے۔ آئزک بیل کی
دھمکی پوری ہونے کا دن۔ آدھے سے زیادہ دن خیریت سے گزر
چکا ہے۔ خدا کرے کہ بقیہ دن بھی اسی طرح گزر جائے۔"
"اوہ۔ صبح تک مجھے بھی یاد تھا لیکن مدن موہن کے چکر میں ہر
بات ذہن سے محو ہوگئی۔"
"میں مدن موہن کو چھولداری کے بجائے کسی محفوظ ٹھکانے
پر رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ کام کرتے ہی میں گھر لوٹ آؤں گا۔ اس سے
پوچھ گچھ کا کام میرے آدمی کرلیں گے۔ ہوسکے تو سونے سے پہلے
فون پر بات کرلینا۔"
"میں خود بھی تم لوگوں سے بچھڑ کر پریشان رہتا ہوں۔ موقع
ملتے ہی بات کروں گا۔"
"ہوسکے تو جہانگیر کو بھی سمجھا دینا۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ بہت
برا سلوک کرتا ہے" اول خان نے دردمندی سے کہا "اب اس کے
لیے میدان صاف ہوچکا ہے۔ اس سے کہو کہ گھر میں بیٹھنے کے
بجائے باہر نکل کر کوئی کاروبار جمائے ورنہ اس کی بے جا باتوں سے
اس کی ازدواجی زندگی تباہ ہوجائے گی۔"
"میں پہلے ہی اسے لعن طعن کرچکا ہوں۔ بے کاری کا طویل
عرصہ گزار کر وہ ذرا کام چور ہوگیا ہے۔ اسے ایک مرتبہ پھر
سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ وہ میری بات ذرا توجہ سے سنتا ہے۔"
"اس کی بیوی بھی تمہارے گن گاتی ہے۔ کل رات ہم اسے
گھر لے آئے تھے۔ وہ جب تک رہی' تمہاری اور غزالہ کی تعریفیں
ہی کرتی رہی۔ اسے تم دونوں پر بڑا رشک آتا ہے۔"
"اور میرے لیے یہی سب سے خطرناک بات ہے۔ غزالہ مجھ
سے کھل کر شکایت نہیں کرتی مگر سلطان شاہ کی زبانی مجھے معلوم ہوا
ہے کہ میرے لیے ان عورتوں کی پسندیدگی سے بہت نالاں ہے۔
اس کا خیال ہے کہ کسی مرد کو چاہنے اور پسند کرنے کا اختیار اور حق
صرف اس کی بیوی کو حاصل ہوتا ہے۔ دوسری عورتوں کو اس
چراگاہ سے باہر رہنا چاہیے۔"
اول خان نے محظوظ ہوکر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "اب
تم عورتوں کے ساتھ درشت رویہ اپنانا شروع کردو۔ شکایتیں ایک
دم سے پیدا نہیں ہوتیں۔ یوں ہی آہستہ آہستہ پروان چڑھتی ہیں۔
جہانگیر کا حال تمہارے سامنے ہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ دونوں
آئے دن لڑتے رہتے ہوں گے۔"
"خدا کے لیے' مجھے ان سے نہ ملاؤ۔ ان کا کیس ہی کچھ اور

ہے۔"

میں نے فون پر اول خان سے مدن موہن کے اغوا کا پروگرام طے کرتے ہوئے بہت سی باتیں بتادی تھیں۔ سفر کے باقی حصے میں، مَیں نے مدن موہن کے بارے میں بدری ناتھ سے سنی ہوئی ہر بات اس کے کانوں میں ڈال دی تاکہ اسے مدن موہن سے پوچھ گچھ میں آسانی ہو سکے۔

ٹیپو سلطان روڈ والے ٹریفک سگنل سے ذرا پہلے اول خان نے مجھے سڑک کے کنارے اتارا اور پھر اپنے قیدی سمیت تیزی سے آگے روانہ ہوگیا۔ میں نے چند ثانیوں تک وہیں رک کر ٹریفک تھمنے کا انتظار کیا اور پھر سڑک پار کرکے نادرہ کے مکان کی طرف چل دیا جہاں میرے دو حریف میرے منتظر تھے۔

میں اس روز مدن موہن سے ملاقات کے لیے اپنی گاڑی نہیں لے جاسکا تھا کیونکہ کافی کوششوں کے بعد بھی اس کا انجن اسٹارٹ نہیں ہو سکا تھا۔ گاڑی کے انجن کی دیکھ بھال کے بعد جب کوئی بات میرے پلے نہیں پڑ سکی تو میں وقت برباد کرنے کے بجائے ٹیکسی سے ہی پرل کے لیے روانہ ہوگیا تاکہ وقت پر وہاں پہنچ سکوں۔ اول خان اپنے آدمیوں کے ساتھ پہلے سے وہاں موجود تھا۔ اس سے آخری تبادلۂ خیال کرکے میں نے اپنا مورچا سنبھال لیا تھا۔ کام سے نمٹنے کے بعد اول خان نے مجھے گھر پہنچادیا تھا اس طرح مجھے پوری مہم میں گاڑی کی کمی کا کوئی احساس نہیں ہوا تھا۔

میں احاطے میں داخل ہوا تو میری گاڑی کا بونٹ اٹھا ہوا تھا۔ بدری ناتھ اور رمیش اگروال تھکے ہوئے انداز میں باہر برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھے میرا انتظار کررہے تھے۔

مجھے دیکھتے ہی وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ بدری ناتھ نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا "رکشہ ٹیکسی کے رکنے کی آواز کے بغیر تم اچانک کہاں سے نازل ہوگئے؟"

ان دونوں پر اپنی واپسی کا وقت واضح کرنے کے لیے میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظریں دوڑا کر کہا "اس وقت ساڑھے تین بجے ہیں۔ سارا وقت آمدورفت میں ہی صرف ہوا ورنہ کام تو دو منٹ کا بھی نہیں تھا۔"

یہ کہہ کر میں نے اپنی جیب سے مدن موہن کا دیا ہوا لفافہ نکال کر بدری ناتھ کو تھمادیا۔ اس وقت میں اس کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس نے لفافے کو الٹ پلٹ کر جائزہ لیا پھر اس کے ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ہفتوں بعد یہ لفافہ نظروں میں آیا ہے۔ اس میں یقیناً سائفر کوڈ میں پیغام دیا گیا ہوگا" یہ کہہ کر اس نے وہیں کھڑے کھڑے لفافہ پھاڑا، خط نکال کر پھٹا ہوا لفافہ جیب میں اڑسا اور پھر تہیں کھول کر سفید کاغذ پر ملنے والے پیغام کا جائزہ لینے لگا۔

میں پوری تحریر نہیں دیکھ سکا لیکن میرا خیال تھا کہ وہ پیغام اتنا مختصر یا غیر اہم نہیں تھا کہ بدری لمحہ بھر بعد ہی وہ کاغذ رمیش کی طرف بڑھادیتا۔ کاغذ اس کے حوالے کرنے کے بعد وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا "یہ سائفر کوڈ ہی ہے۔ اندر بیٹھ کر اطمینان سے ڈی کوڈ کیے بغیر اس کا مفہوم واضح نہیں ہو سکے گا۔ یہ بتاؤ کہ مدن موہن سے تمہاری ملاقات کیسی رہی، وہ کیسا آدمی محسوس ہوا؟"

"میرے ساتھ اس کا رویّہ خشک اور واجبی سا تھا" میں نے ان دونوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا "وہ پریشان تھا۔ لابی میں رکنے کے بجائے مجھے ساتھ لے کر ہوٹل سے باہر آیا، لفافہ دے کر تمہارے ٹھکانے کے بارے میں پوچھا اور مجھے ساتھ لے کر ایک ٹیکسی میں سوار ہوگیا۔ مجھے اسی نے یہاں پر اتارا ہے۔ میں نے اشارے سے اسے یہ گلی دکھادی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت یہاں آجائے۔"

"وہ ٹیکسی میں تھا!" بدری ناتھ نے تعجب سے دہرایا "تمہیں اتار کر وہ کہاں گیا ہے؟"

اس وقت تک ہم تینوں ڈرائنگ روم میں بیٹھ چکے تھے۔ میں نے گہرا سانس لے کے کہا "وہ کسی چکر میں آیا ہوا ہے" کہہ رہا تھا کہ چار بجے کوئی ضروری میٹنگ ہے مگر وہ اس میں شرکت نہیں کرے گا۔ میری منزل معلوم کرنے کے بعد اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے ائرپورٹ چلنے کی بات کی تھی۔"

"میٹنگ، ائرپورٹ! تو کیا وہ اپنے ساتھ کچھ سفری سامان بھی لایا تھا؟" رمیش نے پوچھا۔

"میری طرح بالکل خالی ہاتھ تھا۔ اس کی باتیں الجھی الجھی اور پراسراری تھیں۔"

"پھر اس کا پیغام فوراً ہی ڈی کوڈ کرنا ہوگا" بدری ناتھ نے کاغذ رمیش کے ہاتھ سے لے کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "ہو سکتا ہے کہ اس کاغذ پر اس نے اپنے مسائل کا بھی ذکر کیا ہو۔"

وہ چلا گیا۔ میں رمیش کے ساتھ ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھا رہ گیا۔ وقت گزاری کے لیے میں نے سگریٹ سلگالی۔

"تمہاری گاڑی کے انجن پر ہم نے خاصی جھک ماری ہے" رمیش نے مجھے آگاہ کیا۔

"بھگوان تمہیں ہندی میں اس کا اجر دے گا۔ کچھ پتا چلا یا اب بھی مستری کی ضرورت پڑے گی؟"

"تمہارا ڈرائیور عقل سے بالکل پیدل ہے۔ گاڑی کا کوائل جلا ہوا ہے اور وہ کاربوریٹر صاف کرنے بیٹھ گیا تھا۔ بس کوائل بدل لو۔ گاڑی دوڑنے لگے گی۔"

"یہ معمولی سا خرچ تم بھی کرسکتے تھے۔ ڈرائیور نیا کوائل لادیتا" میں نے کہا۔

"وہ کوائل خریدنے گیا ہوا ہے۔ دراصل آج رات ہم تمہارے ساتھ شہر کی سیر کرنا چاہتے ہیں اسی لیے گاڑی کی طرف سے فکرمند تھے۔ اب تم مدن کے بارے میں تشویشناک خبریں لائے ہو۔ دیکھنا پڑے گا کہ اس نے خط میں کیا لکھا ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر اس کی مدد کرنی پڑے گی۔"

"مدد اسی صورت میں کرسکو گے کہ وہ شہر میں موجود ہو۔ مجھے تو

ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ عجلت میں جہاز سے کہیں جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ اتنا با اخلاق نہیں ہے کہ صرف مجھ جیسے اجنبی کو گھر پہنچانے کے لیے ٹیکسی میں یہاں تک دوڑا چلا آتا۔ ہو سکتا ہے کہ دفتر میں چار بجے ہونے والی میٹنگ میں اسے اپنے اوپر کسی کڑی بازپرس یا تنقید کا خوف رہا ہو اور وہ شہر چھوڑ گیا ہو۔"

"تمہاری باتیں سمجھ میں آنے والی ہیں" رمیش سہلاتے ہوئے بولا "ایسا ہوا ہے تو یہ بہت خطرناک ہوگا۔ میٹنگ سے بھاگ کر وہ اپنی گردن نہیں بچا سکے گا۔ فارن سروس میں کام کرنے والے دوسرے ملکوں میں صرف اسی وقت ایسی حرکت کرتے ہیں جب وہ اپنے ملک سے منحرف ہو کر کہیں سیاسی پناہ حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ مدن یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ کل بدری سے بات کرتے ہوئے وہ ذرا بھی پریشان نہیں تھا۔"

"تم اپنے قونصل خانے سے رابطہ کر کے معلومات حاصل کر سکتے ہو" میں نے انجان بن کر پورے خلوص سے ایک ناقابلِ عمل مشورہ دیا اور رمیش کا منہ بن گیا۔

"ہم پر پابندی ہے۔ قیامت بھی ٹوٹ پڑے تو ہم اپنوں سے رابطہ نہیں کر سکتے۔ کسی خاص مقصد کے لیے ہمیں سب سے الگ تھلگ اور گمنام رکھا جا رہا ہے۔ مدن کی ہمدردی میں ایسی کوئی حرکت کرتے ہی ہم عتاب میں آجائیں گے۔ را میں یہ عتاب بہت عبرت ناک ہوتا ہے۔"

"تو پھر تم نے مدن کو کیوں فون کیا تھا؟" میں نے کٹ حجتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ کوئی باضابطہ رابطہ نہیں تھا۔ وہ ہمارا پرانا دوست ہے۔ یہ ذاتی سطح کی باتیں ہیں جن پر پابندیاں عائد نہیں کی جا سکتیں۔ پیغام ڈی کوڈ کرتے ہی اس کا خط اور لفافہ تک جلا دیا جائے گا۔ کہیں کوئی ثبوت باقی نہیں رہے گا کہ اس نے ہمارے کام میں مدد دینے کی کوئی کوشش کی تھی۔"

"آج تم بالکل ہی سوکھے نظر آ رہے ہو۔ شاید صبح سے جن کو ہاتھ تک نہیں لگایا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ آں" وہ جن کا نام سنتے ہی جماہی لے کر بولا "کل ندیدے پن میں ہم زیادہ ہی پی گئے تھے۔ ابھی تک اس کے اثرات باقی ہیں۔ رات کی سیر سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے ہم نے آج دن میں پرہیز کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔ دل چاہ رہا ہے، بدن مانگ رہا ہے مگر ہم نے خود کو کہیں نہ کہیں مصروف رکھا ہوا ہے۔"

اس کے پاس کوئی مصروفیت تھی نہ میرے پاس کوئی کام تھا۔ بدری کی واپسی کے انتظار میں ہم دونوں وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ اسی دوران میں باہر سے گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو میں تیزی سے باہر لپکا۔ وہاں الس ٹی ایف کا ڈرائیور کوائل تبدیل کر کے گاڑی کا بونٹ بند کر چکا تھا اور انجن دھیمی آواز میں روانی سے چل رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بدری واپس آیا تو اس کے چہرے سے دبے دبے جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے آتے ہی اعلان کیا کہ مدن کے خط میں اس کے کسی ذاتی مسئلے یا پریشانی کا ذکر نہیں تھا لہٰذا اس بارے میں ہمارے سارے خدشے بے بنیاد تھے۔ وہ صرف اپنے دوستوں کا ٹھکانا دیکھنے کے لیے اس طرف آیا تھا۔

"اور علی شیر جو چار بجے والی میٹنگ کی بات کر رہا ہے، اسے کہاں لے جاؤ گے؟" رمیش نے پوچھا۔

"وہ مدن کے شگوفے بھی ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ ہمارے ساتھ علی شیر کی وفاداری کا اندازہ لگانے کے لیے اس سے ایسی باتیں کرتا رہا ہو۔ وہ بہت چلتا پرزہ ہے۔ اس کی مخالفانہ باتوں پر علی شیر ہمدردی کے دو بول بھی بولتا تو مدن اس سے لفافہ واپس لے کر رفوچکر ہو جاتا۔ وہ پیغام بہت اہم ہے۔"

"تم لوگ چاہو تو میں یہاں سے جا سکتا ہوں تاکہ تم بے فکری سے اس اہم پیغام پر تبادلۂ خیال کر سکو" میں نے نہایت معصومیت سے ان کو پیش کش کی۔

"حالات کچھ ایسے رخ پر جا رہے ہیں کہ ہمارے لیے تمہاری ضرورت اور اہمیت بڑھتی جا رہی ہے" بدری نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب تمہاری موجودگی ضروری ہے۔ تم ہماری صف میں شامل ہو چکے ہو۔"

بدری ناتھ کے وہ الفاظ میرے لیے بہت حوصلہ افزا تھے۔ اس وقت تک سب کچھ بالکل اسی طرح ہوتا چلا جا رہا تھا، جس طرح سوچا گیا تھا۔ میں ان کے قریب رہ کر ان کی جڑوں پر کاری وار لگانے کی فکر میں تھا اور وہ میری تلاش کے لیے مجھ سے ہی مدد لینا چاہ رہے تھے۔ یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ ان کے دماغ بالکل گمراہ کن راہوں پر کام کر رہے تھے۔ میں نے مدن کے اغوا کی پردہ پوشی کے لیے ان کو جو من گھڑت کہانی سنائی، اس نے انہیں تھوڑی دیر کے لیے ضرور پریشان کیا مگر پھر انہوں نے خود ہی اس کہانی کے ایسے جواز پیدا کر لیے کہ میں حیران رہ گیا۔

یہ انسان کی سب سے بڑی لغزش ہے کہ وہ ہمیشہ دیے ہوئے دائرۂ کار سے باہر رہنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ لگے بندھے ضابطوں پر چلنے کے بجائے اپنے لیے من پسند راہیں منتخب کرتا ہے اور پھر اس کے لیے نت نئی تاویلیں دریافت کر کے خود کو حق بجانب قرار دیتا چلا جاتا ہے۔ جب تک وہ تباہی کے عین دہانے پر نہ پہنچ جائے، خود کو راہِ راست پر تصور کرتا رہتا ہے اور جب اسے اپنی بھیانک غلطی کا ادراک ہوتا ہے تو واپسی کی ہر راہ مسدود ہو چکی ہوتی ہے۔

میں نے مدن موہن پر نازل ہونے والے متوقع مصائب سے اس کے عزیز ترین دوستوں کو کسی نہ کسی طرح آگاہ کر دیا تھا لیکن وہ اس کی چالاکیوں کے شیدائی تھے۔ انہوں نے میری ہر بات کو ٹال دیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ دو چار دن میں ان کو کہیں سے مدن موہن کے غائب ہونے کی خبر ملے گی تو ان کی پوری توجہ میری کہانی پر

مبذول ہو جائے گی۔ اس مرحلے پر وقت ان کے ہاتھوں سے نکل چکا ہوگا اور میں ان ہی کے ذریعے مدن موہن کے بڑوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جاؤں گا کہ وہ کسی ناگہانی مصیبت کا نشانہ بننے کے بجائے نامعلوم وجوہ کے تحت اپنی مرضی سے کہیں فرار ہوا ہے۔"

"یہ تمہارا فیصلہ ہے۔ اس میں میری مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ میں ایک آزاد پنچھی کی طرح اپنی مرضی کی فضاؤں میں پرواز کرنے کا عادی ہوں۔ یہ سمجھ لینا کہ جس دن بھی تمہاری رفاقت سے میرا دل اکتا گیا' میں چاہوں گا کہ میرا حساب بے باق کر کے خوش دلی سے مجھے رخصت کردیا جائے۔ میں جبر برداشت نہیں کرسکتا" قدرے توقف کے بعد میں نے پوری احتیاط سے کام لیتے ہوئے بدری کی پیش کش کا جواب دیا۔

بدری ناتھ کے پتلے پتلے ہونٹوں پر اس کی مخصوص استہزائیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا "تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ اپنی مرضی کی آزاد فضاؤں میں اڑنے کے شوقین پنچھی جب بھٹک کر ویرانوں اور ریگزاروں کی طرف نکل جاتے ہیں تو رزق کے ایک ایک دانے کو ترستے رہتے ہیں۔ ایک جگہ آشیانہ بنا کر ہر رات وہیں بسیرا کرنے والوں کو رزق بھی ملتا رہتا ہے اور ان کی آزادی بھی برقرار رہتی ہے۔"

"تمہیں کام سے غرض ہے" رمیش نے بدری کی بات کو سمجھتے ہوئے اضافہ کیا "تمہیں معقول معاوضے پر مناسب یا شاید تمہاری مرضی کا کام ملتا رہے گا تو تم کس طرح اکتا جاؤ گے۔ ہم بہت خراب حالات میں تم سے ٹکرائے ہیں ورنہ لوگ ہمارے لیے کام کرنے کو ترستے ہیں۔ ہمارے ساتھ رہ کر تم عیش کرسکتے ہو۔"

اس مرتبہ میرے ہنسنے کی باری تھی۔ میں نے کہا "تمہارے عیش میں دیکھ ہی رہا ہوں۔ تم تن کے چار کپڑوں کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ تمہاری باقی ضروریات کا بندوبست بازار سے کیا گیا ہے...."

بدری نے میری بات پوری ہونے سے پہلے بولنا شروع کردیا۔ "ہم باہر کام کررہے ہیں۔ تم یہیں رہ کر کام کرو گے۔ یہ تمہاری مرضی ہوگی کہ ہماری واپسی کے بعد آزاد روی اختیار کرلو یا چاہو تو ہمارے دوسرے ساتھیوں کے لئے کام کرتے رہو۔ ہمیں کارآمد اور قابل اعتماد لوگوں کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔"

"تمہارا ساتھ تو میں دیتا ہی رہوں گا۔ بعد کی بات بعد میں دیکھی جائے گی۔ مدن جیسے مغرور اور نک چڑھے لوگوں کی بالادستی میں ایک منٹ کے لیے بھی برداشت نہیں کرسکوں گا" میں نے جواب دیا۔

"ہمارے ساتھ تمہاری پہلی ملاقات خاصی بھیانک اور سنسنی خیز تھی" بدری نے مجھے یاد دلایا "یہ ایک سیکرٹ ایجنٹ کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ کسی نئے چہرے پر پہلی نظر میں اعتماد نہیں کرتا۔ اسے جانچتا اور پرکھتا ہے پھر اس کے صحیح مقام کا تعین کرتا ہے۔ وقت کے ساتھ یہ مقام خود بخود گھٹتا بڑھتا چلا جاتا ہے۔"

"اب اپنی بات کرو۔ مجھ سے تم کیا کام لینا چاہتے ہو؟" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"راس المیڈا کو شدت سے ہمارا انتظار تھا" بدری ناتھ نے اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے کاغذ پر غیر ارادی انداز میں نظر ڈال کر کہا "منصوبہ یہ تھا کہ ساگا ہمیں راس المیڈا تک پہنچاتا' راس ہمیں نک سے ملادیتا لیکن راس اور ساگا کی موت کے بعد سب کچھ بدل گیا ہے۔ ہمیں دور رہ کر نک سے ہدایات لینی ہوں گی۔ ہمارے درمیان رابطے کا کام تم سرانجام دو گے۔ بالکل اسی طرح جیسے آج تم مدن موہن سے ملے تھے۔"

"اور یہ نک کون ہے؟ کوئی مقامی کرسچین یا غیر ملکی؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"نک موڈلے کراچی میں امریکی قونصل خانے کا کوئی افسر ہے۔ ہم اس کے لیے کام کریں گے۔"

"اور یہ اطلاعات تمہیں مدن موہن نے اپنے خفیہ پیغام کے ذریعے فراہم کی ہیں؟"

"اس کے سوا اس وقت ہمارے پاس کوئی متبادل ذریعہ نہیں ہے۔"

"اس سے رابطے کا طریقہ کار کیا ہوگا؟" وہ گفتگو میرے لیے لحہ بہ لحہ سنسنی خیز ہوتی جارہی تھی۔

"وہی جو مدن موہن کے لیے تھا۔ یہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ اس بار تمہارا کوڈ ٹام کیٹ ہوگا اور تم براہِ راست قونصل خانے جا کر نک موڈلے سے ملاقات کرو گے۔ سنگین خطرات کی وجہ سے ان لوگوں نے آج کل خود کو گھروں اور دفاتر تک محدود کیا ہوا ہے۔ ہر ملاقات پر وہ اگلی ملاقات کا وقت اور مقام بتادے گا۔"

"ٹام کیٹ تو شاید کسی جنگی طیارے کا نام ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ اس وقت یہ تمہارا پاس ورڈ ہے۔ سیکورٹی والے یہ کوڈ سنتے ہی تمہیں نک موڈلے تک پہنچادیں گے۔ پہلی ملاقات کے لیے کل صبح گیارہ بجے کا وقت دیا گیا ہے" بدری نے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ڈیمی اور رویرا کی تلاش کا قصہ اب ختم سمجھوں۔"

"یہ میں نے کب کہا؟ دونوں کام ساتھ ساتھ چلیں گے" اس نے بے چینی سے پہلو بدل کر کہا۔

"وہ تم سے کس قسم کا کام لینا چاہتا ہے؟" قدرے توقف کے بعد میں نے پوچھا۔

"یہ تو پہلی ملاقات کے بعد ہی پتا چل سکے گا۔ فی الحال کچھ نہیں کہا جاسکتا" بدری نے جلدی سے جواب دیا "سچ پوچھو تو یہ ساری باتیں اس لیے ممکن ہوئیں کہ تم نے مدن سے ملنے والے لفافے سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔ تمہیں وہ جس طرح ملا اسی

طرح تم نے میرے حوالے کردیا۔"
"تمہیں کیا پتا کہ میں نے اسے نہیں کھولا؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔
"وہ خاص کاغذ سے بنے ہوئے لفافے ہیں جنہیں را میں خاص پیغام رسانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لفافے پر دونوں طرف دستخط نما بڑی بڑی لکیروں والی شناختی مہریں ایک خاص قسم کی سیاہی سے لگائی جاتی ہیں۔ وہ سیاہی ہر طرح پختہ ہوتی ہے لیکن لفافے کو بھاپ دکھا کر کھولنے کی کوشش کی جائے تو وہ سیاہی بری طرح پھیل جاتی ہے اور خاکی کاغذ کی سطح پر زرد رنگ کے دھبے نمودار ہوجاتے ہیں۔ تم نے بہت کم وقت میں وہ لفافہ میرے پاس پہنچادیا۔ یہ تمہاری نیک نیتی کا پہلا ثبوت تھا۔ دوسرا ثبوت لفافہ دیکھنے پر مل گیا۔"
"اور اگر میں وہ لفافہ ہی بدل دیتا تو کیا ہوتا؟" میں نے سوال کیا۔
"میں اسے قطعی اہمیت نہ دیتا۔ مدن کو یہاں ساری دفتری سہولتیں حاصل ہیں۔ عام حالات میں را کا کوئی ایجنٹ اہم پیغامات کی ترسیل کے لیے عام لفافہ استعمال نہیں کرتا۔ تم پر شبہ ہوجانے کی صورت میں افسوسناک نتیجہ برآمد ہوتا۔ ہم تمہیں ختم کرکے واپسی کی راہ لیتے۔ رازداری ہمارے موجودہ مشن کی بنیاد ہے۔ ہماری یہاں موجودگی کا راز کسی دشمن کے ہاتھ لگ جانے کے بعد مشن جاری نہیں رکھا جاسکتا تھا۔"
"گویا یوں کہو کہ میں نے تمہارے اعتماد کا دھوکا نہیں دیا اس وجہ سے تمہارا مشن بدستور جاری ہے۔ وہ مشن کیا ہے، تم اس سے بالکل بے خبر ہو کیونکہ تمہاری لگام نک موڈلے کے ہاتھ میں ہے۔"
"ہاں، اس وقت چیف نک موڈلے ہے۔ ہمیں اس کی ہدایات کی تعمیل کرنی ہے۔"
وہ ایک اہم اور نازک موڑ تھا۔ میں نے کسی سوچے سمجھے منصوبے کے بغیر اول خان کو مدن مدہن سے ملے ہوئے لفافے پر طبع آزمائی کرنے سے روکا تھا اور اسی ایک فعل نے ساری صورتِ حال یکسر بدل کے رکھ دی تھی۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ بدری ناتھ اور رمیش اگروال کو مذموم تخریبی مقاصد کی تکمیل اور میری بیخ کنی کے لیے بھارت سے کراچی بلایا گیا تھا مگر اس وقت تک ان مخصوص تخریبی عزائم کی نشان دہی نہیں ہوسکی تھی۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے نک موڈلے سے ایک ملاقات کے بعد بلی تھیلے سے باہر آجائے گی اور ہم ان کے عزائم سے واقف ہوکر ان کا سدِباب کرنے کی پوزیشن میں آجائیں گے۔ ان حالات میں نک موڈلے سے ملاقات سے انکار کفرانِ نعمت ہوسکتا تھا۔
وہ بڑی طاقتوں کی عالمگیر سازشوں کی کوئی پراسرار کڑی تھی۔ یہ بات بعید از قیاس تھی کہ ایسے کسی مشن کے لیے ایک یا چند افراد پر کلی انحصار کرلیا جاتا۔ میں انکار کردیتا اور را کے ان دونوں ایجنٹوں کا پتا صاف کردیتا تب بھی نک موڈلے اپنے عزائم سے دست بردار نہ ہوتا۔ اس کے کام میں تاخیر ضرور ہوسکتی تھی مگر وہ دوسرے لوگوں کے ذریعے تکمیل کے مراحل تک پہنچتا اور ہم بے خبری میں مار کھا جاتے۔
نک موڈلے سے ملاقات ہر اعتبار سے ضروری اور ناگزیر نظر آرہی تھی مگر اس میں سنگین خطرات پوشیدہ تھے۔
اس ملاقات کے لیے میں اپنی جگہ سلطان شاہ کو نہیں بھیج سکتا تھا۔ پورے پس منظر سے واقف نہ ہونے کی بنا پر وہ نک موڈلے کے سامنے بے نقاب ہوسکتا تھا۔ میں خود جاتا تو پہچان لیے جانے کا ڈر تھا۔ میری ذات ان کے لیے دلچسپی کا خاص موضوع بنی ہوئی تھی۔ ان کا قونصل خانہ مسلح محافظوں اور خفیہ کمانڈوز میں گھرا ہوا ایک قلعہ تھا جہاں داخل ہونے والا اپنی مرضی سے واپس

نہیں آسکتا تھا۔
میں سنتا رہا تھا کہ حفاظتی بندوبست کے نام پر انہوں نے اپنے قونصل خانے میں بے شمار خفیہ کیمرے نصب کئے ہوئے تھے جن سے ہر آنے والے کی حرکات و سکنات کو آخر تک مانیٹر کیا جاتا تھا۔ ان کیمروں سے اسکرین پر ملنے والی فلموں کی پڑتال اور مانیٹرنگ کے لیے ایسے ماہرین موجود ہوسکتے تھے جو امریکی مفادات کے سرگرم دشمنوں کو پہلی نظر میں پہچان لینے میں کمال کی مہارت رکھتے ہوں۔ میں مدن موہن جیسے اوباش اور یکہ و تنہا ایجنٹ کو فریب دے کر پھانسنے میں کامیاب ہوچکا تھا لیکن جدید سہولتوں سے لیس اس نظام کو شکست دینا میرے بس سے باہر تھا۔
میں نے انہیں گہرے گھاؤ لگائے تھے۔ ان کی چار دیواری سے باہر رہ کر ان کے مایہ ناز دماغوں کو خاک و خون میں نہلا دیا تھا۔ وہ مجھے بھول سکتے تھے نہ معاف کرسکتے تھے۔ میں ایک بار ان کی دہلیز پر قدم رکھ دیتا اور وہاں پہچان لیا جاتا تو میرے عبرت ناک انجام کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا تھا۔
مدن موہن ایس ٹی ایف کی تحویل میں جاچکا تھا۔ بدری ناتھ اور رمیش اگروال ہر لمحے میری دسترس میں تھے۔ نک موڈلے کی اوٹ میں مزید کامیابیاں میری منتظر تھیں مگر مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار تھا۔ فوری طور پر میں بدری ناتھ کی پیش کش قبول کرسکتا تھا نہ اسے مسترد کرسکتا تھا۔
آخر میں نے اسی سے بات کرنے کا فیصلہ کرکے کہا "ابھی تک میرا اور تمہارا سمجھوتا چل رہا ہے۔ معاوضہ لے کر میں تمہارے لیے کام کررہا ہوں لیکن اب یوں معلوم ہورہا ہے جیسے تم مجھے نک موڈلے کے ہاتھوں بیچ رہے ہو۔ مجھے تمہارے ساتھ ساتھ اسے بھی اپنا آقا تسلیم کرنا ہوگا۔ میرے لیے یہ کڑوی گولی ہے۔"
"وہ ہمارا چیف ہوگا۔ تمہیں اس سے ہدایات لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ تم کو ہمارے پیغام رساں کا کردار ادا کرنا ہے۔ اس بارے میں تم ضرورت سے زیادہ سوچ رہے ہو" بدری ناتھ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔
"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے جو تم کہہ رہے ہو لیکن نک موڈلے براہِ راست مجھے کوئی ہدایت دے بیٹھا تو کیا ہوگا۔ وہ تمہارا چیف ہے اور میں تمہارا تابع۔ میرے انکار کا طوق کس کی گردن میں آئے گا؟"
"یہ نہیں ہوسکتا' یہ نہیں ہوگا" میرے ذہنی تحفظات کا اندازہ لگا کر بدری ناتھ نے پُرزور لہجے میں کہا "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا۔ کسی بھی مرحلے پر میں نک موڈلے پر یہ بات واضح کردوں گا کہ وہ تم سے براہِ راست کوئی تعلق پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔"
"اپنے مسائل کے بارے میں فکرمند ہونا میرا حق ہے۔ تمہارا ایک فقرہ میرے ذہن سے یہ تفکرات نہیں کھرچ سکتا۔ ایسا ہی ہے تو مجھے سوچنے کے لیے مہلت دو۔ کل صبح گیارہ بجے میں وہاں نہیں جاؤں گا۔ میں مطمئن ہوگیا تو یہ ملاقات پرسوں ہوسکتی ہے۔ اس سے پہلے ناممکن ہے۔"
"چیف کے دیئے ہوئے وقت کو ٹالنا میرے بس سے باہر ہے۔ ان کاموں میں آدمی ہر وقت اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے لیکن ڈسپلن کے معاملے میں اسے ایک روبوٹ بننا پڑتا ہے۔ نک موڈلے نے جو کہہ دیا ہے اس پر عمل ہوگا۔ اس سے انحراف کیا گیا تو ہمیں سزا بھگتنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔"
"کہیں تم مجھے سزا کی دھمکی تو نہیں دے رہے؟" میں نے چونک کر اس سے پوچھا۔
"اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم سروس سے باہر کے آدمی ہو۔ میں اپنی بات کررہا تھا۔ الزام میرے اوپر آئے گا کہ میں نے قاصد کے طور پر ایسے آدمی کا انتخاب کیا جو اچانک ہی اپنے کام سے منحرف ہوگیا۔"
"اور اس ناکردہ جرم پر نک موڈلے تمہیں سزا دے گا؟" میں نے تلخی سے پوچھا۔
"اسے پورا حق حاصل ہوگا۔ وہ خاموش رہا تو میرے بڑے خاموش نہیں رہیں گے۔ تمہارے اس انکار کا طوق میری گردن میں پڑے گا۔ میں نے پوری صورتِ حال تمہارے سامنے رکھ دی ہے۔ اب تم اپنا فیصلہ کرسکتے ہو۔"
بدری ناتھ ذرا سی دیر پہلے کہہ چکا تھا کہ میں نے مدن موہن کے دیئے ہوئے خط کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی ہوتی تو وہ مجھے مار کر خاموشی سے بھارت واپسی کی راہ اختیار کرلیتا۔ میں سمجھ سکتا تھا کہ میرے انکار کے بعد بھی اس کا وہی ردِعمل ہوتا۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ اپنی کسی مکروہ کوشش میں کامیاب نہ ہوپاتا۔
"ابھی پیغام ملا ہے اور تم اسی وقت علی شیر کا فیصلہ سننا چاہ رہے ہو" رمیش نے اس گفتگو میں پہلی مرتبہ دخل انداز ہوتے ہوئے زبان کھولی "صبح کے گیارہ بجنے میں ابھی سترہ گھنٹے سے زیادہ وقت باقی ہے۔ علی شیر کو سوچنے دو۔ ہوسکتا ہے کہ نک سے ملاقات کا وقت آنے سے پہلے ہی یہ کسی اچھے فیصلے پر پہنچ جائے۔"
"ہاں ہاں۔ میں بھی اسی وقت جواب نہیں مانگ رہا" بدری ناتھ نے اس کی تائید کی "بات شروع ہوئی تو مجھے سب کچھ بتانا پڑ گیا۔ علی شیر کو مقررہ وقت سے پہلے کوئی آخری فیصلہ کرنا ہے۔"
اسی وقت خانساماں نے آکر اطلاع دی کہ میرے کمرے میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ میں فوراً وہاں سے اٹھ گیا۔
دوسری طرف سے ویرا بول رہی تھی۔ میری آواز سنتے ہی اس نے سوال کرڈالا "کل شام سے تم گھر سے بھاگے ہوئے ہو۔ کس وقت تک واپس آرہے ہو؟ یہاں سلطان شاہ سے میری ذرا سی بدمزگی ہوگئی ہے۔"
وہ انکشاف سنتے ہی میں چڑ گیا "مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں

مجھے قبر میں بھی چین نہیں لینے دو گے۔ میں اپنے مسائل میں گھرا ہوا ہوں۔ آج واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ صبح گیارہ بجے شاید مجھے امریکی قونصل خانے جانا پڑ جائے۔"

"امریکی قونصل خانے....." ریسیور پر ویرا کی تحیر زدہ چیخ گونجی۔ "کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرنا۔ تمہاری راکھ تک کا پتا نہیں چل سکے گا۔ تمہیں یہ وحشت ناک خیال کیوں آیا؟"

میں نے مختصر ترین الفاظ میں اسے تازہ پس منظر سے آگاہ کرتے ہوئے تاکید کی "یہ سب باتیں اول خان کو بتا کر آپس میں مشورہ کر لینا۔ میں سات بجے سے پہلے اول خان کے فون کا انتظار کروں گا۔ اس وقت میں اس کے مشورے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ یہ دشمن کے حلق میں ہاتھ ڈالنے کا ایک نایاب لیکن خطرناک موقع ہے۔"

"میں اسے بتا دوں گی مگر مجھے یہ سب گڑبڑ ہی معلوم ہو رہی ہے۔ تم اپنی دانست میں ان دونوں کو پھانسے بیٹھے ہو اور یہ سمجھ رہے ہو کہ جب چاہو گے انہیں مار لو گے۔ ادھر وہ تمہیں پہچان لینے کے باوجود انجان بن کر تمہارے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے وہ بہت مکاری سے ساتھ تمہیں امریکی قونصل خانے میں پہنچانے کے مشن پر کام کر رہے ہیں۔ باقی سب ڈھکوسلا ہے۔ ان سے ہوشیار رہو اور موقع ملتے ہی ان کے نرخرے کاٹ دو۔ وہ تمہارے ساتھ کوئی بہت اونچا چکر چلانے کی فکر میں ہیں۔"

ویرا نے اس امکان کی نشاندہی کر کے مجھے ایک نئی تشویش میں مبتلا کر دیا۔ بادی النظر میں اس کی بات دل کو لگتی تھی۔ میں نے کہا "اس وقت تم نے مجھے ایک بالکل نئی بات سجھائی ہے۔ میں اس پر بھی غور کرتا ہوں مگر سات بجے سے پہلے اول خان سے بات ضرور کرا دینا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد میں انہیں لے کر باہر نکل جاؤں۔"

"اب ہمارے جھگڑے کی پروا نہ کرنا۔ سلطان شاہ کو میں خود دیکھ لوں گی۔ تمہارا معاملہ بہت گمبھیر ہو گیا ہے۔ یکسو ہو کر اسی پر توجہ مرکوز رکھو۔ میرا اندازہ ہے کہ کل صبح تک تم یہ تماشا بند کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

"غزالہ کا دھیان رکھنا۔ بلیک ہی کے بارے میں اس کی چھٹی حس نے کچھ کام دکھایا ہے۔ اس وقت تمہاری دلجوئی اس پر بہت زیادہ اثر انداز ہو گی۔ پتا نہیں اس رات تمہارے سر پر کیا شیطان سوار ہوا تھا۔"

"غزالہ کی طرف سے بے فکر رہو" اس نے ایک جاندار قہقہہ لگا کر کہا "وہ مجھے تم سے زیادہ عزیز ہے۔"

ویرا نے وہ ذو معنی فقرہ ادا کر کے فون بند کر دیا اور میں سوچتا ہی رہ گیا کہ وہ کیا کہہ گئی تھی۔

میں بستر پر دراز ہو کر دیر تک ساری امکانی صورتیں اپنے ذہن میں گھماتا رہا اور پھر ایک فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ کر ان دونوں کی طرف چل دیا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھے اسکاچ کی بوتلوں کو دیکھ دیکھ کر اپنا دل بہلا رہے تھے۔

"تمہارے چہرے پر چمک نظر آ رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسئلے کا کوئی حل مل گیا ہے۔" رمیش نے ہنس کر کہا۔

"تک موڈلے کے لیے میں ایک بے نام اجنبی ہوں جسے صرف نام کیٹ کے پاس ورڈ سے پہچانا جا سکتا ہے۔ اگر میرا کردار اسی قدر مختصر اور غیر اہم ہے تو میری جگہ تم دونوں میں سے کوئی کیوں نہیں چلا جاتا؟" میں نے کہا۔

"میں تمہیں ہر بات بتا چکا ہوں۔ ہمیں اپنوں سے دور رہنے کا حکم ملا ہے۔ تک بھی ہمیں اپنے آس پاس نہیں دیکھنا چاہتا۔ ہم اس ڈسپلن کے خلاف کیسے جا سکتے ہیں؟" بدری ناتھ نے اپنا مشغلہ ترک کر کے ایک جوابی سوال کر ڈالا۔

"اپنے نام سے نہیں، تم نام کیٹ بن کر جا سکتے ہو۔ اس کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چل سکے گا کہ آدمی بدل گیا ہے۔ تم سزا سے بچ جاؤ گے۔ میں ذہنی الجھن سے بچا رہوں گا۔ سب کام سیدھے ہو جائیں گے۔"

بدری ناتھ کی آنکھیں چمکنے لگیں "تمہاری تجویز بہت اچھی ہے مگر ہم دونوں میں سے کوئی بھی ادھر نہیں جا سکتا۔ یہ فیکس، کمپیوٹر اور سٹیلائٹ کا دور ہے۔ اگر ہمیں تک موڈلے کے لیے ہی بھیجا گیا ہے تو یقین رکھو کہ ہم سے پہلے ہمارا باتصویر کوائف نامہ اس کی میز پر پہنچ چکا ہو گا۔ قونصل خانے کے پھاٹک پر لگے ہوئے وڈیو کیمروں کے ذریعے ہم دونوں میں سے کسی کی صورت اسکرین پر دیکھتے ہی وہ انٹر کام پر مسلح محافظوں کو حکم دے گا اور وہ ہمیں دھکے دے کر وہاں سے بھگا دیں گے۔ ڈسپلن کی اس خلاف ورزی پر میری بہت بری درگت بنے گی۔ ہم ادھر جا ہی نہیں سکتے۔ گیٹ پر نہیں تو اندر تک خود ہمیں پہچان لے گا۔ میرا پورا کیریئر تباہ ہو کر رہ جائے گا۔"

میں برا سا منہ بنا کر اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔ ایک طرف وہ میری تجویز کی تعریف کر رہا تھا اور دوسری طرف اس کے ناقابل عمل ہونے کے بارے میں مضبوط دلائل دے رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کیا چاہ رہا تھا۔

"کیوں، مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہو؟" چند لمحوں بعد بدری ناتھ نے پوچھا۔

"میری تجویز اسی قدر ناقابلِ عمل ہے تو پھر اس کی تعریف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے چیخ کر پوچھا۔

"تجویز واقعی بہت شان دار ہے۔ تم بہت دور کی کوڑی لائے ہو۔ سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔ بس مجھے یا رمیش کو مجبور نہ کرو۔ اپنے اعتماد کا کوئی تیسرا آدمی تلاش کر لو جو

ہمارے اعتماد کو دھوکا نہ دے۔ تم وہاں جانے سے جھجک رہے ہو۔ تمہارے ذہن میں اٹک پیدا ہوگئی ہے۔ میری طرف سے اجازت ہے کہ کسی اور کو نام کیٹ بنا کر وہاں بھیج دو مگر پھر ہر بار اسی کو وہاں جانا ہوگا۔"

اس کی بات واضح ہوتے ہی میرے ذہن میں ایک سنسنی خیز جھماکا ہوا مگر میں نے بظاہر پُرسکون رہتے ہوئے کہا "تمہاری باتیں بہت گنجلک اور مبہم ہیں۔ میری تجویز ناقابلِ عمل ہے مگر پھر بھی شان دار ہے۔ تم یا رمیش اس موقع سے فائدہ اٹھانے پر آمادہ نہیں ہو بلکہ اپنے بجائے کسی اور شخص کو چارا بنانا چاہ رہے ہو۔ مجھے اپنی گردن بچانے کے لیے خود ہی کسی اور کو پھانسنا ہوگا۔ یہ سب کیا ہے؟ تم میرے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہے ہو؟"

"میری جان!" وکرم یا بدری ناتھ نے میری طرف جھک کر پُرجوش لہجے میں کہا "سیکرٹ ایجنٹ بننا آسان کام نہیں ہوتا۔ اس میدان میں زندگی اور موت کے درمیان بس ایک باریک سی لکیر حائل ہوتی ہے۔ ہر وقت اس کا دھیان رکھا جائے تو آدمی کامیاب رہتا ہے ورنہ پھر اسے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے......"

"کیا میں یہ سمجھ لوں کہ محبت، دوستی اور اعتماد کی آڑ لے کر تم مجھے دھمکی دینے کی کوشش کر رہے ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے ترش لہجے میں سوال کیا۔

"تم میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ تم ذرا بھی توقف کیے بغیر ہر بات کے بدترین پہلو کا اندازہ لگا لیتے ہو اور شاید ہر شخص کی طرف سے بدگمانیوں کا شکار ہو جاتے ہو۔" بدری ناتھ نے ایک طویل اور گہرا سانس لے کر مجروح لہجے میں کہا "یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

"یہ میری عادت ضرور ہے۔" راجن یا رمیش اگروال نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "مگر ایک سیکرٹ ایجنٹ کی یہی سب سے بڑی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے اور اپنے حریف کے ہر قول و فعل کے تاریک پہلوؤں سے ہر وقت باخبر رہتا ہے اور نپے تلے خطرات مول لے کر اپنی چال چلتا ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ علی شیر میں یہ صلاحیت قدرتی طور پر موجود ہے۔ یہ ہمارے لیے بہت کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔"

"تم نے بہت دور کی بات سوچی ہے۔" بدری ناتھ نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے رمیش اگروال سے کہا پھر وہ خاموش ہو کر چند ثانیوں تک جواب طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ میں نے اس کی نگاہوں کو نظرانداز کر دیا اور برا سا منہ بنا کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

"شاید تم رمیش کی بات پوری طرح نہیں سمجھ سکے۔" میرے حوصلہ شکن ردِعمل پر بدری ناتھ نے مکاری سے کہا "تم چاہو تو بہت آسانی سے ایک اچھے سیکرٹ ایجنٹ بن سکتے ہو۔"

"میں مر کر بھی تمہارے اسپیشل سروسز بیورو کا ایجنٹ بننا پسند نہیں کروں گا۔" میں نے الفاظ کی اس پُرپیچ لڑائی میں زور پیدا کرنے کے لیے حقارت سے کہا "میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ جرائم سے روزی حاصل کرنے سے آدمی کی وطن دوستی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ مجرم بھی عام لوگوں کی طرح محبِ وطن ہوتے ہیں۔ ایس ایس بی کا ایجنٹ بن کر تو میں خود کو تمہارے ہاتھ بیچ دوں گا...... تمہیں اسی ایک بات سے مسٹر سراج سمجھ لینا چاہیے کہ میں تمہارا ساتھ دے رہا ہوں لیکن نک موڈلے کی غلامی سے مجھے نفرت ہے۔"

بدری ناتھ نے اپنے مخصوص سفاکانہ انداز میں مسکراتے ہوئے تیزی سے کہا "بس، بس۔ اب مجھے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ اپنے آخری فقروں میں تم نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دے دیا ہے۔"

"کیا جواب؟" میں نے بھڑک کر پوچھا "میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

"تم معاملہ فہم اور چالاک ضرور ہو مگر تمہیں تربیت کی ضرورت ہے۔" وہ بولا "تم کو تھوڑی سی تربیت مل گئی ہوتی تو تم نے ایسی کمزور باتیں نہ کی ہوتیں جو تمہارے دعوے کے خلاف جاتی ہیں۔"

"آخر میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی ہے جسے تم اتنا طول دے رہے ہو؟" میں نے جھلّا کر سوال کیا۔

"ہم ایس ایس بی کے ایجنٹ ہیں۔ یہ بات تم پر واضح ہو چکی ہے۔ تم ہمارے لیے ایک اجرتی کارندے کے طور پر کام کر رہے ہو۔ تمہاری ہمدردیاں اور وفاداریاں ہمارے یعنی ایس ایس بی کے ساتھ ہیں۔ یہ ایک گئی گزری پوزیشن ہے۔ ایس ایس بی کا ایجنٹ بن کر بھی تم کو یہی کام کرنے ہوں گے جو تم اس وقت کر رہے ہو لیکن تمہارا مقام بہت بلند ہو جائے گا۔ ایس ایس بی اپنے مخصوص اور محنتی ایجنٹوں کو اس طرح نوازتی ہے کہ وہ چند ہی برس میں لکھ پتی ہو جاتے ہیں۔ حسن و شباب اور عیش و نشاط سے لطف اندوز ہونا بہرحال کام کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ یہ عیاشیاں مفت میں ہاتھ آ جاتی ہیں۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ اس وقت میں نے تم سے ڈینی کے معاملے میں ایک ڈیل کی ہے۔ ڈینی واقعی یہاں کا ایک خطرناک اور خود سر بدمعاش ہے۔ اس سے ہر شخص خوف کھاتا ہے۔ اس نے زیرِ زمین دنیا کے بڑے بڑے ناموں کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ اگر میری کسی ترکیب سے اس کا پتّا صاف ہو جاتا ہے تو کراچی میں بہت سے لوگ سکھ کی نیند سو سکیں گے۔ ڈینی کی ذات سے پاکستان کا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہاں قدم جمانے کی کوشش کرنے والے غیر ملکیوں سے اسے کوئی پرخاش نہیں ہوگی۔ وہ پکا بلیک میلر ہے۔ انہیں بلیک میل کر کے لمبی رقمیں اینٹھنے کی کوشش کرتا ہوگا اور ان کے انکار پر ان کے خون کا پیاسا بن جاتا

ہوگا۔ وہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے ان سے لڑتا ہے۔ ایسے آدمی کو مواکر میں اپنے وطن سے کوئی غداری نہیں کروں گا۔"

میں نے دیکھا کہ میری گفتگو کے دوران ان دونوں میں کئی بار معنی خیز نظروں کا تبادلہ ہوا تھا۔ میں ڈینی کے بارے میں وہی کچھ کہہ رہا تھا جو وہ مجھے سمجھانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ میرے خاموش ہونے پر بدری ناتھ نے مجھے ٹوکا "ڈینی کے بارے میں یہ باتیں ہم خود بھی جانتے ہیں۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم ایس ایس بی کا ایجنٹ بننا کیوں پسند نہیں کرتے۔"

"اوہ..... میرا خیال ہے کہ میں ذرا بہک گیا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ ڈینی کو تمہارے حوالے کرنے کے بعد میرا موجودہ معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ اگلی بار تم نے میری مرضی کا کام دیا تو گاڑی چلتی رہے گی۔ جس کام پر مجھے غداری کا ذرا بھی شبہ ہوا، وہ میرے ذریعے پورا نہیں ہو سکے گا۔ میں را یا ایس ایس بی کا ایجنٹ بن گیا تو میری یہ آزادی چھن جائے گی۔ مجھے اپنے سپرد کیا جانے والا ہر کام سرانجام دینا ہوگا۔ تم لوگ پاکستان کے خیر خواہ نہیں ہو۔ مجھے ایسے کام بھی کرنے پڑیں گے جو میرے ضمیر کے خلاف ہوں گے۔"

"تمہیں یہ خوف نہیں ہے کہ تمہارے اس انکار کے بعد ہم تمہارے خلاف کوئی سفاکانہ قدم بھی اٹھا سکتے ہیں؟" رمیش اگروال نے قدرے حیرت سے کہا۔

وہ اس کا ایک فطری سوال تھا۔ تھوڑی دیر پہلے بدری ناتھ کھلے الفاظ میں بتا چکا تھا کہ میں نے مدن موہن کے دیے ہوئے لفافے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی ہوتی تو قصہ وہیں ختم ہو جاتا۔ وہ مجھ سے کام لینے کے بجائے مجھے ختم کر کے فرار کی راہ اختیار کر لیتے۔ یہ بات سمجھنے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی کہ ان کی مرضی سے کسی بھی انحراف کی صورت میں وہی نازک اور خطرناک موڑ دوبارہ بھی آ سکتا تھا۔ وہ اپنے تجربے اور تربیت کے زعم میں مبتلا تھے تو مجھے بھی اپنی چھٹی حس پر ناز تھا۔ میں نے سرد اور بے رحمانہ نظروں سے رمیش کو گھورا اور پھر سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اپنی کہی ہوئی باتوں کو بار بار دہرانے والے لوگ ڈرپوک اور... خود اعتمادی سے عاری ہوتے ہیں۔ اب تک تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ تمہاری کھوکھلی دھمکیاں میرے لیے بالکل بے اثر ثابت ہوں گی۔ اختلاف کی صورت میں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو جانا ہم دونوں کا ہی حق ہے لیکن میں تمہاری کمزوری بھانپ چکا ہوں۔ ساگا، حاجی دل مراد اور بخشش سے گزرنے کے بعد تم مجھ تک پہنچے ہو۔ میں را کا ایجنٹ بنوں یا نہ بنوں، تم شدت سے میری ضرورت محسوس کرتے رہو گے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اتنی دشواری سے مجھے دریافت کرنے کے بعد تم میرے اوپر ہتھیار اٹھانے کی سنگین حماقت نہیں کرو گے۔ ایسی جسارت کے الٹے نتائج بھی نکل سکتے ہیں۔"

بدری ناتھ دوستانہ انداز میں ہنس پڑا۔ اس نے درمیان سے میری بات اچکنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ پوری توجہ سے میری رائے سنتا رہا تھا۔ میری بات مکمل ہو جانے پر اس نے مصالحانہ لہجے میں کہا "تم رمیش کی باتوں پر نہ جاؤ۔ تمہارا یہ خیال درست ہے کہ میں آسانی سے تمہیں گنوانا پسند نہیں کروں گا۔ میں تمہیں را کا نہیں، ایس ایس بی کا ایجنٹ بنوانا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ایس ایس بی بھارت اور پاکستان کے درمیان نفرتوں کی خلیج کو پاٹنے کا کام کر رہی ہے تاکہ دونوں ملکوں کے عوام اپنا پیٹ کاٹ کر بڑی بڑی فوجوں کو پالنے اور مہلک ہتھیاروں کے انبار جمع کرنے کے بجائے امن اور خوش حالی کی زندگی شروع کر سکیں۔ جب ہر طرف نفرت کی آگ بھڑک رہی ہو تو محبت اور بھائی چارے کے نعرے ایک مقدس مشن کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ ایس ایس بی، را کی ہی ایک شاخ ہے مگر میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ اس میں شامل ہونے کے بعد تم سے ایسا کوئی کام نہیں لیا جائے گا جس پر تمہیں پشیمانی ہو یا تمہارا ضمیر تمہیں ملامت کرنے لگے۔"

"تمہیں اپنے بارے میں خاصی خوش گمانی ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا "تم کس بل بوتے پر مجھے یہ یقین دہانی کرا رہے ہو۔ تمہارا تو یہ حال ہے کہ دو روز پہلے تم خود یہاں کسی سہارے کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ کٹھ پتلیاں اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ تم دونوں کی ڈوریاں وہ نادیدہ بڑے ہلا رہے ہیں جو سرحد پار، نئی دہلی میں بیٹھے ہیں۔ اب یہی دیکھ لو کہ اچانک ہی انہوں نے تم دونوں کو نک موڈلے کے ہاتھوں بیچنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں تم جیسے بے بس اور مجبور دوستوں کی یقین دہانیوں پر کیسے بھروسا کر سکتا ہوں؟"

"ہم اصل موضوع سے بھٹک رہے ہیں۔" بات بنتی نہ دیکھ کر رمیش نے بدری کو یاد دلایا۔

"ہاں...... یہ ہم کہاں بھٹک گئے۔" اس نے میری غیر محسوس برین واشنگ کا سلسلہ ترک کر کے جلدی سے کہا "بات نک موڈلے سے ملاقات کی ہو رہی تھی۔ تم کو کسی اور کو ٹام کیٹ بنا کر نک موڈلے کے پاس بھیجنا ہے۔"

میں نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا "تم سے بیس ہزار ڈالر میں ڈینی کی تلاش کا سمجھوتا ہوا ہے۔ یہ ایک الگ معاملہ ہے۔ تم خود یہ بات تسلیم کر چکے ہو۔ اس کا الگ معاوضہ ہوگا۔"

میرے جواب پر بدری کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ بے ساختہ بول پڑا "دس ہزار اس کام کے ملیں گے۔"

"یہ رقم زیادہ ہے۔" میں نے کسی خوشی کا مظاہرہ کیے بغیر رسانیت سے کہا "میں زمین پر ٹک کر چلنے والوں میں سے ہوں، ہوا میں اڑنے کے خواب نہیں دیکھتا۔ ایک دم اتنی بڑی رقم مل گئی تو ہو سکتا ہے کہ میں بھی کام کرنے کے بجائے دن رات شراب و شباب کے نشے میں بدمست پڑا رہوں۔"

"یہ اور بھی اچھی بات ہے۔ بولو تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے خوش ہو کر پوچھا۔

"صرف پانچ ہزار ڈالر۔ مگر یہ تام کیٹ کی صرف ایک ملاقات کا معاوضہ ہوگا۔ اگر اسے بار بار نک موڈلے سے ملنا پڑا تو ہر بار تم مجھے اتنی ہی رقم ادا کرو گے۔" میں نے کہا۔

میری وضاحت پر بدری ناتھ کا منہ لٹک گیا "یہ بہت زیادہ رقم ہے۔ اسے دس بار بھیجا گیا تو یہ رقم پچاس ہزار ڈالر تک پہنچ جائے گی۔ یہ ڈیڈی کی تلاش کے مقابلے میں ایک معمولی سا کام ہے اور اس کے لیے تم اس سے کئی گنا زیادہ معاوضہ مانگ رہے ہو۔ یہ زیادتی ہے۔"

"ڈیڈی کو میں خود تلاش کر رہا ہوں۔" میں نے اس کی بے چارگی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "پوری رقم میری جیب میں رہے گی۔ نک موڈلے سے ملاقات کے لیے مجھے کسی اور کو تیار کرنا ہوگا۔ ہمارے دیسی بدمعاش جاسوسی وغیرہ کے چکر میں پکڑے جانے کے خوف سے غیر ملکیوں اور خاص طور پر سفارت کاروں سے میلوں دور بھاگتے ہیں۔ تمہیں محبِ وطن مجرموں کی اس نفسیات کا علم ہونا چاہیے۔"

"پانچ ہزار ڈالر زیادہ ہیں۔ رقم آدھی کرلو۔" اس نے نرمی سے کہا۔

میرے لیے آدھی یا پوری رقم کی پرکاہ برابر بھی اہمیت نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں اپنے ساتھ جعلی ڈالروں کا ذخیرہ لے کر آئے تھے۔ ان جعلی ڈالروں کو بازار میں پھیلا کر ایک محدود منڈی میں امریکی ڈالر کی ..... ساکھ خراب کی جاسکتی تھی مگر مجھے اس سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں رقم کے معاملے پر بحث کر کے اسے اپنی نیک نیتی کا یقین دلانا چاہتا تھا۔ اگر میں خاموشی سے اس کی ہر بات مان لیتا تو اسے میرے عزائم پر شبہ ہوسکتا تھا۔

ان دونوں پر مالی دباؤ ڈال کر میں ایک اور بات بھی واضح کرنی چاہتا تھا۔ وہ دونوں جعلی ڈالروں سے بھرا ہوا تھیلا لے کر بھارت سے آئے تھے۔ انہوں نے اپنی دانست میں وہ تھیلا حاجی دل مراد کے پاس امانت کے طور پر رکھوا دیا تھا اور اس میں سے اپنی ضرورت کے لیے سو ڈالر کے نوٹوں کی چند گڈیاں لے لی تھیں۔ وہ اس گمان میں تھے کہ جب چاہیں گے، دل مراد سے اپنی رقم لے لیں گے جب کہ بخشل نے کھل کر اول خان کو بتا دیا تھا کہ دل مراد بھارت سے آئے ہوئے ایجنٹوں کو کسی سرکاری ایجنسی کی تحویل میں دے دے گا مگر ان کی رقم کے تھیلے سے کسی بھی صورت میں دستبردار نہیں ہوگا۔ میری خواہش تھی کہ ان دونوں کو جلد ہی اپنی اس مفلسی کا احساس ہوجائے۔

تھوڑی سی ردوکد کے بعد میں نک موڈلے والے معاملے میں تین ہزار ڈالر فی ملاقات پر راضی ہوگیا۔

"لاؤ۔ اب اس مد میں بھی دس ہزار پیشگی دے دو۔" بات طے ہوتے ہی میں نے مطالبہ کردیا۔

"دس ہزار کس بات کے؟" رمیش اگروال کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں۔

"تمہارا اندازہ ہے کہ ملاقاتوں کا یہ سلسلہ لمبا چلے گا..... فی الحال دس ہزار دے دو۔ باقی حساب کتاب آخر میں کرلیا جائے گا۔ مجھے آگے بھی رقم دینی ہوگی۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"ابھی پہلی ملاقات کی بات ہے۔ اس مد میں ڈیڑھ ہزار پیشگی لے لو۔" بدری ناتھ نے اپنی جیب سے زیرِ استعمال نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر گنتے ہوئے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ ہماری ساری رقم حاجی دل مراد کے پاس محفوظ ہے۔ ہم اپنی ضرورت کے لیے زیادہ رقم نہیں لائے تھے۔"

"اب تمہیں ایک محفوظ ٹھکانا مل چکا ہے تو تمہاری رقم تمہارے پاس ہونی چاہیے۔"

"تم پیسے کے معاملے میں بہت خود غرض اور لالچی ہو۔" بدری ناتھ کی آواز میں ہلکی سی ناگواری عود کر آئی "میں حاجی دل مراد کو ایک فون کروں گا اور رقم مل جائے گی۔"

"میرا مشورہ ہے کہ یہ نیک کام اسی وقت کرلو۔ دل مراد پیسے کے لیے ہی سارے ہیر پھیر کرتا ہے۔ وہ مفت میں ہاتھ آئی ہوئی دولت سے اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔" میں نے کہا۔

میرے الفاظ ٹھیک نشانے پر بیٹھے۔ ان دونوں نے اضطراری طور پر ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر رمیش اگروال بے ساختہ بول پڑا "اپنی عورت اور اپنی دولت اپنے قبضے میں اچھی لگتی ہے۔ علی شیر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اب ہمیں حاجی دل مراد سے کیا لینا؟ ہمارا تھیلا ہمارے پاس ہونا چاہیے۔"

وہم دنیا کا ایک لاعلاج مرض ہے اور اس مرض کا علاج حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔ میں نے ایک جانی بوجھی حقیقت کا سہارا لے کر ان دونوں کے دلوں میں وہم کا ایک ایسا بیج بویا تھا کہ بدری ناتھ بھی مضطرب ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوگیا "بہتر ہے کہ میں اسی وقت فون کرلوں۔"

اس بار مجھے خفیہ طور پر اس کی گفتگو سننے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے پوری بات میری موجودگی میں ہی کی۔ دوسری طرف کا ردِعمل ابتدا ہی سے اس قدر حوصلہ شکن تھا کہ بدری ناتھ بوکھلا گیا۔

اسے بتایا گیا کہ دل مراد ملک میں موجود نہیں تھا اور کئی ہفتوں تک اس کی واپسی کی امید نہیں تھی۔ بدری ناتھ نے اپنا تعارف کرانا چاہا تو اسے پہچاننے تک سے انکار کردیا گیا۔ اس نے اپنی امانت اور اس کے لیے بخشل کی گواہی کا ذکر چھیڑا تو اسے مغلظات سنا کر فون بند کردیا گیا۔

"حاجی دل مراد کی نیت میں واقعی فتور معلوم ہوتا ہے۔" بدری ناتھ نے ریسیور رکھ کر بے دھیانی میں اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "وہ ملک سے غائب ہے اور اس کے آدمی ہماری رقم سے لاعلم ہیں۔"

"پھر اب کیا ہوگا؟" رمیش نے بوکھلائے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

"وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا۔" میں نے بے فکری سے فقرہ لگایا اور اس کا منہ بن گیا۔
"ہمیں ایک مرتبہ پھر بخشل کا رخ کرنا ہوگا۔" بدری ناتھ اس بدشگونی پر بہت زیادہ فکر مند نظر آنے لگا تھا "شاید وہ یہ معاملہ سلجھا سکے۔ پردیس میں وہ رقم ہی ہماری سب سے بڑی طاقت ہے۔ علی شیر بھی پیسے کے بغیر ہمارا ساتھ نہیں دے گا۔ تھیلے سے نکالی ہوئی چند گڈیاں زیادہ دیر تک ہمارا ساتھ نہیں دیں گی۔"
اونٹ پہاڑ تلے آچکا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "تم نے دیکھ لیا کہ یہاں تم کتنے لاچار اور بے بس ہو۔ اگر دل مراد بے ایمانی پر اتر آیا ہے تو اطمینان رکھو کہ اب بخشل بھی تمہیں پہچاننے سے صاف انکار کردے گا۔ تم ان کے خلاف کوئی بھی کارروائی نہیں کرسکتے۔ ایسے میں مَیں تمہاری یقین دہانیوں پر کیسے بھروسا کرسکتا ہوں؟ ایک مرتبہ میں را کے چنگل میں پھنس گیا تو تم دونوں الگ ہوجاؤ گے اور چند سفاک اجنبی میرے شب و روز کے مالک بن جائیں گے۔ ہماری گاڑی جس طرح چل رہی ہے' اسی طرح ٹھیک ہے۔"
"ابھی دل مراد کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔" بدری ناتھ نے سنبھالا لے کر کہا "ہوسکتا ہے کہ ہمارے شبہات بے بنیاد ہوں۔ وہ بے ایمان ہو بھی گیا تو ہم زیادہ دیر تک بے سروسامان نہیں رہیں گے۔ ہمارے پاس بہت جلد دولت کی ریل پیل ہوجائے گی۔ اس وقت نک موڈلے ان باتوں سے زیادہ اہم ہے۔"
"ایک ملاقات کے تین ہزار ڈالر طے ہوچکے ہیں۔ پندرہ سو اسی وقت پیشگی دے دو تو صبح گیارہ بجے کوئی نہ کوئی اس سے مل لے گا۔" میں نے سرد مہری اختیار کرتے ہوئے کہا۔
بدری ناتھ نے ہاتھ میں موجود گڈی کے نمبر دیکھ کر سو ڈالر کے پندرہ نئے اور کرارے نوٹ میرے حوالے کردیے۔
"وقت کم ہے۔ کسی آدمی کا بندوبست کرنے کے لیے مجھے اسی وقت جانا ہوگا۔" میں نے وہ نوٹ اپنی جیب میں اڑس کر ان کو آگاہ کیا "ہوسکتا ہے کہ میں رات کو ادھر نہ آسکوں۔"
"رات کو آؤ یا نہ آؤ مگر نک سے ملاقات کی خبر لے کر فوراً آنا۔ ہمیں بے چینی سے انتظار رہے گا۔"
"تم بے فکر رہو۔ میں پندرہ سو ڈالر کی بقایا رقم وصول کرنے میں تاخیر نہیں کروں گا۔"
"ساری اچھائیوں کے ساتھ جب تم حریصانہ انداز میں پیسے کی بار بار تکرار کرتے ہو تو بہت چھچھورے معلوم ہونے لگتے ہو۔" بدری ناتھ نے بدمزگی سے کہا "غنیمت ہے کہ اس وقت ہم بالکل مفلس نہیں ہیں۔"
میں نے اس کے وہ کڑوے کسیلے فقرے ایک بے پروایانہ مسکراہٹ سے ٹال دیے۔ اس نے کوئی انوکھی بات نہیں کی تھی۔ وہ وہی کچھ کہہ رہا تھا جو میں اسے باور کراتا رہا تھا۔

ایک اہم ذاتی فون کال کے بہانے سے میں انسٹرومنٹ دوبارہ اپنی خواب گاہ میں لے آیا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس وقت تک اول خان نے فون پر مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے فون پر گھر رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی کیونکہ ان دونوں کو بہلانے کے بعد میں نے فوری طور پر گھر جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔
سراب گوٹھ کے مضافاتی ویرانے میں امریکی بحریہ کے ہیلی کاپٹر کی تباہی میں بیس میرین کمانڈوز اور ان ہی کے ساتھ راس المیڈا کی موت کے بعد واقعات کی رفتار یک لخت سست پڑگئی تھی۔ بھاگ دوڑ اور مار دھاڑ میں ٹھہراؤ سا آگیا تھا۔ بس اتنا ہوا تھا کہ نیویارک میں راس المیڈا کے آئزک بیل نامی جانشین کا وجود سامنے آیا تھا۔ اس نے اپنے ولی نعمت کی موت پر کسی بیوہ عورت کی طرح فون پر بلبلا بلبلا کر مجھے دھمکیاں دینی شروع کردی تھیں۔ وہ نیویارک میں تھا اور ہم کراچی میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں کا ماحول امریکی ایجنٹوں اور دہشت گردوں کے لیے یک بہ یک بہت بھیانک ہوچکا تھا۔ اس وجہ سے ہمیں فوری طور پر کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔ پھر یوں ہوا کہ نیول انٹیلی جنس کے کمانڈر سعید کی ذاتی کوششوں سے را کے ان دو آدمیوں کا سراغ مل گیا جو راس المیڈا کی دعوت پر ساگا کے مہمان بننے کے بعد پراسرار طور پر شہر میں روپوش ہوچکے تھے۔ راس المیڈا کی موت کے بعد ہم نے بظاہر صرف اتنی سی کامیابی حاصل کی تھی کہ بدری ناتھ اور رمیش اگروال کو بے نقاب کردیا تھا۔ تھکا دینے والی ذہنی مشقت کے بعد میں ان دونوں کو اپنی لچھے دار باتوں میں پھانس چکا تھا۔
وہ دونوں بہت گھاگ' تجربے کار اور مکار تھے۔ ان سے میری ملاقات کی ابتدا بہت جارحانہ اور سنسنی خیز رہی تھی مگر میں نہایت صبر و تحمل سے ان کے ساتھ اس طرح پیش آتا رہا کہ آخر کار انہوں نے مجھے میری چند خامیوں سمیت کام کا آدمی تسلیم کرلیا تھا۔
اس وقت تک ان کا صرف ایک مشن میرے سامنے آیا تھا۔ وہ ڈیبی کو یعنی مجھے تلاش کرکے اپنا قیدی بنانے کے خواہاں تھے۔ میں انہیں امید دلا کر وقت کو ٹال رہا تھا۔ اس ٹال مٹول میں مدن موہن مفت ہاتھ آیا تھا۔ میں چاہتا تو اس اعصاب شکن اور صبر آزما کھیل کو کسی بھی لمحے ختم کرسکتا تھا مگر پھر مدن موہن کے ذریعے امریکی قونصل خانے کے نک موڈلے کا نام سامنے آگیا۔
میں خود بھی اس ذرا سی کامیابی پر خوش نہیں تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے راس المیڈا کی ہلاکت کے بعد ہر محاذ پر سناٹا ہوچکا تھا' ہمارے تمام دشمن موت کے گھاٹ اتر چکے تھے اور مجھے خانہ دار زندگی گزارنے کی وہ مہلت ملنے ہی والی تھی جس کے خواب دیکھتے دیکھتے غزالہ تھک چکی تھی۔
نک موڈلے سے ملاقات کے بعد سب کچھ واضح ہوجاتا تھا کہ اس بار امریکی اور بھارتی حریف کن مقاصد کے لیے ایک دوسرے سے گٹھ جوڑ کرنے کی تیاریاں کررہے تھے۔ ان کے عزائم کی سنگینی یا

کمزوری سامنے آنے کے بعد میں مستقبل کے بارے میں ٹھوس منصوبہ بندی کر سکتا تھا۔
ان سب خیالات کی رو میں بہتا ہوا میں تھوڑی دیر بعد ہی گھر جا پہنچا۔
وہاں سب لوگ موجود تھے۔ ان میں اول خان بھی شامل تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا۔
"تمہارے فون کی گھنٹیاں بج رہی تھیں لیکن کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ میری طبیعت پریشان ہو گئی کہ کہیں تمہارے ساتھ کوئی گڑبڑ نہ ہو گئی ہو۔" اول خان نے مجھ سے پُرتپاک انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔
"گڑبڑ کیا ہوتی۔ میں تو ڈر رہی تھی کہ وہ دونوں تمہاری گردن کاٹ کر فرار نہ ہو گئے ہوں۔" ویرا نے حسب معمول انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تبصرہ کیا "اپنے دشمنوں کے بارے میں تمہاری حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی بعض اوقات مجھے سخت تشویش میں مبتلا کر دیتی ہے۔"
"خدا نہ کرے کہ کبھی ایسا ہو۔" ویرا کے خاموش ہونے پر غزالہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا "تم سوچے سمجھے بغیر ایسی بدشگونی کی باتیں کرنے لگتی ہو کہ میرا دل لرز اٹھتا ہے۔"
"یہ ویرا کے دماغ سے زیادہ اس کے ہاضمے کا قصور ہے۔" سلطان شاہ بڑبڑایا۔
"میرے ہاضمے سے تمہیں کیا تکلیف پہنچی ہے؟" ویرا نے سرد لہجے میں پوچھا۔
"تم نے تشویش میں مبتلا ہونے کا ذکر ہی کچھ اس طرح کیا تھا جیسے پیچش میں مبتلا ہونے کی اطلاع دے رہی ہو۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا اور غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی۔
"تم نے شاید میرے نکلنے کے بعد فون کیا ہوگا۔" میں نے ان لوگوں کی نوک جھونک کو نظرانداز کر کے اول خان سے کہا "گھر پر تو میرے کان ہی فون کی گھنٹی کی آواز پر جمے ہوئے تھے۔"
"مدن موہن ہمارے لیے کارآمد ثابت ہوا ہے۔" اول خان مجھے بتانے لگا "سیکرٹ ایجنٹ ہونے کے باوجود وہ سخت جان نہیں ہے۔ وہ سہل پسند اور نازک طبیعت کا آدمی ہے۔ ذرا سا تشدد بھی نہیں سہہ سکا۔"
"اسی کے گن گاتے رہو گے یا اپنی کامیابی کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ گے۔"
"اس نے بدری ناتھ اور رمیش اگروال کی پوری کہانی سنا ڈالی ہے۔ ان میں سے بیشتر باتیں تم پہلے ہی ہمیں بتا چکے تھے لیکن اہم ترین بات یہ ہے کہ اس نے کراچی کے معززین میں ایک ایسے سوشل ریکٹ کا انکشاف کیا ہے جو ہر ہفتے پینے پلانے کی مخلوط محفلوں میں یک جا ہوتا ہے۔ مقام بدلتے رہتے ہیں لیکن چہرے کم و بیش وہی ہوتے ہیں۔ کبھی کبھار ان میں کسی نئے جوڑے کا اضافہ ہوتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مقامی لوگ ایسی ہوش ربا دعوتوں میں اپنی بیویوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں مگر را کے ایجنٹ فرضی جوڑوں کے روپ میں آتے ہیں۔ جن مردوں کے لیے را کی لڑکیاں دستیاب نہیں ہوتیں وہ خوب صورت مگر غیر معروف کال گرلز کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور یہ شرم ناک دھندا پچھلے کئی برس سے چل رہا ہے۔"
"جب سے آدمی کی شناخت ختم ہوئی ہے اور دولت مندی کو عزت واحترام کا معیار بنالیا گیا ہے' مال دار طبقے کے ایک حلقے میں ایسی عیش کوشیاں خوب پھل پھول رہی ہیں۔ ان گندے دھندوں میں الجھ گئے تو ہم اپنے اصل مقصد سے بہت دور ہٹ جائیں گے۔" میں نے آزردہ لہجے میں کہا۔
"تمہیں کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ محفلیں صرف عیاشی کے لیے نہیں سجائی جاتیں۔ ان کا ایک خاص مقصد ہوتا ہے۔ لوگ پینے پلانے کے بعد اپنی معلومات یا کامیابیوں کے بارے میں ڈینگیں مارنا شروع کر دیتے ہیں۔ انڈین ایجنسی کے ارکان اپنے کان کھلے رکھتے ہیں اور ہر بہکے ہوئے اجتماع سے کچھ نہ کچھ نئی باتیں معلوم کر کے لوٹتے ہیں۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے را کی لڑکیاں اہم شخصیات کو اپنے ناز و انداز کا شکار بناتی ہیں اور ان کے مرد ساتھی اس بھیڑ میں بھٹکتی ہوئی نام نہاد بیگمات کو سہارا فراہم کرتے ہیں جو اس محفل کے رنگ پر آتے ہی اپنے شوہروں کی نظر التفات سے اچانک محروم ہو جاتی ہیں۔" اول خان کی آواز سے غم و غصہ مترشح تھا۔
"یہ لوگ خود بخود تو یکجا نہیں ہوتے ہوں گے۔" ویرا نے ہماری باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا "اس سوشل ریکٹ کا روحِ رواں کون ہے؟"
اول خان کی زبان سے نکلنے والا نام دوسروں کے لیے شاید اجنبی رہا ہو لیکن میرے لیے نیا نہیں تھا۔ وہ شہر کے ایک معروف کلب کا سابق عہدے دار اور ایک کامیاب تاجر لیڈر تھا۔
"ایک زمانے میں کراچی میں انڈین فلموں کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ اس زمانے میں وی سی آر نہیں تھا یا شاید عام نہیں تھا۔ بھارتی قونصل خانے والے ہفتے میں تین بار بڑے پردے پر تازہ ترین انڈین فلمیں مخصوص مہمانوں کو دکھاتے تھے۔ وہ اسی شوق میں ان سے قریب ہوتا چلا گیا اور پھر انہوں نے مناسب وقت پر اس سے اپنا کام نکال لیا۔ اس وقت وہ اپنے چار دوستوں کی پُرجوش معاونت سے یہ سارا بکھیڑا چلا رہا ہے۔ مدن موہن نے ان پانچوں کے نام اگل دیے ہیں۔"
"ان پانچوں حرام زادوں کو فوراً ہی سولی پر لٹکا دینا چاہیے۔" سلطان شاہ نے غصے سے کہا۔
اول خان کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا "وہ بہت گھناؤنے کام میں ملوث ہیں مگر ہم ان کے خلاف یوں فیصلہ نہیں کر سکتے۔ کچھ عرصے تک ان کی باقاعدہ نگرانی کر کے یہ سراغ لگایا جائے گا کہ وہ نادانستگی میں ان بھیانک جرائم میں

ہوئے ہیں یا جانتے بوجھتے ہوئے بھارتیوں کے آلۂ کار بنے ہیں۔ معلومات مل جانے پر فیصلہ کرنے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہیں کی جائے گی۔"

"اور را کے ایجنٹ؟ ان کا کیا بنے گا؟" ویرا نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"مدن موہن صرف سات نام دے سکا ہے۔ ان میں تین لڑکیاں اور چار مرد شامل ہیں۔ اگر انہیں سفارتی تحفظ حاصل نہیں ہے تو ان پر کسی بھی وقت ہاتھ ڈال دیا جائے گا۔ اپنی فطری کج روی اور خوب روئی کی وجہ سے مدن موہن ہی اپنے نیچرل انفارمیشن سیل کا سربراہ تھا لیکن محفلوں کے بعض دعوت نامے اس کے مشن کے بڑے افسران براہِ راست بھی جاری کرتے ہیں اس وجہ سے وہ ہر ایک کے بارے میں باخبر نہیں ہے۔"

"نیچرل انفارمیشن سیل!" میں نے حیرت سے ان الفاظ کو دہراتے ہوئے کہا "تو ان لوگوں نے اپنے سوشل ریکٹ کو ایک باقاعدہ نام بھی دیا ہوا ہے؟"

"یہ نام را والوں کا دیا ہوا ہے۔ کسی قابلِ ذکر سرمایہ کاری کے بغیر انسان کی فطری کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کو وہ بجا طور پر نیچرل انفارمیشن قرار دیتے ہیں۔ منصوبہ بندی ان کی تھی۔ سوشل ریکٹ میں شامل ہونے والوں کو شاید علم ہی نہ ہو کہ وہ را کے نیچرل انفارمیشن سیل کے مقاصد پورے کررہے ہیں۔"

"اور مدن موہن کا کیا بنے گا؟" سلطان شاہ نے پُرتجسس لہجے میں پوچھا۔

"اسے تم لے لینا۔" اول خان سے پہلے ویرا بول پڑی "وہ بیک وقت بیوی اور شوہر کے فرائض ادا کرنے کی خاصیت سے مالا مال ہے۔ تمہیں کسی بھی موڈ میں بور نہیں....."

"بس!" سلطان شاہ میز پر مُکا مار کر دہاڑا "میں یہ بدتمیزی برداشت نہیں کرسکتا۔"

اول خان نے معاملے کی نزاکت بھانپتے ہوئے ویرا کے نعرے کو اہمیت نہیں دی مگر ترشی سے اتنا ضرور کہا "بعض اوقات تم بغیر سوچے سمجھے بولتی چلی جاتی ہو اور ماحول خراب کردیتی ہو۔ اس وقت ہم کچھ سنجیدہ باتیں کررہے ہیں۔"

سلطان شاہ کا بگڑا ہوا خوں خوار چہرہ دیکھ کر ویرا نے بھی پسپائی اختیار کرلی اور جلدی سے کہا "سوری! غلطی ہوگئی۔ میں سمجھی کہ سلطان شاہ نے وہ سوال مجھ سے کیا ہے۔"

"میں تم پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میں سوال کروں گا تم سے؟" سلطان شاہ غرایا۔

"وہ سوری کہہ رہی ہے' اپنی غلطی مان رہی ہے۔ اب کیوں غصہ کررہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

سلطان شاہ نے غصیلی نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر بڑبڑاتا ہوا وہاں سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

"مدن موہن کے بارے میں اس کے بڑوں نے ابھی تک کوئی رپورٹ درج نہیں کرائی۔ شاید وہ اپنے طور پر اسے تلاش کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اول خان نے کہا "ایسا نہ ہو کہ اس کی گمشدگی کی خبر پاکر تمہارے قیدی شبہات میں مبتلا ہوجائیں۔"

"ان کی فکر نہ کرو اور مدن موہن کو ٹھکانے لگادو۔ اس کا یہی ایک جرم کافی ہے کہ وہ را کا ایجنٹ ہے۔ اس کے ساتھ کوئی بھی درمیانی سلوک نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے کہا۔

"سوشل ریکٹ کی مکمل تباہی تک میں اسے زندہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ نفس پرستی میں مبتلا ہونے والے بدمست مقامی اس کی زبان سے اصل کہانی سن کر اپنے کرتوتوں پر شرمندہ ہوسکیں۔ ہم میں سے بیشتر لوگ دانستہ ملک یا قوم سے دشمنی نہیں کرتے لیکن ذاتی مفاد اور خوشیوں کے حصول کی کوششوں میں وہ اتنے بے لگام ہوجاتے ہیں کہ کسی اور کے نفع ونقصان کا دھیان نہیں رکھتے۔ ہوسکتا ہے کہ مدن موہن کی زبان سے خوف ناک حقائق کا تذکرہ سن کر سوشل ریکٹ کے بیشتر اراکین اپنی گناہ آلود حیوانی زندگی سے تائب ہوجائیں۔ ہم عیال دار لوگوں کی اتنی قابلِ ذکر تعداد کو موت کی سزا سے دوچار نہیں کرسکتے مگر ان کی اصلاح کی کوشش ضرور کرسکتے ہیں۔"

"آج تم عجیب بات کہہ رہے ہو۔" ویرا نے الجھن آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں مغربی اسکالرز کی زبان سے ہمیشہ یہ سنتی آئی ہوں کہ اسلامی قوانین فرد کے بجائے معاشرے کی اصلاح پر زور دیتے ہیں۔ تمہاری شرعی سزائیں بھی اسی لیے بظاہر سخت نظر آتی ہیں۔ ان کا بنیادی فلسفہ یہ بتایا جاتا ہے

کہ ایک اسلامی فلاحی معاشرے میں کسی بھی جرم کا ارتکاب کرنے والے کو کڑی سزا دے کر پورے معاشرے کے لیے عبرت کی مثال بنادیا جائے تاکہ دوسرے لوگ کسی جرم کا تصور کرتے ہی انجام کے خوف سے لرزا ٹھیں۔ اس کے برعکس مغرب میں فرد کو اہمیت دی جاتی ہے۔ ان کا قانون فرد کی اصلاح کی کوششوں میں مصروف نظر آتا ہے تاکہ معاشرہ بہتر ہوسکے کیونکہ فرد ہی کسی بھی معاشرے کی بنیادی اکائی ہوتا ہے۔ مغرب کی بے راہ روی اور جرائم پسندی آج اس فلسفے کی ناکامی کا اعلان کرتی نظر آتی ہے مگر تم سوشل ریکٹ کے مجرموں کی اصلاح کی بات کررہے ہو۔"

"اس کے سربراہ اور اس کے چاروں سرگرم معاونوں کو یقیناً کڑی سزائیں دی جائیں گی۔" اول خان نے ایک ایک بات پر زور دے کر کہا "دوسروں کا جرم اتنا سنگین نہیں۔ جب بات انفرادی جرم سے بڑھ کر اجتماعی جرم تک پہنچ جائے تو پھر سزا کے نفاذ سے پہلے جرم کے محرکات کو سمجھنا ضروری ہوجاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں اس قسم کا سوشل ریکٹ کیوں وجود میں آیا؟"

اول خان نے باری باری ہم تینوں کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں جواب طلب تھیں۔

"نام سے کسی بھی ملک اور معاشرے کی ماہیت تبدیل نہیں ہوجاتی۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد غزالہ نے اول خان کے سوال کا جواب دے کر ہمیں چونکا دیا "سوال یہ ہے کہ کیا ہم واقعی ایک مثالی یا پھر اس سے کمتر درجے پر ایک فلاحی اسلامی معاشرے میں رہ رہے ہیں جہاں جرم کے بنیادی اسباب کو ختم کرکے اسلامی تعزیرات نافذ کردی گئی ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اس وجہ سے سوشل ریکٹ جیسے گروہ وجود میں آتے ہیں اور شاید آتے ہی رہیں گے کیونکہ ان کی روک تھام کا کوئی نظام موجود نہیں ہے۔"

"گڈ!" اول خان نے تحسین آمیز لہجے میں یہ کہہ کر اپنی توجہ ویرا پر مرکوز کردی "میری بات کو تم کسی بھی طرح مذہب سے انحراف قرار نہیں دے سکتیں۔ جب ہم خود ہی اپنے لوگوں کو عیش ونشاط کی آزادی فراہم کررہے ہیں تو پھر اس پر ان سے کڑی.. بازپرس کیسے کی جاسکتی ہے؟ ہم نے اسپیشل ٹاسک فورس میں انسانی لہو کی حرمت کا ایک کڑا معیار مقرر کیا ہوا ہے۔ ہمارے یہاں بے یقینی نہیں ہے۔ آدمی محبِ وطن ہوتا ہے یا پھر غدار۔ باہر سے آنے والوں کے مقدر کا فیصلہ اسی ایک معیار پر کیا جاتا ہے۔ ان ہی کی سرکوبی ہمارے فرائضِ منصبی میں شامل ہے۔ ہم شہری پولیس کے تھانے دار نہیں بن سکتے۔ اس ریکٹ کو بنانے والے وہ لوگ ہمارے اصل مجرم ہیں جنھوں نے مدن موہن یا نیچرل انفارمیشن سیل سے سازباز کی ہوئی تھی۔ وہ ہرگز نہیں بچیں گے۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ویرا سرہلاتے ہوئے پُرخیال لہجے میں بولی "تمہارا المیہ یہ ہے کہ تمہارے حکمراں منافق ہیں۔ لوگوں کے دلوں کو گرمانے کے لیے مذہب کا سہارا لیتے ہیں۔ کام بن جاتا ہے تو اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر قانون کی اس بائبل کا مطالعہ شروع کردیتے ہیں جو مغرب کی تخلیق ہے۔"

ہم میں سے کوئی بھی ویرا کی تائید یا تردید کرنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ بعض اوقات وہ بہت تلخ اور کاٹ دار سچ بولنے پر تل جاتی تھی اور کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتی تھی۔

میں اپنی خفت مٹانے کے لیے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔ ایک گہرا کش لے کر دھواں فضا میں بکھیرنے کے بعد وہ بوجھل سکوت میں نے ہی توڑا اور اول خان سے پوچھا "کھلنڈری سی نظر آنے والی ویرا کبھی کبھار عالم وفاضل بھی بن جاتی ہے۔ اس سے بحث میں الجھ کر تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ یوم السبت والی دھمکی کا کیا بنا؟"

"پوری کوششوں کے باوجود ہم کچھ بھی نہیں کرسکے۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "کل شام چھ بجے کوٹ ادو کے تھرمل پاور ہاؤس میں ایک دھماکے کے ساتھ تھرمل کنٹرول روم میں آگ لگ گئی۔ آئزک بیل کی دھمکی پوری ہوگئی۔ اس کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ پاکستان کے ایک دور افتادہ مقام پر رونما ہونے والا وہ واقعہ بین الاقوامی اہمیت کا حامل نہیں تھا لیکن کل رات ہی وائس آف امریکا اور بی بی سی ریڈیو نے اپنی نشریات میں اس دھماکے اور اس کے نتیجے میں پاور ہاؤس کے بند ہونے کی خبر نشر کرڈالی۔"

"مگر یہ ہوا کیسے" "اور تم نے یہ خبر اب تک دبائے رکھی تھی" ویرا نے احتجاج کیا۔

"بری اور حوصلہ شکن خبروں کی تشہیر سے میں گریز ہی کرتا ہوں۔ کسی نے مجھ سے پوچھا اور نہ میں نے کچھ بتایا۔" اول خان نے پُرملال لہجے میں کہا "مگر اس بری خبر کے ساتھ ایک اچھی خبر بھی ہے۔ واپڈا کے حکام اپنی جگہ پر مستعد تھے۔ دھماکے کے مجرم کو فرار ہوتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑلیا گیا۔ اس نے اپنے جرم کا اعتراف بھی کرلیا ہے۔"

"کیا غیر ملکی ریڈیو اسٹیشنوں نے یہ خبر بھی نشر کی تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں۔ وہ اس مقامی خوش خبری سے محروم رہے۔ غیر ملکی نشریات کو مانیٹر کرنے والے ایک قومی ادارے نے آج اطلاع دی ہے کہ دونوں خبروں کا مواد یکساں اور حقائق سے قدرے مختلف تھا۔ شاید انہیں حادثہ ہونے سے پہلے ہی متوقع نقصانات کی روشنی میں خبر فراہم کردی گئی تھی۔"

"یہ کام ڈیوڈ اسٹارز ہی کرسکتے تھے۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "ابلاغ کے ذرائع پر ان کا کنٹرول ہے۔ میرے فون پر آبزرویشن لگا ہوا ہونے کی خبر ملنے کے بعد سے آئزک بیل نے مجھے فون نہیں کیا ہے۔ اس نے فون کرکے اپنی دھمکی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی خبر دینے کے بجائے پاکستان میں بکثرت سنے جانے والے

ریڈیو پروگراموں کا سہارا لیا ہے۔ یہ کامیابی اس کے حوصلے بڑھا دے گی مگر یہ تو......"
"فضول باتوں کو چھوڑو۔" ویرا نے میری بات کاٹ کر اول خان سے کہا "یہ بتاؤ کہ پکڑے جانے والے نے کیا کہانی سنائی ہے۔ وہ کیا کہتا ہے؟"
"تم بلاوجہ ٹانگ اڑاتی ہو۔" میں نے جھلا کر کہا "میں خود بھی یہی پوچھ رہا تھا۔"
"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سمجھ لو کہ یہ سوال تم نے ہی کیا ہے۔" ویرا نے بے نیازی سے کہا۔
"فی الحال یہ وفاقی تفتیشی اداروں کا کیس ہے۔ بس اتنا معلوم ہوا ہے کہ اس نے ٹفن بکس میں ٹائم بم چھپانے کا اعتراف کیا ہے۔ وہ واپڈا کا ملازم اور کوٹ ادو کے ایک فادر کا بیٹا ہے۔"
ویرا چونک پڑی "ایک فادر کا بیٹا......؟ یعنی اب انہوں نے اپنی سازشوں کے تانے بانے مقامی گرجا گھروں تک پھیلا دیے ہیں۔ یہ بہت خطرناک حرکت ہے۔ اس کے ردِعمل میں فساد بھی ہو سکتا ہے۔"
"کچھ بھی نہیں ہوگا۔" میں نے وثوق سے کہا "یہ مجرم کی انفرادی حرکت ہی رہی ہوگی۔ اس کی بنا پر کوئی مذہبی منافرت نہیں پھیلے گی۔ تفتیش کرنے والے اس پہلو سے غافل نہیں ہوں گے۔"
"اس پادری کو بھی بازپرس میں شامل کرلیا گیا ہے۔ مجھے اس طرف سے مزید کچھ معلوم ہو جائے تو پھر میں مدن موہن سے بھی اس بارے میں بات کروں گا۔ آئزک بیل نیویارک میں بیٹھ کر کوٹ ادو کے کسی آدمی کو براہِ راست ہدایات نہیں دے سکتا۔ یہاں اب بھی اس کے کچھ نہ کچھ کارندے موجود ہیں۔"
"اس بارے میں اب ہمیں اپنے ذہن صاف کرلینے چاہئیں۔" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "آئزک بیل نے پہلی بار ہی فون پر بتا دیا تھا کہ راس المیڈا مارا جا چکا ہے لیکن پاکستان میں اس کے خریدے ہوئے مخبروں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ اس حادثے نے ثابت کردیا ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔"
"وہ اول درجے کا جھوٹا اور مکار ہے" میں نے بے ساختہ کہا۔ "یہاں راس المیڈا کے مخبروں کا کوئی جال موجود ہوتا تو وہ اپنی مدد کے لئے بمبئی سے بدری اور رمیش کو ہرگز نہ بلاتا۔ کوٹ ادو کے پادری کے بیٹے سے آئزک کا کوئی اکلوتا رابطہ رہا ہوگا۔ اسی کے بل پر اس نے مجھے دھمکی دی اور اسے پورا کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا پھر اس نے تباہی کی خبر نشر کرا کے ہمیں یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ ہمارے گرد دشمن کا ایک مضبوط حصار موجود ہے۔ یہ سب اس کا فراڈ ہے۔ میں اس سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔"
"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ میں اس کی خیر خواہ نہیں ہوں لیکن اسی کے ساتھ ساتھ میں دشمن کو حقیر نہیں سمجھ سکتی۔ دشمن جب تک زندہ ہے دشمن ہی ہوتا ہے۔"

"میں بدری اور رمیش کے ساتھ وقت گزار رہا ہوں۔ مجھے اچھی طرح اندازہ ہے کہ راس المیڈا کی موت کے بعد وہ یہاں کس قدر بے سہارا رہ گئے ہیں۔ دل مرادان کی جعلی کرنسی ہضم کر کے غائب ہو چکا ہے اور انہیں پورے شہر میں میرا سوا کوئی ہمدرد نظر نہیں آرہا۔"
"میرا خیال ہے کہ اب ہماری اصل لڑائی صرف آئزک بیل سے ہوگی" اول خان نے کہا۔
"بدری اور رمیش کو تم کیوں نظرانداز کررہے ہو؟" میں نے دھیرے سے پوچھا۔
"میری دانست میں ان کی کوئی افادیت نہیں ہے۔ مدن موہن کے پکڑ لیے جانے کے بعد انہیں مار دیا جانا چاہئے۔ تم غیر ضروری طور پر ان کی رسی دراز کررہے ہو۔"
"ان کے لئے خود کو تلاش کرنے کا ڈھونگ رچا کر تم اپنا وقت برباد کررہے ہو" ویرا نے اول خان کی تائید کرتے ہوئے کہا "ایسا نہ ہو کہ انہیں تم پر اپنا وار کرنے کا کوئی موقع مل جائے۔"
"میں سوچے سمجھے انداز میں ان پر محنت کررہا ہوں۔ وہ دونوں مجھ پر اتنا اعتماد کرنے لگے ہیں کہ اب مجھے ایس ایس پی میں باقاعدہ شمولیت کے لئے آمادہ کرنے کی کوششیں کررہے ہیں...."
"یہ ان کی دہری چال بھی ہو سکتی ہے" ویرا نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔
"اس کا فیصلہ صبح ہو جائے گا۔ ساڑھے گیارہ بجے تک دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"
"کیا ساڑھے گیارہ بجے مشتری سے کوئی خلائی طشتری تمہارے لئے کوئی پیغام لا رہی ہے؟"
"میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش نہ کرو۔ ان کے کسی قابلِ اعتماد نمائندے کو صبح گیارہ بجے امریکی قونصل خانے میں تک موڈلے نامی ایک افسر سے ملنا ہے۔"
"اوہ!" اول خان چونک پڑا "اور وہ اس بار بھی تم سے کام لینا چاہ رہے ہیں؟"
"مدن موہن کا پیغام جوں کا توں پہنچانے کے صلے میں یہ کام میرا حق بن چکا ہے" میں نے واہنی آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر تم بے فکر رہو۔ میں یہ خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"
"شکر ہے کہ تمہیں اتنی عقل آچکی ہے" ویرا نے اپنا منہ بگاڑ کے کہا۔
"مدن موہن کے ذریعے تم کیا پیغام لے گئے تھے؟ اس کا کہنا ہے کہ وہ خود بھی لفافے میں بند پیغام سے بے خبر ہے۔ میں نے بھی اس بارے میں اس پر کوئی جبر نہیں کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس بارے میں تم کوئی نہ کوئی خبر نکال ہی لاؤ گے۔ شاید میرا اندازہ درست تھا۔"

"آئزک بیل کی طرح مدن موہن بھی مکار اور جھوٹا ہے۔ اس نے سائفر کوڈ میں ان دونوں کو کسی تیسرے آدمی کے ذریعے نک موڈلے سے ملنے کا مشورہ بلکہ حکم دیا ہے۔ اگر وہ اس بارے میں جھوٹ بول سکتا ہے تو اس کی دوسری باتوں پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔"

"ہاں۔ اس کا یہ جھوٹ حیران کن ہے" اول خان نے میری رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "اسے معلوم تھا کہ وہ لفافہ تمہاری تحویل میں ہے اور تم ہی نے اسے پکڑ کر میرے حوالے کیا ہے۔ اس کا جھوٹ کسی بھی لمحے کھل سکتا ہے پھر اس نے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولا؟"

"تم نے اسے کمزور دل اور نازک مزاج سمجھ کر غلطی کی ہے۔ تمہاری اسی نرمی نے اس کا حوصلہ بڑھادیا۔ وہ مکار اور سخت جان ہے۔ اس کی کھال گرا کر ہی تم اس سے سچ اگلوا سکو گے۔"

"ڈینی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ را کا کوئی آدمی رحم یا ہمدردی کا مستحق نہیں۔ اسے چار چوٹ کی مار مارو گے تب ہی وہ سچ اگلے گا" ویرا اول خان کو مشورہ دے کر میری طرف متوجہ ہوگئی "مدن موہن کی کہانی بعد میں آتی رہے گی۔ تم اپنی کتھا تو سناؤ' وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"ابھی تک انہیں میری ذات پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکا ہے" یہ کہہ کر میں نے انہیں پرل سے اپنی روانگی کے بعد سے آخر تک کے واقعات سنانا شروع کر دیے۔

سلطان شاہ ویرا سے برہم ہو کر طیش کے عالم میں اپنے کمرے میں چلا گیا تھا مگر اس کے کان ہماری طرف ہی لگے ہوئے تھے۔ میری باتوں کی بھنک ملتے ہی وہ دوبارہ ڈرائنگ روم میں لوٹ آیا۔ کسی نے اس کی رضا کارانہ واپسی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ ویرا یوں بنی بیٹھی رہی جیسے اس نے اسے دیکھا ہی نہ ہو اور وہ خاموشی سے دوبارہ ہماری محفل میں شریک ہو گیا۔

"اب اندازہ ہوا کہ تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو" میرے خاموش ہونے پر اول خان نے کہا "مدن موہن کے بعد نک موڈلے کا نام سامنے آنے کا مطلب ہے کہ ابھی ان کا کردار باقی ہے۔"

"صبح گیارہ بجے کے بعد ہی یہ فیصلہ ہو سکے گا کہ ان کا آئندہ کیا کردار رہے گا۔ فی الحال یہی بہتر ہے کہ تم ان کے ہمدرد اور خیر خواہ بنے رہو۔" ویرا نے اپنی رائے دینی ضروری خیال کی۔

"لیکن آپ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ آپ نک موڈلے سے ملنے کا خطرہ مول لینے پر تیار نہیں ہیں" غزالہ نے جلدی سے مجھے یاد دلایا "آپ کے جانی دشمنوں میں اس وقت امرکی ہی آپ کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر ہیں اور وہ آپ کو پہچان سکتے ہیں۔"

"تم بے فکر رہو۔ میں ان خطرات سے بے خبر نہیں ہوں" میں نے مسکرا کر اسے یقین دلایا "اگر مجھے یہ معلوم نہ ہو جاتا کہ مدن موہن حال ہی میں یہاں آیا ہے تو میں اس کا بھی سامنا نہ کرتا۔"

"اوہ!" ویرا یوں چونک کر میری بات میں دخل انداز ہوئی جیسے اسے اچانک کوئی بھولا ہوا نکتہ یاد آگیا ہو۔ "اگر مدن موہن حال ہی میں یہاں آیا ہے تو وہ برسوں پرانے نیچرل انفارمیشن سیل کی سربراہی کیسے کر رہا تھا؟"

"وہ مدن موہن کا ذاتی گروہ نہیں ہے۔ سرکاری اداروں میں تبادلے روز مرّہ کا معمول ہوتے ہیں۔ اس نے اپنے کسی پیش رو کی جگہ سنبھالی ہوگی" اول خان نے کہا۔

"ابتدائی منصوبہ بندی یقیناً کسی خرانٹ افسر کی رہی ہوگی" میں نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا "جب سب کچھ چل پڑا تو اب مدن موہن کو یہاں بھیج دیا گیا۔ وہ مخلوط اجتماعات میں ہر صنف سے میل جول بڑھانے میں خاص ملکہ رکھتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسے کچھ مخصوص ٹارگٹ دیے گئے ہوں۔"

"تم نے بات کو پھر الجھا دیا" سلطان شاہ نے ویرا سے کہا "ذکر نک موڈلے کا ہو رہا تھا اور تم نے دوبارہ مدن موہن پر چھلانگ لگا دی۔"

"بس ایک بات کا دھیان آگیا تھا۔ ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے؟" ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

"میری جگہ کوئی اور ٹام کیٹ کے کوڈ کے سہارے نک موڈلے سے ملے گا۔"

"مگر کون؟" اول خان نے پوچھا "میری مجبوریوں سے تم واقف ہی ہو۔"

میری نظریں سلطان شاہ پر مرکوز ہو گئیں "میں نے ان دونوں کو شیشے میں اتار لیا ہے۔ وہ رضامند ہو گئے ہیں کہ میں اپنے بجائے کسی اور کو نک موڈلے سے ملنے بھیج دوں۔ میرا خیال ہے کہ سلطان شاہ اس کام کے لئے سب سے زیادہ موزوں رہے گا۔"

"مجھے بہت خوشی ہوگی" اس نے کہا "میں گھر میں پڑے پڑے اکتا گیا ہوں۔"

"اور تم ایس ایس پی میں شامل ہونے کی تجویز پر سنجیدگی سے غور کرو" ویرا نے مجھے مشورہ دیا "ان کی صفوں میں شامل ہو کر تم انہیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتے ہو۔"

"میری ٹوٹ پھوٹ کا ذمے دار کون ہوگا؟ بعض تحفظات کے بغیر میں نے یہ قدم اٹھایا تو پھر میں دلدل میں دھنستا ہی چلا جاؤں گا۔ میرے لئے کوئی کچھ نہیں کر سکے گا۔"

"اس وقت وہ دونوں تمہاری صلاحیتوں سے مرعوب ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری بعض شرائط مان لیں۔ بات نہ بنے تو تم ویسے بھی اپنے گھر میں ہو۔"

"سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ میری خوبیوں کے اعتراف کے ساتھ تربیت کا ذکر ضرور کرتے ہیں اور یہ تربیت ان ہی کی سرزمین پر ہوگی جہاں میرے لئے مشکل ترین حالات پیدا ہو کے

ہیں۔ را کا کوئی نہ کوئی پرانا ایجنٹ مجھے ضرور پہچان لے گا۔ مُلّا سرکار کے زمانے سے میری اور ان کی ان بن چلی آرہی ہے۔"

"ان میں شامل ہو کر آپ نے کسی بھی وقت ان کا ساتھ چھوڑا تو وہ آپ کے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔ میں آپ کو ایسا خطرناک قدم اٹھانے کا مشورہ نہیں دوں گی۔ خطرات کو دعوت دینا عقل مندی کی بات نہیں ہے۔"

میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "میں علی شیر کے روپ میں ان کا منظورِ نظر ہوں ورنہ وہ آج بھی ڈیپی کے خون کے پیاسے ہیں۔ میری اور ان کی دشمنی بہت پرانی ہے۔"

"اس بارے میں تم کو خود ہی سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کرنا ہو گا" اول خان بولا "جذبات کی رو میں آکر کوئی قدم اٹھانا خودکشی کے مترادف بھی ہو سکتا ہے۔ ایسی لڑائیوں میں غلطی کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ جو چوکتا ہے' وہ لمحہ بھر میں مارا جاتا ہے۔"

"اس بارے میں وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ فی الحال دل مراد سے ذرا سی چھیڑ چھاڑ کر لی جائے۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ اپنا ارادہ ظاہر کیا اور فون کی طرف بڑھ گیا۔

"مطلوبہ آدمی تمہارے ہاتھ آچکے ہیں تو اب بلاوجہ کیوں اس کے منہ لگتے ہو؟" ویرا نے ناصحانہ انداز میں کہا "اسے اس کے حال پر ہی چھوڑ دو۔"

"چھوڑا ہوا ہے۔ وہ غفور بھٹی کے اغوا پر خاصی طرم خانی دکھا رہا تھا اور کراچی میں رہنے والوں سے انتقام لینے کی باتیں کر رہا تھا۔ میں اسے ایک بار پھر باور کرا دینا چاہتا ہوں کہ غفور بھٹی کے اغوا کا کمانڈر سعید' راجن یا وکرم سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔"

بات کرتے ہوئے میری انگلیاں مصروف رہیں۔ دوسری طرف گھنٹی کی آواز بلند ہوتے ہی میں نے اپنی پوری توجہ ریسیور پر مرکوز کر لی۔

دوسری طرف سے دل مراد کے کسی آدمی نے ریسیور اٹھایا تھا۔ میں نے درشت لہجے میں کہا "فون کا ریسیور حاجی دل مراد کو دے دو۔" میں نے اپنے دل پر جبر کر کے اس کا پورا نام لیا تھا ورنہ میں اس کو کسی بھی قیمت پر حاجی کہنے یا ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔

اس نے میرا نام جاننا چاہا تو میں نے سختی سے کہہ دیا "اس سے کہہ دو کہ غفور بھٹی کو پکڑنے والے سیٹھ کا فون ہے۔ اس نے بات نہیں کی تو آج رات ہی اس کی لاش کا پارسل بابا بھٹ پہنچا دیا جائے گا۔"

"ایک منٹ ٹھہرو۔ میں حاجی کو بلاتا ہوں۔" دوسری طرف سے جلدی سے کہا گیا۔

میرے ہونٹوں پر بے ساختہ ذو معنی مسکراہٹ پھیل گئی۔ دل مراد بہت حریص اور بے ایمان شخص تھا۔ بدری عرف وکرم نے اسے فون کیا تو اس سے کہہ دیا گیا کہ دل مراد ملک سے باہر گیا ہوا تھا جب کہ وہ اپنی کچھار میں موجود تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ جعلی ڈالروں پر اس کی نیت خراب ہو چکی تھی اور وہ ان کے مالکوں کا سامنا کرنے سے گریز کر رہا تھا جب کہ غفور بھٹی اس کے لیے کسی نہ کسی حد تک اہم تھا۔

چند ثانیوں کے بعد دل مراد ہی فون پر آگیا "بول بابا! ابھی کیوں فون کیا ہے؟"

"ایک کروڑ والی بات یاد دلانے کے لیے۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "میں تمہارے دوست کو زیادہ دیر تک نہیں پال سکتا۔ اس کی شراب اور کھانے پینے پر ہزاروں روپے کا خرچ آرہا ہے۔"

"سیٹھ! تم بھی کوئی کنگلا سیٹھ معلوم ہوتا ہے۔ بھٹی نے تم لوگ کو جتنی گالیاں دی تھیں' تم اس سے سوا پر مجھے دے دو اور دو لاکھ روپیہ بھی لے لو۔ بھٹی میرا دوست ہے۔ میں اس کا سودا بس اتنے میں کر سکتا ہوں۔ اس سے آگے کوئی بات نہیں ہو سکتا۔"

"تم نے اس کے کنبے برادری سے بات کرنے کا وعدہ کیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ سب مردار لوگ ما دین ہے۔" غفور بھٹی کے رشتے داروں کا ذکر آتے ہی دل مراد بھڑک اٹھا "جان دے دے گا' مال نہیں دے گا۔ ایک کروڑ کا نام سن کر سب کو سانپ سونگھ گیا۔ بھٹی نے عمر بھر ان لوگوں کے لیے جی جان مارا۔ دنیا جہان کا بدمعاشی اور ہیرا پھیری کیا مگر اب وہ شاید اس کے کفن دفن کا چندہ بھی نہیں دیں گے۔ ان سب کو غرق کرو۔ میں اس کا جگری یار ہوں۔ میرا بات مان لو۔"

"تم خود ان ہی دھندوں سے کروڑ پتی بنے ہو۔" میں نے اس کے چٹکی لی "کیا تمہاری نظروں میں بھٹی جیسے گہرے دوست کی زندگی کی قیمت صرف دو لاکھ روپے ہے؟"

"میں تیرے باپ کا پیسہ لے کر کروڑ پتی نہیں بنا۔ یہ میرا مال ہے۔ آج کل دوست' دوست کو بیچ کر مال بناتا ہے۔ میں پھر بھی تیرے کو آفر دیتا ہوں۔ نہیں مانے گا تو تیرے کو کوئی بھٹی کا دو روپیہ بھی نہیں دے گا۔"

"پھر بھٹی کو بھول جاؤ۔" میں نے درشت لہجے میں کہا "میں پتھر باندھ کر اسے گہرے سمندر میں غرق کر دوں گا تاکہ تم لوگوں کا کفن دفن کا خرچ بھی بچ جائے مگر یہ یاد رکھنا کہ کراچی میں کبھی بھی تمہاری دادا گیری نہیں چلے گی۔ یہاں ایک سے ایک خر دماغ پڑا ہے۔ کبھی مجھ سے ٹکرا گئے تو تمہیں بھی اٹھا کر کہیں پھینک دوں گا۔"

"اڑے گدھا گیر کا بچہ!" اس کی اشتعال آمیز آواز ابھری۔ "میں غفور بھٹی نہیں ہوں۔ میری طرف آنکھ بھی اٹھایا تو توڑ مروڑ کر تیری ساری سیٹھی کو پچکا دوں گا۔ تو سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو۔"

میں نے اپنی بے ساختہ ہنسی روکتے ہوئے کہا "اب میں تیسری مرتبہ فون نہیں کروں گا۔ سمجھ لو کہ آج غفور بھٹی کی آخری رات

ہے۔ جلد ہی تم پر بھی یہ وقت آئے گا۔"

اس کے دہانے سے نکلنے والے غلیظ اور غصیلے الفاظ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہونے لگے۔ میں نے بے پروائی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"یہ قصہ بھی ختم ہوا۔" اول خان نے اطمینان سے کہا۔ "تمہاری اس فون کال کے بعد اسے پورا یقین ہوجائے گا کہ غفور بھٹی کو اپنے ڈرائیور کی بدکلامی اور اشتعال انگیزی کا خمیازہ بھگتنا پڑا ہے ورنہ اسے شبہ رہتا کہ بھٹی کے اغوا میں کمانڈر سعید کا ہی ہاتھ ہے۔"

"یہ قصہ ختم ہوگیا لیکن میری الجھن شروع ہوچکی ہے۔" سلطان شاہ نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا "تم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ کل مجھے ٹام کیٹ کے کوڈ سے نک موڈلے سے ملاقات کے لیے جانا ہے لیکن مجھے کچھ پتا نہیں کہ وہاں جا کر مجھے کیا کرنا ہے۔ کوئی گڑبڑ ہوگئی تو میرا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔"

"کسی کا خون کسی پر نہیں ہوتا۔" ویرا بولے بغیر نہ رہ سکی۔ "خون اپنے بدن میں رہتا ہے یا پھر زمین پر بہتا ہے۔ اب تو ویسے بھی خون بہانے کی ریت کم ہوتی جارہی ہے۔ ایک گولی چلتی ہے۔ ننھا سا سوراخ ہوتا ہے اور قصہ ختم۔ غفور بھٹی جیسا پُرشکوہ انجام بہت کم خوش نصیبوں کے حصے میں آتا ہے۔"

"میری دعا ہے کہ خدا تمہیں بھی ان خوش نصیبوں میں شامل فرمائے۔" سلطان شاہ نے دعائیہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ غزالہ ہنس پڑی۔

"کووں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔" ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی اور وہ بحث وہیں دم توڑ گئی۔ اول خان اس وقت اسپیکر فون کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے اسپیکر فون آن کردیا۔

"ہیلو! میں سعید بول رہا ہوں۔ مجھے اول خان یا ڈینی سے بات کرنی ہے۔" اسپیکر پر ابھرنے والی بھاری مردانہ آواز بلاشک وشبہ نیول انٹیلی جنس کے کمانڈر سعید کی تھی۔

"ہاں سعید' کیا خیر خبر ہے؟" اول خان نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کوٹ ادو والے واقعے کے بارے میں کچھ کڑیاں ملی ہیں جو خاصی دلچسپ ہیں۔"

"ویری گڈ! تم بتاتے چلے جاؤ۔ میں پوری توجہ سے ایک ایک لفظ سن رہا ہوں۔"

"تھرمل کنٹرول روم کے کنسول میں ٹائم بم چھپانے والے لڑکے کا نام پرویز مسیح ہے۔ اس نے یہ کام اپنے باپ کی ہدایت پر کیا تھا۔ اس نے ٹائم بم کا وقت اپنی چھٹی کے دس منٹ بعد سیٹ کیا تھا۔ دھماکا ہونے تک وہ بے چینی سے وسیع احاطے میں ٹہلتا رہا۔ دھماکا ہونے کے بعد اس نے مرکزی عمارت میں واقع تھرمل کنٹرول روم کے بجائے گیٹ کا رخ کیا تو سیکیورٹی والوں کو اس پر شبہ ہوا اور انہوں نے اسے روک لیا۔"

"اس کی وہ حرکت واقعی غیر فطری تھی۔ دھماکا ہوتے ہی ہر ملازم کو جائے حادثہ کی طرف دوڑنا چاہیے تھا تاکہ اپنے ساتھیوں کی مدد کرسکے۔"

"اسی لیے کہتے ہیں کہ مجرم اپنے جرم کا خود اعلان کرتا پھرتا ہے۔ پرویز کو اپنے باپ کی ہدایت سے آگے ایک لفظ بھی معلوم نہیں ہے۔ اب وہ اپنے اور اپنے باپ کے انجام سے سخت خوف زدہ ہے۔"

"اور اس کا باپ کیا کہتا ہے؟ وہ بھی تو تحویل میں لے لیا گیا تھا۔"

"فادر مائیکل مسیح اپنے بیٹے کے مقابلے میں قدرے سخت جان تھا مگر اب وہ بھی بول پڑا ہے۔ یہ کسی گروہ کی کارگزاری نہیں ہے بلکہ بلیک میلنگ کے ستائے ہوئے ایک مجبور شخص کی واردات ہے۔"

"بلیک میلنگ؟" اول خان نے تحیر زدہ آواز میں دہرایا "اس پادری کو کون بلیک میل کررہا تھا؟"

"آئزک بیل۔" کمانڈر سعید کے اس انکشاف نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ وہ اسپیکر فون پر کہہ رہا تھا "فادر مائیکل کا بڑا بیٹا تین برس سے غیر قانونی طور پر نیویارک میں رہ رہا ہے۔ ایک سال پہلے وہ ٹریفک کے ایک حادثے میں ملوث ہو کر ملٹری پولیس کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس کی گرفتاری کے چند روز بعد فادر مائیکل کو نیویارک سے ایک فون پر کسی غیر ملکی نے اے بی کے نام سے مخاطب کیا اور پیغام دیا کہ اگر وہ نیویارک میں اپنے بیٹے کی آزادی چاہتا ہے تو اس کے احکام پر عمل کرتا رہے ورنہ اس کے بیٹے کو ریاستی جیل میں سڑا دیا جائے گا۔"

"اور وہ اس پر تیار ہوگیا۔" اول خان نے بے تابی سے لقمہ دیا۔

"وہ مجبور تھا کیونکہ اس کا بیٹا آدھا کلو ہیروئن لے کر کامیابی سے امریکا میں داخل ہوا تھا۔ ان لوگوں نے تشدد کرکے اس سے تین سال پرانے وہ واقعات بھی اگلوا لیے تھے۔ فادر مائیکل کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد اے بی نے آزمائشی طور پر تین دن بعد کوٹ ادو کی کسی عبادت گاہ میں بم کا دھماکا کرنے کا حکم دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنے ذرائع سے اس دھماکے کی تصدیق کرے گا۔

"فادر سخت پریشان رہا۔ بنیادی طور پر وہ ایک شریف آدمی ہے لیکن اپنے بڑے بیٹے کی آزادی کے لیے اس نے اے بی کی شرط منظور کرلی تھی۔ اسے اور کچھ نہ سوجھا تو اس نے مقررہ دن اپنے ہی گرجا گھر کے ہال میں ایک دیسی بم رکھ دیا۔ دھماکا ہوا اور اگلے ہی دن اے بی نے دوبارہ اسے فون کرکے کامیابی پر مبارک باد

ایک طویل وقفے کے بعد اے بی کا تیسرا فون چند روز قبل آیا۔ اسے پہلے ہی معلوم تھا کہ مائیکل کا دوسرا بیٹا پاور ہاؤس میں ملازم ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ ہفتے کے دن پاور ہاؤس میں دھماکا کیا جائے ورنہ مائیکل کا بڑا بیٹا دوبارہ سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا جائے گا۔"

کمانڈر سعید کی زبان سے وہ کہانی سنتے ہی مجھے بے اختیار نادرہ یاد آئی۔ سی آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ اور انسپکٹر کلرنے بھی بالکل اسی انداز میں نادرہ کو بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ایک طرف وہ اسے اس کے شوہر غنی کی رہائی کا لالچ دے رہے تھے تو دوسری طرف یہ دھمکی بھی موجود تھی کہ اس نے ان لوگوں سے تعاون نہ کیا تو بیرونِ ملک زیرِ تعلیم فرخ کو تاریک مستقبل کا سامنا کرنا ہوگا۔ نادرہ ان کے سامنے بے بس ہوگئی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ہمارے کرائے کے فلیٹ کی مالکہ تھی۔ اس نے اپنی مشکل میرے سامنے رکھ دی اور پھر سی آئی اے کے دونوں ایجنٹ معزول ہو کر اپنے زخم چاٹتے ہوئے واپس جانے پر مجبور ہوگئے۔

مائیکل مسیح کی کہانی بھی اسی سے ملتی جلتی تھی۔ بیرونِ ملک رہنے والے پاکستانیوں کی کمزوریوں کا سراغ لگا کر ان کے قریبی رشتے داروں کو بلیک میلنگ کا نشانہ بنانا سی آئی اے اور ڈیوڈ اسٹارز کا مشترکہ اور مرغوب ترین طریقۂ واردات معلوم ہوتا تھا۔

"فادر مائیکل نے اپنے چھوٹے بیٹے کو ایک فرضی بشارت کا قصہ گھڑ کر اس گھناؤنی واردات پر آمادہ کیا تھا۔" اسپیکر فون پر کمانڈر سعید بتا رہا تھا "پرویز مسیح مطمئن تھا کہ وہ اپنے باپ کے حکم کی تعمیل کر کے ایک مقدس بشارت کو پورا کرے گا۔ اس معاملے میں باپ بیٹے کے سوا کوئی تیسرا فرد ملوث نہیں تھا۔"

"انہیں دھماکے کے لیے بم کس نے فراہم کیا تھا؟" اول خان نے پوچھا۔

"افغانستان میں حالات بگڑنے کے ساتھ جہاں ہیروئن نے پاکستان پر یلغار کی تھی وہاں چھوٹے بڑے ہتھیاروں کے بے شمار بازار بھی پھیلتے چلے گئے۔ آج ایسی چیزیں ہر شہر میں عام آدمی کی دسترس میں ہیں۔"

"پھر ان دونوں کے بارے میں کیا فیصلہ کیا گیا ہے؟" اول خان فکر مند نظر آنے لگا تھا۔

"فی الحال جوائنٹ انٹروگیشن ٹیم مزید کسی کامیابی کی امید میں ان دونوں پر محنت کر رہی ہے۔ باز پرس کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جا سکے گا۔"

"ان دونوں کا جرم بہت سنگین ہے اور ملک سے کھلی غداری کے برابر ہے۔"

"ان کا آخری انجام یہی ہونا چاہیے مگر میری رائے ہے کہ عارضی طور پر انہیں ڈھیل دی جانی چاہیے۔ اے بی یقیناً تمہارا آئزک بیل ہی ہو سکتا ہے جو تمہارے کہنے کے مطابق اب راس المیڈا کا جانشین ہے۔ وہ فادر مائیکل سے دوبارہ رابطہ کرے گا۔ مائیکل کو سخت وارننگ کے ساتھ بریف کر دیا جائے تو ہمیں آئزک بیل کے اگلے ہدف یا حکمتِ عملی کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔"

"تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔ اس وقت یہی بہترین راستہ ہوگا۔ ان دونوں کو تو کسی بھی وقت حراست میں لے کر سزا یاب کرایا جا سکتا ہے۔ تم نے اپنی بات اوپر والوں تک تو پہنچا دی ہوگی۔"

"یہ خیال ابھی ابھی آیا ہے۔ اوپر والوں سے بھی بات کرلوں گا۔ آخری فیصلہ بہرحال دوسرے ہی کریں گے جن پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔"

وہ دونوں مزید چند ثانیوں تک دوستانہ انداز میں باتیں کرتے رہے پھر فون کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

"ابھی تک ان کے بارے میں تمہارے سارے اندازے درست ثابت ہوتے چلے آرہے ہیں۔" اسپیکر فون بند ہو جانے پر ویرا نے تعریفی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ لوگ ڈیبی کے مشورے سے منصوبے بنا رہے ہیں۔" سلطان شاہ بولا۔

"یہ ماننا پڑے گا کہ تمہارے اندازے حقیقت سے بہت قریب ہوتے ہیں۔" اول خان نے اعتراف کیا "تم نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کوٹ ادو کا حادثہ کسی کی انفرادی تخریب کاری ہے۔ یہاں ڈیوڈ اسٹارز کے مخبروں کا کوئی باقاعدہ نظام سرے سے موجود نہیں ہے۔"

"اتنی تعریفیں نہ کرو کہ میرا دماغ خراب ہو جائے۔" میں نے ہنس کر کہا "یہ ایک عام سا اندازہ تھا۔ تم لوگ بھی اپنے ذہنوں پر زور دے کر یہی نتیجہ اخذ کر سکتے تھے۔"

"کوٹ ادو جیسے دور افتادہ شہر میں مائیکل مسیح کا کردار بے نقاب ہونے کے بعد ایک اور سوال بھی سامنے آتا ہے۔" غزالہ نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی "اس وقت لاکھوں پاکستانی بیرونِ ملک رہ رہے ہیں۔ ان میں سے ہزاروں صرف امریکا میں ہوں گے اور وہ سب فرشتے نہیں ہو سکتے۔"

"شاید تمہارا خیال ہے کہ وہ لوگ نادرہ اور مائیکل مسیح کے علاوہ کچھ اور لوگوں کو بھی بلیک میل کر رہے ہوں گے؟" ویرا نے تیکھی نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔" اول خان نے فوراً ویرا کی تائید کی۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے کارآمد مقامیوں کے ہوتے ہوئے راس المیڈا کو بھارت سے را کے دو ایجنٹوں کی مدد طلب کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" غزالہ نے اپنی الجھن سب

کے سامنے پیش کردی۔

"تمہارا یہ نکتہ واقعی بہت اہم ہے۔" ویرا نے اقرار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"تمہارے خیال میں اس کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟" سلطان شاہ نے غزالہ سے پوچھا۔

"سبب معلوم ہوتا تو مجھے یہ سوال کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔" غزالہ نے سادگی سے کہا۔

"تم کیوں خاموش بیٹھے مسکرائے جا رہے ہو؟" اول خان نے مجھ سے سوال کیا۔

"غزالہ کی سادگی اور حماقت پر غور کر رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا "وہ جن لوگوں کو بھی کمزوریوں کی بنا پر بلیک میل کر رہے ہیں وہ سب شریف اور عیال دار لوگ ہوں گے جو کسی گروہ کی صورت میں منظم نہیں ہیں۔ ایسے عام اور بے ضرر لوگوں کو ذرا دھمکا کر وہ کسی چھوٹی موٹی تخریب کاری پر ضرور مجبور کر سکتے ہیں لیکن ان سے کسی سازش یا منصوبہ بندی میں اہم کام نہیں لے سکتے۔ میں اپنے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں لیکن میرے دشمن مجھ سے خوف کھاتے ہیں۔ راس الیڈا میرے مقابلے میں اناڑیوں کو میدان میں اتارنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔"

"تم جیسے مکار اور خطرناک دشمن کو زیر کرنے کے لیے اسے تجربے کار اور پیشہ ور اجنبی چہروں کی ضرورت تھی جو را کے نووارد ایجنٹ پوری کر سکتے تھے۔ شاید تم یہی کہنا چاہ رہے ہو؟" ویرا نے میری ادھوری بات مکمل کر کے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"میں غزالہ کے سوال کا اس سے بہتر جواب تلاش نہیں کر سکتا۔"

"پھر تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ملک بھر میں کوٹ ادو جیسی تخریب کاریوں کا لامتناہی سلسلہ چل پڑے" ویرا نے خدشہ ظاہر کیا "وہ اپنے دباؤ میں آئے ہوئے ہر مقامی کو کسی چھوٹی موٹی واردات پر مجبور کر سکتا ہے۔"

"تم اس بارے میں کچھ زیادہ ہی دور چلی گئیں" میں نے کہا۔ "مائیکل مسیح نے اپنے چرچ کے ہال میں بلا دھماکا کرکے انہیں اپنی وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔ کتنے لوگ اتنا حوصلہ رکھتے ہیں؟ ہر شخص مائیکل مسیح نہیں ہو سکتا اور پھر یہ بھی ایک اہم بات ہے کہ نادرہ کے شوہر اور مائیکل کے بڑے بیٹے پر بیرون کی اسمگلنگ کے یکساں الزامات تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ صرف ہیروئن کے اسمگلروں کے لواحقین کی تلاش میں رہتے ہوں کیونکہ ہمارے یہاں اس جرم کی سزا بہت سنگین ہے۔ چھوٹے موٹے جرائم پر کوئی کسی کو بلیک میل نہیں کر سکتا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اول خان نے پرخیال لہجے میں کہا۔ "پاکستان سے ہر روز ہزاروں افراد بیرون ملک جاتے ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ کا رخ کرنے والوں میں ان پڑھ محنت کشوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے لیکن مغرب کا رخ کرنے والوں میں اکثریت کا تعلق ترقی یافتہ گھرانوں سے ہوتا ہے۔ ان میں منشیات لے جانے والوں کی تعداد آٹے میں نمک سے بھی کم ہوتی ہوگی۔ جو پیشہ ور ہوتے ہیں وہ اپنے خفیہ رابطوں کی بنا پر صاف نکل جاتے ہیں۔ پکڑے جانے والے دس بیس ہزار میں ایک آدھ سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ اس قلیل تعداد میں سے بھی اِکّا دُکّا افراد ہی ان کے ڈھب پر پورے اترتے ہوں گے.... نہیں، پاکستان میں آئزک نیل، ڈیوڈ اسٹار سی آئی اے کے لیے کام کرنے والوں کی تعداد قابلِ ذکر نہیں ہو سکتی۔"

"گڈ.... تم نے میرے دل کی بات پوری طرح کھول کر رکھ دی۔ میرا اندازہ ہے کہ اب فادر مائیکل کی کہانی اسی کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ یہ سلسلہ آگے نہیں چل سکے گا۔"

"میری بریفنگ" اچانک سلطان شاہ کراہا "تھوڑی دیر بعد ایس ایس بی کے ایجنٹوں کی طرف چل دو گے اور مجھے کچھ پتا نہیں ہوگا کہ صبح گیارہ بجے مجھے کیا کرنا ہے۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آج کی رات اپنی ہی ہے۔ میں ان دونوں کو غچا دے کر آیا ہوں۔ بریفنگ کے ساتھ ساتھ ہمیں تھوڑی سی تیاری بھی کرنی ہوگی۔ کام کے اس سلسلے کا آغاز کھانے کے بعد ہی مناسب رہے گا" میں نے ہنستے ہوئے کہا "پیٹ میں چارا پڑ جائے تو عقل تیز ہو جاتی ہے۔"

"کھانا بالکل تیار ہے" غزالہ نے فوراً اعلان کر دیا "پانچ منٹ کے نوٹس پر میز لگ سکتی ہے۔"

"مائیکرو ویو اوون کا یہی ایک کمال ہے۔ باسی کھانے بھی فاناً میں تر و تازہ ہو کر دسترخوان پر آجاتے ہیں۔ دعا دو نادرہ کو جس نے ہمیں ایسا سجا سجایا فلیٹ فراہم کیا ہے۔"

"اور خود رحیم یار خان میں خانہ بدوشی کی زندگی گزار رہی ہے" ویرا نے ٹکڑا لگایا اور کمرا ملے جلے قہقہوں کے شور سے گونج اٹھا۔

○☆○

ایک زمانہ تھا کہ امریکی قونصل خانے کی کئی منزلہ عمارت کراچی میں جدید طرزِ تعمیر کا ایک شاہکار تصور کی جاتی تھی۔ کنکریٹ اور شیشے سے بنی ہوئی اس عمارت کے پورچ پر گرزوں آگے نکلے ہوئے بے ستون بیم لوگوں کو حیران کر دیتے تھے۔ دیکھنے میں یوں لگتا تھا جیسے وہ بیم آہنی رسّوں یا سلاخوں کے سہارے عمارت کے اوپری حصوں سے بندھے ہوئے ہوں مگر پھر شہر میں ابھرتی ہوئی جدید عمارتوں میں اس عمارت کی انفرادیت ماند پڑتے پڑتے تقریباً معدوم ہو گئی۔

عبداللہ ہارون روڈ پر فریئر ہال کے سامنے بنی ہوئی اس عمارت کے گرد ابتدا میں کوئی احاطہ نہیں تھا۔ اس کے سامنے پہلے ہی

ار کے درمیان بنی ہوئی صاف ستھری راہداریوں سے گزر کر
ھی ملاقاتی براہِ راست برآمدے تک رسائی حاصل کر سکتا تھا
اس کی رہنمائی کے لیے عملہ متعین رہتا تھا مگر جوں جوں عالمی
امریکا کی بڑھتی ہوئی سیاسی اور معاشی چیرہ دستیوں کے خلاف
ت کی لہر زور پکڑتی گئی' اس عمارت کو مشتعل مظاہرین اور
ن گردوں سے محفوظ رکھنے کی کوششیں شروع کر دی گئیں۔
ہشتوں کے اختتام پر عمارت کے گرد کھلی کھلی سلاخوں والی
اونچی دیوار کھڑی ہو چکی تھی۔ عمارت کے محافظ برآمدے میں
بیٹھے پھاٹک اور اس سے باہر پھیلی ہوئی فٹ پاتھ اور سڑک پر
نظر رکھ سکتے تھے۔

میں نے ٹھیک پونے گیارہ بجے کلفٹن جانے والی یک طرفہ
پر قونصل خانے کے سامنے اپنی کار فٹ پاتھ کے کنارے
روک دی اور اس کے اگنیشن کا چور سوئچ بند کر دیا۔

اس وقت میری گاڑی فریئرہال یا باغِ جناح کے سبزہ زار کے
کھڑی ہوئی تھی مگر وہاں سے میں قونصل خانے میں آنے
والوں پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔

میں نے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے دو مرتبہ بے مقصد سیلف لگایا لیکن
ن کوائل کی سپلائی چور سوئچ کے ذریعے کاٹ دی گئی تھی اس
سے انجن ہچکیاں لینے کے باوجود بیدار نہ ہو سکا۔ میں نے
انہ انداز میں اتر کر کار کا بونٹ اٹھا دیا اور پرزوں کی دیکھ بھال
نے لگا۔

وہ شہر کی کوئی عام سڑک نہیں بلکہ اہم شخصیات کی گزرگاہ تھی
فریئرہال کے سامنے امریکی قونصل خانے' نیول سرجری اور
ہالیڈے اِن کی عمارات واقع تھیں۔ بعد میں ہوٹل ہالیڈے
کو ہوٹل میریٹ میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اہم ترین دفاتر اور
ش گاہوں کے اعتبار سے سول لائنز کے اس علاقے کو شہر کا
اور حساس حصہ تصور کیا جاتا تھا۔

میرا ارادہ وہاں رک کر سلطان شاہ کی آمد کا انتظار کرنے کا تھا
ن وقت پورا ہونے سے پہلے ہی سفید موٹر سائیکل پر سوار ایک
ک سارجنٹ میری گاڑی کے قریب آ رکا۔ اس کے اشتباہ آمیز
نسار پر میں نے اسے گاڑی کی ناگہانی خرابی کے بارے میں بتایا تو
موٹر سائیکل کنارے سے لگا کر نیچے اتر آیا۔

"یہ ممنوعہ علاقہ ہے۔ آپ گاڑی کو دھکیل کر کہیں آگے لے
ں۔" اس نے قدرے سختی سے کہا۔

"میں اکیلا اسے کیسے دھکیل سکتا ہوں۔ کسی نہ کسی کو میری مدد
نی ہوگی۔"

سچی بات یہ ہے کہ منصوبہ بناتے ہوئے میں نے اس سڑک کی
ت کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے ٹریفک سارجنٹ کی
خلت نے میری طبیعت مکدر کر دی تھی۔

اسے دکھانے کے لیے میں نے ایک مرتبہ پھر لمبا سیلف لگایا۔

وہ جھک کر غور سے انجن کا جائزہ لیتا رہا۔ میں نیچے اترا تو وہ مایوسی کے عالم میں میری رائے سے متفق ہو چکا تھا۔

وہ شہر کی کوئی اور سڑک ہوتی تو اس جیسے کئی کج کلاہ ٹریفک افسر میری گاڑی پر نظر ڈالنے کی زحمت کیے بغیر نخوت آمیز انداز میں فراٹے بھرتے ہوئے آگے بڑھ گئے ہوتے لیکن وہ شہر کی وی آئی پی سڑک تھی۔ وہ بے چارہ بادلِ ناخواستہ میری گاڑی میں دلچسپی لینے پر مجبور تھا۔

وہ قانون کا ایک باوردی محافظ تھا۔ اس کے اشارے پر دوسری طرف کی سروس لین میں کھڑے ہوئے تین ٹیکسی ڈرائیور میری مدد کے لیے آ گئے۔ انہوں نے آتے ہی اپنی پیشہ ورانہ عادت کے مطابق انجن کی خرابی کا سراغ لگانے کا عندیہ ظاہر کیا مگر میرے ساتھ نرمی سے پیش آنے والے سارجنٹ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چلا تھا۔ وہ ان پر برس پڑا "بھاڑ میں ڈالو اس انجن کی خرابی کو۔ اس چھکڑے کو دھکیل کر آگے فریئرہال کے بند پھاٹک کے سامنے لے جاؤ۔"

ان تینوں نے بونٹ گرا کر میرے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کا انتظار کیے بغیر کار کو دھکا لگانا شروع کر دیا۔ فریئرہال کا وہ بلند و بالا آہنی پھاٹک سڑک سے کافی اندر اس طرح بنا ہوا ہے کہ اس کے سامنے پارکنگ کی وسیع گنجائش پیدا کر لی گئی ہے۔ عام دنوں میں وہ پھاٹک وزنی آہنی زنجیروں سے مقفل رہتا ہے۔ پیدل چلنے والوں کے لیے اس کی ذیلی کھڑکی کھلی رہتی ہے۔ وہاں کوئی اہم سرکاری تقریب ہو تو معزز مہمانوں کو ریڈ کارپٹ پروٹوکول دینے کے لیے پورا پھاٹک کھول دیا جاتا ہے۔

ٹیکسیوں وغیرہ کی پارکنگ کے لیے استعمال ہونے والے اس وسیع کھانچے میں گاڑی داخل ہونے تک ٹریفک سارجنٹ اپنی موٹر سائیکل پر رینگ رینگ کر پورے آپریشن کی براہِ راست نگرانی کرتا رہا۔ گاڑی سڑک سے اترتے ہی وہ اپنی بھاری موٹر سائیکل پر پل کی طرف ہوا ہو گیا۔ میری مدد کرنے والے ڈرائیور بھی ہاتھ جھاڑ کر واپس ہو لیے۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت وہاں میدان صاف تھا۔

میں نے ایک مرتبہ پھر بونٹ اٹھا کر راڈ پر ٹکا دیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

میرے قدموں میں نشست کے ساتھ ہی وہ ریڈیو رکھا ہوا تھا جس کے ایف ایم بینڈ پر سلطان شاہ ایک بار میری اور نادرہ کی گفتگو سن چکا تھا۔ ریڈیو کے ایف ایم بینڈ کی ٹیوننگ فلیٹ پر ہی کر لی گئی تھی۔ طاقتور ایف ایم مائیکروفون سلطان شاہ کی جیب میں موجود تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ قونصل خانے کی عمارت سے غیر متوقع طور پر فاصلہ بڑھ جانے کے باعث وہ تیاریاں رائگاں ہی نہ جائیں۔

سڑک کے ہلکے سے خم اور دوسری طرف گھنے درختوں کی کثرت کی وجہ سے میرے لیے قونصل خانے کی نگرانی دشوار ہو گئی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھیں۔ میں

نے جھک کر ریڈیو آن کر دیا۔ س پر گہرا سکوت طاری تھا۔ سلطان شاہ جہاں بھی تھا، ریڈیو کی رینج سے باہر تھا۔

گیارہ بجنے میں شاید دو منٹ رہ گئے تھے کہ ریڈیو پر کسی انجن کا مدھم سا شور سنائی دیا جو بڑھتے بڑھتے قدرے واضح ہو گیا پھر وہ آواز جیسے تھم سی گئی۔ ایک مختصر وقفہ آیا، میرے اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا۔ شاید سلطان شاہ اپنی منزل کے قریب تھا۔ خوشی کی بات یہ تھی کہ سسٹم کام کر رہا تھا۔

"تم نظر نہیں آ رہے" اچانک ایف ایم بینڈ پر سلطان شاہ کی دھیمی آواز سنائی دی "تمہارے حکم پر میں سولی چڑھنے جا رہا ہوں۔ اب رام ہی بھلی کرے گا۔"

اسپیکر پر گرد و پیش کے ٹریفک کا دھیما شور گونجنے لگا۔ سلطان شاہ میرے لیے پہلا پیغام دے کر شاید عمارت کے پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" ایک کرخت مردانہ آواز سنائی دی۔ غالباً پھاٹک پر لگے ہوئے انٹرکام پر عمارت کے کسی دربان نے وہ سوال سلطان شاہ سے ہی کیا تھا۔

"ٹام کیٹ!" سلطان شاہ کی آواز میں اعتماد اور مردانگی کی شان نمایاں تھی "مجھے نک موڈلے نے بلایا ہے۔"

اس بار دربان نے جو کچھ کہا وہ میرے سر پر سے گزر گیا کیونکہ اس نے اچانک ہی پشتو بولنی شروع کر دی تھی۔ سلطان شاہ نے بھی ترکی بہ ترکی یعنی پشتو میں جواب دیا۔ میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔ پتا نہیں دربان کی چھٹی حس نے کیسے اندازہ لگا لیا تھا کہ نووارد اس کا ہم زبان تھا۔

اگر وہ سلسلہ یوں ہی چل پڑتا تو میرے پاس ریڈیو کا ہونا یا نہ ہونا یکساں تھا۔

سکوت طاری رہا۔ ٹریفک کا دھیما شور بھی معدوم ہو چکا تھا۔ میں چشمِ تصور سے دیکھ رہا تھا کہ سلطان شاہ پھاٹک عبور کر کے عمارت کے برآمدے کی طرف جا رہا تھا۔

دربان کی آواز پھر ابھری۔ اس بار الفاظ قدرے مانوس تھے۔ وہ پشتو میں ہی سلطان شاہ کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ ان دونوں میں چند فقروں کا تبادلہ ہوا پھر خاموشی چھا گئی۔

اس بار خاموشی کا وقفہ قدرے طویل ثابت ہوا۔ آخر سلطان شاہ کی آواز آئی "سلام صاحب!"

"تمہارا نام کیا ہے؟" ایک بارعب غیر ملکی آواز سنائی دی۔ سوال انگریزی میں کیا گیا تھا۔

قدرے توقف کے بعد سلطان شاہ نے جواب دیا "صاحب! مجھے انگریزی نہیں آتی۔"

انگریزی زبان میں مکتبی علم نہ ہونے کے باوجود سلطان شاہ نے میرے ساتھ مغرب کی طویل آوارہ گردیوں میں خاصی مجلسی مہارت حاصل کر لی تھی۔ وہ منہ بگاڑے بغیر بہت روانی سے انگریزی بول اور سمجھ سکتا تھا لیکن وہ اس وقت طے شدہ پروگرام کے مطابق کامیاب اداکاری کر رہا تھا۔

"تم ٹوٹی پھوٹی انگریزی بھی نہیں بول سکتے؟" دوبارہ انگریزی میں پوچھا گیا۔

وہ ایک مکارانہ سوال تھا۔ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں سلطان شاہ اضطراری طور پر جواب ہی نہ دے بیٹھے مگر وہ بہت پکا تھا۔ جواب کے بجائے مجھے اس کی بڑبڑاہٹ سنائی دی "خدایا! میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔"

"کتیا کے پلے! تمہارا بہت غلط انتخاب کیا گیا ہے" انگریزی میں کہا گیا۔ کسی بھی انگریزی جاننے والے کے لیے وہ گالی سخت بلکہ ناقابلِ برداشت تھی۔ غیر ملکی بھی شاید یہی کوشش کر رہا تھا کہ سلطان شاہ کو انگریزی کی ذرا بھی شدبد ہو تو وہ بھڑک جائے لیکن وہ پتھر بن کر خاموش رہا۔

"اس کا مطلب ہائے کہ میں تم سے ارڈو میں بات کرے" اس بار وہی بارعب آواز ستھرے تلفظ کے ساتھ اردو میں سلطان شاہ سے مخاطب ہوئی تھی۔

"خدا کا شکر ہے" سلطان شاہ کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی "کہ تم اتنی اچھی اردو جانتے ہو۔ شش.... شاید تم ہی نک موڈلے ہو۔ میرا کوڈ ٹام کیٹ ہے۔"

"یس۔ میں نک موڈلے ہائے۔ تم کا بگ باس۔ بیڈری اور رامیش کا بگ باس۔"

"جی صاحب! مجھے معلوم ہے۔ میں ان دونوں کے لیے کام کر رہا ہوں۔"

"بیڈری اور رامیش کو ٹریننگ کرنے جانا ہائے۔ یہ پیکٹ بیڈری کا ہائے۔ وہ میں سے بات کرے" نک موڈلے کے وہ فقرے سنسنی خیز تھے۔ پتا نہیں وہ بدری اور رمیش جیسے گھاگ افراد کو کس بات کی تربیت کے لیے بھیجنے کا عزم لیے بیٹھا تھا۔

اس نے جس انداز اور تسلسل میں پیکٹ کا ذکر کیا تھا اس سے مجھے گمان ہوا تھا کہ اس نے ٹیلی فون کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے بدری کے لیے کوئی لاسلکی ٹرانسیٹر دیا تھا جس پر وہ ایک دوسرے سے بہ آسانی رابطہ کر سکتے تھے۔ شاید اس نے اسی اہم کام کے لیے بدری کے قاصد کو طلب کیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارا پیغام اور پیکٹ بدری تک پہنچا دوں گا" سلطان شاہ کی آواز آئی۔

"تم جائے گا" غالباً نک نے سلطان شاہ کو واپسی کی ہدایت کی تھی۔

سلطان شاہ کی واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ راستے میں اس نے ایک مرتبہ پھر پہلے والے دربان سے پشتو میں کچھ باتیں کیں اور سکوت چھا گیا۔

میرے لیے امریکی قونصل خانے کی وہ عمارت کسی خوف

ب سے کم نہیں تھی۔ عام لوگوں کے لیے وہ سفارتی فرائض کی
نجام دہی اور سفری سہولتوں کی فراہمی کا مرکز تھی مگر میں جانتا تھا
کہ اس کی بند دیواروں کے پیچھے کیسی کیسی منصوبہ بندیاں پروان
چڑھتی ہیں۔

اس حصار سے سلطان شاہ کی خیروعافیت سے واپسی کسی بڑے
کارنامے سے کم نہیں تھی۔ اس کی ملاقات بہت مختصر رہی تھی
لیکن اس نے اپنا کردار بہت خوبصورتی سے نبھایا تھا۔

میرے لیے وہاں رکنا بے سود تھا۔ میں نے ریڈیو آف کر کے
اور سوئچ آن کر دیا۔ نیچے اتر کر میں تھوڑی دیر تک انجن کے تاروں
سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا تاکہ کسی دیکھنے والے کو مجھ پر کسی قسم کا شبہ نہ
ہو۔ اس بار آدھے ہی سیلف میں انجن انگڑائی لے کر بیدار ہو گیا۔
میں نے باہر آ کر بونٹ بند کیا اور پھر پُرسکون انداز میں گھر کی طرف
روانہ ہو گیا۔

گھر پر اول خان مضطربانہ انداز میں میری اور سلطان شاہ کی
واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ سلطان شاہ کو اپنے کسی
ممکنہ تعاقب کے خطرے کو ٹالنے کے لیے شہر کی سڑکوں پر آوارہ
گردی میں وقت گزارنا ہوگا اس لیے اسے واپسی میں دیر ہو گی۔
میں نے ان میں سے کسی کی طرف سے جرح کا آغاز ہونے سے پہلے
ہی سلطان شاہ کی کارگزاری کی رپورٹ سنانی شروع کر دی۔

"تک موڈلے کے سامنے آنے کے بعد یہ گتھی سلجھنے کے
بجائے مزید الجھتی ہوئی نظر آ رہی ہے" ویرا نے میری بات پوری
ہونے کے بعد پُرتشویش لہجے میں کہا "وہ ان دونوں کو تربیت کے
لیے کہاں بھیجے گا۔"

"ڈھیل دینے سے معاملات بگڑتے ہی چلے جائیں گے" غزالہ
نے کرسی میں بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا "روانگی کا مرحلہ
آنے سے پہلے ہی بدری اور رمیش کو مار دیا جائے تو ہمارے سامنے
صرف تک موڈلے رہ جائے گا۔ اسے بھی کہیں نہ کہیں گھیر ہی لیا
جائے گا۔"

"شاید تم کسی لمبے چکر سے خوف زدہ ہو رہی ہو" اول خان
نرمی سے بولا "ہم شترمرغ کی طرح ریت میں سر دے کر طوفان کو
نہیں ٹال سکتے۔ ان تینوں کو مار ڈالنا ایک عارضی حل ہوگا۔ ان کی
جگہ نئے چہرے لے لیں گے اور ان کے چھوڑے ہوئے کام کو پایۂ
تکمیل تک پہنچائیں گے۔ اس وقت ہم ان کے عزائم کے بارے
میں مکمل تاریکی میں ہیں۔ ہمیں صبر اور تحمل کے ساتھ کھوج لگانا
ہوگا کہ اب وہ کدھر سے وار کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اب کوئی
نیا کھیل چل پڑا ہے۔ ہم نے تک موڈلے کا نام پہلی بار سنا ہے۔ وہ
جس طرح اردو بول رہا تھا اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کافی
عرصے سے یہاں کام کر رہا ہے۔ مقامی زبان جاننے والے ہر
سفارت خانے کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ اگر وہ تک کو سامنے لائے
ہیں تو یہ کوئی معمولی چکر نہیں ہو سکتا۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ بدری سے کیا
بات کرتا ہے۔"

"تو کیا بدری تمہارے سامنے اس سے رابطہ کرنے کی حماقت
کرے گا؟" ویرا نے طنز سے پوچھا۔

"تک موڈلے بھی مکمل تنہائی میں سلطان شاہ سے بات کر رہا
ہوگا۔ میں نے وہ گفتگو لفظ بہ لفظ سنی ہے۔ ان کے کمرے میں ایف
ایم مائیکروفون بہت آسانی سے چھپایا جا سکتا ہے" میں نے کہا۔

"تمہارے اور نادرہ کے ساتھ کیا جانے والا مذاق بھی اب
اپنی اہمیت کا احساس دلا رہا ہے۔ وہ تجربہ سامنے نہ آیا ہوتا تو شاید
ہم یہ سب سوچ بھی نہیں سکتے تھے" اول خان بولا۔

"وقت کے دھارے میں ہر چیز کا اپنا وقت اور مقام متعین
ہوتا ہے" ویرا فلسفیانہ لہجے میں بولی "اس کا وہ مقام اپنے وقت پر
ظاہر ہوتا ہے۔ اس دن ڈیڈی برہم ہوا تھا کہ اس کی اور نادرہ کی
باتیں سن کر اس کے اعتماد کو مجروح کیا گیا ہے لیکن آج سب کچھ
بدل چکا ہے۔"

سلطان شاہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد گھر لوٹ آیا۔ اس نے آتے
ہی ٹرانسسٹر کا پیکٹ ہمارے سامنے ڈال دیا۔ وہ پیکٹ ٹیپ میں لپٹے
ہوئے گتے کے ایک وزنی ڈبے پر مشتمل تھا۔ واضح طور پر محسوس
ہو رہا تھا کہ اس میں جدید ساخت کا کوئی اپریٹس ہی ہو سکتا تھا مگر پھر
بھی ہر ایک پیکٹ کو کھول کر دیکھنے کا خواہاں تھا۔

بظاہر پیکٹ میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ٹیپ اتار کر اسے
دوبارہ اسی طرح بند کیا جا سکتا تھا لیکن میں ایسا کوئی خطرہ مول لینے
کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے پیکٹ جوں کا توں رکھ لیا۔

اس دوران میں سلطان شاہ نے خود ہی وضاحت شروع کر دی
تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "زبان کے معاملے میں ہر انسان کی چھٹی حس
بہت تیز ہوتی ہے۔ وہ لب و لہجے یا تلفظ کے کسی خاص انداز کی بنا پر
فوراً ہی اپنے کسی بھی ہم زبان کو بھانپ لیتا ہے۔ مجھے بھی وہاں کے
پٹھان چوکیدار نے اچانک پشتو میں مخاطب کرنا شروع کر دیا تھا۔"

"تم چاہتے تو پشتو میں چند جوابی الفاظ ادا کر کے باقی گفتگو اردو
میں جاری رکھ سکتے تھے۔" اس بار ویرا نے پوری سنجیدگی سے کہا۔
"میں اندازہ لگا سکتی ہوں کہ اس وقت ڈیڈی تم پر کس قدر پیچ و تاب
کھا رہا ہوگا۔"

"مجھے بالکل غصہ نہیں آیا۔" میں نے جلدی سے کہا "البتہ
میں الجھن میں پڑ گیا تھا کیونکہ اس دوران میں کوئی بھی بات میرے
پلے نہیں پڑ سکی۔"

"مگر تم نے لب و لہجے سے تو اندازہ لگا لیا ہوگا کہ باتیں دوستانہ
ماحول میں ہو رہی تھیں؟" سلطان شاہ نے تائید طلب لہجے میں
سوال کیا۔

"بس یہی اطمینان کی بات تھی ورنہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔"
میں نے کہا۔

"یوں سمجھ لو کہ ہم زبان ہونے کی وجہ سے میں آفت سے دوچار ہونے سے بچ گیا۔ وہاں میٹل ڈی ٹیکٹر سمیت جامہ تلاشی کے دوسرے آلات بھی موجود تھے۔ الارم ہوتے ہی میں نے اسے اپنی رسٹ واچ اور انگوٹھیوں وغیرہ کی طرف متوجہ کرلیا۔ اس نے میری بات پر اعتبار کرتے ہوئے تفصیلی جامہ تلاشی لینے کا ارادہ ترک کردیا۔ اگر وہ مرحلہ آجاتا تو میرا ایف ایم مائیکروفون نہیں بچ سکتا تھا۔"

"اب محسوس ہو رہا ہے کہ اندر کا ماحول تمہارے لیے سازگار تھا۔ مائیکروفون چھن بھی جاتا تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ وہ ڈینی کی ایک احتیاطی اختراع تھی۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

"تم غلط کہہ رہی ہو۔ وہ مائیکروفون برآمد ہوتے ہی سازگار ماحول جارحانہ رخ اختیار کرلیتا۔ میں انہیں اس کی موجودگی کا کیا جواز دے سکتا تھا؟"

"بہرحال جو ہوا بہتر ہی ہوا۔" اول خان نے بات وہیں ختم کردی "یہ تمہاری عقل مندی تھی کہ تم نے موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے ڈینی کو بھول کر دربان کو اپنی باتوں میں الجھالیا ورنہ گڑبڑ ہوسکتی تھی۔"

"تم پروگرام کے مطابق اپنی جگہ پر نہیں تھے۔" سلطان شاہ نے چونک کر کہا۔

"ہم پروگرام طے کرتے ہوئے اپنے وی آئی پی کلچر میں پولیس بلکہ ٹریفک پولیس کے شہسواروں کو بھول بیٹھے تھے۔" میں نے جواب دیا۔

میں نے اپنی کہانی میں سے وہ ذکر گول کردیا تھا مگر سلطان شاہ کے اصرار پر مجھے وہ قصہ سنانا پڑ گیا۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا جارہا تھا۔ میں بدری اور رمیش سے تاخیر کا کوئی بھی بہانہ کرسکتا تھا مگر پھر بھی میں جلد از جلد ان تک پہنچنے کا خواہاں تھا۔ اول خان نے سلطان شاہ سے ننک موڈلے کے بارے میں سوال کیا تو میں نے فوری واپسی کا ارادہ کچھ دیر کے لیے ملتوی کردیا۔

"وہ لمبوترے چہرے والا ایک دبلا پتلا اور دراز قد امریکی ہے۔ پہلی ہی نظر میں اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ سنگ دل اور مفاد پرست آدمی ہے۔ وہ قونصل خانے میں کسی اہم عہدے پر فائز معلوم ہوتا ہے کیونکہ بڑے دفتر میں اس کی میز شان دار کمپیوٹر سمیت بہت سی مواصلاتی سہولتوں سے آراستہ ہے۔"

سلطان شاہ کی وہ باتیں سنتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ آخر اس پورے قصے میں ننک موڈلے کا نام کیوں سامنے لایا گیا تھا۔ اگر مدن موہن اپنے خفیہ پیغام میں صرف اتنا ہی ذکر کرتا کہ ٹام کیٹ کے کوڈ سے ایک قابلِ اعتماد قاصد کو امریکی قونصل خانے بھیج دیا جائے تو سب کچھ اسی طرح ہوتا۔ ننک موڈلے کا نام پوشیدہ رہتا اور قونصل خانے کے نگراں ٹام کیٹ کا کوڈ سنتے ہی سلطان شاہ کو ننک تک پہنچا دیتے۔

ننک موڈلے کا نام ظاہر کرنے کے دو ہی اسباب ہوسکتے تھے۔ حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کے بعد دوسرا سبب یہ ہوسکتا تھا کہ مدن موہن اپنے ان دوستوں سے کسی بھی قیمت پر دوبارہ رابطہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ان کے اگلے قدم کے بارے میں ایک بار ہی ساری معلومات مہیا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اگر وہ دونوں گیارہ بجے کسی کو ٹام کیٹ بنا کر قونصل خانے بھیجنے میں ناکام رہتے تو بعد میں کسی نہ کسی طرح ننک موڈلے سے رابطہ کرسکتے تھے۔ ناکامی کی صورت میں انہیں مدن موہن سے دوبارہ رجوع کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

"اردو جاننے کے باوجود وہ تم سے انگریزی میں بات کرنے پر کیوں مصر تھا؟" غزالہ نے پوچھا۔

"اس کا صحیح جواب تو وہ خود ہی دے سکتا ہے۔ میری دانست میں یہ اس کی شرارت تھی۔ وہ میری ذہنی سطح کا اندازہ لگانے کی ایک کوشش بھی ہوسکتی تھی۔"

"تمہاری ذہنی سطح کا اندازہ لگانے کے لیے کسی کو اتنے پاپڑ بیلنے کی ضرورت پیش نہیں آسکتی۔" ویرا سلگانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بول پڑی "وہ دراصل تمہیں گالی دینے کا ایک بہانہ تھا۔ تم انگریزی بولنے لگتے تو وہ فرنچ یا جرمن میں تمہارا امتحان لیتا اور جس زبان میں تم کورے نکلتے اسی میں گالی سنا دیتا۔"

"بک بک مت کرو۔" میں نے اسے جھاڑ دیا "یہ سلطان شاہ کا ہی حوصلہ تھا کہ وہ گالی سننے اور سمجھنے کے باوجود اپنا غصہ پی گیا۔ گالی سن کر ٹھنڈے ماتھے کے لوگ بھی اچانک آپے سے باہر ہوجاتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ویرا نے تائیدی انداز میں سرہلاتے ہوئے کہا "گالیاں سننا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ جب تک خون پانی کی طرح نہ ہو، یہ کارنامہ انجام نہیں دیا جاسکتا۔"

میں نے غصیلی نظروں سے ویرا کو گھورا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "تم سلطان شاہ کو ہر وقت اس طرح تحفظ دینے کی کوشش میں لگے رہتے ہو جیسے وہ تمہارے پروں کے نیچے آیا ہوا کوئی ننھا سا چوزہ ہو۔ کیا وہ میری ذرا سی نوک جھونک کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا۔"

"سب کچھ کرسکتا ہوں مگر اس کے لیے کھلے سمندر اور بلیک ہی نامی ایک بوٹ کا ہونا ضروری ہے۔" اس بار سلطان شاہ نے جارحانہ لہجے میں ویرا کی دکھتی رگ چھیڑدی۔

"ہر وقت بے تکی باتیں کرتے رہتے ہو۔ اس وقت سمندر اور بوٹ کے ذکر کی کیا تک ہے؟" ویرا کی خوش مزاجی یک لخت کافور ہوگئی اور اس کا منہ بن گیا۔

"بولتی رہو گی تو تھوڑی دیر میں ہر بات خود بخود واضح ہوجائے گی۔"

"تم دونوں لڑتے رہو۔ اب میں واپس چلتا ہوں۔ دیکھنا ہے کہ

بدری اپنے گورے آقا سے کیا بات کرتا ہے۔" میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ میرے ساتھ اول خان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو کیا تم بھی ڈیبی کے ساتھ جا رہے ہو؟" سلطان شاہ نے اس سے پوچھا۔

"مجھے اپنے دفتر کی خیر خبر لینی ہے۔ مدن موہن کے جھوٹ کھلنے کے بعد اس کی مزید جھاڑ پونچھ ضروری ہو گئی ہے۔ یہ لوگ جوتے کے بغیر بات کرنے کے قابل نہیں ہیں۔" اول خان نے کہا۔

میں نے سلطان شاہ سے ایف ایم مائیکرو فون لے کر اپنی جیب میں ڈالا۔ نک موڈلے کا دیا ہوا وزنی پیکٹ پہلے سے میری تحویل میں تھا۔ میں ان تینوں کو خدا حافظ کہہ کر اول خان کے ساتھ فلیٹ سے نکل آیا۔

اس وقت تک جو کچھ ہو رہا تھا' اس کے نتائج ضرور سامنے آ رہے تھے لیکن واقعات کی سست رفتاری سے میں کسی قدر اکتاہٹ سی محسوس کرنے لگا تھا۔ بدری ناتھ اور رمیش اگروال کا قصہ بظاہر طول پکڑتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کے بارے میں غزالہ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ انہیں راستے سے ہٹائے بغیر معاملات کو تیزی سے نمٹانا دن بہ دن دشوار تر ہوتا جا رہا تھا۔

نیچے پہنچ کر اول خان اپنی گاڑی میں اسٹیشن فور کی طرف چل دیا۔ میں بھی اسی کے پیچھے پیچھے نادرہ کے مکان کی طرف ہو لیا جہاں میرے دونوں حریف امیدوں کے دیپ جلائے میری واپسی کے منتظر تھے۔

احاطے میں گاڑی کا انجن بند ہونے کی آواز سنتے ہی بدری ناتھ کو میری واپسی کا اندازہ ہو گیا تھا اس وجہ سے اس نے مجھے ڈرائنگ روم میں ہی آ لیا۔ اس کے ساتھ رمیش موجود نہیں تھا۔

"وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔" میں نے اس کی صورت دیکھتے ہی بلا تمہید بولنا شروع کر دیا "نک موڈلے کے دماغ میں خناس بھرا ہوا ہے۔ وہ خود کو تم دونوں کے ساتھ قاصد کا بھی بگ باس کہہ رہا تھا۔"

"بعض حقیقتوں کو جب تک زور دے کر دہرایا نہ جائے' ان کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ ہمارے لیے کام کرنے والا ہر شخص کسی نہ کسی حد تک اس کا تابع ہو گا۔" وہ بولا۔

"میں اسے تسلیم نہیں کر سکوں گا۔ اچھا ہی ہوا کہ میں وہاں نہیں گیا۔ اس نے تمہارے لیے یہ پیکٹ بھیجا ہے۔ پیغام ہے کہ جلد از جلد اس سے بات کر لو۔ تمہیں ٹریننگ پر کہیں جانا ہے۔"

وزنی پیکٹ لے کر وہ متجسس انداز میں اسے گھما پھرا کر دیکھتا اور اس کا وزن تولتا رہا پھر بولا "تم کس ٹریننگ کی بات کر رہے ہو۔ ذرا تفصیل سے پوری گفتگو دہراؤ۔"

"پوری گفتگو نک موڈلے کے چار پانچ جملوں پر مشتمل تھی۔ ان فقروں میں دیا جانے والا پیغام میں تمہیں سنا چکا ہوں۔ باقی باتیں تم خود اس سے معلوم کر لینا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک طرف اتنی احتیاط کی جا رہی تھی کہ تم نے براہِ راست رابطہ کرنے کے بجائے ایک قاصد کو اس کے پاس بھیجا تھا اور اب وہ خود تم سے بات کرنے کا خواہش مند ہے۔ تم سب مل کر نجانے کیا ڈراما رچا رہے ہو۔" میں نے ریڈیو کا تھیلا ایک کنارے سے رکھتے ہوئے کہا۔

"اب بھی میں اس سے دور رہوں گا۔ اسے فون کرنا بھی خطرناک ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ پاکستانی ایجنسیاں اپنوں اور پرایوں کے فون ٹیپ کرنے کے سلسلے میں دنیا بھر میں بدنام ہیں۔" اس نے مجھ سے لیے ہوئے پیکٹ کو دونوں ہاتھوں میں گھماتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

"تو کیا اس نے تمہیں کوئی ایڈریس بھیجا ہے؟" میں نے پیکٹ پر نظریں جما کر حیرت سے پوچھا۔

"تم بہت ذہین ہو۔ میرا یہی خیال ہے۔ اس پر ہونے والی گفتگو کا سراغ لگانا آسان نہیں ہو گا۔ مجھے اس کی طرف سے اتنی بڑی رعایت ملنے کی امید نہیں تھی۔" بدری ناتھ اس وقت واقعی خوش نظر آ رہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میرے آدمی کے ایک ہی چکر میں تمہارا کام نمٹ گیا۔ اب تم جب چاہو اس سے بات کر سکتے ہو۔ اس خوشی میں تمہیں تین ہزار کے بجائے پانچ ہزار ڈالر ہی دینے چاہئیں۔"

"اس سے بات ہو جائے پھر پانچ ہزار بھی دے دوں گا لیکن حاجی دل مراد کا کیا کیا جائے؟ اس سے رقم نکلوانی مشکل ہی نظر آ رہی ہے۔" بات کرتے کرتے اسے اپنا قیمتی تھیلا یاد آ گیا۔

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب تک جیب میں مال ہے کھلے دل سے لٹاتے رہو۔ جیب خالی ہو جائے تو ہم تینوں شہر کی سڑکوں پر بھیک مانگیں گے۔ اس دھندے میں کسی بھی سرمایہ کاری کے بغیر اندھی آمدنی ہوتی ہے۔ اپنے سارے اخراجات نکال بھی تم بہت کچھ پس انداز کر سکو گے۔"

"تم خاصا بے تکان اور اچھا بول لیتے ہو۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے دل میں تمہاری قدر و منزلت بڑھتی جا رہی ہے۔ تمہارے لیے میری سنہری پیشکش اب بھی برقرار ہے۔"

"سنہری کیا مجھے تو اس چھت کے نیچے کسی کالی کا بھی سایہ نہیں آ رہا۔"

"میں لڑکی کی نہیں' ایس ایس بی میں تمہاری شمولیت کی بات کر رہا ہوں۔" وہ ہنس کر بولا۔

"دیکھا جائے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا "ابھی مجھے اس بارے میں سوچنے کا موقع نہیں ملا ہے۔"

"سوچو اور ضرور سوچو۔ ہمارے ساتھ یہ تمہارے فائدے کا سودا ہو گا۔"

"اس سودے بازی سے پہلے میں کچھ دیر کے لیے تمہارے کمرے میں جا رہا ہوں۔ وہاں مجھے تخلیے میں اپنا ایک ضروری لفافہ تلاش کرنا ہے۔"

"ضرور جاؤ مگر وہاں رمیش غسل خانے میں گھسا ہوا ہے۔ اسے آجانے دو۔"

"مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ میں اسے ہوشیار کر کے غسل خانے میں ہی روک دوں گا۔" یہ کہہ کر میں ان دونوں کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

مجھے امید تھی کہ بدری ناتھ گھر کے کسی اور حصے میں اپریٹس کو استعمال کرنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ ایس ٹی ایف کے تربیت یافتہ افراد گھر میں پراسرار سایوں کی طرح ہر وقت ہمارے اردگرد ہی سرسراتے پھرتے تھے۔ ایسی صورت میں بدری کسی بھی رازدارانہ رابطے کے لیے اپنی خواب گاہ استعمال کرنے پر مجبور تھا۔

اس خواب گاہ سے ملحق باتھ روم میں سے شاور سے پانی گرنے کی آوازوں کے ساتھ رمیش کی گنگناہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ سرور کے عالم میں غسل سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"تھوڑی دیر تک اندر ہی نہاتے رہو' میں اپنے کچھ کاغذ تلاش کر رہا ہوں۔" میں نے باتھ روم کے دروازے پر دستک دے کر کہا اور دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا۔

"جاتے ہوئے بولٹ گرانا نہ بھولنا ورنہ میں دروازہ اکھاڑ دوں گا۔" اندر سے اس کی غراہٹ ابھری۔

میں نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔ میری نگاہیں متجس انداز میں پورے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

کمرے میں موجود گلدان' ایش ٹریز اور دوسری اشیا میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ ان میں چھپایا ہوا مائیکرو فون ان دونوں کی نظروں سے محفوظ رہتا۔ آخر کار میری نظریں چھت سے لٹکے ہوئے سہ شاخہ فانوس پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ مائیکرو فون بہت حساس تھا۔ میں ذاتی طور پر اس کی طاقت کا تجربہ کر چکا تھا۔ وہ قدرے بلندی پر ہوتے ہوئے بھی اس کمرے کی ہر آواز کو میرے ریڈیو تک منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

میں جوتوں سمیت مسہری پر چڑھ گیا اور احتیاط سے لاسلکی مائیکرو فون کو فانوس کی شاخوں کے درمیان لگی ہوئی سنہری جالی پر رکھ دیا۔ اس سے پہلے میں مائیکرو فون کا سوئچ آن کر چکا تھا۔

اپنے اصل کام سے فارغ ہونے کے بعد مجھے کسی لفافے کی تلاش کی فکر ہوئی۔ بدری ناتھ کو اصل صورتِ حال سے مکمل طور پر غافل اور بے خبر رکھنے کے لیے میرے پاس لفافہ موجود ہونا ضروری تھا۔

ڈریسنگ ٹیبل کے نچلے خانے میں مجھے بے ترتیبی سے ٹھونسے ہوئے کئی دعوت نامے نظر آ گئے جن میں سے بیشتر پر مسٹر اور مسز نی کے نام درج تھے۔ میں نے ان ہی میں سے ایک چوڑا لفافہ کارڈ سمیت اس طرح موڑ لیا کہ لفافے پر لکھے ہوئے نام پتہ میں چھپ گئے۔ لفافے کو نمایاں طور پر قمیص کی اوپری جیب میں رکھ کر میں نے باتھ روم کا بولٹ گرایا' رمیش کو آزادی کا مژدہ سنایا اور خواب گاہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

بدری ناتھ بدستور ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ وہ میرا لایا ہوا پیکٹ کھول چکا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں سیاہ رنگ کا ایک پرانا اپریٹس موجود تھا جسے وہ غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تو نک موڈلے نے یہ پرانا اپریٹس بھیجا ہے۔" میں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ایسے کاموں میں نئے کے مقابلے میں آزمودہ آلات ہی بہتر رہتے ہیں۔ اس کی رینج پانچ سو کلو میٹر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ آج کل فیلڈ میں یہی سسٹم استعمال کر رہے ہوں۔" بدری بولا۔

"یہ اپریٹس ان کے سسٹم کا حصہ نہیں ہو سکتا۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔

"کیوں؟" وہ حیرت سے میرا منہ دیکھنے لگا۔

"تم ان کے ہر آدمی کی گفتگو سن سکو گے۔ ابھی تو وہ تمہاری صلاحیتوں سے ہی مطمئن نہیں ہے۔ تمہیں ضروری تربیت دلانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ تم پر اتنا اعتماد کیسے کرلے گا؟ یہ اپریٹس صرف تمہارے اور نک موڈلے کے درمیان رابطے کے لیے ہی استعمال ہو سکے گا۔"

بدری ناتھ نے زبان سے کچھ نہیں کہا لیکن اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری دلیل نے اسے قائل کر دیا تھا۔

چٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ اس نے اپریٹس کا سوئچ آن کیا اور کالے پلاسٹک میں روپوش ایک بڑا سا سرخ نقطہ روشن ہو گیا۔ اپریٹس کے اسپیکر پر فضا میں بھٹکتی ہوئی آوارہ ریڈیائی لہروں کی مدھم سی سنسناہٹ گونجنے لگی۔ وہ مواصلاتی آلہ مل جانے پر بدری خاصا خوش نظر آ رہا تھا۔

"ساڑھے تین ہزار ڈالر دے کر آج کا حساب بے باق

کردو۔" میں نے اپنا مطالبہ دہرایا۔

وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا "میں تک موڈلے سے بات کرنے جارہا ہوں۔ واپسی پر تمہاری رقم بھی نکال لاؤں گا۔ پتا نہیں پیسوں کے بارے میں تم اتنے بے صبر کیوں ہو۔"

"اپنا پیسہ مانگ رہا ہوں۔ قرض مانگوں تو صاف انکار کردینا۔" میں نے رکھائی سے کہا۔

اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

جوں ہی وہ میری نظروں سے اوجھل ہوا' میں نے کنارے سے رکھا ہوا ریڈیو کا تھیلا اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگادی اور دروازہ بولٹ کرتے ہی ریڈیو کھول دیا۔

لاسلکی مائیکروفون کے ساتھ ریڈیو کی ایف ایم ٹیوننگ کو میں نے ذرا بھی نہیں چھیڑا تھا۔ ریڈیو پر فوراً ہی بدری ناتھ کی دبی دبی آواز سنائی دینے لگی۔

"...... کام ہوا ہے۔" وہ پُرجوش لہجے میں کسی سے کہہ رہا تھا۔ "علی شیر بہت کام کا آدمی ہے۔ میں اسے شیشے میں اتارنے کی کوشش کررہا ہوں۔ اس کا دماغ پلٹ گیا تو کام کا مزہ آجائے گا۔"

"چالاک ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بہت زیادہ لالچی بھی ہے۔ حساب کتاب پر ہر وقت نظر رکھتا ہے۔" وہ رمیش اگروال کی قدرے تلخ آواز تھی "اگر اسے شبہ بھی ہوگیا کہ ہم کنگال ہونے والے ہیں تو وہ آنکھیں پھیر کر ہمیں اس شان دار کوٹھی سے دھکے دے کر باہر نکال دے گا۔"

"حاجی دل مراد ہمارے ساتھ ہاتھ کرگیا۔" بدری ناتھ کی متاسفانہ آواز سنائی دی "میں علی شیر کی تسلی کے لیے امید بھری باتیں کرتا ہوں ورنہ اب مجھے تھیلا ملنے کی ذرا بھی امید نہیں ہے۔"

"غلطی تمہاری ہے کہ تم نے اس پر بھروسا کیا۔ ڈالروں کا تھیلا تمہیں اپنے ساتھ لانا چاہیے تھا۔"

"اب اس وقت کو واپس نہیں لایا جاسکتا۔ ابھی ہم علی شیر کے ساڑھے تیرہ ہزار کے قرض دار ہیں۔"

"کیوں؟ ڈیڑھ ہزار سے یہ ساڑھے تیرہ ہزار کیسے ہوگئے؟" تنہائی میں بدری کے ساتھ رمیش کا رویّہ برابری کا سا محسوس ہورہا تھا۔

"وہ بدمعاش اب تین کے پانچ مانگ رہا ہے۔ یہ بات اسے بھی معلوم ہے کہ اپرٹس آجانے کے بعد ہمیں اس کے آدمی کو بار بار تک کے پاس بھیجنے کی ضرورت نہیں رہے گی..... دس ہزار ڈیلی کے دینے ہیں۔"

"تم اسے بگاڑ دو گے۔ ڈیلی والے دس ہزار تو اسی وقت دیے جائیں گے جب وہ ہاتھ آئے گا۔ اس وقت ہمارے پاس دس دس ہزار کی چار بنڈ اور ایک کھلی ہوئی گڈی باقی ہے۔ اگر تم ڈیلی کے چکر میں علی شیر پر زیادہ مہربان ہونے کی کوشش نہ کرو تو یہ رقم بہت کا
ہے۔"

"رقم کے بارے میں تک سے بھی بات نہیں کی جاسکتی۔ اگر حاجی دل مراد کبھی جعلی نوٹوں کے ساتھ پکڑا گیا تو ان لوگوں کو معلو ہوجائے گا کہ ہم نئی دہلی میں ڈالر چھاپ چھاپ کر بازار میں لار ہیں۔" اس بار بدری ناتھ کا لہجہ بلند آواز میں خودکلامی جیسا تھا۔

"رقم کے معاملے میں اسے الگ ہی رکھو۔ اب ہم اس کے لیے کام کریں گے تو ہماری ساری ضرورتیں بھی وہی پوری کر گا۔ ہماری رقم ہماری عیاشیوں کے کام آئے گی۔"

"اس وقت تو علی شیر کی یہ کوٹھی ہی ہماری سب سے بڑ عیاشی ہے۔" بدری ناتھ کی آواز حسرت آمیز تھی۔

"علی شیر کے آدمی نے دو باتوں کے سوا تیسری کوئی بات نہیں بتائی؟"

"ٹریننگ اور اپرٹس پر بات کرنے کے سوا کوئی اور ہدا نہیں ملی۔"

"تو پھر اس سے بات کرلو۔ کچھ تو پتا چلے کہ اب ہماری ٹریننگ کہاں ہوگی۔"

"علی شیر میری بات مان لے تو ہم ٹریننگ پر اسے بھی اپ ساتھ لے جاسکتے ہیں۔"

"مشکل ہے۔ تک موڈلے راضی نہیں ہوگا۔ امریکا وال اب ہر پاکستانی سے خار کھانے لگے ہیں۔"

"چھوٹی ہے مگر یار بڑی حرامی قوم ہے۔" بدری ناتھ نے ک

"سالوں نے ڈیوڈ اشارز کو ناک چنے چبوائے ہوئے ہیں۔ ہم کچھ ک گزرنے میں کامیاب ہوگئے تو امریکا والے ہمارا لوہا مان لیں گے۔"

"اب اس سے بات کرہی ڈالو۔ دیر ہوگئی تو علی شیر ادھر کان لگا کر ہماری جاسوسی شروع کردے گا۔ اس کے خلاف کوئی بات سامنے نہ آنے کے باوجود اس پر میرا دل نہیں ٹھکتا۔ سالا ہمارا مال کھا رہا ہے لیکن اس کی آنکھ میں ذرا بھی لحاظ نہیں۔ ہر وقت آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہے۔"

"ارے' میں اس سے ایک بات تو پوچھنی ہی بھول گیا۔ ذرا تم بھی یاد رکھنا۔ ابھی تک مدن موہن کے بارے میں ہمیں کوئی خیر خبر نہیں ملی ہے۔" بدری کی چونکی ہوئی آواز سنائی دی۔

"مدن موہن کے بارے میں وہ کیا بتائے گا؟" رمیش کا لہجہ تحقیر آمیز تھا۔

"اخباروں میں کچھ چھپا ہے تو کم از کم وہ اخبار ہی لادے گا۔ تم اس کے بارے میں بدگمان نہ ہوا کرو۔"

"وہ اتنا کمینہ ہے کہ اخبار کے لیے بھی ڈالر مانگے گا۔ تم اس پر بھروسا کرتے ہو تو کرتے رہو۔ میں تم پر رائے بدلنے کے لیے کوئی دباؤ نہیں ڈالوں گا۔" رمیش کی آواز سے بے زاری مترشح تھی۔

لمحہ بھر کے لیے سناٹا ہوا پھر بدری کی آواز آنے لگی "ہیلو.... بدری کالنگ فار تک موڈلے..... کوڈ نام کیٹ۔ اوور۔" وہ پیغام وقفے وقفے سے دوبارہ دہرایا گیا اور پھر دوسری طرف سے جواب مل گیا۔

"ہیلو۔ میں تمہاری آواز سن رہا ہوں۔" وہ واضح طور پر تک موڈلے کی آواز تھی "اب تم اپنا نام بھولے رہو گے۔ تمہارا پاس ورڈ نام کیٹ اور میرا نام بگ باس ہے۔"

اس نے برتری کے گھمنڈ میں لائن اوور نہیں کی تھی مگر بدری نے وقفے سے اندازہ لگا کر فوراً ہی جواب دینا ضروری سمجھا اور کہا۔ "میں سمجھ گیا۔ آئندہ اس ہدایت پر عمل ہوگا۔"

"تم لوگ بہت دیر سے کراچی آئے ہو۔ یہاں پُلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا ہے۔ حالات بہت بگڑ گئے ہیں۔ اب سب کچھ نئے سرے سے کرنا ہوگا۔" ان کی وہ گفتگو خالص انگریزی میں چل رہی تھی۔

"اوپر والوں کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہم اپنے شیڈول پر آئے تھے۔ راس المیڈا غائب تھا پھر ہمارا میزبان بھی مارا گیا۔ اسی وجہ سے ہمیں تم تک پہنچنے میں تاخیر ہوئی۔"

"کل سے تمہارے قونصل خانے کا مدن موہن غائب ہے۔ وہ لوگ سخت پریشان ہیں۔ اس کی ڈائری سے پتا چلا ہے کہ وہ کسی سے کچھ کہے سنے بغیر تم کو کوئی پیغام دینے کے لیے نکلا تھا اور پھر لوٹ کر نہیں آیا۔ اس قسم کی من مانی کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ وہ واپس نہ آیا تو کل پاکستانیوں کو اس کی گمشدگی کی باضابطہ اطلاع دے دی جائے گی۔"

"اس سے پیغام لانے والے میرے قاصد نے بتایا تھا کہ وہ پریشان اور گھبرایا ہوا تھا۔ پرل کی لالی سے واپس جانے کے بجائے وہ ائرپورٹ کی طرف گیا تھا جیسے اسے کوئی سفر درپیش ہو۔"

"یعنی وہ اپنی مرضی سے کہیں فرار ہوا ہے؟ کہیں وہ منحرف تو نہیں ہوگیا؟" بدری کے انکشاف نے تک موڈلے کو بری طرح پریشان کردیا تھا۔

"میرے قاصد کا یہی اندازہ تھا۔ اسے مدن نے ہی میری موجودہ کمین گاہ کے پاس اتارا تھا۔"

"تمہارا قاصد کیسا آدمی ہے۔ کیا تم اس کی رائے پر انحصار کرسکتے ہو؟"

"وہ بہت سمجھ دار اور وفادار ثابت ہوا ہے۔ اس پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔"

"مجھے وہ ذہین نظر نہیں آیا۔ ایسے لوگوں کے اندازے عام طور پر غلط ثابت ہوتے ہیں۔" تک موڈلے نے اس بار سلطان شاہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا "وہ وفادار ہوسکتا ہے' سمجھ دار نہیں۔"

"تمہارے پاس آنے والا وہ خود نہیں' اس کا ساتھی تھا۔ اسے رات کو تیز بخار ہوگیا تھا۔" بدری نے سچ میں جھوٹ کی برابر کی ملاوٹ کرکے جواب دیا۔

"اوہ...." مجھے دھیمے ریڈیائی شور میں تک کی غراہٹ سنائی دی پھر اس نے تیزی سے کہا "وہ مر بھی رہا تھا تو اسی کو میرے پاس آنا چاہیے تھا۔ زیادہ مقامیوں کو ملوث کرکے تم اپنے ساتھ میری گردن بھی کٹواؤ گے۔ یہ سب ناقابلِ اعتماد اور ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ اب آئندہ بھی دوسرا آدمی ہی میرے پاس آئے گا۔"

"او کے بگ باس!" بدری کی آواز پر مردنی طاری ہوگئی "وہ اپنے قدموں پر چلنے کے قابل ہوتا تو خود ہی تمہارے پاس آتا۔ میں نے وقت قریب آنے پر مجبوراً دوسرے کو بھیجا تھا۔ وہ اسی کا آدمی ہے۔"

"تمہارے ساتھ کل کتنے مقامی ہیں؟" تک کا لہجہ سرد اور سپاٹ ہوگیا۔

"صرف دو۔" اس بار بدری ناتھ نے سچ بھول کر خالص جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔

"اپنا پتا بتاؤ!" دوسری طرف سے اسی لب ولہجے میں مطالبہ کیا گیا۔

"میں نے مکان اور یہاں تک پہنچنے کا راستہ ذہن نشین کرلیا ہے لیکن پتے سے ناواقف ہوں۔"

"ان دونوں سے تم کیا کام لے رہے ہو؟" ایک مرتبہ برہم ہونے کے بعد تک کا لہجہ معمول پر نہیں آیا تھا۔

"انہوں نے یہ کمین گاہ فراہم کی ہے اور ڈینی کی تلاش میں ہیں۔"

"تمہارا خیال ہے کہ جسے راس المیڈا زیر نہ کرسکا' اسے یہ دو چوہے گھیر لیں گے۔"

"میں صرف کوشش ہی کرسکتا ہوں۔" بدری ناتھ کی آواز کمزور پڑگئی "ان میں سے ایک اتنا باصلاحیت ہے کہ اسے راہ میں بھی لیا جاسکتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے۔"

"نہیں۔ اب میں پاکستانیوں سے نفرت کرنے لگا ہوں۔ یہ قابلِ اعتماد نہیں ہوتے۔"

"میں آئندہ دھیان رکھوں گا۔ تم سے رابطہ ہونے تک مجھے اپنی صوابدید پر انحصار کرنا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس سلسلے میں مجھ سے غلطیاں سرزد ہوئی ہوں۔ مجھے آج کوئی متبادل ٹھکانا مل جائے تو میں اسی وقت ان دونوں پر لعنت بھیج سکتا ہوں۔ بگ باس کی ہر خواہش کو پورا کرنا میرا اوّلین فرض ہے۔"

"اوپرنس تمہیں اپنی اصل پیکنگ میں ملا تھا؟" تک پر سوالات کا دورہ سا پڑا ہوا تھا۔

"ہاں۔ میں نے ٹیپ کا ایک ایک جوڑ احتیاط سے دیکھ کر کھولا تھا۔ اسے بالکل نہیں چھیڑا گیا تھا۔ تمہارے بارے میں مدن موہن

کا خط بھی مجھے سرکاری مہروں سمیت ملا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے آج ہر قیمت پر گیارہ بجے اپنا قاصد تمہارے پاس بھیجنے کی کوشش کی تھی۔"

پہلی بار نک موڈلے کا لہجہ نرم پڑتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ کہنے لگا۔

"تمہارے لیے مقامیوں کی مدد ہر حال میں بہت اہم ہوتی ہے۔ کام کا آدمی مقدر سے ہی ملتا ہے لیکن کچھ عرصے سے اس بارے میں پے در پے تلخ ترین تجربات ہوئے ہیں۔ فی الحال میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ کوئی کام کا آدمی ہے تو اس کو نگاہ میں رکھو۔ آگے چل کر ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ میری باتیں کڑوی ضرور ہوتی ہیں مگر ان کے پیچھے میرا طویل تجربہ بول رہا ہوتا ہے۔ جو اجنبی لوگ شکوک و شبہات کی زد میں آئے بغیر مسلسل تمہارے معیار پر پورے اترتے چلے جائیں، آخر کار بہت خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ وہ سوچ سمجھ کر ہر انسانی لغزش سے اجتناب کرتے ہیں اور یہی غیر معمولی خوبی ان کی نشان دہی کا سبب بن جاتی ہے۔"

نک موڈلے کے وہ الفاظ سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سی سرایت کر گئیں۔ اس نے بدری ناتھ سے سوال جواب کر کے بہت کچھ نتائج اخذ کر لیے تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے مجھے نہ دیکھنے کے باوجود دیکھ لیا ہو۔ یہ غنیمت ہی ہوا تھا کہ میں نے ابتدا سے ہی امریکی قونصل خانے جانے سے گریز کی راہ اختیار کی تھی۔

"تمہاری باتیں سبق آموز ہیں۔ میں ان سے بہت کچھ سیکھوں گا۔" بدری کی آواز آئی۔

"فی الحال ڈیٹی کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ کچھ روز کے لیے اسے بھول جانا ہی بہتر ہوگا۔ اس وحشی بھیڑیے نے ان دونوں میں سے کسی کو گھیر لیا تو وہ ان کے سہارے تم تک پہنچ جائے گا۔ اب تم ٹریننگ کی تیاری کرلو۔ انڈیا سے تمہارا ریکارڈ مل چکا ہے۔ سفری دستاویزات مکمل ہوتے ہی تمہیں بتادیا جائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں کسی اور ملک کا سفر کرنا ہوگا؟" بدری نے پوچھا۔

"یہ امریکا میں چند ہفتوں کی تربیت ہوگی پھر تمہیں لوٹ کر یہیں آنا ہے۔ اس وقت ہماری ساری توجہ پاکستان پر مرکوز ہے۔ یہ ملک ہیروئن کا سب سے بڑا غیر اعلانیہ سرپرست ہے۔ اس کی جنگی جسارتیں پورے خطے کے امن کے لیے خطرہ بن چکی ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ یہ کھیل ختم کردیا جائے۔"

"ہم دونوں ہر وقت تیار رہیں گے۔" بدری ناتھ کی آواز میں اعتماد بحال ہو چلا تھا۔

"ضرورت ہوئی تو اب میں خود رابطہ کروں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

"یہ تو کوئی بہت ہی خطرناک بلڈاگ معلوم ہوتا ہے۔"

اریئس پر گفتگو کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد رمیش کی تفکر آمیز آواز سنائی دی "باتوں ہی باتوں میں تمہیں بری طرح ادھیڑ کر رکھ دیا۔"

"اپنی لگام دوسروں کے ہاتھ میں دینے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔" بدری کی مجروح آواز ابھری "تم نے سن لیا کہ بھارت سے ہمارا ریکارڈ اسے مل چکا ہے۔ اپنے بیورو میں ہم تیس مار خان تھے۔ اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔ ہمیں اس کے ہاتھ بیچ دیا گیا ہے۔ علی شیر ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کہ ایک وقت میں دو کی غلامی نہیں کی جاسکتی۔"

"مجھے بھی دکھ ہوا ہے۔" رمیش نے تنبیہہ کرنے والے انداز میں کہا "مگر تمہارے الفاظ سے بغاوت کی بو آرہی ہے۔ خود کو سنبھالو۔ یہ باتیں اچھی نہیں۔ کام میں ایسی اونچ نیچ آتی ہی رہتی ہے۔"

"یہ بغاوت نہیں، بد دلی ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ میری دریافت پر خوش ہوگا اور علی شیر کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دے گا لیکن اس نے مجھے موقع ہی نہیں دیا۔"

"علی شیر کے بارے میں میری رائے بھی بہت اچھی نہیں ہے۔ تم خود سوچو کہ لالچ کے سوا وہ تمہاری ہر توقع پر کیسے پورا اترتا چلا آرہا ہے۔ برسوں سے ہمیں ایسا کوئی مددگار نہیں ملا ہوگا۔"

"لالچ ہزار خرابیوں کی ایک خرابی ہے۔ اس وقت وہ صرف اور صرف مرعوب کرنے کے چکر میں تھا۔ اس کی بعض باتیں چشم کشا بھی تھیں مگر یہ بگ باس مجھے پسند نہیں آیا۔"

"نوکری میں پسند اور ناپسند نہیں چلتی۔" رمیش کی معنی خیز آواز ابھری "سمجھوتوں کے تحت بہت کچھ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اب اسے بھول کر آگے کی فکر کرو۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ پاکستان میں ایسا کون سا کام ہو سکتا ہے جسے سرانجام دینے کے لیے ہمیں طویل تربیت کی ضرورت پیش آجائے۔"

"ٹریننگ اور ریفریشر کورس ان لوگوں کے تکیہ کلام ہیں۔ وہ خود ہی کچھ بتادیتا تو اور بات تھی۔ میں اس سے کوئی بات نہیں پوچھوں گا۔ پتا نہیں وہ کس بات پر پہاڑ کھانے کو دوڑ پڑے۔"

"تمہارے چہرے سے اداسی جھلک رہی ہے۔ باہر نکلو گے تو علی شیر بہت سے اندازے لگالے گا۔ خود کو سنبھالو۔ چل کر بگ باس کی ہدایت کی روشنی میں علی شیر کو ٹٹولتے ہیں۔ اگر اس کی طرف سے میری بدگمانیاں ختم ہو گئیں تو میں خود نک سے بات کروں گا۔ وہ برہم ہوتا ہے تو ہو جائے۔ وہ ہمیں مار نہیں سکتا۔ ڈسپلن کی خلاف ورزی پر زیادہ سے زیادہ واپس بھیج دے گا۔ معطلی اور چارج شیٹ کے سوا ہمارا کیا بگاڑا جاسکتا ہے۔ اسے دیکھ لیا جائے گا۔"

"تم چلو، میں نہا کر باہر آؤں گا۔" بدری نے جواب دیا اور آوازوں کا وہ سلسلہ بھی موقوف ہو گیا۔

ریڈیو بند کر کے میں کافی دیر بعد اپنے کمرے سے باہر نکلا تو رمیش ایک فلمی گانے کی دھن پر سیٹی بجاتے ہوئے ٹیلی وژن دیکھنے

مصروف تھا۔ میں اسے مخاطب کیے بغیر لابی میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

اس نے چونک کر استہزائیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور طنزیہ پیرائے میں بولا "سنا ہے کہ تم بڑی اونچی اڑان اڑ رہے ہو۔ صبح آدمی بھیجنے کے تین کے بجائے پانچ ہزار مانگ رہے ہو۔"

"تکلیف ہو رہی ہے تو تین بھی مت دو۔" میں نے اسے گھور کر سرد لہجے میں کہا۔

وہ اپنی کرسی میں کسمسا کر رہ گیا "تم مجھ سے کس طرح بات کر رہے ہو؟"

میں نے جواب دیا "دیکھو رمیش! میں دوستوں سے الجھنے والا آدمی نہیں ہوں لیکن میں اپنی بے عزتی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میری انا کو للکارو گے تو میرا لہجہ اس سے بھی زیادہ خراب ہو سکتا ہے۔"

اس کے چہرے پر حیرت پھیل گئی "اس کا مطلب ہوا کہ تمہیں میری خوشنودی کی کوئی پروا نہیں۔"

"میں مسخرہ نہیں ہوں اور نہ تمہیں خوش کرنے کے پیسے لے رہا ہوں۔ مجھ سے صرف کام کی بات کرو گے تو فائدے میں رہو گے۔ تم بلاوجہ مجھ سے الجھنے کی کوشش مت کیا کرو۔"

رمیش چند ثانیوں تک بے اعتباری سے میری طرف دیکھتا رہا پھر اچانک ہی اس کا موڈ تبدیل ہو گیا اور وہ ہنس پڑا "میں تمہارا امتحان لے رہا تھا۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم خوددار بھی ہو۔ اپنی عزت کے لیے بڑے سے بڑے مالی فائدے کو ٹھوکر مار سکتے ہو۔"

"کس کا امتحان لے رہے ہو؟" اندر سے بدری سوال کرتا ہوا باہر آگیا۔

"تمہارے ساتھی نے اس وقت میرا موڈ برباد کر دیا ہے۔" اس نے شکایتی لہجے میں کہا "میری کھوپڑی سنک گئی تو اب کہہ رہا ہے کہ یہ میرا امتحان لے رہا تھا۔ کیا نک موڈلے نے اسے ایسی کوئی ہدایت کی ہے؟"

بدری کی آنکھیں پھیل گئیں "تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟ کیا وہ ایسا کہہ سکتا ہے؟"

میں نے بے پروائی سے اپنے شانے جھٹک کر جواب دیا "پتا نہیں۔ تم اپرنٹس پر نک سے بات کرنے گئے تھے۔ اسی کے بعد رمیش نے اُکھڑی اُکھڑی باتیں شروع کی ہیں۔"

بدری نے نرمی سے کہا "رمیش کی باتوں کا برا مت مانو۔ اس کی عادت ہی کچھ ایسی ہے کہ کبھی کبھی یہ اپنی باتوں سے مجھے بھی غصہ دلا دیتا ہے مگر دل کا برا نہیں ہے۔"

"تم اس کے دوست ہو اور میں ایک اجنبی۔ اسے اس بات کا دھیان رکھنا چاہیے۔"

"یار بس، غصہ تھوک دو۔" رمیش نے ہلکا سا قہقہہ مار کے کہا "اب تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

بظاہر وہ بات وہیں رفع دفع ہو گئی اور ہم تینوں خاموشی کے ساتھ ٹیلی وژن کی طرف متوجہ ہو گئے۔

کچھ دیر بعد رمیش پانی پینے کے لیے کچن کی طرف گیا تو بدری میری طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا "رات کو اپنا دروازہ کھلا رکھنا۔ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

صاف ظاہر تھا کہ ان دونوں کے درمیان خلیج پیدا ہو چکی تھی۔ میرے لیے وہ دونوں موذی برابر تھے۔ فائدہ اٹھانے کا ایک موقع سامنے آتے ہی میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بدری پھرتی سے اپنی نشست میں دوبارہ سیدھا ہو گیا۔

رمیش پانی پی کر منہ پونچھتا ہوا آیا اور آتے ہی اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا "تم نک کے بارے میں ادھوری بات کر کے چپ ہو گئے۔ بدری سے مزید پوچھ گچھ نہیں کرو گے۔"

"مجھے نک سے کیا لینا۔ وہ تمہاری آپس کی باتیں ہیں۔ تم مجھ سے الٹی سیدھی باتیں نہ کرتے تو میں اس کا حوالہ بھی نہ دیتا۔ تم خود ہی کچھ بتانا چاہو تو سن لینے میں مجھے کوئی عذر نہیں ہو گا۔"

"علی شیر کو ڈیبی کے بارے میں بتا ہی دیا جائے؟" رمیش نے بدری سے استفسار کیا اور اس نے سر ہلا دیا۔

"ڈیبی کی تلاش کے لیے ہم تمہیں پیشگی دس ہزار ڈالر دے چکے ہیں۔ باقی اس کے ہاتھ آ جانے پر ادا کرنے تھے۔ فی الحال ہماری ترجیحات بدل گئی ہیں۔ ڈیبی کا قصہ یہیں ختم سمجھو۔"

"اور یہ آج کے بقایا ساڑھے تین ہزار۔" بدری نے اپنی جیب سے نئے نوٹ نکال کر میری طرف بڑھا دیے "یہاں تک ہمارا حساب برابر ہو گیا۔ آگے جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ گے؟" میں نے نوٹ لے کر پوچھا۔

"تمہیں اعتراض نہ ہو تو ہم چند روز یہیں گزاریں گے۔ تم چاہو تو تمام سہولتوں کا معاوضہ لے سکتے ہو۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔ شاید تم ٹریننگ تک یہیں رکنا چاہتے ہو؟" میں نے کہا۔

"یوں ہی سمجھ لو۔ ہمیں کسی بھی وقت کوچ کا حکم مل سکتا ہے۔ جب تک دانہ پانی ہے یہاں رہیں گے۔"

چند منٹ میں ان دونوں کے قیام کی شرائط طے ہو گئیں لیکن اس وقت میرے ذہن میں بدری کے الفاظ نے ہلچل مچائی ہوئی تھی۔ میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھا کہ وہ رات کو تنہائی میں مجھ سے کیا بات کرنی چاہ رہا تھا۔

نک موڈلے سے اپرنٹس پر بات ہونے کے بعد گھر کا ماحول یکسر بدل کر رہ گیا۔ فضا میں کشیدگی پھیل گئی تھی۔ ہم تینوں ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے نظر آ رہے تھے۔ اسی ماحول میں خاصی تاخیر

سے دوپہر کا کھانا کھایا گیا۔ کھانے کی میز پر خاموشی رہی جیسے ہم تینوں کسی کی تدفین کے بعد کڑوی روٹی کھا رہے ہوں۔
کھانے کے بعد میں ستانے کی نیت سے اپنے کمرے میں آگیا۔ اس وقت تک وہ دونوں کھانے میں مصروف تھے۔
پانچ بجے کے قریب میں غنودگی کے عالم میں تھا کہ فون کی تیز گھنٹی نے مجھے آنکھیں کھولنے پر مجبور کردیا۔
دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا۔ وہ اس وقت بھی اپنے دفتر میں موجود تھا۔
رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد وہ بتانے لگا "بظاہر کمزور اور بے ضرر نظر آنے والا مدن موہن بہت سخت جان ثابت ہوا۔ پٹتے پٹتے جب وہ آخری سانسوں کو پہنچ گیا تب اس نے زبان کھولی ہے وہ نیچرل انفارمیشن سیل کے ذریعے سوشل ریکٹ چلانے کے ساتھ ساتھ دوسرے کاموں میں بھی ملوث رہا ہے۔ اب اس کے گناہوں کی فہرست خاصی طویل اور قابلِ تعزیر ہوگئی ہے۔ قوتِ مزاحمت کے جواب دینے کے بعد اس نے بدری اور رمیش کے نام تک اگل دیے ہیں۔"
"خوب..... تو اس نے ان دونوں کو بھیجے جانے والے پیغام کا متن بھی بتادیا ہوگا۔"
"پہلے وہ اس پیغام کی طرف سے انجان بنا ہوا تھا۔ اب اس نے وہی کچھ بتایا ہے جو تم معلوم کرچکے تھے۔ اس نے یہ بھی مان لیا ہے کہ راس المیڈا کی موت کے بعد شہر میں بموں کے دھماکے را کے ایجنٹوں نے کرائے تھے۔ وہ رمیش یا بدری کا کام نہیں تھا۔ اس میں براہِ راست مدن موہن کے آدمی ملوث تھے۔"
"اب تم اطمینان کے ساتھ اس کا جھٹکا کرسکتے ہو۔ اس کے بارے میں تراشی ہوئی میری کہانی آج ہی اس کے بڑوں تک پہنچ جائے گی اور وہ اس کے فرار کے اسباب میں سر کھپانا شروع کردیں گے۔"
"یہ کیسے ممکن ہوا؟ کیا ان دونوں نے اپنے آدمیوں سے رابطہ کرلیا ہے؟"
"اپنے آدمیوں سے نہیں مگر تک موڈلے سے بات ضرور کی ہے اور اسے میری کہانی من و عن سنادی ہے۔ وہ خود ہی بدری سے مدن موہن کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔"
"یہ باتیں تمہیں نادرہ والی ترکیب سے معلوم ہوئیں یا انہوں نے خود بتائی ہیں؟"
"نادرہ والی ترکیب ہی کام آئی ہے۔ تک نے میرے خلاف اتنا زہر اگلا ہے کہ اب ہم تینوں کے درمیان اعتماد کا ہر رشتہ ختم ہوچکا ہے۔" میں نے دھیمی آواز میں اسے آگاہ کیا۔
"تو کیا تک نے تمہیں پہچان لیا ہے؟" اس نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر پوچھا۔
"اسے میری اصلیت کی تو بھنک بھی نہیں مل سکی۔ وہ یہی زور دے رہا تھا کہ کوئی پاکستانی قابلِ اعتماد نہیں ہوسکتا۔ علی شیر خاص طور پر اس کی نظروں میں کھٹک رہا ہے۔"
"یہ اس کی طرف سے پاکستانیوں کے لیے کھلا خراجِ تحسین ہے۔ کاش حقیقت بھی یہی ہوتی۔"
میرے پاس وقت ہی وقت تھا اور اول خان تجسس میں مبتلا تھا اس لیے میں نے دھیرے دھیرے جزیات اسے بتادی۔ اسے حیرت ہوئی کہ رمیش نے تک موڈلے کے افکار سے فیض یاب ہوتے ہی میرے منہ آنے کی اوچھی حرکت کی تھی۔ اگر میں تحمل سے کام نہ لیتا تو اسی وقت کوئی بڑا ہنگامہ کھڑا ہوسکتا تھا۔
میں نے یوں تو اس کے ہر سوال کا کوئی نہ کوئی تسلی بخش جواب دے ڈالا مگر بدری ناتھ کے خفیہ پیغام کے بارے میں میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس وقت صرف ایک ہی بات واضح تھی کہ وہ رمیش اگروال پر اپنا بھرپور اعتماد کھو بیٹھا تھا اور اسی وجہ سے مجھ سے تخلیے میں ملنا چاہ رہا تھا۔
"رات کو اگر وہ تمہارے پاس آیا اور بعد میں رمیش کی آنکھ کھل گئی تو کیا ہوگا؟" اول خان نے پوچھا۔
"یہ میرے نہیں بدری کے سوچنے کی بات ہے۔ ایسا ہوا تو ان دونوں میں باقاعدہ ٹھن جائے گی۔"
اول خان خوش ہو کر بولا "پھر تو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ تم میرے آدمیوں کو اعتماد میں لے لو۔ جب بدری تمہارے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلے تو تم کوئی اشارہ کردینا۔ وہ تمہارا اشارہ پاتے ہی رمیش کو بیدار کردیں گے۔"
"تمہاری تجویز اچھی ہے۔ میں اس پر ضرور غور کروں گا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔
اول خان کو اچانک ہی یاد آگیا کہ تک سے ملنے کے لیے سلطان شاہ گیا تھا۔ اس نے پوچھا "سلطان شاہ کے بارے میں وہ کیا کہہ رہا تھا۔ اس سے تو وہ آج صبح خود مل چکا ہے۔"
"اس کی نگاہ میں ہر پاکستانی اس کے مقاصد کے لیے ناکارہ ہے۔ ویسے اس نے ذاتی طور پر سلطان شاہ کے لیے جو کچھ کہا وہ اس کے کانوں میں پڑجائے تو وہ اسی وقت تک کو مارنے کے لیے نکل پڑے گا۔"
اول خان ہنس پڑا "اس نے ایسی کیا بات کہہ دی جو اسے اتنا مشتعل کردے گی۔"
"وہ وفادار ضرور ہوسکتا ہے مگر ذہین ہرگز نہیں ہے۔" میں نے تک کی بات دہرادی۔
"اس میں بہت زیادہ مبالغہ نہیں ہے۔ ذہانت کے معاملے میں وہ دیرا اور غزالہ سے بھی پیچھے ہے۔"
"انسان کی خوش فہمیاں اسے ایسی حقیقت قبول نہیں کرنے دیتیں۔"
تک موڈلے ہماری کہانی کا ایک نیا کردار تھا۔ اس کے حوالے

سے بہت سی نئی باتیں سامنے آئی تھیں۔ میں فون پر دیر تک اول خان سے ان ہی پر تبادلۂ خیال کرتا رہا۔ اس سے گفتگو ختم ہوئی تو وقت گزاری کے لیے میں نے فلیٹ کا نمبر ڈائل کرلیا۔ وہاں فون پر خلافِ معمول غزالہ موجود تھی۔

"یا مظہر العجائب!" اس کی آواز سنتے ہی میں نے حیرت سے کہا "آج تم نے فون کیسے اٹھالیا؟"

"ہنسوں کی جوڑی کچن کی ضروریات کا سامان خریدنے کے لیے بازار گئی ہوئی ہے۔" غزالہ نے اپنی بے ساختہ ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بتایا۔

"اب تم بھی اس کا مذاق اڑا رہی ہو۔ وہ بہت خلوص سے تمہیں اپنی بہن کہتا ہے۔"

"میں بھی اسے ایک بے وقوف بھائی سمجھ کر آپ کو بتا رہی ہوں کہ ویرا اس کے لیے ایک مکمل پہیلی بن کر رہ گئی ہے۔ سامنے ہوتی ہے تو وہ اس سے لڑتا رہتا ہے۔ نظروں سے اوجھل ہو تو اس کے لیے فکر مند ہوجاتا ہے۔"

"کیا آج ان دونوں میں دوبارہ کوئی جھڑپ ہوئی تھی؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہوتی ہی رہتی ہے۔ آج کل سلطان شاہ کو بلیک سی کا نام ملا ہوا ہے۔ پتا نہیں بوٹ کا نام سنتے ہی ویرا کیوں چراغ پا ہوجاتی ہے۔ وہ اس نام سے جتنا چڑتی ہے، سلطان شاہ اسے اتنا ہی چڑاتا ہے۔"

"اس بارے میں ویرا ہی کچھ بتا سکتی ہے۔ میں کسی خاص واقعے سے لاعلم ہوں۔"

"جب آپ بھی اس ذکر سے یوں کترانے لگتے ہیں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ دال میں کچھ نہ کچھ کالا ضرور ہے۔ اس سفر میں آپ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی تھے اور دونوں ہی اس ذکر کو پسند نہیں کرتے۔"

"ہرگز نہیں" میں نے بے ساختہ کہا "میں اس ذکر کو پسند نہیں تو ناپسند بھی نہیں کرتا۔ اس سفر میں ہم نے غفور بھٹی جیسے شخص سے چھٹکارا حاصل کیا تھا۔"

"خیر، میں اس بحث میں نہیں پڑتی۔ آپ کے لیے ایک خوش خبری ہے کہ آپ کے دوست نے اخباروں میں آنے والے اشتہارات کی مدد سے ایک چلتے ہوئے کاروبار کا سودا کرلیا ہے۔"

"کیا جہانگیر نے کوئی بزنس خریدا ہے!" میں نے حیرت اور بے اعتباری سے پوچھا "اس نے اتنا بڑا کام بالا ہی بالا کر ڈالا اور مجھے اب خبر مل رہی ہے۔"

"وہ آج بیعانہ دینے کے لیے آپ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہ رہا تھا، باقی تفصیل کا مجھے علم نہیں۔"

"چلو یہ اچھا ہوا۔ وہ دن بھر کام میں مصروف رہے گا تو سلمیٰ کی گھریلو زندگی ذرا خوش گوار ہوجائے گی۔"

"لیکن ہماری گھریلو زندگی کب خوش گوار ہوگی۔ آپ تو اب دن رات مصروف رہنے لگے ہیں۔"

"اس زندگی کا بھی ایک الگ لطف ہے۔ ایک دو دن کے لیے بچھڑ کر جب ہم دوبارہ یک جا ہوتے ہیں تو شادی کے ابتدائی دنوں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ کیا یہ سب تمہیں اچھا نہیں لگتا؟"

"میں جب بھی اس موضوع پر بات کرتی ہوں، آپ مجھے ادھر ادھر ٹالنے لگتے ہیں۔"

اپنی جگہ پر اس کا شکوہ بجا تھا مگر وہ میری مجبوریوں کو بھی خوب سمجھتی تھی۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ بدری مجھے اپنے ساتھ امریکا لے جانے کا ارادہ کرچکا تھا۔ وہ تو تنک کا موڈ ہی خراب ہوگیا ورنہ وہ معاملہ طے ہوچکا ہوتا۔

غزالہ ایسی پرکشش لڑکی تھی کہ شادی کے بعد بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ محفل میں وہ کم ہی بولتی تھی مگر میرے ساتھ ہر موضوع پر گفتگو میں اتنی گہری دلچسپی لیتی تھی کہ میں گھنٹوں اس سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ عام خانہ دار عورتوں کے برعکس وہ بہت ذہین اور حساس تھی۔ اس کی وجہ شاید اس کا گھریلو پس منظر تھا۔ مسائل اور الجھنوں میں گھرے ہوئے ایک تنہا سے گھرانے میں پروان چڑھنے کے باوجود اس نے خود کو کردار اور سیرت کے اس قدر حسین سانچے میں ڈھالا تھا کہ وہ سراپا حسن بن کر رہ گئی تھی۔

اخلاقی طور پر میرا فرض بنتا تھا کہ میں جہانگیر کو فون کرکے برسرِ روزگار ہونے کی مبارک باد دوں لیکن غزالہ سے ہونے والی باتوں کے سرور نے میری طبیعت کو اس قدر بشاش کردیا تھا کہ میں نے اس سرور کو خراب کرنے کے بجائے جہانگیر کو مبارک باد دینے کا ارادہ کسی اور وقت کے لیے ملتوی کردیا۔

میں کمرے سے باہر نکلا تو فضا میں شام کا دھندلکا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ خانساماں نے گھر کی بتیاں روشن کردی تھیں اور میرے ناپسندیدہ مہمانوں نے شام کے استقبال کے لیے ڈرائنگ روم میں ساغر و مینا کی محفل سجالی تھی۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے شوق کا سامان درمیانی میز پر سجا ہوا تھا لیکن ان دونوں کے چہرے ویران اور خالی خالی نظر آرہے تھے۔ دور ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ان کے درمیان کوئی ناخوش گوار بات ہوچکی تھی۔

مجھے افسوس ہوا کہ میں فون پر الجھ کر ایف ایم بینڈ پر ان کے کمرے کی خیر خبر لینا بھول گیا ورنہ ان کی آزردگی کے اسباب میرے علم میں ضرور ہوتے۔

میں نے ٹرے میں سے مونگ پھلی کے تلے ہوئے دانے مٹھی میں لیے اور بدری کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"تمہارے لیے پیگ بناؤں؟" رمیش نے رسمی لہجے میں مجھ سے پوچھا اور میں نے اسے منع کردیا۔

"اس وقت تم دونوں کچھ اداس نظر آ رہے ہو۔ سفر کا وقت قریب آ گیا ہے؟" میں نے باری باری ان دونوں کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"بدری کو آنے والے وقت کی فکر ستا رہی ہے۔" رمیش نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا "تم خود ہی سوچو کہ ایک پی ایچ ڈی کیے ہوئے شخص کو از سر نو میٹرک کی کتابیں پڑھنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی' کچھ ایسا ہی حال بھائی بدری ناتھ کا ہے۔"

"لیکن تمہارا چہرہ بھی اترا ہوا ہے" میں نے مونگ پھلی کے دانے پھانک کر کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو گے مگر اس وقت ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو" بدری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "ہم نے اپنا بگڑا ہوا موڈ سنبھالنے کے لیے بوتل نکالی ہے اور تم پھر وہی باتیں چھیڑ رہے ہو۔"

"پھر تم موج کرو۔ میں زیادہ دیر تک خاموش بیٹھ کر تماشا نہیں دیکھ سکتا" یہ کہہ کر میں نکاس کے راستے باہر نکل گیا۔

گیٹ کے قریب ٹہلتا ہوا دربان میری صورت دیکھتے ہی مؤدب ہو گیا۔ میں بغلی سمت میں گیا تو ڈرائیور کی کھلی ہوئی کوٹھری خالی تھی۔ عقب سے لمبا چکر کاٹ کر میں کچن والی راہداری میں پہنچا تو ڈرائیور فرش پر بیٹھا خانساماں کے ساتھ سبزی بنا رہا تھا۔

مجھے دیکھ کر وہ دونوں ہی ہڑبڑا گئے۔ میں نے انہیں پرسکون رہنے کا اشارہ کیا اور بے تکلفی سے اس میلی سی کرسی پر براجمان ہو گیا جو راہداری میں پڑی ہوئی تھی۔

"تم میں سے کسی ایک کو آج رات میرے کمرے پر نگاہ رکھنی ہے" میں نے گھٹنوں پر کہنیاں ٹیک کر رازدارانہ لہجے میں بات شروع کی تو وہ دونوں ہی میرے قریب آ گئے۔

میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "رات کو کسی وقت بدری میرے کمرے میں آئے گا۔ بعد میں ضرورت ہوئی تو میں دروازہ کھول کر داہنا ہاتھ فضا میں لہراؤں گا۔ یہ اس بات کا اشارہ ہو گا کہ تم دونوں میں سے جو بھی وہاں موجود ہو' وہ رمیش کو جگا کر میرے کمرے میں بھیج دے۔"

میری بات واضح تھی۔ کوئی سوال کیے بغیر وہ دونوں میرا مفہوم سمجھ گئے اور میں وہاں سے اٹھ کر لابی کی طرف چل دیا جہاں ٹیلی وژن رکھا ہوا تھا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں خاموشی سے اپنے شغل میں مصروف تھے۔ میں دھیمی آواز میں ٹیلی وژن آن کر کے لابی میں جم گیا۔ ان دنوں ڈش انٹینا کی سہولت یا لعنت عام نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے ٹیلی وژن کے پروگراموں میں بہت زیادہ انتخاب کی گنجائش نہیں تھی۔ میں کارٹون دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔

باہر رات اپنے ڈیرے ڈال چکی تھی۔ وقت یوں ہی دھیمے دھیمے سرکتا رہا۔ نو بجے خانساماں نے مجھے بتایا کہ وہ دونوں اس وقت بھی کھانے کے بجائے پینے پر تلے ہوئے تھے۔ میں نے ایک ٹرے میں اپنے لیے لابی میں ہی کھانا منگوایا اور ٹیلی وژن کے سامنے شکم سیر ہو کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

میں دیر تک سگریٹیں پھونکتا اور گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں سوچتا رہا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ بدری ناتھ سے ہونے والی متوقع ملاقات ایک بوجھ بن کر میرے ذہن پر سوار تھی۔

گیارہ بجے مجھے اطلاع ملی کہ وہ دونوں نشے میں دھت ہو کر حیوانوں کی طرح کھانا کھانے کے بعد جھومتے جھامتے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ میرے ذہن میں مایوسی نے سر ابھارنا شروع کر دیا۔ ایسی حالت میں بدری کے لیے یہ یاد رکھنا محال تھا کہ اس نے مجھ سے ملنے کا کوئی رازدارانہ وعدہ کیا ہوا تھا۔

میں نے نائٹ لیمپ روشن کر کے بتیاں گل کر دیں اور سونے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

شہر کا وہ رہائشی علاقہ ویسے بھی بہت پرسکون تھا۔ بس قریبی ریلوے لائن سے گزرنے والی ٹرینوں اور مال گاڑیوں کی گڑگڑاہٹ اور ریلوے انجنوں کی سیٹیاں ہی اس سکون کو درہم برہم کرتی ہیں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ رات ہونے کے ساتھ ہر سناٹا گہرا اور پرہول ہوتا چلا جاتا ہے۔

دروازے پر دستک کی ہلکی سی آواز نے مجھے بستر میں بری طرح چونکا دیا۔ میرے جواب سے پہلے دروازہ آہستگی سے کھلا اور پھر اس کی اوٹ میں سے بدری کا چہرہ جھانکنے لگا۔ نشے اور جوش کی وجہ سے نیم تاریکی میں اس کی آنکھیں سرخ نگینوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

میں نے بیڈ سوئچ کی ڈوری کھینچ کر ایک دیوار گیر بلب روشن کر دیا۔ بستر کے سامنے والی دیوار پر لگی ہوئی گھڑی اس وقت سوا بارہ بجا رہی تھی۔ میں بستر پر اٹھ بیٹھا۔

میں نے غور سے دیکھا کہ نشے میں ہونے کے باوجود بدری کے قدموں میں ذرا بھی لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔ وہ ہموار چال سے اندر آیا اور میری دعوت یا اجازت کے بغیر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے بھی بستر چھوڑ کر اس کے سامنے والی کرسی سنبھال لی۔

"دیکھ لو۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا اور میں یہاں آ گیا" وہ بولا۔

"گیارہ بجے تم نشے میں دھت تھے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تمہیں اپنا وعدہ یاد رہ سکے گا۔"

اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی "رمیش بہت ندیدا ہے۔ میں کم پی رہا تھا' اسے زیادہ پلا رہا تھا۔ میں اداکاری نہ کرتا تو وہ بھی پینا چھوڑ دیتا۔ اب وہ نشے میں مدہوش پڑا ہوا ہے اور میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوا ہوں کیونکہ میں تمہیں بہت زیادہ پسند

کرنے لگا ہوں۔"

میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "پسندیدگی کا شکریہ..... تم نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ اسے ہوش آگیا اور اس نے تمہیں کمرے میں موجود نہ پایا تو وہ غل غپاڑہ مچانا شروع کردے گا۔"

وہ اپنے سینے پر ہاتھ مار کے بولا "میں نے پورا بندوبست کیا ہے۔ تم بے فکر رہو۔ کھانے کے بعد میں نے اس کے آخری گلاس میں اینٹی وان کی ایک گولی بھی ملادی تھی۔ وہ صبح دیر سے ہی اٹھے گا۔"

میں نے ایک گہرا سانس لے کر پوچھا "اس کے بغیر مجھ سے ملنے کا سبب کیا ہے؟"

"ایک آرزو۔ بس ایک آرزو۔" اس نے سر جھٹک کر جذباتی لہجے میں کہا "بدری ناتھ کو زندگی میں کبھی اس طرح ذلیل نہیں کیا گیا جیسے وہ آج ہوا ہے۔ میں اس کا منصوبہ ناکام بنادوں گا' ہرگز نہیں بخشوں گا۔"

"شاید تم پر بھی نشے کا گہرا اثر ہے۔ کھل کر اور ذرا ربط کے ساتھ کچھ بتاؤ تاکہ میں بھی پوری بات سمجھ سکوں۔"

"پہلی بات یہ سن لو کہ رمیش مجھ سے دو سال جونیئر ہے مگر وہ پکا خوشامدی ہے۔ جوڑ توڑ کرکے میرے برابر تک پہنچ گیا ہے۔ عہدہ برابر ہے اور میں سینئر ہوں۔ اسے مجھ سے دبنا پڑتا ہے۔ اب وہ سازشیں کرکے مجھ سے پہلے ترقی پانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کا عہدہ بڑھ جائے گا تو میں اس کا ماتحت ہوجاؤں گا۔ اس وقت بھی وہ یہی کھیل کھیل رہا ہے۔ نک موڈلے کسی خارش زدہ کتیا کا پلا ہے۔ اس نے مجھے بہت ذلیل کیا ہے۔ میں اندر ہی اندر سلگ رہا ہوں' کھول رہا ہوں اور رمیش اس کے گن گا رہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ اس مشن کے بعد مجھے معتوب کرانے اور خود ترقی پانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں ہے مگر میں اس کے ساتھ رہ کر دن رات پیشہ ورانہ حسد اور رقابت کی اس تپش کو محسوس کرتا ہوں۔ نک تمہارا بھی دشمن ہے۔ رمیش نے یہی ایک بات پکڑلی ہے۔ وہ تمہاری سفارش کے بہانے نک سے براہِ راست بات کرنے پر تُل گیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ بات یوں توڑ مروڑ کر کرے گا کہ نک مجھے نظر انداز کرکے اسے سرچڑھالے گا۔ میں یہ بھی نہیں ہونے دوں گا۔"

"وہ تمہاری آنکھ بچاکر کسی بھی وقت اپریٹس استعمال کرسکتا ہے۔ تم اسے کیسے روک لوگے؟"

"وہ اس وقت بھی میرے پاس ہے" اس نے اپنی پھولی ہوئی جیب تھپتھپا کر کہا "وہ نک سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ بدری کی رائے میں علی شیر بہت اچھا اور کارآمد پاکستانی ہے۔ اسے ہمارے ساتھ ٹریننگ پر بھیج دیا جائے۔ نک اس وقت تمام پاکستانیوں کا دشمن ہے۔ وہ میری طرف سے بھڑک جائے گا کہ میں نے اس کی رائے سے اختلاف کرنے کی جرأت کیوں کی۔ یہی رمیش کی اصل دلی خواہش ہے۔"

"مجھے کسی ٹریننگ سے دلچسپی نہیں۔ میں تمہیں صاف بتاتا ہوں کہ میں راتک میں جانا پسند نہیں کرتا۔ تم میری حمایت کیوں کرتے ہو۔ یہ تمہارا آپس کا جھگڑا ہے۔ اس میں' میں کیا کرسکتا ہوں۔ بہتر یہی ہوگا کہ مجھے اس لڑائی میں گھسیٹنے کی کوشش مت کرو۔ تم چاہتے تو آج رمیش کو شراب میں اینٹی وان کے بجائے کوئی زہر بھی دے سکتے تھے۔ اسے مارنے سے ڈرتے ہو تو مجھے بتاؤ' میں اس کا قصہ تمام کیے دیتا ہوں۔"

"ایسی خطرناک باتیں مت کرو۔ میں ایسی کوئی خواہش نہیں کرسکتا" اس نے محتاط اور دھیمے لہجے میں کہا "اگر تم خود اسے مار ڈالنا چاہتے ہو' تب بھی تم سے کہوں گا کہ ذرا انتظار کرو۔ اسے امریکا پہنچ لینے دو۔ اس کے بعد اپنا ہر ارمان پورا کرلینا۔ اسے یہاں کچھ ہوا تو میرے سارے خواب ادھورے رہ جائیں گے۔ میں نک موڈلے سے آج کی بدزبانی کا بدلہ نہیں لے سکوں گا۔"

"تم پھر گول مول باتیں کر رہے ہو۔ وہ امریکا کیوں جارہا ہے؟"

"ٹریننگ کے لیے ہم دونوں کو امریکا ہی جانا ہے۔ وہ یہاں مارا گیا تو دونوں روک لیے جائیں گے۔"

"تم کو امریکا دیکھنے کا بہت شوق ہے!" میں نے ہلکے سے طنز سے کہا۔

"امریکا دیکھنے کا نہیں' نک کو شرمسار دیکھنے کا شوق ہے۔ میں اس کے پورے منصوبے کو تباہ کردینا چاہتا ہوں۔ میرے سب ساتھی جانتے ہیں کہ میں کتنا بڑا انا پرست ہوں۔ میرے ستارے ہی کچھ ایسے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کام میں تم میرا ساتھ دو۔ ہمارے ساتھ امریکا چلو اور تھوڑے دنوں کے لیے ڈمی بن کر وہاں تہلکہ مچادو۔ اندر کی خبریں میں نکالوں گا' گرہیں تم کاٹو گے' نک کا ہر خواب بکھر کر رہ جائے گا۔"

میں حیرت سے پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ سنجیدہ تھا یا مجھ پر کوئی گہرا طنز کر رہا تھا۔ میں اسے فریب دینے کے لیے ڈمی سے علی شیر بنا تھا اور وہ مجھے علی شیر سے جعلی ڈمی بننے کی ترغیب دے رہا تھا۔ وہ میرے مقدر کی ستم ظریفی کی انتہا تھی کہ میرا ایک دشمن مجھ سے میری ہی نقالی کا خواہش مند تھا۔

"مجھے ساتھ لیا تو شاید تم یہاں سے کبھی نہ جاسکو گے۔ نک اتنی آسانی سے اپنا فیصلہ نہیں بدلے گا۔"

"سب ہوجائے گا۔ تم راضی ہوجاؤ تو میں سارا بندوبست کرلوں گا۔ ہم تمہیں بھول جائیں گے۔ تم خود لندن چلے جاؤ اور وہاں ہمارا انتظار کرو۔ میں تمہیں ایک نمبر دے دوں گا۔ وہاں اپنا سراغ چھوڑ دینا۔ میں لندن پہنچتے ہی تم سے رابطہ کروں گا اور ہم آگے کا پروگرام طے کرلیں گے۔"

"تم بہت مشکل اور ناقابلِ عمل باتیں کر رہے ہو۔ آسان ترین راستہ یہ ہے کہ رمیش کو ختم کرو اور خود غائب ہو جاؤ۔ تک کا سارا منصوبہ درہم برہم ہو جائے گا۔ بھارت سے نئے آدمی آسانی سے نہیں ملیں گے۔"

"ہم ساگا اور راس المیڈا کی وجہ سے چکروں میں پھنس گئے۔ ہمیں ڈینی کو ٹھکانے لگانے کے بعد اپنا کام شروع کرنا ہوتا۔ اب تک نے ڈینی کو بھولنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ہمارے متبادل بھارت سے سیدھے امریکا بھیج دیے جائیں گے۔ تک کا مشن پورا ہو جائے گا..... اور پھر میں؟ کیا میں اپنا پورا کیریئر برباد کرلوں۔ میرے بچوں اور خاندان والوں کو میری غداری کے طعنے دیے جائیں، مجھے بھگوڑا قرار دے دیا جائے۔ میں سب کچھ تباہ نہیں کرسکتا۔"

"اپنا پورا منصوبہ بتاڈالو۔ پھر شاید ہم بہتر مشورہ کرسکیں گے۔"

"تم علی شیر کے یا پھر کسی فرضی نام سے سفر کرو گے۔ رمیش کو تمہاری بھنک بھی نہیں ملے گی۔ ہمارے امریکا پہنچنے کے بعد تمہیں آزادی ہوگی کہ جب چاہو رمیش کو مار ڈالو۔ میں چند ہفتوں تک وہیں ٹریننگ کرتا رہوں گا۔ تم دور دور سے مجھ سے رابطہ رکھو گے۔ میں ان کی کمزوریاں بتاؤں گا، تم ڈینی بن کران پر وار کرو گے۔ تک نے ڈینی کو بھلا دینے کی بات کی ہے۔ تمہاری ان کامیابیوں کے بعد ڈینی کا نام ایک آسیبی خواب بن کر تک موڈلے کے اعصاب پر چھا جائے گا۔ ٹریننگ ختم کرکے میں فیلڈ ورک کے لیے پاکستان آؤں گا تو تم میرے ساتھ ہوگے۔ یہاں بھی میں مخبری کروں گا اور تم تک کا ہر مشن ناکام بناؤ گے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں اصلی ڈینی بھی تمہارا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلے۔"

وہ ایک منتقم مزاج اور انا پرست شخص کی انتہا پسندانہ سوچ تھی۔ وہ اپنی تذلیل کا بدلہ لینے کے لیے سب کچھ تباہ کر دینے کے ارادے باندھ رہا تھا۔ وہ بھارت کے اسپیشل سروسز بیورو کا ایک اہم اور ذمے دار افسر تھا لیکن مجھے وہی سب کر گزرنے پر اکسا رہا تھا جو میں اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہتا تھا۔

اس کی آنکھوں کی چمک اور فرطِ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے ارادوں میں راسخ اور سنجیدہ تھا۔ اس نے اچانک ہی اپنے سارے پتے میرے سامنے پھینک دیے تھے۔

"تم کو تمہارے بڑوں نے تک موڈلے کی تحویل میں دیا ہے۔ اس کی نافرمانی کرکے کیا تم را اور ایس ایس بی سے غداری کے مرتکب نہیں ہوگے۔ تک کی مسلسل ناکامیاں تمہاری بھی ناکامیاں شمار ہوں گی" میں نے کہا۔

"میں نے یہ سب سوچ لیا ہے۔ دوسروں کے لیے میں اپنی ذات سے غداری نہیں کرسکتا۔ میری انا کا زخم دشمن کے غرور کو نیست و نابود کرکے ہی بھرے گا۔ رہا میری ناکامیوں کے شمار کا مسئلہ تو میں اکیلا نہیں ہوں گا۔ یہ بوجھ میرا ساتھ دینے والے ہر کندھے پر برابر برابر منتقل ہوگا۔"

"تک موڈلے سے ایسا بھرپور انحراف کرکے تم پاکستان کو فائدہ پہنچاؤ گے جسے بھارت اپنا ازلی دشمن تصور کرتا ہے۔ کیا یہ خلش تم آسانی سے سہہ لوگے؟" میں نے اسے کریدا۔

"زمین پر لکیریں کھینچ دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ دونوں طرف بہتیرے لوگ ایسے ہیں جو آج بھی دونوں کو ایک خیال کرتے ہیں۔ جیوانی سے ہمالیہ تک یہ ساری دھرتی ایک ہے پھر الگ الگ فائدہ اور نقصان کیسا؟" یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اشتعال نے اس کی کھوپڑی بالکل ہی الٹ کر رکھ دی ہو۔

"اور تم نے شروع میں جو باتیں کی تھیں، آنے والی نسلوں کے خوش حال مستقبل کے لیے دونوں طرف کے جنگی بتوں کو گرانے کا عزم ظاہر کیا تھا، تمہاری اسی سوچ کی عکاسی کر رہا تھا؟"

"اس وقت میں بدری ناتھ نہیں، ایس ایس بی کا ایک افسر تھا۔ میں وہی کچھ کہہ رہا تھا جو دشمن کی سرزمین پر کامیابی حاصل کرنے کے لیے کہنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ آج میں سچ مچ وہی سوچ رہا ہوں۔ ایس ایس بی کے افسر میں سوئے ہوئے بدری ناتھ کو تک موڈلے نے بیدار کیا ہے، اب وہ اپنا رنگ دکھائے گا۔"

"اگر میں تمہارا ساتھ نہ دوں تو تم کیا کرو گے؟" میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے بھٹکنا پڑے گا۔ میں کوئی اور ساتھی تلاش کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ ٹریننگ سے یہاں واپس آنے کے بعد میں ڈینی سے ہی دوستی کرلوں۔ وہ یہودی اور امریکی وہشت گردوں کا سب سے بڑا دشمن ہے۔"

غیر ارادی طور پر فخر سے میرا سینہ پھول گیا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر پوچھا "تک نے تمہیں ایسی کیا بات کہی ہے کہ تم اس حد تک جانے پر تل گئے ہو؟"

"یہ پوچھو کہ اس نے کیا نہیں کہا تو شاید میں جواب دے سکوں" وہ متاسفانہ انداز میں اپنا سر جھٹکتے ہوئے بولا "یہ حرام زادے امریکی خود کو صاف گو اور راست باز کہتے ہیں۔ صاف گوئی کی آڑ لے کر یہ کسی بھی شریف آدمی کو بھیڑ میں ننگا کر دینے کے عادی ہیں۔ ان کی ساری تنقید کا معیار ذاتی پسند اور ناپسند کے گرد گھومتا ہے۔ ایسے رویوں میں اصولوں کا دور دور تک سراغ نہیں ملتا۔"

"تمہاری ان باتوں نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ ابتدا میں، میں نے تمہارا ساتھ دینے کا فیصلہ کرکے ایک سنگین غلطی کا ارتکاب کیا تھا" میں نے اس پر ایک اور پہلو سے ہلکا سا وار کیا۔

"تم بالکل ٹھیک سوچ رہے ہو۔ اور اب میں تم کو یہ بھی بتادوں کہ تم نے صرف پیسے کے لالچ میں ہماری غلامی کا طوق اپنی گردن میں لٹکایا تھا۔ تمہارے کردار میں سے لالچ کا عنصر نکال دیا

جائے تو تم ایک قابلِ رشک انسان بن سکتے ہو۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ایسی باتیں اختیاری نہیں ہوتیں۔"

وہ احمق ایک طرف جس ڈینی کے گن گا رہا تھا دوسری طرف اسی کو طفلانہ مشورے دے رہا تھا۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ اس وقت وہ ڈینی ہی سے ہم کلام تھا۔

اس نے خود ہی میرے لالچ کا ذکر چھیڑا تھا۔ موقع میسر آتے ہی میں نے لالچ کے تصور کو مستحکم کرنے کی نیت سے کہا "اگر میں راضی ہو بھی جاؤں تو اس لمبے سفر کے اخراجات کون دے گا؟"

وہ تلخی سے ہنس پڑا پھر بولا "میں اسی خرابی کی بات کر رہا تھا۔ تمہارے ہر مسئلے کی تان آخر کار رقم پر ہی آکر ٹوٹتی ہے۔ ہم بھارت سے ڈیڑھ کروڑ ڈالر لے کر آئے تھے۔ اس میں سے مشکل سے ساٹھ ستر ہزار نکالے ہوں گے۔ باقی رقم حاجی دل مراد نے دبالی ہے۔ وہ مل گئی تو میں ڈالروں سے تمہارا منہ بھردوں گا ورنہ تمہیں دس ہزار پر قناعت کرنی ہوگی۔ یہ رقم ٹکٹ اور دوسرے اخراجات سے زیادہ ہی بیٹھے گی۔"

"تم ڈینی کی تلاش کے لیے دیے ہوئے دس ہزار ڈالر کی بات کر رہے ہو؟" میں نے انجان بن کر چونکتے انداز میں سوال کیا۔

"اس میں سے ایک پیسہ بھی ادھر خرچ نہیں ہوگا۔"

"جو رقم تمہیں مل چکی ہے اسے بھول جاؤ۔ میں ایک نئی گڈی کی بات کر رہا ہوں۔ تمہارے لیے میں اس سے زیادہ رقم نہیں دے سکوں گا۔ تم چاہو تو ڈینی کے نام کا ہوا کھڑا کرکے امریکا میں کسی بھی بڑے جوئے خانے پر ہاتھ صاف کرسکتے ہو۔ لاکھوں ڈالر ہاتھ آجائیں گے۔"

"وہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے مجھے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ میں کہاں تک تمہارا ساتھ دے سکتا ہوں۔ یہ جواب تمہیں کل ہی مل سکے گا" میں نے سب کچھ طے کرلینے کے بعد بے پروائی سے کہا۔

"میں انتظار کرلوں گا' یہ یاد رکھنا کہ تم نے انکار کیا تو مجھے مایوسی ہوگی۔"

"بنیادی طور پر میں تمہارے منصوبے سے متفق ہوچکا ہوں۔ اگر ایس ایس پی کا ایک افسر اتنی ہمت کرسکتا ہے تو پھر میرے لیے کیا رکاوٹ ہوسکتی ہے۔ مجھے صرف یہ دیکھنا ہے کہ سفری دستاویزات کا کیا بنے گا اور میرے لیے کس نام سے سفر کرنا سودمند رہے گا۔"

"سفر کے لیے اصل نام استعمال کرنے میں کیا حرج ہے؟" اس نے پوچھا "بعد میں تم ضرورت کے مطابق اپنے ہزار نام تبدیل کرسکتے ہو۔ کوئی تمہیں نہیں پکڑ سکے گا۔"

"میرا اصل نام رمیش کے ساتھ شاید تک موڈلے کو بھی معلوم ہوجائے۔ اس کے استعمال سے گریز ہی مناسب رہے گا۔ اس بارے میں میں کل تک کوئی نہ کوئی فیصلہ کرلوں گا۔"

اس نے اٹھ کر اپنے دونوں بازو فضا میں پھیلا دیے اور میں نے بڑھ کر اسے سینے سے لگالیا۔

وہ لاکھ ایس ایس پی کا ایک سفاک افسر سہی لیکن تک موڈلے کی زبان سے نکلے ہوئے چند زہریلے فقروں نے اس کے دل پر ایسے گہرے گھاؤ لگائے تھے کہ اس کی کایا پلٹ ہوکر رہ گئی تھی۔ بظاہر وہ اپنے انتقام کی تسکین کے لیے مجھے استعمال کرنا چاہ رہا تھا مگر حقیقت یہ تھی کہ نادانستگی میں میرے اور اسپیشل ٹاسک فورس کے مقاصد کی تکمیل کے لیے وہ ایک اہم آلۂ کار بننے جارہا تھا اور اس حیثیت میں لائقِ احترام ہوچکا تھا۔

اس وقت میری اور اس کی مثال چھری اور خربوزے جیسی تھی۔ چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر' دونوں صورتوں میں انجام ایک ہی ہوتا ہے۔

مجھ سے بغل گیر ہونے کے بعد وہ بوجھل قدموں سے واپس چل دیا۔ نیا سمجھوتا ہونے کے بعد میں اس کے ساتھ ساتھ اس کے کمرے میں پہنچا تو رمیش اگروال مسہری پر داہنے پہلو کے بل کسی مردے کی طرح ساکت پڑا ہوا تھا۔ اگر کمرے کی فضا میں اس کے سانسوں کی گہری گہری آوازیں نہ گونج رہی ہوتیں تو اس کے بارے میں دور سے کوئی فیصلہ کرنا محال ہوتا۔

"جی چاہ رہا ہے کہ اسے اسی وقت ذبح کردیا جائے" میں نے بدری کو خوش کرنے کے لیے رمیش کو گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا "اس کی سازشیں اب جلد ہی اسے لے ڈوبیں گی۔"

"اس کا انحصار تمہاری مرضی پر ہوگا۔ میں تمہارے اوپر اپنی رائے مسلط نہیں کروں گا" بدری خود کو الگ تھلگ رکھتے ہوئے مجھے مسلسل رمیش کے قتل کی ترغیب دے رہا تھا۔

میں اسے وہیں چھوڑ کر لوٹ آیا۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی کہیں سے ایک سایہ میرے قریب رینگ آیا۔ وہ میرا خانساماں تھا جس نے اپنا اوپری جسم اور چہرہ چادر کی اوٹ میں چھپایا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ چادر کی اوٹ میں چھپا ہوا اس کا داہنا ہاتھ کسی نہ کسی آتشیں ہتھیار کے دستے پر جما ہوا ہوگا۔

"جاکر آرام کرو۔ اب مجھے کسی کی موجودگی کی ضرورت نہیں ہے" میرا فقرہ مکمل ہوتے ہی وہ ایک طرف چل دیا اور میں اپنے کمرے میں جاکر بستر پر گرگیا۔

میرے امریکا کے سفر کا معاملہ سرے سے ختم ہوجانے کے بعد ایک مرتبہ پھر پوری شدت سے سامنے آچکا تھا۔ وہ ایسی بہترین صورتِ حال تھی کہ اسے نظرانداز کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ امریکا پہنچ کر میں نہ صرف تک موڈلے کے شناسا حلقوں میں دہشت کی لہر دوڑا سکتا تھا بلکہ ڈیوڈ اسٹارز کے آئزک بیل کو اس کے گھر میں ہراساں کرکے جہنم واصل کرنے کے اپنے خواب کو بھی پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتا تھا۔

جوش اور ہیجان کے عالم میں میری نیند سرے سے اچاٹ ہوگئی۔ میں شدت سے اپنے گھر کی ضرورت محسوس کررہا تھا جہاں

میری خوشی میں شریک ہونے والے دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔

یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ خوشی اور غم کے عالم میں دوسروں کو اپنے احساسات میں شریک کرکے ہی سکون اور راحت محسوس کرتا ہے اور اگر اسے یہ ذہنی رفاقت میسر نہ آسکے تو پھر وہ ہر خوشی اور صدمے کو پتھر بن کر سرد مہری سے جھیل جاتا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا رہا۔ دیوار گیر کلاک کی سوئیاں ڈھائی بجے سے بھی آگے بڑھ چکی تھیں۔ میرے دل میں کئی بار شدید خواہش پیدا ہوئی کہ گھر فون کرکے سب کو اپنی ایک بڑی کامیابی کی اتھاہ خوشی میں شریک کرلوں لیکن میں ان لوگوں کی نیند خراب ہونے کے خیال سے ہر بار رک گیا۔ صرف چند گھنٹوں کی بات تھی۔ صبح ہوتے ہی میں انہیں اس خوش خبری میں شریک کرسکتا تھا۔

بدری ناتھ کے بیان کے مطابق میرے سفر کا پہلا پڑاؤ لندن میں ہونا تھا جہاں میں نے غزالہ کی تلاش کی جاں گسل جدوجہد میں ایک طویل عرصہ گزارا تھا۔ میرے ذہن میں تصوراتی خاکے بننے اور بگڑنے لگے۔

لندن ہمیشہ سے روشنیوں کا شہر کہلاتا رہا تھا۔ اس شہر کی سب سے بڑی شناخت دریائے ٹیمز کو قرار دیا جاتا تھا جو نہایت کاہلانہ انداز میں آبادی کے بیچوں بیچ بہتا رہتا ہے۔ دریا کے دونوں کناروں کو کہیں بالائی پلوں سے ملایا گیا تھا اور کہیں لندن کی روایتی ٹیوب سرنگوں ہی سرنگوں میں چپکے سے دریا کے پار پہنچا دیتی ہے۔

مجھے ٹرافالگر اسکوائر یاد آیا جہاں سال کے بارہ مہینے ہر وقت بھانت بھانت کے سیاحوں کا ہجوم نظر آتا ہے اور اسی ہجوم میں سیکڑوں کبوتروں کے غول کے غول سیاحوں کے ہاتھوں سے باجرے کے دانے چھیننے کے لیے مانوس اور والہانہ انداز میں یلغار کرتے رہتے ہیں۔

پکاڈلی کی... پیچ در پیچ، پتلی پتلی اور پراسرار گلیاں جن کے دسیوں پھیرے لگاکے بھی سیاحوں کا دل نہیں بھرتا۔ آکسفورڈ اسٹریٹ کی سازوسامان سے لدی پھندی دکانیں اور بڑے بڑے ڈپارٹمنٹل اسٹورز۔ وہ سب ڈیوڈ اسٹارز اور آئزک بیل کے خلاف ہونے والی جنگ میں میری گزرگاہ بننے والے تھے۔

متوقع سفر کی رنگین وسنگین کہانیوں کے خاکے بناتے اور بگاڑتے آخر کار مجھے نیند آہی گئی۔

دن بھر کوئی قابلِ ذکر کام نہ کرنے کے باوجود میں یوں گدھے گھوڑے بیچ کر سویا کہ دوبارہ آنکھ کھلی تو دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑا اور سیدھا باتھ روم میں جا گھسا۔

شیو کرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ میں سونے سے پہلے سفر کے بارے میں سوچتے ہوئے ایک اہم ترین نکتے کو بالکل نظرانداز کیے رہا تھا۔ اول خان ایک سنجیدہ، بردبار اور خانہ دار آدمی تھا۔ ایس ٹی ایف میں اس کی ذمے داریاں، اسے ملک تو کیا شہر بھی چھوڑنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھیں۔

ویرا، سلطان شاہ اور غزالہ کا معاملہ بالکل مختلف تھا۔ سفر کا اعلان ہوتے ہی وہ تینوں پابہ رکاب ہوجاتے اور میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں روک سکتا تھا جب کہ فنی اعتبار سے اس سفر میں میرا تنہا جانا ہی بہتر اور محفوظ تھا۔ تین چلتے پھرتے اشتہاروں کے ساتھ میں شناخت کے علاوہ دوسرے کئی مسائل میں گھر سکتا تھا۔

غزالہ میری بیوی تھی۔ وہ ٹوٹ کر مجھے چاہتی تھی کیونکہ پوری دنیا میں میرے سوا اس کا کوئی سچا رشتے دار نہیں تھا۔ اپنے بھائی کامران کی موت کے بعد اس کا میکا سرے سے ختم ہوچکا تھا۔ نادرہ والے وسیع اور پرتعیش فلیٹ کے سوا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جہاں چھوڑ کر میں بے فکری سے سفر پر نکل کھڑا ہوتا۔ ان مجبوریوں کی بنا پر غزالہ میرے ساتھ چلنے پر مصر ہوجاتی تو میں اسے بے یارومددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

رہی ویرا تو وہ پیدائشی طور پر سیلانی طبیعت کی مالک تھی اور امریکا اس کا موروثی وطن تھا۔ پچھلے مہینوں میں وہ کم از کم دو بار امریکا جانے کے لیے پرتول چکی تھی۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ میں آئزک بیل کی سرکوبی کے ارادے سے نکلتا اور وہ ائرپورٹ پر خوش دلی سے مجھے الوداع کہہ کر گھر لوٹ آتی۔ اس کی دانست میں واشنگٹن کا وائٹ ہاؤس اس کے باپ کے اصل قاتل کا مسکن تھا اور آئزک بیل، جمی لائیڈ کے قتل کی سازش کرنے والے ٹولے کا ایک سرگرم یہودی رکن تھا۔ ان سے انتقام لینے کے لیے وہ اس سنہری موقع کو ضائع نہیں کرسکتی تھی۔

اگر یہ دونوں ہی عورتیں سفر پر تل جاتیں تو سلطان شاہ کے لیے کراچی میں رہ کر بھائیں بھائیں کرتے ہوئے فلیٹ کی چوکیداری کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا تھا۔ اخلاقی طور پر اسے ساتھ لے جانا میرا فرض بن جاتا۔

ان تینوں سے نمٹنا ایک دشوار اور پیچیدہ مرحلہ تھا جو میرے اصل کام سے زیادہ کٹھن ثابت ہوسکتا تھا۔ غسل کرتے ہوئے بھی میں اس مسئلے کا کوئی حل نہیں سوچ سکا۔

میرا اندازہ تھا کہ اس وقت اول خان اپنے دفتر میں موجود ہوگا۔ بہتر یہی تھا کہ میں اپنے مسئلے کا حل اس کے سر ڈال دیتا۔ اس کی ناصحانہ بریفنگ کے بعد میرے اوپر ہونے والی سہ طرفہ یلغار کا زور خاصا کم ہوسکتا تھا۔

فون کا سلسلہ ملنے پر سلام دعا کے بعد میں نے اسے بتایا "میں سر منڈانے کا فیصلہ کرچکا ہوں لیکن اب اولوں کی برسات سے خوف زدہ ہوں۔ اس معاملے میں تم کیا کرسکتے ہو؟"

"مضبوط آہنی ہیلمٹ پیش کرسکتا ہوں" اس نے خوش گوار موڈ میں جواب دیا "اصل قصہ کیا ہے؟"

"بدری ناتھ یکایک ہی نک موڈلے سے تنفر ہوگیا ہے۔ مختصر الفاظ میں یوں کہہ لو کہ اس نے نک موڈلے کی ہر سازش کو ناکام

پانے کا مصمم ارادہ کرلیا ہے اور اس بارے میں میری مدد کا خواہاں ہے......"

"ہائیں! یہ تو الٹی گنگا بہنے لگی ہے" وہ میری بات کاٹ کر تحیر زدہ آواز میں بولا۔

"ستارے یاور ہوں تو سب کچھ ہونے لگتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس مشن کی تکمیل کے لیے مجھے امریکا جانا ہوگا۔ چند ہفتوں بعد ہم واپس کراچی لوٹ آئیں گے۔"

"امریکا میں وہ تم سے کیا کام لینا چاہ رہا ہے؟" اول خان کی حیرت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

"ملاقات ہوگی تو پوری تفصیل بتادوں گا۔ یوں سمجھ لو کہ وہاں ہم آئزک بیل اور اس کے حواریوں کو کیفر کردار تک پہنچائیں گے۔ بدری وہاں اپنی ٹریننگ کے ساتھ ساتھ اُن کی مخبری بھی کرتا رہے گا۔"

"شاندار منصوبہ ہے۔ تمہیں پہلی فرصت میں اس کے ساتھ نکل جانا چاہیے۔"

میں نے یہ وضاحت ضروری نہیں سمجھی کہ ہمیں اس سفر پر الگ الگ روانہ ہونا تھا بلکہ اسے اصل مسئلے کی طرف لاتے ہوئے کہا "یہ خبر میں نے سب سے پہلے تمہیں سنائی ہے۔ وہ تینوں ہی اس سفر پر جانے کی ضد کریں گے۔"

"انہیں تم کیسے لے جاسکو گے؟" اول خان نے خفگی سے کہا۔ "بدری کے ساتھ عورتوں کو لے جانا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہوگا۔ یہ بات انہیں سمجھ لینی چاہیے۔"

"بدری میرے ساتھ نہیں ہوگا۔ وہ نک کی ہدایت پر بعد میں سفر پر نکلے گا۔ عورتوں سے یہ بہانہ کر بھی لیا جائے تو وہ الگ سفر کرنے کی بات کریں گی' یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے۔"

"میں ابھی گھر جاکر ان تینوں کے ردِعمل کا جائزہ لیتا ہوں۔ تم دو بجے گھر آجاؤ۔ مل جل کر کوئی نہ کوئی حل نکال لیا جائے گا۔ یہ موقع ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ میں حیران ہوں کہ بدری کو کیا ہوا ہے؟"

"بس انسان ایسی ہی عجیب وغریب شے ہے۔ من مانی پر اتر آئے تو دنیا جہان کے اندازوں کو مات دے بیٹھتا ہے۔ تفصیلات سن کر تمہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آئے گا۔"

"میرے لیے تو وہ بھی ناقابلِ یقین ہے جو تم بتا چکے ہو۔ اس پر اب دو بجے ہی بات ہوگی۔"

اس فون کال سے فارغ ہوکر میں باہر نکلا تو میز پر ناشتا تیار تھا۔ خانساماں نے یہ بتا کر میری حیرت دور کردی کہ رمیش بھی مجھ سے ذرا دیر پہلے ہی بیدار ہوکر کمرے سے نکلا تھا۔ میرے بیٹھتے ہی وہ میز پر آگیا۔ پچھلی رات کی بسیار نوشی کی وجہ سے اس کی آنکھیں متورم ہورہی تھیں۔

"آج بہت دیر سے سو کر اٹھے ہو" میں نے مسکرا کر اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس نے برجستہ جوابی سوال کرڈالا۔

"بدری کو بھی بلالو۔ وہ ہمارے ساتھ چائے ہی پی لے گا۔" میں نے لحہ بھر بعد کہا۔

"وہ کچھ روٹھا ہوا ہے اور ناشتے کے بعد سے باہر باغبانی میں مصروف ہے۔ اسے وہیں رہنے دو۔"

میں رمیش کے ساتھ ناشتے میں مصروف ہوگیا۔ میز پر کچھ دیر خاموشی رہی پھر رمیش نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں اچانک ہی مجھ سے پوچھ لیا "تم ہمارے ساتھ ٹریننگ پر چلوگے؟"

"مجھے ٹریننگ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے" میں نے خشک لہجے میں کہا "تم دونوں کے ساتھ معاملات ختم ہوجانے کے بعد میں اس انتظار میں ہوں کہ تم کب جاؤ گے تاکہ میں ملک کے بالائی علاقوں کی طرف نکل سکوں۔"

"یہ تجربہ را کی ملازمت سے بہت بہتر اور رنگین رہے گا۔ ہم امریکا جارہے ہیں" اس نے اسی رازداری کے ساتھ مجھے لالچ دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

میں اس کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ وہ کسی بھی حیلے سے میری رضامندی حاصل کرکے نک موڈلے سے براہِ راست گفتگو کرنے کا موقع نکالنا چاہ رہا تھا۔ میں نے رکھائی سے کہا "میں خوشنما جال میں پھنسنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ کوئی بھی مستقل پابندی میرے مزاج کے خلاف ہوگی۔ بہتر یہی ہے کہ تم کوئی اور آدمی تلاش کرلو۔"

"اپنے ساتھی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" اس نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"کس ساتھی کی بات کررہے ہو؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"وہی جو نک موڈلے سے ملنے گیا تھا۔ وہ بھی بھروسے کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"وہ میرا دست راست ہے۔ میں اسے گنوانا پسند نہیں کروں گا" میں نے وہ بات بھی ختم کردی۔

میں ناشتا ختم کرکے اٹھ ہی رہا تھا کہ بدری نظر آگیا۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اسے آواز دے کر وہیں بلالیا۔ وہ اپنے دھلے ہوئے ہاتھوں کو ٹی شرٹ سے خشک کرتا ہوا میری طرف آگیا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم لوگ ٹریننگ پر امریکا جارہے ہو؟" اس کے آتے ہی میں نے سوال کرڈالا۔

وہ چونک پڑا "امریکا کے بارے میں تمہیں کس نے بتایا' یہ بات تو اب تک چھپائی گئی ہے۔"

"ابھی ابھی رمیش نے بتایا ہے" میں نے بے رحمانہ صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ رمیش کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس نے سٹپٹا کر چائے کی پیالی منہ سے لگالی۔

"خوب!" بدری نے طنزیہ انداز میں کہا "اور کیا بتایا ہے اس نے؟"

"یہ مجھے بھی لے جانا چاہتا تھا' تم کان کھول کر سن لو کہ اب تم دونوں سے میرے سارے معاملات ختم ہو چکے ہیں۔ یہاں اپنا وقت پورا کرو اور چلے جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جا سکتا" یہ کہتے ہوئے میں نے دیکھ لیا تھا کہ ایریٹس کی وجہ سے بدری کی پتلون کی جیب اس وقت بھی پھولی ہوئی تھی۔

"اچھا ہوا کہ تم نے بات صاف کر دی۔ نک مشکل ہی سے تمہیں لے جانے کی اجازت دیتا۔"

"چاہو تو اس مشکل سے بچانے کے چند ڈالر میرے حساب میں جمع کرلینا" یہ کہہ کر میں اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

رمیش نے بے خبری کے باعث جس غلطی کا ارتکاب کیا تھا' میں نے اپنی دانست میں اس کا پورا فائدہ بدری کو منتقل کر دیا تھا۔ میری وضاحت کے بعد رمیش میری سفارش کے بہانے نک کو ورغلانے کی کسی کوشش کے لیے بدری سے ایریٹس نہیں مانگ سکتا تھا۔

نادرہ کے غیر آباد مکان میں اخبار نہیں آتا تھا۔ ان دونوں کے آجانے کے بعد میں نے دانستہ اخبار نہیں لگوایا تاکہ وہ شہر کے بارے میں زیادہ باخبر نہ ہو سکیں۔ ان کی معلومات کے لیے سرکاری محکموں کی بھٹی میں کندن بنی ہوئی وہی خبریں کافی تھیں جو ٹیلی وژن کے خبرنامے میں سنائی جاتی تھیں۔

اخبار نہ ہونے کی وجہ سے خواب گاہ میں میرے لیے کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ میں نے آہستہ آہستہ روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ میں قبل از وقت فلیٹ پر پہنچ کر اول خان کا کام بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

پچھلی رات بدری میرا مضبوط حلیف بن چکا تھا لیکن رمیش کی موجودگی میں' میں اس سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان پیدا ہونے والی کشیدگی نے گھٹن میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ تیار ہونے کے بعد میں نے اس ماحول میں رکے رہنے کے بجائے فوری روانگی کا فیصلہ کرلیا۔

شہر کی سڑکوں پر آوارہ گردی کر کے میں اپنا فاضل وقت بہتر انداز میں گزار سکتا تھا۔

ٹھیک دو بجے میں فلیٹ پر پہنچا تو وہاں بہت بے چینی سے میرا انتظار کیا جا رہا تھا۔

میرے بیٹھنے سے پہلے ہی ویرا کی زبان چل پڑی "مبارک ہو' اول خان نے بتایا ہے کہ تم نے را کے ایک افسر کو توڑ کر ایک انوکھی اور تاریخی کامیابی حاصل کی ہے مگر یہ بھی سن لو کہ تم اکیلے امریکا نہیں جاؤ گے۔ وہاں مجھے بھی اپنے کئی حساب برابر کرنے ہیں۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"تم عجیب بات کر رہی ہو۔ میں وہاں سیاحت یا تفریح کے لیے نہیں جا رہا۔ مجھے کام کرنا ہے" میں نے احتجاج کیا "میں تمہیں اپنے ساتھ کہاں لیے پھروں گا۔"

"میں اپنی دیکھ بھال خود کر سکتی ہوں۔ وہاں پہنچنے کے بعد چاہو تو اپنا راستہ الگ کرلینا۔ واپسی پر ہم دونوں دوبارہ یکجا ہو سکتے ہیں۔ میں تمہارے گلے کا ہار نہیں بنوں گی۔"

میں نے بے بسی سے اول خان کی طرف دیکھا تو اس نے اثبات میں اپنا سر ہلاتے ہوئے نرمی سے کہا "یہ تقریباً طے ہو چکا ہے۔ غزالہ اور سلطان شاہ ویرا کے حق میں دست بردار ہو گئے ہیں۔"

"سفر کے ساتھی ایک ہی رہیں تو اچھا ہوتا ہے۔ اس بار بھی ویرا کو تمہارے ساتھ جانا چاہیے" سلطان شاہ نے پچھتے ہوئے لہجے میں اپنا خیال ظاہر کیا اور میں اسے گھورنے لگا۔

"پہلے ویرا میرے ساتھ کب گئی ہے جو تم اتنی لمبی چوڑی بکواس کر رہے ہو۔"

"بلیک سی کا سفر ایک رات کا تھا لیکن سفر ہی تھا۔ اس بار چند ہفتوں کی بات ہے۔ اچھا ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کی سفری ضروریات کا خیال رکھ سکو گے۔ میں یہاں غزالہ کی دیکھ بھال کرلوں گا۔"

"سلطان شاہ! تم پر لعنت!" ویرا نے کلکلا کر کہا "تم دنیا کی ہر بات کو اسی طرح بلیک سی سے ملاتے رہے تو ایک دن بلیک سی میں ہی ڈوب کر مرو گے۔"

"تمہاری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی" سلطان شاہ مسکراتے ہوئے بولا "تمہارے دونوں سفر یکساں ہوں گے۔ بحری سفر ذرا چھوٹا تھا اب فضائی سفر لمبا ہوگا۔ اسی وجہ سے ہم نے تمہیں ڈیڈی کے ساتھ جانے کی اجازت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں نے کوئی غلط موازنہ نہیں کیا تھا۔"

غزالہ خاموشی سے مسکرائے جا رہی تھی لیکن میں نے بھانپ لیا تھا کہ اس کی نگاہوں میں میرے لیے شکایت پنہاں تھی۔ میں نے گلا صاف کر کے کہا "یہ بلاوجہ کی بحث ہے۔ ویرا اگر گئی تو سیدھی نیویارک جائے گی۔ مجھے بدری کے انتظار کے لیے چند روز لندن میں ٹھہرنا ہوگا۔ آگے کے پروگرام کا ابھی کچھ پتا نہیں ہے۔"

"یہ باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔ تم اپنی سناؤ' بدری کا دماغ کیسے الٹ گیا؟" اول خان نے پوچھا۔

"بدری پر میں نے کوئی کام نہیں کیا۔ اسے نک موڈلے نے بغاوت پر آمادہ کیا ہے۔ میری کامیابی کا کریڈٹ صرف اتنا ہے کہ بدری کی نظروں میں میرا کوئی مقام تھا۔ اس نے دل کی بات مجھ سے کہہ ڈالی۔"

"امریکا میں تم دونوں کیا کرو گے؟" سلطان شاہ نے سادگی سے پوچھا۔

"بدری ہمارے دشمنوں کے خلاف بدترین عزائم لیے بیٹھا ہے۔ ان ہی پر عمل کیا جائے گا۔"

"میں بدری کے نہیں، تمہارے اور ویرا کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

سلطان شاہ کے اس ہلکے پھلکے مذاق پر ایک قہقہہ بلند ہوا اور میں بھی اس ہنسی میں شریک ہو گیا۔ مجھے یہ اندازہ تھا کہ ان لوگوں نے رضامندانہ طور پر ویرا کو میرے ساتھ امریکا جانے کی اجازت نہیں دی ہوگی۔ اس فیصلے کے پیچھے ان کی مفاہمت سے کہیں زیادہ اول خان کی کوششوں اور نصیحتوں کا دخل معلوم ہو رہا تھا۔ ایسی صورت میں انہیں اپنے دل کا غبار نکالنے کا تھوڑا بہت حق بھی نہ دینا زیادتی کے مترادف ہوتا۔

"بات پھر کاٹ دی گئی۔ میں تمہاری کہانی کا منتظر ہوں" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔

میں نے اپرٹس پر بدری اور نک موڈلے کی گفتگو سے وہ قصہ شروع کر دیا۔

میں بدری ناتھ کی سوچ میں انقلابی تبدیلی لانے والے واقعات میں شروع سے آخر تک کسی نہ کسی طرح شریک رہا تھا پھر بھی مجھے اس کے آخری فیصلے پر مشکل سے یقین آیا تھا۔ ان چاروں کے لیے وہ میری سنائی ہوئی ایک کہانی سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھا اس وجہ سے ان کے لیے وہ سب حیران کن تھا۔ اول خان کا اصرار تھا کہ بدری ناتھ جیسے تجربے کار سیکرٹ ایجنٹ کے اس منحرفانہ فیصلے کا محرک صرف نک موڈلے کا رویہ نہیں تھا بلکہ اسے بدل کرنے میں رمیش اگروال کی پیشہ ورانہ رقابت اور سازشوں کا زیادہ دخل تھا جو برسوں سے بدری کے دل میں ایک ناسور پیدا کر رہی تھیں۔ نک موڈلے کی تلخ و ترش باتوں نے اس پرانے زخم پر نشتر کا کام کیا تھا جس کے نتیجے میں سارا چھپا ہوا لاوا یکلخت باہر آ گیا تھا۔

"تم نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا ہے کہ وہ پوری طرح سنجیدہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وقت گزرنے پر رات اپنے غلط فیصلے کا احساس ہو اور وہ تمہارا ساتھ چھوڑ کر پسپائی اختیار کر لے" میری کہانی ختم ہونے کے کئی منٹ بعد ویرا نے تفکر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"یہ پہلی اور بنیادی بات تھی جسے میں نظرانداز نہیں کر سکتا تھا" میں نے ویرا کے سوال کا برا مانے بغیر پورے اعتماد سے جواب دیا "اگر میں اندازے کی غلطی نہیں کر رہا تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا مؤقف زیادہ سخت اور بے لچک ہوتا چلا جائے گا۔"

"کسی اور کے بارے میں پہلے سے کوئی بھی بات سو فیصد وثوق سے نہیں کہی جا سکتی" سلطان شاہ بولا "اگر کسی وجہ سے ویرا کا اندیشہ درست ثابت ہوا تو کیا ہوگا؟"

"کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ہم آج بھی بدری کی مدد کے بغیر اپنے مشن پر کام کر رہے ہیں۔ اتنا ضرور ہوگا کہ اس وقت تک میں ملک سے باہر نکل چکا ہوں گا اور راس المیڈا کی لگائی ہوئی آگ آئزک بیل کے دامن کی طرف بڑھ رہی ہوگی۔"

"سب کچھ وہی رہے گا۔ بس میدانِ جنگ بدل جائے گا" ویرا تائیدی انداز میں بڑبڑائی۔

"تو کیا آپ بہت جلد روانہ ہونے کا ارادہ کر چکے ہیں؟" غزالہ نے بے یقینی سے پوچھا۔

"میں سفری دستاویزات مکمل ہونے کے بعد ایک منٹ بھی یہاں نہیں رکوں گا۔ میں بالکل اکیلا جانا چاہتا ہوں تاکہ پوری بے فکری کے ساتھ اپنی لڑائی لڑ سکوں۔ اب اگر تم لوگوں نے مل کر ویرا کو میرے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ شوق سے امریکا جائے مگر وہ مجھ سے الگ رہے گی۔ حالات خراب ہوئے تو میں خود ہی اسے کہیں نہ کہیں تلاش کر لوں گا۔"

ویرا کے بارے میں 'میں نے جن فقروں کو دہرایا' وہ بے مقصد نہیں تھے۔ میں تنہائی میں غزالہ کا سامنا کرنے سے پہلے اسے یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ مجھے ویرا کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوئی آرزو نہیں تھی۔

"میرے کاغذات موجود ہیں" ویرا نے میری بات مکمل ہونے پر انکشاف کیا "بس میرا قیام ویزے کی مدت سے زیادہ ہو چکا ہے۔ اسے قانونی صورت مل جائے تو میں سفر کے لیے تیار ہوں۔"

مجھے یاد تھا کہ جن دنوں میں یورپ سے چھپتا چھپاتا پیٹرواک کے فرضی نام سے کراچی پہنچا تھا تو میرے تعاقب میں ویرا بھی چارٹرڈ کیے ہوئے ایک جہاز میں ماریانا گبرائیل کے نام سے میلان سے پرواز کر کے کراچی پہنچی تھی۔ اس کا انطونیو نامی اطالوی ہواباز اسے کراچی پہنچانے کے چند روز بعد اپنے وطن واپس روانہ ہو گیا تھا۔ وہ ان دنوں کی بات تھی جب جمی لائیڈ اپنے پورے اختیار اور دبدبے کے ساتھ شی پر حکمرانی کر رہا تھا اور اس کی وجہ سے ہر شخص ویرا کا احترام کرنے پر مجبور تھا۔

میں نے لمحوں ہی لمحوں میں اس نکتے کا تجزیہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ شی کی قیادت تبدیل ہونے کے ساتھ ماضی کی ہر بات ڈیوڈ اینڈرز والوں کے علم میں آ چکی تھی۔ میری وجہ سے وہ ویرا کے بھی خون کے پیاسے تھے۔ انہوں نے اس کی نقل و حرکت کا سراغ لگاتے ہوئے یہ بات ضرور معلوم کر لی ہوگی کہ ویرا نے یورپ سے آخری بار پاکستان کی طرف سفر کرتے ہوئے ماریانا گبرائیل کا نام اختیار کیا تھا۔

ویرا کسی بین الاقوامی سفر میں دوبارہ وہی نام استعمال کرتی تو پہچانی جا سکتی تھی۔ امریکا میں کمپیوٹر ریکارڈ رائج ہونے کی وجہ سے اس کے پہچانے جانے کے امکانات بہت قوی تھے۔ اس نتیجے پر پہنچتے ہی میں نے کہا "اس بار تم کسی اور نام سے سفر کرو گی۔ پرانے

کاغذات کو جلا کر تلف کردو۔"
بحث ویرا کے خمیر میں شامل تھی۔ سوچے سمجھے بغیر وہ کسی بات پر اندھا دھند عمل نہیں کرتی تھی۔ اس نے یکے بعد دیگرے سوالات کرنے شروع کردیے۔ بات سمجھ میں آتے ہی اس نے ہتھیار ڈال دیے۔
"نئے پاسپورٹ اور ویزوں کے لیے تم دونوں کی تصاویر درکار ہوں گی" اول خان نے کہا "یہ کام آج ہی کرلیا جائے تو بہتر ہوگا تاکہ ایک دو دن میں تیاری مکمل ہوسکے۔"
"ویزوں کا معاملہ سنگین ہے" ویرا بولی "ایک ساتھ ہم دونوں کی تصاویر امریکی قونصل خانے میں داخل کی گئیں تو دونوں ہی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ ویزے ہی نہ ملیں۔"
میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "یہ واقعی بہت گمبھیر مسئلہ ہے۔ تصویر سے تمہیں پہچان لیا گیا تو تمہارے ساتھ میں بھی ان کی نظروں میں آجاؤں گا۔ ابھی تک ان کے پاس میری واضح تصویر نہیں ہے۔ تمہاری وجہ سے میں ان کے ریکارڈ پر آجاؤں گا۔"
"پھر تو ہمیں ویزا کے لیے الگ الگ درخواست دینی چاہیے۔ میں پہچان لی گئی تو تم بچے رہوگے۔"
"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" سلطان شاہ نے فوراً فتویٰ جاری کردیا "تم لوگ عام شہریوں کی طرح درخواست دو تو الگ الگ رہ سکتے ہو۔ اس طرح ویزا ملنے میں دیر ہوگی۔ دونوں درخواستیں اول خان نے بھجوائیں تو وقت کا فرق ہونے کے باوجود دونوں کا تعلق پوشیدہ نہیں رہ سکے گا۔"
وہ نئی مصیبت تشویش انگیز تھی۔ اگر وہ ہماری تصاویر کی طرف سے شکوک وشبہات میں مبتلا ہو بھی جاتے تو ہمیں اس کی ہوا بھی نہ لگنے دیتے۔ خاموشی سے ویزے جاری کردیے جاتے مگر نیویارک کے ہوائی اڈے پر اترتے ہی ہمیں گھیرے میں لے لیا جاتا۔ وہ لوگ میری اور ویرا کی گرفتاری کے اس آسان ترین موقع کو ضائع کر ہی نہیں سکتے تھے۔
"تم سفر کا ارادہ ملتوی کردو" میں نے ویرا سے کہا "میرا پاسپورٹ کلیئر ہونے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔"
"لیکن اس طرح تمہاری تصاویر ان کے ریکارڈ میں شامل ہوجائیں گی۔ بعد میں انہیں علم ہوا کہ تم نے ایک فرضی نام سے امریکا کا سفر کیا تھا تو تمہاری یہ تصاویر ریکارڈ سے نکال کر مشتہر کرادی جائیں گی۔ میں کسی بھی قیمت پر یہ خطرہ مول نہیں لوں گا" اول خان دور کی بات سوچ رہا تھا۔
"پھر کوئی متبادل راہ نکالو" میں نے اس مسئلے کا سارا بوجھ اسی پر ڈال دیا۔
"اگر بدری اور رمیش بھارت سے اصل جیسے نقلی ڈالر لاسکتے ہیں تو اور کیا کام نہیں ہوسکتا۔ اخبارات میں کبھی کبھار جعلی ویزوں کا ذکر آتا رہتا ہے۔ میں اس کے بارے میں چھان بین کرتا ہوں۔ تم دونوں کو فرضی ناموں سے سفر کرنا ہے۔ پرانے مگر کارآمد پاسپورٹ ویزوں سمیت ہاتھ آجائیں تو ان پر تصویریں بدلنا کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔ سارے خطرات خود بخود ٹل جائیں گے۔"
"یوں تم دونوں فرضی ناموں کے انتخاب سے بھی بچے رہوگے" سلطان شاہ نے کہا۔
اول خان کی تجویز ہر اعتبار سے بہتر اور مناسب تھی۔ میں اسی وقت ویرا اور غزالہ کو ساتھ لے کر تصاویر بنوانے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔
قریبی بازار میں تصاویر اتروانے کے بعد میں نے رسید سلطان شاہ کے حوالے کردی۔ یہ اس کی ذمے داری تھی کہ ایک گھنٹے بعد تصاویر لاکر اول خان کے حوالے کردیتا۔
"مجھے شہر کے دو جعل سازوں کے نام یاد آگئے ہیں" واپسی پر اول خان نے خوش خبری سنائی "ان میں سے کسی سے رابطہ ہوگیا تو شاید تمہارے پاسپورٹ آج ہی بن جائیں۔"
"میں بدری سے بات کرنے کے بعد تمہیں بتادوں گا تو نشستیں بھی تم ہی محفوظ کرالینا۔"
"اگر تم کل یا پرسوں روانہ ہوجاتے ہو تو نادرہ کا گھران دونوں کے رحم وکرم پر رہ جائے گا" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا "تمہاری غیر حاضری سے رمیش کو شبہ بھی ہوسکتا ہے۔"
"میں نے جن آدمیوں کو وہاں بھیجا ہے وہ بہت سمجھ دار ہیں۔ انہیں اعتماد میں لے لیا جائے گا تو وہ مالکانہ دردمندی کے ساتھ نادرہ کے گھر کا دھیان رکھیں گے" اول خان نے کہا "ان کے چلے جانے کے بعد گھر مقفل کردیا جائے گا بس رمیش کا شبہ دور کرنے کے لیے کچھ کرنا ہوگا۔"
"اس سے میں پہلے ہی ذکر کرچکا ہوں کہ ان دونوں کے چلے جانے کے بعد میں ملک کے بالائی علاقوں کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس سے کہہ دوں گا کہ میرا پروگرام بن گیا ہے۔ میں ان دونوں کی روانگی کے انتظار میں اپنا وقت برباد نہیں کرسکتا۔"
الجھنیں سر ابھارنے کے بعد یکے بعد دیگرے معدوم ہوتی چلی جارہی تھیں۔ آثار وقرائن سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس بار ہمارے دشمنوں کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے اور قدرت نے ان کی سرکوبی کا فریضہ میرے ذمے ڈال دیا تھا۔
اس روز غزالہ خلافِ معمول ہمارے ساتھ بیٹھی رہی۔ وہ بار بار چور نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور میں دل ہی دل میں اس سے شرمسار ہوا جارہا تھا۔ اسے چھوڑ کر ویرا کے ساتھ لمبے سفر پر اپنی روانگی کے بارے میں، میں غزالہ کے دلی جذبات کو خوب سمجھ رہا تھا۔
کئی بار ارادہ کرلینے کے باوجود میں اپنے کمرے کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ میں ڈر رہا تھا کہ میرے اندر جاتے ہی غزالہ مجھے

تمیر لے گی اور پھر شکوہ وشکایت کا ایسا سلسلہ شروع ہوگا کہ مجھے جواب دینا دشوار ہوجائے گا۔ وہ مجھے جس قدر چاہتی تھی، میں اسے اس سے زیادہ ٹوٹ کر چاہتا تھا۔ روئے زمین پر وہی مجھے سب سے بڑھ کر عزیز تھی۔ میں جانتے بوجھتے ہوئے کبھی اس کے دل کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا تھا۔ میری نظروں میں وہ حسن ووفا کی ایک ایسی دیوی تھی جسے قدرت نے ایک آسمانی انعام کی صورت میں مجھے عطا کیا تھا۔ اس نے اپنے ہر قول وفعل سے یہ ثابت کیا تھا کہ اس نے اپنی نگاہوں میں میرا ایک ایسا بلند وبالا بت تراشا ہوا ہے جس کے سامنے دنیا کے ہر شوہر کا اخلاق اور کردار ہیچ ہے مگر ویرا کی وجہ سے کبھی کبھی مجھے یوں محسوس ہونے لگتا تھا جیسے میں نے خود کو اس مقام سے گرالیا ہو۔

میری زندگی میں ویرا کا عمل دخل میرے کسی نئے شوق کا نتیجہ نہیں تھا۔ وہ ان دنوں سے میرے سر پر مسلط تھی جب میں غزالہ سے متعارف بھی نہیں ہوا تھا۔ ان دنوں وہ شی کے مقامی حلقوں میں بلیک کوئن کے نام سے راج کرتی تھی اور ہمیشہ اپنے قیامت خیز سراپا کو سر سے پیر تک چست سیاہ لبادے میں سمیٹ کر نمودار ہوتی تھی۔ پھر حاکم ومحکوم کا وہ رشتہ وقت کے دھارے میں دوستی کے روپ میں ڈھلتا چلا گیا۔ اس میں میری پسند سے زیادہ ویرا کی رنگین آرزوؤں اور احساس برتری کو دخل حاصل تھا۔ وہ اپنی پسند کے مردوں کو اپنے قدموں میں سرنگوں کرکے عجیب سی لذت حاصل کرتی تھی۔

وہ ایک عالم کو اپنے اشاروں پر نچاتی چلی آئی تھی، مجھے بھی نچانے کی کوششیں کرتی رہی لیکن میں نے اسے احساس دلا دیا کہ میں اس سے دوستی کے رتبے سے گر کر اس کی غلامی قبول نہیں کرسکتا۔ بظاہر وہ ایک تصادم تھا۔ انا کے نشے میں چور مردوزن کا ہولناک تصادم۔ ویرا کے لیے وہ تجربہ انوکھا اور سنسنی خیز ثابت ہوا۔ اس نے سپر ڈال دی اور ہماری دوستی قربتوں کی ایک نئی راہ پر پروان چڑھنے لگی۔

وہ چڑھتے ہوئے خون کے جذبوں میں ڈوبی ہوئی ماضی کی کڑیاں تھیں۔ کیف وسرمستی کا وہ دور گزر چکا تھا اور میں غزالہ کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہوکر اس سے عمر بھر کے لیے پیمانِ وفا باندھ چکا تھا لیکن ویرا ماضی کے منہ زور حوالوں سے کبھی کبھی میرے سر پر سوار ہوجاتی تھی۔ اسے دھتکارنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں ایسے کمزور لمحوں میں ہمیشہ غزالہ سے شرمندہ ہونے لگتا تھا۔

غزالہ کو وہ سب معلوم تھا۔ اس نے سوچ سمجھ کر میرا انتخاب کیا تھا۔ میری خوبیوں کے ساتھ وہ میری خامیوں کو بھی دل وجان سے قبول کرچکی تھی۔ ایک روایتی مشرقی لڑکی کی طرح اسے بھی معلوم تھا کہ چمنستان حیات کے لیے آرائش کا اہتمام کرتے ہوئے گلاب کے نرم ونازک لمس کے ساتھ سیج پر چند کانٹوں کو بھی گوارا کرنا پڑتا ہے کہ ان کانٹوں کے سروں پر ہی گلاب کھلا کرتے ہیں۔

غزالہ کے کردار کی وہ عظمت اور بے نیازی میرے گرد ایک نادیدہ زنجیر بن چکی تھی۔ میں نے بے لگام ہونے کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ویرا کی ہر سرکشی پر میں غزالہ سے نادم ہوجاتا تھا۔

ایک بڑے فیصلے کے بعد غزالہ کو خلوت کے چند لمحے فراہم کیے بغیر میرا لوٹ جانا اس کے ساتھ ظلم سے کم نہ ہوتا۔ میں نے دل سخت کرکے اپنی جگہ چھوڑی اور خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔

وہاں مجھے کوئی خاص کام نہیں تھا لیکن اندر جاکر میں نے خود کو یوں مصروف کرلیا جیسے میں ان ہی کاموں کے لیے کمرے میں آیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ غزالہ میرے پیچھے پیچھے اندر آئے گی اور دروازہ بند کرکے اپنی بڑی بڑی، غزالی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر بہت کچھ کہے گی مگر کئی منٹ گزرنے کے باوجود وہ نہیں آئی۔

میری بے چینی بڑھنے لگی۔ آخر میں اسے پکارنے پر مجبور ہوگیا۔

”غزالہ! ذرا یہ دیکھ لو کہ میرے سفر کی پیکنگ میں تمہیں کون سی ضروری چیزیں شامل کرنی ہیں۔“

میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے وہ دوڑتی ہوئی کمرے میں آگئی۔ اندر آتے ہوئے اس نے ہاتھ مار کر دروازہ بند کردیا تھا۔ میری اور اس کی نگاہیں چار ہوئیں، کمرا صاف پڑا ہوا تھا، میں نے پیکنگ کے لیے کچھ بھی نہیں نکالا تھا۔ وہ میری سب سے بڑی مزاج شناس تھی۔ گھنیری پلکیں جھکا کر والہانہ انداز میں میرے بازوؤں میں آگئی اور میرے کشادہ سینے سے اپنا چہرہ رگڑنے لگی۔

میرے سارے اندیشے باطل ثابت ہوئے۔ ایک طویل رفاقت میں اس نے سفر کے بارے میں کوئی شکایت نہیں کی لیکن میرے دل کے کسی دور دراز گوشے میں کہیں کوئی چور چھپا بیٹھا تھا۔ میں نے خود ہی اس کے سامنے وضاحتوں کا ایک طویل سلسلہ پیش کرنا شروع کردیا۔ وہ بس ایک میٹھی اور دل نشین مسکراہٹ کے ساتھ وہ سب سنتی رہی جیسے کوئی فاضل جج کسی اناڑی ملزم کا صفائی کا بیان سن رہا ہو۔

میں چھ بجے وہاں سے نکلا تو اول خان تصاویر لے کر اپنی مہم پر روانہ ہوچکا تھا۔ سلطان شاہ کہیں غائب تھا۔ موقع دیکھ کر ویرا نے ڈرائنگ روم میں مجھے گھیر لیا۔

”یہ تم نے کراچی سے نیویارک تک الگ الگ سفر کی کیا رٹ لگا رکھی ہے؟“ اس نے آنکھیں نکال کر سرگوشیانہ غراہٹ میں مجھ سے سوال کیا اور جواب سنے بغیر اپنا فیصلہ صادر کردیا ”میں لندن میں تمہارے ساتھ رکوں گی۔ ہم اجنبی بن کر سفر کرسکتے ہیں لیکن ہماری پروازیں ایک ہی ہوں گی۔“

”تمہیں غزالہ کے جذبات کا ذرا بھی پاس نہیں ہے؟“ میں نے ملامت بھرے لہجے میں پوچھا۔

”پاس نہ ہوتا تو اس وقت تم سے چوری چھپے بات نہ کررہی ہوتی۔ میں سمجھ گئی تھی کہ تم غزالہ کا دل رکھنے کے لیے ایسی الٹی

سیدھی باتیں کر رہے ہو۔"

"وہ الٹی سیدھی باتیں نہیں تھیں، میں اب بھی یہی چاہتا ہوں" میں نے جھلا کر کہا۔

"جھوٹ مت بولو" وہ نیچی آواز میں غرائی "میں تمہاری رگ رگ کو سمجھتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھتی چلی گئی اور میں اسے غصیلی نظروں سے گھورتا رہ گیا۔

میں فلیٹ سے روانہ ہو کر نادرہ کے گھر پہنچا تو اندھیرا پھیل چکا تھا اور شہر میں اسٹریٹ لائٹس روشن ہو چکی تھیں۔ وہ دونوں اندھیروں کے استقبال کے لیے ایک مرتبہ پھر ڈرائنگ روم میں میز سجائے بیٹھے تھے۔ میں نے اندر قدم رکھتے ہی محسوس کیا کہ وہ دونوں آپس میں ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے اور ان کے چہروں پر چھائی ہوئی خشونت دور ہو چکی تھی۔

میرے لیے یہ اچھی بات تھی کہ ان کی کھوپڑیوں پر جمی ہوئی برف پگھل چکی تھی۔

"آؤ علی شیر! آج تم بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ" مجھے دیکھتے ہی بدری نے بے تکلفی سے دعوت دی "ہمارا موڈ اچھا ہے، موسم بھی خوشگوار ہے۔ تم بھی خوشی مناؤ۔"

"خوشی کا تعلق آدمی کے اندر سے ہوتا ہے اور میں ہمیشہ خوش رہتا ہوں۔ خوشی کے اظہار کے لیے نشے میں دھت ہونا ضروری نہیں ہوتا" میں نے وہیں بیٹھتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"زیادہ نہ لو تو ایک گلاس ہی لے لو۔ میرا دل خوش ہو جائے گا" رمیش یہ کہہ کر میرے لیے ایک خالی گلاس میں اسکاچ انڈیلنے لگا۔ اس کی توجہ گلاس پر مرکوز تھی۔ بدری نے سرہلا کر مجھے آنکھ ماری۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ میں رمیش کی پیش کش مسترد نہ کروں۔

"چلو یوں ہی سہی" میں نے کہا "اب بچھڑے تو پھر ہم نہ جانے کب ایک دوسرے سے ملیں۔ میں ایک آدھ روز میں بالائی علاقوں کے سفر پر چلا جاؤں گا۔ تم کب امریکا جا رہے ہو؟"

"تمہاری تیاری مکمل ہو گئی؟" بدری نے حیرت سے سوال کیا جو ذو معنی تھا۔ اس نے میرے فقروں میں پوشیدہ مفہوم فوراً ہی پا لیا تھا۔

"مکمل ہی سمجھو۔ میں کب تک یہاں بیٹھا تمہاری روانگی کا انتظار کرتا رہوں گا۔"

"آج نک موڈلے سے بات ہوئی ہے۔ ہماری روانگی میں تین چار دن لگیں گے۔"

"میرے چلے جانے کے بعد میرے ملازم تمہارے آرام اور ضروریات کا پورا خیال رکھیں گے۔ حساب کی رقم بھی تم ان کو دے جانا۔ یہاں سے ائرپورٹ زیادہ دور نہیں ہے۔"

"تمہارے چلے جانے کے بعد نک موڈلے سے ہمارے پاسپورٹ اور ٹکٹ کون لائے گا؟ تمہیں معلوم ہے کہ ہم وہاں نہیں جا سکتے" رمیش نے چونک کر سوال کیا۔

"اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ میرا آدمی روز صبح دس بجے تمہیں فون کر لیا کرے گا۔ تمہارے بتائے ہوئے پروگرام کے مطابق وہ مطلوبہ چیزیں میرے کسی ملازم کے ذریعے تم تک پہنچا دے گا۔"

"جانے سے پہلے تمہیں بھی ایک بار نک موڈلے سے ملنا ہے" بدری ناتھ نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس خبر پر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا "یہ ضرورت کیوں پیش آگئی؟"

"یہ نک موڈلے کی خواہش ہے۔ تم ہمارے جانے تک رکے رہتے تو ٹکٹ وغیرہ لینے کے لیے تم کو ہی بھیجا جاتا۔ اب میں نک سے بات کر کے تمہاری سہولت کے مطابق وقت لے لوں گا" بدری نے بتایا۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو چکی تھی۔ ایسا نہ ہوتا تو بدری ناتھ مجھ سے وہ ذکر ہی نہ کرتا۔ میں پہلے ہی ان دونوں پر واضح کر چکا تھا کہ میں کسی بھی قیمت پر نک موڈلے کے پاس جانا پسند نہیں کروں گا۔

سکوت اور اعصاب شکن خاموشی کے چند لمحات بہت دھیرے دھیرے، سسک سسک کر گزرتے رہے۔ رمیش اگروال اپنے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لینے کے بعد فلسفیانہ انداز میں مسلسل چھت کی طرف گھورے جا رہا تھا، بدری ناتھ کی چمکیلی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور میں اس کی بیان کی ہوئی نئی کتھا سے بری طرح مضطرب تھا۔

نگاہیں چار ہوتے ہی بدری ناتھ نے دوستانہ انداز میں مجھے آنکھ ماری اور سوال کیا "کیا بات ہے؟ تم خاموش کیوں ہو گئے؟"

"میں نک موڈلے کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں" میں نے تلخی سے کہا "میں اس کا نہیں، تمہارا ملازم ہوں۔ اور اب تو یہ بات بھی پرانی ہو گئی۔ تم سے میرا معاہدہ ختم ہو چکا ہے۔ تم دونوں یہاں بن بلائے مہمان ہو اور میں تمہاری جلد از جلد واپسی کا خواہاں ہوں۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میں ایک وقت میں ایک سے زیادہ مالکوں کو کسی بھی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا۔ نک موڈلے اپنی خواہشوں کا اظہار کرتا رہے، میں اس کی خواہشات کو تکمیل تک پہنچانے کا پابند نہیں ہوں۔"

بدری ناتھ میری قطع کلامی کئے بغیر پورے صبر اور سکون سے میری بات سنتا رہا۔ میرے خاموش ہو جانے پر اس نے نرمی سے کہا "مجھے ہر بات اچھی طرح یاد ہے، تم ابتدا ہی سے اس وہم میں مبتلا تھے کہ نک موڈلے تم سے رابطہ ہونے کے بعد تم پر اپنی برتری جتانے کی کوشش کرے گا۔ تم نے اپنے بجائے اپنے ساتھی کو تام کیٹ بنا کر یہ سب ٹالنے کی پوری کوشش کی مگر اب مجبوری ہے۔

تک ہمارا آقا ہے اور وہ تم سے ملنے کا خواہاں ہے۔ میری عزت کی خاطر تم کو اس سے مل لینا چاہیے۔"

"ہرگز نہیں" میں نے سختی سے جواب دیا "وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے کیکر کا بیج معلوم ہوتا ہے۔ اس نے وہی چاہا ہے جو میں کسی بھی قیمت پر منظور نہیں کر سکتا۔ وہ مجھ سے ملے گا اور پھر کوئی نادر شاہی فرمان سنا دے گا۔ میں اس کے سائے سے بھی دور رہنا چاہتا ہوں۔"

"مگر کیوں؟" بدری ناتھ نے پوچھا۔

"یہ میری فطرت ہے۔ میں کسی کی برتری تسلیم نہیں کر سکتا" میں نے اسی لب ولہجے میں کہا "تمہیں یاد ہونا چاہیے کہ جب تم نے میرے ساتھ پولیس مین بننے کی کوشش کی تو بات بگڑ گئی تھی۔ تم نرمی اختیار نہ کرتے تو اس وقت ہم یکجا نظر نہ آتے۔ میں نے تمہارے ساتھ مفاہمانہ تعاون کیا ہے اور اس کی قیمت وصول کی ہے۔ میں پیسے لے کر بھی کسی کی غلامی نہیں کر سکتا اور وہ اسی مزاج کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ تم دونوں کو خرید لینے کے بعد مجھے بھی اپنا زر خرید سمجھ رہا ہے۔ میں اس کا یہ گھمنڈ خاک میں ملا دوں گا۔"

"ہم جانتے ہیں" رمیش اگروال نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے اضطراری لہجے میں کہا "تم نے اسی وجہ سے را میں شامل ہونے کی پیش کش ٹھکرائی ہے اور امریکا جانے پر بھی آمادہ نہیں ہو.... یہ سب باتیں اپنی جگہ درست ہیں مگر تمہاری ضد سے ہمارا کام بگڑ جائے گا۔"

"میں نے تمہارے کام سنوارنے کا ٹھیکا نہیں لیا ہوا ہے" میں نے سرد مہری سے کہا۔

"اس سے ایک بار مل لینے میں حرج ہی کیا ہے؟" بدری ناتھ نے بے بسی سے پوچھا۔

"حرج نہیں ہے تو تم مجھے یہ سمجھا دو کہ اس سے ملنے میں میرا کیا فائدہ ہے۔"

وہ دونوں لاجواب ہو کر چند ثانیوں تک میرا منہ تکتے رہے پھر بدری نے دھیرے سے کہا "فائدہ چاہتے ہو تو اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔ ہم نک موڈلے سے ملاقات کے لیے تمہیں معاوضہ ادا کر سکتے ہیں...."

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے برہمی سے کہا "رقم کا لالچ مت دو۔ پیسے لے کر بھی میں وہی کام کرتا ہوں جو مجھے پسند ہوتا ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں محض پیسے کے لالچ میں کسی کو قتل کرنے یا کسی کی عزت لوٹنے پر آمادہ ہو جاؤں گا تو تم غلطی پر ہو۔"

ان دونوں سے میری وہ برجستہ تکرار چل رہی تھی مگر میرے ذہن میں ایک خلفشار سا برپا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ معاملات خوش اسلوبی سے چلتے چلتے نک موڈلے کو اچانک ہی مجھ سے ملاقات کی ضرورت کیوں پیش آ گئی تھی۔ بظاہر یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے میری ذات پر کوئی شبہ ہو گیا ہو اور وہ اس کی تصدیق کے لیے مجھ سے ملنے کا خواہاں ہو گیا ہو۔

نک موڈلے کی طرف سے وہ پریشانی اپنی جگہ پر تھی مگر دوسری چیز جو میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی، یہ تھی کہ اس سنسنی خیز انکشاف پر تکرار کا آغاز ہونے سے پہلے بدری ناتھ نے رمیش اگروال سے نظر بچا کر مجھے دوستانہ انداز میں آنکھ کیوں ماری تھی۔ وہ مجھے مزاحمت پر اکسا رہا تھا یا پھر مجھے نرم اور مصالحانہ رویہ اختیار کرنے کی تلقین کرنا چاہ رہا تھا۔

"دیکھو علی شیر!" بدری نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "رمیش نے غلطی سے تمہیں بتا دیا ہے کہ نک موڈلے ہم دونوں کو کسی خاص نوعیت کی تربیت کے لیے امریکا بھیج رہا ہے۔ اس کی طرف سے اپریٹس لانے والا تمہارا ہی آدمی تھا۔ میں نے خود اس سے بات کر کے معلومات حاصل کی ہیں۔ تم نے جس تندہی اور مستعدی سے اپنے کام سرانجام دیے ہیں اس کی بنا پر نک موڈلے بھی شاید متاثر ہوا ہے۔ اسے مقامی کارکنوں کی ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے مل کر تمہاری صلاحیتوں کا اندازہ لگانا چاہ رہا ہو۔ مطمئن ہو گیا تو وہ تمہیں بھی ہمارے ساتھ تربیت پر بھیج سکتا ہے۔"

"مگر میں تربیت پر لعنت بھیج چکا ہوں۔ میں نے اتنی زندگی گزار کر جو کچھ سیکھا ہے وہ میری بقیہ زندگی کو پُرسکون اور آرام دہ بنانے کے لیے بہت کافی ہے۔"

بدری کی زبان سے اپریٹس کا ذکر سنتے ہی میرا ذہن اس گفتگو کی طرف بھٹک گیا جو بدری ناتھ اور نک موڈلے کے درمیان ہوئی تھی۔ وہ بہت واضح اور دو ٹوک گفتگو تھی۔ سلطان شاہ امریکی قونصل خانے میں اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے بھی نک موڈلے کو متاثر نہیں کر سکا تھا۔ اس نے بدری ناتھ سے کہہ دیا تھا کہ اس کی دانست میں بدری کا بھیجا ہوا آدمی وفادار ہو سکتا تھا مگر سمجھ دار نہیں تھا۔ اس الزام تراشی کے جواب میں بدری ناتھ نے میرے کچھ گن گائے تھے۔ اس پر بھی نک موڈلے کا ردِعمل حوصلہ افزا نہیں تھا۔ اپنی باتوں سے وہ بہت تجربے کار اور عملی آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ جو کارکن ہر غلطی سے مبرا اور سو فیصد قابلِ اعتماد نظر آئیں، سب سے زیادہ مشکوک ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہیں اور ان فطری غلطیوں سے بھی احتراز کرتے ہیں جو انسانی معمولات میں شامل ہوتی ہیں۔

اپنے ذہن میں بدری ناتھ اور نک موڈلے کی وہ ریڈیائی گفتگو تازہ کرتے ہوئے مجھے گمان ہوا کہ بدری ناتھ کی تعریف وتوصیف کی بنا پر نک موڈلے میری طرف سے شکوک وشبہات میں مبتلا ہو چکا تھا اور محض اسی وجہ سے وہ مجھ سے روبرو ملاقات کا متمنی تھا۔

"تم ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہو" رمیش کی تلخ آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا "تم نک موڈلے سے اس طرح بھاگ رہے ہو جیسے تم نے اس کے گھر ڈاکا مارا ہو اور تمہیں ڈر ہو کہ وہ تمہیں دیکھتے ہی پہچان لے گا۔ تم ایک طرف خوب

گڑگڑا رہے ہو مگر، دوسری طرف گلگلوں سے پرہیز کر رہے ہو۔"

رمیش نے میری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ ہرچند کہ میں نے نک موڈلے کے گھر ڈاکا نہیں ڈالا تھا مگر پھر بھی بات یہی تھی کہ وہ مجھے ڈینی کی حیثیت سے شناخت کر سکتا تھا اور ڈینی ان لوگوں کی لغت میں ایک ناقابلِ معافی نام تھا۔ میرا نام سامنے آتے ہی سب کچھ تلپٹ ہو کر رہ جاتا۔

رمیش کی اس معقول بات کا جواب میں نے بہت جارحانہ تیوروں سے دیا۔ نک موڈلے، اس کے گھر اور گھر والوں کو چند ثقیل گالیاں دیں پھر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دماغ میں کسی وفادار کتے کا مغز رکھا ہوا ہے جو تم ایک ہی رخ پر سوچ رہے ہو۔ اس نے مجھ سے ملاقات کی خواہش اب ظاہر کی ہے۔ میں تو پہلے سے اس کے نام پر لعنت بھیج چکا ہوں۔ میرے لیے وہ مردود اور ملعون ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم کسی قیمت پر بھی اس سے نہیں ملو گے؟" بدری ناتھ نے قدرے بدمزگی سے استفسار طلب لہجے میں کہا۔

میں نے فوراً ہی ایک قلابازی کھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس گدھ سے ملنے میں ذرا بھی اعتراض نہیں ہے مگر میں اس کی نہیں، اپنی شرائط پر ملوں گا۔"

رمیش اگروال کی نگاہوں میں عجیب سی چمک عود کر آئی۔ اس نے پوچھا "تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟ کیا تمہارے ذہن میں کوئی متبادل تجویز ہے؟"

"اسے خارش ہے تو اسی کو پیش قدمی کرنی ہوگی۔ میں قونصل خانے نہیں جاؤں گا۔"

میری برہمی اور بدکلامی کو وہ دونوں بہت تحمل سے نظرانداز کر رہے تھے۔ ان کی پوری کوشش تھی کہ بات زیادہ بگڑنے نہ پائے اور وہ مجھے نک موڈلے سے ملاقات پر آمادہ کر لیں۔ میرے آخری فقرے پر بدری نے کہا "تمہاری بات واضح مگر ذرا ادھوری ہے، تم خود ہی اس کی وضاحت کر دو تو بہتر ہوگا۔"

"وہ مجھ سے ملنے کے لیے اتنا ہی بے چین ہے تو اسے یہاں آنا ہوگا" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"یہ مشکل ہوگا، وہ یہ تجویز سنتے ہی بھڑک جائے گا" بدری ناتھ مایوسی سے بولا۔

"کراچی میں کافی دنوں سے امریکی شہریوں کے ساتھ برا سلوک ہو رہا ہے" رمیش نے بدری کی بات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔
"بھارت کے اخباروں میں آئے دن کسی نہ کسی امریکی کے قتل کی خبریں چھپتی رہتی تھیں اور پھر میں نے یہ بھی پڑھا تھا کہ ان لوگوں کو اپنے دفاتر اور گھروں تک محدود ہو جانے کی ہدایات دی گئی تھیں۔ اپنی حفاظت کے لیے انہیں مقامیوں اور اجنبیوں سے دور رہنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ یہ سب اسی ڈینی کی وجہ سے ہوا تھا جو ان کے خون کا پیاسا بنا ہوا ہے۔ انہوں نے ڈینی کو اشتہاری مجرم قرار دیا ہوا ہے۔ اس کی گرفتاری پر بھاری انعام رکھا ہوا ہے مگر پھر بھی وہ ان کے ہاتھ نہیں آسکا۔ وہ وارداتیں کرتا ہے اور کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں نک کبھی بھی ادھر نہیں آئے گا۔"

"پھر اس قصے کو یہیں ختم سمجھو۔ اگر وہ ڈینی سے اس قدر دہشت زدہ ہے تو مجھے اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اس سے ملنے کے لیے گیا تو ڈینی کی نگاہوں میں آسکتا ہوں۔ وہ امریکیوں کا دشمن ہے تو ان کے ہمدردوں کا بھی دوست نہیں ہو سکتا۔ نک موڈلے آج یہاں ہے، کل اس کا کہیں اور تبادلہ ہو جائے گا۔ مجھے ہمیشہ ڈینی کے اسی شہر میں رہنا ہے۔ میں در[illegible] میں رہ کر مگرمچھ سے بیر مول نہیں لے سکتا۔"

"تم بہت ضدی ہو" بدری نے بے بسی سے کہا "میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا۔ اب میں کسی نہ کسی ترکیب سے نک کو [illegible] سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ اب تم مجھے اس مکان کا صحیح [illegible] بتا دو۔ اگر وہ تم سے ملنے کے لیے یہاں آنے پر آمادہ ہو گیا تو مجھے اس کو پتا بتانا ہوگا۔"

بدری بول رہا تھا اور میرا ذہن کام کر رہا تھا۔ مجھے بدری ناتھ اور نک موڈلے کی وہ گفتگو اچھی طرح یاد تھی جو سلطان شاہ کے لائے ہوئے اپریٹس پر پہلی بار ہوئی تھی۔ نک نے مقامیوں کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے بدری سے اس کی کمین گاہ کا پتا معلوم کرنا چاہا تھا۔ بدری اس معاملے میں بالکل کو[illegible] تھا اس لیے بات ٹل گئی تھی ورنہ اس بات کا امکان تھا کہ بدری سے اس گھر کا پتا لینے کے بعد نک موڈلے اپنے طور پر معلومات حاصل کرنے کے لیے اپنے کسی آدمی کو نادرہ کے اس گھر کی نگرانی پر مامور کر دیتا۔

میری چھٹی حس مجھے خبردار کر رہی تھی کہ بدری کو گھر کا پتا بتا[illegible] میں نک موڈلے کے اسی جال میں پھنس سکتا تھا۔ میں نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں وہ سب سوچا اور پھر بے نیازی سے بول پڑا "خ[illegible] کو زمین کا خدا سمجھنے والا کوئی شخص اتنی آسانی سے کہیں نہیں آجا سکتا۔ تم اس سے بات کر لو۔ اگر اس کی فرعونیت میں کمی آ[illegible] جائے تو پھر میں تمہیں یہاں کا پتا بھی بتا دوں گا۔ میں اپنے ٹھکانو[illegible] کی بلاوجہ تشہیر پسند نہیں کرتا۔ وہ یہاں آئے یا نہیں آئے، تم چند روز بعد امریکا جاؤ گے۔ بعد میں وہ کسی اجرتی قاتل کو یہاں بھیج [illegible] میرا کام تمام کروا دے گا تاکہ تمہارے اور اس کے مراسم کا کوئی گواہ باقی نہ رہے۔"

"تم کسی بات پر نہیں ٹک رہے۔" میرے جواب نے بدری کا خاصا بددل کر دیا "میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی مگر میں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ وہ خاصا خوں خوار اور بددماغ آدمی ہے۔ پتے کے بغیر میں نے اس سے کوئی بات کرنے کی کوشش کی تو وہ برہم ہو جائے گا۔"

"الزام تراشی مت کرو۔" میں نے ترشی سے کہا "میں شروع سے اپنی بات پر قائم ہوں۔ میں امریکی قونصل خانے جاؤں گا اور نہ وہ اس گھر میں آئے گا۔ وہ مجھ سے ملنے کے لیے اتنا ہی بے چین ہے تو یہ ملاقات شہر کے کسی بھی سینما، بڑے ہوٹل یا پارک میں ہو سکتی ہے......"

"پہلے تم اسے یہاں بلانے کی بات کر رہے تھے۔" بدری نے میری بات کاٹ کے احتجاج کیا۔

"تمہاری پیدا کی ہوئی باریکیاں مجھے دور از کار خطرات کا احساس دلا رہی ہیں۔ ان خطرات کے پیش نظر مجھے اپنی ہر حکمت عملی میں کچھ نہ کچھ تبدیلی لانی پڑ رہی ہے۔ میں تمہیں یہاں کا پتا نہیں دے سکتا۔"

"اچھی طرح سوچ لو۔" رمیش نے اپنے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لینے کے بعد تلخی سے کہا "ایسا نہ ہو کہ بعد میں تمہیں کوئی خطرہ بھائی دے اور تم نئی قلابازی کھا کر ٹک موڈلے سے ملنے سے منکر ہو جاؤ۔"

"وہ تم دونوں کے لیے خوں خوار یا خطرناک ہو سکتا ہے۔ میرے سامنے کسی چوہے کی طرح بے ضرر ہوگا۔"

"تمہارے سامنے وہ بعد میں آئے گا۔ پہلے مجھے اس کی جرح کا سامنا کرنا ہوگا۔" بدری نے کہا۔

"یہ تمہارا مسئلہ ہے۔" میں نے بے رخی سے کہا "تم سوچو کہ اس سے کیسے نمٹو گے۔"

"ختم کرو" رمیش اکتائے ہوئے لہجے میں بولا "ٹک موڈلے اپنے بعض تحفظات کی بنا پر علی شیر سے ملنا چاہتا ہے اور علی شیر اس کی طرف سے بے اعتمادی کا شکار ہے۔ تم یہ صورتِ حال ٹک موڈلے کو من و عن بتا دو۔ وہ اپنا فیصلہ خود ہی سنا دے گا۔"

"تم یہی چاہ رہے ہو؟" بدری ناتھ نے پُر اذیت لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"میں کچھ بھی نہیں چاہ رہا" میں نے بے نیازی سے کہا۔ "حقائق تمہارے سامنے ہیں۔ تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ اس بارے میں میں تمہیں کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔ میرے لیے ٹک موڈلے اس وقت بھی ایک اجنبی بھیڑیا ہے جس نے تم دونوں کو دہشت زدہ کیا ہوا ہے۔"

"اس کے بارے میں ایسے غیر محتاط الفاظ استعمال مت کرو" بدری ناتھ نے تادیبی لہجے میں کہا "اسے تمہارے ان الفاظ کی بھنک بھی مل گئی تو وہ تمہاری چمڑی گرا دے گا۔"

میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا "یہی بات میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک درندہ ہے۔ وہ مجھ سے مل کر مطمئن ہو گیا تو سب کچھ ٹھیک رہے گا۔ اس کا اطمینان نہ ہو سکا تو وہ کسی خونخوار بھیڑیے کی طرح میرے پیچھے لگ جائے گا۔ میں ایسی خواہ مخواہ کی دشمنی مول نہیں لیتا۔

رہی میرے غیر محتاط الفاظ کی بات تو یہ باتیں تم دونوں ہی اس تک پہنچا سکتے ہو۔ یہاں تمہارے سوا کوئی اور موجود نہیں ہے۔"

"کوئی موجود ہو یا نہ ہو، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" رمیش نے تلخ لہجے میں کہا "ویسے بھی میرا یہاں ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ اپریٹس بدری ناتھ کے قبضے میں ہے۔ میں چاہوں تب بھی ٹک موڈلے سے بات نہیں کر سکتا۔"

"یہ تمہارے آپس کے مسائل ہیں" میں نے بے پروائی سے کہا "انہیں تم خود حل کرتے رہو۔ مجھے دیواروں کے کان ہونے کا یقین دلانے کی ضرورت نہیں۔ یہ باتیں ٹک تک تم دونوں کے سوا تیسرا آدمی نہیں پہنچا سکتا۔"

اس طویل تکرار سے وہ دونوں ہی زچ ہو گئے تھے۔ میں نے بات آگے بڑھانے کے بجائے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ڈرائنگ روم سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

بدری ناتھ نے اپریٹس ملنے کے بعد ٹک موڈلے سے پہلی بار بات کی تو میں نے اس کا ایک ایک لفظ اپنے کانوں سے سنا تھا مگر مجھے اس کے دوسرے رابطے کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی۔ گمان یہی تھا کہ دوبارہ ٹک موڈلے نے خود ہی اس سے رابطہ کیا ہوگا کیونکہ پہلی بار بات کرتے ہوئے اس نے بدری ناتھ پر واضح کر دیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ خود ہی اس سے بات کرے گا۔

میں نے اپنی خواب گاہ کا دروازہ بند کر کے ایف ایم بینڈ پر ٹیون کیا ہوا ریڈیو دھیمی آواز میں آن کر دیا۔ اس بار میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی باتوں سے بالکل بے خبر رہوں۔

وہ سب ہیروئن کی عالمی تجارت پر بالادستی حاصل کرنے کی خواہش کے شاخسانے تھے۔

ایک زمانے میں پاکستان افیم کی پیداوار میں امتیازی مقام رکھتا تھا۔ ملک کے سرحدی اور پہاڑی علاقوں میں اس قدرتی نشے کو بہترین نقد فصل کا درجہ حاصل تھا جو پودوں پر پھول کھلنے سے پہلے ہی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتی تھی مگر جب یورپ کے ماہرین نے افغانستان میں خود سر قبائلیوں کو افیم سے ہیروئن تیار کرنے کی ترغیب دی تو افیم کا پیداواری مرکز خود بخود افغان سرحدی علاقوں میں منتقل ہو گیا۔ وہ چاروں طرف سے خشکی میں گھرا ہوا ایک پسماندہ اور بحران زدہ ملک تھا اس لئے وہاں تیار ہونے والی ہیروئن کے کاروبار میں پاکستان کی راہداریاں استعمال ہونے لگیں۔ یہ کاروبار ہی پاکستان میں شی کی دلچسپی کا سبب بنا اور جب ایک بار شی نے یہاں اپنے قدم جما لئے تو اس کے گماشتے دوسری سمتوں میں بھی مقدر آزمائی کرنے لگے۔

شی کے پاس مالی وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی۔ تخریب کاریوں کے لئے پاکستان کی فضا سازگار تھی، بھارتی ایجنسیاں پہلے سے اس علاقے میں سرگرم تھیں۔ امریکی مفادات نے اس سازشی الاؤ کے

لئے ایندھن کا کام سرانجام دیا اور نتیجہ یہ تھا کہ اس وقت ہر کس و ناکس پاکستان کے خلاف برسرِ پیکار تھا۔

میں بستر پر دراز اپنے ذہن میں گزرے ہوئے واقعات کی کڑیاں یکجا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بند کمرے کی محدود فضا میں ائرکنڈیشنر کی دھیمی دھیمی آواز گونج رہی تھی۔ کھلے ہوئے ریڈیو پر سکوت طاری تھا کہ اچانک دروازے پر ہلکی سی نامانوس دستک سنائی دی۔

اول خان کے تینوں آدمی میرے طلب کئے بغیر کمرے میں نہیں آتے تھے۔ میں نے پھرتی سے ریڈیو کا سوئچ بند کیا اور بستر پر لیٹے ہی لیٹے کم آن کی آواز لگائی۔

اگلے ہی لمحے بدری ناتھ دروازہ کھول کر اندر آ گیا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "میں رمیش سے یہ کہہ کر آیا ہوں کہ ایک بار پھر تمہیں سمجھانے کی کوشش کئے لیتا ہوں..."

"تو کیا اس وقت تمہاری آمد کا کوئی اور مطلب ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"میں صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ تمہارے انکار سے معاملہ خراب بھی ہو سکتا ہے۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ میں تمہارے کہنے پر شاید اس سے مل بھی لیتا لیکن اس کے حکم پر حاضری دینا میرے لئے ممکن نہیں ہے، تم اس سے جو چاہو کہہ سکتے ہو۔"

"رمیش تمہارے انکار پر بہت برہم ہے۔ ذرا اس سے ہوشیار رہنا۔"

"میرے سامنے اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی جس سے کینہ ظاہر ہوتا۔ کیا بعد میں وہ تم سے کچھ کہہ رہا تھا؟" میں نے چونک کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے نوکر کسی نہ کسی کام یا خدمت کے بہانے ہمارے آس پاس منڈلاتے رہتے ہیں" اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔ "تمہارے لوٹتے ہی خانساماں وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس کی موجودگی کی وجہ سے رمیش خاموش رہا مگر میں نے اس کی آنکھوں میں درندگی جھلکتی دیکھی ہے۔ اب کمرے میں جاؤں گا تو وہ یقیناً بات کرے گا۔"

"میری چھت کے نیچے اس نے کوئی سازش کرنے کی کوشش کی تو پچھتائے گا۔ اگر تم مجھے نہ روکو تو میں آج ہی اس کا کام تمام کر سکتا ہوں۔"

"فی الحال یہ میری مجبوری ہے۔ تم اشتعال میں بھی ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔ بڑے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایسے چھوٹے موٹے سمجھوتے کرنے ہی پڑتے ہیں۔"

"پانی سر سے اونچا ہونے لگے تو پھر سب کچھ بھول جانا پڑتا ہے۔"

وہ فکرمندانہ انداز میں سہلاتا ہوا میرے کمرے سے رخصت ہو گیا۔

اس کے جاتے ہی میں نے دروازہ بولٹ کر کے دوبارہ ریڈیو آن کر دیا۔

چند ثانیوں بعد ان دونوں کے کمرے میں چھپے ہوئے لاسلکی مائیکروفون کے ذریعے ریڈیو پر کچھ آہٹیں سنائی دیں پھر رمیش کی بھرائی ہوئی تلخ آواز ابھری "تمہارے چہرے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم ناکام واپس آئے ہو۔ میرے لئے علی شیر ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے۔"

"مجھے بھی اس سے محبت نہیں ہے" وہ بدری کی آواز تھی "مگر ہم اس سے مدد لینے پر مجبور ہیں۔ اس سے بگاڑ پیدا ہو گیا تو ہم اس پناہ گاہ سے محروم ہو جائیں گے۔"

"حیرت ہے کہ تمہاری سوچ اس قدر کمزور ہو گئی ہے۔ نک موڈلے سے ایریٹس مل جانے کے بعد اب ہم اتنے مجبور نہیں رہے ہیں کہ علی شیر کی منہ زوریاں سہتے رہیں۔ دو چار دن ہم کہیں بھی گزار سکتے ہیں۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" بدری کی آواز قدرے تحیرزدہ سی ہو گئی۔

"علی شیر ہم سے بہت مال سمیٹ چکا ہے اور اب سیر سپاٹے کے لئے جانے والا ہے۔ میری مانو تو آج رات ہی اس کی گردن کاٹ کے خاموشی سے یہاں سے نکل چلو' یہ بھروسے کا آدمی نہیں ہے۔"

"بھروسے کے قابل نہ ہوتا تو مدن موہن کا مہربند لفافہ جوں کا توں لا کر نہ دیتا۔"

"اس سے کیا فرق پڑا! ہم نے احمقوں کی طرح خود ہی اسے وہ پیغام سنا دیا۔"

"وہ بعد کی بات تھی۔ خط لاتے ہوئے علی شیر کو کیا پتا تھا کہ ہم اس سے اتنا کھل جائیں گے۔ وہ اکھڑ اور ضدی ضرور ہے مگر اتنا برا نہیں ہے کہ اسے مار ڈالا جائے۔ اس نے آڑے وقت میں ہمارا ساتھ دیا ہے اور اب بھی ہم بے فکری سے یہاں رہ رہے ہیں۔ اسے مار کر نکل جانا ہمارے لئے اتنا آسان نہیں ہو گا۔ اس کے تینوں ملازم کم بولتے ہیں مگر وہ تینوں چالاک معلوم ہوتے ہیں۔ وہ ہماری تلاش میں پورا شہر چھان ماریں گے۔"

"میں اتنا بدھو نہیں ہوں کہ علی شیر کو مارنے کے لیے بعد ان کو چھوڑ دوں۔ اپنے خلاف کوئی گواہ زندہ چھوڑا تو ہم امریکا جانے کے بجائے یہیں الجھ کر رہ جائیں گے۔ کام ہو گا تو پورا ہی ہو گا۔"

"کھل کر بات کرو کہ تمہارے ذہن میں کیا ہے۔ ایک آدمی کی بدزبانی پر ہم چار آدمیوں کا خون کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ نک موڈلے بھی یہ بات پسند نہیں کرے گا۔"

"نک ہمارے اس فیصلے کی مخالفت نہیں کر سکے گا۔ بات علی شیر کی بدزبانی کی نہیں ہے میں اس سے بھی آگے بہت

سوچ رہا ہوں۔ یہ ہماری آستین کا سانپ ثابت ہو سکتا ہے۔"
ہیں وہی سب جاننا چاہ رہا ہوں۔ پوری بات جانے بغیر میں کیا فیصلہ کر سکتا ہوں۔"

"مجھے شبہ بلکہ یقین ہے کہ علی شیر ڈیتی کا کوئی قریبی ساتھی ہے۔"

رمیش کے وہ الفاظ سنتے ہی میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ اس نے وہ انکشاف اچانک ہی کیا تھا۔ پتا نہیں مجھ سے کہاں لغزش ہوئی تھی کہ اس کینہ پرور شخص کو وہ رائے قائم کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

"علی شیر ڈیتی کا ساتھی کیسے ہو سکتا ہے؟" بدری ناتھ کی سرسراتی ہوئی آواز آئی۔

"ڈیتی کوئی ہوّا نہیں ہے۔ وہ بھی ہم جیسا ایک عام انسان ہے۔ اس کے گروہ میں بہت سے لوگ شامل ہوں گے جو اس کی ہدایت پر قتل و غارت اور دہشت گردی کی وارداتیں کرتے ہوں گے۔ علی شیر ان ہی میں سے کوئی مشہور آدمی ہے۔ امریکیوں سے ان لوگوں کے پرانے جھگڑے چل رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ علی شیر بھی اشتہاری مجرم ہو۔ وہ اسی وجہ سے نک کے پاس جانے سے گریز کر رہا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ وہاں جاتے ہی وہ پہچان لیا جائے گا اور اس کا کھیل ختم ہو جائے گا۔"

"تمہاری باتیں قرین قیاس ہیں مگر میرا دل نہیں مانتا کہ ہمارے ساتھ اتنا بڑا دھوکا ہوا ہے۔ وہ خود ہمارے پاس نہیں آیا۔ ہم حاجی دل مراد کے آدمی کے ذریعے اس سے ملے تھے۔"

"بس یہی ایک بات علی شیر کے حق میں جاتی ہے۔ ویسے غور کرو تو حاجی دل مراد بھی بے ایمان آدمی ہے۔ جو شخص امانت کی رقم ڈکار لیے بغیر ہضم کر سکتا ہے وہ ہمارے بارے میں ڈیتی کے آدمیوں سے کوئی سودا بھی کر سکتا تھا۔ موجودہ حالات میں ہم اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کر سکتے۔"

"تم نے مجھے سوچ میں ڈال دیا ہے۔ اگر نک کو تمہارے ان شبہات کی ہوا بھی لگ گئی تو سمجھ لو کہ ہم دونوں کی تقدیر پر مہر لگ جائے گی۔ وہ ہماری اس لغزش کو معاف نہیں کرے گا۔"

"ان چاروں کو مار کر ہم نک کے سامنے سرخرو ہو سکتے ہیں۔ اسے یہ بات پسند آنی چاہیے کہ ہم غافل نہیں ہیں۔ دھوکا کھانے کے بعد فوراً ہی اس کا ازالہ بھی کر لیا۔"

"تم بات نہیں سمجھ رہے۔ اگر تمہاری کہانی کو درست مان لیا جائے تو یہ قصہ علی شیر اور اس کے تینوں نوکروں تک نہیں رہتا ہے۔ علی شیر نے ڈیتی کو ہربات کی خبر دی ہوگی۔ اچھا ہوا کہ تم نے کھل کر مجھے یہ سب بتا دیا۔ اب فیصلہ کرنے میں جلدی مت کرو۔ مجھے سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔ میں علی شیر کو ایک مرتبہ پھر ٹٹولوں گا۔ اس کے بعد ہم کوئی فیصلہ کریں گے۔"

اس وقت وہ دونوں بظاہر بڑے خلوص سے باتیں کر رہے تھے۔ مجھے رمیش کے بارے میں بہت زیادہ اندازہ نہیں تھا مگر بدری ناتھ میرے سامنے کھل چکا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں رمیش اور نک کے خلاف نفرتوں کا زہر بھرا ہوا تھا۔ ان دونوں کو نیچا دکھانے اور خاک چٹوانے کے لیے وہ ایک لمبا منصوبہ بنائے بیٹھا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ رمیش کے نئے خیالات اسے میری طرف سے بدگمان نہیں کر سکیں گے کیونکہ وہ تربیت سے واپسی پر آخر کار ڈیتی سے خفیہ تعاون کا فیصلہ کیے بیٹھا تھا۔

رمیش اگروال کی تمام باتوں سے یہ تاثر بہت قوی ہو کر ابھرا تھا کہ وہ اپنی مفروضہ ہربات کو نک موڈلے کے کانوں تک پہنچانے کے لیے بے چین تھا۔ اس کی اس خواہش کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ نئی کہانی سے واقف ہونے کے بعد نک موڈلے غلط فیصلے کی ساری ذمے داری بدری پر ڈال دیتا کیونکہ وہی لیڈر تھا۔ رمیش سرد مہری سے اس کا ساتھ چھوڑ دیتا۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ بدری

کسی بڑے عتاب میں مبتلا ہو جاتا اور اس کی ذمے داریاں خود بخود رمیش کو منتقل ہو جاتیں۔

"تم کل تک کوئی فیصلہ کرلو۔ میں ان تمام باتوں کو اپنے دماغ میں جتنا گھمارہا ہوں' میرے شبہات اسی قدر پکے ہوتے جارہے ہیں مگر مجبوری یہ ہے کہ میں اپنی رائے تم پر نہیں تھوپ سکتا۔ بس مشورہ دے سکتا ہوں کیونکہ بڑے تم ہو اور فیصلے کا اختیار تم ہی کو ہے۔"

"غصہ تھوک دو اور ایسی کڑوی کسیلی باتیں مت کرو۔" بدری کی کھسیائی ہوئی ہنسی کی آواز کے ساتھ اس کے الفاظ سنائی دیئے "ہم دونوں برسوں کے ساتھی ہیں اور ہمیں مل جل کر ہی کسی نتیجے پر پہنچنا ہے۔ آج کی رات سکون سے گزارلو۔ کل ہم بیٹھ کر دوبارہ بات کریں گے۔"

"تم علی شیر کو اسی وقت کیوں نہیں ٹٹول لیتے۔ ہمارا وقت بچ جائے گا۔"

"میں ابھی اس کے کمرے میں ہو کر آیا ہوں۔ اس سے یوں بار بار چھیڑ چھاڑ کی گئی تو وہ بدک جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے کچھ کرنے سے پہلے وہ ہمارے خلاف کوئی کارروائی کرگزرے۔"

"اب تمہیں بھی اس سے خوف محسوس ہو رہا ہے؟" رمیش کی آواز استہزائیہ سی تھی۔

"جب تک علی شیر کی پوزیشن صاف نہیں ہو جاتی' اس پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔"

"مگر میں آج کی رات بے کاری میں برباد نہیں کروں گا۔ مجھے کچھ کام کرنا ہے۔"

"کیسا کام؟" بدری ناتھ کے لہجے سے حیرت مترشح تھی۔

"ویسے تو علی شیر کے تینوں نوکر باہر ہی سوتے ہوں گے مگر میں پھر بھی رات میں گھر کا جائزہ لوں گا۔ ان چاروں کا کام تمام کرنے سے پہلے ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ کون کہاں سوتا ہے۔"

"تمہارے سر پر چار خون سوار ہو چکے ہیں۔ اگر علی شیر کے ہاتھ صاف ہوئے تو تمہاری یہ محنت اکارت جائے گی۔ تم ضرورت سے کچھ زیادہ ہی تیز چلنا چاہ رہے ہو۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ یہ میری پرانی خوبی یا کمزوری ہے اور اس سے مجھے کبھی نقصان نہیں ہوا۔"

ان دونوں کی اہم گفتگو ختم ہو چکی تھی۔ وہ دونوں ہی سرور میں تھے۔ ان کی نوک جھونک سے مجھے مزید کوئی کارآمد بات معلوم ہونے کی امید نہیں تھی۔ میں نے ریڈیو بند کردیا۔

میں دروازہ کھول کر خوابگاہ سے باہر نکلا تو غیر ارادی طور پر محتاط ہو چکا تھا۔

معمول کے مطابق اس وقت بھی خانساماں باورچی خانے میں رات کا کھانا بنانے میں مصروف تھا۔ اس کے ساتھ ہی ڈرائیور بھی بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے دور ہی سے اشارہ کرکے ڈرائیور کو بلایا اور

دوبارہ اپنے کمرے میں گھس گیا۔ اس مرتبہ میں نے درواز
نہیں کیا تھا۔

اسپیشل ٹاسک فورس کا وہ آدمی مؤدب ہو کر کمرے میں آ
میں نے اسے رمیش کے خونی عزائم سے آگاہ کرنا غیر ضر
سمجھتے ہوئے احتیاطی تدابیر کے بارے میں ضروری ہدایات
کے ساتھ تاکید کردی کہ وہ اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی با
کردے۔

ہم نے جب سے نادرہ کا مکان آباد کیا تھا وہاں سکون ہی
تھا۔ جو کچھ ہو رہا تھا اس میں اول خان کے تینوں آدمیوں کا
عمل دخل نہیں تھا۔ صرف اس وقت تھوڑی سی سنسنی پیدا
تھی جب بدری ناتھ نے پچھلی رات میرے کمرے میں آکر
کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس کا مدعا ظاہر ہونے کے
واقعات کا رخ تبدیل ہو گیا تھا اور وہ رات بھی سکون سے گ
تھی۔ میری نئی ہدایات سن کر اول خان کے آدمی کی آنکھیں
اٹھیں۔ ان تینوں کے لیے وہ اپنی افادیت ثابت کرنے کا ایک
موقع ثابت ہو سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہم کھانے کی میز پر جمع ہوئے تو وہ د
خاموش اور گہری سوچ کا شکار نظر آرہے تھے۔

"آج تم دونوں ایک دوسرے سے کچھ روٹھے روٹھے
آرہے ہو" کھانے کے دوران میں نے انہیں چھیڑا۔

رمیش نے لقمہ چباتے چباتے سر اٹھا کر میری طرف
عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی وہ
اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں میرے
وہی سردمہری اور سفاکی رچی ہوئی تھی جس کا اعتراف میں
دیر پہلے ہی اپنے کانوں سے سن چکا تھا۔

بدری ناتھ کا رویہ رمیش سے بہت مختلف تھا۔ اس نے
سے کہا "یہ آپس کی لڑائی نہیں' فکر... مندی ہے۔ تمہارے
نے ہم دونوں کو تشویش اور پریشانی میں مبتلا کردیا ہے۔"

"پھر تو یہ سراسر تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ مجھے اس پر
نہیں کھولنی چاہیے" میں نے یک بہ یک سنجیدگی اختیار کر
ہوئے خشک لہجے میں کہا۔

"ہم تم کو کسی بات پر مجبور نہیں کرسکتے" بدری نے مخاط
میں کہا "مگر پھر بھی میں تم سے مزید چند منٹ بات کرنا چاہتا ہو
ہوسکتا ہے کہ ہمارے مسئلے کا کوئی حل نکل آئے۔"

"کہو! میں سن رہا ہوں" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام
ہوئے اسے دعوت دی۔

"کھانے کی میز سے اٹھ کر میرے کمرے میں آجاؤ یا
تمہارے پاس آجاتا ہوں" وہ پُرامید لہجے میں بولا۔

میں دانستہ چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر میں نے نرمی
"ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گا۔"

کھانا خاموشی سے ختم کرلیا گیا۔ بدری کے برعکس رمیش کسی بلڈاگ کی طرح منہ سجائے کھانے میں مصروف رہا۔ اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور سب سے پہلے میز سے اٹھ گیا۔
اس کے جاتے ہی بدری ناتھ کے پتلے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی نظریں دور تک رمیش کا پیچھا کرتی رہیں۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا تو اس نے بس اتنا ہی کہا۔
"اب تم سے بڑی باتیں ہوں گی، بلی تھیلے سے باہر آگئی ہے۔"
میں نے مفاہمانہ انداز میں سہلاتے ہوئے کری چھوڑ دی۔
"میں تمہارا منتظر ہوں۔"
مجھے اپنے کمرے میں پہنچ کر زیادہ دیر تک اس کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔
"تم اس طرح بار بار مجھ سے راز و نیاز کرکے رمیش کے شبہات کو ہوا دے رہے ہو۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوجائے گا کہ تم اسے الگ تھلگ رکھ کر میرے ساتھ کوئی سازش کررہے ہو۔"
"میں اسی کی خواہش پر تم سے ملنے آیا ہوں۔ اس کے دماغ میں تمہارے خلاف زہر بھر چکا ہے۔ بظاہر میں اس کی باتوں پر دھیان دے رہا ہوں لیکن اب مجھے اس کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔"
"تمہارا خیال تھا کہ وہ نک موڈلے کی خوشنودی حاصل کرنے اور تمہیں پیچھے دھکیلنے کی فکر میں ہے۔ کیا اب وہ اپنے ان عزائم سے تائب ہوچکا ہے؟" میں نے اپنے بارے میں اس کی کہی ہوئی بات کو دانستہ نظرانداز کرکے پرانے حوالے سے سوال کیا۔
"اس کی خواہشات بڑھتی جارہی ہیں۔ اسے شبہ ہے کہ تم ڈیبی کے آدمی ہو۔"
میں بے ساختہ ہنس پڑا "اس کا یہ دماغی خلل جاری رہا تو کل وہ مجھے ڈیبی بھی قرار دے سکتا ہے۔"
"اس کے پاس دلائل ہیں۔ وہ خود بھی تمہیں ڈیبی قرار دینے کی حماقت نہیں کرسکتا۔ ڈیبی کے بارے میں جو کچھ سنا گیا ہے وہ تم پر پورا نہیں اترتا۔ وہ پیسے کے لالچ سے بے نیاز ہوکر اصولوں کی خاطر خون کی ہولی کھیلتا ہے۔ تم اپنی مرضی کے مطابق صرف پیسے کے پیچھے بھاگتے ہو۔ یہ بات ہم دونوں نے پہلے ہی دن بھانپ لی تھی۔ ڈیبی کے لیے کام کرنے والوں میں ہر قسم کے لوگ ہوسکتے ہیں۔"
"شاید رمیش کے ان ہی شبہات کی وجہ سے مجھے ڈیبی کی تلاش سے روکا گیا ہے۔"
"اسے غیر ضروری اہمیت مت دو" اس نے برا سامنہ بنا کر کہا۔ "تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ تبدیلی نک کی ہدایت پر عمل میں لائی گئی ہے۔"
"پھر رمیش کیوں ڈیبی کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہوا جارہا ہے۔"

جواب میں اس نے اپنی کہانی چھیڑ دی۔ میری توقع کے برعکس اس نے ہر بات من و عن بتائی تھی۔ صرف یہ ذکر گول کردیا تھا کہ رمیش مجھے ہلاک کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا تھا۔
میں نے اندازہ لگایا کہ رمیش کے قاتلانہ ارادے کی پردہ پوشی میں بدری کی کسی بدنیتی کا دخل نہیں تھا۔ اسے اندیشہ رہا ہوگا کہ رمیش کے ان انتہائی مخالفانہ عزائم سے واقف ہوکر میں آپے سے باہر نہ ہوجاؤں۔ میرے کسی بھی اضطراری ردِعمل سے اس کا پورا کھیل خراب ہوسکتا تھا۔
"تم اس کے اندازوں سے متفق نہیں ہو تو پھر اس وقت میرے پاس کیوں آئے ہو؟"
"تمہارا اس کے خیالات سے باخبر رہنا ضروری ہے۔ اس کے اندازوں کی بنیاد اس مفروضے پر رکھی گئی ہے کہ تم شناخت کے خوف سے نک کے پاس جانے سے کترا رہے ہو۔ اگر تم اس ملاقات کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کردو تو رمیش کے سارے وسوسے خاک میں مل جائیں گے۔"
"تمہارا اصرار مجھے ضد دلا رہا ہے۔ یہ کسی بھی صورت میں ممکن نہیں ہے۔ رمیش میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ تم چاہو تو اس کے نادر خیالات سے نک کو بھی آگاہ کرسکتے ہو۔"
"یہ نہیں ہوگا" بدری نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "رمیش یہی چاہ رہا ہے۔ بات نک تک پہنچے گی تو غلط فیصلے کی ذمے داری میرے کندھوں پر ہی آئے گی۔ میں فیصلہ کرچکا ہوں کہ رمیش کو نک سے بات کرنے کا کوئی موقع نہیں دوں گا۔ اریٹس ہر وقت میرے قبضے میں رہتا ہے۔ فون تم اپنے کمرے میں بند رکھو۔ ویسے بھی نک سے فون پر رابطہ ہونا ناممکن ہے۔ اس بارے میں ہمیں سخت ہدایات ملی ہوئی ہیں۔"
"تم اس کی چالوں کو سمجھ رہے ہو تو کیا وہ تمہاری چال کو نہیں سمجھے گا۔ وہ آسانی سے یہ فیصلہ کرلے گا کہ تم نے مجھ سے کوئی سازباز ... کرلی ہے۔ میں تمہیں ایک بار پھر بتا رہا ہوں کہ اس نے یہاں کوئی بدمعاشی یا چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں اسے ہرگز معاف نہیں کروں گا۔ وہ کسی خارش زدہ کتے کی طرح گمنامی کی موت مارا جائے گا۔"
"امریکا کے تربیتی پروگرام سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کا زندہ رہنا ضروری ہے" اس نے بے بسی سے کہا۔
"تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ مجھے امریکا جانے کا بہت زیادہ شوق نہیں ہے۔ تمہارے اصرار پر میں نے رضامندی ظاہر کی ہے۔ میرا وعدہ ہے کہ میں اسے مارنے میں پہل نہیں کروں گا۔ اس نے کوئی حرکت کی تو ضرور برے انجام سے دوچار ہوگا۔ اسے لگام دینا تمہارا کام ہے۔"
"مجھے ہر وقت اس کی کڑی نگرانی کرنی پڑے گی" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا "مگر خیر، میں یہ بھی کرلوں گا.... اب سوچنا یہ

ہے کہ تنک موڈلے کو کیسے مطمئن کیا جائے۔"

"مجھے کھل کر بتاؤ کہ تنک موڈلے مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ اسے بھی رمیش کی طرح مجھ پر کوئی شبہ ہے یا وہ میری ذات میں کوئی کارآمد مقامی کارکن تلاش کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔"

"مجھ سے بڑی سے بڑی قسم لے لو۔ مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ وہ اپنے لب ولہجے پر اتنا قادر ہے کہ اس کی آواز سے اس کے موڈ کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ وہ بہت خرانٹ آدمی ہے۔"

"تم رمیش کو اس سے دور رکھنے کا فیصلہ کرچکے ہو اس لیے بہتر ہوگا کہ اپنی پرانی کہانی کو ہی آگے بڑھا دو۔"

"کون سی پرانی کہانی؟" اس نے چونک کر اضطراری لہجے میں کہا۔

"اپریٹس مل جانے کے بعد تم نے اسے بتایا تھا کہ میں بخار میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کے پاس نہیں جاسکا تھا۔ میری بیماری کی وجہ سے میرا ساتھی اس سے ملا تھا۔ اب تم اس بیماری کو طول دے ڈالو۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ بے ساختہ بول پڑا "مگر بخار کی بات اسے مطمئن نہیں کرسکے گی۔"

"امریکی صحت اور جراثیم کے بارے میں بہت وہمی ہوتے ہیں۔ کہہ دو کہ بخار کے بعد مجھے یرقان ہوگیا ہے اور میں علاج کے لیے کسی نامعلوم اسپتال میں چلا گیا ہوں۔ ایسی متعدی بیماری کا ذکر سنتے ہی وہ پسپا ہوجائے گا۔ اسے تم اسی طرح مطمئن کرسکتے ہو۔"

"یرقان تک کی بات ٹھیک ہے۔" وہ سوچتے ہوئے بولا "مگر اسپتال والی بات نہیں چل سکے گی۔ اس نے خاص طور پر مجھ سے ان مقامیوں کی تعداد پوچھی تھی جو میرے ساتھ ہیں۔ میں نے صرف دو افراد کا ذکر کیا تھا۔ تمہارے ملازموں کا تذکرہ گول کردیا تھا۔ تمہیں اسپتال میں زیر علاج ظاہر کرنے کا مطلب ہے کہ ہمارے ساتھ صرف ایک آدمی رہ جاتا ہے۔ کہیں وہ کوئی نیا مطالبہ پیش نہ کردے۔"

اس کی بات معقول تھی۔ تنک پہلے بھی اس سے نادرہ کے گھر کا پتا پوچھ چکا تھا۔ میرے یرقان زدہ ہونے کی خبر سننے کے بعد وہ اس پر اصرار کرسکتا تھا۔ انہیں باہر نکل کر اڑوس پڑوس سے پتا معلوم کرنے کا حکم دے سکتا تھا۔ ایک آدمی کو باتوں میں الجھا کر ان دونوں میں سے کوئی بھی یہ کام کرسکتا تھا۔

پتا اس کے ہاتھ لگ جاتا تو وہ کسی نہ کسی کے ذریعے اس گھر کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرسکتا تھا۔ نادرہ کا نام سامنے آتا تو اس کے ذہن میں گیری ہارٹ اور حنیف طرکے واقعات تازہ ہوجاتے۔ میں وہ سنگین خطرہ کسی بھی قیمت پر مول نہیں لے سکتا تھا۔

"اس سے کہہ دو کہ میں گھر پر ہی آرام کررہا ہوں اور میرا علاج ہورہا ہے۔ ڈاکٹر کی آمد ورفت کی وجہ سے تم دونوں ا
کمرے میں محصور ہو اور پھر تمہیں یرقان کے جراثیم کی زد
آنے کا خوف بھی ہے۔" میں نے سوچنے کے بعد تجویز پیش کی
ایسی گمبھیر صورتِ حال ہوگی کہ وہ تلملا کر رہ جائے گا۔"

اس بار بدری نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر سپاٹ
میں کہا "یہی کہنا بہتر رہے گا۔ یہ چند روز نکل گئے تو پھر ہم امریکا
جائیں گے۔ یہ قصہ یہیں ختم ہوجائے گا۔"

"ایک بات کی احتیاط ضرور رکھنا۔ تنک موڈلے سے با
کرتے ہوئے رمیش کو تمہارے قریب موجود نہیں ہونا چاہیے
تمہارے جھوٹ پر جھلا کر کسی منفی راہ پر بھی لگ سکتا ہے۔"

"یہ احتیاط بھی کرلی جائے گی۔ آج کل میں اپنا خاصا وق
لان اور کیاریوں کی دیکھ بھال میں گزارتا ہوں۔ وہیں سے تنک
بات کی جاسکتی ہے لیکن مجھے اس کو کچھ نہ کچھ بتانا ہوگا۔"

اپنے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے بغض وعناد کے جذبا
رکھنے کے باوجود وہ ساتھی تھے۔ رمیش کو تنک کے بارے میں
بات معلوم تھی۔ بدری اس سے مکمل راز داری اختیار نہ
کرسکتا۔ میں نے کہا "رمیش کو تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں۔
صرف اتنا کہہ دینا کہ تم نے تنک کے سامنے میری بیماری کا عذر پیش
کردیا ہے۔ اب مجھے لندن کا فون نمبر بھی دے دو۔ تیاری ہوتے
میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔"

"مجھے امید نہیں تھی کہ تم اتنی جلدی یہاں سے نکلنے پر آما
ہوجاؤ گے۔ صبح میں تمہیں پتا دے دوں گا اور ہاں، ذرا رات
کمرے کا دروازہ اندر سے مقفل یا بولٹ کرکے سونا۔"

"کیوں؟ کیا رمیش کی طرف سے کسی شرارت کا اندیشہ ہے؟"
میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"امید نہیں ہے لیکن پھر بھی تمہیں محتاط رہنا چاہیے۔ کچھ
نہیں کہ کب اس کے دماغ پر شیطان سوار ہوجائے۔ جب
میرے پیچھے پڑ سکتا ہے تو تمہارے بارے میں میں اس سے کیا امی
رکھ سکتا ہوں۔"

"فکر مت کرو۔ شیطان اس پر سوار ہوسکتا ہے مگر میر
سواری میں رہتا ہے۔ اس نے گڑبڑ کی تو اسے چھٹی کا دودھ یا
آجائے گا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم اس کے زہریلے
شبہات سے متفق نہیں ہو۔"

"زیادہ سوچنے سے ہر اچھی بات میں بھی برائی کے دس پہ
نکل آتے ہیں۔ شاید آج رمیش دن بھر تمہارے ہی بارے
سوچتا رہا ہے۔" اس نے مسکرا کے کہا اور الوداعیہ انداز میں ہا
لہرا کر میرے کمرے سے چلا گیا۔

بدری ناتھ نے مجھے رمیش کے ارادوں سے پوری طرح با
نہیں کیا تھا مگر اشاروں کنایوں میں اس نے بہت کچھ کہہ دیا
میں نے اس کے سامنے ذرا سخت ردِ عمل کا مظاہرہ کیا تھا

درحقیقت میں خود بھی سمجھ رہا تھا کہ اس وقت رمیش اگروال کی ہلاکت ایک بنتے ہوئے کھیل کو بگاڑ سکتی تھی۔

میں نے ایک مرتبہ پھر ریڈیو آن کر دیا۔ بدری اپنے کمرے میں واپس پہنچ چکا تھا۔ وہ رمیش کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میرا ڈینی سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ اس کے پاس بتیرے.... دلائل بھی تھے لیکن رمیش اس کی باتوں سے زیادہ متاثر نہیں تھا۔

آخر میں بدری نے اسے تنبیہہ کی کہ وہ رات کو گھر کا جائزہ لینے کا خیال دل سے نکال دے اور اس نے ہوں ہاں کر کے بدری کی بات ٹال دی۔

اس وقت تک میں نے ان کی جو گفتگو سنی تھی اس سے وہ اپنے اپنے اصل روپ میں میرے سامنے آ چکے تھے۔ ان کے بارے میں مجھے مزید جاننے کی خواہش رہی تھی نہ ضرورت تھی۔ میں نے ریڈیو کا بینڈ تبدیل کر کے ایک ایسا اسٹیشن لگا دیا جہاں سے فلمی نغموں کا پروگرام نشر ہو رہا تھا۔

ساڑھے بارہ بجے میرے دروازے پر دستک ہوئی اور اجازت ملنے پر ڈرائیور اندر آگیا "سر! اندر ساری روشنیاں گل ہو چکی ہیں۔ کافی دیر سے مہمانوں کے کمرے میں بھی اندھیرا ہے۔"

"اور تم تینوں اپنی اپنی جگہ تیار ہو؟" میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"یس سر! وہ دونوں اگلے حصے میں ہیں۔ میں پیچھے موجود ہوں۔ میں نے احتیاطاً احاطے میں بھی اندھیرا کر دیا ہے۔ چوکی دار نے ایک موٹر سائیکل پر دو آدمیوں کو کئی مرتبہ گلی میں سے گزرتے دیکھا ہے۔ اسے ان پر شبہ ہو رہا ہے۔ وہ اب ادھر آئے تو ہمارے آدمی اندھیرے میں انہیں آسانی سے دیکھ لیں گے۔"

اس کا آخری فقرہ ناموزوں تھا مگر بات میری سمجھ میں آگئی۔ خود اندھیرے میں روپوش رہ کر روشن گلی پر نگاہ رکھنا خاصا آسان تھا۔ چوکی دار کا وہ مشاہدہ بے بنیاد نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے تشویش ہونے لگی کہ باہر سے کون ہماری کمین گاہ میں دلچسپی لے رہا تھا۔

"ہر طرف نگاہ رکھو۔ آج مہمانوں کی طرف سے گڑبڑ کا اندیشہ ہے۔ باہر پھرنے والوں کی بات خطرناک ہو سکتی ہے۔ کوئی اندر گھسنے کی کوشش کرے تو بے رحمی سے اسے دبوچ لینا۔"

وہ سر ہلا کر باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں کہیں مدغم ہو گیا۔

میں ریڈیو کا بینڈ تبدیل کر کے سوئی دوبارہ پرانے مقام پر لے آیا۔ دوسری طرف گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اسی وقت دور سے کسی انجن کی سیٹی کی آواز سنائی دی پھر ٹرین کے آہنی پہیوں کی گڑگڑاہٹ تیزی سے قریب آنے لگی۔

دن میں ٹرینوں کے شور کی وہ آوازیں زیادہ نامانوس اور اجنبی نہیں معلوم ہوتی تھیں لیکن رات کے سناٹے میں وہ بھیانک آسیبی روپ دھار لیتی تھیں۔ نادرہ کے مکان میں واحد خرابی یہی تھی کہ وہ ریلوے لائن سے بہت قریب واقع تھا اور آہنی پٹڑیوں پر وزنی بوگیوں کی گونج بعض اوقات سر میں دھمکنے لگتی تھی۔

رمیش کی باتیں اس وقت میرے ذہن میں تازہ تھیں۔ میں گھر میں اندھیرا کر کے اسے بے خبری میں کہیں بھی گھیرنے اور بری طرح ادھیڑ ڈالنے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ بدری کے سو جانے کا یقین کرنے کے بعد ہی اپنے کمرے سے باہر قدم نکالے گا۔ اس انتظار میں اسے تاخیر بھی ہو سکتی تھی لیکن میں ہر حال میں اس کے نکلنے سے پہلے کہیں چھپ جانا چاہتا تھا۔

ریڈیو پر چھائے ہوئے مکمل سکوت سے مایوس ہو کر میں نے سوئچ بند کر دیا۔ سائیڈ ٹیبل کی دراز میں سے بیم گن نکال کر اپنی جیب میں اڑسی اور کمرے کی روشنیاں گل کر کے باہر رینگ آیا۔

وہ کسی مسافر بردار ٹرین کا وقت نہیں تھا۔ کراچی سے ملک کے بالائی حصوں کے لیے کوئی طویل مال گاڑی دھیمی رفتار سے شہر کے قلب میں سے گزر رہی تھی اور اس کا شور اپنے سوا ہر آواز کو نگل گیا تھا۔

میں چند ثانیوں تک اپنے دروازے کے سامنے کھڑا رہا پھر اگلی راہداری کی طرف چل دیا۔ ابھی میں چند قدم بھی نہیں گیا تھا کہ اچانک ان دونوں کے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا اور گھور.... اندھیرے میں دھیمی روشنی کا ایک اونچا مستطیل چمکنے لگا۔

میں فوراً ہی دیوار سے چپک گیا۔ اس ناکافی روشنی کو دیکھتے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ دروازہ کھولنے والے نے روشنی کے لئے کمرے کا کوئی بلب روشن نہیں کیا تھا بلکہ باتھ روم کا دروازہ قدرے کھول کر وہاں روشنی کر دی تھی۔

اس روشن اور مستطیل خلا میں تھوڑی سی وسعت ہوئی اور پلک جھپکتے میں ایک سایہ نیم روشن کمرے میں سے تاریک راہداری میں رینگ آیا۔ میں نے اسی اثنا میں اس کی جھلک دیکھ لی تھی۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ کمرے میں سے تاریکی میں آنے والا رمیش نہیں بدری ناتھ تھا۔

میرے ذہن میں بجلی کی سی سرعت سے پہلا خیال یہی آیا کہ نامعلوم وجوہ کی بنا پر بدری کی بھی کایا پلٹ ہو چکی تھی۔ وہ راہداری کے بند سرے پر تھا۔ میرے مقابلے میں اس کے پاس اپنے کمرے کے سوا کوئی راہ نہیں تھی۔ میں نے اسے اس گوشے سے باہر نکلنے سے پہلے ہی للکار ڈالا۔

"ہینڈز اپ!" میں نے غرا کر کہا "میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔ میں گولی مار دوں گا۔" یہ دھمکی دیتے ہی میں نے اپنی جیب سے بیم گن نکال لی تھی اور دیوار سے لگ کر اس کی طرف سرکنا شروع کر دیا۔

"علی شیر! فائر نہ کرنا۔ یہ میں ہوں۔" اندھیرے میں بدری ناتھ کی بے ساختہ اور گھبرائی ہوئی آواز گونجی۔ اسی کے ساتھ اس نے کوئی قریبی دیوار گیر سوئچ دبا کر اپنی راہداری روشن کر دی۔

گزر جانے والی مال گاڑی کے دور ہوتے ہوئے شور کے باعث

اسے قدرے زور سے بولنا پڑا تھا۔ روشنی ہونے پر میں نے دیکھا کہ اس نے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لیے تھے اور اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ میں اس کے مقابلے میں اس وقت بھی اندھیرے میں تھا اس وجہ سے وہ مجھے نہیں دیکھ سکا۔

"رمیش کہاں ہے؟ تم اندھیرے میں اپنے کمرے سے باہر کیا کر رہے ہو؟" میں نے اپنی حیوانی جبلت کے زیرِ اثر زہریلی آواز میں سوال کیا۔ میں نے اپنی پیش قدمی اندھیرے میں ہی روک دی تھی۔

"وہ گہری نیند سو رہا ہے۔ میں نے آج پھر اس کی شراب میں خواب آور دوا ملادی تھی۔" اس نے تھکی تھکی اور شکست خوردہ آواز میں کہا "میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ تم قرب وجوار میں کہیں نہ کہیں گھات لگائے بیٹھے ہوگے۔ میں تمہارے پاس ہی آرہا تھا۔"

"مجھے امید نہیں تھی کہ اس وقت رمیش کے بجائے تم سے ملاقات ہوگی۔" میں نے تلخی سے کہا "اس وقت ایک بجنے والا ہے۔ تم میرے پاس کیا لینے آرہے تھے؟"

"مجھے اپنی طرف آنے دو۔ میں تمہیں پوری بات بتادوں گا۔" اس کی آواز ابھری۔

"ہاتھ گرائے بغیر بڑھتے چلے آؤ۔ اب میں تلاشی لیے بغیر تم پر بھروسا نہیں کروں گا۔ تم دونوں ہی خطرناک اور ناقابلِ اعتماد ہو۔ تم مسلح ہوئے تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ ہاتھ گرائے بغیر میری طرف آتے ہوئے اپنی آواز دبا کر بولا۔ "میں بالکل غیر مسلح ہوں۔ ابھی چند منٹ پہلے مجھے اپریٹس پر کال کا اشارہ مل رہا تھا۔ میں نے اپریٹس آن نہیں کیا۔ میں اس بے وقت کال سے سخت پریشان ہو کر تمہاری طرف آرہا تھا۔"

میں نے بیم گن جیسے انوکھے ہتھیار کو اس سے چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ بخشل کی محبوبہ کے گھر پر پہلے بھی میرے پاس بیم گن دیکھ چکا تھا۔ وہاں اس کے استعمال کی نوبت نہیں آئی تھی اس وجہ سے میں نے اسے یہ بتایا کہ میری گن مہلک ترین زہر میں بجھی ہوئی باریک سوئیوں سے میرے حریف کے جسم کو ایک سیکنڈ میں بارہ مرتبہ چھیدنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

تیز روشنی سے نکلنے کے بعد وہ مجھے دیکھنے پر قادر ہو چکا تھا۔ وہ میرے سامنے آکر رک گیا۔ میں نے مروت کے بغیر اس کے پورے جسم کو ٹٹول کر اس کی تلاشی لی اور پھر اسے ہاتھ گرانے کی اجازت دے دی۔

"اب اپنی اس بلوگن کو بھی رکھ لو۔ اس سے مجھے خوف آرہا ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کے کہا "یہ چل گئی تو بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔"

"اگر رمیش سو رہا ہے تو تمہیں چوروں کی طرح اندھیرے میں باہر نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے اپنے کمرے کی طرف لوٹ ہوئے خفگی سے پوچھا۔

"میں کمرا نیم روشن کر کے باہر نکلا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ باہر گھپ اندھیرا ہوگا۔ روز رات کو یہاں کی تمام راہداریاں روشن ہی رہتی ہیں۔"

"کمرے میں چھپنے کے بجائے میں رمیش کے استقبال کے لیے اندھیرے میں نکلا ہوا تھا......"

"بلوگن مارنے والا ہتھیار ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کے شکوہ کیا "میں نے تم سے کہا تھا کہ رمیش کو ابھی زندہ رہ چاہیے۔ وہ ہماری ضرورت ہے۔"

"بلوگن میری انگلی کے اشارے کی تابع ہے۔ رمیش زیاد سرکشی دکھاتا تو انگلی حرکت کر سکتی تھی۔"

"غنیمت ہوا کہ تم دور تھے۔" میرا کمرا روشن ہو جانے کے بع اس نے کہا "قریب ہوتے تو ہاتھا پائی ضرور ہو جاتی۔ اب یہ بتاؤ ک وہ رات گئے مجھ سے کیا چاہ رہا ہے۔"

"یہ سوال تمہیں اسی سے پوچھنا چاہیے تھا۔ میں کیا کہہ سک ہوں۔"

"وقت ایسا تھا کہ میں نے اضطراری طور پر کال سگنل کو نظ انداز کر دیا۔ میں اس سے بہانہ کر سکتا ہوں کہ میں گہری نیند سویا ہ تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب میں سو نہیں سکوں گا۔"

"اسے کوئی اہم مسئلہ درپیش ہے۔ تم فکر مت کرو۔ وقفہ د کر وہ دوبارہ رابطے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اس بار اسے مایوسی سامنا نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

"تمہارے سامنے بات ہوگی تو تم بھی مشورہ دے سکو گ ٹرانس میٹر کا بٹن دبائے بغیر ادھر کی آواز اس تک نہیں پہنچ گی۔" اس نے روا روی میں کہا۔

"لاسلکی مواصلات کا یہ اصول مجھے معلوم ہے۔" میں ناخوش گوار لہجے میں کہا "کراچی میں اب یہ آلات چور اچکے ت استعمال کرنے لگے ہیں۔"

وہ خفت آمیز انداز میں بے ڈھنگے پن سے ہنس پڑا۔ اس وق اس کی تنگ پیشانی کے نیچے چمکتی ہوئی گول گول آنکھوں میں مکا کے بجائے سادگی نمایاں تھی۔ پتلے پھل والے دودھاری خنج دشمن کا سر اتار لینے میں مہارت رکھنے والا وہ شخص اس و بالکل بے ضرر نظر آرہا تھا۔ مفاہمت ہونے کے بعد سے ا ساری تیزی اور طراری معدوم ہوتی چلی گئی تھی۔

ہمیں بمشکل بیس منٹ انتظار کرنا پڑا۔ اپریٹس پر ایک پھر اشارہ آنے لگا۔

بدری نے بھرپور نظروں سے میری طرف دیکھا اور اپنا ا آن کر دیا۔

اپنی کال کے جواب میں بدری کی آواز سن لینے کے بعد نک غرانے لگا۔ "میں نے دوسری بار کوشش کی ہے۔ پہلی کال کے وقت تم کیا کررہے تھے؟"

"اس وقت رات کا ڈیڑھ بجنے والا ہے بگ باس" بدری خوشامدانہ انداز میں بولا "ہوسکتا ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی ہو۔"

"میں تمہاری کمین گاہ کا سراغ لگا چکا ہوں۔" نک موڈلے کے وہ الفاظ کسی بم کی طرح میرے اعصاب پر اثر انداز ہوئے۔ وہ کہہ رہا تھا "تمہارے اپریٹس میں ایک ایسا طاقتور پوزیشن ڈی ٹیکٹر پوشیدہ ہے جو اپریٹس آن ہونے پر میرے نیٹ ورک کے لیے طاقت ور سگنل نشر کرنے لگتا ہے۔ ان سگنلز سے اپریٹس کا محل وقوع معلوم ہوجاتا ہے۔ تم شارع فیصل سے داہنی طرف سوسائٹی کے ایک مخصوص علاقے میں رہ رہے ہو اور اب ہر وقت میری دسترس میں ہو۔"

اس کی بات سنتے ہوئے بدری ناتھ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ نک کا وہ انکشاف اس قدر غیر متوقع تھا کہ میں بدری کو فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اس بار نک موڈلے کے مقابلے پر میدان میں اترتے ہوئے میں بالکل فراموش کربیٹھا تھا کہ امریکی قونصل خانے کی آڑ میں سازشوں کو پروان چڑھانے والوں کو بہت ہی جدید ترین ایجادات اور مواصلاتی سہولتوں تک رسائی حاصل تھی اور وہ گھر بیٹھے بہت سی ایسی معلومات حاصل کرنے پر قادر تھے جو عام حالات میں میسر ہی نہیں آسکتی تھیں۔

نک کا دیا ہوا ٹرانسیٹر بدری تک پہنچاتے ہوئے مجھے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ اس آلے میں کوئی سمت نما پرزہ بھی پوشیدہ ہوسکتا ہے مگر مجھ سے چوک ہوگئی۔ میں اس وار کے لیے ذہنی طور پر قطعی تیار نہیں تھا۔ یہ دیگر بات تھی کہ میں بروقت ایسے کسی پرزے کی موجودگی کا ادراک کر بھی لیتا تو کھیل بگاڑے بغیر اس کا کوئی سدباب نہیں کرسکتا تھا۔ پیکٹ کھولتے یا ٹرانسیٹر کو چھیڑتے ہی ایک نئی خرابی کی بنیاد پڑجاتی۔

بدری بہت چالاک تھا۔ اس نے توقف کے بغیر نک سے کہا "یہ خوشی کی بات ہے کہ اب مجھے تمہارا سایہ بھی میسر رہے گا۔ علی شیر پر کوئی شبہ نہ ہونے کے باوجود میں خود کو بے یارومددگار محسوس کررہا تھا۔"

"وہ مجھ سے ملاقات کے لیے کب آرہا ہے؟" نک کی طرف سے سوال کیا گیا۔

"کل کے لیے کہہ دو" بدلے ہوئے حالات میں، میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"وہ یرقان میں مبتلا ہوگیا ہے" بدری نے خوب صورت تمہید باندھ کر کہا "میں کوشش کروں گا کہ کل کسی طرح اسے تمہارے پاس بھیج سکوں۔"

"ہرگز نہیں، میں کسی یرقان زدہ ایشیائی سے ملنا پسند نہیں کروں گا۔ اگر وہ اس مہلک اور متعدی مرض میں مبتلا ہوگیا ہے تو تم دونوں بھی اس سے دور رہنے کی کوشش کرو۔ یہ بیماری اڑ کر انسانوں پر حملہ آور ہوتی ہے۔ تمہارا سراغ مل جانے کے بعد شاید مجھے ان دونوں میں سے کسی کو بلانے کی ضرورت پیش نہ آئے مگر میں یہ ضرور جاننا چاہتا ہوں کہ تم کن لوگوں کے درمیان ہو۔ اگر علی شیر کوئی غلطی کیے بغیر تمہاری توقعات پر پورا اتر رہا ہے تو وہ بہت چالاک اور خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ یہ امکان بھی ہے کہ وہ کسی ایجنسی کا ٹاؤٹ ہو۔ اس کے بارے میں یہی سب جانچنے کے لیے میں اسے اپنے روبرو بٹھانا چاہ رہا تھا۔"

"مجھے اس پر ایسا کوئی شبہ نہیں ہے مگر تمہاری رائے زیادہ مستند ہوگی" بدری نے مجھے آنکھ مار کر جواب دیا۔

"مجھے اپنی صحت ہربات سے زیادہ عزیز ہے۔ اسے وہیں روکو۔ میرے آدمی اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرسکتے ہیں۔ وہ اس وقت بھی تمہارے علاقے میں کہیں بھٹک رہے ہوں گے۔"

نک موڈلے بہت سکون سے دھیرے دھیرے کھل رہا تھا۔ اس کے نئے انکشافات پر میری ریڑھ کی ہڈی میں بیک وقت بے شمار چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اس کا مطلب تھا کہ دو مشتبہ موٹر سائیکل سواروں کے بارے میں مجھے جو اطلاع دی گئی تھی وہ درست تھی۔

اس کے شکاری کتے میری بے خبری میں اتنے قریب آچکے تھے کہ تشویش ہونی لازمی تھی۔ بدلے ہوئے حالات میں میرا ذہن تیزی سے کام کرنے میں مصروف ہوگیا۔

"اس کے آدمیوں کو یہاں آنے کی ترغیب دو" میں نے بدری کے بٹن دبانے سے پہلے تیزی سے کہا۔

بدری نے قدرے توقف کے بعد نک سے کہا "یہ خوشی کی بات ہے کہ وہ مجھ سے اتنے قریب موجود ہیں۔ مجھے ان کے بارے میں کچھ بتاؤ تاکہ میں باہر نکل کران کی مدد کرسکوں۔"

"تو کیا علی شیر نے تم کو اتنی آزادی دی ہوئی ہے؟" نک نے حیرت سے پوچھا۔

"ہم اس کے قیدی نہیں ہیں۔ ویسے بھی وہ کرائے پر ہمارے لیے کام کررہا ہے۔ بیماری کی وجہ سے وہ اس وقت آرام کررہا ہے۔ سامنے ہوتا تب بھی مجھے باہر جانے سے روکنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔ تم اشارہ کرو اور دیکھو کہ میں کتنی تیزی سے تمہاری ہدایت پر عمل کرتا ہوں۔"

"اس کا ساتھی کہاں ہے؟" نک اس پناہ گاہ کے معاملات میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔

"وہ بھی اسی کے کمرے میں سو رہا ہوگا۔ بظاہر یہاں میدان صاف ہے۔"

"یہ کوئی چھوٹا مکان ہے یا اس میں احاطہ وغیرہ بھی ہے؟" نک نے پوچھا۔

"یہ وسیع لان اور احاطے والی کوٹھی ہے۔ مکانات ایک دوسرے سے دور اور الگ الگ بنے ہوئے ہیں۔"

"پھر تم اپنا ایرپیس آن رکھو اور اسے لے کر سڑک کی طرف والی دیوار کے پاس پہنچ جاؤ۔ میرے آدمیوں کے پاس ایک میٹر ہے جو تمہارا اور ان کا درمیانی فاصلہ ظاہر کرتا ہے۔ فاصلہ گھٹنے بڑھنے سے وہ اندازہ لگالیں گے کہ تم کہاں موجود ہو۔ ان کے پہنچنے تک تم انتظار کرو۔ ان کی طرف سے کوئی اشارہ ملتے ہی تم مجھے اطلاع دو گے۔ اس کے بعد میں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔"

"یعنی ان کی رہنمائی کے لیے ایرپیس کا مسلسل آن رہنا ضروری ہے؟" بدری نے پوچھا۔

"شاید میں نے شروع سے اسی ایک بات پر زور دیا ہے" بدری کے سوال پر وہ برہم ہوگیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب میں پوری بات سمجھ گیا" بدری نے جلدی سے کہا "میں ابھی باہر نکلتا ہوں۔"

"ہوش میں رہ کر کام کرنا۔ میرے آدمی علی شیر یا اس کے ساتھی کی نظروں میں آگئے تو یہ ساری مشق رائگاں جائے گی۔ تمہارے مددگاروں کے بارے میں وہی کچھ معلوم کرسکتے ہیں۔"

"تم فکر مت کرو۔ میں تمہارے مقاصد کے لیے سردھڑ کی بازی لگادوں گا۔"

"گڈ..." نک کے منہ سے روا روی میں پہلی بار کوئی تعریفی لفظ برآمد ہوا "میری بات فی الحال مکمل ہوگئی۔ اگلی بار تم ان کے آجانے پر مجھ سے بات کروگے۔ اب تم ایرپیس آن رکھ کر پورے اطمینان سے گھر بھر میں گھوم سکتے ہو۔ اس پر میرا کوئی پیغام نہیں آئے گا۔"

"تھینک یو!" یہ کہہ کر بدری نے ایرپیس کا نشری بٹن چھوڑ دیا اور اسے یوں گھورنے لگا جیسے اس نے وہ عجوبہ اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا ہو۔

میں نے بولنے میں دانستہ پہل نہیں کی اور خاموشی کے وہ لمحات گزارنے کے لیے بلاوجہ نئی سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔

بدری میری اس بامقصد خاموشی کا اندازہ نہیں لگا سکا۔ اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا "یہ تو سارا قصہ ہی چوپٹ ہوتا نظر آرہا ہے۔ نک میری توقع سے زیادہ چالاک ثابت ہوا ہے۔"

"وہ چالاک نہ ہوتا تو تم دونوں کو اس کی تحویل میں نہ دیا جاتا" میں نے جواب دیا "اب تم اتنی سعادت مندی نہ دکھاؤ اور تھوڑی دیر کے لیے ایرپیس بند کردو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم یہاں بیٹھے باتیں کرتے رہیں اور نک کے آدمی پھاٹک پر پہنچ جائیں۔"

"اوہ!" بدری نے چونک کر جلدی سے ایرپیس آف کردیا "یہ واقعی کافی دیر سے آن ہے۔ اس دوران میں انہوں نے اپنی نقل وحرکت اور فاصلے کی تبدیلی کی بنا پر یہ اندازہ تو لگا ہی لیا ہوگا کہ ہم ان سے کس سمت میں موجود ہیں۔ تم انہیں اس طرف راغب کرنے میں کیوں دلچسپی لے رہے ہو؟"

"مجبوری ہے۔ ہمارے پاس بچاؤ کی کوئی اور راہ نہیں ہے۔ ہم سے دور رہ کر وہ نک کے مفادات پورے کرتے رہیں گے۔ ہمارے ہاتھ لگ گئے تو چوکڑی بھول جائیں گے۔"

"تو کیا تم انہیں اپنا قیدی بنانے کا ارادہ رکھتے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

میں نے بے پروائی سے کہا "وہ آسانی سے قیدی بننے پر آمادہ نہ ہوئے تو ان کا جھٹکا بھی کیا جاسکتا ہے۔ اپنے آخری انجام کے وہ خود ذمے دار ہوں گے۔"

"نک بپھر جائے گا۔ تمہاری مخبری کے لیے وہ ان پر بہت زیادہ انحصار کررہا ہے۔"

"اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا کہ اس کے آدمیوں پر کیا گزری ہے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے" اس نے بے اعتباری سے کہا "اس کے آدمی غائب ہوجائیں گے اور اسے علم نہیں ہوگا۔ یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"اسے ان آدمیوں کے بارے میں اطلاع دینے کی ذمے داری تمہاری ہے۔ آج کی رات بہت اچھی ہے۔ رمیش خواب آور دوا کے زیر اثر سورہا ہے۔ وہ یہاں آئیں گے اور پکڑے یا مارے جائیں گے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹا گزار لینے کے بعد تم نک سے پوچھو گے کہ اس کے آدمی کہاں رہ گئے۔ اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی ان کا پتا نہیں ہے۔ اس کی کھوپڑی چکرا جائے گی۔ وہ سمجھے گا کہ اس کے آدمی تمہاری کمین گاہ کا سراغ لگا کر واپس چلے گئے ہیں۔ انہوں نے تم سے رابطہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

"اس نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دے کر بھیجا ہوگا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کے حکم سے انحراف کریں؟"

"فضا میں خطرے کی بو سونگھ کر وہ سب کچھ کرسکتے ہیں۔ وہ ہر بات سوچ سکتا ہے مگر یہ اندازہ نہیں لگا سکے گا کہ اس کے آدمیوں کو تمہاری موجودگی میں مارا یا پکڑا گیا ہے۔"

"ہاں۔ شاید وہ ہم لوگوں سے اتنی جلد بدظن نہ ہوسکے۔ فکرمندی کی بات یہ ہے کہ ہمیں اس کے آدمیوں کی تعداد کے بارے میں کچھ علم نہیں، پتا نہیں وہ کتنے ہوں گے۔"

"لشکر نہیں آسکتا۔ اس نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے تو بس دو ہی ہوں گے" اسے وہ جواب دیتے ہوئے میرے ذہن میں مشتبہ موٹر سائیکل سواروں کا خیال موجود تھا۔

"انہیں پکڑ کر تم کہاں رکھو گے؟ صبح رمیش سو کر اٹھے گا تو

نہیں دیکھ کر سوالوں کی بوچھاڑ کردے گا۔"

"تم ابھی تک اس گھر کی پوری مکانیت سے باخبر نہیں ہو۔ یہاں ایک تہ خانہ بھی موجود ہے۔ پکڑے جانے والوں کو باندھ کر دو چار دن وہاں رکھا جا سکتا ہے۔"

"ایک طرف تم اپنی روانگی کا پروگرام بنا رہے ہو' دوسری طرف تک سے الجھنے پر تلے ہوئے ہو۔ تمہارے جانے کے بعد بدیوں کا کیا بنے گا۔ وہ رہا ہوتے ہی تک کو پوری تفصیل سنا دیں گے۔"

"یہ میں اپنی مرضی سے نہیں کر رہا۔ الجھنیں میرے اوپر تھوپی جا رہی ہیں۔ اپنے لیے کوئی سنگین خطرہ نظر آیا تو میں تک کے آدمیوں کو ذبح کر کے نکل جاؤں گا۔"

بنیادی طور پر بدری ناتھ کو تصادم کی حکمتِ عملی پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ خود بھی کشت و خون کر کے اپنی راہ بنانے کا عادی تھا۔ اسے بعد میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کی فکر تھی۔ ایسا ہوا تو کیا ہوگا اور ویسا ہوا تو پھر کیا بنے گا؟ مجھ سے تھوڑی دیر تک بات کرنے کے بعد اس کا ذہن صاف ہو گیا۔ میں نے بیم گن کے ساتھ بھرا ہوا ریوالور اپنی جیب میں رکھا تو بدری کچھ پریشان ہو گیا۔

اس کو اپنی خنجر زنی پر ناز تھا۔ وہ کھلے کھلے مکانوں میں رہنے والے متمول شہریوں کی پُرسکون آبادی تھی۔ کسی بھی گھر میں تھوڑی بہت مار دھاڑ، دھینگا مشتی ہوتی تو پڑوسیوں تک کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ فائر ہوتا تو پوری آبادی میں خوف و ہراس پھیل سکتا تھا۔ کوئی پولیس کو خبر دے دیتا تو قانون کے محافظوں کی مداخلت سے ہمارے معاملات خراب ہو سکتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ ہمیں چپ چپاتے ہی صورتِ حال پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس وقت تک مجھے بدری ناتھ کی خنجر زنی کے کمالات دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ ریشم جان کے گھر میں جس اعتماد سے دہری دھار کا خنجر لیے بیٹھا تھا اس سے یہ ضرور جھلک رہا تھا کہ اسے اپنے فن میں کوئی نہ کوئی کمال حاصل تھا۔ اس کے اصرار پر میں نے اس کا تیکھی دھار والا خنجر اسے لوٹا دیا۔ میں نے چاہا کہ وہ خنجر کے ساتھ مجھ سے ریوالور بھی لے لے مگر اس نے شکریے کے ساتھ میری پیش کش مسترد کر دی۔

"وقت آیا تو تم دیکھو گے کہ میرے ہاتھ میں یہ خنجر دنیا کے ہر ہتھیار سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ میرے صرف دو نشانے ہوتے ہیں۔ میرے حریف کا نرخرا کٹ جاتا ہے یا پھر اس کی آنتیں باہر نکل پڑتی ہیں۔"

میں مسکرا کر رہ گیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ پہلا موقع ملتے ہی میں اس کی مقابلے کی صلاحیت آزمانے کی کوشش ضرور کروں گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ چھری چاقو سے حریفوں کو زمین پر ڈھیر کرنے والوں کی نسل تیزی سے معدوم ہوتی جا رہی تھی۔

طاقتور روشنی والی ایک چھوٹی جیبی ٹارچ جیب میں رکھنے کے بعد میں اطمینان سے بدری کے ساتھ عقبی دروازے سے ہی باہر نکل گیا۔

مجھے یقین تھا کہ اسے دیکھ لینے کے بعد ایس ٹی ایف کا کوئی آدمی ہمارے سامنے آنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ وہ تینوں اپنی تاریک کمین گاہوں میں گھات لگائے بیٹھے رہیں گے اور ضرورت پڑنے پر بلائے ناگہانی بن کر میرے کسی بھی حریف پر ٹوٹ پڑیں گے۔

باہر احاطے میں مکمل تاریکی کا راج تھا۔ ہم ٹہلتے ہوئے چند ہی لمحوں میں اس بلب کی روشنی کی زد سے نکل آئے جو بدری ناتھ نے اندرونی راہداری کے ایک حصے میں روشن کیا تھا۔

ٹرینوں کا شور موقوف ہو جانے کی وجہ سے فضا میں جھینگروں کی جھائیں جھائیں بہت واضح سنائی دے رہی تھی۔ میں نے مشورہ دیا اور بدری نے فوراً ہی اپریٹس آن کر دیا۔

"باہر بالکل سناٹا ہے۔ تمہارے نوکر بے خبر سوئے ہوئے ہوں گے۔ انہیں کیوں نہیں اٹھا لیتے؟" عمارت کے بغلی راستے سے گزرتے ہوئے بدری نے دھیمی آواز میں کہا۔

"فکر مت کرو۔ ذرا بھی آہٹ ہوئی تو وہ تینوں خود ہی بیدار ہو کر میدان میں آ جائیں گے۔"

"ہڑبونگ پھیل گئی تو وہ اندھیرے میں دھوکے سے ہم پر بھی حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ انہیں پہلے سے جگا کر اعتماد میں لے لیا جائے۔ ہوش مندی کے عالم میں ان کی کارکردگی بڑھ جائے گی۔"

"نوکروں کو میں یہ احساس نہیں دلانا چاہتا کہ میں اپنی حفاظت کے لیے ان کے زورِ بازو کا محتاج ہوں" میں نے بہت دھیمی آواز میں اس کی سوچ کے مطابق گھٹیا سا جواب دیا "ایک بار انہیں اپنی اہمیت کا اندازہ ہو جائے تو یہ مالک کے سر پر سوار ہونے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔"

ٹرانسیٹر آن ہو چکا تھا۔ اس میں چھپی ہوئی پوزیشن ڈی ٹیکٹنگ ڈیوائس نے ایک مرتبہ پھر طاقتور ریڈیائی سگنل نشر کرنے شروع کر دیے تھے۔ تک موڈلے شاید اپنے نیٹ ورک پر ان اشاروں کو مفہوم پہنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسری طرف اس کے آدمی اپنے میٹرکی اسکرین پر ٹرانسیٹر سے اپنا فاصلہ پڑھنے اور سمت پہچاننے کی کوشش کر رہے تھے۔ معاً مجھے خیال آیا کہ نیٹ ورک پر سگنلز کا سلسلہ کچھ دیر کے لیے موقوف ہونے پر تک تشویش میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ میں نے بدری سے اس بات کا ذکر کیا تو وہ ہنس پڑا۔

"اسے میں سنبھال لوں گا۔ تمہارے تاریک کمرے میں اپریٹس کا ننھا سا سبز بلب بہت زیادہ چمک رہا تھا اس وجہ سے میں نے اپریٹس آف کر کے وہ روشنی بجھا دی۔ وہاں کا تفصیلی جائزہ لینے

کے بعد میں باہر نکلا اور اسے دوبارہ آن کر دیا" اس نے جواب دیا۔ "اندھیرے میں سگریٹ کا روشن سرا تک بہت تیز روشنی دیتا ہے۔"

میری خواہش تھی کہ میں اس سمت میں چھپے ہوئے اپنے کسی آدمی سے معلوم کروں کہ مشتبہ موٹر سائیکل تیسری بار بھی نظر آئی تھی یا نہیں مگر بدری کی موجودگی کی وجہ سے میں اپنی اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ پہلے وہ ادھر سے گزرے تو اپریٹس آف تھا لہٰذا انہیں اپنے میٹر سے کوئی رہنمائی نہیں مل سکی ہوگی۔ اب صورتِ حال مختلف تھی۔ ہدف خود ان شکاریوں کو اپنی طرف بلا رہا تھا۔

پھاٹک کے قریب ہی ہم دونوں ایک درخت کے سائے میں رک گئے۔ وہ چاند کی آخری تاریخیں تھیں۔ تاریک آسمان پر ستاروں کی بھری ہوئی چادر جھلملا رہی تھی۔ نیچے ماحول خاصا مختلف تھا۔ بیرونی سڑک کے کنارے کھمبوں پر لگی ہوئی اسٹریٹ لائٹس قرب وجوار میں دھندلائی ہوئی روشنی پھیلا رہی تھیں۔ ان کا انعکاس ہمارے احاطے میں بھی پڑ رہا تھا لیکن اس سمت سے ہمارا گھر گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا۔

ہم دونوں کافی دیر تک وہاں کھڑے باتیں کرتے رہے لیکن فضا پر چھایا ہوا سکوت برقرار رہا۔ تک کے آدمی اپنی تلاش سے مایوس ہو کر لوٹ چکے تھے یا پھر وہ اتنے احمق تھے کہ فاصلہ نما آلے کی رہنمائی کے باوجود اپنی پیش قدمی کی صحیح سمت کا تعین نہیں کر پا رہے تھے۔

آخر میرے کانوں میں کسی موٹر سائیکل کے انجن کی موہوم سی آواز آئی جو رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ آنے والے ست رفتاری سے آ رہے تھے۔

"کوئی موٹر سائیکل آ رہی ہے" بدری نے میرا بازو دبا کر پُرجوش لہجے میں سرگوشی کی۔

اس وقت تک یہ واضح ہو چکا تھا کہ دور سے آنے والی موٹر سائیکل ہماری پختہ گلی میں ہی داخل ہوئی تھی۔ انجن کا شور لمحہ بہ لمحہ قریب آتا جا رہا تھا لیکن ان کی رفتار بہت کم ہو گئی تھی۔

آخر وہ موٹر سائیکل ہمارے پھاٹک کے قریب ہی روک دی گئی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آنے لگا۔

موٹر سائیکل رکتے ہی باہر سے کسی شخص کی دبی دبی ہذیانی آواز سنائی دی۔ شاید وہ دو تھے اور ایک نے اپنے ساتھی سے کچھ کہا تھا۔ انسانی آواز کو واضح طور پر سن لینے کے باوجود میں اس کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔ اس آواز میں نہ جانے کیا اثر تھا کہ تھمی ہوئی موٹر سائیکل کے انجن کی آواز یکلخت تیز ہو گئی اور وہ وہاں سے آگے روانہ ہو گئی۔ میرے کان اسی آواز پر جمے ہوئے تھے۔

بس چند ثانیوں تک وہ شور برقرار رہا پھر اچانک ہی موٹر سائیکل کا انجن ایک بار زیادہ زور سے غرا کر خاموش ہو گیا۔ میرا تجربہ بتا رہا تھا کہ دوڑتی ہوئی موٹر سائیکل کا کلچ دبا کر انجن بند کیا گیا تھا۔

"یہ سو فیصد وہی آدمی معلوم ہوتے ہیں" بدری ناتھ متوقع تصادم کے احساس سے ہی دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد شاید اس کے لیے وہ آزادی سے کچھ کر گزرنے کا پہلا عملی موقع تھا۔

وہ اپنے میٹر کو پڑھتے ہوئے آئے تھے۔ اس وقت بدری احاطے کی دیوار کے قریب ہی موجود تھا۔ وہاں سے پتلی سڑک کا فاصلہ شاید دو تین میٹر سے زیادہ نہیں تھا۔ اتنا کم فاصلہ شاید ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اضطرار کے عالم میں موٹر سائیکل وہیں روک دی گئی مگر پھر ان میں سے کسی ایک کو اپنی حماقت کا احساس ہو گیا۔ اپنے ہدف سے اتنے کم فاصلے پر رک کر وہ کئی مسائل سے دوچار ہو سکتے تھے۔

رکتے ہی وہ دوبارہ موٹر سائیکل بھگا لے گئے اور تھوڑی دور جا کر انجن بند کر دیا گیا۔

اس وقت مجھے دو ہی امکان نظر آ رہے تھے۔ وہ موٹر سائیکل کو دور چھوڑ کر پیدل ہماری کمین گاہ کی طرف لوٹتے یا پھر بند موٹر سائیکل کو کھینچتے ہوئے خاموشی سے وہاں تک آتے تاکہ نامساعد حالات میں فرار کے لیے ان کی سواری قریب ہی موجود رہے۔ دونوں صورتوں میں انہیں ہماری طرف آنا ہی تھا۔

"اگر میں ان کے استقبال کے لیے پھاٹک کھول کر کھڑا ہو جاؤں تو انہیں اپنی خوش قسمتی پر کسی طرح یقین نہیں آئے گا" بدری نے مسرور لہجے میں کہا۔

"تک نے تمہارے پاس شریف ملاقاتیوں کو نہیں بھیجا ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری طرف آنے والے بدمعاش بھڑک کر اچانک ہی الٹی دوڑ لگا دیں اور تم اپنا خنجر خود چاٹتے رہ جاؤ۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔" اندھیرے میں اس کی تفہیمی آواز ابھری "مشکل یہ ہے کہ برے آدمیوں کو ہر کام کی اچھائی ذرا دیر سے ہی نظر آتی ہے۔ ان کی چھٹی حس خرابیوں کو دور ہی سے تاڑ لیتی ہے۔ آنے دو' سالوں کو اپنی مرضی سے آنے دو۔ اگر وہ صرف دو ہیں تو ان کے سواگت کے لیے میں اکیلا ہی کافی ہوں۔"

اس نازک موقع پر وہ خوش فہمیوں میں مگن تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ آگے کیا ہوگا۔ تک کی ہدایت تھی کہ جوں ہی بدری کو اس کے آدمیوں کی طرف سے کوئی اشارہ ملے' وہ تک سے بات کرے۔ کچھ علم نہیں تھا کہ اس مرحلے کے لیے اس نے اپنے آدمیوں کو کیا ہدایت دی تھی۔

یہ ضروری نہیں تھا کہ اپریٹس سے اپنے واجبی سے فاصلے کا تعین کرنے کے بعد وہ اندر گھسنے کی کوشش بھی کرتے۔ مکان کو پورے وثوق سے پہچان لینے کے بعد وہ واپس جا سکتے تھے۔ ان کے کسی بھی ردِعمل کا انحصار اس بات پر تھا کہ تک نے انہیں کیا

ہدایات دی ہوئی تھیں۔
"تھوڑی دیر کے لیے اپنا اپریٹس بند کردو" میں نے ایک فوری خیال کے تحت بدری سے کہا۔
"گڑبڑ ہو جائے گی۔ آنے والے چکر میں پڑ سکتے ہیں" وہ بڑبڑایا۔
"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ جلدی کرو' وہ قریب آگئے تو کچھ نہیں ہو سکے گا۔"
بدری نے اپنے بائیں ہاتھ میں تھامے ہوئے اپریٹس کو آف کرتے ہوئے کہا "نک موڈلے ضرور پوچھے گا کہ دوسری بار اپریٹس بند کرنے کا سبب کیا تھا۔"
"اندھیرے میں اپریٹس تمہارے ہاتھ سے گر جائے تو اس کے سیل نکل سکتے ہیں جنہیں ڈھونڈنا دشوار بھی ہو سکتا ہے۔ یہ سب بہانے بعد میں سوچ لیے جائیں گے۔ پہلے آنے والوں کی فکر کرو۔"
"ابھی انہوں نے دو تین میٹر کا فاصلہ نوٹ کر کے موٹر سائیکل روکی تھی۔ اب ان کا میٹر ناکارہ ہو جائے گا تو وہ کیا نتیجہ اخذ کریں گے؟" وہ میرے مشورے سے مطمئن نہیں تھا۔
"یہ ان کا مسئلہ ہے۔ تمہاری مشکل یہ ہے کہ وہ تمہیں کوئی اشارہ دیتے تو تم کیا کرتے؟ اگلے اور صحیح قدم کے بارے میں نک تمہیں بتانے والا تھا۔ تم اسی سے رابطہ کرتے اور اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کے آدمی تم تک پہنچ چکے ہیں تو پھر ہم انہیں غائب نہیں کر سکتے تھے۔ تم نک سے ہدایت لیے بغیر اشارے کا جواب دو گے تو سو فیصد غلطی کرو گے۔ وہ بھاگ جائیں گے۔ ہم گلی میں نکل کر انہیں نہیں پکڑ سکتے۔"
"یہ سب تمہیں پہلے بتانا چاہیے تھا" وہ جھنجلا کے بولا "تم میں یہ خرابی ہے کہ تم بہت سی باتیں چھپائے رہتے ہو اور ایسے وقت پر زبان کھولتے ہو جب کمر دیوار سے جا لگتی ہے۔"
"یہ تمہاری بھول ہے۔ مجھے اسی وقت دھیان آیا ہے کہ نک نے ان کے اندر آنے یا باہر سے لوٹ جانے کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ ہم انہیں اندر کودنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اشارے کے جواب میں ہمیں وہی کہنا یا کرنا ہوگا جس کے وہ منتظر ہوں گے" میں نے نیچی آواز میں وضاحت کرتے ہوئے کہا۔
"یہ الہامی کام تم کر سکتے ہو تو کرلو۔ میں ایسے شعبدے نہیں دکھا سکتا۔"

احاطے کی دیوار کے پیچھے ہلکا سا کھٹکا ہوا۔ باہر کا نقشہ میرے ذہن میں پوری طرح جم چکا تھا۔ مجھے وہ آواز پہچاننے میں دشواری نہیں ہوئی۔ وہ موٹر سائیکل کو اسٹینڈ پر کھڑا کرنے کی دبی ہوئی آواز تھی۔ وہ دونوں کوشش کے باوجود اسپرنگ کے جھٹکے پر قابو نہیں رکھ سکے تھے۔

میں بدری کا ہاتھ تھام کر اندھیرے میں اسی طرف دیوار کے قریب پہنچ گیا جدھر سے کھٹکے کی آواز آئی تھی۔
میں سانس روک کر باہر کی آوازیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔
چند ثانیوں بعد مجھے وہم سا ہوا کہ باہر سرگوشیاں ہو رہی ہیں۔ ہوا کی سی وہ سرسراہٹیں بہت موہوم اور غیر واضح تھیں لیکن میری حد سے بڑھی ہوئی سماعت کی حس اس وقت ان سرسراہٹوں کو سن رہی تھی۔
"تم اتنے غور سے کیا سن رہے ہو؟ مجھے تو کچھ نہیں سنائی دے رہا" بدری سانسوں کی سی دھیمی سرگوشیانہ آواز میں میرے کان کے قریب منمنایا۔
"چپ رہو... اب میں بڑبڑانے جا رہا ہوں' شاید بات بن ہی جائے" میں نے اس سے بھی ہلکی آواز میں اس کے کان سے منہ لگا کر کہا پھر سیدھا ہو گیا۔
"سالا پھر گر گیا" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے جھلائی ہوئی بے ساختہ آواز میں اس طرح کہا کہ باہر کوئی موجود ہو تو میرے وہ الفاظ اس کے کان میں پڑ جائیں۔
اسی لمحے مجھے ایک اور تدبیر سوجھی اور میں نے بدری کی جیب سے اپریٹس کھینچ لیا۔
بدری اچانک میرا ہاتھ کھینچ کر تیزی سے دیوار کے سائے میں بیٹھتا چلا گیا۔ اس کا چہرہ اوپر کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ پھر میں نے بھی اپنے احاطے کی دیوار کی اندرونی سطح پر سختی سے جمے ہوئے دو انسانی ہاتھ دیکھ لیے۔ باہر سے کوئی دیوار پر اچک کر اندر کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس وقت ہم دونوں اسٹریٹ لیمپس کے انعکاس سے بچ کر دیوار کے تاریک سائے میں محفوظ بیٹھے ہوئے تھے۔
دیوار کے قریب ہونے کی وجہ سے میں جھانکنے والے کی صورت نہیں دیکھ سکا۔ دونوں انسانی ہاتھ کئی سیکنڈ تک اسی جگہ جمے رہے پھر باہر غائب ہو گئے۔ ساتھ ہی زمین پر قدموں کی ہلکی سی دھمک سنائی دی۔
میرے رہے سہے شبہات بھی زائل ہو گئے۔ پوزیشن بالکل واضح ہو چکی تھی۔ دو حریفوں کی برابر کی نفری دیوار کے دونوں طرف موجود تھی۔ ہر فریق دوسرے کے بارے میں تجسس' بے چینی اور ہیجان میں مبتلا تھا۔
میں نے قدرے بلند آواز میں جو کچھ کہا وہ دیوانے کی بڑ نہیں تھا۔ اس سوچے سمجھے فقرے سے میں نے باہر والوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ میرے اپریٹس کے سیل گر چکے تھے۔ اس فقرے کو اپنے مدعا کے اظہار کے لیے ناکافی سمجھتے ہوئے میں نے بدری کے اپریٹس پر قبضہ کیا تھا۔
دیوار کی کگر پر سے انسانی ہاتھ غائب ہونے کے بعد میں نے اپریٹس کو پل بھر کے لیے آن کر کے فوراً ہی بند کر دیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس وقت وہ دونوں بار بار میٹر ہی کو دیکھ رہے ہوں گے۔ میری اس حرکت کے نتیجے میں ان کے میٹر پر لحہ بھر کے لیے ایک آدھ میٹر کا فاصلہ نمودار ہو کر معدوم ہو گیا ہو گا۔ میری یہ حرکت انہیں اس

مغالطے میں ڈالنے کے لیے کافی تھی کہ اندر کوئی روشنی کرنے کا خطرہ مول لیے بغیر اپریٹس کے سیل لگانے کی ناکام کوشش کررہا تھا اور اسی وجہ سے ان کے میٹر نے کام کرنا بند کردیا تھا۔

میں نے اس بار قدرے بلند آواز میں ایک بے مقصد گالی دی جو بظاہر سیل یا اپریٹس کے لیے تھی۔

میری وہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ باہر سے ایک بھاری اور محتاط آواز ابھری "کیا دیوار کے پیچھے کوئی ہے؟"

بدری نے اندھیرے میں جوش سے میرا ہاتھ دبایا۔ میں نے چڑچڑے اور خود کلامی کے انداز میں کہا "پتا نہیں اتنی رات گئے سالا کون ہیروئنچی یہاں آن پڑا ہے۔ ہر جگہ مرتے پھرتے ہیں حرام زادے۔"

"بھائی! میں ہیروئنچی نہیں، گھڑی والا ہوں۔" باہر کی آواز اس بار بھی زیادہ بلند نہیں بلکہ محتاط تھی "چند منٹ پہلے گھڑی چل رہی تھی، اب بند پڑی ہے۔ ابھی ابھی اس نے ایک سانس لیا اور پھر بند ہوگئی۔ شاید اس کی چابی تمہارے پاس ہے۔ اتنی رات کو تم اپنی دیوار کے نیچے کیا کررہے ہو؟"

وہ اس کی طرف سے واضح استعارے تھے۔ اپنے میٹر کو وہ گھڑی کہہ رہا تھا۔ اپنی حکمت عملی کی کامیابی پر میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا مگر میں نے اسے جھلائی ہوئی آواز میں جواب دیا "دیوار کی جڑ میں پیشاب کررہا ہوں۔ تمہیں اعتراض ہے تو آکر روک لو۔ میرے پاس چابی نہیں بلکہ چاقو ہے۔ اندھیرے میں اس کی بیٹریاں نکل گئی ہیں۔ پتا نہیں اب کیا ہوگا۔ بیٹری کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔" اسے یہ دھیان نہیں آیا کہ دونوں بیٹریوں کے بغیر اس کے میٹر نے سانس کیوں لیا تھا۔

"تام کیٹ۔" باہر سے آنے والی آواز اس بار خاصی دھیمی ہوگئی مگر سناٹے میں واضح تھی۔

"سن لیا مگر یہ سب بے کار ہے۔ جب تک دوسری بیٹری نہیں ملتی، میں کوئی جواب نہیں دے سکتا۔"

"ماچس یا لائٹر جلا کر ڈھونڈ لو۔ یہاں روشنی میں ہم زیادہ دیر نہیں رک سکتے۔"

"اندر والوں نے روشنی دیکھ لی تو میں بے موت مارا جاؤں گا۔" میں نے چڑچڑے انداز میں کہا "تم ایسے ہی بے وقوفانہ مشورے دینے آئے ہو تو چلے جاؤ۔ مجھے بیٹری سے زیادہ اپنی زندگی سے محبت ہے۔"

"تو پھر دروازہ کھول دو۔ ہم اندر آکر تمہاری مدد کرتے ہیں" وہ پیشکش بہت حوصلہ افزا تھی۔

"چھوٹے اور بڑے دونوں دروازوں میں تالے ہیں۔ آتا ہے تو دیوار پھاند کر آجاؤ۔ ادھر میدان صاف ہے۔ اگر تم نے سیل ڈھونڈ لیا تو چند منٹ میں سب کام سیدھے ہوجائیں گے۔"

چند ثانیوں تک خاموشی چھائی رہی۔ شاید وہ دونوں سرگوشیوں میں مشورے کررہے تھے پھر تھکی تھکی سی وہی آواز بلند ہوئی "ٹھیک ہے۔ ہم آرہے ہیں۔"

اس وقت بولنے والا دیوار کے پیچھے میرے سامنے ہی موجود تھا۔ اس کی آواز اس کی پوزیشن واضح کرنے کے لیے کافی تھی۔ میں چند قدم پیچھے ہٹ کر اس کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ میری نظریں دیوار کی نگر پر ہی جمی ہوئی تھیں جس پر ہاتھ جمائے بغیر اندر کودنا ممکن نہیں تھا۔

وہ دونوں بیک وقت اندر آئے۔ ہمیں ان کی آمد کا علم ان کے قدموں کے زمین پر ٹکنے کی گونجیلی آوازوں سے ہوا۔ ہم اپنے پاس ہی دیوار کو تکتے رہے اور وہ تیزی سے اپنی جگہ بدل کر ہم سے دس بارہ فٹ دور ایک دوسرے کے قریب لان پر کودے تھے۔ اس وقت تک ہم دونوں دیوار کے سائے میں تھے مگر وہ اسٹریٹ لیمپ کی روشنی کی زد میں آئے ہوئے تھے۔

وہ دونوں کم و بیش ایک جیسے مضبوط قد کاٹھ کے نوجوان تھے اور اپنے انداز سے بہت پھرتیلے نظر آرہے تھے۔ انہوں نے اپنے قدموں پر کھڑا ہوتے ہی متجسسانہ انداز میں ہماری تلاش میں ادھر اُدھر دیکھنا شروع کردیا تھا۔ اس وقت تک ان کے ہاتھ خالی تھے۔ ایک افسوس ناک خرابی یہ ہوئی کہ اندھیرے میں پودوں وغیرہ کے درمیان چھپا ہوا ہونے کی وجہ سے وہ فوری طور پر ہمارا سراغ نہیں لگا سکے۔

قدرے گورے رنگ کے نوجوان نے خود کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے پھرتی سے اپنی جیب سے پستول نکال لیا۔

اس وقت تک ان دونوں نے محض میری باتوں پر اعتماد کیا تھا۔ عملی طور پر کوئی قابل اعتبار پہلوان کے سامنے نہیں آسکا تھا۔ ان کا بھڑکنا فطری تھا مگر بدری ناتھ اس رات تک کے پیچھے ہونے ہرکاروں کو کوئی رعایت دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس کے دماغ پر اپنے جوہر دکھانے کی دھن سوار ہوچکی تھی۔

اس نے اچانک اپنی جگہ چھوڑ دی اور دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا کر کسی پھرتیلے چیتے کی طرح اڑتا ہوا دس بارہ فٹ کا فاصلہ طے کر کے اس نوجوان پر جھپٹ پڑا جس نے پستول نکالا تھا۔ تصادم کے آثار نمودار ہوتے ہی ایس ٹی ایف کے تینوں اہل کار نیچی آوازوں میں غراتے ہوئے اپنی کمین گاہوں سے نکل آئے۔

بدری کا حملہ اس قدر اچانک اور تیز تھا کہ اس کے حریف کو کچھ کرنے یا سمجھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا اور بدری اسے اپنی وحشیانہ گرفت میں لیتا ہوا گھاس پر ڈھیر ہوگیا۔

وہ نوجوان قد اور جسامت میں بدری ناتھ سے سوا تھا لیکن اس کے جسم پر بدری کی نپی تلی گرفت اتنی سخت اور مضبوط تھی کہ وہ بدری کے نیچے ہل بھی نہ سکا۔ بدری کسی ہشت پا بلا کی طرح اس

کے وجود سے لپٹا ہوا تھا۔ مجھے اس کے داہنے ہاتھ میں دو دھاری خنجر کے پتلے سے پھل کی جھلک نظر آئی۔ میں اضطراری طور پر ان دونوں کی طرف دوڑ پڑا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں بدری کو زبردستی اس کے سینے پر سے اتارلوں گا۔

بدری میرے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے شکار کو چھوڑ کر الگ ہو چکا تھا۔ اس نے نہایت بے رحمی، صفائی اور تیزی سے اس کا نرخرا کاٹ دیا تھا جس سے تازہ تازہ جوان لہو کے ساتھ ہوا خارج ہونے کی بھیانک آوازیں بھی برآمد ہو رہی تھیں اور وہ سبزلان پر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

مرنے والے کا ساتھی پانچ مسلح دشمنوں میں تنہا رہ گیا تھا۔ اپنے ہمراہی کا سفاکانہ انجام دیکھ کر خوف سے اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا اور دہشت سے آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"تمہارا بھی یہی انجام ہو سکتا ہے۔" بدری نے اپنا خنجر اس کے سامنے لہراتے ہوئے کہا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ خنجر کے پھل پر خون کا داغ تک نہیں تھا۔ اسی طرح بدری کے ہاتھوں یا لباس پر بھی خون کی کوئی چھینٹ نہیں آئی تھی۔ اس نے چند سیکنڈ کی قلیل سی مدت میں اپنے حریف کی گردن کاٹنے کے ساتھ ہی اپنے خنجر کا پھل اسی کے لباس کے کسی حصے سے صاف کرلیا تھا۔

نو وارد نے اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کمزور آواز میں بدری سے پوچھا "یہ تم نے بہت برا کیا۔ میں نے آج تک ایسا سفاک اور خوں ریز آدمی نہیں دیکھا جو کسی کو صفائی کا موقع دیے بغیر یوں کاٹ ڈالے۔ تم کون ہو؟"

"میں وہی ہوں جس کی تلاش میں تم مارے مارے پھر رہے تھے۔ اب تم اپنی کتھا سنانے میں ذرا بھی ہچکچائے تو میرا اگلا نشانہ تم خود ہو گے۔" بدری نے فخریہ انداز میں سینہ پھلا کر کہا۔

اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ بدری کے ہاتھوں ہونے والے قتل نے اس کی ہر مزاحمتی قوت کو ابھرنے سے پہلے کچل دیا تھا۔ وہ اس واردات کا ایک مثبت پہلو تھا کہ اس سے بازپرس آسان ہوتی نظر آرہی تھی۔

میں نے اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی ہاتھ پھیلا کر کہا "وہ بڑیا گھڑی کہاں ہے جس پر تم فاصلے پڑھ رہے تھے؟"

"وہ راہول کی جیب میں ہو گی۔" اس کے الفاظ سن کر میں بھونچکا رہ گیا۔ مجھے اپنے وجود کی گہرائیوں میں سکون کی ایک عجیب سی لہر انگڑائیاں لیتی ہوئی محسوس ہوئی۔ تک موڈلے کے لیے کام کرنے والے مقتول کی قومیت کے بارے میں اس وقت تک مجھے معلوم نہیں ہو سکا تھا لیکن اس کا نام سن کر مجھے یہ خوشی ہوئی تھی کہ غداروں اور سازشیوں کے ایک وحشی ٹولے کی دلالی کرنے والا شخص میرا ہم مذہب نہیں تھا۔

میں نے چور نظروں سے دیکھا کہ بدری کے بشرے پر دکھ کا ایک سایہ لہرا کر غائب ہو گیا۔ اگر اسے پہلے ہی مرنے والے کا نام معلوم ہو جاتا تو شاید وہ اسے سرے سے قتل نہ کرتا یا پھر اسے مارنے میں اتنی شقاوت اور سرعت سے کام نہ لیتا مگر وہ میری بدگمانی بھی ہو سکتی تھی۔ اٹل حقیقت یہ تھی کہ بدری نے نسل، قوم اور مذہب کا امتیاز روا رکھے بغیر راہول نامی ایک غدار کو ہلاک کر دیا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے زندہ قیدی کو گھورتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا۔

"پر..... پرشوتم۔" اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا "ہم بھارتی نہیں، پاکستانی ہندو ہیں۔"

"میں نے صرف نام پوچھا تھا۔" میں نے بدری کا دل رکھنے کے لیے غرا کر کہا "تم مرتجی مسلمان ہوتے تب بھی تم کسی بہتر سلوک کے حق دار نہیں ہو سکتے تھے۔"

میں نے ایس ٹی ایف کے آدمیوں کو اشارہ کیا اور وہ بڑھ کر راہول اور پرشوتم کی جامہ تلاشی لینے لگے۔ بدری نے راہول کا گلا ایسی پیشہ ورانہ مہارت سے کاٹا تھا کہ اس وقت تک وہ سسک سسک کر دم توڑ چکا تھا۔

ان دونوں کی جیبوں سے برآمد ہونے والی اشیا میں مزید ایک پستول، کچھ رقم، دونوں کے دفتری شناختی کارڈ اور خوب صورت میٹر ہی قابل ذکر تھا۔ وہ دونوں شہر میں شراب کا کاروبار کرنے والی سیٹھ موہن داس کی فرم میں کل وقتی ملازم تھے۔

ان کا فاصلہ ظاہر کرنے والا میٹر میرے اندازے کے مطابق بہت مختصر بلکہ ماچس کی چھوٹی ڈبیا کے برابر پلاسٹک کے سیاہ کیس اور شیشے کے دودھیا ڈائل میں چھپے ہوئے نازک آلات پر مشتمل تھا۔ ڈائل یا اسکرین کے نچلے سرے پر ایک قطار میں تین سوئچ تھے جو اسے آپریٹ کرنے میں مدد دیتے ہوں گے۔

"اسے کچل کر ریزہ ریزہ کر دو۔" میں نے میٹر لان پر پھینک کر خاص طور پر کسی سے مخاطب ہوئے بغیر کہا۔

ایس ٹی ایف کے ایک آدمی نے فوراً ہی میری ہدایت پر عمل شروع کر دیا۔ وہ اپنے ماؤزر کے وزنی دستے سے اس پر شدید ضربات لگا رہا تھا۔

"یہ میٹر کام آسکتا تھا۔ تم نے بلاوجہ اسے برباد کرا دیا۔" بدری نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی علیحدہ پوزیشن ڈی ٹیکٹر لگا ہوا ہو۔ جب وہ مسلسل ایک ہی مقام کی نشان دہی کرے گا تو ہمارے دشمن کو ایک نئی راہ مل جائے گی۔"

میرے ایما پر بدری میرے ایک آدمی کے ساتھ عمارت کی طرف چل دیا۔ پرشوتم اس سے آگے چل رہا تھا۔ میں نے انہیں براہ راست تہ خانے میں پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ بدری لاش کے غائب کرنے میں ایس ٹی ایف کے کسی آدمی کی مہارت سے واقفیت حاصل کر سکے۔

ان تینوں کے دور نکل جانے کے بعد میں نے باقی رہ جانے والوں کو راہول کی بھیانک لاش اور باہر کھڑی ہوئی موٹر سائیکل کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں بریف کیا اور تیزی سے واپس ہولیا۔

تہ خانے میں ماحول سے مزید خوف زدہ ہو کر پرشوتم نے خود بخود بولنا شروع کردیا تھا۔ بدری کسی فرعون کی طرح اسی مسہری پر دراز تھا جس پر لنگڑا حیف طر آرام کرتا رہا تھا۔ یہ بات ضرور تھی کہ ہماری آمد سے پہلے اول خان نے گھر کے ساتھ ساتھ تہ خانے کو بھی پوری طرح نکھار دیا تھا۔

پرشوتم کی کہانی میں تک موڈلے کا سرے سے کوئی ذکر نہیں تھا۔ اصل آدمی سے ان کی فرم کا منیجر واقف تھا۔ وہ اپنے منیجر کی ہدایات کی تعمیل کررہے تھے۔ مکمل ہدایات کے ساتھ وہ میٹر بھی انہیں ان کے منیجر نے ہی فراہم کیا تھا اور وہ اس کے احکام بجالانے پر مجبور تھے۔

وہ فرم مقامی شراب ساز کمپنیوں کی مصنوعات پرمٹ پر فروخت کرنے کے ساتھ ساتھ غیر ملکیوں اور سفارتی اہل کاروں کے لیے بڑے پیمانے پر غیر ملکی شراب بھی درآمد کرتی تھی۔ ان دونوں دھندوں میں مقامی حکام کی ملی بھگت سے بڑے پیمانے پر گھپلے ہوتے تھے۔ پرمٹ رکھنے والوں کے نام پر مقامی شراب کی بڑی مقدار مہنگے داموں پر مسلمانوں کو بیچی جاتی تھی۔ یہی حال سفارتی کوٹے پر درآمد ہونے والی شراب کا تھا۔ اس چور بازاری سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک بڑا حصہ منیجر کی جیب میں جاتا تھا۔ اس میں سے وہ اپنی صوابدید کے مطابق منظورِ نظر ملازمین کو بھی رقوم دیتا رہتا تھا۔ ان غلط کاموں کی وجہ سے فرم میں غنڈا گردی کرنے والوں کا ایک گروپ بن گیا تھا جسے منیجر کے ذریعے پولیس والوں کی پشت پناہی بھی حاصل تھی۔

پھر یوں ہوا کہ راہول کو اپنی بیوی کی بے وفائی کا علم ہوا۔ اس نے پرشوتم کے ساتھ مل کر اپنی بیوی کو قتل کردیا اور یہ خبر اڑادی کہ وہ عورت اپنے نامعلوم آشنا کے ساتھ کہیں فرار ہوگئی۔ منیجر کو کسی طرح اصل واقعے کی بھنک مل گئی اور اس نے چال بازی سے کام لیتے ہوئے ان دونوں کو اعترافِ جرم پر مجبور کردیا۔ یوں وہ دونوں اس کے سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ساتھی بن گئے۔

منیجر نے میٹر دے کر انہیں یہ سمجھایا تھا کہ ٹھکانے کی تلاش میں انہیں رات کے دس بجے سے صبح تین بجے تک شہر کے ایک مخصوص علاقے میں متحرک رہنا ہے تاکہ میٹر کے کام شروع کرتے ہی وہ تیزی سے مطلوبہ مقام تک پہنچ سکیں۔ وہاں انہیں ٹام کیٹ کا کوڈ سنا کر کچھ دیر انتظار کرنا تھا۔ وقفے کے بعد دوسری طرف سے بگ بینگ کہا جاتا تو پھر انہیں بگ بینگ کی ہدایت پر عمل کرنا پڑتا۔ اسی کے ساتھ ان دونوں کو اس مکان میں رہنے والے علی شیر اور اس کے ساتھی کے بارے میں مکمل معلومات جمع کرنی تھیں۔

میں نے اندازہ لگایا کہ بیرونِ ملک سے سفارتی استعمال کے

لیے ڈیوٹی فری شراب کی درآمد اور چور بازار میں اس کی
کے چکر میں تک موڈلے اور منیجر کے مراسم استوار ہو
مجرمانہ ذہن رکھنے والے مقامی ہروقت تک کی ضرورت
گے۔ اس نے منیجر کو گھپلوں میں ڈھیل دے کر اپنے ہاتھ
لیا۔ اس طرح اسے ایک چھوٹے مگر مضبوط اور محفوظ گ
تعاون مل گیا۔

وہ منیجر کے ذریعے نہ جانے کتنے کام لے چکا ہوگا۔ کا
والوں کو بھنک بھی نہیں ملتی ہوگی کہ وہ کسی امریکی ایجنٹ ک
بن رہے ہیں۔

یوں لگ رہا تھا جیسے تک میرے بارے میں معلومات
کرنے کے ساتھ یہ فیصلہ کرچکا تھا کہ بدری اور رمیش ک
ہوتے ہی مجھے ٹھکانے لگوادے گا تاکہ خود مستقبل کے
سے محفوظ رہ سکے۔ سائنسی بنیادوں پر میرے ٹھکانے کا سرا
راہول اور پرشوتم جیسے مستند قاتلوں کو میری راہ پر لگانے کا
سوا کوئی اور مقصد ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ بات منیجر پر ہا
سے سامنے آسکتی تھی۔

ہمیں پرشوتم پر کوئی محنت نہیں کرنی پڑی۔ گفتگو مکم
کے بعد اس کے ہاتھ پیر باندھ کر منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گ
کسی بھی وقت رمیش کی توجہ اپنی طرف مبذول نہ کراسکے۔

"تم نے راہول کے ساتھ بہت ظلم کیا۔ وہ ایس
مستحق نہیں تھا۔" تہ خانہ مقفل کرکے اوپر آنے کے بعد
پہلی بار بدری سے کہا "اس کی حماقت سے آج تک کا ا
ریکٹ ٹوٹا ہے۔"

"میں اپنے کیے پر پچھتانے کا عادی نہیں ہوں۔" اس
پروائی سے کہا "اسے زندہ چھوڑتے تو آج رات کی پوری ک
کے کانوں تک پہنچ جاتی۔ تم اسے کب تک قید رکھ سک
پرشوتم کو تم کتنے دن مفت کی روٹیاں کھلاؤ گے۔ سیکرٹ سر
یہ بنیادی اصول ہوتے ہیں۔ دوستوں سے چھیڑ چھاڑ نہ
دشمن کو کبھی مہلت نہ دو۔ زیر کرتے ہی اسے جہنم واصل کر

"تو کیا پرشوتم کے بارے میں بھی کوئی فیصلہ کرچکے ہ
نے اس کے فلسفے سے متاثر ہونے کی اداکاری کرتے ہو
سے سوال کیا "وہ تو راہول کا انجام دیکھ کر ہی ادھ موا ہوچکا

"وہ آسان ترین موت تھی جو راہول کے حصے م
ٹخنوں اور کلائیوں کی رگیں کاٹ دی جائیں تو خون دھیر
بہتا ہے اور مرنے والے کو بڑی اذیت سے گزرنا پڑتا ہے
پرشوتم کی مہمان داری سے اکتا جاؤ تو مجھے بتا دینا میں ا
نرگباش کردوں گا۔"

"رمیش کو ٹوکتے ہو اور خود اس وقت ایک ہندی لفظ
ہو۔"

"ہاتھ پیر کھلنے کی خوشی میں اس وقت ذرا سا بہکا ہوا ہ

ے بارے میں کیا کہتے ہو؟"
تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔ میں کسی بھی وقت سفر پر روانہ
ہوں۔ میرے پیچھے پرشوتم کا معاملہ الجھ جائے گا۔ اسے رہا کر
سب عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔"
"تو چلو، نیچے چل کر ایک اور کمال بھی دیکھ لو۔ صاف ستھرے
کو خون سے گندا کرنا اچھا نہیں لگتا۔"
میرا ارادہ اسے تہ خانے سے نکال لانے کا تھا مگر بدری کا موڈ
میں چپ رہا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ وہ خوش ہو گیا۔ یوں
ہو رہا تھا جیسے میں نے اسے اس کے من پسند کھیل کی دعوت
ڈالی ہو۔
چند منٹ بعد ہمیں دوبارہ اپنے سامنے دیکھ کر پرشوتم کی
سے خوف جھلکنے لگا۔
"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری یہ مشکلیں جلد ہی آسان
ہیں گی۔" بدری نے اس پر جھک کر نرمی سے کہا اور پھر اس
دہانے میں ٹھنسا ہوا کپڑا کھینچ کر باہر نکال پھینکا۔ پرشوتم کی
ں میں اس کے لیے ممنونیت کے جذبات امڈ آئے۔
"اس وقت تم بہت نرم دل اور مہربان معلوم ہو رہے ہو۔" وہ
ہوئی آواز میں بولا۔
"وہ تو میں ہوں۔" بدری اس کے ہاتھوں کی بندشیں کھولتے
بولا "بس کبھی کبھی تازہ خون کی سرخی دیکھنے کو دل چاہتا ہے تو
تک جاتا ہوں۔ ارے، تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا
ہا کر میں یہ خوب صورت تہ خانہ برباد نہیں کروں گا۔ دیکھو
کباڑ بھی ایک کونے میں کتنے سلیقے سے چنا ہوا ہے۔"
اس نے پرشوتم کو پوری طرح آزاد کر دیا۔ وہ اپنی کلائیوں کو
ہوا اپنے قدموں پر اٹھ کھڑا ہوا۔
بدری ٹہلتا ہوا اس کے مقابل جا کھڑا ہوا۔ اس وقت تک وہ
خالی ہاتھ تھا۔
"اب ذرا سر اٹھا کر اپنے سامنے والی دیوار اور چھت کے جوڑ
کی خرابی تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ یہ تمہارے مشاہدے کا
معمولی سا امتحان ہے۔"
پرشوتم نے سر اٹھا کر اپنی نظریں بدری کے بتائے ہوئے مقام
تبھی اچانک بدری کی دونوں مٹھیاں بھنچ گئیں۔ بہت تیزی
ساتھ اس کا داہنا بازو فضا میں بلند ہوا۔ بدری کا جسم بائیں
جھک گیا تھا۔ پھر اچانک ہی بدری کا داہنا مکا پوری قوت سے
ٹھوڑی پر پڑا۔ ایک شدید جھٹکے سے پرشوتم کا سر پیچھے گیا،
کی گردن کی ہڈی ٹوٹنے کی واضح آواز آئی۔ اس کے منہ سے
ایک تیز اور اضطراری ہچکی آزاد ہو سکی اور وہ پشت کے بل
گر کر بے حس و حرکت ہو گیا۔
بدری اپنے بائیں ہاتھ سے داہنے ہاتھ کی پشت رگڑتے ہوئے
تھا جیسے کسی عالمانہ موضوع پر لیکچر دینے کا ارادہ رکھتا ہو پھر
پُرسکون آواز میں کہنے لگا "ہوتا یوں ہے کہ جب بے خبری میں
تمہارا فولادی مکا کسی کی ٹھوڑی پر پڑتا ہے تو گردن کو جھٹکا لگتا ہے۔
گردن نازک ہوتی ہے۔ ہڈی ٹوٹ جاتی ہے مگر آدمی ہڈی ٹوٹنے سے
نہیں مرتا۔ ہڈی کے ساتھ دماغ سے اترا ہوا مغز جسے تم حرام مغز
کہتے ہو، ٹوٹ جاتا ہے اور آدمی مرجاتا ہے۔ دیکھو یہ کتنے سکون
سے مرگیا۔ اسے پتا بھی نہیں چلا ہوگا کہ یہ مرنے والا ہے۔"
میں کچھ کہے بغیر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دوسروں کو
اذیت رسانی کے کسی ہولناک نفسیاتی عارضے میں مبتلا معلوم ہوتا
تھا۔ انسانوں کی زندگی کا چراغ گل کر کے وہ سرور بلکہ نشے کی سی
کیفیت میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ اذیت دینے کا یہ
عمل ہر کس و ناکس پر آزمانے کا عادی نہیں تھا۔ اپنا شوق صرف
اپنے دشمنوں پر پورا کرتا تھا۔ اس کے اس شوق نے مجھے دو افراد
کے قتل سے بچالیا تھا۔
"یہ بڑی عجیب صورتِ حال ہے کہ یہاں آکر بھی اتفاق سے
ہندو میرا نشانہ بن رہے ہیں۔" راستے میں اس نے ہنس کر کہا "مجھے
مدد کی ضرورت پڑی تھی تو میرے سامنے ان میں سے کوئی نام نہیں
تھا۔"
"فکر مت کرو۔ جلد ہی مسلمان بھی تمہاری زد میں آسکتے
ہیں۔ مجرم کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ صرف مجرم ہوتا ہے۔ آخر
تک ہم کو پتا نہیں تھا کہ تک نے کن لوگوں کو بھیجا ہے۔"
"ساری رات اسی چکر میں بیت گئی۔ اب میں تھوڑی دیر کے
لیے سونے جا رہا ہوں۔ میری یہ بات یاد رکھنا کہ اب رمیش بھروسے
کے قابل نہیں رہا ہے۔ تمہیں اس سے ہوشیار رہنا ہے۔"
اس رات میں نے بدری کے ساتھ بہت زیادہ وقت گزار لیا
تھا۔ میں خود بھی اس سے نجات حاصل کرنے کا خواہاں تھا تاکہ
اس سے الگ ہونے کے بعد دوسرے کاموں کی طرف توجہ دے
سکوں۔ میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے اسے فوراً ہی اس کے
کمرے کی طرف روانہ کر دیا۔
راہول اور پرشوتم نے اپنے منیجر کے ذریعے تک کا آلۂ کار بن
کر جو جرم سرزد کیا تھا وہ اتنا سنگین نہیں تھا کہ اس کی پاداش میں
ان دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ راہول کے قتل پر میرا
فوری تاثر گہرے صدمے اور افسوس کا تھا مگر پرشوتم کی کہانی سن
لینے کے بعد مجھے یہ اطمینان ہوا تھا کہ وہ دونوں مکافاتِ عمل کا شکار
ہوئے تھے۔ قدرت کے اس خود کار نظام میں یہی ہوتا ہے کہ انسان
اپنے بعض سنگین اور کردہ گناہوں کے چکر سے صاف بچ نکلتا ہے
لیکن پھر کسی ناکردہ یا معمولی جرم کے نتیجے میں ایسی بھیانک سزا سے
دوچار ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کی روح تک لرز اٹھتی ہے۔ اس بار
بھی شاید قدرت نے ان دونوں کو راہول کی بیوی کے قتل کی سزا
بدری ناتھ کے ہاتھوں دلوا کر اپنے اسی اصول کی ایک اور اٹل نظیر
پیش کی تھی۔

باہر اول خان کے تینوں آدمی راہول کی گردن بریدہ لاش کو لان سے ہٹا چکے تھے۔ باہر کھڑی ہوئی موٹر سائیکل کی نمبر پلیٹیں نکال کر اسے گیراج میں بند کردیا گیا تھا۔ اس وقت وہ لان پر جمے ہوئے خون کی علامات کو مٹی سے چھپانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

میں نے انہیں تہ خانے میں پرشوتم کی خشک لاش کی موجودگی سے آگاہ کرتے ہوئے دونوں لاشوں اور موٹر سائیکل کی نمبر پلیٹوں کو اسی وقت ٹھکانے لگانے کے بارے میں سمجھایا اور پھر لوٹ آیا۔

واپسی پر معاً مجھے خیال آیا کہ کشت و خون میں الجھ کر بدری ایک اہم ترین کام کے بارے میں بھول گیا تھا۔ میں اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ روشنی گل کرکے بستر پر دراز ہو چکا تھا مگر جاگ رہا تھا۔

میں اسے خاموشی سے اس کے کمرے سے باہر نکال لایا۔ اس نے میرے قدموں کی آہٹ محسوس کرتے ہی تیزی سے بستر چھوڑ دیا تھا۔

میری بات پہلے ہی اشارے پر اس کی سمجھ میں آگئی۔ اپنی طرف سے نک موڈلے کا ذہن صاف رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ بدری اسی وقت نک سے رابطہ کرکے اس سے اپنے بے نیل و مرام انتظار کا شکوہ کرکے اپریٹس بند ہونے کے بارے میں ضروری وضاحتیں کرتا تاکہ وہ اس کی طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا نہ رہتا۔

بظاہر وہ قصہ خوش اسلوبی سے نمٹ گیا تھا۔ راہول اور پرشوتم نک کی لاعلمی میں ہمارے پنگل میں پھنس کر اپنے منطقی انجام سے دوچار ہو چکے تھے۔ ان دونوں کے اچانک غائب ہونے پر ان سے متعلقہ لوگوں کو تشویش ہو سکتی تھی مگر میں نے اس کا رخ بدلنے کی ایک ترکیب سوچ لی تھی۔

اول خان اسی رات کے حوالے سے اخبارات میں دو پارٹیوں کے درمیان رات گئے فائرنگ کے تبادلے' پھر ایک سے زائد افراد کے اغوا کی فرضی خبر چھپوا دیتا تو یہی سمجھا جاتا کہ رات کو آوارہ گردی کرتے ہوئے وہ دونوں مقامی بدمعاشوں کی کسی ٹولی سے ٹکرا گئے اور اس مقابلے کے نتیجے میں اغوا کرلیے گئے۔

ان کے بارے میں کچھ عرصے تک تلاش کی سرگرم کوششیں جاری رہتیں پھر متعلقین رو پیٹ کر خود ہی صبر کرلیتے کیونکہ شہر میں ان دنوں اس قسم کی متعدد وارداتیں رونما ہو چکی تھیں جن میں اٹھائے جانے والوں کا ہفتوں بعد بھی کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔

ان دونوں سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں شراب کی درآمدی اور کاروباری فرم کا منیجر اہم کردار کا حامل تھا۔ اس پر ہاتھ ڈال کر ملک دشمن افراد کے بارے میں بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا تھا۔ ان دونوں کے اچانک غائب ہونے کے فوراً بعد منیجر پر ہاتھ ڈالنے سے نک واقعات کی کڑیوں کو یکجا کرسکتا تھا۔ ضروری تھا کہ اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے تازہ واقعے کی گرد دبنے کا انتظار کیا جاتا۔ ایک بار راہول اور پرشوتم کے نام ذہنوں میں ماند پڑ جاتے تو خبیث منیجر کو خاموشی سے اٹھایا جا سکتا تھا۔

میں خاموش بیٹھا ان پہلوؤں کی جزئیات پر غور کرتا رہا [illegible] دوران میں بدری نے اپنے اپریٹس پر نک موڈلے سے رابطہ [illegible] کرلیا۔

بدری کی پہلی ہی کال پر اس نے برہمی کے ساتھ کہا تھا "[illegible] کہاں تھے۔ اتنی دیر سے اپریٹس کیوں بند تھا؟"

"میں باہر اندھیرے میں تمہارے آدمیوں کا انتظار کررہا تھا [illegible] اپریٹس میرے ہاتھ سے گر گیا اور سیل اندھیرے میں کہیں کھو گ[illegible] میں باہر روشنی کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اب [illegible] آنے کے بعد درازوں سے پرانے سیل تلاش کرنے کے بعد تم [illegible] بات کررہا ہوں۔ ان کے انتظار میں میری پوری رات کالی ہوگئ[illegible]

"تم ڈفر ہو" نک کی غضبناک آواز توہین آمیز ہوگئی "اپریٹ[illegible] بند کرکے تم قیامت تک بھی باہر بیٹھے رہو تو وہ تم تک نہیں [illegible] سکتے۔ میں نے تمہیں پوری بات سمجھادی تھی۔ تمہیں سب [illegible] چھوڑ چھاڑ کر سیل تلاش کرنے چاہیے تھے۔ تم لولے نہیں ہو [illegible] تمہارے ہاتھ سے اپریٹس گر گیا۔"

"بس غلطی ہوگئی" بدری نے مردہ سی آواز میں کہا "اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"اپنا منہ پیٹو اور اپنے اوپر لعنت بھیجو" نک اپنی باتوں [illegible] بدری کے سینے میں سلگتے ہوئے نفرت کے الاؤ کو بھڑکانے کی نادا[illegible] کوششوں میں مصروف تھا "اس سے پہلے بھی تم نے تھوڑی دیر [illegible] لیے اپریٹس بند کیا تھا۔"

بدری نے پہلے سے رٹی رٹائی تاویل دہرادی۔ میں محسو[illegible] کررہا تھا کہ اس کے ہر سادہ اور عاجزانہ لفظ پر نک بری طرح [illegible] و تاب کھا رہا ہوگا۔ وہ بہانے قابلِ فہم ضرور تھے مگر ایک نازک موقع پر دو مرتبہ ناگزیر مجبوریوں کا پیش آجانا کسی کو بھی کسی [illegible] طرح مشتعل کرسکتا تھا۔

"تم کام چور اور نمک حرام ہو" نک اس پر بے تکان برس[illegible]

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہارے بڑوں نے راس کے لیے [illegible] ناکارہ کھوپڑیوں کا انتخاب کیا ہوگا۔ اب تمہاری سزا یہی ہے [illegible] اپریٹس لے کر سورج طلوع ہونے تک باہر انتظار کرتے رہو۔ [illegible] معلوم ہے کہ اب وہ نہیں آئیں گے۔ وہ مایوس ہوکر لوٹ چکے ہو[illegible] گے لیکن تم کو اپنی سزا پھر بھی بھگتنی ہوگی' یہ میرا حکم ہے۔"

"تم نک باس ہو۔" بدری نے سرد اور سپاٹ آواز میں کہا [illegible]

"چاہو تو مجھے اسی لمحے واپسی کا حکم دے سکتے ہو۔" شاید اس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تھی اسی لئے اس نے اتنی بڑی بات کہہ ڈالی تھی مگر پھر اس نے اپنے فقروں کی کاٹ کم کرنے کے [illegible] رکے بغیر بات جاری رکھی "مجھے تمہارا ہر حکم منظور ہے۔ میں اس وقت کھلے آسمان کے نیچے رات کا باقی حصہ گزارنے کے لئے جاتا ہوں۔"

"اچھے کارندوں سے ہر ایک کام لے لیتا ہے۔ میں ہر [illegible] سے کام لینا جانتا ہوں۔ تربیت کے دوران تمہارے ذہن [illegible]

زنگ کا ایک ایک ذرّہ کھرچ کر نکال دیا جائے گا۔ واپسی پر تم خود کو ایک نیا ایجنٹ محسوس کرو گے۔ تمہاری ذاتی انا سِرے سے مٹ چکی ہوگی اور تم صرف پیشہ ورانہ انا اور وقار کے لئے زندہ رہنا سیکھ لو گے۔"

"میری انا اب بھی مر چکی ہے۔" بدری نے سرد نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے اپریٹس میں کہا "میں شروع سے تمہاری جھڑکیاں انعام سمجھ کر سہہ رہا ہوں کیونکہ تم میرے بِگ باس ہو اور میں تمہارا ادنیٰ سا خادم۔"

"اگر میرے دونوں آدمی تین بجے واپس لوٹ چکے ہیں تو کل رات بھی یہی مشق دہرانی ہوگی" اس نے پہلی بار اپنے آدمیوں کی تعداد کا انکشاف کرتے ہوئے کہا "آج کی رات رائگاں جائے گی۔ چاہو تو دن میں اپنی نیند پوری کرلینا تاکہ آنے والی رات میں تم پوری یکسوئی سے کام کرسکو۔"

"سورج طلوع ہونے کے بعد مجھے تم کو رپورٹ دینی ہوگی؟" بدری نے پوچھا۔

"سورج نکلتا ہے تو سارا عالم اسے دیکھ لیتا ہے۔" اس نے شاید بدری کا مضحکہ اُڑانے کی کوشش کی تھی۔ "اب تم مجھے ڈسٹرب نہیں کرو گے۔ ضرورت پڑنے پر میں خود بات کروں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

بدری نے اپریٹس کو حقارت سے گھورا اور پھر آف کئے بغیر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"تم دیکھتے ہو کہ وہ اپنے ایک ایک لفظ سے میری روح پر نشتر لگاتا ہے۔" بدری نے زہر آلود لہجے میں کہا۔ "ایسے آدمی سے نفرت کو زندگی کا مشن بنالینے کو میں عین عبادت سمجھتا ہوں۔"

"اب میں تمہاری بغاوت اور سرکشی کے اسباب کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ رہا ہوں۔ نک بددماغ اور دوسروں کے جذبات کو سمجھنے کی صلاحیت سے بالکل عاری ہے۔ اس کے لئے کام کرنا بہت مشکل ہے۔ آج رات تم نے پہلی بار اسے براہِ راست شکست دی ہے۔ باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ اپریٹس بند کئے بغیر اپنے بستر میں گھس کر آرام کرو۔"

اس کے چلے جانے کے بعد میں نے کسلمندانہ انداز میں اپنی رِسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو سوئیاں ساڑھے تین بجانے والی تھیں۔ تذبذب کے باوجود میں نے فون پر اپنے فلیٹ کا نمبر ڈائل کرنا شروع کردیا۔

فون کی پہلی گھنٹی پر ہی دوسری طرف سے اول خان نے ریسیور اٹھالیا۔ اس کی آواز میں دور دور تک نیند کا شائبہ نہیں تھا۔ میری آواز سن کر وہ خوش ہوگیا۔ "میں اس وقت بھی تمہارے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"ویرا کے سامنے ایسی بات نہ کہہ بیٹھنا۔ وہ تمہارا مذاق بنا لے گی۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔ "بستر میں لیٹ کر لوگ صرف محبوبہ یا بیوی کے بارے میں سوچتے ہیں۔ ویسے تم کو اس وقت میرا خیال کیوں آرہا تھا؟"

"تم تلوار کی تیز دھار پر چل رہے ہو۔ ہر وقت کسی حادثے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔"

"ان تفکرات کے لئے غزالہ کافی ہے۔ یہ باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔" میں نے اس کی بات اُڑا دی۔

"تم دونوں کے پاسپورٹ دوپہر تک ہاتھ میں آجائیں گے۔" اس نے مجھے خوش خبری سنائی۔ "ناموں کی تبدیلی اور عمروں کے تھوڑے بہت فرقوں کے سوا سب کچھ اصل جیسا ہی ہوگا۔"

"گڈ! اس کا مطلب ہے کہ میں پرسوں سفر پر روانہ ہوسکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"پرسوں کیوں، کل کہو۔ اب تو نیا دن شروع ہی ہوچکا ہے۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ قمری حساب سے غروب آفتاب کے بعد نیا دن شروع ہوجاتا ہے۔ جس کی ابتدا آسمان کی بے کراں وسعتوں میں چاند کی حکمرانی سے ہوتی ہے۔ شمسی حساب سے رات کے بارہ بجے کے بعد سے نئے دن کا آغاز ہوجاتا ہے مگر ہوتا یہی ہے کہ عام طور پر رات کو پچھلے دن میں شمار کیا جاتا ہے۔

"بات ایک ہی ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا "میں نے آج کی رات خاصی بھاگ دوڑ میں گزاری ہے۔ اس وقت تمہارے آدمی ایک گیلی اور دوسری خشک لاش کو ٹھکانے لگانے کی تیاری کررہے ہیں۔"

"خدا خیر کرے۔" اول خان کی بے ساختہ آواز آئی۔ "یہ لاشوں کا نزول پھر سے شروع ہوگیا۔"

"یہ سب نِک موڈلے کے دیئے ہوئے اپریٹس کی کرامات ہیں۔ آج رات بدری نے اس کے بھیجے ہوئے دو ہندو مجرموں کو ٹھکانے لگا کر اسے پہلی شکست سے دوچار کیا ہے۔"

اول خان بعد میں رونما ہونے والے واقعات سے بالکل بے خبر تھا۔ اس لئے اس کے ذہن پر بے شمار سوالات نے یلغار کردی۔ میرے لئے اس کے لامتناہی سوالات کے جواب دینا آسان نہیں تھا۔ میں نے اسے شروع سے پوری کہانی سناڈالی۔ اس کے لئے وہ تفصیلات تحیر خیز ثابت ہوئی تھیں۔

"یہ واقعی بہت بڑی کامیابی ہے۔ میں راہول والی فرم سے واقف ہوں۔ سمجھ لو کہ اب اس کے مینجر کی باری ہے۔ وہ واقعی خود کو ایک بارسوخ بدمعاش سمجھنے لگا ہے۔ میں اس کی ساری بدمعاشی ناک کے راستے بہادوں گا۔ وہ ایک ایک بات اُگلنے پر مجبور ہوجائے گا۔"

"ابھی ایسا نہ کرنا۔" اسے منع کرنے کے بعد میں نے اپنے تحفظات دہرا ڈالے۔ "نک کو خلش اور بے یقینی میں مبتلا رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ راہول اور پرشوتم سے تعلق رکھنے والے کسی

بھی فرد کو نہ چھیڑا جائے۔ بات فوراً ہی اول خان کی سمجھ میں آگئی۔

پھر اس نے خود ہی دونوں مقتولین کی بات چھیڑ دی۔ ان کی یکایک روپوشی' ہزاروں وسوسوں کو جنم دے سکتی تھی۔ میں پہلے ہی تک کو گمراہ کرنے کی ایک اخباری تجویز لئے بیٹھا تھا۔ ابتدا میں وہ بات اول خان کے پلے نہیں پڑ سکی۔ میں نے تجویز کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی تو اس نے خود ہی وہ ذمے داری اپنے سر لے لی۔ میرے پاس ویسے بھی اول خان کا کوئی متبادل نہیں تھا۔ اس کی وجہ سے بہت سے مسائل یوں چٹکی بجاتے میں حل ہو جاتے تھے کہ ان کی صحیح اہمیت کا احساس ہی نہیں ہو پاتا تھا۔

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہیروئن کی پیداواری منڈی پر قبضے کی عالمی چپقلش ہمارے خلاف ایک بھیانک روپ دھارتی چلی جا رہی ہے۔" ان معاملات کے طے ہو جانے پر ایک گہرے سانس کے ساتھ اول خان کی آواز آئی۔ "بعض اہم قوتوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ہمیں اپنی مرضی کے راستے پر نہیں چلنے دیا جائے گا۔"

"اگر تم ملک میں گاہے گاہے پھیلنے والی سیاسی افواہوں کے حوالے سے بات کر رہے ہو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہمارے بیشتر لیڈر اپنے کئے دھرے کا بوجھ دوسروں پر ڈالنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ کرسی پر بیٹھ کر جن قوتوں کی جی حضوری کرتے ہیں' کرسی سے اترتے ہی خرابیوں کا طوق اسی کے گلے میں ڈال دیتے ہیں۔ مجھے ان سے رتی برابر بھی دلچسپی نہیں ہے۔ انہوں نے ہیروئن کو بھی اپنے مفادات کے حصول کا ایک ذریعہ بنا رکھا ہے۔ ورنہ یہ کس طرح ممکن تھا کہ ہمارے ملک کے چپے چپے پر سسکتے اور اونگھتے ہوئے زندہ لاشے نظر آنے لگتے۔"

"مجھے خود بھی سیاست سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔" میری بات پوری ہونے پر اول خان کی ناصحانہ آواز ابھری۔ "میں پہلے بھی تم کو بتاتا رہا ہوں کہ ہم اپنے سسٹم میں رہ کر کام کرنے کے عادی ہیں۔ میں کچھ اور بات کر رہا تھا۔ راس المیڈا شی پر قبضہ کرنا چاہتا تھا تاکہ شی کو ملنے والی بھاری گرانٹ کے ساتھ ہیروئن کے بین الاقوامی کاروبار پر قبضہ کر سکے۔ بظاہر وہ پاکستان بھی اسی لئے آیا تھا۔ پاکستان کے راستے اسمگل ہونے والی مقامی اور افغان ہیروئن پر اس کے دانت تھے۔ ساگا کو اس نے تلخ ذائقہ' بے بو اور اعلیٰ قسم کی سفید اور براؤن ہیروئن کی خریداری کی ذمے داری سونپی تھی۔ مگر دوسری طرف اس نے بھارت سے رمیش اور بدری کو بلا لیا۔ مدن موہن پہلے سے یہاں ایک سوشل ریکٹ چلا رہا تھا۔ تک موڈلے سے ان لوگوں کے گہرے روابط سامنے آ رہے ہیں۔ مگر آثار و قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے درمیان چلی آنے والی پرانی مفاہمت کسی بھی وقت ختم نہیں ہوئی تھی۔ راس نے ان رابطوں کو دوبارہ فعال بنا لیا تھا اور آج ہم اسی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ یہ سب راس المیڈا کے لگائے ہوئے پودے ہیں جو اب زہر کی فصل دے رہے ہیں۔"

"یہ ٹھیک ہے۔ آج میں تمہیں بتا دوں کہ کسی انقلابی قدم کے بغیر ہمارے خلاف سی آئی اے اور را والوں کا گٹھ جوڑ بھی ختم نہیں ہو گا۔ وہ ہمارے خون کی بو پر لگے رہیں گے۔"

"انقلابی قدم کے دور دور آثار نظر نہیں آتے۔ آنے والے برسوں میں سب کچھ یونہی چلتا رہے گا۔"

"میں تبدیلی کے آثار محسوس کر رہا ہوں۔ بدری ناتھ نے صرف تک سے نہیں را سے بھی بغاوت کی ہے۔ میری دانست میں یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس کے اثرات دوررس ہوں گے۔"

"ہاں۔" اول خان نے اعتراف کیا۔ "چند روز پہلے تک یہ بات ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ کامیابی کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ بدری کی ذات' شبہات کی زد میں نہ آنے پائے۔ جس دن اسے منظر سے ہٹا دیا گیا اسی دن ہم پرانی جگہ پر پہنچ جائیں گے۔"

"میں صبح گھر آؤں گا تو یہ باتیں ہوں گی۔ اس وقت میں صرف راہول اور پرشوتم کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔ تم میرا مطلب سمجھ ہی چکے ہو۔ یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہئے۔"

"کام کے بارے میں بے فکر رہو۔ یہ خیال رکھنا کہ صبح مجھ سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ مجھے اسٹیشن فوراً جانا ہے۔"

"وہاں آج کل کیا سرگرمیاں چل رہی ہیں؟" میں نے بے دھیانی میں پوچھ لیا۔

"روٹین کے کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ بس آج کل مدن موہن کے دیئے ہوئے سات ناموں پر پورے زور و شور سے کام ہو رہا ہے۔ ابھی تک ہمیں تین افراد کو اٹھانے کی اجازت ملی ہے۔ بقیہ چار افسران شجرِ ممنوعہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کے بارے میں مدن موہن کی شہادت کو ناکافی قرار دیا جا رہا ہے۔"

"وہ تین بدنصیب رنگیلے کون ہیں جن کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے؟" میں نے تلخی سے پوچھا۔

"ان میں بس لیڈی سرفراز ہی قابلِ ذکر ہے۔" اول خان کی آواز سے مایوسی مترشح تھی "چاروں بڑے افسران اور ان کی بیگمات کے بارے میں لیڈی سرفراز کئی اہم باتیں بتا چکی ہے۔"

"یہ وہی لیڈی سرفراز تو نہیں جو کئی بڑے کاروباری اداروں کو کامیابی سے چلا رہی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"وہی ہے۔ سماجی خدمات اور عورتوں کی مساویانہ آزادی کے سلسلے میں اس نے خاصا نام کمایا ہے۔"

"اور وہ بھی انڈین سوشل ریکٹ میں گھسی ہوئی تھی!" میں نے تعجب سے کہا۔

"ایسی ہی شخصیات پر ڈورے ڈالے جاتے ہیں۔ وہ جوانی میں بیوہ ہو جانے کے بعد سے بہت نیک نامی سے اپنے شوہر کے چھوڑے ہوئے کاروبار کو ترقی دے رہی ہے۔ وہ کسی طرح چالیس سال سے کم نہیں ہے اور اس عمر میں مدن موہن جیسے جوان پر بری

طرح مر مٹی ہے۔ مدن موہن بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتا رہا ہے۔ ان کی بیشتر ملاقاتیں' نیچرل انفارمیشن سیل کی تقریبات میں ہوتی رہی ہیں۔"

"خدایا!" میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ "اخباری تصاویر میں وہ مجھے ہمیشہ بہت حسین اور پروقار نظر آئی ہے وہ بھی اس گند میں شامل ہے۔"

"میرے الفاظ بہت نرم اور شائستہ ہیں۔ اس عورت نے پختہ عمر کو پہنچنے پر خود کو برباد کرلیا ہے۔ مدن موہن نے اس کے بارے میں ناقابلِ یقین اور چشم کشا کہانیاں سنائی ہیں۔"

"اس وقت کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔" میں نے اُداسی سے کہا۔ "میرا اس سے کوئی ذاتی تعارف نہیں تھا۔ مگر تمہاری باتیں سن کر مجھے صدمہ ہوا ہے۔ لیڈی سرفراز نے مدن موہن کے چکر میں آکر مجھے سرنگوں کردیا ہے۔"

فون بند ہوگیا۔ مجھے یکایک ہی تکان اور نقاہت کا احساس ہونے لگا اور میں نے آنکھیں موندلیں۔

انسان قدرت کی ایک عجیب ہی مخلوق ہے۔ یہ اپنے کردار کی بلندی کی طرف سفر شروع کردے تو فرشتے بھی اس سے شرمسار ہوکر اپنا منہ چھپانے لگتے ہیں۔ جب یہی انسان گراوٹ اور اخلاقی پستی میں مبتلا ہوجائے تو درندوں اور وحشی حیوانوں کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔

میں کوئی تخیل پرست انسان نہیں ہوں۔ میں نے ابتدا ہی سے بہت بھرپور عملی انداز میں اپنی زندگی گزاری ہے اور میں زندگی کے ہر موڑ پر تلخ ترین حقیقتوں کے مقابلے کے لئے تیار رہتا ہوں۔ اسی کے ساتھ میرے وجود کے کسی نہاں خانے میں کوئی جمالیاتی حس بھی پوشیدہ ہے جو ہر اچھائی' خوبی اور خوب صورتی سراہتی ہے اور اسے خراجِ تحسین پیش کرتی ہے۔ اس حوالے سے میری یہ رائے ہے کہ بنیادی طور پر ہر انسان اندر سے کسی نہ کسی حد تک تخیل پرست ہوتا ہے۔ ایک چیز اس کی اپنی نہیں ہوتی' وہ جانتا ہے کہ اسے کبھی نہیں اپنا سکے گا۔ وہ اسے اچھی لگتی ہے اور وہ چپکے چپکے اسے پسند کرنے لگتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی خاموشی اور یکطرفہ چاہت کا یہ رشتہ مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے اور ساری زندگی اسی شدت سے قائم رہتا ہے۔ یہ وہ چاہت ہوتی ہے جو بے نفس اور پاکیزہ ہوتی ہے۔ پھر ایک دن اجل کا بے رحم ہاتھ دونوں میں سے کسی ایک کو بے رحمی سے اچک لیتا ہے' یہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔

لوگوں کی یہ چاہت کسی خوب صورت جھیل' اونچے پہاڑ' نامور عالم' محبوب لیڈر' خوبرو اداکارہ یا باوقار شخصیت تک' کسی کے لئے بھی ہوسکتی ہے۔ اس پسند میں قسم اور جنس کا کوئی تعین ضروری نہیں ہوتا' بس دل کو بھا جانے والی بات ہوتی ہے۔

میں نے برسوں پہلے لیڈی سرفراز کا ایک تصویری انٹرویو پڑھا تو اس پرکشش خاتون کے عزم وحوصلے اور ستھرے خیالات نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا اور میرے دل میں اس کے لئے عزت واحترام کا ایک خودرو جذبہ ابھر آیا جو دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا۔ میں نے اس کے بارے میں بہت زیادہ جاننے کی کبھی کوئی جستجو نہیں کی۔ جو کچھ میری نظروں سے گزرا اسے میں نے ہمیشہ بہت شوق اور غور سے پڑھا۔ میری نظروں میں وہ نسوانی عزم و وقار کا ایک مثالی پیکر بنتی چلی گئی۔

مجھے دکھ تھا کہ میرے اور اس کے اس نادیدہ اور لطیف سے تعلق کو موت کے بے رحم ہاتھوں نے نہیں بلکہ خود اسی مثالی پیکر نے تباہ کیا تھا۔ وہ خود مختار تھی' اس پر میرا کوئی حق نہیں تھا' میں اس کے لئے اجنبی تھا مگر پھر بھی مجھے قلق تھا۔

اول خان کی زبان سے اس کی کہانی سن کر میرے پندار کو ٹھیس پہنچی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا کہ جیسے مجھے آدمیوں کی پرکھ نہ ہو۔ اپنی نظروں میں' میں وہ جوہر شناس بن گیا تھا جو ہیرے کے دھوکے میں شیشے کی کرچ کو انمول سمجھ بیٹھا ہو۔ قصور لیڈی سرفراز کا تھا' بدکردار اور بے وقعت وہ کہلائی تھی مگر مجروح میں ہوا تھا۔

پتا نہیں اس عورت نے میرے ساتھ اور کتنے لوگوں کا اعتبار لہولہان کیا تھا۔

میں آنکھیں موندے دیر تک اسی کے بارے میں سوچتا اور کڑھتا رہا اور پھر نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

○☆○

فلیٹ میں دوپہر کا کھانا ویرا کی کوششوں سے تیار ہوکر میز تک پہنچا تھا اور وہیں میری اس سے ملاقات ہوئی۔ اس سے پہلے میں اپنے کمرے میں سوتا رہا تھا۔

اول خان کے آدمیوں نے لاشوں کو ٹھکانے لگانے کا کام رات کے اندھیرے میں ہی مکمل کرلیا تھا اور میری گاڑی فارغ ہوگئی تھی۔ اس لئے میں صبح سات بجے ہی نادرہ کے گھر سے نکل کر فلیٹ پر پہنچ گیا تھا۔ اس وقت فلیٹ میں صرف غزالہ بیدار تھی۔ دروازہ کھول کر مجھے دیکھتے ہی وہ خوشگوار حیرت سے دوچار ہوگئی۔

میں نے فلیٹ میں سوئے ہوئے دو فتنوں کو جگانے کا ارادہ ترک کردیا۔ اول خان میرے پہنچنے سے پہلے اسٹیشن فور کے لئے روانہ ہوچکا تھا۔ میدان بالکل صاف تھا۔ میں غزالہ کے ساتھ کمرے میں گھس گیا۔ اس مرتبہ میں دروازہ بولٹ کرنا نہیں بھولا تھا کیونکہ ویرا کسی خدائی فوجدار کی طرح کسی بھی وقت بے دھڑک اندر آسکتی تھی۔

غزالہ کے لئے میری آمد ہی ایک بڑی خوشی تھی پھر باہمی رفاقت کے لئے طویل خلوت بھی میسر تھی۔ دل کے تاروں کو چھیڑنے والی نرم ونازک باتوں اور شکوہ شکایت کا سلسلہ کچھ یوں چلا کہ ہم دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوگئے۔

ویرا شوخ اور گستاخ ضرور تھی مگر بدتمیز نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا کہ ہماری مدہوشی کے درمیان اس نے کسی وقت غزالہ کے

کمرے کے دروازے پر ضرور طبع آزمائی کی ہوگی۔ دروازہ بولٹ نہ ہوتا تو وہ اندر گھس آتی لیکن اس نے بند دروازے پر دستک دے کر غزالہ کی نیند میں مخل ہونے کی کوشش نہیں کی۔ اسے سرے سے معلوم ہی نہیں تھا کہ میں بھی صبح سویرے اسی کمرے کی آشنا خلوت میں پناہ لے چکا ہوں۔

دوپہر کے قریب غزالہ کمرے سے نکلی تو کھانا تیاری کے آخری مراحل میں تھا۔ اس وقت ان دونوں کو میری آمد کی اطلاع ملی۔ میں طویل غسل سے فارغ اور تیار ہو کر باہر نکلا تو وہ میز پر میرے منتظر تھے۔

رات گئے میں نے فون پر صرف اول خان سے بات کی تھی مگر ٹیلی فون کی گھنٹی پر وہ تینوں ہی بیدار ہو گئے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میرے اور اول خان کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو ان تینوں کے علم میں تھی۔

"کل آنے والوں کے ساتھ تم نے جو سلوک کیا وہی سب سے مناسب تھا۔" کھانے کے دوران ویرا نے وہی ذکر چھیڑ دیا۔ "تمہارے پاس اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا لیکن واقعات کے تسلسل کی وجہ سے تم علی شیر کی صورت میں تک کے لئے مشتبہ ہوتے جا رہے ہو۔"

"کن واقعات کے تسلسل کی بات کر رہی ہو؟" میں نے بے پروائی سے پوچھا۔

"مدن موہن پرل کی لابی میں تم سے ملنے گیا اور غائب ہو گیا۔ اب راہول اور پرشوتم تمہارے ٹھکانے پر پہنچنے کے لئے نکلے تو وہ بھی لاپتا ہو گئے۔ جب تک کو ان دونوں کے غائب ہونے کا یقین ہو جائے گا تو تمہارے بارے میں اس کے شبہات زیادہ قوی ہو جائیں گے۔ وہ مدن موہن کی گمشدگی سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔"

"ابھی وہ ان دونوں کی واپسی کا انتظار کرے گا۔ جب اسے حقیقت کا ادراک ہوگا تو میں یہاں سے نکل چکا ہوں گا۔ تمہیں علم ہوگا کہ ہمارے مکمل پاسپورٹ آج ملنے والے ہیں۔"

"تم اکیلے کسی مہم پر نہیں جا رہے ہو جو تمہارا نکل جانا کافی ہوگا۔ تمہارے ساتھ بدری اور رمیش کی روانگی بھی ضروری ہے۔"

"میرے ساتھ نہیں، میرے بعد۔" میں نے اس کی تصحیح کی۔ "ایسی غلطیاں مت کیا کرو۔ اب تمہارا شمار بھی اہلِ زبان لوگوں میں ہونے لگا ہے۔"

"میرا یہی مقصد تھا، تم غائب ہو گئے تو تک جھلا کر ترہتی پروگرام منسوخ کر سکتا ہے۔"

"یہ مجھ سے زیادہ بدری کی انا کا مسئلہ ہوگا۔ وہ بات سنبھالنے کے لئے اپنا پورا زور لگا دے گا۔"

"میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ تمہارے چلے جانے کے بعد یہاں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوگی۔"

"کہو تو میں سفر کا ارادہ منسوخ کئے دیتا ہوں۔ پتا نہیں تمہاری چھٹی حس اتنی فعال کیوں ہو گئی ہے۔"

"پانچوں حواسوں پر بدحواسی طاری ہونے لگتی ہے تو چھٹی حس خود بہ خود حرکت میں آجاتی ہے۔" اس بار سلطان شاہ ہماری گفتگو میں ٹانگ اڑائے بغیر نہ رہ سکا۔

ویرا غصے سے اسے گھور کر رہ گئی اور سلطان شاہ اسے سلگانے والے انداز میں مسکرانے لگا۔

"میں ہر بات پر سوچتی ہوں۔" ویرا نے چڑ کر سلطان شاہ سے کہا "تمہاری طرح شتر مرغ نہیں ہوں کہ ریت میں منہ چھپایا اور فرض کر لیا کہ طوفان ختم ہو چکا ہے۔"

"ویسے تم شتر مرغ ہو بھی نہیں سکتیں۔" سلطان شاہ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"اس لئے کہ میری دم نہیں ہے۔ تم یہی کہنا چاہ رہے ہو نا؟" ویرا نے اسی لہجے میں پوچھا۔

سلطان شاہ نے مایوسی سے اپنے سر کو دائیں بائیں ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "جب تک غور سے نہ دیکھا جائے، دم کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے قطعِ نظر تم اپنی جنس کے اعتبار سے شتر مرغ نہیں شتر مرغی ہو سکتی ہو۔ رویہ دونوں کا یکساں ہوتا ہے۔"

"چپ رہو۔" ویرا نے رکھائی سے اسے ڈانٹ دیا "میں تم سے نہیں ڈینی سے بات کر رہی ہوں۔"

"تم نے دیکھا نہیں کہ وہ تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دے رہا۔ تم بھول رہی ہو کہ آج کل وہ صرف علی شیر بنا ہوا ہے۔ اس کے حصے کی باتیں بھی مجھ سے کر لو۔ کل یا پرسوں تو تم چلی ہی جاؤ گی۔"

"تم بہت ڈھیٹ ہو۔" ویرا لقمہ پلیٹ میں چھوڑ کر بے بسی سے ہنس پڑی۔ "ہم لوگ چلے جائیں گے تو یہ باتیں تمہارے ہی کام آئیں گی۔ بعد میں پیدا ہونے والے مسائل کا سامنا تم ہی کو کرنا پڑے گا۔"

"یہ تمہارا اور ڈینی کا خبط ہے کہ جو کام تم دونوں نے چھوڑ دیا وہ دنیا میں کسی سے بھی نہیں ہو سکے گا۔" سلطان شاہ نے ویرا کی التجا کو نظرانداز کرتے ہوئے جواب دیا "تم دونوں کے پیدا ہونے سے پہلے دنیا کے کاروبار اسی طرح چل رہے تھے۔ تم نہیں رہو گے تب بھی سب کچھ یوں ہی رہے گا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ یہ دونوں اس دنیا میں بالکل بے مصرف ہیں۔" غزالہ نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑ کر گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"م...... میں نے یہ کب کہا؟" سلطان شاہ غزالہ کی سنجیدگی پر بوکھلا گیا۔ "وہ تو ایک عام سی بات ہے۔"

"میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو۔"

غزالہ نے اصرار کیا۔
چند ثانیوں تک ہکلانے اور بوکھلانے کے بعد سلطان شاہ کو ایک موزوں جواب سوجھ ہی گیا۔ "دنیا میں کوئی بھی بے مصرف نہیں ہے۔ سب کٹھ پتلیاں ہیں۔ جس کا جتنا رول ہوتا ہے وہ ادا کرتا ہے اور پھر چلا جاتا ہے۔ پتلی گھر کے تماشے سے نکل جانے والوں کی جگہ دوسرے لے لیتے ہیں۔ ازل سے یہ اسی طرح ہوتا چلا آرہا ہے۔"
اس نے ابتدائی گھبراہٹ کے باوجود بہت معقول اور گہرا جواب دیا تھا۔ میرے ہونٹوں پر تو مبنی مسکراہٹ پھیل گئی۔ مگر غزالہ اس کے پیچھے پڑچکی تھی کیونکہ اس نے میرے بارے میں بھی تبصرہ کیا تھا۔
"میں تمہاری بات مانتی ہوں۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ یہ دونوں وہی کردار ادا کررہے ہیں جو اِن کو سونپا گیا ہے۔ اس میں ان کی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ زندگی کے تماشے میں یہ اپنے کردار کو گھٹانے پر قادر ہیں نہ اس میں اضافہ کرسکتے ہیں۔ ڈوریاں کہیں اور سے ہلائی جارہی ہوں تو کٹھ پتلیاں کیا کرسکتی ہیں۔"
سلطان شاہ نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں پھر بولا "تم مجھے گھیرنے کی کوشش کررہی ہو۔ اگر سب کچھ یوں ہی ہے تو پھر گناہ اور ثواب، نیکی اور بدی کا تصور کیا ہے۔ یہ معاملے........"
"بالکل!" غزالہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا "راہول کو قتل ہونا ہی تھا۔ بدری کو اسے ذبح کرنا ہی تھا۔ ہر کام پہلے سے طے شدہ طریقے پر ہورہا ہے تو پھر انسان کی عقل اور کوشش کو کہاں لے جاؤ گے؟"
سلطان شاہ نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے "تم اس بحث میں کہاں الجھ گئیں۔ مجھے معاف کردو۔ میں ویرا سے بات کررہا تھا۔ اسی کو میری باتوں کا جواب دینے دو۔"
"اور میں بھی تم سے یہی کہہ رہی تھی کہ مجھے ڈینی سے بات کرنے دو۔ ہمارے درمیان دخل مت دو مگر تم سنتے ہی نہیں ہو۔"
سلطان شاہ کی پسپائی سے فائدہ اٹھا کر ویرا بھی آنکھیں نکالنے لگی۔
"تم سب اپنا مغز کھپاتے رہو۔ میں کچھ نہیں بولوں گا۔"
سلطان شاہ نے ہتھیار ڈال دیے۔
ہمارے ساتھ جو کچھ ہورہا تھا بس ہوتا ہی چلا جارہا تھا۔ منصوبہ بندی ہمارے حریفوں کی ہوتی تھی۔ جب مشکل سر پر پڑتی تھی تو ہم کسی نہ کسی طرح اس کا سدِّباب کرلیتے تھے۔ مشکلات کے ازالے کی ان ہنگامی کوششوں میں دسیوں خامیاں ہوتی تھیں۔ ہم بہتر نتائج حاصل کرنے کی خوشی میں ہمیشہ ان خامیوں کو نظرانداز کردیتے تھے۔ ویرا کی یہ سوچ درست تھی کہ ہمیں متوقع خطرات کے بارے میں پیشگی اندازہ لگا کر اپنی تیاریاں مکمل رکھنی چاہئیں۔ راہول اور پُرشوتم کی گمشدگی کے بعد ایک بدترین خطرہ یہی ہوسکتا تھا کہ نک بھلا کر بدری اور رمیش کو اپنی انتقامی کارروائی کا نشانہ بنا بیٹھے۔ ایسا ہوتا تو ہم اس کا ذہن تبدیل نہیں کرسکتے تھے۔ یہ ایک کھلی حقیقت تھی کہ ایسے خطرے کو دانشمندی سے ٹالنا صرف اور صرف بدری کے بس میں تھا کیونکہ وہ نک موڈلے کے براہِ راست رابطے میں تھا۔
ویرا نے ناقدانہ انداز ترک کرکے مفاہمت کا رویّہ اپنایا تو میں یہ باتیں اسے بھی سمجھانے میں کامیاب ہوگیا۔ مدن موہن کا سوشل ریکٹ، نیچرل انفارمیشن سیل سمیت نظروں میں آچکا تھا، راہول کی فرم کا منیجر بھی بے نقاب ہوچکا تھا۔ توقع یہی تھی کہ ہم چاروں کے کراچی سے نکل جانے کے بعد نک موڈلے بس منصوبہ بندیوں میں الجھا رہ جاتا۔ میدان میں کوئی مددگار نہ ہونے کی وجہ سے اس کی عملی سرگرمیاں ٹھپ ہوجاتیں۔ لے دے کر را والے اپنی سطح پر تخریب کاریاں کرتے رہتے تو وہ سرکاری ایجنسیوں کے لئے ایک معمول کا سلسلہ تھا۔ اس بارے میں اسپیشل ٹاسک فورس نے رفتہ رفتہ ایک باقاعدہ کردار اپنا ہی لیا تھا۔
تین بجے اول خان بھی تھکا ہارا دفتر سے لوٹ آیا اور اس نے ایک وزنی خاکی لفافہ میرے سامنے ڈال دیا۔
لفافے میں دو پرانے بین الاقوامی پاسپورٹ موجود تھے۔ اسلم خان نامی شخص کے پاسپورٹ پر میری نئی تصویر پرانی جیسی حالت میں مہروں سمیت چسپاں تھی۔ ویرا کے پاسپورٹ پر اس کا نام مسز روزی برڈ تحریر تھا۔
"مبارک ہو۔" سلطان شاہ نے میرے پیچھے آکر ویرا کے پاسپورٹ پر نام پڑھتے ہی نعرہ لگایا "آخر کار ویرا کی شادی ہو ہی گئی ہے۔ اب یہ مسز روزی برڈ بن چکی ہے۔"
"و تمہیں اتنا چہکنے کی کیا ضرورت ہے" ویرا چوکنے والی نہیں تھی۔
"تمہارا نام برڈ تو نہیں ہے۔"
"خدا کا شکر ہے کہ میں مسٹر برڈ نہیں ہوں۔ اب وہی بے چارے برڈ کی مغفرت کرے گا۔"

"کیا تمہیں ویرا کے لئے کسی غیر شادی شدہ لڑکی کا پاسپورٹ نہیں مل سکا تھا؟" غزالہ نے بے ساختہ ہنسی کے ساتھ اول خان سے پوچھا۔

"امریکا کے کار آمد ویزوں کے ساتھ آج کل پاسپورٹ مشکل سے ہی ملتے ہیں۔ جو مل گیا اسے غنیمت سمجھو۔ تصویروں کے علاوہ ان کے سارے اندراجات اصلی ہیں۔ تصویریں بدلنے سے پہلے یہ دیکھنا بھی ضروری تھا کہ قد وغیرہ جیسے ذاتی کوائف میں قریب کی مماثلت موجود ہو۔" اول خان نے کہا۔

"تو کیا انگلینڈ کا ویزا بھی اصلی ہوگا" میں نے اپنے پاسپورٹ کی ورق گردانی کرتے ہوئے پوچھا۔ دوسرا پاسپورٹ غزالہ نے لے لیا تھا اور دلچسپی سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

"بالکل اصلی اور تازے ویزے ہیں۔" اول خان نے پورے یقین سے کہا "تمہارا ویزا ایک ٹریول ایجنٹ نے لگوایا ہے۔ ویرا کا ویزا محکمۂ داخلہ کے ذریعے لیا گیا ہے۔"

"محکمے کی وجہ سے ویرا پر کسی قسم کا شبہ تو نہیں کیا جائے گا۔" غزالہ نے پوچھا۔

"یہ سرکاری نہیں، عام وزٹ ویزا ہے۔ سرکاری افسران ایسے بہتیرے ذاتی کاموں کے لئے اپنی سرکاری حیثیت اور رسوخ سے کام لیتے رہتے ہیں۔ یہ کام بھی اسی طرح ہوا ہے ورنہ کڑے انٹرویو کے بغیر آج کل ان ممالک کا ویزا لینا خاصا مشکل کام ہے۔ بعض اوقات تو کسی واضح سبب کے بغیر انکار کر دیا جاتا ہے۔"

"پھر دبئی کا ویزا ٹریول ایجنٹ نے کیسے لے لیا تھا؟" سلطان شاہ نے ایک نیا سوال داغ دیا۔

"تم ایک وقت میں سب کچھ ہی جان لینا چاہ رہے ہو" اول خان نے اسے گھور کر کہا "بھائی! ذاتی مراسم بھی کچھ وزن رکھتے ہیں۔ اس ایجنٹ نے بھی دوسرے ویزے کے ذمے داری لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی لئے مجھے محکمۂ داخلہ میں اپنے ایک دوست سے مدد لینی پڑ گئی۔"

سلطان شاہ تفہیمی انداز میں سرہلاتے ہوئے بولا "آج کل یہ معلومات اہم ہیں۔ کیا پتا کل مجھے بھی ان دونوں میں کوئی تصفیہ کرانے کے لئے لمبے سفر پر روانہ ہونا پڑ جائے۔"

"آج کل لمبے سفر کا تصور ختم ہو چکا ہے۔" ویرا نے ہنس کر کہا [illegible] مشرق سے مغرب کی طرف سفر کیا جائے تو شاید [illegible] تصویریں بدلنے سے پہلے واپس اپنے شہر [illegible]

[illegible] سلطان شاہ نے بے ساختہ حیرت سے [illegible]

[illegible] گھنٹے کا وقفہ ہوتا ہے اور جب مشرق [illegible] طرف سفر کیا جاتا ہے تو انسان وقت حاصل کرتا [illegible] الٹ جائے تو وقت کا خسارہ ہوتا ہے کیونکہ دنیا

کے کسی بھی دو سروں پر وقت میں بارہ گھنٹے کا فرق ہوتا ہے۔"

"یہ بہت سیدھی سی بات ہے" غزالہ نے کسمسا کر سلطان شاہ سے کہا "یہاں سے پیرس تک کی پرواز سات گھنٹے کی ہے۔ گھڑیوں سے دیکھو تو تم تین گھنٹوں میں وہاں پہنچ جاتے ہو کیونکہ پیرس کا وقت یہاں سے چار گھنٹے پیچھے رہتا ہے اور تمہارا دن اٹھائیس گھنٹے کا ہو جاتا ہے۔ تم تو خود باہر رہ کر آئے ہو۔ تمہارے لئے یہ باتیں نئی نہیں ہونی چاہئیں۔"

سلطان شاہ مسکرانے لگا۔ "باہر رہنے سے یہ باتیں واضح نہیں ہوتیں۔ اس کا احساس یا مشاہدہ کسی سفر کے آغاز اور اختتام پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ پھر تو جو جہاں ہوتا ہے وہیں کے وقت میں ڈھل جاتا ہے۔ اس وقت مجھے پہلی بار ویرا کی باتیں دلچسپ محسوس ہوئی ہیں۔"

"گڈ!" ویرا نے خوش دلی سے کہا "اس کا مطلب ہے کہ اس وقت تمہاری کھوپڑی سے برف پگھلی ہوئی ہے اور تم سے مزید گفتگو کی جا سکتی ہے۔"

میز پر کھانا لگا ہوا تھا۔ اس دوران میں اول خان اپنی پلیٹ لے کر ہمارے ساتھ آ بیٹھا۔

"اب نادرہ کے مکان پر کیا صورتِ حال ہے۔" چند ثانیوں بعد اس نے مجھ سے پوچھا۔

"کشیدگی میں ڈوبے ہوئے سناٹے کا راج ہے وہاں" میں نے کہا "میرے خلاف رمیش اور نک کے نظریات میں حیران کن مماثلت موجود ہے مگر بدری ابھی تک ان دونوں کے درمیان ایک آہنی دیوار بنا ہوا ہے۔ نک کو یہ نہیں معلوم کہ رمیش مجھ سے کتنا متنفر ہے اور رمیش نک کے شکوک و شبہات سے بے خبر ہے۔ ان میں رابطہ صرف اپرنٹس پر ہو سکتا ہے اور اپرنٹس ہر وقت بدری کے قبضے میں رہتا ہے۔"

"وہاں میرے تینوں آدمی کافی ہیں۔ تم اپنا وقت اب یہیں گزارو۔"

"وقت کیا گزارنا۔ میں نے اب رمیش کو ذرا سا سبق دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ رات کو بدری نے اسے خواب آور گولی نہ دی ہوتی اور وہ اندھیرے میں باہر نکلا ہوتا تو میں اس کا چہرہ اُدھیڑ ڈالنے کا ارادہ کئے بیٹھا تھا۔ میں بعد میں اندھیرے کا بہانہ کر کے اس سے معذرت کر لیتا اور وہ چوں بھی نہ کر پاتا۔ رات کو غلط فہمی میں اس کی ٹھکائی کرنے کا ایک شاندار موقع ضائع ہو گیا۔"

"پھر بھی تم خسارے میں نہیں رہے۔ تم نے بدری سے دو دوؤں کا بھرتا کروا دیا" سلطان شاہ بولا۔

کھانا کھانے کے بعد اول خان نے اپنی جیب میں سے ایک سا لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ اس وقت اس کے ہونٹوں پر گہری اور معنی خیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔

لفافے میں ہم دونوں کے فرضی ناموں سے ٹکٹ موجود تھے

اگلے روز دوپہر کو امارات کی پرواز سے لندن روانگی کے لئے ہماری نشستیں کنفرم ہو چکی تھیں۔

"یہ دونوں کل صبح دس بجے تک گھر سے نکل جائیں گے۔" اول خان نے اعلان کیا "بارہ بج کر دس منٹ پر یہ دبئی کی طرف پرواز کر رہے ہوں گے۔"

ویرا کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا "میں نے زندگی میں سیکڑوں سفر کئے ہیں مگر اس بار کیفیت ہی عجیب سی ہے۔ اس بار میں اپنے باپ کے قاتلوں سے بدلہ لینے جا رہی ہوں۔ دعا کرنا کہ میں کامیاب رہوں۔"

ان مختصر اور سیدھے سادے جملوں نے ہم میں سے ہر ایک کو متاثر کیا اور چند ثانیوں کے لئے کمرے کی فضا میں بوجھل سا سکوت چھا گیا۔

"تمہارے تین قیدیوں کا کیا حال ہے؟" سکوت توڑنے کے لئے میں نے اول خان سے پوچھا۔

"تین نہیں، مدن موہن سمیت وہ چار تھے۔ اب تین رہ گئے ہیں۔" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

"کیوں؟ کیا چوتھا فرار ہو گیا؟" ویرا نے بے یقینی سے سوال کیا۔

"لیڈی سرفراز نے اپنے دوپٹے کے ذریعے ایک کڑی سے لٹک کر رات کو خود کشی کر لی۔"

سب کے دہانوں سے تحیر زدہ آوازیں نکل گئیں۔ میرے لئے بھی وہ خبر غیر متوقع تھی۔

"وہ مدن موہن کو حاصل کر کے ایک نئی زندگی گزارنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ مدن کی اداکاری کی وجہ سے اسے گمان تھا کہ وہ بھی دل و جان سے اسے چاہنے لگا ہے۔ ہماری تحویل میں وہ مدن کی بے گناہی کا دم بھر رہی تھی جب اسے مدن کا ریکارڈ کیا ہوا اعتراف سنایا گیا تو اسے معلوم ہوا کہ دوسری عورتوں کی طرح مدن نے اسے ایک کھلونا بنایا ہوا تھا۔ وہ اس کے بعد سے تھکی تھکی اور دل برداشتہ نظر آ رہی تھی۔ کل رات وہ زندہ تھی۔ آج صبح اس کی اکڑی ہوئی لاش چھت کی کڑی سے جھول رہی تھی۔ اندازہ ہے کہ اس نے تین چار بجے کے درمیان اپنی زندگی کا خاتمہ کیا ہوگا۔ کسی محافظ نے اس کی سسکی کی آواز تک نہیں سنی۔"

"اسٹیشن فور تو شاید ملیر چھاؤنی کے کسی میدان میں قائم تھا۔ وہاں چھت کی کڑیاں کہاں سے آگئیں۔" ویرا نے منہ بنا کر پوچھا۔

"ہمیں ایک پرانی بیرک مل گئی ہے۔ عورت ہونے کی وجہ سے اسے دوسرے قیدیوں سے الگ کمرے میں رکھا گیا تھا۔ رات کو نو بجے کے بعد کسی کو اس کے کمرے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔"

"حیرت ہے کہ ایک بے کردار عورت اتنی حساس بھی ہو سکتی ہے" سلطان شاہ بڑبڑایا۔ "محبوب کی بے وفائی اور ریاکاری کا علم ہو گیا تھا تو اسے مدن کا خون کرنا چاہئے تھا۔ خود کیوں مر گئی۔"

"محبت میں کسی سے دھوکا کھانے کا احساس بہت ذلت آمیز ہوتا ہے۔" ویرا نے تلخ لہجے میں کہا "ایسے موقع پر عورت خود اپنی نظروں میں گر جاتی ہے۔ شاید وہ بھی اسی سانحے سے دوچار ہوئی ہے۔ وہ بدکردار نہیں تھی۔ اس نے زندگی کے بقیہ سفر کو طے کرنے کے لئے کسی قابلِ اعتماد سہارے کے خواب دیکھے تھے جو چکنا چور ہو گئے۔"

"کیا پاکستان کے سارے مرد مر گئے تھے جو اسے مدن نظر آیا تھا" سلطان شاہ نے حقارت سے پوچھا۔

"محبت بہت ظالم جذبہ ہے۔ یہ کی نہیں جاتی، بس ہو جاتی ہے اور جس سے بھی ہو جائے اس کی ہر کمزوری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ مدن موہن نے اس کو مارا ہے۔"

"گلے میں پھندا تنگ ہونے پر بھی اس کی کوئی آواز نہیں سنی گئی۔ یہ مشکل ہے۔"

"عورت اپنی فطرت میں نرم خو اور مہربان ہوتی ہے مگر جب ظلم پر اتر آئے تو بہت سفاک ہو جاتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ وہ اپنے ساتھ بھی ایسی ہی سخت گیر ہوتی ہے۔ وہ مرنے کا اٹل فیصلہ کر چکی تھی اس لئے اس نے اپنی ہر کمزوری پر قابو پا لیا۔ اس نے اپنی چیخ اپنے سینے میں روک لی ہوگی۔ یہ ایسی ناممکن بات نہیں ہے۔ آباد گھروں میں بہت سے لوگ اسی طرح خود کو لٹکا کر ختم کرتے ہیں اور برابر والے کمرے میں کسی کو پتا نہیں چلتا۔ میری ساری ہمدردیاں لیڈی سرفراز کے لئے ہیں۔ خدا اس کی روح کو قبر میں چین عطا کرے۔"

اس بار سلطان شاہ نے ویرا سے بحث نہیں کی، اول خان بول پڑا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت گارڈ اپنے بستر پر سو گیا ہو۔ ایسی انسانی کمزوریاں میرے آدمیوں میں بھی ہیں۔"

میرے کان ان کی باتوں پر لگے ہوئے تھے لیکن میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ پچھلی رات اول خان کی زبان سے لیڈی سرفراز کی کہانی سن کر میں دیر تک اس عورت کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ میرے ذہن میں اس کے خلاف نفرت کے جذبات انگڑائیاں لے رہے تھے۔ مجھے دکھ تھا کہ اس نادیدہ عورت کے بارے میں میری قائم کی ہوئی رائے غلط ثابت ہوئی تھی لیکن اس نے اپنی جان دے کر دنیا کو یہ بتا دیا تھا کہ وہ گمراہ یا بدکردار نہیں بس ایک فریب خوردہ عورت تھی۔ ہر عورت کی طرح تنہا اور بے بس۔ اس نے اپنے آپ کو ختم کر کے اپنے کھائے ہوئے فریب کی بھرپور قیمت ادا کر دی تھی۔ اس معاملے میں بھی وہ مثالی رہی تھی۔

"اس کی موت پر مدن موہن کو ضرور صدمہ ہوا ہوگا؟" ویرا نے اول خان سے پوچھا۔

"صدمہ کیا اسے تو ملال تک نہیں ہوا۔ خبر سن کر اس نے بس یہ کہا کہ وہ مشہور عورت تھی۔ بدنامی کے ڈر سے اپنا خاتمہ کر

بیٹھی۔ اس خود غرض درندے کو انسانی خون کی حرمت کا ذرا بھی پاس نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب تمہیں بھی لیڈی سرفراز سے ہمدردی محسوس ہو رہی ہے۔"

اول خان نے غور سے ویرا کی طرف دیکھا اور اسے سنجیدہ پا کر کہنے لگا "پہلے میں اسے مکار سمجھ رہا تھا۔ وہ بڑی عمر کی عورت اور ایک نوجوان کا عشق تھا۔ اس پر اعتبار ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حسابی فارمولے کی طرح یہی بات سمجھ میں آتی تھی کہ وہ اپنے نفس کی غلام تھی مگر اب میری رائے بدل گئی ہے۔"

"مدن موہن کے حوالے سے کچھ افراد کی گرفتاریوں کے بعد یہ بات تو کھل گئی ہوگی کہ وہ تمہارے قبضے میں ہے۔" میں نے ایک خیال آتے ہی چونک کر پوچھا۔

"نہیں، یہ بات ابھی تک پوشیدہ ہے۔" اس نے میرے خیال کی فوراً تردید کر دی۔

"اور وہ چار افسر جو تمہارے لئے شجر ممنوعہ بنے ہوئے ہیں ان کو تو معلوم ہی ہوگا کہ مدن موہن کے بیان کی بنیاد پر ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔" ویرا نے میری بات کو آگے بڑھایا۔

"مدن موہن کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کا نام کھلتے ہی پریشانیوں کا آغاز ہو جائے گا۔ اس کے افسران اس کی گمشدگی کی باقاعدہ رپورٹ درج کرا چکے ہیں۔ اس وقت مدن کی گرفتاری یا تحویل کی کوئی شہادت سامنے آ گئی تو ایک سیاسی بھونچال آ جائے گا۔ مدن تو ایک سفارتی اہل کار ہے' قانون کے مطابق ریمانڈ لئے بغیر کسی پاکستانی شہری کو بھی چوبیس گھنٹوں سے زیادہ حراست میں نہیں رکھا جا سکتا۔"

اپنی جگہ پر اس کی بات درست تھی۔ میں نے اسے یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ مقامیوں کے بارے میں ہمارا قانون ہمارے بعض پولیس افسران کی جیب میں پڑا رہتا ہے۔ وہ اپنے معتوب ملزموں کو کسی بھی کچے یا پکے اندراج کے بغیر ہفتوں حراست میں رکھتے ہیں۔ ان کے متعلقین کو ان تک نہیں پہنچنے دیتے۔ صرف اسی وقت اس کے خلاف پرچہ کاٹتے ہیں جب اس کے اقبالی بیان کی روشنی میں اگلے دن ریمانڈ ملنے کی پوری امید ہو جائے۔

اول خان اس ملک میں قانون سے ماورا مگر مخلص ترین قوتوں کی نمائندگی کرتا تھا مگر یہ اس کے کردار کی عظمت تھی کہ وہ ہر قدم پر قانون سے تصادم کے بجائے گریز کی راہ اختیار کرتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی مجبوری یہ تھی کہ قانون کی پابندی کر کے وہ اپنے فرائض تک ادا نہیں کر سکتا تھا۔

"مدن موہن کا نام پوشیدہ رکھا گیا ہے لیکن اس کے بتائے ہوئے ساتوں نام سوشل ریکٹ کے سرکردہ افراد کے ہیں۔ یہ بات چھپی نہیں رہ سکے گی کہ کچھ لوگ سوشل ریکٹ کی سرگرمیوں میں حصہ لینے والوں کا پیچھا کر رہے ہیں۔ یہ بھنک ملتے ہی نیپال انفارمیشن سیل والے حرکت میں آ جائیں گے۔" ویرا کہہ رہی تھی۔

"ان میں سے کوئی بات نہیں ہوگی۔ ان میں سے کسی کو یہ نہیں بتایا گیا کہ اس پر سوشل ریکٹ سے تعلق رکھنے کی بنا پر نو کیا گیا ہے۔ اوباش فطرت اور رنگین مزاج لوگ زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی عام طور پر غیر ذمے دارانہ رویّہ اختیار کئے رہتے ہیں۔ مدن ان لوگوں کی ان تمام کمزوریوں کی زندہ ڈائریکٹر ہے۔ رشوت ستانی، محاصل کی چوری، جعلی ادویہ کی تیاری اور پوشیدہ اثاثوں کی ملکیت کے الزام میں رپورٹیں تیار کر کے بھیجی گ ہیں جو اُن کے خلاف ہیں۔ غیر سرکاری افراد کو ہم نے اٹھالیا۔ چا سرکاری افسران کے بڑے ان رپورٹوں کے ذرائع جاننا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اب تک بچے ہوئے ہیں۔"

"لیڈی سرفراز کو کس الزام میں پکڑا گیا تھا؟" ویرا کا ذہن ا میں الجھا ہوا تھا۔

"یہ اس کی شرافت تھی کہ اس نے ہر بات مان لی۔ میرا خیال ہے کہ دنیا بھر میں کوئی ان بے ایمانیوں کے بغیر کروڑ پتی نہیں بنتا۔ یہاں سے امریکا اور کینیڈا تک ہر سرمایہ دار اس ہیر پھیر میں ملوث نظر آئے گا۔ وہ اوباش فطرت یا رنگین مزاج بھی نہیں تھی۔ بات اس کی خودکشی سے ثابت ہو چکی ہے۔"

"چلو مانے لیتا ہوں۔" اول خان نے بحث ختم کرنے کے لئے کہا۔ "تم کیا بات ثابت کرنا چاہ رہی ہو؟"

"پھر وہ اس سوشل ریکٹ کی سرگرمیوں میں کیوں اور کیسے ملوث ہوئی؟"

"لیڈی سرفراز کی شہرت ایک مخیر خاتون کی بھی تھی۔ مدن موہن فون پر بات کرنے کے بعد مدر ٹریسا کے متعدد فلاحی منصوبوں کے بارے میں معلوماتی مواد لے کر اس کے دفتر پہنچا تھا۔ مقصد ٹریسا کے لئے سرمایہ حاصل کرنا تھا۔ اس ملاقات میں لیڈی سرفراز دل ہار گئی۔ اس نے مدن موہن کو پہلا عطیہ ایک ملین ڈالر کا تھا۔ مدن نے اسے اپنے پروگراموں میں مدعو کرنا شروع کر دیا۔ ایسی تقریبات میں آزادی سے مدن سے مل جل سکتی تھی۔ ہوٹل میں ملاقاتوں کے اسکینڈل بن سکتے تھے۔ یوں یہ سلسلہ چل پڑا۔"

"وہ بے قصور تھی۔" ویرا متاسفانہ لہجے بولی "خفیہ اثا بنانے کے سوا اس کا کوئی جرم نہیں تھا اور یہ جرم دنیا میں باحیثیت شخص کم و بیش کرتا ہی ہے۔ مدن اس سے مال اینٹھ تھا۔ وہ عورت اس پوزیشن میں ہی نہیں تھی کہ پاکستان کو کو نقصان پہنچا سکے......"

اول خان نے اکتا کر اس کی بات کاٹ دی "جو ہونا تھا ہو گیا۔ اسے میں نے نہیں مارا۔ مایوسی کے عالم میں اس نے کشی کی ہے۔ اس موضوع کو چھوڑ کر دوسری بات کرو۔ اچھا ہوا

رن موہن اسی وقت اپنے اصل روپ میں اس کے سامنے آ گیا۔ بات زیادہ بڑھ جانے کے بعد اس کی نیت کا راز کھلتا تو لیڈی سرفراز کو زیادہ صدمہ ہوتا۔ اس کا وہ انجام موجودہ انجام سے کہیں زیادہ دردناک ہو سکتا تھا۔"

"میں تم سے سو فیصد متفق ہوں۔" میں یہ کہتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ "تم بحث جاری رکھو۔ میں ایس ایس پی والوں کی خیر خبر لے کر واپس آتا ہوں۔ آج میرا سارا دن یہیں بیٹھے بیٹھے گزر گیا۔"

"فون کیوں نہیں کر لیتے۔" سلطان شاہ نے مجھے روکنے کے لئے پورے خلوص سے یاد دلایا۔

"اپنی غیر حاضری میں میں فون اپنے کمرے میں مقفل رکھتا ہوں۔ اسی وجہ سے وہ اب تک میرے قابو میں ہیں۔ ان کے رابطوں کا سلسلہ چل پڑا ہوتا تو وہ اب تک کہیں اور نکل گئے ہوتے۔" میں نے ان چاروں کو خدا حافظ کہا اور فلیٹ سے باہر آ گیا۔

نادرہ کے گھر پر اس روز ماحول بہت بدلا ہوا تھا۔ وہ دونوں ایس ٹی ایف کے دو آدمیوں کے ساتھ مل کر لان پر فٹ بال کھیلنے میں مصروف تھے۔ وہ منظر دیکھتے ہی میں پریشان ہو گیا۔

لان کے ایک حصے پر راہول کے قتل کی واردات کو مشکل سے بارہ گھنٹے گزرے تھے۔ مجھے امید تھی کہ میرے آدمیوں نے وہاں سے خون کے لوتھڑے صاف کر کے خشک مٹی سے ہر داغ کو چھپا دیا ہوگا مگر پھر بھی خون کی بو کو تو آسانی سے ختم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر رمیش بال فٹ کا تعاقب کرتا ہوا اتفاقاً اس کنارے کی طرف جا نکلتا تو خون کی بو یا سبز گھاس پر پھیلی ہوئی تازہ مٹی دیکھ کر تجسس میں مبتلا ہو سکتا تھا۔ پتا نہیں کئی دن کے جمود کے بعد بدری کو اسی روز فٹ بال کھیلنے کی کیا سوجھی تھی۔

میں جوں ہی گاڑی سے اترا، رمیش نے دور سے آواز لگائی۔ "بل! جوتے اتار کر یہیں آ جاؤ۔ تھوڑی سی ورزش ہو گی اور ہاتھ پیر کھل جائیں گے۔" اس وقت بدری کو لان سے بلانا مناسب نہیں تھا۔ میں رمیش کی پیش کش قبول کر کے لان کی طرف ہو لیا۔ بدری ڈرائیور سے گیند چھیننے کی جدوجہد میں ہانپ رہا تھا۔ رمیش اور چوکیدار دو مختلف سمتوں میں اچھل اچھل کر پاس لینے کی تیاری کر رہے تھے۔ بظاہر وہ چاروں دو فطری ٹیموں میں بٹے ہوئے تھے۔

"تم اپنے نوکروں کے ساتھ مل جاؤ۔" بدری نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ "ہم تم تینوں کو سنبھال لیں گے۔ اس وقت اسکور دو، پانچ ہے۔ ہم جیت رہے ہیں۔"

وہ خاصی مضحکہ خیز صورتِ حال تھی۔ چار آدمی ایک دوسرے کے خلاف اپنے دل میں نفرت اور کدورتیں لئے لان پر یوں کھیل رہے تھے جیسے سب آپس میں دوست ہوں۔

میں نے جوتے اور موزے اتار کر کنارے پر رکھے اور ہاتھ پیروں کو ورزشی انداز میں حرکت دیتا ہوا لان پر اتر گیا۔ اس وقت گیند چوکیدار کے پاس تھی۔ وہ گول کرنے کے لئے دوڑ رہا تھا۔ ان چاروں کے سانس چڑھے ہوئے تھے۔ میں تازہ دم تھا۔ چوکیدار نے فٹ بال میری طرف پھینک دی۔ میں گول کی طرف چلا تو رمیش میرے تعاقب میں تھا۔ پہلا گول کرتے ہوئے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ گیند چھیننے سے زیادہ مجھے اڑنگا دے کر گرانے کی فکر میں تھا۔ ہم کچھ دیر تک کھیلتے رہے۔ میں نے رمیش کو دو مرتبہ بری طرح گرایا۔ مجھ پر اس کا کوئی حربہ کارگر نہ ہو سکا تو اس نے ڈرائیور سے بدلہ لے لیا۔

میرے شامل ہوتے ہی کھیل میں تلخی کا عنصر پیدا ہونے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد رمیش بری طرح ہانپتے ہوئے ایک طرف جا بیٹھا۔ میں بھی اسی کے قریب آ بیٹھا۔

"آج ہم نے شراب نوشی سے دور رہنے کے لئے کھیلنے کا فیصلہ کیا تھا۔" وہ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان بتانے لگا۔ "سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہاری شراب کیسی ہے۔ پینے کے بعد کل رات دوسری مرتبہ یہ ہوا کہ صبح سے پہلے میری آنکھ ہی نہیں کھل سکی۔ آج بدری کا حال مجھ سے بھی برا تھا۔"

"تمہارے لئے مہر لگی ہوئی نئی بوتلیں لائی گئی تھیں۔ ان میں کیا گڑبڑ ہو سکتی ہے۔"

"ہم روز نئی بوتل کھولتے ہیں۔ میں نے سوچا ہے کہ چند روز تک شراب سے دور ہی رہوں گا۔"

وہ اپنی کہتا رہا۔ میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ جب بدری کھیل چھوڑ کر واپس لوٹا تو جوتے اٹھا کر میں بھی عمارت کی طرف ہو لیا۔ رمیش تھکے ہوئے انداز میں وہیں بیٹھا رہا۔ میں کمرے میں گھسا ہی تھا کہ میرے پیچھے خانساماں بھی اندر گھستا چلا آیا۔ میں اس کی جسارت پر حیران رہ گیا۔ عام طور پر وہ اجازت لینے کے بعد ہی میرے کمرے میں آتا تھا۔

"سر، دال میں کچھ کالا معلوم ہوتا ہے۔" اس نے کسی تمہید کے بغیر فوراً ہی بولنا شروع کر دیا۔ "تین بجے سے دھوپ میں فٹ بال ہو رہی تھی۔ مجھے یہ کوئی لمبا چکر نظر آ رہا ہے۔ کیونکہ کھیل شروع ہونے کے بعد ہی ایک ہیلی کاپٹر اس علاقے پر سے گزرا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس نے کئی نیچے چکر لگائے۔ ایک بار وہ ریلوے لائن کی طرف ہوا میں رکا ہوا بھی نظر آیا تھا۔ پھر وہ چلا گیا۔ یہ ابھی تک کھیلے جا رہے تھے۔"

وہ کوئی عام گھریلو خانساماں نہیں تھا۔ اول خان نے اپنے اعتماد کی بنا پر اسے میرے پاس بھیجا تھا۔ اس کا وہ بیان بے بنیاد نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر تھپکی دے کر پوچھا۔ "وہ کس قسم کا ہیلی کاپٹر تھا؟ میرا مطلب ہے کہ فوجی تھا یا کوئی عام سا ہیلی کاپٹر نظر آ رہا تھا۔"

"وہ فوجی نہیں تھا۔" اس نے پورے وثوق سے کہا۔ "کسی

اشتہاری کمپنی کا چھوٹا ہیلی کاپٹر معلوم ہو رہا تھا۔ وہ اتنی نیچی پرواز کر رہا تھا کہ آگے بیٹھے ہوئے دونوں آدمی صاف نظر آ رہے تھے۔"
"وہ مقامی تھے یا گورے؟" میں نے پُر تشویش لہجے میں پوچھا۔
"کنٹوپ اور وردی کی وجہ سے یہ پتا نہیں چل رہا تھا۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

میں نے اسے رخصت کردیا۔ غسل خانے میں ہلکا سا شاور لیتے ہوئے میرا ذہن اسی پہیلی میں الجھا ہوا تھا۔ میرا ذہن صرف اور صرف نک موڈلے کی ذات پر مرکوز تھا مگر میں ہیلی کاپٹر کی مشکوک پرواز اور فٹ بال کے کھیل میں کوئی تعلق تلاش نہیں کرپا رہا تھا۔ اس معمے کا حل بدری سے ہی مل سکتا تھا۔

بدری کے پیچھے جانے کے بجائے میں اپنے کمرے میں چائے نوشی میں مصروف ہوگیا۔ مجھے یقین تھا کہ کوئی بات رونما ہوئی ہے تو بدری خود ہی میرے پاس آ پہنچے گا۔

میرے اس اندازے کی تعبیر خاصی دیر بعد سامنے آئی۔ بدری کے بشرے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔ اس نے آتے ہی چائے کی فرمائش کی۔ میں نے بستر کے سرہانے لگا ہوا بیل سوئچ دبا کر خانساماں کو بلایا اور اسے چائے لانے کی ہدایت دے دی۔

"راہول اور پرشوتم کے گم ہونے پر وہ کسی پاگل کتے کی طرح بلبلایا ہوا ہے۔ پہلے مدن فرار ہوا اب وہ دونوں غائب ہیں۔ وہ پوچھ رہا ہے کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ تم خود ہی بتاؤ کہ میں اس الو کے پٹھے کو کیا جواب دوں۔" اس کی دھیمی آواز سے گہری پریشانی جھلک رہی تھی۔

"یہ فضول باتیں بھول جاؤ۔ یہ بتاؤ کہ آج تم فٹ بال کس لئے کھیل رہے تھے۔"

"یہ احمقانہ حکم اسی کا تھا۔ تین سے چھ بجے تک ہمیں اپنے دونوں مقامی مددگاروں کے ساتھ لان پر فٹ بال کھیلتے رہنے کا نادر شاہی حکم ملا تھا۔ میں نے اسے تمہارے یرقان کے بارے میں یاد دلایا مگر وہ میری کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں تھا۔ مقررہ اوقات میں وہ چاروں کو باہر بلانے پر مُصر تھا۔ تمہارا اور تمہارے ساتھی کا پتا نہیں تھا اس لئے میں نے دو نوکروں کو بلا کر نفری پوری کرلی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دماغ چل گیا ہے۔"

"اس نے اور کیا کہا تھا" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا "مزید کوئی نئی ہدایت یا نئی بات؟"

"باتیں تو وہ بہت کر رہا تھا۔ غصے میں ہذیان کی حالت سے دوچار معلوم ہو رہا تھا۔ خاص ہدایت ایک ہی تھی کہ مقررہ اوقات میں ہمیں لان میں فٹ بال کھیلنی ہے۔"

"اپریٹس آن یا آف رکھنے کے بارے میں اس نے کچھ نہیں کہا تھا؟" میرے سوال پر بدری حیرت سے اچھل پڑا۔ "تمہیں یہ کس نے بتایا؟ اس نے تین سے چھ بجے تک اپریٹس آن رکھنے کے لئے بھی کہا تھا۔ میں یہ بات بھول رہا تھا اس سے میری بات تخلیے میں ہوئی تھی۔ رمیش کو صرف وہی کچھ معلوم ہے جو میں نے اسے بتایا ہے پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ اپریٹس کے بارے میں بات ہوئی تھی؟"

"یہ میرا اندازہ تھا۔ میرا خیال ہے کہ اب اسے تم پر بھی اعتماد نہیں رہا۔ وہ بالا ہی بالا اپنا کام کر رہا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ ان اوقات میں کوئی میٹر کے ذریعے خاموشی سے مکان دیکھ کر چلا گیا۔"

"ایک امکان یہ بھی ہے لیکن دوسرا کام اس سے بھی بڑا ہوا ہے۔ اس کا ہیلی کاپٹر نیچی پرواز کرکے اس مکان کو تلاش کرتا رہا ہے جس کے لان پر چار آدمی فٹ بال کھیل رہے ہوں۔"

"نہیں" اس کے منہ سے سہمی ہوئی آواز نکلی۔ "ویسے تمہارا خیال ٹھیک بھی ہو سکتا ہے۔ جب ہم نے کھیلنا شروع کیا تو ایک ہیلی کاپٹر کئی مرتبہ اوپر سے گزرا تھا۔ مگر اس نے کسی فضائی سروے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ہیلی کاپٹر اتفاق سے ادھر آنکلا ہو۔ یہ سب تمہیں کون بتا رہا ہے؟"

"میں آنکھیں کھلی رکھنے کا عادی ہوں۔ میرے تینوں آدمی بھی عقلیں استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اس نے تم سے فضائی سروے کا ذکر نہ کرکے جتایا ہے کہ اب اسے تم پر بھی بھروسا نہیں رہا۔"

"اگر اوپر سے ہیلی کاپٹر فٹ بال کے چار کھلاڑیوں کو تلاش کر رہا تھا تو پھر اسے اپریٹس آن کرانے کی کیا ضرورت تھی۔ فضائی سروے کے ذریعے گھر کی نشاندہی والی بات اسے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"فاصلہ نما میٹر زمین پر بہترین کام کرتا ہوگا کیونکہ کہیں بھی رک کر یا قدم بہ قدم فاصلہ پڑھ کر یقینی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ شاید فضا میں ایسا کرنا ممکن نہ ہو۔ پرواز کرتا ہوا ہیلی کاپٹر عملی طور پر بیک وقت کئی مکانوں پر ہوتا ہے۔ ہوا باز یقین سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ فاصلہ نما میٹر کس مکان سے فاصلہ ظاہر کر رہا ہے۔ پھر ہوا میں عمودی فاصلہ بے معنی ہو جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس سے ہیلی کاپٹر والوں کو مدد ملی ہوگی۔ انہوں نے دیکھ لیا ہوگا کہ فٹ بال والے مکان کے آس پاس سے گزرتے ہوئے ان کا میٹر کم سے کم فاصلہ ظاہر کر رہا ہے۔ دونوں طریقوں کی مشترکہ تائید سے تلاش کیے جانے والا ٹھکانا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔"

"ہمیں فٹ بال کھیلنے پر مجبور کیے بغیر صرف میٹر سے بھی یہ مکان تلاش کیا جا سکتا تھا۔ ہیلی کاپٹر ہر مکان پر معلق ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے......"

اس بار میں نے اس کی بات کاٹ دی "یہ نہ بھولو کہ وہ ایک مشتبہ آدمی کی تلاش میں ہے۔ ہیلی کاپٹر دیر تک ایک ایک مکان پر یوں رکتا رہتا تو کسی زمینی کارروائی کا نشانہ بن سکتا تھا۔ تم کھیل میں مگن تھے۔ تمہیں کسی بات کا علم نہیں مگر مجھے بتایا گیا ہے کہ ایک محفوظ ریلوے لائن پر وہ ہیلی کاپٹر کچھ دیر تک معلق رہا ہے۔ ہو سکتا

ہے کہ وہاں سے دوربین لگا کر تم چاروں سمیت اس گھر کا جائزہ لیا گیا ہو۔"

اس کی تنگ پیشانی شکن آلود ہوگئی۔ تم بہت خوف ناک اور دہلا دینے والی باتیں کر رہے ہو۔ تم اتنے اہم نہیں ہو کہ تمہارے لئے وہ اپنی ساری زمینی اور فضائی صلاحیتیں میدان میں جھونک دے گا۔"

"مجھے اعتراف ہے کہ میں اتنا اہم نہیں ہوں۔ اس نے اپنے وہم سے مجھے اہمیت دی ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ رمیش کی طرح وہ بھی مجھے ڈپٹی کا گرگا سمجھ رہا ہو!"

"اگر تمہاری معلومات اور اندازے درست ہیں تو میرے لئے خطرہ بڑھ رہا ہے۔" وہ تشویش سے بڑبڑایا "میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ فٹ بال کی آڑ میں وہ ہمیں اس بے دردی سے استعمال کر سکتا ہے۔ اگر یہ مکان اس کی نظروں میں آ چکا ہے تو اب کیا کرنا چاہئے؟"

اسی وقت خانساماں چائے لے کر آ گیا۔ اسے دیکھتے ہی میرے ذہن میں نئے سوال نے سر ابھارا اور میں نے وہ سوال دہرا دیا۔ "ہیلی کاپٹر نے آس پاس میں کوئی ہلکی یا بھاری چیز تو نہیں گرائی تھی؟"

"میں نے یہ غور نہیں کیا صاحب!" بدری کی موجودگی کے سبب اس نے کسی پشتینی ملازم کی طرح گھگیا کر کہا "میرا دھیان ہیلی کاپٹر پر تھا۔ وہ بہت نیچے اُڑ رہا تھا۔"

"ذرا اوپر کے زینے کا دروازہ کھول دو" لمحہ بھر سوچنے کے بعد میں نے کہا "چائے پینے کے بعد ہم دونوں اوپر جائیں گے۔ یہ بات دور تک پھیلتی معلوم ہو رہی ہے۔"

"چھت پر کیا دیکھنا ہے؟" خانساماں کے چلے جانے کے بعد بدری نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اوپر چل کر ہی کچھ کہہ سکوں گا۔" میں نے اپنی پیالی خالی کر کے سگریٹ سلگائی۔

بدری ناتھ بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا لیکن تیزی سے بدلتے ہوئے حالات نے اسے بری طرح چکرا کر رکھ دیا تھا۔ مجھ تک پہنچنے سے پہلے وہ اخبارات میں امریکی بحریہ کے ایک جنگی ہیلی کاپٹر اور۔۔ بیس کمانڈوز کی ہلاکت کے بارے میں پڑھ چکا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ سراب گوٹھ کے قریب ہی ویرانے میں راس المیڈا کی لاش اسی ہیلی کاپٹر کے جلے ہوئے ملبے کے قریب پڑی ہوئی ملی تھی۔ ان حالات میں مزید کسی چھوٹے موٹے ہیلی کاپٹر کا استعمال ہر طرح سے قرین قیاس تھا۔

اس نے اپنی چائے عجلت میں ختم کی اور میرے ساتھ چھت پر جانے کے لئے اٹھ گیا۔

ہفتوں کی گرد میں اٹے ہوئے زینے طے کر کے چھت پر قدم رکھتے ہی میرے بدترین اندیشے کی تصدیق ہو گئی۔ چھت کے فرش کے ایک بڑے سے گوشے پر سیاہ رنگ کا ایک دھبا چمک رہا تھا۔

مجھے علم نہیں تھا کہ وہ بڑا اور بے ترتیب دھبا پہلے سے موجود تھا یا تازہ تھا مگر وہ میرے شبہات کے مطابق ضرور تھا۔ میں بدری اور خانساماں کو حیران چھوڑ کر اس بڑے نشان کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ جوتے سے رگڑنے پر وہ رنگ خشک ثابت ہوا۔

میں نے اس کی سطح پر انگلی پھیر کر جائزہ لیا تو رنگ کی دبیز تہ پر گرد کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ یہ حقیقت اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ سیاہ رنگ کا وہ چمکیلا داغ بالکل نیا تھا۔ بازار میں ایسے رنگ عام تھے جو ہوا لگتے ہی خشک اور سخت ہو جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

میں نے خشک رنگ کی موٹی تہ میں جمی ہوئی ایک تھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ "یہ رنگ اس تھیلی میں ریل تھا۔ فضا سے چھت پر گرتے ہی تھیلی پھٹ گئی۔ گاڑھا رنگ فرش پر پھیل گیا۔ رنگ کے چھینٹے فرش اور دیواروں پر دور تک نظر آ رہے ہیں۔"

بدری نے اپنی عادت کے مطابق ایک مرتبہ پھر ناقدانہ سوالوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ میں زبان کھولنے سے پہلے ہر بات کا اطمینان کر چکا تھا۔

"میں تمہیں خوف زدہ نہیں کر رہا۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "سیڑھیوں کی حالت تم دیکھ ہی چکے ہو۔ پہلے فرش پر انگلی پھیرو پھر سیاہ رنگ پر یہی عمل دہراؤ۔ تمہیں یقین آ جائے گا کہ رنگ کی تھیلی حال ہی میں بلکہ آج شام یہاں پھینکی گئی ہے۔ ہیلی کاپٹر سے آنے والے اپنا کام پورا کر کے گئے ہیں۔"

بدری نے میرے الفاظ پر انحصار کرنے کے بجائے خود فرش اور سیاہ رنگ پر انگلیاں پھیر کر مشاہدہ کیا پھر قائل ہو کر بولا۔ "مگر یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس طرح ہمیں ہراساں کیا جا رہا ہے۔"

"یوں سمجھو کہ اس چھت پر نشان لگا دیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج رات ہی یہاں کمانڈو اتارنے کی کوشش کی جائے۔ ان کے لئے یہ سیاہ نشان ہی سب سے بڑی پہچان ہے ورنہ اوپر سے سارے مکان یکساں نظر آئیں گے۔ یہ برا وقت تمہارے فٹ بال کھیلنے سے آیا ہے۔"

"میں موت سے نہیں ڈرتا۔ اصل شکوہ یہ ہے کہ تم مسلسل ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچا رہا ہے۔" بدری نے خانساماں کی موجودگی کی پروا کئے بغیر کہا۔ "اگر وہ ہم پر یوں لشکر کشی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو ہمیں اس کے مقابلے کی بھرپور تیاری کرنی چاہیے۔ ہم کب تک اس سے دبتے رہیں گے۔"

"بازار سے سفید اور گرے رنگ کے ڈبے لے آؤ۔ انہیں کرسینٹ کا رنگ بناؤ اور پوری چھت پر پھیر دو۔" میں نے خانساماں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ان کے لگائے ہوئے نشان کو مٹانا وقت کی سب سے پہلی ضرورت ہے۔ پوری چھت پر کہیں سیاہ چھینٹ نظر نہیں آنی چاہیے۔ دیواروں پر گرے رنگ پھیر دینا۔"

میری پوری بات سنتے ہی خانساماں تیزی سے زینوں کی طرف چل دیا۔

"کراچی میں تمہاری پوزیشن بہت مخدوش ہے۔ اس سے بھڑ کر تم مارے جاؤ گے۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "اس معاملے میں رمیش کو اعتماد میں لے لو۔"

"کیسے لے لوں؟ میں نے اسے ہوا بھی نہیں لگنے دی ہے کہ تمہارے بارے میں نک کے نظریات کتنے بدل چکے ہیں۔ اب میں کس منہ سے اس سے بات کر سکتا ہوں۔"

"نیچے چلو۔ کوئی نہ کوئی راہ مل ہی جائے گی۔" میں اس کے ساتھ زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

رمیش ہمیں راستے ہی میں مل گیا۔ وہ بدری کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

"تم دونوں کہاں سے آ رہے ہو؟" سامنا ہوتے ہی اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"ہم فٹ بال کھیل رہے تھے۔ ایک ہیلی کاپٹر چھت پر رنگ سے بھری ہوئی پلاسٹک کی تھیلی گرا کر چلا گیا۔ اس گھر پر کسی نے موت کا نشان لگانے کی سنگین واردات کی ہے۔"

"ہاں' شام کو ادھر کوئی ہیلی کاپٹر اُڑ تو رہا تھا۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ رنگ اسی نے پھینکا ہے۔"

اسے ساتھ لے کر ہمیں ایک مرتبہ پھر چھت پر جانا پڑا اور اسے میری بات کا یقین آگیا۔

"گرد آلود سیڑھیاں بتا رہی ہیں کہ کسی نے مہینوں سے چھت کا رخ نہیں کیا پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ چھت پر تھیلی پھینکی گئی ہے۔" وہ بدری سے زیادہ متجسس تھا۔

"میرے آدمی نے چھپاکے کی آواز سنی تھی۔ پوری صورتِ حال اوپر آنے کے بعد ہی واضح ہوئی تھی۔"

فضا میں اندھیرا تیزی سے بڑھتا جا رہا تھا۔ ہم تینوں نیچے اتر آئے۔

"یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے؟" رمیش نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔ "ایک مجرمانہ کام کے لئے کراچی جیسے شہر میں ہیلی کاپٹر کا استعمال حیرتناک ہے....."

میں نے بدری کو آنکھ ماری اور رمیش کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے یا تمہارے کسی دشمن کی حرکت ہے۔ وہ بہت زیادہ باخبر ہونے کے ساتھ بے اندازہ وسائل کا بھی مالک ہے۔"

"نک موڈلے؟" رمیش نے میری طرف دیکھ کر بے ساختہ سوال کیا۔

میں دھیرے سے ہنس پڑا۔ "اس کے بارے میں ایسی بات سوچی بھی نہیں جا سکتی۔ وہ تمہارا بگ باس اور خیر خواہ ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم اسے فوراً اس نازک مسئلے سے آگاہ کر دو۔"

میری تجویز پر بدری کا چہرہ دمک اٹھا۔ چور کے پاس چوری کی رپورٹ درج کروانے کا وہ انوکھا خیال اسے پسند آیا تھا۔ اس طرح رمیش کو بھی اعتماد میں لے لیا گیا تھا۔

"ہم دونوں یہیں بیٹھو۔ میں نک سے بات کر کے آتا ہوں۔" بدری نے ڈرائنگ روم چھوڑ دیا۔

"میں خالی بیٹھ کر کیا کروں گا۔ اب تو شراب پینی ہی پڑے گی۔" رمیش بھی فوراً اٹھ گیا۔

میں نے اسے یہ تاثر دیا جیسے میں اس کی واپسی کے انتظار میں وہیں بیٹھا رہوں گا۔ ان دونوں کے غائب ہوتے ہی میں پنجوں کے بل دوڑتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ دروازہ بولٹ کرتے ہی میں نے ایف ایم بینڈ پر ملایا ہوا ریڈیو آن کر دیا۔

"..... کا چلایا ہوا چکر ہے۔" اسپیکر پر رمیش کی قدرے برہم آواز آ رہی تھی۔ "علی شیر کو اب ہم سے زیادہ رقم ملنے کی امید نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم اس کے جانے سے پہلے اس کا گھر خالی کر دیں۔ وہ ہم پر دباؤ ڈال رہا ہے اسی لئے اس نے ہیلی کاپٹر سے رنگ کی تھیلی پھینکے جانے کا ناٹک رچایا ہے۔ یہ سب افسانے کی باتیں ہیں۔ آرام سے لمبی تان کر سوؤ۔ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ہو گا تو دیکھا جائے گا۔"

"اگر یہ علی شیر کی کوئی شرارت ہے تب بھی نک کو خبر دینے میں کیا حرج ہے؟"

"خبر دے دو مگر اسے یہ بھی بتا دو کہ میری کیا رائے ہے۔" رمیش کی آواز آئی۔

وہ واقعات سے پوری طرح باخبر نہیں تھا۔ اسی لاعلمی میں وہ معاملے کی اہمیت اور نزاکت کو نظرانداز کر رہا تھا۔ بدری نے بھی اس کی تصحیح کی کوئی کوشش نہیں کی۔ راہول اور پرشوتم کی کہانی سے واقف ہوئے بغیر رمیش حالات کی سنگینی کا ادراک کر ہی نہیں سکتا تھا جب کہ ان واقعات کا انکشاف کرنا بدری کے حق میں بدترین ثابت ہو سکتا تھا۔ اس نے رمیش کو ٹالنے کے لئے خاموشی اختیار کر لی۔

چند ثانیوں بعد بدری ایرپیس پر اپنے بگ باس کو پکار رہا تھا۔ بگ باس نے درشت لہجے میں پوچھا تھا۔ "کیا بات ہے؟ اب کس لئے مجھے تنگ کر رہے ہو؟"

"عجیب قصہ ہوا ہے۔ جب ہم فٹ بال کھیل رہے تھے تو ایک ہیلی کاپٹر ہماری چھت پر کالے رنگ سے بھری ہوئی تھیلی پھینک گیا۔ چھت پر کالے رنگ کا ایک بڑا نشان بن گیا ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ چھت پر رنگ پھینکا گیا ہے؟" نک کی آواز نرم پڑ گئی۔

"علی شیر نے ہیلی کاپٹر سے کچھ گرتے دیکھا تھا۔" بدری نے سفید جھوٹ بولا۔ "اوپر جاتے ہی اس کے شبے کی تصدیق ہو گئی۔"

"پھر میں کیا کروں۔ یہ کوئی اتفاق بھی ہو سکتا ہے۔" وہ تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہا تھا۔

"علی شیر گھر سے نکل بھاگنے کی فکر میں ہے۔" موقع پا کر بدری نے میری روانگی کی راہ ہموار کرنی شروع کر دی۔ "اسے ڈر ہے کہ کسی نے کمانڈو اتارنے کے لئے چھت پر نشان لگایا ہے۔"

"وہ پاگل ہو گیا ہے۔" دل کے چور کی وجہ سے نک کا لہجہ بالکل

مفاہمانہ ہوگیا۔ "اسے سمجھاؤ کہ وہ بلاوجہ ڈر رہا ہے۔ کچھ نہیں ہوگا۔ تم لوگ میرے لئے کام کر رہے ہو۔ کوئی تمہیں ٹیڑھی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔"

"وہ ڈینی سے ڈرا ہوا ہے۔" بدری اپنا رول بہت خوبصورتی سے ادا کر رہا تھا۔ "ہم سے پیسے لے کر اُس نے ڈینی کی تلاش میں مخبر پھیلائے تھے۔ پھر وہ کام ادھورا رہ گیا۔ وہ سوچ رہا ہے کہ باقی پیسے نہ ملنے پر کسی مخبر نے ڈینی کو سب کچھ بتا دیا ہے اور وہ علی شیر کے پیچھے لگ گیا ہے۔"

"ڈینی دو ٹکے کا بدمعاش ہے۔ وہ ہیلی کاپٹر کہاں سے لائے گا۔ اسے تسلی دے کر صبح تک روکو۔ مجھے اس کہانی کا کوئی سرا ملا تو میں خود تم سے بات کروں گا۔"

"اور ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم علی شیر کے ساتھ مفت میں مارے جائیں۔"

"تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہیں ڈٹے رہو۔ تم نے ذرا بھی کمزوری دکھائی تو علی شیر فوراً بھاگ نکلے گا۔ ڈینی کی طرف سے اس کے خوف نے مجھے اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اب بات ختم کرو۔ میں بعد میں تم سے رابطہ کروں گا۔"

"اوکے بگ باس!" بدری کی آواز کے بعد اسپیکر پر خاموشی چھا گئی۔ میں نے سوئچ بند کر کے دروازہ کھول دیا۔ باتھ روم میں ہاتھ دھو کر میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو رمیش مجھ پر ناراض ہونے لگا۔ "میں تمہاری وجہ سے یہاں آیا اور تم میدان صاف دیکھ کر بھاگ گئے۔ کہاں چلے گئے تھے؟"

"پیٹ میں گڑبڑ ہو رہی تھی۔" میں نے خفّت آمیز لہجے میں عذر پیش کیا۔

رمیش نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔ "آدمی کوئی بڑا جھوٹ بول رہا ہو یا اس پر کوئی دہشت سوار ہو تو اس کا ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔ سچ بتاؤ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

"جھوٹ میں بولتا نہیں، دہشت بھی دور کی بات ہے۔ ہاں، ہیلی کاپٹر والے قصے کی طرف سے پریشانی ہے۔"

"کیسی پریشانی؟ میں شرط لگاتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ یہ سب فراڈ ہے۔"

"خدا کرے کہ تمہارا اندازہ درست ہو۔ اب جو کچھ ہوتا ہے، وہ تم دونوں کو ہی بھگتنا ہوگا۔ میں تم دونوں سے آخری ملاقات کے لئے آیا تھا۔ مجھے کل صبح روانہ ہو جانا ہے۔ آج کی رات میں دوستوں کی محفل میں گزاروں گا۔"

"اگر ہیلی کاپٹر والی سازش تمہارے کسی دشمن کی ہے تو آج رات تمہیں یہاں رکنا چاہئے۔ کچھ ہوا تو تمہاری دشمنی کا مزہ ہم کو چکھنا پڑے گا، تم صاف نکل چکے ہوگے۔ یہ انصاف نہیں ہے۔"

"میں نے نہیں روکا، تم اپنی مجبوری سے یہاں پڑے ہوئے ہو۔ تمہاری وجہ سے میرے آدمی بھی یہاں پھنسے رہیں گے۔ وہ میرے دشمن ہوئے تو سارا غصہ ان ہی پر نکالیں گے۔ تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا۔"

ہیلی کاپٹر والا قضیہ سامنے آنے کے بعد واقعات بہت بری طرح الجھ گئے تھے۔ یہ غنیمت تھا کہ وہ دونوں اپنے اپنے اسباب کی وجہ سے مجھے وہاں سے جانے کی چھوٹ دینے پر آمادہ ہو چکے تھے۔ رمیش ہیلی کاپٹر والے قصے کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ بدری میری ہمدردی میں مجھے الوداع کہنے کے لئے آمادہ تھا۔

میرے پاس وقت کم رہ گیا تھا۔ نادرہ کے مکان میں ایس ٹی ایف کے تین آدمیوں کی موجودگی کی وجہ سے میرے لئے اول خان سے فوری رابطہ ضروری ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے اٹھا تو بدری بھی چند قدم دور تک میرے ساتھ آیا اور خاموشی سے ایک رقعہ مجھے تھما کر لوٹ گیا۔

میں نے کمرے میں جا کر وہ پرچہ دیکھا تو اس پر لندن کا ایک فون نمبر اور نام موجود تھا۔

تنک موڈلے نے جس طرح بدری کو مجھے صرف رات بھر کے لئے روکنے کا مشورہ دیا تھا اس کی بنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ رات کو نادرہ کے مکان پر چڑھائی کی کوشش ضرور کی جائے گی۔ بدری نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے سیاہ نشانات کو مٹانے کا ذکر گول کر دیا تھا۔

ہدف کی شناخت مٹ جانے کے بعد آنے والوں کے لئے فضا سے منزل کا تعیّن کرنا ناممکن ہو کر رہ جاتا۔ وہ آتے اور ناکام و نامراد واپس لوٹ جاتے۔ بعد میں بدری بہت معصومیت سے یہ کہہ سکتا تھا کہ علی شیر نے اس کے علم میں لائے بغیر سیاہ رنگ کا ہر نشان مٹا ڈالا تھا۔ چالاکی سے بنائے ہوئے منصوبے کی اس شرمناک ناکامی کی اطلاع پر تنک موڈلے اپنے بال ہی نوچ سکتا تھا۔

مجھے توقع تھی کہ تصادم نہ ہونے کی وجہ سے تنک کو سوچنے کا وقت مل جاتا۔ غالب امکان یہی تھا کہ را کے ایجنٹوں کو طے شدہ پروگرام کے مطابق تربیت پر روانہ کر دیا جاتا۔

وقت بچانے کے لئے میں نے اسی وقت اول خان کو فون کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے میری پوری کہانی گہری دلچسپی سے سنی پھر بولا "جب بھی تم ان دونوں کو چھوڑ کر ادھر آتے ہو کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ کل راہول اور پرشوتم کے آنے کا منصوبہ بن گیا۔ آج ہیلی کاپٹر نے پرواز شروع کر دی۔"

"پریشانی تنک کے اعصاب پر سوار ہے۔ آج بھی وہ منہ کی کھائے گا۔"

"فکر مت کرو۔ آج کے زخم وہ مدتوں سہلائے گا۔ میں بے آواز رائفلوں کے ساتھ اپنی مزید نفری قرب و جوار میں مامور کرنے کا بندوبست کرتا ہوں۔ میرے نشانچی اس ہیلی کاپٹر کو بھی مار

گرائیں گے۔"

"نفری لگا دو مگر میں تصادم نہیں چاہتا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "نقصان اٹھانے کے بعد تنک بدری سے بھڑک جائے گا۔ میں اب تک ایسی کسی بھی صورتِ حال کو ٹالنے کے لئے محنت کرتا رہا ہوں۔ اس کے لئے یہی چرکا کافی ہوگا کہ اس کے آدمی اپنا ہدف کھو بیٹھیں گے۔"

"تم میرے آدمیوں کی پرواہ مت کرو۔ وہ جنگی تجربات کی بھٹی سے گزر کر کندن بنے ہوئے شیر دل ہیں۔ موت کے جبڑوں میں ہاتھ ڈال کر زندگی چھین لینے کے فن میں طاق ہیں۔ حالات کیسے ہی ہوں، وہ خود کو سنبھال لیں گے۔ بس ذرا گھر کے انتظامات کے بارے میں انہیں بریف کر دینا، ایسا نہ ہو کہ تمہاری غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر وہ دونوں ان پر حاوی ہونے کی کوشش کریں۔"

"اور تم سلطان شاہ کو یہ بتا دینا کہ میرے چلے جانے کے بعد اسے روز صبح گیارہ بجے بدری کو فون کرنا ہے۔ جب بھی وہ کہے تو اسے تنک سے ایک لفافہ لا کر تمہارے کسی آدمی کے ذریعے بدری تک پہنچانا ہوگا۔ اسے ان دونوں میں سے کسی کے سامنے آنے کی ضرورت نہیں۔"

"یہ کس قسم کا لفافہ ہوگا؟" اول خان نے دلچسپی سے سوال کیا۔

"ان دونوں کے پاسپورٹ اور ٹکٹ آنے باقی ہیں۔ میں نے وعدہ کیا ہے کہ میں ان کا بندوبست کر کے ہی جاؤں گا۔ ایسا نہ ہو کہ میں وقت کی کمی کی وجہ سے سلطان شاہ کو بتانا بھول جاؤں۔"

"میرا خیال ہے کہ اب تمہیں وہاں سے آ جانا چاہئے۔ سامنے رہو گے تو یاد آنے والے نکات پر ہاتھوں ہاتھ بات ہوتی رہے گی۔ وقت گزر گیا تو بہت سے کام ادھورے رہ جائیں گے۔"

اس سے وعدہ کر کے میں نے فون بند کر دیا اور کمرے سے نکل آیا۔

گھر کی نگرانی اور اوپری کاموں کی دیکھ بھال کے لئے خانساماں نیچے ہی تھا۔ بقیہ دونوں آدمی چھت کے فرش پر دیواروں پر رنگ پھیرنے کے لئے اوپر گئے ہوئے تھے۔

گھریلو خانساماں کے روپ میں وہ واقعی سادہ لوح اور کم سخن ثابت ہوتا چلا آیا تھا لیکن جب میں نے اپنی روانگی کے حوالے سے گفتگو شروع کی تو پتا چلا کہ وہ خاصا چالاک اور باخبر آدمی ہے۔

بدری اور رمیش کے کمرے میں چھپے ہوئے لاسلکی مائیکروفون سے ایف ایم بینڈ پر ان دونوں کی گفتگو سننے کے لئے اسے صرف ریڈیو آن آف ہی کرنا تھا۔ یہی صورت فون کال ٹیپ کرنے کے لئے تھی۔ میں نے اسے تاکید کی کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق ہر اہم بات سے اول خان کو باخبر کرتا رہے۔

گھریلو اخراجات کے لئے ایک معقول رقم اسے پہلے ہی دی جا چکی تھی۔ اسے دس منٹ میں ہر اونچ نیچ سمجھا کر میں چھت پر پہنچا تو وہاں عارضی روشنی کا بندوبست کر کے بقیہ دو افراد نے چھت کے فرش پر جھاڑو دے کر گرد و غبار کو سمیٹ دیا تھا۔ وہ دونوں نہایت جانفشانی سے رنگ کر رہے تھے۔ سیاہ رنگ کا ایک بڑا حصہ سرمئی رنگ میں چھپ چکا تھا۔

ان دونوں کو کام ختم کر کے خانساماں سے معلومات حاصل کرنے کی ہدایات دے کر میں نے ان دونوں سے الوداعی انداز میں ہاتھ ملائے تو ڈرائیور چونک پڑا۔

"صاحب! کیا تم جا رہے ہو؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے بے یقینی سے پوچھا۔

"ہاں، یہاں سے اتر کر میں چلا جاؤں گا۔ کل مجھے باہر جانا ہے۔ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔"

وہاں کھڑے کھڑے میں نے انہیں ہیلی کاپٹر والے واقعے کے مختصر پس منظر سے آگاہ کرنے کے ساتھ یہ یقین دلایا کہ کالے رنگ کے شناختی دھبے کو کیموفلاج کرنے کے بعد ہر خطرہ بڑی حد تک ٹل گیا تھا مگر پھر بھی اول خان ہر بات سے باخبر تھا اور ضرورت پیش آنے پر انہیں باہر سے مدد بھی مل سکتی تھی۔

میں نے ایک مرتبہ پھر ان سے ہاتھ ملایا اور نیچے آ کر اپنا اسلحہ سمیٹ لیا جس میں بیم گن بھی شامل تھی۔

"تو کیا تم واقعی جا رہے ہو؟" میرے ہاتھ میں سفری بیگ دیکھ کر رمیش نے حیرت سے پوچھا۔

"مجھے اپنی جان عزیز ہے۔ ذرا یہ دھیان رکھنا کہ میرے چلے جانے کے بعد میرے آدمی ہی اس مکان کے مالک اور نگراں ہوں گے، رقم ان ہی کو دے دینا۔ نوکر سمجھ کر انہیں دبانے کی کوشش کرو گے تو بدمزگی پیدا ہوگی۔ دوسری صورت میں وہ ہر طرح تمہارے آرام کا خیال رکھیں گے۔"

"تم شہر میں کب تک رکو گے؟" بدری نے اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بس آج کی رات ہی یاروں کی محفل میں گزرے گی۔ صبح میں شہر چھوڑ دوں گا۔"

"رمیش کا اب بھی یہی خیال ہے کہ تم بلاوجہ جا رہے ہو۔ یہاں کچھ نہیں ہوگا۔"

"میں رمیش سے مذاق کر رہا تھا ورنہ میری روانگی کا متوقع خطرے سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ پروگرام پہلے سے طے تھا۔ کل مجھے ہر حال میں سفر پر روانہ ہو جانا تھا۔"

"سفر کے لئے تمہارے ساتھ کوئی سامان نظر نہیں آ رہا۔ یہ بیگ بھی بالکل خالی معلوم ہو رہا ہے؟" رمیش نے چبھتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جیب میں پیسے ہوں تو ضرورت کی چیزیں ہر جگہ مل جاتی ہیں۔ میں تفریح میں زیادہ بوجھ ڈھونے کا قائل نہیں ہوں۔ تم بھارت سے یہاں آئے تو کیا لے کر آئے تھے؟" میں نے اس کی

نظریں ڈال کر کہا۔

بدری اداسی سے ہنس پڑا "ہم بھی ڈالروں کا تھیلا ہی لے کر آئے تھے۔ اب اس کا ذکر کر کے ہمارے زخموں کو نہ کریدو۔ تمہارے حاجی دل مراد نے ہماری وہ پونجی بھی ہم سے چھین لی۔"

"کسی وقت اسے بھی دیکھ لیا جائے گا" رمیش نے کینہ توز لہجے میں کہا "تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تک سے ہمارے پاسپورٹ وغیرہ کیسے آئیں گے۔ یہ آخری کام نہ ہوا تو میں تمہارے آدمیوں کو مزید رقم نہیں دوں گا۔"

"تمام کیٹ روز صبح گیارہ بجے تمہیں فون کرتا رہے گا۔ اسے صرف اسی کام کے لئے کہا گیا ہے۔ تم نے اس سے مزید توقعات وابستہ کیں تو وہ پوری نہیں ہوں گی۔" میں نے اس آخری نکتے کی بھی وضاحت کر دی۔

"اور فون تمہارے کمرے میں ہی مقفل رہے گا!" رمیش نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"کل صبح وہ باہر آجائے گا۔ میرے آدمی ضرورت پڑنے پر ہی اسے اندر لے جائیں گے۔"

وہ دونوں ایک خون آشام پیشے سے منسلک ہو گئے تھے لیکن ہر اعتبار سے مہذب اور تعلیم یافتہ تھے۔ مجھے رخصت کرنے کے لئے وہ دونوں باہر تک آئے تھے۔ روانگی کا لمحہ آیا تو بدری بڑھ کر بے اختیار مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ رمیش کو اس کی تقلید کرنی پڑی۔ خانساماں ہمارے پیچھے پیچھے آیا تھا۔ اس نے پھاٹک کھولا اور میں نے نادرہ کے گھر کو خیرباد کہہ دیا۔

گھر پر مسافر خانے کا منظر میرا منتظر تھا۔ ڈرائنگ روم میں دو چھوٹے چھوٹے سوٹ کیس قالین پر پڑے ہوئے تھے۔ ویرا صوفے پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ اول خان اخبار پڑھنے میں مصروف تھا۔ سلطان شاہ کندھے پر تولیا ڈالے ادھر اُدھر چکراتا پھر رہا تھا۔

"سفر کے لئے کچھ نہ کچھ زادِ راہ ضروری ہوتا ہے۔" میری استفسار طلب نگاہوں کے جواب میں غزالہ نے مسکرا کر کہا "خالی ہاتھ سفر کرنے والے خواہ مخواہ دوسروں کی نظروں میں آتے ہیں۔ ایک میں ویرا کا اور دوسرے میں آپ کا سامان ہے۔ دونوں سوٹ کیس چھوٹے اور بہت ہلکے ہیں۔"

"بیم گن بھی اسی میں ڈال لینا۔ مشینی تلاشی کی وجہ سے تم اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکو گے۔"

"بیم گن لے جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" ویرا نے اعلان کیا "یہی غنیمت ہے کہ تم یہ ہتھیار یورپ سے پاکستان لانے میں کامیاب ہو گئے۔ امریکا میں یہ پیٹنٹ ہو گا۔ اس کی ساخت تمہارا بھانڈا پھوڑ سکتی ہے۔ اسکریننگ مشینوں سے سامان گزارنے پر ایسی چیزیں بہت نمایاں ہو کر نظر آتی ہیں۔"

"یہ ایک بڑی محرومی ہو گی۔" اول خان نے اخبار ایک طرف ڈال کر کہا۔ "اس مہم پر بیم گن جیسا جدید ہتھیار قبضے میں ہونا بہت ضروری ہے۔"

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے فضا میں ہاتھ لہرا کر بے نیازی سے کہا۔ "امریکا میں آج بھی میرا لحاظ کرنے والے موجود ہوں گے۔ میں کہیں نہ کہیں سے بیم گن حاصل کر ہی لوں گی۔ یہاں سے اسے ساتھ لے جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ کہیں پر اسے چیک کر لیا گیا تو یہ ضبط ہو جائے گی۔"

میں نے اپنے ساتھ لائے ہوئے تھیلے میں سے جملہ ہتھیار نکال کر میز پر ڈال دیئے۔ بیم گن سلطان شاہ نے اٹھا لی۔

ویرا نے نادرہ کے مکان کی چھت پر ہیلی کاپٹر سے رنگ کی تھیلی پھینکے جانے کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ اپنی نوعیت کی ایک عجیب بات تھی۔ بحث اور باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ اول خان نے بتایا کہ اس نے دو گاڑیوں میں چار مسلح آدمیوں کو نادرہ کے مکان کے قرب وجوار میں مامور کر دیا ہے۔

ان باتوں میں بہت سے ضمنی موضوعات بھی ابھرتے رہے جن پر سیر حاصل بحث ہوئی۔ دس بجے غزالہ نے کھانا لگا لیا۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی اول خان نے محفل برخاست کر دی۔

آپس میں ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی اور بات تھی۔ اس وقت ہر ایک کو یہ احساس تھا کہ بے یقینی کے اس سفر پر میری روانگی سے پہلے غزالہ کو میری رفاقت میں رہنے کا پورا پورا حق حاصل تھا۔ اس رات فلیٹ میں جلد ہی رات اتر آئی اور ہم دونوں اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔

اگلی صبح ویرا ہمارے بیدار ہونے سے پہلے تیار ہو چکی تھی۔ اس نے پھول دار قمیص شلوار کے ساتھ اسی ڈیزائن کا ہلکا دوپٹا یوں گردن میں ڈالا ہوا تھا کہ دونوں پلو اس کے شانوں سے آگے جھول رہے تھے۔ کسی میک اپ کے بغیر وہ اس وقت بہت حسین اور پُرکشش نظر آ رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس وقت سلطان شاہ بہت خاموش اور اداس تھا۔ وہ بار بار کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

غزالہ کی کیفیت میرے لئے قابلِ فہم تھی۔ میں ویرا جیسی ضدی اور سرکش عورت کے ساتھ سفر پر جا رہا تھا۔ غزالہ کتنی بھی فراخ دل رہی ہو، اس صورتِ حال پر خوش نہیں ہو سکتی تھی پھر بھی وہ بھری بھری آنکھوں کے ساتھ ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے میری اور ویرا کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔

اس بھیڑ میں بس ویرا ہی سب سے زیادہ خوش اور بے فکر نظر آ رہی تھی۔ اس نے خلافِ معمول سلطان شاہ سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اس کی اداسی سے بے خبر نہیں تھی۔

"سلطان شاہ!" ناشتا کرتے ہوئے ویرا اچانک ہی اسے مخاطب کر بیٹھی۔ "میری غلطیوں اور خطاؤں کو خلوصِ دل سے معاف کر دینا۔ میں نے تمہیں بہت تنگ کیا ہے۔ میرے وحشیوں کے

ں میں اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے جا رہی ہوں۔ میری
کامیابی کے لئے دعا کرنا' سنا ہے کہ اچھے آدمیوں کی دعائیں قبول
ہوتی ہیں اور...... اور تم بہت نیک اور اچھے آدمی ہو' اتنے اچھے کہ
میں نے تمہارے سامنے خود کو ہمیشہ بہت پست اور حقیر سمجھا......"

ویرا وہ اعتراف نہ جانے کب سے اپنے دل کی پنہائیوں میں
چھپائے بیٹھی تھی۔ آخر میں اس کی بھرائی ہوئی آواز اس کے حلق میں
پھنس گئی۔ اپنی آنکھوں میں یکایک امڈ آنے والے دو آنسوؤں کو
اس نے رخساروں پر لڑھکنے سے پہلے ٹشو پیپر میں جذب کرلیا اور
اس کے ہونٹوں پر ایک غمگین مسکراہٹ پھیل گئی۔

سلطان شاہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ویرا کے جواب میں کچھ
کہے بغیر اس نے ایک جھٹکے سے کرسی چھوڑی اور اپنے کمرے کی
طرف بڑھتا چلا گیا۔

اس وقت ہم چاروں ہی خاموش تھے اور فضا بوجھل ہوگئی
تھی۔ "یہ واقعی شتر مرغ ہے۔" چند ثانیوں بعد ویرا نے دلفریب
مسکراہٹ کے ساتھ کہا "یہاں بیٹھ کر میرا سامنا کرنے کے بجائے
اپنے کمرے میں بھاگ گیا۔ سمجھتا ہے کہ میں وہاں نہیں پہنچ
سکتی۔" وہ بھی اٹھی اور اسی طرف چل دی۔

ہمارے گھر سے نکلنے تک سب کا جذباتی ابال قدرے کمزور پڑ
چکا تھا۔ سب نے ایک دوسرے کو فلیٹ میں ہی الوداع کہہ دیا
کیونکہ سلطان شاہ کو غزالہ کے پاس رکنا تھا۔ ویرا کو اول خان
ائرپورٹ لے جاتا جبکہ مجھے ٹیکسی سے وہاں پہنچنا تھا۔
حفاظت کے نکتہ نظر سے ہم دونوں کا ایک دوسرے سے الگ
رہنا ضروری تھا۔

میں ٹیکسی سے ائرپورٹ پہنچا تو ویرا پہلے ہی بین الاقوامی لاؤنج
میں اول خان کے ساتھ موجود تھی اور بہت سی نگاہوں کا مرکز بنی
ہوئی تھی۔

ویرا ایک پرکشش عورت تھی۔ اس وقت اس کی یہ خوبی ہی
کام آئی۔ اکانومی کلاس کی طویل قطاروں کو چھوڑ کر وہ فرسٹ
کلاس کے خالی کاؤنٹر پر گئی تو چند ثانیوں میں ہی اسے بورڈنگ کارڈ
جاری کردیا گیا۔ وہ اول خان سے ہاتھ ملا کر امیگریشن کاؤنٹر تک گئی
پاسپورٹ پر مہر لگوا کر وہاں سے بھی گزر گئی۔ بہت سے دوسرے
مسافروں کی طرح میں بھی ڈھٹائی سے اس کو دیکھتا رہا پھر وہ میری
نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

اول خان ایک گوشے میں پڑی ہوئی فرش گیر کرسی پر جا بیٹھا۔
ویرا اندر جا چکی تھی مگر وہ میری کلیرنس کے انتظار میں وہاں رکا ہوا
تھا۔ میری باری کافی دیر بعد آئی۔ مسافروں کی تعداد سے اندازہ
ہوتا تھا کہ امارات کی اس بین الاقوامی پرواز پر بڑا جیٹ طیارہ
استعمال ہو رہا تھا۔

بورڈنگ کارڈ لینے کے بعد میں بھی خیروخوبی سے امیگریشن اور
کسٹمز کے مراحل سے گزر کر اندر پہنچ گیا۔ ان دنوں کراچی کا
قائد اعظم ٹرمنل زیر تعمیر تھا اور ساری ملکی اور غیر ملکی پروازیں
پرانے ٹرمنل سے ہی آتی جاتی تھیں۔

اندر گھستے ہی ویرا مجھے نظر آگئی۔ وہ سروس کاؤنٹر پر فون کرنے
میں مصروف تھی۔ اس کی نظریں اسی راستے پر جمی ہوئی تھیں جدھر
سے مسافر اندر آ رہے تھے۔

اس پرواز کے اصل مسافروں کا اندازہ تو جہاز میں پہنچ کر ہی
ہو سکتا تھا مگر لاؤنج میں ہر طبقے کے لوگ نظر آ رہے تھے۔

امارات کی پرواز پر بورڈنگ کا اعلان ہوتے ہی مسافروں کی
بڑی تعداد میں ہلچل پیدا ہوئی اور گیٹ کے سامنے مسافروں کی قطار
لگتی چلی گئی جو ٹارمک پر کھڑی ہوئی بڑی بسوں میں منتقل ہونے کی
منتظر تھی۔

بورڈنگ کارڈ کے دو حصے گنوا کر میں جہاز میں پہنچا۔ مجھے دو
نشستوں والی راہداری کے ساتھ نشست ملی تھی۔ چند ثانیوں بعد
کھڑکی کے ساتھ والی سیٹ پر ایک ادھیڑ عمر باریش شخص آبیٹھا۔

مقررہ وقت پر مخصوص اعلانات کیبن میں گونجنے لگے اور پھر
جہاز رن وے کی سمت میں رینگنے لگا۔

رن وے کے سرے پر چند ثانیوں تک شاید کنٹرول ٹاور کی
کلیرنس کا انتظار کیا گیا پھر یکایک جہاز کے انجنوں کا شور تیز ہوا اور
پورے جہاز نے کسی آہنی پرندے کی طرح جھرجھری لے کر دوڑ لگا
دی۔

لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی رفتار کے ساتھ آخر کار جہاز فضا میں بلند
ہونے لگا۔

جہاز کے فضا میں بلند ہونے کے چند منٹ بعد ہی تمباکو نوشی کی ممانعت کی روشن ہدایت تاریک ہوگئی۔ میں نے بورڈنگ کارڈ لیتے ہوئے وضاحت کردی تھی کہ میں تمباکو نوشی کا عادی تھا اس وجہ سے میری نشست ایسے حصے میں تھی جہاں دورانِ پرواز تمباکو نوشی پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

سگریٹ سلگاتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ میرے برابر میں کھڑکی کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا ہوا خشخشی داڑھی والا ادھیڑ عمر شخص خاصا مضطرب تھا اور بار بار میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔

میں نے سگریٹ کا پہلا کش لے کر گہرے دھوئیں کے مرغولے فضا میں بکھیر دیے۔

نشستوں کے اوپر حفاظتی بند باندھے رکھنے کے بارے میں ہدایت اس وقت بھی روشن تھی لیکن شاید فضائی میزبان اس ہدایت کی پابندی سے مستثنیٰ تھے۔ وہ طیارے کی دونوں راہداریوں میں کچھ اس انداز میں حرکت میں آچکے تھے جیسے وہ طیارہ ان ہی کی نقل و حرکت کے نتیجے میں محوِ پرواز تھا۔

میں نے سر گھما کر آگے پیچھے کا جائزہ لینے کی کوشش کی تو اپنی سمت کی راہداری میں سرے کی نشستوں پر بیٹھے ہوئے چند ہی مسافروں کو دیکھنے میں کامیاب ہوسکا۔ جہازوں میں مسافروں کے آرام کے نام پر کچھ ایسی منصوبہ سازی کی جاتی ہے کہ بیشتر مسافروں کو اپنی اپنی جگہ پر بڑی حد تک خلوت سی میسر رہتی ہے۔ وہ قرب وجوار کے چند مسافروں کی نظروں میں ضرور ہوتے ہیں لیکن آگے پیچھے والے جب تک ارادی طور پر جگہ چھوڑ کر کیبن کا سروے کرنے کے ارادے سے چہل قدمی نہ کریں، سارے مسافروں کا جائزہ نہیں لے سکتے۔ اس محدود بندوبست میں، میں ویرا کو دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

خوشبوؤں میں بسی ایک دلکش اور پختہ عمر ائر ہوسٹس قریب سے گزری تو میرے برابر میں بیٹھے ہوئے ادھیڑ عمر شخص کے ہونٹوں سے ایک بے ساختہ سسکاری کی صورت میں "مس" کی صدا بلند ہوئی۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا کہ اسے پکارنے سے پہلے موصوف نے مجھے غصیلی نظروں سے گھورا تھا۔ شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ اس کی تمام تر بے چینی کے باوجود میں نے ایک بار بھی براہِ راست اس کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"یس سر!" ائر ہوسٹس خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوئی تو اس کے جملہ اعضائے رئیسہ و خبیثہ میرے قریب تر تھے کیونکہ میں سرے کی نشست پر براجمان تھا اور وہ عرب بلکہ لبنانی خاتون ابتدائے پرواز میں فضائی مہمانوں کی خدمت کے جذبے سے سرشار نظر آرہی تھی۔ مسافروں کی اکثریت کے تل طور دیکھتے ہوئے مجھے یقین تھا کہ اگلی منزل آنے سے بہت پہلے اس خاتون کی وہ ساری خوش خلقی رفع ہوجائے گی۔

"ایک گلاس ٹھنڈا ٹھنڈا پانی!" میرے پڑوسی نے فرمائش کی۔

ائر ہوسٹس ایک فیاضانہ مسکراہٹ بکھیر کر آگے چل اس وقت تک بہت سی نشستوں پر سروس کی طلب کی نمودار ہوچکی تھیں۔ مشرقِ وسطیٰ میں تپتی ہوئی دھوپ پسینہ بہا کر روزی کمانے والے محنت کشوں کو دو چار سال بار ہی فضائی سفر کا یہ موقع میسر آتا ہے جب وہ مزدور نہیں بلکہ ایک بین الاقوامی فضائی کمپنی کے معزز مسافر ہو وہ اپنی یا اپنے آجر کی جیب سے پورا کرایہ ادا کرکے سفر اور پھر دورانِ سفر اپنے ادا کیے ہوئے کرائے سے پوری ط یاب ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ ایسے مسافروں کی کوششوں کا بیشتر بوجھ فضائی میزبانوں پر پڑتا ہے۔ مرد اپنی مہری کی بنا پر اس بوجھ سے بڑی حد تک بچے رہتے ہیں۔ ان کا بوجھ بھی ان خوش خلق خواتین کو اٹھانا پڑتا ہے جو اندر بھُن جانے کے باوجود اپنے لبوں پر ایک لطیف مسکراہٹ رہنے کی عادی ہوجاتی ہیں۔

ائر ہوسٹس کے چلے جانے کے بعد میں نے پہلی پڑوسی کی طرف دیکھا۔

وہ شاید شروع سے ہی میری کسی نگاہِ التفات کا منتظر نے فوراً ہی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اس کے ایک آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"آپ کہاں جارہے ہیں؟" اس نے تعارف کے بغیر میں سوال کرکے مجھے یہ جتا دیا کہ اس کی منزل دبئی نہیں طرح وہ بھی دور کا مسافر تھا۔

"لندن کا ارادہ ہے۔" میں نے جوابی مسکراہٹ کے

"فی الحال تو کچھ دیر کے لیے دبئی میں رکنا ہوگا۔ یہ امارات مجبوری ہے۔"

"گڈ!" وہ خوش ہوگیا "کراچی سے دبئی تک مشکل کوئی باذوق ہم سفر ملتا ہے۔ ذرا دیکھیں کتنے مسافر جار پیروں سے نشستوں پر چڑھے بیٹھے ہیں جیسے ان کے بعد کوئی جگہوں پر بیٹھ ہی نہیں سکے گا۔ کوئی نسوار دبائے بیٹھا ہے تو چبا رہا ہے۔"

میں اسے خشک نظروں سے گھور کر رہ گیا۔ میں پہلے تلخ تجربے سے گزر چکا تھا کہ دیارِ مغرب کا سفر کرنے وا سے مسافر مشرقِ وسطیٰ کے محنت کش عازمین کو عموماً تحقیر نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ برتری کے ہولناک گھمنڈ میں امیروں اور رئیس زادوں کے لیے یہ احساس ہی سوہانِ ہے کہ بہت سے مفلس اور بے مایہ لوگ بھی ان کی جسارت کرتے ہوئے ان کے ہم سفر بنے ہوئے ہیں اور اترتے ہوئے جہاز سے باہر پھینکنے پر قادر نہیں ہیں۔

"آپ لندن جارہے ہیں تو پیتے بھی ہوں گے۔" قدرے
کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے خوش ہو کر کہا۔
اردو میں چکا تھا مگر لندن کو اس نے لنڈن ہی کہا تھا۔
"نسوار اور پان کے مقابلے میں الکحل زیادہ مہلک ہوتی
"میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
وہ اپنی جگہ پر کسمسا کر رہ گیا۔ پھر خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا۔
میں نا۔ گورے پان یا نسوار نہیں کھاتے' شراب پیتے ہیں۔
لنڈن میں نسوار یا پان کھا کر پچکاریاں مارتا پھرے گا تو سالے
کے کیا سوچیں گے۔ ہم کو اپنے ملک کی عزت کا بھی خیال ہونا
ہے نا۔"

"آپ شاید پشاور نہیں گئے۔ وہاں گوری لونڈیاں نسوار ہی
بھنگ اور چرس بلکہ ہیروئن تک استعمال کرتی ہیں' اپنا خرچ
کرنے کے لیے ہر شام بازاروں میں نکلتی ہیں۔ انہیں کوئی نہ
گوری چمڑی کا شوقین مل ہی جاتا ہے اور ان کا گزارہ ہوتا رہتا
وہ یہاں آتی ہیں تو انہیں اپنے ملک کی عزت کا ذرا بھی
اس نہیں ہوتا۔ عورتیں تو عورتیں ان کے مرد بھی یہاں آکر
نے بن جاتے ہیں۔ فرنگیوں کے پشتینی دشمن انہیں ہاتھوں
لیتے ہیں......"

"ارے آپ تو بہت دور چلے گئے۔" اس نے میری بات کاٹ
"میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ایسے سب لوگ غیر مہذب ہوتے
۔ چرس یا ہیروئن کے لیے جسم فروشی! لاحول ولا قوۃ۔ نشہ کرنا
تو آدمی کوئی شائستہ نشہ کرے۔ آپ کو پتا ہے کہ امارات ڈرائی
لائن نہیں ہے؟" آخری سوال اس نے میری طرف جھک کر
رازدارانہ لہجے میں کیا تھا۔

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے عارفانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
اسی لیے میں پی آئی اے یا سعودیہ سے سفر نہیں کرتا۔ سفر میں ذرا
بے اعتدالی نہ ہو تو پھر وہ سفر کیا ہوا۔"

وہ کھل اٹھا "واہ! کیا بات کہی ہے۔ میں ڈر رہا تھا کہ کہیں آپ
کی وجہ سے میرا دبئی تک کا سفر کرکرا نہ ہو جائے۔ اب مزہ آئے
گا۔" یہ کہتے ہی انہوں نے کال بیل کا بٹن دبا دیا۔

اس راہداری میں مامور ائر ہوسٹس کا جوش وجذبہ تازہ تھا۔ وہ
اسی اس کے لیے ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس لے آئی جس کی
اس نے پہلے سے فرمائش کی ہوئی تھی۔

"ہم دونوں کے لیے اسکاچ لے آؤ۔" اس نے پانی کا کاغذی
گلاس لے کر ائر ہوسٹس کو ہدایت دی اور پھر میری طرف متوجہ ہو
کر بولا "چند برسوں پہلے کی بات ہے کہ اکانومی کلاس میں اپنی گرہ
سے خرید کر شراب پینی پڑتی تھی۔ آج تو سب ہی پلانے پر تلے
ہوئے ہیں۔ کرایہ پورا دیا ہو اور مفت میں مل رہی ہو تو میرا خیال
ہے کہ واعظ کو بھی اپنے ظرف کے مطابق تھوڑی بہت پی لینی
چاہیے۔"

"غنیمت ہے کہ آپ اپنے نادر خیالات کا اظہار دوران پرواز
صرف مجھ سے کر رہے ہیں۔ یہی بات آپ نے پاکستان کے کسی بھی
حصے میں بر سر زمین کی ہوتی تو اب تک آپ کا فندیلمہ ہو چکا ہوتا۔"

"فندیلمہ؟" اس نے حیرت سے دہرایا "یہ کیا ہوتا ہے؟"

"جب فندیلمہ ہوتا ہے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ مرنے والے
کے لیے دنیا ویران اور اجنبی ہو جاتی ہے۔ دل میں ایک گولی اترتی
ہے یا گلے پر خنجر چلتا ہے اور یہی فندیلمہ ہوتا ہے۔"

وہ کھسیائے ہوئے انداز میں ہنستے ہوئے گویا ہوا "آپ درست
کہہ رہے ہیں۔ پاکستان میں مولوی ملّاؤں کے بارے میں کوئی
ناقدانہ بات چھیڑ کر محفوظ رہنا بہت مشکل ہے۔ کوئی نہ کوئی فرقہ
آپ کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے مگر میں نے اگلی کے پچھلے سفر میں
خود ایک مولوی صاحب کے ساتھ مے نوشی کی تھی۔ وہ شاید عمر بھر
کے ترسے ہوئے تھے۔ دوسرے پیگ میں ہی بہکنے لگے تھے۔ ایسے
ایسے گل کھلا رہے تھے کہ میرے لیے انہیں دہرانا بھی ممکن نہیں۔
طلاق زدہ عورتوں کے بارے میں ان کے خیالات بہت گھناؤنے
تھے۔ وہ ایسی ہر عورت کو جنسی کج روی کا شکار قرار دینے پر تلے
ہوئے تھے۔"

"آپ کے بال بچے کہاں رہتے ہیں؟" میں نے اس کی بے
تکلفی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوچھ لیا۔

"بال سر پر ہیں' بچے حیدر آباد میں دادی کے پاس رہتے
ہیں۔" وہ بولے۔

دادی کے ذکر پر میں چونک پڑا۔ اس نے اپنی بیوی کے بارے
میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ میں نے ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے براہِ
راست سوال کر ڈالا "بچے دادی کے پاس رہتے ہیں تو آپ کی بیگم
بھی اپنی ساس کے ساتھ رہتی ہوں گی۔"

اس نے مایوسی سے اپنے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔
"نہیں' وہ بیوہ ہو چکی ہے۔"

"بیوہ!" میں نے منہ بنا کر اسے گھورا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ میری
بے تکلفی سے فائدہ اٹھا کر وہ مجھے گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں
نے قدرے سختی سے کہا "وہ بیوہ ہو چکی ہے تو اب تک آپ کو خاک
میں مل کر سفر اور اسکاچ کی ضرورت سے بے نیاز ہو جانا چاہیے
تھا۔"

اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے
معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں اسے چھوڑ چکا
تھا۔ اس نے دوسری شادی کرلی۔ حال ہی میں اس کے دوسرے
شوہر کا انتقال ہوا ہے۔"

اس کی وضاحت سنتے ہی یہ نکتہ میری سمجھ میں آگیا کہ وہ مطلقہ
عورتوں کے بارے میں اپنے کسی پرانے ہم سفر کی رائے سے کیوں
بھڑکا ہوا تھا۔ وہ باتونی ضرور تھا مگر مکار نہیں تھا۔ میں نے وقت
گزارنے کے لیے سرسری انداز میں پوچھ لیا "پہلی سے چھٹکارا

پانے کے بعد آپ نے دوسری شادی نہیں کی؟"

"کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔" اس نے گول مول سا جواب دیا "عدت پوری ہو جانے پر اب اُسی سے شادی کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔" اس کے آخری فقروں سے بے چارگی مترشح تھی۔

"جب دوبارہ اسی سے شادی کرنی تھی تو پہلے اسے کیوں چھوڑا تھا؟"

"عورت تلخ نوا اور بد زبان ہو تو بعض اوقات مرد پر دلیری طاری ہو ہی جاتی ہے۔"

اس شخص کی وہ باتیں لحہ بہ لحہ میری حیرت میں اضافہ کر رہی تھیں۔ میں اس سے فوری طور پر کوئی نیا سوال نہیں کر سکا کیونکہ اسی وقت ائر ہوسٹس اس کے مطلوبہ لوازم قدرے اختصار کے ساتھ لے آئی تھی۔ ایک کاغذی گلاس برف کے ڈلوں سے لبریز تھا۔ اس کے نیچے دو خالی گلاس پھنسے ہوئے تھے۔ اس نے ایک دل نواز مسکراہٹ کے ساتھ میرے سامنے والی ٹرے گرا کر اس پر بلیک لیبل کے چار نپ رکھ دیے تھے۔ ننھی منی وہ خوشنما بوتلیں اپنی ساخت اور پیکنگ میں بڑی بوتلوں کی بالکل نقل تھیں۔ ایسی منی ایچرز دوران پرواز غیر ملکی ائر لائنوں پر ملتی تھیں یا پھر ڈیوٹی فری شاپس پر نظر آتی تھیں اور ان میں ایک عجیب ہی کشش محسوس ہوتی تھی۔

ائر ہوسٹس نے میرے ہم سفر کی فرمائش سے شاید یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ عادی مے نوش تھا اور اگر اس کی طلب کا بروقت مناسب بندوبست نہ کیا گیا تو وہ دبئی میں لینڈنگ تک اسے طلب کرتا رہے گا۔ اس نے ہمارے سامنے دو کے بجائے چار نپ رکھ کر اپنی دانست میں پوری پرواز کے لیے فرصت کا اہتمام کر لیا تھا۔ اپنی اس ذمے داری سے عہدہ برآ ہونے کے بعد وہ لہراتی ہوئی آگے نکل گئی۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ برابر والی قطار میں بیٹھے ہوئے دو محنت کش پاکستانی ہمیں عجیب سی ملامت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پاکستان میں امتناع سے پہلے بھی الکحل کبھی اتنی بے ضرر نہیں سمجھی گئی تھی کہ لوگ کھلے بندوں اس سے اپنا شوق پورا کرتے نظر آتے۔ جو اس کی صد رنگ تلخیوں کے سحر میں گرفتار تھے، وہ بھی اپنے ہم ذوق دوستوں کے ساتھ چوری چھپے اس سے شغل کیا کرتے تھے۔ قانونی پابندی کے بعد عام لوگوں میں اسے زیادہ معیوب تصور کیا جانے لگا مگر زمین سے رشتہ توڑ کر آزاد فضاؤں میں بلند ہوتے ہی وہ سارے زمینی ضابطے اپنی گرفت کھو بیٹھتے ہیں۔ لوگ اپنے دل میں جس کو جو چاہیں سمجھتے رہیں، عملاً اسے برداشت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

میں نے گرد و پیش کی اس فضا کو نظر انداز کر کے اپنی توجہ اپنے ہم نشین پر مرکوز کر دی۔ وہ پورے انہماک سے نپ کھول کر طلائی سیال گلاسوں میں منتقل کرنے اور پھر ان میں برف کے ڈلے ڈالنے میں مصروف تھا۔ اس وقت اُس کی آنکھوں میں ویسی ہی چمک تھی جیسی کسی بچے کی آنکھوں میں اپنا من پسند کھلونا مل جانے پر نمودار ہوتی ہے۔

"تو کیا اب تمہاری سابقہ بیوی اپنی بد زبانی سے تائب ہو چکی ہے؟" میں نے سلسلۂ کلام پھر سے جوڑتے ہوئے اس سے سوال کیا۔ اس بار میں دانستہ آپ سے تم پر آ گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب وہ بہت محتاط ہو چکی ہوگی۔ اس کا دوسرا شوہر بدکلامی پر اسے چار چوٹ کی مار مارتا تھا۔ اس نے میرے لیے حلالہ کرنے کے ساتھ ہی اس عورت کا دماغ بھی درست کر دیا ہوگا۔"

"ایسی فضول باتیں سوچتے ہوئے تمہیں ندامت نہیں ہوتی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ اس نے میرے طرزِ تخاطب میں تبدیلی پر کوئی احتجاج نہیں کیا تھا اور اس بات نے میرا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔

"شادی کے بعد آدمی کے مزاج میں بڑی تبدیلیاں آجاتی ہیں۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ ہنستے ہوئے بولا "معلوم ہوتا ہے کہ تم ابھی تک کنوارے ہو۔ اسی وجہ سے ان رموز سے ناواقف ہو۔"

اس نے بھی تکلف برطرف کر کے مجھے تم کے صیغے سے مخاطب کیا تھا۔ سفر طویل ہو تو ہم سفریوں ہی رفتہ رفتہ اپنی ذات کے حصار سے نکل کر بے تکلف ہونے لگتے ہیں۔

"تمہاری یہ باتیں میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔" میں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ میں نے اپنے بارے میں اس کی رائے پر کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"شادی ہوتی ہے تو مجھ جیسے سادہ لوح مرد اپنی نئی نویلی دلہن کی ناز برداریوں کے جال میں پھنس کر اسے اتنی ڈھیل دے بیٹھتے ہیں کہ عورت غیر محسوس طریقے پر ان کے سر پر سوار ہو جاتی ہے۔ ہوش آتا ہے تو پانی سر سے اونچا ہو چکا ہوتا ہے مگر پھر بھی نئی بیوی کے مقابلے میں دیکھی بھالی پرانی بیوی ہی بہتر ہوتی ہے۔ یہ بات الگ ہونے کے بعد میری سمجھ میں آئی ہے۔" اس نے اپنے گلاس سے تلخ سیال کا ایک گھونٹ لینے کے بعد اپنی صفائی پیش کی۔

میں نے اس سے جو کچھ کہا تھا اس میں کوئی مبالغہ نہیں تھا۔ اس کی وہ باتیں میرے لیے بہت مبہم اور سمجھ میں نہ آنے والی تھیں۔ اپنی سابقہ بیوی پر الزام تراشی کرنے کے باوجود وہ اس کا عادی تھا۔ اشتعال کے عالم میں ایک غلط فیصلہ کر بیٹھا اور اب قدرت کی طرف سے ایک موقع مل جانے پر اپنی اس غلطی کا ازالہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ اس کا ذاتی فعل تھا۔ میں نے اس موضوع کو وہیں ختم کر دیا۔

وہ گلاس کو اپنی انگلیوں میں گھماتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں دھیرے دھیرے بولنے لگا "یہ اکثر ہوتا ہے۔ اخلاقی اور قانونی

اختیار بے بس ہو جاتا ہے تو پھر اس سے ماورا طریقے وجود میں آجاتے ہیں۔"

"کیا تم ایک ہی گھونٹ میں بہکنے لگے؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

وہ ہنس پڑا "میں نہیں، میری ذہنی رَو بہکی ہے۔ شادی مرد اور عورت کا گھریلو معاملہ ہوتا ہے۔ باہمی احترام کی فضا پیدا نہ ہو تو یہ رشتہ کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ جاتا ہے اور آخری نتیجہ عام طور پر دونوں فریقوں کے لیے تلخ ہوتا ہے۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ......"

میں نے تلخی سے اس کی بات کاٹ دی "مجھے تمہاری ان گھریلو الجھنوں سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ اگر تم ان ہی باتوں کی تکرار پر مُصر ہو تو میں پیچھے کوئی خالی سیٹ دیکھ لیتا ہوں۔"

"اوہ!" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا "میں سمجھ رہا تھا کہ تم ان باتوں میں دلچسپی لے رہے ہو۔" اس نے رک کر ایک گہرا سانس لیا اور پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ابھی تک ہم دونوں ایک دوسرے کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں۔ ایسے اجنبیوں سے اپنے دکھ سکھ کی باتیں کر کے دل کا بوجھ ہلکا کیا جا سکتا ہے۔ جاننے والوں میں زبان کھولی جائے تو ہر لفظ کی بازگشت مدتوں پیچھا کرتی رہتی ہے۔"

"ابھی تم اخلاق اور قانون کی بے بسی کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟"

"ایک ایسے دوست کا خیال آگیا تھا جو کئی دن سے غائب ہے۔" اس نے اداسی سے کہا۔

"کیا اسے اغوا کیا گیا ہے؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں، وہ کسی کام سے نکلا تھا پھر واپس نہیں آیا۔ یہ کئی دن پرانی بات ہے۔"

"اگر وہ کوئی مال دار اسامی ہے تو سمجھ لو کہ اسے اغوا ہی کیا گیا ہوگا اور اب اس کے لواحقین پر تاوان کی رقم کی ادائیگی کے لیے دباؤ ڈالا جا رہا ہوگا۔"

"وہ خوش حال ضرور ہے مگر مال دار نہیں ہے۔ ایک رنگین مزاج اور عیار باش بھارتی سفارت کار مال دار کیسے ہو سکتا ہے؟ ان بے چاروں کو تو ہمارے لوگوں سے بھی کم تنخواہیں ملتی ہیں۔"

اس کے جواب نے مجھے بری طرح چونکا دیا مگر میں نے اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو پائے رکھا۔

دنیا ایک بار پھر بہت مختصر ثابت ہو رہی تھی۔ اگر وہ باتونی اور الکحل کا رسیا نہ ہوتا، اگر میں نے اس کی خالص نجی باتوں میں قدرے دلچسپی نہ لی ہوتی اور اگر میں اُس سے الگ تھلگ اپنی ذات کے خول میں بند بیٹھا رہتا تو بات ہرگز وہاں تک نہ پہنچی ہوتی جہاں وہ اس وقت تقریباً تل گئی تھی۔

معاً راہداریوں کے درمیان کچن کی اوٹ کے لیے پڑے ہوئے پردے سمٹے اور پھر حسبِ دستور لڑکیاں یا عورتیں قدرے پُر شور آوازوں کے ساتھ کھانے کی ٹرالیاں دھکیلتی ہوئی راہداریوں میں نکل آئیں۔

ٹرالیوں سے کھانے کی پہلی ٹرے برآمد ہوتے ہی فضا قورمے اور بریانی کی مانوس اور اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک اٹھی۔ یہ امارات کی پیشہ ورانہ کارکردگی تھی کہ وہ ہر سیکٹر پر مسافروں کی اکثریت کا خیال رکھتے ہوئے اپنے مینو میں مقبول ترین ڈشیں شامل کرتی تھی۔

میں نے تیزی سے اپنا گلاس خالی کر کے اپنے حصے کا دوسرا نپ گلاس میں انڈیل لیا۔ دبئی میں لینڈنگ سے پہلے ان لذیذ کھانوں پر دست اندازی نہ کی جاتی تو مجھے سفر کی اس لذت سے محروم رہنا پڑتا۔

"تو تمہارا وہ دوست سفارت کار ہے؟" میں نے اپنی گہری دلچسپی چھپاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"ہاں، اگر تم باقاعدگی سے اخبار پڑھتے ہو تو مدن موہن کی گمشدگی کی خبر بھی تمہاری نظروں سے گزری ہوگی۔ وہ بہت اچھا اور ملنسار آدمی تھا۔ اس کے گرد لڑکیوں کی بھیڑ جمع رہتی تھی۔"

"میں نے خبر پڑھی تھی لیکن اس میں وہ رنگ آمیزی نہیں تھی جو تم سنا رہے ہو۔"

"یہ اندر کی باتیں ہیں۔ وہ یہاں بہت مقبول تھا۔ پتا نہیں اب بے چارہ کہاں ہوگا۔"

"تم اس کے بارے میں یوں باتیں کر رہے ہو جیسے وہ مر چکا ہو۔" میں نے بے رحمی سے کہا۔

"جب تک اسے بازیاب نہ کرالیا جائے اس کی زندگی کی امید نہیں کی جا سکتی۔"

"شاید تم مسلمان ہو اور ایک مسلمان کے لیے مایوسی کفر ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں مسلمان ہی ہوں مگر وہ ہندو ہے۔ اسے لے جانے والے بھی یہ بات جانتے ہوں گے۔"

وہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد تجرد کی زندگی گزار رہا تھا۔ میں مدن موہن کے سوشل ریکٹ کے بارے میں جو کچھ جان چکا تھا اس کی روشنی میں میرے ہم سفر کی وہ گہری دلچسپی اور تشویش قابلِ فہم تھی۔ مدن موہن ایسے لوگوں کو تاک تاک کر پھانسنے کے کام میں مہارت رکھتا تھا جو اپنے کردار کی کسی مالی یا اخلاقی کمزوری کی بنا پر اس کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتے تھے۔

میرے دل میں تجسس پیدا ہو گیا کہ اس شخص میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے تھے جن کی بنا پر مدن موہن کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔

"کیا اس سے تمہاری دوستی بہت پرانی تھی؟" میں نے دھیرے سے پوچھا۔

"نہیں...... لیکن تھوڑے ہی دنوں میں وہ میرے ساتھ یوں

شیرو شکر ہو گیا تھا جیسے ہم بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھی رہے ہوں۔ وہ جس سے ملتا تھا' اسے اپنا گرویدہ بنا لیتا تھا۔"

"تو کیا تم بھی کوئی سرکاری ملازمت کرتے ہو؟" میں آہستہ آہستہ اپنے مطلب کی طرف آ رہا تھا۔

"ملازمت میں کیا رکھا ہے۔" وہ تحقیر آمیز لہجے میں بولا "میں مشینوں اور ان کے پرزوں کی انڈینٹنگ کرتا ہوں۔ بجلی گھروں کی ضروریات زیادہ تر میں ہی پوری کرتا ہوں۔"

بجلی گھر کے حوالے سے میرے ذہن میں کوٹ اڈو کے تھرمل بجلی گھر میں ہونے والا دھماکا تازہ ہو گیا۔ یوم السبت کی اس تخریب کاری میں بھی اس کا کوئی ہاتھ ہو سکتا تھا مگر میں نے وہ خیال فوراً ہی اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ اس واقعے کی ساری کڑیاں مل چکی تھیں۔ اگر میں اندھیرے میں یوں ہی ٹامک ٹوئیاں مارتا رہتا تو اس سے کام کی زیادہ باتیں نہیں اگلوا سکتا تھا۔ میں نے چند تیکھے اور براہ راست سوالات پوچھنے کا فیصلہ کر لیا۔

"ایٹمی بجلی گھروں سے بھی تمہارا واسطہ رہتا ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"ایسا ویسا۔" اس نے فخر سے کہا "میرے پاس کئی بڑی ایجنسیاں ہیں۔ بعض آلات اور پرزے تو ایسے ہیں کہ ان پر میری اجارہ داری ہے۔ میں ان سے منہ مانگے دام وصول کرتا ہوں۔ لیٹر آف کریڈٹ کھلتے ہی اصل قیمت اور میری طلب کی ہوئی قیمت کا فرق میرے کھاتے میں منتقل ہو جاتا ہے۔ ان ہی چکروں کی دیکھ بھال کے لیے مجھے آئے دن باہر کے سفر کرنے پڑتے ہیں۔"

"خوب!" میں نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا "پیسہ قسمت سے مل رہا ہے۔ عورتیں یا لڑکیاں مدن موہن کے طفیل ملتی رہتی ہوں گی۔ اسی لیے تم نے دوسری شادی کی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

"تم بہت چالاک ہو۔ مدن موہن بہت سیر چشم اور دریا دل آدمی ہے۔ اس نے کبھی میرا دل نہیں توڑا۔ میں نے جس کی طرف اشارہ کیا اُس نے اسی کو میری گود میں ڈال دیا۔ ایسے بے نفس دوست اس دور میں کہاں ملتے ہیں؟ اسی وجہ سے اس کی گمشدگی بہت کھل رہی ہے۔"

"وہ گم ہو گیا ہے تو کیا ہوا۔ تمہاری دوستیاں تو اسی طرح چل رہی ہوں گی۔"

"اس کے غائب ہونے کی خبر پھیلتے ہی سب یوں غائب ہوئی ہیں جیسے شکاری کے پیروں کی آہٹ سن کر چڑیاں پھُر سے اڑ جاتی ہیں۔ سارے ٹھکانے اجڑ چکے ہیں۔ شہر میں نہ جانے کتنے لوگوں کی شامیں پھیکی اور بے کیف گزر رہی ہوں گی۔ وہ آئے دن ایسی رنگا رنگ تقریبات منعقد کراتا رہتا تھا جہاں آنے والے سارے نہیں تو بیشتر جوڑے ایک دوسرے کو بھول کر اپنے خوابوں کے جزیروں میں محصور ہو جاتے تھے۔"

اس وقت تک ٹرالی ہمارے قریب آ گئی۔ اگلی نشستوں کی پشت پر نصب تھالیاں کھنا کھٹ گر رہی تھیں۔ پرواز کے مختصر دورانیے کی وجہ سے میزبان لڑکیاں اپنا کام بہت سرعت سے انجام دے رہی تھیں۔ بھاپ اُڑاتے ہوئے تازہ اور خوشبودار کھانے کی ٹرے دیگر لوازم کے ساتھ ہمارے سامنے سجا کر ہماری سمت والی میزبان آگے بڑھ گئی۔ میرا ساتھی فوراً ہی نیپکن کھولنے میں مصروف ہو گیا۔

وہ شخص اتفاقی طور پر میرا ہم سفر بنا تھا لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے قدرت نے اسے دانستہ میری راہ پر دھکیلا تھا۔ وہ بے حس اور بے خبر شخص میری دانست میں سزا کا حق دار تھا۔ اگر کراچی میں مجھے اس کے کرتوتوں کا علم ہو جاتا تو شاید معاملہ ہی کچھ اور ہوتا۔ اس وقت فضا میں پرواز کرتے ہوئے میں اس مردود کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔

اس سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں بار بار لیڈی سرفراز کا باوقار سراپا سر ابھارتا۔ اس عورت کا المناک انجام ایک بہت بڑا المیہ تھا۔ مدن موہن نے اپنی خود غرضی اور سفاکی کے باعث اسے حرام موت کی اندھی اور بے رحم وادیوں میں دھکیلا تھا اور ایسا ہی کچھ انجام میرے ہم سفر کا ہونا چاہیے تھا۔

"تمہیں کبھی شبہ نہیں ہوا کہ مدن موہن اپنی رنگین محفلوں کی آڑ میں کوئی مذموم چکر چلا رہا ہے؟" میں نے کانٹے کی مدد سے ایک بوٹی منہ میں ڈال کر اُس سے پوچھا۔

"وہاں شبے والی کوئی بات سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔ راگ ورنگ اور سرمستیوں کے سوا وہاں کچھ ہوتا ہی نہیں تھا جو شبہ کرنے کی نوبت آتی۔ اس کے یوں غائب ہونے کے بعد میں نے کئی بار سوچا ہے کہ وہ بے چارہ کتنا ہی بے لوث اور مخلص رہا ہو' اس کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ بھارتی اور ہندو تھا۔ ہماری ایجنسیاں اس کے تیزی سے بڑھتے ہوئے میل جول کو آسانی سے برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ انہوں نے بھی وہی سوچا ہوگا جو سوال بن کر اس وقت تمہاری زبان پر آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہی لوگ اسے کسی چوپائے کی طرح باندھ کر اٹھا لے گئے ہوں۔ وہ ان کی قید میں ہے اور اس کا اعلان نہیں ہوا تو بس سمجھ لو کہ کیا ہونے والا ہے۔ زمین کا سینہ بہت فراخ ہے۔ میرے بتائے بغیر تم یہ سب سمجھ سکتے ہو۔"

"اخلاقی اور قانونی اختیار کے بارے میں تم جو کچھ بڑبڑا رہے تھے' وہ شاید تمہاری اسی فکر مندی کا نتیجہ تھا؟" میں نے تائید طلب لہجے میں اس سے پوچھا۔

"تم ٹھیک سمجھے۔ وہ بدنصیب لڑکا اگر یہاں کوئی گڑبڑ کر رہا تھا تو قانون کی راہ سے اس پر الزام لگایا جا سکتا تھا۔ اس کی سفارت کاری گرفتاری میں آڑے آتی تو اسے ناپسندیدہ قرار دے کر ملک بدر کیا جا سکتا تھا مگر یہاں تو اندھیر ہے۔ جاننے والے جانتے تھے کہ قانون مدن موہن کے سامنے بے بس ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اسے

تاوان کے لیے نہ اٹھایا گیا ہو۔ اس کے لہو کے پیاسے اسے ہانک کر لے گئے ہوں۔"

"تم سچے محسن پرست اور انصاف پرور آدمی ہو۔" میں نے اپنے غصے پر قابو رکھ کر سپاٹ لہجے میں کہا "تمہاری باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ مدن موہن بہت عظیم تھا۔ وہ کسی لالچ کے بغیر تمہارے نفس کی بھڑکتی ہوئی آگ کو شبنمی پیکروں کی ٹھنڈک سے سرد کرتا تھا...... کاش تم نے یہ سب پرواز روانہ ہونے سے پہلے کراچی میں ہی بتا دیا ہوتا۔"

شاید آخری فقروں میں غیر ارادی طور پر میرا لہجہ بھیانک یا ڈراؤنا ہو گیا اور وہ گھبرا گیا "کیا مطلب؟ کیا تم مجھے کوئی دھمکی دے رہے ہو۔"

میں نے فوراً ہی سنبھالا لے لیا اور اس کے بازو پر ہاتھ مار کر خوش دلی سے کہا "تم بلاوجہ ڈر رہے ہو۔ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ پھر ہم وہیں رک کر مدن موہن کو تلاش کر سکتے تھے۔ ایسے نادر الوجود ہیرے کو یوں رائگاں نہیں جانا چاہیے۔"

وہ مطمئن ہو گیا اور بولا "یہ بات تم کہہ رہے ہو۔ اسے لے جانے والے ان باتوں پر کبھی بھی یقین نہیں کریں گے۔ ان کی نظروں میں بھارت کا ہر وفادار ہمارے ملک کا غدار ہوتا ہے۔"

"تم نے اخلاق اور قانون سے ماورا قوتوں کے بارے میں اپنی بڑبڑاہٹ کی وضاحت اب بھی نہیں کی۔"

کھانا کھاتے کھاتے اس نے رک کر غور سے میری طرف دیکھا پھر نیچی آواز میں بولا "اسے بھول جاؤ۔ پاکستان میں رہنے والے کنوئیں کے مینڈک ہوتے ہیں اور وہ اپنے کنوئیں کو ہی پوری کائنات تصور کرتے ہیں۔ میں دنیا بھر میں گھومتا پھرتا رہتا ہوں اور ہر جگہ اخبار بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ تمہیں نہیں معلوم کہ پاکستان میں کیا ہو رہا ہے۔ کیا تم نے کبھی کسی اسپیشل ٹاسک فورس کا نام سنا ہے؟"

وہ اپنی باتوں سے بار بار مجھے چونکا رہا تھا۔ ایک پاکستانی شہری کی زبان سے میں نے ایس ٹی ایف کا نام پہلی بار سنا تھا۔ میں نے اپنی حیرت کو ایک لقمہ نگلنے میں چھپا لیا اور پھر سرسری لہجے میں پوچھا "یہ نام میں پہلی بار سن رہا ہوں۔ کیا یہ بھی رینجرز یا ائرپورٹ سیکیورٹی فورس کی طرز کی کوئی فورس ہے؟"

"میں اس کے بارے میں مغربی اخبارات میں حیران کن بلکہ دہشت ناک اور ماورائی کہانیاں پڑھتا رہا ہوں۔" وہ بتانے لگا۔ "پاکستانی آئین اور قانون کی موٹی موٹی کتابوں میں اس سفاک تنظیم کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا' ذمے دار سرکاری اور فوجی اہل کار اس کے وجود سے مکمل بے خبری کا اظہار کرتے ہیں لیکن عملی طور پر یہ ڈراؤنی فورس بہت فعال ہے۔ جسے تاک لیتی ہے اس پر زندگی حرام ہو جاتی ہے۔ ان کا واردات کرنے کا طریقہ لگا بندھا ہے۔ یہ جس کے پیچھے لگ جائیں' اسے خاموشی سے اٹھا لیتے ہیں۔ اس کی چمڑی اُدھیڑ کر اُس سے من مانے اعترافات کراتے ہیں اور خاموشی سے اسے مار ڈالتے ہیں۔ پہلے یہ سوچ کر میرا سر فخر سے [illegible] ہوتا تھا کہ پاکستان میں بھی کوئی ایسی طاقت سرگرم عمل ہے جو [illegible] کے دشمنوں کی گردن ناپتی رہتی ہے مگر اب میں اُس کے تصور [illegible] اندر ہی اندر شرمسار ہونے لگتا ہوں۔"

"کیوں؟ کیا اب کوئی نئی کہانی تمہارے سامنے آئی ہے؟" [illegible] نے پوچھا۔

"مدن موہن صرف اسپیشل ٹاسک فورس سے خائف تھا۔ میں نے اسے اپنی پڑھی پڑھائی معلومات سے آگاہ کیا تو [illegible] نے بتایا کہ وہ لوگ درندے ہیں۔ اختیارات اور آزادیوں [illegible] فائدہ اٹھا کر ذاتی دشمنیوں اور پسند و ناپسند کے حساب بھی چکا[illegible] رہتے ہیں۔"

"ایسی ہی بات تھی تو وہ کیوں اس فورس سے خائف تھا؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"اسے یقین تھا کہ اپنی سرگرمیوں میں وہ کسی قانون کی خلا[illegible] ورزی نہیں کرتا اس لیے پاکستانی قانون کا کوئی بھی محافظ اس [illegible] طرف انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ اس کے دماغ پر اسپیشل ٹاسک فو[illegible] کی دہشت سوار تھی کیونکہ وہ لوگ کسی جواز یا ثبوت کے بغیر لوگوں کو خود ساختہ انصاف کی چکی میں پیسنے کی شہرت رکھتے ہی[illegible] شاید وہ ان ہی کی زیادتی کا نشانہ بنا ہے۔"

"مجھے اور مجھ جیسے گوشہ نشین شہریوں کو تم کنوئیں کا مینڈ[illegible] قرار دے رہے ہو۔ تم خود ساری دنیا گھومتے پھرتے ہو۔ تم[illegible] معلوم ہونا چاہیے کہ اسپیشل ٹاسک فورس اگر ہے تو صرف پاک[illegible] ہی میں نہیں ہے۔ دنیا کے بیشتر ملکوں میں قانون سے ماورا [illegible] ادارے بنانے کا رجحان روز افزوں ہے جو قانون کی نرمی اور [illegible] سے فائدہ اٹھا کر بچ نکلنے والے مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچا[illegible] ہیں۔"

"شاید تم بلیک جسٹس نامی فلم کی بات کر رہے ہو۔ مجھے اس[illegible] سچائی میں شبہ ہے۔ امریکا جیسے مہذب اور آزاد ملک میں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"وہ فلم پاکستان میں نہیں امریکا میں ہی بنی تھی۔" میں[illegible] اسے یاد دلایا۔

وہ ایک جج کی کہانی تھی جو عدالت میں منظم جرائم کے خلا[illegible] برسرِپیکار تھا۔ وہ چالاک اور پیشہ ور مجرموں کے سیاہ کرتوتوں [illegible] ذاتی طور پر باخبر تھا لیکن جب ایک رسوائے زمانہ مجرم اس[illegible] سامنے کٹہرے میں لایا گیا تو شہری حقوق اور انفرادی آزادیوں [illegible] نام پر وکلائے صفائی نے قانون کے ایسے بخیے ادھیڑے کہ گواہ [illegible] اعتبار ہو کر رہ گئے' ثبوت سزا دلانے میں ناکام رہے اور مجر[illegible] باعزت بری کرنا پڑ گیا۔

قانون کی اس بے بسی پر جج نے اپنے ہم خیال دوستوں

ایک گروہ بنایا اور پھر قانون کے سینے پر مونگ دلنے والے رسوائے زمانہ عناصر کو کیفر کردار تک پہنچانا شروع کردیا۔

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ دنیا میں کیا ہورہا ہے۔ کہنے کو سی آئی اے اور ایف بی آئی پر بھی بہت سے الزام لگاتے مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ مدن موہن جیسا دوست مجھ سے لیا۔"

ائر ہوسٹس نے دوبارہ اپنی سمت کے ابتدائی سرے سے خالی سمیٹنے شروع کردیئے تھے۔ مشروبات کی دوسری ٹرالی بھی حرکت آچکی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ ٹرالی قریب آکر راستہ مسدود میں کھانے سے فارغ ہوکر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

میری متجسس نگاہیں تیزی سے کیبن کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ فوراً ہی نظر آگئی۔ اپنے گورے چٹے رنگ اور دلکشی کے پاکستانی لباس میں وہ الگ ہی نظر آرہی تھی۔ وہ شاید پہلے ہی نشست سے واقف تھی کیونکہ میرے اٹھتے ہی اس نے میری دیکھا۔ ہم دونوں کی نظریں چار ہوئیں' اس نے ہاتھ کی سی جنبش سے مجھے اشارہ کیا اور میں جہاز کے عقبی حصے کی چل دیا۔

جہاز میں اتفاقیہ طور پر ٹکرانے والے' مدن موہن کے اس کے بارے میں میرے ذہن میں رہ رہ کر عجیب سوالات پیدا تھے۔ یہ درست ہے کہ تیز رفتار ہوائی سفر اور جدید ترین مواصلاتی رابطوں کی بنا پر دنیا اس حد تک سمٹ کر رہ گئی ہے کہ بھی رونما ہونے والے ایک واقعے کی بازگشت بیک وقت دنیا ہر گوشے میں سنائی دیتی ہے۔ مجھے حیرت اس بات کی تھی کہ میں بدری ناتھ اور ریش اگروال کے ذریعے چند روز قبل ہی خفیہ طریقے سے مدن موہن کو اول خان کی تحویل میں پہنچایا تھا اور اب فضائی سفر میں ایک اجنبی مسافر مجھ سے ان ہی حوالوں سے کر رہا تھا۔

سفر کی ابتدا میں نشستوں پر خاموش اور منظم انداز میں بیٹھے والے مسافروں میں لنچ کے بعد ہلچل پیدا ہوچکی تھی اور دونوں کی راہداریوں میں خاصی آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا۔

جہاز میں غالباً کوئی نشست خالی نہیں تھی۔ جن نشستوں پر موجود نہیں تھے وہاں بھی سفری سازوسامان کسی نہ کسی کی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ اپنی سے اٹھ کر کچن کے قریب دروازے والی کشادہ جگہ میں آکھڑی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ مصروف راہداری میں مَیں اس کے زیادہ دیر تک نہیں رک سکوں گا۔

"سفر خوشگوار اور پرواز بہت ہموار ہے۔" میرے پہنچتے ہی نے کہا۔

"اس کا انحصار ہم سفر پر ہوتا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس کر جواب دیا "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے پڑوس میں کوئی معقول آدمی براجمان ہے۔"

"آدمی آخری سرے پر ہے۔ میرے برابر میں دو پٹھان خواتین ہیں اور وہ دونوں ہی میری اردو دانی پر بہت حیران ہیں۔ وہ دو تعلیم یافتہ بہنیں ہیں جو اپنے باپ کے ساتھ دبئی جارہی ہیں۔ کیا تمہارے ساتھ کوئی غنڈا آبیٹھا ہے جو یوں ٹھنڈے سانس لے رہے ہو۔"

"وہ ٹیڑھا کیس ہے۔" میں نے مختصر الفاظ میں اسے اپنے تجربے سے آگاہ کردیا۔

وہ خاموشی سے میری بات سنتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے حیرت جھلک رہی تھی۔

"مدن موہن کراچی میں بہت سے لوگوں سے ملتا جلتا تھا۔ اس کا مدن کے بارے میں فکر مند ہونا تشویشناک نہیں ہے۔ اصل خرابی یہ ہے کہ وہ ایس ٹی ایف کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ جانتا ہے۔" میرے خاموش ہونے پر وہ زیرلب دھیمی اور تفکر آمیز آواز میں کہا "نام کیا ہے اس کا؟"

"نام میں نے نہیں پوچھا۔" میں نے خفت سے کہا "مجھے وہ خطرناک نظر آرہا ہے۔"

"دماغ کو ٹھنڈا رکھو!" وہ میرے شانے کے قریب ہوکر سرگوشیانہ آواز میں غرائی "کراچی میں سیکڑوں لوگوں کو مدن کی پُراسرار گمشدگی پر تشویش ہوگی۔ ان میں سے ایک اتفاق سے تمہارے ساتھ سفر کررہا ہے تو اس پر تشویش میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"یہ ایک اچھی بات ہے کہ وہ بھی لندن ہی جارہا ہے۔ ضرورت محسوس ہوئی تو اس سے وہاں بھی نمٹا جاسکے گا۔ یقین ہے کہ اس نے مدن کو بہت سی اہم معلومات فراہم کی ہوں گی۔ اگر میں اس بارے میں اس کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہوگیا تو فیصلہ کرنا آسان ثابت ہوگا۔"

"میرا اب بھی یہی مشورہ ہے کہ اسے بھول جاؤ۔ دبئی سے آگے کے سفر میں مَیں تمہارے ساتھ بیٹھوں گی۔ امریکا پہنچنے سے پہلے ہی تم کسی نئے مسئلے میں الجھ گئے تو سب کچھ ختم ہوجائے گا۔ بدری ناتھ اپنی پوری کوشش کے باوجود تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکے گا۔"

"اور تم اس سے بھی اہم بات کو ابھی تک نظرانداز کرتی چلی آرہی ہو۔" میں نے ناقدانہ نظروں سے اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"پہیلیاں بجھوانے کے بجائے صاف صاف بات کرو۔" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مشورہ دیا۔

"قمیص شلوار دبئی تک تو ٹھیک ہے۔ سفر کے اگلے مرحلے میں محض اس لباس کی وجہ سے تم ہر شخص کی نگاہوں کا مرکز بنی رہوگی۔ ہمارے سفر کا آغاز ایک سنسنی خیز اتفاق سے ہوا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ

کوئی تماشائی تمہیں ویرا کی حیثیت سے شناخت کرلے۔"

اس کے پتلے پتلے یاقوتی ہونٹوں پر ذو معنی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پھر کیا کیا جائے؟"

"صبر کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے؟ بدقسمتی یہ ہے کہ ڈیوٹی فری شاپس پر ریڈی میڈ ملبوسات نہیں ملتے ورنہ تم وہیں سے نیا لباس خرید کر تبدیل کر سکتی تھیں۔"

"فکر مت کرو" اس نے میری بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "گھر سے نکلنے سے پہلے میں نے اس مسئلے کا ادراک کرلیا تھا۔ میرے ہینڈ بیگ میں ایک جینز اور بلاؤز سوٹ موجود ہے۔"

"ویری گڈ!" میرے سر سے ایک بوجھ ٹل گیا "تم زنانہ ریسٹ روم میں اپنا کام کرلینا۔"

"اور اس سے بھی ضروری کام یہ ہے کہ دبئی سے کراچی بات کی جائے۔ سفر کی افراتفری میں ہمیں یہ پوچھنا یاد ہی نہیں رہا کہ پچھلی رات بدری اور رمیش پر کیا گزری۔ نادرہ کی چھت پر سیاہ رنگ کی تھیلی گرانے کے بعد نک موڈلے کے آدمیوں نے ضرور ادھر کا رخ کیا ہوگا۔"

ہم دونوں وہیں کھڑے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ راہداری سے گزرنے والے بعض بے خوف مسافر ہم دونوں کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے۔ شاید وہ ہم دونوں کے رازو نیاز کو اسی پرواز کا کوئی تازہ کرشمہ سمجھ رہے تھے۔

دورانِ سفر کبھی کبھار یوں ہوتا ہی ہے کہ دونوں فریق ایک دوسرے کی جنسِ مخالف میں کچھ اتنی دلچسپی لینے لگتے ہیں کہ وہ ان کی آرزوؤں کا سفر بن جاتا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر ایسا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا لیکن سنانے والے زیبِ داستاں کے ساتھ جو کچھ سناتے تھے' اس میں ایسے امکانات کی نشاندہی ہوتی تھی۔

فضائی میزبانوں نے پھرتی کے ساتھ کیبن سے سب کچھ سمیٹ لیا۔ ڈائننگ ہال کا سماں ختم ہونے کے بعد ماحول بدل گیا۔ کہیں کہیں کوئی مسافر چائے یا کافی پی رہا تھا۔ تمباکو نوشی کے لیے مخصوص نشستوں پر فضا میں متعدد سرمئی لہریے نظر آرہے تھے۔

گھنٹی کی مترنم آواز کے ساتھ سیٹ بیلٹ باندھنے کی ہدایت روشن ہوئی تو میں ویرا کے شانے پر تھپکی دے کر اپنی نشست کی طرف چل دیا۔

کچھ مسافر کانوں میں ایئرفون لگائے موسیقی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بعض اگلی نشستوں کی پشت پر لگے ہوئے چھوٹے سے رنگین ٹیلی وژن پر اپنی پسند کے پروگرام دیکھ رہے تھے۔ ان مصروفیات کے باوجود بیلٹوں کے آہنی بکل پُرشور آوازوں کے ساتھ بند ہو رہے تھے۔

میں سوچ رہا تھا کہ میری طویل غیر حاضری نے مدن موہن کے پرستار کو مضطرب کردیا ہوگا۔ میں اپنی جگہ پر پہنچا تو وہ غائب تھا۔ میں نے بے فکری سے سیٹ میں دراز ہو کر حفاظتی بند باندھ لیا۔

چند ثانیوں بعد وہ جہاز کے اگلے حصے سے آتا ہوا نظر آیا۔

"تم کہاں غائب ہوگئے تھے؟ میں نے پورا جہاز چھان مارا۔ تمہارا کہیں پتا نہیں تھا" اس نے بیٹھتے ہی پُرتشویش لہجے میں شکایت کرڈالی۔

"میں جہاز کے عقبی حصے میں تھا۔ ایک لڑکی نے ذرا سی لفٹ دی تو میں وہیں رک گیا تھا" بات کرتے کرتے میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا "نام کیا ہے تمہارا؟"

"سلیم..... سلیم اکبر خان" یہ کہہ کر وہ خود ہی ہنسنے لگا "کمال ہے۔ ہم دبئی پہنچنے والے ہیں۔ ہم نے دنیا جہان کی باتیں کر لیں لیکن ایک دوسرے کے نام سے اب تک بے خبر ہیں۔ میرا نام لینے کے بعد اب تمہیں بھی اپنا تعارف کرا دینا چاہیے۔"

میرے لیے وہ چند لمحات بہت ڈرامائی ثابت ہوئے۔ تو میرا اصل نام تھا مگر میں ڈینی کے نام سے مشہور تھا۔ ڈینی کہتے مجھے یاد آیا کہ بدری اور رمیش کے لیے میں ان دنوں علی شیر تھا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی یاد آگیا کہ وہ سفر میں اسلم خان کے نام سے کررہا تھا۔

"خوب! اسلم اور سلیم! ہم دونوں کے نام بھی ملتے جلتے ہیں۔ تم کیا کرتے ہو؟" میرا نام سن کر اس نے دوستانہ بے تکلفی سے کہا۔

"سفر کرتا ہوں" میں نے پوری سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔

"صرف سفر کرتے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا "مگر تمہارا کاروبار کیا ہے؟"

"جب اردو والا سفر نہیں کررہا ہوتا تو انگریزی میں سفر کرتا ہوں۔ میرے کاروبار کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ سفر میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔"

"خیر' تم نہیں بتانا چاہتے تو میں بھی اصرار نہیں کرتا۔ ہم تھوڑی دیر کے لیے اس جہاز میں سوار ہوئے ہیں۔ اس کے بعد سب اپنی اپنی منزلوں کی طرف بکھر جائیں گے۔ پھر شاید زندگی میں ایک دوسرے سے ملنا نہ ہو۔ اتنی مختصر رفاقت میں زیادہ جاننے کا فائدہ؟"

میں سرہلا کر رہ گیا۔ اس وقت میرے وجود پر اچانک ہی غنودگی مندی طاری ہوچلی تھی۔ میں نے نشست سے پشت جما کر آنکھیں موندلیں۔ اس طرح میں سلیم کی مغز خوری سے بھی محفوظ ہوگیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کیبن کے پیجر سسٹم پر جہاز کے کپتان کی آواز گونجنے لگی۔ سفر کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کرنے کے علاوہ وہ خیر مقدم اور شکریے کے رسمی کلمات تھے۔

میں آنکھیں موندے اس کی مختصر سی تقریر سنتا رہا۔ پھر ایک شیریں لحن خاتون مسافروں کی رہنمائی کے لیے متعدد اعلانات کرنے لگی۔ اہم ترین بات یہ تھی کہ لندن جانے والے مسافروں کو

سامان کے ساتھ سوا دو گھنٹے کے لیے دبئی ائرپورٹ کے ٹرانزٹ سے لطف اندوز ہونا تھا۔

طیارے کا ہوا باز مشاقی سے طیارے کی بلندی کو بتدریج کم کرتا جارہا تھا۔ اس تبدیلی کا احساس صرف تجربے کار مسافر کانوں پر بڑھتے ہوئے دباؤ سے محسوس کرسکتے تھے ورنہ سورج کی تیز روشنی کی وجہ سے بیشتر کھڑکیوں کے بلائنڈز بڑی حد تک گرے ہوئے تھے مسافروں کی بہت کم تعداد زمین کے تیزی سے واضح ہوتے ہوئے آثار دیکھنے کے قابل تھی۔

دو تین مرتبہ طیارے نے کسی مضطرب آہنی پرندے کی طرح فضا میں پہلو بدلے، مخصوص لینڈنگ پوزیشن اختیار کی، مزید ہدایات جاری ہوئیں، عملے کے اراکین نے راہداریاں خالی کرکے اپنی اپنی جگہیں سنبھالیں اور پھر طیارے نے نہایت سبک انداز میں زمین کو چھولیا۔

رن وے پر دوڑتے ہوئے بڑے جہاز کی رفتار ٹوٹتے ہی بہت سے مضطرب پاکستانی مسافروں نے حفاظتی بند کھول دیے اور اوپری خانوں سے دستی سامان نکالنا چاہا۔ جہاز کے تجربے کار عملے کے لیے یہ صورتِ حال نئی نہیں تھی۔ ایسے مسافروں کو جہاز کے رکنے تک اپنی جگہ پر بیٹھے رہنے کی ہدایت کی گئی۔ آخر طیارہ کسی تھکے ہارے پرندے کی طرح رینگتا ہوا اپنی مخصوص جگہ پر جارکا۔

سیڑھیاں بہت جلد طیارے سے لگادی گئیں۔ اس دوران میں راہداریوں میں مسافروں کی قطاریں لگ چکی تھیں۔ رفتہ رفتہ اگلے پچھلے راستوں سے مسافروں کا انخلا ہونے لگا۔

ٹرمنل کی سیڑھیوں پر ائرلائن کا عملہ مسافروں کی رہنمائی کے لیے موجود تھا۔ ٹرانزٹ پاس لے کر لندن جانے والے مسافر ڈیوٹی فری شاپ اور ٹرانزٹ ایریا کی طرف ہولیے۔ اس بھیڑ میں ویرا مجھ سے آگے تھی۔ سلیم اکبر خان کو میں نے دانستہ پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

ٹرانزٹ ایریا میں ویرا سیدھی ائرلائن کے امدادی کاؤنٹر پر گئی۔ میں بھی تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا وہیں پہنچ گیا۔ اس وقت تک ویرا اسے اپنا مسئلہ بتا چکی تھی۔

اس شخص نے ویرا کا بورڈنگ کارڈ دیکھ کر معذرت کی کہ وہ کسی اور مسافر کو اٹھا کر اسے میرے برابر والی نشست نہیں دے سکتا۔ اس نے متبادل کے طور پر ہم دونوں کو دبئی میں خالی ہونے والی کوئی بھی دو متصل نشستیں دینے کی پیش کش کی جو معقولیت پر مبنی تھی۔

اس نے ہم دونوں کے ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ کے بقیہ حصے لے کر اپنے کمپیوٹر کے کی بورڈ سے کچھ دیر چھیڑ چھاڑ کی پھر رنگین اسکرین پر آنے والی تفصیلات کا جائزہ لیتا رہا۔ اس پوری کارروائی میں اسے بمشکل تین منٹ لگے اور پھر ایک بورڈنگ کارڈ پر قلم سے نئی نشستوں کے نمبر ڈال کر ہمیں لوٹا دیا۔

ہم اس کا شکریہ ادا کرکے وہاں سے ہٹے اور دو آرام دہ نشستوں پر قابض ہوگئے۔

”چلو فون کارڈ خرید کر کراچی بات کرلیں“ ویرا نے بیٹھتے ہی مطالبہ کردیا۔

”سب سے پہلے تم اپنا لباس تبدیل کر آؤ تاکہ زیادہ لوگوں کو اس تبدیلی کا علم نہ ہو۔“

”پھر تم میری واپسی کا انتظار کرو۔ میں کم از کم تمہاری باتوں سے کچھ نہ کچھ اندازہ تو لگا ہی لوں گی“ اس نے اصرار کیا ”مجھے بدری اور رمیش کے انجام میں گہری دلچسپی ہے۔ انہیں کراچی میں کچھ ہوگیا تو ہم لندن میں بدری کا انتظار ہی کرتے رہ جائیں گے۔“

”میں علیحدگی میں فون کرنا چاہتا ہوں“ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ”تمہیں غزالہ کے جذبات کا پاس ہونا چاہیے۔ وہ میرے اس سفر پر زیادہ خوش نہیں ہے۔ میں اسے بتاؤں گا کہ تم مجھ سے الگ سفر کررہی ہو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے انجان بنے ہوئے ہیں۔۔۔“

”تو اس میں جھوٹ کیا ہے؟“ اس نے میری بات کاٹ کر ترشی سے پوچھا ”کراچی سے دبئی تک ہم ایک دوسرے سے انجان بن کر الگ الگ ہی آئے ہیں۔“

”لیکن یہاں سے صورتِ حال بدل جائے گی“ میں نے اسے بتایا ”غزالہ یہ جان کر آزردہ ہوجائے گی۔“

”کیا اسے صحیح صورتِ حال سے باخبر رکھنا اس قدر ضروری ہے؟“

”ظاہر ہے کہ مجھے اس سے جھوٹ بولنا پڑے گا۔ اس کے لیے میں خلوت چاہتا ہوں۔ وہ میری بیوی ہے اور اس سے مکمل رازداری کے ساتھ بات کرنا میرا حق ہے۔“

وہ ہنس پڑی ”تم ضدی ہو، مجھے معلوم ہے، نہ میں نے انکار کیا تب بھی تم میری واپسی سے پہلے کراچی بات کرلوگے۔ تمہارا جو دل چاہے تم کرو۔ میں کپڑے بدلنے جارہی ہوں۔“

وہ اپنا ہینڈ بیگ سنبھال کر ایک ادا کے ساتھ اٹھی اور لاؤنج میں موجود علامات کے سہارے زنانہ ریسٹ روم یا واش روم کی طرف چل دی۔

دبئی کا ٹرانزٹ لاؤنج بہت وسیع نہیں ہے۔ اس وقت وہاں مسافروں کی زیادہ تعداد نہیں تھی۔ میں نے کاؤنٹر سے بیس ڈالر میں ایک کارڈ خریدا اور پھر گوشے میں لگے ہوئے کارڈ فون کی طرف بڑھ گیا۔ اس گوشے سے میں نسبتاً زیادہ سکون اور رازداری سے بات کرسکتا تھا۔

انسٹرومنٹ کی سلاٹ میں کارڈ لگانے کے بعد ڈائل ٹون آتے ہی میں نے کراچی کا نمبر ملانا شروع کردیا۔ ادھر سے پہلی ہی گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔

”ہیلو... آپ دبئی پہنچ گئے؟“ میری زبان سے کوئی لفظ ادا ہونے سے پہلے ہی میرے کانوں میں غزالہ کی ہیجان آمیز آواز آئی۔

اور میں حیران رہ گیا۔
"تم نے فون کی گھنٹی بجتے ہی کیسے سمجھ لیا کہ یہ میرا فون ہے؟"
"مجھے آپ کے سفر کے پورے شیڈول کا علم ہے۔ اب سے بارہ منٹ پہلے آپ دبئی انٹرنیشنل پر اترے ہوں گے۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں پہنچتے ہی آپ سب سے پہلے کراچی فون کریں گے۔ میں آپ کی کال کے انتظار میں فون سے لگی بیٹھی تھی۔ آپ خیریت سے ہیں نا؟"
"میں بالکل خیریت سے ہوں لیکن میری حیرت ابھی تک برقرار ہے۔ محض گھنٹی پر تم نے پورے اعتماد سے یہ کیسے جان لیا کہ دوسری طرف میں ہی بول رہا ہوں گا۔"
"ریسیور اٹھاتے ہی میں نے مختصر سی وہ خاص ٹون سنی تھی جو انٹرنیشنل کال ملنے پر سنائی دیتی ہے۔ باہر سے دو ہی آدمی فون کر سکتے تھے۔ آئزک بیل یا آپ۔ آئزک بیل آبزرویشن سے خوف زدہ ہے پھر یہ نیویارک میں بہت صبح کا وقت ہوگا۔ وہ یوں ناوقت فون نہیں کر سکتا۔ میرے دل نے گواہی دی کہ آپ کی کال ہوگی اور دیکھ لیں کہ یہ گواہی درست نکلی۔"
"یہ بہت اچھی بات ہے کہ ہم آمنے سامنے موجود رہیں یا نہ رہیں، ایک دوسرے کے دل میں ضرور رہتے ہیں۔ میرے کارڈ کے یونٹ تیزی سے کم ہو رہے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اول خان کہاں ہے؟"
"یہیں سامنے بیٹھے میرے اوپر ہنس رہے ہیں۔ پہلے آپ یہ بتائیں کہ ویرا کیسی ہے؟" اس کے الفاظ سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی اور لہجے سے والہانہ وارفتگی جھلک رہی تھی جیسے اس نے ایک طویل مدت کے بعد میری آواز سنی ہو۔
"پروگرام کے مطابق وہ مجھ سے بالکل الگ سفر کر رہی ہے اور بظاہر ٹھیک ٹھاک نظر آ رہی ہے۔ موقع ملا تو یہاں سے لندن کی پرواز میں اس سے بات کرنے کی کوشش کروں گا۔"
"اپنے ساتھ اس کا بھی دھیان رکھیں۔ اسے یوں تنہا نہ چھوڑیں۔ میں اس سے زیادہ آپ پر اعتماد کرتی ہوں اور جانتی ہوں کہ میرے اس اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچے گی۔"
اس کی دردمندانہ آواز سن کر میرے حلق میں ایک گولا سا پھنس گیا۔ میں فوری طور پر اسے کوئی جواب نہیں دے سکا اور اسی اثنا میں اول خان لائن پر آ گیا۔
"ویل ڈن! آج تم نے غزالہ کو آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے۔ میں نے اس سے شرط لگائی ہوئی تھی کہ تمہارا فون نہیں آئے گا اور میں شرط ہار چکا ہوں۔"
"نادرہ کے گھر پر کل رات کیا ہوا؟ صبح ہم اس بارے میں بات ہی نہیں کر سکے۔"
"تمہاری روانگی سے ذرا پہلے تک صورتِ حال واضح نہیں تھی۔ صبح ہیلی کاپٹر دوسری مرتبہ سروے کے لیے آیا تھا۔ اس سے پہلے رات کے تین بجے وہ دیر تک علاقے پر چکراتا رہا تھا۔"

"اور دونوں بار وہ ناکام واپس لوٹے ہیں؟" میں نے مسرت آمیز لہجے میں پوچھا۔
"تمہارے لوٹ آنے کے بعد بدری اتنا خوف زدہ تھا کہ اس نے ساری رات کھلے آسمان کے نیچے ایک چارپائی پر گزاری۔ اس نے ایک دیوار کے سائے میں چارپائی پر اپنے لیے بستر لگوایا تھا۔ رات کے سناٹے میں ہیلی کاپٹر کا شور سنتے ہی اس پر ہیجانی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کے چلے جانے کے بعد بھی وہ بار بار باہر نکل کر آسمان کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ دونوں بار ہیلی کاپٹر میرے آدمیوں کی رائفلوں کی زد میں تھا۔ اگر تمہاری سخت ہدایت نہ ہوتی تو ا بہت آسانی کے ساتھ گرایا جا سکتا تھا۔ ان میں سے ایک بھی ز بچ کر واپس نہیں جا پاتا اور شکست کا یہ داغ نک موڈلے کا نشہ کر دیتا۔"
"تمہاری اس کامیابی کے بعد میرے اس سفر کا جواز ہو جاتا" میں نے کہا "یہ وہی دو نشستوں والا ہیلی کاپٹر تھا یا کوئی ماڈل تھا؟"
"اس میں کم از کم چار افراد سوار تھے۔ انفراریڈ دوربین استعمال کرنے کے باوجود یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ مقامی ہیں یا غیر ملکی۔"
"ان ناکامیوں کے بعد نک موڈلے نے بدری سے رابطہ تھا؟"
"ابھی تک ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ تم بھول رہے ہو تمہیں کراچی سے روانہ ہوئے ابھی صرف چند ہی گھنٹے ہوئے ہیں واقعات رونما ہونے اور پھر خبریں آنے میں کچھ وقت لگتا ہے ہو سکتا ہے کہ شام تک مجھے اپنے آدمیوں کی طرف سے ک رپورٹ ملے۔"
"میرے لندن پہنچنے تک کوئی نہ کوئی صورتِ حال واضح ہو ہوگی۔ تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ میرے ساتھ واقعات زیادہ ہی تیزی سے رونما ہوئے ہیں۔ مجھے جہاز میں ایک عج وغریب شخص سے پالا پڑا ہے۔ وہ مدن موہن کی گمشدگی میں ا ایف کا ہاتھ محسوس کر رہا ہے۔"
"نہیں!" اول خان کی بے ساختہ آواز ابھری "ایسا شخص ہو سکتا ہے۔"
"اس کا نام سلیم اکبر خان ہے۔ وہ بڑے پیمانے پر د سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔ مدن موہن کے نیچرل انفا سیل اور سوشل ریکٹ کا باقاعدہ ممبر ہے اور اتفاق یہ ہے میرے بالکل برابر والی سیٹ پر سفر کر رہا تھا۔"
"یہ کوئی ناقابلِ یقین اتفاق معلوم ہوتا ہے۔ مجھے اس بارے میں تفصیلات بتاؤ۔ میں نوٹس لے رہا ہوں۔" اس کی سے بے اعتباری مترشح تھی۔
میں نے کارڈ فون کے روشن اور متحرک ڈائل پر نگا

میرے کارڈ کی مالیت معقول تھی۔ تیزی سے یونٹ گھٹنے کے باوجود میرے پاس وقت تھا۔ میں نے اپنے مشکوک ہم سفر کے بارے میں اہم باتیں فون پر دہرانی شروع کردیں۔

"وہ اچانک ہی تمہاری نظروں میں آیا ہے" میری بات مکمل ہوجانے پر اول خان نے کہا "میں اس کے خلاف تمہارے جذبات کا اندازہ کرسکتا ہوں لیکن تم اسے بھولنے کی کوشش کرو۔ جلد ہی وہ پاکستان واپس آئے گا۔ اس وقت اسے دیکھ لیا جائے گا۔"

"اگر بقیہ سفر میں اس کا کوئی اور چونکا دینے والا اعتراف سامنے نہ آیا تو میں ایسا ہی کروں گا ورنہ پھر لندن میں اسے دیکھ لیا جائے گا۔ بدری کی آمد تک میں خالی نہیں بیٹھ سکتا۔ مجھے بہرحال خود کو مصروف رکھنا ہوگا۔"

"تمہیں مصروف رکھنے کے لیے ویرا کافی ہوگی۔ اگر وہ موجود ہے تو ذرا اس سے میری بات کرادو۔"

"ابھی تک ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ کوئی اہم بات کرنی ہے تو وہ تمہیں فون کرلے گی۔ ہم یہاں کافی دیر کے لیے رکے ہیں۔"

اسے ویرا سے کوئی ضروری کام نہیں تھا۔ اس نے الوداعی فقروں کے ساتھ ریسیور سلطان شاہ کو دے دیا جو شاید بے چینی سے اپنی باری کا منتظر تھا۔

سلطان شاہ عملی زندگی میں دلیر اور بے خوف ہونے کے باوجود عجیب وغریب کردار کا مالک تھا۔ وہ فون پر میری آواز سنتے ہی جذباتی ہونے لگا مگر میرے ٹوکنے پر فوراً ہی سنبھل گیا۔

"کال بہت لمبی ہوچکی ہے۔ بس یہ بتادوں کہ تمہارے جانے کے بعد میں نے ٹام کیٹ کے کوڈ سے بدری سے مقررہ وقت پر بات کی تھی۔ فی الحال اس کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں ہے۔ اس نے مجھ سے ہیلی کاپٹر کی آمد کا کوئی ذکر نہیں کیا لیکن وہ اس واقعے کی وجہ سے پریشان تھا۔ یہ پریشانی اس کی آواز سے جھلک رہی تھی۔ اس نے میری وفاداری کا اندازہ لگانے کے لیے اِدھراُدھر کی باتیں شروع کیں تو میں نے فون بند کردیا۔"

"اب وہ تمہارے ہی حوالے ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وقت ضرورت تم صحیح فیصلے کروگے۔ میرا کارڈ کسی بھی لمحے ختم ہونے والا ہے۔ تفصیلی باتیں بعد میں ہوں گی۔"

"میری نیک خواہشات ویرا تک پہنچادینا۔ اس کی طرف سے میرا دل بالکل صاف ہے۔ وہ..." اسی دوران میرا کارڈ صفر پر پہنچا' ریسیور پر ایک الارم بیپ سنائی دی اور سلطان شاہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے لائن منقطع ہوگئی۔

میں نے ریسیور کریڈل پر لٹکایا اور باہر آیا ہوا کارڈ قریبی ڈسٹ بن میں ڈال کر اپنی نشست کی طرف ہولیا۔

دبئی کی تپتی ہوئی کھلی فضا کے مقابلے میں ٹرانزٹ ایریا کی خنکی بہت خوش گوار محسوس ہورہی تھی۔ جہاز کی آرام دہ مگر قدرے تنگ نشست سے نکل کر اس ہال کی آرام دہ کرسی پر مکمل کر بیٹھنا بھی بھلا لگ رہا تھا۔ فرش اور دیواریں صاف ستھری تھیں اس کے باوجود بیرونِ ملک سے آئے ہوئے کئی کارکن صفائی ستھرائی کے کام میں مصروف تھے۔ فضائی سفر کے معمولات کی نگرانی کرنے والے اداروں اور محکموں کے چاق وچوبند کارکن اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے تھے یا پھر عجلت میں اِدھراُدھر آجا رہے تھے۔

ویرا کے انتظار میں' میں ان جزئیات سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ وہ نظر آئی تو اس کا سراپا ہی بالکل بدل چکا تھا۔ چست جینز میں اپنی لمبی لمبی ٹانگوں کے ساتھ وہ ایک لاابالی اور جارح مزاج لڑکی نظر آرہی تھی۔ اپنے اس روپ میں وہ بے خوف وخطر پوری دنیا کا سفر کرسکتی تھی اور کوئی بھی اوباش طبیعت مرد اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔

"اس وقت تم اتنی مردمار نظر آرہی ہو کہ ہر شخص تم سے کترا کر نکلنے کی کوشش کرے گا" اس کے قریب آنے پر میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"شاید سلطان شاہ اسی لیے مجھ سے دور بھاگتا ہے کہ میں زیادہ تر ایسے لباس استعمال کرتی ہوں" وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "پاکستانی طرز کے لباس میں شاید وہ بہتر مفاہمت کا رویّہ اپنالے گا۔"

"کمال ہے کہ تم اس وقت بھی اسی کے بارے میں سوچ رہی ہو۔"

"وہ مجھے گھونسلے سے گرے ہوئے کسی معصوم سے چوزے کی طرح نظر آتا ہے۔ میں اسے احتیاط سے اپنی ہتھیلیوں میں سمیٹ کر اسے دوبارہ اس کے گھونسلے میں رکھنا چاہتی ہوں مگر وہ میرے بڑھتے ہوئے ہاتھوں سے خوف زدہ ہوکر شور مچانا شروع کردیتا ہے اور میں ٹھٹک جاتی ہوں۔"

"اور پھر اسے اپنی گرفت میں لینے کی دوسری تدبیریں سوچنے لگتی ہوں۔" میں نے گرہ لگائی۔

"مجھے ذرا بھی پروا نہیں کہ تم میری اس ہمدردی کو کیا نام دیتے ہو۔"

"نام بے نام چیزوں کو دیا جاتا ہے۔ تم دونوں کے بارے میں بہت کچھ سامنے آچکا ہے۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے تم اس کے بارے میں سوچ رہی تھیں اور وہ فون پر تمہارے لیے نیک خواہشات کا اظہار کررہا تھا۔"

"ہاں' کراچی کی کیا خبریں ہیں؟ تم نے فون پر ان لوگوں سے بات کرہی لی ہوگی۔"

سلطان شاہ کے بارے میں' میں نے اسے بتا ہی دیا تھا۔ پھر میں نے اسے غزالہ کی فکرمندی کے بارے میں بتایا اور وہ بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گئی۔ مغربی معاشرت کے بارے میں وہ ہمیشہ شاکی رہتی تھی کہ وہاں ہر فرد دوسروں سے بے نیازی برتتے ہوئے

صرف اپنی ذات کے خول میں مگن رہتا ہے۔ ذاتی منفعت، اپنی خوشی اور اپنی سہولت کے لیے وہ دوسروں کو ذرا بھی خاطر میں نہیں لاتا، انہیں روند کر آگے بڑھ جانے کی اپنی سی کوششیں کرتا رہتا ہے جب کہ مشرق میں رہنے والوں کی یہ عمومی ادا ہمیشہ اس کے دل کے نرم گوشوں کو تحریک دیتی تھی کہ یہاں لوگ اپنا دکھ بھول کر دوسروں کے دکھ سکھ میں کسی نہ کسی حد تک حصہ بٹانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اسے بہت اچھی طرح ادراک تھا کہ غزالہ کے بجائے اس نے سفر پر آنے کی ضد کرکے اس کے ساتھ دل آزاری کی حد تک زیادتی کی ہے۔ اس کے باوجود غزالہ اس کے لیے فکرمند تھی اور مجھے اس کی خبرگیری کا مشورہ دے رہی تھی۔

وہ شاید دیر تک اس انوکھے اور دل گداز رویے پر بات کرنی چاہ رہی تھی مگر وہ موضوع میرے لیے خاصا گراں تھا۔ غزالہ کو پاکستان میں چھوڑ دینے کے بعد ایسی باتوں کا حاصل ندامت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔

میں نے فوراً ہی اسے بدری ناتھ اور رمیش اگروال کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

"میں ہمیشہ یہ کہتی ہوں کہ ہنگامی فیصلوں کے سلسلے میں تم نے شیطانی کھوپڑی پائی ہے اور شاید اسی لیے اب تک اپنے خون آشام دشمنوں سے بچے ہوئے ہو۔ میں شرط لگاتی ہوں کہ لان پر فٹ بال کھیلنے کی ہدایت اور پھر ایک ہیلی کاپٹر کی پرواز کے بارے میں سن کر کوئی ذہین ترین آدمی بھی چھت کا جائزہ لینے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ یہ کام کوئی شیطانی کھوپڑی ہی کرسکتی تھی۔ تم اول جینیئس ہو، تمہارا ذہن سب سے پہلے تخریب کے رخ پر چلتا ہے" وہ قصہ سن کر اس نے کہا۔

"اگر یہ میری تعریف ہے تو شکریہ، تنقید ہے تو مجھے اس کی پروا نہیں۔ میں اب تمہاری کڑوی کسیلی باتیں سننے کا عادی ہوگیا ہوں۔ تمہارے فرمودات میرے ذہن کی ساخت نہیں بدل سکتے۔"

اس مختصر سی نوک جھونک کے بعد وہ دوسری باتوں کے بارے میں کریدنے لگی۔ میں اس کے سوالوں کے جواب دیتا رہا مگر میرے ذہن کے پردے پر بار بار غزالہ کی بڑی بڑی سوالیہ نگاہیں نمودار ہورہی تھیں۔ میں وہ سوال سمجھ رہا تھا مگر میرے پاس اس کا کوئی معقول جواب نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد ہم اٹھ کر دبئی کی شہرۂ آفاق ڈیوٹی فری شاپ کی طرف چل دیے جہاں فرش پر ابھرے ہوئے، شوخ رنگ کے ایک گول پلیٹ فارم پر آتشی رنگ کی ایک چمچماتی ہوئی نئی پورشے کار کھڑی ہوئی تھی۔ دبئی کے راستے کوئی بھی بین الاقوامی سفر کرنے والے ہر ہزار مسافروں کے درمیانی واجبی سی قیمت کے ایک ٹکٹ پر ایسی ہی نادر اور بیش قیمت گاڑیاں قرعہ اندازی کے ذریعے کسی ایک خوش نصیب کے دروازے پر پہنچائی جاتی ہیں۔

کراچی میں میرے پاس گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی خطیر رقم کا اتنا بڑا حصہ محفوظ تھا کہ میں چاہتا تو ایسی کئی گاڑیاں خرید سکتا تھا۔ برائے نام ریلنگ لگے ہوئے اس گول پلیٹ فارم سے میں اس کشادہ ہال کی طرف بڑھ گیا جو اپنے ارزاں ترین داموں کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے۔

ہمیں وہاں سے کوئی خاص خریداری نہیں کرنی تھی۔ سیر کے بہانے بس وقت گزاری مقصود تھی۔ اسی بھیڑ میں مجھے سلیم خان نظر آیا جس کے ہاتھوں میں پھولے ہوئے تھیلے موجود تھے مگر پھر بھی وہ کیمروں کے اسٹال پر للچائی ہوئی نظریں ڈال رہا تھا۔

میں نے دور سے ویرا کو اس کا چہرہ دکھایا اور پھر ہم مخالف سمت میں ہولیے۔

ویرا اپنے لیے دو پرفیوم خرید رہی تھی کہ کلوزڈ سرکٹ ٹیلی وژن اسکرین پر ہماری پرواز کی بورڈنگ شروع ہونے کا اعلان نظر آنے لگا۔ پرواز میں خاصا وقت باقی تھا۔ طیارے میں جاکر محبوس ہونے کے بجائے ہم سیر گشت کرتے رہے، کافی کا ایک ایک کپ پیا اور جب امیگریشن والوں نے ٹرانزٹ میں رکے ہوئے بقیہ مسافروں کی تلاش میں بھاگ دوڑ شروع کی تو ہم بھی نکاس کے راستے کی طرف ہولیے۔

ٹرانزٹ پاس امیگریشن کے عملے کو لوٹا کر ہم جہاز میں پہنچے تو وہاں کا سماں ہی بدلا ہوا تھا۔

طیارہ وہی تھا مگر صفائی اور ضروری دیکھ بھال کے بعد اس میں بیشتر نئے چہرے سوار ہوچکے تھے جو مخلوط نسلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ سفید فام مردوں اور عورتوں کے مقابلے میں اس پرواز پر ایشیائی اور عرب مسافروں کی کثرت نظر آرہی تھی۔

جہاز میں سلیم اکبر خان اپنی اسی پرانی نشست پر براجمان نظر آیا۔ میری جگہ ایک مدقوق سی سفید فام بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا۔ اس بار قدرت نے ایک طویل تر پرواز کے لیے اسے ایسی ہم سفر مہیا کی تھی جو اس کے اعمال کے لحاظ سے بہت موزوں تھی۔

ہماری نئی نشستیں اس سے پیچھے تھیں۔ مجھے ویرا کے ساتھ گزرتے دیکھ کر سلیم کے چہرے پر فریاد سی سمٹ آئی۔ میں اس کے قریب سے گزرا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ چکا تھا۔

"تمہاری جگہ یہ قریب المرگ مصیبت یہاں کیسے آگئی؟" اس نے دھیمی اور پُرتشویش آواز میں مجھ سے پوچھا "اپنا بورڈنگ کارڈ دکھا کر اسے یہاں سے ہٹادو۔"

"تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ مجھے تم سے بہتر ہم سفر مل گئی ہے" میں نے اسے جلانے کے لیے ویرا کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "میں اس کے ساتھ پیچھے بیٹھوں گا۔"

اس کے چہرے پر مایوسی کی لہر دوڑ گئی اور میں آگے نکلتا چلا گیا۔

ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ انجن چلے، دروازے بند

ہوئے اور پھر سفر کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوگیا۔ ٹیک آف کے احتیاطی مراحل گزرتے ہی بہت سے دیگر مسافروں کے ساتھ ویرا نے بھی سگریٹ سلگالی اور کھڑکی سے باہر خلیج کے نیلے پانیوں کے ساتھ ابھرتی ہوئی جدید تہذیبی علامتوں کا نظارہ کرنے لگی۔

"ویرا" چند ثانیوں بعد میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگا کر اسے پکارا تو وہ چونک کر میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے لہریے تیر رہے تھے۔

"ایک مدت کے بعد تم نے اس طرح مجھے پکارا ہے' خیریت تو ہے نا؟"

"میرے پکارنے میں بھی اب تمہیں اشارے کنائے نظر آنے لگے!" میں نے منہ بنا کر کہا۔

"میرا نام لیتے ہوئے اتنی اپنائیت کبھی پہلے ہوا کرتی تھی۔ اس وقت کتنا رومانس تھا تمہاری آواز میں!"

"یہ تمہارے دماغ کا فتور ہے" میں نے چڑ کر کہا "ساتھ بیٹھ کر اب یوں بور کروگی۔"

"ہو سکتا ہے کہ ایسا غیر ارادی طور پر ہوا ہو" اس نے مفاہمانہ لہجے میں کہا "مگر یہ حقیقت ہے کہ اس وقت تمہاری آواز میرے دل اور کانوں کو بہت بھلی لگی ہے۔ کیا میرے لیے یہ خوشی کی بات نہیں ہے کہ تم آج بھی غیر ارادی طور پر مجھے پیار سے پکار سکتے ہو۔"

"مجھے مجبور نہ کرو کہ میں اپنی پرانی جگہ پر پہنچ کر اس مدقوق بڑھیا کو یہاں بھیج دوں۔"

"چلو' میں کچھ نہیں کہتی مگر ایک بات کان کھول کر سن لو۔ تم میرا نام نہیں لوگے۔"

"احمقانہ بات ہے" میں نے سر جھٹک کر کہا "تمہارے جھوٹے سچے الزام کو تسلیم کرلوں یا پھر سرے سے تمہارا نام ہی نہ لوں۔ کیا تم اسی لیے میرے ساتھ آئی تھیں؟"

"تم پھر بہک رہے ہو۔ ان دونوں باتوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سفر میں مَیں مسز روزی برڈ ہوں۔ تم مجھے روزی کہہ کر مخاطب کرسکتے ہو۔"

بات سمجھ میں آتے ہی میں خفت آمیز انداز میں ہنس پڑا۔ ویرا بھی میری ہنسی میں شامل ہوگئی۔ اس نے صحیح یاد دہانی کرائی تھی کہ دورانِ سفر ہم دونوں کو ایک دوسرے کا وہی نام ذہن نشین رکھنا چاہیے تھا جس سے وہ سفر کر رہا تھا ورنہ کسی بھی مرحلے پر کوئی بڑی پریشانی پیدا ہوسکتی تھی۔

"ہمارے ناموں کا مسئلہ تو طے ہو ہی گیا۔ تم نے اس نام پر بھی غور کیا جو بدری نے تمہیں دیا ہے؟" چند پریشانیوں کے بعد ویرا نے مجھے ٹوکا۔

"فرصت ہی نہیں ملی۔ پھر نام میں کیا رکھا ہے۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ نام بدری ناتھ نے دیا ہے۔ اس کے باغیانہ رویّے کا ذاتی مشاہدہ کرنے کے بعد میں اس پر اعتماد کرنے لگا ہوں۔"

"وہ ایک نسوانی نام ہے" ویرا نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اچھا ہے۔ مردوں کے مقابلے میں عورتوں سے نمٹنا آسان ہوتا ہے۔"

"مغرب کی عورتیں مشرق سے بہت مختلف اور خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔"

"مجھے سبق پڑھانے کی کوشش نہ کرو۔ تم خود بھی مغرب کی بیٹی ہو" اسے اس کی اصل یاد دلاتے ہوئے میں نے اس کے دیگر خواص کا ذکر دانستہ گول کردیا ورنہ اہم ترین بات یہ تھی کہ اسے مردوں کو ترغیب دے کر اپنے جال میں پھانسنے کی خصوصی تربیت دی گئی تھی۔

وہ مسکراتے ہوئے بولی "ابھی میرا اور تمہارا آخری فیصلہ ہونا باقی ہے۔"

"جب دو خون آشام دشمن دستر خوان یا بستر پر یک جا ہوجائیں تو فیصلے کے لیے کچھ باقی نہیں بچتا۔ ہو سکتا ہے کہ فتح مند تم ہی رہی ہو لیکن یہ اہم بات ہے کہ آج ہم دونوں زندہ ہیں۔"

وہ پرواز طویل تھی اس لیے فضائی میزبان عورتیں اور مرد مسافروں کی فرمائشوں کے انتظار میں اطمینان سے راہداریوں میں ٹہل رہے تھے۔ ہمارے حصے میں فضا میں جلتے ہوئے تمباکو کے ساتھ الکحل کی تیز بُو بھی رچتی جارہی تھی۔ ویرا نے ایک اسٹیوارڈ کو طلب کیا تو میرا ارادہ صرف جوس پینے کا تھا مگر وہ ویرا ہی کیا جو ایسی چھوٹی موٹی باتوں پر میرے کسی اختلافِ رائے کو آسانی سے قبول کرلیتی۔ ہم دونوں چند ثانیوں تک بحث کرتے رہے۔ اسٹیوارڈ خاموش کھڑا اس تکرار سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک موہوم سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

میری دانست میں وہ ایک غیر ضروری تماشا تھا۔ میں نے ہتھیار ڈال دیے اور اسٹیوارڈ سرہلا کر رخصت ہوگیا۔ ویرا چڑانے والے انداز میں مجھے گھورنے لگی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کے وجود میں سوئی ہوئی پرانی ویرا ماحول کی گھٹن سے نکلتے ہی آہستہ آہستہ بیدار ہورہی تھی۔ میرے لیے اس کی وہ تبدیلی خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھی۔

تھوڑی دیر بعد سلیم سے نہ رہا گیا اور وہ اپنی جگہ چھوڑ کر میرے پاس راہداری میں آکھڑا ہوا۔

"لڑکی شاندار ہے۔ تم بہت خوش نصیب ہو کہ یہ تمہاری ہم ذوق بھی ہے" اس نے آتے ہی میرے شانے پر جھک کر دھیمی آواز اور اردو زبان میں کہا۔ وہ ویرا کے رنگ روپ سے دھوکا کھا گیا تھا کہ وہ اردو سے یکسر نابلد ہوگی۔

میں نے بوکھلا کر ویرا کی طرف دیکھا۔ وہ بلا کی مکار تھی۔ ہونٹوں پر معصومانہ مسکراہٹ لیے وہ یوں سلیم کی طرف دیکھ رہی

تھی جیسے اس کا کہا ہوا ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکی ہو۔

وہ خود ہی اپنی مٹی پلید کرانے پر تلی ہوئی تھی۔ میں نے بھی اس سے کوئی رعایت نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا اور سلیم سے مخاطب ہو کر کہا "حرکت میں برکت ہے۔ تم اپنی تقدیر پر شاکر ہو کر ڈیوٹی فری شاپ سے خریداری کرتے رہے اور تمہاری لاٹری میں وہ عفیفہ نکل آئی۔ میں نے ذرا ہاتھ پاؤں مارے تو یہ روزی روز میرے ساتھ بیٹھنے پر آمادہ ہوگئی۔"

"روزی روز!" اس نے حیرت سے دہرایا "یہ اس کا نام ہے یا تم محاورتاً ایسا کہہ رہے ہو۔"

"اس کا نام روزی ہے۔ کیا یہ گلاب کی طرح کھلی ہوئی نہیں لگتی؟"

"تم نے ایسی ہی باتیں کر کے اسے شیشے میں اتارا ہوگا۔ اس سے میرا تعارف نہیں کراؤ گے؟"

"روزی اور یہ سلیم' دبئی تک میں اسی کے ساتھ بیٹھا بور ہو رہا تھا" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر انگریزی میں کہا اور ویرا نے داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

سلیم جیسے اوباش فطرت شخص کے لیے ایک جوان اور خوبرو لڑکی کے نرم و نازک ہاتھ کا حیات آفریں لمس ایک نعمت سے کم نہیں تھا۔ اس نے مزید جھک کر بڑے ادب اور احترام کے انداز میں ویرا کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

رسمی کلمات ادا کرتے ہوئے شاید سلیم نے ویرا کا ہاتھ دبانے کی کوشش کی۔ ویرا نے جواب میں کچھ کہے بغیر نرمی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

"برا نہ مانو تو تھوڑی دیر کے لیے اپنی جگہ مجھے دے دو" سلیم نے مجھ سے گھگیا کر اردو میں کہا۔

"اس سے پوچھ لو۔ یہ رضامند ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

سلیم نے کھنکھار کر اپنا گلا صاف کیا پھر اٹک اٹک کر ویرا سے بولا۔ "مس روزی! کیا میں تھوڑی دیر کے لیے تمہارے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں؟"

"کیسے بیٹھو گے؟" ویرا نے معصومانہ سادگی سے پوچھا "یہاں تو صرف دو ہی آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے اور پھر تم یہاں کیوں بیٹھنا چاہ رہے ہو؟ کیا تمہاری سیٹ میں کوئی چبھنے والی چیز نکل آئی ہے؟"

سلیم اکبر خان' ویرا کی سنجیدگی سے بری طرح بوکھلا گیا۔ "نن.... نہیں۔ میری سیٹ بالکل ٹھیک ہے۔ میں تم سے تمہارے ملک کے بارے میں کچھ جاننے کے لیے اسلم سے سیٹ بدلنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اپنی جگہ پر واپس چلا جاؤں گا۔ اسلم اس کے لیے رضامند ہے۔"

"ابھی تمہیں میری شہریت تک کا پتا نہیں ہے۔ تم کس ملک کے بارے میں جاننا چاہتے ہو؟"

"انگلینڈ.... انگلینڈ!" سلیم نے جلدی سے کہا "میرا اندازہ ہے کہ تم انگلش ہو۔"

"شرافت سے واپس جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔ میں نے عملے کے کسی رکن سے تمہاری شکایت کردی تو تم سارے راستے کسی سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہو گے" ویرا نے درشت لہجے میں اسے پھٹکار دیا۔

سلیم کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے خوف زدہ نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا اور پلٹ کر بہت تیزی سے اپنی سیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"دیکھ لیا" اس کے دور نکل جانے پر ویرا ہنس کر بولی "تم اس کے ذریعے مجھے شرمندہ کرنا چاہ رہے تھے اور وہ خود ہی دُم دبا کر بھاگا۔ اب وہ ادھر کا رخ بھی نہیں کرے گا۔"

"تم بعض اوقات ناقابلِ فہم ہو جاتی ہو" میں نے گہرا سانس لے کر کہا "میں سمجھا تھا کہ تم اردو سے انجان بن کر تھوڑی دیر کے لیے اسے اُلّو بنانا چاہ رہی ہو۔"

"وہ اس قابل نہیں تھا" ویرا حقارت سے بولی "ورنہ میں آخر میں اردو بول کر اسے حیران ضرور کرتی۔"

"اسے دھتکار کر تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس انجام کا ذرا بھی اندازہ ہوتا تو میں اسے تم سے متعارف ہی نہ کراتا۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "اب وہ مجھ سے بھی سیدھے منہ بات نہیں کرے گا۔"

"میں تمہاری دوست یا بیوی نہیں ہوں جو وہ میرے سلوک کی ذمے داری تم پر تھوپے گا۔ اگر وہ دنیا دیکھ چکا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ مغرب میں شہری لڑکیاں کتنی منہ پھٹ ہوتی ہیں۔ ویسے بھی اب تمہیں اس خبیث سے کیا لینا ہے۔ وہ پاکستان واپس لوٹے گا تو اول خان خود ہی اس کی گردن ناپ لے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اس کی ضرورت محسوس نہ کرے۔ اگر مدن موہن سے تعلق یا ہمدردی رکھنے والے ہر شخص کو سزا وار سمجھ لیا گیا تو کراچی کے سیکڑوں معززباسی اس مہم کی زد میں آجائیں گے۔"

"وہ بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال میں لندن میں اس کا سراغ نہیں کھونا چاہتا۔ ابھی تک مجھے یہ جاننے کا موقع نہیں مل سکا کہ وہ لندن میں کہاں قیام کرے گا۔"

"تم ابھی جا کر اس سے مل لو۔ اس کے سامنے مجھے برا بھلا کہو گے تو اس کی مجروح انا کو ذرا سکون مل جائے گا اور وہ تم سے گڑبڑ نہیں کرے گا۔" وہ بے رحمانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی "میں ایسے دل پھینک مردوں کی رگ رگ کو اچھی طرح پہچانتی ہوں۔"

وہ ویرا تھی اور اپنی مرضی کی مالک۔ وہ جو کچھ کر گزری تھی اسے روکنا میرے بس سے بالکل باہر تھا۔ میں چند منٹ تک اپنی جگہ بیٹھا سلیم سے دوبارہ ملاقات کے بارے میں سوچتا رہا۔ آخر

ویرا کی تجویز ہی بہتر محسوس ہوئی اور میں نے خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

سلیم نہایت اداسی کے عالم میں شانے ڈھلکائے اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ میری جھلک دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں ایک خوشگوار سی حیرت ابھر آئی پھر وہ میرے ایک ہی اشارے پر اٹھ کر باہر آ گیا۔ اس بار اسے جگہ دیتے ہوئے اس کی ہم سفر نے بہت برا سا منہ بنایا تھا۔ سلیم کے بار بار آنے جانے سے وہ بے آرام ہو رہی تھی۔ اپنی عمر کی وجہ سے اس کا وہ ردِعمل نامناسب نہیں تھا۔

"سالی صورت سے اتنی خوش اخلاق اور نرم دل معلوم ہوتی ہے لیکن اندر سے بالکل اجڈ اور وحشی ہے۔ پل بھر میں یوں آنکھیں بدل لیں کہ میں بھونچکا رہ گیا۔ پتا نہیں تم کیا دیکھ کر اسے روزی روز کہہ رہے تھے۔ یہ پاکستان میں ملی ہوتی تو اس بدتمیزی پر میں اسے تھپڑ ضرور رسید کرتا۔"

"یہ گوری لڑکیاں ایسی ہی منہ پھٹ اور بدتمیز ہوتی ہیں۔ اپنا موڈ ہو تو کتیوں اور بلیوں کی سطح سے بھی گر جاتی ہیں پھر یکایک پارسائی جھاڑنے پر تل جاتی ہیں۔ ان کو بہت سنبھل کر ڈیل کرنا ہوتا ہے۔"

"مگر میں نے اس صورت حرام لڑکی کو کون سا سینگ مارا تھا؟"

"اب اتنے بھولے نہ بنو۔ تمہارے آجانے کے بعد میں نے اسے کافی لعن طعن کی ہے۔ وہ شکایت کر رہی تھی کہ تم نے معنی خیز انداز میں اس کا ہاتھ دبایا تھا۔ تم لوٹ آتے تو وہ تمہاری اس حرکت کو نظر انداز کر دیتی لیکن جب تم وہیں پسرنے لگے تو اسے ایک دم غصہ آ گیا۔"

"وہ سفید جھوٹ بول رہی ہے۔ ہم لوگ ایک دوسرے کا ہاتھ دبا کر ہی مصافحہ کرتے ہیں۔ ڈھیلے اور لجلجے ہاتھوں سے ہر ایک کو وحشت ہوتی ہے بلکہ اسے بداخلاقی سمجھا جاتا ہے۔"

"تم پاکستان کی بات کر رہے ہو مگر یہ بھول رہے ہو کہ ہمارے یہاں عورتوں سے ہاتھ ملانا بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ مغرب میں عورت سے اسی وقت ہاتھ ملایا جاتا ہے جب وہ پہل کرتی ہے اور اگر اس سے کوئی بے تکلفانہ تعلق نہ ہو تو بس نرمی سے ہاتھ لے کر سب کچھ عورت کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ جب چاہے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لے۔"

"مجھے یہ سب نخرے نہیں معلوم۔" اس نے چڑ کر کہا "پہلے اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔ اسے برداشت سے کام لینا چاہیے تھا۔"

"اب اس پر لعنت بھیجو۔ قصہ دراصل صرف اتنا سا ہے کہ غیر ملکی سیاحتوں میں تمہیں کسی معزز عورت سے ہاتھ ملانے کا اتفاق نہیں ہوا اور تم روزی کے سامنے مار کھا گئے۔"

"یہ بھی کہہ سکتے ہو۔" وہ میرا طنز سمجھے بغیر روا روی میں کہہ گیا۔

"میرے لیے یہی احساس کافی ہے کہ میری حمایت میں تم نے اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"یہ بتاؤ کہ اب لندن میں تم سے کہاں ملاقات ہو سکے گی؟" میں نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"کیوں؟ اب اسے میرا لندن کا پتا دینے کا ارادہ ہے تاکہ وہ اپنے کسی بدمعاش بوائے فرینڈ کو لے کر وہاں پہنچ سکے؟" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کی کوشش کر رہا ہوں۔" میں نے اسے آنکھ مار کر کہا "جہاز میں وہ میرے ساتھ ہے۔ اترنے کے بعد نہ جانے کس کے ساتھ ہوگی۔ جب تک وہ میری ہم سفر ہے میں تمہارے ساتھ بیٹھ کر شغل نہیں کر سکتا۔ بلاوجہ اس سے بدمزگی ہو جائے گی۔ اب لندن ہی میں کسی وقت مل بیٹھیں گے۔"

میرے جواب سے اس کے شبہات زائل ہو گئے۔ اس نے تمہید اٹھاتے ہوئے کہا "میرو سیاحت میں میں مہنگے ہوٹلوں میں پیسہ پھونکنے کا قائل نہیں ہوں۔ صبح سے رات تک شہر نوردی کرنے کے بعد رات کو سونے کے لیے ایک صاف بستر درکار ہوتا ہے۔ میں عام طور پر چیرنگ کراس کے رائل ہوٹل میں ٹھہرتا ہوں۔ وہاں کا عملہ میرے لیے کوئی نہ کوئی کمرا نکال ہی لیتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے پرس نکال کر اس میں سے ایک کارڈ تلاش کیا اور میری طرف بڑھا دیا "مجھے وہاں پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ تم یہ کارڈ رکھ لو۔ جب بھی مل بیٹھنے کا ارادہ ہو تو پہلے فون پر پروگرام طے کر لینا۔"

اس نے جواب میں مجھ سے میرے ٹھکانے کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا ورنہ میں نے سوچ لیا تھا کہ ائر پورٹ پر اپنے کسی فرضی میزبان کی آمد کا ذکر کر کے اسے ٹال دوں گا۔

کچن کے قریب اس سے کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد میں ویرا کے پاس لوٹ آیا۔

"معافی تلافی میں تم نے خاصا وقت لے لیا۔ کامیابی ہوئی اس کا منہ پھولا ہوا ہے۔"

میں نے خاموشی سے رائل ہوٹل کا میل کھایا ہوا پرانا کارڈ اس کی گود میں ڈال دیا۔

کارڈ دیکھتے ہی وہ مسکرانے لگی "خاک وہیں پہنچتی ہے جہاں خمیر ہو۔ چیرنگ کراس کے علاقے میں ہر وقت دنیا بھر کے سیاحوں کا ہجوم رہتا ہے اور وہاں آوارہ عورتیں بھی کثرت سے پائی جاتی ہیں۔"

"ایسی غیر ذمے دارانہ بات نہ کہو کہ چیرنگ کراس جانے والے شرفا اس کے ذکر سے شرمانے لگیں۔"

"میں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔ کیا تم نے ساگا کے چکر میں نیپیئر روڈ پر وقت نہیں گزارا؟ چند گلیوں کو چھوڑ کر وہاں عزت دار لوگ ہی رہتے ہیں لیکن رسوائے زمانہ گلیوں اور بدنام کوٹھوں

جے پیٹر روڈ کا نام بدی کی ایک علامت بن کر رہ گیا۔ یہی حال کنگ کراس کا ہے۔ سیاحوں کی دلچسپی کے سارے عالمی مراکز شکاری عورتوں کی توجہ کا خاص مرکز ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔“

وہ کوئی نفیس موضوع نہیں تھا لیکن میری ہم نشین ویرا تھی جو دنیا کے ہر موضوع پر بے تکان بولنے کی خداداد صلاحیت رکھتی تھی۔ وہ موضوع دراز ہوتا چلا گیا۔

مسافت کے لحاظ سے وہ پرواز طویل ہی تھی لیکن میں نے سارا وقت مصروف رہ کر اطمینان سے گزارا۔ نیچے کے منظر تیزی سے بدلتے رہے اسی کے ساتھ آسمان سے روشنی معدوم ہونے لگی۔ طیارے کے عقب میں گہری سیاہ چادر محیط تھی لیکن تیس ہزار فٹ کی بلندی سے آگے روشن افق نظر آ رہا تھا۔ زمین کی محوری گردش اور وقت کے فرق کی وجہ سے وہ اندھیروں سے روشنی کی طرف کا سفر کہا جا سکتا تھا۔

پھر جہاز کے گرد بھی اندھیرا ہونے لگا۔ نیچے گہرے بادلوں کے پرے کے پرے تیرتے پھر رہے تھے جن کی وجہ سے زمین کا تفصیلی نظارہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ چھٹے ہوئے بادلوں کے درمیان سے کہیں کہیں زمینی روشنیاں یا سیاہ تر سمندر کے سینے پر تیرتے ہوئے روشن جہاز نظر آ جاتے تھے۔

لندن کی آمد کے اعلان کے بعد جہاز بادلوں کی دبیز چادر کو چیرتا ہوا زمین سے قریب تر ہوا تو نگاہوں کے سامنے یکایک روشن نقطوں کی ایک زمینی کہکشاں روشن ہو گئی جو لحہ بہ لحہ واضح ہوتی جا رہی تھی۔

ہیتھرو لندن کا شہری ائرپورٹ ہے جب کہ لندن کے مضافات میں گیٹ وک کے نام سے دوسرا جدید تر ائرپورٹ بھی ہر روز متعدد بین الاقوامی پروازوں کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ ہماری اس پرواز کا رخ ہیتھرو ائرپورٹ کی طرف تھا۔

آخر کار لندن کی سرزمین پر ہمارے اس سفر کا دوسرا حصہ تمام ہوا۔ اس بار مسافروں کی اکثریت بظاہر تعلیم یافتہ اور مہذب نظر آتی تھی لیکن وہاں بھی جہاز رکنے سے پہلے بہت سے مسافروں نے اپنی جگہیں چھوڑ کر دستی سامان یکجا کرنا شروع کر دیا۔

جوں کی رفتار سے رینگتا ہوا جہاز آخر کار رک گیا' دروازہ کھلا، ٹیلی اسکوپک گینگ وے کھلے ہوئے اگلے دروازے سے جوڑا گیا اور پھر قطار آگے سرکنے لگی۔

جہاز سے اس راستے میں داخل ہوتے ہوئے میں نے جوڑ سے آنے والی ہوا کی خنکی محسوس کی اور اندازہ ہوا کہ لندن میں کراچی کے مقابلے میں موسم خاصا سرد تھا۔

اس طویل اور کشادہ سرنگ سے نکلنے کے بعد مسافروں کو آگے لے جانے والی فرشی بیلٹ ہموار رفتار سے رواں تھی۔ اس کشادہ بیلٹ کے دونوں طرف پیدل چلنے کے شوقین مسافروں کے لیے صاف ستھرے اور وسیع فرشی راستے موجود تھے۔ بیلٹ کے دونوں طرف بند باڑھ لگی ہوئی تھی جس کی وجہ سے کوئی درمیان سے اس متحرک پٹی پر سوار نہیں ہو سکتا تھا۔ ڈسپلن اور قطار کے معاملے میں انگریزوں کا روایتی مزاج یہاں پہنچتے ہی ظاہر ہو جاتا تھا۔ جس کو رواں بیلٹ سے استفادہ کرنا ہو' وہ قطار بندی کر کے ہی اس پر سوار ہو سکتا تھا۔

اس پرواز سے لندن پہنچنے والے بیشتر مسافر انگریز نہیں تھے مگر تحمل کے ساتھ اس سرزمین کی روایات کا پورا پورا احترام کر رہے تھے مگر کچھ عجلت پسند ایسے بھی تھے جو بیلٹ کے دونوں کناروں پر کھڑے ہوئے مسافروں کے درمیان سے دھکے دیتے اور دستی بیگ پنڈلیوں پر مارتے رواں بیلٹ پر آگے دوڑے جا رہے تھے۔

بیلٹ کے اختتام پر وسیع امیگریشن ہال آ گیا جہاں موٹے موٹے پائپوں کی محدود رکاوٹوں کے ساتھ مسافر صف آرا ہونے لگے۔ ہال میں پہلے سے بہت سے مسافر موجود تھے۔ اس روز امیگریشن کے تقریباً تمام ہی کاؤنٹرز آباد تھے جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس روز ہیتھرو پر پروازوں کا خاصا دباؤ تھا۔

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہم دونوں نے اپنے لیے الگ الگ قطاروں کا انتخاب کیا۔ مجھ سے پہلے ویرا کی باری آ گئی اور وہ امیگریشن کاؤنٹر کے برابر میں سے گزر کر بیگیج ہال کی طرف چل دی۔ کچھ دیر بعد میری بھی باری آ گئی۔ کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی معنک اور باوقار خاتون نے میرے پاسپورٹ کا تصویر والا صفحہ الٹ کر میرے چہرے پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی اور پھر کچھ کہے سنے بغیر اوراق الٹ کر ایک خالی جگہ پر مہر ثبت کر دی۔

پاسپورٹ مجھے واپس لوٹاتے ہوئے وہ خاتون بند ہونٹ پھیلا کر رسمی انداز میں مسکرائی تھی۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔

امیگریشن ہال سے نکلتے ہی بیگیج ہال میں بڑے سے روشن بورڈ پر ان تمام پروازوں کے نمبر نمایاں تھے جو اس وقت ہیتھرو پر اتر چکی تھیں۔ ان کے مقابل ہی بیلٹ نمبر موجود تھے جن پر متعلقہ پرواز کے مسافروں کا سامان آتا تھا۔ کہیں کوئی بدنظمی یا افراتفری نہیں تھی۔ ہر مسافر اپنے متعلقہ بیلٹ پر اپنے سامان کی آمد کا منتظر تھا۔ برابر والے دوسرے ہال میں بھی یہی منظر تھا۔ وہاں ویرا میری یا شاید سامان کی منتظر تھی۔

قریب جا کر میں نے دیکھا کہ وہ دونوں ہلکے پھلکے سوٹ کیس ٹرالی پر رکھ چکی تھی۔

”باہر نکلنے تک الگ الگ ہی رہو تو بہتر ہے۔ ابھی کسٹم کا ایک مرحلہ باقی ہے۔“ میں نے اس کے پاس جا کر ہلکی آواز میں کہا اور وہ تفہیمی انداز میں سر ہلا کر رہ گئی۔

میں نے اپنا سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکا لیا۔ ویرا ٹرالی لے کر آخری مرحلے سے نمٹنے کے لیے چل دی۔

ہم دونوں کو ہی کسٹم کے تفصیلی معائنے سے گزرنا پڑا جب کہ گرین چینل سے گزرنے والے بہت سے لدے پھندے مسافروں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا تھا۔ اس اتفاق کی دو ہی وجوہ ہو سکتی تھیں۔ اول ہمارے پاسپورٹوں کا پاکستانی ہونا دوم ہمارے رختِ سفر کا مشکوک حد تک مختصر ہونا۔

سبب کوئی بھی رہا ہو، وہ مضبوط ہی ہوگا۔ تعصب والی کوئی بات ہوتی تو اس کی ابتدا امیگریشن کاؤنٹر سے ہی ہو جانی چاہیے تھی۔ دراصل پاکستان سے بیرونِ ملک جانے والے بعض سادہ لوح مسافر نادانستگی میں منشیات کے عیار اسمگلروں کے آلۂ کار بن کر بیرونِ ملک اتنی بڑی تعداد میں گرفتار اور سزایاب ہوئے ہیں کہ پاکستانیوں کے لیے برادرانہ جذبات رکھنے والے ممالک کا رویّہ بھی جانچ پڑتال کے معاملے میں ہتک آمیز حد تک سخت ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے معزز اور بے گناہ مسافروں کو دوسروں کے سامنے خفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سامان کی تفصیلی تلاشی، غیر متوقع سوالات پر میرے اضطراری ردِّعمل کے مشاہدے اور پاسپورٹ کی پڑتال کے بعد مجھے رخصت کی اجازت مل گئی۔ اس سفر میں میرے لیے وہی ایک مرحلہ اعصاب شکن ثابت ہوا ورنہ ابتدا سے آخر تک سب کچھ معمول کے مطابق ہی رہا تھا۔

ویرا ائرپورٹ کی عمارت کے اس مقام پر میری منتظر تھی جہاں سے ٹیکسی یا ٹیوب کے لیے الگ الگ راستے لیے جاتے ہیں۔ کسٹم والوں کے رویّے نے میرے خوشگوار موڈ کو بالکل چوپٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ میں نے ٹیوب سے سفر کا ارادہ ترک کر کے قریبی ٹیکسی اسٹینڈ کی راہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔

سڑک کی اوپری منزل کے سائے میں قدرے خنک ہوائیں کچھ زیادہ ہی تیز محسوس ہو رہی تھیں۔ آنے والے مسافر اپنے سازو سامان کے ساتھ قطار کے آخری سرے پر رکتے جا رہے تھے۔ خالی ٹیکسی آتی اور سب سے آگے والے مسافر کو اسباب اور متعلقین سمیت سمیٹ کر تیزی سے آگے روانہ ہو جاتی۔ لندن کی کالی ٹیکسیاں میٹر سے چلتی ہیں۔ سامان کا کرایہ مقرر ہے۔ کوئی مول تول نہیں ہوتا۔ مسافر ٹیکسی میں بیٹھ کر اپنی منزل کا پتا بتاتا ہے اور تھوڑی ہی دیر میں ڈرائیور مطلوبہ پتے پر گاڑی روک دیتا ہے۔

وہاں وہ سب کسی مشینی عمل کی طرح ہو رہا تھا۔ ایک پولیس والا جیبوں میں ہاتھ ڈالے دور ہی سے اس سارے عمل کی نگرانی کر رہا تھا۔

باری آنے پر ہم دونوں ٹیکسی کی عقبی نشست پر سوار ہوئے۔ سوٹ کیس کشادہ پائیدان کے ایک گوشے میں آ گئے۔ ڈرائیور نے درمیان میں لگے ہوئے شیشے کی شفاف کھڑکی سرکا کر صرف "یس سر؟" کہا اور ویرا نے پریذیڈنٹ ہوٹل کا نام لے دیا۔ ٹیکسی زنانے سے آگے بڑھ گئی۔

میرے لیے وہ شہر اجنبی نہیں تھا۔ میں نے اس کی سڑکوں پر اور بازاروں میں کافی دن گزارے تھے اور شہر کے مضافات میں دیوانہ وار غزالہ کو ڈھونڈتا پھرا تھا۔ وہ وہ دور تھا جب ویرا میرے لہو کی پیاسی بنی ہوئی تھی اور کراچی سے غزالہ کو اغوا کر کے انگلستان بھجوا چکی تھی تاکہ مجھے اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکے۔

اس وقت غزالہ بیوی نہیں صرف میری چاہت تھی۔ وہ ماں اور پھر باپ کے سائے سے محروم ہو چکی تھی۔ میں نے ہمیشہ اسے کالج سے فارغ التحصیل ہونے والی ایک گھریلو لڑکی کے روپ میں چاہا تھا۔ اس کے اغوا کی وحشت اثر خبر کی تصدیق ہوتے ہی میں نے سمجھ لیا تھا کہ ویرا کے ہاتھوں اس پر ایک قیامت گزرنے والی تھی۔ دیارِ غیر میں وحشی دشمنوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی نرم ونازک سی لڑکی اپنا کوئی دفاع کرنے کے قابل نہیں تھی۔ لندن پہنچنے کے بعد جب غزالہ کا پہلا حوصلہ افزا سراغ ملا تو مجھے اندازہ ہوا کہ پیر کے نیچے آ کر چیونٹی بھی شیر بن سکتی ہے۔

غزالہ نے اپنے مسلح رکھوالوں کے چھکے چھڑا دیے تھے اور کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح ان کے حصار سے نکل کر اتنی سرعت سے فرار ہوئی تھی کہ میں خود بھی اس تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

یہ وقت کا ایک سبق آموز انقلاب تھا کہ اس بار غزالہ میری بیوی بن کر کراچی میں بیٹھی ہوئی تھی اور ویرا میری رفیقِ سفر بن کر میرے ساتھ لندن کی سڑکوں سے گزر رہی تھی۔ وہ سب سوچتے ہوئے آسودگی کا ایک عجیب سا سرور میرے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ میں نے آنکھیں موند کر ویرا کا بھرا بھرا گداز بازو سختی سے اپنی مٹھی میں بھینچ لیا۔

میری وہ حرکت بالکل غیر ارادی تھی۔ اس وقت میری کیفیت ایسے کسی جنگجو سے مشابہ تھی جس نے اپنے دشمن کو گھائل کر کے اپنے قدموں میں زیر کر لیا ہو اور فتح کے نشے سے سرشار ہو۔ جنگجو گرے ہوئے دشمن کی کھوپڑی کو ٹھوکر لگانے میں تسکین ولذت محسوس کرتا ہے، میں نے ویرا کی مخروطی گردن کے بجائے اس کا بازو دبوچ لیا تھا کیونکہ اب وہ ماضی کی دشمنیوں کو بھول کر میری حلیف بن چکی تھی۔

اپنی انگلیوں کی سخت ہوتی ہوئی اضطراری گرفت پر میں خود چونک پڑا۔ مجھے خیال ہوا کہ اس سخت اور بے رحمانہ گرفت پر اس کی طرف سے کوئی صوتی یا عملی احتجاج ناگزیر تھا مگر وہ خاموش و ساکت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے لبوں سے کوئی سرگوشیانہ سسکاری تک آزاد نہیں ہوئی تھی۔

میں نے اس کا بازو چھوڑ کر آنکھیں کھول دیں اور ویرا کی طرف دیکھا تو اس کی حسین آنکھوں میں یکایک ہی خمار کے ڈورے اتر آئے تھے۔

"بازو کیوں چھوڑ دیا؟" اس نے بھرائی ہوئی دھیمی آواز میں سوال کیا "اسے اتنا بھینچتے کہ میرے بازو کی ہڈی تک سرمہ ہو

اور دیکھ لیتے کہ میں پھر بھی اُف نہ کرتی..... بہت سفاک اور جنگلی ہو تم۔ اس بری طرح نوچا ہے کہ میرے بازو پر گہرا نیل پڑ گیا ہوگا۔"

"سوری! اس حرکت میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس وقت میں خیالوں کی کسی اور ہی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔ بے دھیانی میں تمہیں اذیت دے بیٹھا۔"

وہ مجروح انداز میں ہنس پڑی اور بولی "مجھے معلوم ہے کہ لندن کی سڑکوں سے گزرتے ہوئے تم کیا سوچ سکتے ہو۔ اس وقت تمہیں اپنا پچھلا سفر یاد آرہا ہوگا جب تم غزالہ کے فراق میں سلگتے اور تڑپتے ہوئے یہاں آئے تھے۔ وہ سب سوچ کر تمہارا خون کھول رہا ہوگا۔ ان تمام مصائب کی جڑ میں تھی۔ اس وقت تمہارا ہاتھ مجھ پر ہی اٹھ سکتا تھا۔ غنیمت ہے کہ اب وہ دشمنیاں تمام ہو چکی ہیں' اسی لیے تمہارا ہاتھ میری شہ رگ سے پہلے بازو پر رک گیا ورنہ یہ کالی ٹیکسی میرا مقتل بھی ثابت ہو سکتی تھی۔"

اس کی ٹھیک ٹھیک قیاس آرائی پر میں اندر سے ہل کر رہ گیا۔ وہ عورت میرے لیے دن بہ دن خطرناک تر ہوتی جارہی تھی۔ میرے ساتھ رہ رہ کر اس نے میرے ذہن میں جھانکنے کی حیران کن استعداد حاصل کرلی تھی۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی نازک مواقع پر حقیقت سے قریب تر قیاس آرائیاں کر کے مجھے متحیر کرتی رہی تھی لیکن اس وقت اس نے ٹھیک ٹھیک اندازہ لگا کر مجھے ششدر کردیا تھا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے اس کی حوصلہ شکنی کی غرض سے شاید جھوٹ بولنے کا فیصلہ کر کے جواب دیا "یہ تمہارے گناہ ہیں جو اس وقت تمہارے سر چڑھ کر بول رہے ہیں۔ سچ پوچھو تو میں بہت دور کے ان رومان پرور خوابوں میں کھویا ہوا تھا جب تم بلیک کوئین ہوتی تھیں اور میں کسی نہ کسی وجہ سے تمہاری انا کو بھڑکا کر تمہیں اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔"

ویرا کے لیے میری وہ قلابازی اس قدر ناقابل یقین اور ہیجان انگیز ثابت ہوئی تھی کہ وہ اپنے سارے قیاسات کو بھول بھال کر نشست پر میرے قریب سرک آئی اور مخمور آواز میں کہنے لگی "میں بھی ان ارمان انگیز دنوں کو یاد کر کے اندر ہی اندر کڑھتی رہتی ہوں مگر میں نے کبھی نوچنے کھسوٹنے کی کوشش نہیں کی۔"

"پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں' سارے انسانوں کا مزاج ایک جیسا نہیں ہوتا۔" میں نے نشست پر اس سے الگ رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تم نے سنا ہوگا کہ اپنی فطرت کے اعتبار سے عورت سمندر اور مرد ساحل کی طرح ہوتا ہے۔ ایسی مثالیں صدیوں کے تجربے کے بعد وجود میں آتی ہیں۔"

"میرے لیے یہ ایک نئی مثال ہے۔ سمندر اور ساحل تو ایک دوسرے میں پیوست ہوتے ہیں۔ مدوجزر کے ساتھ دونوں ہی گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔"

"پہلی بات تو یہی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ سمندر چڑھتا ہے تو ساحل اسے اپنے سینے پر سمیٹ لیتا ہے' اترتا ہے تو پھر سے اس کی شناخت ابھر آتی ہے۔ ساحل کی... بھربھری ریت ہر چیز کا اثر جلد قبول کرتی ہے' دھوپ سے تپنے لگتی ہے' سائے میں خنک ہو جاتی ہے' نمی جلد قبول کرتی ہے اور پھر فوراً ہی سوکھ جاتی ہے' پرانے نشانوں پر ہر نئے قدم کا نشان آسانی سے قبول کرلیتی ہے اور یہی سب مردوں کے اوصاف ہیں۔ وہ پل بھر میں مہربان ہو کے نامہربان ہو جاتے ہیں مگر سمندر عورت کے ظرف کی طرح گہرا ہوتا ہے۔ اس کی تہ میں طوفان مچلتے رہتے ہیں مگر سطح پُرسکون نظر آتی ہے' وہ دھیرے دھیرے گرم ہوتا اور پھر اسی طرح سرد ہوتا ہے' کسی کا اثر قبول نہیں کرتا اور نہ کسی کا کوئی نشان برقرار رہنے دیتا ہے۔"

میں نے اس کے ذہن کو الجھانے کے لیے ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ اس مثال کا حدود اربعہ بیان کیا اور وہ میری بتائی ہوئی اس تفسیر میں ڈوب گئی۔ اگر وہ میرے خیالات بھانپ سکتی تھی تو میں بھی بڑی حد تک اس کا مزاج آشنا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ عورت واقعی ایک سمندر ہوتی ہے۔" شاید غور کرنے کے بعد اس پر میری وضاحت کے نئے مفہوم آشکارا ہو رہے تھے۔ "اس کی موجیں ساحل سے چلتی ہیں اور پھر وہیں سر پٹکتی رہتی ہیں۔ یہ وفا کی علامت ہے۔"

"مانا کہ تم سمندر ہو مگر اس ٹیکسی میں میرے اوپر سوار ہونے کی کوشش مت کرو۔" اپنی مدافعانہ کوششوں میں ناکام ہو کر میں نے بے بسی سے کہا "ذرا ڈرائیور اپنے عقب نما آئینے میں ساحل اور

سمندر کی یہ کشمکش غور سے دیکھ رہا ہوگا۔ اس نے کہیں گاڑی لڑا دی تو میرا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔ لندن آکر ایسے انجام سے دوچار ہونا بہت المناک ہوگا۔"

اس وقت تک وہ میرے اوپر جھکی پڑ رہی تھی۔ میری بات پر وہ ہنستے ہوئے الگ ہوگئی "تم بہت سؤر ہو۔ کیبن میں اتنا اندھیرا ہے کہ وہ ہمیں دیکھ ہی نہیں سکتا۔ ان کالی ٹیکسیوں کی پشت گاہیں اتنی اونچی رکھی جاتی ہیں کہ ڈرائیور مسافروں کے سروں کے اوپر سے براہِ راست عقبی ٹریفک پر نگاہ رکھتا ہے۔ وہ اپنے آئینے کا زاویہ بدل کر مسافروں کے تجسس میں پڑے تو پیچھے آنے والی گاڑیوں کو دیکھ ہی نہیں سکتا۔ تم ہر وقت بے سروپا بہانے تراشنے میں ماہر ہوتے جارہے ہو۔"

"آج تم میرے ساتھ مسلسل زیادتیاں کر رہی ہو۔" میں نے احتجاج کیا "پہلے سفاک اور جنگلی کہا پھر سؤر کہہ دیا اور اب بہانے باز قرار دے رہی ہو۔"

"یہ سب پیار کی باتیں ہیں۔ ان سے کوئی اذیت نہیں ہوتی۔ تم نے تو میرے بازو کو کچل کر نیل تک ڈال دیا ہے۔ ظلم کرتے ہو تو ہلکے سے طنز اور مذاق کو بھی سہنے کی عادت ڈالو۔"

ڈرائیور شاید شہر کی مصروف سڑکوں کا رخ کرنے سے گریزاں تھا۔ اس نے ٹیکسی ایسے راستوں سے نکالی کہ ہم پوری آکسفورڈ اسٹریٹ چھوڑ کر ایک چوراہے پر اچانک ہی ماربل آرچ کے قریب جا نکلے۔ اس قدیم آرچ کے سامنے ہی پریذیڈنٹ ہوٹل کی عمارت موجود تھی۔

ہوٹل کے پورچ میں ٹیکسی رکتے ہی کسی پورٹر کے بجائے ہوٹل کا کوئی سینئر رکن تیزی سے ہماری طرف آیا۔

"گڈ ایوننگ سر! کیا آپ ایڈوانس بکنگ کے ساتھ یہاں آئے ہیں؟" اس نے ویرا کے لیے ٹیکسی کا دروازہ کھولتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"نہیں۔ ہم ائرپورٹ سے سیدھے آرہے ہیں۔" مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی "اس امید پر کہ یہاں کوئی کمرا مل ہی جائے گا۔ مجھے یہ ہوٹل پسند ہے۔"

"میں حد سے زیادہ شرمسار ہوں مادام... اگلے دس دن تک ہوٹل بُک ہے۔ صرف ویک اینڈ پر ایک یا دو راتوں کے لیے جگہ مل سکے گی۔"

ویرا نے ٹیکسی سے اترنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ نووارد نے آہستگی سے دروازہ بند کیا اور ویرا کا شکریہ قبول کرکے برآمدے کی طرف لوٹ گیا۔

ٹیکسی کے پیچھے دوسری گاڑیاں جگہ خالی ہونے کی منتظر تھیں۔ ہمارے ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھادی اور بڑبڑانے کے انداز میں بولا "سر! تم نے بلاوجہ ہیتھ رو سے یہاں تک آنے کا کرایہ ضائع کیا۔ مجھے معلوم ہوتا کہ تم بکنگ کے بغیر ادھر آرہے ہو تو میں پہلے ہی آنے سے منع کردیتا۔ سیزن میں بکنگ کے بغیر سینٹرل لندن کے معقول ہوٹلوں میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ملتی۔"

وہ لندن کے روایتی ڈرائیوروں کی طرح باتونی تھا اور پہلا موقع میسر آتے ہی اس کی زبان چل پڑی تھی۔ میں نے اس کی بات درمیان میں سے ہی اچک لی۔

"مجھے اندازہ ہوچکا ہے کہ ایڈوانس بکنگ کو بھول کر ہم نے سنگین غلطی کی ہے۔ اب تم ہمیں کہاں لے جارہے ہو؟" میں نے لہجہ بگاڑے بغیر اس سے پوچھا۔

"سر! میں تمہاری ہدایت کے انتظار میں ہوں۔ لندن کے قلب میں پہنچ ہی گئے ہو تو دو چار ہوٹل اور بھی جھانک لو۔ یہاں پورٹ مین، ہلٹن، سیلف رج اور کلفٹن فورڈ ہوٹل قریب ہی ہیں۔ باری باری وہاں بھی دیکھ لیتے ہیں۔ شاید تمہاری قسمت یاوری کرجائے......"

"نہیں، ہمیں مہنگے ہوٹلوں میں بندھ کر رہنے کا شوق نہیں ہے۔ ہمیں متوسط درجے کا کوئی ہوٹل درکار ہے بلکہ ایک دو راتوں کے لیے کوئی سستا ہوٹل بھی چلے گا۔" میں نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔

"ہرگز نہیں۔ اتنی خوب صورت گرل فرینڈ کے ساتھ میں تمہیں کسی سستے ہوٹل کا رخ کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ یہ غلطی کی تو تم پچھتاؤ گے۔"

"پھر تم ہی بتاؤ کہ ہم کیا کریں۔ آج کی رات بسر کرنے کا بندوبست ہوجائے تو کل ہم اپنی پسند کا ٹھکانا ڈھونڈ لیں گے۔" اس کی زبان سے اپنی تعریف سننے کے بعد ویرا کے لیے گفتگو میں حصہ لینا ناگزیر ہوگیا۔

"لندن بہت مہمان نواز شہر ہے۔" ڈرائیور کی زبان چل پڑی۔ "تم کسی مشکل میں پڑجاؤ تو ہر شخص پورے خلوص کے ساتھ تمہیں غلط مشورے دینے کی کوشش کرے گا مگر میں فاضل ٹپ کے لالچ کے بغیر اپنی خوب صورت سواریوں کو کارآمد مشورہ دے دیتا ہوں۔ تم ہانسلو میں سیدھے ماسٹر رابرٹ ہوٹل چلے جاؤ۔ وہ موٹروے اے فور پر ہیتھ رو سے چند منٹ کی مسافت پر چھوٹا سا خوب صورت ہوٹل ہے۔ ریچی کیریان میرا لنگوٹیا ہے اور وہاں کا جنرل منیجر ہے۔ میرا نام لوگے تو وہ تمہیں یہ رات اپنے ہوٹل سے باہر بسر نہیں کرنے دے گا۔"

"وہ سینٹرل لندن سے بہت دور پڑے گا۔" ویرا نے شکوہ کیا۔

"پھر تم بتاؤ۔ میں وہیں چلتا ہوں۔" اس گفتگو کے دوران ٹیکسی کے ساتھ اس کا میٹر مسلسل چلتا رہا۔

نیم تاریکی میں ویرا نے بے بسی سے میری طرف دیکھا اور میں نے مزید بھاگ دوڑ سے بچنے کے لیے ڈرائیور کو ماسٹر رابرٹ ہوٹل کی طرف چلنے کی ہدایت کردی۔

ہیتھ رو کی طرف واپسی کا وہ سفر زیادہ طویل اور تکلیف د

ثابت ہوا۔ خدا خدا کر کے ہوٹل کی عمارت آئی تو یہ دیکھ کر دل خوش ہوا کہ وہ صاف ستھری، کشادہ اور صرف تین منزلہ عمارت تھی۔ ریٹی کیریان اس وقت تک واپس جا چکا تھا لیکن پورٹر نے جس اہتمام سے ہمارے ہلکے پھلکے سوٹ کیس اٹھائے، اس سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس دور افتادہ ہوٹل میں کسی سفارش کے بغیر بھی کمرا مل سکتا تھا۔

میں نے میٹر میں بننے والے کرائے سے تین پاؤنڈ زائد ادھیڑ عمر ڈرائیور کو دیے اور اسے ریزگاری رکھ لینے کے لیے کہہ دیا۔ ٹپ کے بارے میں وہ روایتی فقرہ میری زبان پر ہی تھا کہ ڈرائیور میرا شکریہ ادا کر کے رقم جیب میں رکھ چکا تھا۔ میری کسی رسمی اجازت سے پہلے ہی اس نے بخشش کا اندازہ لگالیا تھا۔

اس بھاری ٹپ کا یہ فائدہ ہوا کہ ہمارے کاؤنٹر پر پہنچنے تک ڈرائیور بھی اپنی ٹیکسی پارکنگ میں کھڑی کر کے وہیں آگیا۔ میں ہوٹل کا فارم بھرنے میں مصروف تھا کہ اس نے بکنگ کلرک سے ہمارا مجوزہ کمرا دیکھنے کی فرمائش کردی اور پھر پورٹر کے ساتھ اندر کی طرف چل دیا۔

دکھایا جانے والا کمرا اس نے سیلن کی وجہ سے رد کردیا۔ میں اس بھاگ دوڑ سے اتنا اکتا چکا تھا کہ ہوٹل کا عملہ جس کمرے میں پہنچا دیتا میں کسی چیز کی پروا کیے بغیر وہیں ڈھیر ہو جاتا۔ کراچی سے لندن تک کے سفر نے مجھے اتنا نہیں تھکایا تھا جتنا ہیتھرو سے ماسٹر رابرٹ ہوٹل تک کے سفر نے بیزار کردیا تھا۔

ڈرائیور کی محنت کے نتیجے میں ہمیں صرف اسی پاؤنڈ یومیہ کرائے والے ایک کشادہ، صاف اور آرام دہ کمرے میں پہنچا دیا گیا جو ہوٹل کے گراؤنڈ فلور کی بغلی سمت میں واقع تھا۔ اس کمرے کا دوسرا دروازہ ایک مختصر مگر خوب صورت لان میں کھل رہا تھا۔

وہ عمارت قدرے قدیم طرز کی تھی لیکن اس کی دیکھ بھال کا کام بہت عمدگی سے انجام دیا جا رہا تھا۔ ہمارا کمرا اس اعتبار سے غیر روایتی تھا کہ اس میں دو دروازے موجود تھے۔

ڈرائیور نے جانے سے پہلے مجھ سے اگلے دن کے پروگرام کے بارے میں پوچھا تو میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا "نہیں، تمہیں اپنا پیٹرول پھونک کر اتنی دور سے یہاں آنا پڑے گا۔ ہمیں یہاں سے کوئی سواری مل جائے گی۔"

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں یہاں قریب ہی رہتا ہوں۔" اس نے معصومیت سے کہا۔

اس انکشاف پر میری کھوپڑی بھنا گئی۔ وہ مکاری سے کام لے کر ہمارے خرچ پر سینٹرل لندن سے تقریباً اپنے گھر تک آپہنچا تھا اور اس کام کے لیے ہم سے ٹپ بھی وصول کر چکا تھا۔ میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے خشک لہجے میں اسے آنے سے منع کردیا۔ اس کی نیت جو بھی رہی ہو، یہ ایک حقیقت تھی کہ اس کی کوششوں سے ہمیں رہنے کے لیے ایک پسندیدہ کمرا مل گیا تھا۔

دورانِ سفر کی جانے والی پُرخوری کے سبب مجھے بالکل اشتہا نہیں تھی۔ باہر کی خنک فضا سے بند کمرے میں پہنچنے کے بعد فرحت آمیز حرارت کا احساس ہو رہا تھا۔ جوتے موزے اتار کر میں نے کپڑے تبدیل کیے اور بستر پر دراز ہو کر سفید چادر میں لپٹا ہوا دبیز کمبل اپنے اوپر لے لیا۔

ویرا نے ایک کرسی میں جم کر ریموٹ کنٹرول سے ٹیلی وژن آن کردیا تھا اور اس کی آواز بند کر کے باری باری ہر چینل کا جائزہ لے رہی تھی۔

"اس وقت مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم نے لندن میں محض آرام کرنے کے لیے کراچی سے یہاں تک دوڑ لگائی ہے۔" آخر ویرا نے ٹیلی وژن بند کر کے تیزی سے کہا۔

"یہ حقیقت ہے کہ بدری کے آنے تک ہمیں یہاں آرام ہی کرنا ہے۔ لے دے کر کیتھی کو ایک فون کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ وہ صبح بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی کام ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"کیتھی سے رابطہ کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کون ہے۔ بدری ناتھ نے بغاوت کا فیصلہ کراچی میں نک موڈلے کے برے رویے کی وجہ سے کیا ہے۔ اس سے پہلے وہ را کا ہی وفادار تھا۔ اس کے رابطے میں بھی صرف وہی لوگ ہوں گے جو را کے وفادار ہوں۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" میں پیروں پر سے کمبل اچھال کر بستر سے اٹھ گیا۔

"علی شیر کا نام بدری، رمیش اور نک موڈلے کے ذریعے بہت سے لوگوں تک پہنچ چکا ہے۔ تمہیں کیتھی کو اپنی آمد کی اطلاع علی شیر بن کر ہی دینی ہے۔ کیتھی نے بے خبری یا سادہ لوحی میں یہ خبر کسی غلط آدمی تک پہنچا دی تو بدری کے آنے سے پہلے تمہیں اس ہوٹل سے اٹھا لیا جائے گا۔ نک موڈلے یہ بات فراموش نہیں کرسکے گا کہ اس کے اصرار کے باوجود تم نے اس سے ملاقات نہیں کی۔"

وہ میری ٹیکنیکل غلطی تھی۔ مجھے بدری سے یہ طے کرلینا چاہیے تھا کہ میں کیتھی کو کسی مخصوص کوڈ کے ساتھ اپنا پیغام دوں گا۔ اسے نام بتانا واقعی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

میں نے سگریٹ سلگا کر اضطراری انداز میں فرشی قالین پر ٹہلنا شروع کردیا۔ ویرا نے اس وقت ایک نئی گرہ ڈال کر مجھے پریشان کردیا تھا۔

اپنے ذہن میں گزری ہوئی باتوں کو تازہ کرتے کرتے مجھے کچھ دھیان آیا اور میں نے ویرا سے کہا "سفر نے تمہارے اعصاب پر برا اثر ڈالا ہے۔ تم باتوں کو خلط ملط کر رہی ہو۔"

"میری کوئی غلطی ہے تو اس پر بات کی جا سکتی ہے۔ میں نے تمہیں اپنے خدشات سے آگاہ کردیا ہے۔"

"نک موڈلے نے خود مجھ سے ملنے سے انکار کیا ہے کیونکہ وہ یرقان کو متعدی مرض سمجھتا ہے۔"

"یرقان کا مریض گھر چھوڑ کر سیکڑوں میل دور سیاحت کے لیے نہیں جاتا۔"

"یہ بات صرف رمیش کو بتائی گئی ہے کہ میں شمالی علاقوں کی سیر کو جا رہا ہوں۔"

"وہ ویسے ہی تم سے بھڑکا ہوا ہے۔ وہ یہ خبر ضرور تک موڈلے تک پہنچائے گا۔"

"بدری نے اسے تک موڈلے سے دور رکھا ہوا ہے۔ اسے کچھ نہیں معلوم کہ بدری نے میرے بارے میں تک سے کیا کہا ہے۔ تک نے مزید کریدا تو بدری اسے یہ بتائے گا کہ میں بڑھتی ہوئی بیماری کی وجہ سے کسی شناسا کے گھر چلا گیا ہوں۔ رمیش کے لیے میں پشاور یا سوات میں ہوں۔ یہ بات صرف بدری جانتا ہے کہ میں لندن میں ہوں۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو جیسا تم سوچ رہے ہو مگر میرا ماتھا ٹھنک رہا ہے۔"

مجھے یاد آگیا کہ لندن کے بارے میں بدری سے ابتدا میں میری کیا بات ہوئی تھی۔ میں نے رک کر ویرا سے کہا "اس وقت تم وسوسے پیدا کرنے کا شیطانی کام کر رہی ہو۔ پہلی بار بدری نے مجھ سے کہا تھا کہ میں لندن پہنچ کر اُس کے دیے ہوئے فون نمبر پر اپنا کوئی سراغ چھوڑ دوں تاکہ وہ لندن پہنچنے کے بعد مجھ سے رابطہ کر سکے۔ نام کا سرے سے ذکر ہی نہیں آیا تھا ورنہ میں ضرور اعتراض کرتا۔ دوسری بار اس نے کیتھی کے نام اور فون نمبر کا رقعہ دیا تھا۔ میں نام کے بغیر کوئی بھی ایسا فقرہ استعمال کر سکتا ہوں جو بدری کو اصل پیغام سمجھنے میں مدد دے سکے۔"

"تم اس بارے میں اسی قدر پُریقین ہو تو میرے تفکرات بے بنیاد ہیں۔"

"مگر پھر بھی میں کیتھی کے بارے میں ضرور سوچوں گا۔ پیغام کوئی بھی ہو، مجھے ہوٹل کا نام یا فون نمبر دینا ہی پڑے گا۔ اس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے بدری کے کسی پُراسرار دوست کا فون کیتھی کے تجسس کو بیدار کردے گا...... خطرہ یہی ہے کہ کیتھی بے خبری میں یہ اطلاع کسی غلط آدمی تک پہنچا سکتی ہے۔"

"ایک بار کچھ کہتے ہو اور دوسری بار کچھ اور کہنے لگتے ہو۔" ویرا جھلا گئی۔

"نام کا سرے سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اصل پریشانی ہمارے ٹھکانے کی رازداری کے بارے میں ہے۔ یہاں ہم اجنبی اور تنہا ہیں۔ ہمیں کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے۔ اگر یہاں کوئی منظم جتھا حملہ آور ہوا تو ہمیں دور دور تک جائے پناہ نہیں مل سکے گی۔"

"پھر کیا کرنے کا ارادہ ہے؟" وہ بات خود ویرا نے ہی چھیڑی تھی لیکن وہ خود بھی اصل خطرے کا ادراک نہیں کر سکی تھی جو ہر صورت میں برقرار رہتا۔ اس کے سدِباب کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ بدری کے لیے کوئی پیغام دینے سے پہلے کیتھی کی وفاداریوں کے بارے میں پوری طرح چھان بین کرلی جائے۔

"پہلا کام یہ ہے کہ برٹش ٹیلی کام سے یہ کھوج لگایا جائے کہ کیتھی کا فون نمبر کہاں کا ہے۔"

"اگر یہ نان ڈائرکٹری نمبر نہیں ہے تو پتا آسانی سے مل جائے گا۔" ویرا نے کہا۔

"یہ کیتھی کے گھر کا نمبر ہے تو زیادہ پریشانی کی بات نہیں۔ دفتر کا نمبر ہونے کی صورت میں ہمیں دیکھنا ہوگا کہ وہ کیا کام کرتی ہے۔ کیا تم ان لوگوں سے کوئی مدد نہیں لے سکتیں جنھوں نے تمہاری ہدایت پر غزالہ کو یہاں اپنی کڑی قید میں رکھا ہوا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ ان میں بعض اب بھی میرے لیے دل میں نرم گوشہ رکھتے ہوں مگر میں آنکھیں بند کر کے کسی پر اعتماد نہیں کر سکتی۔ ان ہی میں سے کوئی مجھے ڈبل کراس کر سکتا ہے۔ ایک بار میری یہاں موجودگی کی خبر پھیل گئی تو میری تلاش میں ایک پورا لشکر میدان میں اتر پڑے گا۔ پاکستان میں سی آئی اے بری طرح ناکام رہی۔ یہاں انہیں بھرپور سرکاری تعاون ملے گا۔"

"اس بھیڑ میں ایک آدمی بھی اس لائق نہیں کہ اُس سے مدد لی جا سکے؟"

وہ تلخی سے ہنس پڑی "تم زیرِ زمین دنیا کو اچھی طرح جانتے ہو۔ یہاں سب چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ وقت بگڑ جائے تو خارش زدہ کتے بھی شیر ہو کر پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ وہ میرے عروج کا زمانہ تھا۔ میرا باپ شی کا بے تاج بادشاہ تھا۔ آج مجھے جلا وطن سمجھ لیا گیا ہے کیونکہ جی لائیڈ مارا جا چکا ہے۔ اس کے جانی دشمن شی پر قابض ہیں اور وہ سب میری جان کے خواہاں ہیں۔ میں پاکستان سے باہر منظرِ عام پر آنے کا خطرہ مول لینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

کام سامنے آتے ہی میری تھکن اور سستی دور ہو گئی تھی۔ بدری کا دیا ہوا فون نمبر دیکھ کر ویرا نے ایک بیڈ سائیڈ ٹیبل میں رکھی ہوئی ٹیلی فون ڈائرکٹریاں نکال لیں۔ باریک اوراق پر مشتمل متعدد جلدوں کے ساتھ سب سے اوپر انجیل کا ایک نسخہ رکھا ہوا تھا۔

ویرا ٹیلی فون ڈائرکٹری کی پہلی جلد کی ورق گردانی کرنے لگی۔ میں نے کسی ارادے کے بغیر انجیل اٹھالی۔ میرے لیے وہ ایک مقدس آسمانی کتاب تھی۔ میں نے اسے چوم کر جلد پلٹی تو اندرونی سرورق سے پہلا سادہ ورق سامنے آتے ہی کسی کی خوبصورت قلمی تحریر میرے سامنے تھی۔

کالی سیاہی سے اس چکنے ورق پر بڑے بڑے اور کھلے حروف میں ایک شرمناک انگریزی تحریر میرا منہ چڑا رہی تھی۔ وہ تحریر اس وقت کے معاشرے کے زوال کی آئینہ دار تھی۔ لکھا تھا۔

"عزیز قاری! یہ شہر سیاحوں کے لیے تفریحات کی جنت ہے۔ یقین ہے کہ تم نے بھی یہاں بکھری ہوئی مسرتوں میں سے اپنا حصہ حاصل کرنے کی کوشش کی ہوگی اور ناکام رہے ہوگے۔ یہی وجہ ہے

سے کہ تمہارا دل دنیا سے اچاٹ ہو رہا ہے اور تم اپنی دنیا نہیں تو عاقبت سنوارنے کے لیے یہ مقدس کتاب کھول بیٹھے ہو۔ اگر یہ سب درست ہے تو تمہاری مس سینڈی تمہیں ہر قسم کی مسرتوں سے فیض یاب کرانے کے لیے آمادہ ہے۔ فوراً نیچے دیے ہوئے فون نمبر پر رابطہ کرو اور رنج و مایوسی سے نجات حاصل کرلو۔"

اس تحریر کے نیچے ایک فون نمبر موجود تھا۔ میں نے وہ انجیل یوں ہی ویرا کی طرف بڑھادی۔

"تمہارے نزدیک یہ فحش تحریر ہوسکتی ہے مگر یہ قانون کی گرفت میں نہیں آسکتی" ویرا نے وہ مضمون پڑھ کر مایوسی سے کہا۔ "مصروف ٹیوب اسٹیشنوں پر، فون بوتھوں میں اور شراب خانوں کے پیشاب خانوں میں اس سے زیادہ کھلے اسٹیکرز لگے ہوتے ہیں۔ ایسکورٹ سروس اور پرسنل گائیڈ کے ذومعنی اشتہارات اخبارات میں چھپتے ہیں مگر ان پر کوئی گرفت نہیں ہوسکتی۔ ہر لفظ اور فقرہ ذومعنی ہوتا ہے۔ ابتدا میں مقدمے قائم ہوئے مگر سب خارج ہوگئے۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ ان بدقماش لڑکیوں نے اب انجیل کو بھی اپنا نشانہ بنالیا ہے۔ یہاں ہر معقول ہوٹل کے ہر کمرے میں اس کا نسخہ ضرور ہوتا ہے۔"

اس نے وہ غیر مطبوعہ ورق جلد سے پھاڑ کر انجیل سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور مس سینڈی کے پیغام کے پرزے کرکے اسے ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔ اس ضمنی کام سے فارغ ہو کر وہ دوبارہ ڈائرکٹری کی ورق گردانی میں مصروف ہوگئی۔

چند منٹ بعد ہی اس کی مسرت آمیز آواز ابھری "ابتدائی تین ہندسوں کے مطابق یہ لندن کے اس علاقے کا فون نمبر ہے جہاں بیشتر سفارتی مشن واقع ہیں۔ لندن میں موجود غیر ملکی سفارتخانوں کی فہرست میں شاید یہ پورا نمبر ہی مل جائے۔"

متعلقہ جلد میں اس نے آسانی سے کیتھی کا پورا فون نمبر تلاش کرلیا۔ وہ انڈین ہائی کمیشن کے تجارتی شعبے کا فون نمبر تھا لیکن کیتھی کا نام کہیں نہیں تھا۔

اپنا کام پورا کرکے ویرا نے وہ جلد بھی بے پروائی سے ایک طرف ڈال دی۔

"ہوسکتا ہے کہ وہ کسی افسر کی سیکریٹری یا اسٹینو ہو" میں نے پُر خیال انداز میں رائے زنی کی "اگر اس کا بدری سے کوئی قریبی تعلق ہے تو وہ بھی اسپیشل سروسز بیورو کی رکن ہوسکتی ہے۔ بدری کے لیے میرا پیغام ملتے ہی وہ اپنے قریبی ساتھیوں سے اس کا ذکر کرے گی اور چھان بین شروع ہوجائے گی۔"

"اب اسے بھول جاؤ۔ ہمیں کوئی نئی راہ نکالنی ہوگی" ویرا قالین پر ہی دراز ہوگئی۔

میں نے انٹرکام پر روم سروس انچارج کو دو کپ کافی بھجوانے کی ہدایت کی اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ لندن آکر ہم نے کیتھی کے بارے میں جو پوسٹ مارٹم کرلیا تھا وہ کراچی میں ممکن نہیں تھا۔

حد یہ ہے کہ کراچی میں رہ کر میں ان پہلوؤں پر غور تک نہیں کرسکا تھا جن سے مستقبل کے بھیانک خطرات مترشح تھے۔

اس وقت میری رسٹ واچ دس بجا رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ پاکستان میں رات کے دو بجے ہوں گے۔ نئی الجھن کے سدِّباب کے لیے مجھے پاکستان سے رابطے کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ ویرا میری اس ضرورت کا سبب جاننا چاہ رہی تھی جب کہ میرا ذہن بالکل صاف تھا مگر مجھے یہ امید تھی کہ ان لوگوں سے مشورہ کرکے نئی الجھن کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالا جاسکے گا۔

کمرے میں موجود انٹرکام پر نو کا ہندسہ ڈائل کرکے بین الاقوامی فون لائن براہِ راست کمرے میں بھی لی جاسکتی تھی۔ میں نے آپریٹر کو زحمت دینے کے بجائے فون بستر پر ہی لے لیا۔

لائن لے کر میں نے لندن سے کراچی رابطے کے لیے سات ہندسوں پر مشتمل کوڈ اور پھر فلیٹ کا نمبر دبایا اور دوسری طرف گھنٹی بجنے کا انتظار کرنے لگا۔

تیس سیکنڈ سے زیادہ خاموشی کے بعد آخر کار میری وہ کوشش کامیاب ہوگئی۔ پہلی گھنٹی پر کوئی جواب نہیں ملا۔ دوسری گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے ہی ریسیور اٹھالیا گیا اور میرے کانوں میں سلطان شاہ کی بہت واضح مگر خوابناک ہیلو گونج اٹھی۔

"تمہاری نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہاں سب خیریت ہے اور تم گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے" میں نے خوشگوار لہجے میں گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ... تم!" میری آواز سنتے ہی سلطان شاہ کے لہجے سے نیند کے اثرات کافور ہوگئے "معلوم ہوتا ہے کہ وہاں جانے کے بعد غزالہ کی یاد تمہیں زیادہ ستا رہی ہے۔"

"ایک ایک قدم پر تم سب یاد آرہے ہو۔ میں یہاں خود کو بے دست و بازو محسوس کر رہا ہوں۔ لندن پہنچنے کے چند ہی گھنٹوں بعد یہ احساس ہونے لگا ہے کہ جنگ اپنے مورچوں میں بیٹھ کر ہی بہتر انداز میں لڑی جاسکتی ہے۔ اول خان اس وقت کیا کر رہا ہے؟"

"وہ گھر پر نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ صبح تک نہ لوٹ سکے" اس نے بتایا۔

میرے کان کھڑے ہوگئے "وہ کہاں مصروف ہوگیا؟ مدن کے سوا اس کے پاس کام ہی کیا تھا۔"

"تمہیں وہ ہر بات بتاتا تھا۔ میں اس پر جرح نہیں کرتا۔ وہ سات بجے سے غائب ہے۔"

"میرا نمبر لے لو۔ ضرورت ہو تو اب تم ہوٹل میں مجھ سے بات کرسکتے ہو" اسے قلم اور کاغذ سنبھالنے کا موقع دے کر میں نے ماسٹر رابرٹ ہوٹل کا فون نمبر دہرادیا۔

"ہیلی کاپٹر والے قصے کے بارے میں تمہیں کچھ معلوم ہے یا اس بارے میں بے خبر ہو۔"

"اول خان میرے سامنے ہی اپنے آدمیوں کے پیغامات

وصول کرتا رہا تھا۔ نک کی وہ مہم بری طرح ناکام ہوگئی۔ اس کا غصہ بھی اس نے بدری پر ہی اتارا۔ وہ اس بات پر برہم تھا کہ علی شیر بیماری میں آرام کرنے کے بہانے وہاں سے کیوں غائب ہوا ہے۔"

"نک موڈلے نے اس سے ہیلی کاپٹر کے بارے میں کچھ کہا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں..... اس نے یہ ضرور کہا تھا کہ کوئی خفیہ طریقے پر اس کے منصوبوں کو سبوتاژ کر رہا ہے۔ آدمی غائب ہو رہے ہیں اور کچھ پتا نہیں چل رہا کہ ان حرکتوں کے پیچھے کون کام کر رہا ہے۔"

"تم نے نام کیٹ کے نام سے بدری سے بات کی تو وہ اصل موضوع سے ہٹ کر کیا کہہ رہا تھا؟"

"اس کی باتیں مبہم اور غیر مربوط تھیں۔ وہ یہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ میں اپنے مالک کے ساتھ کہاں تک وفادار رہوں۔ میں نے اسے مُنہ نہیں لگایا ورنہ وہ کھل بھی سکتا تھا۔"

"اسے کھلنے کا موقع دو۔ دیکھو کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ صبح جب تم اس سے ہدایات لینے کے لیے فون کرو تو میری طرف سے بتا دینا کہ لندن والے بھروسے کے قابل نہیں ہیں۔ میرا فون نمبر بھی اسے دے دینا۔ یہاں آکر وہ مجھ سے اس نمبر پر رابطہ کرلے گا۔ میں بے چینی سے اس کی آمد کا منتظر ہوں۔"

"میں نے یہ پیغام نوٹ کرلیا ہے لیکن تمہاری باتوں سے پریشانی جھلک رہی ہے۔ تم خود کو کس اعتبار سے وہاں بے دست وپا سمجھ رہے ہو۔ ویرا کے رابطے کب کام آئیں گے۔"

"وہ کسی سے بھی ملی تو اس کی موجودگی کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلے گی۔ امریکا پہنچنے سے پہلے وہ پسِ پردہ ہی رہنا چاہ رہی ہے۔ بے کاری کے احساس نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے۔ جب تک بدری یہاں نہیں آجاتا' کوئی کام نہیں ہوسکے گا۔"

"اگر تمہاری پرواز کا شیڈول درست تھا تو تمہیں لندن پہنچے چند ہی گھنٹے ہوئے ہوں گے۔ تمہیں اتنی جلدی بے کاری کا احساس ستانے لگا۔"

"مجھے آگے سناٹا نظر آرہا ہے۔ مجبوراً ویرا سے مل بیٹھنا پڑا تو وہ دوسرے مسائل پیدا کرے گی۔"

اس کی ہنسی معنی خیز تھی۔ اس نے پوچھا "ویرا سے ملے بغیر تمہیں کیسے علم ہوگیا کہ امریکا پہنچنے تک وہ پسِ پردہ رہنا چاہ رہی ہے۔ یہاں تو اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔"

اس کے سوال پر مجھے غلطی کا احساس ہوگیا۔ میں نے بات بناتے ہوئے کہا "ائرپورٹ پر ایک دوسرے سے الگ ہونے سے پہلے ہوٹلوں کے ناموں کا تبادلہ ضروری تھا ورنہ انسانوں کے اس جنگل میں کسی کو ڈھونڈنا محال ہے۔ یہ باتیں اس نے اُسی وقت کی تھیں۔"

"وہ بھی اکیلی بور ہو رہی ہوگی۔ اس کے ہوٹل کا نمبر بھی لکھوا دو۔ میرے فون سے خوش ہو جائے گی۔"

"پھر کسی وقت لکھوادوں گا۔ وہ پرچہ میرے میلے کپڑوں کی جیب میں ہے۔"

"میلے کپڑے؟" سلطان شاہ کی آواز تحیر زدہ تھی "کیا اب فضائی سفر میں بھی دھول مٹی پھانکنی پڑتی ہے جو تمہارے کپڑے آدھے ہی دن میں میلے ہوگئے۔"

مجھے غصہ آگیا۔ وہ پہلو بچا کر میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا "تم چبا چبا کر باتیں کیوں کر رہے ہو۔ کھل کر بولو تاکہ میں بھی تمہاری ہر بات کا جواب دے سکوں۔"

"میری کیا مجال جو میں تمہارے سامنے بول سکوں۔ بس اتنا کہہ رہا تھا کہ ویرا تمہارے ساتھ موجود ہو تو اس سے میری بات کرا دو۔ جاتے ہوئے وہ میری گولیاں نکال کر کہیں ڈال گئی ہے۔"

"تمہاری گولیاں؟" میں نے تمسخرانہ لہجے میں پوچھا "تم اتنے بے پروا کب سے ہوگئے؟"

"ہاں' میری یعنی میرے پستول کی گولیاں غائب ہیں" اس کی آواز آئی۔

"میری بات پر شبہ مت کرو۔ ویرا میرے ساتھ نہیں ہے۔ اسے غیر ضروری طور پر فون کرنے سے اس کے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ فی الحال اسے الگ تھلگ ہی رہنے دو۔"

"جیسی تمہاری مرضی" اس نے بے بسی سے کہا "تم دونوں کے چلے جانے کے بعد فلیٹ کی ویرانی پھاڑ کھانے کو دوڑ رہی ہے۔ ویسے تو ویرا کی نوک جھونک سے ہی رونق رہتی تھی۔"

"دعا کرو کہ وہ امریکا سے لوٹ آئے" میں نے ویرا کو آنکھ مار کر کہا "اس نے وہیں رک جانے کا فیصلہ کرلیا تو پھر یہ تذکرے بھی خواب ہو کر رہ جائیں گے۔"

"وقت ہر زخم کو بھر دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ ہم لوگ اسے بھی بھول جائیں گے۔"

"اب میں فون بند کر رہا ہوں۔ یہ یاد رکھنا کہ میں بھی غیر ضروری فون کالز پسند نہیں کروں گا۔ میں نے اپنا فون نمبر کسی ایمرجنسی کے لیے دیا ہے۔ جب ضرورت ہوگی خود فون کرلوں گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اول خان کو بھی تم سے بات کرنے کی ضرورت نہیں؟"

"میں کل صبح گیارہ بجے فون کروں گا تو اس سے بھی بات ہو جائے گی۔" میں نے فون بند کردیا۔

اس کے بعد ہی میں نے کیتھی کا فون نمبر ملانا شروع کردیا۔ اگر اس طرف کوئی گڑبڑ نہیں تھی تو اتنی رات گئے وہاں سے کوئی جواب نہیں ملنا چاہیے تھا لیکن وہاں پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا گیا پھر ایک بھاری مردانہ آواز صرف ہیلو کہہ کر رہ گئی۔ اصولی طور پر فون اٹھانے والے کو اپنے دفتر کا پورا نام بھی بتانا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا۔

"مس کیتھی سے میری بات کرا دو" میں نے سرد لہجے میں

فرمائش کی۔
"یہاں کوئی مس کیتھی نہیں ہوتی" یہ کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔
"چلو قصہ ہی ختم ہوگیا۔ اس نمبر پر مس کیتھی سرے سے نہیں ہوتی" میں نے ویرا کو مطلع کر دیا۔
"ہوسکتا ہے کہ اس وقت ہائی کمیشن کا کوئی اعلیٰ افسر فون پر قابض ہو۔ تمہیں صبح بھی ایک کوشش کر لینی چاہیے۔ اس کے بعد ہی ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکیں گے۔"
رات گہری ہو چلی تھی۔ ویرا سے ان باتوں پر مزید تبادلۂ خیال کے بعد بھی کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوا تو مجھے تھکن کا احساس ایک بار پھر ستانے لگا اور میں نے سونے کی تیاری شروع کر دی۔
وہ بہت کشادہ دہرے بستر والا کمرا تھا لیکن ویرا کے ساتھ ایک بستر پر رات بسر کرنا آسان نہیں تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود میں نے صوفے پر تکیہ ڈال کر اپنا بستر جما لیا۔ ویرا باتھ روم میں گئی تو میں نے روشنی گل کر کے کمبل اوڑھ لیا۔
ہمارے لیے وہ دن اٹھائیس گھنٹوں کا ثابت ہو رہا تھا۔ دورانِ سفر ہم نے جو چار گھنٹے کمائے تھے وہ اپنا رنگ دکھا رہے تھے۔ ویرا کے دوبارہ کمرے میں آنے سے پہلے میں نیند کی وادیوں میں پہنچ گیا۔
اگلی صبح میں تقریباً آٹھ بجے بیدار ہوگیا۔ ویرا مسہری پر بے حجابانہ اور پُرکشش انداز میں پہلو کے بل ٹانگیں پسارے سو رہی تھی۔ میں اس سے نظریں چُراتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا۔ نیم گرم پانی کی تیز دھاروں میں دیر تک غسل کرنے کے بعد میرا ذہن صاف ہوا تو میں دیگر ضروریات سے فارغ ہو کر کمرے میں آیا اور تیار ہو کر ڈائننگ ہال کی طرف چل دیا۔
وہ ہوٹل میرے لیے نیا تھا لیکن استقبالیہ کے سامنے ہی ایک ستون پر ہوٹل کے مختلف حصوں کی نشاندہی کرنے والی چوبی تختیاں نصب تھیں۔ ان کی مدد سے میں کسی سے پوچھے بغیر ہال میں پہنچ گیا۔
وہاں کھانے کی متعدد میزوں کو جوڑ کر انگلش طرز کے بھاری ناشتے کے گرم و سرد سارے لوازم قرینے سے سجے ہوئے تھے۔ میں اپنی پسند کی چند اشیا منتخب کر کے ایک خالی میز پر جا بیٹھا۔ میرے کمرے کی، جیب میں نہ سمانے والی بڑی سی چابی ہوٹل کے عملے کے لیے میری شناخت بنی ہوئی تھی۔
میزوں پر چائے اور کافی پہنچانے کے لیے دو نوجوان اور خوبرو لڑکیاں بہت پھرتی سے میزوں اور کچن کے درمیان چکراتی پھر رہی تھیں۔ میرے ایما پر ایک لڑکی نے میرے سامنے رکھی ہوئی سفید پیالی میں بھاپ اُڑاتی ہوئی مہک دار کافی انڈیل دی۔ شکر، کریم اور دودھ کے برتن میز پر موجود تھے۔ میں نے شکم سیر ہو کر ناشتا کیا اور پھر وہیں بیٹھے بیٹھے سگریٹ سلگالی۔
ڈائننگ ہال میں ضرورت سے زیادہ وقت گزار کر میں واپس لوٹا تو ویرا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے تیار ہو رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کا منہ بن گیا۔
"ناشتے کے لیے مجھے بھی اٹھا لیا ہوتا تو کیا ہو جاتا؟" اس نے میری طرف دیکھے بغیر پوچھا۔
"اُس وقت تم کرنٹ مار سکتی تھیں" میں نے شوخی سے کہا۔ "اپنے سونے اور اٹھنے کا خود خیال رکھا کرو ورنہ ہمارا ایک ساتھ رہنا دشوار ہو جائے گا۔"
"ڈرتے ہو تو میں الگ کمرا لے لیتی ہوں۔ یہ یاد رکھنا کہ لندن جوڑوں کا شہر ہے۔ روٹھے ہوئے بگلے کی طرح اکیلے رہے تو دو دن میں بیزار ہو جاؤ گے یا پھر کسی مس سینڈی کی تلاش میں نکل پڑو گے۔ تمہارے لیے میری رفاقت اتنی بری نہیں ہے۔"
"اپنی بیزاری کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے پوچھا۔
"میرے فلسفے سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ میں مسکرا کر جس مرد کی طرف دیکھوں گی وہ خوشی سے دُم ہلاتا آئے گا اور میرا وقت آسانی سے گزر جائے گا۔ مردوں کے لیے یہ کام مشکل ہوتا ہے۔"
"پہلے ناشتا کر آؤ۔ پھر اس بارے میں بھی فیصلہ ہو جائے گا۔" میں نے اسے تیاری کے آخری مراحل میں دیکھ کر خوش مزاجی سے کہا۔
وہ کمرے کی چابی لے کر مجھے گھورتی ہوئی باہر چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی دروازے پر دستک ہوئی اور اجازت پا کر ایک باوردی لڑکا اندر آگیا۔ ایک گول طشتری میں رکھے ہوئے بل میرے سامنے چھوڑ کر وہ کافی کے رات والے خالی برتن سمیٹنے لگا۔
پچھلی رات کی کافی اور اوورسیز کال کے بل پر دستخط کرنے کے بعد میرے ناشتے کا بل سامنے آیا تو پتا چلا کہ اس ہوٹل میں ناشتا کمرے کے کرائے میں شامل نہیں تھا۔
ٹِپ وصول کر کے وہ لڑکا میرا شکریہ ادا کر کے چلا گیا تو میں فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔
کیتھی کے فون کے بارے میں ویرا کا صائب مشورہ پچھلی رات ہی میرے دل کو بھا گیا تھا۔ میں نے اس کا نمبر ملایا اور اس بار بھی پہلی گھنٹی پر فون اٹھا لیا گیا۔
"یس! انڈین ہائی کمیشن اِن لندن.... ٹریڈ سیکشن۔ میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟" اس بار مجھے ریسیور میں ایک مترنم نسوانی آواز سنائی دی تھی جو ایک بہتر علامت تھی۔
"میں مس کیتھی سے بات کرنی چاہتا ہوں" میں نے اپنی فرمائش دہرا دی۔
"سوری سر! یہاں کوئی مس کیتھی نہیں ہوتی" لڑکی نے کورا سا جواب دے دیا۔ اس کی آواز سن کر مجھے گمان ہوا تھا کہ کہیں وہ خود ہی کیتھی نہ ہو۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھے پورے وثوق کے ساتھ یہ نمبر دیا گیا تھا۔"

"نمبر آپ کو کس نے دیا تھا سر!" لڑکی بہت مہذب اور شائستہ لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"اس سوال کا جواب کیتھی ہی کو دیا جا سکتا ہے" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔

"اب آپ بے تکلف ہو کر مجھ سے بات کر سکتے ہیں" لڑکی کی آواز میں دلچسپی عود کر آئی۔

"کیا مطلب؟ یعنی اب تم خود ہی مس کیتھی ہونے کا اقرار کر رہی ہو؟"

"نو سر! مس کیتھی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ آپ کو فون نمبر کے ساتھ صرف کیتھی لکھ کر دیا گیا ہوگا جسے آپ غلطی سے مس کیتھی سمجھتے رہے ہیں۔ اس فون کے لیے کیتھی ایک پاس ورڈ ہے۔۔۔"

"پہلے انکار کرنے کے بعد اب تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہی ہو؟" میں نے ناراضی سے پوچھا۔

"اس لیے کہ ایک بار آپ نے صرف کیتھی بھی کہا ہے۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ آپ کیا غلطی کر رہے ہیں۔ اب آپ مجھ سے کھل کر اپنے ہر مسئلے پر بات کر سکتے ہیں۔"

بات کسی حد تک میری سمجھ میں آنے لگی تھی۔ وہ فون نمبر اپنے انوکھے اور مغالطے میں ڈالنے والے پاس ورڈ کے ساتھ ایس ایس پی یا را والوں کا انفارمیشن سینٹر تھا جہاں کوڈ کے ذریعے شناخت کا مرحلہ طے کرنے کے بعد پیغام دینے کے ساتھ ہی اپنے مسائل پر رہنمائی بھی حاصل کی جا سکتی تھی۔

میں نے بدری ناتھ کا ذکر سرے سے گول کرنے کا فیصلہ کر کے رسانیت سے کہا "میں شہر میں بہت شدت سے تنہائی کا شکار ہوں۔ یہاں کی پیشہ ور لڑکیاں میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔ کیا تم آج مجھے اپنا کچھ قیمتی وقت دے سکتی ہو۔"

"آپ اپنے بارے میں مزید کچھ بتائیں گے تاکہ میں ریکارڈ سے آپ کی آمد چیک کر سکوں۔"

"مجھے ڈر ہے کہ تمہارے ریکارڈ میں میرا ذکر نہیں ملے گا۔ میرا کام اہم نوعیت کا ہے۔"

"میں ڈیوٹی چھوڑ کر نہیں آ سکتی۔ آپ ایک بجے آکسفورڈ اسٹریٹ پر چائنا کرافٹ کے برابر میں سرے کے میکڈانلڈ میں پہنچیں۔ سرمئی ہیٹ اور اسی رنگ کے اسکارف میں ایک دیسی لڑکی آپ کا ساتھ دینے کے لیے موجود ہوگی۔"

"آکسفورڈ اسٹریٹ بہت لمبی ہے اور شاید وہاں ایک سے زیادہ میکڈانلڈ ہیں۔ میں آسانی سے تمہاری بتائی ہوئی جگہ پر نہیں پہنچ سکوں گا کیونکہ میں اس علاقے سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔"

"یہ ماربل آرچ کے سامنے پہلی شاپ ہے۔ وہاں پہنچ کر آپ اسے نظر انداز ہی نہیں کر سکتے۔"

"شکریہ۔ مگر وہ لڑکی مجھے کیسے پہچانے گی؟" یکایک حاصل ہونے والی اس کامیابی پر میرا دورانِ خون تیز ہونے لگا تھا۔

"سرمئی ہیٹ اور اسکارف سے آپ اسے پہچانیں گے اور کیتھی کہہ کر مخاطب کریں گے۔ وہ آپ کو پہچان لے گی۔ اس بندوبست میں سرِمو بھی فرق نہیں ہوگا۔"

"لڑکی کا اصلی نام کیا ہوگا؟" میں اس سے زیادہ معلومات حاصل کرنی چاہ رہا تھا۔

"سوری سر! ابھی میں خود اس کے نام سے لاعلم ہوں۔ دیکھنا ہوگا کہ آپ کی خدمت کے لیے کسے روانہ کیا جا سکتا ہے۔ شناخت ہو جانے کے بعد وہ آپ کو اپنا اصلی نام بھی بتا دے گی۔"

"ایک بار پھر شکریہ۔ تم نے میری بڑی مشکل آسان کر دی ہے" میں نے کہا۔

"ایک بجے۔ ماربل آرچ، میکڈانلڈ۔ بائے!" ان الفاظ کے ساتھ فون بند ہو گیا۔

کیتھی کی گتھی سلجھنے کے ساتھ ہی مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نے لندن میں انڈین سیکرٹ سروس کی صفوں میں کوئی کمزور دراڑ تلاش کر لی ہو۔ بدری ناتھ کے لندن پہنچنے تک میں اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بھارتیوں کو خاصا نقصان پہنچا سکتا تھا۔

میری نگاہوں میں وہ کامیابی اتنی اہم تھی کہ میرے لیے کمرے میں رک کر دیرا کی واپسی کا انتظار کرنا دشوار ہو گیا اور میں کمرا مقفل کر کے اس کی تلاش میں ڈائننگ ہال کی طرف چل دیا۔

وہ ایک میز پر بیٹھی ناشتے میں مصروف تھی اور غنیمت تھا کہ اکیلی ہی تھی۔

"ناشتا کر چکے ہو تو اب میرے پیچھے کیوں آئے ہو" مجھے دیکھتے ہی وہ چنخنے لگی۔

"یہ باتیں کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھو۔ اس وقت میں کیتھی کی پہیلی حل کر کے آیا ہوں۔"

"بتاتے رہو۔ میں سن رہی ہوں" اس نے کسی گرم جوشی یا دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔

دل کا بوجھ ہلکا کرنا میری مجبوری تھی۔ میں نے پوری کتھا اسے سنا ڈالی۔

"یہ ایک سنہرا موقع ہے۔ تمہیں ضرور جانا چاہیے" پوری بات سن کر اس نے کہا "میرے ساتھ رہنے پر تمہیں اعتراض ہے اور دوسری لڑکیوں کے پیچھے رال ٹپکاتے پھرتے ہو۔ جاؤ اور ضرور جاؤ۔ میں تمہارا پیچھا نہیں کروں گی لیکن اب مجھے بھی اپنی من مانی کرنے کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔"

"اس وقت تمہاری کھوپڑی پر شاید برف جمی ہوئی ہے۔ یہ لڑکی کا نہیں را اور ایس ایس پی کی مقامی تنظیم تک رسائی کا معاملہ ہے۔ تم نے خود ہی کہا تھا کہ لندن جوڑوں کا شہر ہے۔ وہ بات میرے ذہن میں جم گئی تھی۔ میں نے اسی وجہ سے اُس کے سامنے تنہائی کا سوال اٹھایا تھا۔"

"لڑکی سے مل کر تم کیا حاصل کر لو گے؟" دیرا نے کافی ختم

رکے سوال کیا۔
"یہی مشورہ کرنے آیا ہوں۔ میں اسے انجام تک پہنچانا چاہتا ہوں۔"
"ہو سکتا ہے کہ وہ معاوضے پر کام کرنے والی کسی کال گرل کو بھیج دے۔ اس سے تم کیا اگلوالوگے؟"
"اور کچھ نہیں تو وہ چند نام یا پتے ہی دے دے گی۔ ہمارے لیے ایسے لوگ اہم ثابت ہو سکتے ہیں جو کیتھی کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔ ان کی کوئی کارکن آگئی تو زیادہ بہتر ہوگا۔"
"ان کی اصل کارکن تمہاری دل بستگی کے لیے نہیں، تمہیں پرکھنے کے لیے آئے گی۔ تمہاری بنائی ہوئی زنجیر کی ایک کڑی بہت کمزور ہے کہ ان کے ریکارڈ میں تمہاری آمد کا اندراج نہیں ہے۔"
"پھر بھی مل لینے میں کیا حرج ہے؟" میں نے پوچھا۔
ویرانے کرسی چھوڑ دی۔ کاؤنٹر پر ناشتے کے بل پر دستخط کرنے کے بعد ہم دونوں اپنے کمرے کی طرف واپس ہو لیے۔
"تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اب مقررہ وقت پر تم وہاں نہ پہنچے تو وہ لوگ چوکنے ہو جائیں گے۔ انہیں یقین ہو جائے گا کہ لندن میں کوئی ایسا اجنبی موجود ہے جو اُن کے کوڈ سے واقف ہو چکا ہے۔ اگر انہیں ہوشیار کرنا ہی ہے تو پھر اس لڑکی سے مل لینے میں کوئی نقصان نہیں۔ کوئی اہم بات معلوم نہ بھی ہو سکی تو ان کے ذہنوں میں کسی مشکوک اجنبی کا تصور سر نہیں ابھار سکے گا۔"
"کراچی فون کرتے ہی ہم یہاں سے نکل جائیں گے" میں نے کہا۔
"مجھے لے جا کر کیا کرو گے۔ کیا ایک وقت میں دو عورتوں کے ساتھ گھومتے پھرو گے؟"
"ٹھیک ہے۔ پھر تم ہوٹل میں ہی آرام کرو۔ میں اکیلا ہو آؤں گا۔"
وہ اچانک مسکرانے لگی "میں تمہیں ٹٹول رہی تھی۔ زیادہ دلیر بننے کی کوشش مت کرو۔ میں ساتھ چلوں گی اور دور رہ کر تم دونوں کی نگرانی کرتی رہوں گی۔ اگر اس لڑکی کے کچھ ساتھی بھی ہوئے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔"
"یہ لندن ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہاں پولیس کی سختی کی وجہ سے کھلے بندوں ایسے جرائم نہیں ہوتے۔"
"یہ جنت ہی کیوں نہ ہو، میں ساتھ جاؤں گی۔ کمرے کے بستر اور دیواروں کو دیکھ دیکھ کر میرا سر پھٹ جائے گا۔ یکسانیت مجھے زیادہ دیر تک راس نہیں آتی۔"
گیارہ بجے میں نے کراچی فون کیا تو وہاں وہ تینوں ہی میری کال کے انتظار میں جڑے بیٹھے تھے۔ فون اول خان نے اٹھایا اور چہکنا شروع ہو گیا۔
"کل رات تم کہاں غائب تھے؟ تمہارے بارے میں سلطان شاہ بہت فکر مند تھا۔"
"مدن موہن کے مزید کچھ اعترافات ریکارڈ کروائے تھے اس کے علاوہ سلیم اکبر خان کے دفتر کا ریکارڈ سیل کرانا تھا۔ وہ پاکستان کی بعض اہم تنصیبات کے نقشے چُرا کر اپنی تحویل میں رکھے بیٹھا ہے۔ پتا نہیں وہ کیا کچھ مدن موہن کے حوالے کر چکا ہوگا۔"
"یہ برا ہوا۔ اب سلیم کو یہ اطلاع ملے گی تو وہ پاکستان لوٹنے کا ارادہ منسوخ یا ملتوی کر دے گا۔"
"دفتر سیل کرنے کے اسباب بہت مختلف ظاہر کیے گئے ہیں۔ وہ باہر سے آنے والے مال کے چھوٹے اور قیمتی حصے بندرگاہ سے چوری کروا کے پارٹیوں سے ان کے انشورنس کلیم داخل کروا دیتا ہے۔ ان کے بغیر بقیہ کھیپ بیکار ہوتی ہے۔ وہ درآمد کنندگان کو وہی مسروقہ حصے منہ مانگے داموں پر فروخت کر دیتا ہے۔ اس کے ان گھپلوں کی شکایات ریکارڈ پر تھیں۔ ساری کارروائی چوری کے ان ہی واقعات کی بنا پر کی گئی ہے۔"
"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے لیے کوئی نہ کوئی کام پیدا ہو رہا ہے۔"
"ہیلی کاپٹر کے معاملے میں بھی سرگرمیاں جاری ہیں۔ سول ایوی ایشن کے قوانین کے مطابق ان کی اجازت اور اطلاع کے بغیر کوئی غیر فوجی طیارہ فضا میں بلند نہیں ہو سکتا۔ متوقع پروازوں کے لیے وہ مشروط اجازت نامے جاری کرتے ہیں۔ پرسوں رات والے ہیلی کاپٹر کی پروازیں غیر قانونی تھیں۔ یہ چھان بین ہو رہی ہے کہ ہیلی کاپٹر کس کی ملکیت تھا۔ میرے آدمیوں نے اس کی بعض نشانیاں نوٹ کرلی تھیں۔ اس مہم کے نتائج بھی جلد ہی آجائیں گے۔"
"سلطان شاہ کیا کر رہا ہے۔ اسے میں نے رات ایک کام سونپا تھا۔"
"اس نے وہ پیغام دے دیا ہے۔ بدری مطمئن تھا۔ ان کے پاسپورٹ اور ٹکٹ کل لائے جائیں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ اب ان کی روانگی کے بارے میں فیصلہ کر ہی لیا گیا ہے۔"
اول خان سے بات ہو جانے کے بعد میں نے غزالہ اور سلطان شاہ سے بھی مختصر سی گفتگو کی۔ چوبیس گھنٹوں میں تین مرتبہ رابطہ ہونے کی وجہ سے کسی کے پاس کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس کال سے فارغ ہو کر ہم دونوں نے اسی وقت ہوٹل چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔
کیتھی کا مجوزہ میکڈانلڈ بہت مشہور تھا اور ہم دونوں کا دیکھا ہوا تھا۔ ہم وقت سے پہلے ہی وہاں پہنچ گئے تھے اس لیے اس مشہور سڑک کی لدی پھندی دکانوں کا سروے شروع کر دیا۔ آکسفورڈ اسٹریٹ سے ملنے والی پورٹ مین اسٹریٹ کے نکڑ پر ٹل وڈ اسٹور تک جانے کے بعد ہی ہم ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنی منزل کی طرف چل دیے۔

میں ٹھیک ایک بجے اس پُر ہجوم فاسٹ فوڈ ریستوران میں داخل ہوا تو فضا مانوس خوشبوؤں سے مہک رہی تھی۔ میں نے نچلے فلور پر سروس کاؤنٹر کے سامنے صف آرا گاہکوں کا گہری نظروں سے جائزہ لے ڈالا مگر وہاں سرمئی ہیٹ اور اسکارف کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ میں کشادہ زینے طے کر کے باتھ رومز سے آگے بالائی فلور پر گھوما ہی تھا کہ دونوں مطلوبہ چیزیں ایک سرمئی وجود پر نظر آگئیں۔

وہ چھریرے بدن اور متوسط قامت والی ایک دلکش عورت ضرور تھی مگر جوان نظر آنے کی تمام تر ارادی کوششوں کے باوجود تیس برس کے آس پاس نظر آرہی تھی۔

اپنے خدّوخال سے وہ کافی تیز وطرار معلوم ہو رہی تھی اور کسی کا انتظار کرنے کے انداز میں کنارے سے کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر دھیمی آواز میں کیتھی کہا تو اس کے چہرے پر شناسائی کی علامات ابھر آئیں اور اس نے خوش ہو کر میرا داہنا بازو تھام لیا۔

"ہائے ہنی! تم وقت پر آئے ہو مگر شاید میں وقت سے پہلے آگئی تھی..... آؤ' نیچے چل کر کچھ خرید لاتے ہیں۔ اب لنچ کا وقت ہوگیا ہے۔"

میں دوبارہ زینوں کی طرف پلٹ گیا۔ وہ میرے بازو سے تقریباً لپٹی ہوئی چل رہی تھی۔ وہاں سب جوڑوں کا یہی حال تھا۔ کچھ جوڑے اتنے پُرجوش تھے کہ کھانے کے دوران بھی وقفے وقفے سے چونچیں لڑانے میں مصروف تھے اس لیے کسی نے بھی ہماری طرف توجہ نہیں دی اور میں اسے لے کر باہر فٹ پاتھ پر نکل آیا۔

"کیا کچھ کھانے پینے کا ارادہ نہیں ہے؟" باہر نکلتے ہی اس نے ٹھنک کر پوچھا۔

"بھیڑ بھاڑ سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ کسی پُرسکون جگہ لنچ کریں گے" میں نے اسے تسلی دی۔

"آؤ تو پھر ہائیڈ پارک میں چلتے ہیں۔ سرسبز گھاس پرسکون ہی سکون ہوگا۔ کچھ باتیں کر کے ہم کسی اچھے ہوٹل میں چلیں گے" وہ مجھے لے کر سڑک پار کرنے کے انتظار میں رک گئی۔

"میرا نام گیتا ہے اور تم کو کیا کہتے ہیں؟" اس نے وہیں کھڑے کھڑے پوچھا۔

"ٹھاکر سنگھ!" میں نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ عورت پیشہ ور ضرور تھی مگر کال گرل نہیں تھی۔ اس کے حد سے بڑھے ہوئے اعتماد اور چوکنے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بدری کی ہم پیشہ تھی۔

"تم بھارت سے یہاں کب پہنچے ہو؟" سڑک پار کر کے اس نے پوچھا۔

"جب پروگرام طے تھا' یہاں آگیا۔ ان فضول باتوں میں کیا رکھا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ سے لطف اندوز ہونا ہے۔ تمہیں بھیجنے والی نے تمہیں یہ بات بتادی ہوگی۔"

"نہ بتاتی تب بھی میں یہی کرتی۔ تم بہت وجیہہ اور شکیل مرد ہو۔ حیرت ہے کہ تم یہاں تنہا تھے۔"

"آدمی کے ساتھ اس کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ وہ ہر ایک پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ صرف اس وجہ سے میں ہر ایک سے دور رہتا ہوں لیکن کارکردگی بڑھانے کے لئے کبھی کبھی عورت کی ضرورت ناگزیر ہو جاتی ہے۔"

"تم کس ایجنسی کے لئے کام کرتے ہو؟" اس نے بہت بے خوفی سے وہ ٹیڑھا سوال کر ڈالا۔

"یہ ممنوعہ سوال ہے۔ میں چاہوں تو اسی وقت تمہارا گلا گھونٹ سکتا ہوں۔ میرے بڑے مجھ سے کچھ نہیں پوچھیں گے۔ یہ دیکھو ہائیڈ پارک کی گھاس کتنی سبز اور حسین ہے..... بالکل تمہاری طرح۔"

"شاید تم نے بھی اب تک سمجھ لیا ہوگا کہ میں یہاں کی کوئی عام سی گشتی نہیں ہوں' ایک ذمے دار عورت ہوں۔ میں نے بھی اپنے بڑوں کی مرضی سے یہ سوال کیا ہے۔ تم اس کا جواب دے سکو تو تمہیں یہاں بہت سی ایسی آسانیاں مل سکتی ہیں جن کے بارے میں سوچنا بھی مشکل ہے۔"

میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ وہ میرے سامنے زیادہ دیر تک اپنا بھرم برقرار نہیں رکھ سکی تھی۔

"اگر میں یہی سوال تم سے پوچھوں تو تمہارا جواب کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"میں اپنے بڑوں کی مرضی پر چل رہی ہوں۔ تم اپنی مرضی سے سوال کرو گے۔ تمہارے لئے یہ شجرِ ممنوعہ ہوگا اور میں اس کا جواب نہیں دوں گی۔"

"یہ بتا کر تم نے میرا سارا لطف غارت کردیا۔ اب مجھے ہر قدم پر یہ احساس ستاتا رہے گا کہ تم میری ساتھی نہیں' ایک حریف ہو جس پر میرا زور نہیں چل سکتا۔"

"بھول جاؤ کہ یہ باتیں ہوئی بھی ہیں" وہ بے نیازی سے بولی۔ "ہمارا پیشہ ہی ایسا ہے کہ ہمیں اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے تن من سے کام کرنا ہوتا ہے۔ ہم دونوں کے راستے جدا ہیں مگر مقصد ایک ہے۔ میرا یہ تن تمہاری خدمت کے لئے حاضر ہے۔"

سرسبز گھاس پر ٹہلتے ٹہلتے میں نے اچانک یوں رخ بدل لیا کہ میں اپنے عقب پر نگاہ ڈال سکوں اور مجھے یہ دیکھ کر تسلی ہوئی کہ ویرا بھی مست خرامی کے انداز میں کچھ فاصلے سے چلی آرہی تھی۔

"کیا تم وطن سے پہلی بار باہر نکلے ہو؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد گیتا نے پوچھا۔

"یہی سمجھ لو۔ ایک بار دو دن کے لئے دبئی ضرور گیا تھا مگر وہ سفر جیسا نہیں تھا۔"

وہ عارفانہ انداز میں ہنس پڑی "ایسی تنہائیاں گھر سے پہلی بار

باہر نکلنے والوں کو بری طرح ستاتی ہیں۔ کنوارے ہوں تو ماں باپ اور بہن بھائی یاد آتے ہیں۔ شادی شدہ ہوں تو جورو کی یاد آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے پھر تو آدمی ایسے ماحول کا عادی ہوتا چلا جاتا ہے۔ تم شادی شدہ ہو؟"

"ابھی جگہ خالی ہے۔ تم چاہو تو کوشش کر سکتی ہو" میں نے اسے چھیڑا۔

وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی "اس نوکری اور پھر تم جیسے ساتھیوں کی خدمت کے بعد بہت کم لڑکیاں شادی کا حوصلہ کر پاتی ہیں۔ ساری عمریوں ہی نئے نئے ساتھیوں کے ساتھ گزر جاتی ہے۔ یہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ زندگی خوشحالی سے بسر کرتی ہیں۔"

میں را میں ہر رتبے پر کام کرنے والی خوبرو مگر بے کردار لڑکیوں کے بارے میں ایک مدت سے بہت سی کہانیاں سنتا چلا آرہا تھا مگر عملی طور پر گیتا کے روپ میں ایسی کوئی عورت پہلی بار مجھے ٹکرائی تھی۔ ہندوؤں کے دھرم کی طرح ان کی زندگی کے ہر شعبے میں جنس کا عمل دخل کچھ زیادہ ہی تھا۔ وہ اس کی قوت کے قائل تھے یا پھر اسے سب سے سستا ہتھیار سمجھ کر استعمال کرتے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی اس زندگی سے خوش نہیں ہو۔"

"واپسی کے راستے بند ہو جائیں تو خوشی اور ناخوشی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اب میں نے ہر حال میں خوش رہنا سیکھ لیا ہے۔"

"تمہارے حق میں یہی بہتر ہے ورنہ زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی ہے۔"

"یہ سب باتیں مجھے معلوم ہیں" وہ میری طرف دیکھ کر تلخ ہنسی کے ساتھ بولی "یہ بتاؤ کہ کیا مجھے صرف گھاس پر ٹہلانے کے لئے بلایا ہے؟"

"تمہیں اپنے ساتھ ہوٹل لے گیا تو بعد میں مجھے وہاں کے ملازموں کی عجیب سی نظروں کا سامنا کرنا پڑے گا" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"یہاں تم بازاروں کا حال نہیں دیکھتے۔ یوں لگتا ہے جیسے سارے جوڑے خوشی حاصل کرنے کے بجائے دوسروں کو جلانے کے لئے گھروں سے باہر نکلے ہوں لیکن یہ اچھی بات ہے کہ یہاں کوئی دوسروں کے بارے میں سوچ کر بلاوجہ اپنا وقت برباد نہیں کرتا۔ ہوٹل میں کسی کو پروا بھی نہیں ہوگی کہ تمہارے ساتھ کون آیا ہے اور کب واپس چلا گیا۔"

"یہ ٹھیک ہے مگر پھر بھی میں جھجک رہا ہوں" میں نے سر کھجا کر جواب دیا۔

"پھر میرے گھر چلو۔ وہاں میں اکیلی رہتی ہوں۔ راستے میں کہیں سے کھانے پینے کا سامان خرید لیں گے۔ جب تک تمہارا جی چاہے' وہاں رکے رہنا پھر اپنے ہوٹل چلے جانا۔"

"تم کہاں رہتی ہو؟" میں نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھ لیا۔ "میں لندن کے اس حصے میں رہتی ہوں جسے گورے منی انڈیا کہتے ہیں۔ وہاں ہر طرف گھر کا سا ماحول ملتا ہے۔ یہ ساؤتھ آل کا علاقہ کہلاتا ہے۔"

وہ علاقہ میرا دیکھا بھالا تھا اور میرا قیاس تھا کہ وہ ماسٹر رابرٹ ہوٹل سے زیادہ دور نہیں تھا مگر گیتا کے سامنے میں انجان بنا رہا۔

"گھر کہیں بھی ہو گھر ہی ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہیں ہم زیادہ آزادی سے ایک دوسرے کو سمجھ سکیں گے۔"

"تو کیا تم زیادہ دنوں کے لئے یہاں آئے ہوئے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا؟" میں نے جوابی حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"سمجھنے سمجھانے والی دوستیاں زیادہ دنوں کے لئے کی جاتی ہیں ورنہ معاملہ مل بیٹھنے سے زیادہ نہیں چلتا۔ تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"میرا کام دو چار روز میں ختم ہو جائے گا مگر مجھے اگلی ہدایت تک یہاں رکنا ہے۔"

"یہ انوکھی بات ہے کہ ہم لوگوں کی لاعلمی میں کوئی اتنی مدت کے لئے یہاں آیا ہو۔ ہمیشہ سے ہم ہی آنے والوں کی مہمان داری کرتے ہیں۔"

اس کے ساتھ پروگرام طے ہو گیا تھا۔ میرے بارے میں زیادہ معلومات حاصل کرنے کی براہِ راست کوششوں میں ناکام رہنے کے بعد وہ گھما پھرا کر سوالات کرتی رہی اور میں پہلو بچا کر اسے جوابات دیتا رہا۔ اس نے دوبارہ پیدل گھومتے رہنے کا شکوہ نہیں کیا اور ہم

ہائیڈ پارک کی سرپنٹائن نامی وسیع جھیل کے کنارے کنارے چلتے ہوئے کافی دور نکل آئے۔ اس دوران میں وہ سفید فام آدمی بھی میری نظروں میں آگیا تھا جو بظاہر لاتعلقانہ انداز میں ہمارے اور ویرا کے درمیان آچکا تھا۔ ویرا ہم سے کافی پیچھے تھی۔

میں نے ان لوگوں سے چھیڑ چھاڑ تو شروع کر دی تھی مگر مجھے اس کا کوئی تسلی بخش اختتام نظر نہیں آرہا تھا۔ گیتا کو اغوا کر کے اس سے معلومات حاصل کرنے کے لئے ایک محفوظ ٹھکانے کی ضرورت تھی جو ہمارے پاس نہیں تھا۔ اس پہلی ملاقات کے بعد اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ اپنے بڑوں کو رپورٹ دیتی اور نئی دہلی سے استفسار پر انہیں چند ہی روز میں معلوم ہو جاتا کہ وہاں سے براہِ راست کسی آدمی کو لندن نہیں بھیجا گیا تھا۔ اس انکشاف کے ساتھ ہی میری تلاش شروع ہو جاتی۔

میری شناخت کے لئے گیتا سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اگر ان لوگوں کو کہیں سے میری اصلیت کی بھنک بھی مل جاتی تو وہ قصہ خطرناک روپ دھار سکتا تھا۔

میں اوکھلی میں سر دے ہی چکا تھا پھر موسلوں سے ڈرنا بے سود تھا۔ میں نے تن بہ تقدیر ہو کر خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

آخر کار گیتا خود ہی تھک کر ہائیڈ پارک سے باہر فٹ پاتھ پر نکل آئی۔

"ٹیکسی کی عیاشی برداشت کر سکتے ہو یا بس پکڑنے کی فکر کریں۔ تھوڑی دور چل کر ہم لنکاسٹر گیٹ کے اسٹیشن سے ٹیوب بھی لے سکتے ہیں۔"

میں نے تیزی سے ویرا کے بارے میں سوچا۔ اس کی سہولت کے لئے ٹیکسی سے سفر کرنا ہی زیادہ آسان ہوتا۔ وہ اپنے مخصوص حربوں سے کسی بھی ٹیکسی ڈرائیور کو تعاقب کے پُرامن اور قانونی مقاصد کا یقین دلا سکتی تھی۔ اس معاملے میں اس کا سفید فام ہونا بھی اہم کردار ادا کر سکتا تھا۔

"اگر تم ٹیکسی میں سفر کو عیاشی قرار دیتی ہو تو پھر عیاشی ہی سہی" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کسی بازاری لڑکی پر قیمتی زرِ مبادلہ برباد کرنے سے بہتر ہے کہ تم جیسی فرض شناس لڑکی کو ذرا سی عیاشی کرا دی جائے۔"

وہ جو کچھ بھی تھی، بنیادی طور پر ایک عورت ہی تھی۔ میری تعریف پر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

کینسنگٹن روڈ سے ہمیں چند منٹ میں ہی ٹیکسی مل گئی اور ہم ساؤتھ آل کے لئے روانہ ہو گئے۔

میرے لئے گیتا کی ذات ذرا بھی پریشان کن نہیں تھی لیکن اپنے پیچھے ایک مشتبہ سفید فام کو دیکھ لینے کے بعد میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ شبہ سر ابھار رہا تھا کہ کہیں میں کسی جال میں پھنسنے نہ جا رہا ہوں۔ میرے مقابلے میں عام لوگ نہیں تھے۔ ان کا تعلق بھارت کی کسی نہ کسی خفیہ ایجنسی سے تھا۔ ان پر آسانی سے ڈورے ڈالنے کی خوش فہمی میں کوئی بھی جوابی جال میں جکڑا جا سکتا تھا۔

لندن میں گزارے کے لئے روکھے پھیکے ولایتی کھانے اس وقت تک مجبوری نہیں رہے تھے۔ ایشیائیوں کی غذائی ضروریات پوری کرنے کے لئے فاسٹ فوڈ کے بین الاقوامی سلسلوں سے لے کر ہندی اور پاکستانی ہوٹلوں کا ایک وسیع جال پورے لندن میں پھیلا ہوا تھا۔

میری رضامندی پا کر گیتا نے ٹیکسی ڈرائیور کو ساؤتھ آل میں ہی اومینزنامی ریستوران کے سامنے روکا اور ہم دونوں اتر گئے۔ ریستوران میں داخل ہوتے ہوئے میں نے یہ دیکھنے کی کوشش کی تھی کہ ہمارے تعاقب میں کون وہاں تک آیا تھا لیکن پیچھے میدان صاف تھا۔

میں ویرا کے بارے میں سوچتا ہوا مینو دیکھتا رہا۔ کھانے کے ساتھ گیتا نے اسکاچ اور ریڈ وائن کی چند بوتلیں بھی وہاں سے لیں۔ اور آرڈر پیک ہوتے ہی ہم ٹیکسی میں لوٹ آئے۔ ہندی نژاد بیرے نے سامان ٹیکسی میں پہنچایا اور ہم وہاں سے چل پڑے۔

ریستوران سے چند منٹ کی مسافت پر گیتا کا دو منزلہ مختصر سا مکان تھا جس میں سبزے کے نام پر بس پھولوں کے چند گملے ہی لگانے کی گنجائش تھی اور اس گنجائش کو خاصے قرینے سے استعمال کیا گیا تھا۔ مکان کے گرد کوئی احاطہ وغیرہ نہیں تھا۔ داخلی دروازے کی سیڑھیاں براہِ راست فٹ پاتھ پر اتری ہوئی تھیں۔ اس علاقے میں بیشتر مکانات اسی طرز کے تھے۔

اندر جا کر مجھے احساس ہوا کہ ایک سنگ دلانہ پیشے سے تعلق رکھتے ہوئے بھی گیتا جمالیاتی ذوق کی مالک تھی۔ نچلی منزل پر کچن کے ساتھ صرف اسٹور اور ڈرائنگ، ڈائننگ روم تھا جہاں شفاف شیشوں سے لے کر کرسٹل اور چاندی کی ہر آرائشی چیز دمک رہی تھی۔ کچن میں ایک عقبی دروازہ بھی موجود تھا۔

گھر کی اوپری منزل پر مشترکہ باتھ روم کے ساتھ دو مختصر لیکن ہر سہولت سے آراستہ خواب گاہیں موجود تھیں جن سے صفائی ستھرائی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"کام کے بعد تمہیں اتنے بھرے پُرے گھر کی صفائی کا موقع کیسے مل جاتا ہے؟" میں نے گھر کا مکمل جائزہ لینے کے بعد توصیفی لہجے میں سوال کیا "کہیں بھی گرد و غبار کے آثار تک نظر نہیں آ رہے۔"

"یہاں کے مرطوب اور بارانی موسم میں گرد و غبار کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ ہر کھلی جگہ کو موسم بہار میں خود رَو گھاس چھپا لیتی ہے۔ باقی کارکردگی میری ہاؤس میڈ کی ہے۔ میرے دفتر جانے کے بعد وہ ہفتے میں تین دن آتی ہے اور گھر کے سارے کام کر کے چلی جاتی ہے۔"

اپنی خواب گاہ میں گیتا میرے قریب ہو کر بیٹھ گئی اور نہایت لطیف پیرائے میں میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے لگی۔ اس کی وہ حرکتیں اس قدر فطری تھیں کہ اس کے خود ہی سٹ جانے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ میرے جسم کے مخصوص حصوں پر ہاتھ پھیر کر میری جامہ تلاشی لے رہی تھی۔

وہ میرا وہم بھی ہو سکتا تھا لیکن میں ایسے کھیلوں میں عمر گزار کر اتنا پختہ کار ہو چکا تھا کہ فیصلوں کی غلطی کا امکان کم ہی ہوا کرتا تھا۔

اس وقت تک میں بالکل نہتا تھا۔ کراچی سے آتشیں ہتھیار ساتھ لانے ممکن نہیں تھے' لندن آنے کے بعد اس بارے میں کچھ سوچنے کا وقت ہی نہیں مل سکا تھا۔ البتہ بدری ناتھ کا پتلے پھل اور دہری دھار والا وہ خنجر میرے داہنے موزے میں موجود تھا جس کی مدد سے وہ نادرہ کے گھر میں نک کے ایک ہرکارے کا نرخرا کاٹ چکا تھا۔

میرا خیال تھا کہ کوئی برا وقت آنے پر وہی خنجر میرا بہترین معاون ثابت ہو سکے گا۔

گھر پہنچنے کے بعد میرے ساتھ گیتا کے رویے میں مثبت اور نمایاں تبدیلیاں آئی تھیں۔ وہ میرے ساتھ مٹھاس اور پیار کے لہجے میں باتیں کر کے میرے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دوسری طرف میں نے اس کے ساتھ ایک حد سے تجاوز نہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

میری مشکل یہ تھی کہ اس کے سامنے میں کسی خفیہ بھارتی ایجنسی کا ٹھاکر سنگھ نامی افسر بنا ہوا تھا۔ اسے کسی بھی مرحلے پر میرے مسلمان ہونے کا شبہ بھی ہو جاتا تو وہیں سے کوئی خوں ریز تصادم سر ابھار سکتا تھا جب کہ میں اس عورت سے بھڑنے کا خیال دل سے نکال چکا تھا۔ وہ عورت ذات تھی۔ میں اس سے صرف معلومات اگلوا کر ان سے فائدہ اٹھانے کے چکر میں وہاں تک پہنچا تھا۔

خوش فعلیوں کے بہانے میری جامہ تلاشی لینے کے بعد گیتا کو کھانے کا دھیان آ گیا۔ وہ مجھے اپنی خواب گاہ تک محدود رکھنے پر مُصر تھی اور وہیں کھانا کھانے کا ارادہ رکھتی تھی مگر میں اس کے گھر میں آ جانے کے بعد اسے زیادہ دیر تک اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہنے دینا چاہتا تھا۔

میرے ذہن پر اس وقت دو باتیں ڈنک مار رہی تھیں۔ پہلا ہائیڈ پارک میں نظر آنے والا مشتبہ سفید فام تھا اور دوسرا گیتا کے گھر کا عقبی دروازہ جہاں سے کوئی بھی خاموشی سے اندر داخل ہو سکتا تھا۔

وہ کھانا لانے کے بہانے نیچے جا کر اس سفید فام کو پچھلے دروازے سے اندر بلا کر اسے بریف کر دیتی تو میں بے خبری میں کسی بھی وقت اس کا شکار ہو سکتا تھا۔

ان خطرات کو ٹالنے کے لئے میں اس کا ہاتھ بٹانے کے بہانے اوپر سے اتر کر زبردستی کچن میں آ گیا۔

کھانا نکالنے سے پہلے گیتا نے اسکاچ کے دو تگڑے پیگ بنائے تو محض اسے اپنی کمزوری کا احساس دلانے کے لئے میں نے احتجاج کیا "میں الکحل کا عادی نہیں ہوں' میرا پیگ ذرا ہلکا کر دو۔"

وہ شیر ہو گئی "نہیں' یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مجھ سے بھی کم پیو۔ پتا نہیں تم کس سروس سے وابستہ ہو کہ زندگی کی ساری ہی رنگینیوں سے دور ہو۔ آج میں تمہیں مکمل مرد بنا کر رہوں گی۔"

میرا جواب سنے بغیر اس نے بلور کے پیانوں میں برف کے ڈلے ڈال دیئے۔

وہ پیگ خالی کرتے ہوئے چار کرسیوں والی مختصر سی میز پر کھانا سجایا گیا۔ ہم دونوں نے میز پر آمنے سامنے بیٹھ کر میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہوئے وہ پیگ خالی کئے پھر وائن کی بوتلوں کے کارک کھول کر کھانے کا آغاز کر دیا۔ اسکاچ کے تیز پیگ نے میری بھوک چمکانے کے ساتھ ہی چاق وچوبند کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر کھانے کے ساتھ لی جانے والی فرانسیسی وائن نے پوری کر دی۔

گیتا نے میز صاف کرنے کے بہانے ایک مرتبہ پھر نیچے رکنے کی کوشش کی مگر میں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ میں اس پر یہ ظاہر کر رہا تھا کہ کھانے سے پہلے زیادہ اسکاچ لینے کے باعث میں اس پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہو چکا تھا۔ مجھے سائے کی طرح اپنے سر پر مسلط پا کر وہ کچھ جھلائی ہوئی سی نظر آنے لگی۔

وہ شاید میری چالاکی کو نہیں بھانپ سکی تھی مگر میں اس کے ارادوں سے کسی حد تک واقف ہو چکا تھا۔

غیر ضروری طور پر خود کو اِدھر اُدھر مصروف رکھتے ہوئے وہ ایک بار کچن کے عقبی دروازے تک گئی۔ ہفضی قفل کھول کر اُس نے اوپر کا بولٹ گرایا' دروازہ کھول کر چند ثانیوں تک باہر جھانکتی رہی۔ میں نے دیکھا کہ اُدھر کوئی گلی وغیرہ نہیں تھی بلکہ باڑھ میں گھری ہوئی خالی جگہ تھی جس پر ضرورت کے مطابق کچن گارڈن بنایا جا سکتا تھا۔

آخر وہ دروازہ بند کر کے لوٹ آئی۔ اس بار اُس نے اوپر کا بولٹ نہیں لگایا تھا۔

جوں ہی وہ کچن پر آخری نظر ڈال کر واپسی کے ارادے سے مڑی' میں نے اضطراری لہجے میں کہا "اوہ! تم دروازے کا بولٹ لگانا بھول گئی ہو۔"

یہ کہہ کر میں رضاکارانہ طور پر آگے بڑھا اور وہ کارِ خیر انجام دے کر اُس کے پیچھے لوٹ آیا۔

دوبارہ اوپر پہنچنے تک گیتا کی خوش دلی کافور ہو چکی تھی اور اس کی پیشانی پر چند شکنیں نمودار ہو چکی تھیں۔

"تم بہت بدذوق آدمی ہو" اس نے کھڑے کھڑے کہا "جب سے یہاں آئے ہو' میری سپردگی کا مذاق اڑا رہے ہو۔ پہلے عورت

کی رفاقت کے لئے مرے جا رہے تھے اب مجھ سے یوں دور دور رہو جیسے مجھے چھوت کی کوئی بیماری ہو۔ آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"عورت کا خیال آتے ہی ایڈز کی دہشت سے میرے جذبات سرد ہو جاتے ہیں" میں نے مردہ سی آواز میں کہا "یہ میری بہت بڑی کمزوری ہے جس کے آگے میں بے بس ہوں۔"

"تو تمہاری دانست میں' میں ایڈز کی مریضہ ہوں؟" وہ پہلی بار میرے اوپر غرائی۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔ یہ میرے ذہن کی ایک گرہ ہے۔ عورت اور ایڈز۔ تم بتاؤ میں کیا کروں؟"

"اسی طرح میں بھی مرد اور ایڈز کے بارے میں سوچ سکتی تھی" اپنا نرم اور مہربان روپ بھول کر وہ روایتی عورت کی طرح تلخ کلامی پر اتر آئی۔

"بالکل سوچ سکتی تھیں۔ غنیمت ہے کہ تم اس مرض سے محفوظ ہو۔"

"اگر تم نفسیاتی مریض ہو تو تم پر وقت برباد کرنا بے سود ہے۔ تم اپنے حصے کی عیاشی کر چکے ہو۔ تھوڑی دیر کے لئے سو جاؤ۔ میں دوسرے کمرے میں آرام کروں گی۔ شام کی چائے پی کر تم رخصت ہو جانا۔"

"اتنی بیزار ہو گئی ہو تو میں اسی وقت واپس لوٹ جاتا ہوں" میں نے پیش کش کی۔

"نہیں" میری توقع کے مطابق اس نے سختی سے کہا "میں باہر سے تمہارا دروازہ بولٹ کر دوں گی۔ اس وقت تم نشے میں ہو۔ سو کر اٹھو گے تو نشہ اتر جائے گا' اس وقت چلے جانا۔"

میری نگرانی سے گلوخلاصی کی کوئی راہ نہ پا کر وہ مجھے کمرے میں قید کرنے پر تل گئی تھی۔ میں ایک جھٹکے سے اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا "مگر میں اسی وقت جاؤں گا۔ تمہارا لب و لہجہ سرد اور سخت ہوتا جا رہا ہے۔ میرے لئے کسی عورت کا یہ رویہ برداشت کرنا ممکن نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر میں نے پہلا قدم ہی اٹھایا تھا کہ گیتا نے یکلخت اپنے بلاؤز سے چھوٹے بور کا ایک سیاہ ریوالور نکال کر مجھ پر تان لیا۔

"تم نے ایک قدم بڑھایا تو میں تمہیں شوٹ کر دوں گی" اس نے درشتگی سے کہا۔ وہ دھمکی دیتے ہوئے اس کی سیاہ آنکھوں میں موت کی سردی سی لہراتر آئی تھی۔

جب وہ میری جامہ تلاشی لے رہی تھی تو میں نے بھی جستہ جستہ مقامات پر اسے ٹٹولا تھا۔ اس وقت وہ غیر مسلح تھی۔ پتا نہیں اس نے میری بے خبری میں کب اور کہاں سے وہ ریوالور نکال کر اپنے بلاؤز میں اڑس لیا تھا جو اس وقت میرے لئے خطرہ بن گیا تھا۔

"تم اسٹیٹ کے ایک ذمے دار افسر سے تصادم مول لے رہی ہو۔ تمہیں اندازہ ہے کہ تمہاری اس جسارت کی سزا کیا ہو سکتی ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"مجھے تمہارے اس دعوے پر شبہ ہے۔ جب تک تم اپنی شناخت نہیں کراتے' یہاں سے جا نہیں سکو گے۔"

"اوہ! تو اب تم مجھے حبس بے جا میں رکھو گی؟" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"یہ آج تک نہیں ہوا کہ ہمارا کوئی آدمی ہماری بے خبری میں یہاں آیا ہو۔ اگر تم جھوٹے ہو تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔"

"تم ایک لمحے کے لئے بھی میری مرضی کے خلاف مجھے یہاں نہیں روک سکتیں!" میں نے دھمکی دی۔

"قدم ہلاتے ہی تم کوئی کاری زخم کھاؤ گے' کوشش کر کے دیکھ لو۔"

"میں ابھی شور مچا کر تمہارے سارے پڑوسیوں کو یہاں جمع کر لوں گا۔"

"یہ کوشش بھی کر کے دیکھ لو۔ سب جانتے ہیں کہ میں یہاں اکیلی رہتی ہوں۔ مجرمانہ حملے کے ارادے سے گھر میں گھس کر کسی عورت سے دست درازی یہاں ایک سنگین جرم ہے۔ اپنی مدافعت میں میں تمہیں ہلاک بھی کر دوں تو قانون مجھے معاف کر دے گا۔"

میں خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔ اس نے میرے ساتھ محاذ آرائی شروع کرنے سے پہلے ان تمام امکانات پر اچھی طرح غور کر لیا تھا۔ اپنی دانست میں وہ مجھے چوہے دان میں پھانس چکی تھی۔

"اور کھڑکیوں کا رخ بھی نہ کرنا۔ میں نے اس معاملے میں انگریزی کی روایت سے انحراف کر کے شیشوں کا حسن تباہ کیا ہے اور ہر کھڑکی پر مضبوط آہنی گرل لگوائی ہے..... اب اپنے ہوٹل کا پتا بتاؤ تاکہ ہمارا کوئی آدمی وہاں جا کر سامان کی تلاشی کے ذریعے تمہارے بیان کی تصدیق کر سکے۔"

"اپنے کسی بڑے کو بلاؤ۔ میں تم سے بات نہیں کروں گا۔" میں نے برہمی سے کہا "تم مجھے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت گھیر کر یہاں لائی ہو۔ میں بلیک میل ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

میری بات پوری ہوتے ہی وہ جواب دینے کے بجائے پھرتی سے باہر نکل گئی اور اس نے فوراً ہی پٹ بند کر کے باہر سے بولٹ کر دیا۔ پھر زینے پر اس کے قدموں کی آواز دور ہوتی چلی گئی۔

کھیل کھیل میں بات بگڑ کر اس مرحلے پر پہنچ گئی تھی جہاں تک میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا۔ اس وقت میرے خلاف سب سے نکتہ یہ تھا کہ میں گیتا کے گھر بلکہ ذاتی خوابگاہ میں موجود تھا۔ میری کمزوری اسے میرے خلاف ہر ممکنہ حفاظتی کارروائی کا اختیار دے رہی تھی۔

میں نے غیر ارادی طور پر اپنے موزے میں پھنسا ہوا تاش نکال لیا۔ اس کی بلیڈ سے زیادہ باریک دھاروں پر انگلی پھیر

آنے والے خطرات کے بارے میں سوچنے لگا۔
جوں ہی میری نگاہ فون پر پڑی، میں اس کی طرف لپکا۔ اس آڑے وقت میں میرے پاس اپنے ہوٹل کے منیجر یا سلیم اکبر خان کے ہوٹل کے فون نمبر کے سوا کچھ نہیں تھا پھر بھی میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگالیا۔ وہ بے جان پڑا ہوا تھا۔
گیتا صحیح معنوں میں ایک پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ تھی اور پوری ذہانت کے ساتھ برق رفتار فیصلے کرسکتی تھی۔ اس کے لیے فون اٹھالے جانا ممکن نہیں تھا اس لیے اس نے باہر سے شاید تار ہی الگ کردیے تھے۔
میرے خلاف قدم اٹھاتے ہوئے اس نے میری راہیں مسدود کرنے کا ہر ممکن طریقہ استعمال کرڈالا تھا اور میں اس کے کمرے میں کھلے ہوئے ہاتھ پیروں کے باوجود بالکل بے دست وپا ہو کر رہ گیا تھا۔
معاً مجھے ویرا کا خیال آیا۔ پتا نہیں وہ ہائیڈ پارک سے وہاں تک پہنچ بھی سکی تھی یا راستے میں ہی کہیں بچھڑ گئی تھی۔ میں نے لپک کر کھڑکی کا ایک پردہ ہٹایا پھر دونوں پردوں سے تاحدِ نگاہ سڑک کا جائزہ لے ڈالا مگر وہاں ویرا یا کسی ٹیکسی کا وجود نہیں تھا۔
میں دوسرا پردہ گرا ہی رہا تھا کہ مجھے ویرا محلے کے لبِ سڑک اسٹور سے نکلتی ہوئی نظر آئی۔ اس کے ہاتھ میں اخبار دبا ہوا تھا اور نظریں گیتا کے مکان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ اس وقت ویرا کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی لیکن اسے دیکھ کر مجھے تقویت کا احساس ہوا۔ وہ آگے بڑھتی ہوئی میری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔
میں نے اسے ہائیڈ پارک میں سفید فام کے پیچھے دیکھا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ساؤتھ آل تک وہ گیتا کے نہیں بلکہ اس کے ساتھی کے تعاقب میں پہنچی تھی اور اس بات سے بخوبی واقف تھی کہ اس وقت مجھے گیتا کے ساتھ ہی اس سفید فام کے خطرے سے بھی نمٹنا تھا۔
بہرحال یہی کافی تھا کہ آنے والے لمحوں میں میرے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہوجاتی تو اس کی خبر پاکستان پہنچانے کے لیے ویرا باہر موجود تھی۔
ان حالات میں اعصابی بے چینی کا پیدا ہونا فطری امر تھا۔ میں سگریٹ سلگا کر مسہری پر بیٹھ گیا اور مکان میں ابھرنے والی آوازوں کو سننے کی کوشش کرنے لگا۔
مکان کے فرشی قالینوں کے نیچے موجود چوبی فرش کی وجہ سے مجھے نیچے سے نقل وحرکت کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ وہ یقینی طور پر دو افراد کے قدموں کی آوازیں تھیں۔ شاید گیتا نے مجھ سے نجات حاصل کرتے ہی اپنے سفید فام مددگار کو اندر بلالیا تھا۔
وہ آوازیں کافی دیر تک گھٹتی بڑھتی رہیں۔ ان کا مطلب تھا کہ وہ گھر ہی میں موجود تھے۔ میں نے پنجوں کے بل کئی مرتبہ کھڑکی تک جا کر باہر کا جائزہ لیا مگر ویرا دوبارہ نظر نہیں آسکی۔ پتا نہیں وہ کہاں

اور کس چکر میں مصروف ہو گئی تھی۔
کافی دیر گزرنے کے بعد سیڑھیوں پر قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑی اور بدری ناتھ سے لیا ہوا خنجر سنبھال کر دیوار سے اس طرح چپک کر کھڑا ہو گیا کہ دروازہ کھلنے پر میرے حریف فوری طور پر مجھے نہ دیکھ سکیں۔
چاپ کی آواز بتا رہی تھی کہ آنے والوں کی تعداد دو تھی۔ واضح ہوتے ہوتے وہ آوازیں میرے قید خانے کے دروازے پر آ کر رک گئیں۔
"ہے...... تم دیوار کا ساتھ ہینڈز اپ کر کے سامنے کھڑا ہو جاؤ۔ گڑبڑا کیا تو گولی ماروں گا۔ میرا نام پرفیکٹ کلر ہائے اور میرا ریوالور بالکل سائلنٹ ہائے۔" باہر ایک بگڑی ہوئی کرخت مردانہ آواز گونجی۔
وہ بگڑا ہوا لب ولہجہ ضرور تھا مگر مخصوص الفاظ کی ادائیگی اتنی موزوں تھی کہ میں اسے انگریز سمجھنے پر آمادہ نہ ہو سکا۔ اپنی اردو کے اعتبار سے وہ مخلوط نسل کا کوئی اینگلو انڈین ہو سکتا تھا جس کی پرورش لندن ہی میں ہوئی ہو۔ اس کے لہجے سے اس کے مزاج کی تلخی جھلک رہی تھی۔
اس بار وہ سائلنسر لگے ہوئے ریوالور سے بھی لیس ہو چکے تھے۔ میں نے فوری مزاحمت کا ارادہ ترک کر کے انہیں باتوں میں الجھانے اور مناسب موقع کا انتظار کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔
"میں تمہاری ہدایت پر عمل کر رہا ہوں کیونکہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔" میں نے اونچی آواز میں پیغام کا جواب دیا اور بستر کے برابر میں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔
دروازے کا بولٹ سرکا کر انہوں نے احتیاط سے دروازہ کھول کر جھری میں سے اندر کا جائزہ لیا اور مجھے مطلوبہ حالت میں دیکھ کر پورا پٹ کھول دیا۔
گچھے دار، بڑے بڑے سنہری بالوں والا سفید فام لڑکا گیتا کے پیچھے تھا۔ گیتا اپنے چھوٹے ریوالور سمیت کمرے کے وسط میں آ گئی۔ لڑکا دروازے میں ہی رک گیا۔
"تم اس کا باڈی سرچ لو اور پاکٹس خالی کرو۔" لڑکے نے مجھے گھورتے ہوئے گیتا کو ہدایت کی۔
"ٹھہرو۔ مجھے ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں۔ اگر میرے بارے میں تمہارے ارادے اتنے ہی خطرناک ہیں کہ نوبت آتشیں ہتھیاروں تک آ گئی ہے تو میں تمہارے سوالات کے جواب دینے کو تیار ہوں۔"
میری اس پیشکش کا سبب یہ تھا کہ ماسٹر رابرٹ ہوٹل کا کارڈ میری جیب سے برآمد ہو کر بھانڈا پھوڑ سکتا تھا۔ اس کوشش میں شاید گیتا کا ہاتھ میرے موزے میں اڑسے ہوئے خنجر تک بھی پہنچ جاتا اور میں اپنے اکلوتے ہتھیار سے بھی محروم ہو جاتا۔ اس سے بہتر تھا کہ میں خود ہی انہیں ہوٹل کا نام بتا کر مطمئن کر دیتا۔ مجھے یہ اطمینان بھی تھا کہ میری راہیں مسدود کرنے کے چکر میں گیتا فون کاٹ چکی تھی۔ میں جو کچھ بھی بتاتا وہ ان دونوں تک ہی محدود رہتا۔ وہ فوری طور پر وہ اطلاعات کسی اور تک نہیں پہنچا سکتے تھے۔
گیتا نے استفسار طلب نگاہوں سے لڑکے کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے ہاتھوں میں دبے ہوئے مہیب ریوالور کی سائلنسر چڑھی ہوئی نال کو جنبش دے کر بولا "ٹھیک ہائے۔ تم لندن میں کدھر ٹھیرا ہائے؟"
"گریٹ ویسٹ روڈ پر ماسٹر رابرٹ ہوٹل کے کمرا نمبر سات میں۔"
"تم انڈین ایجنسی کا آدمی ہائے؟" اس نے میرے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔
میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا "مجھے امید ہے کہ تم ایجنسی کا نام نہیں پوچھو گے۔" اس وقت وہ دونوں ریوالور بدست، آگے پیچھے کھڑے، میری طرف دیکھ رہے تھے۔
"انگلینڈ کب آیا؟" اس نے فرعونیت سے اگلا سوال کیا۔
میرا دل چاہا کہ اس سوال کے جواب میں ایک قہقہہ مار کر اسے کوئی بھرپور گالی سناؤں مگر میں نے خود پر جبر کر لیا۔ لڑکی کی پشت پر پہنچی ہوئی ویرا ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کر رہی تھی کیونکہ اس کے سر پر پہنچ جانے کے باوجود وہ دونوں بالکل بے خبر تھے۔
"میں ایک ہفتے پہلے ٹمبکٹو سے چلا تھا اور......" میں نے گہری سنجیدگی سے کہنا شروع کیا مگر میرا فقرہ ایک بے آواز فائر کے کھٹکے اور لڑکی کی غضبناک غراہٹ میں دب کر رہ گیا۔
ویرا نے باہر پوزیشن لے کر پوری قوت سے لڑکے کی پشت پر لات رسید کی تھی۔ اس زبردست ضرب سے نہ صرف اس کے پاؤں اکھڑ گئے بلکہ اس کے ہاتھ میں موجود بے آواز ریوالور کا ٹریگر بھی دب گیا۔ وہ گولی پشت سے گیتا کے جسم میں گھسی اور سینہ پھاڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔ وہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ کسی کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں مل سکا۔
گیتا منہ کے بل قالین پر گر کر ساکت ہو گئی اور اس کے سینے سے بہنے والا خون قالین کو تر کرنے لگا۔ خود کو پرفیکٹ کلر قرار دینے والا سفید فام لڑکا بھی لڑکھڑاتا ہوا ایک بغلی دیوار سے ٹکرا کر گر گیا۔ غیر ارادی طور پر ہونے والے فائر کے جھٹکے سے اس کا بے آواز ریوالور اچھل کر اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔
مجھے یقین تھا کہ گیتا کے گھر میں اس وقت تک رونما ہونے والے واقعات کی بھنک کسی کو نہیں مل سکی ہوگی۔ اس سے پہلے کہ سفید فام کو اوسان بحال کر کے چیخنے چلانے کا موقع ملتا، پورا قصہ ختم ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ لڑکا خود ہی بے داغ قاتل ہونے کا

اعتراف کر چکا تھا۔ اس پر رحم کھانے کی ذرا بھی گنجائش باقی نہیں
تھی۔

میں نے قالین پر گرا ہوا بے آواز ریوالور اٹھایا اور قالین
سے اٹھتے ہوئے سفید فام کی کھوپڑی کے عقبی حصے پر فائر کردیا۔ اس
گولی نے کاسۂ سر سے گزرنے کے بعد اس کا چہرہ ادھیڑ ڈالا اور وہ
کوئی آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ ویرا کے اندر آنے تک
سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔

"تم نے اسے کیوں مار دیا؟" ویرا نے سفید فام کو دیکھتے ہوئے
حیرت سے پوچھا۔

"اسے نہ مارتا تو یہ بے داغ قاتل چند لمحوں میں ہمیں مروا
دیتا۔ ویسے بھی اس نے ابھی ابھی گیتا کا خون کیا ہے۔ ان چکروں میں
مت پڑو اور بس یہاں سے نکل بھاگو۔"

"اس نے عورت کو کیوں مار ڈالا...... ؟ شاید اس نے تم پر فائر
کیا ہوگا جو خطا ہو کر عورت کو لے ڈوبا۔" باہر ہونے کی وجہ سے
ویرا کو اپنی لات کی ہولناک تباہ کاری کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔

"لات پڑتے ہی اس کی انگلی ٹریگر پر سخت ہوئی اور غیر ارادی
فائر ہوگیا۔ گیتا درمیان میں نہ ہوتی تو وہ آوارہ گولی میرا ہی مقدر بنی
ہوتی۔ تم نے بہت خطرناک حرکت کی تھی۔"

میں اس کا ہاتھ تھام کر تیزی سے زینے اترتا چلا گیا۔ کچن کا
عقبی دروازہ کھول کر پہلے میں نے ویرا کو باہر نکالا۔ اس کے چلے
جانے کے چند ثانیوں بعد میں نے سر باہر نکال کر ادھر ادھر دیکھا۔
دوسری قطار کے مکانوں کا عقبی حصہ بھی اسی طرف واقع تھا اس
لیے وہاں بالکل سناٹا تھا۔ میں نے باہر آکر خودکار بیرونی قفل کا بٹن
دبا کر دروازہ مقفل کردیا اور جھاڑ جھنکاڑ کے بعد پڑوس کے کچن
گارڈن کو روندتا ہوا پتلی سی پختہ سڑک پر نکل گیا۔

لندن کی سرزمین پر قدم رکھنے کے ابتدائی چوبیس گھنٹے پورے
ہونے سے پہلے دو انڈین سیکرٹ ایجنٹ ہماری وجہ سے موت کے
گھاٹ اتر چکے تھے۔ وہ ہماری ایک معجزانہ کامیابی تھی۔ جملہ
واقعات کے دونوں عینی شاہد یکے بعد دیگرے کیفر کردار کو پہنچ چکے تھے۔
اس کے بعد کسی کو علم نہیں ہو سکتا تھا کہ ان دونوں پر مرنے سے
پہلے کیا گزری ہوگی۔

انڈین ہائی کمیشن کے تجارتی شعبے کی آڑ میں سیکرٹ انفارمیشن
بیورو والوں کے پاس صرف یہ موہوم سراغ باقی رہ گیا تھا کہ ان سے
کسی کا حوالہ دے کر کسی نامعلوم مشتبہ ایجنٹ نے کسی خاتون کی
معاونت چاہی تھی اور گیتا کو معاملے کی تفتیش کے لیے بھیج دیا گیا
معاملے کو ردّ دینے کے لیے سفید فام لڑکے کو مامور کیا گیا اور دونوں
مارے گئے۔ اس چکر سے میں بال بال بچا تھا۔

سنگین مسئلے کا روپ دھارتی ہوئی حوصلہ شکن صورتِ حال
دنوں میں یوں تبدیل ہوئی تھی کہ مقتولین ہر راز اپنے ساتھ
لے کر رخصت ہو چکے تھے۔

دہرے قتل کی اس واردات کے بعد ہم دونوں کا اس علاقے
سے جلد از جلد دور نکل جانا ہی ہمارے حق میں بہتر تھا اس لیے میں نے
ویرا کو انتظار کرنے کے بجائے ہوٹل پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ میں
خود بھی اندازے سے ایسے راستوں پر چل رہا تھا کہ جلد از جلد مین
روڈ تک پہنچ سکوں۔

کیمبرج روڈ پر سواری اتارتی ہوئی خالی ٹیکسی نظر آتے ہی میں
اس میں سوار ہوگیا اور ڈرائیور کو شیفرڈز بش چلنے کی ہدایت کردی۔
بظاہر وہ وقت کا زیاں تھا لیکن میں لندن کے بعض فرض شناس
ٹیکسی ڈرائیوروں کے بارے میں پڑھ چکا تھا کہ کسی بڑی واردات
کے بعد انہوں نے جائے واردات کے قرب وجوار سے کسی مشتبہ
مسافر کو اس کی منزل تک پہنچایا تھا۔ اس رخ پر تفتیش کے بعد کئی
چالاک مجرم لندن پولیس کی گرفت میں آچکے تھے۔ ان کی گرفتاری
کا واحد سبب ٹیکسی ڈرائیوروں کی فرض شناسی تھا۔

مجھے علاقے سے نکالنے والا شہریوں کے اسی قبیلے کا فرد ہوتا تو
وہ بھی میرے شیفرڈز بش پہنچنے کی کہانی سناتا اور پولیس وہیں جھک
مارتی رہ جاتی۔

شیفرڈز بش کے ٹیوب اسٹیشن پر ٹیکسی چھوڑ کر میں نے ہیتھ رو
کا ٹکٹ لیا۔ چند منٹ بعد سنٹرل لائن کی ٹیوب مجھے ائرپورٹ کی
طرف اڑائے لیے جا رہی تھی۔ وہاں اترنے کے بعد میں ٹیکسی سے
اپنے ہوٹل روانہ ہوگیا۔ ٹیوب سے ایک طویل سفر کر کے میں نے
اپنی ممکنہ تلاش کی درمیانی کڑیاں گم کردی تھیں۔

اس محتاط طریقے پر عمل کرتے ہوئے میں ہوٹل پہنچا تو ویرا
میرے لیے پریشان تھی۔ میں نے اسے اپنی واپسی میں تاخیر کا سبب
بتایا تو وہ ہنسنے لگی۔ وہ خود بھی ایک سڑک سے بس پکڑ کر کہیں اور
سے ہوتی ہوئی ہوٹل پہنچی تھی۔ بس مل جانے کی وجہ سے اس کا سفر
مختصر ثابت ہوا تھا۔

"آخر کار یہاں بھی تمہارا اکاؤنٹ کھل ہی گیا۔" اس نے
خوش ہو کر دھیمی آواز میں کہا "یہ دہرا قتل پورے شہر کو ہیجان میں
مبتلا کردے گا۔ اگر ان کی اصل حیثیت بے نقاب ہوگئی تو زیادہ
سنسنی پھیلے گی۔ ٹی وی، ریڈیو اور اخبارات کو ہفتوں کا مسالا مل
جائے گا۔"

"اس بارے میں آئندہ زبان بند رکھنا۔ بھول جاؤ کہ آج کچھ
ہوا ہے۔ کراچی والوں سے بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں
ہوگی۔ بس اخبارات اور ٹیلی وژن پر نگاہ رکھو کہ وہ کہانی کدھر لے
جا رہے ہیں۔ سفید فام کے ہاتھ پر بارود کے ذرات دریافت ہونے
کے بعد یہ واقعہ بہت الجھ جائے گا کیونکہ اس کے ریوالور میں صرف
دو ہی گولیاں کم ملیں گی جو دونوں قاتل ثابت ہوئیں۔ لامحالہ یہی
سوچا جائے گا کہ لڑکے نے گیتا کو مارا ہے۔"

"مجھے روک کر خود تقریر کر رہے ہو۔ واہ! کیسی اچھی احتیاط
ہے۔"

"بات ضرور ہو گی مگر محفوظ اور کھلی جگہ پر۔ بند دیواروں کا کوئی بھروسا نہیں۔ ابھی تو میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ تمہارا تعاقب اتنا آسان کیسے ثابت ہوا اور پھر تم گیتا کے گھر میں کیسے داخل ہوئیں۔"

"تار کے ذریعے قفل شکنی کی مشق کبھی کبھی بہت کام آتی ہے۔ بہرحال یہ سب باتیں اب کہیں اور ہی ہوں گی اب ہمیں چائے منگوا لینی چاہیے۔"

چائے کے لیے آرڈر دیتے ہوئے میں نے گزرے ہوئے واقعات کو سرسری طور پر اپنے ذہن میں دہرایا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ پوری واردات اتنی بے داغ نہیں تھی جتنی میں سمجھ رہا تھا۔ میرے خلاف دو سے زیادہ مضبوط گواہ ابھی بھی زندہ تھے۔ ان کی گواہی مجھے پھانسی کے پھندے تک لے جاسکتی تھی۔ گیتا کے مکان کے کچن میں اومنیز کے ڈبے ڈسٹ بن میں موجود تھے۔ میں دیر تک گیتا کے ساتھ وہاں رکا رہا تھا اور پھر وہ ٹیکسی ڈرائیور بھی تھا جس نے ہمیں کینسنگٹن اسٹریٹ اومنیز کے راستے گیتا کے گھر تک پہنچایا تھا۔

میری پریشانی سے باخبر ہوتے ہی ویرا کی پیشانی پر تردد آمیز لکیریں ابھر آئیں۔

"اس ایڈونچر کا آغاز کرتے ہوئے ہم دونوں ہی بھول گئے تھے کہ اس وقت ہم اوّل خان کے پاکستان میں نہیں بلکہ شہزادی ڈیانا کے انگلستان میں ہیں جہاں بیشتر کام قانون اور ضابطوں کے تحت کیے جاتے ہیں۔ کسی پر شہزادی کی خاص نظر ہو تو چشم پوشی بھی کرلی جاتی ہے" ویرا متردد لہجے میں کہنے لگی "تم ڈیانا کے عاشق ہونہ میں اس کی سہیلی۔ پھر اب ہمیں کیوں کوئی رعایت ملے گی؟"

"تم نے پتے کی بات کہی ہے" میں نے خوش ہو کر جواب دیا۔

"شاہوں کے دیس میں ایک یہی سب سے بڑی خرابی ہوتی ہے کہ ان کے مقربین اخلاق اور قانون کی ہر پابندی سے ماورا ہوتے ہیں' دوسروں کو قانون بلا امتیاز ایک ہی کڑک لکڑی سے ہانکتا ہے۔"

"کاش تم ڈینی کے بجائے برٹش آرمی کے کوئی ریٹائرڈ اور گنجے میجر ہوتے تو تمہیں بھی چوری چھپے شہزادی کی رومان انگیز خواب گاہ میں داخلے کا حق حاصل ہوتا اور پھر تم کو وہ طلسماتی فقرے معلوم ہوجاتے جو بکنگھم پیلس کے مضافات میں چوکیداری کرنے والے چاق وچوبند گھڑسواروں کو پلک جھپکتے میں گونگا' بہرا اور نابینا بنادیتے ہیں۔"

ویرا کے وہ فقرے اس قدر کاٹ دار تھے کہ ذرا سی دیر کے لیے میں اپنی مصیبت کو بھول گیا۔ میں نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا "تمہارے ایک ایک لفظ سے حسد اور رقابت کی بُو آرہی ہے۔ تم ڈیانا سے جلتی کیوں ہو۔ وہ اتنی بری اور بدنام تو نہیں ہے۔"

"مجھے اس سے جلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس نے چارلس کی بیوی بننے تک بھی چار چھ مردوں سے دوستی کی ہوگی۔ میں اب تک جن مردوں کو اپنا کھلونا بنا کر ٹھوکروں سے اڑا چکی ہوں ان کی تعداد بھی مجھے یاد نہیں ہے۔ وہ میرے قدموں کی خاک بھی نہیں ہے۔ تم میری بات لکھ لو کہ یہ عورت کسی نکھٹو عاشق کے چکر میں کر پورے شاہی خاندان کو برباد کردے گی۔"

یہ پرانی بات ہے۔ ان دنوں شہزادی کی خلوتوں اور پُر خطر کی کہانیاں اخباروں کی زینت نہیں بن سکی تھیں مگر وہ ویرا ایک خالص مغربی لڑکی کا وجدان بول رہا تھا۔ اس وقت بے اختیار محسوس ہونے والے ویرا کے فقروں نے چند ہی برس میں اپنی سچائی منوالی۔ ڈیانا شاہی ٹھاٹ باٹ میں بندھ کر رہنے والی مقدس گائے نہیں تھی' وہ جذبوں اور ارمانوں کی چتا میں سلگتی ہوئی ایک آگ تھی جو اماوس کے زہرہ گداز اندھیروں میں بھی لپک لپک کر ہرا کو اپنی طرف بلاتی تھی۔

ویرا جذبات کی روانی میں جو کچھ کہہ گئی' اس نے مجھے ا سے مجروح کردیا۔ میں نے کمزور سی آواز میں پوچھا "تو کیا تم عورت کی کامیابی کا حساب صرف اسی بات سے لگاتی ہو کہ اس اپنی آرزوؤں کی سیج سجانے کے لیے کتنے مردوں کو پامال کیا ہے؟"

"مغرب میں یہ حساب لگانے کا ایک معروف پیمانہ ہے" نے بہت سکون اور تحمل سے جواب دیا۔ "کہیں کہیں یہ غلط ہوجاتا ہے۔ عورت کا واسطہ تم جیسے ضدی اور ہٹ دھرم سے پڑجائے تو وہ ہر بار جیت کر بھی خود کو اندر سے کھوکھلا شکست خوردہ محسوس کرتی ہے۔ وہ خود کو ایک نازک خربوزے مانند سمجھنے پر مجبور ہوجاتی ہے۔ سمجھتے ہو ناکہ خربوزہ کیا ہوتا چھری سے سوگنا زیادہ وزنی ہونے کے باوجود یہ جب بھی چھری گرتا ہے' اپنے وجود پر ایک نیا زخم پاتا ہے۔ چھری اس پر گرتی تو زخم ہی زخم لگاتی ہے۔ بات ذرا باریک ہے مگر تم کو میرا مفہوم لینا چاہیے۔"

"اس وقت تم نے اچانک ہی جلی کٹی باتیں شروع کردی میں نے کہا۔

"پھر کیا کروں؟" وہ غصیلی نظروں سے میری طرف د ہوئے بولی "میرے ساتھ ایک بستر پر بیٹھتے ہوئے بھی تم کو پارسائی پامال ہوتی نظر آرہی ہے اور گیتا جیسی آوارہ عورت ساتھ تم مزے سے وقت گزارتے رہے۔ آخر میں تمہارا پیچھا کررہی تھی؟ تمہیں بچانے کیوں پہنچی؟ تم سے میرا تعلق یا ر بنتا ہے؟ تم بھاڑ میں جاؤ اور جو جی چاہے' کرتے رہو۔"

"اوہ' ویرا ڈارلنگ!" میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا س کر کہا "تم بلاوجہ جذباتی ہو رہی ہو۔ تم نے خود دیکھا تھا کہ کے گھر میں دو ہولناک ریوالوروں کی زد پر تھا۔ تم نے پیچھے کر گورے کی پشت پر لات نہ جمائی ہوتی تو میں اس وقت کہیں ہوتا۔ میں عیاشی کے لیے وہاں نہیں گیا تھا۔ گیتا غیر محسوس پر مجھے ہانک کر وہاں لے گئی تھی۔"

"تمہارا یہ جھوٹ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکے گا" ویرا
ِیلی آواز میں بولی "میرے پہنچنے سے پہلے وہاں بہت دیر تک
ھون سنانے کا راج رہا تھا۔ پتا نہیں اس دوران میں تم نے وہاں
ا گل کھلائے ہوں گے۔ اب گیتا کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آئے
ی تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ ہومی سائڈ والے
رتوں کے قتل کی وارداتوں میں سب سے زیادہ دھیان جنسی تشدد
ر جسمانی ایذا رسانی پر دیتے ہیں۔ وہ لاشیں دریافت ہوتے ہی
ب پول کھل جائے گی۔"

ویرا کی طرف سے وہ بدگمانی کی انتہا تھی۔ اس کے رشک
سد سے ایسی عورت بھی محفوظ نہیں رہ سکی تھی جو تھوڑی ہی دیر
لے زندگی کی ساری رعنائیوں سے اپنا رشتہ توڑ کر موت کی گمنام
دیوں میں جا چکی تھی۔ اس وقت ویرا کی ذہنی رو کچھ زیادہ ہی بہک
ی تھی۔

"مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ تم پر ذہنی دورے پڑنے لگے ہیں۔ ڈیانا
باتیں کرتے کرتے تم اچانک بہکی ہو ورنہ اس سے پہلے تم نارمل
ر آ رہی تھیں۔"

"مجھے اس پر غصہ آ گیا تھا" اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر اقرار
لیا اور کہا "وہ شاہی مشاطاؤں سے اپنی آنکھوں میں آئی پنسل
ڈورے بکھیرتی ہے، پلکوں کو مسکارا سے بوجھل اور سیاہ کر کے
ر آلودہ کرتی ہے اور دو چار سو جواں سال مردوں کو تاڑتی ہے تو
ب آدھ پرنس چارلس کے لیے چیلنج بنتا ہے، میں روم میں
منگ پول سے نہا کر نکلتی تھی تو میرے دھلے ہوئے چہرے اور
ان آنکھوں میں جھانک کر ہر شخص سانس لینا بھول جاتا تھا۔ پتا
ہیں اسے کیوں اور کس لیے اتنی اہمیت دی جاتی ہے۔"

ویرا جو کچھ کہہ رہی تھی، وہ درست ہی تھا۔ روم میں اسے
ہی زادوں کو پھانسنے کی تربیت دینے والا ڈان مرسیانو کے روپ
میں خود اس کا باپ، جمی لائیڈ تھا۔ مجھے وہ بات بے ساختہ یاد آئی
لیکن ویرا کی مزید برہمی کے خوف سے میں اس کا حوالہ دینے کی
ہمت نہیں کر سکا۔ میں نے رسانیت سے کہا "ہیرا کھڑ سے ہی بنایا
جاتا ہے مگر کھڑ کے کوئی دام نہیں ہوتے۔ ترشے ہوئے ہیرے کو ہر
جوہری آنک لیتا ہے۔ ڈیانا شاہی خاندان میں قدم رکھتے ہی آنکھوں
کا تارا بن گئی تھی۔ اب تم بھی میرا پیچھا چھوڑ کر کسی شاہ یا شہزادے
کو تاک لو تو تم بہت جلد ڈیانا بی بی کو پیچھے چھوڑ دو گی۔"

وہ استہزائیہ انداز میں بے ساختہ ہنس پڑی "میں تمہارا پیچھا
کیسے چھوڑ دوں؟ میں شاہ اور شاہزادوں کا پیچھا کرنے والی نہیں
جسے چاہتی ہوں اسے شاہ بنا دینا چاہتی ہوں لیکن تم ہو کہ
دیواروں میں اپنا سر ٹکراتے پھر رہے ہو۔ ہاتھ میں آئے ہوئے ہر
دلگداز وجود کو کسی دیوی کا سراپا سمجھ کر مسحور ہو جاتے ہو۔
ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہارا یہ وہم کیسے دور
کروں؟" میں نے زچ ہو کر کہا۔

"میں مانتی ہوں کہ غزالہ تمہاری محبوبہ اور بیوی ہے" اس کی
آواز یکایک نرم اور دھیمی ہو گئی۔ وہ کہہ رہی تھی "تم مجھے غزالہ نہ
سمجھو لیکن ان عورتوں جیسا تو سمجھو جنہیں تم پسند کرتے ہو اور ان
کے فراق میں دربہ در مارے مارے پھرتے ہو۔"

"یہ تم کن عورتوں کا ذکر کر رہی ہو؟" میں نے غصے میں سوال
کیا۔

"دور کیوں جاتے ہو۔ ابھی گیتا کا قصہ ہی تازہ ہے" اس نے
میرے غصے کا ذرا بھی اثر لیے بغیر مکمل بے پروائی سے جواب دیا۔

"شٹ اپ!" میں نے ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ کہا "گیتا کا
قصہ تمہاری تجویز کے ساتھ ختم ہو چکا ہے۔ اس کی پوسٹ مارٹم
رپورٹ آنے تک تم اس بارے میں اپنی زبان بند رکھو گی۔"

"ابھی تک تم اپنے دکھڑے سنائے جا رہے ہو۔ تم نے ایک
بار بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ہائیڈ پارک سے ساؤتھ آل
تک تمہارے تعاقب میں مجھ پر کیا بیتی تھی" گرفت میں آتے ہی
ویرا نے کسی چکنی مچھلی کی طرح اچانک اپنا پینترا بدل لیا۔ اس کے
لہجے میں شکایت کا عنصر ابھر آیا تھا۔

"اگر تمہارے دماغ پر سے ڈیانا کا بھوت اتر چکا ہو تو میں یہ
قصہ ضرور جاننا چاہوں گا۔"

"وہ لنگور کا بچہ تمہارا اور گیتا کا تعاقب کر رہا تھا، میں اس کے
پیچھے تھی۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کے کہا "یہ قسمت کی
بات تھی کہ مجھے شمال میں گلاسگو سے آیا ہوا ایک سادہ لوح ٹیکسی
ڈرائیور ٹکرایا اور میں نے اسے اپنے بوائے فرینڈ کی ظالمانہ بے
وفائی کی کہانی سنا کر تعاقب پر آمادہ کر لیا لیکن جب تم لوگ ادمینز پر
رکے تو گورے کی ٹیکسی بہت غلط مقام پر رکی اور ہمیں آگے جا کر
رکنا پڑا۔ اس موقع پر مجھے ڈر تھا کہ کہیں میں دونوں ٹیکسیوں کا
سراغ ہی نہ کھو بیٹھوں....."

"یہ ایک معمولی سی الجھن تھی" میں نے اس کی بات کاٹ کر
کہا "آدمی جب کسی اور کی مرضی پر عمل کر رہا ہو تو ایسا ہوتا ہی رہتا
ہے۔ غنیمت ہے کہ تم بھٹکے بغیر گیتا کے گھر تک پہنچ گئیں۔ میں
صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہیں گھر میں داخل ہونے میں اتنی
تاخیر کیوں ہوئی؟"

وہ کچھ سوچ کر ہنس پڑی پھر بولی "وہ بلی اور چوہے کا کھیل تھا۔
تم دونوں مکان کے اگلے دروازے سے اندر داخل ہوئے اور وہ
گورا کچن گارڈنز والے عقبی حصے میں گھس کر بیٹھ گیا۔ شاید وہ گیتا
کی طرف سے کوئی اشارہ ملنے کے انتظار میں جھاڑیوں میں دبکا بیٹھا
تھا۔ اس کے اندر جائے بغیر میں کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ میرے
لیے خود کو دوسروں کی نظروں سے بچائے رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔"

وہ سچویشن ذہن میں آتے ہی مجھے ماننا پڑا کہ ویرا کا وہ کام
واقعی بہت کٹھن تھا۔ اس آباد علاقے میں وہ اپنی ذرا سی بھی بے

احتیاطی کے نتیجے میں لوگوں کی نظروں میں آسکتی تھی۔

وہ کہتی رہی "تم لوگوں تک پہنچنے سے پہلے مجھے تین بار پچھلی گلی کا جائزہ لینا پڑا۔ اس دوغلے گورے کے غائب ہوتے ہی میں گیتا کے گھر کے پچھلے دروازے پر پہنچی اور اندر کی سن گن لینے کے بعد دروازے کے ہضمی قفل پر ایک زنگ خوردہ تار سے طبع آزمائی کی۔ اس کے بعد کام آسان تھا۔"

"ابھی تک تم نے جو کچھ بتایا ہے وہ اطمینان بخش ہے۔ اگر تم اسی بھاگ دوڑ کا شکوہ کررہی ہو تو یہ تمہاری زیادتی ہے۔ مشکل وقت میں نے گزارا ہے۔ دو بھرے ہوئے ریوالوروں کے سائے میں بڑے بڑے سورما چوکڑی بھول جاتے ہیں۔ میں نے آخر تک ان کا مقابلہ کیا۔"

"لندن کی سڑکوں پر کسی کا تعاقب در تعاقب اتنا آسان نہیں ہے۔ ہر لمحے مجھے کراچی یاد آرہا تھا۔ وہاں میں نے خود کو کبھی بے یارومددگار محسوس نہیں کیا۔"

"بات قابلِ فہم ہے" میں نے سہلاتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ "وہاں سلطان شاہ تمہارا یار ہے اور اول خان مددگار۔ یہاں میدان بالکل صاف ہے۔ وہ مزے تو مدتوں یاد آتے رہیں گے۔"

"جن لوگوں کو ہم بہت دور چھوڑ آئے ہیں ان کا ذکر ایسی بے رحمی سے مت کرو۔ ان کی کمی قدم قدم پر محسوس ہوگی۔ مجھے فکر یہ ہے کہ میرے ٹیکسی ڈرائیور نے بھی مجھے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ اسے سوچنے کا موقع نہ دینے کے لیے میں سارے راستے اس سے لچھے دار باتیں کرتی رہی تھی۔ وہ مجھے بھول نہیں سکے گا۔ ٹیلی وژن پر یا اخبار میں مرنے والے کی تصویر دیکھتے ہی اس کا ذہن میری طرف جائے گا۔"

میرے ذہن میں تشویش نے ڈیرے ڈال دیے۔ رواداری سے بھرپور اور مہذب معاشرے میں جرم کا ارتکاب کرکے قانون کے لمبے ہاتھوں سے محفوظ رہنا واقعی ایک دشوار کام ہوتا ہے۔

اس وقت تک مجھے سب سے زیادہ فکر گیتا کے کچن کے ڈسٹ بن میں پڑے ہوئے اومیزر کے کھانے کے خالی ڈبوں اور تھیلوں کی تھی۔ آناً فاناً میں' میں نے اس بارے میں بہت کچھ سوچ لیا تھا۔ دہرے قتل کی وہ واردات نہایت خاموشی اور رازداری سے ہوئی تھی۔ جب تک باہر سے کوئی شخص گیتا کے گھر نہ پہنچتا' اس کا راز فاش ہونا ممکن نہیں تھا۔ میں ارادہ کرچکا تھا کہ دوبارہ خاموشی سے وہاں پہنچ کر مطلوبہ چیزیں سمیٹوں اور احتیاط سے واپس لوٹ آؤں لیکن ویرا کی گفتگو سننے کے بعد میں نے وہ خطرہ مول لینے کا ارادہ ترک کردیا۔ ہمارے لیے اومیزر ریستوران کے خالی اور بے... ڈبوں سے زیادہ خطرناک وہ دو ڈرائیور تھے جنہوں نے ہمیں الگ الگ ٹیکسیوں میں کینسنگٹن روڈ سے ساؤتھ آل پہنچایا تھا۔

میں اس وقت صرف یہ دعا ہی کرسکتا تھا کہ ان دو... ڈرائیوروں کو قتل کے بارے میں زیادہ تفصیل کا علم نہ ہو اور ان... احساسِ ذمے داری بیدار نہ ہونے پائے۔

"کیوں نہ ہم لندن سے کہیں اور نکل چلیں؟" ویرا نے اچانک ایک احمقانہ تجویز پیش کی۔

"اب اس موضوع کو یہیں ختم کردو" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ان باتوں کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب ہمیں تو بہ تقدیر ہوکر پردۂ غیب سے ظہور میں آنے والے واقعات کا انتظار کرنا ہے۔"

ویرا نے بھنا کر مجھے منہ چڑایا اور ٹیلی وژن کھول کر اس کے سامنے جا بیٹھی۔

میں نے بستر پر دراز ہوکر سگریٹ سلگائی اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

میں نے ویرا کو بولنے سے روک دیا تھا۔ زبانوں کو لگام دی جاسکتی تھی لیکن ذہن کو سوچنے سے باز نہیں رکھا جاسکتا۔ خاموشی اور یکسوئی کے لمحات میسر آتے ہی میرے ذہن میں... کے تیزی سے پھیلتے ہوئے جال کی طرح اندیشے اور وسوسے سر ابھارنے لگے۔

انگلینڈ ایسا ملک نہیں ہے جہاں حکام جرائم کو مفادِ عامہ کے نام پر چھپا کر "سب ٹھیک ہے" کا ڈھنڈورا پیٹ سکیں۔ وہاں ہونے والے ہر جرم کی صرف اس بنا پر معقول تشہیر کی جاتی... جرم کے محرکات اور مجرم کی ذات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات یا شہادتیں مل سکیں۔ قانون کی مدد کے لیے عوام کی... میں سے رضاکارانہ طور پر آگے آنے والوں کے ساتھ پو... رویہ آمرانہ نہیں' خادمانہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر باشعو... اپنے طور پر آگے آکر معمولی سے معمولی نکتے پر بھی اپنے خیالا... اظہار کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتا۔

اس وقت تک گیتا اور اس کے دوغلے حمایتی کے قتل کا افشا نہیں ہوا تھا مگر میں ویرا کی اس رائے سے پوری طرح متف... کہ بھید کھلتے ہی پورے شہر میں ایک بھونچال سا آجائے گا او... ٹیلی وژن سے لے کر اخبارات تک میں کئی دنوں بلکہ ہفتوں ت... سنسنی خیز واقعہ سرفہرست چلتا رہے گا

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات سترہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو کہ مارچ 2007ء شائع

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

حصہ

17

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی
خود نوشت اس نے
منشیات کے عالمی
اسمگلروں کے خلاف ذاتی
طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز
سے ان ملک دشمنوں کا صفایا کرنا
اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر، ملک ملک، اور
براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لئے
خاک اڑانا اس نوجوان کا شغل ہو گیا مگر موت کے
سوداگر بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔
انہوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں
چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا تعمیری سلسلہ۔ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں

ہر طرف شوروغوغا مچنے پر اگر دونوں ہی ٹیکسی ڈرائیور فرض شناسی کے جذبے سے مغلوب ہو کر زبان کھولنے پر تل جاتے تو سب سے پہلا نکتہ یہ سامنے آتا کہ گیتا کے ساتھ اومیز کے راستے اس کے گھر تک پہنچنے والا شخص گورا چٹا ہونے کے باوجود ایک ایشیائی باشندہ تھا جب کہ مقتول گورے کا پیچھا کرنے والی لڑکی سر سے پیر تک مغربی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ اس واردات میں ایک خوبرو مغربی دوشیزہ اور صحت مند ایشیائی شخص کا کردار سامنے آتے ہی پولیس کو ایک راہ مل جاتی۔

لندن انسانوں کا ایک سمندر ہے جہاں مصروف شاہراہوں اور ٹیوب اسٹیشنوں پر انسانوں کے ریلے چلتے ہیں اور ان سبک رفتار انسانی لہروں میں کسی ایک فرد کو شناخت کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا۔ لندن شہر کے نئے اور پرانے باسیوں کی اس بھیڑ میں دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے وہ رنگا رنگ سیاح بھی شامل ہوتے ہیں، جنہیں رنگ و نور میں بسے ہوئے اس شہر کی رنگینیاں عزت واحترام سے اپنی طرف بلاتی ہیں۔

عام حالات میں یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ اس دہرے قتل کے بعد لندن پولیس براہ راست میری اور ویرا کی طرف متوجہ ہو جاتی لیکن مغربی لڑکی اور ایشیائی مرد پر مشتمل جوڑے کی بات بہت مختلف تھی۔ وہ راز فاش ہوتے ہی ماسٹر رابرٹ ہوٹل کا جنرل منیجر رینی کیریان خود ہی پولیس کو فون کر کے باخبر کر دیتا کہ اس کے ہوٹل کے کمرا نمبر سات میں ایسا ہی ایک جوڑا ٹھہرا ہوا ہے۔

وہ خیال آتے ہی میرے جسم کے سارے مساموں میں سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ خارج ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا...... سنسنی اور خوف سے مضطرب ہو کر میں مسہری سے اٹھ گیا۔

ویرا نے لندن سے کسی اور شہر کی طرف کوچ کرنے کی بات کی تھی۔ اگر معاملہ صرف لندن پولیس کا ہوتا تو وہ

تجویز بہت جاندار تھی۔ مجھے صورت حال اس سے بہت مختلف نظر آ رہی تھی۔ بات کھلتے ہی وہ قصہ پورے ملک کے طول و عرض میں پھیل جاتا۔

لندن بڑا اور رنگا رنگ شہر ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے ایک بہتر جائے امان تھا۔ چھوٹے شہروں میں ہماری گرفت کے امکانات بہت بڑھ جاتے۔ ہمیں انسانوں کے اسی سمندر میں رہ کر اپنی چمڑی بچانے کی کوشش کرنی تھی۔

''یہ تم کیا خرافات دیکھ رہی ہو؟'' میں نے ٹیلی وژن کی اسکرین پر چیختے چلاتے عجوبوں کو دیکھ کر اضطراری لہجے میں ویرا کو ٹوکا۔

''خرافات نہیں، یہ اس دور کی کریز ہے اور اسے مائیکل جیکسن کہتے ہیں جس کا مجسمہ تمہیں مادام تساؤ کے موی عجائب گھر میں رنگ بدلتی ہوئی ڈسکو لائٹس میں گنگناتا ہوا نظر آئے گا۔''

''میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے اس کے موڈ کو سمجھ کر بے بسی سے کہا۔

''دیکھو یہ ایک مرد ہے۔'' وہ میری بات کو نظر انداز کر کے ٹیلی وژن اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر بولی۔ ''جب یہ اپنی کمر لچکا کر اور کولھے مٹکا کر کسی روبوٹ کی طرح بریک ڈانس کے ٹھمکے لگاتا ہے تو مسرت سے اس کے سارے تماشائیوں کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ میرے ساتھ بیٹھ کر تم بھی اسے دیکھو۔ عورتوں جیسی صورت والا یہ رقاص گلوکار ایک ہی سوراخ سے لوگوں کو بار بار ڈستا ہے۔''

''کیا بک رہی ہو؟'' میں نے جھلا کر کہا ''مجھے مائیکل جیکسن سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''نہ ہو لیکن میرا فرمایا ہوا مستند ہے۔ تمہاری اردو کی ہی کہاوت ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا مگر یہ گانے بجانے والا مستقل مزاجی سے یہی سب کر رہا ہے۔ یہ کراچی ایئرپورٹ پر ٹرانزٹ میں ذرا سی دیر کے لیے رکا تھا تو بدمست لڑکے اور لڑکیاں اس کے کپڑوں کی ایک ایک دھجی نوچ کر یادگار کے طور پر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ تم کیسے بدذوق ہو کہ اپنی نئی نسل کے ایسے محبوب و مرغوب فن کار میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لے رہے۔ دیکھو، دیکھو، وہ پھر ٹھمکا رہا ہے۔''

''ویرا تم پر لعنت ہو۔ میں سنجیدگی سے کچھ باتیں کرنا چاہ رہا ہوں۔''

''سنجیدہ باتیں اس وقت صرف ایک ہی موضوع پر ہو سکتی ہیں۔'' اس نے بے پروائی سے کہا ''اور وہ موضوع تم نے اس کمرے کے لیے ممنوع قرار دے دیا ہے۔ کوئی ہلکی پھلکی بات کرو۔ مائیکل جیکسن پسند نہیں تو میں ہوٹل کا وڈیو والا چینل لگائے دیتی ہوں۔ اس پر خاصی بے ہودہ فلم چل رہی ہے۔''

ویرا کی وہ بے نیازی میری برداشت سے باہر تھی۔ میں نے جھپٹ کر ٹیلی وژن کا سوئچ بند کر دیا۔

ویرا کے ستواں اور گلابی ہونٹوں پر ایک نخوت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی جو اس وقت میری ہڈیوں تک کو سلگا دینے کے لیے کافی تھی۔

''بیٹھ جاؤ!'' ویرا نے ناصحانہ لہجے میں کہا ''اب ہم آمنے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے کا منہ تکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اسی طرح آنے والی مشکلات کے حل کی کوئی سبیل نکل آئے۔''

''میں سنگین خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں۔'' میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا۔

''چٹکی سے اپنے دونوں نتھنے دبا لو، بو ختم ہو جائے گی۔'' وہ ڈھٹائی سے بولی۔

''آخر تم کیا چاہتی ہو؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بے بسی سے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تمہاری اجازت کے بغیر میں کیا چاہ سکتی ہوں؟''

''میں نے تم پر ایسی کوئی پابندی تو نہیں لگائی۔'' میں نے احتجاج کیا۔

وہ تلخی سے ہنس پڑی ''سنو ڈیئی! ہم دونوں دودھ

پیتے بچے نہیں ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے صرف ایک ہی مسئلہ ہے اور وہی تمہیں کھائے جا رہا ہے۔ یہاں تم اس سے گریز کیوں کر رہے ہو، یہ ہوٹل کا پرائیویٹ کمرا ہے، ابھی قتل کا راز فاش نہیں ہوا۔ ہم اردو میں باتیں کر رہے ہیں پھر یہاں کیا خطرہ ہے؟ ہم نے وقت برباد کر دیا تو پھر ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ لندن میں گوریوں اور کالوں کی آشنائیاں تو ہزاروں سے بھی متجاوز ہوں گی مگر ہم دونوں کی طرح ایک دوسرے سے چپکے ہوئے جوڑے چند ہی ہوں گے۔ ہمارے ٹیکسی ڈرائیوروں کے بیان نشر ہوتے ہی اس ہوٹل کی انتظامیہ پولیس کو بلا لے گی۔''

''اوہ! تو تم بھی یہی سوچ رہی ہو۔ اس خطرے نے میرا سکون چھین لیا ہے۔''

''یہ بے کار اور جذباتی باتیں ہیں۔ اس خطرے کے تدارک کے لیے تم نے کیا سوچا ہے؟''

''عقل ماؤف ہے۔ اسی لیے تم سے بات کرنی چاہ رہا تھا، تم کیا کہتی ہو؟''

''فوراً سے پیشتر لندن چھوڑ دو۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔ ''انگلستان ہریالی میں نہایا ہوا حسین ملک ہے۔ یہاں سے چند گھنٹوں کی مسافت پر لیک ڈسٹرکٹ کا حسین ترین علاقہ ہے۔ کرائے پر گاڑی لے کر ہم دو چار ہفتوں کے لیے آسانی سے وہاں کی کسی کیمپنگ سائٹ پر ہنی مون منا سکتے ہیں۔ ان دور افتادہ مضافات میں کسی کو کچھ پتا نہیں ہوتا کہ لندن میں کیا ہو رہا ہے۔ خدمت گاروں کو فراخ دلی سے ٹپ دیتے رہو گے تو وہ شبہ ہونے کے باوجود کسی سے مخبری نہیں کریں گے۔ اسکاٹ لینڈ کے رہنے والے ویسے بھی بہت حریص اور کنجوس ہوتے ہیں۔ لیک ڈسٹرکٹ سے ذرا آگے نکل جاؤ گے تو پیسے کے زور پر بہت کچھ جیت لو گے۔ آج لندن میں بھی روایت پرست انگریز کم ہی رہ گئے ہیں۔ جوں جوں شمال کی طرف بڑھتے جاؤ گے ان کی ساری روایات ہائی لینڈز کی گھاٹیوں میں سسکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔''

''مگر مائی ڈارلنگ! تم یہ بات بھول رہی ہو کہ ہم نے یہ سفر بدری ناتھ کے ایما پر کیا ہے۔ میں نے آج ہی کراچی والوں کو ماسٹر رابرٹ ہوٹل کا فون نمبر دیا ہے۔ بدری اور رمیش کل یا پرسوں یہاں پہنچنے والے ہیں۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو بلکہ میں غلط کہہ رہا ہوں، مجھے یہاں موجود رہ کر اس کے فون کا جواب دینا ہے۔ ہم اپنے پیدا کیے ہوئے مسئلے کی وجہ سے میدان چھوڑ گئے تو سب کچھ چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔''

''ہاں...... اپنے موجودہ مسائل میں الجھ کر میں ناک میں پڑی ہوئی اس نکیل کو بھول ہی گئی تھی۔''

''نکیل کا دھیان آ گیا ہے تو اب کوئی نیا حل بھی سوچو۔ انگلستان کے مڈلینڈز، ہائی لینڈز اور لیک ڈسٹرکٹ کی سیاحت کے ارمان میرے دل میں بھی مچلتے ہیں مگر یہ ان تفریحات کا موقع نہیں ہے۔ اگر بدری ناتھ یہاں آنے کے بعد امریکا کے سفر پر نکل گیا تو سب کچھ بکھر کر رہ جائے گا۔''

''یہ ہماری اولین اور بنیادی مجبوری ہے۔'' وہ مایوسی سے بولی۔ ''دہرے قتل کی واردات میں ملوث ہونے کے بعد میں اس اصل مقصد کو بالکل ہی فراموش کر بیٹھی تھی۔''

''میری ایک رائے ہے۔'' میں نے پر خیال لہجے میں ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔

''تم دو آرا بتاؤ۔ میں پوری سنجیدگی سے متوجہ ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''بات کھل گئی تو انہیں ایسے جوڑے کی تلاش ہو گی جس میں مرد ایشیائی اور لڑکی مغربی ہے۔ مجھے بدری ناتھ کے انتظار میں یہاں رہنا ہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم ماسٹر رابرٹ سے کہیں اور منتقل ہو جاؤ؟''

''میں اسی وقت یہاں سے روانہ ہو جاتی ہوں مگر تم اس طرح کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟''

''مشکوک جوڑا نظر نہیں آئے گا تو ہم دونوں اپنی اپنی جگہ زیادہ محفوظ رہیں گے۔''

''یہ تمہاری بھول ہے۔'' وہ کمرے میں موجود برقی کیتلی کا پلگ آن کرتے ہوئے بولی ''اس ہوٹل کا خاصا

عملہ ہم دونوں کو یک جا دیکھ چکا ہے۔ میں قطب شمالی پر بھی چلی جاؤں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ بات کھلتے ہی تم اشتباہ آمیز نگاہوں کا نشانہ بن جاؤ گے۔''

''میں تمہیں بائیبل والی مس سینڈی کی طرح ایک عارضی ساتھی قرار دے کر اپنی جان بچانے کی کوشش کر سکتا ہوں۔'' میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔

''ضرور کر لینا مگر تم ناکام رہو گے۔ بائیبل کے خالی ورق پر پیغام لکھنے والی کوئی مقامی لڑکی ہے جب کہ ہم دونوں یہاں غیر ملکیوں کی حیثیت سے ٹھہرے ہیں۔ ہوٹل کے رجسٹر میں ہمارے سارے کوائف درج ہیں۔ تم انہیں کیسے جھٹلا سکو گے؟''

ہڈی واقعی حلق میں پھنس گئی تھی جسے اگلنا آسان تھا اور نہ نگلنا ممکن نظر آ رہا تھا۔

بات گھوم پھر کر وہیں آ پھنسی تھی کہ ہمیں اپنی جان بچانی ہوتی تو ہوٹل کو خیرباد کہہ کر بہت آسانی سے انسانوں کے بے کراں سمندر میں گم ہو سکتے تھے لیکن میرے لیے اہم ترین مسئلہ لندن میں بدری ناتھ سے رابطے کا تھا۔ ہوٹل چھوڑنے کے بعد ہم اس سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

ویرا ایک کرسی کے کنارے پر ٹکی پورے انہماک سے چائے کا پانی کھولنے کا انتظار کر رہی تھی۔ ماسٹر رابرٹ ہوٹل میں صبح کا پرتکلف اور بھرپور انگلش ناشتا کمرے کے کرائے میں شامل نہیں تھا لیکن کمرے میں چائے بنانے کی سہولت نے بڑی حد تک اس کمی کا ازالہ کر دیا تھا۔

گرم اور خوشبو دار چائے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مجھے مدن موہن کے پاکستانی ہمدرد کا خیال آیا اور میں نے فوراً ہی اس کا کارڈ نکال کر اس سے فون پر رابطہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

ویرا کوئی سوال کیے بغیر میرا ارادہ بھانپ چکی تھی۔ وہ خاموشی سے چائے نوشی میں مصروف رہی اور میں نے فون پر چیرنگ کراس کے رائل ہوٹل کا اکلوتا فون نمبر ملا لیا۔ دوسری گھنٹی پر ہی سلسلہ مل گیا اور ریسیور میں ایک کسل مندانہ نسوانی آواز سنائی دی ''ہیلو۔ یہ رائل ہوٹل ہے۔ میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟''

''کل رات سلیم اکبر خان تمہارے ہوٹل میں پہنچا ہے۔ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے انگریزی میں کہا کیونکہ فون اٹھانے والی اپنے لب و لہجے سے مقامی معلوم ہو رہی تھی۔

''ہولڈ کرو۔ میں اسے دیکھتی ہوں۔'' یہ کہہ کر ریسیور کسی میز وغیرہ پر رکھ دیا گیا۔

سلیم اکبر خان کے پسندیدہ ہوٹل کے معیار کا اندازہ لگانے کے لیے وہ فون کال ہی کافی تھی۔ وہاں کمروں میں فون کی لائنیں دینے کے بجائے کاؤنٹر پر موجود مشترک فون سے ہی سارا کاروبار چلایا جاتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ فون وصول کرنے والی عورت ہی آپریٹر کی ذمے داریاں انجام دینے کے ساتھ ساتھ مہمانوں کی خبرگیری اور ہوٹل کے دوسرے اوپری کام بھی کرتی ہو۔

مغرب میں اگر عورت مرد کی برابری کا دعویٰ کرتی ہے تو اس میں وہ کسی حد تک حق بجانب بھی ہے۔ میں نے بارہا پرہجوم تفریحی مقامات اور سستے ہوٹلوں میں محض دو تین لڑکیوں کو اتنی محنت، تندہی اور پھرتی سے ساری میزیں لگاتے اور صاف کرتے دیکھا تھا کہ پاکستان میں لڑکوں سے بھی اتنی نمایاں کارکردگی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی اور پھر یہ جواں سال، خوبرو لڑکیاں سدا مسکراتی نظر آتی ہیں۔ گاہکوں کے ذومعنی اور بسا اوقات ناروا تبصروں کا ملائمت سے ہنس کر جواب دینا ان کے لازمی فرائض میں شامل ہوتا ہے۔ ہاں کوئی بدذوق ان سے جسمانی چھیڑ چھاڑ کی جسارت کر بیٹھے تو اسے بدلے ہوئے تیوروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زبانی زیادتیوں کو یہ ہنس کر سہنے کی عادی ہوتی ہیں۔

آٹھ دس گھنٹے کی ڈیوٹی میں کچھ اور میزوں کے درمیان دوڑ دوڑ کر اپنی روزی کمانے والی ایسی کسی لڑکی کو محض اقامتی ہوٹل میں ملازمت مل جائے تو اسے زندگی کی رفتار تھمی ہوئی محسوس ہونے لگتی ہے۔ صبح کے مخصوص اوقات میں کمروں وغیرہ کی صفائی کے سوا دن میں عیش ہی

عیش رہتا ہے۔ شاید اسی ڈھیلے ڈھالے معمول نے رائل ہوٹل کی آپریٹر کو سست بنا دیا تھا۔

ایک ڈیڑھ منٹ کے انتظار کے بعد میرے کانوں میں سلیم کی آواز آئی "ہیلو! کون بول رہا ہے؟" اس نے تحیر آمیز لہجے میں انگریزی میں سوال کیا تھا۔

"تمہارا ہم سفر اسلم بول رہا ہوں۔ تمہارا کیا حال چال ہے؟"

میں نے اردو میں کہا۔

"آخاہا..... تو یہ تم ہو۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ لندن پہنچتے ہی کسے میری ضرورت پڑ گئی۔ ابھی تو میں پوری طرح تازہ دم بھی نہیں ہوا ہوں۔" مجھے پہچانتے ہی وہ چہکنے لگا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ کراچی سے یہاں تک کے سفر نے تمہیں زیادہ ہی تھکا دیا۔"

"تھکا دینے والی بازار گئی ہوئی ہے۔ گھوم پھر کر لوٹے گی تو میں اسے لے کر نکل جاؤں گا۔ تمہاری تتلی کا کیا حال ہے۔ ابھی تک تمہارے ساتھ چپکی ہوئی ہے یا اڑ چکی ہے۔"

"ایئر پورٹ سے نکل کر ہمارے راستے جدا ہو گئے تھے۔ بس اس کی وجہ سے سفر ذرا مزے سے گزر گیا۔ تم کس کا ذکر کر رہے ہو؟ وہ تمہاری بیوی تو نہیں ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ...... ولایت بھلا بیوی کے ساتھ آنے والی جگہ ہے؟ یہ تو وہی بات ہوئی کہ آدمی شادی کی دعوت میں اپنے گھر سے مونگ کی دال ساتھ لے جائے۔ یہ لندن ہے۔ یہاں نئی ڈشوں کی بات کرو۔"

"چلو یہی سہی۔ اس وقت کس ڈش میں تیر رہے ہو؟" میں نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"ہر بار ایک ہی جگہ ٹھہرنے میں بڑے فائدے ہیں۔ چھوٹے ہوٹلوں میں گاہک کو خاص الخاص توجہ ملتی ہے۔ کل یہاں کوئی کمرا خالی نہیں تھا۔ ہوٹل کی مالکہ نے ڈبل روم میں ٹھہری ہوئی ایک پولش لڑکی سے بات کی اور اس نے جڑی ہوئی مسہری الگ کر کے مجھے اپنے کمرے میں رہنے کی اجازت دے دی۔"

"اس سے پولش لڑکی کو کیا فائدہ ہوا؟" میں نے حیرت سے پوچھا "اس کے لیے تو تم اجنبی ہی تھے۔"

"اس کا کرایہ آدھا ہو گیا۔ میں نے اپنے حصے کی رقم اسے ادا کرنے کے بعد ہوٹل والی کو سنگل اور ڈبل روم کے فرق کی معمولی سی رقم دی اور بس کام بن گیا۔"

"تم مبالغہ آرائی کر رہے ہو۔" میں نے بے اعتباری سے کہا۔ "ایک سفید فام لڑکی کسی ایشیائی اجنبی پر اتنا اعتبار نہیں کر سکتی۔"

"اعتبار؟ کس بات کا اعتبار؟" میری بات پوری ہوتے ہی اس کی آواز ابھری "ہم گھروں سے عیاشی کے لیے سیاحت پر نکلتے ہیں۔ ان اکیلی لڑکیوں کی سیاحت اور آوارہ گردی کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ کم سے کم پیسوں میں دنیا کی ہر لذت نچوڑ ڈالیں۔ آدمی معاملہ فہم ہو اور ستارے یاوری کر رہے ہوں تو بات بن ہی جاتی ہے......اور یہاں تو ویسے بھی عزت اور آبرو کے معنی ہی بدلے ہوئے ہیں۔ تفریح اور تجربہ حاصل کرنے کے نام پر آوارگی کا چلن برسوں سے عام ہے۔"

"تو کیا تمہارے ساتھ اکثر ایسے تجربات پیش آتے رہے ہیں؟" میں نے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" اس بار اس نے کسی مبالغے کے بغیر کہا "یہ میرا پہلا تجربہ ہے لیکن دوسروں سے میں ایسی کہانیاں سنتا رہا ہوں۔ مادر پدر آزاد لڑکے اور لڑکیاں گھروں سے نکلتے ہیں تو چند پاؤنڈ کمانے یا بچانے کے لیے سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ غور کرو تو سیر و سیاحت کے اصل رنگ ان ہی کے دم قدم سے نمایاں ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے کمرے میں میرے مل بیٹھنے کی گنجائش نہیں ہے۔"

"وقت بتا دو اور آ جاؤ۔ ہوٹل کا کامن روم بہت بڑا اور آرام دہ ہے۔ مہمان داری کے لیے اس سے بہتر جگہ ہو ہی نہیں سکتی۔ لڑکیوں کا کیا ہے۔ وہ تو آتی جاتی رہتی ہیں۔ اچھا دوست مشکل سے ہی ملتا ہے۔ تم نے میری

خاطر روزی کو لعنت ملامت کر کے میرا دل جیت لیا ہے۔
اس وقت جہاز کے سارے مسافروں میں صرف تم ہی
میرے ہمدرد اور غم گسار تھے۔''

''روزی جا چکی ہے۔ میں مہنگے ہوٹلوں میں بے
مقصد زرمبادلہ ضائع کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ سیزن کی
وجہ سے چھوٹے ہوٹلوں میں جگہ نہیں رہی ہے۔ میں سوچ
رہا تھا کہ تمہارے پاس ہی منتقل ہو جاؤں۔''

''اس وقت تم کہاں ہو؟'' میری الجھن سنتے ہی اس
نے بے ساختہ پوچھا۔

''زبردستی ایک دور کے رشتے دار کے گھر پہنچ گیا
تھا۔ دو کمروں کا چھوٹا سا کاؤنٹی ہاؤس ہے۔ یہاں زیادہ
دیر تک گزارا نہیں ہو سکے گا۔ ان کے بچوں نے خراب
تیوروں کے ساتھ میرے لیے اپنا کمرا خالی کیا تھا۔ میں
آج رات ہی کہیں اور منتقل ہو جانا چاہتا ہوں۔''

''ایسی مجبوری ہے تو آنکھ بند کر کے آجاؤ۔ کہیں نہ
کہیں جگہ مل ہی جائے گی۔''

''پولش لڑکی کے ساتھ تمہاری شام کی تفریح کا کیا
بنے گا؟'' میں نے پوچھا۔

ریسیور پر اس کی ہنسی کی آواز گونجی پھر دھیمی آواز
ابھری۔ ''تفریح تو رات ہی ہو گئی تھی۔ الکحل میں سب
سے بڑی خرابی یا اچھائی یہی ہے کہ یہ معدے میں بیٹھتی
ہے تو ذہن کے نامعلوم گوشوں میں دبی ہوئی باتیں ابھر کر
زبان پر آنے لگتی ہیں۔ میں اس کے بارے میں سوچ رہا
تھا، وہ میرے بارے میں سوچ رہی تھی۔ رات کو تو
میں فضاؤں سے بھی اونچا اڑ رہا تھا۔ اب یہ ساری باتیں
میں فون پر نہیں دہرا سکتا۔''

''ٹھیک ہے، پھر میں سات بجے تمہارے ہوٹل پہنچ
رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''چاہو تو چیرنگ کراس یا لیسٹر اسکوائر کے ٹیوب
اسٹیشن پر تمہیں لینے آسکتا ہوں۔'' سلیم اکبر خان نے پورے
خلوص سے پیشکش کی جسے میں نے شکریے کے ساتھ رد
کر دیا۔ رائل ہوٹل کا کارڈ میرے پاس موجود تھا۔ وہ علاقہ
کسی حد تک میرا دیکھا بھالا تھا اور پھر میں لندن میں تھا
جہاں ہر شخص روانی سے انگریزی بولنے اور سمجھنے پر قادر
تھا۔

گفتگو کے دوران میں ویرا حیرت اور تعجب کے
ساتھ میری طرف دیکھتی رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میں
محض وقت گزاری کے لیے سلیم سے بات کرنا چاہ رہا تھا
مگر وہاں معاملہ ہی دوسرا نکلا۔ فون بند ہوتے ہی ویرا نے
مجھے گھورتے ہوئے پوچھا ''اب یہ کیا چکر چلا رہے ہو تم؟''

''سلیم اکبر خان لندن میں میری بے گناہی کا سب
سے بڑا گواہ ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے ملائمت سے
اسے سمجھایا ''وہ حلفیہ بیان دے سکتا ہے کہ میں کراچی سے
اکیلا یہاں آیا ہوں۔ جہاز پر ایک لڑکی سے میری دوستی
ضرور ہوئی مگر سفر ختم ہوتے ہی وہ اپنی راہ ہو لی۔''

''اس لیے تم نے اس اہم گواہ کو پوری طرح اپنے
قابو میں کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' وہ تلخی سے بولی ''شاید
اس طرح تمہاری بچت کی راہ نکل آئے لیکن میرا کیا
ہوگا؟''

''اسی میں تمہاری نجات کی راہ بھی پوشیدہ ہے۔''
میں نے وضاحت کی ''پھنسے تو ہم ایک ساتھ پھنسیں گے۔
الگ الگ رہ کر ہم دونوں محفوظ رہیں گے۔ یہ بہت دور کی
احتیاطی تدابیر ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایسی کوئی صورت حال
پیدا ہی نہ ہونے پائے۔ اس کا انحصار ٹیکسی ڈرائیوروں کے
رد عمل پر ہوگا۔ ان کے سوا ہمیں کسی بھی طرف سے کوئی
خطرہ نہیں ہے۔''

''اور وہ پولش لڑکی کا کیا قصہ تھا؟'' ویرا نے اشتباہ
آمیز لہجے میں پوچھا۔

''سلیم نے اسے دوست بنایا ہے۔'' تفصیل میں
جانے کے بجائے میں نے بات بنا دی۔

''تو کیا تم نے اسی کے ساتھ ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا
ہے؟'' ویرا اس وقت تک مطمئن نہیں تھی۔

''ضروری نہیں۔ اس کے ہوٹل میں کمرا مل جائے تو
زیادہ اچھا رہے گا۔ حیرت ہے کہ اس نے کراچی میں اپنے

دفتر پر ہونے والی کارروائی کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔ میں اسے مزید ٹٹولنا چاہتا ہوں۔"

"درآمدی مال میں چوری کا الزام ایسا نہیں ہے کہ آدمی اس کی تشہیر کرتا پھرے۔ وہ بے فکری سے یہاں خوش فعلیوں میں مصروف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسے اپنے دفتر کی خبر ہی نہ ملی ہو۔"

اول خان نے سلیم اور اس کی فرم کے بارے میں جو اطلاعات فراہم کی تھیں وہ تشویشناک تھیں۔ وہ ملک کے ایٹمی اور تھرمل بجلی گھروں کو اہم فاضل پرزے فراہم کرنے والے غیر ملکی اداروں کا نمائندہ تھا اور مدن موہن کے مقربین میں شامل تھا۔ مدن موہن کے اعتراف جرم کی روشنی میں یہ بات ہر شبہے سے بالا تھی کہ سلیم اکبر خان اسے بجلی گھروں کے بارے میں اہم دستاویزات فراہم کرتا رہا تھا۔ میں گیتا سے چھیڑ چھاڑ کرکے بعد کے واقعات سے پریشان تھا اس وجہ سے میں نے سلیم سے لندن میں کوئی ٹکر مول لینے کا ارادہ ترک کردیا تھا۔ میری پوری کوشش ہوتی کہ وہ پاکستان میں رونما ہونے والے واقعات کی پروا کیے بغیر وہاں واپس پہنچے اور پھر اول خان کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچ جائے۔

میں پاکستان سے ڈیوڈ اسٹارز کو تباہ کرنے کا جو مشن لے کر نکلا تھا وہ اتنا عظیم تھا کہ اس کی خاطر مجھے چھوٹے موٹے دیگر معاملات سے دامن بچا کر رکھنا تھا۔ اگر میں امریکا پہنچنے سے پہلے ان الجھنوں میں پھنس جاتا تو پاکستان سے روانگی کا اصل مقصد پس پشت چلا جاتا۔

ویرا اس بارے میں کافی دیر تک باتیں کرتی رہی۔ ابتدا میں اس کے ذہن میں اس شبہے نے سر ابھارا تھا کہ اس بار غزالہ نے اپنی ذات کے سحر سے کام لے کر ویرا کے خلاف میری ایسی برین واشنگ کی تھی کہ میں تنہائی میں اس کے ساتھ شب و روز گزارنے کے تصور ہی سے بدک رہا تھا اور شاید اسی خوف سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے سلیم اکبر خان کی پناہ میں جانا چاہ رہا تھا۔

غزالہ کو میں ایک مدت سے چاہتا چلا آرہا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ میں اس دور میں پارسائی کا کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا تھا۔ خود ویرا ہی میری گہری دوست تھی جس سے خلوت میں بہتیرے راز و نیاز ہوجاتے تھے۔

اپنی زندگی کو ایک خاص گھریلو ڈھب پر لانے کے بعد میں غزالہ کے ساتھ گھر بسانے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن کاتب تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مکاؤ کے ڈون کوانگ فو کے محل میں چین سے لائے گئے ایک منحنی اور خوف زدہ مسلمان مولوی نے مجھے اور غزالہ کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کردیا۔

مکاؤ کے قلعے نما محل سے میری اور غزالہ کی زندہ واپسی کے لیے وہ ڈون کوانگ فو کی ایک اٹل شرط تھی اور یوں ہم دونوں جبری طور پر ایک کردیے گئے۔ اپنی زندگی کے اس اہم ترین موڑ کے بعد ہمیشہ میری شعوری کوشش ہوتی تھی کہ غزالہ کی آنکھوں سے اوجھل رہ کر بھی میں اس رشکِ زمیں دوشیزہ سے بے وفائی کا ارتکاب نہ کروں اور میں بڑی حد تک اپنے اس ارادے پر قائم رہنے میں کامیاب رہا تھا۔

مگر ویرا سرکش طبیعت کی مالک تھی۔ اس حوالے سے وہ ہمیشہ مجھے چڑانے سلگانے اور اکسانے کی کوششوں میں لگی رہتی تھی۔ اس کے ساتھ کھلے سمندر میں بلیک سی نامی اسپیڈ بوٹ پر رات کے اندھیرے میں رونما ہونے والا واقعہ زیادہ پرانا نہیں تھا اور شاید ویرا لندن کی سرزمین پر اسی کے اعادے کا منصوبہ بنائے بیٹھی تھی۔ ماسٹر رابرٹ ہوٹل سے میری اچانک روانگی کے پروگرام نے اس کی ان تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ ابتدا میں مشکوک تھی۔

میں اس طویل سفر پر اسے ساتھ لاکر ایک خطا کا ارتکاب کرچکا تھا۔ اس کے ازالے کے لیے مجھے اس شام دوسری خطا کا بوجھ بھی اٹھانا پڑا۔ میں نے اپنے والہانہ اپنائیت سے اپنے خلوص کا یقین دلایا اور غنیمت ہوا کہ بات زیادہ بڑھنے سے پہلے ہی وہ مطمئن نظر آنے لگی۔

اس خود پرست اور ضدی عورت کے لیے صرف یہ احساس ہی کافی تھا کہ میں نے اسے اپنے لیے شجر ممنوعہ تصور نہیں کیا ہوا تھا۔ میں ہر وقت اس کی دسترس میں تھا۔

ماسٹر رابرٹ ہوٹل میں دو مسافروں کے لیے اس کمرے کا کرایہ اسی پاؤنڈ اور اکیلے شخص کے لیے ستر پاؤنڈ تھا۔ وہ رقم قابل ذکر نہیں تھی لیکن ہوٹل کے ریکارڈ اور متوقع شہادتوں کو حسب منشا رکھنے کے لیے میں نے کاؤنٹر پر اس وقت تک کا حساب بے باق کر کے اپنے چیک آؤٹ کا اندراج کرایا، وہاں ویرا سے دانستہ چند ایسے بازاری فقرے کہے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ محض اتفاق کے سہارے میسر آنے والی اس کی رفاقت میرے لیے یادگار ثابت ہوئی تھی۔

ویرا سے اگلے کسی ہوائی سفر میں کہیں دوسری ملاقات کی امید ظاہر کرتے ہوئے میں ماسٹر رابرٹ ہوٹل کے وسیع برآمدے سے گزرتا ہوا صحن میں نکل آیا جہاں دو خالی ٹیکسیاں نظر آ رہی تھیں۔ ویرا کو وہیں رہنا تھا۔ میرے مڑتے ہی وہ بھی کہیں غائب ہو گئیں۔

پورٹر میرا ہلکا سا سوٹ کیس ٹیکسی میں رکھ چکا تھا۔ ٹیکسی میں سوار ہوتے ہوئے میں نے اپنی ابتدائی منزل کے بارے میں سوچا تو پہلی بار اس ہوٹل کی ایک خامی کا احساس ہوا۔

اے فوریا گریٹ ویسٹ روڈ نامی شاہراہ پر واقع اس ہوٹل کے قرب و جوار میں کوئی ٹیوب اسٹیشن نہیں تھا۔ ہیتھروائر پورٹ جاتے والی پکاڈلی لائن کا مشرقی ہیرو وِلا اسٹیشن سڑک کے پار خاصا دور تھا جب کہ اس سمت میں اندر سے گزر کر ساؤتھ آل سے بھی آگے نارتھولٹ کے ٹیوب اسٹیشن تک لمبی دوڑ لگانی پڑتی جہاں سے چیرنگ کراس پہنچنے کی کوئی راہ نکالی جا سکتی تھی۔

اس وقت ایک مرتبہ پھر میرے لیے وقت، فاصلے یا رقم کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ساری اہمیت سراغ کی تھی۔ ماسٹر رابرٹ ہوٹل والوں یا ٹیکسی ڈرائیور کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے تھا کہ میں ہوٹل چھوڑ کر کہاں گیا تھا۔ اس کی واحد صورت یہی تھی کہ میں ہوٹل سے ملنے والی ٹیکسی کو کسی اور ہی سمت میں لے جاتا۔

ہوٹل کا گیٹ چھوڑنے سے پہلے ڈرائیور.... نے اپنے لگے بندھے معمول کے مطابق میری منزل کا پتا پوچھا تو میں نے پورے اعتماد سے اسے نارتھولٹ ٹیوب اسٹیشن کا نام بتا دیا۔

گاڑی اے فور پر آ کر ہوٹل کی عمارت کے گرد گھومی اور بغلی سڑک پر تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ ڈرائیور نے مجھے منزل تک پہنچانے کے لیے صاف اور سیدھا راستہ اختیار کیا تھا۔ کھلی اور کشادہ سڑکوں پر ٹریفک کی بدنظمی کے خوف کے بغیر سفر کرتے ہوئے میں نے گرد و پیش پر نگاہ رکھی اور جوں ہی منظر تبدیل ہونا شروع ہوا، میرے وجود میں ایک بے چینی سی انگڑائیاں لینے لگی۔

بھارتی اور ایشیائی چہروں کی بہتات کے ساتھ مجھے ساؤتھ آل کے بعض شناسا حصے بھی نظر آنے لگے تھے۔ اسی بستی کے کسی مکان میں گیتا اور اس کے مددگار کی بے گور و کفن لاشیں اپنے کریا کرم کے انتظار میں پڑی سوکھ رہی تھیں۔

میں نے سیٹ پر پہلو بدل کر نظریں باہر جما دیں۔ ہر طرف زندگی اپنے معمول کی طرف رواں دواں تھی۔ کہیں بھی کسی افراتفری یا خوف و ہراس کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا تھا کہ اس وقت تک علاقے میں دہرے قتل کی واردات کا انکشاف نہیں ہوا تھا۔

ٹیکسی ٹریفک سگنل پر ساؤتھ آل کی براڈوے کو عبور کرتی ہوئی لیڈی مارگریٹ روڈ پر چڑھ گئی۔ وہ ایشیائیوں کی گنجان آبادی کا علاقہ تھا جہاں سفید چمڑی خال خال ہی نظر آ رہی تھی۔

میں چند گھنٹوں کے وقفے سے ایک مرتبہ پھر اس علاقے سے گزر رہا تھا جہاں میں ایک دوغلے سفید فام کو قتل کر چکا تھا۔ اس احساس سے میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئی تھیں۔ مجھے رہ رہ کر یوں محسوس ہو رہا تھا

جیسے میری ریڑھ کی ہڈی میں بے شمار چیونٹیوں نے رینگنا شروع کر دیا ہو۔

آخر... مارگریٹ روڈ کا سفر ایک چوراہے پر ختم ہو گیا۔ وہاں سے ٹیکسی بائیں طرف گھوم گئی۔ ایشیائیوں کی بہتات ختم ہونے لگی۔ ایک مرتبہ پھر آبادی پر خالص سفید فاموں کا غلبہ نظر آنے لگا۔ ان میں بعض سیاہ فام بھی تھے مگر وہ بھی مقامی ہی نظر آتے تھے۔

''سر! میرا خیال ہے کہ نارتھولٹ کے ٹیوب اسٹیشن سے تمہیں کہیں اور جانا ہے۔'' سفر کا بڑا حصہ خاموشی سے طے کرنے کے بعد ڈرائیور آخر کار بول ہی پڑا۔

اس کی قیاس آرائی نے مجھے بری طرح چونکا دیا ''تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟''

''وہ صرف ٹیوب اسٹیشن ہے۔ اس کے ایک طرف جنک یارڈ ہے۔ آبادی اس سے پہلے ختم ہو جاتی ہے یا اس سے کافی آگے شروع ہوتی ہے۔ اگر تم صحیح پتا بتا سکو تو میں تمہیں تمہارے مطلوبہ گھر کے دروازے پر اتار سکتا ہوں۔'' اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

اس کی وضاحت نے مجھے مطمئن کر دیا اور میں نے کہا ''تمہارا اندازہ ٹھیک تھا۔ مجھے نارتھولٹ سے آگے جانا ہے۔ وہاں میرا ایک رشتے دار مجھے لینے آئے گا۔''

''ایسا ہی تھا تو تم نے ٹیکسی میں یہاں تک آ کر اپنے کافی پاؤنڈ ضائع کئے ہیں۔ تم ہوٹل سے ہانسلو کے اسٹیشن پر چلے جاتے تو کسی بھی جنکشن سے ٹیوب میں اپنی منزل تک پہنچ جاتے اور پیسے بھی کم خرچ ہوتے۔ ہانسلو تمہارے ہوٹل سے بہت قریب ہے۔''

''یہ بات تم ہوٹل میں ہی بتا دیتے تو میری بچت ہو سکتی تھی۔'' میں نے اس کا دل رکھنے کے خیال سے کہہ ڈالا ورنہ میں نے وہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا تھا۔

''اچھا مشورہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ یہ آئندہ تمہارے کام آئے گا۔ اس شہر میں ٹیوب سفر کا سب سے سستا، آرام دہ اور تیز رفتار ذریعہ ہے۔ وقت بچانے کے لیے تنگ چڑھے امرا بھی بعض اوقات ٹیوب کا سہارا لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ زیادہ سفر کرنا ہو تو ٹکٹ گھر سے ٹریول کارڈ لے لینا۔ وہ اور بھی سستا پڑتا ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو کبھی کبھار لندن آنے والے دوسرے برطانوی بھی نہیں جانتے۔''

میں اخلاقاً ہنس کر بولا ''میری معلومات میں اتنا اضافہ نہ کرو کہ میں تمہیں نیچے اتار کر تمہاری سیٹ پر قبضہ کرنے کے بارے میں سوچنے لگوں۔''

''یہ لندن میں سب سے مشکل کام ہے۔ ٹیکسی چلانے کا لائسنس لینے کے لیے تمہیں شہر کے سارے پتے ازبر کرنے ہوں گے۔'' اس نے ہلکے سے جوابی قہقہے کے ساتھ کہا ''بیشتر لوگ اس امتحان میں ناکام ثابت ہوتے ہیں اور پھر ہونقوں کی طرح شہر کی کوچہ نوردی کرتے نظر آتے ہیں۔''

اس نے باتوں ہی باتوں میں مجھے نارتھولٹ کے ٹیوب اسٹیشن کے سامنے پہنچا دیا۔

ایک پاؤنڈ ٹپ کے ساتھ کرایہ وصول کر کے وہ بھی خوش نظر آیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ مہنگائی بڑھ جانے کے باوجود لندن میں ایک پاؤنڈ کی خاصی وقعت تھی۔ ہو سکتا ہے کہ لوگ ڈرائیور کو کرائے سے بچی ہوئی ریزگاری پر ٹرخاتے ہوں۔ اس بارے میں انگریزی محاورہ کم از کم یہی کہتا تھا۔

نارتھولٹ عظیم تر لندن کا ایک غیر معروف مضافاتی ٹیوب اسٹیشن ہے جہاں ٹیوب سرنگوں کے بجائے سطح زمین پر دوڑتی ہے۔ اس بار لندن میں ٹیوب سے وہ میرا پہلا سفر تھا۔

اسٹیشن کی عمارت مختصر اور انتہائی غیر متاثر کن تھی۔ ٹکٹ گھر کی کھڑکی کے شفاف شیشے کے پیچھے ایک باوردی، سیاہ فام اور موٹی سی معتک خاتون براجمان تھی۔

''ڈے ٹریول کارڈ اور جرنی پلانر!'' میں نے شیشے کی نچلی جھری میں سے پانچ پاؤنڈ کا نوٹ اسٹیل کی ٹرے میں ڈال کر فرمائش کی۔

اس نے بے پروائی سے مجھے ایک دن کا ٹریول کارڈ،

ٹیوب کے راستوں کا جیبی نقشہ اور ایک ایک پاؤنڈ کے تین کھنکتے ہوئے سکے اسی ٹرے کے راستے سونپ دیے۔

آگے سخت زینے دو طرفہ پلیٹ فارم تک اترے ہوئے تھے۔ اوپر سے صاف نظر آ رہا تھا کہ طویل پلیٹ فارم اس وقت تقریباً ویران پڑا ہوا تھا۔ اس پر داہنی طرف اکادکا مسافر آگے سے آنے والی ٹیوب کے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے۔

پلیٹ فارم کی دونوں سمتوں میں نصب نمایاں تختیوں پر ان مقامات کے نام درج تھے جہاں کے لیے ان سمتوں سے ٹیوب پکڑی جا سکتی تھی۔

بائیں طرف والی فہرست میں صرف تین مقامات کے نام درج تھے۔ داہنے پلیٹ فارم والی فہرست بہت طویل تھی لیکن اس میں چیرنگ کراس کے ٹیوب اسٹیشن کا نام نہیں تھا۔

میں نے لندن کے اس زیرِ زمین اور بالائے زمین سفری نظام کے بارے میں راستے میں ہی اپنی یادداشت تازہ کر لی تھی۔ بورڈ پڑھنے سے بات واضح ہو گئی۔ نارتھولٹ کے مضافاتی اسٹیشن سے صرف سنٹرل لائن گزرتی تھی۔ اس کے ذریعے مجھے شہر کے مرکزی حصے میں کسی ایسے جنکشن تک پہنچنا تھا جہاں سے چیرنگ کراس کے لیے دوسری لائن کی ٹیوب مل سکے۔

اس مرحلے کو سر کرنے کے لیے مفت میں ملنے والے ٹیوب کے جیبی نقشے کا جائزہ لینا ضروری تھا۔

فہرست سے اندازہ ہو چکا تھا کہ میرا وہ سفر خاصا طویل ہوگا۔ پلیٹ فارم پر موجود مسافروں کی تعداد سے یہ بھی ظاہر تھا کہ شہر کے وسط تک جانے والی ٹیوب میں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں ہوگی اس لیے میں نے نقشہ بینی کا کام کچھ دیر کے لیے ملتوی کر دیا۔

لندن کے مستقل باسی ویسے بھی پبلک ٹرانسپورٹ کے دوران میں کچھ نہ کچھ پڑھنے کے مرض میں مبتلا ہیں۔ ہر مسافر کے ہاتھ میں کچھ اور ہو یا نہ ہو، کوئی کتاب، رسالہ یا اخبار ضرور موجود ہوتا ہے...... ان کی دیکھا دیکھی بہت سے غیر ملکی سیاح اپنے گھٹنوں پر مختلف زبانوں میں چھاپے گئے وہ متعدد سیاحتی نقشے پھیلائے نظر آتے ہیں جو لندن میں فروغِ سیاحت کا ادارہ بہت فراخ دلی سے سیاحوں میں مفت تقسیم کرتا ہے اور یہ ایک سرخ تختی پر انگریزی کا چھوٹا آئی دکھانے والے ہر سائن بورڈ کے قریب بہت آسانی سے دستیاب ہوتے ہیں۔

اس شہر میں بہت سے لوگوں کو اپنی ملازمت یا کاروبار کے لیے اتنا طویل سفر طے کرنا ہوتا ہے کہ وہ سفر کے دوران میں ہی پورا اخبار چاٹ لیتے ہیں اور پھر یہ ردی گھر لے جانے کے بجائے اپنی خالی کی ہوئی نشست پر چھوڑ جاتے ہیں جسے کوئی نہ کوئی وہاں سے اٹھا لیتا ہے۔

تقریباً دو منٹ بعد ہی شفاف پٹریوں پر سنسناتی ہوئی ٹرین تیز رفتاری سے پلیٹ فارم کی حدود میں داخل ہوئی اور ایک گہرا سانس لیتی ہوئی ٹھہر گئی۔ ٹیوب کہلانے والی اس برق رفتار ٹرین کے خودکار دروازے سرکے اور میری قریبی بوگی یا ڈبے کا فرش پلیٹ فارم کی سطح سے تقریباً ملا ہوا نظر آنے لگا۔

پلیٹ فارم پر نصب ریڈیو پیجنگ سسٹم پر شاید ٹیوب کی آمد اور سفر کی سمت کا اعلان [illegible] تھا۔ میرے سامنے والے دروازے میں اترنے والا کوئی نہیں تھا۔ پورے ڈبے میں دو چار ہی مسافر نظر آ رہے تھے۔ میں لپک کر ڈبے میں سوار ہو گیا۔

دروازے کے ساتھ معمر اور معذور افراد کے لیے مخصوص نشست کو چھوڑ کر میں دیواروں کے متوازی لگی ہوئی آرام دہ نشست پر بیٹھ گیا۔ اس ڈبے میں بیٹھنے والوں کے لیے جگہ کم اور کھڑے ہونے والوں کے لیے زیادہ گنجائش تھی۔

چند سیکنڈ بعد ہی دروازے ایک ہم آہنگ سسکاری کے ساتھ بند ہوئے اور ٹیوب ایک خوش گوار جھٹکے کے ساتھ رفتار پکڑنے لگی۔

میں نے سوٹ کیس قدموں میں جما کر نقشہ سنبھال لیا۔ بظاہر مشکل اور پیچیدہ نظر آنے والا وہ نقشہ اپنی اصل

میں بہت آسان تھا۔ اس کے مطابق اگر میں آکسفورڈ سرکس کے ٹیوب اسٹیشن پر اتر کر متعلقہ پلیٹ فارم سے بیکر لولائن کی ٹیوب پکڑتا تو اگلا اسٹیشن چیرنگ کراس ہی ہوتا۔

سفر کے ساتھ ساتھ ٹیوب میں مسافروں کی تعداد بڑھتی چلی گئی پھر درمیانی جگہ میں بھی لوگ جمع ہونے لگے۔ کافی دیر تک ٹیوب سطح زمین پر دوڑتی رہی پھر ایک دو مقامات پر مختصر سرنگوں سے گزرنے کے بعد آخر کار زیر زمین راستوں پر دوڑنے لگے۔

کسی بھی قسم کی آلودگی نہ پیدا کرنے والے انجنوں سے محفوظ اور براہ راست برقی طاقت سے چلنے والی اس ٹیوب میں گھٹن کا احساس تک نہیں تھا۔ محرابی صورت میں بنی ہوئی ان مسلسل سرنگوں میں داخل ہونے کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی روشنی میں کمی کا احساس نہیں ہوا کیونکہ اندر روشنی کا معقول انتظام تھا اور سنگل ٹریک سرنگوں میں بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر روشنی نظر آرہی تھی۔

میں اپنے سفر کی جزئیات سے محظوظ ہونے کے ساتھ ہی سلیم اکبر خان کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس وقت تک اسے میری کسی بات پر شبہ نہیں ہوسکا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ میں اس کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کرتا جارہا تھا۔

گزرتے ہوئے اسٹیشنوں کے ساتھ میری نگاہیں غیر ارادی طور پر بار بار ٹیوب کے روٹ کے اس نمایاں نقشے کی طرف اٹھ رہی تھیں جو سامنے والی دیوار اور چھت کی نیم گولائی میں جگہ جگہ بنا ہوا تھا۔ گو میرے پاس کافی وقت تھا لیکن میں اپنا مطلوبہ اسٹیشن بھولنے یا چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

وائٹ سٹی اور شیفرڈ زبش کے اسٹیشنوں سے ہمارے ڈبے کے دروازوں پر مسافروں کی بھاری یلغار ہوئی۔ اگلا ریلا نا تنگ ہل گیٹ سے آیا۔ اسٹیشن گزرتے رہے اور جب ٹرین یا ٹیوب بونڈ اسٹریٹ پر رکی تو میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی کیونکہ مجھے اگلے اسٹیشن پر اترنا تھا۔

میں خالی ہاتھ ہوتا تو مجھے دروازے پر پہنچنے میں چند سیکنڈ بھی نہ لگتے لیکن میرا مسئلہ میرا ہلکا سا سوٹ کیس تھا جو رکاوٹ بن سکتا تھا۔

ایک دوسرے سے چپکے ہوئے مسافروں کی بھیڑ میں مرد یا عورت کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ نسوانی چہروں میں ایسے ایسے حسین پیکر بھی نظر آرہے تھے جن پر کسی بھی جمال پرست کا دل مچل سکتا تھا۔ اسی طرح مردوں میں سب شرفا اور معززین نہیں تھے۔ ان میں ہر عمر اور ہر ذوق کے مسافر شامل تھے لیکن اس بھیڑ میں ایک نظم تھا۔ کہیں کوئی ہڑبونگ تھی، نہ کوئی شکایت۔

اس وقت مجھے ٹیوب کے ڈبے کی ملی جلی بھیڑ کا وہ نظم وضبط بہت پسند آیا۔ اپنی شہری آزادیوں کی حدود میں رہتے ہوئے وہ لوگ دوسروں کی شخصی آزادیوں کا پورا پورا احترام کرنے کے عادی تھے۔ یہی نہیں، ان کے اس اجتماعی رویے میں ایسی اثر انگیزی تھی کہ ان کے درمیان آئے ہوئے نگر نگر کے سیاح بھی ان کی تقلید کرنے پر مجبور تھے۔

وہ میرا اس وقت کا تجزیہ اور تاثر تھا۔ بعد میں میں نے اس شہر کی ان ہی ٹیوبوں اور ٹیوب اسٹیشنوں پر ایسے واقعات بھی دیکھے جو گھٹیا اور قابل نفرت کہے جاسکتے ہیں اور اسی کے بعد میری رائے بدل گئی۔ پانچوں انگلیاں کہیں بھی یکساں نہیں ہوتیں پھر لندن کے سارے گورے اور گوریاں کس طرح شریف، امن پرور اور انسان دوست ہوسکتی تھیں۔

میں محتاط رہ کر حسین اور نازک اندام عورتوں سے بچتا اور کہیں اس آتشیں لمس کی تپش سے گزرتا ہوا دروازے تک پہنچ ہی گیا۔ بونڈ اسٹریٹ سے ٹیوب نے ایک ہی سانس میں مختصر سی دوڑ لگائی اور پھر آکسفورڈ سرکس کے پلیٹ فارم پر لگ گئی۔

یہاں اترنے والوں کا ایک انبوہ تھا۔ میں بھی اس عجلت پسند بھیڑ میں شامل ہوکر پلیٹ فارم پر آگیا۔ اس زیرزمین پلیٹ فارم میں سرد اور تیز ہوائیں آرہی تھیں۔ ہر طرف تیز تیز چلتے ہوئے لوگوں کے ہجوم میں کہیں رک کر

کسی چیز کا جائزہ لینا ممکن نہیں۔ ہر مسافر نکاس کے اپنے مطلوبہ راستے کی طرف یوں تیزی سے چل رہا تھا جیسے اسے باوثوق ذرائع سے اس سرنگ کے کسی بھی لمحے بیٹھ جانے کی خبر مل چکی ہو۔ ایک طویل مدت کے بعد مرکزی لندن کے ایک زیرزمین ٹیوب اسٹیشن میں وہ تماشا دیکھنا میرے لیے ایک خوشگوار تجربہ تھا۔

نئے مسافروں کو اپنی آغوش میں سمیٹ کر ٹیوب تیزی سے آگے بڑھ کر سرنگ کی گولائیوں میں معدوم ہوتی چلی گئیں۔ میں ٹرین کے نظارے سے فارغ ہوا تو میدان صاف ہو چکا تھا۔ زمین کے نیچے اندر ہی اندر بنے ہوئے پرپیچ راستے اس منزل کے سارے مسافروں کو نگل چکے تھے۔ تقریباً خالی پلیٹ فارم کی ویرانی دیکھ کر شبہ سا ہو رہا تھا کہ چند ثانیوں پہلے میں نے جو کچھ دیکھا، وہ خواب تھا۔

مجھے چھت سے لٹکے ہوئے روشن نشانات میں بیکر لولائن کا کا نام نظر آ گیا۔ نام کے نیچے بنا ہوا تیر سنگی دیوار میں بنے ہوئے ایک تنگ راستے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ میں اسی طرف چل دیا۔

اس دوران میں دیوار میں بنے ہوئے سوراخوں یا تنگ محرابی دروازوں نے نئے مسافر اگلنے شروع کر دیے تھے جنہیں اگلی ٹیوب کے پیٹ میں سما جانا تھا۔

وہ دروازہ بہت موٹی دیوار اور درمیانی تعمیرات میں آر پار ملا ہوا تھا۔ ساری سرنگیں سنگل ٹریک تھیں اس لیے دوسرے متوازی پلیٹ فارم پر مخالف سمت میں جانے والی سنٹرل لائن کی ٹرین رکتی تھی۔ اس کا اندازہ دونوں طرف لکھے ہوئے اسٹیشنوں کے نام سے ہوتا تھا۔

بیکر لولائن کا اگلا روشن اشارہ نیچے جانے والے زینوں کی طرف رہنمائی کر رہا تھا۔ پہلی لینڈنگ سے گھوم کر زمین کی مزید گہرائی میں اترتے ہوئے مجھے سیڑھیوں کے اختتام پر واقع دیوار پر دونوں سمتوں میں جانے والی بیکر لولائن کی ٹرینوں کے اسٹیشن ترتیب وار لکھے ہوئے نظر آئے اور میں اس سمت میں ہو لیا جدھر چیرنگ کراس کا نام سب سے اوپر نمایاں تھا۔

میں اس وقت زمین سے کئی سوفٹ نیچے تھا۔ اسٹیشن کی پہلی منزل سے سطح زمین تک آمد ورفت کے لیے استعمال ہونے والے دیو ہیکل مشینی زینے مجھ سے بہت اوپر تھے۔ میں پرسکون انداز میں مطلوبہ پلیٹ فارم پر پہنچا تو چھت سے لٹکی ہوئی گھڑی سوا چھ بجا رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ میرے پاس سلیم اکبر خان کے پاس پہنچنے کے لیے کافی وقت تھا۔

پلیٹ فارم سے نیچے چمکتی ہوئی برقی پٹریوں کے اس پار سرنگ کی دوسری دیوار پر مختلف مصنوعات، تھیٹر، فلموں اور کتابوں کے جہازی اشتہار آویزاں تھے۔ سرنگوں کی تنگ اور مخصوص ساخت کی وجہ سے وہ اشتہار دیواروں سے یوں چپکے ہوئے تھے کہ ان ہی کا ایک حصہ معلوم ہو رہے تھے۔

بیکرلو لائن کی ٹیوب میں مجھے جس ڈبے میں گھسنے کا موقع ملا، اس میں صحت مند سیاہ فام لڑکے لڑکیوں کی کثرت تھی۔ وہ سفید فاموں کے برعکس اونچی آوازوں میں ہنس بول رہے تھے اور آپس میں فحش مذاق بھی کرتے جا رہے تھے۔ ان کے رویے سے شوریدہ سری نمایاں تھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بے رحمی سے دوسروں کو نظر انداز کر رہے ہیں یا پھر بلند آہنگ لب ولہجہ اختیار کر کے سب کو اپنی موجودگی کا پختہ احساس دلانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

رنگ، سماجی مرتبے یا معاشی ناآسودگی میں سے کوئی بھی بات ان لڑکے لڑکیوں کے احساس محرومی کا سبب ہو سکتی تھی۔ وہ واضح طور پر اپنے سفید فام ہم وطنوں سے یکسر مختلف تھے۔

ٹیوب نے قلیل سی مدت میں مجھے چیرنگ کراس اسٹیشن پر اتار دیا۔ وہاں بھی مسافروں کی بڑی تعداد اتری۔ سیاہ فاموں کا غول بھی دھکا پیل کرتا اور آپس میں ہاتھا پائی کرتا ہوا وہیں اتر گیا۔ ان میں سے کئی کے ہاتھوں میں بیئر کے المونیم کین تھے جن سے باری باری سب ہی استفادہ کر رہے تھے۔

ان کے تیور خاصے جارحانہ بلکہ للکارنے والے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ ان کی منہ زوریوں اور بدتمیزیوں پر کوئی انہیں ٹوکے اور وہ سب مل کر نہ صرف اس کا بھرکس نکال دیں بلکہ اس کا مال ومتاع چھین کر اپنی شام خوشگوار تر بنانے کا اہتمام کر سکیں۔

لندن کے ان منہ توڑ اور لڑاکا کالوں کے بارے میں میری سنی سنائی معلومات خاصی تلخ تھی۔ میں ان سے بچ کر راستہ طے کرتا رہا۔ اچانک ایک لڑکے نے اپنی ایک ساتھی کے کولھوں پر پرشور آواز کے ساتھ ایک تھپڑ رسید کیا، لڑکی نے پلٹ کر اپنے کین میں بچی ہوئی بیئر اس کے منہ پر دے ماری اور پھر اس دوطرفہ مذاق پر وہ سب ہی گلا پھاڑ پھاڑ کر تالیاں پیٹ پیٹ کر ہنسنے لگے۔

ان کی پیش قدمی رک گئی۔ انہوں نے پھیل کر اپنے پیچھے آنے والوں کا راستہ مسدود کر دیا۔ بھیڑ رک گئی۔ لوگ ان کے بڑھنے کا انتظار کرنے لگے۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ان کے درمیان سے نکل کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا مگر ایک دراز قامت، قوی الجثہ اور مہذب سیاہ فام اپنے ہم نسلوں کی وہ کھلی بدمعاشی برداشت نہیں کر سکا۔

وہ انہیں برا بھلا کہتا ہوا ان کے درمیان گھسا ہی تھا کہ انہوں نے اسے گھیر لیا۔ اس سے لپٹ پڑنے کے چکر میں وہ راستہ چھوڑ کر اس کے گرد مرکوز ہو گئے تھے۔ جگہ بنتے ہی مسافروں نے وہاں سے کھسکنا شروع کر دیا۔ آگے بڑھتے بڑھتے میں نے یہ دیکھا کہ ان کے تھپڑوں اور گھونسوں میں مہذب سیاہ فام کی غصیلی اور ناصحانہ تقریر ادھوری رہ گئی تھی۔ کچھ اسے مار رہے تھے اور کچھ اس کی جیبیں پھاڑنے کی براہ راست کوششوں میں مصروف تھے۔

رات گئے سنسان مقامات اور غیر مصروف ٹیوب اسٹیشنوں پر اس قسم کے اکا دکا واقعات کے بارے میں سنسنی خیزی کے رسیا اخبارات خبریں چھاپتے رہتے تھے لیکن سرشام ایک مصروف اسٹیشن پر اس واقعے کا رونما ہونا

میرے لیے حیران کن تھا۔

"پولیس!" اچانک فضا میں کسی خاتون کی خوف زدہ چیخ لہرائی جو بے ساختہ تھی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا کہ پولیس کا نام سنتے ہی سیاہ فام آوارہ گردوں کی ٹولی نے اپنے شکار کو چھوڑ کر واپس اندر کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔

اس افسوسناک واقعے کا یہ ایک اچھا پہلو تھا کہ اس شہر کے لچے لفنگے پولیس کے نام سے ڈرتے تھے۔ کسی دہشت زدہ عورت کی آواز سننے کے بعد انہوں نے یہ جاننے کی کوشش تک نہیں کی تھی کہ اس عورت نے پولیس کی آمد کا اعلان کیا تھا یا مدد کے لیے پولیس کو پکارا تھا، بس قانون کے آہنی ہاتھ سے اپنی گردنیں بچانے کے لیے وہاں سے بھاگ لیے تھے۔

وہ سب مکار اور عادی لفنگے معلوم ہوتے تھے۔ لندن پولیس کے کسی بولی سے اپنی جان بچانے کے لیے انہوں نے اسٹیشن سے نکلنے کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ افراتفری اور بھاگ دوڑ کے عالم میں انہوں نے باہر نکلنے کی کوشش کی تو لندن ٹرانسپورٹ کے عملے کا کوئی بھی ذمے دار رکن باز پرس کے لیے انہیں روک کر پولیس کے حوالے کر دے گا۔

پلیٹ فارموں کی طرف دوڑ لگانے کی صورت میں کوئی ان پر زیادہ دھیان نہ دیتا۔ ہر دیکھنے والا یہی سمجھتا کہ کچھ لاابالی لڑکے لڑکیاں بروقت کہیں پہنچنے کی عجلت میں پہلی ٹیوب پکڑنے کے لیے بھاگے جا رہے ہیں۔ وہ بکھر کر مختلف پلیٹ فارموں کی طرف ہو لیتے۔ ایک دو اسٹیشن دور جا کر باہر نکلے بغیر کسی مقررہ مقام کی طرف واپس لوٹتے اور وہاں یکجا ہو کر کسی نئی واردات کی تیاری شروع کر دیتے۔

میرے لیے وہ ایک نیا اور سبق آموز تجربہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ لندن میں رہنے والوں میں نظر آنے والی باہمی رواداری ایسے ہی تلخ تجربات سے پیدا ہونے والی لاتعلقی کا نتیجہ ہو۔ کسی کی پیشانی پر نہیں لکھا ہوتا کہ کون

شریف اور کون بدمعاش ہے۔ اسی وجہ سے لوگ ہر تماشا سرسری نگاہ سے دیکھتے ہوئے سرد مہری سے آگے بڑھنے کے عادی ہو چکے ہیں، کوئی دوسروں کے پھٹے میں ٹانگ نہیں اڑاتا۔ ناگہانی ٹوٹ پھوٹ سے بچنے کے لیے شہریوں نے شرپسند عناصر کی سرکوبی کی ساری ذمے داری پولیس کے سر ڈالی ہوئی ہے جسے قانون کی پشت پناہی کے ساتھ نیک نامی کا موثر ہتھیار بھی حاصل ہے۔

جب قانون اپنا عمل شروع کرتا ہے تو شہریوں کی ساری رواداری، لاتعلقی یا بزدلی رخصت ہو جاتی ہے اور بیشتر شہری قانون کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھنے لگتے ہیں۔

لندن کے شہریوں میں پائے جانے والے فرض شناسی کے ان ہی جراثیم کے خوف نے مجھے ماسٹر رابرٹ ہوٹل کا آرام دہ کمرا چھوڑ کر سلیم اکبر خان کے رائل ہوٹل کی طرف دوڑ لگانے پر مجبور کیا تھا۔

گیتا اور اس کے ساتھی کی لاشیں دریافت ہونے کے بعد لندن کے کم از کم دو شہری میرے اور ویرا کے خلاف دو تباہ کن شہادتیں دینے کی پوزیشن میں تھے۔

چیرنگ کراس کے روشن اور پرہجوم علاقے میں جہاں محبت سے سرشار اور گرد و پیش سے بے خبر، ہر عمر کے جوڑے نظر آ رہے تھے وہاں منتظر نگاہوں، سوالیہ چہروں اور اضطرابی اشاروں کا نظارہ بھی ایک دلچسپ شغل تھا۔ میرے ہاتھ میں لٹکا ہوا ہلکا سا سوٹ کیس اس وقت میری مجبوری کا نمایاں اشتہار تھا۔ دیکھنے والیوں کو دور ہی سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ جو شخص خود اپنا بوجھ اٹھائے، سر چھپانے کے کسی ٹھکانے کی تلاش میں سرگرداں ہو، اسے فوری طور پر کسی ترغیب کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا۔

اسٹیشن سے نکل کر میں ادھر ادھر دیکھتا ہوا تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ ایک دیوار کے سائے میں کھڑی ہوئی ایک معقول صورت، متوسط عمر کی عورت نے حرکت میں آ کر اور میرے شانے پر جھک کر رازدارانہ لہجے میں منمنائی "تم اکیلے ہی ہو...... بزنس کا ارادہ ہے۔"

کتابوں میں لکھے ہوئے قانون کی پابندیوں کی وجہ سے وہاں مشتبہ مصروفیات کے ابتدائی طور پر ایسی ہی محتاط زبان استعمال کی جاتی ہے۔ میں نے رک کر لمحہ بھر کے لیے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں موجود شکاری جیسی تیز چمک نے واضح کر دیا کہ اس کا تعلق اسی مس سینڈی کے قبیلے سے ہے، جس نے ماسٹر رابرٹ ہوٹل کے کمرا نمبر سات میں رکھی ہوئی بائیبل کے سادہ ورق کے ذریعے اپنا پیغام عام کرنے کی کوشش کی تھی۔

"نو بزنس!" میں نے صنفِ لطیف کا خیال کرتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "فی الحال میں کمرے کی تلاش میں رائل ہوٹل تک پہنچنا چاہ رہا ہوں۔ اس کے بعد کچھ سوچوں گا۔"

"میرے پاس ٹیوڈر ہوٹل میں پرائیویٹ کمرا ہے۔" اس نے میرے شانے سے شانہ ملا کر چلتے ہوئے کہا "پچیس پاؤنڈ یومیہ کرایہ ہے۔ آج رات کے پچاس ہوں گے۔ صبح میں تمہارے لیے کمرا چھوڑ دوں گی۔ بہت عمدہ ہوٹل ہے۔ تمہاری طبیعت خوش ہو جائے گی۔ یہ بہت مناسب ڈیل ہے۔"

میں نے اس مرتبہ ذرا غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ تیس کے لگ بھگ، دلکش خدوخال والی عورت تھی مگر ہلکے سے میک اپ کی تہ میں جھانکتی ہوئی اپنی جلد کی رنگت کی وجہ سے وہ مجھے مدقوق سی نظر آئی۔ اس کی آنکھوں کے نیچے گہرے، سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے جنہیں آئی شیڈز کی مدد سے چھپانے کی کوشش کی گئی تھی۔ موسم خنک ہونے کے باوجود اس کے جسم پر گرمیوں کا لباس تھا جس میں کپڑے کے استعمال میں خاصی کنجوسی سے کام لیا گیا تھا۔

نیچے گلے والے جالی دار کپڑے کے بلاؤز کے نیچے اس نے جو کچھ پہنا ہوا تھا وہ اس کی جلد سے ہم رنگ تھا۔ مختصر الفاظ میں یہی کہا جا سکتا تھا کہ اس نے اپنے لباس سے ستر پوشی سے بڑھ کر جسم نمائی کا کام لینا چاہا تھا اور اس میں اسے ناکام نہیں رہی تھی۔

"مس! تمہاری پیش کش کا شکریہ۔ مجھے رائل ہوٹل ہی جانا ہے۔" میں نے کہا۔

"چلو! تو وہیں پہنچا دیتی ہوں۔ پانچ پاؤنڈ دے دینا......" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔ وہ بہت کھلے دل سے تو نہیں اور سہی، اور نہیں اور سہی کی قائل معلوم ہوتی تھی۔

افراط زر اور مالیاتی دباؤ کی وجہ سے پاؤنڈ بھی دھیرے دھیرے اپنی وقعت کھو رہا تھا۔ ایک پاؤنڈ کی مالیت نوٹ سے وزنی سنہرے سکے کے روپ میں ڈھل چکی تھی مگر پھر بھی اس وقت تک پاؤنڈ، پاؤنڈ ہی ہوتا تھا اور پھر پانچ پاؤنڈ کی رقم تو کافی تھی۔

میں نے ازراہِ مذاق کہا" ذرا سے کام کے اتنے پیسے؟ پانچ پاؤنڈ میں تمہیں میرا سوٹ کیس بھی لے کر چلنا ہوگا۔"

اس نے زبان سے کچھ کہے بغیر فوراً ہی میرے ہاتھ سے سوٹ کیس تقریباً چھین لیا اور مجھ پر اپنا یہ فلسفہ واضح کردیا کہ وہ سب کچھ کرسکتی تھی لیکن ہاتھ آتے ہوئے پاؤنڈ نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

چند لمحوں کے لیے میرے اندر سویا ہوا وہ خود غرض، ایذا پرست، متکبر اور خود پرور انسان جاگ اٹھا جو دوسروں کی تحقیر اور تذلیل کر کے خوش ہوتا ہے۔

چند برسوں بعد ہم انگریز کی صد سالہ غلامی سے اپنی آزادی کی پچاسویں دہلیز میں داخل ہونے والے تھے۔ انہوں نے طاقت کے بل پر ہمارے پرکھوں کی ہڈیوں اور بزرگوں کی محنت پر راج کیا اور اسی روز اسی انگریز کی ایک آبرو باختہ بیٹی کسی زرخرید باندی کی طرح میرا سوٹ کیس اٹھا کر میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اس کی قیمت صرف پانچ پاؤنڈ تھی۔ پچاس پاؤنڈ اس پورے وجود کی قیمت تھی۔

حرم سراؤں، کنیزوں اور بازار مصر کے نیلاموں کا مذاق اڑانے والوں کے شہر کا چیرنگ کراس خود رضا کارانہ بردہ فروشی کا ایک مرکز بنا ہوا تھا جہاں شام کے دھندلکوں میں راتوں کے سودے ہو رہے تھے اور اس وقت میں خود بھی اس بازار کا ایک غیر اہم اور چھوٹا سا خریدار تھا۔

جسم پابند ہوتے ہیں مگر ذہن اور خیالات ہر قید سے آزاد ہوتے ہیں۔ اس لڑکی کا مجھ سے یوں آٹکرانا ایک بہت معمولی سا واقعہ تھا لیکن اس عبرت اثر تماشے نے پل بھر میں میری ذہنی رو کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ میرے لیے وہ خیالات اور برتری کا عارضی احساس آسودگی، سرور بلکہ ذہنی لذت کا سبب بن گیا۔

میری وہ کیفیت بس ذرا سی دیر رہی پھر میرا دل مجھے ملامت کرنے لگا۔ دیارِ غیر میں میں اپنا ذرا سا بوجھ بھی خود نہیں اٹھا سکتا تھا، میرے سوٹ کیس کا وزن ہی کتنا تھا۔ میں اپنے کسرتی وجود کے ساتھ خالی ہاتھ جھلاتے ہوئے چل رہا تھا اور وہ نرم و نازک سی عورت سوٹ کیس سنبھالے ہوئے تھی۔

میں نے اس سے زیادہ پھرتی سے اس کے ہاتھ سے اپنا سوٹ کیس واپس چھین لیا۔

غلام تو میں اپنا سارا بوجھ اپنے رکھوالوں پر ڈال کر غفلت کی نیند سو جاتی ہیں۔ آزاد شہری اپنا ہر بوجھ فخر کے ساتھ خود اٹھاتے ہیں۔ خیالات کی پہلی رو کی تردید میں میرے ذہن میں ایک نئی لہر ابھری جس نے میرا سینہ قدرے پھلا دیا۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ اور ایم آئی کی جگہ اب اسپیشل ٹاسک فورس اپنی سرزمین کی تمام سرحدوں کی نگہبانی کر رہی تھی اور دشمنوں کو چن چن کر ان کی گردنیں ناپ رہی تھی۔ آزادی کے بعد اپنے زور بازو پر انحصار کی راہ پر ہمارا سفر سست لیکن درست سمت میں تھا اور میرا راستہ بھی وہی تھا۔

"تم عجیب آدمی ہو!" میری ساتھی تعجب سے کہہ رہی تھی۔ "سوٹ کیس واپس کیوں لے لیا؟"

"میں مذاق کر رہا تھا۔ مرد ساتھ ہو تو عورت خالی ہاتھ ہی اچھی لگتی ہے۔"

"ایشیائی ہو۔" اس نے فیصلہ صادر کیا پھر پوچھا "کیا پاکستان سے آئے ہو؟"

میں چونک پڑا مگر میں نے اس کے سوال کا جواب ٹال کر سکون سے پوچھا" تمہیں یہ شبہ کیوں ہوا؟ کسی کی

شہریت اس کے چہرے پر تو لکھی نہیں ہوتی۔"
وہ دھیرے سے ہنس پڑی۔ لپ اسٹک لگے ہوئے ہونٹوں کے پیچھے اس کے موتی جیسے دانتوں کی قطار نمایاں ہوگئی "عورتوں کے لیے پاکستانی مرد ندیدے ہونے کے باوجود نرم خو اور تمہاری طرح شائستہ ثابت ہوتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ چار بیویوں کے ساتھ گزارہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ دوسری بات......"
اس کی دوسری بات شروع ہونے سے پہلے میں نے بات اچک لی "تم سے یہ کس نے کہہ دیا کہ ہر پاکستانی کی چار بیویاں ہوتی ہیں؟"
"میں نے بھی سنا ہے۔" وہ بے پروائی سے بولی "کوئی غربت، بیماری یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے دو تین پر گزارہ کرتا ہو تو دوسری بات ہے۔"
"خدا کا خوف کرو بے بی!" میں نے اسے گھور کر کہا "بیوی کے روپ میں ایک زبان دراز اور لڑاکا عورت بھی اللہ کے عذاب سے کم نہیں ہوتی۔ چار کی ہمت کون کرسکتا ہے؟ وہ صرف ایک مذہبی رعایت ہے جو عدل وانصاف کی کڑی شرائط کے ساتھ مردوں کو حاصل ہے۔ ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے والوں کی تعداد ملک بھر میں آٹے میں نمک سے زیادہ نہیں ہوگی۔"
"ہوسکتا ہے کہ ایسا ہی ہو۔ مجھے اس سے کیا لینا۔ میں کون سی تم سے شادی کی امیدوار ہوں! تم تو رات بھر کی دوستی پر بھی آمادہ نہیں ہو۔" اس کی بے پروائی بدستور قائم رہی۔
"میں نے تمہاری ایک غلط فہمی کا ازالہ کردیا۔ اب وہ دوسری بات بھی بتاؤ جو میری دخل اندازی کی وجہ سے ادھوری رہ گئی تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"پتا نہیں میں کیا کہہ رہی تھی۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔ اس کی آواز میں کوئی مکاری نہیں تھی۔
"تمہیں یہ شبہ کیوں ہوا کہ میں پاکستان سے آیا ہوں؟" میں نے اسے یاد دلایا۔
"ہاں!" وہ چونک کر بولی "اگر تم پاکستانی ہی ہو تو برا نہ ماننا، تمہارے سوٹ کیس کے ناکافی وزن کی وجہ سے مجھے یہ خیال آیا تھا۔"
"تمہارا مطلب ہے کہ پاکستانی گھر سے خالی ہاتھ آتے ہیں اور یہاں سے لدے پھندے واپس جاتے ہیں تو یہ تمہارے لیے اچھی بات ہے۔ وہ یہاں دل کھول کر زرمبادلہ خرچ کرتے ہیں......"
اس بار اس نے میری بات کاٹ دی "برٹش کسٹم والوں کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان سے کم سازو سامان کے ساتھ آنے والوں میں ہی ہیروئن کے اسمگلر شامل ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کم سامان کی وجہ سے کسٹم والے ان کی تفصیلی تلاشی نہیں لیں گے اور وہ وائٹ یا براؤن شوگر یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ یہاں پاکستان کی ہیروئن کی زبردست ڈیمانڈ ہے۔"
میرا سر گھوم گیا۔ بازاروں میں خریدار کی تلاش میں ماری ماری پھرنے والی ایک آوارہ صفت لڑکی مجھ سے ٹکرائی تو وہ بھی ہیروئن کی بین الاقوامی تجارت پر اتھارٹی بننے کی کوشش کررہی تھی۔
"تو تمہارا خیال تھا کہ میں دکھاوے کے لیے یہ ہلکا پھلکا سوٹ کیس لے کر پاکستان سے ہیروئن سمیت یہاں وارد ہوا ہوں؟"
میں نے تلخی سے سوال کیا۔
"میرے اندازے کا برا مت مانو۔" وہ جلدی سے بولی "میں نے تم سے پہلے ہی معذرت کرلی تھی۔ اگر تمہارے پاس واقعی کچھ مال ہے تو تم مجھ پر پورا پورا اعتماد کرسکتے ہو۔ میں مکمل رازداری کے ساتھ تمہیں ایسے دام دلوا سکتی ہوں جو تمہیں فرانس اور جرمنی تک میں نہیں ملیں گے۔ اگر تم خالی ہاتھ آئے ہو تو نیور مائنڈ۔ میں تم سے ایک مرتبہ پھر اپنی غلط قیاس آرائی پر معافی چاہتی ہوں۔"
"مجھے معلوم ہوتا کہ چیرنگ کراس پر تم سے ملاقات ہوگی تو میں ضرور پاکستان سے ہو کر آتا اور اپنے ساتھ ایک دو کلو ہیروئن ضرور لاتا۔" میں نے اس کے اندازوں کی نفی کرنے کے لیے نرمی سے جواب دیا۔

"سنا ہے کہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان واقع آزاد قبائلی علاقوں میں بہترین ہیروئن نہایت ارزاں نرخوں پر ملتی ہے۔ شکر اور آٹے کی طرح چھوٹی بوریوں میں بھری ہوئی ہیروئن دکانوں میں سرعام بکتی ہوتی ہے۔ کوئی بھی اس کی خریداری کر سکتا ہے مگر اسے یہاں لانا مشکل ہے۔ جب سے امریکن ڈرگ انفورسمنٹ ایجنسی کے افسر پاکستان میں جم کر بیٹھے ہیں، مقامی کسٹم حکام اور اینٹی نارکوٹکس ایجنسیوں والے بھی بہت فعال ہو گئے ہیں..... کاش، ایک بار میں بھی پاکستان کا چکر لگانے کے لیے وسائل جمع کر سکوں۔"

"میں کبھی پاکستان نہیں گیا مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تمہاری یہ سنی سنائی کہانیاں فرضی ہیں۔ بلی کو خواب میں ہمیشہ چھچھڑے ہی نظر آتے ہیں۔ ہیروئن کی تیاری کی لاگت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ کوئی احمق بھی اسے شکر اور آٹے کی طرح بوریوں میں بھر کر نہیں بیچ سکتا۔ چرس اس سے ہزاروں گنا سستی ہوتی ہے لیکن اسے بھی سونے کی ٹکیوں کی صورت میں سیلوفین کی شفاف پنی میں لپیٹ کر بیچا جاتا ہے۔"

"چرس کے بارے میں زبان بند ہی رکھو تو بہتر ہے۔" اس نے منہ بنا کر مجھے خاموش کر دیا "میں نے اپنی آنکھوں سے سیاہی مائل سبز چرس کے گڑ جیسے ڈلے دیکھے ہیں۔ بعض اڈوں پر انہی ڈلوں سے کنارے توڑ توڑ کر گاہکوں کو چرس فراہم کی جاتی ہے۔ کئی بار میں خود ان ڈلوں میں سے چرس خرید چکی ہوں۔"

مجھے معلوم تھا کہ لندن کے بے راہ رو طبقے میں چرس ایک مقبول اور سستے نشے کی حیثیت رکھتی ہے مگر میں نے انجان بن کر اس سے پوچھا "تو کیا لندن میں ایسے اڈے کافی تعداد میں موجود ہیں؟"

وہ عارفانہ ہنسی کے ساتھ بولی "اب ہر چرسی کو پکاڈلی یا لیسٹر اسکوائر نہیں آنا پڑتا۔ سارے علاقے اس معاملے میں خود کفیل ہیں۔ جب سے ہیروئن کی وبا پھیلی ہے، رائل نارکوٹکس کمیشن اور اس کے سارے ذیلی اداروں کی توجہ اسی پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہے۔ اب وہ چرس پر زیادہ دھیان نہیں دیتے۔ پولیس والے چرس پینے والوں کو نظر انداز کرنے لگے ہیں۔ کسی کے پاس سے دس بیس گرام چرس برآمد ہو بھی جائے تو اسے زبانی تنبیہ اور تادیب کے بعد چھوڑ دیا جاتا ہے۔"

اپنی گھناؤنی پیشہ وارانہ مصروفیات کے باوجود وہ عورت میرے لیے دلچسپ ثابت ہو رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ باتوں ہی باتوں میں، میں کافی دیر سے اس کے ساتھ چل رہا تھا لیکن رائل ہوٹل کے بورڈ کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ میں نے چونک کر قرب و جوار کا جائزہ لیا تو اس مصروف گلی کی دکانیں مجھے کچھ شناسا سی محسوس ہوئیں۔ شاید ہم تھوڑی دیر پہلے ہی وہاں سے گزرے تھے۔

میں ایک دیوار سے ٹک کر رک گیا۔ میں نے سوٹ کیس فٹ پاتھ پر رکھ دیا۔

"رک کیوں گئے؟" میری گھورتی ہوئی نظروں کا سامنا کرتے ہی اس نے بوکھلا کر پوچھا۔

"باتوں میں الجھا کر تم مجھے کہاں لیے پھر رہی ہو؟ ہم دوبارہ اس راستے پر کیوں آئے ہیں؟"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر شرمسار لہجے میں بولی "کمال ہے کہ تم نے دوبارہ ادھر آتے ہی اندازہ لگا لیا۔"

"آخر اس حرکت کا مطلب کیا ہے؟" میں نے تیزی سے سوال کیا۔ اس لڑکی کے بارے میں میرے ذہن میں یکا یک ہی خطرناک شکوک و شبہات نے سر ابھارنا شروع کر دیا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" میرے لہجے کی ترشی پر وہ پریشان ہو گئی "مختصر سی رفاقت کے لیے تم مجھے شریف اور اچھے آدمی نظر آ رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ باتوں میں لگا کر تمہارے ساتھ کچھ زیادہ وقت گزارنے کا موقع حاصل کر لوں تو شاید تم رائل ہوٹل جانے کا ارادہ ترک کر کے میری پیش کش قبول کر لو۔"

اس کی احمقانہ پر امیدی نے میرا ذہن صاف کر دیا

مگر اس کی زبان سے اپنی تعریف وتوصیف سن لینے کے باوجود میں نے اپنی آواز کی تیزی برقرار رکھی "ہر شریف اور اچھے آدمی کو تم چکمہ دے کر یوں ہی گلیاں گھماتی پھرتی ہو؟ کیا یہ میرے شریف ہونے کی کوئی سزا ہے؟"

"تم ذرا سی شرارت کا برا مان گئے۔ چلو اب ہم سیدھے رائل ہوٹل چلتے ہیں۔"

میری برہمی نے اسے مغموم اور سنجیدہ کردیا۔ میں دوبارہ اس کے ساتھ چل پڑا۔ اس بار اس نے رائل ہوٹل کے لیے بالکل ہی مخالف سمت پکڑی تھی۔

"شرارت ہر ایک کے ساتھ نہیں کی جاتی۔" تھوڑی دیر کے بعد وہ خود کلامی کے انداز میں بولنے لگی "لندن کے ان معروف علاقوں میں عورت کے قرب کے متلاشی سیکڑوں مرد ہر وقت منڈلاتے رہتے ہیں مگر خود میں کسی سے بات کرنے کا حوصلہ نہیں پاتے۔ سر شام جو لڑکیاں بن سنور کر اپنے گھروں سے نکلتی ہیں اور سیاحوں کی اس کمزوری کو سمجھتی ہیں وہ کبھی صبح سے پہلے اپنے گھر نہیں لوٹتیں۔ تمہیں ہوٹل پہنچانے کے بعد میں بھی کسی نہ کسی سے مل بیٹھنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ تم دوسرے مردوں سے مختلف نظر آئے تو میں نے چاہا کہ تمہیں شیشے میں اتارلوں۔ یہ کوئی اتنا بڑا قصور تو نہیں ہے کہ مجھے لٹکا دیا جائے......"

مجھے اس پر ترس آنے لگا۔ میں نے نرمی سے کہا تمہیں سولی پر کون لٹکا رہا ہے؟ میں خود بھی تمہاری اوٹ پٹانگ باتوں میں محو تھا۔ اس وقت سات بجنے میں دس منٹ رہ گئے ہیں۔ اگر میں سات بجے تک رائل ہوٹل نہ پہنچا تو فون پر کرائی ہوئی ریزرویشن منسوخ کر کے وہ کمرا کسی کو بھی دے دیں گے۔"

"اوہ...... یہ باریکی میرے علم میں نہیں تھی ورنہ میں تمہارا وقت برباد نہ کرتی۔ ہم بس دو تین منٹ میں رائل ہوٹل پہنچ جائیں گے۔ دراصل میں تم سے رائل ہوٹل سے تھوڑی دور ہی ملی تھی۔ باتیں شروع ہوئیں تو تمہیں پھسلا کر دوسری طرف لے آئی۔"

"دنیا جہان کی باتیں ہو گئیں لیکن تم نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا۔"

"میں تو بہت تفصیلی تعارف کرانا چاہ رہی تھی۔ تم راضی ہی نہیں ہوئے۔" وہ مایوسی سے بولی۔

"میں تمہارا نام پوچھ رہا ہوں۔ بار بار ان باتوں کو نہ چھیڑو جو طے ہو چکی ہیں۔"

"نام میں کیا رکھا ہے۔ ایک پتھر کا نام اگر تم گلاب، موم یا شکر قند رکھ لو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں بھی اس شہر کی ایک باسی ہوں اور بس۔"

مایوسی کے عالم میں انسان کو فلسفہ ہی سوجھتا ہے اور وہ بھی فلسفے پر اتر آئی تھی، جب کہ میں صرف پانچ پاؤنڈ میں ہاتھ آئی ہوئی مفت کی اس دوستی کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اپنی ضروریات، مصروفیات اور کردار کے اعتبار سے وہ کیسی بھی رہی ہو، دل کی بری نہیں تھی اور کسی آڑے وقت میں میرے کام آسکتی تھی۔ میں نے اصرار کیا "لندن کے دوسرے باسیوں میں تمہاری کوئی الگ شناخت بھی تو ہوگی۔"

"تم مجھے شیری کہہ سکتے ہو لیکن نام جاننے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ رائل ہوٹل تمہیں دکھا کر میں دور ہی سے لوٹ جاؤں گی۔ لندن میں ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ دو بچھڑے ہوئے ملاقاتی پھر کبھی اتفاقاً ایک دوسرے سے مل سکیں۔"

میں خود بھی اسے سلیم اکبر خان کے سامنے یا رائل ہوٹل میں لے جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا لیکن اس کی باتوں کے جواب میں اخلاقاً مجھے پوچھنا ہی پڑ گیا "دور سے کیوں لوٹو گی؟ میں تمہیں اپنے کمرے میں لے جا کر چائے، کافی یا اسکاچ پلاؤں گا، یہ تمہارا حق ہے۔"

اس کی وضاحت حیران کن بلکہ ناقابل یقین تھی "رائل ہوٹل کی مالکہ مجھ سے جلتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں ٹیوڈر والوں کے لیے کام کرتی ہوں، وہ مجھے اندر ہی نہیں گھسنے دے گی۔"

"تو کیا تم ٹیوڈر ہوٹل میں کوئی ملازمت بھی کرتی

ہو؟‘‘میں نے حیرت سے پوچھا۔
’’یہ ملازمت کے تقاضے ہی تو تھے جو مجھے تمہارے روبرو لائے تھے۔‘‘ اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔
’’کک...... کیا یعنی تمہارا مطلب ہے کہ تم ہوٹل کے لیے گاہک گھیرتی ہو؟‘‘
اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ زبان سے کچھ نہ بولی۔
’’اس سیزن میں تو ہوٹل ویسے ہی بھر جاتے ہیں۔ انہیں تم کو بگاڑنے کی کیا ضرورت تھی؟‘‘
’’تم جس کاروبار میں جھانکو، تمہیں کوئی نہ کوئی مافیا کام کرتی ہوئی نظر آئے گی۔ سیاحوں کی دلچسپی کے علاقوں میں ایسے ہوٹلوں کی بہتات ہے جن میں پندرہ سے تیس پاؤنڈ یومیہ پر مختصر سا کمرا اور ناشتا ملتا ہے لیکن لڑکیوں کے ذریعے ہوٹلوں کی آمدنی بہت بڑھ جاتی ہے۔ ٹیوڈر میں بھی ریٹ پندرہ پاؤنڈ ہے لیکن تم سے ملنے والے پچاس پاؤنڈ میں سے صرف دس میرے حصے میں آتے، چالیس وہ لوگ لے لیتے ہیں۔ پندرہ کی جگہ چالیس پاؤنڈ کی آمدنی کون چھوڑتا ہے۔ دور افتادہ شہروں کی لڑکیاں لندن کی چمک دمک کے افسانے سن کر یہاں آتی ہیں تو بہت سادہ لوح ہوتی ہیں۔ انہیں ایسے ہوٹلوں میں سر چھپانے کا ٹھکانا اور آمدنی کا ایک ذریعہ مل جاتا ہے۔ جب وہ تجربے کار ہو جاتی ہیں تو پھر کسی بہتر ٹھکانے کی طرف پرواز کر جاتی ہیں۔‘‘
’’یہ باتیں پریشان کر دینے والی ہیں۔ تم اپنی مرضی اور خوشی سے جو چاہو، کرتی رہو لیکن یہ تو ذلت کی بات ہے کہ تم دوسروں کی تجوریاں بھرنے کے لیے ہر روز گندگی کے ڈھیر کریدنے پر مجبور ہو۔‘‘
’’تم سیاح ہو۔ چند روز کے لیے یہاں آئے ہو۔ رہو اور جی بہلا کے لوٹ جاؤ۔ اس راکھ کو زیادہ کریدو گے تو کوئی شرارہ تمہارے دامن کو بھی داغ دار کر دے گا۔ سنڈیکیٹ والوں کو یہ بات بالکل پسند نہیں کہ کوئی ان کے قبضے میں آئی ہوئی لڑکیوں کو ورغلانے کی کوشش کرے۔‘‘
’’یعنی یہ دھندا کوئی باقاعدہ سنڈیکیٹ چلا رہا ہے؟‘‘ میں بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔
’’چپ رہو۔‘‘ وہ میرا بازو دباتے ہوئے خوف زدہ آواز میں بولی۔ ’’مجھے کچھ پتا نہیں۔ تم بھی ایسی باتیں نہ کرو۔ بعض اوقات میں بے دھیانی میں بے سروپا باتیں بھی کر جاتی ہوں۔‘‘
اس کا لب و لہجہ اور چہرے کی اڑی ہوئی رنگت بتا رہی تھی کہ وہ اس کی بے سروپا باتیں نہیں تھیں۔ ان کے پس پشت جو کچھ بھی تھا، وہ خوف آور تھا۔ وہ لڑکی اپنے انجام سے ڈرتی تھی۔
ایک موڑ گھوم کر وہ رک گئی ’’سامنے رائل ہوٹل ہے۔‘‘ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
بڑے نیون سائنز میں لکھا ہوا وہ روشن بورڈ دور ہی سے نمایاں نظر آ رہا تھا۔
مجھے حیرت تھی کہ اپنا نام بتا دینے کے باوجود اس نے رسماً بھی مجھ سے میرا نام نہیں پوچھا تھا۔ رخصت کا لمحہ آ جانے پر میں نے از خود کہا ’’میرا نام اسلم خان ہے۔ تم سے دوبارہ کہاں رابطہ ہو سکتا ہے؟‘‘
اس نے جھٹ اپنے پرس میں سے ایک کارڈ نکال کر مجھے تھما دیا۔ کارڈ پر اس کا پورا نام شیری رینڈل اور نیچے ایک فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ کارڈ پر پتا سرے سے موجود نہیں تھا۔
میرے متوقع سوال سے بچنے کے لیے وہ خود ہی بولنے لگی ’’میں ٹیوڈر ہوٹل میں رہتی ہوں۔ یہ وہاں میرا پرائیویٹ فون ہے۔ میں نہ ملوں تو مشین پر اپنا پیغام ریکارڈ کرا دینا۔ میں پہلی فرصت میں تم سے رابطہ کر لوں گی۔‘‘
میں نے اپنی جیب سے نکالا ہوا دس پاؤنڈ کا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا ’’تم نے میرے ساتھ اپنا کافی وقت برباد کیا ہے اس لیے باقی پانچ پاؤنڈ میری طرف سے ٹپ سمجھ لو۔‘‘

اس کے بھیگے ہونٹوں پر ایک مجروح مسکراہٹ بکھر گئی۔
اس نے میرا ہاتھ واپس دھکیلتے ہوئے کہا "میری خالص ذاتی آمدنی ہے۔ اس میں کسی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ میرے طے شدہ معاوضے کے پانچ پاؤنڈ کو اپنے اس وقت کی قیمت سمجھ لو جو میں نے تمہیں بھٹکا کر ضائع کیا ہے۔ٹپ کا مجھے حق ہی نہیں ہے۔"
میں اسے نوٹ دینے پر مصر تھا، وہ خالی ہاتھ لوٹنے پر ضد کر رہی تھی۔ تھوڑی سی تکرار ہوئی مگر پھر لندن کی وہ جسم فروش عورت میرے مقابلے میں جیت گئی۔
"گڈ لک، سوئٹ مین!" اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں ہونٹوں سے چوم کر بوسہ فضا میں اچھالا اور تیز قدموں سے موڑ گھوم کر میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔
اس کے کارڈ پر نام سے پہلے کچھ درج نہیں تھا کہ وہ کنواری تھی یا زندگی کے کسی مرحلے پر شادی کے تجربے سے گزر چکی تھی۔
وہ جو بھی تھی اور جیسی بھی تھی، میرے ساتھ تھوڑا سا وقت گزار کر مجھے شدت سے یہ احساس دلا گئی تھی کہ بیشتر بنیادی اور اخلاقی قدروں سے محروم، مغربی تہذیب کے جھلستے ہوئے صحرا کی بے وقعت ریت میں کچھ ایسے آبدار جوہر بھی پوشیدہ تھے جو اپنی آبرو کے لیے کسی جوہری کی نظر کے منتظر تھے۔
شیری کسی شکار کی تلاش میں نکل گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی تنہائی کے ایک کرب ناک احساس نے مجھے آگھیرا اور میں بوجھل قدموں سے رائل ہوٹل کی طرف ہولیا۔

☆☆☆

رائل ہوٹل لب سڑک بنے ہوئے رہائشی طرز کے ایک سہ منزلہ مکان میں واقع تھا۔
فٹ پاتھ کے ساتھ لگی ہوئی خوب صورت آہنی گرل کے پیچھے تقریباً دس فٹ تک رنگارنگ پھولوں کے تختے نظر آ رہے تھے۔ ان تختوں کے درمیان سرخ بجری کی روش عمارت کے داخلی دروازے تک جا رہی تھی۔
عمارت کے سامنے کے حصے میں کنکریٹ یا پتھر کا استعمال بس اسی حد تک کیا گیا تھا کہ عمارت کا ڈھانچا اپنی بنیادوں پر کھڑا رہ سکے۔ اس کے بعد ہر جگہ بہت فراخ دلی سے لکڑی اور شیشے کا استعمال کیا گیا تھا۔ اس قطار کی بیشتر عمارات اسی طرز کی تھیں اور وہاں کے شہری قوانین کے باعث عمارات کے استعمال کی نوعیت بدل جانے کے باوجود کم از کم سامنے کے رخ پر کسی نمایاں تبدیلی سے محفوظ تھیں۔
داخلی دروازہ سطح زمین سے تین فٹ سے زیادہ بلند تھا۔ وہاں تک جانے والے پختہ زینوں کے دونوں طرف لمبے لمبے روشندان نظر آ رہے تھے جو عمارت کے نیچے تہ خانے کی موجودگی کا اعلان کر رہے تھے۔
شہر کا مطلع ابتدا ہی سے ابر آلود تھا۔ لندن بلکہ پورے انگلستان کا آسمان سال کے بارہ مہینے بادلوں سے ڈھکا رہتا ہے۔ کہیں کہیں ان کی کثافت کم ہوتی ہے تو اجالا سا پھیل جاتا ہے ورنہ ہر طرف ملگجی سی روشنی کا راج ہوتا ہے۔ جس دن کسی علاقے میں سورج چمکتا نظر آ جائے، لوگوں کی عید ہو جاتی ہے۔ موسمی حالات سے گفتگو کی ابتدا کرنے والے روایت پسند انگریز اپنے دوستوں کو فون پر برائٹ سنی ڈے کی مبارک باد دیتے ہیں۔
کھلے آسمان اور تیز چمکیلی دھوپ سے محروم اس قوم کو موسم کی یہ خرابی کبھی بھی ترقی اور لگن سے کام کرنے سے نہیں روک سکتی۔ پھوار اور برسات کی جھڑی یہاں کے معمولات میں شامل ہیں۔ چمکیلے دن میں بھی لوگ گھروں سے نکلتے ہوئے تہ ہو کر جیب میں سما جانے والی برساتی یا چھتری لے کر گھر سے نکلتے ہیں۔ مطلع صاف ہونے کے باوجود کسی سمت سے اچانک کالی کالی گھٹائیں امڈتی ہیں اور پھوار پڑنی شروع ہو جاتی ہے۔ ہوا کا دباؤ کم ہو تو یہی بوندا باندی ذرا سی دیر میں دھواں دھار برسات کا روپ دھار لیتی ہے۔
میں نے رائل ہوٹل کی روش پر قدم رکھا ہی تھا کہ

پھوار پڑنے لگی۔ میرے پاس باران رحمت سے محفوظ رہنے کا کوئی فوری وسیلہ نہیں تھا۔ میں نے رفتار تیز کردی۔

سطح زمین سے کئی فٹ کی بلندی پر ہوٹل کے داخلی ہال میں میز کے پیچھے بیٹھی ہوئی سفید فام عورت بظاہر میز پر رکھا ہوا چھوٹا ٹی وی دیکھنے میں منہمک تھی مگر اپنے فرائض سے غافل نہیں تھی۔ اس نے دروازے کے شفاف شیشے میں سے مجھے دیکھ لیا تھا۔

میں چند زینے طے کر کے جوں ہی شیشے اور لکڑی کے بنے ہوئے پرشکوہ دروازے پر پہنچا، برقی تالے کا بزر بولنے لگا۔ اندر والی نے مجھ سے انٹر کام پر کوئی استفسار کیے بغیر بٹن دبا کر تالا کھول دیا تھا کیونکہ میرے بائیں ہاتھ میں لٹکا ہوا ہلکا سا سوٹ کیس میری فوری ضرورت کا واضح اشتہار تھا۔

دروازہ کھولتے ہوئے میری نگاہ اندر جھولتی ہوئی تختی پر پڑی۔ پاکستان میں نو ویکنسی کا بورڈ ملازمت کے امیدواروں کو باہر ہی سے بھگانے کے لیے کام آتا ہے۔ رائل ہوٹل میں اسے خالی کمروں کی فراہمی سے معذوری کے اظہار کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔

میرے داخل ہونے پر خودکار دروازہ پھر سے مقفل ہوگیا۔ کرسی پر موجود صحت مند خاتون ٹی وی بھول کر میری طرف متوجہ ہو چکی تھی کہ اچانک سلیم اکبر خان کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"ویری گڈ......تم ٹھیک وقت پر آئے ہو۔ یہاں تک پہنچنے میں تمہیں کوئی دشواری تو نہیں ہوئی؟"

میرے لیے سلیم کا انداز پیشوائی دیکھ کر وہ عورت دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگئی جس پر کوئی فٹ بال میچ دکھایا جا رہا تھا۔ میں سلیم کی طرف بڑھ گیا۔

ہاتھ ملانے کے بعد اس نے میرے ہاتھ سے سوٹ کیس لے کر وہیں ایک کنارے سے رکھ دیا اور ایک دروازے میں گھس گیا۔ وہاں بھی ٹیلی وژن پر میچ چل رہا تھا۔ وہ کمرا بیک وقت دس بارہ آدمی آسانی سے استعمال کر سکتے تھے مگر اس وقت وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

چوبی فرش پر بلکہ اس کو چھپانے اور موسم کی سردی سے محفوظ رہنے کے لیے دبیز فرشی قالین کا استعمال ٹھنڈے ملکوں کے باشندوں کے لیے ایک ناگزیر مجبوری کا درجہ رکھتا ہے۔ ہمارے یہاں لوگ ہزاروں اور کبھی کبھی لاکھوں کی اضافی لاگت سے قیمتی پتھروں سے خوب صورت فرش بنواتے ہیں اور یورپ والوں کی معاشرتی نقالی میں اسے کسی بھی قالین کے نیچے دفن کر دیتے ہیں۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔" سلیم نے میرے ساتھ ایک آرام دہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "تمہاری قسمت بہت اچھی ہے۔ اسی ہوٹل میں ایک کمرا خالی ہوا تھا۔ ایلیزا نے مجھے بتایا اور میں نے اسے فوراً ہی بک کرالیا۔ اب تم مزے سے یہیں رہ سکتے ہو۔"

"اور تم میرے ساتھ رہو گے؟" میں نے اپنے شبہے کی تصدیق چاہتے ہوئے پوچھا۔

وہ پہلی بار مسکرایا اور بولا "میں اتنا بدذوق نہیں ہوں۔ تھوڑی سی تنگی ترشی میں اسی پولش لڑکی کے ساتھ گزارہ کرلوں گا۔ بے چاری کی کچھ بچت ہوتی رہے گی۔"

میں نے شیری سے حاصل ہونے والی معلومات سلیم کے کانوں میں انڈیلنے کا ارادہ کیا لیکن بروقت یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس معاملے میں ہوٹل والی نے سلیم سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ بیشتر رعایت اسے اور لڑکی کو ہی منتقل کردی تھی۔

سلیم نے مجھ سے کچھ پوچھا لیکن فٹ بال میچ پر کمنٹری کرنے والے کی پرجوش آوازوں اور تماشائیوں کے غلغلے کی وجہ سے بات میرے پلے نہیں پڑ سکی۔

"اسے بند کر دو یا چینل بدل دو......" میں نے ٹیلی وژن کی طرف اشارہ کر کے بیزاری سے کہا۔

سلیم نے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر......اسکرین تاریک کردی "اس وقت ہر چینل پر ایک ہی کہانی چل رہی ہوگی۔ اسے بند کرنا ہی سب سے بہتر ہے۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے ریموٹ کنٹرول میز پر رکھ دیا۔

میرے کان کھڑے ہوئے "کون سی کہانی کا ذکر

کررہے ہو؟" میں نے پوچھا۔
"ساؤتھ آل میں گولیاں مار کر ایک جوڑے کو ہلاک کردیا گیا ہے۔" اس نے برا سامنہ بنا کر بے زاری سے کہا" آدھے گھنٹے پہلے یہ خبر آئی تھی۔ اب ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے چکر میں ہر چینل اسی کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کوئی بھی حادثہ یا واقعہ ہوجائے تو یہ لوگ اسے یوں بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں جیسے وہ دنیا کی سب سے بڑی خبر ہو۔ وہ ہر قیمت پر گیتا اور جیمز پنڈت کو ہیرو بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔"
"گیتا تو خیر کسی بھارتی عورت کا نام ہوسکتا ہے مگر یہ جیمز پنڈت کیا بلا ہے؟" اس موضوع سے گہری دلچسپی ہونے کے باوجود میں نے محض سرسری سی حیرت سے پوچھا۔
"گیتا کے ساتھ مرنے والا کوئی حرام کا جنا ہے۔" اس نے غصے سے کہا۔ "لو خود ہی سن لو۔"
یہ کہہ کر سلیم نے ٹیلی وژن کھول دیا۔ وہ کوئی مقامی چینل تھا جس پر جائے واردات کی فلموں کے ساتھ مرنے والوں کے بارے میں بتایا جارہا تھا۔
"اگر ان خبروں میں دلچسپی ہے تو میں ذرا اوپر کمرے تک ہو آؤں؟ اتنی دیر میں۔ نیچے کچن سے چائے تیار ہوکر آجائے گی۔" اس نے پہلو بدل کر کہا۔
"اسے بند ہی کردو تو بہتر ہے۔ میں یہاں خبریں سننے نہیں، تم سے باتیں کرنے اور پینے پلانے کے لیے آیا ہوں۔" میں نے بے فکری سے کہا۔ میرے لیے وہ خبریں لاکھ اہم سہی مگر ان میں میری غیر معمولی دلچسپی میری اپنی سلامتی کے لیے سم قاتل ثابت ہوسکتی تھی۔ وہ خبریں میں اخبارات میں زیادہ تفصیل سے پڑھ سکتا تھا۔
میرے لیے ان خبروں کی اہمیت صرف اتنی تھی کہ گیتا کے فلیٹ میں مقفل دونوں لاشیں زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکی تھیں۔ چند گھنٹوں میں ہی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔
"میرے لیے یہ اچھا ہے کہ تم تھوڑی دیر تک یہ خبریں دیکھتے رہو۔ پینے پلانے کے لیے ہم اوپر چلیں گے۔ میں ایلیزا کے ساتھ مل کر کمرے میں جگہ بنا کر آیا ہوں۔ دراصل مجھے یقین نہیں تھا کہ تم آؤ گے۔"
"اس بے یقینی کی وجہ؟ اور پھر تم نے میرے لیے ایک کمرا بک کیوں کرایا؟"
"بس میرا دل کہہ رہا تھا۔ تم بھی میری طرح دل پھینک معلوم ہوتے ہو۔ راستے میں کوئی شہزادی مل جاتی تو یہاں کا راستہ بھول کر سوٹ کیس سمیت اسی کے پیچھے ہو لیتے۔ تم ساڑھے سات بجے تک نہ آتے تو میں بکنگ کینسل کرادیتا۔ میری گرہ سے ایک پینی بھی نہ جاتی۔"
ہم دونوں ہی ہنسنے لگے اور میں نے اسے اپنی پولش محبوبہ کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔
اس دوران میں ٹیلی وژن مسلسل چلتا رہا تھا۔ سلیم سے باتیں کرتے ہوئے بھی میرے کان اسی پر لگے ہوئے تھے۔ اناؤنسر اسے لندن کی تاریخ کا ایک سنسنی خیز دہرا قتل قرار دے رہا تھا کیونکہ ان میں سے گیتا براہ راست انڈین فارن سروس کی ملازمہ تھی اور جیمز پنڈت کے بھی انڈین ہائی کمیشن سے گہرے روابط تھے۔
ٹیلی وژن پر مرنے والوں کی تصاویر بار بار مختلف زاویوں سے دکھائی جارہی تھی۔ اسی کے ساتھ ان کی زندگی کی تصاویر بھی حاصل کرلی گئی تھیں۔ گیتا کے کچن کے ڈسٹ بن میں پڑے ہوئے اومیز کے خالی ڈبے اور کھانے کے برتن بھی سراغ رسانوں اور ٹی وی کیمروں سے محفوظ نہیں رہے تھے۔
وہ تفصیلات جو شاید خاصی دیر سے بتائی جارہی تھیں، میرے لیے دلچسپ تھیں۔ گیتا انڈین فارن سروس میں دس سال سے ملازمت کررہی تھی اور اپنی صلاحیتوں کی بنا پر ترقی کرتے کرتے سب سے بڑے نان گزیٹڈ عہدے پر پہنچ چکی تھی جو چیف کلرک کے عہدے کے مساوی تھا۔ وہ لندن میں انڈین ہائی کمیشن کے تجارتی شعبے میں سینئر آپریٹر کے عہدے پر مامور تھی۔
گیتا کے بارے میں بقیہ باتیں شاید ٹیلی وژن

دوبارہ آن ہونے سے پہلے ہی بتائی جا چکی تھیں لیکن جیمز پنڈت کے بارے میں پوری تفصیلات میں نے سنیں۔

وہ بظاہر کوئی کام کاج نہیں کرتا تھا لیکن پھر بھی کبھی تنگ دستی کا شکار نہیں رہا تھا۔ وہ اکثر انڈین ہائی کمیشن میں دیکھا جاتا تھا جس کی بنا پر ساؤتھ آل میں رہنے والے بیشتر لوگوں کو شبہ تھا کہ وہ برٹش حکام سے سوشل سیکیوریٹی وصول کرنے کے ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً ہائی کمیشن کے لیے مخبری بھی کرتا تھا۔ ایسے ہر معاہدے پر اسے معقول رقم ملتی تھی جو اس کی ضروریات کے لیے کافی ثابت ہوتی تھی۔

انڈین ہائی کمیشن کے ایک ترجمان نے جیمز پنڈت سے کسی بھی قسم کے مراسم یا لین دین سے انکار کیا تھا۔ انہیں انکار کرنا ہی تھا کیونکہ اسے خفیہ عارضی روزگار فراہم کرنے پر ان کے خلاف سوشل سیکیوریٹی کے قواعد پامال کرنے کا الزام لگایا جاسکتا تھا جس کے نتائج ناخوشگوار ہوتے۔ پھر جیمز پنڈت کے عجیب نام، سفید فام رنگت اور دوغلی نسل کا عقدہ بھی حل ہوگیا۔ اس کی ماں لیلا پنڈت لندن میں آباد ایک متوسط بھارتی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ جوان ہونے کی بنا پر وہ برطانوی قانون کے مطابق اپنے گھر والوں کے ہر دباؤ سے آزاد اور مکمل طور پر خودمختار تھی۔

گمراہ کن صحبتوں میں اپنے شب و روز بسر کرتے ہوئے اس نے پیٹر براؤن نامی ایک آوارہ گرد مقامی سے شادی کرلی۔ پیٹر سوشل سیکیوریٹی سے ہفتہ وار رقم وصول کرکے چند دن میں شراب نوشی میں اڑا دیتا، جب گھر میں چولہا ٹھنڈا ہوتا تو بیوی کی ٹھکائی کرکے اسے کمانے پر مجبور کرتا۔ ان ہی جھنجٹوں میں شادی کے چار ماہ بعد جیمز کی ولادت ہوئی، اس کا ابتدائی نام جیمز براؤن تھا۔

صاحب اولاد ہونے کے بعد لیلا پنڈت اور پیٹر براؤن کے درمیان تلخیوں کی خلیج روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ پیٹر نشے میں ہوتا تو اسے جیمز کے خدوخال اور بالوں میں میاں بیوی کے متعدد مشترکہ دوستوں کی شباہت نظر آنے لگتی اور وہ لیلا پر الزام تراشیاں کرکے اسے بری طرح زدوکوب کرتا۔

وہ گاڑی ایک سال بھی نہ چل سکی۔ اپنے گھربار سے کٹی ہوئی لیلا اپنی ذات پر ستم سہتی رہی اور پھر ایک دن جوانی کی بھوک کی وہ المناک کہانی اپنے فطری انجام کو پہنچ گئی۔ شوہر کے ہاتھوں پٹ کر لیلا قریب المرگ پہنچ گئی۔ پیٹر سمجھا کہ اس نے بیوی کو ماردیا ہے۔ وہ روپوش ہوگیا۔

لیلا پنڈت کو مہینوں بعد پتا چلا کہ پیٹر اسپین کی ساحلی تفریح گاہ ٹین ریف میں ایک اسٹیٹ ایجنسی چلا رہا ہے اور اس کے دن پھر چکے ہیں۔ وہ اپنے شیرخوار بچے کو لے کر ٹین ریف پہنچی تو پیٹر نے اسے پہچاننے سے انکار کردیا۔ لیلا کے رونے پیٹنے پر اسے دھکے دے کر باہر نکلوادیا۔

لیلا کو معلوم ہوا کہ پیٹر نے ٹین ریف میں ایک نوخیز کلب ڈانسر سے شادی کرلی ہے۔ وہ مایوس ہوکر لندن لوٹ آئی۔ اپنے بے وفا شوہر سے مایوس ہوکر اس نے اس پر لعنت بھیجی اور اپنے نام کا آخری حصہ اپنے بیٹے کے نام کا جز بنادیا۔ یہ مغرب میں کنواری ماؤں کا ایک معروف طریقہ ہے کہ ان کے بچے ولدیت کا سایہ میسر نہ ہونے کی وجہ سے زندگی بھر اپنی ماؤں کے سرنیم یا خاندانی نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ اس طرح وہ جیمز براؤن سے جیمز پنڈت بن گیا۔ باپ سے ملے ہوئے رنگ روپ کی وجہ سے وہ انگریز معلوم ہوتا تھا۔ ماں نے اسے پنڈت بنادیا۔ ساؤتھ آل کے ماحول میں اس نے انگریزی پر عبور حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ہندی بھی سیکھ لی تھی۔

وہ سب کچھ تھا مگر کچھ بھی نہیں تھا۔ لیلا پنڈت یقیناً اونچی ذات کے کسی ہندو گھرانے کی بیٹی رہی ہوگی۔ اس نے جوانی کے جوش میں اپنے پورے گھرانے کے چہروں پر کالک مل دی۔ وہ عمر کے آخری حصے میں ساؤتھ آل ہی کے ایک گھر میں اپنے اکلوتے بیٹے کے ساتھ رہتی تھی اور اس وقت ٹیلی وژن اسکرین پر آنسوؤں کی جھڑی میں اپنے ماضی کو یاد کررہی تھی۔

اس کے بڑھاپے کا اکلوتا سہارا اور اس کا گبرو جوان

اب کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ صرف اس کا نام اور اس کی یادیں باقی رہ گئی تھیں۔

سلیم اکبر خان نے وہ سب سنے بغیر تھوڑی ہی دیر پہلے جیمز پنڈت کو بے ساختہ حرام کا جنا کہا تھا۔ لیلا پنڈت نے شادی کے صرف چار ماہ بعد ماں بننے کا اعتراف کر کے سلیم کی دی ہوئی اس گالی کو حق بجانب ثابت کر دیا تھا۔

وہ مغرب میں آباد ہونے والے گھرانوں کا ایک عام المیہ تھا جس کی بازگشت گاہے گاہے سنائی دیتی تھی۔ مضبوط مشرقی خاندانوں کی اس بے رحمانہ ٹوٹ پھوٹ میں اس سرزمین کے قانون کا بڑا دخل تھا۔ والدین کو بچے پیدا کرنے کا پورا حق حاصل تھا لیکن ان کی تربیت کے لیے وہ مغربی قانون کی پیروی کرنے پر مجبور تھے۔ بچوں کی نگرانی اور تعزیر کے مشرقی طریقے اس سرزمین پر جرم کا درجہ رکھتے تھے۔ اولاد کے بالغ ہونے کے بعد کسی کا کسی پر کوئی حق نہیں تھا۔ سب اپنی اپنی جگہ آزاد اور خود مختار تھے۔ کسی کی اولاد فرماں بردار اور والدین کی اطاعت گزار تھی تو یہ بس اللہ کی دین یا اولاد کی مہربانی ہی تھی ورنہ کوئلے کی کان میں اتر کر کس کا منہ کالا نہیں ہوتا۔

ٹی وی پر تقریباً دس منٹ تک اسی واقعے کے مختلف پہلوؤں کا ذکر ہوتا رہا۔ اس میں شہریوں سے رازداری کی پوری ضمانت کے ساتھ قانون کی مدد کرنے کی اپیل کی گئی تھی۔

اس وقت تک انگلینڈ میں سگریٹ نوشی پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی تھی بلکہ تمباکو نوشی فیشن میں شامل تھی۔ بس رسمی طور پر سگریٹ فروشوں پر یہ پابندی تھی کہ وہ نابالغ بچوں کے ہاتھ...... سگریٹیں فروخت نہ کریں، بچوں کی اس محرومی کے ازالے کے لیے سگریٹ ساز کمپنیوں نے جا بجا ایسی خودکار مشینیں نصب کر دی تھیں جن میں مطلوبہ مالیت کے سکے ڈال کر اور مخصوص بٹن دبا کر اپنے پسندیدہ برانڈ کی سگریٹ حاصل کی جا سکتی تھی۔

خبرنامے میں دوسری خبریں شروع ہوتے ہی میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگائی اور صوفے کی پشت گا
ٹیک لگا کر اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں سو
لگا۔

سلیم واپس آیا تو ٹیلی وژن پر خبروں کا دورانی
ہو چکا تھا۔ وہ آتے ہی بولا "آداب اوپر چلتے ہیں۔ تمہی
تمہارا کمرا ابھی دکھا دوں۔"

"میری وجہ سے تمہاری ایلیزا تو بور نہیں ہو گی؟"
میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"پولینڈ سے دور چند روز گزار کر اسے اندازہ
ہے کہ اکیلا رہ کر کوئی سیر و تفریح سے لطف اندوز نہیں
ہو سکتا۔ سفر سے لطف اٹھانے کے لیے کسی ہم ذوق ساتھ
کا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔"

"شاید اسی اکیلے پن سے اکتا کر اس نے تمہیں
اپنے کمرے میں پناہ دی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ اپنے اس فیصلے پر خوش
ہی نہیں، نازاں ہے۔"

ٹیلی وژن بند کر کے میں اس آرام دہ کامن رو
سے باہر نکلا تو میرا سوٹ کیس غائب تھا۔

"فکر مت کرو۔ سوٹ کیس تمہارے کمرے میں
محفوظ ہے۔" اس نے مجھے اطمینان دلایا۔

میز کے پیچھے بیٹھی ہوئی عورت میری طرف دیکھ کر
مسکرائی، میں نے اس کی طرف ہاتھ لہرایا اور زینوں کی طرف ہو لیا۔ زینے کشادہ اور عمارت روشن تھی۔ موسمی سختیوں کی وجہ سے مکان کا ہوادار ہونا شاید وہاں خرابی میں شمار ہوتا ہو اسی لیے تہ خانے میں واقع کچن کی ملی جلی خوشبوئیں پوری عمارت میں رچی ہوئی تھیں۔

پہلی لینڈنگ پر یعنی تقریباً نصف منزل پر پیچھے کی طرف بڑھے ہوئے تین چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ سلیم نے بتایا کہ ان میں دو بیت الخلا اور تیسرا غسل خانہ تھا۔ ہر منزل پر چھ کمروں کے لیے یہ اہتمام موجود تھا۔

"غسل خانوں میں یہ کفایت کیوں کی گئی ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

روز بلکہ دن میں دو بار نہانے کا مرض ہم لوگوں کو ہی لاحق ہے۔ گورے کبھی کبھار نہاتے ہیں ورنہ رگڑ پونچھ سے ہی اپنا کام چلا لیتے ہیں۔ یہاں رہو گے تو اندازہ ہوگا کہ یہ غسل خانے بھی ضرورت سے زیادہ ہیں۔"

میرا کمرا پہلی منزل کی ایک تنگ راہداری میں واقع تھا۔ وہ تقریباً دس فٹ لمبا اور شاید اسی قدر چوڑا مگر صاف ستھرا تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ دو جڑی ہوئی سنگل مسہریاں تھیں جن پر سفید چادر والا بستر لگا ہوا تھا۔ اس مختصر سے کمرے میں ایک چھوٹی سی میز اور کرسی بھی پڑی ہوئی تھی۔ دیوار کے ساتھ ایک مہمان کے لیے صوفے نما کرسی موجود تھی۔ دروازے کے ساتھ والی دیوار کے کونے میں واش بیسن لگا ہوا تھا جس پر شیشہ نصب تھا۔

کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے مجھے وہ دیوار گیر واٹر ہیٹر بھی نظر آیا جسے سکے ڈال کر مقررہ مدت کے لیے چلایا جا سکتا تھا۔ یہ کمرا کشادہ یا پرتعیش نہیں تھا مگر اس مختصر جگہ میں بنیادی ضرورت کی چیزیں مہیا کر دی گئی تھیں۔ کمی صرف ملحق باتھ روم کی تھی۔

میرے استفسار پر سلیم نے ہنس کر کہا "نہانے دھونے کے لیے دو قدم اتر کر سہولتیں موجود ہیں۔ چھوٹی موٹی ضرورتوں کے لیے یہ واش بیسن لگا ہوا ہے۔ گندا ہونے کا سوال ہی نہیں۔ ذرا سا پانی بہاؤ اور واش بیسن پھر صاف ستھرا۔ ابھی تک میں صرف بڑی ضرورت کے لیے نیچے اترا ہوں ورنہ کمرا کافی ہے۔"

میں اس کا مطلب سمجھتے ہوئے بھی انجان بن گیا۔ اپنا کمرا دیکھنے کے بعد میں نے ایلیزا کو بے آرام کرنے کا ارادہ منسوخ کر دیا۔ بے تکلفی سے لیٹنے بیٹھنے کے لیے میرا ہی کمرا مناسب تھا۔

سلیم مجھے اپنے کمرے میں لے جانے اور ایلیزا سے میری مہمان داری کرانے پر مصر تھا مگر میرے دلائل نے اسے بے بس کر دیا۔ ایلیزا نیچے آ کر بھی مہمان نوازی کے جوہر دکھا سکتی تھی۔ جب تک چاہتی، وہ ہمارے ساتھ بیٹھتی پھر اپنے کمرے میں جا کر بے فکری سے سو جاتی۔

رائل ہوٹل کے اس کمرے کا کرایہ سترہ پاؤنڈ یومیہ تھا۔ دو افراد کے لیے یہ رقم اکیس پاؤنڈ ہو جاتی تھی جو ناشتے، صابن، پانی اور تولیے وغیرہ کے اضافی اخراجات کے پیش نظر مناسب تھی۔ یہ سلیم کا ہی دم تھا کہ میں نے لندن کے قلب میں اتنا سستا ہوٹل دیکھ لیا ورنہ مجھے تو ماسٹر رابرٹ ہوٹل بھی سستا نظر آیا تھا جہاں کمرے کا یومیہ کرایہ اسی پاؤنڈ تھا۔

اوپر سے بلیک لیبل کی بوتل اور برف کے ڈلے لانے کے بعد سلیم نے رائٹنگ ٹیبل کے سامنے والی کرسی سنبھال لی۔ اس نے پیگ بنانے شروع کیے تو میں بولے بغیر نہ رہ سکا۔

"کیا ایلیزا کو یہاں آتے ہوئے شرم آ رہی ہے جو تم ہی یہ کام کر رہے ہو؟"

اس نے ایک گہرا سانس لے کر میری طرف دیکھا پھر قدرے توقف کے بعد بولا "وہ تھوڑی دیر بعد آئے گی۔ میں اس کے آنے سے پہلے تم سے کچھ مشورہ کرنا چاہ رہا ہوں۔"

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ میری وہاں آمد کا ایک مقصد خود بخود پورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"بے فکر ہو کر بات کرو۔ میں حاضر ہوں۔" میں نے مسہری پر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تھوڑی دیر پہلے میں نے گھر پر فون کیا تھا۔" وہ گلاس تیار کرتے ہوئے دھیرے دھیرے کہنے لگا "وہاں کی خبروں نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے منیجر کی بدعملیاں رنگ لائی ہیں۔"

اس نے مجھے درآمدی سامان میں سے اہم پرزوں کی چوری، انشورنس کلیم اور پھر ان پرزوں کی چور بازاری کے بارے میں وہی کہانی سنائی جو میں اول خان سے سن چکا تھا۔ فرق بس اتنا تھا کہ وہ خود معصوم بن گیا تھا۔ اس نے ساری ذمے داری اپنے منیجر پر ڈال دی تھی۔

"کل کسی کی رپورٹ پر پولیس نے تلاشی لے کر میرے دفتر کو سیل کر دیا ہے۔" آخر میں یہ اطلاع دے کر

خاموش ہوگیا۔ وہ میرا گلاس میری طرف بڑھا رہا تھا میں سرک کر مسہری کے سرے پر پہنچ گیا۔ ہم نے ایک دوسرے کو گڈلک کہہ کر گلاس ہولے سے ٹکرائے اور ہونٹوں سے لگا لیے۔

پہلا بھرپور گھونٹ لینے کے بعد میں نے کہا ''یہ پریشانی اور بدنامی کی بات ہے۔ تمہارے پاکستان لوٹے بغیر شاید یہ قصہ نہ نمٹ سکے۔ تمہیں اپنا کاروبار بچانے کے لیے فوراً رخت سفر سمیٹ لینا چاہیے۔''

''موجودہ حالات میں میں واپس جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔'' وہ یک بیک فکرمند نظر آنے لگا۔

''اگر اصل مجرم تمہارا منیجر ہے تو تمہیں کیا خطرہ ہے؟'' میں نے براہ راست سوال کر ڈالا۔

''مجھے ڈر ہے کہ یہ سیل فوراً نہ توڑی گئی تو معاملہ کوئی اور رخ اختیار کرلے گا اور میری بھی گردن پھنس جائے گی۔ میں اس کام کے لیے تھوڑی بہت رقم بھی خرچ کرسکتا ہوں۔'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اردو میں یہ فقرے ادا کرتے ہوئے اس کی آواز خود بخود دھیمی ہوگئی تھی۔

''اگر صحیح مشورہ چاہتے ہو تو کھل کر بات کرو۔ ادھورا مسئلہ سن کر میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''زبان سے نکلی ہوئی بات پرائی ہوجاتی ہے۔ ڈر رہا ہوں کہ کہیں میں خود ہی اپنی پریشانیوں میں اضافہ نہ کرلوں۔''

''اگر تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے تو خاموش ہی رہو۔'' میں نے بے پروائی سے کہا ''اپنے رازوں میں کسی کچے آدمی کو شریک کرکے اچھائی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔''

میں نے گلاس سے دوسرا گھونٹ لیا۔ وہ غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا جیسے میرے چہرے کی تحریر سے میرے دل کا حال جاننا چاہ رہا ہو۔ میں نے اس کی طرف دھیان تک نہیں دیا بلکہ سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا تاکہ اسے اپنی کوئی رائے قائم کرنے کے لیے وقت مل سکے۔

''جہاز تک ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔'' خاصی طویل خاموشی کے بعد وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا'' اور اس وقت ہم دوستوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے پی رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں تم پر اعتماد کرسکتا ہوں کیونکہ مجھے نقصان پہنچا کر تم کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکو گے۔''

''اچھی طرح غور کرلو۔ ہم کل پھر بات کرسکتے ہیں۔ پولیس کا نام سن کر میں چونکا تھا۔ کئی پولیس افسروں سے میری پینے پلانے کی حد تک دوستی ہے مگر میں نے اب تک تمہارے سامنے اپنی زبان بند رکھی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ پولیس والے کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ پتا نہیں، وہ میری بات مانتے ہیں یا ٹال دیتے ہیں، میں تم کو امید میں کیوں رکھوں؟ اور پھر مجھے پوری بات بھی معلوم نہیں ہے۔ تم اچھی طرح سوچ لو۔ مجھ سے جس طرح بن پڑا، میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ آگے تمہارا مقدر ہوگا۔ اس کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔''

پولیس افسروں سے میری دوستی کا ذکر سن کر وہ دانے پر ٹوٹتے ہوئے کسی بھوکے پنچھی کی طرح میرے جال میں آگیا'' میں نے غور کرلیا ہے۔ وقت گنوا کر میں خسارے میں رہوں گا۔ یہ سمجھ لو کہ چند روز میں میرا دفتر واگزار نہ ہوا تو میں کبھی پاکستان نہیں جاسکوں گا۔ مجھے کہیں اور پناہ لینی پڑے گی۔ جمے جمائے کاروبار کو بھول کر ایسا کرنا آسان نہیں ہوگا مگر میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہے گا۔''

''تم بلاوجہ میرے ذہن میں تجسس پیدا کررہے ہو۔ آخر تمہیں کیا خوف ہے؟''

وہ چند ثانیوں کے لیے یوں خاموش ہوا جیسے اپنے خیالات کو مجتمع کررہا ہو پھر کہنے لگا ''تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے جہاز پر تم سے مدن موہن کا ذکر کیا تھا؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''اس سے میری گہری دوستی تھی اور اسی نے مجھ کو پاکستانی اسپیشل ٹاسک فورس کے بارے میں رونے

کھڑے کر دینے والی کہانیاں سنائی تھیں مگر اس وقت تک میں مدن موہن کے لیے کچھ بے ضرر سے کام کر چکا تھا۔ ان دنوں بھی اسے پاکستان کے بعض بڑے بجلی گھروں کے اہم نقشوں کی ضرورت تھی۔ پرزوں کی صحیح تصریحات پڑھنے کے بہانے ان نقشوں کو حاصل کرنا میرے لیے مشکل نہیں تھا۔ میں نے وہ سب جمع کر کے ان کی نقلیں بنوالی تھیں کہ اچانک مدن موہن غائب ہو گیا۔''

وہ بات ادھوری چھوڑ کر سانس لینے کے لیے رکا تو میں نے پوچھا ''کیا اس فہرست میں کراچی کا ایٹمی بجلی گھر بھی شامل تھا؟'' میرے سوال پر وہ قدرے ہراساں نظر آنے لگا۔

''ہاں!'' اس نے تھوک نگل کر بے بسی سے اعتراف کیا۔''بھارت والے اپنے ملک میں پورے بجلی گھر بنانے کے لیے وہ نقشے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان بڑی مشینوں کی تیاری پر اجارہ داری رکھنے والے اس بھارتی منصوبے سے ناراض ہیں۔ مدن موہن نے اپنی پریشانی کا ذکر کیا تو میں نے نقشوں کی فراہمی اپنے ذمے لے لی۔''

''مگر ان سب باتوں کا تمہارے منیجر کی چوریوں سے کیا تعلق ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''میں اسی طرف آرہا ہوں۔ جب تک مدن موہن سامنے تھا۔ مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں تھی۔ اس کے غائب ہونے پر میں خوف زدہ ہو گیا۔ میرے ذہن میں بار بار ایس ٹی ایف کا نام آنے لگا۔ اگر ان لوگوں نے مدن موہن پر ہاتھ ڈالا تھا تو کسی وقت میری باری بھی آسکتی تھی۔ دوستی میں کیے ہوئے کاموں پر آسانی سے غداری کا لیبل لگایا جاسکتا تھا۔ میں نے مدن موہن کی واپسی کی امید میں خفیہ نقشوں اور کاغذوں کی نقلیں اپنے دفتر کی تجوری میں رکھ دیں اور مدن موہن کا انجام سامنے آنے تک پاکستان سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا۔ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ میرے دفتر سے وہ کاغذات کسی ایجنسی کے ہاتھ لگ گئے تو میرا کیا انجام ہوگا۔ چھوٹی موٹی چوریوں کی شکایت پر کی جانے والی کارروائی ایک بڑے اسکینڈل میں بدل جائے گی۔''

''تمہارا خوف بجا ہے مگر تم نے ایسے کام کیے ہی کیوں تھے؟'' میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

''دوستی کے لیے آدمی کیا کچھ نہیں کر گزرتا۔ اس وقت کوئی خطرہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ یہ سب خطرات تو مدن موہن کے غائب ہونے کے بعد سوجھے ہیں۔''

''کیا تمہیں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ مدن موہن قیمتی شراب اور خوب صورت لڑکیوں کے ذریعے کام کے آدمیوں سے گہری دوستیاں کر کے کوئی بڑا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟''

''خدا کی پناہ!'' حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں ''اس لمحے تک میں نے یہ نہیں سوچا تھا۔ تمہارے کہنے سے خیال آرہا ہے کہ شاید کچھ ایسا ہی چکر تھا...... میری عقل پر پردہ پڑ گیا تھا...... یہ تو بالکل سامنے کی بات تھی۔ وہ شراب اور عورت کے بدلے خفیہ معلومات سمیٹ رہا تھا۔''

''یہ مت کہو کہ تم اس امکان سے بے خبر تھے۔ تمہارے ذہن میں کہیں نہ کہیں کوئی کھٹکا موجود تھا۔ اس لیے تم نے ملک سے فرار ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس سے پہلے تم اسے کیا دے چکے ہو؟'' اپنے صدمے اور غصے کو چھپاتے ہوئے میں اپنے لب و لہجے کو ہمدردانہ رکھنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

''میرا ماضی مت کریدو۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب تو مجھے دفتر میں موجود کاغذات کی فکر ہے۔ وہ غلط ہاتھوں میں چلے گئے تو میں تباہ و برباد ہو جاؤں گا۔ ان کے لیے کچھ کر سکتے ہو تو کرو۔''

''تمہیں یقین ہے کہ تمہارے دفتر کو ان کاغذات کے لیے سیل نہیں کیا گیا؟''

''ہر جگہ صرف مسروقہ آلات کا ذکر ہے۔ میں نے یہ سوال ہر طرح سے کیا تھا۔ میرے منیجر کو ان چوریوں کے

جرم میں پولیس گرفتار کر چکی ہے۔ کاغذات ہاتھ میں آنے کا یقین ہو تو میں واپس جا سکتا ہوں۔ مجھ سے بھی تفتیش ہوگی۔ میں بیان دے کر بری ہو جاؤں گا۔ ان معاملات میں، میں نے منیجر کو خود مختاری دی ہوئی تھی۔ اس نے میرے اعتماد کو بری طرح مجروح کیا اور میری فرم کی ساکھ تباہ کر دی۔''

''پھر بھی وہ تمہاری ہدایات پر عمل کرتا ہوگا۔ تم خود کو اتنا الگ تھلگ کیسے رکھ سکتے ہو؟''

''وہ میرا ملازم ہے، میری ہی مرضی سے کام کرتا ہے لیکن کاغذوں میں ہر جگہ اسی کے دستخط ملیں گے۔ میں تو تم کو وہ باتیں بتا رہا ہوں جو پولیس کی نظروں میں مجھے بے قصور ثابت کر سکیں گی۔''

''اپنی گردن پھنستی دیکھ کر منیجر ان کاغذات کا راز فاش نہیں کرے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''اسے ان کی ہوا بھی نہیں لگی۔ میری اور مدن کی دوستی سے بھی وہ لاعلم ہے۔ یہ سب میری نجی زندگی کے راز ہیں جو میری ذات تک محدود ہیں۔''

''اگر تم اس بارے میں اتنے پر یقین ہو تو میں کوشش کیے لیتا ہوں۔ چوری چکاری کے مقدموں میں پولیس والے ہزار کرتب دکھا سکتے ہیں۔ غداری جیسے الزامات ہوں تو ہر ایک دامن بچانے کی کوشش کرے گا۔ معاملہ سنگین ہوا تو میں خود بھی اپنی سفارش واپس لے لوں گا۔''

''یہ تمہارا بہت بڑا احسان ہوگا۔ یہ کام ہو گیا تو میں زندگی بھر تمہارا غلام رہوں گا۔'' وہ گڑگڑانے لگا۔

''تمہاری طرح میں بھی صرف دوستی کی خاطر ایک کوشش کرنے کا وعدہ کر رہا ہوں۔ کام کا ہونا یا نہ ہونا میرے اختیار سے باہر ہے۔ میرے سامنے اس طرح مت گڑگڑاؤ کہ مجھے اپنے آپ پر نادم ہونا پڑے۔ میں تمہارے لیے فون پر جو کچھ کہہ سکتا ہوں اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔''

''میرے لیے تمہاری یہ یقین دہانی آج کا سب سے بڑا انعام ہے۔'' اس کی آواز تشکر کے جذبات سے لبریز ہوگئی ''تم چاہو تو اسی وقت نیچے چل کر کراچی فون کر سکتے ہو۔''

''احمق ہوئے ہو۔'' میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''کراچی میں اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج رہے ہوں گے۔ یہ معاملہ اب کل صبح ہی طے ہو سکے گا۔''

''جیسی تمہاری مرضی۔'' اس نے بحث کیے بغیر ہتھیار ڈال دیے۔ میرے سامنے اپنے جرائم کا اعتراف کر لینے کے بعد وہ دبا دبا نظر آ رہا تھا۔ ذہنی طور پر بھی اس نے میری برتری تسلیم کر کے سپر ڈال دی تھی۔

اس نے اپنے نامہ اعمال کی سیاہی کے بارے میں مجھ سے صرف مشورہ کرنا چاہا تھا لیکن خلاف توقع اسے مدد کی امید بھی بندھ گئی تھی۔ اس یقین دہانی میں میری منصوبہ بندی کا پورا دخل تھا۔ اس نے مدن موہن کے لیے خفیہ ریکارڈ کی نقول فراہم کر کے جو حرکت کی تھی، اس کی سنگینی کا اندازہ کراچی میں بیٹھے ہوئے لوگ ہی لگا سکتے تھے اور میری دلی خواہش تھی کہ سلیم اکبر خان کراچی لوٹ کر ان ہی کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچے۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ طویل مدت تک پاکستان سے مفرور رہنے کا ارادہ ترک کر دے۔

اپنے ذہن کا بوجھ ہلکا کرتے ہی سلیم نے مجھ سے کہا ''ایلیزا انتظار کرتے کرتے بور ہوگئی ہوگی۔ اب میں اسے بلا لاتا ہوں، اس سے مل کر تمہاری طبیعت خوش ہو جائے گی۔''

''اس سے تم ہی اپنی طبیعت خوش کرتے رہو۔ دو ملاؤں میں ایک مرغی حرام ہو جاتی ہے۔''

وہ بھونڈے انداز میں ہنس پڑا ''وہ پسند آ جائے تو مجھے بتا دینا۔ میں فوراً ہی دست بردار ہو جاؤں گا۔ ہم میں سے کوئی بھی ملا نہیں ہے بلکہ خشخشی داڑھی کی وجہ سے اکثر ملاّ مجھے قادیانی سمجھتے ہیں......''

اسے ایک غلط موضوع کی طرف بھٹکتے دیکھ کر میں

نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا "باتوں کو طول دینے کے بجائے ایلیزا کو بلا لاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے ہاتھ سے بھی جاتی رہے۔"

وہ چلا گیا اور میں نے آسودگی کے احساس کے ساتھ اپنا گلاس خالی کر دیا۔ اس نے ایلیزا کے بارے میں کھلی پیش کش کر کے وہی حرکت کرنے کی کوشش کی تھی جس کے ذریعے مدن موہن نے اسے اپنے جال میں پھانسا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس بار وہ مدن موہن سے سیکھے ہوئے سبق کے ذریعے میری خوشنودی حاصل کر کے ایک جنجال سے نکلنا چاہ رہا تھا۔ میں صرف اس خیال سے وہ گھٹیا بات سہہ گیا کہ مصیبت سے نکلنے کی کوشش کرنا ہر شخص کا حق ہوتا ہے۔

ایلیزا کسی دلہن کی طرح شرماتی اور مسکراتی ہوئی میرے کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں جیسے اجالا پھیل گیا۔ مغربی آداب کے مطابق میں نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا تو اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ شاید سلیم نے راستے میں ہی اسے میرے بارے میں بریف کر دیا تھا۔

میری سوچی سمجھی رائے کے عین مطابق ایلیزا اپنے تل طور سے کوئی رنگین مزاج لڑکی نظر نہیں آتی تھی۔ اس کے ہر انداز میں شائستگی اور گھریلو رکھ رکھاؤ کا قرینہ نمایاں تھا۔ مالی مجبوری یا پھر طول پکڑتی ہوئی تنہائی سے اکتا کر وہ مجبوراً سلیم کے پھندے میں آ گئی تھی۔

وہ یورپ ہی کے ایک کم ترقی یافتہ علاقے کی باسی تھی۔ انگریزی وہ ذرا سہج سہج سے اور رک رک کر بولتی تھی۔ اس کے ہاتھ کا بنایا ہوا پہلا پیگ حلق سے اتارتے ہی محفل میں سرور کا رنگ آ گیا اور ہم تینوں نے تکلفات کو بالائے طاق رکھ کر بے باکانہ انداز میں ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنی شروع کر دی۔

رائل ہوٹل میں رہنے والوں کے لیے ناشتے اور چائے کے سوا کھانے پینے کا اور کوئی بندوبست نہیں تھا مگر سلیم نے ہوٹل کی مالکہ سے پرانے مراسم کی بنا پر کچھ ایسا بندوبست کر لیا تھا کہ ٹھیک ساڑھے نو بجے ایک نوخیز لڑکی ٹرے میں گرم کھانے کی قابیں اور پلیٹیں وغیرہ لے کر میرے کمرے میں آ پہنچی۔

تین آدمیوں کے کھانے کے لیے چھوٹی سی رائٹنگ ٹیبل ناکافی تھی۔ نیچے تہ خانے تک اترنے کا موڈ نہیں تھا اس لیے ہم تینوں ہی پلیٹیں لے کر کھڑے ہو گئے۔ سلیم میز پر رکھی ہوئی قابوں کی طرف متوجہ ہوا تو ایلیزا غالباً سلیم کی ہدایت کے مطابق میرے شانے سے لگ کر کھڑی ہو گئی اور ایک دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں خمار کے ڈورے تیر رہے تھے جن کی وجہ سے وہ قدرے بے حجاب نظر آ رہی تھی۔

میں نے بس ذرا سا مسکرا کر لمحہ بھر کے لیے اس کی طرف دیکھا۔ میرے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ سلیم میری مدد حاصل کرنے کے لیے ایلیزا کو اپنا آلۂ کار بنانا چاہ رہا ہے۔ سلیم کو گھیر گھار کر پاکستان کی طرف واپس دھکیلنے کی خاطر میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اول خان سے اس کے دفتر کی سیل کھلوانے کے لیے بات کروں گا۔ اگر میں ایلیزا کے نخروں سے ذرا بھی مسحور ہو جاتا تو سلیم یہی سمجھتا کہ اس نے ایلیزا کے ذریعے مجھے پھانس لیا ہے۔ میں کسی بت کی طرح بے جان اور خاموش کھڑا رہا۔

میری طرف سے کوئی حوصلہ افزا ردعمل نہ دیکھ کر ایلیزا نے میرے بازو پر اپنا کچھ وزن منتقل کر دیا۔ اس کے گداز اور آستین سے محروم بازو کے دباؤ سے عام حالات میں شاید مجھے کسی قدر تحریک ملی ہوتی مگر سلیم کے بارے میں ایک بات ذہن میں آ جانے کے بعد ایلیزا میرے لیے یک بیک اپنی ساری کشش کھو بیٹھی تھی۔ میں نے اس کے ٹکتے ہوئے نازک سراپا کا بوجھ ضرور سنبھال لیا لیکن میری وہ مروت کسی لطیف احساس سے یکسر عاری تھی۔ یہ بات ایلیزا نے فوراً ہی محسوس کر لی۔

"تم عورتوں کے معاملے میں کچھ شرمیلے معلوم ہوتے ہو۔" ایلیزا نے میرے سینے کی طرف سر جھکا کر بھرائی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔

"شرمیلے نہیں ڈرپوک کہو۔" میں نے خوش دلی سے

کہا ''یہی واقعہ پاکستان میں ہوا ہوتا تو وہاں خونریزی سے
مار دھاڑ تک کچھ بھی ہو سکتا تھا۔''
وہ بے اختیار ایک جھرجھری لے کر میرے شانے
سے الگ ہو گئی پھر اس نے خوف زدہ آواز میں پوچھا ''تم
کس واقعے کی بات کر رہے ہو؟''
''کسی مرد کی گرل فرینڈ اس کی موجودگی میں
دوسرے مرد کو کرنٹ مارنے کی ہمت نہیں کر سکتی۔ ہم لوگ
ایک آدمی ایک ووٹ کے ساتھ ہی ایک مرد ایک عورت
کے اصول پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ اس سے تجاوز کرتے
ہی فساد ہو جاتا ہے۔''
وہ حسین ہونے کے باوجود ذہین بھی تھی۔ میری
بات سمجھ کر کھسیائے ہوئے انداز میں ہنسنے لگی۔
اس کی ہنسی کی آواز سن کر سلیم یوں مڑا جیسے اس نے
کچھ سنا ہی نہ ہو ''کیا ہو رہا ہے؟ بہت راز داری کے ساتھ
باتیں ہو رہی ہیں۔'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ وہ نشے
کی جھونک میں آ چکا تھا۔
''راز داری!'' میں نے اس کا مضحکہ اڑایا ''اس
چھوٹے سے کمرے میں شاید ہم تینوں ایک دوسرے کے
دل کی دھڑکنیں تک سن رہے ہیں اور تم باتوں سے انجان
بن رہے ہو۔''
سلیم کے ہٹنے سے میز پر جگہ پیدا ہو چکی تھی، ایلیزا
آگے بڑھ گئی۔
''معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی تمہیں پسند نہیں آئی۔''
سلیم نے اردو میں تبصرہ کیا۔
''مجھے پلے ہوئے تیتروں کے شکار کا کوئی شوق
نہیں۔'' میں نے منہ بنا کر کہا ''شکار کا مزہ اسی وقت آتا
ہے جب سامنے جنگلی تیتر ہوں۔ تمہاری یہ لڑکی تم ہی کو
مبارک ہو۔''
''تم مشکل کاموں کے عادی معلوم ہوتے ہو۔'' وہ
بقیہ ساتھیوں کی شرکت کا انتظار کیے بغیر کھانے کا آغاز
کر کے بولا ''یہ اپنے بس کی بات نہیں ہے۔''
''مدن نے تمہاری اس کمزوری کا اندازہ لگا لیا تھا۔

وہ پلے ہوئے تیتر ڈال کر تمہیں شکار کھلاتا اور اپنا الو سیدھا
کرتا رہا۔ تم خود کو شکاری سمجھ کر خوش ہوتے رہے۔'' میں
نے اس کے بہکے ہوئے ذہن پر ہلکا سا چرکا لگایا ''تم ذرا
بھی مشکل پسند ہوتے تو آج پریشان نہ ہوتے۔''
''میرے زخموں کو کرید کر نشہ خراب مت کرو۔'' وہ
منہ چلاتے ہوئے بڑبڑایا ''کھانا کھاؤ...... مگر تمہاری پلیٹ
اب تک خالی کیوں ہے؟''
''باری آئے گی تو کچھ لوں گا، ذرا ایلیزا کو ہٹنے دو۔''
میں نے اسے یاد دلایا۔
''مائی ڈرٹی ڈارلنگ ایلیزا!'' سلیم نے اپنے
قدموں پر قدرے ڈگمگاتے ہوئے ہانک لگائی ''میرے
عظیم اور معزز دوست کی پلیٹ ابھی تک خالی ہے اور تم
گوشت کے پارچے سمیٹ رہی ہو۔''
ایلیزا نے ہڑبڑا کر میرے لیے جگہ خالی کر دی۔
اس کی پلیٹ واقعی لبریز تھی۔
یہ ایلیزا کی خوبی تھی کہ اس نے بہت ڈھیرے
ڈھیرے اسکاچ پی کر ہمارا ساتھ دیا تھا۔ یوں اس نے خود کو
آپے سے باہر ہونے سے بچائے رکھا تھا۔ میرا اور سلیم کا
معاملہ برابر رہا تھا لیکن وہ چگی داڑھی والا مے نوش کسی بھی
وقت بہکنے والا تھا۔
خوراک کے لقمے معدے میں اترنے کے ساتھ
سلیم کی کھوپڑی پر اسکاچ کا رنگ گہرا ہو رہا تھا۔ اس کی
زبان لڑکھڑا رہی تھی، وہ ایک ہی جگہ کھڑے کھڑے یوں
جھول رہا تھا جیسے گھومتے ہوئے فرش پر اپنا توازن برقرار
رکھنے کی کوشش کر رہا ہو مگر پھر بھی وہ اپنی دانست میں میری
عزت افزائی کی مضحکہ خیز کوششیں کر رہا تھا۔ یہ بات اس
کے لاشعور میں بیٹھ چکی تھی کہ اس وقت میں اس کے
چکروں میں آ کر اس کے مسئلے کے حل کی کوئی صورت نکال
سکتا ہوں۔
کھانا ختم ہونے تک سلیم کی حالت قابل رحم ہونے
لگی تھی۔ چند منٹ بعد ہی اس کے لیے اپنے قدموں پر
کھڑا رہنا دشوار ہو گیا تو وہ رائٹنگ ٹیبل کے ساتھ پڑی

ہوئی کرسی پر جم گیا۔ ہم دونوں فارغ ہو گئے مگر سلیم کا منہ چلتا رہا۔ وہ اپنی پلیٹ سے یوں ٹٹول ٹٹول کر لقمے لے رہا تھا جیسے اسے صاف نظر نہ آ رہا ہو۔ جب اس نے اپنی پلیٹ چھوڑ کر ایلیزا کی پلیٹ میں سے اٹھا کر اس کی جھوٹی ہڈیاں بھی چوسنی شروع کر دیں تو ایلیزا نہ رہ سکی۔ شرمندگی سے اس کا چہرہ گلنار ہوا جا رہا تھا۔

''بس! تم بہت سیر ہو کر کھا چکے۔'' ایلیزا نے سختی سے کہا'' کیا اب میز کرسی بھی کھاؤ گے؟''

سلیم ہنسنے کے بجائے بس ہنہنا کر رہ گیا۔ ایلیزا نیپکن سے اس کے ہاتھ وغیرہ صاف کرنے لگی۔

''آج کی شام بہت خوب صورت اور پر لطف رہی۔'' ایلیزا نے مڑ کر مجھ سے کہا'' اب تم سے روز ملاقات ہو گی۔ اس وقت میں اجازت چاہوں گی۔''

''چلی ہی جاؤ تو بہتر ہے۔'' میں نے بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ کہا'' دیر کی تو پھر سلیم کو اسٹریچر پر ہی یہاں سے لے جانا پڑے گا۔ اسے بری طرح چڑھ گئی ہے۔''

''نہیں!'' وہ ہاتھ فضا میں لہرا کے بولا'' مجھے نہیں چڑھی۔'' انگریزی میں یہ دعویٰ کرتے ہی وہ اردو میں گڑگڑایا ''اسلم بھائی...... تم میرے پکے دوست...... بڑے بھائی بلکہ میرے ابا ہو۔ بس صبح اٹھ جانا اور سالوں کی ایسی کی تیسی کروا دینا۔ ان کی یہ مجال کہ تمہارے چھوٹے بھائی کا دفتر سیل کریں...... یہ کام ہونا ہے۔'' اس نے لہک لہک کر، جسم کو بل دے کر، الفاظ کو کھینچ کھینچ کر خاصی دقت سے وہ فقرے ادا کیے۔ اس کی سوچ کے مطابق اس کا ہر لفظ برمحل اور با معنی تھا۔ نشے کی بگڑی ہوئی حالت میں بھی وہ اپنی اصل مصیبت کو نہیں بھول سکا تھا۔ وہ دہشت اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں اتر چکی تھی۔

سلیم کے لیے از خود کرسی سے اٹھنا بھی دشوار تھا۔ ایلیزا نے اس کا ایک ہاتھ اپنے کندھے پر لے کر خاصی دقت سے اسے کھڑا کیا اور پھر بے بسی سے میری طرف دیکھنے لگی۔

اس وقت تک میں مسہری پر بیٹھا تماشا دیکھ رہا تھا۔

ایلیزا کی پریشانی پر مجھے رحم آ گیا۔ میں نے سلیم کو دوسری طرف سے سہارا دیا۔ اس کا دوسرا بازو اپنے کندھے پر لے کر ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد کس لیا۔ سلیم ہولے ہولے بڑبڑا رہا تھا۔ اس کے الفاظ آپس میں یوں گڈمڈ تھے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

وہ اپنے قدموں پر اچھلتا کودتا میرے کمرے میں آیا تھا۔ واپسی پر اسے عملاً اٹھا کر لے جایا جا رہا تھا۔

وہ راستے بھر بڑبڑاتا رہا لیکن اسلم، کراچی، دفتر اور سیل کے سوا کوئی پانچواں لفظ میرے پلے نہیں پڑ سکا۔ نشے میں ہونے کی وجہ سے وہ اپنی مادری زبان کا سہارا لینے پر مجبور تھا۔ وہ اپنی بساط سے زیادہ پی کر بھی سب سے بڑی پریشانی کو نہیں بھول سکا تھا۔ اس کے دفتر پر ہونے والی کارروائی مسلسل اس کے دماغ پر کچوکے لگا رہی تھی۔

ان دونوں کا کمرا بھی کم و بیش میرے کمرے جیسا ہی تھا۔ میرے استقبال کے لیے کمرے میں بکھرے ہوئے سامان اور کپڑوں وغیرہ کو ادھر اُدھر اُڑسنے کی سر توڑ کوشش کی گئی تھی مگر اس کابک جیسے کمرے میں دو افراد کی روز مرہ ضروریات کی اشیا کو ایک حد تک ہی سمیٹا جا سکتا تھا۔ وہاں ہر چیز منہ کو آ رہی تھی۔

ایلیزا کی مدد سے سلیم اکبر خان کو مدہوشی کے عالم میں مسہری پر ڈال کر میں سیدھا ہوا تو ایلیزا نے وحشت زدہ انداز میں میرا راستہ روک لیا۔

''اس نے بہت زیادہ پی لی ہے۔ یہ مر تو نہیں جائے گا؟'' اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''فکر مت کرو۔'' میں نے اس کے بازو پر تھپکی دے کر مربیانہ لہجے میں کہا'' ہر روز مر کر زندہ ہونے والے سخت جان لوگ اتنی آسانی سے نہیں مرا کرتے۔ صبح تک یہ ٹھیک ہو جائے گا۔''

اس نے کسی خوف زدہ ہرنی کی سی نظروں سے مسہری پر پڑے ہوئے اپنے سفری محبوب کی طرف دیکھا پھر اس کی التجائیہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

میں نے سر جھکا کر نرمی سے اسے اپنے راستے سے ہٹایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں باہر نکلا تو میری نگاہ اس متوسط قامت فلسطینی پر پڑی جو پنڈلیوں تک آئے ہوئے ایک رنگین لبادے میں سیڑھیوں کے کنارے پر کھڑا ہوا سگریٹ پی رہا تھا۔ آگے بڑھتے ہوئے اس کے وہاں موجود ہونے کی وجہ بھی میری نظروں میں آ گئی۔ اسی جیسے لبادے میں ملبوس ایک خاتون نچلی لینڈنگ پر واقع باتھ روم کا دروازہ کھول کر اندر جا رہی تھی اور وہ وہاں..... چوکیداری کر رہا تھا۔

وہ یقینی طور میاں، بیوی ہی تھے ورنہ کوئی مرد اس طرح دوسری عورتوں کی چوکیداری نہیں کرتا۔

وہ جوڑا بچت کے لیے سلیم والے فلور پر ہی ٹھہرا ہوا تھا۔ ملحق باتھ روم سے محروم ایسے ہوٹلوں میں فیملی کے ساتھ قیام واقعی حوصلے کا کام ہے۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کسی راہداری یا باتھ روم میں کہیں کوئی بدقسمت شخص خواتین کے لیے عذاب نہ بن جائے۔

میں سگریٹ پھونکتے ہوئے اس فلسطینی کو سرسری نظروں سے دیکھتا ہوا نیچے اترتا چلا گیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ لینڈنگ کے موڑ تک اس نے اعصابی دباؤ کے عالم میں میری نگرانی کی ہوگی۔

اس سستے ہوٹل میں روم سروس کا رواج نہ ہونے کے باعث گندے برتن صبح تک یوں ہی پڑے رہے تھے۔ بھوک کے عالم میں جو خوشبوئیں بھلی اور اشتہا انگیز معلوم ہو رہی تھیں۔ پیٹ بھر جانے کے بعد بوجھل اور ناگوار لگ رہی تھیں۔ انتظامیہ نے اپنی سہولت اور عملے کے آرام کے لیے کمروں میں انٹر کام تک کی سہولت فراہم نہیں کی تھی۔ میں نے چند گہرے سانس لیے اور لباس تبدیل کیے بغیر بستر پر گر گیا۔

اس وقت صرف گیارہ بجے تھے۔ ذہن پر سرور خمار طاری ہونے کے باوجود آنکھوں میں نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ میں بستر پر بڑا دیر تک کروٹیں بدلتا رہا پھر اٹھ کر سگریٹ سلگالی۔

کمرا کچھ زیادہ ہی چھوٹا ہونے کے باوجود بستر آرام دہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ بے چینی دور ہونے کے بعد ایک بار میری آنکھ لگ گئی تو دن چڑھے ہی ہوش آئے گا۔

رائل ہوٹل ایک بارونق علاقے میں واقع تھا۔ میں نے سونے سے قبل خود کو تھکانے کے لیے باہر نکلنے کا فیصلہ کر کے جیکٹ پہنی، جیبیں ٹٹول کر پاسپورٹ، ٹکٹ اور پاؤنڈز ہونے کا یقین کیا اور باہر نکل کر کمرے کا دروازہ مقفل کر دیا۔

اسی وقت آہٹیں اور زور زور سے بولنے کی آوازوں کے ساتھ ایک قریبی کمرے سے شوخ رنگوں کے چست لباس میں ملبوس ایک سفید فام جوڑا برآمد ہوا۔ انگریزی کے لب و لہجے اور انداز سے وہ دونوں ہی امریکی نظر آ رہے تھے۔

مرد کی توجہ دروازے پر مرکوز تھی۔ عورت نے میری طرف دیکھا اور تنبیہی انداز میں مسکرانے لگی۔ میں نے مسکرا کر ہی جواب دیا اور زینوں کی طرف چل پڑا۔ مرد لندن کے موسم کو گندی گندی گالیاں دیتے ہوئے جلد از جلد فرانس کی طرف روانہ ہونے کے عزم کا اظہار کر رہا تھا۔ عام امریکیوں کی طرح وہ بھی بالکل بے پروا تھا۔ اسے ذرا بھی فکر نہیں تھی کہ اس کے بے ہودہ تبصرے سن کر کوئی انگریز بھڑک بھی سکتا ہے۔

اس وقت نچلے ہال میں میز کے پیچھے ایک دبلی پتلی اور چڑچڑی سی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مردوں نے لندن شہر کا کاروبار چلانے کی بیشتر ذمے داری صنف نازک پر ہی ڈالی ہوئی ہے۔ میں اس لڑکی پر ترس کھاتا ہوا میز تک پہنچا تو اس نے زبان ہلائے بغیر اپنی سوالیہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ اس حالت میں وہ روبوٹ معلوم ہو رہی تھی۔

میں نے ترکی بہ ترکی کے مصداق خاموشی سے اپنے کمرے کی چابی اس کے سامنے ڈالی اور کچھ کہے

بغیر دروازے کی طرف جانے لگا۔ اس مرحلے پر وہ خاموشی توڑنے پر مجبور ہوگئی۔

"سر! کیا تم باہر جا رہے ہو؟" ظاہر ہے کہ وہ سوال میرے لیے ہی تھا۔

"تو کیا یہ دروازہ تمہارے کچن میں کھل رہا ہے؟" سیدھا جواب دینے کے بجائے میں نے اس سے ایک ٹیڑھا سوال کر ڈالا۔

میں نے اپنا لہجہ سپاٹ ہی رکھا۔

"اوہ! شاید میرا سوال غلط تھا۔" وہ سٹپٹا گئی "تم یقیناً باہر ہی جا رہے ہوگے۔ دو بجے تک میں یہیں موجود رہوں گی۔ تم اس کے بعد لوٹے تو شاید دروازہ کھلنے میں دیر ہوگی۔ دراصل میں دو بجے اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلی جاتی ہوں۔"

"تو کیا دو بجے سو جانا تمہاری ملازمت کا ایک حصہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یس سر!" اس نے خشک لہجے میں کہا "مجھے سات بجے بیدار ہو کر مہمانوں کے لیے ناشتا تیار کرنا ہوگا ......درمیان میں نیند خراب ہو جائے تو دوبارہ سونا مشکل ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی میرے کمرے میں گھنٹی کی آواز کم ہی پہنچتی ہے۔"

اس نے مہذب پیرائے میں تاخیر سے لوٹنے کے جملہ نتائج سے آگاہ کر دیا تھا۔ ہوٹل کی مالکہ کرائے کم رکھنے کے لیے عملے سے دہرے کام لے کر خاصے جوڑ توڑ کر رہی تھی۔ مجھے اس لڑکی پر رحم آنے لگا' میں نے کہا "ٹھیک ہے' مجھے بیرون ملک ایک فون بھی کرنا ہے۔ میں دو بجے سے پہلے لوٹ آؤں گا۔"

"تھینک یو!" پہلی مرتبہ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

امریکی جوڑے کو اوپر سے نیچے آنے میں دیر ہوگئی تھی مگر وہ میرا دردِ سر نہیں تھا۔ کسی نے کہا تھا کہ دنیا میں بھٹکتے ہوئے لمبے چوڑے اور بسیار خور امریکی سیاح عام طور پر نیم پاگل ورنہ سنکی ضرور ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں نے کمرہ بند کرنے کے بعد سیڑھیوں پر ہی بیٹھ فیصلہ کر لیا ہو۔

میں رائل ہوٹل سے باہر نکلا تو اس وقت بھی پھوار پڑ رہی تھی۔ برسات کی اس جھڑی میں بھیگ چیرنگ کراس میں خوار ہونے سے بہتر تھا کہ میں ا بستر ہی میں پڑا رہتا لیکن یہ بات اس وقت میری میں نہیں آئی اور میں تیز تیز قدموں سے ایک طر ہو گیا۔

مسلسل برسات کی وجہ سے علاقے کی عمارت دھلی دھلی اور نکھری ہوئی نظر آرہی تھیں مگر ہر طرف جگمگ ہوئی روشنیوں پر خواب ناک اداسی طاری تھی۔ سڑکو پر ٹریفک رواں تھا۔ فٹ پاتھ پر بھی لوگ برساتیاں اور چھتریاں لگائے آجا رہے تھے لیکن ان کی تعداد م نمایاں کمی واقع ہو چکی تھی۔

ایک عمارت کی آڑ لینے تک میں خاصا بھیگ چکا میری طرح برسات میں بھیگنے والوں کی تعداد بہت تھی۔ میرے لیے یہی غنیمت تھا کہ وہاں میں اکیلا احمق نہیں تھا۔

قریبی پب پر نظر پڑی تو میرے قدم خود بخود دا طرف اٹھ گئے۔ اس موسم میں پب کا گرم ماحول' ف میں رچی ہوئی خوشبوئیں اور لوگوں کا جوش و خروش سب سے بہتر ثابت ہو سکتا تھا۔

میں نے دروازہ آزمایا تو وہ مقفل تھا۔ اندر لوگ بھرے ہوئے تھے۔ ایسے مقامات پر روشنیاں عام ط پر کم ہی رکھی جاتی ہیں۔ میں گھوم کر دوسرے دروازے گیا تو وہ بھی بند تھا۔ معاً اندر سے گھنٹیوں کی آواز آئی ا میں وہاں سے آگے چل دیا۔

شہر کے پب عام طور پر گیارہ بجے بند ہو جا ہیں۔ پانچ منٹ پہلے اطلاعی گھنٹیاں بجا دی جاتی ہیں ان پانچ منٹوں میں ندیدے اپنے جام دوبارہ لبریز کر لیتے ہیں۔ گیارہ بجے والی گھنٹیوں کے ساتھ درواز بند کر دیے جاتے ہیں تا کہ نئے گاہک اندر داخل

ہوں۔ اندر والوں کو اپنے پیمانے خالی کرنے کی سہولت حاصل رہتی ہے۔ بارٹینڈر ساقی گری کے لوازم سمیٹنے اور بساط لپیٹنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

اندر رکے ہوئے گاہکوں کی یاد دہانی کے لیے گیارہ بجے کے بعد بھی وقفے وقفے سے گھنٹیاں بجائی جاتی ہیں۔ آخر میں کوئی مدہوش کسی میز پر سر اوندھائے نظر آئے تو عملہ اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے سیڑھیوں کے ساتھ ڈال دیتا ہے اور پب کو تالے لگا کر گھروں کو چل دیتا ہے۔

شہر کے سارے پب بند ہو جانے کے احساس سے مجھے جھنجلاہٹ سی ہونے لگی۔ بارش میں بھیگ کر اسکاچ کا رہا سہا سرور بھی زائل ہو چکا تھا۔ میں نے واپسی کا راستہ لینے میں ہی عافیت جانی۔

سڑکوں پر کہیں بھی بارش کا پانی جمع نہیں تھا مگر گیلی سڑکوں پر چلتی ہوئی گاڑیوں کے ٹائر شوں شوں کی ایک مترنم آواز پیدا کر رہے تھے۔ ان کی طرف دیکھتے دیکھتے میری نگاہ ایک دکان پر پڑی جو شاید دیر تک کھلی رہتی تھی۔ وہاں بھانت بھانت کے بیگ، تھیلے، جیکٹ اور برساتیاں نظر آ رہی تھیں۔

میں نے دیکھ بھال کر مٹھی میں سما جانے والی ایک نرم اور مضبوط برساتی پسند کی جس کے ساتھ سر، کانوں اور گردن کو اپنے حصار میں لینے والی ٹوپی بھی منسلک تھی۔ دام پوچھے تو پندرہ پاؤنڈ۔

پندرہ کو شرح تبادلہ سے ضرب دینے کا نتیجہ شاید سیکڑوں میں تھا۔ میں نے برساتی کا جائزہ لیا۔ وہ کسی طرح اتنی مہنگی نہیں لگتی تھی۔ مسئلہ رقم کا نہیں، ایک بھیگے ہوئے سیاح کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کا تھا۔

''دس پاؤنڈ دے دوں؟'' میں نے اسے نہایت فراخ دلانہ پیشکش کی۔

''کیوں؟'' اس نے تنک کر پوچھا ''اس کی قیمت فروخت پندرہ پاؤنڈ ہے تو دس میں کیوں دوں؟''

میں لاجواب ہو گیا۔ اس کی بدتمیزی واضح تھی مگر مجبوری یہ تھی کہ اس وقت کوئی دوسری دکان نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے جیب سے پانچ پانچ پاؤنڈ کے تین نوٹ نکال کر حقارت سے کاؤنٹر پر پھینکے اور آگے چل دیا۔ وہ گورا دکان دار میرا منہ دیکھتا رہ گیا۔

دکان سے آگے نکل کر میں نے سوچا کہ گیلے کپڑوں پر برساتی پہننے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے بلاوجہ ہی اس دکان دار کو اپنی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا تھا۔ کئی دن بعد جب مطلع صاف تھا میں اسی دکان پر رکا۔ اس وقت برساتی پانچ پاؤنڈ کی تھی۔

میری غیر متوقع واپسی نے ہوٹل والی لڑکی کو حیران کر دیا۔ میں اس سے چابی لے کر اوپر گیا، گیلے کپڑے اتار کر دوسرا لباس پہنا اور پھر نیچے آ گیا۔

''باہر سے کافی بھیگ کر آئے ہو۔ کیا ٹرافالگر اسکوائر کی طرف نکل گئے تھے؟'' مجھے کرسی پیش کر کے لڑکی نے پوچھا۔ ساتھ ہی وہ فون کے ڈائل پر لگا ہوا تالا بھی کھول رہی تھی۔

''کسی کو وقت دیا ہوا تھا۔'' میں نے خفت سے بچنے کے لیے بات بنائی۔

''میں سمجھ گئی تھی کہ ایسی ہی کوئی بات ہو گی ورنہ اتنے گندے موسم میں کون گھر یا ہوٹل سے باہر نکلتا ہے۔'' وہ عالمانہ لہجے میں بولی۔ اس کے سامنے رکھا ہوا ٹیلی وژن اس وقت بے جان تھا۔

اس وقت ایک بھی نہیں بجا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ویرا میری کال کے انتظار میں سلگ رہی ہو گی۔ میں نے پہلے اسی سے بات کرنے کا فیصلہ کر کے ماسٹر رابرٹ ہوٹل کا نمبر ملا لیا۔

مسز روزی برڈ کا نام لیتے ہی آپریٹر نے کال ویرا کے کمرے میں منتقل کر دی۔ دوسری گھنٹی پر اس نے فون اُٹھا لیا۔ اس نے خالص امریکی لہجے میں ''ہائے روزی اسپیکنگ'' کہا تھا۔

''میں نے کچھ خبریں دیکھی ہیں۔'' میں نے معروف انگریزی الفاظ کے استعمال سے بھی گریز

کرتے ہوئے خالص اردو میں کہا۔
''قصہ چل پڑا ہے۔ میں چگی داڑھی والے کے پتے پر ہی ٹھہرا ہوں۔ تم سترہ نمبر کمرے میں سے مجھے بلوا سکتی ہو۔''
''خبریں تشویش ناک ہیں۔ اس وقت بات نہیں ہوسکتی۔ صبح اخبار غور سے دیکھ لینا۔ میں تمہارے جانے کے بعد مسلسل......ٹی وی کھولے بیٹھی ہوں۔''
''ہوسکا تو کل کہیں ملیں گے مگر برساتی ضرور خرید لینا۔ یہاں اس وقت بھی خاصی بارش ہو رہی ہے۔''
''باہر سے آنے والی کسی بھیگی بلی کو دیکھ کر بتا رہے ہو یا خود باہر نکلے تھے؟''
''یہ آپ بیتی ہے۔ خود بھیگ کر آیا ہوں اور اب کراچی بات کروں گا۔''
''محتاط رہنا۔ پورا شہر ہل کر رہ گیا ہے۔ تمہارے دوست کا کیا حال ہے؟''
''اس وقت بے حال بلکہ بے سدھ ہے اور پوری طرح قابو میں آچکا ہے۔ یہاں آنے کا ایک مقصد تو شاید پورا ہو ہی جائے گا۔ وہ مشروط طور پر واپس جانے پر آمادہ ہے ورنہ اس کے دماغ میں وہی منصوبہ تھا جو میں پہلے سے سمجھ رہا تھا۔ اول خان سے اسی بارے میں بات ہوگی۔''
''سب کو میری نیک تمنائیں پہنچا دینا۔ ہوسکے تو کوئی مجھ سے بھی بات کر لے۔''
''میں سمجھ رہا ہوں۔ تمہارا یہ پیغام سلطان شاہ کو دے دوں گا۔''
''کال آئے گی تو وہ ضرور بات کرے گا۔ تمہیں یہ زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔''
مشکل یہ تھی کہ ہم فون پر اتنے سلگتے ہوئے مسائل کے بارے میں بات نہیں کر سکتے تھے۔ تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔
''یہ بیرون ملک کال تو نہیں تھی۔'' میرے فارغ ہونے پر ڈیوٹی پر موجود لڑکی نے کہا۔
''وہ اب ہوگی۔ یہ لوکل تھی۔'' میں نے ہنس کر کہا اور کریڈل سے انگلی ہٹا کر نمبر ملانے لگا۔
''تمہارا نمبر مل جائے تو میں ڈائل مقفل کر کے سونے جا رہی ہوں۔ صبح برٹش ٹیلی کام سے اس کال کا بل معلوم کر کے تم سے رقم لے لوں گی۔ تمہارا نام سلیم اکبر خان ہے نا؟''
''اسلم خان۔'' میں نے نمبر ملاتے ملاتے بے ساختہ اس کی تصحیح کی۔
''حیرت ہے!'' اس نے چونک کر میز پر پڑا ہوا رجسٹر سنبھالتے ہوئے کہا'' ریکارڈ پر تو سترہ نمبر کمرا سلیم اکبر خان کے نام پر ہے پھر تم کیسے وہاں پہنچ گئے۔''
آخری ہندسہ بھی ڈائل کر کے میں نے فون بند کر دیا'' رجسٹر میں دماغ سوزی نہ کرو۔ سلیم اکبر اوپری منزل کے ایک کمرے میں ایلیزا نامی پولش لڑکی کے کمرے میں رہتا ہے۔ یہ کمرا اس نے آج ہی میرے لیے بک کرایا ہے مگر ریکارڈ میں اسی کے کوائف لکھے گئے ہیں۔''
''غیر ملکی سیاحوں کے بارے میں یہاں کے ضابطے بہت سخت ہیں۔ پتا نہیں یہ کس کی غلطی ہے۔'' وہ رجسٹر کے متعلقہ صفحے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی'' اس وقت سلیم اکبر خان عملاً ہوٹل کے دو کمروں میں رہ رہا ہے جب کہ تم کہیں بھی نہیں ہو۔''
''یہ غلطی نہیں، اسے تم رعایت کہہ سکتی ہو۔ سلیم اکبر اس ہوٹل کا پرانا گاہک ہے۔'' میں نے اس کی الجھن دور کرنے کی نیت سے کہا'' تمہاری مالکہ نے میرا کمرا بھی اسی کے نام لکھ لیا ہے۔''
''اوہ! یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔ دراصل اس ہوٹل میں آج میرا پہلا ہی دن ہے۔ کچھ بھی ہو، یہ ضابطے کی سنگین خلاف ورزی ہے۔ میں صبح مسز رینالڈ سے بات کروں گی۔''

میں نے اندازہ لگایا کہ اس کی الجھن ضابطے سے زیادہ فون بل کے بارے میں تھی۔ رقم سلیم اکبر دے گا یا میں اس کی ذمے داری قبول کرلوں گا۔

''مسز رینالڈ سے ضرور بات کرلینا۔ اب میں دوبارہ نمبر ملا رہا ہوں۔ فی الحال تم یہ رکھ لو۔'' اس سے بات کرتے ہوئے میں نے پچاس پاؤنڈ کا ایک نوٹ اس کے حوالے کردیا ''فون بل کاٹ کر بقیہ رقم صبح لوٹا دینا۔ یہ میں تمہاری تسلی کے لیے دے رہا ہوں۔''

''شکریہ!'' اس نے بلا تامل نوٹ لے لیا ''لمبے فاصلے کی فون کال بعض اوقات اس سے بھی زیادہ مہنگی ثابت ہوتی ہے۔ ایک دن کی ملازمت میں اتنا بڑا رسک نہیں لے سکتی۔''

''ابھی دو بجنے میں کافی دیر ہے۔ تم کال ختم ہونے پر بھی حساب کتاب کرسکتی تھیں۔''

''سب مہمان اندر آچکے ہیں۔'' اس نے خالی کی بورڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا ''مجھے سخت نیند آرہی ہے۔ تم بھی آگئے ہو تو اب نیند کو روکنا میرے بس سے باہر ہے...... ایسا نہ ہو کہ صبح ناشتے میں دیر ہو اور مجھے نوکری سے جواب مل جائے۔ تم بھی صبح فون کرسکتے تھے۔''

''صبح مطلوبہ آدمی نہیں ملے گا۔'' میں نے نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا ''پچاس پاؤنڈ تمہاری جیب میں ہیں۔ اب اس بحث کو ختم ہوجانا چاہیے۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ میں نمبر ڈائل کرکے سلسلہ ملنے کا انتظار کررہا تھا۔ طویل سکوت کے بعد کراچی میں میرے فلیٹ کے فون کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔ پھر دوسری گھنٹی بجی۔

اول خان سحر خیز آدمی تھا لیکن ایسا بھی نہیں کہ صبح کے ساڑھے چار بجے فون کے قریب موجود ہو۔ تیسری گھنٹی پر سلطان شاہ کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

''کیا حال ہے؟ میں لندن سے اسلم بول رہا ہوں۔'' میں نے خوش ہوکر کہا۔

گفتگو کا سلسلہ شروع ہوتے ہی لڑکی نے ڈائل لاک کرکے میری طرف ہاتھ لہرایا اور سونے کے لیے چل دی۔ وہ اس کا ذاتی معاملہ تھا۔ وہ بیٹھی بھی رہتی تو کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ وہ اردو میں ہونے والی گفتگو کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکتی تھی۔

''اوہ۔ خیریت تو ہے۔ تمہیں اس وقت فون کی ضرورت کیسے پیش آگئی؟'' صبح کے اولین لمحات میں میری آواز پہچان کر سلطان شاہ کی آواز سے نیند کے اثرات کافور ہوگئے تھے۔

''اگر اول خان موجود ہے تو اسے جگادو۔ مجھے اس سے اہم بات کرنی ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''یہ غزالہ کہاں ہے؟ کیا اس کے کمرے میں انسٹرومنٹ نہیں ہے؟''

''وہ خراب ہوگیا ہے۔ ویسے غزالہ بھی دروازے پر آگئی ہے...... لو تم اول خان سے بات کرلو۔''

شاید فون کی گھنٹی اور پھر سلطان شاہ کی آواز سے اول خان کی آنکھ کھل گئی تھی۔

''اگر تمہارے ذہن پر نیند کا خمار نہ ہو تو مجھے کچھ کہنا ہے۔'' اول خان کی آواز سن کر میں نے کہا۔

''میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں۔ اپنی بات شروع کرنے سے پہلے یہ سن لو کہ تمہارے دونوں مہمان آج صبح کراچی سے روانہ ہورہے ہیں۔ اگر ان کا راستے میں رکنے کا پروگرام نہ ہوا تو وہ شام تک لندن میں ہوں گے اور پھر تمہاری مصروفیت شروع ہوجائے گی۔''

''مصروفیت شروع ہوچکی ہے۔ یہ اچھا ہے کہ وہ آج ہی نکل آئیں گے مگر سلیم کے بارے میں معاملہ گمبھیر ہے۔ دفتر کی سیل نہ ٹوٹی تو وہ پاکستان کا رخ نہیں کرے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسے پاکستان واپس آنے کا موقع دو۔ وہ لاعلمی میں خطرناک کھیل کھیلتا رہا ہے۔''

''تم جیسا چاہو گے، ہوجائے گا۔ یہاں جال تیار

ہوگا۔ وہ آ گیا تو پھر اسے نقشوں سمیت رنگے ہاتھوں پکڑا جائے گا۔ کیا یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ جائے گی کہ اسے گھیرا جا رہا ہے۔''

''میں ایک اتفاقی دوست بن کر سیل کھلوانے کی کوشش کر رہا ہوں' اس کے فرشتوں کو بھی اصل معاملے کی ہوا نہیں لگی ہے۔ اس نے خود اعتراف کیا ہے کہ وہ مدن کے غائب ہونے سے خوف زدہ ہو کر پاکستان سے فرار ہوا تھا اور اب اس کا دفتر عتاب کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ سیل کھل گئی تو اسے کاغذات اور نقشوں کی نقلیں تلف کرنے کا موقع مل جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ کاغذی خانہ پری کے بعد آج سیل ہٹوا دی جائے گی مگر اس کا منیجر حراست میں رہے گا۔ کہانی کچھ یوں بنانی پڑے گی کہ چوری چکاری منیجر کر رہا تھا۔ فرم کا ان غیر قانونی دھندوں سے کوئی تعلق نہیں تھا اس لیے دفتر مالکان کو واپس کیا جا رہا ہے۔''

''ویری گڈ......وہ خود بھی یہی کہانی لے کر پاکستان پہنچے گا۔ میں اس سے یہی کہوں گا کہ میں نے اپنا کام کر لیا ہے۔ کام ہونے یا نہ ہونے کا انحصار اس کے مقدر پر ہے۔ خوش خبری اسے اپنے ذرائع سے ہی ملنی چاہیے۔ اس کام میں پولیس والے کچھ پیسے بنا لیں تو اور بہتر ہوگا۔ سارا چکر حقیقی معلوم ہوگا۔''

اول خان کی ہنسی کے ساتھ آواز آئی'' ہماری ہدایت پر رشوت ستانی کی فرمائش بہت عجیب ہے۔ اس کا بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔ چاہو تو میں ہوٹل فون کر کے تمہیں کام پورا ہونے کی اطلاع دے دوں۔''

''میں اب وہاں نہیں ہوں' روزی وہاں منتقل ہو گئی ہے۔ میں ایک چھوٹے سے مرکزی ہوٹل میں ہوں جہاں فون کرنے یا سننے کے لیے سیڑھیاں اتر کر کاؤنٹر پر آنا پڑتا ہے۔''

''پھر وکرم تم سے کہاں رابطہ کرے گا؟'' اول خان کے اس بے ساختہ سوال نے مجھے چکرا کے رکھ دیا۔ اپنے چکر میں الجھ کر اس اہم ترین نکتے کو میں یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔

یہ ظاہر تھا کہ اول خان نے احتیاط کے طور پر بدری ناتھ کے لیے وکرم کا پرانا نام استعمال کیا تھا۔

''اس کے آنے کی اطلاع مل گئی ہے تو اس بارے میں کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔'' میں نے پرتفکر لہجے میں کہا'' تم میرا نیا نمبر لکھ لو اور ہاں، ذرا ماسٹر رابرٹ ہوٹل فون کر کے روزی سے بات کر لینا۔ وہ تم لوگوں کی آواز سننے کو ترسی ہوئی ہے اور بالکل تنہا ہے۔''

''ہوٹلوں کا یہ ہیر پھیر میری سمجھ سے باہر ہے۔''

اول خان ایک گھاگ آدمی تھا اور اپنے شعبوں میں اڑتی چڑیاں کے پر گن لینے کا وصف رکھتا تھا۔ اس نے میری باتوں سے لندن میں گڑبڑ کی بو سونگھ لی تھی۔

''یہ باتیں پھر کسی وقت ہوں گی۔'' میں نے موضوع بدلنے کے لیے جلدی سے کہا'' یہاں کی فکر مت کرو۔ موقع نکال کر میں کسی پبلک بوتھ سے بات کروں گا تو تمہیں کچھ اچھی خبریں سناؤں گا۔''

''یہاں بھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' مجھ سے چھپانے کے باوجود اول خان اپنی بعض پریشانیوں کے اظہار پر مجبور تھا'' وہ نادرہ کے گھر پر بھیجی جانے والی فضائی مہم کی مکمل ناکامی پر سخت برہم تھا۔ میرے آدمی نے اپنے لاسلکی آلے پر ہونے والی اس کی اور وکرم کی جو باتیں سنی تھیں ان کی رپورٹ ملنے پر مجھے توی اندیشہ تھا کہ وکرم کا پروگرام ٹھپ ہو کر رہ جائے گا اور تمہیں واپس آنا پڑے گا مگر وہ آج نکل رہے ہیں۔ میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ اس پورے قصے میں کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو چکی ہے۔''

''تم کس قسم کی گڑبڑ کا اندیشہ محسوس کر رہے ہو؟'' میں نے فکرمندی سے پوچھا۔

''کسی نتیجے پر پہنچ چکا ہوتا تو تمہیں ضرور بتاتا۔ ہوسکتا ہے کہ علی شیر کے غائب ہونے کی خبر سے اسے شبہ ہوا ہو۔ وکرم کا ساتھی راجن بھی اسے دغا دے سکتا ہے۔

اسے اندر کی بہت سی باتیں معلوم ہیں۔"
"ایسی خطرناک باتیں مت کرو۔ اگر راجن کو لاسکی آلے پر قبضہ کر کے اپنے بڑے سے بات کرنے کا موقع مل چکا ہے تو سمجھ لو کہ وقت کا پہیہ الٹا چل پڑے گا۔ اس نے بتا دیا ہوگا کہ علی شیر کو یرقان نہیں ہوا تھا۔ وہ اس سے ملنے سے گریز کر رہا تھا۔ اس کے علم کے مطابق علی شیر شمالی علاقوں کی طرف نکلا ہے۔ راجن نے علی شیر کی کسی دوست کے گھر منتقلی کی رپورٹ دی ہوگی۔ یہ تضاد اس کے علم میں آچکے ہیں تو کھیل ختم سمجھو۔"
"ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہوا ہو۔" اول خان نے میری تشویش کا اندازہ لگا کر تشفی آمیز لہجے میں کہا "مگر یہ امکانات اپنی جگہ پر بہت قوی ہیں۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ تم محتاط رہو۔"
"میں تو پہلے ہی بہت محتاط ہوں۔ ہوٹل کی تبدیلی اسی احتیاط کا نتیجہ ہے۔"
دوسری طرف چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھا گئی جیسے اول خان زبان کھولنے یا نہ کھولنے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر پا رہا ہو۔ آخر اس نے جھجکتے ہوئے کہا "اگر وکرم شبہات کی زد میں آگیا ہے تو اس پر شکاری کتے مامور ہو سکتے ہیں جو دور رہ کر اس کا پیچھا کرتے رہیں اور پھر اس کے ذریعے اصل ہدف تک پہنچنے کی کوشش کریں...... تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"
"اچھی طرح۔" میں نے اپنے معدے میں پڑتی ہوئی گرہوں کو بھول کر کہا "بظاہر علی شیران کا ہدف ہوگا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ وکرم کو چارا بنا کر بڑی مچھلی کا شکار کھیلنے کی کوششوں کا آغاز ہو چکا ہے۔"
"بالکل...... مجھے بالکل یہی خوف ہے۔" ریسیور پر اول خان کی اضطراری آواز ابھری۔
"تم بے فکر رہو۔ اب میرے ذہن میں آنے والے وقت کا نقشہ ذرا صاف ہو گیا ہے۔ میں اسی کے مطابق اپنا لائحہ عمل بناؤں گا۔ یہ اچھا ہوا کہ میں وکرم کے پہنچنے سے پہلے ہوٹل چھوڑ چکا ہوں۔ اس کے پاس میرا کوئی سراغ موجود نہیں ہونا چاہیے۔ وہ آئے گا تو میں خود ہی اس سے رابطہ کروں گا۔"
"یہ معاملات تم مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہو۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی تمہیں ہر بات صاف صاف بتا دی ہے۔" ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز ابھری "چاہو تو تم اب بھی لوٹ سکتے ہو۔"
"صورت حال واضح ہونے سے پہلے میں ایسا بزدلانہ فیصلہ نہیں کر سکتا۔" اس وقت تک میرے وجود پر طاری ہونے والی غیر ارادی اعصابی لہر معدوم ہو چکی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "کل پرسوں کے اخبارات وغیرہ میں عالمی خبروں پر نظر رکھو گے تو بعض باتیں خود بخود تمہاری سمجھ میں آجائیں گی۔ میرے لیے انہیں دہرانا ممکن نہیں ہے......اب ذرا سلطان شاہ سے بات کرادو۔"
"ایک خبر پر میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔" اول خان کی تحیر زدہ آواز آئی۔ "رات گیارہ بجے کی خبروں میں لندن کے ایک خاص جنوبی علاقے میں کسی سفارتی جوڑے کے قتل کی ابتدائی خبر آئی تھی......اوہ خدا! اسلم! شکاریوں کے غول کے سامنے بھیڑیا بن کر جھپٹنے کی کوشش مت کرو۔ بھیڑ بن کر کسی کونے میں دبک کر مناسب وقت کا انتظار کرو۔ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ کیوں اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی چلانے کی کوشش کر رہے ہو۔"
"جذباتی نہ بنو!" میں نے سرد آواز میں کہا "دنیا بھر سے ہر روز سیکڑوں دہشت گردیوں کی خبریں آتی ہیں۔ ہم کس کس کو روکیں گے......؟ ہر الزام کسی ایک نام پر عائد نہیں کیا جا سکتا۔ پتا نہیں وہ کون تھا۔ تم اخبار دیکھتے رہو۔ شاید مایوسی کی فضاؤں میں اچھی خبریں بھی پڑھنے میں آجائیں۔"
"تم خود سر ہو۔" اول خان کی تھکی ہوئی آواز سنائی دی پھر سلطان شاہ لائن پر آگیا۔
"تم سفری دستاویزات لینے گئے تو اس کا کیا رویہ تھا؟" میں نے کسی تمہید کے بغیر پوچھا۔

''خشک، سرد اور سپاٹ۔ بالکل پہلے جیسا۔ میں مہر بند لفافہ لے کر آ گیا۔''

''تعاقب؟'' میں نے سوال کیا۔

''کوشش کی گئی تھی۔ میں ٹیکسی میں گیا تھا۔ واپسی پر ایمپریس مارکیٹ میں جا گھسا۔ وہاں کی بھول بھلیوں سے نکل کر میں ایک رینگتی ہوئی بس میں چڑھ گیا۔ پاپوش نگر میں بس سے اترا تو میدان صاف تھا۔ میں گھر لوٹ آیا۔ لفافہ منزل تک پہنچانے کا کام اول خان نے کیا تھا۔''

''میں نے اول خان سے کہا ہے۔ تم سے بھی کہہ رہا ہوں کہ میرے دیے ہوئے نمبر پر روزی برڈ سے بات کر لینا۔ وہ بری طرح تنہائی کا شکار ہے۔ یہ ضروری ہے۔''

''پھر تم کہاں ہو؟'' میری ہدایت نے غالباً اسے چونکا دیا تھا۔

''ایک بار بتا چکا ہوں کہ ہم الگ الگ رہ رہے ہیں۔'' میں نے سختی سے جواب دیا ''بار بار ایسے احمقانہ سوال مت کیا کرو جن کا کوئی مقصد نہ ہو۔''

''تمہیں روزی کی تنہائی کی فکر ہے۔'' میرے پھنکارنے پر وہ دبنے کے بجائے برہم ہو گیا'' کچھ اس کی بھی پروا ہے جو اول خان کی باتیں سن کر منہ میں دوپٹا ٹھونسے بلک رہی ہے۔ تم کیا کرتے پھر رہے ہو......؟ کیا چاہتے ہو......؟ یہ عورت ان ہی دھڑکوں میں ایک روز سسک سسک کر مر جائے گی۔''

''یہ مقدرات ہیں جو اٹل ہوتے ہیں۔'' میں نے دل پر جبر کر کے سپاٹ لہجے میں کہا'' مصائب کسی کا پیچھا کرنے لگیں تو وہ تحت الثریٰ میں بھی ان سے نہیں بچ سکتا۔ میری ساری محبتیں اور ہمدردیاں رونے والی کے لیے ہیں۔ میں ہزاروں میل دور بیٹھ کر اس کی سسکیاں نہیں سن سکتا۔ میرا پیار اسے پہنچا دینا۔''

ریسیور رکھتے ہوئے میرے کان میں ایک دبی دبی سسکی کی آواز آئی۔ شاید سلطان شاہ نے میری بات شروع ہوتے ہی ریسیور غزالہ کو دے دیا تھا اور وہ سانس روکے میری باتیں سنتی رہی تھی۔ میرے آخری فقرے پر شاید اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور اس کی ایک سسکی میرے کانوں تک پہنچ گئی۔

کریڈل سے پہلے میرا ہاتھ نہ رک سکا۔ مشینی انداز میں میں فون بند کر چکا تھا۔ غزالہ کی آواز نے میری روح تک کو تڑپا کر رکھ دیا اور میں اس کو دلاسا دینے کے لیے بے چین ہو گیا مگر فون بے جان تھا، ڈائل مقفل تھا اور فون کی رکھوالن چابی لے کر سونے کے لیے جا چکی تھی۔

میں خاموشی سے سر جھکا کر زینوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس وقت میرے ذہن میں ایک سناٹا سا گونج رہا تھا۔ اول خان سے ملنے والی خبروں اور پھر غزالہ کی موہوم سی آواز نے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ماؤف کر دی تھیں۔ کمرے میں پہنچ کر میں نڈھال سا ہو کر بستر پر گر گیا۔

پتا نہیں میں کب تک بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ نرم سا بستر اس وقت مجھے کانٹوں بھری سیج کی طرح محسوس ہو رہا تھا پھر کسی وقت میری آنکھ لگ گئی۔ یہ سچ ہے کہ نیند بڑی ظالم شے ہے۔ آتی ہے تو پھانسی کے تختے پر بھی آ جاتی ہے۔

پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بھرے ہوئے ریوالور کی مہیب آہنی نال میری کنپٹی پر رکھ کر گولی چلا دی ہو۔ دھماکا ہوتے ہی دہشت سے میری آنکھ کھل گئی۔

اندھیرے کمرے میں میرے سوا کوئی سایہ تک نہیں تھا۔ میں نے غیر ارادی طور پر اپنی کنپٹی پر ہاتھ پھیرا تو وہ خشک اور صحیح سلامت تھی۔ بس کوئی میرے کمرے کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔ میرے ذہن کے بے نام گوشوں میں پنجے گاڑے ہوئے اندیشوں نے عالم خواب میں اسی آواز کو فائر کے دھماکے میں بدل دیا تھا۔

میں بستر پر پڑا اینڈتا رہا پھر باہر سے سلیم کی دبی دبی آواز آئی۔ ''یار اب اٹھ بھی جاؤ...... دس بجے کے

بعد یہاں ناشتا نہیں ملتا۔ کب تک پڑے سوتے رہو گے؟''

سلیم کی بے وقوفی پر میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ گہری نیند سوئے ایک شخص کو جگانے کی کوشش میں مصروف تھا اور لمبے لمبے ڈائیلاگ بول رہا تھا جیسے سونے والا وہ سب سن اور سمجھ رہا ہو۔

چند ثانیوں بعد میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ پوری تیاری کے ساتھ راہداری میں موجود تھا۔ اس کے چہرے سے بدحواسی مترشح تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اپنی رسٹ واچ میرے سامنے کر دی'' ساڑھے نو بج چکے ہیں۔ میرے ساتھ ایلیزا بھی تمہارے انتظار میں بھوکی بیٹھی ہے۔ کب ناشتا کرو گے؟''

ناشتا صرف ایک بہانہ تھا۔ اس کے ذہن پر اس کا اپنا مسئلہ سوار تھا۔ ناشتا کرنے کے بعد وہ مجھے کراچی سے رابطہ کرنے پر مجبور کرتا مگر میں نے اسے آنکھ مار کر کہا'' تم تہہ خانے میں پہنچ کر ناشتا منگواؤ، میں پانچ منٹ میں تیار ہو کر وہاں آتا ہوں۔''

رات کی بسیار نوشی کی وجہ سے اس کے پپوٹے متورم تھے، چگی داڑھی سے جھانکتے ہوئے رخساروں پر ہلکی سی سرخی اُمڈ آئی تھی۔ اس کے سوا وہ مے نوشی کے اثرات سے آزاد نظر رہا تھا۔

''جلدی اتر آنا۔ کراچی ہم سے چار گھنٹے آگے ہیں۔ وہاں بات کرنے میں دیر کی تو آج کا دن ضائع ہو جائے گا کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔'' وہ اس قدر جھنجھ را تھا کہ واپس جاتے جاتے بھی دل کی بات کو زبان پر آنے سے نہ روک سکا۔ اس کا بس چلتا تو وہ مجھے اسی حلیے میں لے جا کر فون کے پاس کھڑا کر دیتا۔

اسے روانہ کرنے کے بعد میں اپنا تولیا اور صابن لے کر نچلی لینڈنگ پر بنے ہوئے غسل خانے میں جا گھسا جو کمرے کی طرح خاصا تنگ تھا مگر وہاں شاور اور پردے میں گھرے ہوئے باتھ ٹب سمیت ہر سہولت میسر تھی۔ برابر کے دونوں باتھ روم زیر استعمال تھے، غسل خانہ سلیم کی پیش گوئی کے مطابق خالی تھا۔

ریلنگ پر سمٹا ہوا پردہ پھیلا کر میں نے گرم شاور کھولا تو پانی کی آواز کے ساتھ ہی برابر کے کسی باتھ روم میں موجود کسی خاتون نے دھیمی آواز میں گنگنانا شروع کر دیا۔ شائستہ لوگ ایسی مصروفیات سے عموماً بے آواز گزر جاتے ہیں۔ لیکن وہاں مبارزت طلبی کے سے تیور تھے۔ ہم سا ہو تو سامنے آئے۔ میں غسل کر رہا تھا اور جواب آں غزل کے طور پر کوئی بھی کارروائی کر سکتا تھا۔ جس کے لیے چھت سے نیچی مشترکہ دیواریں دعوت انگیز تھیں مگر وہ مقام ایسی سرگرمیوں کے لیے موزوں نہیں تھا۔ اس خاتون کی بد ذوقی پر کڑھتا ہوا، میں نیم گرم پانی کی تیز دھاروں سے لطف اندوز ہوتا رہا اور مجھے پتا بھی نہ چل سکا کہ سروں کی ملکہ نے اپنے مرغوب ٹھکانے کو کب خیر باد کہا۔

لباس تبدیل کر کے میں جلدی جلدی نیچے پہنچا تو دیر ہو جانے کے باوجود وسیع تہ خانے کی بیشتر میزیں رنگ رنگ کے لوگوں سے آباد تھیں۔ سیر و تفریح کے دنوں میں بھی آدمی کو صبح سویرے اٹھنا پڑے تو گھر اور دفتر کا تصور کر کے طبیعت میں تکدر پیدا ہوتا ہے جو سارے موڈ کو غارت کر دیتا ہے۔ دیر سے آنے والے صحیح معنوں میں سیاح تھے اور اس رمز سے واقف تھے۔

''کراچی کب فون کرو گے؟'' میرے بیٹھتے ہی سلیم نے پھر اپنا سوال داغ دیا۔

مجھے غصہ آ گیا'' آؤ پہلے فون کر لیتے ہیں، ناشتا بعد میں ہوتا رہے گا۔''

مجھے اٹھتا دیکھ کر سلیم کے ساتھ ایلیزا بھی بری طرح بوکھلا گئی۔ اردو اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔ وہ ہونقوں کی طرح ہم دونوں کو باری باری دیکھے جا رہی تھی۔

''تم برا مان گئے۔'' سلیم خفت آمیز ہنسی کے ساتھ مجھے دوبارہ بٹھاتے ہوئے بولا'' میرا مطلب تھا کہ میرا کام یاد رکھنا۔ فون تو دس پندرہ منٹ بعد بھی کیا جا سکتا

ہے مگر اتنی دیر بعد ناشتا نہیں ملے گا۔''
وہ انتہائی ڈھیٹ اور خود غرض شخص تھا۔ میرے بھڑ کنے کے باوجود اس نے دس پندرہ منٹ کا ذکر کر کے مجھے دی جانے والی مہلت کا تعین کر دیا تھا۔ میں نے از خود اسے کچھ نہ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔
میں نے دوابلے ہوئے انڈوں، ڈبل روٹی کے سنکے ہوئے پارچوں، مکھن اور چائے پر مشتمل سرکاری یعنی ہوٹل کے کرائے میں شامل ناشتے سے شغل کرتے ہوئے دیکھا کہ رات والی لڑکی اپنے کپڑوں پر سفید ایپرن باندھے یوں میزوں کے درمیان دوڑتی پھر رہی تھی جیسے اس کی پتلی پتلی ٹانگوں میں بجلی سی بھری ہوئی ہو۔
پیالیوں میں گرم گرم چائے اور کافی انڈیلتی ہوئی وہ ہماری میز پر آئی تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں چائے اور کافی سے بھرے ہوئے دو جگ تھے۔ پرجوش ہیلو کے ساتھ اس نے مجھے آگاہ کیا کہ میری کال کا بل باسٹھ پاؤنڈ بنا تھا جو مجھے ناشتے کے بعد ادا کرنا تھا۔
وہ گفتگو انگریزی میں ہوئی تھی اس لیے لڑکی کے جانے کے بعد ایلیزا نے حیرت سے پوچھا ''اتنی لمبی اور مہنگی فون کال تم نے کس خوش نصیب لڑکی کو کی تھی؟''
''لڑکی نہیں، وہ خوددار مونچھوں والا ایک مرد تھا'' میں نے سلیم پر ملامت آمیز نظریں ڈالتے ہوئے جواب دیا'' اور کام تمہارے بوائے فرینڈ کا تھا۔ یہ بھی......''
''چھوڑو!'' سلیم نے میری بات درمیان سے ہی اچک لی۔ ''اسے کیوں ساری بات بتا رہے ہو۔ کیا تم نے رات کو ہی کراچی بات کر لی تھی؟'' یہ فقرے اس نے اردو میں ادا کیے تھے۔
''شراب پی کر تم تو کسی مگر مچھ کی طرح پھیل گئے تھے مگر مجھے اپنے وعدے کا پاس تھا۔ تمہارے کام کے لیے مجھے اپنی رات کالی کرنی پڑی کیونکہ میرا دوست صبح سات بجے گھر سے دفتر کے لیے نکل جاتا ہے۔''
''کمال ہے کہ پاکستان میں بعض بڑے افسر اب بھی اتنے فرض شناس ہیں۔'' اس نے تعجب سے کہا'' رقم سے اندازہ ہو رہا ہے کہ بات لمبی ہوئی ہوگی۔ یہ بتاؤ کہ نتیجہ کیا رہا؟''
''وہ فرض شناس ہی نہیں، ایمان دار بھی ہے۔ وہ مان ہی نہیں رہا تھا کہ کوئی ملازم اپنے مالک کی مرضی کے بغیر کاروباری دھاندلی یا بے ایمانی کر سکتا ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے سمجھایا کہ اپنی بیرون ملک مصروفیات کی وجہ سے تم اپنے منیجر کو اختیارات دینے پر مجبور ہوئے اور اس نے بالا ہی بالا گل کھلانے شروع کر دیے......''
''واہ......!'' سلیم بے اختیار بول پڑا'' تم بہت دور کی کوڑی لائے۔ یہ جملے میں اپنے بیان میں بھی ڈال دوں گا......تم نے ضرور اسے قائل کر لیا ہوگا۔''
''وہ میری فراہم کی ہوئی معلومات کی بنیاد پر اپنی سی کوشش کرے گا۔ اوپر سے کوئی دباؤ نہ ہوا تو سیل کھلوانے میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ بات ہاتھوں سے نکل گئی تو اللہ کی مرضی۔ ایسی صورت میں بھی چالان اس طرح بنے گا کہ کورٹ سے تمہارے حق میں فیصلہ مل جائے۔''
سلیم کا چہرہ لٹک گیا۔'' یہ تو کوئی پکی بات نہ ہوئی۔ وہ بہانہ کر دے گا کہ بات اوپر جا چکی تھی۔''
''میں اسے جانتا ہوں۔ وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بولے گا۔ دو تین دن میں نتیجہ سامنے آ جائے گا۔''
''آج کچھ نہیں ہو سکے گا؟'' سلیم کی مایوسی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور میں خود بھی اسے کوئی واضح یقین دہانی کرانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اسے ٹریپ کرنے کا وہی فول پروف طریقہ تھا۔
''آج کا اس نے ذکر نہیں کیا۔'' میں نے چائے کی پیالی سے آخری گھونٹ لے کر کہا۔
''کام بن گیا تو رقم کتنی خرچ ہوگی؟'' اس نے

ڈھیلی ڈھالی آواز میں پوچھا۔
''فون کے باسٹھ پاؤنڈ کے سوا ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوگا۔اس میں سے پچاس پاؤنڈ میں پیشگی ادا کرچکا ہوں۔بارہ پاؤنڈ کا قرضہ باقی ہے۔''
''یہ پوری رقم میں دوں گا۔ویسے مجھے تمہاری باتوں سے ناامیدی جھلکتی ہوئی نظر آرہی ہے۔گہرے تعلقات ہوں تو آدمی دو منٹ میں اپنی بات منوالیتا ہے۔تم نے نہ جانے کتنی دیر تک اس سے مغز زنی کی ہوگی۔''
''میں نے اپنے ترکش کا ہر تیر چلا لیا۔اب بات تمہارے نصیب کی ہے۔میری پوری رات کالی ہوئی،اس وقت تم نے میری نیند خراب کی۔اب تمہاری سزا یہ ہے کہ باہر سے میرے لیے دو تین اخبارات لاؤ،کمرے سے جھوٹے برتن اٹھواؤ اور کمرا صاف کروتا کہ میں اپنی نیند پوری کرسکوں۔''
''اخبار میں لے آؤں گا۔''اس نے فرماں برداری سے کہا۔''اوپر جاؤ گے تو ہاؤس میڈ کمرا صاف کرچکی ہوگی۔میں نے اسے پہلے ہی ہدایت کردی تھی۔جب تمہیں سونا ہے تو تم دو تین اخباروں کا کیا کروگے۔یہاں کے اخبار بہت موٹے ہوتے ہیں۔''
''میں خواب میں بھی اخبار بینی کرنے کا عادی ہوں۔لانا ہو تو تین لانا ورنہ میں خود چلا جاتا ہوں۔''
''لے آؤں گا۔''اس نے جلدی سے کہا''تم تو ذرا ذرا سی بات پر بگڑ جاتے ہو۔''
وال کلاک کی سوئیاں دس پر پہنچتے ہی ڈائننگ ہال میں ایک بزر بجنے لگا اور لوگ کرسیاں چھوڑ چھوڑ کر اٹھنے لگے۔ناشتے کے وقت کے خاتمے کا وہ اعلان سب کے لیے قابل فہم ثابت ہوا تھا۔
سلیم نے کچن کی کھڑکی پر جاکر رات والی لڑکی کو فون کال کی بقیہ رقم ادا کی۔اوپر پہنچے تو ہوٹل کی مالکہ مسز رینالڈ بنفس نفیس استقبالیہ میز پر موجود تھی۔سلیم نے خوشامدانہ انداز میں کھیسیں نکال کر بہت گرمجوشی سے اس سے دعا سلام کی پھر میرا تعارف کرایا۔
رسمی مزاج پرسی کے بعد مسز رینالڈ نے فون رجسٹر دیکھ کر سلیم کو بتایا کہ دس منٹ پہلے اس کے لیے پاکستان سے فون آیا تھا۔پیغام دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھر بات کرلے۔
''یہ کیا ہوسکتا ہے......؟ میرے دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہوگئی ہیں۔''سلیم نے میری طرف دیکھتے ہوئے تجسس آمیز لہجے میں کہا۔
''میں کیا بتا سکتا ہوں۔''میں نے شانے اچکا کے بے پروائی سے کہا''ہوسکتا ہے کہ تمہارے یہاں جڑواں بچوں کی ولادت ہوئی ہو۔یہ تو تم ہی جان سکتے ہو کہ اپنی بیوی کو کس حال میں چھوڑ کر آئے تھے۔''
میری بات پوری ہونے سے پہلے اس کا منہ بن گیا''آج تم ہر بات کا ٹیڑھا جواب دے رہے ہو۔معلوم ہوتا ہے کہ رات کی بے خوابی نے تمہیں چڑچڑا کر دیا ہے۔''
''میرے لیے اخبار لانے کے بعد کراچی فون کرکے یہی سوال کروگے تو تمہیں درست جواب مل سکے گا۔''
''اخبار......اخبار!''وہ بڑبڑاتا ہوا ایلیزا کی طرف پلٹا''ذرا دوڑ کر کسی بک اسٹال سے دو تین اخبار لے آؤ۔میں گھر فون کیے لیتا ہوں۔بعض لوگوں کو اخبار کے بغیر قبض ہوجاتا ہے،اسلم کا ناشتا ہضم نہیں ہوگا۔''
''اوکے۔''وہ ہنس کر ایک ادا سے بولی''آج تم دونوں کافی دیر سے لڑ رہے ہو۔یہ مجھے اچھا لگ رہا ہے۔''
یہ کہہ کر وہ اپنا پرس جھلاتی ہوئی دروازے کی طرف چل دی۔
ہوٹل کی مالکہ خود میز پر موجود تھی۔اس لیے فون کا ڈائل کھلا ہوا تھا۔
سلیم نے مسز رینالڈ کی اجازت سے انسٹرومنٹ سنبھالا تو میں دانستہ ٹہلتا ہوا ان دیوار گیر تصاویر کی طرف چلا گیا جو زینوں کے ساتھ والی دیوار پر آویزاں تھیں۔
ابھی میں دوسری ہی تصویر دیکھ رہا تھا کہ اسلم تقریباً

دوڑتا ہوا آیا اور سامنے آ کر والہانہ انداز میں میرے پیٹ سے لپٹ گیا۔ اس کا قد مجھ سے کافی چھوٹا تھا۔ میں نے اس کا چہرہ اپنے سینے سے لگا لیا۔

"مبارک ہو، یار تمہارا دوست بہت گہرا نکلا۔" وہ چڑھے ہوئے سانسوں میں وفورِ مسرت سے کہہ رہا تھا۔ "اس نے تمہیں کوئی امید دلائے بغیر ایسا کرتب دکھایا ہے کہ میرے دفتر کی سیل کھل چکی ہے۔ میرے چچا نے یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا۔ تم نے ایسا کام کیا ہے کہ میں زندگی بھر تمہارا غلام رہوں گا۔"

اس کے سانسوں کا زیر و بم اور دل کی تیز دھڑکنیں میں اپنے وجود پر محسوس کر رہا تھا۔ پھر آخری فقرے پر جذبات کی شدت سے اس کی آواز بھرانے لگی تو میں نے اسے خود سے الگ کر دیا۔

وہ ایک بے وفا اور بدنصیب انسان تھا جو خوش بختی کے تعاقب میں موت کے چنگل کی طرف بڑھنے والا تھا۔ اسے جس..... سرزمین نے عزت و دولت کی نعمتوں سے مالا مال کیا ہوا تھا، وہ اسی سے بے وفائی کا مرتکب ہو کر مدن موہن جیسے بیٹھے دشمن کا آلۂ کار بنا ہوا تھا۔ اپنی دانست میں اس نے میری ہمدردیاں جیت کر اپنی کھوئی ہوئی راہ سیدھی کر لی تھی۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ میں اسے اسی بھیانک جال کی طرف واپس دھکیل رہا تھا جس کی دہشت سے فرار ہو کر وہ لندن پہنچا تھا۔

وہ اپنے ملک کا دشمن تھا تو میں اس کے لہو کا پیاسا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ میں زیادہ دیر تک اسے اپنی آغوش میں لے کر اسے وہ محبت اور شفقت فراہم کرتا جس کا وہ سرے سے حق دار ہی نہیں تھا۔

"میں ابھی جا رہا ہوں۔" چند لمحوں کی خاموشی میں وہ اپنی قلبی رقت پر قابو پا کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "یہ بڑی خوش خبری سن کر اب لندن اور اس کی رنگینیوں سے میرا دل اچاٹ ہو گیا ہے۔"

"ابھی جا رہے ہو تو کیا جہاز چارٹر کر کے جانے کا ارادہ ہے؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

"اس ٹکٹ پر سیٹ نہ ملی تو میں یہاں سے دوسرا ٹکٹ خرید لوں گا۔ میں آج یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ ... اس طرف آنا جانا لگا رہتا ہے۔ ٹکٹ استعمال ہو جائے گا۔"

اپنے ہولناک مستقبل سے بے خبر وہ شخص مہینوں بعد کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے پوچھا "یہاں سے جاتے ہی تم ان کاغذات اور نقشوں کو تلف کر دو گے؟"

"اللہ کے کرم اور تمہاری مہربانی سے مجھے یہ موقع ملا ہے تو میں اسے ضائع نہیں کروں گا۔ پہلی فرصت میں اس پلندے کو پلاسٹک کے تھیلوں میں ڈال کر کسی محفوظ جگہ دفن کر دوں گا۔ میرے سوا کسی کو اس راز کا علم نہیں ہو گا۔ بس ایک بار وہ پلندہ میرے ہاتھ آنا چاہیے۔"

"اسے دفن کر کے تم کیا کرو گے؟" میں نے ا... شدید حیرت کو دباتے ہوئے پوچھا۔

"اگر مدن موہن لوٹ آیا اور اس نے ان کا مطالبہ کیا تو میں اس کے سامنے سرخ رو ہو جاؤں گا۔" اس... جذبات کی روانی اور خوشی کی فراوانی میں اپنا دل میر... سامنے کھول کر رکھ دیا۔

وہ انکشاف سن کر مجھے شدید دھچکا لگا۔ میں ... حقارت سے پوچھا "اس کے سیاہ کرتوتوں سے وا... ہو جانے کے بعد بھی تم اس کے ہاتھوں میں ... رہو گے؟"

"تم نہیں جانتے۔" وہ میرا بازو دباتے ہ... گھگیایا "مدن موہن جیسے لوگ پکے بلیک میلر ہوتے ... اب میں غور کرتا ہوں تو مجھے یاد آتا ہے کہ میں اسے ... کچھ سونپ چکا ہوں۔ میری دعا ہے کہ وہ کہیں مر کھپ ... ہو۔ وہ لوٹ آیا تو مجھے اس کے سامنے جھکنا پڑے گا ... نے کاغذات اور نقشے دینے سے انکار کیا تو وہ میرے ... کاموں کا راز فاش کر کے مجھے رسوا اور برباد کر دے ...

"اپنی ذات کے لیے تمہاری یہ سوچ شاید د... ہو۔ تم نے یہ سوچا ہے کہ یہ کاغذات مدن موہن تک ... سے ملک کو کس قدر نقصان پہنچ سکتا ہے۔" میں ...

گھورتے ہوئے کہا۔
"نقصان ضرور پہنچے گا مگر اس سے کیا فرق پڑے گا۔ ہمارے لیڈر اور حکمران عشروں سے اس ملک کو لوٹتے چلے آئے ہیں اور ملک کا کچھ نہیں بگڑا تو تھوڑے سے کاغذ ادھر اُدھر ہونے سے کیا بگڑ جائے گا۔ میری مجبوری بھی تو دیکھو۔ میں اپنی بقا کی لڑائی لڑوں یا ملک کے لیے برباد ہو جاؤں؟"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا "تم اپنی ذات کے خول میں سمٹے ہوئے ہو اس لیے تمہاری یہ سوچ درست ہے۔ ملک چلے یا نہ چلے تمہارا کاروبار چلنا چاہیے۔"
"خدا تمہیں خوش رکھے۔" وہ میری زہریلی تائید کی روح کو سمجھے بغیر دعائیہ انداز میں بولا "ہر سمجھ دار آدمی کی سوچ یہی ہوتی ہے۔ بہتر یہی ہوگا کہ مدن موہن اب واپس نہ آئے۔ اگر وہ لوٹ ہی آیا تو مجھے زندہ رہنے اور عزت بچانے کے لیے بہت کچھ کرنا ہوگا۔"
اس کی نئی قلابازی پر میرا خون کھول رہا تھا۔ جب وہ مصیبت میں گرفتار تھا تو مدن موہن پر لعنت بھیج کر پہلی فرصت میں ان کاغذات کو تلف کرنے کا ارادہ ظاہر کر رہا تھا لیکن گردن سے پھندا نکلتے ہی اس نے اگر اور مگر کا سہارا لے کر ایک نئی منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔
سخت اشتعال کے باوجود میں خاموشی سے اس کی باتیں سنتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس کے سامنے تلخ نوائی اور برہمی کے اظہار کی صورت میں وہ میری طرف سے چوکنا ہو جاتا۔ وہ یہ بھی سمجھ سکتا تھا کہ میں ملک کے خیر خواہوں میں سے ہوں اس لیے آگے چل کر اس کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا کر دوں گا اور اسی ایک نکتے سے میرے اور اس کے درمیان کشیدگی کا آغاز ہو جاتا۔
اس وقت برداشت اور تحمل کے نتیجے میں اس کے اعترافات اور عزائم خود بخود میرے سامنے چلے آ رہے تھے۔ یہ اس کے خلاف مکمل فردِ جرم تھی جس کی تصدیق کے لیے مزید کسی شہادت کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔
کمرے میں پہنچ کر سلیم نے مجھے ٹوک ہی دیا "کیا بات ہے؟ بولتے بولتے تم اچانک خاموش ہو گئے۔ کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی ہے؟"
"تمہاری باتیں چشم کشا اور حقیقت سے بہت قریب ہیں۔" میں نے اپنی نظریں اس کے چہرے پر گاڑ کر کہا "میں سوچ رہا ہوں کہ میں آج تک اپنی غلط سوچ کی وجہ سے خسارے ہی خسارے میں رہا ہوں۔ میرا راستہ تمہاری طرح صاف اور واضح ہوتا تو آج میں کہیں اور ہوتا۔"
"تمہارے بارے میں میری بھی یہی رائے ہے۔" اس نے پورے خلوص سے کہا "تم نے میرے بارے میں جس وقت اپنے دوست کو فون کیا، میں اپنے کمرے میں گہری نیند سویا ہوا تھا۔ میں نے کھل کر تمہیں بتا دیا تھا کہ اس چکر سے نکلنے کے لیے میں منہ مانگی رقم دینے کو تیار ہوں۔ ساکھ اور زندگی برقرار رہے تو آدمی دس بار بھی لاکھوں کما کر گنوا سکتا ہے۔ تم سے میری پرانی دوستی نہیں ہے۔ تم بہت آسانی کے ساتھ مجھے یقین دلا سکتے تھے کہ اس کام کے لیے تمہارے دوست دس پانچ لاکھ مانگ رہا ہے لیکن تم اتنے سادہ لوح ہو کہ تم نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ پوری بات جوں کی توں مجھے بتا دی۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر مجھے اس کا کوئی قلق نہیں ہے۔ جب میں تمہارے سمجھائے ہوئے راستے پر چلنے کا فیصلہ کر لوں گا تو ایسا کوئی موقع ضائع نہیں کروں گا۔"
"اس کا مطلب ہے کہ تم اب بھی تذبذب میں مبتلا ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔
"چند فقرے کسی آدمی کی فطرت نہیں بدل سکتے۔ یہ تبدیلی ذرا دیر سے رونما ہوتی ہے۔ اس وقت تم نے مجھے گہری نیند سے چونکایا ہے۔ میرے اندر کشمکش شروع ہو چکی ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ میرا آخری فیصلہ کیا ہوتا ہے۔ میرا فیصلہ جو بھی ہو، اس پر تمہارے نظریات کی گہری چھاپ ہوگی۔"
وہ خوش ہو گیا۔ اس نے اپنی جیب سے اپنی فرم کا

وزیٹنگ کارڈ نکال کر میری طرف بڑھا دیا اور کہا۔ "یہ رکھ لو۔ کراچی لوٹو تو مجھ سے ضرور ملنا۔ تم نے موقع گنوا دیا ہے مگر میری طرف سے تم ایک بڑے انعام کے حق دار ہو چکے ہو۔ میں تمہارے احسان کا بدلہ نہیں اتار سکتا لیکن تمہاری خدمت میں ایک حقیر نذرانہ ضرور پیش کروں گا۔"

فرم وغیرہ کا وہ مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا۔ میں نے سرسری نظر ڈال کر کارڈ جیب میں رکھ لیا۔ میری واپسی سے بہت پہلے مکمل تباہی سے دوچار ہونا اس فرم اور اس کے مالک کا اٹل مقدر بن چکا تھا۔ ایلیزا اخبار لے کر آئی تو خاصی سراسیمہ تھی۔ اس کے ہاتھ میں صرف ایک ہی اخبار تھا جو اس نے میرے سامنے ڈال دیا اور بولی "کل ایشیائیوں کے علاقے میں دہرے قتل کی ایک واردات ہوئی ہے۔ اسٹال خالی ہو چکے ہیں۔ مجھے بس یہی ایک اخبار ملا ہے۔"

"قتل وخون روز ہوتے رہتے ہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا "اخباروں میں خوش گوار خبریں اور اچھی تصویریں بھی ہوتی ہیں۔ انہیں دیکھ کر دل خوش کرنا چاہیے۔"

یہ کہتے ہوئے میں نے اخبار کے پہلے صفحے پر نگاہ ڈالی تو چار کالم کی ذیلی سرخی کے ساتھ ساتھ آل میں ایک مشتبہ جوڑے کے پراسرار قتل کی خبر نمایاں تھی۔ میں نے اس خبر کو اہمیت دیے بغیر صفحے کا نچلا حصہ دیکھا تو وہ بھی اسی قتل کے بارے میں چھوٹی چھوٹی خبروں اور قیاس آرائیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ویرا کے قول کے مطابق اس واردات نے اخبارات میں تہلکہ مچا دیا تھا۔

"میں نے پاکستان میں بھی اخبار پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔" سلیم نے فخریہ لہجے میں بتایا "اشتہاروں سے بچنے والی جگہ میں وہی خبریں اچھالی جاتی ہیں جو خوف وہراس، دہشت اور سنسنی پھیلا سکیں۔ اخبار آ ہی گیا ہے تو اب تم دونوں اسے چاٹو۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو وہ مجھے آنکھ مار کر اردو میں بولا "میری طرف سے یہ لڑکی پہلا تحفہ ہے۔ میں سیٹ کنفرم کرانے جا رہا ہوں۔ آج نہیں تو کل تک میں یہ شہر چھوڑ دوں گا۔"

پھر وہ ایلیزا سے مخاطب ہو گیا "میں.... تمہیں بتا ہی چکا ہوں کہ اسلم خان میرا دوست اور محسن ہے۔ تمہیں اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا ہے۔ کراچی میں کچھ ایمرجنسی ہو گئی ہے۔ مجھے جلد از جلد لندن سے واپس جا ہوگا۔"

"اوہ!" ایلیزا کے دہانے سے ایک بے ساختہ آ برآمد ہوئی۔ "اس کا مطلب ہے کہ اب آگے کے سفر میں میرے ساتھ نہیں ہو گے؟"

"اسلم خان کو تم مجھ سے بہتر رفیق سفر پاؤ گی۔" سلیم نے ایلیزا کے شانے پر ہلکی سی تھپکی دی اور پھر تیزی سے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

"تم رات بھر کے جاگے ہوئے ہو۔ سونا چاہو تو میں ذرا شہر کا چکر لگا لوں گی۔" ایلیزا نے موقع کی مناسبت سے کہا۔ وہ چہرے سے ہی ذہین اور معاملہ فہم معلوم ہوتی تھی۔

"تم گھوم پھر آؤ۔ میں تمہاری تفریح میں مخل نہیں ہونا چاہتا۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ میرا مفہوم سمجھ کر وہ اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی میں چھلانگ مار کر بستر سے اترا، دروازہ اندر سے بولٹ کیا اور پھر اخبار لے کر بیٹھ گیا۔ دہرے قتل کی تفصیلی خبریں پڑھنے سے پہلے میرا ارادہ متعلقہ خبروں کی سرخیاں دیکھنے کا تھا۔ ورق پلٹ کر میں نے شہری صفحہ کھول لیا۔

وہ صفحہ سامنے آتے ہی حاشیے میں چھپی ہوئی ایک خبر پر میری نظریں گڑ کر رہ گئیں۔

"ٹیکسی ڈرائیور جو قاتل کو جانتا ہے۔" یہ اس خبر کی سرخی تھی۔ میں نے خبر پڑھنی شروع ہی کی تھی کہ دروازے پر دستک ہونے لگی۔ میں اخبار چھوڑ کر بند دروازے کو گھورنے لگا۔ سلیم اکبر خان اور ایلیزا کے بعد وہاں کون آ سکتا تھا۔

تردد کی وجہ سے مجھے جواب دینے میں کچھ تاخیر ہوئی تو بے تابی سے دروازہ پیٹ ڈالا گیا۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ بستر سے اترا اور بولٹ گرا کر دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھولتے ہی ہوٹل کی ادھیڑ عمر مالکہ کا بھاری وجود میری نظروں میں آ گیا۔

اس وقت مسز رینالڈ کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور وہ بری طرح بدحواس نظر آ رہی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی اس نے غیر ارادی بلکہ مشینی انداز میں قدم بڑھا کر اپنا ایک پیر یوں چوکھٹ سے اندر رکھ دیا کہ میں اسے دھکیلے بغیر دروازہ بند نہیں کر سکتا تھا۔

''مسز رینالڈ! کیا بات ہے؟ تم بہت خوفزدہ ہو۔ کیا ہوٹل میں کوئی قتل ہو گیا ہے؟'' اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی میں نے اس پر اضطراری سوالات داغ دیے۔

''یہ قتل سے بڑی واردات ثابت ہو سکتی ہے۔'' اس نے سنبھالا لے کر تھوک نگلا اور پھر اپنی حیران و پریشان نظریں میرے چہرے پر گاڑ کر بولی۔ ''مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ تم سلیم اکبر خان نہیں بلکہ اس کے دوست ہو اور میرے ریکارڈ کے مطابق یہ کمرا سلیم کے نام پر ہی بک ہے...... میری التجا ہے کہ تھوڑی دیر...... کے لیے تم خاموشی سے کہیں کھسک جاؤ۔ اس وقت تمہاری یہاں موجودگی میرے ہوٹل کے کاروبار اور نیک نامی کے لیے ایک دائمی عذاب بن جائے گی۔ وہ تھوڑی دیر میں یہاں بھی آ جائیں گے۔''

اس کی مبہم لیکن خوف آور باتیں سن کر میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔ ''تم کن لوگوں کا ذکر کر رہی ہو؟ کھل کر بتا دو کہ ہوا کیا ہے؟'' میں نے اضطراری انداز میں اس کے دونوں شانے پکڑ کر تیز سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔ اس کی ادھوری اور غیر واضح باتوں نے یکا یک ہی میرے بلڈ پریشر میں اضافہ کر دیا تھا۔

میری گرفت پر وہ گھبرا گئی اور تقریباً ہکلاتے ہوئے بولی۔ ''ساؤتھ آل میں انڈین ڈپلومیٹس کے دُہرے قتل کے سلسلے میں شہر کے سارے ہوٹلوں کا ریکارڈ چھانا جا رہا ہے۔ دو سراغرساں یہاں بھی آئے ہوئے ہیں۔ تمہارا قصہ ان کے علم میں آ گیا تو میرا ہوٹل چلانے کا لائسنس ایک لمبی مدت کے لیے منسوخ ہو جائے گا۔ ہوٹل میں ٹھہرنے والے ہر گاہک کے صحیح کوائف کا رجسٹر میں اندراج...... کرنا میری ذمے داری ہے۔ پتا نہیں میں نے کس جھونک میں اس پر دھیان نہیں دیا اور یہ کمرا سلیم اکبر خان کے نام پر بک کر دیا۔''

''مائی اولڈ بے بی!'' میں نے اس کا بازو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ''اگر صرف اتنی سی بات ہے تو تم فکر مت کرو۔ اچھا ہوا کہ تم نے زینے طے کر کے تھوڑی سی ورزش کر لی۔ وہ یہاں آئے تو میں ان سے سلیم اکبر خان کی حیثیت سے اپنا تعارف کراؤں گا۔''

''نہیں ...... نہیں۔'' وہ گھبرا کے بولی۔ ''ایسی حماقت بھول کر بھی نہ کرنا۔ تم دعویٰ تو کچھ بھی کر سکتے ہو، اسے ثابت کیسے کرو گے؟ انہوں نے تمہارا پاسپورٹ طلب کر لیا تو پھر کیا ہو گا؟ تم دروغ گوئی کے جرم میں اور میں مجرمانہ سازش کے الزام میں دھر لی جاؤں گی...... بس تم یہاں سے بھاگ جاؤ ...... یہ لندن ہے یہاں قانون کبھی کسی کی نجی زندگی میں مداخلت نہیں کرتا لیکن جب کسی بھی وجہ سے قانون حرکت میں آتا ہے تو سمجھ لو کہ اپنی راہ میں آنے والی ہر رُکاوٹ کو بے رحمی سے روندتا ہوا ہدف تک پہنچ کر ہی دم لیتا ہے۔ پہلی خطا مجھ سے سرزد ہوئی ہے۔ تمہاری کوئی حماقت مجھے ساکھ اور خوش حالی سے محروم کر دے گی۔''

اس کی باتیں صاف اور سیدھی تھیں۔ اس کی زبان سے دو سراغرسانوں کی آمد کا ذکر سنتے ہی میرے معدے میں گرہیں سی پڑنے لگی تھیں۔ میں نے راستہ چھوڑ دیا۔ شاید وہ خود بھی راہداری میں بے آرامی محسوس کر رہی تھی۔ گنجائش ملتے ہی میرے کمرے میں آ گئی۔

میرے ذہن کا کمپیوٹر خطرہ سونگھتے ہی چل پڑا تھا۔ میں نے مسز رینالڈ سے پوچھا۔ ''اگر وہ رسمی خانہ پُری

بجائے تفتیش کے لیے یہاں آئے ہیں تو انہوں نے آتے ہی تمہارے کی بورڈ سے یہ نوٹ کرلیا ہوگا کہ اس وقت کن کن کمروں میں مہمان موجود ہیں۔ پھر تم میری غیر موجودگی کا کیا جواز دو گی؟''

''خدا کے لیے تم بھاگ جاؤ۔ وہ ایک معمولی مسئلہ ہوگا۔ میں ان دونوں افسروں سے معذرت کرلوں گی کہ میں اس کمرے کی چابی کی بورڈ پر لٹکانے کے بجائے دراز میں رکھ کر بھول گئی تھی۔ یہ ایک معمول کا بہانہ ہوگا۔ وہ اسے مسترد نہیں کرسکیں گے۔''

اس کے دلائل نے مجھے اس کمرے سے عارضی فرار پر مائل کردیا۔ وہ مسز رینالڈ سے زیادہ میری سلامتی کا مسئلہ تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ وہ بے چاری معاملے کی سنگین نوعیت اور نزاکت سے بالکل بے خبر تھی۔ میں نے اپنا تجسس دور کرنے کے لیے اس سے ایک اور سوال کر ڈالا۔

''مجھے تو خیر تم بھگا ہی رہی ہو مگر اس بات کا کیا جواز پیش کرو گی کہ سلیم اکبر خان بیک وقت تمہارے ہوٹل کے دو کمروں میں رہ رہا ہے؟''

''ہم کرایہ دینے والوں کو کمرے دیتے ہیں۔ اس نکتے کا جواز سلیم اکبر خان کو دینا پڑے گا۔'' بات کرتے کرتے اچانک اس کا لہجہ رازدارانہ ہوگیا۔ ''یہاں یہ ہوتا رہتا ہے۔ ایلیزا اس کی گرل فرینڈ ہے۔ وہ اس کے ساتھ رہ رہا ہے۔ اس سے لڑائی ہوجاتی ہے تو وہ اس کمرے میں آجاتا ہے۔ آج کل کے نوجوان لڑکے لڑکیوں میں یہاں سب سے بڑی خرابی ہے کہ ایک دوسرے کے والہانہ شیدائی نظر آنے والے اچانک ہی کتوں اور بلیوں کی طرح آپس میں لڑنے لگتے ہیں، ایک دوسرے سے روٹھ جاتے ہیں اور غصہ اُترنے پر ایک مرتبہ پھر ایک دوسرے سے مل بیٹھنے کے بہانے تلاش کرنے لگتے ہیں۔''

میرے لیے اس معمر اور تجربے کار خاتون کا وہ تبصرہ بہت دلچسپ اور معنی خیز تھا۔ میں اپنی پریشانی کو بھول کر ان فقروں سے محظوظ ہو ہی رہا تھا کہ قدرے توقف کے بعد مسز رینالڈ کی زبان دوبارہ چل پڑی۔ ''اب تم کیا سوچ رہے ہو؟ یہاں سے بھاگ کیوں نہیں جاتے؟ وہ اوپر آگئے اور ان سے تمہارا آمنا سامنا ہوگیا تو ہم دونوں مصیبت میں پڑ جائیں گے۔''

اس کی بات میں وزن تھا۔ ساؤتھ آل کے علاقے میں گیتا اور جیمز پنڈت کی لاشیں دریافت کی جاچکی تھیں۔ ان دونوں کے قاتلوں کی تلاش میں لندن پولیس حرکت میں آچکی تھی۔ جرم کے ارتکاب کے بعد قانون کے رکھوالے مجرم کی بو سونگھتے سونگھتے اس ہوٹل تک آپہنچے تھے۔ یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ ہوٹل کی مالکہ مجھے کمرا فراہم کرتے ہوئے ایک کھلی بے ضابطگی کا ارتکاب کرچکی تھی اور اسی وجہ سے مجھے سراغرسانوں کی نظروں سے بچانے کی بھرپور کوشش کررہی تھی۔ اگر مسز رینالڈ کی وہ مجبوری حائل نہ ہوتی تو بے خبری میں وہ سراغرساں اچانک ہی مجھے آلیتے اور پھر اپنے تابڑتوڑ مگر نپے تلے سوالوں سے کچھ نہ کچھ ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہوسکتے تھے۔ اس وقت میرا ان سے دور رہنا ہی میرے حق میں بہتر تھا۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ وہ سراغرساں نچلی منزل پر اپنا کام ختم کرکے کسی بھی لمحے اوپر آسکتے تھے۔ میں نے فوراً ہی مسز رینالڈ کی تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

مجھے آمادہ پاتے ہی مسز رینالڈ کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں نے بھی کوٹ اور برساتی سمیت باہر نکل کر دروازہ مقفل کردیا۔ مسز رینالڈ نے فوراً ہی چابی میرے ہاتھ سے لے لی۔

چابی اسے دینے کے بعد میں زینوں کی طرف بڑھا تو اس نے مجھے ٹوک دیا۔ ''اِدھر نہیں، میرے ساتھ آؤ۔'' میں مڑ گیا۔ اس نے راہداری کے دوسرے اور متروک سرے پر ایک بند دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس طرف راستے میں اُن سے مڈھ بھیڑ ہوسکتی ہے۔ تم یہ دروازہ کھول کر پچھلے زینے سے نیچے اُتر جاؤ۔ نیچے پہنچ کر تم بغلی راستے سے باہر نکل جاؤ گے۔ بازار وغیرہ کی طرف نکلنے کا موڈ نہ ہو تو مین گیٹ سے دوبارہ

ہوٹل میں آکر کامن روم میں بیٹھ جانا۔ سراغرساں ادھر آئے تو تم کہہ سکتے ہو کہ سلیم اکبر کی واپسی کا انتظار کر رہے ہو۔"

مسز رینالڈ کی بات پوری ہوتے ہی میں بند چوبی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھلتے ہوئے اس کے آہنی قبضوں سے خاصی آواز پیدا ہوئی۔ شاید اسے ایک مدت کے بعد کھولنے کی نوبت آئی تھی۔ دروازے سے باہر مختصر سی بالکونی سے گول زینہ اُوپر اور نیچے جا رہا تھا۔

پلاسٹک کی نیم شفاف چادروں میں گھرا ہوا عمودی سرنگ نما وہ زینہ ناگوار سی سیلن زدہ بو میں بسا ہوا تھا۔ میں تیزی سے نیچے پہنچ کر باہر نکلا تو عمارت کے عقبی حصے میں خودرو گھاس سے ڈھکا ہوا احاطہ نظر آیا جس میں ٹوٹے پھوٹے فرنیچر، ڈبوں اور دوسرے کاٹھ کباڑ کے جا بجا ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

میں وہاں رُکے بغیر بغلی راستے سے گزر کر ہوٹل کے سامنے سے ہوتا ہوا فٹ پاتھ پر نکل آیا۔ آخری لمحات پر میں نے ہوٹل میں واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ غیر ضروری طور پر کسی سراغرساں یا پولیس والے سے سامنا کرنا میرے حق میں مضر ثابت ہو سکتا تھا۔

مطلع ابر آلود تھا۔ سورج بادلوں کی اوٹ میں کہیں چھپا ہوا تھا۔ موسم خنک ضرور تھا مگر غنیمت تھا کہ کاٹ دار سرد ہوائیں نہیں چل رہی تھیں۔ میں جیبوں میں ہاتھ ڈال کر ایک طرف ہو لیا۔ میں اپنے خیالات کی رو میں ڈوبا ہوا چلا جا رہا تھا کہ میری نظر شرلک ہومز کے بڑے سائن بورڈ پر پڑی اور میں نے اسی پب کا رُخ کر لیا۔

مسز رینالڈ کی اچانک آمد کی وجہ سے میں اخبار میں نظر آنے والی خبر کا تفصیلی مطالعہ نہیں کر سکا تھا۔ اس خبر کی خوفزدہ کر دینے والی سرخی مسلسل میرے ذہن میں چبھ رہی تھی اور میری نظریں کسی بک اسٹال کی تلاش میں سرگرداں تھیں تاکہ میں نیا اخبار خرید کر اُس خبر کا متن پڑھ سکوں۔

خوش قسمتی سے پب سے ذرا پہلے ہی مجھے ایک بک اسٹال نظر آ گیا۔ یہ اتفاق تھا کہ وہاں بھی صرف سن ہی نظر آ رہا تھا جو ایلیزا میرے لیے خرید کر لائی تھی۔ میں [illegible] خرید کر پب میں گھس گیا۔

اس وقت پب میں گنتی کے چند گاہک موجود [illegible] بیشتر میزیں خالی تھیں۔ میں نے کاؤنٹر پر پیسے [illegible] ٹھنڈی بیئر کا بڑا مگ لیا اور ایک الگ تھلگ گوشے [illegible] جا بیٹھا۔ پب میں گاہکوں کی بھیڑ بھاڑ نہ ہونے کی وجہ [illegible] کاؤنٹر کے پیچھے موجود دونوں افراد کراکری چمکانے [illegible] بوتلوں کو قرینے سے لگانے میں مصروف تھے لیکن میر[illegible] دل میں چور تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ [illegible] انکھیوں سے میری طرف بھی دیکھ رہے ہوں۔

میں نے بے پروائی سے اخبار میز پر ڈال [illegible] سگریٹ سلگا کر ٹھنڈی بیئر کے دو گھونٹ لیے اور پھر وقت [illegible] گزاری کے انداز میں دوبارہ اخبار اُٹھا لیا۔ چند ثانیہ [illegible] تک بے دلی سے دیگر صفحات دیکھنے کے بعد میں نے [illegible] کار اپنا مطلوبہ شہری صفحہ کھول لیا اور پھر تیزی سے پوری [illegible] پڑھتا چلا گیا۔

خبر کا متن پڑھ کر میری جان میں جان آئی کہ [illegible] سرخی محض ایک قیاس پر مبنی تھی۔ اس میں کسی ٹھوس شہادت [illegible] انکشاف نہیں کیا گیا تھا۔ اس قیاس پر میں سب سے [illegible] غور کر چکا تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ گیتا کے کچن [illegible] ملنے والے او میز ریستوران کے تازہ استعمال کیے [illegible] خالی ڈبوں کے سہارے پولیس اس ریستوران میں [illegible] تو وہاں کے ایک ویٹر نے یہ انکشاف کیا تھا کہ گیتا [illegible] آرڈر کے مطابق اس نے ڈبے باہر منتظر ٹیکسی تک پہنچائے [illegible] تھے۔ ٹیکسی میں مقتولہ کا کوئی خوبرو ایشیائی دوست [illegible] موجود تھا۔ وہ ایک عام سی بات تھی۔ ویٹر نے اس پر زیادہ [illegible] دھیان نہیں دیا۔ اس نے اس وقت تک کوئی غیر معمولی [illegible] بات محسوس نہیں کی تھی اس لیے اس نے ٹیکسی کا نمبر دیکھنے [illegible] کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔

ویٹر کا اندازہ تھا کہ گیتا اس پُراسرار اور نامعلوم [illegible] ایشیائی کے ساتھ کہیں دور سے آ رہی تھی اور اگر اس ٹیکسی [illegible] ڈرائیور کا سراغ مل جاتا تو وہ گمنام قاتل کے بارے میں [illegible]

فیصلہ کن معلومات فراہم کرسکتا تھا۔
سن غالباً سنسنی خیزی کا عادی اخبار تھا۔ اس نے ایک سیدھی سادی خبر میں سے چونکا دینے والی سرخی نکالی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیو جو قاتل کو جانتا ہے۔ میرا دل چاہا کہ اس اخبار کو وہیں پب کے فرش پر پھینک کر جوتوں سے مسل دوں۔ رائی کا پہاڑ بنانے اور اپنے قارئین کو غیر ضروری ہیجان و تجسس میں مبتلا کرنے والے اخباروں سے مجھے ہمیشہ چڑ رہی تھی کیونکہ وہ خبر نہیں رہنے دیتے ٹھونک پیٹ کر ہر خبر کو کہانی یا افسانے کا چٹخارے دار رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔
میں نے اپنے دل پر جبر کر کے خود کو سن کی قرار واقعی تذلیل سے روکے رکھا۔ میرا وہ بے ساختہ ردِعمل مجھے وہاں ہر شخص کی نگاہوں کا محور بنا سکتا تھا جب کہ اس وقت میری تمام تر عافیت صرف اور صرف گمنامی میں مضمر تھی۔
اسی صفحے کے نچلے حصے میں سن کے کسی نامہ نگار نے دستیاب شہادتوں کی بنا پر اس دُہرے قتل کو عشق و رقابت کی ایک فرسودہ داستان قرار دیا تھا۔
اس کی رائے تھی کہ گیتا نے عمر کے فرق کے باوجود کسی نہ کسی طرح جیمز پنڈت کو اپنے چنگل میں پھانسا ہوا تھا۔ وہ اپنے اثر و رسوخ کے سہارے جیمز پنڈت کو اپنے ہائی کمیشن سے بھاری معاوضے پر خفیہ کام دلاتی رہتی تھی۔ آسانی سے حاصل ہونے والی اس آمدنی کا چسکا لگ جانے کے بعد جیمز پنڈت مجبور تھا کہ گیتا کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو بے چون و چرا پورا کرتا رہے۔
اس روز گیتا اپنے ساتھ کسی اور شناسا کو لے کر اپنے گھر پہنچی اور خورونوش کا جشن منانے میں مصروف ہوگئی۔ اسی دوران میں جیمز پنڈت اتفاقاً وہاں پہنچ گیا۔ انگریز باپ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے وہ روادار تھا مگر اس کی رگوں میں لیلا پنڈت نامی مشرقی برہمن زادی کا خون بھی دوڑ رہا تھا۔ وہ گیتا کے خلوت میں کسی اور کی مداخلت برداشت نہیں کرسکا۔ تصادم ہوا اور جیمز پنڈت نے دانستہ یا نادانستہ اپنے بے آواز ریوالور سے گیتا کو ہلاک کر ڈالا جس کا ثبوت اس کے داہنے ہاتھ پر موجود بارود کے ذرات سے ملتا تھا۔ گیتا کے مرتے ہی اس کے نامعلوم شناسا نے کسی طرح جیمز پنڈت کو زیر کیا اور ہلاک کر کے وہاں سے نکل گیا۔
سن کی وہ گمراہ کن اور گھٹیا کہانی تفتیشی پولیس افسران کو بالکل ہی غلط راہ پر ڈال سکتی تھی۔ تفتیش کا بیشتر زور گیتا کے دوستوں اور ملنے جلنے والوں پر ہو جاتا لیکن اس کا دوسرا رُخ خطرناک تھا۔
سن کے چھچھورے نامہ نگار نے وہی کچھ لکھا تھا جو ویرا کہہ چکی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں دُعا مانگی کہ ویرا کو سن کا وہ شمارہ دیکھنے کا موقع نہیں ملے مگر مجھے اس دُعا کی قبولیت کی زیادہ اُمید نہیں تھی۔ شہر کے بک اسٹال پر بڑے ڈھیر کی صورت میں بچا رہنے والا سن واحد اخبار تھا جو میرے ہاتھ آسکا تھا اور شاید پورے شہر میں اس کا یہی حال تھا پھر وہ ویرا کی نظروں سے کیسے بچ سکتا تھا۔
میں بیئر کے گھونٹ لے کر بے دلی سے اخبار پر نظریں دوڑاتا رہا۔
بدری ناتھ اور رمیش اگروال کی آمد کے انتظار میں بے کاری سے اکتا کر میں از خود ہی گیتا کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ میرا ارادہ اس سے صرف چھیڑ چھاڑ تک محدود رہنے کا تھا لیکن سلسلہ شروع ہوا تو حالات جلد ہی میرے قابو... سے باہر ہوگئے اور تیر کمان سے نکل گیا۔
وہ دونوں نہ مارے جاتے تو میرا ان کی قید سے نکلنا ناممکنات میں سے تھا۔ وہ مجھے جلد ہی انڈین فارن سروس یا سیکرٹ سروس کے حوالے کر دیتے اور میری آزادی کی ہر راہ مسدود ہو کر رہ جاتی مگر میرے ستارے میرا ساتھ دے رہے تھے۔ میں ایک چوہے دان میں پھنستے پھنستے پھسل کر باہر نکل آیا۔ پہلے میں غیر مسلح تھا۔ اب میرے پاس گیتا کا چھوٹے بور کا بھرا ہوا ریوالور موجود تھا۔ جیمز پنڈت کا بے آواز ریوالور جو میرے لیے بہت زیادہ کارآمد ثابت ہوسکتا تھا میں نے مصلحتاً جائے واردات پر چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہی جیمز پنڈت کے جرم کا

واحد ثبوت تھا۔ ریوالور اس کی ملکیت تھا۔ اس کے چیمبر میں دو گولیاں کم تھیں۔ ایک گیتا کی لاش میں پیوست تھی، دوسری نے اس کا چہرہ مسخ کر دیا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ پر بارود کے ذرات دریافت ہو چکے تھے۔ دو جمع دو کی طرح وہ ایک آسان صورتِ حال تھی۔ گیتا کا قاتل مار دیا گیا تھا۔ مسئلہ صرف یہ رہ جاتا کہ جمر پنڈت کا قاتل کون تھا۔

دوسرا اعصاب شکن مرحلہ ذرا دیر پہلے رائل ہوٹل میں پیش آیا تھا۔ ایک بڑی واردات کے ارتکاب کے بعد شہر کی پولیس شاید عمومی پڑتال کے لیے ہر بورو یا انتظامی علاقے میں نکل پڑی تھی مگر وہاں مسز رینالڈ کی ایک خود کردہ غلطی میری نجات کا پروانہ بن گئی۔ اگر اس نے مجھے عقبی زینے سے نہ فرار کرایا ہوتا تو شاید میں اس وقت پولیس والوں کے تلخ اور کڑے سوالات کا سامنا کر رہا ہوتا۔

میں نے اخبار لپیٹ کر میز پر ڈال دیا۔ اخبار بینی کے ظاہری شغل سے فارغ ہو کر میں اپنی کرسی میں ذرا پھیل کر بیٹھ گیا۔ مجھے وہاں سے اُٹھنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔

کراچی سے دبئی تک کے سفر میں میں نے سلیم اکبر خان کو مدن موہن سے ہمدردی رکھنے والے ایک خود غرض پاکستانی کی حیثیت سے دریافت کیا تھا لیکن لندن میں اس کی ذات میرے لیے خاصی اہم ثابت ہوئی تھی۔ وہ ملک کا غدار تھا جو عیش و عشرت کے حصول کے لیے ناموسِ وطن کا سودا کر رہا تھا۔ کراچی میں اول خان جال بچھا کر اُس کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا اور مدن موہن کی یکا یک روپوشی پر خطرہ بھانپ کر ملک سے فرار ہو چکا تھا۔ غنیمت تھا کہ میں نے اسے بہلا پھسلا کر دوبارہ پاکستان جانے پر آمادہ کر لیا تھا۔ وہ اس تصویر کا ایک رُخ تھا۔ دوسرا رُخ غیر متوقع طور پر میرے لیے ایک انعام ثابت ہوا تھا۔

وہ رائل ہوٹل کا مستقل گاہک تھا۔ اس پر اعتماد کی وجہ سے ہی مسز رینالڈ نے میرا کمرا اس کے نام پر بک کیا تھا اور پھر اپنی اس غلطی کی پردہ پوشی کے لیے مجھے پولیس کا سامنا کرنے سے بچایا تھا۔ وہ کوئی ان ہونا اتفاق نہیں تھا۔ گندھے ہوئے اور پیوست واقعات میں رفتہ رفتہ ہی سلیم اکبر خان کا کردار اُبھر کر سامنے آیا تھا۔ وہ سفر کی ابتدا میں مجھ سے نہ ٹکرایا ہوتا تو شاید میں اس وقت بھی ماسٹر رابرٹ ہوٹل میں ویرا سے کسی متبادل قیام گاہ کے سوال پر تبادلہ خیال کر رہا ہوتا۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟'' ایک ملاحت آمیز اور نوخیز مردانہ آواز نے مجھے چونکا دیا۔

میں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو وہ گوری چمڑی، نیلی آنکھوں اور سنہرے بالوں والا ایک جوان لڑکا تھا جس کے جسم پر صرف ٹی شرٹ اور سال خوردہ سی جینز نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اُمید اور پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ تیر رہی تھی۔

''کیوں؟'' میں نے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔ ''کیا یہاں دوسری میزیں خالی نہیں ہیں؟''

''میزیں ضرور خالی ہیں مگر میری جیب بھی خالی ہے۔'' اس نے کسی شرمندگی کے بغیر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔ ''میں نے سوچا کہ تم اکیلے ہو۔ تمہیں کمپنی کی ضرورت ہوگی۔'' بات کرتے ہوئے وہ ڈھٹائی سے میرے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

مجھے اس کی حرکت پر خاصا تاؤ آیا مگر میں نے فوراً ہی اپنے غصے پر قابو پا لیا۔ بیئر کا ایک مگ خرید کر میں چار کرسیوں والی اس میز پر اپنا زیادہ حق نہیں جتا سکتا تھا۔ ویسے بھی اس نازک صورتِ حال میں مجھے کسی بھی تو تکار سے گریز ہی کرنا تھا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟'' میں نے اسے گھور کر پوچھا۔ ''کیا میں کسی اور میز پر چلا جاؤں؟''

''میں میکل فیلڈ کا رہنے والا ہوں لیکن لندن کے بارے میں یہاں رہنے والوں سے زیادہ جانتا ہوں۔'' اس کی زبان چل پڑی۔ ''آج کی ٹیوب میں سفر کرتے ہوئے کسی کو خیال بھی نہیں آتا ہوگا کہ زمین کی گہرائیوں

میں بنی ہوئی یہ پیچ در پیچ سرنگیں دراصل کوئلے کی متروکہ کانیں ہیں۔ کوئلے کا ذخیرہ ختم ہونے کے برسوں بعد کسی کو خیال آیا کہ ان سرنگوں کی مدد سے شہری ٹرانسپورٹ کا ایک تیز رفتار نظام قائم کیا جاسکتا ہے اور بس اسی دن سے ٹیوب کے قیام اور ترقی کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہو......!"

"بس!" میں نے درشت لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "اپنی بے سروپا باتوں سے میرا موڈ غارت مت کرو۔ یہ بتاؤ کہ تم میری جان چھوڑنے کا کیا معاوضہ لوگے؟"

"ناشتے کے لیے سستے سے سستا ہیم برگر بھی دو پاؤنڈ ننانوے پی کا آتا ہے...... تم صرف پانچ پاؤنڈ اضافی خرچ کرنے کا ارادہ کرلو تو میں پورے دن تمہیں لندن کی سیر کراسکتا ہوں۔ چاہو گے تو میں تمہاری ذاتی خدمت بھی کروں گا...... میری باتوں پر غور کرو تو تم صرف پانچ پاؤنڈ میں اس دن کو یادگار بنا سکتے ہو۔"

"تم ان چند لمحوں میں میرے دن کو تباہ کرچکے ہو۔ اب فوراً سے پیشتر یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ میں بار ٹینڈر سے کہتا ہوں کہ وہ کسی بوبی کو بلائے جو تمہیں یہاں سے لے جاسکے۔"

اس نے میز پر پڑے ہوئے اخبار پر جھپٹا مارا اور نیچی آواز میں مجھے بیلک سوائن کہہ کر پھرتی سے کرسی سے اٹھ گیا۔ اس وقت اُس کی نیلی آنکھیں قہر بار نظر آرہی تھیں۔

اس لڑکے کی ذلیل حرکت نے مجھے اس قدر مشتعل کردیا کہ میں غراتا ہوا اس کی طرف لپکا۔ "کتیا کے بچے! تیری یہ مجال......"

میرے خراب تیور دیکھتے ہی اس نے اخبار سمیت دروازے کی طرف دوڑ لگا دی اور میں شکست خوردہ انداز میں اپنی کرسی پر گر گیا۔ اس نابکار لڑکے کی بدزبانی پر مشتعل ہوکر میں نہ چاہتے ہوئے بھی پب میں ...... ایک تماشا بن چکا تھا۔

میری اُونچی آواز پر وہاں موجود لوگ تحیر زدہ انداز میں گردنیں اُونچی کرکے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ پب کا مختصر سا عملہ بھی چوکنا ہو چکا تھا۔ ایک معمر بار ٹینڈر اپنے آراستہ اور اُونچے کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر تیز تیز قدموں سے میری طرف آنے لگا۔

"سر! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ میرا خیال ہے کہ ابھی تم بیئر کا پہلا گھونٹ ہی لے رہے ہو۔" اس نے میری طرف جھک کر دھیمی اور ہمدردانہ آواز میں کہا۔

"وہ بھاگنے والا آوارہ لڑکا پانچ پاؤنڈ نہ ملنے پر مجھے گندی گالی دے کر گیا ہے۔" میں نے آزردہ اور غصیلے لہجے میں جواب دیا۔ "کیا یہ حرکت کسی کو مشتعل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے؟"

"میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔" وہ لڑکے کی چھوڑی ہوئی کرسی کے سرے پر ٹک کر ناصحانہ لہجے میں کہنے لگا۔ "یہ چیرنگ کراس کا علاقہ ہے۔ صبح سے رات گئے تک یہاں آوارہ لڑکے لڑکیوں کے گینگ گھومتے رہتے ہیں۔ سمجھ دار لوگ ان سے اُلجھنے سے گریز کرتے ہیں اور نرمی سے انہیں ٹال دیتے ہیں۔ اس کی گالی پر مشتعل ہوکر بھی تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ اپنا بلڈ پریشر کچھ بڑھا لیا ہوگا۔"

"تو کیا قانون ان لچے لفنگوں کے سامنے اتنا ہی بے بس ہے؟" میں نے تلخی سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔" اس نے بلاتردد کہا۔ "ہمارا قانون حق و انصاف پر مبنی اور بہت سخت ہے مگر وہ ملزم کو بھی صفائی کا پورا موقع دیتا ہے۔ قانون کا فیصلہ صادر ہونے سے پہلے تمہارا ویزا ختم ہو جائے گا۔ تم چاہو تو اسی وقت رپورٹ درج کرا سکتے ہو۔ پولیس تمہارا پورا پورا ساتھ دے گی۔"

"اگر وہ دوبارہ آیا تو میں اس بارے میں ضرور غور کروں گا۔" میں نے کہا۔

"میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اسے بھول جاؤ۔ وہ دوبارہ نہیں آئے گا۔ اسے تمہاری کوئی بات بری لگی ہوگی تو وہ اپنے پورے غول کے ساتھ تمہارے باہر نکلنے کا انتظار کرے گا۔ وہ خاموشی سے تمہارا پیچھا کریں گے اور کسی بھی ویران گلی یا سنسان زیرزمین راستے میں تمہیں مار پیٹ کر

لوٹ لیں گے۔ تمہاری ساری تفریح غارت ہو جائے گی۔ یہ اس شہر کی بدقسمتی ہے کہ یہاں بے راہ رو نوجوانوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہے کہ ان کے سدباب کی تدبیریں ہر وقت ناکافی محسوس ہوتی ہیں۔ گلاس ختم کرو اور دماغ کو ٹھنڈا رکھو۔''

تشفی آمیز انداز میں میرا شانہ تھپتھپا کر دوبارہ اپنے کاؤنٹر کی طرف چل دیا اور میں یہ سوچتا رہ گیا کہ اس نے واقعی مجھے مخلصانہ مشورہ دینے کی کوشش کی تھی یا مجھے لندن کے نوخیز غنڈوں سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میرا ارادہ وہاں بیٹھ کر بیئر کے کم از کم دو بڑے مگ خالی کرنے کا تھا مگر اس واقعے سے طبیعت اتنی مکدر ہوئی کہ میں نے تیزی سے وہی مگ ختم کر کے پب چھوڑ دیا۔

پب سے نکلتے ہوئے میں نے سرسری انداز میں دائیں بائیں دیکھا لیکن وہاں فٹ پاتھ پر رواں ہجوم میں مجھے ایسی کوئی ٹولی نظر نہیں آئی جو ایک ہی جگہ رُک کر کسی کی آمد کا انتظار کر رہی ہو۔ میں بے پروائی سے ایک طرف چل پڑا۔ اس وقت میرا ارادہ آوارہ گردی کر کے وقت گزارنے کا تھا۔ مجھے اُمید تھی کہ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد میں رائل ہوٹل پہنچوں گا تو پولیس والے اپنی رسمی کارروائی پوری کر کے جا چکے ہوں گے۔

چیرنگ کراس کے عقب میں اُتر کر دریائے ٹیمز کے کنارے وکٹوریہ امبینک منٹ نامی پُر فضا سڑک وقت گزاری کے لیے بہترین جگہ تھی جس کے ایک سرے پر ویسٹ منسٹر کا مشہور علاقہ واقع تھا مگر اس وقت میرا رُخ کسی اور ہی طرف ہو گیا تھا۔ کچھ دور نکل آنے کے بعد فٹ پاتھ کے کنارے لگی ہوئی تختیوں سے اندازہ ہوا کہ میں ہے مارکیٹ اور ریجنٹ اسٹریٹ کی طرف جا رہا تھا۔

ہے مارکیٹ کے سرے پر مجھے پبلک بوتھ نظر آئے تو میں اسی طرف ہو لیا۔ سیاحوں کے لیے سستے یادگاری تحائف فروخت کرنے والی ایک دُکان سے میں نے فون کارڈ خریدا اور پھر ایک کارڈ فون بکس میں جا گھسا۔ مجھے اچانک ہی ویرا کی خیر خبر لینے کا دھیان آ گیا تھا۔

ماسٹر رابرٹ ہوٹل کا نظام رائل ہوٹل سے کہیں بہتر تھا۔ آپریٹر کو میں نے اپنا نام سیموئیل بتا کر مسز روزی برڈ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے پل بھر میں لائن ویرا کو منتقل کر دی۔ میری آواز سنتے ہی ویرا نے میری بات کاٹ دی اور اُردو میں بولی۔ ''مجھے معلوم تھا کہ یہ تمہاری ہی فون کال ہوگی۔ آج کل تم اتنی تیزی سے اپنے نام بدل رہے ہو کہ تمہیں اس کی فہرست بھی یاد نہیں رہی ہوگی۔''

''تمہیں تمہارے ابا جان کے قاتلوں تک پہنچانے کے لیے نہ جانے اور کیا کرنا پڑے گا...... غنیمت ہے کہ ابھی تک تو ساری بپتا نام پر ہی گزر رہی ہے۔''

''زیادہ بک بک مت کرو۔ مجھے پتا چل چکا ہے کہ تمہارا منظورِ نظر آج لندن پہنچ رہا ہے۔''

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ ''یہاں آ کر وہ اپنا سر پیٹنے پر مجبور ہو جائے گا۔''

''اپنا سر پیٹتے ہوئے اسے خیال بھی نہیں آئے گا کہ کوئی اس کا ہمدرد بن کر اسی کا سر کچلنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا ہے۔'' ویرا نے اپنی عادت کے مطابق بے رحمی سے کہا۔

''پوری بات سن کر تم بھی قہقہے لگانے پر مجبور ہو جاؤ گی۔'' میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

''ایسا ہے تو پہلیاں کیوں بجھوا رہے ہو۔ یہاں آ کر میں ہنسنے کو ترس گئی ہوں۔''

''میں نے سلطان شاہ کے ذریعے اسے ماسٹر رابرٹ ہوٹل کا نمبر دے دیا تھا۔ وہ نمبر ملائے گا تو اسے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ میں وہاں کس نام سے ٹھہرا ہوا ہوں۔''

''اوہ خدا! یہ مکاری تم نے جان بوجھ کر کی ہے یا بے دھیانی میں ایسا ہوا ہے؟''

''مجھے اس پر اعتماد ہے مگر اس کے آدمیوں پر ذرا بھی بھروسا نہیں ہے۔ کل اول خان شبہ ظاہر کر رہا تھا کہ تک نے اسے چارے کے طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ایسا ہوا تو بدری کی بے خبری میرے لیے بہت سود مند ثابت ہوگی۔ ہم دور رہ کر اصل حالات کا اندازہ

کر سکیں گے۔"

"سلطان شاہ سے تمہاری وہ گفتگو میرے سامنے ہوئی تھی۔ میں نے غور تک نہیں کیا تھا کہ تم نے نام گول کر دیا ہے۔ یہ سب تو اس وقت کی باتیں ہیں جب وہ یہاں پہنچ جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے جس بھس میں چنگاری پھینکی ہے، اس کا کیا بنے گا؟"

"آگ بھڑکنے سے پہلے ٹھنڈی ہو جائے گی۔ بس دونوں ڈرائیوروں کی غفلت کی دُعا کرتی رہو۔"

"ہو سکے تو آج کا سن ضرور دیکھ لینا۔" ویرا کی آواز طنزیہ ہو گئی۔ "اس کے شہری صفحے پر وہی کہانی چھپی ہے جو میرے دل میں ہے۔ دور سے بات بالکل صاف اور واضح نظر آتی ہے۔ پتا نہیں تم مجھے کیوں بے وقوف بنانے پر تلے رہتے ہو۔ اب میں تمہاری بے راہ روی برداشت نہیں کروں گی۔"

"خوب! تو اب تم بھی بیوی کے سے لب و لہجے سے بات کرنے لگیں...... آج شاید پورے شہر میں یہی ایک منحوس اخبار بچا تھا۔ وہ بودی اور گھٹیا کہانی میں پڑھ چکا ہوں۔ بس رپورٹ کا انتظار کر لو۔"

"میں نے سن ہی نہیں، دوسرے اخبارات بھی دیکھے ہیں۔ ان میں دبے دبے الفاظ میں ان شبہات کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ سب تمہارے دشمن تو نہیں ہیں۔"

"میں کافی دیر سے شہر کی سڑکیں ناپ رہا ہوں۔ یہ کال بھی پبلک بوتھ سے کر رہا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس طرف آ جاؤ۔ فون پر اُردو میں بھی ایسی باتیں مناسب نہیں ہیں۔"

"میں فوراً ہی اس قید خانے سے نکل بھاگنے کے لیے تیار ہوں۔ شہر کے بارونق مرکزی حصے سے دور یہاں کمرے کے آرام کے سوا کیا رکھا ہے۔ کہو تو حساب بے باق کر کے اپنا سوٹ کیس بھی ساتھ لیتی آؤں۔" وہ شاید میری طرف سے ایسی کسی دعوت کی ہی منتظر تھی۔ وہ رُکے بغیر کہتی رہی۔ "سنا ہے آج صبح سویرے پولیس والے ہوٹل کے مکینوں کے ریکارڈ کی دیکھ بھال کے لیے یہاں آئے ہوئے تھے۔"

"تو کیا وہ لوگ کمروں تک نہیں آئے تھے؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"ہو سکتا ہے کہ اگلی بار یہ نوبت بھی آ جائے۔ اس بار وہ فرنٹ آفس تک ہی محدود رہے۔ کیا تمہاری طرف بھی ایسی کارروائی ہوئی ہے؟"

"ہاں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "آج یہ وبا شاید پورے لندن میں پھیلی ہوئی ہے۔ تمہیں ماسٹر رابرٹ کا کمرا چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ کچھ رقم پیشگی دے کر چلی آؤ، کچھ پتا نہیں کہ کب ہمیں سر چھپانے کے لیے کسی ٹھکانے کی ضرورت پڑ جائے۔ جب تک سلیم اکبر کراچی کے لیے روانہ نہیں ہو جاتا میں تمہیں رائل میں نہیں لا سکتا۔ میں بارہ بجے پکاڈلی چوک پر بوٹس کے اسٹور کے قریب تمہارا انتظار کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر باقی باتیں وہیں ہوں گی۔" یہ کہہ کر ویرا نے فون بند کر دیا۔

فون سے فارغ ہو کر میں ہے مارکیٹ والی سڑک سے دوبارہ پرانے راستے پر نکل آیا جو ریجنٹ اسٹریٹ سے ہوتا ہوا پکاڈلی سرکس تک پہنچتا تھا۔

اس وقت تک آسمان پر بادلوں کے پرے گہرے ہو چکے تھے۔ چند ثانیوں بعد بہت ہلکی سی پھوار پڑنے لگی۔ چمکتے ہوئے سورج کی سرزمین کے باسیوں کے لیے ساون کا وہ سہانا موسم ہمیشہ خوابناک، رومان پرور اور حسین ثابت ہوتا ہے لیکن چمکتی ہوئی دھوپ کو ترسے ہوئے انگریزوں کے لیے وہ برکھا رُت ایک عذاب سے کم نہیں ہوتی۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ ہونے والی اس برسات میں ہر مقامی فکرمند، اُداس اور بیزار نظر آتا ہے لیکن اس وقت فٹ پاتھوں پر ہر رنگ و نسل کے جو سیاح چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے ان سب کے چہروں سے بے حساب خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ ہر جوڑا وارفتگی کے انداز میں ایک دوسرے کو یوں مضبوطی سے تھامے چلا جا رہا تھا جیسے اس بھیڑ میں ایک دوسرے سے بچھڑ جانے کا

خدشہ ہو۔

بعض گوشوں اور درختوں کے سائے میں خاصے اشتعال انگیز مناظر دیکھنے میں آرہے تھے لیکن وہ بے فکروں کا شہر لندن تھا جسے عرفِ عام میں سیاحوں کی جنت کہا جاتا ہے۔ ہر شخص اپنی دنیا میں مگن اور مست تھا۔ کسی کو دوسروں کی فکر نہیں تھی۔ مغرب میں اس رویے کا نام رواداری اور پرامن بقائے باہمی تھا۔ مشرق کے ہر خطے میں ایسی حرکتوں کو بلا استثنیٰ بے شرمی، بے حیائی اور بدکرداری کا نام دیا جاتا تھا۔

ریجنٹ اسٹریٹ ایک طرف ٹرافالگر اسکوائر اور چیرنگ کراس سے آنے والے راستے سے ملتی ہے اور پھر پکاڈلی سرکس کے شہرۂ آفاق چوراہے کی دوسری جانب خم کھاتی ہوئی سیدھی آکسفورڈ سرکس سے جا ملتی ہے۔ اس پر ہر وقت لوگوں کا ایک رنگا رنگ ازدحام رواں نظر آتا ہے۔

میں اردگرد کا جائزہ لیتا ہوا پکاڈلی سرکس پر پہنچا تو میری رسٹ واچ ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی۔ چیرنگ کراس سے پکاڈلی سرکس تک دوڑ لگانے کے بعد معدے میں اُتری ہوئی یخ بستہ بیئر موسم کی خنکی سے مل کر اپنا رنگ دکھانے لگی تھی جس کے نتیجے میں، میں گرم گرم چائے یا کافی پینے کی طلب محسوس کر رہا تھا۔

میں پولیس کے اسٹور کو عارضی طور پر بھول کر میکڈانلڈ ... شاپ میں گھس گیا۔ کھلی اور ٹھنڈی فضا سے ریستوران کی فرحت انگیز حرارت میں پہنچتے ہی مجھے سرور سا آ گیا۔

معمول کے مطابق وہاں بھی خودکار کیش مشینوں کے سامنے چھوٹی بڑی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک قطار میں لگ کر خوبصورت کاغذی گلاس میں کافی خریدی اور پھر دیوار گیر طویل میز کے سامنے پڑے ہوئے ایک اُونچے اسٹول پر جا بیٹھا۔ کھانے کا وقت نہ ہونے کے باوجود وہ فاسٹ فوڈ ریستوران تقریباً بھرا ہوا تھا۔

میں کافی کا گلاس دھیرے دھیرے خالی کرتا رہا۔ اسی دوران میں میں نے سگریٹ بھی سلگا لی۔ یہ ذکر پہلے بھی کہیں آ چکا ہے کہ اس زمانے میں سگریٹ بلکہ تمباکو نوشی کے بارے میں مغرب میں کوئی مخالفانہ مہم شروع نہیں ہوئی تھی اور لوگ ہر طرف کثرت سے دُھواں اُڑاتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اچانک کسی نے بے تکلفی سے میری پسلی میں ٹھوکا دیا۔ میں چونکنے انداز میں پلٹا تو سلیم اکبر خان کا خوشی سے دمکتا ہوا چہرہ میرے سامنے موجود تھا۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا کاغذی کپ موجود تھا۔

"اکیلے اکیلے یہاں عیش ہو رہے ہیں ...... کیا ایلیزا کو ہوٹل ہی میں چھوڑ آئے ہو؟" اس نے میری طرف جھک کر بائیں آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

"ایلیزا کے لیے تمہاری دوستی ناکافی ثابت ہو رہی ہے۔" میں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "تمہارے جاتے ہی وہ تفریح کے لیے کہیں نکل گئی تھی۔ اب کہیں عیش کر رہی ہوگی۔ میں تو یہاں کافی پی رہا ہوں۔"

میں اسٹول پر براجمان تھا۔ آس پاس کوئی نشست خالی نہیں تھی۔ میں نے اس کا ساتھ دینے کے لیے اخلاقاً اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم دونوں ٹہلتے ہوئے ایک گوشے کی طرف بڑھ گئے۔

"کیا بات ہے ......؟ تمہارے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں آج ہی کی کسی پرواز پر کراچی واپسی کی سیٹ مل گئی ہے۔" قدرے توقف کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"تم ٹھیک سمجھے۔ آج کی تو نہیں، کل صبح آٹھ بجے کی پرواز پر سیٹ ملی ہے۔ رش کے دنوں میں اتنی جلدی سیٹ کا مل جانا معجزے سے کم نہیں ہے۔ تم سے ملاقات کے بعد میرے سارے بگڑے ہوئے کام تیزی سے سیدھے ہوتے جا رہے ہیں۔" گوشے میں پہنچ کر اس نے مسرت آمیز لہجے میں مجھے آگاہ کیا۔ "کراچی میں دفتر سیل کھل گئی، یہاں سے اتنی آسانی سے واپسی کی سیٹ مل

گئی۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ کراچی پہنچتے ہی میرے مطلوبہ کاغذات میرے ہاتھ آجائیں گے۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہ چلے گا۔''

وہ اپنی قسمت اور تدبیروں پر نازاں تھا۔ سمجھ رہا تھا کہ اس نے اپنی مکاری سے اپنے برے وقت کو ٹال دیا تھا۔ وہ بدنصیب اور خودغرض شخص بھول رہا تھا کہ قدرت کا مکافاتِ عمل کا ایک اپنا نظام ہے۔ جس کے تحت بروں اور بدکاروں کی مہلت کی رسی دراز ضرور ہوتی ہے۔ لیکن آخری غیبی جھٹکا ان کی گردنیں توڑ کر انہیں پیوند خاک کر دیتا ہے۔

کیا مقام عبرت تھا کہ شکار خوشی خوشی اپنے شکاری کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنسنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ جب اسے کراچی میں صرف اندیشے ہی دہلا رہے تھے تو وہاں سے نکل بھاگا تھا لیکن اب اس کی قبر تیار ہو چکی تھی تو وہ جلد از جلد وہاں پہنچنے کے لیے بے چین تھا۔

میں نے پورے خلوصِ دل سے اسے مبارک باد دی کیونکہ اس نے وہی فیصلہ کیا تھا جو اسے اس کے موزوں ترین انجام تک پہنچا سکتا تھا۔ اس نے پولینڈ سے آئی ہوئی ایلیزا کے...... ساتھ لندن جیسے شہر نگاراں میں اپنی زندگی کی چند آخری حسین ترین راتیں گزار لی تھیں اور اب کراچی میں اس کا فیصلہ ہونا تھا۔

''ایئر لائن کا دفتر بھی یہیں قریب ہی ہے۔ سیٹ بک کراتے ہی میں اِدھر چلا آیا۔ سچ پوچھو تو آج مجھے پکاڈلی میں ایک نئی کشش نظر آرہی ہے۔''

''یہ پکاڈلی کی کشش نہیں، تمہارے اندر کی خوشی ہے جو تمہیں ہر چیز پر چھائی ہوئی نظر آرہی ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''ابھی تمہارے ساتھ کوئی اندوہناک واقعہ پیش آجائے تو یہی پکاڈلی تمہیں اُجڑی ہوئی اور بےرُوپ نظر آنے لگے گی۔''

''اوہو...... اس مبارک موقع پر ایسی بدفال تو منہ سے نہ نکالو۔'' اس نے بے ڈھنگے پن سے ہنستے ہوئے کہا۔ ''مجھے یہ بتاؤ کہ جب میں نے ایلیزا کو تمہارے حوالے کیا تھا تو تم نے اسے باہر کیوں جانے دیا؟''

میں نے اپنی رسٹ واچ پر سرسری نظر ڈال کر کہا۔ ''آؤ باہر چلتے ہیں۔''

اس نے چائے کا خالی کپ ڈسٹ بن ڈال دیا۔ اندر کے خوشگوار ماحول سے خنک اور کھلی فضا میں پہنچ کر میں نے کہا۔ ''ایلیزا کوئی انگوٹھی یا رسٹ واچ نہیں ہے جس کی ملکیت کو تبدیل کرنا تمہارے اختیار میں ہو۔ وہ نرم و نازک جذبوں سے مالا مال ایک زندہ لڑکی ہے۔ جب تک تم یہاں ہو، اس سے دوستی کے مزے لوٹتے رہو۔ وہ اکیلی رہ جائے گی تو میں دیکھوں گا کہ وہ میرے لیے کتنی کشش انگیز ہے۔''

باہر آتے ہی میں نے دانستہ اسے گرین پارک کی طرف جانے والے راستے پر ڈال دیا تھا۔ میری کوشش تھی کہ ویرا کے اس علاقے میں پہنچنے سے پہلے وہ کہیں دور نکل جائے تاکہ ویرا اس کی نظروں میں نہ آسکے۔ ویرا کو دیکھ کر اس کے دل میں ایک مرتبہ پھر کوئی شرارت بیدار ہو سکتی تھی۔

کچھ دور نکل آنے کے بعد اس نے چونک کر پوچھا۔ ''یہ تم مجھے اُلٹے راستے پر کہاں لے جا رہے ہو؟''

''میں لے جا رہا ہوں؟'' میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کے کہا۔ ''تم نے خود ہی اِدھر کا رُخ کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ تم گرین پارک کے سبزہ زار میں آج کے لیے کوئی نیا شکار تلاش کرو گے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہاں کسی سے مل بیٹھنا آسان ثابت ہوگا۔ آؤ وہیں چلتے ہیں۔''

میں چلتے چلتے ٹھٹک کر رُک گیا۔ ''میں نے بہت دور تک تمہارا ساتھ دے لیا۔ اب تم اکیلے ہی اس مہم پر جاؤ۔ مجھے تھوڑی دیر بعد پکاڈلی ٹیوب اسٹیشن کے بازار میں اپنے رشتے دار سے ملنا ہے۔''

اس نے چند ثانیوں تک میری طرف دیکھا پھر فضا میں ہاتھ لہرا کے بولا۔ ''ٹھیک ہے۔ اب شام کو ہی ملاقات ہوگی۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔

اس کا رُخ بدستور گرین پارک کی طرف تھا۔ میرے لیے یہ حیران کن بات تھی کہ وہ انتہائی درجے تک میرا گرویدہ ہو چکا تھا اور ہر بار میرے سمجھائے ہوئے راستے پر چلنے میں خوشی محسوس کر رہا تھا۔

میں ایک دیوار کے سائے میں رُک کر اسے خراماں خراماں گرین پارک کی طرف جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ لوٹ کر نہیں آئے گا تو میں تیز قدموں سے واپس پکاڈلی کی طرف ہولیا۔ اس وقت دوپہر کے بارہ بجنے میں چند ہی منٹ باقی رہ گئے تھے۔

پکاڈلی سرکس پر بوٹس اسٹور کے باہر ویرا پہلے سے موجود تھی۔ لندن میں ٹیوب اسٹیشنوں سے لے کر شہر کے مرکزی بازاروں تک میں جا بجا ایسے مضطرب لوگ نظر آتے ہیں جو مقررہ وقت اور مقام پر اپنے کسی دوست یا ملاقاتی کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں اور کبھی کسی کی استہزائیہ نگاہوں کا نشانہ نہیں بنتے۔

ویرا اپنی جگہ کھڑی عقابی نظروں سے قرب و جوار کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس نے دور ہی سے مجھے اپنی طرف آتے دیکھ لیا اور اپنی جگہ چھوڑ کر تیر کی طرح سیدھی میری طرف چلی آئی۔

کہاوت ہے کہ جب تم روم میں ہو تو وہی سب کرو جو رومن کرتے ہیں۔ اس وقت وہ کراچی کے بجائے لندن کے ایک روایتی اور رومانوی علاقے میں موجود تھی۔ اس نے وہی کیا جو مقامی لڑکیاں والہانہ جذبات سے مغلوب ہو کر کرتی ہیں۔ مجھے ویرا سے اس بدتمیزی کی توقع نہیں تھی اس لیے میں بے خبری میں اس کا شکار ہو گیا۔ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ میرے داہنے بازو سے یوں لپٹ گئی جیسے مجھ سے مدتوں سے بچھڑی ہوئی تھی۔ میں نے جھلا کر اپنا بازو اس کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کی تا کہ اپنے رُخساروں سے ویرا کی جسارت کے داغ مٹا سکوں مگر وہ جونک کی طرح میرے بازو سے لپٹی رہی۔

''احمق نہ بنو۔'' وہ مجھے ایک طرف تقریباً کھینچتے ہوئے منمنائی۔ ''خاموشی سے کسی سکون کی جگہ کی طرف نکل چلو۔ مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا کہ میں تمہارے ساتھ بوٹس کی بھیڑ بھاڑ میں ماری ماری پھروں گی۔ اپنی تسلی کے لیے یہ بھی سن لو کہ میں داغ نہ لگانے والی لپ اسٹک استعمال کرتی ہوں۔''

''تمہارے لگائے ہوئے دوسرے داغ اتنے کافی ہیں کہ لپ اسٹک کا ہلکا سا ایک آدھ داغ ان میں اپنی شناخت تک کھو بیٹھے گا۔'' میں نے طنز سے کہا۔

وہ قلقاری مار کر ہنس پڑی۔ آس پاس سے گزرتے ہوئے چند راہ گیروں نے چونک کر ہماری طرف دیکھا۔ میں شرمسار ہو گیا مگر اس سے پہلے ہی دیکھنے والے معذرت خواہانہ انداز میں سر جھکا کر آگے ہو لیے کیونکہ اس سرزمین پر دوسروں کی انفرادی آزادیوں میں مخل ہونے کا کوئی دستور نہیں تھا۔

''صرف ایک رات الگ رہ کر تم نے شاعری شروع کر دی۔''

ہنسی تھمنے کے بعد ویرا کہہ رہی تھی۔ ''شاعری کرنے والوں کو یہ شہر راس نہیں آتا۔ یہاں ہر ایک پاؤنڈ کی زبان بولتا اور سمجھتا ہے۔ بزنس یا نو بزنس۔ اس کے سوا تیسری بات نہیں ہوتی۔''

معاً مجھے پچھلی شام چیرنگ کراس پر ملنے والی شیری رینڈل یاد آ گئی۔ وہ بھی اس وقت بزنس کی تلاش میں بھٹکتی پھر رہی تھی لیکن اس نے میرے ساتھ جو سلوک کیا وہ ویرا کے بیان کیے ہوئے معیار سے بالکل مختلف تھا۔ میری سرد مہری اور کج خلقی کی وجہ سے اس نے اپنے معاوضے کے طے شدہ پانچ پاؤنڈ بھی میرے برباد کیے ہوئے وقت کے طور پر میرے پاس چھوڑ دیے تھے۔

''آؤ ٹیوب میں چلتے ہیں۔'' میں نے اس کی بھٹکی ہوئی ذہنی رو کو راہ پر لانے کے لیے اچانک تجویز پیش کی۔ ''اس وقت ٹیوب خالی ہوگی۔''

''کہاں جانے کا ارادہ ہے؟'' اس نے میرا بازو چھوڑ کر تیزی سے پوچھا۔

اپنی ترکیب کی کامیابی پر میں دل ہی دل میں

سراہے ہوئے بولا۔ ''کہیں بھی نہیں۔ بس ٹریول کارڈ لے کر کسی بھی ٹرین میں چڑھ جائیں گے۔ خالی ڈبوں میں ہمیں باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا۔''

''تجویز محفوظ اور کم خرچ ہے۔'' اس نے میری تائید کی اور ہم ایک قریبی زمین دوز راستے میں گھس گئے جو اندر ہی اندر ہمیں کسی بھی ملحقہ سڑک کے کنارے یا زیرزمین ٹیوب اسٹیشن تک پہنچا سکتا تھا۔

پکاڈلی ٹیوب اسٹیشن کے ٹکٹ گھر سے پہلے واقع زمین دوز بازار کی بھری پری دکانیں پرشوق سیاحوں وغیرہ کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھیں۔

لندن میں بھیک مانگنا قانوناً جرم ہے مگر وہاں بھیک منگوں کی ایک پرانی روایت چلی آرہی ہے۔ عام گزرگاہوں کے کنارے کوئی بھی اپنا ہیٹ اُلٹ کر نیچے رکھ دیتا ہے اور پھر دیوار سے ٹک کر گٹار پر اپنی پسندیدہ دھن بھونڈے انداز میں بجانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ گٹار کے تاروں سے نکلنے والے وہ بے سرے سُر ''دے مائی، بابا اللہ کے نام پہ'' کے مترادف ہوتے ہیں۔ بہت سے رحم دل...... راہ گیر اس ہیٹ میں سکے اور بعض اوقات نوٹ تک ڈالتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی ڈیوٹی پر مامور سپاہی بھی اس کارخیر میں حصہ لیتے ہیں اور اس کاروبار میں مداخلت نہیں کرتے۔

بائبل کے ابتدائی ورق کے سہارے اپنے خریداروں تک رسائی کی کوشش کرنے والی سینڈی کی طرح، شہر کے یہ بھکاری بھی قانون سے بچ کر کام کرتے تھے۔ وہ موسیقی نواز تھے۔ ایک کنارے سے بیٹھ کر لوگوں کو اپنے فن سے محظوظ کرتے تھے۔ بن مانگے کوئی اپنی خوشی سے ''انعام'' دے دیتا تھا تو وہ اسے کیسے روک سکتے تھے۔ یہ دیگر بات تھی کہ اپنے مسلسل پروگرام کے دوران میں آس پاس کسی بوبی کو موجود نہ پا کر یہ فن کار بلند آواز میں چیریٹی کی آوازیں لگا کر لوگوں کو اپنے اصل مقصد سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔

ہم دونوں نے ٹکٹ گھر کی ایک خالی کھڑکی پر یہ رقم دے کر ٹریول کارڈ خریدے۔ داخلے کے راستے پر باری باری اپنے کارڈ آہنی سلاٹ میں ڈالے۔ کارڈ خود بخود اندر غائب ہو کر دوسرے سرے سے برآمد ہوا۔ کسی نادیدہ آنکھ نے کارڈ کی تاریخ وغیرہ کی تصدیق کی اور رُکاوٹ ہٹ گئی۔ ایک فرد کے گزرتے ہی راستہ پھر مسدود ہو گیا۔ دوسرے آدمی کا کارآمد کارڈ مشین سے گزرے گا تو دوبارہ راستہ بنے گا۔

ٹکٹ اور ٹریول کارڈ کی پڑتال کرنے والی یہ سادہ مشینیں حیرت ناک ہیں۔ ان میں پرانی تاریخ والا کوئی ناکارہ ٹکٹ یا کارڈ ڈالا جائے تو مشین اسے سونگھ کر باہر پھینک دیتی ہے۔ رُکاوٹ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کرتی۔

لطف کی بات یہ ہے کہ اسٹیشنوں سے خریدے ہوئے کارڈز پر مشینوں سے تاریخ ڈالی جاتی ہے۔ باہر سے خریدے جانے والے کارڈز پر ہاتھ سے یہ اندرج کیا جاتا ہے مگر مشین ہر اندارج کو بالکل ٹھیک ٹھیک پڑھ لیتی ہے۔ اگر کسی نقص کی وجہ سے کوئی مشین کسی کے جائز کارڈ پر بھی راستہ نہ دے تو لندن ٹرانسپورٹ کا کوئی اہل کار فوراً اس کی مدد کو آتا ہے۔ بیشتر مرکزی اسٹیشنوں پر داخلے اور اخراج کے راستوں پر یہی طریقہ کار ہے۔ مضافات میں چیکر کام کرتے ہیں کیونکہ وہاں مسافروں کا دباؤ بہت کم ہوتا ہے۔

ان تماشوں سے گزر کر ہم نیچے پکاڈلی لائن کے پلیٹ فارم پر پہنچے۔ وہاں تھوڑے بہت فارغ اور بے فکرے سیاح نظر آرہے تھے۔ کاروبار اور ملازمتوں پر جانے والے لاکھوں شہریوں کے ریلے گھنٹوں پہلے ان راستوں کو روند کر گزر چکے تھے۔

پکاڈلی لائن کے ذریعے میں پہلے بھی ہیتھ رو کا چکر لگا چکا تھا۔ اس بار میں نے ہیتھ رو کے بجائے مخالف سمت میں کاک فوسٹرز کی طرف جانے والی ٹیوب کا انتخاب کیا۔

ہیتھ رو سے آنے والی ٹیوب سامان سے لدے پھندے مسافروں سے تقریباً خالی ہو گئی کیونکہ یہاں سے باہر نکلے بغیر بیکرلو لائن کے ذریعے شہر کے اہم ترین حصوں میں پہنچا جا سکتا تھا۔

ہم دونوں کو ڈبے کے آخری سرے پر ایک ایسا

گوشہ عافیت مل گیا جہاں آخر تک کسی کی مداخلت کا امکان نہیں تھا۔ ہم بے فکری سے کھل کر باتیں کر سکتے تھے۔

''تم سے ایک غلطی ہوئی ہے۔'' ویرا نے بیٹھتے ہی مسکرا کر کہا۔

''تم نے صرف دو زون والے ٹریول کارڈ لیے ہیں جب کہ اس ٹیوب کا آخری اسٹیشن پانچویں زون میں ہے۔ وہاں ہم دونوں دھر لیے جائیں گے۔''

''سیاحوں کو ہر جگہ لاعلمی اور بے خبری کا سایہ میسر رہتا ہے۔ میں نے خود اس بات پر غور نہیں کیا تھا۔ ہم کو اسی وقت پکڑا جائے گا جب ہم کاک فوسٹرز پر اسٹیشن سے باہر نکلنے کی کوشش کریں گے۔''

''تو پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''باہر نکلے بغیر واپسی کی ٹرین سے پھر اسی طرف لوٹ آئیں گے۔''

''یعنی ہم چوہوں کی طرح گھنٹوں ان ہی سرنگوں میں ادھر اُدھر سفر کرتے رہیں گے؟''

''ضروری نہیں۔ دل گھبرایا تو سنٹرل لندن میں کہیں بھی اُتر جائیں گے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم ٹریول کارڈ کو پوری طرح استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو۔''

''پوری طرح کہاں؟ پوری طرح تو اس وقت استعمال ہوگا جب ہم سرخ ڈبل ڈیکر بسوں میں بھی گھومیں گے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ ''ٹریول کارڈ کا فائدہ یہی ہے کہ کرایہ مقررہ اور سفر لامحدود۔''

ڈبے کے اس حصے میں ان دنوں تمبا کو نوشی کی اجازت ہوا کرتی تھی۔ پلیٹ فارموں پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ یہ بعد کا قصہ ہے کہ کنگز کراس کے عظیم الشان زیر زمین اسٹیشن میں بے پروائی سے پھینکی گئی کسی سلگتی ہوئی سگریٹ سے ایسی ہولناک آگ بھڑکی کہ ذرا سی دیر میں ساٹھ سے زیادہ انسان لقمہ اجل بن گئے۔ اس واقعے کے بعد سے ٹیوب اسٹیشنوں کی حدود اور ٹرینوں میں تمبا کو نوشی پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی۔

ویرا نے اپنے لیے سگریٹ سلگائی تو میں نے بھی اس کی تقلید کی۔

''ہم لوگ ٹریول کارڈ کے فوائد پر اس طرح مذاکرہ کر رہے ہیں جیسے لندن ٹرانسپورٹ والوں نے ان کی فروخت کا ٹھیکا ہمیں دے دیا ہو۔ کیا تم دوسرے اہم تر مسائل کو بالکل بھولے ہوئے ہو؟''

''مسائل سے فرار کی کوششوں کو بھولنے کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب ہمیں تن بہ تقدیر ہو کر حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔''

''تم ایک ایسے ذلیل ہوٹل میں جا پھنسے ہو جہاں فون سننے کے لئے کاونٹر پر آنا پڑتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ تمہارے کمرے میں ٹیلی ویژن بھی نہیں ہوگا۔''

''کامن روم میں ٹیلی ویژن ہے۔ میں نے اس پر خبریں دیکھی تھیں۔''

''میں چینل بدل بدل کر تبصرے سنتی رہی ہوں۔ یہ حوصلہ افزا بات ہے کہ ابھی تک دونوں ڈرائیوروں میں سے کوئی سامنے نہیں آیا۔ ان کے بارے میں مسلسل ترغیبی اعلانات کیے جا رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کو سامنے آنا ہوتا تو وہ اب تک منظرِ عام پر آ چکا ہوتا۔''

''بعض لوگ بہت دیر سے فیصلہ کرتے ہیں۔ اس بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔'' میں نے پُرخیال لہجے میں جواب دیا۔ ''بس ایک آدھ روز خیریت سے گزر جائے تو ہم یہاں سے بہت دور نکل چکے ہوں گے۔ اس کے بعد پولیس ہماری گرد بھی نہیں پا سکے گی۔''

یہاں اور برمنگھم میں چوبیس گھنٹے سن رائز کے نام سے اُردو ریڈیو سروس چلتی ہے جو ٹوٹنگ براڈوے، ویمبلے، ساوتھ آل اور وائٹ چیپل وغیرہ کے علاقوں میں کثرت سے سنا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے اس دُہرے قتل کو سیکرٹ ایجنسیوں کے کسی تصادم کا شاخسانہ قرار دیا ہے۔''

ویرا کے اس انکشاف نے مجھے چونکا دیا۔ ''انہوں نے اس کا کوئی نہ کوئی جواز بھی پیش کیا ہوگا۔''

''گیتا اپنے ہائی کمیشن کے ٹریڈ سیکشن سے وابستہ

ہونے کے باوجود را کی ایجنٹ تھی۔ جیمز پنڈت اس کا مخبر اور ہرکارہ تھا۔ واردات جس پیشہ ورانہ مہارت اور صفائی سے کی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی تصادم کی ابتدا تھی۔ اب ایسی ہی کچھ انتقامی وارداتیں بھی ہوسکتی ہیں۔ سن رائز ریڈیو اُردو اور ہندی بولنے والوں سے اپیل کر رہا ہے کہ وہ اپنے مہمانوں اور اجنبیوں پر گہری نظر رکھیں ورنہ ایسی کسی اور واردات کے نتیجے میں وہ سب بدنام ہوجائیں گے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ وہ اندر کی خبریں بھی نکال لائے ہیں؟“ میں نے دھیرے سے کہا۔

”اب دیکھنا ہوگا کہ بدری ناتھ اور رمیش اگروال کی آمد پر کیا ہوتا ہے۔“

”ہمیں بدری سے رابطہ کرنے میں احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ اول خان کا خیال ہے کہ نک موڈے کو اس پر شبہ ہوچکا ہے اور لندن میں اس کی کڑی نگرانی کی جائے گی۔“

ویرا چونک پڑی۔ ”اس کے پاس ماسٹر رابرٹ ہوٹل کا فون نمبر ہے لیکن وہ تمہارے موجودہ نام سے بے خبر ہے..... اوہ! تم یہ تو نہیں سوچ رہے کہ وہ بوکھلا کر تمہارا سراغ لگانے کے لیے ہوٹل کی طرف دوڑ لگادے گا اور اس کی نگرانی کرنے والے ماسٹر رابرٹ ہوٹل تک پہنچ جائیں گے۔“

”اب تمہاری عقل صحیح کام کر رہی ہے۔ میرے ذہن میں یہ اندیشہ پہلے سے کلبلا رہا تھا۔“

”اسی لیے تم وہاں سے بھاگے ہو؟“ اس نے تحیر زدہ آواز میں پوچھا۔

”گیتا کے قصے کے ساتھ بدر[illegible]ھ بھی میرے سر پر سوار تھا۔“ میں نے اعتراف کیا۔

”اور تم مجھے اب بتا رہے ہو۔ اس چوہے دان میں میرا کیا بنے گا؟“

”کچھ بھی نہیں۔ وہ تمہیں نہیں پہچانتے۔ ہوٹل میں تم ویرا نہیں، مسز روزی برڈ ہو۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میری آمد ایک پاکستانی کی حیثیت سے ہوئی ہے۔“

”تم بلاوجہ فکرمند ہو رہی ہو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ سیکرٹ ایجنٹ اپنی سرزمین پر آدم خور شیر سے زیادہ خوں خوار اور خطرناک ہوتا ہے لیکن اجنبی سرزمین پر وہ پھونک پھونک کر قدم اُٹھانے والا لڑاکا ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو ہوٹل کے ریکارڈ تک رسائی حاصل نہیں ہوسکتی۔“

”مجھے تصادم سے ڈر نہیں لگتا لیکن اب ماسٹر رابرٹ ہوٹل پر دہشت گردی کی کوئی کارروائی بھی ہوسکتی ہے۔ میں مقابلہ کیے بغیر مرجانے پر وہاں سے فرار کو ترجیح دوں گی۔“

”بھول جاؤ۔“ میں نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ ”یہ نئی دہلی نہیں، لندن ہے۔ یہاں وہ بھول کر بھی ایسی کسی کارروائی کی حماقت نہیں کریں گے۔“

”جب تم یہاں ایک دوغلے مقامی کو مار سکتے ہو تو انہیں کون روک لے گا۔“

”میں نے جھیل میں پہلا پتھر پھینکا تھا۔ اب ہر طرف شکوک وشبہات کی لہریں ہی لہریں ہیں۔ جب سن رائز ریڈیو والے اندر کی خبریں لا سکتے ہیں تو لندن پولیس متوقع امکانات سے غافل نہیں رہے گی۔ ہوسکتا ہے کہ اسکاٹ لینڈ یارڈ والے بھی خاموشی سے میدان میں اُتر آئے ہوں۔ وہ انڈین ہائی کمیشن کے ایک ایک آدمی پر کڑی نگاہ رکھیں گے۔“

”شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔“ وہ پُرخیال آواز میں بولی۔ ”ہر ملک سفارتی عملے کے بھیس میں اپنے کچھ نہ کچھ خفیہ ایجنٹ ضرور رکھتا ہے۔ یہ بات اب ایک کھلا راز ہے۔ مقامی حکام انڈین ایجنسیوں کو کسی بھی قسم کی انتقامی کارروائی کا موقع نہیں دیں گے۔“

”یہ اس وقت کی باتیں ہیں۔ وہ دونوں یہاں آجائیں۔ اس وقت کوئی صحیح نقشہ سامنے آئے گا۔“ میں نے رسل اسکوائر کے اسٹیشن پر رُکی ہوئی ٹرین سے باہر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

رسل اسکوائر پر پورے ڈبے میں ہمارے سوا صرف

دو مسافر باقی رہ گئے۔ ٹرین آگے چل پڑی۔

''یہ بتاؤ کہ تمہارا دوست پاکستان کب لوٹ رہا ہے؟'' ویرا نے پوچھا۔

''کس کی بات کر رہی ہو؟'' میں نے بے دھیانی میں سوال کیا۔

''وہی جو کراچی سے یہاں تک تمہارا ہم سفر تھا۔'' اس نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔

''وہ کل صبح سویرے نکل جائے گا۔ آٹھ بجے اس کی فلائٹ ہے۔ اس سے تمہیں کیا لینا ہے؟''

''وہ دفع ہو تو میں بھی ماسٹر رابرٹ ہوٹل سے رائل ہوٹل میں آجاؤں گی۔''

''کیوں، اس ذلیل ہوٹل میں آکر کیا کروگی؟'' میں نے اس کی کہی ہوئی بات دُہرائی۔ ''وہاں کمرے تنگ اور باتھ روم مشترکہ ہیں جہاں عورتیں کرسی پر بیٹھ کر پسندیدہ سُر گنگناتی ہیں۔''

''ایسے گھٹیا ہوٹل میں رہنا میرے بس سے باہر ہے۔'' ویرا نے تنک کر کہا۔

''تم بھول گئیں کہ ہم افغانستان کے نیم وحشی قبائل کی قید میں شندگا راولیلی میں بھی رہ چکے ہیں جہاں سردار پائندہ گل کے جھونپڑے ہمارا مسکن تھے......'' میں نے اسے یاد دلایا مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔

''تازہ کیک میسر ہو تو کوئی احمق بھی بھوسی ٹکڑوں پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔''

''پھر تم ماسٹر رابرٹ میں ہی رہو۔ میرے لیے وہ ہر وقت ایک متبادل ٹھکانا ثابت ہوگا۔''

''آج کی رات میرا واپسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ کل اس بارے میں غور کروں گی۔''

''میں تمہیں کہاں لٹکائے پھروں گا۔ آج کا دن ویسے بھی بہت اہم ہے......''

''مجھے معلوم ہے کہ بدری شام کو آرہا ہے۔'' اس نے ایک مرتبہ پھر میری بات کاٹ دی۔ ''میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم اس سے مل بیٹھنے کی کون سی راہ تلاش کرتے ہو۔''

''تمہاری موجودگی میں، میں کچھ بھی نہ کر سکوں گا۔ تم ایشیائی مرد اور مغربی عورت پر مشتمل مشتبہ جوڑے والی بات بھول رہی ہو۔ زیادہ دیر ہم دونوں کا ایک ساتھ رہنا مناسب نہیں ہوگا۔''

''یہ خطرہ اسی وقت پیدا ہوگا جب کوئی ٹیکسی ڈرائیور بلکہ میرا ڈرپوک ٹیکسی ڈرائیور پولیس کے سامنے آئے گا۔ اس کے سوا پورے لندن میں کسی کو علم نہیں کہ میں پنڈت کا پیچھا کر رہی تھی۔''

''تم محض مجھے زچ کرنے کے لیے یہ خطرہ مول لینے پر تلی ہوئی ہو تو ٹھیک ہے' پھر یوں ہی سہی۔ پہلے سے کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ جو ہوگا، دیکھ لیا جائے گا۔''

ٹرین کنگز کراس اسٹیشن پر رُک گئی۔ وہ لندن کا ایک بڑا اور معروف جنکشن تھا مگر اس کی اصل رونق کا اندازہ برٹش ریل کے کھلے پلیٹ فارم پر ہی کیا جا سکتا تھا۔ گہری زمین دوز سرنگوں میں بنے ہوئے ٹیوب اسٹیشن کے سارے پلیٹ فارم کم و بیش یکساں ہی نظر آتے تھے۔

وہاں سے ہمارے ڈبے میں قدرے رونق ہوگئی۔ محض ایک بوڑھی عورت تمباکو نوشی کے عارضے کی وجہ سے ہماری طرف آئی ورنہ بقیہ مسافر اگلے حصے میں پھیل گئے تھے۔

ہم دونوں ان ہی موضوعات میں اُلجھے رہے۔ ویرا کی ضد اور چڑچڑے پن کی وجوہ میرے لیے قابلِ فہم تھیں۔ وہ ہمیشہ سے محفل آرائی کی شوقین اور بھیڑ بھاڑ میں گھری رہنے کی عادی تھی۔ اپنوں سے مخاصمت لینے کے بعد وہ اپنے ٹولے سے ٹوٹی تو ہمارے ساتھ آ ٹکرائی۔ اس مختصر سی ٹکڑی میں اس کی ابتدائی اور بیشتر دلچسپی میری ذات تک محدود تھی مگر وہ رفتہ رفتہ دوسروں سے بھی یوں گھل مل گئی کہ اسے کبھی بھی تنہائی کا احساس نہیں ہو سکا تھا۔

کراچی سے روانگی کے بعد جب تک اسے میرا ساتھ میسر رہا، وہ بہلی رہی لیکن میرے الگ ہوتے ہی اس کی طبیعت میں اُکتاہٹ کے ساتھ چڑچڑا پن عود کر آیا۔

ں اُکتاہٹ کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ سخت وہمی اور شکی
بیعت کی مالک تھی۔ یہ بات اس کے ذہن کے کسی
وشے میں جم کر رہ گئی تھی کہ گیتا کے فلیٹ میں کچھ ایسے
تعات بھی رونما ہوئے تھے جن سے وہ بے خبر تھی۔

رائل ہوٹل میں میرے ساتھ سلیم اکبر خان بھی مقیم
۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں نے اپنے بارے میں سلیم اکبر
ن کے بدلے ہوئے جذبات سے ویرا کو پوری طرح
گاہ کر دیا تھا۔ اس کے حاسدانہ خیالات کی رو فوراً ایلیزا
ی طرف بہک گئی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ اس پولش لڑکی
ے ساتھ میرے مراسم کی کیا نوعیت تھی۔

ویرا اپنے کردار کے اعتبار سے ایک عجیب و غریب
ر ناقابلِ فہم عورت تھی۔ وہ محض میری دوست تھی لیکن
شہ سے میری ہر بات کو شک وشبہے کی نظروں سے دیکھنے
ی عادی تھی۔ مجھے بہت قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کے
جود اسے یہ غلط فہمی تھی کہ میں بہت رنگین مزاج تھا اور
وئی بھی عورت ذرا سی کوشش سے مجھے ورغلا سکتی تھی۔ ویرا
ی اسی غلط سوچ کی وجہ سے میں نے اس سے شیری
نڈل کا کوئی ذکر نہیں کیا ورنہ اسے کریدنے کے لیے
ک نیا موضوع مل جاتا۔ دوسری طرف میری بیوی غزالہ
ی۔

ایک طویل اور صبر آزما محبوبیت سے گزرنے کے
د وہ میری بیوی بنی تھی۔ وہ میرے بارے میں ویرا کے
ا جذبات سے پوری طرح واقف تھی لیکن جب سفر کی
ت ٹھہری تو اس نے کسی بھی اعتراض کے بغیر مجھے ویرا
کے ساتھ کراچی سے روانہ ہونے کی اجازت دے دی۔
اور بات تھی کہ مجھے رخصت کرنے کے بعد وہ میرے
اق میں دلگیر اور آب دیدہ تھی۔

ٹرین زمین دوز سرنگوں سے نکل کر اب لندن کے
ضافات میں سبزے اور کشادہ آبادیوں کے درمیان پڑی
ی ریلوے لائن سے گزر رہی تھی۔ گرد و پیش کی وہ
ایاں تبدیلی نظروں کو بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی لیکن ویرا
سلسل میرے کان کھائے جا رہی تھی۔

فنسبری پارک کے چھوٹے سے مضافاتی اسٹیشن پر ہمارے ڈبے کا آخری مسافر بھی اُتر گیا تو ...دوسرے دروازے سے کالوں کی ایک ٹولی اندر گھسی۔ وہ بھی ہم جیسے انسان تھے مگر یہ ایک افسوس ناک حقیقت تھی کہ اس وقت تک کالوں کے بارے میں میرے تجربات بہت تلخ تھے۔

ٹرین یا ٹیوب ہر اسٹیشن پر بہت قلیل سی مدت کے لیے رکتی ہے۔ چھوٹے اور غیر مصروف اسٹیشنوں پر یہ وقفہ اور بھی کم رہ جاتا ہے۔ اس وقت میں کسی اور ناخوشگوار تجربے کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں ویرا کو اشارہ کر کے سیٹ سے اُٹھا اور ایک ہی لمبی جست میں ڈبے سے پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔ میرے پیچھے ویرا کے باہر آتے ہی دروازے سسک کر بند ہوئے اور ٹرین آگے چل دی۔

''کیا ہوا؟ ایک دم ہی یہاں کیوں اُتر گئے؟'' ویرا نے سامنے آ کر بیزاری سے پوچھا۔

''یہاں کی فضا میں کچھ سوندھی سی خوشبو رچی ہوئی محسوس ہوئی اور میں اُتر گیا۔''

''تم جھوٹے ہو۔ میرا اندازہ ہے کہ تم کالوں سے ڈر کر ٹرین سے نکلے ہو۔''

''سمجھ گئی تھیں تو سوال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' میں نے بدمزگی سے کہا۔

''بعض اوقات تم واقعی عقل مند ہو جاتے ہو۔ یہ کالی مخلوق دنیا کے جس خطے میں بھی ہے، عذاب بنی ہوئی ہے۔ ان میں سارے شیطانی اوصاف کوٹ کوٹ کر بھرے ... ہوئے ہوتے ہیں۔''

''افریقی ملکوں میں تمہیں ایک سے ایک شریف کالا ملے گا۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' میں نے پلیٹ فارم کے دوسرے رُخ پر جاتے ہوئے تیزی سے کہا۔

''میں ان کی نہیں، مغربی ملکوں میں پائے جانے والے کالوں کی بات کر رہی ہوں۔ نیویارک میں سرِ شام بھی لوگ کالوں کے قریب سے گزرتے ہوئے خوف محسوس

کرتے ہیں۔''

''مگر سارے مغربی کالے یکساں نہیں ہوتے۔ تم ان کی جوان نسل کو بے راہ کہہ سکتی ہو۔ روزگار اور تعلیم کے مواقع کی کمی انہیں منتقم مزاج اور تشدد پرست بنا دیتی ہے۔''

''امریکا میں سب کو یکساں مواقع حاصل ہیں۔ تم دیکھو کہ امریکا اور اقوام متحدہ میں کالوں کی کتنی بڑی تعداد اعلیٰ عہدوں پر فائز ہے۔'' ویرا نے پُرزور لہجے میں کہا۔

''محنتی کالوں نے ہمیشہ اور ہر میدان میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ نسلی طور پر یہ کاہل، کام چور اور تعلیم سے بیزار ہیں اسی لیے پسماندہ اور جرائم پیشہ نظر آتے ہیں۔''

ویرا شاید ٹھیک کہہ رہی تھی۔ دنیا کے ہر ملک میں تعلیم، روزگار اور ترقی کے میدان میں جابجا طبقاتی تفریق نظر آتی تھی اور ہر خطے میں اس کے واضح اسباب کی نشان دہی ہوتی رہتی تھی لیکن سفید فام قوموں کے ساتھ رہنے بسنے والے کالے لوگ بلا استثنیٰ ہر جگہ پسماندہ نظر آتے تھے۔ اس بارے میں ان کی نسلی شناخت دوسرے اسباب پر بھاری نظر آتی تھی۔

''یہ تمہارے سماجی اور معاشرتی تجزیے ہیں۔ مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔'' میں نے اس موضوع کو وہیں ختم کرتے ہوئے ویرا سے کہا۔ ''اس وقت بات صرف اتنی سی تھی کہ اس ڈبے میں کالوں کے ساتھ صرف ہم دونوں تھے۔ ان میں سے کئی نے ڈبے میں سوار ہوتے ہی حریص نظروں سے تمہاری طرف دیکھا تھا اور میں نے یہیں اُترنے کا فیصلہ کرلیا۔''

''تم نے اچھا کیا لیکن خطرہ ہم دونوں کو ہی لاحق ہوگیا تھا۔ تم جانتے ہو کہ میں اپنا دفاع کرنا اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ میری مرضی کے خلاف میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے تھے۔''

''ہاں ہاں، مجھے معلوم ہے۔'' میں نے منہ بنا کر کہا۔

''وہ حجام نہیں تھے جو ہاتھ آئی ہوئی ایک سالم دوشیزہ کو بھول کراس کے بال سیدھے یا ٹیڑھے کرنے بیٹھ جاتے۔ اب زیادہ باتیں نہ بناؤ مجھے یہ سوچنے دو کہ ہمیں واپسی میں کہاں اُترنا چاہیے۔''

''اگر تم کوئی منصوبہ نہیں بنا رہے ہو تو کہیں بھی اُترا جاسکتا ہے۔ اس سے کیا فرق پڑے گا؟''

''میں کراچی فون کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ میرے ساتھ مسلسل باتیں کرتے ہوئے بھی تمہارا ذہن کام کررہا تھا؟''

''مجبوری تھی..... ہم یہاں تفریح کے لیے نہیں آئے ہیں۔ اپنی حفاظت کے ساتھ ساتھ میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ بدری یہاں آ کر آگے روانہ ہوجائے اور ہم اس سے رابطہ بھی نہ کرسکیں۔''

''مجھے بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے ہو۔ شاید میں تمہیں کوئی مشورہ دے سکوں۔''

''فی الحال مجھے تمہارے کسی مشورے کی ضرورت نہیں۔ ہم واپسی پر کنگز کراس پر ہی اُتریں گے۔ میں کراچی سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ دونوں لندن کس وقت پہنچ رہے ہیں؟''

''بات سمجھ میں آرہی ہے۔'' ویرا سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''تم خود اس سے رابطہ کروگے۔''

''اپنی ننھی سی کھوپڑی پر زور دے کر تم آخر کار بات سمجھ ہی لیتی ہو۔ یہ ایک اچھی بات ہے۔'' میں نے اس کی پشت پر تھپکی دے کر کہا۔

اسی وقت مخالف سمت سے آنے والی برقی ٹرین تیز رفتاری سے نمودار ہوئی اور پلیٹ فارم کے ساتھ رُک گئی۔ دروازے کھلے اور پلیٹ فارم پر موجود دوسرے مسافروں کے ساتھ ہم بھی اس میں سوار ہوگئے۔ اس وقت بھی بیشتر نشستیں خالی تھیں۔

یہ لندن ٹرانسپورٹ والوں کی اعلیٰ منصوبہ بندی تھی کہ دفتری اوقات میں رش میں وہ ٹرینوں میں کھچا کھچ بھرے ہوئے مسافروں سے کرائے کی مد میں اتنی رقوم حاصل

کر لیتے تھے کہ دن کے باقی اوقات میں شہریوں کی سہولت کے لیے تقریباً خالی ٹرینیں بھی دوڑانے کے متحمل ہو سکیں۔ اس کے برعکس ہماری لوکل اور سرکلر ریلوے کا یہ حال تھا کہ مسافروں سے جائز اور پورا کرایہ وصول نہ کرنے کی وجہ سے ہر وقت خسارے کا رونا رویا جاتا تھا اور اس خسارے میں کمی کرنے کے لیے اصل کوتاہی پر توجہ دینے کے بجائے اوقات اور ٹرینوں کی تعداد میں آئے دن ردوبدل کر کے نت نئے احمقانہ تجربات کیے جاتے تھے جن کی وجہ سے مسافر ان سہولتوں سے بیزار رہتے تھے۔

کنگز کراس ٹیوب اسٹیشن کی زمین دوز بھول بھلیوں سے باہر ایک نئی رنگارنگ دنیا ہماری منتظر تھی مگر میری نظریں فون بوتھ کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔ وسیع ہال میں مختلف راستوں اور سہولتوں کی نشاندہی کے لیے نمایاں بورڈ آویزاں تھے۔ ان کی مدد سے ہم جلد ہی ایک قطار سے لگے ہوئے پبلک فونز تک پہنچ گئے۔ ان میں سے بیشتر ریزگاری سے چلنے والے پرانے فون تھے اور چند جدید کارڈ فون تھے۔

میں نے بوتھ میں داخل ہو کر نمبر ملانا شروع کیا تو ویرا بھی میرے قریب موجود تھی۔

سلسلہ ملنے پر..... دوسری طرف سے سلطان شاہ نے ریسیور اُٹھایا اور پھر اس نے بین الاقوامی کال کی مخصوص بیپ سنتے ہی اندازہ لگالیا کہ وہ کال میری ہی ہو سکتی تھی۔

''ہمیں تمہارے فون کا بے چینی سے انتظار تھا۔'' سلام دُعا کے بعد سلطان شاہ نے کہا۔ ''وہ دونوں تمہارے وقت کے مطابق شام چھ بجے لندن پہنچ رہے ہیں۔ ان کے پہنچتے ہی تمہارا کام شروع ہو جائے گا۔ یہاں سے ان کی روانگی غیر یقینی حالات میں ہوئی ہے......''

''ہمارا کام یہاں پہنچتے ہی شروع ہو گیا تھا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ اول خان سے تمہاری تفصیلی بات نہیں ہو سکی ہے۔''

سلطان شاہ کے ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز اُبھری۔ ''تمہارے جاتے ہی اس کا رویہ بدل گیا ہے۔ کام کے معاملے میں وہ سختی سے رازداری برقرار رکھنے والا تند خو افسر نظر آتا ہے۔ اس موضوع پر زیادہ بات ہی نہیں کرتا۔ ویسے نرم اور دوستانہ انداز میں پیش آتا ہے۔''

''وہ اس وقت کہاں ہے؟'' میں نے ہنس کر سوال کیا۔ ''میں ابھی اس کی گوشمالی کرتا ہوں۔''

''پتا نہیں وہ کہاں ہوگا۔ اس سے بات ہو تو میری شکایت کا ذکر نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ برا مان جائے۔ وہ جیسا بھی ہے، ایک اچھا اور قابلِ اعتماد دوست ضرور ہے۔''

''اور شاید غزالہ بھی تمہارے آس پاس نہیں ہے ورنہ وہ اب تک تمہارے ہاتھ سے ریسیور چھین چکی ہوتی۔'' میں نے پُرتجسس لہجے میں پوچھا۔

''کل رات اول خان کی فیملی واپس آگئی ہے۔ آج وہ اسی طرف گئی ہوئی ہے۔ ڈیوٹی سے واپسی پر اول خان اسے یہاں چھوڑ دے گا۔'' سلطان شاہ نے مجھے آگاہ کیا۔ ''تمہارے جانے کے بعد وہ سخت ڈپریشن کا شکار ہے۔ اس کا دھیان بانٹنے کے لیے اول خان آج صبح خود ہی اسے یہاں سے لے گیا تھا۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ وہ تمہیں کتنا ٹوٹ کر چاہتی ہے۔ اگر وہ اپنے جذبات کے اظہار پر قابو رکھنے کی صلاحیتوں کی مالکہ اور پڑھی لکھی نہ ہوتی تو لیلیٰ مجنوں کے قصے تازہ ہو چکے ہوتے۔''

''فضولیات میں وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے ایک ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ کل تم نے روزی سے کیا بکواس کی تھی۔''

''روزی!'' سلطان شاہ کی تحیرزدہ آواز اُبھری پھر اسے فوراً ہی یاد آگیا کہ کراچی چھوڑتے ہوئے ویرا مسز روزی برڈ بن چکی تھی۔ اس نے بوکھلا کر وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''مم...... میں نے تو اس سے کوئی بھی ایسی ویسی بات نہیں کی تھی۔''

اُدھر سلطان شاہ میرے بے ساختہ سوال پر سٹپٹا گیا تھا، اِدھر ویرا نے مضطرب ہو کر میرے ہاتھ سے ریسیور چھیننے کی ناکام کوششیں شروع کر دیں۔ کامیابی نہ ہونے پر وہ ماؤتھ پیس کے قریب منہ لا کر تیزی سے بولی۔ ''اسلم کے اس فراڈ میں نہ آنا۔ میری اس سے کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔ یہ زبردستی تم سے کچھ اُگلوانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

میں نے زبردستی ویرا کو دور دھکیل دیا اور ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''اس کی لوریاں تمہیں اسی قدر ستارہی ہیں تو میں پہلی پرواز سے اسے واپس بھیج سکتا ہوں۔''

''خدا کی قسم، ایسی کوئی بات نہیں ہے...... ابھی اس نے خود کہا ہے کہ اس نے تم سے کوئی ایسی ویسی بات نہیں کی ہے۔ ذرا ریسیور اسے دے دو تو میں اس سے پوچھوں کہ وہ میرے خلاف کیا زہر فشانی کر رہی ہے۔ ساری بکواس وہی کرتی رہی تھی۔ تم غزالہ سے پوچھ لینا کہ میں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ اس نے روزی سے کہا جانے والا ایک ایک لفظ خود سنا تھا۔''

پچھلی رات ویرا نے خود ہی فرمائش کی تھی کہ کراچی والے اس سے بات کر لیں۔ میں نے بھی ہمدردانہ طور پر اول خان کو وہی مشورہ دیا تھا لیکن ویرا نے اس کال کے بارے میں سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ میں نے ابتدا ہی سے ویرا کے اس گریز کو محسوس کر لیا تھا لیکن دانستہ اسے نہیں چھیڑا تھا لیکن سلطان شاہ میری باتوں میں آ کر خود ہی واضح اشارے دے بیٹھا تھا اور اب ویرا اس گفتگو کو جلد از جلد ختم کرانے کے لیے بے چین ہوئی جا رہی تھی جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سلطان شاہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

''غزالہ سے بات ہوگی تو میں اس سے بھی پوچھ لوں گا۔ اگر ویرا سے بچھڑ جانے کے بعد تم اپنے دل میں اس کے لیے کوئی گنجائش محسوس کر رہے ہو تو بے تکلف ہو کر مجھے بتا دو۔ اسے راضی کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔''

''یہ تم کیا خرافات بول رہے ہو۔'' اس کی بھنائی ہوئی آواز اُبھری۔ ''آخر تم میری بات پر بھروسا کیوں نہیں کرتے۔ میں روزی جیسی واہیات عورت کو دور ہی سے سات سلام کرتا ہوں۔''

''میں تمہارا سلام اسے پہنچا دوں گا۔'' میں نے ویرا کو آنکھ مار کر پورے خلوص اور سنجیدگی سے کہا۔

''سلام نہیں سات سلام۔'' سلطان شاہ غصے میں تقریباً چیخ پڑا۔ ''سات سلام کا مطلب صرف اور صرف لعنت ہوتا ہے۔ اب مجھے زیادہ غصہ نہ دلاؤ ورنہ میں فون بند کر دوں گا۔''

''ایسا نہ کرنا۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''میں نے ایک ضروری کام سے فون کیا ہے۔''

''جلدی سے بتا ڈالو۔ اب میرا پارہ تیزی سے چڑھ رہا ہے۔'' وہ واقعی غصے میں تھا۔

''تمہیں سلیم اکبر خان والے قصے کا علم تو ہوگا؟'' میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔

''بس فون پر ہی بے سروپا اشارے سنے ہیں۔ میں بتا چکا ہوں کہ اب اول خان مجھے کچھ نہیں بتاتا۔ تمہارے فون کے بعد اس نے سلیم اکبر خان کے کسی دفتر کی سیل کے بارے میں یہاں سے دو تین فون کیے تھے۔ تمہارے قصے میں یہ نام بالکل ہی نیا اور اجنبی ہے، یہ کون ہے؟''

''میں تفصیل میں نہیں جا سکتا۔ پوچھو گے تو اول خان تمہیں پوری کہانی سنا دے گا۔ بس اسے یہ بتا دینا کہ سلیم کل صبح آٹھ بجے والی پرواز سے کراچی کے لیے روانہ ہوگا۔''

''شاید یہ بھی کوئی شکار ہے۔'' اس کی استفہامیہ آواز اُبھری۔ ''یہاں سے بدری بھیجا گیا۔ اس کے بدلے میں وہاں سے سلیم آ رہا ہے...... ٹھیک ہے۔ میں اسے بتا دوں گا۔''

''شہر کی مزید کوئی سرگرمی یا خیر خبر؟'' میں نے اسکرین پر کارڈ کے گھٹتے ہوئے یونٹوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔ ''امن و امان کی کیا حالت ہے؟''

سلطان شاہ تلخی سے ہنس پڑا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ

لندن کی ہوا کھا کر تم بالکل ہی معصوم اور سادہ لوح ہو گئے ہو۔ برسوں سے امن وامان میں کوئی بہتری ہوئی ہے جو تین دنوں میں کوئی تبدیلی آ جاتی۔ سب کچھ جوں کا توں ہے، تم واپس آؤ گے تب بھی سب یوں ہی ملے گا۔''

''کسی وقت جہانگیر کی خیر خبر لے لینا۔ اسے میرے سفر کی پوری کتھا سنانے کی ضرورت نہیں۔ بس یہ کہہ دینا کہ آج کل شہر سے باہر ہوں۔ موقع ملا تو کسی وقت میں خود بھی اسے فون کر لوں گا۔''

میرا فون کارڈ خاصا مہنگا تھا۔ طویل بات ہونے کے بعد بھی کافی یونٹ بچے رہے۔ گفتگو کا موضوع بدل جانے کے بعد ویرا نے ریسیور چھین کر سلطان شاہ سے بات کرنے کی کوششیں ترک کر دی تھیں۔ میرے فون بند کرنے پر بھی اس نے کوئی شکوہ نہیں کیا۔

''میں نے صبح نو بجے ناشتا کیا تھا۔ اب دو بج رہے ہیں، کیا ارادہ ہے؟'' فون بوتھ سے ہٹتے ہی ویرا نے اپنے پرس کو فضا میں جھلاتے ہوئے بے فکری سے پوچھا۔

''آؤ، آج کوئی دیسی کھانا کھاتے ہیں۔'' یہ کہہ کر میں دوبارہ ٹیوب اسٹیشن کی طرف مڑ گیا۔

لندن میں صبح سے لے کر رات گئے تک لاکھوں لوگ بر سرِ زمین رہتے ہیں تو بلا مبالغہ لاکھوں ہی افراد ٹیوب کی زمین دوز دنیا میں ہر وقت متحرک، منتظر یا مصروفِ سفر رہتے ہیں۔

کنگز کراس سے وکٹوریہ لائن کی ٹیوب لے کر ہم آکسفورڈ سرکس پہنچ گئے۔ وہاں ساز وسامان کے ہلکے اور بھاری تھیلوں سے لدے پھندے مرد و زن دوسرے لوگوں سے زیادہ نمایاں تھے۔

میں آکسفورڈ اسٹریٹ چھوڑ کر ایک ذیلی سڑک پر گھوما تو ویرا بولے بغیر نہ رہ سکی۔ ''تم دیسی کھانے کے لیے کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟''

''کسی پاکستانی یا انڈین ہوٹل میں ہی مطلب کی چیزیں مل سکیں گی۔''

''سوچ لو۔ وہاں آنے والوں میں ان ہی قومیتوں کے لوگ ہوں گے۔ گیتا کا قصہ تازہ ترین ہے۔ ہمیں ایسی جگہوں سے گریز ہی کرنا چاہیے۔''

اس نے میری توجہ بہت اہم نکتے کی طرف مبذول کرائی تھی۔ میں نے فوراً ہی وہ ارادہ ملتوی کر دیا اور ویرا کو لے کر قریبی وِمپی ریستوران میں گھس گیا۔ فاسٹ فوڈ کو یورپ اور امریکا میں ماہرینِ صحت جنک فوڈ یا ناکارہ غذا کا نام دیتے ہیں لیکن نئی نسل کے ساتھ معمر لوگوں میں بھی ان کھانوں کی بڑھتی ہوئی مقبولیت حیران کن نظر آتی ہے۔ بیشتر بڑے شہروں میں لاکھوں کا یہ دھندا ملٹی نیشنل چین کمپنیوں کے ہاتھ میں ہے۔ جو جہاں بھی بیٹھ جائے، جم جاتا ہے اور پھر اس پر ہن برسنے لگتا ہے۔

کھانے پینے اور اس کے بعد لندن کی کوچہ نوردی کے دوران میں میں ویرا سے دنیا جہان کے موضوعات پر بات کرتا رہا لیکن میرا ذہن اسی پیچ میں اُلجھا ہوا تھا جو بدری کی آمد سے پیدا ہو رہا تھا۔

میرا اس سے ملنا ناگزیر تھا۔ ہمارے اگلے پروگرام کا انحصار اسی ملاقات پر تھا لیکن کوئی بڑا خطرہ مول لیے بغیر وہ ملاقات ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔

میں اپنے ذہن پر ہر زاویے سے زور دے رہا تھا پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک خاکہ سر اُبھارنے لگا۔ اس پر عمل کر کے کامیابی کی کوئی نہ کوئی راہ نکالی جا سکتی تھی مگر مشکل یہ تھی کہ اس لائحہ عمل میں ویرا کی موجودگی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

دوسری طرف ویرا کسی بھی طرح میرا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھی۔ وہ پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ اس نے اپنی وہ رات ماسٹر رابرٹ ہوٹل کے بجائے سینٹرل لندن میں میرے ساتھ بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ اس قدر زود رنج طبیعت کی مالک تھی کہ میرے لیے اُس سے اس موضوع پر بات کرنا دُشوار نظر آ رہا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر اپنے ذہن میں آئے ہوئے منصوبے کو ٹٹولا۔ ویرا کی گنجائش نہیں نکل سکی۔

''تم اپنے ہوٹل کب لوٹو گی؟'' کچھ دیر کے

غور وخوض کے بعد میں نے معصومیت سے پوچھا۔
''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔'' وہ تنک کر بولی۔
''میں کہہ چکی ہوں کہ واپسی کے بارے میں کل غور کروں گی، آج میں واپس نہیں جا رہی۔''
''تو کیا مجھے اپنا میزبان بنانا چاہ رہی ہو؟'' میں نے بے چارگی سے پوچھا۔
''ایسا ہو سکے تو کیا بات ہے؟'' وہ خوش ہو کر بے ساختہ بول اُٹھی۔
''کیسے ہو سکے گا؟'' میں نے مسمی آواز میں پوچھا۔
''سلیم اکبر خان بھی رائل ہوٹل میں مقیم ہے۔ وہ تم کو پہچانتا ہے۔ صبح اس کی روانگی ہے۔ وہ آج شام میرے ساتھ ضرور مل بیٹھنا چاہے گا۔''
''اس پر لعنت بھیجو۔ وہاں سے غائب ہو جاؤ۔ ہم دونوں کسی اور ہوٹل میں رات گزار لیں گے۔'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔ وہ جب بھی مجھے زچ کرنے کا فیصلہ کر لیتی تھی تو عام طور پر اسی انداز میں بے نیازی کے مظاہرے پر اُتر آتی تھی۔
''اس کے جانے سے پہلے میری اس کی ملاقات ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں اس سے کوئی کام کی بات اُگلوا سکوں۔'' میں نے زور دے کر اسے سمجھانا چاہا۔
''تم اس کے پیچھے پڑے رہے تو بدری کا کیا ہوگا؟'' اس نے میری دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''اگر وہ کل ہی یہاں سے نیویارک روانہ ہو گیا تو کیا ہوگا؟ ہم یہیں جھک مارتے رہ جائیں گے۔''
''میں اس بارے میں بھی کچھ سوچوں گا۔'' میں نے پورے خلوص سے وعدہ کیا۔
وہ رُک کر چند ثانیوں تک میری آنکھوں میں جھانکتی رہی پھر دوبارہ چلتے ہوئے بولی۔ ''تم مجھے چکمہ دے کر مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہ رہے ہو۔ اس وقت تمہارے [illegible] میں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں [illegible] تب تک تم کوئی ٹھوس سبب نہیں بتاؤ گے [illegible] تمہارے ساتھ لگی رہوں گی۔''

''سلیم اور بدری سے زیادہ ٹھوس ثبوت میں کہاں سے لاؤں؟'' میں نے بے بسی سے پوچھا۔
''سلیم اب تمہارا دردِ سر نہیں رہا۔ اول خان اس سے کھایا پیا تک اُگلوا لے گا۔ بدری کے بارے میں تم ابھی تک اگر مگر کا شکار ہو۔ میں تمہاری ان بودی باتوں کو کیسے مان سکتی ہوں۔''
''سلیم کی بتائی ہوئی کوئی بات ہمارے کام کی بھی ہو سکتی ہے۔ اس سے اول خان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ سلیم مدن موہن کے لیے کام کر رہا تھا اور وہ را کا آدمی تھا۔ را کا نیٹ ورک بہت منظم اور مربوط ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لندن میں کسی ایجنٹ نے سلیم سے رابطہ کیا ہو۔ محض تمہاری ہٹ دھرمی کی وجہ سے میں ان قوی امکانات کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔''
میرے اس نکتے میں ذرا بھی وزن نہیں تھا۔ بس ویرا سے بات کرتے ہوئے وہ دلیل برجستہ میرے ذہن میں آ گئی تھی اور میں اسے چکر دینے کے لیے بے تکان بولتا چلا گیا۔
وہ فوراً کچھ نہ بولی، سوچ میں پڑ گئی۔ شاید وہ میرے آخری فقروں کو اپنے ذہن میں تول رہی تھی۔ آخر کار وہ قائل ہو کر بولی۔ ''ٹھیک ہے میں مانے لیتی ہوں کہ سلیم سے تمہاری ملاقات سود مند ثابت ہو سکتی ہے۔''
''گڈ!'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ تم اپنے ہوٹل چلی جاؤ گی۔''
''یہ میں نے کب کہا؟'' اس نے بے رُخی سے پوچھا پھر مکا فضا میں لہرا کر بولی ''کان کھول کر آخری مرتبہ پھر سن لو کہ میں آج رات ان ہی اطراف میں کہیں بسر کروں گی۔ ابھی چل کر کسی ہوٹل میں ڈبل روم بک کراؤ۔ میں تمہیں دو تین گھنٹے کی مہلت دے دوں گی۔ سلیم سے مل کر تم [illegible] آؤ گے۔''
''پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔'' میں نے جھلا کر کہا۔ ''سلیم کے ساتھ باتوں میں دیر بھی ہو سکتی ہے۔''
''ایسی صورت میں تم دیر سے بھی آ سکتے ہو لیکن یہ

دھیان رکھنا کہ سلیم کے بہانے تم کہیں غائب ہوئے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" ویرا نے پورے سکون سے کہا۔ "تم نے رائل ہوٹل کا فون نمبر مجھے دیا ہوا ہے۔ میں وقفے وقفے سے فون کر کے تمہاری وہاں موجودگی کی تصدیق کرتی رہوں گی۔"

میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں نے بھنا کر کہا۔ "تم میرے اوپر ایسی ناروا پابندیاں نہیں لگا سکتیں۔ میں تمہارا زرخرید غلام نہیں ہوں۔ میری مرضی کہ میں سلیم سے ملوں یا کہیں اور جاؤں۔"

اس نے آنکھیں سکیڑ کر میری طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر محبت بھری مسکراہٹ مچل رہی تھی۔ اس نے ملائمت سے کہا۔ "میں بھی تو یہی کہہ رہی ہوں کہ شریف بچے کی طرح مجھے اپنے اصل ارادوں سے آگاہ کر دو۔ مجھے دھوکا دے کر تم کہاں جانا چاہ رہے ہو؟ کیا لندن میں بھی تمہیں گھر بار والی کوئی نادرہ مل گئی ہے؟"

نادرہ کے نام پر میں بھڑک اُٹھا۔ خود پُرسکون رہ کر وہ اپنی زہریلی باتوں سے میری ہڈیاں تک سلگائے دے رہی تھی "تم نے نادرہ کا نام کیوں لیا؟ اس وقت اس کی کیا تک تھی؟"

"نام نہیں، میرے لیے وہ ایک علامت ہے۔ تم پر خود سے ریجھنے والی احمق عورتوں کی علامت۔ آج میری بات لکھ لو کہ تم اپنے کسی چالاک دشمن کے ہاتھوں نہیں، کسی بے وقوف محبوبہ کے ہاتھوں مارے جاؤ گے۔"

"یہ تم جیسی چالاک اور مکار لومڑی کہہ رہی ہے۔" میں نے زہر خند کے ساتھ کہا۔ "ایک طرف تم سلطان شاہ سے عشق کی پینگیں بڑھا رہی ہو اور یہاں میرے ساتھ شب بسری پر مصر ہو۔ تمہیں اپنی ان حرکتوں پر شرم نہیں آتی؟ آخر تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟"

موقع ملتے ہی میں نے بدترین الفاظ میں اس کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔

"اس وقت تم گالیاں دے کر اور تھپڑ مار کر بھی مجھے غصہ نہیں دلا سکو گے۔" ویرا نے ڈھٹائی سے کہا۔ وہ بدستور مسکرائے جا رہی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس وقت تم لڑ کر مجھ سے الگ بھی ہونا چاہو گے تو میں چند قدم پیچھے رہ کر قبر تک تمہارا تعاقب کروں گی۔ میں دیکھتی ہوں کہ آج تم مجھ سے بچ کر کہاں جاتے ہو۔ نجات کا ایک ہی راستہ ہے کہ مجھے اپنے اصل پروگرام سے آگاہ کر دو۔"

ویرا اس وقت اپنے اصل اور پرانے روپ میں واپس آ چکی تھی۔ اس نے خود ہی واضح کر دیا تھا کہ میری کوئی مصلحت آمیز اشتعال انگیزی بھی اُسے اُس کی راہ سے نہیں ہٹا سکے گی۔ میں نے باعزت انداز میں ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے سلطان شاہ والی بات کا جواب گول کر دیا۔"

"اس کا جواب تم خود جانتے ہو۔ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ میرے نزدیک وہ ماں کے پروں کے نیچے سے نکل کر گھونسلے سے گرا ہوا چڑیا کا ایک ننھا سا بچہ ہے۔ میں اسے دونوں ہاتھوں میں سمیٹ کر واپس اس کی جگہ پہنچانے کی کوشش کرتی ہوں تو وہ خوف زدہ ہو کر چیخنا چلانا شروع کر دیتا ہے۔ اس جیسے خوف زدہ چوزے کو صرف پیار کیا جا سکتا ہے۔ اس سے عشق کی گھاتیں کون لڑائے گا۔"

"اور اس ناچیز کے بارے میں کیا کہتی ہو؟" میں نے تلخی سے پوچھا۔

"ناچیز نہیں، تم تو چیز ہو۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ تمہیں یوں ہی سالم روسٹ کر کے کسی بڑے ڈیپ فریزر میں محفوظ کر لوں اور پھر ساری عمر تمہارے پارچے تل تل کر لطف اندوز ہوتی رہوں۔ غزالہ خوش نصیب ہے کہ اسے تم جیسا ساتھی ملا ہے۔"

"تمہارے الفاظ سے ایذا رسانی کی بو آ رہی ہے۔ تم تو نادرہ سے بھی بدتر ہو۔"

"ہاتھ آئی ہوئی ہر چیز ہاتھ سے نکل جانے والی چیز سے بدتر معلوم ہوتی ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ اب بھاگنے کے بارے میں کیا ارادہ ہے؟"

''میرا کسی وقت بھی بھاگنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ تم بلاوجہ اپنی باتوں سے مجھے تاؤ دلا رہی تھیں۔''

''تو پھر چلو۔ کسی اچھے ہوٹل میں کمرا بک کرا لیتے ہیں۔'' اس بار وہ خوش ہوگئی۔

''کمرا بک کرانے کے بعد ساڑھے چار پانچ بجے تک میں سلیم کی طرف نکل جاؤں گا۔''

''تو کیا تم سلیم سے ملاقات کے بارے میں اسی قدر سنجیدہ ہو؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''میں تم سے مذاق نہیں کر رہا تھا۔ وہ بے چینی سے میرا انتظار کرے گا۔''

''تم وہاں سے غائب نہیں ہوگے!'' اس نے تصدیق طلب لہجے میں کہا۔

''فون کر کے چیک کرتی رہنا۔ سلیم ہی کہیں لے گیا تو مجبوری ہوگی۔''

وہ منہ سے کچھ نہ بولی لیکن اس کی آنکھوں میں شکوک و شبہات کے سائے لرزاں تھے۔ میں نے غصے پر قابو پا کر آخر کار اسے قدرے اعصابی تناؤ میں مبتلا کر دیا تھا۔

اس وقت ہم آکسفورڈ اسٹریٹ کے متوازی چلنے والی ایک بڑی سڑک پر تھے۔ وہاں سے ہم نے ہوٹل کی تلاش کی مہم کا آغاز کیا اور پھر ایک بڑے پارک کے قریب واقع ہوٹل میں جملہ سہولتوں سے آراستہ کمرا حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

ہمارے ساتھ کوئی ساز و سامان نہ دیکھ کر ہوٹل کے بکنگ کلرک کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی ان اطراف کی گلیوں اور بازاروں میں عارضی طور پر بننے والے جوڑوں کی میزبانی شاید اس کے روزمرہ فرائض میں شامل تھی۔ اس نے ایک رات کا پیشگی کرایہ لے کر چابی ہمیں تھما دی۔

مسز رینالڈ نے رائل ہوٹل میں سرکاری سراغ رسانوں کی غیر متوقع آمد کی وجہ سے مجھے سویرے ہی ہوٹل سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت سے میں مسلسل چل رہا تھا۔ آرام دہ اور صاف ستھرا بستر سامنے آتے ہی میں جوتوں سمیت وہیں دراز ہوگیا۔

ویرا میری مزاج آشنا تھی۔ شاید اس نے میری آنکھوں میں تکان کے آثار پڑھ لیے تھے اور کسی شکر مشرقی دوشیزہ کی طرح اپنی مخروطی انگلیاں ہولے ہولے میرے بالوں میں پھیرنے لگی۔

میرے وجود میں سرور کی لذت انگیز لہریں سی سرایت کرنے لگیں اور میں نے آنکھیں موند لیں۔

میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا کہ وہ سرور کب گہری نیند میں تبدیل ہوگیا۔ دوبارہ میری آنکھ اسی وقت کھلی جب ویرا نے مجھے جھنجوڑ کر بیدار کیا۔

میں نے غنودہ آنکھوں سے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور اُچھل کر بستر سے نیچے آگیا۔ گھڑی کی سوئیاں شام کے آٹھ بجا رہی تھیں اور ویرا اپنے ہونٹوں پر دل آویز مسکراہٹ بکھیرے پوری تیاری کے ساتھ میرے سامنے کھڑی تھی۔

''تمہیں معلوم تھا کہ مجھے سلیم کے پاس جانا ہے پھر تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا؟'' میں نے غصے سے پوچھا۔

''پتا نہیں رائل ہوٹل میں تم نے رات بھر کون سی مشقت کی تھی کہ اس وقت گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے تھے۔'' اس نے ترکی بہ ترکی تیزی سے جواب دیا۔ ''تم میری چوتھی کوشش میں بیدار ہوئے ہو۔''

''بدری کو بھی چھ بجے پہنچنا تھا۔ کام کا سارا وقت غارت ہوگیا۔''

''بدری کے جہاز کو چھ بجے انڈین ہائی کمیشن پر نہیں بلکہ ہیتھرو ائرپورٹ پر لینڈ کرنا تھا۔ امیگریشن اور کسٹم سے فارغ ہو کر اتنی دور آنے میں وقت لگتا ہے۔ اس سے کوئی رابطہ کرنے کا ارادہ ہے تو یہی وقت موزوں ہے مگر اس سے رابطہ کیسے ہوگا؟''

میں اس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر غسل خانے میں گھس گیا۔

تازہ دم ہونے کے بعد میں باہر آیا تو دیوار گیر ہینگر

سے لٹکا ہوا رنگین ٹیلی ویژن چل رہا تھا۔ اس پر دُہرے قتل کی واردات پر شہریوں کا ردِعمل جاننے کے لیے کیا جانے والا ایک سروے دکھایا جا رہا تھا۔

سلیم رائل ہوٹل میں مقیم تھا۔ اس تک پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی تھی کیونکہ میں خود بھی اسی ہوٹل کا مکین تھا لیکن بدری ناتھ کا معاملہ مختلف تھا۔ میرے پاس اس کا دیا ہوا صرف ایک فون نمبر تھا جو انڈین ہائی کمیشن کے ٹریڈ سیکشن کا تھا جو مقررہ دفتری اوقات کے بعد بے مقصد ثابت ہوسکتا تھا۔ میرا پچھلا تجربہ اس بات کا جواز تھا کہ اس نمبر پر دفتری اوقات کے بعد بھی کوئی نہ کوئی موجود رہتا ہے مگر ایسے وقت پر بدری ناتھ کا وہاں موجود ہونا خارج از امکان تھا۔

یہ بات یقینی تھی کہ بدری اور رمیش کی رہائش کا بندوبست ہائی کمیشن کے کسی ملازم کے گھر پر یا ہوٹل میں کیا جاتا اور میرے پاس وہاں کا کوئی حوالہ موجود نہیں تھا۔

لندن میں اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ انڈین حکام فون پر آنے والی کالز کی مانیٹرنگ کرسکیں مگر یہ اندیشہ بہرحال موجود تھا کہ گیتا کے قتل کی واردات کے بعد اسکاٹ لینڈ یارڈ یا کسی دوسرے مقامی ادارے کے اہل کار انڈین ہائی کمیشن میں آنے والی کالز ریکارڈ کر رہے ہوں۔

اس خطرے کی بنا پر میں اس کمرے سے براہ راست فون کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے اس کام کے لیے ابتدا سے ہی کوئی پبلک بوتھ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اپنا حلیہ درست کرنے کے بعد میں نے ویرا سے رائل ہوٹل جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو اسے بدری ناتھ کی فکر لاحق ہوگئی۔ میں نے اس بارے میں کسی نتیجے پر نہ پہنچنے کا عذر پیش کیا اور کمرے سے نکل گیا۔

کاؤنٹر سے ہوٹل کا کارڈ لے کر میں تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ مجھے ایک فون بوتھ مل گیا۔ اتفاق سے وہ کارڈ فون ہی تھا۔ ریزگاری کی تلاش میں اپنی جیبیں ٹٹولنے کی زحمت سے بچ کر میں نے فون کارڈ کی مدد سے بدری ناتھ کا دیا ہوا نمبر ملایا تو پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اُٹھا لیا گیا۔

''انڈین ہائی کمیشن ٹریڈ سیکشن' میں تمہاری کیا مدد کرسکتی ہوں؟'' انگریزی میں سوال کیا گیا۔ وہ آواز سن کر میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ میں نے آواز پہچان لی۔ وہ وہی تھی جس سے مذکرات کے بعد گیتا میری دلجوئی کے لیے پہنچی تھی۔

جس طرح میں نے وہ نسوانی آواز پہچان لی تھی اسی طرح وہ عورت بھی گیتا کو طلب کرنے والے کی آواز پہچان سکتی تھی۔ وہ ایک سنگین مرحلہ تھا۔

''کیتھی!'' میں نے اپنی آواز بدل کر ذرا تیزی سے کہا۔ اس وقت میرا دل یک بہ یک کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ پہلے کی طرح اس بار بھی میری کوئی شناخت طلب نہ کر بیٹھے۔

''میں بدری ناتھ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''سوری سر! وہ آچکا ہے لیکن اس وقت یہاں نہیں ہے۔'' اس کا جواب سن کر میری جان میں جان آگئی۔ اس بار میں نے کوئی مطالبہ کرنے کے بجائے ایک سادہ سی خواہش کا اظہار کیا تھا اس لیے جواب دینے سے پہلے میری شناخت کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔

''اس سے رابطے کے لیے تمہیں دوسرا نمبر ملانا ہوگا۔'' نسوانی آواز نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''ایک منٹ میں قلم لے لوں۔'' میں نے اپنے دل کی بڑھتی ہوئی دھڑکنوں میں کہا۔

لمحہ بھر کے بعد اس نے ایک نمبر بتا دیا جو میں نے سگریٹ کے پیکٹ پر نوٹ کرلیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''اسے اسی نمبر پر ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ مسٹر سری نواسن کا گھر ہے۔''

میں نے شکریہ ادا کرکے فون بند کردیا۔

لندن میں صورتِ حال بگڑنے کے بعد میرے

لیے بدری ناتھ سے رابطہ کرنا ایک بڑا اور دقت طلب مسئلہ نظر آرہا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری وہ مشکل اتنی آسانی سے حل ہو جائے گی۔

بوتھ سے نکل کر میں چند ثانیوں تک کچھ سوچتا رہا۔ سری نواسن کے گھر کا نمبر مل جانے کے بعد میں بے خوف ہو کر بدری ناتھ سے بات کر سکتا تھا۔ اس کے لیے رائل ہوٹل کسی طرح مناسب نہیں تھا کیونکہ وہاں کا اکلوتا فون کھلی راہداری میں رکھا رہتا تھا اور پھر وہاں سلیم اکبر خان کے روپ میں ایک ایسا شخص موجود تھا جو اُردو کا ایک ایک لفظ بخوبی جانتا تھا۔

میں واپس اسی ہوٹل کی طرف ہو لیا جہاں ویرا اکیلی تھی۔ کمرے کے دروازے پر میری دستک کا جواب قدرے تاخیر سے آیا۔ میری آواز سنتے ہی ویرا نے بولٹ گرا کر دروازہ کھول دیا۔ چند منٹ بعد ہی مجھے دوبارہ موجود پا کر اس کی آنکھوں میں خوش گوار حیرت تیرنے لگی تھی۔ اس نے ہاتھ پکڑ کر مجھے اندر کھینچ لیا۔

''اس وقت جو کامیابی ہوئی ہے اس کی بنا پر میں نے آج کے جھگڑے سمیت تمہاری ہر خطا معاف کر دی ہے۔'' میں نے دروازہ بند کر کے خوشی سے سرشار لہجے میں کہا۔

''اپنی خبر سناؤ پھر میں بھی تمہیں ایک خوش خبری سناؤں گی۔'' ''لڑکے کی یا لڑکی کی؟'' میں اس سے بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

اس نے میرے سینے پر دو ہتڑ چلائے اور غرائی۔

''ڈینی! تم سے خدا سمجھے......''

ڈینی نہیں اسلم۔'' میں نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اُس کی بات کاٹتے ہوئے تصحیح کی۔ ''یہ بات طے ہو چکی ہے کہ ہم نیند میں بھی ایک دوسرے کے اصل نام نہیں لیں گے۔''

''میری کلائیاں چھوڑ دو۔ ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔'' ویرا نے احتجاج کیا۔

''یہ دست درازی کی سزا ہے آئندہ مذاق میں بھی ہاتھ نہ اُٹھانا۔'' میں نے پوری قوت سے اس کی کلائیاں اپنی سخت مٹھیوں میں بھینچ کر چھوڑ دیں۔

وہ بلبلا کر اپنے قدموں پر لہرائی پھر کلائیوں پر پھونکیں مارنے لگی۔ اس کی گوری جلد پر میری بھری بھری اُنگلیوں کے سرخ حلقے اُبھر آئے تھے۔

''بدری ناتھ کسی کے گھر ٹھہرا ہوا ہے۔'' میں نے اس کے سوال کا انتظار کیے بغیر بتایا۔ ''اور مجھے اس گھر کا فون نمبر مل گیا ہے۔ میں یہیں سے اُس سے بات کروں گا۔''

''یہ کیسے ممکن ہوا؟'' اس اچھی خبر پر وہ اپنی کلائیوں کی تکلیف بھول گئی۔

میں نے اسے اپنی کامیابی کی مختصر سی کہانی جزئیات سمیت سنا دی۔

''یہ بات اب ہر شک وشبہے سے بالا ہے کہ وہ لوگ ٹریڈ سیکشن کی آڑ میں خفیہ سرگرمیاں چلا رہے ہیں اور کیتھی والے فون نمبر پر ہر وقت کوئی نہ کوئی موجود رہتا ہے۔'' وہ بولی۔

''یہ بتاؤ کہ تم کون سی خوش خبری سنانے والی تھیں؟'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''میری اطلاع کا ذریعہ ٹیلی ویژن ہے۔ ایک پرائیوٹ چینل نے یہ خبر نشر کی ہے کہ شام کے سوا سات بجے لندن پولیس کے اسپیشل اسکواڈ نے ماسٹر رابرٹ ہوٹل سے دو ایسے مشتبہ ایشیائیوں کو پکڑا ہے جو ائیر پورٹ سے نکلنے والے دو مسافروں کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں گھسے تھے۔ دونوں مسلح تھے اور بظاہر بھارتی معلوم ہوتے ہیں۔''

''اوہ۔ یہ تو بہت اہم خبر ہے۔ اگر یہ پرائیویٹ چینل کی خبر ہے تو انہوں نے خبر کا ذریعہ کیا بتایا ہے؟''

''انہوں نے کسی فری لانس رپورٹر سے یہ خبر خریدی ہے۔ وہ رپورٹر ائیر پورٹ پر آج ہی نظر آنے والے اسپیشل اسکواڈ کی سرگرمیوں کے بارے میں مواد جمع کرنے میں لگا ہوا تھا۔''

''اور مسافر کون تھے؟'' میں نے متجسس لہجے میں

سوال کیا۔ ''رپورٹر اکیلا تھا۔ وہ ماسٹر رابرٹ ہوٹل پر ہونے والی کارروائی کی کوریج کرتا رہا۔ پولیس والے ملزموں کی تحویل سے ہتھیار برآمد ہونے پر وہیں رکے رہے۔ وہ دونوں مسافر ملزموں کی گرفتاری سے پہلے اپنی ٹیکسی میں اے فور پر شہر روانہ ہو گئے۔ ملزموں کو دوبارہ گاڑی میں سوار ہوتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔''

''اے فور......؟ یہ تو شاید وہی شاہراہ ہے جس پر ماسٹر رابرٹ واقع ہے۔''

''ہاں اس بارے میں پولیس کی طرف سے ابھی تک کوئی پریس ریلیز جاری نہیں کیا گیا' اس خبر کے لیک ہونے کا سہرا رپورٹر اور پرائیوٹ چینل کے سر ہے۔''

''یہ بہت اہم واقعہ ہے۔ مجھے اس کا تعلق بدری ناتھ کی آمد سے معلوم ہو رہا ہے۔ بس ایک بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ وہ رمیش اگروال کو اپنے ساتھ وہاں کیوں لے گیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''اب تمہیں بدری کا نمبر مل ہی گیا ہے تو اسے فون کر ڈالو بات صاف ہو جائے گی۔''

ویرا کا مشورہ صائب تھا۔ میں نے فوراً ہی فون سنبھال لیا۔ میں نے آپریٹر کی مدد کے بغیر براہ راست لائن لے کر کیتھی سے ملا ہوا نمبر ملانا شروع کر دیا۔

''یس! سری نواسن اسپیکنگ!'' دوسری طرف سے دیسی لب و لہجے اور بھاری آواز میں کہا گیا۔

''میرا نام گرنام ہے۔ میں بدری سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے انگریزی میں کہا۔

''ہولڈ آن۔ میں دیکھتا ہوں'' ریسیور کہیں رکھ دیا گیا۔

چند ثانیوں بعد ریسیور میں بدری کی آواز اُبھری تو میں نے اپنے بارے میں بتایا ''میں گرنام یا پرنام نہیں، علی شیر بول رہا ہوں۔''

''بھگوان کا شکر ہے کہ تمہارا سراغ ملا ورنہ میں تو مایوس ہو گیا تھا۔'' میری آواز سن کر بدری ناتھ نے تشکر کا ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

''تم کو یقین ہے کہ ہماری گفتگو کے لیے یہ فون محفوظ ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''کھل کر اور بے فکر ہو کر بات کرو۔ اس وقت میں اکیلا ہوں۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ سری نواسن کو اپنا فرضی نام بتایا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم یہاں فون کرو گے۔''

''رمیش اس وقت کہاں ہے؟'' میں بات شروع کرنے سے پہلے اپنا پورا اطمینان کرنا چاہ رہا تھا۔

''سری نواسن نے تمہارا پیغام دیا تو ہم دونوں بیڈ روم میں تھے۔ اب سری نواسن اس کے ساتھ بیٹھا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ شام ہوتے ہی وہ پینے کے لیے بے چین ہو جاتا ہے۔''

''مگر یہاں شام بہت دیر سے ہوتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب کیا پروگرام ہے۔''

''پروگرام سے پہلے تم نے مجھے مایوس کر دیا تھا۔ میں نے تمہارے ہوٹل فون کیا تو مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ تم وہاں کس نام سے ٹھہرے ہوئے۔ یہ تمہاری کیا حرکت تھی؟''

''بس چوک ہو گئی لیکن تمہیں ماسٹر رابرٹ ہوٹل آنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ رمیش بھی تمہارے ساتھ تھا؟'' میں نے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کے بجائے اس سے جواب طلب کر لیا۔

''میرا خیال تھا کہ ہوٹل میں تم سے ٹکراؤ ہو ہی جائے گا۔ تم نے مجھے دیکھ لیا تھا تو رابطہ کیوں نہیں کیا؟ ہوٹل میں تو میں اکیلا آیا تھا۔ رمیش باہر ٹیکسی میں ہی تھا....'' وہ وضاحتیں پیش کرنے لگا۔

''میرے دیکھنے کا سوال بعد میں پیدا ہوتا ہے۔ اس وقت پورے لندن کو معلوم ہو چکا ہے کہ تم وہاں گئے تھے اور تم دونوں کا تعاقب کیا جا رہا تھا۔''

''اس قصے کے بارے میں مجھے بتایا جا چکا ہے۔'' میری توقع کے برعکس اس نے اُداس لہجے میں کہا ''وہ دونوں ہماری حفاظت کے لیے ہمارے پیچھے آ رہے

تھے۔ ہمارے نکلنے کے بعد لندن پولیس نے انہیں ہوٹل کے باہر ہی دھر لیا۔ اب ان کی رہائی کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔"

"حیرت ہے کہ تم جیسے... تجربے کار آدمی نے اس کہانی پر یقین کر لیا۔ وہ پکڑے گئے تو تمہیں مطمئن کرنے کے لیے حفاظت کی مفروضہ کہانی سنا دی گئی ورنہ درحقیقت وہ تمہاری خفیہ نگرانی پر مامور کیے گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نک موڈلے کی نظروں میں اپنا اعتبار کھو چکے ہو۔"

"وہاں کچھ تلخیاں ضرور پیدا ہوئی تھیں مگر وہ اتنی دور رس نہیں تھیں۔ میرا خیال ہے کہ اس بارے میں تمہیں کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہاں سب میرے ساتھی ہیں۔ میں نہیں مان سکتا کہ یہاں میرے خلاف فضا ہموار کی جا رہی ہو گی۔"

"یہ نہ بھولو کہ رمیش اگروال بھی تمہارا ساتھی بلکہ دوست ہے اور آج تمہیں نیچا دکھانے پر تلا ہوا ہے۔ یہ میری کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔ یہ سب باتیں ایک پرائیویٹ ٹیلی وژن سے نشر ہو چکی ہیں۔"

"ٹیلی وژن!" اس انکشاف نے شاید اسے بھونچکا کر دیا۔

"اس بارے میں کسی نے مجھ سے کوئی ذکر نہیں کیا۔ یہ تو تھوڑی دیر پہلے کا واقعہ ہے۔ ٹیلی ویژن والے وہاں کب پہنچ گئے؟"

"یہ مسابقت کی دنیا ہے۔ ذرا سی دیر پہلے ایک رپورٹر کے ذریعے یہ خبر آئی ہے۔ میں تمہیں وارننگ دے رہا ہوں کہ اس وقت تم تلوار کی دھار پر ہو۔ آگے پیچھے سے چوکنے نہ رہے تو بے موت مارے جاؤ گے۔"

"تم مجھے اپنا نام اور کمرا نمبر بتاؤ۔ میں جلد از جلد تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

نہیں بدری۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم اپنے پیچھے لگا کر کسی اجرتی قاتل کو میرے دروازے تک لے آؤ۔ آج کے واقعے کے بعد میں نے ماسٹر رابرٹ کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ اب میں اپنے لیے کوئی محفوظ ٹھکانا ڈھونڈوں گا۔ میری اور تمہاری ملاقات اسی وقت ہو سکے گی جب حفاظت اور نگرانی کا فرق سمجھ لو گے۔"

"یہ مت سمجھو کہ میں نے تمہارے مخلصانہ مشورے کو نظر انداز کر دیا ہے۔ میں کسی بھی حیلے بہانے سے نکل کر ضرور دیکھوں گا کہ کون مجھ پر نگاہ رکھ رہا ہے ہماری ملاقات ضروری ہے۔ مجھے تم سے کچھ اور مشورے کرنے ہیں' وہ باتیں دو بدو ہی ہو سکتی ہیں۔"

"اگر اس فون کو محفوظ سمجھتے ہو تو وہ باتیں اسی وقت دہرا ڈالو تا کہ ملاقات سے پہلے مجھے ان پر سوچنے کا موقع مل سکے۔ جب تک میں کہیں ٹک نہیں جاتا' ہماری ملاقات نہیں ہو سکتی۔"

قدرے توقف کے بعد ریسیور پر اس کی دھیمی آواز اُبھری۔ "کل گیتا اور جیمز پنڈت کے دُہرے قتل کی واردات ہوئی ہے۔ اس نے پورے ہائی کمیشن کے عملے کو دہشت زدہ کر دیا ہے۔ کہیں اس میں تمہارا کوئی دخل تو نہیں تھا؟"

"ابھی میں اتنے بڑے بڑے کاموں میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔" میں نے کوئی بھی ذمہ داری لینے سے صاف انکار کر دیا "تھوڑے دنوں بعد ان پر بھی ہاتھ رواں ہو جائے گا۔"

"خبریں مل رہی ہیں کہ کراچی میں ڈینی اچانک زمین چلا گیا ہے۔" وہ اسی رازدارانہ لہجے میں بولا تھا۔ "ان لوگوں میں ہراس پھیلا ہوا ہے کہ کہیں وہ خونی درندہ لندن نہ پہنچ گیا ہو۔"

"میں ڈینی کے بارے میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں" میں نے بے چارگی سے کہا۔

"اگر وہ لندن میں ہے تو اسے تلاش کرو۔ وہ ہمارے کام کا آدمی ہے۔ کل گیتا ماری گئی ہے۔ آج پانچ افسروں نے چھٹی پر انڈیا جانے کی درخواستیں جمع کرا دی ہیں۔"

"وہ کہیں مل گیا تو ضرور اس سے بات کروں گا۔ لندن میں کب تک ٹھہرو گے؟"

''اگلے احکام تک!'' اس کی آواز سے مایوسی مترشح تھی۔ ''تم نے مجھے اُلجھا دیا ہے۔ تمہاری باتوں میں وزن ہے۔ اگر مجھے امریکا بھیجنے سے پہلے نگرانی کے لیے یہاں روکا گیا ہے تو میری زندگی سخت خطرے میں ہے۔ میرا ہی کوئی ساتھی میرا گلا کاٹ دے گا تو دنیا یہی سمجھے گی کہ یہ بھی جیمز پنڈت اور گیتا کے جنونی قاتل کی حرکت ہے۔ مجھے لندن آئے دو گھنٹے بھی نہیں ہوئے مگر میری کھوپڑی ابھی سے ہل گئی ہے۔''

''اب تمہارا دماغ صحیح سمت میں کام کر رہا ہے۔ کراچی میں رمیش تمہارے رحم و کرم پر تھا۔ تمہارے سوا کسی اور سے اس کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ یہاں اسے ہر ایک سے اپنے دل کا غبار نکالنے کی آزادی حاصل ہوگی۔ ممکن ہے کہ کراچی کی خفیہ کہانیاں سینہ بہ سینہ سفر کرتی ہوئی تک موڈلے کے کانوں تک پہنچ جائیں۔ ایسی صورت میں تمہارا کیا بنے گا؟''

''میں آج ہی سری نواسن اور دوسرے دوستوں سے بات کروں گا۔'' بدری ناتھ کی آواز میں اضطرابی کیفیت نمایاں ہونے لگی۔ ''اگر مجھے غیر معینہ مدت کے لیے لندن میں روک لیا گیا ہے تو میں تمہیں گرین سگنل دے دوں گا۔ تم اپنی سہولت کے مطابق رمیش کا کام تمام کر دینا۔''

''تم شہر کے کس علاقے میں ٹھہرے ہوئے ہو؟'' اسے جان کے خوف میں مبتلا کر دینے کے بعد میں نے پوچھا۔

''یہ ساؤتھ آل کا وہی علاقہ ہے جہاں کل دہرا قتل ہوا تھا۔ ہر طرف خوف و ہراس کا راج ہے۔ لوگ بتا رہے ہیں کہ آج دن بھر بازار سنسان پڑے ہوئے تھے۔ ہر شخص اپنے گھر میں دبکا ریڈیو یا ٹی وی سے لگا بیٹھا ہے۔''

''اور تم ٹیلی وژن کی تازہ ترین خبروں تک سے بے خبر ہو؟'' میں نے تعجب ظاہر کیا۔

''ہم سری نواسن کے مہمان ہیں۔ ہمیں ساری سہولتیں حاصل ہیں مگر کمرے میں فون اور ٹی وی نہیں ہے۔ ویسے بھی ابھی ہم نے لندن آ کر سانس تک نہیں لی ہے۔''

''تو اب تم اسی کے ساتھ رہو گے؟'' میں نے اپنی تسلی کے لیے پوچھا۔

''جب تک لندن میں ہوں، اسی کے ساتھ رہوں گا۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں اس کے گھر ٹھہرا ہوں؟'' اہم ترین نکتہ اسے بہت تاخیر سے سوجھا تھا۔

''تم ماسٹر رابرٹ ہوٹل سے چلے گئے اور وہاں گرفتاریوں کا ڈراما شروع ہو گیا تو میں نے ہوٹل چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے وہاں سے نکلنے کے بعد تمہارا مجھ تک پہنچنا ناممکن تھا۔ میں نے کیتھی والے فون پر رابطہ کیا تو اس نے مجھے سری نواسن کا نمبر دے دیا۔''

''اوہ...... تم بہت چالاک ہو۔'' دھیمی ہنسی کے ساتھ آواز آئی۔ ''اس نمبر پر بارہ بارہ گھنٹے کے لیے ہمیشہ مادھو اور بیلا کی ڈیوٹی رہتی ہے۔ مادھو ذرا خود غرض انسان ہے مگر بیلا میرے اعتماد کی لڑکی ہے۔ کسی کو پتا بھی نہیں چل سکے گا کہ تم نے اس سے میرا فون نمبر لیا تھا۔ تم نے اسے اپنا کیا نام بتایا تھا؟''

''اس نے کچھ پوچھے بغیر نمبر دے دیا تھا۔ نام کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔''

''ایک اہم ترین راز یہ ہے کہ کل گیتا کو بھی کسی نے فون کر کے ہی بلایا تھا۔ اس نے بیلا کو فون کر کے پہلے مس کیتھی کہا، نیا آدمی اس کوڈ سے عموماً دھوکا کھا جاتا ہے۔ بعد میں اس نے کیتھی کہا تو بیلا ہوشیار ہو چکی تھی۔ وہ خود کو انڈین ایجنٹ بتا رہا تھا۔ شبہے کی وجہ سے کسی کال گرل کے بجائے گیتا کو اس سے ملنے کے لیے بھیجا گیا۔ وہ بہت تجربہ کار عورت تھی۔ جیمز پنڈت اس کی مدد کے لیے بھیجا گیا تھا مگر افسوس کہ وہ دونوں مارے گئے۔ یہی کام تمہارے ہاتھ سے ہوا ہوتا تو مجھے ذرا بھی قلق نہ ہوتا۔''

''اگر تمہارا کوڈ کسی اجنبی کے علم میں آ گیا ہے تو یہ بات خطرناک ہے۔''

''ایک آدھ روز میں اسے بدل دیا جائے گا۔ اپنا

ن نمبر ہی بتادو تا کہ میں تمہیں نئے کوڈ سے بروقت آگاہ
ر سکوں۔ مجھے تمہارے کسی نہ کسی رابطے کا علم تو ہونا
ہیے۔"

"ابھی کوئی ٹھکانا ہی نہیں ہے تو فون نمبر کیا دوں؟ یہ
ال میں پبلک بوتھ سے کر رہا ہوں۔"

"پتا نہیں لندن میں کون سا آسیب اُتر آیا ہے کہ ہر
فص اپنی موت سے خوف زدہ ہے۔" خود کلامی کے انداز
یں اس کی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔ "ہائی کمیشن والے
راساں ہیں، تمہیں اپنی سلامتی خطرے میں محسوس ہو رہی
ہے اور تمہاری باتیں سننے کے بعد مجھے تو تلوار اپنی شہ رگ
کے قریب نظر آنے لگی ہے۔ آج صبح میں کراچی جیسے
طرناک شہر میں بھی اتنا خوف زدہ نہیں تھا۔"

"تم دونوں کس کس نام سے لندن میں داخل
وئے ہو؟" میں نے اچانک پوچھ لیا۔

"ہمیں اصل ناموں سے انڈین پاسپورٹ ملے
تھے جن پر پاکستانی ویزے کے ساتھ چار دن پہلے کراچی
ئیر پورٹ کی امیگریشن کی مہریں بھی لگی ہوئی تھیں۔"

"اب میں کل کسی وقت تمہیں فون کروں گا۔ مجھے
اُمید ہے کہ اس وقت تک حفاظت اور نگرانی کا فرق تمہاری
سمجھ میں آچکا ہوگا۔"

"میں انتظار کروں گا۔" اس نے کہا اور میں نے
فون بند کر دیا۔

"میں نے تمہاری ساری مکاریاں سن لی ہیں مگر وہ
کیا کہہ رہا تھا؟ ڈینی کا ذکر کیسے آگیا؟" ریسیور کریڈل پر
جاتے ہی ویرا کسی محتسب کی طرح میرے سر پر سوار
ہوگئی۔

"گیتا اور جیمز پنڈت کے قتل سے انہیں شبہ ہو رہا
ہے کہ ڈینی کسی بدروح کی طرح ی... س آیا ہے۔"

"تم اتنے خون آشام بھی نہیں ہو کہ لوگ یوں تمہارا
نام لیتے پھریں۔" وہ منہ بنا کے بولی۔

"یہ میرے نہیں بلکہ بدری اور اس کے دوستوں
کے الفاظ تھے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ملا سرکار کے قصے میں تمہارے ہاتھوں مار کھانے
کے بعد ان پر تمہارا ہوا بیٹھ گیا ہے اور اب مدن موہن کے
اغوا کو بھی تمہارے کھاتے میں ڈالا جا رہا ہوگا۔"

"بدری ناتھ کو اب بھی یقین ہے کہ مدن موہن مجھ
سے ملنے کے بعد کہیں فرار ہو چکا ہے۔" میں نے ایک
جاندار قہقہہ لگا کر کہا "یہ لوگ کتنے احمق ہیں کہ اپنے
بدترین دشمن کی پناہ میں رہ کر دن رات اسی کے خوف میں
مبتلا تھے اور اب بھی مجھ پر اعتماد کرتے چلے آ رہے ہیں۔"

"لوگوں کی بات نہ کرو۔ یہ کیفیت صرف بدری
ناتھ کی ہے۔ وہ تمہارے ٹرانس میں آیا ہوا ہے۔ تم نے
اس کی کمزوری اور رنک موڈلے کے خلاف نفرت کا بھرپور
فائدہ اُٹھایا ہے۔ اسے برے انجام سے بچائے رکھنا
تمہاری ذمے داری ہے۔ وہ مارا گیا تو تمہاری گاڑی بھی
ٹھپ ہو کر رہ جائے گی۔"

"برا وقت کسی کو للکار کر نہیں آتا اور جب آ ہی جاتا
ہے تو اسے کوئی طرم خان بھی نہیں ٹال سکتا۔ بدری ناتھ خود
ہوش کے ناخن نہیں لے گا تو لندن ہی میں مار دیا جائے
گا۔"

"یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ مجھے اس کی
پوری کہانی سناؤ۔"

"سب وہی پرانی باتیں ہیں۔ نئی بات صرف یہ
ہے کہ اس کی نگرانی کرنے والے پولیس کے ہتھے چڑھ
گئے تو بدری سے یہ کہہ دیا گیا کہ وہ اس کے محافظ تھے۔
اسے یہ بتانے کی ضرورت بھی یوں پیش آئی ہوگی کہ تازہ
واردات کے پس منظر میں یہ خبر کل کے اخبارات میں نمایاں
جگہ پائے گی۔"

"ٹالنے کی کوشش مت کرو۔ شروع سے پوری بات
بتاؤ۔ ائیر پورٹ سے وہ سیدھا ماسٹر رابرٹ ہوٹل کیسے پہنچ
گیا اور اب اس کے کیا ارادے ہیں۔"

"میں واپس آ کر ساری رات یہ قصہ سناتا رہوں
گا۔ اس وقت مجھے جانے دو۔ میں سلیم اکبر سے مل کر جلد
از جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔" اس وقت تک

میرے ذہن میں سلیم کے بارے میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ میں نے ابتدا میں ویرا سے دور رہنے کے لیے ایک بہانے کے طور پر اس کا نام لیا تھا۔ اس حیلے کو نبھانے کے لیے میرا ہوٹل سے جانا ضروری تھا۔

پہلی بار میں ہوٹل سے نکل کر چند ہی منٹ میں لوٹ آیا تھا اس لیے ویرا نے ضد کرنے کے بجائے مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ ہوٹل سے نکلتے ہی ایک خالی ٹیکسی نظر آئی۔ غیر ارادی طور پر میرے قدم اس کی طرف اٹھے لیکن پھر میں نے وہ ارادہ ملتوی کر دیا۔

جب تک ساؤتھ آل کے دُہرے قتل کا معاملہ نہیں دب جاتا تھا' میرا لندن کے ٹیکسی ڈرائیوروں سے دور رہنا ہی میرے حق میں بہتر تھا۔

آکسفورڈ اسٹریٹ سے بسوں کے ذریعے چیرنگ کراس تک پہنچنا زیادہ دُشوار نہیں تھا۔ تیسری بس سے ٹرافالگر اسکوائر پر اُتر کر میں ٹہلتا ہوا ہوٹل بَلٹ پہنچ گیا۔ ایک بار ہوٹل کا راستہ ذہن نشین کر لینے کے بعد میرے لیے اسے بھولنا ممکن نہیں تھا۔

میں شیشے اور وزنی لکڑی کا دروازہ عبور کر کے اندر داخل ہوا تو مسز رینالڈ نے تپاک سے میرا خیر مقدم کیا۔ مجھے حیرت تھی کہ رات دو بجے تک کام کرنے والی لڑکی کے آجانے کے باوجود مسز رینالڈ اپنی میز کے پیچھے موجود تھی۔

''میں ابھی تک تمہارے ہی انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔'' اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ''میرا دل مجھے ملامت کر رہا تھا کہ میں نے اپنی غلطی کے ازالے کے لیے تمہیں ہوٹل سے نکال دیا۔ اپنے آرام دہ کمرے کو چھوڑ کر تم سارا دن نہ جانے کہاں بھٹکتے پھرے ہو گے۔''

''تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے اس شفیق بڑھیا کا ہاتھ تھپتھپا کر کہا'' آج میں نے دل بھر کر لندن کی سیر کی ہے۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔''

''اب میں چلتی ہوں۔ ہمارا پرانا گاہک اور تمہارا دوست صبح وطن جا رہا ہے۔ تم تازہ دم ہونے کے بعد رجسٹر میں اپنے صحیح کوائف درج کرا دینا تاکہ آئندہ تمہیں ایسی زحمت نہ ہو۔''

''میں یہاں ٹھہرا تو ضرور اندراجات کی تصحیح کرا دوں گا۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''تو کیا تم کسی اور ہوٹل میں منتقل ہو رہے ہو۔ تم ضرور مجھ سے ناراض ہو گئے ہو۔''

صاف ظاہر تھا کہ میرے الفاظ سے بڑھیا کو صدمہ ہوا ہے۔ میں نے اس کی تسلی کے لیے اسے ایک کہانی سنا دی جو خاصی مربوط تھی۔ بڑھیا مطمئن ہو کر ایک عقبی دروازے کے پیچھے غائب ہو گئی۔

حقیقت یہ تھی کہ سلیم کو پاکستان لوٹنے پر آمادہ کرنے کے بعد رائل ہوٹل میں میرا کوئی کام باقی نہیں رہا تھا۔ ایلیزا میں مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ پھر ہمیں دوسرے ہوٹل میں ایک بہتر کمرا مل چکا تھا۔ اس علاقے میں دوسروں کی نظروں میں آنے کا امکان بہت کم تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں اگلے روز ویرا کو بھی ماسٹر رابرٹ کا حساب بے باق کر کے سوٹ کیس وہیں لانے کا مشورہ دوں گا۔

میرے کمرے کی صفائی محنت سے کی گئی تھی۔ میرے استعمال کی چیزوں کو سمیٹ کر قرینے سے سوٹ کیس پر رکھ دیا گیا تھا۔ مسز رینالڈ نے اپنی دانست میں صبح والی زیادتی کا ازالہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ میرے لیے اس کی وہ زیادتی ایک بڑی مہربانی تھی کہ اس نے مجھے پولیس والوں کا سامنا کرنے سے بچا لیا تھا۔

مجھے کمرے میں بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے بستر پر پڑے پڑے اُردو میں آجاؤ کا نعرہ لگایا۔ دروازہ مقفل نہیں تھا۔ سلیم ناب گھما کر اندر آ گیا۔

''ارے..... تم تو ولی اللہ بھی ہو گئے۔'' اس نے تحیر زدہ اور خوشامدانہ لہجے میں کہا ''بستر پر لیٹے لیٹے ہی سمجھ گئے کہ دروازے پر چھوٹا بھائی دستک دے رہا ہے۔''

''یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟'' میں نے اسے گھورتے ہوئے خوش دلی سے پوچھا۔

''اس ہوٹل میں میرے اور تمہارے سوا اردو کون
سمجھتا ہے۔'' وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔
''معلوم ہوتا ہے کہ آج گرین پارک میں تمہاری
دال نہیں گلی۔''
''دال تو کئی مرتبہ گلتے گلتے رہ گئی۔ زرمبادلہ کا خرچ
زیادہ تھا اس لیے دل پر پتھر رکھ لیا۔ ویسے بھی استعمال کیے
ہوئے ٹشو پیپر کی طرح سب کو یہیں رہ جانا ہے......''
''زیادہ بڑے بول نہ بولو۔'' میں نے اس کی بات
پر تنبیہ کی۔ ''جہاز میں ملنے والی روزی نے تم کو ٹشو پیپر بھی
نہیں سمجھا تھا۔''
''وہ نیم پاگل تھی۔ تم جیسے ہیرے کا ساتھ چھوڑ کر
نہیں نکل گئی پھر وہ مجھے کیوں گھاس ڈالتی۔ یہ سب مزاج
اور مقدر کی باتیں ہوتی ہیں۔ اب ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ
بتاؤ کہ یہیں محفل جمانے کا ارادہ ہے یا کسی پب میں چل کر
ڈیرا ڈال لیں۔''
''یہ ہوٹل ہی سب سے مناسب ہے۔ پب سے
تمہیں لاد کر کون یہاں تک لائے گا۔''

''آج اتنی لے لی تو صبح جہاز ہی نکل جائے گا۔''
اس نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ کہا ''ذرا تم میرا دھیان
کرنا۔ سرور میں آ کر میں بس پیتا ہی چلا جاتا ہوں۔''
''اپنے جگر اور گردوں کے ساتھ ظلم کرتے ہو۔ اچھی
بات نہیں ہے۔''
''آج تو پی کر کسی اور کے ساتھ ظلم کرنے کا ارادہ
ہے پھر صبح یہاں سے کوچ کر ہی جانا ہے۔'' اس نے اپنی
چگی داڑھی سہلاتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا ''یہ بتاؤ
کہ تم نے کیا سوچا ہے؟''
''کس بارے میں؟'' اس کے غیر متوقع سوال پر
میں چونک پڑا۔
''اینیزا کے بارے میں۔'' اس نے ایک آنکھ دبا
کر گھٹیا لہجے میں کہا۔
''تم بے فکر ہو کر چلے جاؤ۔ تمہارے بعد وہ
لاوارث نہیں رہے گی۔ اسے کوئی نہ کوئی وارث مل ہی
جائے گا۔ میں آج رات ہی یہاں سے جانے کا ارادہ
کر چکا ہوں۔''

''ارے!'' وہ میرے بے لاگ فیصلے پر بھونچکا رہ گیا۔ ''آج رات کا کرایہ تو واپس نہیں ملے گا۔ پھر تم صبح مجھے خدا حافظ بھی نہیں کہو گے۔''

''آٹھ بجے جہاز پکڑنے کے لیے تمہیں صبح پانچ ساڑھے پانچ بجے تک ہوٹل چھوڑنا ہوگا۔ لندن کے شرفا اس وقت ہوٹل تو کیا بستر بھی چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔''

''تو پھر اپنا کراچی کا پتا ابھی لکھوا دو۔ بعد میں' میں بھول جاؤں گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔ کراچی پہنچ کر میں خود تم سے رابطہ کرلوں گا۔ سیل کھلنے کی خوشی میں تم پر میری ایک دعوت تو ادھار ہو ہی چکی ہے۔''

دعوت کے ذکر نے اسے مطمئن کر دیا اور اس نے میرا پتا لینے پر اصرار نہیں کیا۔

میں پچھلی رات اسے بھگت چکا تھا اس لیے اپنا کمرا مقفل کر کے اس کے ساتھ اوپر چل دیا۔

ایلیزا نے خوش دلانہ مسکراہٹ سے میرا خیر مقدم کیا اور بستر پر میرے پاس ہی بیٹھ گئی۔ سلیم نے میز کے سامنے پڑی ہوئی کرسی سنبھال لی۔ میز پر پینے کے لوازم شاید دن رات موجود رہتے تھے اور اس وقت بھی جوں کے توں پڑے ہوئے تھے۔

سلیم نے اٹھ کر واش بیسن میں گلاس دھوئے تولیے میں لپٹی ہوئی سوڈے کی تین ٹھنڈی بوتلیں نکالیں اور پھر بوتل سے بلیک لیبل اسکاچ گلاسوں میں انڈیلنے لگا۔

''کیا بات ہے' تم مجھ سے بہت کم مخاطب ہوتے ہو۔'' سلیم کو مصروف پا کر ایلیزا نے مجھ سے کہا۔

''تم اتنی حسین اور نازک ہو کہ تم کو مخاطب کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے' کہیں چٹخ نہ جاؤ۔'' میں نے اس کا دل۔ ۔ ۔ رکھنے کے لیے یوں ہی کہہ دیا۔

خوشی سے ایلیزا کا چہرہ گلنار ہو گیا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ تعریف مرد کا وہ موثر ہتھیار ہے جس کے ذریعے ذہین ترین عورتوں کی عقل کو ناکارہ بنایا جاسکتا ہے۔ اس سے آگے حاصل ہونے والی کامیابیوں کا انحصار۔۔ خود مرد کی مرضی اور طلب پر ہوتا ہے۔

''ایک بات میں ہر بار تم سے پوچھنا بھول جا[تا] ہوں۔'' سلیم نے اچانک اُردو میں کہا۔

''اب میں تمہارے کمرے میں ہوں۔ ایک نہیں[...] پوچھ لو۔'' میں نے دعوت دی۔

''کل تم نے اپنے رشتے دار کے گھر سے مجھے فو[ن] کیا تو تم نے میرے ساتھ ایلیزا کی موجودگی کا ذکر [...] اسے میری بیوی کیوں سمجھ لیا تھا؟ بعد میں مجھے یاد آیا [...] میں تمہیں اپنی مطلقہ بیوی کے بیوہ ہو جانے اور اس [...] دوبارہ شادی کرنے کے بارے میں بتا چکا تھا۔''

''اپنے دل پر اس کا اتنا اثر نہ لو۔ وہ ایک چلتی ہو[ئی] بات تھی اور مذاق میں کہی گئی تھی جو دُرست بھی ہو سکتی تھ[ی]' میں نے سگریٹ سلگا کر بے پروائی سے کہا۔

''مذاق کی بات دُرست کیسے ہو سکتی ہے؟'' ا[س] نے سر اُٹھا کر پوچھا۔

''کثرت سے بیرون ملک جانے والے سیا[...] بڑے بڑے شہروں میں خورونوش اور رہائش کے بھار[ی] اخراجات سے بچنے کے لیے کئی بیویاں پال لیتے ہیں۔ ا[ن] میں ہر بیوی خود کو اکلوتی سمجھتی ہے جب کہ ان کی اکلو[تی] بیوی وطن میں ان کے بچے پالنے میں مصروف ہو[تی] ہے۔''

''تمہاری اکثر باتیں بہت گہری اور ذو معنی ہو[تی] ہیں۔ ان کو سمجھنے کے لیے ذہن پر زور دینا پڑتا ہے۔'' ا[س] نے ایک گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے ہنس کر کہا۔

''کراچی پہنچنے کے بعد تم ذہن پر زور دینے کی ا[س] ضرورت سے آزاد ہو جاؤ گے۔'' اس کے انجام کا تصو[ر] کر کے میں روانی میں بے ساختہ کہہ گیا۔

''دیکھو تم پھر کوئی گہری بات کہہ گئے ہو جو میرے [سر] پر سے گزر گئی ہے۔''

''حالانکہ یہ سیدھی سی بات ہے۔ کراچی میں م[...] ہوں گا' نہ میری باتیں۔ پھر تم اپنے ذہن پر کیوں زور [دو] گے۔'' مجھے اپنی بات کی وضاحت فوراً ہی سوجھ گئی اور [...]

مطمئن ہو گیا۔

اس وقت تک گفتگو اُردو میں ہوتی رہی تھی جو ایلیزا کے لیے نا قابل فہم تھی مگر پھر بھی وہ بے چاری اخلاقاً مسکرا مسکرا کر ہم دونوں کی طرف دیکھتی رہی۔

سلیم نے اسکاچ کا ایک لمبا گھونٹ معدے میں اُتارنے کے بعد کہا۔ ''ڈارلنگ! ہم دونوں تمہارے مستقبل کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ اسلم کا مشورہ تھا کہ میں تمہیں لندن میں کرائے کا فلیٹ دلوا دوں اور تم یہیں آباد ہو جاؤ۔ میں اکثر اِدھر آتا رہتا ہوں ہمیشہ تم سے ملاقات ہوتی رہے گی۔''

''تمہاری تجویز بہت ہمدردانہ ہے۔'' ایلیزا نے مجھ سے کہا پھر سلیم سے مخاطب ہوگئی ''مگر میں مجبور ہوں۔ پندرہ دن کی سیاحت کے بعد میں وارسا میں اپنے گھر واپس نہ پہنچی تو میرا شوہر بال پکڑ کر مجھے گھر سے نکال دے گا اور میں برباد ہو جاؤں گی۔''

ایلیزا کے اس انکشاف پر سلیم کی کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔ اس نے بوکھلا کر میری طرف دیکھا پھر ایلیزا سے پوچھا ''تو کیا تم واقعی شادی شدہ ہو؟ میں آج تک تمہیں کنواری سمجھتا رہا وہ کیسا بے حس شوہر ہے کہ اس نے تم جیسی خوب صورت عورت کو تنہا سیاحت پر نکلنے کی اجازت دے دی!''

''مجبوری ہے۔'' ایلیزا نے بے چارگی سے کہا۔ ''اب اگلے برس وہ اکیلا سیاحت پر نکلے گا۔ میں وارسا میں رہوں گی۔ پچھلے کئی برسوں سے ہم اسی طرح گزارہ کر رہے ہیں۔''

''لیکن تمہیں ایسی کیا مجبوری ہے کہ دونوں ایک ساتھ سیاحت پر نہیں نکل سکتے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا ''اخراجات میں معمولی سا اضافہ برداشت کر کے تمہارا شوہر بھی تمہارے ساتھ آ سکتا تھا۔ ایک کے مقابلے میں دو آدمیوں کی سیاحت ہمیشہ سستی پڑتی ہے۔''

"بات اخراجات کی نہیں، چار بچوں کی ہے۔" اس نے سر جھکا کر شرمسار لہجے میں کہا۔ "ہم میں سے کسی ایک کو ہر حال میں گھر پر رہنا پڑتا ہے۔ بڑے بیٹے کی عمر ابھی صرف چھ سال ہے۔"

سلیم گلاس سے اگلا گھونٹ لے رہا تھا۔ اسے اتنا زبردست اچھو لگا کہ گلاس سے آدھی شراب چھلک کر پرانے قالین پر گر گئی۔ ایلیزا نے بوکھلا کر اس کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔

سلیم کی کھانسی میں ذرا کمی واقع ہوئی تو اس نے اپنی پھٹی پھٹی سرخ آنکھیں ایلیزا کے چہرے پر گاڑ کر اٹک اٹک کر کہا۔ "یہ...... یہ بات تم...... آج...... آج بتا رہی ہو کہ...... تت...... تم شادی شدہ اور پچ...... چار بچوں کی ماں ہو۔ یہ بات تم نے آج تک مجھ سے چھپا رکھی تھی۔"

"یہ بات تم نے کبھی مجھ سے پوچھی، نہ مجھے بتانے کی ضرورت تھی۔" ایلیزا نے برا مان کر کہا۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ کی ہر رمق غائب ہو چکی تھی۔

سلیم کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ اسے کیا جواب دے۔ اس نے اپنا گلاس اُٹھایا اور غٹا غٹ اسے خالی کرتا چلا گیا۔ آخر اس نے گلاس چوبی میز پر پٹخ کر کہا۔ "پھر بھی یہ تمہارا اخلاقی فرض تھا۔"

"سلیم!" نرم خو نظر آنے والی ایلیزا اپنی تیوریوں پر بل ڈال کر غرائی "میں ایک عزت دار گھریلو عورت ہوں، کوئی بازاری لڑکی نہیں۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ مجھے اپنے گلے میں ایک تختی ڈال لینی چاہیے جس پر لکھا ہو کہ میں ایک شوہر کی بیوی اور چار بچوں کی ماں ہوں؟"

یکایک تبدیل ہونے والی وہ صورت حال میرے لیے دلچسپ ہی نہیں، مضحکہ خیز بھی تھی۔ نازنین سمجھ کر سلیم پچھلے چند روز میں جس کی ناز برداریاں کرتا رہا، وہ آخر کار چار بچوں کی ماں ثابت ہوئی تھی۔

"نو نو۔" سلیم نے فضا میں اُنگلی ہلاتے ہوئے کہا "میرا یہ مطلب نہیں ہے...... مگر پھر بھی...... یعنی پھر بھی کوئی اشارہ تو ملنا چاہیے تھا۔"

"شٹ اپ! تم میری توہین کر رہے ہو۔" ایلیزا بپھر کر اپنے اصل روپ میں سامنے آگئی۔ "میں نے ترس کھا کر تمہیں اپنے کمرے میں سر چھپانے کی جگہ دی اور اب تم میرے نسوانی وقار کی دھجیاں اُڑا رہے ہو۔ ایسی باتیں میں برداشت نہیں کر سکتی۔ تم اسی وقت میرے کمرے سے نکل جاؤ۔"

اس کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر سلیم سہم گیا۔ لندن سے جاتے جاتے وہ آخری رُسوائی بھی اس کا مقدر بن گئی تھی۔ اس نے خود ہی سرور میں آکر ایلیزا کو لندن میں کرائے کا فلیٹ دلوانے کا ذکر چھیڑا تھا جس کے نتیجے میں ناخوشگوار واقعہ رونما ہوا تھا۔

"ایلیزا!" میں نے اسے گھور کر کہا۔ "تحمل سے کام لو ورنہ سلیم کے ساتھ تم بھی ہوٹل میں تماشا بن جاؤ گی۔"

"اب تم بھی مجھے دھمکیاں دو گے!" بولتے بولتے ایلیزا کی آواز رندھ گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے اس کے رُخساروں پر لڑھکنے لگے۔

"یہ دھمکی نہیں التجا ہے۔" میں نے بوکھلا کر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "سلیم کو کم از کم اتنا موقع تو دو کہ وہ یہاں سے اپنا سامان سمیٹ سکے۔ صبح اسے وطن واپس لوٹنا ہے۔"

"نہیں۔" وہ روتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ "میں ایسے مرد کا وجود ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتی جو اپنی گرل فرینڈ کی تذلیل کرتا ہو۔ اسے نیچے اپنے کمرے میں لے جاؤ۔ میں اس کا سارا سامان سمیٹ کر خود تمہارے دروازے کے باہر رکھ دوں گی۔"

بات کرتے کرتے اس نے اپنے گلاس میں بچی ہوئی اسکاچ حقارت سے واش بیسن میں بہا دی۔

میں دروازے سے باہر آگیا۔ سلیم نے خاموشی سے میری تقلید کی۔

"تم واقعی کوئی درویش ہو۔" سیڑھیاں اُترتے ہوئے

سلیم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میری تحریص اور ترغیب کے باوجود تم نے شروع سے اس کتیا میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ شاید تمہارے وجدان نے تمہیں بتایا تھا کہ اس معصوم چہرے کے پیچھے کیسی چڑیل چھپی ہوئی ہے۔''

''صبح تم کو یہ ملک چھوڑ دینا ہے۔ رات کو کہیں کرائے پر مکان نہیں ملتے۔ پھر تم کو وہ ذکر چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس واقعے کی ساری ذمے داری تمہاری ہے۔'' میں نے کہا۔

''تمہاری بات کھٹ سے میری عقل میں آ گئی تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ راضی ہو گئی تو میرے جانے کے بعد تم اسے کسی سستے فلیٹ میں ڈال دو گے۔ باقی باتیں میں اگلے چکر میں نمٹا لوں گا۔''

میرے کمرے میں پہنچ کر وہ شکست خوردہ انداز میں بستر پر گر کر کراہا۔ ''عزت کے ساتھ ساتھ بوتل بھی ہاتھ سے گئی۔ دیکھو اب وہ سامان کب لاتی ہے۔ جب تک پورا سامان نہیں آ جاتا' تم میرے پاس رکے رہو گے ......بلکہ صبح ہم دونوں ہی یہاں سے ایک ساتھ نکلیں گے۔''

''سامان دلوا کر میں چلا جاؤں گا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''میں اپنے ایک رشتے دار سے واپسی کا وعدہ کر کے آیا تھا۔ رات بھر یہاں رکا رہا تو وہ لوگ پریشان ہو جائیں گے۔''

''چلو ابھی تو سامان کا انتظار کرنا ہے۔ بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔''

''تمہاری ذرا سی لغزش سے اس وقت طبیعت مکدر ہو گئی۔''

''میں نے کسی سے سنا تھا کہ پولینڈ والے بہت ذلیل اور لیچڑ ہوتے ہیں۔ اب اسی سالی کتیا کو دیکھ لو کہ اپنے چار پلوں کو وارسا میں چھوڑ کر یہاں لونڈیا بنی پھر رہی ہے۔'' سلیم نے اس قدر جلے کٹے لہجے میں فقرے ادا کیے کہ مجھے اپنا بے ساختہ قہقہہ مصنوعی کھانسی کی آڑ میں چھپانا پڑ گیا۔

''اس نے تم سے رقم بھی اینٹھی ہو گی؟'' کچھ دیر بعد میں نے پوچھا۔

''نہیں کمرا ا[illegible]م پر تھا مگر پورا کرایہ میں دے رہا تھا۔ اس کے علاوہ [illegible] جیب خرچ کے لیے روزانہ دس پندرہ پاؤنڈ اپنی مرضی سے دے رہا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''ایلیزا نے کبھی کچھ نہیں مانگا۔''

انکار کے بعد کیا جانے والا اعتراف میرے لیے زیادہ اہم تھا۔ ٹیوڈر ہوٹل والی شیری رینڈل کی روزانہ یافت دس پاؤنڈ اور قیام کی سہولت سے زیادہ نہیں تھی جب کہ ایلیزا اس سے کہیں زیادہ کما رہی تھی اور پھر بھی سلیم پر احسان تھا کہ اس نے اسے پناہ دی۔

اس وقت جو کچھ ہوا' اس میں کسی کے ارادے کا دخل نہیں تھا۔ واقعات اس نہج پر نہ چلے گئے ہوتے تو اگلی صبح ایلیزا یقیناً سلیم کو خوشی اور خوش دلی سے رخصت کر دیتی۔ سلیم کسی احساس زیاں کے بغیر وطن لوٹ جاتا۔ ایلیزا اپنی آمدنی پر خوش رہتی اور اگلی شب پھر پناہ گزین کے لیے اپنے کمرے کے دروازے کھول کر اسے خوشیاں بانٹنے میں مصروف ہو جاتی۔

تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے بڑھ کر دروازہ کھولا تو چوکھٹ پر بلیک لیبل بوتل سمیت سلیم کا سوٹ کیس اور سامان رکھا ہوا تھا۔ ایلیزا مڑ کر سیڑھیوں کی طرف جا رہی تھی دروازے پر دستک دینے کے بعد اس نے کسی کے نمودار ہونے کا انتظار کیے بغیر اپنی راہ لی تھی۔

''آؤ اور سامان اٹھا لو۔'' میں نے سلیم کو متوجہ کیا۔ ''تمہاری بوتل بھی واپس آ گئی ہے۔''

سلیم نے اکتاہٹ اور بے دلی سے سارا سامان اندر کھینچ لیا اور پوچھا ''کیا وہ تم سے کوئی بات کیے بغیر واپس چلی گئی؟''

''میں نے دروازہ کھولا تو وہ جا رہی تھی۔ کہو تو اسے یہاں بھی بلا لاؤں۔'' میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

''رہنے دو۔'' وہ دونوں ہاتھ جوڑ کے بولا۔ ''وہ یہاں سے بھی نکلوا دے گی۔''

سلیم نے سرسری انداز میں اپنے مختصر اسباب کا جائزہ لیا تو پتا چلا کہ ایلیزا اس کی ہر چیز چن چن کر اٹھا لائی تھی تاکہ وہ کسی بہانے سے دوبارہ اس کو تنگ نہ کرسکے۔

''سامان آگیا۔ اب میں تیاری پکڑتا ہوں۔'' میں نے اعلان کیا۔

''تم تو اپنا بھرا ہوا گلاس اوپر چھوڑ آئے تھے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بوتل آجانے کے بعد میں تمہیں یوں ہی جانے دوں۔ ابھی تھوڑی دیر ٹھہرو۔''

وہ بہت ملول اور کبیدہ خاطر ہوچکا تھا۔ اسے ذرا سا سہارا دینے کی نیت سے میں رک گیا۔ اس نے اپنا سامان سوٹ کیس میں ...۔ ٹھونسا' میں نے اپنا سوٹ کیس تیار کیا اور سلیم اکبر خان ایک مرتبہ پھر پیانے بنانے میں مصروف ہوگیا۔ ایلیزا نے اس کی لائی ہوئی سوڈے کی ٹھنڈی بوتلیں تک واپس کردی تھیں جو اس کے کام آرہی تھیں۔

سلیم ایک گلاس پہلے ہی پورا کرچکا تھا اس لیے قدرے سرور میں تھا۔ نیا دور شروع ہوا تو موضوع پھر ایلیزا کی ذات تھی۔ سلیم کو قلق تھا کہ جہاندیدہ اور تجربے کار ہونے کے باوجود اس مکار اور صورت حرام عورت کو کوئی پولش دوشیزہ سمجھ کر دھوکا کھا گیا تھا۔

تیسرے گلاس کے بعد میں نے بوتل کا منہ سختی سے بند کرکے اسے ایک کونے میں ڈال دیا۔ ''اب تم اکیلے رہ گئے ہو۔ مزید پی تو صبح پانچ بجے دنیا کی کوئی قوت تمہیں بیدار نہیں کرسکے گی۔''

''تم بہت اچھے اور بڑے بھائی کی طرح مہربان ہو۔'' اس نے بگڑی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اب تم سے کراچی ہی میں ملاقات ہوگی۔''

''میں وہاں تمہاری عدادت ..... نہیں 'دعوت کروں گا۔''

وہ اٹھ کر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے مجھ سے بغل گیر ہوا تو میں نے اسے جلدی سے کندھے لڑا کر الگ کردیا۔ مجھے ڈر تھا کہ اس موقع پر اس نے فرطِ جذبات سے رونا شروع کردیا تو میرا مزید ایک ڈیڑھ گھنٹا برباد ہوجائے گا۔

اسے آرام سے بستر پر بٹھا کر میں نے اپنا ہلکا پھلکا سوٹ کیس سنبھالا اور تیزی سے سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ قدموں کی چاپ سن کر ڈیوٹی پر موجود لڑکی نے میری طرف دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں حیرت عود کر آئی جس کا سبب میرا سوٹ کیس ہی ہوسکتا تھا۔

''اپنے اندراجات درست کرانے کے بجائے تم تو ہوٹل ہی چھوڑے جارہے ہو۔'' میرے قریب پہنچنے پر اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ ''اب اتنی رات کو کہاں جاؤ گے۔''

''ایک رشتے دار کے گھر جانا پڑرہا ہے۔ مجبوری ہے۔'' میں نے شانے اچکا کے کہا۔

''تمہیں علم ہوگا کہ کرائے کا لین دین مسز رینالڈ خود کرتی ہیں۔'' اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ ''اس وقت تم کوئی رقم واپس نہیں کی جاسکتی۔''

''پروا نہیں۔ ویسے بھی آج رات میرا کمرہ آباد رہے گا۔ اس میں وہی شخص سوئے گا جس کا نام تمہارے رجسٹر میں لکھا ہوا ہے اور یہ اچھی بات ہے۔''

اس نے اٹھ کر الوداعیہ انداز میں اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ ''گڈلک اینڈ گڈ نائٹ!''

میں نے اس سے ہاتھ ملا کر رائل ہوٹل کو خیرباد کہہ دیا۔ باہر اس وقت پھوار پڑرہی تھی۔ مجھے سامنے ہی ایک ٹیکسی نظر آئی۔ اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں سفید فام ڈرائیور کا چہرہ صاف نظر آرہا تھا۔ وہ چھریرے بدن والا ایک باریش نوجوان تھا۔

اس بوندا باندی میں سوٹ کیس اٹھا کر زیادہ بھاگ دوڑ کرنی میرے لیے محال تھی۔ میں بادل ناخواستہ ٹیکسی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر ڈرائیور پھرتی سے اپنی نشست سے نیچے آگیا۔ اس نے ایک خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ میرے ہاتھ سے سوٹ کیس لے کر عقبی پائیدان پر رکھ دیا اور میری منزل کے بارے میں کچھ پوچھے بغیر گھوم کر اپنی نشست پر جا بیٹھا۔

میرے سوار ہونے تک انجن جاگ اُٹھا۔ میں نے اپنی منزل کا پتا بتایا۔ ڈرائیور نے میٹر چلایا اور ٹیکسی تیزی سے حرکت میں آ گئی۔

میری دانست میں سفر زیادہ لمبا نہیں ہونا چاہیے تھا مگر وہ طویل ثابت ہوا۔ ٹیکسی کے سفر کی سمت ایک ہی رہی تھی۔ چھوٹی اور ذیلی سڑکوں سے گزرتے ہوئے ڈرائیور نے کہیں بھی مجھے چکر دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آخر کار اس نے ہوٹل کے پورچ میں گاڑی روک دی۔

اس وقت تک بارش زور پکڑ چکی تھی مگر پورچ میں ہم محفوظ تھے۔ میں کرایہ ادا کر کے اُترا تو ہوٹل کے پورٹر نے میرا سوٹ کیس اپنی ہلکی ٹرالی میں رکھ لیا۔

میں کاؤنٹر کے سامنے سے گزرا تو کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے نو وارد نے استفسار طلب مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھا۔ میں نے اپنا کمرا نمبر دہرایا اور وہ سر جھکا کر اپنے سامنے پھیلے ہوئے کاغذات کے ڈھیر کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''میرا خیال ہے کہ اس بار بھی تم جلدی واپس آ گئے۔'' کمرے میں پہنچنے پر ویرا نے کہا۔

میں نے رسٹ واچ دیکھی تو وہ صرف گیارہ بجا رہی تھی۔

''آج سمجھ میں آیا ہے کہ کوچے سے بے آبرو ہو کر نکلنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔'' میں نے جوتے اور موزے اتارتے ہوئے ویرا سے کہا۔ ''آج سلیم خان کی خاصی مٹی پلید ہوئی ہے۔''

''اور کل اس سے زیادہ ہو گی۔'' ویرا نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''کراچی میں اول خان اس سے ذرا بھی رعایت نہیں کرے گا۔''

''ہاں۔'' میں نے اعتراف کیا۔ ''وہ دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن ہے۔''

''اب تم اپنی کہانی شروع کر دو۔ میرے صبر کی انتہا ہو چکی ہے۔''

''کوچے سے بے آبرو ہو کر نکلنے والی؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''بدری ناتھ کی کہانی میں مجھے زیادہ دلچسپی ہے۔'' ویرا نے مجھے گھور کر کہا۔

''وہ واقعی مشکلات میں گھر گیا ہے۔'' یہ کہہ کر میں نے اس کی بے ربط کہانی تسلسل سے بیان کرنی شروع کر دی۔ ویرا پوری توجہ سے میرا ہر لفظ سن رہی تھی۔

''تمہیں جلد از جلد اس سے مل لینا چاہیے۔'' میرے خاموش ہونے پر ویرا نے کہا۔ ''آمنے سامنے بات ہوتی ہے تو نتائج بہت حیران کن ثابت ہوتے ہیں۔''

''جب تک اس کی نگرانی ہو رہی ہے، یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''اس کے ساتھ ہم بھی بے موت مارے جائیں گے۔ اس وقت اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔''

''اس سے دور رہ کر معاملات تیزی سے نہیں نمٹائے جا سکیں گے۔''

''سب سے پہلے رمیش اگروال کا پتا صاف کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ وہ یہاں دل کھول کر بدری ناتھ کے خلاف زہر پھیلانے کی کوشش کرے گا۔ اب بدری بھی اس بارے میں نیم رضامند ہے۔''

''یہ کام بھی اتنا آسان ثابت نہیں ہو گا۔ ابھی تک ہم بالکل غیر مسلح ہیں......''

''تمہارے سیکھے ہوئے مارشل آرٹس کس دن کام آئیں گے''۔ ہتھیاروں کا ذکر آتے ہی میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال داغ دیا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ بدری کے ساتھ اس کی نگرانی بھی ہو رہی ہو گی۔ اس کی جان کو کوئی خطرہ درپیش ہوا تو نگراں ہی اس کا محافظ بن کر ہمارے مقابلے پر آ جائے گا.... اس ناگہانی مصیبت کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ہو گا۔''

''ایک دفعہ بدری ناتھ کا گرین سگنل مل جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی حل سوچ لیا جائے گا۔ ایسے حالات میں کسی

سے مل بیٹھنے کے بجائے اسے ختم کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ مارو اور پوری قوت سے بھاگ جاؤ کے فارمولے پر عمل کر کے کامیابی ہو ہی جاتی ہے۔"

"سری نواسن اور بیلا کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"بدری ناتھ کی کہانی کے سارے کردار اس وقت شکوک وشبہات کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔ بدری ناتھ ان سب کے بارے میں پرانے حوالوں سے سوچ رہا تھا۔ میں نے اسے تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کر دیا ہے۔ کل تک شاید وہ صحیح رائے قائم کرنے کی پوزیشن میں آجائے گا۔"

"ماسٹر رابرٹ ہوٹل کے باہر ہونے والی گرفتاریوں کے بارے میں پرائیویٹ چینل کی خبر کی بازگشت اب ہر اسٹیشن سنا رہا ہے۔ یہ خبریں بھی اسے صحیح فیصلوں تک پہنچنے میں مدد یں گی۔"

"اس وقت توقعات اور اُمیدوں کے سوا ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ سارا دن گزار کر لندن پہنچا ہے پھر بھی یہ بڑی بات ہے کہ ہمارے سامنے آئے بغیر مقامی پولیس انڈین لابی کی طرف متوجہ ہو چکی ہے۔ دو مسلح افراد کی گرفتاری سے جیمز پنڈت اور گیتا کے قتل کی تفتیش کا رُخ بھی بدل جائے گا جس کا سارا فائدہ ہم دونوں کو پہنچے گا۔" میں نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ کل تم بدری ناتھ سے فون پر بات کرو گے؟"

"اس کے بغیر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"اب تم سلیم اکبر خان کی کہانی بھی سنا سکتے ہو۔ میں بیئر کا ایک کین لوں گی۔ چاہو تو ریفریجریٹر میں سے تمہارے لیے بھی ایک ڈبا نکال لاؤں۔"

"لے آؤ..... سونے تک کچھ نہ کچھ شغل ضرور ہونا چاہیے۔" یہ کہہ کر میں غسل خانے میں چلا گیا۔

میں شب خوابی کا لباس تبدیل کر کے لوٹا تو ویرا میز پر دمی.... کئی ڈبے کھولے بیٹھی تھی اور کمرا اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔

"اوہو۔ رات کا کھانا تو میں بالکل بھول ہی گیا تھا۔" میز پر نظر پڑتے ہی مجھے احساس ہوا کہ سہ پہر کے بعد سے میں نے کچھ بھی نہیں لیا تھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے اسی لیے میں باہر نکل کر برگر اور فرائڈ چکن وغیرہ لے آئی تھی۔ ان میں کسی بھی چیز میں سور کا گوشت نہیں ہے۔"

وہ ایک نازک معاملہ تھا۔ گوشت کے بارے میں ویرا نے بتا دیا تھا لیکن پنیر اور روغنیات کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ یہی معاملہ چکن، بیف اور مٹن کے ساتھ تھا۔ کون جانے کہ ان جانوروں کو اسلامی طریقے سے ذبح کیا جاتا تھا یا ان کا جھٹکا ہوتا تھا۔

لندن میں مذہبی رجحان رکھنے والے کبھی بھی ان بازاری غذاؤں کے قریب نہیں پھٹکتے۔ ان کی روز بروز بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر لندن کے بہت سے علاقوں بلکہ دوسرے شہروں میں بھی حلال گوشت کی متعدد دکانیں قائم ہو چکی تھیں جہاں سے خریدے ہوئے گوشت کو لوگ پورے اعتماد سے گھروں میں استعمال کرتے تھے پھر کسی نے افواہ اڑا دی کہ ساؤتھ آل میں ایک سکھ بھی گوشت کے نام پر مسلمانوں کو جھٹکے کا گوشت کھلا رہا ہے۔

لوگوں نے فوراً ہی اس دکان کا بائیکاٹ کر دیا۔ انتظامیہ سے اس دکان کا لائسنس منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ کمیٹی مقرر ہوئی تو پتا چلا کہ وہ دکان واقعی ایک سردار جی کی تھی مگر وہاں فروخت ہونے والا سارا گوشت مسلمان اسلامی طریقے پر ذبح کرتے تھے۔ یوں وہ قصہ ختم ہوا۔

کھانے کے دوران میں بیئر کے استعمال پر ویرا نے خلاف توقع کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ اتنی منہ پھٹ تھی کہ... ایک مرتبہ براہ راست سوال کر بیٹھی تھی کہ شوق سے شراب نوشی کرنے والے مسلمان بھی سور کے گوشت سے کیوں... پرہیز کرتے ہیں جب کہ حرام دونوں ہی ہیں۔

وہ سارے خیالات میرے ذہن میں اُبھرتے اور معدوم ہوتے رہے مگر میں نے اس بارے میں ویرا سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اسے ایک سرا مل جاتا تو وہ بات کا بتنگڑ بنا سکتی تھی۔

اس کی فرمائش پر میں نے سلیم کی بے آبروئی کا ذکر چھیڑ دیا جسے سن کر وہ دیر تک ہنستی رہی۔

کھانا ختم کر کے بھی ہم دونوں کچھ دیر تک بیٹھے بیئر کے دوسرے کین سے شغل کرتے رہے۔ آخر کار میں بستر پر لیٹا تو ویرا کمرے کی روشنیاں گل کر کے باتھ روم میں جا گھسی۔

چند منٹ بعد وہ شب خوابی کے لباس میں ملبوس ہو کر باتھ روم سے برآمد ہوئی تو کمرا بھینی سی خوشبو کی مہکار سے بھر گیا۔ اس نے کمرے کی فضا کو خوشگوار بنانے کے لیے کسی اچھے پرفیوم کا سہارا لیا تھا۔ عقب سے آنے والی روشنی میں میں نے بس لمحہ بھر کے لیے اس کے پیکر کو دیکھا اور کروٹ لے کر آنکھیں موند لیں۔ ویرا دروازہ بند کر کے مسہری پر آ گئی۔

بظاہر میں ویرا کی طرف پشت کیے ساکت لیٹا ہوا تھا لیکن اس کی طرف سے کسی شرارت کی ابتدا کی صورت میں بھرپور مزاحمت کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

☆☆☆

صبح ہم دونوں دیر سے سو کر اٹھے۔ میں ویرا سے پہلے بیدار ہو کر ہوٹل کی طرف سے فراہم کیے جانے والے ڈیلی ٹیلی گراف میں اپنے کام کی خبریں پڑھ چکا تھا۔

کسی ٹیکسی ڈرائیور نے دُہرے قتل کے سلسلے میں پولیس سے رجوع نہیں کیا تھا۔ گیتا کی پوسٹ مارٹم رپورٹ میں کسی جسمانی زیادتی کا ذکر نہیں تھا۔ اس کی موت دل میں لگنے والی اکلوتی گولی سے واقع ہوئی تھی جب کہ جیمز پنڈت کی رپورٹ بھی ایسی ہی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس کے دل کے بجائے بھیجے میں گولی آر پار..... نکل گئی تھی۔

ماسٹر رابرٹ ہوٹل کے قریب سے پکڑے جانے والوں کی بھارتی قومیت کو اخبار نے خوب اُچھالا تھا اور یہ سوال اُٹھایا تھا کہ وہ دونوں آخر گیتا کے ہم وطن ہی کیوں تھے۔

ان دونوں کے بیانات کو صیغہ راز میں رکھا گیا تھا لیکن ان پر فرد جرم بہت واضح تھی۔ انہوں نے مسلح ہو کر لندن پہنچنے والے دو ایشیائیوں کا پیچھا کر کے انہیں... ہراساں کیا تھا اور اسپیشل اسکواڈ کی بروقت مداخلت کی وجہ سے کسی بڑی مجرمانہ کارروائی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ناکام رہے تھے۔

اخبار میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں تھا کہ ان کا تعلق انڈین ہائی کمیشن سے تھا نہ ہی ان کے بارے میں ہائی کمیشن نے کوئی بیان جاری کرنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

وہ اخبار والوں کی بے خبری تھی مگر مجھے بدری کی وجہ سے اندر کی کئی باتیں معلوم ہو چکی تھیں۔ میرے لیے یہ سمجھنا دُشوار نہیں تھا کہ دُہرے قتل کی واردات کے بعد اپنا دامن صاف رکھنے کے لیے انڈین سیکرٹ مشن کے مقامی سربراہ نے اپنے آدمیوں کے بجائے لندن میں آباد بھارتیوں میں سے دو آدمیوں کو چن کر بدری اور رمیش کی نگرانی پر لگایا تھا تاکہ ان کے گرفت میں آنے کی صورت میں ہائی کمیشن پر حرف گیری نہ کی جا سکے۔

تیار ہونے کے بعد ویرا بھی اخبار لے بیٹھی۔ میں نے سائیڈ ٹیبل پر موجود سروس کارڈ اُٹھا کر دیکھا تو کرائے میں شامل ناشتے کی فراہمی کا وقت دس بجے ختم ہو چکا تھا۔ میں نے اسی کارڈ سے نمبر دیکھ کر انٹر کام پر روم سروس کو کمرے میں ناشتا بھیجنے کی ہدایت دے دی۔

مقررہ اوقات کے بعد بارہ بجے تک مہمانوں کو قیمت لے کر ان کے کمروں میں ناشتا فراہم کیا جاتا تھا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ لندن کے اخباری نامہ نگاروں پر کاہلی چھائی ہوئی ہے ورنہ پکڑے جانے والوں کے بیانات سامنے آنے سے بہت سی باتیں صاف ہو سکتی ہیں۔'' ویرا نے اخبار ایک طرف پھینک کر انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

۔۔۔۔" اخبار والے اہم وارداتوں میں پولیس والوں سے کچھ نہ کچھ اگلوا ہی لیتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ ان کی نظروں میں یہ واردات اہم نہ رہی ہو۔" میں نے کہا

"گیتا اور جیمز کے قتل کے اگلے روز ان دونوں کی گرفتاری کو کون غیر اہم کہہ سکتا ہے؟"

"ظاہری رواداری کے باوجود انگلینڈ میں بلا کا نسلی تعصب پایا جاتا ہے۔" میں نے کہا۔ "انگریز صدیوں کی مسابقت کی وجہ سے فرانسیسیوں سے چڑتے ہیں۔ برطانوی جزیرے پر شمال اور جنوب کے تعصبات کی کہانیاں عام ہیں پھر یہ دونوں تو ایشیائیوں کے معاملات ہیں۔ یہ کیسے اہم ہو سکتے ہیں۔"

"ناشتا کر لو پھر بات ہو گی۔ خالی معدے میں ایسے ہی فاسد خیال آتے ہیں۔" ویرا نے ہنس کر کہا۔ "آج شاید ہمارا سارا دن اسی کمرے میں گزر جائے گا۔"

"بدن کو یوں زنگ لگانا میرے بس سے باہر ہے۔ ناشتے کے بعد میں باہر نکل جاؤں گا۔"

"کہاں جاؤ گے؟" ویرا نے پُر اشتیاق لہجے میں سوال کیا۔

"لندن بہت بڑا شہر ہے۔ کہیں بھی نکل جاؤں گا۔ دراصل میں نے اس شہر کو آج تک ایک سیاح کی نظروں سے نہیں دیکھا۔ فرصت ہے تو یہی کام کر ڈالوں گا۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ مجھے مومی مجسموں کا عجائب گھر دیکھنے کا بہت شوق ہے۔"

"بیکر اسٹریٹ تک تم اکیلی بھی جا سکتی ہو۔ ہم دونوں کا یہاں تک ساتھ ہی ٹھیک ہے۔ باہر ہمارا ایک ساتھ رہنا کسی بھی وقت رنگ دکھا سکتا ہے۔"

"پھر میں پہلے ماسٹر رابرٹ سے اپنا سامان لاؤں گی اس کے بعد کچھ سوچا جائے گا۔"

اسی وقت ویٹر ناشتا لے آیا۔ اس میں بس وہی اشیا شامل تھیں جو میں نے اپنے آرڈر میں نوٹ کرائی تھیں۔ ہم دونوں خاموشی سے اپنی اپنی پسند کی چیزوں سے انصاف کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ناشتے کے بعد ویرا کسل مندانہ انداز میں بستر پر دراز ہو گئی۔ میں نے لباس تبدیل کیا اور تیار ہو کر ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا۔ کمرا چھوڑتے ہوئے میں ساؤتھ آل کے علاقے کا ایک چکر لگانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

ہوٹل سے آکسفورڈ سرکس اور بونڈ اسٹریٹ کے ٹیوب اسٹیشنوں کا فاصلہ تقریباً برابر ہی تھا۔ میں بونڈ اسٹریٹ کی طرف ہو لیا۔ خراماں خراماں اس طرف جاتے ہوئے میرا ذہن مسلسل تازہ ترین فیصلے پر کام کرتا رہا۔ میرے لیے اس علاقے میں صرف اور صرف ایک ہی خطرہ پنہاں تھا کہ انڈین ہائی کمیشن کا سری نواسن بھی ساؤتھ آل میں رہتا تھا اور رمیش اگروال بھی اسی کے گھر ٹھہرا ہوا تھا۔

رمیش سے لندن میں کہیں بھی میرا آمنا سامنا ہونا میرے کھیل کو بگاڑ سکتا تھا۔ ساؤتھ آل کے علاقے میں یہ امکان سب سے زیادہ تھا۔

ٹیوب اسٹیشن پر پہنچنے تک میں اپنا ارادہ بدل چکا تھا۔ رمیش اور بدری پچھلی رات ہی لندن پہنچے تھے۔ غالب امکان یہی تھا کہ گھر میں دیر تک سونے کے بعد وہ قرب وجوار کے بازار کا جائزہ لینے کے لیے باہر نکلیں گے۔ ایسے میں میرا وہاں موجود ہونا خطرناک تھا۔

ٹریول کارڈ لے کر میں بونڈ اسٹریٹ سے بیکر اسٹریٹ ٹیوب اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس روٹ پر ٹرین میں مسافروں کا خاصا ہجوم تھا۔

بیکر اسٹریٹ کی زمین دوز سیڑھیوں سے نکلنے والے ریلے میں شامل ہو کر میں باہر آیا تو مادام تساؤ کے مومی عجائب گھر اور پلانے ٹوریم کا گنبد دور ہی سے نظر آ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں ویرا سے پہلے ہی لندن کے اس حیرت کدے کی سیر کر لوں۔

میں سگریٹ کے کش لگاتا ہوا قریب پہنچا تو ٹکٹ گھر کے سامنے تماشائیوں کی ایک لمبی قطار نظر آئی جو بہت دھیرے دھیرے آگے سرک رہی تھی۔ قطار کے آخری سرے پر لگ کر میں نے حساب لگایا کہ ٹکٹ کے حصول،

موں جب لھر کی سیر اور سیارگاہ میں فلکیاتی نظاروں کے
لیے کم از کم چار گھنٹے کی مدت ضرور درکار تھی۔ اس کا
مطلب تھا کہ میرا وہ دن اسی ایک مقام کی نذر ہو جاتا اور
وہاں سے نمٹنے کے بعد جب میں بدری ناتھ کو فون کرتا تو
ہر بات اگلے دن کے لیے ٹالنی پڑ جاتی۔ میں نے مڑ کر
دیکھا تو حیران رہ گیا کہ میرے پیچھے بھی پچاسیوں بچوں،
بڑوں، مردوں اور عورتوں کی قطار لگ چکی تھی۔

ایک مشہور تفریح گاہ کی قطار سے اچانک نکل بھاگنا مجھے
اچھا نہ لگا۔ اس بدذوقی سے بچتے ہوئے میں نے کوئی اہم
بات یاد آنے کی اداکاری کی اور قطار سے نکل کر اس طرف
ہولیا جہاں عجائب گھر کے ساتھ ہی فوٹوگرافر کی دکان تھی۔

اس دکان کے فوٹوگرافر عجائب گھر کے مختلف حصوں میں
منتخب اور باحیثیت نظر آنے والے غیر ملکی جوڑوں کی مفت
تصاویر بنا کر انہیں ایک نمبر دے دیتے ہیں۔ سیر سے
فارغ ہو کر ایسے جوڑے کاؤنٹر پر جائیں تو وہاں ان کی
دھلی دھلائی تصاویر موجود ہوتی ہیں۔ تصویر پسند آئے تو
پاؤنڈ دے کر خرید لیں، ناپسند ہو تو کچھ نہیں دینا۔ دکان دار
تصویر ضائع کر دے گا۔

اس وقت میں اندر گیا تھا، نہ میں نے تصویر بنوائی
تھی۔ میں ادھر سے گزر کر آگے نکلتا چلا گیا۔

اس موی عجائب گھر سے تھوڑے فاصلے پر مشہور
ریجنٹس پارک واقع ہے جس میں لندن کا چڑیا گھر واقع
ہے اسی پارک کے ایک سرے پر جامع مسجد بنی ہوئی ہے
جہاں پنج وقتہ نمازوں کے ساتھ سارا دن تبلیغ وتربیت کا
سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔

میں پارک میں سے گزرنے والی سڑکوں سے دور
ایک سرسبز قطعے پر جا کر بیٹھ گیا۔ ہوٹل کے بند کمرے کے
مقابلے میں اس پارک کی خنک فضا مجھے بہت بھلی معلوم
ہو رہی تھی۔

کافی دیر تک وہاں ستانے کے بعد بے کاری اور خالی پن
کا احساس مجھے ستانے لگا۔ قدرت نے آسمان سے
بوندیں ٹپکا کر میرے اس احساس کی تائید کی اور میں دوبارہ
اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ وہ بوندیں پھوار کے مقابلے
میں کافی تیز تھیں۔ میں نے فوراً ہی اپنی مہنگی برساتی
پہنی، ٹوپی سر پر منڈھ کر اسے کالر سے جوڑا اور پھر ایک
طرف چل دیا۔

قریب ترین سڑک پر پہلی بس نظر آتے ہی میں اس
میں سوار ہوا اور ڈرائیور کو ٹریول کارڈ دکھا کر اندر بیٹھ گیا۔ وہ
بس کچھ نامانوس راستوں سے گزرنے کے بعد جوں ہی
ماربل آرچ کے نزدیک ٹھہری میں نے بس میں طے کیا اور
آکسفورڈ اسٹریٹ عبور کر کے ہوٹل کی طرف ہولیا۔

ہوٹل کے بورڈ پر کمرے کی چابی موجود تھی۔ اس
کا مطلب تھا کہ ویرا باہر جا چکی تھی۔ میں نے کلرک سے
چابی طلب کی تو اس نے میرا نام پوچھا، دراز میں جھانک کر
نام کی تصدیق کی اور چابی میرے حوالے کر دی۔ اپنے
آرام دہ کمرے میں پہنچ کر میں نے برساتی اور غیر ضروری
کپڑوں سے نجات حاصل کی اور فریج میں سے بیئر کا ایک
ڈبا نکال کر ٹیلی وژن آن کر دیا۔

ہر چینل مصروف تھا مگر کہیں سے بھی میری دلچسپی کا
کوئی پروگرام نہیں آ رہا تھا۔ میں نے بی بی سی لگا کر آواز
بند کر دی اور پھر فون کی طرف متو... گیا۔

چند ثانیوں بعد میں نے سری نواسن کے گھر کا
نمبر ملایا۔ ایک کے بعد دوسری گھنٹی بجی اور پھر ریسیور اٹھا لیا
گیا۔ دوسری طرف سے آنے والی آواز سن کر میں اپنی جگہ
سن ہو کر رہ گیا۔ وہ رمیش اگروال کی آواز تھی جسے
میں ہزاروں کے شور میں بھی شناخت کر سکتا تھا۔

میرے دل میں آئی کہ منہ سے ایک لفظ بھی نکالے
بغیر فون بند کر دوں مگر اس طرح وہ شکوک وشبہات
میں مبتلا ہو کر کچھ بھی سوچ سکتا تھا۔ میں نے لمحہ بھر
میں فیصلہ کر لیا کہ اس سے آواز بدل کر بات کروں گا۔

اس نے ریسیور اٹھا کر اپنا نام بتانے کے بجائے محض
ہیلو کہا تھا۔ میں نے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں گرنام
بول رہا ہوں۔ ذرا بدری ناتھ کو فون پر بلا دو۔''

''تم کون ہو؟'' میرے کانوں میں اس کی سرد

آواز تیر گئی۔
"میں نے کہا نا کہ میں گرنام ہوں۔ کیا تم کچھ اونچا سنتے ہو؟" میں نے کہا۔
"میرا مطلب ہے کہ بدری سے تمہارا کیا تعلق یا سمبندھ ہے۔" اس نے اپنا مدعا واضح کیا۔
"کیا اس سے بات کرنے سے پہلے یہ سب بتانا ضروری ہے؟" میں نے خفگی سے پوچھا۔
"ہرگز نہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ وہ موجود نہیں ہے تم پیغام دے دو۔"
"پھر سری نواسن کو بلا دو۔" میں نے اس کے آخری فقرے کو نظر انداز کر دیا۔
"سری نواسن اور اس کی بیوی کام پر ہیں۔ بچے اسکول سے نہیں لوٹے۔ بدری باہر بازار تک گیا ہوا ہے۔ اس وقت گھر میں صرف میں ہی ہوں۔ تم......"
"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کے پوچھا۔
"رمیش اگروال!" اس نے جواب دیا۔ "میں بدری کا دوست ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ کل شام بھی تم نے اس سے بات کی تھی۔ تم پورے اعتماد سے اپنا پیغام دے سکتے ہو۔ وہ آئے گا تو میں اسے بتا دوں گا۔"
پچھلے دن کی گفتگو کا حوالہ دے کر اس نے بہت مکاری کے ساتھ مجھے اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کی تھی۔ میں نے جواب دینے بجائے ایک اور سوال کر ڈالا۔
"وہ کتنی دیر میں آئے گا؟"
"دس پندرہ منٹ میں۔ اسے گئے ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے۔ تم ڈرو نہیں۔ اپنی بات مجھ سے کہہ ڈالو۔ بدری کی ہر بات میرے علم میں رہتی ہے۔" وہ مجھے شیشے میں اُتارنے کی کوشش کرتا رہا۔
"وہ آئے تو اسے بتا دینا کہ میں نے اس کے لیے فون کیا تھا۔"
اتنا کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔ غیر متوقع طور پہ اس سے بات کرتے ہوئے مجھے اس موسم میں بھی ہلکا سا پسینہ آ گیا تھا۔ وہ میری آواز ذرا بھی پہچان لیتا تو کھیل بگڑ جاتا۔
اپنا اعصابی تناؤ دور کرنے کے لیے میں نے بیئر کا ایک گھونٹ لے کر سگریٹ سلگا لی۔ اگلی کال میں نے آدھے گھنٹے بعد کی۔ اس بار ریسیور بدری ناتھ نے ہی اُٹھایا تھا۔
"یہ میری دوسری کال ہے۔ تم کہاں گئے ہوئے تھے؟" میں نے پوچھا۔
"تعاقب کا اندازہ لگانے کے لیے صبح سے چوتھی بار باہر نکلا تھا۔ رمیش نے مجھے تمہارے فون کے بارے میں بتا دیا تھا۔ اسے تجسس ہے کہ تم روز کیوں فون کر رہے ہو۔"
"کیا بات ہے۔ اس وقت تم بہت کھل کر گفتگو کر رہے ہو۔"
"ہاں۔ میرے آنے کے بعد رمیش باہر گیا ہے۔ اس وقت میں گھر میں اکیلا ہوں۔"
"اوہ...... لیکن تم باری باری باہر کیوں جا رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔
"ہم دونوں پر الگ الگ آدمی لگائے تھے۔ ایک ساتھ جا کر اندازہ ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم دونوں میں سے کس کا پیچھا کیا جا رہا ہے۔ تمہارا اندازہ بالکل دُرست نکلا ہے۔ ہم دونوں کا چھپ کر پیچھا کیا جا رہا تھا مگر وہ لوگ اناڑی معلوم ہوتے ہیں۔ ہماری نظروں سے نہیں بچ سکے۔"
"یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا؟" مجھے تشویش ہونے لگی۔ "پورا یقین ہوتے ہی میں نے دفتر میں سری نواسن سے شکایت کی تھی۔ اس نے پھر وہی محافظ والی بات دہرائی جو اسے کسی بڑے نے بتائی تھی۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ حفاظت کرنے والے چوروں کی طرح چھپ کر پیچھا نہیں کیا کرتے ہیں۔ سائے کی طرح ہر وقت قریب رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس نے سیکورٹی چیف اور دوسروں سے بات کرنے کے بعد بتایا کہ ہماری خفگی کی وجہ سے محافظوں کو واپس بلایا جا رہا ہے۔ اب ہمیں خود ہی اپنی

حفاظت کرنی ہوگی۔ کوئی ہماری ذمے داری نہیں لے گا۔"
"پھر کیا نتیجہ نکلا؟ اس وقت کیا صورتِ حال ہے؟" میں نے پوچھا۔
"یقین دہانی کے ایک گھنٹے بعد بھی ہمارا پیچھا ہوتا رہا لیکن تیسرے اور چوتھے چکر میں، میں کسی کو نہیں دیکھ سکا۔ پھر بھی میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ انہوں نے ہمیں تسلی دے کر آدمی بدل دیے ہوں اور نئے آدمی اپنے کام سے خوب واقف ہوں۔"
"جب تک تعاقب کی تلوار سر پر لٹکی رہے گی، تم کچھ نہیں کر سکو گے۔"
"میں یہ سب سمجھ رہا ہوں۔ میں نے سری نواسن کو بتا دیا ہے کہ اب کوئی پیچھا کرتا ہوا نظر آیا تو میں اسے مار بیٹھوں گا۔ اس نے مجھے کھلی چھوٹ دے دی ہے۔ ہمارے اور دوسروں کے درمیان رابطے کی ساری ذمے داریاں وہی انجام دے رہا ہے۔ ایک آدھ روز میں ہی صحیح پوزیشن سامنے آسکے گی۔"
"تم تو کہہ رہے تھے کہ سری نواسن تمہارا دوست ہے پھر اب رابطہ افسر کیسے ہو گیا۔"
"ہم سب ایک دوسرے کے پرانے ساتھی اور دوست ہیں مگر اب سب کچھ بدلا ہوا ہے۔ کوئی کھل کر بات کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ ہر شخص مجھے ٹٹولنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کئی بار مجھے سری نواسن کی گول مول اور بے سروپا باتوں پر غصہ بھی آچکا ہے۔"
"اور رمیش کا کیا حال ہے؟" میں نے رسانیت سے پوچھا۔
"بظاہر ٹھیک ہے مگر میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ وہ چپکے چپکے دوسروں کو میری طرف سے بدظن کر رہا ہے۔ اب اسے ڈھیل دینا خطرناک ثابت ہوگا۔ تم اپنا کام کر ڈالو، میری طرف سے گرین سگنل ہے۔"
"تم نے اپنے اس فیصلے کے نتائج پر غور ضرور کر لیا ہوگا" میں نے کہا۔
"زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ امریکا کے بجائے مجھے انڈیا بھیج دیا جائے گا۔ ذہنی اذیت کے عالم میں سسکتے رہنے اور بے موت مارے جانے سے بہتر ہے کہ میں لوٹ جاؤں۔"
"اس کا مطلب ہے کہ نک موڈلے اپنے حربوں سے تمہارے اعصاب توڑنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔"
"نک موڈلے کی مجھے ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ سارا ڈر آستین کے سانپ کا ہے۔ پتا نہیں یہ کب ڈس لے۔ وہ میرا انک سے بڑا دشمن ثابت ہو رہا ہے۔"
"اور تم لندن میں کب تک رکے رہو گے؟" میں نے ایک گہرا سانس لے کر پوچھا۔ اس وقت مجھے بدری ناتھ پر ترس آرہا تھا۔ وہ پردیس میں پھنسا ہوا ایسا بے یارومددگار شخص تھا جس سے اس کے پرانے دوستوں نے آنکھیں پھیر لی تھیں اور قریب ترین ساتھی بھی دغا دینے پر تل گیا تھا۔
"کچھ پتا نہیں۔ کراچی یا نیویارک سے اشارہ ملنے تک میں یہیں پڑا رہوں گا۔"
"تم کل کے مقابلے میں اس وقت زیادہ دل برداشتہ معلوم ہو رہے ہو۔"
"کل میں بیلا اور سری نواسن کے سوا کسی سے نہیں ملا تھا۔ آج کئی پرانے ساتھیوں سے بات کر چکا ہوں اور ان سب نے مجھے مایوس کیا ہے۔ میں کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا۔"
"حوصلہ ہارنے کے بجائے ان حالات کا مقابلہ کرو۔ تم دیکھو گے کہ رمیش کے ہٹنے کے بعد ان حالات میں کوئی نہ کوئی بڑی تبدیلی آئے گی۔ میں اس کام کو جلد از جلد نمٹانے کی کوشش کروں گا۔"
"معلوم ہو رہا ہے کہ تمہارے ذہن میں کوئی تجویز جنم لے چکی ہے۔" وہ خوش ہو کر بولا۔
"ایسا نہیں ہے مگر کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔" میں نے اسے یقین دلایا۔
مجھے ریسیور پر بزر کی آواز سنائی دی اور بدری بولا۔
"شاید رمیش لوٹ آیا۔"

''بس میں فون بند کر رہا ہوں۔ اسے نہ بتانا کہ میں نے دوبارہ فون کیا تھا۔'' یہ کہہ کر میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس وقت بدری ناتھ ذہنی طور پر اتنا منتشر اور پریشان تھا کہ اس نے مجھ سے پتے یا فون نمبر کے لیے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ انڈین سیکریٹ سروس کا ایک پرانا وفادار تھا۔ شاید اس انکشاف نے اس کو اندر تک سے مجروح کر دیا تھا کہ عمر کے اس مرحلے پر اس کی وفاداریوں کو مشکوک سمجھ کر اس کی نگرانی کرائی جا رہی تھی۔

اس کے ذہن میں یہ بات میں نے ہی بٹھائی تھی۔ اگر میں اس پر یہ حربہ استعمال نہ کرتا تو وہ نگرانی کو حفاظت سمجھ کر اطمینان سے لندن میں روٹیاں توڑتا رہتا اور ایک دن اپنے ساتھ مجھے لے ڈوبتا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ میدان صاف ہونے کے بعد جب اس سے مل بیٹھنے..... کا موقع ملے گا تو اس کا کھویا ہوا اعتماد تیزی سے بحال ہوتا چلا جائے گا۔

اس ادھیڑ بن میں ایک نئے خطرے نے میرے ذہن میں سر ابھارا۔ پہلے بدری ناتھ نے سری نواسن کو اپنا دوست کہا تھا لیکن اب وہ اس کے گھر میں رہتے ہوئے بھی اس کے طرزِ عمل سے مطمئن نہیں تھا اور اسے روایتی رابطہ افسر قرار دے رہا تھا۔

اگر وہ سری نواسن کی ہمدردیوں سے بھی محروم ہو چکا تھا تو پھر وہ ڈوبنے والا ہی تھا۔ سری نواسن کو معلوم تھا کہ اس کے لیے کسی گرنام نے فون کیا تھا۔ یہ بات رمیش کے علم میں بھی تھی۔ ظاہر ہے کہ بدری نے ان دونوں کو یہی بتایا ہوگا کہ گرنام اس کا کوئی پرانا دوست ہے مگر وہاں یہ بات شبہے میں ڈال دیتی کہ ایسا کون سا قریبی دوست ہے جو لندن میں رہتے ہوئے بھی بس فون میں باتیں کرتا ہے لیکن ذاتی طور پر اس سے ملنے نہ آئے۔

میں نے اندازہ لگایا کہ مایوسی کے عالم میں بدری ہر ایک کو غلط سمجھ رہا ہے۔ رمیش اس کی راہ کا اکلوتا پتھر تھا جو ساری دشواریاں پیدا کر رہا تھا۔ وہ راستے سے ہٹا دیا جاتا تو ان لوگوں میں بدری کے سوا کوئی مجھے نہیں جانتا تھا۔ میں گرنام یا کوئی بھی فرضی نام اختیار کر کے آزادی سے بدری سے مل جل سکتا تھا۔ یہ باہمی میل جول ہی بدری کو مایوسی سے نکال کر اس کے مقام پر بحال کر سکتا تھا۔

بدری ناتھ کی رضامندی مل جانے کے بعد رمیش کا جلد از جلد مار دیا جانا ضروری ہو گیا تھا۔ لندن پہنچنے کے بعد بدری جن ذہنی صدمات سے دوچار ہوا تھا ان کے پیشِ نظر یہ خطرہ بھی موجود تھا کہ وہ کسی وقت اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کر کے اسے زندہ چھوڑنے کا ارادہ کر لے اور بعد میں عمر بھر اپنی اس سنگین غلطی پر کفِ افسوس ملتا رہے۔ وہ صورتِ حال میرے لیے بہت تکلیف دہ ثابت ہو سکتی تھی ادھر سے میرے خیالات کی رو اچانک سلیم اکبر خان کی طرف بہک گئی۔ اسے کچھ ہی دیر بعد کراچی کے..... بین الاقوامی ہوائی اڈے پر اُتر جانا تھا۔

سلیم اکبر کے ساتھ جب مجھے اول خان کا خیال آیا تو میں ہڑبڑا گیا۔

کراچی والوں کے پاس ماسٹر رابرٹ اور رائل ہوٹل کے فون نمبر تھے۔ کسی بھی ضرورت کے لیے وہ ہم دونوں کو ان ہی دو نمبروں پر تلاش کرتے رہتے جب کہ عملاً وہ دونوں ہوٹل چھوڑے جا چکے تھے۔ میں نے فوراً ہی کراچی فون کرنے کے ارادے سے ریسیور اُٹھایا مگر نمبر گھمانے سے پہلے ہی مجھے آپریٹر کا دھیان آ گیا۔

انٹر کام پر میں نے اسے مطلع کیا کہ میں کمرے کی بکنگ کے ساتھ ہی دو سو پاؤنڈ جمع کرا چکا ہوں اور اس وقت کراچی میں فون کرنے جا رہا ہوں۔ کال طویل ہونے کی صورت میں بھی اسے مداخلت کی ضرورت نہیں۔ فون کا بل میں فوری طور پر ادا کر دوں گا۔

بعد کی کسی شکایت کے مقابلے میں وہ پیشگی وضاحت میری نظروں میں زیادہ بہتر تھی۔

فون ملنے پر پہلے سلطان شاہ سے بات ہوئی مگر دُعا سلام کے بعد ہی اول خان لائن پر آ گیا۔

''تم کہاں غائب ہو۔ کراچی میں کسی کو تمہارے

بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔'' دُعا سلام کے بعد میں نے اس سے شکوہ کیا ''غنیمت ہے کہ آج فون پر تمہاری آواز سننے کو ملی ہے۔''

''مدن موہن کا ریکٹ بہت بڑا اور خطرناک تھا۔ اگر اسے تھوڑی سی اور مہلت مل جاتی تو وہ پاکستان کو ایسا نقصان پہنچاتا کہ ہم راس المیڈا اور دوسروں کو بھول جاتے۔ میں دن رات اسی سازش کے مہروں کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ دو آدمیوں پر اسلام آباد کی اجازت کے بعد ہی ہاتھ ڈالا جاسکا ہے۔ واپس آؤ گے تو ان لوگوں کے کرتوتوں کی تفصیل جان کر تم حیران رہ جاؤ گے۔''

''شاید اب تم اس قصے سے نمٹ گئے ہو اسی لیے سلطان شاہ کے پاس موجود ہو۔''

''نہیں۔ کل سے یہ بے چارہ بالکل اکیلا ہے۔ میں اس کا دل بہلانے کے لیے یہاں آ گیا تھا۔ غزالہ کل ہی میری بیوی سے مل کر واپس آ رہی تھی لیکن اس بھلی عورت نے غزالہ کو زبردستی دو چار دن کے لیے اپنے پاس روک لیا ہے۔ وہ جانتی ہے کہ شوہر کے چلے جانے کے بعد بیوی پر کیا گزرتی ہے۔ وہ غزالہ کو اپنے پاس مصروف رکھ کر..... ..... بہلا رہی ہے۔ تم چاہو تو میرے گھر فون کر کے اس سے بات کر سکتے ہو۔''

''غزالہ کی خبر گیری پر میری طرف سے بھابی کا شکریہ ادا کر دینا۔'' میں نے خلوص دل سے کہا۔ ''اسے ایسی ہی دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔''

''یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت کیسے فون کیا ہے؟'' اول خان نے پوچھا۔

''اہم ترین بات یہ ہے کہ ہم دونوں نے ہوٹل چھوڑ دیے ہیں اور اب ایک نئے ہوٹل میں آ گئے ہیں۔ جلدی سے اس کا فون نمبر وغیرہ لکھ لو۔'' یہ کہہ کر میں نے نمبر دہرا دیا۔

''یعنی اب تم دونوں ایک ساتھ رہو گے؟'' اول خان کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جسے میں محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''تم خود سمجھ دار ہو۔ میں اس بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ غزالہ نے تم پر اعتماد کر کے تمہارے شانوں پر بھاری ذمے داری ڈال دی ہے۔''

''میں اپنی مجبوریوں اور ذمے داریوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم اس سے بے فکر رہو۔ دوسری اطلاع یہ ہے کہ وہ دونوں کل آ گئے۔ میں بدری سے رابطے میں ہوں۔ ایک آدھ روز میں وہ اکیلا ہی رہ جائے گا۔ دوسرے کے بارے میں فیصلہ کر لیا گیا ہے۔''

''اسلم! ذرا آہستہ آہستہ چلو۔'' اس کی تادیبی آواز سنائی دی۔ ''اتنی تیز رفتاری اچھی نہیں ہوتی۔ ابھی تو پچھلا قصہ بھی زور شور سے چل رہا ہوگا۔''

''چل رہا ہے مگر خطرات موہوم ہیں اسی لیے ہم دونوں مل بیٹھے ہیں۔''

''میری دُعا ہے کہ تم ہمیشہ خطرات سے محفوظ رہو۔ خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔''

''تیسری خبر۔ سلیم آج آٹھ بجے یہاں سے نکل گیا۔ اب وہ تمہارا معاملہ ہے۔''

''میرے آدمی ہر لمحے اسے نگاہوں میں رکھیں گے۔ اُسے اس وقت رنگے ہاتھوں پکڑا جائے گا جب وہ اپنی تجوری میں سے ممنوعہ کاغذات اور ان کی نقلیں نکال رہا ہوگا۔''

''اُمید کی کرن پیدا ہوتے ہی اس کے حوصلے پھر بلند ہو چکے ہیں۔ خیال رکھنا کہ کہیں وہ سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نہ نکل جائے۔ میں نے اس پر خاصی محنت کی ہے۔''

اول خان کی بے ساختہ ہنسی کی آواز آئی پھر اس نے کہا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ تحویلِ مجرمین کے بین الاقوامی معاہدوں یا پھر کسی جوابی مجرمانہ کارروائی کے بغیر کسی کو واپس لانا کتنا دُشوار ہوتا ہے۔ جب تک وہ اس ملک میں ہے مجھ سے نہیں بچ سکے گا۔ یہ بتاؤ کہ اب تم لندن میں کب تک جمے رہو گے؟''

''وہ کل ہی یہاں پہنچا ہے اور آتے ہی بری طرح

اُلجھ گیا ہے۔ فی الحال آگے روانگی کا کوئی پروگرام نظر نہیں آ رہا۔ ایک دو روز میں گرد بیٹھے گی تو کچھ پتا چلے گا۔"

"کراچی کے بارے میں وہ کیا کہتا ہے؟" اول خان کا لہجہ متجسس ہو گیا۔

"اس سے ابھی تک صرف فون پر بات ہوئی ہے اور اس نے کوئی اچھی خبر نہیں سنائی۔ صرف اتنا کہا ہے کہ بگاڑ پیدا ہوا تھا مگر وہ دوررس نہیں تھا۔ تفصیل اسی وقت معلوم ہو سکے گی جب اس سے آمنے سامنے بات ہو گی۔"

"کوئی گڑبڑ ہونے سے پہلے تمہیں اس سے مل بیٹھنے کی کوشش کر لینی چاہیے۔"

"اس کے قدم رکھتے ہی گڑبڑ آغاز ہو چکا ہے۔ ائرپورٹ سے ہی ان کی نگرانی شروع ہوئی تھی جسے حفاظت کا نام دیا گیا تھا۔ میرے ہوش دلانے پر اس نے احتجاج کیا تو آج دوپہر وہ سلسلہ ختم ہوا ہے۔ پھر بھی وہ مطمئن نہیں ہے۔ دو چار مرتبہ باہر نکلنے کے بعد اسے صحیح اندازہ ہو گا کہ اس کا پیچھا چھوڑ دیا گیا ہے یا زیادہ ہوشیاری سے نگرانی کا سلسلہ جاری ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہاں بھی تم دلدل میں پھنسے ہوئے ہو۔" اول خان کی پرتشویش آواز آئی۔ "جب تک نگرانی ختم ہونے کا یقین نہیں ہو جاتا' اس کے قریب جانا بھی خطرناک ہو گا۔"

"فی الحال گومگو کی کیفیت میں انتظار جاری ہے' اندیشوں میں وقت گزر رہا ہے۔"

"میں کام کے کسی آدمی کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں تا کہ لندن میں تمہیں کوئی مدد مل سکے...... پتا نہیں روزی کے پرانے واقف کاروں کا رویہ اب کیا ہو گا۔"

"تم بہت اہم نکتے پر کام کر رہے ہو۔ ہم خالی ہاتھ آئے تھے اور ابھی تک خالی ہاتھ ہی ہیں۔" میں نے ذو معنی الفاظ استعمال کرتے ہوئے اسے نہتا ہونے کے بارے میں بتایا۔ "اعتماد کا کوئی آدمی مل جائے تو یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ روزی کو اپنے پرانے آدمیوں سے کوئی... توقع نہیں ہے۔"

"ایسے کاموں میں ہر شخص چڑھتے سورج کی پوجا کرتا ہے۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "آج کل وہ معتوب ہے کوئی اسے گھاس نہیں ڈالے گا۔"

"اس کا خیال ہے کہ امریکا میں کچھ لوگ آج بھی صدق دل سے اس کا ساتھ دیں گے۔ یہاں والے ہر اس شخص کو تعظیم دینے کے عادی ہیں جس کے سر پر قیادت کا تاج ہو۔"

"اس لڑکی کی عمر زیادہ نہیں ہے۔ لیکن وہ بہت تجربے کار ہے۔ اس کی بات کے پیچھے اس کا تجربہ بولتا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اسے تمہارے ساتھ بھیجنے کو ترجیح دی تھی ورنہ اس سفر میں تمہارے ساتھ ہونے کا اصل حق غزالہ کا ہی تھا۔"

"یہ بات غزالہ بھی جانتی ہے۔ اسی وجہ سے اس نے تمہارے فیصلے پر احتجاج نہیں کیا ورنہ وہ تنہائی میں مجھ سے شکایت و شکوہ ضرور کرتی۔"

"تم ساحل کو چھوڑ کر اب منجدھار میں نکلے ہو۔ میں تمہارے حق میں بس دُعا ہی کر سکتا ہوں۔ اب ذرا سلطان شاہ سے بھی بات کر لو۔ یہ بہت بے چین ہو رہا ہے۔"

ریسیور ہاتھ میں آتے ہی سلطان شاہ کی زبان چل پڑی۔ "اس گھر کے در و دیوار سے اب مجھے وحشت ہو رہی ہے۔ تم دونوں ادھر نکل گئے۔ غزالہ اپنے نئے میکے میں جا کر بیٹھ گئی۔ چوکیداری کے لیے میں یہاں رہ گیا ہوں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں بھی تم سے آ ملوں۔"

"یہاں تم اور زیادہ وحشت زدہ ہو جاؤ گے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"میں روزی سے زیادہ تجربے کار ہوں۔ تمہارا کام بہت ہلکا ہو جائے گا۔" وہ کراہا۔

"کام پہلے ہی بہت ہلکا ہے۔ تمہارا وہاں رہنا ضروری ہے۔"

"ابھی اول خان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ روزی بھی تمہارے ساتھ آ گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اب...

ں کے حالات کچھ سازگار ہو گئے ہیں۔''
''حالات پہلے بھی سازگار ہی تھے مگر ہم احتیاط سے
م لے رہے تھے۔''
''لندن سے آنے والی اخباری اطلاعات خطرناک
یں۔شاید وہ سب......''
میں نے اس کی بات درمیان ہی سے کاٹ دی۔
ڑے مردے مت اکھیڑو۔اب آگے کی بات سوچنے
۔یہاں ہم خود بھی ماضی کو دفن کر کے آگے بڑھنے کی
شش کر رہے ہیں۔''
''تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔تنہائی اور بیزاری نے ان
ن چار دنوں میں میرا دماغ ماؤف کر دیا ہے۔غزالہ بھی تو
ں سے میں ہمدردی کے بولوں کے سوا اور کیا کہہ سکتا تھا۔
ارے جانے کے بعد وہ بے چاری بہت اداس ہے۔''
''میں تمہارا مسئلہ سمجھ رہا ہوں۔روزی وہاں سے
ئی ہے تو اب تمہیں اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو رہا
ے۔میں نے نیا فون نمبر اول خان کو لکھوا دیا ہے۔کسی
ت روزی سے بات کر لینا۔تمہارے دل کی ساری
اس نکل جائے گی۔''
''کیا یہ نیک کام اسی وقت نہیں ہو سکتا؟''سلطان
ہ کی آواز عاجزانہ ہو گئی۔
میں بے اختیار ہنس پڑا۔''وہ موجود ہوتی تو میں خود
اس سے تمہاری بات کرا دیتا۔''
''تو کیا وہ اکیلی کہیں گئی ہوئی ہے؟''
''ایسے بھولے نہ بنو۔تم بھی یورپ کی ہوا کھا چکے
ے۔یہاں ہزاروں لڑکیاں اکیلی ہی گھومتی پھرتی ہیں اور
ئی انہیں سینگ نہیں مارتا۔''
''تمہاری ہدایت ہے تو میں اس سے فون پر ضرور
ت کر لوں گا مگر......''
میں نے ایک مرتبہ پھر اس کا فقرہ اچک لیا۔''یہ
یت نہیں صرف مشورہ تھا۔ہدایت سمجھ رہے ہو تو اس
ے ہرگز بات نہ کرنا میں اسے بھی منع کر دوں گا۔''
''میں تمہارے مشوروں کو...بھی ہدایت ہی سمجھتا
ہوں لیکن تم نے میری پوری بات نہیں سنی۔میں یہ کہنا چاہ رہا
تھا کہ بیکاری مجھے کھائے جا رہی ہے۔میں کب تک یوں
ہی بیٹھا رہوں گا۔''
''جہانگیر کوئی چلتا ہوا کاروبار خریدنے کے چکر
میں تھا۔اس سے بات کر لو۔تمہاری مدد ملنے پر وہ خوش
ہو جائے گا مگر اس کی بیوی سے ذرا دور ہی رہنا۔وہ گود میں
سر رکھ کر اچانک ہی سینگ مارنے والی گائے ہے۔جہانگیر
کے ساتھ تمہارا وقت اچھا گزرے گا۔''
''تمہارے ساتھ اتنا وقت گزار لینے کے بعد اب
کسی کی نوکری کرنا میرے بس سے باہر ہے۔''
''یہ نوکری نہیں ہوگی۔وہ تمہیں اپنے چھوٹے بھائی کی
طرح رکھے گا۔''
''دل بہلانے کے لیے تم اسے کوئی بھی نام دے لو
مگر وہ نوکری ہی ہوگی۔اسے چھوٹی نہ سہی' ذرا بڑی اور بہتر
نوکری کہہ لو۔یہ میری بیزاری کا کوئی حل نہیں ہے۔''
''پھر تم اول خان کے ساتھ تھوڑی بہت تربیت لے
سکتے ہو۔اسے ہر وقت قابل اعتماد آدمیوں کی ضرورت
رہتی ہے۔اس طرح تمہارے اور اس کے درمیان مراسم
بھی بہتر ہو جائیں گے۔''
''یہ بہترین تجویز ہے۔''وہ خوش ہو گیا۔''میں ابھی
بات کیے لیتا ہوں۔''
میں فون بند کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ دروازے
پر دستک ہوئی۔میں نے فون پر کہا۔''ذرا ہولڈ کرو......
شاید روزی آ گئی ہے۔''
ریسیور سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر میں نے جلدی سے
دروازہ کھولا تو ویرا سوٹ کیس سمیت میرے سامنے
موجود تھی۔میں نے اس کے ہاتھ سے سوٹ کیس لے کر
کہا۔''جلدی سے فون اٹھاؤ۔سلطان شاہ تم سے بات
کرنے کے لیے مرا جا رہا ہے۔''
ویرا نے دوڑ کر ریسیور اٹھا لیا اور چہکنے لگی۔''کہو
اداس چوزے، تمہارا کیا حال ہے؟''
سوٹ کیس ایک کنارے سے رکھ کر میں نے ویرا کو

فون پر مصروف چھوڑا اور خود غسل خانے میں چلا گیا۔ اس عمل میں میری کسی ضرورت کا دخل نہیں تھا۔ بس ویرا کو آزادی اور بے تکلفی سے گفتگو کا موقع دینے کے لیے میں نے کمرا چھوڑ دیا تھا۔

سگریٹ سلگا کر آئینے میں اپنے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ اپنے چہرے پر داڑھی اور مونچھوں کا اضافہ کر کے میں اپنے چہرے میں ایسی تبدیلیاں لا سکتا تھا کہ پہلی نظر میں مجھے کوئی بھی شناخت نہیں کر سکتا تھا۔

مجھے بس وقت ہی گزارنا تھا۔ میں دیر تک آئینے کے سامنے اپنے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ سگریٹ ختم کر کے میں باہر نکلا تو ویرا فون پر گفتگو ختم کر چکی تھی۔

''تم نے اپنے دونوں کام بہت جلد نمٹا لیے۔'' میں نے ویرا سے متحیر ہو کر پوچھا۔

''کون سے دو کاموں کا ذکر رہے ہو؟ میں ماسٹر رابرٹ ہوٹل گئی تھی۔''

''پہلے تمہارا ارادہ موی عجائب گھر دیکھنے کا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ لوگ عجائب گھر کھلنے سے پہلے وہاں قطار لگاتے ہیں۔ وہ آدھے دن کا کام ہے۔ اسے کسی اور دن پر ملتوی کر کے میں ہوٹل چلی گئی تھی۔ وہاں کل کے واقعے کے چرچے آج بھی سننے میں آ رہے تھے۔ مجھے پورٹر نے بتایا کہ لندن پولیس کے اسپیشل اسکواڈ نے بہت تیز اور ڈرامائی کارروائی کر کے ان دونوں کو بے بس کیا تھا۔ وہ دونوں بھارتی صورتوں سے بدمعاش لگ رہے تھے۔''

''ہو سکتا ہے کہ پکڑے جانے والوں کو علم ہی نہ ہو کہ وہ انڈین ہائی کمیشن کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ایسے مواقع پر عام طور پر بیچ کا کوئی آدمی ضرور موجود ہوتا ہے جس کی وجہ سے دونوں فریق ایک دوسرے سے بے خبر رہتے ہیں اور کام پورا ہو جاتا ہے۔''

''یہاں آباد تارکین وطن میں بھارتی نژاد شہریوں کی بڑی تعداد کی وجہ سے ان لوگوں کو یہ سہولت حاصل کہ انہیں اس بھیڑ میں ہر قسم کے آدمی مل جاتے ہیں میرے لیے یہ بات حیران کن ہے کہ یہاں کا انڈین کمیشن تک موڈلے کے مفادات کے لیے کام کر رہا ہے۔''

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ کیا تمہیں بدری اور رمیش کی آمد سے اس گٹھ جوڑ کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔ وہاں بھی یہی صورت تھی۔ یہ دونوں قوتیں مل کر اب کسی بڑے منصوبے کا تانا بانا تیار کر رہی تھیں۔''

''اس وقت رمیش ہمارے منصوبے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ اس کا کوئی فیصلہ ہو جائے تو کام کافی آسان ہو جائے گا۔''

''تو یہ خوش خبری بھی سن لو کہ اس کے بارے میں تھوڑی دیر پہلے بدری نے گرین سگنل دے دیا ہے۔ اب ہمیں جلد از جلد اسے گھیر کر ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔''

''نگرانی کرنے والوں کی موجودگی میں یہ کام بہت دشوار ثابت ہوگا۔'' ویرا پرتشویش انداز میں بڑبڑائی ''ہماری توجہ دو طرف بٹی رہے گی۔ اس سے کام بگڑ سکتا ہے۔''

وہ اپنی بات کہتی رہی مگر میرا ذہن کسی اور طرف جا چکا تھا۔ میرے ذہن میں رمیش اگروال کے الفاظ گونج رہے تھے۔ میری پہلی کال پر اس نے بتایا تھا کہ سری نواسن اور اس کی بیوی کام پر گئے ہوئے تھے' بچے اسکول میں تھے' بدری بازار گیا ہوا تھا اور وہ گھر میں اکیلا تھا۔ اگر اس گھر کا روز کا معمول تھا اور اگلے دن بدری کسی مقررہ وقت پر گھر سے غائب ہو جاتا تو سری نواسن کا گھر رمیش اگروال کے بہترین مقتل میں تبدیل ہو سکتا تھا۔

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ کن سوچوں میں گم ہو؟'' ویرا نے مجھے خاموش پا کر ٹوکا۔

''اس کے قتل کا منصوبہ ذہن میں آ گیا ہے۔ بدری سے پتا لے کر مجھے آج رات ہی سری نواسن کے گھر کا جائزہ لینا ہوگا اور کل ساؤتھ آل والوں کو اپنے علاقے میں

تیسرے بھارتی ایجنٹ کی لاش کا تحفہ ملے گا۔"

میں نے کہا۔

ویرا حیرت اور بے یقینی سے میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔ میں نے اسے نظر انداز کر کے فون کا ریسیور اٹھالیا۔

میں نے فون پر پہلے تین ہندسے ہی ڈائل کیے تھے کہ ویرا نے اچانک جھپٹ کر کریڈل دبا دیا۔ درمیان میں لائن منقطع ہونے پر میں جھنجلا کر غصیلی نظروں سے اسے گھورنے لگا۔

ویرا بے خوفی سے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چند ثانیوں تک چڑانے والے انداز میں مسکراتی رہی پھر بولی۔"ریسیور رکھ دو اور مجھے بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہ رہے ہو۔"

میں نے ایک گہرا سانس لے کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور کہا"بعض اوقات تمہارا رویہ ضدی بچوں سے بھی گیا گزرا ہو جاتا ہے۔ فون پر ہونے والی گفتگو سن کر تمہیں معلوم ہو جاتا کہ میں کیا کر گزرنے کا ارادہ رکھتا ہوں مگر تم اپنی فطرت سے مجبور ہو۔ بتاؤ تم کیا جاننا چاہتی ہو۔"

"تم فون پر کس کا نمبر ملانے جا رہے تھے؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"سلیم اکبر خان کے چلے جانے کے بعد لندن میں میرے کتنے شناسا رہ گئے ہیں؟" اس کے لہجے پر میں نے بدمزگی سے ایک جوابی سوال کر ڈالا۔

"تمہاری آشنائیوں کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" وہ شانے اچکا کر بے پروائی سے بولی"تمہارے ذوق کا معیار اب اتنا گر چکا ہے کہ تم نے لڑکیوں کو چھوڑ کر چار چار بچوں کی ماؤں کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا ہے۔"

"چار بچوں کی وہ ماں میری نہیں، سلیم اکبر خان کی گرل فرینڈ تھی۔"

میرے چٹخنے پر وہ ہنس پڑی"اس نے جاتے ہوئے ایلیزا کو تمہارے حوالے کر دیا تھا۔"

"اس کے بھونکنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کے بارے میں، میں نے ہی تمہیں پوری تفصیل بتائی تھی اور اب تم ان ہی باتوں کے سہارے مجھ پر الزام تراشی کر رہی ہو۔"

"یہ صورت حال تم نے خود ہی پیدا کی ہے۔ تم اپنی شناسائیوں کے بارے میں سوال کرتے نہ مجھے ایلیزا کا خیال آتا میں نے تم سے صرف یہ جاننا چاہا تھا کہ تم کسے فون کر رہے ہو۔"

"کیا اتنی معمولی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آسکی کہ رمیش اگروال کے بارے میں اس وقت صرف بدری ناتھ سے ہی بات کی جاسکتی ہے؟" میں نے تلخی سے کہا۔

"اس بار بھی تم نے گھما پھرا کر جواب دیا ہے۔" وہ ہنس کر بولی۔"مگر پھر بھی بات واضح ہو گئی ہے۔ بدری نے رمیش کے بارے میں تمہیں گرین سگنل دے دیا ہے اور اب تم اس سے بات کر کے کل ہی اس کا قصہ تمام کرنے کا ارادہ کر چکے ہو مگر یہ کام کیسے ہوگا؟"

میں نے اپنے اعصاب پر قابو رکھنے کے لیے خاموشی سے سگریٹ سلگائی پھر دھیرے سے کہا"رمیش اگروال نے خود ہی مجھے اس کام کا راستہ سجھایا ہے۔ میں بہت اطمینان سے اسے سری نواسن کے گھر میں ہی ٹھکانے لگاؤں گا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکے گی۔"

"تو کیا سری نواسن اس گھر میں اکیلا رہتا ہے؟"

ویرا نے چونک کر پوچھا۔

"وہ عیال دار آدمی ہے۔ میں نے دن میں فون کیا تو گھر پر رمیش اکیلا تھا۔ اس نے بتایا کہ سری نواسن کے ساتھ اس کی بیوی بھی کام کرتی ہے، بچے اسکول چلے جاتے ہیں۔ اس وقت بدری بھی باہر گیا ہوا تھا۔ ایسے ہی کسی وقت پر وہاں چھاپا مارا جائے تو رمیش کو آسانی سے زیر کر لیا جائے گا۔"

"بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ ساؤتھ آل کے علاقے میں ہونے والا یہ تیسرا قتل پورے شہر کو چونکا دے گا۔ لندن میں جرائم کثرت سے ہوتے ہیں لیکن ان میں قتل جیسی سنگین وارداتیں خال خال ہی ہوتی ہیں۔ گیتا اور جیمو کے بعد رمیش اگروال پر اسرار طور پر مارا جانے والا تیسرا بھارتی ہوگا۔ چند روز میں ہونے والی یہ وارداتیں پولیس کو تمہاری راہ پر ڈال سکتی ہیں۔"

''یہ کیسے ممکن ہے؟ تمہاری یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ لوگوں کو کڑیاں یک جا کر کے سوچنے کے لیے بہت سا مواد مل جائے گا لیکن اس میں میرا ذکر نہیں آسکتا۔''

''تم سے مراد تمہارا نام نہیں ہے۔'' ویرا نے وضاحت کی۔''قانونی طور پر تمہاری یہاں آمد کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔تم نے اسلم خان کے نام سے سفر کیا ہے۔میں یہ بھی فرض کیے لیتی ہوں کہ رمیش اگروال کو تم بے داغ طریقے سے ٹھکانے لگاؤ گے اور جائے واردات پر کوئی سراغ نہیں چھوڑو گے مگر واقعات کی یکسانیت سے قاتل کے بارے میں بہت سے اندازے قائم کر لیے جائیں گے۔''

''وہ اندازے بے بنیاد ہوں گے۔ اصل خطرہ صرف اس ٹیکسی ڈرائیور سے ہوگا جس نے مجھے اور گیتا کو ساؤتھ آل تک پہنچایا تھا۔ہوسکتا ہے کہ رمیش کے قتل کے بعد پولیس زیادہ سرگرمی سے اس ڈرائیور کی تلاش شروع کر دے۔اس خطرے کے سدباب کے لیے میں نے فوری طور پر داڑھی مونچھیں رکھنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔''

''اپنے چہرے پر یہ فصل اگانے کے لیے تمہیں وقت درکار ہوگا۔ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک وہ ڈرائیور پولیس کے ہاتھ نہ آسکے۔میں حیران ہوں کہ اتنی تشہیر کے باوجود وہ دونوں ڈرائیور اب تک سامنے کیوں نہیں آئے۔ اسے صرف اور صرف ہماری خوش قسمتی کہا جاسکتا ہے۔''

''تمہیں لانے والے ڈرائیور کی خاموشی قابلِ فہم ہے۔اس نے تمہارے ایما پر گیتا کی ٹیکسی کا تعاقب کر کے ایک جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ وہ سامنے آئے گا تو خود بھی پھنس جائے گا مگر ہمارے ٹیکسی ڈرائیور کی روپوشی حیران کن ہے۔ وہ کسی بھی وقت سامنے آکر دشواریاں پیدا کرسکتا ہے۔''

''میں نے اسی لیے تمہیں فون کرنے سے روکا تھا۔ سوچے سمجھے بغیر، عجلت میں کوئی قدم اٹھا کر تم خطرات میں پڑ سکتے ہو اور تمہارے ساتھ میں بھی ماری جاؤں گی۔''

میرے پاس فوری طور پر اس کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔میں خاموشی سے سگریٹ کے گہرے کش لے کر حالات کا تجزیہ کرنے میں مصروف ہوگیا۔

ویرا نے میرے بشرے سے موقع کی نزاکت کا اندازہ لگالیا اور نوک جھونک سے گریز کر کے خود بھی سگریٹ نوشی میں مصروف ہوگئی۔ ریموٹ کنٹرول کی مدد سے اس نے ٹیلی وژن کھول لیا تھا۔

کافی دیر کی ادھیڑ بن کے بعد آخر کار مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میری نگاہوں کے سامنے سے پردہ سرکا دیا ہو میں نے ویرا سے کہا''اپنی الجھن میں پڑ کر ہم کل کے واقعے کو بالکل ہی فراموش کر بیٹھے ہیں۔''

''کون سا واقعہ؟'' میرے انکشاف پر ویرا نے چونک کر پوچھا۔

''ماسٹر رابرٹ ہوٹل پر دو مسلح اور مشتبہ بھارتیوں کی گرفتاری۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔'' وہ دونوں ہمارے لیے قربانی کے بہترین بکرے ثابت ہوسکتے ہیں۔''

''وہ پولیس کی تحویل میں ہیں۔تم ان سے کوئی فائدہ کیسے اٹھا سکو گے؟''

''یہ نیک کام اس شہر کی پولیس خود انجام دے گی۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''وضاحت کے بغیر تمہاری یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آسکے گی۔'' وہ بولی۔

''لندن پولیس کے اسپیشل اسکواڈ نے دونوں مسلح آدمیوں کو گرفتار کرلیا مگر وہ ایشیائی مسافر نکل گئے جن کا تعاقب کیا جارہا تھا۔پولیس کو یقینی طور پر ان کی بھی تلاش ہوگی۔ان کے بیانات سے مسلح افراد کے اصل عزائم کے بارے میں بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا ہے۔''

''یہاں تک تمہاری ہر بات سمجھ میں آرہی ہے۔'' ویرا نے میرے خاموش ہوتے ہی لقمہ دیا۔

''دوسری طرف بدری ناتھ اور رمیش اگروال کو سری نواسن کے گھر پہنچا دیا گیا۔سری نواسن انڈین ہائی کمیشن میں ملازم ہے۔اگر اس کے گھر میں رمیش اگروال قتل کردیا جاتا ہے تو سوچو کہ کیسی دلچسپ صورت حال سامنے آئی ہے۔''

''میں بڑی حد تک تمہارا منصوبہ سمجھ رہی ہوں۔کل دن میں سری نواسن اور اس کے بال بچے گھر پر نہیں

ہوں گے۔ بدری کوئی بہانہ بنا کر وہاں سے کھسک جائے گا اور تم وہاں پہنچ کر رمیش کو گھیر لو گے۔ گیتا سے حاصل کیا ہوا ریوالور تمہارے پاس موجود ہے۔ شاید تم اسے آسانی سے مار کر نکل آؤ گے مگر اس طرح بدری کی گردن پھنس جائے گی۔ وہ اس شہر میں اجنبی ہے۔ جائے واردات سے اس کی غیر حاضری کی ہر شہادت کمزور سمجھی جائے گی۔ ہوسکتا ہے کہ رمیش کا قتل اسی کے سر منڈھ دیا جائے۔''

''میں فون پر بدری سے یہی کہنے والا تھا کہ وہ کل کا دن اپنے ہائی کمیشن میں گزارے۔ بھارتی ہائی کمیشن کے سفارت کاروں کی شہادت کو لندن پولیس مسترد نہیں کرسکے گی۔''

''وہ ہائی کمیشن جائے گا تو رمیش گھر پر کیوں پڑا رہے گا؟ وہ اس کے ساتھ جائے گا۔''

''یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔'' میں نے اس کے بھٹکنے پر چڑ کر کہا ''بدری دودھ پیتا بچہ نہیں، ایک گھاگ سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ رمیش کو گھر پر روک کر ہائی کمیشن پہنچنا اس کا دردسر ہوگا۔ تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ وہ خود بھی رمیش سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہ رہا ہے۔''

''ابھی تک قربانی کے بکروں کی بات واضح نہیں ہوئی۔ سب کچھ وہی ہے جو میں سمجھ رہی تھی۔ اتنا سا فرق ہے کہ تم نے کچھ احتیاطی تدابیر پر بھی غور کرلیا ہے۔''

''میرا خیال تھا کہ تم بات سمجھ لوگی مگر تمہاری کھوپڑی پر اس وقت شاید برف جمی ہوئی ہے۔ رمیش کی لاش دریافت ہوتے ہی یہ بات کھلنے میں دیر نہیں لگے گی کہ دو مسلح بھارتیوں نے ہیتھرو سے ماسٹر رابرٹ ہوٹل تک جن مسافروں کا تعاقب کیا تھا، ان میں رمیش بھی شامل تھا۔''

اشارہ ملتے ہی ویرا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ''اوہ خدا! تم واقعی شیطان کے چیلے ہو۔ رمیش اور بدری کی آمد کے ریکارڈ اور پھر دونوں قیدیوں کی شناخت کے بعد اس بات کو واقعی نہیں چھپایا جاسکے گا اور پولیس یہ سمجھے گی کہ وہ دونوں رمیش اور بدری کو قتل کرنے کی نیت سے ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ اپنے اناڑی پن کی وجہ سے وہ گرفتار ہوگئے تو..... ان کے کسی ساتھی نے رمیش کو قتل کرکے ان کا ادھورا کام پورا کردیا۔ پولیس کی ساری توجہ ان دونوں قیدیوں پر مرکوز ہو جائے گی۔''

''انڈین ہائی کمیشن میں گھسے ہوئے را کے ایجنٹوں پر بھی براوقت آجائے گا۔'' میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ ''دنیا کی کوئی طاقت پولیس والوں کو اس ٹریک سے نہیں ہٹا سکے گی۔ گیتا اور جیمز کے قتل کو بھی رمیش کی ہلاکت سے ملا لیا جائے گا۔ سری نواس ہائی کمیشن کا ملازم ہے۔ اس کے گھر میں مارے جانے والے کا ماضی کریدا جائے گا۔ یہ حالات انہیں چکرا کے رکھ دیں گے۔ بوکھلاہٹ میں ان سے ایسی ایسی غلطیاں ہوں گی کہ وہ عذاب میں آجائیں گے۔''

''ان کی بازی ان ہی پر الٹ دی جائے گی۔ میں پوری طرح تمہاری ہم خیال ہوں۔ رمیش کا قتل اب ضروری ہی نہیں، ناگزیر ہوچکا ہے۔ پولیس کو سوچنے کے لیے لائن اور ستم آزمائی کے لیے ٹارگٹ میسر ہوں گے تو ہمارے لیے خطرات بہت کم ہو جائیں گے اور ہم سکون سے رہ سکیں گے۔''

''بدری کو ذرا بھی اندازہ نہیں ہے کہ رمیش کے قتل سے کیسی الجھنیں جنم لے سکتی ہیں ورنہ وہ اس کام پر ہرگز آمادہ نہ ہوتا۔ جب پولیس رمیش کے بارے میں چھان بین شروع کرے گی تو بدری کے لیے بھی کچھ دشواریاں پیدا ہوں گی۔ یہ مجبوری ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ ہائی کمیشن والے رمیش کے قتل کے بعد بدری کو سرے سے سامنے ہی نہ لائیں۔''

''تازہ امیگریشن ریکارڈ کی وجہ سے یہ مشکل ہوگا۔ اس کا انحصار اس بات پر بھی ہے کہ ہائی کمیشن میں اس کے ہمدردوں کا کتنا اثر و رسوخ ہے۔''

''رمیش کے قتل کے بعد حالات اسی ڈگر پر چلیں گے۔ بس ایک ہلکا سا جھول پولیس کو تشویش میں مبتلا کرسکتا ہے۔ مرنے والے بھارتی اور پکڑے جانے والے بھی بھارتی ہوں گے۔ اس بنا پر قتل کا کوئی مضبوط محرک سامنے نہیں آسکے گا۔'' ویرا نے آہستہ سے کہا۔

''بھارت ایک بڑا ملک ہے۔ وہاں کسی نہ کسی خطے میں ہر وقت بغاوت کی کوئی نہ کوئی تحریک موجود رہتی ہے۔ کوئی اور سبب دریافت نہ ہوا تو یہ خوں ریزی سیاسی

منافرت کے کھاتے میں ڈال دی جائے گی۔ اس پر ہمیں سر کھپانے کی ضرورت نہیں۔ میری نظریں اس قتل سے ہونے والے فوائد پر مرکوز ہیں۔''

''فائدوں کے ساتھ ایک بڑا خطرہ بھی تمہاری نظر میں رہنا چاہیے۔'' ویرا نے سنجیدگی سے کہا۔

''بڑا خطرہ بس ایک ہی ہو سکتا ہے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ''بدری ناتھ کا دامن بالکل بے داغ رہنا چاہیے۔ کسی کو شبہ بھی ہو گیا کہ رمیش اگروال کو اس کی مرضی یا اشارے پر مارا گیا ہے تو سارا پروگرام منسوخ کر کے اسے امریکا کے بجائے بھارت بھیج دیا جائے گا اور ہماری ساری بھاگ دوڑ رائگاں جائے گی۔ میں اس کے سہارے ڈیوڈ اسٹارز کے آئزک نیل تک پہنچنے کی آس لگائے بیٹھا ہوں۔

''تمہارا منصوبہ ایسا ہے کہ یہاں والے بدری ناتھ کی بے گناہی کی گواہی دیں گے۔ ہزاروں میل دور بیٹھا ہوا نک موڈلے بھی ان حقائق کو نہیں جھٹلا سکے گا۔ پھر بھی میں بتا دوں کہ بدری ناتھ امریکا بھیجا جائے یا بھارت، ہم دونوں امریکا ہی جائیں گے۔ کراچی سے لندن تک آنے کے بعد بے نیل مرام لوٹنا ناممکن ہے۔ بدری ناتھ کی مدد کے بغیر بھی ہم وہاں کچھ نہ کچھ کامیابیاں حاصل کر لیں گے۔''

اس کے ارادے جان کر مجھے تقویت کا احساس ہوا ورنہ بدری ناتھ کے مایوسانہ رویے نے مجھے کچھ ناامید سا کر دیا تھا۔ وہ پیشہ ورانہ رقابتوں کے جال میں پھنس کر ایسی بے بسی کا شکار ہو چکا تھا کہ اس کا حوصلہ پست ہو چکا تھا۔ اس کے سامنے بس ایک ہی مقصد رہ گیا تھا کہ وہ کسی طرح اپنی آستین کے اس سانپ سے نجات حاصل کر لے جو اس کا سایہ بن کر دھیرے دھیرے اسے ڈس رہا تھا۔ اسے اس بات کی پروا نہیں رہی تھی کہ اس کے بعد اسے کہاں بھیجا جاتا۔

ویرا نے اپنے پرعزم الفاظ سے میرے ذہن پر چھائی ہوئی دھند صاف کر دی تھی۔ ہم کراچی سے ایک مشن لے کر نکلے تھے۔ یہ ایک حقیقت تھی کہ اس وقت تک اس مشن میں بدری ناتھ کو کلیدی اہمیت حاصل تھی مگر میں یہ بھول رہا تھا کہ مشن کبھی بھی افراد کے محتاج نہیں ہوتے۔ کسی کو موت کی دلدل نگل لیتی ہے تو دوسرے اس مشن کو آگے بڑھاتے ہیں۔

لندن میں وہ سب نہ ہوا ہوتا اور بدری کو امریکا کوچ کرنے کا حکم مل جاتا مگر دوران سفر ہی وہ مر جاتا تو کیا ہوتا؟ اس وقت بھی ہمیں اس کے بغیر ہی اپنی راہ بنانا پڑتی۔ مجھے خوشی ہوئی ویرا نے اپنے دوٹوک الفاظ سے میرے وسوسوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا۔

''اچھا ہوا کہ یہ بات بھی اسی وقت صاف ہو گئی۔'' میں نے تعریفی لہجے میں کہا ''بدری کے بغیر امریکا سفر کے بارے میں میرا ذہن صاف نہیں تھا۔''

''تمہارا ذہن؟'' ویرا استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی'' وہ تو کسی وقت بھی صاف نہیں رہتا۔ اس میں ہر وقت کوئی نہ کوئی شیطانی چکر چلتا رہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ رمیش کو مار لینے کے بعد کوئی گڑبڑ ہوتی تو تم بھی اسی نتیجے پر پہنچتے کہ ہماری واپسی مناسب نہیں۔ بدری کے بغیر ہمارا کام مشکل ضرور ثابت ہو سکتا ہے مگر ناممکن نہیں۔ اب تک ہم نہ جانے کتنے بڑے بڑے معرکے سر کرتے آئے ہیں۔''

باہمی طور پر جملہ معاملات طے پا چکے تھے۔ میں نے پوچھا۔ ''اجازت ہو تو اب بدری کو فون کر لوں؟''

ویرا ہنس پڑی اور میں فون پر سری نواسن کا نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

اس مرتبہ شاید سری نواسن کی بیوی نے فون اٹھایا۔ اس کی آواز نرم اور بااخلاق تھی۔ اس وقت اچانک مجھے خیال آیا کہ ایک ہی نام سے بار بار بدری کو فون کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس طرح دوسروں کے ذہنوں میں بہت سے شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے تھے۔

میں نے انگریزی لب و لہجے میں اسے اپنا نام جان بتا کر بدری سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اسے شاید انگریزی پر زیادہ عبور نہیں تھا۔ اس نے بوکھلا کر صرف ''ہولڈ'' کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

چند ثانیوں بعد میرے کانوں میں بدری کی تحیر زدہ آواز آئی۔ ''میں بدری بول رہا ہوں۔ تم کون؟ کیا میں تم

سے واقف ہوں؟'' اس نے ایک ہی سانس وہ فقرے انگریزی میں ادا کیے تھے۔

''انگریزی مت بولو۔ حلق کا کوا گر جائے گا۔'' میں نے پرمزاح لہجے میں کہا'' میں نے سوچا کہ اس بار نام کے ساتھ قومیت بھی بدل لی جائے تو تمہارے ساتھی گرنام کے بارے میں زیادہ نہیں سوچیں گے۔''

''اوہ! تو یہ تم ہو...... کہو کیا سوچا ہے تم نے؟'' ایک گہرا سانس لے کر وہ اردو پر آ گیا۔

''کل کا پروگرام ہے۔ دن میں گھر والے غائب ہوتے ہیں۔ تم بھی غائب ہو جاؤ۔ کام ہو جائے گا۔'' میری آواز غیر ارادی طور پر دھیمی اور رازدارانہ ہو گئی۔

''تو کیا یہ کام یہیں ہو گا؟'' اپنے تمام تر تجربے اور شقاوت کے باوجود وہ اس انکشاف پر گھبرا گیا۔

''اس سے بہتر موقع اور جگہ تم تجویز کر دو۔'' میں نے ذمے داری اسی پر ڈال دی۔

لمحہ بھر کے لیے لائن پر سکوت طاری رہا۔ شاید وہ تیزی سے کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اس کی سرگوشیانہ آواز ابھری'' کل گیارہ بجے میں اپنے سفارت خانے چلا جاؤں گا پھر شام کو سری کے ساتھ ہی واپس آؤں گا۔ اسکول سے پہلا بچہ دو بجے آتا ہے۔ تمہارے لیے یہ وقت کافی ہو گا۔''

میرے کہے بغیر اس نے اپنے سفارت خانے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ اس کی ذہانت کا کھلا ثبوت تھا۔ ہنگامی طور پر سوچتے ہوئے بھی اس نے اپنے تحفظ کے پہلو کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔

''تمہیں وہاں پہنچنے میں وقت لگے گا۔ میں بارہ سے ڈیڑھ بجے تک فارغ ہو جاؤں گا۔ اب جلدی سے پتا بھی بتا دو تاکہ میں آج رات ہی جائزہ لے لوں۔''

گھر کے نمبر، سڑک کے نام اور علاقے پر مشتمل وہ بہت مختصر سا پتا تھا۔ پتا بتانے کے بعد اس نے بے اعتباری سے پوچھا'' یہ پروگرام بالکل پکا ہے یا اس میں کسی تبدیلی کا امکان بھی ہے۔''

''اٹل سمجھو۔ کوئی بڑی قدرتی آفت نازل نہ ہوئی تو یہ واقعہ رونما ہو کر رہے گا۔''

''گڈ لک اینڈ گڈ بائی۔'' اس نے گفتگو کو طول دیے بغیر فون بند کر دیا۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ یہ کام تمہارے بجائے مجھے کرنا چاہیے۔'' میرے فارغ ہوتے ہی ویرا بول پڑی۔

''تمہارے ذہن میں ایسے ہی نادر خیال آتے ہیں۔ ان کے اظہار میں احتیاط سے کام لیا کرو۔''

''بات مذاق میں مت ٹالو۔ میں تمہارے بھلے کی سوچ رہی ہوں۔ وہ تم سے بہت اچھی طرح واقف ہے۔ ایک دن کا شیو بڑھا کر تم اس کی نظروں کو دھوکا نہیں دے سکو گے۔ کراچی میں تم سے بچھڑنے کے بعد وہ سری نواسن کے دروازے پر اچانک ہی تمہیں اپنے روبرو دیکھے گا تو اس کی چھٹی حس جاگ اٹھے گی۔ وہاں معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔ ویسے بھی وہ تم پر کبھی بھروسا نہیں کرتا تھا۔ وہ بھڑک گیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔''

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس کے اٹھائے ہوئے نکتے نے مجھے فکرمند کر دیا۔ میرے برعکس وہ رمیش اگروال کے لیے اجنبی تھی اور پھر ایک خوب صورت دوشیزہ تھی۔ ہر اوباش صفت مرد اس جیسی اجنبی لڑکیوں پر خوشی کے ساتھ اپنے دل اور گھر کے دروازے کھول دیتا ہے۔

''یہ مسئلہ اسی وقت پیدا ہو گا جب دروازے کی گھنٹی بجا کر اندر جانا پڑے۔ ہو سکتا ہے کہ اس گھر میں داخلے کا کوئی اور راستہ بھی ہو۔ گھر کا جائزہ لینے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''مہذب انداز میں دروازے سے اندر جانا ہی مناسب رہے گا۔ دن دہاڑے کسی بھی آبادی میں کھڑکی توڑ کر اندر گھسنا محفوظ نہیں ہوتا۔ ساؤتھ آل کے رہنے والے آج کل گیتا اور جمو کے دہرے قتل کی وجہ سے ویسے ہی ضرورت سے زیادہ چوکنے ہوں گے۔ کسی نے تمہاری جھلک بھی دیکھ لی تو مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

''میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ ایسا کوئی خطرہ مول لوں گا۔ میں وہاں......''

ویرا نے میری بات درمیان میں سے ہی اچک لی'' یہ فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ اسے کون ٹھکانے لگائے گا۔ جو کام کرے گا، جائزہ بھی اسی کو لینا ہو گا۔ تم واپسی پر میری

رائے سے متفق ہو گئے تو مجھے بھی اس طرف دوڑ لگانی پڑے گی۔ آخر تم مجھ پر اعتماد کیوں نہیں کر رہے؟''

''اعتماد کی بات نہیں، میں تم پر بلاوجہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔'' میں نے اصرار کیا۔

''یہ بوجھ نہیں ہے۔ حالات کے سبب میں خود پیشکش کر رہی ہوں۔ یہاں پڑے پڑے میرے ہاتھ پیروں کو زنگ لگ رہا ہے۔ تم گیتا اور جیمو کے ساتھ ورزش کر چکے ہو۔ اس بار میں ہاتھ پیر رواں کر لوں تو کیا برا ہے؟''

ویرا کا انداز اس قدر خوشامدانہ تھا کہ میں بے اختیار ہنس دیا۔ ''تم بہت ڈھیٹ اور ضدی ہو۔ تم وہاں جاؤ گی تو گیتا کا ریوالور تمہارے پاس ضرور ہوگا مگر اس کے استعمال سے پیدا ہونے والا شور خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ اپنے قول کے مطابق تمہیں ہاتھ پیروں ہی سے کام لینا ہوگا۔''

''تم فکر مت کرو۔ کام تمہارے اطمینان کے مطابق نہ ہوا تو پیسے واپس۔'' وہ خوش ہو کر بولی اور کرسی چھوڑ کر فوراً ہی باتھ روم کی طرف چل دی۔

بظاہر ویرا نے مجھے اپنا ہم خیال بنا کر ایک بڑی کامیابی حاصل کی تھی لیکن اس کی تجویز ابتدا سے ہی میرے دل کو لگی تھی اور میں نے اس پر امکانی خطرات واضح کرنے کے بعد ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اگر ویرا کے ذریعے ایک کام محفوظ اور ستھرے انداز میں ہوسکتا تھا تو محض انا پرستی کی خاطر اس میں سنگین خطرات مول لینا کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا۔

چند منٹ بعد ویرا غسل خانے سے برآمد ہوئی تو تر و تازہ اور بالکل تیار تھی۔

''اب میں یہاں اپنے پہلے مشن پر نکل رہی ہوں۔ تم گھر پر آرام کرو۔'' وہ اپنا شولڈر بیگ اٹھا کر ایک ادا سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''اتنا مبالغہ نہ کرو۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''پچھلے قصے میں بھی تم شروع سے آخر تک شریک تھیں اور تم ہی نے جیمز پنڈت کی پشت پر لات رسید کر کے اس ڈرامے کو اختتام تک پہنچایا تھا۔ اس بار تم میری شراکت سے گریز کر رہی ہو۔''

''اسے میرا پہلا سولو مشن کہہ لو۔'' ویرا نے اسی موڈ میں جواب دیا ''پچھلی بار لات میں نے رسید کی اور اسکور تم نے کر لیا۔ کل حالات سازگار رہے تو میرا اسکور بھی تمہارے برابر ہو جائے گا۔ پتا نہیں کیا بات ہے کہ ایسے معاملات میں تمہاری برابری کر کے مجھے بہت تسکین ملتی ہے۔''

اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں جوڑ کر انہیں چوما اور پھر وہی ہاتھ فضا میں میری طرف اچھال کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ میں اپنی جگہ بیٹھا زیرِ لب مسکراتا رہا۔ اگر وہ کسی بھی وجہ سے خوشی سے سرشار تھی تو میں اسے اس سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ اپنی ذات میں ایک بالکل ہی انوکھی لڑکی یا عورت تھی۔ اس کے دل میں میرے لیے بیک وقت محبت، عداوت، منافقت اور مسابقت کے جذبات موجزن رہتے تھے اور وہ اپنے موڈ کے مطابق دل کھول کر ان کا اظہار کرتی رہتی تھی۔

یہ اس کی کھلی کھلی منافقت ہی تھی کہ ایک طرف وہ غزالہ کی غم گسار اور خیر خواہ ہونے کی دعوے دار تھی اور دوسری طرف سب کی نظریں بچا کر مجھ پر تحریص اور ترغیب کے حربے آزمانے کی کوشش میں لگی رہتی تھی۔

میں بستر پر دراز ہو کر یہی سب سوچتا اور ماضی کی یادوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ پھر یکایک ہی مجھے خیال آیا کہ میں باتوں میں الجھ کر ویرا کو ایک اہم ترین مشورہ دینا بھول گیا تھا۔

آکسفورڈ اسٹریٹ سے ساؤتھ آل تک سفر کے لیے کئی ذرائع موجود تھے لیکن پیدل چلے بغیر تیزی سے اس دور افتادہ منزل تک پہنچنے کے لیے ٹیکسی بہترین ذریعہ تھی۔ واردات کے انکشاف کے بعد شناخت کے خطرے سے محفوظ رہنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ٹیکسیوں کا پیچھا چھوڑ دیا جاتا۔ اس کے مقابلے میں زمین دوز ریل یا بس بہتر تھی جن میں ہر وقت اتنے مسافر اترتے چڑھتے ہیں کہ اس بھیڑ میں کسی کے لیے اپنے کسی ہم سفر کا چہرہ مہرہ یاد رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔

میں ویرا کو یاددہانی کرانی بھول گیا تھا مگر مجھے امید

تھی کہ اس نے ذرا بھی احتیاط سے کام لیا تو وہ اس خطرناک نکتے کو فراموش نہیں کرسکے گی۔

اس وقت میں ہوٹل کے کمرے میں اکیلا تھا۔ سوچنے اور ویرا کی واپسی کا انتظار کرنے کے سوا میرے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ لیٹے لیٹے میری آنکھ لگ گئی۔

عام حالات میں، میں بے خبری کی گہری نیند سوتا ہوں لیکن سر پر بھیانک خطرات منڈلا رہے ہوں تو خفیف سی اجنبی آہٹ سے بھی میری نیند اچاٹ ہو جاتی ہے پھر وہ تو چوبی دروازے پر ویرا کی دستکیں تھیں۔ میں نے ہڑبڑا کر مسہری چھوڑی اور دروازہ کھول دیا۔

ویرا کے بشرے سے اطمینان جھلک رہا تھا۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو اندازہ ہوا کہ میں کافی دیر تک سوتا رہا تھا۔

''مجھے معلوم تھا کہ میرے جاتے ہی تم سو جاؤ گے۔'' وہ اپنے ہاتھ میں لٹکا ہوا وزنی شاپنگ بیگ میز پر ڈالتے ہوئے بولی ''تمہارہ کر کسی کا انتظار کرنا دنیا کا بدترین کام ہے اور میں اکثر اس امتحان سے گزرتی رہی ہوں، آج تم نے بھی یہ تجربہ کرلیا۔''

''تجربہ بہت خوش گوار تھا۔ کئی دن کے بعد گہری اور لمبی نیند نصیب ہوئی ہے۔''

''اور شاید تمہیں بھوک بھی نہیں لگ رہی ہوگی؟'' اس نے طنز سے پوچھا۔

''بھوک اور نیند..... انسان کی بس یہی دو بنیادی ضروریات ہیں۔ جسے پیٹ بھر کر من پسند کھانا اور بے فکری کی نیند میسر ہو، وہ خوش نصیب ہوتا ہے۔ مقابلے کی دوڑ میں شامل ہو کر ہر شخص نے اپنے اوپر ایسی ایسی خود ساختہ ضرورتوں کا بوجھ لاد لیا ہے کہ زندگی عذاب ہوگئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس تھیلے میں کھانے کا سامان ہی لائی ہو۔''

''عجیب بات ہے کہ تم نیند سے بیدار ہوتے ہی فلسفہ بول رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ سوتے ہوئے تمہاری عقل معدے میں اتری ہوئی تھی اور وہیں کام دکھا رہی تھی۔''

میں نے اسے نظر انداز کر کے شاپنگ بیگ خالی کرنا شروع کردیا جس میں گتے کے دو ڈبوں کے ساتھ پینے کے کچھ لوازم بھی موجود تھے۔

مجھے حریصانہ انداز میں اس کارروائی میں مصروف دیکھ کر ویرا تیزی سے آگے بڑھی اور دھکیل کر مجھے الگ کردیا ''ابھی سو کر اٹھے ہو اور ہاتھ منہ دھوئے بغیر کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ میں اس طرح تمہیں ایک لقمہ بھی نہیں لینے دوں گی۔''

''میں خود بھی ان باتوں کا خیال رکھتا ہوں مگر غسل خانے میں جانے سے پہلے تمہاری کارکردگی کا جائزہ لینے کی کوشش کررہا تھا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میری کارکردگی؟'' وہ غرائی ''تو کیا میں تمہارے لیے من و سلویٰ لینے گئی تھی؟''

''بھٹیار خانوں کے ڈبوں سے تو یہی ظاہر ہو رہا ہے جیسے یہی اصل کام تھا۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ بھنا کر غصیلے لہجے میں بولی ''اگر میرا اصل کام یہی تھا تو اب مجھ سے ساؤتھ آل کے بارے میں کوئی سوال نہ کرنا۔ میں تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گی۔''

''نہ دینا۔ وہ سولوشن اب تمہارا دردسر ہے۔ میں تو شکم سیر ہو کر دوبارہ انٹاغفیل ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ صبح میں دیر تک سوتا رہوں تو تم اپنے مشن پر نکل جانا۔''

میری اس بے نیازی پر ویرا سلگ کر رہ گئی اور میں غسل خانے میں گھس گیا۔

وہ کوئی فلیٹ یا گھر نہیں بلکہ لندن کے ہوٹل کا ایک کمرا تھا جہاں ہم صرف اسی صورت میں ایک دوسرے سے الگ رہ سکتے تھے کہ ہم میں سے ایک کمرے میں ہو تو دوسرا باتھ روم میں پناہ گزیں ہو جائے۔ اس وقت کے حالات میں، میں ہوٹل کے بار یا ریستوران میں جانے کا غیر ضروری خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ دانت وغیرہ صاف کر کے میں تولیے سے منہ پونچھتا ہوا باہر آیا تو ویرا گلاس میں اسکاچ کا پیگ لیے بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے بلیک لیبل کی نصف لیٹر والی بوتل رکھی ہوئی تھی۔

''اگر اعتراض نہ ہو تو میں بھی تمہارے اس شغل میں شرکت کرلوں؟'' میں نے اس کے سامنے براجمان

ہوتے ہوئے بے تکلفی سے پوچھا۔
"تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ میں تمہیں کیسے روک سکتی ہوں؟" اس نے بے رخی سے کہا۔
اس کی فطرت سیمابی تھی۔ بعض اوقات وہ اتنی فراخ دل ہوجاتی تھی کہ بڑی سے بڑی بات کو بھی قہقہوں میں اڑا دیتی تھی اور کسی وقت اس قدر حساس ہوجاتی تھی کہ معمولی سی بات پر گھنٹوں ملول اور آزردہ رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہ یک بیک ایسے ہی موڈ میں آچکی تھی۔
"یہ اسکاچ تم لے کر آئی ہو۔ یہ بوتل تمہاری ہے۔ تم چاہو تو مجھے اس کے استعمال سے روک سکتی ہو۔" میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے نرمی سے کہا۔
"یہ میری کیسے ہوسکتی ہے۔ تمہارے دیے ہوئے پیسوں سے خریدی گئی ہے اس لیے یہ صرف تمہاری ہے۔" اس نے فوراً ہی ایک دوراز کار پہلو نکال لیا "تم چاہو تو میرے ہاتھ سے گلاس چھین سکتے ہو، مجھے اس کمرے سے نکال سکتے ہو کیونکہ یہ سب اخراجات تم برداشت کررہے ہو۔"
"ویرا! اب میں تمہیں مار بیٹھوں گا۔" میں نے بے بسی سے دانت پیستے ہوئے کہا "تم کیا خرافات بک رہی ہو؟ تم پر اچانک اتنی قنوطیت کیوں طاری ہورہی ہے؟"
"یہی ایک کسر باقی رہ گئی ہے۔ مجھ پر ہاتھ اٹھا کر آج اپنا یہ ارمان بھی پورا کرلو۔" وہ غٹاغٹ اپنا گلاس خالی کرکے ہلکی سی رندھی ہوئی آواز میں بولی۔
"خدا کے لیے، اب تم کسی نوجوان بیوہ کی طرح رونا نہ شروع کردینا۔" اس کے تیزی سے بدلتے ہوئے رویوں نے مجھے بری طرح بوکھلا کر رکھ دیا۔
اس بار اس کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ تیر گئی اور وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی "جو کبھی کسی کی بیوی ہی نہ بنی ہو وہ بیوہ کیسے ہوسکتی ہے...... تم فکر نہ کرو۔ میں رونے والیوں میں سے نہیں ہوں۔ میرا نام ویرا ہے، ویرا۔ میں اپنے بدخواہوں کو رلا کر خود قہقہے لگانے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔ بس گلاس خالی کرنے سے ذرا میری آواز بھرا گئی تھی۔"
میں نے دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیا کہ اس نے بکھرتے بکھرتے اچانک ہی سنبھالا لے لیا تھا۔ میں نے کہا "تو کیا تم مجھے اپنا بدخواہ سمجھنے لگی ہو؟"
"ابھی تک میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ یہ تمہارے دل کا چور ہے جو تمہیں یہ پٹی پڑھا رہا ہے۔" وہ اپنے لیے دوسرا گلاس بناتے ہوئے بولی۔
میں نے فریج پر سے دوسرا خالی گلاس اٹھایا اور خاموشی سے اس کے سامنے رکھ دیا۔
ویرا نے میری اس حرکت پر کسی ردعمل کا مظاہرہ کیے بغیر میرا گلاس بھی بنا ڈالا اور دونوں پیر قالین سے اٹھا کر کرسی پر رکھ لیے۔ اس وقت وہ فارغ اور پرسکون نظر آنے کی کوشش کررہی تھی۔
"کبھی کبھی تم میری طرف سے حد سے زیادہ بدگمان ہونے لگتی ہو۔" میں نے شکوہ کیا۔
"یہ ہمیشہ تمہاری سوچی سمجھی حرکتوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔" اس نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا۔
"اس وقت میں نے تمہیں کون سے سینگ مارے تھے؟" اس کی قنوطیت میں کمی رونما ہوتے ہی میں نے قدرے مضبوط لہجہ اختیار کرلیا۔
"کیا میں اس وقت لندن کے بھٹیار خانوں کی خاک چھاننے ہی گئی تھی؟" اس نے مجھ سے نظریں چار کرکے تلخ لہجے میں پوچھا۔
"ایسی نادانی کی باتیں مت کرو۔ وہ مذاق تھا۔ ناموں سے بس معیار بدلتا ہے ورنہ بنیادی طور پر فاسٹ فوڈ والے بھی بھٹیار خانوں والی سہولتیں بہتر معیار پر پیش کرتے ہیں۔"
"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ تمہاری نظروں میں میری اس رنگی کی کوئی اہمیت نہیں جو میں نے کل کے لیے کی ہے...... ساری اہمیت ان کے کھانوں کی ہے جو یہاں پڑے ہوئے ہیں۔"
"مذاق کی باتوں کو ایسا رنگ دیا جانے لگے تو پھر زبان پر تالے پڑنے لگتے ہیں۔"
"سفاک زبانوں پر تالے ہی بہتر رہتے ہیں۔ مذاق اور تضحیک میں بہت باریک سا فرق ہوتا ہے۔ اس وقت تم نے میری بہت بے رحمانہ دل آزاری کی ہے۔"

میں تمہاری خوبیوں پر دل کھول کر داد و تحسین کے ڈونگرے برسانی ہوں اور تم......؟ خود غور کرو کہ اس وقت تمہارا سلوک کیسا تھا؟''

''میں گہری نیند سے بیدار ہوا تھا۔ بغیر سوچے سمجھے زبان چل پڑی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تمہارے دل میں میری طرف سے غبار بھرا ہوا ہے۔ آئندہ میں محتاط رہوں گا۔''

''غنودگی میں تمہیں کوئی اچھی بات بھی سوجھ سکتی تھی۔ میرے کاموں میں تم کیڑے ہی کیوں نکالتے ہو؟''

''اس وقت میں نے تمہارے کسی کام میں کوئی کیڑا نہیں نکالا۔ میری زبان پر بھٹیار خانوں کا نام آتے ہی تمہاری ذہنی رو بہکی تھی۔ میں نے تمہاری دل آزاری کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کے لیے میں ہر قسم کھانے کے لیے تیار ہوں۔ چلو، اب بتاؤ کہ ساؤتھ آل میں تمہیں کیا خاک چھاننی پڑی۔''

''اس بارے میں اب تم مجھ سے کچھ نہیں جان سکو گے۔ جس معاملے کو تم غیر اہم قرار دے کر مسترد کر چکے ہو، اب اس پر وقت برباد مت کرو۔ جو کچھ ہوگا، ٹیلی وژن پر اور اخباروں میں آجائے گا۔ یہ عمدہ اسکاچ ہے۔ دو تین گلاس پیو، بھٹیار خانے سے لایا ہوا کھانا کھاؤ اور اپنے اصل پروگرام کے مطابق اشغل ہو جاؤ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''تم نے زبان نہیں کھولی تو میں سوؤں گا اور نہ تمہیں سونے دوں گا۔'' مجھے غصہ آگیا۔

لمحہ بھر کے لیے ویرا کی آنکھوں میں ایک تیز حیوانی چمک لہرائی پھر وہ اطمینان سے بولی ''سونے کا وقت آیا تو یہ بھی دیکھ لیا جائے گا۔ اس وقت ان بے سروپا دھمکیوں سے میرا نشہ خراب مت کرو۔ میرا دماغ سنک گیا تو اسی وقت ہوا خوری کے لیے نکل پڑوں گی اور پھر رمیش سے نمٹے بغیر اس کمرے میں قدم نہیں رکھوں گی۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں جو کہتی ہوں وہ کر بھی گزرتی ہوں۔''

اس کی وہ دھمکی خطرناک تھی۔ میں نے کرسی سرکا کر اس کا رخ قدرے تبدیل کیا اور اس پر تن کر بیٹھ گیا۔ اس طرح ویرا میری نظروں کے سامنے نہیں رہی تھی مگر میں کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لے سکتا تھا۔ وہ منہ پھلا کر ٹیلی وژن کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں اسکاچ کا گلاس تھا اور دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں روشن سگریٹ دبی ہوئی تھی۔

کافی دیر تک ہم دونوں یوں ہی خاموش بیٹھے رہے۔ میں نے خالی گلاس میز پر رکھا تو ویرا نے میری فرمائش کے بغیر اسکاچ اور یخ پانی ملا کر میرا گلاس لبریز کر دیا۔ میں نے اس کی رضا کارانہ ساقی گری کا شکریہ ادا کیے بغیر گلاس دوبارہ اٹھا لیا۔

اس وقت لندن کی سرزمین پر صرف ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے ہمدرد اور رازداں ہو سکتے تھے لیکن ویرا نے اپنی حماقت اور کٹ حجتی کی بنا پر ایسی ناخوش گوار صورت حال پیدا کر دی تھی کہ اس کے طول پکڑنے کا تصور بھی مجھے سوہان روح محسوس ہونے لگا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ بظاہر مجھے نظر انداز کرنے کے باوجود وہ بھی رہ رہ کر میرے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ صبر آزما آنکھ مچولی زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی۔ ایک مرتبہ ہم دونوں نے بیک وقت چور نظروں سے ایک دوسرے کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ غیر متوقع طور پر ہماری نظریں چار ہوئیں اور کمرا ویرا کے خفت آمیز قہقہے سے گونج اٹھا۔

وہ ایسی مضحکہ خیز صورت حال تھی کہ میں نے بھی کھسیائے ہوئے انداز میں باچھیں پھیلا دیں۔

''آخر ہم دونوں ہر وقت ایک دوسرے کو گھسنے اور بے وقوف بنانے کی کوششوں میں کیوں مصروف رہتے ہیں؟'' اپنی ہنسی پر قابو پا کر ویرا نے بے بسی کے لہجے میں پوچھا۔

''اپنا یہ اعتراف کسی جواز کے بغیر میرے سر تھوپنے کی کوشش مت کرو۔'' میں نے رکھائی سے کہا ''میں نے کبھی ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔''

''اس وقت تم کسی افلاطون کی طرح اکڑ کر کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے جیسے مجھے یکسر فراموش کر دیا ہو پھر بار بار چور نظروں سے میری طرف کیوں دیکھ رہے تھے؟''

''تم ٹیلی وژن دیکھنے میں منہمک تھیں تو تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں تمہارا جائزہ لے رہا ہوں؟'' میں نے تنک کر سوال کر ڈالا۔ اس وقت ہم دونوں پر نشے کی ہلکی سی جھونک سوار ہو چکی تھی۔

''شاید ہم یہاں ایک دوسرے کی ضرورت یا مجبوری بن کر رہ گئے ہیں۔'' اس نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بات وہیں سمیٹ دی۔ ''بوتل خالی ہونے والی ہے۔ آخری پیگ پیتے ہوئے ہم کچھ اچھی اچھی باتیں کریں گے۔ اب جلدی سے اپنا گلاس خالی کر ڈالو۔''

''رمیش والے ...'' اسے سمجھوتے پر آمادہ پاتے ہی میں نے اپنے دماغ میں کلبلاتے ہوئے سوال کو الفاظ کے روپ میں ڈھالنا چاہا مگر ویرا نے میری بات فوراً کاٹ دی۔

''اس بارے میں اب ایک لفظ بھی نہ بولنا۔ میں اپنے ارادے پر قائم ہوں۔ لندن کی یہ سرد رات مجھے کسی پارک کی بینچ یا فٹ پاتھ پر بسر کرنی پڑی تو میرے نمونیے کا عذاب تمہاری گردن پر ہوگا۔ اس کے سوا تم دنیا کے ہر موضوع پر مجھ سے بات کر سکتے ہو۔''

وہ اس بارے میں اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی محسوس کی۔

دونوں گلاس خالی ہو کر میز پر پہنچ چکے تھے۔ ویرا بہت اہتمام سے قطرہ قطرہ اسکاچ میرے گلاس میں ٹپکاتی جا رہی تھی اور اسی کے ساتھ بوتل میں رہ جانے والی مقدار کا جائزہ بھی لیتی جا رہی تھی۔ میرا حصہ پورا کرنے کے بعد وہ اپنے گلاس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

میں دلچسپی سے اس کی وہ حرکتیں دیکھ رہا تھا۔ اس وقت وہ کسی عادی اور پیشہ ور شرابی جیسی حرکات کر رہی تھی۔

آخری چند قطرے ٹپکانے کے بعد اس نے بوتل سیدھی کی۔ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اسے چوما اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی ''لاسٹ لکی ڈراپ میرا ہے اور یہ رات بھی میری ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے اچانک ہی بوتل اپنے گلاس پر الٹ دی۔ بوتل کی گولائیوں میں رہی سہی اسکاچ کی ایک چھوٹی سی بوند پھسل کر ویرا کے گلاس میں ٹپک گئی۔

ویرا نے بوتل میز پر رکھ کر ایک دیا سلائی روشن کی اور اسے بس اتنی دیر تھامے رہی کہ مسالا جلنے کے بعد تیلی شعلہ پکڑ لے۔ یکساں شعلہ نمودار ہوتے ہی ویرا نے وہ جلتی ہوئی تیلی بوتل میں ڈال دی۔ تنگ منہ والی بوتل میں بھق کی ایک تیز آواز کے ساتھ الکحل کے بخارات نے آگ پکڑ لی اور لمحہ بھر میں وہاں صرف سرمئی دھواں بھر رہ گیا۔

ویرا نے بوتل میز سے اٹھا کر نیچے ڈال دی اور فخریہ لہجے میں بولی۔ ''آخری قطرہ میرا تھا۔ اب کوئی اس بوتل کو کولھو میں پیس کر بھی کچھ نہ نکال سکے گا۔ یہ میرا شگون تھا۔''

آخری فقرے پر اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ وہاں مجھے بلور کی طرح چمکتی ہوئی آنکھوں میں خمار کے ڈورے تیرتے نظر آ رہے تھے۔ میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں۔

ویرا نے میرے گلاس میں ٹھنڈا پانی اور اپنے گلاس میں برف کے چند ڈلے ڈال کر پیگ مکمل کیے۔ اس بار فضا میں شیشے سے شیشہ ٹکرانے کی ہلکی سی مترنم آواز گونجی اور پھر اس محفل کا آخری دور شروع ہو گیا۔ پہلا گھونٹ لینے کے بعد ویرا نے دونوں ڈبے کھول دیے جن پر کیے جانے والے تبصرے سے اس رات کی خرابیوں کا آغاز ہوا تھا۔

اپنی لائی ہوئی بوتل سے آخری قطرہ کشید کر لینے کے باوجود ویرا ذرا بھی نہیں بہکی تھی۔ بس گہرے سرور میں آ گئی تھی۔ یہی کچھ کیفیت میری بھی تھی۔ میں نے اپنی اس بری عادت کو ترک نہیں کیا تھا مگر مہینوں سے بس بقدر اشک بلبل ہی اور وہ بھی کبھی لیتا تھا۔ اتنے لمبے تعطل کے بعد اس رات ویرا کے ساتھ ذرا سی بے اعتدالی کی تو طبیعت کو اس کا رنگ آنا ناگزیر تھا۔

ویرا کو نہ صرف ضد یاد تھی بلکہ میری دی ہوئی دھمکی بھی یاد تھی۔ کھانے پینے سے فارغ ہونے کے بعد اس کی جون ہی بدل کر رہ گئی تھی۔ اس کے دماغ پر چھائی ہوئی قنوطیت اور مایوسی شوخیوں کے سیلاب میں نہ جانے کہاں بہہ گئی تھی۔ اس کا حوصلہ بڑھا ہوا تھا اور وہ میرے ساتھ مسلسل منہ زوری پر آمادہ تھی۔ میں مدافعانہ انداز میں

اسے ڈھیل دے کر اس وقت کا انتظار کرتا رہا جب اس کے تھکے اعصاب اس کی خوش فعلیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیتے۔

میرے لیے وہ لندن کی ایک طویل مگر بے ثمر رات تھی۔ ہر جتن اور دلداری کے باوجود میں ویرا کی زبان سے ریمش کے بارے میں ایک لفظ بھی اگلوانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

تھک ہار کر میں سویا تو رات کا بڑا حصہ دھیرے دھیرے گزر چکا تھا۔ میرے ذہن پر ایک ہی خوف سوار تھا کہ کہیں ہم اگلی دوپہر تک سوتے ہی نہ رہ جائیں اور ریمش کے آسیب سے نجات پانے کا ایک سنہرا موقع ہاتھ سے نکل جائے۔

اسی لاشعوری دباؤ کا نتیجہ تھا کہ صبح دس بجے کے قریب میری آنکھ کھل گئی۔ ویرا بے حجابانہ گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کا حسن خوابیدہ مسہری کے اس حصے کو گویا آگ لگائے دے رہا تھا۔

میں بس چند ثانیوں تک پلکیں جھپکا جھپکا کر اسے دیکھتا رہا۔ قربتوں اور فاصلوں کے شب گزیدہ تصور ذہن میں ایک نئے جہنم کو بھڑکانے لگے تو میں نے اضطراری انداز میں اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

وہ ہڑبڑا کر بیدار ہو گئی۔ اس کی مخمور نگاہوں میں حیرت سی تھی اور ہونٹوں پر ہلکی سی فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

رات گزر چکی تھی۔ ویرا نے رات کی تاریکی اور خنکی ہی سی مجھے ڈرا دیا تھا۔ ناشتا کرتے ہوئے میں نے ایک نئے عزم سے ریمش اگروال کا ذکر چھیڑ دیا۔

''تم باز نہیں آؤ گے۔'' وہ شوخی سے بولی ''ہمیشہ تم نے میری انا کو تاراج کیا ہے اور ابھی میری ضد کو توڑنے پر تلے ہوئے ہو۔ آخر کیا چاہتے ہو؟''

''تم ایک خطرناک مشن پر جا رہی ہو۔ رات بھر زبان بند رکھ کر تم اپنی ضد پوری کر چکی ہو۔ اب ناشتے کے بعد تمہیں نکل جانا ہے۔ میں دل و جان سے تمہاری کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا مگر کسی وجہ سے تم ناکام بھی ہو سکتی ہو۔ تمہارے تحفظ کے لیے میرا کسی حد تک باخبر رہنا بہت ضروری ہے۔''

''تم کیا جاننا چاہ رہے ہو؟'' آخر کار اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

''تمہارا منصوبہ کیا ہے؟ وہاں تک کیسے جاؤ گی؟ اس کا سامنا کیسے کرو گی؟''

''میں کل بھی ٹیوب اور بس کے ذریعے وہاں گئی تھی۔ آج بھی یہی ارادہ ہے۔ وہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے چھوٹے گھر ہیں جہاں دروازے کے سوا کسی اور راستے سے داخلے کی کوشش خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ میں ایک نوادار دبیمہ ایجنٹ بن کر اس تک رسائی حاصل کروں گی۔ بعد کے حالات کا انحصار اس کے رویے پر ہو گا۔ میری کوشش ہو گی کہ میں ریوالور استعمال نہ کروں لیکن ضرورت پیش آئی تو میں فائر بھی کر گزروں گی۔ میرا نشانہ بے خطا ہے۔ اگر صرف ایک گولی چلائی جائے تو کسی کو بھی اس کی سمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ فائر کے بعد مجھے گھبراہٹ کے بجائے صبر و تحمل سے کام لینا ہو گا۔''

''تم اس کی لاش کے ساتھ وہیں رک کر لوگوں کے جمع ہونے کا انتظار کرو گی؟'' میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا ''کیا تمہیں وہاں سے نکلنے کا موقع مل سکے گا۔''

''میں یہاں بیٹھ کر سب کچھ نہیں بتا سکتی۔ وہاں رونما ہونے والے واقعات میں وہ برابر کا کردار ادا کرے گا۔ میرے ذہن میں بس ایک مبہم سا خاکہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں تین بجے تک یہاں واپس لوٹ آؤں گی۔ تم کو یاد نہیں کہ رات کو لاسٹ لکی ڈراپ میرا تھا۔ وہ شگون کام کرے گا...... رات میری تھی اس کی کوکھ سے نکلنے والا دن بھی میرا ہی ہو گا۔''

وقت تنگ تھا۔ ویرا کو محفوظ ذرائع سے ایک لمبا فاصلہ طے کرنا تھا۔ میں نے اضطراب کے عالم میں کہا ''تم چاہو تو میں بھی دور رہ کر تمہاری دیکھ بھال کر سکتا ہوں۔''

''آخری لمحات پر ایسی باتیں کر کے تم میرا حوصلہ پست کر دو گے۔ وہاں دو آدمیوں کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ فائر ہوتے ہی خوف زدہ...... لوگ گھروں سے نکلیں گے اور اپنی گلیوں میں بھٹکتے ہوئے ہر اجنبی کو دھر لیں گے۔ وہاں خوف دہراس کا راج ہے۔''

جاتے جاتے وہ میرے سامنے آگئی "ایک دوسرے سے دور رہ کر ہم فائدے میں رہیں گے۔ کامیابی ہر جگہ سر چڑھ کر بولتی ہے۔ میں ناکام ہو گئی تو تم ان لوگوں سے میرا بدلہ لو گے۔ میں اکیلی جان ہوں اور غزالہ کو تمہاری ضرورت ہے۔ مجھے کچھ ہو جائے تو میری غلطیوں اور خطاؤں کو معاف کر دینا۔"

میں نے بے اختیار ویرا کو اپنی مضبوط بانہوں میں سمیٹ لیا۔ اس وقت وہ میرے لیے پچھلی رات والی سرکش اور منہ زور ویرا سے بالکل مختلف ایک قابلِ احترام لڑکی تھی۔

انسانی وجود کو ریزہ ریزہ کر دینے والے چند نرم و نازک اور دل گداز لمحوں سے گزر کر ویرا کمرے سے رخصت ہو گئی اور میں خالی پن کے احساس کے ساتھ کرسی میں گر گیا۔

ویٹر ناشتے کے ساتھ ڈیلی میل اخبار بھی لایا تھا جو اس وقت تک ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ ویرا کی روانگی کے وقت اخبار کے مطالعے کا کوئی موقع محل نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے نیم دلی سے ڈیلی میل کے صحت مند شمارے کی ورق گردانی شروع کر دی۔ اس وقت میرے اوپر خالی الذہنی کا سا عالم طاری تھا۔ اخباری صفحات اور دنیا جہان کے لیے بے شمار خبروں کے ساتھ ساتھ مضامین اور تجزیوں پر مشتمل اس قدر متنوع اور کثیر مواد یکجا کر دیا گیا تھا کہ اس اخبار کا کوئی باقاعدہ قاری بھی فرصت کے محدود وقت میں اس سے پوری طرح مستفید نہیں ہو سکتا تھا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ ان صفحات میں ہر ذوق کے قاری کو اپنی اپنی پسند کی کچھ نہ کچھ چیزیں مل سکتی تھیں۔

ویرا کے چلے جانے کے بعد میری طبیعت یکا یک اچاٹ ہو گئی تھی۔ ذہن سنسنا رہا تھا۔ لاشعور کے نہاں خانوں میں اس کی ناکامی کا موہوم سا امکان کسی زہریلے بچھو کی طرح ڈنک مار رہا تھا۔ میں نے کچھ پڑھے بغیر اخبار کی مشینی ورق گردانی مکمل کی اور پھر اسے ایک طرف ڈال دیا۔

ہم لوگ اس سے پہلے بھی بہت سے خطرناک کاموں میں ہاتھ ڈالتے رہے تھے۔ کہیں سب مل جل کر دشمن پر کاری ضرب لگاتے تھے تو کہیں کوئی ایک اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر موت کے جبڑوں کو چیرنے کی مہم پر نکلتا تھا اور دوسرے کی غازیانہ واپسی کا انتظار کرتے تھے۔

وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ طویل اور صبر آزما انتظار کے ایسے لمحات سے گزرنا ہمارے معمولات میں شامل ہو چکا تھا اور میں نے کبھی بھی ایسے کرب و اضطراب کا سامنا نہیں کیا تھا جو اس وقت میرے وجود میں خود بخود امڈا چلا آ رہا تھا۔

مجھے خیال آیا کہ اس بار میری بے چینی شاید تنہائی کی وجہ سے تھی۔ میں بے کاری کے عالم میں تن تنہا اس عذاب سے گزر رہا تھا۔ اگر مجھے کسی مصروفیت کی پناہ میسر آ جاتی تو ذہن پر طاری ہونے والا بوجھ کم ہو سکتا تھا۔ لندن میں میرا کوئی شناسا باقی نہیں رہا تھا جس کے ساتھ میں وقت گزار سکتا۔

بدری ناتھ اپنے ساتھی کے مقتل سے غیر حاضری کے چکر میں انڈین ہائی کمیشن میں تھا، سلیم اکبر خان لندن میں اپنی مہلت کے آخری چند ایام بسر کر کے اپنے عبرت ناک انجام کا سامنا کرنے کے لیے کراچی پہنچ چکا تھا۔

.... دوشیزہ نظر آنے والی ایلیزا کا چہرہ لشن نقاب سرکتے ہی اپنی ساری دلکشی کھو بیٹھا تھا۔ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر لندن کی بھیگی بھیگی فضاؤں میں اپنے ارمانوں کی سیج سجا کر نہ صرف اپنے شوہر کی وفا کا خون کر رہی تھی بلکہ اپنے بچوں کی ممتا کو بھی دغا دے رہی تھی۔ اپنے بہروپ سے اصل روپ میں آنے کے بعد وہ کسی بھی طرح اس قابل نہیں رہی تھی کہ اس کے ساتھ کچھ وقت بسر کیا جاتا۔

اس وقت شہر ٹیوڈر ہوٹل میں کام کرنے والی ہی ایک فراخ دل لڑکی قابلِ احترام تھی جو ایک گندے پیشے سے وابستہ ہونے کے باوجود صاف دل اور صاف گو تھی مگر اس کے لیے وہ آرام کا وقت تھا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ لندن میں چند دن گزار کر میں یہ بھول ہی گیا تھا کہ کراچی کا وقت وہاں سے ان دنوں چار گھنٹے آگے تھا۔ میری رسٹ واچ ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کراچی میں شام کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔

سلیم اکبر خان کراچی پہنچنے کے بعد پہاڑ جیسی رات اور تقریباً پورا دن گزر چکا تھا۔ اس کے انجام کے لیے وہ مہلت بہت کافی تھی۔ مجھے اول خان سے اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔

میں نے کراچی فون کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں اپنی دھن میں کھویا ہوا تھا۔ گھنٹی کے شور نے مجھے چونکا دیا۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو ہوٹل کی شیریں سخن آپریٹر نے مجھے طویل فاصلے کی کال کی اطلاع دے کر فوراً ہی لائن میری طرف منتقل کر دی۔

دوسری طرف سے اول خان کی آواز سن کر خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا ''تمہاری عمر بہت لمبی ہے۔ ابھی ابھی میں نے تمہیں فون ملانے کا فیصلہ کیا تھا کہ تمہاری کال آ گئی۔ یہ بتاؤ کہ یہاں سے بھیجے ہوئے تحفے کی کیا پوزیشن ہے۔ میرے حساب سے اب تک اسے تمہاری تحویل میں ہونا چاہیے۔''

''ہاں۔'' اول خان کی طرف سے جواب آیا ''کراچی پہنچنے کے بعد وہ زیادہ دیر تک صبر نہیں کر سکا۔ رات کے گیارہ بجے وہ اپنے دفتر پہنچ کر تجوری سے مسروقہ خفیہ کاغذات نکالتے ہوئے پکڑ لیا گیا تھا......''

''تھا' کیا مطلب؟'' میں نے بے چینی سے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

''تم ٹھیک سمجھے۔ اب وہ ماضی کی بات ہو گئی۔ وہ ہر راز اپنے سینے میں سمیٹ کر قصہ پارینہ بن چکا ہے۔''

اول خان کی سرد اور سپاٹ آواز ابھری ''قومی رازوں کے ساتھ وہ فوجی رازوں میں بھی خیانت کر رہا تھا۔ اس کی گرفتاری میں انٹر سروسز انٹیلی جنس کے باوردی افسران پیش پیش تھے۔ غیر متوقع طور پر خود کو ان سنگین چٹانوں کے درمیان محصور پا کر وہ دہشت زدہ ہو گیا۔ اپنے عبرت ناک انجام کے خوف سے اس پر اسی وقت دل کا دورہ پڑا اور وہ جناح اسپتال پہنچنے سے پہلے ہی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔''

''یہ برا ہوا۔'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا ''وہ مر گیا لیکن اپنے ساتھیوں اور آقاؤں کے سارے نام بھی اپنے سینے میں لے گیا۔ اب شاید ہمیں اندر کی پوری کہانیاں کبھی معلوم نہ ہو سکیں۔''

''انٹر سروسز والے جس کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں اسے اس کے منطقی انجام تک ہر قیمت پر پہنچاتے ہیں۔ شاید اس کہانی کے سارے کردار بے نقاب نہ ہو سکیں مگر بڑے مجرموں کی گردنیں نہیں بچ سکیں گی۔ سلیم اکبر کے سارے خفیہ کاغذات اب ان کے قبضے میں ہیں۔ ہر کاغذ خود بتائے گا۔ وہ کہاں سے چل کر سلیم کی تجوری میں پہنچا تھا۔ وہ ایسے ہر خائن ہاتھ کو بے رحمی سے کاٹ دیں گے جس نے کاغذات اور فائلوں کے اس سفر میں کوئی بھی سہارا دیا ہے۔ اب تم اسے بھول جاؤ۔ یہ مقدمہ اپنے اصل وارثوں کے ہاتھ میں پہنچ چکا ہے۔ وہ اپنا حساب خود ہی بے باق کر لیں گے۔''

''اتنی بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ لیکن تمہاری آواز میں کوئی خوشی یا گرمجوشی نہیں ہے۔ تم ایسے سرد اور سپاٹ مزاج کے مالک نہیں ہو...... کہیں ایسا تو نہیں کہ بنا بنایا کھیل اپنے ہاتھ سے نکل جانے پر تمہیں قلق ہو رہا ہو کہ اس کامیابی کا پورا سہرا ان لوگوں کے سروں پر سج جائے گا۔''

''وہ بھی ہم جیسے ہیں۔ ہم سب ستائش کی تمنا یا صلے کی پروا کیے بغیر بے لوثی سے اپنا فرض انجام دیتے ہیں۔''

وہ کسی قدر مجروح لہجے میں بولا ''میرے یا میری بے نام نورس کے بارے میں ایسی چھوٹی باتیں مت سوچا کرو۔ میری اداسی کا سبب سنو گے تو تم خود بھی دہل کر رہ جاؤ گے۔''

اول خان کے وہ چیختے ہوئے الفاظ بہت سنگین تھے۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں سی سرسرانے لگیں۔ میں نے اپنے ذہن پر ہونے والی اندیشوں کی بدترین یلغار سے سنبھل کر ڈرتے ڈرتے پوچھا ''شاید تمہاری کال کا سبب بھی وہی ہے۔ غزالہ تو خیریت سے ہے نا؟''

''وہ بال بال بچی ہے۔'' مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اول خان کسی تنگ اور گہرے کنوئیں کی تہ سے بول رہا ہو۔ میں سانس روکے ریسیور کان پر جمائے کھڑا رہا۔ وہ کہہ

رہا تھا "اگر میری بیوی نے چند روز کے لیے اسے اپنے پاس نہ روکا ہوا ہوتا تو اس وقت ہم اس کے سراغ سے بھی محروم ہو چکے ہوتے......"

میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں نے اس کی بات کاٹ دی "تم پہلے ہی سلیم کے تذکرے میں بہت وقت برباد کر چکے ہو۔ جلدی بتاؤ کہ وہاں کیا ہوا ہے۔ غزالہ تمہارے گھر پر ہے تو سلطان شاہ کہاں ہے؟"

"کچھ پتا نہیں کہ وہ کہاں ہے۔" ادل خان کی آواز کرب آلود ہو گئی "میرے آدمی پورے شہر میں دیوانہ وار اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔"

"وہ تنہائی سے اکتایا ہوا تھا۔" میں نے پُر امید لہجے میں کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ وہ خود ہی اپنے دوستوں اور رشتے داروں سے ملنے چلا گیا ہو۔"

"وہاں بیٹھ کر تم یہ سب سوچ سکتے ہو مگر کوئی خوش گمانی نہیں ہے۔ تمہارا گھر ابتر حالت میں ہے۔ فلیٹ کا پورا سامان الٹ پلٹ دیا گیا ہے۔ ان لوگوں نے اچانک ہی ہم پر کاری گھاؤ لگایا ہے۔"

میرا دل ڈوبنے لگا۔ سلطان شاہ ایک مرتبہ پھر چکی کے دو وزنی پاٹوں کے [illegible] آ گیا تھا۔

ہراساں اور جذ[illegible] ہو کر ہم اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "ٹوٹے پھوٹے [illegible] میں باتیں نہ کرو۔ مجھے کھل کر بتاؤ کہ کیا ہوا ہے۔ وہ زندہ تو ہے نا؟"

"وہ یقیناً زندہ ہوگا۔" ادل خان نے پر یقین لہجے میں کہا "مارنا ہوتا تو وہ اس کی لاش فلیٹ میں ہی چھوڑ جاتے۔ وہ اس طرح غائب نہ ہوتا۔"

"تم کہتے چلے جاؤ۔ میں پوری توجہ سے ایک ایک لفظ سن رہا ہوں۔" اسے خاموش پا کر میں نے بے چینی سے لقمہ دیا "وقت ہمارے لیے سب سے اہم ہے۔ وقت کھو دیا تو وہ ہمارے ہاتھوں سے نکل سکتا ہے۔"

"رات کو وہ گھر پر ہی تھا اور ویرا سے بات ہو جانے پر بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ آج میں نے اسے سلیم اکبر خان کے انجام سے مطلع کرنے کے لیے فون کیا تو کوئی جواب نہیں ملا۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانے لگا "صبح گیارہ بجے تک جب فون پر اس سے رابطہ نہ ہو سکا تو میں خود وہاں پہنچ گیا۔ تمہارے فلیٹ کا دروازہ بند لیکن غیر مقفل تھا۔ اندر قدم رکھتے ہی میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ گھر میں سارا سامان بے ترتیبی سے اِدھر اُدھر بکھرا ہوا تھا۔ الماریوں کے پٹ کھلے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے عجلت میں پورے فلیٹ کی تلاشی لی ہو۔ سلطان کا پورے گھر میں کہیں پتا نہیں تھا۔"

"پڑوسی کیا کہتے ہیں؟" میں اضطراری لہجے میں اس سے وہ سوال کر بیٹھا۔

"سب لاعلم تھے۔ کسی نے کوئی غیر معمولی آواز یا آہٹ نہیں سنی۔ چوکیدار سے پتا چلا ہے کہ صبح چار بجے ایک نئی لینڈ روور میں خاکی وردی والے دو مقامی اور دو گورے وہاں آئے تھے۔ ایک مقامی نے اسے بتایا کہ وہ اینٹی نارکوٹکس فورس کے بڑے افسر ہیں اور ہیروئن کے ایک بین الاقوامی اسمگلر کی تلاش میں وہاں آئے ہیں۔ وہ اپنی زبان بند رکھ کر ان سے دور رہے اور اپنے کام سے کام رکھے۔ ان پڑھ چوکی دار وردیوں اور گاڑی سے مرعوب ہو گیا اور وہ گاڑی سمیت احاطے میں اندر تک چلے گئے۔ اسے کچھ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کس فلیٹ میں گئے۔ آدھے گھنٹے بعد وہ لینڈ روور تیز رفتاری سے پھاٹک سے نکلتی چلی گئی۔ چوکیدار اس ناگہانی افتاد پر اتنا بدحواس تھا کہ واپسی پر جیپ میں موجود افراد کی تعداد پر دھیان نہیں دے سکا۔"

"اور اینٹی نارکوٹکس والے کیا کہتے ہیں؟" میں نے گہرا سانس لے کر پوچھا۔

"نیچے سے اوپر تک سب اس واقعے سے لاعلم ہیں۔ ان کی طرف سے صبح سویرے تو کیا، پچھلے تین دن سے ایسا کوئی آپریشن نہیں کیا گیا۔ ویسے بھی وہ اپنے پاس آئے ہوئے غیر ملکی ماہرین کو کسی فیلڈ آپریشن میں شامل نہیں کرتے۔ چھاپوں اور گرفتاریوں کے فرائض مقامی عملہ سرانجام دیتا ہے۔"

"ان کا نام استعمال کر کے یہ شبِ خون مارا گیا ہے۔ سلطان شاہ اتنی خاموشی اور آسانی سے ان کے ساتھ

جانے والا نہیں تھا۔ وہ یقیناً اسے بے ہوش یا زخمی کر کے وہاں سے نکال لے گئے ہوں گے۔''

''میں بھی ان ہی خطوط پر کام کر رہا ہوں۔ ایک مشکل یہ ہے کہ چوکیدار اس لینڈ رودر کا نمبر نہیں دیکھ سکا۔ صبح چار بجے فضا میں اتنا اندھیرا تھا کہ گاڑی کے رنگ کے بارے میں بھی وہ پر یقین نہیں ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ سلطان شاہ کو برآمد کرنے کے لیے کہاں دھاوا بولا جائے۔''

''اس معاملے میں نک موڈلے ہی ملوث معلوم ہوتا ہے اور یہ سلطان شاہ کے لیے سب سے مہلک بات ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ بدری ناتھ کی طرف سے علی شیر کے نمائندے کے طور پر کئی بار نک سے مل چکا ہے۔'' ایک سنگین خطرہ سامنے آجانے کے بعد میں نے ہر احتیاط بالائے طاق رکھ کر فون پر کھلی کھلی گفتگو شروع کر دی۔

''میں چیک کر چکا ہوں۔ نک کل صبح ہی کسی سرکاری کام سے سنگاپور گیا ہے۔ یہ کوئی اور ہی لمبا کھیل معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سلیم اکبر خان کی گرفتاری پر کچھ لوگوں نے منہ اندھیرے یہ جوابی کارروائی کی ہو۔ اس کے پکڑے جانے سے ان کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے ہوں گے۔''

میرے لیے وہ بدترین اور تکلیف دہ صورت حال تھی۔ میرا ذہن صدمے اور مایوسی سے دوچار ہونے کے باوجود تیزی سے کام کر رہا تھا۔ مجھے اول خان کی بات کا جواب دینے کے لیے مزید سوچنے کی ضرورت نہیں پڑی ''نک ملک سے باہر ہے۔ اسے میرے یا سلطان شاہ کے بارے میں ذرا بھی بھنک مل جاتی تو وہ نک سے پہلی ملاقات کے بعد زندہ نہیں لوٹ سکتا تھا۔ نہ ہی بدری کے ساتھ زیادہ وقت گزار سکتا تھا۔ اس بارے میں میرا شبہ بہت کمزور ہے۔ دوسری طرف سلیم مدن موہن اور اس کے نیچرل انفارمیشن سیل کا آلہ کار تھا۔ مدن تمہاری تحویل میں ہے۔ سلیم کے پکڑے جانے سے سب سے زیادہ دکھ مدن کے ساتھیوں کو ہو سکتا تھا مگر لینڈ رودر میں آنے والوں میں دو سفید فام شامل تھے۔ ان کے لیے سفید فاموں کو اس قدر کھل کر میدان میں اتارنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ سفید فاموں کو لے کر آنے والے باوردی افراد بھارتی ایجنٹ یا ان کے مقامی مددگار رہے ہوں۔'' اول خان اپنے طور پر اس واقعے کو ہر پہلو سے پرکھ رہا تھا۔

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنی کم مدت میں انہیں سلطان شاہ کے ٹھکانے کا علم کیسے ہوا۔ اگر وہ پہلے سے باخبر تھے تو ان کی طرف سے آج تک کوئی کارروائی کیوں نہیں کی گئی۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' اول خان نے کمزور لہجے میں اعتراف کیا ''اگر سوچنے کی یہ راہیں مسدود ہو جاتی ہیں تو پھر سلطان شاہ کے اغوا کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟''

''اب تک تم نے ایک نتیجہ بہت ٹھیک اخذ کیا ہے۔ اگر آنے والوں کو سلطان شاہ سے دشمنی ہوتی تو وہ اسے فلیٹ میں ہی مار دیتے۔ لاد کر اپنے ساتھ نہ لے جاتے۔''

''تو... کیا یہ نکتہ کسی خاص سمت کی نشان دہی کر رہا ہے؟'' اول خان نے پوچھا۔

''میرا یہی خیال ہے۔ بدری کہہ چکا ہے کہ کراچی میں میری روپوشی کی خبریں گردش کر رہی ہیں۔ میرے دشمنوں میں اس وقت صرف آئزک بیل کو معلوم ہے کہ میں اس فلیٹ میں رہ رہا ہوں۔''

میرے جواب نے اول خان کو بری طرح چونکا دیا ''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''پرانی بات ہے۔ تم بھول رہے ہو کہ وہ امریکا سے دو بار اسی فلیٹ کے فون پر مجھ سے رابطہ کر چکا تھا۔ بعد میں اس نمبر پر آبزرویشن وغیرہ کے خوف سے اس نے یہ سلسلہ بند کر دیا تھا۔''

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' اول خان کی آواز یک بیک پر جوش ہو گئی ''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے یوم السبت پر کوٹ ادو کے تھرمل پاور پلانٹ میں تباہی کی پیش گوئی نما دھمکی دی تھی۔''

''فون نمبر اسے راس المیڈا سے مل چکا تھا۔ اب وہ میرے لہو کا پیاسا ہے۔ اتنے دنوں تک وہ یقیناً خاموش نہیں بیٹھا رہا۔ اس کے آدمی یہاں آئے اور انہوں نے فون نمبر کے سہارے فلیٹ کا کھوج لگا لیا۔''

"تم واقعات کا صحیح تجزیہ کر کے بات کی تہ تک پہنچ جاتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انتقام کی آگ میں جلتا ہوا آئزک اب کسی پر اعتماد کرنے کے بجائے خود تمہیں گھیرنے کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔"

"اس وقت یہی معلوم ہو رہا ہے۔ چار کی وہ ٹولی میری تلاش میں وہاں پہنچی۔ جب میں نہ ملا تو وہ سلطان شاہ کو اٹھا لے گئے۔ اب تک انہوں نے اس کا بھرکس نکال دیا ہوگا۔"

"میں اسے اچھی طرح پرکھ چکا ہوں۔ وہ مر جائے گا مگر تمہارے بارے میں اپنی زبان سے ایک لفظ نہیں نکالے گا۔ انہوں نے اپنی جھنجلاہٹ مٹانے کے لیے ایک غلط آدمی پر ہاتھ ڈالا ہے۔"

"ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو۔" میں نے تڑپ کر کہا "مریں اس کے دشمن۔ یہ سوچو کہ اب تم کیسے اس تک پہنچ سکتے ہو۔"

"شاید راس المیڈا کا انجام دیکھ کر وہ اپنے سفارت کاروں سے بدظن ہو چکا ہے۔ وہ سرخ فیتے سے بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر وہ ان سے دور رہ کر کام کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے تو کراچی کی زیر زمین دنیا کے چند بڑے ناموں سے کوئی نہ کوئی سراغ مل سکتا ہے۔"

"جلدی کرو۔ یہ کام جتنی جلد ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔" میں نے بے قراری سے کہا۔

"یہ سوچ سوچ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں کہ اگر غزالہ بھی میرے گھر کے بجائے سلطان شاہ کے ساتھ ہوتی تو کیا ہوتا۔ ایسی خون آشام دشمنیوں میں عورت ذات سب سے سہل نشانہ ہوتی ہے۔"

میرے وجود میں قہر و غضب کی ایک لہر نے انگڑائی لی اور میں نے دانت پیستے ہوئے کہا "میں ان کے سر کچل دوں گا۔ ضرورت پیش آئی تو میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کسی بھی وقت واپس چل دوں گا۔ میرے لیے غزالہ اور سلطان شاہ دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔"

"روزی بھی تمہاری بے لوث جان نثار ہے۔ اس کی قدر کیا کرو۔ تمہاری بات سن کر اسے دکھ ہوا ہوگا۔"
...اول خان نے جھجکتے ہوئے مجھے یاد دلانا چاہا۔

"وہی نہیں، تم بھی میری فہرست میں شامل ہو مگر وہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہے۔"

"وہ کہاں گئی ہوئی ہے؟" اول خان پر تجسس لہجے میں سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

ویرا کے ذکر پر مجھے یاد آیا کہ سلطان شاہ کے اغوا کی خبر سنتے ہی میں اسے بھول چکا تھا حالانکہ اس وقت وہ دونوں ہی خطرات سے دوچار تھے۔ سلطان شاہ میرے بدترین حریفوں کا قیدی تھا اور ویرا محض اپنے بل بوتے پر ایک خون آشام درندے کی سرکوبی کرنے کے لیے نکلی ہوئی تھی۔

"آج روزی گدھے کے ساتھ لگی ہوئی پخ کو ہمیشہ کے لیے الگ کرنے گئی ہے۔"

"وہ اکیلی گئی ہے؟" میرے جواب نے اول خان کو ششدر کر دیا۔

"وہاں ایک سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ بہتر اور محفوظ انداز میں کام پورا کر سکے گی۔ تم سے بات ہونے تک میں اسی کے بارے میں فکر مند تھا۔"

"تم سر نیچا کر کے خاموشی سے بڑے سے بڑا کام کر گزرتے ہو اور اس پر ذرا بھی غرور نہیں کرتے۔ وہ ہر وقت اپنی صلاحیتوں پر گھمنڈ کرتی رہتی ہے۔ وہ بہت بے جگر اور ذہین لڑکی ہے مگر پھر بھی لڑکی ہی ہے۔ وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی تمہاری گرد کو نہیں پہنچ سکتی۔"

"دونوں طرف طبلِ جنگ بج چکا ہے۔ میں سلطان کے بارے میں سوچتا رہوں گا۔ تم روزی کے لیے فکرمند رہو گے۔ ہمارا آپس کا قریبی رابطہ برقرار رہنا ضروری ہو گیا ہے۔"

"فکر مت کرو۔ میں ہر ایک گھنٹے کے بعد تمہیں رپورٹ دیتا رہوں گا۔"

"ہوٹل میں اتنی کثرت سے غیر ملکی کالوں کی آمد یہاں کے عملے کو شبہات میں ڈال دے گی۔ میں باہر کے کسی بوتھ سے تم سے بات کرتا رہوں گا۔"

"اپنے ان مسائل کو تم مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

اس وقت گھر ہی سے بول رہے ہونا؟'' مجھے اچانک وہ اہم سوال یاد آ گیا۔

''گھر؟'' میرے کان میں اول خان کی تلخ سی ہنسی ابھری۔ ''سلیم کے چکروں سے صبح دو بجے نجات ملی تھی اور میں دفتر ہی میں لیٹ گیا تھا۔ دس بجے سے سلطان شاہ کی فکر شروع ہو گئی۔ اب میں دفتر میں جما ہوا ہوں۔ سلطان شاہ کا سراغ ملنے تک میں یہیں رہوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں تمہیں دفتر میں فون کرتا رہوں گا۔ درمیان میں کوئی اچھی خبر مل جائے تو تم مختصر سی کال کر لینا۔ میں صرف تمہیں فون کرنے کے لیے ہوٹل سے نکلوں گا ورنہ مجھے بھی کمرے میں جم کر مسز روزی برڈ کی واپسی کا انتظار کرنا ہے۔''

اول خان نے سب کے لیے عافیت کی ایک دل گیر دعا کے ساتھ فون بند کر دیا۔

کراچی سے نکل کر میں دبئی کے راستے لندن پہنچا تو اچانک یوں محسوس ہوا جیسے بھاگتی دوڑتی اور ہنگامہ خیز زندگی یک لخت ٹھہر سی گئی ہو۔ سلیم اکبر دوران سفر دریافت ہونے والا ایک غیر متوقع اور آسان شکار تھا جو کسی قابل ذکر جدوجہد کے بغیر، ہنستے کھیلتے میرے دام میں آ گیا ہے۔ اس کے علاوہ گیتا اور جیمز کا قضیہ بھی چند گھنٹوں میں نمٹ گیا۔

کسی تخریبی ارادے کے بغیر، محض وقت گزاری کے لیے کی جانے والی چھیڑ چھاڑ دیکھتے ہی دیکھتے ان دونوں کے عبرت اثر انجام پر منتج ہوئی تھی۔ اپنی اپنی اہمیت کے اعتبار سے وہ دونوں ہی واقعات بہت سنگین تھے لیکن ان میں ہمارا زیادہ وقت صرف نہیں ہوا تھا۔

پچھلے چند دنوں میں ہم نے اپنا بیشتر وقت لندن کی سیر میں صرف کیا تھا اور عملاً ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہم کام کرنے کی بجائے محض پکنک منانے کے لیے لندن آئے ہوں۔

پچھلی رات سے واقعات نے اچانک ہی نیا رخ بدلا تھا۔ پہلے ویرا نے مجھے رمیش اگروال کے قصے سے بے دخل کیا اور خود ایک مشکل صورت حال کا سامنا کرنے چل دی۔ دوسری طرف سلطان شاہ بے خبری میں کئے جانے والے ایک وار کا نشانہ بن چکا تھا۔ پہلے ہر محاذ پر سناٹا چھایا ہوا تھا اور اب ہر طرف خبر یں ہی خبریں تھیں۔ دیکھنا صرف یہ تھا کہ آئزک بیل سے ہمارا تصادم کہاں ہونے والا تھا۔

اگر وہ نیویارک میں بیٹھ کر اپنی کٹھ پتلیوں کی ڈوریاں ہلا رہا تھا تو ہمارا بدری ناتھ کے پیچھے پیچھے یا اس کے بغیر وہاں جانا ضروری ہو گیا تھا اور وہ خود کراچی میں موجود تھا تو ہمیں پہلی فرصت میں وہاں پہنچ کر اس کے گرد جال ڈالنا تھا۔

میں نے اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ اول خان نے کافی دیر تک فون پر بات کی تھی مگر اس دوران میں وقت بمشکل پندرہ منٹ آگے سرکا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں بارہ بجنے میں پندرہ منٹ باقی ہونے کا اعلان کر رہی تھیں۔

وہ وقت بہت نازک تھا۔ میری چشم تصور میں ایک فلم سی چلنے لگی۔

اگر سب کچھ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہو رہا تھا تو بدری ناتھ نے رمیش اگروال کو کوئی چکر دے کر گھر میں اکیلا چھوڑ دیا تھا اور خود انڈین ہائی کمیشن میں سرگرمی سے ایک ایک سے مل کر اسے اپنی موجودگی کا گواہ بنا رہا تھا۔ اندر سے وہ بہت مسرور تھا کیونکہ آنے والے چند گھنٹوں میں اسے اپنے اس بدترین حریف سے نجات ملنے والی تھی جو دوست بن کر اس کی جڑیں کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دوسری طرف رمیش اگروال ہیری نواسن کے خالی گھر کے کسی کمرے میں بیٹھا بدری ناتھ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ وقت گزاری کے لیے اس نے خود کو ٹیلی وژن کی اسکرین یا اخباری صفحات میں الجھایا ہوا تھا۔ وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ باہر موت اس کی گھات لگائے پھر رہی تھی اور فرشتہ اجل کسی بھی لمحے ویرا کے سحر انگیز روپ میں اس کے سر پر مسلط ہونے والا تھا۔

ساؤتھ آل کے علاقے میں ترتیب پانے والے اس ڈرامے میں تیسرا اہم ترین کردار ویرا کا تھا۔ وہ شاید اپنے ہدف کے قرب و جوار میں پہنچ چکی تھی۔ اس کے لیے کام کا

وقت بارہ اور ڈیڑھ بجے کے درمیان مقرر کیا جا چکا تھا۔ وہ بارہ بجے سے پہلے اپنی شکارگاہ میں داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ بارہ بجنے کے انتظار میں سخت بے چینی اور اضطراب کے عالم میں وہیں کہیں چکراتی پھر رہی ہوگی۔

میرے لیے وہ قیامت کی گھڑیاں تھیں۔ وقت جونک کی چال سے رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ بارہ بجے اور میرے اعصاب پر تناؤ سا سوار ہو گیا۔ شاید ویرا فیصلہ کن قدم اٹھانے کی پوزیشن میں آ چکی تھی۔

میرے ذہن پر دباؤ بڑھتا رہا۔ بارہ بج کر دس منٹ پر اس دباؤ سے میری کنپٹیاں چٹخنے لگیں۔ میں اس وقت میدانِ عمل سے بالکل باہر تھا مگر وہاں کی صورت حال جاننے کی خواہش میرے قابو سے باہر ہو چکی تھی۔ میں تذبذب کے عالم میں چند ثانیوں تک فون کو گھورتا رہا پھر بے اختیار ریسیور اٹھا لیا۔

میں نے [illegible] لمحہ بھر غور کیا۔ میری وہ حرکت ہر خطرے [illegible] تھی۔ سری نواسن کے گھر میں رمیش اگروال شکار [illegible] شکاری۔ شکار کی کوئی بھی غفلت اس کے لیے موت کا پیغام بن سکتی تھی۔ میں وہاں کا نمبر ملاتا تو لازمی طور پر رمیش ہی فون کی طرف متوجہ ہوتا۔ اس کے لب و لہجے سے مجھے وہاں کے بارے میں خاصا اندازہ ہو سکتا تھا۔ اگر جواب نہ ملتا تو پھر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ ویرا بجلی کی سی پھرتی سے اپنا کام مکمل کر کے وہاں سے نکل چکی تھی اور تھوڑی ہی دیر میں واپس پہنچنے والی تھی۔

میں نے لائن کا کوڈ ملا کر سری نواسن کے گھر کا فون ملانا شروع کر دیا۔

لندن میں فون کا نظام کچھ ایسا ہے کہ پاکستان کی طرح وقفے وقفے سے گھنٹی نہیں بجتی۔ لائن ملتی ہے تو دہری بیپ بیپ کی صورت میں گھنٹی بجتی چلی جاتی ہے۔ دوسری طرف گھنٹیوں کی آواز شروع ہوتے ہی میرا دورانِ خون تیز ہو گیا۔

بدری ناتھ مجھے بتا چکا تھا کہ سری نواسن نے ان دونوں کو اپنے گھر کا ایک ایسا کمرا دیا ہوا تھا جہاں ضرورت کی تمام چیزیں میسر تھیں لیکن فون اور ٹیلی وژن کی سہولتیں موجود نہیں تھیں۔ شاید رمیش اگروال ویرا کو ایک آسان شکار سمجھ کر اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔ اسی وجہ سے اس کو فون تک پہنچنے میں تاخیر ہو رہی تھی۔ ویرا اس عفریت کو اتنی سرعت سے زیر نہیں کر سکتی تھی۔

متعدد گھنٹیوں کے بعد آخر کار ریسیور اٹھا لیا گیا۔ ہیلو کہنے والا رمیش ہی تھا۔

"کیا بات ہے؟ ہر وقت تم ہی فون سے لگے بیٹھے رہتے ہو۔" میں نے کسی تمہید کے بغیر اسے چڑانے کے لیے کہا۔ اس سے قدرے طویل گفتگو کر کے ہی میں وہاں کی پچوئیشن کے بارے میں اندازہ لگا سکتا تھا۔

"اوہ...... تم کو بدری کے سامنے آتے ہوئے شرم آتی ہے جو دور دور سے اسے بس فون ہی کرتے رہتے ہو۔" میری بدلی ہوئی آواز سن کر اس بار بھی وہ مجھے گرنام سنگھ سمجھا تھا۔

"وہ خود ڈرپوک ہے۔" میں نے جواب دیا "وہ کسی اور کے گھر میں ٹھہرا ہوا ہے اس لیے مجھے وہاں بلانے سے ڈرتا ہے۔ تم اسے آمادہ کر لو تو میں آج شام ہی اس سے ملنے آ سکتا ہوں۔"

"اتفاق ہے کہ جب بھی تم فون کرتے ہو وہ گھر پر نہیں ہوتا۔ اس وقت بھی وہ کہیں گیا ہوا ہے۔" اپنے فطری تجسس سے مجبور ہو کر وہ خود بھی گفتگو آگے بڑھا رہا تھا۔ وہ جاننا چاہ رہا تھا کہ لندن میں بدری ناتھ کا کون سا ایسا دوست ہے جس سے وہ بے خبر ہے۔

"اب میں شام کو سات آٹھ بجے دوبارہ فون کروں گا۔ اس سے کہہ دینا کہ وہ گھر پر ہی رہ کر میرا انتظار کرے۔ مجھے اس سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے بدلی ہوئی بھاری آواز میں کہا۔

اس وقت تک ہم دونوں اردو یا ہندی میں باتیں کر رہے تھے۔ اچانک اس نے مجھے ہولڈ کرنے کے لیے کہا پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر انگریزی میں کسی سے مخاطب ہو گیا۔

"ارے ڈارلنگ! تم یہاں کیوں آ گئیں۔ وہیں میرے کمرے میں بیٹھو۔ میں فون پر گفتگو کر کے ابھی وہیں آتا ہوں۔ اکیلے کمرے سے تمہیں خوف زدہ ہونے کی

ضرورت نہیں۔"

سوا بارہ بجنے والے تھے۔ وہ انگریزی میں ڈارلنگ کہہ کر کسی عورت ہی کو مخاطب کر سکتا تھا۔ وہ یقیناً ویرا ہی تھی اور پروگرام کے مطابق رمیش تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

رمیش کو ملنے والا ویرا کا جواب میں نہیں سن سکا مگر پھر رمیش کی آواز آئی "ٹھیک ہے۔ تم اس مشرقی گھر کا جائزہ لیتی رہو۔ میں بس ابھی فارغ ہوتا ہوں۔"

انگریزی میں وہ فقرے مکمل کر کے رمیش دوبارہ مجھ سے مخاطب ہو گیا "بدری سے تمہارے ایسے کیا راز و نیاز ہوتے ہیں کہ تم اس بارے میں مجھے نہیں بتا رہے۔"

"بدری چاہتا تو وہ خود بھی کہہ سکتا تھا کہ میں اس کی غیر موجودگی میں تم سے بات کرلوں۔ اس بارے میں ضد مت کرو اور یہ بتاؤ کہ ابھی تم کسی ڈارلنگ سے بات کر رہے تھے؟"

"یہ ولایت ہے۔ یہاں لڑکیوں کو حاصل کرنے کے لیے زیادہ پاپڑ نہیں بیلنے پڑتے۔ مقدر اچھا ہو تو لڑکیاں خود ہی ٹکراتی رہتی ہیں۔ یہ کوئی......"

اچانک اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ ریسیور پر اس کی ایک شدید ہچکی کی آواز سنائی دی، ریسیور کہیں گرا اور پھر فرش پر کسی وزنی وجود کے گرنے کی تیز دھمک سنائی دی۔

میں نے ماؤتھ پیس میں بار بار ہیلو ہیلو کی تکرار کی مگر ریسیور پر گہرا سکوت چھایا رہا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے بات کرتے کرتے اچانک رمیش اگروال کی چابی ختم ہو گئی ہو۔

فون پر کسی واردات کی جزئیات سننے کا وہ تجربہ بہت انوکھا اور سنسنی خیز تھا۔ میں سانس روکے ریسیور پر کوئی آواز سننے کا منتظر رہا لیکن دوسری طرف گہرا سکوت چھایا رہا پھر کریڈل دبنے کی کلک کی آواز سنائی دی۔ کسی نے خاموشی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔

میں نے اپنے سینے میں رکا ہوا سانس آزاد کر کے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

کمرے کی فضا خنک تھی مگر مجھے اپنی پیشانی پر پسینے کے قطروں کی نمی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے پیشانی پر شہادت کی انگلی پھیری اور پسینے کی ایک ہلکی سی دھار میرے دائیں رخسار کے بڑھے ہوئے شیو میں رینگتی ہوئی قالین پر گر گئی۔

عملی طور پر میں نے کچھ بھی نہیں کیا تھا لیکن فون کے ریسیور پر میں نے جو کچھ سنا وہ بہت لرزہ خیز تھا۔ مجھے یک بیک نقاہت کا احساس ہونے لگا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے میں نے شدید جسمانی مشقت کے کئی مرحلے طے کیے ہوں۔ میں بستر پر گر کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

میں نے فون پر جو کچھ سنا وہ ناقابل یقین تھا۔ رمیش اگروال کی آخری بھیانک ہچکی میرے ذہن میں جم کر رہ گئی تھی۔ شاید اسے بالکل آخری لمحے پر خطرے کا ادراک ہوا تھا اور اس نے چیخنا چاہا تھا مگر اس کی وہ حیوانی چنگھاڑ بس ایک ہچکی میں گھٹ کر رہ گئی۔

میں دیر تک یوں ہی پڑا رہا۔ میرا ارادہ ایک بجے کے قریب باہر جا کر اول خان سے فون پر رابطہ کرنے کا تھا اور ایک بجنے میں خاصی دیر باقی تھی۔

ایک بجے سے پہلے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے بے تابی سے دروازہ کھول دیا۔

ویرا اپنے ہونٹوں پر ایک سفاک مسکراہٹ سجائے میرے سامنے موجود تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی بائیں آنکھ دبائی اور کمرے میں داخل ہو گئی۔

رمیش اگروال سے فون پر بات کرتے ہوئے میں نے وہاں کی صورتِ حال کے بارے میں صرف اندازے قائم کیے تھے۔ میں ویرا کے سامنے ان قیاسات کا قبل از وقت اظہار کر کے کسی شرمندگی سے دوچار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ میں نے انجان بن کر پوچھا "کیا بات ہے؟ تم بہت جلد واپس آ گئیں؟"

"وہ بہت کٹھن کام تھا لیکن حیرت ناک طور پر آسان ہو گیا۔" وہ فخریہ انداز میں بولی "ریوالور کے چیمبر میں ساری گولیاں محفوظ ہیں اور رمیش اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔"

"میں خلاصہ نہیں، پوری تفصیل سننی چاہتا ہوں۔" میں نے کرسی پر جھولتے ہوئے مطالبہ کیا۔

"یہاں سے نکلتے ہی میں نے اپنے پروگرام میں

...ورت نے تبدیلی کرلی تھی۔'' وہ بتانے لگی'میرے پاس بیمہ فروشی کے بارے میں کوئی مواد نہیں تھا اس لیے میں نے آکسفورڈ اسٹریٹ کی ایک بک شاپ سے انسانی صحت اوراس کی غذائی ضروریات کے بارے میں آٹھ دس کتابیں خرید ڈالیں اوردوبسیں تبدیل کر کے مقررہ وقت سے پہلے ساؤتھ آل میں پہنچ گئی۔''

''ٹھیک بارہ بجے میں نے سری نواسن کے دروازے کی گھنٹی بجائی تو رمیش نے دروازہ کھولا۔پہلی ہی نظر میں وہ رنگین مزاج اوراوباش فطرت نظر آتا ہے۔پہلے وہ مجھے اپنے میزبانوں کا کوئی مہمان سمجھ کراخلاق سے پیش آیا مگر جب میں نے اسے بتایا کہ میں صحت عامہ سے متعلق کتابوں کی گشتی سیلزگرل ہوں تو اس کی آنکھوں میں حریصانہ چمک عودکر آئی اوراس نے مجھے فوراً ہی اندر بلالیا۔''

میں نے پہلوبدل کرکرسی چھوڑدی۔یکا یک ہی مجھے اپنے کانوں کی لویں تپتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں۔ویرا کی اس تمہید کارخ خاصا اشتعال انگیز تھا۔

''وہ بہت غیر مہذب بلکہ وحشی تھا۔چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں میرے ساتھ ہی جڑکر بیٹھ گیا۔'' ویرا میرے دلی جذبات سے بے خبری کے عالم میں کہے جارہی تھی''میں نے اپنے ساتھ لائی ہوئی کتابیں کھول کر اسے باتوں میں الجھانا چاہا تو اس نے وہ پلندہ سمیٹ کر ایک طرف ڈال دیا اور بے حیائی سے کہا کہ وہ دیکھے بغیر ساری کتابیں خرید چکا ہے اور مجھے اس سے کچھ اور باتیں کرنی چاہئیں۔میرے حسن کی تعریف کرتے ہوئے اس نے افسوس ظاہر کیا کہ میں ذراسی آمدنی کے لیے سارادن گھر گھر ماری پھرتی رہوں۔وہ اتنی تیزی سے پیش قدمی کررہا تھا کہ مجھے اس کی طرف سے دست درازی کا خطرہ نظر آنے لگا۔وہ مجھ سے اتنا قریب تھا کہ میں اپنے بیگ میں سے ریوالور بھی نہیں نکال سکتی تھی۔کمرا چھوٹا اور فرنیچر سے اس طرح بھرا ہوا تھا کہ میں اچانک دوڑ کر بھی اس کی دسترس سے نہیں نکل سکتی تھی......''

میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور میں نے اس کی بات کاٹ دی۔''میں ان باتوں کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔ انہیں دہرا کر بلاوجہ میرا خون نہ کھولاؤ۔''

اس کے ہونٹوں پر خفیف سی آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔اس کے لیے یہ خوشی کی بات تھی کہ اس کی توہین کا تذکرہ سننا میرے بس سے باہر ہورہا تھا۔

''وہ میرے سر پر اس بری طرح سوار تھا کہ میں فکر مند ہوگئی۔میں جوابی گرم جوشی کا اظہار کرکے بھی اپنا مقصد حاصل کرسکتی تھی مگر میری دانست میں رمیش کے خون کی وہ قیمت بہت زیادہ ہوجاتی۔میں تیزی سے کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کررہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔میرے لیے وہ تائید غیبی تھی۔چند ثانیوں تک اس نے گھنٹی پر دھیان نہیں دیا مگر قدرت مجھ پر مہربان ہوچکی تھی۔فون کرنے والا بھی ڈھٹائی سے انتظار کرتا رہا اور آخر وہ جھنجلا کراٹھنے پر مجبور ہوگیا۔''

''اور جب وہ فون پر باتیں کرنے میں مصروف تھا تو تم ٹہلتی ہوئی اس کے قریب پہنچ گئیں۔'' وہ سانس لینے کے لیے رکی تو اگلی بات میں نے پوری کردی۔

وہ میرا اشارہ نہیں سمجھ سکی اور بولی''وہ میرا پہلا اور آخری موقع تھا۔میں اسے برباد نہیں کرسکتی تھی۔مجھے دیکھ کراس نے واپس بھیجنا چاہا مگر میں نے اس مشرقی گھر کی سجاوٹ کی تعریف کی تو اس نے میری موجودگی میں بات جاری رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔اس کا خیال تھا کہ میں اردو یا ہندی نہیں جانتی۔وہ فون کرنے والے کو میرے بارے میں کچھ بتانے جارہا تھا تو میں پنجوں کے بل تقریباً دوڑ کر اس کی پشت پر پہنچ چکی تھی۔میں نے اس کی گردن پر بائیں طرف سے کھڑی ہتھیلی کی ایک نپی تلی اور مہلک ضرب لگائی اور وہ خاموشی سے گر کر تڑپے بغیر ختم ہوگیا۔''

''یہاں تم غلط بیانی سے کام لے رہی ہو۔وہ خاموشی سے نہیں مرا تھا۔مرنے سے پہلے اس نے روح کو لرزا دینے والی ایک بھیانک ہچکی لی تھی۔اسے مار گرانے کے بعد تم نے خاموشی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔''اس کی بات پوری ہوجانے پر میں نے اس واردات میں اپنی شمولیت کا راز فاش کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

''تم کیا جانو؟''اس نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔میرے فقروں نے اسے حیران کردیا تھا۔

''رمیش کو وہ فون میں نے ہی کیا تھا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے اگلا دھماکا کیا۔

''نہیں۔'' وہ حیرت اور بے اعتباری سے بول پڑی ''تمہیں کیا پتا کہ اس وقت مجھے ایسی ہی کسی مداخلت کی ضرورت تھی جس کے نتیجے میں مجھے ذرا سی مہلت مل سکے۔''

''اسے دل کو دل سے راہ ہونا کہتے ہیں۔ میں یہاں بے کار بیٹھا فکر اور تشویش سے مراجارہا تھا۔ میں نے سوچا کہ فون پر ہی تم دونوں کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کی جائے اور اب تم بتارہی ہو کہ میرا فون ہی تمہارے لیے فیصلہ کن غیبی تائید ثابت ہوا۔''

''میں نہیں مان سکتی۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسے اتفاقات صرف فلموں میں رونما ہوتے ہیں۔''

میں اس سے کہہ سکتا تھا کہ فلموں میں تو فلمی ہیرو اپنی ہیروئن کو بچانے کے لیے ماؤتھ پیس کے سوراخ میں گھس کر تاروں پر سفر کرتا ہوا کسی دور افتادہ ریسیور سے بھی برآمد ہوسکتا ہے مگر اس وقت سلطان شاہ کے اغوا کے صدمے سے میرا دل غمگین تھا۔ ویرا کے لوٹ آنے کے بعد میرا ذہن پھر اسی کی طرف بھٹک گیا تھا اور میں ویرا کے سنبھلنے کے بعد اسے بھی وہ بری خبر سنانی چاہتا تھا۔

''تمہیں یقین دلانے کے لیے میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اس نے تمہیں ڈارلنگ کہہ کر مخاطب کیا تھا اور تمہیں اکیلے گھر سے خوف زدہ نہ ہونے کا مشورہ دیا تھا۔''

''بینا قابلِ یقین واقعہ ہے۔ اتنی دور رہ کر بھی تمہاری چھٹی حس میری ضرورتوں سے باخبر تھی۔ میں اپنی اس خوش قسمتی پر جتنا بھی ناز کروں وہ کم ہے۔''

میری بات کا اعتبار آتے ہی اس کا چہرہ اندرونی مسرت سے کسی انار کی طرح دمکنے لگا۔

''میں اس وقت ایک کرب میں مبتلا تھا۔ تمہارے ساتھ سلطان شاہ بھی خطرے میں پڑ چکا تھا۔ اول خان سے ملنے والی اس بری خبر نے مجھے وحشت زدہ کر ڈالا تھا۔''

''سلطان شاہ!'' اس نے بوکھلا کر دہرایا ''اسے کیا ہوا؟ وہ کہاں ہے؟''

''جعلی وردیوں میں ملبوس دو مقامی اور دو سفید فام آج علی الصبح اسے فلیٹ سے اغوا کر کے لے گئے ہیں اور پورے شہر میں ان لوگوں کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔''

ویرا نے غیر ارادی طور پر دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ تھام لیا۔ ''یہ کیا ہوگیا......؟ میدان خالی ہوتے ہی اس پر ہاتھ ڈالا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ حرام زادے پہلے سے اس کی گھات میں تھے مگر غزالہ بھی تو وہیں تھی۔ وہ کس حال میں ہے؟ کیا بتارہی ہے؟''

''خوش قسمتی سے وہ اول خان کی بیوی کے ساتھ تھی اس لیے بچ گئی۔ میرے لیے یہ اندوہ ناک خبر ناقابل برداشت تھی۔ میں نے تمہیں اس صدمے میں شریک کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کیا ہے۔ اس بوجھ سے تڑپ کر مجھے تمہاری فکر ہوئی تھی ورنہ شاید میں رمیش کو فون بھی نہ کرتا۔''

''شاید تمہارے دشمنوں کو بھنک مل گئی ہے کہ اب تم وہاں نہیں ہو۔ ان کے حوصلے بڑھ گئے ہیں۔ تمہیں اسی وقت کراچی چل دینا چاہیے......''

''تم میرے کس دشمن کا ذکر کر رہی ہو؟'' میں نے اس سے سرد لہجے میں پوچھا۔

''تو تمہارا خیال ہے کہ سلطان شاہ کو لے جانے والے تمہارے خیر خواہ رہے ہوں گے؟''

''ظاہر ہے کہ وہ دوست نہیں ہوسکتے مگر ان کی شناخت کیا ہے؟''

میرے سوال پر وہ متفکر نظر آنے لگی پھر پُرتشویش آواز میں بولی ''یوں بات نہیں بنے گی۔ مجھے پورے واقعات بتاؤ۔ ہم سر جوڑ کر کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ ہی جائیں گے۔''

ایک خیال کے تحت میں نے بری طرح چونک کر ویرا کے آس پاس دیکھا پھر سخت لہجے میں اس سے پوچھا ''تمہاری خریدی ہوئی کتابیں کہاں ہیں؟ کیا تم وہ سری نواس کے یہاں چھوڑ آئی ہو؟''

''میں بھول کر بھی ایسی حماقت نہیں کرسکتی تھی۔ ان میں سے ہر کتاب پر بک شاپ کی مہر موجود تھی جو قاتل کا سراغ ثابت ہوسکتی تھی۔ میں کتابوں کے ساتھ تھیلی تک

وہاں سے اٹھالائی تھی۔''
''مگر تم یہاں تو خالی ہاتھ آئی ہو۔'' میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔
''بے کار بوجھ لادنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ واپسی پر وہ بنڈل میں نے کوڑے دان میں پھینک دیا تھا۔ یہاں تمہارے شہروں کی طرح کچرا گھروں پر کوڑا چننے والوں کا راج نہیں ہوتا۔ بند کوڑے دان کو ٹرک اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ آخر تک کتابوں کا پتا نہیں چل سکے گا۔ ردی میں مل کر وہ بھی ردی ہو جائیں گے۔''
ویرا کی اس وضاحت نے مجھے مطمئن کر دیا اور میں نے اول خان سے ملنے والی معلومات کو اختصار اور اپنے تبصروں کے ساتھ اس کے سامنے دہرانا شروع کر دیا۔
''تم صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔'' تفصیلات سننے کے بعد اس نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا'' یہ نک موڈلے یا مدن موہن کے ساتھیوں کا کام نہیں ہو سکتا۔ مدن موہن کی روپوشی کے بعد ان کے حوصلے پست ہو چکے ہیں اور وہ بکھر کر رہ گئے ہیں۔ نک اتنا ہی باخبر ہوتا تو بہت پہلے یہ کارروائی کر گزرا ہوتا۔ اس وقت وہ ویسے بھی سنگاپور گیا ہوا ہے۔ اس وقت کوئی اور ہی قوت میدان میں اتری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔''
''وہ تیسری قوت ڈیوڈ اسٹارز کی ہی ہو سکتی ہے۔'' میں نے اپنی بات دہرائی۔
''رمیش راستے سے ہٹ چکا ہے۔ کیا بدری ہمارے لیے ایک کام کر سکے گا؟'' قدرے توقف کے بعد ویرا نے تفکر آمیز لہجے میں سوال کیا۔
''وہ ہر کام کرے گا لیکن فوری طور پر نہیں۔ رمیش کے قتل کے اثرات بہت دور رس ہوں گے۔ ہر طرف گند اچھلے گا۔ جب تک وہ گرد نہ دب جائے، بدری محتاط رہے گا۔''
''بظاہر وہ ہمارے مخالفوں کا آدمی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ ہمیں صرف ایک نمبر فراہم کر دے۔''
''کس کا؟ ہو سکتا ہے کہ دور رہ کر وہ ایسے چھوٹے موٹے کام کر گزرے۔ رمیش کے قتل کے بعد بدری کے بڑے جب تک اس کے نئے مقام کا تعین نہیں کرتے، وہ زیادہ ہاتھ پیر پھیلانے سے گریز کرے گا۔ موجودہ حالات میں یہی حکمت عملی اس کے حق میں بہتر ثابت ہو گی۔''
''ہمیں آئزک بیل کا فون نمبر مل جائے تو پیش رفت تیز ہو سکتی ہے۔'' ویرا نے کھوئی کھوئی آواز میں کہا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسا اس نے میری بات پر دھیان ہی نہ دیا ہو۔
''آئزک بیل اب راس المیڈا کا جانشین ہے۔ اس کا کوئی ایک ٹھکانا نہیں ہو گا۔''
''ڈیوڈ اسٹارز تیسرے درجے کے چور اچکوں کا گروہ نہیں ہے جس کے ارکان دن میں چار بار ٹھکانے بدلتے ہوں۔ وہ معزز اور مال دار یہودیوں کی تنظیم ہے۔ وہ بالکل مافیا کے انداز میں کام کرتے ہیں اور ان کے بڑے گاڈ فادرز کی طرح جم کر اپنی اپنی حدود میں حکمرانی کرتے ہیں۔ آئزک بیل ان کا نمبر ون ہے۔ اس کا ایک نمبر مل جائے تو کسی نہ کسی طرح اس سے رابطہ ہو ہی جائے گا۔''
''فون پر تم اس کو کیا پیغام دینا چاہ رہی ہو؟'' میں نے الجھ کر پوچھا۔
''اس نے فون پر تمہیں [illegible] تھا۔ تم اسے گالیاں دو گے۔ اگر سلطان شاہ اسی کے گرگوں کی تحویل میں ہے تو وہ پھٹ پڑے گا۔ ایک بار یہ یقین ہو جائے کہ سلطان شاہ کہاں ہے تو یکسوئی کے ساتھ اس کی بازیابی کی منصوبہ بندی کی جا سکتی ہے۔''
''کوشش کروں گا۔ رمیش کے قتل کے بعد اب بدری پوری طرح ہماری مٹھی میں آ گیا ہے۔ اس کی طرف سے میرا ذہن بالکل صاف ہو چکا ہے۔''
''آج وہ شام تک اپنے ہائی کمیشن میں رہے گا۔ کل اس سے ضرور بات کر لینا۔''
''اس کا انحصار کل کے حالات پر ہو گا۔ پتا نہیں رمیش کی بے داغ لاش دریافت ہونے کے بعد حالات کس ڈگر پر چلتے ہیں۔ قانون کے محافظ شاید بہک جائیں مگر راوالوں کو اندازہ ہو جائے گا کہ ان کا کوئی بہت طاقتور حریف ان کے خلاف میدان میں اترا ہوا ہے۔''
''تم نے بتایا تھا کہ بدری بھی اسی طرح گردن

توڑنے میں مہارت رکھتا ہے۔"
"ہاں۔ایک بار اس نے میرے سامنے اپنے اس فن کا مظاہرہ کیا تھا۔ نک موڈلے کے دو آدمی نادرہ کے مکان کے اطراف میں ان کے اپریٹس کے سگنلز پکڑتے پھر رہے تھے اور خود پکڑ لئے گئے تھے۔ان میں سے ایک بدری کی ہتھیلی کا شکار ہوا تھا۔"
"یہ بہت مہارت کا کام ہے۔ اپنی جگہ پر ریڑھ کی ہڈی بہت اہم نہیں ہوتی۔ یہ دراصل اندر والے حرام مغز کا حفاظتی خول ہوتی ہے اور یہی حرام مغز دماغ کو جسم سے ملاتا ہے۔ مہروں کی ٹوٹ پھوٹ سے انسان معذور ہو کر بھی زندہ رہتا ہے۔ حرام مغز ٹوٹ جائے تو ایک پل بھی زندہ رہنا محال ہے۔"
"بدری بھی کچھ اسی قسم کی باتیں بتا رہا تھا۔شاید یہ سبق مارشل آرٹس کی تربیت کا حصہ ہوتے ہوں گے۔"
میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔
"وار کرتے ہوئے یہ جاننا ضروری ہوتا ہے کہ کس عضو کا کیا فعل ہے اور اس کی ٹوٹ پھوٹ سے حریف کو کتنا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ گردن پر جچے تلے وار کا نتیجہ صرف موت ہوتا ہے۔ بدری سوچ بھی نہیں سکے گا کہ یہ کارنامہ تمہارے بجائے میں نے سرانجام دیا ہے۔"
تھوڑی دیر تک کمرے میں وقت گزارنے کے بعد ہم دونوں ہی ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔ارادہ یہ تھا کہ اول خان سے بات کرنے کے ساتھ ہی کہیں سے شکم پری بھی کر لی جائے گی۔
لندن کے سخت موسم کی وجہ سے وہاں کے بیشتر فون بوتھ بند اور خاصے کشادہ ہوتے ہیں جن کے اوپری حصے میں نصب شیشے کے ذریعے بوتھ کے خالی یا زیر استعمال ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بعض نوعمر جوڑے بلاوجہ ریسیور ہاتھ میں لے کر ان پناہ گاہوں کو اپنی خرمستیوں کے لیے استعمال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور جانتے بوجھتے ہوئے بھی کوئی ان سے تعرض نہیں کرتا۔
محض اسی غلط ریت کی وجہ سے میں اول خان سے اکیلے میں بات کرنی چاہ رہا تھا مگر ویرا میرے ساتھ زبردستی بوتھ میں گھس آئی۔ معاملہ سلطان شاہ کے اغوا کا تھا اور وہ خود بھی اول خان سے براہ راست بہت کچھ پوچھنے کے لیے بے چین تھی۔
نمبر ڈائل کرنے کے بعد گھنٹی کے لیے ہمیں خاصی دیر تک انتظار کرنا پڑا اور پھر پہلی گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھا لیا گیا۔اول خان نے ریسیور اٹھاتے ہی سمجھ لیا کہ وہ کس کی کال ہو سکتی تھی۔
میری آواز سننے کے بعد وہ بتانے لگا "خفیہ رابطوں کی سرتوڑ کوششیں جاری ہیں مگر ابھی تک امید کی کوئی کرن نظر نہیں آئی...... یہ بتاؤ کہ روزی کے مشن کا کیا رہا؟"
اس کی آواز سے مایوسی سی مترشح تھی۔ ناکامی کا پیغام ملتے ہی میرا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ میں نے کہا "اسی سے بات کرلو۔ وہ میرے ساتھ موجود ہے۔"
میں نے ریسیور ویرا کو تھمایا اور بوتھ سے باہر نکل آیا اور اسی کے سہارے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔
اس وقت بھی شہر کا مطلع ابر آلود تھا۔ پھوار وغیرہ نہیں پڑھ رہی تھی مگر سرد ہواؤں میں کچھ تیزی آئی ہوئی تھی۔ میں نے ہتھیلیاں آپس میں رگڑنے کے بعد ایک سگریٹ سلگا لی۔
ہر محاذ پر کھیل شروع ہونے کے بعد اس شہر نگاراں کی ہر کشش میرے لیے بے کیف ہو چکی تھی۔ ذہن پر صرف سلطان شاہ کی فکر حاوی تھی۔
میں گردوپیش کے ماحول سے لاتعلق رہ کر ویرا کے نکلنے کا انتظار کرتا رہا۔ وہ کارڈ کے سارے یونٹ ختم کر کے باہر آئی تو اس کے چہرے پر بھی اداسی کا راج تھا۔
فش اینڈ چپس نامی ایک دکان کا سائن بورڈ دیکھ کر میرے قدم اسی طرف ہو لیے۔ پچھلے کئی دن سے فاسٹ فوڈ پر گزارہ کرتے کرتے طبیعت اکتا گئی تھی۔ مچھلی اور آلو کے تلے ہوئے قتلے بھی فاسٹ فوڈ ہی کی ایک پرانی قسم میں شمار کیے جاتے تھے لیکن غذائیت اور ذائقے کے اعتبار سے وہ بہت بہتر ثابت ہو سکتے تھے۔
بیئر کی دو بڑی بوتلوں کے ساتھ ہم نے خوب ڈٹ کر مچھلی کھائی۔ یہ حیران کن بات تھی کہ طبیعتوں پر اداسی طاری ہونے کے باوجود ہمارے معدے پوری طرح فعال تھے۔

کھانے کے دوران میں ہم دونوں اپنی اپنی سوچوں میں کھوئے رہے۔ ویرا نے اپنی عادت کے برخلاف اپنی اور اول خان کی گفتگو میرے کانوں میں انڈیلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہم ہوٹل واپس لوٹ آئے۔

☆☆☆

مجھے ٹیلی وژن سے کبھی بھی زیادہ رغبت نہیں رہی لیکن اس دن رات گئے تک میں نے اپنے کمرے کا ٹیلی وژن آن رکھا مگر اس پر پرانے واقعات کی بازگشت کے سوا کوئی نئی ہلچل نظر نہیں آئی۔

بدری کے بیان کے مطابق اسکول سے سری نواسن کے بچوں کی آمد دو بجے شروع ہو جاتی تھی اور اسی وقت رمیش اگروال کی لاش دریافت ہو جانی چاہیے تھی۔

سری نواسن کے بچوں کی عمروں سے لاعلمی کی بنا پر یہ رعایت دی جاسکتی تھی کہ رمیش کے بدن پر زخم یا خون کا کوئی نشان نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسے محض بے ہوش ہی سمجھتے رہے ہوں اور اس کی ٹوٹی ہوئی گردن بچوں کی نظروں میں نہ آسکی ہو مگر چھ سات بجے گھر کے بڑوں کی واپسی کے بعد اس خبر کو جنگل کی آگ کی طرح تیزی سے سفر کرتے ہوئے ٹیلی وژن اسکرین تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔

رات کے گیارہ بجے تک اس بارے میں کوئی خبر نہیں آئی اور بالغوں کے لیے ایک فلم شروع ہو گئی تو میں نے اکتا کر ٹیلی وژن بند کر دیا۔

اس دوران میں ہم دونوں باری باری ہوٹل سے نکل کر کراچی سے پانچ مرتبہ رابطہ کر چکے تھے۔ اول خان کسی زخم خوردہ شیر کی طرح اپنے دفتر میں مسلسل موجود تھا اور اپنے آدمیوں کو پورے شہر میں دوڑائے جا رہا تھا مگر کہیں بھی کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔

میں نے دس بجے اس سے آخری بار بات کی تو اس وقت کراچی میں رات ..... کے دو بجے ہوں گے۔ مجھے اول خان پر ترس آنے لگا۔ اس کی آواز سے تھکن اور بے خوابی مترشح تھی۔ میں نے اسے اپنے گھر جا کر چند گھنٹوں کی نیند لینے کا مشورہ دیا لیکن وہ نہ مانا۔

ناامیدی اور مایوسی کے گھور اندھیروں میں وہ نہ جانے کس امید پر دفتر میں موجود رہنے پر مصر تھا۔ وہ میری دسترس سے باہر تھا۔ میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر فون بند کرنے پر مجبور ہو گیا اور اضمحلال کے عالم میں ہوٹل میں لوٹ آیا۔

''حیرت ہے کہ رمیش کے بارے میں مکمل سناٹا ہے۔'' ٹیلی وژن بند ہونے کے بعد ویرا نے کہا تھا۔

اس وقت مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے اپنے شبہات پر کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''تمہیں یقین ہے کہ تم نے رمیش کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا؟''

''یہ تم پوچھ رہے ہو؟ کیا تم نے فون پر اس کی آخری آواز میں موت کا کرب محسوس نہیں کیا تھا؟''

''ہوسکتا ہے کہ تمہارا وار اوچھا پڑا ہو۔ کسی رگ پر ضرب لگنے کی وجہ سے وہ محض بے ہوش ہوا ہو اور پھر اسے ہوش آگیا ہو اور ہم بلاوجہ اپنی کامیابی پر ناز کر رہے ہیں۔''

''بے ہوش آدمی کے دل کی دھڑکنیں بند ہوتی ہیں، نہ اس کی نبض تھمتی ہے۔ میں نے سری نواسن کا گھر چھوڑنے سے پہلے پوری طرح اس کی موت کا یقین کر لیا تھا۔ میں اتنی احمق نہیں ہوں کہ اس کی گردن پر محض ایک ہاتھ رسید کر کے خوشی سے بغلیں بجاتی ہوئی لوٹ آتی۔''

''پھر اس کی موت کی خبر کہاں رہ گئی؟ اس پر تو اودھم مچ جانا چاہیے تھا۔''

''میں خود حیران ہوں کہ یہ بلیک آؤٹ کیوں کیا جا رہا ہے؟'' وہ دھیرے سے بولی۔

''مغرب میں خبروں کی فراہمی میں مسابقت کی دوڑ جاری رہتی ہے۔ میڈیا آزاد ہیں۔ اچھی اور بری ہر خبر جلد از جلد لوگوں تک پہنچائی جاتی ہے۔ یہاں بلیک آؤٹ کا کوئی تصور نہیں ہے۔''

''تو کیا اس کی لاش زمین نے نگل لی؟ میں تو سوچ رہی تھی کہ رمیش کے قتل پر شام تک اخباروں کے ضمیمے شہر بھر میں پھیل جائیں گے مگر یہاں سب کو سانپ سونگھ گیا ہے۔''

''کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔'' میں نے ویرا

کو کوئی جواب دیے بغیر دل ہی دل میں سوچا۔ وہ کوئی ترقی پذیر یا پسماندہ ملک نہیں تھا جہاں مقتدر اہل کاروں کی ایک جنبش ابرو پر بڑی سے بڑی خبر کو طاق نسیاں کی زینت بنا دیا جاتا تھا۔

نیند کا غلبہ ہونے سے پہلے ویرا نے ایک مرتبہ پھر ٹیلی وژن کھولا، چند منٹ تک پروگرام دیکھتی رہی اور پھر اسی کے ساتھ کمرے کی روشنی بھی گل کر دی۔

ویرا کچھ ہی دیر بعد نیند کی پرسکون وادیوں میں کھو گئی مگر میری آنکھوں میں دور دور تک نیند کا کوئی شائبہ تک نہیں تھا۔ رات کے خواب آور اندھیرے میں میرے ذہن میں عجیب عجیب خیالات اور وسوسے مجسم ہو رہے تھے اور اسی کے ساتھ میرے دل کی دھڑکنیں کم و بیش ہو رہی تھیں۔

میں نے وہ ساری رات آنکھوں ہی آنکھوں میں گزار دی۔ جب میرا وہ اضطراب بہت بڑھ گیا تو صبح پانچ بجے میں نے آواز بند کر کے ٹیلی وژن کھول دیا۔

اسکرین پر نظر آنے والی تصاویر سے بڑی حد تک موضوع کا اندازہ ہو رہا تھا۔

خبریں شروع ہوئیں تو میں نے اپنی پوری توجہ اسی طرف مبذول کر دی۔ بدلتی ہوئی تصویری رپورٹوں اور خبر نگاروں کے ساتھ وہ سلسلہ جاری رہا لیکن رمیش اگروال کا چہرہ کہیں نظر نہ آسکا۔

میں نے ٹیلی وژن بند کرتے ہوئے فیصلہ کر لیا کہ دن نکلنے کے بعد میں بدری ناتھ سے فون پر رابطہ کر کے صحیح معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ میرا اندازہ تھا صبح نو بجے تک سری نواسن اور اس کے جملہ اہل خانہ گھر سے رخصت ہو چکے ہوں گے۔

سسک سسک کر نو بھی بج گئے۔ ویرا بدستور گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے اس کی نیند میں خلل ڈالے بغیر نہایت خاموشی سے سری نواسن کے گھر کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف گھنٹی بجی اور پھر بجتی ہی چلی گئی لیکن کوئی جواب نہیں مل سکا۔ کئی منٹ کے انتظار کے بعد میں نے مایوس ہو کر فون بند کر دیا۔

شب بیداری اور تفکرات کی وجہ سے میری عقل ماؤف ہو رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لندن میں کیا ہو رہا ہے۔

ایک چھ فٹے کڑیل مرد کی سالم لاش خبروں میں کوئی جگہ پائے بغیر ناپید ہو چکی تھی۔ اس راز پر سے پردہ اٹھانے والا بدری ناتھ اپنی کمین گاہ میں نہیں تھا جبکہ اس سے پہلے سری نواسن کے گھر سے میری ہر فون کال کا جواب ملتا رہا تھا اور رمیش نہ ہوتا تو خود رمیش ہی فون اٹھایا کرتا تھا۔

میں نے کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھا تو روم سروس کی طرف سے فراہم کیا جانے والا اخبار راہداری میں دروازے کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ میں اخبار لے کر سیدھا باتھ روم میں جا گھسا۔

میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ڈیلی میل کے پہلے صفحے سے آخری صفحہ تک دیکھ ڈالا مگر صبح کے اس موقر اخبار میں بھی رمیش کے قتل کی خبر غائب تھی۔ یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ جو خبر ڈیلی میل کو نہ مل سکی ہو وہ صبح کے کسی دوسرے اخبار میں آ گئی ہو۔ وہاں اخبارات کی بیشتر مقامی اور ملکی خبریں مشترکہ ہوتی تھیں بس خبر نگاری کا انداز اپنا اپنا ہوتا تھا۔ اصل مقابلہ اسکینڈلوں کے میدان میں ہوتا تھا۔ ہر اخبار اپنے قارئین کے لیے روز کوئی نئی، منفرد اور چونکا دینے والی کہانی سامنے لاتا تھا اور اس ضمن میں شاہی خاندان سے وابستہ افراد اور جوڑوں تک کو رگید دیا جاتا تھا۔

مزید صبر اور انتظار میرے بس سے باہر تھا۔ میں نے بدری ناتھ کا کھوج لگانے کے لیے انڈین ہائی کمیشن کے کیتھی والے نمبر پر قسمت آزمانے کا ارادہ کر لیا اور تیار ہو کر کمرے سے نکل کھڑا ہوا۔

بدری کے ساتھیوں میں دو افراد میری آواز اچھی طرح پہچانتے تھے۔ ان میں سے رمیش کا معاملہ شکوک وشبہات کی دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ دوسری بیلا تھی جس سے میں نے اپنی اصل آواز میں کسی خاتون کی رفاقت کا مطالبہ کیا تھا۔

وہ ایک ایسے سفارت خانے کا معاملہ تھا جو برطانوی سرزمین پر خاصی کامیابی سے اپنی خفیہ سرگرمیاں چلا رہا

تھا۔ یہ علم نہیں تھا کہ انہوں نے آنے والی فون کالز کی شناخت کے لیے اپنے مواصلاتی نظام میں کیا کچھ آلات لگائے ہوئے تھے، اس وجہ سے میں نے کال اپنے کمرے کے بجائے پبلک بوتھ سے کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ایک بار بدری سے میری بات ہو جاتی تو بہت سے معاملات صاف ہو سکتے تھے۔

نمبر ملنے پر خوش قسمتی سے مجھے بیلا کی ہی مانوس آواز سنائی دی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں ان لوگوں نے اپنا کوڈ نہ بدل لیا ہو مگر میری بدلی ہوئی آواز میں کیتھی کے کوڈ کے ساتھ کیے جانے والے سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ بدری دوسرے نمبر پر مل سکتا تھا اور وہ دوسرا نمبر سری نواسن کے گھر کا تھا جس پر تھوڑی دیر پہلے میں ایک ناکام کوشش کر چکا تھا۔

میں نے بوتھ سے دوبارہ وہ نمبر ملایا اور اس بار بدری کی آواز سن کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔

''کیا حال ہے، ابھی تم کہاں غائب تھے؟'' میں نے تپاک سے پوچھا۔

''میں ناشتے کا سامان لینے گیا تھا۔'' اس کی آواز سے گرم جوشی غائب تھی ''اس وقت تم مجھ سے کہاں مل سکتے ہو۔ میں تم سے کچھ مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں سینٹرل لندن میں ہوں۔ جہاں چاہو آجاؤ، میں منتظر رہوں گا۔'' اس نے میرے دل کی بات کہہ دی تھی۔ میں نے فوراً ہی اسے کھلی پیش کش کر دی۔

''پھر رٹز ہوٹل کی لابی میں آجاؤ۔ میں آدھے گھنٹے میں پہنچتا ہوں۔''

''لابی کے بجائے باہر ہی مل لو۔'' میں نے اس پرشکوہ ہوٹل کا نام سن کر کہا ''وہاں کے لیے تیار ہونے میں مجھے دیر ہو جائے گی۔''

وہ کسی وجہ سے کسی بڑے ہوٹل ہی میں ملنا چاہتا تھا۔ ہلٹن کا پروگرام طے کر کے میں نے فون بند کر دیا۔

اس وقت میرا لباس نامناسب نہیں تھا، میں ہلٹن تو کیا رٹز بھی جا سکتا تھا۔ مجھے تھوڑی سی الجھن اپنے بڑھے ہوئے شیو کی وجہ سے تھی جس نے دو دنوں میں داڑھی کا روپ دھارا تھا اور نہ مجھے کلین شیو رہنے دیا تھا۔

بدری سے پروگرام طے ہو جانے کے بعد میرے سر پر سے بہت بڑا بوجھ اتر چکا تھا۔ اسے ملنے پر بہت سی گتھیاں سلجھ سکتی تھیں اور میں آئزک بیل کے بارے میں بھی اس سے بات کر سکتا تھا۔

میں نے اپنے ہوٹل کی طرف لوٹنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ میرے پروگرام سے واقف ہونے کے بعد ویرا بھی میرے ساتھ چلنے پر مصر ہو سکتی تھی۔ یہ بات خود میں نے ہی اس کے دماغ میں بٹھائی تھی کہ رمیش کے قتل کی سازش میں ہمارا ساتھ دے کر وہ ہماری مٹھی میں آچکا تھا اور ہمیں اس کی طرف سے رازداری یا اپنی سلامتی کے بارے میں کوئی موہوم سا خطرہ بھی نہیں رہا تھا۔

تیسری کال میں نے اپنے ہوٹل کے لیے ملائی۔ آپریٹر نے مجھے کمرے سے ملا دیا۔

ویرا نے خالص امریکی لب و لہجے میں ہائے کہہ کر کال وصول کی تھی۔

''میری واپسی میں ذرا دیر ہو گی۔ میری طرف سے پریشان نہ ہو جانا۔'' میں نے بلا کسی تمہید کے کہا۔

''میں پہلے ہی پریشان ہوں، ابھی تک وہ خبر غائب ہے۔ تم اس وقت کہاں ہو؟''

''میں ہوٹل سے کافی دور ہوں۔ امید ہے کہ میری واپسی پر تمہارے سوال کا جواب بھی مل جائے گا۔''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ میں بھی تم سے آملوں؟ میں تقریباً تیار ہوں۔''

''آرام سے ناشتا کرو۔ میں نے تمہارا انتظار کیا تو دوسرا آدمی نکل جائے گا۔'' یہ کہہ کر میں نے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا اور دھیمے سروں میں سیٹی بجاتا ہوا بوتھ سے نکل آیا۔

میں خنک موسم میں مزے سے چہل قدمی کرتا ہوا وقت سے پہلے ہی ہلٹن ہوٹل پہنچ گیا۔ اس کی لابی میں اس وقت ایسے مسافر اپنے ساز و سامان سمیت براجمان نظر آرہے تھے جو ہوٹل سے روانگی کے لیے طلب کی ہوئی سواریوں کی آمد کے منتظر تھے۔

لابی کا ایک جائزہ لے کر میں دوبارہ داخلی دروازے تک پہنچا تو بدری ناتھ پورے سوٹ میں ملبوس

اندر داخل ہو رہا تھا۔ لباس سے باوقار نظر آنے کے باوجود وہ اپنے بشرے سے پریشان لگ رہا تھا۔
قریب آتے ہی وہ تپاک سے مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ مغربی سرزمین پر وہ میری اور اس کی پہلی ملاقات تھی۔
''ریستوران میں چلتے ہیں۔'' وہ میرا ہاتھ تھام کر ایک راہداری میں مڑ گیا۔
''کیا بات ہے، تم پریشان اور خوف زدہ نظر آرہے ہو؟'' اس کے ساتھ چلتے ہوئے میں نے پوچھا۔
''کل تک میں ایک مسلسل ذہنی عذاب سے گزر رہا تھا۔ اس نے یہاں پہنچتے ہی میرے خلاف ہر ایک کے کان بھرنے شروع کر دیے تھے اور ہر شخص مجھ سے کھنچا کھنچا نظر آنے لگا تھا۔''
''وہ غائب کہاں ہو گیا؟'' ریستوران کے نیم روشن ماحول میں پہنچنے کے بعد میں نے پوچھا۔
''وہ بدنیت تھا، اسے وطن کی خاک تک نصیب نہیں ہو سکی۔ آج اس کی ارتھی کو خاموشی بلکہ رازداری سے یہیں چتا میں آگ دکھادی جائے گی۔''
وہ صبح کا وقت تھا۔ ریستوران میں بیشتر میزیں خالی تھیں۔ بدری ایک دور افتادہ گوشے کی طرف بڑھتا چلا گیا جہاں اردگرد کی ساری میزیں خالی تھیں اور ہم بے فکری سے باتیں کر سکتے تھے۔
''ارتھی جلانے کے لیے اتنی رازداری کی کیا ضرورت پیش آگئی؟'' میز کے گرد بیٹھتے ہوئے میں نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔ اس نے ارتھی کا ذکر کر کے میرے اس بدترین خوف کی تردید کر دی تھی کہ ویرا اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کے چکر میں رمیش کو محض بے ہوش کر کے چلی آئی تھی۔
''تم نے کام اتنی صفائی سے کیا ہے کہ تمہارے ہاتھ چومنے کو دل چاہتا ہے۔'' وہ میرے سوال کو نظر انداز کر کے محبت بھرے لہجے میں بولا ''تم علی شیر نہیں علی کے شیر ہو۔ سیدھے ہاتھ سے کام کرتے ہو لیکن تم نے بائیں طرف سے وار کر کے اتنی صفائی سے اس کا منکا توڑا کہ میں حیران رہ گیا۔ تم نے کبھی ذکر نہیں کیا کہ میری طرح تم بھی اس فن میں طاق ہو۔''
''کیا ذکر کرتا۔ وقت آیا تو تم نے دیکھ ہی لیا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ فائر کا دھما کا خطرناک ہو جاتا اس لیے اس پر دوسرا طریقہ آزمایا گیا لیکن اخباروں وغیرہ سے یہ سب کیوں چھپایا گیا ہے؟''
اس نے ایک گہرا سانس لے کر سگریٹ سلگائی پھر بولا ''ان کے اپنے کرتوت ان کے گلے پڑ گئے ہیں۔ ہمارا پیچھا کرنے والے دونوں آدمی ابھی تک گرفتار ہیں۔ اگر بات کھل جاتی کہ وہ میرا اور رمیش کا پیچھا کر رہے تھے تو پھر بات بہت دور نکل جاتی۔ مجھ سمیت بہت سے لوگوں کی اصلیتیں بے نقاب ہو جاتیں اور ہمارے خلاف ایک بہت بڑا سیاسی اسکینڈل کھڑا ہو جاتا۔''
میرے لیے بدری ناتھ کا وہ انکشاف نیا نہیں تھا۔ وہ سارے امکانات میری نظروں میں تھے اور میں ان کے بارے میں کھل کر ویرا سے تبادلہ خیال کر چکا تھا۔
چائے کے ساتھ ناشتے کے ہلکے سے لوازم کا آرڈر دینے کے بعد میں اس بارے میں بدری سے دیر تک کرید کرید کر سوالات کرتا رہا۔ مجھے توقع تھی کہ شاید اس طرح کوئی نئی بات سامنے آجائے لیکن اس کے جوابات میں صرف وہی باتیں تھیں جو میرے ذہن میں موجود تھیں۔
''رمیش کی لاش سری نواسن کے کسی بچے نے دیکھی ہوگی پھر یہ خبر اس قدر پوشیدہ کیسے رہی اور یہ فیصلہ کس کا تھا؟'' سارے امکانات ٹٹولنے کے بعد میں نے پوچھا۔
''لاش سب سے پہلے سری نواسن کے بارہ سالہ بیٹے نے دیکھی تھی۔ زخم یا تشدد کا کوئی نشان نہ ہونے کی وجہ سے وہ یہ سمجھا کہ رمیش پر اچانک کوئی دورہ پڑا ہے۔ دد بچے اپنے باپ کی پر اسرار پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے تقاضوں سے خاصے باخبر ہیں۔ اس نے کسی گھبراہٹ کا مظاہرہ کرنے کے بجائے فوراً فون پر اپنے باپ کو خبر دی اور وہ میرے اور ڈاکٹر کے ساتھ ہائی کمیشن کی ایمبولنس لے کر اپنے گھر پہنچ گیا۔ ڈاکٹر نے پہلی نظر ڈالتے ہی رمیش کی موت کا اندازہ لگا لیا۔''
''یہ فیصلہ کب ہوا کہ اس کی موت کی خبر کو دبا دیا جائے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''سری نواسن نے دفتر چھوڑنے سے پہلے ہائی کمشنر کو ابتدائی اطلاع سے باخبر کر دیا تھا۔ رمیش کی موت کی طبی تصدیق ہو جانے کے بعد اس نے دوبارہ اپنے افسر اعلیٰ سے رابطہ کیا تو اسے حکم ملا کہ رمیش کو بے ہوش ظاہر کر کے فوری طور پر ہائی کمیشن میں منتقل کر دیا جائے۔''

''یہ قانون کی ایک سنگین خلاف ورزی ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

اس کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اس کا قتل کون سا قانون کے مطابق تھا۔ بڑے اور سنگین الزامات سے گردن بچانے کے لیے یہ فیصلہ ناگزیر تھا۔''

''اور اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے میں تم پوری طرح شریک تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''مجبوری تھی۔'' وہ شانے اچکا کے بولا ''اپنے وطن سے باہر ہائی کمشنر یا سفیر ہی ہم لوگوں کا سب سے بڑا حاکم ہوتا ہے اور اس کے فیصلوں پر ہمیں سر جھکانا پڑتا ہے۔''

''اس طرح تمہارے دوسرے سیکرٹ ایجنٹوں میں بددلی نہیں پھیلے گی۔''

''ہم لاش لے کر ہائی کمیشن پہنچے تو وہاں اہم عہدے داروں کو اعتماد میں لے کر یہ طے کیا جا چکا تھا کہ رمیش کے قتل کو اتفاقی موت کا رنگ دے کر واقعے کو دبا دیا جائے گا۔ ان سب کو اندازہ تھا کہ خبر پھیلنے سے کیسی تباہی آسکتی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''یہ سب باتیں قابلِ فہم ہیں لیکن بہت سے لوگوں کی نظروں میں رمیش قومی ہیرو رہا ہوگا۔ اس کی لاش کو وطن بھیجنے کے بجائے یہاں گمنامی کے عالم میں کیوں ٹھکانے لگایا جا رہا ہے۔''

''اس پر طویل اور تلخ مب ے ہوئے ہیں۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''ہمارے سامنے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہم بند گلی میں پھنسے ہوئے تھے۔''

''ہائی کمیشن کے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' میں نے رائے ظاہر کی۔

''مجبوری یہ تھی کہ رمیش کوئی سفارتی ملازم نہیں تھا۔ ہم دونوں بھارت کے عام شہری پاسپورٹ پر یہاں پہنچے تھے۔ اس کی لاش انگلینڈ سے باہر لے جانے کے لیے اس کے پوسٹ مارٹم کی سرکاری رپورٹ کی موجودگی لازمی تھی۔ پوسٹ مارٹم ہوتا تو ٹوٹی ہوئی گردن سے قتل کا راز فاش ہو جاتا۔'' لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو کر اس نے اپنی بات جاری رکھی ''اگر وہ سفارتی ملازم ہوتا تو ہائی کمشنر کی صوابدید پر اس کی لاش کو کسی بھی طبی معائنے کے بغیر وطن لے جایا جا سکتا تھا۔''

وہ عجلت میں کیے ہوئے فیصلے نہیں تھے۔ انڈین ہائی کمیشن کے اعلیٰ دماغوں نے بہت دور تک غور و خوض کرنے کے بعد وہ حکمتِ عملی اختیار کی تھی۔

''پھر اب اس کی موت کا کیا جواز ہوگا؟'' میرے لیے کئی سوال اس وقت بھی تشنہ تھے۔

''دنیا کے ہر خطے میں روزانہ ہزاروں آدمی اچانک مر جاتے ہیں۔ کسی اچانک دورے میں وہ بھی مر گیا اور اس کی لاش کو یہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔''

''بعد میں اس کی لاش کی باقیات کے جائزے سے اصلیت کا پتا چل سکتا ہے۔''

''جب تک کوئی مخبری نہ کرے، ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم اپنے مردوں کو دفنانے کے بجائے شمشان گھاٹ میں جلاتے ہیں۔ جلتی ہوئی چتا میں جب مردہ اینٹھتا ہے تو لکڑیوں سے اسے جگہ پر روکا جاتا ہے۔ وہ لکڑیاں ٹوٹی ہوئی گردن کا ہر نشان مٹا دیں گی۔ ویسے بھی چتا سرد ہونے کے بعد وہاں مردے کی راکھ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ وہ راکھ مرتبان میں بھر کر اس کے گھر والوں کو بھیج دی جائے گی۔''

وہ سرد مہری اور سفاکی کی انتہا تھی۔ لندن میں موجود چیدہ چیدہ سفارتی ملازمین کے سوا کسی کو بھنک بھی نہیں مل سکتی تھی کہ رمیش کے ساتھ کیا ہوا تھا۔

''ایک طویل رفاقت کے بعد اس کے بچھڑنے پر تمہیں تھوڑا بہت قلق تو ضرور ہو رہا ہوگا۔''

''وہ تو ہوتا ہی ہے لیکن ایک پنڈلی میں سرطان ہو جائے تو آدمی اسے پال کر اپنی جان کا خطرہ مول نہیں لیتا، ٹانگ کٹوا دیتا ہے۔ یہ بھی میری ایسی ہی مجبوری تھی۔ یہ سیکرٹ ایجنٹوں کی زندگی کا وہ تاریک اور دردناک پہلو

ہے جو انجام سے پہلے کبھی سامنے نہیں آتا۔" وہ غمگین اور بوجھل آواز میں بولا۔
"اس کی ارتھی کے ساتھ شمشان گھاٹ کی طرف جاتے ہوئے شاید تمہارا یہ دکھ کچھ اور بڑھ جائے لیکن وہ اسی انجام کا حق دار تھا۔ جو شخص اپنے دوست کا نہ بن سکے، وہ انسانیت کی سطح سے گر چکا ہوتا ہے۔ یہ تمہارا رضا کارانہ فیصلہ نہیں تھا۔ اس نے تمہیں مجبور کر دیا تھا۔"
"مجھے بچوں کی طرح بہلانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے ہلکی سی تلخی سے کہا "میں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتا ہوں اور کچھ کر گزرتا ہوں تو پھر پلٹ کر نہیں دیکھتا۔ اس کی ارتھی کو کوئی پروٹوکول نہیں دیا جائے گا۔ بس چند آدمی ساتھ جائیں گے اور میرے لیے یہ باب ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا۔"
"پھر تم کس لیے پریشان ہو اور مجھ سے کس بارے میں مشورہ کرنا چاہ رہے تھے؟"
اس نے چونک کر میری طرف دیکھا پھر سر جھکا لیا۔ اسی وقت ہلٹن کی خوبرو ویٹرس ہم دونوں کے لیے ناشتے سمیت آموجود ہوئی اور میز سجانے میں مصروف ہو گئی۔
"تم باہر کے آدمی ہو۔ تمہاری سوچ کے اپنے رخ ہیں۔" ویٹرس کے چلے جانے کے بعد بدری نے میرے سوال کے جواب میں بولنا شروع کیا "تمہارے لیے یہ قصہ نمٹ گیا مگر میری پریشانیاں بڑھ گئی ہیں۔ پورے ہائی کمیشن میں یہ سوال گردش کر رہا ہے قاتل کون ہے۔ یہ بات تقریباً ثابت ہو چکی ہے کہ گیتا جمو پنڈت کی گولی سے مری لیکن پنڈت کو مارنے والا کون تھا اور اب رمیش اس کا نشانہ بنا ہے۔ وہ لوگ ان واقعات کو ایک ساتھ دیکھ رہے ہیں جبکہ تم گیتا اور جمو سے لاتعلقی ظاہر کر رہے ہو۔"
"تم سکون سے تماشا دیکھتے رہو، تمہیں کیا پریشانی ہے؟" میں نے پوچھا۔
"یہ کھوج لگانے کے لیے جو ٹیم بنائی گئی ہے اس میں میرا نام بھی شامل ہے۔"
"یہ بہت اچھی بات ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اب تم پر اعتماد کیا جا رہا ہے۔"
"ہاں۔ رمیش کے قتل نے سب کا اطمینان رخصت کر دیا ہے۔ لوگ مجھ سے کھل رہے ہیں۔ مجھے یقین دلانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں کہ لندن پہنچنے کے بعد میری نگرانی نہیں بلکہ حفاظت کا بندوبست کیا گیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے آنے سے پہلے گیتا اور جمو... پراسرار حالات میں مار دیے گئے تھے۔"
"یہ حالات میں بہتری کے آثار ہیں، ان پر تمہیں خوش ہونا چاہیے۔"
"اس وقت میں خلا میں معلق ہوں۔ مجھے رات چھٹی ملی ہوئی ہے۔ میرے کیریئر کا انحصار نک کے فیصلے پر ہے۔ پتا نہیں وہ رمیش کی موت پر کس ردعمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔"
"کل تک تمہیں نک موڈلے کی خوشنودی کی ذرا بھی پروا نہیں تھی اور تم امریکا کے بجائے بھارت جانے کے لیے آمادہ نظر آرہے تھے۔" میں نے متحیر ہو کر پوچھا۔
"وہ اس وقت کی باتیں تھیں جب رمیش زندہ تھا اور میرے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا۔ اس کا کانٹا نکلنے کے بعد میری ترجیحات بدل چکی ہیں۔ میرا خیال ہے کئی ہفتوں سے دن رات رمیش کے ساتھ رہ کر میں ذہنی طور پر بیمار ہونے لگا تھا۔ اب میں مثبت انداز میں سوچ سکتا ہوں۔"
"تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اب تمہیں صرف انتظار کرنا ہوگا۔ پتا نہیں تمہاری بدلی ہوئی ترجیحات میں میری اور نک کی کیا پوزیشن ہے؟" میں نے متردد ہو کر کہا۔
وہ دھیرے سے ہنس پڑا "تم نے دیکھ ہی لیا کہ میں کتنا منتقم مزاج ہوں۔ میں اپنے بدخواہ کو دنیا کے آخری سرے پر بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ رمیش نے میرا راستہ کاٹنے کی کوشش کی اور آج جل کر راکھ ہو جائے گا۔ اسی طرح نک نے بھی میرے سینے میں ناسور ڈالے ہوئے ہیں۔ جب بھی میرا داؤ چل گیا، اس کا انجام رمیش سے بدتر ہی ہوگا۔ وہ وقتی طور پر مجھے اپنی انگلیوں پر نچا رہا ہے۔"
"تم چاہو تو اس کے خلاف ابھی سے اپنا کھیل شروع کر سکتے ہو۔"
"مجھے انکسار ہے ہو یا تمہارے ذہن میں کوئی بات آچکی ہے؟" اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے

پوچھا۔
"تم نے کبھی ڈیوڈ اسٹارز کا نام سنا ہے؟" میں نے
س کی طرف جھک کر پوچھا۔
"ہم لوگ اسے یہودی مافیا کہتے ہیں۔ پچھلے چند
سوں میں انھوں نے اچانک ہی بے پناہ طاقت حاصل
ی ہے مگر ان کے عزائم ابھی تک زیادہ واضح نہیں
و سکے۔ تمھیں اچانک ان کا خیال کیوں آ گیا؟"
"اڑتی اڑتی خبریں ملی ہیں کہ نک موڈلے کو ڈیوڈ
اسٹارز کے سربراہ کے اشارے پر ہی پاکستان میں مامور کیا
گیا ہے اور دونوں میں اب بھی قریبی رابطہ ہے۔"
"یہ خبر تمھیں کہاں سے ملی؟" اس نے چائے کا
گھونٹ لے کر گمبھیر آواز میں پوچھا۔
"میرے اپنے بھی کچھ ذرائع ہیں۔ کراچی میں یہ
بات میرے علم میں آ چکی تھی۔"
"سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو؟" اس نے جوشیلی آواز
میں کہا۔
"مقامی سطح پر چھوٹے موٹے جرائم کرنے والا کوئی
شخص دنیا بھر کے معاملات کے بارے میں اتنا باخبر نہیں
ہو سکتا۔"
"یہ تمھارا نہیں، تمھاری بدلتی ہوئی ترجیحات کا اثر
ہے کہ آج تمھیں مجھ پر بھی شبہ ہو رہا ہے۔" میں نے منہ بنا
کر خشک لہجے میں جواب دیا" اردگرد رونما ہونے والے
واقعات سے باخبر رہنا گناہ تو نہیں ہے۔"
"ہر خبر کا ایک اپنا حلقہ ہوتا ہے۔ عام آدمی کے لیے
جو باتیں اہم راز ہوتی ہیں، طاقتور حلقوں میں لوگ کھل کر
ان پر باتیں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بعض اوقات تم
اچانک ہی اتنی بڑی بڑی باتیں کر جاتے ہو جو مجھے چونکا
دیتی ہیں۔ یہی معاملہ ڈیوڈ اسٹارز کا ہے۔"
"جب تم چونکتے ہو تو تمھیں میرا چہرہ بدلا ہوا نظر آتا
ہے؟" میں نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔
"مجھے بے اختیار ڈینی کا خیال آ جاتا ہے۔ اس کے
بارے میں ہمیں خاص طور پر بریفنگ دی گئی تھی۔ وہ بہت
باخبر اور خطرناک آدمی ہے اور اکثر مقابلوں میں پہل
کر کے فتح مند رہتا ہے۔"

"کاش میں وہی ہوتا۔" میں نے حسرت سے کہا
"کبھی کبھی ایسے شبہات کا اظہار کرتے رہو۔ اس طرح مجھے
اپنی بڑائی کا احساس ہونے لگتا ہے۔"
"تم نک موڈلے کے خلاف کسی کھیل کا ذکر
کر رہے تھے؟"
اس نے مجھے یاد دلایا۔
"ہو سکے تو ڈیوڈ اسٹارز کے سربراہ سے رابطے کا کوئی
سراغ نکالو۔"
"اب تم مجھے ایک بار پھر شبہے میں ڈال رہے ہو۔
اس کا تم کیا بگاڑ سکتے ہو؟"
"وہی جو تم نک موڈلے کا بگاڑنا چاہ رہے ہو۔"
میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
"اگر تم کوئی بات چھپانی چاہ رہے ہو تو میں تمھیں
اس کے اظہار پر مجبور نہیں کروں گا۔" اس نے سپاٹ لہجے
میں کہا" یہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے ڈیوڈ اسٹارز کا راس
المیڈا پراسرار حالات میں کراچی کے مضافات میں مارا گیا
تھا، اسی کے ایما پر ہمیں کراچی بلایا گیا تھا۔"
"آج سے پہلے تم نے کبھی مجھ سے ڈیوڈ اسٹارز کے
حوالے سے بات نہیں کی تھی۔"
"اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ آپس میں افہام و تفہیم
کا رشتہ دھیرے دھیرے پروان چڑھتا ہے۔ ہو سکتا ہے
کہ میں نے ڈیوڈ اسٹارز کا ذکر نہ کیا ہو لیکن دوسری ہر بات
تمھارے علم میں ہے۔ ہمیں کراچی کے نیلو رنامی گھاٹ پر
پرنس ساگا نے خوش آمدید کہا تھا اور وہ راس المیڈا کے لیے
کام کر رہا تھا۔ ان دونوں کی موت کے بعد ہی ہم حاجی
دل مراد کے ڈیرے سے بھٹکتے ہوئے تم تک پہنچے
تھے۔ یہ......"
اس نے اپنی صفائی میں بولنا شروع کیا۔ میرے
ذہن میں ماضی قریب کے وہ تمام واقعات تازہ تھے۔ ان
کو دہرانا وقت ضائع کرنے کے مترادف تھا اس لیے میں
نے فوراً ہی اس کی بات کاٹ دی۔ "غنیمت ہے کہ یہ سارا
پس منظر تمھیں یاد ہے۔ میں کراچی کا رہنے والا ہوں۔
اتنے واضح اشارے موجود ہوتے ہوئے بھی میں
تمھارے، نک اور ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں یہ نہ سمجھتا تو

یہ میری نااہلی تھی۔"
"میرے سامنے تم ہمیشہ خود کو کام سے کام رکھنے والا آدمی ظاہر کر کے ان باتوں سے انجان بنے رہے۔" اس بار اسے مجھ سے شکوہ کرنے کا موقع مل گیا۔
"آپس میں افہام و تفہیم کا رشتہ دھیرے دھیرے پروان چڑھتا ہے۔" میں نے اس کی کہی ہوئی بات اسی کو لوٹا دی اور وہ بے ساختہ ہنسنے لگا۔
"میرا خیال ہے کہ ہمارے درمیان اب ساری ہی باتیں کھل چکی ہیں۔" ہنسی تھمنے کے بعد وہ بولا۔
"ہاں۔ یہ یاد رکھنا کہ راس المیڈا کراچی میں بلا سبب نہیں مارا گیا تھا۔ وہ کراچی بلکہ پاکستان میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔ زیر زمین دنیا کے بہتیرے لوگوں نے اس سے بہت مال کمایا تھا۔ ہمیں کچھ کرنا ہے تو ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں ہر وقت آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی۔"
"ایسے منظم گروہوں میں ہر وقت اور ہر سطح پر متبادل قیادت دستیاب ہوتی ہے۔ راس المیڈا کی جگہ کوئی نہ کوئی لے چکا ہوگا۔ میں اس کے بارے میں معلوم کرتا ہوں۔"
"حیرت ہے کہ تم پیشہ ور ہو کر بھی اتنے بے خبر ہو۔" میں نے تعجب سے کہا۔
"کراچی میں، میں محصور ہو کر رہ گیا تھا۔ تک کے سوا کسی سے میرا کوئی رابطہ نہیں تھا پھر خبریں کہاں سے ملتیں۔ اس حصار سے نکل کر ہی میں نے رمیش سے چھٹکارا حاصل کیا ہے۔ رابطے بحال ہوں گے تو تم مجھے بے خبری کا طعنہ نہیں دے سکو گے۔"
"میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ راس المیڈا کے جانشین کا نام اسحاق گھنٹی ہے۔"
"اسحاق گھنٹی!" اس نے حیرت سے دہرایا "یہ تو مجھے دلی یا بمبئی کے کسی بدمعاش کا نام معلوم ہوتا ہے۔ شاید تم مذاق کر رہے ہو؟"
"میں بری طرح سنجیدہ ہوں۔ امریکا میں اسے آئزک بیل کہا جاتا ہے۔"
"آئزک بیل!" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی "اب جلد ہی کام بن جائے گا۔ کلکتے میں ایک مخیر اور کروڑ پتی یہودی ڈیوڈ اسٹارز کی نمائندگی کرتا ہے۔ نام معلوم ہو جانے کے بعد میں اس سے براہِ راست آئزک بیل کا فون نمبر لے سکتا ہوں۔"
"یہ کام تم فون پر ہی کرو گے؟" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔
"اس کے سوا کیا صورت ہو سکتی ہے۔ فوراً ہی جواب مل جائے گا۔" وہ بولا۔
"پھر اس نیک کام میں دیر مت کرو۔" میں نے اپنی جیب سے فون کارڈ نکال کر اس کے سامنے ڈالتے ہوئے کہا "اسی وقت ہوٹل کی لابی سے اسے فون کر ڈالو۔ یہ بہت ضروری ہے۔"
اس نے ہچکچاہٹ کے عالم میں اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو میں نے اسے ٹوک دیا "اس وقت وہاں دوپہر ہو چکی ہوگی۔ بھارت کا وقت یہاں سے ساڑھے چار گھنٹے آگے ہے۔ جو کام اس وقت ہو سکتا ہے اسے بعد کے لیے نہ رکھو۔"
وہ کارڈ لے کر مسکراتا ہوا ریستوران کے دروازے کی طرف چل دیا۔ میں آرام دہ کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔
میرے اندازے کے برعکس بدری ناتھ ذرا تاخیر سے واپس آیا اور اس نے آتے ہی ایک رقعہ میرے سامنے ڈال دیا۔ اس پر صرف ایک بڑا نمبر لکھا ہوا تھا۔
"یہ نیویارک میں آئزک بیل کے دفتر کا فون نمبر ہے۔ یہ خیال رکھنا کہ نیویارک یہاں سے چار گھنٹے پیچھے ہے۔ اس وقت وہاں صبح ہو رہی ہوگی۔"
میں نے اس کا دیا ہوا رقعہ احتیاط سے موڑ کر جیب میں رکھ لیا۔ وہ کامیابی مجھے خلاف توقع حاصل ہوئی تھی اور اب میرا ذہن سلطان شاہ کی طرف بھٹکنے لگا تھا۔
"تم نے ایک کام کے لیے کہا اور میں نے اسے پورا کر دیا۔" بدری کہہ رہا تھا "اب تو مجھے بتا دو کہ آئزک بیل کے بارے میں تمہارا کیا پروگرام ہے؟"
"میں ڈیتی بن کر اسے امریکا پہنچنے کی دھمکی دینا چاہتا ہوں۔" میں نے اسے ٹالنے کے لیے بغیر سوچے سمجھے کہہ ڈالا مگر وہ میری اس بات پر کھل اٹھا۔
"یہ کام ضرور کر گزرو۔ اگر مجھے امریکا جانے کا

پروانہ مل گیا تو وہاں ہم جو کچھ کریں گے اسے ڈینی کی آڑ مل جائے گی۔ لوگوں کے ذہنوں پر کسی بڑے بدمعاش کی دہشت ہو تو چھوٹے موٹے لفنگوں کی کارروائیاں بھی اس کے کھاتے میں ڈال دی جاتی ہیں اور سب بچے رہتے ہیں۔''

''تم مبالغے سے کام لے رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ ڈینی ابھی اتنا بڑا عالمی دہشت گرد نہیں بنا ہے کہ اس کے نام سے لوگ تھرانے لگیں۔''

''برصغیر کے باسیوں میں یہ ایک عام خرابی ہے کہ وہ اپنے ہم عصروں کی ذرا بھی قدر نہیں کرتے۔'' اس نے افسردگی سے کہا ''تم ڈینی کے بارے میں جاننا چاہتے ہو تو نیڈل کاسترو اور ڈان کارلوس کے ساتھیوں سے پوچھو۔ ابونڈال، کرنل جیسی جونز اور بھنڈرانوالہ تمہیں اس کے بارے میں بتائیں گے۔ وہ چھلاوے کی طرح اپنے دشمنوں پر کہیں بھی حملہ آور ہوتا ہے اور انہیں تہس نہس کر کے غائب ہو جاتا ہے۔ اس سے نہ جانے کتنی بڑی بڑی وارداتیں منسوب ہیں لیکن ریکارڈ پر اس کی تصویر تک دستیاب نہیں ہے۔ کسی کی بڑائی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے۔''

''بس بس، اب میرا دماغ زیادہ خراب مت کرو۔'' میں اپنی جھونک میں کہہ گیا۔

''کیا مطلب؟'' وہ بوکھلا کر بے اعتباری سے میری طرف گھورنے لگا۔

''مطلب یہ ہے کہ کہیں میں اس سے بہت زیادہ متاثر ہو کر خود ہی ڈینی ہونے کا دعویٰ نہ کر بیٹھوں۔'' میں نے سٹپٹاتے ہوئے انداز میں جلدی سے وضاحت کی اور وہ ہنسنے لگا۔

''میرے سامنے یہ دعویٰ کرو یا نہ کرو، آئزک بیل کے دماغ پر یہ دہشت ضرور سوار کر دو۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں امریکا گیا تو اس کے ساتھ کچھ وقت ضرور گزارنا ہوگا۔''

''وہ میرا کام ہے۔ اس طرف سے تم مطمئن ہو جاؤ۔'' میں نے اسے یقین دلایا پھر پوچھا ''ابھی تم سری نواسن کے گھر پر ہی رہو گے یا تمہارا ٹھکانا بدل جائے گا۔''

''فی الحال ہر چیز جوں کی توں ہے۔ صرف رمیش گھٹ گیا ہے۔ اب کم از کم مجھے اپنا فون نمبر ضرور دے دو۔ کسی وقت اچانک کوئی نادر شاہی حکم نازل ہو جائے تو تم سے رابطہ تو ہو سکے گا۔''

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا ''نمبر میں دے دوں گا لیکن اسے تم جلد از جلد رٹ لو گے۔ اسے کہیں درج نہ کرنا۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ نادیدہ آنکھیں تمہاری نگرانی کر رہی ہوں۔''

''میرا ستارہ گردش میں ضرور آیا ہوا ہے مگر یہ نہ بھولو کہ میں را کا اسٹار سیکرٹ ایجنٹ بدری ناتھ ہوں۔'' وہ میری طرف جھک کر جذباتی لہجے میں بولا ''میری نگرانی ہو رہی ہوتی تو میں اس وقت تم سے ملنے کا خطرہ ہرگز مول نہ لیتا۔ کل کلاں کو کوئی میرے اوپر مسلط کر دیا جائے تو دیگر بات ہے۔ میں چاہتا تو ایسے لوگوں کو چٹکیوں میں اڑا سکتا ہوں۔''

''یہاں آنے کے بجائے تم نے مجھے سری نواسن کے گھر کیوں نہیں بلا لیا؟''

''اس میں تمہاری بہتری پنہاں ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ فی الحال لندن میں کوئی تم کو میرے حوالے سے پہچانے۔ ایک احتیاط ممکن ہو تو اس پر عمل کرنا ہی بہتر رہتا ہے۔''

''یہی بات تھی تو یہ ملاقات کہیں بھی ہو سکتی تھی۔ تم رٹز یا ہلٹن میں ملنے پر مصر کیوں تھے؟''

''یہ بھی ایک مصلحت تھی۔'' وہ ہلکی سی معنی خیز ہنسی کے ساتھ بولا ''لندن میں بھارتی ایک بڑی تعداد میں آباد ہیں اور چپے چپے پر پائے جاتے ہیں لیکن مجموعی طور پر ہم ایک کفایت پسند یا کنجوس قوم ہیں۔ ان مہنگے ہوٹلوں میں شاید ہی کوئی بھارتی کھانے پینے کے لیے آتا ہوگا۔ سستے تفریحی مقامات پر تمہیں ان کی ریل پیل ملے گی۔''

''خوب!'' میں نے اس کی وضاحت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا ''اگر تمہارا مشاہدہ اتنا ہی وسیع ہے تو پاکستانیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''تم بادشاہ لوگ ہو۔'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''دنیا کہتی ہے کہ غربت میں ہمارے بعد اگلا نمبر تمہارا

ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری قوم غریب ہو لیکن لوگ مال دار ہیں۔ شہزادوں کی طرح دل کھول کر ہر جگہ پیسہ لٹاتے ہیں۔''

میرے اشارے پر ویٹرس پہلے ہی ایک خوب صورت فولڈر میں اپنا بل رکھ گئی تھی۔ میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا'' تم یہ سب نہ کہتے تب بھی چائے کا بل میں ہی ادا کرتا۔''

وہ اپنے سر کو زور زور سے نفی میں ہلاتے ہوئے خجالت سے ہنسنے لگا۔

بل اور ٹپ کی رقم فولڈر میں چھوڑ کر ہم ریستوران سے باہر آئے تو بدری ناتھ نے الوداعی مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

''آؤ یہاں سے ساتھ ہی نکلتے ہیں۔'' میں نے بے تکلفی سے پیشکش کی۔

''تم جاؤ، میں بعد میں باہر نکلوں گا۔ کوئی بات باقی رہ گئی ہے تو ایک ساتھ باہر نکلنے کا خطرہ مول لیے بغیر ہم تھوڑی دیر تک یہیں کھڑے باتیں کر سکتے ہیں۔''

''اگر یہ محض احتیاطی تدبیر ہے تو تم چلے جاؤ۔'' میں نے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے جواب دیا'' میں اسحاق گھنٹی کو پہلی خوراک دے کر یہاں سے نکلوں گا۔''

''آئندہ آپس کی گفتگو میں اس کا یہی نام استعمال کریں گے بلکہ صرف گھنٹی بھی کافی ہوگا۔ تم نے اس کے نام کا بہت موزوں ترجمہ کیا ہے۔ صبح صبح خوراک ملتے ہی اس کی طبیعت جھک ہو جائے گی۔''

وہ نکاس کے راستے کی طرف چل دیا اور میں راہداری کے اس حصے کی طرف بڑھ گیا جہاں ایک ڈیسک پر ہوٹل کے ایکسچینج سے منسلک انٹر کام رکھے ہوئے تھے۔ اس سے ذرا آگے وہ پبلک فون بوتھ نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کارڈ فون تھا، دوسرے کے لیے ریزگاری ضروری تھی۔

کلکتے کے لیے کال کے بعد بھی میرے کارڈ میں کافی یونٹ باقی تھے جو کارڈ کے سلاٹ میں جاتے ہی انسٹرومنٹ کی اسکرین پر روشن ہو گئے اور میں نے بدری کا دیا ہوا پرچہ نکال کر نیو یارک کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔

انگلینڈ سے امریکا رابطے کے لیے زیرو ون زیرو ون کا کوڈ نہ جانے کیسے میرے ذہن میں اٹکا رہ گیا تھا۔ نیو یارک کا کوڈ اور نمبر رقعے پر موجود تھا۔

وقت کے نمایاں فرق کی وجہ سے مجھے شبہ تھا کہ شاید اتنے سویرے آئزک بیل کا دفتر خالی ہو مگر مجھے دوسری گھنٹی پر ہی کانوں میں رس گھولنے والی ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

''میں آئزک بیل سے بات کرنی چاہتا ہوں۔'' میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ نیو یارک والی لڑکی کو اپنے مدعا سے آگاہ کیا۔

''سوری سر! دفتر کا وقت ایک گھنٹے بعد شروع ہوگا۔ وہ مزید تاخیر سے آتا ہے۔ کوئی پیغام ہو تو مجھے نوٹ کرا دو۔ وہ اسے مل جائے گا۔''

اپنے باس کے لیے لڑکی کا لہجہ احترام آمیز تھا۔ یہ انگریزی کی خرابی تھی کہ واحد غائب کے صیغے کے لیے انگریزی گرامر میں آپ جناب کے تکلفات نہیں پائے جاتے تھے۔

''وہ آئے تو اسے بتا دینا کہ اس کے لیے پاکستان سے اس کے باپ کا فون آیا تھا۔''

''باپ!'' شاید میرا پیغام سن کر وہ حیران رہ گئی تھی۔ اسی تحیر زدہ آواز میں اس نے پوچھا'' کیا میں تمہارا نام جان سکتی ہوں؟ میرا خیال ہے کہ اس کا باپ تو مدتوں پہلے مر چکا تھا۔''

لڑکی کی حیرت اور سنجیدگی کا ادراک کرتے ہوئے میں نے بھی سنجیدگی اختیار کر لی'' تم ٹھیک کہہ رہی ہو بے بی۔ میں آئزک کی ماں کا دوسرا شوہر یعنی اس کا سوتیلا باپ ہوں۔ یہ اس کی سعادت مندی ہے کہ وہ سگے باپ کی طرح میرا احترام کرتا ہے۔''

''اوہ!'' لڑکی کی معلومات میں اضافہ مزید حیران کن ثابت ہوا تھا'' مگر سر، میں نے تمہارا نام بھی پوچھا تھا۔''

''ہاں، یہ ضروری ہے کیونکہ اس کی ماں نے ایلزبتھ ٹیلر کی ضد میں نو شادیاں کی تھیں۔ اسے یہ پتا نہیں چل سکے گا کہ آٹھ میں سے ...... اس کے کس سوتیلے باپ

اسے یاد کیا ہے، میرا نام ڈینی ہے۔"

"اوہ یو باسٹرڈ!" لڑکی کی کچکپاتی ہوئی بے ساختہ آواز کافی بلند تھی "میرا اندازہ تھا کہ تم کوئی سنجیدہ اور صحیح دماغ آدمی ہو مگر تم پکے حرامی نکلے، تمہارا نام میرے لیے نئی نہیں ہے۔"

میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بھی تھی، ڈیوڈ اسٹارز کے سربراہ کے دفتر کی ملازمہ تھی۔ میرے ہاتھوں جم کلارک اور راس المیڈا کی عبرت ناک بربادی کے بعد یہ لازمی امر تھا کہ شی یا ڈیوڈ اسٹارز میں کوئی بھی مفاد رکھنے والا ہر شخص میرے نام اور کردار سے باخبر نہ رہتا۔ وہ میرا نام سن چکی تھی۔ اس وقت اس نے میری آواز بھی سن لی تھی۔

اپنی احمقانہ سادہ لوحی کی بنا پر اسے یک بیک اتنا غصہ آیا تھا کہ وہ ایک ہی سانس میں نہ جانے کتنی ناقابل اشاعت گالیاں دیتی چلی گئی اور میں ریسیور کان سے قدرے دور ہٹائے وہ جھنجھناہٹ ختم ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ نیو یارک والوں سے اسی ردعمل کی امید پر میں نے وہ کال ملائی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس وقت آئزک بیل خود فون اٹھاتا تو میں اسے بھی اسی طرح آپے سے باہر ہونے پر مجبور کر دیتا۔

وہ جیسے ہی خاموش ہوئی، میں نے ماؤتھ پیس میں اسے پچکارتے ہوئے کہا "تم نے مجھے دل بھر کر گالیاں دے لیں، یہ تمہاری مجبوری ہے کیونکہ تم اس چوہے کی داشتہ یا ملازمہ ہو جو مجھے اپنا باپ ماننے سے منکر ہے حالانکہ راس المیڈا کے بعد اب میں ہی تم لاوارثوں کا خبر گیر ہوں۔ اسے بتا دینا کہ میں اس کی مزاج پرسی کے لیے جلد وہاں پہنچنے والا ہوں۔"

لڑکی نے دوبارہ فحش کلامی کا آغاز کر دیا۔ میں نے ریسور ہک سے لٹکا دیا۔

کارڈ جیب میں ڈال کر میں ہلٹن سے باہر نکلا تو میرا ذہن بہت ہلکا ہو چکا تھا۔

فون کرنے تک میرا ارادہ تھا کہ میں آئزک بیل پر سلطان شاہ کے بارے میں کوئی دباؤ ڈالوں گا لیکن آخری لمحوں پر مجھے احساس ہوا کہ محض کھوکھلے الفاظ سے کام نہیں بن سکتا تھا بلکہ میرا کوئی بھی بے وزن مطالبہ اسے اپنی برتری کے گھمنڈ میں مبتلا کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے خوش دلی کے ساتھ اس لڑکی کو سلگانے اور تاؤ دلانے کے سوا کوئی اور بات نہیں کی تھی۔

لندن میں ذرا دیر سے سہی مگر حالات میں بہتری پیدا ہو رہی تھی۔ وہاں پہنچنے کے بعد میں جو خطرہ مول لے بیٹھا تھا وہ معدوم ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میرے اور بدری کے درمیان تعاون کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بننے والا رمیش ہمیشہ کے لیے راستے سے ہٹ چکا تھا۔ مجھے بدری سے مل بیٹھنے کا موقع مل گیا تھا جس کے نتیجے میں آئزک بیل کا فون نمبر میرے ہاتھ آ چکا تھا۔

لندن کی ان کامیابیوں کی خوشی کو سلطان شاہ کے اغوا نے ماند کیا ہوا تھا۔ اپنے ہوٹل کی طرف لوٹتے ہوئے میں اسی مسئلے پر سر کھپاتا رہا لیکن کوئی حل سامنے نہ آسکا۔ اپنے شہر سے ہزاروں میل دور ہونے کی وجہ سے میں اس معاملے میں خود کو بالکل بے دست و پا محسوس کر رہا تھا۔

ہوٹل کے کمرے میں ویرا بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔

"جانے سے پہلے مجھے بھی جگا دیتے تو تمہارا کیا گھس جاتا۔"

میرے اندر پہنچنے کے بعد اس نے خفگی سے شکوہ کیا "اتنے سویرے تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"میں رات بھر کا جاگا ہوا ہوں۔ مجھ سے دیوانگیاں ہی سرزد ہو سکتی تھیں۔"

"اکیلے ہی سب کچھ کرنے کی کوشش کرتے رہے تو انجام اس سے بھی برا ہو سکتا ہے۔" میرے چہرے پر بے خوابی کے آثار دیکھ کر اس کی نگاہوں میں ترحم کا جذبہ ابھر آیا "اکیلے مارے مارے پھرتے ہو۔ خود ہی خود سوچتے رہتے ہو۔ اس طرح نیندیں نہیں اڑیں گی تو اور کیا ہوگا؟ وہاں سلطان شاہ جیتے جاگتے اغوا ہو گیا۔ یہاں رمیش مرتے ہی کسی آسیب کی طرح غائب ہو گیا۔ صبح کے اخبار میں کچھ چھپا ہے نہ ٹیلی وژن پر کوئی ذکر ہے۔ تم نے کہا تھا کہ واپسی پر ان سوالوں کے جواب لے کر آؤ گے۔ تمہاری اطلاعات کیا کہتی ہیں؟"

مجھے شرارت سوجھی اور میں نے منہ لٹکا کے کہا
"جب وہ مرا ہی نہیں تو اس کے بارے میں کسی خبر کا انتظار بے سود ہے۔ وہ آج اپنے ہائی کمیشن میں دندنا رہا ہے۔"
ویرا کا چہرہ [illegible] گیا۔ وہ کمزور آواز میں بولی "میں قسم کھا سکتی ہوں کہ وہ مر چکا تھا، نبض اور دل کی دھڑکنیں رکنے کے ساتھ اس کی آنکھوں کی پتلیاں تک اوپر چڑھ چکی تھیں۔ میں نے اس کے پپوٹے بھی پلٹ کر دیکھے تھے۔"
"ہاں ہاں، کبھی کبھی ایسا دھوکا بھی ہو جاتا ہے۔" میں نے عارفانہ بے پروائی سے کہا "ایک بیماری کے حملے سے مریض پر ایسی علامات طاری ہو جاتی ہیں۔"
"میں نے آج تک ایسی کسی بیماری کے بارے میں نہیں سنا" اس نے بے اعتباری سے کہا۔
"تم نے بہت سی چیزوں کے بارے میں نہیں سنا ہوگا۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ دنیا میں سرے سے ان کا وجود ہی نہیں ہے۔"
"مجھے اس عجیب و غریب بیماری کا نام بتاؤ۔" اس نے مجھے گھور کر مطالبہ کیا۔
امراض کے بارے میں میری جملہ معلومات کبھی بھی نزلہ، زکام اور بخار سے زیادہ نہیں رہیں۔ میں نے بیماریوں کے پڑھے ہوئے نام یاد کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ ڈالا "وہ کارونری آرتھرائٹس کا مریض ہے۔"
"کیا بک رہے ہو؟" حیرت اور غصے سے اس کی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں۔ وہ غضب ناک لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "کارونری دل کی بیماریاں ہوتی ہیں اور آرتھرائٹس ہڈیوں اور جوڑوں کا مرض ہوتا ہے۔ ان دونوں کو ملا کر تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو۔"
غصے کی شدت سے وہ ایسی ہیئت میں آ چکی تھی کہ بے اختیار میری ہنسی چھوٹ گئی اور اس نے جھلا کر اپنے ہاتھ میں دبا ہوا لائٹر میرے اوپر پھینک دیا۔
میں اس کا پھینکا ہوا لائٹر فضا میں ہی لپک لیا اور کہا "اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔ میں مذاق کر رہا تھا۔ وہ جہنم واصل ہو چکا ہے اور آج اس کی چتا کو آگ لگا دی جائے گی۔"
"تمہیں شرم آنی چاہیے۔" وہ غصے اور جھلاہٹ کے عالم میں بولتی رہی "میں سلطان شاہ کے لیے سخت فکر مند ہوں۔ اس کی جان سولی پر لٹکی ہوئی ہے اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔"
"میں بھی اس کے لیے اسی قدر پریشان ہوں۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔ اداس بکرے کی طرح منہ لٹکا لینے سے اگر اس کی بازیابی ممکن ہے تو میں مہینوں کے لیے سوگوار رہنے کو تیار ہوں۔ ہمیں ذہنی طور پر مفلوج نہیں ہو جانا چاہیے۔ بیدار مغزی کے ساتھ ہی ہم بہتر نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔"
"اول خان سے میری بات ہوئی ہے۔" اس نے ترشی سے کہا۔ اس کا منہ بدستور پھولا ہوا تھا "اسے جمن نامی کسی بدمعاش کا سراغ ملا ہے۔ وہ دو دن پہلے اپنی ماں اور بیوی کو ایک بڑی رقم دے کر خود کہیں غائب ہو گیا ہے۔ اس نے اپنی ساری توجہ جمن کی تلاش پر مرکوز کر دی ہے۔"
"جمن!" میرے لاشعور کے کسی گوشے میں ایک بازگشت سی گونجی مگر فوری طور پر مجھے اس نام کے بارے میں کچھ یاد نہیں آ سکا۔
"یہ کیسے پتا چلا کہ اس نے اپنے گھر والوں کو کوئی بڑی رقم دی ہے؟"
"غریبوں کی جیب میں اچانک پیسہ آتا ہے تو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ نت نئی خریداریوں نے ہی اول خان کے کسی مخبر کو اس طرف متوجہ کیا ہوگا۔" پانی کے جھاگ کی طرح ویرا کا غصہ فرو ہو چکا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو کر اس نے پوچھا "رمیش کی خبر کہاں دبی ہوئی ہے۔"
میرا ذہن جمن کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔ وہ نام مجھے سنتے ہی مانوس لگا تھا مگر اس وقت ویرا کی خاطر داری بھی ضروری تھی۔ میں نے اپنی مصروفیت کی روداد چھیڑ دی۔
"چند گھنٹوں میں تمہاری کارکردگی شاندار رہی ہے۔" میری پوری کتھا سن لینے کے بعد ویرا نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "اچھی خبریں ہیں آرزک بیل کو اشتعال دلانے والی بات بھی سمجھ میں آتی ہے مگر اس سے کوئی فائدہ حاصل ہونے کی امید نظر نہیں آتی۔"
"ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے سے بہتر ہے کچھ

کچھ کیا جائے۔ شاید کہیں سے غیر متوقع انداز میں کوئی راہ نکل آئے۔ حرکت میں برکت ضرور ہوتی ہے۔''

''تمہیں بدری نے بتایا ہے کہ کلکتہ میں ڈیوڈ اسٹارز کا باقاعدہ نمائندہ موجود ہے؟'' ویرا نے تصدیق طلب لہجے میں کہا۔

''ضرور ہے۔ اب یہ نہ کہہ دینا کہ ہمیں کلکتہ پہنچ کر اس پر ہاتھ ڈال دینا چاہیے۔''

ویرا مسکرادی ''وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔ پیرس کے ساتھ لندن بھی یورپ کا دل ہے۔ یہاں بھی ان کی تنظیم موجود ہوگی۔ ان کا اتا پتا مل جائے تو انہیں ہراساں کیا جاسکتا ہے۔''

''شاید بدری اس مقصد کے لیے ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہو۔ یہ مواصلاتی انقلاب کا دور ہے اور پھر مجرم بہت تیزی سے معلومات کا تبادلہ کرتے ہیں۔ کلکتہ میں بیٹھا ہوا شخص یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ وہ بدری کو اپنے جس مرکز کا کوئی پتا یا فون نمبر دیتا ہے وہاں گڑبڑ کیوں ہو جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ خاموشی سے اس کی گردن ہی کاٹ دیں۔''

''اس وقت ہمارے لیے سلطان شاہ بدری سے زیادہ اہم ہے۔ اس مہرے کو کہیں نہ کہیں پٹنا ہے۔ وہ آخر تک ہماری بساط پر جما نہیں رہ سکے گا۔ میں اس کی ذرا بھی پروا نہیں کروں گی۔''

''پھر بھی تم کچھ حاصل نہیں کرسکو گی۔'' میں نے زور دے کر کہا۔ ''اگر سلطان شاہ ڈیوڈ اسٹارز کے ہرکاروں کے چنگل میں پھنس چکا ہے تو اسے صرف مضبوط سودے بازی سے بازیاب کرایا جاسکتا ہے۔ کلکتہ یا لندن میں انہیں نقصان پہنچانا بے سود ہوگا۔ سودے بازی کے لیے ان کے کسی اہم آدمی کو یرغمالی بنا کر ہم اپنی پوزیشن مستحکم کرسکتے ہیں۔''

''لندن میں ان کے بہتیرے اہم آدمی ہوں گے۔ یہاں یہودیوں کی قابل ذکر تعداد رہتی ہے۔''

''اول تو یہ بہت مشکل کام ہے۔ اگر تم نے کسی کو پکڑ بھی لیا تو کہاں رکھو گی۔ ہمارے پاس پورے شہر میں ایسی کوئی جگہ پیدا نہیں ہوسکتی۔''

ہمارے پاس وقت ہی وقت تھا۔ وہ بحث پر تل گئی۔ اس کا کہنا تھا کہ لندن بہت مہمان پرور شہر تھا۔ برطانوی شہریت کے بغیر ہر غیر ملکی وہاں آزادی سے جائداد خرید سکتا تھا۔ شہر کے مضافات میں کوئی جگہ لے کر ہم وہاں منتقل ہوسکتے تھے۔

میرے لیے وہ باتیں بحث برائے بحث سے زیادہ اہم نہیں تھیں۔ وہ ایک طویل المدت منصوبہ تو ہوسکتا تھا جب کہ ہمیں کچھ علم نہیں تھا کہ ہمیں اس شہر سے کب کوچ کرنا پڑ جائے۔

اس بے مقصد بحث میں یہ فائدہ ضرور ہوا کہ جمن کے بارے میں اپنے ذہن کو کریدتا رہا اور آخر کار مجھے اچانک ہی سب کچھ یاد آتا چلا گیا۔

ایک زمانے میں جمن میرے لیے کام کرتا رہا تھا۔ وہ مہنگی قیمت پر حاصل کی ہوئی شے کی ملکیتی ہیروئن سستی قیمت پر کراچی کی مضافاتی آبادیوں اور گاؤں گوٹھوں تک میں پہنچایا کرتا تھا۔

ایک طرف گڈاپ، میمن گوٹھ اور انگارہ گوٹھ میں اس کے خریدار تھے تو دوسری طرف نیشنل ہائی وے پر ملیر اور گھارو سے کوٹری تک اس کی رسائی تھی۔ وہ ٹھٹھہ کے کریم نامی بدمعاش کا گہرا دوست تھا۔ ان علاقوں کی ضروریات کے لیے کریم ہر وقت ہیروئن کا خاصا ذخیرہ رکھا کرتا تھا۔

وہ باتیں ذہن میں تازہ ہوتے ہی میں نے اول خان سے بات کرنے کا ارادہ کرلیا۔

اس وقت وہ دفتر میں نہیں تھا۔ شکست کے احساس نے اس کی تھکن کو اتنا بڑھا دیا تھا کہ آخر کار وہ دفتر چھوڑ کر گھر کی راہ لینے پر مجبور ہوگیا تھا۔

میں نے اس کے گھر کا نمبر ملایا تو فون پر وہ خود موجود تھا۔

''ایک قدم بڑھنے کے بعد گاڑی پھر ٹھپ ہوگئی ہے۔'' سلام دعا کے بعد اس نے ڈھیلی ڈھالی آواز میں کہا ''بہت مشکل سے جمن کا نام سامنے آیا مگر اس کا کہیں پتا نہیں ہے۔''

''یہ وہی جمن ہے نا جو ایک زمانے میں بہت بڑا منشیات فروش ہوا کرتا تھا پھر خود بھی ہیروئن کی لت میں مبتلا

ہو کر برے حال کو پہنچ گیا تھا؟" میں نے پوچھا۔
"بالکل، بالکل وہی ہے۔ علاج معالجے کے بعد وہ سدھر گیا تھا مگر اس کے حالات پہلے جیسے نہیں ہو سکے۔" میرے حوالوں نے اس کی آواز میں گویا نئی جان ڈال دی۔
"اگر وہ شہر میں کہیں دستیاب نہیں ہے تو اس کا دوسرا ٹھکانا ایک ہی ہو سکتا ہے۔ ایک پارٹی لے کر کریم کے ڈیرے پر پہنچ جاؤ۔ وہ وہیں ملے گا۔ اگر وہ سلطان شاہ کے اغوا میں ملوث ہے تو پھر اس نے قیدی کو بھی وہیں رکھا ہوگا۔"
"مگر یہ کریم کون ہے اور اس کا ڈیرہ کہاں ہے؟" اول خان کی آواز میں اضطراب سمٹ آیا۔
"ٹھٹھہ میں رہتا ہے۔ ملاح قوم کا ایک بگڑا ہوا نوجوان ہے۔ دور دور تک اس کی دھاک ہوا کرتی تھی۔ اس کے مہمان بن کر ٹھٹھہ شہر میں کسی سے بھی پوچھو گے تو وہ تمہیں اس کے گھر تک پہنچا دے گا۔"
"میں تھوڑی سی نیند لینے کے ارادے سے گھر آیا تھا۔ تمہاری باتوں نے میری ساری تھکن دور کر دی ہے۔ میں اسی وقت پارٹی لے کر ٹھٹھہ جا رہا ہوں۔ میری کامیابی کی دعا کرتے رہنا۔"
"یہ تمہاری نہیں ہم سب کی کامیابی ہوگی، واپسی پر اطلاع دے دینا۔"
"بے فکر رہو۔ میں پہلا کام یہی کروں گا۔ اب غزالہ سے بات کر لو۔ میری طرف سے خدا حافظ۔"
"آپ کے سائے سے محروم ہوتے ہی ہم عتاب میں آ گئے ہیں۔" غزالہ نے ریسیور لیتے ہی بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ مجھے احساس ہو گیا کہ وہ بہت ضبط سے کام لے رہی تھی ورنہ وہ سلطان شاہ سے بہت محبت کرتی تھی اور اسے اپنے سگے بھائی کی طرح عزیز رکھتی تھی۔
"میری موجودگی میں اس سے بڑے بڑے بحران آتے رہے ہیں۔ کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ مقدرات کے کھیل ہوتے ہیں۔ جو قسمت میں لکھا ہوا ہے وہ ہر قیمت پر رونما ہو کر رہتا ہے۔ حوصلہ رکھو، وہ جلد ہی تم سے آ ملے گا۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔
"میں سخت پریشان ہوں۔ آپ کی موجودگی سے دل کو ڈھارس رہتی تھی۔ یہ پورا گھر میری دلجوئی میں لگا رہتا ہے مگر آنسو مسلسل اُمڈے چلے آ رہے ہیں۔ گھنٹوں تو میں یہی سوچ سوچ کر ہلکان ہوتی رہی کہ میں یہاں نہ رکی ہوتی تو میرا کیا حشر ہوتا؟"
"خدا کے لیے، ایسی دلدوز باتیں نہ کرو کہ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تمہاری دلجوئی کے لیے واپس لوٹنے پر مجبور ہو جاؤں۔ اپنی اس روش سے تم اول خان اور اس کی بیوی کو پریشان کر دو گی۔"
"یہ میں بھی جانتی ہوں۔ ان کے سامنے میں خود کو بہت سنبھال کر رکھتی ہوں۔ میرے دل میں غبار بھرا ہوا ہے۔ آپ کی آواز سن کر میرا دل بھر آیا ہے۔ جی چاہ رہا ہے کہ زور زور سے رونا شروع کر دوں۔" اس کی بھرائی ہوئی آواز اتنی رندھ گئی تھی کہ میں فقروں کے درمیان اس کی سسکیاں سن رہا تھا۔
میں بے چین ہو گیا۔ دوسرے مسائل میں گھر کر میں اسے بالکل بھولا ہوا تھا۔ اس کی رقت انگیز آوازوں اور باتوں نے میرے دل کو بالکل موم کر دیا۔ میں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ "صبر اور ہمت سے کام لو۔ یہ کڑا وقت جلد ہی گزر جائے گا۔ تمہاری ان باتوں نے میرے دل میں احساسِ جرم سا جگا دیا ہے۔"
"میں نے آپ دونوں کی تھوڑی بہت باتیں سنی ہیں۔ یہاں سے جاتے ہوئے اول خان کے چہرے پر مردنی کے بجائے جوش کی سرخی جھلک رہی تھی، سلطان مل جائے گا نا؟"
"ضرور ملے گا۔" میں نے پورے وثوق اور اعتماد سے کہا "بس میں وقت کا تعین نہیں کر سکتا۔"
"اور آپ کیسے ہیں؟ مجھے معلوم ہے کہ آپ بھی پھولوں کی سیج پر نہیں سو رہے ہوں گے۔ وہاں بہت سی مشکلات نے آپ کو آن گھیرا ہے......"
میں نے نرمی سے اس کی بات کاٹ دی "ہماری فکر مت کرو۔ یہ ہوٹل کا فون ہے۔ ساری احتیاط کے باوجود اس پر غیر ملکی کالز کی تعداد غیر معمولی ہے۔ میں بعد میں باہر

یے فون کروں گا تو دل کھول کر باتیں ہوں گی۔ فی الحال خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔"

اس نے میرے تحفظات کو فوراً بھانپ لیا۔ اس میں سب سے زیادہ قابل تعریف خوبی یہی تھی کہ وہ بہت تیزی کے ساتھ خود کو ہر قسم کے حالات کے مطابق ڈھال لیتی تھی۔ اس کی آواز فوراً ہی خاصی ہموار ہوگئی اور اس نے وہ موضوع وہیں ختم کر دیا۔

وہ کہہ رہی تھی "آپ بھی میری فکر نہ کریں۔ میں آپ کی اگلی کال کا انتظار کروں گی۔"

میں نے اپنی جان سے زیادہ عزیز بیوی کی دلگرفتگی کا تصور کرتے ہوئے محبت بھرے الفاظ کے ساتھ اسے الوداع کہا اور فون بند کر دیا۔

"واقعی ہماری انٹرنیشنل کالز بہت زیادہ ہو رہی ہیں۔" ویرا بولی۔

"یہ اس صورت میں ہے کہ بیشتر کالز پبلک بوتھ سے کی جا رہی ہیں۔"

"ہم ہر ڈلز ریس کی سی سچویشن سے دوچار ہیں۔ دوڑو، رکاوٹ عبور کرو اور پھر دوڑ پڑو۔ ہماری کوئی کال غیر ضروری نہیں ہوتی۔ رکاوٹیں دور کرنے کے لیے ہمارے پاس باہمی رابطے کا یہی ایک ذریعہ رہ گیا ہے۔ اس سے کنارہ کشی بہت مشکل ہے۔"

"کراچی کی کالز آتی ہیں تو آنے دو مگر اب ہم ان سے بات کرنے کے لیے پبلک بوتھ ہی استعمال کریں گے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"تمہارے اس فرمان کی تعمیل میرے بس سے باہر ہوگی۔" وہ بےزاری سے بولی۔

"یہ نہ بھولو کہ ہمارے پاسپورٹ پاکستانی ہیں اور آج کل ان کی شہرت اچھی نہیں ہے۔ بہت زیادہ بین الاقوامی رابطوں پر ہوٹل کی انتظامیہ کو شبہ ہو سکتا ہے کہ ہم بھی منشیات کے سوداگر ہیں جو یہاں بیٹھ کر فون پر کروڑوں کا لین دین کر رہے ہیں۔"

"تم ہمیشہ دور کی کوڑی لاتے ہو۔" وہ تحیر زدہ ہو کر بولی "یہ کڑیاں اسی طرح ملائی جائیں گی۔ اگر ان لوگوں نے پولیس کو خبر کر دی یا ہماری باتیں مانیٹر کرنے کے لیے کسی اردو جاننے والے آپریٹر کو اپنے سوئچ بورڈ پر بٹھا دیا تو خاصی آفت آسکتی ہے۔"

"تم مجھ سے بھی چار قدم آگے چلنے لگی ہو۔ کیا پتا کہ اس وقت بھی ہماری باتیں سننے کا سلسلہ جاری ہو۔ یہ خوف خاصا روح فرسا ہے۔"

"تمہاری بات میری سمجھ میں آگئی۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ "اب میں تمہارے فرمان پر حرف بحرف عمل کروں گی۔ ابھی تک حالات شاید نارمل ہیں۔ ہوٹل والوں کو ان فون کالز کا دھیان اس وقت آئے گا جب ہمارا بل ڈپازٹ رقم سے تجاوز کرنے لگے گا۔"

ناگزیر ضرورتوں کے لیے وہ فون ہر وقت ہماری دسترس میں تھا۔ محض ایک دوسرے کی خبر گیری اور شکوہ و شکایت کے لیے اس کا استعمال مناسب نہیں تھا۔

دو بجے ہم دونوں ایک ساتھ ہی ہوٹل سے نکلے۔ میں ایک مرتبہ پھر آئزک بنل سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنی چاہتا تھا۔ اس کے بعد ہمارا باہر ہی کھانا کھانے کا پروگرام تھا۔ ٹھٹھہ سے اول خان کی واپسی تین چار بجے سے پہلے ممکن نہیں تھی جو کراچی میں رات کا وقت ہوتا۔ اس سے پہلے ہی ہمیں اپنے کمرے میں لوٹ آنا تھا تاکہ اول خان سے مختصر سی بات ہو سکے۔

ٹیلی فون بل اور ہماری جمع کرائی ہوئی رقم کے باہمی تعلق کے بارے میں ویرا کی کہی ہوئی بات میرے ذہن میں محفوظ تھی۔ کاؤنٹر پر کمرے کی چابی جمع کرانے کے بعد میں نے سروس کاؤنٹر سے رجوع کیا تو پتا چلا کہ ہمارے حساب میں صرف بارہ پاؤنڈ باقی رہ گئے ہیں۔

میں نے فوراً ہی مزید سو پاؤنڈ جمع کرا دیے تاکہ ہماری سہولتوں میں کوئی خلل نہ پڑ سکے۔

یہ دنیا بھر کے ہوٹلوں کا دستور ہے کہ کمروں میں فراہم کی جانے والی فون سروس کی ہر کال پر سروس چارجز اور دیگر مدوں میں سرکاری شرحوں سے کہیں زیادہ رقم وصول کر لی جاتی ہے جو ان کی اضافی آمدنی میں شامل ہو جاتی ہے۔

کاروباری یا سیاحتی دوروں پر نکلے ہوئے مسافر

ں مندی کے باعث ہر وقت سستے پبلک فونز سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ بستر پر پڑے پڑے ادھر ادھر فون ملاتے رہتے ہیں۔ بل کی ادئیگی کا وقت آتا ہے تو ساری جزوی رقوم اس طرح گڈمڈ ہوتی ہیں کہ فون سروس پر موصول کی جانے والی اضافی رقم کا اندازہ ہی نہیں ہوتا۔ دوسرے مہمانوں کی موجودگی میں متعلقہ عملے سے پوچھ کچھ کرنے میں اجنبی مسافر سبکی محسوس کرتے ہیں اور کان دبا کر بل کی پوری رقم ادا ہوتی ہے کہ ان کے لکھے پر کم ہی لوگ سوال جواب کا حوصلہ کر پاتے ہیں۔ کوئی کٹر اصول پرست یہ ہمت کر ہی لے تو ایسے انداز میں وضاحتیں پیش کی جاتی ہیں کہ وہ خود شرمسار ہو جاتا ہے۔

ہمارے ہوٹل سے قریب تر ایک ہی بوتھ تھا جہاں شور شرابے سے محفوظ رہ کر بیک وقت ایک جوڑا فون یا فون بوتھ سے مکمل استفادہ کر سکتا تھا۔

اس مرتبہ ویرا نے خوشامدانہ انداز میں میرے ساتھ بوتھ میں موجود رہنے کی فرمائش کی۔ شاید میں انکار کر دیتا لیکن قدرت ویرا پر مہربان تھی۔ بوتھ سے چند قدم پہلے ہی آسمان پر منڈلاتے ہوئے سیاہ بادلوں کے اشک ہائے ندامت ہلکی سی پھوار کی صورت میں برسنے لگے۔

سال کے تین سو پینسٹھ دن چمکتے ہوئے سورج کی بھرپور تمازت سے فیض یاب ہونے والی سرزمینوں پر جب بھی کبھار گھٹائیں اُمڈ اُمڈ کر برستی ہیں تو ہر شخص اس ہلکی اور تیز برسات سے لطف اندوز ہوتا ہے مگر انگلینڈ میں محض چند دن گزارنے کے بعد ہی سرمئی بادلوں اور مست گھٹاؤں کی نحوست سے انگریز کی بیزاری کا مفہوم سمجھ میں آنے لگتا ہے۔

سورج کی تیز اور براہ راست کرنوں کو ترستی ہوئی اس سرزمین کے مقدر پر آسمان ہر وقت روتا ہوا نظر آنے لگتا ہے۔ بالکل اس بوڑھی بیوی کی طرح جس کی جوان بیٹی اپنی دہلیز پر اجنبی قدموں کی چاپ کے طویل انتظار میں خود بھی اپنے بالوں میں چاندی کے تار گننے لگی ہو۔

آئزک بیل کے نمبر پر کئی گھنٹیاں بجیں تب کہیں ریسیور اٹھایا گیا۔

اس بار آواز مردانہ اور جانی پہچانی تھی۔ میں نے نرمی سے کہا۔ ''صبح بخیر مسٹر بیل!''

اس نے الجھن آمیز لہجے میں جواب تو دے[illegible] لیکن میرے مہذب انداز کی وجہ سے وہ میری آواز[illegible] پہچان سکا اور پھر اسے سوال کرنا ہی پڑ گیا ''تم کون ہو؟[illegible] میں تمہیں جانتا ہوں؟''

''میں ڈینی ہوں۔ اگر تم مجھے بھول گئے ہو تو یہ[illegible] بڑی بدقسمتی ہے۔''

''اوہ...... ڈینی۔'' الفاظ چبا چبا کر کہا گیا ''کیا بات ہے۔ اس وقت تم شرافت اور شائستگی کے دائرے میں کر بات کر رہے ہو۔ شاید تم پر کوئی برا وقت آیا ہوا ہے۔''

''یہ میری کال ہے اس وجہ سے اس کی ابتدا شائستگی سے ہوئی ہے۔ تم فون کرتے ہو تو تمہارے پاس گالیاں اور دھمکیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔''

اس کی ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کی آواز ابھری ''تم اچھا طنز کر لیتے ہو۔ میری اسٹینو نے مجھے پوری تفصیل نہیں بتائی لیکن یہ ضرور بتایا تھا کہ صبح سویرے تم نے بہت گستاخانہ باتیں کی تھیں اور اس سے بدکلامی بھی کی تھی۔ شاید اس وقت تم نشے میں بہک رہے تھے اور اب تمہارا نشہ اتر چکا ہے۔ ایسے عالم میں تمہیں بار بار میرا خیال کیوں آرہا ہے۔''

''میں امریکا آرہا ہوں۔ سوچا کہ تمہیں پہلے سے خبر دے دوں۔ میں تمہیں کوئی دھمکی نہیں دوں گا۔ وہاں پہنچنے کے بعد بھرپور طریقے سے تمہیں اپنی موجودگی کا احساس دلاؤں گا۔''

''تم اب بھی اپنے ملک کی ماورائے قانونی قوتوں کے لیے کام کر رہے ہو؟''

''کن قوتوں کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے انجان بن کر معصومانہ سا سوال کر ڈالا۔

''ان میں وہ گندی اسپیشل ٹاسک فورس سرفہرست ہے۔'' اس کا لہجہ تحقیر آمیز تھا۔

''یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میں نے کبھی کسی کے لیے کام نہیں کیا۔ میں اپنی تسکین اور شوق کی خاطر کھیلتا ہوں۔ جو جس کا حصہ ہوتا ہے وہ اسے دے دیتا ہوں۔''

''تم خود کو ضائع کر رہے ہو۔ پاکستان تمہیں کچھ

کچھ نہیں دے سکے گا۔ ایک گرتے ہوئے مینار کو اپنے کندھے پر روکنے کی کوششیں کرنے والے بھی آخر کار اسی کے نیچے پس کر رہ جاتے ہیں۔"

وہ ایک متعصب اور دہشت گرد یہودی سرمایہ دار تھا۔ پاکستان کے لیے اس کی سوچ کبھی بھی سیدھی نہیں ہو سکتی تھی۔ میں اسے کوئی سخت جواب دے سکتا تھا مگر اس کے فقروں میں موجود تحریص کو بھانپ کر میں نے اسی نرم آواز میں کہا" کبھی انتخاب کا کوئی موقع سامنے آیا تو میں اس بارے میں ضرور سوچوں گا۔ فی الحال میں ہر طرح آسودہ اور مطمئن ہوں۔"

"کیا یہ بات تم پورے صدقِ دل سے کہہ رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"یہاں آسودہ اور مطمئن نہ ہوتا تو تمھیں فون کیوں کرتا؟ مجھے وہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں تمھاری بات کے پہلے حصے کا ذکر کر رہا تھا۔ کسی پیشکش پر سوچنے کا امکان!"

"وہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتا ہے۔ بہتر کی جستجو کس کو نہیں ہوتی؟"

"میرے لیے کام کرو۔ پاکستان میں مجھے باصلاحیت نوجوانوں کا نیٹ ورک قائم کرنا ہے۔ تم اس کے چیف ہو سکتے ہو۔ میں تمھیں منہ مانگی مراعات دوں گا...... تم کو تمھارے دشمنوں سے بھی پورا پورا تحفظ فراہم کیا جائے گا...... عالمگیر عزت اور شہرت تمھارے قدم چومے گی۔"

"تمھیں یہ خوف نہیں کہ میں پاکستان میں رہا تو تمھیں ڈبل کراس کرتا رہوں گا؟"

"ایسی حرکتیں زیادہ دیر تک نہیں چلتیں۔ ذمے داریاں سونپنے سے پہلے ہم تمھیں پگھلا کر تمھارے وجود میں ایک نیا ڈھانچہ ڈھالیں گے جو ہمارا ہم نوا ہوگا اور کبھی ہم سے غداری نہیں کرے گا۔"

"برین واشنگ کرو گے۔" میں تمسخرانہ انداز میں ہنس پڑا۔ "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں تم سے اپنا سودا کر لوں۔ یہ ناممکن ہے۔ میں جو ہوں وہی رہنا چاہوں گا۔ مواقع عمر بھر ملتے رہیں گے۔ میں نے خود کو ایک بار کہیں کھو دیا تو میں دوبارہ خود کو دریافت نہیں کر سکوں گا۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ برین واشنگ اور تربیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ امریکا یا اسرائیل میں دو مہینے کی تربیت کے بعد تمھیں پاکستان میں پورا اختیار دے دیا جائے گا۔"

یکایک میرے ذہن میں ایک تیز جھماکا ہوا اور اس کی باتوں کا اصل مفہوم میرے سامنے آ گیا۔

رمیش اور بدری کو بھارت سے مستعار لے کر نک موڈلے ایسی ہی کسی تربیت کے لیے امریکا بھیج رہا تھا اس نے بدری کی برین واشنگ کے لیے اس کے نیویارک پہنچنے کا انتظار نہیں کیا تھا۔ کراچی میں ہی اس کے ساتھ توہین اور تضحیک کا رویہ اختیار کر کے اسے اس کی بے وقعتی کا احساس دلانا شروع کر دیا تھا تاکہ وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر خود کو محض نک کا غلام سمجھنے لگے۔

اس کی انا کو پوری طرح مسخ کر کے کچلنے کے بعد اس کے ذہن میں وہ لوگ اپنے پسندیدہ افکار اور نظریات جاگزیں کراتے اور آٹھ دس ہفتوں بعد جب وہ ایک نئے وجود میں ڈھل جاتا تو اسے پورے احترام سے پاکستان بھیج دیا جاتا جہاں ان کے گہرے مفادات تھے۔

نک موڈلے نے بدری ناتھ اور رمیش اگروال کا تا کا تھا، آئزک بیل من و عن وہی پیشکش مجھے کر رہا تھا۔ نہیں ایک ملک کے لیے انہیں کتنے تربیت یافتہ دماغوں کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔

میری مجبوری یہ تھی کہ میں اس کو بدری یا رمیش کا حوالہ نہیں دے سکتا تھا۔

میں نے سرد اور سنجیدہ لہجے میں کہا "میری تربیت لینے کی عمر گزر چکی ہے۔ میرا تجربہ ہی میری تربیت ہے میں تم کو بتا چکا ہوں کہ میں، میں ہی رہنا چاہتا ہوں۔"

"یہ میرا آفر ہے۔ ضروری نہیں کہ تم اسی وقت جواب دو۔ میرا فون نمبر تمھیں کسی طرح مل چکا ہے میرے آفر پر خوب غور کرو اور جب رضامند ہو جاؤ تو اسی نمبر پر مجھے بتا دینا۔"

"رضامند ہونے کے بعد کیا میں تمھاری ان سب باتوں کو بھول جاؤں جو تم پہلے کرتے رہے ہو؟" میں

تھوڑا سا پینترا بدل کر پوچھا۔

''کون سی باتیں؟'' ریسیور میں اس کی ہلکی سی تحیر زدہ آواز ابھری۔

''وہی تمہاری پچھلی دھمکیاں...... تم مجھ سے اور میرے وطن سے راس المیڈا کے خون کا بھیانک انتقام لینے کی قسم کھائے بیٹھے ہو۔ یوم السبت پر تم کوٹ ادو کے۔ مرل بجلی گھر کو تباہ نہیں کروا سکے لیکن تم نے اپنی طاقت کا علامتی مظاہرہ کرتے ہوئے وہاں دھما کا کرا دیا تھا......''

''بھول جاؤ، ان سب باتوں کو بھول جاؤ۔'' بے صبری سے اس نے میری بات کاٹ دی'' ہم ماضی کو دفن کر کے نئے سفر پر نکلیں گے۔ دشمن کو مار ڈالنا دنیا کا سب سے آسان اور حیوانی کام ہے۔ دشمن کو اپنا دوست بنانا مشکل ترین کام ہے اور میں مشکل پسند ہوں۔''

''وہ بھی تمہاری باتیں تھیں یہ بھی تمہاری باتیں ہیں۔ میں کن پر اعتبار کروں؟''

'' تم پراگندگی کا شکار ہو رہے ہو۔ ماضی کو بھول جاؤ۔ آج اور صرف آج کی بات کرو۔ آگے کی سوچو۔''

''میں آگے کی ہی سوچ رہا ہوں۔ دن گزر گیا تو آج کی باتیں بھی ماضی کا حصہ بن جائیں گی۔ اسرائیل یا امریکا میں میں تمہارا کیا بگاڑ لوں گا...... کیا میں یہ نہ سمجھوں کہ لڑ کر مجھے زیر کرنے میں ناکام رہنے کے بعد تم مفاہمت اور بے حساب رعایتوں کا لالچ دے کر مجھے اپنے پنجرے میں گھیرنا چاہ رہے ہو تا کہ میری بوٹیاں ادھیڑ کر اپنے پچھلے زخموں کا قرض بے باق کر سکو۔''

'' یہ تمہارے منطقی اندیشے ہیں۔ جب کوئی بہت بڑا دشمن اچانک مہربان ہونے لگے تو یقین نہیں آتا۔ ذہن میں ایسے ہی وسوسے آتے ہیں۔'' اس کی آواز مفاہمانہ ہو گئی ''میں تمہیں یقین دلا رہا ہوں کہ میرا دل صاف ہے۔ میں تمہیں دھوکا نہیں دوں گا۔ تم بھی مجھ پر اعتبار کرو۔''

''اس وقت ہم دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں برابری سے بات کر رہے ہیں۔ میں نے تمہاری تجویز مان لی تو میں اپنا مقام کھو بیٹھوں گا۔ اسی لیے تم میرے باس اور میں تمہارا ماتحت ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد ہم کبھی برابری سے گفتگو نہیں کر سکیں گے۔ جو تم چاہو گے، مجھے وہی کرنا

پڑے گا۔ میری نکیل ہاتھ میں آجانے کے بعد، تم مجھے جہنم میں بھی لے جاسکتے ہو۔''
''میں نیک نیت ہوں۔ میرا عمل ہی تمہارے اس خوف کو زائل کر سکے گا۔''
''اس سے پہلے تمہیں اپنی نیک نیتی کا کوئی ثبوت دینا ہوگا۔ اسی صورت میں، میں تمہارے دیے ہوئے آفر پر سنجیدگی سے غور کرسکوں گا۔'' میں نے کہا۔
''تم خود بتاؤ کہ میں یہ ثبوت کس طرح دے سکتا ہوں۔ میں اس پر عمل کروں گا۔''
''کراچی میں اپنے کسی اہم آدمی کے بارے میں بتاؤ۔ میں اس سے مل کر لوٹ آیا تو تم پر اعتبار کرلوں گا۔''
''تمہارے من میں کوئی کھوٹ ہوا اور تم نے اسے مارڈالا تو کیا ہوگا؟'' اس نے بے ساختہ پوچھا۔
میں ہنس پڑا ''تم بالادست ہوتے ہوئے وسوسوں میں پڑ رہے ہو اور مجھے ان سے دور رہنے کی تلقین کر رہے ہو۔ میں رضامند ہو کر اپنی زندگی داؤ پر لگاؤں گا۔ تم اپنے ایک آدمی کی زندگی کا خطرہ مول لینے سے ڈر رہے ہو۔ اس طرح کبھی بات نہیں بن سکے گی۔''
وہ ایک دم جیسے چونک کر بولا ''میری نیک نیتی کے ثبوت کے طور پر تم اپنے آدمی کی رہائی کا مطالبہ پیش کرنے کی تیاری تو نہیں کر رہے۔''
میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ آخر کار بات اچانک اس موڑ پر آگئی تھی۔
اس کے لہجے میں کچھ ایسا مکارانہ تجسس پوشیدہ تھا کہ میں نے سلطان شاہ کی آزادی کا مطالبہ کرنے کی شدید ترین خواہش کا گلا گھونٹ کر سرسری انداز میں کہا ''اگر میرا کوئی قیدی تمہارے قبضے میں ہے تو اسے رہا کر کے بھی تم اپنی نیک نیتی کا ثبوت دے سکتے ہو۔''
''اتنے بھولے اور معصوم نہ بنو!'' اس کی آواز میں تلخی کا عنصر بڑھ گیا ''اسی قیدی کے لیے تم نے مجھ سے رابطہ کیا ہے مگر کان کھول کر سن لو کہ تمہاری عملی رضامندی سے پہلے وہ سورج کی روشنی نہیں دیکھ سکے گا۔''
سلطان شاہ کے بارے میں اس نے کھل کر اپنے عزائم کا اظہار کردیا۔ مجھے اطمینان ہوا کہ میں نے اس سے کوئی مطالبہ نہ کر کے اپنا بھرم رکھ لیا تھا۔ یہ طے ہو چکا تھا کہ سلطان شاہ پر اسی مردود کے ہرکاروں نے ہاتھ ڈالا تھا اور وہ ان کی قید میں زندہ تھا۔
میں نے اسی بھرم کے سہارے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا ''مجھے کچھ نہیں معلوم کہ تم کس قیدی کی بات کر رہے ہو۔ میرا ہر اہم آدمی میرے رابطے میں ہے۔ اگر تم نے دھوکے میں کسی بے گناہ کی گردن میں پھندا ڈال دیا ہے تو میں اس بے چارے کی مغفرت کی امید ہی کر سکتا ہوں۔''
''میرے آدمی اتنے احمق نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے تمہارے اسی فلیٹ سے تمہارے ایک ساتھی کو اٹھایا ہے جہاں کا فون نمبر میرے پاس موجود ہے۔ تم جھوٹے ہو۔ تمہیں سب معلوم ہے۔''
میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا ''تم بلاوجہ چراغ پا ہو رہے ہو۔ یہ بھی بھول بیٹھے ہو کہ ابھی تم نے مجھے ایک آفر دیا تھا۔ میری بات کا یقین کرو کہ میں نے ایک ہفتے سے اس فلیٹ کی شکل نہیں دیکھی۔ وہاں بس ایک مسکین سا خانساماں رہ رہا ہے جو میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔''
''اگر تمہاری بات سچ نکلی تو میں اپنے آدمیوں کی چمڑی گرادوں گا۔''
''شاید تمہارے آدمی میری تلاش میں وہاں گئے ہوں گے اور جو نظر آیا اسے ڈپٹی سمجھ کر اٹھا لائے۔''
مفاہمت کی فضا ختم ہوگئی تھی۔ میں نے استہزائیہ لہجہ اختیار کرلیا۔
''انہیں معلوم ہے کہ وہ ڈپٹی نہیں، اس کا کوئی ساتھی ہے جو پورے فلیٹ پر قابض تھا۔''
''خانساماں سے پوچھ گچھ کرو۔ میرا بیان سچ نکلے تو اسے فوراً رہا کردو۔ میری تلاش میں وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا نہ میں اسے بچانے کے لیے خود کو تمہاری غلامی میں دوں گا۔''
''اس کا فیصلہ امریکا میں ہی ہوگا۔'' آرزک بیل کے ان سرد اور سفاکانہ الفاظ پر میں دہل گیا ''پاکستان مجرموں اور تم جیسے دہشت گردوں کی جنت ہے۔ وہ ایک

تابوت میں ڈال کر یہاں لایا جا رہا ہے۔ یہاں اس سے کڑی باز پرس ہوگی۔ مشین اس کا ہر جھوٹ پکڑ لے گی۔ وہ بے گناہ ہے تو چھوٹ جائے گا۔"

فضا میں رچی ہوئی سردی کے باوجود میری ہتھیلیاں پسینے میں بھیگنے لگیں۔ اس بار سلطان شاہ بہت خطرناک چنگل میں پھنسا تھا۔

میرے روکنے سے وہ اپنے فیصلوں پر عمل درآمد روکنے والا نہیں تھا۔ اتنا ہی کافی تھا کہ مجھے سلطان شاہ کے بارے میں مصدقہ معلومات مل گئی تھیں۔ میں نے اس سے اپنی جذباتی لاتعلقی کا تاثر راسخ کرنے کے لیے دل پر پتھر رکھ کر جواب دیا "تم اسے چھوڑ دیا کسی مشین میں پیس ڈالو، یہ تمہاری مرضی ہوگی۔ یہ اچھا ہوا کہ مجھے اس کے انجام کا پتا چل گیا۔ میں اس کے گھر والوں کی اشک شوئی کے لیے کچھ رقم دے دوں گا۔"

"میری پیشکش اب بھی برقرار ہے۔" اس نے زور دے کر کہا۔ "اس میں یہ اضافہ ہو چکا ہے کہ تمہارے رضا مند ہونے پر تمہارے آدمی کو بھی رہا کر دیا جائے گا۔"

"وہ میرا آدمی نہیں ہے۔ تمہاری تلخ و ترش باتوں کے بعد اب تم پر بھروسا کرنے کی گنجائش نہیں رہی ہے۔ تم کیسے منافق ہو کہ ایک طرف میری تلاش میں اپنے آدمی دوڑائے ہوئے ہیں اور دوسری طرف مجھے مل بیٹھنے کی سنہری پیشکش کر رہے ہو۔ تم ہرگز اعتبار کے قابل نہیں ہو۔"

"تم نے اس وقت فون کیا ہے۔ میرے آدمی ایک ہفتے پہلے تمہاری تلاش میں نکلے تھے ن میں میری منافقت کہاں سے آگئی۔ ویسے بھی کسی محاذ پر کمانڈر امن مذاکرات کرتے ہیں تو فوجیں فائر بندی نہیں کر لیتیں، جنگ میں اور زیادہ تیزی آجاتی ہے۔ ہر فریق کی یہ توڑ کوشش ہوتی ہے کہ جنگ بندی کا معاہدہ ہونے سے پہلے پہلے زیادہ سے زیادہ علاقے پر قبضہ کر کے اپنی پوزیشن مستحکم بنا لے۔"

"تمہارے یہ فلسفے تم ہی کو مبارک ہوں۔ میں تمہاری باتوں پر اعتماد نہیں کر سکتا۔" خواہش کے باوجود میں نے اس کے لیے سخت اور توہین آمیز کلمات استعمال

نہیں کیے۔

سلطان شاہ کے اسی کے قبضے میں ہونے کی تصدیق کے بعد اسے میرے اوپر نفسیاتی برتری حاصل ہو چکی تھی۔ اس نے کہا ''تو پھر میں قیدی کو کس امید پر زندہ رکھوں۔ اس کا مار دیا جانا ہی بہتر ہوگا۔''

''اس کا انجام تمہاری صوابدید پر ہے۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' میں نے دل پر جبر کر کے جواب دیا۔

اسی لمحے لائن پر ہلکی سی کوئی آواز ابھری۔ مجھے شبہ ہوا کہ میری کال کا منبع ٹریس کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی میں نے پھرتی سے سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں نے ابتدا سے ہی اسے یہ تاثر دیا تھا کہ میں کراچی سے اس سے بات کر رہا تھا۔ اگر اسے یہ علم ہو جاتا کہ کال کراچی کے بجائے لندن سے کی جا رہی ہے اور میں بدری کے ساتھ لندن میں موجود ہوں تو حالات ایک خطرناک کروٹ لے سکتے تھے۔

باہر بارش تیز ہو چکی تھی۔ قریب ترین سایہ بھی ہم سے خاصے فاصلے پر تھا۔ ہم ٹیلی فون بوتھ ہی میں رک کر بارش تھمنے یا ہلکی ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

''سلطان شاہ کے بارے میں وہ کیا کہہ رہا تھا؟'' ویرا نے وہیں اپنی جرح کا آغاز کر دیا۔

''اسے آئزک بنل کے آدمیوں نے ہی اغوا کیا ہے اور اب اسے ایک تابوت میں شاید مردہ ظاہر کر کے امریکا پہنچانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔'' میں نے اداس لہجے میں کہا۔

''یہ اسرائیلی اور یہودی دہشت گردوں کا مخصوص طریقہ واردات ہے۔ وہ دنیا کے کسی بھی ملک میں چوری چھپے وارد ہوتے ہیں اور اپنے مطلوبہ ملزم کو اغوا کر کے غیر قانونی طریقے سے اپنی سرزمین پر پہنچا دیتے ہیں۔ یہ بہت اندوہناک خبر ہے۔ پتا نہیں کراچی میں کیا ہو رہا ہے۔''

''اب سارا دارومدار اول خان اور اس کی ایس ٹی ایف پر ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''ان لوگوں کو غیر قانونی طریقے سے نکلنا ہوتا تو انہیں تابوت کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لانچ وغیرہ کے ذریعے وہ کراچی سے فرار ہو کر قرب و جوار کے کسی امریکی بحری اڈے یا بیڑے تک پہنچ سکتے تھے۔ تابوت کا مطلب ہے کہ کراچی سے وہ فضائی سفر کریں گے تاکہ جلد از جلد امریکا پہنچ سکیں۔''

''پوسٹ مارٹم رپورٹ اور ڈیتھ سرٹیفکیٹ کی لازمی ضرورت کی وجہ سے رمیش کی لاش کو یہاں سے نکال لے جانے کا ارادہ منسوخ کر دیا گیا تھا۔ کیا پاکستان میں ایسا کوئی قانون نہیں ہے؟''

''ضرور ہوگا مگر میں اس کی فنی باریکیوں سے بے خبر ہوں۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''پھر وہ ایک زندہ آدمی کے تابوت کا قانونی جواز کہاں سے لائیں گے؟''

میرا ذہن الجھ گیا۔ ویرا کا اعتراض بہت معقول تھا۔ لاش کے کاغذات کے بغیر کوئی بھی ائر لائن ایک مشتبہ تابوت قبول..... کر کے خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی اور اگر وہ چوروں کی طرح نکلنا چاہ رہے تھے تو لمبے چوڑے تابوت کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔

''ہوسکتا ہے کہ آئزک بنل نے تم پر دباؤ ڈالنے کے لیے الجھا دینے والی ڈرامائی باتیں کی ہوں۔ وہ راس المیڈا کا جانشین ہے اور تم سے بات کر رہا تھا۔ ضروری نہیں کہ وہ شروع سے آخر تک سچ ہی بولتا رہا ہو۔ ہمیں اس کی باتوں پر زیادہ سر کھپانے کی ضرورت نہیں۔''

آئزک بنل سے بات کرتے ہوئے ریسیور میں اس کی آواز اتنی واضح اور تیز آ رہی تھی کہ ویرا نے اپنا کان ریسیور کے قریب لا کر پوری باتیں سن لی تھیں اس وجہ سے مجھے اس کو زیادہ بتانا نہیں پڑا۔

''تم نے اول خان کو ٹھٹھہ دوڑایا ہوا ہے ورنہ وقت برباد کرنے کے بجائے اسی وقت اس سے بات کی جا سکتی تھی۔''

تھوڑی دیر بعد ویرا نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ وہ لوٹ آیا ہو۔'' میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کہا ''میں ابھی دیکھے لیتا ہوں۔ اب اسے بہت تیزی سے کام کرنا ہوگا۔''

میں نے بوتھ کے شیشے میں سے باہر نظر ڈالی۔ بارش

بدستور تیز تھی مگر کاروبار زندگی قدرے سست رفتار کے ساتھ بدستور جاری تھا۔
میں نے ہوٹل کے کاؤنٹر سے نیا فون کارڈ خرید لیا تھا۔ پرانے کارڈ سے نمبر ملانے پر یہ سن کر مجھے خوشی ہوئی کہ اول خان اسی وقت لوٹا تھا اور باتھ روم میں تھا۔
میں لائن ہولڈ کیے رہا۔ اسکرین پر یونٹ گھٹتے گھٹتے کارڈ بدلنے کی وارننگ بیپ کے ساتھ صفر نمودار ہوا۔ میں نے کارڈ تبدیل نہیں کیا۔ لائن منقطع ہو گئی۔
میں نے ناکارہ کارڈ چوبی ڈیسک پر ڈال کر نئے کارڈ کی مدد سے دوبارہ اول خان کے دفتر کا نمبر ملایا تو وہ موجود تھا۔ میری آواز سنتے ہی وہ پر جوش آواز میں اپنی کہانی سنانے لگا۔
''تم نے صحیح ٹھکانے کی نشان دہی کی تھی۔ اب سے دو گھنٹے پہلے تک سلطان شاہ اپنے اغوا کنندگان سمیت کھیتوں کے پیچھے ویرانے میں بنے ہوئے کریم ملاح کے اوطاق میں موجود تھا پھر دونوں گورے اپنے ٹرانسمیٹر پر کسی سے بات کرنے کے بعد سلطان شاہ کو لے کر اپنی لینڈ روور میں کسی نامعلوم مقام کی طرف چلے گئے۔''
''گوروں کا ساتھ کس نے دیا تھا؟'' میں نے قہر بار لہجے میں سوال کیا۔
''جمن اور کریم ملاح نے اعتراف کرنے کے ساتھ جعلی وردیاں بھی ہمارے حوالے کر دیں۔''
''ان کی کھالیں ادھیڑ ڈالو۔ یہ ان دونوں کا فن ہے۔ وہ پولیس کا کبھی مقابلہ نہیں کرتے۔ لے دے کر کام چلاتے ہیں۔ رنگے ہاتھوں دھر لیے جائیں تو ہر جرم تسلیم کر لیتے ہیں۔ انہوں نے تمہارے ساتھ بھی یہی چال چلی ہے۔ دونوں غدار اور نمک حرام ہیں۔ انہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جانا چاہیے۔''
''میں انہیں اوطاق سے اٹھا لایا ہوں۔ وہ قسمیں کھا رہے ہیں کہ انہیں گوروں کی نئی منزل کے بارے میں کچھ معلوم نہیں وہ گورے جس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے وہاں سے جا چکے ہیں۔''
''اگر وہ قسمیں کھا رہے ہیں تو پھر وہ لاعلم ہوں گے۔ یہ تصدیق ہو گئی ہے کہ وہ گورے آئزک بیل کے آدمی ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے میری اس سے بات ہوئی تھی......''
''وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔'' وہ میری بات کاٹ کر بول پڑا ''اب جمن اور کریم کی خیر نہیں۔ وہ دونوں ساتھ نہ دیتے تو غیر ملکیوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ خود تمہارے فلیٹ کا رخ کرتے۔''
''اس سے بھی زیادہ تشویش ناک بات یہ ہے کہ سلطان شاہ کو یہاں رکھنے کے بجائے امریکا لے جایا جا رہا ہے تاکہ ہماری طرف سے مداخلت کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔''
''اس خبر کا ذریعہ کیا ہے؟''
''یہ سب باتیں آئزک بیل سے ہوئی ہیں۔ وہ لمبی کہانی ہے۔ پھر کبھی سناؤں گا۔ اس وقت سلطان شاہ کا روکا جانا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ ایک بار وہ اسے یہاں سے نکال لے گئے تو ہمیں اس کو چھڑانے میں دانتوں پسینہ آ جائے گا۔''
''میں امیگریشن حکام کو ہدایات جاری کرائے دیتا ہوں۔ غزالہ سے سلطان شاہ کی تصویریں مل جائیں گی۔ وہ اسے کسی بھی نام سے سفر پر نہیں لے جا سکیں گے۔''
''وہ اسے تابوت میں بند کر کے لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' میں نے کہا۔
''تابوت!'' اس کی تحیر زدہ آواز ہلکی سی چیخ سے مشابہ تھی ''زندہ آدمی کا تابوت؟''
''اس نے مجھے یہی بتایا ہے۔ باتیں بہت الجھی ہوئی ہیں مگر ان سے ہی کوئی راہ مل سکتی ہے۔''
''تم ایک ناممکن سی بات بتا رہے ہو۔ قانونی دستاویزات اگر گھپلے کے ذریعے بنوا بھی لی جائیں تو تابوت جہاز پر جانے سے قبل ڈاکٹر تصدیق کرتا ہے کہ تابوت میں صرف لاش ہے اور وہ بھی اسی شخص کی ہے جس کی تمام دستاویزات جمع کرائی گئی ہیں۔ پاکستان میں اب اتنا بھی اندھیرا نہیں ہے۔ کم از کم تابوت کے ذریعے وہ سلطان شاہ کو یہاں سے نہیں لے جا سکیں گے۔ یہ میری گارنٹی ہے۔''
''میں تمہیں صرف معلومات فراہم کر سکتا ہوں۔ فیصلہ تم خود کرو گے۔ یہ میری تازہ ترین معلومات کا نچوڑ

ہے جو میں نے تم تک پہنچا دیا ہے۔''

''اسے غائب ہوئے چالیس گھنٹے پورے ہونے والے ہیں۔ اگرچہ گھنٹے پہلے تک وہ ٹھٹھہ میں موجود تھا تو اب تک لے جایا جا چکا ہوگا یا سفر کی آخری تیاریاں ہو رہی ہوں گی۔ آج کا دن بہت اہم ہے۔ یہ گزر گیا تو پھر ہمیں امریکا میں ہی اسے تلاش کرنا پڑے گا۔''

''دن کی بات تم اپنے حساب سے کر رہے ہو۔ یہاں دن گزر چکا ہے۔ شام کے سات بجنے والے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں ہوں۔''

''اب میں فون بند کر رہا ہوں تاکہ تم ان اطلاعات پر اچھی طرح غور کر کے کسی نتیجے پر پہنچ سکو۔ جو امکان ذہن میں آئے اس پر عمل کر گزرنا کیونکہ اب ساری اہمیت صرف وقت کی ہے۔''

''گڈ...... میں اسے بھی دیکھتا ہوں۔'' اس کا وہ پر جوش لہجہ خود کلامی کا سا تھا۔ فوراً ہی وہ تیز آواز میں بولا ''ابھی ابھی مجھے ایک بات یاد آئی ہے۔ سہراب گوٹھ سے آگے ہیلی کاپٹر کے حادثے میں مرنے والے کچھ امریکی کمانڈوز کی لاشیں ضابطوں کی تکمیل کے لیے ابھی تک کراچی کے مردہ گھروں میں تھیں۔ انہیں لے جانے کے لیے امریکا کا ایک بڑا مال بردار طیارہ کل یا پرسوں کراچی آیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس کی روانگی کا کیا شیڈول ہے۔ وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ ہوسکتا کہ ان اصلی تابوتوں کے ساتھ ہی وہ سلطان شاہ کا جعلی تابوت بھی نکال لے جانے کی کوشش کریں۔''

اول خان کی وہ آخری بات بہت زیادہ قرین قیاس تھی۔ میں نے کہا'' بس یہی سب سے مضبوط اور محفوظ راستہ ہے۔ ساری توجہ اسی پر مرکوز کردو۔ وہ ٹرانسپورٹ طیارہ کسی فوجی ایئرپورٹ پر ہے یا کراچی ایئرپورٹ پر اتارا گیا ہے؟''

''مجھے تفصیلات کا بالکل علم نہیں۔ میں نے کہیں یہ ذکر سنا تھا۔ میں فوراً کام شروع کر رہا ہوں۔ خدا حافظ۔'' یہ کہہ کر اس نے عجلت میں فون بند کر دیا۔

امید اور نا امیدی کے سمندر میں بار بار ڈوبنے اور ابھرنے کے بعد آخر کار روشنی کی ایک کرن نظر آہی گئی تھی۔ اگر سلطان شاہ کے ستارے یاور تھے تو اسے پاکستان کی سرزمین پر روکنے کا بندوبست ہو چکا تھا۔ باہر ہونے والی برسات ختم ہو چکی تھی۔ میں بوتھ کا دروازہ کھول کر ویرا کے ساتھ باہر آگیا۔

''اول خان کیا کہہ رہا تھا؟'' بوتھ سے باہر نکلتے ہی ویرا نے متجسسانہ لہجے میں پوچھا۔

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور قدرے غصیلی آواز میں کہا'' ماؤتھ پیس پر آنے والی آواز کافی تیز تھی۔ تم نے فون پر ہونے والی گفتگو سن لی ہوگی۔''

''لاشوں کی بین الاقوامی منتقلی کے لیے پاکستان میں بھی وہی قانون ہے جو برطانیہ میں نافذ ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ سلطان شاہ کو بے ہوش کر کے کسی تابوت میں بند کر دیں اور اسے پاکستان سے نکال لے جائیں!'' ویرا نے میرے لہجے پر کوئی اعتراض کیے بغیر فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

''آدمی جرم کے ارتکاب پر کمر بستہ ہو جائے تو کسی نہ کسی حیلے بہانے سے اپنے منصوبے پر عمل کر گزرتا ہے۔ یہ دیگر بات ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کے منصوبے کی کمزوریاں ظاہر ہوتی چلی جاتی ہے اور مکافاتِ عمل کے قانون کے تحت وہ کہیں نہ کہیں گرفت میں آجاتا ہے......''

ویرا نے میری بات اچک لی'' مگر یہاں تو ساری اہمیت ہی وقت کی ہے۔ یہ وقت گزر گیا اور وہ لوگ سلطان شاہ کو کراچی سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو امریکا کی سرزمین پر مکافاتِ عمل کا قانون ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ وہاں لے جانے کے بعد وہ اس کا حلیہ بگاڑ دیں گے۔''

ویرا کی حلیہ بگاڑنے والی بات پر مجھے خیال آیا کہ ان لوگوں کے لیے سلطان شاہ کی ذرا بھی اہمیت نہیں تھی۔ انہوں نے اسے اغوا کرنے میں کامیابی حاصل کر لی

تھی تو وہ اس کے ذریعے صرف اور صرف میرا کھوج نکالنا چاہتے تھے۔ وہ اس تازہ المیے کا تاریک ترین پہلو تھا۔

وقتی ضروریات اور مصلحتوں کے تحت میں سلطان شاہ اور غزالہ کو کراچی میں چھوڑ کر ایک طویل اور خطرناک سفر پر ضرور نکل کھڑا ہوا تھا مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ دونوں صورت حال کی نزاکت سے بے خبر رہے ہوں۔ ان دونوں کو اس مہم میں درپیش خطرات کا مکمل ترین ادراک تھا۔ سلطان شاہ ہوش و حواس کے عالم میں بھول کر بھی ایسا کوئی لفظ اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکتا تھا جس کا خمیازہ مجھے بھگتنا پڑتا۔

اسے اغوا کرنے والے میرے متلاشی تھے اور وہ میری نشان دہی سے گریزاں ہوتا تو اس کا نتیجہ صرف ایک ہی نکل سکتا تھا کہ سلطان شاہ اپنے اعصاب کی مکمل شکست وریخت تک اپنے اغوا کنندگان کے بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنتا رہتا اور جب وہ ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جاتا تو سچ بولنے پر مجبور ہو جاتا۔

اسے اغوا کرنے والوں کو اس سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ وہ اس کے ذریعے میرا سراغ لگانے کے خواہاں تھے۔ ان کے عزائم کی تکمیل کے لیے سلطان شاہ کا زندہ رہنا اور بے بسی کی آخری حدود تک پہنچنا از بس ضروری تھا۔ اندر سے مجھے ایک اطمینان سا تھا کہ جو لوگ اسے زندہ رکھ کر ایک تابوت کے ذریعے پاکستان سے نکال لے جانے کی کوششوں میں مصروف تھے، اسے مطلوبہ معلومات کی فراہمی تک ہلاک کرنے کی حماقت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ پاکستان میں رہتا یا وہاں سے نکال لیا جاتا، دونوں صورتوں میں اس کی زندگی کو کوئی فوری خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا تھا اور میرے لیے امید کی وہی اکلوتی کرن تھی۔

''وہ سلطان شاہ کے ساتھ جو سلوک چاہیں کر لیں لیکن وہ کوئی بات نہیں اگلے گا۔'' میں نے ویرا کی بات سن کر پُراعتماد لہجے میں کہا۔ ''وہ آہنی اعصاب کا مالک ہے۔''

''میں اسے تم سے زیادہ جانتی ہوں۔'' ویرا نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''تشدد اور مار دھاڑ کے مقابلے میں شاید وہ چٹان ثابت ہو مگر صنف نازک کے مقابلے میں وہ بری طرح بکھر کر رہ جاتا ہے....''

''یہ تمہارا ذاتی تجربہ ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''اور اس قدر ذاتی ہے کہ سلطان شاہ کے اغوا کنندگان کو اس کی بھنک بھی نہیں مل سکتی۔ کون سوچے گا کہ قیدی کی زبان کھلوانے کے لیے ٹارچر کے بجائے عورت کی منافقت زیادہ کارگر رہے گی۔''

''منافقت!'' ویرا ایک دم بھڑک گئی ''تمہاری دانست میں عورت بس منافقت ہی کر سکتی ہے۔ کیا تم اس فعل کے لیے شفقت کا لفظ استعمال نہیں کر سکتے تھے۔''

''اگر اس فعل کے مطلوبہ لوازم میری نظروں میں نہ ہوتے تو میں منافقت کے بجائے شفقت ہی نہیں، محبت کا لفظ بھی استعمال کر لیتا۔ اگر تم پوری بات پر غور کرو تو تمہیں یہ پورا فعل ہی بدفعلی محسوس ہوگا اور تم اپنا سر پیٹنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔''

''تمہارے الفاظ اور لہجے کی تازگی سے محسوس ہو رہا ہے کہ تم نے سلطان شاہ کے اغوا کو معمول کا ایک واقعہ سمجھ لیا ہے۔'' اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''تم جل کر جو چاہو کہہ سکتی ہو مگر اس حادثے کی اہمیت کو کم نہیں کر سکتیں۔ سلطان شاہ مجھے تم سے زیادہ عزیز ہے اور میں اس کے لیے فکر مند ہوں۔''

''یعنی تمہیں میری ذرا بھی پروا نہیں ہے۔'' اس نے آنکھیں نکال کر تیزی سے کہا۔ ''صرف سلطان شاہ ہی تمہارا منظور نظر اور چہیتا ہے؟''

میں بے بسی سے ہنس پڑا ''تم بہت عجیب اور پیچ دار مزاج کی مالک ہو۔ لمحہ بھر پہلے اس کے لیے مری جا رہی تھیں اور موازنے کا شبہ ہوتے ہی تمہارا دماغ پٹری سے اتر گیا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ سلطان شاہ جتنا تمہارا چہیتا ہے اس سے کہیں زیادہ وہ مجھے عزیز ہے۔ میں نے اسے تمہارے اوپر فوقیت نہیں دی تھی۔''

''مجھ سے ایسی گول مول باتیں مت کیا کرو جن کے دو معنی نکلتے ہوں۔ تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ میں تمہاری طرح اہل زبان نہیں ہوں جو ان باریکیوں کو سمجھ سکوں۔''

وہ بلا کی مکار تھی۔ اردو بولنے اور سمجھنے کے معاملے میں وہ بڑے بڑوں کے کان کترتی تھی لیکن اس کی کج فہمی کا مسئلہ سامنے آیا تو ندامت کے اظہار کے بجائے اس نے جھٹ سے ایک نکتے کی آڑ لے لی۔ میں اسے کوئی تلخ جواب دیتا تو بحث طول پکڑ جاتی جبکہ اس وقت میں کسی بحث کے موڈ میں نہیں تھا۔

میرے ذہن میں اس وقت صرف اور صرف سلطان شاہ کی فکر سوار تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اسے اغوا کر کے لے جانے والے مجھ تک پہنچنے سے پہلے اسے ہلاک نہیں کریں گے لیکن انسان کے لیے زندگی ہی سب کچھ نہیں۔ زندگی کے ساتھ صحت، عافیت اور جسمانی سلامتی بھی ضروری ہوتی ہے۔ ان کے تشدد کے نتیجے میں وہ عمر بھر کی کسی معذوری سے بھی دوچار ہو سکتا تھا۔

اس وقت یہی دعا اور امید کی جا سکتی تھی کہ سلطان شاہ کو اغوا کرنے والوں کی بو پر لگے ہوئے اول خان کو کامیابی حاصل ہو جائے اور ... پاکستان کی سرزمین پر ہی اسے دشمنوں کی تحویل سے چھڑا لینے میں کامیاب ہو جائے۔

''کیا بات ہے؟ اچانک تمہیں چپ کیوں لگ گئی ہے؟'' چلتے چلتے ویرا نے مجھے چھیڑا۔

''تم کٹ حجت ہو اس لیے خاموشی ہی زیادہ بہتر ہے۔'' میں نے روکھا سا جواب دیا۔

''میں تمہاری یادداشت کے بارے میں سوچ رہی تھی!'' اس نے پرخیال آواز میں کہا۔

''کیوں، کیا اب اس میں بھی کوئی نقص نکالنے کا ارادہ ہے؟'' میں نے طنز سے پوچھا۔

وہ دھیرے سے کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر بولی ''یہ کام بعد میں کروں گی۔ فی الحال تو میں تمہاری یادداشت کی ایک خوبی پر غور کر رہی تھی۔''

''یہ میری خوش نصیبی ہے کہ کسی کسی وقت تم میرے بارے میں اچھی باتیں بھی سوچ لیتی ہو۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''ایسی مبارک گھڑیاں کبھی کبھی ہی آتی ہیں۔''

''تمہیں شی اور منشیات کے دھندے کو خیر باد کہے ایک عرصہ گزر گیا ہے۔ اس دور میں تم ان گنت لوگوں سے کام لیتے تھے۔ حیرت ہے کہ تمہیں ان میں سے عمن کا نام کیسے یاد رہا؟''

''کچھ لوگوں کے ذہن دباؤ سے ماؤف ہو جاتے ہیں، بعض افراد دباؤ کے عالم میں بہترین ذہنی کارکردگی دکھاتے ہیں۔ میرا معاملہ بھی ایسا ہی سمجھ لو۔ مجھے اس کا نام سنتے ہی سب کچھ یاد نہیں آ گیا تھا۔ بس ذہن میں جڑی چلی اور پھر اس کا شجرہ یاد آتا چلا گیا۔''

''اول خان کراچی میں بیٹھ کر اس کے بارے میں بے خبر تھا اور اندھیرے میں ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ یہ واقعی بڑی بات تھی کہ تمہیں یہاں تک یاد رہا کہ کریم ملاح سے اس کی گاڑھی چھنتی تھی۔ اگر وہ اپنے گھر سے غائب تھا تو پھر اس کے ٹھکانے پر ہو سکتا ہے۔''

''سب کچھ رائگاں ہی گیا۔ سلطان شاہ ہاتھ آ جاتا تو شاید میں بھی اپنی قلابازیوں پر فخر محسوس کرتا لیکن افسوس کے وقت ہمارے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ یہی سب پانچ چھ گھنٹے پہلے رونما ہوا ہوتا تو بازی ہمارے ہاتھ میں ہوتی اور ہم اس وقت مایوسی اور بے بسی کا شکار نہ ہوئے ہوتے۔''

''مجھے ابھی بھی کامیابی کی امید ہے۔ اول خان ٹھٹھہ میں ان کی کمین گاہ تک پہنچ کر ان کا سراغ نکال لایا تو کراچی اس کا دیکھا بھالا شہر ہے۔ وہ ان تک پہنچ جائے گا۔''

''چالیس گھنٹے۔'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ ''چھ گھنٹے پہلے وہ ٹھٹھہ سے نکلے اس کا مطلب ہے کہ پورے ڈیڑھ دن تک سلطان شاہ کے ساتھ وہ دونوں گورے بھی اس پسماندہ مگر محفوظ علاقے میں روپوش رہے۔''

وہ ایریئس پر کسی سے بات کرنے کے بعد وہاں سے نکلے ...... یہ دل کو دہلا دینے والی حقیقت ہے ان کا آگے کا کوئی پروگرام طے ہو چکا تھا۔ اسی کے بعد وہ وہاں سے نکلے......

ویرا نے میری بات کاٹ دی۔ ''تمہارا یہ حساب کتاب میرا دوران خون تیز کر رہا ہے۔ شاید تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ ان کے لیے کراچی میں کوئی محفوظ ٹھکانا ہوتا تو وہ ٹھٹھہ کی طرف دوڑ نہ لگاتے .... کراچی میں ہم لوگوں کی

طرف سے کسی وار کے امکان نے انہیں خوف زدہ کیا ہوا تھا۔''

''یہ کھلے کھلے زمینی حقائق ہیں۔ان کی طرف سے شتر مرغ کی طرح آنکھیں بند نہیں کی جاسکتیں۔وہ چھ گھنٹے پہلے لینڈر روور جیسی مضبوط گاڑی میں ٹھٹھہ سے نکلے تھے۔وہاں سے کراچی تک کا سفر ایک ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ کا نہیں ہے۔کراچی میں انہیں ساڑھے چار گھنٹے مل چکے ہیں......خدا کرے کہ اول خان کو ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔میرے دل میں انجانے وسوسے سر ابھار رہے ہیں۔''

''تمہاری طرح سوچا جائے تو مایوسی ہی نظر آتی ہے لیکن میں اب بھی پر امید ہوں۔وہ درندے سلطان شاہ کو کراچی سے نہیں لے جاسکیں گے۔'' اس کے الفاظ پر اعتماد تھے لیکن اس کے لب و لہجے میں بے یقینی کا عنصر نمودار ہو چکا تھا۔

اسی بارے میں اپنی مشترکہ الجھنوں پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے ہم ہوٹل واپس پہنچ گئے۔

لندن میں آسمان پر اکثر و بیشتر گہرے بادل چھائے رہنے کی وجہ سے اجالے میں کمی بیشی کی بنا پر صبح اور شام کا تعین ممکن نہیں ہوتا۔بس گھڑی دیکھ کر ہی ان اوقات کا تعین ہوتا ہے۔گرمیوں کے موسم میں بھی ایسے دن خال خال ہی ہوتے ہیں جب سورج چمکتا ہوا نظر آتا ہے اور سدا اداس رہنے والے مقامیوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔وہ دن بھی لندن کا روایتی دن تھا۔ہم بوندا باندی کے دوران میں فون بوتھ میں پناہ لے کر اور آرزک بیل سے مذاکرات کا ایک دور مکمل کر کے واپس لوٹے تھے۔گھڑی کی سوئیاں شام کی طرف سفر کر رہی تھیں۔میں نے راستے میں ہی سوچ لیا تھا کہ ویرا نے لندن کے بے مہار ماحول میں حسب معمول وہ شام مدہوشی میں گزارنے کا ارادہ کیا تو میں کسی بھی صورت میں اس کا ساتھ نہیں دوں گا۔

مجھے اس وقت حیرت ہوئی جب ویرا نے کاؤنٹر سے کمرے کی چابی لیتے ہوئے روم سروس کے ذریعے چائے کمرے میں بھجوانے کی فرمائش کی۔وہ ایک بہت معمولی سی بات تھی لیکن ہم دونوں کی ذہنی حالت میں حیران کن یکسانیت کی نشاندہی کر رہی تھی۔

سلطان شاہ کے بارے میں ذہنی طور پر پوری طرح چاق و چوبند رہنے کے لیے ہم دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی مشورہ کیے بغیر اپنے اپنے طور پر الکحل سے دور رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔

''کیا بات ہے؟ آج تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' راہداری میں، میں نے ویرا سے پوچھا۔

''تم کو میری طبیعت کی اتنی فکر کب سے لاحق ہوگئی؟'' میری سنجیدگی پر وہ چونک پڑی۔

''شام ہو رہی ہے اور تم صرف چائے پینے کا ارادہ رکھتی ہو، یہ غیر معمولی بات ہے۔''

''میں بھی تمہاری طرح سلطان شاہ کے مسئلے پر دماغ لڑانا چاہتی ہوں۔'' اس نے کمرے کے قفل کھولتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔''ذہن کا صاف رہنا بہتر ہوگا۔''

میں جوتے اتار کر بستر پر دراز ہوا۔ویرا نے ٹیلی وژن کھول دیا۔

حالات نے جس تیزی سے اچانک پلٹا کھایا تھا اس نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔کراچی سے لندن کی طرف پرواز کے آغاز میں مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے لندن میں ہمارے چند روز تفکرات سے دور اور سیر و تفریح میں گزریں گے لیکن طیارے میں ہی سلیم اکبر خان نے اپنی مشکوک گفتگو سے میرے کان کھڑے کر دیے۔

غنیمت ہوا کہ اس کا قصہ بخیر و خوبی تمام ہوا اور وہ پاکستان میں اپنے انجام کو پہنچا۔اسی طرح گیتا اور جیمز پنڈت کے دہرے قتل کا معاملہ جو ہماری تمام تر احتیاط اور پیچیدگی کے باوجود ہمارے گلے پڑتا نظر آرہا تھا، تیزی سے پس منظر میں چلا گیا تھا۔رمیش کے قتل کو را والوں نے اپنے گناہوں کی پردہ پوشی کے لیے خود ہی کڑی رازداری سے دبا دیا تھا۔

وہ کشت و خون کے سنگین ترین معاملات تھے جو قوانین اور ضابطوں کی بالادستی میں مکمل یقین رکھنے والی انگریز قوم کی سرزمین پر پیش آئے تھے۔اگر قانون کے محافظوں کو ان وارداتوں کے بارے میں ذرا سا بھی سراغ

مل جاتا تو وہ اپنی ذہانت اور جفاکشی سے کام لے کر ہماری گردنیں ناپ سکتے تھے۔ اہم ترین اور غیر معمولی بات یہ تھی کہ شہر کی انتظامیہ کی وسیع تشہیر اور ترغیب کے باوجود ہمیں پہچان لینے والے دونوں ٹیکسی ڈرائیوروں میں سے کوئی سامنے نہیں آیا تھا۔

روایتی انگریز قانون اور اصولوں کا کٹر پابند ہی نہیں، ان کا محافظ بھی ہوتا ہے۔ رسمی تعارف کے بغیر کسی سے مخاطب ہونا خلاف تہذیب سمجھتا ہے۔ رات کے تین بجے وہ کسی ویران سڑک پر تنہا کار چلا رہا ہو تو سگنل کی سرخ بتی دیکھتے ہی خود کار انداز میں بریک لگا دیتا ہے۔ سڑک سنسان دیکھ کر نکل چلا جانے کی کوشش نہیں کرتا۔ ایسے ملک اور ماحول میں پے در پے جرائم کے ارتکاب کے بعد ہمارا بچ رہنا اس بات کی دلیل تھا کہ ستارے ہماری یاوری کر رہے تھے۔

دوسرے محاذ پر بدری ناتھ کو اپنے پیشہ ورانہ رقیب کی سازشوں سے اتنے ستھرے انداز میں نجات ملی تھی کہ وہ بے خوف و خطر ہو کر مجھ سے ملاقات کے لیے ہلٹن ہوٹل پہنچ گیا تھا اور اس سے حاصل کیے ہوئے فون نمبر کے ذریعے میں آئزک بیل سے براہ راست گفتگو کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

میری نگاہ میں یہ سب چھوٹی بڑی کامیابیاں تھیں جو ہم نے ایک اجنبی سرزمین پر صرف اور صرف اپنے زور بازو سے حاصل کی تھیں۔

صرف ایک بری خبر نے ہماری ان تمام کامیابیوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ مجھے آئزک بیل کی وہ دھمکی اچھی طرح یاد تھی جو اس نے راس المیڈا کی موت کی خبر ملنے کے بعد مجھے ہذیان کے عالم میں دی تھی۔ اس نے راس المیڈا کو ایک مقدس ہستی قرار دیتے ہوئے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ ہم نے اسے تو مار دیا تھا لیکن اس کے زرخرید مخبروں اور کارندوں کا جال پاکستان کی بنیادوں میں دیمک بن کر جم چکا تھا۔ اپنی اسی دھمکی کا وزن ثابت کرنے کے لیے اس نے اپنے مقرر کیے ہوئے دن پر کوٹ ادو کے تھرمل پاور اسٹیشن پر دھماکا کرایا تھا۔

اس وقت اول خان نے اپنی کاوشوں سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ عالمی ذرائع ابلاغ میں فوری جگہ پانے والے اس معمولی دھماکے کے پیچھے کسی منظم گروہ کا ہاتھ نہیں تھا۔ وہ ایک عیسائی راہب کے ایسے بیٹے کی انفرادی حرکت تھی جو نیویارک میں ہیروئن کی اسمگلنگ میں ملوث ہونے کے بعد شی کے ہرکاروں کی مدد سے پاکستان واپس پہنچا تھا۔ اسے دھمکی دی گئی تھی کہ مذکورہ دھماکہ نہ ہونے کی صورت میں امریکی اداروں میں اس کی مخبری کر دی جائے گی اور پھر اسے تحویل مجرمین کے معاہدے کے تحت امریکا لا کر سنگین سزا سنا دی جائے گی۔

اس دھماکے کے پیچھے کارفرما عوامل سامنے آنے کے بعد میں نے آئزک بیل کی دھمکی کو نظر انداز کر دیا تھا مگر اب سلطان شاہ کے اغوا کے واقعے نے میری تشویش میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا۔

راس المیڈا اور جمی لائیڈ کی خون آشام دشمنی میرے سامنے تھی۔ راس المیڈا ارب پتی اور ڈیوڈ اسٹار کا بانی سربراہ ہونے کے باوجود امریکا میں ہیروئن کی غیر قانونی تجارت پر شی کے ذریعے قابض ہونے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس طرح وہ ہیروئن کی تجارت سے حاصل ہونے والی بے اندازہ رقوم کے ساتھ امریکی حکومت سے شی کو ہیروئن کے انسداد کے لیے ملنے والی دولت بھی ڈیوڈ اسٹارز کی عالمی طاقت میں اضافے کے لیے استعمال کر سکتا تھا۔

اس نے امریکی انتخابات میں یہودی ووٹوں کی اہمیت کے بل پر صدر اور صدارتی امیدوار کو اپنی حمایت پر مجبور کر دیا۔ جمی لائیڈ ایک نادیدہ قاتل کی گولی کا نشانہ بن گیا اور یوں راس المیڈا نے اپنے ایک آدمی کو شی کی سربراہی پر مامور کر دیا۔ وہ راس المیڈا کا ایک خواب تھا۔ ڈیوڈ اسٹارز اور شی کی سربراہی کے بعد وہ تنظیموں کے جملہ وسائل پر قابض تھا۔ اپنی زندگی کے آخری حصے میں اس کے سر پر مجھے زیر کرنے اور پاکستان کے اردگرد کی ہیروئن کی پیداواری منڈیوں پر قبضہ جمانے کا ایسا جنون سوار ہوا کہ وہ دوسرے کاموں پر شاید... بھرپور توجہ نہ دے سکا اور آخرکار کراچی کے ایک ویرانے میں بے بسی کی موت مارا گیا۔

وہ ڈینی فوبیا کے نفسیاتی مرض کا شکار تھا مگر اس کا

جانشین اپنے پیش رو سے کہیں زیادہ چالاک اور مکار تھا۔اس نے براہ راست مجھ سے ٹکرانے کے بجائے شی سے تعلق رکھنے والوں کو قابو میں رکھنے کا مشن شروع کردیا۔جس کے نتیجے میں پہلے اس نے عیسائی راہب کے بیٹے کو اپنا آلہ کار بنا کر کوٹ ادو کے تھرمل بجلی گھر میں دھماکا کروایا اور اب جمن کے ذریعے سلطان شاہ کو اغوا کرالیا تھا۔

مشرقی اور ترقی پذیر ملکوں میں کمپیوٹر اس وقت تک بہت عام نہیں ہوا تھا مگر مغرب میں زندگی کا ہر شعبہ اس ٹیکنالوجی سے استفادہ کررہا تھا۔ان میں مجرموں کے منظم گروہ بھی شامل تھے شاید جمی لائیڈ نے بھی اپنے لیے کام کرنے والے لوگوں کے کوائف ایسے ہی کسی نظام پر محفوظ کرلیے تھے۔

اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ اس کے ذلت آمیز قتل کے بعد وہ سارا مواد اس کے خون کے پیاسوں کے کام آئے گا۔

راس المیڈا اپنے دشمن کے چھوڑے ہوئے ورثے پردھیان نہیں دے سکا مگر آئزک بیل نے اپنے کام کی ابتدا ہی اس اثاثے سے کی تھی اور شاید پاکستان میں مقیم ہر اس چھوٹے اور بڑے آدمی کے کوائف سے واقف ہو چکا تھا۔جس نے کبھی بھی جمی لائیڈ کی شی کے لیے کوئی قابل ذکر کام کیا تھا۔

یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ میرے بارے میں خود جمی لائیڈ کو بھی کبھی بھرپور معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔اس کا سہرا ویرا کے سر تھا جو اپنے خودساختہ باپ کی جانب سے اس علاقے کی بلیک کوئن اور میری باس تھی۔میں اپنی جملہ کارگزاریوں کی رپورٹ اسے دیتا تھا اور وہ اس سمیت میرے درجے کے لوگوں کے بارے میں اپنی رپورٹ سپر آئی مین یعنی جمی لائیڈ کو بھیجتی تھی۔

میں ابتدا ہی سے اپنی کارکردگی کی بنا پر اس کی نظر کرم کا مستحق قرار پا چکا تھا۔اس وجہ سے شاید وہ میرے بارے میں ہمیشہ تشنہ اور ادھوری معلومات آگے بڑھاتی تھی اور اس کمی کو میری کارکردگی کی داد وتحسین سے پورا کر لیتی تھی۔

جمن اور کریم ملاح کے نام سامنے آجانے کے بعد ماضی کے حوالے سے وہ سب میرے ذہن کے ہولناک اندیشے تھے جو غلط بھی ثابت ہوسکتے تھے۔اگر وہ درست تھے تو پاکستان میں آئزک بیل واقعی ایک تشویش ناک صورت حال پیدا کرنے کی پوزیشن میں آچکا تھا۔

جمی لائیڈ کے زمانے کی شی کے آزمودہ کارکنوں کی ایک قابل ذکر تعداد کو اپنا مطیع بنا لینے کے بعد وہ کوئی بھی تباہی پھیلا سکتا تھا۔جس میں ہم لوگوں کے لیے ذاتی خطرات بھی پنہاں ہوتے۔آئزک بیل کی خود اعتمادی کا یہ عالم تھا کہ اس نے سلطان شاہ کے اغوا کے لیے کراچی کے امریکی قونصل خانے میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے ایجنٹ نک موڈے پر ذرا بھی انحصار نہیں کیا تھا جبکہ نک موڈے ....شاید اسی کے عزائم کی تکمیل کے لیے را کے ایجنٹوں کو بھارت سے غیرقانونی طور پر آنے کے بعد امریکا بھیجنے کی کارروائی میں پورے خلوص نیت سے منہمک تھا۔

نک موڈے کو بری طرح نظرانداز کرکے اس نے بالا ہی بالا اپنے اعتماد کے دو خاص آدمیوں کو کراچی بھیجا،ان اجنبیوں نے جمن جیسے چھوٹے اور مقامی منشیات فروش سے رابطہ کیا اور پھر کریم ملاح کی مدد سے سلطان شاہ کو اغوا کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

ان قیاسات میں ایک بنیادی جھول تھا۔جمن کوئی سکہ بند اور بڑا منشیات فروش نہیں تھا جس کے بارے میں زیرزمین دنیا کا ہر کس وناکس پوری طرح باخبر رہنے کی کوشش کرتا ہو۔اس دھندے میں اس نے جو کچھ کمایا،بے دردی سے خرچ کرتا رہا اور جب شی پاکستان سے بستر بوریا سمیٹنے پر مجبور ہوئی تو وہ متمول حیثیت کا مالک نہیں تھا۔بعد میں وہ خود بھی ہیروئن کی لت میں مبتلا ہو کر برے حال کو پہنچ گیا۔علاج معالجے سے اس کی بدعادت تو چھوٹ گئی مگر مالی طور پر وہ نہ پنپ سکا۔

اگر جمی لائیڈ کسی کمپیوٹر ڈیٹا بیس پر اپنے عالمگیر کارندوں کے کوائف جمع کرتا تھا تو اس میں جمن کا برسوں پرانا پتا ہی ہوتا۔نہ جانے اس نے کتنے ٹھکانے بدلے ہوں گے۔کراچی جیسے بھرے پرے شہر میں امریکا سے آئے ہوئے دو افراد کا ایسے گمنام اور قدرے بے قعت

شخص تک پہنچ جانا تعجب انگیز تھا۔
میں ہمیشہ سے خود تنقیدی کا عادی تھا۔ دوسروں کو کسی بھی بحث میں مات دینے کے بعد بھی اپنی کہی ہوئی باتوں پر غور کرتا رہتا تھا۔ اسی عادت کی وجہ سے وہ جھول میرے ذہن میں کھٹکتا رہا پھر میں نے خود ہی اس کا ایک جواز بھی تلاش کر لیا۔
آئزک بیل نے فون پر مجھے خود بتایا تھا کہ اس کے آدمی ایک ہفتے پہلے امریکا سے میری تلاش میں نکلے تھے۔ نیو یارک سے کراچی تک کا سفر وقت کے خسارے سمیت آسانی سے ڈیڑھ دو دن میں مکمل کیا جا سکتا تھا، اس میں کسی پڑاؤ پر مختصر سا قیام بھی شامل تھا۔ اس طرح ان کے پاس سلطان شاہ تک رسائی کے لیے جمن کو تلاش کرنے کا کافی وقت تھا۔
معاً مجھے ایک پر ہول خیال آیا اور میں مضطرب ہو کر بستر سے اٹھ گیا۔
دیرا ٹیلی وژن دیکھنے کے ساتھ کن انکھوں سے مجھے بھی دیکھ رہی تھی اور میں اس کی اس حرکت سے بے خبر نہیں تھا۔ میں نے اس کی بنائی ہوئی چائے کی پیالی اٹھا کر اضطراری انداز میں ہونٹوں سے لگائی تو وہ بے ساختہ مسکراہٹ کے ساتھ باقاعدہ میری طرف متوجہ ہو گئی۔
''اس قدر بوکھلا کر اور اچانک بستر سے اٹھے ہو جیسے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگے ہوں۔'' اس نے میری کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے لطیف لہجے میں کہا۔
''مجھے اچانک جہانگیر کا خیال آ گیا ہے۔'' میں نے اس کے تبصرے کی تردید کیے بغیر کہا۔
''اس وقت اس کا خیال آنے کی کیا تک ہے۔ غزالہ کا خیال آتا تو کوئی بات تھی۔''
''اگر وہ لوگ جمن جیسے گوشہ نشین آدمی تک پہنچ سکتے ہیں تو جہانگیر ہر وقت ان کی دسترس میں ہے۔ وہ اس قدر احمق ہے کہ ان کے پھیلائے ہوئے جال سے بچ نہیں سکے گا۔''
''تم نے جمن سے اچانک جہانگیر پر کیوں چھلانگ لگا دی؟ کیا صرف اس لیے کہ ان دونوں کے نام ج سے شروع ہوتے ہیں؟'' اس نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔
وہ میرا ذہن اس حد تک بھی نہیں پڑھ سکتی تھی کہ میرے دل کا ہر وسوسہ بھانپ لے۔ میں نے اختصار کے ساتھ اسے اپنے تازہ ترین خدشات سے آگاہ کر ڈالا۔
وہ خاموشی اور تحمل سے میری باتیں سنتی رہی پھر میرے خاموش ہونے پر کہنے لگی۔ ''امریکا میں واقعی ہر طرف کمپیوٹر کا جنون پھیلا ہوا ہے۔ بڑے اور معزز مجرم اپنی غیر قانونی آمدنیوں کا حساب رکھنے کے لیے صرف کمپیوٹر پر بھروسا کرتے ہیں مگر تمہاری یہ باتیں جمی لائیڈ کی شی پر صادق نہیں آتیں۔''
اسے خاموش پا کر مجھے سوال کرنا پڑا ''کیوں؟ اس کی کوئی وجہ بھی ہو گی۔''
''سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جمی لائیڈ کی بیٹی ہوں اور اپنے باپ کی فطرت سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔ وہ ایسے معاملات میں مشینوں سے زیادہ اپنے دماغ پر انحصار کرنے والا آدمی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ڈیوڈ اسٹارز یہ سب کرتے ہوں اور شی پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں بھی یہ طریقہ رائج کر دیں۔''
''پھر اس مہم کی تکمیل کے لیے جمن اور کریم ملاح کا ہی انتخاب کیوں کیا گیا؟''
''اتفاق!'' اس نے بے پروائی سے کہا۔ ''جمن کام سے ٹوٹا ہوا ایک ننگا بھوکا مجرم ہے اور انہیں ایسے کام ہی کے آدمی کی ضرورت تھی۔ اڈوں پر محفلیں جمانے والے ایسی باتوں سے باخبر رہتے ہیں۔ کسی نہ کسی حوالے سے دونوں فریق یکجا ہو گئے۔ یہ اعتراض تو تم ہر نام پر کر سکتے تھے۔''
''ہر نام اور ان ناموں میں بڑا فرق ہے۔ کوٹ ادو کے بجلی گھر میں دھماکا کرنے اور سلطان شاہ کے اغوا میں مدد دینے والوں میں تین چیزیں مشترک ہیں۔ ہیروئن فروشی، شی سے پرانا تعلق اور آئزک بیل سے حالیہ رابطہ...... میں انہیں اتفاق نہیں مان سکتا۔ یہ مشترک خصوصیات ایک بڑے خطرے کی نشان دہی کر رہی ہیں۔ پاکستان میں تم کو صرف میں جواب وہ تھا یا میرے تین ساتھی۔ ان میں سے نادر اور داؤد مارے گئے۔ اب صرف جہانگیر زندہ ہے۔ سلطان شاہ کے بعد اس کی باری بھی

سکتی ہے۔"

"اس کی بیوی بہت چالاک اور سمجھ دار عورت ہے۔"

ویرانے بے ساختہ کہا۔ "اگر وہ بیوی کے ساتھ دوستانہ رویہ رکھے تو سلمٰی کے مشورے اسے بہت سی پریشانیوں سے بچالیں گے۔"

ٹیلی وژن اناؤنسر کی زبان سے ساؤتھ آل کے دہرے قتل کا ذکر سنتے ہی میں پلٹ کر اسکرین کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہوگیا اور سلمٰی کا ذکر شروع ہوتے ہی ختم ہوگیا۔

پتا چلا کہ اسکرین پر خبریں آرہی تھیں۔ ان لوگوں نے ابلاغ کے ذرائع کو حقیقی معنوں میں استعمال کرنا سیکھا تھا۔ کھیل کود...، تفریحات...... فلموں اور دیگر پروگراموں کے درمیان خصوصی دورانیے کے مستقل خبر نامے ہر شخص کو پل پل کی بدلتی ہوئی صورت حال سے باخبر رکھتے تھے۔

گیتا اور جیمز پنڈت کے دہرے قتل کے بارے میں سراغ رساں خود کو ایک بند گلی میں محسوس کررہے تھے جس کے پیچھے گیتا اور اس کے ساتھی کو ادمیز ریستوران میں وہاں سے گھر لے جانے والا ٹیکسی ڈرائیور موجود تھا۔ شہر میں صرف وہی قاتل کی نشان دہی کرسکتا تھا اور وہ خود غائب تھا۔

ان لوگوں کو اس ٹیکسی ڈرائیور کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی جس کی ٹیکسی میں ویرانے ہم دونوں کا پیچھا کیا تھا اور وہ اپنے محاسبے کے خوف سے دبکا ہوا تھا۔

خبر کے درمیان میں تبصرے کے لیے ایک افسر کو پیش کیا گیا۔ اس نے کہا کہ وقت کے ساتھ انگلینڈ میں نسلی اور معاشرتی جرائم کی رفتار ضرور بڑھ رہی ہے مگر مجموعی طور پر اس ملک کے قدیم باشندے قانون کی بھرپور پاسداری کرتے ہیں البتہ دنیا بھر کے مختلف معاشروں سے بہتر مستقبل کے لیے ہجرت کرکے آنے والوں کے رویے کا بیشتر انحصار ان کے متروک معاشروں کی اقدار سے ہوتا ہے۔

اس کا تبصرہ طویل اور تعصب آمیز تھا جس کا لب لباب یہ تھا کہ باہر سے آئے ہوئے مرد و زن جب مقامیوں سے شادی کرتے ہیں تو مخلوط نسل کے ایسے بچے جنم لیتے ہیں جن کی بنیادیں بہت مضبوط نہیں ہوتیں۔ مقامیوں کے مقابلے میں احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں، ہم نسلوں میں برتری منوانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور یہ تضاد انہیں قانون کی مکمل پاسداری سے قدرے دور لے جاتا ہے۔

غالباً دہرے قتل کا واحد گواہ بھی جیمز پنڈت کی طرح کا کوئی اینگلو انڈین رہا ہوگا جو مخبری کو ہتک آمیز تصور کرتا ہے۔ اسی لیے سامنے آنے سے گریزاں ہے۔

وہ تبصرہ سن کر میرا دل خوش ہوگیا۔ ایسے معاملات میں قوموں کی تضحیک کا مقصد صرف حکومتوں کی تضحیک ہوتا ہے اور تبصرے میں اینگلو انڈین طبقے پر تنقید کرکے بھارتی حکومت کو لتاڑا گیا تھا جو لندن میں میسر سفارتی مراعات کی آڑ میں را کی ایجنسی چلا رہی تھی۔

اس تبصرے کی دوسری خوبی یہ تھی کہ اس کے لفظ لفظ سے کیس کے تفتیشی حکام کی ناکامی اور مایوسی کا اظہار ہو رہا تھا۔ ان کی ...... سرگرمیوں کا جو نچوڑ پیش کیا جا رہا تھا، اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں تھا کہ کسی مناسب شہادت کی دستیابی تک وہ کیس عارضی طور پر داخل دفتر کردیا جائے گا۔

مجھے ٹیلی وژن کی طرف متوجہ پاکر ویرانے صرف اتنی دیر صبر کیا کہ ساؤتھ آل والے واقعے کا ذکر مکمل ہوجائے۔ دوسری خبر شروع ہوتے ہی اس نے ٹیلی وژن بند کردیا۔

"خود اتنی دیر سے پروگرام دیکھنے میں منہمک تھیں۔ میں نے ذرا سی دلچسپی لی تو فوراً ٹیلی وژن بند کردیا۔" میں نے چائے کی پیالی خالی کرکے احتجاج کیا۔

"مجھ سے باتیں کرو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ اب ہمیں سلطان شاہ کے لیے کیا کرنا چاہیے؟" اس نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے گمبھیر لہجے میں سوال کیا۔

"یہاں بیٹھ کر ہم بے بسی سے انتظار کرنے اور اپنے ذہنوں کو تھکانے کے سوا اور کیا کرسکتے ہیں۔ جو کچھ کرسکتا ہے، وہ پہلے ہی اپنے ہر آرام کو تج کر سایوں کے پیچھے بھاگا بھاگا پھر رہا ہے۔"

''پتا نہیں اب اس کا فون کس وقت آئے گا۔'' وہ بڑبڑائی......'' اس کی اہم رپورٹ کے انتظار میں ہمیں یہیں جم کر بیٹھنا پڑے گا۔''

''اگر تم کو سیر وتفریح کے لیے کہیں جانا ہو تو تم بے فکر ہو کر نکل جاؤ۔ انتظار کا کار خیر میں سرانجام دے لوں گا۔'' میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''اس وقت کسی کو بھی سیر وتفریح کی سوجھ سکتی ہے؟'' وہ چڑ کر بولی۔

''بقول تمہارے تم دیرا ہو۔ تمہارے بارے میں کسی بھی وقت کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ تم پر قنوطیت طاری ہو تو تم کسی بے گناہ چوزے کے روندے جانے پر پورے خلوص اور انہماک سے آنسو بہا سکتی ہو۔ طبیعت پر خوں ریزی سوار ہو تو ایک جیتے جاگتے انسان کی گردن توڑ کر بھی جشن منا سکتی ہو۔''

''تم مجھ پر طنز کر رہے ہو یا میں تمہارے ان الفاظ کو اپنی تعریف سمجھوں؟''

''آدمی اپنے بارے میں خوش فہمیوں اور خوش گمانیوں......سے کام لیتا رہے تو سدا سکھی رہتا ہے۔ ماسٹر رابرٹ ہوٹل میں قیام کے دوران میں تمہارے ارادے خطرناک تھے۔ کیا پتا تم نے وہاں رہتے ہوئے کسی سے دوستی استوار کر ہی لی ہو۔''

وہ خوش ہو کر ہنس پڑی ''اس کا مطلب ہے کہ دوسرے مردوں سے دوستی کے بارے میں میری باتیں تمہاری کھوپڑی میں ابھی تک جمی ہوئی ہیں اور تم ان کے بارے میں سوچ سوچ کر جل رہے ہو۔''

''مجھے جلنے کی کیا ضرورت ہے؟ تم ایک آزاد اور خود مختار لڑکی ہو، جو چاہو کر سکتی ہو۔ اس سرزمین پر تو والدین بھی اپنی بالغ اولاد کی ناشائستہ سرگرمیوں پر کوئی جبری قدغن عاید کرنے کے قانونی حق سے محروم ہیں۔ میں تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔''

اسے فوراً ہی ایک نیا موضوع ہاتھ آ گیا۔ ''ایک زمانے میں ایسی مہم جوئیوں میں مجھے لطف آتا تھا مگر اب ان سب کاموں سے اکتاہٹ سی محسوس ہونے لگی ہے۔ ویسے یہاں بیٹھ کر تم نے بہت نازک مسئلہ اٹھایا ہے۔ کم وبیش پورے ایشیا میں ہی اخلاقی اور قانونی پابندیاں ہونے کے باوجود مرد کی بے راہ روی کو نظر انداز ہی نہیں بلکہ قبول بھی کر لیا جاتا ہے لیکن عورت کی کج روی کو عزت وغیرت کا معاملہ تصور کیا جاتا ہے۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ تمہارے سندھ میں ہی کاروکاری کے سفاکانہ قبائلی قانون کے تحت ہر سال سیکڑوں خون ہو جاتے ہیں اور کسی بھی مجرم کو آج تک شاید قابل ذکر سزا نہیں سنائی جا سکی......''

''ہم برطانیہ میں بیٹھے ہیں۔'' میں نے پہلو بدل کر اس کی بات کاٹ دی۔ ''اگر میں غلط نہیں کہہ رہا تو یہ سرزمین بے آئین ہے۔ یہاں ہر رسم ورواج کو آئینی تقدس حاصل ہے اور سارے قوانین ان ہی قدیم روایات کی روشنی میں بنائے گئے ہیں۔ اگر بعض علاقوں میں ایسی ہی کچھ سخت رسوم پائی جاتی ہیں تو تم ان پر حرف گیری نہیں کر سکتیں۔ ہر خطے کو اپنی روایات کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔''

''ہو سکتا ہے کہ کاروکاری، جبری مشقت کے بیگار کیمپ، نجی جیل خانے، ذاتی لشکر، منشیات نوشی سے... بدترین پرہیز مگر منشیات سازی اور منشیات فروشی میں بھرپور ...دلچسپی لینا تمہارے بعض علاقوں کے ماضی کا قابل احترام ورثہ ہوں۔ میں ان میں سے کسی رسم ورواج پر معترض نہیں ہوں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ ایسے علاقوں سے یورپ اور برطانیہ میں آباد ہونے والے جوڑے جب اپنی جوان لڑکیوں کو اجنبی بوائے فرینڈ کے ساتھ شیر وشکر ہوتے دیکھتے ہوں تو ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی؟''

''گرم خون اور پیش بین نظریں رکھنے والے اس برے وقت سے بچنے کے لیے بلوغت سے پہلے اپنی لڑکیوں کے ہاتھ پیلے کر دیتے ہیں یا پھر انہیں واپس اپنے موروثی حصار میں پہنچا دیتے ہیں۔ یہ سنگین مرحلہ ان لوگوں کو پیش آتا ہے جو آزاد خیالی اور اولاد کی فرماں برداری کے زعم میں اپنے لیے چیلنج پیدا کر لیتے ہیں یا وطن میں ہر رشتے سے اپنا تعلق توڑ چکے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہوگی۔ انہیں بس ایک

فائدہ ہوتا ہے کہ ان کی لڑکیوں کے کرتوت اپنے رشتے داروں کی نظروں سے چھپے رہتے ہیں۔ پردیس کی ردسیاہی کو مالی آسودگی کا نقاب پوری طرح چھپا لیتا ہے۔''

''کیا یہ ایک اہم مسئلہ نہیں ہے؟ اس کے حل کی ضرورت نہیں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

میں تلخی سے ہنس پڑا۔ ''ہجرت معاشی ہو یا سیاسی اور نسلی ...... اپنی کوکھ میں ہمیشہ سنگین انسانی المیے اور دردناک مسائل لے کر وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ دانش مندی سے کام لیا جائے تو یہ مسائل جلد حل ہو جاتے ہیں ورنہ وقت کے ساتھ ساتھ مسائل حل ہو ہی جاتے ہیں۔''

''حل ہو جاتے ہیں یا دب جاتے ہیں؟'' اس نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

''تم یہ بھی پوچھ سکتی تھیں کہ کیا دبا دیے جاتے ہیں۔ بات سیدھی سی ہے۔ دریا پہاڑوں سے نکلتے ہیں تو ان کی بپھری ہوئی، جھاگ اڑاتی موجیں پتھروں اور چٹانوں کو اپنے ساتھ خس و خاشاک کی طرح بہا لے جاتی ہیں۔ راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو تہس نہس کر دیتی ہیں۔ بلندیوں پر بند باندھ لیا جائے تو ان کی سرکش موجوں کو بلندیوں پر ہی کسی جھیل کے سکون میں ڈبویا جا سکتا ہے ورنہ میدانی ڈیلٹا میں پہنچنے تک ہر دریا کو آخر کار قرار ہی آ جاتا ہے۔ اس کی لہریں چٹان تو کیا، ساتھ آئی ہوئی ریت اور مٹی کو بھی اپنے ساتھ بہا لے جانے کی قوت نہیں رکھتیں۔ یہ سفر کی منزلوں کا ایک فطری اصول ہے۔''

''شاید تم کوئی بہت اونچا فلسفہ بگھارنے کی کوشش کر رہے ہو جو میرے پلے نہیں پڑ سکا۔''

''ہجرت کرنے والی پہلی نسل کی زندگی ہمیشہ بہت کڑی، دردناک اور عبرت انگیز ہوتی ہے جہاں ہر گام پر بے اندازہ جدوجہد، قربانیوں اور سمجھوتوں کے نشان ملتے ہیں۔ آبائی زمین اور رشتوں کو ٹھکرا کر مغرب میں آ بسنے والوں پر بھی یہی کلیہ صادق آتا ہے۔ ان کی دوسری نسل اسی ماحول میں پلی بڑھی ہے۔ جب وہ اپنے بڑوں کی جگہ لے لے گی تو تیسری نسل کے بارے میں اس کا رویہ بہت کھلا اور مقامی ماحول سے قریب تر ہوگا اور اگر وہ یہیں رہتے رہے تو میرا اندازہ ہے کہ ان کی تیسری اور چوتھی نسل میں یہ تضاد برائے نام رہ جائے گا۔ یہ اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے اور یوں ہی ہوگا۔''

''گڈ!'' ویرا تحسین آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی ''تمہاری اس مختصر سی گفتگو میں کام کی بہت سی باتیں ملی ہیں۔ اب میں اس موضوع پر ایک بھرپور مقالہ لکھ سکتی ہوں۔''

''ہو سکتا ہے کہ نیویارک میں اقوام متحدہ کے ہائی کمیشن برائے مہاجرین میں تمہیں صرف اسی مقالے کی بنا پر کوئی اعلیٰ ملازمت مل جائے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''یہ نہ سمجھو کہ میں اتنی آسانی سے تمہاری جان چھوڑ دوں گی۔ ملازمت کی پیشکش کی گئی تو میں بلا تردد اسے ٹھکرا دوں گی۔ پاکستان [illegible] غریب اور پس ماندہ ملک ہے مگر مجھے پسند ہے۔ یہ بات میں پہلے بھی تمہیں کھل کر بتا چکی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں بائیں ہاتھ سے اپنا سر سہلاتے ہوئے بولا۔ ''ماضی میں جو گناہ کیے ہیں ان کی یہ سزا بھی جھیلنی ہی ہوگی۔ شاید یہ بھی مکافات عمل کا ایک حصہ ہے۔''

''تم سفاک اور بے مہر ہو۔'' وہ منہ بنا کر بولی ''میری رفاقت کو سزا قرار دے رہے ہو۔ یہ نہ بھولو کہ تمہارے اردگرد ہی جہانگیر جیسا قدردان بھی موجود ہے جو اس سزا کو اپنے لیے سب سے بڑا اعزاز سمجھے گا۔''

''جہانگیر!'' بےاختیار میری نظریں اپنی رسٹ واچ پر چلی گئیں۔ اس وقت پانچ بج رہے تھے۔ مجھے اول خان سے بات کیے دو گھنٹے سے زیادہ وقت ہو گیا تھا۔ اتنی دیر میں اسے کچھ نہ کچھ کر گزرنا چاہیے تھا۔ اس کی طرف سے کوئی خیر خبر ملنے تک میں اپنے کمرے سے نہیں ہل سکتا تھا اور کمرے سے جہانگیر کو فون کرنا مناسب نہیں تھا۔ میری طبیعت پر ایک بار پھر اضطراب طاری ہونے لگا۔

''بہت دیر ہوگئی۔ اب تک اول خان کی طرف سے کوئی اطلاع مل جانی چاہیے تھی۔'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد ویرا نے میری بے چینی بھانپ کر کہا۔

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اول خان کو فون پر مشورے دیتے ہوئے میں نے یہ بات زور دے کر کہی تھی کہ سلطان شاہ کی بازیابی کے لیے وقت سب سے زیادہ اہم ہے کوئی بھی اطلاع ملتے ہی وہ اپنے طور پر سوچ اور فیصلہ کر کے اس پر عمل کر گزرے۔

اس پوری گفتگو میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں آیا تھا کہ وہ ہمیں حالات میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے باخبر کرتا رہے۔ وہ ایک تکنیکی نکتہ تھا ورنہ اول خان کو سلطان شاہ کے بارے میں ہماری سنگین تشویش کا پوری طرح احساس تھا۔

وہ اس کی بازیابی میں کامیاب ہو جاتا تو اپنی سرخ روئی کے اظہار کے لیے وفور مسرت کے عالم میں سب سے پہلے فون کرتا اور سلطان شاہ سے ہماری بات کرا دیتا۔

اس کی طرف سے فون نہ آنے کا مطلب تھا کہ وہ اپنی کوششوں میں الجھا ہوا تھا یا پھر بازی ہاتھ سے نکل جانے پر سوگ کے عالم میں کہیں منہ چھپائے بیٹھا ہوا تھا' اس کی خاموشی بہر صورت تشویش انگیز تھی۔

میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگائی اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔

ویرا میرے وجود میں انگڑائیاں لینے والے طوفان کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کوئی چھیڑ چھاڑ کرنے کے بجائے مجھے تنہا چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور قد آدم آئینے پر اپنے سراپا پر ایک ناقدانہ نظر ڈال کر ہوٹل کے بار کے لیے چل دی۔

کچھ دیر پہلے چائے کی ایک پیالی پینے کے باوجود وہ اپنے مضطرب اعصاب کو سکون پہنچانے کے لیے شاید الکحل کی شدید ضرورت محسوس کر رہی تھی۔

وہ دروازے سے باہر نکلی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ وہ جاتے جاتے کمرے میں لوٹ آئی۔ میں نے لپک کر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

''سر، کسی راج کشور کا فون ہے۔'' میرے کانوں میں مترنم سی نسوانی آواز آئی۔

میں اس نامانوس نام کے بارے میں سوچتا ہی رہ گیا۔ ہوٹل کی آپریٹر نے میرے کسی رسمی جواب کا انتظار کیے بغیر کال مجھے منتقل کر دی۔

''ہیلو! میرے پاس تمہارے لیے ایک بڑی خوش خبری ہے۔''

میرے کانوں میں بدری ناتھ کی مسرت آمیز آواز آئی۔ آپریٹر کو اپنا اصل نام نہ بتا کر اس نے اپنی پیشہ ورانہ بیدار مغزی کا ثبوت دیا تھا۔

''کب روانگی کا ارادہ ہے؟'' میں کوشش کے باوجود اس کی خوشی کا ساتھ نہ دے سکا۔

''جلد از جلد ...... کل کی سیٹ کے لیے کوشش جاری ہیں۔ میں پبلک بوتھ سے بول رہا ہوں مگر تم ہوٹل میں ہو۔ پوری تفصیل تمہارے لیے دلچسپ ثابت ہوگی۔'' اس نے کہانی شروع کرنے سے پہلے میری اجازت چاہی۔

''تھوڑی دیر بعد کہیں فون پر ملاقات کا وقت طے کر لیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''میں یہ باتیں روبرو سن کر ہی پوری طرح محظوظ ہو سکوں گا۔''

''میری حفاظت کا سلسلہ چل پڑا ہے۔ اب اگلے پڑاؤ پر ہی ملاقات ہوگی۔ کہیں سے مجھے سری کے نمبر پر فون کر لینا۔ پندرہ منٹ بعد سے لے کر کم از کم صبح تک میں گھر پر ہی رہوں گا۔'' اس بار اس نے سری نواسن کا بھی پورا نام نہیں لیا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ میں فون کر لوں گا۔'' جواب دے کر میں نے فون بند کر دیا۔

''بدری کو جلد از جلد امریکا روانہ ہونے کا حکم ملا ہے۔'' ریسیور رکھ کر میں نے ویرا کو مطلع کیا۔

.......''اس کے ساتھ ہم کو بھی اپنا رخت سفر سمیٹنا ہوگا؟'' ویرا پر تشویش لہجے میں بولی۔

''اس کمرے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ ہم اسی سفر کے ارادے سے نکلے تھے۔ روانگی میں تمہیں کیا تشویش ہے؟''

''پھر سلطان شاہ کا کیا بنے گا؟ اگر پاکستان میں ہماری ضرورت ہوئی تو......''

''ہم اسی وقت نہیں جا رہے۔ پتا نہیں یہ اول خان کہاں مر گیا ہے......؟ وہ کہیں بھی الجھا ہوا ہو، صبح سے پہلے اس کا فون ضرور آئے گا یا پھر میں باہر سے اسے فون کرلوں گا۔ ہمیں پتا چل جائے گا کہ اب ہماری ترجیح کیا ہونی چاہیے۔ ضرورت ہوئی تو ہم نیویارک کے بجائے کراچی چل دیں گے۔''

''بدری کے بارے میں اچانک ہی فیصلہ کیوں کر لیا گیا؟'' ویرا نے پوچھا۔

''سننے والوں کو ہر فیصلہ اچانک ہی محسوس ہوتا ہے مگر فیصلہ کرنے والے بہت سوچ بچار کے بعد کسی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ وہ خوش تھا اور بہت کچھ بتانا چاہ رہا تھا مگر میں نے اسے .... روک دیا۔ اول خان سے بات ہو جائے تو پھر میں باہر جا کر اس سے رابطہ کروں گا۔''

''مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم ایک ہی وقت میں کئی متضاد الجھنوں سے دوچار ہو گئے ہوں۔'' ویرا تفکر آمیز لہجے میں بولی۔

''ایک وقت میں ہم ایک ہی طرف دھیان دے سکیں گے۔''

''یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ یہ سب کڑیاں ایک ہی لڑی کا حصہ ہیں اور اس کے آخری سرے پر آئزک بیل موجود ہے۔ وہ مجھے راس المیڈا سے زیادہ مکار اور منصوبہ ساز نظر آنے لگا ہے۔ خود خم ٹھونک کر میدان میں اترنے کے بجائے اپنے ٹھکانے پر بیٹھ کر اپنے مہروں کو ادھر ادھر ہلایا جا رہا ہے اور مجھ سے رابطہ ہونے پر مصالحت کی پیشکش تک کر بیٹھا ہے۔''

''ہم دونوں میں سے کون صحیح ہے، اس کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔'' یہ کہتی ہوئی وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ غالباً اسے ہوٹل کا بھولا ہوا بار یاد آ گیا تھا۔

ویرا چلی گئی اور میں سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا انتظار کے عالم میں اندر ہی اندر کڑھتا رہا۔

سوا چھ بجے کمرے کے سکوت میں فون کی گھنٹی کی آسیبی آواز گونجی۔

''لانگ ڈسٹنس کال۔'' آپریٹر نے ضرورت سے ایک لفظ بھی زیادہ کہے بغیر کال مجھے دے دی۔ وہ جانتی تھی کہ بیرون ملک سے آنے اور وہاں جانے والی ہر کال کتنی قیمتی ہوتی ہے۔ وہ وقت غیر ضروری باتوں یا سوال و جواب میں گنوانا اس کے نزدیک شاید واقعی جرم تھا۔

اپنی ہیلو کے جواب میں مجھے ریسیور میں اول خان کی مضمحل اور پژمردہ آواز سنائی دی۔

''اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔'' اس نے ایک ہی فقرے میں پوری کہانی سمیٹ دی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے دل کے مقام پر زور سے گھونسا رسید کر دیا ہو۔ میں نے تھکی ہوئی آواز میں پوچھا ''اور جہاز کا کیا ہوا؟''

''وہ ہمارے پہنچنے سے تین گھنٹے پہلے پرواز کر چکا تھا۔ اس پر صرف چھ تابوت تھے۔''

''تم اس وقت کہاں سے بات کر رہے ہو؟'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''میں دفتر میں ہی ہوں، تم فکر مند نہ ہو۔ میرے آدمی ابھی بھی اس کی تلاش......''

میں نے اسے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر سرد لہجے میں کہا۔ ''یہ فون ان باتوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔ دفتر میں رہ کر میری کال کا انتظار کرو۔''

مزید کچھ کہے یا سننے بغیر میں نے یک لخت فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

اول خان کے جواب نے میرے اندیشوں کی تائید کر دی تھی۔ پہاڑ جیسا طویل وقت گزر چکا تھا۔ مزید وقت تیزی کے ساتھ ہمارے ہاتھ سے نکلتا جا رہا تھا جو سلطان شاہ کے لیے خطرناک تھا۔

اول خان نے اپنی دانست میں جہاز کے بارے میں تحقیقات کر کے یہ یقین کر لیا تھا کہ کراچی سے امریکا کے میرین کمانڈوز کی چھ لاشیں لے جانے والے جہاز پر سلطان شاہ کو نہیں لے جایا گیا تھا۔ مگر میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اگر امریکا کے مقتدر اور طاقت ور حلقے اپنی رضامندی سے یا بلیک میلنگ کے ذریعے ڈیوڈ اسٹارز کی پشت پناہی کر رہے تھے تو وہ ٹرانسپورٹ طیارہ سلطان شاہ کے رازدارانہ اغوا کے لیے بہترین سفری ذریعہ ثابت ہو سکتا تھا۔

اگر کا مسئلہ صرف اس لیے پیدا ہوتا تھا کہ میرے پاس اس یقین کے حق میں کوئی ثبوت نہیں تھا ورنہ ہر ظاہری دلیل مجھے اسی ایک نظریے پر راسخ کر رہی تھی۔

اس اطلاع پر میرا دوران خون تیز ہو گیا تھا اور میرے وجود میں سویا ہوا انتقامی درندہ بیدار ہو گیا تھا۔ اگر سلطان شاہ کراچی میں بازیاب نہ ہو سکا تو پھر کیا ہوگا؟ اس بارے میں مزید غور و فکر کی ضرورت نہیں تھی۔ پورا نقشہ میرے ذہن میں واضح تھا۔

دشمن کے حیوانی تشدد سے کراہتے اور بلبلاتے ہوئے زخمی سلطان شاہ کا تصور ہی میرے لیے سوہان روح تھا۔ میں نے فوراً ہی اپنا کمرا چھوڑ دیا۔

میرا ذہن مسلسل امریکا کے ٹرانسپورٹ طیارے میں الجھا ہوا تھا جو میرین کمانڈوز کی لاشیں لے جانے کے لیے کراچی پہنچا اور چند روز بعد واپس چلا گیا۔

آخر وہ کون سے نکات تھے جنہیں چیک کر لینے کے بعد اول خان نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس طیارے کا سلطان شاہ کے اغوا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ نکات طے ہو جانے کے بعد یہ دیکھنا تھا کہ کون کون سے پہلو اس کی نظروں سے بچے رہ گئے تھے۔ اس مشق سے گزرے بغیر میں اول خان کی ایماندارانہ رائے سے اتفاق نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے تین مزید فون کارڈز خریدے اور پھر وہاں کی تلاش میں بار کی طرف چل دیا۔

شام ہو چلی تھی بلکہ ہو ہی گئی تھی۔ بار میں تقریباً ساری میزیں آباد تھیں اور گھوڑے کی نعل کی شکل میں بنے ہوئے خوب صورت آبنوسی کاؤنٹر کے گرد بھی سارے اسٹول آباد تھے بلکہ بعض شوقین جوڑے ان کے درمیان بھی کاؤنٹر سے لگے چہلیں کر رہے تھے۔

یہ سب بعد کی باتیں ہیں کہ مجھے بار کی وہ جزئیات یاد آئیں اور خوشگوار یادوں کے کسی ذہنی خانے میں جم کر

گئیں۔اس وقت یہ عالم تھا کہ مجھے کوئی چیز اچھی نہیں لگ رہی تھی۔غصے اور بے بسی کے جذبات نے مل کر میری طبیعت پر ایسی متشددانہ کیفیت طاری کر دی تھی کہ سامنے آجانے والی ہر چیز کو توڑ پھوڑ کر خاک میں ملا دینے کو دل چاہ رہا تھا۔

میں نے اس وسیع بار کا طواف کیا۔بھانت بھانت کے تمباکوؤں اور مختلف شرابوں کی ملی جلی مخصوص بو سے بوجھل اس فضا میں ویرا مجھے کہیں نظر نہیں آئی۔

''وہ کہاں گئی؟ وہ تو مجھ سے بار کے لیے کہہ کر آئی تھی!'' میرے ذہن میں ایک تخریبی سوال ابھرا۔

''گئی ہوگی جہنم میں!'' میں شانے اچکا کر نکاس کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔اس وقت، میرا موڈ کچھ ایسا جارحانہ تھا کہ میں اپنی سیدھی راہ سے ہٹے بغیر، بدن اکڑائے چلتا رہا، سامنے سے آنے والے کئی مرد اور عورتیں تصادم کے آخری لمحات پر مجھ سے صرف شانے لڑاتے ہوئے گزر گئے۔

مجھے ویرا پر غصہ آنے لگا، وہ ایسی نہیں تھی کہ محض شانے اچکا کر میں اسے اپنے سر سے اتار پھینکنے میں کامیاب ہو جاتا۔

اس ہوٹل کے داخلی دروازے کے قریب ہی شیشے کی ایک دیوار میں ریستوران کی روشن تختی کے نیچے ذیلی دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔جو شاید ہوٹل کے مقیم مہمانوں کے لیے بنایا گیا تھا۔میرے قدم بے اختیار اسی طرف مڑ گئے۔اس میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔

اندر گھستے ہی مجھ پر بیک وقت دو حقیقتیں منکشف ہوئیں۔ریستوران کا صدر دروازہ سڑک کے رخ پر واقع تھا اور ویرا اس طرف شیشے کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی میز پر بیٹھی اپنے گلاس سے چسکیاں لے رہی تھی۔اس کی ساری توجہ باہر کے منظر پر مرکوز تھی۔

میں اسی طرف بڑھتا چلا گیا۔میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ وہ متکبرانہ انداز میں شیمپین پی رہی تھی۔اس کے سامنے رکھی ہوئی بوتل میں بس آخری چند گھونٹ باقی تھے۔

میں اس کی مکمل بے خبری میں اس میز کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اپنے قریب کسی کی موجودگی کا لاشعوری احساس ہوتے ہی وہ چونک کر مڑی اور مجھے دیکھتے ہی اپنی کرسی چھوڑ کر ہڑبڑاتے ہوئے، معذرت خواہانہ انداز میں کھڑی ہو گئی۔

میری آنکھوں سے جھلکتی ہوئی جارحیت نے اسے مشینی انداز میں بولنے پر مجبور کر دیا۔ ''مم...... بب...... بار میں بالکل جگہ نہیں تھی، میں تھوڑی دیر کے لیے تمہیں اکیلا چھوڑنا چاہتی تھی اس لیے واپسی کے بجائے ریستوران میں آ بیٹھی...... مگر تم یہاں کیسے آ گئے؟''

''آیا...... نہیں ہوں، دروازے سے باہر جا رہا ہوں۔ گلاس کے نیچے دس پاؤنڈ کا نوٹ چھوڑو اور چل پڑو۔ معاملات بگڑ رہے ہیں۔'' میں نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا اور ریستوران کے صدر دروازے کی طرف چل دیا۔ میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ویرا نے اپنے گلاس اور بوتل میں باقی شیمپین کو بھول کر اپنے پرس میں سے مطلوبہ مالیت کا نوٹ نکالنا شروع کر دیا تھا۔

دروازے سے نکلنے تک وہ تقریباً دوڑتی ہوئی میرے ساتھ آ گئی۔

لیڈیز فرسٹ والے معاشرے میں میری وہ حرکت نازیبا تھی۔ اصولاً مجھے اس کی میز کے پاس رک کر اس کے روانہ ہونے کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔ وہ شرفا کا ہوٹل تھا۔ اگر اس وقت وہ ہال تقریباً خالی نہ ہوتا تو میری ذات متعدد تحیر زدہ نگاہوں کا مرکز بن گئی ہوتی۔

ویرا کے قدم ملا لینے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ اس وقت میرا دماغ بالکل ہی الٹ کر رہ گیا تھا اور میں مسلسل ایسی حرکات کا مرتکب ہو رہا تھا جن کی وجہ سے میں لوگوں کی نظروں میں آ سکتا تھا جب کہ میں اندرون اور بیرون ملک ہر عام مقام پر اشد ضرورت کے بغیر لوگوں کی نظروں میں آنے سے گریز کرتا تھا۔ شی سے وابستگی کی ابتدا سے ہی وہ عادت میری فطرت ثانیہ بنی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا؟ کون سے معاملات بگڑ رہے ہیں؟ اور کہاں جا رہے ہو؟''

''اول خان کا فون آیا تھا۔ سلطان شاہ کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ اس کا خیال ہے کہ لاش بردار طیارے سے سلطان شاہ کے اغوا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں اس سے بات کرنے جا رہا ہوں۔''

''اوہ، ڈارلنگ! تم کتنے اچھے ہو!'' وہ چلتے چلتے والہانہ انداز میں میرے بازو سے لپٹ گئی۔ ''میں ... میں نہیں تھی۔ تم چاہتے تو مجھے چھوڑ کر بھی فون کر سکتے تھے مگر تم نے مجھے تلاش کر ہی لیا۔ میں نری احمق اور جاہل ہوں، تم بہت عظیم ہو۔''

میں اس وقت جارحیت کے موڈ میں تھا۔ ... بازو پر ویرا کے بھرپور سراپا کا گداز لمس محسوس کرتے ہی میرے اشتعال کی رو میں یکایک تبدیلی آئی اور میں نے ... دھکیل کر اسے اپنے بازو سے الگ کر دیا۔

''تم بہت زیادہ بھڑکے ہوئے ہو۔ یہ تو بتاؤ کہ اول خان اور کیا کہہ رہا تھا؟''

''جو بات ہوئی، وہ میں نے بتا دی۔ باقی باتیں اپنے کانوں سے سن لینا۔''

''پھر اب تمہاری کیا رائے ہے؟ یہ خبر تو تشویشناک ہے۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''میرا دماغ مت چاٹو اور چپ چاپ چلتی رہو۔'' میں نے تنگ کر کہا۔ ''اس وقت میں کچھ سوچنے اور اپنا ذہن بنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

وہ سہم کر خاموش ہو گئی۔ اس کی زبان بندی کے لیے میں نے اپنا ذہن بنانے کی کوشش کا بلاوجہ ذکر کر دیا تھا۔ میں اس وقت جس کیفیت سے گزر رہا تھا اس میں کچھ سوچنا ممکن ہی نہیں تھا۔

فون بوتھ میں ایک نوعمر سفید فام لڑکی ہنس ہنس کر کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بال پین تھا جس سے وہ مختصر سے شیلف پر ٹکے ہوئے کاغذ پر دھیرے دھیرے کچھ لکھ رہی تھی۔

وہ پلاسٹک کا بند بوتھ تھا جس کے اوپر نصف دروازے پر شفاف پلاسٹک شیٹ تھی۔ ہم انتظار

ہی رکے رہے۔لڑکی نے ہمیں دیکھ لیا تھا مگر اس
کی باتیں ختم ہونے میں نہیں آرہی تھیں۔
لڑکی کبھی بال پن کا پچھلا سرا دانتوں میں چبانے
لگتی، کبھی رخ اور پہلو بدل بدل کر قہقہے لگانے لگتی۔وہ
شکل سے چودہ پندرہ سال کی کوئی اسکول طالبہ رہی
ہوگی مگر ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بے حجاب اور باتونی
نظر آ رہی تھی۔اس کی حرکات میں معصومیت کے بجائے
چنچل پن نظر آرہی تھی۔
''بندر کی اولاد......فون سے چپک کر رہ گئی ہے۔
معلوم ہوتا ہے کہ ایک کال میں اس نے پورا بوتھ خرید
لیا ہے۔جی چاہ رہا ہے کہ لات مار کر دروازہ توڑ
دوں۔'' گفتگو کا سلسلہ ختم نہ ہوتے دیکھ کر میں غصے
میں بڑبڑانے لگا مگر ویرا نے میرا بازو تھام لیا۔
''تم اسے کال مختصر کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔
آؤ، آگے کوئی دوسرا بوتھ خالی مل جائے گا۔ یہ شاید
اپنے کسی بوائے فرینڈ سے بات کر رہی ہے اور فون پر ہی
دل کے سب ارمان نکالے گی۔''
میں نے غصے سے گھور کر بوتھ کی طرف دیکھا۔اسی
وقت لڑکی نے ماؤتھ پیس کو چوما، ریسیور کو ہک پر لٹکا
دیا اور مختصر سا پرس فضا میں لہراتی ہوئی مستانہ انداز
میں باہر آ گئی۔
''ہیلو!'' ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے اس
نے مسکرا کر کہا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ہم پر طنز
کر گئی ہو۔
بوتھ میں گھستے ہی ہم دونوں نے بیک وقت شیلف
پر پڑا ہوا وہ کاغذ دیکھا جس پر وہ لڑکی نقاشی کرتی رہی تھی۔
معلوم نہیں وہ کاغذ اس نے دانستہ چھوڑا تھا یا وہ عجلت میں
بھول گئی تھی۔اس پر ایک فون نمبر کے ساتھ بے ربط
لکیروں کے ذریعے غلیظ خاکے بنائے گئے تھے۔اسی
انداز پر جا بجا بے ہودہ الفاظ بھی لکھے ہوئے تھے۔
''بالکل ہی سور کی بچی تھی۔'' ویرا نے وہ کاغذ
پرزے پرزے کرکے نچلے ڈسٹ بن میں پھینک
دیئے۔''یہاں بہت سی کم سن لڑکیاں بھی جسم فروشی جیسے
مکروہ کاروبار میں ملوث ہیں۔ہوسکتا ہے کہ جانے والی
بھی ان ہی میں سے ایک رہی ہو۔''
ویرا کے اس تحقیر آمیز تبصرے پر مجھے ٹیوڈر ہوٹل
کے لیے گاہک پھانسنے والی فراخ دل شیری رینڈل یاد
آ گئی جس نے محض چند منٹ کی ملاقات میں ہی میرے
ذہن پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔اسی نے مجھے روانی میں بتایا
تھا کہ لندن میں بیشتر جسم فروش لڑکیاں بھی ایک خوفناک
سنڈیکیٹ سے وابستہ تھیں اور ایک بار اس کے چنگل
میں پھنسنے کے بعد جوانی ڈھلنے تک اس گرداب سے
نہیں نکل سکتی تھیں۔
جب کوئی بھی کام منظم جرائم پیشہ گروہوں کی تحویل
میں آ جائے تو اس میں اخلاق اور اقدار کے ساتھ انسان
کی اہمیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔اسے صرف اور صرف
کاروباری خام مال کی طرح بے رحمی سے رگڑا جاتا ہے۔
اس میں عمر اور صنف کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔بس
کاروباری تقاضے ملحوظ خاطر رہتے ہیں اور جس کارکن
کی افادیت گرنے لگے، انہیں بہ یک بینی و دو گوش نکال
باہر کیا جاتا ہے۔
ذہن میں وہ ایک عارضی سا خیال آ کر تیزی سے
گزر گیا۔اس درمیان میں، میں اول خان کے
دفتر کا فون نمبر ملا چکا تھا۔چند ثانیوں کے انتظار کے بعد
گھنٹی بجی اور فوراً ہی ریسیور اٹھا لیا گیا۔
''تمہارے آدمی اب اسے کہاں تلاش کرتے
پھر رہے ہیں؟'' میں نے کسی تمہید کے بغیر براہ راست
یوں سوال کیا جیسے وہ گفتگو دیر سے ہو رہی ہو۔
''ہمارے پاس اس کا کوئی سراغ نہیں ہے۔بس
پورا شہر چھانا جا رہا ہے۔''
''یوں اندھا دھند بھاگ دوڑ سے کوئی نتیجہ حاصل
نہیں ہوگا۔نیا آدمی راس المیڈا اسے زیادہ مکار اور ذہین
ہے۔انہیں بلالو اور کوئی معقول حکمت عملی اختیار کرنے
کی کوشش کرو۔''
''مگر یوں سوچنے میں وقت گزرتا چلا جائے
گا......'' اس کی آواز سے بے بسی عیاں تھی۔
میں نے رسانیت سے اس کی بات کاٹ
دی۔''سوچے بغیر ہم آدمیوں کی محنت اور پیسہ برباد

کرتے رہیں گے۔ نتیجہ صفر رہے گا۔'' میں نے دانستہ تم کے بجائے ہم کا لفظ استعمال کیا تھا۔

''پھر تم ہی کوئی مشورہ دو۔ میں اس پر عمل کروں گا۔'' وہ بولا۔

''تمہیں یہ یقین کیوں ہے کہ وہ اب بھی اس شہر کے کسی حصے میں قید ہے؟''

''پھر وہ کہاں گیا؟ جہاز کا سارا ریکارڈ میں بہت اچھی طرح چیک کر چکا ہوں۔''

''جہاز کے بارے میں مجھے پوری بات بتاؤ۔ اس کی آمد اور روانگی سلطان شاہ کے اغوا کے مراحل سے بہت قریب ہے اور یہ بات میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔'' میں نے اسے اپنی بے لاگ رائے سے آگاہ کر دیا۔ اس سے بات شروع ہونے کے بعد میرے دل ودماغ پر چھائی ہوئی اشتعال کی لہر معدوم ہوگئی تھی اور صحیح خطوط پر کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو چکا تھا۔

''وہ مسقط کی بندرگاہ میں لنگر انداز امریکی بحریہ کے ایک طیارہ بردار جہاز سے پرواز کر کے چار دن پہلے کراچی ائرپورٹ پر اترا تھا اور آج چلا گیا۔'' اس نے بتایا۔

''جہاز کون سا تھا اور اس پر عملے کی کیا تعداد تھی؟'' میں نے اگلا سوال کیا۔

''اس سی ون تھرٹی پر وہ ہوا باز اور ان کے تین معاون موجود تھے۔ چھ تابوت ساتھ لے کر صرف وہی پانچوں واپس گئے ہیں۔''

''یہ کیسے پتا چلا کہ جہاز پر صرف چھ تابوت تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''جہاز تخریبی کارروائیوں سے حفاظت کے خیال سے ابتدا سے آخر تک ائرپورٹ سیکیورٹی فورس کے مسلح نوجوانوں کی نگرانی میں رہا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ جہاز اترنے کے بعد اس پر ایندھن اور خوردونوش کی سفری ضروریات کے سوا صرف چھ تابوت لادے گئے تھے۔''

''اور ان میں صرف امریکی میرین کمانڈوز کی لاشیں تھیں؟'' میں نے استفسار کیا۔

''کہا یہی جاتا ہے۔ سول سرجن نے تصدیق کے بعد ریفریجریٹڈ کنٹینرز کے بعد وہ سب تابوت امر
قونصل خانے کے ایک افسر کے حوالے کر دیے گئے
تابوت سفارتی مراعات یافتہ کارگو... میں شامل
انہیں مہر بند کرنا اور امریکا کے قومی پرچموں میں لپیٹ
قونصل خانے کی ذمے داری تھی۔''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ ایک لاش کو بے ہوش سلطان شاہ سے تبدیل کر دیا ہو؟''

''بالکل ممکن ہے لیکن وہ اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ غیر ملکی سرزمین پر بیس میرین کمانڈوز کی بیک وقت ہلاکت کا واقعہ بہت بڑا تھا۔ مرنے والوں کے لواحقین پریس سمیت تابوتوں ہوائی اڈے پر وصول کرنے کے لیے موجود ہوں گے۔ یہاں روکی جانے والی لاش کی جگہ وہاں سلطان شا تابوت میں بند ہوگا تو ایک اودھم مچ جائے گا۔ امر شہری اپنے مردوں کی بے حرمتی اور سودے بازی کو کس قیمت پر برداشت نہیں کریں گے۔ یہی سوچ کر م نے اس امکان کو مسترد کر دیا تھا۔''

اس کے دلائل معقول تھے۔ کراچی سے باقی ماندہ چھ تابوتوں کی روانگی کے بعد امریکا میں صرف پانچ لاشوں کی تدفین پر واقعی ایک کہرام برپا ہو سکتا تھا اور امریکی پریس پوری بے باکی سے اس راز کی بیخ کنی پر تل جاتا اور جب راز فاش ہوتا تو ایوان اقتدار کے در و بام ہل کر رہ جاتے۔

کوئی بھی امریکی حکمراں ڈیوڈ اسٹارز کے مفادات کے لیے اپنی بقا کو ایسے احمقانہ انداز میں داؤ نہیں لگا سکتا تھا۔

اول خان نے اس فیصلے پر پہنچنے کے لیے بڑی محنت کی تھی۔ وہ عجلت میں اخذ کیا ہوا نتیجہ نہیں تھا
میں چند ثانیوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔

میری چھٹی حس مجھے سلطان شاہ اور سی ون تھرٹی کے درمیان کوئی نہ کوئی تعلق پیدا کرنے پر اکسا رہی مگر بظاہر کوئی راہ نظر نہیں آرہی تھی۔ اول خان کی فراہم کی ہوئی معلومات کی روشنی میں امریکی بحریہ کے طیارے کے بارے میں صرف ایک ہی بات غیر معمو

تھی کہ اس مال بردار طیارے کا عملہ پانچ نفوس پر مشتمل تھا۔ مسافر بردار اور جنگی طیاروں تک میں کاک پٹ کے لیے صرف ہوا باز اور اس کا معاون ہوتے ہیں لیکن سی ون تھرٹی پر شاید سفر کی طوالت کی وجہ سے دو کے بجائے پانچ کا عملہ مقرر کیا گیا تھا۔ مجھے سی ون تھرٹی میں عملے کی ضرورت کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا مگر میں نے فرض کر لیا تھا کہ دو دو افراد باری باری کاک پٹ میں ڈیوٹیاں سرانجام دیتے اور پانچواں ان لوگوں کی ضروریات پوری کرتا رہتا۔

فون پر میری وہ خاموشی بس چند ہی لمحوں کے لیے قائم رہی پھر میں نے بے ساختہ کہا۔ ''ٹھیک ہے، ایک لاش کی تبدیلی خارج از امکان ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی تابوت میں دو آدمی بند ہوں۔''

''یعنی سلطان شاہ کو کسی لاش کے ساتھ تابوت میں بند کر دیا گیا ہو؟'' اول خان نے بے اعتباری سے پوچھا۔ ''اس طرف میرا خیال ہی نہیں گیا تھا۔''

''ہو سکے تو یہ معلوم کرو۔ یہ ترکیب ان کے لیے بہت سہل تھی۔ راستے میں وہ کہیں بھی سلطان شاہ کو تابوت سے نکال کر بے دست و پا کر دیں گے۔ تابوتوں کی روانگی کے بعد سلطان شاہ کو پوری رازداری سے طیارے سے باہر نکال لیا جائے گا۔''

''تمہاری سب باتیں درست ہیں مگر تابوتوں کی موجودگی میں ہی یہ چیک کرنا ممکن تھا۔ ان کی روانگی کے بعد یہ کام کیسے ہو سکے گا۔''

''پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ وہاں لوڈنگ کے متعدد مراحل میں افرادی قوت کا استعمال بہت عام ہے۔ لوڈرز سے پوچھ گچھ کی جائے تو سرا ہاتھ آسکتا ہے۔''

''وہ صرف قیاس ہوگا۔ ہر آدمی کا وزن جسامت کے لحاظ سے کم و بیش ہوتا ہے۔''

''تم بھول رہے ہو کہ ہم عام آدمیوں کی نہیں، میرین کمانڈوز کی بات کر رہے ہیں۔ بیشتر شعبوں کے فوجی قد کاٹھ میں بڑی حد تک یکساں ہوتے ہیں۔ لاشوں کا جائزہ لینے والا سرجن تمہیں ان کے تخمینی وزن بتا سکتا ہے۔ سلطان شاہ ایک جسیم اور صحت مند نوجوان ہے۔ اس کے وزن کا فرق بہت غیر معمولی رہا ہوگا۔ باریکی سے چھان بین کی جائے تو بہت سی باتیں کھلیں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ اندھیرے میں ہاتھ پیر مارنے سے بہتر ہے کہ یہی مشق کر لی جائے۔''

''دوسری بات جہاز کے عملے کی ہے۔ وہ چار دن تک کراچی میں کیا کرتا رہا۔ ان چاروں کا قیام کہاں رہا۔ ہو سکتا ہے کہ اسحاق کھنٹی کے دونوں آدمی ان ہی میں شامل رہے ہوں۔''

''اوہ! یہ بھی ممکن ہے۔'' اول خان کی آواز پر خیال ہو گئی۔ ''کاش یہ باتیں ذرا پہلے ہمارے علم میں آگئی ہوتیں۔ جمن اور کریم ملاح ان دونوں کو شناخت کر سکتے تھے۔ کسی بھی ریکارڈ سے ان کی تصاویر نہیں مل سکیں گی۔ امیگریشن والوں کے صرف فارم ہوں گے جو آمد و روانگی کے مواقع پر بھرے گئے ہوں گے۔''

''انہوں نے پاکستان میں پانچ دن قیام کیا ہے۔ یہاں آمد پر انہیں کسی نہ کسی قسم کا ویزا جاری کیا گیا ہوگا۔ ویزا کے لیے تصاویر لازمی طور پر وصول کی جاتی ہیں۔ ان کی مدد سے جمن اور کریم ملاح بہت کچھ اگل دیں گے۔'' بات بڑھنے کے ساتھ ساتھ مجھے راہیں کھلتی نظر آرہی تھیں۔

''میں یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تم پاکستان میں موجود ہوتے تو یہاں کے حالات اتنے مایوس کن ہرگز نہ ہوتے..... میں مارنے یا مرجانے والا آدمی ہوں۔ زیادہ چال بازیاں میرے بس سے باہر ہیں لیکن تم سوچتے ہو تو بس سوچتے ہی چلے جاتے ہو۔''

''یہ چال بازیاں نہیں، دشمن کو اسی کے ہتھیار سے تباہ کرنے کے طریقے ہیں۔''

''اس کے باوجود میں ان طریقوں سے پوری طرح واقف نہیں ہوں۔''

''سوچنے والی بات یہ ہے کہ اس طیارے پر پانچ افراد کیوں تھے۔ امریکا ایک عالمی قوت ہے۔ دنیا کے

ہر خطے میں اس کے فوجی اڈوں کا جال پھیلا ہوا ہے جہاں ہر وقت ہر شعبے کے لوگ تیار رہتے ہیں۔ ایشیا سے یورپ تک کہیں بھی سی ون تھرٹی کا عملہ تبدیل کیا جا سکتا تھا......"

"وہ لوگ یقیناً یہی کریں گے۔" میری بات کاٹ کر اول خان کی پرجوش آواز ابھری۔ "اسحاق گھنٹی کے دو آدمی نیویارک سے مسقط پہنچے ہوں گے۔ وہاں سے وہ سی ون تھرٹی کے عملے میں شامل ہو کر کراچی گئے اور اپنا کام شروع کر دیا۔"

"میرے ذہن میں بالکل یہی باتیں ہیں۔ سلطان شاہ کو اغوا کرنے کے بعد وہ ٹھٹھہ میں روپوش ہو گئے۔ جہاز کی روانگی کا شیڈول طے ہونے کے بعد انہوں نے سلطان شاہ کو قونصل خانے کے حوالے کیا اور خود جہاز کے عملے میں شامل ہو کر روانگی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔" اول خان کے خاموش ہونے پر میں نے باقی کڑیاں یکجا کرنی شروع کر دیں۔ "قونصل خانے میں سلطان شاہ کو بے ہوش کرنے کے بعد تابوت میں بند کیا گیا، تابوت پر امریکی پرچم ڈالا گیا اور پھر کنٹینر میں رکھ کر...... ائرپورٹ پہنچا دیا گیا...... لیکن ٹھہرو! کہیں ایسا تو نہیں کہ لاشوں کی حفاظت کے خیال سے وہ پورا کنٹینر ہی جہاز میں لا دیا گیا ہو؟" بات کرتے کرتے اچانک مجھے اس نکتے کا خیال آ گیا جو بہت بنیادی تھا۔

"کیا ایسا ہوتا تو میں لوڈروں کا ذکر آنے پر تمہیں نہ بتاتا؟"

اول خان نے الٹا مجھ سے سوال کر ڈالا۔

"میں جن باتوں سے لاعلم ہوں ان کے بارے میں علامہ بننے کی کوشش نہیں کرتا، سادگی سے اپنی لاعلمی کا اعتراف کر لیتا ہوں مگر جو کام کرتا ہوں اس کی اونچ نیچ پر پوری نگاہ رکھتا ہوں۔"

شاید وہ میرے ابتدائی لب ولہجے کی رکھائی بھانپ گیا تھا مگر میری اس سرد مہری کو پریشان خیالی سمجھ کر پی گیا۔ اس وقت موقع ملا تو اس نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی اور میں اپنی جگہ پر شرمندہ سا ہو کر رہ گیا۔ اس نے اپنے ایک ہی جواب سے میری طبیعت صاف کر دی تھی۔

"سوری!" میں جواب میں صرف اتنا ہی کہہ سکا۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"ڈیئی!" اس نے جذبات کی رو میں آ کر ساری احتیاط بالائے طاق رکھ دی۔ "میں نے بھی تم پر کوئی طنز نہیں کیا۔ عمر اور تجربے میں تم سے سینئر ہونے کے باوجود میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں۔ خدا نے تم کو زرخیز ذہن سے نوازا ہے۔ تم میں حالات کے فوری تجزیے کی بہترین صلاحیتیں ہیں۔ میں نے تم سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ ایک دوسرے سے ملنے سے پہلے ہم اپنی اپنی جگہوں پر کوئی مقام حاصل کر چکے تھے......"

"بس، اب یہ باتیں ختم ...... اس وقت وہاں رات گہری ہو چکی ہوگی۔ اب تم صبح ہی کام کرو گے۔"

"ہم جیسی ذمے داریوں پر مامور لوگ وقت دیکھ کر کام کرنے لگیں تو پھر کچھ باقی نہیں بچتا۔ ٹیکسوں کے ذریعے قوم سے نچوڑے ہوئے وسائل میں سے ہمیں بھاری تنخواہیں دی جاتی ہیں...... یہ قوم کا ہم پر احسان ہے اور اس احسان کو ہم قوم کی شب و روز خدمت ہی سے اتار سکتے ہیں...... میں ابھی اور اسی وقت پورے اسٹاف کو فیلڈ سے بلا کر تمہاری دی ہوئی لائن پر کام شروع کرتا ہوں۔"

"کاش اس قوم کے سارے سرکاری افسر اسی انداز میں سوچنا شروع کر دیں۔"

ہلکی سی ہنسی کے بعد وہ بولا۔ "تم بھول گئے ہو کہ ہم سرکاری نہیں ہیں۔"

"تم یقین کرو ...... تم لوگ جو بھی ہو تمہاری صفوں کا ایک ایک صف شکن سرکاری حرام خوری کے اس دور میں پوجا کے قابل ہے۔ اہم مسئلہ درپیش نہ ہو تو تمہارے آدمی مقررہ اوقات میں کام کرنے کے بعد آرام کرتے ہیں اور مہم درپیش ہو تو اوور ٹائم کی آرزو کے بغیر کئی کئی دنوں تک مسلسل کام میں مصروف رہتے ہیں اور بدترین حالات میں بھی حرف شکایت زبان پر

نہیں لاتے۔''

''عسکری تربیت کا کمال ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہمارا ہر رکن جنگی بنیادوں پر تربیت یافتہ ہے۔ ذرا غور تو کرو کہ کسی جنگی محاذ پر فوجی آٹھ گھنٹے تک دشمن کے دانت کھٹے کرنے کے بعد نئی شفٹ کے لیے جگہ خالی کرنے لگیں تو کیسی زبردست تباہی آئے گی۔ وہاں تو ہر ایک کو فیصلہ ہونے تک مسلسل لڑنا ہوتا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ کام کی یہ روح پھونکنے کے لیے تمام افسروں کو باری باری تربیت کے لیے فوج میں بھیجا جانا بہت ضروری ہو گیا ہے۔'' میں نے ایک بے ساختہ سنجیدگی سے کہا۔

وہ ہنس پڑا۔ ''ہاں، فوج ان میں آ کر بھی ان کا سدھار نہیں کر سکی۔ ان کے جاتے ہی یہ پہلے سے زیادہ بگڑ جاتے ہیں۔ اب انہیں فوج میں بھیجنے کا تجربہ کر کے دیکھ لینا چاہیے لیکن دیکھنا یہ ہو گا کہ ان بگڑے رئیسوں کو سدھارنے کی ذمے داری کوئی لیتا بھی ہے یا نہیں۔''

''اس ملک میں ہر چیز کی بہتات ہے، کمی صرف ایک چیز کی ہے جسے احساس ذمے داری کہا جاتا ہے۔ فون بند کرنے سے پہلے بس ایک بات سن لو، آج بدری کہہ رہا تھا کہ غربت میں ہماری قوم ان سے پیچھے ہے مگر ہمارے لوگ شہزادوں کی طرح مال دار ہیں اور دل کھول کر دولت لٹاتے ہیں۔''

''یہ درد مند دلوں کی سوچ ہے۔ جب ضمیر سیاہ ہو جاتے ہیں تو سب سے پہلے دلوں سے رقت اور درد مندی رخصت ہوتی ہے اور سوچ پر ذاتی اغراض کے پردے پڑ جاتے ہیں۔ تھوڑے سے چنے ہیں جو بساط بھر بھاڑ پھوڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آگے دیکھو کیا ہوتا ہے۔''

''اس بارے میں واپسی پر باتیں ہوں گی۔ اب میں تمہارا وقت برباد نہیں کرنا چاہتا۔ اگر تم فوری طور پر نئے سرے سے کام شروع کرنے کا عزم کر چکے ہو تو اس میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔''

میں مزید کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن وہ فقرہ مکمل ہوتے ہی اول خان نے میری بات اچک لی۔ ''اس وقت میں اپنے اسٹیشن پر اپنے اسٹینو کے ساتھ موجود ہوں۔ میرے اردلی سمیت ساری نفری فیلڈ میں ہے۔ میں نے اسٹینو کو اشارے سے ہدایت دے دی ہیں۔ نفری کی طلبی کا پہلا مرحلہ یعنی نئی لائن پر کام شروع ہو چکا ہے۔ ذرا تم اپنی مفروضہ کہانی تو پوری کر دو۔''

''میری کہانی مکمل ہے۔ اس کا ایک سرا بھی مل جاتا تو سمجھ لو کہ پوری کہانی درست ہے ورنہ یہ پورا مفروضہ سرے سے غلط اور بے سروپا ہے۔'' میں نے کہا۔

''بات کنٹینر پر آ کر اٹک گئی تھی۔ وہ سب لاشیں منجمد تھیں اور کھلی فضا میں بھی تین چار روز خراب نہیں ہو سکتی تھیں۔'' اول خان نے بات جوڑتے ہوئے کہا۔ ''اس وجہ سے وہ تابوت سی ون تھرٹی کے ان خاص خانوں میں منتقل کر دیے گئے جو منجمد اشیا کی نقل و حمل کی غرض سے بنائے گئے ہیں اور طیارہ کلیرنس کے بعد پاکستان کی فضائی سرحدوں سے دور نکلتا چلا گیا۔''

''امریکا اس وقت کرہ ارض کی ایک موذی طاقت ہے اور موذی سے ہر ایک ڈرتا ہے۔ اپنے بے شمار اڈوں کے علاوہ وہ جہاں چاہے اپنا طیارہ اتار سکتا ہے۔ وہاں سے مسقط کا عملہ واپس لوٹ آئے گا اور نیا امریکی عملہ جہاز کو اسحاق گھنٹی کے آدمیوں سمیت آگے لے جائے گا اور جلد ہی وہ طیارہ امریکا کے کسی محفوظ ہوائی اڈے پر اتر جائے گا۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کہانی کی صداقت کے شواہد مل جانے کے بعد تمہیں جلد از جلد امریکا کے لیے روانہ ہونا پڑے گا۔'' اس کی آواز یکا یک پُرتشویش ہو گئی۔

''ہاں..... پھر تو امریکا ہی اصل میدان جدل بنے گا اور وہاں استحاق گھنٹی کی قبر کھودنی پڑے گی۔'' میں نے بلا تامل جواب دیا۔

''لیکن تمہارے اصل منصوبے کا کیا..... بنے گا۔ یہاں سے تم کسی کے کہنے پر گئے تھے۔''

''قدرت ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔ اسے جلد از جلد کوچ کرنے کا حکم مل چکا ہے۔ شاید وہ کل آگے روانہ

ہو جائے۔ اسی وجہ سے مجھے اپنی کہانی کی صداقت پر خاصا یقین ہے۔"

اس خبر نے اول خان کو خوش کر دیا۔ ریسیور پر اس کی مسرت آمیز آواز سنائی دی۔ "سب دھارے وہیں مل کر اکٹھے ہوتے ہیں جہاں ڈھلان ہوتا ہے۔ اگر تم سب قدرت کے نادیدہ ہاتھوں نیویارک کی طرف ہانکے جا رہے ہو تو وہاں کوئی نہ کوئی بڑا ڈراما جنم لینے والا ہے۔"

"تم اسے ڈراما کہہ رہے ہو۔ میں اسے آرزوؤں کی تکمیل کا ایک ذریعہ سمجھ رہا ہوں۔ سلطان شاہ ہمارے ساتھ امریکا آنے کا شدت سے آرزومند تھا۔ ہم نے اسے وہاں چھوڑ دیا۔ اب اسحاق گھنٹی کے آدمی اسے اٹھا کر زبردستی وہاں لیے جا رہے ہیں۔ شیطان کی آنت جیسا یہ طویل سفر شاید سلطان شاہ کے نام لکھ دیا گیا تھا مگر وہ اس میں پیش آنے والی صعوبتوں کا سزاوار بھی تھا، وہ ہمارے ساتھ سفر کرتا تو وہ آلام و مصائب کیسے رونما ہوتے جو اسحاق گھنٹی کے نمک خوار اس پر ڈھائیں گے۔"

"سلطان شاہ کی غیر حاضری میں غزالہ تمہارے فلیٹ میں تنہا رہ جائے گی۔ مجھے اب بھی امید ہے کہ سلطان شاہ بازیاب کرا لیا جائے گا۔ ایسا ممکن نہ ہو تو کیا ہوگا؟ غزالہ دشمنوں کے لیے پہلا نشانہ بن جائے گی۔ میں نے اسے اپنے گھر روک لیا ہے۔ میرے بیوی بچوں کے ساتھ وہ مصروف اور خوش رہتی ہے...... میری بیوی کو بھی وقت گزارنے کے لیے ایک سلجھی ہوئی، تعلیم یافتہ لڑکی کا ساتھ مل گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ عارضی بندوبست ناگزیر تھا اور تم اس کی توثیق کرو گے۔"

"عمر میں مجھ سے زیادہ بڑے نہ ہونے کے باوجود ان معاملات میں تم میرے مرحوم باپ کی جگہ ہو۔ جو فیصلہ مناسب ہو کر سکتے ہو۔ میں اسے کھلے دل سے تسلیم کروں گا۔"

"شاید تم ہوٹل کے فون پر بات کرنی مناسب نہیں سمجھتے۔ آئندہ میں ہوٹل میں تمہیں صرف پیغام دوں گا اور تفصیلی گفتگو تمہاری جوابی کال پر ہوگی۔"

"فی الحال یہی بہتر رہے گا۔ میں محفوظ رہ کر بھی آخری لمحات تک خود کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ امرا، شرفا، معززین اور وزرا مرد و خواتین کی کھلی کھلی قانونی ہم جنس پرستی کے عذاب میں مبتلا یہ قوم قانون کی بالادستی کے بارے میں ایک خبط بلکہ جنون میں مبتلا معلوم ہوتی ہے، پتا نہیں کب ہمارے تحفظ کا توازن بگڑ جائے۔ یہاں ہم اپنا اسکور پورا کر چکے ہیں۔ اب سفر ضروری ہو گیا ہے۔"

"یہاں کے اخبارات میں غیر ملکی بلکہ بین الاقوامی خبریں بھی بہت کم جگہ پاتی ہیں۔ صرف ان ہی خبروں کو اچھالا جاتا ہے جو حکومت وقت کو راس آتی ہیں۔ مجھے کوشش کے باوجود تمہاری سرگرمیوں کے بارے میں زیادہ علم نہیں ہو سکا۔"

"سرگرمیوں کو چھوڑ کر اب تو اسکور کی بات کرو۔ میرا اور مسز روزی برڈ کا اسکور ایک ایک ہے۔ تیسرا بیچ میں آ کر بلاوجہ مارا گیا۔ تمہارے لیے اتنی تفصیل کافی ہونی چاہیے۔"

"یہ کامیابیاں تم دونوں کو مبارک ہوں۔ جس وقت بھی کوئی اہم خبر ہاتھ آئی، میں تم کو رابطے کا پیغام دوں گا، فی امان اللہ۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

میں نے بھی ریسیور ہک سے لٹکا دیا اور کارڈ واپس نکال کر بوتھ سے باہر نکل آیا کیوں کہ چند ثانیوں قبل ہی ایک معمر خاتون فون کرنے کے لیے ہمارے بوتھ کے باہر پہنچی تھی۔

"کیا تم بدری کو فون نہیں کرو گے؟" مختصر سے بوتھ سے باہر آتے ہی ویرا نے پوچھا۔

"کروں گا۔ پہلے اس عورت کو فارغ ہونے دو۔" مجھے یاد تھا کہ تھوڑی دیر پہلے ایک نوعمر لڑکی کی طول پکڑتی ہوئی کال سے مجھے کیسی کوفت ہو رہی تھی۔ میں خود کسی کے لیے ایسی اذیت کا سبب بننا نہیں چاہتا تھا جو میرے لیے ناقابل برداشت ہو۔

مجھے وہ مخصوص بوتھ اسی لیے پسند تھا کہ میں وہاں سکون سے طویل گفتگو کر سکتا تھا کیوں کہ اس پر

خال خال ہی کوئی نظر آتا تھا ورنہ وہ خالی پڑا رہتا تھا۔
سلطان شاہ کے بارے میں میرے ذہن پر چھائی ہوئی جھلاہٹ اور برہمی اب صرف گہری تشویش میں بدل کر رہ گئی تھی۔ اول خان سے سرد مہری سے شروع ہونے والی گفتگو کا اختتام مجموعی طور پر مفاہمانہ اور خوش گوار ثابت ہوا تھا۔ میری یہ غلط فہمی بھی رفع ہو چکی تھی کہ اس نے اپنی چھان بین میں بعض بنیادی غلطیوں کا ارتکاب کیا تھا۔

اول تو وہ کراچی میں بالکل تنہا رہ گیا تھا۔ وہاں اسے مشورہ دینے اور راہ سجھانے والا کوئی نہیں رہا تھا۔ ویسے بھی وہ اس قسم کی تفتیش اور چھان پھٹک کا آدمی نہیں تھا۔ خود میرا یہ عالم تھا کہ اس کا نمبر ملانے تک میرا ذہن بالکل کورا تھا۔ میں غلطیوں وغیرہ کے ادراک کے باوجود کسی نئی راہ کا تعین کرنے سے قاصر تھا۔ اس سے گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو بات سے بات نکلتی چلی گئی اور آخر کار ہمارے سامنے ایک واضح لائحہ عمل آ گیا۔ مجھے امید تھی کہ ان خطوط پر کام کر کے اول خان ٹھوس نتائج حاصل کر سکے گا۔

اسی لمحے ویرانے وہ بات کہہ ڈالی جو میں سوچ رہا تھا۔ وہ شکوہ کر رہی تھی۔ ”تم نے سلطان شاہ کے بارے میں اتنی دور تک سوچ لیا تھا لیکن مجھے ایک لفظ کی بھی ہوا نہیں لگنے دی۔“

”میں نے کچھ بھی نہیں سوچا تھا۔“ میں نے پورے خلوص سے کہا۔ ”غصے اور مایوسی کی وجہ سے میرا ذہن کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔ سب کچھ اس وقت ذہن میں آیا ہے۔“

”میں نہیں مان سکتی۔“ وہ بے اعتباری سے بولی۔ ”دماغ میں ایک خاکہ بنائے بغیر اتنے مربوط انداز میں بال کی کھال نکالنی ممکن ہی نہیں تھی۔“

”تم نہ مانو مگر حقیقت وہی ہے جو میں بتا رہا ہوں۔“ میں نے بے پروائی سے کہا۔

مجھے خیال آیا...... کہ اول خان سے طویل گفتگو میں، میں صرف سلطان شاہ کے مسئلے میں الجھا رہا اور اسے جہانگیر کی خبر گیری کے بارے میں ہدایت دینا

بالکل بھول گیا۔

میں نے تفکر آمیز انداز میں سگریٹ سلگا کر پہلا ہی کش لیا تھا کہ معمر عورت اپنی بات مکمل کر کے بوتھ سے باہر آ گئی۔ ہمیں باہر کھڑا دیکھ کر اس نے سمجھ لیا تھا کہ ہم نے اسے موقع دینے کے لیے بوتھ خالی کیا تھا ورنہ ہماری کالز کا سلسلہ جاری تھا۔

''شکریہ!'' اس نے باہر آ کر انگریزی میں ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔ ''تم دونوں بہت شریف ہو۔ آج کل کے لڑکے لڑکیاں معمر شہریوں کا ذرا بھی احترام نہیں کرتے۔''

''کوئی بات نہیں۔ بڑے بوڑھوں کا احترام ہماری تہذیب کا حصہ ہے۔'' میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

وہ براہ راست مجھ سے مخاطب ہو گئی۔ ''تمہاری تہذیب! شاید تم انڈین ہو۔''

''انڈین نہیں، پاکستانی۔'' میں نے خلیقانہ مسکراہٹ سے اس کی تصحیح کی۔

''اوہ۔ میں اپنے غلط قیاس پر معذرت خواہ ہوں۔ ایک مرتبہ پھر تمہارا شکریہ۔''

مجھے اندیشہ ہوا تھا کہ کہیں وہ گفتگو کو طول دے کر ہمارا وقت برباد نہ کرے لیکن دوسری بار شکریہ ادا کر کے وہ اپنی راہ ہو لی اور ہم دوبارہ بوتھ میں گھس گئے۔

کارڈ سلاٹ میں ڈال کر میں نے دوبارہ اول خان کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف اس کا کوئی آدمی تھا۔

''اول خان سے بات کراؤ۔'' میں نے فرمائش کی۔ ''سر، وہ موجود نہیں ہیں۔'' مودبانہ لہجے میں دوسری طرف سے جواب آیا۔

''ابھی ابھی تو ان سے میری بات ہوئی تھی۔'' میں نے بے ساختہ حیرت سے کہا۔

''سر، آپ شاید ڈیڈی صاحب ہیں۔ آپ سے بات ہوتے ہی وہ چلے گئے تھے۔'' اس نے میری حیرت میں پوشیدہ الزام تراشی کا برا مانے بغیر وضاحت کی۔ ''میں ان کا اسٹینو بول رہا ہوں۔''

''وہ آئیں تو ان سے کہہ دینا کہ جہانگیر کی بھی خبر رکھیں۔ اس وقت وہ بھی خطرے میں ہے۔''

''او کے سر، میں نے پیغام لکھ لیا ہے۔ دے دوں گا۔'' وہ بولا۔ میں نے کریڈل دبا کر سلسلہ منقطع کر دیا اور کارڈ سلاٹ سے باہر آ گیا۔

کارڈ اندر دبا کر اس بار میں نے سری نواسن کے گھر کا نمبر ملایا۔ فون کسی خاتون نے اٹھایا۔ میں نے انگریزی کے بجائے اردو میں اپنا نام گرنام بتا کر بدری ناتھ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی اور وہ مجھے ہولڈ کرنے کی ہدایت دے کر غائب ہو گئی۔

بدری ذرا تاخیر سے فون پر آیا اور آتے ہی معذرت کرنے لگا۔ ''معاف کرنا مجھے آنے میں دیر ہو گئی۔ میں ذرا کپڑے تبدیل کر رہا تھا تاکہ آرام سے بستر میں لیٹ کر اخبار چاٹ سکوں۔''

''یہاں کے موٹے موٹے اخباروں میں، میں صرف........ کام.... کی ... خبریں ہی دیکھتا ہوں۔ انہیں پڑھنے میں مزہ نہیں آتا۔'' میں نے اس کے شوق پر رائے دیتے ہوئے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ دراصل اخبار کا قصہ بھی سگریٹ کے برانڈ کے جیسا ہے۔ جس کے منہ کو جو برانڈ لگ جائے وہ بس وہی برانڈ پینا پسند کرتا ہے۔ اسی طرح اخبار بس اپنی پسند کا اچھا لگتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم اخبار کو بھی ایک نشہ سمجھتے ہو؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

اول خان سے سنگین اور تھکا دینے والی گفتگو کے بعد ذرا سی دیر کے لیے ہلکی پھلکی باتوں کی شدید ضرورت محسوس کر رہا تھا جو اس وقت پوری ہو سکتی تھی۔

''ہاں ہاں، یہ نشہ ہی ہے۔'' اس نے پرزور لہجے میں اعتراف کیا۔

''میں بہت سے ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو صبح کا اخبار ہاتھ میں آئے بغیر باتھ روم نہیں جا سکتے۔''

''کیا تم خود بھی ان ہی میں سے ہو؟ اخبار کی چھٹی والے دن کیا کرتے ہو؟''

وہ میری بات سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔ ''میں ان میں سے نہیں ہوں۔ ایسے لوگوں کو چھٹی

والے دن قبض ہی رہتا ہوگا۔ مجھے تو پیشہ ورانہ طور پر بھی اخبار کھنگالنے پڑتے ہیں۔"

"تمہارے پیشے کا اخبارات سے ایسا کون سا گہرا تعلق ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہم ملک سے باہر ہوں تو مقامی اخبارات ہی ہمیں سیاست سے لے کر فیشن تک اس شہر کے تازہ ترین اور مقبول موضوعات سے آگاہ کرتے ہیں۔ ان چھوٹے موٹے چٹکلوں میں اپنی دلچسپی کا اظہار کرکے ہم مقامیوں میں کئی پرجوش دوست بنالیتے ہیں۔ محض یاری دوستی میں ایسی خبریں مل جاتی ہیں جو پیسے دے کر بھی نہیں خریدی جاسکتیں۔"

"یہ واقعی سامنے کی بات ہے۔ تمہارا یہ گراب امریکا میں آزمایا جائے گا۔ تم امریکا کے لیے اپنی روانگی کے بارے میں کچھ بتانا چاہ رہے تھے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"اگر تمہیں جاننے کی خواہش نہیں تو مجھے تمہارا وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم لوگوں کے سینے سمندر ہوتے ہیں۔ مرتے ہیں تو اپنے ساتھ نہ جانے کیا کچھ سمیٹ لے جاتے ہیں۔"

"جاننے کی خواہش نہ ہوتی تو اس وقت تمہیں فون نہ کررہا ہوتا۔"

"سرگباشی رمیش اگروال کی آخری رسمیں بڑی دلدوز تھیں۔" یکایک اس کی آواز دھیمی اور رازدارانہ ہوگئی جیسے وہ ان باتوں کو سری نواسن کے اہلِ خانہ کے کانوں میں پڑنے سے روکنا چاہتا ہو۔

"ذرا کھل کر بتاؤ۔" اس کے انداز نے میرے دل میں تجسس بیدار کردیا۔

"اس کی ارتھی کے ساتھ صرف تین آدمی شمشان گھاٹ گئے تھے۔ ان میں سے ایک پیر میں موچ کا بہانہ کرکے اپنے ساتھ فولادی واکنگ اسٹک بھی لے گیا تھا۔ لاش کے جلتے ہوئے اس نے فولادی راڈ سے گردن اور بدن پر ایسی چار چوٹ کی مار ماری گئی کہ اس

کا کچھ باقی رہ بھی گیا ہو تو اسے دیکھ کر کچھ پتا نہیں چلے گا۔ ویسے بھی ہر چتا جلنے کے بعد یہاں کے محکمہ صحت والے بہت احتیاط سے راکھ اور ملبے کی صفائی کر کے جراثیم کش دواؤں کا اسپرے کرتے ہیں تا کہ آگ سے زندگی پانے والے جراثیم مقامی آبادی کے لیے خطرہ نہ بن سکیں۔''

''ان تین میں تم تو ضرور شامل رہے ہو گے؟'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''توبہ کرو!'' اس نے تمسخرانہ لہجے میں جواب دیا۔'' وہ اسٹیٹ سیکرٹ تھا۔ اس میں ہائی کمیشن کے تین ملازمین کے سوا چوتھا کوئی نہیں تھا۔''

''سرکاری کاغذات میں اندراج کراتے ہوئے کیا ظاہر کیا گیا ہے؟'' میں نے پوچھا

''سب کام جعلی ہوئے ہیں۔ سرکاری سطح پر ہوئے ہیں اس لیے کوئی انہیں جعلی نہیں کہہ سکتا۔ ریکارڈ میں اس کا نام راج کپاڈیا لکھا گیا تھا۔ اس نام کا ایک آدمی تین مہینے پہلے گلاسکو سے بھارت جا کر مر چکا ہے۔ وہ بالکل بے سروسامان آدمی تھا اور اس کا کوئی وراث نہیں ہے۔''

''اب راکیش اگروال کا کیا ہو گا۔ ریکارڈ پر تو وہ اب بھی زندہ ہے۔ مرا تو وارث اس کی لاش مانگیں گے۔ انہیں تمہاری سرکار کیا جواب دے گی۔''

''ہماری سرکار بڑی چنٹ ہے۔ اس کے پاس ایسے جواب ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ کشمیر کا کھاتا بند ہو گیا تو اس پر ذرا وقت پڑے گا ورنہ اب تو یہی کہا جائے گا کہ راکیش کو کشمیر میں غداروں نے پکڑ کر مار دیا۔ تم اس کے بارے میں مت سوچو۔ دوسرے بہت سوچ چکے ہیں۔''

میرے لیے وہ واقعہ اتنا سرسری نہیں بلکہ عبرت انگیز تھا۔ اپنے ایک نامور سیکرٹ ایجنٹ کے قتل کو چھپا کر کسی اور کے نام سے ٹھکانے لگانا اور اس کے ورثا کو اس کی موت کی کوئی گھڑی ہوئی کہانی سنا کر لاش تک سے محروم کر دینا کسی بھی حکومت کے لیے سفاکی اور درندگی سے کم نہیں تھا۔

''اور تم کیا سوچ رہے ہو؟'' میں نے اس کا ردعمل جاننے کے لیے پوچھا۔

''آج وہ، کل تمہاری باری ہے۔'' بدری کی آواز میں افسوس یا آزردگی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''عزت کی، موت مل گئی تو اپنا مردہ ذرا شان و شوکت سے جلایا جائے گا ورنہ اس جیسا انجام تو ہونا ہی ہے۔ بس ایک اطمینان رہتا ہے کہ یوں مارے جانے والوں کے بیوی بچوں کی لاٹری نکل آتی ہے۔ سرکار انہیں مفت گھر، تعلیم، وظیفے اور خاص نوکریوں سے ایسا نوازتی ہے کہ وہ سب اپنے یتیم اور بیوہ ہونے پر رشک کرنے لگتے ہیں۔ جان کاروں اور رشتے داروں کی ہمدردی مفت میں ہاتھ آتی ہیں۔''

''یعنی تم بھی ایسے ہی انجام کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو؟'' میں نے پوچھا۔

وہ چونک پڑا۔'' میں نے یہ تو نہیں کہا...... سب کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ یہ عزت کشمیر میں مرنے والوں کے گھر والوں کو ملتی ہے تا کہ لوگ وہاں جاتے رہیں، انکار نہ کریں۔ ورنہ بہت سے خاندان تو میں نے یوں بگڑتے اور برباد ہوتے دیکھے ہیں کہ الامان۔ ایک جوان بیوہ تو کوٹھے پر جا بیٹھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اس کی ساس نائکا بن گئی اور نو سال کا بیٹا گاہک پٹانے لگا تھا۔''

بدری ناتھ نے بہت بے باکانہ انداز میں وہ تصویر کشی کی تھی۔ جسے سن کر میں اندر سے لرز اٹھا۔ جس شخص کے سامنے اس کے معاشرے کی وہ دونوں انتہائیں یوں کھل کر بے نقاب ہو چکی ہوں وہ کیوں اور کیسے اور کب تک اپنے مقاصد سے مخلص رہ سکتا ہے۔

شیر یا عورت مغرب کی ایک شہرہ آفاق کہانی ہے۔ خوبرو شہزادی کے عاشق کو بادشاہ اپنی مجبوری کے باعث دو بند دروازوں کے سامنے کھڑا ہونے پر آمادہ کرتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ صحیح دروازہ کھلنے پر اپنے محبوب کے فراق میں تڑپتی ہوئی شہزادی باہر آئی تو بادشاہ اسے اپنا داماد بنا لے گا۔ غلط دروازہ کھلا تو کئی دن کا بھوکا شیر اس

عاشق نامراد کی تکا بوٹی کر ڈالے گا۔

وہ دو بند کوٹھریوں، دو بند دروازوں اور دو انتہاؤں کی کہانی تھی جو بدری ناتھ نے مجھے سنائی۔ اس میں دلچسپی کے ساتھ ساتھ عبرت بھی پوشیدہ تھی۔

"جوان بیوہ اور نو سالہ بیٹے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی جوان اور جونیئر افسر رہا ہوگا۔" میں نے کہا۔ "جو لوگ اپنے کیریر کی ابتدا میں کسی حادثے سے دوچار ہو جاتے ہیں انہیں اتنی بے رحمی سے نظر انداز کرنا سراسر زیادتی ہے۔ پرانے لوگوں کو خاص طور سے کچھ نہ دیا جائے تب بھی ان کے واجبات خاصے ہوتے ہیں...... یہ سب تمہاری ملازمت کی پیچیدگیاں ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس مزید دلچسپ خبریں کیا ہیں۔"

"ہاں، ان باتوں میں پڑ کر میں اصل قصہ بھول ہی بیٹھا۔ رمیش اگروال کے خون کو برٹش اتھارٹیز سے سختی سے چھپایا گیا ہے لیکن ہمارے ہائی کمیشن میں یہ ایک کھلا راز ہے جس پر... چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ لوگ سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہیں اور سخت خوف زدہ ہیں۔"

"گیتا، جیمز اور رامیش کے بعد انہیں اپنی باری آتی ہوئی نظر آ رہی ہوگی۔"

"یہی اصل مسئلہ ہے۔ اپنی اپنی سلامتی کے خوف کے ساتھ ہائی کمیشن کے بڑوں کو میری سلامتی کی فکر پیدا ہوگئی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ رمیش کے بعد اب میری باری ہے۔ اس بار انہوں نے مجھ سے مشورہ کر کے دو تجربے کار آدمی میری حفاظت پر لگا دیے ہیں۔"

"یہ سب متوقع باتیں ہیں۔ یہ بتاؤ کہ کراچی والے بندر کا کیا حال ہے۔" میں نے نک موڈلے کا نام لیے بغیر پوچھا۔ "تمہارے مستقبل کا انحصار اس کے فیصلوں پر تھا۔"

"میرے یہاں پہنچ جانے کے بعد وہ یہاں سے بھیجی گئی رپورٹوں کا محتاج ہے۔"

"تو کیا تمہارے بارے میں باضابطہ رپورٹیں بھیجی جا رہی ہیں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"مجھے صحیح علم نہیں۔ سفارتی تھیلوں کے ذریعے کوئی بھی چیز ایک سے دوسری جگہ بھیجی جا سکتی ہے اور اسے کہیں چیک نہیں کیا جا سکتا۔"

وہ اپنے شعبے کی وجہ سے اس قسم کی پراسرار... سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر ہونے کے باوجود اپنے معاملے میں ہونے والی کارروائیوں سے بے خبر تھا۔

وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "لکھ کر بھیجی جائے یا فون پر دی جائے رپورٹ، رپورٹ ہی ہوتی ہے۔ اس کی روشنی میں بندر بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہے جو یہاں والے اخذ کیے بیٹھے ہیں، اسی کی بنیاد پر اس نے مجھے فوری طور پر لندن چھوڑ دینے کی ہدایت کی ہے۔"

"کیا اس نے تم سے براہ راست رابطہ کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں آنے کے بعد آج اس نے پہلی بار اس فون پر مجھ سے بات کی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ میرے ہائی کمیشن کو میرے سفر کی فوری تیاری کا مشورہ دے چکا ہے۔"

"یہ خبر تو تمہیں اپنے دوستوں سے بھی مل جاتی پھر اسے براہ راست فون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"وہ براہ راست میرے تاثرات جاننا چاہ رہا تھا۔ اس کے سر پر ڈینی کا بھوت سوار ہے۔ وہ ایسی کوئی شہادت تلاش کرنے کے لیے بے چین ہے جس سے یہ پتا چل سکے کہ ڈینی اس وقت لندن میں موجود ہے اور وہی اس کشت و خون کا ذمے دار ہے۔"

"تو کیا وہ ایسی شہادت حاصل کر کے ڈینی کو پھانسی چڑھانے کا ارادہ رکھتا ہے؟"

"ڈینی ان لوگوں کا اشتہاری مجرم ہے۔ پاکستان میں اسے ایجنسیوں کی پشت پناہی حاصل ہے اس لیے وہ آج تک ان کے ہاتھ نہیں آ سکا۔ اگر اسے بھنک بھی مل جائے کہ اس وقت ڈینی کسی مغربی ملک میں سرگرم عمل ہے تو وہ اس کی تلاش میں اپنے سارے وسائل جھونکنے پر تیار ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ رمیش کو چھوڑ کر دوسرے دو کو ٹھکانے لگانے والا کون تھا؟"

''پہلے مجھے تم پر شبہ تھا۔ تمہارے انکار کے بعد وہ کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ میں نے اس سے یہی کہا کہ ڈیبی ایک چھلاوا ہے۔ وہ کہیں بھی جھپٹتا ہے اور نیا وار کر کے کوئی نشان چھوڑے بغیر ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہی لندن میں منڈلا رہا ہو۔''

''یعنی تم نے اس کے شکوک وشبہات کو تقویت پہنچانے کی ...کوشش کی ہے۔''

''پھر اور کیا کرتا۔ اپنی ذات کو الزامات سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی خیالی دشمن کے پیچھے بھاگتا رہے۔ ڈیبی یہاں ہو یا نہ ہو، وہ مجھے اور تمہیں بھول کر صرف اسی کو ڈھونڈتا رہے گا۔'' اس کے لہجے میں اچانک نفرت انگیز تلخی عود کر آئی۔ ''تمہیں معلوم ہے کہ اس بندر نے مجھ سے کیا سلوک کیا تھا۔ مجھے اپنوں سے یہ شکوہ ہے کہ انہوں نے کچھ دیکھے بھالے بغیر بے خبری میں مجھے میری تنظیم سے نکال کر اس حرامی بندر کے حوالے کر دیا اور بندر نے ذرا بھی لحاظ کیے بغیر میرے ساتھ ایسی ایسی بدسلوکیاں کیں کہ میں نے اس سے انتقام لینے کے لیے بغاوت کا فیصلہ کر لیا اور اب تم میرے ساتھ ہو۔''

''فون پر ایسی کھلی کھلی باتیں کرتے ہوئے تمہیں ذرا بھی خوف نہیں کہ یہ گفتگو کوئی نہ سن لے۔'' میں نے ایک فوری خوف کے تحت جھرجھری لے کر پوچھا۔

معنی خیز انداز میں ہنسنے کی آواز کے بعد اس کی آسودہ آواز ابھری۔ ''اب میں کراچی کی طرح یہاں بے سروسامان نہیں ہوں۔ رمیش کے سرگباش ہونے کے بعد میری ذات شک وشبہات کے دھندلکوں سے نکل کر دوبارہ عزت کے اجالے میں آگئی ہے۔ میرے پاس بہت سے وسائل آگئے ہیں جن میں چھوٹی سی مگر بیش قیمت سی ایس ڈی بھی ہے جو اس وقت کام کر رہی ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ ہماری یہ باتیں کوئی سن رہا ہے اور نہ یہ ریکارڈ ہو رہی ہیں۔''

اس کی زبان سے سی ایس ڈی سنتے ہی میرے ذہن میں فوجیوں کی خریداری کے لیے قائم کیے جانے والے روزمرہ ضروریات کی اشیا کے کفایتی اسٹور گھوم گئے اور میں بے اختیار پوچھ بیٹھا۔ ''یہ سی ایس ڈی کیا بلا ہے؟''

میرے کانوں میں اس کی آسودہ سی ہنسی گونجی پھر وہ بولا۔ ''یہ فورسز والا سی ایس ڈی نہیں ہے بلکہ سنر سینسنگ ڈیوائس کا مخفف ہے۔ یہ اس قدر حساس ہے کہ اسے کسی لائن سے منسلک کر دیا جائے تو یہ دو براہ راست لائنوں کے درمیان گفتگو تک خاموش رہتا ہے۔ کوئی غلطی سے کسی لائن کا ایکس ٹنشن بھی اٹھالے تو اس پر سرخ روشنی کے ساتھ الارم بیپ گونجنے لگتا ہے۔''

''یہ را کی کوئی خاص ایجاد ہے؟'' رازداری کا یقین ہو جانے پر میں نے کھل کر پوچھا۔

''الیکٹرونکس کے معاملے میں جاپان سب سے آگے ہے۔ را نے یہ آلے ریڈ آرمی سے خریدے ہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے حقیقت بیان کر دی۔

ریڈ آرمی بھی اوم شری انکو کی طرح جاپان کی سر زمین پر قائم کی ہوئی ایک صیہونی دہشت گرد تنظیم تھی جو آئے دن اخبارات میں دہشت گردی کے لرزہ خیز وارداتوں کی خبروں کا موضوع بنتی رہتی تھی۔ میرے لیے یہ اطلاع حیرت انگیز تھی کہ ایک طرف را والے ڈیوڈ اسٹارز سے پینگیں بڑھا رہے تھے تو دوسری طرف عالمی دہشت گرد تنظیموں کی فنی مہارت سے بھی استفادہ کر رہے تھے۔

''سی ایس ڈی کام کی چیز معلوم ہوتی ہے۔ اس کو حاصل کرنے کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔''

''میں اپنی سی ایس ڈی تمہیں دے نہیں سکتا۔ یہ بازار میں دستیاب نہیں ہے۔ ریڈ آرمی والے اپنی اس ایجاد کے سات ہزار ڈالر طلب کرتے ہیں جو میرے یا تمہارے لیے بہت زیادہ ہیں۔''

''تم کچھ دیر کے لیے یہ آلہ مجھے مستعار تو دے سکتے ہو؟'' میں نے پرخیال لہجے میں پوچھا۔

''کیوں؟ تمہیں اس کی کیا ضرورت پیش آگئی؟'' اس نے حیرت سے سوال کیا۔

''تم نے کہا تھا نا کہ میں ڈیبی بن کر آئزک بیل کو

خوف زدہ کروں۔" میں نے معصومیت سے اسے یاد دلایا۔ "تم نے ابھی تک اس سے رابطہ نہیں کیا؟" وہ ذکر آنے پر بدری چونکا تھا۔

"تذبذب میں تھا۔ ڈیبی پاکستان میں ہے۔ آئزک نے یہ ٹریس کرلیا کہ اسے لندن سے فون کیا جارہا ہے تو بھانڈا پھوٹ جائے گا اور وہ سازش کی بو سونگھ لے گا۔ یہ لوگ بہت ترقی یافتہ ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے فون میں لگا ہوا کوئی آلہ آن ہوتے ہی یہ بتادیتا ہو کہ فون کس ملک، شہر اور نمبر سے کیا جارہا ہے۔"

"ہم لوگ ایسی ایجادات پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔ فی الحال یہ مستقبل کا ایک خواب ہوسکتا ہے۔ ایسی کسی سہولت کا وجود نہیں ہے البتہ دوسرے فون ایکسچینج سے معلوم ہوسکتا ہے کہ فلاں نمبر پر کال کہاں سے آئی ہوگی ہے۔" بدری نے مدافعانہ لہجے میں کہا "ایک سہولت ایکسچینج میں موجود ہے تو اسے شاید عام کرنا دشوار ہو مگر تھوڑی سی رقم خرچ کر کے چند چیدہ چیدہ نمبروں پر منتقل کرنا تو ناممکن نہیں ہونا چاہیے۔"

"خصوصی بندوبست تو ہزاروں ہوسکتے ہیں۔ ہر چیز جو ایک جگہ موجود ہو اسے دوسری جگہ تک پہنچانا واقعی ناممکن نہیں ہوتا مگر اب میری حفاظت کا بندوبست ہونے کے بعد میرا تم سے ملنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے ورنہ تم دس پندرہ منٹ میں سی ایس ڈی سے اپنا کام نکال کر اسے لوٹا سکتے تھے۔ اب وقت بھی نہیں رہا۔ ہوسکتا ہے کہ کل میں نیویارک کے لیے پرواز کر جاؤں۔"

"کیا ابھی تک تمہاری سیٹ کنفرم نہیں ہوسکی؟" میں نے سی ایس ڈی کو فراموش کر کے گفتگو کا رخ اس کی روانگی کی طرف موڑ دیا۔

"یہاں سے روز بے شمار پروازیں امریکا کے لیے روانہ ہوتی ہیں۔ ڈیلٹا، اٹلانٹا اور یونائیٹڈ ائرلائن کی گیٹ وک اور ہیتھرو سے بیسیوں پروازیں ہیں مگر اگلے چار پانچ دن کے لیے کسی پر سیٹ نہیں ہے۔"

"تو کیا پورا برطانیہ امریکا منتقل ہورہا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بیشتر ایشیائی مسافر سفر کی حالت سے بچنے کے لیے چند دن لندن میں ٹھہر کر آگے جاتے ہیں اس لیے یہ روٹ شاید دنیا کا مصروف ترین فضائی روٹ ہے۔ بہت سی ایشیائی کمپنیاں صرف یورپ اور لندن تک ہی آتی ہیں۔ ان کے مسافر بڑی امریکی ائرلائنز سے بحراوقیانوس عبور کرتے ہیں۔ یہاں سے امریکا کے لیے فوری طور پر سیٹ ملنی عام طور سے مشکل ہوتی ہے مگر کوئی نہ کوئی راہ نکلے گی۔"

"تم ائر انڈیا سے رابطہ کیوں نہیں کرتے۔ وہ پیچھے سے آنے والے کسی بھی مسافر کو روک کر تمہیں اگلی پرواز سے نیویارک بھیج سکتے ہیں۔"

"یہ میرا نہیں، ہائی کمیشن کے ٹریول سیکشن کا کام ہے کہ میری روانگی کا بندوبست کرے اور ان لوگوں کو اپنے کام میں ماہر ہونا چاہیے۔ اصولی طور پر تمہارا مشورہ درست ہے۔ ائر انڈیا یہاں سے امریکا کے لیے آپریٹ نہ کرتی ہو تو تب بھی اس روٹ پر اس کا کسی اور سے معاہدہ ہوگا۔ بس سمجھ لو کہ میں نکل جاؤں گا۔"

"مجھے سیٹ ملنے میں دشواری ہوگی۔ یہ بتاؤ کے نیویارک میں تمہارا رابطہ کیا ہوگا۔"

"وہاں میرا ایک کزن ہوٹل چلا رہا ہے۔ میں اس کا فون نمبر دیکھ کر بتاتا ہوں۔"

"یہ بھی کیتھی والا تجربہ تو نہیں ہوگا؟" میں نے ماضی کی تلخی کے پیش نظر پوچھ لیا۔

"ہرگز نہیں۔ شیام ناتھ میرا دور کا کزن ہے۔ تم اس سے گرنام بن کر ہی بات کرنا۔ مسلمان کے نام پر وہ زیادہ خوش نہیں ہوگا۔"

"یعنی تم وہاں بھی اپنے کزن کے ساتھ نہیں ٹھہرو گے۔ تمہارا سفارت خانہ تمہاری دیکھ بھال کرے گا؟"

"تمہارے دونوں سوالوں کے جواب نفی میں ہے۔ اس بار مجھے خاص طور پر ہدایت کی گئی ہے کہ میں اپنے سفارت کاروں وغیرہ سے دور رہوں گا۔ لندن سے نکلنے کے بعد تک موڑ لے براہ

راست کوئی بندوبست کرے گا۔ وہاں کیا ہوتا ہے، یہ میرے علم میں نہیں ہے۔''

یہ گفتگو بھی خاصی طویل ہو چکی تھی۔ اس دوران میں کئی افراد لمحہ بھر کے لیے بوتھ کے سامنے ٹھٹکے تھے اور اسے ہمارے زیر استعمال دیکھ کر آگے بڑھ گئے تھے۔ کسی نے باہر رک کر بوتھ خالی ہونے کا انتظار نہیں کیا تھا۔

''بس میں تمہارے سفر کے لیے نیک تمنائیں ہی پیش کر سکتا ہوں۔ اب مجھے شیام ناتھ کا نمبر دے دو۔'' میں نے ویرا کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس دوران میں بدری ناتھ اپنی کسی ڈائری وغیرہ کی ورق گردانی کر کے مطلوبہ نمبر نکال چکا تھا۔ وہ رک رک کر نمبر بتاتا چلا گیا، میں ہندسے دہراتا رہا اور ویرا نے وہ نمبر نوٹ کر لیا۔

مزید چند رسمی جملوں کے تبادلہ کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔

''اب جہانگیر کی باری ہے یا اول خان کو دوبارہ دیکھو گے؟'' ویرا نے پوچھا

''اول خان کے لیے پیغام دے چکا ہوں جو اسے مل جائے گا۔ جہانگیر کے بارے میں تذبذب ہے کہ اسے فون کروں یا نہ کروں۔'' میں نے رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا۔

''کیوں؟ کیا وہ سو گیا ہوگا؟''

''مجھ سے بات کرنے کے لیے وہ گہری نیند سے بیدار ہونے میں بھی خوشی محسوس کرے گا۔ مسئلہ اس کی شراب نوشی کا ہے۔ وہ اس وقت گہرے سرور کے عالم میں ہوگا۔''

''پھر تو میں اسے فون کرتی ہوں۔'' ویرا خوش ہو کر بولی۔ ''اسے گھسنے میں مزہ آتا ہے۔''

میں مسکرا کر رہ گیا۔

سڑک کے کنارے لگے ہوئے اسٹریٹ لیمپس کی روشنی نے بند بوتھ کے اندرونی حصے کو روشن کیا ہوا تھا اس کے باوجود بوتھ کی چھت میں روشنی نصب تھی۔ لندن کے کسی آوارہ گرد یا بھٹکے ہوئے شرابی نے روشنی توڑنے یا بلب اتار کر لے جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

مجھے حیرت ہوئی تھی کہ ویرا نے مجھ سے پوچھے بغیر جہانگیر کا نمبر ملایا جو اس کی یادداشت میں محفوظ تھا۔

ویرا کے کان سے کان ملائے بغیر ریسیور میں پیدا ہونے والی مدھم آوازیں مجھے سنائی دے رہی تھیں۔ میں ویرا سے لگ کر کھڑا ہوا تو آوازیں واضح ہو گئیں۔ جب میں بات کر رہا تھا تو ویرا میرے اوپر یوں جھکی ہوئی تھی جیسے اسے باتیں سننے میں دشواری ہو رہی ہو۔

نمبر ڈائل کرنے کے بعد بین الاقوامی کال ملنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ ڈائلنگ کی آوازیں رکنے کے بعد ریسیور پر سکوت طاری ہو گیا۔ چند ثانیوں بعد گھنٹیاں بجنے لگیں۔

تیسری گھنٹی پر جہانگیر کی آواز سنائی دی۔ وہ نیند کے ساتھ نشے میں بھی تھا۔

''ہیلو؟ ڈارلنگ! کیا تم سو رہے تھے؟'' ویرا نے انگریزی میں بہت محبت کے ساتھ پوچھا۔

''ہائیں...... ڈ...... ڈارلنگ! ام...... میں تمہارا ڈارلنگ...... تم کون ہو؟'' جہانگیر کی خمار سے بوجھل اور لکنت آمیز آواز میں بلا کی حیرت امڈ آئی تھی۔ وہ پڑھا لکھا شخص تھا۔ اس نے انگریزی میں ہی جواب دیا تھا۔

''تو اب تم میری آواز بھی نہیں پہچانتے۔'' ویرا نے نخریلی آواز میں شکوہ کیا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم جہانگیر ہی ہو یا کوئی غلط نمبر ملا بیٹھی ہوں۔''

''میں...... میں جہانگیر ہی ہوں۔'' اس کی آواز قدرے عجلت آمیز تھی۔ شاید اسے ڈر تھا کہ کہیں ویرا فون بند ہی نہ کر دے۔ ''تم باتیں کرتی رہو میں یقیناً تمہیں پہچان لوں گا۔''

''تمہاری بوجھل اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز سے پتا چل رہا ہے کہ اس وقت تم نشے میں ہو۔''

''ہاں...... تم جیسی لڑکیاں مل کر بچھڑ جائیں تو ان کے سوگ میں پینی پڑتی ہے۔''

''میرا نام یاد نہیں اور میرے غم میں پی رہے ہو؟'' ویرا نے بمشکل اپنی ہنسی روکی تھی۔

''نام میں کیا رکھا ہے۔ سامنے آؤ گی تو جھٹ

یوں گا۔ کب آ رہی ہو؟''
''معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری بیوی گھر پر نہیں ہے۔''
طنز سے کہا۔
''ہاں! تم تو ولی اللہ ہو گئیں۔ تمہیں کیسے پتا چلا
گھر پر نہیں ہے؟''
''وہ ہوتی تو تم مجھ سے اس طرح کھل کر باتیں نہ
رہے ہوتے۔''
''تم ...... تم بہت ذہین ہو ...... سالے ڈینی کی
رح۔'' وہ جھونک میں بول رہا تھا۔ ''کبھی کبھی وہ بھی
پا کی ہیٹ دیکھ کر اس کا پورا حسب نسب بتا دیتا ہے۔''
اس کی زبان سے اپنی مٹی پلید ہوتے سن کر میں
تا گیا۔ میں نے ویرا سے ریسیور لینا چاہا مگر اس نے
زبردستی الگ دھکیل دیا۔
''یہ ڈینی کون ہے؟'' ویرا کے لیے اپنی ہنسی پر قابو
رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔
جہانگیر کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی ''یار
اپنا ...... بہت بے جگر آدمی ہے۔ پتا نہیں آج کل
کہاں مرا ہوا ہے۔ اس وقت اسے چھوڑو۔ آپس کی
ہیں کرو۔''
''بیوی گئی ہوئی ہے۔ دوست غائب ہے اور تم
گھر میں اکیلے ہو۔ مجھے تم پر بہت ترس آ رہا ہے۔
مجبور نہ ہوتی تو اسی وقت دوڑ کر تمہارے پاس آ جاتی۔''
''تم کتنی دور ہو ...... کیا امریکا میں ہو؟'' جہانگیر
کی زبان بری طرح لڑکھڑا رہی تھی۔
''تمہیں امریکا کیوں یاد آ گیا؟''
''تم اتنی اچھی انگریزی جو بول رہی ہو۔'' اس
مخمور ذہن میں جواب محفوظ تھا۔
''تو کیا پاکستان میں رہنے والی کوئی لڑکی اچھی
انگریزی نہیں بول سکتی۔''
''یہ کالے انگریز!'' جہانگیر کی آواز تحقیر آمیز ہو گئی۔
''یہ کیا انگریزی بولیں گے۔ انگریزی بولنے کے چکر
میں اپنی ماں کی ٹانگ توڑنے لگتے ہیں۔''
وہ انگریزی میں مدر ٹنگ کو ٹنگ آف مدر کہہ گیا
تھا۔ ویرا نے فوراً بات پکڑ لی۔ ''یہ ماں کی زبان کیا ہوتی
ہے۔ میں یہ اصطلاح پہلی بار سن رہی ہوں۔''
''اس کو بھاڑ میں ڈالو۔'' یہ کہہ کر اس نے
انگریزی میں بے مقصد گالیاں دیں۔ وہ بری طرح
بہک رہا تھا۔ اسے اپنی زبان پر ذرا بھی
قابو نہیں تھا۔ الفاظ اس کی زبان سے دراز ہو کر اور بگڑ کر
ادا ہو رہے تھے۔ یہ صرف ایک اجنبی نسوانی آواز کا
کرشمہ تھا کہ فون پر بولے جا رہا تھا ورنہ اس حالت
.... سرور میں آدمی کو آرام سے زیادہ کسی چیز کی طلب
نہیں ہوتی۔
گفتگو کی ابتدا سے ہی اس نے خود کو سنبھالے
رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی مگر اس مرحلے پر وہ بالکل ہی
پٹڑی سے اترتا ہوا نظر آ رہا تھا۔
میں اس کی گالیوں کا تسلسل ٹوٹنے کا منتظر رہا اور
پانچویں گالی شروع ہوتے ہی میں نے کریڈ دبا دیا۔ مجھے
جہانگیر پر غصہ آنے کے ساتھ گہرا افسوس بھی ہو رہا
تھا۔ ساتھ ہی مجھے ویرا سے بھی خفت محسوس ہو رہی تھی
کیوں کہ جہانگیر بہرحال میرا دوست تھا اور اس کے
بگڑنے کی کچھ ذمے داری مجھ پر بھی عائد ہوتی تھی۔
''بہت دلچسپ آدمی ہے۔'' باہر آ کر ویرا ہنستے
ہوئے بولی۔ ''ذرا سی دیر اور کال جاری رہنے دیتے
تو وہ پوری طرح ترنگ میں آ چکا ہوتا۔ تمہیں پتا ہے کہ
میں گالیوں والیوں کی پروا نہیں کرتی۔''
''وہ میرے سامنے ہوتا تو میں اس کی گردن دبا
دیتا۔'' میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''اسے کوئی روکنے
ٹوکنے والا نہیں ہے۔ وہ بگڑ کر اب عادی شرابی بن چکا
ہے۔ اگر اس کے دوران خون میں الکحل کی خاصی
مقدار شامل نہ رہے تو شاید وہ اعصابی کھچاؤ اور ذہنی
ابتری سے بے حال ہو جائے۔''
''اس کا واحد سبب اس کی تلخ ازدواجی زندگی
ہے۔'' ویرا سنجیدگی سے بولی۔
''مجھے اندازا تھا کہ وہ اس وقت برے حال
میں ہوگا اسی لیے میں اسے فون کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔
وہ صبح اپنے ہوش وحواس میں آئے گا تو شاید تمہاری

کال اس کے ذہن سے محو ہو چکی ہوگی۔''

''ایسے غیر ذمے دار اور بے پروا آدمی کی حفاظت کون کر سکتا ہے؟ اس وقت صرف ایک آدمی بھی چاہے تو آسانی سے اسے اغوا کر کے لے جا سکتا ہے۔''

''شاید یہ سب ہمارے ان گناہوں کا کفارہ ہے جو ہم نے شی میں رہ کر کیے تھے۔'' میں نے ملول آواز میں کہا۔

''وہ نشے میں ہے اور تم پر قنوطیت طاری ہو رہی ہے۔'' ویرا نے میرے بازو میں چٹکی لی۔

''ایسی باتوں پر دل بہت اداس ہونے لگتا ہے۔ اپنی غفلتوں کی وجہ سے وہ کہیں مارا گیا تو میں اپنے ذہن پر سے یہ بوجھ بھی نہ اتار سکوں گا۔ اب اسے سنبھل جانا چاہیے۔''

''اسے بہت پہلے سنبھل... جانا چاہیے تھا۔ اب کی کیا بات ہے؟''

''پہلے وہ اکیلا تھا۔ اب وہ ایک عورت کا شوہر اور بچے کا باپ ہے۔''

''ہاں...... یہ فرق تو ضرور پڑا ہے۔'' لمحہ بھر کے لیے وہ خاموش ہوگئی پھر چونک کر بدلے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''تمہاری جبری شادی کو کئی مہینے گزر چکے ہیں۔ تم کب باپ بن رہے ہو؟''

''تم بہت بے شرم عورت ہو۔'' میں نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ کہا۔ ''یہ سوال تمہیں میرے بجائے غزالہ سے کرنا چاہیے تھا۔ عورتوں کی باتیں عورتوں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔''

''آج تک اس بارے میں خیال ہی نہیں آیا۔ اس وقت بھی تم نے جہانگیر کے باپ ہونے کا ذکر نہ چھیڑا ہوتا تو میں نے تم سے وہ سوال نہ پوچھا ہوتا جسے تم بے شرمی قرار دے رہے ہو۔''

میں خاموش رہا۔ اس موضوع کو طول دینا مجھے نامناسب معلوم ہو رہا تھا۔

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد وہ میرے پہلو میں ٹہوکا دے کر بولی۔ ''غزالہ سے تو میں اس کے ماں بننے کے بارے میں پوچھوں گی۔ باپ بننے کے مسئلے پر تو تم روشنی ڈال سکتے ہو۔''

''اس بارے میں پھر کبھی بات ہوگی۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''ایسا تو نہیں کہ تم خاندانی منصوبہ بندی والوں تشہیر سے متاثر ہو گئے ہو۔'' اس نے میرے لہجے کی کیے بغیر ڈھٹائی سے پوچھا۔ ''دو بچوں کو تو وہ خود اچھا کہتے ہیں۔''

''اب تم نے اپنی زبان کو لگام نہیں دی تو میں الگ کمرا لے لوں گا۔'' میں نے ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ''میری نجی زندگی کو اتنا نہ کریدو کہ میں بیزار ہو جاؤں......''

''چلو۔ میں خاموش ہوگئی۔'' میری بات کاٹ کر اس نے میری توقع کے برعکس اس بار ہتھیار ڈال دیے اور میں نے بڑھ کر کاؤنٹر سے اپنے کمرے کی چابی لے لی۔

''کیوں نہ ریستوران میں کھانا کھانے کے بعد اوپر چلا جائے؟'' ویرا نے تجویز پیش کی اور میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنا رخ ریستوران کی طرف موڑ لیا۔

مجھے یہ محسوس کر کے خوشی ہوئی تھی کہ ویرا نے میری سختی کا برا نہیں منایا تھا لیکن میں یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ ویرا کے ذہن میں ایک بار جو سوال آ جائے اس کا جواب حاصل کر کے ہی دم لیتی ہے۔

میں نے کسی نہ کسی طرح ویرا کو خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن غزالہ کے لیے ویرا کو ٹالنا اتنا آسان نہ ہوتا۔ میں اس گھڑی کو دل ہی دل میں کوس رہا تھا جب میں نے روا روی میں جہانگیر کے باپ ہونے کا ذکر کر کے ویرا کے ذہن میں خود ہی ایک سوال انڈیل دیا تھا۔

یہ ضروری ہو گیا تھا کہ میں وقت ضائع کیے بغیر غزالہ کو بھی خبردار کر دیتا تاکہ وہ ویرا کے حملے آور ہونے سے پہلے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیتی۔

اس وقت تک ریستوران میں لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ہال میں کئی خوش نما چہرے جگمگا

...باہر کی خنک فضا کے مقابلے میں بند ہال ملی ...تھے۔ باہر کی خنک فضا کے مقابلے میں بند ہال ملی خوشبوؤں اور جسموں کی مہکار سے بہت خوشگوار ہو رہا تھا۔ اس وقت تک کچن کے حصے سے آنے والی خوشبوئیں ہال میں نہیں پھیلی تھیں۔ ہمیں نیم تاریک گوشے میں چار نشستوں والی پسندیدہ میز مل گئی۔

ویٹریس نے ہم دونوں کے سامنے مینو کارڈ رکھے ویرا نے مجھ سے پوچھے بغیر اسے دو لارج وہسکی اور سوڈا لانے کی ہدایت دے دی۔ میں نے انکار کی خواہش کو ہونٹوں پر آنے سے پہلے گھونٹ دیا۔ ان نازک لمحات میں میرا وہ انکار ویرا کو ٹھیس پہنچا سکتا تھا۔ غنیمت یہی تھا کہ اس نے پوری یا آدھی بوتل کے بجائے لارج پیگ منگوانے پر اکتفا کیا تھا جو کھانے کے انتظار کے وقفے میں شغل کے طور پر ختم کیے جا سکتے تھے۔

مغربی کھانوں کے بارے میں میری معلومات اچھی سی تھیں۔ ابتدائی مشوروں کے بعد میں نے اپنا جو کارڈ میز پر ڈال کر کھانوں کا انتخاب ویرا پر ڈال دیا۔ پاکستان میں طویل عرصہ گزار کر وہ خود بھی چٹ پٹے کھانوں کی عادی ہو چکی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ خود بھی روکھے پھیکے کھانے پسند نہیں کرے گی۔

ویٹریس ایک ٹرے میں دو گلاسوں کے ساتھ دیگر لوازم لے آئی۔ ادب سے گلاس ہم دونوں کے سامنے رکھ کر اس نے انفرادی اجازت سے گلاسوں میں برف کے چند ڈلے ڈالے، سائفن سے گلاسوں میں سوڈے کی دھاریں ڈالیں اور مسکراتی ہوئی رخصت ہو گئی۔ درمیان میں ویرا نے اسے کھانے کے بارے میں بتا دیا تھا۔

''یہ وہ خدمات ہیں جن کے لیے مجموعی بل پر ہوٹل والے سروس چارجز لیتے ہیں۔'' میں نے ویٹریس کی مست خرامی سے محظوظ ہوتے ہوئے ویرا سے کہا۔

''سروس چارجز تو ہوتے ہی ہیں لیکن ہوٹل کے بار کے مقابلے میں یہاں یہ پیگ کہیں زیادہ مہنگا ہوگا۔ یہ سب دراصل ماحول کی فراہمی اور نگاہوں کی آوارگی کے دام ہوتے ہیں جسے آسودہ حال لوگ خوشی خوشی ادا کرتے ہیں اور چوں تک نہیں کرتے۔'' ویرا بولی۔

''سلطان شاہ کی آزادی کے نام۔'' ویرا اپنا گلاس اٹھا کر مسکرائی۔

اس شام کے لیے ہم دونوں کی سب سے بڑی تمنا وہی تھی۔ میں نے گلاس اس کی طرف لہرایا اور پھر دونوں گلاس ہونٹوں سے جا لگے۔

ویرا نے بہت نزاکت اور شائستگی سے ایک ہلکی سی چسکی لے کر گلاس میز پر رکھا اور سگریٹ سلگانے لگی۔ مجھے شرمندگی ہوئی کہ میرے پہلے گھونٹ میں چوتھائی سے زیادہ گلاس خالی ہو چکا تھا۔

''یہ اچھی جگہ ہے۔ کمال ہے کہ پہلے ہمیں ادھر آنے کا خیال نہیں آیا۔'' سگریٹ کا کش لے کر ویرا ہال کا جائزہ لیتے ہوئے آسودہ لہجے میں بولی۔

''ہمیں یہاں آئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ تم یہ بھی بھول رہی ہو کہ ہم اب تک پہچانے جانے کے خوف سے چھپتے رہے ہیں۔ آج ذہن کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا ہے تو ادھر کی سوجھی ہے ورنہ کون ادھر کا رخ کرتا۔''

''تھوڑی دیر پہلے میں نے یہاں شمپین لی تو میرا دماغ بہت...... پراگندہ تھا۔ عملی طور پر اس وقت بھی حالات جوں کے توں ہیں مگر ایک راہ نظر آ جانے کے بعد پریشانی کم ہو گئی ہے۔''

کسی ریڈار کی طرح بہت دھیرے دھیرے گھومتی ہوئی اس کی گردن جب کئی سیکنڈ تک ایک ہی جگہ رکی رہی تو میں نے چونک کر آہستہ سے پوچھا۔ ''تمہیں ادھر کیا نظر آ گیا جو نظریں جم کر رہ گئی ہیں۔''

''ایک سفید فام جوڑا۔'' اس نے اپنے ہدف سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

''کیا مرد بہت وجیہہ اور طرح دار لگ رہا ہے؟'' میں نے ازراہ مذاق پوچھا۔

''نہیں۔ میں اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں۔ ہم آئے تو یہ دونوں ہوٹل کی لابی میں پڑے ہوئے صوفوں پر یوں بیٹھے ہوئے تھے جیسے کسی کا انتظار کر رہے ہوں اور اب یہاں موجود ہیں۔''

"اپنی نظریں ادھر سے ہٹالو۔ بلاوجہ انہیں گھورتی رہوگی تو وہ بھی تمہاری ذات میں دلچسپی لینی شروع کردیں گے۔ یہ اتفاق... بھی ہوسکتا ہے۔ اسے اہمیت مت دو۔"

ویرا نے سر جھٹک کر میری آنکھوں میں جھانکا، گلاس سے ایک اور چسکی لی اور مسکرانے لگی۔

"میرا دماغ خراب نہیں ہے جو اجنبی مردوں کو گھورتی پھروں۔" چند ثانیوں تک خاموشی سے مسکرانے کے بعد وہ لب کشا ہوئی۔ "میری نظریں اس پر صرف اس لیے مرکوز ہوئیں کہ وہ پہلے سے مجھے دیکھے جا رہا تھا۔ مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی اس نے سٹپٹا کر اپنی گردن سیدھی کرلی مگر بعد میں کن انکھیوں سے میرا جائزہ لینے کی کوشش کررہا تھا۔"

"ایسا ہے تو یہ بات تشویش ناک ہے۔ تم کہہ رہی تھیں کہ اسے پہچاننے کی کوشش کررہی ہو تو کیا تم پہلے بھی اسے کہیں دیکھ چکی ہو؟"

"عورت کی پشت میری طرف ہے لیکن مرد میری نظروں میں ہے۔ اپنے کھڑے کھڑے خدوخال، لمبی ناک اور قدرے جھلسی ہوئی رنگت کی وجہ سے وہ اطالوی معلوم ہورہا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ میں کہیں نہ کہیں اسے دیکھ چکی ہوں یا پھر اس سے مل چکی ہوں۔"

"اگر وہ پہلے لابی میں بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا ہوگا کہ ہم نے کاؤنٹر سے رہائشی کمرے کی چابی لی ہے۔ ہم کھانا کھائے بغیر بل ادا کرکے عجلت میں یہاں سے چل دیں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ انہیں علم ہوچکا ہے کہ ہم اسی ہوٹل میں مقیم ہیں۔"

"ہمیں بھاگنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے دوبارہ اسی طرف دیکھتے ہوئے دانت پیسے۔ "الو کا پٹھا پھر اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ میرے متوجہ ہوتے ہی نظریں چرالیں۔"

برطانیہ میں موجود ایک مشتبہ اطالوی کا وجود سامنے آتے ہی میرے ذہن میں مافیا کا ہولناک ہوا کھڑا ہوگیا۔ مافیا جو ایک اطالوی جزیرے سسلی میں بر سہا برس پہلے وجود میں آئی، کسی ہزار پا... پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی اور اس کے بڑوں... ان کا حصہ ادا کیے بغیر کہیں بھی کوئی منظم گروہ... سکتا تھا۔

ڈیوڈ اسٹارز کا قصہ شروع ہونے سے... مافیا شی کی سب سے طاقت ور حریف تھی۔ شی سے... انحراف کے بعد مافیا کے تیسرے درجے کے ایک... نے مجھے اپنے ساتھ مل بیٹھنے پر مجبور کردیا تھا۔ میں... پیشکش نہ قبول کرتا تو موت کا پیغام میرے... تھا۔ میں شی کا باغی تھا۔ مافیا والے مجھے پناہ فراہم کر... تھے۔ میں نے وقتی طور پر حالات سے سمجھوتا کرلیا۔

بعد میں میں نے اپنی حکمت عملی سے کام... کراچی میں شی اور مافیا کو ایک دوسرے کے... لا کھڑا کیا۔ ان میں چند خوں ریز تصادم ہونے کے... شی اس بری طرح بکھری کہ پھر بکھرتی ہی چلی گئی... کی تباہی میں مافیا نے بھرپور رول ادا کیا تھا۔

پاکستان کی حد تک اپنے حریف کا صفایا ہو... کے بعد میں نے اپنی ساری توجہ دوسرے دشمن پر... کردی۔ ایس ٹی ایف کے خفیہ تعاون اور میری... سے مافیا کے بیشتر بڑے آپریشن پے در پے ناکامی... شکار ہونے لگے۔

میں مافیا کے مقامی چیف کا دست راست تھا... لیے مجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ میں... مافیا کے چیف کی اصلیت کا سراغ لگالیا۔ وہ ایک لکھ... سیٹھ حبیب جیوانی تھا جسے جرمنی میں ہیروئن ا... کرنے کے الزام میں عمر قید ہوئی تھی۔

مافیا والوں نے جیل میں اس کا متبادل پہنچا... اسے فرار کرادیا تھا۔ اس سودے بازی کے... میں حبیب جیوانی ساری عمر کے لیے مافیا کا غلام بنا... گمنامی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس کے سامنے آتے... جرمن حکام کو جیل میں ہونے والی سازش کا علم ہوجا... اور وہ دوبارہ اندر پہنچا دیا جاتا۔

میرے لیے وہ موت وزیست کی کشمکش کا... بھیانک دور تھا جس کا اختتام حبیب جیوانی اور مافیا...

مکمل تباہی پر ہوا اوران کا کوئی ڈان اس بربادی کو نہیں ٹال سکا۔
بڑے کے رابطوں سے آزاد ہونے کے بعد مجھے پہلی مرتبہ مکمل خود مختاری حاصل ہوئی اور میں ملک دشمنوں کو چن چن کر ٹھکانے لگانے کے مقدس کام میں مصروف ہو گیا۔
پاکستان کے سوا دوسری تمام عالمی منڈیوں میں شی اور مافیا کا راج تھا اور وہ دونوں حریف میرے لہو کے پیاسے تھے۔ ذلت اور بربادی سے دوچار ہونے کے بہت بعد میں انہیں علم ہو گیا تھا کہ ان کے خاتمے میں بنیادی کردار میرا ہی رہا تھا۔
وہ دور یاد آتے ہی میں اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا۔ اگر مافیا کے کسی ایجنٹ نے ویرا کو پہچان لیا تھا تو میری خیر نہیں تھی۔ زیر زمین دنیا کے ہر قابل ذکر آدمی کو معلوم ہو چکا تھا کہ جمی الائیڈ کی زندگی میں ہی ویرا اپنے باپ سے منحرف ہو کر میرے ساتھ مل چکی تھی۔
ڈیوڈ اسٹارز کی نحوست کی وجہ سے میرے پرانے دشمن بھی دھیرے دھیرے سامنے آ رہے تھے۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات تھی مگر اس وقت اسے ٹالنا میرے بس سے باہر تھا۔
''اگر وہ تم سے نظریں چار نہیں کر رہا تو اس کے دل میں بھی کوئی چور ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کے ساتھ اپنی نفسیاتی لڑائی جاری رکھو۔ اگر وہ ریستوران میں موجود رہے تو میں کھانے کے دوران میں ان سے نمٹنے کی کوئی راہ تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔''
''وہ بھی بھاگنے والا نظر نہیں آتا۔ ان لوگوں کے ارادے خطرناک لگتے ہیں۔''
''ضرورت پڑی تو میں براہ راست ان کی میز پر بھی جا سکتا ہوں۔''
''براہ راست تصادم کی ضرورت نہیں۔'' وہ گھبرا کے بولی۔ ''ایک آدھ روز میں ہمیں یہاں سے نکل ہی جانا ہے۔ ہمیں صرف وقت گزارنے کی کوشش کرنی چاہیے۔''
''تصادم کے بغیر میں اس سے یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ وہ میری گرل فرینڈ کو مسلسل کیوں گھور رہا ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔
''ہاں...... یہ ایک معقول جارحانہ اقدام ہو سکتا ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں سر ہلا کر بولی۔ ''ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک ہال میں موجود دوسرے لوگ اس کی یہ بدتمیزی نوٹ کر چکے ہوں۔ کسی تکرار کی صورت میں وہ ضرور تمہارا ساتھ دیں گے۔''
میں بے اختیار ہنس پڑا۔ ''لوگوں کی بات آئے گی تو ایسے بھی بولیں گے جو تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ وہ کہیں گے کہ تم خود اشارے بازی کر کے اس اطالوی کی حوصلہ افزائی کر رہی تھیں۔''
''یہ ضرور ہوگا۔ شاید ایک آدھ مرد یا عورت نے اب تک نوٹ بھی کر لیا ہو۔''
''فکر کی بات نہیں۔ اب اس عمل کے ساتھ ذرا ہراساں ہونے کی اداکاری بھی شروع کر دو۔ بات بن جائے گی۔ تمہارے ہراساں ہونے سے وہ بھی ذرا شیر ہو جائے گا اور اس کے خلاف ہال میں متعدد گواہ پیدا ہو جائیں گے۔''
''سب جو بھی ہو، فی الحال اسے ذلیل ضرور کیا جانا چاہیے۔''
اسکاچ کے گلاس خالی ہونے تک ویٹرس نے ہماری میز پر سلاد کے ساتھ پلیٹیں وغیرہ لگانی شروع کر دیں۔ ویرا نے میری ہدایت کے مطابق کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح اپنی آنکھیں ذرا پھیلالی تھیں اور دور ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کسی وجہ سے سخت پریشان اور مضطرب ہے۔
میری پوزیشن اس قدر ناموزوں تھی کہ پیچھے گھومے بغیر اس خبیث اطالوی کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ویرا کا اندازہ تھا کہ اس کی ساتھی لڑکی اس قدر گاؤدی تھی کہ اسے اس وقت تک اپنے بوائے فرینڈ کی حرکات کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔
کراکری سجانے کے بعد میں نے کرسی چھوڑی تو ویرا مزید پریشان ہو گئی۔ میں نے اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی وضاحت کر دی کہ میں اطالوی سے لڑنے

نہیں بلکہ لندن کی اصطلاح میں لویا باتھ روم تک جارہا تھا۔ ویرا بے جان سے انداز میں مسکرا کر رہ گئی۔

میز چھوڑتے ہوئے میں ایسے زاویے سے باہر نکلا کہ پیچھے کا حصہ میری نگاہوں میں آگیا اور پھر میں نے ویرا کی نظروں کی سمت میں ایک لڑکی کے ساتھ بیٹھے ہوئے اس دراز قامت اطالوی کو بھی دیکھ لیا جو ہمارے لیے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ایک ویٹر کی رہنمائی کے ذریعے میں ریستوران کے واش روم تک جا پہنچا۔ اس وقت مجھے کسی قسم کی کوئی حاجت نہیں تھی۔ بس اپنے تازہ حریف کی ایک جھلک دیکھنے کا بہانہ تھا جو مجھے واش روم تک لے آیا۔ میں نے بیسن میں ہاتھ دھوتے ہوئے چمک دار دیوار گیر آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ کئی دن کے بڑھے ہوئے شیو کی وجہ سے میری شخصیت میں لاابالی یا لوفرانہ انداز ابھر آیا تھا۔

ڈرائر مشین پر ہاتھ خشک کرنے کے بعد میں واپس لوٹا تو پوری بساط جوں کی توں تھی۔ صرف اتنا فرق پڑا تھا کہ ہماری میز پر کھانا لگنا شروع ہو گیا تھا۔

''مجھے ایک شبہ تھا کہ میرے جانے کے بعد وہ خبیث تمہیں اکیلا دیکھ کر کہیں تمہاری میز پر ہی نہ آجائے۔'' میں نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے ہنس کر کہا۔

''استثنا ہر جگہ موجود ہوتا ہے مگر ایک قوم کی حیثیت سے اطالویوں کے تین عیب بہت مشہور ہیں۔ عورتوں کے معاملے میں بہت ندیدے ہوتے ہیں اور اپنی خوشامدوں کے ذریعے عورتوں کو شیشے میں اتارنے کے فن میں طاق ہوتے ہیں۔ ان کی تعریف و توصیف کے جال سے بچنا محال ہوتا ہے۔''

ہم اس وقت ایک پریشان کن صورت حال سے دوچار تھے لیکن ویرا نے جس انداز میں اطالویوں کے موروثی عیوب گنوانے شروع کیے میں اس سے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

''اگر تم اطالویوں کے بارے میں اتنی مستند معلومات رکھتی ہو تو ان کے بقیہ دو عیوب کے بارے میں بھی بتا ڈالو تاکہ میں بھی ان باتوں سے ہوشیار رہوں۔'' میں نے اس سے فرمائش کی۔

''یہ شیخی خورے ہوتے ہیں۔ اپنی کارکردگی کے اظہار میں زمین آسمان کے قلابے ملانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ سچ تک پہنچنے کے لیے ان کے دعووں کو اکثر چار سے تقسیم کرنا پڑتا ہے۔ اور تیسرا عیب یہ ہے کہ یہ پیدائشی جواری ہوتے ہیں۔ اصل اور مروج مفہوم میں جوا کھیلیں یا نہیں کھیلیں۔ ان کا مزاج جواریوں والا ہوتا ہے۔''

''یہ تینوں خامیاں دلیری اور مردانگی کی کمی ظاہر کرتی ہیں۔ حیرت ہے کہ مدر مافیا نے ایک ایسی قوم میں جنم لیا جو بے خوف اور بے جگر معلوم نہیں ہوتی۔''

''سسلی والے خود کو کبھی اطالوی نہیں کہتے۔ وہ ہمیشہ خود کو ان سے الگ شمار کرتے ہیں۔ اور مافیا کی داغ بیل وہیں ڈالی گئی تھی۔'' کھانے کے دوران میں ویرا نے آگاہ کیا۔

ویرا نے بتایا کہ وہی شخص کی تاک جھانک کا سلسلہ موقوف ہو چکا تھا۔ اس سے میں ایک ہی نتیجہ اخذ کر سکا تھا کہ ابتدا میں وہ بھی ویرا کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں ہم لوگ نسبتاً نیم تاریک حصے میں بیٹھے ہوئے تھے اس لیے وہ ایک نگاہ میں کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا۔ اسے اپنے ذہن پر زور دے کر مسلسل اور بار بار ویرا کی طرف دیکھنا پڑ رہا تھا۔ جب اس نے اس بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کر لی تو اسے ویرا کی طرف دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی اور مجاز پر نظر بازیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

کھانا جو کچھ بھی تھا، بہت لذیذ اور تازہ تھا جسے ویرا کی خاص ہدایت پر مسالوں سے چٹپٹا کر کے لایا گیا تھا۔ کھانے کے ساتھ فرانس کی عمدہ سرخ وائن ہوٹل اپنی طرف سے فراہم کرتا تھا۔ وہ اس کی قیمت بل میں شامل نہیں کرتے تھے لیکن یہ بات واضح تھی کہ کیبیڈ وائن کے دام ہر کھانے کی قیمت میں پہلے سے ہی شامل ہوں گے۔

ہم نے نہایت اطمینان سے کھانا ختم کیا، آئس کریم کھائی اور بل پر کمرا نمبر ڈال کر دستخط بھی کر دیے۔

کمرے کی تصدیق کے لیے چابی کافی تھی جو لیے سے نمبرنگ کے ساتھ میز پر رکھی تھی۔

اطالوی جوڑے کا کھانا دیر سے آیا تھا۔ وہ بدستور مصروف تھے۔ ویرا کے مشاہدے کے مطابق انہیں کھانا ختم کرنے کی کوئی عجلت بھی نہیں معلوم ہوتی تھی۔

''موقع غنیمت ہے۔ جلدی سے نکل چلو۔ وہ ہمیں کھانا کھاتے رہ جائیں گے۔'' ویرا نے مجھے اکسایا۔

''بعض اوقات تم بالکل احمقانہ باتیں کرنے لگتی ہو۔'' میں نے منہ بنا کر کہا۔

''اس وقت میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی جو تم میری عقل پر شبہ کر رہے ہو؟''

''وہ ہمیں سرو کرنے والی ویٹریس سے ہمارے کمرے کا نمبر معلوم کر سکتے ہیں۔ وہ یہ تو جان ہی چکے ہیں کہ ہم اسی ہوٹل میں مقیم ہیں پھر انہیں عجلت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم یہاں بیٹھنے کا ارادہ رکھتے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''ایسا بھی نہیں ہے لیکن تم نے یہاں سے چلنے کا جواز بہت بودا پیش کیا تھا۔ ہماری کمرے میں موجودگی ضروری ہے کیوں کہ ادل خان کسی بھی وقت فون کر سکتا ہے۔''

ویرا نے فوراً کرسی چھوڑ دی۔ میں نے اس کی تقلید کی۔ اطالوی نے سر اٹھا کر طائرانہ انداز میں ہماری طرف ایک نگاہ ڈالی اور سر جھکا کر دوبارہ اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس کے رویے میں سدھار پیدا ہو جانے کی وجہ سے میں نے اس سے باز پرس کرنے کا ارادہ منسوخ کر دیا۔ اس طرح پیدا ہونے والی بدمزگی کے نتیجے میں ہم چاروں ہی ہال میں موجود تمام افراد اور ہوٹل کے ملازمین کی توجہ کا مرکز بن جاتے جو ہم میں سے کسی کے بھی حق میں بہتر نہ ہوتا۔

ہم دونوں ریستوران سے نکل کر اپنے کمرے میں جانے کے لیے کاؤنٹر کے سامنے سے گزرے تو نگاہیں چار ہوتے ہی وہاں موجود لڑکی نے ہمیں بلانے کا اشارہ کیا اور میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہو گئیں۔

کاؤنٹر تک پہنچتے پہنچتے میرے ذہن میں کئی اندیشے سر ابھار چکے تھے۔ ہم اس وقت جن حالات سے دوچار تھے ان کے سبب اس قسم کا کوئی بھی واقعہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ پتا نہیں اس نے کیا سوچ کر ہمیں اپنی طرف بلایا تھا اور وہ ہم سے کیا چاہتی تھی۔

قریب پہنچتے ہی اس نے خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ شام بخیر کہا پھر میرے ہاتھ میں جھولتی ہوئی چابی دیکھ کر بولی۔ ''میرا یہی خیال تھا کہ چابی بورڈ سے غائب ہے اور کمرے سے جواب نہیں مل رہا تو تم لوگ ریستوران ہی میں ہو سکتے ہو۔ میں تمہاری منتظر تھی۔''

''مگر کیوں؟'' ویرا فکر آمیز لہجے میں بولی۔ میری طرح وہ بھی پریشان ہو گئی تھی۔

''تمہارے لیے فون پر اس شخص نے رابطہ کیا تھا۔'' اس نے کاؤنٹر کی دراز سے ایک رقعہ نکال کر ویرا کو تھما دیا۔

میں نے بڑھ کر وہ پرچہ دیکھا تو میری جان میں جان آ گئی۔

پرچے پر انگریزی میں آڈل کان لکھا ہوا تھا جو ادل خان کی بگڑی ہوئی شکل ہی ہو سکتی تھی۔

''شکریہ!'' ویرا نے مسکرا کر کہا۔ ''تمہاری فرض شناسی قابلِ تعریف ہے۔ تم اس پیغام کو اہمیت نہ دیتیں تو صبح تک ہم اس سے بے خبر رہتے۔''

''یہ ہمارا فرض ہے۔ غیر ملکی پیغامات کو ہم ہمیشہ اہمیت دیتے ہیں۔''

''کھانے کے بعد اب ہمارا موڈ بدل گیا ہے۔'' میں نے چابی کاؤنٹر پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''چہل قدمی سے واپسی پر تم سے دوبارہ ملاقات ہو گی۔''

وہ اپنے کی بورڈ کی طرف مڑ گئی اور ہم دونوں دروازے کی طرف ہو لیے۔

''تم نے کیسی مکاری سے باہر جانے کا عذر پیش کیا ہے!'' ویرا نے اردو میں حیرت سے کہا۔

''یہ الو خان سے بات کرنے کے لیے ضروری تھا۔

وہ اپنے نام کی یہ درگت دیکھ لے تو ناچ اٹھے گا۔''
''اگر اس وقت بدری ناتھ کا سی ایس ڈی ہماری تحویل میں ہوتا تو بوتھ تک دوڑ لگائے بغیر ہم کمرے سے ہی کراچی فون کر سکتے تھے۔ یہ بھی پتا چل جاتا کہ ہوٹل کی آپریٹر چھپ کر باتیں سننے کی کوشش کرتی ہے یا یہاں کسی مداخلت کا اندیشہ نہیں ہے۔'' ویرا نے کہا۔
''سب کچھ فون پر ہی منحصر ہو کر رہ گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہم یوں ہی ہوٹل اور پبلک بوتھ کے درمیان دوڑ دوڑ کر ہلکان ہوتے رہیں گے۔'' میں نے منہ بنا کر جواب دیا۔ ''یہ ٹیلی فون آپریٹروں کی ایک عالمگیر بیماری ہے کہ فرصت کا وقت گزارنے کے لیے دلچسپ گفتگو کی تلاش میں وہ خاموشی سے کالز سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ سی ایس ڈی جیسی چیز کے بغیر یہاں کے فون پر زیادہ بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ اب تک میں نے اس توقع پر فون استعمال کیا کہ ہماری ساری باتیں اردو میں ہوتی ہیں اور یہاں کے عملے میں مجھے ابھی تک ایک بھی ایشیائی نظر نہیں آیا ہے۔ اب میں یہ خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا۔''
فون بوتھ اس مرتبہ خالی ملا۔ کراچی میں اول خان اپنے دفتر میں موجود تھا۔
میری آواز سنتے ہی وہ پر جوش آواز میں بولا۔
''تمہارے مقابلے میں چار گھنٹے کے خسارے میں ہونے کے باوجود میں نے اپنا کام نمٹا لیا۔ اب مجھے صرف تمہارے فون کا انتظار تھا۔ آج کی بدترین خبر یہ ہے کہ تمہارے تمام خدشات حرف بہ حرف درست ثابت ہوئے ہیں۔ سلطان شاہ کو کسی تابوت میں لاش کے ساتھ چھپا کر امریکی بحریہ کے سی ون تھرٹی میں لے جایا گیا ہے جسے امریکی سفارتی کارگو ظاہر کیا گیا تھا اور یہ صرف چھ لاشوں کے بند تابوتوں پر مشتمل تھا۔ جہاز کے پانچ نفری عملے میں سلطان شاہ کو اغوا کرنے والے بھی شامل تھے جو اپنا کام پورا کر کے خاموشی سے ہماری گرفت سے نکل گئے۔ میرا منہ کالا ہو گیا۔ میں......''
''جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے سختی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔ تمہاری سب سے بڑی کارگزاری یہ ہے کہ تم نے کراچی جیسے انسانوں کے سمندر میں جمن کا سراغ لگایا جس کے ذریعے ہم اصل واقعات کا کھوج لگانے میں کامیاب ہو سکے۔''
''مجھے طفل تسلیاں مت دو۔ ہم نے جمن کو ضرور تلاش کیا مگر پھر بھی بھٹک رہے تھے۔ تم وہاں بیٹھ کر میری رہنمائی نہ کر رہے ہوتے تو میرے آدمی اس وقت بھی سلطان شاہ کو کراچی میں تلاش کر رہے ہوتے۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے...... یہ کچوکے تم محسوس نہیں کر سکتے۔ یہاں بازار ٹھنڈا ہو گیا۔ اب سارا بوجھ تمہارے کندھوں پر آپڑا ہے۔ مجھے خوش اور سرخرو دیکھنا چاہتے ہو تو سلطان شاہ تک پہنچو۔ کیسا اندھیر ہے کہ اب عالمی چوہدری بننے والے ملک سفارت کاری کی آڑ میں اغوا اور اسمگلنگ جیسے جرم کرنے لگے ہیں۔''
اس بار میں نے اسے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کا پورا موقع دیا۔ جب وہ خاموش ہو گیا تو میں نے کہا۔ ''تمہیں آج پتا چلا لیکن دنیا بھر میں برسوں سے یہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ سب کچھ تمہارے سامنے ہے لیکن تم اس پر کسی سے احتجاج نہیں کر سکتے۔ تمہارے پاس جمن اور کریم ملاح جیسے ضمیر فروش گواہوں کے سوا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ وہ تمہارے احتجاج کو جھوٹی الزام تراشی قرار دے کر نہ جانے کیا کچھ کر گزریں گے۔''
''کیسی بے کسی اور مجبوری ہے۔ ظالم ظلم کر کے رونے کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ لوگ اپنی عزت اور ساکھ کو اتنی بے رحمی سے استعمال کرتے ہوں گے۔''
''یہ یاد رکھو کہ ظلم انفرادی ہو یا عالمی، بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے۔ وہ وقت شاید قریب آگیا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے اتنے کم وقت میں یہ کام کیسے ختم کر لیا۔'' میں نے اسے دلاسا دے کر کہا۔
''ملیر کینٹ سے ائرپورٹ چند منٹ کی مسافت پر ہے۔ میں وہاں پہنچا تو سی ون تھرٹی کو روانہ کرنے والی پوری ٹیم شفٹ بدلنے کی آخری تیاریوں میں مصروف تھی۔ میں امیگریشن کے عملے اور لوڈروں کو روکوانے

میں کامیاب ہوگیا۔اس کے بعد کا کام زیادہ مشکل نہیں تھا۔''

''تابوت کے بارے میں تمہیں کیسے علم ہوا؟''

میں نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

''اس بارے میں پہلے ہی یہاں چرچا ہو رہا تھا۔ چھ میں سے ایک تابوت بہت بھاری تھا۔ ہر لوڈر اسے ہاتھ لگانے سے بھاگ رہا تھا۔ان میں آپس میں تکرار ہوتی رہی کہ بھاری تابوت کون سی پارٹی اٹھائے گی۔وہ سب پتھر کی طرح وزنی تابوت کو کسی گناہ گار کی میت قرار دے رہے تھے۔آخر کار سارے تابوت ٹرالی پر طیارے تک لے جائے گئے جہاں فورک لفٹ ٹرک سے انہیں جہاز پر چڑھا دیا گیا......''

''اتنی غیر معمولی بات ہونے کے باوجود لوڈنگ انچارج یا کسی کسٹم آفیسر نے بھاری تابوت پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا؟''میں نے حیرت سے پوچھا۔

''میری تفتیش تک سب کے ذہنوں پر گناہ گار میت کا فلسفہ سوار تھا۔کسی نے یہاں تک مشورہ دیا تھا کہ جب تک بھاری تابوت پر قینچی نہیں رکھی جائے گی،اسے اٹھایا نہیں جا سکے گا۔''

اول خان نے مایوسانہ لہجے میں بتایا۔''ان میں سے کوئی شبہ ظاہر کرتا تب بھی کچھ نہ ہوتا۔بظاہر وہ لاشوں کے تابوت تھے اور سفارتی مراعات کے تحت روانہ کیے جا رہے تھے،انہیں چھیڑا تک نہیں جا سکتا تھا۔وہ کسی عام پرواز سے جا رہے ہوتے تو کسی حیلے بہانے سے ان کی روانگی میں تاخیر کی جا سکتی تھی مگر وہاں یہ گنجائش ہی نہیں تھی۔رن وے پر ان کا اپنا سی ون تھرٹی تیار کھڑا تھا۔قلیوں وغیرہ کی ساری بحث اور تکرار اردو میں ہوتی رہی۔قونصل خانے کے دو افسر لاتعلقانہ انداز میں جہاز کے عملے سے گپ شپ کرتے رہے اور لوڈنگ مکمل ہوتے ہی طیارے کے انجن چلا دیے گئے۔ کنٹرول ٹاور سے کلیرنس ملنے کے بعد طیارے نے جگہ چھوڑنے میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔''

''اب ہر ایک کو علم ہو چکا ہوگا کہ بھاری تابوت میں لاش کے ساتھ ایک زندہ پاکستانی بھی قید تھا۔''

میں نے پر تشویش لہجے میں سوال کیا۔

''سو فیصد ٹھوس ثبوت کے بغیر سفارتی کارگو پر شبہ ظاہر کرنا سنگین ترین بے قاعدگی میں شمار ہوتا ہے۔ میں نے اس بارے میں سختی سے اپنی زبان بند رکھی۔ لوگ قیاس آرائی کر رہے تھے کہ شاید چھٹے تابوت میں ہیروئن چھپا کر لے جائی گئی ہے۔زندہ قیدی کی بات تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکی ہوگی۔''وہ افسردگی سے بتا رہا تھا۔''اگر امریکیوں کو پتا چل جائے کہ کوئی شخص بھاری تابوت میں زندہ قیدی کی موجودگی کے امکان کی چھان بین کر رہا تھا تو وہ مجھے تلاش کر کے ہمیشہ کے لیے میری زبان بند کر سکتے ہیں۔ایسے مجرم اور خونی سفارت کاروں سے کوئی بات بھی بعید نہیں ہے۔''

''تمہارا یہ فیصلہ بہت صائب تھا۔ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ اب ہم سلطان شاہ کے اغوا کے بارے میں بہت کچھ جان چکے ہیں۔''بات کرتے کرتے میں چونک پڑا''لیکن ابھی تمہاری بات ادھوری ہے۔ آئزک کے آدمیوں کی عملے میں موجودگی کی تصدیق کیسے ہوئی؟''

''تمہاری بتائی ہوئی تجویز کے سوا کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔میں نے بھاری تابوت کے بارے میں اپنی زبان سختی سے بند رکھنے کے ساتھ وہاں عملی طور پر اس مفروضے کو ہوا دی کہ جہاز کے عملے کا کوئی رکن بھاری تابوت میں ہیروئن چھپا کر لے جانے میں ملوث تھا۔ہمارا عام شہری آج بھی یقین نہیں کرے گا کہ بعض سفارت کار ایسی گندی سازشوں میں حصہ لے سکتے ہیں۔جب میں نے اپنے پرانے ریکارڈ کے حوالے سے جہاز کے عملے کے ویزا فارم وغیرہ طلب کیے تو مجھ سے بھرپور تعاون کیا گیا۔ پندرہ منٹ میں پانچوں تصاویر میرے حوالے کر دی گئیں۔ ائرپورٹ سے اسٹیشن فوراً آتے ہی میں نے جمن اور کریم کو ایک دوسرے سے الگ کر کے باری باری تصاویر دکھائیں اور ان دونوں نے کسی تردد کے بغیر اپنے دونوں آقاؤں کو پہچان لیا۔ان پانچوں کے بارے میں کسی بھی بھاگ دوڑ کے بغیر حقیقت سامنے آگئی۔''

بہت دشوار بلکہ ناممکن نظر آنے والے مراحل واقعی حیران کن تیزی سے پایہ تکمیل تک پہنچے تھے۔ میں نے کہا "تمہاری یہ مثالی کارکردگی قابل تعریف ہے۔ اب......"

"میرے زخموں پر نمک پاشی مت کرو۔" اول خان کی آواز فریادی ہوگئی۔ "سلطان شاہ کے معاملے میں شکست کے بعد یکا یک مجھے تھکن محسوس ہونے لگی ہے۔ میری طبیعت مضمحل ہے۔ تم تعریف کرتے ہو تو مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے تم مجھ پر طنز کر رہے ہو۔ مجھے اب گھر جا کر لمبی نیند لینے دو۔"

"ایسی باتوں سے تم مجھے بھی اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دو گے اور میں سلطان شاہ کو رہا کرانے کے بجائے دشمن کے تیار کیے ہوئے کسی گڑھے میں جا گروں گا۔ تم میری بات سمجھتے کیوں نہیں ہو۔"

"کہو۔ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اول خان نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"سلطان شاہ عارضی طور پر ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ غزالہ تمہارے گھر پر محفوظ ہے۔ اب تمہیں جہانگیر کی حفاظت کرنی ہے۔ اسے بھی خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔"

"مجھے تمہارا پیغام مل گیا تھا۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے اس سے بات کی تھی مگر وہ فون پر نشے میں اول فول بک رہا تھا۔ اس سے کہو کہ پہلے اپنی شراب نوشی میں کمی کرے۔ اس کے بعد ہی وہ محفوظ رہ سکے گا۔ اس وقت وہ اپنا سب سے بڑا دشمن ہے۔"

"اس کی رات کی مدہوشی ختم ہو جائے تو میں اسے کڑی سرزنش کروں گا مگر تم اپنا کام کرتے رہو۔ اپنا دل مضبوط رکھو۔ لڑائی میں ہار جیت ہوتی ہی رہتی ہے۔ شکست کا عزت اور وقار کے ساتھ سامنا کرنا بھی دل گردے کا کام ہے۔ اب تم گھر جا کر سو سکتے ہو۔"

"تم نے اپنے ایک جملے سے اس وقت میری آنکھیں کھول دی ہیں۔" اس کی آواز میں پہلی بار ایک نیا عزم اور ولولہ امڈ آیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اب مجھے کبھی ملول اور افسردہ نہیں پاؤ گے۔ شکست ہو ہی گئی ہے تو اب میں عزت اور وقار سے اس کا سامنا کروں گا۔ ایک سچے سپاہی کی یہی شان ہوتی ہے۔"

"فکر مت کرو۔ جلد ہی تم فتح یاب بھی ہو جاؤ گے۔ خدا حافظ۔" میں نے فون بند کر دیا۔

"اس معاملے میں سامنے آنے والی تلخ بلکہ ہوش ربا حقیقتوں نے اس حساس آدمی کے دل و دماغ پر گہرا اثر کیا ہے۔" ویرا نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "شاید تمہارا آخری سبق اسے نیا حوصلہ دے سکے۔ اس وقت مجھے اس پر رحم آ رہا تھا۔"

"بھول جاؤ کہ تم نے یہ باتیں سنی ہیں۔ اس سے کسی گفتگو میں ان کا حوالہ نہ دے بیٹھنا۔ وہ اپنی کسی کمزوری کی تشہیر پسند نہیں کرے گا۔" میں نے ویرا کو تنبیہہ کی۔

وہ چلتے چلتے رک گئی۔ میں مڑ کر اسے گھورنے لگا۔

"کیا میں نے غلط بات کہی ہے؟"

"تمہاری بات میں نے سن لی اور اس پر عمل بھی کروں گی۔" اس نے وضاحت کی "یہ موقع اچھا ہے۔ ہم خاموشی سے ہوٹل بدل لیں تو اس اطالوی جوڑے سے ہماری جان چھوٹ جائے گی۔"

اس کی تجویز نے مجھے چونکا دیا۔ اس وقت وہ بہت دور کی کوڑی لائی تھی۔ پاسپورٹ ٹکٹ اور رقم اس وقت بھی ویرا کے بیگ میں موجود تھیں۔ سفر میں ان چیزوں کو میں ہمیشہ جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ ہوٹل کے کمرے میں ہمارے چند جوڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ کراچی سے لائے ہوئے ہلکے پھلکے سوٹ کیس سے محرومی کا ازالہ ذرا سی دیر کی خریداری سے کیا جا سکتا تھا۔

اطالوی مرد کو ہمارے بارے میں یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ ہم اسی ہوٹل میں مقیم تھے۔ میرے ہاتھ میں موجود چابی سے اس نے یہ اندازہ لگایا ہوگا کہ کھانے کے بعد ہم اپنے کمرے میں ہی جائیں گے اور وہ جب چاہے ہمارا سامنا کر لے گا لیکن اول خان کے پیغام کی وجہ سے ہم غیر متوقع طور پر ہوٹل سے نکل آئے تھے۔ ہوٹل میں ہمارے متوقع بل سے زیادہ رقم جمع تھی۔ اگر

ہم وہاں لوٹنے کا ارادہ منسوخ کر دیتے تو اس اطالوی سے ہماری جان چھوٹ سکتی تھی۔

دوسرے ہوٹل میں وہ رات بسر کر کے ہم اگلے دن...... نیویارک کی نشستیں بک کراتے اور جلد از جلد لندن سے نکل جاتے تو ہر خطرہ ٹل سکتا تھا۔ وہ ویرا کی تجویز کا مثبت ترین پہلو تھا جو ہر اعتبار سے ترغیب انگیز تھا۔

اس میں کیا خطرات پنہا ہو سکتے تھے۔ اس سوال نے مجھے سوچ میں ڈال دیا۔

لمحہ بھر میں ہی تصویر کا دوسرا رخ میرے ذہن میں اجاگر ہونے لگا۔

پہلا نقصان یہ ہوتا کہ اس اطالوی کے بارے میں ہمیشہ کے لیے میرے ذہن میں خلش موجود رہتی۔ نہ جانے وہ کون تھا کیوں ویرا کی طرف متوجہ ہوا تھا اور کیا چاہتا تھا۔ دوسرا خطرہ استقبالیہ پر موجود لڑکی کی طرف سے تھا۔ اس سے اوّل کان کا پیغام ملنے کے بعد میں نے چہل قدمی سے واپسی پر ملاقات کے بارے میں زبان کھولی تھی۔ اصل نام سے قطع نظر آوّل کان کے الفاظ ایسے بے تکے تھے کہ وہ لڑکی ہفتوں بلکہ مہینوں نہیں بھول سکتی تھی۔ رات بھر ہمارے کمرے کی چابی ہوٹل کے کی بوڈ پر موجود رہتی تو وہ لڑکی سوچ میں پڑ جاتی کہ ہماری چہل قدمی اتنی طویل کیوں ہوگئی۔

ہماری غیر حاضری کے طول پکڑنے کی صورت میں اگلے دن بات ہوٹل کی انتظامیہ تک پہنچ جاتی اور بات کچھ یوں بنتی کہ ایک جوڑا بیرون ملک سے کسی آوّل کان کا پراسرار پیغام ملتے ہی ہوٹل سے چہل قدمی کے لیے باہر گیا اور پھر لوٹ کر نہیں آیا۔

غیر ملکیوں کے بارے میں ہر ہوٹل کی انتظامیہ بہت حساس ہوتی ہے۔ معاملہ فوراً پولیس تک پہنچ جاتا اور ہماری تلاش کی مہم شروع ہو جاتی۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں موجود ہمارے پاسپورٹوں کے اندراجات پولیس کے ہاتھوں سے گزرتے ہوئے ائرپورٹ امیگریشن تک پہنچ جاتے۔ ہم نیویارک روانگی کے لیے ادھر کا رخ کرتے اور روک لیے جاتے، ہم سے پوچھا جاتا کہ ہم ہوٹل سے پراسرار انداز میں کہاں غائب ہوئے تھے اور آوّل کان کون ہے؟ ساؤتھ آل کے واقعات کی وجہ سے اس تفتیش کے تیور بہت جارحانہ ہوتے۔ مزید خطرناک بات یہ تھی کہ میں بھی گیتا اور رمیش کی طرح ایک ایشیائی تھا۔ ایک غلط فیصلے کی وجہ سے پولیس سے جان چھڑانی مشکل ہو جاتی اور ہم دلدل میں دھنستے چلے جاتے جس سے باہر آنا ناممکن ہو جاتا۔

اطالوی کا سامنا کرنے کے مقابلے میں وہ خطرات بہت سنگین اور جان لیوا تھے۔

''رک کر کیوں کھڑی ہوگئیں؟ ہوٹل کی طرف چلتی رہو۔'' قلیل سے توقف کے دوران میں، میں نے وہ سب سوچ لینے کے بعد ویرا سے کہا۔ ''ابھی کچھ پتا نہیں کہ ہمیں کب کی نشستیں ملیں اور ہمیں کتنے دن لندن میں رہنا پڑے۔ اطالوی سے جان چھڑا کر ہم دوسرے بہت سے سنگین خطرات کو دعوت دے بیٹھیں گے۔''

''اگر تم کہہ رہے ہو تو اس تجویز میں خطرات ضرور پنہاں ہوں گے مگر میں ان کے بارے میں جاننا ضرور چاہوں گی۔'' اس نے میرے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔

''پولیس، سب سے بڑا خطرہ لندن پولیس کی مداخلت کا ہے۔'' میں نے اسے بتانا شروع کیا۔

وہ پولیس کا نام سنتے ہی چونکی تھی لیکن پوری بات سن لینے کے بعد پوری طرح میری ہم خیال ہو چکی تھی۔ اسے بس ایک ہی اعتراض سوجھا تھا کہ استقبالیہ والی لڑکی رات بھر ڈیوٹی پر موجود نہیں رہ سکتی تھی کیوں کہ ہوٹلوں میں رات کے عملے کی شفٹ دس اور بارہ بجے کے درمیان شروع ہوتی ہے جب کہ وہ آٹھ بجے ڈیوٹی پر موجود تھی۔ اس کا خیال تھا کہ رات کا عملہ آنے پر اس کی چھٹی ہو جاتی مگر خطرہ پھر بھی باقی رہتا۔

وہ خطرہ آوّل کان کے الفاظ سے تھا۔ جانے سے پہلے وہ یہ لطیفہ پورے ہوٹل میں پھیلا چکی ہوتی کہ دنیا کے ایک حصے میں آوّل یعنی الو بھی نام کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے ہماری طویل چہل قدمی کی کہانی بھی رات والے عملے تک پہنچ سکتی تھی۔

میں نے اس کی رائے کی ذرا بھی تردید نہیں کی کیونکہ اس نے خود ہی اپنے اعتراض کا ایک معقول جواب ڈھونڈ لیا تھا۔

ہم دونوں ہوٹل میں داخل ہوئے تو استقبالیہ والی لڑکی نے دوستانہ مسکراہٹ سے ہمارا استقبال کیا۔

"تمہاری چہل قدمی تو واقعی مختصر ثابت ہوئی۔ کیا باہر ہوائیں چلنی شروع ہوگئی ہیں؟"

"میرے دوست کے گھٹنے کمزور ہو گئے ہیں۔" ویرا نے ہنس کر اس کے ہاتھ سے چابی لے لی۔

اس وقت کاؤنٹر پر کوئی اور گاہک موجود نہیں تھا۔ لڑکی نے اس فرصت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بات بڑھائی۔ "تم برا نہ مانو، ایک ذاتی سا سوال پوچھ لوں؟"

ویرا نے اسے اجازت دے دی۔ میں اس کے سوال کا اندازہ کر چکا تھا۔

"آؤل مغرب میں عقل اور دانش کی علامت ہے مگر پھر بھی کوئی یہ نام نہیں رکھتا۔ کس ملک......"

"یہ انگریزی والا آؤل نہیں ہے۔ اس کا تلفظ ذرا مختلف ہے۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر بہت خوب صورتی سے اسے جامع جواب دے دیا۔

ویرا نے تلفظ کے اختلاف کی آڑ لی تھی مگر اردو اور انگریزی میں سفر، رن، کف، اور روز جیسے سو فیصد یکساں تلفظ پر مشتمل الفاظ کے معنے یکسر مختلف تھے۔ ایک دو الفاظ تو ایسے بھی تھے جو اردو میں جامع قانونی مفہوم رکھتے تھے مگر انگریزی میں استعمال ہوتے ہی... گالی بن جاتے تھے۔

لڑکی نے ہمیں گڈ نائٹ کہا اور ہم دونوں لفٹ کی طرف چل دیے۔

کمرے میں پہنچتے ہی ویرا نے اپنی عادت کے مطابق ٹیلی وژن آن کیا اور شب خوابی کا لباس سمیٹ کر باتھ روم میں جا گھسی۔ میں نے ریموٹ سے آواز دھیمی کردی اور پھرتی سے لباس تبدیل کرنے میں مصروف ہوگیا تاکہ ویرا کے نمودار ہونے سے پہلے بستر پر قابض ہوسکوں۔

ویرا کافی دیر بعد واپس آئی۔ میری طرف دیکھ کر اس نے بائیں آنکھ دبائی اور لائٹ آف کر دی۔ کمرے میں صرف بیڈ لیمپ کی روشنی باقی رہ گئی تھی۔ وہ نہ بھی ہوتی تو ٹیلی وژن اسکرین کی گھٹتی بڑھتی روشنی بھی کمرے میں نقل و حرکت میں مدد دے سکتی تھی۔

"اب تک اول خان بھی گھر لوٹ کر اپنے بستر میں پہنچ چکا ہوگا۔" ویرا نے بستر پر لیٹتے ہی کہا۔

"آج تم زیادہ تر اسی کے بارے میں سوچتی رہی ہو۔"

وہ میرے لہجے میں پوشیدہ طنز کو نظر انداز کر کے بولی۔ "وہ عزت کے لائق ہے اور میں اس کی عزت کرتی ہوں۔"

پھر ہمارے درمیان اگلے روز کے پروگرام پر تبادلہ خیال شروع ہوگیا جو خبروں کے آغاز تک جاری رہا۔ نو بجے خبریں آتے ہی ہماری توجہ اسکرین کی طرف مبذول ہوگئی۔

ملکی خبروں میں پہلی خبر شہزادہ چارلس کی صدارت میں ہونے والے ایک فلاحی پروگرام کی تھی جس میں معذور بچوں کی بہبود کے لیے متعدد اداروں نے بھاری رقوم کی عطیے دیے تھے۔ دوسری خبر کی ابتدا اس قدر سنسنی خیز تھی کہ میں نے اچھل کر بستر چھوڑ دیا اور ٹیلی وژن کی آواز بڑھا دی۔

ساؤتھ آل کے دہرے قتل کا اہم ترین گواہ آخرکار سامنے آگیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اسکرین سے خبر پڑھنے والا غائب ہوگیا اور فلم شروع ہوگئی۔ وہ کسی دفتر کا منظر تھا جس میں بہت سے باوردی پولیس افسران بھرے ہوئے تھے اور ایک ادھیڑ عمر شہری ایک میز کے سامنے کسی پولیس افسر کے روبرو بیٹھا کچھ بیان کر رہا تھا۔

پس منظر میں بتایا جا رہا تھا کہ قتل کی واردات والے دن گیتا اور اس کے ایک ایشیائی ساتھی کو سینٹرل لندن میں کینسنگٹن روڈ سے اومیز ریسٹوران کے راستے ساؤتھ آل میں جائے واردات تک پہنچانے والے ٹیکسی

ڈرائیور نے جنوبی لندن میں پولیس افسران کے روبرو پانچ بجے شام اپنا ابتدائی بیان ریکارڈ کرادیا ہے جسے فی الوقت صیغہ راز میں رکھا جارہا تھا۔ صرف گیتا کے آخری سفر کی جائے آغاز کا اظہار کیا گیا تھا۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اگر وہ مزید دوروز کے لیے اپنا بیان ریکارڈ کرانے کا ارادہ ملتوی کیے رکھتا تو اس کی قانونی پوزیشن میں ذرا بھی فرق نہ آتا۔ بس ہم دونوں کو اطمینان سے برطانیہ سے روانہ ہونے کا موقع مل جاتا۔

ٹیلی وژن پر کیمرے میں ادھیڑ عمر شہری رفتہ رفتہ نمایاں ہونے لگا۔ اس کا چہرہ واضح ہوتے ہی میرے وجود میں سنسنی اور خوف کی ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔ اپنے ٹیکسی ڈرائیور کا وہ چہرہ مجھے اچھی طرح یاد تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اسکرین سے کسی بھی لمحے میری طرف اشارہ کر کے پولیس افسران سے کہے گا یہ ہے گیتا اور جیمز کا اصل قاتل جسے میں لاد کر لایا تھا۔ گرفتار کر لو اسے۔''

''کیا تمھیں یہ چہرہ یاد ہے؟'' نیم تاریکی میں ویرا کی سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔

''یہ منحوس چہرہ میں ہزاروں میں بھی پہچان سکتا ہوں۔ چار دن تک مسلسل غائب رہ کر اس نے ہمارے سارے خوف مٹا دیے تھے۔ شاید قصہ بالکل ہی دب جاتا۔ اس نے اچانک سامنے آ کر اس مردہ کیس میں نئی جان ڈال دی ہے۔''

ہمارے لیے اس خبر میں ڈرائیور کے سامنے آنے سے زیادہ کوئی بات قابل ذکر نہیں تھی۔ اس کا بیان خفیہ رکھا گیا تھا۔ اس لیے وہ خبر بھی اتنی ہی تھی لیکن ٹیلی وژن پر مقتولین اور جائے واردات کے ساتھ ادمیز ریستوران کی پرانی تصاویر اور کینسنگٹن روڈ کی وڈیو فلم پر مشتمل طویل خبر چلتی رہی۔

اس اہم ترین گواہ کے یکایک نمودار ہونے سے ٹیلی وژن پر ایک نیا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ اس مبصر کا کہیں پتا نہیں تھا جس نے روپوش گواہ کو اس کی امکانی اینگلو انڈین نسل کی وجہ سے ملامت کا ہدف بنا کر مقامیوں کی قانون پروری کے گن گائے تھے۔

''اب سب کچھ بدل گیا ہے۔ ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔'' ویرا بڑبڑائی۔

''اس وقت پورے زور و شور سے پولیس والوں کی روایتی کارروائیاں شروع ہو چکی ہوں گی جن میں مشتبہ ملزم بلکہ مجرم کے خاکے بھی شامل ہیں۔''

''دعا کرو کہ یہ آفت نازل ہوئی گئی ہے تو ڈرائیور کے بتائے ہوئے حلیے کی بنا پر خاکے جلد جاری نہ ہو سکیں۔ ان کے بڑے پیمانے پر تشہیر تمہارے لیے مشکلات پیدا کر دے گی۔''

''میری چند روزہ داڑھی بھی اس وقت شک و شبے کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ مجھے اس سے فوراً ہی نجات حاصل کر لینی چاہیے۔'' میں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ یہ ضروری ہو گیا ہے۔ ویسے آج ہم ایک تباہی سے بال بال بچے ہیں۔''

''اس ڈرائیور کے نمودار ہونے سے زیادہ بڑی تباہی اور کیا ہو سکتی ہیں؟''

''اطالوی کے خوف سے ہم ہوٹل چھوڑ کر فرار ہو گئے ہوتے تو ہماری نجات کی ساری راہیں خود بخود مسدود ہو جاتیں۔ شاید یہ خبر پانچ بجے کے بعد سے ہی ٹیلی وژن پر چل رہی ہو گی۔ ہماری پراسرار روپوشی کی کڑیاں اسی سے ملائی جاتیں اور شہر سے ائرپورٹ تک کہیں نہ کہیں ہم دھر لیے جاتے۔''

''ہاں۔'' میں نے اس کی تائید کی ''ایسی صورت میں صرف پاسپورٹ ہی ہماری گرفتاری کے وارنٹ بن جاتے کیونکہ ان کی ہر تفصیل ہوٹل کے رجسٹر میں موجود ہے۔''

میرے ذہن پر تشویش کی ایسی لہر سوار ہوئی کہ میں کمرا روشن کر کے فوراً باتھ روم میں واش بیسن اور آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ میرا ارادہ صرف شیو بنانے کا تھا اس لیے میں نے دروازہ بند کرنے کا تکلف نہیں کیا اور ویرا میرے پیچھے پیچھے دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے آئینے میں اپنی

نومولود داڑھی کا جائزہ لیا اور پھر اس پر برش سے شیونگ کریم پھیلانی شروع کر دی۔

''تمہارا کیا خیال ہے آج اتنے دن گزر جانے کے بعد تمہاری شناخت کے بارے میں ڈرائیور کی یاد داشت اس کا ساتھ دے سکے گی؟'' ویرا نے پوچھا۔

''اس سے میرا سرسری سا سامنا ہوا تھا مگر ہم دن کی روشنی میں تھے اور پھر یہ لوگ پیشہ ورانہ طور پر چہرے یاد رکھنے میں شاید ماہر ہوتے ہوں۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔''

''میری رائے تم سے مختلف ہے۔ دن بھر سیکڑوں سواریوں سے ان کا واسطہ پڑتا ہے۔ وہ کہاں تک چہرے یاد رکھ سکتے ہیں۔ دوسری سواری اٹھانے تک پچھلی سواری کو بھول چکے ہوتے ہیں۔ صنف مخالف کے غیر معمولی چہروں یا مشہور لوگوں کی بات مختلف ہو سکتی ہے۔''

''ناامیدی کے اندھیرے میں اب امید کی یہی چند کرنیں ہیں جن کی روشنی میں، میں نے اسی وقت شیو کرنے کا فیصلہ کیا ہے ورنہ مجھے کلین شیو دیکھ کر ہوٹل کا عملہ بھی یہ سوچ سکتا ہے کہ کئی دن کا بڑھا ہوا شیو میں نے اچانک کیوں صاف کر دیا۔'' امید کے ساتھ میرے ذہن میں نت نئے وسوسے بھی سر ابھار رہے تھے۔

شیونگ کریم کے جھاگ میرے چہرے کے بالوں پر پوری طرح چھا چکے تھے، میں نے ریزر نکال کر بال اتارنے شروع کر دیے۔ چند منٹ میں میرا چہرہ کلین شیو ہو چکا تھا۔

منہ دھو کر میں کمرے میں لوٹ آیا۔ ویرا پریشانی کے عالم میں کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔

اس رات ہم دیر تک تفکرات بانٹ کر ایک دوسرے کو سہارا دیتے رہے۔ دوبارہ بتی گل کی تو رات کے دو بج چکے تھے۔

سونے سے قبل اپنے تفکرات کے باوجود مجھے رہ رہ کر اطالوی کا خیال آ رہا تھا۔ ریستوران میں بھرپور تجسس کے مظاہرے کے بعد اس کی طرف سے طویل خاموشی میری توقعات سے میل نہیں کھا رہی تھی۔

اگلی صبح ویرا مجھ سے پہلے بیدار ہو گئی۔ میں نے بستر چھوڑا تو ویرا اخبار چاٹنے میں مصروف تھی۔

''کیا خبریں ہیں؟'' میں نے انگڑائی لیتے ہوئے ویرا سے سوال کیا۔

''پولیس والوں کو جان اسمتھ نامی اس ڈرائیور کو اخباری نمائندہ کی یلغار سے محفوظ رکھنے کے لیے کسی نامعلوم مقام پر مہمان رکھا ہوا ہے مگر وہ اس کے اہل خانہ اور دوستوں وغیرہ کو گھیر کر کچھ معلومات جمع کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ان میں اہم ترین یہ ہے کہ جان اسمتھ نے اپنی گواہی دینے یا نہ دینے کے بارے میں ان میں سے کسی کو اعتماد میں نہیں لیا تھا۔''

''پورے اخبار میں تمہیں یہی ایک خبر ملی ہے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''اخبار کا پیٹ بھرنے کے لیے بہت سی بے سروپا کہانیاں موجود ہیں لیکن کسی سے یہ پتا نہیں چلتا کہ وہ قتل کی خبر پھیلتے ہی پولیس کے پاس کیوں نہیں گیا اور اب کیوں گیا ہے؟''

''آج غور سے اخبار دیکھنے کا کام تم ہی کر ڈالو۔ میں تیار ہو کر آتا ہوں۔''

باتھ روم سے واپسی پر بھی مجھے ویرا سے کوئی نئی خبر نہیں مل سکی اور میں نے فون سنبھال لیا۔

ہمارے نیویارک تک کے ٹکٹ امارات ائرلائنز ہی کے تھے مگر میرے پاس ان کے لندن دفتر کا فون نمبر نہیں تھا۔ سائڈ ٹیبل کے نچلے خانے میں موجود ٹیلی فون ڈائریکٹری سے میں نمبر تلاش کر سکتا تھا لیکن چند منٹ بچانے کے لیے میں نے آپریٹر کو ہی مطلوبہ نمبر تلاش کر کے ملانے کی ہدایت کر دی۔

آپریٹر بہت مستعد تھی۔ دوسرا منٹ گزرنے سے پہلے مجھے لائن مل گئی۔

دونوں ٹکٹوں کے کوائف بتا کر میں نے امارات کے متعلقہ افسر سے نیویارک کے لیے جلد از جلد روانگی کا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے کمپیوٹر دیکھنے کے بعد بتایا کہ اسی دن کوئی جگہ نہیں تھی۔ حتیٰ کہ چانس پر بھی نمبر نہیں دیا

ے دن کے لیے ہیتھ رو سے چانس پر اور گیٹ وک سے کنفرم نشستیں مل سکتی تھیں۔

بدری ناتھ کی بتائی ہوئی صورت حال میں وہ خبر میرے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی۔ میں نے فوراً ہی کنفرم نشستوں کی فرمائش کر دی۔

مجھے ہولڈ کرا کے وہ شاید اپنے کمپیوٹر میں ہمارا ٹکٹ ڈیٹا فیڈ کرتا رہا۔ اس بار کئی منٹ کے بعد اس نے ایک کمپیوٹر نمبر دینے کے ساتھ مجھے پرواز کے کوائف بتائے اور ہدایت کی کہ میں ان کے دفتر سے یا پھر پرواز کی روانگی سے دو گھنٹے پہلے گیٹ وک ائرپورٹ سے ہی ٹکٹوں پر اسٹکر لگالوں ورنہ کنفرمیشن خود بخود منسوخ ہو جائے گی۔ بکنگ کے حوالے سے صرف کمپیوٹر نمبر کافی تھا۔

اس وقت تک پاکستان میں گھر بیٹھے اتنی آسانی سے بکنگ کا تصور ناپید تھا۔ مسافر اس کے ٹریول ایجنٹ کو کئی چکر لگائے بغیر کسی مصروف روٹ پر آسانی سے کنفرمیشن نہیں ملتی تھی۔

فون بند کرتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ بدری کی باتوں نے مجھے اس معاملے میں تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔

"کب روانگی ہے؟" میرے فارغ ہوتے ہی ویرا نے پرتجسس لہجے میں سوال داغ دیا۔

"گیٹ وک ائرپورٹ سے کل دوپہر یونائیٹڈ ائرلائن کی پرواز طے ہوگئی ہے۔ ہمیں پرواز سے دو گھنٹے پہلے وہاں پہنچنا ہے۔" میں نے مسرت آمیز لہجے میں اسے آگاہ کیا۔ "خدا کرے کہ یہ وقت بھی خیریت سے گزر جائے اور جان اسمتھ ہمارے لیے کوئی نئی پریشانی کھڑی نہ کرنے پائے۔"

"یہاں سے گیٹ وک کافی دور ہے۔ ویسے بھی ہمیں یہاں کون سے ہل جوتنے ہیں۔ صبح ناشتا کرتے ہی نکل پڑیں گے۔ گیٹ وک پر ہمارا وقت اچھا گزرے گا۔" ویرا نے مشورہ دیا۔ "شاید وہ وکٹوریہ کے بس اسٹینڈ سے مقررہ وقفوں سے گیٹ وک کے لیے بسیں روانہ ہوتی ہیں۔ اس کے بارے میں کہیں سے معلومات مل جائیں گی۔"

سفر میرے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی لیکن لندن میں، میں جن حالات سے دوچار تھا ان کی وجہ سے میرے اعصاب پر تناؤ سا طاری ہو رہا تھا۔ میری خواہش تھی کہ وقت پر لگا کر اڑے اور ہم گیٹ وک ائرپورٹ سے اپنی پرواز کے ذریعے اگلی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں۔

میں نے ہوٹل کے عملے سے دور رہنے کے لیے ناشتا کمرے میں ہی منگوانے کا فیصلہ کیا اور انٹرکام پر روم سروس کو آرڈر نوٹ کرانے کے بعد سری نواس کے گھر کا نمبر ملا لیا۔

اس وقت ساڑھے نو بج رہے تھے۔ مجھے توقع تھی کہ بدری خود ہی فون اٹھائے گا اور یہی ہوا۔

"تم کب پرواز کر رہے ہو؟" اس کی آواز پہچانتے ہی میں نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"کل صبح ڈیلٹا ائرلائنز سے روانگی ہے۔ نیویارک پہنچوں گا تو وہاں دوپہر ہوگی۔ سیٹ بہت مشکل سے ملی ہے۔ ہر پرواز پر بہت رش چل رہا ہے۔" اس کی آواز سے خوشی مترشح تھی۔

"بالکل بکواس ہے۔ میں نے ابھی فون پر بکنگ کرائی ہے۔ تم نیویارک میں اترو گے اور میں یہاں سے چلوں گا۔ یہ کام کسی سفارش یا کوشش کے بغیر گھر بیٹھے بلکہ ہوٹل بیٹھے ہوا ہے۔"

"حیرت ہے۔ شنکر تو مجھے دوسری کہانی سنا رہا تھا۔" اس کی آواز تعجب آمیز تھی۔

"بعض سرکاری افسر دوسروں کو دھوکا دیتے دیتے اتنے بگڑ جاتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں پر بھی جا و بے جا احسان جتانے سے باز نہیں آتے حالانکہ ان بے مقصد حرکتوں سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔"

"فائدہ کیوں نہیں ہوتا۔" بدری ناتھ کی آواز میں ہلکی سی تلخی آ گئی۔ "اب میں سمجھا کہ اس نے یہ ڈراما کیوں رچایا تھا۔ میرے ٹکٹ اور پاسپورٹ کے ساتھ اس نے اپنی بیوی کے فرمائشی سامان کی ایک فہرست بھی بھیجی ہے جو مجھے واپسی پر دہلی میں اس کے گھر پہنچانا

ہو گا۔"
"شاید وہ تمہارے اصل پروگرام سے بے خبر ہے جو......" اس نے میری بات اچک لی۔
"تم ٹھیک سمجھے۔" وہ جلدی سے بولا۔ "میں وہ فہرست اسی وقت ردی کی ٹوکری میں ڈال دوں گا۔"
"تمہاری کہانی نے مجھے فکر مند کر دیا تھا اس لیے آج میں نے ناشتے سے پہلے ہی اس کام کا آغاز کیا اور منٹوں میں سارا مسئلہ حل ہو گیا، یہ بتاؤ کہ سی ایس ڈی کا کیا کرو گے؟"
"ساتھ لے جاؤں گا۔" اس کی آواز سے ظاہر تھا کہ میرے سوال نے اسے حیران کر دیا تھا۔
"ساتھ لے جا کر اسے ضائع کرو گے۔ تمہارے میزبان اس پر قبضہ کر لیں گے۔"
"ہاں...... یہ تو تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ ضرورت کی چیزیں وہ خود فراہم کریں گے۔"
"اور غیر ضروری چیزیں لے لیں گے۔" میں نے کہا۔ "وہ تم مجھے کیوں نہیں دے دیتے۔ جب چاہو گے تمہاری امانت تم کو واپس مل جائے گی اور میرا بھلا ہوتا رہے گا۔"
"میں اسے دے تو دوں مگر کیسے؟" اس کی تردد آمیز آواز ابھری۔ "لندن میں اب ہمارا ایک دوسرے سے ملنا ممکن نہیں ہے۔ سری کو اس کی ہوا لگ گئی تو وہ تمہیں دینے کے بجائے خود کھا جائے گا۔" وہ چند ثانیوں تک سوچنے کے انداز میں اوں اوں کرتا رہا پھر فوری خیال کے تحت بولا۔ "میں نے شیام سے بات کی ہے۔ وہی ائرپورٹ پر مجھ سے ملنے آئے گا۔ پتا نہیں بعد میں مجھے اس سے کب ملنے کا موقع ملے۔ میں سی ایس ڈی اسی کو دے دوں گا۔ اس سے لے لینا۔"
"او کے۔ وہ میرے بہت کام آئے گا۔ تم جاؤ میں تمہارے لیے دعا گو رہوں گا۔"
"بھگوان ہماری دوستی کو سدا قائم رکھے اور تمہاری رکھوالی کرتا رہے۔" بدری ناتھ نے ان الفاظ کے ساتھ فون بند کر دیا۔
"تمہارے ہاتھ میں بدری اب موم کی ناک بن کر رہ گیا ہے۔ جدھر چاہتے ہو موڑ لیتے ہو۔" گفتگو ختم ہوتے ہی ویرا نے ہنس کر کہا۔ "شاید وہ سی ایس ڈی سے دستبردار ہونے پر آمادہ ہو گیا ہے۔"
"اس کا اسی میں فائدہ ہے۔" میں نے کہا۔ "اس طرف سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مگر دوسری طرف سے انجانے اندیشے ہیں۔ ذرا اٹھ کر ٹیلی وژن تو کھول دو۔"
اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ شاید روم سروس والا ناشتا لے آیا تھا۔
میں بستر سے چھلانگ مار کر غسل خانے میں گھس گیا۔ ویرا دروازے کی طرف جا رہی تھی۔
"آ جاؤ۔ میدان صاف ہے۔" ڈیڑھ دو منٹ بعد ویرا کی آواز پر میں کمرے میں لوٹ آیا۔
ٹیلی وژن آن تھا اور ویرا ناشتا سرو کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔
میں نے نرم توسٹ اور ہاف فرائیڈ انڈوں سے ناشتے کا آغاز ہی کیا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی چیخ اٹھی اور میں بری طرح چونک پڑا۔
میرا پہلا خیال اول خان کی طرف گیا اور میں نے دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے ریسیور اٹھا لیا۔
ریسیور اٹھاتے ہی ایک حلیم سی مردانہ آواز سنائی دی مگر ہیلو سے آگے ایک لفظ بھی میرے پلے نہ پڑ سکا۔ مجھے شبہ سا ہوا کہ کہیں وہ اطالوی نہ بول رہا ہو۔
میں نے اس کی بات کاٹ کر شستہ انگریزی میں کہا۔ "میں یہ زبان نہیں سمجھتا۔ انگریزی میں بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"
"نو...... نو...... انگلیشیا" شاید میرے فقرے اس کے سر پر سے گزر گئے مگر وہ میرا مدعا سمجھ گیا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ پھر بولا۔ "مادام سیکا......" اس سے آگے پھر وہی اجنبی زبان تھی۔ میرے ذہن میں یکایک پچھلی رات والے مشتبہ اطالوی کی تصویر ابھر آئی۔ لب و لہجے سے وہ اطالوی زبان ہی معلوم ہو رہی تھی
"شاید وہی حرامی اطالوی ہے۔ تم دیکھو کہ وہ کیا کہہ

''میں نے ریسیور ویرا کی طرف بڑھا دیا۔

ویرا نے ریسیور لیتے ہی بہت روانی سے کچھ کہا۔ اجنبی کی طرح اس کے الفاظ میں بھی خ اور ن کی بہت زیادہ تکرار تھی یا مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ مجھے علم تھا کہ ویرا یورپ میں بولی جانے والی ہر بڑی زبان پر قدرت رکھتی تھی۔

اپنی بات کہہ دینے کے بعد جب ویرا دوسری طرف کی بات سننے کے لیے خاموش ہوئی تو میں نے لمحہ بھر کے لیے اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزرتے دیکھا۔ دوسری طرف سے اس نے یقیناً کوئی پریشان کن بات سنی ہوگی مگر فوراً ہی اپنے بے ساختہ عمل پر قابو پا لیا تھا۔

فون پر ویرا کی وہ گفتگو کئی منٹ جاری رہی۔ میں اس کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اپنے ناشتے سے بھی انصاف کرتا رہا۔ بات ختم کر کے ویرا واپس آئی تو اس کا چہرہ قدرے اترا ہوا تھا۔

واپس لوٹ کر وہ خاموشی سے ناشتے میں مصروف ہوگئی تو مجھے حیرت ہوئی کہ اس نے فون کے بارے میں مجھے کوئی بات بتانے کی زحمت نہیں کی۔

میں نے کچھ دیر تک اس خیال سے انتظار کیا کہ شاید وہ بات کی ابتدا کے لیے مناسب الفاظ تلاش کر رہی ہو لیکن جب اس کی خاموشی کا تسلسل بڑھتا چلا گیا تو مجھے زبان کھولنی پڑ گئی۔ ''تم نے بتایا نہیں کہ یہ کس کا فون تھا؟''

''وہی تھا۔'' ویرا نے مجھ سے نگاہیں ملائے بغیر افسردگی سے کہا۔ ''اسی ہوٹل کے ایک کمرے سے بول رہا تھا۔ اس نے مجھے پہچان لیا ہے۔''

میرے لیے ویرا کا وہ انکشاف کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ ''مگر وہ ہے کون؟'' میں نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدل کر پُرتجسس لہجے میں پوچھا۔

''وہ ڈان روزینی کا بیٹا ہے۔ ناشتا کر لو تو میں تمہیں اس کی پوری کہانی سنا دوں گی۔''

ڈان روزینی۔ میرے ذہن نے اس نام کا اعادہ کیا۔ نام اور اس کی وطنیت ہی سے ظاہر تھا کہ وہ یقینی طور پر مافیا کی کسی کڑی سے وابستہ تھا۔ اگر مافیا کے کسی گرگے نے ویرا کو پہچان لیا تھا تو پھر میری اصلیت کا راز میں رہنا ناممکنات میں سے تھا۔ اس شناخت کے نتیجے میں پرانی رنجشیں اور رقابتیں فوری طور پر رنگ دکھا سکتی تھیں۔

وہ کوئی پسندیدہ صورتِ حال نہیں تھی۔ لندن میں ہمارا پورا ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ اگلے دن روانگی کا پورا بندوبست ہو چکا تھا لیکن اچانک ہی وقت کا پہیہ ہمارے خلاف حرکت میں آ گیا تھا۔

ایک طرف روپوش ٹیکسی ڈرائیور پولیس کے سامنے پیش ہو چکا تھا اور دوسری طرف ڈان روزینی کے بیٹے نے ویرا کو پہچان لیا تھا۔ بات کچھ بگڑتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ اب ہم دونوں کو فوراً ہی ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دینا چاہیے۔'' ناشتے سے فارغ ہو کر ویرا نے پژمردہ آواز میں کہا۔ ''یہاں سے ہم الگ الگ نکلنے کی کوشش کریں گے۔ خیریت سے نیویارک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تو وہاں پھر یکجا ہو جائیں گے۔''

''مگر کیوں؟'' میں نے بہ اصرار دریافت کیا۔ ''آخر تم ڈان روزینی کے بیٹے سے بات کرنے کے بعد اتنی خوف زدہ کیوں ہوگئی ہو؟''

''یہ اس کا مسئلہ نہیں ہے۔ کل ایک ڈرائیور سامنے آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے عقب نما آئینے میں اپنے تعاقب کا اندازہ لگا لیا ہو۔ بات وہیں آ جائے گی کہ پولیس سفید فام عورت اور ایشیائی مرد پر مشتمل ہر جوڑے کو شبے کی نگاہ سے دیکھے گی اور ہم پھنس جائیں گے۔''

''تم مجھ سے کوئی بات چھپا رہی ہو۔ ڈرائیور کے بیٹے سے کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوگا۔ عقب نما آئینے میں وہ کوئی دوسری ٹیکسی تو دیکھ سکتا تھا، یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس میں کوئی سفید فام عورت اس کی گاڑی کا پیچھا کر رہی ہے۔ دوسرے ڈرائیور کے سامنے آئے بغیر یہ راز فاش نہیں ہو سکتا۔''

''اس کے بیان سے شہ پا کر کسی وقت دوسرا ڈرائیور بھی سامنے آجائے گا۔''

''اس وقت تک ہم یہاں سے ہزاروں میل دور نکل چکے ہوں گے، تم یہ بے سروپا بہانے بازیاں چھوڑو اور مجھے اس اطالوی کے بارے میں بلا کم وکاست پوری حقیقت بتادو۔ اس کی روشنی میں ہی ہم مل کر کوئی صحیح فیصلہ کرسکیں گے۔''

''اور اگر میں اس بارے میں کچھ نہ بتانا چاہوں؟'' اس نے مجروح نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں پوچھا۔

''کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں اس کے دروازے پر دستک دوں گا۔''

''یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ آج اس نے میرے پرانے زخم ہرے کردیے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے شرمسار ہو...کر اپنا سر جھکا لیا۔ میں نے اسے پہلی بار یوں شرمندہ ہوتے دیکھا تھا۔

''جب تک ہم ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، ہمارے سارے مسائل مشترک ہیں۔ ویسے بھی تمہارا ماضی مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہر بات کھلی کتاب کی طرح میرے سامنے ہے اور میں نے آج تک اس حوالے سے تم کو کبھی بھی شرمندہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''یہ تمہاری بڑائی ہے۔'' وہ سر اٹھائے بغیر بولی۔ ''مجھے مجبور مت کرو۔''

وہ خاموش رہنے پر تلی ہوئی تھی۔ میں اس کی زبان کھلوانے پر اصرار کرتا رہا۔ آخرکار اسے میرے سامنے ہتھیار ڈالنے ہی پڑ گئے۔

''راماکا سے میری پہلی ملاقات روم میں ان دنوں ہوئی تھی جب ڈان مرسیانو کے روپ میں جمی لائیڈ مجھے نسوانی طاقت کے ذریعے شہ زور مردوں کو مسخر کرنے کی ترتیب دے رہا تھا۔'' ویرا کھوئی کھوئی آواز میں رک رک کر بتانے لگی۔ ''راماکا بہت خودسر نوجوان ہے اور ان دنوں مجھے ایسے مردوں کی انا کو ریزہ ریزہ کرنے کی کچھ عادت سی ہوئی تھی۔ وہ میرے گرد منڈلاتا رہا دوستی کر لینے کے باوجود میں نے اسے مد... کرنے کی اجازت نہیں دی پھر مجھے اچانک روم ... جانا پڑ گیا۔''

وہ سانس لینے کے لیے رکی تو میں نے پوچھا۔ ''اسی کے ساتھ مجھے ذرا سا پس منظر بھی بتاتی چلو تو بہتر رہے گا، روزینی کون ہے؟ روم میں تم کس حیثیت سے ... رہی تھیں؟''

''سسلی کے جزیرے کے شمال مغربی ساحل ... پالرمو نامی ایک شہر مافیا کا اصل وطن ہے۔ روزینی ... کے مضافات کا ایک جاگیردار ہے جو ان دنوں بھی ... کا بہت بارسوخ ڈان ہوا کرتا تھا۔ راماکا اسی ... روزینی کا لڑکا ہے۔ وقت کے ساتھ اس میں ... تبدیلیاں آگئی ہیں، وہ تعارف نہ کراتا تو میں اب ... اسے نہیں پہچان سکتی تھی لیکن اس نے کل میری ایک ... جھلک دیکھتے ہی میرا پیچھا شروع کردیا تھا اور آخر ... مجھے پہچاننے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ مجھے سیکا کے ... سے جانتا ہے۔ ان دنوں مجھے روم میں اسی نام سے پکا... جاتا تھا۔''

''اگر وہ تمہارے اصل نام سے ابھی تک بے خ... ہے تو پھر اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے اطمینان ... کا ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''... دم اس خوف سے نکل رہا تھا کہ کسی مافیا والے ... تمہیں ویرا لائیڈ کی حیثیت سے پہچان لیا ہے اور ... یہیں الجھ کر رہ جائیں گے۔''

''نہیں، یہ میرا خالص ذاتی معاملہ ہے اسی ... میں تم سے الگ ہو کر اسے نمٹانا چاہتی ہوں۔ وہ میرے ... ساتھ الجھا رہے گا اور تم آسانی سے یہاں سے نکل ج... گے۔ میں بعد میں اسے جل دے کر یہاں سے نکلنے ... کوشش کروں گی۔ اس وقت یہی سب سے محف... اور مناسب راہ ہے۔''

''یہ ناممکن ہے کہ میں تمہیں اس کے رحم وکرم ... چھوڑ کر یہاں سے نکل جاؤں۔ آخر تم اس سے اتنی ڈر... ہوئی کیوں ہو؟ میں پہلی بار تمہیں اتنا ہراساں دیکھ... ہوں۔ وہ تم سے کیا چاہتا ہے؟'' میں نے اپنی جھلاہ...

پر قابو پا کر ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔
''وہ دیوانگی کی حد تک خودسر اور ضدی ہے۔ مافیا کے ایک طاقت ور ڈان کا بیٹا ہونے کی وجہ سے وہ خود کو زمین کا خدا سمجھتا ہے جس کی کسی خواہش سے انحراف ممکن نہیں ہے۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ لندن آیا ہوا ہے اور شناساؤں سے بچنے کے لیے اس متوسط اور غیر معروف ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔ اس نے اپنی بیوی کو ناشتے کے لیے بھیج کر مجھے فون کیا تھا۔''
وہ پھر خاموش ہوگئی۔ اس کی خاموشی سے اس بار مجھے وحشت سی ہونے لگی۔ ''وہ کیا چاہتا ہے؟''
''وہ لندن میں میری سہولت کے مطابق مجھ سے جلد از جلد شادی کا خواہاں ہے۔''
''شادی شدہ ہوتے ہوئے وہ تم سے کیسے شادی کرسکتا ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔
''میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ وہ خودسر اور انا پرست ہے۔ اس کے نزدیک بیوی کی اہمیت پیر کی جوتی سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ اسے طلاق دینے پر آمادہ ہے۔''
''اور تمہاری کیا رائے ہے؟'' میں نے اس نازک موڑ پر کسی خوش دلی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے گہرے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔
''آج مجھے اس کی صورت ہی نہیں آواز تک سے سخت ترین نفرت ہوگئی ہے۔ میں اس کی کیفیت کو خوب سمجھ رہی ہوں۔ مجھے دیکھ کر اس کے دل میں کوئی لطیف جذبہ بیدار نہیں ہوا بلکہ اسے روم والی توہین یاد آگئی۔ اب وہ ہر قیمت پر اس توہین کا انتقام لینا چاہتا ہے اس کی وحشیانہ سوچ کا اندازہ اسی بات سے لگا سکتے ہو کہ اس انتقام کی خاطر وہ اپنا بسا بسایا گھر تک اجاڑنے پر تل گیا ہے۔''
''میں اس سے گفتگو کے دوران میں تمہارے چہرے کے نرم اور مدافعانہ تاثرات دیکھ رہا تھا، اس سے تو تم نے یہ سب باتیں نہیں کی ہوں گی۔'' میں نے اپنے دل و دماغ میں انگڑائیاں لینے والے قہر و غضب کے طوفان کو دیرا سے پوشیدہ رکھتے ہوئے سوال کیا۔
''اس کی مکاری کا جواب میں بھی مکاری سے ہی دیا ہے۔ میں نے تمہیں اپنا شوہر قرار دے کر مجبوری ظاہر کی ہے۔ اس کا مطالبہ ہے کہ تم سے طلاق لے لوں، تم آمادہ نہ ہوئے تو وہ تمہاری جان تک لینے کے لیے تلا بیٹھا ہے۔ اسی لیے میں کہہ رہی تھی کہ تم کل کی پرواز سے نکل جاؤ۔ اس کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ اپنا انتقام پورا ہونے تک وہ مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا۔ میں آرام سے اسے دو تین دن تک الجھائے رکھوں گی اور پھر خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں گی۔''
''یہ نہیں ہوگا۔ ہم ایک ساتھ جائیں گے۔'' میں نے اٹل لہجے میں کہا۔ ''پورا پس منظر سامنے آجانے کے بعد میں پورے اعتماد سے اس کا سامنا کرسکتا ہوں......''
''نہیں۔ تم اس کے سامنے نہیں جاؤ گے۔'' اس نے گھبرا کے میری بات کاٹ دی۔ ''پڑھ لکھ لینے کے باوجود وہ ذہنی طور پر آج بھی انیسویں صدی کا وحشی قبائلی ہے۔ میرے اور تمہارے مفروضہ ازدواجی رشتے کا ذکر سنتے ہی اس نے بے ساختہ تم سے ڈوئل کی طرز پر گن شوٹنگ کے مقابلے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ تم تصور نہیں کرسکتے کہ اندر سے وہ کتنا جنگلی ہے اور اپنی ہر خوبی پر کس طرح ناز کرتا ہے۔''
''اسے اپنے نشانے پر گھمنڈ ہے تو تم مجھ کو بھی جانتی ہو اگر انگلینڈ میں ایسے مقابلوں کی کوئی قانونی حیثیت ہے تو یہ اسے اس کے کیفرِ کردار تک پہنچانے کا بہترین طریقہ ثابت ہوسکتا ہے۔''
''تم کہاں کی باتیں کر رہے ہو؟'' اپنی پوری کتھا سنا دینے کے بعد میرا حوصلہ افزا رویہ دیکھ کر دیرا کا کھویا ہوا اعتماد بحال ہونے لگا تھا۔ ''بیسویں صدی میں مہذب دنیا کا کوئی قانون ایسی جاہلانہ خونریزیوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ ان کے دماغوں میں پچھلی صدی کا وہی ماحول رچا بسا ہوا ہے۔ جب ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کا درجہ رکھتا تھا اور ان کے ظلم کے سامنے کوئی سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔''
''ایسے سرکش اور بد دماغ لوگ اس زمین کا بوجھ

ہوتے ہیں۔ان کا بہتر ٹھکانا زمین کے سینے میں ہی ہوتا ہے۔ہمارے پاس صرف آج کا دن ہے۔ہمیں آج ہی اس بارے میں کچھ کرگزرنا ہوگا۔اگر گیتا کیس میں کوئی نئی الجھن پیدا نہ ہوئی تو کل ہمیں ہر حال میں یہاں سے نکلنا ہے۔''

''تمہارے الفاظ سے خون کی بو آرہی ہے۔تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟''

''مجھے جو کرنا ہوگا، میں کرگزروں گا۔تم اس سے فون پر بات کرو۔اس کا حوصلہ بڑھاؤ تاکہ وہ آج شام تمہارے ساتھ سیر کے لیے کسی ویرانے کی طرف نکلنے پر آمادہ ہوجائے۔تم یہ پروگرام بنانے میں کامیاب ہوگئیں تو آج رات ہم میٹھی نیند سوسکیں گے۔''

میرے کسی منفی ردعمل کا خوف دور ہونے کے بعد وہ دھیرے دھیرے اپنے اصل روپ میں آتی جارہی تھی۔تھوڑی سی ردوکد کے بعد میرے منصوبے کی تفصیل جانے بغیر میرے مشورے پر عمل کرنے پر آمادہ ہوگئی۔

میرے سامنے اس کے علاوہ مزید دو اہم کام تھے۔پہلے غزالہ کو فون کر کے ویرا کے متوقع تجسس سے ہوشیار کرتے ہوئے امریکا روانگی کے پروگرام سے آگاہ کرنا تھا۔دوم جہانگیر کو خطرات کا احساس دلا کر بسیار نوشی سے گریز کرنے اور راول خان سے رابطے میں رہنے کا مشورہ دینا تھا۔

پہلے فون کے لیے ویرا سے رازداری برتنی ضروری تھی اور دوسرے فون کے لیے ہوٹل نامناسب تھا۔

''مجھے جہانگیر کی گوشمالی کرنی ہے۔میں تھوڑی دیر کے لیے باہر جارہا ہوں اسے فون کر کے تھوڑی دیر میں لوٹ آؤں گا۔اس دوران میں تم تخلیے میں پوری آزادی سے اپنے جنگلی سے بات کرسکتی ہو۔''

''مجھ سے بات کر کے وہ کھل کر سامنے آگیا ہے۔ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری گھات میں کہیں آس پاس ہی منڈلا رہا ہو اور تمہیں دیکھتے ہی الجھنے کی کوشش کرے۔'' اس نے خدشہ ظاہر کیا۔

''ہم کسی جنگل میں نہیں، لندن کے ایک معقول ہوٹل میں ہیں۔یہ بات وہ بھی جانتا ہے۔یہاں اپنی [illegible] کا مظاہرہ کر کے وہ خود بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا اور پھر ابھی تو اس نے تمہیں مجھ سے طلاق لینے کا مشورہ دیا ہے۔براہ راست الجھنے سے پہلے وہ اس مشورے کے نتائج کا انتظار کرے گا۔''

''میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' اس نے اصرار کیا۔''راما کاروزینی سے بات کرنے کے لیے مجھے کسی تخلیے کی ضرورت نہیں تمہاری موجودگی میں بھی میں... اس سے کھل کر بات کرسکتی ہوں کیونکہ تم اطالوی زبان سے ناواقف ہو اور وہ انگریزی سے نابلد ہے۔''

''یہ حیرت کی بات ہے کہ یورپ کے بعض خطوں میں انگریزی ایسی اجنبی زبان سمجھی جاتی ہے۔'' میں نے اضطراری انداز میں وہ بات کہہ ڈالی۔

''اجنبیت کے ساتھ کچھ تعصبات بھی ہیں۔ان کا مظاہرہ فرانس میں کیا جاتا ہے۔بیشتر فرنچ انگریزی میں پوچھے گئے سوال کا جواب فرنچ میں دیتے ہیں اور ناگزیر ضرورت کے بغیر انگریزی کا سہارا لینا معیوب سمجھتے ہیں۔'' ویرا نے بتایا۔وہ بات پہلے ہی میرے مشاہدے میں تھی۔

میری طرف سے موضوع کی تبدیلی کو ویرا نے ایک ساتھ روانگی پر رضامندی تصور کرتے ہوئے جوتے پہننے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ میں نے اسے ٹوک دیا۔

''نہیں ویرا، میری بات مانو، میں جو کہہ رہا......''

میرا وہ فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ ٹیلی وژن پر معمول کی نشریات روک کر ساؤتھ آل مرڈر کیس کے بارے میں ایک خاص پروگرام پیش کرنے کا اعلان کیا جارہا تھا۔

''قاتل ہم میں سے کسی نہ کسی کے آس پاس پوری آزادی سے دندناتا پھر رہا ہے۔اسے پہچان کر قانون کے حوالے کریں۔ٹیکسی ڈرائیور جان اسمتھ کی یادداشت سے مجرم کا خاکہ آپ کے سامنے ہے۔'' اس گمبھیر اور ڈرامائی کمنٹری کے ساتھ ہی پوری اسکرین پر ایک فلمی چہرہ نقطے سے بڑھ کر ٹیلی وژن کی پوری اسکرین پر چھاتا چلا گیا۔

میں سانس روکے ٹیلی وژن پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔

ٹیلی وژن اسکرین پر تصویر واضح ہوکر پوری طرح پھیل گئی۔ وہ سرکاری محکمے کے کسی مصور کا بنایا ہوا قلمی خاکہ تھا۔ ٹیلی وژن پر نشر ہونے والے اعلان نے ان لمحات میں گویا میری ہڈیوں میں گودا تک منجمد کر دیا تھا لیکن خاکہ نمایاں ہوتے ہی کمرے کی محدود فضا ویرا کی دبی دبی ہیجان آمیز سرگوشی سے گونج اٹھی۔

''یہ تم نہیں ہوسکتے...... اس خاکے کو دیکھ کر کوئی بھی تم پر شبہ نہیں کر سکے گا۔ جان اسمتھ نے تمہارے ایک محسن کے روپ میں سامنے آکر سب کو غلط راہ پر ڈال دیا ہے۔''

ویرا کی اس مسرت آمیز آواز نے میرے وجود پر چھایا ہوا سحر توڑ دیا۔ میں نے خوف اور خالی الذہنی کی کیفیات کو اپنے ذہن سے جھٹک کر اس خاکے کا ناقدانہ جائزہ لینا شروع کر دیا۔

اس خاکے میں چہرے کی ساخت یا بیرونی خطوط میرے اصل چہرے کے مطابق نہیں تو اس سے مشابہ ضرور تھے اس سے آگے سب کچھ گمراہ کن تھا۔

اس خاکے میں بال کافی بڑے، پیشانی تنگ، آنکھیں سرد اور بھنچی ہوئی اور دہانہ شقاوت قلبی کا مظہر نظر آرہا تھا۔

شاید ڈرائیور کی یادداشت کے بارے میں ویرا کا ہی نظریہ درست ثابت ہوا تھا۔ اگلی سواری بٹھانے تک ہر پیشہ ور ڈرائیور اپنی پچھلی سواری کو بھول چکا ہوتا ہے۔ صرف غیر معمولی حسین ووجیہہ، بگڑے ہوئے یا دہشت ناک چہرے ہی ان کی یادداشت کے خانوں میں چپکے رہ جاتے ہیں۔

لندن پولیس کے سراغ رسانوں نے جان اسمتھ کا ذہن کرید کرید کر کاغذ پر جو پیکر تراشا تھا، اس کے بارے میں ٹیلی وژن پر تفصیلی اعلان جاری تھا مگر اس کی اصلیت کا بھرم کھل جانے کے بعد ہم دونوں کے ذہن پر چھائی ہوئی دہشت معدوم ہو چکی تھی۔ ویرا نے ٹیلی وژن بند کر دیا۔

''یہ تو واقعی کسی قاتل کے خدوخال تھے۔ تم اتنے بھیانک تو نہیں ہو۔'' ویرا نے ٹیلی وژن بند کرنے کے بعد رائے زنی کرتے ہوئے کہا۔

''بعض لوگ اس قدر تخیل پرست ہوتے ہیں کہ سامنے کی چیزوں کو بھی ان کے اصل روپ میں دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ ہر چیز اور چہرے کو صرف اسی روپ میں دیکھتے ہیں جس میں وہ خود اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔'' میں نے قدرے اطمینان کے ساتھ سگریٹ سلگا کر کہا۔

ویرا نے حیرت سے آنکھیں نکال کر بات دہرائی ''لوگ ہر چیز اور چہرے کو اسی روپ میں دیکھتے ہیں جس میں وہ خود اسے دیکھنا چاہتے ہیں...... یہ کیا بات ہوئی؟''

''یہ عام بات نہیں تھی۔ میں بعض لوگوں کی بات کررہا تھا۔'' میں نے وضاحت کی۔

''ایسے آدمی کو ٹرین گھوڑے کی صورت میں نظر آئے گی؟'' ویرا نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

''ہوسکتا ہے کہ مرض کی شدت میں ایسا بھی ہوتا ہو۔'' میں نے اپنی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے جواب دیا ''ورنہ ٹرین کی جگہ بلٹ ٹرین اور گھوڑے کی جگہ یونی کارن ضرور دیکھا جاسکتا ہے۔''

''خوب!'' ویرا نے طنز سے کہا''اس کا مطلب ہے کہ اب تم نے نفسیات پر بھی منہ مارنا شروع کر دیا ہے۔ یہ باتیں کس کتاب میں مل سکیں گی؟''

اس کی جھلاہٹ پر میں ہنس پڑا''تم خود ہی بات کو بلاوجہ دور لے گئیں۔ میں نے گھوڑے اور ٹرین کی بات نہیں کی تھی۔ معاملہ صرف اتنا ہے کہ جان اسمتھ نے میرے بارے میں پولیس کے سراغ رسانوں کو صرف ایسی جزئیات بتائیں جو کسی قاتل پر ہی صادق آسکتی ہیں۔ میرے خدوخال کے بارے میں اس کا حافظہ صاف تھا۔ پوچھ گچھ جاری رہی تو اس نے اپنے قیاس کے سہارے ایک قاتل کا خاکہ بنوا دیا جو حقیقت سے بہت دور تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے پریس اور عوام کی نظروں میں اہمیت حاصل کرنے کے لیے یہ ساری مشق کی ہو۔ اگر وہ ہر سوال کے جواب میں کہتا رہتا کہ اسے قاتل کا چہرہ یاد نہیں ہے تو اسے ایک عام بلکہ سرسری سا گواہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا۔ اب وہ وی آئی پی بن چکا ہے۔''

''پھر تو وہ ذہنی مریض ہے۔ اپنی تسکین کے لیے

سب کو گمراہ کر رہا ہے۔"

"اب تم نفسیات پر منہ مار رہی ہو۔ میں بھی تمہیں یہی سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"وہ اپنی ایسی کی تیسی میں جائے۔ اسے ذہنی مریض ثابت کرنے کے لیے یہی ایک بات کافی ہے کہ وہ طویل تذبذب اور روپوشی کے بعد سامنے آیا ہے۔ پتا نہیں یہ بات پولیس والوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آسکی۔ یہ بس تمہاری خوش قسمتی ہی ہوسکتی ہے۔"

"پہلے کے مقابلے میں اب میں خود کو زیادہ محفوظ تصور کر رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"جان اسمتھ کا فراڈ کھلنے تک ہم دونوں سمندر پار کر کے دور جا چکے ہوں گے۔"

"یہ فراڈ کبھی نہیں کھل سکے گا۔" میں نے کرسی میں پہلو بدل کر کہا "یہ اسی وقت ممکن ہے جب اصل قاتل پولیس کے روبہ رو جا کر یہ دعویٰ کرے کہ جان اسمتھ نے اس کا غلط خاکہ بنوایا ہے۔"

"ٹیلی وژن پر خاکے کا ذکر سنتے ہی میری جان نکل گئی تھی۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "غنیمت ہے کہ یہ خطرہ بھی ٹل گیا۔ پوری کہانی میں اب صرف ایک ہی نکتہ اہم ہے کہ گیتا کا ساتھی ایک صحت مند ایشیائی تھا۔ پتا نہیں اس خاکے کی بنا پر کتنے بے گناہ پولیس کے ہتھے چڑھتے ہیں۔"

"بے گناہوں کے لیے ان کے وکیل قانون میں کہیں نہ کہیں لچک تلاش کر لیتے ہیں۔ اب ہمیں اس بارے میں اپنا سر کھپانے کی ضرورت نہیں۔ تم راما کا روزینی سے بات کرو، میں جہانگیر کی خبر لے کر آتا ہوں۔"

"تم پھر وہیں اڑے ہوئے ہو۔ اس وقت مجھے ساتھ لے جانے میں کیا حرج ہے؟"

"کوئی حرج نہیں ہے مگر یہ جاننا ضروری ہے کہ تم میرے ساتھ جانے پر کیوں مصر ہو؟"

"راما کا بہت وحشی اور درندہ صفت آدمی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ بے خبری میں تمہیں کوئی نقصان پہنچا بیٹھے۔ تم میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟"

"تم ان باتوں کو دہرا کر مجھے اشتعال دلا رہی ہو، اس کی وحشت و بربریت کے گن گا کر مجھے ضد دلا رہی ہو۔ تم اتنی سورما تو نہیں ہو کہ تمہاری وجہ سے وہ خوف زدہ ہو جائے گا۔"

"بعض اوقات تم بالکل ڈفر ہو کر رہ جاتے ہو۔ وہ اپنے زعم میں میرا عاشق بنا ہوا ہے اور مجھے شیشے میں اتارنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ جھوٹ ہی سہی، لیکن اسے یہ معلوم ہے کہ تم میرے شوہر ہو۔ میری موجودگی میں وہ تمہارے ساتھ الجھنے کی کوشش نہیں کرے گا......"

"اگر میں اکیلا باہر نکلا تو وہ مجھے پھاڑ کھائے گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا "میں دیکھتا ہوں کہ اس حرامزادے میں کتنا دم خم ہے۔ اس نے تمہیں مجھ سے طلاق لینے کے لیے وقت دیا ہے۔ اگر وہ اتنا انتظار کیے بغیر مجھ سے الجھا تو میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔"

ویرا کو بحث اور تکرار میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ وہ دنیا کے بے جان ترین موضوعات پر بھی گھنٹوں بے تکان بول سکتی تھی۔ اس بحث کو وہیں ختم کرنے کے لیے میں نے غصیلے انداز میں ایک جھٹکے سے اپنی کرسی چھوڑ دی اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

پیچھے دیکھے بغیر میں نے باہر نکل کر کمرے کا دروازہ بند کرنا چاہا تو رکاوٹ کا احساس ہوا۔

میں بھنا کر پلٹا تو ویرا مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ دروازے سے باہر آچکی تھی۔

اسے میرے تیوروں کا پہلے سے اندازہ تھا۔ میرے برسنے سے پہلے ہی بول پڑی "تم جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ نہیں آؤں گی۔ مجھے ہوٹل کی بک شاپ سے کچھ خریداری کرنی ہے۔"

میں نے غصیلی پھنکار کی صورت میں ایک گہرا سانس لیا اور تیزی سے لفٹ کی طرف چل دیا۔

اس بار ویرا نے موقع کی نزاکت بھانپ کر میری رفتار کا ساتھ دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید وہ راہ داری میں موجود رہ کر اطمینان کرنا چاہتی تھی کہ میری راما کا روزینی سے مڈھ بھیڑ نہ ہو۔

لفٹ اسی فلور پر موجود تھی۔ میں اس کے ذریعے

گراؤنڈ فلور پر پہنچا اور کاؤنٹر پر موجود لڑکی سے خفیف سی مسکراہٹ کا تبادلہ کرتا ہوا ہوٹل سے نکل گیا۔

میں اپنی دھن میں سر جھکائے ٹیلی فون بوتھ کی طرف چلا جا رہا تھا۔ آکسفورڈ اسٹریٹ کے اس عقبی حصے میں فٹ پاتھ کشادہ ہیں اور ان پر زیادہ بھیڑ بھاڑ بھی نہیں ہوتی۔ میں بے فکر تھا کہ میرے سامنے کوئی رکاوٹ تھی، نہ میں کسی کی راہ میں حائل ہو رہا تھا۔

میری یہ یک سوئی ذرا ہی دیر کے لیے برقرار رہ سکی اور پھر اچانک سامنے سے ایک نرم و نازک اور خوشبو میں نہایا ہوا وجود میرے بدن سے آ ٹکرایا۔

اس لڑکی کے حلق سے ''اوہ..... سوری!'' کی ہلکی اور سریلی سی آواز برآمد ہونے سے پہلے ہی میں اس کا ہاتھ تھام کر اپنی نظریں اس کے چہرے پر گاڑ چکا تھا۔

''اوہ..... پلیز..... میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ میرا کوئی غلط ارادہ نہیں تھا۔'' اس نے خوف زدہ آواز میں سرگوشی کی۔

''مگر میرا ارادہ بہت غلط ہے۔'' میں نے بے رحمانہ سرد مہری سے کہا۔

میرے جیکٹ کے داہنی جیب میں پڑا ہوا اس کا ہاتھ میں نے باہر سے یوں دبوچا ہوا تھا کہ پوزیشن کی ذرا سی تبدیلی سے دوسروں کو اندازہ ہو سکتا تھا کہ میں نے اسے اپنی جیب تراشی کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔ اس کے خوب صورت چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

وہ پچیس چھبیس سال کی ایک دراز قامت اور سبک اندام عورت تھی۔ چہرے پر بہت ہلکا اور واجبی میک اپ ہونے کے باوجود اس کے خدوخال بہت دلکش تھے جو ہراساں ہونے کی وجہ سے اور بھی نکھر آئے تھے۔ اس روز لندن کا موسم خاصا خنک تھا مگر اس خاتون کا لباس اس قدر کفایت زدہ تھا کہ چہرے سے کافی نیچے تک کھلے ہوئے سینے کی جلد پر جا بجا خون کے ارتکاز کی علامات نظر آ رہی تھیں۔

''مجھے چھوڑ دو..... خدا کے لیے، جو چاہو کر لینا مگر میرا ہاتھ چھوڑ دو۔'' وہ ملتجیانہ آواز میں بولی ''گشت کرتے ہوئے کسی ٹامی نے مجھے اس حالت میں دیکھ لیا تو میں برباد ہو جاؤں گی۔''

''تم مجھ سے دانستہ کیوں ٹکرائیں؟ تمہارا ہاتھ میری جیب میں کیوں گیا؟'' میں نے اپنا چہرہ اس کے چہرے پر جھکا کر سختی سے سوال کیا۔

''میں گرہ کٹ نہیں ہوں۔'' وہ روہانسی آواز میں بولی ''کل رات سے بھوکی ہوں۔ میں نے سنا تھا کہ ایشیائی لڑکے یہاں آکر سفید لڑکیوں کے لمس کو ترستے ہیں۔ میں سمجھ رہی تھی کہ تم مجھے سنبھالتے رہ جاؤ گے اور میں ناشتے کے لیے تمہاری جیب سے دو چار پاؤنڈ نکال لوں گی..... پلیز مجھے چھوڑ دو..... میں التجا کر رہی ہوں۔''

معاً میری نگاہ نیلی وردیوں اور رومن طرز کی اونچی ٹوپیوں میں ملبوس ان دو سپاہیوں پر پڑی جو نہایت سست روی سے آس پاس کا جائزہ لیتے اور گشت کرتے ہوئے نہایت خاموشی سے ہماری طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ ان کی مداخلت سے وہ معاملہ کوئی سنگین رخ بھی اختیار کر سکتا تھا۔

ان دونوں وردی پوشوں پر نگاہ پڑتے ہی میں نے مشینی انداز میں جیکٹ کی جیب کی بیرونی سطح پر اپنے ہاتھ کی گرفت ختم کر دی اور اس لڑکی نے بجلی کی سی تیزی سے اپنا ہاتھ نکال لیا۔

اس لمحے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کوئی فاقہ زدہ یا بدحال عورت نہیں بلکہ پیشہ ور جیب تراش تھی۔ ہاتھ آزاد ہوتے ہی حیرت ناک طور پر پلک جھپکتے میں اس کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہو گئے۔ خوف و ہراس کی جگہ اس کی آنکھوں میں تحقیر کی چنگاریاں سلگ اٹھیں۔

''تم کالے ایشیائی..... الو کے پٹھے!'' وہ دانت پیس کر غرائی۔ ''راہ چلتی لڑکیوں سے ٹکرا کر ان کے بدن پر چٹکیاں کاٹتے ہو.....''

وہ نہ جانے کیا کچھ بکتی ہوئی تیزی سے مخالف سمت میں بڑھتی چلی گئی۔ ہاتھ آزاد ہونے کے بعد اس نے ایک لمحے کے لیے بھی میرے پاس رکے رہنے کی حماقت نہیں کی تھی۔

اس ولایتی اور چور دوشیزہ سے گالیاں کھا کر میں بھی غالب کی طرح بے مزہ نہیں ہوا۔ سر جھٹک کر مسکرایا اور پھر اپنی راہ ہو لیا۔

میری جیب میں اترا ہوا اپنا ہاتھ آزاد ہونے کے بعد اس خاتون یا دوشیزہ نے جو کچھ کیا، اس کا مقصد میرے اوپر الزام تراشی نہیں تھا۔ شاید وہ اس کا کوئی آزمودہ مدافعانہ حربہ تھا۔ آس پاس سے گزرتے ہوئے راہ گیروں نے اگر ہم دونوں کو مشتبہ انداز میں ایک دوسرے سے تقریباً جڑے دیکھا ہوتا تو اس فرار ہوتی ہوئی لڑکی کے تبصرے سن کر وہ اس پر ذرا بھی شبہ نہ کرتے۔ بدگمانی میرے بارے میں پیدا ہوتی۔

میں اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اس شہرِ خرابات میں جاتا رہا لیکن عقل و ہوش چرانے والیوں کی جیب تراشی کے کسی تجربے سے گزرنے کی نوبت نہیں آئی۔ ایک عورت کی زیادتی کا نشانہ بننے اور پھر اسی کی زبان سے گالیاں سننے کا وہ اکلوتا تجربہ تھا جسے شاید لندن والیوں کے لیے کوئی کلیہ نہیں بنایا جاسکتا۔ جس شہر میں نازنخروں اور تیکھی چتون سے جیبیں خالی کرانے کی بھرپور آزادیاں ہوں، سوہو کی پیچ در پیچ، نیم تاریک اور پُراسرار گلیوں میں قدرے روشن زینے اور تاریک تر چوبارے جیب تراش نازنینوں کی دکانوں کا درجہ رکھتے ہوں، وہاں کون احمق لڑکی کھل کر کسی کی جیب پر ہاتھ ڈالنے کی حماقت کرے گی۔

میرے لیے وہ تجربہ بہت انوکھا اور دلچسپ تھا۔ اپنے پسندیدہ فون بوتھ میں پہنچ کر جہانگیر کے گھر کا نمبر ملانے تک میں اس کے بارے میں سوچتا اور محظوظ ہوتا رہا۔

یہ کہانی میں آج لکھ رہا ہوں۔ گئے برسوں میں میری زبان سے یہ قصہ سن کر، بار بار لندن بلکہ دنیا جہان کی سیر کو جانے والے ایک دوست نے چند ماہ بعد بہت بھنا کر یہ شکوہ کیا کہ وہ آکسفورڈ اسٹریٹ، پکاڈلی اور سوہو کے بازاروں میں جابہ جا اپنی جیبوں میں بھرے ہوئے نوٹوں کی کھلی نمائش کرتے پھرے۔ رات گئے تک کوئی جیب تراش انگریز نازنین انہیں نہ ٹکرائی۔ یہ اور بات ہے کہ ''دیگر مصروفیات'' میں الجھ کر وہ رات کے ڈیڑھ بجے اپنے ہوٹل پہنچے تو ان کی تمام جیبیں خالی تھیں۔

یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ کوئی جیب تراش نازنین ان پر مائل بہ کرم نہ ہوئی اور میری بدقسمتی تھی کہ ہوٹل سے ٹیلی فون بوتھ تک کی مختصر سی سڑک پیمائی میں ایک سفید فام لڑکی ناکام جیب تراشی کے بعد روکھی پھیکی گالیاں مجھے سنا کر موقع واردات سے فرار ہوگئی۔

کراچی میں فون کی گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھالیا گیا۔ فون کی گھنٹی اور پھر میری آواز سنتے ہی جہانگیر چہکنے لگا ''آخاہ...... تو اب تم بھی پاکستان سے باہر پہنچے ہوئے ہو...... کہاں ہو......؟ کیا حال ہیں تمہارے؟''

بین الاقوامی کال ملنے پر گھنٹی کی مخصوص آواز کو تبدیل کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ وہ اس وقت اپنے ہوش وحواس میں تھا اس لیے اس آواز سے اس نے میری پاکستان سے غیر حاضری کا اندازہ لگالیا تھا۔

میں نے اس سے نرمی سے بات کرنے کا ارادہ ملتوی کرکے ترشی سے کہا'' غنیمت ہے کہ اس وقت تم ہوش میں ہو ورنہ تم یہ بھی سمجھ سکتے تھے کہ میں جنت سے بول رہا ہوں۔''

''یہ تم کیسی جلی کٹی باتیں کررہے ہو؟'' اس کی آواز سے حیرت جھلک رہی تھی۔

''میں نے سنا ہے کہ سلمٰی غائب ہے اور تم دن رات پی رہے ہو۔''

''یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟ دن میں تو میں زیادہ نہیں پیتا...... دراصل سلمٰی چند روز کے لیے اپنے میکے گئی ہوئی ہے۔ میری بزنس والی ڈیل میں بھی رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے۔ فرصت اور بے کاری میں تھوڑا بہت شغل ہوتا رہتا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے......''

''تمہاری یہ بلانوشی تمہیں لے ڈوبے گی۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کے قہر بار لہجے میں کہا۔

''میرے خلاف کون تمہارے کان بھر رہا ہے؟ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''جھوٹ مت بولو۔'' مجھے غصہ آگیا'' یہ باتیں تمہاری والدہ سے معلوم ہوئی ہیں۔''

''والدہ؟'' اس کی تحیر زدہ آواز ابھری'' انہیں تو مرے ہوئے بھی مدت ہوگئی۔''

''میں اس کی بات کررہا ہوں جسے تم پچھلی رات

اپنے پاس بلانے کے لیے مرے جا رہے تھے۔''

''ہاں...آں...... کچھ یاد تو آیا۔'' لمحہ بھر کے توقف کے بعد وہ شاید کچھ سوچتے ہوئے بڑبڑایا ''رات کو کسی لڑکی نے انگریزی میں فون تو کیا تھا۔ وہ کون تھی؟''

اس نے بے ساختہ انداز میں انگریزی میں فون کرنے کی جو ترکیب استعمال کی تھی اس پر میں اپنی بے ساختہ ہنسی نہ روک سکا البتہ میری وہ ہنسی بے آواز ہی رہی۔

''وہ بنکاک کی ایک گھٹیا عورت تھی جسے میں نے تمہارا نمبر ملا کر دیا تھا۔'' میں نے ایک تیر سے دو شکار کرتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔

ایک طرف میں نے اسے یہ تاثر دیا تھا کہ میں مغرب کے بجائے مشرق کی سمت میں نکلا ہوا تھا۔ دوسری طرف ویرا اور غزالہ کی طرف سے اس کا ذہن ہٹانا چاہا تھا۔

میرے جواب سے اسے تھوڑا سا حوصلہ مل گیا اور اس نے کہا ''خود بنکاک میں گھٹیا عورتوں کے ساتھ عیاشیاں کرتے پھر رہے ہو اور مجھے گھر میں پینے پر لعنت ملامت کر رہے ہو۔''

''میں کسی عیاشی کے لیے یہاں نہیں آیا ہوں۔ تم میری مجبوریوں سے اچھی طرح واقف ہو۔ ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی میرے خون کے پیاسے میرا سراغ لگانے کے لیے تمہاری طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔''

''اوہ......یعنی پھر کوئی بڑی گڑ بڑ ہونے کا خطرہ ہے۔'' اصل صورت حال کا ادراک ہوتے ہی اس کی آواز میں گہری سنجیدگی عود کر آئی۔

''تمہارے پاس کسی کا کوئی مشتبہ فون تو نہیں آیا تھا؟'' میں نے ناگواری سے پوچھا۔

''مجھے تو یاد نہیں پڑتا۔'' اس کی تفکر آمیز آواز ریسیور میں سنائی دی۔

''تمہارے ساتھ ساری خرابی یہی ہے کہ مدہوشی کے عالم میں رونما ہونے والی کوئی بات تمہیں یاد نہیں رہتی۔ اس حالت میں کوئی بہت آسانی سے تمہاری گردن تک اتار سکتا ہے۔''

''تم یقین کرو کہ اب میں سارا اسٹاک ٹھکانے لگانے کے لیے مجبوری کے عالم میں پی رہا ہوں ورنہ تین دن پہلے میں خود اپنے بھولے بھٹکے ذہن سے تنگ آ کر، بلکہ شرمندہ ہو کر شراب نوشی سے توبہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ قسمت خراب تھی کہ میں اس فیصلے پر عمل نہ کر سکا۔''

''تم جھوٹے ہو۔ فیصلہ کر ہی لیا تھا تو اس پر عمل کرنے میں کیا چیز مانع تھی؟''

فون پر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر وہ بولا......''میں قسم کھا کر بتا رہا ہوں کہ میں شراب نوشی ترک کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس وقت میرے پاس اسکاچ، جن اور برانڈی کی بیالیس ملی جلی بوتلیں تھیں۔ میں نے ایدھی سینٹر والوں سے فون پر کہا کہ وہ آ کر عطیے کے طور پر یہ ساری بوتلیں لے جائیں تو فون سننے والا بوکھلا کر توبہ استغفار کرنے لگا کہ وہ شراب کا کیا کرے گا......''

''وہ تمہارا بہانہ تھا۔ ایدھی والے اس شراب کا کیا کرتے۔ تم نہیں سدھر سکتے......تمہاری......''

اس نے میری بات درمیان ہی سے اچک لی ''میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ مجھ سے عطیے میں لے جا کر وہ خود شراب نوشی شروع کر دیں۔ میری نیت بالکل صاف تھی۔ تمہیں معلوم ہے کہ آج کل ڈی لکس اسکاچ کتنی مہنگی ہو گئی ہے۔ میرا مطلب تھا کہ وہ ساری بوتلیں فروخت کر کے اس سے حاصل ہونے والی رقم اپنی مرضی کے کسی بھی فلاحی استعمال میں لا سکتے تھے۔''

''لعنت ہو تم پر۔ اچھا ہی کیا کہ اس شخص نے تمہارے چکر میں آنے سے انکار کر دیا۔ وہ تم سے عطیہ لے کر جاتے اور ایدھی کے مخالفین اگلے ہی دن طوفان کھڑا کر دیتے کہ وہ لوگ شہر میں اسمگل کی ہوئی ولایتی شرابیں فروخت کر رہے ہیں۔ اس حرام کاری سے بہتر تھا کہ تم وہ بوتلیں تلف کر دیتے۔''

''میری بات سنو!'' اس کی آواز مدافعانہ ہو گئی ''وہ سب اسٹینڈرڈ سے لے کر دو لیٹر تک کی بوتلیں ہیں اور ان کی مالیت ایک لاکھ روپے سے زیادہ ہے۔ اگر میں یہ رقم ایک نیک کام میں لگانا چاہ رہا تھا تو میرا کیا قصور تھا؟ مجھ سے تعاون کیوں نہیں کیا گیا؟''

''تمہیں معلوم ہے کہ شراب حرام ہے۔ بوتلیں بیچنے

ان کی شہرت داغ دار ہو جاتی اور پھر نیک کاموں کے لیے کیا حرام کا پیسہ ہی رہ گیا ہے؟ تم چاہتے تو وہ بوتلیں توڑ کر اتنی رقم نقد بھی دے سکتے تھے۔''

''مجھ سے حرام اور حلال کی یہ باتیں مت کرو۔'' اس بار جہانگیر کا لہجہ ترش ہو گیا ''اسمگلنگ، رشوت اور چور بازاری کی آمدنی سے کمائی ہوئی رقمیں کیا حرام نہیں ہوتیں؟ لمبی لمبی رقموں کے چندے دینے والوں سے تو کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ حلال ہے یا حرام...... پھر میری بیالیس بوتلوں پر اعتراض کیوں کیا گیا؟ وہ بھی نقد رقم ہی تھی۔ نقد رقم کے دام آئے دن گرتے رہتے ہیں۔ اس غیر ملکی جنس کے دام تو بڑھتے ہی بڑھتے ہیں۔ مجھے اس نیک کام سے روک دیا گیا اور اب میں نے احتجاج کرتے ہوئے وہ ساری بوتلیں خود ہی خالی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ اس کے بعد ایک قطرہ بھی نہیں خریدوں گا۔''

''مفت کی مل جائے گی تو پیتے رہو گے؟'' میں نے جلے کٹے لہجے میں پوچھا۔

میرے کانوں میں اس کا ہلکا سا قہقہہ گونجا پھر وہ بولا ''منی بیگم کی غزلیں سن لو۔ پتا چل جائے گا کہ مفت کی ٹھکرانے کا عذاب کتنا سنگین ہوتا ہے۔'' بات کرتے کرتے وہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا ''مگر یار، اس شہر میں مجھ کو تمہارے سوا اور کون مفت کی پلا سکتا ہے۔ اب تو شاید تم ہی میرے اکلوتے دوست رہ گئے ہو۔ یہ بتاؤ کہ تم واپس کب آ رہے ہو؟''

''میں سنگین الجھنوں سے دوچار ہوں۔ ہم میں سے کوئی بھی فلیٹ پر نہیں ہے۔ ہم اپنی جانیں بچاتے پھر رہے ہیں۔'' میں نے اسے احساس دلانے کے لیے اصل صورت حال میں کچھ رنگ آمیزی کرتے ہوئے کہا ''اپنی بیالیس بوتلیں تم بعد میں بھی ختم کر سکتے ہو۔ آج کل ذرا ہوش میں رہنے کی کوشش کرو۔ اپنی غفلت یا مدہوشی میں تم مارے گئے تو تمہارے یہ اثاثے بے کار پڑے رہ جائیں گے۔''

''کیوں مجھے ڈرا رہے ہو؟'' خوف زدہ سی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی۔

''میں نے حقیقت تمہارے گوش گزار کر دی ہے۔ اب عمل کرنا یا نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔ اس وقت میں اس بری طرح گھرا ہوا ہوں کہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔''

''تو کیا دوسرے لوگ بھی تمہارے ساتھ بن کاک گئے ہوئے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں، میں اکیلا ہوں...... یوں سمجھ لو کہ جس کے جدھر سینگ سمائے وہ اسی طرف بھاگ نکلا۔ آپس میں رابطہ ہو گا تو ایک دوسرے کی کوئی خیر خبر ملے گی۔''

''اگر حالات اسی قدر ابتر ہیں تو سمجھ لو کہ میں نے اسی وقت سے شراب چھوڑ دی۔ مجھے بتاؤ کہ میں شہر میں تمہارے ساتھیوں اور غزالہ کی تلاش کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔'' وہ جوش میں آ گیا۔

''فی الحال اپنے گھر میں مسلح اور چاق و چوبند رہو۔ دوستوں یا دشمنوں کی طرف سے کوئی رابطہ کیا جائے تو پوری ذہانت سے کوئی فیصلہ کرنا۔ اس وقت بس اول خان اور اس کے آدمی ہی تمہارے مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ میں اسے یہ سب بتا چکا ہوں۔ وہ تم سے بات کرے گا۔''

''ہاں، میں تمہیں بتانا بھول گیا۔ صبح اس کا فون آیا تھا۔ وہ بھی اسی قسم کی کچھ گول مول باتیں کر کے مجھے مشورے دے رہا تھا۔ میں نے اسے ٹال دیا تھا۔''

''اس کے مشوروں پر عمل نہ کر کے تم زبردست خسارے میں رہو گے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے اسے غور سے سنو اور اس پر حرف بحرف عمل کرو۔ اس وقت پورے شہر میں وہی تمہارا اکلوتا ہمدرد اور غمگسار ہے جس سے تم کسی آڑے وقت میں مدد کی امید کر سکتے ہو۔''

وہ ان دنوں جس رفتار سے مے نوشی کر رہا تھا اس کی بنا پر دن کے کسی بھی حصے میں اس کے ذہن کا الکحل کے اثرات سے آزاد رہنا ممکن نہیں تھا۔ غنیمت تھا کہ اس وقت وہ اثرات معقولیت کی حد تک کم تھے اور اس نے کسی جھڑپ یا زیادہ تکرار کے بغیر میری بات سمجھ لی تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ ان دنوں حالات بہت زیادہ ناسازگار اور غیر یقینی تھے۔ گفتگو کے اختتام تک میری بتائی ہوئی تصویر نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

اس کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے

اول خان کے گھر کا نمبر ملایا تو خود اسی نے فون اٹھایا۔

اول خان نے روایتی پرتپاک انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کا وہ اضمحلال بڑی حد تک کم ہو چکا تھا جو سلطان شاہ کے پُراسرار اغوا کے بعد سے اس پر طاری تھا۔

"تمہارے لیے میرے پاس بس ایک ہی خبر ہے کہ کل ہم یونائیٹڈ ائر لائن کی پرواز سے نیویارک روانہ ہو رہے ہیں۔ ہم سے پہلے بدری وہاں پہنچ چکا ہوگا۔"

"یونائیٹڈ!" اول خان کی تحیر زدہ سی آواز ابھری "تمہاری ساری سفری دستاویزات میں نے ہی بنوائی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ امارات کے مسافر یونائیٹڈ سے نہیں، ورجن اطلانتک ائر لائن سے بحراوقیانوس عبور کرتے ہیں۔ ذرا ایک مرتبہ پھر دیکھ لینا۔ ایسا نہ ہو کہ پرواز نکل ہی جائے۔"

"میں دیکھ لوں گا۔" میں نے بے اطمینانی کے ہلکے سے احساس کے ساتھ جواب دیا "امارات والوں نے مجھے اس پرواز کا صرف نمبر اور وقت بتایا تھا۔ پتا نہیں میرے ذہن میں کیوں یونائیٹڈ جم گیا۔ میں ہوٹل واپس جا کر دوبارہ دیکھوں گا۔ اچھا ہی ہوا کہ میں نے اس کے بارے میں تم سے بات کر لی۔"

"آئزک بیل کے آدمی سفارتی مراعات کی آڑ میں سلطان شاہ کو یہاں سے نکال لے گئے ہیں مگر پھر بھی امریکیوں میں صفِ ماتم سی بچھی ہوئی ہے۔ پاکستان میں موجود ہر امریکی کو تابوت کی صورت میں اپنی واپسی کا خوف دہلائے دے رہا ہے۔ پاکستان جیسے ملک میں بیس تجربے کار امریکی کمانڈوز کی بیک وقت موت کا تصور ان لوگوں کو مدتوں تک آسیب بن کر ڈراتا رہے گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ ان وحشیوں کو یہ آسیب میرے ملک کی سرزمین پر نظر آیا ہے ورنہ دنیا کا کون سا خطہ ہے جہاں انہوں نے دہشت گردی اور دھاندلی نہ مچائی ہوئی ہو۔"

"مجھے ان پر ترس آرہا ہے۔" اول خان کی آواز واقعی ترحم آمیز تھی "وہ بیس کمانڈوز برے عزائم کے ساتھ یہاں آئے تھے اور اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گئے لیکن ہمارے ملک میں دوسری تحقیقی اور پیداواری سرگرمیوں میں مصروف امریکیوں کا کیا قصور ہے؟ ان بے چاروں کے اس ذہنی عذاب کا تصور کر کے ہی مجھے ایک مجرمانہ سی خلش ستانے لگتی ہے۔"

"یہ تمہاری طفلانہ سوچ ہے۔" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ "تحقیقی اور پیداواری سرگرمیوں میں مصروف امریکی ہماری محبت میں یہاں نہیں آتے۔ ہمیں امریکا اور دوسرے عالمی مالیاتی اداروں سے بھاری سود پر جو امداد ملتی ہے اس کا ایک بڑا حصہ یہ بندر اپنی مراعات اور تنخواہوں کی صورت میں یہاں سے سمیٹ کر لے جاتے ہیں اور ہماری گردنوں میں پڑے ہوئے قرضوں کے طوق کا وزن روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ان بدمعاشوں پر خرچ ہونے والی رقوم کا صرف آدھا حصہ بھی ہمارے اختیار میں ہو تو اس ملک سے بے روزگاری جیسے ہولناک عفریت کا خاتمہ ہو جائے۔"

"تمہاری یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے لیکن میرا نکتہ دوسرا ہے۔ ہاتھیوں کی لڑائی میں مینڈک کیوں روندے جاتے ہیں۔ یہ حکومتوں کی لڑائیاں ہوتی ہیں جو ان ہی کے اقتصادی معاہدوں کے ہتھیاروں سے لڑی جاتی ہیں۔ اس میں بے گناہ پاکستانی اور امریکی ماہروں کا کیا قصور ہے؟"

"آج کے دور میں حکومت اور عوام الگ نہیں کیے جاسکتے۔" میں نے اس کی کج فہمی پر بل کھاتے ہوئے تلخی سے کہا "جمہوری حکومتیں عوام کی رائے سے اقتدار میں آتی ہیں۔ اگر غلط حکومت منتخب کر لی جائے تو اس کا خمیازہ عام لوگوں کو ہی بھگتنا پڑتا ہے۔"

"ملکی سطح پر تمہاری بات سو فیصد درست ہے۔ جو بوؤ گے وہ کاٹو گے مگر یہ بتاؤ کہ پاکستان میں یونین ٹکساس، آئی سی آئی، لاسمو، پروکٹر اینڈ گیمبل جیسے اداروں کے غیر ملکی ماہروں کا کیا قصور ہے کہ وہ یہاں خوف و ہراس کے عالم میں اپنا وقت گزاریں اور انہیں خواب میں بھی پھولوں سے سجے ہوئے اپنے تابوت نظر آتے رہیں۔ وہ اپنے پاکستانی شرکاء سے کیے ہوئے بین الاقوامی معاہدوں کے نتیجے میں یہاں آتے ہیں اور حکومتوں کے کسی بھی

اختلاف سے قطع نظر انہیں سکون سے یہاں رہنے کا پورا حق حاصل ہے۔"

"بالکل ہے۔" میں نے پرزور لہجے میں اس کی تائید کی" اور ہونا چاہیے لیکن اس مقدس تصور کو سفاک امریکی حکمرانوں نے ہی مجروح کیا ہے۔ طاقت کے زعم میں یہ خون آشام درندے بن گئے ہیں، اسی لیے ان کے شہریوں کو دنیا بھر میں خطرات لاحق ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ حکومتوں کو شہری جنم دیتے ہیں۔ انہوں نے جو بویا ہے، اسے کاٹے بغیر نئی فصل اگانی ممکن نہیں ہے۔"

"امریکا میں آج تک کسی بڑے نسلی یا لسانی سانحے کی خبر نہیں آئی۔" اول خان نجانے کیوں اس وقت امریکا کی مدافعت پر تل گیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا" وہاں بے شمار افراد مارے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے جرائم ہوتے ہیں لیکن ان میں عصبیتوں کا یہ رنگ نہیں جھلکتا۔"

"اس کی ایک بڑی وجہ ہے۔ امریکا وہاں کے اصل باسیوں کا وطن نہیں ہے۔ انہیں بے دردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا یا آج وہ ریڈ انڈین بن کر تاریک اور پسماندہ جنگلوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ اس ملک پر پورے یورپ سے آئے ہوئے پناہ گزینوں اور جلاوطنوں کا تسلط ہے اور وہی اس ملک پر حکمران ہیں۔ اس سرزمین پر صرف اس کی آزادی کی جنگ لڑی گئی ہے۔ اس کے بعد امریکا نے ہر جنگ پرائی زمینوں پر لڑی اور جیتی یا ہاری ہے۔ اس ملک کے باسیوں نے نئی جنگوں میں سے کسی جنگ کا مزہ نہیں چکھا، اسی لیے وہ اپنے ہر دشمن کو پوری طاقت سے کچل دینے کے لیے حکومت کے حق میں نعرے لگاتے ہیں۔ جس دن امریکا کے شہریوں کو عملی طور پر کسی جنگ کی تباہ کاریوں کا اندازہ ہو گیا اسی دن پورے کرہ ارض پر امن قائم ہو جائے گا۔"

"یعنی تم یہ کہہ رہے ہو کہ امریکی حکومت کے جرائم کی سزا امریکیوں بلکہ عام اور بے گناہ امریکیوں کو دینی جائز ہے۔" اول خان نے ایک نتیجے پر پہنچ کر مجھ سے تصدیق چاہی۔

"یہ اصول میرا نہیں، خود امریکیوں کا بنایا ہوا ہے۔" میں نے اس کی کسی گرفت سے بچنے کے لیے مدافعانہ انداز میں کہا" آج وہ خدائی فوجدار ہیں۔ ہمیں ان کے بنائے ہوئے اصولوں کا احترام کرنا چاہیے۔"

"مجھے یاد نہیں پڑتا کہ ان لوگوں نے اپنی تمام تر بدمعاشیوں کے باوجود کبھی ایسے کسی نظریے کا اعلان کیا ہو۔" اول خان نے بہت شائستگی سے میری رائے سے اختلاف کیا۔

"وہ اعلان نہیں، عمل کرتے ہیں۔ کیوبا، ویت نام، لاؤس، کمبوڈیا اور افغانستان کے بعد عراق ان کی درندگی کا تازہ ترین شاہکار ہے۔ انہوں نے اپنی من مانی بمباری اور تباہی کے لیے اپنی ہی نہیں، نجانے کتنی قوموں کے شانے استعمال کیے۔ دنیا کی ساری بڑی قوتیں ایک ننھی سی قوم کو کچلنے کے لیے یوں ہم آواز اور صف آرا ہو گئی تھیں جیسے کرہ ارض پر فتنہ دجال ظہور میں آچکا ہو۔"

"عراق!" اول خان کی توانا آواز اس بار اس کے حلق میں پھنس گئی" اس کے ساتھ واقعی زیادتی ہوتی چلی آ رہی ہے۔ پورا ملک کھنڈر کر دیا گیا۔ فصلیں اجاڑ دی گئیں، مدد لینا جرم اور مدد [illegible] دیا گیا ہے۔ لاکھوں نومولود و موجود شہریوں کو چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، ہزاروں نومولود اپنی ماؤں کی خشک چھاتیوں اور خشک دودھ سے محرومی کی وجہ سے آغوش اجل میں جا سوئے۔ بے شمار نومولود اس بمباری کے نتیجے میں اپنی ماؤں کی کوکھ میں سوکھ کر رہ گئے..... ان سب کو سزا صرف اس لیے دی جا رہی ہے کہ وہ صدام حسین کے حامی ہیں حالانکہ براہ راست ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"اور یہی میری سوچ ہے۔" میں نے اس کی بات ختم ہوتے ہی کہا" جب ان سیاسی آمیزشوں میں امریکا کا صدر بغداد سے موصل تک بے شمار عراقیوں کی ہلاکت کا فیصلہ کر سکتا ہے تو امریکیوں کے رسوائے زمانہ عزائم کے مقابلے میں پاکستان کا کوئی اول خان یونین ٹکساس یا کسی اور کمپنی کے اہل کاروں کے بارے میں ہمدردانہ سوچ کیوں کر رکھ سکتا ہے۔"

"تمہاری باتوں میں وزن ہے۔ جب وہ صدام حسین سے اختلافات کی سزا پورے عراق کو دے سکتے ہیں

تو پھر اسی اصول کا اطلاق ان پر بھی ہوسکتا ہے لیکن انسانی ہمدردی کے لحاظ سے سوچو تو یہ دونوں طریقے غیر منصفانہ اور بالکل غلط ہیں۔"

"تم یہ سوچتے رہو وہ اپنا کام کرتے رہیں گے۔ جسے اپنا حریف یا دشمن تصور کرتے ہیں، اسے بے دریغ ٹھکانے لگاتے چلے جائیں گے۔"

"یہ وہی بات ہے جو میں کل کہہ رہا تھا۔ وہ زبردست ہیں۔ مارتے ہیں اور رونے بھی نہیں دیتے۔ اب یہی دیکھو کہ سلطان شاہ کو یہاں سے بالکل مجرمانہ انداز میں لے جایا گیا ہے لیکن ہم سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس کے بارے میں حرف شکایت زبان پر نہیں لا سکتے کیونکہ ہمارے پاس ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ شکایت کی جائے تو جھوٹی الزام تراشی کے جرم میں وہ ہمارے خلاف کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

"ان باتوں کو تم سے زیادہ کون جانتا ہے۔ مجھے بھی تو حیرت تھی کہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی آج تم ان امریکیوں کے ہمدرد و ہم نوا کیوں بنے ہوئے ہو۔"

"جذبات کے وقتی دھارے میں بہہ کر انسان بہت کچھ کر گزرتا ہے لیکن ہمیشہ پہنچنے والے اصول اپنی جگہ اٹل ہوتے ہیں۔ اس وقت میرے ذہن پر ان ہی اصولوں کی یلغار ہو رہی تھی۔"

اس کا وہ مدافعانہ انداز مجھے بہت پسند آیا۔ جذبات کی رو میں بہہ کر انسان دنیا بھر میں نجانے کیا کچھ کر گزرتے ہیں لیکن ان کی ان غیر ذمے دارانہ حرکتوں سے آفاقی اصول کبھی نہیں بدلتے۔ وہ اپنی جگہ ہمیشہ اٹل رہتے ہیں اور پھر آنے والے وقتوں کا مورخ ہی ان غیر ذمے دارانہ حرکتوں اور خونریزیوں کے بخیے ادھیڑتا ہے۔

"ہم اور تم عمل کی دنیا کے آدمی ہیں۔ اگر یہ نمائشی آدرش ہمارے ذہنوں پر سوار ہونے لگے تو پھر ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ کل ہم ان کی سرزمین پر ہوں گے۔ دیکھو وہاں کیا ہوتا۔" میں نے کہا۔

"اس وقت شاید تم نے روانگی کی اطلاع دینے کے لیے ہی فون کیا ہے؟"

"اسے بھی ایک سبب کہہ سکتے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ مجھے غزالہ سے بات کرنی ہے۔"

"وہ تمہاری آواز سننے کی آرزو میں تڑپتی رہتی ہے۔" اول خان کی حسرت زدہ آواز میرے کانوں میں گونجی "مگر اس وقت وہ گھر پر نہیں ہے۔ میری بیوی کے ساتھ بازار گئی ہوئی ہے۔"

میں نے لحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "وہ آئے تو اس سے یہ کہہ دینا کہ مجھ سے گفتگو ہونے تک ویرا سے براہ راست بات کرنے سے گریز کرے۔ اس کے ذہن پر کچھ شرارت سوار ہو رہی ہے۔"

اول خان میری بات سن کر ہنس پڑا "اور تم ویرا کی شرارت سے خوف زدہ ہو...... بہت خوب! چاہو تو تم مجھے پورا پیغام دے سکتے ہو۔ میں غزالہ کو سنا کر ہر بات بھول جاؤں گا۔"

"ویرا کو اچانک یہ فکر لاحق ہوگئی ہے کہ ہم اب تک صاحب اولاد کیوں نہیں ہوئے ہیں۔" میں نے لحہ بھر سوچنے کے بعد اول خان کو اس راز میں شریک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"استغفراللہ!" اول خان کی زبان سے بے ساختہ نکلا "اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے کبھی کبھی وہ بہت بدذات نظر آنے لگتی ہے۔ یہ سب قدرت کے کھیل ہیں۔ ان میں تم کیا کہہ سکتے ہو۔"

"تم جانتے ہو کہ وہ ویرا ہے۔ وہ میرے حوالے سے جھوٹ سچ بول کر کسی بھی وقت غزالہ کو پریشان کر سکتی ہے۔ اسے بتا دینا کہ میں نے اس موضوع پر ویرا کو لتاڑ دیا تھا۔"

"ضرور بتا دوں گا مگر تمہاری اجازت سے مجھے اپنی بیوی کو اعتماد میں لینا ہوگا۔" اول خان نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "یہ عورتوں کی باتیں ہیں اور ان ہی کو بھلی لگتی ہیں۔ میں اس موضوع پر غزالہ سے دو تین فقرے بھی نہ بول سکوں گا۔"

"یہ تمہاری صوابدید پر منحصر ہے۔" میں نے برجستہ کہا۔ "تمہاری بیوی تم سے زیادہ سمجھدار ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ تمہارا پیغام غزالہ تک پہنچ جائے گا۔ ویرا نہایت بے وقوف عورت ہے۔ اسے معلوم ہونا

چاہیے کہ ایسے نازک معاملات پر یوں کھل کر گفتگو نہیں کی
جاتی۔ یہ معاملات اللہ کی رضا پر منحصر ہوتے ہیں۔ ان کو
چھیڑنے سے بعض اوقات دل آزاری تک سرزد ہو جاتی
ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب میں نیویارک پہنچنے کے بعد ہی
تم سے رابطہ کروں گا۔"

فون بند کر کے میں ہوٹل کی طرف واپس ہو لیا۔
ویرا مجھ سے پہلے ہوٹل کے کمرے میں موجود تھی۔
اس کے دروازہ کھولنے پر میں اندر داخل ہوا تو مسہری پر
ایک بڑا سا نقشہ پھیلا ہوا تھا۔ ویرا شاید اسی پر مغز زنی
کر رہی تھی۔

"یہ کیا لیے بیٹھی ہو؟" میں نے کرسی پر بیٹھ کر جوتے
اتارتے ہوئے پوچھا۔

"یہ لندن کے مضافات میں سومیل کا نقشہ ہے اور
کام کی چیز ہے۔"

"تمہیں اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟ لندن میں
آج ہماری آخری رات ہو گی۔"

"نقشہ دیکھ کر میں یہ فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہی
تھی کہ آج شام کو راما کاروزینی کو کس طرف نکلنے کی دعوت
دی جائے۔" اس نے دوبارہ مسہری پر چڑھ کر جواب دیا۔

"اس کے لیے اتنی عرق ریزی کی کیا ضرورت تھی؟
ہر موٹر وے کچھ دیر کے بعد مضافاتی ویرانوں میں جا نکلتی
ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم نے ابھی تک اس سے بات
نہیں کی۔"

وہ میرے آخری سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے
بولی "برائٹن بیچ یہاں کا مشہور ساحلی علاقہ ہے۔ اے
ٹیمیس نامی سڑک کرویڈن اور گیٹ وک کے راستے وہیں
ختم ہو جاتی ہے۔"

"حیرت ہے کہ اتنی مغز زنی کے بعد تم نے ایسا
احمقانہ فیصلہ کیا ہے۔" میں نے منہ بنا کر کہا "شاید تمہیں علم
نہیں کہ اس ساحل کا ایک حصہ ننگوں کے کلب کے لیے
مخصوص ہے جہاں مرد اور عورتیں مادر زاد حالت میں سمندر
کی لہروں اور سورج کی تمازت سے لطف اندوز ہوتی
ہیں۔ ان تماشوں کی وجہ سے یہ علاقہ نظریں سینکنے والے
سیاحوں میں بہت مقبول ہے۔ ایسی بھیڑ بھاڑ کی جگہ
ہمارے لیے موزوں نہیں رہے گی۔"

"میں لندن کی گلی کوچوں سے خوب واقف ہوں
لیکن مضافات کے بارے میں زیادہ باخبر نہیں ہوں۔"
اس نے کھلے دل سے اعتراف کیا "یہ بھی آج ہی سن رہی
ہوں کہ برائٹن پر ننگوں کا کوئی کلب بھی ہے۔"

"حیرت ہے کہ تم اتنی معصوم اور بے خبر ہو۔" میں
نے استہزائیہ لہجے میں کہا "ایسی باتیں تو پہلی بار لندن
آنے والوں کو بھی معلوم ہوتی ہیں۔"

"اگر برائٹن بیچ موزوں نہیں ہے تو پھر کدھر جانا
مناسب رہے گا؟" ویرا نے پوچھا۔

"لندن سے شمال کی طرف چل دو۔ اس کے لیے
موٹر وے ایم ون سب سے بہتر رہے گی۔"

ویرا دوبارہ نقشے پر جھک گئی۔ شاید وہ ایم ون کا
جائزہ لے رہی تھی۔

برطانیہ میں موٹر ویز بہت منصوبہ بندی کے ساتھ
بنائی گئی ہیں۔ ہر شاہراہ دو رویہ ہے جس کے درمیان میں
لگی ہوئی آہنی رکاوٹوں کی وجہ سے کہیں بھی واپس گھومنا
ممکن نہیں ہے۔ ایک مرتبہ موٹر وے پر چڑھ آنے کے بعد
اس پر سے مخصوص نکاس کے ذریعے ہی اترا جا سکتا ہے۔
ان موٹر ویز کو کہیں بھی کوئی سڑک کراس نہیں کرتی۔ سڑک
کے اطراف میں واقع آبادیوں کو ملانے والی سڑکیں نکاس
یا ایگزٹ سے ملی ہوئی ہیں یا پھر اوپر سے گزرتی ہیں۔
راستے میں مسافروں کی سہولت کے لیے بنے ہوئے
سروس ایریاز میں ریستوران، بار، پٹرول پمپ، اسٹور اور
غسل خانے وغیرہ قائم ہیں۔ دونوں طرف کے مسافروں
کی سہولت کے لیے سڑک پر بالائی پل بنا کر یہ بندوبست
کیا گیا ہے کہ مسافر سڑک عبور کر کے دوسری طرف واقع
سہولتوں سے استفادہ کر سکیں۔

سرسبز دیہی علاقوں میں جہاں مویشی پالے جاتے
ہیں اور چراگاہوں میں پھرتے رہتے ہیں وہاں موٹر وے
کے کناروں پر ایسی باڑھ لگائی گئی ہے کہ مویشی سبزہ
زاروں سے اتر کر سڑک پر نہ آ سکیں اور ٹریفک کی روانی
میں رکاوٹ کا سبب نہ بنیں۔

اپنے جائزے سے فارغ ہو کر ویرا نے پھیلا ہوا نقشہ تہہ کیا اور فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔

انٹر کام پر راما کا روزینی کے کمرے کا نمبر ملا کر ویرا نے صرف ایک ہی فقرہ ادا کیا جو میرے لیے ناقابل فہم تھا۔ دوسری طرف کی بات سننے کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔

اس مختصری گفتگو پر میرے دل میں تجسس جاگ اٹھا مگر میرے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی ویرا بتانے لگی ''اس وقت اس کی بیوی کمرے میں ہے۔ اسے روانہ کر کے وہ خود ہی مجھے فون کرے گا۔''

''ایسا نہ ہو کہ فون کرنے کے بجائے وہ تمہارے دروازے پر ہی آ پہنچے۔'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''آنے کا ارادہ ہوتا تو وہ تمہارے بارے میں ضرور پوچھتا۔ وہ فون ہی کرے گا۔''

''تمہارا کہنا ہے کہ راما کاسلی کا رہنے والا اور مافیا کے ایک ڈان کا بیٹا ہے؟'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے پرخیال لہجے میں ویرا سے پوچھا۔

''میرے کہنے سے زیادہ حقیقت بھی یہی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''پھر وہ اب تک تمہارے بارے میں اتنا بے خبر کیوں ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''تم کس بے خبری کی بات کر رہے ہو؟''

''وہ اب تک تمہیں سیکا ہی سمجھ رہا ہے۔ اسے آج تک یہ پتا نہیں چل سکا کہ سیکا کے روپ میں اس سے ملنے والی ویرا الائیڈ تھی۔ اس جیسے آدمی کے لیے یہ معلوم کرنا مشکل نہیں تھا۔''

''معلوم تو اس وقت کرتا جب اسے شبہ ہوتا کہ میں دہری زندگی گزار رہی تھی۔ اس زمانے میں کسی کو علم نہیں تھا کہ میں ویرا الائیڈ ہوں۔''

کچھ دیر تک کمرے میں خاموشی رہی۔ میں سوچ رہا تھا کہ راما کا ..... اپنی بیوی کے مقابلے میں خاصی جارح طبیعت کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ اسے اپنی بیوی کو ہوٹل کے سے رخصت کر کے ویرا سے رابطہ کرنے میں

''تم مجھے اس کے ساتھ سیر پر جانے کا مشورہ دے بیٹھے ہو مگر تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے۔'' آخر ویرا نے ہی چونک کر کمرے کی فضا میں چھایا ہوا سکوت توڑا۔

''دیکھنے میں سیر کا صرف ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''یہ اندازہ میں لگا ہی چکی ہوں کہ تم اسے ختم کرنا چاہتے ہو لیکن یہ قدم اتنا ناگزیر نہیں ہے۔ صرف آج رات تک کے لیے کہیں الجھا دیں تو ہمارا کام بن سکتا ہے۔ کل صبح وہ پورے شہر کی خاک چھان ڈالے تب بھی اسے ہمارا سراغ نہیں مل سکے گا۔''

''زخمی سانپ بہت زیادہ خطرناک ہوتا ہے اور راما تو ویسے ہی بہت کینہ پرور آدمی ہے۔ چند دم میں تم کو کھو دینے کی خلش تمہیں دوبارہ پہچانتے ہی اس کے دل میں پوری شدت سے تازہ ہو چکی ہے اور اب وہ تمہیں حاصل کرنے کے لیے مجھے مار ڈالنے پر بھی آمادہ ہے۔ اگر اس بار ہم اسے جل دے کر نکل گئے تو اس کی جھنجلاہٹ اسے پاگل کر دے گی۔ ہو سکتا ہے کہ بدلہ لینے کے لیے وہ سب کچھ بھول بھال کر ہم دونوں کی تلاش میں لگ جائے۔ میں اسے چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔''

وہ خاموشی سے میری بات سنتی رہی پھر تائیدی انداز میں بولی۔ ''پہلے اس نے صرف مجھے دیکھا تھا اور اب وہ تم کو بھی پہچانتا ہے۔ ہمارے موجودہ کوائف اسے ہوٹل کے ریکارڈ سے مل سکتے ہیں۔ اگر وہ لندن میں ڈان نولدی کے آدمیوں سے مل بیٹھا تو واقعی بہت کچھ معلوم کر لے گا۔''

''ہم اب مزید خطرات مول نہیں لے سکتے۔ راما کا قصہ یہیں ختم ہونا ضروری ہے۔''

''تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ مافیا کے ایک بااثر ڈان کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اس کا دماغ بہت خراب ہے۔ روم میں بھی ہر ایک اس سے بچنے کی کوشش کرتا تھا۔ کہا یہ جاتا تھا کہ اس کے منہ لگنے والے پُراسرار حالات میں جلد ہی مار دیے جاتے ہیں یا پھر کسی حادثے میں زندگی بھر کے لیے معذور ہو جاتے ہیں۔ اس جیسے سفاک دشمن کو ڈھیل نہیں دی جا سکتی۔''

"میں نے یہی سب سوچ کر ایک فیصلہ کیا تھا اور
ابھی تک اس پر قائم ہوں۔"
"اگر میں اس کے ساتھ نکل گئی تو تم ہمارا ساتھ کیسے
دو گے؟" ویرا نے پوچھا۔
"تم اس کے ساتھ پروگرام طے کر کے مجھے
بتا دینا۔ میں ٹرین کے ذریعے مقررہ مقام پر پہنچ کر تمہارا
انتظار کروں گا۔ موقع ملتے ہی ہم دونوں اس سے
چھٹکارا حاصل کر کے لوٹ آئیں گے۔"
"تمہاری یہ تجویز قابل عمل نہیں ہے۔" ویرا نے
فیصلہ صادر کر دیا "اس منصوبے پر اسی صورت میں عمل کیا
جا سکتا ہے جب سارا علاقہ ہم دونوں کا دیکھا بھالا ہو۔
ہو سکتا ہے کہ تم ایم ون کے مضافاتی علاقوں سے واقف ہو
مگر میں اس معاملے میں بالکل کوری ہوں۔ پتا نہیں راما کا
مجھے ساتھ لے کر کہاں جا نکلے۔ میں نے اسے کسی خاص
سمت میں چلنے پر مجبور کیا تو وہ چوکنا ہو جائے گا۔"
راما کا ایک بہت بڑے مجرم کا بیٹا تھا اور مجرم بھی ایسا
جو اپنے پیشے کے اظہار میں ایک شان محسوس کرتا تھا۔ اسے
موروثی طور پر خطرات کو بھانپ لینے کی صلاحیت حاصل
ہونی چاہیے تھی۔ وہ ویرا کو لے کر اپنی مرضی کے کسی راستے
پر چل پڑتا تو میرا پورا منصوبہ ناکام ہو سکتا تھا۔
"تمہاری بے خبری کی وجہ سے گڑبڑ ہونے کا امکان
ہے۔" میں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔
"جب ہم نے اسے ختم کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے
تو پھر اتنے لمبے بکھیڑے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ یہ کام
میں خود بھی انجام دے سکتی ہوں۔ تمہارے نکلنے کی
ضرورت نہیں۔"
"جسمانی طور پر وہ تم سے بہت مضبوط ہے۔" میں
نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "اگر تمہارا وار
اوچھا رہا تو تم خود سمجھ سکتی ہو کہ کیا ہو گا۔"
"میں اس سے کشتی لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔
گیتا کا بھرا ہوا ریوالور ہمارے پاس موجود ہے۔ بارودی
ہتھیار کے ذریعے دس برس کا بچہ بھی بڑے سے بڑے شہ
زور کو زیر کر سکتا ہے۔"
"مگر پھر بھی میں ناکامی کا کوئی خطرہ مول نہیں لینا
چاہتا۔ تم دونوں کے آس پاس میرا موجود رہنا نہایت
ضروری ہے۔" میں نے اصرار کیا "اس کے خاتمے کے
ساتھ اس کی لاش کو کسی ایسی جگہ ٹھکانے لگانا ہو گا جہاں وہ
کم از کم ایک دور دراز تک کسی کی نظروں میں نہ آ سکے۔"
"اس وقت میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا ہے۔ یہ
سب تم مجھ پر چھوڑ دو۔" یہ کہتے ہوئے ویرا کی آنکھوں میں
چمک سی پیدا ہو گئی۔ "سب کچھ اسی طرح ہو گا جیسا تم
چاہتے ہو۔"
میں اس بارے میں اس سے کوئی سوال نہیں کر سکا
کیونکہ اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔
ریسیور اٹھاتے ہی ویرا نے مجھے آنکھ ماری اور پھر
نرم اطالوی زبان میں بولنے لگی۔
میری توقع کے مطابق راما کا نے اپنی بیوی سے
پیچھا چھڑانے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔
ویرا اور راما کا کی گفتگو ہوتی رہی اور مجھے بیم گن یاد
آنے لگی۔ ہمارا وہ ہتھیار کوئی شور یا آواز پیدا کیے بغیر پلک
جھپکتے میں دشمن کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے لاثانی
تھا۔ ویرا کے پاس گیتا کا ریوالور ضرور موجود تھا مگر وہ بے
آواز نہیں تھا۔ اس کے فائر کی گونج ویرا کو مصیبت میں ڈال
سکتی تھی۔
اطالوی زبان میرے لیے اجنبی تھی لیکن ویرا کے
لب و لہجے کو میں خوب سمجھتا تھا۔ وہ اپنے دوست نما دشمن کو
بہت کامیابی سے شیشے میں اتار رہی تھی۔
ان دونوں کی باتیں کافی دیر تک جاری رہیں۔ فون
بند کر کے ویرا میری طرف متوجہ ہوئی تو اس کے چہرے پر
گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔
"تم نے اسے راستے سے ہٹانے کا بالکل صحیح فیصلہ
کیا ہے۔" ویرا بولی "وہ ہماری توقع سے کہیں زیادہ تیزی
سے کام لے رہا ہے۔ تمہارے اغوا کے لیے مافیا کے
دو کارندے اس وقت ہوٹل میں منڈلا رہے ہیں۔ راما کا
انہیں تمہاری شناخت کرائے گا اور وہ اپنا کام شروع
کر دیں گے۔"
"اوہ!" میں تحیر زدہ انداز میں اپنے ہونٹ سمیٹ
کر رہ گیا۔ وہ خبر سنتے ہی میرے بدن میں سنسنی کی ایک

لہری دوڑ گئی تھی ''کیا یہ اسی نے بتایا ہے؟''
''ہاں، فون کرتے ہی اس نے دو باتیں جاننی چاہی تھیں، اول یہ کہ میں نے اس کے بارے میں تمہیں کیا بتایا ہے اور دوم یہ کہ مجھے طلاق دینے کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔''
''تمہارا جواب اس کے لیے حوصلہ افزا ہی رہا ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔
''غنیمت ہے کہ میرا جواب زیادہ حوصلہ افزا نہیں تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ میرے شوہر کے لیے وہ میرا ایک پرانا دوست ہے اور یہ کہ طلاق کے معاملے میں اسے چند روز انتظار کرنا ہوگا۔ میں موقع محل دیکھ کر ہی کسی بہانے سے اپنے شوہر سے علیحدگی کی بات کروں گی۔ انتظار کے ذکر پر اس نے مشتعل ہو کر خود ہی اپنا راز اگل دیا۔ اب تمہیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔''
''مجھے پوری تفصیل بتاؤ۔'' میں نے بے چینی سے کہا ''اگر اس ہوٹل میں خطرہ پیدا ہو گیا ہے تو ہم اسی وقت کہیں اور منتقل ہو سکتے ہیں......''
''فی الحال اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے بات سنبھالنے کی پوری کوشش کی ہے۔'' وہ جلدی سے بولی ''وہ بھڑک کر کہہ بیٹھا کہ اب وہ ایک دن بھی انتظار نہیں کرے گا۔ اس نے ڈان روزینی کی اجازت سے مافیا کے دو آدمی ہوٹل میں طلب کر لیے ہیں جو کسی بھی وقت تمہیں اٹھا لے جائیں گے اور تم نہ مانے تو تشدد کے ذریعے تم سے طلاق کے کاغذات پر دستخط لے لیے جائیں گے۔ میں نے یہ سنتے ہی اپنا پلان بدل دیا اور نرمی سے اسے سمجھایا کہ اس وقت وہ سسلی میں نہیں، لندن میں ہے۔ جب میں اس کے ساتھ ہوں تو اس کو جوش یا عجلت میں کوئی خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں۔ میں خود اپنے شوہر سے خوش نہیں ہوں۔''
''اس وقت تمہارا یہی جواب اسے ٹھنڈا کر سکتا تھا۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔
''اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو وہ مافیا والوں کو واپس بھیج دے گا۔ شام کو وہ ہم دونوں کو اپنی گاڑی میں لندن کے مضافات کی سیر کرانے لے جائے گا۔''
''پہلے وہ میرے اغوا پر تلا ہوا تھا اور اب سیر کرانے لے جائے گا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔
ویرا کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ بکھر گئی ''میں نے اسے پیشکش کی ہے کہ اسے تمہارے ساتھ زبردستی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم گھومنے پھرنے کے شوقین ہو۔ میں تفریح کے بہانے کسی بھی وقت تمہیں اس کے ساتھ باہر لے جا سکتی ہوں۔ اس نے خود ہی آج شام کا وقت تجویز کیا جو میں نے مان لیا۔ اس ترکیب سے تمہاری یہ خواہش پوری ہو گئی کہ اس کے انجام میں ہم دونوں شانہ بشانہ رہیں۔''
''یہ نہ بھولو کہ بات ڈان روزینی تک پہنچ چکی ہے۔ اس کے آدمی اس کا پیچھا کریں گے۔ ایسا ہوا تو اسے ٹھکانے لگانے کے بعد ہم بری طرح پھنس سکتے ہیں۔''
''نہیں، مجھے پورا یقین ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔'' ویرا نے پراعتماد لہجے میں کہا ''شام کو اس کا کوئی آدمی اس کی گاڑی کا پیچھا نہیں کرے گا۔ اسے خوشی ہوئی کہ اب وہ اپنے باپ کے آدمیوں کی مدد لیے بغیر خود ہی اپنا یہ معاملہ نمٹا لے گا۔ ڈان روزینی کو اس نے اپنے عناد کا کوئی پس منظر نہیں بتایا تھا۔ اس سے صرف اتنی اجازت لی تھی کہ وہ ضرورت پڑنے پر اس کے ایک دو آدمیوں سے کوئی کام لے سکے۔''
اس کی دی ہوئی دلیل اس کے لہجے کے اعتماد سے میل نہیں کھا رہی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں کہا ''تم کوئی بات چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔''
''کسی کسی وقت تم سے سچ چھپانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر کسی بحث کے بغیر بولی ''وہ کچھ تکلیف دہ باتیں ہیں۔ ان کا دہرایا نہ جانا ہی اس وقت بہتر ہوگا۔''
''یہ تم مجھ سے کہہ رہی ہو......؟ اب تک تم کھل کر ہر بات مجھے بتاتی رہی ہو۔ اب میرے یا تمہارے لیے کوئی بات تکلیف دہ نہیں ہونی چاہیے۔ میرے لیے سب سے اذیت ناک بات یہ ہے کہ اسی ہوٹل کی چھت کے نیچے

ایک ایسا درندہ موجود ہے جو تمہاری مرضی کے خلاف خود کو تمہارے سر پر مسلط کرنے پر تلا ہوا ہے اور میں اپنی مصلحتوں کی وجہ سے اسے برداشت کرنے پر مجبور ہوں۔

''تمہیں وہ باتیں سن کر دکھ ہوگا۔ میں خود بھی تصور نہیں کرسکتی تھی کہ کبھی محض اوپری دل سے ہی مجھے تمہارے بارے میں ایسی باتیں کرنی پڑیں گی مگر اس وقت میں حالات کے شکنجے میں بے بس تھی۔ اچھا ہی ہوا کہ میری اور اس کی گفتگو اطالوی زبان میں ہو رہی تھی......''

''اگر ان باتوں کا تعلق میری ذات سے ہے تو ان وضاحتوں کو بھول کر وہ باتیں بتا ڈالو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا...... ''میں اندھیرے میں رہنا پسند نہیں کروں گا۔''

وہ زبان سے کچھ کہے بغیر چند لمحوں تک شکایت بھری نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر دھیرے سے بولی ''وہ آج شام تمہارے اغوا کے بجائے تمہارے قتل کا منصوبہ بنائے بیٹھا ہے......''

میں بے اختیار ہنس پڑا ''اور تم یہ بات بتاتے ہوئے اس طرح جھجک رہی تھیں جیسے تم نے اس کے ساتھ مل کر واقعی مجھے مار ڈالنے کا ارادہ کرلیا ہو۔''

''اسے ٹٹولنے کے لیے مجھے اس کی ہاں میں ہاں ملانی پڑ رہی تھی۔ وہ خوش تھا کہ اب وہ اپنے رقیب کو اپنے باپ کے آدمیوں کی مدد کے بغیر خود مارے گا۔ اس کی وحشیانہ فطرت اور اس خوشی کی بنا پر مجھے پورا یقین ہے کہ شام کو ہم تینوں کا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔''

''ہاں۔ اب یہ بات قابل فہم معلوم ہوتی ہے۔ تم اس کے ارادے کا ذکر نہ کرتیں تو میری بے خبری کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوسکتا تھا۔''

''میں اسے کسی قیمت پر ایسا موقع نہ دیتی۔'' وہ تڑپ کر بولی۔

''اب اسے تم سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ گاڑی میں سوار ہوتے ہوئے میرے پہلو میں کوئی زہریلی سوئی گھونپ کر پل بھر میں میرا کام تمام کردے تو تم کیا کرسکو گی؟''

''یہ خطرہ تو اب بھی موجود ہے۔'' اس نے جھرجھری لے کر کہا۔ ''وہ واقعی کچھ بھی کرسکتا ہے۔''

''نہیں۔ اب یہ خطرہ بہت کم ہوگیا۔ اس کے مکروہ عزائم سے باخبر ہونے کے بعد اب میں شروع سے ہی چوکنا رہوں گا، اس کے ہاتھوں پر نظر رکھوں گا، اس سے دور رہوں گا۔ پہلی کھوپڑی میں صرف اغوا کی بات چل رہی تھی تو ان میں سے کوئی احتیاط ممکن نہیں تھی۔''

میں محسوس کر رہا تھا کہ جوں جوں ہماری لندن سے روانگی کا وقت قریب آرہا تھا، صورت حال کشیدہ ہوتی جارہی تھی۔ پچھلی رات ناگہانی طور پر راما کا کسی آسیب کی طرح سامنے آگیا۔ غنیمت یہ تھا کہ ویرا کی دانش مندانہ حکمت عملی کی وجہ سے مافیا کے ان دونوں گرگوں سے جان چھوٹ گئی تھی جو میرے اغوا کی نیت سے ہوٹل میں پہنچے ہوئے تھے۔ اب ہمارے سامنے صرف ایک ہی حریف رہ گیا تھا جو شاید شام تک کا مہمان تھا۔

ویرا نے راما کا کو بتا دیا تھا کہ وہ اپنے ایک پرانے دوست کے طور پر مجھ سے اس کا ذکر کرچکی ہے اور پھر شام کو ہمیں اس کے ساتھ ایک خوں ریز تفریح کے لیے بھی نکلنا تھا۔ میں نے ویرا کو مشورہ دیا کہ اسے مزید اعتماد میں لینے کے لیے وہ اسے کمرے میں مدعو کرلے۔ اس طرح میرا اور اس کا براہ راست تعارف ہو جاتا اور میں قریب سے اس کا جائزہ بھی لے لیتا مگر ویرا نے میری وہ تجویز ہی سے مسترد کردی۔

راما کا اس سے طلاق کے بارے میں بہت تجسس کے ساتھ باز پرس کرچکا تھا لیکن ویرا کے پوچھنے پر بھی اس نے اپنی بیوی کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں بتایا تھا۔ ہم دونوں کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ راما کا نے ویرا کے معاملے کو اپنی بیوی سے پوشیدہ رکھا ہوا تھا اور شاید شام کی سیر کے لیے بھی اس نے کوئی بہانہ سوچا ہوا تھا۔

ہوٹل میں جاری اس کھیل میں ساری سرگرمیاں مکمل راز داری کے ساتھ جاری تھیں۔ بظاہر ہم تینوں فریقوں کے سوا کسی چوتھے کو اس قصے کی ہوا نہیں لگی تھی۔ ان حالات میں راما کا کا ہمارے کمرے میں آنا جانا مناسب نہیں تھا تاکہ اس کی یکایک گمشدگی کے بعد کسی کی توجہ ہماری طرف مبذول نہ ہو سکے۔

راما کا شام کے لیے اپنی بیوی سے جو بہانہ بھی کرتا،
اس کی واپسی نہ ہونے پر اس کا جواز ختم ہو جاتا اور اس کی
بیوی اپنے گم شدہ شوہر کی تلاش کے لیے ہاتھ پیر مارنا
شروع کر دیتی۔

رات گئے سے صبح سویرے تک کے وہ چند گھنٹے ہم
دونوں کے لیے صبر آزما اور اعصاب شکن ثابت ہوئے۔
اتنی قلیل سی مدت میں کسی اتفاق کے سوا ایسی کوئی صورت
نہیں تھی کہ کسی کے ذہن میں راما کا کے قتل کا اندیشہ سر
اٹھاتا اور ہم وہ راز فاش ہونے سے پہلے لندن سے پرواز
کر جاتے۔

ویرا کو شام کے لیے کچھ تیاری کرنی تھی۔ میں اسے
مصروف چھوڑ کر فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اول خان نے لندن سے نیویارک تک پرواز کے
لیے یونائیٹڈ اور ورجن اٹلانٹک کا قضیہ کھڑا کر کے مجھے
الجھن میں ڈالا ہوا تھا۔ ہوٹل چھوڑنے سے پہلے یہ قصہ
صاف ہونا بھی ضروری تھا۔

امارات ائر لائن کے دفتر فون کر کے میں نے بکنگ
کے شعبے سے بات کی اور اپنا کمپیوٹر نمبر دے کر ائر لائن کے
بارے میں پوچھا تو اول خان کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔
میرے سوال سے متعلقہ شخص کو گمان ہوا کہ میں شاید ائر لائن
کی تبدیلی کا خواہاں ہوں تو اس نے اپنے طور پر وضاحت
کی کہ امارات کے مسافر اس سیکٹر پر ورجن اٹلانٹک کے
ذریعے ہی سفر کرتے ہیں۔ ٹکٹ میں تبدیلی کے بغیر کوئی
ردوبدل ممکن نہیں تھا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے فون
بند کر دیا۔

حفاظت اور احتیاط کی خاطر شام تک ہم دونوں
اپنے کمرے میں ہی محصور رہے۔ ویرا نے روم سروس کے
ذریعے ہوٹل کے ریستوران سے دوپہر کا کھانا کمرے میں
ہی منگوالیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں اخبار سنبھال کر
بستر پر دراز ہو گیا۔ ویرا کمرے کا دروازہ بولٹ کر کے گیتا
کا ریوالور لے بیٹھی۔

چار بجے فون کی گھنٹی بجی۔ میرے اشارے پر ویرا
نے ہی ریسیور اٹھایا۔ ویرا کے اطالوی بولنے کی وجہ سے
مجھے یہ اندازہ لگانے میں دقت نہیں ہوئی کہ وہ کال راما کا
کی تھی۔

"ٹھیک پانچ بجے وہ ایک کمرشل پارکنگ لاٹ کے
دروازے پر ہمارا انتظار کرے گا۔" فون بند کر کے ویرا نے
مجھے آگاہ کیا "ہمیں صحیح وقت پر وہاں پہنچنا ہوگا۔"

"ضرور پہنچیں گے۔" میں نے خوش ہو کر کہا "ہمارا
شکار خود ہی ہماری تمام سہولتوں کا خاص خیال رکھ رہا ہے۔
یہ اچھا ہے کہ ہوٹل سے ہم الگ الگ نکلیں گے۔"

"تمہاری سہولت سے زیادہ اسے اپنی چمڑی
بچانے کا خوف دامن گیر ہوگا۔ وہ اپنی دانست میں تمہیں
مارنے جا رہا ہے اس لیے تم سے دور دور رہے۔"

"مجھے مارنے کے لیے اس نے کیا طریقہ سوچا ہوا
ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرے لیے یہ موضوع ناگوار تھا۔ میں نے اس
کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ راستے میں وہ خود ہی بتاتا
چلا جائے گا۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا "بولتا ہے تو بس بولتا
ہی چلا جاتا ہے۔"

"تم نے خود ہی بتایا تھا کہ اطالوی عورتوں کے
معاملے میں بہت ندیدے، خوشامدی اور باتونی ہوتے
ہیں پھر وہ تمہارے سامنے کیسے خاموش رہ سکتا ہے؟"

"وہ ایک عذاب کی طرح میرے ذہن پر سوار ہوا
ہے۔ اس کے حوالے سے تمہاری یہ چھیڑ چھاڑ مجھے زہر لگ
رہی ہے۔ وہ ہمارا دشمن ہے، اسے دشمن ہی رہنے دو۔"

ساڑھے چار بجے ہم دونوں نے پوری تیاری کے
ساتھ کمرا چھوڑ دیا۔ ویرا کے پاس پارکنگ لاٹ کا نمبر
موجود تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق وہ عمارت ہوٹل
سے چند منٹ کی مسافت پر تھی۔

وقت گزاری کے لیے قریبی بازار میں آکسفورڈ
اسٹریٹ کی عقبی دکانوں کی کھڑکیوں میں جھانکتے ہوئے
ہم خراماں خراماں ایک طویل چکر کاٹ کر مطلوبہ پارکنگ
لاٹ تک پہنچے تو پانچ بجنے میں کئی منٹ باقی تھے لیکن راما کا
ہم سے پہلے ایک چمکتی ہوئی سرخ بی ایم ڈبلیو فٹ پاتھ
کے کنارے لیے کھڑا تھا۔

اس نے دور ہی سے ہمیں دیکھ کر اپنی کار کی کھڑکی
میں سے ہاتھ لہرایا اور نیچے اتر کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ سیر کے لیے ہم سے زیادہ بے چین ہے۔" ویرا نے اضطراری لہجے میں کہا۔

"اور رقابت کی یہ جنگ جیتنے کے لیے پوری تیاری کے ساتھ آیا ہے۔ گہرے نیلے سوٹ میں خاصا شاندار لگ رہا ہے۔ گاڑی بھی تمہارے شایان شان لایا ہے۔"

ویرا زبان سے کچھ کہے بغیر مجھے گھور کر رہ گئی۔

راماکا نے اپنی کار کے قریب بہت تپاک سے ہمارا استقبال کیا۔ اندرونی مسرت سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ ویرا سے گرم جوشی سے ہاتھ ملانے کے بعد اس نے مسکرا کر مجھے ہیلو کہا اور مصافحہ کرتے ہوئے اتنی طاقت کا مظاہرہ کیا کہ میں تیار ہونے کے باوجود اپنے قدموں پر ہل کر رہ گیا۔

میں خود کو اس کے لیے آسان شکار ثابت کرنے کے موڈ میں تھا اس لیے میں نے جواب میں طاقت کا اظہار کرنے کے بجائے نرمی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

میں خاموشی سے عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ ویرا نے پسنجر سیٹ سنبھال لی۔ ویرا کا دروازہ بند کرنے کے بعد راماکا۔۔ پھرتی سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر پہنچا اور فوراً ہی انجن چلا دیا۔

کار کے طاقت ور انجن کی دبی دبی اور مربوط غراہٹ اس وقت میرے کانوں کو بہت بھلی لگ رہی تھی کیونکہ آج کار کو میرے دشمن کا مدفن بننا تھا۔

ایک شوخ ہچکولے کے ساتھ کار کے حرکت میں آتے ہی راماکا کی زبان بھی چل پڑی۔

کار کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی کیونکہ سڑکوں پر ٹریفک بہت زیادہ تھا مگر پھر بھی شہر کا بارونق اور پرہجوم حصہ تیزی کے ساتھ گزرنے لگا۔ اس وقت میری توجہ باہر سے زیادہ ان دونوں پر مرکوز تھی جو میرے آگے والی نشستوں پر موجود تھے۔

پھر ویرا اچانک ہی گردن گھما کر اردو میں مجھ سے مخاطب ہوگئی۔ "یہ اپنی بیوی سے کل تک واپسی کا عذر کر کے آیا ہے۔ ہر کام آسان ہوتا چلا جارہا ہے۔"

"مجھے بھول کر اسی کو بہلائے رکھو۔ وہ سلگ گیا تو کہیں حادثہ کر بیٹھے گا۔"

"اس نے خود ہی کہا ہے کہ میں تمہیں نظرانداز کروں ورنہ تم راماکا کی طرف سے بدگمان ہو جاؤ گے۔" اس نے مجھے آنکھ مار کر کہا۔

"جب دو حریف ایک دوسرے کو ذراسی دیر کا مہمان سمجھنے لگتے ہیں تو ایسی ہی۔۔ستم ظریفیاں وجود میں آتی ہیں۔" میں نے لہجے سے کوئی خوشی ظاہر کیے بغیر کہا "یہ پوچھا کہ میرے بارے میں اس نے کیا سوچا ہے؟"

"لیک ڈسٹرکٹ کے حسین علاقے میں گولی مار کر تمہاری لاش کسی جھیل میں پھینکنے کا ارادہ کر کے آیا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ آگے کیا ہوتا ہے۔ میں بتاؤں گی کہ تم بہت خوش ہو رہے ہو۔"

"ایسے دلفریب علاقے میں موت پر کون خوش نہ ہوگا!" میں نے دھیرے سے کہا "ہمیں واپس بھی آنا ہے۔ موٹر وے پر آنے کے بعد کہیں اسے نیچے لے جانا، کہہ دینا میں وہ علاقہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ویرا دوبارہ راماکا کی طرف متوجہ ہوگئی جو بہت دھیمے سر میں سیٹی پر کوئی دھن الاپ رہا تھا۔

راماکا نے اپنا پروگرام بہت سوچ سمجھ کر بنایا تھا۔ ایک لمبی ڈرائیو کے بعد وہ لیک ڈسٹرکٹ کی رومان پرور فضاؤں میں کسی دیکھی بھالی جگہ پر مجھ سے چھٹکارا حاصل کرتا پھر ویرا کے ساتھ جائے واردات سے محفوظ فاصلے پر کسی ہوٹل میں رات بسر کرتا، اپنی کامیابی پر دل کھول کر جشن مناتا اور اگلے دن واپس لوٹ جاتا۔

تبھی میرے ذہن میں ایک خیال نے بچھو کی طرح ڈنک مارا۔ راماکا نے ویرا کو اپنی بیوی سے علیحدگی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔ خود اسے بھی ویرا سے شادی کرنے کی شاید شدید آرزو نہیں تھی۔ اس کی خواہش بس اتنی تھی کہ وہ ویرا سے ردم میں ہونے والی اپنی توہین کا انتقام لے سکے۔

وہ اندر سے انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس آگ کے سرد ہونے کی ایک ہی صورت تھی کہ ویرا اس کے خلوت کدے میں اس کی آرزوؤں کی تکمیل پر آمادہ ہو جائے۔ اس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ویرا شادی کے بغیر اسے اپنے قریب بھی نہیں آنے دے گی۔ اس ضد کا

دُور کرنے کے لیے اس نے شادی کا ڈراما رچانے کا ارادہ بھی کرلیا اور ویرا کو بھی اس پر مجبور کرنے لگا۔

یہاں وہ ویرا کی بھرپور اداکاری سے دھوکا کھا گیا۔ ویرا کی طرف سے میرے اغوا میں اعانت کی تجویز کو اس نے مکاری سے قتل کے ارادے میں بدل دیا۔ ایک بار وہ مجھے ٹھکانے لگا دیتا تو ویرا اس کے سامنے بے بس ہو جاتی۔ راما کا اس سے شادی کیے بغیر اپنا انتقام لے سکتا تھا اور ویرا اس ظلم کے خلاف کہیں زبان نہیں کھول سکتی تھی کیونکہ میرے قتل میں وہ خود بھی راما کا کی شریک کار ہوتی۔

اس نے اپنی ازدواجی زندگی میں کوئی بگاڑ پیدا کیے بغیر انتقام کی آگ سرد کرنے کے لیے بہت چالاکی سے اپنا آخری منصوبہ بنایا تھا۔ وہ بدنصیب اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کا بچھایا ہوا جال آخر کار اسی کی گردن کا طوق بننے والا تھا۔

میں وہی سب سوچتا اور اندر ہی اندر کھولتا رہا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس وقت تک ویرا کا بال بھی بیکا نہیں کرسکا تھا مگر میں یہ سوچ سوچ کر کھول رہا تھا کہ ویرا سے باتیں کرتے ہوئے راما کا کے دل میں اس کے بارے میں کیسے کیسے مکروہ اور رذیل خیالات سر ابھار رہے ہوں گے۔

شہر کے مرکزی علاقے سے نکلنے کے بعد سڑکوں پر ٹریفک مزید بڑھ گیا۔ راستے میں جا بجا کئی علاقائی بازار آئے اور گزر گئے۔ آخر کار کافی دیر بعد راما کا کی گاڑی موٹر وے پر آگئی۔

موٹر وے بہت وسیع اور یک طرفہ تھی لیکن پہلے جنکشن کے بعد سڑک پر گاڑیوں کی کثیر تعداد رواں تھی۔ یہ سب غالباً وہ لوگ تھے جو کاروبار یا ملازمت کے لیے ایم دن کے مضافات سے روز لندن آتے جاتے تھے۔ گاڑیوں کے اس سیل رواں کا نظم بہرحال مثالی تھا اور تمام ڈرائیور ہارن بجائے یا بے صبری کا کوئی مظاہرہ کیے بغیر سکون سے اپنی اپنی قطار میں چلے جا رہے تھے۔

''اس کے پاس کوئی زہریلی سوئی وغیرہ نہیں ہے۔'' ویرا اچانک دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوگئی ''تمہارے مارنے کے لیے یہ بھی وہی ہتھیار لایا ہے جو ہم لیے پھر رہے ہیں۔''

''مجھ سے نجات حاصل کرنے کے بعد یہ تمہارے ساتھ رات کہاں بسر کرے گا؟''

''اپنے ذہن میں سے یہ زہر نچوڑ پھینکو۔'' ویرا ہموار آواز میں بولی ''میں تمہارے چہرے سے دیکھ رہی ہوں کہ تم بہت کچھ سوچ رہے ہو۔ ایسی باتوں پر خود کو ہلکان مت کرو جو ہونے والی نہیں ہیں۔ یہ ہوٹل سے بہت کچھ سوچ کر نکلا ہے لیکن تمہیں معلوم ہے کہ ہونا کچھ اور ہی ہے۔''

''میں کچھ نہیں سوچ رہا۔'' میں نے جواب دیا ''بس اس کے وجود سے گھن آرہی ہے۔''

''کہو تو میں اگلے ایگزٹ پر ہی گاڑی مڑوا لوں۔'' ویرا پریشان ہو رہی تھی۔

''ابھی چلنے دو۔ ذرا دھندلکا ہو جائے تو سوچوں گا۔ تم میری فکر مت کرو۔''

اچانک راما کا نے پرجوش لہجے میں کچھ کہا۔ ویرا نے اس کے مترجم کا فرض ادا کرتے ہوئے بتایا۔ ''الو کا پٹھا کہہ رہا ہے کہ لیک ڈسٹرکٹ دیکھ کر تمہارے شوہر کا دل خوش ہو جائے گا۔ سفر ذرا لمبا ہے لیکن دسویں ایگزٹ کے بعد بھیڑ کم ہوگی تو رفتار بڑھانے کا موقع مل جائے گا۔''

اس وقت تک ہم پانچویں ایگزٹ سے گزر چکے تھے۔ میں نے جواب دیا ''اگر اس نے واقعی یہی کہا ہے تو اس منحوس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے [illegible] کے بعد میں کسی دیہی پب میں بیٹھ کر ٹھنڈی بیئر کا ایک گلاس پینا چاہتا ہوں۔''

ویرا نے اس کے لیے میرے پیغام کا ترجمہ کیا اور اس کا جواب سن کر بولی ''وہ تمہاری خواہش سن کر خوش ہوا ہے۔ تمہیں مارنے سے پہلے بیئر پلانے کا آئیڈیا اسے پسند آیا ہے۔''

''یہ آنے والا وقت بتائے گا...... جب یہ موٹر وے سے اترے تو یہ گاڑی چلانے کا شوق ظاہر کرکے تم اس کی جگہ لے لینا۔''

گاڑی سبک رفتاری سے ہموار سڑک پر دوڑتی رہی۔ مطلع پہلے ہی ابر آلود تھا۔ رفتہ رفتہ ہر طرف کالی

بدلیاں سی پھیلنے لگیں اور پھر ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی۔ راماکا نے سوئچ آن کر دیا اور گاڑی کی ونڈ اسکرین پر وقفے وقفے سے وائپر چلنے لگے۔

قلاس کے بارہویں راستے سے راماکا نے موٹر دے چھوڑی تو دھند کا اتنا گہرا ہو چلا تھا کہ ہیڈ لیمپس جلانے کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔

ویرا اور راماکا میں زور و شور سے باتیں ہو رہی تھیں۔ پھر راماکا نے بی ایم ڈبلیو بائیں طرف کنارے سے لگا کر روکی اور اپنی سیٹ سے اتر گیا۔ ویرا نے سرک کر اس کی جگہ لے لی۔

دوسرے دروازے سے ویرا کی خالی کی ہوئی جگہ پر بیٹھتے ہوئے راماکا نے ایک دوستانہ مسکراہٹ سے میری طرف دیکھا۔ میں نے بھی جوابی منافقت کا مظاہرہ کیا۔ ویرا نے کار آگے بڑھا دی۔

وہ کوئی چھوٹی سی آبادی تھی مگر آثار بتا رہے تھے کہ اس سے آگے بڑے قصبات بھی ضرور آباد ہوں گے۔ میں نے گہری نظروں سے قرب و جوار کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

راماکا کو ٹھکانے لگانے کے لیے میرے پاس دو ہتھیار تھے۔ ایک گیتا کا بھرا ہوا ریوالور اور دوسرا ایدھری ناتھ سے کراچی میں حاصل کیا ہوا، تلوار جیسی دہری اور مڑی ہوئی دھار والا چھوٹا چاقو مگر میں ان دونوں کے استعمال میں متذبذب تھا۔

اس وقت راماکا میری طرف سے تقریباً غافل تھا۔ ڈرائیونگ سے نجات ملنے کے بعد اس کے ذہن پر ویرا کی ہم نشینی کا خمار گہرا ہونے لگا تھا۔ [illegible] باتیں کرتے ہوئے وہ اس کے [illegible] ہاتھ بھی مارتا جا رہا تھا جسے ویرا برداشت کر رہی تھی۔ اگر وہ اگلی نشست پر ہونے کی وجہ سے حفاظتی بیلٹ میں نہ پھنسا ہوا ہوتا تو شاید اس کی شوخیوں میں اس سے زیادہ اضافہ ہو سکتا تھا۔

ایسی حالت میں، میں بہت آسانی سے اسے گولی مار کر ختم کر سکتا تھا لیکن مجبوری یہ تھی کہ وہ علاقہ میرا دیکھا بھالا نہیں تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ بظاہر ویرانے میں سے گزرنے والی سڑک پر کتنے فاصلے پر کوئی پولیس افسر یا کوئی اہلکار موجود تھا۔

فائر کے نتیجے میں راماکا کی موت یقینی تھی مگر تمام تر احتیاط کے باوجود فائر کی آواز سن لیے جانے کا خطرہ اپنی جگہ موجود تھا۔ کوئی اس طرف دھیان دے کر دوڑ لگا دیتا تو ہم سخت مشکلات سے دوچار ہو جاتے۔ دوسری طرف چاقو کے استعمال میں نشانہ خطا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اگر میں پیچھے سے راماکا کے دل کے مقام پر وار کرتا تو اس کا وہ پہلو گاڑی کے دروازے کے قریب تھا۔ میرے لیے اس طرف آزادی سے وار کرنا ممکن نہیں تھا۔ اگر چاقو کا پھل براہ راست دل میں پیوست ہونے کے بجائے کسی پسلی پر پڑ کر اچٹ جاتا تو چلتی ہوئی گاڑی میں زخمی راماکا سے ہولناک دست بدست لڑائی شروع ہو جاتی یا شاید وہ خود بھی اپنا پستول یا ریوالور نکال لیتا۔

اور کچھ ہوتا یا نہ ہوتا، ہم تینوں ہی گھیر لیے جاتے اور ہمارا امریکا جانے کا خواب بکھر کر رہ جاتا۔

ہوٹل کے کمرے میں بیٹھ کر جو کام بہت آسان نظر آ رہا تھا، میدان عمل میں اترنے کے بعد یک بیک مشکل ہو چکا تھا۔

میں ویرا کی طرح مارشل آرٹس میں اتنا ماہر نہیں تھا کہ کراٹے کی کوئی ضرب لگا کر ریمش اگروال کی طرح اس کی گردن توڑ دیتا۔ وہ وار خطا ہونے کی صورت میں بھی نتیجہ خطرناک ہو سکتا تھا۔

میرا ذہن راماکا کی گردن میں پھندا لگانے کی طرف بھٹک گیا۔ اگر میرے پاس کوئی مضبوط ڈوری یا تار کی بھی ہوتی تو میں پیچھے سے اس کی گردن اس میں کس کر کسی شور یا خون ریزی کے بغیر اس کا کام تمام کر سکتا تھا۔ اس طرح بی ایم ڈبلیو کی نشستوں پر چڑھے ہوئے سفید براق سیٹ کور بھی اس کے غلیظ خون کے داغ دھبوں سے محفوظ رہتے اور اس فتنے سے بھی نجات مل جاتی۔

وقت دھیمے دھیمے سرک رہا تھا۔ ہیجان کے ساتھ میرا دوران خون بھی تیز ہوتا جا رہا تھا۔ پھر میں نے اضطراری طور پر پچھلے سیٹ کور کے نچلے حصے کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ اگر اس میں مضبوط ڈوری پڑی ہوئی ہوتی تو میں اندھیرے میں خاموشی سے اسے کاٹ سکتا تھا۔

ایک دشمن کے لیے تیسرے ہتھیار کی بے تابانہ تلاش اس وقت مایوسی میں بدل گئی جب میری انگلیوں نے ڈوریوں کے بجائے سیٹ کور میں الاسٹک محسوس کیا۔

کار اس وقت آبادی سے تقریباً باہر آچکی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف تاحد نظر تاریکی کا راج تھا۔ اس مکمل اندھیرے میں کہیں بھی روشنی کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' ویرا نے میری طرف مڑے بغیر اردو میں پوچھا''اس کی چھیڑ چھاڑ اب میرے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی جارہی ہے۔''

میں ویرا کے مخاطب ہونے سے پہلے ہی اپنی اندرونی جیب میں سے گیتا کا ریوالور نکال چکا تھا اور اس کی سرد آہنی نال میری گرفت میں تھی۔

میں نے کار کی تاریک کیبن میں اپنا ہاتھ بلند کر کے ریوالور کا دستہ پوری قوت سے راما کا کی داہنی کنپٹی پر رسید کر دیا۔ ایک بے ساختہ چیخ کے ساتھ بیلٹ پر پھنسا ہوا اس کا جسم قدرے اچھلا اور پھر اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

''یہ کیا کیا؟'' ویرا نے اضطراری لہجے میں پوچھا ''کیا اسے زندہ رکھ کر پالنے پوسنے کا ارادہ ہے؟''

''میں نے شدید ذہنی کشمکش کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔'' میں نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔''بہت دیر اور ناامیدی کے بعد یہ ویرانہ نظر آیا ہے۔ اب گاڑی روک لو۔''

''یہاں؟ اس وقت خاصی تیز بونداباندی ہو رہی ہے۔''وہ چونک کر بولی۔

''یہاں میدان صاف ہے۔ اسے ڈکی میں ڈال کر یہیں اس کا قصہ ختم کر دوں گا۔'' میں نے جواب دیا''یہ کار اندر سے اتنی خوب صورت اور آرام دہ ہے کہ میں اسے سفید نشستوں پر ذبح کرنا نہیں چاہتا۔''

''کچھ پتا نہیں چلتا کہ تم کب کیا کرنا چاہتے ہو۔'' ویرا نے بڑبڑاتے ہوئے کار روک کر اس کی ساری روشنیاں گل کر دیں اور لیور کھینچ کر ڈکی کا قفل کھول دیا۔

میں نیچے اتر کر پھرتی سے پسنجر سیٹ پر جا پہنچا۔ میرے دروازہ کھولنے تک ویرا اس کے بدن کو بیلٹ کی قید سے آزاد کر کے میرا ہاتھ بٹانے کے لیے نیچے آچکی تھی۔

اس وقت آسمان پر گہری تاریکی کا راج تھا۔ کہیں کوئی بھولا بھٹکا تارہ تک نظر نہیں آرہا تھا اور آسمان سے بے آواز بوندیں دھرتی کے سینے میں اترتی چلی جارہی تھیں۔ اس کھلے علاقے میں موسم خاصا خنک تھا۔ اس خنکی میں بدن اور چہرے کے کھلے ہوئے حصوں پر پڑنے والی بوندیں بہت ناگوار محسوس ہو رہی تھیں۔ میں اس فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہونا چاہ رہا تھا۔

ویرا ارے ارے کرتی ہی رہ گئی۔ میں نے جھک کر راما کا کا جھولتا ہوا داہنا ہاتھ تھام کر اس کا ڈھیلا بدن اپنی پشت پر گرایا اور پھر اسے پیٹ کے بل اپنے کندھے پر لاد کر سیدھا ہوتا چلا گیا۔

راما کا دراز قامت ہونے کے ساتھ ہی ٹھوس اور کسرتی بدن کا مالک تھا لیکن میں حالات کے دباؤ میں اس سے کہیں زیادہ مشقت سے گزرنے کے لیے تیار تھا۔ میں اسے لادے تیزی سے کار کے پیچھے گیا۔ ویرا ڈکی کھول چکی تھی۔ میں نے راما کا کو بے رحمی سے اندر ڈال دیا۔

کار اس کے بوجھ سے اپنے اسپرنگوں پر جھول کر رہ گئی۔ اس کے لیے ڈکی کی چوڑائی ناکافی تھی۔ ویرا اس کی ٹانگیں سمیٹ کر ڈکی میں ٹھونسنے لگی۔ میں نے جیب سے بدری ناتھ کا چاقو نکالا اور پوری قوت سے اس کا پھل راما کا کے سینے میں دل کے مقام پر پیوست کر دیا۔

راما کا کے ہونٹوں سے بے ہوشی کے عالم میں ایک تیز ہچکی آزاد ہوئی، اس کے بدن کو بہت تیز جھٹکا لگا اور میں نے چاقو نکالے بغیر ڈکی زور سے بند کر دی۔

وہ ایک طویل اور ہولناک کارروائی تھی لیکن بس ڈیڑھ دو منٹ میں ہی مکمل ہو گئی اور ہم دونوں ہلکی بارش میں زیادہ بھیگے بغیر دوبارہ کار میں روانہ ہو گئے۔

''شاید عجلت میں تم نے اپنا چاقو اس کے سینے میں چھوڑ دیا ہے۔'' چند لمحوں کے بوجھل سکوت کے بعد ویرا نے تیز تیز سانسوں کے درمیان کہا۔

''میں نے دانستہ ایسا کیا ہے۔ چاقو نکالتا تو شاید زخم سے اتنا خون بہتا کہ ڈکی کے کسی نہ کسی سوراخ سے باہر

خون اندر ہی اندر بھرتا رہے گا۔"
"خون ٹپکے گا تو برسات اسے بہا دے گی۔" ویرا پر
آواز میں بولی "گندے خون کی صفائی کے لیے آج
قدرت نے یہ خاص انتظام کیا ہوا ہے۔"
"تم نے درست ہی کہا تھا کہ اطالوی جواری اور
عورتوں کے رسیا ہوتے ہیں۔ اس نے تمہارے حصول
کے لیے ایک اندھا جوا کھیلا اور اپنی زندگی کی بازی ہار گیا۔
ہماری اس کامیابی کا پورا سہرا تمہارے سر جاتا ہے۔ تمہاری
اداکاری کی وجہ سے اسے آخر تک اپنے خلاف کسی سازش
کا شبہ نہیں ہو سکا اور وہ دو قسطوں میں جہنم واصل ہو گیا۔"
"موسم خراب ہے...... یہ بتاؤ کہ اب کہاں تک
جانے کا پروگرام ہے؟"
"جہاں جگہ نظر آئے، وہیں سے گاڑی واپس گھما
لو۔ ہمیں جلد از جلد ہوٹل پہنچ جانا چاہیے۔" میں نے دو
سگریٹیں سلگا کر ایک ویرا کی طرف بڑھا دی۔
"اسے کہاں پھینکو گے؟" سگریٹ کا ایک گہرا کش
لینے کے بعد اس نے پوچھا۔
"یہ اپنی اس بیش قیمت گاڑی میں ہی زیادہ محفوظ
رہے گا۔" میں نے بے فکری سے کہا۔
"ہم اس کی لاش سمیت لندن واپس پہنچیں گے؟"
میرے جواب نے ویرا کو حیران کر دیا۔
"لاش کہیں بھی پھینکی جائے، صبح کا اجالا پھیلتے ہی
اسے دریافت کر لیا جائے گا۔ ویسے بھی اندھیرے میں اس
کی خون آلود لاش سے زیادہ چھیڑ چھاڑ مناسب نہیں۔
ہمارے کپڑوں پر خون کے دھبے پڑ گئے تو مشکل ہو جائے
گی۔"
اس دوران میں مخالف سمت سے یکے بعد دیگرے
دو گاڑیاں نمودار ہو کر تیزی سے آگے نکلتی چلی گئی تھیں۔
پیچھے دور تک سڑک صاف تھی۔
"اور یہ گاڑی تم لندن میں کہیں بھی چھوڑ دو گے۔
اگر راستے میں کہیں چیکنگ کے لیے ہمیں روک لیا گیا تو
کیا ہو گا؟" ویرا نے ایک مسطح کنارے سے گاڑی کو واپس
گھماتے ہوئے پوچھا۔
"یہ کراچی نہیں ہے جہاں آئے دن ناکا بندیاں
کر کے گاڑیوں کے ساتھ مسافروں تک کی جامہ تلاشی لی
جاتی ہے۔ ٹریفک کے ضوابط کی خلاف ورزی کرو گی تو
ضرور روکی جاؤ گی لیکن وہاں بھی بات لائسنس سے آگے
نہیں بڑھے گی جو تمہارے پاس موجود ہے۔"
"شاید تم درست ہی کہہ رہے ہو۔ یہ خطرہ مول لیا
جا سکتا ہے۔"
"اور گاڑی بھی تم ہی چلاتی رہو گی۔ ڈرائیونگ
سیٹ پر ایک دلفریب سفید فام چہرہ دیکھ کر کوئی متعصب
افسر بھی تمہیں نہیں روکے گا۔ رنگ دار لوگوں کو بعض افسر
شک کی بنا پر بھی روک لیتے ہیں۔"
"خطرناک حالات میں تمہارا ذہن ایسے تخریبی
راستے پر چل نکلتا ہے کہ تم ذرا ذرا سی باتوں کو اپنے
فائدے کے لیے استعمال کرنے لگتے ہو۔ میں ہر مرتبہ تم
سے کوئی نئی بات سیکھتی ہوں۔"
"خدا کا شکر ادا کرو کہ اس وقت تم اتنی آزادی سے
اپنی رائے کا اظہار کر رہی ہو۔ راما کا داؤ چل جاتا تو شاید
وہ آج رات ہی عملی طور پر تمہیں مسز راما کا روزینی بنا
ڈالتا۔"
"ہوں...... اس کے عزائم کچھ ایسے ہی تھے مگر مجھے
ذرا بھی پریشانی نہیں تھی۔"
"یہ ڈان مرسیانو کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ مردوں
کے معاملے میں تم اتنی بے خوف ہو۔"
"مجھے بس یہ فکر تھی کہ ہم لندن میں الجھے رہ گئے تو
امریکا میں سلطان شاہ برے حال کو پہنچا دیا جائے گا ورنہ
میں راما کا کو سسکا سسکا کر بھی مار سکتی تھی۔"
سلطان شاہ کا نام سنتے ہی میں دل ہی دل میں نادم
ہو کر رہ گیا۔ پچھلے کئی گھنٹوں سے ایک بار بھی اس کا خیال
میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔
باہر بارش کا زور بندھ گیا تھا۔ ونڈ اسکرین پر وائپر
مسلسل چل رہے تھے۔ بند شیشوں کے باوجود گیلی سڑک
پر ٹائروں کی آواز کار میں سنائی دے رہی تھی۔ ایک کمال
کی بات یہ تھی کہ میں نے پچھلے دنوں میں بارہا بارش اور
پھوار کا سامنا کرنے کے باوجود ان مغربی بادلوں میں گرج
یا بجلی کی کڑک کبھی نہیں سنی یا دیکھی تھی۔ عجیب بادل تھے جو

ہمیشہ چنکے چنکے اور دھیرے دھیرے بجتے رہتے تھے۔
کھڑکی کے شیشے سے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں جگمگاتی ہوئی روشنیوں سے آبادی کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ یہ سب دیکھتے ہوئے بھی میں سلطان شاہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ ایسا نہیں تھا کہ میرے دل میں اس کی قدرو منزلت کم ہوگئی تھی۔ اس کے لیے میرے احساسات وہی تھے جو اپنے کسی چھوٹے بھائی کے لیے ہوسکتے ہیں۔ بات صرف یہ تھی کہ راما کا روز بھی کے خطرے نے اس قدر بھیانک اور طوفانی انداز میں سر اٹھایا تھا کہ اس کے سامنے ہر تشویش ماند پڑ گئی تھی۔
جو شخص صرف ایک رات میں میرے اغوا کے لیے دو پیشہ ور مقامی باشندوں کا بندوبست کرسکتا تھا، اسے ذہن سے کھرچ پھینکنا کسی بھی طرح آسان نہیں تھا۔
''سلطان شاہ کے ذکر پر تم خاموش کیوں ہوگئے؟'' نسبتاً گنجان آبادی کی طرف بڑھتے ہوئے ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔
''تمہاری کہی ہوئی کچھ باتیں یاد آگئی تھیں۔ سانپ کا کاٹا بچ سکتا ہے مگر عورت کا کاٹا پانی بھی نہیں مانگتا۔ میری دعا ہے کہ خدا اسے صنفِ نازک کے وار سے محفوظ رکھے۔''
''تم پھر میری باتوں کو توڑ مروڑ رہے ہو۔ میں نے سلطان شاہ کے لیے کسی عورت کی محبت یا شفقت کا ذکر کیا تھا اور تم نے اسے منافقت میں بدل دیا تھا۔ یہ سراسر......''
''تمہاری یہ صفائی لاحاصل ہے۔'' میں نے اس کی قطع کلامی کر کے جواب دیا ''نسوانی محبت اور شفقت کا ایک تازہ ترین شاہکار اس وقت اس کار کی ڈکی میں بھی موجود ہے۔ وہ آخر تک تمہاری منافقت سے یہی فریب کھاتا رہا کہ آخر کار تم اس پر مہربان ہوگئی ہو۔''
اس برجستہ حوالے پر ویرا لاجواب ہوگئی اور جل کر بولی ''اپنی یہ اوٹ پٹانگ باتیں اپنے دماغ تک ہی محدود رکھو۔ میرا دماغ سنک گیا تو اپنی منافقت کا شاہکار تمہیں میں تمہیں سونپ کر یہیں کسی گھر میں رات بھر کے لیے پناہ لے لوں گی۔''
میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ میرے معاملے میں وہ اسی قدر سنکی تھی کہ ایک بار پھیل جاتی تو پھر اسے منانے میں، میں خود ایک تماشا بن کے رہ جاتا۔
ویرا نے اس بار اپنا غصہ کار کے انجن پر اتارا اور اس کی رفتار یک لخت تیز کردی۔ میں سکون اور خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا اور آبادی بہت تیزی کے ساتھ پیچھے رہ گئی۔
بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ کار مسلسل دوڑ رہی تھی۔ راستے میں آنے والی اکا دکا بستیوں سے گزرنے کے سوا سفر ویرانے میں ہی جاری تھا۔ مجھے تشویش ہونے لگی۔
میرے خیال میں واپسی کے لیے ہم کافی دور کا سفر کر رہے تھے لیکن موٹر وے کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ غصے کے باعث ویرا نے شاید اہم روڈ سائن نظر انداز کر کے راستہ کھو دیا تھا۔
ڈیش بورڈ کی روشنی کے انعکاس میں، میں نے کن انکھیوں سے ویرا کا جائزہ لیا تو اس کے چہرے پر بھی تشویش کی پرچھائیاں نظر آئیں۔
میں نے کھنکھار کر اپنا گلا صاف کیا اور آہستگی سے پوچھا ''جان کی امان ہو تو کچھ پوچھ لوں؟''
اندھیرے میں ویرا کی کھسیائی ہوئی ہنسی کی آواز گونج اٹھی۔ ''کیوں مجھے زچ کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ شاید تمہیں ابھی تک اندازہ نہیں ہوا کہ اتنی دیر سے چلتے رہنے کے باوجود ایم ون ابھی تک غائب ہے۔ شاید ہم راستہ بھٹک گئے ہیں۔''
''میں بھی اس وقت یہی عرض کرنا چاہ رہا تھا۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا ''جب راما کو مارنے کے لیے ویرانوں کی ضرورت تھی تو تم آبادی میں جا گھسی تھیں۔ اب لندن واپسی کی عجلت ہے تو تم ویرانوں میں تیز رفتاری کی مشق کرتی پھر رہی ہو۔''
''میں نے ایم ون کی نشاندہی کرنے والے کسی اشارے کو نظر انداز کردیا تھا تو تم کیا کر رہے تھے؟ تم مجھے ٹوک نہیں سکتے تھے؟'' اس نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔
''خاموشی کا حکم ملنے کے بعد میں سامنے کے بجائے کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اب دیکھو کہ ہم کون کہ اس جال سے نکل کر ہم کب لندن پہنچتے ہیں۔''

''چبا چبا کر زہر اگلنے کے بجائے اپنی جون میں لوٹ آؤ۔'' گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے وہ غصیلی آواز میں بولی ''ان مضافاتی سڑکوں پر بہت زیادہ روڈ سائن نہیں ہوتے۔ اس مرتبہ کسی سائن بورڈ سے ہی ہمیں اپنے سفر کی سمت کا اندازہ ہو سکے گا۔''

''سلیس اردو میں اسے کسی زود پشیماں کا پشیماں ہونا کہتے ہیں۔'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''کہتے ہوں گے۔ تم رہنما اشاروں کا دھیان رکھو۔ تمہارے دیدے الو کی طرح تیز ہیں۔''

''راما کا سے تم نے میری مادہ ہونے کا اعتراف کیا تھا، خود کو کیا کہو گی؟''

''الو کی پٹھی!'' وہ ایک مرتبہ پھر بے بسی سے ہنس پڑی ''میں نے تم کو الو نہیں کہا تھا، تمہاری بینائی کی تعریف کی تھی۔''

''اور میں تمہاری دانائی کا اعتراف کر رہا ہوں۔ ہوٹل والی لڑکی بتا ہی چکی ہے کہ مغرب میں الو دانائی کی علامت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔'' میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔

''شاید اس علاقے کی ہوا تمہاری دانائی و بینائی کو خوب راس آ رہی ہے، تمہیں اعتدال پر لانے کے لیے یہاں سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈنا ہی پڑے گا۔''

خاموشی کے مقابلے میں نوک جھوک کرتے ہوئے وقت تیزی سے گزرنے لگا اور آخر کار ہم ایک ایسی سڑک پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جو کوئی موٹر وے تو نہیں تھی لیکن اسے مضافاتی شاہراہ کا درجہ دیا جا سکتا تھا۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے ویرا نے اتنے موڑ کاٹے تھے کہ میں سمت کا احساس تک کھو بیٹھا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد ہمیں اے فائیو کا نشان نظر آیا۔ ویرا نے کار اسی راہ پر ڈال دی۔

ہم نے موٹر وے تیرہویں ایگزٹ پر چھوڑ دی تھی اور ایک ذرا سی غلطی سے اندر ہی اندر دور تک بھٹکنے کے بعد پندرہویں جنکشن پر دوبارہ وہاں پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور لندن واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔

اس وقت تک بارش کا سلسلہ بالکل موقوف ہو چکا تھا لیکن مطلع بدستور ابر آلود تھا۔

راما کا کی لاش کے ساتھ ایک موٹر وے پر سفر کا وہ تجربہ بہت خوف آور اور سنسنی خیز تھا۔ راستے میں کہیں کہیں پولیس کی گشتی گاڑیاں ٹریفک کی تیز رفتاری یا بے قاعدگی کی پڑتال کے لیے موجود تھیں۔ ان پر نظر پڑتے ہی ہر بار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی رہیں لیکن ہمیں کہیں کسی روک ٹوک کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

''شہر میں داخل ہو کر گاڑی کا رخ یوسٹن ریلوے اسٹیشن کی طرف موڑ لینا۔'' شہر کی حدود قریب آنے پر میں نے ویرا کو ہدایت کی اور وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

یوسٹن لندن شہر میں برٹش ریل کا ایک مرکزی اسٹیشن ہے جو ٹیوب کے ذریعے پورے لندن سے منسلک ہے۔ شہر میں وکٹوریا اور کنگز کراس سمیت ایسے کئی اسٹیشن ہیں جہاں ٹیوب چھوڑ کر ملک کے دوسرے حصوں کے لیے آسانی سے ٹرین پکڑی جا سکتی ہے۔

ایسے اسٹیشنوں میں یوسٹن کی مرکزیت کی وجہ سے وہاں ایک پارکنگ ایریا ہے جہاں لمبے سفر پر جانے والے بے فکری سے اپنی گاڑی چھوڑ سکتے ہیں۔

لندن کی حدود میں داخل ہوتے ہی کار پھر رینگنے لگی۔ ہمارے سفر کا وہ حصہ سخت ذہنی کشیدگی اور اعصابی تناؤ کے عالم میں گزرا۔ آخر کار پارکنگ ٹوکن خرید کر ہم مطلوبہ پارکنگ میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

وہاں ڈرائیوروں کی رہنمائی اور دیکھ بھال کے لیے ایک باوردی سپاہی کو دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ طویل کار پارکنگ کے لیے وہ کار کی ڈکی دیکھنے کا مطالبہ کر سکتا تھا۔

ان دنوں دنیا بھر میں دہشت گردی کی یہ وبا پھیلی ہوئی تھی کہ بھیڑ بھاڑ کے مقام پر چھوڑی ہوئی کسی بھی بے نام و نشان گاڑی میں چھپایا ہوا ٹائم بم یا ریموٹ کنٹرولڈ بم مقررہ وقت پر ہولناک دھماکے سے پھٹتا اور ہر طرف بڑے پیمانے پر جانی و مالی تباہی پھیلا دیتا۔

غنیمت تھا کہ اس وقت تک وہ وبا انگریزوں کے وطن میں نہیں پھیلی تھی۔ آئرش ری پبلکن آرمی کے دہشت گرد دوسرے طریقوں سے انہیں نقصان پہنچاتے رہتے

تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہاں موجود سپاہی کچھ قنوطی اور بیزار بیزار سا نظر آرہا تھا۔ اس نے ہماری رینگتی ہوئی گاڑی کو ذرا بھی قابل توجہ نہیں سمجھا اور ویرا نے ایک خالی جگہ میں گاڑی پارک کردی جہاں روشنی کم تھی۔

انجن بند کر کے ویرا نے پھرتی کے ساتھ اسٹیئرنگ وغیرہ پر رومال پھیر کر اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کئے اور رومال کی مدد سے دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔

دروازے مقفل کرتے ہی ہم دونوں تیزی سے وہاں سے نکلتے چلے گئے۔ راستے میں ویرا نے بی ایم ڈبلیو کی چابی ایک ڈسٹ بن میں ڈال دی۔

یوسٹن کے ٹیوب اسٹیشن سے وکٹوریا لائن کی ٹیوب نے مختصر سا زیر زمین سفر طے کر کے محض ایک اسٹیشن کے بعد ہمیں آکسفورڈ سرکس پہنچا دیا۔

بظاہر ہم دونوں نے وہ مشکل کام بہت خوش اسلوبی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔ راما کا سے مکمل ترین نجات حاصل کر لینے کے بعد میری بھوک چمک اٹھی تھی۔ اس وقت صرف ساڑھے آٹھ بجے تھے اور آکسفورڈ اسٹریٹ کی رونق میں کوئی نمایاں کمی نہیں آئی تھی۔

ہم دونوں اپنے اپنے خیالوں میں کھوئے مگر لندن کی روایت کے مطابق ایک دوسرے سے تقریباً چپکے ہوئے آکسفورڈ سرکس سے بونڈ اسٹریٹ کی طرف ہو لیے۔

راستے میں ڈیپ پین پیزا کا ریستوران نظر آتے ہی ویرا اندر گھس گئی۔ اس طویل بھاگ دوڑ کے بعد اسے بھی کھانے کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔

راما کا کو ٹھکانے لگا.... دینے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مجھے لندن میں کوئی کام ہی نہ رہا ہو۔ واش روم میں ہاتھ دھوتے ہوئے مجھے اس بات کا قلق تھا کہ مجھے بدری کا نادر چاقو اپنے حریف کی لاش کے ساتھ چھوڑنا پڑ گیا تھا۔

بہت اطمینان سے پیزا ختم کرنے کے بعد ہم وہاں سے نکلے تو ویرا نے کسی بوتھ سے غزالہ کو فون کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اب وہ پہلی فرصت میں اسے چھیڑنے کی کوشش کرے گی۔

''ذرا اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھ لو۔ پاکستان میں آدھی رات ہو چکی ہوگی۔''

''کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟ وہ سب دیر سے سونے کے عادی ہیں۔ دو گھنٹیوں پر جواب نہ ملا تو میں فون بند کر دوں گی۔'' وہ مصر ہوگئی۔

میں اسے گھور کر رہ گیا۔ اس سڑک پر لوگوں کی سہولت کے لیے جا بجا ٹیلی فون بوتھ موجود تھے۔ ویرا ایک خالی بوتھ کی طرف لپکی تو میری نگاہ قریبی اسٹال پر رکھے ہوئے ایک اخبار کی شہ سرخی پر اٹک گئی۔

''امریکی سی ون تھرٹی ہائی جیک کر لیا گیا'' اس چنگھاڑتی ہوئی سرخی کے آگے ایک سوالیہ نشان تھا۔ میں نے ریزگاری دے کر وہ اخبار خریدا اور تہ کر کے جیب میں اڑس لیا۔

کراچی سے امریکی کمانڈوز کی لاشوں کے ساتھ سلطان شاہ کو بھی اسی ساخت کے طیارے میں لے جایا گیا تھا۔ وہ بھاری ٹرانسپورٹ طیارے تھے جو صرف فوجی استعمال کے لیے مخصوص تھے۔ امریکا اور اس کے حلیف ملکوں میں یہ طیارے اپنی کارکردگی کی بناء پر کافی مقبول تھے۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ خاص فوجی استعمال میں رہنے والا وہ طیارہ کیسے اغوا ہو سکتا ہے۔

اخبار خرید کر میں فون بوتھ کے پاس پہنچا تو ویرا نمبر ملا کر بات شروع کر چکی تھی۔

مجھے دیکھتے ہی اس نے فون کا ریسیور میری طرف بڑھا دیا ''اول خان بات کرے گا''۔ یہ کہہ کر وہ برا سا منہ بناتی ہوئی الگ جا کھڑی ہوئی۔

''اچھا ہوا کہ ویرا نے اس وقت فون کر لیا۔ تم وہ حیرت ناک خبر تو سن ہی چکے ہوگے۔'' میری آواز سنتے ہی اول خان نے کسی تمہید کے بغیر پر جوش لہجے میں کہا۔

''کس خبر کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے قدرے حیرت اور تجسس سے پوچھا۔

''کراچی سے سلطان شاہ کو لے جانے والا سی ون تھرٹی جنوبی قبرص کے ایک فوجی ہوائی اڈے پر سخت محاصرے کی حالت میں رکا ہوا ہے۔ افواہیں ہیں کہ اسے

اغوا کرلیا گیا ہے مگر اس ہوائی اڈے کے امریکی حکام ان افواہوں کی تردید کررہے ہیں۔"

وہ خبر سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا "ابھی ابھی میں نے ایک اخبار میں یہی سوالیہ سرخی دیکھی ہے۔ وہ اخبار میری جیب میں ہے۔ ہوٹل جا کر دیکھوں گا کہ پوری خبر کیا ہے۔"

"شیڈول کے مطابق اس جہاز کو دو گھنٹے قیام کے بعد قبرص سے پرواز کر جانا تھا مگر کل رات سے وہ مسلسل وہیں رن وے پر کھڑا ہوا ہے۔ بیس کمانڈر پرواز کی آگے روانگی میں تاخیر کو فنی وجوہ کا نتیجہ قرار دے رہا ہے۔"

"یہ افواہ کیسے پھیلی کہ طیارہ اغوا کرلیا گیا ہے؟" میرے لیے وہ خبر حیران کن تھی۔

"میرین کمانڈوز کی لاشوں کی وجہ سے امریکا میں اس طیارے کا بے چینی سے انتظار کیا جارہا ہے۔ اسے پچھلی رات ہی امریکا پہنچ جانا چاہیے تھا۔ مرنے والوں کے لواحقین کی تشویش اور پریشانی کی وجہ سے کچھ نامہ نگاروں نے ترکی کے زیر انتظام شمالی قبرص کی سرحد پر پرواز کر کے طاقت ور دوربینوں سے یہ کھوج لگایا ہے کہ وہ سی ون تھرٹی بھاری محاصرے میں رن وے پر کھڑا ہے۔ آثار بتا رہے ہیں کہ اس پر کوئی ہائی جیکر قابض ہے مگر امریکی ان خبروں کی تردید کررہے ہیں۔"

"تمہیں یہ خبر کب اور کیسے ملی؟" میں نے بے چینی سے سوال کیا۔

"انٹر سروسز انٹیلی جنس سروس والوں کو اپنے ذرائع سے رات دس بجے یہ اطلاع ملی ہے۔ میں ان لوگوں کو سلطان شاہ کے اغوا کے بارے میں تمہاری کہانی سے آگاہ کر چکا ہوں۔ ان ہی کے ایک ونگ کے سربراہ نے مجھے فون پر یہ اطلاع دی ہے۔"

"اور تم نے اس سے کچھ نتائج بھی اخذ کیے ہوں گے۔" میرا اضطراب بڑھتا ہی جارہا تھا۔

"یہ سیدھی سیدھی دو اور دو چار والی بات ہے۔" خوشی سے اول خان کا سانس سینے میں نہیں سما رہا تھا "اگر ہائی جیکنگ کی خبر میں ذرا سی بھی صداقت ہے تو یہ سلطان شاہ کا کارنامہ ہے۔"

کراچی کے ہوائی اڈے سے پرواز کرنے والے اس سی ون تھرٹی میں عملے کے پانچ قابل اعتماد افراد اور چھ مردہ کمانڈوز کے تابوتوں کے سوا بس سلطان شاہ ہی ایسا مشتبہ قیدی تھا جو اس طیارے اور اس کے عملے کے لیے کوئی خطرہ پیدا کرسکتا تھا۔

مسئلہ یہ تھا کہ جہاز کا عملہ یقیناً بہت چالاک اور تجربے کار تھا جبھی سلطان شاہ کو خاموشی سے پاکستان سے نکال لے گیا تھا۔ جہاز پر کسی مردے کے ساتھ سلطان شاہ کو بے ہوش کر کے تابوت کا قیدی بنایا گیا تھا۔ وہ بالکل غیر مسلح رہا ہوگا پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ سلطان شاہ ان پانچوں کو یرغمال بنا کر جہاز پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ کوئی غیبی معجزہ ہی اس کی ایسی ناقابل یقین بالادستی کا سبب بن سکتا تھا۔

"تم اس خبر یا افواہ کی تصدیق کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟" میں نے پوچھا۔

"ناممکن!" اس کا جواب مایوسانہ تھا "اگر یہ افواہ سو فیصد درست اور حقیقت پر مبنی ہو تب بھی امریکی حکام اس کی تصدیق نہیں کریں گے۔"

"پھر وہ فنی وجوہ کی آڑ میں کب تک پناہ لے سکیں گے۔ آزاد پریس ان کی زندگیاں اجیرن کردے گا۔ مرنے والوں کے منتظر لواحقین کو پورے ملک کی حمایت اور ہمدردی حاصل ہوگی۔"

"اگر وہ ہائی جیکنگ کا اعتراف کرلیں تو پھر طیارے پر بارہویں فرد کی موجودگی کا کیا جواز دیں گے؟ اس اعتراف میں ان کی شدید بدنامی مضمر ہے۔ ان کی سیاسی ساکھ تباہ ہوجائے گی کہ وہ ڈپلومیٹک کارگو کی آڑ میں دوست ملکوں کے شہریوں کو اغوا بلکہ اسمگل کرتے ہیں۔"

"پتا نہیں سلطان شاہ نے کیا سوچ کر یہ قدم اٹھایا ہے۔" وہ امکانات واضح ہوتے ہی میری خوشی تشویش میں بدل گئی "اگر ان کی سوچ یہی ہے تو وہ سلطان شاہ کا مطالبہ ہرگز نہیں مانیں گے۔"

"ابھی تو یہ بھی معلوم نہیں کہ سلطان شاہ نے اپنا کیا مطالبہ پیش کیا ہے۔"

"اسے معلوم ہے کہ وہ کن لوگوں کا قیدی ہے۔ ان

سے وہ اپنی رہائی کے سوا اور کیا چاہ سکتا ہے۔"

"وہ قبرص میں اپنی رہائی چاہتا ہے تو طیارے سے باہر موت اس کی گھات لگائے بیٹھی ہوگی۔ طیارے کو وہ کسی قیمت پر زمین چھوڑنے کی اجازت نہیں دیں گے۔" اول خان بولا۔

"یہ ہڈی سلطان شاہ کے گلے میں پھنسی ہوئی نظر آرہی ہے۔ وہ ایک ایک کر کے ان پانچوں کو مار دے گا تو پھر اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہ جائے گا۔ یہ معاملہ اس قدر سنگین اور راز داری کا متقاضی ہے کہ وہ پانچ جانوں کا اتلاف خاموشی سے سہہ لیں گے اور پھر سلطان شاہ کا حشر خراب کر دیں گے۔" وہ باتیں دہراتے ہوئے میں خود کو شدید ذہنی اذیت میں محسوس کر رہا تھا۔

"اتنا بڑا خطرہ مول لینے کے بجائے وہ خاموشی سے امریکا چلا گیا ہوتا تو تم وہاں پہنچ کر اس کی بازیابی کے لیے بہت کچھ کر سکتے تھے۔ اس وقت وہ ایک بند گلی میں محصور ہے جس کے دہانے پر اس کے خون کے پیاسے قابض ہیں۔" اول خان کی آواز متاسفانہ ہوگئی۔

راما کا روزینی کے خلاف مثالی کامیابی حاصل کرنے کے بعد وہ خبر میرے لیے اندوہناک تھی۔ ملال اور دل گرفتگی کے عالم میں، میں نے کہا "تم سے کچھ پس پردہ باتیں معلوم ہوگئیں۔ باقی تفصیل میں اخبار میں تلاش کروں گا۔ اس وقت سلطان شاہ تن تنہا رہ گیا ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ قید کی اذیتوں نے شاید اسے اس قابل بھی نہ رہنے دیا ہو کہ وہ بروقت صحیح فیصلے کر سکے۔"

"اب تم اس سے پہلے امریکا پہنچ جاؤ گے۔" اس کی آواز خالی خالی سی تھی۔

"اس وقت میرے لیے امریکا اور پاکستان، دونوں برابر ہیں کیونکہ وہ درمیان میں بری طرح گھرا ہوا ہے۔ ذہن میں کوئی بات آئی تو اب صبح ایئرپورٹ سے فون کروں گا۔"

"ویرا اس وقت غزالہ سے بات کرنی چاہ رہی تھی مگر میں نے اسے نیند سے جگانا مناسب نہ سمجھا تو وہ کچھ ناراض ہوگئی اور میرے سوال کا جواب دیے بغیر تمہیں ریسیور دے دیا۔ ذرا اسے سمجھا دینا۔" گفتگو ختم کرنے سے پہلے اول خان نے آخری بات بھی کہہ ڈالی۔

میں نے پلٹ کر فٹ پاتھ پر نظر ڈالی تو ویرا غائب تھی۔ میں نے معلومات کی فراہمی پر اول خان کا شکریہ ادا کیا اور فون رکھ.... کر متجسسانہ انداز میں گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا۔

ویرا کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید وہ میری طویل ہوتی ہوئی گفتگو سے بیزار ہو کر اکیلی ہی ہوٹل کی طرف چل پڑی تھی۔ میں بھی سر جھکا کر اسی طرف ہولیا۔

اول خان سے ہونے والی گفتگو اتنی بھرپور تھی کہ اب میرے لیے جیب میں پڑے ہوئے اخبار کی اہمیت صفر ہو کر رہ گئی تھی۔ میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں اور سلطان شاہ کے متوقع انجام کے تصور سے میرے بدن میں پھریریاں سی دوڑ رہی تھیں۔

سلطان شاہ اپنی عارضی بالادستی کے گھمنڈ میں بری طرح امریکیوں کے چنگل میں پھنس چکا تھا۔ جیسے معجزے نے اسے وہ حیران کن بالادستی دلائی تھی، ویسا بھی کوئی دوسرا معجزہ اسے قبرص کی سرزمین سے زندہ نکال سکتا تھا۔

میرے ذہن میں ایک ایک کر کے نام آتے رہے۔ نک موڈ لے شروع سے اس معاملے سے الگ رہا تھا اور وہ کوئی موثر کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس وقت لے دے کر صرف آئزک بیل ہی کام کا آدمی نظر آتا تھا۔ اس نے مجھ سے کھل کر سلطان شاہ کے اغوا پر بات کی تھی اور تقریباً بروقت مجھے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اسے ایک تابوت میں بند کر کے امریکا پہنچایا جا رہا ہے۔

اس وقت میں نے مصلحت کی خاطر اس کے اغوا کرائے ہوئے آدمی سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا تھا مگر اب وقت کے تقاضے بدل چکے تھے۔ سلطان شاہ نے کسی رو میں آکر حالات کو اتنا بگاڑ لیا تھا کہ میری کوئی بھی صحیح یا غلط کوشش ان حالات کو مزید نہیں بگاڑ سکتی تھی۔

اپنے پسندیدہ ٹیلی فون بوتھ کے قریب میں آئزک بیل سے بات کرنے کے بارے میں اپنا ذہن بنا چکا تھا۔ بوتھ خالی تھا۔ میں اس پر قابض ہوگیا۔

امریکا میں وہ شام کا وقت تھا۔ پہلی ہی گھنٹی پر فون

اٹھالیا گیا۔ ”مجھے توقع تھی کہ کسی بھی وقت تمہارا فون آئے گا۔“ میرے کانوں میں آئزک بیل کی سرد آواز گونجی۔ اس نے میری آواز سنتے ہی مجھے پہچان لیا تھا۔

”میں اپنے دوستوں اور دشمنوں کی توقعات پر ہمیشہ پورا اترنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ اس وقت تمہیں یہ توقع کیوں تھی؟“ میں نے بھی اپنا لہجہ سرد اور سپاٹ رکھا۔

”اس وقت تمہارے سامنے صرف ایک ہی بات ہے۔ تمہارا آدمی ایسی بھیانک آگ سے کھیل رہا ہے جو اس کا وجود تک چاٹ جائے گی۔“ آئزک بیل نے کسی اشتعال کے بغیر جواب دیا۔

”یہ بات وہ بھی جانتا ہے مگر یہ یاد رکھو کہ وہ اپنے ساتھ تم لوگوں کی ساکھ سمیت بہت کچھ لے جائے گا اور تمہیں پچھتاووں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔“ وہ اعصابی لڑائی تھی۔ میں نے مضبوط لہجے میں ایک کھوکھلی دھمکی اس تک پہنچا دی۔

”پہلے تم اسے اپنا آدمی ماننے سے انکار کر رہے تھے اور اب اس کے حوالے سے اتنا بڑا دعویٰ کر رہے ہو۔ کہیں یہ تبدیلی تمہاری کسی کمزوری کا نتیجہ تو نہیں ہے۔“

”کمزوری نہیں، یہ ایک سوچی سمجھی حکمت عملی ہے۔ شروع سے اب تک تمہارے آدمی ہر لمحے میری نظروں میں رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وقت ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ وہ آگے تھے اور ہم ان کا مسلسل پیچھا کر رہے تھے۔ چاہو تو میں تمہیں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اس بار تم نے نک موڈلے کو بری طرح نظر انداز کیا ہے۔ سارا کام اپنے ان دو آدمیوں سے لیا ہے جو سی ون تھرٹی کے پانچ نفری عملے میں شامل ہو کر کراچی پہنچے تھے۔ تمہاری یہ سازش اب تمہارے گلے پڑ گئی ہے۔“

”وہ بہت تیزی کے ساتھ اپنے بچاؤ کی راہیں مسدود کرتا جا رہا ہے۔ اس نے میرے دونوں آدمیوں کو ہلاک کر کے ان کی لاشیں جہاز سے رن وے پر پھینک دی ہیں۔ اب امریکی ایئر فورس کے تین آدمی اس کے قبضے میں ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کے اعصاب ٹوٹنے اور بکھرنے لگیں گے۔ مایوسی کے عالم میں وہ ان تینوں کو ختم کر کے اپنی کنپٹی میں گولی مار لے گا اور تمہارا کھیل ختم ہو جائے گا۔ اس انجام کے لیے مزید تین آدمیوں کا نقصان زیادہ بڑی قیمت نہیں ہے......“

”ان پانچوں کا خون کس نے کیا؟ جہاز پر بارہویں آدمی کی موجودگی کا اعتراف تم سب کو رسوا کر دے گا۔ یہ کوئی آسان یا سرسری فیصلہ نہیں ہے۔“

اس کی ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ بولا ”ہم اتنی کچی گولیاں نہیں کھیلے۔ دنیا کے چند بہترین دماغوں نے سارا نقشہ تیار کر لیا ہے۔ اخبار والوں کی حرکتوں کی وجہ سے یہ واقعہ دبایا نہیں جا سکے گا۔ اس بارے میں واشنگٹن سے کسی بھی وقت ایسا چونکا دینے والا پریس ریلیز جاری ہونے والا ہے جسے پڑھ کر تمہاری کھوپڑی بھک سے اڑ جائے گی۔“

”جو ہوگا، دیکھ لیا جائے گا۔ میں بھی کراچی میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا ہوں۔ چاہو تو دوسرے فون پر معلوم کر سکتے ہو کہ میں لندن کے ایک پبلک بوتھ سے بات کر رہا ہوں۔“ میں نے لب و لہجہ بگاڑے بغیر پورے سکون سے اسے چیلنج دے ڈالا۔

”تم سے بات شروع ہونے کے چند ثانیوں کے اندر اندر ایکسچینج سے یہ بات معلوم کر لی گئی تھی۔ تم اتنے ہی فعال اور مستعد ہو تو اس وقت تمہیں قبرص میں ہونا چاہیے تھا۔“

”اپنے فیصلوں کے اسباب میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ چند روز بعد میں امریکا بھی آ رہا ہوں۔“

”اس وقت تک تمہاری کمر ٹوٹ چکی ہوگی۔ تمہارے بہترین آدمی کا نام و نشان یوں مٹایا جائے گا جیسے وہ زمین پر پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی کہ سی ون تھرٹی پر کوئی بارہواں آدمی بھی سوار تھا۔“

”پھر وہ پانچ لاشیں؟ ان کا قاتل کہاں سے پیدا کرو گے؟“ میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

اس بار وہ معنی خیز انداز میں ہنستے ہوئے بھنچی بھنچی آواز میں بولا ”پریس ریلیز ویت نام سنڈروم کی کہانی سنائے گا۔ جہاز کے سہ نفری عملے میں ویت نام سے لوٹا ہوا ایک فوجی بھی شامل ہے۔ ویت نام سنڈروم حال ہی میں

دریافت ہونے والی ایک خوفناک دماغی بیماری ہے۔ جو وہاں کے جنگلوں میں لڑنے والے امریکی فوجیوں میں پائی گئی ہے۔ یہ بیماری مریض کا دماغ الٹ کرا سے ہذیانی اور جنونی کیفیت میں مبتلا کر دیتی ہے اور اس دیوانگی میں وہ کچھ بھی کر گزرتا ہے۔ سی ون تھرٹی کی پرواز کے دوران میں اس پر ویت نام سنڈروم کا حملہ ہوا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو یرغمال بنالیا اور یوں قبرص کا المیہ رونما ہوا۔ جہاز امریکی اڈے پر ہے۔ وہاں سے وہی خبر باہر نکلے گی جو ہم چاہیں گے۔''

مجھے پسینے چھوٹ گئے۔ اپنے ایک جرم کی پردہ داری کے لیے وہ بہت سنگدلانہ کہانی تھی۔ ہائی جیکنگ کی واردات میں سے ایک غیر ملکی مغوی کا کردار حذف کرنے کے لیے واشنگٹن میں بیٹھے ہوئے حکمرانوں نے سارا الزام اپنے ہی ایک بے گناہ فوجی کے سر تھوپنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور اس کے اعلان کے لیے مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

آئزک بیل سے اس وقت ایک کڑی لفظی جنگ چل رہی تھی۔ میرے پاس سوچنے کے لیے ذرا بھی مہلت نہیں تھی میری طرف سے جواب میں ذراسی تاخیر کو بھی وہ میری کمزوری پر محمول کرتا۔ میں نے اس کے خاموش ہوتے ہی کہا ''معاملہ صرف جہاز کے عملے کی قربانی کا نہیں ہے۔ میرے آدمی کی جان پر بن آئی تو پھر کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ جہاز اور چھ تابوتوں سمیت سب کچھ ایک دھماکے کے ساتھ جل کر رن وے پر ہی راکھ کا ڈھیر ہو جائے گا۔ تمہاری کہانی کچھ بھی ہو، تمہاری قوم زندوں کا خون شاید معاف کر دے لیکن چھ مردوں کی بے امان چتا ایک طوفان کھڑا کر دے گی۔ تم اپنی تدبیریں کرتے رہو۔ میرا آدمی اپنا کام کر گزرے گا۔ اس کے بعد ہی یہ فیصلہ ہو سکے گا کہ کون ہارا ہے اور جیت کس کی ہوئی ہے۔''

چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھا گیا۔ میری آخری ذہنی قلابازی میں اس کے لیے غور و فکر کا خاصا سامان پوشیدہ تھا۔

''میری پہلی پیش کش اب بھی برقرار ہے۔'' آخرکار اس کی وہی سخت آواز ابھری ''تم چاہو تو اسے اب بھی آزادی دلا سکتے ہو اور یہی اس کا اصل مطالبہ ہے۔''

''اس کی آزادی کے ساتھ اس ڈھول کی بھی فکر کرو جو تمہارے گلے کی زینت بننے والا ہے۔'' اس کی پسپائی سے میں شیر ہو گیا۔ مجھے مرعوب یا خوف زدہ کرنے کے لیے وہ جان بوجھ کر یہ بھی بتاتا چلا گیا تھا کہ سلطان شاہ نے اپنی رہائی کے مطالبے کی شدت واضح کرنے کے لیے اس کے بھیجے ہوئے دونوں اغوا کنندگان کو بے رحمی سے مار ڈالا تھا۔

''تم مجھے اپنا نمبر دے دو۔ میں وائٹ ہاؤس کے کچھ ذمے دار افسروں سے بات کرنے کے بعد ہی تم سے مزید بات کروں گا۔'' میرے سخت موقف کے سامنے اس نے ہتھیار ڈالنے کی صدا کاری کرتے ہوئے پھر ایک چال چل دی جو غیر واضح نہیں تھی۔

میں نے اس کی چال بازی کا کوئی حوالہ دیے بغیر رسانیت سے کہا ''میں لندن میں بہت مصروف ہوں۔ کچھ پتا نہیں کہ کب کہاں ملوں گا۔ تم وقت بتا دو۔ میں خود تم سے رابطہ کرلوں گا۔''

''تم ڈر رہے ہو کہ فون نمبر کے سہارے میرے آدمی تم تک نہ پہنچ جائیں۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے یہ خطرہ بھی یاد دلایا۔ اصل وجہ میری مصروفیت ہے۔''

''وقت بہت کم ہے۔ چار گھنٹے بعد تمہارے آدمی کی دی ہوئی مہلت ختم ہو رہی ہے۔'' بولتے بولتے وہ یک لخت خاموش ہو گیا۔ چند ثانیوں بعد وہ بولا تو اس کی آواز غضب ناک ہو چکی تھی ''اس فاتر العقل قاتل کو روکو۔ وہ تباہی کے راستے پر چلا جا رہا ہے۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ اس نے معاون ہوا باز کی لاش بھی رن وے پر پھینک دی ہے۔''

''میں اسے کیسے روک سکتا ہوں؟ وہ تمہارا قیدی ہے۔ اس سے میرا رابطہ ہوتا تو شاید میں اس کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔ اس وقت وہ خود ہی اپنا باس ہے۔''

''وہ پاگل ہو گیا ہے۔ خود مرنا چاہتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکتی۔ اس نے تم سے مصالحت کے سارے راستے بند کر دیے ہیں۔ اب کچھ نہیں

ہوسکتا۔''

''تو پھر میں کتنی دیر بعد تم سے فون پر رابطہ کروں؟''

اس کے بگڑے ہوئے موڈ کا اندازہ کر کے میں نے معصومیت سے پوچھا اور ریسیور پر چنگھاڑتی ہوئی آواز میں اس کی گالیاں گونجنے لگیں۔

میں نے ہلکا سا استہزائیہ قہقہہ لگا کر فون بند کر دیا اور بوتھ سے باہر آ گیا۔

وہ قہقہہ میں نے آئزک بیل کو سلگانے کے لیے لگایا تھا ورنہ اندر سے میں بہت دل گرفتہ تھا۔ سلطان شاہ کی طرف سے مجھے کوئی امید نہیں رہی تھی۔

کمرے کی چابی ریسیپشن پر موجود نہیں تھی۔ اوپر پہنچا تو ٹیلی وژن چل رہا تھا اور ویرا شب خوابی کے حریری لبادے میں آ چکی تھی۔

''معلوم ہوتا ہے کہ اول خان سے راز و نیاز کچھ زیادہ ہی طویل ہو گئے۔'' وہ میری اداسی اور مایوسی پر دھیان دیے بغیر بولی۔

''یہاں کی پولیس نے خاکوں کی بنیاد پر دو افراد کو حراست میں لیا ہے۔ دیکھو ان بے چاروں کی کیا درگت بنتی ہے۔''

دروازہ کھول کر وہ بستر کی طرف چل دی تھی اور اس کی پشت میری جانب ہو گئی تھی۔ وہ مسہری پر بیٹھی تو میں نے تہ کیا ہوا اخبار اپنی جیب سے نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے خاکوں پر کسی نے ضمیمہ چھاپ ڈالا ہے۔'' وہ اخبار کھولے بغیر اسے مزید بل دیتے ہوئے بے پروائی سے بولی'' اتنی سی بات پر تمہارا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟''

''اخبار دیکھو اور پھر ناچنا بھی شروع کر دو۔ سلطان شاہ پر بہت برا وقت آیا ہوا ہے۔''

اس کے لیے وہ اطلاع کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ اس نے بہت تیزی سے اخبار کھولا اور سرخی پر نظر پڑتے ہی بے اعتباری سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ذیلی سرخیاں اور خبر کی چند سطریں پڑھ کر وہ استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی'' جہاز وہی ہے مگر اس میں کسی کا نام نہیں ہے۔''

''میں اخبار خرید رہا تھا اور اول خان مجھے اسی خبر کے بارے میں بتانا چاہ رہا تھا۔ میرا اور اس کا مشترکہ فیصلہ تھا کہ یہ حرکت سلطان شاہ کی ہے۔''

''کیا اس بات پر خوش نہیں ہونا چاہیے کہ اکیلا ہونے کے باوجود اس نے اپنی آزادی کے لیے ایک راہ نکال لی ہے؟'' ویرا نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

''ابتدا میں اول کا بھی یہی ردعمل تھا لیکن اب ہم دونوں اس کے لیے فکرمند ہیں۔ اس کے بعد میں نے آئزک بیل سے بھی فون پر بات کی ہے۔ سب کچھ الجھ کر رہ گیا ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔

وہ فوری طور پر سنجیدہ ہو کر آگے جھک آئی'' مجھے تفصیل بتاؤ۔ ہر کامیابی کے ساتھ ہمیں یہ صدمے کیوں سہنے پڑ رہے ہیں؟ ہم سے کہاں غلطی ہو رہی ہے۔''

''پتا نہیں..... اب کچھ محیر العقول واقعات کا سلسلہ چل پڑا ہے۔ سلطان شاہ کو تابوت میں [illegible] گیا اور اب وہ بے ہوشی سے ہوشیار ہوتے ہی پانچ آدمیوں کو بے بس کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب تک وہ رن وے پر تین لاشیں پھینک چکا ہے۔''

''اتنے بے رحمانہ اختصار سے کام نہ لو۔'' اس نے خوشامدانہ لہجے میں کہا'' تھوڑی سی تفصیل بتاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ میں کوئی اچھا مشورہ دے سکوں۔''

میں نے اول خان اور آئزک بیل سے حاصل ہونے والی معلومات کو مختصر سے تسلسل میں دہرانا شروع کر دیا۔ ویرا درمیان میں اِکّا دُکّا سوال کرتی رہی۔ اس کا آخری ردِعمل میری طرح گہری تشویش اور فکرمندی پر محیط تھا۔

''تم نے یہ برا کیا کہ اسے لندن میں اپنی موجودگی سے آگاہ کر دیا۔ وہ اسی وقت اپنے ہرکاروں کو تمہاری تلاش پر مامور کر دے گا۔'' میرے خاموش ہونے پر ویرا نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''میرے بتانے سے پہلے وہ بات معلوم کر چکا تھا۔ میں اس سے اتنی بے خوفی سے بات نہ کرتا تو میرے فرشتوں کو بھی ان واقعات کی ہوا نہ لگتی جو قبرص کے امریکی

ہوائی اڈے پر پہنچ آ رہے ہیں۔''
''مگر سلطان شاہ کے ہاتھوں طیارے پر تیسرے قتل کی خبر ملتے ہی آئزک بیل کا دماغ الٹ گیا اور تمہاری ساری کوششیں برباد ہو گئیں۔'' ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔
''یہ نہیں کہا جا سکتا۔ مجھے قبل از وقت یہ معلوم ہو چکا ہے کہ قبرص کے واقعے پر واشنگٹن سے کیا رپورٹ جاری کی جائے گی۔ یہ بھی پتا چل گیا ہے کہ سلطان شاہ کی دی ہوئی مہلت یہاں کے وقت کے مطابق رات کے تقریباً دو بجے ختم ہو جائے گی۔''
''لیکن یہ سب جاننے کے باوجود ہم بے بس ہیں۔ ان معلومات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔'' وہ بستر سے اٹھ کر بے تابانہ انداز میں کمرے میں ٹہلنے لگی۔
''ابھی ایک کارڈ باقی ہے۔ آئزک بیل کو فون کر کے میں اسے کھیل سکتا ہوں۔'' خاموشی سے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد میں نے پرخیال انداز میں کہا۔
''ہو سکتا ہے کہ اب وہ تمہاری آواز سنتے ہی فون بند کر دے۔'' ویرا نے خدشہ ظاہر کیا۔
''اسے میری بات سننی پڑے گی ورنہ وہ واشنگٹن کے بااثر حلقوں کا اعتماد کھو بیٹھے گا۔'' میں نے زور دے کر کہا ''وہ حد سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار ہے۔ اس کا یہ زعم ختم ہو گیا تو اس سے نمٹنا آسان ہو جائے گا۔ اب میں اسے خاک میں ملانے پر تل گیا ہوں۔''
''اس کی دشمنی میں الجھ کر تم سلطان شاہ کی زندگی کو لاحق خطرات کو کیوں نظر انداز کر رہے ہو؟ ہمیں سر جوڑ کر اس کے لیے کچھ سوچنا چاہیے۔''
''تم سوچتی رہو۔ سوچتے سوچتے میرا دماغ دکھنے لگا ہے۔ یہ طے ہے کہ اب ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ زندہ رہے یا اس مہم میں شہید ہو جائے، ہمیں آئزک بیل کو تہس نہس کرنا ہوگا۔ میں اس سے آخری بار بات ضرور کروں گا۔''
ویرا نے میری آنکھوں میں ناچتی ہوئی وحشت وسفاکی کے پیش نظر زبان بند کر لی۔
''ان چکروں میں راما کا کو نہ بھولو۔'' میں نے اس کی طرف گھوم کر نرمی سے کہا ''فون کر کے دیکھ لو کہ اس کا کمرا آباد ہے یا اس کی بیوی کہیں اور منتقل ہو چکی ہے۔''
''کمرے میں واپس آنے تک مجھے سلطان شاہ کے بارے میں کوئی نیا اندیشہ نہیں تھا۔ میں نے آتے ہی اسے چیک کیا تھا۔ اس کی بیوی کے ساتھ کوئی مرد بھی موجود ہے جو اطالوی لب و لہجے میں خاصی روانی سے انگریزی بول لیتا ہے۔''
''دونوں میاں بیوی ایک جیسے ہی نکلے۔'' تلخی سے یہ کہہ کر میں کمرے سے نکل گیا۔
تھوڑی دیر بعد میں فون بوتھ میں کھڑا فون کی گھنٹیوں کی آواز سن رہا تھا۔ تیسری گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے فون اٹھا لیا گیا۔ بولنے والا آئزک بیل ہی تھا۔
''میں نے لندن ٹائمز سے پوری کہانی کا سودا کر لیا ہے۔'' اس سے پہلے کہ وہ فون بند کرنے کا ارادہ کرتا، میں نے اپنی دانست میں وہ دھماکا کر ڈالا۔
''سودا کر لیا ہے تو مجھے اطلاع کیوں دے رہے ہو؟'' اس وقت وہ دوبارہ پرسکون ہو چکا تھا۔
''ابھی قبرص کی اصل کہانی پر صرف اصولی سودا ہوا ہے۔ ایک لاکھ پاؤنڈ معقول رقم ہوتی ہے۔''
''ایسی حقیر رقمیں میرے معمولی کارندے ایک دن میں اڑا دیتے ہیں۔ اپنا اصل مقصد بتاؤ۔ تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہو۔ زبان بند رکھنے کے لیے میں تمہیں ایک سینٹ بھی نہیں دوں گا۔''
''مشکل یہ ہے کہ واشنگٹن کے فیصلے کے حوالے سے کہانی میں تمہارا ذکر ضرور آئے گا۔ واشنگٹن کے اعلان سے پہلے یہ ساری رپورٹ لندن کے ایک بڑے اخبار کی شہ سرخیوں میں چھپے گی تو تم سمجھ سکتے ہو کہ تمہاری حیثیت کس قدر مجروح ہو گی۔''
''اوغ۔'' اس کی غراہٹ سنائی دی ''اب تم مجھے بلیک میل کرو گے۔''
''تمہارے رتبے کے آدمی کو بلیک میل کرنا میرے لیے ایک اعزاز ہو گا جو میرا حوالہ بن سکتا ہے۔''
''کیا لندن ٹائمز والے اسی قدر ڈفر ہیں کہ ایک گمنام آدمی کی بے سروپا باتیں خرید لیں گے؟''

''دس ہزار پاؤنڈ کے عوض میری کہانی ان کے پاس محفوظ رہے گی۔'' میں نے اندھیرے میں تیر چلایا ''سرکاری پریس ریلیز جاری ہوتے ہی وہ میری رپورٹ چھاپ کر بقیہ نوے ہزار دے دیں گے۔ اتنی اہم اور بڑی خبر خریدنے کے لیے معمولی اخبار بھی دس پندرہ ہزار پاؤنڈ کا جوا کھیل سکتے ہیں۔''

''یہ رقم مل جائے تو تم کہانی بیچنے کا ارادہ ترک کردو گے؟'' وہ راہِ راست پر آ گیا۔

''تم سے مجھے رقم لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس بڑے اسکینڈل سے بچنے کے لیے تمہیں میرے آدمی کی آزادی کا بندوبست کرنا ہوگا۔'' میں نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر اپنا مدعا ظاہر کردیا۔

''جب وہ اپنے ساتھ پورے جہاز کو آگ لگانے پر تلا ہوا ہے تو تم اسے کیوں بچانا چاہ رہے ہو؟''

''مجھے اپنے ہر آدمی کی جان عزیز ہے۔ وہ خود کو ختم کرنے پر مجبور کردیا گیا ہے ورنہ کوئی بھی اپنی خوشی سے موت کو گلے نہیں لگاتا۔ تمہارے دوست ویت نام سینڈروم کا بہانہ کر کے کسی بے گناہ کو قربانی کا بکرا بنا سکتے ہیں۔ میرے لیے ایسی بات سوچنا بھی گناہ ہے۔''

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولا ''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اس کی رہائی کے بعد تم یہ کہانی کسی کو نہیں دو گے؟ میں تمہاری زبان پر بھروسا نہیں کرسکتا۔''

''قبرص کا ڈراما ختم ہونے کے بعد کسی پریس ریلیز کی ضرورت نہیں رہے گی اور یہ اسکینڈل جنم لینے سے پہلے ختم ہوجائے گا۔ ایسے میں کوئی ردی کے بھاؤ بھی کہانی نہیں خریدے گا۔''

''وہ اسی جہاز میں تابوتوں سمیت افغانستان جانے کا مطالبہ کررہا ہے۔ وہ علاقہ مخدوش ہے......''

میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اچک لی ''اس کی دی ہوئی مہلت تیزی سے ختم ہورہی ہے۔ یہ کام اس سے پہلے مکمل ہوجانا چاہیے۔''

اس کی رضامندی کا اندازہ ہوتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے آنے والے وقت میں مجھے کھوئی ہوئی جنت ملنے والی ہو۔

''پھر اس خطے میں ترکی ہی ایسا محفوظ ملک ہے جہاں یہ کام رازداری سے ہوسکتا ہے۔ وہاں سے میری ذمے داری ختم ہوجائے گی۔''

''اس کا مطلب یہ لوں کہ تم نے میری تجویز قبول کرلی ہے؟'' میں اپنی خوشی پر قابو نہ رکھ سکا۔

''ابھی میں اس تجویز پر غور کررہا ہوں۔ اس کی توثیق دوسرے ہی کریں گے۔ اس کے بعد بھی ایک بڑا مسئلہ برقرار رہے گا۔ کیا تمہارا آدمی ترکی جانے پر آمادہ ہوجائے گا۔''

''موجودہ حالات میں وہ تمہارے چنگل سے آزاد ہونے اور زندہ رہنے کا کوئی موہوم ترین موقع بھی ضائع نہیں کرے گا۔ مایوسی کی آخری حدوں پر وہ کچھ بھی کر گزرے گا۔''

''تم انقرہ میں اپنے آدمی کی وصولی کا بندوبست کرو۔ میں اس تجویز کو منظور کرانے کی کوشش کرتا ہوں۔ آدھے گھنٹے بعد تم دوبارہ مجھے فون کرو گے تو حتمی فیصلہ ہوجائے گا۔''

''گڈ......اس وقت تم بہت دانش مندی اور تدبر...... سے کام لے رہے ہو۔ مجھے امید ہے کہ اپنی کوششوں میں تم وقت پر ضرور نظر رکھو گے۔'' میں نے پورے خلوص اور خوش دلی کے ساتھ کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ اس وقت میں جیتی ہوئی بازی ہار رہا ہوں۔'' اس کی آواز اچانک بہت تلخ ہوگئی ''کبھی کبھی آدمی اپنی غلطیوں کی اس سے بڑی قیمت ادا کرتا ہے۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ معاہدہ ہونے کے بعد دشمنی ختم ہوجائے گی۔ تم جلد ہی فنا کردیے جاؤ گے۔''

''اپنی غلطی کو تسلیم کرلینے والے عظیم ہوتے ہیں۔ تمہاری تلخ نوائی کے باوجود میں تمہاری اس اخلاقی بڑائی کو سلام کرتا ہوں۔'' میں نے تشکر سے لبریز آواز میں کہا۔ ''کاش توثیق کرنے والے بھی اس نکتے کو سمجھ لیں تو یہ سنگین بحران آج رات ہی ٹل جائے گا۔''

''ٹھیک آدھے گھنٹے بعد میں اسی نمبر پر تمہاری کال کا انتظار کروں گا۔'' اس نے فون بند کردیا۔

گفتگو ختم ہوتے ہی وفور مسرت سے میرا دل بھر
آیا۔ مایوسی کے گھور اندھیروں میں مجھے اچانک ہی وہ
سوجھی تھی۔ یہ خدا کے شکر و ممنونیت کا مقام تھا کہ میں
سلطان شاہ سے ہزاروں میل دور اور لاتعلق ہوتے
ہوئے بھی اس کے لیے کچھ کر گزرنے میں کامیاب ہوتا
نظر آرہا تھا۔

آئزک بیل کا دیا ہوا آدھا گھنٹا پورا ہونے سے
پہلے مجھے انقرہ کے بارے میں اول خان سے بات کرنی
تھی مگر میں نے وہ بوتھ چھوڑ دیا۔ تھوڑی سی دیر میں، میں
نے اسی ایک بوتھ سے آئزک بیل کو دو مرتبہ فون کیا تھا۔
اگر اس نے دوسری بار یہ معلوم کر لیا تھا کہ میں اسے فون
کرنے کے لیے ایک مخصوص بوتھ ہی استعمال کر رہا تھا تو
تیسری بار اس کے آدمی مجھے نرغے میں لے کر کوئی بھی من
مانا سلوک کر سکتے تھے۔

ٹیکسی میں وہاں سے وکٹوریہ کی طرف جاتے
ہوئے میرے ذہن میں آہستہ آہستہ یہ خیال جڑ پکڑنے
لگا کہ آئزک بیل نے اپنی غلطی تسلیم کی تھی نہ اسکینڈل
ٹالنے کے لیے وہ سلطان شاہ کو چھوڑنے پر آمادہ ہوا تھا۔
اس نے یہ مکاری صرف اس لیے کی تھی کہ آدھے گھنٹے
میں کسی کو ہدایات دے کر اس بوتھ کے گرد اپنے آدمیوں کا
جال پھیلا سکے اور پھر مقررہ وقت پر وہ مجھے گھیر لیں۔
جگہ تبدیل کرنے کے بعد میں ایسے کسی خوف کے
بغیر اس سے تیسری بار بھی رابطہ کر سکتا تھا۔

وکٹوریہ اسٹیشن کے باہر ٹیکسی چھوڑ کر میں اونچی
چھت والے ہال میں داخل ہوا تو وہاں کئی بوتھ خالی تھے۔
میں نے ایک الگ تھلگ بوتھ منتخب کر کے اول خان سے
رابطہ کر لیا۔

"شاید تم اس وقت بھی وہاں کچھ کرتے پھر رہے
ہو۔" میری آواز سن کر اول خان پرامید لہجے میں بولا "کیا
اس کے بارے میں کوئی نئی خبر ملی ہے۔"

"خبریں ہی خبریں ہیں۔ میں دوبار اسحٰق گھنٹی سے
بات کر چکا ہوں۔ چند منٹ بعد آخری گفتگو ہوگی۔ ایک
ہلکی سی امید پیدا ہوئی ہے کہ شاید سلطان شاہ کو انقرہ پہنچایا
جائے......"

"یہ کیسے ہوگا؟ پتھر سے تیل نکلنے کی بات سمجھ
میں آسکتی ہے مگر یہ......"

"یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔ انقرہ میں کسی کا
بندوبست کرو جو ضرورت پڑنے پر پوری ذمہ داری سے
سلطان شاہ کی آزادی کی تصدیق کر سکے۔" اس سے بات
کرتے ہوئے میری نظریں بار بار اپنی رسٹ واچ کی
طرف اٹھ رہی تھیں۔

"انقرہ میں ایوب آغا میرے مکمل بھروسے
کا، میرے جیسا غیر سرکاری آدمی ہے۔ میں اس کی ڈیوٹی
لگائے دیتا ہوں۔ ضرورت پڑی تو وہ کچھ سفارتی رابطے
بھی استعمال کر گزرے گا۔"

"مجھے ایسے ہی آدمی کی ضرورت ہے۔ میرے پاس
صرف چار منٹ رہ گئے ہیں۔ جلدی سے مجھے اس کا فون
نمبر دو اور اسے میرے بارے میں بریف کر دو۔ ہو سکتا
ہے کہ یہ کام آج رات ہی ہو جائے۔"

اول خان کے مبہم اشارے سے میں نے سمجھ لیا تھا
کہ ایوب آغا بھی ایس ٹی ایف کا کوئی آدمی تھا۔ مجھے لائن
ہولڈ کرانے کے بعد اول خان ذرا سی دیر کے لیے غائب
ہوا پھر اس نے ایوب آغا کا فون نمبر بتایا جو میں نے
سگریٹ کے پیکٹ پر لکھ لیا۔

"اب صرف اتنا سن لو کہ سلطان شاہ اب تک ان
کے تین آدمی مار چکا ہے اور قبرص سے افغانستان واپسی کا
مطالبہ کر رہا ہے۔ وہ رہا ہو گیا تو کل کے اخباروں میں سناٹا
رہے گا ورنہ ہر طرف ایک بھونچال سا آجائے گا۔ دعا کرو
کہ میں سرخرو ہو جاؤں۔"

"میری ساری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہارا
وقت ہو رہا ہے۔ باقی باتیں پھر ہوں گی۔"

میں نے کریڈل دبا کر لائن منقطع کر دی اور پھر فوراً
ہی آئزک بیل کا نمبر ملانے لگا۔

دوسری طرف گھنٹی بجنے تک مقررہ وقت میں صرف
چند سیکنڈ باقی رہ گئے تھے۔ ایک ہلکی سی بزر ہوتے ہی
آئزک بیل لائن پر آگیا۔

"میں نے تمہاری بات اوپر تک پہنچا دی ہے۔
دوسرے فون پر وہاں سے کسی بھی وقت جواب آسکتا

ہے۔'' اس نے کہا'' پہلے تمہارا آدمی صرف میرا دردِ سر تھا لیکن سی ون تھرٹی کی وجہ سے ہر ایک نے اسے انا کا مسئلہ بنالیا ہے۔ صرف ایک شخص میرا اہم خیال ہے اور وہی کچھ کام دکھا سکتا ہے۔''

''یہ وقت گزارنے کی کوئی کوشش تو نہیں ہے؟'' میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔

''یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ تمہاری تجویز پر پوری سنجیدگی سے غور ہورہا ہے...... یہ تو بتاؤ کہ کیا تم کسی نئے بوتھ سے فون کررہے ہو؟ تمہاری آواز کچھ بھاری محسوس ہورہی ہے۔''

میں اس ملعون کی مکاری پر نفرت اور تلخی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے ابتدائی گفتگو میں الجھا کر وہ اپنے ایکسچینج سے معلومات لے چکا تھا مگر مجھ سے آواز کے بھاری ہونے کا بہانہ کررہا تھا۔

اسے سلگانے کے لیے میں نے بھی تجاہل سے کام لیتے ہوئے جواب دیا'' میں وہیں سے بات کرتا مگر اس بار وہاں کچھ مشتبہ افراد منڈلارہے تھے۔ ان سے الجھنے کا خطرہ مول لینے کے بجائے میں ادھر چلا آیا۔''

''تم اپنے سائے پر بھی بھروسہ نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ تمہیں ہر جگہ اپنے دشمن نظر آتے ہیں۔ میرے سوا اور کس کو معلوم ہوگا کہ اس وقت تم اس بوتھ پر آؤ گے؟''

''تو پھر وہ تمہارے ہی آدمی ہوں گے۔'' اس بار میں نے صاف شبہ ظاہر کردیا۔

وہ تلخ انداز میں ہنس پڑا'' تم بہت چالاک بننے کی کوشش کرتے ہو۔ میں جلد ہی تمہارے پر کتر کر تمہیں اپنے عجائب گھر میں سجاؤں گا۔ یہ بتاؤ کہ انقرہ میں تم نے کیا بندوبست کیا ہے۔''

''میرا آدمی ہدایات کا منتظر ہے۔ تم طریقہ کار بتاؤ۔ وہ خود رابطہ کرلے گا۔''

''کرنل فل برائٹ۔ نام نوٹ کرلو۔ وہ اب سے دو گھنٹے بعد انقرہ کے ملٹری ائر بیس کے کمانڈر کے پاس موجود ہوگا اور تمہارے آدمی کے ساتھ جہاز پر جائے گا۔ تمہارے آدمی کا کیا نام ہے؟''

''ایوب آغا۔'' میں نے نام دہرادیا اور پوچھا'' کیا اوپر سے اتنی جلدی جواب آگیا؟''

''اپنے کام سے کام رکھو۔ غیر ضروری سوالات مت کرو۔ یہ شوق اس وقت پورا کرلینا جب تم بے بسی کے عالم میں میرے روبرو لائے جاؤ گے۔''

''تم نے یہ اطمینان کرلیا ہے کہ یہ کام مقررہ مہلت ختم ہونے سے پہلے مکمل کرلیا جائے گا؟''

''قبرص والوں کو ہدایات دے کر کوشش کی گئی ہے۔ جہاز پر وزن نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ انقرہ پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لے گا۔ انقرہ والوں سے سارے معاملات وہ خود طے کرلیں گے۔''

''تم نے میرے پرانے بوتھ کے گرد منڈلانے والوں کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا۔''

''وہ کوئی بھی ہوں۔ میں انہیں نہیں جانتا۔ تم میری ایک بات لکھ لو کہ اب تمہاری آزادی کے دن گنے جاچکے ہیں۔ میں نے اپنی پوری توجہ تم پر مرکوز کردی ہے۔''

میں اسے کوئی سخت بلکہ منہ توڑ جواب دے سکتا تھا لیکن وہ میرے ہاتھوں میں موم کی ناک بنا ہوا تھا۔ اسے تاؤ دلانا میرے بلکہ سلطان شاہ کے حق میں ضرر رساں ثابت ہوسکتا تھا۔

''تمہارا شکریہ کہ تم نے مجھے اتنی توجہ کے قابل سمجھا۔ میں جلد ہی......'' باقی الفاظ میرے منہ میں ہی رہ گئے کیوں کہ آئزک بیل نے اچانک فون بند کردیا تھا۔

بلی اور چوہے کا وہ روح فرسا کھیل دھیرے دھیرے ایک واضح اور روشن انجام کی طرف بڑھتا ہوا نظر آرہا تھا۔ موت کے دہانے سے سلطان شاہ کی واپسی کی امید بندھ جانے کے بعد میرے وجود میں توانائی کی ایک نئی لہر انگڑائیاں لے رہی تھی۔ میں وہ بوتھ چھوڑ کر دوسرے بوتھ میں گھس گیا۔

آئزک بیل کی خباثت اور مکاری کے کھلے کھلے ثبوت سامنے آجانے کے بعد میں ہر امکانی احتیاط سے کام لینے کا مصمم ارادہ کرچکا تھا۔

انقرہ کا نمبر ملاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ عجلت میں، میں نے ایوب آغا کی وطنیت کے بارے میں اول خان سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ نام کچھ ایسا منفرد تھا کہ

وہ ایرانی یا ترک بھی ہوسکتا تھا۔

ایوب آغا میرے فون کا منتظر تھا۔ میرا تعارف سنتے ہی سنجیدہ آواز میں احکام کا طالب ہوگیا۔

وہ پاکستانی ہی تھا اور شستہ اردو بول رہا تھا۔ اس کے گمبھیر لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اول خان کی بریفنگ سے وہ حالات کی سنگینی کا اندازہ لگا چکا تھا۔

''ہمارے ٹائم زون مختلف ہیں۔ اب سے ایک گھنٹا پچاس منٹ بعد انقرہ کے ملٹری ائربیس کے کمانڈر کے پاس کرنل فل برائٹ پہنچے گا۔ اس کے ساتھ سی ون تھرٹی پر جا کر تم مغوی کو پوری احتیاط سے واپس لاؤ گے۔ یہ خیال رہے کہ جہاز چھوڑنے کے بعد تم دونوں پر کہیں بھی قاتلانہ حملہ ہوسکتا ہے۔ اسے انقرہ سے جلد از جلد کراچی بھیج کر تم اپنی ذمے داری سے بری ہو جاؤ گے۔''

''ائربیس کا کمانڈر میرا دوست ہے۔'' ایوب آغا کے اس انکشاف نے میرا دل خوش کردیا، وہ کہہ رہا تھا ''اگر یہ ملٹری ائربیس کا معاملہ ہے تو تم ذرا بھی فکر نہ کرو۔ میں ابھی سے وہیں ڈیرا ڈال دوں گا۔ اس قلعے میں کوئی میرے مہمان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکے گا۔''

''میرا فون نمبر لکھ لو۔ سلطان شاہ آجائے تو مختصر سا پیغام دے دینا۔ ہوٹل میں میرا نام اسلم خان ہے۔'' یہ کہہ کر میں نے اسے ہوٹل کے کمرے اور ٹیلی فون کے نمبر بتا دیے۔ نمبروں کی تصدیق کے بعد میں نے فون بند کردیا۔

رات زیادہ گہری نہیں ہوئی تھی لیکن موسم خاصا سرد تھا۔ میں ٹکٹ خرید کر آکسفورڈ اسٹریٹ سے ہو کر جانے والی ایک سرخ ڈبل ڈیکر بس میں سوار ہوگیا۔

روشنی میں نہائے ہوئے، شہر کے بارونق علاقوں سے گزرتے ہوئے بس نے مجھے آکسفورڈ سرکس پر اتار دیا۔ وہاں سے ہوٹل زیادہ دور نہیں تھا۔ میں پیدل ذیلی سڑک پر ہولیا۔

راستے میں، میں نے دور سے اپنے پسندیدہ فون بوتھ کی طرف نظریں دوڑائیں تو اس وقت وہاں خلاف معمول چار تنومند نوجوان سر جوڑے کھڑے تھے اور ہر راہ گیر کو غور سے دیکھ رہے تھے۔

انہیں دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ان چاروں کو یقینی طور پر کسی ڈیوڈ اسٹار نے ہی میرے لیے بھیجا تھا۔ انہیں دیا ہوا وقت بہت پہلے گزر چکا تھا مگر وہ پھر بھی کسی کامیابی کی امید میں وہیں جمع تھے تاکہ سرخرو لوٹ کر وہ اپنے یہودی آقا سے انعام کے طلب گار ہوسکیں۔

میں ویرا سے صرف ایک ٹیلی فون کا ذکر کر کے ہوٹل سے گیا تھا۔ وہاں چکر ہی دوسرا چل پڑا اور مجھے دشمن کو جل دینے کے لیے وکٹوریہ تک دوڑ لگانی پڑ گئی۔ پل پل بدلتے ہوئے حالات میں میری اس تاخیر نے اسے پریشان کردیا تھا۔

میری صورت دیکھتے ہی وہ والہانہ انداز میں میرے سینے سے لگ گئی۔ ویرا کی وہ حرکت اس قدر بے ساختہ اور والہانہ تھی کہ میں نے ہولے سے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

''مجھے اختلاج سا ہونے لگا تھا۔'' اس نے میرے سینے میں منہ چھپا کے شکوہ کیا ''تم کہاں رہ گئے تھے؟''

''آج میں نے سلطان شاہ کے لیے سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ ہمارے بوتھ کے قریب اس وقت بھی چار سفید فام غنڈے میرا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر آج رات سلطان شاہ کو عذاب سے نجات مل گئی تو میں سمجھوں گا کہ میری ساری محنت وصول ہوگئی۔''

ویرا نے میرے سینے سے ہٹ کر اپنی بڑی بڑی، تحیر زدہ آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال دیں ''کیا واقعی ایسی کوئی مضبوط امید پیدا ہو چلی ہے؟''

''امید پر دنیا قائم ہے۔'' یہ کہہ کر میں تھکے ہارے انداز میں بستر پر گر گیا۔ ویرا نے فوراً ہی قالین پر بیٹھ کر میرے پیروں سے جوتے اور موزے اتارنے شروع کردیے۔

میں نے سرور کے عالم میں لمحہ بھر کے لیے آنکھیں موندیں تو میرے تصور میں غزالہ کا شکایتی چہرہ مجسم ہوگیا۔ اس کا چہرہ غم آلود اور آنکھیں نمناک تھیں۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور دونوں پیر ویرا سے دور سمیٹ لیے۔ میری خلوت کی وہ آزادیاں اور دوسری سرمستیاں غزالہ کی امانت تھیں۔ ویرا کو وہ قربت دے کر میں گھر بیٹھی

غزالہ کی امانت میں خیانتِ مجرمانہ کا مرتکب ہو رہا تھا۔
''کیا ہوا؟ تم ایک دم ہی کیوں چونک پڑے؟'' ویرا قالین سے اٹھ کر مسہری پر میرے قریب بیٹھ گئی۔ میں کروٹ لے کر مسہری کے دوسرے سرے پر لڑھک گیا۔
''غزالہ کا خیال آ گیا تھا۔ وہ شہر میں اکیلی اور بے گھر ہے۔'' میں نے اداسی سے کہا۔
''اس کی ایسی المناک منظر کشی نہ کرو۔ اول خان کا پورا گھرانا اس کی خبر گیری کر رہا ہے اور وہ ان ہی کی میزبانی کے مزے لوٹ رہی ہے۔''
''یہ تم نہیں سمجھ سکتیں۔ شادی شدہ عورت اپنے مرد سے دور ہو تو ہزاروں کی بھیڑ میں بھی خود کو بالکل تنہا محسوس کرتی ہے اور اس کے ساتھ اکیلی ہو کر بھی اکیلی نہیں ہوتی۔''
''اس وقت ہم سب میں سلطان شاہ سب سے زیادہ مظلوم ہے۔ اس کے بعد غزالہ کی باری آتی ہے۔ تم مجھے کیوں نہیں بتاتے کہ تم کیا تیر مار کر آئے ہو؟'' اس نے تیکھے لہجے میں کہا۔
''میں جب سوچتا ہوں، کانپ کر رہ جاتا ہوں۔ اگر غزالہ اس رات فلیٹ پر ہی ہوتی تو اس پر کیا گزری ہوتی۔ اس کے ساتھ سلطان شاہ بھی بندھ کے رہ جاتا۔''
''وہ تو اب بھی بندھا ہوا ہے۔ تمہاری رائے تھی کہ سلطان شاہ نے سی ون تھرٹی پر قبضہ کر کے سنگین غلطی کی ہے اور اب وہ مارا جائے گا۔'' ویرا نے چڑ کر مجھے میری ہی بات یاد دلائی۔
''کچھ دیر پہلے ایسی ہی صورتِ حال تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ کچھ تبدیلیاں آئی ہیں۔ یوں سمجھو کہ آئزک بیل نے میری بلیک میلنگ کے سامنے جھکنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''
وہ جس بات کے پیچھے پڑ جاتی تھی اسے اگلوا کے رہتی تھی۔ اس سے سوال و جواب کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا اور معلومات میں تازہ ترین اضافوں کے ساتھ اس کا موڈ خوشگوار ہونے لگا۔
میرے جسم اور ذہن پر شدید تکان طاری تھی لیکن آنکھوں میں دور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔ لاشعور میں بس ایک خیال بسا ہوا تھا کہ رات کے ایک اور دو بجے کے درمیان انقرہ سے سلطان شاہ کے بارے میں کوئی خبر آنی ہے اور اس وقت تک مجھے ہر حال میں جاگنا ہے۔
وقت گزارنے کے لیے ویرا کو چڑا چڑا کر اس کے سوالوں کے جواب دینا ایک اچھا مشغلہ تھا۔ وہ سلطان شاہ اور آئزک بیل کی طرف سے پوری تسلی ہو جانے کے بعد دوبارہ غزالہ کا ذکر نکال بیٹھی۔
''اب تمہیں غزالہ کیوں یاد آ گئی؟'' میں نے غصیلے لہجے میں اس سے پوچھا۔
''سلطان شاہ کے بارے میں سب کچھ جان لینے کے بعد اب ہم دنیا کے ہر موضوع پر بے فکری سے بات کر سکتے ہیں۔'' اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔
''اس وقت مجھے سب کچھ معلوم تھا اسی لیے مجھے غزالہ کا خیال آ رہا تھا۔''
''تم جیسے شکی اور حاسد شوہروں سے دور رہ کر وہ پہلے سے زیادہ سکھی ہو گی۔''
''جس دن کسی معقول آدمی سے شادی کر لو گی تو یہ باتیں خود بخود سمجھنے لگو گی۔''
''یورپ کی شادیاں لڑکیوں کے لیے عمر قید کی سزا نہیں ہوتیں۔ مرد ذرا بھی بگڑتا ہے تو عورتیں خود ہی کوئی دوسری راہ تلاش کر لیتی ہیں۔ کوئی کسی کے بغیر خود کو اداس اور تنہا محسوس نہیں کرتا۔ یہ چونچلے بس مشرق ہی میں چلتے ہیں۔''
''عورتیں ساری دنیا میں ایک جیسی ہوتی ہیں لیکن تم جیسی خال خال ہوتی ہیں۔''
''دنیا کی عورتوں کا حال تمہارے سامنے ہے۔'' وہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولی ''راما کا روزینی بیوی کو دھوکا دے کر عیاشی کے ارادے سے نکلا اور اس کی معصوم سی بیوی اپنے شوہر کی موت سے بے خبر اس کے بستر پر کسی اور کے ساتھ گلچھرے اڑا رہی ہے۔''
''فون پر ایک اطالوی مرد کی آواز سن کر تم نے اتنا بڑا الزام کیسے لگا دیا؟'' میں نے اسے چڑانے کے لیے اعتراض کیا ''ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا بھائی رہا ہو۔''
''اونہہ۔'' ویرا نے حقارت سے اپنا سر جھٹکا ''یہاں

کوئی بھائی اپنی بہن کے لیے ایسی قربانیاں نہیں دیتا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد سب اپنے گھر، مرضی اور تقدیر کے مالک ہوتے ہیں۔''

''تمہارے دماغ کے کیڑے جب زور کرنے لگتے ہیں تو تمہیں ایسی ہی باتیں سوجھتی ہیں۔ اب میرے اوپر کیوں چڑھی چلی آ رہی ہو۔ تم دور رہ کر بھی بات کر سکتی ہو۔''

''تمہاری ایسی کی تیسی!'' ویرا نے جھلا کر بیڈ سوئچ پر ہاتھ مارا اور کمرا تاریک کر دیا ''اتنی دیر سے خود چھیڑ چھاڑ کر رہے ہو اور الزام مجھ پر لگا رہے ہو۔ میں تمہارا دماغ درست کر دوں گی۔''

وہ غراتی ہوئی بہت جارحانہ انداز میں میرے سینے پر سوار ہو گئی اور میرے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی میری دونوں کنپٹیوں کو اپنی نرم ہتھیلیوں میں دبا کر ایک خاص انداز میں زور زور سے مسلنے لگی۔

میں نے اسے اپنے سینے پر سے دھکیل کر نیچے گرانا چاہا مگر یوں محسوس ہوا، جیسے میرے بازو من من بھر کے ہو گئے ہوں، آنکھیں یک بیک بند ہونے لگی تھیں اور ذہن پر ہلکا ہلکا انجانا سا سرور طاری ہونے لگا۔

''مائی ڈارلنگ!'' مجھے ویرا کی سرسراتی ہوئی سرگوشیانہ آواز بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ کہہ رہی تھی ''تم بار بار یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ میرا نام ویرا ہے۔ میں جب چاہوں پلک جھپکتے میں تمہیں کسی کیچوے سے زیادہ بے ضرر بنا سکتی ہوں۔ اب تم کچھ دیر تک میرے ہی رحم و کرم پر رہو گے۔''

میری کنپٹیوں پر اس کی نرم و گداز ہتھیلیاں بدستور تھرک رہی تھیں پھر میری سماعت بھی جواب دے گئی اور میرے کانوں میں بس ویرا کی منمناہٹیں ابھرتی ڈوبتی رہ گئیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے ویرا نے میرے لباس میں بے شمار گرم گرم اور لجلجے کیچوے چھوڑ دیے ہوں۔

پتا نہیں وہ کیفیت کتنی دیر قائم رہی۔ دوبارہ ہوش میں آتے ہی میں نے ہڑبڑا کر رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو میری کلائی خالی تھی۔ کمرا روشن تھا اور ویرا اپنے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ سجائے کرسی پر بیٹھی میری رسٹ واچ سے کھیل رہی تھی۔

''بوکھلانے کی ضرورت نہیں، ابھی ایک بجنے میں بھی کچھ دیر باقی ہے۔'' ویرا نے میری کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا بات ہے؟ مجھے کیا ہوا تھا؟ میں نقاہت محسوس کر رہا ہوں۔'' میں نے کھوئی کھوئی سی آواز میں کہا۔ اس وقت بھی میرا ذہن دھند میں لپٹا ہوا تھا۔

ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا ''جو کچھ ہوا ہے، اس کے بعد ایک گرم گلاس گرم دودھ ساری نقاہت دور کر دیتا ہے۔ یہ میرے مارشل آرٹ کی ایک ہلکی سی جھلک تھی۔ جب الجھو گے، میں اسی طرح سمیٹ کر اپنا کھلونا بنا لوں گی۔ ذرا سی دیر میں تم بالکل نارمل ہو جاؤ گے۔''

اس کی بات حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ کچھ دیر تک پلکیں جھپکانے کے بعد رفتہ رفتہ میری ساری توانائیاں بحال ہو گئیں اور میں نے بستر چھوڑ دیا۔

''یہ تمہاری بہت گھٹیا حرکت تھی۔'' میں نے قدرے برہمی سے کہا ''بے خبری میں تم نے مجھے دبوچ لیا ورنہ میں ذرا سی دیر میں تمہاری طبیعت صاف کر دیتا۔''

''دشمن ہمیشہ بے خبری میں ہی دبوچتا ہے۔'' وہ مسلسل تیکھے انداز میں مسکرائے جا رہی تھی ''آج میں نے تمہیں اس کمال کا ہلکا سا نمونہ دکھایا ہے۔ آئندہ یہ وقفہ بڑھ بھی سکتا ہے۔''

''تو اب تم مجھ سے دشمنی پر اتر آئی ہو؟'' میں نے اسے گھور کر دیکھا۔

''دوستی سے بھڑکتے ہو تو اب دشمنی سے ہی کام چلانا پڑے گا۔ چادر رہنا میرے لیے مشکل ہے۔''

میں دل ہی دل میں اس واقعے پر خفت اور شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ مختصر سی بے ہوشی کے عالم میں ویرا نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ میں اس بارے میں اس سے کچھ پوچھتا تو وہ مجھے اپنے مذاق کا نشانہ بنا لیتی۔ میں اس پر ملامت آمیز نظریں ڈالتا ہوا باتھ روم میں چلا گیا۔

ویرا جب سے ماسٹر رابرٹ ہوٹل چھوڑ کر میرے

ساتھ آئی تھی۔ مسلسل ایک اضطراب اور بے کلی میں مبتلا تھی۔ حالات کچھ ایسی نہج پر چل رہے تھے کہ مجھے خود بھی اس کی دل جوئی کا خیال نہیں رہا تھا۔ اس رات ویرا نے ایک طویل اعصابی شکست و ریخت کے بعد سلطان شاہ کی آزادی کا مژدہ سنا تھا اور ذہن سے وہ بوجھ اترتے ہی بے لگام ہوگئی تھی۔

اس نے میری کنپٹیوں کی کچھ مخصوص رگوں پر دباؤ ڈالنے کے بہانے اتنی دھینگا مشتی کر لی تھی کہ اس کے بعد وہ آسودہ اور پرسکون نظر آرہی تھی۔

باتھ روم سے میری واپسی پر ویرا نے رسٹ واچ مجھے لوٹا دی ''ایک بج چکا لیکن ابھی تک انقرہ سے کوئی خبر نہیں آئی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے اس کے چار آدمیوں کو دھوکا دیا اور اس نے تمہیں ساری رات انتظار کے عذاب میں مبتلا رکھنے کے لیے جھوٹی یقین دہانیاں کرادی ہوں۔''

''میں جو کچھ کرسکتا تھا، کر گزرا۔ اس سے کوئی بات بعید نہیں ہے۔ اب ہمیں صرف انتظار کرنا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو سلطان شاہ جہاز کو تباہ کردے گا۔ صبح ہونے تک یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پوری دنیا میں پھیل چکی ہوگی۔''

''رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ گئی تو سفر سوتے ہوئے گزرے گا۔'' ویرا بڑبڑا کر رہ گئی۔

میں نے ایک مرتبہ پھر بستر پر دراز ہو کر آنکھیں موند لیں۔ ویرا کمرے میں بکھرے ہوئے مختصر سے اسباب کو سوٹ کیسوں میں بھرنے لگی۔

دو بھی بج گئے لیکن کہیں سے کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ میری تشویش میں اضافہ ہونے لگا۔ پتا نہیں قبرص میں کیا ہو رہا تھا۔ کراچی میں اول خان، انقرہ میں ایوب آغا اور لندن میں ہم دونوں سخت بے چینی کے عالم میں کسی خبر کے منتظر تھے مگر ہر طرف سناٹا تھا۔

میں نے ایوب آغا کو مختصر پیغام دینے کی ہدایت کر کے غلطی کی تھی۔ اس جیسے زیرک آدمی کے لیے اس ہدایت کا ایک ہی مطلب تھا کہ غیر ضروری پیغام رسانی سے اجتناب برتا جائے۔ اگر میں نے اس پر ایسی کوئی پابندی عائد نہ کی ہوتی تو شاید وہ مجھے فون پر یہ بھی بتا دیتا

کہ مقررہ وقت پر کرنل فل برائٹ انقرہ ائربیس کے کمانڈر کے دفتر میں پہنچا تھا یا وہ بھی غائب تھا۔

کرنل فل برائٹ کے پہنچنے یا نہ پہنچنے کی ابتدائی اطلاع سے ہی آئزک بیل کی اصل کا اندازہ کیا جاسکتا تھا۔ وہ بات اس وقت بھی معلوم کی جاسکتی تھی مگر اتنی رات گئے میرا ہوٹل سے نکلنا عملے کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرسکتا تھا۔ راما کا کے بعد ایسے ناوقت ہوٹل کا فون بھی استعمال نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

انسان کو جب وقت درکار ہوتو وہ پر لگا کر اڑنے لگتا ہے اور انتظار کی بے کیف گھڑیاں گزارنی ہوں تو کاٹے نہیں کٹتا۔ بار بار گھڑی پر نظر ڈال کر مجھے خواہ مخواہ یہ احساس ہونے لگا تھا کہ اس وقت گھڑیوں کی رفتار کچھ دھیمی ہوگئی تھی۔

میرے ذہن پر اونگھ سوار تھی لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

آخر صبح کے چار بجے فون کی گھنٹی سن کر ہم دونوں اچھل پڑے۔ میں نے پہلی گھنٹی سن کر ریسیور کو ہاتھ نہ لگایا تو ویرا ادھر لپکی لیکن میں نے اسے روک دیا۔ میں آپریٹر کو یہ تاثر نہیں دینا چاہ رہا تھا کہ ہم اپنی نیند کو تج کر بے تابی سے اس کال کا انتظار کررہے تھے۔

دوسری گھنٹی پر میں نے ریسیور اٹھا کر غنودہ آواز میں ہیلو کہا تو دوسری طرف سے ایوب آغا کی آواز آئی۔ آپریٹر شاید کال ہمارے فون پر منتقل کر کے خود اتنا غفیل ہوگیا تھا۔

''مہمان آگیا ہے۔ حال ابتر ہے مگر خطرے کی بات نہیں ہے۔'' ایوب آغا نے میری ہدایت کی پاسداری کرتے ہوئے بہت مختصر اور جامع الفاظ میں اپنی رپورٹ مکمل کردی۔

لائن پر آپریٹر موجود نہیں تھا۔ میں نے موقع غنیمت جان کر بات آگے بڑھادی ''کیا بات ہے۔ پرواز آنے میں اتنی دیر کیوں ہوگئی؟ یہ پرواز کئی گھنٹے پہلے آجانی چاہیے تھی۔''

''مہمان نے جہاز کے عملے میں کسی نئے آدمی کے اضافے کی اجازت دینے سے انکار کردیا تھا۔ بے خوابی اور تین ساتھیوں کی لاشیں دیکھنے کے سبب کپتان کی حالت غیر تھی۔ اس کا معاون پھینک دیا گیا تھا۔ دوسرا آدمی غیر فنی سروس بوائے تھا۔ آخر کار مجبوری کے عالم میں اسی کو یہ پرواز لانی پڑی۔''

''مہمان کہاں ہے؟ کیا اس سے مختصر سی بات ہوسکتی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ زخمی تھا اور بخار میں پھنک رہا تھا۔ اسے جہاز سے اسپتال بھیج دیا گیا ہے۔ اب میں بھی اسی طرف جاؤں گا۔ ڈاکٹروں کی اجازت ملتے ہی وہ کراچی چلا جائے گا۔'' وہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنے کی پوری پوری کوشش کررہا تھا۔

''اب تم سے کہاں رابطہ ہوسکے گا؟ تم تو شاید اسپتال میں ہی رکے رہوگے۔''

''وہ فوجی اسپتال میں بہت محفوظ ہے۔ کسی کو پتا نہیں کہ اسے کہاں لے جایا گیا ہے۔ میں اس کی خبر گیری کر کے چلا جاؤں گا اور پھر اپنے نمبر پر موجود ہوں گا۔''

''بہت بہت شکریہ۔ میں تمہارا احسان مند ہوں۔'' میں نے کہا۔ اس نے سلام کر کے فون بند کردیا۔

''میرا دل کہہ رہا تھا کہ تمہارا آخری کارڈ ضرور کامیاب ہوگا۔ آخر کار وہ موت کے منہ سے لوٹ ہی آیا۔'' فون بند ہوتے ہی ویرا خوشی سے ناچ اٹھی۔ اس نے میری باتوں سے کامیابی کا اندازہ لگالیا تھا۔

''شاید امریکا کی سیاحت اس کے نصیب میں نہیں ہے۔'' میں نے فرحت کے احساس کے ساتھ کہا ''کون سوچ سکتا تھا کہ سفارتی کارگو کے ساتھ اسمگل کیا جانے والا شخص بھی راستے سے لوٹ سکتا ہے۔''

''خدا اس طرح دشمن کو بھی امریکا نہ لے جائے۔ اگر میں تمہارا ساتھ نہ دیتی تو اپنے وطن کے عمل داروں کا یہ ڈراؤنا روپ کبھی بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ستھرے اور عادلانہ نقابوں کے پیچھے کیسے کیسے بھیانک چہرے چھپے بیٹھے ہیں جن کے لیے انسانی خون کی ذرا بھی حرمت نہیں ہے۔''

''بتی بند کردو اور ذرا ایک مرتبہ پھر میری کنپٹیاں سہلا دو تا کہ میں ایک دو گھنٹے کی نیند لے سکوں۔'' میں نے طویل انگڑائی لے کر کسل مندانہ لہجے میں فرمائش کی۔

وہ فوراً ہی میری طرف بڑھی اور میں نے بوکھلا کر

ےروک دیا'' مجھے ہاتھ بھی نہ لگانا۔ تم تو مذاق مذاق میں
بدہ ہوئی جارہی ہو۔ میں دس راتیں بھی جاگ کر
اروں تو ایسی توڑ دینے والی مدہوشی کی آرزو نہیں کروں
خدا کی پناہ...... یہ سب تم نے کہاں سے سیکھا ہے؟''
''چاہو تو تمہیں بھی سکھادوں گی ۔ تم کو میری
ردی اختیار کرنی ہوگی۔'' وہ ایک آنکھ دبا کے بولی۔
میں نے بتی بند کردی اور وہ مسہری پر آگری۔

☆☆☆

آٹھ بجے میں نے بستر چھوڑ کر ویرا کو بھی بیدار
کردیا۔ ذہن سے سلطان شاہ کی پریشانی دور ہوتے اور
کمرے میں اندھیرا پھیلتے ہی ہم دونوں پر نیند کا غلبہ ہوتا
گیا تھا۔ شاید میں بھی دیر تک سوتا رہتا لیکن میرے
شعور میں یہ خوف بھی جاگزیں تھا کہ راما کاروزینی کی بے
ور کفن لاش بی ایم ڈبلیو کی ڈکی میں بند اپنے کسی متلاشی
منتظر تھی اور اس کے دریافت ہونے سے پہلے ہی ہمیں
بل بلکہ شہر سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔
کہنے کو ہمارے پاس دو الگ الگ سوٹ کیس تھے
لیکن ان میں سامان نہ ہونے کے برابر تھا۔ تیاری کے
دوران میں ویرا نے ناشتا کمرے میں منگوانے کی تجویز
پیش کی۔ میں نے اسے ٹال دیا۔ اجالا نمودار ہونے کے
ساتھ ہی میرے اوپر وہاں سے نکل بھاگنے کی گھبراہٹ
طاری تھی۔
''یہاں سے بھوکے نکل کر کیا اب جہاز پر ہی ناشتا
کرو گے؟'' میری ٹال مٹول پر ویرا نے احتجاج کیا۔
''ہماری پرواز دوپہر سے پہلے روانہ ہوگی۔ ایئر
پورٹ پر ہمیں کافی وقت ملے گا۔ اس وقت اس وحشت
کدے سے نکل بھاگنے کی فکر کرو۔ کل راما کا نے میرے
لیے مافیا والے بلالیے تھے۔ آج ڈیوڈ اینڈ کے غنڈے
اس علاقے کو چھانتے پھر رہے ہوں گے۔ غنیمت یہ ہے
کہ ان میں سے کسی کو بھی میری شناخت نہیں ہے۔''
''پولیس والوں کے شناختی خاکے کو تم فراموش
کررہے ہو۔'' ویرا نے شوخی سے کہا۔
طویل سفر کے لیے تیاری مکمل کرکے ہم نے کمرے
کی الماریوں اور دروازوں وغیرہ کا الوداعی جائزہ لیا۔

سفری دستاویزات اور کرنسی کو محفوظ کیا اور روم سروس والوں کو زحمت دیے بغیر وہاں سے چل دیے۔

کاؤنٹر پر ہمارے چیک آؤٹ ہونے کی کوئی پیشگی اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے بل تیار نہیں تھا مگر رش نہ ہونے کی وجہ سے دونوں لڑکیاں پھرتی سے اس کام میں مصروف ہو گئیں۔

انٹر کام پر ہوٹل کے مختلف شعبوں سے تفصیلات معلوم کر کے کمپیوٹر پر ڈالی گئیں اور چند منٹ بعد بل ہمارے سامنے تھا جس کے مطابق ہمارے سوا بارہ پاؤنڈ ہوٹل پر واجب الادا تھے۔

''یہ رقم تم دونوں کی ہوئی۔'' میں نے مسکرا کر ان دونوں کو نوید سنائی۔ مسرت اور بے یقینی سے ان کے چہرے کھل اٹھے۔ اس قسم کے ہوٹلوں میں ٹپ کے لیے وہ رقم غیر معمولی تھی۔

وہ دونوں ہی مشینی انداز میں بار بار ہمارا شکریہ ادا کرنے لگیں۔ اسی لمحے ایک لڑکی کو خیال آیا کہ اس کے دونوں معزز مہمان اپنے سوٹ کیس خود اٹھائے کھڑے ہیں۔ اس نے اشارے سے ایک پورٹر کو بلایا اور مجھ سے پوچھا ''ٹیکسی منگوا دوں؟''

گیتا اور جیمز پنڈت کے واقعے کے بعد ٹیکسی میرے لیے شجر ممنوعہ بن چکی تھی۔ پچھلی رات میں نے محض وقت کی کمی کی وجہ سے وکٹوریا جانے کے لیے وہ سواری منتخب کی تھی۔ مجھے رات والی بس کا روٹ نمبر یاد تھا۔ اس وقت بھی میں پچیس نمبر بس کے ذریعے وکٹوریا جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

''ہم بازار سے کچھ خریداری کر کے آگے جائیں گے۔ شکریہ۔'' لڑکی کا دل رکھنے کے لیے میں نے کہا، پورٹر کو بلاوجہ ایک پاؤنڈ دے کر ٹالا اور ہم اپنے سوٹ کیس لٹکا کر ہوٹل سے باہر نکلتے چلے گئے۔

''کیا گیٹ وک تک پیدل ہی جانے کا ارادہ ہے؟'' فٹ پاتھ پر آ کر ویرا نے طنز سے پوچھا۔

''بس اور پھر بس یا بس اور پھر نان اسٹاپ ٹرین۔ بولو، کیا چاہتی ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

''پہلے وکٹوریا پہنچو پھر ٹرین لیں گے۔ خالی پیٹ میں زیادہ دور نہیں چل سکتی۔''

''خرافات مت بکو۔'' میں نے منہ بنا کر کہا ''کنواری لڑکیوں کے پیٹ بھر جائیں تو لوگ انہیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔ خاموشی سے چلتی رہو۔ بس اسٹاپ زیادہ دور نہیں ہے۔''

''خدا خیر کرے۔ آج صبح ہی صبح تمہاری زبان چل پڑی ہے۔ پتا نہیں دن کیسا گزرے گا۔''

''یہ بہت مبارک دن ہے۔ بدری امریکا جا چکا، راوا لے اپنے چہروں پر رمیش اگروال کی چتا کی راکھ مل رہے ہیں، تمہارا پرانا عاشق مارا گیا، سلطان شاہ تھوڑی سی ٹوٹ پھوٹ کے بعد زندہ لوٹ آیا اور اب ہم امریکا جا رہے ہیں۔ بہت عرصے کے بعد میں اپنے ذہن کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں۔''

''چلو ہو تو اگلی پچھلی ساری کامیابیوں کو بھی آج کے دن میں شمار کر لو۔''

''بازار میں سوٹ کیسوں کے ساتھ ہمارا یوں ایک ساتھ گھومنا مناسب نہیں ہے۔'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت کہا ''میں آگے نکل رہا ہوں۔ تم تھوڑے فاصلے سے آتی رہو۔''

اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے میں نے اپنی رفتار تیز کر دی اور آگے چلا گیا۔

اس وقت مجھے صرف اور صرف ان غنڈوں کی طرف سے تشویش تھی جو آئزک بیل کے ایما پر مجھے تلاش کر رہے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی میرا صورت آشنا نہیں تھا لیکن انہیں یہ بات ضرور بتا دی گئی ہو گی کہ ویرا لائیڈ بھی میرے ساتھ ہو سکتی تھی۔ یہ بات پھر اسی نکتے پر آ جاتی تھی کہ ایشیائی مرد اور سفید فام عورت پر مشتمل ہر جوڑا ان غنڈوں کی توجہ کا مرکز بن سکتا تھا۔ شہر میں ایک دوسرے سے الگ رہ کر ہم ایسے کسی بھی خطرے کو آسانی سے ٹال سکتے تھے۔

اس وقت شہر کے اس مرکزی حصے میں روزگار پر جانے والوں کے ہجوم تیزی سے حرکت میں تھے۔ ہر شخص ایسی عجلت میں تھا، جیسے اسے اپنی ٹرین چھوٹنے کا ڈر ہو۔ دور ہی سے نظر آ رہا تھا کہ تھوڑے تھوڑے وقفوں سے زیر

ین ٹیوب اسٹیشن سے لوگوں کے بڑے بڑے ریلے نکل
راس رواں ہجوم میں شامل ہو رہے تھے۔
مطلوبہ بس میں سوار ہو کر میں ٹکٹ لے رہا تھا تو ویرا
می آگئی اور ہم دونوں لندن کے الوداعی نظاروں کا لطف
لینے کے لیے ڈبل ڈیکر کی اوپری منزل پر جا بیٹھے۔
لندن کی شہری ٹرانسپورٹ کی ایک خوبی یہ ہے کہ
بیں بالکل خالی ہوں یا بھری ہوں، وہ اپنے شیڈول سے
لتی ہیں۔ مسافروں کے انتظار میں رکا جاتا ہے، نہ
سافروں کو ایک دوسرے کے کندھوں پر چڑھنے کے بے
ہودہ احکام دیے جاتے ہیں۔ ٹکٹ خریدنے والا ہر مسافر
خود کو پوری بس کا امانت دار تصور کرتا ہے۔ دوسروں کے
لیے راستہ چھوڑ کر اپنی پسند اور سہولت کی جگہ بیٹھتا یا کھڑا
ہوتا ہے۔ کوئی یہ توقع نہیں کرتا کہ اسے وہاں سے ہلانے یا
ہٹانے کی کوئی کوشش کامیاب ہوگی۔
ریجنٹ اسٹریٹ اور پکاڈلی سے ہوتی ہوئی وہ بس
تھوڑی ہی دیر میں وکٹوریا اسٹیشن پہنچ گئی جو مرکزی لندن
میں چلنے والی بیشتر مقامی بسوں کا آخری اسٹاپ ہے۔
یہیں سے ملک کے دوسرے حصوں اور دور دراز مقامات
کے لیے بیشتر کوچز شروع ہوتی ہیں۔
وکٹوریا اپنے نام کے مطابق قدیم طرز تعمیر پر بنا
ہوا ہے۔ وہاں سے ایک مقررہ وقفے کے بعد لندن کے
گیٹ وک ایئر پورٹ کے لیے نان اسٹاپ ٹرین روانہ
ہوتی ہے جو اس سفر کا سب سے تیز رفتار اور یقینی ذریعہ
ہے۔ بس اپنے روٹ پر کسی بڑے ٹریفک جام میں پھنس
جائے تو پرواز نکل جانے کے خاصے روشن امکانات پیدا
ہو جاتے ہیں۔ بیشتر تجربے کار مسافر ٹرین ہی کو ترجیح
دیتے ہیں۔
ٹرین کی طرف جاتے ہوئے میں نے گیتا کا اخبار
میں لپٹا ہوا ریوالور احتیاط سے ایک بھرے ہوئے ڈسٹ
بن میں ڈال دیا۔ ٹرین روانہ ہونے تک ہمارے ڈبے
کی بیشتر نشستیں خالی رہیں۔ وہ سفر شاید چالیس منٹ تک
جاری رہا۔ ٹرین رکنے پر ہم پلیٹ فارم پر اتر گئے۔
سہولتوں کے اعتبار سے لندن کا ہیتھرو ائر پورٹ
کی طرح کم نہیں ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ پرانا
ہوائی اڈا ہے اور گیٹ وک اس سے کہیں بعد میں تعمیر ہوا
ہے۔ اس نئے ہوائی اڈے کے دو ٹرمینل ہیں۔ اوپر نیچے
آنے جانے کے لیے برقی سیڑھیاں اور لفٹ نصب ہیں۔
دونوں ٹرمینل ایک برقی شٹل سروس کے ذریعے ایک
دوسرے سے منسلک ہیں۔ یہ شٹل کسی معاوضے کے بغیر
مسافروں کو ان کی ضرورت کے مطابق سامان سمیت ایک
سے دوسرے ٹرمینل تک پہنچاتی ہے۔
ٹرین چھوڑنے کے بعد جا بجا نظر آنے والے رہنما
اشاروں اور الفاظ کے سہارے ہم دونوں اس اجنبی ائر
پورٹ پر اپنے مطلوبہ ٹرمینل کے چیک ان ایریا میں پہنچ
گئے جہاں دور تک بہت سی ہوائی کمپنیوں کے روشن اور
صاف ستھرے کاؤنٹر پھیلے ہوئے تھے۔ کچھ خالی تھے۔
بیشتر پر باوردی لڑکیاں اپنے کاموں میں مصروف تھیں۔
فضا میں بے شمار کی بورڈز کی مشینی ٹکا ٹک کی ہلکی آوازیں
رچی ہوئی تھی۔
پروازوں کے دیوار گیر شیڈول پر نظر ڈالتا ہوا میں
امارات...... ائر لائن کے کاؤنٹر کی طرف چل دیا۔ ویرا
راستے بھر ناشتے سے محرومی پر احتجاج کرتی رہی تھی مگر
میرے لیے ٹکٹ پر قبل از وقت اسٹکر لگوا کر نشستیں محفوظ
کرانا زیادہ ضروری تھا۔
ہماری پرواز ورجن اطلانتک ائر لائن کی تھی لیکن
بکنگ امارات کے ذریعے ہوئی تھی۔ مجھے ورجن اطلانتک
کا کاؤنٹر نظر آیا تو میں وہیں رک گیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ
لڑکی کمپیوٹر نمبر اور ٹکٹ دیکھ کر مجھے امارات سے رجوع
کرنے کا مشورہ دے گی مگر اس نے پیشانی پر شکن ڈالے
بغیر اپنے کی بورڈ پر مخروطی انگلیاں گھمائیں اور چند ثانیوں
تک انتظار کرتی رہی۔ اسکرین پر تفصیلات کے نمایاں
ہوتے ہی اس نے مسکرا کر مجھ سے سامان کے بارے میں
پوچھا۔ میں نے دونوں سوٹ کیس وزن کرنے والی مشین
پر رکھ دیے۔
گز بھر قطر کے ڈائل پر سوئی ذرا سی جنبش کر کے رہ
گئی تو لڑکی نے میری طرف دیکھا۔ میں ان استفہامیہ
نظروں کا مطلب سمجھ کر فوراً بول پڑا ''کل یہی سامان
ہے۔''

اس کے ہونٹوں پر تبسم پھیل گیا۔ ٹکٹ مشین میں ڈالر اندراجات کرنے کے بعد اس نے کوپن الگ کیے، کمپیوٹر پر بورڈنگ کارڈ بنانے سے پہلے نشستوں کے بارے میں لگے بندھے سوال پوچھے۔ جتنی دیر میں بورڈنگ کارڈ بنے، اس نے بیگیج ٹیگ سمیت ٹکٹ مجھے لوٹا دیے۔ پاسپورٹوں پر امریکی ویزا اس نے سب سے پہلے دیکھے تھے جو اس نے بورڈنگ کارڈ کے ساتھ واپس کر دیے۔ لوڈر سوٹ کیس ٹیگ لگا کر متحرک بیلٹ پر ڈال چکا تھا۔

میں اس کا شکریہ ادا کر کے پلٹا ہی تھا کہ امارات کا بورڈ بھی نظر آیا۔ ویرا اس دوران میں الگ تھلگ کھڑی رہی تھی۔ اس کے چہرے سے بےزاری جھلک رہی تھی۔

''اب ناشتے کا بندوبست کرو ورنہ میں یہیں بیٹھ جاؤں گی۔'' وہ اٹھلا کر بولی۔

''کام ختم ہو گیا۔ اب بس کھانا پینا یا فون کرنا ہے۔ آؤ اوپر لاؤنج میں چلتے ہیں۔''

چیک ان ایریا میں بھی ایک ریستوران نظر آرہا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ لاؤنج میں ناشتا زیادہ بہتر رہے گا۔ اوپر کے روشن اور وسیع ہال میں زندگی کی رونقیں اپنے شباب پر تھیں۔

ہم دونوں ہال کے ایک سرے پر واقع ریستوران میں جا بیٹھے۔ چند منٹ بعد مجھے احساس ہوا کہ وہاں پھرتا ہوا باوردی عملہ صرف صفائی اور جھوٹے برتن سمیٹنے کے لیے مامور تھا۔ کھانے پینے کے لیے سیلف سروس کاؤنٹر پر پیشگی ادائیگی ضروری تھی۔

ویرا کو ناچار ایک مرتبہ پھر اٹھنا پڑا۔ اپنی پسندیدہ چیزوں کی رقوم ادا کر کے ہم دوبارہ اسی میز پر آ بیٹھے۔

''اس وقت تم بھرے ہوئے پیٹ والی عورتوں جیسی اداکاری کر رہی ہو۔'' اپنے ناشتے سے انصاف کرتے ہوئے میں اس پر وہ فقرہ کسے بغیر نہ رہ سکا۔

''مجھ میں ہنسنے کی سکت بھی نہیں ہے۔ سکون سے ناشتا کر لینے دو۔''

میں نے بہت تیزی کے ساتھ اپنا مختصر ناشتا ختم کیا اور اٹھ گیا۔ ''تم یہیں میرا انتظار کرو۔ میں انقرہ والے کو فون کر کے واپس آتا ہوں۔ اس کے لیے میرے ذہن میں سوالوں کا خاصا ذخیرہ جمع ہو چکا ہے۔''

وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ دور ہی سے نظر آنے والے اشاروں سے میں فون کی جگہ دیکھ چکا تھا۔ وہاں متعدد بوتھ لگے ہوئے تھے جن میں سے کئی خالی تھے۔ اس وقت مجھے ساری گفتگو اردو میں کرنی تھی اس لیے رازداری کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں نے ایک خالی بوتھ پر قبضہ کر لیا۔

''مہمان اسپتال میں زیر علاج ہے۔'' میری آواز پہنچانتے ہی ایوب آغا نے بولنا شروع کر دیا ''اسے لانے والے ہوا باز کی حالت بھی بگڑ گئی ہے۔ اسے انقرہ کے امریکن اسپتال میں داخل کیا گیا ہے۔''

''اس وقت تم اختصار سے کام لینے کے بجائے کھل کر بات کر سکتے ہو...... اگر ہوا باز بیمار ہے تو وہ جہاز ابھی تک ائربیس پر ہی موجود ہوگا؟''

''نہیں، کرنل فل برائیٹ پہلے ہی متبادل [illegible] بندوبست کر چکا تھا۔ مہمان کو اتارنے کے نصف گھنٹے بعد وہ طیارہ کسی نامعلوم منزل کے لیے پرواز کر گیا تھا۔''

''کرنل فل برائیٹ کے بارے میں تمہاری [illegible] معلومات ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہ امریکی مشن میں سیکیورٹی چیف ہے۔ شبہ ہے کہ وہ سی آئی اے کا ایجنٹ ہے۔''

''مہمان کے بارے میں ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ وہ کیسا ہے اور ڈاکٹر اس کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ کب تک پاکستان واپس آجائے گا؟''

''وہ کمزور اور بیمار ہے۔ اس کے پورے بدن [illegible] تشدد کے نشانات ہیں جن سے کافی خون ضائع ہوا ہے۔ کمزوری اور تھکن کی وجہ سے وہ بخار اور ہذیانی کیفیت میں مبتلا ہے۔ اس کے ذہن پر اغوا کی دہشت ایسی بیٹھی ہوئی ہے کہ وہ غفلت اور مدہوشی کے عالم میں ایسے باتیں کرنے لگتا ہے جیسے وہ اب بھی جہاز پر قابض ہو اور دشمنوں سے لڑ رہا ہو۔ ڈاکٹروں نے اس سے چھیڑ چھاڑ سے منع کیا ہے۔ جب تک وہ صحت یاب نہیں ہو جاتا، اسے ہوائی جہاز کی آوازوں سے دور رکھنا ہوگا۔ وہ آوازیں سنتے ہی اس پر دوبارہ دہشت کا حملہ ہو سکتا ہے۔ اتفاقے سے پہلے [illegible] وہ جہاز میں سفر نہیں کرے گا۔''

''وہ اتنی بری حالت میں ہے تو اس نے جہاز اور قیدیوں پر کیسے قابو پایا تھا؟''

''یہ حیران کن بات ہے کہ اس نے آخر تک کوئی غلطی نہیں کی۔ شاید زندہ رہنے کی شدید خواہش اس کی رہنمائی کر رہی تھی۔''

''انقرہ میں اسے یقین آگیا تھا کہ وہ رہا ہونے والا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''میں نے میگافون پر دیر تک اسے یقین دلایا۔ اردو میں گفتگو نے زیادہ اثر دکھایا اور اس نے مجھے ایک غیر مسلح آدمی کے ساتھ جہاز پر آنے کی اجازت دے دی۔''

''دوسرا غیر مسلح آدمی کون تھا۔''

''کرنل فل برائیٹ۔ بیس کمانڈر نے طیارہ اترنے سے پہلے ہی اسے غیر مسلح کرا لیا تھا۔''

''اور اس نے ہتھیار اتارنے میں کوئی حیل وحجت نہیں کی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''اس نے اسے اپنی توہین قرار دیا اور کافی شور مچایا لیکن بیس کمانڈر نے دوسری صورت میں اسے جہاز پر جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔''

''جہاز پر اس کی کیا ضرورت تھی۔''

''جہاز پر موجود دونوں امریکیوں اور کارگو کی دیکھ بھال اسی کی ذمے داری تھی۔ اس کے ایما پر جہاز کو تازہ دم عملے کے ساتھ پرواز کی اجازت دی گئی تھی۔ اس دوران میں اس نے فون پر اپنے بڑوں سے کچھ خفیہ ہدایات بھی لی تھیں۔''

''یہ سب تمہارے سامنے ہی ہوتا رہا تھا؟'' میرے لیے وہ تفصیل دلچسپ ثابت ہو رہی تھی۔

''میں اس سے پہلے بیس کمانڈر کے دفتر میں موجود تھا۔ سرسری تعارف پر اس کا رویہ سرد اور مخاصمانہ تھا۔ تعارف کے بعد اس نے بیس کمانڈر سے تخلیہ چاہا تو اس نے معذرت کر کے تھوڑی دیر کے لیے انتظار گاہ میں بھیج دیا۔ اسی دوران میں اسے غیر مسلح کر دیا گیا۔''

''اور تم آخر تک مہمان خانے میں بیٹھے رہے؟'' میں نے ہمدردانہ لہجے میں سوال کیا۔

''نہیں، نہتا ہونے کے بعد وہ بھی انتظار گاہ میں بھیج دیا گیا۔ دونوں میں برابری برقرار رکھنے کے لیے بعد میں بیس کمانڈر وہیں آ کر ہم دونوں سے بات چیت کرتا رہا۔''

''پھر یہ ہدایات لینے کا سلسلہ کب شروع ہوا؟''

''کمانڈر کے پی اے کے فون سے اس نے تین مرتبہ کہیں بات کی تھی۔ ہر بار گفتگو کسی نامانوس یا شاید خفیہ زبان میں ہوئی تھی۔ معاملے کی راز داری برقرار رکھنے کے لیے مشن کے بڑے...... ائربیس پر نہیں آئے تھے مگر سب کی نظریں اس پرواز پر لگی ہوئی تھیں۔''

''مہمان سے میری گفتگو کب تک ہونے کا امکان ہے؟'' میں نے پرامید لہجے میں پوچھا۔

''اس کا انحصار ڈاکٹروں کی اجازت پر ہے۔'' اس کے لہجے سے معذوری عیاں تھی'' اول خان نے مجھے بتایا ہے کہ تم نے کسی زبردست حکمت عملی سے کام لے کر اپنا آدمی موت کے منہ سے نکالا ہے۔ میں خود بھی اس کی کہانی سننے کے لیے بے چین ہوں۔''

''انقرہ میں تم ہی اس کے دوست اور خبر گیر ہو۔ اسے دشمنوں کے کسی جوابی وار سے بچانا اب تمہارا ہی فرض ہے۔ مجھے فخر ہے کہ ہمارے درمیان ابھی تم جیسے لوگ بھی موجود ہیں۔''

''میں اپنی آنکھیں کھلی رکھوں گا مگر ترک بھی ہمارے خیر خواہ ہیں۔ قبرص سے انہیں صرف یہ بتایا گیا تھا کہ انقرہ میں ایک غیر قانونی پاکستانی مسافر اور مجرم کو آف لوڈ کرنا ہے مگر میں نے بیس کمانڈر کو پورا پس منظر بتا دیا تھا۔ اس کی پوری ہمدردیاں مہمان کے ساتھ ہیں۔''

''اگر میرا نام اس کے علم میں آ چکا ہے تو میری طرف سے بھی اس کا شکریہ ادا کر دینا۔''

''تمہارا نام آئے بغیر کہانی ادھوری رہتی۔ وہ تم سے بات کرنے کا متمنی ہے۔''

''اب میں امریکا کی راہ پر ہوں۔ وہاں قدم جم گئے تو تم سے نمبر لے کر کمانڈر سے بھی بات کر لوں گا۔''

''امریکا؟'' اس کی بے ساختہ تحیر زدہ آواز سنائی دی ''وہاں تم دشمنوں میں گھر جاؤ گے۔''

''ان کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کو لگام دینے کے لیے یہ ضروری ہو گیا ہے۔''

''خدا تمہیں اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ یہ مغرور قوم کسی بڑی تباہی کے بغیر نہیں سدھرے گی۔''

''چند شیطانی دماغ فنا کے گھاٹ اتر جائیں تو ان کی بڑھتی ہوئی چیرہ دستیاں کم ہو سکتی ہیں۔ میں دامن بچا کر صرف ان ہی کو اپنا نشان بناؤں گا۔ تمہاری دردمندی میرے لیے باعثِ احترام ہے۔''

وہ مجھ سے کبھی نہیں ملا تھا لیکن میرا گرویدہ ہو چکا تھا۔ گفتگو کرنے کی آزادی مل جانے کی وجہ سے وہ باتوں کو طول دیتا رہا اور آخر کار مجھے پرواز اناؤنس ہونے کا عذر کر کے فون بند کرنا پڑ گیا۔

آئزک بیل نے سلطان شاہ کی واپسی میں کلیدی کردار ادا کر کے میرے اوپر کوئی احسان نہیں کیا تھا بلکہ اپنی اور اپنے ملک کی ساکھ کو بچانے کے لیے ایک ناگوار فیصلہ کیا تھا جس سے گریز کی صورت میں اسے ناقابلِ تلافی نقصان ہوتا رہا تھا۔

یہ وہ سوچ تھی جس کے بیج میں نے اس کے ذہن میں بوئے تھے حالانکہ میرے پاس اپنی کہانی کا کوئی گاہک تھا نہ خریدار۔ میں نے آئزک بیل سے جو کچھ کہا وہ اندھیرے میں چلایا ہوا ایک تیر تھا جو میری خوش نصیبی اور اس کی بدنصیبی سے بالکل ٹھیک نشانے پر جا بیٹھا تھا۔

میری باتوں کے مکر و فریب میں الجھ کر وہ جو کچھ کر گزرا تھا، وہ میری توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ ایک شریف دشمن کی طرح میری دلی خواہش تھی کہ آخر تک بے یقینی کے دھڑکوں میں مبتلا رہنے کے بعد حاصل ہونے والی اپنی کامیابی پر میں کھلے دل سے آئزک بیل کا شکریہ ادا کروں کہ اس نے مصالحت اور بیخ کنی کی راہوں پر بیک وقت پیش رفت کرتے ہوئے آخری لمحات پر بہت خوبی سے اپنا وعدہ وفا کیا تھا۔

میں وہاں کھڑا ذرا سی دیر تک سوچتا رہا۔ آئزک بیل میرا ایک زخم خوردہ دشمن تھا۔ مجھ سے مذاکرات کرتے ہوئے بھی وہ میرے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوششیں کرتا رہا تھا۔ اگر میں اس وقت تشکر کے اظہار کے لیے اسے فون کرتا تو وہ اپنے معمول کے مطابق یہ سراغ لگا لیتا کہ میں گیٹ وک کے کسی بوتھ سے بات چیت کر رہا تھا۔ یہ ذرا سا نکتہ میرا سارا کھیل بگاڑ سکتا تھا۔

میں نے اسے بتایا تھا کہ میں چند روز بعد لندن سے امریکا پہنچنے والا ہوں۔ گیٹ وک لندن کا کوئی عام شہری بازار یا علاقہ نہیں تھا۔ وہ صرف اور صرف ایک دور افتادہ فضائی مستقر تھا۔ گیٹ وک کا نام سامنے آتے ہی آئزک بیل سمجھ لیتا کہ میں کسی سفر پر تلا بیٹھا ہوں اور پھر امریکا میں میرے لیے رکاوٹیں پیدا کرنے کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا۔

میں نے نیویارک پہنچنے تک اسے فون کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا مگر اول خان میرے دوستوں میں سے تھا۔ انقرہ کی سرزمین پر ایوب آغا جیسے بے لوث آدمی کی خدمات مہیا کر کے اس نے سلطان شاہ کی آزادی میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا تھا لیکن وہ اس معاملے کی تفصیلات سے بے خبر تھا۔

وہ اس کے دفتری اوقات تھے۔ لندن کا آخری فون کارڈ وہیں ٹھکانے لگانے کے خیال سے میں نے اس کے دفتر کا فون ملایا تو اس کے اسٹینو کی آواز سنائی دی۔

اسے کبھی میرا نام پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے بتایا کہ اول خان سفری دستاویزات کے بغیر سلطان شاہ کی انقرہ سے واپسی کا بندوبست کرنے کے لیے محکمہ داخلہ کے کسی افسر سے ملنے گیا ہوا تھا۔

''میں ہوائی اڈے سے بول رہا ہوں۔ اسے بتا دینا کہ اب میں نیویارک پہنچنے کے بعد فون کروں گا۔'' میں نے اسے پیغام دیا۔

''مگر سر......!'' وہ روانی میں کچھ کہتے کہتے اچانک ہی خاموش ہو گیا۔

''بولو، بولو۔ خاموش کیوں ہو گئے۔ تم سے تو آج کل ویسے ہی بہت کم بات ہوتی ہے۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔ فطرت کے اعتبار سے میں اسے پسند کرتا تھا۔

''آپ سفر پر جا رہے ہیں۔ ایسے میں کوئی بدشگونی اچھی نہیں لگتی۔ کیا اس وقت آپ کا امریکا جانا بہت ضروری ہے؟''

اس نے بھی وہی بات کہی جو ذرا سی دیر پہلے ایوب آغا کہہ چکا تھا۔

''میں وہاں تفریح کے لیے نہیں ایک ناگزیر ضرورت کے تحت جارہا ہوں۔ تم میری کامیابی کے لیے دعا کرتے رہنا۔'' میں تو ہم پرست نہیں ہوں لیکن آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے میرے ذہن میں ایک وسوسے نے سر ابھارا کہ کہیں ان کی زبانیں نقارۂ خدا بن کر مجھے آنے والے برے وقت سے آگاہ تو نہیں کررہیں؟

کارڈ میں بائیس یونٹ باقی تھے۔ میں فون بند کرکے ریستوران کی طرف چل دیا۔

ویرا ناشتے سے فارغ ہوکر بہت فن کارانہ انداز میں سگریٹ نوشی سے محظوظ ہورہی تھی۔ میرے بیٹھتے ہی اس کی زبان چل پڑی۔ ''فون کررہے تھے یا کونوں کھدروں میں تاک جھانک کرتے پھر رہے تھے؟''

''اپنی حرکتیں میرے سر نہ تھوپو۔ راما کا کی بیوی کی ٹوہ میں کون لگا ہوا تھا؟''

''اب اس کا نام نہ لینا۔'' اس نے سگریٹ کا دھواں میرے چہرے پر اگلتے ہوئے سنجیدگی سے کہا ''اس کا نام کسی بھی وقت اخبارات کی شہ سرخیوں کی زینت بن سکتا ہے۔''

''اگر تمہاری نقاہت دور ہوگئی تو لاؤنج کا چکر لگالیں۔ یہاں لدی پھندی دکانیں نظر آرہی ہیں۔''

''دکانیں ہی چھاننی ہیں تو ڈیوٹی فری الکحل شاپ میں چلو۔ وہاں سے کچھ بوتلیں ہی لے لیں گے...... اس سے پہلے یہ بتاؤ کہ تم کس سے بات کرکے آئے ہو؟''

''ایوب آغا...... سلطان شاہ انقرہ کے فوجی اسپتال میں ہے اور اس کی حالت بہت خراب ہے۔''

''وہ جس حال میں بھی ہے، زندہ تو ہے۔'' وہ بے نیازی سے بولی ''وہ لوگ اسے لڈو کھلانے کے لیے نہیں لے گئے تھے۔ اس کے ساتھ جو کچھ نہ ہوتا، کم تھا۔ غنیمت یہ ہے کہ وہ زندہ لوٹ آیا اور ہفتے عشرے میں صحت یاب بھی ہوجائے گا جسے آتزک بیل نہ مار سکا اسے چھوٹے موٹے زخم کیا ماریں گے۔''

بظاہر ویرا کی وہ باتیں سخت اور بے رحمانہ تھیں لیکن حقیقت سے بہت قریب تھیں۔

''پتا نہیں اس حالت میں وہ جہاز پر قبضہ کرکے اپنا کنٹرول برقرار رکھنے میں کیسے کامیاب رہا۔'' میں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ ''اس وقت وہ سفر کے بھی قابل نہیں ہے۔ بخار اور دہشت میں ہذیان بک رہا ہے۔''

''انسان میں زندہ رہنے کی امنگ ہر خوف اور بیماری سے زیادہ طاقت ور ہوتی ہے۔ یہ زندہ ہو تو وہ ہر کارنامہ انجام دے دیتا ہے۔ جب تک اس کی جان کو خطرہ لاحق تھا اس کی یہ حیوانی قوت اس کی ساری کمزوریوں پر غالب رہی، پناہ اور سہارا ملتے ہی وہ بکھر کر اپنی اصل حالت میں آگیا۔''

''یہ اچھا ہے کہ وہ کچھ دن کے لیے کراچی سے دور رہے گا۔ وہاں لوٹتے ہی اسے سازشوں اور جوابی حملوں سے بچاؤ کے لیے جدوجہد میں مصروف رہنا پڑتا۔ اسے آرام مل جائے گا اور کچھ عرصے کے لیے ہم ایک دوسرے سے دور رہیں گے۔''

وہ اپنا پرس سنبھال کر کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور ہم دونوں لاؤنج کی طرف چل دیے۔

لاؤنج بہت وسیع ہونے کے باوجود ملک ملک کے مسافروں اور ہوائی اڈے پر مختلف خدمات انجام دینے والے اداروں کے ملازمین سے بھرا ہوا تھا۔ ہر شخص اپنی دھن میں مگن تھا۔ کچھ لاابالی مسافر مرکزی نشستوں پر براجمان گردوپیش کے تماشوں سے لطف اندوز ہورہے تھے۔

گیٹ وک پر ہمیں ڈیوڈ اسٹارز کے کھوجیوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ سگریٹ اور الکحل والے وسیع اسٹور میں پہنچ گئے جہاں مسافر مردوزن پر اشتیاق انداز میں اپنی اپنی پسند کے برانڈ خرید رہے تھے۔

ویرا کو امریکا کے لیے ان اشیاء کے ڈیوٹی فری الاؤنس زبانی یاد تھے۔ اس نے ہم دونوں کے کسٹم فری کوٹے کے حساب سے خریداری مکمل کی، کیش ٹلر پر بورڈنگ کارڈز دکھا کر رقم کی ادائیگی کی اور باہر آگئی۔ اس

کے ہاتھ میں بیگ موجود تھا، میں نے وہ تھیلی سنبھال لی۔
''تمہیں خالی ہاتھ دیکھ کر عجیب سا لگ رہا ہے۔''
وہ غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی'' لمبے سفر پر جانے والے مسافروں کے ہاتھ میں بریف کیس یا سفری بیگ کی موجودگی فیشن بن چکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہیں سے کوئی اچھا سا بریف کیس یا بیگ خرید لو۔ یہ بوتلیں اس میں سما جائیں گی۔''

اس کی وہ تجویز غلط نہیں تھی۔ اسی فلور پر ایسی ہنگامی ضرورت کی اشیا سے بھری ہوئی ایک دکان موجود تھی۔ وہاں سے بریف کیس خرید کر میں نے سگریٹ کے کارٹن اور بوتلیں اسی میں جما لیں۔

ائر پورٹ کی انتظار گاہ میں بےفکری سے فاضل وقت گزارنے کا وہ تجربہ بہت خوش گوار رہا۔ اپنی مختصر سی خریداری کے بعد میں آرام دہ صوفے پر دراز ہو گیا۔ ویرا ٹہلتی ہوئی آگے نکل گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں اخبار دبا ہوا تھا۔

''یہ کام میں نے جہاز کے لیے چھوڑا ہوا تھا۔ تم دیکھ ہی چکی ہو کہ دوران سفر سونا میرے لیے ناممکن ہوتا ہے۔ ایسے میں اسکاچ یا شیمپئن کا گلاس اور ایک اچھا اخبار بہترین معاون ثابت ہوتا ہے۔''

''جب تک ہم یہاں ہیں، واقعات سے باخبر رہنے کے لیے اخبار ضروری ہیں۔''

''تھوڑی دیر بعد ہم یہاں نہیں ہوں گے۔ اخبار میں اب کیا رکھا ہوگا۔ ابھی تک ہمیں کہیں بھی نہیں روکا گیا۔ امیگریشن والی نے بھی بلا تعرض اخراج کی مہر لگا دی تھی۔''

''بعض اوقات یہ خوش فہمیاں خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔ خبروں پر سرسری نظر ڈال لینے میں حرج ہی کیا ہے۔ ہوٹل کا اخبار تو کھولے بغیر وہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔''

ویرا نے اخبار کا مطالعہ شروع کر دیا اور میں سگریٹ سلگا کر ایک مسافر جوڑے کے دو بچوں کی شرارتوں سے محظوظ ہونے لگا۔ وہ اپنے ماں باپ سے بے پروا چمک دار فرش پر بیٹھے ایک دوسرے کے ساتھ نوک جھوک میں مصروف تھے۔

کچھ دیر بعد ہی پروازوں کی روانگی کے خودکار بورڈ میں تیزی سے تبدیلیاں نمودار ہوئیں۔ وہ سلسلہ ختم ہونے پر حروف اور ہندسے ساکت ہوئے تو آخری سطر میں سے نکل کر ہماری پرواز کا نمبر کافی اوپر جا چکا تھا۔ اس کے آگے سبز بلب جل بجھ رہا تھا اور متعلقہ خانے میں بورڈنگ شروع ہونے کی اطلاع درج تھی۔

ویرا بدستور اخبار چاٹنے میں منہمک تھی لیکن اس وقت تک اس نے کسی خاص خبر کی موجودگی کا انکشاف نہیں کیا تھا۔

''بورڈنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔'' میں نے ویرا کو ٹہوکا دے کر کہا۔ ''کیوں نہ یہاں کے بجائے جہاز میں ہی بیٹھا جائے۔ یہاں سے پوری طرح نکل جانے کا احساس ذرا قوی ہو جائے گا۔''

''کیا تمہارے ذہن میں پھر کوئی فتور سر ابھار رہا ہے؟'' اس نے اخبار چھوڑ کر اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

''فتور کی ابتدا ایوب آغا نے کی تھی۔ اسے تقویت تم نے دی ہے۔'' میں نے کہا۔

اس نے بے پروائی سے اخبار ایک طرف ڈال دیا۔ ''یہ کس فتور کی بات کر رہے ہو؟''

''ایوآغا اور پھر اول خان کے اسٹینو نے مجھے امریکا کے سفر سے گریز کا مشورہ دیا تھا اور ابھی تم خطرناک خوش فہمیوں کا ذکر کر رہی تھیں۔ اخبار اس بارے میں کیا کہتا ہے؟''

''اخبار میں کوئی پرتشویش بات نہیں ہے لیکن تم یہاں بے آرامی محسوس کر رہے ہو تو جہاز ہی میں چلے چلتے ہیں کیونکہ اس......سرزمین سے اب ہمارا وہی آخری رابطہ رہ گیا ہے۔ ایک بار طیارے نے رن وے چھوڑ دیا تو یہاں کے سارے مسائل بھولی ہوئی کہانیوں میں بدل جائیں گے۔''

میں نے جیب سے بورڈنگ کارڈ نکال کر اپنی پرواز کا گیٹ نمبر دیکھا اور پھر ہم دونوں وہاں سے اٹھ

گئے۔

یورپ اور امریکا کے مشرقی ساحلوں کے درمیان طویل ٹرانس اٹلانٹک پروازوں کے لیے چھوٹے طیاروں کا تجارتی استعمال کسی بھی طرح ممکن نہیں ہے۔ کم طاقت والے انجنوں اور ایندھن کی ناکافی گنجائش ہونے کی وجہ سے ایسے جہاز بحراوقیانوس میں بکھرے ہوئے غیر معروف اور چھوٹے جزائر پر بار بار اترے اور وہاں سے مزید ایندھن لیے بغیر امریکا کی سرزمین تک نہیں پہنچ سکتے۔

ہمارے بورڈنگ کارڈز پر جہاز تک رسائی کے لیے جس گیٹ کا نمبر درج تھا وہاں صرف ایک حسین اور مسکراتی ہوئی باوردی خاتون کھڑی تھی۔ اس نے اپنے رنگ وروپ اور قامت وجسامت کو کچھ ایسے قرینے سے سنبھالا ہوا تھا کہ اسے لڑکی سے عورت تک کچھ بھی سمجھا جاسکتا تھا۔ اوپر دروازے پر لگے ہوئے الیکٹرانک بورڈ پر ورجن اطلانتک کی پرواز کی تفصیلات درج تھیں لیکن وہاں کوئی بھیڑ بھاڑ یا قطار نہیں تھی جس سے یہ گمان ہوتا کہ شاید ہم کسی چھوٹے جہاز سے پیرس، ایمسٹرڈم یا فرنیکفرٹ کی مختصر سی پرواز پر جارہے ہوں۔

ہم دونوں کو اپنی طرف پیش قدمی کرتے دیکھ کر اس عورت یا لڑکی کے پتلے پتلے اور گلابی مترنم ہونٹوں پر جمی ہوئی مسکراہٹ دعوت انگیز حد تک گہری ہوگئی۔

"گڈ مارننگ سر!" اس نے میرے ہاتھ سے بورڈنگ کارڈز لیتے ہوئے مترنم انگریزی میں کہا۔ میں نے احتیاطاً دونوں پاسپورٹ بھی ہاتھ میں لیے ہوئے تھے لیکن اس خاتون نے ہمارے پاسپورٹ چھونے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ بورڈنگ کارڈز دیکھتے ہوئے خوش اخلاقی سے بولی "میں ورجن کے مہمانوں کو خوش آمدید کہتی ہوں۔"

انگریزی میں کہا ہوا وہ فقرہ ذومعنی بھی ہوسکتا تھا۔ فوراً ہی ویرا کی رگ ظرافت پھڑک اٹھی اور اس نے قدرے حیرت سے کہا "ورجن؟ تو کیا تم ابھی تک غیر شادی شدہ ہو؟"

خوش اخلاقی اور بے تکلفی کے درمیان ایک نازک سی حد فاصل ہوتی ہے اور روایت پرست انگریز اس کا خیال رکھتے ہیں۔ ویرا کے سوال پر اس خاتون کے چہرے پر ناگواری کا ہلکا سا رنگ آکر گزر گیا۔ اس کی پیشہ ورانہ تربیت اس کی ذاتی پسند اور ناپسند پر غالب آچکی تھی۔ اس نے نرمی اور شائستگی سے کہا۔ "میں نہ صرف شادی شدہ ہوں بلکہ دو بچوں کی ماں ہوں۔ میں اپنے، اپنی ایئرلائن کے مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی کیونکہ یہاں میں اسی کی نمائندگی کرتی ہوں۔"

"اوہ! کاش تم نے یہ وضاحت نہ کی ہوتی۔ خوش شکل اور زندہ دل لوگوں کا مہمان بن کر دل کو عجیب سی راحت ملتی ہے۔ ویسے بھی مہمان، صرف مہمان ہوتا ہے۔ جلد یا بدیر آگے روانہ ہوجاتا ہے اور پھر جس مہمان کے ہاتھ میں بورڈنگ کارڈ ہو، وہ بلائے جان کبھی نہیں بنتا۔" میں نے جلدی سے کہا۔

ویرا کے بونگے سوال کے نتیجے میں اس کے چہرے پر طاری ہونے والی خفت میرے مذاق سے کافور ہوگئی اور وہ شوخی سے بولی "میں ورجن اطلانتک کی زمینی میزبان ہوں۔ دوران پرواز مجھ سے بہتر لڑکیاں تم دونوں کی دیکھ بھال کریں گی۔ میری میزبانی کے شوق میں تم امریکا جانے کے بجائے یہیں رک کے رہ جاؤ گے۔"

اس نے بورڈنگ کارڈز کا ایک حصہ پھاڑ کر بقیہ کارڈز ہماری طرف بڑھا دیے "میں تمہارے محفوظ اور خوش گوار سفر کی متمنی ہوں۔"

وہ اس کا الوداعی فقرہ تھا جسے مکمل کرتے ہی وہ میرے شانوں کے پیچھے دیکھنے لگی۔ شاید اس پرواز کے کچھ اور مسافر گیٹ کی طرف آرہے تھے۔

ہم دونوں گیٹ سے گزر کر اس بند اور چوکور ٹیلی اسکوپک گینگ وے میں داخل ہوگئے جو لاؤنج کو براہ راست جہاز سے ملا رہا تھا۔

"اچھے اداروں میں پبلک ڈیلنگ کے شعبوں میں کام کرنے والی عورتیں خود کو ہمیشہ اس طرح سنبھال کر رکھتی ہیں کہ کئی کئی بچوں کی ماں ہوکر بھی دور سے لڑکیاں معلوم ہوتی ہیں۔" اس خم دار راستے میں کچھ دور بڑھ آنے کے بعد ویرا بولے بغیر نہ رہ سکی۔

اس کی بقراطیت پر میں چڑ گیا" یہ ان کی اوران کے آجروں کی مجبوری ہوتی ہے۔ یہ نہ ہو تب بھی انہیں پبلک ڈیلنگ سے ہٹا کر کسی ایسے کونے کھدرے میں لگا دیا جاتا ہے جہاں وہ فائلوں اور کاغذوں کے انبار میں دفن ہوتی چلی جاتی ہیں لیکن یہ مان لو کہ تم نے اس کی دل آزاری کی تھی۔ قریب سے اور غور سے دیکھنے پر ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ خاصی پختہ عمر کی عورت ہے۔"

"میں نے اسے اسی حقیقت کا احساس دلایا تھا ورنہ وہ کسی دل پھینک لڑکی جیسی حرکتیں کر رہی تھی اور مجھے زہر لگ رہی تھی۔"

"یہ تم بھی جانتی ہو کہ عورت کو اس کی صحیح عمر کا احساس دلانا گالی سے کم نہیں ہوتا۔"

"تم اس طرح اس کی وکالت کر رہے ہو جیسے اس سے تمہاری پرانی آشنائی رہی ہو۔"

"سچ بولنے کے لیے کسی تعلق یا آشنائی کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔"

"میں نے کب جھوٹ بولا؟ یہ تو تم کہہ رہے ہو کہ عورت کو اس کی صحیح عمر کا احساس دلانا گالی سے کم نہیں ہوتا...... بلاوجہ مجھے جھوٹ بولنے اور منافقت سے کام لینے کی ترغیب دے رہے ہو۔"

"تمہارا خالی پیٹ بھر چکا ہے اس لیے اب تمہاری کھوپڑی چل پڑی ہے۔ تمہارے منہ لگنا بے کار ہے لیکن اتنا سمجھ لو کہ لوگوں سے اس طرح الجھ کر تم پرواز پر خود کو غیر ضروری طور پر نمایاں کر لو گی۔"

"پرواز شروع ہو گی تو دیکھا جائے گا۔" اس نے بے پروائی سے کہا "اس وقت ہم زمین پر ہیں۔ زمین کی اور زمین والیوں کی بات کرو۔"

"وہ دو بچوں کی ماں ہو کر بھی تم سے دو چار برس چھوٹی نظر آ رہی تھی۔" میں نے اسے چڑایا۔

"ضرور آ رہی ہو گی۔ یہاں بے توقیر گھرانوں کی اوباش اور خودسر لڑکیاں چودہ پندرہ برس کی عمر میں بھی اتنے بچے پیدا کر لیتی ہیں۔ بچوں کی تعداد کو عمر کا معیار نہیں بنایا جا سکتا۔ تمہاری وہ ڈارلنگ چہرے سے چڑیل نظر آ رہی تھی۔ تم بلاوجہ اسے حور قرار دینے پر تلے ہوئے ہو۔"

اس نے بات کو ایک بالکل نیا رنگ دے دیا تھا۔

بحث کے معاملے میں اس نے انتہائی جناتی دماغ پایا تھا۔ کسی بات پر اٹک جاتی تھی تو ہر لفظ کو توڑ مروڑ کر اپنی مرضی کا مفہوم پیدا کر لیتی تھی اور مخاطب کو زچ کر دیتی تھی۔ بحث میں ہار ماننا اس کی سرشت میں ہی نہیں تھا۔

میں نے خاموشی اختیار کر لی۔

گینگ وے کے آخری سرے سے جڑے ہوئے جہاز کے دروازے پر بھی ایک ائر ہوسٹس اپنے مرد ساتھی کے ہمراہ مسافروں کے استقبال کے لیے تیار تھی۔

مسکراہٹوں کے تبادلے اور نشستوں کے بارے میں رسمی رہنمائی حاصل کرنے کے بعد میں آگے بڑھا تو کچن میں لندن بلکہ برطانیہ کے متعدد اخبارات اور رسائل سے سجی ہوئی ٹرالیاں نظر آئیں۔ مجھے اس طرف متوجہ پاتے ہی لڑکی نے میری حوصلہ افزائی کی اور میں نے دو اخبار اٹھا لیے۔

دوسرا اخبار اٹھاتے ہی میری نگاہ سن پر پڑی جو پہلے اخبار کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس کی سرخی سنسنی خیز اور دلچسپ تھی۔ میں نے ایک اخبار چھوڑ کر سن اٹھا لیا۔

راہداری کی طرف مڑتے ہوئے میری اور ویرا کی نظریں چار ہوئیں تو اس کی آنکھیں کسی انجانی مسرت سے دمک رہی تھیں۔ شاید اس نے بھی سن کی شہ سرخی دیکھ لی تھی۔

مجھے حیرت ہوئی کہ سن نے لندن کی جس خبر کو اپنی سرخی کی زینت بنایا تھا، اس سے شہر کے دوسرے اخبارات کیوں محروم رہے تھے۔ ویرا نے ایئر پورٹ کے بک اسٹال سے جو اخبار خریدا تھا اس میں مذکورہ خبر کے بارے میں کوئی موہوم ترین اشارہ تک نہیں تھا۔

اس وقت پرواز کا اعلان ہوئے چند منٹ ہی گزرے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہم دونوں جہاز میں قدم رکھنے والے پہلے مسافر نہیں تھے۔ ہم سے پہلے کئی اور محتاط مسافر جہاز میں قدم رنجہ فرما چکے تھے اور اس وقت وسیع وعریض کیبن میں ادھر ادھر بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

جہاز کے سفر میں درمیانی نشستیں کبھی بھی میری

پسندیدہ نہیں رہیں۔ کھڑکی کے ساتھ والی نشست میری پہلی ترجیح ہوتی ہے کیونکہ وہاں زیادہ سے زیادہ ایک اجنبی سے مفاہمت کی مجبوری درپیش ہوتی ہے۔ ہم نے مقررہ وقت پر بلکہ روایتی مفہوم میں قبل از وقت بورڈنگ کاؤنٹر سے رجوع کیا تھا۔ ہمیں اپنی پسند کی نشستیں کسی حیل وحجت کے بغیر مل گئی تھیں۔

ویرا مجھ سے پہلے، کھڑکی سے ملی ہوئی نشست پر براجمان ہوگئی۔ میں راہداری والے سرے پر بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھتے بیٹھتے ویرا نے میرے ہاتھ سے سن چھین لیا۔

''سرخ بی ایم ڈبلیو میں خون آلود لاش۔'' چند موٹے موٹے الفاظ پر مشتمل سن کی وہ سرخی دوسری تمام ذیلی خبروں کو نگل گئی تھی۔ بظاہر وہ اسی خبر کا ضمیمہ معلوم ہورہا تھا۔

''کمال ہے...... دوسرے اخباروں میں اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

''خبر دیر سے ملی ہوگی۔'' اس نے اخبار کی لوح پر ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا ''یہ سن کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ صبح کی پہلی اشاعت میں سن بھی اس خبر سے محروم رہا ہوگا۔''

''آواز دھیمی رکھو!'' میں نے اس کا بازو دبا کر اضطراری لہجے میں کہا ''اس خبر میں ہماری غیر معمولی دلچسپی خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔''

وہ تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھ کر مسکرائی پھر بولی ''فکر مت کرو۔ اس وقت پورا جہاز خالی ہے اور پھر ہم اردو میں باتیں کررہے ہیں۔ کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا۔ ہم کسی خطرے کے بغیر جہاز میں آگئے ہیں تو ذرا سی دیر میں یہاں سے پرواز بھی کر جائیں گے۔''

بے اختیار میرا ہاتھ اپنی جیب میں رینگ گیا مگر پھر سگریٹ کا پیکٹ ٹٹول کر خالی ہی لوٹ آیا۔ سگریٹ پینے کی شدید طلب کے باوجود میں بے بس تھا کیونکہ رکے ہوئے طیارے میں تمباکو نوشی پر سخت پابندی ہوتی ہے۔

چند ثانیوں بعد ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر سن میری گود میں ڈال دیا اور تفکر آمیز لہجے میں بولی ''یہ بالکل ابتدائی خبر ہے لاش کے لباس میں سے برآمد ہونے والے شناختی کاغذات سے اس کے اصل نام کا سراغ ملا ہے اور خبر میں اسی حوالے سے سنسنی پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔''

اس کا تبصرہ جاری رہا مگر میں اسے بھول کر خبر پڑھنے میں منہمک رہا۔

لاش کا سراغ لگانے کا سہرا لندن پولیس کے ایک تربیت یافتہ کتے کے سر تھا جسے ساتھ لے کر ایک سپاہی شہر کی متعدد پارکنگ لاٹس کا گشت کرنے کے بعد یوسٹن اسٹیشن پہنچا تھا۔ رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر شہر کی پارکنگ لاٹس میں کی جانے والی مجرمانہ کارروائیوں کا سراغ لگانے کے لیے وہ گشت لندن پولیس کے روزمرہ معمولات میں شامل تھا۔

ٹیری نامی کتا یوسٹن پر کار سے اترتے ہی بے چین ہوگیا اور مخصوص غراہٹوں کے ساتھ ایک طرف جانے کے لیے زور لگانے لگا۔ اس کی معیت میں سپاہی سرخ بی ایم ڈبلیو تک پہنچا تو کتے نے ڈکی کو سونگھ سونگھ کر اتنی اونچی آواز میں بھونکنا شروع کردیا کہ اسے قابو رکھنا دشوار ہوگیا۔

وائرلیس پر قریبی گشتی گاڑی کو موقع پر طلب کرکے بی ایم ڈبلیو کو نگرانی میں لے لیا گیا۔ گاڑی کے مالک کا سراغ لگانے کے لیے اسٹیشن کے پیجنگ سسٹم پر بار بار اعلانات نشر کرائے گئے۔ جب کوئی سراغ نہ ملا تو ایک مجسٹریٹ اور چند معزز شہریوں کی موجودگی میں مقامی رجسٹریشن نمبر والی اس بی ایم ڈبلیو کی ڈکی کھولی گئی جس میں ایک صحت مند اطالوی نوجوان کی مڑی تڑی لاش موجود تھی۔

لاش کی کنپٹی پر کسی شدید اور خون آلود ضرب کا نشان موجود تھا اور دل میں مڑی ہوئی پتلی اور دہری دھار کا ایک چاقو پیوست تھا۔

کاغذات کی بنا پر معلوم ہوگیا تھا کہ اس کا نام راما کا روزینی ہے۔ اخبارات کے کرائم رپورٹروں کے لیے وہ نیا نام نہیں تھا۔ مافیا کے ڈان روزینی کا بیٹا اپنے باپ کے نقش قدم پر چل رہا تھا اور آئے دن لڑائی جھگڑے کی خبروں میں جگہ پاتا رہتا تھا۔

لندن کی سرزمین پر سسلی کے ایک خودسر اور طاقتور ڈان کے بیٹے کا سفاکانہ قتل ہر شخص کے لیے ایک بھیانک

سوالیہ نشان بن کر سامنے آیا تھا۔
سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ راما کا کیوں مارا گیا تھا؟
اس کے قاتل کون تھے؟
گیتا اور جیمز پنڈت کے خون کی سرخی دھندلا نے بھی نہ پائی تھی کہ راما کا کی لاش سامنے آ گئی تھی۔ خبر اور اخباری تبصرے کے آخر میں سن نے اپنے قارئین کو سسپنس اور بے یقینی میں مبتلا کرنے کے لیے ایسی سطریں جمائی تھیں جو لرزہ خیز تھیں۔
"کیا سسلی کی مافیا اپنے ڈان کے بیٹے کے قتل پر خاموش رہے گی؟"
"ایسا تو نہیں کہ لندن کی پرسکون فضاؤں میں زبردست کشت وخون کی دھند منڈلا رہی ہو!"
میں نے اخبار موڑ کر اگلی نشست کے پشت گاہ سے لگے ہوئے تھیلے میں ڈال دیا۔
"اچھا ہوا کہ چلتے چلتے یہ خبر بھی سامنے آ گئی۔ اس خبر کا امریکی اخبارات میں جگہ پانا ممکن نہیں تھا۔" مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر ویرا نے دھیمی اور پرسکون آواز میں کہا۔
"یہ کوئی عام قتل نہیں تھا۔ مافیا کے بڑوں کو چھینک بھی آ جائے تو یہ عالمی خبر بن جاتی ہے۔ یہ ضرور ہوا کہ وہ کئی دن تک بند ڈکی میں سڑنے سے بچ گیا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔
وہ ہنس پڑی" آج کل یہاں کا موسم اچھا ہے۔ مرنے والے کئی دنوں تک اپنی تازگی برقرار رکھ سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کی بیوی نے یہ خبر سکون بلکہ خوشی سے پڑھی ہوگی۔"
"وہ اپنے شوہر کی انگریزی سے نابلد معلوم ہوتی ہے۔ اسے انگریزی کی ذرا بھی شد بد ہوتی تو میں تمہارا بدلہ لینے کے لیے اس دانہ ڈالنے کی کوشش ضرور کرتا۔"
ویرا مجھے گھورنے لگی" بدلے کا نام نہ لو۔ میں تمہاری ان حرکتوں سے خوب واقف ہوں، جہاں کسی خوب صورت عورت کو دیکھتے ہو، پھسل جاتے ہو۔ بس میرے سامنے تمہاری انا بلند ہونے لگتی ہے ورنہ ہر حسین وجمیل لڑکی کے سامنے تم ناک رگڑنے پر بھی آمادہ رہتے ہو۔"
"فضول الزام تراشی مت کرو۔" میں نے بگڑ کر کہا" میں کبھی بھی عورتوں کا ایسا رسیا نہیں رہا۔ یہ تمہارے اپنے دل کا چور ہے جو تمہیں میرے بارے میں خرافات بکنے پر مجبور کرتا رہتا ہے۔"
"بس، نازنینوں کے سامنے ناک رگڑنے کا ذکر سنتے ہی تنگ گئے!" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی" اور پھر جمال پرستی کا دعویٰ کرتے ہو...... ذرا اپنی اردو شاعری پڑھو۔ حسینوں کی گالیاں اور جوتیاں کھا کے بھی شاعر خوش بلکہ نازاں نظر آتے ہیں۔ تمہارے کوئی مشہور شاعر تو ایک مہ جبین کے چوکیدار سے ہی پٹ کر خوش ہوتے پھرتے تھے کہ اس نے نہ سہی، اس کے چوکیدار نے ان کو مار دھاڑ کے اعزاز سے نوازا تھا۔"
"تم نے ناشتے میں زیادہ مرغ خوری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اب معدے کی زہریلی گیسیں تمہارے کمزور ذہن پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔ اردو شاعری میں کہیں بھی راہ چلتی عورتوں کا ذکر نہیں ہے۔ شاعروں نے جو کچھ کہا ہے، اپنے محبوب کے حوالے سے کہا......"
"ہاں...... آں ٹھیک ہے۔" ویرا نے میری بات کاٹ دی" جوتی محبوب کے ہاتھ میں ہو تو چمڑے کے بجائے مخمل کی بن جاتی ہے، اس کے چوکیدار کا ڈنڈا چھوئی موئی کی لچک دار شاخ کا روپ دھار لیتا ہے۔ یہ اسرار ورموز تو بس تم اور تمہارے شاعر ہی جانتے ہیں۔ مجھ جیسی عملی عورت خواب وخیال کی ان دیوانگیوں کو کہاں سمجھ سکتی ہے۔ یہ غنیمت ہوا کہ ہم لندن سے روانہ ہو رہے ہیں۔ یہاں رکے رہتے تو میں تمہیں راما کا روزینی کی بیوہ کی چوکھٹ پر پیشانی رگڑنے سے کہاں تک روک سکتی تھی۔"
"اب اپنی زبان کو لگام دو۔" میں نے خشک لہجے میں اسے لتاڑا" جہاز میں مسافروں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ لوگ اردو سمجھیں یا نہ سمجھیں، تمہاری زبان سے مرنے والے کا نام سن کر کوئی نہ کوئی چونک سکتا ہے۔ سیر و تفریح کے لیے آئے ہوئے لوگ ایسے مقامی جرائم میں اتنی دلچسپی نہیں لیتے کہ فضائی سفر کے دوران میں ان ہی پر مغز زنی کرتے رہیں۔"
"تمہارا مشورہ مناسب ہے۔" ویرا نے چڑانے والے انداز میں کہا" اس کے لیے مرنے والے کے الفاظ

ہی مناسب ہیں۔ اب تم میری زبان سے اس کا نام نہیں سنو گے۔"

"نام ہی نہیں، تم اس کا ذکر بھی نہیں کرو گی۔" میں نے بھنا کر کہا۔

"خوب زبردستی ہے؟ خود اس کی بیوہ کو دانہ ڈالنے کے ارادے باندھ رہے ہو اور مجھے زبان تک کھولنے کی آزادی نہیں دے رہے۔ یاد رکھو یہ سراسر ظلم ہے اور ظلم حد سے بڑھنے لگتا ہے تو مٹ جاتا ہے۔"

وہ واضح طور پر میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہی تھی "جہنم میں جاؤ۔" یہ کہہ کر میں نے دوبارہ اخبار اٹھالیا۔ اس وقت مجھے ویرا پر باقاعدہ تاؤ آنے لگا تھا۔

"یہ ناممکن ہے۔ میں اکیلی جہنم میں نہیں جاسکتی۔" ویرا نے فوراً ہی احتجاج کر ڈالا۔

"پھر جسے چاہو، اپنے ساتھ لے جاؤ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"مرنے والا خوشی سے میرے ساتھ جہنم میں جاسکتا تھا مگر وہ پہلے ہی وہاں پہنچا ہوا ہے۔ اب لے دے کر تم ہی رہ جاتے ہو۔" اس وقت ویرا پر بولتے رہنے کا دورہ پڑا ہوا تھا۔

چند ثانیوں تک وہ میرے جواب کی منتظر رہی۔ مجھے خاموش پا کر اس کی زبان دوبارہ چل پڑی "اس وقت ہم دونوں ایک کشتی بلکہ ایک جہاز کے سوار ہیں۔ دونوں کی منزل بھی ایک ہی ہوگی۔ یہ پرواز صحیح سلامت نیوجرسی کے ائر پورٹ پر اتر گئی تو نیویارک اور راستے میں طیارہ پھٹ کر گر پڑا تو دونوں براہ راست جہنم میں جائیں گے۔ میں اکیلی کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"خدا کا خوف کرو۔ ایسی بدشگونی کی باتیں نہ کرو۔ یہ نہ بھولو کہ تمہاری کالی زبان کئی سو مسافروں کی جان لے سکتی ہے۔" میں نے ہلکی سی پھریری لے کر کہا۔

وہ ہنس پڑی اور مجھے زبان دکھا کر بولی "میری زبان کالی نہیں، گلابی ہے۔ اگر اس وقت تم اس قدر توہم پرستی میں مبتلا ہو چکے ہو تو میری بددعا ہے کہ یہ جہاز بحر اوقیانوس پار کرتے ہوئے برمودا ٹرائی اینگل کے طلسم میں گھر کر نیست و نابود ہو جائے......"

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات اٹھارہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو ساتھ ہی شائع ہو رہا ہے۔

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

حصہ 18

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خون نوشت اس نے منشیات کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر، ملک ملک، اور براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لئے خاک اڑانا اس نوجوان کا شغل ہو گیا مگر موت کے سوداگر بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا تعمیری سلسلہ۔ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں

”اب خاموش رہو۔ مجھے اشتعال مت دلاؤ ورنہ ناشابن جائے گا۔“

”مجھے جو کچھ کہنا تھا، وہ کہہ ڈالا۔ تم دیکھ لینا کہ میری ں پرخلوص دعا کے باوجود کچھ بھی نہیں ہوگا اور ہم خیریت ے نیویارک پہنچ جائیں گے۔ اس محفوظ سفر کا سبب یہ ہوگا لہ میری زبان کالی نہیں، لال گلابی ہے۔ اس کی بد عائیں نہیں، صرف دعائیں قبول ہوتی ہیں۔“

احتیاط کے تقاضے کے پیش نظر میں خاموش رہا۔ ہری کسی بھی بات میں سے بات نکال کر وہ کسی نئی بحث کا غاز کرسکتی تھی۔ بہتری اسی میں تھی کہ میں اپنی زبان بند ھوں۔

”عورت اگر میرے جیسی ہو تو زندگی ایک حسین اب ثابت ہوتی ہے۔ مرد کو مقتول کی بیوہ جیسی کمینی رت ٹکرا جائے تو ساری عمر ایک دردناک عذاب میں زرتی ہے......“

اس کی بڑبڑاہٹ پر میں بولے بغیر نہ رہ سکا ”یہ سب کس کو سنا رہی ہو؟“

”کسی کو بھی نہیں۔ اونچی آواز میں سوچ کر اپنا دل خوش کر رہی ہوں۔“

”کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں یہاں سے کہیں اور جا کر بیٹھ جاؤں؟“

”ایسی غلطی نہ کرنا۔“ وہ جلدی سے بولی ”جہاز کا عملہ پورے حسن اخلاق سے تمہیں واپس اسی جگہ پہنچا دے گا۔ طیارہ فضا میں بلند ہونے تک مسافروں کو ایسی ادل بدل کی اجازت نہیں ہوتی۔ بعض مسافر آخری وقت پر ہانپتے کانپتے جہاز میں پہنچتے ہیں اور اپنی جگہ کسی اور کو براجمان پا کر چراغ پا ہو جاتے ہیں۔“

اس وقت غصہ دکھا کر ویرا سے جیتنا ناممکن نظر آ رہا تھا۔ میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی جگہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر سکون رہا پھر ویرا کی دھیمی دھیمی آواز پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے کانوں میں اترنے لگی۔ اس بار بھی اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

”ایک طرف کوئی اس کے شوہر کی کنپٹی پر طمنچہ مار کر

اسے بے ہوش کر رہا تھا اور وہ اپنے آشنا کی بانہوں میں مدہوش ہوئی جا رہی تھی۔ خوب رو مگر صورت حرام عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ اجنبی سب کچھ جانتے ہوئے بھی ان کو دانہ ڈالنے کے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ یہ بھول جاتے ہیں کہ گیلی دلدل میں بویا جانے والا ہر بیج آخر گل سڑ کر برباد ہو جاتا ہے......"

چند ثانیوں تک میں وہ سب سنتا رہا پھر اپنی..... قوتِ ارادی کے سہارے میں نے اپنی پوری توجہ اخبار کے اس صفحے پر مرکوز کر دی جس پر برطانیہ کے شاہی خاندان کی عورتوں کی بے وفائیوں پر ایک مضمون موجود تھا۔ ویرا کے ہونٹ دھیرے دھیرے ہل رہے تھے مگر میں اس کی آواز نہیں سن رہا تھا۔

میں وہ دلچسپ، رنگین اور سنسنی خیز مضمون پڑھ کر فارغ ہوا تو ویرا اپنی بے نتیجہ خود کلامی سے اکتا کر خاموش ہو چکی تھی۔

میں اسے سن کے مضمون کے کچھ منتخب اقتباسات سنانے لگا تا کہ اس کا موڈ بدل سکے۔

آج شہزادی ڈیانا مکافاتِ عمل سے دوچار ہو کر اس دنیا سے بہت دور جا چکی ہے لیکن اس کی پر اسرار اور حادثاتی موت سے برسوں پہلے ویرانے ورجن اطلانتک کے اس جہاز میں بیٹھے بیٹھے فی البدیہہ کچھ ایسی باتیں کہہ دی تھیں جو آج بھی اٹل محسوس ہوتی ہیں۔

اس کا خیال تھا کہ شہزادی ڈیانا نے شہزادہ چارلس کی بے وفائیوں اور بے اعتنائیوں کا انتقام لینے کے لیے شاہی خاندان اور روایات سے بغاوت کر کے عام مردوں سے پینگیں بڑھانے کا جو طور طریقہ اپنایا ہے، وہ اسے مقبولیت کی انتہا پر پہنچا دے گا۔ وہ ہر مرد کے خوابوں کی شہزادی بن جائے گی۔ لوگ یہ سوچنے لگیں گے کہ کسی دن وہ اچانک ان کا ہاتھ تھام کر انہیں بھی کسی فائیو اسٹار ہوٹل کی رومان پرور خوابگاہوں میں لے جائے گی۔ سب کچھ بھی رہا ہو، وقت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ تاریخ عالم کی مقبول ترین بے راہ رو شہزادی تھی۔

سگریٹ پینے کی خواہش میرے دل میں رفتہ رفتہ اتنا زور پکڑ گئی کہ جہاز مجھے ایک قید خانہ محسوس ہونے لگا۔ لاؤنج کی آزاد فضا کے مقابلے میں ویرا بھی وہاں زیادہ خوش نہیں تھی۔

خدا خدا کر کے بورڈنگ مکمل ہوئی۔ وقت پورا ہوتے ہی گینگ وے دروازے سے ہٹا لیا گیا۔ میں نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے دروازہ بند اور پھر لاک ہوتے دیکھا۔ کیبن کے پرسکون ماحول میں تھوڑی سی ہلچل پیدا ہوئی۔ راہداریوں میں باوردی عملے کے اراکین متحرک نظر آنے لگے۔ پیجنگ سسٹم پر پرواز اور تحفظ کے بارے میں روایتی اور رسمی اعلانات ہونے لگے۔

یک بیک میری نگاہوں میں چار چہرے مجسم ہو گئے جو سب بے جان اور بگڑے ہوئے تھے۔

ہم دونوں اس سرزمین پر خاصے کشت و خون میں ملوث رہے تھے۔ گیتا ہمارے ہاتھوں قتل نہیں ہوئی مگر وہ ہماری ہی وجہ سے جیمز پنڈت کی گولی کا نشانہ بنی تھی۔

جیمز پنڈت، رمیش اگروال اور راما کارونزینی براہِ راست ہمارے مقتول تھے۔ لندن پولیس اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ، پوری سرگرمی سے ان کے قاتلوں کو تلاش کر رہی تھی اور ہم دونوں اطمینان سے اس طیارے میں سوار تھے۔

طیارہ رن وے پر حرکت میں آ چکا تھا۔ سرے پر پہنچ کر وہ تیزی سے رفتار پکڑتا اور پھر اس کے پہیے پل بھر میں اس زمین سے اپنا رابطہ منقطع کر لیتے جہاں کا قانون ہمارا متلاشی تھا۔

بظاہر ہم دونوں کی سلامتی کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہم نے اپنے مخالفوں کو بہت کامیابی کے ساتھ جل دے کر اس سفر کی راہ ہموار کی تھی مگر میں پھر بھی اپنے وجود میں سنسنی اور بے نام سے خوف کی لہریں سرایت کرتی محسوس کر رہا تھا۔

رن وے کے آخری سرے پر کنٹرول ٹاور سے اجازت ملنے کے انتظار میں طیارہ ذرا سی دیر کے لیے رکا رہا پھر ایک لطیف جھٹکے کے ساتھ پوری قوت سے آگے دوڑ پڑا۔ میری کمر پوری طرح پشت گاہ سے ٹک گئی۔

زمین پر دوڑتے ہوئے مشینی عفریت کی رفتار لمحہ بہ لمحہ بڑھتی رہی پھر اچانک اس کا اگلا حصہ اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا گیا۔ ویرا پر جوش انداز میں میرا ہاتھ دبانے لگی۔

اس وقت لندن کی فضاؤں سے گہرے سرمئی بادل اتنے نیچے آئے ہوئے تھے کہ زمین چھوڑنے کے چند سیکنڈ بعد ہی ہمارا طیارہ ان ہلکی بھاری بدلیوں میں سے گزرنے لگا۔

وہ کیفیت ذرا سی دیر قائم رہی۔ ٹن کی آواز کے ساتھ تمباکونوشی کی ممانعت کے روشن حروف یکلخت معدوم ہو گئے ممنوعہ۔۔۔۔ نشستوں کے سوا جہاز کے بیشتر حصوں میں متعدد مسافروں نے سگریٹیں سلگانی شروع کردیں۔ میری جاپانی ہوئی سگریٹ ویرا نے اچک لی اور میں پیکٹ میں سے نئی سگریٹ کا انتخاب کرنے لگا۔

کچھ دیر تک جہاز غیر محسوس انداز میں اپنی مطلوبہ بلندی کی طرف اٹھتا رہا۔ بڑھتی ہوئی اس بلندی کا اندازہ زمین کے مناظر سے ہو رہا تھا جو بادلوں کی رکاوٹ کے بغیر نظر آرہے تھے۔

یورپ کی ان سرحدی فضاؤں میں تسلسل نہیں تھا۔ ذرا ذرا سی دیر کے بعد بہت نیچے منڈلاتے ہوئے بادل سب کچھ اپنی اوٹ میں چھپا لیتے تھے۔

جہاز کا رخ سیدھا ہوتے ہی جہاز کا عملہ مشروبات لے ساتھ مسافروں کے خدمت میں مصروف ہوگیا۔ میں نے اپنے ہم سفروں کا جائزہ لینے کے لیے نشست چھوڑی اور پچھلے باتھ روم کی طرف ہولیا۔

پورے کیبن میں اِکّا دُکّا نشستیں ہی خالی تھیں۔ لندن کے ہتھ رو اور گیٹ وک ائیر پورٹ سے نیو یارک کے لیے ان دنوں یومیہ پروازوں کی تعداد شاید دس سے بھی متجاوز تھی۔ اس پرواز پر مسافروں کی تعداد دیکھ کر یہ گمان ہو رہا تھا جیسے روئے زمین کا ہر شخص اپنی جنت گم گشتہ کی تلاش میں امریکا کی طرف دوڑا چلا جا رہا ہو۔

ان مسافروں میں اکثریت سفید فاموں کی تھی۔ ان کا تعلق یورپ کی مختلف نسلوں سے تھا۔ کچھ مسافر عرب اور ایشیائی بھی تھے۔ تنگ راہ داری سے گزرتے ہوئے میں نے ایک ایشیائی نوجوان کو دیکھا۔ وہ اپنے خدوخال سے پاکستانی معلوم ہو رہا تھا اور ہاتھ میں موٹی سی ایک کتاب لیے اس کے مطالعے میں مصروف تھا۔

شاید اس کی چھٹی حس نے احساس دلایا کہ کوئی رک کر اس کی طرف متوجہ ہے۔ اس نے جلدی سے کتاب بند کردی اور مسکرا کر میری طرف دیکھنے لگا۔

اس وقت میں نے دیکھا کہ کتاب کا نام ''یو ایس اے۔ ایک اجمالی تعارف'' تھا ''ہیلو کیا تم پاکستانی ہو؟'' میں نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ اس سے پوچھا۔

''جی مجھے خرم سلطان کہتے ہیں۔'' اپنا تعارف کراتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا دیا۔

''میں اسلم خان ہوں۔'' میں نے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے بتایا۔

''کیا آپ امریکا میں ہی رہتے ہیں؟'' میری خود اعتمادی دیکھ کر اس نے سوال کیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بار امریکا جا رہے ہو؟'' میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

''جی پڑھنے کے لیے جا رہا ہوں۔ پہلی بار ملک سے باہر نکلا ہوں۔''

''تمہاری منزل نیو یارک ہی ہے یا آگے جاؤ گے؟'' میں بلاوجہ وہاں رکا رہا۔

''مجھے فلاریڈا میں داخلہ ملا ہے۔ سب بندوبست ہو چکا ہے مگر وہاں میرا کوئی شناسا نہیں ہوگا۔''

''فکر مت کرو۔ وہاں تمہیں بہت سے دوست مل جائیں گے۔ امریکی قوم دوست بنانے اور پھر بھول جانے کے فن میں بہت ماہر ہے۔ بس یہاں کے لفنگوں سے ذرا ہوشیار رہنا۔''

میں اس کے کندھے پر تھپکی دے کر آگے نکل گیا۔ دروازے کے قریب رک کر میں نے اپنی سگریٹ ختم کی اور پھر ایک خالی باتھ روم میں گھس گیا۔

میں واپس اپنی سیٹ پر آیا تو ویرا ہم دونوں کے لیے اسکاچ لے چکی تھی۔

وہ لندن سے نیو یارک کی نان اسٹاپ پرواز تھی جسے مختصر سا ساحلی علاقہ عبور کر کے مسلسل کھلے سمندر پر اڑنا تھا۔ سفر کے طویل دورانیے کے ساتھ ایک نقصان یہ تھا کہ ہم مشرق سے مغرب کی طرف جا رہے تھے اور یوں ہمارے اس دن میں چار گھنٹوں کا اضافہ ہو جانا تھا۔

یہ تیز رفتار طیاروں سے طویل سفر کے وہ رموز تھے جو

بیشتر تجربہ کار مسافروں کے علم میں تھے۔ انہوں نے آرام
کے لیے اپنی کھڑکیوں کے بلائنڈز گرا کر روشنیاں کم کر دی
تھیں تاکہ ہلکی سی نیند لے سکیں مگر ویرا نے ایسے کسی اہتمام
کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے مے نوشی میں مصروف
تھے کہ غیر متوقع طور پر خرم سلطان وہیں آ پہنچا۔ میرے
ساتھ ویرا کو دیکھ کر وہ جھجکا مگر میں نے اس کی حوصلہ افزائی
کرتے ہوئے کہا ''آؤ اگر کچھ دیر کے لیے یہاں بیٹھنا
چاہتے ہو تو روزی تمہاری سیٹ پر چلی جائے گی۔''

''میں دراصل آپ سے کچھ مشورہ کرنا چاہ رہا تھا۔''
اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

ویرا نے میرے اشارے کا انتظار کیے بغیر اپنی جگہ
چھوڑ دی اور باہر نکل آئی۔

خرم سلطان نے سر کو خم دے کر انگریزی میں ویرا کا
شکریہ ادا کیا اور اسے اپنا سیٹ نمبر بتا دیا۔ ویرا خفیف سی
مسکراہٹ کے ساتھ عقبی نشستوں کی طرف چل دی۔

خرم سلطان میرے پاس بیٹھ گیا مگر اس کے چہرے
سے تذبذب اور بے یقینی کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ ہمت کر کے
میرے پاس چلا تو آیا تھا لیکن سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ بات کس
طرح شروع کرے۔

میں نے بھانپ لیا کہ وہ کسی پیچیدہ مسئلے سے دوچار
تھا۔ رسمی فقروں کی ناکامی کے بعد میں نے کھل کر اس سے
کہا ''اگر تم کسی گمبھیر مسئلے سے دوچار ہو تو مجھ پر پورا بھروسا
کرو۔ میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ اسی
تذبذب میں تم نیویارک پہنچ گئے تو کچھ بھی نہیں ہو سکے
گا۔''

''وہ...... دراصل میں ایک پیکٹ کی طرف سے
پریشان ہوں...... پاکستان میں مجھے اس پر شبہ تک نہیں ہوا
تھا لیکن ملک سے فاصلہ بڑھنے کے ساتھ ساتھ میرے
ذہن میں وسوسے سر ابھار رہے ہیں۔ اگر میرا شک
درست نکلا تو میں برباد ہو چکا ہوں۔''

''سفید شکر کا چکر تو نہیں ہے؟'' میں نے ہیروئن کا
نام لیے بغیر پوچھا۔

''شاید وہی ہو۔ میرے والد صاحب کے ایک
دوست نے وہ پیکٹ دیا تھا۔ مجھے کچھ پتا نہیں کہ اس میں
کیا ہے۔ نیویارک میں ایک شخص مجھ سے وہ پیکٹ لے
لے گا۔'' اس کے ہونٹوں پر پسینے کے قطرے ابھر
آئے۔

''تم پڑھے لکھے ہو۔ آج کل کے ماحول سے واقف
ہو۔ دیکھے بھالے بغیر وہ پیکٹ کیوں لے آئے؟''

''وہ صاحب ابا کے دوست ہی نہیں، میرے محسن بھی
ہیں۔ میں انکار نہیں کر سکا۔ اب دو کلو وزنی وہ پیکٹ مجھے
اپنی تباہی کا پیغام بنتا نظر آ رہا ہے۔''

''کوئی محسن کسی کو یوں تباہ نہیں کرتا...... وہ کون ہے؟''
میں نے پوچھا۔

''وہ ٹریول ایجنسی کے مالک ہیں۔ اس سفر کے لیے
انہوں نے مجھے ادھار ٹکٹ دلوایا ہے۔ جب حالات
سازگار ہوں گے تو ان کا قرض ادا کروں گا بس اسی مروت
میں ان سے انکار نہیں کر سکا۔''

''پھر اب وسوسے کیوں آ رہے ہیں؟''

''گھر کا ماحول کچھ اور تھا۔ وہاں سے نکل کر میں نے
مختصر سے وقت میں جو کچھ دیکھا ہے، اس نے میری
آنکھیں کھول دی ہیں۔ اگر پیکٹ میں سفید شکر ہی ہے تو
انکل نے بہت کم پیسوں میں اپنا کام نکالا ہے۔ میرے
ٹکٹ کے بدلے یہ ایک ڈیل ان کے دن پھیر سکتی ہے۔''

''وہ پیکٹ اب تک محفوظ کیسے ہیں؟'' میں نے تعجب
سے سوال کیا۔

''کراچی میں طالب علم سمجھ کر کسی نے پڑتال نہیں
کی۔ لندن میں بھی صرف سوٹ کیس دیکھا گیا۔ بریف
کیس کھولنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ امریکا والے
پاکستانیوں کے معاملے میں بہت سخت ہیں۔ اس پیکٹ
میں کچھ بھی ہو، میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا
ہوں۔''

''دو کلو وزنی پیکٹ!'' میں نے قسطوں میں حاصل
ہونے والی معلومات کو حیرت سے دہرایا ''تم اسے سوٹ
کیس کے بجائے بریف کیس میں لیے پھر رہے ہو؟
تمہیں کیا بتایا گیا تھا اس پیکٹ کے بارے میں؟''

''پیتل کا منقش جیولری بکس بتایا گیا تھا لیکن اب

مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ لکڑی کے کسی ڈبے میں سفید شکر بھری ہوئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اسے کہاں تلف کروں۔"

"تم کراچی سے یہاں تک اسے سینے سے لگا کر لائے ہو اور اب یکا یک اتنی بدگمانی کا شکار ہو رہے ہو۔ تمہاری یہ باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔" اس کے مسئلے نے مجھے واقعی الجھا دیا تھا۔

"آپ کیا، کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ ادب، احترام اور بڑوں کے سامنے کم گوئی کے گھٹے گھٹے گھریلو ماحول سے ہزاروں میل دور نکل آنے کے بعد ہی ان اثرات سے آزاد ہو سکا ہوں اور اب اپنی عقل سے سوچ رہا ہوں۔ میں نے آپ پر بھروسا کیا ہے۔ میری گلوخلاصی کی کوئی راہ بتائیے۔"

"پہلے اسے کھول کر دیکھو کہ اس میں کیا بھرا گیا ہے۔ اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ ہو سکے گا۔"

"وہ پیکٹ اس طرح بند کیا گیا ہے کہ ایک بار کھول کر اسے دوبارہ اصل حالت میں لانا ناممکن ہے۔ اس میں کچھ بھی ہو۔ میں اس سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔"

"اگر تمہارا شبہ غلط نکلا تو اپنے انکل کو کیا جواب دو گے؟"

میں نے ہلکے سے طنز سے پوچھا۔

"کہہ دوں گا کہ لندن ایرپورٹ پر کسٹم والوں نے وہ پیکٹ روک لیا۔" وہ تقریباً جھلا کے بے بسی سے بولا "اڑتے ہوئے جہاز پر میں مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ یہاں دیا سلائی یا لائٹر کی لو سے زیادہ آگ ملنی مشکل ہے ورنہ میں پیکٹ اسی میں جھونک دیتا، میں اسے کہاں لے جاؤں؟"

"پرسکون رہنے کی کوشش کرو۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا "غنیمت ہے کہ اس وقت تمہیں ہوش آ گیا ہے۔ پیکٹ لے کر باتھ روم میں جاؤ۔ تمہارے خدشات درست ثابت ہوں تو سفوف کموڈ میں بہا کر پیکنگ برباد کر دو اور اسے دیوار گیر ڈسٹ بن میں ڈال دو۔ سب کچھ ٹھیک ہو تو کھلا ہوا پیکٹ واپس لے آؤ۔ تم یہ عذر پیش کر سکتے ہو کہ اسے کسٹم والوں نے کھلوایا تھا۔"

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یوں میری طرف دیکھنے لگا جیسے میرے سر پر اچانک سینگ نکل آئے ہوں۔ کئی ثانیوں کے سکوت کے بعد اس نے ممنونیت سے لبریز، بھرائی ہوئی آواز میں کہا" آپ کو اعتماد میں لے کر میں نے غلطی نہیں کی۔ یہ سب سامنے کی باتیں ہیں مگر خوف اور دباؤ سے میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔ مجھے کچھ بھی نہیں سوجھ رہا تھا۔ آپ نے میری مشکل آسان کی ہے۔ خدا آپ کو اس کا اجر دے گا۔"

میں نے آخری گھونٹ لے کر اپنا گلاس خالی کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"آ...... آپ کہاں؟ آپ بیٹھیں۔ میں چند منٹ میں آکر رپورٹ دیتا ہوں۔" خرم سلطان نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ممنونیت کا اظہار کیسے کرے۔

"تم چلو، میں ٹوائلٹ سے باہر رہ کر دیکھ بھال کرتا رہوں گا۔" میں نے اسے تھپکی دی۔

وہ اپنی نشست کی طرف ہولیا۔ میں اس کی مخالف سمت میں آگے بڑھ گیا۔ آگے سے گھوم کر میں دوسری راہداری سے عقبی حصے میں پہنچا تو خرم اپنی جگہ پر موجود تھا۔ ویٹرا واپس جا چکی تھی۔

میں فلائٹ کچن سے بیئر کا ایک ڈبا لے کر ٹوائلٹس کے قریب دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت میرے ذہن پر صرف اور صرف ایک ہی فکر سوار تھی کہ خرم سلطان پاکستان کے کسی متوسط گھرانے کا ایک ہونہار سپوت تھا جس نے اپنی قابلیت کے سہارے فلوریڈا کی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا تھا اور مجھے اس کے مستقبل کو ذلت و رسوائی کی بھیانک دلدلوں میں گم ہونے سے بچانا تھا۔

میرے لیے اس وقت وہ ایک لڑکا نہیں تھا بلکہ اپنے جیسے پرعزم نوجوانوں کی ایک پوری کھیپ کا نمائندہ تھا۔ یہ وہ بچے ہیں جو اپنے شوق اور صلاحیتوں کے سہارے اپنے گھرانے اور ملک کے بہتر مستقبل کے لیے آسمان سے تارے توڑ لانے کا خواب آنکھوں میں سجائے اپنے گھروں کی دہلیز سے باہر قدم رکھتے ہیں۔ مالی ناآسودگی ان کی راہ کا پہلا اور سب سے وزنی پتھر ہوتی ہے جسے ہٹائے بغیر وہ ترقی کے راستوں پر گامزن نہیں ہو سکتے۔

...... کچھ نوجوان اس پتھر کو ٹھوکر سے اڑا کر آگے بڑھ جاتے ہیں، کچھ اسے چوم کر چھوڑ دیتے ہیں اور حوصلہ ہار کر اپنی راہ بدل لیتے ہیں۔ جوان دونوں کے بین بین ہوتے ہیں، وہ مدد اور سہاروں کے لیے ادھر ادھر نگاہیں دوڑاتے ہیں۔

موت کے سوداگر اور مقدروں کے خریدار ہر لمحے ایسی تشنہ نگاہوں کے متلاشی رہتے ہیں۔ مدد اور سہارے کے نام پر ایسے نوخیز لڑکوں کو اپنا چارا بنا لیتے ہیں۔ جو کامیاب رہے تو ان لوگوں کو برسوں کے لیے ایک نیا... کارندہ مل جاتا ہے۔ بازی الٹ جائے تو ان کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ پکڑا جانے والا زندگی بھر کے لیے راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے۔

اس وقت تک یقین سے کوئی بات نہیں کہی جا سکتی تھی لیکن خرم کے اندیشے [illegible] تھے۔ اس کے باپ کے کسی دوست نے ہمدردی [illegible] نیویارک تک کے دو طرفہ ٹکٹ کے عوض اس سے ہیروئن کے کیریر کا کام لینا چاہا تھا۔

اگر خرم کا اندیشہ درست تھا تو اس بچے کو تباہی سے بچانا میرا فرض تھا۔

میں اپنی جگہ کھڑا یخ بیئر کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا اور سگریٹ پھونکتا رہا۔ آخر خرم نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ٹوائلٹس کی طرف آنے لگا۔

بظاہر وہ خالی ہاتھ تھا لیکن اس کے کوٹ کا بایاں حصہ قدرے نیچے جھول رہا تھا۔ شاید دوسرے مسافر اس فرق کو محسوس نہ کر سکے ہوں مگر میں نے بھانپ لیا کہ ٹریول ایجنٹ کا دیا ہوا دو کلو وزنی پیکٹ بریف کیس سے نکل کر خرم کے کوٹ کی اندرونی جیب میں منتقل ہو چکا تھا۔

میرے قریب سے گزرتے ہوئے خرم نے میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں دہشت اور امید کا ایک عجیب سا، ملا جلا تاثر موجود تھا۔

جہاز کو ہوا میں بلند ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ کھانے پینے کے باقاعدہ دور کا بھی آغاز نہیں ہوا تھا۔ اس

وجہ سے ٹوائلٹس پر مسافروں کا منظم حملہ شروع نہیں ہوا تھا۔ خرم سلطان پیش قدمی کرتا ہوا ایک خالی ٹوائلٹ میں غائب ہو گیا۔

اضطرار کے عالم میں، میں نے چند لمبے لمبے گھونٹ لے کر بیئر کا کین خالی کر دیا۔ ہلکے المونیم کا خالی ڈبا کچن کے کاؤنٹر پر رکھ کر میں نے نوجوان اسٹیورڈ سے دوسرا کین طلب کیا۔ فرمائش کی تعمیل ہوتے ہی میں نے کین کا سلور ٹیگ اڑایا اور دوبارہ اپنی جگہ آ کھڑا ہوا۔

خرم سلطان کو ٹوائلٹ میں گئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ پیکٹ بے ضرر ہوتا تو اسے جلد باہر نکل آنا چاہیے تھا۔ وہاں صورت حال بالکل برعکس تھی۔

پیکٹ میں چھپائی گئی ہیروئن کو کموڈ میں بہا کر تلف کرنا زیادہ دیر کا کام نہیں تھا۔ اس کی پیکنگ کو کسی اوزار کے بغیر چھوٹے ٹکڑوں میں تبدیل کر کے کوڑے دان میں ڈالنا دشوار ہو سکتا تھا اور شاید وہ ان ہی مراحل سے گزر رہا تھا۔

دوسرا کین ختم ہونے سے پہلے ہی ٹوائلٹ کا دروازہ کھلنے کا کھٹکا ہوا اور خرم سلطان باہر آ گیا۔ اس کے چہرے سے گھبراہٹ اور پریشانی ہویدا تھی۔

اس بار میں نے لاتعلقی کا رویہ ختم کر کے اسے راستے میں روک لیا۔

نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے آنکھیں موند کر ہولے ہولے پلکیں اوپر اٹھائیں۔ وہ اس کی طرف سے اطمینان کا اظہار تھا "میرا ڈر صحیح تھا۔ آپ نے میری صحیح رہنمائی کی......"

"روزی کی جگہ بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

ذہن پر سے ایک بوجھ اتر جانے کے بعد میں وہیں کھڑا بیئر سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اس دوران میں ویرا برے برے منہ بناتی ہوئی دوبارہ پیچھے آ گئی تھی۔ اس سے نظریں چرا کر میں محض کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لیتا رہا لیکن وہ ویرا تھی۔ اسے ان حربوں سے زیر کرنا ممکن نہیں تھا۔

وہ خرم کی خالی کی ہوئی نشست کے قریب سے گزرتی ہوئی سیدھی چلی آ رہی تھی۔

اپنی جان بچانے کے لیے اس بار میں بالکل انجان بن کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔

اپنی گردن پر اس کے نرم و نازک ہاتھ کا حرارت آگیں لمس محسوس کر کے میں نے چونک کر پلٹنے کی اداکاری کی تو وہ ملامت آمیز نظروں سے مجھے گھور رہی تھی۔

"کیا بحر اوقیانوس میں مچھلیاں تلاش کر رہے ہو؟" اس نے زہریلی آواز میں پوچھا۔

"تم بھی جھانکو۔ دن کی روشنی میں جھاگ اڑاتی سمندری موجوں کا منظر بہت حسین معلوم ہو رہا ہے۔"

"میں یہ پوچھنے آئی [illegible] ب تک جاری رہے [illegible] لڑکا تمہیں اسی قدر پسند آ گیا ہے [illegible] اپنا جملہ بدل لیتی ہوں۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" میں نے جھلا کر کہا "تم ہمیشہ واہیات باتیں سوچتی ہو۔"

"وہ دوبارہ وہاں کیوں گیا ہے؟" اس بار ویرا کی آواز نرم ہو گئی "اگر وہ گھگیا کر تمہارا حوالہ نہ دیتا تو میں اسے پھٹکار کر بھگا دیتی۔"

"کسی نے ڈیڑھ دو کلو سفوف اس کے سر منڈھا ہوا تھا۔ میری ہدایت پر وہ اسے کموڈ میں بہا کر واپس آیا ہے اور اس وقت قابل رحم حالت میں ہے۔ میں......"

"اس کو پورے جہاز میں تمہارے سوا کوئی اور ہمدرد نظر نہیں آیا تھا؟" ویرا نے میری بات کاٹ کر پوچھا "جہاں جاتے ہو، جدھر سے گزرتے ہو، بیٹھے بٹھائے مصیبتیں مول لیتے رہتے ہو۔"

"آئندہ احتیاط کروں گا۔ شاید میری چھٹی حس مجھے زبردستی خطرات کی طرف دھکیلتی رہتی ہے۔ اب میں اس روسے بچنے کی کوشش کروں گا۔"

"کراچی سے آتے ہوئے سلیم اکبر خان ٹکرا گیا تھا، اس بار یہ لڑکا مل گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارے بین الاقوامی یتیم، لاوارث اور مظلوم تمہاری تلاش میں ہوائی جہازوں پر مارے مارے پھرتے رہتے ہیں اور تم ان کی درد بھری فریاد سن کر کسی فلمی ہیرو کی طرح ان کی مدد کے

لیے پہنچ جاتے ہو۔"
"حالات تمہارے سامنے ہیں۔تم خود بتاؤ کہ میں کیا کرسکتا ہوں؟"
"اسے جلد از جلد فارغ کرو۔ میں اپنی جگہ بیٹھ کر ستانا چاہتی ہوں۔"
اپنا نادر شاہی حکم جاری کرکے اس نے میرا جواب سننے کی زحمت نہیں کی اور واپس لوٹ کر خرم کی خالی سیٹ پر بیٹھ گئی۔
میرے لیے ویرا کا وہ چڑچڑا پن قابل فہم تھا۔ ہم دونوں لندن سے پرواز کر چکے تھے لیکن نیویارک کے بارے میں بالکل خالی الذہن تھے۔ وہاں متوقع طور پر جو حالات رونما ہوسکتے تھے ان کے پیش نظر پیشگی تیاری اور مشاورت ضروری تھی۔
میں ایک مرتبہ پھر اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔ مجھے دیکھتے ہی خرم مودبانہ انداز میں اپنی سیٹ میں یوں سکڑ کر رہ گیا جیسے میرے بیٹھنے کے لیے زیادہ جگہ پیدا کر رہا ہو۔
"ہارڈ بورڈ کے ڈبے میں پولی تھین کی دس سربند تھیلیوں میں بہت باریک سفوف موجود تھا۔ میں نے وہی کیا جو آپ نے کہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں ایک بڑی مصیبت سے بال بال بچا ہوں۔ اللہ انکل انعام کو غارت کرے۔ کوئی گڑبڑ ہوجاتی تو وہ بالکل الگ ہوکر سارا الزام میرے سر تھوپ دیتے۔ وہ اتنے مکار ہیں کہ ابا بھی ان کی باتوں میں آکر میری طرف سے بدگمان ہوجاتے۔"
"یہ انکل انعام وہی ٹریول ایجنسی والے ہیں جنہوں نے رقم لیے بغیر تمہارے ٹکٹ کا بندوبست کیا تھا؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔
"جی.....اگر میں اب بھی گھر والوں کو اصل بات بتاؤں تو وہ یقین نہیں کریں گے کہ انکل انعام اتنے پاجی ہوسکتے ہیں۔ میں سب کو یہی بتاؤں گا کہ پیکٹ کسٹم والوں نے ضبط کرلیا۔"
"یہ کہانی سنا کر تم اپنی شامت کو دعوت دو گے۔" میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔
"وہ کیسے؟" میرے الفاظ نے ایک مرتبہ پھر اسے

وہ کر دیا۔

''تمہارے انکل انعام اس کھیل کے سب سے بڑے فنکار ہیں۔وہ کیسے مان لیں گے کہ کسٹم والوں نے ان کا سفوف ضبط کر کے سفوف اسمگل کرنے والے کو چھوڑ دیا۔دو کلو تو بہت بڑی مقدار ہے،سب جانتے ہیں کہ سو دو سو گرام اسمگل کرنے والے بھی پکڑے جاتے ہیں تو ان کی بہت بری درگت بنتی ہے۔''

''اوہ......!'' اس کے دہانے سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا'' آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔اس قصے کے اس پہلو پر تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔''

''تم اس قدر احمق اور سادہ لوح ہو تو ملک سے باہر نکلے ہی کیوں تھے؟'' ہمدردی کے ساتھ ساتھ مجھے اس پر غصہ بھی آنے لگا۔''یہ معاملات زندگی یا موت سے زیادہ نازک ہوتے ہیں۔''

''آپ ہی بتائیں کہ اب میں کیا کروں؟ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا۔میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ انکل انعام نے مجھے میرے کس گناہ کی سزا دی ہے۔''اس کی آواز روہانسی ہو گئی۔

''بریف کیس گم یا چوری ہو جانے کی کہانی ہی تمہیں ان پیچیدگیوں سے بچا سکتی ہے۔''

اس کی شفاف آنکھوں میں تیز چمک عود کر آئی'' آپ واقعی کمال کے آدمی ہیں۔چٹکی بجاتے میں ہر مشکل کا آسان ساحل سوچ لیتے ہیں۔اس جہاز میں آپ نہ ملتے تو آج میں جیتے جی مر جاتا۔''

''اتنا خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے رکھائی سے کہا۔''تم نے قدر ضرور نکال لیا ہے لیکن ذہنی طور پر ابھی نابالغ ہو۔تم نے یہ سوچا ہے کہ نیویارک میں جو شخص پیکٹ کا انتظار کر رہا ہے وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔''

''وہ ائرپورٹ کے باہر میرے نام کی تختی لے کر میرا انتظار کرے گا۔اسی کے ساتھ میں نیوآرک ائرپورٹ سے جے ایف کے ائرپورٹ جاؤں گا جہاں سے فلوریڈا کے لیے سفر کرنا ہو گا......''

''یہ سب ماضی کے پروگرام ہیں۔''میں نے اسے بات پوری کرنے کا موقع دیئے بغیر کہا'' پیکٹ کے بغیر تم نے اس سے رابطہ کیا تو وہ تمہارے ساتھ ہر بدسلوکی کر سکتا ہے۔''

اس کی بدلتی ہوئی ابتر حالت دیکھ کر میں نے دانستہ یہ خطرہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ شخص جھلا کر اسے گولی بھی مار سکتا تھا۔

خرم کے چہرے کا رنگ اڑ گیا'' پھر تو مجھے اس سے ملنا ہی نہیں چاہیے۔اگر انکل انعام کا رابطہ کسی مجرم سے ہے تو وہ مجھے ہلاک بھی کر سکتا ہے۔دو کلو مال کی قیمت بہت ہوتی ہے۔اسے کموڈ میں بہاتے ہوئے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ چکر دور تک چلتا رہے گا......اب میں آپ ہی کے رحم و کرم پر ہوں۔''

''میں سوچتا ہوں کہ تمہارے لیے کیا کیا جا سکتا ہے۔تم بھی ان باتوں پر غور کرتے رہو،باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔اب تم روزی کو واپس یہاں بھیج دو۔''

جہاز پر اس لڑکے سے میری اتفاقی ملاقات گلے پڑتی نظر آرہی تھی۔نیوجرسی کے نیوآرک ائرپورٹ پر سخت کسٹم چیکنگ میں اس لڑکے کا پکڑا جانا یقینی تھا۔اعلیٰ تعلیم کے بجائے کسی امریکی جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری کے خوف نے اسے حواس باختہ کیا ہوا تھا۔میں نے اسے ہیروئن تلف کرنے کا مشورہ دیا اور وہ آنکھیں بند کر کے اس مشورے پر عمل کر گزرا۔

گلوخلاصی کی اس تدبیر کے دوسرے مضمرات بعد میں سامنے آئے جو خاصے سنگین بلکہ ہولناک تھے۔میں نے اسے بہت زیادہ دہشت زدہ نہیں کیا تھا لیکن میرا ذہن دور تک کام کر رہا تھا۔

خرم سلطان اسے جل دے کر نیوآرک ائرپورٹ سے ہمارے ساتھ نکل جاتا تب بھی اس کے سر پر خطرے کی تلوار لٹکتی رہتی۔نام نہاد انکل انعام اپنے آدمی کو فلوریڈا تک بھیج سکتا تھا۔یونیورسٹی یا پھر اس کے ہاسٹل میں پکڑے جانے کی صورت میں خرم کی پوزیشن بہت زیادہ مخدوش ہو جاتی۔کوئی بھی بریف کیس کی چوری کی کہانی کو تسلیم نہ کرتا۔اس سے صرف ایک سوال کیا جاتا کہ اس نے امریکا پہنچنے کے بعد ہیروئن کہاں اور کس دام پر بیچی تھی۔

چند منٹ بعد ویرا اپنی جگہ پر لوٹ آئی اور آتے ہی بولی ''کیا بات ہے؟ وہ یہاں آیا تھا تو خوشی سے اس کا چہرہ چمک رہا تھا اور اب وہ بہت متفکر نظر آ رہا ہے۔''

''الو کا پٹھا ہے اور وقت سے پہلے انڈا توڑ کر باہر نکل آیا ہے۔ میں اس سے کہیں زیادہ پریشان ہوں۔''

''کیوں؟ کیا اپنی اولاد پالنے کے بجائے اس پلے پلائے کو گود لے بیٹھے ہو؟''

''اس وقت اس کی گردن چوہے دان میں پھنسی ہوئی ہے۔ میں نے اسے مشورہ دیا تھا اس لیے اب میں اس کے بارے میں فکرمند ہوں۔''

''شاید اپنے دشمنوں کی تعداد تمہیں کم محسوس ہو رہی تھی جو یہ نئی مصیبت لے بیٹھے ہو......''

وہ مجھ پر تنقید کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتی تھی۔ اس وقت تو قدرت نے اسے ایک بہترین بہانہ مہیا کیا تھا۔ اس کی تقریر میں روانی آنے سے پہلے ہی میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''پہلے پوری کتھا سن لو۔ یہ جلے کٹے تبصرے تم بعد میں بھی کر سکتی ہو۔'' میں نے کہا۔

ویرا نے اپنے قریب سے گزرتی ہوئی ایئر ہوسٹس سے دو ڈبل اسکاچ طلب کیے۔ وہ سر ہلا کر کچن کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ ویرا سگریٹ سلگانے لگی۔

خرم سلطان کی کہانی نئی تھی نہ زیادہ طویل۔ ویرا اس کے سارے رموز و نکات خود ہی سمجھ سکتی تھی۔ ایئر ہوسٹس کے لوٹنے سے پہلے ہی کہانی مکمل ہو چکی تھی۔

برف کے ڈلوں پر اسکاچ کی چھوٹی چھوٹی بوتلیں انڈیلتے ہوئے ویرا بولی ''اگر یہ لڑکا پیشہ ور اسمگلروں کے کسی ریکٹ کا آلۂ کار بنا ہے تو یقین رکھو کہ ہم دونوں تو کیا، دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکے گی۔ وہ پاکستان لوٹ جائے تب بھی وہ اپنا مال واپس لیں گے یا اسے مار دیں گے۔''

''یہ اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب مال لینے کے لیے آنے والے کو دیکھ لیا جائے۔''

''کھلاڑی کبھی کسی اناڑی کے ساتھ ایسا کچا لین دین نہیں کرتے۔ یہ بتاؤ کہ پاکستان سے مال بھیجنے والے ٹریول ایجنٹ کے بارے میں تم نے کیا رائے قائم کی ہے۔''

''بہت مکار اور خود غرض آدمی ہے۔ جو شخص دولت کمانے کی دھن میں اپنے دوست کی اولاد کو رگید ڈالے، اس کے بارے میں تم خود بھی ایک رائے قائم کر سکتی ہو۔''

''کسی نہ کسی حد تک ہر شخص خود غرض ہوتا ہے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ اپنے پیشے میں وہ کتنا منجھا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ٹریول ایجنسی کی آڑ میں ایک مدت سے یہ دھندا چلا رہا ہو۔''

''اس بارے میں سوچنا پڑے گا۔'' میں نے گلاس سے اسکاچ کا ایک گھونٹ لے کر کہا ''یا تم خود ہی اس لڑکے سے بات کر کے دیکھ لو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں کوئی نیا نکتہ سوجھ جائے۔''

ویرا کچھ نہ بولی۔ دونوں خاموشی سے اپنے اپنے گلاس سے شغل کرنے میں مصروف ہو گئے۔

طیارے پر موجود مسافروں کو اشتہا انگیز مشروبات سے شغل کرنے کے لیے خاصا وقت دینے کے بعد جہاز کے عملے نے پوری تندہی سے کھانا لگانا شروع کر دیا۔ ویرا کے لیے اسکاچ کی مقدار غالباً تسلی بخش نہیں تھی۔ اس نے کھانے کے ساتھ پینے کے لیے قیمت دے کر ریڈ وائن کی بوتل منگوالی۔

''تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ امریکا میں معیاری وقت کا کیا تصور ہے؟'' کھانے کے دوران میں ویرا کو نہ جانے کیوں وہ سوال یاد آ گیا جس کا جواب مشکل نہیں تو پیچیدہ ضرور تھا۔

''میں امریکا کبھی نہیں گیا لیکن اس ملک کے رقبے کے بارے میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ نیویارک اور فرانسسکو کے درمیان ایک گھنٹے کے فرق سے چار مختلف ٹائم زون ہیں۔ الاسکا اور ہوائی کے لیے پانچواں ٹائم زون ہے جو نیویارک سے چھ گھنٹے پیچھے ہے۔''

ویرا تعریفی انداز میں مسکرا دی ''یہ اچھی بات ہے کہ تم تھوڑا بہت پڑھتے بھی رہتے ہو۔ امریکا کے حکمراں بد دیانت ہیں مگر یہ ملک قدرت کی بے شمار دولتوں سے مالا مال ہے۔''

''وطن سے دور ہونے کے ساتھ ساتھ خرم سلطان کے دل میں اپنے گھریلو ماحول سے بغاوت کے جراثیم پیدا ہو رہے ہیں اور منزل قریب آنے کے ساتھ تمہارے دل میں امریکا کی محبت بیدار ہو رہی ہے۔ شاید یہ اتفاق نہیں، ایک حقیقت ہے کہ رشتوں کی قدر و منزلت فاصلوں کے ساتھ گھٹتی بڑھتی ہے۔''

وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی ''امریکا وہ سرزمین ہے جہاں امریکی قومیت کا تصور ناپید ہے۔ وہاں بہت سی قومیں اپنی اپنی تہذیب، زبان اور اقدار کے ساتھ رہ کر بھی امریکی کہلاتی ہیں اور کوئی دوسروں پر تنقید نہیں کرتا......''

''کالوں پر تنقید وہاں عام ہے۔'' میں نے قطع کلامی کر کے تصحیح کی۔

''وہاں جاؤ گے تو خود دیکھ لوگے کہ جن کالوں پر تنقید کی جاتی ہے، وہ کون ہیں۔ وہاں تمہیں اعلیٰ ترین انتظامی اور عدالتی عہدوں پر بھی بہتیرے کالے نظر آئیں گے جن کی رنگ کی بنا پر حق تلفی نہیں کی جاتی۔ رنگ، نسل اور جنس کی بنیاد پر وہاں کسی سے کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔''

''وہ ایسی ہی مقدس سرزمین ہے تو وہاں شی، ڈیوڈ اسٹارز، مافیا اور سی آئی اے جیسے جرائم پرور ادارے کیسے پنپ رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ بے مہار آزادیوں کے شاخسانے ہیں۔ امریکا کے قانون میں کسی کو یہ اختیار نہیں کہ ایک غیر ملکی مجرم کے اغوا کی ناکام کوشش کو چھپانے کے لیے وہ کسی بے گناہ امریکی شہری کو ویت نام سنڈروم کا شکار قرار دے ڈالے اور پھر ہر بربادی اس کے سر منڈھ دے مگر تم سلطان شاہ کے قصے میں دیکھ ہی چکے ہو کہ اس اعلان کا پورا اہتمام کیا جا چکا تھا۔''

''اگر قانون کو کتابوں میں دفن کر کے اس کے رکھوالے ایسی سنگین من مانیاں شروع کر دیں تو پھر کیا باقی رہ جاتا ہے؟ ایک دن وہ آئے گا کہ شخصی آزادیاں بھی ایک ایک کر کے سلب کر لی جائیں گی اور لبرٹی کا مجسمہ اپنی مشعل سمیت اوندھے منہ سمندر میں گر پڑے گا۔''

''آثار یہی بتاتے ہیں لیکن وقت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ جو ہو رہا ہے، وہ کسی روک ٹوک کے بغیر ہوا چلا جا رہا ہے۔ کولمبیا آج ایسی ہی بے رحمانہ پامالیوں کا.... عبرتناک نمونہ بنا ہوا ہے۔''

میں ہنس پڑا ''امریکا اور کولمبیا پر لعنت بھیجو۔ کھانے کا لطف اٹھاؤ۔''

''میں کوئی روبوٹ نہیں ہوں جو ایک وقت میں صرف ایک کام کرتا ہے۔'' ویرا اپنا ہاتھ روک کر تلخ اور استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی ''اپنے گرد و پیش کے واقعات کے بارے میں سوچنا میرا حق بلکہ فرض ہے۔ کھانا کھاتے ہوئے بھی میرا ذہن کام کر رہا ہے اور میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ تم صحرا کی نرم ریت پر بچھے ہوئے سکون پرور نخلستان سے کھولتی ہوئی دلدلوں کی طرف جا رہے ہو......''

''تمہارے یہ سوچے سمجھے ڈائیلاگ ہمارے ٹیلی وژن کی کسی بھی سیریل کی کامیابی کی ضمانت بن سکتے ہیں۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر مسرت سے اسے مطلع کیا۔

''تم نے اس وقت بہت گہری بات کہی ہے۔'' وہ نیا لقمہ لے کر بولی ''تم برا نہ مانو تو میں کہوں گی کہ تمہاری یہ مختصر سی بات تمہاری پوری قوم کی نفسیات کی عکاسی کرتی ہے۔''

''میں برا مانوں یا نہ مانوں، تم اپنی بات کہہ گئی ہو مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں ٹیلی وژن سیریل کی کامیابی کا ذکر کر کے میں نے کیا تیر مارا ہے۔''

''تمہاری قوم کھیلوں اور ڈراموں میں جتنی دلچسپی لیتی ہے، اس کا عشر عشیر بھی نظام یا سسٹم کی کامیابی میں نہیں پایا جاتا۔ ہر شخص خود کو سسٹم سے الگ مخلوق تصور کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس پر کسی دوسرے سیارے سے آئی ہوئی مخلوق حکمراں ہے جس کی کامیابی یا ناکامی کے لیے جدوجہد کرنا اس کے فرائض میں شامل نہیں ہے اور یہی لاتعلقی تمہاری بربادی کا سبب بن رہی ہے۔''

میں نے چھری اور کانٹا فوائل ٹرے میں رکھ کر ہولے سے تالیاں بجائیں اور کہا ''تم امریکی مخلوق ہو اور ہم دیسی مخلوق ہیں۔ پچھلے برسوں سے ہم لوگوں میں یہ خیال گہری جڑیں پکڑ رہا ہے کہ ہم جو چاہیں کر لیں، ہوتا وہی ہے جو

امریکی مخلوق چاہتی ہے۔ حد یہ ہے کہ ہمارے ووٹوں سے بھی وہی لوگ منتخب ہوتے ہیں جو امریکا کے منظور نظر ہوتے ہیں۔ ایسے بھیانک بے بسی کے عالم میں صرف لاتعلقی ہی جنم لیتی ہے۔ جب نتائج پر اپنا اختیار نہ ہو تو کوشش کا کیا حاصل؟''

''تم بھی احمقوں کے اسی ٹولے سے تعلق رکھتے ہو پھر تم کیوں شی سے لڑ رہے ہو؟ امریکا شی کی بالادستی چاہتا ہے۔ ہتھیار ڈال دو اور اس کی اطاعت قبول کرلو۔''

''یہ میرے ذاتی وقار کا معاملہ ہے۔ میرے جیتے جی ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔''

''یہی بات میں بھی کہہ رہی ہوں۔'' وہ زور دے کر بولی ''مقصد اور منزل سے یہ لگن دوسروں میں کیوں نہیں پائی جاتی؟ تمہارے لوگ اپنی ہی سرزمین پر اپنے اندیشوں اور خدشات کے غلام کیوں بن گئے ہیں۔ ناانصافی کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت سے کیوں محروم ہو چکے ہیں؟''

''روزی ڈرالنگ'' میں یک لخت سنجیدہ ہونے پر مجبور ہو گیا۔ ''یہ کوئی مشینی عمل نہیں ہوتا۔ ایک بٹن دبا کر کسی قوم کو بے حس یا پرعزم نہیں بنایا جاسکتا۔ یہ برین واشنگ کا دھیما اور مسلسل عمل ہوتا ہے جو عشروں پر محیط ہوتا ہے......''

اس نے برہم لہجے میں... میری بات کاٹ دی۔ ''کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ تمہارے ساتھ برین واشنگ کا یہ عمل کب اور کیوں شروع ہوا؟''

''اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ بالغ کو برا بھلے برے کی تمیز ہوتی ہے۔ نومولود کے ساتھ جو کچھ کیا جائے' وہ اسے رسم اور دستور سمجھ کر قبول کر لیتا ہے......''

''پھر تم ایسی کی تیسی میں جاؤ۔'' میری کٹ حجتی پر وہ چڑ کر بولی۔ ''میں آج کہے دیتی ہوں کہ تم اور تمہارے اول خان جیسے دیوانے پتھروں کی دیوار سے سر پھوڑ کر ایک دن فنا ہو جائیں گے مگر وقت کا دھارا یوں ہی بہتا رہے گا۔ تم اس کا رخ نہیں بدل سکو گے۔''

''رخ بدلے یا نہ بدلے۔ میں سکون سے ضرور مرسکوں گا۔ میری سرخ روئی کے لیے صرف یہ احساس کافی ہوگا کہ میں نے اپنے حصے کا کام پوری ایمان داری سے سرانجام دیا ہے۔''

''اس کے لیے بھی تم قسم نہیں کھا سکتے۔'' ویرا نے اچانک ہی پینترا بدل دیا ''کیا غزالہ سے شادی کے بعد تم نے اس سے کبھی کوئی بے وفائی نہیں کی۔''

''یہ تم کیا بات نکال بیٹھیں؟'' میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ ''ابھی ملک و قوم کے لیے ایک عظیم تر جدوجہد کی باتیں ہو رہی تھیں اور اب تم ذاتیات پر اتر آئیں۔''

''بات یہی ہے مائی ڈیئر اسلم خان! جو آدمی اپنی ذاتی زندگی میں مخلص اور ایمان دار نہیں ہوسکتا' وہ معاشرے کی بھلائی کے لیے کیا کرسکتا ہے؟ تمہارے یہاں ہر شخص کی زندگی کے کسی نہ کسی گوشے سے کوئی نادرہ جھانکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ نادرائیں کسی کو کچھ نہیں کرنے دیتیں۔''

''نادرہ ......نادرہ...... نادرہ پتا نہیں' وہ عورت تمہارے ذہن سے کیوں چپک کر رہ گئی ہے۔''

''حقیقت کے اظہار پر منافق یوں ہی چڑتے ہیں۔'' وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولی ''اس کا نام سن کر تم یوں بدکتے ہو جیسے میں نے تمہاری دم مروڑ دی ہو۔''

''کبھی کبھی تم بلندیوں پر پرواز کرتے کرتے اچانک کسی اندھی کھائی میں گر پڑتی ہو اور وہاں ایسے سوقیانہ الزامات ہی تمہارا سہارا بنتے ہیں۔'' میں نے برہمی سے کہا۔

''نادرہ کا نام میں نے بلا سبب نہیں لیا تھا۔ سی آئی اے کے ایجنٹوں نے اس کے بیٹے کا تعلیمی کیریر برباد کردینے کی دھمکی دے کر اسے اپنا آلہ کار بنانا چاہا تھا اور اب انعام نامی ایک پاکستانی نے اعلیٰ تعلیم کے لیے مالی امداد دینے کے بہانے تمہارے چوزے کو اپنا آلہ کار بنایا ہے۔ یہ محض اتفاقات نہیں ہیں۔ تمہارے ملک میں غیرملکی ڈگریوں کے حصول کی ایک دوڑ سی لگی ہوئی ہے۔ اس دوڑ میں متوسط طبقہ سب سے زیادہ سرگرم ہے اور وہی دشمنوں کا نشانہ بن رہا ہے۔''

ویرا نے نادرہ کے ذکر کے بارے میں وہ وضاحت پیش کر کے میرا غصہ ٹھنڈا کردیا۔ وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کہ اونچے خواب دیکھنے والے دشمنوں کے چنگل کے اسیر

ہوتے ہیں۔ پاکستان کے متوسط گھرانوں میں یہ وبا عام تھی کہ وسائل سے تجاوز کر کے اپنے بچوں کو اعلیٰ غیر ملکی تعلیم دلائی جائے اور پھر ان کے سہارے اپنے سماجی رتبے کو بلند تر کر کے خود کو منوایا جائے۔

وہ نکتہ ذہن میں آتے ہی میں خرم سلطان کے بارے میں سوچنے لگا۔

ویرا نے اس کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے ہوئے پتے کی بات کہی تھی کہ اگر وہ پیشہ ور اسمگلروں کا شکار ہوا تھا تو اس کی گلو خلاصی محال تھی اور وہ کسی اناڑی مہم جو کے ہتھے چڑھا تھا تو اسے بچانے کے لیے کچھ نہ کچھ کیا جا سکتا تھا۔

میں لذیذ کھانے سے انصاف کرتے ہوئے خاموشی سے اپنی اور خرم کی گفتگو کو ذہن میں دہرانے لگا۔ اس وقت اسی کی باتوں سے مجھے کوئی سراغ مل سکتا تھا۔

معاً مجھے یاد آیا کہ خرم نے اپنے ذریعے روبہ عمل آنے والی اکلوتی ڈیل کے ذریعے اپنے انکل انعام کے دن پھرنے کا ذکر کیا تھا۔

میں نے بار بار ان الفاظ کو یاد کیا اور اپنے ذہن میں گھماتا رہا۔ اس فقرے سے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ انعام کے مالی حالات بہت زیادہ مستحکم نہیں تھے۔ متوسط طبقے کے بیشتر لوگوں کی طرح وہ بھی ترقی کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا اور اسی دھن میں اس نے خرم سلطان کے ذریعے ہیروئن کی ایک کھیپ پاکستان سے امریکا پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

کھانا ختم کرنے تک میں ایک نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔ ائر ہوسٹس خالی برتن اٹھا کر لے گئی تو میں نے ویرا کو اپنی رائے سے آگاہ کر دیا۔

''یہ بہت اہم نکتہ ہے۔ اپنی رائے قائم کر لی ہے تو اس لڑکے سے بھی اس کی تصدیق کر لو۔'' ویرا نے کہا۔

اگر تمہاری رائے درست ہے تو اس کی بہت بڑی مشکل آسان ہو جائے گی۔''

''اگر وہ میری رائے کی تصدیق کر دیتا ہے تو تمہاری حکمت عملی کیا ہو گی؟''

''یہ طے ہے کہ امیگریشن اور کسٹم کے مراحل سے ہمیں الگ الگ گزرنا ہے۔ ان سے نمٹنے کے بعد تم اپنے چہیتے کو ساتھ لے کر نکل جانا۔ میں اس کے استقبال کے لیے آنے والے کو دیکھ لوں گی۔''

''وہاں تم کوئی ہنگامہ کھڑا کر کے اسے خوف زدہ نہیں کر سکو گی۔''

''یہ میں بھی جانتی ہوں۔'' اس نے طنز سے کہا'' اس کی شناخت کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ خرم سلطان کے نام کا پلے کارڈ لیے کھڑا ہو گا۔ میں اپنا پاسپورٹ تمہارے پاس چھوڑ دوں گی۔ مجھے خالی ہاتھ دیکھ کر وہ شبہ تک نہیں کر سکے گا کہ میں کسی لمبی پرواز سے وہاں پہنچی ہوں۔''

''اور پھر تم اس کے ساتھ رمبا سمبا ناچنا شروع کر دو گی۔'' اسے خاموش پا کر میں نے چڑ چڑے لہجے میں کہا ''تمہارے اسی گھنے پن سے میں چڑتا ہوں۔''

''میں اسے بتاؤں گی کہ میں ایف۔ بی۔ آئی کی ایجنٹ ہوں اور اس کا مہمان ہیروئن سمیت پکڑا گیا ہے۔ وہ فرار ہونے کی کوشش کرے گا اور میں اسے کامیاب ہونے کا موقع دوں گی۔''

''لیکن بعد میں وہ خرم کو تنگ کرے گا......'' میں نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔

''خرم پڑھنے آیا ہے تو وہ فلوریڈا کے کسی بڑے شہر میں ہی جائے گا۔ وہاں انعام کا آدمی اسے آسانی سے نہیں گھیر سکتا۔ کوئی رابطہ ہوا تو وہ یہی بتائے گا کہ ایف بی آئی نے پورے گروہ کو پکڑنے کے لیے اسے محدود آزادی دی ہے۔ اس کے بعد وہ خرم کے قریب بھی نہیں پھٹکے گا۔''

''بظاہر یہ سب ٹھیک لگتا ہے لیکن عملی دنیا میں ایسا نہیں ہوتا۔'' میں نے کہا۔

''منشیات بلکہ ہیروئن اور کوکین کے بارے میں امریکی حکام کے بیچ کے آدمی کے بجائے اصلی مجرم میں گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ یہاں ایسی مثال بھی موجود ہے کہ دو برس کی جدوجہد کے بعد پولیس نے کسی کو ناوٹ بنا کر کسی بڑی مچھلی پر ہاتھ ڈالا ہے۔''

''اب میں اس سے زیادہ کھل کر بات کر سکوں گا۔'' میں نے جواب دیا'' یہاں کے حالات کے بارے میں تم مجھ سے زیادہ باخبر ہو۔''

''لیکن ایک بات ضروری ہے۔'' اس نے مجھے تاکید کی ''اب وہ نیویارک سے سیدھا اپنی منزل کی طرف نہیں جائے گا۔ اسے دو چار دن نیویارک میں رکنا ہوگا تاکہ وہ یہ کہہ سکے کہ ایف بی آئی والوں نے دو چار دن تک باز پرس کے بعد اسے رہا کیا ہے۔''

''ان چار دنوں کے اضافی اخراجات کے لیے اسے رقم بھی درکار ہوگی۔''

''کسی سے ہمدردی کرنا اتنا سہل نہیں ہوتا۔ یہ قیمت تمہیں ادا کرنی ہوگی۔''

''یہ قیمت ادا کرنے کے باوجود خرم کا میزبان تمہارے گلے پڑ گیا تو کیا ہوگا؟''

''ہم کو لمبیا نہیں، امریکا جا رہے ہیں۔ وہاں جرائم ضرور ہوتے ہیں لیکن قانون کی بالادستی کا خوف ابھی باقی ہے۔ بڑے سے بڑا مجرم بھی قانون سے ٹکر لینے کے بجائے فرار کی راہ اختیار کرنے میں عافیت سمجھتا ہے۔ میری زبان سے ایف بی آئی کا نام سنتے ہی اس کی روح فنا ہوجائے گی۔''

''کیا امریکا کا فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن اسی قدر راست باز اور پارسا ادارہ ہے؟''

ویرا کا سر نفی میں ہلنے لگا'' واٹر گیٹ اسکینڈل کی تشہیر کے بعد امریکا میں بہت تیزی سے کرپشن اور بد عنوانیوں کو سر اٹھانے کا موقع ملا ہے۔ اوپر کی سطح پر بری طرح گند گھولا جا رہا ہو تو ماتحت بیورو کریسی سے نیکی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ایف بی آئی سمیت ہر سرکاری ادارے اور محکمے میں دھاندلیاں ہوتی ہیں لیکن یہ امریکا کی خوش نصیبی ہے کہ اس سرزمین داروں کا احترام آج بھی باقی ہے۔''

''اور نیویارک پہنچ کر تم امریکا کی اسی خوش نصیبی سے فائدہ اٹھاؤ گی۔''

''نیویارک نہیں نیوآرک۔'' اس نے میری تصحیح ضروری سمجھی۔ ''میں قابلیت نہیں بگھار رہی لیکن لینڈنگ سے پہلے تمہیں اتنا ضرور بتانا چاہوں گی کہ نیویارک کا بین الاقوامی ہوائی اڈا جان ایف کینیڈی ائرپورٹ کہلاتا ہے اور یہ نیویارک کے کوئینز نامی ضلع میں واقع ہے، جب کہ نیوآرک، نیویارک کے جڑواں شہر نیوجرسی کا بین الاقوامی ہوائی اڈا ہے۔ وہاں سے نیویارک کے مرکزی علاقے کی مسافت ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ نہیں ہے۔ عملاً اسے بھی نیویارک ہی تصور کیا جاتا ہے۔''

''تم بلاوجہ مغز زنی نہ کرو۔ یہ جغرافیہ وہاں پہنچنے کے بعد ہی ذہن میں سمائے گا۔''

''نیویارک میں سارا جغرافیہ فیل ہوجاتا ہے۔ اسٹریٹ اور ایونیو سے لے کر پتے تک سارا کام محض نمبروں سے چلتا ہے۔ وہاں تمہیں قدم قدم پر میری مدد کی ضرورت ہوگی۔''

''میری کوشش ہوگی کہ ایسا برا وقت کبھی نہ آئے۔ تھوڑی دیر پہلے گیٹ وک کے ریستوران میں تم نے اپنا پیٹ بھرا ہے، نیویارک میں تمہارا پیر بھاری ہوگیا تو......''

ویرا نے میرے پہلو میں اتنے زور سے چٹکی لی کہ ایک درد ناک سسکاری کے ساتھ میرا فقرہ ادھورا رہ گیا۔ اس میں سب سے بڑی خرابی یہی تھی کہ لاجواب ہوکر وہ ہاتھا پائی پر اتر آتی تھی۔

کیبن میں سے کھانے کے برتن سمیٹے جاچکے تھے۔ ہر نشست کے ساتھ لگے ہوئے ملٹی چینل ساکٹ سے منسلک ہونے والے...... سر بمہر ہیڈ فون اس سے پہلے تقسیم کیے جاچکے تھے۔ اسکرین پر کوئی کامیڈی فلم شروع ہوچکی تھی۔ کھانے کے بعد وہ آرام کے لمحات تھے۔ جہاز کے کیبن میں روشنیاں کم کردی گئی تھیں۔ مسافروں کی رضامندی سے میزبان خواتین کھڑکیوں کے بلائنڈز گرا رہی تھیں تاکہ سورج کی چمکتی ہوئی کرنوں کو روک کر جہاز میں خواب ناک سماں باندھا جاسکے۔

...ب تاک کھلے سمندر پر گھنٹوں جاری رہنے والی اس پرواز ...یشتر مسافروں نے خود ہی اپنے سروں پر لگی ہوئی روشنیاں گل کرلی تھیں۔ جہاز کے عملے کا پر اخلاق رویہ چھ ایسا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے جہاز میں دن دہاڑے رات ... ڈیرے ڈال دیے۔

''سب جانتے ... کہ یہ سفر چند گھنٹوں میں ختم ہوجائے گا مگر پھر بھی اس کا ایک عجیب مزہ ہے۔'' کیبن

کے ملگجے سے ماحول میں ویرا میرے کان کے پیچھے منمنائی" زمین سے ہزاروں میٹر کی بلندی پر جہاز کی ایک الگ ہی دنیا ہوتی ہے جس میں اجنبی دوست بن جاتے ہیں اور منزل پر پہنچتے ہی ایک دوسرے کو یوں بھول جاتے ہیں جیسے کبھی شناسائی ہی نہ رہی ہو۔"

"تم پر کوئی متعدی دورہ تو نہیں پڑ رہا؟" میں نے پرتشویش لہجے میں پوچھا" میرے کانوں کو تمہاری آواز کچھ بہکی بہکی سی لگ رہی ہے۔"

"اس وقت تمہارے شانے سے سر ٹکا کر سونے کو جی چاہ رہا ہے۔"

"لیکن میرا شانہ خرم سلطان سے مذاکرات کے لیے میرے ساتھ جا رہا ہے۔ واپسی پر تم مستحق ثابت ہوئیں تو میں تمہیں کندھا دے دوں گا۔"

"تم......سفاک آدمی!" ویرا اس بار انگریزی میں قدرے بلند آواز میں بولی" میری بات یاد رکھو کہ میں اکیلی نہیں مروں گی۔ یہ جہاز پھٹ کر سمندر میں گرے گا اور میرے ساتھ تمہاری راکھ بھی بے رحم موجیں بہا کر لے جائیں گی۔"

"مس!" اچانک ہماری عقبی سیٹ سے ایک لرزتی ہوئی آواز بلند ہوئی" یسوع کو یاد کرو۔ آپس کے جھگڑے میں ایسی بدفالی منہ سے نہ نکالو۔ اس جہاز میں تم دونوں کے ساتھ سیکڑوں انسان سفر کر رہے ہیں۔ انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو انہیں بھی بد دعائیں دے رہی ہو۔"

میں نے اچک کر پشت گاہ سے پیچھے دیکھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر سفید فام تھا۔ مجھے متوجہ پا کر اس کے ساتھ بیٹھا ہوا عرب بول پڑا۔" تمہاری عورت سب کو کیوں کوس رہی ہے۔ اس کی زبان بند کرو ورنہ واللہ میں دروازہ کھول کر اسے ٹھنڈے سمندر میں پھینک دوں گا۔"

جذبات کی فراوانی میں اس نے انگریزی فقروں کے درمیان واللہ کا لفظ جوں کا توں استعمال کیا تھا۔

اس عرب کی مداخلت پر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کے کہے ہوئے فقرے ویرا کو اشتعال دلانے کے لیے کافی سے زیادہ تھے۔ اگر وہ عرب سے الجھ پڑتی تو جہاز میں اچھا خاصا بلوہ شروع ہو سکتا تھا اور ہم دونوں ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن سکتے تھے۔

ویرا نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی لیکن بیٹھے ہی بیٹھے اس نے بلند آواز میں چند عربی الفاظ ادا کیے اور میں نے دیکھا کہ مداخلت کرنے والے کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

"مم......میں معذرت چاہتا ہوں۔" میں نے ان دونوں سے کہا۔" میری......"

ویرا نے میری پتلون کھینچ کر مجھے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا اور کہا" آرام سے بیٹھ جاؤ۔ اب یہ عرب نیویارک تک زبان نہیں کھولے گا۔" اس بار وہ اردو میں گویا ہوئی تھی۔

"کیا کہہ دیا تم نے اسے؟" میں نے اپنی نشست میں بیٹھ کر حیرت سے پوچھا" تمہاری بات سنتے ہی اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔"

"کوئی بھی اجنبی زبان سیکھنے کا بنیادی گر یہ ہے کہ پہلے اس کی بدترین گالیاں سیکھو۔ نو آموز ہونے کی وجہ سے کوئی ان کا برا نہیں مانتا۔ میری عربی آگے نہیں بڑھ سکی۔ بس ان ہی گالیوں تک محدود ہے اور میں نے اس کی خدمت میں وہی پیش کی تھیں۔"

"تم بہت بے شرم ہو گئی ہو۔ سننے والوں نے تمہارے بارے میں کیا سوچا ہو گا۔"

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا" عربی اس کے سوا کسی کے پلے نہیں پڑی ہو گی اور اب وہ مجھے جہاز سے باہر پھینکنے کے بجائے خود باہر کود جانے کے امکانات پر غور کر رہا ہو گا۔ بعض وزنی اور بھرپور گالیاں آدمی کو اندر سے بری طرح ادھیڑ ڈالتی ہیں۔"

"اردو بھی تم نے اسی طرح سیکھی تھی؟" میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"ایک امریکی عورت کے لیے اردو میں بھی عربی کی طرح اجنبی تھی۔ چاہو تو کبھی اردو میں گالیوں کا مقابلہ کر کے میری معلومات آزما سکتے ہو۔" وہ مسکرا کے بولی۔

"ہو سکتا ہے کہ تم جیت جاؤ۔"

"اسی لیے تمہارے چہرے پر ہر وقت پھٹکار برستی

رہتی ہے۔''میں نے جل کر کہا۔
''اس ... پھٹکار کو میرے قدر دان مقناطیسی کشش کا نام دیتے ہیں۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔
میں نے بھنا کر اپنی جگہ چھوڑ دی اور خرم سلطان کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

☆☆☆

اس بار خرم سلطان سے میرے مذاکرات بہت طویل ثابت ہوئے۔ جہاز کے ایک عقبی گوشے میں دو خالی نشستیں دیکھ کر ہم دونوں وہیں جا بیٹھے تھے۔ میں پیتا رہا اور وہ مونگ پھلی کے نمکین دانے ٹونگتا رہا۔ اسی دوران میں باتیں بھی ہوتی رہیں۔
ہماری گفتگو کا یہ سلسلہ اس وقت منقطع ہوا، جب جہاز نے ہچکولے کھانے شروع کیے۔ کپتان کے پیغام کے ساتھ ہی سیٹ بیلٹ باندھ لینے کی ہدایات روشن ہو گئیں۔ اس وقت ہمارا جہاز کسی موسمی طوفان کے سمندری خطے سے گزر رہا تھا۔
خود کو اسی نشست میں جکڑنے کے بجائے میں لڑکھڑاتا اور ہچکولے کھاتا ہوا اپنی اصل نشست پر پہنچا تو میری جگہ وہی عرب...... براجمان تھا جو برہمی کے عالم میں ویرا کو جہاز سے سمندر میں پھینکنے پر تلا ہوا تھا۔
مجھے دیکھتے ہی اس نے ڈھٹائی سے کھیسیں پھیلا دیں اور اٹھ کر اپنی پچھلی نشست پر چلا گیا۔
''یہ یہاں کیوں جھک مار رہا تھا؟'' میں نے اپنی سیٹ بیلٹ کا بکل لگاتے ہوئے ویرا سے پوچھا۔
''میری دی ہوئی گالیوں کے عملی امکانات پر تبادلہ خیال کر رہا تھا۔'' ویرا نے سلگانے والی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
''گالیوں پر تبادلہ خیال! میں اس بدمعاش کا سر توڑ دوں گا۔'' میرا خون کھول اٹھا۔
''عورت سے ہم کلامی کو ترسا ہوا یمنی بدو ہے۔ اس پر غصہ مت کرو۔ میں مذاق کر رہی تھی۔''
''پر وہ کیا کہہ رہا تھا؟ اپنی جگہ چھوڑ کر تمہارے پاس کیوں آیا تھا؟''
''تم کسی اور کے پاس گئے تھے۔ وہ میرے پاس

آ گیا۔ ادھر ادھر کی باتیں کر رہا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اپنی تلخ نوائی پر معذرت چاہی تھی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

میں نے اسے خرم سلطان سے طے ہونے والے پروگرام سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

کھاتے پیتے اور ہنستے بولتے وہ سفر آخر کار اختتام تک پہنچ ہی گیا۔ پیجنگ سسٹم پر اعلانات کے ساتھ فضا میں طیارے کی بلندی تیزی سے کم ہونے لگی پھر ساحل کے ساتھ ساتھ بلند و بالا عمارتوں کی طویل سی لکیر نظر آنے لگی جو رفتہ رفتہ واضح ہوتی جا رہی تھی۔

آئزک بیل کے وطن کی سرزمین کے تیزی سے بدلتے ہوئے وہ مناظر بہت مسحور کن تھے جو آنے والوں کو فضا میں ہی اس ملک سے مرعوب کر دینے کے لیے کافی تھے۔

جہاز نے کنکریٹ اور انسانوں کے اس پر ہجوم جنگل پر تھکے تھکے انداز میں ایک لمبا سا چکر کاٹتے ہوئے اپنی بلندی میں مزید کمی کی۔ سورج کی تیز روشنی میں نیچے پھیلی ہوئی دنیا اس قدر دلچسپ نظر آ رہی تھی کہ میری طرح طیارے کے بیشتر مسافر کھڑکیوں سے نیچے جھانک رہے تھے۔

ویرا مجھے تیزی سے بدلتے ہوئے مناظر کے بارے میں بتاتی جا رہی تھی۔

اونچی عمارتوں کا ارتکاز نیویارک کی مین ہٹن ڈسٹرکٹ یا بورو میں ہے جو ایک دریائی جزیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ مین ہٹن کے ساتھ ساتھ پانی کی ایک واضح لکیر دوڑ رہی تھی جسے ویرا نے دریائے ہڈسن کا نام دیا۔ اس کے پار نیو جرسی کا شہر آباد تھا اور طیارے کا رخ اسی کے ہوائی اڈے کی طرف تھا۔

لینڈنگ کے روایتی لوازم سے گزرتا ہوا، ورجن اطلانتک کا وہ طیارہ آخر کار ٹھہر گیا۔ جہاز کے کپتان اور عملے کی ہدایات کے برعکس وہاں بھی مضطرب مسافروں نے طیارہ تھمنے سے پہلے اپنا دستی سامان سمیٹ کر نشستوں سے راہداریوں میں نکلنا شروع کر دیا۔

دنیا کا کوئی بھی خطہ ہو، انسانوں اور بالخصوص فضائی مسافروں کا رویہ کم و بیش یکساں ہی ہوتا ہے۔ بس اس کی شدت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

طیارے کا دروازہ کھلنے اور اس سے گزرگاہ منسلک ہونے کے بعد پہلے میں نے جگہ چھوڑی۔ اس سے پہلے ہی میں اپنے اور ویرا کے ڈیوٹی فری الاؤنس کے مطابق الکحل ملے مشروبات الگ کر چکا تھا۔

طے یہ ہوا تھا کہ پہلے میں تمام مراحل سے گزروں گا۔ اس کے بعد خرم سلطان میرے ساتھ آ ملے گا۔ ویرا کو آخر میں باہر نکل کر اس شخص کو گھیرنا تھا جو خرم سے ہیروئن وصول کرنے کے لیے ہوائی اڈے پر پہنچا ہوا تھا۔

راہداری میں رینگتی ہوئی قطار کے درمیان میں دروازے سے گزرا تو میرے ذہن میں عدم تحفظ کا ایک احساس جنم لے چکا تھا۔

مسافروں کی بھیڑ میں ایک طویل راہداری عبور کرنے کے بعد میں امیگریشن ہال میں پہنچا اور عقابی نظروں سے جائزہ لینے کے بعد ایک ایسی قطار میں کھڑا ہو گیا جس کے آخری سرے پر ایک نرم خو اور خوش رو خاتون نظر آ رہی تھی۔

لوگ اس مرحلے سے فارغ ہو کر جاتے رہے۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ دوسرے ملکوں کے مقابلے میں امریکا والے اپنے ملک میں داخلے کی اجازت دینے کے معاملے میں خاصے بخیل تھے۔ اپنے آس پاس مجھے ایسے کئی پریشان چہرے نظر آ رہے تھے جنہیں امیگریشن والوں نے تفصیلی جرح کے لیے قطار سے الگ کر دیا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ شاید ان لوگوں سے کوئی کم مکا ہونے والا ہو لیکن کھلے طریقۂ کار اور کڑی نگرانی کی وجہ سے شاید وہاں ایسا نہیں ہوتا۔

مجھے معلوم تھا کہ میرا پاسپورٹ جعلی تھا۔ مختصر ترین وقت میں سفری دستاویزات کی تیاری کے لیے اول خان نے کسی پیشہ ور جعل ساز کی خدمات حاصل کی تھیں جس نے پرانے پاسپورٹ پر میری تصویر لگا کر مجھے اسلم خان بنا دیا تھا۔

اس پاسپورٹ کے مطابق اسلم خان پہلے بھی کئی بار امریکا آ چکا تھا۔ اس کے پاسپورٹ پر کہیں بھی امریکا سے

اخراج کی کوئی مہر نہیں تھی مگر اول خان نے مجھے زبانی بتا دیا تھا کہ وہ شخص ہر بار کئی کئی مہینوں کے لیے امریکا میں رہا تھا۔

اس وقت میرے سامنے سب سے کٹھن مرحلہ یہی تھا کہ اسلم خان کے لیے امریکا کوئی نئی سرزمین نہیں تھی مگر میں وہاں اجنبی تھا۔

میں نے غور کیا تو خوشی ہوئی کہ میں نے امیگریشن کے لیے صحیح قطار کا انتخاب کیا تھا۔ بیشتر کاؤنٹرز پر کئی کئی مسافروں کو بعد کی تفصیلی جانچ پڑتال کے لیے الگ کر لیا گیا تھا مگر مجھ سے آگے کسی کو نہیں روکا گیا تھا۔ قطار میں بڑھنے والا ہر شخص ویزا کی مہر کے ساتھ آگے جا رہا تھا۔

میری باری بھی آ ہی گئی۔ میں نے دھڑ کتے ہوئے دل کے ساتھ اپنا جعلی پاسپورٹ اور احتیاط سے بھرا ہوا امیگریشن کارڈ اس خاتون کے حضور پیش کر دیا۔

پاسپورٹ ہاتھ میں لے کر اس نے گہری اور وجود میں اتر جانے والی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ اس کی انگلیاں مشینی انداز میں میرے جعلی پاسپورٹ کی ورق گردانی کر رہی تھیں۔

''تم امریکا کیوں آئے ہو؟'' اس نے سرد اور سپاٹ لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

''بہتر ماحول میں وقت گزارنے کی آرزو بار بار یہاں لے آتی ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''بہتر ماحول یا پھر یہاں کسی سے تمہاری دوستی ہے۔'' اس کی نظریں میرے چہرے سے ہٹ کر پاسپورٹ کے کھلے ہوئے صفحات پر جم گئیں۔

''کاش، کسی سے ایسی دوستی ہو سکے۔ ابھی تک دوستی کے لیے وقت خرید کر گزارہ کر رہا ہوں۔''

''تمہیں ایڈز کا خوف نہیں ہے؟'' اس کی بڑی بڑی آنکھیں ایک مرتبہ پھر میرے چہرے پر جم گئیں۔

لمحہ بھر کے لیے میرے وجود میں سنسنی سی سرایت کر گئی۔ مجھے علم نہیں تھا کہ امریکا میں پیشہ ور عورتوں کے ذریعے اس مرض کے پھیلنے کے امکانات ختم کرنے کے لیے کیا طریقہ کار رائج تھا...... روا روی میں کہی ہوئی ایک بات یک لخت ہی بہت سنجیدہ موڑ لے چکی تھی۔

''موت آنی ہوتی ہے تو بستر پر بھی آ جاتی ہے مگر ہم بستر پر سونا نہیں چھوڑتے۔'' میں نے اپنا دل کڑا کر کے جواب دیا'' پھر ایڈز سے دہشت کیوں ہو...... زندگی جتنی دی گئی ہے، اتنی ہی رہے گی پھر اسے خوف اور دہشت میں کیوں گزارا جائے۔ جو احتیاط ممکن ہے، وہ کی ہی جاتی ہے۔''

''مسلمان ہو؟'' اس نے پاسپورٹ پر سرسری نظر ڈال کر پوچھا۔

''ہاں۔'' میں نے مختصر سا جواب دیا۔

''بنیاد پرست؟'' اس نے چبھتی ہوئی آواز میں اگلا سوال کیا۔''کسی تنظیم کے رکن ہو؟''

''مذہب کے بنیادی اصولوں پر پختہ یقین رکھتا ہوں لیکن تمہارے مخصوص معنوں میں بنیاد پرست نہیں ہوں۔'' اس بار میں نے پوری بے خوفی سے جواب دیا'' نہ کسی تنظیم کا رکن ہوں۔''

''تم پہلے امریکا آتے رہے ہو تو تمہیں یہ ضرور معلوم ہوگا کہ بروکلین کہاں واقع ہے۔''

''یہ شاید نیویارک ہی کا کوئی علاقہ ہے جہاں کالوں کی کثرت ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ بات تم یقین سے نہیں کہہ سکتے؟'' وہ میرے ساتھ گفتگو کو طول دے رہی تھی۔

''امریکا میں اٹل باتیں بھی اسی بے یقینی سے کہی جاتی ہیں۔ گفتگو کا یہ مدافعانہ انداز میں نے یہیں کی سیاحت میں سیکھا ہے۔''

''یہاں کتنے دن رہنے کا ارادہ ہے؟'' اس نے بال پین کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے پوچھا۔

''ایک ڈیڑھ ماہ۔ تروتازہ ہونے کے لیے اتنی مدت کافی ہونی چاہیے۔''

''اگر تمہیں داخلے کی اجازت نہ دی جائے تو کیا کرو گے؟'' اس نے پوچھا۔

یک بیک میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے دلکش چہرے پر سنگلاخ سنجیدگی کا راج تھا۔ میں نے دھیرے سے کہا۔ ''اس کا سبب جاننا چاہوں گا پھر واپس لوٹ جاؤں گا اور دوبارہ کبھی ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔''

اس نے اپنی ڈیسک پر سے ایک مہر اٹھا کر میرے پاسپورٹ پر ثبت کی اور پاسپورٹ بند کر کے میری طرف بڑھا دیا۔ اس مرحلے پر اس کے ہونٹوں پر لمحہ بھر کے لیے موہوم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی جو فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا، جیسے وہ مسکراہٹ کو جرم سمجھتی ہو۔

وہ ایک سنگین مرحلہ تھا جو بخیر و خوبی گزر گیا۔ آئزک بیل کے گھر میں داخلے کا قانونی حق ملتے ہی میں اس خشک مزاج خاتون کا شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ گیا۔

کسی فنی رکاوٹ کی وجہ سے بیگیج ہال میں مسافروں کا سامان اس وقت تک بیلٹ پر نہیں آیا تھا۔ ہال کے اختتام پر ایک ٹولی کی صورت میں کھڑے ہوئے چند کسٹم حکام جو شاید اسی پرواز کے مسافروں کی پڑتال پر مامور تھے، گہری نظروں سے ہال میں جمع ہونے والے مسافروں کا جائزہ لے رہے تھے۔

خرم سلطان کی آمد کے ساتھ ہی ہال میں سامان کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ امیگریشن کے کڑے مرحلے سے گزر کر وہ تیر کی طرح میرے پاس آیا تھا۔

''یہاں امیگریشن والے بہت ہلکان کرتے ہیں۔'' اس نے آتے ہی مجھے بتایا'' پتا نہیں، اتنے ٹیڑھے سوال جواب کے باوجود لوگ کیوں ادھر کا رخ کرتے ہیں۔''

''برخوردار! یہ مجبوریاں ہیں جو لوگوں کو یہ سب برداشت کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔''

''مجھے تو خیر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی مجبوری ہے لیکن آپ......؟ آپ جیسے شریف اور معزز آدمی کو تو ادھر کا رخ بھی نہیں کرنا چاہیے۔''

میں ہنس دیا پھر دھیرے سے بولا'' پہلی بات تو یہ کہ میں اتنا شریف اور معزز نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ دوسری اور اہم تر بات یہ ہے کہ امیگریشن والی نے مجھے زیادہ پریشان نہیں کیا۔''

''خدا کی پناہ!'' وہ اپنے کانوں کو چھو کر بولا'' منشیات کی حد تک تو ٹھیک ہے لیکن لمبی تھوتھنی والا وہ امریکی مجھ سے ہم جنس پرستی کے شوق پر میری رائے دریافت کر رہا تھا۔ لاحول ولاقوۃ۔ ان لوگوں کی سوچ بہت گھٹیا اور ذلیل

ہے۔"
وہ نوجوان تھا۔ اپنی فکر کے اعتبار سے ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ وہ پاکستان کے ایک ایسے روایتی گھرانے سے نکل کر امریکا آیا تھا، جہاں انکل انعام جیسے مفاد پرست اور خود غرض آدمی کو رواداری اور بزرگی کے نام پر برداشت کیا جاتا تھا۔

امریکا اس کرۂ ارض پر بالکل ہی مختلف انسانوں کی سرزمین تھی۔ وہاں ہر شخص صرف اپنے لیے جیتا تھا۔ ڈالر وہاں کی ذاتی اور جذباتی زندگی میں بھی بہت اہمیت رکھتے تھے۔ ہر بات اور رشتے کو ڈالروں کی اسی ترازو میں تولا جاتا تھا۔ ڈالر تعلیم کی کنجی تھے اور ڈالر ہی رزق وروزی کا ذریعہ تھے۔ جو لوگ امریکی تہذیب کے اس جوہر کو سمجھ لیتے تھے، وہ ذاتی وقار اور انا کو بھول کر ہر لمحے اور ہر قیمت پر ڈالر کمانے پر تل جاتے تھے۔

ڈالر کمانے کی اس اندھی دوڑ میں غیر ملکی بس چند روز کے لیے حیران، متذبذب اور بے یقین رہتے تھے پھر وہ بھی لنگر لنگوٹ کس کر میدان میں کود پڑتے تھے۔ امریکا اس وقت بھی دنیا کا خوش حال ترین ملک تھا۔ وہاں سوئی سے ہوائی جہاز تک، ہر چیز مہنگی تھی لیکن انسانی عزت وآبرو کی ارزانی بے مثال تھی۔ چند ڈالروں کی سرمایہ کاری کے عوض کوئی بھی سرمایہ دار اپنی من پسند مسرتیں خرید کر شب وروز نہال رہ سکتا تھا۔

امریکا ایک انوکھا ملک ہے۔ وہاں ہر کام کسی شرم ساری کے بغیر ہوتا ہے اور شب وروز ہوتا ہے۔ بہت سے مرد کم سن عورتوں کے متلاشی رہتے ہیں اور عورتیں منہ مانگے داموں پر نوخیز لڑکوں کو ذاتی خدمت گاروں میں شامل کرنے کے لیے کوشاں رہتی ہیں۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان جو کچھ ہوتا ہے، وہ دنیا بھر میں ہوتا ہے۔ اسے قانون کا تحفظ حاصل ہو یا نہ ہو، رسوم ورواج کا درجہ ضرور حاصل ہوتا ہے۔

امیگریشن کے مرحلے پر مجھ سے ایڈز کے بارے میں گفتگو کی گئی تھی۔ خرم سلطان سے ہم جنس پرستی کے بارے میں اس کی رائے معلوم کی گئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ امریکا کے تہذیبی بازار میں جنس کا بیوپار سب سے زیادہ آسان اور مقبول تھا۔ ہر فرد کسی سرمایہ کاری کے بغیر من مانا منافع حاصل کر سکتا تھا اور لمبی تھوتھنی والے امیگریشن آفیسر نے اسی وجہ سے خرم سلطان سے خصوصی سوالات کیے تھے۔

سامان آ جانے پر میں نے بیلٹ پر سے ویرا کا سوٹ کیس بھی اتار کر ٹرالی میں لاد لیا۔ خرم سلطان نے فرماں برداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹرالی خود سنبھال لی۔

اس کے دو بڑے اور وزنی سوٹ کیس دیکھ کر میں بوکھلا گیا "یہ کیا ہے؟"

"کچھ میری ضرورت کا سامان ہے۔ باقی چیزیں میں یہاں بیچنے کی نیت سے لایا ہوں۔" اس نے خفت آمیز لہجے میں بتایا "سنا ہے چمڑے اور سنگِ مرمر کا سامان یہاں مہنگا ہوتا ہے۔"

"پھر تم اپنی ٹرالی الگ ہی لے لو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے ساتھ میں بھی کسٹم کے بکھیڑے میں الجھ جاؤں۔ زیادہ مقدار میں لائی ہوئی ہر چیز تمہارے لیے مسئلہ بن جائے گی۔"

نیویارک بلکہ امریکا کے روٹ پر دوسرے براعظموں سے چلنے والی پروازوں میں مسافروں پر سامان کے وزن کی کوئی پابندی عائد نہیں تھی۔ شرط صرف اتنی ہوتی تھی کہ مخصوص سائز کے دو سوٹ کیس ساتھ لے جائے جا سکتے تھے۔ اس سہولت کی وجہ سے اکثر و بیشتر مسافر ایسی اشیا بھی ساتھ لے جاتے تھے جو عام حالات میں چھونا بھی گوارا نہ کریں۔

ویرا بھی جلد ہی ہمارے ساتھ آ ملی۔ امیگریشن کے مرحلے سے الگ الگ گزرنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے ہمارا یک جا ہونا خطرناک نہیں تھا۔

میرے اور ویرا کے سامان کی کسٹم چیکنگ میں زیادہ وقت صرف نہیں ہوا۔ وہاں دوسرے مسافروں کے سامان میں بھی کھانے پینے کی اشیا تلاش کی جا رہی تھیں ورنہ دوسری اشیا کے سلسلے میں نرمی سے کام لیا جا رہا تھا۔

کسٹم کے بعد مجھے خرم کے انتظار میں رکنا پڑا۔ ویرا نے ایک سگریٹ سلگائی پھر پُرخیال لہجے میں بولی "میں یہاں وقت کیوں خراب کر رہی ہوں؟ مجھے باہر نکل کر اپنا

کام کر لینا چاہیے۔"
اس کی تجویز مناسب تھی۔ میں نے سر ہلا کر تائید کی اور وہ نکاس کے راستے کی طرف چل دی۔ اس کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے میں ٹرالی دھکیلتا ہوا اسی طرف ہولیا۔
امریکا میں زندگی بہت مصروف ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنے چکروں میں اس طرح گھرا رہتا ہے کہ اسے دوسروں کے لیے ذرا بھی وقت نہیں ملتا۔ عمارت کے ممنوعہ حصے کے باہر مسافروں کے لیے آنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ ان میں بھی بیشتر ایشیائی اور مقامی کالے چہرے دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ٹیکسی ڈرائیور یا... ان کے ہرکارے ہیں جو شکار کی تلاش میں گھات لگائے وہاں ٹہل رہے ہیں۔
میں ریلنگ کے پیچھے موجود اس مختصر سی بھیڑ کی طرف بڑھنے کے بجائے وہیں رک گیا۔
اس دوران میں ویرا تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی وہاں تک پہنچ چکی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اس نے رک کر تحکمانہ انداز میں دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھے اور اس بھیڑ کا جائزہ لینے لگی۔
وہاں ایک ایشیائی بلکہ پاکستانی کے ہاتھ میں وہ گتے کا پلے کارڈ مجھے بھی نظر آ گیا تھا جس پر سیاہ مارکر سے بڑے حروف میں خرم سلطان کا نام لکھا ہوا تھا۔
ویرا نے اچانک اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر اونچی آواز میں کہا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کے الفاظ میرے پلے نہیں پڑ سکے لیکن اس کی کڑک دار آواز میرے کانوں میں ضرور آئی تھی۔
ویرا کی آواز کے ساتھ ہی وہ پلے کارڈ غائب ہو گیا۔ بھیڑ میں ذرا سی ہلچل ہوئی اور ویرا تیزی سے ریلنگ کے آخری سرے کی طرف بڑھ گئی۔
وہ تماشا دلچسپ ہو سکتا تھا۔ میں نے اس کا مشاہدہ کرنے کے لیے پیش قدمی شروع کر دی۔
ویرا سازوسامان کے بغیر باہر نکلی تھی اور پھر اس نے اپنے شکار کو خائف کرنے کے لیے حاکمانہ تیور اختیار کیے تھے مگر میرے ساتھ سامان کی ٹرالی موجود تھی۔ باہر نکلتے ہی

کئی افراد میری طرف لپکے۔ ان میں ایک پاکستانی بھی تھا۔ لمبے چوڑے کالوں نے اسکا راستہ مسدود کر کے اور کندھے مار کر اسے میرے قریب نہیں آنے دیا۔
ان میں سے ایک میرے ہاتھ سے ٹرالی چھیننے کی کوشش کرنے لگا۔ دوسرا اس سے زیادہ چالاک نکلا۔ اس نے جھٹ ٹرالی پر سے دونوں سوٹ کیس اتار لیے۔
وہ دونوں ہی تیز اور ناقابل فہم لب و لہجے میں کچھ بول رہے تھے۔ زبان بلاشبہ انگریزی تھی مگر ادھورے الفاظ اور بگڑے ہوئے لب و لہجے کی وجہ سے کچھ بھی میرے پلے نہیں پڑ رہا تھا۔
ٹرالی چھوڑ کر میں پھرتی سے دوسرے کالے کے سر پر پہنچ گیا۔ وہ میری ہدایت یا رضامندی کا انتظار کیے بغیر ایک طرف چلا جا رہا تھا۔
"یہ سوٹ کیس واپس ٹرالی میں رکھ دو۔" میں نے اس کی قمیص پکڑ کر خونخوار لہجے میں کہا۔
"ہا...... یو ینگ مین" اس نے مڑ کر بے نیازی سے کہا "تم ائرپورٹ پر آئے ہو تو تمہیں کہیں نہ کہیں جانا ہوگا۔ میں نیویارک کا کیڑا ہوں۔ میری لیموزین میں تمہیں لطف آ جائے گا۔"
"مجھے کیڑے مکوڑوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ شرافت سے سوٹ کیس رکھ دو ورنہ میں کسی پولیس والے کو بلاتا ہوں۔" اسے ہٹ دھرمی پر آمادہ پا کر میں نے مزید سختی سے کہا۔
وہ سر جھٹک کر مڑا تو خالی ٹرالی غائب ہو چکی تھی۔ پتا نہیں وہ کسی کالے کی شرارت تھی یا ائرپورٹ کے عملے کا کوئی مستعد اہل کار راستہ صاف رکھنے کے لیے اسے ہٹا لے گیا تھا۔
میں جس مقصد کے لیے ادھر آیا تھا، وہ سرے سے پورا نہیں ہو سکا تھا۔ ویرا کی کارگزاری کا مشاہدہ کرنے کے بجائے مجھے کالوں سے جان چھڑانے کی کوششوں میں الجھنا پڑا تھا۔ ٹرالی مفت میں ہاتھ سے نکل گئی تھی۔
اپنے سامان کے بارے میں میرا سخت رویہ دیکھ کر دوسروں نے میرا رخ نہیں کیا۔ اپنا سامان بچا لینے کے بعد مجھے خرم سلطان کی فکر ہو گئی تھی۔ اس کے لیے ان لوگوں

سے جیتنا آسان نہیں تھا۔

جوں ہی وہ عمارت سے برآمد ہوا، میں اپنے دونوں سوٹ کیسوں سمیت آگے بڑھا اور پھر میں نے اپنا سامان بھی اس کی ٹرالی میں لاد دیا۔

ٹیکسی ڈرائیوروں کو گمان ہوا کہ میں اسی کے انتظار میں وہاں رکا ہوا تھا۔ اس کے آجانے پر ان لوگوں کے ایک غول نے دوبارہ ہمارا رخ کیا مگر اس بار ان کے تیور جارحانہ نہیں تھے۔

میں انہیں ٹال کران علامات کے سہارے آگے چل دیا جو پبلک ٹرانسپورٹ کی نشاندہی کررہی تھیں۔ وجہ یہ تھی کہ میں نے ویرا کو اسی طرف جاتے دیکھا تھا۔

میں خرم کے ساتھ کنارے کنارے جا رہا تھا کہ بھیڑ سے اچانک ویرا کا چہرہ نمودار ہوا۔ اس نے ہاتھ ہلا کر مجھے اشارہ کیا اور رخ بدل کر اسی طرف چل دی جدھر ہم جا رہے تھے۔

ویرا کی رہنمائی میں ہم جلد ہی بس ٹرمنل پہنچ گئے جہاں اولیمپیا ٹریلز کی لمبی چوڑی اور آرام دہ بس مین ہٹن جانے کے لیے موجود تھی۔

ویرا خالی ہاتھ اور ہم سے آگے تھی۔ اس نے کاؤنٹر سے ٹکٹ لیے اور بس کے دروازے کے قریب رک کر ہمارا انتظار کرنے لگی۔

غنیمت یہ تھا کہ مسافروں کی مدد کے لیے وہاں ایک پورٹر بھی موجود تھا جس نے چاروں سوٹ کیس بس کے نچلے حصے میں بنے ہوئے کارگو ہولڈ میں منتقل کیے اور ہم بس میں سوار ہو گئے۔

''بس کے مقابلے میں ٹیکسی زیادہ بہتر رہتی۔ سامان کے ساتھ ہم کہاں مارے مارے پھریں گے؟'' بس میں نشستیں سنبھالنے کے بعد میں نے ویرا سے کہا۔

''فکر نہ کرو اور دیکھتے جاؤ۔ تمہارے دوست کی وجہ سے مجھے کچھ غیر ضروری احتیاط کرنی پڑ رہی ہے۔ ویسے بھی یہ بسیں ٹیکسی سے زیادہ محفوظ اور آرام دہ ہیں۔''

''میرا کام صرف یاددہانی کرانا تھا۔ اس سے آگے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میرے لیے آنے والے آدمی کا کیا بنا؟'' خرم سلطان نے خائفانہ انداز میں پوچھا۔ ویرا کو اردو بولتے دیکھ کر وہ بہت حیران نظر آرہا تھا۔

''وہ کوئی ٹٹ پونجیا تھا۔ میں نے قانون کے نام پر اسے للکارا تھا اور وہ فوراً ہی بھیڑ میں گھس کر فرار ہو گیا۔ چہرے مہرے سے وہ نیویارک کا کوئی ٹیکسی ڈرائیور معلوم ہو رہا تھا اور شاید تمہارا ہم وطن تھا۔''

''اس کے پیچھے تم کہاں غائب ہو گئی تھی؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہاں موجود لوگوں کو اپنی جعلی سرکاری حیثیت کا یقین دلانے کے لیے اس کے پیچھے جانا ضروری تھا۔''

''حیرت ہے کہ لوگوں نے اسے پکڑنے یا روکنے کی کوشش نہیں کی۔''

''یہاں شاذونادر ہی ایسا ہوتا ہے۔ ہر ایک کو اپنی جان پیاری ہوتی ہے۔ سب ڈرتے ہیں کہ کہیں بھاگنے والا ہتھیار نکال کر ان ہی کو نہ بھون ڈالے۔''

تھوڑی دیر میں بس کی تمام نشستوں پر مسافر آگئے لیکن بس رکی رہی۔ ویرا نے بتایا کہ وہ بسیں مسافروں کی کمی بیشی کی پروا کیے بغیر سختی سے مقررہ وقت پر روانہ کی جاتی ہیں۔ ان کے منزل پر پہنچنے کے بارے میں وقت کا قطعی تعین ناممکن تھا کیونکہ راستے میں ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ اکثر تاخیر کا سبب بن جاتی تھی۔

بس نیوآرک ائرپورٹ کے ٹرمنل سے روانہ ہوئی تو نیوجرسی سڑکوں پر ٹریفک کا زیادہ ہجوم نہیں تھا مگر دریائے ہڈسن پر بنے ہوئے خوب صورت پل سے ذرا پہلے بس کی رفتار خاصی کم ہو گئی۔ شاید اس کا سبب یہ تھا کہ نیوجرسی سے نیویارک جانے والے اسی راستے کو ترجیح دیتے تھے۔

نیویارک کی فلک بوس عمارتیں نیوجرسی سے بھی نظر آتی ہیں۔ جیسے جیسے فاصلہ کم ہوتا گیا، مین ہٹن کا چہرہ نکھر کر سامنے آتا گیا۔

مین ہٹن میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے پہلے اسٹاپ پر ہم نے بس چھوڑ دی۔ بس سے اترتے ہی ہمیں ٹیکسی مل گئی۔ اس کی خوبی یہ تھی کہ اس کے اسٹیرنگ وھیل پر ایک سفید فام نظر آرہا تھا۔ اس کی جگہ کوئی پاکستانی یا بھارتی ہوتا تو ہم ٹیکسی میں گفتگو کی آزادی سے محروم ہو سکتے تھے۔

ویرا نے ٹیکسی ڈرائیور کو کسی سستے ہاسٹل کا رخ کرنے کی ہدایت کی تھی۔
جہاز پر دوران سفر میں ہی یہ طے کرلیا گیا تھا کہ خرم کو اس کی ناگہانی مصیبت سے نجات دلانے کے لیے غیر ضروری طور پر گلے کا ہار نہیں بنایا جائے گا۔
اسے دو تین دن نیویارک میں رہ کر فلوریڈا میں اپنی منزل کی طرف کوچ کر جانا تھا۔ ہیروئن کے بارے میں کوئی اس سے رابطہ کرتا تو وہ وہی کہانی سناتا جو اسے بتائی گئی تھی یعنی انسداد منشیات والوں نے ہیروئن کا پیکٹ ضبط کر کے دو روز تک اس سے باز پرس کی پھر بڑی مچھلیوں پر ہاتھ ڈالنے کی امید میں اسے رہا کر دیا۔ اس شخص کو مزید خوف زدہ کرنے کے لیے وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ اکثر اوقات نامعلوم اور پُراسرار لوگ اس کے ارد گرد منڈلاتے رہتے ہیں۔
راستے میں ویرا نے نیویارک کے اضافی اخراجات کے لیے خرم کو دو سو ڈالر دینے چاہے تو اس نے رقم لینے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کی دانست میں ہمارا یہی احسان کافی تھا کہ کسی پرانی شناسائی کے بغیر ہم نے ایک مشکل وقت میں اسے مصائب سے بچایا تھا۔
وہ ٹریولرز چیک کی صورت میں خاصی رقم اپنے ساتھ لایا تھا مگر میں جانتا تھا کہ وہ اس کے ابتدائی تعلیمی اخراجات کے لیے تھی۔ اگر وہ اس میں سے ایک قابلِ ذکر رقم نیویارک میں خرچ کر دیتا تو اس کے لیے سنگین مالی مشکلات پیدا ہو سکتی تھی۔
ہائی نیویارک نامی ہاسٹل مین ہٹن کے جنوبی حصے میں واقع تھا جسے عرف عام میں ڈاؤن ٹاؤن کہا جاتا تھا۔ عام طور پر...... سیاح شہر کے مرکزی حصے کو ڈاؤن ٹاؤن کہتے ہیں لیکن مین ہٹن کی ساخت کچھ ایسی ہے کہ یہ ایک دریائی جزیرے کی صورت میں صرف دو میل چوڑا اور کم و بیش تیرہ میل لمبا ہے اور مقامی اصطلاح میں اسے اپ ٹاؤن، مڈ ٹاؤن اور ڈاؤن ٹاؤن کے شمالی، وسطی اور جنوبی حصوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ شہر کا مرکزی حصہ مڈ ٹاؤن پر مشتمل ہے۔
ویرا ٹیکسی سے اتر کر خرم کے ساتھ ہاسٹل میں گئی اور جلد ہی وہ دونوں لوٹ آئے۔
ہاسٹل میں گنجائش موجود تھی۔ ٹیکسی سے خرم کے سوٹ کیس اتارنے کے بعد اسے گرمجوشی سے الوداع کہتے ہوئے میں نے دو سو ڈالر کے نوٹ خاموشی سے اس کی جیب میں ڈال دیے۔
ہم تینوں کی رفاقت بہت مختصر لیکن گہری رہی تھی۔ اس نے دل گرفتہ انداز میں ہم دونوں سے ہاتھ ملائے اور جب ٹیکسی وہاں سے روانہ ہوئی تو اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔
''اب کہاں چلوں؟'' ٹیکسی کو حرکت میں لانے کے بعد ڈرائیور نے پوچھا۔
''مڈ ٹاؤن کے کسی بھی اوسط درجے کے ہوٹل کی طرف چلو۔'' ویرا نے مشورہ دیا۔
شہر کے پُرہجوم ٹریفک میں وہ سفر کافی طویل ثابت ہوا۔ سڑکیں بہت کشادہ تھیں لیکن دونوں طرف بنی ہوئی کثیر المنزلہ عمارات کی وجہ سے وہ تنگ محسوس ہو رہی تھی۔ بعض مقامات پر وہ عمارتیں ایک دوسرے سے یوں جڑی ہوئی تھیں کہ ٹیکسی سے کھلا آسمان ہی نظر نہیں آ رہا تھا۔
ہمارے سفر کا یہ دوسرا دور ہوٹل چین پلازا پر ختم ہوا۔ ڈرائیور نے ٹیکسی روکتے ہوئے کہا'' بے بی! یہ شہر کی بہترین جگہ ہے جو میرے علم میں ہے۔ کرایہ کم اور شہر کے قلب سے نزدیک تر۔''
''مجھے چلانے کی کوشش نہ کرو۔'' ویرا نے تمسخرانہ انداز میں کہا'' میں تبت سے نہیں آئی۔ اسی شہر میں پلی بڑھی ہوں۔ چاہو تو میں ابھی اس سے بہتر ہوٹلوں کے نام بتا سکتی ہوں۔''
''اس وقت تم مالک ہو۔'' وہ شانے اچکا کر بولا ''جو کہتی ہو وہی ٹھیک ہوگا مگر میں مناسب سی ٹپ کا حق دار ضرور بن چکا ہوں۔''
میں نے ویرا کے پہلو میں کہنی ماری کہ وہ اس سے باتوں کو طول نہ دے۔ ویرا نے فوراً ہی کرایہ ادا کیا۔ ہمارے دونوں سوٹ کیس بہت ہلکے تھے۔ ڈرائیور انہیں لے کر اندر چلا ہی تھا کہ ہوٹل کا پورٹر آ گیا۔
ڈرائیور اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ دونوں میں رسمی علیک سلیک ہوئی۔ ڈرائیور نے سوٹ کیس پورٹر کے

حوالے کرتے ہوئے خوش دلی سے کہا ''میری کو بتا دینا کہ یہ مہمان میرے ہیں۔''
وہ علاقہ مجھے پہلی نظر میں کچھ گندہ سا محسوس ہوا لیکن میں نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ پین پلازا کی عمارت اندر سے بہت صاف ستھری اور آراستہ تھی۔ کاؤنٹر پر چند ضروری اندراجات کے بعد ہمیں، پانچویں منزل پر ایک کمرا مل گیا۔ پورٹر کے ساتھ کشادہ کمرے میں پہنچ کر طبیعت خوش ہوگئی۔ ہوٹل اور اس کے کمروں کا معیار اس علاقے سے کہیں بہتر تھا۔
پورٹر نے سامان ایک کونے میں لگا کر فریج وغیرہ کا جائزہ لیا۔ چند مشوروں سے نوازا اور ٹپ لے کر چلا گیا۔
ویرا نے کمرا بند کیا تو میں آرام دہ بستر پر دراز ہو چکا تھا۔
''اب تم کمرے میں بند ہو کر نیستی پھیلاؤ گے!'' ویرا نے پلٹ کر آنکھیں نکالیں۔
''طویل سفر کی تکان تم بھی محسوس کر رہی ہو گی۔ ویسے لندن کے حساب سے رات ہو چکی ہے۔ جسمانی نظام کو وقت کی تبدیلی سے ہم آہنگ ہونے میں کچھ وقت تو ضرور لگے گا۔''
''اب تم لندن میں نہیں، نیویارک میں ہو۔ اسی شہر کی کسی عمارت میں آئزک بیل کا مسکن ہے۔ ہمیں یہاں ہر لمحے چوکنا رہنا ہوگا۔ غفلت کی اور مارے گئے۔''
''کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں اٹھ کر اسی وقت سڑکوں پر دوڑ لگانی شروع کر دوں۔''
''بدری ناتھ ہم سے پہلے یہاں پہنچ چکا ہے۔ اس نے اپنی سی ایس ڈی شیام ناتھ کو دے دی ہو گی۔ ہمیں سب سے پہلے اسی پر قبضہ کرنا چاہیے۔ اس کے بغیر تم آئزک بیل سے چھیڑ چھاڑ نہیں کر سکو گے۔''
''تھوڑی دیر بعد یہ کام کر لیا جائے گا۔ پہلے سوٹ کیس خالی کر ڈالو تا کہ میں کپڑے بدل سکوں۔''
ویرا جوتے اتار کر سوٹ کیسوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ میں نے ٹیلی وژن کھول دیا۔ ٹیلی وژن کے ساتھ ہی ایک تختی رکھی ہوئی تھی جس پر یہ اطلاع درج تھی کہ ہوٹل کے ٹیلی وژن پر نیویارک کے دو کیبل نیٹ ورک بھی دیکھے جا سکتے تھے۔
کپڑے بدل کر ہوٹل میں کافی دیر تک سستانے کے بعد میں نے بدری ناتھ کے کزن کو فون کرنے کا ارادہ کیا اور اس کا نمبر ملا لیا۔
دوسری طرف سے امریکی لب و لہجے میں ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ میں نے اپنا نام گرنام بتا کر شیام ناتھ کے بارے میں پوچھا اور چند ثانیوں بعد وہ لائن پر آ گیا۔
بدری ہی کے مشورے پر میں نے اس کے کزن کے لیے گرنام سنگھ کا نام اختیار کیا تھا۔ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ شیام مجھ سے فوراً بے تکلف ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ بدری نے میرے لیے ایک پیکٹ اس کے حوالے کیا ہے جو میں کسی بھی وقت اس سے لے سکتا ہوں۔
اس نے معذرت چاہی کہ اپنے ہوٹل کے بزنس کی وجہ سے وہ سارا دن بے حد مصروف رہتا ہے اس لیے میرے پاس نہیں آ سکے گا۔ مجھے براڈوے پر واقع اس کے ہوٹل پہنچنا ہوگا۔
میں نے اس سے اس کے ہوٹل کا پتا لے کر شام میں کسی وقت پہنچنے کا وعدہ کیا اور فون بند کر دیا۔
ویرا نے پتا لے کر دیکھا اور مجھے بتایا کہ شیام کا ہوٹل وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔
''یہ تم کہہ رہی ہو۔ میرے جیسے اجنبی کے لیے یہ پتا آسان ثابت نہیں ہوگا۔''
''پتا نہیں ہمیں کب تک اس شہر میں رہنا پڑے۔ تمہیں مین ہٹن سے تھوڑی بہت واقفیت حاصل کرنی پڑے گی ورنہ انسانوں کے اس جنگل میں بار بار بھٹکتے رہو گے۔''
''آسان زبان میں کچھ سمجھا سکتی ہو تو میں سننے پر آمادہ ہوں۔'' میں نے کہا۔
''مین ہٹن پر شمال سے جنوب کی طرف جانے والی ہر سڑک ایونیو کہلاتی ہے جس کی شناخت اس کے نمبر سے ہوتی ہے۔ ان سڑکوں کو قطع کرتی ہوئی ذیلی سڑکیں مشرق اور مغرب کو ملاتی ہیں اور اسٹریٹ کہلاتی ہیں جن کے نمبر انتہائی جنوب سے شروع ہوتے ہیں......'' ویرا نے بولنا شروع کیا۔ ابتدا میں، میں صبر سے اس کی وہ بے مغز تقریر

سنتا رہا پھر اکتا کر میں نے اسے خاموش کر دیا۔
''مجھے کسی امتحانی پرچے میں مین ہٹن کا نقشہ نہیں بنانا جو تم اتنی تفصیل میں جا رہی ہو۔ تھوڑی بہت انگریزی جاننے والا اس شہر میں زیادہ دیر تک نہیں بھٹک سکتا۔''
''ہم اس وقت زیرِ زمین ٹرین کے پین اسٹیشن کے سامنے ہیں۔'' وہ خفت آمیز لہجے میں بولی ''یہاں سے صرف چھ بلاک آگے شیام ناتھ کا ہوٹل ہے۔ تم چاہو تو ٹیکسی سے وہاں چلے جاؤ۔''
''کیا تم میرے ساتھ نہیں چلو گی؟'' میں نے چونک کر سوال کیا۔ میرے لیے یہ غیر معمولی بات تھی کہ ویرا از خود میرا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ تھی۔
''یہاں قدم قدم پر میرے پہچان لیے جانے کا خطرہ ہے۔ میں نے اپنے بالوں کے اسٹائل سے چال ڈھال تک میں بہت سی تبدیلیاں کی ہیں، پھر بھی میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گی۔''
''میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ اب تم ایک سگھڑ خانہ دار خاتون کی طرح ہوٹل میں رہو گی۔''
''اس بھول میں نہ رہنا۔ میں بستر توڑنے کے لیے نہیں آئی۔ آج رات میں اکیلی اس شہر کی سیر کو نکلوں گی اور پرانے ٹھکانوں پر جاؤں گی تا کہ یہاں کا نیا رنگ ڈھنگ دیکھ سکوں۔ یہ بھی پتا چل جائے گا کہ موجودہ تبدیلیوں کے ساتھ میں کس حد تک گمنام رہ سکتی ہوں۔''
''تمہاری تجویز مناسب ہے۔ میں دور رہ کر تمہاری دیکھ بھال کرتا رہوں گا۔''
''یہ مہربانی نہ کرو تو ہم دونوں کے حق میں زیادہ بہتر ہوگا۔'' اس نے قدرے تلخی سے کہا۔
''میرے دور رہنے میں تم کو کیا پریشانی لاحق ہو سکتی ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔
''تمہارے دل میں حسد، رقابت اور تنگ نظری نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ جہاز میں وہ یمنی ذرا سی دیر کے لیے میرے پاس آ کر بیٹھا تو تم سلگ اٹھے۔ یہ مغرب ہے۔ یہاں میل جول کے انداز بہت مختلف ہوتے ہیں۔ میں خود ہی اپنے کسی ہمدرد سے مل بیٹھی تو اخلاقی گرم جوشی کا منظر تمہیں مشتعل کر دے گا.....''
''تم ایک مدت تک پاکستان میں پاکستانی بن کر رہی ہو تو میں بھی چند روز کے لیے امریکیوں کی طرح ڈھیٹ، منہ پھٹ اور بے شرم بن سکتا ہوں۔ آزمائش شرط ہے۔''
ویرا صرف ہنس کر رہ گئی لیکن اس کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں نمایاں تھیں۔
ویرا کے بغیر اس اجنبی شہر کی سیر کا تصور اس قدر دل خوش کن تھا کہ میں رات ڈھلنے کا انتظار نہیں کر سکا اور اسی وقت تیار ہو کر ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا۔
ہوٹل سے باہر آ کر میں بائیں طرف مڑا تو مجھے ایک جانی پہچانی فلک بوس عمارت کا ہیولا نظر آیا۔ وہ عمارت اسی سڑک پر کچھ دور دوسری طرف واقع تھی۔ چند قدم بعد ہی مجھے یاد آ گیا کہ وہ ایک زمانے میں دنیا کی بلند ترین عمارت کا اعزاز رکھنے والی امپائر اسٹیٹ بلڈنگ تھی جس کی ایک سمت پر میرے پین پلازا ہوٹل کی ۳۴ ویں اسٹریٹ واقع تھی۔
اس سڑک کے نکڑ پر آ کر میں دوبارہ بائیں طرف سیونتھ ایونیو پر مڑ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ لندن کے برعکس نیو یارک کی ان مشہور سڑکوں پر پیدل چلنے والوں کی بھیڑ بھاڑ نہیں تھی، سڑکیں گاڑیوں سے بھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔
میں نے دوبارہ ہوٹل تک پہنچنے کے لیے ان دو سڑکوں کے اتصال کی کچھ نشانیاں ذہن نشین کیں اور آگے چل دیا۔ ویرا کی رہنمائی کے مطابق شیام ناتھ کا ہوٹل اسی طرف ہو سکتا تھا۔
ویرا نے ہوٹل کے کمرے میں بیٹھ کر چھ بلاک کے فاصلے کا ذکر کیا تو مجھے حقیقی فاصلے کا ادراک نہیں ہو سکا۔ اگلی اسٹریٹ پر پہنچ کر مجھے اندازہ ہوا کہ نیو یارک میں وہ بلاک کافی طویل تھے مگر میں چلتا ہی رہا۔ فاصلے کے اس احساس نے میری حوصلہ شکنی نہیں کی تھی۔
پیش قدمی کرتے ہوئے مجھے جا بجا سڑکوں کے نمبر نظر آ رہے تھے۔ وہ سب کچھ اس قدر نظم اور ترتیب سے تھا کہ مجھے بے اختیار ویرا کی سادہ سی وضاحت یاد آ گئی کہ مین ہٹن کا پورا علاقہ افقی اور عمودی سڑکوں کے درمیان بٹا ہوا تھا۔ ان کی مدد سے آدمی کسی بھی مطلوبہ مقام تک پہنچ سکتا

تھا۔

چالیسویں اسٹریٹ پر وسیع و عریض بس ٹرمنل کے قریب ہی شیام ناتھ کا چھوٹا سا ہوٹل آسانی سے مل گیا۔ وہاں کھانے پینے کے ساتھ گاہکوں کو شراب سے کافی تک، ہر پسندیدہ مشروب فراہم کرنے کا بندوبست تھا اور شام بھیگنے سے پہلے وہاں کی کئی میزیں آباد نظر آ رہی تھیں۔

شیام نے خالص ہندوانی انداز میں دونوں ہاتھ جوڑ کر نمستے کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ مجھے ایک میز پر بٹھاتے ہی وہ اپنے کیش کاؤنٹر سے بدری ناتھ کا دیا ہوا پیکٹ نکال لایا۔

شیام بہت خوش مزاج اور یار باش آدمی تھا۔ شادی کے جھنجٹ میں پڑے بغیر بے فکری کی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ مجھے دیر تک اپنے ساتھ بٹھائے رکھنے اور رات کا کھانا کھلانے پر مصر تھا مگر سی ایس ڈی ہاتھ آ جانے کے بعد میں جلد از جلد ہوٹل پہنچنا چاہ رہا تھا۔ اس کے ساتھ امریکی بیئر کا ایک بڑا گلاس خالی کرنے کے بعد میں نے اس سے اجازت لے لی۔

باتوں ہی باتوں میں، میں نے اس سے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ بدری نیویارک میں کسی گورے کا مہمان تھا جو اسے لینے کے لیے ائرپورٹ پر آیا تھا لیکن اس امریکی نے بدری کے مقامی پتے یا ٹھکانے کے بارے میں اسے ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔

پورٹ اتھارٹی بس ٹرمنل پر مجھے آسانی سے ٹیکسی مل گئی اور میں چند منٹ میں ہوٹل واپس پہنچ گیا۔

ویرا بہت اضطراب اور پریشانی کے عالم میں میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔

”جس لڑکے کو تم معصوم اور بے گناہ تصور کر رہے تھے، وہ ایک انسان کی بھینٹ لے چکا ہے۔“ ویرا نے میرے بیٹھتے ہی اضطراری لہجے میں وہ دھماکا کر دیا۔

”خرم سلطان اور انسانی بھینٹ؟“ میں نے آنکھیں پھاڑ کر بے یقینی سے دہرایا۔

”تھوڑی دیر پہلے مقامی خبروں میں بتایا گیا ہے کہ بروکلین میں کسی شقی القلب قاتل نے ایک ٹیکسی میں اس کے پاکستانی ڈرائیور کو گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے۔“

”مگر اس ٹیکسی ڈرائیور سے خرم کا کیا تعلق؟ اسے ہاسٹل پہنچانے والا ٹیکسی ڈرائیور پاکستانی کب تھا جو تم ان دونوں باتوں کو ملا رہی ہو۔“

”یہاں بھی یورپ اور برطانیہ جیسے طور طریقے رائج ہیں۔ عوام سے اچھی یا بری خبر نہیں چھپائی جاتی۔ خبر کے ساتھ اس مقتول کو بھی اسکرین پر دکھایا گیا تھا جو چند گھنٹے پہلے ائیرپورٹ پر خرم سلطان کو لینے کے لیے آیا ہوا تھا۔ اسے پہچان لینے کے بعد میں وثوق سے بات کر رہی ہوں۔“

”اوہ!“ بے اختیار میرے منہ سے ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔ ”میری چھٹی حس بار بار مجھے کسی نا معلوم خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔ میں حیران تھا کہ ہیروئن کی اسمگلنگ کا یہ قصہ اتنی آسانی سے کیسے طے ہو گیا۔ شاید اسے اس کی ناکامی پر سزائے موت دی گئی ہے۔“

”اس کی موت کے بعد اب خرم سلطان کی جان کو زیادہ سنگین خطرہ لاحق ہے۔“ ویرا پر تشویش انداز میں بولی ”مقتول کے بارے میں واقعات معلوم ہوتے ہی وہ پریشان ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ اسے اسی وقت فون کر کے ہوشیار کر دینا چاہیے۔“

”یہ ہماری سب سے بڑی غلطی ہو گی۔ اسے بے خبر اور پرسکون رہنے دو۔ ایئرپورٹ پر اس نے اپنے میزبان کا سایہ تک نہیں دیکھا تھا۔ اس کے باہر آنے سے پہلے ہی تم نے اس شخص کو بھگا دیا تھا۔ تصویر کیا، لاش دیکھ کر بھی خرم اسے نہیں پہچان سکے گا۔“

”یہ چکر میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ ویرا کی تشویش بدستور برقرار تھی ”ٹیکسی ڈرائیور کے قاتل اب خرم کی تلاش میں نکلیں گے اور وہ ضرور مارا جائے گا۔“

”شاید ایسا نہ ہو۔ میرا ذہن کچھ کڑیاں ملا رہا ہے۔ اگر وہ درست ہیں تو پھر یہ کچھ اور ہی معاملہ ہے۔“

”یعنی ٹیکسی ڈرائیور کے قتل کا ہیروئن کی اسمگلنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے؟“

”ضرور ہے۔ میرا خیال ہے کہ مرنے والا مڈل مین تھا۔ ٹریول ایجنسی والے انعام کی ملی بھگت سے اس نے یہ سارا چکر چلایا ہو گا۔ انعام مطمئن ہو گا کہ خرم کے ذریعے دو

تو ہیروئن نیو یارک بھیج کر وہ پلک جھپکتے میں کروڑ پتی ہو جائے گا......"

"مگر ہیروئن نیو یارک کی کسی دکان میں سجا کر بیچی جانے والی چیز نہیں ہوتی۔" ویرا میری بات کاٹ کر بولی "اگر خریدار سامنے موجود نہ ہو تو ایسی قیمتی منشیات کی وقعت نمک کے تھیلے جتنی بھی نہیں رہتی۔ اس کے صحیح دام صحیح خریدار ہی دے سکتا ہے۔"

"گڈ!" ایک مسکراہٹ کے ساتھ اس کی پوری بات سن لینے کے بعد میں نے تعریفی لہجے میں کہا "میں بھی اسی طرف آرہا تھا۔ مرنے والے نے اس ہیروئن کا پیشگی سودا کیا ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے کوئی بڑی رقم پیشگی بھی لے لی ہو۔ پرواز آئی تو تم نے اسے للکار کر بازی بگاڑ دی۔ اس نے واپس جا کر گھبراہٹ کے عالم میں خریدار کو بلاکم وکاست ہر بات بتادی اور اس نے مڈل مین کو مروا دیا۔"

"آخر کیوں؟ اتنی کڑیاں جوڑ رہے ہو تو قتل کا کوئی سبب بھی تو سامنے آنا چاہیے۔"

"دو باتیں ہو سکتی ہیں۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ کوئی زیر زمین گروہ ہے تو وہ کسی ایسے آدمی کا وجود برداشت نہیں کرے گا جو ان کے اصل دھندے سے واقف ہونے کے بعد ایف بی آئی جیسے کسی ادارے کی نظروں میں آگیا ہو۔ دوسرا جھگڑا پیشگی دی ہوئی رقم کی واپسی کا ہوسکتا ہے۔ ہیروئن ہاتھ سے نکل گئی، سودا منسوخ ہوگیا۔ خریدار نے رقم کی طلب کی۔ مقتول اسے اڑا چکا تھا۔ بات بڑھ گئی اور مڈل مین مارا گیا۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ اب امریکا میں کوئی نہیں جانتا کہ خرم سلطان پاکستان سے دو کلو ہیروئن لے کر نیو یارک پہنچنے والا تھا۔ مجھے وہ لڑکا ہر خطرے سے باہر نظر آرہا ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ انہوں نے مارنے سے پہلے اس سے بازپرس کر کے سب کچھ اگلوا لیا ہو؟"

"وہاں قصہ لڑکے کی بد نیتی یا فرار کا نہیں تھا۔ اصل دہشت یہ تھی کہ ایف بی آئی کی ایک خاتون افسر نے مقتول کو پہچان لیا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ بھی پھنس سکتے تھے۔ اس قسم کے مجرم اپنی گردن بچانے کے لیے دو کلو تو کیا دو من ہیروئن پر بھی لعنت بھیج سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ اس معاملے میں بلیک ڈیڈ ضرور میری مدد کر سکتا ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"بلیک ڈیڈ؟ یہ کیا بلا ہے؟" میں نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔ "تمہاری یہ خود کلامی مجھے الجھن میں ڈال دیتی ہے۔"

"نیو یارک کئی انتظامی حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ ان میں ہارلم سب سے گندہ اور خطرناک علاقہ ہے۔ میری آخری معلومات کے مطابق بلیک ڈیڈ اس علاقے کا سب سے خطرناک آدمی ہوا کرتا تھا۔"

"سلیس اردو میں تم اسے نیو یارک کا دادا بھی کہہ سکتی تھیں۔ اپنے نام کی طرح وہ یقیناً سیاہ فام ہی ہوگا۔"

"اس کا اصل نام کچھ اور ہے، وہ اپنی عرفیت سے پہچانا جاتا ہے۔ وہ اپنی ماں کی طرح سفید فام ہے لیکن اس کا باپ نیگرو تھا۔ وہ میری بہت عزت کیا کرتا تھا۔"

"جمی لائیڈ کے قتل کے بعد تم پورے یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کہہ سکتیں۔"

"میں بلیک ڈیڈ سے ضرور رابطہ کروں گی۔ ویرا نہیں، اس کی سہیلی بن کر میں اس کے دل کا حال جان سکتی ہوں۔ میرے اگلے رویے کا انحصار اس کی نیت پر ہوگا۔"

میں کمرے میں لگے ہوئے فون سے سی ایس ڈی جوڑنے میں مصروف ہوگیا۔ وہ کام چند سیکنڈ میں مکمل ہوگیا۔ ویرا قریب کھڑی اس کارروائی کا جائزہ لے رہی تھی۔

میرا ارادہ آرزک بنگل کو فون کرنے کا تھا مگر ویرا بلیک ڈیڈ سے بات کرنے پر مصر تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ بلیک ڈیڈ کی وفاداریوں میں تبدیلی نہ آچکی ہو تو وہ ہمارے لیے ایک مضبوط سہارا ثابت ہوسکتا تھا۔ تھوڑی سی بحث کے بعد میں نے اس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔

ویرا کی گھسی پٹی ڈائری میں اس کے بھلے دنوں کے بے شمار فون نمبرز موجود تھے۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد اسے اپنا مطلوبہ نمبر مل گیا اور وہ فون کے قریب بیٹھ گئی۔

"اس تک رسائی کبھی بھی آسان نہیں رہی۔ مجھے ہمیشہ ایک پاس ورڈ دینا ہوتا تھا۔ خدا کرے کہ وہ پاس ورڈ

تبدیل نہ ہوا ہو ورنہ اس سے بات نہیں ہو سکے گی۔'' اس نے نمبر ملاتے ہوئے کہا۔
میں تجسس آمیز خاموشی کے ساتھ اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔
ریسیور میں گھنٹی بجنے کی آواز اتنی تیز اور واضح تھی کہ ویرا سے کئی فٹ دور ہونے کے باوجود مجھے سنائی دے رہی تھی۔ میں بہت تیزی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ کر ویرا کے ساتھ جا بیٹھا تھا تاکہ دوسری طرف سے کہی جانے والی باتیں بھی براہ راست سن سکوں۔ ''پولر اسٹار۔ بلیک ڈیڈ سے بات کرا دو۔'' رابطہ ہوتے ہی ویرا نے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔
''سوری بے بی!'' نشے میں چور ایک بھاری مردانہ آواز ابھری۔ ''دوسرا نمبر لکھ لو۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے ایک فون نمبر دہراتا چلا گیا اور پھر لائن بے جان ہو گئی۔
ویرا نے فون کے قریب پڑے ہوئے پیڈ پر وہ نمبر لکھ لیا اور بولی۔ ''خدا کا شکر ہے کہ پرانا پاس ورڈ چل گیا۔ اب کسی نہ کسی نمبر پر اس سے بات ہو ہی جائے گی۔''
پتا نہیں وہ آدمی تھا یا چھلاوا، ہر نئے نمبر سے ایک نیا فون نمبر دیا جاتا رہا۔ وہ کہیں بھی موجود نہیں تھا، ساتویں کوشش بارآور ثابت ہوئی اور فون ریسیو کرنے والی نے لمحہ بھر میں کال بلیک ڈیڈ کو منتقل کر دی۔
''تم کون ہو؟ کیا میں تم کو جانتا ہوں؟'' ریسیور پر ایک سخت اور بھاری مردانہ آواز گونجی۔
''نہیں، مگر تم مس لائیڈ کو ضرور جانتے ہو۔ میں اس کی سہیلی ہوں۔ تمہارا نمبر اور پاس ورڈ اسی نے دیا تھا۔'' ویرا رکے بغیر ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔
''اوہ، مس لائیڈ۔ وہ ایک عظیم باپ کی عظیم بیٹی ہے مگر وہ کہاں ہے؟'' ویرا کے لیے بلیک ڈیڈ کی زبان سے نکلنے والے ان بے ساختہ فقروں نے اس کی ہمدردیاں واضح کر دی تھیں۔
''وہ لندن میں ہے اور یہاں آنے کے لیے پر تول رہی ہے۔'' ویرا نے مجھے آنکھ مار کر ماؤتھ پیس میں کہا۔
بلیک ڈیڈ کے فقرے سن کر اس کا چہرہ دمک اٹھا تھا۔
''نو، نو...... اسے روک دو۔ یہاں کا ماحول اس کے لیے سخت خطرناک ہے۔ پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا ہے۔ اس کے سینے پر اپنا خون بہانے والے اس کی جان کے دشمن ہو چکے ہیں۔ میرا پیغام اسے دے دینا۔ اب یہ بتا ڈالو کہ تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟''
ویرا نے لمحہ بھر کے لیے خاموش سی ایس ڈی کی طرف دیکھا پھر اپنی اصل آواز میں بولی ''ڈیڈ! میں خود تمہارے شہر میں موجود ہوں......''
''اوہ...... نو'' بلیک ڈیڈ اس کی بات کاٹ کر بے یقینی سے بول پڑا۔ ''تم کو اندازہ نہیں کہ یہ تمہاری زندگی کی آخری غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ جلد از جلد یہاں سے نکل جاؤ۔ شاید میں بھی تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا۔ یہاں کی ہر ایجنسی آج تمہارے دشمنوں کی پشت پناہ بن چکی ہے۔''
''ہمدردی اور مشورے پر میں تمہاری بہت ممنون ہوں، ڈیڈ!'' ویرا نے سنجیدگی سے کہا'' فی الحال مجھے بروکلین میں ہونے والے قتل نے پریشان کیا ہوا ہے......''
''میرے آدمیوں کے ہاتھ صاف ہیں۔'' وہ ویرا کی بات کاٹ کے بول پڑا'' تم جانتی ہو کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ میں نے سنا ہے کہ اسے مارنے والوں کا کسی ڈیوڈ اسٹار سے قریبی میل جول ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کل تک بہت کچھ سامنے آ جائے، اس بارے میں تمہاری پریشانی قابل فہم ہے۔''
بلیک ڈیڈ کی زبان سے ڈیوڈ اسٹار کا ذکر سن کر میرا دل بری طرح دھڑک اٹھا۔ خرم سلطان اور مقتول ٹیکسی ڈرائیور کی مثلث کے تیسرے کونے پر یکایک نمودار ہونے والا وہ نام کوئی اچھا شگون نہیں تھا۔
''کیا میں تھوڑی دیر کے لیے تم سے مل سکتی ہوں؟'' ویرا نے پُرامید لہجے میں پوچھا۔
''نہیں، بس فون کافی ہے۔'' اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر صاف انکار کر دیا'' مل بیٹھنا میرے ساتھ تمہارے لیے بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اکیلا نہیں چلتا۔ تمہیں پہچان کر میرے آدمیوں میں سے کسی کے دل میں لالچ آ گیا تو ہم دونوں تباہ ہو جائیں گے۔''

''پھر مجھے کوئی راہ بتاؤ۔ میں انتقام کی آگ میں جل رہی ہوں۔'' ویرا نے کہا۔

''جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ اب صبر کرو اور خاموشی سے واپس لوٹ جاؤ۔ یہاں تمہارے دشمن بہت طاقتور ہیں۔ وہ آسانی سے تمہیں پیس کر رکھ دیں گے۔ میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں، بائے!''

دوسری طرف سے سلسلہ کلام ختم کر دیا گیا۔ ویرا نے شکست خوردہ انداز میں ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ اس کی آنکھوں سے یک بیک غصہ جھلکنے لگا تھا۔

''بہت کھرا اور صاف گو آدمی معلوم ہوتا ہے۔'' میں نے توصیفی لہجے میں کہا۔

''بزدل ہے۔'' ویرا حقارت سے بولی'' طاقت وروں سے ڈرتا ہے اور کمزوروں پر راج کرتا ہے۔ اس کا یہ روپ آج میرے سامنے آیا ہے۔ میں اسے بے جگر سمجھتی تھی۔''

''ہر شخص کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ یہی بہت بڑی بات ہے کہ وہ تمہیں ڈبل کراس نہیں کرے گا۔ اس نے تم سے یہ تک نہیں پوچھا کہ تم شہر میں کہاں مقیم ہو۔''

''اب اسے بھول جاؤ۔ وہ پیدائشی دوغلا ہے اور اس وقت اپنا دوغلا پن دکھا گیا۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ برو کلین کے قتل میں سی ڈیوڈ اسٹار کا نام کہاں سے آ ٹپکا۔''

''بلیک ڈیڈ کی کہی ہوئی اس بات پر تم کس حد تک اعتبار کر سکتی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ بے بنیاد ڈینگیں نہیں مارتا، نہ افواہوں پر یقین کرتا ہے۔ اسی وجہ سے میں اس بات کو اہمیت دینے پر مجبور ہوں۔ اس وقت آئزک بیل شی کے ساتھ ڈیوڈ اسٹارز پر بھی قابض ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ صرف دو کلو ہیروئن کے لیے وہ لوگ میدان میں اترے ہوں گے۔''

''یہ نہ بھولو کے قطرہ قطرہ کر کے ہی دریا بنتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اب وہ لوگ بھی کھل کر ہیروئن کے کاروبار سے دولت کمانے کے دھندے میں لگ گئے ہوں۔''

''دیکھنا یہ ہے کہ صبح کے اخبارات میں اس قتل کو کس رنگ میں پیش کیا جاتا ہے۔''

''اچھا ہوا کہ پہلے بلیک ڈیڈ سے بات ہو گئی، اس کے انکشاف کی روشنی میں، میں آئزک بیل کو زیادہ خوف زدہ کر سکوں گا۔'' میں نے فون اپنی طرف لیتے ہوئے کہا۔

وہ کوئی جواب دیے بغیر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گئی۔ میں نے لمحہ بھر غور کرنے کے بعد آئزک بیل کا نمبر ملالیا۔ گھنٹی بجتے ہی وہ خود لائن پر آ گیا۔

''میں تمہارا مشکور ہوں کہ تم نے اپنے وعدے پر عمل کر کے اپنی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا ہے۔'' میں نے کسی تمہید کے بغیر تشکر آمیز لہجے میں کہا۔

''تم انقرہ جانے کے بجائے نیویارک کیوں آئے ہو؟'' اس نے پورے اعتماد کے ساتھ تیکھے لہجے میں سوال کر کے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

میں نے بہت تیزی سے سوچا کہ شاید فون پر بین الاقوامی کال کا مخصوص سگنل نہ سننے کی وجہ سے اس نے اندھیرے میں تیر چلا کر میری زبان سے حقیقت اگلوانے کی کوشش کی تھی۔

''اگر میں یہ کہوں کہ میں انقرہ میں ہی ہوں اور ایک سیٹلائٹ فون کے ذریعے تم سے رابطہ کر رہا ہوں تو کیا تم پھر بھی اپنے سوال پر اصرار کرو گے؟'' میں نے بھی اسی کے لہجے میں جواب دیا۔

''تم مریخ پر موجود ہونے کے دعوے کرتے رہو۔ اس سے حقائق نہیں بدل سکیں گے۔ آج شام ویرا کو نیو آرک ائرپورٹ پر دیکھا گیا تھا۔''

''ویرا تو اب تمہیں خواب میں بھی نظر آنے لگی ہو گی۔'' میں نے طنز سے کہا۔

''اسے اپنی خوب صورتی پر بہت ناز ہے مگر میں اسے کسی قابل نہیں سمجھتا۔ بہت جلد اس کا چہرہ اتنا بگاڑ دیا جائے گا کہ وہ آئینوں سے نفرت کرنے لگے گی۔''

اچانک فون سے منسلک سی ایل ڈی پر سرخ بلب روشن ہونے کے ساتھ بزر کی ہلکی سی آواز آنے لگی اور میں نے بوکھلا کر ہاتھ سے کریڈل دبا دیا۔ بزر فوراً خاموش ہو گیا۔

''بدری کا یہ تحفہ واقعی بہت کارآمد ہے۔'' ویرا بول اٹھی ''شاید وہ ایکسچینج کے ذریعے اس نمبر کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب اسے نیویارک میں ہماری

موجودگی کا علم ہو ہی چکا ہے تو اس سے پبلک بوتھ سے بات کرنی چاہیے۔"

"یہ کوشش میں اسی وقت کروں گا۔ بات مسلسل الجھتی ہی جا رہی ہے۔"

"اس کا یہ دعویٰ حیران کن ہے کہ مجھے آج شام ائر پورٹ پر دیکھا گیا ہے۔"

"اس کے کسی آدمی نے دیکھا ہوتا تو وہ سائے کی طرح ہمارا پیچھا کر رہا ہوتا اور ہم پر اب تک قیامت ٹوٹ پڑی ہوتی۔ ایسا تو نہیں کہ بلیک ڈیڈ نے اسے فون گھما دیا ہو؟"

"میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ تم نے اس کی باتیں اپنے کانوں سے سنی تھیں۔ وہ آخر میں روکھا ضرور ہو گیا تھا مگر وہ ایسی گھٹیا حرکت ہرگز نہیں کر سکتا۔" ویرا نے پُرزور لہجے میں کہا۔

"اور اس وقت آئزک بیل بھی جھوٹ نہیں بول رہا۔ اسے یہ خبر کس نے دی ہوگی؟"

"میرے لیے اس کی بات ناقابلِ یقین ہے۔ میں نے اپنے آپ میں اتنی نمایاں تبدیلیاں کر لی ہیں کہ میں سرسری انداز میں آئزک بیل کے سامنے سے گزر جاؤں تو ایک نظر میں وہ بھی مجھے نہیں پہچان سکے گا۔ جہاز میں پاکستانی لڑکے کی ذرا سی پریشانی سے شروع ہونے والی یہ کہانی الجھتی ہی جا رہی ہے۔"

"میں اسے فون کر کے آتا ہوں۔" میں نے مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی "یہ معما حل نہ ہوا تو آج رات مجھے نیند نہیں آسکے گی۔"

"یہ یاد رکھنا کہ علاقہ ہوٹل سے ... رہو اور پھر واپسی پر پاکستان بھی بات کرنی ہے۔"

میں ایک مرتبہ پھر ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا۔ ویرا مجھے مین ہٹن کی تقسیم کے بارے میں چند موٹی موٹی باتیں بتا چکی تھی۔ میں ہوٹل سے شمال کے بجائے جنوب کی طرف ہولیا تا کہ شہر کے وسطی حصے کے بجائے جنوبی سرے کے کسی بوتھ سے آئزک بیل سے بات کرسکوں۔

ہوٹل سے ذرا سی دور سب وے کا پین اسٹیشن دیکھ کر میں اسی میں گھس گیا۔

دنیا کے دوسرے ترقی یافتہ اور بڑے شہروں کی طرح نیو یارک میں بھی زیر زمین ریلوں کا جال پھیلا ہوا ہے جسے سب وے کہا جاتا ہے۔ میرے پاس دیوار گیر نقشوں وغیرہ کے مطالعے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے نقشے کے جنوبی سرے پر ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا نام پڑھا اور ٹکٹ لے کر نیچے پہنچ گیا۔ اسی کے ساتھ میں نے فون کارڈ بھی خرید لیا۔

نیو یارک میں رات ہو چکی تھی۔ سب وے کے مشینی اور بے جان راستوں پر آتے جاتے بے شمار مسافروں کی صورت میں رنگ و بو کا ایک حسین سیلاب رواں تھا۔ روشنیوں اور روشن چہروں کے ہجوم سے گزرتا اور رہنما اشاروں کی تقلید کرتا ہوا میں اپنے مطلوبہ پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔

وہاں مجھ سے پہلے بہت سے مسافر موجود تھے اور ان کی تعداد میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

چند منٹ بعد شمال سے ٹرین آئی، دروازے کھلے، چند مسافر اترے اور اسٹیشن پر کھڑے ہوئے سارے مسافر اس روشن اور کشادہ زیر زمین ٹرین میں سوار ہو گئے۔

اس وقت میرے ذہن پر صرف اور صرف آئزک بیل کی فکر سوار تھی۔ میں اسٹیشنوں کا جائزہ لیتا رہا مگر... نیو یارک میں اپنے پہلے زیر زمین سفر سے لطف اندوز نہیں ہو سکا۔

راستے میں، میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ پلیٹ فارموں پر بھی فون بوتھ موجود تھے۔ ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر میں پلیٹ فارم سے اوپر چلا آیا کیونکہ مجھے واپسی کا ٹکٹ بھی خریدنا تھا۔

اس بار آئزک بیل نے دوسری گھنٹی مکمل ہونے کے بعد فون اٹھایا۔

"بات ادھوری رہ گئی تھی۔" میں نے اس کی آواز سن کر سکون سے کہا "کہیں اب ویرا تمہیں اپنے دفتر میں تو نظر نہیں آ رہی؟"

"کاش وہ ادھر آنے کی حماقت کر سکے۔" اس کی آواز میں حسرت امڈ آئی۔

"تمہارے شہر کا نظام بہت اچھا ہے۔ یہاں آ کر طبیعت خوش ہو گئی۔" اس بار میں نے خود ہی شہر میں اپنی موجودگی کا اعتراف کر لیا۔ "یہاں آتے ہی تمہارے فون نمبر کے ذریعے ہم نے تمہارا پتا حاصل کر لیا ہے اور جلد ہی تم سے ملاقات کے لیے تمہارے ٹھکانے پر چھاپا ماریں گے۔"

"ناممکن۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔" اس کی اونچی اور غصیلی آواز سنائی دی "یہ میرا ان ڈائریکٹری اور ذاتی نمبر ہے۔ کمپنی کسی قیمت پر پتا نہیں دے سکتی۔"

"یہ مت بھولو کہ اس شہر میں ویرا بھی تھوڑا بہت اثر و رسوخ رکھتی ہے۔" میں نے اسے چڑایا۔

"اگر تمہارا یہ جھوٹ درست ثابت ہوا تو میں کمپنی پر دعویٰ کر دوں گا۔" وہ غرایا۔

"اس جھوٹ کے سچ ثابت ہونے کے بعد تم دعویٰ ٹھونکنے کے لیے زندہ نہیں رہ سکو گے۔ بہتر یہی ہے کہ صبح یہ کام کر لینا ورنہ مرنے کے بعد بھی پچھتاتے رہو گے۔"

"تم سچے ہو تو بتاؤ کہ تمہیں کیا پتا دیا گیا ہے؟" اس کی آواز احمقانہ سی ہو گئی۔

"ابھی تم نے خود کہا تھا کہ وہ پتا کسی کو نہیں دیا جا سکتا، میں کیسے بتا سکتا ہوں۔"

"میں تمہاری کسی بات کا اعتبار نہیں کر سکتا۔ تھوڑی دیر پہلے تم مجھے جھٹلا رہے تھے اور اب خود ہی نیو یارک میں موجودگی کا اعلان کر رہے ہو۔ شاید موت کی دہشت سے تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"

"تمہاری پریشانی دور کرنے کے لیے میں نے یہ اعلان کیا ہے ورنہ میں انقرہ میں ہی ہوں۔"

"ٹی وی پر خبریں یا پھر صبح کے اخبار دیکھ کر تم دونوں کے حواس گم ہو جائیں گے۔ ویرا نے ایف بی آئی کی افسری کا ڈھونگ رچا کر جس ٹیکسی ڈرائیور کو خوف زدہ کیا تھا وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ اس خون میں تمہارے ایک ڈیوڈ اسٹار کے ہاتھ رنگے ہوئے ہیں۔ حیرت ہے کہ اب تمہارے معزز اور باحیثیت ساتھی ایسے گھٹیا جرائم بھی کرنے لگے ہیں۔"

"یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ عہد شکنی کی سزا صرف موت

نہ مقرر کی جائے تو ہر حریص شخص وعدے توڑنے پر تلا رہے گا...... ویسے اس خون پر خود مجھے ملال ہے۔ مرنے والے نے اپنی سزا کا حکم سننے کے بعد دیوار پر لگی ہوئی ویرا کی تصویر کو دیکھا تھا اور بے ساختہ چیخ اٹھا تھا کہ ائرپورٹ پر اسے للکارنے والی عورت وہی تھی۔ میرے آدمی نے اس پر اعتبار نہیں کیا۔ وہ سمجھا کہ اس سے پیشگی رقم ہضم کر کے مال نہ دینے والا مجرم اپنی جان بچانے کے لیے بہانے بازی کر رہا ہے۔ یہ سب مجھے اس کی موت کے بعد معلوم ہوا ورنہ اس وقت میرے پاس ایک ایسا پاکستانی ہوتا جو ویرا کو اس کے موجودہ بہروپ میں بھی پہچان سکتا تھا۔''

چشم زدن میں سب کچھ واضح ہو گیا۔ آئزک بیل کی ڈیوڈ اسٹارز کا کوئی کروڑ پتی رکن ہی مقامی بدمعاشوں کے ذریعے ہیروئن کی خریداری میں سرمایہ کاری کر رہا تھا اور اس نے مقتول کی ناکامی کی خبر سن کر اس کے قتل کا حکم صادر کیا تھا۔

اس وقت وہ شخص موت کی دہشت میں مبتلا تھا۔ اس نے ویرا کو اس کے بدلے ہوئے روپ میں دیکھا تھا مگر اس کے خدوخال اس کے ذہن پر نقش ہو چکے تھے کیونکہ اسی کی وجہ سے وہ موت کی دہلیز پر پہنچا تھا۔ وہ اس کی زندگی کے آخری لمحات تھے۔ ویرا کی دیوار گیر تصویر پر پہلی نظر پڑتے ہی اس نے اصل خدوخال پہچان لیے۔ موت کو سر پر منڈلاتا دیکھ کر اس کی ساری حسیں تیز ہو چکی تھیں مگر اس کی زندگی نہ بچ سکی۔ ڈیوڈ اسٹار کے آدمیوں نے اسی ٹیکسی کو اس کا مقتل بنا دیا۔

''حیرت ہے کہ ایک طرف تم ویرا کے دشمن ہو اور دوسری طرف اسے اتنی تکریم دیتے ہو کہ تمہارے ڈیوڈ اسٹارز اپنے اڈوں میں اس کی بڑی بڑی تصویریں لگائے بیٹھے ہیں۔'' اپنی ذہنی رو کے باوجود میں نے آئزک بیل کے ساتھ گفتگو کے تسلسل میں فرق نہیں آنے دیا۔

''وہ اشتہاری مجرمہ ہے اور اشتہاری مجرموں کی اس سے زیادہ تشہیر کی جاتی ہے۔ اسے تم عزت افزائی سمجھتے ہو تو یہ تمہاری بے شرمی اور ڈھٹائی ہے۔'' میری بات پر شاید اسے غصہ آ گیا تھا۔

''وہ موت کے دہانے پر پہنچے ہوئے ایک مظلوم کا

ہذیان تھا جس پر تم نے آنکھیں بند کر کے اعتبار کرلیا......"

اس نے تیز لہجے میں میری بات کاٹ دی "تم ابتدا سے اپنی بات پر اڑے رہتے تو شاید میں بھی کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتا۔ اب تم خود بہت سے اعتراف کر چکے ہو۔ پچھلی بار تم نے گڑبڑ کا اندازہ لگا کر بروقت فون کاٹ دیا تھا مگر اس بار میں نے تمہیں باتوں میں الجھا کر معلوم کرلیا ہے کہ تم ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے قرب وجوار میں موجود ہو۔ تم دونوں اپنی مرضی سے میری اس سرزمین پر آئے ہو مگر میری مرضی کے بغیر یہاں سے زندہ نہیں لوٹ سکو گے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ امریکا کی صدارت اب تم ہی کو سونپ دی گئی ہے۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

"صدارت آنے جانے والی چیز ہے۔ ہم چار برس کی نہیں، صدیوں کی حکمرانی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ بہت جلد وہ دن بھی طلوع ہوگا جب تم جیسے بدخواہوں کو اپنے سروں میں ڈالنے کے لیے ہمارے جوتوں کی دھول بھی نصیب نہیں ہوگی۔ یہ تیاریاں اسی دن......"

میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی گونجنے لگی۔ وہ باتوں کو طول دے کر شاید وقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اس کا کوئی آدمی اس فون بوتھ تک پہنچ سکتا تھا۔ میں نے اچانک اس کی بات کاٹ دی۔

"اس وقت تمہارا دماغ چل رہا ہے۔ باقی باتیں پھر کبھی ہوں گی۔" میں نے ریسیور ہک سے لٹکایا، کارڈ جیب میں ڈالا اور بہت تیزی سے ٹکٹ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

خطرے کا احساس ہو جانے کے بعد میں جلد از جلد وہاں سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔

پین اسٹیشن پر سب وے سے نکل کر میں سڑک پر آیا تو ہوا میں خنکی پیدا ہو چکی تھی۔ رات کے اندھیرے میں جگمگاتی روشنیوں میں سڑکوں اور عورتوں کا حسن ایک نئے انداز میں نمایاں ہو رہا تھا۔

☆☆☆

وہ نیویارک میں ہماری پہلی رات تھی۔ ویرا میری واپسی سے پہلے ہوٹل کی روم سروس کو کھانے کا آرڈر دے چکی تھی اور فلور کچن میں کھانا تیار تھا۔ میرے پہنچتے ہی روم سروس کی خوش ادا ویٹریس چمکتی ہوئی ٹرے میں کھانا لے آ گئی۔

ویرا میرے پہنچنے سے پہلے ڈیوٹی فری اسکاچ سے شغل کر رہی تھی۔ ویٹریس کے چلے جانے کے بعد میں خاموشی سے کھانے کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے مجھے ٹوک دیا۔

"ایسی بے نیازی دکھانے کی کوشش مت کرو ورنہ میں یہ ٹرے تمہارے منہ پر الٹ دوں گی۔"

"کھانے کے ساتھ کہانی بھی چلتی رہے گی، اس وقت میرا ہاتھ نہ روکو۔ شہر کے دو چکروں میں جہاز کا کھایا پیا تک ہضم ہو چکا ہے۔" میں نے نرمی سے کہا اور بات شروع کر دی۔

ویرا کی توجہ کھانے سے زیادہ میری طرف مبذول رہی۔ سلطان شاہ کی بازیابی کے بعد وہ کہہ چکی تھی کہ آئزک بیل جیسے مکار آدمی کو باتوں میں الجھا کر اپنا الو سیدھا کرنا میرا ہی کام تھا اور اس بار نیویارک میں بھی یہی کچھ ہوا تھا کہ بہت سی ناقابل فہم باتیں اسی نے حل کی تھیں۔

پین پلازا ہوٹل سے آئزک بیل کو پہلی بار فون کرتے ہوئے میری نیت یہ تھی کہ اسے نیویارک میں اپنی موجودگی سے آگاہ کر کے اشتعال دلایا جائے تاکہ ہمیں اس کی کسی غلطی سے فائدہ اٹھانے کا بھرپور موقع مل سکے۔ یہ اتفاق تھا کہ بات کا رخ بدل گیا اور وہ آخر تک اسی غلط فہمی میں مبتلا رہا کہ میں نیویارک میں اپنی اور ویرا کی موجودگی چھپانا چاہ رہا ہوں لیکن اس نے اپنی عیاری سے میری زبان کھلوالی ہے۔

یہ درست ہے کہ کراچی سے لندن کے راستے نیویارک پہنچنے تک ہم دونوں نے اپنی اصلیت چھپائے رکھنے کے لیے بڑے جتن کیے تھے اور کوششیں صرف اس لیے کی گئی تھیں کہ نیویارک کے کسی ہوائی اڈے پر قدم رکھتے ہی ہمارے گریبانوں پر ہاتھ نہ ڈالا جا سکے۔

ایک بار اس ملک میں گھس آنے کے بعد روپوشی بالکل بے مقصد ہو کر رہ گئی تھی۔ امریکی حکام کے ریکارڈ کے مطابق ہم اس ملک میں پہنچے ہی نہیں تھے۔ بدلے

ہوئے ناموں اور جعلی سفری دستاویزات نے ہماری ہر مشکل آسان کر دی تھی۔ اس کے بعد میں نے صرف آئزک بیل کو اپنی موجودگی سے آگاہ کیا تھا۔

یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا تھی کہ امریکی میرے اور ویرا کے بدترین دشمن تھے اور کھل کر آئزک بیل کا ساتھ دے رہے تھے۔ سلطان شاہ کے اغوا میں شرمناک ناکامی کے بعد ان کے مدافعانہ رویے میں شدت پیدا ہونے کے تمام تر امکانات موجود تھے مگر مجھے پورا یقین تھا کہ محض آئزک بیل کا بیان امریکی حکام کو یہ باور نہیں کرا سکے گا کہ ہم سلطان شاہ والے ڈرامے کی تکمیل کے اگلے ہی دن خود کشی کے ارادے سے نیویارک آ پہنچے تھے۔ کسی بڑے مقصد سے عاری سرکاری اہلکار ایسی دیدہ دلیری کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ان کی دوسری اور سب سے بڑی مجبوری یہ تھی کہ ان کے پاس ویرا کی پرانی تصاویر موجود تھیں جبکہ میرا کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ ویرا نے خود کو اس حد تک بدل لیا تھا کہ پرانی تصاویر دیکھ کر اسے پہچاننا ممکن نہیں رہا تھا۔ ان کا کام ناممکن نہیں تو بے حد دشوار ضرور تھا۔

ویرا شروع سے آخر تک میری ہر رائے سے متفق تھی کیونکہ اس میں اس کی سوچ اور مشورے بھی شامل رہتے تھے۔ گفتگو کے پر پیچ مکالموں سے وہ خاصی محظوظ ہوئی اور دیر تک ہنستی رہی۔

''اب ایک احتیاط کرنی ہوگی۔'' سب کچھ سن لینے کے بعد ویرا نے کہا ''اگر اس سے بات کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو بھول کر میرے اور اپنے اصل ناموں کا اعتراف نہ کرنا۔ اپنے انکشاف کے توثیق کے لیے وہ تمہاری گفتگو ریکارڈ کر کے بھی کچھ نہ کر سکے گا۔''

''لیکن اب تمہیں کام کرنا پڑے گا۔ اس کے فون نمبر کے سہارے اس کا پتا معلوم کرنا تمہارے ذمے ہے۔ اس بارے میں، میں بالکل بے بس ہوں۔''

''اگر وہ اس کا نان ڈائریکٹری اور ذاتی فون ہے تو پتا ملنا بہت دشوار ہے۔ ایسے صارفین کے کوائف کمپنی کے اعلیٰ افسران کی تحویل میں رہتے ہیں۔ ان کا غذات تک رسائی ممکن نہیں۔''

''میری دھمکی کے بعد وہ کمپنی سے رجوع کرے گا اور اب وہ بھی ضرورت سے زیادہ محتاط ہو جائیں گے۔'' میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

''مایوسی کی ضرورت نہیں۔ یہ نہ بھولو کہ ہم بدری ناتھ کے ایما پر یہاں آئے ہیں اور وہ ڈیوڈ اسٹارز کا مہمان ہے۔ ہمیں اس سے بھی مدد ملتی رہے گی۔''

''بدری ناتھ کا کوئی سراغ ملنے تک مجھے شیام سے رابطہ رکھنا پڑے گا۔ بدری نے شاید اسے بریف کر دیا تھا، اس وجہ سے اس بے چارے نے مجھ سے ہوٹل کا نمبر تک نہیں مانگا۔''

''تم اس کی خیر خبر رکھو۔ میں آج رات جائزہ لیتی ہوں کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔''

''میرا مشورہ ہے کہ آج آوارہ گردی کا ارادہ ملتوی کر دو۔ آئزک بیل کے آدمی وحشت زدہ بھیڑیوں کی طرح شہر کی تفریح گاہوں میں ہماری بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔''

''فکر نہ کرو۔ وہ مجھے نہیں سونگھ سکیں گے۔'' وہ ہنس کر بولی۔ ''اس وقت ہم بالکل غیر مسلح ہے۔ ہماری پہلی ضرورت چند ہتھیاروں کی ہے۔ ٹائمز اسکوائر اور راک فیلر سینٹر کے درمیان چند ٹھکانے ایسے ہیں جہاں سے کچھ نہ کچھ ہاتھ آ سکتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم کراچی والوں سے بات نہیں کرو گی؟'' میں نے پوچھا۔

''تم بھی کوشش کر کے دیکھ لو، ناکامی ہوگی۔ تمہاری غیر حاضری میں، میں دسیوں مرتبہ کوشش کر چکی ہوں مگر پاکستان کا کوڈ ملاتے ہی لائن ڈراپ ہو جاتی ہے۔ شاید اس وقت بیرونی دنیا سے پاکستان کا مواصلاتی رابطہ کٹا ہوا ہے۔''

ہم کراچی سے لندن پہنچے تو ہمارا وہ دن اٹھائیس گھنٹوں کی طوالت اختیار کر گیا۔ لندن سے نیویارک پہنچنے پر وقت کے فرق کی وجہ سے وہ دن انتیس گھنٹوں پر محیط ہونے والا تھا۔

اپنی حد سے بڑھی ہوئی اشتہا کی وجہ سے مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ہم بہت دیر سے کھانا کھا رہے تھے لیکن مقامی

وقت کے مطابق ہماری گھڑیوں نے صرف ساڑھے آٹھ بجائے تھے۔

کھانا ختم کرتے ہی ویرانے باہر جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ میں نے ایک مرتبہ پھر اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ ہر قیمت پر باہر جانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

میں نے دل ہی دل میں خیر و عافیت کے ساتھ واپسی کی دعائیں مانگتے ہوئے اسے رخصت کیا۔ جاتے جاتے اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اس کا انتظار نہ کروں۔ نیند آنے پر بے فکر ہو کر سو جاؤں۔ واپسی پر وہ نیچے سے انٹر کام پر مجھے خود ہی جگا لے گی۔

میں اسے دو مرتبہ کمرے میں چھوڑ کر باہر گیا اور دونوں بار خوش تھا، وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر چلی گئی تو میں اندر تک سے ناخوش تھا۔ میں سگریٹ سلگا کر بستر پر دراز ہو گیا اور ٹیلی وژن دیکھنے لگا۔

اس وقت اسکرین پر موسیقی کا کوئی بے ہنگم پروگرام آ رہا تھا۔ مجھے کیبل ٹی وی کا خیال آیا اور میں نے چینل بدل دیا۔ اسکرین پر رومانی فلم نمودار ہوگئی جس میں ناشائستہ مناظر کی بہتات تھی۔ درمیانی وقفے میں ایک سلائیڈ دکھائی گئی جس میں مژدہ دیا گیا تھا کہ دس بجے کے بعد اس چینل پر صرف بالغوں کے لیے پروگرام پیش کیے جائیں گے۔

میں چکرا کر رہ گیا۔ میری دانست میں وہ فلم بھی صرف بہت زیادہ بالغوں کے لیے موزوں تھی۔ پتا نہیں دس بجے کے بعد وہ ابلاغ کے اس وسیلے سے چار دیواریوں میں کون سا زہر انڈیلنے والے تھے۔

میں نے اکتا کر ٹی وی بند کیا اور جیکٹ پہن کر کمرا چھوڑ دیا۔

ہوٹل سے باہر آ کر میں نے محسوس کیا کہ ہر طرف روشنیاں [illegible] ہونے کے باوجود اس وقت بلند عمارتوں کے زیر سایہ فٹ پاتھوں پر راہ گیروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ یہ اندازہ مجھے پہلے ہی ہو چکا تھا کہ نیویارک میں اسلام آباد کی طرح سڑکوں کے رخ پر دکانیں اور بازار بنانے کا رواج نہیں تھا۔ تمام تر دکانیں اور بڑے اسٹور گھوڑے کی نعل کی شکل میں بنے ہوئے شاپنگ مالز کے اندرونی حصوں میں واقع تھے۔ ان وسیع تجارتی عمارتوں کے درمیانی حصے گاہکوں کی گاڑیوں کی پارکنگ کے لیے مخصوص تھے۔

ایک بڑے اور گنجان آباد شہر کے راستوں پر راہ گیروں کا وہ قحط مجھے خوف آور سا محسوس ہونے لگا۔ یہ مجھے بعد میں پتا چلا کہ مین ہٹن میں ۳۴ ویں اسٹریٹ شہر کے مرکزی حصے کی آخری سڑک اور جنوبی حصے کی پہلی سڑک شمار کی جاتی تھی، اسی وجہ سے شام ڈھلے وہاں سناٹا ہو جاتا تھا اور ساری رونقیں ٹائمز اسکوائر اور اس کے گرد و نواح میں پھیلے ہوئے مرکزی بازاروں اور تفریح گاہوں میں منتقل ہو جاتی تھیں۔ بعض محتاط شہری رات گئے ادھر سے پیدل گزرنا بھی خطرناک سمجھتے تھے۔

نیویارک میں پہنچے بغیر اس بھرے پرے شہر میں لوٹ مار اور رہزنی کے واقعات کو سمجھنا محال ہوتا ہے۔ وہاں کے طرز تعمیر اور بود و باش کے قرینوں کو دیکھ کر بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ وہ شہر بناتے ہوئے چور، اچکوں اور رہزنوں کی سہولت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

کمرے سے باہر نکلتے ہوئے میں نے سوچا تھا کہ کسی پبلک بوتھ سے کراچی فون کروں گا۔ آئزک بیل سے ہونے والی گفتگو کے بعد حفظِ ماتقدم کے طور پر یہ ضروری تھا کہ ہوٹل کی حدود میں پاکستان سے اپنے گہرے روابط کو صیغۂ راز میں رکھا جائے۔

ہوٹل سے ذرا دور مجھے ایک بوتھ مل گیا۔ میں نے نیم دلی سے اول خان کے دفتر کا نمبر ملایا اور لائن ڈراپ ہوئے بغیر سلسلہ مل گیا۔

ریسیور اٹھانے والا اول خان تھا۔ میری آواز سنتے ہی وہ کھل اٹھا۔

”مجھے یقین تھا کہ تم امریکا پہنچتے ہی مجھے فون کرو گے۔ کل مجھے تمہارا پیغام مل گیا تھا۔“

”تمہارے لیے وہ کل کا پیغام رہا ہوگا۔ میرے لیے وہ آج صبح کی بات ہے اور ابھی تک رات نے پوری طرح ڈیرے نہیں ڈالے ہیں۔“ میں نے کراہنے والے انداز میں کہا۔

ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری ”فکر کرنے کی

ضرورت نہیں۔ واپسی کے سفر میں وقت کی یہ ساری کمی بیشی برابر ہو جائے گی۔ انقرہ میں جو کچھ ہوا ہے، اس پر یہاں سب دنگ ہیں۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ پانسا کیسے پلٹ گیا۔ میں اس بارے میں تم سے بات کرنے کو ترسا ہوا ہوں۔"

وہ اس کا استفہامیہ فقرہ تھا۔ میں نے جواب دیا

"میں ایک ویران سڑک کے پبلک بوتھ سے بات کر رہا ہوں۔ اگر کوئی اچکا پستول سمیت یہاں نہ گھس آیا تو عافیت ہی عافیت رہے گی۔ تم اطمینان سے اپنے دل کی بھڑاس نکال سکتے ہو۔"

"سلطان شاہ کی حالت بہت خراب ہے مگر وہ خطرے سے......" اس نے سنی سنائی بات دہرانے کی کوشش کی مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اس بارے میں ایوب آغا سے میری بات ہو چکی ہے۔ اسے صرف آرام درکار ہے۔"

"آغا نے مجھے بتایا تھا کہ تم اس سے بات کرنے کے لیے بے چین تھے۔ میں نے آج صبح سلطان شاہ سے بات کی ہے۔ وہ حیران ہے کہ اس میں اتنی ہمت اور قوت کہاں سے عود کر آئی کہ وہ اپنے اغوا کنندگان کو طیارے سمیت اغوا کر کے قبرص لے گیا۔ اسے وہ واقعات ایک بھولے بھولے خواب کی طرح یاد ہیں۔"

"اصل واقعات کیا تھے؟ وہ تابوت سے باہر کیسے نکلا تھا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"اسے کوئی خواب آور انجکشن دیا گیا تھا۔ اسے ہوش آیا تو وہ تابوت میں ایک جمی ہوئی لاش کے ساتھ بند تھا۔ اس کا سارا بدن پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا، ذہن دھندلایا ہوا تھا اور برف کی سردی اس کی ہڈیوں میں سرایت کر رہی تھی۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے؟ وہ بہت دیر تک یوں ہی تابوت میں پڑا رہا۔ اس کا خیال ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے اندازے سے پہلے ہوش میں آگیا تھا۔"

"یہ سب باتیں ہم آسانی سے تصور میں لا سکتے ہیں۔ اصل کھیل کب شروع ہوا؟"

"کسی نے اسے باہر نکالنے کے لیے تابوت کا ڈھکن کھولا تھا۔" اول خان بتانے لگا "سلطان شاہ آنکھیں موند کر اپنی ساری قوتیں مجتمع کرنے لگا۔ اس شخص نے جھک کر جوں ہی سلطان شاہ کی کمر کے نیچے ہاتھ ڈالا، اس نے اپنے شکار کی گردن پوری قوت سے دبوچ لی۔ اسے کچھ یاد نہیں کہ اس نے کس طرح اپنے حریف کو کوئی آواز نکالنے کا موقع دیے بغیر اس کی بھری ہوئی کلاشنکوف چھینی اور تابوت سے نکل کر اسے اپنے نشانے پر لے لیا۔ اس وقت پہلی بار اسے علم ہوا کہ وہ ایک طیارے میں محو پرواز ہے۔ اس کے بعد اس پر جنون کی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ اپنے شکار کو مارتا ہوا کاک پٹ کی طرف لے گیا۔"

اول خان سانس لینے کے لیے رکا مگر میری دانست میں پوری تفصیل سامنے آچکی تھی۔

طیارے میں اس وقت کل چھ نفوس موجود تھے۔ ایک کو سلطان شاہ نے کلاشنکوف کے دہانے پر لیا ہوا تھا۔ دو جہاز کے کاک پٹ میں پھنسے ہوئے تھے۔ بقیہ دو افراد مسلح ہونے کے باوجود بے بس تھے۔ ان کی کسی بھی مزاحمت کی صورت میں ان کا ایک ساتھی مارا جاتا پھر بھٹکی ہوئی کوئی بھی گولی ہزاروں میٹر کی بلندی پر اڑتے ہوئے جہاز کو آتشیں گولے میں بدل کر تباہ کر دیتی۔

وہ سب سلطان شاہ کی زندہ رہنے کی شدید ترین خواہش کا ناقابل یقین کارنامہ تھا۔

"اس نے جو کام دکھایا ہے اس پر اسے جو اعزاز دیا جائے، کم ہوگا۔" میں نے اول خان کو مزید تفصیل میں جانے سے روکنے کے لیے کہا "وہ واقعی شیر دل آدمی ہے۔"

"اس نے سب کچھ کر ڈالا۔ ان پانچوں کو باری باری مار ڈالنے کے بعد وہ خودکشی کرنے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا۔ اس کے سوا دوسرا کوئی انجام اس کے سامنے نہیں تھا مگر پھر راہ نکل آئی۔ وہ آخر تک یہ سمجھتا رہا کہ انقرہ کے بہانے وہ اسے کہیں اور لے جا رہے ہیں۔"

"تم نے اسے میری تشویش سے ضرور آگاہ کر دیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی پھر وہ بولا "تمہاری کوششوں کے ذکر کے بغیر ہر بات ادھوری تھی۔ میں اب بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اسحٰق نے اسے قبرص سے

فقرہ لے جا کر کیسے آزاد کر دیا۔''

''اندھی بلیک میلنگ۔'' میں نے سپاٹ آواز میں کہا ''اس کی دی ہوئی دھمکیوں کو میں نے اسی پر الٹ دیا۔ میرے لیے یہ بہت مشکل مرحلہ تھا مگر اسے ہار ماننی ہی پڑی۔''

''سلطان شاہ کو آزادی دلا کر اب تم خود اس کے نشانے پر جا بیٹھے ہو۔''

''اس کی سرکوبی کے لیے یہاں آنا ناگزیر تھا۔ وہ ابھی تک قلعے میں بیٹھ کر اپنے مہرے پٹوار ہا ہے۔ اب اسے میدان میں اترنا پڑے گا۔ تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ آج میں نے دوبارہ اس سے بات کی ہے۔''

''میرے لیے یہ خوشی کی نہیں، صدمے کی بات ہے۔ تم بہت تیز جا رہے ہو۔ ابھی اس کے زخم تازہ ہیں۔ تمہیں چند روز کے لیے خاموش رہنا چاہیے تھا۔ یہاں غزالہ تمہاری فکر میں گھلی جا رہی ہے۔ پل پل تمہاری خیر کی دعائیں مانگتی ہے اور تمہیں اپنی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔''

''میرے پیار کے ساتھ اسے بتا دینا کہ میں خود جلد از جلد لوٹنا چاہ رہا ہوں۔ میں نے ابھی تک انتظار میں ایک لمحہ نہیں گنوایا۔ بدری اپنا انتقامی مشن خود پورا کرتا رہے گا۔ میرا اور ویرا کا نشانہ صرف ایک ہے۔ جس دن اسحٰق کی گھنٹی بج گئی، میں لوٹ آؤں گا۔''

''یہاں ہم سب اس مبارک دن کے منتظر رہیں گے۔ ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔''

اول خان کے آخری فقرے پر مجھے ویرا کا خیال آ گیا۔ وہ بالکل یکہ و تنہا نیویارک کی ان تفریح گاہوں کی طرف گئی تھی جہاں شہر بھر کے بدمعاشوں اور مجرموں کی کمین گاہیں ہو سکتی تھیں۔

اس نے ادھر جانے کا ارادہ کیا تو میں نے دور رہ کر اس پر نظر رکھنے کی بات چھیڑی تھی۔ تھوڑی سی بحث کے بعد اس نے آمادگی کا اظہار کیا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ گئی تو میں یہ بات سرے سے بھول بیٹھا۔ وہ اکیلی تھی۔ اگر اسے وہاں کوئی مشکل پیش آ جاتی تو میرے پاس ایسا کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا کہ مجھے کوئی اچھی بری خبر مل جاتی۔ میرا دل مجھے ملامت کرنے لگا۔

''میرے ہوٹل کا فون نمبر لکھ لو لیکن اشد ضرورت کے بغیر وہاں فون نہ کرنا۔'' میں نے اول خان سے اپنی بات چیت کو اختتام تک پہنچاتے ہوئے کہا ''میں خود ہی رابطہ کرتا رہوں گا۔''

میں نے اول خان کو فون اور کمرے کا نمبر بتا کر کال ختم کر دی۔

ویرا کا دھیان آتے ہی میرے دل میں ایک بے نام سی اضطرابی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ رہ رہ کر مجھے وہم ہو رہا تھا کہ وہ کسی دشواری میں گھر چکی ہے۔

وہ ایک بڑا شہر تھا۔ اس کے بے شمار بھری پری تفریح گاہوں میں کسی کا کھوج لگانا سرے سے ممکن ہی نہیں تھا۔ میں سگریٹ پھونکتا ہوا پین پلازا کی طرف واپس ہو لیا۔

اس وقت پورے نیویارک میں میرا صرف دو افراد سے رابطہ ہو سکتا تھا، ان میں سے ایک میرا ازلی دشمن تھا اور دوسرا اکلوتا بہی خواہ۔

تنہائی میں پڑے پڑے سوچنے اور کڑھتے رہنے کے بجائے میں نے شیام ناتھ سے بات کر کے اپنے دل کا غبار ہلکا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ شہر میں ہوٹل چلا رہا تھا اس لیے اس سے رات گئے بھی اس کے نمبر پر بات کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

''اچھا ہوا کہ تم نے دوبارہ فون کر لیا۔'' میری آواز سنتے ہی وہ چہکنے لگا۔ اس کے لہجے سے معلوم ہو رہا تھا کہ شام کے مقابلے میں اس وقت وہ زیادہ سرور میں تھا۔

''کیوں؟ کیا میرے لیے کوئی اچھی خبر آ گئی ہے؟'' میں نے اپنی آزردگی کو چھپا کر شوخی سے پوچھا۔

''اچھی خبریں سر شام ہی بن سنور کر اپنی کوٹھریوں سے یہاں کے بازاروں میں آ جاتی ہیں۔ ان کے لیے انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ میرے ساتھ تھوڑی دیر بیٹھتے تو میں تمہیں بہت سی گرم گرم باتیں بتا سکتا تھا۔''

''وہ پھر کسی وقت آ کر سن لوں گا۔ اس وقت یہ بتا دو کہ میرے فون نے تمہیں خوش کیسے کر دیا؟''

''تم لوگوں کی ساری باتیں اپنی سمجھ سے باہر ہیں۔ بدری میرا گھر چھوڑ کر کسی اور کے گھر جھک مار رہا ہے۔ تمہارا اتا پتا پوچھنے پر پابندی ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ تم کو

کیسے پکڑوں۔"
وہ اصل موضوع سے بھٹک رہا تھا۔ اپنی جھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے میں نے تحمل سے پوچھا "مجھے پکڑنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟"
"بدری کا فون آیا تھا۔ وہ صبح دس بجے میرے پاس آئے گا۔ اس نے تم کو بھی بلایا ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہارا فون نہ آتا تو میں تمہیں یہ پیغام کیسے دے سکتا تھا؟ وہ آتا تو میرے سر پر سوار ہو جاتا اور شکوے شروع کر دیتا۔ یہ نخرے بس یاری نبھانے کے لیے اٹھاتا ہوں۔"
"تمہارے پاس اس کا فون نمبر بھی نہیں ہے؟" میں نے بے چینی سے سوال کیا۔
"اس کا ہے نہ تمہارا۔ اپنی یاری اور رشتے داری کس کام کی، آدمی جب دوسرے پر بھروسا ہی نہ کرتا ہو۔" اس نے اپنی ترنگ میں کہا۔
"تمہارے پاس اس کا فون کس وقت آیا تھا؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔
"بس ابھی تھوڑی دیر پہلے کی بات ہے۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ تمہارا فون آ گیا۔"
"میں کوشش کروں گا کہ صبح دس بجے تک تمہارے پاس آ جاؤں۔ اس وقت تم کہاں ملو گے۔" میں نے وہ قصہ وہیں ختم کرنا چاہا۔
"اکیلا آدمی بہت سے بکھیڑوں سے آزاد ہوتا ہے۔ اپنی بھی یہی موج ہے۔ ہوٹل کے پیچھے ایک چھوٹے سے کمرے میں سو جاتا ہوں۔ میرے لیے تمہیں کہیں بھٹکنا نہیں پڑے گا۔"
"اب ذرا یہ بتاؤ کہ تمہارے شہر کی تفریح گاہیں کس علاقے میں واقع ہیں؟" میں نے وہ سوال سوچ سمجھ کر کیا تھا تا کہ وہ میری بے خبری پر چڑ کر ایک ہی بار سب کچھ بتاتا چلا جائے۔
یہی ہوا۔ وہ ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کے ساتھ بولا "اس وقت تم نیویارک کے دل میں بیٹھے ہوئے ہو۔ یہ خود ایک بڑا شہر ہے اور اس کی تفریح گاہیں بھی ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ میرے ہوٹل سے ذرا آگے بڑھو گے تو ایک نئی دنیا کو اپنا منتظر پاؤ گے۔
"تم مصروف آدمی ہو۔ میں سوچ رہا تھا کہ کسی وقت تمہارے ساتھ ان سب کو دیکھ ڈالو۔ سیر و تفریح بعد میں ہوتی رہے گی۔"
"یہ نیک کام تمہیں خود ہی کرنا ہو گا۔ وہاں سارا مزہ پیدل دھکے کھانے میں ہے۔ گاڑی میں بیٹھ کر ہوا کے جھونکے کی طرح گزر گئے تو سب کچھ آپس میں گڈ مڈ ہو جائے گا۔ تم مہینے بھر بھی اپنی راتیں اس دنیا میں گزارو تو ہر رات اس کا نیا روپ دیکھو گے۔ اس وجہ سے مین ہٹن کا ڈاؤن ٹاؤن رومان اور امنگوں کا زرخیز خطہ کہلاتا ہے۔"
ان نکات کا اندازہ مجھے بھی تھا لیکن میرے اندازے کے مقابلے میں اس کی رائے زیادہ مستند تھی۔ میں ساری رات بھٹکنے کے باوجود ویرا کا سراغ نہیں لگا سکتا تھا۔
ادھر ادھر کی چند باتوں کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔
میں کمرے میں اکیلا تھا۔ سفر اور پھر بھاگ دوڑ کی وجہ سے تکان کا غلبہ تھا لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ویرا کی واپسی کے انتظار میں، میں بستر پر پڑا بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ جب بڑھتا ہوا اعصابی تناؤ میری برداشت سے باہر ہونے لگا تو میں نے ویرا کی کھولی ہوئی بوتل سنبھالی اور پورے اہتمام کے ساتھ ٹیلی وژن کے سامنے بیٹھ گیا۔
بے کار رہ کر پریشان کن خیالات میں گھرے رہنے سے بہتر تھا کہ میں کسی طرح خود کو مصروف رکھوں۔
ٹیلی وژن پر کچھ دیر بعد خبروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ مقبول احمد نامی ٹیکسی ڈرائیور کے قتل کی خبر چوتھے نمبر پر تھی۔
نیو آرک ائر پورٹ سے باہر میں نے اسے دور سے دیکھا تھا لیکن جب اس کے بے جان چہرے کا کلوز اپ دکھایا گیا تو مجھے اسے پہچاننے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں ہوئی۔ پتا نہیں وہ کس گھرانے کا کفیل اور سہارا تھا۔ پردیس میں آسانی سے دولت بٹورنے کی ہوس میں وہ بے دردی سے مار ڈالا گیا تھا۔ اس کے سینے کے اکلوتے زخم سے بہنے والے خون نے ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ سے

پائیدان تک کو خون میں لت پت کر دیا تھا۔ جرم سے نفرت کو ابھارنے کے لیے خبر کے ساتھ وہ مناظر دیر تک برقرار رہے پھر منظر بدل گیا۔

ڈیرا کے بعد اس قتل کی تصدیق بلیک ڈیڈ اور آئزک بیل نے بھی کی تھی مگر اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھنے کے بعد میں مزید افسردہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

لندن میں، میں نے جیمو پنڈت کو اسی کے بے آواز بارودی ہتھیار سے ختم کر کے اپنی آمد کا اعلان کیا تھا۔ نیو یارک میں آئزک بیل کے گرگوں نے مقبوں کا خون بہا کر میرا استقبال کیا تھا۔

اسکاچ اپنے اثرات کے اعتبار سے میرے لیے کبھی بھی اشتعال آور ثابت نہیں ہوئی تھی۔ اپنے لیے میں نے اسے ہمیشہ مسکن پایا تھا اور اس وقت ٹیلی وژن پروگرام بھی کچھ خواب آور تھا۔ شروع سے جو چینل جاری تھا، بس وہی چلتا رہا۔ کیبل ٹی وی کے بالغوں والے پروگرام کے خوف سے میں نے چینل بدلنے کی کوشش نہیں کی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ڈیرا کے بارے میں میری فکرمندی تشویش میں بدلنے لگی تھی۔

وہ قیامت کی گھڑیاں تھیں جو میں نے پین پلازا کی پانچویں منزل کے کمرے میں محبوس ہو کر گزاریں۔ ڈھائی بجے فون کی گھنٹی بجی تو میں نے ڈیرا کی آواز سننے کی امید میں ریسیور اٹھایا۔

وہ ہوٹل کی لابی سے مجھے اپنی آمد کی اطلاع دے رہی تھی۔ میں کرسی میں تن کر بیٹھ گیا۔

واپسی پر اس کے چہرے پر [illegible] کوئی [illegible] نہیں تھی۔ اسے نڈھال پا کر میرا غصہ خود بخود کافور ہو گیا۔ اس نے اپنا ہینڈ بیگ مسہری پر پھینکا، میرے گلاس سے ایک بڑا گھونٹ لیا اور باتھ روم میں غائب ہو گئی۔ میں نے اپنا گلاس خالی کیا اور ٹیلی وژن سمیت روشنیاں گل کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔

ڈیرا کی واپسی خاصی دیر میں ہوئی۔ کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا دیکھ کر اس نے حیرت ضرور ظاہر کی لیکن کوئی بلب روشن نہیں کیا۔ اپنا پرس بستر سے ہٹا کر خود بھی دراز ہو گئی۔

"کچھ ناراض معلوم ہو رہے ہو؟ تم نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ میں کیا جھک مار کر آ رہی ہوں۔" چند منٹ کی خاموشی کے بعد اس نے دھیمی آواز میں شکوہ کیا۔

"شہر تمہارا دیکھا بھالا ضرور ہے مگر یہاں کے لوگ تمہارے لیے بدلے ہوئے ہیں۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم نے یہ رات کٹی ہوئی آوارہ پتنگ کی طرح در بہ در بھٹکتے ہوئے گزاری ہوگی۔"

"بڑی حد تک تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ آئزک بیل بہت جابر اور سفاک منتظم ہے۔ ہر اڈے اور جوئے خانے میں اس کے آدمی بھرے ہوئے ہیں۔ راس المیڈا کی موت کے بعد اس نے ہر ایسے آدمی کو نکال باہر کیا ہے جو جمی لائید کا ذکر ادب اور احترام سے کرتا تھا۔"

"اب وہ چھوٹی حد بھی بیان کر ڈالو جس سے میں لاعلم ہوں۔"

"میں اعشاریہ تین آٹھ کا پستول اور ایک ریوالور حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ دونوں ہتھیار میرے دستی بیگ میں موجود ہیں۔"

"انہیں احتیاط سے کہیں چھپا دو۔ اب باقی باتیں صبح سویرے ہوں گی۔"

اسے دیکھ کر میرے ذہن پر سے دباؤ ختم ہو چکا تھا اور نیند پوری شدت سے حملہ آور ہو رہی تھی۔ میں نے اول خان اور بدری ناتھ کا ذکر صبح کے لیے ملتوی [illegible] کر کے ڈیرا کی طرف کروٹ لے لی۔

ڈیرا باتھ روم کے کھلے ہوئے دروازے سے آنے والی [illegible] روشنی میں کچھ کھٹ پٹ کرتی رہی اور میں اپنے ذہن کو آزاد کرتے ہوئے نیند کی گہری وادیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

ڈیرا یقینی طور پر میرے بعد سوئی تھی مگر صبح وہ مجھ سے پہلے بیدار ہو کر ناشتے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکی تھی۔ اس نے براہِ راست مجھے بیدار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن کمرے میں دانستہ پُرشور آوازیں پیدا کر کے مجھے بستر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

میں جتنی دیر میں تازہ دم اور تیار ہو کر باتھ روم سے لوٹا، اتنی دیر میں ڈیرا ناشتا منگوا چکی تھی۔

''رات کو میں نے تمہاری نیند خراب نہیں کی۔ اب بتاؤ کہ تمہارے پاس کیا خبریں ہیں؟'' میرے بیٹھتے ہی اس نے جارحانہ لہجے میں اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔

میرا اسے بے خبر رکھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اسے فوراً بتا دیا کہ دس بجے مجھے بدری ناتھ سے ملاقات کے لیے شیام کے ہوٹل پہنچنا تھا۔

دیرا اس چکر کے پورے پس منظر سے ناواقف تھی۔ اس کے استفسار پر مجھے وضاحت کرنی پڑی کہ میری اتفاقی فون کال اس ملاقات کا بہانہ بنی تھی ورنہ معاملہ آگے ٹل جاتا۔

''بدری کو بھی یہاں آئے زیادہ وقت نہیں ہوا پھر وہ اتنی عجلت میں تم سے کیوں ملنا چاہ رہا ہے؟'' اس نے چائے بناتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

''یہ اس سے مل کر ہی معلوم ہو سکے گا۔ میں خود اس ملاقات کو غیر معمولی اہمیت دے رہا ہوں۔'' میں نے پوری ایمان داری سے کہا'' ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی اہم اطلاع حاصل کر چکا ہو۔''

''تمہاری طرح وہ بھی تیز رفتاری سے کام لے رہا ہے۔ اب میں محسوس کر رہی ہوں کہ یہاں پوری طرح پیر جمائے بغیر آئزک بیل کو چھیڑ کر ہم نے غیر ضروری مشکلات کو دعوت دی ہے۔''

''بدری ناتھ کے بارے میں تم کیا خطرہ محسوس کر رہی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ را کا ایک تجربے کار سیکرٹ ایجنٹ ضرور ہے لیکن ابھی وہ یہاں والوں کے طریقۂ کار سے بے خبر ہے۔ اگر وہ اسی بے خبری میں آئزک بیل کے کسی آدمی کو اپنے پیچھے لگا کر شیام کے ہوٹل تک لے آیا تو تم سوچ سکتے ہو کہ تم تینوں کا کیا بنے گا۔''

''خطرہ ضرور ہے مگر پھر بھی میں اس سے ملنے جاؤں گا۔ اگر تمہارا خدشہ درست ثابت ہوا تو بھی مجھے نہیں پہچانا جا سکے گا۔ ان لوگوں کے لیے میں صرف ایک نام ہوں۔''

''مگر تم مشتبہ ضرور سمجھ لیے جاؤ گے۔ یہ رونمائی آگے چل کر تمہارے لیے مسائل پیدا کر دے گی۔'' وہ براہِ راست کوئی مطالبہ کیے بغیر مجھے روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

میرے پاس کچھ وقت باقی تھا۔ دیرا سے تکرار ہوتی رہی۔ وہ اپنے موقف پر اڑی ہوئی تھی، میں اپنی ضد پر قائم تھا۔ مجبور ہو کر اس نے ہار مان لی۔

میں نے اسے وہ باتیں بتا دیں جو سلطان شاہ کی مہم جوئی کے بارے میں اول خان کے ذریعے میرے علم میں آئی تھیں۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی۔ ابتدائی دہشت اور صدموں سے قدرے سنبھلنے کے بعد وہ کسی سے بات کرنے کے قابل ہو چکا تھا۔

چلتے چلتے دیرا نے بھرے ہوئے چیمبر کے ساتھ ریوالور میرے حوالے کر دیا۔ میں نے الٹ پلٹ کر اس کا جائزہ لیا اور بھانپ لیا کہ وہ نیا نہیں تھا۔

سیفٹی کیچ چیک کر کے میں نے پستول کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھا تو اس نے مسکرا کر کہا'' تم نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا؟''

''چوری کا معلوم ہوتا ہے۔''

''چوری کا نہیں ہے لیکن استعمال شدہ ضرور ہے۔ قمار خانوں میں لمبا جوا کھیلنے والے جب بری طرح ہارنے لگتے ہیں تو کھویا ہوا مال واپس کھینچنے کی امید پر تن کے کپڑوں کے سوا سب کچھ ہارتے چلے جاتے ہیں۔ میں نے دونوں ہتھیار برائے نام قیمت پر اسی طرح خریدے ہیں۔''

میں نے ہولے سے اس کی پشت پر ہاتھ رسید کیا اور اسے کمرے میں رکے رہنے کی ہدایت دے کر باہر نکل گیا۔ مسلح ہو جانے کے بعد میں خود کو زیادہ پُراعتماد محسوس کر رہا تھا۔

میں ایک بار شیام کے ہوٹل کا محلِ وقوع دیکھ چکا تھا۔ اس بار میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو براہِ راست پورٹ اتھارٹی بس ٹرمنل چلنے کی ہدایت دے ڈالی۔

لاہوری زبان میں نیویارک کا وہ لاری اڈا بہت مصروف اور مرکزی حیثیت کا حامل نظر آیا تھا جہاں کثرت سے مسافروں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ شیام ناتھ کے ہوٹل کے مقابلے میں وہاں کا پتا زیادہ معتبر تھا۔ بس پکڑنے کا آرزومند سمجھ کر ٹیکسی ڈرائیور مجھے آسانی سے فراموش

کرسکتا تھا۔

بس ٹرمنل سے شیام کے ہوٹل کے بند دروازے صاف نظر آرہے تھے۔اس کے قرب وجوار میں منڈلاتے ہوئے لوگوں کا تفصیلی جائزہ لینے کے لیے میں ایک بُک اسٹال پر جا کھڑا ہوا۔

مقبول کے قتل کی مختصر سی خبر میں ٹیلی وژن پر دیکھ چکا تھا۔تفصیلات کا علم اخبارات ہی سے ہوسکتا تھا۔میں نے اسٹال سے نیویارک ٹائمز اور نیوز لائن خرید لیے۔

ان اخبارات کی سرخیوں پر سرسری نگاہ ڈالنے کے بہانے میں نے مزید کچھ دیر تک وہاں رکے رہنے کا جواز پیدا کیا۔جب مجھے یہ یقین ہوگیا کہ کوئی شخص شیام کے ہوٹل کی نگرانی نہیں کررہا تو میں اپنی جگہ چھوڑ کر ہوٹل کی طرف ہولیا۔

اس وقت میری رسٹ واچ دس بج کر سات منٹ بتا رہی تھی۔وہ تاخیر میں نے دانستہ کی تھی تاکہ بدری ناتھ مجھ سے پہلے وہاں پہنچ جائے اور میں اندر جانے سے پہلے نگرانی کے امکانات کا جائزہ لے سکوں۔

ہوٹل کی بیرونی دیوار پر کال بیل کے ساتھ انٹرکام بھی نصب تھا۔بٹن دبانے کے چند لمحوں بعد اسپیکر پر شیام ناتھ نے استفسار کیا۔میری زبان سے گرنام کا لفظ ادا ہوتے ہی دروازے پر بزر بجنے لگا۔وہ اس بات کی علامت تھی کہ برقی قفل کھولا جاچکا۔

میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔دروازہ خود بخود بند ہوکر دوبارہ مقفل ہوگیا۔

ویران اور نیم روشن ہال میں خالی میزوں اور کرسیوں کے درمیان سے گزر کر میں آخری حصے کی طرف چل دیا جہاں ایک کھلے ہوئے دروازے کے سامنے شیام سلیپنگ سوٹ میں کھڑا ہوا تھا۔

مجھ سے تپاک سے ہاتھ ملا کر وہ اس دروازے میں گھس گیا۔

صاف ستھرے ہوٹل کے برعکس وہ کمرا بہت گندہ، بے ترتیب اور تنگ تھا۔دہرے بیڈ پر میلے اور شکن آلود کپڑوں کا ایک ڈھیر جمع تھا۔بدری ناتھ اسی سے ٹیک لگائے بے فکری سے بیٹھا ہوا تھا اور چیونگم سے جگالی کررہا تھا۔

اس سے لندن میں چند روز پہلے ہی میری ملا ہوئی تھی لیکن وہ ایسے تپاک سے مجھ سے گلے ملا برسوں بعد مجھے دیکھ رہا ہو۔

کمرے میں موجود اکلوتی کرسی پر کیسٹ پلیئر ساتھ بہت سے کیسٹ بکھرے ہوئے تھے۔

"اب تم دونوں اپنی مدد آپ کرو۔میں باتھ روم ہوں۔" شیام ناتھ نے کسل مندانہ انداز میں انگڑائی کر ڈھٹائی سے کہا۔اس نے میرے بیٹھنے کے لیے بنانے کی اخلاقی پیشکش تک نہیں کی تھی۔میں کرسی پر ہوئی اشیا فرشی قالین پر منتقل کرنے میں مصروف ہوگیا۔

"شیام ہمیشہ سے ایسا ہی لاابالی اور بے پروا ہے" بدری ناتھ نے جگہ بنانے میں میری مدد کرتے ہوئے آمیز لہجے میں کہا" شادی کرلیتا تو اس کی یہ عادتیں روز میں بدل سکتی تھیں۔"

وہ کتنا ہی لاابالی اور غیر ذمے دار رہا ہو لیکن اتنا دار ضرور تھا کہ ہم دونوں کو تخلیے میں بات کرنے کا م دے کر باتھ روم کے بہانے غائب ہوگیا تھا۔

"اتنے بے تکے اور ہنگامی انداز میں مل بیٹھنے کی ضرورت پیش آگئی تھی؟" کرسی صاف کرکے بیٹھنے بعد میں نے نپی تلی آواز میں بدری سے سوال کیا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ میرے معاملے میں موڈے کا کردار بس کراچی تک محدود تھا۔اس سے آ میری ڈور دوسرے ہاتھوں کو سنبھالنی ہے۔" اس نے نا طاب لہجے میں کہا۔

میں نے اثبات میں سرہلا کر اس کے دعوے کی کی۔

"اس وقت میں ڈیوڈ اسٹارز کا مہمان ہوں یارک میں آرام کرنے کے لیے مجھے صرف دو دن د گئے ہیں، اس کے بعد مجھے کہیں اور بھیج دیا جائے گا۔"

"اور یہی بات بتانے کے لیے تم آج مجھ سے ملنا رہے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"اس میں بتانے والی کوئی بات نہیں تھی۔پچھلی را میں نے سنا کہ ڈیڈی نیویارک آچکا ہے۔اس خبر سے

لوگوں میں خاصی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے یہاں قدم رکھتے ہی اپنی کارروائیاں شروع کردی ہیں۔"

"یہ تمہارا مشورہ تھا کہ میں علی شیر کے بجائے ڈینی بن کر ان لوگوں کو دہشت زدہ کروں۔" میں نے معصومانہ سادگی سے کہا۔ "آئزک بیل کا نمبر تم دے ہی چکے تھے۔ رات میں نے اسے فون کرڈالا۔"

"میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ یہ تمہاری ہی شرارت ہوسکتی ہے۔ تمہارے فون نے اس کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ پتانہیں ڈینی سے یہ اتنے خوف زدہ کیوں ہیں؟"

"تمہارے کہنے پر میں نے اس کے لیے ڈینی کا نام اختیار تو کرلیا لیکن اب ڈر ہے کہ وہ مجھے اصل ڈینی سمجھ کر میرے خلاف اپنے وسائل داؤ پر لگادے گا۔"

"یہ ہونا تھا اور یہی ہو رہا ہے۔" وہ رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "تمہارے فون کے بعد سے اس کے آدمی شہر بھر میں پھیل چکے ہیں۔ وہ ڈینی کو ڈھونڈتے رہیں گے اور ہم دونوں بے فکری سے اپنا کام کرتے رہیں گے۔"

"تمہارے پاس آرام کے لیے صرف آج کا دن رہ گیا ہے۔ کل پتانہیں تم کہاں بھیج دیے جاؤ گے۔ ہمارے کام کے آغاز کا دور تک نام ونشان نہیں ہے۔ اگر ان کا ہاتھ میرے گریبان تک پہنچ گیا تو وہ مجھ ہی کو اصل ڈینی بنا ڈالیں گے۔ ان کا بال بھی بیکا نہ ہوسکے گا۔"

"جو لوگ میری نگاہوں میں ہیں، میں ان کے بارے میں تمہیں بریف کرسکتا ہوں۔"

"چھوٹے شکار پر ہاتھ ڈالا تو ہم الجھ کر رہ جائیں گے۔ ہوسکے تو کسی طرح آئزک بیل کا سراغ لگانے کی کوشش کرو۔"

"تم چاہو تو میں تمہیں اس کے دفتر کا پتا تک سمجھا سکتا ہوں۔ وہاں گھسنا کوئی آسان کام نہیں ہوگا۔ یہاں پہنچنے کے بعد مجھے سب سے پہلے اسی کے پاس پہنچایا گیا تھا۔"

وہ اہم ترین اطلاع تھی اور بدری کسی احمق کی طرح اسے اپنے دل میں لیے بیٹھا تھا۔ میں نے جوش کے عالم میں شانے پکڑ کر اسے جھنجھوڑ ڈالا "مجھے پتا بتاؤ۔ دفتر نہ سہی، اسے دفتر کے باہر دیکھ لیا جائے گا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کیا سمجھوں۔" وہ عجیب سی ہنسی کے ساتھ بولا "کبھی تم بالکل احمق اور سادہ لوح نظر آتے ہو اور کسی وقت اس قدر بے خوف ہوجاتے ہو کہ تم سے ڈر لگنے لگتا ہے۔"

میں نے اس کی ہنسی میں شریک ہو کر کہا "شیام لوٹ آیا تو یہ باتیں ادھوری رہ جائیں گی۔ اس کے آنے سے پہلے آئزک بیل کا پتا بتادو۔ باقی باتیں بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔"

بدری ناتھ نے آئزک بیل کا پرشکوہ دفتر دیکھا ضرور تھا لیکن اس کے باقاعدہ پتے سے واقف نہیں تھا۔ اس نے نیچی آواز میں اس بھیڑیے کے مسکن کا محل وقوع مجھے سمجھانا شروع کردیا۔

بدری ناتھ نے آئزک بیل کے پرشکوہ دفتر کے محل وقوع کے بارے میں جو کچھ بتایا، وہ میرے لیے اشاروں اور نشانیوں سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھا۔ ان رموز کو وہی شخص سمجھ سکتا تھا جو نیویارک کی مین ہٹن ڈسٹرکٹ سے پوری طرح واقف ہو۔

میں نے اس کی بتائی ہوئی نشانیاں عجلت میں کاغذ کے ایک پرزے پر نوٹ کرلیں، ان سب میں اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ آئزک بیل کا دفتر ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے آس پاس واقع تھا۔

اس وقت تک میری معلومات میں اتنا اضافہ ہوچکا تھا کہ مجھے نیویارک کی چند قابل ذکر عمارات اور مقامات کے نام ازبر ہوگئے تھے۔ ان میں سولہ ایکڑ رقبے پر پھیلی ہوئی ان جڑواں عمارات کا نام بھی شامل تھا جو دونوں مل کر ورلڈ ٹریڈ سینٹر کہلاتی تھیں اور شہر کے مالیاتی مرکز میں ممتاز ترین حیثیت کی حامل تھیں، ساڑھے تیرہ سوفٹ بلند وہ عمارات دریائے ہڈسن کے پار واقع نیوجرسی سے بھی صاف نظر آتی تھیں مگر اس سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ میں پچھلی رات آئزک بیل کو کسی پبلک فون بوتھ سے تنگ کرنے کے ارادے سے اپنا ہوٹل چھوڑ کر ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے سب وے اسٹیشن ہی گیا تھا۔

بدری ناتھ کی زبان سے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا نام سن کر مجھے اپنی احمقانہ بے خبری پر تاؤ آنے لگا۔ پچھلی رات تحفظ

کے خاطر میں شہر کے وسطی حصے کو چھوڑ کر خود ہی اپنے دشمن کی کچھار کے نزدیک جا پہنچا تھا۔ اس نے اپنے علاقے میں میری موجودگی کا یقین ہوتے ہی گفتگو کو طول دینے کی کوشش کی تھی تا کہ اس دوران میں اس کا کوئی خوں خوار کارندہ میرے سر پر پہنچ کر میری گردن دبوچ سکے۔

غنیمت یہ تھا کہ اس وقت میری کھوپڑی پر برف نہیں جمی ہوئی تھی۔ مجھے اصل خطرے کا ذرا بھی ادراک نہیں تھا پھر بھی میں نے اس کی طول پکڑتی ہوئی گفتگو سے یہ بھانپ لیا کہ وہ مجھے باتوں میں الجھا کر وقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ احساس ہوتے ہی میں فون بند کر کے وہاں سے کھسک لیا۔

شیام ناتھ کے مختصر، بے ترتیب اور بکھرے ہوئے کمرے میں بدری ناتھ سے گفتگو کرنے کے بعد اندازہ ہو رہا تھا کہ پچھلی رات میں نے اپنی جبلی محتاط روی کی بنا پر کتنے بڑے خطرے کو ٹالا تھا۔

''اس سے مل کر مجھے اندازہ ہوا ہے کہ وہ بہت ذہین اور مکار دشمن ہے۔'' پتا سمجھانے کے بعد بدری ناتھ کہنے لگا۔ وہ میری بدلتی ہوئی ذہنی کیفیات سے یکسر بے خبر تھا۔

''میرا اب تک کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اس کی ساری خوبیوں پر اس کی ایک خامی بہت بری طرح حاوی ہے اور وہی اسے لے ڈوبے گی۔'' میں نے اپنے خیالات کی رو سے نکل کر جواب دیا۔

''تم سنی سنائی باتیں کر رہے ہو۔ میں اس سے مل چکا ہوں۔ میں پوری توجہ مرکوز کر کے بھی اس کی کوئی کمزوری پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کی چبھتی ہوئی تیز نگاہیں مجھے اپنے وجود میں اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔'' وہ اسحاق گھنٹی سے کچھ زیادہ ہی مرعوب نظر آ رہا تھا۔

''سب کچھ ہو سکتا ہے۔'' میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا ''مجھے تمہاری ہر بات تسلیم ہے لیکن یہ مان لو کہ وہ بڑ بولا ہے اور میں اس کی یہی رگ دباتا چلا جاؤں گا۔''

''میرے مختصر سے انٹرویو کے بعد اس نے کسی بسیار گوئی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بہت نپے تلے الفاظ میں مختصر سا ایک لیکچر دیا جس میں سارا زور غیر مشروط وفاداری اور رازداری پر تھا۔ ڈھکے چھپے الفاظ میں اس نے یہ بھی بتا دیا کہ ان اصولوں سے انحراف کی سزا صرف موت ہوتی ہے۔''

میں دھیرے سے ہنس پڑا پھر بولا ''اس کے الفاظ کی قدر و قیمت اسی حقیقت سے واضح ہو جاتی ہے کہ اس کی ساری دھمکیاں سن لینے کے بعد تم پوری روداد جمن مجھے سنا رہے ہو۔''

وہ لمحہ بھر کے لئے بوکھلا گیا ''مم.... مگر اسے یہ کیسے معلوم ہوگا کہ میں اس کے خلاف تم سے ملا ہوا ہوں؟ یہ ہماری آپس کی باتیں ہیں جو اس تک نہیں پہنچ سکتیں۔''

اس کا لہجہ بہت زیادہ تائید طلب تھا۔ اس کے اطمینان کے لیے میں نے سر ہلا دیا ''تم بے فکر رہو۔ اس کے فرشتوں کو بھی ہمارے گٹھ جوڑ کی ہوا نہیں لگ سکے گی۔''

''وہ چوڑے شانوں، مضبوط جسم اور دراز قامت کا مالک ہے۔'' بدری نیچی آواز میں بتانے لگا ''ہلکی سی بھوری داڑھی نے اس کے بھاری جبڑوں کو خاصا خوفناک بنا دیا ہے۔ داڑھی اس کے چہرے سے حلق تک پھیلی ہوئی ہے۔''

''یہودیوں کی داڑھی ایسی ہی ہوتی ہے۔ کٹر یہودی چہرے کے نچلے حصے کے بالوں پر استرا نہیں لگاتے۔ اپنے اسی امتیاز کی وجہ سے وہ مسلمانوں سے الگ پہچانے جاتے ہیں۔''

''اوہ!'' وہ چونک کر بولا ''میں بھول ہی گیا تھا کہ تم لوگ یہودیوں سے نفرت کرتے ہو۔''

بدری کا وہ بے ساختہ تبصرہ سن کر مجھے افسوس ہوا کہ میں نے کیوں آئزک کے یہودی ہونے کا ذکر چھیڑا تھا۔ کمان سے نکلا ہوا تیر اور زبان سے ادا کئے ہوئے الفاظ کی واپسی کسی طرح ممکن نہیں ہوتی۔ میں نے بات نبھانے کے لئے جلدی سے کہا ''پاکستان میں لاکھوں نہیں تو ہزاروں یہودی بے خوف و خطر رہتے ہیں۔ یہودیوں سے کوئی نفرت نہیں کرتا۔ ساری نفرت توسیع پسندی اور دہشت گردی کے خلاف ہے۔ تمہیں معلوم

ہے کہ ڈیوڈ اسٹارز کس مشن پر کام کر رہے ہیں؟"

"عالمی سلطنت کا خواب ہر دور میں دیکھا جاتا رہا ہے اور پھر یہ بے چارے تو صدیوں ذلیل و خوار ہو کر در بہ در مارے مارے پھرتے رہے ہیں۔" وہ ان حقائق سے بے خبر نہیں تھا۔ دھیمی آواز میں کہتا رہا "اپنے حسب نسب کو چھپا کر انہوں نے اپنی بقا کی جنگ لڑی تھی۔ اگر ہٹلر نے دنیا کو تاراج کرنے کی دھن میں ان پر روح فرسا مظالم نہ ڈھائے ہوتے تو شاید آج دنیا سے صیہونیت کا نام و نشان تک مٹ چکا ہوتا... ہٹلر کے مظالم کی کہانیاں بڑھا چڑھا کر پھیلائی گئیں ہٹلر سے نفرت کا سارا ثمر یہودیوں نے سمیٹا۔ آج انہوں نے رفتہ رفتہ اتنی قوت حاصل کر لی ہے کہ وہ کچھ بھی سوچ سکتے ہیں۔"

"دنیا میں ہر شخص کو اپنی بھلائی کے لئے سوچنے کا حق حاصل ہے مگر دوسروں کو نیست و نابود کر کے ان کی راکھ اور ہڈیوں پر اپنا محل تعمیر کرنے کی خواہش رکھنے والوں سے کوئی ہمدردی نہیں کرے گا۔ یہ لوگ یہی سب کرنا چاہ رہے ہیں اور شاید اسی لئے ہم دونوں مل بیٹھے ہیں۔"

"تم بھول رہے ہو کہ میری اصل بغاوت آئزک بیل کے خلاف نہیں تھی۔" اس نے پوری سنجیدگی سے میری تصحیح کر کے مجھے چونکا دیا "میری نفرت کا نشانہ نک موڈلے تھا۔ اس نے توہین آمیز رویہ اختیار کر کے میری جو تذلیل کی، اسے میں عمر بھر نہیں بھول سکوں گا۔ یہاں آ کر مجھے سب کچھ بدلا بدلا سا نظر آ رہا ہے....."

بدری کے ان الفاظ پر میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے پوچھا "اگر تم آئزک بیل کے ساتھ وفادار رہنے کا فیصلہ کر چکے ہو تو میری یہاں موجودگی بے معنی ہو جاتی ہے۔ اس سے پہلے کہ یہاں میرے دشمن پیدا ہوں، مجھے واپس لوٹ جانا چاہئے۔"

"شیر علی!" اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر نیچی آواز میں کہا "ابھی میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ اتنا ضرور ہے کہ آئزک بیل جیسے بڑے آدمی کے باوقار سلوک نے میرے زخموں پر مرہم رکھا ہے۔ میں نے اپنا راستہ بدلنے کا کوئی فیصلہ کیا تو یہ میرا وعدہ ہے کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"یہ تمہارا وعدہ ہے.... ہو سکتا ہے کہ تمہیں فیصلہ کرنے میں اتنی دیر لگ جائے کہ پھر کچھ بھی تمہارے بس میں نہ رہے اور وہ لوگ مجھے اصلی ڈینی سمجھ کر میرے پیچھے لگ چکے ہوں۔" بدری کی نئی ذہنی قلابازی نے مجھے اندر سے وحشت زدہ کر دیا۔

اس کی باتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ آئزک بیل اپنی گفتگو سے مخاطب کو مسحور کرنے اور اس کے ذہن کو پلٹنے میں ملکہ رکھتا تھا۔

"میں تمہیں یقین دلا رہا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا۔" وہ میرا شانہ دبا کر بولا "مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے کسی مشن پر یہاں نہیں آئے، میری مدد کرنے کے لئے آئے ہو۔ میں تمہاری گردن نہیں کٹواؤں گا ... اور پھر یہ ضروری تو نہیں کہ میں اپنا فیصلہ بدل لوں۔ میرے شب و روز آئزک بیل کے نہیں، اس کے آدمیوں کے ساتھ بسر ہوں گے۔ کیا پتا وہ بھی نک موڈلے کی طرح اپنے اوپر گھمنڈ کرنے والے ہوں۔"

"پاکستان سے نکلنے تک تم بہت پُرعزم اور پُریقین تھے۔ اس وقت تم بدترین تذبذب اور بے یقینی میں مبتلا ہو۔ میرا خیال ہے کہ جب تک تم یک سوئی سے کوئی آخری فیصلہ نہیں کر لیتے، مجھے چپ سادھ کر نیویارک کی سیاحت میں مصروف ہو جانا چاہئے۔"

"نہیں!" اس کی سخت اضطراری آواز ابھری مگر اگلے ہی لمحے اس کا لہجہ نرم ہو گیا "آئزک بیل کو چھیڑ کر تم نے لڑائی کا طبل بجا دیا ہے۔ اب تم خاموش نہیں رہو گے۔ یہاں کسی کو تمہارے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ شیر علی کے اصل نام سے یہاں تمہارا کوئی ریکارڈ یا وجود نہیں ہے۔ تم اسلم خان بن کر یہاں آئے ہو، گرنام کے روپ میں شیام ناتھ سے ملے ہو اور ڈینی کا روپ دھار کر آئزک بیل کو ڈرا رہے ہو یہ کام یوں ہی جاری رہنا چاہئے... ان پر ڈینی کے نام کا ایسا ہوا بیٹھا ہوا ہے کہ انہیں اس کی محبوبہ بھی نیویارک میں نظر آنے لگی ہے۔"

پتا نہیں وہ کس موڈ اور رنگ میں تھا کہ بہت رک رک کر اہم باتوں کا انکشاف کر رہا تھا۔ شاید اس طرح وہ

ہر بات اور نکتے پر میرے ردِعمل کا اندازہ لگانے کی کوشش کررہا تھا۔

وقت اور حالات نے اسے میرے ساتھ مل بیٹھنے پر مجبور کردیا تھا مگر میں نے یہ حقیقت ایک لمحے کے لئے بھی فراموش نہیں کی تھی کہ وہ بھارتی سیکرٹ سروس، را کا ایک منجھا ہوا ایجنٹ تھا جسے نامعلوم سازشوں کی آبیاری کے لئے راس المیڈا نے بھارت سے کراچی بلایا تھا اور اس کے لئے میری حیثیت کراچی کے ایک بے خوف بدمعاش سے زیادہ نہیں تھی۔

''ڈینی کی محبوبہ؟'' اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے حیرت سے دہرایا ''میں نے تو سنا ہے کہ اب وہ شادی کرکے پارسائی کی زندگی گزار رہا ہے۔''

''یہ لمبی کہانی ہے جو شاید تمہاری سمجھ میں نہیں آسکے گی۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''کبھی کبھی پچھلی غلطیاں زندگی بھر کے لیے آدمی کے گلے کا ہار بن جاتی ہیں۔ ویرالائیڈ برسوں سے اس کی داشتہ ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے فون سے پہلے اسے کسی نے نیوآرک ایئرپورٹ پر دیکھا تھا۔ اسی وجہ سے وہ لوگ تمہارے فون کو بہت زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔''

''اگر ویرا کو نیوجرسی کے ائرپورٹ پر دیکھا گیا ہے تو ہوسکتا ہے کہ اصل ڈینی بھی اس کے ساتھ یہاں آپہنچا ہو۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے خدشہ ظاہر کیا۔

''میری نگاہ میں ویرا والی کہانی بے سروپا ہے۔'' وہ سر جھٹک کر بولا ''اگر وہ دونوں آ ہی گئے ہیں تو پھر بھی ہمیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ وہ دونوں خود ہی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے اور ہم الگ بیٹھے چین کی بنسری بجاتے رہیں گے۔''

''شاید اسی وجہ سے تمہارے دل میں آئزک کے لئے ممتا کا جذبہ جوش مار رہا ہے۔'' میں نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ممتا کے لفظ پر اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر بولا ''یہ دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔ ڈینی آگیا ہے تو ہم اسے اندر کی معلومات پہنچانے کی کوشش کریں گے تاکہ وہ ان کی جڑیں زیادہ گہری کاٹ سکے۔ یہ یاد رکھو کہ ہمارے پیشے میں صرف تین ترجیحات ہوتی ہیں۔ ان میں [ذاتی] حفاظت سرفہرست ہے۔ اس کے بعد مشن کی رازد[اری] آتی ہے۔ تیسرے درجے پر دشمن کی موت کی خو[اہش] کارفرما ہوتی ہے۔ اگر ہم خود محفوظ رہ کر اپنے مقا[صد] حاصل کرسکیں تو ہمیں خطرات مول لینے کی کیا ضرو[رت] ہے؟''

میں نے اس کے آخری سوال کو نظرانداز کرد[یا۔] میرا ذہن اس کی بیان کی ہوئی ترجیحات میں الجھ کر ر[ہ گیا] تھا۔ میں نے پوچھا ''اس کا مطلب ہے کہ کسی مرحلے [پر] تم پکڑے گئے تو اپنی جان بچانے کے لئے اپنے مقا[صد] کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ میری نشان دہی [بھی] کردوگے؟''

''تم میری بات نہیں سمجھ سکے۔ ذاتی حفاظت [کا] مطلب جان بچانا نہیں، خود کو دشمن کی تحویل میں جا[نے] سے بچانا ہے۔ ایک سیکرٹ ایجنٹ کے لئے ایسی قی[د] موت سے بدتر ثابت ہوتی ہے۔ کوئی پکڑ ہی لیا جائے [تو] اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی پہلی ترجیح کے حصو[ل] میں ناکام رہا ہے۔ اس وقت اس کے سامنے دوسر[ی] ترجیح ہر مقصد سے برتر ہوتی ہے اور وہ جان دے کر [بھی] مشن کی رازداری کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ [تم] شاید تم یقین نہ کرو لیکن میں اپنے کیریئر میں دوبار پکڑ[ا] گیا ہوں۔ ایک بار سری لنکا میں اور دوسری بار پاکستا[ن] میں..... دونوں جگہ سارے حربے ناکام ہوئے۔ [میں] ..... ابتدا سے ایک ہی کہانی پر اڑا رہا اور آخر آزاد[ی] حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ اور بات ہے [کہ] دونوں مرتبہ میں مہینوں اسپتالوں میں بستر پر پڑا رہا تھا [لیکن] آج میں پوری ذہنی اور جسمانی صحت کے ساتھ تمہار[ے] سامنے ہوں۔''

''مجھے تمہاری ہر بات پر یقین ہے لیکن مسئلہ یہ [ہے] کہ اس وقت تم بہت الجھی الجھی باتیں کررہے ہو۔ [میں] یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا ہوں کہ کہیں میں نے تمہارا سا[تھ] دے کر غلطی تو نہیں کرڈالی۔''

''میں مانتا ہوں.... ہاں، میں مانتا ہوں کہ ا[س] وقت میرا ذہن صاف نہیں ہے۔ یہاں آتے [...]

حالات کچھ اس طرح سامنے آئے ہیں کہ میں شاید الجھ گیا ہوں.... اب تم سے کیا چھپانا؟ میں کئی بار سوچ چکا ہوں کہ کہیں تم ہی ڈینی نہ ہو۔ جب میں ڈینی کی سنی سنائی کہانیوں کا تمہاری ذات سے موازنہ کرتا ہوں تو یقین آجاتا ہے کہ تم جیسا کھرا اور یار باش آدمی ڈینی نہیں ہوسکتا۔''

''اگر تم مجھے بتادو کہ ڈینی کیسا ہوتا ہے تو میں وہ بھی بن کر دکھادوں گا۔'' میں نے ترشی سے کہا۔

''بس برا مان گئے!'' اس نے بے تکلفی سے کہا ''جس طرح میں شیر علی نہیں ہوسکتا، اسی طرح تم ڈینی نہیں بن سکتے۔ اس بھری پری کائنات کا کمال یہی ہے کہ کوئی دو انسان ایک جیسے ہوتے ہیں اور نہ بن سکتے ہیں۔ تمہاری بعض خوبیاں ڈینی سے بہتر ہوسکتی ہیں مگر پھر بھی تم خود کو ڈینی نہیں کہہ سکتے۔''

''تمہارا ذہن صاف ہونے تک میں بس نیویارک کی سیر کروں گا....''

''یہاں فی الحال آئزک بیل تمہاری نظروں میں ہے اور وہ بہت مشکل شکار ہے۔ میں یہاں سے نکل کر نئے ٹھکانے پر پہنچا تو سب کچھ واضح ہوجائے گا اور خبریں بھی ملنے لگیں۔''

''مگر میں تم کو کہاں تلاش کرتا پھروں گا؟ ایک دوسرے سے اس طرح بے خبر رہ کر ہم کچھوے کی رفتار بھی حاصل نہیں کرسکیں گے۔''

''یہ مجبوریاں اسی شہر تک محدود ہیں۔ یہاں سے گلوخلاصی کے بعد میں تم سے رابطے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال لوں گا۔ اس بارے میں تمہیں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔''

''ابھی تک تم نے میرے ٹھکانے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا۔ جب تمہیں میرا ٹھیا ٹھکانا معلوم نہیں ہوگا تو تم رابطہ کہاں کروگے؟'' میرا لہجہ اس بار استہزائیہ ہوگیا۔

''میں اپنے بارے میں رازداری برتنے پر مجبور ہوں تو مجھے تمہارے بارے میں زیادہ کریدنے کا حق نہیں ہے۔ کل کا دن گزر جانے کے بعد تم شیام سے رابطہ رکھنا، اس سے تمہیں میرا نیا پتا یا فون نمبر مل جائے گا اور پھر ہم براہ راست بات کرسکیں گے۔''

کراچی میں تخشل کی محبوبہ ریشم بخت کے گھر پر بدری ناتھ سے میری پہلی ملاقات ہوئی تو وہ مجھے بہت ذِیرک اور بے خوف حریف نظر آتا تھا جو اپنے دشمن سے پر پیچ مذاکرات کے فن میں بہت گھاگ تھا بعد میں بھی اس نے ہر لحاظ سے خود کو رمیش اگروال سے برتر ثابت کیا تھا لیکن اس وقت وہ مجھے کچھ بدلا بدلا سا نظر آرہا تھا۔ اس کی گفتگو کمزور اور کسی قدر بے ربط تھی۔

اس ملاقات میں بدری نے حوصلہ شکن باتیں کی تھیں۔ کام کی بات صرف ایک تھی کہ اس نے مجھے آئزک بیل کے ٹھکانے سے آگاہ کردیا تھا۔ دشمن کا وہ سراغ مل جانے کے بعد مجھے بدری کی مدد کی زیادہ ضرورت نہیں رہی تھی۔ میں براہ راست اپنے معاملات نمٹا سکتا تھا۔

وہ اپنی باغیانہ روش برقرار رکھتا یا صیہونی دہشت گردوں سے مرعوب ہوکر ان کے تلوے چاٹنے لگتا، میری اور ویرا کی منصوبہ بندی پر کوئی نمایاں فرق نہیں پڑسکتا تھا۔

ہماری وہ گفتگو مزید طول نہ پکڑسکی کیونکہ شیام ناتھ اپنے ریستوران کے اکلوتے باتھ روم سے غسل کرکے لوٹ آیا۔ اس نے بے ڈھنگے انداز میں اپنے بدن پر بڑا تولیہ لپیٹا ہوا تھا۔

''یار! تم دونوں تو بالکل ہی نکمے ہو۔'' وہ آتے ہی بولا ''میں سوچ رہا تھا کہ تم نے اپنے ساتھ میرے لئے بھی چائے بنالی ہوگی مگر تم یوں ہی سوکھے منہ بیٹھے ہوئے ہو۔''

''تم بھول رہے ہو کہ ہم تمہارے مہمان ہیں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

یہ لکھنؤ یا بریلی نہیں ہے، میری جان!'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔ ''اس شہر کو نیویارک کہتے ہیں اور یہاں ہر مہمان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے جھوٹے برتن خود دھوئے گا۔ ان نازنخروں میں پڑے رہے تو اپنے لئے ہر گھر کے دروازے بند پاؤ گے۔''

"لڑکیوں کے ساتھ بھی تم ایسی ہی رکھائی سے پیش آتے ہو؟" بدری نے پوچھا۔

"ان کی نہ پوچھو.... وہ تو اپنے دل کی شہزادیاں ہوتی ہیں۔" وہ کسی پیشہ ور عاشق کی طرح اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا "ہم ان کے ناز اٹھاتے ہیں، وہ ہماری سیوا کرتی ہیں۔ کوئی ڈھنگ کی لونڈیا آجائے تو کئی دن کے لئے یہ کمرا نکھر کر صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔ یہ سالیاں گندے اور بے پروا مردوں پر بری طرح جان چھڑکتی ہیں...."

اس کی زبان چل پڑی تھی۔ میں درمیان میں ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ "اگلی بار میں کوشش کروں گا کہ کسی لڑکی کے ساتھ یہاں آؤں۔ اس وقت تک کے لیے میری چائے ادھار رہے گی۔"

ان دونوں نے پوری گرم جوشی سے مجھے روکنے کی کوششیں کیں لیکن میں ایک ضروری ملاقات کا عذر کر کے وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔

بدری ناتھ سے آئزک بیل کے دفتر کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا تھا، اس کے سہارے میں کسی نہ کسی طرح اس خبیث تک پہنچ سکتا تھا۔ ان نشانیوں میں اہم ترین بات یہ تھی کہ وہ دفتر نیویارک کے مشہور زمانہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے قریب واقع تھا۔ وہاں تھوڑی سی آوارہ گردی کے بعد آئزک بیل کے دفتر کی دوسری نشانیاں بھی تلاش کی جاسکتی تھیں مگر بہتر یہ تھا کہ ایسا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ویرا سے مشورہ کر لیا جاتا۔

میں نے شیام ناتھ کے ہوٹل یا گھر سے باہر نکل کر چند سیکنڈ تک قرب و جوار کا جائزہ لیا اور پھر بک اسٹال سے خریدے ہوئے دونوں اخبار کوٹ کی اندرونی جیب میں اڑس کر واپس چل دیا۔

نیویارک میں بازاروں اور دفاتر کے اوقاتِ کار شروع ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ سڑکوں پر ٹریفک کا ہجوم رواں تھا لیکن پورٹ اتھارٹی بس ٹرمینل سے ذرا دور نکلتے ہی فٹ پاتھوں پر راہ گیروں کا قحط نمایاں ہونا شروع ہو گیا۔

نیویارک کی ایک دوسرے کو زاویہ قائمہ پر کاٹتی ہوئی سڑکوں کی فٹ پاتھوں پر پیدل چلنے والوں کی تعداد میں کمی بلکہ بے رونقی کا ایک نمایاں سبب تو یہ ہے کہ وہاں سڑکوں کے رخ پر خریداری کے مراکز یا بڑے نمائشی شوکیس بنانے کا زیادہ رواج نہیں ہے۔ خریداروں کو متوجہ کرنے کے یہ سارے حربے کثیر المنزلہ شاپنگ مالز میں مرکوز ہیں اور یہ مالز اس طرح بنائے گئے ہیں کہ حقیقی خریدار یا ونڈو شاپنگ کا خاص ارادہ کیے بغیر نظر ان ذخیروں کی رونق تک نہیں پہنچ پاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ خریداروں کی ساری گہما گہمی ان مالز میں ہوتی ہے۔ سڑکوں کے کنارے مٹر گشت کر کے بھانت بھانت کی نت نئی ضروری اور آسائشی و آرائشی اشیا کے مشاہدوں کا مزہ بس لندن کی آکسفورڈ اسٹریٹ پر ہی ہے۔

دوسرا سبب جو ویرا نے بعد میں بتایا، یہ تھا کہ خریداری کے مراکز بیالیسویں اسٹریٹ سے آگے ٹائمز اسکوائر اور براڈوے کے اطراف میں بکھرے ہوئے تھے جب کہ شیام ناتھ کا ہوٹل چالیسویں اسٹیٹ پر تھا۔ وہاں سے پین پلازہ کی طرف یہ رونقیں بہت تیزی سے معدوم ہوتی چلی جاتی تھیں کیونکہ پین پلازا مین ہٹن کے مرکزی حصے کی آخری حد پر واقع تھا۔

ہوٹل کے کمرے میں ویرا بے چینی سے میری منتظر تھی۔ مسہری پر اس روز کا نیویارک ٹائمز بکھرا ہوا تھا جو اس نے شاید میرے جانے کے بعد طلب کیا تھا۔

میں نے کمرے میں گھستے ہی اپنے کوٹ کی جیب میں سے دونوں اخبار نکال کر اسے تھما دیے۔

"میں نیویارک ٹائمز دیکھ چکی ہوں۔ اس میں ہمارے لیے کوئی خطرناک خبر نہیں چھپی۔ یہ بتاؤ کہ بدری سے تمہاری ملاقات کیسی رہی؟" ویرا نے میرے دیے ہوئے اخبار ایک طرف اچھالتے ہوئے پوچھا۔

"اس سے آئزک بیل کا پتا ملا ہے۔" میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ فورِ مسرت سے اچھل پڑی لیکن میں نے بدستور جوتے اتارتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "میں نیویارک ٹائمز کے ساتھ نیوز لائن بھی لایا ہوں۔ یہ نہ بھولو کہ لندن میں راما کا روزینی کی لاش ملنے کی خبر صرف سن میں چھپی تھی۔ مغرب میں مسابقت

دوڑ کی وجہ سے ہر اخبار نئی خبر چھاپنے کے چکر میں رہتا
ہے۔ جلدی سے نیوز لائن پر بھی نظر دوڑا لو۔ اس کے
بعد ہم آئزک بیل کے بارے میں بات کریں گے۔"
ویرا نے اپنے یاقوتی ہونٹ بھینچ کر غصیلی نگاہوں
سے مجھے گھورا۔ میں پلکیں جھپکا کر دوبارہ اپنے جوتوں کی
طرف متوجہ ہو گیا۔ میرے موڈ کا اندازہ کر کے ویرا کو
ناچار نیوز لائن اٹھانا پڑ گیا۔
"اس میں بھی کچھ نہیں ہے۔" ویرا کھڑے کھڑے
اخبار کا پہلا ورق الٹتے ہوئے بولی "اگر آئزک بیل
امریکی حکام کو نیویارک میں تمہاری یعنی ڈینی کی....."
"مسز روزی برڈ!" میں نے خشک اور تلخ آواز
میں اسے ٹوکا۔ "تم بار بار یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ میرا
اصل نام اسلم خان ہے۔ یہ بات ہمارے درمیان بہت
سنجیدگی سے طے ہو چکی ہے کہ ہم بھول کر بھی ایک
دوسرے کا نام بگاڑنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"
"اوہ، سوری!" اسے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس
ہو گیا "میں یہ کہہ رہی تھی کہ اگر... انہیں نیویارک میں
ڈینی کی موجودگی کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا تو
یہاں ٹیلی وژن سے اخباروں تک میں ادھم مچ جائے
گا۔ ہو سکتا ہے کہ ابھی وہ اپنے طور پر ڈینی کو گھیرنے کی
فکر میں ہو۔"
"کوئی بات یقین سے نہیں کی جا سکتی۔" میں نے
کہا "یہ طوفان سے پہلے والی خطرناک خاموشی بھی
ہو سکتی ہے۔ ہم نے موت کے جبڑوں میں ہاتھ ڈال دیا
ہے تو اب فرار کی راہ اختیار نہیں کی جا سکتی۔ ہمیں اب
عفریت کی آنتیں ہی باہر نکالنی ہوں گی۔"
"خود ایسی کھلی کھلی باتیں کر رہے ہو اور میرے نام
لینے پر بھی پابندی لگائی ہوئی ہے۔" ویرا نے منہ بنا کر
شکایتی لہجے میں کہا۔
"گفتگو اردو میں ہو رہی ہے لیکن ناموں کی کوئی
زبان نہیں ہوتی۔ تمہارا ہجر زدہ عاشق اٹلی میں راما کا
روزینی تھا اور جاپان میں بھی اسی نام سے پہچانا جاتا۔"
"پھر میرے اور تمہارے نام کا مسئلہ نہیں رہتا۔
ہمیں حوالے کے لیے بھی ایک دوسرے کے نام استعمال
نہیں کرنے چاہئیں بلکہ دشمن کے لئے بھی اسحاق گھنٹی
بہتر رہے گا۔"
"ضروری نہیں کہ اس کو اتنی عزت دی جائے۔
اسحاق یا صرف گھنٹی سے بھی بات بن سکتی ہے۔"
"ابھی تک تم نے بدری سے ہونے والی کوئی بات
نہیں دہرائی۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔
میں نے ویرا کو بدری سے حاصل ہونے والی
معلومات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔
دیگر باتوں میں اس کے لیے زیادہ دلچسپی نہیں تھی
مگر اس کے ٹھکانے کی نشانیاں سنتے ہوئے وہ اپنی
یادداشت پر زور دے کر تائیدی لقمے بھی دیتی رہی۔
میرے خاموش ہونے تک کامیابی کے جوش سے اس کی
آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔
"سب کچھ بہت واضح ہے۔" اس نے پُریقین
لہجے میں کہا۔ "بدری کا مشاہدہ بہت تیز ہے۔ وہ واقعی
ایک تجربے کار سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ اس نے ہر وہ اہم
نشانی نوٹ کی ہے جو ہمیں اسحاق کے ٹھکانے تک
پہنچانے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ نشانیاں سن کر
کوئی بھی مقامی تمہیں بتا سکتا ہے کہ اس کے دفتر کی
عمارت کنال اسٹریٹ پر واقع ہو گی۔"
"اگر تم اتنی ہی پُراعتماد ہو تو ہمیں اسی وقت وہاں
پہنچ جانا چاہیے۔"
"یہ نہ بھولو کہ اس وقت تم کراچی میں نہیں ہو جہاں
منہ اٹھا کر ہر اجنبی شخص کسی بھی بلڈنگ میں گھس سکتا
ہے۔ یہاں چوری چکاری اور ڈکیتیوں کی وجہ سے ساری
عمارات کے صدر دروازے مقفل رہتے ہیں۔ تم چوکی
دار کو مناسب شناخت کرائے یا انٹرکام پر مطلوبہ دفتر سے
اجازت لیے بغیر اندر قدم بھی نہیں رکھ سکو گے۔ اس کا پتا
معلوم ہو جانا ہر مسئلے کا حل نہیں ہے۔"
"بدری نے بتایا تھا کہ اس کا دفتر گیارہویں منزل پر
ہے۔ اس عمارت میں بے شمار دوسرے دفاتر بھی ہوں
گے۔ ہم کسی کا بھی نام استعمال کر لیں گے۔" میں نے
سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔
"کس کا؟ یہ ملین ڈالر کا سوال ہے۔ ادھر کا رخ

کرنے سے پہلے ہمیں یہ ہوم ورک کرنا ہوگا۔ میں نے تمہاری بتائی ہوئی نشانیوں سے سڑک کا اندازہ ضرور لگا لیا ہے۔ عمارت کے نام یا نمبر کا تعین ابھی باقی ہے۔ جنوب میں مین ہٹن کی چوڑائی زیادہ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں خود کنال اسٹریٹ کا ایک چکر لگا لوں تو عمارت کے تعین کے ساتھ کچھ اور باتیں بھی معلوم ہوجائیں گی۔''

''اس کار خیر میں ذرا سی بھی دیر نہ لگاؤ۔'' ویرا کی تجویز کی معقولیت کا احساس کرتے ہوئے میں نے کسی توقف کے بغیر کہا ''تیار ہو کر اسی وقت نکل جاؤ۔''

وہ ایک اصولی فیصلہ تھا۔ ویرا نے فوری طور پر اسے عملی جامعہ پہنانے کی تیاری شروع کردی۔

آئزک بیل سے فون پر چھیڑ چاڑ کی ابتدا ہوجانے اور بروکلین کے علاقے میں مقبول نامی پاکستانی نژاد ٹیکسی ڈرائیور کے بھیانک انجام کے بعد یہ ضروری ہوگیا تھا کہ ہم دونوں منظر عام پر ایک دوسرے سے الگ رہ کر اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

اکٹھے باہر نکلنے میں یہ سنگین خطرہ تھا کہ ایک کی وجہ سے ہم میں سے دوسرا بھی کسی ناگہانی مصیبت سے دوچار ہوسکتا تھا۔

ویرا غسل خانے میں تیاری کے ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی کہ میں نے فون لائن سے منسلک سی ایس ڈی کا جائزہ لے ڈالا۔

کسی بھی ٹیلی فون کال کی رازداری برقرار رکھنے کے لئے وہ ایک بے مثال آلہ تھا۔

بدری ناتھ نے جاپان کی زیر زمین مارکیٹ میں اس آلے کی جو قیمت بتائی تھی اس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ بیٹری سے چلنے والے اس آلے کی اندرونی ساخت خاصی پیچیدہ رہی ہوگی۔ اس کے باوجود باہر سے وہ آلہ بہت سادہ تھا۔

اس کے بیرونی حصے پر سرخ روشنی کے لئے ابھرے ہوئے نقطے کے سوا صرف ایک سوئچ موجود تھا جو اس وقت مینول پوزیشن پر تھا۔ سوئچ کے دوسرے رخ پر آٹو لکھا ہوا تھا۔ آلے کی کارکردگی کے پیش نظر یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس سوئچ کو آٹو پر کردینے کے بعد فون لائن پر دخل اندازی ہوتے ہی ہاتھ سے کریڈل دبائے بغیر، لائن خود بہ خود منقطع ہوجائے گی۔

ویرا کپڑے بدل کر غسل خانے سے برآمد ہوئی تو مجھے سی ایس ڈی میں الجھا ہوا دیکھ کر مسکرانے لگی ''اچھا ہے کہ میری غیر حاضری میں تم اس کھلونے سے کھیلتے رہو گے۔''

میں نے جواب میں کچھ کہے بغیر، اپنی معروفیت بھول کر کرسی سنبھال لی۔

اس وقت میں ویرا سے اپنے عزائم کے بارے میں کوئی بات کرتا تو وہ مشورہ دینے کا ایک طویل سلسلہ شروع کردیتی اور یوں آئزک بیل کے دفتر کا سراغ لگانے کے کام میں تاخیر ہوجاتی۔

ویرا کو قدرت نے ایسے خدوخال اور رنگ وروپ سے نوازا تھا کہ وہ ہر وقت سدا بہار نظر آتی تھی۔ گھر یا ہوٹل سے باہر نکلنے کے لیے اسے کبھی بھی زیادہ میک اپ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے چند ثانیوں میں اپنے بال سنوارے، ہونٹوں پر لپ اسٹک کی ہلکی سی تہ جمائی اور اپنا پرس فضا میں لہراتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی میں نے سگریٹ سلگا کر فون سنبھالا اور مسہری پر نیم دراز ہوگیا۔ سی ایس ڈی کا سوئچ میں پہلے ہی خود کار پوزیشن پر ڈال چکا تھا۔

سی ایس ڈی کی کامیاب ابتدائی آزمائش کے بعد اس بار میں اسے بہتر طور پر استعمال کرنے کا ارادہ کرچکا تھا۔ اس سے آئزک بیل کو موثر طریقے پر پریشان کیا جاسکتا تھا۔

آئزک بیل کی آواز میں ہیلو سنتے ہی میں نے استہزائیہ آواز میں کہا ''میں نے سنا ہے کہ پہاڑی مہمات میں فوجی خچروں کے سموں پر اونی نمدے باندھ دیئے جاتے ہیں تاکہ ان کے سموں کی آواز پیدا نہ ہو۔ یہی کچھ تمہارے ساتھ ہوا ہے جبھی تمہارے جوتوں سے مقدس دھول اڑنی بند ہوگئی ہے۔''

اسے اپنی پچھلی رات کی ہرزہ سرائی یاد تھی۔ وہ فورا

بولا ''تم جو چاہو بکتے رہو لیکن میرا کہا ہوا اٹل ہے، آنے والا وقت یہ بات ثابت کردے گا۔''

''میں یہی پوچھ رہا تھا کہ اخبارات میں اور ٹیلی وژن پر میرے حواس گم کردینے والی کوئی اطلاع....''

میری بات ادھوری رہ گئی اور لائن کٹ گئی۔ شاید آئزک بیل نے ایک مرتبہ پھر میرے نمبر کا سراغ لگانے کی کوئی کوشش کی تھی۔ لائن میں مداخلت ہوتے ہی سی ایس ڈی خودکار طریقے پر فون کا سلسلہ منقطع کرکے وہ کوشش ناکام بنادی۔ لائن کٹنے کے ساتھ ہی سی ایس ڈی کا بزر بھی بج اٹھا تھا۔

میں کچھ دیر تک آئزک بیل کی جھنجلاہٹ کا تصور کرکے محظوظ ہوتا رہا۔ چند منٹ کا وقفہ دے کر میں نے دوبارہ اس کا نمبر ملایا۔ اس بار میں اپنا استہزائیہ جملہ بھی مکمل نہ کرسکا اور فون بے جان ہوگیا۔

میرا ارادہ بھی یہی تھا کہ یوں بار بار فون کرکے اسے سلگاتا رہوں۔ وہ میرا سراغ لگانے کی کوشش میں ناکامی پر محض اپنا سر پیٹ سکتا تھا۔ شاید اس کے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ میں اس کی سراغ رسانی کی خفیہ کوششوں کو کس آلے سے ناکام بنا رہا تھا۔

تیسری بار آئزک بیل کی غراتی ہوئی آواز سے ہی غصے کا اظہار ہو رہا تھا۔

''اگر تم مجھ سے بات نہیں کرنی چاہتے تو کھل کر بتا دو۔ میں رنگ نہیں کروں گا۔ میرے ساتھ چال بازی کی کوششیں بہرحال کامیاب نہیں ہوں گی۔'' اس کے غصے کے جواب میں، میں نے خوش دلی سے کہا۔

''اس بار فون تمہاری مرضی سے بند ہوگا۔''

ریسیور میں آئزک بیل کی تھکی ہوئی سی آواز ابھری ''لائن کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی جائے گی۔ میں تمہاری حرکت سمجھ چکا ہوں۔''

''ابھی تک میں نے تمہارے ساتھ کوئی حرکت نہیں کی۔ سارا قصہ زبانی کلامی چل رہا ہے۔'' میں انجان بنا رہا۔

''میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تم کوئی سنسر سینسنگ ڈیوائس استعمال کر رہے ہو۔ اگر تم ڈینی ہو تو میں بھی آئزک بیل ہوں۔ اپنے دشمنوں کو خوب سمجھتا ہوں۔''

''ہر خچر تمہاری طرح بار بردار اور بردبار ہوتا ہے۔'' میں نے اردو میں سوچے ہوئے طنز کو انگریزی میں ڈھالتے ہوئے جواب دیا۔ ''لیکن میں ڈینی نہیں ہوں۔ پتا نہیں یہ نام تمہیں کہاں سے مل گیا ہے۔''

وہ تردید کرتے ہوئے میرے ذہن میں یہ امکان موجود تھا کہ شاید [illegible]ائن سے براہ راست چھیڑ چھاڑ کیے بغیر امریکی حکام کے لیے میرا اقرار ریکارڈ کرنے کی کوشش کرے۔

''اس جھوٹی قلابازی سے تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟ پچھلی رات تک تم ڈینی تھے۔ تمہاری آواز میرے لیے اجنبی نہیں ہے....''

میں نے اس کی بات کاٹ دی ''تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔ چاہو تو مجھے ڈینی کے بجائے مریخ کا حکمراں بھی قرار دے سکتے ہو۔ میں تمہارا کیا بگاڑ لوں گا؟''

''اب شاید تم اس بات سے بھی انکار کرو گے کہ سی ون تھرٹی اغوا کرنے والے کی رہائی کے لئے تم نے ہی مجھے بلیک میل کیا تھا؟'' اس کی آواز میں طنز کی تلخی گھلنے لگی۔

''یہ کوئی نئی کہانی معلوم ہوتی ہے۔'' میں نے قطعی انجان اور معصوم بن کر کہا ''میں نے کسی اخبار میں کسی سی ون تھرٹی کے اغوا کے بارے میں نہیں پڑھا۔''

''بظاہر تم نے اسے رہا کرالیا ہے۔'' اس کی آواز تیز اور اونچی ہوگئی ''وہ تمہاری عارضی جیت تھی۔ میری یہ بات کہیں لکھ لو کہ وہ النقرہ سے زندہ نہیں نکل سکے گا اور تم اپنے ایک اہم آدمی سے محروم ہوکر اپنے بال نوچتے رہ جاؤ گے۔''

''میں بڑی حد تک فارغ البال ہوں۔ بال نوچنے کی ضرورت پڑی تو تمہاری کھوپڑی تلاش کرنی پڑے گی۔ تم النقرہ میں جو چاہو، کرتے رہو۔ مجھے اس سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔''

''اس وقت پورے نیویارک میں صرف بلیک ڈیڈ ہی وہ حرام کا بچہ ہے۔ جس کے دل میں ویرا کے لئے کوئی نرم گوشہ موجود ہے۔ شاید تم دونوں اسی کی پناہ میں ہو اور

ای نے تم کوسی ایس ڈی فراہم کی ہے۔'' میری مکارانہ باتوں سے اس کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔

اس نے اپنی دانست میں مجھے خوف زدہ کرنے کے لئے وہ انکشاف کیا تھا لیکن اس کی زبان سے بلیک ڈیڈ کا نام سنتے ہی مجھے ہارلم کے اس دادا گیر کی وہ بے رخی یاد آ گئی جو اس نے ویرا کے ساتھ روا رکھی تھی۔ میں نے برجستہ کہا ''وہ حرام کا نہیں، شیر کا بچہ ہے اور اپنے مہمانوں کی حفاظت کرنی جانتا ہے۔ تم نے اس کے منہ لگنے کی کوشش کی تو وہ... تمہیں مزہ چکھا دے گا۔''

''یہ تم خود دیکھ لو گے۔'' اس کا لہجہ سفاکانہ ہو گیا 'میرا راستہ کاٹنے والے ہمیشہ دوسروں کے لیے عبرت کا سامان بنتے آئے ہیں....''

''میں تمہاری ان کھوکھلی دھمکیوں کا عادی ہوں۔ تم آج کے اخبارات میں ہولناک خبروں کی نوید سنا چکے تھے مگر کہیں کچھ نہیں چھپا۔ اب بلیک ڈیڈ بھی تمہارے سینے پر یوں ہی مونگ دلتا رہے گا۔''

''اگر تم ڈینی نہیں ہو تو یہ بتاؤ کہ آج کل کس نام سے پہچانے جاتے ہو؟'' یکایک ہی وہ پوچھ بیٹھا۔ اپنی شدید ضرورت یاد آتے ہی اس کی آواز نرم پڑ گئی تھی۔

''مجھ گھیرنے کی کوشش مت کرو۔ اگر تمہارا حافظہ کمزور ہو گیا ہے تو اپنی سہولت کے لئے مجھے کوئی نیا نام دے دو۔ تمہارے لیے میں وہی بن جاؤں گا۔''

''بہتر ہوتا کہ تم ڈینی ہی رہو۔ یہ نام چھوٹا اور خاصا خوب صورت ہے۔''

''میں نے تمہیں کوئی نیا نام دینے کے لیے کہا تھا۔ ڈینی کوئی پرانا نام ہے جو بھیانک آسیب کی طرح تمہارے دماغ سے چمٹا ہوا ہے۔ تمہاری تکرار سن کر مجھے اس نام سے چڑ ہونے لگی ہے۔''

''زبان سے تم ہر قسم کا ہذیان بکنے پر قادر ہو۔ تمہاری نئی باتیں میرے لیے ناقابل فہم ہیں۔ میں بس یہ یاد دلا سکتا ہوں کہ تمہارے لیے میری پیشکش آج بھی برقرار ہے۔''

''یہ سی ایس ڈی کیا بلا ہے؟'' میں نے اس کی بات وہیں اڑا کر سوال کر ڈالا۔

''اگر بلیک ڈیڈ نے تمہیں اس کے بارے میں نہیں بتایا تو اپنے فون کی لائن سے جڑی ہوئی وہ ڈبیا تلاش کرو جس پر صرف ایک بلب اور ایک سوئچ پایا جاتا ہے اسی کی وجہ سے دو مرتبہ تمہارا فون بند ہوا تھا اور تم اس کا الزام میرے سر ڈال رہے تھے۔''

''تم نے خود کہا تھا کہ اس بار فون میری مرضی سے بند ہوگا یعنی پہلے تم ہی کوئی گڑبڑ کر رہے تھے۔ تمہاری کسی گڑبڑ کا تعلق بلیک ڈیڈ کی ڈبیا سے کیسے ہو سکتا ہے؟'' مجھے اس کے ذہن میں بلیک ڈیڈ کی طرف سے بدگمانی کی جڑیں گہری کرنے کا ایک سنہرا موقع ہاتھ آ گیا۔

''وہ ڈبیا اس بات کی ضمانت ہے کہ گفتگو صرف دو لائنوں کے درمیان ہوگی۔ کہیں بھی کوئی دخل اندازی ہو تو سی ایس ڈی نامی وہ ڈبیا لائن کاٹ دیتی ہے۔'' اسے کھل کر بتانا پڑا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے دو مرتبہ میرے نمبر کا سراغ لگانے میں ناکامی کے بعد اس بار شرافت سے گفتگو جاری رکھی ہے۔ گڑبڑ کرو گے تو لائن کٹ جائے گی؟''

''اب تم پوری بات سمجھ گئے ہو۔ اس کتے نے تمہیں یقیناً ہارلم کے کسی اہم اڈے پر ٹھہرایا ہے۔ اسے خفیہ رکھنے کے لیے ہی فون پر سی ایس ڈی لگائی ہے تاکہ فون نمبر کے ذریعے کوئی اس کے خفیہ ٹھکانے کا پتا نہ چلا سکے۔''

''پھر تو یہ بہت کام کی چیز ہے۔ اسے تلاش کرنا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔

''میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ جلد ہی بلیک ڈیڈ کی گردن تک پہنچ جائیں گے۔'' ریسیور میں آئزک بیل کی تلخ آواز گونجی ''میرا مشورہ مانو تو مجھے اس اڈے کا پتا بتا کر خود وہاں سے نکل جاؤ ورنہ میرے آدمی بلیک ڈیڈ کے ساتھ تم کو بھی پیس ڈالیں گے۔''

''تمہاری دلی خواہش بھی یہی ہے پھر مجھے ایک نیک مشورہ کیوں دے رہے ہو؟''

''انجام تمہارا بھی یہی ہونا ہے لیکن تم چاہو تو غدار کی مخبری کر کے تھوڑی سی مہلت حاصل کر سکتے ہو۔''

''میں ایسی مہلت پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔ تم اپنے لمبے ہاتھوں کو لہراتے رہو۔''
''تم سی ایس ڈی نکال کر مجھے فون کرو تب بھی یہ کام...''
اس بار میں نے اسے بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا اور سختی سے کہا ''میں احسان فراموش اور محسن کش نہیں ہوں۔ بھول جاؤ کہ میں تمہارے لیے مخبری کرتا پھروں گا۔''
''تم اپنی گلوخلاصی کی راہیں خود مسدود کررہے ہو۔'' اس کی تادیبی آواز ابھری ''نیویارک کی زیرزمین دنیا ایک خون آشام جنگل کی طرح ہے۔ یہاں کے تمام باسی ایک دوسرے کو خوب پہچانتے ہیں۔ ہر بھیڑ اپنی زندگی بچانے کے لیے بھیڑیوں کے راستے سے دور رہتی ہے لیکن بلیک ڈیڈ اب خود میری راہ میں آیا ہے، اس کے ٹھکانے میرے آدمیوں کے لیے کھلے راز کی طرح ہیں۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا اور اسی کے ساتھ تمہارا قصہ بھی نمٹ جائے گا۔ سی ایس ڈی تمہیں زیادہ دیر تک نہیں بچاسکے گی۔''
''خود قلعے میں بیٹھ کر اپنے آدمیوں کو مروانے والے بزدل بلکہ نامرد ہوتے ہیں۔ ہمت ہے تو اپنے آدمیوں کے ساتھ خود بھی ہارلم کے علاقے میں آؤ اور پھر تماشا دیکھو کہ کون کس کا قصہ نمٹاتا ہے۔''
اس کے مختصر سے استہزائیہ قہقہے کے بعد آواز آئی ''پہاڑ تلے آنے سے پہلے اونٹ خود کو سب سے بڑا سمجھتا ہے۔ بلیک ڈیڈ کا انجام میری عظمت ثابت کردے گا .... قتل و خون ریزی جیسے چھوٹے موٹے کام میرے گرگے کرتے ہیں۔ میں ایک معزز اور بارسوخ شہری ہوں۔ ان گھٹیا کاموں سے دور رہ کر اپنی ساری صلاحیتیں بہترین منصوبہ بندی کے لئے استعمال کرتا ہوں۔''
''تم بہت بے خوفی سے فون پر یہ ہولناک اعتراف کررہے ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔
''یہ تمہاری سی ایس ڈی کا کمال ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ سی ایس ڈی کے ہوتے ہوئے یہ ساری گفتگو میرے اور تمہارے درمیان محدود رہے گی۔ کسی تیسرے فرد یا آلے کی مداخلت ہوتے ہی لائن بے جان ہوجائے گی۔ بلیک ڈیڈ جیسے دو ٹکے کے لفنگے اسے استعمال کرنے لگے ہیں تو مجھے بھی اس کا بندوبست کرنا ہوگا۔''
''تمہاری شیخی کا اندازہ اسی بات سے ہورہا ہے کہ تم ان سہولتوں تک سے محروم ہو جو تم سے کم تر لوگوں کے استعمال میں ہیں۔ اپنے بڑے دعوؤں کے باوجود تم بہت چھوٹی کھوپڑی کے مالک ہو۔''
''ڈینی....!'' اس کی قہربار آواز ابھری۔
میں نے فوراً ہی فقرہ لپک لیا ''ڈینی نہیں، مجھے میرے اصل نام سے پکارو مسٹر ڈوربیل! تم میرا نام بگاڑنے اور بدلنے پر مصر رہے تو میں تمہیں آئزک سانڈ یا کال بیل بنادوں گا۔''
''تمہاری وہ کتیا، ویرا کہاں ہے؟'' میرے زہریلے فقروں کو پی کر اس نے دوسری سمت سے وار کرکے میری زبان سے اپنے مطلب کی کوئی بات اگلوانی چاہی۔
''ڈینی کی طرح ویرا بھی تمہارے وہم کی کوئی پیداوار ہے۔ کل وہ تمہیں نیوآرک پر نظر آئی تھی، آج تمہارے دفتر کے قرب وجوار میں منڈلا رہی ہوگی۔''
''تم فون نمبر سے میرے دفتر کا پتا چلا چکے ہو تو یہاں آنے سے کیوں دہشت زدہ ہو؟'' مجھے یقین تھا کہ آئزک بیل نے وہ فقرے دانت پیس کر ادا کئے ہوں گے۔
''یہ سن کر تمہارے ہوش اڑ جائیں گے کہ میں ایک بار وہاں کا سروے کرچکا ہوں۔'' اس کے اعصاب پر اپنی دہشت طاری کرنے کے لیے میں نے دھما کا کیا ''رات میں نے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے سب وے اسٹیشن سے تمہیں بلاوجہ فون نہیں کیا تھا۔ وہ ایک نازک سا پیغام تھا۔ ان اطراف میں گیارہویں منزل پر محصور ہوکر بھی تم ہر وقت میری دسترس میں ہو۔''
''تم.... کک.... کالے سور!'' خوف اور غصے کی شدت سے کانپتی ہوئی آواز ابھری ''اس کا مطلب

ہے کہ تم نے اپنے ملک کے کرپشن کا تجربہ یہاں بھی کامیابی سے آزمایا ہے۔ میں ٹیلیفون کمپنی کو فنا کر دوں گا۔ نان ڈائریکٹری ... افشا کرنا سنگین جرم ہے....''

''اپنے سوا سب کو فنا کر دو۔'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں کہا ''تم ابھی سے پاگل ہو رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی غیر فطری راستے سے شیطان تمہارے بدن میں حلول کر گیا ہے۔ وہ تمہیں ہلکان کر کے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔''

اس نے بلا توقف کئی موٹی موٹی گالیاں دے کر کہا ''تم جھوٹے ہو۔ میرے علم اور مرضی کے بغیر میرے دفتر میں چڑیا کا بچہ بھی پر نہیں مار سکتا۔''

''تم بھول رہے ہو کہ میں چڑیا کا نہیں، انسان کا بچہ ہوں۔ اگر تم اتنے ہی پر اعتماد ہو تو فون کمپنی پر کیوں برہم ہو رہے ہو؟ اپنے دفتر کا پتا کیوں نہیں بتا دیتے؟ تم نیویارک کے کوئی اچکے یا قاتل نہیں، ایک معزز کاروباری آدمی ہو۔ تم سے روز بیسیوں افراد ملنے آتے ہوں گے۔ ان میں تم مجھ جیسے اجنبی دوست کو آسانی سے پہچان سکتے ہو مگر پھر بھی خوف زدہ ہو، آخر کیوں؟''

''تم جھوٹے اور دھوکے باز ہو۔ میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کرتا۔''

اس وقت تک میں بدری ناتھ سے ملنے والے اشاروں کے سہارے اسے مشتعل کر رہا تھا۔ اس بار میں نے ویرا کے قیاس کا سہارا لے کر کہا ''تم نے میری رہنمائی نہ کی تو میں پوری کنال اسٹریٹ پر مجنوں کی طرح تمہیں ڈھونڈتا پھروں گا اور تم بدنام ہو جاؤ گے۔''

ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور گیارہویں منزل کے بعد کنال اسٹریٹ کے حوالے نے اسے بکھیر کر رکھ دیا۔ اس کی نیم ہذیانی آواز ابھری ''آؤ.... اس بار تم میرے دفتر سے زندہ نہیں لوٹ سکو گے۔''

''مجھے یقین ہے کہ تم اسی وقت اپنے دفتر سے نکل بھاگو گے اور دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کرو گے۔ وہاں صرف تمہارے مسلح بھیڑیوں سے ہی ملاقات ہو سکے گی۔ پھر بھی میں فون کرتا رہوں گا۔ نرکی اولاد ہو تو دفتر سے نہ بھاگنا۔ میں تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہوں۔''

''ہارلم کی گندی نالیوں کے ایک کیڑے کے بل پر تم یہ سب بول رہے ہو۔ تم آؤ یا نہ آؤ، آج کی رات ہارلم والوں کے لیے قیامت کی رات ہو گی۔ تم دیکھو کہ میں تم سب کو کیسے مسلتا ہوں۔''

''مسل کر سونگھ ضرور لینا۔ بڑی بھینی خوشبو آئے گی۔'' میں نے چرکا لگایا۔

اس بار شاید اس نے اضطراری طور پر فون کے ساتھ کوئی حرکت کی۔ سی ایس ڈی پر بلب کی سرخی روشن ہونے کے ساتھ بزر چیخا اور لائن ڈراپ ہو گئی۔

ریسیور کریڈل پر رکھ کر میں چند ثانیوں تک ساکت وجامد بستر پر پڑا رہا۔ جب تک آئزک بنیل سے گفتگو جاری تھی، میں اسے سلگانے اور چڑانے کے سحر میں گرفتار تھا۔ فون بند کرتے ہی مجھے احساس ہوا کہ میں نے سوئے ہوئے بھیڑیے کو غلط وقت پر چھیڑ دیا تھا۔

اس وقت ویرا کوئی ہتھیار لیے بغیر آئزک بنیل کے دفتر کا کھوج لگانے کے لیے نیویارک کی فنانشل ڈسٹرکٹ یا جنوبی مین ہٹن کی طرف گئی ہوئی تھی۔ ایسے معاملات میں ویرا نے بلا کی مہم جویانہ طبیعت پائی تھی۔ اگر اسے آئزک بنیل کے دفتر کا سراغ مل جاتا تو وہ اس عمارت میں گھسنے بلکہ دفتر تک پہنچنے کی رازدارانہ کوششیں بھی کر سکتی تھی۔

وہ لوگ خطرے سے بے خبر رہتے تو ویرا کسی سنگین خطرے سے دوچار ہوئے بغیر اہم معلومات حاصل کر سکتی تھی لیکن میں نے آئزک بنیل کو ہراساں کر کے ویرا کے لیے سخت مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ میرے فون سے نجات ملتے ہی وہ اپنے آدمیوں پر برستا کہ وہ سب غافل پڑے رہتے ہیں۔ ان کی بے خبری میں ایک دشمن وہاں آیا اور پورا جائزہ لے کر چلا گیا۔

وہ خبر آئزک بنیل کے پورے دفتر کو ہلا دینے کے لیے کافی تھی۔ اس پر طرہ یہ تھا کہ میں نے تھوڑی دیر میں وہاں پہنچنے کی بے بنیاد دھمکی بھی دے ڈالی تھی۔

ان حالات میں وہاں ہر ایک کا چوکنا ہو جانا لازمی

تھا۔ ایسے میں اگر ویرا مشتبہ انداز میں وہاں بھٹکتی ہوئی کسی خون خوار محافظ کی نظروں میں آجاتی تو اس کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

تمام تر ظاہری تبدیلیوں کے باوجود جب مقبول نامی پاکستانی ٹیکسی ڈرائیور مرنے سے پہلے اسے پہچان سکتا تھا تو نادیدہ موت کے خوف میں گھرے ہوئے آئزک بیل کے نمک خوار اسے زیادہ آسانی سے شناخت کر سکتے تھے۔

اپنی سنگین ترین غلطی کا احساس ہوتے ہی میرے معدے میں خوف سے گرہیں سی پڑنے لگیں۔ وہ خوف صرف اس بات کا تھا کہ میری ایک حماقت کے نتیجے میں ویرا ماری جا سکتی تھی۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ دبا کر اضطراری انداز میں کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

ویرا نے مجھے مین ہٹن اور نیویارک کا جغرافیہ سمجھانے کی کئی مخلصانہ کوششیں کی تھیں۔ میں نے ہر بار ان باتوں کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ وسیع و عریض شہر میرے لیے بالکل اجنبی تھا۔ اس کے بارے میں میری جملہ معلومات چین پلازا، پورٹ اتھارٹی بس ٹرمنل اور ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے سب وے اسٹیشن تک محدود تھیں۔

یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ میں اپنے ہوٹل سے نکل کر سب وے کے ذریعے ورلڈ ٹریڈ سینٹر جاتا اور وہاں سے کنال اسٹریٹ پہنچ کر ویرا کو ہر خطرے سے نکال لے آتا۔

ایسی کسی کوشش میں غالب امکان یہی تھا کہ ویرا کو بچانے کے بجائے میں اپنے لیے نئے خطرات مول لے بیٹھتا اور ہماری کسی پیش رفت کی راہیں ہمیشہ کے لیے مسدود ہو جاتیں۔

میں سوچتا اور سگریٹیں پھونک کر کمرے میں مسلسل ٹہلتا رہا۔ میرے سامنے کوئی دوسری اہم مصروفیت نہیں تھی لہٰذا میری ساری ذہنی توانائیاں ان ہی منفی امکانات پر مرکوز تھیں۔

کسی بھی موضوع پر ضرورت سے زیادہ غور و خوض میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اچھے اور برے تمام امکانات اپنے اصل حجم سے کہیں زیادہ بڑے محسوس ہونے لگتے ہیں اور انسان کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ اس وقت میرے ساتھ بھی کچھ ہو رہا تھا۔ ہر لمحے ذہن کو نت نئے جھٹکے لگ رہے تھے۔ مسلسل یہی ہول اٹھ رہے تھے کہ ویرا کے ساتھ یوں ہوا تو کیا ہوگا اور ووں ہوا تو کیا ہوگا۔

وقت رینگ رینگ کر بہت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ آخر ایک بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو میں بھڑک کر یوں اس کی طرف لپکا جیسے ریسیور میں سے آواز کے بجائے ویرا برآمد ہوگی۔

فون پر ویرا ہی تھی۔ وہ ہوٹل کی لابی سے انٹرکام پر یہ یقین کرنا چاہ رہی تھی کہ میں کمرے میں ہی موجود تھا یا طویل تنہائی سے اکتا کر کہیں نکل گیا تھا۔

”تم خیریت سے تو ہو نا؟“ میں نے اس کی آواز سنتے ہی.... بیتابی سے پوچھا۔

”اوہ ڈارلنگ.....! کیسی اپنائیت اور تشویش ہے تمہاری آواز میں!“ میرا سوال سنتے ہی ویرا کے سر پر رومان کا بھوت سوار ہو گیا۔ ”تمہاری ایسی ہی فکرمندی کا یقین ہو تو میں آسانی سے مر بھی سکتی ہوں... مگر تم... تم تو پورے ہرجائی...“

میں نے بھنا کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ اس عجوبۂ روزگار عورت کے لیے فکرمند ہونا بھی اپنی شامت کو دعوت دینے سے کم نہیں تھا۔

چند منٹ بعد وہ کمرے میں پہنچی تو اس کے پتلے پتلے، گلابی ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ رقصاں تھی، آنکھیں چمک رہی تھیں اور چہرہ مسرت سے کھلا پڑ رہا تھا۔

”اس وقت تم نے پیار سے میری خیریت پوچھ کر میری ساری تکان اتار دی۔“ پرس یک طرف اچھال کر ویرا مسہری پر گرتے ہوئے بولی ”ہر وقت لڑتے رہنے کے ساتھ کبھی کبھی ایسے لہجے میں بات کر لیا کرو تو میں عمر بھر تمہارے پیر دھو دھو کر پیتی رہوں گی۔“

مجھے اس کی کم عقلی پر تاؤ آنے لگا۔ اس وقت لمحہ بھر

کے لیے مجھے خود بھی حیرت ہوئی کہ وہ غائب تھی تو میں اس کی طرف سے تشویش میں مبتلا تھا، وہ آئی تو اس کی باتوں پر غصہ آ رہا تھا۔

میں اس وقت ذرا سی بھی گرمی دکھاتا تو ویرا میرے اس جائز ردِعمل کو اپنے جذبے کی کھلی توہین قرار دے کر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتی۔ میں نے ایسے کسی فساد سے بچنے کے لیے خالص منافقانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''کامیابی کی خوشی تمہارے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی ہے۔''

''اس وقت میرا رواں رواں خوشی سے سرشار ہے۔ یہ ہمارے اس سفر کی بہت مبارک گھڑی ہے کہ اس وقت میری طرف سے تمہارا دل کچھ پگھلا ہے۔ یہ کامیابی....''

''اس سے پہلے کہ میرا پورا دل پگھل کر تمہارے قدموں میں بہہ جائے، کنال اسٹریٹ کی بھی کوئی خبر سنا دو۔'' اس بار میں ویرا کے سامنے کھیسیں پھیلائے رکھنے پر قادر نہ رہ سکا۔

ویرا نے چونک کر اشتباہ آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔ وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ میں نے اس کا مضحکہ اُڑانے کی کوشش کی تھی یا سنجیدگی سے اپنے تجسس کا اظہار کیا تھا۔

اسے سنجیدگی کا مکمل یقین دلانے کے لیے میں نے جبڑے ڈھیلے چھوڑ کر چہرہ لٹکا لیا۔

''میرا اِدم حیرت ناک طریقے پر آسان ہو گیا۔ کیا تم تصور کر سکتے ہو کہ میں رنکس کے دفتر تک میں ہو آئی ہوں؟'' مطمئن ہونے کے بعد وہ بولی۔

''رنکس! یہ کیا بلا ہے؟'' میں نے آنکھیں پھیلا کر حیرت سے پوچھا۔

''یہ نیویارک کی بلکہ امریکا کی سب سے بڑی سیکیورٹی کمپنی ہے جو بینکوں، مالیاتی اداروں اور بڑے بڑے کاروباری مراکز کے درمیان نقد رقم کی محفوظ نقل و حرکت کا کام کرتی ہے۔''

''وہاں تم کیا لینے گئی تھیں؟''

''اسحاق گھنٹی اسی رنکس انکارپوریٹیڈ کا چیف آپریٹنگ آفیسر ہے۔''

ویرا کے ان الفاظ کے ساتھ میرے ذہن میں خطرناک مسلح آدمیوں سے بھری ہوئی بکتر بند فولادی گاڑیاں گھوم گئیں جو عام حالات میں بڑی رقوں کی منتقلی کے لئے استعمال کی جاتی ہوں گی لیکن نازک مواقع پر سارے مسلح گارڈ اپنے اصلی روپ میں آ کر ان گاڑیوں کو متحرک فولادی مورچوں کے طور پر استعمال کرنے لگتے ہوں گے۔ آئزک بیل نے اپنے پوشیدہ عزائم کی تکمیل کے لیے ایک موزوں کاروباری آڑ اختیار کی تھی۔

''لوگ عام طور پر کہتے ہیں کہ سیکیورٹی کمپنیاں قائم ہونے کے بعد نیویارک میں چوریاں اور ڈکیتیاں بہت تیزی سے بڑھی ہیں۔ اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لیے ان میں سے بعض کمپنیوں نے کرائے کے بدمعاشوں سے منظم وارداتیں کروا کے عدم تحفظ کے احساس کو اتنی تقویت دی کہ آج نیویارک میں سیکیورٹی کمپنی کی بامعاوضہ خدمات حاصل کئے بغیر چند ہزار ڈالر کی منتقلی کو بھی محفوظ نہیں سمجھا جاتا۔'' ویرا میری سوچ سے بے خبر اپنی رو میں کہے جا رہی تھی۔

''اس نے اپنے سارے پسندیدہ قاتلوں اور بدمعاشوں کو وردیاں دے کر اپنی کمرشل سیکیورٹی فورس میں کھپا لیا ہوگا۔'' میں نے پرخیال انداز میں کہا ''وردیاں اتارنے کے بعد وہی لوگ اسحاق گھنٹی کی اصل قوت بن جاتے ہوں گے۔''

''آج امریکا کار سواروں کے معاشرے کے طور پر پہچانا جاتا ہے کار سازی کے شعبے کو پروان چڑھانے کے لئے اس ملک میں پبلک ٹرانسپورٹ سسٹم کو جن منظم سازشوں سے برباد اور پھر محدود کیا گیا، وہ آج تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔''

''نیویارک پہنچنے کے بعد سے تم پر مسلسل تاریخ اور جغرافیے کے دورے پڑ رہے ہیں۔'' اس بار مجھے چڑچڑے لہجے میں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا ''ہم ریسرچ اسکالر نہیں ہیں، کچھ مقاصد لے کر یہاں آئے ہیں۔ ہمارے پاس ان خرافات کے لیے

ت نہیں ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں اسحاق گھنٹی یا رنکس کے دفتر میں گھسنے کا موقع کیسے ملا؟''

''نشانیوں کے سہارے میں نے جس عمارت کا تعین کیا اس کے گیارہویں فلور کا آدھا حصہ رنکس کے استعمال میں ہے۔ باقی فلور پر بہت سے چھوٹے چھوٹے دفاتر ہیں۔ ظاہر تھا کہ فلور کا سب سے بڑا دفتر ہی اس کا ہوسکتا تھا.....''

میں نے ایک مرتبہ پھر بے چینی سے اس کی بات کاٹ دی ''یہ یقینی بات ہے کہ معلومات حاصل کرنے کے لیے تم نے بہت پاپڑ بیلے ہوں گے مگر مختصر الفاظ میں تم بتا چکی ہو کہ رنکس، اسحاق گھنٹی کی کمپنی ہے، اب یہ بتاؤ کہ تم اس دفتر میں کیسے پہنچ گئیں۔''

''بہت بے صبرے ہو۔'' وہ تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ بولی ''اس ہائی رائز کے گیارہویں فلور پر ایک ٹور آپریٹر کمپنی کا بھی دفتر ہے۔ نیویارک سے میامی تک سیاحت کا پروگرام طے کرنے کے بہانے وہاں پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ اسی دوران میں رنکس کے دفتر میں ہلچل سی نظر آئی اور کسی نے افواہ اڑادی کہ ان کے دفتر میں ٹائم بم رکھے جانے کی اطلاع دی گئی ہے۔ وہ بھگدڑ اور چیخ پکار ہوئی کہ بس۔ زینوں اور لفٹوں پر یلغار ہوگئی۔ ایک بڑا ریلا رنکس کے دفاتر میں گھس گیا کیونکہ ان کے استعمال کے لئے ادھر دو خاص لفٹیں لگی ہوئی ہیں۔ گارڈ بھی اس ریلے کو نہ روک سکے۔ مجھے ٹائم بم کی ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ میں ایک خوف زدہ اور حواس باختہ عورت کی طرح ان کے پورے دفتر میں دندناتی پھرتی رہی۔ آخر ان کے ایک گارڈ نے تسلی تشفی دے کر مجھے لفٹ میں سوار کرایا تو میں مجبوراً نیچے آگئی۔''

''اور ٹائم بم کا کیا ہوا؟'' میں نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

''کچھ نہیں.... معاملہ صاف ہونے تک میں کنال اسٹریٹ پر ہی منڈلاتی رہی۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ رنکس کا چیف اپنا دفتر چھوڑ کر عجلت میں روانہ ہوا تو اسٹاف میں کھلبلی مچ گئی۔ وہ منظر دیکھنے والوں نے ٹائم بم رکھے جانے کی کہانی گھڑ کر پھیلا دی۔''

''تمہارے گھسنے سے پہلے اسحاق گھنٹی وہاں سے نکل چکا تھا؟'' میں نے تصدیق چاہی۔

''ظاہر ہے.... وہ ہنگامی حالت اسی کی روانگی کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔'' اس نے سرسری انداز میں جواب دیا ''بھگدڑ اور ریلے کی بات دوسری ہے ورنہ ان کا دفتر بہت محفوظ ہے۔ یہ حفاظتی انتظامات کی حد ہے کہ ان کے استعمال کے لیے دو الگ لفٹیں ہیں۔ وہاں آنے والا شخص گراؤنڈ فلور سے براہ راست ان کے دفتر میں پہنچتا ہے۔ پتا نہیں اس وقت اسحاق گھنٹی کو جانے کی کیا عجلت تھی۔''

میں ایک گہرا سانس لے کر ہنس پڑا ''تمہارے جاتے ہی فون پر اس سے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ چل پڑا تھا۔ آخر میں، میں نے اسے تھوڑی دیر میں اپنے پہنچنے کی دھمکی دی تھی۔''

''پھر وہ تم سے ڈر کر ہی بھاگا ہوگا۔ اگر یہ بات درست ہے تو وہ اوّل درجے کا بزدل ہے۔ اپنی جان پر کھیلے بغیر تم اس کے دفتر میں پھٹک بھی نہیں سکتے۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''خدا کا شکر ہے کہ میری اس دھمکی سے تمہیں مدد مل گئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس نے حفاظتی انتظامات زیادہ سخت کردیے تو تم مصیبت میں پڑ جاؤ گی۔'' میں نے ایمان داری سے کہہ ڈالا۔

''پھر بھی میرا کچھ نہ بگڑتا۔ بس اتنا ہوتا کہ مجھے ادھر گھسنے کا موقع نہ ملتا۔ اندر رنکس کے ایک درجن سے زیادہ مسلح اور باوردی آدمی موجود تھے۔ دفتری عملہ ان کے علاوہ تھا۔''

''وہ اسی قدر بزدل ہے تو اب شاید ہی دوبارہ اپنے دفتر کا رخ کرے۔ وہ اس خجالت کا داغ ہارلم کے علاقے میں مٹانے کی کوشش کرے گا۔'' میں نے رنکس کے دفتر میں رونما ہونے والی صورت حال کے تصور سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''ہارلم!'' اس بار ویرا بری طرح چونکے بغیر نہ رہ سکی ''وہاں وہ کیا کرے گا؟''

ویرا کو بلیک ڈیڈ کا دوٹوک اور بے لاگ انداز گفتگو

ذرا بھی پسند نہیں آیا تھا پھر بھی وہ نیویارک کا اکلوتا قابل ذکر بدمعاش تھا جس کے دل میں ویرا کے لیے ہمدردی موجود تھی۔ شاید ویرا ابھی کسی آڑے وقت کے لیے اس مہرے کو محفوظ رکھنا چاہتی تھی اسی لیے وہ فون پر بلیک ڈیڈ کو لتاڑنے کے بجائے گفتگو ختم ہوجانے کے بعد اسے بزدل اور دوغلا قرار دے کر رہ گئی تھی۔

ان وجوہ کی بنا پر میں نے اپنے کردار کو گھٹاتے ہوئے مبہم انداز میں کہا ''اسحاق گھنٹی کو شبہ ہو رہا ہے کہ ہم دونوں کو بلیک ڈیڈ کی حمایت حاصل ہے۔''

''اچھا ہے کہ وہ یہ سوچ رہا ہے۔ تم نے اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش تو نہیں کی؟'' ویرا نے رقیبانہ مسرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

ویرا کے اس رویے سے حوصلہ پا کر میں نے سچ کہہ ڈالا ''میں نے گھما پھرا کا اس کے اس شبہے کو تقویت دینے کی ہر کوشش کی تھی۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ بلیک ڈیڈ اپنے کسی اہم ٹھکانے پر فون سے سی ایس ڈی لگائے، ہمارے ساتھ روپوش ہے۔''

''سی ایس ڈی کے بارے میں اسے کیسے معلوم ہوا؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

میں نے ویرا کو اپنی اور آئزک بیل کی گفتگو کی تمام کڑیوں سے باخبر کرنا شروع کر دیا تا کہ نئی صورتِ حال اپنے پورے سیاق وسباق کے ساتھ اس کے علم میں آسکے۔

''یہ بہت ہی اچھا ہوگا۔ بلیک ڈیڈ نے میرے ساتھ رکھائی دکھا کر نمک حرامی کی ہے۔ اپنے بھلے وقتوں میں، میں نے اس احسان فراموش کو بہت سہارے دیے تھے جن کے صلے میں اس کی طرف سے مجھے ایک بزدلانہ مشورے کے سوا کچھ نہیں مل سکا۔'' ویرا پوری کہانی سن کر خوش ہوگئی ''اچھا ہے کہ ہمارے دو حریف اب ایک دوسرے سے لڑ پڑیں گے۔''

''دیکھنا ہوگا کہ دو بڑے امریکی بدمعاش ایک دوسرے سے کیسے لڑتے ہیں۔''

ویرا ہنس پڑی ''تم تو ہر امریکی کو بدمعاش قرار دیتے ہو۔ ان کی لڑائیاں دنیا بھر میں ہر جگہ نظر آتی ہیں۔ خاصا کشت وخون ہوگا....''

''امریکا کی سرزمین پر امریکی غنڈوں کو لڑوانے کا الگ ہی لطف ہے۔'' میں نے قطع کلامی کر کے کہا ''دیکھنا یہ ہوگا کہ بلیک ڈیڈ کو نیچا دکھانے کے لیے شی کیا کرتی ہے۔''

''شی کچھ بھی نہیں کرے گی۔ امریکا میں شی کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔''

''لیکن جمی لائیڈ واشنگٹن اور نیویارک میں ہی رہا کرتا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''حکومت سے بھاری گرانٹ لینے اور منصوبے منظور کرانے کے لیے شی کا سربراہ اور اس کا عملہ یہاں رہتا ہے ورنہ امریکیوں کے لیے یہ نام نامانوس ہے۔ شی کا اصل ہدف ایشیا ہے جہاں افیم کاشت کر کے ہیروئن بنائی جاتی ہے۔ یورپ پر گرفت کی ضرورت صرف اس لئے پڑتی ہے کہ ایشیا سے اسمگل ہو کر ہیروئن یورپ ہی کے راستے امریکا آتی ہے۔ مقامی قضیوں میں آج تک شی کا نام نہیں آیا۔''

''تو بلیک ڈیڈ کی سرکوبی کے لیے اسحاق ڈیوڈ اسٹارز کو استعمال کرے گا؟'' میں نے پوچھا۔

ویرا نے اپنے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا ''وہ مال دار یہودیوں کا نیم مذہبی اور نیم معاشرتی کلب ہے جو اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے صرف سرمایہ فراہم کرتا ہے تا کہ اس کی نیک نامی پر حرف نہ آئے۔ خوں ریزی اور غنڈہ گردی کے لیے کرائے کے آدمی استعمال ہوتے ہوں گے۔''

''تو پھر رنگس محض ایک کاروباری ادارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ رنگس میں دہری تنظیم ہو۔ غیر قانونی مقاصد کے لیے پس پشت رہ کر اپنے ہی کسی آدمی کو استعمال کرتا ہو۔'' ویرا نے پُرخیال لہجے میں رائے دی ''اب تم دیکھ لینا کہ اسحاق اور بلیک ڈیڈ کی لڑائی کی ابتدا کسی چھوٹے سے واقعے سے ہوگی جسے بڑھا کا نسلی فساد میں تبدیل کر دیا جائے گا اور متحارب گروہ بڑھ چڑھ کر حملے کریں گے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' میں نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔

''نیویارک میں زیرِ زمین دنیا کے بیشتر جھگڑوں کی یہی روایت رہی ہے۔ نسلی فساد میں امن و امان درہم برہم ہو جاتا ہے۔ پولیس متاثرہ علاقوں میں گھسنے میں ناکام رہتی ہے۔ اصل مجرم اپنے مقاصد پورے کر کے غائب ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ پکڑے جاتے ہیں وہ کمزور شہادتوں کی بنا پر عدالتوں سے چھوٹ جاتے ہیں۔ عوام کو پتا ہی نہیں چلتا کہ ڈراما کیا تھا۔''

''ان باتوں سے تم باخبر ہو تو قانون کے رکھوالے بھی بے خبر نہیں ہوں گے۔''

''سب جانتے ہیں لیکن مصلحتوں اور مجبوریوں کی وجہ سے اپنی زبانیں بند رکھنے پر مجبور ہیں۔''

''امریکا جیسے ملک میں حکام کی یہ مجبوریاں ناقابلِ فہم معلوم ہوتی ہیں۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ امریکا کا صدر تک ڈیوڈ اسٹارز کی بات سننے اور ماننے پر مجبور ہے تو نچلے درجے کے حکام ان شورہ پشتوں کا کیا بگاڑ سکتے ہیں جن کی سرپرستی وہ لوگ کر رہے ہوں۔ ان کی حرکتوں سے کبھی کبھار دانستہ چشم پوشی بھی کرنی پڑ جاتی ہے۔''

''ہر واقعے میں ایک فریق بارسوخ ہو سکتا ہے لیکن قتل اور لوٹ مار کے واقعات کے دوسرے فریق کی گردن ناپنے کے بجائے بے گناہوں کو کیوں گھیرا جاتا ہے؟''

وہ تلخی سے ہنس پڑی اور بولی ''کیا پاکستان میں یہ سب اسی طرح نہیں ہوتا؟ ایک فریق پر گھیرا تنگ کیا جائے تو وہ عدالت میں پہنچ کر دوسرے حریف کا نام لیتا ہے۔ مرنے اور مارنے والوں کو بہت جلد ایک دوسرے کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ ان معلومات کے دباؤ میں آ کر پولیس دونوں کو ڈھیل دینے پر مجبور ہوتی ہے۔''

''اچھا ہوا کہ کچھ ہونے سے پہلے تم سے یہ سب باتیں ہو گئیں۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''اب رونما ہونے والے واقعات سے اندازہ ہو جائے گا کہ تمہاری طویل غیر حاضری میں امریکی معاشرہ کس حد تک تبدیل ہوا ہے۔ پاکستان کو پسماندگی اور اقربا پروری کا شکار ہونے کا طعنے دینے والوں کی یہ اجتماعی بے راہ روی میرے لیے حیران کن ہوگی۔''

''فکر مت کرو۔ اسحاق گھنٹی نے امریکا میں تمہارے قدم جلد ہی نہ اکھاڑ دیے تو تمہیں یہاں قدم قدم پر حیران ہونے کے وافر مواقع ملیں گے۔''

''بڑی عجیب بات ہے کہ ہم اپنے اور اسحاق گھنٹی کے اصل نام لینے سے گریز کر رہے ہیں لیکن دوسرے سارے معاملات پر کھل کر بے تکان باتیں کر رہے ہیں۔ اس وقت یہ احتیاط مجھے بڑی حد تک مضحکہ خیز معلوم ہو رہی ہے۔'' میں نے ہلکی سی انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

''یہ احتیاط تمہارے ہی مشورے پر کی جا رہی ہے۔ اگر اسحاق کی دھمکیوں میں ذرا بھی وزن ہوتا تو اس وقت بلیک ڈیڈ کا نام لینا بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔''

''اس کا نام خبروں کی زینت بنا تو اسے بھی کالا بابا کہا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اپنے ناموں کے سوا ہر بات غیر ضروری ہے۔ اردو میں باتیں کرتے ہوئے انگریزی ناموں کا تلفظ اتنا بگڑ جاتا ہے کہ کوئی انگریز یا امریکن بھی انہیں آسانی سے نہیں سمجھ سکتا۔''

وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور کہنے لگی ''یہ تم نے پتے کی بات کہی ہے۔ جنوبی ایشیا کے رہنے والے جب فخر کے ساتھ اردو، ہندی یا بنگالی لب و لہجے میں فر فر انگریزی بولنے کی کوشش کرتے ہیں تو مجھے ہمیشہ ان بے چاروں پر ترس آتا ہے۔ ان کے کہے ہوئے آدھے الفاظ اپنے تلفظ کی وجہ سے سننے والوں کے سروں پر سے گزر جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اردو میں، میں خود بھی آئزک نیل کا تلفظ بگاڑ بیٹھی ہوں لیکن تمہارا نام ذرا انوکھا ہے۔ پاکستان سے امریکا تک جوں کا توں رہا ہے۔''

''تم بھول رہی ہو۔ یہ میرا نام نہیں، عرفیت ہے۔'' میں نے دھیرے سے تصحیح کی۔

''ہاں، عرفیت پر یاد آیا۔'' وہ چونک کر بولی

"بدحواسی اور افراتفری کے عالم میں مجھے رنکس کے دفتر کے ایک بڑے کمرے میں جینی نظر آئی تھی۔ اس کا کھوج نکال کر میں گھر پر اس سے ملوں تو رنکس کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔"

"یہ جینی کس ذاتِ شریف کا نام ہے؟" وہ ایک بے ساختہ اور منطقی سوال تھا۔

"یہ اس کی عرفیت ہے ورنہ اس کا نام للی برنارڈ ہوا کرتا تھا۔ ایک زمانے میں وہ میری گہری دوست اور رازداں ہوا کرتی تھی۔"

"عجیب دوست ہے وہ تمہاری!" میں نے اسے گھور کر کہا "تم دندناتی ہوئی اس کے دفتر میں گھس گئیں اور وہ تمہیں نہیں پہچان سکی۔"

"میں نے شیشے کے دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کے کمرے اور میز کی طرف دیکھا تھا۔ رنکس میں وہ کسی اہم عہدے پر فائز معلوم ہوتی ہے۔"

"وہ تمہیں تمہارے اصل نام سے ہی پہچانتی ہوگی۔" میں نے اندیشہ ظاہر کیا "اگر اسحاق کی ملازمت اختیار کر کے وہ کسی ذہنی انقلاب سے دوچار ہو چکی ہے تو تمہارے خلاف ایک مضبوط گواہ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ جلد بازی میں کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھنا۔"

"حرکت میں برکت ہے۔" وہ بائیں آنکھ دبا کر بولی "ہم یہاں... ہنگامہ آرائی کے لیے آئے ہیں کب تک ایک دوسرے سے چھپ کر پردوں میں بیٹھے رہیں گے۔ وہ ہماری حلیف ثابت نہ ہوئی تو حریف نکلے گی اور حریفوں کا ایک ہی علاج بہتر ہوتا ہے۔" رک کر اس نے اپنے نرخرے پر شہادت کی انگلی پھیری۔

چند ثانیوں کے لیے کمرے کی فضا پر خاموشی چھا گئی۔ ہم دونوں بیک وقت اپنے لیے نئی سگریٹیں سلگانے میں مصروف ہو گئے تھے۔

جلی ہوئی دیا سلائی ایش ٹرے میں ڈالتے ہوئے ویرانے مسلے ہوئے ٹوٹوں کی تعداد پر پہلی بار غور کیا اور حیرت سے بے ساختہ بول پڑی "چند گھنٹوں میں یہ ساری سگریٹیں تم نے پھونکی ہیں؟"

"تمہارے فراق میں اس سے بہتر شیطانی مش کیا ہو سکتا تھا؟"

"تمہاری ایسی باتوں سے میرے دل کو عجیب راحت اور تسکین ملتی ہے۔" وہ آنکھیں موند کر ہو بولی "غزالہ کے ساتھ تمہارے دل کے کسی کھدرے میں میرا بھی ننھا سا ایک آشیانہ ہے۔ می لیے یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ تمہارے لیے مدتوں کی چاہت اور محنت رائگاں نہیں گئی..."

"ڈائیلاگ مت بولو۔" اسے پٹڑی سے اتا کر میں نے تادیبی لہجے میں کہا "نیویارک میں کھولتے ہوئے آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھے ہو ہیں۔ یہ وقت ان خرافات میں پڑنے کا نہیں ہے۔"

وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور میری ط پیش قدمی کرتے ہوئے خواب ناک آواز میں کہ "تم بہت سرد مہر اور سفاک دوست ہو۔ یہ خرافات زندگی کی اصل رونق ہیں مگر تم ہو کہ ان نرم و نازک با کو سمجھ کر نہیں دیتے...."

وہ میرے سر پر آ گئی تھی۔ میں نے بوکھلا کر اپنی چھوڑ دی۔ "مجھ سے دور رہو۔" میں نے اسے دو ہاتھوں سے دور دھکیلتے ہوئے اضطراری لہجے میں "دن کے اجالے میں تمہارے دماغ پر کیا کیا خبط ہو رہا ہے؟"

"خرافات، خبط.... بدتمیزی، ہاتھا پائی۔ تم اسے کچھ بھی کہہ لو مگر زندگی کا مزہ اسی دھول دھپے میں باہر دن ہے تو ہوا کرے۔ ہمارے کھڑکیوں پر پردے ہیں، بلب جل رہا ہے۔ یہاں وقت ہمار مرضی کا تابع ہے۔ ہم وقت کے قیدی نہیں ہیں۔"

تھمی ہوئی، پرسکون آواز میں وہ فقرے ادا کر ہوئے ویرانے دونوں ہاتھوں سے میرے شانے مضب سے تھام لیے۔ اس کی گداز ہتھیلیوں اور مخروطی انگلیو بھرپور لمس مجھے یہ احساس دلانے کے لیے کافی تھا ک جو بھی وقت تھا، میرے لیے کسی برے وقت سے کم تھا۔

☆☆☆

بدری ناتھ سے شیام کی کوٹھی میں ملاقات سے شروع ہونے والا وہ دن ابتدا ہی سے خوش گوار ثابت ہوا تھا۔ اس سے پہلے میں خود کو نیویارک میں ایک پنجرے کا قیدی محسوس کر رہا تھا جس کے لیے ہوٹل کے کمرے سے باہر کوئی راہ نہیں تھی۔

اپنے خلاف اخبارات میں اور نشریاتی ذرائع پر کسی بھرپور سرکاری مہم کے آغاز کے خوف سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے امریکا میں ہمارا وقت ہوٹل بدل بدل کر کمروں میں محبوس رہ کر گزر جائے گا مگر حالات نے اچانک ہی ایک بھرپور کروٹ لی تھی۔

مجھے دھمکیاں دینے والا کسی کو یہ باور کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا کہ میں امریکی حکام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نیویارک پہنچ چکا تھا۔ مجھے خوف زدہ کرنے والا خود دہشت زدہ ہو کر نیویارک میں اپنے دفتر سے بھاگ نکلا تھا۔ اس کے ذہن میں بلیک ڈیڈ کے خلاف سخت انتقامی جذبہ جڑ پکڑ چکا تھا اور ویرا اس کے دفتر میں للی برنارڈ عرف جینی کا پتا چلا چکی تھی۔

بند گلی میں مجھے یک بیک کئی راستے نظر آنے لگے تھے اور ان میں سے ہر راستہ کامیابی کی طرف جاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ناکامی اور خفت بس وہی تھی جو مجھے ویرا کے ہاتھوں اٹھانی پڑی تھی۔

ویرا کے لیے اس وقت آئزک بیل سے بلیک ڈیڈ تک، سارے حریف کیڑوں مکوڑوں کی طرح حقیر ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ اپنی سب سے بڑی کامیابی پر نازاں اور اپنی دھن میں مگن تھی۔ وہ اپنی حرکات وسکنات سے.... اس وقت بھی مجھے چڑانے بلکہ اکسانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں اس کی طرف سے بے خبر نہیں تھا۔ کن انکھیوں سے بار بار اس کا جائزہ لے رہا تھا مگر بظاہر اسے نظر انداز کر کے ٹیلی وژن کی رنگین اور متحرک اسکرین کی طرف متوجہ تھا جس پر کسی بھی لمحے کوئی بڑی خبر آ سکتی تھی۔

میں نے آئزک بیل کو یہ بتا کر کہ میں اس کی بے خبری میں اس کے دفتر کا جائزہ لے چکا تھا، سفید جھوٹ بولا تھا۔ اس نے میرے جھوٹ کو سچ سمجھ کر احمقانہ انداز میں ویرا کو سچ مچ یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ اس کے دفتر میں گھس سکے۔

آئزک بیل کی اس بوکھلاہٹ کی بنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ رنکس کے دفتر سے فرار کی راہ اختیار کرنے کے بعد ایک پل کے لیے بھی چین سے نہیں بیٹھے گا۔ فوری طور پر اپنے مجرم یعنی بلیک ڈیڈ کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانے کی کسی بھرپور سازش کی تیاری شروع کر دے گا۔

ہارلم بلیک ڈیڈ کا گڑھ تھا۔ ویرا مجھے بتا چکی تھی کہ سفید فام ماں اور سیاہ فام باپ کا وہ بیٹا اپنی ماں کے رنگ وروپ پر گیا تھا لیکن موروثی طور پر کالوں میں گھرا رہ کر خوش رہتا تھا۔

ہارلم مین ہٹن کے شمال میں براڈوے اور ففتھ ایونیو کے درمیان کالوں کا وہ مخصوص علاقہ ہے جو امریکا جیسے نوآبادیاتی ملک میں بھرپور تاریخی ورثے کا مالک ہونے کے باوجود غربت، افلاس، بے روزگاری، گندگی اور جرائم پروری کے ایک زرخیز مرکز کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔

ہارلم کی سڑکوں پر اور گلیوں میں ہر وقت آوارہ گرد اور نشے باز لڑکے لڑکیوں کے غول منڈلاتے رہتے ہیں جن کے سفید فام عام طور پر لوٹ مار کا آسان نشانہ ثابت ہوتے ہیں۔ ہارلم میں دن کے اوقات میں جرائم کی رفتار بہت سست رہتی ہے لیکن شام کا دھندلکا پھیلتے ہی وہاں جرائم پیشہ افراد کا راج ہو جاتا ہے۔

آبروریزی اور نقد رقم سے قیمتی اشیا تک کی رہزنی اس علاقے کے مقبول ومستند جرائم ہیں۔

مین ہٹن بلکہ پورے نیویارک کے دوسرے علاقوں سے ہارلم اسی قدر مختلف آبادی ہے کہ وہاں اس زمانے میں اِکا دُکا ہی بلند عمارتیں نظر آتی تھیں۔ اپالو تھیٹر، ہارلم کا مشہور ہال ہے جو کالوں کی بیشتر تفریحی سرگرمیوں کا مرکز ومحور رہتا ہے۔ موسیقی کے تمام تر سیاہ فام فن کاروں اور بعض سفید فام سپر اسٹارز نے بھی اپالو تھیٹر میں اپنے فن کے مظاہرے کیے ہیں۔

فلک بوس عمارتوں کے جنگل میں ہارلم کا سپاٹ اور

حریب زدہ علاقہ ہر نو وارد پر مظلومیت اور حسرت ویاس کا ایسا گہرا اثر ڈالتا ہے کہ بے اختیار نیویارک کے کالوں سے ہمدردی ہونے لگتی ہے۔ خدا ترسی اور انسان دوستی کا یہ سحر اس وقت ٹوٹتا ہے جب کسی ویران نکڑ پر منہ سے شراب کے بھبکے اڑاتا ہوا کوئی سیاہ فام نوجوان گن پوائنٹ پر نو وارد کی جیبیں خالی کرانے کے ساتھ گھڑی تک اتار لیتا ہے۔ اس تجربے سے گزرنے کے بعد لٹنے والے ہر سیاہ فارم کو ویسا ہی تند خو، درشت رو اور بد گو سمجھنے لگتے ہیں۔

''آج بہت انہماک کے ساتھ ٹیلی وژن دیکھ رہے ہو۔'' طویل خاموشی کے بعد ویرانے ہی سکوت توڑنے میں پہل کرتے ہوئے زبان کھولی ''کیا بالغوں کے کسی پروگرام کا انتظار کر رہے ہو؟''

''تمہارے ہوتے ہوئے ایسے پروگراموں کا انتظار کون کر سکتا ہے۔'' مجھے طنز کرنے کا موقع مل گیا۔

وہ بہت چالاک تھی۔ اپنی ذات کے کمزور پہلوؤں کو ذرا دیر کے لیے بھی موضوع سخن نہیں بننے دیتی تھی۔ ڈھٹائی سے بولی۔ ''مجھے معلوم ہے کہ تم ہارلم کی اس چھوٹی سی خبر کے منتظر ہو جو رات گئے تک وہاں قتل عام کا سماں باندھ دے گی۔''

''تمہیں سب کچھ معلوم ہوتا ہے تو خاموش کیوں نہیں رہتیں؟'' میں نے تنک کر پوچھا۔

''یہاں بیٹھ کر انتظار میں سسکنے کے بجائے کیوں نہ یہ شام اسی علاقے میں گزاری جائے؟'' اس نے فوراً ہی ایک تجویز پیش کر دی۔

''تاکہ وہ فساد پرور، چھوٹی سی خبر ہمارے ہی بارے میں ہو!'' میرا لہجہ کاٹ دار ہو گیا۔

''اس خوش فہمی میں نہ رہنا۔ تم جیسے سو آدمی بھی مارے جائیں تو ہارلم والوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگے گی۔ وہ لوگ صرف کالوں کے بارے میں حساس ہیں جب کہ تم گورے چٹے ہونے کے باوجود سفیدی مائل گندمی ہو۔ منہ کالا کر کے تم ان کی ہمدردیاں جیت سکتے ہو۔''

اس کے مشورے پر میں اسے ملامت بھری نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

''ہارلم کے بعض علاقے خاصے محفوظ ہیں۔'' ا[illegible] نے مسکراتے ہوئے کہا ''کانونٹ ایوینو، مالکم [illegible] بولیوارڈ اور ایک سو پینتالیسویں اسٹریٹ سب [illegible] ہیں۔ وہاں خبریں پر لگا کر پھیلتی ہیں۔''

''تم وہاں جانا چاہتی ہو تو ضرور جاؤ۔ مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔''

''کچھ ناراض معلوم ہو رہے ہو؟'' اس نے نرمی اور اپنائیت سے پوچھا۔

''میں الو کا پٹھا معلوم ہو رہا ہوں۔ تم کو اس [illegible] تکلیف ہے؟'' میں نے برہمی سے کہا۔

''جوان ضرور ہو لیکن اتنے کم سن بھی نہیں ہو [illegible] شمار پٹھوں میں کرنے لگو۔''

''خدا کے لیے اپنی زبان بند کر لو۔ کیوں سلگانے پر تلی ہوئی ہو؟''

''انسان اندر سے اس قدر گیلا ہوتا ہے کہ جلنا یا سلگانا بالکل ناممکن ہے۔ پتا نہیں تمہاری [illegible] میں ایسے غیر سائنسی محاورے کیوں زندہ ہیں۔''

''جب تک تم زندہ ہو، ہر بے تکی اور بے ہودہ بات زندہ رہ سکتی ہے۔''

''کیا تم پوری نیک نیتی سے میری موت آرزومند ہو؟'' اس نے یک بہ یک سنجیدہ ہو کر پوچھا اس کی شرارت سے چمکتی ہوئی آنکھوں سے اچا[illegible] اداسی جھلکنے لگی تھی۔

''تم اسی طرح مجھے بیزار کرتی رہیں تو میں تمہار[illegible] مرنے کی آرزو ہی نہیں، دعا کرنے پر مجبور ہو جا[illegible] گا۔'' میں نے تلخی سے کہا۔

اس کی آنکھوں میں اتر آنے والی اداسی کا[illegible] ہو گئی۔ وہ ایک مرتبہ پھر پہلے کی طرح مگن اور بے نظر آنے لگی اور بولی ''اب سمجھی کہ تم غصے میں ہو۔ غصہ تھوک دو۔ میں نہیں ستاؤں گی۔''

پُر امن بقائے باہمی کا وہ رسمی معاہدہ ہونے کے ویرانے مسہری کی سائڈ ٹیبل کے نچلے حصے سے ٹیلی[illegible] ڈائریکٹریاں نکال کر بستر پر ڈھیر کر دیں اور خود بھی و[illegible]

آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

میں نے اس سے کچھ نہیں پوچھا۔ میرے کسی بے ضرر سوال کے نتیجے میں وہ پھر کوئی محاذ آرائی شروع کرسکتی تھی۔ سوئے ہوئے اس فتنے کو خاموشی کی نیند سے جگانا مناسب نہیں تھا۔

وہ ایک ضخیم ڈائریکٹری میں سر کھپانے میں مصروف ہوگئی تو میں نے فون سنبھال لیا۔

آئزک بیل کے نمبر سے دوسری گھنٹی کے بعد ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

''تمہارا باس ابھی تک واپس نہیں آیا؟'' میں نے کسی تمہید کے بغیر سوال کر ڈالا۔

''اپنا نام اور پیغام دے دو۔ اسے مل جائے گا۔'' میرے طرزِ تخاطب نے اسے ذرا بھی حیران نہیں کیا تھا۔

میں کچھ بولنے بھی نہیں پایا تھا کہ سی ایس ڈی کے بزر کی آواز کے ساتھ فون بند ہوگیا۔

ویرا اپنے سامنے کھلی ہوئی ڈائریکٹری کو بھول کر میری طرف ہمہ تن گوش بن چکی تھی۔ میں نے اپریٹس پر دوبارہ وہی نمبر ملایا اور اس بار بھی وہی آواز سنائی دی۔

''کال ریکارڈ یا ٹریس کرنے کی حماقت کرو گی تو میرے حساس آلات لائن کاٹ دیں گے۔'' میں نے لائن ملنے پر اسے آگاہ کیا۔ ''تمہارا باس ان ہی کرتبوں سے بدک کر اپنے دفتر سے بھاگا تھا۔''

''کوئی کہیں سے نہیں بھاگا تھا۔ تم کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟'' لڑکی نے سپاٹ آواز میں پوچھا۔

''تم اس کی ملازم ہو اور محنت کر کے اپنی روزی کمارہی ہو۔ تم سے مجھے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ اپنے چیف کو تلاش کر کے بتا دینا کہ اس کے بھاگنے کے بعد میں تمہارے دفتر میں پہنچا تھا۔ وہاں بھگدڑ اور افراتفری کا راج تھا۔ اس وقت وہاں ٹائم بم نہیں رکھا گیا تھا لیکن اب ایسا ہوسکتا تھا۔''

''مسٹر! تمہیں کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ رنکس انکارپوریٹڈ کا صدر دفتر ہے۔ آخر تم یہ دھمکیاں کیوں دے رہے ہو؟''

وہ لڑکی اس کی وفادار تھی یا صرف رنکس کی ملازم، دونوں صورتوں میں اسے آئزک بیل کے عزائم سے آگاہ کر کے میں اس کے گلے میں رسوائی کا طوق ڈال سکتا تھا۔

میں نے نرمی سے کہا ''میں فرض کیے لیتا ہوں کہ تم رنکس کی ایک ایماندار ملازمہ ہو اور اپنے چیف کی مجرمانہ سازشوں سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''تمہارا مفروضہ سو فیصد درست ہے۔ چیف کے جانے کے بعد دفتر سے کئی افراد جا چکے ہیں۔ ان میں چیف کی پرسنل سیکریٹری بھی شامل تھی۔ میں اس کی جگہ بیٹھی چیف کے لیے پیغامات لے رہی ہوں۔''

''گڈ... اس کا مطلب ہے کہ اب دفتر میں صرف وہ لوگ رہ گئے ہیں جو واقعی سیکورٹی کا کام کرتے ہیں۔ چیف کی سازشوں میں حصہ لینے والے ایک ایک کر کے نکل چکے ہیں۔''

''مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔'' لڑکی کی آواز میں خوف سمٹ آیا ''یہ ایک صاف ستھرا ادارہ ہے۔ یہاں کسی قسم کی مجرمانہ سرگرمیاں ہوتی ہیں تو میں ان سے بے خبر ہوں۔''

''تمہارا چیف آج ہارلم میں خوں ریز فسادات کروانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ بظاہر معمولی نظر آنے والا کوئی حادثہ ہوگا اور وہاں فسادات کی آگ بھڑک اٹھے گی۔ بلوائیوں کی آڑ میں چیف کے آدمی اپنے دشمنوں اور ان کے خفیہ ٹھکانوں کو تاک تاک کر نشانہ بنائیں گے۔''

''میں پھر پوچھتی ہوں کہ تم کون ہو.....؟ تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟''

''میں ایک خدائی فوجدار ہوں۔ میں نے فون پر اسے دفتر میں پہنچ کر اس کا سر توڑ دینے کی دھمکی دی تھی۔ میں اسے خون کی ہولی کھیلنے سے روکنا چاہتا تھا مگر وہ کسی خارش زدہ چوہے کی طرح اپنے بل سے نکل کر بھاگ گیا۔ میری بات لکھ لو کہ اب وہ کئی دن تک دفتر نہیں آئے گا۔''

''تم یہ خوف ناک باتیں مجھے کیوں سنا رہے ہو۔''

اس کا خوف بڑھ چکا تھا۔

''مجبوری ہے کیونکہ اس فون پر تم مامور کر دی گئی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ تم سچ بول رہی ہو۔ تمہارا گندے کاموں سے کوئی تعلق نہ ہو۔ میں تم کو بچانا چاہتا ہوں۔ غور سے سنو کہ تم دہرا چہرہ رکھنے والے ایک صیہونی دہشت گرد کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہو۔ جلد ہی وہ اپنے ساتھ تم کو لے ڈوبے گا۔''

''صیہونی دہشت گرد .... ؟ مگر مسٹر بیل تو بہت نفیس اور مہذب آدمی ہیں۔''

''یہ اس کے چہرے کا ایک نقاب ہے۔ اس کے پیچھے ایک مجرم اور یہودی دہشت گرد چھپا ہوا ہے .... ''

''مم..... مگر میں بھی یہودی ہوں۔ یہودی ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔'' خوف زدہ ہونے کے باوجود وہ اس لفظ پر احتجاج کیے بغیر نہ رہ سکی۔

''میں یہودی نہیں، یہودی دہشت گرد کہہ رہا ہوں۔ آنے والے چوبیس گھنٹوں میں ہارلم کی خون آشام خبروں سے تمہیں اپنے چیف کی اصلیت کا علم ہوجائے گا۔ اس جیسے لوگوں نے ہی دنیا بھر میں یہودیوں کو بدنام کیا ہوا ہے۔'' میں نے نرمی سے اسے اپنی بات سمجھاتے ہوئے کہا۔

''تم اپنے لب و لہجے سے امریکی نہیں معلوم ہوتے پھر تم اتنے باخبر کیسے ہوسکتے ہو؟''

''تمہارا چیف عالمی دہشت گرد ہے اور میرا ملک بھی اس کا نشانہ بنا ہوا ہے۔''

''تم پاکستانی تو نہیں ہو؟'' اس کے بے ساختہ سوال نے چند ثانیوں کے لیے میرے اوپر سکتہ طاری کر دیا۔ اس نے مجھے فلسطینی عرب، ایرانی یا لیبیائی نہیں، براہ راست پاکستانی سمجھا تھا۔ اس کے دماغ میں یہ بات بٹھا دی گئی تھی کہ روئے زمین پر یہودیوں کا سب سے بڑا دشمن پاکستان ہے۔ اس تصور کی تردید کرنے کے لیے میرا جواب نفی میں ہونا ناگزیر تھا۔

''نہیں، میں پاکستانی نہیں ہوں۔ دہشت گردوں کا کوئی وطن ہوتا ہے نہ قوم۔ تمہارا چیف اسرائیلی کے بجائے نیو یارک میں رہتا ہے۔ امریکی ہونے کے باوجود وہ ہارلم میں رہنے والے امریکیوں کے قتل عام کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ کیا یہ ذرا سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''تمہارے لگائے ہوئے الزامات بہت سنگین ہیں۔ تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ میں تمہارے سچ اور جھوٹ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ مجھے اپنے سینئرز سے مشورہ کرنا پڑے گا۔''

''مشورہ کر لو اور اگر تم سب مل کر بھی کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکو تو اگلے چوبیس گھنٹوں میں رونما ہونے والے واقعات تم سب کی آنکھیں کھول دیں گے۔''

''ہارلم کے بارے میں تمہاری پیش گوئی درست نکلی تو میں یہ نوکری چھوڑ دوں گی۔'' اس نے پہلی بار میری باتوں کے جواب میں کسی حوصلہ افزا ردعمل کا مظاہرہ کیا۔

''چیف سے رابطہ ہو تو اسے میرے فون کے بارے میں ضرور بتا دینا۔''

''کیا میں تمہاری کہی ہوئی دوسری باتیں بھی اس کے سامنے دہرا سکتی ہوں؟''

''اگر تم اتنی اخلاقی جرأت سے کام لے سکو تو یہ میرے اوپر تمہارا ذاتی احسان ہوگا۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اس کی عالمی غنڈا گردیوں سے نفرت کرنے والے اب اسے بے نقاب کرنے پر تل گئے ہیں۔''

''تم فکر مت کرو۔ ایسے معاملات میں ہم امریکی بہت راست گو .... بلکہ منہ پھٹ ہوتے ہیں۔ وہ فرشتہ ہے تب بھی اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے بدخواہ اس کے خلاف کیسی نازیبا الزام تراشیاں لیے پھر رہے ہیں۔ اپنے بارے میں جاننے کا حق ہر شخص کو حاصل ہے۔''

میں دل ہی دل میں اسے برا بھلا کہہ کر رہ گیا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے راست گوئی اور شخصی آزادی کو ہر امریکی نے اپنا تکیہ کلام بنا رکھا ہو۔

"تم اچھی اور بے باک لڑکی ہو۔" میں نے اس کی خوشنودی کے لیے تعریفی لہجے میں کہا "کہیں تمہارا نام للی برنارڈ تو نہیں؟"

"نہیں، میں مس رائے ہوں، ہیلن رائے۔ چیف کے چلے جانے کے بعد اس وقت للی دفتر کی سربراہ ہے۔ میں اس سے بہت جونیر ہوں۔ کیا تم اسے جانتے ہو؟"

"تمہارے دفتر میں، میں نے اس کا نام سنا تھا۔ میری فراہم کی ہوئی معلومات پر تم اس سے ضرور مشورہ کرنا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں کوئی بہتر رائے دے سکے۔"

"یہ میری صوابدید پر منحصر ہے۔ تم مجھے پڑھانے کی کوشش مت کرو۔" میری نرم گفتاری کے نتیجے میں اس کا کھویا ہوا حوصلہ رفتہ رفتہ بحال ہوگیا تھا۔

یہ پیغام آئزک نیل کے دفتری عملے کی ایک غیر جانب دار شخصیت تک پہنچ چکا تھا۔ میں نے فون پر اسے بتائے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا اور شوخ نظروں سے ویرا کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ پتا چل رہا تھا کہ تم رنکس کے نمبر پر بات کر رہے تھے لیکن تمہیں للی کا نام لینے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟" نگاہیں چار ہوتے ہی ویرا نے اپنا پہلا سوال داغ دیا۔

"اس وقت مجھے اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ تمہاری للی یا جینی کے ہاتھ صاف معلوم ہوتے ہیں۔"

"تم نے یہ اندازہ کیسے لگا لیا؟ یہ درست ہے تو میں اس سے ابھی بات کرتی ہوں۔"

"اسحاق گھنٹی کے جانے کے بعد عملے کے کافی لوگ بھی روانہ ہوگئے۔ اس وقت للی برنارڈ دفتر کی سربراہی کر رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جرائم میں حصہ لینے والا کوئی فرد اس وقت رنکس کے دفتر میں موجود نہیں ہے۔ اسی امید پر میں فون اٹھانے والی پر اپنا وقت برباد کر رہا تھا۔"

"تمہارے پاس اسحاق کا نان ڈائریکٹری نمبر ہے۔ میں ڈائریکٹری سے رنکس کے نمبر دیکھ کر ابھی جینی سے بات کرتی ہوں۔ اسے بھیجاتے ہی میں نے اس سے مدد لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔"

"ان لوگوں کو میری دی ہوئی اطلاعات پر تبادلہ خیال کرنے کا وقت دو۔ اس کے بعد جینی تمہاری ہر بات دھیان سے سننے پر مجبور ہو جائے گی۔ یہ اور بات ہے کہ تمہارے بارے میں آخری اشتہار بازی نے اسے تم سے برگشتہ کر دیا ہو۔"

"وہ میرے خلاف سرکاری پروپیگنڈے سے متاثر ہونے والی نہیں ہے۔ اسے میرے بارے میں ہر بات معلوم ہے۔ یوں سمجھ لو کہ ہم دونوں ایک مدت تک شب و روز یک جا رہے ہیں۔"

"پھر تمہیں بلیک ڈیڈ سے پہلے جینی کا دھیان آنا چاہیے تھا۔" میں نے اعتراض کیا۔

"اس وقت ہمیں اسحاق گھنٹی کے خلاف کسی قابلِ اعتماد ساتھی کی ضرورت تھی۔ ان غنڈا گردیوں کے مقابلے میں جینی جیسی لڑکی کچھ بھی نہیں کر سکے گی۔"

"اب وہ رنکس جیسی کمپنی میں دو نمبر عہدے پر فائز ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم سے الگ ہونے کے بعد اس نے خود کو بدل لیا ہو۔"

"وہ بدلنے والی ہڈی نہیں ہے۔ اس وقت وہ ایم بی اے کر رہی تھی۔ اس کے بعد اسے اعلیٰ ملازمت ہی کرنی تھی۔ بینکنگ اس کا پسندیدہ شعبہ تھا۔ پتا نہیں وہ سیکیورٹی مینجمنٹ میں کیوں آ گئی۔"

ان تمام سرگرمیوں کے دوران میں ہم دونوں میں سے کوئی بھی ٹیلی ویژن کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ جوں ہی ہمارے کانوں میں ہارلم کا نام آیا، ہم اپنی گفتگو بھول کر اسی طرف متوجہ ہوگئے۔

ویرا کے اندازے کے عین مطابق ہارلم کے بارے میں پہلی بری خبر آ ہی گئی تھی۔ اس میں سب سے زیادہ چونکانے والی بات یہ تھی کہ خبر میں رنکس کا نام بھی موجود تھا۔

ہارلم کی ایک سو ستائیسویں اسٹریٹ کے ایک چوراہے پر دو مسلح موٹر سائیکل سواروں نے رنکس کی ایک گاڑی کو روک کر لوٹنا چاہا تھا مگر گاڑی کے ساتھ موجود مسلح محافظوں کی مزاحمت پر ان میں سے ایک بائیس

سالہ نوجوان سیاہ فام مارا گیا تھا۔ اس کے ساتھی کو زخمی حالت میں پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا گیا تھا۔"
"میں شرط لگاتی ہوں کہ یہ خبر اصل واقعات کے برعکس گھڑی گئی ہے۔" دوسری خبر شروع ہوتے ہی ویرا نے پرجوش لہجے میں دعویٰ کیا۔
"تمہاری دانست میں اصل واقعہ کیا رہا ہوگا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔
"رنکس کے مشتعل بدمعاشوں نے میدان صاف دیکھ کر ان دونوں کالے لڑکوں کو گھیرا ہوگا اور تاک کر اپنا نشانہ بنایا ہوگا۔ ایسی ناگہانی وارداتیں ہی عموماً فسادات کا نقطۂ آغاز ثابت ہوتی ہیں۔"
"یہ واردات گمنام قاتلوں کے ذریعے بھی رونما ہوسکتی تھی۔ حیرت ہے کہ اسحاق گھنٹی نے اس بار رنکس کا نام بھی داؤ پر لگا دیا ہے۔" میں نے کہا۔
"یہ اس کی بگڑی ہوئی ذہنی حالت کا ثبوت ہے۔ وقت ضائع کیے بغیر لوگوں کے جذبات بھڑکانے کا یہ آسان ترین طریقہ تھا۔ جان و مال کے تحفظ کے لیے رجسٹرڈ سیکیورٹی گارڈز کو یہاں کافی چھوٹ حاصل ہوتی ہے۔ زخمی ہونے والا اپنی صفائی میں کوئی گواہ پیش نہیں کر سکے گا۔"
وہ پہلی خبر پانچ بجے آئی تھی۔ شام کے سائے دراز ہونے تک ہارلم میں توڑ پھوڑ اور جلاؤ گھیراؤ کی وارداتیں شروع ہو چکی تھیں۔ مرنے اور زخمی ہونے والے کے ہمدردوں کے جتھے سڑکوں پر نکل آئے تھے اور سڑکوں پر ناکارہ اشیا کے ڈھیر جلا کر ٹریفک کی راہ میں روڑے اٹکا رہے تھے۔
سات بجے تک ان واقعات میں تشدد کا رنگ نمایاں ہو چکا تھا۔ متعدد دوکانوں کو لوٹ کر آگ لگا دی گئی تھی اور ہر طرف فائرنگ کا شور گونج رہا تھا۔ ضلعی حکام نے ہارلم میں ٹریفک کا داخلہ بند کر دیا تھا۔
"اس وقت ہارلم میدان جنگ کا نقشہ پیش کر رہا ہوگا۔" میں نے ٹیلی ویژن پر ابتدائی تصویری رپورٹ دیکھ کر تبصرہ کیا "علاقے کی پولیس کہاں سوئی ہوئی ہے۔"
"پولیس کی جبری مداخلت سے ہنگامہ آرائی زور پکڑ لیتی ہے۔ ہارلم کے مشرق میں دریائے مشرق کے پار برونکس کی ڈسٹرکٹ ہے۔ وہاں بھی کالوں کی بڑی تعداد آباد ہے۔ وہ نسبتاً خوش حال اور پڑھے لکھے ہیں لیکن جذبات بھڑکتے ہیں تو برونکس ڈسٹرکٹ بھی فساد کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔"
اس دوران میں ویرا ٹیلی فون ڈائریکٹریوں پر اپنا کام ختم کر چکی تھی۔
اس نے ایک کاغذ پر آئزک بیل کے نام کے ساتھ ساتھ رہائشی فون نمبر نوٹ کیے تھے۔ کچھ نمبر رنکس انکارپوریٹڈ کے تھے۔ تین پتے اور فون نمبر للی برنارڈ کے نام کے ساتھ مندرج تھے۔
"ان ہی میں سے کوئی نہ کوئی اسحاق گھنٹی اور للی کا پتا ہوگا۔ ہارلم میں حالات بگڑنے کے بعد جینی تمہاری باتوں پر فکر مند ہوگی۔ یہی حال ہیلن رائے کا بھی ہوگا۔" ویرا نے کہا۔
"ان نمبروں کی مدد سے شاید تم جینی کو تلاش کرلو مگر اسحاق گھنٹی کا ہاتھ آنا مشکل ہے۔ اس کے بارے میں کارآمد معلومات جینی ہی فراہم کر سکے گی۔" میں نے جواب دیا۔
میں ٹیلی وژن پر تازہ ترین خبروں کا انتظار کرتا رہا۔ ویرا اپنے منتخب کیے ہوئے نمبروں پر طبع آزمائی کرنے لگی۔ میں اس کی کوششوں پر دل ہی دل میں مسکراتا رہا۔ آئزک بیل نے اتنی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں کہ نیویارک کی ٹیلی فون ڈائریکٹری میں اپنے گھر کا پتا چھپوا ڈالتا۔ وہ نیویارک میں رہنے والا آٹھواں آئزک بیل تھا جس کا ڈائریکٹری میں کوئی سراغ نہیں مل سکتا تھا۔ اگر وہ اسی قدر غیر محتاط ہوتا تو رنکس کے کاروباری نمبروں کے ساتھ ہی چیف ایگزیکٹو کے طور پر اپنا رہائشی پتا اور فون نمبر دے سکتا تھا۔
ویرا نے سات مسلسل ناکامیوں کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔ "ان میں اس کا نمبر نہیں ہے یا سات میں سے کوئی ایک جھوٹ بول رہا ہے۔ دیکھو اب للی کا کیا رہتا ہے۔ اس کے بعد میں کراچی بات کروں گی۔"

''سی ایس [illegible] ڈی ہونے کے باوجود یہاں سے پاکستان کال بیں کی جائے گی۔ بلنگ کے لیے آوٹ اسٹیشن اوراوورسیز کالز کی پوری تفصیل ریکارڈ ہوتی ہے۔ اس کے لیے تمہیں باہر جانا ہوگا۔''

''میں مصروف ہوں۔ تم ہی کراچی کی خیر خبر لے آؤ۔'' ویرا نے میری خوشامد کی۔

''میں مناسب وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔ کراچی میں اس وقت صبح کے چار بج رہے ہوں گے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا اور وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

''یہاں کے چکروں میں پڑ کر میں بھول ہی گئی تھی کہ پاکستان کا وقت یہاں سے نو گھنٹے پیچھے ہے۔'' وہ اسی مترنم ہنسی کے درمیان بولی ''نیند خراب ہونے پر اول خان بھنا جائے گا۔''

''وہ بھنانے والوں میں سے نہیں ہے۔ ہماری آوازیں اس کو خوش کر دیں گی مگر پھر بھی میں مناسب وقت پر فون کرنا پسند کروں گا۔ رسمی علیک سلیک کے لیے یہ وقت موزوں نہیں ہے۔''

ویرا دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہو گئی اور پہلی ہی کوشش میں جینی سے بات کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

وہ دو پرانی بے تکلف سہیلیوں کی روایتی پرجوش گفتگو تھی۔ میں نے اشارے سے ویرا کو آگاہ کیا اور کمرا چھوڑ کر نچلی منزل پر ہوٹل کے بار کی طرف چل دیا تاکہ ویرا بے تکلفی کے ساتھ جینی کے ساتھ باتیں کر سکے۔

ہوٹل کا بار زیادہ آباد نہیں تھا۔ بیشتر میزیں خالی تھیں۔ وہ ڈنر پر بھی گنتی کے افراد نظر آرہے تھے۔

بارٹینڈر کو ایکسٹرا [illegible] ایک لیبل کا آرڈر دے کر میں نے سگریٹ سلگائی۔

میں اپنے کمرے سے چلا آیا تھا مگر ذہن ہارلم میں رونما ہونے والے واقعات میں الجھا ہوا تھا۔ وہ رات کی ابتدا تھی۔ پتا نہیں آنے والے چند گھنٹوں میں وہاں کیسی جانی اور مالی بربادی رونما ہونے والی تھی۔

امریکیوں کے معیار سے اسکاچ کا وہ ایکسٹرا پیگ ایک گھنٹے کی مصروفیت کے لیے کافی تھا۔ لبوں کو تر کر کے، جرعہ جرعہ لطف لینے کے بہانے میں بھی کنجوسی سے کام لیتا تو آسانی سے اسی ایک پیگ کے سہارے دیر تک بار کے کاؤنٹر پر جما رہ سکتا تھا لیکن فراخ دلی سے کام لینے کی بنا پر میں نے ذرا سی دیر میں سارا سیال ٹھکانے لگا دیا۔ جام کو اتنی سرعت سے خالی ہوتا دیکھ کر بارٹینڈر کی آنکھوں میں حیرت لہرائی۔ مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی وہ احمقانہ انداز میں مسکرایا اور پھر چمکتے ہوئے گلاسوں کو خشک فلالین سے رگڑ رگڑ کر مزید چمکانے میں مصروف ہو گیا۔ اس نے مجھ سے نئے آرڈر کے بارے میں دریافت نہیں کیا تھا۔

ہلکے سے سُرور کے عالم میں کمرے میں، میں واپس پہنچا تو فون پر ویرا کی گفتگو جاری تھی۔ وہ ریسیور بستر پر ڈال کر دروازہ کھولنے آئی تھی۔ دروازہ کھول کر مجھے دیکھتے ہی اس نے دوڑ کر دوبارہ ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ میں دروازہ بند کر کے کرسی پر گر گیا۔

میری واپسی کے چند ثانیوں بعد ویرا نے فون پر الوداعی کلمات ادا کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔

''آج ستارے یاوری کر رہے ہیں۔'' فون بند کر کے ویرا نے مسرت سے بھرپور لہجے میں مجھے مطلع کیا ''جو کچھ سوچ رہی ہوں، ہوتا چلا جا رہا ہے۔''

''منہ کالا کرنے کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''یہ کیسی واہیات باتیں کر رہے ہو تم؟'' وہ ترشی سے بولی ''تمہاری سانسوں سے الکحل کی بو آرہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ چڑھا آئے ہو۔''

''یہ تمہاری ہی تجویز تھی کہ ہارلم کے لیے منہ کالا کرنا زیادہ مناسب رہے گا۔'' میں نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے کہا ''اب اسے واہیات قرار دے رہی ہو۔''

''شاید مجھے منہ کے بجائے چہرہ کہنا چاہیے تھا۔'' وہ خفت آمیز لہجے میں بولی ''مگر اب وہاں گھسنا ناممکن ہے۔ فسادات پر قابو پانے والی اسپیشل پولیس کی بکتر بند گاڑیاں بھی ابھی تک متاثرہ علاقے میں داخل ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہیں۔ کچھ مسلح لوگ ہارلم آنے والے راستوں پر باقاعدہ مورچہ زن ہو چکے ہیں۔''

''پورے علاقے کی ناکا بندی کرکے بلیک ڈیڈ کو ڈھونڈا جارہا ہے۔'' میں نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔
''جینی بتارہی تھی کہ ہارلم کا حال آج بہت خراب ہے۔ کئی شراب خانے اور بینک لوٹ کر جلائے جاچکے ہیں۔ جابجا آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ کچھ شہریوں نے پولیس اور اخبارات کو فون کرکے بتایا ہے کہ باہر سے آئے ہوئے کچھ نامعلوم مسلح افراد ایک کیسینو اور ایک نائٹ کلب کو گھیرے میں لے چکے ہیں۔ دونوں طرف سے دھواں دھار فائرنگ ہورہی ہے۔ پڑوسی بری طرح دہشت زدہ ہیں۔''
''وہ دونوں بھی بلیک ڈیڈ کے متوقع ٹھکانے ہوسکتے ہیں۔ وہ اپنے مقدر کی کسی خوبی سے آج زندہ بچ بھی گیا تو اپنے بہت سے جان نثاروں سے محروم ہوجائے گا۔'' میں نے کہا۔
''وہ اس سے بدتر سزا کا مستحق ہے۔'' ویرا حقارت سے بولی۔ ''اُس کی سردمہری سے مجھے دلی صدمہ پہنچا تھا۔ اس بزدل کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔''
''تمہارا ٹیلی وژن کھلا ہوا ہے تو ہارلم کے بارے میں جینی سے خبریں کیوں لے رہی تھیں؟''
''اس کے گھر پر مسلسل خبریں دینے والے کیبل ٹی وی کا کنکشن ہے۔ وہ لوگ ہارلم سے براہ راست تصویری رپورٹیں نشر کررہے ہیں۔ شاید ان کی ٹیم ہنگامے پھیلنے سے پہلے وہاں پہنچنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ وہ کیبل کنکشن اس ہوٹل میں نہیں ہے۔''
''بالغوں والے دو چینل ہیں۔ چاہو تو وہ آن کرلو۔ تمہیں اپنے خاصے عزیز و اقارب نظر آجائیں گے۔''
وہ چند ثانیوں تک غصیلی نظروں سے مجھے گھورتی رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی ''میرے ماضی پر طنز کررہے ہو.....! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میلان میں، میں ڈان مرسیانو کے اشاروں پر ناچنے والی ایک کٹھ پتلی تھی۔ میں اس پر ذرا بھی شرمندہ نہیں ہوں کیونکہ اس راہ کے انتخاب میں میری مرضی کا ذرا بھی دخل نہیں تھا یہ بات.....''
''بس، بس.....!'' میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرادیا ''مذاق مذاق میں اس قدر سنجیدہ یا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں میلان کا نام میرے گمان میں بھی نہیں تھا۔''
ویرا ملامت آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتی ہوئی الماری کی طرف چلی گئی جہاں لندن کے گیٹ وک ائرپورٹ سے خریدی ہوئی اسکاچ کی آخری دو ڈیوٹی فری بوتلیں باقی رہ گئی تھیں۔
ویرا نے ذرا سی دیر میں مے نوشی کے جملہ لوازم ایک تپائی پر جمع کردیے۔ مجھ سے قدرے ناراض ہونے کے باوجود اس نے روم فریج میں سے دو گلاس نکالے تھے۔ پرانی پاپی ہونے کی وجہ سے وہ رمز آشنا تھی کہ کوئی ہم پیالہ نہ ہو تو پینے کا سارا لطف غارت ہوجاتا ہے۔
اگلی خبریں آنے تک ہارلم میں آرتر بیل کی پھینکی ہوئی چنگاری ایک بھیانک آگ کی صورت اختیار کرچکی تھی۔ کئی علاقوں میں بے گوروکفن لاشیں پڑی ہوئی تھیں جن کا کوئی پُرسانِ حال نہیں تھا۔ کیسینو اور نائٹ کلب پر ہونے والے مقابلے کی خبریں دوسرے ذرائع بھی دے رہے تھے۔ وہاں ہونے والی لڑائی میں ایک فریق آتش گیر بم اور ہینڈ گرینیڈ تک استعمال کررہا تھا۔ دونوں مقامات پر ایسے جدید ہتھیار محاصرہ کرنے والوں کے تھے۔ وہ ان دونوں عمارتوں کو جانی اتلاف کی پروا کیے بغیر خاک کا ڈھیر بنا دینے پر تلے ہوئے تھے۔
''دن کا اجالا پھیلنے سے پہلے یہ نامعلوم حملہ آور اپنے زخمیوں سمیت غائب ہوجائیں گے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''آگ، خون اور بارود کا یہ بھیانک کھیل رات بھر یوں ہی جاری رہے گا۔ سب کچھ ان ہی خطوط پر ہورہا ہے جن کی نشان دہی تم نے کی تھی۔''
''ایسے واقعات یہاں روز روز نہیں ہوتے۔ اتنے بڑے پیمانے پر فساد شاید سات برس بعد ہوا ہے۔ تم خوش قسمت ہو کہ تم نے دو تین دنوں میں ہی نیویارک کی زیرِ زمین دنیا کا یہ بھیانک روپ بھی دیکھ لیا۔ اگر صبح تک یہ آگ سرد نہ ہوئی تو دوسرے علاقے بھی اس کی

لپیٹ میں آ سکتے ہیں۔''

''اتفاقی حادثات پر بھی ایسا ہی تشدد آمیز ردِ عمل ہوتا ہوگا؟''میں نے پوچھا۔

''ایسا آئے دن ہوتا رہتا ہے اور تھوڑے سے حصے میں محدود رہتا ہے۔ ان واقعات پر پولیس تیزی سے قابو پالیتی ہے۔کوئی قابل ذکر نقصان نہیں ہونے پاتا۔''

''آج ہونے والی خوں ریزی کا بوجھ میں اپنی گردن پر محسوس کررہا ہوں۔''میں نے برف کو پگھلاتی ہوئی طلائی اسکاچ کا ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر دھیرے سے کہا۔

''یہ تمہارا قصور نہیں ہے۔شراب نوشی کے بعد ہر شخص ضرورت سے زیادہ حساس ہوجاتا ہے۔''ویرا نے تسلی دینے کے انداز میں کہا''تم نے صرف اتنا کیا ہے کہ بلیک ڈیڈ کے بارے میں اسحاق کی بدگمانیوں کو تقویت دی ہے۔ ان دونوں کو نیویارک نے پروان چڑھایا ہے۔ اسی شہر کے باسیوں کو اپنے اس گناہ کا تاوان دینا چاہیے۔تم کیوں خود کو ملامت کرتے ہو؟''

''جینی سے تمہارے مذاکرات کیسے رہے؟'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔

''شاندار۔ وہ آج بھی پہلے کی طرح مخلص اور گرم جوش تھی۔ مجھے وی آئی پی بننے پر مبارک باد دے رہی تھی۔''

''یہ سانحہ کب ہوا....؟تمہیں کس نے وی آئی پی بتایا؟''میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

''میری اور تمہاری تلاش کے سلسلے میں امریکی اداروں نے پاکستان کے ساتھ یہاں کے اخبارات میں بھی انعامی اشتہارات شائع کرائے تھے۔ پرائی سرزمین پر امریکیوں کے جانی اتلاف پر مقامی رائے عامہ کو متاثر کرنے کے لیے وفاقی ادارے ہمیشہ ایسے ڈھکوسلے آزماتے رہتے ہیں۔جس کی گرفتاری پر ملین ڈالر پرائز مقرر کردیا جائے، اسے تم وی آئی پی نہیں تو کیا کہوگے؟''

''اُسے اس خطیر انعام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''وہ اس سے ہزار گنا بڑے انعام پر بھی تھوک دے گی۔''ویرا فخریہ لہجے میں بولی''میں اُس کے ساتھ مل کر کچھ وقت گزارنا چاہتی تھی لیکن اس نے سختی سے میری یہ تجویز رد کردی۔ اس کا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں میرا اُس سے ملنا میری سلامتی کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔''

''اسی وجہ سے تم اپنے دل کی ساری بھڑاس اس فون پر نکال رہی تھیں؟''

''مجبوری تھی۔ وہ کوئنز ڈسٹرکٹ کے وسطی علاقے میں رہتی ہے جو یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔''

''تم نیویارک کے بیشتر علاقوں کا ذکر اتنی روانی سے کرجاتی ہو کہ میرے ذہن میں سب کچھ گڈمڈ ہوکر رہ جاتا ہے۔صرف مین ہٹن کے بارے میں چند موٹی موٹی باتیں ذہن نشین ہوسکی ہیں۔''

اس نے مسکرا کر سگریٹ سلگائی پھر بولی''نیویارک کی پانچ بوروز یا ڈسٹرکٹ ہیں۔ ان میں مین ہٹن سب سے اہم ہے کیونکہ تمام تجارتی اور مالیاتی مراکز مین ہٹن کے جنوبی اور وسطی حصے میں مرکوز ہیں۔ دوسری بورو اسٹیٹن نامی جزیرے پر مشتمل ہے۔ مین ہٹن کے مشرق میں دریائے مشرق کے اس پار نیویارک کی تین رہائشی بوروز برونکس، کوئنز اور بروکلین واقع ہیں۔ یہ نیویارک کا مختصر ترین تعارف ہے۔''

''ہمارا ہوٹل مین ہٹن میں ہے اور وہ کوئنز میں رہتی ہے۔''میں نے سبق یاد کرنے کے انداز میں دہرایا پھر پوچھا''وہ بھی بلیک ڈیڈ کی طرح تم سے دور رہنا چاہتی ہے۔''

''جینی کو اس دوغلے کتے سے ملا کر تم زیادتی کررہے ہو۔ وہ اپنے دروازے پر ہر وقت مجھے خوش آمدید کہے گی۔ میں چاہوں تو اسی وقت اس کے گھر جاسکتی ہوں۔ وہ رنکس میں کام کرتی ہے۔ اسحاق گھنٹی اس کا باس ہے۔احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ میں اس سے دور رہوں۔''

''رنکس یا اسحاق کے دھندوں کے بارے میں وہ کیا جانتی ہے؟''

''کچھ بھی نہیں۔ اس کے ہاتھ صاف ہیں۔ وہ تین سال سے رنگس میں کام کر رہی ہے۔ اس دوران میں اسحاق گھنٹی ہمیشہ ایک ذہین اور پُر اعتماد سربراہ ثابت ہوا ہے۔ وہ رنگس کے سیدھے سادے کاروباری معاملات کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ اسے یہ تک نہیں معلوم کہ اسحاق ڈیوڈ اسٹارز سے تعلق رکھتا ہے۔''

''بہت معصوم بچی ہے۔ ڈیوڈ اسٹارز کا نام بھی اس کے لیے اجنبی رہا ہوگا۔''

''ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں اس کی معلومات اخباری اطلاعات اور مضامین تک محدود ہیں جن میں اسے ایک مال دار اور قوم پرست نجی تنظیم کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔''

''جینی کو اسحاق کی رہائش گاہ کا علم ضرور ہوگا۔'' میں نے پُر امید لہجے میں کہا۔

''جینی دفتری معاملات دفتر ہی میں نمٹانے کی عادی ہے۔ میں اسے اچھی طرح کھنگال چکی ہوں۔ وہ اسحاق گھنٹی کی کمین گاہ کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکی۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ایک مرتبہ پھر بند گلی میں جا پہنچے ہیں۔''

''وہ اپنی ساری اکڑفوں اور جارحیت بھول کر مدافعت کرنے پر مجبور ہوگیا ہے۔ رنگس انکارپوریٹڈ جیسا بڑا ادارہ ہمارے سامنے ہے۔ ہم اب بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔''

''رنگس کے مشکوک ماضی رکھنے والے ملازمین غائب ہو چکے ہیں۔ خطرات کی دھند صاف ہونے تک اسحاق بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ وہاں ہمیں جینی جیسے بے گناہ ملازمین ملیں گے۔ اسحاق گھنٹی کو نیچا دکھانے کے لیے ہم وہاں کوئی انتقامی کارروائی نہیں کر سکتے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' ویرا نے بڑبڑاتے ہوئے میری تائید کی ''اسحاق نے راہِ فرار اختیار کر کے تمہارا اور اپنا اکلوتا رابطہ بھی ختم کر دیا ہے۔ فون پر وہ نہیں ملے گا۔''

''اسے ازسرِ نو تلاش کرنا پڑے گا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنا ڈرپوک ثابت ہوگا۔ رنگس کے محفوظ دفاتر میں ہم اس کا کیا بگاڑ سکتے تھے؟'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''وہ بھی جانتا تھا کہ اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ تم نے اس کے دفتر میں اپنے پہنچنے کی کہانی سنا کر اس کا سارا اعتماد خاک میں ملا دیا۔ وہاں سے غائب ہو کر وہ اس وقت کا انتظار کرے گا جب تم دوبارہ اس کے دفتر میں پہنچو گے۔''

رات گہری ہونے کے ساتھ ساتھ فساد زدہ علاقے کے بارے میں نشر ہونے والی اطلاعات گمبھیر ہوتی جا رہی تھیں سات اموات کی مختلف ذرائع سے تصدیق ہو چکی تھی۔ آگ میں گھری ہوئی عمارات میں ایک بینک، دو پیٹرول پمپ اور ایک شراب خانہ شامل تھا۔ ہارلم کے کم از کم تین علاقوں میں احتجاج اور بدنظمی کے بجائے کھلم کھلا مقابلے کے انداز میں جم کر دوطرفہ مقابلہ ہو رہا تھا۔ متحارب گروہوں کی شناخت کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ محاصرے میں لیے جانے والوں کے بارے میں ملی جلی افواہیں قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔

ویرا نے آخری بار وہ تفصیل سننے کے بعد ٹیلی وژن بند کر دیا اور بولی ''صبح کے اخبارات اس بارے میں اندر کی کچھ کہانیاں ضرور چھاپیں گے۔ ان میں اور کچھ ہو یا نہ ہو، بلیک ڈیڈ کا حوالہ ضرور ہوگا۔''

''یہ صبح کی بات ہے۔ اس میں ابھی پوری رات پڑی ہے۔ یہ سوچو کہ ہم جینی سے کیا کام لے سکتے ہیں۔ اس وقت وہی ہمارے کسی کام آ سکتی ہے۔''

''وہ بتا رہی تھی کہ کسی نامعلوم آدمی نے فون پر ایک آپریٹر کو ہارلم کی پوری کہانی سنا دی تھی۔ اس فون کے بعد ہیلن رائے بہت جذباتی ہوگئی تھی۔ اس نے جینی سے کہہ دیا تھا کہ آج رات ہارلم میں کسی کی نکسیر بھی پھوٹی تو وہ صبح ملازمت پر نہیں آئے گی۔ اس کے واجبات کا چیک اس کے پتے پر ڈاک سے بھیج دیا جائے۔ وہ نہ آئی تو جینی کچھ سراغ لگانے کی کوشش کرے گی۔''

''کھل کر بات کرو۔ وہ کس کا سراغ لگائے گی؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''اس وقت صرف اسحاق ہمارا ٹارگٹ ہے۔ جینی

اسحاق کے فون پر کسی دوسری آپریٹر کو مامور کرنے سے پہلے خود ریکارڈ کی چھان بین کرے گی۔ شاید اسے کوئی چیز مل جائے۔"

"اسحاق کے کمرے میں کسی کو اجازت کے بغیر داخلے کی اجازت نہیں۔ اس نے جانے سے پہلے خود ہیلن کو اپنے فون پر مامور کیا تھا۔ اس کے ملازمت چھوڑ دینے کے بعد جینی اسحاق کے کمرے کے بارے میں اپنے فیصلے کرنے کی پوزیشن میں آسکے گی۔"

"کیا ہیلن نے میرا پیغام اسحاق تک پہنچا دیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ دفتری اوقات ختم ہونے سے پہلے اس کا فون آیا تھا۔ مکمل پیغام سن کر اس نے جس برہمی کا مظاہرہ کیا اس کے بعد ہیلن اسے یہ نہ بتا سکی کہ وہ باتیں پورے دفتر میں پھیل چکی ہیں۔"

ویرا کے لیے وہ سب باتیں زیادہ اہم نہیں تھیں۔ وہ انہیں اپنے دل میں لیے بیٹھی تھی۔ میں نے اس سے پے در پے سوالات کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا تو بہت سی باتیں سامنے آتی چلی گئیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان میں اسحاق کا کوئی سراغ نہیں تھا۔ دل خوش کن امیدیں ہی امیدیں تھیں اور اسحاق کا سراغ کھو دینے کے بعد وہ امیدیں بھی میرے لیے بہت اہم تھیں۔

جینی سے ویرا کے ذریعے ملنے والی معلومات میں ایک اہم نکتہ یہ تھا کہ رنکس انکارپوریٹڈ کے پینٹا گون، سی آئی اے اور فیڈرل ریزرو جیسے اہم ترین وفاقی اداروں کے ساتھ طویل مدت کے معاہدے موجود تھے جن کے تحت رنکس ان کو قیمتی دھاتیں، بیش قیمت ہتھیار، ایٹمی آلات اور نقدی وغیرہ امریکا بھر میں ایک سے دوسرے مقام تک پہنچانے کے لیے اپنی ٹرانسپورٹ سمیت حفاظتی خدمات فراہم کرتی تھی۔

رنکس کے ان معاہدوں سے آئزک بیل کے اثر و رسوخ کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ یہ سامنے کی بات تھی کہ رنکس کے بیشتر ملازمین اپنی کمپنی کی پس پردہ مصروفیات سے کتنے ہی بے خبر کیوں نہ ہوں، امریکی حکومت ان سرگرمیوں کی پوری پوری پشت پناہی کرتی تھی۔

ویرا نے انٹرکام پر روم سروس کو کھانے کے لیے کہہ دیا تھا۔ ہماری مے نوشی کے خاتمے سے پہلے کھانا کمرے میں آ گیا۔ ویرا کا انتخاب اپنی خوشبوؤں سے ہی اشتہا انگیز معلوم ہو رہا تھا۔

"جینی کا نام تمہاری عرفیت کا بالکل ہم قافیہ ہے۔" کھانا کھاتے ہوئے ویرا کو اچانک ہی خیال آ گیا۔

"اچھا ہی ہوا کہ اس سے ملاقات کا امکان نہیں رہا۔ وہ ہم ذوق بھی نکل آتی تو تمہیں دریائے ہڈسن دریائے مشرق کا ہی رخ کرنا پڑتا۔ اس معاملے میں بہت حاسد ہوں۔"

"واپسی سے پہلے میں ضرور اس سے ملوں گی لیکن میرے ساتھ نہیں ہو گے۔ وہ بہت پرکشش لڑکی ہے اور ذرا دل پھینک بھی واقع ہوئی ہے۔ شوہر کی پابندیوں میں قید ہوئے بغیر اپنی مرضی کی زندگی گزار رہی ہے۔ اس نے تمہیں ذرا بھی موقع دیا تو تم پھسل پڑو گے۔ میں یہ خطرہ ہرگز مول نہیں لوں گی۔"

"میں پھسلنے کے دور سے ذرا آگے نکل چکا ہوں۔ تمہارے جلنے اور کڑھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہو گا کہ تم کو نظر انداز کر کے مجھ سے دلچسپ باتیں کرنی شروع کر دے۔"

"تمہاری یہ خوش فہمیاں مجھے ہر وقت تمہاری طرف سے بدگمان رکھتی ہیں۔"

"تمہاری بدگمانی کا تو یہ عالم ہے کہ تم جہاز پر خرم سلطان سے چڑنے لگی تھی.... پتا نہیں اب وہ بے چارا کس حال میں ہو گا اسے ہائی نیو یارک میں ڈالنے کے بعد ہم نے اس کی خبر ہی نہیں لی۔"

"اسے بھول جاؤ۔ اب تک وہ فلوریڈا جا چکا ہو گا۔ اس کے لیے تم نے بساط سے بڑھ کر خطرات مول لے ڈالے تھے۔ اسے کچھ ہوا ہوتا تو اخباروں میں خبر ضرور آتی۔ قتل اور جنس کو یہاں کے اخبار بھول کر بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ ہر اخبار اپنی کہانی کے ساتھ خبر بناتا ہے۔"

کھانے کے درمیان باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ شکم پری سے فارغ ہو کر ویرا نے مجھے کراچی فون کرنے کے لیے ٹوکا۔ میں خود بھی اس رابطے کے لیے فکرمند تھا۔ میں

کمرے سے چل دیا۔
ہوٹل کی فٹ پاتھ کے نکڑ والا فون بوتھ میں پہلے بھی استعمال کر چکا تھا۔ وہ اس وقت بھی خالی پڑا ہوا تھا۔ مِن ہٹن کے اس علاقے میں مکمل امن و امان تھا مگر وہاں سے چند میل شمال میں آئرک بیل کے آدمی آگ اور خون کی ہولی کھیل رہے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ مِن ہٹن کی کسی بھی ہائی رائز بلڈنگ کی اوپری منزل سے ہارلم میں بھڑکتے ہوئے شعلے صاف دیکھے جاسکتے ہوں گے۔
فون کا سلسلہ ملنے پر ریسیور غزالہ نے اٹھایا۔ اس کی ہیلو بہت پُرجوش تھی۔
''صبح بخیر.... کیا حال چال ہیں تمہارے.... سنا ہے بہت سیوا کروا رہی ہو اپنی!''
''میں بہت اداس ہوں۔ یہ سب میرا دھیان رکھتے ہیں مگر میں ہر وقت آپ کی کمی محسوس کرتی ہوں۔ واپس کب آرہے ہیں آپ؟ میں دن گن گن کر گزار رہی ہوں۔''
''ویرا کا انتقام اور میرا مشن کچھ وقت لے گا۔ تم اطمینان رکھو مائی ڈارلنگ، میں ضرورت سے زیادہ یہاں نہیں رکوں گا۔ یہاں کی بھاگ دوڑ اور خودغرضیوں سے مجھے اکتاہٹ ہونے لگی ہے۔''
''ویرا آپ کے ساتھ ہے۔ وہ ایسی خودغرض نہیں ہے۔ کیا اب بھی وہ الگ رہ رہی ہے؟'' ویرا کے ذکر پر غزالہ کی آواز میں ہلکا سا رقابت آمیز تجسس ابھر آیا۔
''ابھی تک ہم ایک ہی ہوٹل میں رہ رہے ہیں۔'' آخری لمحات پر جھوٹ بولنے کا ارادہ ترک کر کے میں نے محتاط الفاظ میں جواب دیا ''پتا نہیں کب ہمیں الگ ہونا پڑ جائے۔''
''اس کے ساتھ ایک ہوٹل میں رہنا زیادہ مشکل نہیں ہے لیکن ایک کمرے میں ... رہ وہ آپ کو امتحانوں میں ڈالتی رہے گی۔'' غزالہ کے جوابی تبصرے نے میری پیشانی عرق آلود کر دی۔ غنیمت یہ تھا کہ میرے محتاط الفاظ سے اس نے وہی نتیجہ اخذ کیا تھا جو میں چاہ رہا تھا۔
''تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں اُس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ تم اپنا خیال رکھو اور میری کامیابی کے لیے دعا کرتی رہو۔ باہر نکلا ہوں تو اب سُرخ رو ہو کر ہی لوٹوں گا۔''
''میں ہر وقت آپ کے لیے دعائیں مانگتی رہتی ہوں۔ آپ کی آواز سن کر اس وقت میں آسمان پر اُڑ رہی ہوں۔ کیا آپ مجھے روز فون نہیں کر سکتے؟'' اس کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔
''کوشش میری بھی یہی ہوتی ہے مگر مجبوریاں آڑے آجاتی ہیں۔ اس وقت بھی ایک ویران بوتھ سے تم کو فون کر رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ہوٹل میں کسی کو پاکستان سے میرے گہرے روابط کا علم ہو۔ یہ انکشاف میرے لیے سنگین خطرات پیدا کر سکتا ہے۔''
''خدا آپ کو حفظ و امان میں رکھے۔ اول خان آگئے ہیں۔ ان سے بات کرلیں۔''
اول خان ہمیشہ اور ہر حال میں پُرامید اور پُرجوش رہنے والا شخص تھا۔ طویل رفاقت میں، میں نے اسے ایک دو بار ہی مایوس دیکھا تھا ورنہ وہ فوجی اصطلاح کے مطابق ہمیشہ ہائی مورال میں رہنے کا عادی تھا۔ اس وقت بھی اس نے گھن گرج کے ساتھ گفتگو کی ابتدا کی تھی۔
اس کی دانست میں کراچی کے حالات بظاہر اعتدال پر تھے۔ اول خان ان دنوں مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن ریکٹ ہی کے معاملات میں الجھا ہوا تھا۔ راگ ورنگ اور عیش وعشرت کی محفلوں میں مختصر یارانے پیدا کرنے کے عوض قومی مفادات دشمنوں کے حوالے کرنے والوں میں ایسے ایسے پردہ نشینوں کے نام سامنے آرہے تھے کہ ہر گرفتاری سے پہلے حکومت کے اعلیٰ اہلکاروں کو سر جوڑ کر گرفتاری کے بعد رونما ہونے والی صورت حال کی پیچیدگیوں پر غور کرنا پڑ رہا تھا۔
میری بلکہ بدری اور رمیش اگروال کی کراچی میں موجودگی تک امریکی مشن کا نک موڈلے اپنی تخریبی سرگرمیوں میں بہت پیش پیش تھا لیکن سلطان شاہ کے پاکستان سے اغوا اور پھر قبرص سے انقرہ کے راستے بازیابی کے انتہائی خفیہ واقعات سے باخبر ہونے کے بعد پسپا ہو گیا تھا۔

اس پورے قصے میں آئزک بیل نے اسے بری طرح نظر انداز کر کے جس رازداری سے اپنے خاص آدمیوں کو استعمال کیا تھا، اس نے تک موڈلے کو اس کی اصل اوقات یاد دلا دی تھی۔ اس کی وہ خاموشی محض بد دلی کا نتیجہ ہو سکتی تھی۔

واقعات جس نہج پر جا رہے تھے وہ ہمارے مفادات کے لیے مناسب ترین تھی۔

کراچی کے بارے میں اس طویل گفتگو کے بعد میں نے اول خان سے سلطان شاہ کی خیریت دریافت کی تو اس نے ایک گہرا سانس لے کر بتایا کہ وہ انقرہ کے ملٹری اسپتال میں دھیرے دھیرے رُوبہ صحت ہو رہا تھا لیکن اس کے لیے خطرات بدستور باقی تھے۔

ایوب آغا کی سرتوڑ کوشش اور ترکی کے فوجی حکام کے بھرپور تعاون کے نتیجے میں اس اسپتال کی دن رات کڑی نگرانی کی جا رہی تھی اور اس دوران میں دو مشتبہ آدمیوں کو اسپتال میں گھسنے کی کوشش کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔

افسوس ناک بات یہ تھی کہ وہ دونوں ہی انقرہ کے مقامی بدمعاش ثابت ہوئے تھے۔

ان میں سے ایک کے قبضے سے بے آواز ریوالور برآمد ہوا تھا۔ دوسرے کے پاس ایک سریع الاثر زہر سے بھری ہوئی ایسی سرنج تھی جو شکاری یا حیوانی ماہرین دور سے پھینک کر خطرناک درندوں کو بے ہوش کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ دور سے پھینکی جانے والی سرنج کی سوئی جسم میں پیوست ہوتے ہی، جھٹکے کے زور میں سرنج کا سیال شکار کے جسم میں اتر کر اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔

وہ خبر آئزک بیل کی دھمکی کے عین مطابق تھی۔ مشکل یہ تھی کہ ملٹری اسپتال کے ایک مریض کے خلاف قاتلانہ عزائم کا اعتراف کرنے کے باوجود دونوں ترک اس غیر ملکی کے بارے میں کوئی قابلِ ذکر بات نہیں بتا سکے تھے جس نے انہیں فون پر اس کام کے لیے آمادہ کر کے نہایت رازدارانہ طور پر طے شدہ رقم کے لفافے پہنچائے تھے۔

''ہر طرف سے ناکامیوں کے زخم کھانے کے بعد اب آئزک بیل سلطان شاہ کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔ اس کے لیے غیر معمولی خبر گیری ضروری ہو گئی ہے۔'' میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

''ان دونوں مشتبہ افراد کی گرفتاری ترک حکام کی گہری دلچسپی کا ثبوت ہے۔ انقرہ میں اس کی حفاظت کے لیے اب تک غیر معمولی انتظامات کیے جا چکے ہوں گے۔''

''کوشش کرو کہ اب اسے جلد از جلد کراچی منتقل کر دیا جائے۔'' میں نے مشورہ دیا۔

''جب تک اس کے معالج اسے سفر کے قابل قرار نہیں دیتے، کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ ذرا مدن موہن والا اونٹ کسی کروٹ بیٹھ جائے تو میں خود ایک دن کے لیے انقرہ جانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ اگر اس کی حالت بھی بہتر ہوئی تو میں اپنی ذمے داری پر اسے کراچی لے آؤں گا۔''

''اپنے گھر اور اپنی مٹی کی بات اور ہی ہوتی ہے۔ اپنوں کے درمیان لوٹ آنے کا احساس ہی سلطان کی طبیعت تیزی سے بحال کرنے کے لیے کافی ہو گا۔''

ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی ''گھر، گھر ہی ہوتا ہے۔ آج کل شہر بھر میں باری باری دو گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ ہو رہی ہے۔ ہماری باری خبر نامے کے وقت آتی ہے لیکن پھر بھی بے فکری ہے۔ ان دو گھنٹوں کے لیے میرا بجلی سے کام کرنے والا کارڈلیس فون ناکارہ ہو جاتا ہے۔ آج اس کے ساتھ ایک عام انسٹرومنٹ بھی لگا لوں گا تاکہ دو گھنٹے کی اس بے خبری سے نجات مل جائے۔''

''یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔ کسی وقت ان مسائل سے نجات مل ہی جائے گی۔ یہاں بجلی کے بغیر معمول کی زندگی کا چلنا ناممکن ہے۔ نہیں یہ لوگ کیسے اپنا نظام چلا رہے ہیں کہ یہاں لوڈ شیڈنگ اور بریک ڈاؤن کا تصور ہی نہیں ہے۔''

ایک لانگ ڈسٹنس کال پر وہ رونا گانا وقت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں تھا لیکن بات اول خان

چھیڑی تھی۔ اس کے دل جوئی کے لیے میں اس کا ساتھ دیتا رہا پھر چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے ریسیور کریڈل ہک پر لٹکا دیا۔

فون کارڈ جیب میں ڈال کر میں بوتھ کے دروازے کی طرف پلٹا تو لمحہ بھر کے لیے میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔

بوتھ کے قریب فٹ پاتھ پر ایک جسیم اور صحت مند سفید فام دونوں ہاتھ بغلوں میں دبائے کھڑا تھا اور میری طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں خباثت نہ جھلک رہی ہوتی تو میں یہ سمجھ کر اسے نظر انداز کر دیتا کہ وہ وہاں کھڑا میری کال ختم ہونے کا انتظار کر رہا ہوگا۔ ویسے بھی اس وقت تک نیویارک کی بیشتر خرابیاں سیاہ فاموں کے حوالے سے میرے سامنے آئی تھیں لیکن اس کی للکارتی ہوئی حریصانہ نظروں نے میری ذہن میں فوراً ہی خطرے کی گھنٹی بجا دی۔

میں نے بوتھ کا دروازہ کھول کر نکلنے سے پہلے آس پاس کا جائزہ لیا۔ وہاں دور دور تک کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں واپسی کا ارادہ ترک کر کے بوتھ ہی میں رکا رہتا تو وہ میری خوف زدگی کا اندازہ لگا کر شیر ہو سکتا تھا۔ وہ زبردستی بوتھ میں گھسنے کی کوشش کر سکتا تھا یا پھر شیشہ توڑ کر مجھے زخمی کر سکتا تھا۔ سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ میں غیر مسلح تھا۔ محض فون کرنے کے لیے نیچے آتے ہوئے جیب میں ہتھیار ڈالنے کی ضرورت میں نے محسوس ہی نہیں کی تھی۔

میں نے تن بہ تقدیر ہو کر فون بوتھ کا دروازہ کھولا۔ وہ جسیم امریکی ایک لمبا ڈگ لے کر میرے قریب آیا۔ اس کے دونوں ہاتھ بغلوں سے برآمد ہوئے اور اس کا داہنا ہاتھ میری پسلیوں سے جا لگا۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے کس چھوٹے ریوالور کی آہنی نال کا دباؤ اس کے ہاتھ کے لمس سے زیادہ سنگین تھا۔

''جیبیں خالی کرو ورنہ گولی مار دوں گا۔'' وہ سرسراتی ہوئی درشت آواز میں بولا۔

اس کی آنکھوں میں وحشت اور چہرے پر سفاکی لہرا رہی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ میں نے اس کے حکم کی تعمیل میں ذرا بھی تاخیر کی تو وہ بے دریغ فائر کر کے لمحہ بھر میں مجھے جنت مکانی بنا دے گا۔

میں نے جوں ہی جیب میں ہاتھ ڈالنا چاہا، اس نے کہنی مار کر مجھے روکا اور پھر خود ہی میری جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

یہ میری یا اس کی خوش نصیبی تھی کہ پہلی ہی جیب سے اسے سو، سوا سو ڈالر مل گئے۔ اس نے ان ڈالروں پر ایک حریصانہ نظر ڈال کر اپنی جیب میں اُڑسا پھر میری بائیں کلائی پر ہاتھ مارا جہاں رسٹ واچ نہیں تھی۔ وہ دانت پیس کر خود کلامی کے انداز میں ادھوری گالیاں دینے لگا۔

وہ واقعی کوئی پیشہ ور رہزن تھا اور ایسی وارداتوں میں وقت کی اہمیت سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ لوٹ مار کر کے سرعت سے فرار ہونے کے بجائے شکار کو پوری طرح نچوڑنے کے چکر میں پڑنے والے لٹیرے عام طور پر پکڑے جاتے ہیں۔ اس نے میرے اوپر ضرورت سے ایک لمحہ بھی زیادہ صرف نہیں کیا۔

اسے میرے پاس سے شاید توقع سے زیادہ رقم مل گئی تھی۔ رسٹ واچ ہاتھ نہ آنے پر اس نے ریوالور کی نال سے مجھے زور سے پیچھے دھکا دیا اور دانت پیس کر ہذیانی لہجے میں بولا۔ ''ڈون کم بی ہائنڈ می یو باسٹر.... آئی شوٹ!''

وہ اس کی گوراشاہی، جاہلانہ انگریزی تھی جس میں الفاظ کے آخری حصے اس کے حلق ہی میں اٹک گئے تھے مگر میں نے اس کے ایک ایک لفظ کو اچھی طرح سمجھ کر جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اپنے پیچھے نہ آنے کی دھمکی دے کر وہ تیزی سے سڑک کے پار دوڑتا چلا گیا۔

میں نے اپنی زندگی میں خود کو بڑے بڑے سفاک حریفوں کے سامنے بھی کبھی خود کو اتنا بے بس نہیں پایا تھا جتنا نیویارک کے اس اچکے کے سامنے ہو گیا تھا۔ نقدی اور قیمتی اشیاء کی تلاش میں راہ گیروں کو تشدد کا نشانہ بنانے والے ایسے مجرموں کے ردعمل کے بارے میں کبھی کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔ کبھی وہ اپنے شکار

کے جارحانہ تیور دیکھتے ہوئے دُم دبا کا خالی ہاتھ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اور کبھی کنگال شکار کے قبضے سے کچھ نہ ملنے پر غصّا کر اسے گولی تک مار دیتے ہیں۔

بلائے بود و لے بخیر گزشت۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ناگہانی طور پر نازل ہونے والی وہ آفت محض تھوڑے سے ڈالروں کی بھینٹ لے کر گزر گئی تھی۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نیویارک جیسے شہرۂ آفاق اور بین الاقوامی شہر کے باسی غیر ملکیوں کو اپنے شہر کی اچھی اور بڑی شہرتوں کے چیدہ چیدہ نمونے دکھانے میں اتنی عجلت سے کام لیتے ہوں گے۔

دراصل وہ قصور میرا ہی تھا۔ نیویارک کے رہنے والے اور تجربے کار سیاح اس وقت ویران سڑکوں پر کہیں مارے مارے نہیں پھر رہے تھے۔ ان اوقات میں شہر میں لاحق ہونے والے خطرات سے ناواقف اور ضرورت سے زیادہ پُر اعتماد غیر ملکی ہی ویران سڑکوں پر بنے ہوئے چوہے دانوں میں اپنی پسند کا چوہے دان تلاش کرتے ہیں اور اندر قدم رکھتے ہی کسی رہزن کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔

میری جیب خالی ہو چکی تھی۔ اگر بوتھ سے ہوٹل تک کے سیدھے راستے پر مجھے کوئی دوسرا اچکا مل جاتا تو اسے پیش کرنے کے لیے میرے پاس پھوٹی کوڑی بلکہ ایک سینٹ تک نہیں رہا تھا۔ سگریٹ سلگا کر میں نے اپنی رفتار بڑھا دی تاکہ جلد از جلد ہوٹل کی چار دیواری میں پناہ لے سکوں۔

میں چین پلازہ کے قریب پہنچا تو ہوٹل کا ایک دربان برآمدے کی سیڑھیوں سے فٹ پاتھ پر اتر کر شاید میرا ہی انتظار کر رہا تھا۔

''آپ ٹھیک تو ہیں، سر؟'' میرے قریب پہنچنے پر اس نے خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر کہا ''تمہیں اس غیر معمولی مزاج پُرسی کا خیال کیسے آ گیا؟''

''میں دیکھ رہا تھا۔ بوتھ کی روشنی میں شاید کسی رہزن نے آپ کو روک لیا تھا۔'' اس نے دانت نکال کر مجھے آگاہ کیا پھر بے تکلفی سے پوچھا۔'' وہ کتنے چھین کر لے گیا؟''

مجھے غصہ آ گیا۔ لاتعلقی سے پورا تماشا دیکھ کے بعد وہ میرے تازہ زخم پر نمک پاشی کر رہا تھا۔'' بڑ شرم کی بات ہے۔ تم سب کچھ دیکھ اور سمجھ رہے تھے تم نے ذرا بھی مداخلت نہیں کی۔''

''سوری سر! میں یہاں ڈیوٹی پر ہوں۔ بوتھ یہا سے بہت دور ہے۔ میں اسے للکارتا تو وہ آپ کو کر کے بھاگ جاتا اور الزام میرے سر آ جاتا۔ اس بہترین علاج یہی ہے کہ آدمی اپنی جیب یا پرس میں وقت پچیس پچاس ڈالر ضرور رکھے۔ ان کی توقعات سے زیادہ نہیں ہوتیں۔''

میں اس کے منہ لگے بغیر عمارت میں داخل ہو گیا۔

اوپر ویرا شب خوابی کا اشتعال انگیز مغربی لبا زیب تن کر کے سونے کی تیاری کر چکی تھی۔ میں نے ا پر کوئی کڑوا کسیلا تبصرہ کرنے کے بجائے یکسر نظر ا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''کراچی سے تمہارے لیے نیک خواہشات پیغام لایا ہوں وہاں سب خیریت ہے۔''

''وہاں سے رابطہ نہ ہونے پر میں ایک خلا سا مح کر رہی تھی۔ اچھا ہوا کہ تم نے اس وقت ہمت کر باہر سے بات کر لی۔ میں نے بھی یہ وقت پوری طر استعمال کیا ہے۔''

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے سونے کی پوری تیا کر لی ہے۔'' میں نے بے رخی سے کہا۔

''میں نے ڈیوڈ اسٹارز کے مرکزی دفتر کا سرا لیا ہے۔ ابھی تک ہم انہیں بھولے ہوئے تھے۔'' نے فخریہ لہجے میں آگاہ کیا۔ ''وہ بھی رنکس کے دفتر آس پاس دوسری اسٹریٹ پر پائے جاتے ہیں۔''

''آج تم ٹیلی فون ڈائریکٹری کو بائبل کے طو استعمال کر رہی ہو۔'' میں نے کہا۔

''بائبل کی تقدس کو اتنی بے رحمی سے مجروح نہ کر وہ بھی ایک الہامی کتاب ہے، اس کو اصل مقام

گرانے کا کام اس کے پیروکار بہت سن دہی سے سرانجام دے رہے ہیں۔"

"تم ہمیشہ بات کو منفی رخ پر لے جاتی ہو۔ میں نے بائبل کی کیا توہین کی ہے؟"

ویرا نے اشتباہ آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور پوچھا۔ "تمہارے ذہن میں لندن کے ماسٹر رابرٹ ہوٹل کی وہ بائبل نہیں آئی تھی جس کے پہلے صفحے پر کسی کال گرل نے فون نمبر کے ساتھ اپنا ذومعنی پیغام لکھا ہوا تھا؟ میں نے تو ڈائریکٹری پر ایک لفظ تک نہیں لکھا۔"

"ایسا گند تمہارے تنگ دماغ میں اٹک کر رہ جاتا ہے۔ میں اس واقعے کو اسی دن بھول چکا تھا۔"

"میرے دماغ کی کشادگی کا یہ حال ہے کہ میں ڈیوڈ اسٹارز کے دفتر فون کر چکی ہوں۔"

"آئزک بیل سے مذاکرات کیسے رہے؟" میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"جلی کٹی باتیں مت کرو۔ اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ ریکارڈنگ مشین منسلک تھی۔ میں نے بدلی ہوئی مردانہ آواز میں اس پر پیغام چھوڑ دیا ہے کہ اسحاق گھنٹی کسی بڑی بربادی سے بچنا چاہتا ہے تو وہ کل شام چار بجے ڈیوڈ اسٹارز کے دفتر میں موجود رہے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ وہ اس ہدایت پر سعادت مندی سے عمل کرے گا؟"

"نہ کرے.... اسے پیغام ضرور ملے گا۔ یہ خیال اس کے لیے سوہانِ روح بن جائے گا کہ تم اس کے گرد گھیرا تنگ کرتے جا رہے ہو۔ پریشانی کے عالم میں وہ صحیح وقت پر صحیح فیصلے کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو کر رہ جائے گا۔ اس وقت اس کی ناکامیاں بھی ہماری کامیابی میں شمار ہوں گی۔"

"ایسی ہی کوشش سوسائٹی فار ہیروئن اریڈی کیشن میں بھی کی جا سکتی ہے۔"

"میں بتا چکی ہوں کہ امریکا میں عملی طور پر شی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ڈائریکٹری میں اس کا کوئی فون نمبر نہیں مل سکا ورنہ میں وہاں بھی فون ضرور کرتی۔ سی ایس ڈی کی افادیت کے بارے میں اسحاق گھنٹی کے اعتراف کے بعد میں پوری بے حسی سے فون استعمال کر رہی ہوں۔"

ہوٹل سے تھوڑی دور سنسان سڑک پر ایک رہزن کے ہاتھوں لٹنے کا واقعہ میری لیے اتنا ہتک آمیز تھا کہ میں نے ویرا سے اس کا ذکر ہی گول کر دیا۔

ہوٹل کے محفوظ کمرے میں وہ رات بہت سکھ چین سے گزر گئی لیکن صبح کے اخبارات کی لرزہ خیز سرخیوں نے میرا دل بوجھل کر دیا۔

فسادات کی تباہ کاریوں میں متعدد افراد کے زخمی ہونے کے ساتھ نو افراد اندھا دھند چلائی جانے والی گولیوں کی زد میں آ کر مارے گئے تھے۔ بلیک ڈیڈ کے معروف دوستوں کے ایک کیسینو اور دو شراب خانوں کو نامعلوم حملہ آوروں نے کھنڈرات میں تبدیل کر کے چار افراد کو زندہ جلا دیا تھا۔ صبح سویرے تک پولیس ہارلم کے مضافات میں اپنے قدم جما سکی تھی۔ مرکزی حصے تک رسائی کا ہر راستہ بری طرح مسدود کر دیا گیا تھا۔

اخبارات والوں کے لیے نیویارک کے جرائم پیشہ افراد کی پرانی رقابتوں اور رنجشوں کے قصے راز نہیں تھے۔ ان تمام امکانات کی راہ میں سب سے بڑا سوالیہ نشان یہ تھا کہ اس بار فساد کا آغاز مشتبہ افراد کے کسی ٹکراؤ سے نہیں ہوا تھا بلکہ رنکس جیسے نیک نام ادارے کی رقم لے جانے والی گاڑی کو پیش آنے والی مبینہ رکاوٹ ان خوں ریز ہنگاموں کی بنیاد بنی تھی۔

نیویارک ٹائمز کا رپورٹر اپنے پیشہ ورانہ معاملات میں بہت بے خوف تھا۔ اس نے رنکس کی ساکھ پر براہ راست حملہ کیے بغیر یہ سوال اٹھایا تھا کہ ابتدائی حادثے میں ملوث ہونے والی رنکس کی گاڑی کے عملے کے بارے میں یہ تحقیقات ہونی ضروری تھیں کہ وہ سب یا ان میں سے کوئی اہم آدمی شہر کے کسی بڑے گروہ کے ہاتھوں بکا ہوا تو نہیں تھا۔

ان خبروں میں بلیک ڈیڈ کا نام ایک مظلوم فریق کے طور پر ابھرا تھا۔ اس کے تین قریبی دوستوں کے کاروباری ٹھکانے برباد کرنے کے بعد جلا دیے گئے تھے۔ وہاں چار آدمی زندہ جل مرے تھے۔ بلیک ڈیڈ

کے بقیہ ہمدردوں میں سے ہلاک یا زخمی ہونے والوں کی تعداد کا علم نہیں ہوسکا تھا۔شاید انہیں ان کے شکست خوردہ ساتھی خاموشی سے اٹھا لے گئے تھے۔

بہت کچھ کھل جانے کے باوجود اخبارات اور عوام کو شاید اندازہ نہ ہو پاتا کہ ان خونی ہنگاموں کی داغ بیل آئزک بیل نے ڈالی تھی مگر بلیک ڈیڈ کے لیے اپنے لہو کے پیاسے کو پہچاننا ذرا بھی دشوار نہیں تھا۔بس یہ سمجھنا مشکل تھا کہ آئزک بیل اس سے کیوں ناراض ہوا تھا۔

ہارلم میں اپنے تین اڈے اور متعدد آدمی گنوا دینے کے بعد یہ کسی طرح بھی ممکن نظر نہیں آرہا تھا کہ بلیک ڈیڈ جیسا بزدل اور مصلحت کوش شخص اپنے دشمن کے خلاف انتقام کی راہ پر چل پڑے۔زیرزمین دنیا کے ہرمینڈک کو اندازہ ہوتا ہے کہ کسی ہاتھی کے مقابلے پر میدان میں اترتے ہی اسے پیس کر نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

بلیک ڈیڈ ان نقصانات پر صبر کر کے خاموش رہتا یا پھر رابطوں کی کوئی درمیانی کڑی استعمال کر کے آئزک بیل کی برہمی کے اسباب جاننے اور پھر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کرتا۔ غالب امکان یہی تھا کہ وہ آخری راستہ اختیار کرتا۔ اس کے نتائج سامنے آنے میں کئی دن بھی لگ سکتے تھے۔اس دوران میں ہم اپنا کام آگے بڑھا سکتے تھے۔

گیارہ بجے ویرا نے جینی کے لیے رنکس کے دفتر فون کیا۔اپنا وہ فون نمبر جینی ہی نے اسے لکھوایا تھا۔اس پر بات کرنے میں یہ خطرہ نہیں تھا کہ رنکس کا کوئی فون آپریٹر ان دونوں کی گفتگو سن سکے۔ہمارے کمرے کے فون کے ساتھ نصب سی ایس ڈی نے ایسے امکانات پہلے ہی مسدود کیے ہوئے تھے مگر ویرا نے یہ بات جینی کو بتانی مناسب نہیں سمجھی تھی۔

جینی نے سب سے پہلے ویرا کو یہ خبر دی کہ ہیلن رائے اس کی توقع سے زیادہ سرپھری لڑکی ثابت ہوئی تھی۔نہ صرف یہ کہ اس نے رنکس کی ملازمت کو خیرباد کہہ دیا تھا بلکہ جینی کو فون کر کے صدمے سے رندھی ہوئی آواز میں یہ بتایا تھا کہ وہ رنکس انکاپوریٹڈ کے چیف کے گھناؤنے کردار کو بے نقاب کرنے کے لیے اخبار والوں سے رجوع کر رہی ہے۔

جینی نے اسے اس بڑے اقدام سے روکنا چاہا لیکن ہیلن رائے اپنی ضد پر اڑی رہی۔

اصل بات یہ تھی کہ خود جینی کو بھی ہیلن کی اس حرکت کے خوف ناک نتائج کا اندازہ نہیں تھا اور نہ وہ اس لڑکی کو خوف زدہ کر کے ارادہ بدلنے پر مجبور کر سکتی تھی۔

آئزک بیل جیسے نام نہاد معزز اور باحیثیت شہری کے خلاف اخبار والے ہیلن رائے کی ہر بات پوری توجہ سے سنتے اور ان تمام امکانات کو اپنے مخصوص مفادات کے لیے محفوظ کر لیتے لیکن ایک بڑی شخصیت کے خلاف ہیلن جیسی بے بساط لڑکی کی کہانی کو چھاپنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔

ہیلن کے پاس ایک نامعلوم شخص کے فون کی داستان کے سوا،اپنے بیان کے حق میں کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں تھا شاید رنکس کے دوسرے ملازمین اپنی نوکریاں بچانے کے لیے یہ اعتراف نہ کرتے کہ ہیلن نے ہارلم کا فساد شروع ہونے سے چھ گھنٹے پہلے ہی انہیں بتا دیا تھا۔ایسی کمزور کہانی کی اشاعت پر آئزک بیل ہتک عزت کا دعویٰ کر دیتا تو بعض اخبارات اپنے سارے اثاثے بیچ کر بھی اسے ہرجانے کی خطیر رقم ادا نہیں کر سکتے تھے۔

مجھے ہیلن رائے پر ترس آنے لگا۔ وہ لڑکی بہت نیک اور مخلص تھی۔اس نے دردمندی کے انسانی جذبے کے تحت اپنی لگی لگائی نوکری پر لات مار کر بے روزگاری کے پُرآشوب تجربے سے گزرنے کا فیصلہ کیا تھا۔امریکا میں ان دنوں بے روزگاری شباب پر تھی اور اچھی نوکری کا ملنا آسان نہیں تھا۔

وہ بے روزگار ہی نہیں ہوئی تھی۔اس نے نادانستگی میں اپنے لیے ایک بھیانک انجام منتخب کر لیا تھا۔اس کا یہودی نژاد ہونا بھی اسے آئزک بیل کے عتاب سے نہیں بچا سکتا تھا۔

یہ ایک الگ بات تھی کہ اس کے کیے ہوئے انکشافات کسی اخبار میں جگہ نہ پاتے۔خطرہ یہ تھا کہ نیویارک کے پریس میں یہودیوں کے دوستوں کی بھرمار تھی۔ڈیوڈ اسٹارز کا کوئی ہمدرد یا آئزک بیل کا کوئی خیر

خواہ اسے یہ خبر پہنچا دیتا کہ اس کے ادارے کی ایک سابقہ ملازمہ اس کے بارے میں ایک ناقابل یقین کہانی اشاعتی اداروں میں پھیلاتی پھر رہی ہے تو آئزک بنل کے ایک اشارے پر ہیلن کی زندگی کا چراغ گل کیا جاسکتا تھا۔

میں پاکستان سے عبدالستار ایدھی کی طرح انسانیت کی بھلائی کا کوئی عالمی مشن لے کر نیویارک نہیں پہنچا تھا۔ میرے سامنے میرے مقاصد بہت واضح اور متعین تھے۔ صحیح اور غلط، ہر طریقے سے مجھے وہ مقاصد حاصل کرنے تھے جن میں آئزک بنل کی ہلاکت و رسوائی سرفہرست تھی۔

ہارلم میں جو کچھ ہوا، اس پر خوشی کا اظہار نہیں کیا جاسکتا تھا، وہ کھلی ہوئی درندگی اور بربریت تھی۔ اس میں میرا کوئی عملی کردار نہیں تھا۔ میں نے اپنی گفتگو سے آئزک بنل کے شبہات کو تقویت ضرور پہنچائی تھی لیکن فیصلے اور پھر اس پر عمل کی پوری پوری ذمے داری اسی کی تھی۔ اپنی اس خون آشام کارروائی کے نتیجے میں آخر کار.... بدترین رسوائی اس کا مقدر بننے والی تھی۔

جس طرح آئزک بنل اور بلیک ڈیڈ کی لڑائی میرے مفاد میں تھی، اسی طرح ہیلن رائے کا اپنے چیف کی پس پردہ سرگرمیوں سے باخبر ہونا میرے لیے مفید تھا۔ رنکس کے ایمان دار ملازمین سے سینہ بہ سینہ چلتے ہوئے ان خبروں کو شہر بھر میں پھیلنا تھا۔ اس کے کرتوتوں کی وہ تشہیر آخر کار اسے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑتی۔ ملزم سے مجرم بننے کے بعد وہ بہت سی سہولتوں سے محروم ہوسکتا تھا۔

میں نے ہیلن رائے کو اعتماد میں لیا تو اس کا کوئی برا انجام میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اگر وہ کوئی غلط فیصلہ کر کے تباہی کے راستے پر چل پڑی تھی تو اسے روکنا میرے بس سے باہر تھا۔

ہیلن رائے سے سنی ہوئی پیش گوئیوں کے ہارلم میں لفظ بہ لفظ درست ثابت ہونے کے بعد جینی بھی اپنے چیف سے متنفر ہوچکی تھی لیکن وہ ہیلن کی طرح بے وقوف نہیں تھی۔

ہیلن رائے کے دفتر سے غائب ہونے کی باضابطہ اطلاع ملنے پر وہ خود آئزک بنل کے دفتر میں جا کر بیٹھ گئی اور مکمل تخلیے میں اس کی ٹیبل ڈائری، نوٹ بک اور غیر مقفل اشیا کا جائزہ لینے لگی۔ اس دوران میں وہ کار آمد نظر آنے والی ہر کاغذ کی فوٹو کاپی بھی تیار کرتی رہی۔

ہمارے عزائم کے عین مطابق وہ آئزک بنل کے دفتر میں ایسی شہادتیں تلاش کرتی رہی جنہیں منظر عام پر لا کر اس بھیڑیے کی مصنوعی ساکھ تباہ کی جاسکے۔

اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنی ان کوششوں میں کہاں تک کامیاب ہوسکے گی مگر پھر بھی اس نے خاصا مواد جمع کر لیا تھا۔

متعدد کاغذات کی نقول سے زیادہ اہم سبز رنگ کی وہ فائل تھی جو جینی کو آئزک بنل کی میز کی درازوں کے پیچھے رکھی ہوئی ملی تھی۔

اس فائل میں بہت قیمتی اور موٹے کاغذ پر انگریزی حروف میں ٹائپ کیے ہوئے پانچ صفحات موجود تھے۔ حروف انگریزی ہونے کے باوجود اس طویل دستاویز کا ایک لفظ بھی جینی کے پلے نہیں پڑ سکا تھا۔ وہ انگریزی رسم الخط میں لکھی جانے والی کئی زبانوں سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتی تھی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ کوئی مروجہ زبان نہیں تھی۔

جو کچھ لکھا تھا، وہ یقیناً کسی نامانوس اور خفیہ زبان میں تھا۔ اس تحریر کے آخری صفحے کے اختتام پر چار دستخط تھے۔ ان میں سے کسی کا نام پڑھنے میں نہیں آ رہا تھا لیکن آئزک بنل کے دستخط جینی کے لیے نئے نہیں تھے۔ وہ رنکس میں ملازمت کرنے کی وجہ سے اپنے چیف کے دستخط روز ہی دیکھنے کی عادی تھی۔

وہ فائل آئزک بنل کی میز میں اس طرح چھپا کر رکھی گئی تھی کہ ساری درازیں کھول کر بھی اس کا پتا نہیں چلایا جاسکتا تھا۔ جینی کو درازوں کے پیچھے سے اپنے کچھ گمشدہ کاغذات ملنے کا پرانا تجربہ تھا اس لیے اس نے آئزک بنل کی درازوں کے پیچھے کا بھی جائزہ لے ڈالا اور یوں وہ پانچ ورقی فائل اس کے ہاتھ لگ گئی۔

جینی نے ان کاغذوں کی فوٹو کاپی کرنے کے بجائے پوری فائل ایک بڑے لفافے میں چھپالی تھی اور اسے ویرا کے حوالے کرنے پر آمادہ تھی۔

آئزک بیل کے کمپیوٹر کو چلانے میں جینی بری طرح ناکام ہوئی تھی۔ اس کا پروگرام کچھ ایسا تھا کہ ابتدا میں ہی کمپیوٹر پاس ورڈ طلب کرتا تھا جس سے جینی لاعلم تھی۔ اس نے پاس ورڈ کے لیے اپنی سوچ کے مطابق بہت سے الفاظ استعمال کیے لیکن پروگرام چلا کر آئزک بیل کی ریکارڈ کی ہوئی معلومات تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔

ویرا کے بارے میں جینی بہت حساس تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ ویرا اس کے قریب آئی تو وہ دونوں مشکلات سے دوچار ہوجائیں گی۔ دوسری طرف وہ آئزک بیل کے دفتر سے حاصل کیے ہوئے کاغذات زیادہ دیر تک اپنے پاس رکھنے پر تیار نہیں تھی۔ ڈاک کا استعمال خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اس الجھن کا وہ دونوں کوئی حل نہیں نکال سکی تھیں۔

''کوئی راہ نظر نہیں آئی تو شام کو گھر واپس جانے سے پہلے جینی وہ فائل واپس رکھ دے گی اور فوٹو کاپیاں تلف کردے گی..... فی الحال وہ اس کھیل میں ایک فریق بننے کے موڈ میں نہیں ہے۔'' جینی سے ہونے والی گفتگو دہرانے کے بعد ویرا نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

''وہ کاغذات ہمارے ہاتھ آنے چاہئیں۔ شاید ہمیں اسحاق کے بارے میں کچھ اہم باتیں معلوم ہوجائیں۔ جب تک وہ زندہ ہے، ہمیں کچھ نہ کچھ کرتے رہنا پڑے گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''جینی مجھ کو اس لیے دور رکھنا چاہ رہی ہے کہ ایک زمانے میں امریکا میں میری بہت تشہیر ہوئی ہے۔ ابھی حال میں چھپنے والے انعامی اشتہاروں نے لوگوں کی یادداشت کو تازہ کردیا ہوگا.....''

میں نے اس کی بات کاٹ دی ''نیویارک آنے کے بعد سے تم گوشہ نشین نہیں ہو۔ ضرورت کے تحت باہر نکل رہی ہو مگر کسی نے تمہیں نہیں پہچانا۔ جینی کیوں ڈر رہی ہے؟''

''دوسرے نہیں پہچان سکیں گے۔ اسحاق گھنٹی کے آدمی شاید پہچان لیں۔ جینی کو یہ خوف بھی ہے کہ کہیں اس کی نگرانی نہ ہورہی ہو۔ اگر اس کا یہ خدشہ درست ہے تو پھر اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ یہاں ہم ایک بار پکڑے گئے تو مر کر بھی نجات حاصل نہیں کرسکیں گے۔''

''ہاتھ آئے ہوئے کاغذات کو ٹھکرا کر ہم جھک مارتے رہ جائیں گے۔''

ویرا نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پُرخیال لہجے میں کہا۔ ''میرے بجائے تم جینی کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے؟''

''میں نے سوچا تھا لیکن تمہاری وجہ سے خاموش رہا۔ تم مجھے اس سے دور رکھنا چاہتی ہو کیونکہ میں اسے دیکھتے ہی پھسل جاؤں گا اور وہ مجھے تل کر کھا جائے گی۔''

''وہ رضامند ہوگئی تو تم بے خوف و خطر رنکس کے دفتر میں چلے جاؤ گے؟''

''ان کے پاس میری کوئی تصویر نہیں ہے۔ صرف میری رنگت ہی مجھے مشکوک بناسکتی ہے۔ وہاں سے اسحاق کی غیر حاضری کی صورت میں شاید یہ خطرہ بھی نہیں ہے۔''

''اگر تم سنجیدہ ہو تو میں اس سے بات کروں؟'' ویرا نے بے یقینی سے پوچھا۔

''ضرور کرو..... یہ بھی کہہ دینا کہ لفافے میں اسحاق گھنٹی کی دو چار ایسی تصاویر بھی ڈال دے جن کے سہارے اس کی شناخت آسانی سے ہوسکے اور ہاں، اسے میرا شجرہ نہ بتا ڈالنا۔ میں تمہارے قاصد کے طور پر اس سے ملنا پسند کروں گا۔''

''قاصد کے بجائے بوائے فرینڈ زیادہ مناسب رہے گا۔ وہ خود بھی شادی کیے بغیر ذہنی سکون کی زندگی گزار رہی ہے۔ تجرد کی زندگی گزارنے والوں کی ان ضروریات کو خوب سمجھتی ہے۔''

میں خاموش رہا۔ میری خاموشی کو رضامندی سمجھ کر ویرا فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔

چند منٹ تک فون پر بات کرنے کے بعد وہ مجھے

بتانے لگی۔ ''پروگرام طے ہوگیا ہے۔تم اس کے سامنے اپنی شناخت کے لیے ایک ڈالر کے نوٹ کا آدھا حصہ پیش کرو گے اور وہ لفافہ تمہیں دے دی گی۔اس بڑے لفافے کو پوشیدہ رکھنے کے لیے تمہیں بریف کیس ساتھ لے جانا ہوگا۔''

''وہ بعد کی باتیں ہیں۔عمارت میں داخلے کا مرحلہ کیسے نمٹے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ گیٹ پر بتا دے گی۔تم اسٹینڈرڈ اسٹیشنری سپلائرز کے نمائندے کے طور پر وہاں جاؤ گے اور چند منٹ کی ملاقات کے بعد لوٹ آؤ گے۔تمہارے لیے میرا نام صرف روزی ہے۔اپنے لیے جو نام چاہو، منتخب کرلینا۔''

''یہ چند منٹ کی شرط تمہاری ہے یا جینی نے عائد کی ہے؟''

''میری طرف سے تمہیں کھلی اجازت ہے۔چاہو تو اسحاق کھنٹی کی واپسی تک اس کے ساتھ رہو۔میری جوتی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''تعجب ہے کہ تم اپنی جوتی کی مرضی پر چلتی ہو۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں خاصی مہنگی پڑی ہے۔''

''اس کے سامنے زیادہ چرب زبانی کا مظاہرہ نہیں کرنا۔وہ اس وقت ذہنی دباؤ میں ہے۔''

''تم فکر نہ کرو۔میں آدمی دیکھ کر بات کرتا ہوں۔ ہر ایک کے ساتھ لات جوتی استعمال نہیں کرتا۔ یہ رعایت صرف تمہارے لئے مخصوص کی ہوئی ہے۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

''میری رو بھکنے سے پہلے یہاں سے نکل جاؤ تو فائدے میں رہو گے۔'' اس نے مجھے گھورتے ہوئے سرد مہری سے کہا''تمہاری کنپٹیاں سہلا دیں تو تم کافی دیر کے لیے ناکارہ ہو جاؤ گے۔''

وہ تجربہ یاد آتے ہی میں پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

مجھے تیار ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔چلنے سے قبل میں نے اپنے بریف کیس میں ریوالور بھی رکھنا چاہا لیکن ویرا نے مجھے منع کر دیا۔

رنکس ایک سیلیوریٹی ایجنسی تھی۔وہاں آنے والوں کی جامعہ تلاشی یا دستی سامان کی تلاشی کا امکان خاصا قوی تھا۔ابتدا ہی میں میرے بریف کیس سے کوئی ہتھیار برآمد ہو جاتا تو ٹرپل ایس کے نمائندے کی حیثیت سے میری پوزیشن مشکوک ہو سکتی تھی کیونکہ دنیا بھر میں کہیں بھی ہتھیار کے بل پر اسٹیشنری کی فروخت کا رواج نہیں ہے۔

چالیس ویسٹ، کنال اسٹریٹ۔یہ اس عمارت کا مختصر سا پتا تھا جس میں رنکس کا دفتر واقع تھا۔مین ہٹن کے وسطی علاقے سے گزر کر جنوبی حصے میں داخل ہوتے ہی بھیڑ بھاڑ اور رونق کا آغاز ہوگیا۔اس علاقے میں وہ میرا دوسرا زمینی سفر تھا۔

مین ہٹن کی حد تک نیویارک کے ٹیکسی ڈرائیور بھی لندن والوں کی طرح اپنے کام میں بہت مشاق ہیں۔ ان میں امریکی کم اور غیر ملکی زیادہ نظر آتے ہیں۔وہ سب ہی مین ہٹن میں محض پتا سن کر مسافر کو براہ راست اس کی منزل تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس کام میں ڈرائیوروں کی یادداشت یا مہارت سے زیادہ مین ہٹن کی شہری ترتیب کا دخل ہے۔ مجھے وہاں بار بار یہ خیال آتا رہا کہ اسلام آباد کی پوری منصوبہ بندی مین ہٹن کے طرز پر کی گئی ہے یہ اور بات ہے کہ زمین کی فراوانی اور سرمائے کی قلت کی وجہ سے اسلام آباد میں اونچی عمارتیں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔

اس کثیر المنزلہ عمارت پر کسی نام کے بجائے پیتل کے چمکتے ہوئے حروف اور ہندسوں میں وہ لکھا ہوا تھا جو ویرا نے مجھے بتایا تھا۔

میں نے عمارت کے منقش فولادی دروازے کے پہلو میں لگا ہوا دیوار گیر بٹن دبایا پھر انٹر کام پر سوال کرنے والے کو اپنی شناخت بتائی۔فوراً بزر کی آواز کے ساتھ فولادی دروازے کا ایک حصہ پہلو میں سرک گیا اور اس عظیم الجثہ دروازے میں ایک عام گھریلو پٹ کے برابر قد آدم خلا نمودار ہوگیا۔

راہداری میں مجھے سروسز اینڈ سیکیورٹی کی تختی والی کھڑکی پر رک کر رہنمائی لینی پڑی کیونکہ مجھے عام لفظوں

کے بجائے رنکس کی مخصوص لفٹ استعمال کرتی تھی۔

گیارہویں منزل پر لفٹ سے باہر نکلتے ہی میں نے خود کو دمکتے ہوئی ایک پُرشکوہ دفتر کی راہداری میں موجود پایا۔ دفتر کی تعمیر اور تزئین میں شیشے اور لکڑی کا استعمال فراخ دلی کے ساتھ کیا گیا تھا۔ فرش سے سقف گیر روشنیوں تک ہر چیز گرد وغبار سے محفوظ چمک رہی تھی۔

راہداری میں انتظامی، مالیاتی اور دیگر شعبوں کی رہنمائی کرنے والی تختیاں موجود تھیں۔ مجھے قدرے حیران پا کر کہیں سے ایک مسلح باوردی شخص نکل آیا۔ وہ اس سے پہلے مجھے نظر نہیں آیا تھا۔

میرے استفسار پر اس نے انتظامی شعبے کی طرف ہاتھ اٹھا کر خالص امریکی لب و لہجے میں کہا ''سیدھے جا کر سیدھے ہاتھ پر دوسری راہداری میں مڑو۔ بائیں ہاتھ کا آخری کمرا للّی کا ہے۔''

کسی امریکی دفتر سے میرا پہلا رابطہ تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ دفتر کا ایک معمولی گارڈ ادارے کے سب سے بڑے عہدے پر فائز خاتون کا نام بے تکلفی بلکہ بے ادبی سے لے رہا تھا۔

وہ میری ابتدائی حیرت تھی۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ امریکا میں عہدوں میں امتیاز کے لئے تخاطب کی احتیاط کو بالکل لغو سمجھا جاتا ہے۔ ہر چھوٹا بڑا ایک دوسرے کو اس کے پہلے نام سے پکارتا ہے۔ اپنے فرائضِ منصبی سے متعلقہ ہر کام خود کرنا پڑتا ہے۔ فائل یا کاغذ ایک میز سے دوسری میز پر پہنچانے کے لیے چپراسیوں کی فوج نہیں پالی جاتی۔ کاغذ لے کر خود دوسرے کے پاس جانا ہوتا ہے۔

میں اس کی بتائی ہوئی سمتوں میں مڑ کر بائیں ہاتھ پر واقع آخری کمرے کے سامنے پہنچا تو شیشے کے دروازے میں سے اندر بیٹھی ہوئی خاتون کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ ویرا کی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ پُروقار اور کشش انگیز تھی اور سر جھکائے کچھ لکھ رہی تھی۔

دروازے پر دستک دینے سے پہلے میں نے دیکھا کہ جینی کا کمرا راہداری کے سرے پر نہیں تھا کچھ فاصلے پر دفاتر کی دوسری قطار نظر آرہی تھی۔ درمیان میں شاید وہ راستہ تھا جو اسی فلور کے دوسرے دفاتر ونگس سے ملاتا تھا۔

میری ہلکی سی دستک پر اس خاتون نے سر ہلا کر مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ میں دروازہ کھول کر، فرشی قالین سے آراستہ اس دفتر میں داخل ہوگیا۔ اس سے پہلے میں نے اپنی جیب میں سے ایک ڈالر کے نوٹ کا آدھا حصہ نکال لیا تھا۔

وہ ویرا کے مقابلے میں قدرے بھرے بھرے بدن کی مالکہ تھی۔ اس کے چہرے کے نقوش میں اس قدر تیکھا پن تھا کہ دیکھنے والا اس کشش سے مسحور سا ہو جاتا تھا۔ بڑی بڑی، چمکتی ہوئی، نیلی آنکھیں جھپکے بغیر میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

اس کی استفہامیہ نگاہوں کی سیدھ میں، میں میز کے سرے تک پہنچا اور پھٹا ہوا ڈالر خاموشی سے اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ٹکڑا دیکھتے ہی اس کے گداز ہونٹوں پر جاندار مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اس نے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے ہدایت کی۔ اس کی آواز میں نسوانی ترنم کے ساتھ ایک تحکمانہ وقار بھی نمایاں تھا۔

میں نے کرسی سنبھالنے سے پہلے نرمی سے اس سے ہاتھ ملایا۔ اس دوران میں ایک لمحے کے لیے بھی اس کی نظریں میرے چہرے سے نہیں ہٹی تھیں۔

''میرا نام للّی ہے....'' میرے بیٹھ جانے کے بعد اس نے اپنا تعارف کرایا ''تم کو کیا کہتے ہیں؟''

''نصف ڈالر'' میں نے بے ساختہ کہا ''میں ٹریپل ایس سے سیلز پروموشن کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔''

اس کے سوال کے جواب میں میری زبان مشینی انداز میں چل پڑی تھی۔

یہ ایک غیر معمولی بات تھی کہ اس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی لیکن بعد میں ایک تجسس کے ساتھ اپنا پہلا نام بتا دیا تھا۔

''میں ان خرافات سے واقف ہوں۔ تمہارا اصل نام کیا ہے؟''

''ریمدان۔'' میں نے ذہن میں آنے والا پہلا نام دہرایا۔ اس وقت میں ویرا کی ہدایت کے مطابق اپنا منہ بگاڑ کر امریکی انداز میں جھٹکے دار انگریزی بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ریمدان....'' اس نے دھیرے سے دہرایا ''یہ ایک ہی نام ہے یا دو نام ملے ہوئے ہیں۔''

''ویسے تو یہ ایک ہی نام ہے لیکن میں تمہاری مشکل سمجھ رہا ہوں۔ تم اپنی سہولت کے مطابق مجھے ریم یا دان کہہ سکتی ہو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''اپنا بریف کیس گھٹنوں پر رکھ لو۔'' وہ ہدایت دیتے ہوئے شاید غیر ارادی طور پر اس کی آواز بہت نیچی ہوگئی ''میرا دیا ہوا لفافہ بریف کیس میں فوراً بند کر لینا۔''

''بہت بہتر مس للی۔'' میں نے مؤدب لہجے میں کہا اور بریف کیس قالین سے اٹھا کر گود میں لے لیا۔

''مس اور مسز کچھ نہیں، میں صرف للی ہوں۔'' وہ اپنی میز کے برابر میں رکھے ہوئے ایک ریک کی طرف جھکتے ہوئے ہلکی سی ناگواری سے بولی ''نام کے آگے پیچھے غیر ضروری اضافہ جوڑنے سے انسانوں کی برابری کے تصور کی کھلی نفی محسوس ہوتی ہے۔''

''تمہارے خیالات قابل قدر اور مسرت انگیز ہیں۔ میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہوسکتی ہے کہ تم جیسی خاتون کو بے تکلفی سے مخاطب کروں۔'' میں نے باچھیں پھیلا دیں۔

اس نے ایک ریک میں سے ایک پلندہ نکال کر اپنے سامنے رکھ لیا پھر سب سے نیچے دبا ہوا بڑا سا براؤن لفافہ میری طرف سرکا دیا۔ میں نے اسی سرعت اور خاموشی سے وہ وزنی لفافہ اندر ڈال کر بریف کیس بند کر لیا۔

اس کارروائی کے دوران میں گفتگو بھی جاری رہی۔ میرے جواب پر اس نے لطیف طنزیہ پیرائے میں پوچھا تھا ''مجھ جیسی سے تمہاری کیا مراد ہے۔ کیا میرے ماتھے پر کوئی سینگ نکلا ہوا ہے؟''

''ارے نہیں۔'' میں نے بوکھلا کر کہا ''نوجوانی کے ساتھ قدرت نے تمہیں حسن اور دلکشی کے عطیات سے نوازنے میں بھی فراخ دلی سے کام لیا ہے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے۔''

میں نے دیکھا کہ اس نے لفافے کے ساتھ ریک سے نکالے ہوئے پتلے پتلے اور رنگین پمفلٹ اپنے سامنے پھیلا لیے تھے اور وہ سب اسٹینڈرڈ اسٹیشنری سپلائرز سے متعلق تھے۔

میں دل ہی دل میں اس کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ ویرا کو میرے بہروپ کے بارے میں بریف کرتے ہوئے اسے معلوم تھا کہ اس کے پاس ٹرپل ایس کا لٹریچر موجود تھا۔ اس وقت رنکس کا کوئی ملازم اتفاقی طور پر للی کے کمرے میں آجاتا تو یہی سمجھتا کہ للی میرے لائے ہوئے لٹریچر کے مطالعے اور اسی کے متعلق مذاکرے میں مصروف ہے۔

''تم مبالغے سے کام لے کر شاید مجھے متاثر کرنا چاہ رہے ہو!'' اس نے ایک مرتبہ پھر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ میری آمد کا واحد اور بنیادی مقصد پورا ہو چکا تھا مگر وہ دانستہ گفتگو کو طول دے رہی تھی۔ میرے لیے وہ تاخیر خوش گوار تھی۔

''تم چاہو تو میں قسم کھا سکتا ہوں کہ میرا ایک ایک لفظ سچ پر مبنی ہے۔''

''میں نے سنا ہے کہ اطالوی اسی طرح کی باتیں بنا کر عورتوں کو شیشے میں اتارنے کے فن میں طاق ہوتے ہیں مگر تمہارے خدوخال اطالوی ہیں، نہ لب ولہجہ ان جیسا ہے۔''

''اطالوی مرد اس معاملے میں حریص، خود غرض اور مطلب پرست ہوتے ہیں۔ میں ان پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اپنی ان ہی حرکتوں کی وجہ سے وہ یورپ کی مفلس قوموں میں شمار ہوتے ہیں۔''

''تم نے ابھی تک اپنی قومیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔'' اس کے چہرے پر شوخی نمودار ہونے لگی۔

''بس جنوبی ایشیا کی پیداوار سمجھ لو.... شاید میرا کام ختم ہو چکا ہے۔ تمہیں ٹرپل ایس سے جو کچھ خریدنا ہے، وہ تم فون پر بتا ہی دوگی۔ کیا میں جا سکتا ہوں؟''

اپنی ذات میں اس کی بڑھتی ہوئی دلچسپی بھانپ کر میں نے اچانک وہ قلابازی کھائی تھی۔ اس بہانے میں نے اس کے ذہن کو قومیت کے سوال سے بھی بھٹکا دیا تھا۔

میری قومیت کو بھول کر وہ رسانیت سے بولی ''کچھ دیر بیٹھے رہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہاری گرل فرینڈ بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔ میرے دفتر میں چند منٹ گزار کر تم اس سے کسی بے وفائی کا ارتکاب نہیں کرو گے.... تمہارے نام کے بارے میں، میں ابھی تک الجھن میں ہوں۔''

''الجھن کی نوعیت بتاؤ.... میں اسے دور کروں گا۔'' میں نے پورے خلوص سے کہا۔

''تمہارے نام کا صحیح تلفظ کیا ہے؟'' میری ذات میں اس کی دلچسپی خطرناک حد تک تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی۔ مجھے بے اختیار ویرا کے الفاظ یاد آنے لگے۔ جینی تجرد کی زندگی گزار رہی تھی، دل پھینک تھی اور ذہنی طور پر ہمیشہ پُرسکون رہتی تھی۔ اس قسم کا حدودِ اربعہ رکھنے والی کوئی خاتون یا لڑکی کسی نو وارد مرد سے اس کے نام کا صحیح تلفظ پوچھنے لگے تو آخر کار اس مرد کے ستارے گردش میں آ ہی جاتے ہیں۔

میں اسے کورا سا جواب دے کر کرسی چھوڑ دیتا تو وہ میرا منہ دیکھتی رہ جاتی اور کچھ بھی نہ کر پاتی لیکن میں آئزک بیل کے دفتر میں ایک بڑے عہدے پر مامور اس خاتون کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس کے ذرا سے تعاون سے آئزک بیل کی نیندیں حرام کر کے اسے بے بسی کے عالم میں ٹھکانے بھی لگایا جا سکتا تھا۔ میں نے اسے خوش رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

''کچھ لوگ اسے رمادان اور بعض ریمے دان کہتے ہیں مگر میں ریمدان کو ترجیح دیتا ہوں۔ اس کا صحیح تلفظ رمضان ہے جو امریکا میں بگڑ کر ریمدان ہو گیا ہے۔''

''رمادان....'' وہ لفظ دہراتے ہوئے اسے کچھ یاد آ گیا ''مشرق وسطیٰ میں ایک رمادان وار بھی ہو چکی ہے۔ یہ ساری الجھن اسی وجہ سے تھی۔ عرب خود اسے رمادان کہتے ہیں۔ اگر تم خود کو رمضان کہلوانا چاہو تو انگریزی میں اس کا صحیح مخرج اور تلفظ موجود ہے۔''

''میں تمہاری اس تجویز پر ضرور غور کروں گا۔ دیکھنا ہو گا کہ میرا صحیح نام کیا ہونا چاہئے۔''

''تمہارا تعلق پاکستان سے تو نہیں ہے؟'' وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اچانک پوچھ بیٹھی۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں نے سنبھلے ہوئے لہجے میں پوچھا ''تمہیں یہ خیال کیسے آ گیا؟''

''ویرا کے ساتھ پاکستان کے ڈینی نامی کسی مرد کا نام پچھلے دنوں امریکا بھر کے اخباری اشتہاروں میں چھپتا رہا ہے۔ وہ کوئی پراسرار، طاقتور، زیرک اور حسین مرد ہے۔ تم بھی کچھ کم وجیہہ نہیں ہو۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ تم ڈینی بھی ہو سکتے ہو اور آج کل روزی کے دوست بنے ہوئے ہو۔''

میں بھونڈے مگر مدافعانہ انداز میں ہنس پڑا ''تم کہہ رہی ہو تو میں خود کو وجیہہ مانے لیتا ہوں لیکن میں پراسراریت سے حسن تک ہر خوبی سے محروم ہوں۔ میں وہی رہنا چاہتا ہوں جو میں ہوں۔ دیومالائی قسم کے جناتی انسان عام طور پر برے انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔''

''تمہارا... آخری فقرہ تمہاری بھرپور ذہانت کا شاہکار ہے۔'' وہ تحسین آمیز لہجے میں بولی ''تم سے مل کر مجھے انجانی سی مسرت ہو رہی ہے۔ اگر میں روزی سے اجازت لے لوں تو تم کوئی شام میرے گھر پر گزارنا پسند کرو گے۔'' وہ آخر کار اپنے مطلب کی بات پر آ ہی گئی۔

اس نے ویرا اور ڈینی کے نام لے کر مجھے ایک ذہنی جھٹکا لگانے کی کوشش کی تھی تاکہ اپنے شبہے کی تصدیق کر سکے۔ میں نے ویرا کے نام کو یکسر نظر انداز کر دیا اور ڈینی سے لاتعلقی کا اظہار کیا تو اس نے بھی ویرا کو فوری طور پر روزی بنا دیا۔

اسے ویرا کے بارے میں سب کچھ نہیں تو بہت کچھ معلوم تھا۔ اسے ویرا اور آئزک بیل کی دشمنی کا بھی علم ہو چکا تھا۔ ویرا نے اس سے بس ایک ہی بات چھپائی تھی کہ اس کے ساتھ میں بھی نیویارک آیا ہوا تھا۔ مجھے جینی کے پاس بھیجنے سے پہلے اس نے یہ کہانی تراشی تھی کہ وہ

روزی بن کر نیویارک میں روپوش تھی اور اپنے بوائے فرینڈ کو اس کے پاس روانہ کر رہی تھی۔

ویرا نے جینی کو اپنے بوائے فرینڈ کا کوئی نام نہیں بتایا تھا۔ جینی کے لیے میری شناخت ایک ڈالر کے نوٹ کے پھٹے ہوئے نصف حصے کو مقرر کیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے جینی کے استفسار پر اپنے ذہن میں آنے والا پہلا نام لے ڈالا تھا۔

جینی کا حسن میرے سامنے تھا۔ اپنی ذہانت وہ بتدریج ثابت کر رہی تھی۔ میرے گمراہ کن تعارف اور دبے دبے رویّے کے باوجود اسے شبہ ہو چکا تھا کہ میں ہی ڈینی تھا۔ میری دوٹوک تردید اس کا شبہ دور نہیں کر سکی تھی۔ آزادی اور بے تکلفی کے ماحول میں میرے ذہن کو مزید کریدنے کی نیت سے اس نے مجھے اپنے گھر بلانے کی معنی خیز پیش کش کر ڈالی تھی جسے رد کرنا آسان نہیں تھا۔

''روزی سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے انجان بن کر بے پروائی سے کہا ''ہم دونوں آج شام ہی تمہارے گھر آ جائیں گے۔ وہ ہوٹلوں کا کھانا کھا کھا کر اکتا گئی ہے۔''

''میری یہ دعوت صرف تمہارے لیے ہے۔'' جینی اپنائیت بھری آواز میں بولی ''روزی تمہارے ساتھ نہیں آ سکے گی۔ آج کل وہ اپنے تحفظ کے کچھ مسائل سے دوچار ہے۔''

''اس نے مجھ سے اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔'' میں نے احمقانہ انداز میں شکوہ کیا ''جب تک ہمارے درمیان مفاہمت اور دوستی کا رشتہ موجود ہے، اس کے سارے مسائل حل کرنا میری ذمّے داری میں شامل ہے۔ وہ کس سے ڈرتی ہے؟''

''آواز نیچی رکھو اور کرسی سے نہ اچھلو۔'' جینی بوکھلا کر بولی۔ ''دوسروں کے لیے ہم اس وقت ٹرپل ایس سے خریداری کے بارے میں مذاکرات کر رہے ہیں۔ تمہاری یہ بے ساختہ حرکتیں دیکھنے والوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیں گی۔''

''سوری....!'' میں نے خفت سے کہا ''میں بھول گیا تھا کہ اس وقت میں کہاں ہوں۔ مرضی کے خلاف کوئی بات سامنے آتی ہے تو مجھے اپنے اوپر قابو نہیں رہتا۔''

''یہ بری بات ہے۔ روزی جیسی لڑکی کے ساتھ رہنے کے لیے تمہیں اس عادت پر قابو پانا ہوگا ورنہ ایک دن تمہیں روتا چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ چلی جائے گی۔''

''میں بہت کوششیں کرتا ہوں لیکن رتی برابر کامیابی نہیں ہوتی۔ اب....''

بات ادھوری چھوڑ کر مجھے خاموش ہونا پڑا۔ جینی کے فون کی گھنٹی بجی تھی اور اس نے چونک کر پھرتی سے ریسیور اٹھا لیا تھا۔

فون پر گفتگو کا آغاز ہوتے ہی جینی کے چہرے پر نرماہٹ آ گئی اور وہ اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آگے پیچھے جھولنے لگی۔

''کام ہو گیا۔ تمہارا دلچسپ اور وجیہہ دوست میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔'' فون پر جینی کے وہ فقرے سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے.... دوسری طرف ویرا ہی ہو سکتی تھی۔

جینی کچھ دیر تک دوسری طرف سے کہی جانے والی باتیں سنتی رہی پھر ہنس کر بولی ''خوبیوں کے ساتھ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خامی بھی ہوتی ہے جسے برداشت کرنا پڑتا ہے۔ تمہارا یہ دوست تم ہی کو مبارک ہو مگر آدمی دلچسپ ہے۔ تم سے بہت ڈرتا ہے۔ اجازت دو تو کل شام اسے چائے پر گھر بلا لوں۔''

ایک مرتبہ پھر وہ ہاں ہُوں کر کے ویرا کا رَدِعمل سنتی رہی۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا نے اس کی حوصلہ شکنی نہیں کی تھی۔

''اوہ ڈارلنگ! تمہارا بہت بہت شکریہ۔ مجھے یقین تھا کہ تم میری اس چھوٹی سے خواہش کو رد نہیں کرو گی۔ کل میری اس سے پہلی اور آخری ملاقات ہوگی۔ اب اسے سمجھا دو۔'' جینی نے یہ کہتے ہوئے ریسیور جلدی سے میری طرف بڑھا دیا۔

آئزک نیل کے خلاف لڑی جانے والی بھیانک

لڑائی کا وہ موڑ عجیب و غریب تھا۔ جینی اس کی ملازمہ ہونے کے باوجود کھل کر ہماری مدد کرنے پر آمادہ تھی لیکن مجھ سے ملاقات ہونے کے بعد وہ ویرا سے میرے بارے میں یوں بات کر رہی تھی جیسے اس سے ذاتی استعمال کی کوئی بے جان چیز مستعار لے رہی ہو۔

اپنے ریسیور میں میری آواز سنتے ہی ویرا کی زبان چل پڑی۔ ''وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ میں نے برا مانے بغیر اسے کھلی چھوٹ دے دی ہے مگر تم اس بلا کے چنگل میں نہیں آؤ گے۔ تم دوبارہ اس کے قریب بھی نظر آئے تو میں تمہارا حشر خراب کر دوں گی۔''

ویرا نے میرا جواب سننے کی زحمت کیے بغیر فون بند کر دیا مگر میں مغموم انداز میں ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا پھر میں نے بولنا شروع کر دیا۔ ''للی بہت اچھی لڑکی ہے۔ میں اس کا دل نہیں توڑوں گا مگر کل کی بات مشکل ہے۔ دو چار روز میں میں خود ہی للی سے بات کر کے اس کے گھر پہنچ جاؤں گا.... ٹھیک ہے۔ یہ تمہارا دردِ سر نہیں ہے.... میں خود للی کو سمجھا لوں گا۔''

درمیانی وقفوں میں، میں خاموش رہا جیسے ویرا کی بات سن رہا ہوں پھر بے جان ریسیور للی کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے ریسیور کان سے لگانے کے بعد کریڈل پر ڈال دیا۔

''تم روزی سے....'' جینی نے مجھ سے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کے بقیہ الفاظ اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئے۔ اس کی حیرت سے پھیلی ہوئی آنکھیں اپنے دفتر کے دروازے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

''آئزک! تم کب آ گئے؟'' جینی کی زبان سے سرسراتے ہوئے وہ الفاظ سن کر میں نے پلٹ کر دیکھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنی کرسی پر جم کر رہ گیا۔

جینی میرے سامنے تھی۔ نکاس کے اکلوتے دروازے پر میرا ازلی دشمن آئزک بیل اچانک آ موجود ہوا تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں یک بہ یک تیز ہو گئیں اور دورانِ خون کنپٹیوں میں زور مارنے لگا۔ حد سے بڑھے ہوئے اعتماد کی وجہ سے میں برے شکنجے میں پھنسا تھا۔

مشکل ترین مسئلہ یہ تھا کہ پچھلی رات کی طرح اس وقت بھی میں تنہا تھا اور رنکس کے دفتر میں متعدد مسلح افراد موجود تھے جو اس کے ایک اشارے پر میرے چیتھڑے اڑا سکتے تھے۔

جینی کے دفتر کی چھت کے نیچے دو دشمنوں کا یوں اچانک یک جا ہو جانا کسی سازش کا نتیجہ نہیں تھا۔ جینی کے ابتدائی ردِ عمل نے اس کی بے گناہی ثابت کر دی تھی۔ اس ہولناک اتفاق سے نمٹنے کی بس ایک ہی امید تھی کہ ایک دوسرے کے ناموں سے اچھی طرح واقف ہونے کے باوجود میں آئزک بیل کا صورت آشنا تھا نہ وہ مجھے پہچانتا تھا۔

میری پوری کوشش یہ تھی کہ اپنے سنسناتے ہوئے اعصاب پر قابو پا کر اسی طرح کرسی پر بیٹھا رہوں اور آئزک بیل کا سامنا نہ کروں۔ نگاہیں چار ہونے کے بعد وہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

وہ چند ثانیے میرے لیے عذاب ہو گئے۔ کمرے میں چھایا ہوا مختصر سا سکوت میرے عقب سے ابھرنے والی ایک سرد اور سپاٹ آواز نے توڑ دیا۔

''اپنے ملاقاتی سے نمٹ کر میرے دفتر میں آؤ.... کچھ ضروری کام ہے۔''

وہ آئزک بیل کی آواز تھی جسے میں مدہوشی کے عالم میں بھی پہچان سکتا تھا۔

اس وقت خطرہ محسوس کر کے میری ہر حس ضرورت سے زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ میں نے دبیز فرشی قالین پر کسی کے دور جاتے ہوئے وزنی قدموں کی مدھم سی دھمک سنی اور دیر سے اپنے سینے میں رکے ہوئے سانس کو یکلخت آزاد کر دیا۔

''تم فوراً نکل جاؤ۔'' جینی اپنی کرسی سے اٹھ کر سرگوشیانہ آواز میں بولی ''میرا باس آ گیا ہے۔ وہ اس وقت بہت خراب موڈ میں ہے۔ تم سے بعد میں بات ہو گی۔''

جینی کی بات مکمل ہونے سے پہلے میں بریف کیس سنبھال کر کرسی چھوڑ چکا تھا۔

وہ شاید مجھے، دروازے تک چھوڑنے کے لیے میز کے عقب سے نکل رہی تھی مگر میں نے اس کا انتظار نہیں کیا۔ لپک کر جینی کے دفتر سے باہر نکل گیا۔

اس وقت رنکس کے دفتر میں مجھے ایک ایک لمحہ بھاری لگ رہا تھا۔ میرا بس چلتا تو میں پوری قوت سے لفٹ کی طرف دوڑ لگا دیتا۔ میری اس حرکت کے نتیجے میں رنکس کے سارے ہی ملازم میری طرف متوجہ ہوسکتے تھے اس لیے میں دہشت کی لہر پر قابو پا کر قدرے تیز قدموں سے چلتا رہا۔ اس وقت مجھے ہاتھ میں ٹکا ہوا بریف کیس تک بہت وزنی محسوس ہو رہا تھا۔

لفٹ میں سوار ہونے کے بعد بھی میری اس اضطرابی کیفیت میں کمی واقع نہ ہوسکی۔ اس وقت میری حالت اس چوہے جیسی تھی جو محفوظ مسکن کی تلاش میں بھٹکتا ہوا درندوں کے غول میں جا پھنسا ہو اور ان کے نرغے سے نکلنے کے لیے کوشاں ہو۔

چالیس ویسٹ کے فولادی دروازے سے نکل کر میں کنال اسٹریٹ کی کھلی فضا میں آیا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے نئی زندگی ملی ہو۔ میں نے آزادی کی اس فضا میں چند گہرے گہرے سانس لیے اور میرے ذہن سے خوف کی دھند تیزی سے چھٹنی شروع ہوگئی۔

آئزک بیل کے ہوتے ہوئے اس کے دفتر سے میرے زندہ نکل آنے کا واقعہ ایک معجزے سے کم نہیں تھا۔ مجھے اس بدترین صورتِ حال میں پھنسانے کی ساری ذمے داری جینی کی تھی۔ اگر وہ مجھے اس غیر ضروری گفتگو میں نہ الجھاتی تو میں آئزک بیل کی آمد سے بہت پہلے وہاں سے نکل گیا ہوتا۔

اس ناگہانی مصیبت پر غور کرتے کرتے کچھ اور عقدے بھی کھلنے شروع ہوگئے۔

میری دھمکیوں کے بعد آئزک بیل اپنے دفتر سے فرار ہوگیا تھا۔ میں اس کا سراغ کھو چکا تھا۔ اس سے رابطہ کرنے کی ہر کوشش ناکام ہوچکی تھی۔ اس وقت میں نے جینی کی زبان سے اس کی واپسی کی خبر سنی تھی، اپنے کانوں سے اس کی مانوس آواز سنی تھی۔ وہ کسی ضرورت کے تحت اسی دفتر میں لوٹ آیا تھا جس کا نمبر مجھے زبانی یاد تھا۔

کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ رنکس کے دفتر میں کتنی دیر کے لیے آیا تھا۔

میں فوری طور پر اسے فون کرنے کے لیے بے چین ہوگیا۔

مجھے سامنے ہی ایک فون بوتھ نظر آ رہا تھا مگر کنال اسٹریٹ سے فون کرنا خطرناک تھا۔ وہ اس فون بوتھ کا سراغ لگا کر فوراً ہی اپنے آدمی میرے پیچھے دوڑا سکتا تھا۔ اس سے پہلے وہ کئی بار ایسی حرکتیں کرچکا تھا جن کا مشاہدہ میں لندن سے کرتا چلا آ رہا تھا۔

ایک خالی ٹیکسی روک کر میں اس کی عقبی نشست پر سوار ہوا اور ڈرائیور کو پین پلازہ پہنچنے کی ہدایت کرڈالی۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ میرے ہوٹل پہنچنے تک آئزک بیل رنکس کے معاملات میں الجھا رہے تاکہ میں اس سے بات کرکے اپنے ان لرزہ خیز لمحات کی کچھ قیمت وصول کرسکوں جو میں نے جینی اور آئزک بیل کے درمیان پھنس کر گزارے تھے۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس وقت فنانشل ڈسٹرکٹ سے اوپر جانے والے راستوں پر ٹریفک کی بھیڑ نہیں تھی یا وہ فلسطینی ڈرائیور جان بوجھ کر ایسی سڑکوں سے گزر رہا تھا جن پر ٹریفک کی زیادہ رکاوٹیں نہیں تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں چند منٹ بعد ہی اپنے ہوٹل کے کمرے میں تھا جہاں ویرا اپنا منہ سجائے، سخت طیش کے عالم میں میری منتظر تھی۔

جینی کے ساتھ میری ملاقات کے نتائج پر ویرا کی وہ برہمی میرے لیے غیر متوقع نہیں تھی مگر اس وقت میرے پاس اس کی دل جوئی یا ناز برداری کے لیے وقت نہیں تھی۔ اسے نظر انداز کرکے میں نے بریف کیس میز پر ڈالا اور فون سنبھال لیا۔

فون پر آئزک بیل کی آواز سن کر میں نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا کہ میری وہ بھاگ دوڑ آخرکار بارآور ثابت ہوئی تھی۔ میں نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا ”شرمناک فرار کے بعد واپسی مبارک ہو۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ تم اتنے بودے ثابت ہوگے۔“

''اوہ، تم!'' اس کی آواز میں غصے کے ساتھ حیرت کا عنصر بھی نمایاں تھا ''معلوم ہوتا ہے کہ میرے دفتر میں ہیلن تمہاری مخبر تھی۔ میں اسے دیکھ لوں گا۔''

''ہیلن نہیں، میرے سب سے بڑے مخبر تم ہو۔ آج سے ہیلن تمہاری ملازمت میں نہیں رہی مگر مجھے معلوم ہو گیا کہ تم تھوڑی دیر پہلے بدحواسی کے عالم میں واپس آئے ہو......''

''تم بہت ذلیل اور گھٹیا انسان ہو۔'' اس کی آواز قہر بار ہو گئی۔ ''بدنام علاقوں میں رہنے والے تیسرے درجے کے لوگ بھی آپس کی لڑائیاں خود نمٹاتے ہیں، ایک دوسرے کی تشہیر اور مخبری نہیں کرتے۔ تم ان سے بھی گئے گزرے ہو۔ لڑائی کے قاعدوں کا تمہیں ذرا بھی پاس نہیں.... میرے دفتر کے لوگوں کو میرے خلاف بھڑکا کر تم کیا حاصل کر سکو گے۔''

''میں ہر وہ کام کر گزرنے پر تل گیا ہوں جس سے تمہیں زچ کیا جا سکے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے اس فعل سے تمہیں تکلیف پہنچی ہے۔ ہیلن تمہیں پورے امریکا میں رسوا کر کے رکھ دے گی۔''

''سمندر کی سرکش موجوں پر تیرتا ہوا بلبلہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ سمندر کے سینے پر سوار اور اس سے برتر ہے۔ ہر آن بلبلے بنتے اور فنا ہوتے رہتے ہیں، سمندر ازل سے یوں ہی ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ وہ بدنصیب لڑکی بھی رنکس کا ایک بلبلہ ثابت ہو گی۔ کل تک وہ اپنا ذہنی توازن کھو کر کسی پاگل خانے میں پہنچ چکی ہو گی اور اخبار والے جلد ہی اس کے ہذیان کو بھول جائیں گے۔''

''تم اسے کوئی زہریلا انجکشن دے کر پاگل کر سکتے ہو مگر اب سیلاب کے آگے بند نہیں باندھا جا سکے گا۔ ہارلم کا خون تمہارے سر چڑھ کر بولے گا.... تم نے دیکھ لیا کہ وسیع پیمانے پر کشت و خون کر کے بھی تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ میں جہاں تھا، وہیں ہوں اور پہلے سے زیادہ محفوظ ہوں۔''

''بلیک ڈیڈ کو نہیں معلوم کہ وہ تمہاری صورت میں اپنی آستین میں ایک سانپ پال رہا ہے۔ اگر وہ کل رات جل کر جہنم واصل نہیں ہوا تو آج اس کی باری آ جائے گی۔ پھر میں دیکھوں گا کہ تم نیویارک میں کتنی دیر میری نگاہوں سے چھپے رہتے ہو۔ تمہاری موت تمہیں کھینچ کر یہاں لائی ہے۔''

''تمہارا دفتر اس قدر حسین اور شاندار ہے کہ اسے تباہ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ میں تمہاری طرح سفاک اور سنگ دل نہیں بلکہ جمال پرست ہوں ورنہ اب تک تم اپنے دفتر کی منقش چوبی دیواروں کے درمیان جل بھن کر راکھ ہو چکے ہوتے۔ میں تمہارے ساتھ اس عمارت میں کام کرنے والے سیکڑوں بے گناہوں کی زندگی کو داؤ پر لگانے کے بجائے تمہیں کہیں اور گھیر کر احتیاط سے ماروں گا۔ مشکل یہ ہے کہ تم مجھ سے نہیں، میری آواز تک سے دہشت زدہ ہو جاتے ہو اسی لیے دفتر سے نکل کر بھاگے ہو۔ اپنا کوئی پتا ٹھکانا بتا دو تو میں تمہیں پیشگی اطلاع دے کر کیفر کردار کو پہنچاؤں گا۔''

''کالے ایشیائی کتے! ایسے بڑے بڑے دعوے مت کرو۔'' غصے میں اس کی چنگھاڑتی ہوئی آواز بلند ہو گئی۔ ''تم میرے گھر کو آگ لگانے کے منصوبے بنا رہے ہو اور میں تمہارا بہت کچھ برباد کر چکا ہوں۔ ان ہرزہ سرائیوں کو چھوڑ کر اپنے گھر کی خبر لو گے تو چوکڑی بھول جاؤ گے۔''

اس کی وہ جوابی دھمکی میرے لئے ناقابل فہم بلکہ بے سروپا تھی۔ میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے پوچھا ''کس گھر کی بات کر رہے ہو، میں تو آج کل بے گھر اور تمہارے شہر کا مہمان ہوں....''

''تباہی نے راہ پالی ہے۔'' وہ میری بات کاٹ کر غرایا ''دو روز سے کراچی میں تمہارا ایٹمی بجلی گھر خاموش ہے اور اب وہاں ویرانی ہی ویرانی راج کرے گی۔''

اس کے وہ الفاظ ہتھوڑوں کی طرح میرے اعصاب پر گرے اور ذہن ماؤف سا ہو کر رہ گیا۔ مجھے بے اختیار اول خان کا شکوہ یاد آ گیا کہ ان دنوں کراچی بھر میں روزانہ دو گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ ہو رہی تھی۔ مجھے صدمہ تھا کہ اول خان نے بجلی کی کمی کی شکایت کی تھی مگر اس خبر کا سرے سے کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا جو آئزک نے مجھے سنا رہا تھا۔

جب سے آئزک بیل نے تی اور ڈیوڈ اسٹارز میں راس المیڈا کی جگہ سنبھالی تھی، میری اور اس کی ہولناک لڑائیاں چل رہی تھیں مگر سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ میرے مقابلے پر کبھی خود سامنے نہیں آیا تھا۔ اپنے مہروں کو میدان میں اتار اتار کر پٹواتا رہا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے جب میں اس کے پرشکوہ دفتر میں للی برنارڈ یا جینی کی خوش کلامی سے محظوظ ہورہا تھا تو میرا وہ بھگوڑا دشمن اچانک ہی میرے عقب میں آپہنچا تھا۔ وہ اسے دیکھنے، پرکھنے اور پہچان لینے کا ایک نادر موقع تھا لیکن میری پوزیشن بہت نازک تھی۔ یہ بدقسمتی تھی کہ میں اس وقت بالکل نہتا تھا۔ مسلح ہوتا تب بھی وہ اپنے ایک دو آدمی گنوانے کے بعد مجھے آسانی سے زیر کرسکتا تھا۔

اس سے براہ راست ٹکراؤ کے اس اکلوتے موقع کے سوا ابتدا ہی سے میری اور اس کی ذہنی واعصابی لڑائی چل رہی تھی جس میں بظاہر میرا پلہ بھاری تھا۔

اس وقت بھی آئزک بیل فون پر بری طرح کھسایا ہوا تھا۔ میرے تابڑتوڑ نکیلے جملوں سے بوکھلا کر اس نے کراچی کے ایٹمی بجلی گھر کے بارے میں اپنی زبان کھول کر میرا دماغ سن کردیا تھا۔

آئزک بیل کی سنائی ہوئی بری خبر پر شبہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اول خان کی زبان سے ایک دوسرے اور سرسری انداز میں، میں پچھلی رات ہی اس خبر کی تصدیق سن چکا تھا اور اس حقیقت نے میرا حوصلہ توڑ کر رکھ دیا تھا۔

وہ بس لمحوں ہی کی بات تھی۔ آئزک بیل کے اندازہ لگانے سے پہلے میں نے خود کو اس صدمے سے نکال لیا۔ میں جانتا تھا کہ اس وقت میری طویل خاموشی یا ناامیدی میرے دشمن کا حوصلہ بڑھادے گی۔ میں نے پوری کوشش سے خود کو سنبھالتے ہوئے پرعزم لہجے میں کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ آج کل تم واقعی ڈینی کی دہشت میں مبتلا ہو اور اس کے دھوکے میں کبھی مجھے انقرہ کی دھمکیاں دیتے ہو اور کبھی کراچی کی...... جب مجھ سے تم اس قدر خوف زدہ ہو تو ڈینی کے سامنے تمہارا پیشاب خطا ہوجائے گا۔''

''ابھی تک تم نے میرے خلاف جو زہر آلود با[تیں] کی ہیں، وہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ تم ڈینی ہو۔ یہ قلابازی کھا کر تم اس حقیقت کو نہیں [بدل] سکتے۔'' ایک مختصر سے ہذیانی قہقہے کے بعد اس کی تیز آ[واز] ریسیور میں ابھری۔

''ہم کسی عدالت میں نہیں ہیں۔ پتا نہیں تم کر[وں] میرا ڈینی ہونا ثابت کرنا چاہ رہے ہو۔ تم اچھی طر[ح] جانتے ہو کہ میں کون ہوں اور کیوں تمہیں چاہتا ہوں۔''

''میں تمہاری ان مکاریوں کا سبب بہت اچ[ھی] طرح سمجھ رہا ہوں۔'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس [کی] آواز ابھری۔ ''تم نے اندازہ لگالیا ہے کہ میں تمہار[ی] زبان سے تمہاری اصلیت کا اقرار کیوں سننا چاہ[تا] ہوں۔ تم لاکھ انکار کرتے رہو پھر بھی تم کو معلوم ہے [کہ] میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''تم نہ جانتے تو میں خود تمہیں جنوا دیتا'' میں [نے] اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا ''یہ تمہاری مہربانی ہے [کہ] تم نے مجھے فون سے منسلک سی ایس ڈی کے خواص [کے] بارے میں بتادیا۔ اس کے ہوتے ہوئے مجھے کسی فکر [کی] ضرورت نہیں۔ میں تم سے کھل کر بات کرتا ہوں گا [کیونکہ] میں ڈینی نہیں ہوں۔ تم میرے بارے میں جو چاہو سو[چ] سکتے ہو۔''

''اس وقت تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟'' اس کی غراتی ہوئی آواز آئی۔

''تمہاری سعادت مندی کی داد دینے کے لیے'' میں نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

''کیا بکواس کررہے ہو؟ سیدھی طرح بات کر[و] ورنہ میں فون بند کردوں گا۔''

''میرے ایک آدمی نے ڈیوڈ اسٹارز کے فون سے منسلک ریکارڈنگ مشین پر تمہارے لیے پیغام چھوڑا تھا کہ تم کسی بڑی بربادی سے بچنا چاہتے ہو تو چار بجے اپنے دفتر پہنچ جاؤ اور تم تمام خطرات مول لے کر کسی فرماں بردار بچے کی طرح اس وقت اپنے دفتر میں موجود ہو۔''

''شٹ اپ۔ یہ تمہاری ہرزہ سرائی ہے۔'' غصیلی آواز کے باوجود اس کا کھوکھلا لہجہ اس کے جھوٹ کی چغلی

لما رہا تھا۔
''مجھے تمہیں سے کوئی پیغام نہیں ملا۔ میں اپنی مرضی
ے اپنے دفتر میں آیا ہوں۔ پتا نہیں یہاں کون تمہارا مخبر
ہوا ہے۔''

''چوہے ہوتے ہوئے بلی کی برابری کرنے کی
وشش مت کرو۔ اپنی رہی سہی ساکھ بھی کھو بیٹھو گے۔ اب
دعویٰ نہ کر ڈالنا کہ تم نے دفتر اپنی مرضی سے چھوڑا تھا۔''

''تم کون ہو ایسے مشورے دینے والے۔'' اس کی
واز کی برہمی عود کر آئی ''یہ تمہارے باپ کا نہیں، میرا
تر ہے۔ میرا جب جی چاہے گا، یہاں آؤں گا جب
ہوں گا چلا جاؤں گا۔''

''اس بار جاتے ہوئے ذرا سی احتیاط کر لینا۔ اس
ت تم اپنے دفتر نہ پہنچے ہوتے تو رات میں وہاں محدود
ہی پھیل جاتی۔ رفتہ رفتہ میرے ہاتھ تم سے لمبے ہوتے
ا رہے ہیں۔''

''اس بھول میں نہ رہنا کہ عوامی خوف دہراس کی
ہ سے اخبارات میں اور ٹیلی وژن پر تم دونوں کی آمد کی
خبر نہیں ہوئی تو وفاقی اور ریاستی ایجنسیاں ہاتھ پر ہاتھ
رے بیٹھی ہے۔ تم تک پہنچنے کا ہر راستہ اختیار کیا جا رہا
ہے۔ جلد ہی تمہاری گردن پھندے میں ہوگی۔''

''تمہارے ایک مفروضے پر ساری ایجنسیاں
ندے سے لگ چکی ہیں تو تمہیں ہارلم میں خون کی ہولی
کھیلنے کی کیا ضرورت تھی۔ سرکاری طور پر مشتبہ ٹھکانوں
کی تلاشی لے کر بلیک ڈیڈیا ڈینی کو برآمد کیا جا سکتا تھا۔''

''تم شی میں سکھائے ہوئے بنیادی اصول تک
بھول بیٹھے ہو۔ قانون کا سہارا کمزور اور برادری کے غدار
لیتے ہیں۔ میرے ہاتھوں بلیک ڈیڈ کا عبرت ناک انجام
دیکھ لینے کے بعد ہر شخص میرے نام کی دہشت سے تھرایا
کرے گا۔ ساکھ اور دھاک اسی طرح جمتی ہے۔''

''تم دیوانوں جیسی بے سر و پا باتیں کر رہے ہو۔
ابھی وفاقی اور ریاستی ایجنسیوں کی دھمکی دے رہے تھے
اور اب ان کے مدد لینے والوں کو برادری کا غدار قرار
دے رہے ہو۔ ایسی ذہنی حالت میں تمہاری کسی بات پر
اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔''

''الو کے پٹھے! نابکار! میری بات سمجھنے کی کوشش
کرو۔ امریکا میں تم مجھے ہی نہیں، قانون کو بھی مطلوب
ہو۔'' وہ بھنا کر بولا ''میں اپنا کام کر رہا ہوں، وہ اپنا کام
کر رہے ہیں۔''

''محنت سے جی لگا کر کام کرتے رہو۔ وقت ملے تو
کاماسترا بھی پڑھ لینا۔ اس بارے میں تمہیں اس کتاب
سے خاصی مدد ملے گی۔'' میں نے اس کی جھلاہٹ اور ہلکی
پھلکی گالیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

اس سے ہونے والی گفتگو کو میں ہلکے پھلکے پیرائے
میں جاری رکھنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ باتوں ہی
باتوں میں اس سے کراچی کے ایٹمی بجلی گھر کے بارے
میں کوئی اہم بات اگلوا سکوں۔ اپنی طرف سے دوبارہ وہ
موضوع چھیڑ کر میں اسے یہ احساس نہیں دلانا چاہتا تھا
کہ اس کی سنائی ہوئی خبر نے مجھے پریشان کر دیا ہے یا
میں اس کی کارکردگی سے مرعوب ہو گیا ہوں۔

''میرے پاس ان خرافات میں الجھنے کے لیے
وقت نہیں ہے۔ اگر تمہیں مشرق کے اسی غلیظ علمی ورثے
سے دلچسپی ہے تو فون بند کر دو، میرے مہمان بنو گے تو
اس موضوع پر دل کھول کر دو بہ دو بات کر لینا۔ اس وقت
تمہارے خیالات سن کر خوشی ہوگی۔''

''تم مہمان بننے کا موقع ہی نہیں دیتے۔ میرے
آنے سے پہلے بھاگ جاتے ہو ورنہ اس شہر میں
تمہارے سوا میرا کون شناسا ہے؟''

''تمہاری یہ لاف و گزاف بہت جلد ختم ہو جائے
گی۔'' اس کی زہر میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری ''وقت کا
پہیہ بہت جلد تمہارے خلاف گھومنے لگے گا۔''

''ہم دونوں بہت شدت سے ایک دوسرے سے
ملاقات کے خواہاں ہیں۔'' اس بار میں نے مصالحانہ
انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''تم مجھے اپنا کوئی بھی پتا
بتا دو اور وعدہ کرو کہ ہم دونوں کے درمیان کوئی تیسرا فرد
نہیں ہوگا۔ اپنے معاملات ہم خود طے کریں گے۔ سب
کچھ تمہاری مرضی سے ہوگا۔ بس میں اپنی آمد کے وقت کا
انتخاب اپنی مرضی سے کروں گا......''

اس نے میری بات کاٹ دی ''دفتری اوقات میں

تم جب چاہو، رنکس آسکتے ہو۔''

''تم بھول رہے ہو کہ چالیس ویسٹ، کنال اسٹریٹ میری دیکھی بھالی عمارت ہے۔ وہاں سیکیوریٹی اینڈ سروسز والے شناخت کے بغیر اندر نہیں آنے دیتے اور پھر گراؤنڈ فلور سے چلنے والی دو مخصوص لفٹس براہ راست گیارہویں منزل پر تمہارے دفتر ہی میں رکتی ہیں۔ وہاں تمہارے متعدد مسلح اور غیر مسلح آدمی موجود ہوتے ہیں۔ میں اپنی گردن ان کے ہاتھوں میں نہیں دے سکتا۔''

''تم جب آنا چاہو مجھے فون کر دینا۔ محافظوں کو مطلع کر دیا جائے گا۔ تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔'' اس کی آواز میں تجسس سٹ آیا ''تم چاہو تو عمارت کی کسی عام لفٹ سے بھی اوپر گیارہویں منزل پر آسکتے ہو۔ میرے دفتر کا دروازہ ادھر بھی کھلتا ہے۔''

''یہ یاد رکھنا کہ میں احمق یا عقل سے عاری نہیں ہوں'' میں نے اسے تنبیہہ کی ''اپنے تحفظ کا پورا یقین کیے بغیر اس عمارت کے قریب بھی نہیں پھٹکوں گا۔''

''تمہاری راہ میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔ جس طرح چاہو اپنا اطمینان کر لینا۔ ہم نے ایک دوسرے کے خلاف بہت وقت برباد کر لیا ہے۔ اب ذہنی تناؤ اور اعصاب زدگی کی اس کیفیت کو ختم ہونا چاہیے۔ ہم ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ کر بہت کچھ طے کر سکتے ہیں۔''

''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ رنکس سے میں زندہ لوٹ سکوں گا؟''

''میری دی ہوئی ہر ضمانت تمہیں مشتبہ محسوس ہو گی۔ یہ تمہاری پیش کش ہے اس لئے تمہیں خود ہی اپنا اطمینان کرنا ہو گا۔ میری خواہش ہو گی کہ تمہاری ہر معقول شرط کو مان لیا جائے۔''

میں نے لمحہ بھر کے لئے سوچا پھر کہا ''ٹھیک ہے۔ کل میں کسی بھی وقت آؤں گا۔''

''میں تمہارے انتظار میں سارا دن بندھا نہیں بیٹھا رہ سکتا۔ وقت کا تھوڑا بہت تعین ہو جانا چاہیے۔'' اس کی آواز میں اعتماد کی مضبوطی جھلک رہی تھی۔

''بارہ سے دو بجے کے درمیان۔'' میں نے بلاتوقف یوں جواب دیا جیسے میں وہ سب پہلے سے طے کیے بیٹھا تھا اور بات گھما پھرا کر اسی موڑ پر لانا چاہ رہا تھا۔

''میں پورے اہتمام سے تمہارا انتظار کروں گا۔'' شکار کو جو ہے دان میں پھانس لینے کی امید بندھتے ہی وہ خوش ہو گیا۔ ''اب شاید ہمارے سارے قضیے جلد ختم ہو جائیں گے۔''

''کراچی کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟'' میں نے نرمی اور رسانیت سے پوچھا۔

''ان تلخیوں کو بھول جاؤ۔'' اس نے ایسے لہجے میں کہا جیسے اگلے دن مجھ سے کسی مصالحت کی امید کیے بیٹھا ہو'' وہ ماضی کی ہولناک باتیں ہیں۔ آئندہ جو ہوگا وہ میری اور تمہاری ملاقات کی روشنی میں ہو گا۔ شاید ہم دشمنی کی راہ ترک کر دیں......''

''یا شاید ہم دونوں میں سے کوئی ایک، دوسرے کو ختم کر دے۔'' میں نے اس کی بات اچک کر لقمہ دیا ''کل کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا انحصار تمہارے رویے پر ہو گا۔''

''میرا دوستانہ سلوک دیکھ کر تم حیران رہ جاؤ گے۔ ہم تشدد اور خون ریزی میں یقین نہیں رکھتے۔ ڈبل اسٹارز اپنے بدترین دشمنوں کو بھی اپنے حسن سلوک سے ٹھکانے لگاتے ہیں۔ بارہا ہماری لڑکیوں نے دشمن کو رام کرنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کیا ہے۔ دشمن دوست بن جاتا ہے یا پھر لڑ کر ہار جاتا ہے۔''

''یہ سب تم مجھے بتا رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''کیا تم سے ہارنے کا مطلب اپنی زندگی ہارنا نہیں ہوتا۔ یہ ہار جیت کبھی دوڑ کے کسی مقابلے جیسی نہیں ہوتی۔ میں مدت سے تمہاری سفاکی اور سنگ دلی کے کھلے مظاہرے دیکھتا چلا آرہا ہوں۔ مجھے کسی بچے کی طرح بہلانے کی کوشش مت کرو۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم میرا وقت برباد کر رہے ہو۔ تم کل نہیں آؤ گے؟'' اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

''تمہاری نیت کے بارے میں اپنا اطمینان کرنے کے بعد میں ضرور آؤں گا۔''

''تم جیری فش کے نام سے کل بارہ اور دو بجے کے درمیان عمارت میں داخل ہو سکتے ہو۔ میرا کوئی آدمی

رہنمائی کے لیے دروازے پر تمہارا انتظار کرے گا۔"
میں بے ساختہ ہنس پڑا"بہت اچھا نام ہے۔ اس سے مجھے ہر لمحے یہ یاد رہے گا کہ میں ایک مچھلی ہوں جسے تم اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہو۔"
"تمہاری یہ منفی سوچ مجھ سے ملے بغیر درست نہیں ہوسکتی۔ ہم ایک مقدس نظریے کے تحت کام کرتے ہیں۔ ہماری پوری کوشش ہوتی ہے کہ خون کا ایک قطرہ بھی بہائے بغیر اپنا ہدف پورا کرسکیں۔ جب اپنی ہی سلامتی خطرے میں پڑ جائے تو مجبوراً ہمیں ہر حد پھلانگنی پڑ جاتی ہے۔ اپنی جان بچانے کے لیے تو پیر کے نیچے آئی ہوئی چیونٹی بھی تلوے میں کاٹ لیتی ہے۔"
"یہ ایک لمبی بحث ہے۔ تم اب تک چیونٹیوں کو پکڑ پکڑ کر اپنی ایڑیوں میں رگڑتے رہے ہو، انہیں اپنے دفاع میں کاٹنے کا موقع نہیں دیتے۔ تم کیا ہو اور کیا نہیں ہو، کل یہ بات کھل جائے گی۔"
"ٹھیک ہے۔ میں کل تمہارا انتظار کروں گا۔" یہ کہہ کر آئزک بیل نے فون بند کر دیا۔
میں کن انکھیوں سے دیکھتا رہا تھا کہ میری پوری گفتگو کے دوران میں ویرا اپنے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے میرے سر پر کھڑی مجھے گھورتی رہی تھی اور گفتگو کے طول پکڑنے پر رہ رہ کر کسی لڑاکا سانڈ کی طرح پھنکاریں مارنے والے انداز میں گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔
میں نے جوں ہی ریسیور کریڈل پر رکھا، وہ غرانے لگی۔
"تمہاری یہ ڈرامے بازیاں مجھے رتی برابر بھی متاثر نہیں کرسکتیں۔ میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔"
"ضرور توڑ دو مگر میں اس کا سبب جاننا چاہوں گا۔" میں نے اس کے تیوروں کو نظر انداز کر کے بے پروائی سے کہا۔
"ابھی تم کس سے بات کر رہے تھے؟" اس نے جارحانہ انداز میں میرے شانے پر ہاتھ مار کر مجھے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔
"کیا حسد اور رقابت سے تمہارا دماغ اتنا ہی ماؤف ہوچکا ہے کہ تمہیں یہ اندازہ نہیں ہوسکا...... ایسی گفتگو اسحاق گھنٹی کے سوا اور کس سے ہوسکتی تھی؟"
"تم یہی ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر مجھے شبہ ہے کہ اس طرح وقت گزار کر تم میرا غصہ کافور ہوجانے کا انتظار کر رہے تھے۔" وہ جھلائے ہوئے اور اشتباہ آمیز لہجے میں بولی۔
"تمہارا دماغ خراب ہے۔ بعض اوقات تمہاری ذہنی رو اس بری طرح بہکتی ہے کہ تمہیں ہر بات اور ہر چیز میں کیڑے نظر آنے لگتے ہیں۔ کیا تم یقین کرسکتی ہو کہ اس وقت جینی کے دفتر میں اسحاق گھنٹی بالکل اچانک ہی میرے سر پر آموجود ہوا تھا۔ میں بہت افراتفری میں وہاں سے بھاگا ہوں۔"
"شاید اسی نے جینی کو تمہاری دعوت پر مجبور کیا ہوگا؟" ویرا کی آواز زہریلی ہوگئی۔
"خدا کے لیے، ان شکوک و شبہات میں پڑنا چھوڑ دو ورنہ ہم دونوں کی زندگی اجیرن ہوجائے گی۔ میں وہاں اپنی مرضی سے نہیں گیا تھا، تم نے بھیجا تھا۔ اس کی سوچ پر میرا کوئی اختیار نہیں تھا۔ وہ غیر شادی شدہ ضرور ہے مگر کج روی میں مبتلا ہے......"
ویرا نے میری پوری بات سنے بغیر دوبارہ بولنا شروع کر دیا۔
"مجھے معلوم ہے کہ وہ دل پھینک اور رنگین مزاج کتیا ہے۔ اس سے میری گہری دوستی رہی ہے۔ اسے مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا مگر وہ راہ چلتے مردوں پر فریفتہ ہونے والی نہیں ہے۔ تم نے ضرور اس کی حوصلہ افزائی کی ہوگی۔"
"اس کی حوصلہ افزائی کے لیے یہی ایک بات کافی تھی کہ میں تمہارا بوائے فرینڈ تھا اور تم ہی نے مجھے اس کے پاس بھیجا تھا۔ اس کے دفتر میں بیٹھ کر میں اس کی ہر بے ہودہ بات سننے پر مجبور تھا۔ اس سے ذرا بھی ترش روئی کا مظاہرہ کرتا تو وہ ہمارا ساتھ دینے سے انکار کرسکتی تھی۔"
"اب اس کی دل جوئی کے لیے کل کس وقت اس کے گھر جا رہے ہو؟" ویرا دل ہی دل میں میری بات کی معقولیت کی قائل ہوچکی تھی مگر اس کے لہجے کی تلخی میں ذرا بھی کمی نہیں آئی تھی۔
"تم نے خندہ پیشانی سے اجازت دے کر میرے

لیے مشکل کھڑی کردی تھی۔ میں تمہارا پرس یا رومال نہیں ہوں جسے تم اپنی مرضی سے اپنی بے راہ رو سہیلیوں کو مستعار دیتی پھرو۔ اسے اپنے حسن و جمال پر گھمنڈ ہے تو ہوا کرے، میں اس کا غلام نہیں ہوں۔''

میرا بگڑا ہوا موڈ دیکھ کر ویرا ٹھنڈی پڑ گئی اور جلدی سے بولی''تم اس سے لڑ کر تو نہیں آئے نا؟ میں اس سے کوئی بڑا کام لینے کا منصوبہ بنائے بیٹھی ہوں۔''

ویرا کی یہ خاص خوبی تھی کہ وہ میرے غصے کے سامنے بالکل موم کی ناک بن کر رہ جاتی تھی۔ میں اس سے دبتا تو بس وہ بے رحمی سے مجھے دباتی ہی چلی جاتی تھی۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہوا تھا کہ ہم دونوں ہی ایک وقت میں طیش میں آئے ہوں۔ اسی وجہ سے ہماری دوستی خوش اسلوبی سے برقرار اور استوار تھی۔ اس وقت ماضی کا وہی تجربہ میرے کام آیا تھا۔

''کام گیا بھاڑ میں۔ اب میں دوبارہ اس چڑیل کی صورت بھی نہیں دیکھوں گا۔'' میں نے ویرا کو مرعوب کرنے کے لیے اپنی آواز قدرے بلند کرلی''خدا کی پناہ! وہ ایسی ندیدی نظروں سے مجھے گھور رہی تھی کہ اس سے گھن آ رہی تھی۔ میں نے خود پر قابو پا کر آج بہت مشکل سے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا ہے مگر آئندہ یہ نہیں ہو سکے گا۔''

''آئندہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ سوچ لیا جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ کل کا کیا رہے گا؟'' اس وقت ویرا کے ذہن پر صرف اور صرف میری اور للی برنارڈ کی مجوزہ ملاقات کا تجسس سوار تھا۔

''میں نے اسے بتایا ہے کہ میں مصروف ہوں۔ جب بھی فرصت ہوئی، خود اس سے رابطہ کرلوں گا۔ ہونہہ...... الو کی پٹھی اپنے آپ کو پتا نہیں کیا سمجھتی ہے۔''

میرا او جواب سنتے ہی ویرا کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ پورے خلوص سے میری دل جوئی میں مصروف ہو گئی۔ اس کی حاسدانہ سوچ کی تسکین کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اس کی دلکش و خوب رو سہیلی مجھے متاثر کرنے میں بری طرح ناکام رہی تھی۔

غنیمت یہ تھا کہ ویرا کو میرا ذہن پڑھ لینے میں غیر معمولی درک حاصل نہیں تھا ورنہ وہ یہ جان کر جل بھن کر کباب ہو جاتی کہ اس وقت بھی جینی کا سحر انگیز سراپا رہ رہ کر میری نظروں میں گھوم رہا تھا۔ ویسے تو مغرب میں گوری رنگت اور نیم عریاں پہناوے کی وجہ سے کم و بیش ہر لڑکی ہی دور سے خوب صورت نظر آتی ہے لیکن جینی واقعی لاکھوں میں ایک کہی جا سکتی تھی۔ یہ ایسی تلخ اور سنگین حقیقت تھی جس کا انکشاف ویرا کو حد سے زیادہ مشتعل کر سکتا تھا۔

ویرا کافی جتن کے بعد میرا مصنوعی غصہ کافور کرانے میں کامیاب ہو سکی۔ مجھے منانے کے لیے وہ جس والہانہ انداز سے میری خوشامد کر رہی تھی، اس سے مجھے لطف آ رہا تھا۔ آخر کار میرے کھنچے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی پہلی نرمی نمودار ہوئی تو اسے یاد آیا کہ میں جینی سے کچھ کاغذات لینے کے لیے آئزک نیل کے دفتر کی طرف گیا تھا۔

وہ ذکر چھڑتے ہی میں بریف کیس کی طرف لپکا اور اسے کھول کر بے تابی سے خاکی رنگ کا وہ لفافہ نکال لیا جو جینی نے میرے حوالے کیا تھا۔

میری مزید کسی کارروائی سے پہلے ویرا نے وہ لفافہ میرے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور چند قدم دور ہٹ کر اس پر لگا ہوا ٹیپ ہٹانے میں مصروف ہو گئی۔ لفافہ کھولنے پر اس میں سے متعدد کاغذوں کی نقول کے ایک پلندے سمیت سبز رنگ کی پتلی سی ایک فائل اور دو بڑی تصاویر برآمد ہوئیں۔

میں تجسس آمیز انداز میں ویرا کے قریب جا پہنچا۔ فون پر میں ایک مدت سے آئزک نیل کی آواز سنتا چلا آ رہا تھا۔ اس روز میں نے چند فٹ کے فاصلے سے اس کی براہ راست آواز سن لی تھی مگر میں اپنے خون کے پیاسے کے چہرے سے یکسر ناآشنا تھا۔

وہ دونوں کیمرے سے لی گئی رنگین تصاویر تھیں۔ ان میں ایک بڑا گروپ فوٹو تھا جس میں کھڑے ہوئے افراد کے آگے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی قطار تھی۔ یہ بقیہ افراد کرسی نشینوں کے قدموں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پچیس تیس مردوں اور عورتوں کے اس گروپ میں ایک کرسی نشین کے چہرے کے گرد سرخ مارکر سے دائرہ

بنا ہوا تھا۔ شاید جینی نے ہمارے حریف کی نشاندہی کے لیے وہ دائرہ بنایا تھا۔ میری نظریں اس تصویر پر جم کر رہ گئیں۔

شفاف عدسوں والی، سنہرے اور باریک فریم کی عینک کے پیچھے اس کی روشن اور بڑی بڑی آنکھیں اس کی ذہانت کی عکاسی کر رہی تھیں۔ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا مگر یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ بیشتر امریکیوں کی طرح دراز قامت اور قوی الجثہ شخص تھا جسے آسانی سے زیر کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس تصویر کا جائزہ لیتے ہوئے ویرا نے پرخیال انداز میں اپنا سر ہلایا اور پھر نیچے والی تصویر نکال لی جو بہت واضح تھی۔

اس تصویر میں آئزک بیل تقریر کرنے والے انداز میں ایک روسٹرم کے پیچھے کھڑا تھا۔ روسٹرم پر کئی حساس مائیک نظر آرہے تھے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس تصویر میں آئزک بیل کے تیکھے بلکہ مکارانہ خدوخال بہت واضح نظر آرہے تھے۔

''میں نے اس کا نام صرف سنا تھا۔ آج صورت بھی دیکھ لی۔ مجھے یقین ہے کہ میرا باپ اسی کی بے آواز رائفل سے نکلی ہوئی گولی کا نشانہ بنا ہوگا۔'' وہ تصویر پر نظریں جما کر بولی۔

''شاید تصویر دیکھنے کے بعد تمہیں اس واقعے کی کوئی...... گمشدہ کڑی مل گئی ہے۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''میں اس کا نام بھول گئی تھی مگر یہ چہرہ مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے۔ یہ نیویارک شوٹنگ کلب کا کوئی عہدیدار ہے...... اور دو سال پہلے رائفل شوٹنگ چیمپئن بھی رہ چکا ہے۔''

''تمہارا خیال ہے کہ کوئی سابق شوٹنگ چیمپئن ہی وائٹ ہاؤس کے باہر تمہارے باپ کو اپنی بے آواز گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''اگر وہ سابق چیمپئن آج ڈیوڈ اسٹارز اورشی کا سربراہ ہے تو میرا یہ خیال ایسا غلط بھی نہیں ہے۔ اتنی بڑی ذمے داری کرائے کے کسی معمولی قاتل کو نہیں سونپی جاسکتی۔''

''اس پر ریسرچ بعد میں بھی کی جاسکتی ہے۔ فی الحال یہ فائل یا کاغذات مجھے دے دو۔ پتا تو چلے کہ جینی نے ہمارے لیے کون سا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔''

میری توقع کے مطابق ویرا نے کاغذوں کا پلندہ میری طرف بڑھا دیا۔

''میں کاغذوں کا جائزہ لینے میں معروف ہوگیا۔ ویرا نے سبز فائل کھول لی۔

وہ رنکس کی کاروباری سرگرمیوں کی بیشتر سرگرمیوں پر اجمالی روشنی ڈالنے والے کاغذات کی نقول تھیں۔ اس اعتبار سے ان میں سے ہر کاغذ بہت اہم تھا۔

کاغذوں کی ورق گردانی کرتے ہوئے میری نظریں اس کاغذ پر مرکوز ہوگئیں جس پر رنکس کے مستقل گاہکوں کی تازہ ترین فہرست کا عنوان درج تھا۔

حروف تہجی کے اعتبار سے چھاپی ہوئی اس طویل فہرست پر ایک سرسری سی نظر ڈالتے ہی میں ایف بی آئی، سی آئی اے، ناسا، پینٹاگون اور فیڈرل ریزرو سے لے کر وائٹ ہاؤس تک میں رنکس کے اثر و رسوخ کا اندازہ لگانے میں کامیاب ہوگیا۔

اس فہرست میں امریکا کے بیشتر اہم ترین وفاقی اداروں کے نام شامل تھے۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ ادارے بھاری رقوم، حساس آلات، قیمتی ہتھیاروں، تمسکات، دستاویزات اور دوسری گراں قدر اشیا کی نقل و حمل میں صرف رنکس کی خدمات سے استفادہ کرتی ہوں۔ اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ آئزک بیل کو اپنے کاروباری ... ادارے کی وجہ سے ان تمام مقامات تک رسائی کی سہولت حاصل تھی جہاں امریکا کے سوادنیا کے بہت سے ملکوں کی تقدیر کے فیصلے ہوتے تھے۔

''یہ سب بالکل ناقابل فہم ہے۔'' ویرا کی بڑبڑاہٹ نے مجھے چونکا دیا۔

میں نے سر اٹھایا تو وہ سبز فائل میری طرف بڑھاتے ہوئے کہہ رہی تھی ''تم بھی ایک نظر ڈال لو۔ شاید تم اس جناتی زبان کو سمجھ سکو۔''

میں نے دل کی بڑھتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ وہ پراسرار سبز فائل ویرا کے ہاتھ سے لے لی جس کا ایک

لفظ بھی ویرا کے پلے نہیں پڑ سکا تھا۔ اپنے کاغذات میں نے اسے دے دیے۔

وہ ہلکے بادامی رنگ کے دبیز اور قیمتی کاغذ کے پانچ صفحات تھے جو غالباً کسی کمپیوٹر پرنٹر سے نکالے گئے تھے۔ تحریر میں حروف جہاں ہند سے استعمال ہوئے تھے وہ سمجھ میں آرہے تھے لیکن میں پہلے صفحے کا ایک لفظ بھی پڑھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

مجھے اپنی انگریزی کی استعداد پر کبھی بھی ناز نہیں رہا، ہمیشہ کچھ نہ کچھ سیکھنے کے لیے کوشاں رہتا ہوں مگر میں اتنا کورا بھی نہیں تھا کہ ان پانچ صفحات کا کوئی لفظ بھی نہ پڑھ پاتا۔ ساری عبارت بڑے یعنی کیپٹل حروف میں لکھی گئی تھی، چھوٹا حرف کہیں نہیں تھا۔ الفاظ اس قدر بونگے اور بے تکے تھے کہ ان کا کوئی بھی تلفظ دشوار تھا۔

پانچوں صفحے کے اختتام پر دو کشادہ سطروں میں اوپر نیچے چار قلمی دستخط تھے۔ دو دستخط کالی انک سے کیے گئے تھے، تیسرے میں سبز اور چوتھے میں نیلی روشنائی استعمال کی گئی تھی۔ نیلے رنگ میں کیے گئے آخری دستخط کے نیچے جینی نے پنسل سے ہلکا سا کراس بنا کر یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ آئزک بیل کے دستخط تھے۔

سبز فائل میں لگے ہوئے ان کاغذوں پر کافی دیر تک سر کھپانے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ کوئی غیر معروف خفیہ زبان تھی جسے سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی۔

اس تحریر، اس کے نامعلوم متن اور اس پر موجود چار دستخطوں کے ساتھ کاغذ کی غیر معمولی دبازت اور ساخت بھی میرے محل نظر تھی۔ میں نے فائل میں سے ایک کاغذ نکال کر اسے روشنی کے رخ پر دیکھا تو مجھے اس میں بنے ہوئے خاص قسم کے واٹر مارک نظر آئے جن میں وائٹ ہاؤس کے حروف واضح طور پر پڑھنے میں آرہے تھے۔

اس اچانک دریافت پر میرا دل بلیوں اچھلنے لگا "ذرا یہ تو دیکھو!" میں نے وہ کاغذ ویرا کی طرف بڑھاتے ہوئے ہیجان آمیز لہجے میں کہا۔

ویرا اس کاغذ کے ساتھ میرا سلوک دیکھ چکی تھی۔ اس نے کاغذ کو چٹکی میں تھام کر روشنی کے رخ پر فضا میں بلند کیا اور اضطراری انداز میں اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

"یہ تو وائٹ ہاؤس کے مونوگرام ہیں۔ یہ کاغذ خاص طور پر امریکا کے ایوان صدر کے لیے بنایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔" حیرت اور خوشی سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

وائٹ ہاؤس کی اسٹیشنری پر چھپے ہوئے ان پانچ ناقابل فہم صفحات کے اختتام پر کسی ایک فرد کے دستخط ہوتے تو یہی کہا جاسکتا تھا کہ وہ صدر امریکا کے کسی نائب یا اہل کار کا جاری کیا ہوا کوئی حکم نامہ ہے لیکن وہاں چار افراد کے دستخطوں سے کچھ یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے وہ وائٹ ہاؤس اور کچھ نامعلوم لوگوں کے درمیان ہونے والے کسی خفیہ معاہدے کا مسودہ ہو۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ویرا ایک مرتبہ پھر روشنی کے سامنے اس کاغذ کا جائزہ لیتے ہوئے بولی "جینی نے ایک بہت اہم دستاویز پر ہاتھ ڈالا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ رنگس اور وائٹ ہاؤس کے درمیان ہونے والے معاہدے کا مسودہ ہو۔ اسے پڑھ کر یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ اسحاق وائٹ ہاؤس کے لیے کون سی خفیہ خدمات انجام دے رہا ہے۔"

وہ کوئی عام کاروباری معاہدہ ہوتا تو اس میں نامانوس زبان استعمال کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ مقاصد کو خفیہ رکھنے کے لیے ہی ایسا کوئی قدم اٹھایا جاتا ہے۔ میں نے ویرا کے ہاتھ سے وہ کاغذ لے کر فائل میں لگاتے ہوئے کہا "اب اول خان کی مدت گزر گئی ہے۔ ان کاغذات کو وہی کرپٹو گرافی کے کسی ماہر سے ڈی کوڈ کرا سکے گا۔"

"پھر اس سے بات کرو۔" ویرا نے فوراً ہی نادر شاہی حکم صادر کردیا۔

"اس سے ویسے بھی بات کرنی ضروری ہوگئی ہے۔" میں نے پرتفکر انداز میں کہا "اسحاق نے کہا ہے کہ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر دو روز سے خاموش ہے اور اب وہاں ویرانی ہی ویرانی راج کرے گی۔ اول خان اس سے پہلے ہی کراچی میں لوڈ شیڈنگ کا ذکر کرچکا تھا اس نے کینوپ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس بارے میں اس سے

تفصیل سے بات کرنی پڑے گی۔"

"خدا خیر کرے۔" ویرا بے ساختہ بڑبڑائی "پتا نہیں یہ لوگ کینوپ کے دشمن کیوں ہو رہے ہیں۔ ابھی کچھ ہی عرصے پہلے اس پر بارودی پیٹیوں سے لدا ہوا ایک جہاز گرانے کی سازش کی گئی تھی۔ پھر مدن موہن نے سلیم اکبر خان کے ذریعے وہاں کے خفیہ نقشے حاصل کرنے کی کوشش کی اور اب تم اسحاق گھنٹی کی نئی کہانی سنا رہے ہو۔"

ویرا الجھ رہی تھی لیکن میرے لیے وہ سازشیں قابل فہم تھیں۔

بھارت اور اس کے حواریوں کی شہ پر ان دنوں پاکستان ایٹمی پروگرام کو عالمی ذرائع ابلاغ سے پوری شدومد سے اچھالا جا رہا تھا۔ رپورٹنگ کے نام پر ایسے ایسے سنسنی خیز فکشن سنائے اور دکھائے جا رہے تھے جیسے پاکستانی ایجنٹ اور مخصوص سفارت کار شرلاک ہومز جیسے کتابی سراغ رساں سے بھی زیادہ قابل اور ماہر ہو کر پورے مغرب کے لیے ہوا بن چکے ہوں۔

سارا زور اس بات پر تھا کہ کراچی کے ایٹمی بجلی گھر کے لیے درآمد کیا جانے والا ایٹمی ایندھن وہاں پوری طرح استعمال نہیں کیا جا رہا تھا۔ انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے انسپکٹروں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ہر کھیپ میں سے چوری جاری تھی اور وہاں سے چوری کیا جانے والا ایندھن پاکستان کی نامعلوم تجربے گاہوں میں ایٹم بموں کی تیاری کے لیے استعمال ہو رہا تھا۔

اس وقت تک ایٹمی ایندھن کو افزودہ کرنے کے لیے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی بے مثال کامیابیوں کا راز فاش نہیں ہوا تھا۔ پاکستان کے دشمنوں کو کامل یقین تھا کہ پاکستان کے ہولناک جوہری پروگرام کی بنیاد کینوپ سے چرائے ہوئے ایندھن پر رکھی گئی ہے۔

بھارت اور اسرائیل کو خدشہ تھا کہ پاکستان نے ایٹمی طاقت حاصل کر لی تو مشرق میں طاقت کا توازن بری طرح بگڑ کر پاکستان کے حق میں چلا جائے گا اور ان کی چوہدراہٹ کے خواب خاک میں مل جائیں گے۔

ایسے میں کینوپ کے خلاف تواتر سے کی جانے والی سازشیں بعید از فہم نہیں تھیں۔

پاکستان عالمی اداروں سے کیے ہوئے معاہدوں کی مکمل پاسداری کر رہا تھا۔ اس کے عزائم کے بارے میں افواہیں پوری دنیا میں گردش کر رہی تھیں، ثبوت کسی کے پاس نہیں تھا۔

ثبوت نہ ہونے کی صورت میں پاکستان کے خلاف کسی کھلی کارروائی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ طاقت کے نشے میں چور کوئی سپر پاور کوئی تخریبی قدم اٹھاتی تو اس کے خلاف رائے عامہ کا ایک طوفان کھڑا ہو سکتا تھا جس کا سامنا کرنا آسان نہ ہوتا۔

ان بکھیڑوں سے بچنے کے لیے ان جانے پہچانے دشمنوں نے سازشوں کا ڈول ڈالا تھا جن کے ڈانڈے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

ویرا وائٹ ہاؤس کے باسیوں کے بارے میں پورے اعتماد سے اور بے دریغ یوں بات کرتی تھی جیسے اس نے اپنا پورا لڑکپن اقتدار و جبروت کے اسی ناقابل شکست قلعے میں گزارا ہو۔ میں نے بھی اسے جھوٹا نہیں سمجھا لیکن اس کی کہی ہوئی ہر بات پر پوری طرح یقین بھی نہیں کیا۔

اس روز رنکس کے دفتر میں آئزک بیل کی میز کی درازوں کے پیچھے سے پانچ ورقی سبز فائل ہاتھ آنے کے بعد اس سازش کے کرداروں کے بارے میں پہلا ثبوت سامنے آ گیا تھا۔

ایک طرف آئزک بیل کینوپ کی تباہی کی منحوس خبر سنا رہا تھا اور دوسری طرف وائٹ ہاؤس کسی خفیہ معاہدے کا فریق بنا بیٹھا تھا۔

جاں گسل اور صبر آزما جدوجہد کے ساتھ بہت دھیرے دھیرے سربستہ راز کھل رہے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ بہت کچھ گڈمڈ ہوتا بھی نظر آ رہا تھا۔ پہلے یوں لگتا تھا جیسے ہیروئن کی سرپرستی کرنے والے موت کے سوداگروں کا ٹولہ اپنی بے انداز آمدنی کے سہارے پاکستان کو تاخت و تاراج کرنے پر تل گیا ہو اور پورا کھیل ان اسمگلروں کا پھیلایا ہوا ہو مگر آئزک بیل کے دفتر سے وائٹ ہاؤس کے پانچ مطبوعہ کاغذ ملنے کے بعد وہ

طلسم بکھرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔
پاکستان کے خلاف دہشت گردی اور تخریب کاری نے ہیروئن کے کالے دھن سے جنم نہیں لیا تھا بلکہ ان دشمنوں نے ہی ایک موثر حربے کے طور پر ہیروئن کو پاکستان کی سرحد کے دونوں جانب بکھیر دیا تھا۔ ان دشمنوں میں بھارت، اسرائیل اور ڈیوڈ اسٹارز کے چہرے شناسا تھے اور چوتھی تصویر وائٹ ہاؤس کے مستند روپ میں سامنے آ رہی تھی۔
وہ چھری اور خربوزے والا معاملہ تھا جس میں پاکستان ...خربوزہ بنا ہوا تھا۔ دودھاری چھری کے ایک دھار موت کے سوداگر میقل کر رہے تھے، دوسری دھار دشمن تیز کر رہے تھے۔
ان سازشوں کی بیخ کنی کرنے والے تنخواہ دار عمال اور اہل کار جو کچھ بھی کر رہے ہوں، نتیجہ سامنے تھا کہ سازشیں روز بروز زور پکڑ رہی تھیں اور ان کا مقابلہ کرنے والے گمنام و بے نوا سپاہیوں میں سے ایک انفرہ کے فوجی اسپتال میں بستر پر پڑا اپنی صحت یابی کا منتظر تھا، دوسرا کراچی میں برسرِ پیکار تھا اور میں ویرا سمیت نیویارک جیسے بے رحم اور تیز رو شہر میں بھٹک رہا تھا۔
اچانک مجھے یاد آیا کہ بظاہر بدری ناتھ بھی اس لڑائی میں ہمارا ساتھی بن چکا تھا۔ نیویارک میں آئزک بیل کے دفتر کا پہلا سراغ اسی نے دیا تھا۔ اسی کی دی ہوئی سی ایس ڈی نے ہمیں اس قابل کیا تھا کہ میں بے خوف و خطر ہو کر آئزک بیل سے بات کر رہا تھا۔
ہوٹل سے پاکستان فون نہ کرنا میرا ایک اصولی فیصلہ تھا جو حفظ ماتقدم کے لیے ضروری تھا۔ اول خان سے بات کرنے کے لیے مجھے ہوٹل سے باہر جانا پڑتا جب کہ بدری کے کزن شیام ناتھ کو میں کمرے سے فون کر سکتا تھا۔ میں نے فوراً ریسیور اٹھا لیا۔
پہلی گھنٹی بجتے ہی شیام ناتھ نے فون اٹھا لیا۔ معمول کے مطابق اس کی آواز نشے سے بوجھل تھی مگر وہ نشے میں نہیں تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی چہکنے لگا ''یار گرنام! تمہاری اور بدری کی راس خوب ملتی ہے۔ ادھر وہ کوئی پیغام دیتا ہے اور ادھر تم فون کھڑکا دیتے ہو۔ وہ سالا اپنا کزن ہے لیکن اپنے ساتھ اس کی کبھی اتنی نہیں بنتی۔''
''کیا اس کا فون آیا تھا؟ وہ اس وقت کہاں ہے؟'' میں نے اشتیاق سے پوچھا۔
''وہ ورجینیا میں موج کر رہا ہے۔ اس مرتبہ اس کی پرواز اونچی معلوم ہوتی ہے۔''
''اس نے اپنا کوئی پتا یا فون نمبر چھوڑا ہے؟'' میں نے اگلا سوال کیا۔
''وہ... رچمنڈ کے کسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔ کاغذ قلم موجود ہے تو اس کا فون نمبر لکھ لو۔''
اس نے مجھے جیفرسن ہوٹل کے کمرا نمبر بیس کے ساتھ رچمنڈ کا ایریا کوڈ اور ہوٹل کا فون نمبر لکھوانے کے بعد کہا۔
''اس سے جلد ہی بات کر لینا۔ وہ خاصا بے چین تھا۔''
''تم بے فکر رہو۔ میں بھی اس بلبل کی آواز سننے کو تڑپ رہا ہوں۔''
اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ اپنی عادت کے مطابق مجھے جلد ہی ملنے اور محفل جمانے کی ہدایت کی اور مختصر سی گپ شپ کے بعد فون بند کر دیا۔
میں نے محسوس کیا کہ ایک مدت سے امریکا میں رہنے کے باعث شیام ناتھ پوری طرح وہیں کے رنگ میں رنگ گیا تھا۔ من چلے نوجوانوں کی طرح زندگی کی بھاری ذمے داریوں سے فرار، اپنی ضروریات کے لیے لنگر لنگوٹ کس کر کمانا اور پھر اس کمائی کو اپنی ذاتی خوشیوں کے لیے بے دریغ خرچ کرنا اس کا وتیرہ بنا ہوا تھا۔ مجھ سے خاصی بے تکلفی ہو جانے کے باوجود اس نے فون پر مجھے زیادہ وقت نہیں دیا تھا کیونکہ ان اوقات میں اس کے ریستوران میں کام کا دباؤ شروع ہو جاتا تھا۔ اوقاتِ کار میں اپنے منصب کی ذمے داریوں سے آنکھیں بند کر کے یار دوستوں اور شناساؤں سے گپ شپ میں وقت برباد کرنے کا تصور وہاں مالکان میں پایا جاتا تھا اور نہ ملازمین وقت کی اس ضیافت کا تصور کر سکتے تھے۔
مجھے اول خان سے بات کرنے کے لیے ہوٹل سے

باہر جانا ہی تھا۔ میں نے سوچا کہ بدری ناتھ کو بھی پبلک بوتھ سے ہی فون کرلوں گا مگر ویرا نے مجھے مجبور کیا کہ میں بدری سے اسی کے سامنے بات کرلوں۔

بدری اس وقت امریکا کی ہی ایک ریاست میں موجود تھا۔ اندرون ملک کی جانے والی وہ ٹیلی فونک گفتگو اردو میں ہوتی پھر میرے انسٹرمنٹ سے سی ایس ڈی منسلک تھی۔ لمحہ بھر میں ان نکات پر غور کرنے کے بعد میں نے ویرا کا مشورہ قبول کرلیا۔

''بات کرنا مگر ہوشیاری سے۔'' مجھے آمادہ پا کر ویرا نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا'' دارالحکومت کے مضافات میں واقع یہ ریاست بہت خطرناک ہے کیونکہ سی آئی اے کا ہیڈ کوارٹر وہیں پایا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بدری اس وقت ان ہی کا مہمان ہو۔''

''تو کیا سی آئی اے سینٹر رچمنڈ میں ہی ہے؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''وہ رچمنڈ بھی ہوسکتا ہے۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ وہ لوگ ورجینیا سے کنٹرول کیے جاتے ہیں۔ کیپٹل ریجن کی یہ ریاست اتنی چھوٹی سی ہے کہ اس کے بیشتر شہر ایک دوسرے سے تقریباً جڑے ہوئے ہیں۔ اگر بدری ناتھ کی طرف دوڑ لگانی پڑی تو یہ چھوٹی موٹی باتیں بھی معلوم ہوجائیں گی۔''

یہ ذکر شاید بار بار آتا رہا ہے کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہر درجے کے ہوٹلوں میں اب فون کرنے کے لیے آپریٹر سے مدد لینی قطعی ضروری نہیں ہوتی۔ مطلوبہ نمبر معلوم ہو تو کوئی مخصوص ہندسہ ڈائل کر کے فون لائن تک براہ راست رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ میں نے ریسیور اٹھا کر شیام ناتھ سے ملا ہوا نمبر ڈائل کر ڈالا۔ پہلی گھنٹی پر ہی دوسری طرف سے ریسیور اٹھالیا گیا۔

''جیفرسن ہوٹل...... میں تمہاری کیا مدد کرسکتی ہوں؟'' ریسیور میں مترنم نسوانی آواز گونجی۔

میری فرمائش پر لائن لمحہ بھر میں بدری ناتھ کے کمرے میں منتقل کردی گئی۔ رابطہ برقرار رہا۔ سی ایس ڈی کی خاموشی کا مطلب تھا کہ آپریٹر نے گفتگو سننے کی کوشش نہیں کی تھی یا پھر ان مصروف اوقات میں اسے اس مشغلے کی فرصت نہیں تھی۔

''بہت اچھا کیا کہ تم نے فون کرلیا۔ یہاں میرا وقت بہت مصروف گزرے گا۔'' علیک سلیک کے بعد بدری ناتھ نے دبی دبی ہیجان آمیز آواز میں کہا'' راستے میں ہی مجھے ایک شیڈول پکڑا دیا گیا تھا اور ائرپورٹ پر اترتے ہی مجھے براہ راست ہیڈ کوارٹرز پہنچا یا دیا گیا......''

''کیا سی آئی اے ہیڈ کوارٹرز کی بات کررہے ہو؟'' میں ..... اپنے فطری تجسس کی وجہ سے اس کی بات کاٹے بغیر نہ رہ سکا۔

''یہ نام مت لو!'' بدری ناتھ کی غراہٹ ابھری'' یہ نہ بھولو کہ میں آتش فشاں کے دہانے پر آ بیٹھا ہوں اور یہاں قدم رکھتے ہی کچھ ایسے کاغذات میرے سامنے آئے ہیں جن سے پتا چلا ہے کہ اوہایو سے کچھ اہم پرزوں کے تین بڑے کریٹ نیویارک جانے والے ہیں۔ وہاں سے یہ کریٹ ائرفریٹ سے کراچی جائیں گے۔ راستے میں ان آلات یا پرزوں میں کوئی گڑبڑ کی جانے والی ہے۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں کرسکتا۔ ہوسکے تو تم کچھ کرنے کی کوشش کرو۔''

''میں سرتوڑ کوشش کروں گا۔'' اس کا وہ انکشاف سن کر میں سناٹے میں آگیا تھا'' لیکن یہ تو پتا چلے کہ وہ پرزے کیا ہیں اور کراچی میں کس کو ملنے والے ہیں۔''

''مختصر وقت میں اس سے زیادہ معلوم کرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ اپنی کوششوں کے ساتھ ذرا اس جوڑے کی بھی خیر خبر رکھو جس سے اسحاق گھنٹی گھبرایا ہوا ہے۔ اگر وہ دونوں آگئے ہیں تو اس معاملے میں بہت کچھ کرسکتے ہیں تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔''

بظاہر اس کے وہ فقرے میرے لیے توہین آمیز تھے کیونکہ اس کے لیے میں علی شیر بنا ہوا تھا جبکہ اس کی بیشتر توقعات ڈینی اور ویرا سے وابستہ تھیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس وقت تک بدری کو میری اصلیت پر ذرا بھی شبہ نہیں ہوا تھا اور یہی میری کامیابی کی کلید تھی۔

''میں کام چور یا حرام خور نہیں ہوں۔'' میں نے برا مان جانے والے انداز میں کہا'' میں صرف یہ جاننا چاہ

رہا تھا کہ وہ پرزے اوہایو سے نیویارک تک کیسے لے جائے جائیں گے؟''

''ہاں، تمہارا یہ سوال معقول ہے یہ سفر جہاز سے طے ہوا تو راستے میں کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ یہ راستہ سڑک سے طے ہوگا۔ یہاں ٹھیکے داری کا رواج کچھ زیادہ ہے۔ یہ کام رنکس نامی کسی سیکیورٹی کمپنی کو سونپا گیا ہے۔ وہ قیمتی سامان کی محفوظ نقل وحمل میں بہت ماہر سمجھے جاتے ہیں۔''

''بس اب بہت کچھ ہو سکے گا۔'' میں نے اپنی بے ساختہ خوشی کو دباتے ہوئے اضطراری لہجے میں کہا'' تم کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ رنکس اسحاق گھنٹی کی کمپنی ہے اور تمہیں مین ہٹن کی ایک ہائی رائز کی گیارہویں منزل پر اسی کے دفتر میں لے جایا گیا تھا۔''

''نہیں ...... یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟'' اس کی بے ساختہ آواز تحیرزدہ تھی۔

''میں اس دفتر کا سراغ لگا چکا ہوں۔ تم شدید ذہنی دباؤ کے عالم میں وہاں لے جائے گئے تھے اس لیے تم کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس دفتر کا کیا نام ہے ورنہ وہ اس عمارت کا ایک مشہور اور معتبر کاروباری ادارہ ہے۔''

''میرے میزبانوں کے روابط اگر اس کمپنی سے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اسحاق گھنٹی کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ یہ کوئی بہت بڑا گٹھ جوڑ معلوم ہوتا ہے۔'' وہ بولا۔

''بڑے گٹھ جوڑ کی بات تو اسی ایک نکتے سے واضح ہو جاتی ہے کہ تمہیں ممبئی سے بلا کر ورجینیا میں خونی درندوں کے غول میں چھوڑ دیا گیا ہے تا کہ وہ تمہیں اپنے جیسا بنا سکیں۔''

''دیکھتے ہیں کہ کون کیا بنتا ہے؟'' ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز ابھری'' کوئی خاص بات ہو تو تم رات نو بجے کے بعد ان ہی نمبروں پر مجھ سے رابطہ کر سکتے ہو۔ شیڈول کے مطابق اگلے دو ہفتے مجھے اسی ہوٹل میں راتیں بسر کرنی ہوں گی۔''

''نو بجے کے بعد؟ کیا تم یہاں اوور ٹائم بھی کماؤ گے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

ایک سپاٹ سی ہنسی کے بعد اس کی آواز سنائی دی ''ہم لوگ چوبیس گھنٹے کے ملازم ہوتے ہیں۔ یہاں میرے دفتری اوقات پانچ بجے ختم ہو جائیں گے لیکن فیلڈ ٹریننگ کے سلسلے میں مجھے اکثر شامیں ادھر ادھر گزارنی پڑیں گی۔ میں نو بجے کے بعد ہر حال میں کمرے میں موجود رہوں گا، آج میں جلدی لوٹ آیا تھا۔''

''ٹھیک ہے، اگر اسحاق گھنٹی کو دہشت زدہ کرنے والے جوڑے سے کوئی رابطہ ہوا تو اسے بھی تمہارا نمبر دے دوں گا۔ وہ لوگ تم سے بات کر کے ضرور خوش ہوں گے۔''

''ایسا ہو جائے تو کیا ہی بات ہے۔'' اس کا لہجہ رشک آمیز تھا۔

میں نے وہ کال ہوٹل سے کی تھی اس لیے اسے زیادہ طول نہیں دیا۔ کام کی باتوں پر تبادلہ خیال ہو ہی چکا تھا۔ میں نے رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد فون بند کر دیا۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔'' بدری ناتھ سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل سن کر ویرا پرتشویش انداز میں بولی'' ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے امریکا میں ہر وقت صرف پاکستان کے خلاف سازشیں ہوتی رہتی ہیں اور ان لوگوں کو دنیا میں کوئی دوسرا کام نہیں ہے۔''

''پاکستان ہی نہیں، دنیا کے متعدد ممالک ان کا ہدف ہیں۔ ورجینیا میں بیٹھے ہوئے منصوبہ ساز اپنے سازشی ذہنوں کو ہر وقت استعمال کرتے رہتے ہیں۔ کیوبا، ایران، عراق، لیبیا، چین اور مشرقی یورپ کے متعدد ممالک ان کی آنکھوں میں کھٹکتے رہتے ہیں اور یہ ان کے خلاف مصروف عمل رہتے ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ہمارے مفادات پاکستان سے وابستہ ہیں اس وجہ سے ہم کو وہی باتیں معلوم ہو رہی ہیں جن میں پاکستان کا نام آتا ہے۔''

''ایک چھوٹے سے اور غریب ملک کے خلاف اتنی پرخاش میری سمجھ سے باہر ہے۔ پتا نہیں اوہایو سے روانہ ہونے والے کس قسم کے پرزوں میں تخریب کاری

کی جانے والی ہے۔تم ڈور کو سلجھانے کی جتنی کوشش کررہے ہو،وہ اسی قدر الجھتی جارہی ہے۔"

"یہ یہاں کی خبریں تھیں۔ اب دیکھتا ہوں کہ پاکستان کی کیا اطلاعات ہیں۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

"اس وقت میرے لیے ہر بات ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ مجھے اصل فکر کینوپ کی ہے۔ پتا نہیں اسحاق گھنٹی کے زرخرید حواریوں نے وہاں کیا گل کھلائے ہیں۔"

"تم جاکر اول خان سے بات کرو۔ میں اپنے بکھرتے ہوئے اعصاب کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتی ہوں۔ مجھے شدت سے اسکاچ کی طلب ہورہی ہے۔"

"تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔شوق پورا کرلینا لیکن بات حد میں رہے تو بہتر ہے۔"

میں ہوٹل سے نکلا تو میرے ذہن پر ہلکا سا بوجھ طاری تھا۔نیویارک میں اس وقت شام کے چھ ہی بجے تھے۔پاکستان میں اس وقت فجر کا وقت بھی نہیں ہوا تھا۔ اتنے منہ اندھیرے اول خان کی نیند خراب کرنی مناسب نہیں تھی مگر ضرورت ناگزیر تھی۔

میری کال پر اول خان صبح صادق کی گہری نیند سے بیدار ہوا تو اس کی آواز خمار سے بوجھل تھی لیکن اس میں ذرا بھی ناگواری نہیں تھی۔

"اگر تمہارا ذہن صاف ہے تو یہ بتاؤ کہ کراچی میں آج کل لوڈشیڈنگ کیوں ہورہی ہے؟" میں نے کسی تمہید کے بغیر اپنے مطلب کا سوال داغا۔

"لوڈشیڈنگ تو اب یہاں کے معمولات میں شامل ہوچکی ہے۔تم اس بارے میں فکر مند کیوں ہو؟ ویسے مجھے اس کے اسباب کا ذرا بھی علم نہیں ہے؟" اول خان نے جواب دیا۔

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ کینوپ دو دن سے بند پڑا ہے۔دشمن ایک مرتبہ پھر اسے نشانہ بنانے پر تلا ہوا ہے۔ میں ان خبروں کی تصدیق یا تردید حاصل کرنی چاہتا ہوں۔"

"متعلقہ لوگوں سے بات کیے بغیر میں کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" میرا مدعا سنتے ہی اس کی آواز سے نیند کے اثرات کافور ہوگئے۔

"میں تمہیں تھوڑا سا وقت دے سکتا ہوں۔اس مہلت کے بعد اسی بوتھ سے دوبارہ فون کروں گا۔تم کتنی دیر میں معلومات حاصل کرسکتے ہو؟"

"کے ای ایس سی کے دو چیف انجینئرز میرے دوست ہیں۔منیر الدین یا خالد اقبال سے بات ہوگئی تو میرے لیے دس منٹ بھی بہت کافی ہیں لیکن تم مجھے آدھے گھنٹے کی مہلت دو تاکہ میں پوری تفصیلات حاصل کرسکوں۔ اگر کوئی تخریب کاری ہوئی ہے تو اندر کی خبریں حاصل کرنے میں تھوڑی سی دشواری پیش آسکتی ہے......"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "ٹھیک ہے۔میں آدھے گھنٹے بعد فون کروں گا۔"

فون کا کریڈل دبا کر میں چند ثانیوں تک بوتھ میں کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر ریسیور ہک پر لٹکا کر باہر نکل آیا۔اس وقت فٹ پاتھوں پر سناٹا نہیں چھایا تھا مگر وہاں راہ گیروں کی کثرت بھی نہیں تھی۔میرے ذہن میں پچھلی رات کی رہزنی کا تلخ تجربہ تازہ تھا۔آدھے گھنٹے کے لیے وہیں رک کر کسی لٹیرے کو اپنی طرف مدعو کرنے کا خطرہ مول لینے کے بجائے میں نکڑ سے آٹھویں ایونیو پر شمال کی طرف چل پڑا۔وہ راستہ شیام ناتھ کے ہوٹل کے ساتھ مین ہٹن کے مرکزی تفریحی علاقوں کی طرف جاتا تھا۔اس چہل قدمی میں آدھا گھنٹا گزار کر میں کہیں سے بھی اول خان کو فون کرسکتا تھا۔

اس وقت شیام کے پاس رکنا مناسب نہیں تھا۔ بزنس کے اوقات میں وہ مجھے وقت دے سکتا نہ میں زیادہ وقت برباد کرنے کا متحمل ہوسکتا تھا۔ مجھے صرف اتنا وقت گزارنا تھا کہ اول خان صبح سویرے اپنے دوستوں کی نیند خراب کرکے کینوپ کے بارے میں اصل صورت حال معلوم کرسکے۔

پورٹ اتھارٹی بس ٹرمنل سے ذرا آگے رونق اور رنگا رنگ روشنیوں کا ایک سیلاب میرا منتظر تھا۔ اس

وقت میں مشہور زمانہ ٹائمنر اسکوائر سے ملنے والی سڑکوں پر موجود تھا۔

بڑی بڑی، جلتی بجھتی تیز روشنیوں میں سڑکوں کے دونوں طرف مین ہٹن کے بے شمار عشرت کدے اور تفریحی مراکز پھیلے ہوئے تھے۔ نظروں میں دعوت اور شناسائی کی عجیب سی جھلک لیے بہت سے اجنبی نسوانی چہرے مجسم اشتہار بنے سیاحوں کی بھیڑ میں بھٹک رہے تھے مگر اس وقت میرے لیے ان تفریحات میں ذرا بھی کشش نہیں تھی۔ میرا ذہن کینوپ میں الجھا ہوا تھا۔

میں بار بار اپنی رسٹ واچ کا جائزہ لیتا، انسانوں کی اس بھیڑ میں ایک بھٹکے ہوئے دیہاتی کی طرح گھومتا رہا۔ ٹائمنر اسکوائر سے براڈوے ہوتا ہوا تھیٹر ڈسٹرکٹ میں پہنچا تو اول خان کو دیے ہوئے وقت میں صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے تھے۔

میں بھیڑ بھاڑ سے بچتا اور گلیوں میں مڑتا ہوا جلدی ہی اس پر ہجوم علاقے سے نکل گیا اور پھر مجھے ایک بلاک کے وسط میں فٹ پاتھ پر خالی فون بوتھ بھی نظر آ گیا۔

میرے پاس ابھی تین منٹ باقی تھے۔ اچانک مجھے سلطان شاہ کا خیال آیا اور میں نے بے اختیار ریسیور ہک سے اتار کر کان سے لگا لیا۔

اول خان کو دیے ہوئے وقت میں دس پانچ منٹ کی تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا مگر سلطان شاہ کی خیریت معلوم ہونی ضروری تھی۔ اگر مجھے پہلے ہی دھیان آ گیا ہوتا تو اپنا آدھا گھنٹا زیادہ بہتر طور پر گزار سکتا تھا۔

مجھے انقرہ میں ایوب آغا کے ساتھ ملٹری اسپتال کا فون نمبر بھی زبانی یاد تھا۔ آخری اطلاع کے مطابق سلطان شاہ کی حالت قدرے بہتر تھی اس لیے میں نے ایوب آغا کے بجائے ملٹری اسپتال کا نمبر ہی ملا ڈالا تاکہ سلطان شاہ سے براہ راست بات ہو سکے۔

انقرہ ملٹری اسپتال کا آپریٹر انگریزی سے نابلد تھا مگر مخصوص آواز سے یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ انٹرنیشنل کال تھی.... ترکی میں کہے ہوئے اپنے پہلے فقرے کے جواب میں میری انگریزی سنتے ہی اس نے سمجھ لیا کہ اس کا مخاطب اس کی مادری زبان سے ناواقف ہے۔

لائن پر چند ثانیوں کے لیے سکوت رہا پھر کوئی خاتون انگریزی میں مجھ سے مخاطب ہوئی۔ میری فرمائش پر اس نے مزید کسی سوال کے بغیر کال سلطان شاہ کے کمرے میں منتقل کر دی۔

سلطان شاہ کے لیے میری وہ فون کال اس قدر غیر متوقع تھی کہ میری آواز سنتے ہی وہ وفور مسرت سے تقریباً چیخ پڑا۔

''شکر ہے میرے خدا! میں نے اپنے کانوں سے تمہاری آواز سن لی۔ مجھے سب معلوم ہو چکا ہے کہ تم ایک لمحے کے لیے بھی میری طرف سے غافل نہیں تھے۔ اگر تم نے ہزاروں میل کی دوری کے باوجود میری خبر گیری نہ کی ہوتی تو آج میں زندہ نہ ہوتا......''

''ذرا رک کر بولو برخوردار!'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا'' ایک سانس میں پوری تقریر کرنے کی کوشش کرو گے تو تمہاری حالت دوبارہ بگڑ سکتی ہے۔''

''اب نہیں بگڑے گی۔'' میرے کانوں میں اس کی پرعزم آواز ابھری'' تمہارے ساتھ رہ کر میں نے جینے کا صحیح سلیقہ سیکھا ہے۔ آدمی میں اپنے ہر سانس کے لیے لڑنے کی امنگ زندہ ہو تو دشمن اسے کبھی زیر نہیں کر سکتا۔ بستر پر وقت پورا ہو جائے تو بات دوسری ہے۔''

''فلسفہ بول رہے ہو۔'' میں نے ہنس کر کہا'' میں تو آس لگائے بیٹھا تھا کہ تم آخر کار امریکا پہنچ کر ہی دم لو گے مگر تم راستے سے ہی بھاگ نکلے۔''

''خدا کی قسم وہ مجھے مار ڈالتے۔ قبرص میں وہ سب درندے بنے ہوئے تھے۔ میری سرکوبی کے چکر میں انہیں اپنے یرغمالی ساتھیوں کی جانوں کی بھی پروا نہیں تھی مگر پھر نہ جانے کیا ہوا، تم نے ان کی کون سی رگ دبائی کہ وہ مجھے انقرہ پہنچانے پر مجبور ہو گئے۔'' اس کے پاس مجھے سنانے کے لئے اتنی باتیں تھیں کہ کم بولنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔

''ماضی کی تلخ یادوں کو بھلا دینا ہی صحت کے لیے بہتر رہتا ہے۔ یہ بتاؤ......''

وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی مضطربانہ

آواز میں بول پڑا ”مجھے ان لوگوں نے مار ہی ڈالا تھا۔ وہ
تجربہ اس قدر بھیانک اور روح فرسا تھا کہ میں شاید
زندگی بھر اسے نہیں بھول سکوں گا۔ یوں سمجھ لو کہ میں نے
نیم مردہ حالت میں ان چاروں سے ٹکر لی تھی۔“
”تم نے عقل کو دنگ کردینے والا کارنامہ انجام دیا
ہے۔ مجھے پل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ یہ بتاؤ کہ
کراچی کب جا رہے ہو؟“ آخر کار مجھے اپنا سوال کرنے
کا موقع مل ہی گیا۔
”میرا بس چلے تو اسی وقت چل پڑوں لیکن ایوب
آغا بہت شفیق اور مہربان آدمی ہے۔ وہ ڈاکٹروں کی
اجازت کے بغیر مجھے اسپتال سے نہیں ہلنے دے گا۔ وہ
ہر روز دو چار دن کی تسلی دیتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ شاید
اسے کچھ اور بھی پریشانیاں ہیں۔“
”شور سے دورے کی سی کیفیت طاری ہونے کا
سلسلہ اب کیسا ہے؟“
وہ دھیرے سے ہنس کر بولا ”وہ سب کمزوری کا
نتیجہ تھا۔ ڈرپ کے ساتھ دی جانے والی مقوی دواؤں
نے وہ اثرات تیزی سے زائل کردیے ہیں۔ میں ٹہلنا
بھی چاہتا ہوں مگر مجھے کمرے میں روک دیا جاتا ہے۔
کبھی کبھی وقت یوں لگتا ہے جیسے میں ایوب آغا کا قیدی
ہوں۔“
”اس کی طرف سے اپنے دل میں بدگمانی نہ لانا۔
یہ سب تمہاری حفاظت کے لیے کیا جا رہا ہے۔ تمہیں اغوا
کرانے والے ابھی تک نچلے نہیں بیٹھے ہیں۔“ اس کے قتل
کے لیے اسپتال میں گھسنے والے دو افراد کی گرفتاری کو
اس سے چھپایا گیا تھا لہٰذا میں نے بھی وہ ذکر گول
کردیا۔
”کاش تم مجھے اپنے ساتھ لے گئے ہوتے تو یہ
سب نہ ہوتا مگر تمہیں ویرا زیادہ عزیز ہے۔ اس کا کیا حال
چال ہے؟“ ابتدائی فقرے قطعی غیر ضروری تھے۔
سلطان شاہ کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے ویرا کا
احوال جاننے کے لیے وہ تمہید باندھی تھی۔
میں نے زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”تم اسے
یاد کر رہے ہو، وہ تمہیں یاد کرتی رہتی ہے۔ کئی بار مجھے
ملامت کرچکی ہے کہ میں تمہیں بلکہ تمہاری نازک حالت
کو بھول کر یہاں کے معمولات میں گھرتا چلا جارہا
ہوں۔“
”میں ہی نہیں، غزالہ بھی اسے یاد کرتی رہتی ہے۔
وہ بڑی عجیب شخصیت کی مالک ہے۔ سامنے رہتی ہے تو
اپنی حرکتوں سے ہر وقت غصہ دلاتی رہتی ہے۔ آنکھ سے
اوجھل ہوتی ہے تو اس کی وہی حرکتیں معصوم شرارتوں کے
روپ میں یاد آتی ہیں۔“
”وہ تمہارے ان نادر خیالات سے واقف ہوگئی تو
تمہیں زبردستی اٹھا کر کورٹ میں لے جائے گی اور تم
سے سول میرج کرڈالے گی۔ وہ بھی تمہیں مرغی کے
پیروں کی گری سے ترسا ہوا ایک محروم اور معصوم سا چوزہ
سمجھتی ہے۔“ میں نے معنی خیز لہجے میں کہا ”چاہو تو میں
اسے انقرہ بھیج سکتا ہوں۔ اس نے یہاں میری زندگی
اجیرن کی ہوئی ہے۔“
”بھول کر بھی ایسا نہ کرنا۔“ میری تجویز پر وہ بوکھلا
گیا۔ ”انقرہ آگئی تو اس کا انتقامی مشن ادھورا رہ جائے
گا۔ ویسے بھی وہ تمہاری بہترین مددگار ہے۔ اس کا
ساتھ میسر ہو تو تمہاری کارکردگی بہت زیادہ بڑھ جاتی
ہے۔ اب تک تم نے بہت سی کامیابیاں حاصل کرلی
ہوں گی۔“
”سفر جاری ہے۔ اصل کامیابی اس وقت ہوگی
جب حریف ہاتھ آئے گا۔ تم ان باتوں پر نہ سوچو۔ جلد
ہی تمہیں کوئی اچھی خبر ملے گی۔“
معاً اسپتال کی آپریٹر لائن پر آگئی۔ شاید اس نے
سلطان شاہ کے کمرے سے میرا رابطہ منقطع کردیا تھا۔ وہ
معذرت خواہانہ انداز میں کہہ رہی تھی ”سوری سر! مریض
کی حالت اسے اتنی طویل گفتگو کی اجازت نہیں دیتی۔
اب وہ بے چارہ نقاہت سے بے ہوش بھی ہوسکتا ہے۔“
”اوہ! تو کیا اس کی حالت واقعی اتنی خراب ہے؟“
میں نے صدمے سے مغلوب آواز میں پوچھا۔
”حالت خراب نہیں ہے مگر وہ بہت نحیف ہوچکا
ہے۔ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ میں ہی اس کی
اسٹاف نرس ہوں اور آپریٹر کی مدد کے لیے بورڈ پر آئی

تھی۔"

"ہمدردی اور اعانت کا شکریہ۔ ہم پاکستانی اپنے محسنوں کو کبھی فراموش نہیں کرتے۔"

"اور ہم ترک ہمیشہ اپنے بھائیوں کی عزت کرتے ہیں۔" گرم جوشی سے کہا گیا۔

میں نے فی امان اللہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ سلطان شاہ سے براہ راست بات کر کے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

اول خان کو دیے ہوئے وقت سے صرف پانچ منٹ زائد ہوئے تھے۔ کارڈ کے یونٹ بھی بہت کم رہ گئے تھے۔ میں نے سلاٹ میں دوسرا کارڈ لگا کر اول خان کا نمبر ملالیا۔

پہلی گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے ہی اول خان دوبارہ لائن پر موجود تھا اور متاسفانہ لہجے میں کہہ رہا تھا "مجھے اپنی نااہلی اور کوتاہ بینی پر بہت دکھ ہے میرے دوست۔ ہماری ناک کے نیچے وار ہو گیا اور ہم بے خبر بیٹھے ہیں اور تم امریکا میں رہ کر ہم سے زیادہ باخبر ہو۔"

"خود کو ملامت کرنے کے بجائے حالات سے آگاہ کرو۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں یہاں دشمن کے حلق میں ہاتھ ڈال کر باتیں اگلوا رہا ہوں۔ تم اس سے بہت دور ہو۔ یہی غنیمت ہے کہ ہم میں سے کسی نہ کسی کو معلومات حاصل ہو ہی جاتی ہیں۔"

"سمندری پانی کھینچ کر پلانٹ میں پہنچانے والے دو دیوہیکل سی ڈبلیو پمپ پچھلے دو روز سے ناکارہ ہیں۔ ان کی مرمت تک پلانٹ نہیں چل سکے گا۔ ابھی تک یہ تعین نہیں کیا جا سکا کہ پمپوں کی تباہی کوئی اتفاقی حادثہ ہے یا یہ تخریب کاری کا نتیجہ ہے۔"

"اسحاق گھنٹی اس تباہی کا حوالہ نہ دیتا تو کچھ بھی کہا جا سکتا تھا لیکن اب تخریب کاری میں ذرا بھی شبہ نہیں رہا۔ کیا وہاں ان پمپوں کا کوئی متبادل بندوبست نہیں تھا۔"

"ان میں سے صرف ایک پمپ پورے پلانٹ کی ضرورت کے لیے کافی تھا۔ دوسرا ایم... [illegible] ...ادل کے طور پر ہی لگایا گیا تھا۔"

"پھر وہ دونوں ایک ساتھ کیسے تباہ ہو گئے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"چلتا ہوا پمپ خوفناک آوازوں کے ساتھ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا تو خودکار برقی نظام کے تحت دوسرا پمپ چل پڑا۔ چند ثانیوں بعد وہ بھی اسی انجام سے دوچار ہوا اور ہنگامی طور پر پورا پلانٹ بند کرنا پڑ گیا۔" اول خان کی آواز سے افسردگی مترشح تھی۔

"دو دن میں اس تباہی کے کیا اسباب سامنے آئے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"سمندر سے پانی لانے والی سرنگ میں کاٹھ کباڑ کو روکنے کے لیے پہلے مضبوط آہنی سلاخوں والی جالیاں ہیں۔ پھر پمپوں سے پہلے باریک جالیاں ہیں۔ آہنی سلاخوں کے درمیان سے کسی غوطہ خور کا اندر آنا ناممکن تھا۔ ان زیرآب سلاخوں کو دو جگہ سے کاٹ کر اتنی جگہ بنائی گئی جس میں سے غوطہ خور اندر آ سکے......"

"کیا یہ سب باتیں طے ہو چکی ہیں؟" میں نے بے تابی سے اس کی بات کاٹ کر پوچھا "ان کے بعد اتفاق کا کیا امکان باقی رہ جاتا ہے۔"

"مجھے واقعات بتائے گئے ہیں۔ تفصیلی نظریہ میرا اپنا ہے۔ ان آہنی سلاخوں کو بیم گن جیسے کسی ہتھیار سے اس طرح گلایا گیا ہے کہ پہلی نظر میں انسانی تخریب کاری کا شبہ تک نہیں ہوتا۔" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "اس راستے سے غوطہ خور ماہی گیری کے دو مضبوط اور بڑے جال لے کر سرنگ میں داخل ہوا۔ اندر دونوں پمپوں کی سرنگیں منقسم ہوتی ہیں۔ اس نے باریک جالیاں کاٹ کر نائلون کے وہ مضبوط جال اندر چھوڑے اور اسی راہ سے لوٹ گیا۔"

"اور پانی کے بہاؤ سے وہ جال پمپوں میں گھس کر بری طرح پھنس گئے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں بے تابی سے کہا۔

"تیسری رکاوٹ پمپ کے پنکھے کے نیچے کسی ہوئی سوراخ دار فولادی پلیٹ کی صورت میں ہوتی ہے۔ تخریب کار شاید یہ سب جانتے تھے۔ وہ جال مضبوط مگر باریک ڈوری سے بنا ہوا تھا۔ ان سوراخوں سے

گزر گیا۔"

پوری بات میرے ذہن میں آ گئی تھی۔ ابتدائی آہنی سلاخوں کی موجودگی میں اس راستے سے کسی خطرے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ شاید انہیں توڑنا یا موڑنا انسانی بس سے باہر ہوتا لیکن پاکستان کو جن سفاک دشمنوں سے خطرات لاحق تھے، وہ ان سب رموز و نکات سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔ ٹیکنالوجی میں وہ بہت آگے تھے۔ شاید وہاں بیم گن ہی استعمال کی گئی ہو۔ مجھے اس ہتھیار کے زیر آب استعمال کا کوئی تجربہ نہیں تھا مگر اول خان کی کہانی اسی یا اس سے بہتر کسی ہتھیار کے استعمال کی نشان دہی کر رہی تھی۔

وہ پاکستان کی ایک اہم ترین تنصیب تھی اور وہاں سمندر کے رخ پر حفاظت و نگرانی کا سخت بندوبست بھی رہا ہو گا لیکن ساحلی تعمیرات پر پہرا دینے والے یہ سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ سمندر کی متلاطم موجوں سے بیسیوں فٹ نیچے کوئی غوطہ خور موٹی سلاخوں والے دروازے میں نقب لگا کر ممنوعہ حدود میں داخل ہو سکتا ہے۔

وہ خطرناک اور جان جوکھوں میں ڈالنے والا کام تھا۔ خاص طرز پر بنائی گئی سرنگوں میں اندر کی طرف پانی کے تیز بہاؤ میں اپنا توازن برقرار رکھ کر ایک مشقت طلب کام سرانجام دینا اور پھر طوفانی بہاؤ کے خلاف تیر کر نکاس کا پرخطر راستہ تلاش کرنا آسان نہیں تھا۔

مجھے یقین ہونے لگا کہ ایسا کام کوئی بے ضمیر پاکستانی تک سرانجام نہیں دے سکتا تھا۔ بیم گن یا اس سے مشابہ کسی اور ہتھیار کے استعمال میں دسترس رکھنے والا ماہر غوطہ خور خلیج کے دہانے پر لنگر انداز امریکی بحریہ کے کسی جہاز سے ہی وہاں پہنچایا گیا تھا۔

یہ ضروری نہیں تھا کہ امریکی امیر ین فورس کا غوطہ خور کمانڈو بحری راستے سے وہاں تک پہنچا ہو۔ وہ کسی پرواز سے کراچی پہنچ کر پورے اطمینان سے کینوپ کے گردونواح میں پھیلے ہوئے تفریحی ساحل پر آ سکتا تھا۔ رات کے اندھیرے میں اپنا مشن سرانجام دے کر اسی راستے سے خاموشی سے فرار ہونا مشکل نہیں تھا۔ پتا نہیں اس پروجیکٹ کی سلامتی کے ذمے داروں نے ایسے امکانات کی بیخ کنی کے لیے کیا اقدامات کیے ہوئے تھے اور ان پر کس حد تک عمل ہو رہا تھا۔

"یہ پلانٹ دوبارہ کب تک چل سکے گا؟" میں نے کرب و بے بسی کے عالم میں اول خان سے پوچھا۔

"یہ ان ہونی ہوئی ہے۔ متبادل کے طور پر ایک مکمل پمپ پوری طرح تیار ہونے کی وجہ سے معمولی فاضل پرزے اسٹاک میں ہیں لیکن نقصان زیادہ ہوا ہے۔ امریکا سے فاضل پرزوں کی کھیپ آنے تک وہاں کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔"

میرے ذہن میں ایک جھما کا ہوا۔ اب وہاں ویرانی ہی ویرانی راج کرے گی۔ آئزک بیل کے کہے ہوئے وہ الفاظ یاد آتے ہی میں سناٹے میں آ گیا۔

انہوں نے اپنے ہدف پر تخریب کاری کی بنیاد رکھی تھی۔ اصل منصوبہ اس سازش کے ذریعے بہ روئے کار لانا تھا جس کی نشان دہی بدری ناتھ نے ذرا دیر پہلے کی تھی۔

واقعات کی کڑیاں تیزی کے ساتھ خود بہ خود یک جا ہو کر ایک مخصوص سمت کی نشان دہی کر رہی تھیں۔

"یہ فاضل پرزے اوہایو سے نیویارک کے راستے ائر کارگو سے آنے ہیں؟" میں نے خوف اور سنسنی سے بھنچی ہوئی آواز میں اول خان سے پوچھا۔

"یہ کھیپ اوہایو سے ہی آنی ہے۔ باقی تفصیل کا مجھے علم نہیں۔ اگر تم چاہو تو میں پانچ منٹ میں یہ بھی معلوم کر سکتا ہوں۔ کیا اب ان پرزوں میں بھی کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے؟"

"تم تصدیق کر لو۔ میں کسی بھی وقت تم سے بات کر لوں گا۔ کوئی بڑی تباہی اسی کھیپ کے ذریعے لانے کی منصوبہ بندی ہو رہی ہے۔"

"یہ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ یقیناً کوئی بڑی کمپنی ہو گی۔ اس حرکت سے وہ دنیا بھر میں بدنام ہو جائے گی۔ کوئی کاروباری ادارہ اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے گا۔"

"شاید کمپنی کے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔ ان کو ہوا بھی نہیں لگ سکے گی کہ ان کو کس قدر بے رحمی سے

استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ سارا کام وہ لوگ سرانجام دیں گے جو کمپنی کے گودام یا کارخانے سے پرزوں کے کریٹ نیو یارک پہنچائیں گے۔ راستے میں کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ ایک دوسرے ذریعے سے مجھے یہ اطلاعات مل چکی ہیں مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کراچی میں وہ کھیپ کسے بھیجی جائے گی۔''

''یہ بہت بھیانک سازش معلوم ہوتی ہے۔'' اول خان کی آواز دردناک ہوگئی'' اگر یہ سب درست ہے تو پھر ایک ایک پرزے کو گہری پڑتال کے بعد استعمال کرنا ہوگا۔ یہاں ہر شخص پلانٹ چلانے کے لیے سرتوڑ جتن کررہا ہے۔ اب ان کوششوں پر پانی پھر جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ کئی ہفتوں تک یہ پلانٹ دوبارہ نہ چلایا جاسکے۔''

''جس طرح تم اول خان ہو اسی طرح یہ باتیں حرف بہ حرف درست ہیں۔ تم وہاں پیش بندیاں شروع کردو، میں یہاں روک تھام کی کوششیں کرتا ہوں۔''

''ابھی تک میں اس معاملے سے بالکل بے خبر اور لاتعلق تھا۔ مجھے تم نے ہوش دلایا ہے۔ اب میں اپنے بڑوں سے بات کرتا ہوں۔ وہی اٹامک انرجی کمیشن کے ذمے داروں سے بات کریں گے۔''

''ہاں، یہ بھی سن لو کہ ان سب معاملات میں اسحاق گھنٹی اور وائٹ ہاؤس کے ملوث ہونے کا ایک دستاویزی ثبوت ہاتھ آگیا ہے جو کسی نامعلوم زبان میں ہے۔ ڈی کوڈنگ کے لیے اس کی ایک نقل میں تم کو بھی بھیجوں گا مگر اب وہ میری دوسری ترجیح ہوگی۔ سب سے پہلے ہمیں اوہایو والی کھیپ کو بچانا ہوگا تاکہ ہمارا پلانٹ جلد از جلد دوبارہ چل سکے۔''

''آج تم مجھے دہلائے دے رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''ہاں، ہاں۔ میں یہ بات پوری ذمے داری سے کہہ رہا ہوں۔ یہ ثبوت آنے والے چند روز میں تمہارے ہاتھوں میں ہوگا۔'' میں نے پریقین لہجے میں جواب دیا۔

''یہ سب بہت تشویش ناک خبریں ہیں۔ اطمینان کی بات بس یہی ہے کہ تمہاری رفتار بہت تیز ہے۔ تم ان کی راہ پر لگے ہوئے ہو۔ اگر یہ دستاویزی ثبوت درست ہے تو پھر سرکاری سطح پر بھی بہت کچھ کیا جاسکے گا اور ہماری کوششوں کو بہت بڑا سہارا مل سکے گا۔''

''وہ سب میرے اور میری ساتھی کے لیے ناقابل فہم ہے۔'' میں نے ویرا کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے مدافعانہ لہجے میں کہا'' تحریر کا ہر لفظ ناقابل فہم ہے۔ پتا نہیں انہوں نے کس زبان میں وہ مسودہ تحریر کیا ہے۔ دیر سویر ضرور ہوسکتی ہے مگر آخر کار وہ مسودہ پڑھ ہی لیا جائے گا اور یہ بات نتھر کر سامنے آجائے گی۔''

''تم اپنی کوششیں کرتے رہو لیکن پہلی فرصت میں ان کاغذات کی نقول مجھے بھیج دو۔ کوریئر سروس والے یہ کام دو تین دن میں مکمل کرہی ڈالتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں اس تحریر سے کوئی مطلب اخذ کرسکوں۔''

''میں آج ہی اس مسودے کی نقل تمہیں بھیج دوں گا۔ ایس ٹی ایف کی پیشہ ورانہ مہارت پر مجھے فخر نہیں بلکہ ہلکا سا غرور ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا کوئی نہ کوئی ماہر اس پانچ ورقی معاہدے کے ایک ایک لفظ کو پڑھ لے گا اور پھر ہم اپنی راہ کے انتخاب میں کسی اور کے محتاج نہیں رہیں گے۔ اس کے بعد شاید ہمیں کچھ سکون بھی مل سکے۔''

''سکون شاید ہی مل سکے۔ ریشہ دوانیوں کا سلسلہ اتنی دور تک پھیلا ہوا ہے کہ آنے والے دنوں میں اس سے نجات مشکل ہی نظر آتی ہے۔ ایک سازش ناکام بنائی جاتی ہے تو کوئی دوسرا کھیل سامنے آجاتا ہے۔''

ان حالات پر مزید چند فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے فون بند کردیا۔

بدری ناتھ سے ملنے والی اطلاع اپنی جگہ بہت واضح اور بھرپور تھی مگر اس کا دوسرا سرا تاریکی میں تھا۔ اول خان نے بہت کم وقت میں گم شدہ کڑیوں کو یک جا کر کے مجھے تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔

بوتھ سے واپسی کی راہ پر میرا ذہن بوجھل تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کینوپ کے سی ڈبلیو پمپوں کی

مرمت کے لیے اوہایو سے بھیجے جانے والے پرزوں میں رنکس والوں کی ملی بھگت سے سی آئی اے کے اہل کار کس قسم کی گڑبڑ کرنا چاہ رہے تھے۔

ان کی سازش کو ناکام بنانے کا سیدھا طریقہ یہ تھا کہ پرزوں کی اس کھیپ کو سرے سے استعمال ہی نہ کیا جائے لیکن ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں مشینوں وغیرہ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا مگر ایک بنیادی بات معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا آدمی بھی سمجھ سکتا تھا کہ تباہ کیے جانے والے پمپ عام ساخت کے نہیں تھے۔ ان بڑے اور خصوصی پمپوں میں مرمت کے لیے صرف وہی پرزے استعمال کیے جاسکتے تھے جو مقررہ تصریحات کے مطابق تیار کیے گئے ہوں۔ ایسا نہ ہوتا تو کراچی والے ہنگامی طور پر اوہایو سے ان کی خریداری کا معاہدہ ہرگز نہ کرتے اور اپنے طور پر مرمت کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرتے۔

ان پرزوں کو خطرناک قرار دے کر الگ ڈالنے کی صورت میں ناکارہ مشینوں کی مرمت اور بجلی گھر کی دوبارہ بحالی کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔

وہ پرزے جیسے بھی رہے ہوں، یہ بات یقینی تھی کہ دو چار روز کی قلیل سی مدت میں ان کا تیار کیا جانا ممکن نہیں تھا۔ وہ کھیپ یقینی طور پر قدرے بڑی اور وزنی تھی اسی وجہ سے اس کی نیویارک منتقلی کا کام رنکس والوں کو سونپا گیا تھا اور میرا اندازہ یہ تھا کہ پہلے سے تیار شدہ وہ پرزے محفوظ پیکنگ کے بعد متعلقہ کمپنی کے کسی گودام سے کراچی کے لیے روانہ کیے جانے والے تھے۔

فکر و تشویش کے باعث واپسی میں، میں زیادہ دیر تک پیدل نہ چل سکا۔ ذہنی پراگندگی اور ہیجان سے نجات کے لیے جلد از جلد ہوٹل پہنچ کر ویرا سے تبادلہ خیال کرنا اور جینی کے دیے ہوئے کاغذوں کا باریک بینی سے جائزہ لینا ناگزیر ہوگیا تھا۔

ٹیکسی پکڑ کر میں پین پلازہ ہوٹل پہنچا تو کمرے میں ٹیلی وژن چل رہا تھا۔ ویرا کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری غیر حاضری میں وہ اس اکلوتے تفریح کے ذریعے سے استفادہ کرتی رہی ہے۔

ویرا نے دروازہ کھولا تو اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک محسوس ہو رہی تھی۔ میرے اندر پہنچتے ہی اس نے مسرت آمیز لہجے میں کہا ”مبارک ہو۔ تم نے بلیک ڈیڈ کی طرف سے اسحاق گھنٹی کے دل میں شکوک وشبہات کے بیج بو کر جس عداوت کی داغ بیل ڈالی تھی، اس نے اپنا رنگ دکھانا شروع کردیا ہے۔“

میں کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں الجھی الجھی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا تو قدرے توقف کے بعد وہ دوبارہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی ”تمہارا اندازہ تھا کہ بلیک ڈیڈ، اسحاق گھنٹی کے مقابلے میں بزدل اور بودا ثابت ہوگا مگر تازہ خبروں نے ہمارے ان اندازوں کی نفی کردی ہے۔ پسپائی اختیار کرنے کے بجائے وہ مقابلے پر میدان میں اتر آیا ہے۔“

”پہیلیاں بجھوانے کے بجائے مختصر الفاظ میں وہ واقعات بھی بتا ڈالو جنہوں نے تمہیں یہ رائے قائم کرنے پر مجبور کیا ہے......“ میں نے قدرے ترشی سے کہا۔

وہ چونک پڑی ”کیا بات ہے۔ تم کچھ بیزار اور پریشان سے نظر آرہے ہو۔“

”اپنی بات ختم کرلو تو میں اپنی کتھا سناؤں گا۔ کراچی کی خبریں خاصی حوصلہ شکن ہیں۔“

”ہارلم میں فساد کی آڑ لے کر بلیک ڈیڈ کے متوقع ٹھکانوں کو جس طرح برباد کیا گیا ہے، اس نے اسے مشتعل کردیا ہے۔ ایک لڑکے کے قتل میں رنکس کے محافظ کے ملوث ہونے کی وجہ سے اسے اپنے دشمن کی شناخت میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ دن کی روشنی میں ہارلم کا فساد زدہ علاقہ خاصا پرسکون رہا لیکن دھندلکا پھیلتے ہی وہاں رنکس کی دو گاڑیاں بموں سے اڑا دی گئی ہیں۔“

وہ خبر اس قدر دل خوش کن تھی کہ ذرا سی دیر کے لیے میں کراچی کے بارے میں اپنی فکر اور تشویش کو بھلا بیٹھا ”یہ واقعی بہت بڑی خبر ہے۔ بلیک ڈیڈ خاصے دم خم اور حوصلے والا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی چمڑی بچا کر چند روز کے لیے اسحاق گھنٹی کو پریشان کرنے میں کامیاب ہوگیا تو اس کی توجہ بٹ جائے گی اور ہم کچھ

کامیابی حاصل کرلیں گے۔"

"ٹیلی وژن کی تمام خرابیوں کے باوجود اس کی افادیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ تمہارے جاتے ہی خبر آئی تھی کہ اسٹورز وغیرہ سے بڑی رقمیں سمیٹ کر بینک لے جانے والی رنکس کی ایک آرمرڈ گاڑی کو ہارلم کی ایک سو چوبیسویں اسٹریٹ پر طاقت ور دستی بم مار کر اڑا دیا گیا۔"

"دستی بم آرمرڈ گاڑی کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا ہوگا۔" میں نے بے یقینی سے کہا۔

"بم کافی طاقت ور تھا اور گاڑی کے نیچے پھینکا گیا تھا۔ تباہی کا اندازہ تم صرف اس بات سے لگا سکتے ہو کہ گاڑی میں موجود ڈرائیور اور دو مسلح محافظوں میں سے کوئی بھی جانبر نہیں ہوسکا۔ اسپتال لے جائے جانے سے پہلے تینوں دم توڑ چکے تھے۔"

"اب گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے گا۔" میں نے ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "یہ بہت اچھا ہوا کہ اسحاق گھنٹی نے اپنی انتقامی حماقتوں سے یہاں بھی اپنا ایک طاقت ور حریف پیدا کرلیا۔ مجھے بلیک ڈیڈ سے ایسی مردانگی کی توقع نہیں تھی۔"

"ہارلم والے ٹیلی وژن، اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ کے مقابلے میں اپنے سینہ گزٹ کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔ بلیک ڈیڈ کے آدمیوں نے پچھلے چوبیس گھنٹوں میں سینہ گزٹ کے ذریعے کالوں میں رنکس کے خلاف اتنی نفرت پھیلا دی ہے کہ گاڑی کی تباہی کے بعد لوگ بکھرے ہوئے نوٹ لوٹنے کے لیے ٹوٹ پڑے لیکن کسی نے بھی خون میں نہائے ہوئے زخمیوں کی مدد نہیں کی۔ سینٹ جان کی ایمبولینس آنے تک وہ تینوں بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے دم توڑ چکے تھے۔ فلم میں وہ تینوں ہی سفید فام نظر آرہے تھے۔"

عام اخلاقی معیار کے مطابق وہ واقعہ شرمناک اور قابل مذمت تھا مگر مجھے خوشی ہوئی کہ دوسروں کے گھروں میں آگ لگانے والے آئزک بنل کے اپنے دامن پر بھی کچھ چنگاریاں سلگ اٹھی تھیں جو اس کی بڑھتی ہوئی تخریب کاریوں کو لگام دے سکتی تھیں۔

رنکس کی دوسری گاڑی کو بھی بالکل اسی انداز میں ہارلم سے نکلتے ہوئے تباہ کیا گیا تھا۔ اس واقعے میں دونوں محافظ مارے گئے تھے لیکن ڈرائیور معجزانہ طور پر زندہ بچ گیا تھا۔

ان دونوں واقعات کی یکسانیت سے ظاہر تھا کہ وہ اشتعال میں آئے ہوئے کالوں کی انفرادی انتقامی کارروائیاں نہیں تھیں بلکہ بلیک ڈیڈ کے گروہ کے آدمی رنکس کی چیرہ دستی کا بدلہ لینے اور آئزک بنل کو اس کی اوقات یاد دلانے کے لیے میدان میں اتر آئے تھے۔

ویرا جس جوش و خروش اور دلچسپی سے وہ سب بتا رہی تھی، اسے دیکھتے ہوئے میں اس پر طنز کیے بغیر نہ رہ سکا "تم یہ باتیں اس طرح بتا رہی ہو جیسے بلیک ڈیڈ نے یہ خوں ریز انتقامی کارروائیاں تمہاری ہدایت پر کی ہوں۔"

"اس میں کیا شبہ ہے۔ میں نے کچھ نہیں کیا لیکن تم نے تو بی جمالو بن کر ان دونوں کو ایک دوسرے سے لڑایا ہے۔ اب وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں، اس کا کریڈٹ تم ہی کو جائے گا اور میں خود کو تم سے بہت زیادہ الگ نہیں سمجھتی۔" اس نے وہ طنز مجھ پر ہی لوٹا دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ کل رات کی بھرپور کارروائی کے بعد اسحاق گھنٹی نے خاموشی اختیار کرلی تو بلیک ڈیڈ انتقام کے لیے میدان میں کود پڑا۔ اب فساد والی صورت ختم ہوچکی ہے۔"

ویرا استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی "تم ہارلم کی نفسیات سے بالکل بے خبر ہو۔ وہاں رہنے والے ان حیلوں بہانوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ فساد اور بدامنی کے نام پر وہ اپنے دفاتر سے غیر حاضر رہیں گے اور ان کا کوئی مجاز افسران کے عذر کو چیلنج نہیں کرسکے گا۔ کل متعدد افراد مارے اور زندہ جلا دیے گئے۔ آج پانچ آدمی مارے جاچکے ہیں۔ انسانی لہو کی یہ ارزانی یہاں عام نہیں ہے۔ برسوں میں کبھی کوئی ایک آدھ فساد ہوتا ہے اور ہر ایک کو خون کے آنسو رلا دیتا ہے۔ دن کے اجالے میں فسادی اپنی کمین گاہوں میں دبکے رہے۔ پولیس

نے علاقے میں داخل ہو کر اپنی چوکیاں بھی بنالیں لیکن شام کا اندھیرا پھیلتے ہی سارے شیطانی عناصر ہتھیاروں، بوتلوں اور ڈنڈوں سے لیس ہو کر سڑکوں پر نکل آئے ہیں۔ ٹرانسفار مر جلا کر بڑے بڑے علاقے تاریک کیے جا چکے ہیں اور علاقے کا کنٹرول ایک مرتبہ پھر پولیس کے ہاتھوں سے نکل کر بلوائیوں کو منتقل ہوتا نظر آرہا ہے۔''

''اسحاق گھنٹی جیسے سفاک مجرموں کے ذریعے جو کھیل دوسرے ملکوں میں کھیلا جاتا ہے، وہی یہاں شروع ہو جائے تو لوگوں کو اتنی تشویش کیوں ہوتی ہے؟''

''ہونی ہی چاہیے۔'' ویرا نے برجستہ کہا'' یہ پہلی اور سب سے برتر دنیا ہے۔ تمہارا تعلق تیسری دنیا سے ہے جہاں آبادی میں ہولناک تیزی سے ہونے والے اضافے کی وجہ سے انسانی خون کی وقعت ختم ہوتی جارہی ہے۔ پانچ کیا، وہاں پچاس آدمی بھی مار ڈالے جائیں تو رائے عامہ کا اتنا شدید ردعمل نہیں ہوتا جتنا یہاں ایک بے گناہ شہری کے قتل پر ہوتا ہے۔''

''انسان، انسان ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ پہلی دنیا والے انسان ہیں اور تیسری دنیا میں بسنے والے کیڑے مکوڑے ہیں جن کا ذکر اتنی تحقیر سے کیا جائے۔'' میں نے تلخی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''یہ تحقیر میں نہیں کر رہی۔'' ویرا نے بے باکی سے کہا'' نہ اسحاق گھنٹی ایسی تذلیل کر سکتا ہے۔ یہ توہین، تذلیل یا تحقیر تو تم خود کرتے ہو۔ تمہارے یہاں مارے جانے والوں کا ریڈیو یا ٹیلی وژن پر ذکر تک نہیں کیا جاتا کیونکہ اس سے بدامنی اور انتظامیہ کی کمزوری کا تاثر ابھرتا ہے۔ تمہارے حکمرانوں کے لیے جھوٹی تصویروں کی اہمیت انسانی خون سے زیادہ ہے۔ یہاں ایسا نہیں ہوتا۔ کوئی بے گناہ مارا جاتا ہے تو سب بلبلا اٹھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ آج وہ کسی گمنام مقتول کے خون پر آواز نہیں اٹھائیں گے تو کل کوئی خاموشی سے ان کی گردن پر بھی چھری پھیر دے گا۔ قاتلوں کے حوصلے بڑھتے چلے جائیں گے اور ان کا معاشرہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔''

''اگر یہ تمہاری کوئی تقریر تھی تو اس کی خوبی پر مجھے تالیاں بجانی چاہئیں۔ تیسری دنیا کے حکمرانوں کو لعن طعن کرتے ہوئے تم یہ بات بھول گئی ہو کہ وہ اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے اکثر و بیشتر پہلی دنیا کی تائید اور حمایت کے متمنی رہتے ہیں۔''

''اسے تم کیا کہہ سکتے ہو؟'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا'' جن کٹھ پتلیوں کی ڈور کہیں اور سے ہلائی جارہی ہو، ان کو تم قبول کیوں کرتے ہو؟''

''مجبوری!'' میں نے شانے اچکا کر بے بسی سے کہا'' دنیا کے بہت سے ملکوں میں لوگ سنائے اور پڑھوائے جانے والے نتیجوں کو قبول کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نتیجے دساور سے درآمد کیے جاتے ہوں لیکن پاکستان میں ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔''

وہ بے ساختہ ہنس پڑی'' ڈر گئے نا...... میں مانے لیتی ہوں یا فرض کیے لیتی ہوں کہ پاکستان میں ایسا نہیں ہوتا مگر یہ تو تم مان رہے ہو کہ کہیں نہ کہیں ایسا ہوتا ہے۔''

''تم کہہ رہی ہو تو ضرور ہوتا ہوگا۔'' میں نے بے دلی سے اقرار کر لیا۔

''یہ سب لوگوں کی بزدلی اور مردہ دلی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب دل ہی ہر احساس اور جذبے سے عاری ہو کر مردہ ہو جائے تو اس پر بیرونی حکمرانی کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔ فرضی حکمراں پگڑیاں اٹھا کر اپنے سروں پر سجا لیتے ہیں لیکن اصل راج کوئی اور کر رہا ہوتا ہے۔''

''ہوتا ہوگا۔ کہیں نہ کہیں ایسا بھی ہوتا ہوگا۔'' میں نے بے زاری کے عالم میں کہا'' میں ساری دنیا کا ٹھیکے دار نہیں ہوں۔ میں اپنے ملک اور قوم کی محبت میں یہاں آیا ہوں۔''

''تم احمق اور دیوانے ہو۔'' ویرا ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولی۔'' بلا وجہ یہاں مارے مارے پھر رہے ہو۔ تمہارے جن لوگوں کے دلوں میں ملک اور قوم کی محبت ہوتی ہے وہ کسی جونک کی طرح کرسی سے چمٹ کر رہ جاتے ہیں۔ ان کے آنے جانے کا کروفر بھی نرالا ہوتا ہے۔ وہ تمہاری طرح بے گھر ہو کر اجنبیوں کی طرح

در بہ در مارے مارے نہیں پھرتے۔''
''تم طنز اور تشنیع کے تیر چلاتی رہو۔ اس سے میرے ارادوں پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا'' یہ بدقسمتی ہے کہ ہمارے حکمران کبھی بھی ہم جیسے نہیں ہوتے لیکن میں تم کو اتنا ضرور بتادوں کہ چہروں کی تبدیلی سے قوموں کے سفر میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ منزل پر پہنچنے میں ذرا سی دیر سویر ضرور ہوتی ہے مگر آخر کار منزل مل ہی جاتی ہے۔''
''تمہاری منزل کیا ہے؟'' ویرا نے بالکل سپاٹ بلکہ بے رحمانہ انداز میں پوچھا۔
''اس وقت اسحاق گھمنی کی موت اور کینوپ کی بحالی کے سوا میری کوئی اور منزل نہیں ہے۔ دیر ضرور ہو رہی ہے مگر مجھے یقین ہے کہ میں اپنی منزل پالوں گا۔''
''اوہ!'' ویرا بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ ''تمہیں ہلکے ہلکے چرکے لگانے کے چکر میں، میں یہ پوچھنا ہی بھول گئی کہ کراچی والوں سے تمہاری کیا بات ہوئی ہے؟''
''وہاں کی خبریں اعصاب شکن اور روح فرسا ہیں۔'' میں نے سر جھکا کے نیچی آواز میں جواب دیا ''بجلی گھر میں کھلی تخریب کاری ہوئی ہے۔ اوہایو سے... پرزے پہنچے بغیر پلانٹ دوبارہ چلایا نہیں جاسکتا، اوہایو میں سی آئی اے اور رنکس والے ان پرزوں میں کسی بدمعاشی کا منصوبہ بنائے بیٹھے ہیں اور ہم یہاں بیٹھے جھک مار رہے ہیں۔ پتا نہیں وہاں کیا ہونے والا ہے۔''
''کیا مطلب؟'' میرے جواب پر ویرا بری طرح چونک پڑی'' کیا اوہایو سے کراچی بھیجے جانے والے مشتبہ پرزے ایٹمی بجلی گھر کے لیے جارہے ہیں؟''
''بدقسمتی سے ایسا ہی ہے۔'' میں نے پژمردہ لہجے میں کہا۔ ''جینی کے دیے ہوئے کاغذات میں رنکس کے اوہایو آفس کا پتا ضرور ہوگا۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ وہ لوگ کراچی بھیجے جانے والے پرزوں میں کیسی گڑبڑ کا پروگرام بنائے بیٹھے ہیں۔''
''ہمیں اپنا دماغ تھکانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم بھول رہے ہو کہ میری سہیلی جینی رنکس میں اسحاق گھمنی کے بعد سب سے بڑے عہدے پر فائز ہے۔''
''مجھے اچھی طرح معلوم ہے لیکن میں تمہاری اس بدچلن سہیلی کی نظروں کی تحریر پڑھ چکا تھا۔ میرے بجائے تم یہ بھول رہی ہو کہ وہ مجھے اپنے گھر مدعو کرنے کی خواہاں ہے۔ تم نے اس سے اپنی کسی بھی ضرورت کا اظہار کیا تو وہ کوئی نامناسب مطالبہ پیش کردے گی۔''
''بکواس!'' وہ سر جھٹک کر بولی'' جینی تھوڑی سی اوباش ضرور ہے مگر وہ لحاتی محرکات کے زیر اثر مردوں پر ڈورے ڈالتی ہے، ان کو اپنی جان کا روگ ہرگز نہیں بناتی۔ وہ اتنی کمزور ہوتی تو اب تک کئی بار شادیاں کر چکی ہوتی۔''
''اگر تمہارا یہ قیاس درست ہے تو وہ ہماری بھرپور مدد کرسکتی ہے۔ یہاں پہنچنے کے بعد میں اس کے بارے میں کئی بار سوچ چکا ہوں مگر زبان کھولنے کی ہمت نہیں کرسکا تھا۔''
''تم نے اس ہرجائی لڑکی کو بہت غلط سمجھا ہے۔ جب تک تم اس کے سامنے موجود تھے، وہ تمہارے ساتھ وقت گزارنے کے لیے مری جارہی تھی۔ اب تک وہ تمہیں بھول کر کسی اور کو اپنے ذہن میں بسا چکی ہوگی۔ وہ ایسا مرد ہوگا جو اس کے اشاروں پر بے چون و چرا عمل کرسکے۔'' ویرا نے پورے اعتماد کے ساتھ وہی کچھ کہہ ڈالا جو اس کے ذہن میں سمایا ہوا تھا۔
''پھر اس سے رابطہ کرنے میں تاخیر نہ کرو۔ اس جیسی مجرد لڑکیاں سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ساتھ خود بھی دھندلکوں میں اترتی چلی جاتی ہیں......''
ویرا نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کردیا اور خود فون پر مصروف ہوگئی۔
اس تمہید کے بعد یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ جینی سے بات کرنی چاہ رہی تھی۔ میں اٹھ کر ٹیلی وژن کے قریب پہنچ گیا کیونکہ اس پر خبروں کے آغاز کا سلائڈ دکھایا جارہا تھا۔
خبریں بہت بوجھل اور اندوہ ناک تھیں۔ ہارلم کے فسادات میں ضائع ہونے والی انسانی جانوں کا تخمینہ

انہیں تک جا پہنچا تھا۔ ان میں وہ چھ افراد بھی شامل تھے جو رنکس کی دو گاڑیوں کے ساتھ لقمہ اجل بنے تھے۔

رنکس کی دوسری گاڑی کا زخمی ڈرائیور بھی بعد میں زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا تھا۔ اس طرح اسکور کچھ یوں ہو گیا تھا کہ ان مقابلوں اور حملوں میں بلیک ڈیڈ نے اپنے تیرہ حامیوں یا حمایتیوں کی بھینٹ دینے کے بعد آئزک بیل یا رنکس کے چھ آدمیوں کا خون کر دیا تھا۔ آئزک بیل جیسے نام ور موذی کے مقابلے میں بلیک ڈیڈ کی وہ کارکردگی قابل رشک تھی۔

''جاؤ۔ وہ کتیا کی پلی تم کو بلا رہی۔'' ویرا کی زہریلی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

اس وقت میرا ذہن ٹیلی وژن کی خبروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ ویرا کی للکار سننے کے کئی ثانیوں بعد مجھے اندازہ ہو سکا کہ وہ مجھے جینی سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سنا رہی تھی۔

''اس کے لیے میرے بجائے کتے کا کوئی پلا بھیج دو تو زیادہ مناسب رہے گا۔ سر پر سوار ہو کر داد اگیری سے محبت کرنے والی عورتوں کے تصور سے ہی مجھے وحشت ہوتی ہے۔''

''ایسی روکھی پھیکی باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یقین آ چکا ہے کہ ساری بد نیتی اسی کی ہے۔ وہ تم سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہو گئی ہے اور اپنے کولمبس آفس کی سرگرمیوں کی رپورٹ دینے کے عوض تم کو اپنے گھر بلا رہی ہے۔''

''حیرت ہے کہ تمہاری گہری سہیلی ہوتے ہوئے وہ تم سے اس قدر کھل کر ایک گھٹیا مطالبہ کر رہی ہے۔'' میں نے جینی کی فرمائش پر اپنی خوشی کو دباتے ہوئے ترش لہجے میں کہا۔

''اس نے کھل کر کچھ نہیں کہا۔ یہ میرا تجزیہ ہے۔'' ویرا بولی ''اس نے یہ بتایا ہے کہ گھر پر موجود اس کا کمپیوٹر لوکل ایریا نیٹ ورک کے ذریعے دفتر کے کمپیوٹر سے منسلک ہے۔ تم اس کے پاس پہنچ جاؤ تو وہ اسی وقت کولمبس آفس کا شیڈول چیک کر کے بتا سکتی ہے کہ اوہایو سے پرزوں کی کھیپ کب اور کیسے نیویارک پہنچے گی۔''

''ہماری توجہ اوہایو پر مرکوز ہے پھر یہ کولمبس کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' وہ برا سا منہ بنا کر بولی ''اوہایو ایک ریاست ہے اور کولمبس اس کا مرکزی شہر ہے۔ اس ریاست میں رنکس کی سرگرمیاں کولمبس آفس ہی کنٹرول کرتا ہے۔ جانا ہے تو دیر مت کرو۔ جینی کے مدہوش ہونے سے پہلے اسے پکڑ لو۔''

''طبیعت تو نہیں چاہتی کہ ایسی گھٹیا لڑکی کی شکل دوبارہ دیکھوں جو اپنی سہیلیوں کے بوائے فرینڈز پر نگاہیں رکھتی ہے مگر مسئلہ گمبھیر ہے۔ اپنی غرض کے لیے جانا ہی ہوگا۔''

میرے لہجے کی بے دلی نے ویرا کو خوش کر دیا۔ وہ مربیانہ انداز میں بولی ''تمہاری بات مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ تم میرے ذاتی استعمال کی کوئی بے جان چیز نہیں ہو جسے دوسروں کو مستعار دیا جا سکے۔ تمہارے جذبات میرے لیے قابل قدر ہیں لیکن اس وقت مجبوری ہے۔ ذرا سی دیر کے لیے جینی سے اپنی نفرت کو دبا کر تم تیزی سے پیش رفت کر سکتے ہو۔''

وہ جس نفرت کا ذکر کر رہی تھی اس کا سرے سے کہیں وجود ہی نہیں تھا۔ قدرت نے جینی کو فیاض کے ساتھ ایسے حسن اور سراپا سے نوازا تھا کہ وہ جس کی طرف نظر بھر کر دیکھ لے وہ اسے آسانی سے نہیں بھول سکتا تھا اور پھر اس نے مجھ سے تو کافی دیر تک بڑے دلربایانہ انداز میں گفتگو کی تھی۔ اگر آئزک بیل کباب میں ہڈی کی طرح اچانک اس کے دفتر میں نہ آ دھمکا ہوتا تو جینی اسی وقت بہت کچھ طے کرنے کے موڈ میں نظر آ رہی تھی۔

''ابھی تم نے جینی کی مدہوشی کا ذکر کیا تھا۔'' میں نے ویرا کو یاد دلایا'' اگر اس نے نشے میں بہک کر میرے ساتھ دست درازی کی کوئی کوشش کی تو میں اس کے دماغ پر چھائی ہوئی کہر جھاڑنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگاؤں گا۔ بعد میں تم مجھ سے کوئی شکوہ نہ کرنا۔''

''تم اس کا سر بھی پھاڑ دو گے تو میں تم سے کوئی شکوہ نہیں کروں گی۔'' میری ان باتوں سے ویرا کو سکون مل

رہا تھا اور اس کا اعتماد مستحکم ہوتا جا رہا تھا ''بس یہ دھیان رکھنا کہ مطلوبہ معلومات حاصل ہونے تک تمہیں اس کی نازبرداری کرنی ہوگی۔''

''اس کی تم پروانہ کرو۔ میں آڑے وقت میں اپنا کام نکالنا جانتا ہوں۔''

ویرا کے پاس جینی کا پتا موجود تھا۔ اس نے وہ پتا ایک رقعے پر نقل کر کے میرے حوالے کیا اور ایک مرتبہ پھر فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔

ویرا نے جینی کو میری آمد کی اطلاع دے کر فون بند کیا تو میں روانگی کے لیے تیار تھا۔

''ایسی ٹیکسی پکڑنا جسے کوئی مقامی کالا یا گورا چلا رہا ہو۔''

نکلنے سے پہلے ویرا نے مجھے مشورہ دیا'' وہ کسی زحمت کے بغیر تمہیں جینی کے دروازے پر پہنچا دے گا۔ ٹیکسیاں چلانے والے تارکین وطن بس مین ہٹن کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ یہاں سے نکلتے ہی بھٹکنا شروع کر دیتے ہیں۔''

میں نے کسی مقصد کے بغیر ویرا کو آنکھ ماری اور کمرے سے نکل گیا۔

میں ہوٹل سے باہر نکلا تو ایک معمر یورپی جوڑا ٹیکسی سے اتر رہا تھا۔ ڈرائیور اپنی گندمی رنگت کی وجہ سے ایشیائی نظر آرہا تھا۔ ویرا کی ہدایت کے مطابق مجھے اس کو نظر انداز کر دینا چاہیے تھا مگر جینی کے گھر کی طرف سفر کے پہلے ہی مرحلے پر میں نے ویرا کے مشورے سے انحراف کا فیصلہ کر لیا۔

''تم کوئنز کے علاقے سے واقف ہو؟'' ٹیکسی خالی ہونے کے بعد میں نے کھڑکی پر جھک کر ڈرائیور سے انگریزی میں سوال کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ پچھلے چند ہی دنوں میں میرا انگریزی لب ولہجہ غیر ارادی طور پر بگڑ کر امریکی ہو چکا تھا۔

''سر جی، پورا نیویارک اور نیوجرسی میرا دیکھا بھالا ہے۔'' ڈرائیور نے فخریہ مسکراہٹ اور پورے اعتماد کے ساتھ اردو میں جواب دیا''ہارلم کے علاوہ جہاں کہو گے پہنچا دوں گا۔''

میں نے دروازہ کھول کر اس کے برابر والی نشست پر بیٹھتے ہوئے پوچھا'' کیوں، ہارلم کیوں نہیں جاؤ گے؟''

''کالے مار مار کر بھرکس نکال دیں گے۔'' وہ ٹیکسی کو ایک جھٹکے سے آگے بڑھاتے ہوئے بے فکری سے بولا''شاید تم ٹیلی وژن یا اخبار نہیں دیکھتے۔ کل سے وہاں دو بدمعاشوں میں زبردست مقابلہ ہو رہا ہے۔ انیس آدمی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔''

میرے لیے وہ پسندیدہ موضوع تھا۔ میں نے اسے اکسانے کی نیت سے کہا''بدمعاشوں میں مقابلہ؟ میں نے تو سنا ہے کہ وہاں کسی کے قتل پر بلوے ہو رہے ہیں۔''

''یہ سب بہانے ہیں۔ رنگس والوں سے ہارلم کے کسی داوا گیر کا پھڈا ہو گیا ہے اور یہ ساری خوں ریزی اسی وجہ سے ہو رہی ہے۔ یہ بات پورے شہر میں پھیلتی جا رہی ہے مگر اخبار والے اسے چھاپنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ ان بے چاروں کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ آج سچ چھاپ دیں گے کل ان کے دفتر میں کوئی بم پھٹ پڑے گا۔''

اس کے لب ولہجے میں پنجابی رنگ محسوس کرتے ہوئے میں نے پوچھا''بہت کھل کر باتیں کرتے ہو۔ کہاں کے رہنے والے ہو؟''

وہ بے ساختہ ہنس پڑا'' دوست کہتے ہیں کہ میں پکا لاہوریا ہوں۔ وہیں پیدا ہوا، روزی یہاں کما رہا ہوں لیکن آرزو یہ ہے کہ آخر میں مٹی داتا کی نگری کی ملے۔ آپ کہاں سے آئے ہو؟''

''گھر سے آیا ہوں۔ تمہارا اندازہ اور تجربہ کیا کہتا ہے؟''

میں نے بات اسی پر ڈال دی۔

''وہ جو تم نے پہلے پوچھا تھا نا، کوئنز کے بارے میں۔ میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ تم کراچی والے ہو۔''

وہ ہنس کر بے پروائی سے بولا''کراچی والے بہت ہوشیار بلکہ چالاک ہوتے ہیں۔ ہر کام دیکھ بھال کر اور بہت احتیاط سے کرتے ہیں۔ اپنے پینڈو بھائی تو یہاں آ کر شروع سے آخر تک اس طرح ڈرے سہمے رہتے

ہیں جیسے ویزے کے بغیر آئے ہوں۔ گرہ کا مال خرچ کر کے گوروں سے دبنے والے ایسے لوگوں پر مجھے بہت غصہ آتا ہے۔ وہ ہمارے جیسے نڑوں کا نام بھی خراب کرتے ہیں۔''

''اپنے ہم وطنوں سے خاصے مایوس اور بد دل نظر آتے ہو۔'' میں نے کہا۔

''یہ نہ کہو۔'' وہ اپنی نشست میں پہلو بدل کر بولا۔ ''یہاں اپنا نام اونچا ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے یہاں کے سارے اخباروں میں بڑے بڑے اشتہار چھپے تھے۔ ڈینی نام کا کوئی پاکستانی جیالا ہے جس کو پکڑنے کے لیے ملین ڈالر کا انعام اور پتا نہیں کیا الابلا تھا۔ وہ کوئی آفت چیز ہوگا ورنہ یہ سالے امریکی کسی کی پروا نہیں کرتے۔ کوئی کچھ بھی کہتا اور کرتا رہے، یہ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور اسے پورا کر کے ہی دم لیتے ہیں۔''

''اگر میں یہ کہوں کہ میں ڈینی ہوں؟'' نہ جانے فخر و غرور کی ایک طاقت ور انسانی لہر مجھ سے کیوں وہ بے ساختہ فقرہ کہلوا گئی۔

اس نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مار کر زور سے ایک قہقہہ لگایا اور کہا ''کہہ کر دیکھو...... میں تمہیں کوئنز کے بجائے پاگل خانے پہنچا دوں گا۔ ایسے بے ہودہ مذاق کی سزا دینے کے لیے میں اپنے کرائے کی پروا بھی نہیں کروں گا۔''

''ٹیکسی کب سے چلا رہے ہو؟'' جذباتی غلبے سے بچنے کے لیے میں نے یکا یک موضوع بدل دیا۔

''تین برس سے۔'' اس نے کسی تامل کے بغیر جواب دیا۔ ''میں انجینئرنگ یونیورسٹی کا گریجویٹ ہوں۔ دن میں سول انجینئر ہوتا ہوں، شام میں ٹیکسی چلاتا ہوں تاکہ اپنی سات بہنوں کے لیے جلد از جلد کوئی بندوبست کر سکوں۔ وقت گزر گیا تو پھر وہ اپنے اپنے گھروں کو سدھارنے کے بجائے اماں کے گھر میں بیٹھی آپس میں لڑتی رہیں گی۔''

''اور تم؟'' بے ساختہ میری زبان سے ایک جارحانہ سوال آزاد ہو گیا۔

وہ ہنسا اور بولا ''جب تک یہاں ہوں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بیوی نہ سہی، ہر روز نئی بے بی مل جاتی ہے۔ رات سکھ چین سے گزر جاتی ہے۔ بہنوں کے گھر آباد ہو جائیں تو میں بھی کچھ سوچوں گا۔'' اس کا لہجہ سرسری تھا مگر اس کے اندر کا کرب مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

تھوڑی دیر کے لیے ہم دونوں ہی خاموش ہو گئے۔

''اب ہم مین ہٹن کو مشرق سے ملانے والی کوئنز مڈ ٹاؤن ٹنل میں داخل ہونے جا رہے ہیں جو دریائے مشرق میں سے گزرتی ہے۔'' ٹیکسی ڈرائیور نے سکوت توڑتے ہوئے مجھے آگاہ کیا۔

اس زیر آب سرنگ سے گزر کر ہم کوئنز کے علاقے میں داخل ہوئے اور چند منٹ بعد ہی ایک صاف ستھرے رہائشی علاقے کے ایک خوب صورت مکان کے سامنے ٹیکسی روک دی۔ اس گھر کے چوبی گیٹ سے ملحق ستون پر ایلی۔ برنارڈ کے نام کی چمکتی ہوئی تختی آویزاں تھی۔

ڈرائیور کو کرایہ ادا کرتے ہوئے میں یہ سوچ رہا تھا کہ ہماری دقیانوسی معاشرتی اقدار نے بہت سے لوگوں پر روزی کمانے کے متعدد راستے بند کیے ہوئے ہیں۔ وہاں پیشوں کو اعلیٰ اور ادنیٰ درجوں میں بانٹ دیا گیا ہے جس کی وجہ سے معمولی کام کرنے والوں کو کہیں بھی عزت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ ان پیشوں کو لوگوں کی تحقیر کا وسیلہ بنایا جاتا ہے۔

امریکا میں وہ شخص اپنی معاشی ضروریات پوری کرنے کے لیے انجینئرنگ کی پیشہ ورانہ ملازمت کے ساتھ پوری ذہنی آزادی اور بے فکری سے ٹیکسی بھی چلا رہا تھا۔ اس کام میں وہ کسی کو جواب دہ نہیں تھا۔ اپنی ملازمت آپ ہی کر رہا تھا، کوئی اسے یہ طعنہ دینے والا نہیں تھا کہ وہ ایک اعلیٰ پیشے سے وابستہ ہونے کے باوجود ٹیکسی چلانے کا گھٹیا کام کر رہا ہے۔ یہی کام وہ اپنے ملک میں شروع کر دیتا تو ملنے جلنے والے اور قرابت دار طنز و تضحیک سے اس کی زندگی اجیرن بنا دیتے۔

اسے رخصت کر کے میں نے للی برنارڈ کے دروازے پر لگی ہوئی گھنٹی بجائی اور چند ثانیوں بعد ہی وہ

دروازے پر آ پہنچی۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں اور اس نے بہت گرم جوشی سے مجھے اندر بلایا۔

جینی کا گھر مختصر اور خوب صورت تھا۔ وہ وہاں اکیلی رہتی تھی۔ بعد میں اس نے مجھے بتایا کہ کام سے چھٹی والے دن وہ اگلے ہفتے کے لیے اپنی مرضی کے کھانے تیار کرکے ڈیپ فریزر میں محفوظ کر دیتی ہے۔ گھر کی صفائی اور برتن، کپڑے وغیرہ دھونے کا کام ایک ہاؤس میڈ سرانجام دیا کرتی تھی جو جینی کے دفتر جانے کے بعد چند گھنٹوں کے لیے آتی تھی اور کام سے فارغ ہو کر دوبارہ گھر مقفل کر کے چلی جاتی تھی۔ گھر میں آمد و رفت کے لیے جینی نے اسے فاضل چابی دی ہوئی تھی۔

جینی مجھے ڈرائنگ روم اور پھر ایک راہداری سے گزار کر اپنی اسٹڈی میں لے گئی جہاں ایک دیوار گیر شیلف پر کمپیوٹر کے لوازم رکھے ہوئے تھے۔ رنگین اسکرین آن تھی اور میز نما شیلف کے ایک سرے پر کسی شفاف سیال کا گلاس رکھا ہوا تھا۔

''تم کیا پیتے ہو؟'' جینی نے بیٹھنے سے پہلے ایک دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا ''میں اس وقت جن پی رہی ہوں اور عام طور پر یہی پسند کرتی ہوں۔''

''میں صرف کوکا کولا پیتا ہوں۔'' میں نے پوری سنجیدگی سے کہا اور اس کی دعوت کا انتظار کیے بغیر ایک صوفے پر بیٹھ گیا ''کوک نہ ملے تو سادہ پانی پر گزارہ کرتا ہوں۔''

''یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ روزی شراب نوشی کو مردانگی کی شان سمجھتی ہے۔ اگر تم اسی قدر پارسا ہوتے تو وہ تم سے ہرگز دوستی نہ کرتی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ مجھ سے لگ کر اسی صوفے کے سرے پر بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔

''تو کیا تم بھی شراب نہ پینے کو پارسائی سمجھتی ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ ایک آفاقی اصول سا بنا ہوا ہے۔'' وہ اپنی گھنی پلکیں جھپکا کے معصومیت سے بولی ''دنیا کا کوئی بھی مذہب شراب نوشی کی تلقین نہیں کرتا مگر پھر بھی مذہب کے لوگ اس سے شوق کرتے ہیں۔''

''پھر جو چاہو، لے آؤ۔ میں بھی تمہارا ساتھ دے دوں گا۔'' بات مذہب کی آ گئی تھی۔ میں نے اس کے ٹیڑھے تیکھے سوالوں سے بچنے کے لیے جھٹ ہتھیار ڈال دیے۔

وہ گئی اور جن کی زیر استعمال بوتل کے ساتھ ٹانک واٹر اور دوسرا گلاس بھی لے آئی۔ اس نے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھنے کے بجائے وہاں سے اپنا گلاس اٹھالیا تھا۔

''شاید تم کمپیوٹر پر روزی کا ہی کام کر رہی تھیں۔'' میں نے دھیرے سے اسے یاد دلایا۔

''اس کا کام میں نے چند منٹ میں ختم کر لیا تھا مگر ایک بات مجھے رہ رہ کر الجھن میں مبتلا کر رہی ہے۔'' وہ غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

میں نے بے چینی سے پہلو بدل کر اپنے اور اس کے درمیان کچھ فاصلہ پیدا کرتے ہوئے کہا ''اگر اس الجھن کا تعلق میری ذات سے ہے تو میں اسے دور کر سکتا ہوں۔''

''ساری الجھن ہی تمہاری وجہ سے ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر میٹھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میری وجہ سے؟ یہ میری تم سے دوسری ملاقات ہے اور ابھی تک میں نے تم سے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے الجھن پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔''

''ایمانداری سے اپنا اصل نام بتا دو۔ تمہارا نام راما داں نہیں ہو سکتا۔''

''پھر جو نام چاہو، تجویز کر دو۔ میں تمہاری خوشنودی کے لیے وہی بن جاؤں گا۔'' میں نے پورے خلوص سے اسے پیش کش...... کر ڈالی۔

''میں روزی کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ آج کل پاکستان کے معاملات میں گہری دلچسپی لے رہی ہے۔ وہ......'' وہ میرے چہرے سے ایک پل کے لیے بھی نظریں ہٹائے بغیر بولتی رہی مگر میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔

''اپنے دفتر میں تم ڈینی کے ساتھ کسی ویرا کا ذکر کر رہی تھیں۔ اب روزی کو اس کا عاشق بتا رہی ہو۔ کہیں یہ شخص تمہارے تخیل کی پیداوار تو نہیں ہے؟''

''مجھے رہ رہ کر شبہ ہو رہا ہے کہ تم ہی ڈینی ہو۔'' وہ میرے اعتراض کو یکسر نظر انداز کر کے بولی۔

''اس میں میرا کیا قصور ہے؟'' میں نے شانے اچکا کے بے پروائی سے کہا ''اس بارے میں تم کھل کر روزی سے بات کیوں نہیں کر لیتیں؟''

''وہ پرلے درجے کی مکار لڑکی ہے۔ اگر تم نے اس کے مشورے سے یہ سوانگ رچایا ہے تو وہ مر کر بھی اصل بات کا اعتراف نہیں کرے گی۔ اس سے میں بات کر چکی ہوں۔ وہ کہتی ہے کہ ڈینی کو وہ پاکستان میں چھوڑ کر آئی ہے۔''

''وہ تمہاری گہری سہیلی ہے۔'' میں نے گلاس سے پہلا گھونٹ لے کر کہا ''تمہیں اس کی بات کا اعتبار کرنا چاہیے۔ اچھے دوست ایک دوسرے کے کھوج میں نہیں رہتے۔ آپس کی مجبوریوں کو نظر انداز کرتے رہتے ہیں۔ تم کو اس بارے میں زیادہ نہیں سوچنا چاہیے۔''

''میں بھی تو جاننا چاہتی ہوں کہ تم کس مجبوری کے تحت ڈینی سے راما دان یا رمضان بنے ہوئے ہو۔'' اس نے فوراً ہی میری بات پکڑ لی۔

''میری کوئی مجبوری نہیں ہے۔ میں صرف رمضان ہوں۔'' میں نے بے ساختہ ہنسی کے ساتھ کہا۔

''روزی میری ایسی سہیلی ہے کہ اس کے لیے میں بڑے سے بڑے انعام کی بھی پروا نہیں کروں گی۔ تم یقین کرو کہ حقیقت معلوم ہو جائے تب بھی میں تمہاری مخبری نہیں کروں گی۔''

''اب تم گھما پھرا کر اسے ویرا قرار دینے کی کوشش کر رہی ہو!''

''تم زبان سے جو چاہو کہتے رہو، دل میں سب کچھ سمجھ رہے ہو۔ شاید تم نہ مانو مگر اس سرزمین پر میں تمہاری دشمن نہیں، بہترین دوست ہوں۔''

میں نے سیلوٹ کے انداز میں اپنا بایاں ہاتھ پیشانی تک لے جا کر کہا ''روزی نے تمہارے بہت گن گائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس وقت تمہارے گھر میں موجود ہوں۔ اگر مجھے ڈینی کہنے سے تمہیں کوئی تسکین ملتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔''

اس نے سرک کر ہم دونوں کا درمیانی فاصلہ دوبارہ صفر کر دیا اور میرے بازو پر چٹکی لیتے ہوئے بولی ''جب میں اسے روزی کہہ رہی ہوں تو تمہیں ڈینی کیسے کہہ سکتی ہوں۔ مجھے صرف حقیقت جاننے کا تجسس ہے اور وہ میں جان کر رہوں گی۔ میں ابھی فون کر کے روزی کو بتاؤں گی کہ تم نے میرے سامنے سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ تلملا اٹھے گی اور سچ کھل جائے گا۔''

''میری طرف مزید سمٹنے کی گنجائش نہیں ہے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم ایک دوسرے سے الگ ہو کر آرام سے بیٹھیں؟'' میں نے بہت ملائمت اور سنجیدگی سے کہا۔

''کیوں؟ کیا میرے بدن کی مہک تمہیں ناگوار گزر رہی ہے؟'' اس نے شوخی سے پوچھا۔

''اس مہک اور تپش سے میرا دوران خون تیز ہو رہا ہے۔ میں اس میں ذرا سا افاقہ چاہتا ہوں تاکہ جن کے ایک دو پیگ پینے کی گنجائش رہے۔''

جینی نے کھل کر ایک مترنم قہقہہ لگایا اور میری ٹانگ پر ہاتھ مار کر بولی ''تم جو بھی ہو، خاصے مزے دار آدمی ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ اپنی ٹال مٹول کے باوجود آج تمہیں یہاں آنا پڑا ہے۔ ہماری یہ شام خاصی خوش گوار اور یادگار ثابت ہوگی۔''

اس کے تیور خطرناک تھے۔ میں نے صورت حال خراب ہونے سے پہلے اسے یاد دلایا کہ وہ روزی کا دیا ہوا کام مکمل کر چکی تھی تو اس کا نتیجہ میرے حوالے کر دے۔

''روزی سے میں نے یہی کہا تھا کہ تم آؤ گے تو تمہارے ساتھ مل کر کمپیوٹر پر محنت کروں گی۔ یہ تمہیں بلانے کا بہانہ تھا ورنہ سب کچھ چند منٹ میں اسکرین پر آ جائے گا۔''

اس کے ساتھ میں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ کمپیوٹر کے سامنے جا بیٹھی، میں بھی ایک کرسی کھینچ کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

جینی کی انگلیاں مہارت اور تیزی کے ساتھ کمپیوٹر کے کی بورڈ سے کھیلنے لگیں۔ پہلے سے آن کئے ہوئے

اسکرین پر لہراتی ہوئی رنگا رنگ کہکشاں معدوم ہوگئی۔ اسکرین پر وقفے وقفے سے نمودار ہونے والی ہدایات کے مطابق جینی رک رک کر اپنا کام کرتی رہی اور آخر کار اسکرین پر رنکس انکارپوریٹڈ کے عنوان سے ایک بڑی فائل کھل گئی۔

اس فائل میں حروف تہجی کی ترتیب سے رنکس کے مختلف شعبوں کے بارے میں الگ الگ ذیلی فائلیں موجود تھیں۔ جینی نے آپریشن والی فائل کا انتخاب کیا اور مختلف کمانڈز دیتی ہوئی رنکس کے کولمبس سینٹر تک پہنچ گئی۔ اس وقت اسکرین پر اس سینٹر سے آنے اور جانے والے سامان کی تفصیلات نمایاں ہو چکی تھیں۔ میرے لیے جینی کی وہ مشق دلچسپ ثابت ہو رہی تھی۔

ملکی اور بین الاقوامی نقل وحمل کی ذیل میں جینی انٹرویل رینڈ نامی فرم کی کارگو بکنگ پر رک گئی اور میز پر پڑا ہوا پیڈ میری طرف سرکا دیا۔

''چاہو تو اپنی مطلوبہ معلومات کاغذ پر نوٹ کرتے جاؤ۔'' اس نے کہا اور میں نے قلم سنبھال لیا۔

انٹرویل رینڈ نے دوٹن وزنی مشینی آلات اور برقی پرزوں پر مشتمل تین چوبی کریٹ کراچی بھیجے جانے کے لیے رنکس والوں کے پاس بک کرائے تھے۔ رنکس والوں کی اٹھائیس نمبر بند گاڑی وہ پیٹیاں لے کر اگلے روز علی الصباح کولمبس سے روانہ ہوئی تھی۔

جینی نے کوئی کی دبا کر نیا صفحہ کھولا تو اس گاڑی کا روٹ سامنے آ گیا۔ کولمبس سے نکلنے کے بعد پٹس برگ سے مزید سامان اٹھاتی ہوئی فلاڈلفیا کے راستے دوپہر تک نیویارک پہنچی تھی جہاں وہ سامان ایک گودام میں اتار دیا جانا تھا۔

جینی کے لیے حیران کن بات یہ تھی کہ وہ رنکس کا گودام نہیں تھا۔ برآمدی سامان کی محفوظ پیکنگ، مارکنگ اور دستاویزات کی تیاری کے لیے نیویارک میں رنکس کا باقاعدہ مال خانہ اور عملہ موجود تھا مگر وہ تینوں کریٹ نیویارک سے پہلے نیوجرسی کے ایک نئے گودام یا ٹھکانے پر اتارے جانے تھے۔ گاڑی کو پٹس برگ سے اٹھایا ہوا سامان نیویارک پہنچانا تھا۔

نیوجرسی کا وہ گودام نیا تھا اس لیے ریکارڈ میں اس کا پتا بھی درج تھا جو میں نے لکھ لیا۔ دو روز بعد وہ سامان اس گودام سے براہ راست ایک فلائٹ پر بھیجا جاتا اور پیرس کے راستے کراچی کے لیے روانہ ہو جاتا۔

شیڈول میں اس متوقع پرواز کا نمبر اور اس کے کراچی پہنچنے کا وقت تک موجود تھا۔

اس پوری تفصیل سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ بدری ناتھ کی دی ہوئی اطلاع بہت معتبر تھی لیکن سامان میں کی جانے والی گڑبڑ کا سراغ لگانے کے لیے ہمیں کولمبس کی طرف دوڑ لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ جو کچھ بھی ہونا تھا، نیوجرسی کے اس مشتبہ گودام میں ہونا تھا جو جینی کے لیے بھی نیا تھا۔ وہ بندوبست غالباً رنکس کے عام ملازمین کو مجوزہ تخریب کاری سے الگ تھلگ رکھنے کے لیے کیا گیا تھا۔

''تم چاہتیں تو اپنے کمپیوٹر سے متعلقہ معلومات کے پرنٹ آؤٹ بھی نکال سکتی تھیں۔'' جینی کے کمپیوٹر بند کر دینے کے بعد میں نے دبے لہجے میں کہا۔

''میں اپنے لیے کوئی غیر ضروری خطرہ مول نہیں لینا چاہتی۔ کراچی میں اٹامک انرجی کمیشن کا نام سامنے آتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کوئی گرما گرم اور خطرناک معاملہ ہو سکتا ہے جس میں ٹانگ اڑا کر میں اپنی شامت کو دعوت دوں گی۔''

''پورا پروگرام کھنگال کر تم ٹانگ تڑوا ہی بیٹھی ہو۔ کسی کو کیا پتا چلے گا کہ تم نے پرزوں کی کھیپ کے بارے میں کچھ دیکھا یا چھاپا ہے۔''

''میں اپنے سافٹ ویئر کو بہتر جانتی ہوں۔'' وہ مسکرا کے بولی ''اس میں دیکھنے اور چھاپنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دیکھ بھال کہیں ریکارڈ نہیں ہوتی لیکن پرنٹنگ کی پوری تفصیلات خود بہ خود ریکارڈ ہو جاتی ہیں۔ آئزک بیل کو پتا چلتا کہ میں نے ان مخصوص صفحات کے پرنٹ آؤٹ نکالے ہیں تو میرے لیے جواب دہی مشکل ہو جاتی۔ تم لوگ بتا ہی چکے ہو کہ وہ کس قدر سفاک اور مجرمانہ ذہنیت کا مالک ہے۔ میں غیر ضروری طور پر اس سے ٹکر نہیں لے سکتی۔''

''اس کے ساتھ کام کرنے کے باوجود تم میں ذرا بھی حوصلہ پیدا نہیں ہوسکا۔''

''میں پروفیشنل ہوں اور رنکس کے لیے صرف پیشہ ورانہ خدمات انجام دیتی ہوں۔ آئزک کے جرائم میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے۔ میں بلاوجہ اس کی مخاصمت کیوں مول لوں؟''

وہ کسی خطرے میں پڑے بغیر مجھے مطلوبہ معلومات فراہم کرچکی تھی اس لیے میں نے وہ بات وہیں ختم کرتے ہوئے، فوری خیال کے تحت پوچھا ''ہیلن رائے کا کیا حال ہے؟''

جینی افسردگی سے سرہلاتے ہوئے بولی ''اس پاگل اور جذباتی لڑکی نے اپنی زندگی تباہ کرلی ہے۔ کسی نے اسے فون کرکے پہلے ہی ہارلم کے فسادات میں رنکس کے کردار کے بارے میں بتادیا تھا۔ پہلے اس نے دفتر میں مجھ سمیت ہر ایک کو وہ کہانی سنائی پھر اخبارات میں بھی جا پہنچی اور آج ہی وہ بے چاری سب کے لیے عبرت کا نمونہ بن چکی ہے۔''

''تو کیا اسے مار ڈالا گیا؟'' میں نے بے ساختہ پوچھا۔

''مرجاتی تو شاید اس کے حق میں زیادہ بہتر ہوتا۔ کسی نے اس کے فلیٹ میں گھس کر اس کے ساتھ ایسی زیادتی کی ہے کہ اس کا دماغ الٹ چکا ہے اور وہ دماغی اسپتال پہنچائی جاچکی ہے۔ اس کے انجام نے ہمارے دفتر میں کئی لوگوں کو خوف زدہ کردیا ہے۔''

مختصر سی مدت میں ہیلن رائے کے اس انجام نے میرا دل بوجھل کردیا۔ عام امریکیوں کے برعکس اس نے شاید اپنے قول و فعل کے بارے میں کوئی دعویٰ نہ کیا ہو لیکن وہ صحیح معنوں میں ایک بے باک، صاف گو اور باضمیر لڑکی تھی۔

اپنے اصولوں پر سمجھوتا نہ کرکے اس نے اپنی ملازمت کی پروا کی اور نہ کسی سے خوف زدہ ہوئی۔ وہ بالکل یکہ و تنہا شہر کے بھیڑیوں کو بے نقاب کرنے نکل کھڑی ہوئی اور یہ بھول گئی کہ وہ خونی بھیڑیے پیچھے سے وار کرکے اس کی چادر کے چیتھڑے بھی اڑا سکتے ہیں۔

جن کا پہلا گلاس ختم کرکے جینی مجھے اپنی خواب گاہ میں لے گئی۔ وہ کمرا بہت صاف ستھرا اور پرتعیش تھا۔ وہاں کی آرائش سے جینی کی فراخ دلانہ رجحانات کی بھرپور عکاسی ہورہی تھی۔ اس کمرے کو بنانے اور سجانے میں جینی نے دل کھول کر پیسہ خرچ کیا تھا۔

''بہت خوب صورت۔'' میں نے ایک جگہ رک کر کمرے کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے توصیفی لہجے میں کہا ''تم جیسی لڑکی کے لیے اس سے کم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔''

''اپنے لیے یہ سب حاصل کرکے مجھے بھی خوشی ہوتی ہے۔'' اس نے مجھے ایک گوشے میں پڑے ہوئے چرمی صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا ''میں ہمیشہ سے ایسے کمروں میں نہیں رہی۔ میں نے نیویارک کے کئی ٹھٹھرادینے والے جاڑے رات رات بھر گتے کے ڈبو میں دبک کر گزارے ہیں۔ میں نے وقت کی بڑی بے رحمانہ مار سہی ہے مگر اس کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے......''

''ایسے حالات میں پرورش پانے والے اپنی زندگی میں بہت کم کامیاب ہوتے ہیں۔'' میں نے متاثر ہوکر کہا۔ ''روزی بتارہی تھی کہ تم دونوں نے کافی وقت ایک ساتھ گزارا ہے۔ شاید یہ برے دن تم نے اپنے بچپن میں جھیلے ہوں گے۔''

وہ میرا اشارہ سمجھ گئی اور اثبات میں سرہلاتے ہوئے بولی ''لڑکپن اور جوانی کی سرحد پر ندیدے شکاری مجھے سرچھپانے کی جگہ دینے پر تلے ہوئے تھے مگر میں نے اپنی راہ چن لی تھی۔ سان فرانسسکو میں رہ کر میں نے کافی رقم جمع کی اور پھر تعلیم کا سلسلہ شروع کردیا، گریجویشن کرکے نیویارک آئی تو روزی سے دوستی ہوگئی اور اس کی اعانت سے میں نے ایم بی اے میں داخلہ لے لیا۔''

''سان فرانسسکو میں تم کیا کرتی تھیں؟'' میں نے رواروی میں سوال کرڈالا۔

لمحہ بھر کے لیے اس نے مجھے گھورا جیسے اندازہ لگانا چاہ رہی ہو کہ میں کس حد تک سنجیدہ تھا۔ میری نیک نیتی کا

اندازہ لگا کر وہ بولی ''سان فرانسسکو ہم جنس پرستوں کی جنت ہے۔ میں وہاں اسی دھارے میں شامل ہوگئی۔ مردوں کی خود غرضی سے محفوظ رہ کر جلد از جلد خوش حال ہونے کا وہ آسان راستہ تھا جسے میں نے شوق یا مرضی سے نہیں بلکہ حالات کے جبر کی وجہ سے اپنایا تھا۔''

موضوع کی تلخی کو بھلانے کے لیے اس نے دوسرے گلاس میں سے ایک لمبا گھونٹ لیا تو میں اس سے ایک اور چبھتا ہوا سوال پوچھے بغیر نہ رہ سکا'' کیا تمہیں کبھی ماں باپ کا سایہ میسر نہیں رہا؟''

''باپ شرابی اور جواری تھا، ماں اپنے ایک آشنا کے ساتھ نہیں بھاگ گئی۔ میں گھر اور اسکول کو بھول کر سڑکوں پر آگئی اور قصہ ختم!'' اس نے ہاتھ جھاڑ کر بات ختم کردی۔

للی برناڈ کسی بھی معاشرے میں انسانی عزم و حوصلے کی کامیابی کی ایک ایسی مثال تھی جس پر کوئی مقالہ بھی لکھا جاسکتا تھا لیکن اس نے ہر بات بہت انحصار کے ساتھ سمیٹی تھی۔ اس کی کہانی میں بس ایک ہی کمزور لمحہ تھا جب اس نے غربت و تنہائی سے مغلوب ہو کر نیویارک سے سان فرانسسکو جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس وقت تک میں جینی کو نیویارک کی ایک رنگین مزاج اور اوباش طبیعت لڑکی سمجھ رہا تھا جو اچھے منصب پر فائز ہونے کے باوجود پروقار زندگی گزارنے کے تصور سے نالاں تھی۔ اس کی زندگی کے جستہ جستہ واقعات سننے کے بعد میری نگاہوں میں اس کا مقام ذرا بلند ہوگیا۔

ایک خاص بات یہ تھی کہ میرے پہنچنے کے بعد اس کے فون کی گھنٹی بجی تھی نہ اس نے کسی کو فون کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے ملنے جلنے والوں کا حلقہ مختصر اور محدود تھا یا شاید وہ بھی ماضی کی ویرا کی طرح شکار کو زیر کرکے بھول جانے کی عادی تھی۔

میں جس مقصد کے لیے وہاں آیا تھا، وہ پورا ہو چکا تھا۔ میں نے کئی بار اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن جینی نے ہر بار ہاتھ تھام کر والہانہ انداز میں مجھے روک لیا۔

ویرا کے ساتھ شب و روز کی یکسانیت سے فرار حاصل کر کے مجھے خود بھی جینی کے ساتھ دنیا جہان کی باتیں کرنے میں لطف آرہا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ معدے میں گورڈن ڈرائی جن کی بڑھتی ہوئی مقدار کے ساتھ اس کے ذہن پر رومان کا بھوت طاری ہوتا جارہا تھا۔ کھانے وغیرہ کا دور تک کوئی ذکر نہیں تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگلا کوئی بھی گلاس اسے کیف و سرور کی ایسی دنیا میں پہنچا دے گا جہاں وہ میرے گلے کا ہار بن کر رہ جائے گی اور میں بے بس ہو کر رہ جاؤں گا۔

پانی کی بوتل لینے کے بہانے میں اس کے باورچی خانے میں گیا تو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ فریج خورد ونوش کی اشیاء سے بھرا ہوا تھا۔ منجمد کھانوں کو تازگی دینے کے لیے وہاں مائیکرو ویو اوون بھی موجود تھا۔

میں نے اس جائزے سے فارغ ہو کر پانی کی بوتل نکالی ہی تھی کہ جینی جھومتی اور لڑکھڑاتی ہوئی وہیں آپہنچی اور میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنا پورا بوجھ میرے اوپر ڈال دیا۔

میں نے غصیلی نظروں سے اسے گھورا تو وہ اپنی خمار آلود آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال کر مسکرادی'' فکر مت کرو۔ قدم ذرا لڑکھڑانے لگتے ہیں، میرا ذہن صاف رہتا ہے۔ اس وقت بس تم سے مسلسل باتیں کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔''

اس وقت جینی کی خوب صورت آنکھوں میں اور چہرے پر ایک عجیب مقناطیسی کشش پیدا ہو چکی تھی۔ میں نے نظریں چرا کر اسے سہارا دیا اور دوبارہ خواب گاہ کی طرف ہولیا۔

☆☆☆

اگلے دن کا آغاز خاصی کسل مندی سے ہوا۔ ویرا دیر تک میری واپسی کے انتظار میں جاگتی اور سلگتی رہی پھر میری واپسی پر درمیانے درجے کا ایک تلخ و ترش فساد ہوا جس کا کوئی نتیجہ نکلنا تھا، نہ نکلا۔ اتنا ضرور ہوا کہ نیویارک آمد کے بعد پہلی بار مجھے پوری مسہری پر آزادی سے ہاتھ پیر پھیلا کر سونے کا موقع مل گیا۔ ویرا مجھ سے روٹھ کر صوفے پر منہ لپیٹ کر پڑ گئی تھی۔

صبح ہم دونوں ایک دوسرے سے قدرے شرمسار

اور روٹھے روٹھے سے تھے۔ میرے ذہن پر تین کام سوار تھے۔ سب سے پہلے اول خان کو پرزوں کی کھیپ کے بارے میں تازہ ترین معلومات سے آگاہ کرنا تھا۔ اس کے بعد نیو جرسی کا چکر لگا کر اس پراسرار گودام کے محل وقوع کا جائزہ لینا تھا جہاں کولمبس سے آنے والی چوبی پیٹیوں کو دوروز کے لیے ذخیرہ کیا جانا تھا۔ ان دونوں اہم کاموں کے بعد وقت کافی رہتا تو آئزک بیل سے نمٹنا تھا جس سے میں دوپہر میں ملنے کا وعدہ کر چکا تھا۔

میں نے دانستہ ویرا کو پہلے منہ ہاتھ دھونے کا موقع دے دیا۔ جب میں تیار ہو کر باتھ روم سے نکلا تو ویرا ہم دونوں کے لیے کمرے میں ناشتا طلب کر چکی تھی۔ یہ اس کی جانب سے مصالحت کی پہلی خاموش ابتدا تھی۔

''ناشتے کے بعد تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' میں نے ویرا سے پوچھا۔

''جینی کی بچی کو فون کر کے ایسی بے بھاؤ کی سناؤں گی کہ اس کی طبیعت صاف ہو جائے گی۔'' ویرا کو میرے بولتے ہی اپنے دل کا غبار نکالنے کا موقع مل گیا۔

''یہ کار خیر تم کل رات بھی کر سکتی تھی جب وہ مجھے باتوں میں الجھائے بیٹھی تھی۔''

''اسے معلوم تھا کہ میں فون پر اسے ڈسٹرب کرتی رہوں گی۔ اس نے فون پر ریکارڈنگ مشین لگائی ہوئی تھی۔ میرے چھوڑے ہوئے پیغامات سن کر اس کی طبیعت جھک ہو گئی ہو گی۔''

میں بے اختیار ہنس پڑا ''تم اپنا دل ہلکا کر ہی چکی ہو۔ رات میں خود حیران تھا کہ میری موجودگی میں ایک بار بھی جینی کے فون کی گھنٹی نہیں بجی۔''

''ریکارڈنگ مشین آن کر کے اس نے گھنٹی بند کر دی ہو گی ورنہ وہ مشین دو گھنٹیوں کے بعد اس کا ریکارڈ کیا ہوا پیغام سنا رہی تھی۔ اس نے تمہارے ساتھ خلوت میں سکون سے وقت گزارنے کا پورا بندوبست کیا ہوا تھا جس میں کسی دخل اندازی کا اندیشہ نہیں تھا۔ اس معاملے میں وہ پکی حرافہ ہے۔''

''وہ تمہاری گہری دوست ہے۔ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''لیکن اب وہ میرے بجائے تم سے زیادہ قریب ہے۔'' ویرا کا لہجہ زہریلا تھا۔

''اس پر لعنت بھیجو اور یہ بتاؤ کہ نیو جرسی کا چکر لگانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''میں ہوٹل میں پڑے پڑے اکتا گئی ہوں۔ اسی طرف نکل جاؤں گی۔ کیا تم ساتھ نہیں چلو گے؟'' اس نے چائے کا گھونٹ لے کر ذرا تیزی سے پوچھا۔

''ہم دونوں کا ایک ساتھ منظر عام پر گھومنا پھرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ واقعات بہت تیزی سے رونما ہو رہے ہیں۔ بلیک ڈیڈ کے مقابلے پر آ جانے کے بعد وہ زیادہ چوکنے ہو چکے ہوں گے۔ بہتر یہی ہو گا کہ تم اکیلی نکل جاؤ۔ بس دور سے گودام کا جائزہ لے کر لوٹ آنا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم یہاں آرام کرو گے۔ آج وہ ادھر تو نہیں آ رہی؟''

میں بے اختیار ہنس پڑا ''میری نیت اور باتوں پر شبہ مت کرو۔ میں اول خان کو فون کرنے کے بعد رنکس کے دفتر کا طواف کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اسحاق گھنٹی نظر ہی آ جائے۔ تصاویر دیکھ لینے کے بعد میں اسے ایک ہی نظر میں پہچان لوں گا۔''

''پھر سنر فائل کے پانچوں کاغذ بھی اول خان کو بھیج دو تاکہ ان کا جلد کوئی نتیجہ نکل سکے۔'' آہستہ آہستہ اس کا غصہ معدوم ہو چکا تھا اور وہ اعتدال پر آ گئی تھی۔

اس نے للی برنارڈ کے دیے ہوئے کاغذوں کو دیکھ بھال کر الگ کر لیا۔ کام کے چند کاغذوں کے سوا باقی پلندہ ضائع کیے جانے کے قابل تھا۔ وہ چیزیں میرے حوالے کر کے ویرا نے ریوالور چیک کر کے اپنے بیگ میں رکھا اور روانہ ہو گئی۔

نیو جرسی کے ساتھ بھی وہی اوہایو والا چکر تھا یعنی نیو جرسی فلاڈلفیا اور نیویارک کے درمیان پچکی ہوئی ایک پتلی اور لمبی سی ریاست ہے جسے عام غیر ملکی محض ایک شہر ہی تصور کر کے دن بھر میں وہاں کے تمام قابل ذکر

مقامات کی ۔۔ کرڈالتے ہیں۔ رنس والوں کو کراچی بھیجے جانے والے تینوں کریٹ نیو جرسی کے پرنسٹن نامی قصبے کے ایک گودام میں پہنچانے تھے۔ اس وقت تک میرے لیے اس شہر یا قصبے کی شہرت کی وجہ پرنسٹن یونیورسٹی تھی لیکن آئزک بیل نے اس قصبے کو اہمیت کی دوسری وجہ بھی عطا کردی تھی۔

ویرا پرنسٹن کے لیے چلی گئی تو میں نے اسکے الگ کیے ہوئے کاغذات کا جائزہ لیا۔ ان میں رنکس کے بارے میں ایسی اہم کاروباری معلومات موجود تھیں جن سے ان کا کوئی حریف زبردست فائدہ اٹھا سکتا تھا مگر ہمارے لیے وہ کاغذ بے کار تھے۔

ان کاغذوں کو پھاڑتے پھاڑتے میں نے ایک خیال کے تحت اپنا ہاتھ روک لیا۔ وہ سب ٹائپ کیے ہوئے یا چھپے ہوئے کاغذات کی نقول تھیں۔ ان پر ہیں بھی کسی کی کوئی تحریر نہیں تھی۔ میں نے ٹیلی فون ڈائریکٹری میں سے امریکا کی برنکس نامی دوسری سیکیورٹی ایجنسی کا پتا نوٹ کیا اور جینی کے دیے ہوئے سادہ خاکی لفافے پر ان کے سب سے بڑے مقامی عہدے دار کا نام ,درج کرکے فالتو کاغذ ڈال کر اسی لفافے میں بند کردیے۔

ڈاک سے ملنے والا وہ لفافہ برنکس کو فائدہ پہنچاتا جس کا مطلب آئزک بیل کا مالی اور کاروباری نقصان ہوتا تھا اور یہی میرا مطلوب ومقصود تھا۔

سبز فائل کھول کر میں نے ایک مرتبہ پھر پانچوں اوراق کی ناقابل فہم تحریر پر نظریں دوڑائیں لیکن کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرسکا۔ ان کاغذوں پر کچھ وقت برباد کرنے کے بعد میں نے انہیں فائل سے الگ لیا اور وہ سب چیزیں بریف کیس میں بند کرکے روانگی کی تیاری کرلی۔

ہوٹل سے نکل کر میں نے سب وے اسٹیشن کا رخ کیا جو قریب ہی تھا۔ وہاں میں نے ڈاک خانے سے برنکس کے نام تیار کیا ہوا لفافہ روانہ کیا، قریبی اسٹال سے پانچوں اوراق کی دو دو فوٹو کاپیاں تیار کرائیں۔ ایک سیٹ اول خان کے نام لفافے میں بند کیا اور اسے بھی ہاتھوں ہاتھ ڈاک خانے کے حوالے کردیا۔ مجھے امید تھی کہ مین چار دنوں میں وہ لفافہ اسے مل جائے گا۔

ان چھوٹے موٹے مگر اہم کاموں سے فارغ ہوکر میں نے وہیں ایک فون بوتھ سنبھال لیا۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ پہلے سے کوئی پروگرام طے نہ ہونے کے باوجود اول خان گھر پر مل گیا اور اس نے چھوٹتے ہی یہ تصدیق کی کہ کینوپ کے لیے مطلوبہ پرزے انٹرویل رینڈ کمپنی اوہایو کے شہر کولمبس سے ہوائی جہاز کے ذریعے بھیجنے والی تھی۔

''یہ ہوائی سفر دو دن بعد نیویارک سے شروع ہوگا۔'' میں نے اسے تازہ ترین معلومات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا اور پھر اسے متوقع پرواز کی دوسری تفصیلات بھی بتادیں۔

''یہ سب حیران کن ہے۔ یہاں کسی کو کوئی اطلاع نہیں کہ انٹرویل رینڈ والے مطلوبہ پرزے کب روانہ کررہے ہیں اور تم پرواز کی کراچی آمد کا وقت تک بتا رہے ہو۔''

''آج وہ پرزے ایک قریبی گودام میں آرہے ہیں۔ ہماری سرتوڑ کوشش ہوگی کہ تخریب کاروں پر نظر رکھ سکیں۔ پتا نہیں وہ کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔ اگر ان پرزوں کو پرنسٹن میں ہی تباہ کردیا گیا تو انٹرویل رینڈ والوں کو انشورنس سے رقم مل جائے گی مگر بجلی گھر ایک لمبی مدت کے لیے بند پڑا رہے گا۔ وہ لوگ ان پرزوں کی دوبارہ تیاری میں کافی وقت لے سکتے ہیں۔''

''امکان یہی نظر آتا ہے۔'' اول خان کی آواز پر جوش ہوگئی ''تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔ وہ لوگ اس کھیپ میں ٹائم بم یا بارودی ذخیرہ ہی ڈالیں گے......''

''نہیں اول خان!'' میں نے سوچتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی'' ٹائم بم یا بارود کا خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا۔ اس میں جہاز پر سوار سیکڑوں مسافروں کی جانوں کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ آج کل طیاروں کی آمدورفت میں موسمی، فنی یا دیگر وجوہ کی بنا پر دیر سویر عام ہوگئی ہے۔ وہ لوگ ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے کہ ضرورت کے تحت تباہی کے وقت اور مقام میں ردوبدل کرنا ممکن نہ رہے۔ یہ کوئی بہت سوچا سمجھا کھیل معلوم

ہوتا ہے۔''

''تو پھر کوئی ریموٹ کنٹرولڈ ڈیوائس ہو سکتی ہے۔ وہ جب اور جہاں چاہیں، اس کھیپ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔'' اول خان نے کہا۔

''ایسے ریموٹ کنٹرول عام نہیں ہوئے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر بھی کام کرتے ہوں۔''

''ہمارا واسطہ عام مجرموں اور دشمنوں سے نہیں ہے۔ جو لوگ وائٹ ہاؤس کی اسٹیشنری استعمال کرنے پر قادر ہیں، وہ سیٹلائٹ کے ذریعے فاصلوں کو بے اثر بنا سکتے ہیں۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ بلیو کراس مشن کو ناکام بنانے کے لیے اسی تکنیک کا سہارا لیا گیا تھا۔ اگر ویرا ہوش مندی سے کام لے کر ایک ٹریلر کی قربانی نہ دیتی تو سب کچھ برباد ہو گیا ہوتا۔''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر ٹھنڈے پانی کی بالٹی الٹ کر مجھے گہری نیند سے جگا دیا ہو۔ میں نے ایک جھرجھری لے کر کہا ''انہیں پرزوں کو برباد ہی کرنا ہے تو اس کام کے لیے پرنسٹن بہترین جگہ ہے جہاں وہ پیٹیاں دو دن تک پڑی رہیں گی۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ پرزوں کی ترسیل کو روکنا یا موخر کرنا چاہتے ہیں تو انٹرویل رینڈ والوں پر دباؤ ڈالتے۔ انہوں نے اتنی جلدی کھیپ کیسے تیار کر دی؟ وہ ایک ڈیڑھ مہینے کا وقت آرام سے لے سکتے تھے یا پھر انسانی اور مشینی غلطیوں کا بہانہ بنا کر پرزوں کی ساخت میں ایسی تبدیلیاں کر سکتے تھے کہ وہ پاکستان پہنچ کر بھی استعمال نہ ہو سکیں۔''

''تمہارا آخری خدشہ تو اب بھی وزن رکھتا ہے۔'' اول خان پوری توجہ سے ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔ اس نے پرتشویش لہجے میں اپنی بات جاری رکھی ''ہمیں کیا پتا کہ وہ کیا بھیج رہے ہیں۔ جب تک وہ پرزے کراچی پہنچ کر استعمال میں نہیں آ جاتے، یہ خدشہ برقرار رہے گا۔''

''جب تک اس کھیل کا انجام سامنے نہیں آ جاتا، سوچ سوچ کر ہمارے اعصاب چٹختے رہیں گے۔ اس وقت یہ سب خیالی اندیشے ہمیں ستا رہے ہیں۔ یہاں ہم دونوں تگ و دو کر رہے ہیں، وہاں تم سب اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔ آگے اللہ مالک ہے۔''

''میں نے جب تم سے کراچی میں لوڈ شیڈنگ کا شکوہ کیا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کراچی کی روشنیوں کو نگلنے کی منصوبہ بندی نیویارک میں کی گئی ہو گی۔ زمین پر خدائی کا نشہ رکھنے والے بیسویں صدی کے ان فرعونوں سے بس خدا ہی بچانے والا ہے۔ ان کا بس چلے تو یہ اپنے ناپسندیدہ لوگوں سے رزق و روزی کا ایک ایک دانہ چھین کر انہیں پیس ڈالیں۔''

''صبر...... صبر سے کام لو۔ اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ بھی ہمارے جیسے انسان ہیں۔ بس ان کے وسائل ہم سے زیادہ ہیں پھر بھی ہم نے ان کے حلق میں ہاتھ اتارا ہوا ہے۔ جس دن انسانوں کے رزق اور روزی پر دوسرے انسانوں کا اختیار نافذ ہو گا وہ شاید اس زمین کا آخری دن ثابت ہو گا اور وہ دن ابھی بہت دور ہے۔''

''تمہارے کاموں کے ساتھ تمہاری باتوں سے بھی بہت حوصلہ ملتا ہے۔ کوئی خاص بات ہو تو فون ضرور کر لینا۔ اس وقت میں تمہاری کمی بہت بری طرح محسوس کر رہا ہوں۔''

''تمہیں میری مصروفیت کا اندازہ ہے۔ ابھی پھر مجھے ایک مہم پر نکلنا ہے۔ غزالہ سے بات کی تو وہ طول پکڑ جائے گی۔ میرے پیار کے ساتھ اسے بتا دینا کہ وقت ملتے ہی میں اس سے بات کروں گا۔ بس وہ میری کامیابی کے لیے دعا کرتی رہے۔''

''سارا گھر اس کا خیال رکھتا ہے مگر وہ تو بس تمہاری دیوانی ہے۔ تم کو اپنا مجازی خدا سمجھتی ہے اور تمہارے بغیر بہت اداس رہتی ہے۔ تمہاری واپسی ہی اس کی خوشیاں اسے لوٹا سکے گی۔ میں نے شوہر کو اس طرح ٹوٹ کر چاہنے والی بیویاں کم ہی دیکھی ہیں۔''

میری دانست میں اول خان کی وہ تقریر بے محل اور نامناسب تھی۔ غزالہ یقیناً اس کے آس پاس ہی کھڑی یا بیٹھی اس کی باتیں سن رہی تھی۔ ان باتوں سے اس کے جذبات میں کوئی ابال پیدا ہو جاتا تو میرے لیے فون پر اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ میں نے خدا حافظ کہہ کر

جلدی سے فون بند کر دیا۔
میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو صرف ساڑھے گیارہ بجے تھے۔
سلاٹ سے باہر آتے ہوئے کارڈ کو دوبارہ اندر دبا کر میں ورجینیا میں بدری ناتھ کے ہوٹل کا نمبر ملانے لگا۔ مجھے بدری نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ عام طور پر شام کے پانچ یا پھر نو بجے کے بعد رچمنڈ کے جیفرسن ہوٹل میں مل سکے گا مگر میرے پاس وقت اور ڈالروں کی کوئی کمی نہیں تھی اس لیے میں نے بدری کے ملنے کی موہوم سی امید میں وہ رابطہ کر ڈالا۔
اس ہوٹل میں ٹیلی فون ایکسچینج شاید فرنٹ کاؤنٹر کے ساتھ ہی واقع تھا۔ آپریٹر نے مجھے لائن ہولڈ کرائے بغیر قدرے توقف کے بعد بتایا کہ بدری ناتھ کی چابی کی بورڈ پر موجود تھی۔ وہ ہوٹل سے باہر گیا ہوا تھا۔
میں نے فون بند کر دیا اور بوتھ چھوڑ کر باہر نکل آیا۔
اس وقت میرے سامنے صرف اور صرف آئزک بیل رہ گیا تھا۔ اس سے مقررہ اوقات میں ملاقات پر اپنی آمادگی ظاہر کرتے ہوئے میں نے پہلے ہی اپنی حکمت عملی طے کر لی تھی اور اس وقت اس پر عمل کرنے کے لیے میری نظریں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔
نیو یارک سب وے کا پین اسٹیشن متوسط اور نچلے طبقے کے آوارہ گردوں اور ولایتی بھیک منگوں سے سارا دن تقریباً بھرا رہتا ہے۔ یہ بھیک مانگنے والے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کو عار سمجھتے ہیں لیکن زمین پر کپڑا پھیلا کر یا ہیٹ الٹ کر کسی ساز پر مختلف دھنیں بجاتے رہتے ہیں اور اس اسٹیشن کو استعمال کرنے والوں کی بڑی تعداد انہیں کچھ نہ کچھ دے ہی دیتی ہے۔
میں ٹکٹ لے کر زیر زمین راہداریوں میں ان لوگوں کا جائزہ لیتا ہوا ایک پلیٹ فارم تک گیا اور پھر لوٹنے لگا۔ مجھے ان میں کم از کم دو چہرے ایسے نظر آئے تھے جو میرے لیے کارآمد ثابت ہو سکتے تھے۔
معاً مجھے خیال آیا کہ اگر میرے لیے کام کرنے والا مغربی کنال اسٹریٹ کی چالیسویں عمارت میں پکڑا گیا تو وہ چند ہی جھٹکوں میں یہ اگل دے گا کہ اسے پین اسٹیشن سے معاوضے پر ساتھ لیا گیا تھا۔ اس طرح آئزک بیل کو یہ سراغ مل سکتا تھا کہ میرا ٹھکانا اسی سب وے اسٹیشن کے قرب و جوار میں پایا جاتا ہے اور اس کے آدمی میری تلاش میں اس علاقے میں پھیل جاتے۔
میں نے پین اسٹیشن کے کسی بھکاری کو گھیرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اسٹیشن سے باہر آ کر سب وے کا نقشہ دیکھنے کے بعد لنکن سینٹر اسٹیشن کا ٹکٹ خرید لیا۔
لنکن سینٹر شاید نیو یارک آئے ہوئے سیاحوں کے لیے کافی کشش رکھتا تھا کیونکہ پین اسٹیشن سے آگے زیر زمین ٹرین میں مسافروں کی تعداد بتدریج بڑھتی رہی اور لنکن سینٹر کے اسٹیشن پر یوں محسوس ہوا جیسے وہاں پوری ٹرین خالی ہو جائے گی۔
وہ نیو یارک بلکہ مین ہٹن کی زندگی کا ایک اور ہی رخ تھا۔ لنکن سینٹر سے چند میل شمال مشرق میں ہارلم پچھلے دو روز سے آگ اور خون میں نہایا ہوا تھا۔ تیسرے دن کی ابتدائی خبریں بھی مایوس کن تھیں لیکن شہر کے دوسرے علاقے ان فسادات سے ذرا بھی متاثر نظر نہیں آ رہے تھے۔ زندگی کی ساری رعنائیاں اور رونقیں اپنے شباب پر نظر آ رہی تھیں۔
زیر زمین پلیٹ فارم سے اوپر آنے تک مجھے کام کا کوئی چہرہ نظر نہیں آیا مگر فٹ پاتھ پر ذرا دور چلنے کے بعد مجھے بڑھی ہوئی داڑھی والا مگر صاف ستھرا ایک سفید فام نوجوان نظر آ گیا جو اپنی آنکھیں بھینچے، پھیپھڑوں کی پوری قوت سے ماؤتھ آرگن پر کوئی دردناک دھن بجا رہا تھا۔
اس کے سامنے پھیلے ہوئے کپڑے پر سکوں کے درمیان بس دو ہی نوٹ نظر آ رہے تھے۔
میں راہ گیروں کی زد سے بچ کر اس موسیقار اعظم سے ذرا دور ٹھہر گیا تھا تاکہ وہ راگ ختم ہونے کے بعد اس سے مذاکرات کی کوئی راہ نکال سکوں۔
ماؤتھ آرگن بجانا خاصا وقت طلب کام ہوتا ہے۔ ذرا سی دیر میں وہ تھک کر خاموش ہو گیا اور نڈھال انداز میں اپنے ماؤتھ آرگن کو جھٹک جھٹک کر پتلون سے صاف کرنے لگا۔
میں ٹہلتا ہوا اس کی طرف گیا اور دوستانہ مسکراہٹ

کے ساتھ بولا ''تم اچھی دھنیں بجا لیتے ہو۔'' وہ کہتے ہوئے میں نے ارادی طور پر اپنی جیب میں ہاتھ ڈال لیا تھا۔

''میرے لیے الفاظ اپنے معنی کھو چکے ہیں۔ تمہاری داد کا اندازہ ان ڈالروں سے ہوگا جو تم میرے کپڑے پر ڈالو گے۔''

میرا ہاتھ جیب سے برآمد ہوا تو اس میں اسی مقصد کے لیے الگ کیے ہوئے ایک ایک ڈالر کے تین نوٹ موجود تھے۔ اسے دکھا کر وہ نوٹ میں نے کپڑے پر ڈال دیے۔ اس نے میرے ہاتھ سے نوٹ لینے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

''چاہو تو ایک کام کر کے تم مزید دس ڈالر کما سکتے ہو؟'' میں نے اس کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

دس ڈالر کے ذکر پر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں پھر یکایک ہی دھندلا گئیں۔ اس نے مایوسانہ لہجے میں پوچھا۔ ''محنت کا کوئی کام ہوگا؟''

''قطعی نہیں۔ بس کسی کو ایک لفافہ دینا ہے۔'' میں نے اسے حوصلہ دیا۔ وہ ماؤتھ آرگن بجانا موقوف کر چکا تھا۔ اس وجہ سے کوئی بھی ہم دونوں کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

''طے!'' اس نے خوشی سے کہا اور رقم سمیت کپڑا فٹ پاتھ سے اٹھا لیا۔ پانچوں نوٹ یک جا کر کے اس نے اپنی قمیص کی جیب میں رکھے، ساری ریزگاری چست پتلون کی جیب میں ڈالی اور باجے کو کپڑے میں لپیٹتے ہوئے بولا ''آج نیویارک والوں پر کنجوسی کے سائے منڈلا رہے ہیں۔ نو بجے سے ماؤتھ آرگن بجا بجا کر میرا گلا بیٹھ گیا ہے اور مشکل سے دس بارہ ڈالر جمع ہوئے ہیں۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔ کہیں بیٹھ کر بیئر پلاؤ پھر وہیں بات ہوگی۔''

اپنا گداگری کا بکھیڑا سمیٹ لینے کے بعد وہ اپنی وضع قطع سے ایک آسودہ حال مگر لاابالی نوجوان نظر آ رہا تھا۔ میں نے کہا ''تم ہی اپنی پسند کے کسی پب یا بار میں لے چلو۔''

''تم تین ڈالر مجھے دے چکے ہو، دس مزید دو گے، تین چار ڈالر کی بیئر ہو جائے گی۔ اتنی رقم میں تو تم ڈی ایچ ایل سے تین خط بھجوا سکتے ہو پھر یہ فضول خرچی کیوں کر رہے ہو؟'' ایک طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اس نے سادہ سا حساب لگا ڈالا۔

''مذاق کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ میں تمہارے ذریعے وہ خط بھیج کر اپنے دوست کو حیران کرنا چاہ رہا ہوں۔ اس وقت وہ اپنے دفتر میں موجود ہے۔ کوریئر سروس والا اتنی سرعت سے وہ خط ہرگز نہیں پہنچا سکے گا اور سارا مزہ کرکرا ہو جائے گا۔''

''اوہ، میں سمجھ گیا۔ میں روز اسی جگہ ماؤتھ آرگن بجاتا ہوں۔ تم جب چاہو میری خدمات حاصل کر سکتے ہو۔'' میری وضاحت پر وہ مطمئن نظر آنے لگا۔

وہ مجھے اسی علاقے کے ایک شراب خانے میں لے گیا۔ وہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی۔ کاؤنٹر سے بیئر کے دو بڑے گلاس خرید کر ہم ایک الگ تھلگ میز پر آ بیٹھے۔

میں نے ایک سادہ لفافے میں دوسرا سادہ لفافہ بند کر کے جیکسن نامی اس نوجوان کے حوالے کر دیا۔ بریف کیس کی آڑ میں وہ کارروائی کرتے ہوئے میں نے یہ احتیاط کی تھی کہ وہ میری اس حرکت سے واقف نہ ہو سکے۔

بیئر کے اس بڑے گلاس سے میری طرح وہ بھی شکم سیر ہو گیا اور تشکر آمیز انداز میں مسکرانے لگا وہاں سے اٹھ کر ہم سب وے کے ذریعے براہ راست چائنا ٹاؤن کے لیے روانہ ہو گئے جو ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے مقابلے میں کنال اسٹریٹ سے قریب تر تھا۔

''تم چالیس ویسٹ کے گیٹ پر جیری فن کا کوڈ بتا کر اندر داخل ہو سکتے ہو۔'' ٹرین سے اتر کر کچھ دور پیدل چلنے اور کنال اسٹریٹ پر پہنچنے کے بعد میں نے اسے یاد دہانی کرانی چاہی لیکن اس نے میری بات پوری نہیں ہونے دی۔

''اندر داخل ہو کر میں سیکیورٹی اینڈ سروسز والی کھڑکی پر آئزک کے لیے تمہارا لفافہ دے دوں گا اور میرا کام ختم ہو جائے گا۔'' اپنے کام کا آخری حصہ اس نے خود دہرایا۔

"گڈ......واپسی پر میں تمہیں ٹپ میں مزید دو ڈالر دوں گا۔" میں نے کہا۔

"ابھی تم نے معاوضے کے ڈالر بھی نہیں دیے۔" اس نے مجھے یاد دلایا "تم ایسا کرو کہ بعد کے چکر کے بجائے مجھے پورے بارہ ڈالر ابھی دے دو اور سمجھ لو کہ تمہارا کام ہو گیا۔ میرے اندر پہنچنے کے بعد تم ہنسی خوشی گھر یا ہوٹل واپس جا سکتے ہو۔"

میں نے خفت آمیز انداز میں جیب سے اپنا بٹوہ نکالا اور وہیں کنارے سے رک کر پندرہ ڈالر اسے تھما دیے کیونکہ اس وقت چالیسویں عمارت زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی۔

"یہ بارہ سے پندرہ ہو گئے......گڈ۔ تم تو بہت سخی معلوم ہوتے ہو۔" ذرا سے کام کے لیے اتنی بڑی رقم پا کر وہ بہت خوش ہو گیا۔

"تین اس کوتاہی کے سمجھ لو کہ تمہیں رقم کے لیے یاد دہانی کرانی پڑی۔"

اس نے ڈالروں کو موڑ کر چوما، وہ بوسہ ہوا میں میری طرف اچھالا اور تیزی سے سڑک عبور کرتا چلا گیا کیونکہ چالیسویں عمارت داہنی طرف ہی تھی۔

میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ منزل پر پہنچنے کے بعد جیکسن کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ یہ میری مجبوری تھی کہ مجھے اس کو قربانی کا بکرا بنانا پڑا تھا۔ آخری لمحات پر میرا ارادہ تھا کہ متوقع ٹوٹ پھوٹ کی دیکھ بھال کے لیے مزید کچھ رقم اسے دے دوں لیکن پندرہ ڈالر پر اس کا ردعمل دیکھ کر میں نے وہ ارادہ ترک کر دیا تھا۔

معاوضے میں غیر متوقع طور پر پانچ دس گنا رقم دیکھ کر اسے کسی خطرے کا احساس ہو جاتا تو وہ آخری لمحات پر لفافہ پہنچانے سے انکار کرنے کے ساتھ کوئی ہنگامہ بھی کھڑا کر سکتا تھا۔

ہم مشرقی سمت سے کنال اسٹریٹ پر آئے تھے۔ وہ سڑک کی داہنی فٹ پاتھ پر چلتا رہا۔ میں اس سے ذرا پیچھے بائیں طرف ہی بڑھتا رہا۔ میری نظریں مسلسل اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔

جیکسن اس عمارت کے پرشکوہ آہنی پھاٹک کے قریب رک گیا، غیر ارادی طور پر میرے قدموں کی رفتار سست ہو گئی اور دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

اس بلند و بالا پھاٹک کا ذیلی پٹ ایک طرف سرکا اور جیکسن نے جوں ہی اس خلا میں قدم رکھا، دو مضبوط ہاتھوں نے اس کی قمیص کا کالر پکڑ کر بے رحمی سے اسے اندر گھسیٹ لیا۔ ذیلی پٹ فوراً ہی سرک کر بند ہو گیا۔ کھلنے والے خلا..... میں جیکسن کو کھینچنے والوں کی جھلک تک نظر نہیں آئی تھی۔

فضا میں جیکسن کی بس پہلی بے ساختہ چیخ گونج گئی جسے ٹریفک کے شور میں بہت سے لوگ نہ سن سکے ہوں گے۔ چیخ سننے والوں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا اور ہر طرف امن و سکون کی عمل داری دیکھ کر کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں آگے بڑھ گئے۔

آئزک بیل میری توقع سے کہیں زیادہ وحشی اور بے صبرا ثابت ہوا تھا۔ اس نے اپنے دفتر میں میرا انتظار کرنے کے بجائے پھاٹک پر اپنے آدمی مامور کر کے میرے استقبال کا بندوبست کیا تھا تاکہ میں اپنے پیروں پر چل کر اس کے سامنے نہ پہنچ سکوں۔

میرا دل جیکسن کے لیے مغموم ہو گیا۔ اس کاہل الوجود نوجوان نے محنت مشقت سے بچنے کے لیے ماؤتھ آرگن بجا کر مزید کچھ کیے بغیر ڈالر کمانے کا شغل اپنایا ہوا تھا مگر اس وقت وہ محض پندرہ یا اٹھارہ ڈالروں کے عوض رنکس کے پیشہ ور غنڈوں کے ہتھے چڑھ چکا تھا۔

وہ افسوس ناک واقعہ رونما ہوتے ہی میں نے اپنی رفتار تیز کر دی اور قریب ترین گلی آنے پر بلاتاخیر کنال اسٹریٹ سے نکل گیا۔

شہر میں میری کوچہ نوردی اس وقت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ مار دھاڑ کے نتیجے میں ان لوگوں کو قیدی سے جو کچھ معلوم ہوتا، اس کی روشنی میں غالب امکان تھا کہ ان کی کوئی ٹولی زخمی قیدی کو گاڑی میں ڈال کر میری تلاش میں مین ہٹن کی سڑکوں پر نکل کھڑی ہوتی۔

آئزک بیل کو زچ کر دینے کی اس تدبیر کا سب

سے برا پہلو یہ تھا کہ ایک ایسا آوارہ گردان کے ہاتھ لگ گیا تھا جو مجھے میرے تازہ ترین حلئے میں پہچان سکتا تھا۔

کئی موڑ گھومنے کے بعد میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور پین اسٹیشن پر اسے چھوڑ دیا۔ حفاظتی پیش بندی کے طور پر میں وہاں سے ہوٹل تک کا فاصلہ پیدل طے کرنا چاہتا تھا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے سب سے پہلے سبز فائل کے پانچوں اصل اوراق فائل کور میں اپنی جگہ پر لگا دیے۔ مجھے یقین تھا کہ جینی کسی بھی وقت وہ فائل مانگ کر خاموشی سے اسے اس کی اصل جگہ پر پہنچا دے گی۔ ہم نے وہ اہم کاغذات اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے تھے۔ ان کے واٹر مارک فوٹو کاپی میں نہیں آسکتے تھے لیکن ڈی کوڈنگ کے لیے پورا متن ہمارے پاس محفوظ ہو چکا تھا۔

میں نے ہاتھ منہ دھو کر لباس تبدیل کیا اور اخبار کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔

ہارلم کے فسادات کے دوسرے دن کی سب سے بڑی خبر رنگس کی گاڑیوں پر بموں کے خونریز حملوں کے بارے میں تھی۔ دوسری خبروں میں مزید کسی جانی نقصان کا تذکرہ نہیں تھا لیکن جلاؤ اور گھیراؤ کی کارروائیوں میں بھاری مالی نقصان کے ساتھ تین افراد کے زخمی ہونے کی اطلاعات ملی تھیں جو سفید فام تھے اور مشتعل سیاہ فاموں کی پرتشدد کارروائیوں کا نشانہ بنے تھے۔

ہیلن رائے کے بارے میں واقعات بہت اختصار کے ساتھ رپورٹ کیے گئے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ سنسنی پسند اخبارات نے اسے اپنی لیڈ اسٹوری کے طور پر اچھالا ہو۔ نیویارک میں وہ پہلی امریکی لڑکی تھی جو براہ راست میری کسی حکمت عملی کا ایندھن بنی تھی۔

اندر کے صفحات میں ایک چار کالمی سرخی کے ساتھ کسی امریکی سینیٹر کا مطالبہ چھپا تھا جس نے امریکی آئین کے حوالے سے پاکستان پر مکمل اقتصادی پابندیاں عائد کر کے اس کی امداد روک دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس مطالبے کے لیے پاکستان کی بساط سے زیادہ ایٹمی تیاریوں کو بنیاد بنایا گیا تھا۔ میں نے توجہ سے وہ پوری خبر پڑھ ڈالی۔ اس میں اس متعصب سینیٹر نے اپنی حکومت سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے اقوام متحدہ کے ذریعے پاکستان پر کڑی پابندیاں لگوائے اور اس کے انسپکٹروں کے ذریعے پاکستان میں موجود تمام ایٹمی تنصیبات کو اس طرح ختم کرے کہ ان سے دوبارہ کام نہ لیا جاسکے۔

کینوپ میں چند روز قبل کی جانے والی تخریب کاری کی روشنی میں وہ بیان بہت ذومعنی تھا۔ اس میں یہ دھمکی پوشیدہ تھی کہ پاکستان نے امریکی تنصیبات کے سامنے ہتھیار نہ ڈالے تو کینوپ کے پمپوں کی تباہی سے زیادہ سنگین واقعات تواتر کے ساتھ پیش آسکتے ہیں جس کے لیے اقوام متحدہ یا دوسرے ملکوں کی کسی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔

وہ خبر پڑھتے ہوئے میرے دل ودماغ میں آئزک بیل کے خلاف لاوا سا کھولنے لگا۔ راس المیڈا کی مسند سنبھالتے ہی اس نے ڈیوڈ اسٹارز اور سی آئی اے کی ملی جلی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ خاصا تیز کر دیا تھا اور خود کسی طرح قابو میں نہیں آرہا تھا۔

اس کو تہس نہس کرنے کی بس ایک ہی صورت تھی کہ ویرا کی طرح کسی بہانے اس عمارت میں داخل ہو کر اسے کسی طاقت ور ٹائم بم سے اڑا دیا جائے تاکہ آئزک بیل اور رنگس کی ساری طاقت اس کے ملبے میں ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے مگر میری نظروں میں وہ ایسا غیر انسانی فعل ہوتا جو میری راتوں کی نیندیں حرام کر دیتا۔

کنال اسٹریٹ کی اس ہائی رائز میں صرف آئزک بیل کی کمین گاہ ہی نہیں تھی، سیکڑوں دوسرے دفاتر بھی تھے جن میں دن بھر ہزاروں افراد موجود رہتے تھے۔ آئزک بیل جیسے پاپی کی مکمل سرکوبی کے لیے بے گناہوں کی اتنی بڑی تعداد کو لہولہان کرنا درندگی ہوتا۔

ایک قوم کی حیثیت سے امریکیوں سے کوئی محبت یا رغبت نہ ہونے کے باوجود میرے اپنے ذہن کا یہ عالم تھا کہ ہیلن رائے کے ساتھ پیش آنے والے اندوہناک واقعے پر میرا دل بار بار مجھے ذمے دار ٹھہرا کر ملامت کر رہا تھا۔ تازہ ترین مثال جیکسن نامی کام چور اور حرام

خوراِمریکی بھکاری کی تھی جو محض میری وجہ سے بھیڑیوں کے بھٹ میں جا گھسا تھا اور میں اس کے لیے مغموم تھا۔ میں کسی بھی صورت میں چالیسویں عمارت کے خلاف کوئی نیا منصوبہ نہیں بنا سکتا تھا جس کے نتیجے میں بے گناہ شہریوں کی ایک بڑی تعداد کی جانیں ضائع ہو جاتیں۔

غصے اور بے بسی کے اسی عالم میں، میں نے لائن سے منسلک پوشیدہ سی ایس ڈی چیک کر کے آئزک بیل کے دفتر کا نمبر ملا لیا۔

فون اس نے خود ہی اٹھایا مگر ہمیشہ کے برعکس اس کی آواز تیز اور پھاڑ کھانے والی تھی۔

''تم پھر اپنی حرامزدگی سے باز نہیں آئے۔'' میں نے اس کی آواز سنتے ہی زہریلے لہجے میں کہا'' اگر وہ شخص لفافہ دے کر خیریت سے لوٹ آتا تو اس وقت میں تمہارے روبرو بیٹھا ہوا ہوتا مگر تم بدنیت اور بے صبرے ہو۔ تمہارے آدمیوں نے گیٹ پر ہی اسے کسی آوارہ کتے کی طرح دبوچ لیا تھا۔ میں تم پر کیسے اعتماد کر سکتا ہوں؟''

''تمہاری یہ مکاریاں ہی تمہاری تباہی کا سبب بنیں گی۔'' میری توقع کے برعکس آئزک بیل نے میری پوری بات سننے کے بعد کہا'' وہ بھکاری اب عمر بھر بھیک نہیں مانگے گا۔ تم نے اپنے خلاف خود ہی سب سے مضبوط گواہ فراہم کر دیا ہے۔ اب اس کی مدد سے تمہارے خاکے تیار کیے جائیں گے اور تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالا جائے گا۔ تم زیادہ دنوں تک آزاد نہیں رہ سکو گے۔ تمہاری یہی لغزشیں تم کو لے ڈوبیں گی۔''

اس کی بات سنتے ہوئے میرا ذہن تیزی سے کام کرنے میں مصروف تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا'' میں تمہاری طرح عقل سے اتنا عاری نہیں ہوں۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ تمہاری اوقات پہچان کر بلیک ڈیڈ نے کسی بھکاری کو وہاں بھیجا ہے۔ تم اپنا وقت برباد کر کے اس کی بتائی ہوئی تصویر بنوالو۔ اسے اپنے دفتر میں سجا لینا۔ بھکاری کو پھانسنے والا بلیک ڈیڈ کا کوئی ایسا کارندہ تھا جس سے میرا سامنا تک نہیں ہوا۔ اپنا سارا زور لگا کر اسے تلاش بھی کر لو گے تو وہ میرے بجائے بلیک ڈیڈ کی نشان دہی کرے گا۔ اس سے تمہارا اپیشاب خطا ہوتا ہے۔''

''وہ ولد الحرام، کتے کا بچہ!'' آئزک بیل غصے میں آپے سے باہر ہونے لگا'' تم اسی کے بل پر اچھل رہے ہوں۔ میرے سامنے تم دونوں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکو گے۔ تم دونوں کو گھیر کر اس طرح مارا جائے گا کہ مدتوں تمہاری روحیں بھی بلبلاتی رہیں گی۔''

''اس کا خیال تھا کہ اپنے چھ آدمی اور دو گاڑیاں گنوا دینے کے بعد تمہیں عقل آ جائے گی مگر تم زبان سے سدھرنے والی مخلوق نہیں ہو۔ کل سے وہ پھر جوتا سنبھال لے گا۔''

''مجھے آدمیوں کی ذرا بھی پروا نہیں۔'' اس کی آواز اشتعال میں مزید بلند ہو گئی'' میں ان چھ کی جگہ ساٹھ نئے آدمی رکھ سکتا ہوں۔ وہ یہ لڑائی بھی ہار جائے گا۔''

''میں تمہیں بدنسل کتا سمجھتا تھا مگر تم اپنے کمزور ساتھیوں کو چبا ڈالنے والے خود غرض بھیڑیے ہو۔ میں تم کو......''

''شٹ اپ!'' میری بات کاٹ کر وہ حلق کے بل چیخا اور فون بند کر دیا۔

میں نے بھی ایک آسودہ مسکراہٹ کے ساتھ ریسیور رکھ دیا۔ غصے اور بے بسی کے ملے جلے احساسات کا ایک بڑا حصہ اس کی طرف منتقل کر کے مجھے خاصا سکون ملا تھا۔

اندر کا ابال کچھ کم ہوا تو میں سبز فائل کے کاغذوں کی نقول لے بیٹھا۔ میں نے ان پانچوں اوراق کے ایک ایک لفظ کو کئی کئی بار پڑھ ڈالا لیکن میرے کچھ پلے نہیں پڑا۔ بظاہر وہ سب مہمل الفاظ معلوم ہو رہے تھے جن کا کوئی مفہوم نہیں تھا۔

تھک ہار کر میں نے وہ کاغذ دوبارہ بریف کیس میں ڈالے تو دو بج چکے تھے۔ میرے اندازے کے مطابق ویرا کو اس وقت تک پرنسٹن سے لوٹ آنا چاہیے تھا۔ پھر اپنے اس اندازے پر میں خود ہی ہنس پڑا۔ مجھے نیو جرسی کے اس شہر کا محل وقوع معلوم تھا نہ اس کے فاصلے کا اندازہ تھا پھر بھی میں یک طرفہ طور پر ویرا کی واپسی کے وقت کا تعین کیے بیٹھا تھا۔

مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ میں کمرا مقفل کر کے ریستوران کی طرف چل دیا۔ ریستوران میں جاتے ہوئے میں نے چابی کاؤنٹر پر چھوڑ دی تاکہ ویرا لوٹ آئے تو اسے میری واپسی کا انتظار نہ کرنا پڑے۔

ریستوران میں لنچ کا دورانیہ ختم ہو چکا تھا مگر میری مایوسی کو دیکھتے ہوئے ویٹر کچن کی طرف گیا اور واپس آ کر اطلاع دی کہ اس وقت صرف تلی ہوئی مچھلی فراہم کی جا سکتی تھی۔ بے روپ اور بے ذائقہ مغربی کھانوں سے مچھلی بدرجہا بہتر تھی۔

امریکا سمیت پورے مغرب میں ردی کھانوں کے تحقیر آمیز نام سے یاد کیے جانے والے فاسٹ فوڈز کی روز افزوں مقبولیت کے دیگر اسباب پر اس بات کو مسلمہ فوقیت حاصل ہے کہ ہر فاسٹ فوڈ کا ایک الگ اور مخصوص ذائقہ ہوتا ہے جسے ہر کمپنی ہمیشہ برقرار رکھتی ہے۔ ذائقے کی اس چاٹ، فوری فراہمی اور کم تر قیمت کی وجہ سے یہ فاسٹ فوڈز مغرب سے نکل کر چند مقامی مگر معیاری تبدیلیوں کے ساتھ مشرق میں بھی اسی طرح روز بروز مقبول ہو رہے ہیں۔

تلی ہوئی مچھلی اور آلو کے قتلوں سے شکم سیر ہو کر میں کاؤنٹر پر پہنچا تو میری دی ہوئی چابی بورڈ پر موجود تھی۔ میں چابی لے کر پانچویں منزل پر اپنے کمرے میں پہنچا تو ویرا کی طرف سے میری طبیعت فکر مند ہو چکی تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ اسے پرنسٹن بھیج کر میں نے غلطی کی تھی۔ تھوڑی سی بریفنگ کے بعد وہ آئزک بیل کے لیے کرائے کے کسی بھی قاصد کا بندوبست کر سکتی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری بے چینی اور بے کلی بھی بڑھتی چلی گئی۔ ذہن میں رہ رہ کر برے خیالات آ رہے تھے۔ اگر ویرا خیریت سے تھی اور کہیں الجھ گئی تھی تو ہوٹل فون کر سکتی تھی۔ میں کمرے میں ملتا یا نہ ملتا وہ اپنے بارے میں پیغام چھوڑ سکتی تھی جو آخر کار مجھ تک پہنچ جاتا۔

پانچ بجے مجھے اپنے اعصاب کو پرسکون رکھنے کے لیے الکحل کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور میں اسکاچ کا ایک گلاس لے کر ٹیلی وژن کے سامنے جم گیا کیونکہ ترقی یافتہ ملکوں میں ہر وہ بات جو خبر بننے کے معیار پر پوری اترتی ہے، سب سے پہلے اسی ذریعے پر نمودار ہوتی ہے۔

سوا پانچ بجے فون کی گھنٹی بجی تو میں نے اچھل کر فوراً ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے ویرا بول رہی تھی۔

''تم کب سے نکلی ہوئی ہو اور کہاں مری ہوئی ہو؟''

اس کی چہچہاتی ہوئی آواز سن کر معمول کے مطابق مجھے غصہ آ گیا۔ ''میں تمہارے انتظار میں بھوکا پیاسا بیٹھا ہوں۔''

''میں نے دوپہر میں بیئر کے ساتھ بڑا کھایا تھا۔ مزہ آ گیا۔ تم بھی اپنا کوئی بندوبست کر لو۔ مجھے واپسی میں خاصی دیر ہو سکتی ہے۔'' اس نے ٹکا سا جواب دے دیا۔

''تم وہاں ایسے کون سے تیر مار رہی ہو کہ دیر ہو سکتی ہے؟'' میں نے جل کر پوچھا۔

''تین بجے رنکس والوں کی اٹھائیس نمبر گاڑی مقررہ ٹھکانے پر تینوں کریٹ اتار کر چلی گئی۔ یہ ایک مفلوک الحال علاقے کا خستہ سا گودام ہے جس پر تالا لگا ہوا ہے۔ چوکیدار کوئی نہیں ہے۔'' ویرا کے ان الفاظ کے ساتھ ہی میرا غصہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''بہت بے فکری سے کھل کر بات کر رہی ہو۔ اس وقت کہاں موجود ہو؟''

''پرنسٹن کے ایک بوتھ میں ہوں۔ بے فکری یہ ہے کہ تمہارے انسٹرومنٹ پر سی ایس ڈی لگی ہوئی ہے۔ کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے؟'' ویرا کی آواز سے کامیابی کا خمار چھلکا پڑ رہا تھا۔

''گودام کو تالا لگا دیا گیا ہے تو تم وہاں کیا کرتی پھر رہی ہو؟''

''اس کے برابر والی دکان خالی پڑی ہے۔ اسے کرائے پر لینے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اس میں چھپ کر ہم پرزوں کے ساتھ ہونے والی کارروائی پر نظر رکھ سکیں گے۔''

''شاباش! بہت اچھی جا رہی ہو۔ سامان جس بے پروائی سے وہاں ڈالا گیا ہے اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ گڑبڑ کے لیے کل کا دن رکھا گیا ہوگا......''

ویرا نے میری بات منقطع کر دی اور کہا ''اسی لیے میں آج دوسری دکان کی چابی حاصل کرنا چاہ رہی ہوں۔ صبح سویرے ہم میں سے کوئی کھانے پینے کے انتظام کے ساتھ اندر گھس کر بیٹھ جائے گا۔ میری جگہ تم

یہاں آتے تو یہ سب نہیں کر سکتے تھے۔“

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اپنی امریکی شہریت، رنگ روپ اور بول چال کی وجہ سے کرائے داری میں کوئی دشواری نہیں تھی جب کہ میرے لیے شناخت کے مراحل سے گزرنا اور یہ معلوم کرنا ہی دشوار ہوتا کہ وہاں کوئی خالی جگہ کرائے پر بھی دستیاب ہے۔

”میں کہیں بھی کچھ نہیں کرتا، بس تمہارا قاصد بن کر تمہاری سہیلیوں کے پیچھے دوڑا دوڑا پھرتا ہوں۔“ میں نے شوخی سے کہا ”اس کے صلے میں تمہاری برہمی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔“

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ سب کچھ تم ہی کرتے ہو۔ اس بار مجھے موقع مل گیا۔ اس حرافہ کا کوئی فون تو نہیں آیا تھا؟“ اسے اچانک ہی للی برنارڈیا جینی یاد آ گئی۔

”اس محاذ پر بالکل سناٹا ہے البتہ اس کا آقا مرچیں چبا رہا ہے۔“

”تمہاری اور اس کی ملاقات کیسی رہی؟“ اس بار اسے آرنک بیل کا دھیان آ گیا۔

”سب کچھ فون پر ہی نہ پوچھو۔ یہ باتیں تمہاری واپسی پر ہوں گی۔“

اس نے اصرار نہیں کیا۔ شاید اسے وقت کی کمی کا سامنا تھا۔ گفتگو کا سلسلہ وہیں ختم ہو گیا۔ ویرا نے مجھے اس روز کی سب سے اچھی خبر سنائی تھی۔ اس کی کارکردگی کی تفصیل سنتے ہی میرا موڈ یک لخت خوشگوار ہو گیا تھا۔

میں نے گلاس سے دو تین گھونٹ لیے تھے کہ ایک مرتبہ پھر فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے سوچا کہ شاید ویرا کو کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی تھی۔

اس بار فون پر جینی تھی۔ میری آواز سنتے ہی بے تکلفی سے بولی ”ہائے ڈارلنگ! کیا حال ہیں۔ میں رات سے رہ رہ کر تمہارے ہی بارے میں سوچ جا رہی ہوں۔ ویرا کہاں ہے؟“

”کون ویرا!“ میں نے حیرت سے پوچھا ”آخر یہ نام تمہارے ذہن سے کیوں چپکا ہوا ہے؟“

”چلو روزی ہی سہی۔ اس وقت وہ کہاں ہے؟“ اس نے بے زاری سے پوچھا۔

”کل رات تم نے مجھ پر بہت ظلم کیا۔ وہ رات بھر مجھ سے لڑتی رہی اور صبح ہوتے ہی ناراض ہو کر ہوٹل سے کہیں چلی گئی۔ اب بتاؤ کہ میں اسے کہاں تلاش کروں؟“

”غصہ ٹھنڈا ہو گا تو وہ خود ہی لوٹ آئے گی۔ وہ ایسی ہی موڈی لڑکی ہے۔“ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ جینی کی آواز آئی۔ ”اس کے چھوڑے ہوئے تین پیغامات سن کر میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ سب کچھ سمجھ چکی ہے اور اب تمہاری خیر نہیں ہوگی۔“

تمہارے شر نے رات سے میرا ذہنی سکون غارت کیا ہوا ہے۔“ میں نے اس کی حوصلہ شکنی کے لیے مصنوعی برہمی سے کہا۔ ”اب تم مزید کیا چاہ رہی ہو؟“

”مجھے سبز فائل کے بارے میں بات کرنی ہے۔ وہ معاملہ یکایک سنگین ہو گیا ہے۔“ اس بار جینی کی آواز سنجیدہ اور کافی دھیمی ہو گئی۔

”میں نے کوئی سبز فائل نہیں دیکھی۔ تمہارا دیا ہوا بند لفافہ روزی کو دے دیا تھا۔“

”میں مان ہی نہیں سکتی کہ اس نے وہ لفافہ تمہارے سامنے نہیں کھولا ہو گا۔“

”وہ لفافہ اس نے لے کر رکھ لیا تھا۔ تم جانتی ہو کہ میں اس کا بوائے فرینڈ ہوں۔ اس کی کسی مجبوری کی وجہ سے میں دونوں بار اس کا قاصد بن کر تمہارے پاس آیا تھا۔ مجھے کسی فائل یا کاغذ کے بارے میں تجسس میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔“ میں نے رکھائی سے جواب دیا۔

”تم اب مجھے چکما نہیں دے سکتے۔ یہ رمضان اور راما دان کا ڈھکوسلا ختم کرو۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم ہی ڈینی ہو۔ اب میں مزید بے وقوف نہیں بنوں گی۔“ جینی کے وہ الفاظ میری سماعت پر کسی بم کی طرح گرے۔ اس کا لب و لہجہ سخت اور پر یقین تھا۔

”میں نے رات بھی کہا تھا اور اب پھر کہہ رہا ہوں کہ تمہارے کچھ کہنے یا سمجھنے سے حقیقت میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آ سکتی، میں جو ہوں، وہی رہوں گا۔“

”ویرا تمہاری بعض مخصوص عادتوں کے بارے میں مجھے بہت کچھ بتا چکی ہے۔ رات تم سرور میں تھے۔ تمہیں اپنے اوپر زیادہ اختیار نہیں تھا۔ میں نے تمہاری ان مخصوص

عادتوں کو رات دیکھا اور بھگتا ہے۔ میں قسم کھا سکتی ہوں کہ تم ڈیٹی ہو۔ اب مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کرو۔''

اس کی وہ باتیں سن کر میں سناٹے میں آ گیا۔ میرے وہم گمان میں بھی نہیں تھا کہ ویرا اپنی کسی سہیلی سے اتنی قریب ہو سکتی ہے۔ جینی کے ساتھ پچھلی رات کے چند بے لگام لمحوں میں مجھ سے نہ جانے وہ کون سی حرکات سرزد ہوئی تھیں جن کی بنا پر وہ میرے ڈیٹی ہونے پر پورے وثوق سے قسم کھا رہی تھی۔ سب سے بڑی ستم یہ تھی کہ اس کا دعویٰ درست تھا۔

''یہ بحث اب یہیں ختم کرو۔'' میں نے شکست تسلیم کرنے کے بجائے متبادل حل سوچتے ہوئے سخت اور خشک لہجے میں کہا ''روزی نے تم سے کیا بکواس کی ہے، یہ میں اس سے پوچھ لوں گا۔ اگر تم کو سبز فائل واپس چاہیے تو میں وہ اسی وقت لوٹا سکتا ہوں۔''

''ہرگز نہیں...... اسے آگ لگا دو، تلف کر دو۔'' اس کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی ''اس کی وجہ سے آج مجھ سے سخت باز پرس ہوئی ہے کیونکہ اس کی غیر حاضری میں، میں ہی دفتر کی سربراہ تھی اور ریکارڈ کی حفاظت میری ذمے داری تھی۔''

اگر آئزک بیل کو اپنی میز کے خفیہ خانے سے سبز فائل کی چوری کا علم ہو چکا تھا تو جینی واقعی ایک بدترین خطرے سے دوچار ہو چکی تھی۔ میں نے اس کی دل جوئی کے لیے اپنا لہجہ نرم کرتے ہوئے کہا ''یہ بہت برا ہوا۔ مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ یہ سب کیسے ہوا؟''

''آج میں نے دفتر میں تلوار کی دھار پر رہ کر دن گزارا ہے۔ صبح گیارہ بجے کے قریب اسے فائل کی ضرورت پیش آئی ہوگی۔ وہ نہیں ملی تو اس کا دماغ الٹ گیا۔ اس نے چیخ چیخ کر دفتر کو سر پر اٹھا لیا، اپنی میز کی درازیں نکال پھینکیں، شیلف توڑ دیے۔ وہ گندی گندی گالیاں دے کر دفتر والوں کو پھاڑ کھانے کو دوڑ رہا تھا......''

''اس کی حالت کا اندازہ ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ آگے کیا ہوا؟'' میں نے گفتگو کے درمیان اسے ٹوکا۔

''اس نے مجھے اپنے کمرے میں طلب کر کے وحشیانہ لہجے میں سبز فائل کے بارے میں پوچھا تو میری حالت غیر ہونے لگی۔ میں نے تقریباً روتے ہوئے اسے بتایا کہ مجھے فائل کا کچھ پتا نہیں۔ وہ برس پڑا کہ اس کی غیر حاضری میں دفتر کی ذمے داری میری ہوتی ہے...... شام سے پہلے فائل نہ ملی تو وہ مجھے گولی مار دے گا۔'' اس کی آواز رندھنے لگی۔

''حیرت ہے کہ تم اب بھی زندہ ہو۔ کیا اسے تم پر رحم آ گیا تھا؟'' میں نے اسے دلاسا دینے کے لیے نیم مزاحیہ لہجے میں لقمہ دیا۔

''پھر سوا بارہ بجے دو گارڈ ایک لڑکے کو مارتے ہوئے اوپر لائے۔ آئزک بیل نے اپنا سارا غصہ اس لڑکے پر اتار دیا اور اسے مار مار کر لہولہان کر دیا۔ وہ اس سے مسلسل تمہارے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اس بدقسمت لڑکے کا حشر دیکھ کر سب سہمے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے نہ جانے کیا خیال آیا کہ اس نے لڑکے کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال شروع کرا دی۔ اس وقت آئزک بیل بس تھوڑی دیر کے لیے پرسکون ہوا تھا۔ ڈیڑھ بجے لڑکے کی مہمان داری اچانک ختم کر دی گئی اور اسے دھکے دے کر دفتر سے نکال دیا گیا۔ اسی کے ساتھ آئزک کا پارہ دوبارہ چڑھنے لگا۔''

جینی اپنے دفتر میں پیش آنے والے واقعے کو ہر ضروری اور غیر ضروری تفصیل کے ساتھ سنا رہی تھی۔ اس دوران میں وہ ڈھٹائی سے مجھے ڈیٹی قرار دے رہی تھی مگر میں نے اسے ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس کی کہانی سے مجھے جیکسن کے ساتھ عمارت میں پیش آنے والے ان واقعات کا بھی علم ہو رہا تھا جن سے میں یکسر بے خبر تھا۔

''خوف و دہشت سے میرا حال برا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ دفتر سے اٹھ کر کہیں بھاگ جاؤں مگر ٹانگوں سمیت پورے بدن میں جان نہیں تھی۔'' جینی فون پر اپنی سنسنی خیز کتھا بیان کیے جا رہی تھی۔ ''دیوانگی کا دوسرا دورہ پڑنے کے بعد آئزک میرے کمرے میں گھس آیا۔ اس نے سارا ریکارڈ بکھیر کر رکھ دیا اور میں سہم کر یہ تماشا دیکھتی رہی۔ جب ناکامی کے بعد وہ جھنجلا کر میرے اوپر غرایا تو نہ

جانے کیسے مجھے ہیلن رائے یاد آگئی۔ وہ بے چاری اب قابل رحم حالت میں ہے مگر میں نے اپنی جان بچانے کے لیے سارا الزام اسی پر ڈال دیا۔ وہ غصے سے مٹھیاں بھینچتا اور فرش پر بکھری ہوئی فائلوں کو ٹھوکریں مارتا میرے دفتر سے چلا گیا۔ اس کے بعد سے چھٹی ہونے تک وہ اپنے دفتر میں محصور ہو کر شراب پی رہا تھا۔''

''تمہیں ہیلن کیسے یاد آگئی؟ اس پر تم نے کیا الزام عائد کیا تھا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''یوں سمجھ لو کہ اس وقت میری آنکھوں کے سامنے موت منڈلا رہی تھی۔ وہ اسی دہشت کا کوئی کرشمہ تھا۔ وہ عجلت میں دفتر سے جاتے ہوئے ہیلن رائے کو خود ہی اپنے دفتر کا نگراں بنا کر گیا تھا اور اسی وجہ سے کسی نا معلوم آدمی یا شاید تم ہی کو اس لڑکی کے کان بھرنے کا موقع ملا تھا۔ میری ذمے داری اس کے چلے جانے کے بعد شروع ہوئی تھی۔'' وہ بتانے لگی ''میں نے بس اتنا اضافہ کیا کہ میں نے ہیلن کو اس کی میز کی درازیں واپس ڈالتے دیکھا تھا اور یہ سمجھ کر خاموش رہی تھی کہ وہ شاید اپنے باس کی ہدایت پر کوئی دیکھ بھال کر رہی ہے۔ یہ بات فوراً اس کے ذہن میں بیٹھ گئی۔''

جینی نے وہ باتیں معصومانہ سادگی سے بتائی تھیں لیکن آخری قلابازی پر میں اس کی حیلہ سازی کی صلاحیتوں کا قائل ہو گیا۔

ہیلن رائے اپنے سابقہ باس کے بھیجے ہوئے کسی درندے کے جنسی تشدد کا نشانہ بننے کے بعد پاگل ہو گئی تھی۔ مجھے شبہ تھا کہ آئزک بیل نے اپنے پروگرام کے مطابق کوئی زہریلا انجکشن دے کر اسے پاگل کرایا تھا تا کہ وہ ہارلم میں اس کے کرتوتوں کی کہانی زیادہ دور تک نہ پھیلا سکے۔

دیوانگی کسی صدمے کا نتیجہ ہو یا زہریلی دوا کا، دونوں صورتوں میں دماغ کے کچھ صحت مند اور فعال خلیے شدید تباہی کے عمل سے دوچار ہوتے ہیں۔ عام طور پر ان کی بحالی کسی طویل اور صبر آزما علاج کی متقاضی ہوتی ہے۔ اس وقت ہیلن رائے قابل رحم حالت میں تھی۔ آئزک بیل کے لیے کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا کہ وہ ہیلن سے سبز فائل کے بارے میں کچھ معلوم کر سکے۔

جینی نے ہیلن رائے کا نام استعمال کر کے آئزک بیل کو بدترین ذہنی دھچکا لگایا تھا۔ وہ یہ سوچ سوچ کر اپنے بال نوچ رہا ہوگا کہ ہیلن کو پاگل پن کے عذاب سے دوچار کر کے اس نے سبز فائل کی واپسی کی ہر راہ خود ہی مسدود کر دی تھی۔

''روزی سے تم کیا چاہ رہی تھیں؟'' اس کی کہانی مکمل ہونے پر میں نے پوچھا۔

''آج میں نے اپنی زندگی کا بدترین دن گزارا ہے۔ پلوں کے سائے میں گتے کے ڈبوں میں راتیں بسر کرتے ہوئے بھی میں نے کبھی اتنی دہشت محسوس نہیں کی جتنی آج رنکس کے بھرے دفتر میں میرے اوپر طاری تھی۔ یہ رنکس میں میری ملازمت کا آخری دن تھا۔ کل میں وہاں نہیں جاؤں گی۔''

''ایسی غلطی بھول کر بھی نہ کرنا۔ تم دوسری ہیلن رائے بنا دی جاؤ گی۔ حوصلے سے کام لو اور بس چند روز انتظار کرو۔ وہ اپنی موت آپ مر جائے گا...... روزی کے بارے میں میرا سوال اب بھی باقی ہے۔''

''میں اس منحوس دفتر میں رہوں یا نہ رہوں، اب سبز فائل کا سراغ نہیں ملنا چاہیے۔ اسے میرے اوپر ذرا بھی شبہ ہو گیا تو وہ مجھ پر رحم نہیں کرے گا۔ میں نے اس کی فطرت دیکھ لی ہے۔''

''جس فائل کے لیے وہ اس قدر بے چین اور دیوانہ ہو سکتا ہے، تم اس کی قدر و قیمت کا کوئی اندازہ لگا سکتی ہو؟ اسے اتنی آسانی سے ضائع نہیں کیا جا سکتا۔ تم بالکل بے فکر رہو۔ اس بارے میں تمہارا نام نہیں آئے گا۔''

''میں نے عجلت میں وہ پانچوں کاغذ دیکھے تھے۔ تم آئزک سے ان کی قیمت وصول کرنے کے بجائے انہیں جلا دو۔ جب تک یہ فائل تمہارے پاس ہے، میرے سر پر تلوار لٹکی رہے گی۔''

''قدر و قیمت سے مراد صرف ڈالر نہیں ہوتے جینی بے بی...... اس کے سہارے آئزک بیل کو تگنی کا ناچ نچایا جائے گا۔ ہیلن رائے اب جزا و سزا کے خوف سے بے نیاز ہو چکی ہے۔ موت اس کے لیے ایک بہتر انجام

ثابت ہوگی۔ تم نے فائل کی چوری کا الزام اس پر لگایا ہے۔ میں اسے بتاؤں گا کہ اس کے دفتر میں ہیلن ہی میری مخبر تھی اور اسی نے سبز فائل مجھے پہنچائی تھی۔ یہ سن کر اس کے زخم اور گہرے ہو جائیں گے تمہاری پوزیشن اور زیادہ صاف ہو جائے گی۔ اس بارے میں تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"بھلے دن آئے ہیں تو میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔" یک بہ یک اس کی آواز روہانسی ہوگئی" تمہاری حد سے زیادہ خود اعتمادی کی وجہ سے مجھے کچھ ہوا تو میں مر کر بھی تمہیں معاف نہیں کروں گی۔"

"مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے مگر تمہیں بھی میری ایک بات ماننی ہوگی۔"

"وہ کیا؟" میری تسلی پر اس کی رندھی ہوئی آواز قدرے صاف ہوگئی۔

"تم اپنے یک طرفہ دعوے کے بعد بار بار مجھے ذہنی قرار دے رہی ہو۔ جب تک روزی کے ساتھ بیٹھ کر اس دعوے کا تصفیہ نہیں ہو جاتا، تم مجھے صرف رمضان کہوگی۔"

"یہ میرے اپنے اطمینان کی بات ہے کہ میں نے تم کو دریافت کرلیا ہے۔ سب کے سامنے میں تم کو وہی کہوں گی جو تم چاہوگے۔"

"اتنا کچھ ہو جانے کے بعد تم پھر وہی رٹ لگائے جارہی ہو۔" میں نے کہا۔

"ایک بات بتادوں۔ اپنی عادتوں کے بارے میں روزی سے ایک لفظ بھی نہ پوچھنا"

"اس کے بغیر شاید تمہارے دماغ کا فتور دور نہیں ہوسکے گا۔"

"لیکن تم مشکلات میں پڑ جاؤ گے۔ وہ میری اور روزی کی آپس کی باتیں ہیں۔" وہ سنجیدہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "تمہاری زبان سے ان کا ذکر سن کر وہ چونک پڑے گی۔ تم جانتے ہو کہ وہ کتنی تخیل پرست ہے اس پر سب کچھ واضح ہوتا چلا جائے گا۔"

جینی کا سمجھایا ہوا وہ باریک نکتہ فوراً ہی میرے ذہن میں جاگزیں ہوگیا لیکن میں نے اس کی اہمیت کو نظر انداز کرتے ہوئے سرسری لہجے میں کہا" تم اس بارے میں سختی سے اپنی زبان بند رکھوگی۔ یہ میرا اور روزی کا معاملہ ہے۔ میں خود ہی سوچ سمجھ کر طے کرلوں گا۔"

"بتانا میرا کام تھا۔ آگے تم مجھ سے بہت زیادہ سمجھ دار ہو۔ اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہو۔"

آخری فقرہ ادا کر کے اس نے ایک مرتبہ پھر یہ جتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ مجھے ذہنی سمجھتی ہے۔ اپنے دوسرے کشش انگیز خواص کے ساتھ وہ ذہین تھی اور اپنی بات کہنے کا سلیقہ جانتی تھی۔

"آخری بار یاد دلا رہا ہوں کہ تم رنکس کی ملازمت نہیں چھوڑوگی، باقاعدگی سے دفتر جاتی رہوگی۔" میں نے گفتگو ختم کرنے کی نیت سے اسے تاکید کی۔

"دفتر جانے میں کوئی ہرج نہیں لیکن میں نے آج آئزک کا جو بھیانک روپ دیکھا ہے، اس کے بعد میں اپنے اندر اس کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں پاتی۔" اس نے جھجکتے ہوئے جواب دیا

"موجودہ حالت میں شاید وہ خود بھی اپنے ملازمین کا زیادہ سامنا نہ کرے۔ سامنا ہو بھی گیا تو وہ تم کو کھا نہیں جائے گا۔ نوکری چھوڑ کر تم اسے زبردستی اپنی طرف متوجہ کروگی۔"

"اگر یہ تمہارا حکم ہے تو میں اس پر ضرور عمل کروں گی۔" اس نے احسان جتایا۔

"ہاں، یہ میرا حکم ہے۔" میں نے جھلا کر کہا" تم نے اس سے انحراف کیا تو میں تمہیں ادھیڑ ڈالوں گا۔"

"بس، اب میں آنکھیں بند کر کے تمہارے اوپر بھروسا کرسکتی ہوں۔" ریسیور پر اس کی آسودہ آواز ابھری" مارنے والے مر دمرنے سے بچانے میں کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔"

میرے کانوں میں ایک احمقانہ سی پچکار گونجی اور فون بے جان ہوگیا۔

میں نے کریڈل دبا کر دوسرا نمبر ملانے کی تیاری کرلی۔

جینی کی بھرپور کہانی سننے کے بعد آئزک بیل کی فوری مزاج پرسی ضرور ہوگئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میری زبان سے سبز فائل کا ذکر سن کر اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے۔

آئزک بیل سے بات کرنے سے پہلے میرے ذہن میں چند بنیادی باتیں بالکل واضح تھیں۔ اس کی میز کی درازوں کے پیچھے سے سبز فائل اڑانے کا الزام مظلوم مگر باضمیر ہیلن رائے کے سر تھوپنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں رنکس کے دفتر میں رونما ہونے والے تازہ واقعات سے مکمل بے خبری کا مظاہرہ کرتا رہوں۔

وہی ایک ترکیب ایسی تھی کہ اس پر عمل کرنے کے نتیجے میں آئزک بیل کے ذہن میں یہ خیال سختی سے جاگزیں ہو جاتا کہ جب تک ہیلن اس کے دفتر میں موجود تھی، مجھے وہاں کی پل پل کی خبریں پہنچاتی رہی اور اس کا ذہنی توازن خراب ہوتے ہی میرے لیے معلومات حاصل کرنے کا وہ مصدقہ ذریعہ سرے سے ختم ہو چکا تھا۔

اس وقت نیویارک کی فضاؤں سے دن کا اجالا معدوم ہو چکا تھا۔ ہر طرف شام کے تیزی سے اترتے ہوئے دھندلکے نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے، جینی کافی دیر پہلے رنکس کے دفتری اوقات ختم ہونے کے بعد اپنے گھر لوٹ چکی تھی مگر آئزک بیل اپنی بدنصیبی کا سوگ منانے کے لیے دفتر میں موجود تھا۔ اس نے پہلی ہی گھنٹی پر فون کا ریسیور اٹھایا تھا۔

جینی مجھے پہلے ہی بتا چکی تھی کہ وہ اپنے دفتر میں محبوس ہو کر شراب نوشی کر رہا تھا۔ اس کی آواز خمار سے بوجھل تھی مگر لہجہ صاف تھا۔

"مجھے امید نہیں تھی کہ تم اس وقت بھی اپنے دفتر میں بیٹھے ہو گے۔" اس کے ہیلو کے جواب میں میں نے کسی بھی طنز و تضحیک کے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اوہ!" ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی بے ساختہ آواز ابھری "تمہاری منحوس آواز سے مجھے نفرت ہو گئی ہے۔ آخر تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟"

"میں سان فرانسسکو کا رہنے والا ہوں اور نہ اتنا بدذوق ہوں کہ تم جیسے مضحک دیوزاد کے پیچھے پڑوں۔ میں جس کے پیچھے لگا ہوا تھا، اسے تم پہلے ہی برباد کر چکے ہو۔"

"اب تم کوئی نئی کہانی سناؤ گے!" اس کی آواز تلخ ہو گئی۔

"میں کہانیوں کا آدمی نہیں ہوں، حقیقت کی دنیا میں رہتا ہوں......"

"میرا نمبر تمہارے ہاتھ لگا ہوا ہے، دوغلے حرامی نے تمہیں سی ایس ڈی کی چھتری فراہم کی ہوئی ہے۔"

اس نے میری بات کاٹ کر تیزی سے کہا "میں تمہاری ہرزہ سرائیاں سننے پر مجبور ہوں۔ جو کچھ کہنا ہے جلدی بک ڈالو۔ اس کے بعد مجھے فون نہ کرنا۔"

"کوئی اہم بات یاد آ گئی تو فون کرنا ہی پڑے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"بے سود ہو گا۔ میں نہیں ملوں گا۔" اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے میری دھمکی سے ہراساں ہو کر وہ بہانہ کیا تھا ورنہ وہ سبز فائل کے غم میں وہیں جم کر رہ گیا تھا "میں تمہیں صرف دو منٹ دے سکتا ہوں۔"

"میں تم سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وائٹ ہاؤس کے پانچ کاغذوں پر موجود تحریر کس زبان میں لکھی گئی ہے؟" اسے گریز پر آمادہ پا کر میں نے کسی توقف کے بغیر وہ سوال کر ڈالا جو آئزک بیل کے لیے اعصاب شکن ثابت ہو سکتا تھا۔

"بکواس...... تم جھوٹے ہو...... تم کھوکھلے دعوے کر رہے ہو...... تم ان کاغذوں کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔" اس کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔ اس نے قدرے اٹک اٹک کر، اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سارے شبہات کا اظہار کر ڈالا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "ان کاغذوں پر ذرا بھی گرد نہیں تھی کیونکہ وہ بہت احتیاط سے سبز رنگ کی ایک فائل میں لگے ہوئے تھے۔"

"اوہ خدا!" اس بار آئزک بیل کے اعصاب بکھر کر رہ گئے۔ اس کی بے ساختہ آواز سے ہزیمت کا کھلا اعتراف جھلک رہا تھا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم واقعی اس فائل پر قابض ہو چکے ہو...... میری بات مان لو کہ تمہارے لیے وہ فائل بالکل بے کار ہے۔ وہ تمہیں کہاں سے ملی ہے؟"

"اسی لیے میں کہہ رہا تھا کہ تم نے ہیلن رائے کے ساتھ بہت ظالمانہ سلوک کیا ہے۔ یہ کام اسی بے خوف لڑکی نے سر انجام دیا تھا۔ میری خواہش تھی کہ وہ رنکس کی ملازمت کو خیرباد نہ کہے اور تمہارے خلاف مخبری

کرتی رہے مگر وہ بہت نادان اور جذباتی نکلی۔ ہارلم کی سڑکوں پر بہنے والے خون میں نظر آنے والے تمہارے عکس نے اسے دل برداشتہ کر دیا۔ ملازمت چھوڑتے ہی وہ تمہارے غیر انسانی انتقام کا نشانہ بن گئی۔"

"مجھے معلوم تھا کہ وہ مجھ سے غداری کر رہی ہے۔" آئزک بیل کی آواز میں غم و غصہ تھا "مگر یہ علم نہیں تھا کہ وہ تمہارے ہاتھوں بکی ہوئی ہے۔ میرے دفتر کی ساری خبریں وہی تم کو پہنچاتی رہی ہوگی۔ کاش...... کاش میں نے اسے پاگل کرنے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا، اسے اس کے جرم کی بہت ہلکی سزا ملی ہے۔ اب اس کی تکا بوٹی بھی کر دی جائے تو اس کے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا......"

وہ الو کا پٹھا تھا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس کی بنیادوں کو کس رخ سے منہدم کرنے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ اس نے جینی کی مدافعانہ الزام تراشی کا سہارا لے کر باخبر ہونے کا دعویٰ کرنا چاہا تھا لیکن میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اڑا دی "تمہاری دی ہوئی دو منٹ کی مہلت ختم ہو چکی۔ اب میں فون بند کر رہا ہوں۔"

"نہیں ڈینی! فون بند مت کرنا۔" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز ریسیور میں گونجی "تم چاہو تو اس وقت ایک اچھی ڈیل کر سکتے ہو۔"

"کیسی ڈیل؟" میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ "کیا اب تم ہیلن رائے کے ساتھ پیش آنے والے وحشیانہ واقعات کو اپنے اوپر لوٹانے کے لیے تیار ہو؟"

"اسے بھول جاؤ۔" اس کی آواز نیم ہذیانی سرگوشی میں تبدیل ہو گئی "بساط جمتی ہے تو بڑے مہروں کو بچانے کے لیے نہ جانے کتنے پیدل پٹوانے پڑتے ہیں۔ تم نے اگر اپنی ایک انفارمر کے انجام کو اپنے دل کا... روگ بنا لیا تو اپنی مٹی پلید کرا لو گے۔"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ تم خود بھی مجھے خاک میں ملانے کی آرزو میں سلگ سلگ کر راکھ ہوتے جا رہے ہو پھر اب میرے ساتھ ہمدردی کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔" میں نے اسے اپنا اصل نام لینے پر ٹوکنے کی ذرا بھی ضرورت نہیں سمجھی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اس وقت بدحواس ہو چکا تھا اور لائن پر سی ایس ڈی موجود ہونے کی وجہ سے وہ اس گفتگو کو میری لاعلمی میں ریکارڈ کر کے کہیں بھی اپنے دعوے کے ثبوت کے طور پر پیش نہیں کر سکتا تھا۔

"یہ ہمدردی نہیں، ایک مشورہ تھا۔ ہیلن اور ہارلم کے کالے کتوں کے خون کو بھول کر ہی تم کوئی صحیح فیصلہ کر سکتے ہو۔ یہ جذباتی باتیں ہمارے رتبے کے آدمیوں کو زیب نہیں دیتیں۔"

اس کے دماغ میں سمائے ہوئے تکبر کو پامال کرنے کی نیت سے میں نے تلخی سے کہا "اور ان سفید سوروں کے غلیظ خون کے بارے میں تم کیا کہتے ہو جو رنلس کی دو گاڑیوں سمیت بموں سے اڑائے گئے تھے؟ ان کا خون ہارلم کے کالوں کے خون سے زیادہ افضل تو نہیں تھا۔"

"وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ میں نے تمہارے پیدل پیٹے، تم نے میرے پیدل مار لیے۔" اس نے میری بات کا برا مانے بغیر کہا "مجھے ان کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ ہر اجرتی بدمعاش کو ایک نہ ایک دن اسی انجام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جو دشمنوں کی گولیوں سے بچے رہتے ہیں، آخر میں وہ قانون کی چکی میں پیس دیے جاتے ہیں۔ مجھے اور تم کو ان کی سطح سے بہت بلند ہو کر کام کی باتیں کرنی چاہئیں۔ انہی پر ہماری بقا کا انحصار ہے۔"

"میری بقا کے لیے تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ صرف اپنی بات کرو۔"

"سبز فائل مجھے لوٹا دو۔" قدرے توقف کے بعد اس کی آواز ابھری۔

"ایک بے کار فائل کے لیے تمہارا مطالبہ مضحکہ خیز معلوم ہو رہا ہے۔"

"تمہارے لیے وہ فائل بالکل ردی ہے مگر مجھے اس کی ضرورت ہے۔"

"میں اس فائل کو جلا کر تلف کر دوں گا، تم کو نہیں دوں گا۔ تمہارے مفادات کو زک پہنچانا ہی اب میرا مشن بن کر رہ گیا ہے۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

"سمجھوتا کر لو، اس بار میں صدق دل سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہماری دشمنی دوستی میں بدل جائے گی۔ ہماری

دنیا میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہوتی۔''

''سیاست میں ایسا ضرور ہوتا چلا آیا ہے، میں سیاست داں نہیں ہوں۔''

''اگر بلیک ڈیڈ تمہارے پاس موجود ہے تو اس سے میری بات کرادو۔ اس وقت وہی تمہارا پشت پناہ بنا ہوا ہے۔ شاید وہ تمہیں سمجھا لے۔'' قدرے تردد کے بعد وہ بولا۔

''بلیک ڈیڈ اپنے دو جان نثاروں کے ساتھ رنکس پر ایک اور کاری ضرب لگانے کے لیے نکلا ہوا ہے۔ تم اسی نمبر پر موجود رہو تو وہ واپس آنے کے بعد تم سے بات کرلے گا۔'' میں نے بالکل سرسری لہجے میں کہا ''یہ یاد رکھنا کہ وہ میری مرضی کے خلاف نہیں جا سکے گا۔''

''میں تم سے اس فائل کا سودا کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' اس کا لہجہ نرم اور ڈھیلا ہو گیا۔

''بولی لگاؤ۔ اسی کے بعد میں کوئی رائے دے سکوں گا۔'' میں نے دل ہی دل میں اس کی بے بسی اور بے چارگی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''ان پانچ کاغذوں کے لیے میں تمہیں دس ہزار ڈالر ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا ''مجھے اتنا احمق اور نادان مت سمجھو۔ امریکی صدر کے دفتر کے وہ کاغذات اتنے بے وقعت نہیں ہو سکتے۔ اس سے زیادہ لاگت تو ان کاغذوں کو بنانے پر آ گئی ہوگی۔ تم اس وقت بھی بد نیتی اور چال بازی پر اترے ہوئے ہو۔''

''تم بھول میں ہو۔ وہ تحریر وائٹ ہاؤس کی اسٹیشنری پر نہیں ہے۔''

''امریکی صدر کا مونو گرام ہر کاغذ کی ساخت میں واٹر مارک کے طور پر موجود ہے۔'' میں نے اسے اپنے مشاہدے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا ''اسے تم کیسے جھٹلاؤ گے؟''

''جان لی بگ نامی کمپنی وائٹ ہاؤس کی اسٹیشنری کے لیے کاغذ تیار کرتی ہے۔ ان کے مل سے نکلنے والی ردی میں سے وہ کاغذ نکالے گئے ہیں۔'' آئزک بیل نے پوری سنجیدگی سے مجھے غچا دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''بلاوجہ جھوٹ بولنے اور مجھے بہکانے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے درشت لہجے میں کہا ''اتنا میں بھی جانتا ہوں کہ ملوں میں جب اہم یا قیمتی کاغذ بنایا جاتا ہے تو اس کی ردی کی ایک کترن بھی مل سے باہر نہیں نکلتی۔ ساری ردی کو دوبارہ گلا کر کاغذ میں کھپا دیا جاتا ہے۔ ایسا اندھیر ہونے لگے تو دنیا بھر میں جعلی کرنسی اور بانڈز کا طوفان آ جائے۔''

''مشکل یہ ہے کہ تم دنیا کے ہر موضوع پر عقل کل بننے کی کوشش کرتے رہتے ہو۔'' اس نے زچ ہو کر کہا ''تمہیں کوئی بات سمجھانی آسان نہیں ہوتی۔ میرے لیے اہمیت ان کاغذوں کی نہیں، ان پر لکھے ہوئے مواد کی ہے۔ تم ساری عمر بھی اس تحریر کو نہیں پڑھ سکو گے۔''

''ساری اہمیت اسی بات کی ہے کہ وہ امریکی ایوان صدارت کی دستاویز ہے۔ اس کے آخر میں تم سمیت چار فریقوں کے اصل دستخط ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان میں امریکی صدر یا اس کے کسی معتمد آدمی کے دستخط بھی موجود ہیں اور یہ چار فریقی معاہدہ کسی مذموم مقصد کے تحت وجود میں لایا گیا ہے ورنہ اس کی تم جیسے دہشت گرد اور نسل پرست کے پاس موجودگی کا کوئی جواز نہیں تھا۔''

وہ دخل اندازی کے بغیر تحمل سے میری بات سنتا رہا پھر ایک گہرا سانس لے کر بولا ''تمہاری سوچ منفی ہے اس لیے تم یہ قیاس آرائی کر رہے ہو اور مجھے مجبور کر رہے ہو کہ تمہاری کہی ہوئی ہر بات کو درست تسلیم کرلوں۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ اس پر میرے دستخط بھی ہیں؟''

''مجھ سے یہ مکاری نہیں چلے گی۔ تم بھول رہے ہو کہ پاگل ہونے سے پہلے ہیلن رائے تمہاری خاص ملازمہ تھی اور تمہارے دستخطوں سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس کی نشاندہی کے بعد تم اس حقیقت کی تردید نہیں کر سکتے۔''

''میں نے تردید نہیں کی۔'' اس نے جلدی سے کہا ''میں صرف یہ معلوم کرنا چاہ رہا تھا کہ یہ بات تمہیں کیسے معلوم ہوئی۔ ہیلن میرے لیے آستین کا سانپ بنی ہوئی تھی۔ مجھے اس سے ایسی کھلی بغاوت کی امید نہیں تھی۔

اس نے میرے اعتماد کو بری طرح مجروع کیا ہے۔''

''سانپ گزر جانے کے بعد اب لکیر پیٹنا بے سود ہے۔ مجھ سے کام کی بات کرو۔ میں زیادہ دیر تک وقت برباد نہیں کروں گا۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔

''اس سبز فائل کے لیے میں تمہیں بیس، پچیس بلکہ پچاس ہزار ڈالر دے سکتا ہوں۔ یہ میری طرف سے تمہارے لیے خیر سگالی کا اظہار ہے۔'' وہ ایک ہی سانس میں اپنی پیش کش کو دس سے پچاس ہزار ڈالر تک بڑھاتا چلا گیا۔

میں دل ہی دل میں اس کی مکاری پر ہنسا پھر بولا۔ ''مجھے تمہاری خیر سگالی کی ضرورت نہیں۔ تم سراپا شر ہو۔ تم سے کسی بھی بھلائی کی امید رکھنی ایسی ہی ہے جیسے انگاروں سے پانی ٹھنڈا کرنے کی توقع کرنا۔ یہ ہزاروں کی نہیں ملین ڈالر کی ڈیل ہوگی۔''

''ملین ڈالر!'' اس کی تحیر زدہ آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے مطالبے پر وہ بھونچکا رہ گیا تھا ''جانتے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ ملین ڈالر بہت بڑی رقم ہوتی ہے۔''

''ڈیوڈ اسٹارز اورشی کے سربراہ کی زبان سے یہ بات بہت حقیر معلوم ہوتی ہے۔'' میں نے طنز سے کہا ''پہلے تم اپنی فیاضیوں کے بارے میں بہت شیخیاں بگھارتے رہے ہو۔''

''کاغذ کے پانچ چیتھڑوں کے لیے یہ رقم بہت زیادہ ہے۔ ویسے تم جو چاہو لے سکتے ہو۔ ملین ڈالر دے کر بھی میرے اثاثوں میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' میرے زہریلے فقروں پر وہ تلملا کر بولا۔

''میں نے ایک ملین نہیں ملین ڈالر کہا تھا۔ فی ورق ایک ملین یعنی سبز فائل کے پانچ ملین بنتے ہیں۔ ہاں کرو یا انکار کردو۔'' میں نے اس پر اپنا دباؤ بڑھا دیا۔

لائن پر چند ثانیوں کے لیے سکوت چھایا رہا پھر اس کی نیم مردہ آواز سنائی دی ''تم حد سے زیادہ تجاوز کر رہے ہو۔ یہ مطالبہ معقولیت سے عاری ہے۔''

مجھے اندازہ تھا کہ وہ بے چون وچرا آمادگی ظاہر نہیں کرے گا۔ اس کا احتجاج سنتے ہی میں ہتھے سے اکھڑ گیا ''اب فائل کو بھول جاؤ۔ یہ سودا نہیں ہوگا۔ کوئی دوسری بات کرو۔''

''تین ملین لے لو۔ مجھے وہ فائل چاہیے۔'' آئزک بیل نے اصرار کیا۔

''اب تین ملین میں بھی بات نہیں بنے گی۔ اس بھکاری کی بات کرو جس سے تم خاکے کے لیے مدد لے رہے ہو۔''

میں نے ایک بے رحمانہ سی ہنسی کر ساتھ کہا۔ ''چلو پانچ ملین سہی، تم کہاں مل رہے ہو؟'' اس کی آواز ہیجان آمیز ہوگئی۔

''یہ موضوع ختم۔ اب میں خود ہی فائل پڑھنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ نیو یارک کا کوئی نہ کوئی صحافی ان میں سے ایک دو دستخط ضرور پہچان لے گا۔''

''نہیں ڈینی! بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔'' وہ بے ساختہ بول اٹھا ''فائل منظر عام پر آتے ہی مجھ سے پہلے تم مار دیے جاؤ گے۔ یہ سراسر خودکشی ہوگی۔''

''میری موت تمہارے لیے خوشی کا باعث بنی چاہیے۔ فکر مند کیوں ہو رہے ہو؟''

''تم اکیلے نہیں مرو گے۔ تمہارے بعد میری باری آجائے گی۔ ایسا ہرگز نہ کرنا۔''

''اب وہ ردی کاغذ یکایک اس قدر اہم کیسے ہوگئے؟'' میں نے پوچھا۔

''تمہارے لیے وہ ردی ہیں مگر میرے لیے بہت اہم اور قیمتی ہیں۔''

''ان کی اہمیت بار بار دہرا کر تم میرے تجسس کو ہوا دے رہے ہو۔ اب میں ان کا متن جانے بغیر تم سے کوئی سودے بازی نہیں کروں گا......''

''تم وعدہ خلافی کر رہے ہو۔'' وہ میری بات کاٹ کر بولا ''پانچ ملین پر بات طے ہوگئی تھی۔''

''تم نے اسے تسلیم نہیں کیا اور بات ختم ہوگئی۔ میں نے سختی سے کہا۔

وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس میں میرے لیے نادیدہ خطرات پنہاں تھے۔ پچاس لاکھ ڈالر ہر اعتبار سے ایک بہت بڑی رقم تھی جو وہ محض پانچ کاغذوں کے عوض ادا کر

نے کے لیے تیار تھا۔ اس پیش کش میں آئزک بیل کی بد نیتی ہو سکتی تھی کہ وہ سرے سے کوئی رقم ہی ادا نہ کرنی چاہتا ہو اور محض بہلاوے کے طور پر سودا طے کر کے مجھے نہیں بلانا چاہ رہا ہو۔ اس مقام پر اس کی ساری تیاریاں پہلے سے ہی مکمل ہوتیں اور میں جوں ہی اس کے پھیلائے ہوئے جال میں پہلا قدم رکھتا، وہ ڈوریاں کھینچ کر مجھے اپنا قیدی بنا لیتا۔ وہ نیویارک کا ایک نامی گرامی شخص اور رنگس جیسے بڑے ادارے کا سربراہ تھا۔ اس کے لیے آدمیوں کا بندوبست کرنا ذرا بھی مشکل نہ ہوتا۔ اس کی بھاری اور مسلح نفری سے کسی کھلے مقابلے میں کامیابی سے ہم کنار ہونا میرے لیے کسی طرح ممکن نہیں تھا۔

وہ اس معاملے کا ایک تاریک پہلو تھا۔ اس کے ساتھ یہ ایک حقیقت تھی کہ آئزک بیل کو میرے اور بلیک ڈیڈ کے مفروضہ گٹھ جوڑ کا پورا یقین ہو چکا تھا۔ اس کے ذہن میں وہ خیال میں نے ہی ڈالا تھا پھر گاہے گاہے اس کے شکوک و شبہات کو تقویت پہنچاتا رہا تھا۔ مجھے دھوکا دینے کا کوئی بھی منصوبہ بنانے میں یہ خیال اس کے آڑے آسکتا تھا کہ اس کے مقابلے میں میں تنہا نہیں تھا۔ بلیک ڈیڈ اور اس کے حواری میرے ساتھ تھے۔

آئزک بیل نے جس مضطربانہ انداز میں اپنی پیش کش کو دس ہزار ڈالر سے پچاس لاکھ ڈالر تک پہنچایا تھا اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہر قیمت پر اس فائل کو حاصل کرنے کے لیے بے چین تھا۔ میں نے اس کے اسی اضطراب سے فائدہ اٹھانے کے لیے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔

پہلے اس نے مجھے صرف دو منٹ کا وقت دیا تھا اور اس وقت وہ سب کچھ بھول کر مجھے سودے پر آمادہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔

''وہ فائل اس قدر مہمل اور مشکل ہے کہ کوئی اسے ایک ڈالر میں بھی نہیں خریدے گا۔'' وہ کہہ رہا تھا ''میری پیش کش ٹھکرا کر تم عمر بھر پچھتاتے رہو گے۔''

''میں اب بھی عیش کر رہا ہوں۔ مجھے پیسے کی ہوس نہیں ہے۔'' میں نے کہا ''رقم کے علاوہ تم اور کیا دے سکتے ہو؟''

میری سسکانے والی گفتگو سے اس کے صبر و تحمل کا پیمانہ تیزی سے لبریز ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے بے چین لہجے میں کہا ''دنیا میں آج ہر چیز پیسے میں تولی جاتی ہے۔ اگر تم پیسے سے اس قدر بدظن اور بیزار ہو تو پھر مزید کیا کہہ سکتا ہوں۔ تم بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو۔''

''کیا تم ٹائمز اسکوائر پر صرف بنیان اور انڈرویئر پہن کر دوڑ لگا سکتے ہو؟'' میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے ذہن میں ابھرنے والی پہلی شرط دہرا دی۔

ریسیور پر اس کی خوف زدہ اور خفت آمیز ہنسی کی آواز سنائی دی اور میں نے سمجھ لیا کہ وہ دھیرے دھیرے بکھر چکا تھا۔ اس کے انداز میں ایسی پسپائی میں نے پہلی بار محسوس کی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''تم دیوانے ہو گئے ہو۔ نیویارک میرا شہر ہے۔ میں یہاں اجنبی نہیں ہوں۔ یہاں لاکھوں نہیں تو ہزاروں لوگ مجھے ایک معزز اور برباد شخص تصور کرتے ہیں۔ ایسا بے رحمانہ مذاق......''

''یہ مذاق نہیں ہے آئزک!'' میں نے سپاٹ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی ''میں نیویارک والوں کو یہی دکھانا چاہتا ہوں کہ تم جیسے عزت دار اور دانش ور آدمی پر برا وقت آجائے تو وہ کہاں تک جا سکتا ہے۔ اس ایک دوڑ میں تم پانچ ملین ڈالر بچا سکتے ہو۔''

''تم میری تحقیر پر اتر آئے ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی کسی ذاتی مجبوری یا ضرورت کے لیے اپنی پوری قوم اور برادری کی ناک نہیں کٹوا سکتا۔ اب میں شائی لاک کا نام یہودیوں کے لیے گالی بنا ہوا ہے۔ میں جیتی جاگتی زندگی کا شائی لاک نہیں بن سکتا۔ کوئی ایسی بات بتاؤ جو صرف میرے اور تمہارے درمیان محدود رہے۔ میں تمہاری شرط پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔''

میں تلخی سے ہنس پڑا ''کاش تم نے لڑکپن یا نوخیزی کے زمانے میں ایسی کسی آرزو کا اظہار کیا ہوتا تو بلیک ڈیڈ تمہیں فوراً اپنے گلے سے لگا لیتا۔''

اس بار آئزک بیل نے میرے ہتک آمیز طنز کا برا نہیں منایا۔ مصالحانہ لہجے میں بولا ''اس کتے اور نمک حرام

کا نام درمیان میں نہ لاؤ۔ میں تمہیں دس بار معاف کرسکتا ہوں، تمہیں اپنے سر پر بٹھا سکتا ہوں مگر اسے معاف نہیں کرسکتا......''

''مجھے سوچنا پڑے گا کہ تم سے کن شرائط پر سودا ہوسکتا ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''میں خاموشی سے لائن ہولڈ کیے رہتا ہوں۔ تم اطمینان سے سوچ لو۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''میں بے کار نہیں ہوں کہ مسلسل تم سے باتیں کرتا رہوں۔ کوئی بات ذہن میں آئی تو دوبارہ تم سے رابطہ کرلوں گا۔''

''یہ میرا دفتر ہے، میں رات بھر یہاں بیٹھا نہیں رہ سکتا۔'' اس نے ہلکا سا احتجاج کیا۔

''اپنے دوسرے نمبر بھی دے دو۔'' میں نے عیارانہ انداز میں کہا ''تم کہیں نہ کہیں مل ہی جاؤ گے۔''

وہ اتنا معصوم یا بھولا نہیں تھا کہ میرا مقصد نہ بھانپ سکا ہو مگر اس نے کسی ردعمل کا مظاہرہ کیے بغیر کہا ''اس نمبر کے علاوہ تم ڈیوڈ اسٹارز کے فون نمبر سے بھی واقف ہو۔ تمہیں انہی نمبروں سے میرا کوئی نہ کوئی سراغ مل جائے گا۔ میں کل تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔''

اس وقت وہ بری طرح دبا ہوا تھا۔ میری ہر جائز اور ناجائز بات خاموشی سے سہہ رہا تھا۔ میرے دل میں آئی کہ اس سے کراچی جانے والی پرزوں کی کھیپ کے بارے میں سوال کروں لیکن میں نے اپنی اس خواہش کو دل ہی میں دفن کر دیا۔

وہ ہیلن رائے کا ذہنی توازن بگڑنے کے بعد کا واقعہ تھا۔ آئزک بیل پریشان ضرور تھا مگر اپنے ہوش وحواس میں تھا۔ میرے سوال سے اسے یہ سراغ مل سکتا تھا کہ اس کے دفتر میں میرا اصل مخبر کوئی اور تھا جسے بچائے رکھنے کے لیے میں نے سارے الزامات ہیلن رائے پر ڈال دیے تھے۔

وہ آخری لمحے تک فائل کے لیے میری خوشامدیں کرتا رہا لیکن میں نے وقت کے زیاں کا احساس کرتے ہوئے فون بند کردیا۔ اس سے ہونے والی گفتگو سے مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ سبز فائل اس کے لیے بڑی حد تک زندگی اور موت کا مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ اگر کچھ لوگوں کو یہ علم ہوجاتا کہ اس کی بے احتیاطی کی وجہ سے وہ فائل اس کے ہاتھ سے نکل چکی ہے تو وہ اس کے خون کے پیاسے بن سکتے تھے۔

اس سے جان چھڑانے کے بعد میں ایک مرتبہ پھر سبز فائل لے بیٹھا جس کے حروف اور ہندسے میرے لیے نامانوس نہیں تھے لیکن الفاظ یکسر اجنبی تھے۔

گلاس سے اسکاچ کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے میں ان پانچوں اوراق کی گتھی سلجھانے کے ساتھ ساتھ ویرا کی واپسی کا بھی منتظر تھا۔ مجھے امید تھی کہ وہ نیو جرسی سے بہت سی دھماکا خیز خبریں لے کر واپس آئے گی۔ تیسری طرف مجھے نو بجنے کا انتظار تھا کیونکہ اس وقت ورجینیا میں بدری ناتھ سے بات ہونے کی امید تھی۔ اس شام شاید وہ بھی اپنے میزبانوں کے ساتھ کہیں الجھا ہوا تھا۔

ویرا آٹھ بجے کے قریب واپس آئی اور آتے ہی تھکے ہارے انداز میں بستر پر گرگئی۔

''ہوٹل کے کمرے میں پڑی اینڈتی رہتی ہو تو تھک جاتی ہو۔ آج باہر گھومنے کا سنہرا موقع ملا تو اس سے بھی تھک ہار کر لوٹی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا سارا جوش اور ولولہ رخصت ہوچکا ہے۔'' اس کے گہرے گہرے سانسوں کے درمیان میں نے چوٹ کی۔

''میری چولیں ہل کر رہ گئیں۔'' وہ بستر پر پہلو کے بل ہو کر بولی۔ ''ہمارا جو کام ہوتا ہے وہ اعتدال سے گزر جاتا ہے۔ آرام تھا تو بس آرام ہی آرام چل رہا تھا۔ آج ورزش کا موقع ملا تو سارا دن بھاگتے دوڑتے گزر گیا۔ دکان کے مالک نے مجھے خوار کر کے رکھ دیا۔''

میں نے اپنے گلاس سے آخری گھونٹ لے کر کہا ''اگر تم نے پرنسٹن سے پینک میں فون نہیں کیا تھا تو تمہاری آج کی محنت زبردست رنگ دکھائے گی۔ اب نیویارک میں پھیلے ہوئے بکھیڑے تیزی سے سمٹتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔''

''روکھی سوکھی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ میرے اور

لیے ایک ایک گلاس بنا ڈالو پھر ایک دوسرے کی کتھا سننے میں مزہ آئے گا۔'' اس نے بستر پر لیٹے لیٹے فرمان جاری کیا۔

''تم جیسی خوب رو لڑکی کے ہوتے ہوئے مردانہ ہاتھوں سے یہ کام اچھا نہیں لگے گا۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ اس کے آجانے کے بعد میں ذہنی طور پر خود کو پر سکون محسوس کر رہا تھا۔

یہ تکرار زیادہ دیر جاری نہ رہ سکی۔ تھوڑی سی بحث کے بعد ویرا کو بستر چھوڑنا پڑ گیا۔

''اوہ! اس وقت تم پھر یہ فائل لیے بیٹھے ہو۔'' گلاس بناتے ہوئے اس کی نگاہ سبز فائل پر پڑی تو وہ چونک کر بولی ''فرصت کے لمحات کے لیے یہ ایک اچھا شغل ہاتھ آگیا ہے۔ میری مانو تو اس پر دماغ سوزی مت کرو۔ اول خان ہی اس کا کوئی حل تلاش کر سکے گا۔''

''یہ فائل یکا یک بہت اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ آئزک بیل اسے حاصل کرنے کے لیے دیوانہ ہوا جا رہا ہے۔ آج تمہاری جینی اس کے عتاب کا نشانہ بنتے بنتے بچی ہے۔''

''اس کی تھوڑی سی گوشمالی ہو جاتی تو اس کے سر سے سارے رومانی جراثیم جھڑ جاتے۔ کیا اس نے آج پھر تم سے رابطہ کیا تھا؟''

ویرا نے آخری فقرہ پھاڑ کھانے والے انداز میں ادا کیا تھا۔ میں بے بسی سے سر ہلا کر رہ گیا۔

''کیا کہہ رہی تھی وہ؟'' جینی کا ذکر آتے ہی ویرا کا موڈ بگڑ گیا۔

''آج اس نے بہت کار آمد باتیں بتائی ہیں اور اسحاق گھتی ہل کر رہ گیا۔'' میں نے اس کا موڈ بحال کرنے کے لیے جلدی سے وضاحت کی۔

''میں اسے خوب سمجھ رہی ہوں۔ اس کی یہ ساری مہربانیاں تمہیں شیشے میں اتارنے کے لیے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں نے اسے منہ لگا کر غلطی کی ہے۔''

جینی پچھلے دو دنوں میں ویرا کی کمزوری بن کر رہ گئی تھی۔ وہ...... کم از کم وقت میں اس کے مذاکرات کے بارے میں سب کچھ جان لینے پر تلی ہوئی نظر آرہی تھی۔ میرے ہر سوال پر اس کی بس ایک ہی رٹ تھی کہ وہ میری پوری روداد سن لینے کے بعد ہی پرنسٹن میں اپنی سرگرمیوں کی کہانی سنائے گی۔ تھکن اور بھاگ دوڑ کی وجہ سے وہ اس وقت چڑچڑے پن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس کی ضد کے سامنے میں نے ہتھیار ڈال دیے اور ویرا کو اپنی دن بھر کی کارکردگی کا خلاصہ سنانے لگا۔

کراچی سے اول خان نے مجھے جو کچھ سنایا، وہ انتہائی افسوس ناک تھا۔ اس کے بعد کی کہانی سے ویرا دل کھول کر محظوظ ہوئی۔ میں نے آئزک بیل سے مجوزہ ملاقات کے لیے پہلے سے تو کوئی خاص منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ ویرا کو ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں نے آئزک بیل سے ملاقات کا وعدہ نبھانے کے لیے کیا حکمت عملی اپنائی ہوگی۔ جب اسے یہ پتا چلا کہ میں نے مین ہٹن کے ایک بھکاری گویے کو اپنا ڈمی بنا کر رنکس والوں کو چکما دیا تھا تو اس کا دل خوش ہو گیا۔

میں نے جیکسن نامی اس کام چور بھکاری کو صرف پھاٹک سے اندر گھسیٹے جاتے دیکھا تھا۔ گیارھویں منزل پر رنکس کے دفتر میں اس سے جو بدلتے ہوئے سلوک روا رکھے گئے، ان کی تفصیل مجھے جینی کی زبانی معلوم ہوئی تھی۔ میری اور ویرا کی مشترکہ رائے یہی تھی کہ جیکسن کو پکڑنے والوں نے اسے اپنا مطلوبہ آدمی تصور کر کے اس کی خوب مرمت کی پھر آئزک بیل نے سبز فائل کی گمشدگی کا سارا غصہ اس پر اتار ڈالا۔ اسی دوران میں اسے خیال آیا کہ وہ جیکسن کی مدد سے اس آدمی کا یعنی میرا خاکہ بنوا سکتا ہے جس نے اسے کنال اسٹریٹ کی چالیسویں عمارت میں بھیجا تھا۔

وہ خیال آتے ہی معتوب بھکاری ان کی ہمدردیوں اور توجہ کا مرکز بن گیا۔ اسے طبی امداد دی گئی، اس کی شکم پری کرائی گئی۔ اسی دوران میں، میں نے فون پر یہ انکشاف کر کے آئزک بیل کے سارے ارمانوں پر اوس ڈال دی کہ بھکاری کو میں نے نہیں، بلیک ڈیڈ کے کسی کارندے نے پھانسا تھا اور وہ اسی کا خاکہ تیار کروا سکے گا۔

میری اس حیلہ سازی سے ایک بڑی بلا سر سے ٹل گئی اور جیکسن کو دھکے دے کر رنکس کے دفاتر سے نکال دیا گیا۔ اس قصے کو سن کر ویرا کا موڈ ایسا بحال ہوا کہ وہ اپنی ساری تکان کو بھول کر نکیلے تبصروں اور فقرے بازیوں پر اتر آئی۔ اس کے معدے میں اترنے والی الکحل اس کے مزاج کی شگفتگی میں اضافے کا سبب بن رہی تھی۔

''میں ابھی جینی سے بات کرتی ہوں۔'' میری مکمل رپورٹ سن لینے کے بعد ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا ''اس نے رنکس کی ملازمت چھوڑی تو وہ بھی ہیلن کی طرح برے انجام سے دوچار ہوگی۔''

''یہ بات اس کی سمجھ میں آچکی ہے۔'' میں نے فون کے ریسیور میں جینی کی آخری احمقانہ پکار کو یاد کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا ''اس بارے میں جینی سے مزید بات کرنی بے سود ہوگی۔''

''یہ اچھا ہے کہ وہ خوف و ہراس میں مبتلا ہو چکی ہے۔ چند روز تک اسے بھول کر بھی تمہارا خیال نہیں آئے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک ہم یہاں سے کوچ کر جائیں۔''

''اس وقت تم جینی کو اسحاق گھنٹی سے زیادہ اہمیت دے رہی ہو!''

''یہ باریک باتیں تمہارے پلے نہیں پڑ سکتیں۔ اپنے معاملات کو میں زیادہ بہتر سمجھتی ہوں...... تم یہ بتاؤ کہ وہ سبز فائل کے لیے اتنا دیوانہ کیوں ہو رہا ہے؟''

''یہ بات وہ خود نہیں اگلے گا۔ فائل کا متن پڑھنے کے بعد اندازہ ہو سکے گا کہ اس کے پیچھے کیا راز ہے۔ میرے ذہن پر اب یہ دھن سوار ہو چکی ہے کہ اسے پڑھا جائے۔''

''یہ تمہارے بس کا روگ نہیں ہے۔'' ویرا ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کے ساتھ بولی ''فی الحال اسے بھول جاؤ اور آئزک بیل کو گھیرنے کی فکر کرو۔ اس کے لیے یہ فائل چارے کے طور پر استعمال کی جاسکتی ہے۔''

''میں یہی کر رہا تھا۔ کوئی بھی اہم کاغذ گم ہو جائے تو آدمی پریشان ہو جاتا ہے مگر اس کی پریشانی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ جب پرنسٹن کے گودام میں کارروائی ہوگی تو اس کے ذہنی عذاب میں زبردست اضافہ ہو جائے گا۔''

''یہ ہارلم کے بے گناہ کالوں کا خون ہے جو اس کے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔'' ویرا نے ایک ہلکی سی چسکی لے کر کہا ''بلیک ڈیڈ رنکس کی گاڑیاں بموں سے اڑا رہا ہے ، جینی نے اس کی سبز فائل اڑا کر تمہیں سونپ دی، پرنسٹن میں، میں معقول بندوبست کرآئی ہوں۔ یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے ہارلم میں فساد کی آگ بھڑکا کر اسحاق گھنٹی نے اپنے لیے جہنم کے دروازے کھول لیے ہوں۔''

''تم نے ابھی تک اپنی کارگزاری کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔''

''وہ چھوٹا سا دکان نما گودام پرنسٹن کے ایک مفلوک الحال اور سنسان علاقے میں واقع ہے جہاں بعض خستہ شیڈز میں چھوٹے کارخانے قائم ہیں۔ میں نے ان کے برابر والی دکان پانچ سو ڈالر فی ہفتہ کے حساب سے چھ ہفتوں کے لیے کرائے پر لے لی ہے۔''

''دو ہفتے بھی کافی تھے۔ چھ ہفتوں کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ ہمارا اصل کام تو شاید کل دن میں ہی پورا ہو جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''کرائے داری کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ مالک جائداد کو کوئی شبہ نہ ہونے دیا جائے۔ ایک دو ہفتوں کی بات کی جاتی تو میں خود شکوک و شبہات کی زد میں آجاتی۔ ویسے بھی وہ شخص چھ ہفتے سے کم کے لیے دکان دینے پر راضی نہیں تھا۔''

''تم نے اس کی شرائط مان لیں تو پھر اتنا وقت کیسے صرف ہوا؟''

''ساری صورت حال پرنسٹن میں قدم رکھتے ہی سامنے نہیں آگئی تھی۔ میں نے اصل کام تین بجے کے بعد شروع کیا جب رنکس والوں کی گاڑی تینوں کریٹ اتار کر جا چکی تھی۔ کافی دیر بعد یہ معلوم ہوا کہ گودام سے ملحقہ دکان کرائے پر دستیاب ہے لیکن اس کے مالک کا

کہیں پتا نہیں تھا۔''

''مجھے ان تفصیلات سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ اتنا کافی ہے کہ تم نے ایک اہم مورچا حاصل کرلیا ہے۔ وہ جگہ تم نے کس نام سے حاصل کی ہے؟''

''مس روتھ بیل۔'' وہ مسکرا کر بولی'' معاہدے کے لیے شناختی کاغذات دو چار روز میں دوں گی۔ معاہدے کی رقم گننے کے بعد ایجنٹ یا مالک نے مزید کسی چیز کے لیے اصرار نہیں کیا تھا۔''

ویرا نے اس علاقے کی جو منظر کشی کی تھی، اس کی بنا پر مجھے اندیشہ تھا کہ مجھے دکان کے اندر پہنچانے کے بعد بہت مشکل ہوگا کہ ویرا دن بھر باہر موجود رہ کر نگرانی کرتی رہے۔ وہاں گھومتے پھرتے ہوئے ویرا نے بھی اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا اور اسی سڑک پر آہنی ریک بنانے والے ایک لوہار کو کسی پیچیدہ ریک کی تیاری کا کام سونپ ڈالا تھا۔

اس مد میں ویرا کو صرف سو ڈالر کی رقم پیشگی ادا کرنی پڑی تھی۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ صبح نو بجے سے پہلے مجھے خالی دکان میں پہنچانے کے بعد وہ ایک ریک کی تیاری میں مشاورت اور نگرانی کے بہانے لوہار کے پاس جا بیٹھتی۔ وہاں رہ کر وہ کسی خوف یا خطرے کے بغیر اپنا اصل کام سرانجام دے سکتی تھی۔ ہم دونوں کی واپسی کا انحصار بعد میں پیش آنے والے واقعات پر ہی ہونا تھا۔

پرنسٹن میں ویرا نے جتنی بیئر پی تھی، وہ بھاگ دوڑ میں اس کی توانائیوں یا کیلوریز کی صورت میں خرچ ہوگئی تھی۔ اسکاچ کا ایک ایکسٹرا لارج پیگ بلکہ گلاس اپنے معدے میں اتارنے کے بعد اس میں خاصی ہمت عود کر آئی اور وہ تازہ دم ہونے کے بعد غسل خانے میں جا گھسی۔

تکان اور کسل مندی کے باعث رات کے کھانے کے لیے ہم نے نیچے اترنے کا ارادہ منسوخ کردیا۔ کھانے کے لیے روم سروس سے کچھ ایسے لوازم کمرے میں ہی منگوا لیے جو مے نوشی میں بھی لطف دے سکتے تھے۔ اسی دوران میں آئزک بیل کی سبز فائل ہی ہماری گفتگو کا موضوع بنی رہی۔

نو بجے میں نے بدری ناتھ کے ہوٹل کا نمبر ملایا تو وہ کمرے میں موجود تھا۔

''کراچی جانے والی پرزوں کی کھیپ کا کیا بنا؟''

سلام دعا کے بعد بدری ناتھ نے وہ سوال کرکے میرا دل خوش کردیا۔ ہمارے مفادات سے اس کی اتنی گہری وابستگی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کی متوقع وفاداریوں کے بارے میں میرے شبہات بے بنیاد تھے۔

''اس کا سراغ لگا لیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میں گڑبڑ کے امکانات کا سدباب کرلوں۔ سارا انحصار موقع میسر ہونے پر ہے۔'' میں نے بتایا۔

''میں حیران ہوں کہ نیویارک میں تم اکیلے ہو پھر بھی تم اتنی تیزی دکھا رہے ہو۔ اب مجھے شبہ ہونے لگا ہے کہ اندر سے تم وہ نہیں ہو جو نظر آنے کی کوشش کرتے ہو۔''

میں ہنس پڑا'' ساتھ رہ کر ہی تم اندازہ لگا سکتے تھے کہ میں کس طرح پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا ہوں۔ دور سے معمولی کارکردگی بھی بہت عظیم الشان نظر آتی ہے۔''

''پاکستانی جوڑے کی بھی کوئی خیر خبر ہے؟'' اس نے متجسس لہجے میں پوچھا۔ اس نے نام نہیں لیے تھا لیکن یہ واضح تھا کہ وہ میرے اور ویرا کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔

''کچھ پتا نہیں۔ وہ دونوں آئے ہیں تو یہاں رونما ہونے والے واقعات سے ہی ان کی موجودگی کا اظہار ہوسکے گا۔ اپنے اصل ناموں سے وہ کبھی سامنے نہیں آئیں گے۔''

''ورجینیا والے بہت باخبر لوگ ہیں۔ یہاں سرگوشیاں ہو رہی ہیں کہ ڈیوڈ اسٹارز ان دونوں کے فوبیا میں مبتلا ہیں۔ شاید اسحاق قطنی حکام کو یہ باور کرانے کی کوشش میں ابھی تک مصروف ہے کہ وہ دونوں امریکا آچکے ہیں۔''

''کیا یہ باتیں اس قدر عام ہیں کہ تم سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکیں؟''

''یہاں میں عام آدمی نہیں ہوں۔ بڑے لوگوں

میں اٹھتا بیٹھتا ہوں۔ بعض لوگ تو امریکا کے صدر کا پہلے نام سے یوں ذکر کرتے ہیں جیسے وہ ان کا لنگوٹیا اور مرہونِ منت ہو۔''

وہ سی آئی اے والوں کی باتیں تھیں۔ امریکا میں اختیارات کی کاغذی تقسیم جو کچھ بھی رہی ہو، یہ بات شہرت پا چکی تھی کہ سی آئی اے امریکا کا وہ مقتدر ادارہ تھا جس کی حمایت کے بغیر امریکا میں کوئی صدر اپنی میعاد سکون سے پوری نہیں کر سکتا تھا۔ امریکی انتخابات میں یہودی ووٹوں کا جو بھرپور کردار تھا، انتخابات کے بعد وہی کردار سی آئی اے کا ہوتا تھا۔ اس ملک کی معاشرت میں پائی جانے والی ان دونوں قوتوں کی رضامندی کے بغیر کوئی وائٹ ہاؤس میں مسند نشین نہیں ہو سکتا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم صحیح جگہ پر پہنچ گئے ہو۔'' میں نے خوشی کا اظہار کیا۔

''شاید ایسا ہی ہو۔ یہ لوگ ہارلم کے واقعات پر بہت برہم ہیں اور ان خون ریز فسادات کی ساری ذمے داری اسحاق گھنٹی پر ڈال رہے ہیں۔ ان کی باتوں سے تمہاری اس اطلاع کی بھی تصدیق ہو چکی ہے کہ وہی رنگس کا سربراہ ہے۔''

''اگر ایسے مقتدر لوگ برہم ہیں تو وہ اس کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کرتے؟''

''دھیرے دھیرے سب کچھ سامنے آجائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی بھی کچھ مجبوریاں ہوں۔ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔'' بدری ناتھ نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

''مگر وہ آدمی ہی ہے اور غلطیاں آدمی سے ہی ہوتی ہیں۔''

''رچمنڈ اور فیرفیکس میں ایک رائے بن رہی ہے۔ مجھے بہت زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں لیکن یہ محسوس ہو رہا ہے کہ لینگلے روڈ کے ہیڈ کوارٹرز میں مواد پک رہا ہے اور میرا ایک دشمن کسی بھی وقت مارا جائے گا۔ دوسرا کراچی سے چند روز میں ورجینیا آنے والا ہے۔ اس سے میں خود ہی نمٹانے کی کوشش کروں گا۔''

''بدری! تم بہت کھل کر بول رہے ہو۔ تمہاری ان باتوں کی بھنک کسی کے کان میں پڑ گئی تو تم کہیں کے نہ رہو گے۔ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔'' میں نے ایک جھرجھری لے کر کہا۔

''مجھے اعتماد ہے کہ تم سی ایس ڈی استعمال کر رہے ہو۔ یہ الیکٹرونکس کا ایک بے مثال شاہکار ہے۔ اگر میرے کمرے میں کوئی بگ بھی ہوتا تو سی ایس ڈی لائن کاٹ دیتی۔''

''تو پھر کھل کر بتاؤ کہ کراچی سے کون آرہا ہے؟'' میں نے مطالبہ کیا۔

''وہی این ایم..... کتے کا بچہ جس نے میری اس قدر تحقیر کی تھی کہ میں خود اپنی نظروں میں گر گیا تھا۔ میں نے یہاں دوہری دھار کا ایک خنجر حاصل کر لیا ہے اور اسی سے اس دشمن کی گردن اتاروں گا جس نے مجھے ذلیل کیا تھا۔''

سی آئی اے کے اعلیٰ عہدے دار آئزک بیل کی چھچھوری حرکتوں سے بدظن ہو رہے تھے، کراچی سے نک موڈلے اپنی موت کی تلاش میں امریکا آرہا تھا۔ میں نے ان دونوں باتوں کو ذہن میں گھمایا اور لمحہ بھر سوچا کہ بدری ناتھ نے میری ترغیب کے باوجود فون پر نک موڈلے کا نام نہیں لیا تھا۔ لائن پر سی ایس ڈی موجود ہونے کے باوجود وہ محتاط تھا۔ ان دیکھے خطروں سے بچ رہا تھا۔ میں نے اپنی طرف سے کوئی ٹیڑھا سوال کرنے کا ارادہ فوراً ترک کر دیا۔

''میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا گو ہوں اور تمہاری ہدایات کا منتظر رہوں گا۔'' میں اس کے لیے ڈپی نہیں، علی شیر تھا۔ میں نے وہی کہا جو علی شیر کو کہنا چاہیے تھا۔

ریسیور پر بدری ناتھ کی ہلکی سی بے ساختہ ہنسی ابھری ''تم وہ نہیں ہو جس سے اسحاق گھنٹی دن رات خوف زدہ رہتا ہے مگر اس سے کم نہیں ہو......''

''میں اس کی گرد بھی نہیں ہوں۔'' میں نے بدری کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا ''وہ ہوتا تو اب تک نہ جانے کیا کچھ کر گزرا ہوتا۔ میں تو بس خاموشی سے گزارہ کر رہا ہوں۔''

"فکر مت کرو۔ ذرا میرے پیر جمنے دو پھر کچھ نہ کچھ ہوکر رہے گا۔"

"تمہاری تربیت کیسی چل رہی ہے؟" میں نے نیم مزاحیہ لہجے میں پوچھا۔

"بہت کچھ ہورہا ہے۔ شاید یہ مجھے مولوی بنانے کی کوشش کریں گے۔۔ دو لیکچروں میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ پاکستان، ایران اور افغانستان میں یہ طبقہ عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ لوگ ان کی عزت کرتے ہیں۔ یہ کہیں بھی چلے جائیں، اجنبی نہیں سمجھے جاتے۔ ہر ایک انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتا ہے۔ ان کے بہروپ میں ایجنٹ زیادہ کامیابیاں حاصل کرسکتا ہے اور خطرات سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ فلسفہ جلد ہی کوئی رنگ دکھائے گا۔"

"یہ مذہب کے خلاف ان کی سازش ہے۔ تم سے جو کچھ کہا جارہا ہے، میرے سامنے وہی سب تمہارے سنت، سادھو، مہنت، پجاری اور پنڈت کے بارے میں کہا جائے گا۔ مذہبی تعصبات کو بھڑکا کر اپنا الو سیدھا کرنا......"

دروازے پر دستک کی تیز آواز سن کر میں بری طرح اچھل پڑا، میری بات ادھوری رہ گئی اور میں نے غیرارادی طور پر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ لائن منقطع ہوگئی۔

مجھ سے پہلے ہی ویرا جھپٹ کر دروازے پر پہنچ چکی تھی۔ "ہواز دیر؟" اس نے مضبوط اور سخت لہجے میں دستک دینے والے سے استفسار کیا تھا۔

"چارلی! دروازہ کھولو مسی!" باہر سے ایک نرم اور دھیمی آواز ابھری۔ لب ولہجہ امریکی تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے خیال آیا کہ آنے والا کوئی سفید فام تھا۔

میں نے پنجوں کے بل دوڑ کر بھرا ہوا ریوالور الماری سے نکالا اور جیب میں ڈال لیا۔ ویرا نے مڑ کر الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے سر ہلا کر اسے دروازہ کھولنے کا اشارہ دے دیا۔ ویرا نے لیور گھما کر دروازہ کھول دیا۔

باہر ایک متوسط قامت سیاہ فام نوجوان موجود تھا۔

دروازہ کھلتے ہی اس کے چہرے پر آنکھوں کے سفید ڈھیلوں کے ساتھ چمکیلے دانتوں کی قطاریں بھی چمکنے لگیں۔ اس عاجزانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے باہر کھڑے کھڑے اپنا بایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر سر کو قدرے خم دیا اور بولا "مسی! کیا تم مجھے اندر آنے کے لیے نہیں کہو گی؟"

اس وقت تک میں اپنی جیب میں موجود ریوالور کے دستے پر گرفت مضبوط کیے ویرا کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ میں نے سرد لہجے میں پوچھا "تم کون ہو؟"

اس نے ویرا کے شانوں کے پیچھے پہلی بار میری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ فوراً ہی معدوم ہوگئی "میں چارلی ہوں، بلیک ڈیڈ کا ایک غلام۔"

میں سناٹے میں آگیا۔ میری جلد کے مساموں میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ آنے والے کا وہ انکشاف ویرا کے لیے بھی خوش گوار ثابت نہیں ہوا تھا۔ اس نے ایک طرف ہٹ کر جگہ چھوڑی اور سیاہ فام اندر آگیا۔ اطمینان کی بات یہ تھی کہ اس کے دونوں ہاتھ اس کے پہلوؤں پر جھول رہے تھے۔ اس نے پھرتی دکھانے یا ہتھیار نکالنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

ویرا نے دروازہ بند کرکے مقفل کردیا اور چارلی ہم دونوں کے درمیان گھر گیا۔

"بلیک ڈیڈ تم سے ملاقات کا آرزومند ہے مسی!" چارلی نے ویرا سے مخاطب ہوکر ادب اور احترام سے اسے آگاہ کیا۔

ویرا ابتدائی جھٹکے سے سنبھل چکی تھی۔ اس نے تیوریوں پر بل ڈال کر چارلی کو گھورا اور درشت لہجے میں کہا "میں کسی بلیک ڈیڈ کو نہیں جانتی۔ تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ بلیک ڈیڈ کی طرف سے یہ پیغام تم کس کے لیے لائے ہو؟"

"ہم غلطی اور غلط فہمی سے ہمیشہ بچتے ہیں۔" وہ بولا "یہ پیغام مس ویرا لائیڈ کے لیے ہے۔ اب یہ نہ کہنا کہ تم مس ویرا لائیڈ نہیں ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ ہوٹل کے ریکارڈ میں تمہارا نام مسز روزی برڈ درج ہے۔"

آنے والے نے ویرا کے لیے حجت یا انکار کی کوئی

گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔

''میں نے یہ پیغام سن لیا، اب تم چلے جاؤ۔'' ویرا دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی ''میں ہوٹل سے باہر قدم بھی نہیں رکھوں گی۔ اسے ملنا ہے تو وہ یہاں آ کر مجھ سے ملے۔''

میں دیکھ رہا تھا کہ وہ فقرے ادا کرتے ہوئے ویرا کی......خود اعتمادی رخصت ہو چکی تھی اور اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے لرزاں تھے۔

''تمہیں کہیں نہیں جانا پڑے گا مسی!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا ''بلیک ڈیڈ اپنے ملازموں کو بھی عزت دیتا ہے۔ وہ خود چل کر تم سے ملنے آیا ہے اور اس وقت بار میں موجود ہے۔''

مجھے چارلی کی آواز کہیں دور سے آتی ہوئی سنائی دی۔ نئی خبر نے میرے بھی اوسان خطا کر دیے تھے۔ ہارلم میں تین روز سے جاری خونریز......دنگے اور فساد کے باوجود بلیک ڈیڈ جیسے معروف بدمعاش کا یوں بے دھڑک ہو کر پین پلازا ہوٹل پہنچ جانا حیران کن نہیں بلکہ ناقابل یقین تھا۔ اگر چارلی سچ بول رہا تھا تو یہ بات یقینی سی تھی کہ بلیک ڈیڈ کی حفاظت کے لیے اس کے مسلح مگر بظاہر بے ضرر نظر آنے والے محافظوں نے ہوٹل کی پوری عمارت کو اپنے نرغے میں لیا ہوگا اور ہر آنے جانے والے کو اپنی عقابی نگاہوں سے پرکھ رہے ہوں گے۔

''وہ......بب......بار میں موجود ہے؟'' ویرا اپنے تحیر زدہ سوال میں ہکلائے بغیر نہ رہ سکی۔

''ہاں مسی۔ وقت ضائع مت کرو۔ وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہارلم میں کیا ہوتا رہا ہے۔ دشمن اس کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔''

''وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟'' ویرا کی آواز دبی دبی ہذیانی سرگوشی سے مشابہ تھی۔

سیاہ فام نوجوان نے بے پروائی سے شانے اچکائے اور کہا۔ ''اس سوال کا جواب وہی دے سکتا ہے لیکن تم بار میں اس کا نام نہیں لوگی......وہ تمہیں شوٹ کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔''

''تم عاجزی سے کمرے میں گھس آنے کے بعد دھمکیاں دے رہے ہو؟'' میں نے اسے ڈانٹا۔

''مسٹر! تم بیچ میں مت بولو۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے پرانے واقف کار ہیں۔ مسی کو معلوم ہے کہ میں اس وقت اس کی ایک مجبوری کا اظہار کر رہا ہوں۔ یہ کوئی دھمکی نہیں ہے۔''

''اگر اس نے ویرا کا نام لیا تو میں اسے گولی مار دوں گا۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

''شیور!'' وہ فضا میں دونوں ہاتھ اچھال کر بولا ''اسے یہی کرنا ہوتا تو وہ رازداری کے ساتھ مجھے اس کمرے میں نہ بھیجتا، یہاں ایف بی آئی کی کوئی پارٹی آتی۔''

اس کی بات بہت اکھڑ اور سخت تھی مگر دل کو لگتی تھی۔

ویرا نے پریشان اور مستفسرانہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں دروازے کی طرف بڑھ گیا ''آؤ، میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔''

''مسٹر، تم اپنی ذمے داری پر وہاں جاؤ گے۔'' سیاہ فام نے مجھے آگاہ کیا ''اس نے صرف مس ویرا لائیڈ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔''

''دیکھا جائے گا۔ بھرے ہوٹل میں کسی کو گولی مار کر وہ خود بھی زندہ نہیں نکل سکے گا۔''

''تمہاری مرضی۔'' وہ سیاہ فاموں کے مخصوص لہجے میں ادھورے اور ٹوٹے ہوئے الفاظ میں بولا ''یہ نیویارک ہے۔ اسے کوئی بھی روکنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ پولیس اس وقت پہنچے گی جب اسے یقین ہو جائے گا کہ وہ بہت دور نکل چکا ہے۔ نیویارک ایک عجیب سی دنیا ہے۔ پولیس کا خوف ہوتا تو بلیک ڈیڈ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔''

ہو سکتا ہے کہ چارلی کے الفاظ نیویارک کی عملی صورت حال کی صحیح عکاسی کر رہے ہوں لیکن میں نے اس کی باتوں کو اپنے جوش میں ہرزہ سرائی سے زیادہ اہمیت نہیں دی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ وہ دونوں بھی میرے پیچھے آ گئے۔

راہداری کا مختصر سا فاصلہ ہم تینوں نے خاموشی سے

طے کیا۔ لفٹ کے تخلیے میں چارلی کو ایک مرتبہ پھر بولنے کا موقع مل گیا اور اس کی زبان چل پڑی۔

''میں تمہارے ساتھ بار میں نہیں جاؤں گا۔ وہ کونے کی ایک تقریباً اندھیری میز پر بیٹھا ہوا ہے۔ اسے ملنے کے بجائے ہوٹل چھوڑنے کا ارادہ نہ کرنا ورنہ گڑبڑ ہو جائے گی۔''

گراؤنڈ فلور پر لفٹ رکتے ہی سب سے پہلے وہ باہر نکلا اور لاتعلقانہ انداز میں نکاس کے راستے کی طرف یوں بڑھتا چلا گیا جیسے ہم کو پہچانتا ہی نہ ہو۔

اس کے چلے جانے سے ہم دونوں کو آزادی سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔ چارلی کے مقابلے میں ہماری پیش قدمی کی رفتار بہت سست تھی۔

''یہ کیا ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہمارے کمرے تک کیسے پہنچ گیا۔'' ویرا میرے ساتھ چلتے ہوئے پرتشویش انداز میں بڑبڑائی۔

''جو کچھ ہوا، تمہاری کسی حماقت کے نتیجے میں ہوا ہے۔'' میں نے رک کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

''بغیر کچھ جانے بوجھے یہ الزام میرے سر کیوں تھوپ رہے ہو؟'' اس نے چیخ کر پوچھا۔

''سیدھی سی بات ہے۔ اس کا پیغام تمہارے لیے آیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم کو پہچانا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پرنسٹن میں تم نے اپنی کامیابی کے نتیجے میں ہر احتیاط بالائے طاق رکھ دی ہو اور وہاں سے اس کے کسی گرگے کو اپنے پیچھے لگا لائی ہو۔''

''جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ سوال یہ ہے کہ وہ مجھ سے ملنے کے لیے یہاں کیوں دوڑا چلا آیا؟''

''بااخلاق آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس نے سوچا ہو گا کہ تم تھکی ہاری واپس آئی ہو، اسے خود چل کر تمہارا شربت دیدار نوش کرنا چاہیے۔''

''اب چہک رہے ہو۔ چارلی کے سامنے تمہاری سٹی گم ہو گئی تھی۔'' وہ مجھے گھور کر بولی۔

''پیچ و تاب کھانے کے بجائے تم بھی اپنے غصے کو لگام دو۔ پتا نہیں وہ کن تیوروں کے ساتھ آیا ہے اور تم سے کیا چاہتا ہے۔ آثار کچھ اچھے نہیں ہیں۔''

''مجھے صرف ایک بات سے ڈھارس ہے کہ کھوج لگا لینے کے باوجود اس نے ہماری مخبری نہیں کی۔ یہ ایک نیک شگون ہے۔ بس اس کی آمد ذرا ڈرامائی ہے۔''

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اس وقت میرا ذہن پیش آنے والے متوقع واقعات کے تجزیے میں الجھا ہوا تھا۔ بار کی طرف بڑھتا ہوا ہر قدم سوچنے کی اس مہلت کو کم کرتا جا رہا تھا۔

بار میں داخلے کے وقت میں دانستہ ویرا کے پیچھے ہو لیا کیونکہ میرے لیے بلیک ڈیڈ ایک اجنبی چہرہ تھا جبکہ ویرا اس سے اچھی طرح واقف تھی۔

اندر داخل ہو کر ویرا نے الکحل اور جلے ہوئے تمباکو کی تیز بو سے رچے ہوئے ماحول میں نیم آباد ہال کا جائزہ لیا اور پھر تیر کی طرح بائیں طرف ہو لی۔

بار کاؤنٹر سے آگے کا وہ آخری حصہ واقعی تقریباً تاریک نظر آ رہا تھا۔

روشنی میں سے وہاں کسی کی موجودگی کا اندازہ دشوار تھا لیکن سگریٹ کا سلگتا ہوا روشن سرا اور فضا میں لہراتے ہوئے دھوئیں کے مرغولے وہاں کسی کی موجودگی کا پتا دے رہے تھے۔ اس تاریکی میں پہنچنے تک مجھے ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس وہ سفید فام نظر آنے لگا جو ڈرائی جن کی بوتل کے ساتھ دیگر لوازم لیے اس میز پر قابض تھا۔

عام امریکیوں کی طرح وہ بھی دراز قامت اور مضبوط کاٹھی کا مالک تھا۔ اس کے خدوخال تیکھے اور [illegible] تھے لیکن وہ اپنی جوانی کی حدیں عبور کر کے [illegible] سرحدوں میں داخل ہو چکا تھا۔ اس کے سر کے بال سنہرے تھے جو کنپٹیوں کے آس پاس بالکل سفید ہو چکے تھے۔ اس کے لباس سے بے نیازی مترشح تھی مگر [illegible] میں عقاب کی سی تیزی سمائی ہوئی تھی۔

ویرا کو دیکھ کر... وہ اپنی کرسی سے قدرے اٹھا [illegible] سے ہاتھ ملانے کے بعد اس کی کینہ توز نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

''یہ میرا دوست ہے اور میرے ساتھ [illegible] ہے۔'' اس کے تیور دیکھ کر ویرا جلدی سے بول پڑی۔

''دونوں بیٹھ جاؤ۔'' مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنی طاقت کا خفیف سا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے بھاری اور بگڑی ہوئی آواز میں کہا۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ زبان کے بجائے حلق کے بل بولنے کا عادی ہو۔ مجموعی طور پر وہ وجیہہ اور بارعب شخصیت کا ملک تھا۔

''یہ وہی ہے جس سے تمہارا باپ ہمیشہ نالاں رہا کرتا تھا؟'' ہم دونوں کے بیٹھ جانے کے بعد اس نے تائید طلب لہجے میں ویرا سے پوچھا اور وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

ہمارے بیٹھنے کے بعد ایک ویٹرس تیر کی طرح میز کی طرف آئی۔ میز پر جن کی بوتل موجود تھی۔ بلیک ڈیڈ نے اسے مزید دو خالی پیگ لانے کی ہدایت کی اور ویرا کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ امریکا سے نکل جاؤ۔'' ویٹرس کے چلے جانے کے بعد اس نے دھیمی مگر مخاصمانہ غراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''کیا یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی تھی؟''

''وہ تمہارا مشورہ تھا۔ میں اسے ماننے کی پابند نہیں تھی۔ یہ میرا وطن اور میرا گھر ہے۔ میں کب تک جلاوطنی کی زندگی گزارتی رہوں گی۔''

''تم آگ سے کھیلنا چاہتی ہو تو شوق سے کھیلو لیکن اس کی چنگاریاں میرے دامن تک کیوں پہنچیں؟ میں سن رہا ہوں کہ آئزک کو تم دونوں نے ہی میرے خلاف ورغلا کر میدان میں اترنے پر اکسایا ہے۔ میں اس سازش کا حساب لوں گا۔ اس تصادم میں، میں نے اپنے کئی بہترین آدمی کھوئے ہیں۔ اگر تم سے میرا اچھا تعلق نہ ہوتا تو اب تک تمہاری لاش کس ... ا ہے سے مل چکی ہوتی۔ تمہیں معلوم ہے کہ اصولوں کے معاملے میں، میں کتنا بالحاظ ہوں۔''

ویرا کے حلق سے برآمد ہونے والی ٹرچ کی آواز سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس کا حلق سوکھ رہا تھا۔ بلیک ڈیڈ نے پہلے ہی وار میں اس کے اوسان خطا کر دیے تھے۔ میں نے ویرا کو بولنے کے لیے بس چند سیکنڈ کی مہلت دی۔ جب وہ تھوک نگل کر بھی بولنے میں کامیاب نہ ہو سکی تو وہ فرض میں نے سنبھال لیا اور پورے سکون سے کہا ''ہم نے کسی کو تمہارے خلاف نہیں ورغلایا۔ یہ سب آئزک کی سازش ہے اور تم اس کے آلۂ کار بن رہے ہو۔''

میرا جواب اس کے لیے غیر متوقع ثابت ہوا۔ لمحہ بھر کے لیے اس کا دہانہ وا ہوا پھر اس نے تنفر آمیز لہجے میں کہا ''ہوش میں رہ کر بات کرو۔ میں ایک مکے میں تمہارا چہرہ بگاڑ دوں گا۔''

''کھری اور اصولوں کی بات کرتے ہو تو تمہیں کڑوا سچ سننے کا حوصلہ بھی رکھنا چاہیے۔'' میں نے پوری بے خوفی سے کہا۔ میں نے بھانپ لیا تھا کہ وہ مصلحت پسند آدمی نہیں تھا۔ پرپیچ مکالموں کے بجائے سخت کلامی سے ہی اسے کچھ سوچنے پر مجبور کیا جا سکتا تھا۔

ویرا نے میز کے نیچے میرا پیر دبا کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بلیک ڈیڈ سے معذرت خواہانہ انداز میں بولی ''میں اپنے ساتھی کی بدتمیزی پر معافی چاہتی ہوں لیکن یہ درست ہے کہ آئزک سے ابھی تک میرا کوئی رابطہ نہیں ہوا۔''

اپنی ذات کی حد تک ویرا کا وہ دعویٰ بالکل درست تھا۔ ابتدا سے اس شام تک آئزک سے سارے مذاکرات میں نے ہی کیے تھے۔ اس دوران میں بلیک ڈیڈ نے ایک پل کے لیے بھی میرے چہرے پر سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں اور میں بھی اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

''تم وضاحت کرو!'' بلیک ڈیڈ زہریلی آواز میں پھنکارا ''میں اس کمینے یہودی کے لیے کیا کر رہا ہوں جو تم نے میرے اوپر الزام لگایا ہے۔ اپنے حرامی پن کے لیے مجھے قصوروار ٹھہرا رہے ہو؟''

''اگر تم سچ سن کر اتنی جلدی مشتعل ہو جاتے ہو تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔'' میں نے بے پروائی سے کہا ''تم چاہو تو میں معذرت کے لیے بھی آمادہ ہوں۔ یہ تمہارا شہر ہے۔ تم چاہو تو کسی قصور کے بغیر ہماری گردنیں اتار سکتے ہو۔ تم سے کچھ کہنا سننا بے کار ہے۔''

''میں کہنے سننے کے لیے ہی بہت سے خطرات

مول لے کر یہاں آیا ہوں۔ من مانی کرنی ہوتی تو تمہارا قصور میرے سامنے آچکا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری وضاحتیں تمھیں بچالیں مگر مجھ سے ہوش میں رہ کر اور تمیز سے بات کرو۔ میں تم سے بہت سینئر ہوں۔'' اس بار اس کی آواز میں درشتی کا عنصر خاصا کم ہوگیا تھا۔

''اس نے پرانی جتھے بندیاں توڑ کر ہر جگہ اپنے آدمی بٹھائے ہوئے ہیں۔ اسے معلوم ہے کہ ہم... نیویارک میں مدد کے لیے صرف تم سے رجوع کر سکتے ہیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم نے ہمیں ٹکا سا جواب دے دیا ہوگا۔ ہارلم میں رنگس والوں کے ہاتھوں پہلا قتل ہوتے ہی ہم اس کا کھیل سمجھ گئے تھے۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہے۔ اس نے تمہارے ذریعے ہمیں مارنے کا منصوبہ بنا کر یہ لمبا چکر چلایا اور اس میں کامیاب ہوتا نظر آرہا ہے۔''

''میں موٹی عقل کا سیدھا سادہ آدمی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ وہ کیا چکر چلا رہا ہے۔''

''حیرت ہے کہ تم اب بھی بات کی تہ تک نہیں پہنچ سکے۔ ایک طرف وہ تمہارے آدمیوں کو مار رہا ہے اور دوسری طرف یہ افواہیں پھیلا رہا ہے کہ اسے ہم نے تمہارے خلاف اکسایا ہے۔ اس صورت حال پر تمہارا مشتعل ہونا فطری ہے۔ دیکھ لو کہ اس کا حساب بالکل ٹھیک رہا ہے۔ اس وقت تم اپنے دل میں ہمارے خلاف بدگمانیوں کا ایک پلندہ لیے یہاں موجود ہو۔''

''لیکن یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ پہلے تم نے اسے ورغلایا ہو اور اب تم مجھے غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کررہے ہو؟'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ خاصا کائیاں آدمی تھا اور فوراً ہی بات کے دوسرے پہلو تک پہنچ گیا تھا۔

''وہ کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے جو اتنی آسانی سے ورغلایا جاسکے۔'' اس بار مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی۔ ایک حکمت عملی سامنے آجانے کے بعد اس کا دم توڑتا ہوا حوصلہ فوری طور پر بحال ہوگیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی'' وہ میرے خون کا پیاسا ہے اور میں اس کی جان کی دشمن ہوں۔ اگر مجھے اس تک رسائی کا موقع مل جائے تو میں اسے بہکانے یا ورغلانے کے بجائے اسے مار ڈالوں گی۔ بگلے کے سر پر موم بتی جلا کر اسے پکڑنے کی مجھے کیا ضرورت ہے۔''

''مجھے کئی ذرائع سے پتا چلا ہے کہ اس نے ہارلم میں تم دونوں کی تلاش میں میرے اڈوں پر حملے کرائے تھے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں نے تم دونوں کو پناہ دی ہوئی تھی۔''

''یہ اس کا منظم پروپیگنڈا ہے۔ اتنے بڑے پیمانے پر فساد کرانے کے بجائے وہ دوسرے ذرائع سے بھی معلوم کرسکتا تھا کہ ان کی اطلاعات میں کتنی صداقت ہے۔''

''تمہاری بات سمجھ میں آرہی ہے لیکن ایک مسئلہ بالکل ناقابل فہم ہے۔'' وہ گلاس سے ایک گھونٹ لے کر ویرا سے بولا۔'' ہم دونوں برسوں سے اسی شہر میں ہیں اور کبھی ہم نے ایک دوسرے کا راستہ نہیں کاٹا۔ تمہارے آتے ہی ایکا یک ایسی کیا تبدیلی آئی کہ سب کچھ الٹ کر رہ گیا؟''

''اسے ایک اتفاق ہی کہا جاسکتا ہے۔ ہر اہم واقعہ رونما ہونے کے وقت بے شمار چھوٹی موٹی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ ان کو ایک دوسرے سے ملایا نہیں جاسکتا۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ تم سے میرا زیادہ قریبی رابطہ تھا۔ میں نے تمھیں کیوں نہیں بہکایا؟''

''شاید اس لیے کہ میرا جواب حوصلہ افزا نہیں تھا۔ میں تمہاری یہاں موجودگی میں بہتیرے خطرات کی بو سونگھ رہا تھا۔'' وہ آسانی سے کوئی بھی بات ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔

''میں تمہارے آدمیوں کو کوئی الزام نہیں دے رہی۔ تم خود کہہ چکے ہو کہ کالی بھیڑیں ہر جگہ ہوتی ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تمہارے کسی آدمی نے اسے یہ خبر پہنچائی ہو کہ میں نے فون پر تم سے رابطہ کیا تھا۔ دوسری کڑیاں اس کے دماغ کی پیداوار ہوسکتی ہیں۔''

''تم نے پولر اسٹار کے کوڈ کے ذریعے مجھ تک رسائی حاصل کی تھی۔ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ فون کرنے والی کون ہے۔ یہ بات سرے سے بالکل لغو

اس کی آواز قدرتی طور پر بھاری اور درشت تھی لیکن اس وقت تک اس کی برہمی بڑی حد تک کافور ہو چکی تھی۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ہم دونوں کے مشترکہ دلائل نے اس کے غصے کا رخ موڑ دیا تھا اور وہ قدرے فکر مند نظر آنے لگا تھا۔

''تو کیا میں یہ سمجھوں کہ تمہاری معاندانہ دھمکی اب بھی برقرار ہے؟'' قدرے توقف کے بعد ویرا نے پوچھا ''ہمیں اپنا بستر بوریا سمیٹ کر یہاں سے کوچ کر لینا چاہیے؟''

''یہ تمہیں اسی وقت کرنا تھا جب میں نے کہا تھا۔ اب تم نے یہاں تھوڑے بہت پیر جما لیے ہیں تو جب تک رہ سکتی ہو، رہو۔ میں یہاں کا داروغہ نہیں ہوں۔''

میرے سر پر سے یکایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔ اس نے واضح الفاظ میں اپنی دھمکی واپس نہیں لی تھی لیکن جو کچھ کہا تھا اس کا مفہوم کم و بیش وہی تھا۔

''میں حیران ہوں کہ تم اچانک مجھ تک کیسے پہنچ گئے۔'' ویرا نے دوسری بات چھیڑ دی۔

''چارلی نے تمہیں نیو آرک پر پرنسٹن سے آنے والی بس سے اترتے دیکھا تھا اور پہچان کر اسی وقت فون پر اطلاع دی تھی۔ مجھے تم پر شدید غصہ تھا۔ میں تمہیں سخت سرزنش کرنی چاہتا تھا۔ اس نے یہاں تک تمہارا پیچھا کیا اور پھر میں بھی یہاں پہنچ گیا۔ تم پرنسٹن میں کیا کرنے گئی تھیں؟ تم کو اس طرح بر سر عام گھومنے پھرنے سے گریز کرنا چاہیے۔''

ویرا نے پرنسٹن کے بارے میں بلیک ڈیڈ کے سوال کا جواب گول کر دیا اور پہلی بار پُر اعتماد مسکراہٹ کے ساتھ بولی ''تم جانتے ہو کہ میں سسک سسک کر جینے کی قائل نہیں ہوں۔ جب میرا باپ وائٹ ہاؤس کی حدود میں مارا جا سکتا ہے تو میں کہاں محفوظ رہ سکتی ہوں؟''

بلیک ڈیڈ اپنا گلاس ختم کیے بغیر کرسی سے اٹھ گیا اور قدرے آگے جھک کر بولا ''اب تم مجھے اطلاع دیے بغیر یہ ہوٹل نہیں چھوڑو گی۔ رنکس کی دو گاڑیوں کی تباہی کے بعد ہارلم والوں کے انتقامی جذبے کی تھوڑی بہت تسکین ہوئی ہے لیکن وہاں کے حالات ابھی بھی معمول پر نہیں آئے ہیں۔ اب مجھے اس کے خلاف کسی بڑی کارروائی کے بارے میں سوچنا ہوگا۔''

''میں پوری طرح تمہارا ساتھ دوں گی۔'' ویرا نے پورے خلوص سے کہا۔

بلیک ڈیڈ نے ڈرائی جن کی نصف سے زیادہ بھری ہوئی بوتل کے نیچے سو ڈالر کا نوٹ دبایا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا دروازے کی طرف ہولیا۔

ہم دونوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور وہاں سے چل دیے۔

☆☆☆

اگلی صبح سات بجے ہم اپنے اپنے ہتھیار لے کر ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔ میں نے پرنسٹن کی متوقع ضروریات کے پیش نظر اپنا بریف کیس بھی ساتھ لے لیا تھا جس میں آئزک بیل سے حاصل کی ہوئی سبز فائل بھی محفوظ تھی۔

سورج طلوع ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی لیکن ہوٹل سے باہر مین ہٹن کی سڑکوں پر دھندلا سا اجالا ہی پھیلا ہوا تھا۔ شہر میں پھیلی ہوئی فولاد، کنکریٹ اور شیشے کی فلک بوس عمارتوں کی کثرت میں ابھرتے ہوئے سورج کی کمزور کرنیں ذرا مشکل ہی سے ان راستوں تک پہنچ پاتی ہیں۔ کہیں کہیں سڑک کے دونوں اطراف میں یہ عمارتیں یوں آمنے سامنے استادہ ہیں کہ سر اٹھا کر دیکھنے پر اوپر ایک دوسرے سے تقریباً ملتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں اور انسانی نگاہیں ان کی ہیبت ناک بلندی سے خوف زدہ ہو کر خود بہ خود نیچی ہو جاتی ہیں۔

مین ہٹن سے پرنسٹن پہنچنے کے لیے ٹیکسی سب سے سہل سواری تھی لیکن ہمارے لیے حفاظتی احتیاط اپنی ہر سہولت پر مقدم تھی۔ اپنے ہدف کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اپنا ہر سراغ مٹانا ہماری ایک ناگزیر ضرورت تھی۔

ویرا کے لیے وہ علاقے دیکھے بھالے تھے۔ اپنی یادوں کو تازہ کرنے کے لیے وہ پچھلے دن پرنسٹن تک دوڑ لگا چکی تھی۔ اس کے ایما پر ہم نے ہوٹل کے قریب سے

نیوآرک جانے کے لیے ٹیکسی پکڑلی۔
صبح کی خنک اور خوش گوار فضا میں ٹیکسی حرکت میں آئی تو ویرا بہت خوش تھی۔ نیو یارک پہنچنے کے بعد شاید ہم دونوں پہلی بار اس کی سڑکوں پر ایک ساتھ باہر آئے تھے۔ اسی خوشی میں ویرا مجھے اپنے شہر کے بارے میں بتانے لگی۔
نیو یارک امریکا کا ایک وسیع وعریض شہر ہے جس کے سمندر اور دریائی خطوں کو یک جا کرنے کے لیے پینسٹھ پلوں کے ذریعے جوڑا گیا ہے۔ ان میں سے چودہ پل ایسے ہیں جو مین ہٹن کے دریائی جزیروں کو نیو یارک کی دوسری بوروز اور نیو جرسی سے ملاتے ہیں۔ زیر آب سرنگیں ان پلوں کے علاوہ ہیں۔ ویرا کسی پیشہ ور گائیڈ کی طرح اپنی جملہ معلومات میرے کانوں میں انڈیلے جارہی تھی۔ میں نے صرف اس کی ابتدائی باتیں دھیان سے سنیں پھر غائب دماغی کے عالم میں بس ہوں ہاں کرتا رہا۔
ویرا کی وہ خشک تقریر اردو میں جاری تھی اس لیے سفید فام ڈرائیور کے پلے نہیں پڑ رہی تھی۔ وہ سڑکوں پر بڑھتے ہوئے ٹریفک کے درمیان احتیاط سے اپنا راستہ بنانے میں مگن تھا۔
جیسے جیسے ہم شہر کے وسط سے مغرب کی طرف بڑھتے گئے، فلک بوس عمارتوں کی تعداد کم ہوتی چلی گئی۔ اس کے ساتھ سورج کی چمکیلی دھوپ نگاہوں کو مزہ دینے لگی۔ دریائے ہڈسن کے کنارے پہنچنے تک ہم عمارتوں کے اس وحشت ناک جنگل سے بالکل باہر آچکے تھے۔
جارج واشنگٹن برج مین ہٹن اور نیو جرسی کے درمیان شاید سب سے زیادہ مصروف اور خوب صورت ترین پل ہے۔ ہڈسن کے شفاف اور دھیمے پانی کے نظارے سمیٹتے ہوئے ہم ذرا سی دیر میں نیو جرسی پہنچ گئے جو انتظامی لحاظ سے ایک الگ ریاست ہونے کے باوجود عملاً نیو یارک کے مضافات میں شمار کی جاتی ہے۔
نیو آرک کے بس ٹرمنل سے ذرا پہلے ویرا نے ٹیکسی رکوالی۔
''یہاں تو دور تک کوئی بس نظر نہیں آرہی۔'' ٹیکسی چھوڑنے کے بعد میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے حیرت سے کہا ''تم تو نیو آرک بس ٹرمنل آنا چاہ رہی تھیں۔''
''بعض اوقات تم بالکل ہونق ہو کر رہ جاتے ہو۔'' وہ مجھے شانہ مار کر زور سے ہنسی ''احتیاط کرنی ہے تو کیوں نہ پوری طرح کی جائے۔''
''اس احتیاط میں پرنسٹن کے بجائے کہیں اور نہ پہنچا دینا۔''
''ڈرائیور پر یہ جتانا ضروری نہیں تھا کہ مین ہٹن کی چونتیسویں اسٹریٹ سے ایک جوڑا صبح سویرے نیو آرک بس ٹرمنل گیا تھا۔ بس پکڑنے سے پہلے تمہارے کھانے پینے کے لیے کچھ خریداری بھی کرنی ہے۔ سامنے سیون الیون اسٹور سے اپنا بریف کیس بھرلو پھر ٹرمنل جائیں گے۔ پرنسٹن میں ان چیزوں کی خریداری کے لیے کافی دور دھکے کھانے پڑیں گے۔''
اس چین اسٹور میں ضرورت کی ہر چیز شیلف میں موجود تھی۔ اپنے بریف کیس کی گنجائش کے لحاظ سے میں نے کئی پیکٹ، ڈبے اور کین باسکٹ میں ڈالے، کاؤنٹر پر رقم ادا کی اور ہم اسٹور سے نکل آئے۔
اس سڑک کے قریب ہی ایک بس ٹرمنل تھا جہاں اس وقت بھی کافی بھیڑ بھاڑ تھی۔ پوری تیاری کے ساتھ ہر شخص یوں عجلت میں چل رہا تھا جیسے کسی آوارہ کتے سے بچ کر بھاگ رہا ہو۔
میرا تبصرہ سن کر ویرا مسکراتے ہوئے بولی ''یہاں آوارہ کتے شاذونادر ہی نظر آتے ہیں۔''
''آوارہ کتے شریف ہوتے ہیں۔ ذرا سی ڈانٹ پھٹکار سے بھاگ جاتے ہیں مگر پالتو کتے انتہائی کتے ہوتے ہیں۔ جس کے پیچھے پڑ جائیں، اسے بھگا کر ہی دم لیتے ہیں۔''
''ہوشیار رہنا۔ یہاں بہت سے لوگ بسوں میں بھی اپنے پالتو کتوں کے ساتھ سفر کرتے ہیں۔'' ویرا نے شوخی سے کہا اور میں بے اعتباری سے اسے گھور کر رہ گیا۔ شاید وہ مجھے گھسنے کی کوشش کر رہی تھی۔
ویرا نے پرنسٹن ائرپورٹر کے بکنگ آفس سے پرنسٹن کے لیے دو ٹکٹ خریدے اور ہم اونچی نشستوں

والی آرام دہ بس میں سوار ہوگئے جس کی کھڑکیوں کے بڑے بڑے شفاف شیشوں میں سے دور تک کے قدرتی مناظر دیکھے جاسکتے تھے۔
بس میں سوار ہوکر میں نے اپنے بریف کیس میں سے اخبار نکال کر ویرا کی گود میں ڈالا اور سیون الیون سے خریدی ہوئی اشیا بریف کیس میں جمانے میں مصروف ہوگیا۔
بس میں ہمارے سوار ہونے سے پہلے صرف چند مسافر موجود تھے۔ بعد میں مزید دو چار افراد آئے۔ بس کی آدھی سے زیادہ نشستیں خالی تھیں کہ مقررہ وقت پر دروازہ بند ہوا اور بس نے حرکت شروع کردی۔ کسی نے مسافروں کو بلانے کے لیے شور مچایا نہ بس کی باڈی پر ہتھیلیوں سے بے سرا طبلہ بجانے کی مشق کی گئی۔
نیو آرک امریکی ریاست نیو جرسی کا ایک چھوٹا سا شہر ہے جو بس اپنے ہوائی اڈے کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے۔ امریکا آنے والے مسافروں کی سب سے زیادہ تعداد ہر سال اسی ہوائی اڈے پر اترتی ہے لیکن ان میں سے بہت کم کو نیو آرک یا نیو جرسی سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے۔ بیشتر مسافر یہاں اترتے ہی نیو یارک بلکہ مین ہٹن کی راہ لیتے ہیں۔ یوں مین ہٹن کی عظمت دسطوت میں نیو آرک ایک بے نام سی گزرگاہ کے طور پر دب کر رہ گیا ہے۔ حد یہ ہے کہ نیو جرسی کے اس... ائرپورٹ کے لیے تمام ہوائی کمپنیاں اپنی سفری دستاویزات اور ٹکٹوں میں وہی مخفف استعمال کرتی ہیں جو مدتوں سے نیو یارک کے لیے رائج ہیں۔ بیشتر نئے سیاحوں کو سرے سے پتا ہی نہیں چلتا کہ انہیں نیو یارک کے بجائے نیو آرک پہنچایا جانے والا ہے۔
بس روانہ ہونے کے محض چند منٹ بعد ہی اس سکڑے سمٹے شہر کی حدود سے باہر نکل کر فری وے پر چڑھ گئی اور اس کی رفتار تیز ہوتی چلی گئی۔
جس طرح نیو آرک شہر اپنے ائرپورٹ کے بغیر بے مایہ ہے اسی طرح کی عسرت کچھ نیو جرسی کے اندرونی علاقوں سے برستی ہے۔ تھکے تھکے اور اپنے خول میں سکڑے ہوئے باشندے، ہریالی سے محروم ریتیلے اور چٹیل میدان۔ یہ اس سفر کی کل سوغات تھی۔
راستے میں کہیں کہیں نظر آنے والی چمنیوں وغیرہ کی جگمگاہٹ سے یہ اندازہ ضرور ہورہا تھا کہ نیو جرسی صنعتی اعتبار سے تہی دست نہیں ہے۔
ویرا اپنی سیٹ میں دھنسی اخبار میں کھوئی رہی۔ میں امریکا کے لہلہاتے ہوئے خوش نما سبزہ زاروں اور خوب صورت کھیتوں کے انتظار میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بس سے باہر دیکھتا رہا لیکن وہاں ویرانوں پر پڑنے والی دھوپ اور اس کی چکاچوند کے سوا کچھ نہیں تھا۔ زمین پر کہیں کوئی سبزی نظر بھی آتی تھی تو وہ بس کی تیز رفتاری کی وجہ سے بس ایک دھبے کی طرح گزر جاتی تھی۔
''یہ اکتا دینے والا سفر کتنی دیر جاری رہے گا؟'' میں نے ویرا سے پوچھا۔
''چاہو تو زندگی بھر جاری رہ سکتا ہے۔'' وہ میرے شانے پر سر ٹکا کر منمنائی۔
''سیدھی بیٹھو۔ بس میں ہمارے ساتھ دوسرے لوگ بھی سفر کررہے ہیں۔'' میں نے اسے دور دھکیلتے ہوئے تیزی سے کہا ''وہ کیا سوچیں گے۔''
''یہاں کسی کو دوسروں کے بارے میں سوچنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ بعض افراد کو تو اپنے بارے میں بھی سوچنے کا وقت نہیں ہوتا اور وہ ساری عمر یہی سوچ سوچ کر گزار دیتے ہیں کہ آخر وہ اپنے بارے میں کب سوچ سکیں گے..... ویسے یہ سفر صرف ڈیڑھ گھنٹے میں ختم ہوجائے گا۔'' میرا موڈ خراب ہوتا دیکھ کر اس نے آخر میں جلدی سے میرے سوال کا جواب دے ڈالا۔
''بس اسٹاپ سے ہماری منزل کتنی دور ہے؟'' میں نے حساب لگاتے ہوئے پوچھا۔
''کم و بیش آدھا گھنٹا۔'' اس نے اخبار سمیٹتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔
''آدھا گھنٹا؟'' میں نے حیرت سے دہرایا ''ہم چند منٹ میں نیو آرک سے نکل آئے تھے۔ کیا پرنسٹن اتنا بڑا ہے کہ آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد بھی ہم اسی شہر میں ہوں گے؟''
''یہ آدھا گھنٹا پیدل چلنے میں گزرے گا۔'' وہ

تمسخرانہ انداز میں بولی ''یہ کار سواروں کا معاسرہ ہے۔ پبلک ٹرانسپورٹ کی سہولت یہاں صرف گنے چنے شہروں میں میسر ہے ورنہ بیشتر مقامات پر ٹیکسیاں تک نایاب ہیں۔ پرنسٹن جیسے قصبے میں کرائے کی کوئی سواری نہیں مل سکے گی۔''

مجھے احساس ہوا کہ پچھلی رات ویرا کی تکان بے سبب نہیں تھی۔ مجبوری کے عالم میں آدھے گھنٹے پیدل چلنا مصیبت سے کم نہیں تھا۔

''یہاں قصبوں میں رہنے والے پردیسیوں یا سیاحوں کو موںڈنے کی کوشش نہیں کرتے؟''

''کوئی خود ہی موقع فراہم کرے تو شاید وہ لوگ اس کے تن کے کپڑے بھی اتروالیں مگر یہاں عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ ساری سیاحت گائیڈڈ ٹورز کے ذریعے ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ پرنسٹن یونی ورسٹی دیکھنے آتے ہیں لیکن وہ کسی مرکزی مقام سے آرام دہ بسوں میں آتے ہیں اور ان ہی میں لوٹ جاتے ہیں۔ پورے امریکا میں یہی نظام چلتا ہے۔ علیحدہ تفریح کے لیے اپنی کار کا ہونا ضروری ہے۔''

''پرنسٹن میں ہمارے لیے کوئی تفریح نہیں ہے۔ ہم کام کے لیے وہاں جارہے ہیں۔ کوئی ایمرجنسی ہوگئی تو ہم کتنی دیر تک بھاگ سکیں گے؟'' میں نے تشویش سے کہا۔

''کار کسی شناسا سے مستعار لی جاسکتی ہے یا پھر کرائے پر۔ دونوں صورتوں میں شناخت کا اندیشہ ہے۔ یہ مجبوری امریکا میں قدم قدم پر ہمارا پیچھا کرے گی۔''

ویرا جو کچھ بتارہی تھی اس کی روشنی میں دس بجے سے پہلے ہمارا پرنسٹن والے ٹھکانے پر پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ باہر کے چھبتے ہوئے یکساں مناظر پر لعنت بھیج کر میں نے اخبار سنبھال لیا۔

نیویارک ٹائمز امریکا کے موقر اور معتبر روزناموں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے صفحات مقامی اور غیر ملکی خبروں سے بھرے ہوئے تھے جن میں سنسنی خیزی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ہر خبر صرف خبر تھی۔ اسے کسی سنسنی خیز کہانی میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ ان ہی میں سے ایک خبر یہ بھی تھی کہ پچھلے دن ہارلم سے ملحقہ علاقے میں کسی نامعلوم حملہ آور نے رنکس کے ایک محافظ پر اس وقت تین فائر کیے جب وہ ایک کیمسٹ سے رقم کا تھیلا لے کر اپنی گاڑی میں سوار ہورہا تھا۔ محافظ گولیوں سے معجزانہ طور پر محفوظ رہا۔ حملہ آور فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

وہ مختصر سی خبر اس وقت ہارلم والوں کے لیے نفسیات کی واضح عکاسی کررہی تھی۔ ان کے اشتعال اور انتقامی جذبات نے رنکس کی دو گاڑیوں اور چھ گارڈز کی ہلاکت کے بعد ایک خاص رخ اختیار کرلیا تھا۔ بلیک ڈیڈ نے ان دونوں گاڑیوں پر بم مار کر ان لوگوں کو بتادیا تھا کہ ہنگاموں میں وہ خود اپنا ہی اجتماعی نقصان کررہے تھے۔ ان کو اپنی توجہ اصل دشمن پر مرکوز کرنی چاہیے تھی جس نے پہلا قتل کر کے ہنگاموں کی بنیاد رکھی تھی۔ بلیک ڈیڈ کے اس پیغام کے نتیجے میں ہارلم کے حالات قدرے ٹھنڈے ہوئے تھے مگر رنکس کے خلاف پہلی ناکام کارروائی نیویارک ٹائمز کے صفحات پر ریکارڈ ہوگئی تھی۔

''کل رات کالے آدمی کی اچانک آمد سے میرے اعتماد کو ایسی ٹھیس پہنچی ہے کہ میں اس وقت بھی رہ رہ کر خوف محسوس کررہی ہوں۔'' ویرا نے بلیک ڈیڈ کا نام لیے بغیر متاسفانہ لہجے میں کہا اور میری توجہ اخبار سے ہٹ گئی۔

''غنیمت یہ ہوا کہ بات بن گئی۔ واپسی پر اس کے مخاصمانہ جذبات معدوم ہوچکے تھے۔''

''یہ سب چلتا رہتا ہے۔ مجھے اس بات کا قلق ہے کہ اس کا کوئی آدمی میرا پیچھا کرتا ہوا ہوٹل کے کمرے تک پہنچا تھا اور میں بالکل بے خبر رہی۔''

''اس واقعے کو بھول کر آئندہ کے لیے محتاط ہو جاؤ۔ اس میں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''کیا پتا کہ اس وقت بھی اس کا کوئی آدمی ہمارے ساتھ سفر کررہا ہو؟''

''کرنے دو۔ پرنسٹن میں آدھے گھنٹے کی سڑک پیمائی میں وہ ہمارا سراغ کھودے گا یا پھر ہماری نظروں

میں آجائے گا۔ اس وقت ہماری توجہ اپنے اصل کام پر مرکوز رہنی چاہیے۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر وسوسوں پر انسان کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔"
"تم مسلمان ہوتیں تو میں پورے خلوص سے تمہیں لاحول پڑھنے کا مشورہ دیتا۔"
"وہ میں پہلے ہی پڑھ رہی ہوں۔ پاکستان میں رہ کر اتنی مسلمانی مجھے بھی آ گئی ہے۔"
"خاک آ گئی ہے۔" میں برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا "تمہیں یہ تک معلوم نہیں کہ تم کیا بک گئی ہو۔"
"کیا......؟ کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟"
اس نے حیرت سے پوچھا۔
"بس لاحول پڑھو اور اپنی زبان بند رکھو۔ ذرا سی تحریف سے مفہوم کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔"
وہ بلیک ڈیڈ والے قصے میں اپنی کوتاہی پر نادم تھی، اس لیے اس نے بحث کے بغیر خاموشی اختیار کر لی۔ میں ایک مرتبہ پھر اخبار چاٹنے میں مصروف ہو گیا۔
اس سفر میں دو مرتبہ بس فری وے سے اتر کر قصبوں کے مضافاتی بس اسٹاپوں پر رکی۔ چند مسافر اترے، نئے دیہی مسافر سوار ہوئے اور کافی دور جا کر بس دوبارہ فری وے پر آ گئی۔
تیسرا اسٹاپ پرنسٹن کا تھا جہاں بس ٹرمینل پر مسافروں کے لیے مختصر مگر صاف ستھری انتظار گاہ دوسری سہولتوں سمیت موجود تھی۔
پرنسٹن آنے والوں میں سے بیشتر مسافروں کے لیے بس ٹرمینل پر گاڑیاں منتظر تھی۔ شاید وہ سب ہی فون پر کسی نہ کسی سے پروگرام طے کر کے اس بے رونق اور بونگے شہر میں پہنچے تھے۔
ہم دونوں بس سے اتر کر الگ تھلگ کھڑے ہو گئے۔ کوئی سواری نہ ملنے کا پورا یقین ہونے کے باوجود میں نے متجسس نگاہوں سے قرب و جوار کا جائزہ لیا۔ بس کے کچھ مسافر کارگو ہولڈ سے اپنا سامان برآمد ہونے کے انتظار میں اپنے میزبانوں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھے ورنہ زیادہ تر سواریاں وہاں سے رخصت ہو چکی تھیں۔ ایک شخص اپنی سفید رنگ کی جاپانی کار کے ساتھ ٹیک لگائے دور کھڑا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر دھوپ کی عینک بھی ہوئی تھی مگر رخ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بس کے بچے کھچے مسافروں کا جائزہ لے رہا تھا۔
اس کا اسٹائل دیکھ کر مجھے تحریک ہوئی اور میں نے بھی سگریٹ سلگا لی جو ویرا نے فوراً ہی میرے ہونٹوں سے اچک لی۔ دوسری سگریٹ سلگا کر ہم دونوں احاطے سے باہر چل دیے۔
ہم احاطے سے چند قدم ہی دور گئے ہوں گے کہ سفید کار رینگتی ہوئی ہمارے برابر میں آ کر رک گئی اور ہم دونوں ہی چونک پڑے۔
"ٹیکسی!" ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص نے کھڑکی سے سر نکال کر نرمی سے پوچھا۔
"پرنسٹن میں ٹیکسیاں کب سے چلنے لگیں؟" ویرا نے بے اعتباری سے پوچھا۔
"یہاں آج بھی ٹیکسیاں نہیں ہیں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا "یہ میری پرائیویٹ کار ہے جسے میں کرائے پر چلاتا ہوں۔ نیویارک سے ایک مسافر کو یہاں لایا ہوں۔ وہ شام کو واپس جائے گا۔ سوچ رہا ہوں کہ اس فالتو وقت میں پرنسٹن والوں کی خدمت کر کے کچھ ڈالر کما لوں۔"
اس کی وہ پیش کش ہم دونوں کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی مگر ویرا اس سے مطمئن نہیں تھی۔ اس نے کار کے آگے جا کر اس کی نمبر پلیٹ دیکھی اور دوبارہ اس کے قریب لوٹ آئی۔
"فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔" ویرا نے میری طرف دیکھ کر اردو میں کہا "ایسے تجربات شاذ و نادر ہی پیش آتے ہیں۔ اس سے بھی استفادہ کر لیا جائے۔"
میں نے پچھلے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ ڈرائیور بول پڑا "میری ایک شرط ہے۔"
ویرا کی بھویں تن گئیں "تمہیں معلوم ہے کہ ٹیکسی ڈرائیور غیر مشروط خدمات فراہم کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔ تم ایک جرم کا ارتکاب کر رہے ہو۔"

''یہ کمرشل گاڑی نہیں، پرائیویٹ ٹیکسی ہے اور پھر میری شرط بہت معمولی ہے۔ پرنسٹن میرے لیے اجنبی شہر ہے۔ راستہ تمہیں بتانا ہوگا۔''

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی'' تم ڈرائیور ہی نہیں، مسخرے بھی ہو۔''

میں اندر بیٹھا تو ویرا میرے اوپر آگری۔ مجبوراً مجھے دوسری کھڑکی کی طرف سرکنا پڑا۔

''گڈ!'' ڈرائیور ویرا کی اس حرکت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا'' اسے ٹچ ٹیکنیک کہتے ہیں۔ اس طرح ایک دوسرے کو چھوتے رہنے سے باہمی انس و محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔''

''ہمیں بھول کر اپنی توجہ سڑک پر مرکوز رکھو۔'' اس بار ویرا نے رکھائی سے اسے ڈانٹ دیا'' آگے تیسرے موڑ سے بائیں طرف گھومنا ہے۔''

اس شخص نے پانچ چھ منٹ میں ہمیں آبادیوں سے گزار کر ایک سنسان علاقے میں پہنچا دیا۔ پیدل طے کرنے کے لیے وہ فاصلہ واقعی کافی طویل تھا۔ ٹیکسی سے اتر کر میں نے اسے دس ڈالر کا نوٹ دیا۔ میں اس سے کچھ واپس لینے کا خواہش مند نہیں تھا لیکن امریکی روایت کے مطابق اس نے چینج نہ ہونے کا عذر پیش کیا، نوٹ اپنی جیب میں ڈالا اور واپس روانہ ہو گیا۔

وہ عجیب ویران اور وحشت ناک علاقہ تھا۔ غالباً وہاں سارے ہی پلاٹ کارخانوں وغیرہ کے لیے مخصوص تھے کیونکہ پوری سڑک پر کہیں آبادی کے آثار نہیں تھے۔ سڑک پر بھی کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔ اگر اس آسیبی علاقے میں کارخانوں کے مزدور اور مالکان موجود تھے تو وہ اپنی اپنی چار دیواریوں میں محصور تھے۔ باہر سڑک کے کنارے کہیں کہیں لوہے لکڑ اور کاٹھ کباڑ کے ڈھیر ضرور نظر آ رہے تھے جن کے لیے اندر جگہ نہیں تھی۔

''برابر والے گودام میں وہ تینوں کریٹ بند ہیں۔'' ویرا نے ایک سال خوردہ آہنی دروازے کے تالے میں چابی لگاتے ہوئے کہا'' درمیان میں ایک پتلی سی دیوار ہے۔ سامنے جہاں ویلڈنگ کی روشنی ہو رہی ہے، وہ لوہار کا کارخانہ ہے۔ تمہیں مقفل کر کے میں وہیں بیٹھی رہوں گی۔''

تالا کھول کر ہم دونوں اس سیلن زدہ دکان میں داخل ہو گئے۔ دروازہ بولٹ کر کے ویرا نے ایک بلب روشن کر دیا۔ وہ پندرہ فٹ چوڑا اور اس سے قدرے زیادہ گہرا ایک کمرا تھا جس میں کچھ بوسیدہ فرنیچر کے ساتھ زنگ آلود اوزار فرش پر بکھرے ہوئے تھے۔ اوپر سیمنٹ کی چادریں تھی۔ اندرونی حصے میں ان چادروں میں دو بڑے سوراخ تھے جن پر سیاہ رنگ کی کوئی چیز رکھ کر عارضی طور پر بند کر دیا گیا تھا مگر چادروں کی نالیوں میں بہنے والے برساتی پانی کو اندر گرنے سے روکنے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔

''برابر والی دکان کی بھی یہی حالت ہوگی؟'' میں نے ویرا سے پوچھا۔

''باہر سے تو یہی اندازہ ہو رہا ہے۔ بس ذرا صفائی ستھرائی کا فرق ہو سکتا ہے۔ ان سوراخوں کی مرمت مالک دکان اگلے ہفتے کرا دے گا۔''

''اور مجھے اس عذاب خانے میں کئی گھنٹوں تک محبوس رہنا ہے۔'' میں نے کہا۔

''گھبرا رہے ہو تو میں یہاں رہ لوں گی پھر باہر کی صورت حال تم کو سنبھالنی ہوگی۔''

''غنیمت یہ ہے کہ یہاں چوہے وغیرہ نہیں ہیں۔ میرے لیے فرش کا کوئی آخری کونا صاف کر دو تاکہ میں آرام سے بیٹھ سکوں۔'' میں نے ویرا سے فرمائش کی۔

ویرا میرے لیے جگہ بنانے لگی اور میں نے اس دکان میں پڑے ہوئے سامان کا جائزہ لینا شروع کر دیا تاکہ تنہائی میں اس کا کوئی مصرف تلاش کر سکوں۔

فرش پر ہارڈ بورڈ کا ایک ٹکڑا ڈال کر ویرا نے دکان کا دروازہ باہر سے مقفل کر دیا۔ باہر دن کی ایسی تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی کہ اندر جلتے ہوئے بلب کی روشنی کا باہر سے دیکھا جانا ممکن نہیں تھا۔ میں دیوار سے ٹیک لگا کر ہارڈ بورڈ پر بیٹھ گیا۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ تنہائی میسر آتے ہی میرے ذہن میں اذیت ناک خیال سر ابھارنے لگا کہ ان لوگوں نے اپنی تخریب کاری کے لیے رات کے وقت

کا انتخاب کیا تو میرے لیے وہ قید تنہائی بہت طویل ہو جائے گی۔ ان کے انتظار پر لعنت بھیج کر میں وہاں سے نکل گیا تو ساری بھاگ دوڑ بے سود ثابت ہو گی۔

میری اضطرابی کیفیت دھیرے دھیرے اتنی شدید ہو گئی کہ میں بریف کیس سے بیئر کا پہلا کین نکالنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے پہلے گھونٹ سے ہی مجھے سرور آ گیا۔

وہ کین خالی ہونے سے پہلے میں اپنی بیکاری کا تسلسل توڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

میں نے ایک چوبی ریک کو سیمنٹ کی ٹوٹی ہوئی چادر کے نیچے دھکیلا اور پھر احتیاط سے اس کے اوپر چڑھ کر سوراخ پر رکھی ہوئی پلائی ووڈ پر زور ڈالا تو اندازہ ہوا کہ اس کے اوپر کوئی وزن رکھا ہوا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھوں کی مدد سے پلائی ووڈ کو وزن سمیت ایک طرف سرکانا شروع کر دیا۔

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ بدری ناتھ نے مجھے اطلاع دی تھی کہ پاکستان بھیجے جانے والے کچھ پرزوں میں سی آئی اے گڑبڑ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ بعد میں پتا چلا کہ اوہایو سے انٹرویل رینڈ نامی کمپنی رنکس کے ذریعے وہ پرزے کینوپ کے لیے بھیج رہی تھی۔

رنکس کے کمپیوٹر شیڈول کی مدد سے جینی نے پرنسٹن کے اس مشتبہ گودام کی نشاندہی کی جس کے پڑوس میں، میں موجود تھا۔ اہم پرزوں کی اس کھیپ کی نقل و حمل میں اس گودام کی شمولیت اس شبہے کو تقویت دے رہی تھی کہ تخریب کاری کا کام وہیں سر انجام دیا جاتا تھا۔

تخریب کاری میں اوہایو کی کمپنی ملوث ہوتی تو وہ یہ کام اپنے گودام میں کر سکتی تھی۔ رنکس کی گاڑی کا عملہ بھی اس واردات سے الگ تھلگ نظر آ رہا تھا۔ عملاً اوہایو کی کمپنی وہ مال اپنی فارورڈنگ کمپنی یعنی رنکس کو دے چکی تھی۔ وہ کھیپ اس کی تحویل میں تھی اور تخریب کاری کے منصوبے کی خبر بدری ناتھ نے سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹرز سے حاصل کی تھی۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ اس بار نئے آدمیوں کو پرزوں والے گودام میں آنا تھا۔ اگر وہاں کچھ تبدیلیاں کر دی جاتیں تو انہیں ان کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔

چھت کے سوراخ کو پوری طرف صاف کر کے میں نیچے اتر آیا۔ لوہے کی ایک نکیلی سلاخ اپنی پتلون کی بیلٹ میں اڑس کر میں دوبارہ اوپر چڑھا اور چوبی شہتیر پر اپنا وزن سہار کر کسی نہ کسی طرح کمرے سے نکل کر چھت پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

میری ان کوششوں میں چھت کا سوراخ بڑھ چکا تھا۔ میں نے چادر کے جس سرے پر ہاتھ ڈالا، وہ زور پڑتے ہی بھربھرے گتے کی طرح ٹوٹ گیا۔ برسوں کی موسمی سختیاں سہہ کر سیمنٹ کی وہ چادریں اپنی مضبوطی سے محروم ہو چکی تھیں۔

دکان کی چھت پر پہنچتے ہی میں سینے کے بل لیٹ گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ دن کے اجالے میں باہر سے کوئی مجھے نہ دیکھ لے۔ میں نے وہیں پڑے پڑے ہر طرف نگاہیں دوڑائیں اور یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ وہاں دور دور تک کوئی اونچی عمارت نہیں تھی۔ کسی بھی دکان یا کارخانے کی بلندی دس پندرہ فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ سب اس علاقے میں زمین کی افراط کے کمالات تھے ورنہ مین ہٹن میں زمین کی قلت اور داموں کی ہوش ربائی کی کوکھ سے فلک بوس عمارتوں نے جنم لیا تھا۔

برابر والی دکان کی چھت بھی سیمنٹ کی چادروں پر مشتمل تھی۔ وہ چادریں بھی سال خوردہ ہی تھیں لیکن صحیح سلامت تھیں۔ میں نے سینے کی بل رینگ کر خود کو وسطی سرے پر پہنچایا اور آہنی پٹی کا نکیلا سرا ایک چادر کے نیچے پھنسا کر ذرا سا زور لگایا تو تڑاق کی ہلکی سی آواز کے ساتھ برابر والی دکان کی چھت میں بھی ایک مثلث نما سوراخ پیدا ہو گیا۔

میں چند ثانیوں تک چھت پر دبکا کسی ردعمل کا منتظر رہا لیکن کہیں کچھ نہیں ہوا۔

میں اس سوراخ کو بڑا کرنے اور پھر اندر جھانکنے کی تیاری کر رہا تھا کہ کنڈے اور تالے کی کھڑکھڑاہٹ، نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے شبہ ہوا کہ برابر والی دکان پر

تخریب کار آ پہنچے ہیں پھر میں نے خود ہی اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ باہر کسی گاڑی کے انجن کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ رکتے ہوئے انجن کی آواز میری چھٹی حس نظر انداز ہی نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی اور پھر اپنی دکان کی چھت پر سرکنا شروع کر دیا۔

''ہائیں...... یہ کیا ہوا......؟ علی شیر! تم کہاں ہو؟''

نیچے سے ویرا کی دبی دبی، تحیر زدہ اور بوکھلائی ہوئی آوازیں سنائی دیں۔ وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق دو گھنٹے بعد میری خیر خبر لینے کے لیے کسی بہانے سے اندر آئی تھی اور دکان خالی پا کر بوکھلا گئی تھی۔

میں نے چھت کے سوراخ میں سے نیچے جھانکا تو وہ بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ بلب کی روشنی میں اس کی توجہ چھت کے شگاف کی طرف مبذول نہیں ہوئی تھی۔

''میں عالم بالا میں ہوں۔ تم دروازہ بند کر کے لوٹ جاؤ۔'' میں نے سوراخ میں منہ لٹکا کر نیچی آواز میں سرگوشی کی۔ ویرا نے ہڑبڑا کر اوپر دیکھا اور دیکھتی رہ گئی۔

''تم وہاں کیا کر رہے ہو؟ نیچے آؤ، کسی نے دیکھ لیا تو پکڑے جاؤ گے۔''

''فکر مت کرو۔ میری طرف دیکھنے والے اندھے ہو جائیں گے۔ ان کو کوڑھ نکل آئے گا۔ میرا بول بالا اور دشمن کا منہ کالا ہوگا۔ تم اپنے لوہاری دوست کے پاس ہی مقیم رہو۔''

''جلدی نیچے اتر آؤ۔ یہ کام رات کو بھی ہو سکتا ہے۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''لوہار کے پاس دل نہیں لگ رہا تو تم بھی اوپر آجاؤ۔ یہاں کی کراری دھوپ بہت مزے دار ہے۔''

میری بات پوری ہوتے ہی میرے شانے کے قریب چادر کا ایک ٹکڑا ٹوٹا۔ اگر میں نے پیچھے سرک کر فوراً ہی خود کو نہ سنبھالا ہوتا تو میں سر کے بل دکان میں جا گرا ہوتا۔

مجھے توقع تھی کہ ویرا میری نقل و حرکت سے باخبر ہونے کے بعد لوٹ جائے گی۔ میں نے اپنی توجہ دوبارہ پڑوس کی چھت پر مرکوز کر دی۔

چادر کے کناروں کے مقابلے میں وسطی حصہ زیادہ کمزور ثابت ہوا۔ چند ٹکڑے توڑنے کے بعد میں نے اندر جھانکا تو تین لمبی لمبی چوبی پیٹیاں پچھلی دیوار کے پاس فرش پر رکھی ہوئی تھیں۔ آہنی پتیوں کے ساتھ ان پیٹیوں کی پیکنگ مکمل تھی۔

میں نے تیزی کے ساتھ چادر کے ٹکڑے توڑ کر چھت پر جمع کرنے شروع کر دیے۔ جب وہ سوراخ اتنا بڑا ہو گیا کہ اس میں آدمی آسانی سے گزر سکے تو میں نے وہ کارروائی موقوف کر دی۔

تھوڑی دیر بعد میں دوبارہ ہارڈ بورڈ پر بیٹھا پنیر اور بیئر سے شغل کر رہا تھا۔

ویرا کی دوسری بار آمد سے مجھے اندازہ ہوا کہ مجھے اس کمرے میں بند ہوئے چار گھنٹے گزر چکے تھے۔ ویرا کی تیسری بار آمد سے پہلے ہی باہر ایک گاڑی رکنے کی آواز آئی اور میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں عقبی شیشے سے دوڑ کر دروازے کے قریب پہنچ گیا۔

گاڑی کے انجن کو ایک ہلکی سی ریس دے کر بند کر دیا گیا۔ دروازہ کھلا اور بند ہوا۔ اس کے چند ثانیوں بعد ہی برابر کے دروازے پر کھٹ پٹ کی آوازیں آنے لگیں۔

میں نے لپک کر بریف کیس میں سے ریوالور نکال کر اپنی جیب میں منتقل کیا اور سنبھل کر ریک پر ہوتا ہوا چھت پر پہنچ گیا۔ پہلے کی طرح رینگ رینگ کر میں برابر والی چھت کے شگاف کے نزدیک پہنچا تو میرے دل کی دھڑکنیں یک لخت تیز ہو گئیں۔

مقابلہ برابر کا تھا۔ اس دکان نما گودام میں ایک قوی الجثہ مگر اوسط قامت والا میری طرف پشت کیے ان تینوں چوبی پیٹیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے پیروں کے پاس سیاہ رنگ کا ایک بڑا سا بریف کیس فرش پر رکھا ہوا تھا۔

اس شخص کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ عجلت میں نہیں تھا۔ اسے یوں ہی چھوڑ کر میں چھت پر رینگتا ہوا سڑک کی سمت میں آگے بڑھنے لگا۔ ویرا کی حاصل کی

ہوئی خستہ اور شکستہ دکان میں ایک بڑی خرابی یہ تھی کہ اس کے دروازوں میں ایسی کوئی جھری نہیں تھی جس میں سے باہر کھڑی ہوئی گاڑی کا جائزہ لیا جا سکے۔

اندر والے کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے یہ جاننا ضروری تھا کہ اس کا کوئی ساتھی باہر موجود نہیں تھا۔ اگر ان کی تعداد زیادہ تھی تو پھر وہ مرحلہ دشوار ثابت ہو سکتا تھا۔

باہر سڑک کے کنارے ایک سیاہ کیڈی موجود تھی۔ میں کوشش کے باوجود اس گاڑی کے آس پاس کسی کی موجودگی کا سراغ نہیں لگا سکا۔ ویسے بھی یہ فطری تقاضا تھا کہ آنے والے جتنے بھی ہوتے، پہلے اندر آ کر اپنے کام کا جائزہ لیتے اور پھر اپنی اپنی جگہیں سنبھال لیتے۔ صورت حال یہ بتا رہی تھی کہ وہ اکیلا ہی وہاں آیا تھا۔

میں دوبارہ شگاف کے سرے پر پہنچ گیا۔ اس نے ان تینوں میں سے ایک چوبی پیٹی منتخب کر لی تھی۔ اس نے شاید اس پر موجود تحریر یا نمبروں سے اسے پہچانا ہوگا۔ ویسے بھی وہ تینوں پیٹیاں اپنی ساخت کے اعتبار سے مختلف تھیں۔

اس وقت تک میں متوقع تخریب کاری کے بارے میں کچھ سوچتا رہا تھا۔ وہ پرزوں کو بگاڑنے سے تباہ کرنے تک کی کوئی بھی کارروائی ہو سکتی تھی۔ بس ایک بات یقینی تھی کہ جب تک وہ پراسرار آدمی وہاں موجود تھا، گودام میں کوئی تباہی نہیں آ سکتی تھی۔

اس نے اپنا بریف کیس کھول کر اس میں سے کوئی اوزار نکالا اور منتخب پیٹی پر لگی ہوئی آہنی پتیاں کاٹ کر الگ کر دیں پھر وہ پھرتی کے ساتھ اوپر کا تختہ نکالنے میں مصروف ہو گیا۔ میرے لیے وہ بہت اذیت ناک اور صبر آزما لمحات تھے۔ مجھے وہ پورا تماشا اپنی نظروں سے دیکھنا تھا۔ اگر میں قبل از وقت مداخلت کرتا تو کام بگڑ سکتا تھا۔ شاید مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ وہ کس قسم کی گڑبڑ کرنے کے لیے آیا تھا۔

تختہ اکھڑتے ہی پلاسٹک میں لپٹا ہوا ایک بڑا سا آہنی خول سامنے آ گیا۔ جب اس نے پلاسٹک سمیٹا تو میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ کسی بڑے پمپ کا نچلا خول تھا۔ میرے اس اندازے کا بنیادی سبب یہ تھا کہ مجھے کینوپ میں ہونے والی خرابیوں کا علم تھا اور جینی کے ذریعے ان پرزوں کی منزل کا بھی علم ہو چکا تھا۔

یہ بات میرے حق میں تھی کہ کام کرتے ہوئے اس شخص کی پشت میری طرف تھی۔ اگر وہ مڑنے کا ارادہ کرتا تو مجھے اتنا وقت مل سکتا تھا کہ میں وہاں سے ہٹ جاؤں۔

اس پرزے کو پیٹی میں ہی کھول کر اس نے ہتھوڑی کی مدد سے کسی اوزار کو کئی مرتبہ خول پر ٹھونکا پھر ایک تار کو دیوار گیر سوئچ بورڈ تک لے جانے کے لیے پلٹا تو میں شگاف سے دور ہو گیا۔

اس کی وہ کارروائی کافی طویل ثابت ہوئی۔ ڈرل مشین سے ایک لمبا سوراخ کر کے اس نے اپنے بریف کیس سے بارودی اسٹک جیسی کوئی سلاخ نکال کر احتیاط سے سوراخ میں اتار دی اور پھر سوراخ کا دہانہ کسی چیز سے بھر دیا۔

میرا خیال تھا کہ اس کا کام ختم ہو چکا ہوگا مگر ایسا نہیں تھا۔ اس کام سے نمٹ کر وہ بریف کیس لے کر پیٹی کے دوسرے سرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس بار اس کا رخ میری طرف ہوتا۔ میں نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس بار میں ہتھوڑی کی ضربات یا ڈرل مشین چلنے کی آوازوں کا انتظار ہی کرتا رہا مگر کچھ نہیں ہوا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سو گیا ہو۔ ایک طویل وقفے کے بعد لکڑی میں کیلیں ٹھونکنے کی آواز سن کر میں اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا۔ بہت احتیاط سے نیچے جھانکا تو وہ اپنا کام ختم کر کے پیٹی پر تختہ جڑ رہا تھا۔

اس وقت بھی اس کی پشت میری طرف تھی، میں نے سب کچھ بھول بھال کر ریوالور ہاتھ میں لیا اور سوراخ میں سے اپنے پیر اندر لٹکا کر فوراً ہی فرش پر کود گیا۔ اندر گرتے ہوئے میری کہنیاں چادر کے ناہموار حصوں سے ٹکرائیں، کئی حصے پرشور آوازوں سے ٹوٹ کر اندر گرے۔ وہ ہوشیار ہو کر بجلی کی سی سرعت سے گھوما

تھا لیکن اس سے پہلے میں اس ... پر کھڑا ہو چکا تھا۔

وہ کتنا بھی کند ذہن رہا ہو، اس کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ میری مداخلت دوستانہ نہیں تھی۔ میرے ریوالور کی نال بلند ہونے سے پہلے ہی اس نے اضطراری طور پر ہتھوڑی میرے اوپر کھینچ ماری۔ میں اس کے کسی بھی ردعمل کے لیے تیار تھا، جھکائی دے کر خود کو بچا گیا اور ہتھوڑی دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گر گئی۔

''اب تم بالکل خالی ہاتھ ہو۔'' میں نے ریوالور کی نال اس کے سینے پر تان کر سرد لہجے میں کہا ''دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو ورنہ میں تمہارے دل میں سوراخ کردوں گا۔''

اس نے تردد آمیز انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھالیے پھر سراسیمہ آواز میں بولا ''تم کون ہو اور چھت توڑ کر یہاں کیوں آئے ہو؟''

''واہ بیٹا۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ یہ دکان میری ہے۔ تم اس کا تالا توڑ کر کیا کر رہے تھے؟ تم نے جواب نہ دیا تو میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گا۔''

پولیس کا نام سن کر اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی ''یہ کام تم فوراً ہی کر ڈالو، میں پولیس والوں کو شناخت کرادوں گا۔'' اس کی آواز قدرے بلند تھی۔

''اپنا اطمینان کیے بغیر میں تمہیں کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔'' میں اس پر آنکھیں نکال کر غرایا ''اپنی آواز دھیمی رکھو ورنہ میں تمہارے جوابات کا انتظار نہیں کروں گا۔ میں دیکھ چکا ہوں کہ تم نے ان پرزوں سے کیا سلوک کیا ہے۔ تمہاری شناخت تمہاری لاش کی جامہ تلاشی سے بھی ہوسکتی ہے۔''

وہ پہلی مرتبہ خوف زدہ نظر آیا اور ہکلاتے ہوئے بولا ''مم...... میں یہاں غیر قانونی طور پر داخل نہیں ہوا۔ مجھے اس گودام کی چابی دے کر ایک کام سونپا گیا تھا۔ تم ایک سرکاری کام میں مداخلت کرکے سنگین جرم کے مرتکب ہو رہے ہو۔''

''سرکاری کام یوں چوروں کی طرح نہیں کیے جاتے۔ تمہارا تعلق کون سی سرکار سے ہے؟''

... پیدا نہ کرو۔ مجھ پر شبہ ہے تو مجھے پولیس کے حوالے کردو، میں اسے ہر بات بتا دوں گا۔''

میں نے اس کی طرف بڑھنا شروع کردیا۔ وہ غیر ارادی طور پر آہستہ آہستہ پیچھے کھسکنے لگا اور آخر کار دیوار سے جا لگا۔ میں اس کے سر پر سوار ہوگیا اور ریوالور کی نال خاصی قوت سے اس کے دہانے پر دے ماری۔ اس کے حلق سے ایک بے ساختہ سسکاری نکلی اور اس کے ادھڑے ہوئے ہونٹوں سے خون کی لکیریں بہہ نکلیں۔

اس نے داہنا ہاتھ گرا کر اپنا زخم چھوا اور انگلیوں پر تازہ خون دیکھ کر بوکھلا گیا ''تم میرے ساتھ تشدد نہیں کرسکتے۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میں انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کا سینئر ٹیکنیشن ہوں اور ایک سرکاری کام کی تکمیل کے لیے یہاں آیا تھا۔''

''دیوار سے ناک لگا کر کھڑے ہو جاؤ۔'' میں نے گریبان کو جھٹکا دے کر اسے گھما دیا۔

گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ اس پر خوف کی گرفت مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے کوئی احتجاج کیے بغیر اپنا منہ دیوار کی طرف کرلیا۔ میں نے بائیں ہاتھ سے اس کا پورا لباس ٹٹول ڈالا۔ وہ بالکل غیر مسلح تھا۔

''تم نے اس پرزے میں کیا چیزیں چھپائی ہیں؟'' میں نے اس کی کنپٹی پر ریوالور کی آہنی نال رکھ کر سوال کیا ''مجھے چکر دینے کی کوشش نہ کرنا۔''

''وہ ایک سگنل سرکٹ ہے جو سیٹلائٹ کے لیے سگنل دینے کے ساتھ ساتھ وصول بھی کرتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ہونٹ زخمی ہونے کی وجہ سے اس کی آواز بگڑ چکی تھی۔

''تم نے پیٹی میں صرف وہی ڈالا ہے؟'' میں نے بے رحمی سے پوچھا۔

''ہاں!'' لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے اقرار کیا ''اب میں پیٹی بند کر رہا تھا۔''

وہ کسی سرکٹ کی بات کر رہا تھا۔ مجھے گمان ہوا کہ اس نے بعد میں لگائے جانے والے سرکٹ کی بات کی

ہے۔اس کا رخ بدل جانے کی وجہ سے میں وہ کارروائی نہیں دیکھ سکا تھا۔ میں نے ریوالور کی نال سے اس کی کنپٹی پر ہلکی سی ضرب لگا کر پوچھا ''ڈرل مشین سے کئے ہوئے سوراخ میں کیا ہے؟''

اس نے پلٹ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور رو دینے والی آواز میں بولا ''مجھ پر رحم کرو...... اور اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہاں سب پاکستان سے عاجز آئے ہوئے ہیں۔ وہ لیزر گائیڈنگ ڈیوائس ہے جو جدید بموں کو اپنی طرف پہنچنے میں مدد دیتی ہے۔''

''یہ پرزہ جہاں بھی نصب ہوتا ہے وہاں کسی بھی لمحے گائیڈڈ بموں کا حملہ ہوسکتا ہے؟'' میں نے اس کمزور دل آدمی کی حالت دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔

''ہاں...... انتہائی بلندی سے فائر کئے ہوئے بم پانچ ہزار گز دور سے بھی سیدھے نشانے کی طرف آتے ہیں۔ یہ آئندہ کے لیے کوئی احتیاطی تدبیر تھی۔ میں پوری تفصیل سے بے خبر ہوں۔''

''وہ دونوں چیزیں الگ کر کے میرے حوالے کرو اور پٹی دوبارہ بند کردو تو میں تمہارے لیے کچھ سوچ سکتا ہوں ورنہ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

وہ گڑگڑا کر میرے قدموں میں گر پڑا'' جو تم چاہو گے، وہی ہوگا مگر میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ میری عمر صرف تیس برس ہے۔ مجھے دنیا میں بہت کچھ دیکھنے کی آرزو ہے۔''

''خاموشی سے کام شروع کردو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر ترشی سے کہا۔

وہ ایک مرتبہ پھر پٹی پر سے تختہ اکھاڑنے میں مصروف ہوگیا۔

''دروازہ کھولو، میں اندر آرہی ہوں۔'' ویرا کی سرگوشیانہ آواز سن کر میں بے اختیار دروازے کی طرف گھوما پھر میری نظریں اوپر اٹھیں تو ویرا چھت کے شگاف میں سے جھانک رہی تھی۔ اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے مجھے آنکھ ماری اور غائب ہوگئی۔ وہ شخص اتنا خوف زدہ تھا کہ ویرا کی آواز سننے کے باوجود اس نے پیچھے مڑنے کی جرات نہیں کی تھی۔ سر جھکائے اپنے کام میں لگا رہا تھا۔

پتا نہیں ویرا کب مضطرب ہو کر اپنی دکان سے چھت پر پہنچی تھی اور اس نے کیا کچھ سنا تھا۔ اس کی وہ اضطراری حرکات اکثر میرے لیے مددگار ثابت ہوتی تھیں۔ اس شخص کو زیر کرنے کے بعد میں مسلسل اس ادھیڑ بن میں مبتلا تھا کہ میں ویرا کو کس طرح بلاسکوں گا۔ اس نے بظاہر ہتھیار ڈال دیے تھے لیکن میری گرفت کمزور پڑتے ہی وہ فرار کی کوئی سر توڑ کوشش کرسکتا تھا۔ ویرا نے اچانک شگاف پر نمودار ہو کر میری وہ مشکل آسان کردی تھی۔

چند منٹ کے بعد دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ بولٹ گراتے ہی ویرا اندر آگئی۔ میرا بریف کیس اس کے ہاتھ میں جھول رہا تھا۔

''مجھے امید نہیں تھی کہ تم اسے کسی پالتو کتے کی طرح گھیر لوگے۔'' ویرا نے مسرت آمیز آواز میں کہا'' تم نے اس کے بارے میں کیا سوچا۔''

''اسے اپنا کام پورا کرنے دو پھر سوچیں گے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

کمرے میں تیسرے متنفس کی موجودگی کا یقین ہونے پر اس شخص نے سر گھمایا تو ویرا مسکرادی'' ہیلو چارلی! تمہارا نام کیا ہے؟''

''ولسن! میں ایک شریف اور معزز سائنس گریجویٹ ہوں۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا۔ آج پہلی بار ایک مشکوک کام مجھے سونپا گیا اور میں پھنس گیا۔ سچ ہے کہ بری گھڑی کبھی بتا کر نہیں آتی۔'' ویرا کی مسکراہٹ سے اسے بولنے کا حوصلہ مل گیا۔ اچھی بات یہ تھی کہ بولتے ہوئے بھی وہ اپنے کام میں مصروف رہا تھا۔

''یہ لیزر گائیڈنگ ڈیوائس تو ہم لوگوں کی ہی کوئی دریافت ہوگی؟''

''بالکل، یہ پانی کے نیچے ہی کام کرتی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ میں اسے آن کر چکا ہوں۔ بٹن دب جانے کے

بعد آف کرنا ناممکن ہے۔ پینٹا گون والوں نے یہ دشمن آب دوزوں کے لیے تیار کرائی ہے۔ اس کا ہدف کبھی تباہی سے نہیں بچتا۔''

اس کی وہ بات سنتے ہی میں نے فیصلہ کرلیا کہ واپسی پر وہ آلہ دریائے ہڈسن کی تہ میں پھینکنا مناسب رہے گا۔ امریکی دریافت کا امریکا میں تجربہ خاصا دلچسپ ہوسکتا تھا۔ ہڈسن سے پانچ ہزار گز کے دائرے میں چلایا ہوا کوئی بھی خاص تجرباتی بم اس آلے کا رخ کرسکتا تھا۔

''تم نے کبھی اسے آزمایا ہے؟'' ویرا نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں میڈم! ہم تکنیکی لوگوں کو نئی ایجادات سے با خبر رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسی بنا پر مجھے اس کے کچھ خواص یاد ہیں۔ خفیہ چیزیں ہماری دسترس سے باہر ہوتی ہے۔''

''اسے کام میں دیر لگے گی۔'' میں نے ویرا سے اردو میں کہا۔ ''تمہیں ایک مرتبہ پھر اپنی دکان سے چھت پر جانا ہوگا۔ پلائی ووڈ کا ٹکڑا اس گودام کی چھت کے شگاف پر رکھ دو۔ پیٹیاں اٹھانے کے لیے پرانا عملہ آیا تو اسے تبدیلی کا احساس نہیں ہوسکے گا۔''

''کس شگاف کی بات کررہے ہو؟'' ویرا نے تمسخر سے پوچھا۔

میں نے اوپر دیکھا تو کہیں بھی آسمان نظر نہ آسکا۔ ویرا نے اترنے سے پہلے وہ کام سرانجام دے ڈالا تھا اور ہم اسی گودام سے کسی بھی لمحے واپس روانہ ہوسکتے تھے۔

ولسن نے ہر کام اسی طرح کیا جیسے اسے کرنا چاہیے تھا۔ نئی پتیاں اور پتیاں کسنے کی مشین اس کے بریف کیس میں موجود تھی۔ پٹی کو اصل حالت میں بحال کرکے اس نے کٹی ہوئی پتیاں اور سوراخ سے نکلے ہوئے آہنی ٹکڑے بھی ایک تھیلی میں سمیٹ کر اپنے بریف کیس میں رکھ لیے۔ اس کے رضا مند ہوجانے کے بعد اسے کوئی نئی ہدایت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

''اب تم نیو یارک واپس جاؤ گے؟'' اس سے دونوں تباہ کن پرزے لینے کے بعد ویرا نے پوچھا۔

''نہیں۔ میں واشنگٹن سے آیا تھا، دروہیں جاؤں گا۔'' اس نے اپنے زخمی ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

''ہم راستے میں ہی کہیں اتر جائیں گے۔ میں ڈرائیونگ کرلوں گی۔ تم کو آرام کرنے کا موقع مل جائے گا۔'' ویرا نے پورے خلوص سے کہا اور وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

''یہ ہمارے گلے کی ہڈی بن جائے گا۔'' میں نے پرتشویش آواز میں کہا ''اسے زندہ چھوڑنا ناممکن ہے۔ مارا تو لاش گلے کا ہار بن جائے گی۔''

''یہ پردیس ہے۔ یہاں یہ مشکلات تو ضرور پیش آئیں گی۔ اس کے ساتھ وہی سلوک بہتر رہے گا جو لندن میں راما کاروزینی کے ساتھ کیا گیا تھا۔''

''وہاں قدم قدم پر پبلک ٹرانسپورٹ کی سہولتیں بکھری ہوئی ہیں۔ اسے کسی ویرانے میں چھوڑ کر ہم کہاں جائیں گے۔ یہاں تو ٹیکسیوں تک کا کال ہے۔''

''اسے مار کر ڈکی میں ڈالو۔ اس کا بریف کیس راستے کی کسی ندی میں بہا دو اور اٹلانٹک سٹی کی طرف نکل چلو۔ گاڑی وہاں چھوڑ کر ہم نیو یارک لوٹ جائیں گے۔''

''اگر بدقسمتی آڑے نہ آئی تو ہماری ساری رات سفر میں گزر جائے گی۔''

''اٹلانٹک سٹی پہنچنے کے بعد ہم جہاز سے نیو یارک پہنچ سکتے ہیں۔ اس طرح کافی وقت بچ جائے گا اور ہم رات کو آرام سے اپنے ہوٹل میں سوسکیں گے۔''

''جہاز میں سفر کرنے سے پہلے ہمیں اپنے ہتھیار ضائع کرنے ہوں گے۔ موجودہ بے سروسامانی میں اتنا بڑا نقصان برداشت نہیں کیا جاسکتا۔'' میں نے اس کی وہ تجویز مسترد کردی۔

ہم پرنسٹن میں بیٹھ کر وقت برباد نہیں کرسکتے تھے۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ہماری اور ولسن کی راہیں بالکل متضاد تھیں۔ واشنگٹن جنوب مغرب میں تھا اور

نیو یارک کے لیے ہمیں شمال مشرق کی طرف جانا تھا۔ راستے میں ٹرینٹن نامی شہر تک دس گیارہ میل کی مسافت مشترک ہوسکتی تھی۔ وہاں سے فری وے شروع ہوجاتی تھی۔

پرنسٹن سے نکلتے ہوئے ویرا ڈرائیو کر رہی تھی۔ میں ولسن کے ساتھ عقبی نشست پر تھا۔ آبادی سے دور نکلتے ہی میں نے اچانک ریوالور نکال کر ولسن کی بائیں کنپٹی پر رکھا اور فائر کر دیا۔ اس کی کنپٹی کی جلد پر ایک سیاہی مائل سرخ دائرہ نمودار ہوگیا۔ گولی بھیجے میں ہی رہ گئی۔ وہ سلوموشن کے انداز میں اپنی سیٹ پر ایک طرف ڈھلکتا چلا گیا۔

ویرا نے گاڑی سڑک سے کچے میں اتار دی۔ اس وقت تک ہم فری وے سے بہت دور مضافاتی راستوں پر تھے۔ ویرا ناہموار کچے راستے پر ڈرائیو کرتی رہی۔ میری نظریں قرب و جوار میں کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھیں۔

آبادی سے دور ہمارا وہ سفر تقریباً بیس منٹ جاری رہا۔ آخر کار اونچے کھیتوں کے قریب ایک ویران کنوئیں کی منڈیر دیکھ کر میں نے ویرا کو گاڑی وہیں روکنے کے لیے کہا۔

گاڑی کنوئیں کے قریب پہنچتے ہی ویرا خوشی سے اچھل پڑی۔ ''نیت ٹھیک ہو تو اسباب غیب سے پیدا ہوجاتے ہیں۔''

وہ کنواں ویران ہی نہیں متروک تھا۔ اس کی منڈیر پر تختے جڑ کر دہانہ بند کر دیا گیا تھا۔ وہ تختے بہت پرانے معلوم ہو رہے تھے۔ شاید ان اطراف سے آبادی کی منتقلی کے بعد کنوئیں کو بھولے بھٹکے بچوں کے لیے خطرہ سمجھ کر بند کیا گیا تھا۔

میں نے ایک تختہ ہٹانا چاہا تو وہ کسی رکاوٹ کے بغیر الگ ہوگیا۔ دوسرے تختے بھی اندر کنارہ بنا کر کنوئیں کے دہانے میں پھنسائے گئے تھے۔ ہماری ضروریات کے لیے صرف دو تختے کافی تھے۔ پہلے ویرا نے ولسن کا بریف کیس کنوئیں میں پھینکا۔ چند ثانیوں بعد کنوئیں کی تہ سے چھپاکے کی گونج ابھری اور وہ سراغ ہمیشہ کے لیے تہ نشین ہوگیا۔

اس دوران میں ہم دونوں ہی متجسسانہ نظروں سے قرب و جوار کا جائزہ لیتے رہے لیکن دور دور تک کوئی ذی روح نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید ہم آبادی اور کھیتوں کے عقبی رخ پر موجود تھے جہاں کسی کے آنے کا امکان نہیں تھا۔

میں نے جوں ہی ولسن کی بے جان لاش کو گاڑی سے نکال کر اپنے کندھے پر لادا، کھیتوں کی طرف سے کئی غراہٹیں سنائی دیں اور میں تیزی سے پلٹ پڑا۔

ولسن کے تازہ بہے ہوئے خون کی بو پا کر کھیتوں میں چھپے ہوئے کئی تدیدے بھیڑیے کنارے پر نکل آئے تھے اور حریصانہ نظروں سے ہماری طرف دیکھ کر غرا رہے تھے۔ وہ تعداد میں چار نظر آرہے تھے۔ یہ تعین کرنا مشکل تھا کہ ان کے پیچھے کتنا غول تھا۔

ویرا نے ایک پتھر اٹھا کر ان پر دے مارا اور حفظ ما تقدم کے طور پر اپنا ریوالور بھی نکال لیا۔ بھیڑیے دم دبا کر چند قدم پیچھے ہٹے لیکن پھر اس دوسری دفاعی لائن پر جم گئے۔ میں نے لپک کر ولسن کے بے جان وجود کو اپنے شانے سے کنوئیں کے دہانے میں لڑھکا دیا۔

پانی میں اس کی لاش گرنے کے شور نے بھیڑیوں کو خوف زدہ کر دیا۔ وہ ہاؤ ہو کی آوازیں نکالتے ہوئے دوبارہ کھیتوں میں غائب ہوگئے۔

''خس کم جہاں پاک۔'' ویرا کنوئیں کے منہ پر ایک تختہ جماتے ہوئے بولی ''لیزر گائیڈنگ ڈیوائس بھی اسی کنوئیں میں پھینک دو۔ اسے کہاں لیے پھرو گے؟''

ویرا کا وہ مشورہ صائب تھا۔ دریائے ہڈسن کی تہ میں وہ آلہ پورے نیو یارک کے لیے خطرہ ثابت ہوسکتا تھا جبکہ اس ویرانے میں زیادہ انسانی جانوں کے اتلاف کے بغیر امریکی حکام کو کبھی نہ کبھی یہ پتا چل سکتا تھا کہ اس کنوئیں کی تہ میں کیا کیا مدفون تھا۔

میں نے پرزوں کی کھیپ سے نکالی ہوئی دونوں اشیا کنوئیں میں پھینک دیں۔ منڈیر کے اندرونی حصے میں لگی ہوئی گیلی مٹی لے کر کار کی اگلی اور پچھلی نمبر پلیٹوں پر لگائی اور کپڑے سے ہاتھ صاف کر کے ویرا کے برابر میں آبیٹھا۔

کام ہوتے ہی ویرا گاڑی کو واپس گھمانے کے چکر

نمی مگر میں نے بدستور اسے آگے چلنے کا مشورہ دیا تھا تاکہ کنوئیں پر ختم ہونے اور لوٹ جانے والے ٹائروں کے نشانات سے کوئی نتیجہ اخذ نہ کیا جاسکے۔ کنوئیں سے تقریباً ایک میل آگے چکر کاٹنے کے بعد ہم واپس پرنسٹن کے مضافات کی طرف روانہ ہوگئے تاکہ وہاں سے ٹرینٹن کی راہ لی جاسکے۔

وہ کچا اور بے آب وگیاہ ویرانہ میرے لیے ہر طرف یکساں تھا لیکن غنیمت یہ تھا کہ سورج کے مغرب میں کافی دور اتر جانے کے باوجود فضا میں اجالا پھیلا ہوا تھا جو ویرا کی یادداشت کو مدد دے رہا تھا۔ اندھیرا پھیل جاتا تو ویرا کے لیے بھی سڑک تک پہنچنا دشوار ہوجاتا۔

واپسی میں ولسن کی کیڈی اس مہربان کنوئیں سے کافی دور سے گزری جس نے ہماری تمام سنگین مشکلات کو اپنے سینے میں چھپالیا تھا۔

''اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے سے پہلے تم کو اس کی تلاشی لے کر شناختی کاغذات ضرور نکالنے تھے تاکہ اس کے بیان کی تصدیق یا تردید ہوجاتی۔''

''یہ سب بعد کے نخرے ہیں۔ اس وقت تو تم بھی حواس باختہ تھیں۔ اجنبی سرزمین پر ایک لاش ساتھ لیے پھرنا آسان نہیں ہوتا، چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔''

''مجھے یقین نہیں کہ وہ انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کا آدمی تھا۔ ان لوگوں کو ایسی سازشوں میں ملوث ہونے کی کیا ضرورت ہے؟'' ویرا نے بے یقینی سے کہا۔

''تم نے سنا نہیں کہ وہ پاکستان سے اپنے افسروں کی بے زاری کا ذکر کس لہجے میں کررہا تھا۔ ویسے بھی آج کل ہر بین الاقوامی ادارے میں امریکا کی مرضی چلتی ہے۔ نام سارے ملکوں کا استعمال ہوتا ہے، فیصلے امریکا کے نافذ ہوتے ہیں۔''

''ولسن کی پر اسرار گمشدگی واشنگٹن میں ہلچل مچادے گی۔'' ویرا اس تصور سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی ''پرنسٹن سارے وفاقی تحقیقاتی اداروں کی توجہ کا مرکز بن جائے گا۔''

''پھر انہیں مس روتھ بیل کے بارے میں معلوم ہوگا جو چھ ہفتوں کا کرایہ ادا کرکے دوسرے دن ہی لاپتا ہوچکی ہے۔'' میں نے اس کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا ''میں نے اسی لیے ولسن کی لاش اور بریف کیس کی تلاشی نہیں لی۔ اس کے متعلق کاغذ کا ایک پرزہ بھی رکھنا کسی وقت خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔''

''کیوں نہ اب ہم نیویارک سے واشنگٹن منتقل ہوجائیں۔ وائٹ ہاؤس براہ راست ہماری زد میں آجائے گا...'' ویرا نے سڑک پر آتے ہوئے تجویز پیش کی۔

''پہلے آئزک بیل کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے۔ ویسے بھی بلیک ڈیڈ نے ہم پر ہوٹل تبدیل کرنے کی پابندی عاید کی ہوئی ہے۔ وہ خاصا شریف بدمعاش ہے۔ میں اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔ آگے چل کر وہ ہمارا مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔''

''اوہ! اسے میں بھول ہی گئی تھی۔'' ویرا شانے اچکا کر خفت سے بولی۔

ہم کسی خطرے سے دوچار ہوئے بغیر دن کے اجالے میں ٹرینٹن پہنچ گئے جو نیوجرسی کا ایک مشہور شہر اور ریاستی دارالخلافہ ہے۔

ویرا نے مجھے شہر کے ایک مرکزی علاقے میں اتارا اور خود کیڈی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے آگے نکل گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کیڈی کے حوالے سے کوئی بھی شخص ایک امریکن لڑکی اور ایشیائی مرد پر مشتمل جوڑے کا حوالہ دے سکے۔

ویرا کی واپسی کے انتظار میں، میں بازار کے ایک مختصر حصے تک محدود رہا۔ تھوڑی دیر بعد ویرا بھی مجھ سے آملی۔

''تم میرے پیچھے آتے رہو۔ یہاں سے نیویارک تک ہم الگ رہ کر سفر کریں گے۔'' چند لمحوں میں یہ کہہ کر ویرا آگے چل دی۔ میں اس سے یہ تک نہ پوچھ سکا کہ ہمارے سفر کا ذریعہ کیا ہونا تھا۔

ویرا کے تعاقب میں اسی سفر کے دوران سورج غروب ہوگیا۔ فضا میں دھند لکا گہرا ہوتے ہی ٹرینٹن کی سڑکیں روشنی سے جگمگا اٹھیں۔

ٹرینٹن میں پرآسائش زندگی بسر کرنے کی ساری سہولتیں نظر آرہی تھیں۔ ریاستی صدر مقام ہونے کی وجہ

سے وہاں صفائی ستھرائی کا بھی خصوصی اہتمام تھا مگر شہر کے باسیوں میں سستی اور کاہلی کا وہی عنصر موجود تھا جو ہم صبح سے دیکھتے آرہے تھے۔

شہر کے خاصے بڑے حصے سے گزرنے کے بعد ہم بس ٹرمینل میں داخل ہوئے تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ میرے لیے اس وقت وہی سفر سب سے موزوں تھا۔ میں ٹکٹ لے کر بس میں کھڑکی کے ساتھ ایک دہری نشست پر قابض ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ بس میں سوار ہو کر ویرا میرے ساتھ ہی بیٹھے گی۔

وہ بس میں آئی تو اجنبی کی طرح میرے قریب سے گزر کر میرے پیچھے والی سیٹ پر جا بیٹھی۔

اس بس میں بھی مسافروں کی تعداد بس واجبی تھی۔ وہ ٹرینٹن سے چلی تو سوا گھنٹے کے بعد نیو آرک پر ہی رکی۔ بس سے اترتے ہی ویرا میرے ساتھ ہو لی۔

''کیا یہاں کسی احتیاط کی ضرورت نہیں ہے؟'' میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''یہ نیو یارک ہی کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔'' ویرا ڈھٹائی سے بولی ''ہمارے سفر کی درمیانی کڑی غائب ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ہم نے اپنا دن پرنسٹن میں گزارا ہوگا۔''

''جو کہہ سکتا تھا اسے تم کنوئیں میں ڈال آئی ہو۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔

رات کے اندھیرے میں دریائے ہڈسن پر روشنیوں سے جگمگاتے ہوئے جارج واشنگٹن برج کا منظر بہت مسحور کن تھا۔ دریا کے رینگتے ہوئے پانی میں ان رنگا رنگ روشنیوں کا بنتا اور بگڑتا ہوا انعکاس اس قدر نظر فریب تھا کہ رک کر اسے دیکھنے کو دل چاہتا تھا۔ وہ پل عبور کر کے ہم ایک مرتبہ پھر مین ہٹن میں پہنچ گئے جہاں وحشت ناک عمارتوں کا ایک خودرو جنگل انسانوں کو احساس کمتری میں مبتلا کرنے کے لیے آسمان کو چھو رہا تھا۔

ہوٹل میں چابی کے ساتھ دو پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ پہلا پیغام چارلی کی طرف سے تھا۔ اس میں ہمیں ایک نمبر پر فون کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ دوسری کال جینی کی تھی۔

''چارلی والا پیغام بلیک ڈیڈ کا ہی ہو سکتا ہے۔'' لفٹ میں ویرا نے کہا ''پتا نہیں وہ اب کیا چاہتا ہے۔ اس نے مجھے دبانے کی کوشش کی تو اسے مایوسی کا سامنا کرنا ہوگا۔''

''میں تمہیں پھر وارننگ دے رہا ہوں کہ اس سے بگاڑ مول نہ لینا۔ اس کے ایک اشارے پر ہم دونوں سلاخوں کے پیچھے ہو سکتے ہیں۔ یہ اس کی شرافت ہے کہ اس نے انعام کو بھول کر اپنی زبان بند رکھی ہوئی ہے؟''

''پھر تم ہی اس سے بات کرو۔ اس کا پیغام بھی یہی ہے کہ جو پہلے لوٹے، وہ اسے فون کر لے۔ کہہ دینا کہ میں ابھی تک ہوٹل سے باہر ہوں۔'' اس نے منہ بنا کر کہا۔

کمرے میں پہنچ کر میں نے معمول کے مطابق ہی ایس ڈی چیک کی اور پھر کاغذ پر لکھا ہوا نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔ دوسری گھنٹی بجنے پر جب میں نے چارلی سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو ایک مردانہ آواز نے مجھے دوسرا نمبر دے دیا۔

بلیک ڈیڈ سے فون پر رابطے کے لیے میں ایک بار ویرا کی دیوانہ وار کوششوں کا نتیجہ دیکھ چکا تھا۔ ہر نمبر سے دیر تک اسے ایک نیا نمبر دیا جاتا لیکن وہ کہیں بھی موجود نہیں تھا۔ میں نے نیم دلی کے ساتھ دوسرے نمبر پر رابطہ کیا۔ اس پر چارلی کا نام لیتے ہی بلیک ڈیڈ لائن پر آ گیا۔

''میں نے صبح سے پیغام چھوڑا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آج سارا دن باہر ہی گزارا ہے؟'' میری آواز سن کر بلیک ڈیڈ نے کہا پھر پوچھا ''روزی کہاں ہے؟''

''وہ اس وقت کمرے میں نہیں ہے۔'' میں نے محتاط الفاظ میں جواب دیا۔

''اس وقت تم لوگ میرے پاس آ سکتے ہو؟'' اس نے غرا کر سوال کیا۔

''تم حکم کرو تو آدھی رات کو بھی آ سکتے ہیں۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

"تم نے سارا دن باہر گزارا ہے، تھکے ہارے واپس آئے ہو گے۔ ملاقات کل ہوگی۔ یہ بتاؤ کہ آج نیویارک میں تھے یا کہیں باہر گئے ہوئے تھے؟" سیدھی سیدھی باتیں کرتے ہوئے اس نے اچانک ہی ایک ٹیڑھا سوال کر ڈالا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا، اس سے پرنسٹن کا ذکر کر کے مصیبت گلے پڑ سکتی تھی۔ ولسن کی گمشدگی زیادہ دیر تک چھپنے والی بات نہیں تھی۔ وہ خبر سامنے آتے ہی بلیک ڈیڈی تجسس میں مبتلا ہو جاتا۔ میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہا "آج روزی مجھے مین ہٹن کی سیر کرا رہی تھی؟"

وہ بے دردی سے ہنس پڑا "تم چارلی کو الو کا پٹھا سمجھتے ہو۔ مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم دونوں آج کہاں گئے تھے؟"

اس کے لہجے میں کوئی نہ کوئی ایسی بات تھی کہ اس بار میری چھٹی حس بیدار ہو گئی اور میں نے سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا "ہم پرنسٹن گئے ہوئے تھے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"گڈ......اس بار تم سچ نہ بولتے تو مجھے تم سے نفرت ہو جاتی۔ بس ٹرمینل سے میرے آدمی نے ہی تم دونوں کو تمہاری منزل تک پہنچایا تھا۔ تمہارے دس ڈالر میرے پاس آ چکے ہیں۔"

بلیک ڈیڈی کی زبان سے وہ انکشاف سن کر میری کھوپڑی سن ہو گئی "مگر وہ تو ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ وہ تمہارا آدمی کہاں سے نکل آیا؟"

"چارلی جس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتا ہے، اس کی پوری حفاظت کرتا ہے۔" ریسیور میں بلیک ڈیڈی کی مربیانہ آواز ابھری۔

"تمہاری طرح اس نے بھی تم سے جھوٹ بولا تھا۔ وہ تمہارے پیچھے پین پلازا سے نیو آرک اور پھر پرنسٹن گیا تھا۔ تمہارا وہ گھٹیا علاقہ دیکھ کر وہ لوٹ آیا۔"

ہمارے پرنسٹن کے سفر کا راز برقرار نہیں رہ سکا تھا۔ بلیک ڈیڈی کی دوستی ہمارے سر پر مسلط ہو رہی تھی۔ میں فکر و تشویش میں مبتلا ہو گیا۔

"تم کہاں کھو گئے؟" میری خاموشی پر وہ دوبارہ بول پڑا "میرے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ تم جہاں بھی گئے تھے، اپنی مرضی سے گئے تھے۔ اب میں کل تم سے بات کروں گا۔ دوبارہ کسی لمبے سفر پر نہ نکل جانا۔ مجھے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

بلیک ڈیڈی نے اپنی بات مکمل کر کے فون بند کر دیا۔ اس کی آواز معمول کے مطابق درشت اور لہجہ جارحانہ تھا مگر اس وقت اس کی باتوں میں کچھ مٹھاس سی تھی۔ وہ پچھلی رات والے بلیک ڈیڈی سے بالکل ہی مختلف محسوس ہوا تھا۔

"تم نے اسے پرنسٹن کے بارے میں کیوں بتایا؟" میرے ریسیور رکھ دینے پر ویرا ایک دم پھٹ پڑی "ایک بار جو بات کہہ دی تھی، تمہیں اس پر قائم رہنا چاہیے تھا۔ اس طرح تم اسے اپنے اوپر حاوی کر لو گے......"

"تم نے شاید غصے میں میری باتیں غور سے نہیں سنیں۔" میں نے بات کاٹ کر اسے یاد دلایا "پرنسٹن میں ملنے والا ٹیکسی ڈرائیور ہمارا پیچھا کرتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ مجھ سے لیے ہوئے دس ڈالر اس نے بلیک ڈیڈی کو پہنچا دیے ہیں۔ میں نے اس انکشاف سے پہلے سچ نہ بولا ہوتا تو اس کی نظروں میں میری وقعت دو کوڑی کی رہ جاتی۔"

ویرا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "وہ بلیک ڈیڈی کا آدمی تھا!" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

"ہماری ہر احتیاط دھری کی دھری رہ گئی۔ وہ پوچھے گا تو اب ولسن کے بارے میں بھی اسے بتانا پڑے گا۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے ہماری حفاظت کے لیے اپنے آدمی مامور کر دیے ہیں تاکہ کوئی ہمیں نقصان نہ پہنچا سکے۔"

"اب تک ہم اپنی حفاظت خود کرتے رہے ہیں۔ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے تاکہ یہ پتا چلا سکے کہ آئزک بتل سے ہمارا کتنا میل جول ہے۔ حیرت ہے کہ تم نے یہ ساری باتیں سن لیں اور اس سے احتجاج میں ایک لفظ

بھی نہیں کہا۔"
"اس کی برہمی دیکھ کر کل تمہاری زبان تالو سے چپک کر رہ گئی تھی۔ مجھے مشورے دینے کے بجائے کل تم خود اس سے بات کر لینا۔ میں دیکھوں گا کہ تم کیا بولتی ہو؟ وہ تمہارے باپ کی عمر کا دبنگ آدمی ہے۔ اس کی دوستی ہمارے لیے سودمند رہے گی۔"
"کیا وہ کل پھر فون کرے گا؟" ویرا کی تیوریوں پر بل آ گئے۔ "یہاں آنے کے بعد میں نے اس سے مدد لینی چاہی تھی تو اس نے مجھے صاف جواب دے دیا تھا۔ اب اس کی کیا غرض ہے کہ وہ ہم پر اتنا مہربان ہو رہا ہے۔"
"وہ آج ہی ہم سے مل بیٹھنا چاہ رہا تھا۔ ہماری تکان کی وجہ سے اس نے یہ ملاقات کل کے لیے ملتوی کر دی ہے۔ شاید وہ ہمیں اپنے ساتھ ملا کر ہمیشہ کے لیے اسحاق کھنٹی کا فتنہ دفن کرنا چاہ رہا ہے۔ اس کے ساتھ مل کر یہ کام زیادہ آسان ثابت ہو گا۔"
"اسحاق کھنٹی سبز فائل کی وجہ سے تمہاری مٹھی میں آیا ہوا ہے۔ تم جب چاہو اسے اپنے قدموں میں جھکا سکتے ہو۔ اس وقت بلیک ڈیڈ کی مدد کی کیا ضرورت ہے؟"
"ہم اسحاق سے کوئی سمجھوتا کرنے کے لیے یہاں نہیں آئے۔ اسے مارنا ہمارا مشن ہے۔ ہماری طرف سے یہ کام چارلی کے ہاتھوں مکمل ہو جائے تو ہماری واپسی کی راہیں مسدود نہیں ہوں گی ورنہ ہم ایک طویل مدت کے لیے یہاں پھنس کر رہ جائیں گے۔"
"یہ چکر بازیاں تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ اپنا شکار تھالی میں سجا کر دوسروں کو پیش کرنا سب سے بڑی حماقت ہے۔ اسے مارتے ہی زیر زمین دنیا میں چارلی کے نام کا ڈنکا بجنے لگے گا۔"
میں خود بھی وہی باتیں سوچ رہا تھا مگر ویرا انہیں غلط زاویے سے دیکھ رہی تھی۔ وہ آئزک بیل کی موت کے بعد اپنے متوفی باپ کی مسند کو خالی دیکھنے کی لاشعوری خواہش کی شکار تھی جب کہ میرے لیے آئزک بیل ایک صیہونی دہشت گرد اور عالمی خطرہ تھا۔ اگر اس کی جگہ بلیک ڈیڈ لے لیتا تو اس ٹولے کی ساری سرگرمیاں امریکا

بلکہ نیو یارک تک محدود ہو کر رہ جاتیں۔ نیو یارک میں بھی بلیک ڈیڈ صرف ہارلم کا شہنشاہ تھا۔ اس کی بالادستی کو خاک میں ملا کر رکھ دیتی۔ ڈیوڈ اسٹارز یہودیوں کی تنظیم تھی اور اس کا سربراہ ان ہی میں سے آتا تھا۔ آئزک بیل کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد پرانے گھوڑوں کی طرح بکھر کر رہ جاتے۔ ان کو دوبارہ اس سطح پر لانے کے لیے ایک طویل مدت درکار ہوتی جو پاکستان کے لیے آرام و سکون کا وقفہ ثابت ہو سکتی تھی۔
اس روز پرنسٹن جانے کی وجہ سے میں بدری ناتھ سے بات نہیں کر سکا تھا۔ اس وقت میری رسٹ واچ اس بجا رہی تھی۔ میں نے اسے بھی کرید نے کا فیصلہ کر لیا۔
ویرا میری باتوں سے بھنا کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے تیاریوں میں مصروف تھی۔ میں نے اسے چھیڑتے ہوئے پوچھا "کیا اسی وقت چارلی سے ملنے جا رہی ہو؟"
"تم یہاں پڑے اس کے فراق میں کروٹیں بدلتے رہو، میں ڈنر کے لیے باہر جا رہی ہوں۔ تم نے میرے موڈ کا ستیاناس کر دیا ہے۔" وہ پلٹ کر تلخی سے بولی۔ "تمہیں نیو یارک کی سہانی راتوں کا بھی کچھ مزا لینا چاہیے۔ یہ دھیان رکھنا کہ چارلی کے آدمی ہماری حفاظت کر رہے ہیں اور واپسی پر میرے لیے بھی کچھ لیتی آنا۔"
"دو دفعہ میں نے بے خبری میں چوٹ کھائی ہے۔ اس وقت میں دیکھوں گی کہ کون میرا پیچھا کرتا ہے۔ اپنا جل دوں گی کہ پیچھا کرنے والے کی طبیعت صاف ہو جائے گی۔"
ویرا ضد پکڑ چکی تھی اور اس کا موڈ خراب تھا۔ اس وقت اس کو سمجھانا بالکل بے سود تھا۔ میں پر تشویش نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔
بال سنوار کر ہلکے سے میک اپ کے بعد وہ میرے اوپر استہزائیہ نظریں ڈالتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔ ویرا نے جاتے ہوئے اندرونی قفل کا لیور گھمانے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔

بستر پر آلتی پالتی مار کر میں نے رچمنڈ کے جیفرسن ہوٹل کا نمبر ملا کر آپریٹر سے کمرا نمبر بیس مانگا تو وہاں سے فوراً ہی جواب مل گیا۔

"آج تم نے دیر کر دی۔ اس وقت میں تیار بیٹھا ہوا کسی کی آمد کا انتظار کر رہا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ پرزوں کی کھیپ کا کیا بنا؟ اس بارے میں میری تشویش بڑھ گئی ہے۔"

اس کھیپ کے بارے میں، میں نے اسے اپنی پچھلی کامیابیوں سے پوری طرح باخبر نہیں رکھا تھا۔ اس وقت بھی میں نے جواب دینے سے گریز کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری تشویش میں اضافے کا سبب کیا ہے؟ کیا کوئی نئی خبر آئی ہے؟"

"کسی بین الاقوامی ایجنسی کا ایک انسپکٹر آج صبح سرکاری کام سے پرنسٹن گیا تھا۔ سات بجے تک اسے لوٹ آنا چاہیے تھا مگر وہ لاپتا ہے۔ فیرفیکس سے ایک ٹیم اس کی تلاش میں اسی وقت پرنسٹن جا رہی ہے۔ میں اسی کے ساتھ جاؤں گا۔"

"اگر اس انسپکٹر کا نام ولسن تھا تو وہ اب کبھی نہیں مل سکے گا۔" میں نے سرد اور دھیمی آواز میں کہا "تم چاہو تو اس کی کیڈی ٹرینٹن کی کسی پارکنگ لاٹ میں مل سکتی ہے۔ تمہاری یہ رات بلاوجہ برباد ہونے والی ہے۔"

"ویری گڈ۔ واشنگٹن کی ساری فکر مندی انسپکٹر ایڈ ولسن کے لیے ہی ہے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ تم کچھ نہ کچھ کر گزرو گے۔ اچھا ہوا کہ تمہارا فون آ گیا۔ اب میں دل کھول کر ان کو گمراہ کر سکوں گا۔"

"یہ کہانی تم سے کل معلوم ہوگی۔ یہ بتاؤ کہ اسحاق کے بارے میں تازہ ترین خبریں کیا ہیں؟" وقت کی کمی کی وجہ سے میں نے براہ راست سوال کر ڈالا۔

"فضا تیزی سے بگڑ رہی ہے۔ ہارلم کا قصہ بعد میں رونما ہوا۔ ہیڈ کوارٹرز والے اس سے کسی سی ون تھرٹی کے بارے میں ناراض ہیں۔ وہ پاکستان سے ڈینی کے کسی آدمی کو اغوا کرا لائے تھے مگر اسحاق نے وائٹ ہاؤس میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اسے قبرص سے آزاد کرا دیا۔ یہاں سب اس کے خلاف ہیں اور اب ہارلم کا قضیہ چل رہا ہے۔"

"میرا ہاتھ بھی اس کی شہ رگ کے قریب ہے۔ تم سے بچا تو وہ میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔ آثار و قرائن بتا رہے ہیں کہ اس کا وقت پورا ہونے والا ہے۔"

"میرے دروازے پر کوئی آ گیا ہے۔ اب کل بات ہوگی۔" ریسیور میں بدری ناتھ کی سرگوشی ابھری اور فون یکا یک بند ہو گیا۔

جینی سے ملاقات کے بعد شروع ہونے والا کامیابیوں کا سلسلہ اس وقت تک جاری تھا۔ ہر طرف سے اچھی خبریں مل رہی تھیں۔ سی ایس ڈی کی بدولت اپنے ہوٹل سے ہر ایک سے کھلی کھلی باتیں کرنے کے باوجود ہم پوری طرح محفوظ تھے۔ ذرا سا فرق یہ پڑا تھا کہ بلیک ڈیڈ بھی میدان میں کود پڑا تھا۔ اسے نہ صرف سب کچھ معلوم تھا بلکہ ہم اس کی نگرانی میں بھی تھے۔ یہ اطمینان کی بات تھی کہ اس کا رویہ دوستانہ تھا۔

جینی سے میرا ذہن آئزک بیل کی طرف بھٹک گیا۔ سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹرز میں اس کے خلاف جو کھچڑی پک رہی تھی وہ اس سے بے خبر نہیں ہو سکتا تھا۔ شاید سبز فائل میں کچھ ایسا مواد موجود تھا جو اسے آنے والے سرکاری عتاب سے بچا سکتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کو اچانک وہ فائل یاد آئی تھی اور اب وہ اس کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر آمادہ تھا۔

میں ایک مرتبہ پھر سبز فائل پر نظر ڈالنے کی اضطراری خواہش پر قابو نہ پا سکا اور اپنے بریف کیس سے فائل نکال کر بیٹھ گیا۔

DEEDSIHT پہلے ورق کا پہلا انگریزی لفظ تھا۔ میں بار بار اس کو دیکھ چکا تھا مگر اس کے کوئی معنی اخذ نہیں کر سکا تھا۔ اس وقت جوں ہی میں نے فائل کھولی اور میری نظر اس پہلے لفظ پر پڑی تو مجھے کھٹکا ہوا کہ وہ کوئی مرکب لفظ تھا جس کا ایک حصہ DEED یعنی دستاویز پر مشتمل تھا۔ یہ ایسا لفظ تھا جو الٹ کر بھی جوں کا توں رہتا تھا۔

میں نے بقیہ چار حروف کو بھی الٹ دیا اور میرے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں نے اس

خفیہ تحریر کی کلید دریافت کر لی ہے۔

THIS DEED اس تحریر کے پہلے دو الفاظ تھے جنہیں ملا کر اس تحریر میں الٹی ترتیب کے ساتھ لکھ کر یکسر نا قابل فہم بنا دیا گیا تھا۔

اس کلیے کے تحت تحریر کے کئی الفاظ فوراً میری سمجھ میں آ گئے اور میں نے کسی تاخیر کے بغیر بریف کیس میں سے قلم اور کاغذ نکال لیا۔

کلیہ معلوم ہو چکا تھا۔ میں نے اس کے مطابق تحریر کو سیدھے حروف میں اصل ترتیب کے مطابق لکھنا شروع کر دیا۔ پہلا پیرا گراف مکمل ہونے سے پہلے میرے دل و دماغ میں دہشت کی ایک لہر سرایت کرنے لگی تھی۔

وہ ایک وقت طلب اور صبر آزما کام تھا۔ بعض طویل اور غیر مروج الفاظ کو الگ کرنا میرے لیے دشوار ہو رہا تھا۔ اس بارے میں عبارت کا سیاق و سباق میری بھرپور مدد کر رہا تھا۔ میں پورے انہماک سے اس کام میں لگا رہا۔

میں آخری صفحہ ختم کر کے فارغ ہوا تو رات کا ایک بج چکا تھا مگر مجھے خوشی تھی کہ اس محنت کے نتیجے میں، میں نے آئزک بیل کی مکمل بربادی کا مواد حاصل کر لیا تھا جس میں میرے بہت سے تشنہ سوالوں کے جوابات بھی شامل تھے۔

میں نے اپنے لکھے ہوئے اوراق الٹ کر بریف کیس میں رکھے اور ان پر سبز فائل رکھ کر بریف کیس کو بند کر دیا۔

میرا ذہن ہلکا ہو کر بسیط خلاؤں میں پرواز کر رہا تھا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ امریکا کا ایوان صدارت مجرموں کے ساتھ کسی تحریری معاہدے کا ایک فریق بن سکتا ہے۔ جینی کی دی ہوئی سبز فائل نے میری اس خوش گمانی کو چند ہی گھنٹوں میں برباد کر کے رکھ دیا تھا۔

وہ معاہدہ پاکستان، ایران اور افغانستان جیسے ''تشدد پرور'' اور ''دہشت گرد'' ممالک کے مفادات کی عالمی سطح پر خفیہ تباہی کے لیے امریکا کے صدر کی جانب سے اس کی پرسنل سیکریٹری نے سی آئی اے کے سربراہ، رنگس انکارپوریٹڈ کے سربراہ آئزک بیل اور ڈیوڈ اسٹارز کے سابقہ سربراہ راس المیڈا کے ساتھ کیا تھا اور معاہدے کے اختتام پر ان ہی چاروں کے دستخط ثبت تھے۔

ان مذموم مقاصد کے حصول کے لیے اس دستاویز میں ترجیحات کے تعین کے ساتھ بعض بہیمانہ طریقے بھی تجویز کیے گئے تھے جن پر ہر فریق اپنی سہولت کے مطابق عمل کرنے کے لیے آزاد تھا اور امریکا میں ہر قسم کی باز پرس سے بھی آزاد تھا۔

دستاویز میں ڈیوڈ اسٹارز کی سالانہ گرانٹ اور رنگس کے معاوضے کا ذکر تھا مگر رقم کا تعین باہمی مشوروں سے کیا جانا تھا۔ اسے ضبط تحریر میں نہیں لایا گیا تھا۔

معاہدے میں دی گئی بے مہار آزادیاں امریکا کے آئین کے منافی تھیں اس لیے آئزک بیل اور راس المیڈا کو اصل دستخطوں کے ساتھ معاہدے کی ایک ایک نقل دی گئی تھی جس کی موجودگی میں امریکا کا کوئی وفاقی یا ریاستی ادارہ وائٹ ہاؤس کی پیشگی منظوری کے بغیر ان دونوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ جنرل ایڈمنسٹریشن...... پروسی جریا گیپ نامی اس معاہدے کو دکھائے جانے کے باوجود ان دونوں کے خلاف کارروائی کرنے والا ہر امریکی افسر سخت سزا اور جرمانے کا سزاوار ٹھہرایا گیا تھا۔ یوں ان دونوں کو امریکا بلکہ دنیا بھر میں من مانی کارروائیاں کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی گئی تھی جسے صرف معاہدے واپس لے کر ہی معطل کیا جا سکتا تھا۔

راس المیڈا کی موت کے بعد رنگس کے ساتھ ڈیوڈ اسٹارز کی سربراہی بھی آئزک بیل کے قبضے میں آ گئی تھی۔ یوں اسے معاہدے کی رو سے دہری طاقت مل گئی تھی۔

سی ون تھرٹی کے معاملے میں سی آئی اے کے بڑوں کی مرضی کے خلاف اپنا فیصلہ مسلط کر کے آئزک بیل نے جس عناد کی داغ بیل ڈالی تھی، اس کا توڑ صرف سبز فائل ہی کر سکتی تھی۔ اس کی غیر موجودگی میں امریکا

کے کسی بھی آئینی ادارے کے اہل کار ضابطوں کی تکمیل
کے بعد اسے زنداں میں ڈال سکتے تھے۔

یہ آئزک بیل کی سب سے بڑی مجبوری تھی کہ اپنی
زندگی اور آزادی کو بچانے کے لیے وہ سبز فائل کی ہر
قیمت ادا کرنے کے لیے تیار تھا۔

جینی نے آئزک بیل کی وہ خفیہ فائل میرے
حوالے کر کے اتنا بڑا کام کیا تھا کہ اس کا احسان اتارنا نا
ممکن تھا۔ وہ ایسی لاابالی اور آزاد منش لڑکی تھی کہ اس
نے مجھے ڈینی ثابت کرنے کے لیے اپنے گھر کی خلوت
میں مدہوش سپردگی کی آڑ میں میری ہر وہ حرکت نوٹ کی
تھی جس کی تصدیق ویرا کی سنائی ہوئی رازدارانہ
کہانیوں سے ہوتی تھی۔

کسی کی اصلیت کا سراغ لگانے کا وہ انوکھا طریقہ
جینی جیسی کوئی لڑکی ہی سوچ سکتی تھی۔

وقت کافی گزر چکا تھا۔ مجھے بھوک ستانے لگی تھی۔
ویرا کمرے سے تنگ کر نکلی تھی اور پتا نہیں شہر میں کہاں
ماری ماری پھر رہی تھی۔ میں نے ریسیور اٹھا کر جینی کا
نمبر گھما ڈالا۔

پہلی گھنٹی بجتے ہی اس کی شیریں آواز میرے کان
میں آئی تو میں حیران رہ گیا۔ ”ہائیں، تم رات کے ڈیڑھ
بجے بھی جاگ رہی ہو؟“

”تو کیا ہوا؟“ اس کی اٹھلائی ہوئی آواز آئی ”کیا
تم سو رہے ہو؟“

”جاگ رہا ہوں مگر میں بہت ضروری کام کر رہا
تھا۔ ابھی ابھی فارغ ہوا ہوں۔“

”میرے سو جانے کی توقع کر رہے تھے تو اس وقت
فون کیوں کیا ہے؟“

میں لاجواب ہو گیا ”بس ایسے ہی تمہارا خیال آ گیا
تھا۔“ میں نے کہا۔

”روزی کی آڑ لے کر میں نے تمہارے لیے ہی
پیغام چھوڑا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ موقع نکال کر تم مجھے
ضرور فون کرو گے۔ میں اسی انتظار میں جاگ رہی
تھی۔“

”تمہارے پیغام کا جواب روزی دے گی۔ یہ کال
میں نے اپنی مرضی سے کی ہے۔“

”روزی مدہوش ہو کر گہری نیند سو گئی ہے یا تمہیں
جلانے کے لیے کہیں باہر گئی ہوئی ہے؟“ اس نے بے
باکی سے سوال کیا۔

”تم سمجھتی ہو کہ میں اس کے سامنے تم کو فون کرنے
سے ڈرتا ہوں؟“

ریسیور میں اس کی ہلکی سی مترنم ہنسی گونجی ”میرے
سمجھنے یا نہ سمجھنے سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ وہ جس پر
قبضہ کرتی ہے اس پر کسی اور لڑکی کا سایہ بھی نہیں پڑنے
دیتی۔ مجھے معلوم ہے کہ اس نے نہایت مجبوری اور بے
بسی کے عالم میں تمہیں میرے گھر بھیجا ہو گا۔“

”وہ اتنی تنگ دل نہیں ہے۔“ میں نے بلاوجہ
جھوٹ بولا ”تم سہیلی ہو کر اسے آج تک سمجھنے میں
کامیاب نہیں ہو سکیں۔“

”وہ فراخ دل ہے تو اسی وقت آ کر دکھاؤ۔“ جینی
نے جھٹ چیلنج کر دیا۔

”اس علاقے میں الو بول رہے ہوں گے۔ ساری
سواریاں براڈوے اور ٹائمز اسکوائر میں کھٹی ہوئی ہوں
گی۔ میں صبح تک سواری کے انتظار میں نہیں ہو سکتا۔“

”تم ہوٹل سے نکلو، میں پندرہ منٹ میں خود تمہیں
لینے آ جاتی ہوں۔“ اس کے پاس میرے ہر بہانے کا
جواب موجود تھا۔

میں چند ثانیوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ ویرا مجھے
چڑانے کے لیے اس وقت تک ہوٹل سے غائب تھی تو
مجھے بھی نکل بھاگنے کا پورا حق حاصل تھا۔ کوئنز کے
علاقے سے روز نکو مرتنس میرے لیے ہوٹل تک آنے
پر آمادہ تھی۔ یہ ایک دعوت نہیں تھی جسے آسانی سے
ٹھکرا دیا جاتا۔

میں نے جینی کی تجویز پر آمادگی ظاہر کرنے کا ارادہ
ہی کیا تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی اور میں زیر
لب بڑبڑا کر رہ گیا۔

”نہیں جینی، اس وقت دیر ہو گئی ہے۔ پھر کسی وقت
مل بیٹھنے کا پروگرام بنائیں گے۔“ میں نے سرگوشیانہ
آواز میں یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ مجھے ڈر تھا کہ ویرا کو

میری اور جینی کی گفتگو کی بھنک بھی مل گئی تو وہ اندر آ کر ہنگامہ کھڑا کر دے گی۔
میں نے دروازہ کھولا تو ویرا اندر آ گئی۔ اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے ڈورے تیر رہے تھے اور سانسوں سے الکحل کے تیز بھپکے آ رہے تھے۔ اس نے ہاتھ میں تھاما ہوا پیکٹ میرے حوالے کیا، پرس صوفے پر اتارا اور جوتوں سمیت بستر پر ڈھیر ہو گئی۔
اچانک فون کی گھنٹی بجی اور میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ میری طرف سے اچانک گفتگو ختم کر دیے جانے کے نتیجے میں وہ جینی کی کال ہی ہو سکتی تھی۔
میرے پہنچنے سے پہلے ہی ویرا نے ریسیور اٹھالیا۔ میں انجان بن کر رائٹنگ ٹیبل پر ویرا کا لایا ہوا پیزا کھولنے میں مصروف ہو گیا۔ میرے کان ویرا کے مکالموں پر لگے ہوئے تھے۔
ویرا قہقہہ لگا کر فون پر جواب دے رہی تھی ''ہاں جینی ڈارلنگ! میں مزے میں ہوں اور بس ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئی ہوں۔ تمہارا پیغام دیکھتی تو ضرور تم کو فون کرتی۔''
وہ جواب سن کر مجھے اطمینان ہوا کہ جینی نے میری کال کا حوالہ دیے بغیر ویرا سے نئے سرے سے بات شروع کی تھی۔ ویرا ترنگ میں تھی۔ ویر تک ہنس ہنس کر فون پر باتیں کرتی رہی۔ میں نے اپنا اطمینان ہو جانے کے بعد ان دونوں کی گفتگو سے دھیان ہٹا لیا۔
سخت بھوک کے عالم میں ویرا کا لایا ہوا گرم گرم پیزا بہت لذیذ معلوم ہو رہا تھا۔ نشے کی جھونک میں ہونے کے باوجود اسے یہ یاد رہا تھا کہ میں کمرے میں بھوکا بیٹھا ہوا تھا۔ اگر وہ خالی ہاتھ واپس آ کر کوئی عذر پیش کر دیتی تو میں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا۔
جینی سے کافی دیر تک باتیں کرنے کے بعد ویرا کا خمار قدرے ہلکا ہوا تو فون بند کر کے اس نے بستر چھوڑ دیا اور مخمور نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔
''شہر کی تفریح گاہوں میں کون تمہارا ساتھ دے رہا تھا؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
''مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال ضرور پوچھو گے۔ میں نے کسی کو گھاس نہیں ڈالی تاکہ قسم کھا کر تم کو یقین دلا سکوں کہ شہر میں اکیلی گھوم رہی تھی۔'' وہ ایک تلخ ہنسی کے ساتھ بولی ''میں نے تو اس شخص کو بھی اپنے ساتھ نہیں رہنے دیا جو ہوٹل سے میرا پیچھا کر رہا تھا۔ ڈاؤن ٹاؤن کے علاقے میں ٹیکسی چھوڑ کر میں نے اسے جل دیا اور سب وے سے مڈ ٹاؤن لوٹ آئی۔''
''تم کہتی ہو تو میں مانے لیتا ہوں لیکن اتنی رات گئے پر ہجوم تفریح گاہوں میں اکیلی گھومتی ہوئی لڑکیاں کھلے میدان میں کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہوتی ہیں جنہیں لوٹنے کے لیے آوارہ گردوں کے غول منڈلا رہے ہوتے ہیں۔ تمہاری حالت ویسے بھی خاصی ابتر نظر آ رہی ہے۔''
''یہ میں مانتی ہوں کہ آج میں نے ذرا زیادہ پی لی ہے۔ میں باہر سے پی کر آئی ہوں۔ جینی بستر میں لیٹی پی رہی ہے۔ اس کے دماغ پر تمہارا ہی بھوت سوار ہے۔ مجھ سے بار بار تمہارے بارے میں ہی پوچھے جا رہی تھی۔ میں نے کہہ دیا کہ تم بے خبر سو رہے ہو۔''
''تمہیں اس سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ کہہ دیتیں کہ میں اس سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ وہ اپنا [illegible] جاتی۔'' میں نے قدرے ناراضی سے کہا۔
''وہ تمہاری نہیں میری دوست ہے۔ میں اسے تم سے زیادہ جانتی ہوں۔ وہ تم سے بات کرنے پر اڑ جاتی تو میں اس سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ تمہاری آواز سن کر وہ بہکنا شروع کر دیتی۔''
وہ باتھ روم کی طرف جاتے جاتے مڑی اور چونک کر بولی ''تم نے اول خان کو فون کیا تھا؟''
''کیوں؟ اس کی کیا ضرورت تھی؟'' میں نے اسے گھور کر پوچھا۔
وہ فضا میں تین انگلیاں اٹھا کر بولی ''اس کے تین اسباب ہو سکتے تھے۔ اس وقت کراچی میں دن ہوتا۔ تم اسے پرنسٹن کے واقعات بتا سکتے تھے اور ساتھ ہی سبز فائل کے کاغذوں کے بارے میں اس کی رائے پوچھ سکتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے وہ تحریر ڈی کوڈ کرالی

ہو۔"

"تیسری وجہ بالکل احمقانہ ہے۔ یہاں سے بھیجا ہوالفافہ ابھی راستے میں ہی ہوگا......"

"پھر یہ تمہاری غلطی ہے۔" وہ باتھ روم کے دروازے پر رک گئی "ایسے اہم کاغذ اسے فیکس کے ذریعے بھیجنے چاہیے تھے۔ ہم کب تک یہاں پڑے رہیں گے؟"

"اس وقت تم نے کمرا چھوڑ کر میرے اوپر بہت بڑا احسان کیا ہے۔" وہ ذکر آجانے پر میں اسے اپنی بے اندازہ خوشی میں شریک کیے بغیر نہ رہ سکا "میں نے وہ پانچوں کاغذ پڑھ لیے ہیں۔ کپڑے تبدیل کرلو۔ ان کا متن پڑھ کر تم حیران رہ جاؤ گی۔"

ویرا نے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں چوم کر بوسہ میری طرف اچھالا اور زندہ باد کہہ کر باتھ روم میں گھس گئی۔

نشے کی حالت میں بھی اس نے ایک کارآمد نکتے کی نشان دہی کی تھی۔ اس وقت تک میرے پاس اول خان کا فیکس نمبر نہیں تھا۔ میں نے اگلی صبح اس سے فیکس نمبر لے کر اصل کاغذ اسے فیکس کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نامانوس تحریر کے بارے میں اس کی رائے جاننے کے بعد میں اپنی تحریر اسے بھیج سکتا تھا۔

ویرا بظاہر لباس بدلنے کے ارادے سے باتھ روم میں گئی لیکن چند منٹ بعد وہ اندر سے برآمد ہوئی تو اس کے سر کے بال گیلے تھے اور شب خوابی کا لباس جسم سے جابجا چپکا ہوا تھا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے؟" میں اس پر نظر پڑنے پر غرایا "کیا اب تمہیں یہ باریک لباس پہننے کا قرینہ بھی یاد نہیں رہا ہے؟"

"سوری ڈارلنگ؟" وہ گردن جھٹک کر مسکرائی "نشہ بھگانے کے لیے میں نے ہلکا سا غسل کر ڈالا جس کی وجہ سے یہ گڑبڑ ہوئی۔ جب ہم ایک ساتھ رہتے اور سوتے ہیں تو تمہیں ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس طرح نہیں چڑنا چاہیے۔ میں تمہارے لیے اتنی اجنبی تو نہیں ہوں۔"

"نہا لینے کے باوجود تمہارا نشہ نہیں اترا۔ آئینہ دیکھو گی تو تمہیں خود شرم آجائے گی۔"

"لعنت بھیجو آئینے پر۔" وہ اپنے سر پر تولیہ لپیٹتے ہوئے بستر پر آگئی "یہ بتاؤ کہ ان کاغذوں میں تم نے کیا پڑھا ہے۔ تمہاری مہارت ثابت ہوگئی تو آج رات اس کامیابی کا جشن منایا جائے گا۔"

ویرا نے میرا موڈ خراب کردیا تھا لیکن امریکا میں بس وہی تھی جس کے ساتھ میں اپنی کوئی خوشی منا سکتا تھا۔ میں نے کچھ کہے بغیر بریف کیس کھولا اور اپنے لکھے ہوئے آٹھ کاغذ اس کے سامنے ڈال دیے۔ ویرا نے بے تابی سے وہ پلندہ اٹھایا۔

ابتدائی سطریں پڑھتے ہوئے ویرا کے چہرے پر حیرت اور بے یقینی کی علامات ابھر آئیں۔ چند ثانیوں بعد اس نے پڑھنے کا سلسلہ ترک کرکے کہا "ان کاغذوں میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ یہ تو ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے تم نے اپنے ذہن کا سارا ابال کاغذ پر منتقل کرکے رکھ دیا ہو۔"

"یہ میرے ذہن کا ابال نہیں، ان کاغذوں کی لفظ بہ لفظ تحریر ہے۔" میں نے بریف کیس سے سبز فائل نکال کر اس کے سامنے ڈال دی "چاہو تو تم دونوں کو ملا سکتی ہو۔"

ویرا نے فائل کھول کر پہلا صفحہ دیکھا اور پھر منہ بگاڑ کر مجھ سے بولی "کیا تم میرا مذاق اڑانے کی کوشش کررہے ہو؟ دونوں میں سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ تم نے کس فارمولے یا طریقے سے یہ مطلب اخذ کیا ہے؟"

"یہ مذاق نہیں، ایک دل خراش حقیقت ہے۔ ان کاغذوں پر سر کھپاتی رہو۔ کچھ سمجھ میں آجائے تو مجھے اٹھالینا۔" یہ کہہ کر میں بڑے صوفے پر دراز ہوگیا۔

اس وقت ویرا کے تیور خطرناک اور جارحانہ نظر آرہے تھے۔ ایسے میں اس کی دسترس میں رہتے ہوئے سونے کی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔

ویرا نے مجھے نظر انداز کرکے اپنی ساری توجہ فائل اور میرے لکھے ہوئے پہلے صفحے پر مرکوز کردی۔ جواب

میں، میں نے اپنی آنکھیں موند لیں۔
کافی دیر تک ویرا ان کاغذوں کے مطالعے میں کھوئی رہی۔ مجھے حیرت تھی کہ دونوں تحریریں سامنے ہونے کے باوجود وہ ان کے تعلق کو نہیں سمجھ سکی تھی۔
اس کی طرف سے عدم مداخلت کا وقفہ بڑھنے پر میرے اوپر غنودگی طاری ہونے لگی لیکن وہ غنودگی نیند میں ڈھلنے سے پہلے مجھے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولنی پڑ گئیں کیونکہ میرے نتھنوں پر ایک مانوس سی حیوانی مہکار حملہ آور ہو رہی تھی۔
آنکھیں کھولتے ہی مجھے ویرا نظر آئی جو بستر سے اتر کر دبے پاؤں قالین پر صوفے سے لگ کر آ بیٹھی تھی۔
اسے دیکھتے ہی میں نے اچھل کر صوفہ چھوڑ دیا۔
''میں مان گئی۔ تم واقعی جینئس ہو۔'' ویرا نے تعریفی لہجے میں اعتراف کیا'' میرا دعویٰ ہے کہ اس تحریر کو کوئی نہیں پڑھ سکے گا۔ یہ ایک خطرناک دستاویز ہے۔ اسحاق گھنٹی اس کے لیے بلبلانے میں حق بجانب ہے۔ چینی نے اسے زندگی کے پروانے سے محروم کر دیا ہے۔ اس ظالمانہ دستاویز نے مجھے ششدر کر دیا ہے۔ یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وائٹ ہاؤس کی سطح پر عالمی جرائم کی یوں کھل کر سرپرستی کی جا رہی ہوگی۔''
''اب رات بھر ان نکات پر غور کرتی رہو۔ تفصیلی باتیں صبح ہوں گی۔'' میں نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔
''صرف ایک شرط پر...... تم مسہری پر لیٹو گے۔'' ویرا بولی۔
''اگر تم تنگ نہ کرو تو میں مسہری پر زیادہ آرام سے سو سکوں گا۔''
''منظور ہے۔'' یہ کہہ کر وہ مسکرائی تو مجھے شبہ ہوا کہ وہ مجھ سے [illegible] ہی ہمی۔ میں یہ کہ [illegible] میں رہ کر اس سے بہت زیادہ [illegible] مگر تعلقات نہیں رہ سکتا تھا۔
میرے مسہری پر دراز ہونے کے بعد وہ بھی وہیں آ گئی۔ سرہانے لٹکتی ہوئی ڈوری کھینچ کر کمرے کو تاریک کرتے ہی وہ کروٹ لے کر بولی'' چاہو تو میں تمہارا سر سہلا دوں۔ تمہیں آرام سے نیند آ جائے گی۔''
معصومانہ انداز میں کی گئی اس پیش کش کو میں رد نہ کر سکا۔ اس کی گداز مخروطی انگلیاں میرے بالوں کی جڑوں سے کھیلنے لگیں۔
ہماری اگلی صبح کا آغاز کافی تاخیر سے ہوا۔ میری نیند ٹیلی فون کی گھنٹی کے شور سے ٹوٹی جو مسلسل بج رہی تھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف بلیک ڈیڈ کا کوئی حواری تھا۔
''لمحہ بھر ہولڈ کرو۔ چارلی بات کرے گا۔'' اس نے کہا اور واقعی دوسرے لمحے بلیک ڈیڈ لائن پر موجود تھا۔
''پرنسٹن سے ایک سرکاری آدمی کل سے غائب ہے......''
لائن پر آتے ہی بلیک ڈیڈ نے کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کی تھی مگر میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی۔
''میں تمہاری الجھن سمجھ رہا ہوں۔ فون پر میں جواب نہیں دے سکتا۔''
''میں تمہیں ذہنی تیاری کے لیے وقت دے رہا ہوں۔ آج تین بجے تم دونوں کو چھیالیسویں اسٹریٹ پر ڈریم لینڈ میں پہنچنا ہے۔ وہاں تفصیلی بات ہوگی۔ روزی نے وہ کلب دیکھا ہوا ہے۔''
میرے بولنے سے پہلے فون بند ہو گیا۔ اپنی بات پوری کرنا اور دوسرے کی کچھ نہ سننا شاید بلیک ڈیڈ کے آمرانہ مزاج کا ایک حصہ تھا۔
''کون تھا؟'' ویرا نے آنکھیں کھولتے ہوئے کسل مندانہ لہجے میں سوال کیا۔
''چارلی۔ اس نے تین بجے ڈریم لینڈ میں بلایا ہے۔ وہ ولسن کے بارے میں بھی جاننا چاہ رہا تھا۔'' میں نے منہ بنا کر اسے بتایا۔
ویرا نے فوراً ہی بات سمجھ [illegible] ''اس کا مطلب ہے کہ وہ خبر اخبارات میں آ گئی ہے۔''
اس وقت گیارہ بج چکے تھے۔ ہوٹل میں باقاعدہ ناشتے کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ میرے منہ ہاتھ دھونے کے بعد ویرا باتھ روم میں گئی تو میں نے روم سروس والوں کو کافی کے ساتھ کچھ لوازم کا آرڈر دے دیا۔
ویرا اپنے ساتھ اخبار بھی لے گئی تھی۔ میں نے سگریٹ سلگا کر آئزک بیل کا نمبر ملا لیا۔

اس کے دفتر میں فون مسلسل بجتا رہا لیکن کسی نے جواب نہیں دیا۔شاید سبز فائل غائب ہونے کے بعد اس نے اپنے دفتر میں ہر ایک کے داخلے پر پابندی عائد کردی تھی۔ میں نے نوٹ پیڈ پر لکھا ہوا ڈیوڈ اسٹارز کا نمبر ملایا تو وہاں ایک لڑکی نے کال ریسیو کی۔ میں نے جوں ہی اس سے آئزک بیل کے بارے میں دریافت کیا،سی ایس ڈی سے بزر کی ہلکی سی آواز کے ساتھ لائن کٹ گئی۔

شاید اس لڑکی نے اپنے باس کے لیے آنے والی کال کو ریکارڈ کرنے کی کوشش کی تھی اور سی ایس ڈی حرکت میں آ گئی۔ قدرے توقف کے بعد میں نے دوبارہ نمبر ملایا تو وہی آواز سنائی دی۔

''کال ریکارڈ کرنے کی کوشش کروگی تو میرا فون بند ہوجائے گا۔'' میں نے لڑکی کو آگاہ کیا ''شاید آئزک اس وقت دفتر میں موجود نہیں ہے اسی لیے تم اس کے لیے آنے والی کالز ریکارڈ کررہی ہو؟''

''یس سر!'' لڑکی نے مشینی لہجے میں اقرار کیا۔

''وہ جہاں بھی ہے، اسے تلاش کرکے پیغام دو کہ میں بارہ بجے اسے فون کروں گا۔''

''سر! تمہارا نام کیا ہے؟'' لڑکی نے مرعوب لہجے میں پوچھا۔

''پیغام سے وہ خود میرا نام سمجھ جائے گا۔'' میں نے سردمہری سے جواب دے کر فون بند کردیا۔

ویرا اخبار کی بیشتر خبریں سونگھ کر خاصی دیر بعد باتھ روم سے برآمد ہوئی تو ناشتا تیار تھا۔

''ولسن کے بارے میں اخبارات میں صرف ایک ہی خبر آئی ہے کہ پرنسٹن میں اپنے فرائض کے انجام دہی کے بعد وہ واپسی میں کہیں لاپتا ہوگیا۔'' اس نے میرے سامنے کرسی سنبھالنے کے بعد اپنے مطالعے کا نچوڑ پیش کیا ''اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دماغ سے رات کا خمار ابھی تک صاف نہیں ہوا......تم......''

''بس!'' اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کردیا ''رات کی باتیں رات ہی کو اچھی لگتی ہیں۔اس وقت انہیں

دہرا کر تم کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔“

”میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے لیے الگ کمرا لے لوں تاکہ ہم دونوں کو اپنا وقت اپنی مرضی سے گزارنے کی آزادی مل سکے۔ یہاں تم ہر وقت میرے اوپر مسلط رہنے کی کوشش کرتی ہو......“

”اتنے سادہ لوح بننے کی کوشش مت کرو۔ جہاں تمہاری رضامندی شامل ہوتی ہے وہاں مجھے ڈھیل دے کر بعد میں احسان جتاتے ہو۔ مرضی نہ ہو تو میری ایک نہیں چلنے دیتے۔“ وہ لڑنے والے انداز میں بولی ”یہ نہ سمجھنا کہ الگ کمرا لے کر تمہیں من مانی کرنے کی چھوٹ مل جائے گی۔ تم نے ایسی کوئی حرکت کی تو میں تمہارا جینا دوبھر کر دوں گی۔“

میں خاموشی سے سر جھکا کر ناشتا کرنے میں مصروف رہا۔ ویرا کو سلگانے اور ضرورت سے زیادہ بے لگام ہونے سے روکنے کے لیے کبھی کبھی ایسی دھمکیاں ناگزیر ہو جاتی تھیں۔

”تم نے ابھی تک ارشاد نہیں فرمایا کہ ولسن کے بارے میں اخبار نے کون سی اچھوتی بات پیش کی ہے۔“ میری طویل ہوتی ہوئی خاموشی سے اکتا کر اس نے چڑچڑے انداز میں کہا۔

میں بے ساختہ ہنس پڑا ”خبر میں فرائض کی انجام دہی کے بعد، واپسی میں اس کی گمشدگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیا اتنی سی بات بھی تم نہیں سمجھ سکتیں؟“

”جب وہ پرسٹن میں دیکھا گیا تھا تو ظاہر ہے کہ واپسی ہی میں غائب ہوا ہوگا۔“ ویرا نے میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی ”جاتے ہوئے اس کے ساتھ کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا تو وہ پرسٹن پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس میں کون سی خاص بات ہے؟“

”رات کو سی آئی اے کی ایک ٹیم وہاں گئی تھی......“

میں نے وضاحت کرنی چاہی لیکن اس نے میری بات اڑا دی ”یہ سی آئی اے کا نہیں، ایف بی آئی کا کیس ہے۔ ضروری نہیں کہ تمہیں عالم خواب میں ملنے والی ہر خبر ہمیشہ درست ثابت ہو۔“

”بھاڑ میں جاؤ۔“ اس کی غیر ضروری بحث تمحیص سے میں جھلا گیا ”اس وقت تمہاری عقل پر پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ تمہیں کوئی بات نہیں سمجھائی جا سکتی۔“

”اچھا، اب میں خاموش رہوں گی۔“ وہ خوشامدانہ لہجے میں بولی۔ ”لیکن تم ایک ہی سانس میں پوری بات بتا جاؤ تاکہ مجھے بولنے کا موقع نہ مل سکے۔“

”سی آئی اے والوں کے ساتھ بدری بھی وہاں گیا ہوگا۔ رات کو اس سے میری بات ہوئی تھی۔ اگر خبر وہی ہے جو تم نے بتائی ہے تو پرسٹن کے گودام کے معائنے کے بعد انہوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ ولسن نے غائب ہونے سے پہلے اپنا کام مکمل کر لیا تھا۔“

”ہا......آں“ وہ منہ پھاڑ کر بولی ”یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے۔ اطمینان ہو جانے کے بعد اب وہ پرزوں کے ساتھ دوبارہ چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔“

”بس یہی ایک اچھی بات ہے۔ اخبار میں جو بات نہیں چھپی وہ یہ ہے کہ اب نہیں سرگرمی سے مس روتھ بیل کی تلاش ہوگی جس نے چھ ہفتوں کی پیشگی کرایہ دے کر برابر والی دکان حاصل کی تھی اور اب غائب ہو گئی ہے۔ سی آئی اے والے بال کی کھال نکالنے کے عادی ہوتے ہیں۔ دونوں چھتوں کے سوراخ بھی ان کی توجہ کا مرکز ضرور بنے ہوں گے۔“

”بنا کریں، میں نے تمہارا کھڑا ہوا ریک شگاف کے نیچے سے ہٹا دیا تھا۔ خالی کین اور ڈبے بھی وہاں سے اٹھا کر باہر ڈسٹ بن میں ڈال دیے تھے۔“ اس نے بے پروائی سے کہا۔

اس نے اپنا کام پوری تن دہی سے کیا تھا۔ مجھ سے ایک چوک ہو گئی تھی۔ میں نے گودام کی چھت پر پڑی ہوئی چادر کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے کہیں ٹھکانے لگانے کے بجائے چھت پر ہی چھوڑ دیے تھے۔ ان کو دیکھ کر تفتیشی حکام شبہ کر سکتے تھے کہ ولسن کی واپسی کے بعد یا اس سے پہلے کسی نے گودام میں داخل ہو کر کوئی کارروائی کی تھی۔

”کیا بات ہے؟ تم اچانک کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے ہو؟“ ویرا نے خاموش پا کر مجھے ٹوکا۔

میں نے اسے اپنی فکرمندی کے نئے سبب سے

آگاہ کر دیا۔

''میں اسی لیے تمہارا سایہ بن کر تمہارے ساتھ رہنے کی کوشش کرتی ہوں کہ تمہارے بگاڑے ہوئے کام سنوار سکوں۔'' اس نے فخر سے کہا'' چھت پر وہ ڈھیر دیکھتے ہی مجھے تمہاری حماقت کا اندازہ ہوگیا تھا۔ میں نے وہ سارے ٹکڑے سمیٹ کر نالے میں ڈال دیے تھے۔''

''وہاں مجھے کوئی نالہ نظر نہیں آیا۔ جب تم نے ڈبے وغیرہ ڈسٹ بن میں ڈالے تھے تو چادر کے ٹکڑوں کے لیے نالے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟''

''چادر کے ٹکڑے زیادہ اہم تھے اور پھر نالہ بھی قریب تھا۔ پرسٹن کے اس علاقے میں تم کچھ وقت گزارتے تو تمہاری طبیعت خوش ہوجاتی۔ وہاں گندگی سے لے کر کام چوری تک، سب کچھ بالکل ویسا ہی ہے جیسا پاکستان میں ہوتا ہے۔''

''تم پاکستان کا مذاق اڑا رہی ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اس معاملے میں تھوڑا سا جذباتی ہوں۔ ایسی باتیں میرے لیے تکلیف دہ ثابت ہوتی ہیں۔''

''مذاق نہیں اڑا رہی، حقیقت بتا رہی ہوں۔ تمہارے زیادہ تر ہم وطن امریکا کے بڑے بڑے شہر، عمارتیں اور تفریحی مراکز دیکھتے ہیں اور ان کی آنکھیں پھٹی رہ جاتی ہیں۔ اپنے ملک لوٹتے ہیں تو وہ ہر وقت امریکا کے ہی گن گاتے رہتے ہیں جیسے پورا امریکا مین ہٹن جیسا ہو۔ تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ بعض دور افتادہ علاقوں میں معیار اتنا بلند نہیں ہے۔''

اس کی وہ بات سن کر مجھے پرسٹن کے مضافات کے وہ بھیڑیے یاد آگئے جو ولسن کے خون کی بو پر اپنی سرسبز کمین گاہوں سے نکل آئے تھے۔ شاید بھیڑیوں کی مردم آزادی کے خوف سے ہی اس علاقے کی آبادی کنوئیں کو خیر باد کہہ کر کسی اور سمت منتقل ہوگئی تھی۔ امریکا اور دوسرے ملکوں میں مشینی زراعت کے رواج پا جانے کے باوجود زرعی مزدوروں کی ضرورت یکسر ختم نہیں ہوئی تھی اور یہ ضرورتیں شاید خانہ بدوش قسم کے بوریا نشین مزدور ہی پوری کرتے تھے۔

ولسن کے بارے میں چھپنے والی خبر پرویرا کے ساتھ

تبادلہ خیال اس لحاظ سے مفید ثابت ہوا تھا کہ وہاں کی پوری صورت حال میرے ذہن میں تازہ ہوگئی تھی۔ تفتیشی افسروں نے پرستن میں کچھ کیا تھا اس کے بارے میں صحیح رپورٹ رات کو بدری سے ہی مل سکتی تھی۔

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر پوچھا۔

''تین بجے ڈریم لینڈ جانے تک میں بالکل فارغ ہوں۔'' ویرا نے بے پروائی سے کہا ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے ہمیں دن دہاڑے وہاں کیوں بلایا ہے۔''

''شاید وہ بھول چکا ہے کہ تم رات کی شہزادی ہو ورنہ کل رات ہی کو ملاقات ہوجاتی۔''

''دن کو ان تفریح گاہوں میں الو بولتے ہیں اور وہاں پھٹکار برستی رہتی ہے۔ روشنیاں جلنے کے بعد وہاں کی زندگی جوبن پر آتی ہے اور رات بھر ہنگامے جاری رہتے ہیں۔''

''یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ساری دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایسے ٹھکانوں پر رات کے اندھیروں میں کاروبار ہوتا ہے۔ دن کی روشنی میں بدمعاشوں کا لین دین اور جمگھٹ ہوتا ہے۔ اس نے ہمیں پروگرام دکھانے کے لیے نہیں بلکہ ضروری گفتگو کے لیے بلایا ہے۔ اس کے لیے دن کا وقت موزوں ہے۔''

''میرا ان مذاکرات سے الگ رہنا ہی بہتر رہے گا۔'' وہ بڑبڑائی۔ ''اس نے کوئی اوندھی سیدھی بات کی تو میرے لیے برداشت کرنا مشکل ہوجائے گا۔ تمہاری ساری افہام وتفہیم دھری کی دھری رہ جائے گی۔''

''مجبوری ہے۔ اس نے ہم دونوں کو بلایا ہے۔ تمہیں جانا پڑے گا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا ''تم اس سے اپنے باپ کے زمانے میں ڈیل کرتی رہی ہو۔ وہ مراتب کا خیال رکھنے والا، پرانی سوچ کا آدمی ہے۔ جمی لائیڈ کی وجہ سے تمہاری ہر جا و بے جا بات پر سر جھکا دیتا ہوگا۔ تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اب جمی لائیڈ زندہ نہیں ہے۔ یہی غنیمت ہے کہ وہ ہمارے ساتھ خیر سگالی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔''

''اپنے تلوے چاٹنے والے کی خوشنودی کا خیال رکھنا میرے لیے بہت مشکل کام ہے۔ پھر بھی میں اپنی سی پوری کوشش کروں گی کہ میری وجہ سے وہاں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو۔ بس یہ یاد رکھنا کہ تین بجے کی یہ ملاقات خطرناک بھی ثابت ہوسکتی ہے۔''

''تم نے اپنی زبان اور سوچ پر قابو رکھا تو وہاں کوئی خطرہ پیش نہیں آسکتا۔''

''خطرہ میری طرف سے نہیں، اسحاق گھنٹی اور رنکس والوں کی طرف سے ہے۔ انہیں ڈریم لینڈ میں ہم تینوں کے اجتماع کی بھنک بھی مل گئی تو وہ پورے علاقے کو گھیر کر کھنڈر کردیں گے۔''

''یہ تمہاری منفی سوچ ہے۔ سبز فائل کے چکر میں اسحاق گھنٹی ایسی شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا ہے کہ اس وقت اسے کچھ اور سوجھ ہی نہیں رہا ہوگا اور پھر چارلی بھی بہت عیار آدمی ہے۔ مکمل رازداری اور حفاظتی انتظامات کی طرف سے مطمئن ہوئے بغیر اس نے یہ پروگرام طے نہیں کیا ہوگا۔''

''چارلی کی ہوشیاری اور اسحاق گھنٹی کی پریشانیاں اپنی جگہ لیکن رنکس کے درندے اپنے سربراہ کی اندرونی حالت سے بے خبر ہو کر اپنے حریف کی تلاش میں سرگرداں ہیں......''

''بارہ بجنے والے ہیں۔ میں نے اسحاق گھنٹی کو فون کا وقت لیا ہوا ہے۔ تازہ ترین صورت حال ابھی سامنے آجائے گی۔''

''اوہ۔ تم نے یہ بات مجھ سے پوشیدہ رکھی ہوئی تھی۔'' اس نے شکوہ کیا۔

''تم اپنے دارالمطالعہ میں اخبار بینی میں مصروف تھیں۔ تمہیں کیسے آگاہ کرتا؟''

ویرا کو جواب دے کر میں نے ڈیوڈ اسٹارز کا نمبر ملایا تو وہاں اسی لڑکی نے فون اٹھایا جس سے دو مرتبہ میری بات ہوچکی تھی۔ آئزک بیل کا نام سنتے ہی وہ میری آواز پہچان گئی۔ اس نے بتایا کہ میرا پیغام اسے پہنچا دیا گیا تھا۔ وہ اپنے دفتر میں میری کال کا منتظر تھا۔

کریڈل دبا کر میں نے رنگس کے دفتر میں آئزک بیل کا نمبر ملایا تو اس کی آواز سے تکان اور پژمردگی مترشح تھی۔

"تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" میری آواز سنتے ہی اس نے پرامید لہجے میں سوال کیا۔

"میں نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا ہے۔ سبز فائل کی پوری تحریر پڑھ لی گئی ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

ویرا نے میرے شانے پر جھک کر آئزک بیل کی آواز سننے کی اضطراری کوشش شروع کر دی۔ وہ میرے اوپر چڑھی چلی آرہی تھی۔ میں نے سرک کر اس کے لیے گنجائش پیدا کی اور اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر ٹک کر کان ریسیور سے لگا دیا۔

"نہیں، تم جھوٹے ہو۔" دوسری طرف آئزک بیل میرا دعویٰ سن کر برس پڑا تھا "تم اپنی ان مکاریوں سے میرے اعتماد کو متزلزل نہیں کر سکتے۔"

"پھر اس بات سے انکار کر دو کہ اس معاہدے کے نام کا مخفف گیپ ہے۔"

میرے ان الفاظ پر آئزک بیل یقیناً صدمے سے دوچار ہوا تھا۔ چند ثانیوں بعد اس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری "تمہیں کہیں سے فائل کے نام کی سن گن مل گئی ہوگی۔ میرے لیے یہ بھی ناقابل یقین بات ہے۔ اس دستاویز پر دستخط کرنے والے چار افراد کے سوا صرف صدر کو اس کا راز معلوم ہے ورنہ پورے امریکا میں کوئی اس تحریر کو نہیں پڑھ سکتا۔ حرام زادی ہیلن نے مجھے ڈبو دیا اور میں نے اسے پاگل کر کے اپنے پیروں پر خود کلہاڑی مار لی۔ میں مانتا ہوں کہ اس فائل کا نام گیپ ہے۔ اب خدا کے لیے وہ مجھے لوٹا دو۔ بولو، تم اس کے عوض کیا چاہتے ہو؟"

میری زبان سے معاہدے کا نام سن کر بھی اس کا گھمنڈ باقی تھا۔ سبز فائل کی رازداری کے بارے میں اس کی خوش فہمیوں کو پاش پاش کرنے کے لیے میں نے اگلا وار کر دیا "فائل میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اس وقت سی آئی اے کا سربراہ سبز فائل کی بہترین قیمت ادا کر سکتا ہے۔ سی ون تھرٹی والے معاملے کے غدار کو کیفر کردار تک پہنچانے میں صرف یہ فائل اس کی راہ کی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ گیپ ایک فائل کا نہیں، تمہاری مادر پدر آزادیوں کے پروانے کا نام ہے۔ اگر تمہیں اب بھی میری بات کا یقین نہیں ہے تو میں ڈی کوڈ کی ہوئی پوری تحریر تمہیں فیکس کر سکتا ہوں۔"

"مجھے یقین آگیا، تم سچ بول رہے ہو۔" گہری گہری سانسوں میں آئزک بیل کی تھکی ہوئی اور شکست خوردہ آواز ابھری "تم نے فائل پڑھ لی ہے تو اب تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ وہ میرے لیے کسی قدر اہم ہے۔ اسے کھو کر میں تباہ و برباد ہو جاؤں گا۔ صدر میری حمایت سے ہاتھ اٹھا لے گا...... ڈینی! تم میرے بھائی ہو۔ میں کمینہ اور خود غرض انسان ہوں۔ میں نے تمہیں بہت دکھ دیے ہیں۔ میرے اوپر صرف ایک احسان کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ملک کو ہمیشہ کے لیے بھول جاؤں گا۔" فرط اندوہ سے اس کی آواز بری طرح رندھ رہی تھی۔

آئزک بیل کی حالت کا تصور کر کے میں اندر سے لرز اٹھا۔ میں اس کے چیتھڑے اڑا کر بھی اسے ایسی ذلت و رسوائی سے دوچار نہیں کر سکتا تھا جس میں وہ زندہ سلامت رہ کر مبتلا ہو گیا تھا۔ اس کا غرور اور تکبر آسمان پر اچھالے ہوئے تھوک کی طرح اس کے منہ پر آ پڑا تھا۔

"تم چار بجے تک انتظار کرو۔ میں کسی بھی وقت دوبارہ بات کروں گا۔" میں نے سرد اور بے رحمانہ لہجے میں کہا۔

"میں تمہارا غلام ہوں۔ تم سے بات کیے بغیر یہاں سے نہیں ہلوں گا۔ بس فائل مجھے لوٹا دو۔" وہ گڑگڑانے لگا۔ اس کی ساری انانیت اور خود پسندی نیست و نابود ہو چکی تھی۔

میں نے فون بند کر دیا۔

ویرا والہانہ انداز میں اچھل کر مجھ سے لپٹ گئی اور اپنے سلگتے ہوئے ہونٹ میری پیشانی پر رکھ دیے۔ حالات کی اس کایا پلٹ پر بے اختیار میری آنکھوں کے گوشے نم ہونے لگے۔

آئزک بیل نے اپنے پیش [illegible]
موت کے بعد پاکستان کے خلاف کی جانے والی خفیہ صیہونی ریشہ دوانیوں کی سربراہی نہایت تزک واحتشام کے ساتھ سنبھالی تھی۔ اس کی اٹھان سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے امریکا کی سرزمین سے اٹھنے والی اس ہولناک آندھی پر میں اسپیشل ٹاسک فورس کے ساتھ مل کر بھی قابو نہ پاسکوں گا۔

دوسروں کے برعکس وہ نہایت عیاری کے ساتھ منصوبے بنانے اور غیر متوقع طور پر وار کرنے میں ماہر تھا۔ اس نے ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے کبھی بھی اپنی لگائی ہوئی آگ میں کودنے کی غلطی نہیں کی تھی۔ پاکستان سے ہزاروں میل دور رہ کر اپنے مہروں کی ڈوریاں ہلاتا اور ہمارے لیے مشکلات پیدا کرتا رہا تھا۔

بدری ناتھ کے ایما پر کراچی سے نیویارک کی روانگی کا منصوبہ بناتے ہوئے مجھے یہ امید ضرور تھی کہ ہم امریکا پہنچ کر صیہونی دہشت گردوں کے مفادات کو گہری زک پہنچا سکیں گے مگر یہ امکان بہت موہوم نظر آتا تھا کہ اس طویل سفر کے نتیجے میں آئزک بیل کے فتنے کا خاتمہ ہو جائے گا۔

ہمارے نیویارک پہنچنے کے بعد حالات نے بہت تیزی کے ساتھ پلٹا کھایا تھا کہ ہم اپنے اس حریف کے مقابلے میں مدافعت کے بجائے یکایک پیش قدمی کی پوزیشن میں آ گئے تھے۔

اس وقت تک جو کچھ ہوتا رہا وہ اپنے نتائج کے اعتبار سے ہمارے یا پاکستان کے مفادات کے لیے بہت زیادہ اہم نہیں تھا۔ ہارلم کی خوں ریزی اور اس کے نتیجے میں رنکس کی بدنامی نیویارک کے مقامی مسائل تھے جن سے ہمیں کوئی فیض نہیں پہنچ سکتا تھا لیکن ان واقعات کی کوکھ سے یکایک دو ایسے ناقابل فراموش کردار ابھرے جنھوں نے پانسہ پلٹ دیا۔

پہلی ہیلن رائے تھی جس کے دلیرانہ رویّے نے رنکس کے ملازمین کی صفوں میں اضطراب اور دہشت کی لہر دوڑا دی۔ وہ بے چاری اپنی اس بے باکی کی سزا دیوانگی کی صورت میں بھگت رہی تھی۔ اس کی ہموار کی

[illegible]
آئزک بیل کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لیے پوری رازداری کے ساتھ سبز فائل ہمارے حوالے کر دی۔

سبز فائل میں لگے ہوئے وائٹ ہاؤس کے پانچ اوراق پر مشتمل گیپ نامی خفیہ معاہدے کا بھید کھل جانے کے بعد آئزک بیل کے سارے خواب خاک میں ملتے نظر آ رہے تھے۔ کم ڈیش لامحدود اختیارات کی اس سرکاری دستاویز کے گھمنڈ میں اس نے صرف اپنے حریفوں کو ہی پامال نہیں کیا تھا بلکہ امریکا کے کچھ بارسوخ اور طاقت ور حلقوں کو بھی اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ ان لوگوں کو بھنک بھی مل جاتی کہ ان کے اختیارات کو للکارنے والا سبز فائل سے محروم ہو چکا ہے تو وہ بھی بھوکے عقابوں کی طرح آئزک بیل پر ٹوٹ پڑتے اور سی ون تھرٹی والے معاملے میں امریکا کے وقار اور مفادات کے خلاف فیصلہ تھوپنے کے جرم میں اسے کیفر کردار کو پہنچا دیتے۔

اپنے دشمنوں کو کسی حقیر چیونٹی کی طرح مسل دینے کا دعویٰ کرنے والا آئزک بیل یک بہ یک ہی ہر طرف سے گھرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس کی شہ رگ پر انگلی رکھ دی تھی، سی آئی اے والے اسے زیر دام لانے کے لیے موقع کی گھات میں تھے اور ان کی صفوں میں بدری ناتھ ہمارا مخبر بنا بیٹھا تھا، تیسری طرف بلیک ڈیڈ کے ذہن میں بھی اس کے خلاف لاوا پکنا شروع ہو گیا تھا۔

وقت کے اس انقلاب نے آئزک بیل کا انجام بڑی حد تک واضح کر دیا تھا۔ کوئی معجزہ رونما نہ ہوتا تو دنیا کی کوئی طاقت اسے مکمل بربادی سے نہیں بچا سکتی تھی۔ فیصلہ صرف یہ ہونا تھا کہ ہانکے میں آئے ہوئے اس بڑے شکار کو اس کا کون سا دشمن مار گرائے گا۔

ویرا کو سبز فائل ڈی کوڈ ہونے کی مجھ سے زیادہ خوشی تھی، آئزک بیل کی مکمل بے بسی اور عاجزی پر اپنے جذباتی ابال کے والہانہ اظہار سے گزرتے ہی اسے اول خان یاد آ گیا اور وہ چونک کر بولی ”بارہ بج چکے ہیں۔ تین بجے چارلی سے ملنے ڈریم لینڈ جانا ہے۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ تم اول خان سے کب بات کرو گے؟ اس وقت وہ ذہنی عذاب سے گزر رہا ہوگا۔“

''خود ہی اہم کاموں میں تاخیر کے اسباب پیدا کرتی ہو اور پھر خود یاد دہانی کرانے لگتی ہو۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا ''ان باتوں سے میرا موڈ تباہ ہو جاتا ہے۔''

''میں نے تاخیر کا کیا سبب پیدا کر ڈالا......؟'' وہ حیرت سے دیدے پھاڑ کر بولی۔

''آ ئزک بیل کی لاچاری پر تم نے کسی نوعمر لڑکی کی طرح اچھل کود شروع نہ کی ہوتی تو میں اب تک کسی پبلک بوتھ سے کراچی بات کر رہا ہوتا۔'' میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''میں نوعمر ہی ہوں۔ وقت اور تجربات کی بھٹی سے گزر کر اگر میں نے قبل از وقت بہت کچھ سیکھ لیا ہے تو تمہیں یہ حق نہیں کہ میری عمر میں دس بیس برس کا اضافہ کردو......''

میں نے اس کا احتجاج درمیان ہی سے اچک لیا ''چلو تم نوعمر بلکہ نومولود ہی سہی لیکن اب تمہیں خود پر قابو رکھنا ہوگا۔ حیلے بہانے سے تمہاری دست درازیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔''

وہ کھلکھلا کر فخریہ انداز میں ہنس پڑی ''قسمت سے مجھے میری مرادوں کے یہ چار دن ملے ہیں اور تم انہیں بھی مجھ سے چھین لینا چاہتے ہو۔ کراچی لوٹنے کے بعد تم ایک مرتبہ پھر غزالہ کے خوابوں میں ڈوب کر مجھ سے دور ہو جاؤ گے۔ ٹھنڈے دل سے غور کرو گے تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ تم خود ہی لاشعوری طور پر مجھے ایسی حرکتوں پر اکساتے رہتے ہو۔ شاید میری اور تمہاری پوشیدہ خواہشیں یکساں ہوتی ہیں۔ تم ان کے اظہار سے ڈرتے ہو۔ میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ جو دل میں آتا ہے، کر گزرتی ہوں۔''

''ان ہی خوش فہمیوں سے اپنا دل بہلاتی رہو۔'' میں نے اسے چڑانے والے انداز میں ہاتھ لہرا کر کہا اور دروازے کی طرف ہولیا۔

''کہاں چلے؟ کیا اول خان کو گیپ کے کاغذ فیکس کرنے کا ارادہ نہیں ہے؟'' اس نے مجھے ٹوکا۔

''یہی سمجھ لو۔ ہم چارلی کے آدمیوں سے دو مرتبہ مار کھا چکے ہیں۔ اس وقت بھی اس کا کوئی نہ کوئی آدمی میرا پیچھا کرے گا۔ کسی بوتھ سے فون کرنے کی بات مختلف ہے۔ میں نے پاکستان فیکس کیا تو پاکستان کا فیکس نمبر اس کے علم میں آنا زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔''

''احتیاطاً وہ کاغذ ساتھ لے جاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ میری طرح تم بھی نگرانی کرنے والے کو جُل دینے میں کامیاب ہو جاؤ۔'' وہ ہر حال میں پُر امید رہنے کی عادی تھی اور اس چکر میں عام طور سے بہت سے خطرات کو یکسر نظر انداز کر دیتی تھی۔

''تم ہٹ دھرم اور ضدی ہو۔ پچھلی رات اس کے آدمی کو چکما دے کر آوارہ گردی کے لیے نکل گئیں۔ اب میں نے بھی وہی حرکت دہرائی تو چارلی ہماری سرگرمیوں کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ مجھے ایسی بے فیض حرکتوں کا کوئی شوق نہیں ہے۔''

''تم جانو۔'' وہ شانے اچکا کر رہ گئی ''میں بھی تمہارے بارے میں وہی رائے رکھتی ہوں جو تم میرے بارے میں ظاہر کرتے رہتے ہو۔ اپنی مرضی ہوگی تو کسی اندھی کھائی میں چھلانگ لگا دو گے۔ میں مشورہ دوں گی تو فٹ پاتھ سے سڑک پر اترنے کا خطرہ بھی مول نہیں لو گے۔''

میں اس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر کمرے سے راہداری میں نکل گیا۔

لفٹ سے نیچے پہنچ کر میں ہوٹل کی لابی سے گزر رہا تھا کہ وہاں پڑے ہوئے ایک صوفے سے ایک سفید فام تیزی سے میری طرف آیا۔ اس کے شناسا چہرے پر نظر پڑتے ہی میں چونک پڑا۔

''ہائے!'' اس نے میرے ساتھ لکاس کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے خالص امریکی لہجے میں دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا......'' کہیں دور جانے کا ارادہ ہو تو باہر میری پرائیویٹ ٹیکسی موجود ہے۔''

''میں مفت کی سواری پسند نہیں کرتا۔ میرا ادا کیا ہوا کرایہ تم ایک بار پھر چارلی کو لوٹا دو گے۔''

''جہاں جانا ہو، خوشی اور آزادی کے ساتھ جاؤ مگر مجھے غچا دینے کی کوشش نہ کرنا۔'' اس نے سنجیدگی سے مجھے آگاہ کیا ''پچھلی رات تمہاری ساتھی نے یہ چالا کی

دکھائی تھی۔ اسی لیے آج مجھے مامور کیا گیا ہے۔ تم دونوں مجھے پہچانتے ہو۔ میں تمہاری نگرانی کے لیے نہیں، حفاظت کی ہدایت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تم سے چھپنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔''

پچھلے روز اسی نے ہمیں پرنسٹن بس ٹرمینل سے اپنی کار میں منزلِ مقصود تک پہنچایا تھا۔ میں خشک نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا۔

ہوٹل کے دروازے سے وہ میرے ساتھ ساتھ باہر نکلا تو میں نے تنک کر کہا ''میرے ساتھ سائے کی طرح کیوں لگے ہوئے ہو؟ حفاظت یا نگرانی، جو کچھ بھی کرنا چاہتے ہو، مجھ سے دور رہ کر بھی کر سکتے ہو اور زیادہ موثر طریقے پر کر سکتے ہو۔''

''تو کیا تم پیدل ہی نیویارک کی سڑکیں ناپنے کے ارادے سے نکلے ہو؟'' اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''میں صرف فون بوتھ تک جا رہا ہوں۔ تم شوق سے میرے پیچھے لگے رہو۔''

وہ سر ہلا کر خوش دلی سے ہنسا اور بولا ''ہوٹلوں میں، میں بھی یہی کرتا ہوں۔ ہوٹل سے فون کال دگنی سے زیادہ مہنگی پڑتی ہے۔ کال زیادہ فاصلے کی ہو تو یہ احتیاط ضروری ہو جاتی ہے۔''

تبصرہ کرتے ہوئے اس نے از خود اپنی رفتار دھیمی کر لی اور میں تیزی کے ساتھ نکڑ کے اس فون بوتھ کی طرف بڑھتا رہا جہاں مین ہٹن کے ایک اٹھائی گیرے نے مجھے لوٹا تھا۔

وہ مین ہٹن کی مشہور زمانہ امپائر اسٹیٹ بلڈنگ والی چونتیسویں اسٹریٹ کا مغربی حصہ تھا۔ اس وقت فٹ پاتھوں پر گلوں میں کیمرے لٹکائے متعدد یورپی اور ایشیائی سیاح رواں دواں تھے۔ اس بھیڑ میں افریقیوں اور امریکا کے مقامی کالوں میں صرف لباس کے فرق سے امتیاز کرنا ممکن تھا۔ ان میں سے بہت سے جوڑے ایک دوسرے سے یوں جڑے ہوئے مست خرامی کر رہے تھے جیسے انہیں صرف اسی دن اور اسی دوپہر ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع ملا ہو۔

ان خرافات کا سرسری جائزہ لیتا ہوا میں فون بوتھ میں داخل ہوا تو میں نے پہلو بدل کر کن انکھیوں سے تعاقب کرنے والے کا جائزہ لیا۔ مجھے بوتھ میں داخل ہوتے دیکھ کر اس نے اپنی پیش قدمی موقوف کر دی تھی اور کسی تھکے ماندے سیاح کی طرح ایک عمارت کی دیوار سے ٹیک لگا کر سگریٹ کے کش لینے میں مصروف ہو گیا تھا۔

اول خان گھر پر ہی تھا اور بے چینی کے ساتھ میرے کسی پیغام کا منتظر تھا۔

''کھیپ کلیر ہو چکی ہے۔ پرزے بے فکری سے مرمت کے لئے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔'' میں نے کسی تمہید کے بغیر اسے وہ خوش خبری سنا دی۔

''خدا کا شکر ہے!'' اطمینان کے ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی بے ساختہ آواز سنائی دی ''میرے لیے یہ بہت بڑی خبر ہے ورنہ کل سے میری پریشانی اچانک بڑھ گئی تھی۔''

''تم فرض شناسی اور احساسِ ذمے داری کے سنگین مرض میں مبتلا ہو۔'' میں نے ہنس کر تبصرہ کیا ''بعض اوقات اپنے لیے خود ہی پریشانیاں ایجاد کر لیتے ہو.....''

''شاید تم کو ایسا محسوس ہوتا ہو مگر میں بے بنیاد وسوسوں سے حتی الامکان دور رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کل رات خبر ملی کہ نک موڈلے یہاں سے اچانک ورجینیا کے لیے روانہ ہو گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کسی اہم مشن پر اپنے ملک گیا ہے اور یہ مشن ہمارے لیے پریشان کن ہو سکتا ہے۔''

''وہ ورجینیا پہنچ رہا ہے۔ یہاں اسے دیکھ لیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کو اس کا کوئی متبادل بھیجنے کی ضرورت پیش آ جائے۔ یہاں کی سرگرمیوں میں اچانک بہت تیزی آ گئی ہے۔''

''تمہاری آواز بہت پُر اعتماد ہے۔ کاش میں تمہارا ہاتھ بٹا سکتا....'' وہ بولا۔

میں نے اس کی بات کاٹ دی ''یہ خیال ذہن سے نکال دو۔ بھیڑ بھاڑ سے پوری بساط الٹ سکتی ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ ہمیں بی جمالو والی کہانی دہرانی پڑ رہی ہے۔''

''یہ تو بہت ہی نیک کام ہے۔ اگر دشمن آپس میں

اور اگر ایک دوسرے کو فنا کرتے رہیں تو ہماری زندگیاں
بہت سکھ چین سے گزر سکتی ہیں۔ مجھے سلطان شاہ کی
بہت کی طرف سے گہری تشویش تھی۔ آج شام اسے
بھی محدود سفر کے لیے کلیئرنس مل گئی ہے۔"

وہ واقعی ایک بڑی خبر تھی۔ میں نے اپنے دل کی تیز
ہوتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ پوچھا "وہ وہاں سے کب
واپس آرہا ہے؟"

"کل وہاں سے امریکی فضائیہ کی ایک ایئر
ایمبولینس اسے واپس لارہی ہے۔"

"نہیں، اول خان۔ یہ پھر کوئی سازش ہوسکتی
ہے۔" میں نے اضطراری لہجے میں کہا "تمہیں نہیں
معلوم کہ اس کے ناکام اغوا کی کوشش نے کس کس کے
سینے داغ دار کیے ہیں۔ وہ دوران سفر ہی اسے مار دیں
گے اور ہم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

"اس خطرے نے میرے ذہن میں بھی سر ابھارا
تھا" اس نے قدرے کمزور آواز میں اعتراف کیا
"ترکی والوں کے مقابلے میں ان کی ایئر ایمبولینس
جدید ترین طبی سہولتوں سے آراستہ ہے۔ مجھے یقین دلایا
گیا ہے کہ سلطان شاہ کی حفاظت کے لیے ہر ممکن
احتیاطی تدبیر اختیار کی جائے گی۔"

"جدید ترین کے مقابلے میں دوستوں کی روایتی ایئر
ایمبولینس زیادہ محفوظ رہے گی۔ موجودہ بندوبست کو سختی
سے مسترد کردو۔ اس میں مہلک خطرات پنہاں ہیں۔"

"ملکی بورڈ نے اسے صرف ان ہی سہولتوں کے
ساتھ سفر کی اجازت دی ہے۔" اول خان نے مایوسانہ
آواز میں آگاہ کیا "ہم نے اس تجویز کو مسترد کیا تو
سلطان شاہ کی منتقلی میں کئی دن کی تاخیر ہوسکتی ہے۔ وہاں
وہ کتنا ہی محفوظ کیوں نہ ہو، میرا دل اس کے لیے ہر وقت
فکرمند رہتا ہے۔"

چند ثانیوں کے لیے میں سوچ میں پڑ گیا پھر میں
نے سوال کیا۔ "کیا اس سفر میں ایوب آغا بھی سلطان
شاہ کے ساتھ طیارے پر موجود ہوگا؟"

"ان لوگوں نے اب تک جس برادرانہ جذبے
کے ساتھ تعاون کیا ہے، اس کی روشنی میں ان سے ایسی
باتیں نہیں پوچھی جاسکتیں۔ انہوں نے پورا اطمینان دلایا
ہے کہ وہ مریض کو پوری حفاظت سے کراچی پہنچا دیں
گے۔ ہمیں اس یقین دہانی کو قبول کرنا تھا یا پھر اس وقت
تک انتظار کرنا تھا جب تک سلطان شاہ ان کے اپنے کسی
طیارے میں سفر کرنے کے قابل نہ ہوجائے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم ان کی تجویز پر اپنی
رضامندی دے چکے ہو؟"

"یہ سب سفارتی سطح پر طے پایا ہے۔ میں کسی گنتی
میں نہیں تھا۔ فیصلہ ہوجانے کے بعد مجھے اطلاع دی گئی
تھی تاکہ میں کراچی ایئرپورٹ پر سلطان شاہ کو حفاظتی
تحویل میں لینے کے انتظامات کرلوں۔"

"پھر یہ ساری مغز زنی بے سود ہے۔" میں نے ہلکی
سی ترشی سے کہا "اب ہم ہاتھ باندھ کر اس کی صحیح و
سلامت واپسی کے لئے صرف دعا ہی کرسکتے ہیں۔"

"میں تمہارے اندیشوں سے متفق ہوں۔ میں نے
یہی نکات اٹھائے تھے لیکن فیصلہ ہوچکا تھا۔ اب ہم کسی
بدگمانی کے بغیر اچھے نتیجے کا انتظار کرنے پر مجبور ہیں۔"
اس نے اپنا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

"سلطان شاہ کی آزادی کے بعد ہمارے لیے طیارے
والا قصہ ختم ہوچکا تھا مگر یہاں وہ مسئلہ ابھی تک زندہ ہے۔
ناگ اپنا کچلا ہوا پھن پوری قوت سے مار رہا ہے.....

"کچھ پتا نہیں چل رہا کہ ان سازشوں کے
ڈانڈے کہاں کہاں سے ملے ہوئے ہیں۔" وہ میری
بات کاٹ کر خودکلامی کے انداز میں بڑبڑایا "تمہارے
بھیجے ہوئے کاغذات ڈی کوڈ ہوں تو معلوم ہو کہ ان کے
کیا ارادے ہیں اور یہ سلسلہ کہاں جا کر ختم ہوگا۔"

اس کے ساتھ دوسری باتوں میں الجھ کر میں سبز فائل
اور گیپ کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ اس کے یاد دلانے پر میں
نے چونک کر اسے بتایا "اس کا متن کھل چکا ہے۔ وہ
پاکستان، ایران، افغانستان اور ان جیسے دوسرے
ممالک کی بے رحمانہ سرکوبی کے لیے صدر اور سی آئی
اے کے سربراہ کی طرف سے ڈیوڈ اسٹارز اور رکس کو
دیے جانے والے لامحدود اختیارات کا پروانہ ہے۔ یہ
چاروں قوتیں بین الاقوامی مصلحتوں اور رائے عامہ کے

دباؤ کے تحت اختیار کی جانے والی ظاہری سرگاوی پالیسیوں سے قطع نظر ہر وقت اور ہر مقام پر ان ممالک کو ہرنگوں کرنے کا ہر خفیہ حربہ استعمال کریں گی اور ان کارروائیوں پر کسی کو جواب دہ نہیں ہوں گی۔ یہ بہت وحشت ناک دستاویز ہے۔ اسے حاصل کر کے ہم نے پورا معاہدہ سبوتاژ کر دیا ہے۔''

وہ بات میرے لیے بہت سیدھی اور واضح تھی مگر آسانی سے اول خان کے پلے نہیں پڑ سکتی تھی۔

صدر امریکا اس معاہدے کا کلیدی کردار تھا۔ اس نے جس آئین کی پاس داری کا حلف اٹھایا ہوا تھا، گیپ میں اسی سے تجاوز کرتے ہوئے تین طاقتوں کو مجرمانہ دہشت گردی کی کھلی چھوٹ دی تھی۔ وہ خود اپنے ملک کا مقتدر اعلیٰ اور عملی طور پر اپنی ہر خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی قوت رکھتا تھا۔ اسے اپنے منصوبے بروئے کار لانے کے لیے جیسے کسی معاہدے کی سرے سے کوئی ضرورت نہیں تھی۔

کم وبیش یہی صورت امریکی سی آئی اے کی تھی۔ صدر کے بعد امریکا میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر یا سربراہ کو دوسرا طاقت ور ترین فرد تصور کیا جاتا تھا۔ بعض حلقے اسے صدر سے زیادہ طاقت ور قرار دیتے تھے۔ دونوں ہی صورتوں میں سی آئی اے کو عالمی پیمانے پر اپنے تخریبی منصوبے پروان چڑھانے کے لیے گیپ یا کسی اور خصوصی مختارنامے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ دنیا کے ہر خطے میں پیشہ ورانہ افرادی قوت سے مالا مال تھی اور اس کی جملہ سرگرمیوں کو موثر طور پر چلانے کے لئے بجٹ سے ہٹ کر بھی خطیر مالی ذرائع فراہم کیے جاتے تھے۔ یہ سی آئی اے کا اپنا کمال تھا کہ وہ منشیات اور ہتھیاروں کے غیر قانونی کاروبار میں ملوث بڑے بڑے عالمی گروہوں کو کچھ تحفظات وغیرہ فراہم کر کے مزید مالی وسائل پیدا کر لیتی تھی۔ یہ بے اندازہ رقوم جو کہیں بھی ریکارڈ پر نہیں لائی جاتی تھیں، سی آئی اے کی قوت اور من مانیوں کا اصل سرچشمہ تھیں۔

اس کے بعد گیپ کے صرف دو حلیف رہ جاتے تھے۔ رنکس اُنکار پوریٹڈ اور ڈیوڈ اسٹارز۔ راس المیڈا کے قتل کے نتیجے میں ان دونوں کی سربراہی آئزک بیل نے سنبھالی ہوئی تھی۔ یوں گیپ نامی معاہدے کا فائدہ صرف اور صرف اسی کو حاصل تھا۔

معاہدے کا اصل مسودہ اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ وہ دنیا بھر میں من مانی کارروائیاں کرنے کا اپنا اختیار کھو چکا تھا اور یوں وہ خوف ناک گٹھ جوڑ حیرت ناک خاموشی کے ساتھ ناکارہ ہو چکا تھا۔

میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ بلیک ڈیڈ کا بھیجا ہوا نگراں یا محافظ باہر میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اپنے تجزیے کے رموز و نکات پورے اختصار کے ساتھ اول خان کو ذہن نشین کرائے اور پھر اسے معاہدے کے متن کو پڑھنے کا طریقہ کار بھی سمجھا دیا۔

گیپ کا نچوڑ اس تک پہنچ چکا تھا۔ ڈاک کے نظام کی موروثی خرابیوں کے باوجود اس معاہدے کی نقل جلد یا بدیر اس تک پہنچ جاتی اور وہ اسے لفظ بہ لفظ سیدھا کر لیتا۔ اس سے آگے کیا ہونا تھا اور کن لوگوں کو اس فتنے سے آگاہ کرنا تھا، یہ سب سوچنا اول خان کا کام تھا۔

میری ساری باتیں سمجھ لینے کے بعد اول خان نے پُرتشویش انداز میں ایک اہم نکتہ اٹھایا ''سبز فائل اس قدر اہم اور ہولناک ہے تو تم اب تک اسے کیوں لیے بیٹھے ہو؟''

''مجبوری ہے۔ جب تک آئزک بیل زندہ ہے، میرے لیے یہ فائل بہت اہم ہے۔''

''اسے جلا دو، کیس تلف کر دو۔ دشمن کو اتنا حقیر مت سمجھو۔ وہ کسی طرح تم سے یہ فائل واپس لینے میں کامیاب ہو گیا تو یہ معاہدہ پھر سے زندہ ہو جائے گا۔''

میں نے اس سے بحث نہیں کی۔ نرم لہجے میں وعدہ کیا کہ میں اس کے مشورے پر غور کروں گا۔ غزالہ اس وقت اول خان کی بیوی کے ساتھ شادی کی کسی تقریب میں گئی ہوئی تھی۔ میں نے اس کے لیے مختصر سا محبت بھرا پیغام دے کر فون بند کر دیا۔

واپسی پر میرا نگراں اس وقت تک اپنی جگہ پر کھڑا رہا جب تک میں اس کے سامنے سے نہیں گزر گیا۔ نگاہیں چار ہونے پر اس نے مسکرا کر مجھے آنکھ ماری مگر

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے آگے نکل جانے کے بعد وہ دوبارہ میرے پیچھے ہولیا۔

میں ہوٹل پہنچا تو ویرا ڈریم لینڈ کے لیے روانگی کی تیاری میں مصروف تھی۔

نک موڈلے کی کراچی سے روانگی کے بارے میں اول خان سے ملنے والی اطلاع کی اہمیت صرف اتنی تھی کہ اس سے بدری ناتھ کی نیک نیتی ثابت ہورہی تھی۔ اے سی آئی اے سینٹر والوں سے جو کچھ معلوم ہورہا تھا، وہ کسی ردوبدل کے بغیر مجھے بتائے چلا جارہا تھا۔

ایک طرف آئزک بیل کے خلاف ہیلن رائے اور جینی نے ہماری بھرپور مدد کی تھی تو دوسرے محاذ پر بدری ناتھ نے انٹرویل رینڈ کے پرزوں کی کھیپ کی تلاش میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

سلطان شاہ کے بارے میں خبر سن کر ویرا بھی فطری انداز میں چونکی تھی ”کیا ترکی والوں کے پاس ایسی ایک بھی ایئر ایمبولینس نہیں جس کے ذریعے کسی وی آئی پی مریض کو ملک سے باہر بھیجا جاسکے؟“

”تم بھول رہی ہو کہ ترکی امریکا کا ایک پرانا اتحادی اور حلیف ہے۔ انقرہ میں ان کا ایک قابل ذکر ایئربیس ہے۔ جہاں دنیا کی ساری سہولتیں میسر ہیں پھر انہیں مفت میں میسر آنے والی ان سہولتوں پر اپنا پیسہ بہانے کی کیا ضرورت ہے۔“

”ضرورت تو اب تمہارے سامنے ہے کہ سلطان شاہ.....“ اس نے احتجاج میں کچھ کہنا چاہا مگر میں نے پھرتی سے اس کی بات کاٹ دی۔

”سلطان شاہ کے ساتھ ہماری طرح ان کی کوئی گہری جذباتی وابستگی نہیں ہے پھر بھی انہوں نے قبرص سے اسے انقرہ پہنچانے کی اجازت دی اور اس وقت سے اپنی ساری ذمے داریاں نبھارہے ہیں۔ سفر کے لیے اسے وی آئی پی سہولت مہیا کررہے ہیں۔ وہ ہمارے تحفظات سے بے خبر نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کل ہمارے سارے خدشات بے بنیاد ثابت ہوں۔ ان کو پتا ہوتا کہ ان حالات میں سلطان شاہ کی نقل وحمل کی ضرورت پیش آئے گی تو انہوں نے ضرور کوئی جدید ایئر ایمبولینس خرید لی ہوتی۔“

آخری فقرے میں نے ویرا کے اعتراض کا وزن ہلکا کرنے کے لیے مضحکہ اڑانے والے انداز میں ادا کیے تھے لیکن وہ حقیقت سے بہت قریب تھے۔

”ہرجائی پن تمہارے مزاج میں شامل ہے۔“ وہ چڑچڑے لہجے میں بولی ”اس وقت سلطان شاہ سے کسی ہمدردی کے اظہار کے بجائے ترکوں کی وکالت کررہے ہو۔ کاش جینی کو تمہاری فطرت کے اس پہلو سے واقفیت حاصل ہوگئی ہوتی!“

مجھے اس کی بے تکی بات پر ہنسی آگئی ”یہاں جینی کا ذکر کہاں سے آگیا؟“

”وہ باز نہیں آرہی۔“ ویرا نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ”تمہارے جانے کے بعد اس کا فون آیا تھا۔ باتوں باتوں میں بار بار تمہارے بارے میں کرید رہی تھی۔ میں نے کہہ دیا کہ تمہیں ہیضہ ہوگیا ہے اور تم کسی اچھے معالج کی تلاش میں نکلے ہوئے ہو۔“

”مجھے ہیضہ کرانے کی کیا ضرورت تھی۔“ میں نے طنز سے کہا۔ ”کہہ دیا ہوتا کہ کسی حادثے میں آں جہانی ہوگیا ہوں۔ ایک ہی بہانے میں ہمیشہ کے لیے قصہ پاک ہوجاتا۔“

”بس اب سلگ گئے...... یہ بہانہ میں نے سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ بعد میں تم اس کی کوئی کال ریسیو کر بیٹھتے تو مجھے شرمندگی ہوتی۔ میں اسے کیا بتاتی کہ تم دوبارہ کیسے زندہ ہوگئے۔ اب تم ڈائریا کی کمزوری کی وجہ سے اس سے ملنے سے صاف انکار کرسکتے ہو۔“

”ایسی باتوں میں تمہارا دماغ کسی مکار لومڑی کی طرح چلتا ہے۔ شاید تم اسحاق گھنٹی سے زیادہ اسی کے بارے میں سوچ سوچ کر کڑھتی رہتی ہو۔“

”مجھے کڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہاری گردن ہر وقت میری دسترس میں رہتی ہے۔ ہم خواہ آپس میں لڑتے ہی رہتے ہوں، وہ ہماری رفاقت کا تصور کرکے جلتی بھنتی رہتی ہوگی۔“

”تمہاری نفسیات بہت پیچیدہ اور ناقابل فہم ہے۔ اب اپنا سنگھار جلد ختم کرلو۔ باہر ہی کہیں کچھ کھا پی کر ڈریم لینڈ کی طرف نکل جائیں گے۔“

''میں تیار ہوں۔'' وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی ''باہر نگرانی کا کیا حال ہے؟''

''پرنسٹن میں ٹیکسی سروس فراہم کرنے والے سے میری ملاقات ہو چکی ہے۔ دوسرا ابھی کسی کونے کھانچے میں بیٹھا ہوا ہوگا۔''

''آج چارلی سے اس بات کا بھی فیصلہ ہو جائے گا کہ وہ ہمارا ہمدرد اور دوست ہی رہے۔ مربی یا سرپرست بننے کی کوشش نہ کرے۔'' ویرا نے تلخی سے کہا اور میرے ساتھ چل دی۔

نگرانی کرنے والا شناسا شخص ہماری جھلک دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کا دوسرا ساتھی بھی حرکت میں آ چکا ہوگا۔ اس بار میں نے اس پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ ہوٹل سے باہر ایک ٹیکسی سے مسافر اتر رہے تھے۔ ٹیکسی خالی ہوتے ہی ہم اس میں سوار ہو گئے۔

''ٹائمز اسکوائر!'' ٹیکسی حرکت میں آتے ہی ویرا نے ہدایت کی۔ ''براڈوے پر کہیں پہنچا دو۔''

دن کے اجالے میں مین کی مصروف شاہراہوں پر ٹریفک کا خاصا ہجوم رواں تھا۔ گاڑیوں کی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے ٹریفک کی رفتار کافی سست تھی لیکن بدنظمی مفقود تھی۔ بیشتر گاڑیاں قواعد کی پابندی کرتے ہوئے اپنی اپنی قطار میں چل رہی تھیں۔

کچھ ہی دیر بعد ٹیکسی نے ہمیں ٹائمز اسکوائر پر پہنچا دیا۔

ٹائمز اسکوائر مین ہٹن میں سیاحوں کے ایک پسندیدہ مرکز کے طور پر مشہور ہے۔ اس وقت بھی وہاں خاصی تعداد میں سیاح منڈلا رہے تھے اور پُرشوق نگاہوں سے لدی پھندی دکانوں اور شو ونڈوز کی سیر کر رہے تھے۔ ان میں امریکیوں کی بھی خاصی تعداد شامل تھی۔

نیویارک بلکہ مین ہٹن اور اس کے مضافاتی جزائر سیاحت کے لیے ایسی سحر انگیز شہرت رکھتے ہیں کہ امریکا کی دور دراز ریاستوں کے رہنے والے بھی اپنی سہولت کے مطابق شوق اور اہتمام سے پروگرام بنا کر اس دنیائے حیرت میں سال بھر آتے رہتے ہیں۔

ویرا مجھے ساتھ لے کر تیزی سے راستہ بناتی ہوئی کینٹکی فرائڈ چکن کے روشن اور صاف ستھرے ریستوران میں داخل ہوئی تو وہاں بیشتر میزیں بھری ہوئی تھیں اور ہر ٹل یا کیش مشین کے سامنے نئے خریداروں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔

''اوہ!'' ویرا پُرتشویش انداز میں بولی ''ونا تر وغیرہ میں لنچ ٹائم ہونے کی وجہ سے اس وقت اچانک رش ہو گیا ہے۔ یہ زور دو بجے سے پہلے نہیں ٹوٹے گا۔''

''یہاں کے اشتہا انگیز ماحول میں داخل ہونے کے بعد اب میں کہیں اور نہیں جاؤں گا۔'' میں نے فوراً ہی اعلان کر دیا۔ ''یہ دوپہر کے ایف سی کے نام ہی رہے گی۔ ویسے بھی ہمارے پاس وقت کی کمی نہیں ہے۔''

ویرا ایک قطار کے آخری سرے پر کھڑی ہو گئی اور میں کسی خالی میز کی تلاش میں سرگرداں ہو گیا۔ بھانت بھانت کے دلکش چہروں اور خوش لباس جسموں کی بھیڑ میں میز کی تلاش کا تجربہ بہت خوشگوار ثابت ہوا۔ شیشے کی اونچی دیوار کے ساتھ ونفری میز پر میرا قبضہ ہونے تک ویرا بھی حیرت ناک تیزی کے ساتھ کھانے کی ٹرے اٹھائے، مجھے ڈھونڈتی ہوئی وہاں تک آ پہنچی۔

کھانے کے دوران باتیں کرتے ہوئے ہم دونوں کی نگاہیں اپنے شناسا تعاقب کنندہ کی تلاش میں سرگرداں رہیں لیکن وہ کے ایف سی میں نظر نہیں آیا۔

وہ سارا علاقہ ویرا کا دیکھا بھالا تھا۔ وہاں سے نکل کر کچھ دیر کی مٹر گشت کے بعد ہم تھیٹر ڈسٹرکٹ کی حدود میں داخل ہوئے تو اس تفریحی علاقے میں چیختے چنگھاڑتے ہوئے بڑے بڑے سائن بورڈز تماش بینوں کو دعوت دیتے ہوئے نظر آئے۔

گو نیون سائن بند تھے لیکن دن کے اجالے میں ساری تصویریں اور تحریریں بہت واضح تھیں جن میں سے بہت سی سنسر کیے جانے کے قابل تھیں۔

رات کو جلتی بجھتی ہوئی رنگا رنگ روشنیوں کے سیلاب میں وہاں بنے سنورے چہروں کا جو میلہ سجا ہوگا، اس کا بس تصور ہی کیا جا سکتا تھا۔ دن کی چمکتی ہوئی روشنی میں ان تفریح کدوں پر ایک عجیب سی پھٹکار اور بے رونقی برستی نظر آ رہی تھی۔

ایسا نہیں تھا کہ اس وقت وہاں سناٹا تھا۔ شام کی

مخصوص تفریحات کے سوا سارے کاروبار زور وشور سے چل رہے تھے۔ رات کے خوف آور اور گناہ پرور اندھیروں سے گھبرانے والے بے شمار لوگ بھی وہاں موجود تھے مگر مین ہٹن کی نائٹ لائف کا ہوش ربا مرکز اس وقت اپنے جوبن پر نہیں تھا۔

ڈریم لینڈ نائٹ کلب تھا۔ رات کو کلبؐ کے دلال گزرنے والوں کو شاید گھیر گھیر کر اندر پہنچاتے ہوں گے مگر اس وقت دروازے بند تھے۔ بس ایک چھوٹے سے دفتر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

ہمارے اندر داخل ہونے سے پہلے ہی ہماری نگرانی کرنے والا اچانک کہیں سے نمودار ہوا اور ہم دونوں کو دھکیلتا ہوا دفتر میں داخل ہوگیا۔ میز کے پیچھے پڑی ہوئی کرسی میں پھنسا اور اونگھتا ہوا دیو پیکر سیاہ فام اس کی آہٹ پر چونک پڑا۔

''ہائے جونی!'' اندر گھسنے والے نے بے تکلفی سے سیاہ فام کو مخاطب کیا ''سورج غروب ہونے تک تم بے فکری سے کرسی توڑتے رہو۔ میں چارلی کے دو مہمانوں کو اندر لے جا رہا ہوں۔''

اس وقت تک ہم دونوں بھی اندر پہنچ چکے تھے۔ سیاہ فام نے اپنی سرخ اور متورم آنکھوں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا اور ایک مرتبہ پھر پورے انہماک سے اونگھنے میں مصروف ہوگیا۔ اس کی بے نیازی دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ اگر بلیک ڈیڈ واقعی اندر موجود تھا تو وہاں حفاظت کا سرے سے کوئی بندوبست نہیں تھا۔ سیاہ فام کی بے خبری میں پوری فوج مارچ کرتی ہوئی اندر پہنچ سکتی تھی۔

''ابھی تک میں تمہارے پیچھے تھا۔ اب تم میرے پیچھے چلے آؤ۔'' سفید فام یہ کہتا ہوا دفتر کے اندرونی دروازے سے دوسری طرف نکل گیا۔

دفتر سے آگے ایک طویل اور قدرے کشادہ راہداری کسی سرنگ کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ اس راہداری کی چھت دس فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ دن میں بھی وہ راہداری اتنی تاریک تھی کہ وہاں جا بجا دیوار گیر بلب روشن تھے۔

شاید وہ راہداری ڈریم لینڈ کے ہال کے متوازی اسٹیج کے عقبی حصے تک چلی گئی تھی۔ وہ راستہ طے کرنے کے بعد ہم اپنے نگراں کی رہنمائی میں ایک مرصع دروازے سے گزرے تو اسٹیج کے پیچھے ڈریسنگ روم میں بلیک ڈیڈ دو نوجوان لڑکیوں کے ساتھ ایک صوفے میں دھنسا جن پی رہا تھا۔

ہمیں لانے والا فوراً ہی واپس چلا گیا۔ کم لباسی کا شکار، دونوں لڑکیوں کی شوخیوں میں بریک لگ گیا اور وہ بلیک ڈیڈ سے فوراً الگ ہوگئیں۔

''گٹ اپ۔'' بلیک ڈیڈ نے ایک لڑکی کی کمر پر ہاتھ مار کر اپنی مخصوص آواز میں کہا ''جا کر آرام کرو۔ مجھے کچھ اہم کام نمٹانے ہیں۔''

دونوں لڑکیاں مشینی انداز میں صوفے پر سے اٹھیں اور تیزی کے ساتھ اس مستطیل ہال کے دوسرے سرے پر بنے ہوئے دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئیں۔

''بیٹھو!'' بلیک ڈیڈ نے اپنے سامنے پڑے ہوئے خالی صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پیش کش کی۔ درمیان میں پڑی ہوئی میز پر بلیک ڈیڈ کی شراب نوشی کے لوازمات کے ساتھ تین فون بھی رکھے ہوئے تھے جن کے تار میز سے نیچے فرشی قالین کے نیچے غائب ہوگئے تھے۔

''تمہاری بے پروائی اور بے نیازی کا یہی عالم رہا تو تمہارے پرستار بہت جلد تمہارا ماتم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔'' ویرا نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بے خوفی سے بلیک ڈیڈ سے بات کی ابتدا کی تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ویرا کی بے تکلفی گستاخی کی حدود کو چھو رہی تھی۔

''تم آج بھی پہلے کی طرح بے وقوف ہو۔ تمہاری اس احمقانہ ہمدردی کا سبب کیا ہے؟'' اس نے بوتل ہم دونوں کی طرف سرکاتے ہوئے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''بیرونی دفتر میں موجود اکلوتا کالا یوں اونگھ رہا ہے جیسے اسے اسی کام کی تنخواہ ملتی ہو۔'' ویرا نے میز پر لڑکیوں کے خالی کیے ہوئے گلاس سنبھالتے ہوئے جواب دیا ''اس وقت شاید تم اکیلے ہی ان دونوں لڑکیوں کو کچھ سمجھا رہے تھے۔''

''بے بی!'' بلیک ڈیڈ اس بار کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا۔ ''اس وہم میں نہ رہنا۔ اب میرے آدمی پوشیدہ رہتے ہیں۔ تم نے ذرا بھی تیور بدلے تو پوری ڈسٹرکٹ بارود کی بو سے بھر جائے گی۔ ہال میں میرے مسلح آدمی پوری طرح ہوشیار ہیں۔''

''اپنے مسائل کو تم خود بہتر سمجھتے ہو۔'' میں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں اس پر رائے زنی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ ہمیں یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟''

اس دوران میں ویرا نے چھوٹے گلاس کو ٹانک واٹر سے کھنگال کر ٹرے میں خالی کیا اور بلیک ڈیڈ پر توجہ دیے بغیر گلاس بنانے میں مصروف ہو گئی۔

''یہ لڑکی آج بھی اس حقیقت پر یقین نہیں کر سکی کہ جمی لائیڈ مارا جا چکا ہے۔'' بلیک ڈیڈ نے اپنے گلاس دونوں ہتھیلیوں میں گھماتے ہوئے کہا ''اب اسے نیچ نوائی کے ساتھ اپنے طور پر زندہ رہنے کا قرینہ سیکھ لینا چاہیے۔ وہ دن ہوا ہوئے جب جمی کی وجہ سے ہر شخص اس کا احترام کرتا تھا۔ اس کے لیے ہر شخص بلیک ڈیڈ ثابت نہیں ہوگا۔''

''میں تمہارے مسائل پر رائے نہیں دے سکتی تو تم بھی مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ مجھے زندگی بھر سرنگوں رکھنے کے لیے یہی ایک احسان کافی ہے کہ میرا سراغ لگانے کے باوجود تم نے مخبری کر کے انعام حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ امریکا میں تو لوگ شاید اتنے بڑے انعام کے لالچ میں اپنی ماؤں کو بھی بیچ ڈالیں۔ ہر شخص ڈالروں کے پیچھے دیوانہ بنا ہوا ہے۔''

بلیک ڈیڈ نے چند ثانیوں کے لئے خاموش رہ کر اپنے گلاس سے ایک بڑا گھونٹ لیا۔ ہم دونوں نے بھی اپنے اپنے گلاسوں سے پہلا گھونٹ لیا پھر مزید توقف کے بعد وہ بولا ''ہارلم کے فسادات کی آگ اب ٹھنڈی پڑ رہی ہے مگر اس نے میری ساکھ کو نقصان پہنچایا ہے۔ میں اس کی بحالی کی کوشش کر رہا ہوں۔ شاید اس بارے میں تم میری مدد کر سکتے ہو۔''

''یہ خیال تمہیں کیسے آ گیا؟'' ویرا کی تلخ کلامی کے ردِعمل سے محفوظ رہنے کے لیے اس سے مذاکرات کی ذمے داری میں نے سنبھال لی۔

''کل تک مجھے صرف شبہ تھا۔ آج اے جے ولسن کی گمشدگی کی تفصیلات معلوم ہونے کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم آئزک بیل کی راہ پر لگ چکے ہو۔ اے جے ولسن انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن میں انسپکٹر کے عہدے کا سینئر ٹیکنیشن تھا۔ اسے تم نے کہاں رکھا ہوا ہے؟''

''افسوس کہ امریکا میں ہم کسی کو کہیں رکھنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ایسی ناگزیر ضرورتوں کے لیے ویرا نے تم سے رجوع کیا تھا مگر تم نے اسے صاف جواب دے دیا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم نے اسے مار دیا، لیکن کیوں؟'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ ویرا نے چیخ کر پوچھا ''تم تفتیش کر رہے ہو؟''

''میں پولیس اور سرکاری عہدے داروں سے کبھی چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میرے متوقع حلیفوں نے ایسا انتہائی قدم کیوں اٹھایا۔'' اس نے اشتعال میں آئے بغیر وضاحت کی۔

''وہ اپنے عہدے کی آڑ میں کوئی گڑبڑ کرنے پرنسٹن آیا تھا ہم پہنچے تو وہ اپنا کام کر چکا تھا۔ ہم نے اسے اغوا کر لیا۔ اس نے زبان کھولنے سے انکار کیا اور ہم کو اپنے تحفظ کے لیے اسے ٹھکانے لگانا پڑ گیا۔'' میں نے بہت نپے تلے انداز میں وہ واقعہ چند فقروں میں سمیٹ دیا۔

''سرکاری ذرائع سخت راز داری سے کام لے رہے ہیں۔ وفاقی ایجنسیاں حرکت میں آئی ہوئی ہیں۔ میرے آدمی نے پرنسٹن سے جو معلومات حاصل کی ہیں، وہ معنی خیز ہیں۔ پرسوں رنکس والوں کی ایک گاڑی نے خلاف معمول تین کریٹ وہاں کے گودام میں پہنچائے۔ پرسوں ہی کسی مس رتھ بیل نے اس کے برابر والا گودام کرائے پر لیا اور کل ولسن غائب ہو گیا۔ وہ پیٹیاں کراچی بھیجی جا رہی ہیں۔''

''ہمارا خیال ہے کہ ایک پاکستانی ایٹمی بجلی گھر کے لیے بھیجے جانے والے ان پرزوں میں ولسن نے کوئی

تخریب کاری کی ہے ورنہ رکس والے وہ پیٹیاں پرنسٹن نہ پہنچاتے۔"

"تم یہاں پاکستان کی سیکریٹ سروس کے لیے کام کر رہے ہو؟" اس کی آواز گمبھیر ہو گئی۔

"ویرا یہاں آئزک بیل سے اپنے باپ کا انتقام لینے آئی ہے۔ ہم اسی کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اس چکر میں پاکستان کیا، روس کو بھی کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے، کیوبا کے مفادات کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ ہم ان ملکوں کی ایجنسیوں کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

"تمہاری دلیل قابلِ فہم ہے۔ کیا میں اس پر اعتبار کر لوں؟" بلیک ڈیڈ نے پوچھا۔

"نہ کرو!" ویرا بول پڑی "اور ہمیں واپس جانے کی اجازت دے دو۔"

"جانا چاہتی ہو تو ضرور چلی جاؤ۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔" اس نے بے رخی سے کہا۔

"اور تم سی آئی اے کو میری یہاں موجودگی سے باخبر کر دو گے؟"

"میں کمینہ نہیں ہوں کہ اپنے قول سے پھر جاؤں۔ انعامی مخبری پر میں لعنت بھیج چکا ہوں۔ اپنے تھوکے ہوئے کو مر کر بھی نہیں چاٹوں گا۔ یہ دھیان رکھنا کہ اب تک ایف بی آئی والوں نے مس روتھ بیل کی تلاش شروع کر دی ہوگی۔ اس علاقے کے کئی افراد اسے شناخت کر سکتے ہیں۔"

"سیدھی طرح نہیں تو تم گھما کر ناک پکڑنے کی کوشش کرو گے۔ بات ایک ہی ہے۔" ویرا بولی۔

میں نے ابتدا ہی سے بھانپ لیا تھا کہ اس وقت بھی بلیک ڈیڈ کے تیور مخاصمانہ نہیں تھے۔ ویرا کے طرزِ گفتگو سے چڑ کر اس نے مس روتھ بیل کا حوالہ دیا تھا۔ میں نے دوبارہ دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "ابھی تک تم محض سوالات کرتے رہے ہو۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

"ایک بات کان کھول کر سن لو۔ میں اپنے فائدے کے لیے ایک حد تک ڈھیل دے سکتا ہوں۔ میں اپنی نکیل آئزک بیل کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا تو تم دونوں کس گنتی میں ہو۔"

اس کی وہ کڑوی بات بھی میں پی گیا "یہ بتاؤ کہ چاہتے کیا ہو؟"

"آئزک بیل کا خاتمہ۔ اس سمت میں میرا کام آگے بڑھ رہا ہے۔ اس کے دو قیدی میرے قبضے میں ہیں۔ تم میرا ساتھ دو۔ میں ہر طرح تمہارا ساتھ دوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی "میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔"

وہ ہمیں ساتھ لے کر اسی مستطیل ہال سے ملحق ایک خواب گاہ میں داخل ہوا جہاں مسہری پر چادروں کے نیچے دو نسوانی ہیولے خوابیدہ تھے مجھے سب سے پہلے ان دو لڑکیوں کا خیال آیا جو ہماری آمد کے وقت بلیک ڈیڈ کے ساتھ مے نوشی کر رہی تھیں لیکن وہ ہال کے آخری دروازے سے باہر گئی تھیں وہ خواب گاہ اس دروازے سے بہت پہلے واقع تھی۔ وہ دونوں لڑکیاں ہماری نظروں میں آئے بغیر اس کمرے میں نہیں پہنچ سکتی تھیں۔

بلیک ڈیڈ نے درمیان میں سے دونوں چادروں کے کونے پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔ وہ چہرہ سامنے آتے ہی میں بھونچکا رہ گیا۔ مسہری پر جینی ایک اور نوجوان امریکی لڑکی کے ساتھ بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔

اس وقت بلیک ڈیڈ کی انا بھڑکی ہوئی تھی۔ اس نے ہم دونوں کے ردِعمل پر دھیان دیے بغیر کہا "ان دونوں کو تھوڑی دیر پہلے اٹھا کر یہاں پہنچایا گیا ہے۔ ان میں سے ایک لڑکی ہارلم کے فسادات کے بارے میں پہلے سے باخبر تھی اور اب پاگل ہو چکی ہے۔ دوسری رکس میں آئزک بیل کے بعد سب سے بڑے مرتبے پر فائز ہے۔ ان سے ہم بہت کچھ معلوم کر سکیں گے۔"

"ایک پاگل لڑکی تمہیں کیا بتا سکے گی؟" میں نے ترحم آمیز آواز میں کہا۔

"شاید کسی ماہر نفسیات کی کوششوں سے کچھ معلوم ہی ہو جائے ورنہ تین دن بعد اسے دماغی امراض کے اسپتال میں واپس بھجوا دیا جائے گا۔"

ہیلن رائے کو گھریلو اور مشفقانہ ماحول فراہم کرنے

کے وعدے پر بلیک ڈیڈ کے کسی ہمدرد جوڑے نے اسپتال سے اپنی تحویل میں لیا تھا۔ للی برنارڈ کو تھوڑی دیر قبل لنچ کے وقفے میں رنکس کے دفتر کی عمارت سے نکلنے پر اغوا کیا گیا تھا۔

ہیلن رائے کو ہم دونوں نے پہلی بار دیکھا تھا، جینی ہمارے لیے اجنبی نہ تھی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے اغوا کے ڈیڑھ دو گھنٹے بعد ہی ہم وہاں موجود تھے۔ اگر ان لوگوں کو اس کے ہوش میں آنے کے بعد تشدد کرنے کا موقع مل جاتا تو وہ اس نرم و نازک سی لڑکی کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیتے۔ پتا نہیں تشدد کے نتیجے میں وہ ان کے سامنے کیا کچھ اگل بیٹھتی۔

''میرا مشورہ ہے کہ دونوں لڑکیوں کے ہوش میں آنے سے پہلے انہیں رہا کر دو۔ آئزک بیل کے گرد ہمارا گھیرا تنگ ہو چکا ہے۔ وہ کسی وقت بھی مارا جائے گا۔''

''تم اس کے کن کن ٹھکانوں سے واقف ہو؟'' بلیک ڈیڈ نے واپس لوٹتے ہوئے پوچھا۔

''رنکس......!'' میرے منہ سے پہلا لفظ ادا ہوتے ہی اس نے میری بات کاٹ دی۔

''وہ میں بھی جانتا ہوں۔ وہاں اس کی مرضی کے بغیر چڑیا کا بچہ بھی پر نہیں مار سکتا۔''

''وہ ہر وقت ہماری دسترس میں ہے۔ تم چاہو تو میں اس سے اسی وقت بات کر سکتا ہوں۔'' میں نے محض جینی کی رہائی کے خیال سے اسے وہ پیش کش کر ڈالی۔

''اگر تمہاری اور اس کی باتیں حوصلہ افزا ثابت ہوئیں تو یہ میرا وعدہ ہے کہ اسی وقت دونوں لڑکیوں کو واپس بھیج دیا جائے گا...... شاید تمہیں بھرے بھرے بدن والی للی برنارڈ پر زیادہ ترس آ رہا ہے۔''

''ویرا کی موجودگی میں، میں کسی خوب رو لڑکی پر ترس نہیں کھا سکتا۔'' میں نے پہلی بار بلیک ڈیڈ سے مذاق کے لہجے میں بات کی ''میری ساری ہمدردیاں پاگل لڑکی کے لئے ہیں۔''

بلیک ڈیڈ کا تبصرہ سنتے ہی ویرا نے میرے پہلو میں کہنی مار کر مجھے یہ جتانے کی کوشش کی تھی کہ اس جیسے بے خبر شخص نے بھی جینی کی ذات میں میری دلچسپی بھانپ لی تھی۔

میرے جواب پر بلیک ڈیڈ درندگی سے ہنسا اور بولا ''میں نے سنا تھا کہ تم دونوں نے بس شادی ہی نہیں کی ورنہ تمہاری دوستی بہت گہری ہے۔''

''بلیک ڈیڈ، پلیز!'' ویرا نے احتجاج کیا ''یہ ہمارے ذاتی معاملات ہیں۔''

''سوری بے بی!'' اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر سر کو قدرے خم دیتے ہوئے کہا ''شادی میں نے بھی نہیں کی۔ اس جھنجھٹ میں پڑ کر آدمی بزدل اور مصلحت پسند ہو جاتا ہے۔''

صوفہ سنبھالتے ہی بلیک ڈیڈ نے ایک انسٹرومنٹ کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے بغیر کسی کو اسپیکر فون لانے کی ہدایت کی۔ چند منٹ میں ہی دو افراد میز پر ایک اسپیکر فون کا اضافہ کر چکے تھے۔

''اب آئزک بیل سے بات کرو۔'' اس نے بے اعتباری سے مطالبہ کیا۔

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ اس وقت چار بجنے میں پچیس منٹ باقی تھے جب کہ میں نے آئزک بیل کو فون کے لئے چار بجے کا وقت دیا تھا۔

''تمہیں کیسے پتا چلے گا کہ میں واقعی اسی سے بات کر رہا ہوں؟'' میں نے پوچھا۔

''تم فکر نہ کرو۔ میں اسے اور اس کی آواز کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔''

میں نے اسپیکر فون آن کر کے آئزک بیل کا نمبر ملایا تو پہلی گھنٹی پر ہی اس کی اضطراری آواز سنائی دی۔

''میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ میں کہیں الجھ گیا ہوں۔ چار بجے تم سے رابطہ نہیں کر سکوں گا۔'' میں نے فوری طور پر ایک بہانہ بناتے ہوئے کہا۔

''اوہ ڈینی! تم کیوں میرے صبر کا امتحان لے رہے ہو؟'' اس کی آواز میں مایوسی اُمڈ آئی ''سبز فائل کے بغیر میرا ایک ایک لمحہ ذہنی کرب کے عالم میں گزر رہا ہے۔ تم اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے۔ میں تمہیں کھلا آفر دے چکا ہوں۔''

''کیا تم اس نوجوان لڑکی کے کرب کا اندازہ لگا سکتے ہو جسے تم نے حق گوئی کی پاداش میں پاگل کر دیا تھا؟''

میں نے بلیک ڈیڈ کو سنانے کے لیے طنز سے پوچھا۔
''جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ وہ پنسل سے لکھی ہوئی کوئی تحریر نہیں تھی جسے آسانی سے مٹایا جاسکتا۔ اس نے میری ملازمت کو لات ماری تھی۔ اسے بھول جاؤ۔ آج لنچ کے بعد سے ایک اور اہم لڑکی مفرور ہے۔ تم کو میری مشکلات کا اندازہ......''
وہ اپنے گناہوں کے وبال میں مبتلا ہوکر بلبلا رہا تھا۔ بلیک ڈیڈ حیرت سے وہ باتیں سن رہا تھا۔ میرے لیے وہ اعادہ بے سود تھا۔ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''تم اپنے دفتر میں موجود رہو۔ میں زیادہ سے زیادہ پانچ بجے تک تم سے بات کرنے کی کوشش کروں گا۔''
وہ پہلا موقع تھا کہ میں نے سی ایس ڈی کے بغیر اس سے بے خوف و خطر ہوکر بات کی تھی۔ وہ بار بار کی آزمائش کے بعد ایسا خائف ہوچکا تھا کہ اس وقت میری کال کا سراغ لگانے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکا ہوگا۔ مجھے خیال آیا کہ میں نے بلیک ڈیڈ کو ٹالنے کا ایک موقع گنوادیا تھا۔ اگر میں اسے نمبر ٹریس ہونے کا خوف دلاتا تو شاید وہ مجھے آئزک بیل سے بات کرنے پر مجبور نہ کرتا۔
''تم نے تو اسے چکر میں ڈالا ہوا ہے۔'' فون بند ہوتے ہی بلیک ڈیڈ بولا ''یہ سبز فائل کیا بلا ہے جس کے لیے وہ یوں مرا جارہا ہے۔''
''میری نظر میں وہ ایک مہمل سی فائل تھی جس میں ناقابل فہم الفاظ میں ٹائپ کیے ہوئے چند اوراق تھے۔'' میں نے بلیک ڈیڈ کے عزائم کی روک تھام کرتے ہوئے کہا۔
''وہ فائل تمہارے ہاتھ کیسے لگی اور اب کہاں ہے؟'' بلیک ڈیڈ نے پوچھا۔
''اس کے دفتر کی تلاشی میں ہاتھ لگی تھی۔ میں نے بے مصرف سمجھ کر اسے تلف کردیا۔''
''یہ تم نے سنگین غلطی کی۔ وہ یقیناً کوئی خفیہ معاہدہ ہوگا۔'' اس نے پچھتاوا ظاہر کیا ''اس کے دفتر تک تمہاری رسائی کیسے ہوگئی؟'' میرا ہر جواب اس کی حیرانی میں اضافہ کررہا تھا۔
''ہم یہ لمبی کہانیاں لے بیٹھے تو رات ہوجائے گی۔ یہ بتاؤ کہ اب کیا ارادہ ہے؟'' صبر آزما مذاکرات کے بعد میں رفتہ رفتہ اس کی برابری کی سطح پر آگیا تھا۔
''مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ تم نے اس پر اتنا مضبوط ہاتھ ڈالا ہوا ہے تو میں کچھ اور ہی کرتا۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ تم نے اس سے دوبارہ بات کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ فائل دینے کے بہانے اسے کہیں بلاؤ۔ میں اسے آج ہی ٹھکانے لگادوں گا۔''
''لڑکیوں کو کب تک رہا کرنے کا ارادہ ہے؟'' میں نے دھیرے سے سوال کیا۔
''اوہ! اب وہ بے کار ہیں۔ انہیں اسی وقت واپس بھیج دیا جائے گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی ہاٹ لائن کا ریسیور اٹھایا اور کسی کو لڑکیوں کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔
وہ ہمارے ساتھ آئزک بیل کے خلاف منصوبہ بندی میں مصروف تھا کہ چار تنومند امریکی دو اسٹریچوں کے ساتھ ہال میں آئے اور چند منٹ بعد ہی دونوں بے ہوش لڑکیوں سمیت ہال سے دور افتادہ راستے سے باہر چلے گئے۔
سب کچھ طے ہوجانے کے بعد بلیک ڈیڈ کے ایما پر دوسرا فون کرنے سے پہلے میں نے اسے یاد دلایا ''وہ میرے چنگل میں ضرور پھنسا ہوا ہے مگر بہت عیار اور میرے خون کا پیاسا ہے۔ اس نے ڈریم لینڈ کا فون نمبر ٹریس کرلیا تو بلاتوقف یہاں دھاوا بول دے گا۔''
''وہ یہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ میرے استعمال کے لیے یہاں دو نان ڈائرکٹری نمبر ہیں۔ ان کے بارے میں اسے ایکسچینج سے کچھ معلوم نہیں ہوسکتا۔''
وہ خود قانون شکن اور جرائم پیشہ تھا مگر اپنے نظام کی بنیادوں پر اس کا اعتماد قابلِ رشک تھا۔ یہی بات آئزک بیل بھی مجھ سے کہہ چکا تھا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ زندگی کے تمام شعبوں میں ایسے سخت اور منصفانہ قوانین رائج ہوتے ہوئے بھی امریکا میں جرائم خوب پھل پھول رہے تھے۔
''تم کو کوئنز مڈ ٹاؤن ٹنل سے گزر کر ٹھیک پانچ بجے ایکسپریس وے پر ہونا چاہیے۔ نیوٹن کریک کی شمالی

شاخ سے لرز کر تمہیں میرا انتظار کرنا ہوگا۔'' دوسری بار رابطہ ہوتے ہی میں نے تحکمانہ لہجے میں آئزک بیل کو ہدایات جاری کردیں۔

''تم نے اس فائل کی کیا قیمت مقرر کی ہے؟'' فائل کی واپسی کی امید پیدا ہوتے ہی اس کی آواز ہیجان آمیز ہوگئی۔

''قیمت کا تعین تم خود کرو گے۔ مجھے بڑے نوٹوں کی صورت میں نقد رقم درکار ہوگی۔''

''مہلت بہت کم ہے مگر میں بندوبست کرلوں گا۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میرے ساتھ دھوکا نہیں ہوگا۔'' میری غیر متوقع آمادگی نے اسے وسوسوں میں مبتلا کردیا تھا۔

میں نے بلیک ڈیڈ کو آنکھ مار کر بے رحمی سے کہا ''میں کوئی ضمانت نہیں دے سکتا۔ تمہیں یہ خطرہ مول لینا ہوگا۔ تم جانتے ہو کہ میرے پاس متبادل خریدار بھی موجود ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں یہ خطرہ مول لوں گا۔ تمہیں میری طرف سے کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟''

''بس یہ جان لو کہ میرا بال بھی بیکا ہوا تو میرے ہمدرد اس فائل کی نقول اصل کہانی کے ساتھ ہر طرف پھیلا دیں گے۔ مجھے تمہاری کسی ضمانت کے بغیر پورا تحفظ حاصل ہے۔''

''تم سے جیتنا آسان کام نہیں ہے۔ سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہوگا۔''

''مقررہ مقام پر تم کار سے اتر کر خالی ہاتھ میرا انتظار کرو گے۔'' میں نے آخری ہدایت دے کر فون بند کردیا اور بلیک ڈیڈ نے فوراً ہی داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔

کوئنز نیویارک کی وہی بورو تھی جہاں جینی مقیم تھی۔ اس علاقے میں بلیک ڈیڈ کے ہاتھوں جینی کے باس کا شکار ایک انوکھا تجربہ ثابت ہوسکتا تھا۔

فوری طور پر روانگی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ پانچ بجے کے بعد ڈریم لینڈ کے عملے اور فن کاروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوجانا تھا۔ ہم لوگ ساڑھے چار بجے ہال کے دور افتادہ دروازے سے باہر نکلے تو وہاں کشادہ زینے موجود تھے۔ شاید ہال اور اسٹیج کے عقب میں واقع ڈریسنگ روم پر دفاتر یا عیاشی کے مراکز قائم تھے۔ بلیک ڈیڈ ہمیں لے کر نیچے اترتا چلا گیا۔

وہ ایک کشادہ اور زیرِ زمین گیراج تھا جہاں متعدد گاڑیاں موجود تھیں اور ان کے درمیان جابجا مستعد اور مشتبہ افراد ٹہلتے نظر آرہے تھے جن کا تعلق بلیک ڈیڈ کے محافظوں سے ہوسکتا تھا۔

گیراج کے اگلے حصے میں بلیک ڈیڈ کی مہم کے لیے تاریک شیشوں والی ایک چمکتی ہوئی سیاہ بیوک موجود تھی۔ میں پچھلی سیٹ پر بلیک ڈیڈ اور ویرا کے درمیان بیٹھ گیا۔ گیم شیم گن مین نے ڈرائیور کے برابر والی سیٹ سنبھالی اور گاڑی رینگتی ہوئی سطح زمین پر آگئی۔

گن مین نے اس اثنا میں اپنے پائیدان سے ایک خودکار رائفل اٹھا کر بلیک ڈیڈ کے حوالے کردی تھی۔ رائفل کی نال پر سائلنسر بھی چڑھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے مانوس ہتھیار پر ایک سرسری نظر ڈال کر اسے نیچے رکھ دیا۔

بیوک کے طاقت ور انجن کے لیے مین ہٹن کے ٹریفک کی رکاوٹیں ایک آزمائش سے کم نہیں تھیں پھر بھی چھیالیسویں اسٹریٹ سے کوئنز مڈ ٹاؤن ٹنل تک کا فاصلہ کافی سرعت سے طے ہوگیا۔

ٹریفک کی روشن علامات اور اشاروں سے جگمگاتی ہوئی زیرِ آب سرنگ سے گزرتے ہوئے بلیک ڈیڈ نے ڈرائیور کو ہدایت کی کہ وہ براہِ راست ایکسپریس وے پر جانے کے بجائے کوئنز کے رہائشی علاقے میں اتر جائے۔ اس طرح وہ شاید چند فاضل منٹ گزارنا چاہ رہا تھا۔

ڈرائیور نے موقع پاتے ہی اپنی لین تبدیل کرلی اور سرنگ عبور کرنے کے بعد ہم جیکسن ایونیو میں داخل ہوگئے جو کوئنز کے خوب صورت اور صاف ستھرے رہائشی علاقوں سے گزرتی ہے۔

اس دوران میں بلیک ڈیڈ بار بار اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتا رہا۔ ٹھیک پانچ بجے اس نے ڈرائیور کو ایکسپریس وے پر جانے کی ہدایت کی اور بے آواز رائفل کو اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔

پاکستان اور انگلینڈ کے برعکس امریکا میں سارا ٹریفک داہنے ہاتھ پر چلتا ہے اور گاڑیوں کو... بائیں جانب سے اوورٹیک کیا جاتا ہے۔ اس نکتے کو مدِنظر رکھتے ہوئے بلیک ڈیڈ نے سفر کی ابتدا میں ہی ڈرائیور کے پیچھے والی نشست سنبھالی تھی۔ ادھر والی کھڑکی سے وہ آسانی سے آئزک بیل کو نشانہ بنا سکتا تھا۔ مجھے دیکھنا تھا کہ وہ چلتی ہوئی گاڑی میں سے کس حد تک نشانہ لے سکتا تھا۔

ایکسپریس وے پر اس وقت ٹریفک زیادہ نہیں تھا۔ دفاتر وغیرہ سے چھٹی کے بعد مین ہٹن سے اس طرف آنے والا ریلا اس وقت تک شروع نہیں ہوا تھا۔ ڈرائیور نے اپنے مالک کی مرضی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ کسی عجلت کا مظاہرہ کیے بغیر دھیمی رفتار سے گاڑی چلاتا رہا۔

نیوٹن کریک کی شاخ کے آثار نظر آتے ہی بلیک ڈیڈ نے اپنی کھڑکی کا شیشہ نیچے کر دیا، سر گھما کر پیچھے والی سڑک کا جائزہ لیا، رائفل کی نال کا سرا کھڑکی پر ٹکایا اور پہلو بدل کر اپنا زاویہ درست کرتے ہوئے ڈرائیور سے بولا ''رفتار ایسی رکھو کہ کریک پار کرتے ہوئے ہماری کار اور پچھلی گاڑی کے درمیان کافی فاصلہ پیدا ہو جائے۔ جسے عجلت ہے، اسے نکل جانے دو۔''

پل عبور کرتے ہوئے خم کھاتی ہوئی ایکسپریس وے کے داہنے سرے پر سڑک سے قدرے اتر کر ایک لمبی سی گرے رنگ کی گاڑی کھڑی ہوئی نظر آئی۔ اس گاڑی کے قریب ہی ایک دراز قامت اور باریش ہیولا ٹہل رہا تھا۔

دن کے اجالے میں دور تک ہر چیز بالکل صاف نظر آ رہی تھی۔ گاڑی میں موجود ہر شخص آنے والے لمحات کے تصور سے مضطرب تھا۔

''رکی ہوئی گاڑی کے قریب رفتار سست اور ہموار!'' بلیک ڈیڈ نے سرد آواز میں ڈرائیور کو ہدایت دے کر آخری بار عقب کا جائزہ لیا۔

آئزک بیل کا بے چینی سے ٹہلتا ہوا ہیولا تیزی سے واضح ہوتا جا رہا تھا۔ اچانک میرے جسم اور پسلیوں پر بلیک ڈیڈ کے وجود اور کہنیوں کا بوجھ پڑنے لگا جو کسی حد تک ویرا پر منتقل ہو گیا۔

غراتی اور سبک انداز...... میں رینگتی ہوئی بیوک گرے گاڑی کے قریب سے گزری، ٹھک کی ایک گھٹی ہوئی آواز کے ساتھ میری پسلیوں میں بلیک ڈیڈ کی کہنی چبھی اور آئزک بیل ایک دلدوز چیخ کے ساتھ فضا میں اچھل کر نیچے گر گیا۔ وہ سب چشم زدن میں ہو گیا لیکن وقت کی رفتار یک بہ یک یوں سست ہو گئی تھی جیسے عبرت کے لیے ہمیں وہ سب سلوموشن میں دکھایا جا رہا ہو۔

بلیک ڈیڈ نے بے آواز رائفل تیزی سے قدموں میں ڈال لی۔ ڈرائیور ایسے مواقع کی ضروریات سے بہ خوبی واقف تھا، اس نے ماسٹر سوئچ استعمال کر کے فوراً ہی تمام کھڑکیوں کے شیشے گرا دیے تاکہ رائفل کی نال سے خارج ہونے والی جلے ہوئے بارود کی بو تیز ہوا کے ساتھ دور ہو جائے۔ اسی کے ساتھ بیوک کی رفتار بھی بہت تیز ہو گئی تھی۔

''مبارک ہو، تم نے اسے مار لیا!'' ویرا نے مسرت سے مرتعش آواز میں زبان کھولی۔

''مجھے افسوس ہے کہ گاڑی کے ایک خفیف سے ہچکولے کی وجہ سے میں نے اپنی زندگی کا یہ بہترین موقع شاید ضائع کر دیا۔'' بلیک ڈیڈ نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''کیوں؟ کیا تم نے اسے چیخ مار کر گرتے ہوئے نہیں دیکھا؟'' ویرا نے آگے جھک کر سوال کیا۔

''اس کے دل میں اترنے والی گولی ہی اس کا خاتمہ کر سکتی تھی۔ مجھے شبہ ہے کہ گولی اس کے سینے کے بجائے ران کے کسی حصے میں لگی ہے اور وہ صرف زخمی ہوا ہے۔''

''یہ بہت برا ہوا۔'' میں نے اضطراب کے عالم میں کہا۔ ''یہ نشانہ خطا ہونے کے بعد اب وہ ہرگز میرے دام میں نہیں آئے گا۔ زخم کھایا ہوا سانپ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔''

''باس! پیچھے والا ٹریفک شکار کے پاس رک گیا ہے، کہو تو آگے گاڑی داہنی طرف اتار لوں۔'' ڈرائیور نے مؤدب لہجے میں صورتِ حال بتا کر اجازت طلب کی۔

سامنے سے آنے والا ٹریفک ایکسپریس وے کے دوسرے ٹریک پر رواں تھا۔ مجھے امید تھی کہ جائے واردات پر رکنے والی گاڑیوں کی وجہ سے وہ روانی زیادہ دیر برقرار نہیں رہ سکے گی۔

"میری حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی نے یہ وقت دکھایا ہے۔" ڈرائیور کو ایکسپریس وے سے آبادی میں اترنے کی ہدایت دے کر بلیک ڈیڈ متاسفانہ لہجے میں بولا۔

مجھے ابتدا ہی سے شبہ تھا کہ چلتی ہوئی گاڑی سے بلیک ڈیڈ کے لیے ایک چوکنے حریف کا نشانہ لینا آسان نہیں ہوگا مگر نیویارک کا وہ پختہ عمر بدمعاش اس قدر بڑبولا اور پُراعتماد تھا کہ میں نے اس کے سامنے اپنی زبان بند رکھی۔

اس کا ارمان پورا ہو چکا تھا۔ بے خطا نشانے بازی کا گھمنڈ خاک میں مل چکا تھا۔ مجھے تھوڑی سی خوشی اس بات کی تھی کہ بلیک ڈیڈ کا کیا ہوا فائر بالکل ضائع نہیں ہوا تھا۔ نیویارک کی ایک ایکسپریس وے پر آئزک بیل جیسے اہم اور طاقت ور شخص کو گولی مار کر زخمی کرنا ایک سنسنی خیز واقع تھا جو نیویارک ہی نہیں، پورے امریکا میں ہلچل مچا سکتا تھا۔

بلیک ڈیڈ کے کہنے کے مطابق اس کی بیوک پر واردات کے وقت جعلی نمبر پلیٹیں موجود تھیں جو موقع سے دور نکل آنے کے بعد خودکار طریقے پر تبدیل کر کے اصل نمبروں پر لائی جا چکی تھیں اور جعلی نمبر پلیٹیں کار کے اگلے اور پچھلے خفیہ خانوں میں محفوظ ہو چکی تھیں۔

فائرنگ کے بعد کسی نے بیوک کا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اگر گاڑی کا نمبر نوٹ کیا گیا تھا تو وہ بے مقصد ہو چکا تھا مگر پھر بھی پولیس کی ناکا بندی سے پہلے ہمارا کوئنز سے نکل کر دوبارہ مین ہٹن میں داخل ہو جانا ضروری تھا۔

ان دنوں نیویارک کی ان دونوں بوروز کو ملانے کے تین متبادل راستے تھے۔ پہلا وہی زیرِ آب سرنگ والا قریب ترین راستہ تھا جس سے ہم اس طرف آئے تھے مگر بیوک میں استعمال شدہ رائفل کی موجودگی میں وہ راہ اختیار کرنا قرینِ مصلحت نہیں تھا۔

دوسرا راستہ اس سرنگ کے جنوب میں ولیمز برگ برج کا تھا جسے عبور کر کے ہم مین ہٹن کے ڈاؤن ٹاؤن میں رنکس کے دفاتر کے قریبی علاقے میں پہنچ سکتے تھے مگر وہ راستہ خاصا طویل تھا۔ ڈرائیور نے ایکسپریس وے چھوڑنے کے بعد آبادی کا ایک چکر کاٹ کر ایکسپریس وے کے نیچے سے نکل کر دوسری سمت کی سڑکوں پر گاڑی دوڑانی شروع کر دی۔

ان نازک لمحات میں میرے لئے ساری اہمیت اس بات کی تھی کہ ہم لوگ حفاظت کے ساتھ کوئنز کے علاقے سے نکل جائیں۔ بلیک ڈیڈ سے باتیں کرتے ہوئے میری توجہ بیوک کے راستوں پر بھی مرکوز تھی۔ چھوٹی سڑکوں سے گزر کر ہماری گاڑی کوئنز بولیوار پر پہنچی تو بلیک ڈیڈ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے بتایا کہ وہ اس سڑک پر کم و بیش سیدھے سفر کرتے ہوئے کوئنز بورو برج سے گزر کر مین ہٹن میں داخل ہونے کی راہ اختیار کر چکا تھا۔

"ذرا سی دیر میں یہ خبر ہر طرف پھیل جائے گی کہ آئزک بیل پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔" بلیک ڈیڈ ناکامی کے ابتدائی صدمے سے سنبھلنے کے بعد کہہ رہا تھا "یہ زیر زمین دنیا کے ہر فرد کے لیے ایک پیغام ہوگا کہ آئزک بیل سے ٹکر لے کر میں نے نیویارک میں اس کی برتری کو چیلنج کر دیا ہے۔"

"اتنی رازداری کے باوجود یہ بات پھیل جائے گی کہ حملہ تم نے کیا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں پھیلی تو پھیلا دی جائے گی۔ میرے دو آدمی اس واقعے کے چشم دید گواہ ہیں۔"

میں نے اس سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ بات پھیلی تو پھر پولیس تک بھی پہنچ سکتی تھی۔ ایسی صورت میں خود اس کی سلامتی بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ شاید اسے یہ زعم رہا ہو کہ اس کے ادھورے کارنامے سے نیویارک کا ہر چھوٹا بڑا بدمعاش اس قدر خوف زدہ ہو جائے گا کہ وہ خبر مخصوص حلقوں میں گردش کرنے کے باوجود قانون کے محافظوں تک نہیں پہنچ سکے گی۔

"اب تک ہم بے چوں و چرا وہی کرتے چلے آئے ہیں جو تم چاہ رہے تھے۔ اس مفاہمت کے نتیجے میں ہمیں کیا حاصل ہوگا؟" قدرے توقف کے بعد میں نے بلیک ڈیڈ سے پوچھا۔

"میرے ساتھ تم نے بھی سرخروئی حاصل کی

ہے۔'' اس نے ایک مرتبہ پھر ڈینگ ماری '' مجھے یقین آچکا ہے کہ آئزک بیل کے ساتھ تمہاری کوئی ملی بھگت نہیں تھی۔ ہارلم میں سارا کیا دھرا اسی کا تھا۔ اب ہم ایک دوسرے کے حلیف ہیں۔ میں کھل کر تمہاری مدد کروں گا۔''

''میری نیویارک آمد کا مقصد صرف ایک تھا۔'' ویرا نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا '' آئزک بیل سے بدلہ لینا مگر اس ناکام قاتلانہ حملے کے بعد ہم نے شاید ہمیشہ کے لیے اسے کھو دیا ہے۔ زخم کھا کر اب وہ بہت زیادہ محتاط ہو جائے گا۔ ہم دوبارہ اس کو اتنے آسان نشانے پر نہیں لاسکیں گے۔''

''وہ تمہارا نہیں، میرا مشن ہے۔ تم لکھ لو کہ اب اس کے دن گنے جا چکے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔''

بلیک ڈیڈ اس مہم میں زیادہ لاؤ لشکر لے کر نہیں نکلا تھا۔ ڈرائیور اور گن مین اس کے مکمل بھروسے کے آدمی تھے اس وجہ سے ساری گفتگو بڑی حد تک کھل کر ہو رہی تھی۔

''ہمارا مشن تم نے اپنے سر لے لیا۔ اب ہمیں یہاں رہ کر صرف تمہاری کامیابی کا انتظار کرنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ '' دوسری طرف آئزک بیل بھی ہمارا کھوج لگانے کے لئے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا دے گا۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری کامیابی سے پہلے ہم کسی مشکل سے دوچار ہو جائیں۔''

''ہوٹل میں تم دونوں واقعی غیر محفوظ ہو۔'' بلیک ڈیڈ نے اعتراف کیا ''میرا مشورہ ہے کہ تم فوری طور پر ہوٹل چھوڑ کر بروکلین میں میرے ایک ٹھکانے پر منتقل ہو جاؤ۔ وہاں کسی کو کانوں کان تمہاری موجودگی کی بھنک نہیں مل سکے گی اور تم دونوں محفوظ رہو گے۔''

اس نے وہ تجویز پورے خلوص کے ساتھ پیش کی تھی مگر میں خود کو اس کے چوہے دان میں محصور کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ ہمارے شب و روز اس کی نگاہوں میں رہتے تو ہماری ساری آزادیاں سلب ہو کر رہ جاتیں اور ہم بدری کی ملی بھگت سے اپنی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے سے معذور ہو جاتے۔ وہ صورتِ حال شاید ویرا کے لیے بھی قابلِ قبول نہ ہوتی۔

''تمہاری اس پیش کش کا شکریہ!'' میں نے لمحہ بھر میں فیصلہ کر کے کہا '' فی الحال ہمارے لیے ہوٹل ہی بہتر رہے گا۔ وہاں سے اپنے آدمیوں کو بھی ہٹا لو۔ عام لوگوں کی طرح رہ کر ہم زیادہ محفوظ رہیں گے۔ ہاں، کسی آڑے وقت کے لیے کوئی ٹھکانا بتا دو تو وہ ہمارے کام آئے گا۔''

''میں تمہیں یوں بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا۔'' بلیک ڈیڈ ہم پر ضرورت سے زیادہ مہربان ہونے کے موڈ میں آچکا تھا '' محافظوں کو ہٹا لینے کے بعد تمہیں کوئی نقصان پہنچا تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔''

''شروع سے اب تک ہم بے یار و مددگار ہی تھے۔'' ویرا پھر بول پڑی ''اور تم نے دیکھ لیا کہ اس کے باوجود ہم نے اپنے دشمن کے حلق میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔''

''طنز کر رہی ہو؟'' بلیک ڈیڈ نے اس کی بات کاٹ کر مجروح لہجے میں پوچھا۔

''طنز نہیں، یہ حقیقت ہے۔ تم ہمیں کچھ دنوں کے لیے ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ میں یہ بات خلوص اور نیک نیتی سے کہہ رہی ہوں۔ مشکل پیش آئی تو ہم تم سے ہی رجوع کریں گے۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ اب ہمیں تم جیسے حلیف کی حمایت حاصل ہو گئی ہے۔'' ویرا نے موقع سے فائدہ اٹھا کر بے دردی کے ساتھ اپنے دل کا غبار نکال دیا۔

''میں پھر کسی وقت اس موضوع پر بات کروں گا۔ چاہو تو میں تمہیں تمہارے ہوٹل پہنچا دوں۔''

''یہ غضب بھول کر بھی نہ کرنا۔'' میں نے بوکھلا کر کہا۔ '' آج کی تاریخ میں ہم تمہاری نہیں بلکہ کسی بھی کالی بیوک کی ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کریں گے۔ ہمیں راستے میں کہیں بھی اتار دینا۔ ہم خود ہوٹل پہنچ جائیں گے۔''

بلیک ڈیڈ ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی عجیب سی تھی '' میں خود

میں یہی سوچ رہا تھا مگر تمہاری دل جوئی کے لیے لفٹ کی پیشکش...... کرنی پڑی۔ کچھ کہے سنے بغیر راستے میں اتار دیتا تو تمہیں مجھ سے بے رخی کا شکوہ ہو سکتا تھا۔''

بیوک ہموار سڑک پر کوئنز کے علاقے کو پیچھے چھوڑ کر دریا پر بنے ہوئے پُل پر سے گزر رہی تھی۔ نیچے دریا میں ایک لمبا سا جزیرہ نظر آرہا تھا۔ میری دلچسپی کو دیکھتے ہوئے ویرا نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر بتایا کہ وہ روز ویلٹ آئی لینڈ کہلاتا ہے۔

پورے راستے میں ہمیں کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا، نہ ہی کہیں پولیس والوں کی کوئی غیر معمولی سرگرمی دیکھنے میں آئی۔ جو کچھ ہو رہا تھا، غالباً جائے واردات اور ایکسپریس وے پر ہو رہا تھا۔

سیکنڈ ایونیو عبور کرتے ہی بلیک ڈیڈ نے گاڑی کنارے پر لگوائی اور پُر جوش الوداعی کلمات کے ساتھ ہمیں بیوک سے اتار دیا۔

''یہ تو کچھ بھی نہ ہوا، ساری بازی ہی الٹ کر رہ گئی۔'' فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے ویرا نے کہا۔

''شاید ابھی گھنٹی کا وقت پورا نہیں ہوا۔ یہ اچھا ہوا کہ چارلی کے دل کی بھڑاس نکل گئی۔ اب وہ ہمیشہ کے لیے تمہارا بے دام غلام بن چکا ہے۔''

ویرا نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پوچھا ''تم نے اس غلام کی میزبانی کی پیشکش......کو کیوں ٹھکرا دیا؟''

''ہم بندھ کر رہ جاتے۔ ہمارا سارا ساز و سامان اس کی نظروں میں آ جاتا۔ گیپ کے اصل مسودے کو چھپانا محال ہو جاتا، سی ایس ڈی کی سہولت ختم ہو جاتی۔ چارلی کو اس کی ہوا بھی لگ جاتی تو وہ اس آلے کو ہتھیا لیتا۔''

''میں ڈر رہی تھی کہ کہیں تم اس کے جال میں نہ پھنس جاؤ۔'' ویرا نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

''میں اسی قدر احمق ہوں کہ سامنے کی باتوں کو بھی سمجھنے سے قاصر رہتا ہوں۔''

''تھوڑے سے کم ہو۔'' ویرا چلتے چلتے میرے شانے سے سر ٹکا کر بولی اور میں نے سختی سے اس کی کھوپڑی سیدھی کر دی۔

ٹیکسی میں بیٹھتے ہی ویرا کو جینی یاد آ گئی۔ ''اسے چارلی کے قبضے میں دیکھ کر میں سناٹے میں آ گئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر پہلے وہ فون پر میرے ساتھ چہک رہی تھی اور پھر وہاں پہنچ گئی۔''

''گھنٹی کی کمپنی کے سابق یا موجودہ ملازمین تو اس لڑائی میں سب سے کمزور پوزیشن میں ہیں۔ انہیں کوئی، کسی بھی وقت اٹھا سکتا ہے۔ پتا نہیں چارلی نے ان دونوں لڑکیوں کو کیا سوچ کر اغوا کرایا تھا انہیں دیکھ کر مجھے بھی شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا۔''

''اس وقت تک چارلی ہمارا سرپرست بننے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ اس نے محض ہمیں مرعوب کرنے کے لیے ان لڑکیوں پر ہاتھ ڈالا ہوگا۔''

''لڑکیوں سے بھلا ہم کیسے مرعوب ہو سکتے تھے؟'' میں نے بے یقینی سے کہا۔

''جینی کو اس کی قید میں بے ہوش دیکھ کر تمہارے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا......''

''اب ذاتیات پر نہ اتر آنا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر ترشی سے کہا ''اس کے لیے میرا فکر مند ہونا بالکل فطری تھا۔ اس کے ناقابل فراموش تعاون کے بغیر ہم کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ پہلے اس نے سبز فائل ہمارے حوالے کی اور پھر پرزوں کی کھیپ کی نشاندہی کی۔''

''وہ میری سہیلی تھی۔ تم اس کی تعریف کرتے ہو یا اس کے لیے فکر مند ہوتے ہو تو میرے دل و دماغ میں حسد اور رقابت کی آگ سی بھڑک اٹھتی ہے۔''

''وہ اب بھی تمہاری ہی سہیلی ہے۔ میرا اس سے واجبی سا تعلق بھی تمہاری ہی وجہ سے ہے۔'' میں نے ویرا کا دل رکھنے کے لیے کہا ''بات چارلی کی ہو رہی تھی اور تم اسے لے کر بیٹھ گئیں۔''

''چارلی ہمیں یہ دکھانا چاہ رہا تھا کہ وہ گھنٹی کے خلاف کس حد تک آگے بڑھ چکا ہے۔ ہیلن رائے کی اہمیت یہ تھی کہ پاگل ہونے سے پہلے وہ اسحاق گھنٹی کے ناپاک عزائم کے خلاف کھل کر اعلان بغاوت کر چکی

تھی۔ جینی کی اہمیت اس کے عہدے کی وجہ سے تھی۔"
"چارلی نے لنچ کے وقفے میں اسے اغوا کرایا اور اسحاق تھنگی شبہ ظاہر کررہا تھا کہ وہ بھی اس کی ملازمت کو خیر باد کہہ کر کہیں روپوش ہوگئی۔"
"وہ سنگین وقت گزر گیا۔ اب دلچسپ صورت حال ہوگی۔ دیکھنا ہوگا کہ جینی اس بارے میں کیا کہانی سناتی ہے۔" ویرا اس تصور سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔
"وہ سوچ بھی نہیں سکے گی کہ اس کی نجات میں میرا یا تمہارا ہاتھ تھا۔"
"اپنا ذکر بھی بیچ میں نہ لانا۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ "میں اسے بتاؤں گی کہ اسے میں نے نجات دلائی ہے۔ وہ تم پر ویسے ہی لٹو ہے۔ تم نے مزید احسان جتایا تو وہ دوڑتی ہوئی ہوٹل ہی پہنچ جائے گی۔ ایسی ندیدی اور دل پھینک لڑکیوں سے مجھے نفرت ہے۔"
"خود اپنے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"بجھتے ہوئے انگاروں کی راکھ کو نہ کریدو۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں دوسروں کو کھلونا بناتی تھی، کھیلتی تھی اور پھر ٹھوکر مار دیتی تھی۔ جینی تو خود کو کھلونا بنانے پر تلی ہوئی ہے۔"
"تم اس کی طرف سے اتنی ہی بدگمان ہو تو اسے تم ہی سنبھالنا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اب تک ہوش میں آ کر اپنے گھر پہنچ چکی ہو۔"
"وہ گھر پہنچ گئی ہو تو مجھے ماننا پڑے گا کہ چارلی سے اس کے آدمیوں کی روح فنا ہوتی ہے۔ بے ہوشی کی حالت میں وہ الو کی پٹھی اتنی چارمنگ لگ رہی تھی کہ اچھے خاصے مرد پاگل ہو......"
"بس...." میں نے اسے خاموش کر دیا "اس بے چاری کی اتنی کردار کشی نہ کرو۔ بے ہوشی کے عالم میں اچھا لگنے میں اس کا کیا قصور تھا؟"
"اس کے ساتھ تمہاری یہی ہمدردی مجھے بری طرح کھلتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ تمہارے سامنے اسے خوب برا بھلا کہتی رہوں۔ میں دیکھوں گی اس موٹی کو۔"
میں نے چپ سادھنے کے لیے سگریٹ سلگالی۔ اس وقت ویرا کی ذہنی رو بس بھٹکنے ہی والی تھی۔ وہ بھرے بھرے گداز بدن والی دراز قامت اور خوب رو جینی کو موٹی قرار دے کر اپنے متوقع ذہنی اختلال کا اعلان کررہی تھی۔
چین پلازہ ہوٹل آنے تک ہم دونوں کے درمیان مزید کوئی ہم کلامی ہوئی نہ تلخ کلامی۔ دونوں اپنا غبار سگریٹوں کے دھوئیں کی شکل میں نکالتے رہے۔
"جینی کا فون آیا تو میں اس سے بات کروں گی۔" ویرا کا ذہن شاید مسلسل اسی مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے ٹیکسی چھوڑتے ہی اپنا فیصلہ صادر کردیا۔
جینی کے بارے میں مجھے پورا اعتماد تھا کہ وہ میری مدہوشی اور اپنی سپردگی کی ناگفتنی کہانیوں کو پوشیدہ رکھنے کے لیے بظاہر ویرا کی ہر شرط مان لے گی مگر وہ مجھ سے براہ راست رابطہ کرنے کی کوششوں میں کسی طرح باز نہیں رہ سکے گی۔
اس گداز، خوبرو اور فراخ دل لڑکی کے سارے آزمودہ مہمانوں کے مطابق میں خود کو اس کی رفاقت کا اہل ثابت کرچکا تھا۔ وہ میرے اوپر فریفتہ ہوچکی تھی اور میں اس کے ساتھ گزارے ہوئے آزاد لمحوں کے تصور سے ایک کربناک عذاب سے گزر رہا تھا۔ میری خواہش تھی کہ بلیک ڈیڈ کی طرح ویرا بھی مجھے اور جینی کو اپنے حال پر چھوڑ دے۔ چند روز میں ہی اندر کی بہت سی باتیں سامنے آسکتی تھیں۔
وہ نازک موضوع ایسا نہیں تھا کہ اس پر کھل کر بات کی جاتی۔ سب ریاضی کی نیم طلسماتی سی مساواتیں تھیں۔ ان میں ہر شخص کو دیکھنا تھا کہ وہ کہاں فٹ ہو رہا ہے اور کہاں اس کی وجہ سے مسائل کھڑے ہوسکتے تھے۔
"میرا خیال ہے کہ جینی کو تم میرے سپرد کردو۔ بلیک ڈیڈ تم سے خائف رہتا ہے۔ میں دیکھوں گا کہ اس سفید فام دوغلے کا یہ خوف کیسے دور کیا جاسکتا ہے۔"
"چارلی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ جینی اس ڈیل کا

ب سے اہم بنا ہے۔ یہ دیکھو کہ وہ کس کے ساتھ خوش
رہ کر کام کر سکتی ہے۔ ماضی میں اس کا ریکارڈ رہا ہے کہ
اپنی مرضی کے خلاف ملنے والے کاموں میں وہ عام طور
سے ناکام رہتی ہے۔ اپنی مرضی سے جو کچھ کرتی ہے،
اس میں اس کی کارکردگی شاندار رہتی ہے۔ مگر بات
وہی ہے کہ اس کے ذہن میں تمہاری طرف سے کوئی چور
چھپا بیٹھا ہے۔ اسے موقع ملا تو وہ اپنے جذبات کی رو
میں تمہیں بھی اپنے ساتھ بہا لے جائے گی۔''

''جینی کوئی پارسا لڑکی نہیں ہے پھر بھی میں دیکھ رہا
ہوں کہ اس کی طرف سے اپنے حسد کے باعث تم کچھ
زیادہ ہی بدگمان ہوتی چلی جا رہی ہو۔''

وہ مجھے گھور کر رہ گئی، زبان سے کچھ نہیں بولی۔ ہوٹل
کے کمرے میں پہنچنے تک ہم دونوں ہی خاموش رہے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی ویرا نے اپنی عادت
کے مطابق ٹیلی وژن آن کر دیا اور جوتے وغیرہ
اتارنے میں مصروف ہو گئی۔ اس کے پلٹنے سے پہلے میں
لباس تبدیل کرنے کے لئے باتھ روم میں گھس چکا تھا۔
اس وقت میرے ذہن میں اچانک ہی دو خیالات
شدت سے ابھرنے لگے۔ اول یہ کہ آئزک بیل نے
گیپ جیسے اہم منصوبوں کی فائل کسی محفوظ تجوری کے
بجائے اپنی میز کی درازوں کے پیچھے کیوں چھپا دی ہوئی
تھی۔ دوم یہ کہ تحریر کے لیے کوئی مشکل کوڈ استعمال کیوں
نہیں کیا گیا۔

آرام دہ لباس میں ملبوس ہو کر کمرے میں آتے ہی
میں نے ویرا کو اپنی اس الجھن میں شریک کر لیا۔

''سبز فائل کی اہمیت ثابت ہونے کے بعد اب یہ
سوالات بے معنی ہو چکے ہیں۔'' وہ بولی۔

''مگر پھر بھی سوالات کی اہمیت اپنی جگہ برقرار
ہے۔ اسحاق گھنٹی جیسے آدمی سے ایسی غیر ذمے دارانہ
غلطی کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ فائل کی اہمیت سامنے
آنے کے بعد ہی میں یہ دونوں باتیں سوچنے پر مجبور ہوا
ہوں۔''

''درازوں کے پیچھے وہ فائل زیادہ محفوظ تھی۔ گھر
میں کوئی چور یا ڈاکو آتا تو وہ بھی سب سے پہلے تجوریوں
اور مقفل الماریوں کا رخ کرتا ہے۔ کوئی سوچ بھی نہیں
سکتا تھا کہ اسحاق گھنٹی کی میز کی ہر وقت استعمال ہونے
والی درازوں کے پیچھے بے کار جگہ میں ایک اہم ترین
فائل پوشیدہ ہے۔ یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ جینی نے
کاغذات کی تلاش میں میز کی درازیں باہر نکالیں اور
اتفاقیہ طور پر وہ فائل اس کے ہاتھ لگ گئی۔''

''سوال یہ ہے کہ وہ فائل دفتر میں ہی کیوں تھی۔
دفتر میں عملے کے متعدد افراد موجود رہتے ہیں۔ کیا اس
کے لیے گھر زیادہ محفوظ ثابت نہ ہوتا؟'' میں نے حجت
کی۔

ویرا مسکراتے ہوئے بولی ''تم بھول رہے ہو کہ وہ
کوئی عام فرد نہیں ہے۔ رنگس جیسی سیکیورٹی کمپنی کا دفتر
ہے جہاں کا ڈسپلن بہت سخت ہے۔ خود بلیک ڈیڈ نے
اعتراف کیا ہے کہ وہاں باقاعدہ اجازت کے بغیر چڑیا کا
بچہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ اگر میں نے پرانے مراسم کے
حوالے سے جینی کو ورغلایا نہ ہوتا تو وہ فائل آج بھی
وہیں محفوظ ہوتی۔ دفتر میں کاغذات اور فائلوں کے لیے
مخصوص جگہیں ہوتے ہوئے کون کسی اہم کاغذات کو
ایسی ناکارہ جگہ پر رکھے گا۔''

''مان لیا کہ اس نے اپنے کسی متوقع حریف کے
سارے اندازوں کو شکست دینے کے لیے وہ فائل
درازوں کے پیچھے چھپائی تھی اور وہاں سے وہ جینی کے
ہاتھ لگ گئی لیکن اس کی زبان؟''

''وہ کاغذات جس کسی کے ہاتھ لگتے، وہ اسے
مروّج کرپٹوگرافی کی روشنی میں پڑھنے کی کوشش کرتا۔
ان پر نگاہ پڑتے ہی شبہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی خفیہ زبان
ہے۔ تم نے خود بھی ڈی کوڈنگ کے لئے ان کاغذوں کی
نقل اول خان کو پوسٹ کی تھی۔ پاکستان میں خفیہ
زبانوں کے سارے ماہر سر جوڑ کر گیپ کا متن نہیں پڑھ
سکتے تھے۔''

''ان کوششوں میں میری طرح کسی اور کو بھی الٹی
تحریر کا خیال آ سکتا تھا۔''

''الفاظ صرف الٹے ہی نہیں تھے، دو دو الفاظ کو جوڑ
کر الٹا کیا گیا ہے۔ یہ تمہاری شیطانی کھوپڑی ہی سمجھ سکتی

تھی۔ میرا تو اندازہ ہے کہ کوئی بھی اس نئی اور غیر مروّج تحریر کو نہیں پڑھ سکتا۔ اول خان سے کہنا چاہیے کہ تجرباتی طور پر وہ گیپ کا مسودہ ایک دو ماہروں کو ضرور دے۔"

جینی کے ذریعے وہ فائل جس آسانی سے ہاتھ آئی تھی، اُس کی بنا پر اس کی کوئی اہمیت نہیں بنتی تھی۔ اس میں وائٹ ہاؤس کی خط و کتابت کے لیے خاص طور پر بنائے ہوئے کاغذوں کی موجودگی اور پھر خفیہ بلکہ ناقابلِ فہم عبارات کی دریافت نے اسے اہم بنا دیا تھا۔

فائل کے حوالے پر آئزک نیل کے بے ساختہ خوشامدانہ ردِعمل اور اس کے بعد مقررہ وقت پر کوئنز ایکسپریس وے پر پہنچنے کے بعد گیپ کی اصلیت اور اہمیت ہر شک وشبے سے بالاتر ہوگئی تھی۔

ویرا نے جینی کی تلاش میں اس کے گھر فون کیا تو تین گھنٹیوں کے بعد خودکار ریکارڈنگ مشین چل پڑی۔ اس میں پہلے سے موجود پیغام میں بتایا گیا کہ لِلی برنارڈ گھر پر موجود نہیں تھی۔ پیغام اور پھر بیپ سننے کے بعد ویرا نے صاف لہجے میں اپنا پیغام ریکارڈ کرا دیا "للی ڈارلنگ.... ہم تمہارے لئے فکرمند ہیں۔ ہم نے تمہیں بدمعاشوں سے چھڑا لیا تھا۔ حیرت ہے کہ اب تک تم گھر کیوں نہیں پہنچیں۔ لوٹتے ہی مجھے یا شیر علی عرف رمضان کو فون کرلو۔"

کریڈل دبا کر ویرا نے فوراً رنکس کا دفتری فون نمبر ملا لیا۔

وہاں ڈیوٹی پر مامور گارڈ نے بتایا کہ ہیڈ آفس بند ہوچکا تھا۔ تحفظ کے بارے میں کسی ہنگامی ضرورت کے لیے ان کے کمانڈ سینٹر سے رجوع کیا جائے جو دن رات کھلا رہتا ہے۔ وہ ایک نئی اطلاع تھی۔ ویرا نے رنکس کے اس سینٹر کا نمبر نوٹ کرتے ہوئے چوکیدار کو بتایا کہ اسے کوئی دفتری کام نہیں تھا بلکہ وہ اپنی ایک سہیلی کے لئے فکرمند تھی جو رنکس میں کام کرتی ہے اور اس وقت تک وہ اپنے گھر واپس نہیں پہنچی تھی۔ چوکیدار اس مسئلے میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوگیا۔

للی برنارڈ کے بارے میں وہ زیادہ باخبر نہیں تھا کیونکہ وہ دفتر بند ہونے کے بعد ڈیوٹی پر آتا تھا۔ مسئلے کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے اس نے ویرا کو لائن ہولڈ کرائی اور ڈیوٹی روسٹر کے اندراجات دیکھنے کے بعد اسے بتایا کہ وہ ایک بجے لنچ کے لیے دفتر سے نکلی تھی اس کے بعد سے کسی اطلاع کے بغیر دفتر سے غائب تھی۔ باس نے اس کے نام کے آگے سرخ لکیریں لگائی ہوئی تھیں۔

ویرا نے تشویش کے اظہار کے بعد اس کا شکریہ ادا کیا اور فون بند کردیا۔

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلیک ڈیڈی کی ہدایت کے بعد اسے رہا کیا جا چکا ہوگا۔" میں نے ویرا کو دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"تم ان بدفطرت سنپولیوں کو نہیں جانتے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ کہیں جینی کو ڈریم لینڈ سے اپنے کسی اڈے پر نہ لے گئے ہوں۔ وہاں اس کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کی فکر نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے۔"

"بلیک ڈیڈی سخت گیر آدمی ہے۔ ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ اس کے کسی آدمی نے ایسی حرکت کی تو میں چارلی سے بات کرکے اسے بدترین سزا دلواؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

ٹیلی وژن پر چند ثانیوں سے خبروں کا سلسلہ چل رہا تھا۔ جوں ہی کوئنز ڈاؤن ٹاؤن ایکسپریس وے کا نام آیا، ہم دونوں نے پوری توجہ خبرنامے پر مرکوز کردی۔

تصویر میں سنہری رنگ کی کریسلر کے قریب ایمبولینس کا عملہ زخمی آئزک نیل کو اسٹریچر پر ڈال رہا تھا۔ آئزک نیل کے چہرے پر سخت اذیت اور دہشت کی ساری علامات موجود تھیں۔

خبر کے مطابق آئزک نیل پر ایک چلتی ہوئی سیاہ بیوک سے بے آواز فائر کیا گیا تھا۔ گولی اس کی ران اور کولھے کی ہڈی کو توڑ کر دوسری طرف نکل گئی تھی۔ آئزک نیل نے حملہ آوروں کی کار کا نمبر نوٹ کرلیا تھا۔ جو بعد میں جعلی ثابت ہوا۔

پولیس کی نگرانی میں آئزک نیل کو تیزی سے نیویارک کے ایک بڑے اسپتال میں منتقل کردیا گیا تھا۔ اس کی کار کی تلاشی لینے پر ٹرنک یعنی ڈکی میں سے بریف

کیس نما ایک چھوٹا سوٹ کیس برآمد ہوا جو بظاہر بڑے نوٹوں کی گڈیوں سے بھرا ہوا تھا۔ تلاشی لینے پر انکشاف ہوا کہ نوٹوں کی اوپری تہ کے نیچے نوٹوں کے سائز کی سادہ کاغذ کی گڈیاں جمائی گئی تھیں۔ ان میں سے ہر گڈی پر بڑی مالیت کا ایک نوٹ تھا۔

سوٹ کیس میں سادہ کاغذوں کے بجائے اسی مالیت کے نوٹ بھرے ہوئے ہوتے تو وہ رقم پچاس لاکھ ڈالر سے زیادہ ہوتی۔ تفتیشی افسران حیران تھے کہ آئزک بیل اتنی بڑی رقم لے کر ایکسپریس وے پر کیا کر رہا تھا اور سادے کاغذ بھر کر کس کو دھوکا دینا چاہ رہا تھا۔

ٹیلی وژن کیمرا بروقت جائے واردات پر پہنچا دیا گیا تھا اس لیے سوٹ کیس اور رقم کی گڈیوں کے ساتھ سادے کاغذوں کی گڈیاں بھی اسکرین پر دکھائی گئیں۔ ملاوٹ کے باوجود سوٹ کیس میں ایک بڑی رقم موجود تھی۔

واردات کے کسی سراغ کی تلاش میں تفتیشی افسران اور اخباری نمائندے وغیرہ وہیں مصروف تھے کہ ٹھیک ساڑھے پانچ بجے رقم والا سوٹ کیس ایک ہولناک دھماکے سے پھٹ گیا جس کے نتیجے میں ایک تفتیشی افسر ہلاک اور پانچ افراد شدید زخمی ہوئے تھے۔ دھماکے کے نتیجے میں ٹیلی وژن کیمرا بھی تباہ ہوگیا تھا اس لیے بعد کے مناظر اسکرین پر نہ دکھائے جاسکے۔

یہ بات واضح طور پر سمجھ لی گئی تھی کہ آئزک بیل خطیر رقم لے کر ایکسپریس وے پر اپنے کسی حریف کا منتظر تھا۔ وہ کوئی ڈیل بھی ہوسکتی تھی جس میں آئزک بیل رقم کا سوٹ کیس دے کر اپنے حریف سے کوئی مطلوبہ شے حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

''خدا کی پناہ!'' خبر کی تفصیل سن لینے کے بعد ویرا تحیرزدہ آواز میں بولی ''اس نے یہ سارا بندوست تمہارے لئے ہی کیا ہوا تھا۔''

''وہ سمجھ رہا تھا کہ میں رقم کے لالچ میں آ گیا ہوں۔'' میں نے ہنس کر کہا ''شرافت سے سبز فائل اسے دے دوں گا اور رقم کا سوٹ کیس اس سے لے جاؤں گا۔''

''رقم کے بارے میں بھی وہ مردود بدنیت تھا۔ صرف اتنی رقم لایا تھا کہ تم سوٹ کیس کھول کر سرسری نظر ڈالو تو تمہیں کسی کا شبہ نہ ہوسکے اور اس کا کام بن جائے۔''

''اسے معلوم تھا کہ ساڑھے پانچ بجے اس کا پلانٹ کیا ہوا ٹائم بم سب کچھ تباہ کردے گا پھر وہ زیادہ رقم برباد کرنے کا خطرہ کیوں مول لیتا؟''

''کاش پولیس اور ایمبولینس کو وہاں پہنچنے میں ذرا سی دیر ہوجاتی تو وہ اپنے ٹائم بم کے دھماکے کا خود شکار ہوجاتا۔ وہ اسی قابل ہے کہ اس کے چیتھڑے اڑا دیے جائیں۔''

''اس کی زخمی ہونے کے بعد بھی مجھے شبہ نہیں ہوا تھا کہ اس نے مجھے دھوکا دینے کی کوئی کوشش کی ہوگی بلکہ میں نادم تھا کہ اب اس سے کس منہ سے بات کرسکوں گا۔''

''یہ تمہاری ناسمجھی تھی۔'' ویرا نے منہ بنا کر کہا ''تم اسے مارنے کے چکر میں تھے اور وہ تمہارا پتا صاف کرنے کا ارادہ لے کر وہاں آیا تھا۔ وہ پھنس گیا۔ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم بچ نکلے۔''

''اس وقت مجھے یقین ہوگیا ہے کہ قدرت میری مدد کررہی ہے۔ ذرا یہ سوچو کہ بلیک ڈیڈ بیچ میں کود کر ہم تک نہ آ پہنچتا تو انجام کیا ہوتا۔''

ویرا چند ثانیوں کے لیے سوچ میں پڑ گئی پھر بولی ''شاید یہ واقعہ نہ ہوتا اور ہم آسانی کے ساتھ اسے اپنی راہ سے ہٹانے میں کامیاب ہوجاتے۔''

''اسے راہ سے ہٹانا اتنا آسان نہیں ہے۔ ہم بلیک ڈیڈ کی طرح اسے کسی ایکسپریس وے پر گولی مار کر فرار ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اسے مفاہمت کے جال میں پھانسنے کے لیے اس سے کم از کم ایک بار کسی محفوظ مقام پر ملاقات ضروری تھی۔ اسے تھوڑا سا اعتماد ہوجاتا تو پھر میں اسے کہیں بھی لے جا کر مار سکتا تھا۔ مین ہٹن سے باہر بیشتر فری وے ویرانوں میں سے ہو کر گزرتے ہیں۔''

''اور وہ اسی ملاقات میں تمہارا کام تمام کردیتا؟''
ویرا نے پُرخیال انداز میں پوچھا۔
''سبز فائل واپس حاصل کیے بغیر وہ میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا تھا۔'' میں نے پورے اعتماد سے کہا ''میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اس سے ملاقات میرے حق میں ذرا بھی سودمند نہ ہوتی۔ امریکا کے سارے ترقی یافتہ وسائل تک اس کی رسائی ہے وہ میرے ساتھ کوئی ایسا داؤ کھیلتا کہ میرے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوتی۔ کسی بھی ننھے سے سینسر یا بگ کے ذریعے وہ میری نقل و حرکت سے آگاہ رہنے کا بندوبست کرلیتا تو میرے ساتھ تمہاری زندگی بھی خطرے میں پڑسکتی تھی۔''
''اب ان خیالی باتوں پر سر کھپانا بے سود ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب کیا ہوگا؟''
''زخمی ہونے کے بعد وہ یقیناً دہشت زدہ اور بدحواس ہوگیا تھا۔'' میں نے کہا ''اسے یاد رہتا تو وہ اسپتال جانے سے پہلے پولیس والوں کو سوٹ کیس میں نصب ٹائم بم کے بارے میں ضرور بتاتا تاکہ اسے دھماکے سے پہلے ناکارہ کیا جاسکے۔''
''ران اور کولہے کی ہڈیاں ٹوٹنے کا مطلب ہے کہ وہ بُری طرح زخمی ہوا ہے۔ ایسے زخم بڑے سے بڑے سورما کو خوف زدہ کردیتے ہیں۔'' ویرا بولی۔
''زخمی ہونے سے زیادہ یہ بات اس کے لیے اذیت ناک تھی کہ اس کا گھمنڈ خاک میں مل گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نیویارک کی کسی شاہراہ پر کوئی اس پر ہتھیار اٹھا سکے گا۔''
''وہ بری طرح پھنس چکا ہے۔ اب اس کے زخمی ہونے کا معاملہ دب جائے گا اور اس سے سوٹ کیس کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے گی۔'' ویرا نے اپنی رائے ظاہر کی۔
''سوٹ کیس بم کے دھماکے میں ایک سرکاری افسر کی موت اس کی گردن کا طوق بن جائے گی اور وہ اپنی گلوخلاصی کے لیے سبز فائل کا سہارا نہیں لے سکے گا۔''
''اچھا ہے۔ اسی بہانے اس کا قصہ پاک ہوجائے گا۔ پبلک پراسیکیوٹر چاہے تو اس پر قتلِ عمد کا مقدمہ بن سکتا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ بم کا طاقت ور دھماکا اس کے دشمن کے بجائے بے گناہ تفتیشی افسران کو لے ڈوبے گا پھر بھی اس نے ٹائم بم کی نشاندہی کرنے یا اسے ناکارہ کرنے کوئی کوشش نہیں کی۔''
میرا ابتدا سے ہی یہ عزم تھا کہ آئزک بیل میرے ہاتھ آئے تو ایک ہی وار میں اسے جہنم واصل کردوں لیکن معلوم ہوتا تھا کہ ایسی آرام دہ موت اس کے مقسوم میں نہیں لکھی گئی تھی۔ وہ بتدریج بلکہ قسطوں میں ٹوٹ پھوٹ کے عمل سے گزر رہا تھا۔
فرعونیت اور انانیت کے ساتھ بڑے بڑے بول بولنے والا وہ ملعون پہلے اپنے مقام سے مُنہ کے بل اس طرح گرا کہ میرے سامنے رونے اور گڑگڑانے پر اتر آیا پھر اس نے میری ہر شرط ماننے پر مکمل اور غیر مشروط آمادگی ظاہر کی جس کے نتیجے میں وہ کاری زخموں سے چور ہوکر نیویارک کے کسی اسپتال میں سسک رہا تھا۔
اس کی درندگی اور دہشت گردی کی مناسب سزا یہی تھی کہ اسے سسکا سسکا کر مارا جائے۔ اس میں بس ایک ہی کھٹکا تھا کہ اپنے اختیارات کا ایک تحریری جواز کھو دینے کے بعد بھی وہ ڈیوڈ اسٹارز کا سربراہ تھا۔ اگر امریکا کا صدر اس پر مہربان ہوتا تو اس کے عذر کو تسلیم کرکے اسے نیا پروانہ اختیار عطا کرسکتا تھا۔
آئزک بیل کی ایسی حیات نو کی راہ میں اس وقت اکلوتی رکاوٹ یہ تھی کہ سی ون تھرٹی کے چکر میں سی آئی اے اس کے خلاف ہوچکی تھی۔ ان لوگوں کی طرف سے اعتراض ہونے کی صورت میں امریکا کا صدر آئزک بیل کے اختیارات کی تجدید نہیں کرسکتا تھا کیونکہ گیپ پر دستخط کرنے والے چار فریقوں میں سے ایک سی آئی اے کا سربراہ تھا۔
ٹیلی وژن پر آنے والی ابتدائی خبر میں دیر تک کوئی قابلِ ذکر اضافہ نہیں ہوسکا۔ خبر کم و بیش جوں کی توں رہی۔ پروگراموں کے درمیان تبصروں میں آئزک بیل کی مضبوط مالی حیثیت کا ذکر کیا گیا نہ ڈیوڈ اسٹارز کے ذریعے اس کے فلاحی کاموں کے بارے میں کچھ کہا گیا۔ اس کی ذات کے ان ظاہری روشن پہلوؤں کو نظر

انداز کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ٹیلی وژن والے اس کے بارے میں بہت زیادہ محتاط روی سے کام لے رہے تھے میرے لیے یہ بات حیرت ناک تھی کہ رقم سے بھرے ہوئے سوٹ کیس میں پھٹنے والے بم کے حوالے سے اس وقت تک ٹیلی وژن پر آئزک بیل کی ذمے داری کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔

وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ ساڑھے آٹھ بجے فون کی گھنٹی بجی تو ویرا باتھ روم میں تھی۔ میں نے جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے جینی کی خوف زدہ آواز سن کر میرے منہ سے بے اختیار اطمینان کا ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔

''تم بہت دیر سے گھر آئی ہو اور گھبرائی ہوئی ہو۔ کیا بات ہے؟'' میں نے نرمی سے پوچھا۔

''ڈیئی! آج میں بال بال بچی ہوں......'' اس نے مضمحل لہجے میں تمہید باندھی مگر میں نے وہیں اس کی بات کاٹ دی۔

''مجھے معلوم ہے کہ کچھ بدمعاشوں نے لنچ کے وقفے میں تمہیں اغوا کر لیا تھا۔ ان کے عزائم خطرناک تھے۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ ہم دونوں اس وقت ان ہی لوگوں کے اڈے پر موجود تھے۔ ہمارے ایما پر ان لوگوں نے تمہیں آزاد کر دیا...... یہ سب ایک خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔ یہ بہت بری بات ہے کہ تم نے اس وقت خوف و ہراس کے عالم میں میرا نام لیا ہے۔ اس طرح میری گردن پھنس سکتی ہے۔ یہ یاد رکھو کہ اب میرا نام صرف اسلم ہے، اسلم خان!''

''کس کا فون ہے؟'' ویرا نے باتھ روم میں سے بلند آواز میں سوال کیا۔

''تمہاری ڈارلنگ جینی کی کال ہے۔'' میں نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر اونچی آواز میں جواب دیا۔

''یہ تم کس سے بات کر رہے ہو؟'' دوسری طرف سے جینی نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

''باتھ روم میں روزی کو مروڑ ہو رہی ہے۔ اسی کو رفع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

ریسیور پر جینی کی تھکی تھکی سی ہنسی کی آواز آئی پھر وہ بولی۔ ''سوری ڈارلنگ! اس وقت میں اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہوں۔ اپنی ریکارڈنگ مشین پر روزی کا پیغام سن کر مجھے بہت ڈھارس ملی ہے کہ نیویارک میں کوئی ایسا بھی ہے جو میرے لیے فکر مند ہو سکتا ہے۔ میں تمہارا نام لینے پر معذرت خواہ ہوں۔ اب یاد رکھوں گی کہ تمہارا نام اسلم خان ہے۔''

''مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تمہیں کیسے اٹھایا گیا اور پھر تمہیں کب ہوش آیا۔'' میں نے اس کی معذرت پر دھیان دیے بغیر دھیرے سے کہا۔

''لنچ کے لیے میں روزانہ فوڈی فاسٹ فوڈ ریستوران میں جاتی ہوں۔ آج اپنی گاڑی میں بلڈنگ سے نکلی تو ایک شخص تیزی سے قریب آیا اور اچانک اپنی جیکٹ کی زپ کھول کر کھڑکی سے آ لگا۔ تیز بو میرے نتھنوں میں گھسی اور میں کوشش کے باوجود سنبھلنے، سانس روکنے یا چیخنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کے بعد میرے ساتھ کیا ہوا......''

''تم نے اس آدمی کی صورت دیکھی تھی؟'' میں نے درمیان میں پوچھا۔

''میں پُرہجوم ٹریفک کی طرف متوجہ تھی۔ میں نے بس ایک موہوم سا ہیولا اپنی طرف بڑھتے دیکھا تھا۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ علم نہیں۔ میری غلطی صرف اتنی تھی کہ میں نے اسے دفتر کا کوئی آدمی سمجھ کر گاڑی کے بریک لگا کر گیئر نیوٹرل کر دیا تھا مگر پھر کھلی ہوئی جیکٹ اور سفید قمیص سے اوپر کچھ دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ اس کے ہاتھوں کی جلد سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کوئی سفید فام تھا۔''

''تمہیں دوبارہ ہوش کب آیا؟'' میں نے پہلو بدل کر بے چینی سے پوچھا۔

''شاید دس منٹ پہلے.... میں ایک پارکنگ لاٹ میں اپنی گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھی ہوئی تھی۔ چار گھنٹے کی پارکنگ فیس ادا کرتے ہوئے مجھے علم ہوا کہ مجھے ساڑھے چار بجے کے لگ بھگ وہاں چھوڑ دیا گیا تھا۔''

اس کی زبان سے اوقات کی ترتیب سن کر میرے تنے ہوئے اعصاب یک لخت ڈھیلے پڑ گئے۔ ویرا کے

تمام تر اندیشوں کے برعکس بلیک ڈیڈ کے بدمعاشوں نے شرافت اور فرماں برداری کا ثبوت دیا تھا۔ شاید وہ لوگ جینی کو اپنے ساتھ لے کر پارکنگ لاٹ میں داخل ہوئے، چابی اگنیشن میں چھوڑی جینی کو صحیح پوزیشن میں بٹھایا اور بھاگ نکلے۔

حیران کن بات یہ تھی کہ وہ چار گھنٹے تک پارک کی ہوئی ایک کار میں بے ہوش بیٹھی رہی اور کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔

میں نے جینی پر اپنی حیرت کا اظہار کیا۔ ویرا کسی موقع پر مجھے بتا چکی تھی کہ نیویارک میں کنگال جوڑے جب زمانے کی نظروں سے چھپنے کے لیے کرائے پر کوئی جگہ لینے کی استطاعت سے محروم ہوتے ہیں تو وہ لفظوں اور پارکنگ لاٹس تک کو اپنے خلوت کدوں میں تبدیل کر کے اپنی ضرورتوں کا درماں کر لیتے ہیں۔ جبر کا شائبہ نہ ہو تو نیویارک کے شہری ایسے مواقع پر اپنی آنکھیں بند کر کے روایتی لاتعلقی سے کام لیتے ہیں۔

پارکنگ لاٹ بیٹھنے یا سونے کی جگہ نہیں تھی۔ جینی کو جس نے بھی دیکھا ہوگا، چند منٹ کے لیے دیکھا ہوگا اور یہ سمجھا ہوگا کہ وہ ڈیٹ پر وہاں آئی ہے اور گاڑی میں بوائے فرینڈ کی آمد کا انتظار کر رہی ہے۔ اس رائے کے بعد کسی کو اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں تھی۔

نیم روشن بلکہ نیم تاریک پارکنگ لاٹ کا وہ استعمال مجھے خاصا کارآمد محسوس ہوا۔

میرے ذہن نے چند ہی ثانیوں میں وہ سب سوچ لیا اور میں نے جینی سے گفتگو میں وقفہ دیے بغیر کہا ”یہ تمہارے لیے ایک کٹھن وقت تھا جو آسانی سے گزر گیا۔ تم کو کچھ صدقہ خیرات وغیرہ دینا چاہیے۔“

”تم آ جاؤ...... اس وقت میں تمہارے سہارے کی شدید ضرورت محسوس کر رہی ہوں۔ اپنی مرضی سے صدقہ خیرات بھی وصول کر لینا۔“ اس کی آواز یکایک دھیمی ہو گئی۔

وہ اس کا لاشعوری احساسِ جرم تھا جس نے اسے آواز دھیمی کرنے پر مجبور کیا ورنہ اس کے گھر میں یہ سب سننے والا کون تھا؟ فون پر آواز بہرحال ایک حد کے اندر رہتی ہے۔ چیخ دھاڑ کر بھی ریسیور کو لاؤڈ اسپیکر نہیں بنایا جا سکتا۔

مگر حیرت ناک طور پر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ویرا نے جینی کی وہ پیش کش سن لی ہو۔ وہ باتھ روم کا دروازہ کھول کر تیر کی طرح میری طرف آئی تھی۔

”تمہیں جو دینا ہے خود ہی دے دو!“ میں نے کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”میں تمہارے پاس نہیں آ سکتا۔ روزی باتھ روم سے آ گئی ہے۔ اسے اپنے پاس بلا لینا۔“

”اس کے پیچھے تم شیخیاں مارتے رہتے ہو مگر اس سے تمہارا دم نکلتا ہے۔“ بے ساختہ ہنسی کے ترنم میں جینی کی آواز آئی ”وہ تمہیں کھا نہیں جائے گی۔“

”تم واقعی سمجھ دار ہو۔“ میں نے ویرا کو سنانے کے لیے وہ ذو معنی اعتراف کیا پھر کہا ”اپنے دفتر کے کسی آدمی کے گھر فون کر کے اپنی غیر متوقع غیر حاضری کا کوئی بہانہ ریکارڈ کرا دو۔ اسے اصل واقعے کی ہوا بھی نہ لگنے دینا۔ زخمی ہونے تک تمہارا باس یہی سمجھ رہا تھا کہ ہیلن کے بعد تم بھی اچانک ملازمت چھوڑ کر بھاگ گئی ہو۔ اُس کے اس وہم کی تردید ضروری ہے۔“

”زخمی؟“ جینی کی متعجب آواز ابھری ”وہ یکایک کیسے زخمی ہو گیا؟ دوپہر کو تو میں نے اسے دفتر میں ٹھیک ٹھاک چھوڑا تھا۔“

”شاید تم نے ٹیلی وژن نہیں دیکھا۔ اس پر خبر ملی ہے کہ کوئنز ڈاؤن ٹاؤن ایکسپریس وے پر کسی نے گولی مار کر اس کی کئی ہڈیاں توڑ ڈالی ہیں۔“

”مجھ سے ایسے انجان نہ بنو۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم نے اتنا بڑا کام کیسے کر ڈالا۔ آج کل تو وہ اپنے سائے تک سے بھڑک رہا ہے اور حفاظتی انتظامات کے بغیر کہیں نہیں آتا جاتا۔“

”لڑکی!“ میری آواز اچانک سرد اور سخت ہو گئی ”کیا میں فون بند کر دوں؟“

”اوہ سوری.... اسلم میں شاید ابھی تک اپنے حواس میں نہیں ہوں۔ میں روزی سے بات کروں گی۔ پلیز تھوڑی دیر کے لئے میرے پاس آ جاؤ۔ اس وقت

تنہائی سے مجھے خوف آ رہا ہے۔''
''میں فون روزی کو دے رہا ہوں، اسی سے بات کرلو۔'' یہ کہہ کر میں نے ریسیور ویرا کی طرف بڑھا دیا۔ وہ میرے قریب کھڑی شتبہ آمیز نظروں سے مسلسل مجھے گھورے جا رہی تھی۔
اس نے ماؤتھ پیس پر داہنی ہتھیلی رکھ کر مجھے گھورا اور کڑے لہجے میں پوچھا ''جینی سے تم کیا لینے دینے کی باتیں کر رہے تھے؟''
''کچھ نہیں، صدقے اور خیرات کا ذکر تھا۔ آج وہ ایک ناگہانی مصیبت سے بال بال بچی ہے۔''
''اس نے تم سے کوئی اول فول بات تو نہیں کی؟''
ویرا کی کھوپڑی ایسے معاملات میں ہر وقت بالکل صحیح ٹریک پر چلتی تھی۔
''خدا کا خوف کرو ویرا۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا ''وہ بے چاری ابھی تک صدمے کی حالت میں ہے۔ تم کبھی ایسے تجربے سے گزرو تو اندازہ ہوگا کہ ذہن کی کیا حالت ہو جاتی ہے۔''
ویرا نے مطمئن ہو کر ریسیور کان سے لگایا اور بے ساختہ، مسرت آمیز لہجے میں بولی ''ہائے جینی! تم نے تو میرا دم ہی نکال دیا تھا...... آج دوپہر سے تم کہاں مری ہوئی تھیں۔''
میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر بستر پر بیٹھ گیا۔ عیب جوئی اور منافقت کے فنون میں ویرا شیطان سے بھی چار ہاتھ آگے تھی۔
چند ثانیے قبل ویرا اپنی سہیلی کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کر رہی تھی۔ اس سے باتیں شروع ہوئیں تو وہ بات بات پر بچھنے لگی۔ جینی کی یوں دل جوئی کر رہی تھی جیسے وہ اس کی ہم عمر سہیلی نہیں، ناسمجھ اولاد ہو۔
ہمارا وہ دن خاصا مصروف گزرا تھا۔ ویرا کی یک طرفہ منافقانہ گفتگو سننے سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے اٹھ کر اسکاچ کے دو گلاس بنائے اور ایک ویرا کے سامنے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔
گلاس سے اس تلخ سیال کا پہلا بڑا گھونٹ لیتے ہوئے میری نگاہ وال کلاک پر پڑی تو میں مضطرب ہو گیا۔ سوا نو بج رہے تھے۔ بدری شاید رچمنڈ میں اپنے ہوٹل میں واپس آ چکا تھا۔ مجھے اس سے جلد از جلد بہت سی اہم باتیں کرنی تھیں۔
میں نے ویرا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے وال کلاک کی طرف متوجہ کیا لیکن وہ میرا مطلب نہ سمجھ سکی۔ فون پر جینی سے باتیں کرتے ہوئے اس نے استفہامیہ انداز میں اپنی بھویں چڑھائیں تو میں نے اشارے سے اسے سمجھایا کہ مجھے فوراً ایک ضروری فون کرنا تھا۔
ویرا کچھ سمجھی یا نہیں سمجھی لیکن اس نے جینی کے ساتھ اپنی گفتگو سمیٹنے کی کوششیں شروع کر دیں۔
''ٹھیک ہے ڈارلنگ!'' چند مکالموں کے تبادلے کے بعد اس نے اختتامی انداز میں کہا ''میری کوشش ہوگی کہ آج کی رات ہم دونوں تمہارے ساتھ گزار سکیں۔ مجھے پورا اندازہ ہے کہ آج کے منحوس واقعے نے تمہیں اندر تک سے دہلا کر رکھ دیا ہوگا۔''
ریسیور رکھ کر وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں میری طرف گھومی اور غرائی ''خود اسے گھنٹا بھر سے رام لیلا سنا رہے تھے، میں نے دو منٹ بات کی تو تکلیف ہونی شروع ہو گئی۔ کسے فون کرنا ہے تمہیں؟''
''تمہیں معلوم ہے کہ بدری ناتھ نو بجے اپنے کمرے میں لوٹ آتا ہے۔ اس وقت ساڑھے نو بجنے والے ہیں۔'' میں نے اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور اسی جھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا ''وہ تمہیں کون سی کتھا سنا رہی تھی؟''
''اسحاق گھنٹی کی پریشانی پر اسے تشویش ہے۔'' ویرا نے لڑنے والے لہجے میں کہا ''لنچ کا وقفہ ختم ہونے کے بعد اس نے دو مرتبہ جینی کی ریکارڈنگ مشین پر پیغام چھوڑا تھا۔ تم نے یہ بتا کر کہ اسحاق گھنٹی اسے بھگوڑی سمجھ رہا ہے، اسے بری طرح دہشت زدہ کر دیا ہے۔''
''اور اس کی دہشت دور کرنے کے لیے آج کی رات تم اس کے پاس گزارو گی؟''
''تمہیں معلوم ہے کہ وہ میری عزیز ترین سہیلی ہے۔ اس برے وقت میں میں اس کے کام نہیں آؤں گی

تو پھر کون آئے گا؟'' اس کا لہجہ دھیما ہونے کے بجائے تیز ہوتا جا رہا تھا۔

''جاؤ، ضرور جاؤ۔'' میں نے سر جھٹک کر کہا ''صبح تک میں تمہاری قبر کھدوا کر تیار رکھوں گا۔''

''یہ کام کسی اور کو سونپ دو کیونکہ تمہیں بھی میرے ساتھ چلنا ہے۔'' اس نے استہزائیہ انداز میں اپنا فیصلہ صادر کر دیا ''قبریں دو اور برابر برابر ہونی چاہئیں۔''

''ویرا! کیا تمہاری عقل پر بالکل ہی پتھر پڑ گئے ہیں؟'' میں نے دانت پیستے ہوئے پوچھا۔

''انسانی ہمدردی اور رواداری سے کام لینے کو تم عقل پر پتھر پڑنا کہتے ہو تو پھر یقیناً ایسا ہوا ہے۔ تم دانت پیس کر مجھے اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔''

''بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ زخمی ہونے سے پہلے جینی کے غائب ہو جانے پر بل کھا رہا تھا۔ اس نے مجھ سے بھی گلہ کیا تھا کہ ہیلن کے بعد ایک اور لڑکی نے اس کی نوکری پر لات مار دی ہے۔ ہیلن کو اس نے پاگل کرایا تھا تو وہ جینی کو معاف نہیں کرے گا۔ اس نے فوراً ہی کسی کو جینی کے گھر کی نگرانی پر مامور کر دیا ہوگا۔ اسحاق گھنٹی بے شک زخمی ہو کر اسپتال میں پہنچ چکا ہے مگر اس کا مامور کیا ہوا آدمی اس کی ہدایات کا پابند ہے۔ جینی کے سوا جو بھی اس گھر میں داخل ہوا، عتاب کا نشانہ بن جائے گا۔''

اس کے تیور بتدریج نرم پڑتے چلے گئے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ میری دلیل اس کی کھوپڑی میں سما رہی تھی۔

''میری اور جینی کی باتوں سے تمہیں پریشانی لاحق ہو رہی تھی، آسمان گرا جا رہا تھا، اب تمہیں بدری کو فون کرنے کی کوئی عجلت نہیں ہے۔'' مجھے کوئی جواب دینے کے بجائے اس نے اچانک ہی نیا طعنہ تلاش کر لیا اور میں دل ہی دل میں اسے برا بھلا کہتا فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جیفرسن ہوٹل کے آپریٹر نے فوراً ہی لائن بدری ناتھ سے ملا دی۔ میری آواز پہچانتے ہی وہ دبے دبے پُرجوش لہجے میں بولا ''آج میں تمہاری کال کا انتظار کرتے کرتے سوکھ گیا۔ یہاں کی پُراسرار سرگرمیاں اچانک زور پکڑ گئی ہیں۔ اس وقت مجھے دفتر میں ہونا چاہیے تھا لیکن میں پیٹ میں درد کا بہانہ کر کے تمہارا فون سننے کے لیے یہاں رکا ہوا ہوں.... خوش خبری میں نے سن لی ہے۔ تم نے اسحاق گھنٹی کو بہت بڑے جال میں پھنسایا ہے۔ وہ مشکل ہی سے نکل سکے گا۔''

فون لائن پر سی ایس ڈی موجود اور فعال تھا۔ میں نے اس کے اندازے کی تصدیق یا تردید کیے بغیر کہا ''وہ اب تک آزاد کیوں ہے؟ اس کے خلاف کارروائی کیوں شروع نہیں ہوئی؟''

سی آئی اے ہیڈ کوارٹرز میں کئی بڑے سر جوڑے بیٹھے ہیں۔ اسحاق گھنٹی وی وی آئی پی ہے۔ اسے صدر کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں پکڑا جا سکتا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی ایک سمری بنا کر وائٹ ہاؤس فیکس کی گئی ہے۔ فون پر رابطے ہو رہے ہیں۔ بس وائٹ ہاؤس کی اجازت کا انتظار ہے ہیڈ کوارٹرز میں ہر چھوٹا بڑا عہدے دار اسے پسِ زنداں ڈالنے پر تُلا بیٹھا ہے۔''

''اتنے واضح جرم کے باوجود اس کے خلاف عام قوانین حرکت میں نہیں آ سکتے؟'' میں نے گیپ کا ذکر کیے بغیر غصے اور مایوسی سے پوچھا۔

''خود میرے لیے یہ بات ناقابلِ فہم ہے۔ میں کئی افسروں سے بات کر چکا ہوں۔ ہر ایک کسی گیپ کی بات کر رہا ہے، کہیں کوئی خلا ہے جو اسحاق گھنٹی کی گرفتاری میں حارج ہے۔ اسے صدر کا فرمان ہی پُر کر سکتا ہے۔ اس کارروائی کے بغیر اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا۔''

میں اس کی کج فہمی پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ سی آئی اے کے گھاگ اور منجھے ہوئے افسران لفظی رعایت کا فائدہ اٹھا کر سبز فائل میں محفوظ گیپ نامی دستاویز کے اشارے دے رہے تھے اور وہ کم فہم یہ سمجھ رہا تھا کہ کوئی قانونی سقم سی آئی اے والوں کی راہ میں حائل ہے۔

کھیل سمٹ کر ایک لفظ پر مرکوز ہو چکا تھا اور وہ گیپ تھا۔

آئزک بنیل کو گھیرے میں لینے کے لئے میں ہر جتن کر چکا تھا۔ اس کے خلاف بہت سا مواد میرے علم میں

لیکن میں اس سے کوئی قانونی جنگ لڑنے کی پوزیشن
میں نہیں تھا۔ اس تک رسائی حاصل کر کے اسے موت
کے گھاٹ اتارنا میرا مشن بن چکا تھا جس میں ویرا کا
جذبۂ انتقام بھی شامل تھا۔

ان دنوں میں اپنی سرزمین پر نہیں بلکہ امریکا میں تھا
جہاں قانون میری تلاش میں تھا۔ مجھے اور ویرا کو امریکی
حکومت نے اشتہاری مجرم قرار دے کر خطیر انعاموں کا
اعلان کیا ہوا تھا۔ ہم دونوں کے لیے خود کو چھپائے رکھنا
بہت اہم تھا۔ اس معاملے میں ذرا سی لغزش ہمیں
دوسرے جہانوں کی سیر کرا سکتی تھی۔

پورے امریکا میں صرف دو افراد ہماری اصلیت
سے باخبر تھے۔ یہ جینی اور بلیک ڈیڈ کی عظمت تھی کہ ان
دونوں نے ہماری اصلیت اور ٹھکانے سے واقف
ہونے کے باوجود خطیر انعامات کو ٹھکرا دیا تھا۔ عام
امریکیوں سے اس بے لوثی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔
ان کے بارے میں ویرا خود کہہ چکی تھی کہ اتنی بڑی رقم
کے لیے وہ اپنی ماؤں تک کو بیچ سکتے تھے۔

ان حالات میں ہمارے لئے آئزک بیل سے دو
بدو مقابلہ کر کے اسے ہلاک کرنا اور خود صاف بچ نکلنا
روز بہ روز مشکل ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ہر وقت ہمارے نشانے
پر موجود ہوتے ہوئے بھی وہ بالکل محفوظ اور فعال تھا۔ یہ
ممکن تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ حالات پر ہماری
گرفت کمزور ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو جاتی اور ہمیں
بے سروسامانی کے عالم میں واپسی کی راہ اختیار کرنی
پڑتی۔

بلیک ڈیڈ کی دخل اندازی نے ہماری یہ مشکل یوں
آسان کی کہ اسی شام آئزک بیل ایک قاتلانہ حملے میں
بُری طرح گھائل ہو کر اسپتال پہنچ چکا تھا مگر زندہ تھا۔

سی آئی اے والے سی ون تھرٹی کے معاملے میں
اس سے برگشتہ تھے۔ ٹائم بم کے خون ریز دھماکے نے
ان کی برہمی میں اضافہ کر دیا تھا لیکن گیپ ان کی راہ کا
وزنی پتھر تھا۔

اگر گیپ کے ایک فریق یعنی سی آئی اے کے
سربراہ کو یہ خبر پہنچا دی جاتی کہ گیپ کی فائل آئزک بیل
کے ہاتھوں سے نکل کر کسی اور کے قبضے میں جا چکی ہے تو
وہ اپنی نفری کے ساتھ اسپتال پر دھاوا بول کر آئزک
بیل کو ایک عام ملزم کی طرح حراست میں لے سکتا تھا۔

جینی اور بلیک ڈیڈ کے لیے ہم دونوں ڈینی اور ویرا
تھے مگر بدری ناتھ کے لیے میں شیر علی تھا۔ میں اس سے
گیپ پر اپنے قابض ہونے کا اعتراف نہیں کر سکتا تھا۔
وہ کام ڈینی ہی کے بس کا تھا۔

میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر آہستگی سے
کہا۔ ”تم غلط سمجھ رہے ہو بدری۔ گیپ پانچ صدارتی
کاغذوں پر مشتمل اس دستاویز کا نام ہے جس کی رو سے
امریکا میں صدر کے خصوصی حکم نامے کے بغیر کوئی ریاستی
یا وفاقی ادارہ یا اہل کار..... اسحاق گھنٹی کو نہیں پکڑ سکتا۔“

”مائی گاڈ!“ بدری ناتھ نے انگریزی میں حیرت کا
اظہار کیا۔ ”اس قدر اہم بات تم مجھے آج بتا رہے ہو۔“

”یہ راز مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے۔ عباس کرمانی
نہ ٹکرایا ہوتا تو میں آج بھی پہلے کی طرح گیپ سے بے
خبر ہوتا۔“ میں نے فی البدیہہ جواب دیا۔

ویرا میرے ان فقروں پر بُری طرح چونک پڑی۔
وہ میری زبان سے عباس کرمانی کا نام پہلی بار سن رہی تھی
اور وہ بھی سبز فائل یا گیپ کے سلسلے میں۔

”میں شکوہ نہیں کر رہا مگر کل رات تمہارا آخری فقرہ
بہت معنی خیز تھا۔ تم نے کہا تھا کہ اسحاق گھنٹی مجھ سے بچا تو
تمہارے ہاتھوں مارا جائے گا۔ آج تم نے اس کی کئی
ہڈیاں مجروح کر دیں۔ اس کا مطلب ہے کل بھی تم کو
بہت کچھ معلوم تھا۔ اگر میں اپنے کمرے کے دروازے
پر ہونے والی دستک کی وجہ سے اچانک فون بند نہ کر دیتا
تو تم کل ہی بہت کچھ بتانے کے موڈ میں تھے۔“

”کل میں تمہیں صرف اتنا بتاتا کہ ہمارے علاوہ کچھ
اور لوگ بھی اسحاق گھنٹی کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ان
میں عباس کرمانی کا نام سرفہرست ہے۔“

”یہ عباس کرمانی کون ہے اور اچانک کہاں سے بیچ
میں آ کودا؟“ اس نے سوال کیا۔

”یہ ایک مانا ہوا ایرانی سیکریٹ ایجنٹ ہے جو کئی ماہ
سے نیویارک میں چوری چھپے اپنا کام کر رہا ہے۔ اسحاق

گھنٹی کو سارا تحفظ اسی وقت تک حاصل ہے جب تک وہ گیپ پر قابض ہے۔ آج مجھے پتا چلا ہے کہ گیپ کی سبز فائل تین چار دن پہلے عباس کرمانی اڑا چکا ہے۔''

''اوہ.....!'' آواز سے اندازہ ہوا کہ بدری ناتھ خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ ''یہ اس سال کی سب سے بڑی خبر ثابت ہوسکتی ہے۔ مجھے اس بارے میں سب کچھ بتا ڈالو۔''

''عباس کرمانی نے وہ پانچوں کاغذ دکھائے ہیں۔ تحریر میرے لیے ناقابل فہم تھی مگر عباس اسے پڑھ چکا ہے۔ اس کے پانچویں صفحے پر صدر امریکا، راس المیڈ اور آئزک نیل کے ساتھ سی آئی اے کے ڈائریکٹر کے بھی دستخط ہیں.....''

''یہ سب تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو؟'' بدری ناتھ نے تحیر زدہ آواز میں سوال کیا۔

''بالکل۔ میری اس بات پر تمہیں ذرا بھی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں تمہیں یہ بھی بتادوں کہ ان کاغذات کی بناوٹ میں وائٹ ہاؤس کا مونوگرام واٹر مارک کی صورت میں بہت واضح ہے۔''

''یہ سب دیکھ لینے کے باوجود تم گیپ کے متن سے واقف نہیں ہوسکے؟''

''نہیں! عباس اسے اپنا ٹریڈ سیکرٹ کہتا ہے۔ متن وہ ایرانی حکام کو ہی بتائے گا۔'' میں نے اس بارے میں پہلے سے ایک لفظ بھی نہیں سوچا تھا لیکن بدری ناتھ سے معلوم ہونے والی صورتِ حال کی روشنی میں، میں نے جو پہلا جھوٹ بولا تھا، اسے نبھانے کے لیے ہر بات ذہن پر خود بہ خود وارد ہوتی چلی جارہی تھی جیسے حقیقت بھی وہی رہی ہو۔

''یہ خبر یہاں کھلبلی مچادے گی اور اسی وقت گاڑیوں کا جلوس اسحاق گھنٹی کی گرفتاری کے لیے نیویارک روانہ ہوجائے گا۔ بات صرف یقین کی ہے۔ تم نے جو کچھ مجھے بتایا ہے، وہ کسی کو بھی یقین دلانے کے لیے کافی ہے۔ یہاں میرے نام کا ڈنکا بج جائے گا۔''

''عباس نے مجھے صرف اتنا بتایا ہے کہ متن میں اس تحریری معاہدے کو جنرل ایڈمنسٹریشن پر دسی جر کا نام دیا ہے جس کا مخفف گیپ بنتا ہے۔''

''یہ سب سے اہم اطلاع ہوگی۔ تم نے بہت پکا کام کیا ہے۔ میں تمہیں مان گیا۔ اگر یہ عباس کرمانی بیچ میں نہ آکودتا تو اسحاق گھنٹی کی آخری گھنٹی تم ہی بجاتے..... واہ..... سارا کیا دھرا تمہارا ہے اور تعریفیں میری ہوں گی..... یہاں سے نئی دہلی تک دھوم مچ جائے گی۔'' خوشی سے بغلیں بجاتے بجاتے اس نے چونک کر پوچھا ''مگر یہ اسحاق گھنٹی کے زخمی ہونے کا کیا چکر ہے؟''

''گیپ کی خبریں سن کر خوشی میں تم خود ہی پٹری سے اتر گئے تھے۔ کہانی کا سب سے دلچسپ حصہ یہی ہے کہ فائل اڑا لینے اور پڑھ لینے کے بعد عباس کرمانی نے اسحاق گھنٹی کو بلیک میل کرنے کا چکر چلایا۔ ان دونوں میں کئی مرتبہ بات ہوئی پھر پچاس لاکھ ڈالر میں گیپ کی واپسی کا سودا ہوگیا۔ عباس اس طرح اسحاق گھنٹی کو سامنے لاکر ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ دوسری طرف اسحاق گھنٹی وہ چار لاکھ ڈالروں اور ردی کاغذوں والے سوٹ کیس میں ٹائم بم لگا کر اسے مارنے کی سازش تیار کرچکا تھا۔ عباس کا نشانہ خطا ہوگیا۔ گولی دل کے بجائے ران پر لگی۔ زخمی ہوتے ہی وہ بزدل چوہا سوٹ کیس کو بھول گیا اور ٹائم بم اپنے مقررہ وقت پر پھٹ کر تباہی پھیلا گیا۔''

''یعنی وہ فائل اب بھی عباس کرمانی کے ہی پاس ہے؟'' اس نے تصدیق چاہی۔

''وہ کٹر محبِ وطن ہے۔ کسی کو فائل کی ہوا نہیں لگنے دے گا۔'' میں نے کہا۔

''تم کو بھی نہیں؟ تمہاری تو اس سے دوستی ہوچکی ہے۔'' اس نے پُرامید لہجے میں پوچھا۔

''اس کا یہی احسان کم نہیں کہ اس نے گیپ کا اصل مسودہ مجھے دکھا دیا۔ میں نے اس سے فوٹو کاپی مانگی تھی مگر وہ ناراض ہوگیا۔ میں نے بہت مشکل سے اسے منایا تھا۔''

''چلو، لعنت بھیجو۔ ہم کو آم کھانے سے مطلب ہے۔ پیڑ گننے کا کیا فائدہ؟''

''تم نے کافی دیر کے بعد ایک ڈھنگ کی بات کی ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ پرسٹن والی تفتیش کا کیا رہا؟'' اس کے دماغ میں ہوا بھر دینے کے بعد میں نے کافی... دیر سے رکا ہوا سوال داغ دیا۔

''اسحاق گھنٹی پر ناکام قاتلانہ حملے کی خبر نے یہاں دوسرے سارے کاموں کو پیچھے ڈال دیا ہے ورنہ ہر شخص اے جے ولسن کے غم میں گھلا جار ہا تھا۔ تم نے کہا تھا کہ تم نے وہاں اپنا کام کرلیا تھا مگر وہاں جا کر ماہروں نے اندازہ لگایا ہے کہ ولسن نے اپنا کام پورا کرلیا تھا۔''

''ان کی یہ خوش فہمی ہمارے حق میں ہے۔'' میں نے خوش دلی سے کہا ''تم بھی ان کے ساتھ جانے والے تھے انہوں نے یہ رائے کس بنیاد پر قائم کی ہے۔''

''ایک پیٹی کے قریب فرش کی ریت میں باریک فولادی برادے کی کافی مقدار ملی تھی۔ وہاں ایسے نشان بھی تھے جیسے سونی پیٹی سمیٹی گئی ہو۔ برقی مقناطیس پر وہ برادہ چپکتے ہی سب کے چہروں پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی تھی۔''

''پھر گمشدہ شکار کے بارے میں کیا طے ہوا تھا؟'' میرے لیے وہ مسئلہ بھی مساویانہ اہمیت کا حامل تھا۔

''صرف ایک مشکوک نام سامنے آیا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے مشتبہ مس روتھ بیل کی کہانی سنادی۔ جو باتیں بلیک ڈیڈ کا آدمی معلوم کرسکتا تھا، ان کا سی آئی اے کے تجربے کار ایجنٹوں کی نظروں سے اوجھل رہنا ناممکن تھا۔

ولسن ایک بین الاقوامی ادارے کا ذمے دار اہل کار تھا۔ کچھ پتا نہیں کہ وہ انفرادی طور پر رنکس اور سی آئی اے کا آلۂ کار بنا تھا یا انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کی آڑ میں امریکا کی ایجنسیاں اپنی سازشوں کو بروئے کار لارہی تھیں۔ سرکاری طور پر اس کی واپسی اور تلاش کے لیے شدید دباؤ پڑ رہا تھا۔ ایک سہ نفری ٹیم مستقل طور پر پرسٹن میں جم کر بیٹھ گئی تھی اور وہاں بال کی کھال نکالنے میں مصروف تھی۔ دوسرے شہروں میں ایف آئی اے والے کام کررہے تھے۔

بدری ناتھ خود بھی ایک شاطر ایجنٹ تھا۔ میرے ایما پر اس نے کھل کر ولسن کی کار کی نشان دہی کرنے کے بجائے یہ تجویز پیش کی تھی کہ پرسٹن کے قریبی شہروں میں ولسن یا اس کی کار کو تلاش کیا جائے۔ اس تجویز کی قبولیت کے ڈیڑھ گھنٹے بعد ہی ولسن کی کار مل گئی تھی اور بدری ناتھ کے لیے توقیر کا رویہ اختیار کیا جانے لگا تھا۔

''پرسٹن کے ویرانے میں بیٹھے ہوئے تینوں افراد جلد ہی اپنا سر پیٹنے پر مجبور ہو جائیں گے۔'' اس سے وہ تفصیلات سن لینے کے بعد میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یہ اتفاق ہے کہ تمہیں اس شہر کے جس علاقے میں جانا پڑا، وہ پس ماندہ اور گندہ ہے ورنہ پرسٹن خوب صورت اور تاریخی شہر ہے۔ مجھے وہاں گھومنے پھرنے کا موقع ملا تھا۔''

وہ پیٹ میں درد کا بہانہ کیے اپنے ہوٹل کے کمرے میں محصور تھا۔ مجھے بھی فرصت تھی۔ پرسٹن کی بات چھڑی تو میں نے نیو جرسی کی بے رونقی کا بھی ذکر کیا۔ وہ شاید فرصت کے اوقات میں مختلف سیاحتی کتابچے پڑھتا رہا تھا، فوراً ہی وضاحتیں پیش کرنے لگا۔

اس کا فیصلہ تھا کہ فری ویز ہر شہر سے دور، ویرانوں سے گزرتی ہیں اس لیے ان پر سفر کرکے کسی علاقے کے بارے میں رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ باغات، سبزے اور میدانوں کے معاملے میں نیو جرسی کے شہر بھی گئے گزرے نہیں تھے۔ غیر سرکاری طور پر اس ریاست کو باغات کی ریاست بھی کہا جاتا تھا وغیرہ وغیرہ۔

بظاہر وہ مہمل سی گفتگو تھی جو وقت گزاری یا وقت کے زیاں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی مگر اس دوران میں بدری کو ایک اہم نکتہ سوجھ گیا اور اس پر اسی وقت بات بھی ہوگئی۔

اسے بھارتی سیکرٹ سروس را سے عارضی طور پر آئزک بیل کی تحویل میں دیا گیا تھا اور اس نے بدری کو تربیت کے لیے سی آئی اے کے حوالے کردیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اس نے گیپ اور عباس کرمانی کے بارے میں کارآمد معلومات مہیا کیں تو خراجِ تحسین ملنے کے ساتھ ساتھ یہ اندیشہ بھی تھا کہ اس پر شک کیا جانے لگے۔ وہ باتیں جو امریکا کو جاننے اور اس کے لیے برسوں سے کام کرنے والے سرتوڑ کوششوں کے باوجود نہیں معلوم

کر سکتے تھے، بدری ناتھ کی زبان سے عجیب معلوم ہوتیں اور فطری طور پر یہ جاننے کی کوشش کی جاتی کہ اس کی معلومات کا کیا ذریعہ تھا۔

بدری ناتھ کے پاس اس اہم سوال کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں تھا۔

آئزک بیل کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے گیپ کے بارے میں جملہ معلومات سی آئی اے کے بڑوں تک پہنچانی ضروری تھیں۔ میں نے اسکاچ کے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر چند ثانیوں تک غور کیا اور پھر ذہن میں ایک خطرہ ابھرتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

سی ایس ڈی کے زعم میں، میں تقریباً روز ہی بدری ناتھ کو فون کر رہا تھا۔ ہماری گفتگو ہمیشہ مختصر ہی ہوتی تھی۔ کسی نے درمیان میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی مگر دنیا بھر میں ایک شہر سے دوسرے شہر کو کی جانے والی کالز میں دونوں طرف کے فون نمبر اور گفتگو کا دورانیہ وغیرہ خودکار طریقے سے ریکارڈ کیا جاتا ہے۔ اگر بدری کے ضرورت سے زیادہ باخبر ہونے پر کسی کے کان کھڑے ہوتے اور وہ جیفرسن ہوٹل کا ریکارڈ چیک کرتا تو اسے یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ بدری کے لیے روزانہ مقررہ اوقات میں باہر سے فون آتے رہے ہیں۔

کمپیوٹرز کی موجودگی میں یہ سراغ لگانا زیادہ مشکل نہیں تھا کہ بدری ناتھ کو وہ کالز مین ہٹن سے چین پلازہ ہوٹل کی پانچویں منزل کے ایک خاص کمرے سے کی جاتی رہی ہیں اس انکشاف کے بعد ہمارے لیے ایسے سنگین خطرات پیدا ہو سکتے تھے جن کا تصور ہی تکلیف دہ تھا۔

''تم کہہ دو کہ عباس نے نیویارک سے فون کر کے تم کو اپنی خوشی میں شریک کیا ہے۔'' میں نے ٹھہری ہوئی اور گمبھیر آواز میں مشورہ دیا۔

''مگر کیوں....؟ میں اسے کیا جانوں؟ وہ مجھے کیوں فون کرے گا؟'' میرے لہجے پر بدری ناتھ نے بوکھلا کر ایک ہی سانس میں تین سوالات کر ڈالے۔

''وہ ایک ایرانی سیاح کے روپ میں تمہیں دہلی، بمبئی یا آگرہ میں ملا تھا'' میرے ذہن میں ایک نیا خاکہ تیار ہونے لگا ''کئی مہینے تک تم دونوں کی دوستی رہی۔ وہ کبھی کبھار تمہیں خط لکھتا رہا۔ تم نیویارک آئے تو ایک دن وہ تمہیں مل گیا، دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ اس نے تمہیں سختی سے منع کیا کہ اس کا اصل نام نہ لو۔ امریکا میں وہ نام بدل کر آیا تھا۔''

میں گلاس سے ایک گھونٹ لینے کے لیے خاموش ہوا تو بدری ناتھ بے چینی سے فون پر بول پڑا ''بولتے رہو۔ میں دھیان سے سن رہا ہوں۔ اس کہانی میں جان معلوم ہوتی ہے۔''

''پھر تم نیویارک سے رچمنڈ چلے گئے۔ اس نے نہ جانے کس طرح تمہارا سراغ لگا لیا اور روز تمہیں فون کرنے لگا۔ وہ ذاتی باتیں کرتا تھا اس لیے تم نے کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ آج اس نے گیپ کے بارے میں لب کشائی کی تو تم نے اس کی طرف سے رازداری کی ہدایت کے باوجود اپنا فرض سمجھا کہ ساری معلومات اپنے بڑوں تک پہنچا دو۔''

''وہ رہتا کہاں ہے؟'' بدری ناتھ نے مشینی لہجے میں سوال کیا۔

''اس نے تمہیں اپنے صحیح ٹھکانے سے کبھی آگاہ نہیں کیا۔ امریکا میں اس کا رویہ رازدارانہ بلکہ پراسرار سا تھا۔ دوستی کی وجہ سے تم زیادہ تجسس میں نہیں پڑے۔''

''اور اگر انہوں نے فون کا ریکارڈ چیک کر لیا تو میں کہاں جاؤں گا؟''

''میری کالز ریکارڈ پر موجود ہیں۔ تمہاری پوزیشن پر ذرا بھی حرف نہیں آئے گا۔'' آئزک بیل اس وقت میرے گلے کی ہڈی بن کر رہ گیا تھا۔ اس کے بارے میں زبان کھولنا بھی ایک مسئلہ بنتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میں اپنے اندرونی اضطراب پر قابو پا کر پورے سکون سے بدری کو تھپکیاں دے رہا تھا۔

''تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔ بات اس حد تک بڑھی تو وہ کسی بھی وقت تمہارے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہے ہوں گے۔''

''دینے دو۔ میں انہیں یہاں نہیں ملوں گا۔ میں اسی وقت یہ ہوٹل چھوڑنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔'' میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ میرے ان الفاظ پر ویرا متحیر نظر آنے لگی تھی۔

''اس وقت تم روانی میں بڑے بڑے فیصلے کئے جا رہے ہو۔ اس پوری مشق کے نتیجے میں وہ یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ عباس کرمانی نیو یارک میں اسلم خان بن کر رہ رہا ہے۔''

''آج کل ایرانی امریکا کی سب سے بڑی کمزوری ہیں۔ ان کی ساری توجہ ایرانی ایجنٹ کی تلاش پر مرکوز رہے گی۔ میں اپنا مسئلہ سنبھال لوں گا۔ اس وقت ساری اہمیت اس بات کی ہے کہ تمہاری ذات شکوک و شبہات سے بالا رہے اور تم اپنے اڈے پر جمے رہو۔''

''تم بہت بڑی قربانی دے رہے ہو۔'' بدری کی تفکر آمیز آواز ابھری ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں انہیں ہر بات سچ سچ بتا دوں، بس تمہاری جگہ نام عباس کرمانی کا ہوگا۔''

''تم انہیں ہر بات نہیں بتاؤ گے۔'' میں نے سختی سے کہا۔ ''یہ صرف گیپ کی کہانی کے لئے ہے۔''

''میں سمجھ گیا، ایسا ہی.....''

سی ایس ڈی پر سرخ روشنی چمکی، بزر چیخا اور لائن اچانک ڈراپ ہوگئی۔

میری ہتھیلیاں یک بہ یک پسینوں میں بھیگنے لگیں۔ شاید ورجینیا میں کوئی گڑبڑ ہوگئی تھی جب ہی کسی نے گفتگو میں مخل ہونے کی ناکام کوشش کی تھی۔

''فوراً سامان پیک کرو۔ سبز فائل کو جلا کر راکھ کموڈ میں بہا دو، پانچوں کاغذ میں اپنے ساتھ رکھوں گا۔'' ویرا کو ہدایت دے کر میں نے ایک ہی گھونٹ میں گلاس خالی کر کے میز پر رکھ دیا۔

''کیا ہوا؟ اچانک کیا مصیبت آ گئی کہ ہمیں یوں بھاگنا پڑ رہا ہے؟'' ویرا نے سراسیمگی سے پوچھا۔

میں نے اس کے قریب جا کر نرمی سے اس کا بازو دباتے ہوئے کہا: ''کچھ نہیں ہوا، سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ ہم حفظِ ماتقدم کے طور پر یہاں سے جا رہے ہیں۔ تم تیاری کرو۔ ہوٹل سے باہر نکل کر میں تمہیں ہر بات سمجھا دوں گا۔''

ویرا نے بادلِ نخواستہ مختصر سا اسباب سمیٹتے ہوئے سوال کیا ''یہ منحوس عباس کرمانی کون ہے اور اس سے تمہاری کہاں ملاقات ہوگئی۔ یہ سارا فتور اسی کا معلوم ہوتا ہے۔''

میں نے شہادت کی انگلی اپنے سر پر مارتے ہوئے پُرسکون رہ کر کہا ''یہ نام میرے ذہن کی پیداوار ہے۔ اس کا کہیں وجود نہیں ہے۔ اسحاق گھنٹی کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لئے یہ کہانی ناگزیر ہے ورنہ وہ اپنے ساتھ ہم دونوں کو بھی مروا دے گا۔''

''اس وقت تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' اس نے سبز فائل سے گیپ کے پانچوں کاغذ الگ کرتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔

''اپنی ننھی سی کھوپڑی پر زیادہ زور نہ ڈالو۔'' میں نے اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے ہنس کر کہا۔ ''آج رات آرٹک بیل سی آئی اے والوں کے چنگل میں پھنسے گا تو وہ قسمیں کھا کھا کر ڈینی اور ویرا پر سارا الزام دھرے گا۔ انہوں نے سبز فائل چوری کی، انہوں نے اسے زخمی کیا، احسن نے ٹائم بم کا ٹریپ ان ہی کے لیے تیار کیا تھا مگر بدری کی زبانی عباس کرمانی کی کہانی ہر طرف گھوم چکی ہوگی۔ کوئی اس پر اعتبار نہیں کرے گا۔ اسے ڈینی فوبیا کا مریض قرار دے کر جوتے لگائے جائیں گے تاکہ وہ عباس کرمانی نامی ایرانی ایجنٹ سے اپنے تعلقات کا اعتراف کر لے۔ یہ اتنی سی بات ہے۔ اسی کے لئے ہم ٹھکانا بدل رہے ہیں۔''

''مگر ہم کہاں جائیں گے؟ دوسرے ہوٹل میں ہمیں ان ہی ناموں سے کمرا لینا ہوگا، جینی کے گھر کو تم خطرناک قرار دے رہے ہو پھر ہمارا ٹھکانا کہاں ہوگا؟''

اس فیصلے نے ویرا کو شدید ذہنی انتشار اور بے چینی سے دوچار کر دیا تھا۔

''ہم لبرٹی کے مجسمے پر بھی چڑھ سکتے ہیں ورنہ چارلی ہماری مدد کرے گا۔ اس نے آج شام ہی ہمیں ٹھکانے کی پیش کش کی تھی۔''

''اس وقت تم نے اسے مسترد کر دیا تھا۔ وہاں ہم آزادی اور رازداری برقرار نہیں رکھ سکیں گے۔'' اس نے مجھے یاد دلایا۔ وہ اعتراض جڑنے کے ساتھ اپنا کام بھی کرتی جا رہی تھی۔

''اس وقت حالات سازگار تھے۔ اب ہمیں سمجھوتا کرنا پڑ رہا ہے۔ وہاں ٹک کر ہم سکون سے کسی بہتر متبادل کے بارے میں سوچ سکیں گے۔ چین پلازا سے ہمارا دانہ پانی اٹھ چکا ہے۔''

''اور یہ سی ایس ڈی کیوں حرکت میں آئی تھی؟'' اس نے منہ بگاڑ کر پوچھا۔

میری ہنسی چھوٹ گئی ''قسم لے لو جو میں نے کوئی حرکت کی ہو۔'' اس کا موڈ خراب ہوتا دیکھ کر میں نے قدرے توقف کے بعد دوبارہ کہنا شروع کیا ''ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی اتفاق رہا ہو۔ گفتگو طویل ہو گئی تھی۔ شاید آپریٹر نے چیک کرنا چاہا ہو کہ بات جاری ہے یا لائن پھنسی ہوئی ہے۔''

''ہوٹل چھوڑنے سے پہلے چارلی سے بات نہیں کرو گے؟'' چند ثانیوں بعد ویرا نے پوچھا۔

''باہر کے بوتھ سے بات ہو جائے گی۔ یہ مت بھولو کہ دشمن کو اس کی زمین پر شکست سے دوچار کرنے کے لئے لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں۔ اس وقت کی ذراسی تاخیر یا غفلت ہماری بساط الٹ سکتی ہے۔ ہمارے لئے آج کی رات بہت اہم ہے۔ میں اسے زندہ رہ کر گزارنا چاہتا ہوں۔''

''ایسی باتیں کر کے تم مجھے خوف زدہ نہیں کر سکتے۔ اگر گیپ کے پانچ اوراق اسحاق کھنٹی کی زندگی اور آزادی کی ضمانت تھے تو ہمارے لئے بھی ان کی وہی حیثیت ہے.....''

''شاباش!'' میں نے بے ساختہ کہا۔ ''اب تم نے پتے کی بات کہی ہے مگر یہ ہمارا آخری آپشن ہوگا۔ میں یہ کارڈ سب سے آخر میں کھیلوں گا۔''

دس منٹ بعد ہم اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ ہوٹل کے کاؤنٹر پر موجود تھے۔

مغربی دنیا میں اندرون اور بیرونی پروازوں کا شیڈول کچھ اس طرح رکھا جاتا ہے کہ بیشتر ہوائی اڈے رات کو بند ہوتے ہیں۔ منہ اندھیرے شروع ہونے والی پروازوں کا سلسلہ رات زیادہ ڈھلنے سے پہلے رک جاتا ہے اسی وجہ سے کاؤنٹر پر ہمیں قدرے حیرت سے دیکھا گیا۔

رات کو مسافر آرام کے لئے ہوٹلوں کا رخ کرتے ہیں اور ہم دونوں رات کے دس بجے ہوٹل چھوڑ کر جا رہے تھے۔ مجھے ان تحیر زدہ نگاہوں سے ذرا بھی تشویش نہیں ہوئی۔

کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی خوب رولڑکی خاصی تیز وطرار تھی لیکن اس نے ہم سے ذاتی نوعیت کا کوئی سوال کئے بغیر کمپیوٹر پر پھرتی سے حساب چیک کر کے بل ہمارے سامنے رکھ دیا۔

پیشگی جمع کرائی ہوئی رقم میں سے دوسو ڈالر واپس لے کر ہم ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔

نکڑ والے فون بوتھ پر میں ایک مرتبہ لٹ چکا تھا۔ اس وقت ہمارے ساتھ ہلکا پھلکا سامان بھی تھا جو ہر راہزن کو آسانی سے ہماری طرف متوجہ کر سکتا تھا۔ ادھر جا کر کوئی خطرہ مول لینے کے بجائے میں نے سڑک عبور کر کے بین کے سب وے اسٹیشن کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس سب وے اسٹیشن کے باہر رونق نہیں تھی مگر وہ آباد تھا۔ میں نے سلاٹ میں کارڈ لگا کر بلیک ڈیڈ کی تلاش کا سلسلہ شروع کیا۔ چوتھے نمبر پر وہ ہاتھ آ گیا۔

''ہائے بڈی!'' میری آواز پہچان کر وہ فون پر چہکا ''آ جاؤ! آج تمہاری وجہ سے ہم جشن منا رہے ہیں۔ یہاں آ کر تم بھی مست ہو جاؤ گے۔''

''تمہارے مشورے پر ہم ہوٹل چھوڑ چکے ہیں اور بین اسٹیشن کے باہر کھڑے ہیں۔ یہ رات کسی محفوظ جگہ گزارنے کے لئے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔'' میں نے اس کی دعوت کو نظر انداز کر کے سنجیدگی سے کہا۔

''اوہ .... آج تمہاری شکایت پر میں نے اپنے آدمی ہٹائے اور تمہیں ایمرجنسی پیش آ گئی۔ وہ ہوتے تو خود ہی تمہیں کہیں لے جاتے۔'' میری بات سن کر وہ بھی

ہی فکر مند ہو گیا "تم ذرا سی دیر رکو۔ مائیک تمہیں
لینے آرہا ہے۔"
"پہلی بات یہ کہ ہم جشن میں شرکت کرنے کے
بجائے سونا چاہتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ مائیک اور
ہم ایک دوسرے کو کیسے پہچانیں گے۔" اس بار میرا لہجہ
حاکمانہ تھا۔ بلیک ڈیڈ کی آواز میں بھی پہلے جیسا تحکم
نہیں رہا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ وہ پتھر آخر کار موم
ہو چکا تھا۔
"مائیک اور اسکی گاڑی تمہاری دیکھی بھالی چیزیں
ہیں۔ پرنسٹن میں تم اس سے مل چکے ہو۔" بلیک ڈیڈ کی
بے تکلفانہ آواز ابھری۔
"ٹھیک ہے۔ ہم منتظر ہیں۔" میں نے فون بند
کر دیا۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ مجھے یا ویرا کو بلیک ڈیڈ سے
پہلے فون بند کرنے کا موقع ملا تھا ورنہ وہ خودسر بدمعاش
ہمیشہ اپنی ہدایات ماؤتھ پیس میں انڈیل کر دوسرے کی
بات سنے بغیر فون بند کر دیا کرتا تھا۔
باہر آ کر میں نے ویرا کے ساتھ سگریٹ سلگائی اور
پھر اسے اپنے فیصلوں اور بدری ناتھ سے کئے گئے حیلوں
بہانوں کے محرکات سے آگاہ کرنے لگا۔
مائیک نے پین اسٹیشن تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی
مگر مجھے اتنا وقت مل چکا تھا کہ میں ویرا کو بریفنگ دے
سکوں۔ میری باتیں سن کر اس کی جھلاہٹ ختم ہو گئی مگر
اس کے چہرے پر فکر اور تشویش نے ڈیرے ڈال دیے
تھے۔
اصل مشن میں کامیابی کا پورا یقین ہونے کے
باوجود خود کو ہر طرف سے خطرات میں گھرا ہوا پا کر
مسکراتے رہنا آسان کام نہیں ہوتا۔ ہم دونوں گاڑی
میں سوار ہوئے تو مائیک نے ذرا سی دیر میں ہماری
پریشانی کو بھانپ لیا۔
"پہلی ملاقات میں، میں نے تم دونوں کو خوش
مزاج پایا تھا۔" اس نے گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے
کہا۔ "لیکن آج تم.... دونوں ہی تھکے تھکے اور پژمردہ
نظر آرہے ہو۔" اس کے سانسوں سے الکحل کے تیز
بھبکے آ رہے تھے مگر وہ پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔
"زیادہ جشن منانے کا انجام ایسی ہی تکان کی
صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔" مجھ سے پہلے پچھلی نشست
سے ویرا بول پڑی "گاڑی ذرا آرام سے چلاؤ۔ تمہاری
سانسوں میں رچی ہوئی الکحل کی بُو ایک میل دور سے بھی
سونگھی جا سکتی ہے۔"
"بس تم اسی طرح بولتی رہو تو کانوں کو بھلا محسوس
ہوگا۔" مائیک نے اسٹیئرنگ وہیل پر اپنا داہنا انگوٹھا
تھرکاتے ہوئے کہا "تم دونوں کی خاطر میں پارٹی چھوڑ
کر آیا ہوں۔ باس نے سب کو تم دونوں کی طرف سے
شیمپئن پلائی ہے۔ مزہ آ گیا.... تم نے باس کے ایک
خواب کو حقیقت کا رنگ دیا ہے۔ یہ کم ہی ہوتا ہے کہ
باس کسی کو اتنی عزت کے لائق سمجھے۔"
مجھے ویرا کے بارے میں اس کا بے تکلفانہ تبصرہ
ناگوار گزرا۔ میں نے تلخی سے پوچھا "کیا تمہارا باس اپنے
ڈرائیوروں اور باورچیوں کے ساتھ جشن منا رہا ہے؟"
وہ میرے طنز کو سمجھ گیا لیکن برا مانے بغیر بولا "باس
اپنے آدمیوں میں تفریق نہیں کرتا۔ سب برابر ہوتے
ہیں۔ جس کو جو کام کرنا پڑ جائے، وہ کرتا ہے۔ آج
رات کے لیے اس نے تم دونوں کی میزبانی میرے سپرد
کی ہے۔"
سرور کے عالم میں وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی
بول رہا تھا۔ میں نے اس کی بسیار گوئی سے فائدہ
اٹھانے کی نیت سے پوچھا "تم باس کے کس خواب کی
بات کر رہے تھے؟"
"نیویارک میں بس وہی حرامی کا پلا باس کے راستے
کی رکاوٹ تھا۔ تمہاری وجہ سے آج وہ کیچوے کی طرح
اسپتال کے بستر پر پڑا ہوا ہے۔ باس کوشش میں لگا ہوا
ہے کہ چیف سرجن چیر پھاڑ کے بعد اس کی پوری ٹانگ
ہی کاٹ ڈالے۔"
"تو کیا یہاں یہ بھی ہوتا ہے کہ سرجن مریض کے
آرام کے بجائے دوسروں کی خواہشات کو پورا کرنے کی
کوشش کرے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"باس کوشش کر رہا ہے تو ایسا ہوتا ہی ہوگا۔ آئزک

جیسے خودغرض اور سفاک آدمی کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔'' اس نے کسی شرم ساری کے بغیر کہا۔ وہ بلیک ڈیڈ کا ایک وفادار ساتھی تھا اور ہر بات میں اپنے باس کی رائے کو حرف آخر سمجھنے کا عادی تھا۔

گاڑی میں کچھ دیر کے لیے سکوت چھا گیا جسے ویرا نے ہی توڑا ''تم کو ہمیں کہاں پہنچانے کی ہدایت ملی ہے؟''

''برونکس!'' پہلی مرتبہ اس نے مختصر ترین جواب پر اکتفا کیا اور میرے انتظار کے باوجود اپنے یک لفظی جواب کی وضاحت میں کچھ نہیں کہا تو مجبوراً مجھے بولنا پڑ گیا۔

''برونکس میں کوئی ہوٹل ہے یا ڈریم لینڈ جیسا کوئی ٹھکانا؟''

''وہ رہائشی بورو ہے۔'' بولنے کی دعوت ملتے ہی اس کی زبان چل پڑی ''وہاں تین کمروں کا ایک چھوٹا سا مگر خوب صورت گھر ہے جہاں تمہاری خدمت کے لیے ایک گونگا ملازم موجود ہوگا۔ وہ خانساماں سے لے کر ڈرائیور تک کی خدمات سرانجام دے سکتا ہے۔''

وہ ایک خوشخبری تھی۔ اگر بلیک ڈیڈ نے ہمارے آرام اور تخلیے کا اسی قدر خیال رکھا تھا تو اس کی رواداری اور معاملہ فہمی ہر شک وشبے سے بالاتر تھی۔

پین اسٹیشن سے برونکس تک کا سفر خاصا طویل ثابت ہوا۔ مائیک نے مین ہٹن کے تفریحی مراکز کی بھیڑ بھاڑ سے بچ کر سیدھا راستہ اختیار کیا مگر پھر بھی روشنیوں سے جگمگاتی ہوئی قدرے خالی خالی سڑکیں اس وقت مین ہٹن کا دلفریب نظارہ پیش کر رہی تھیں۔

ایک مختصر سا دریائی پُل عبور کر کے مائیک کی گاڑی برونکس میں داخل ہوگئی۔

وہ آسمان کی بلندیوں کو چھوتی ہوئی عمارتوں کی ہیبت سے عاری، ایک صاف ستھرا رہائشی علاقہ تھا جہاں معمول کی دو تین منزلوں سے زیادہ اونچی عمارت دور تک نظر نہیں آ رہی تھی۔

روشن سڑکوں پر مختلف رہائشی بلاکس سے گزر کر مائیک نے اپنی گاڑی ایک مختصر سے بنگلے کے احاطے میں سرسبز لان کے درمیان بنی ہوئی پختہ روش پر روک دی اور پھرتی سے نیچے اتر کر ویرا کے لیے عقبی دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

شاید ویرا کو بھی مائیک کا طرزِ عمل پسند نہیں آیا تھا۔ وہ اسے نظرانداز کر کے میری طرف کے دروازے سے نیچے آ گئی اور ناقدانہ نظروں سے اس مکان کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگئی۔ میرے لیے یہ اچھی بات تھی کہ مین ہٹن سے ذرا سی مسافت پر واقع برونکس میں تحفظ کا احساس اتنا راسخ تھا کہ راستے کے بہت سے مکانوں کی طرح ہماری پناہ گاہ کے احاطے میں داخلے کا راستہ کھلا ہوا تھا۔

وہاں پر مامور بختہ عمر کا سیاہ فام ملازم گونگا ہو سکتا تھا لیکن بہرا ہرگز نہیں تھا کیونکہ وہ گاڑی رکنے کی آواز سنتے ہی باہر نکل آیا تھا۔

مائیک نے ہم دونوں کو اس سے متعارف کرایا پھر وہ ہمارا سامان لے کر اندر داخل ہو گیا۔

دو خواب گاہوں اور ایک بیٹھک کے ساتھ اس مکان میں وسیع باورچی خانہ تھا۔ چار افراد کے لیے کھانے کی میز باورچی خانے میں ہی پڑی ہوئی تھی۔ مائیک نے بتایا کہ ہمارے استعمال کے لئے پچھلے گیراج میں ایک گاڑی بھی موجود تھی۔

مجھ سے اجازت لے کر مائیک نے وہیں سے بلیک ڈیڈ کو فون کر کے اپنی کارکردگی کی رپورٹ دی پھر ریسیور مجھے تھما کر الوداعی انداز میں روانہ ہو گیا۔

''تم جب تک چاہو، بے خوف و خطر ہو کر اس مکان میں رہ سکتے ہو۔ تمہاری مرضی کے بغیر وہاں تمہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔'' اس وقت بلیک ڈیڈ کی بوجھل آواز سے نشے کے اثرات مترشح تھے۔

''یہ سب درست ہے مگر مجھے ایک بات پر سخت تشویش ہے کہ تم آج کی کارروائی کا سہرا اپنے سر لینے کے بجائے میری تشہیر کرتے پھر رہے ہو۔'' میں نے دھیمی آواز میں شکایت کی۔

''بالکل نہیں، بالکل نہیں۔'' اس نے جلدی سے تردید کی ''میں ایسی تشہیر کے تباہ کن نتائج اچھی طرح

سمجھتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ راستے میں مائیک نے
حسب معمول فضول گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تم کو غلط
فہمی میں مبتلا کیا ہے۔"
مائیک کی غلطی کی طرف دھیان جاتے ہی اس کا
پارہ چڑھنے لگا تھا۔ میں نے تحمل سے کہا "بے شک
مائیک ہی میری کارکردگی پر مبارک باد دے رہا تھا
لیکن تم اپنی آواز اعتدال پر رکھو۔ اس وقت تم مائیک
سے نہیں، مجھ سے بات کر رہے ہو۔"
"سوری ڈیر!" وہ بے ساختہ بول پڑا "تم دونوں
کون ہو، یہ راز صرف اور صرف میرے سینے میں دفن
ہے۔ رہا آج کا واقعہ تو اس کے بارے میں میرے سوا
تین آدمی باخبر ہیں۔ ڈرائیور اور گن مین ہمارے ساتھ
شریک تھے۔ تیسرا مائیک ہے۔ یہ تینوں ہی میرے اعتماد
کے آدمی ہیں۔ میں مائیک سے پوچھوں گا کہ اس کے
منہ میں بواسیر کیوں ہے۔ تمہیں فکر مند ہونے کی
ضرورت نہیں۔"
"میرے سر سے ایک بوجھ اتر گیا ورنہ میں کہیں اور
کوچ کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"
اس کے ہنسنے کی بھونڈی آواز ابھری پھر وہ بولا "تم
دیکھ ہی چکے ہو کہ میرے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔ دوستی
ہو جانے کے بعد تم مجھے نہیں چھوڑ سکتے۔ امریکا میں کہیں
بھی گئے تو میں تم کو ڈھونڈ نکالوں گا۔ دشمنی کی طرح میری
دوستی بھی پہاڑوں کی طرح اٹل ہوتی ہے۔"
"اطلاع کا شکریہ۔ اب تم بے غم ہو کر اپنا جشن
مناؤ۔ ہم بھی سونے کی تیاری کرتے ہیں۔"
"میرا مشورہ مانو تو اب اس لڑکی سے شادی کر لو۔
اس نے تمہاری خاطر خود کو برباد کر لیا ہے ورنہ ویسے بھی وہ
بیوی ہی کی طرح ہر وقت تمہارے سر پر مسلط رہتی ہے۔
میں نے اس کے تیور دیکھے ہیں۔ وہ جیتے جی تمہارا پیچھا
نہیں چھوڑے گی۔"
میں نے بوکھلا کر غیر ارادی طور پر ویرا کی طرف
دیکھا۔ وہ جھکی اپنے پرس میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔
میں نے سرگوشیانہ آواز میں ماؤتھ پیس میں کہا "یہ مشورہ
اس کے سامنے نہ دے بیٹھنا ورنہ اس کے مطالبوں میں
ایک کا اضافہ ہو جائے گا۔"
بلیک ڈیڈ نے قہقہہ لگا کر گڈ نائٹ کہا اور فون بند
کر دیا۔
خلوت کے سوا ہر جگہ ویرا کے ساتھ میرا رویہ محتاط رہا
کرتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ دوسروں کے سامنے ویرا بھی
ضرورت سے زیادہ بے تکلفی کے مظاہرے سے گریز
کرتی تھی مگر پھر بھی اس کے رویے میں کوئی نہ کوئی ایسی
بات ضرور ہوتی تھی کہ دیکھنے والے اس کے دل کی تحریر
اس کی آنکھوں میں اور اس کے چہرے پر پڑھ کر اس
کے لیے ہمدردی محسوس کرنے لگتے تھے۔
ویرا نے گونگے ملازم کو رات کے کھانے کے
بارے میں ہدایات دے کر کچن میں مصروف کر دیا تھا۔
میں ویرا کو ساتھ لے کر اپنے طور پر گھر کی دیکھ بھال میں
مصروف ہو گیا۔ کسی برے بھلے وقت کے لیے ہمارا اس
مکان کے محل وقوع سے واقف ہونا ضروری تھا۔
میں خاص طور پر ٹیلی فون لائن کے بارے میں
متجسس تھا۔ تفصیلی دیکھ بھال کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا
کہ گھر میں کہیں بھی متوازی لائن موجود نہیں تھی۔
اپنے کمرے میں واپس آ کر میں نے سی ایس ڈی
کو لائن سے منسلک کر دیا۔
"بے چاری جینی اکیلی گھر میں خوف سے سہمی
جا رہی ہو گی۔" جوتے وغیرہ اتارنے کے بعد ویرا نے
پُرتشویش لہجے میں کہا "ہو سکتا ہے کہ اس نے گھبرا کر چین
پلازہ فون کیا ہو۔ وہاں سے جب اسے اطلاع ملے گی
کہ ہم ہوٹل چھوڑ چکے ہیں تو اس کے ہاتھ پیر پھول
جائیں گے۔"
"کبھی کبھی تم بالکل ناقابل فہم ہو کر رہ جاتی ہو۔"
میں نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں کہا "میں
اس سے بات کر رہا تھا تو تمہارا موڈ اس کے خلاف سخت
جارحانہ تھا اور اب خود ہی اس کی فکر میں گھلی جا رہی ہو۔
سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا چاہتی ہو۔"
"کچھ بھی نہیں.... وہ میری بہترین سہیلی ہے اور
اسی حد تک رہے۔ تمہارے منہ لگنے کی کوشش کیوں کرتی
ہے؟ اسے کوئی پریشانی ہے تو مجھ سے بات کرے۔ تم

سے اپنے دکھڑے کیوں روتی ہے؟''
''فون یا ریسیور کا تار اتنا لمبا نہیں تھا کہ اسے باتھ روم میں پہنچایا جاتا جہاں تم آرام کر رہی تھیں۔'' میں نے جل کر کہا ''اس نے تمہارے پیغام کا جواب دیا تھا۔ تم فون اٹھاتیں تو اسے مجھ سے بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔''
''اس بحث کو چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ ہم اس کے لئے کیا کر سکتے ہیں؟'' اس نے ڈھٹائی سے پوچھا۔
''کچھ بھی نہیں۔ آئزک بیل کے خلاف آخری کارڈ کھیل جانے کے بعد واضح نتائج سامنے آنے تک ہمیں روپوش رہنا ہے۔ جینی کا رخ کرنا ہمارے لیے مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔ اتنی ہی فکر مند ہو تو اسے فون کر سکتی ہو۔ مطلع صاف ہونے تک اسے یہاں کا فون نمبر بھی دینے کی ضرورت نہیں۔''
''یہاں اسپیکر فون لگا ہوا ہے، چاہو تو تم بھی اس کی گفتگو سن سکتے ہو۔'' ویرا نے جھجکتے ہوئے مجھے اس اہم نکتے کی طرف توجہ دلائی جسے میں پہلے ہی نوٹ کر چکا تھا۔
''تم بول رہی ہو کہ ہمارا خدمت گار صرف گونگا ہے، بہرا نہیں ہے۔ اسپیکر فون پر ہونے والی گفتگو وہ بھی سن سکتا ہے۔'' میں نے طنزیہ پیرائے میں کہا۔
''اسے میں ابھی دوڑ لگوائے دیتی ہوں۔'' ویرا نے مسکرا کے کہا اور مسہری کے سرہانے جھولتا ہوا کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ مکان کے کسی حصے میں ہلکی سے گھنٹی بجی اور گونگا سیاہ فام کسی جن کی طرح ہمارے کمرے میں گھس آیا۔ خوش اخلاقی کے مظاہرے میں اس نے اپنی چمکتی ہوئی بتیسی پھیلا دی تھی۔
''کھانے کے ساتھ یہاں ریڈ وائن مل سکے گی۔'' ویرا نے اس سے پوچھا۔ اس نے مایوسی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور حلق سے بے مقصد آوازیں نکالتے ہوئے اشاروں سے بتایا کہ ویرا چاہے تو وہ گاڑی سے کہیں دور جا کر مطلوبہ وائن لا سکتا ہے۔
''کہاں جانا پڑے گا؟'' یہ سوال کر کے ویرا نے تپائی پر پڑے ہوئے پیڈ کی طرف اشارہ کیا۔
اس نے لکھا کہ بروکس کے وکانیں اس وقت بند ہو چکی ہوں گی۔ اسے مین ہٹن کی طرف دوڑ لگانی پڑے گی۔ ویرا بھی یہی چاہتی تھی۔ اس نے رضامندی ظاہر کر دی۔
میں نے بیکسٹر نامی اس گونگے کو سو ڈالر کا نوٹ دینا چاہا لیکن اس نے اپنی جیب تھپتھپا کر بتایا کہ ہماری ضروریات پوری کرنے کے لئے اسے رقم فراہم کر دی گئی تھی۔
ویرا نے اسے روانہ کر دیا۔ وہ گھر کے داخلی دروازے کی چابی اپنے ساتھ لے کر گیا تھا اور ہماری بے خبری میں واپس آ سکتا تھا۔ گاڑی کے انجن کی آواز دور ہوتے ہی میں نے کمرے سے نکل کر مکان کا داخلی دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا۔
میں کمرے میں واپس آیا تو اسپیکر فون پر جینی کی خوف زدہ آواز سنائی دے رہی تھی.... ''کے بعد میں نے اپنے نمبر دو کے گھر فون کیا تھا۔ فون پر اس کا رویہ ایسا تھا جیسے میں دفتر سے بہت کچھ لے بھاگی ہوں۔ وہ میرا ماتحت ہو کر میرا افسر بننے کی کوشش کر رہا تھا۔''
''وہ نہیں، تمہارے باس کا ردِ عمل بول رہا تھا۔'' ویرا نے جواب دیا ''تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم نے اپنی کوئی مجبوری اور واپسی ریکارڈ کرا دی۔ تم بے فکر ہو کر سو جاؤ۔ چاہو تو کوئی خواب آور گولی لے لو۔''
''اس کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ باس کے زخمی ہونے کے ذمے دار مجھے سمجھ رہا ہو۔ ہر آہٹ پر میرا دل تیزی سے دھڑک رہا ہے۔ پلیز روزی! تم فوراً میرے پاس آ جاؤ۔''
''میں ہوٹل چھوڑ چکی ہوں۔ جہاں ہوں، یہاں سے باہر قدم نکالا تو مصیبت میں پڑ جاؤں گی۔ میری مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہارے باس کی اسپتال سے واپسی تک تمہیں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔ وسوسوں کو اپنے ذہن سے جھٹک کر سونے کی کوشش کرو۔ صبح تم اپنے دفتر جاؤ گی تو ساری صورتِ حال خود بہ خود تمہارے سامنے آ جائے گی۔ اس وقت تم بے بنیاد اندیشوں میں گھر کر خود کو ہلکان کر رہی ہو۔''

''تمہارا نکلنا خطرناک ہے تو مجھے اپنا پتا بتادو۔ میں وہیں پہنچ جاؤں گی۔'' جینی نے التجا کی۔

''یہ ایک نائٹ کلب کا تہ خانہ ہے۔ تم جیسی لڑکی کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔''

''تم بھی تو وہیں ہو۔ پھر میں یہ رات وہاں کیوں نہیں گزار سکتی؟''

''میرے ساتھ اسلم بھی ہے۔ یہاں پہنچنے کی کوشش میں تم کسی غلط آدمی کے ہتھے چڑھ گئیں تو تمہارے ساتھ دوپہر والا واقعہ دوبارہ رونما ہوسکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ گھر ہی میں رکی رہو۔ ضروری سمجھو تو دروازوں اور کھڑکیوں کو اندر سے بولٹ کرلو۔''

ویرا کا وہ حوالہ کام کرگیا۔ جینی کی مایوسانہ آواز ابھری۔ ''ذرا اسلم سے میری بات کرادو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مجھے کوئی بہتر مشورہ دے سکے۔''

ویرا نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا پھر کہا ''وہ ابھی تہہ خانے کے زینوں کی طرف گیا ہے۔ یہاں حالات سازگار رہے تو میں کسی وقت اس سے تمہاری بات کرادوں گی۔ ورنہ تم سونے کی کوشش کرو۔''

''میرے لیے دعا کرتی رہنا۔ زندگی رہی تو کل بات ہوگی۔'' جینی کی آواز میں سمٹ آنے والی اداسی اور دل گیری نے مجھے اس کو دلاسا دینے کے لئے مضطرب کردیا لیکن میں ویرا کی موجودگی میں ایسا کوئی قدم اٹھا کر نئے فساد کو دعوت نہیں دے سکتا تھا۔

ویرا نے مزید چند تشفی آمیز فقرے ادا کر کے فون بند کردیا اور مجھ سے بولی ''اس وقت اُس کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ وہ تمہارا سہارا لینا چاہتی ہے۔ وہ فون پر تم سے کوئی الٹی سیدھی بات کرتی تو مجھے غصہ آجاتا۔ میں اس کی پریشانیوں میں کسی اضافے کا سبب نہیں بننا چاہتی۔''

''برے وقت میں مرد کا سہارا ہر عورت کی فطری ضرورت ہوتی ہے۔ شاید تم اسے غلط سمجھ رہی ہو۔''

''بس، اب اسے بھول جاؤ۔'' ویرا نے رُکھائی سے کہا۔ ''میں اسے خوب سمجھتی ہوں۔''

جینی آسانی سے بھلائی جانے والی لڑکی نہیں تھی لیکن میں نے ویرا کے سامنے خاموشی اختیار کرلی۔

ہیکسٹر آدھے گھنٹے بعد ہی عمدہ قسم کی ریڈ وائن کا پورا کارٹن لے کر واپس آگیا۔ ویرا کی فرمائش پر اس نے یہ فرض کرلیا تھا کہ ہر ڈنر کے ساتھ اسے وائن کی دو چار بوتلیں ضرور سرو کرنی ہوں گی۔

ہمیں کھانا وغیرہ کھلانے کے بعد ہیکسٹر اجازت لے کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا جو مکان کے عقبی احاطے میں گیراج کے ساتھ بنا ہوا تھا۔ ہم دونوں اپنے بیڈروم میں آگئے۔ مکان میں دو الگ الگ خواب گاہیں میسر ہونے کے باوجود ویرا مُصر تھی کہ رہنے کو محل بھی میسر ہوا تو وہ اس سفر میں میرے ہی کمرے میں سوئے گی۔ میں نے کسی بحث میں الجھنے کے بجائے عارضی طور پر اس کا وہ فیصلہ قبول کرلیا۔

ویرا بستر پر دراز ہونے کے بعد تھوڑی ہی دیر میں گہری نیند سوگئی مگر میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ رات کے خوف اور اندھیرے میں میرے ذہن پر عجیب عجیب اور مہیب خیالات حملہ آور ہو رہے تھے جن میں مرکزی کردار رنگس اور ڈیوڈ اسٹارز کے سربراہ آئزک بنل کا تھا۔

رات کے تقریباً ڈھائی بجے فون کی گھنٹی نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ میں نے تیزی سے ریسیور اٹھالیا۔ گھنٹی کی آواز سے ویرا بھی ہڑبڑا کا بیدار ہوچکی تھی۔

''اتنی رات گئے تم نے پہلی گھنٹی پر فون اٹھالیا۔ کیا ابھی تک جاگ رہے ہو؟'' ریسیور میں بلیک ڈیڈ کی نشے سے بوجھل اور بھاری آواز گونجی۔

''طبیعت پر بے نام سی بے چینی مسلط ہے اور تمہارا فون اس بات کا ثبوت ہے کہ میری یہ بے چینی بے سبب نہیں ہے۔ کیا اس وقت کوئی اہم خبر موصول ہوئی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے بھڑوں کے چھتے پر گرم پانی انڈیل دیا ہے۔ کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ میں تمہیں کیا خبر سنانے والا ہوں؟'' خمار کے باوجود بلیک ڈیڈ بہت اچھے موڈ میں تھا۔

''یہ خبر آج کے ادھورے شکارے [illegible] ان کے بارے میں ہو سکتی تھی......''

''براوو!'' اس نے امریکی انداز میں میری تعریف کی پھر بولا ''سخت انتظامات کی وجہ سے مجھے خبر دیر سے ملی مگر مل ہی گئی۔ اب سے تقریباً دو گھنٹے پہلے سی آئی اے کے ایک بھاری اسکواڈ نے اسپتال کا محاصرہ کر کے ہمارے لنگڑے شکار کو اٹھالیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار اس کے ستارے گردش میں آ ہی گئے ہیں۔ سی آئی اے کا یہ ریکارڈ ہے کہ وہ جس پر ہاتھ ڈالتی ہے، وہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہتا ہے۔''

''تمہیں مبارک ہو۔ وہ لوگ پوری تن دہی سے تمہارے نشانے کی غلطی کا ازالہ کر دیں گے۔''

''وہ لوگ اس کے زخموں کی پروا کیے بغیر اسے انٹروگیشن کے لیے ورجینیا لے گئے ہیں۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ تم نے بالکل ٹھیک وقت پر ہوٹل چھوڑا ہے۔ آج رات تم وہاں ہوتے تو بُری طرح کسی مشکل میں گرفتار ہو گئے ہوتے۔''

''کیوں؟ ہوٹل میں کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے اپنے دل کی تیز ہوتی ہوئی دھڑکنوں پر قابو پا کر پُرسکون لہجے میں پوچھا۔

''شہر پر اس وقت پولیس اور ایجنسیوں کی گاڑیوں کا راج ہے۔ خبریں سختی سے دبائی جا رہی ہیں مگر میرے آدمیوں نے پتا چلایا ہے کہ وہ شہر بھر کے ہوٹلوں میں اے کرمانی نامی کسی ایرانی نژاد باشندے کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ اس مہم میں بہت سے لوگ رگڑے جائیں گے۔ تم ہوٹل میں ٹکے رہتے تو شاید تم بھی ان کی عقابی نظروں میں آ جاتے۔ اب تم ایک دو روز کے لئے گھر ہی تک محدود ہو جاؤ۔''

''میں یقیناً ایسا ہی کروں گا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ ہوٹل میں بھی ہم محفوظ رہتے۔ دونوں کی سفری دستاویزات ہر شک و شبہے سے بالاتر ہیں۔'' میں نے روانی سے کہا۔

''یہ تمہاری بھول ہے۔ شاید تم پہلا نشانہ نہ بنتے لیکن روزی کے فنگر پرنٹس یہاں ریکارڈ پر ہیں۔ وہ جاری جان کو [illegible] سے ہے۔

بلیک ڈیڈ سے ملنے والی وہ دونوں خبریں ہی سنسنی خیز تھیں۔ میرے لیے سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ تھی کہ میں نے بدری ناتھ کا کندھا استعمال کر کے جو تیر چلایا تھا وہ بالکل صحیح نشانے پر لگا تھا۔ سی آئی اے کے بڑوں نے اس کی سنائی ہوئی کہانی کو من وعن تسلیم کر کے اپنے بھرپور آپریشن کا آغاز کر دیا تھا اور ان کی توپوں کا رخ میرے بجائے عباس کرمانی کے فرضی سائے کی طرف تھا۔

ان اطلاعات پر مجھے اپنی خوشی میں شریک کرتے ہوئے بلیک ڈیڈ کو یہ احساس تھا کہ فون پر اس قسم کی گفتگو کا زیادہ دیر تک جاری رکھنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ میں گفتگو کی مکمل رازداری کے لیے ابتدا سے ہی سی ایس ڈی استعمال کر رہا تھا۔

''اب تم سکون سے لمبی تان کر سو جاؤ۔ کل دن میں میں تمہاری طرف آ ؤں گا۔''

''فون بند کرنے سے پہلے اتنا ضرور بتا دو کہ ہمیں گونگے ہیکسٹر کے عذاب میں کیوں مبتلا کیا ہوا ہے۔ اس سے بات کرتے ہوئے سخت الجھن اور وحشت ہونے لگتی ہے۔''

''چند روز بعد تمہیں اس سے بات کی ضرورت ہی نہیں رہے گی...... وہ خود تمہاری ساری سہولتوں کا دھیان رکھے گا۔ وہ بہت اچھا خدمت گار اور سچا نشانے باز ہے۔''

''ہم یہاں چاند ماری کی مشق کے لیے نہیں آئے۔ اس ادھورے آدمی کی جگہ ہمیں کوئی بولنے والی مشین دے دو تو میں عمر بھر تمہارا ممنون رہوں گا۔''

''کل اس کے ساتھ ایک بولنے والا بھی بڑھا دیا جائے گا۔'' ہنسی کے درمیان اس نے جواب دیا ''بہت کم وقت میں، میں تمہاری خوشی کو اپنی خوشی محسوس کرنے لگا ہوں۔''

فون بند ہو گیا۔ ویرا بستر پر بیٹھی اپنی خمار آلود آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری طرف تکے جا رہی تھی۔ نیند

کے عالم میں میری یک طرفہ گفتگو سن کر پوری بات اس کے پلے نہیں پڑ سکی تھی۔

میں نے اسے بلیک ڈیڈ سے معلوم ہونے والی دونوں باتوں سے آگاہ کردیا۔

میری بے نام بے چینی شاید ان ہی خبروں کے لاشعوری انتظار کا نتیجہ تھی۔ تھوڑی دیر تک ویرا سے متوقع پیچیدگیوں کے بارے میں تبادلۂ خیال کرنے کے بعد میری آنکھوں میں نیند کے خمار نے ڈیرے ڈالنے شروع کردیے اور میں نے کمرا دوبارہ تاریک کردیا۔

اگلی صبح کے اخبار میں آئزک بیل پر ناکام قاتلانہ حملے اور پھر بم کے دھماکے میں ہلاک و زخمی ہونے والوں کے بارے میں تفصیلی خبریں موجود تھیں لیکن پچھلی رات کی بھرپور کارروائیوں کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں تھا۔ ویرا نے ناشتے کے لیے تیاری کے دوران میں ٹیلی ویژن کھول دیا۔

تھوڑی دیر بعد ٹیلی نیوز میں یہ مختصر اطلاع فراہم کی گئی کہ کچھ اہم معاملات کی تفتیش کے لیے سی آئی اے نے زخمی آئزک بیل کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔

اصل کارروائی کے مقابلے میں وہ خبر مبہم اور ناکافی تھی۔ عباس کرمانی کی تلاش کے بارے میں مکمل سکوت اختیار کرلیا گیا تھا۔

ناشتا لگ جانے کے بعد ویرا نے گونگے بیکسٹر کو نیوز اسٹینڈ کی طرف روانہ کردیا۔ اسے یقین تھا کہ حکام کی سخت رازداریوں اور وقت کی تاخیر کی وجہ سے جو خبریں صبح کے اخبارات میں شائع نہیں ہوسکی تھیں، ان کے [illegible] شام کے اخبارات وقت سے پہلے [illegible] میں آجائیں گے۔

''میرے لیے یہ سب غیر متوقع ثابت ہوا ہے۔ ویرا نے نیچی آواز میں کھلے دل سے اعتراف کیا'' پچھلی رات تم ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے بدری سے باتیں کررہے تھے تو مجھے شبہ ہورہا تھا کہ تم ذہنی طور پر بُری طرح الجھ گئے ہو مگر بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ تمہارے فیصلے صحیح تھے۔''

''سب کچھ واقعی بہت بری طرح الجھا ہوا تھا اور مجھے بہت سوچ سمجھ کر فیصلے کرنے پڑے۔ نتائج سامنے آنے تک مجھے خود یقین نہیں تھا کہ آنے والے حالات میرے فیصلوں کو درست ثابت کرسکیں گے۔''

''یہاں آکر ہم بدری سے رابطہ کرنے کی سہولت سے محروم ہوچکے ہیں۔ وہ اس وقت تم سے بات کرنے کے لیے بُری طرح تڑپ رہا ہوگا۔''

میں مسکرا کر رہا گیا ''گیپ کا راز فاش کر کے وہ اپنے افسروں کی آنکھوں کا تارا بن چکا ہوگا۔ اسے میرے یا کسی اور کے بارے میں سوچنے کی ذرا بھی فرصت نہیں ہوگی۔''

''اس کی کہانی میں عباس کرمانی کا اہم کردار ضرور تھا مگر میں یہ بات ہضم نہیں کرپا رہی کہ آناً فاناً میں اس کی اتنے بڑے پیمانے پر تلاش شروع کردی گئی۔'' ویرا نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

''اب وہ ہر قیمت پر گیپ کی اصل دستاویز حاصل کرنا چاہیں گے۔ وہ کاغذ امریکا سے نکل گئے تو ہر طرف ان کی ایسی رُوسیاہی ہوگی کہ اس کا ازالہ کرنا ناممکن ہوجائے گا۔''

''یہ سمجھ رہے ہو تو پھر تم اب تک وہ کاغذ یہاں کیوں لیے بیٹھے ہو؟'' ویرا نے میرا بازو دبا کر اضطراری لہجے میں پوچھا ''انہیں خاموشی سے اول خان کو روانہ کیوں نہیں کردیتے؟''

اسے جواب دیتے دیتے میں اچانک سوچ میں پڑ گیا۔ ویرا کے اس سوال سے پہلے میں اپنی جگہ یہ فیصلہ کیے بیٹھا تھا کہ گیپ کے کاغذات کسی بُرے وقت میں [illegible] کے لیے [illegible] ثابت ہوسکتے ہیں۔ تازہ ترین حالات میں وہ مسئلہ زیادہ اہم ہوگیا تھا۔ اس [illegible] میں مجھے کچھ دوسرے امکانات بھی نظر آرہے تھے۔ ان پر غور کیے بغیر گیپ کے پانچوں کاغذات [illegible] یا پاکستان روانہ کرنے کا فیصلہ خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

ہم اس بحث میں الجھے ہوئے تھے کہ بیکسٹر لوٹ آیا۔ وہ شام کے دو اخبارات کے ہنگامی ایڈیشن تھے۔ ان میں سے ایک اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا!

''ڈینی یا کرمانی؟'' اس اخبار کی کئی انچ چوڑی اور پورے صفحے پر پھیلی ہوئی وہ سہ لفظی سرخی ایک سوالیہ نشان کے ساتھ بہت نمایاں اور دہشت انگیز نظر آ رہی تھی۔

ان تین الفاظ کے نیچے جمی ہوئی ذیلی سرخی میں ارب پتی یہودی سرمایہ دار آئزک بیل کی سی آئی کے ہاتھوں گرفتاری کا ذکر تھا۔ دوسرے اخبار کی سرخیاں اتنی سنسنی خیز نہیں تھی۔ وہ میں نے ویرا کے حوالے کر دیا اور خود پوری خبر کے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔

گیپ امریکی حکومت اور اس کے سازشی شرکا کے درمیان کیا ہوا ایک ایسا سیاہ اور شرمناک معاہدہ تھا کہ سرکاری طور پر کہیں اس کا حوالہ تک نہیں دیا جا سکتا تھا۔ وہ اسی وقت تک اہم اور موثر تھا جب تک اس کا راز متعلقہ فریقوں کے درمیان محدود تھا۔ آئزک بیل کے ہاتھوں سے گیپ کے پانچوں اصل کاغذات نکل جانے کے بعد خبر میں اس کی طرف خفیف ترین اشارہ تک نہیں کیا گیا تھا لیکن اخباری نامہ نگار نے اس بات پر کھلی کھلی حیرت کا اظہار کیا تھا کہ واشنگٹن اور نیویارک میں بہت زیادہ معتبر اور بارسوخ تصور کیے جانے والے، ڈیوڈ اسٹارز کے سربراہ کے سر پر اچانک ہی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

کوئنز مڈ ٹاؤن ایکسپریس وے پر اسے ایک عام اور بے یارو مددگار امریکی کی طرح کسی نے گولی مار کر بری طرح زخمی کر دیا۔ اس سے پہلے کہ نیویارک کی انتظامیہ اس کو دی وی آئی پی علاج معالجے اور دیکھ بھال کی خصوصی سہولتیں فراہم کرتی، اس کی گاڑی میں رکھا ہوا سوٹ کیس ایک ہولناک دھماکے سے پھٹ گیا۔

اس دھماکے میں ایک اہل کار کی موت اور متعدد افراد کے زخمی ہونے کے بعد بھی مقامی انتظامیہ اس کے لیے فکر و تشویش کا اظہار کرتی رہی مگر آدھی رات کو حالات نے نہ جانے کیا پلٹا کھایا کہ فیرفیکس اور ورجینیا کے دوسرے مرکزی مقامات سے سی آئی اے والوں کا ایک لشکر گاڑیوں اور ہیلی کاپٹروں کی مدد سے نیویارک پہنچا اور نہایت سرعت سے آئزک بیل کو اپنی تحویل میں لے کر فوری طور پر ورجینیا واپس لوٹ گیا۔

سی آئی اے کے ذمے داروں نے اس پورے گوریلا ایکشن پر سختی سے اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی لیکن آئزک بیل نے اسٹریچر پر اسپتال سے جاتے ہوئے اخباری نمائندوں کو دیکھ کر غصیلی مگر نقاہت آلود آواز میں دعویٰ کیا تھا کہ اسے ڈینی نے اس حال کو پہنچایا تھا۔

آئزک بیل کے اسی الزام سے اخبار نے اپنی سرخی نکالی تھی جب کہ دوسری طرف کی خبریں یہ تھیں کہ سی آئی اے والے نیویارک پولیس کی مدد سے پورے شہر میں عباس کرمانی نامی کسی ایرانی نژاد شخص کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

آئزک بیل پر حملہ آور ہونے والوں کی سیاہ بیوک کا نمبر جعلی ثابت ہونے کے بعد یہ بات کھل گئی تھی کہ اس پر باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت حملہ کیا گیا تھا۔ اخبار کی دلیل یہ تھی کہ جب آئزک بیل خود ڈینی نامی اشتہاری مجرم کو ناکام قاتلانہ حملے کا ملزم نامزد کر رہا تھا تو سی آئی اے اسے بھول کر عباس کرمانی کو کیوں تلاش کر رہی تھی؟ وہ کون تھا؟ یکایک وہ اس قدر اہم کیسے ہو گیا تھا کہ آئزک بیل کی گرفتاری کے ساتھ پورے نیویارک میں سرگرمی سے اس کی تلاش کی ہمہ گیر مہم شروع کر دی گئی تھی؟

سرکاری اداروں سے کوئی اشارہ نہ ملنے کی وجہ سے اخبار نے اپنی ایک کہانی گھڑ لی تھی جس میں ذرا بھی جان نہیں تھی۔ اس کی اہمیت بس اتنی ہی تھی کہ اس میں میرا نام شہ سرخی کی زینت بنا دیا گیا تھا۔

وہ واقعہ بہت غیر معمولی تھا۔ پورا اخبار اسی واقعے کے بارے میں چھوٹی بڑی خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ ان خبروں سے آئزک بیل کا کردار پوری طرح شکوک و شبہات کی زد میں آ گیا تھا۔

وہ کوئنز مڈ ٹاؤن ایکسپریس وے پر ٹریفک کے ضابطوں کی خلاف ورزی کر کے گاڑی پارک کیے کیوں کھڑا تھا؟ وہ گاڑی سے اتر کر کس کا انتظار کر رہا تھا؟ اس کے بڑے بریف کیس یا چھوٹے سوٹ کیس میں ڈالروں کے نیچے سادے کاغذوں کی گڈیاں کیوں بھری ہوئی تھیں؟ رقم اور سادہ کاغذوں سے بھرے ہوئے اس سوٹ کیس میں ٹائم بم کیوں نصب کیا گیا تھا؟ وہ ڈینی

سے کیوں خوف زدہ تھا؟ کیا ڈینی امریکا میں موجود ہے؟
سوالات کی ایک بھرمار تھی جو اس واردات کے حوالے سے منطقی طور پر جنم لے چکی تھی اور آئزک بیل کے لیے ان میں سے کسی سوال کا جواب دینا آسان نہیں تھا۔
یہ سب سامنے کی کہانیاں اور ظاہری سوالات تھے۔
آئزک بیل کی طرف سے سی آئی اے کے بڑوں کی برہمی کے بارے میں بدری ناتھ مجھے بتا چکا تھا۔ وہ لوگ امریکی سی ون تھرٹی کے ذریعے سلطان شاہ کے اغوا اور پھر سلطان شاہ کے ہاتھوں اس جہاز کے یرغمال بنائے جانے کے قصوں میں آئزک بیل کے کردار پر ناخوش تھے اور اسے نیچا دکھانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔ بدری ناتھ نے گیپ کا مسودہ اس کی تحویل سے نکل کر عباس کرمانی کے قبضے میں پہنچنے کی خبر دے کر انہیں وہ سنہرا موقع فراہم کر دیا تھا۔
آئزک بیل کو نیویارک کے اسپتال سے اٹھا لے جانے کے لیے سی آئی اے والے اتنی رازداری اور سرعت کے ساتھ حرکت میں آئے تھے کہ ان کی کارروائی مکمل ہونے تک کسی کو کانوں کان ان کے عزائم کی خبر نہیں ہو سکی تھی مگر آئزک بیل کی گرفتاری کی تصدیق ہوتے ہی ایف بی آئی والے بھی اسے اپنا مطلوب مجرم قرار دے رہے تھے۔
نیویارک کی ایک ایکسپریس وے پر ہونے والے مہلک دھماکے کی ذمے داری آئزک بیل پر عائد ہوتی تھی۔ اس کے نتیجے میں ایک پولیس افسر ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے تھے۔ اس اعتبار سے وہ دہشت گردی کی ایک ناکام کارروائی تھی جس کے نتیجے میں مطلوبہ شخص کے بجائے بے گناہ سرکاری ملازمین ہلاک اور زخمی ہوئے تھے اور وہ ایف بی آئی کا کیس بن گیا تھا۔
جب تک آئزک بیل کے ستارے اس کی یاوری کر رہے تھے، وہ امریکا میں بہت طاقتور اور ناقابل شکست نظر آ رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے امریکا کے صدر سے لے کر بیوروکریسی تک سب اس کے حامی اور مددگار ہیں لیکن وقت کی ذرا سی کروٹ سے سب کچھ یکسر بدل کر رہ گیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ سی آئی اے اور وفاقی تحقیقاتی ادارے کے ساتھ ساتھ نیویارک کے ریاستی حکام بھی اس کے خلاف اپنی فرد جرم تیار کر چکے ہوں گے۔
ٹائم بم کے مہلک دھماکے کا واقعہ ان کی ریاست میں پیش آیا تھا اور اس کے متاثرین امکانی طور پر اسی ریاست کے باشندے تھے۔ وہ اپنے مجرم کو وفاق کے حوالے کر کے چین کی بنسری نہیں بجا سکتے تھے۔ اپنے لوگوں کے تحفظ کے لیے قانونی کارروائی کی پہلی اور بنیادی ذمے داری ان پر ہی عائد ہوتی تھی۔
اپنے سر سے گیپ نامی معاہدے کا سایہ ہٹتے ہی آئزک بیل ہر طرف سے اس بری طرح عتاب میں آیا تھا کہ مجھے اس کے مصائب پر یقین کرنا دشوار ہو رہا تھا۔
وہ معاہدہ آئزک بیل کے لیے ایک سرحدی لکیر کی طرح ثابت ہوا تھا۔ اس لکیر کے ایک طرف طاقت، اختیار، اثر ورسوخ اور مطلق العنانی کے ساتھ بے لگام زندگی گزارنے کی آزادیاں اس کا مقدر تھیں اور اس لکیر کے اس پار ذلت ورسوائی کے کئی طوق اس کے منتظر تھے۔
میرے چہرے پر ابھرنے والے تجسس اور اضطراب نے ویرا کو بھی اس سنسنی خیز اخباری شہ سرخیوں کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ اس نے میرے عقب میں آ کر میرے ساتھ ساتھ ہی وہ سب کچھ پڑھ ڈالا تھا۔ ساتھ ہی وہ بے ساختہ اور تحیر زدہ آوازوں میں اپنے ردعمل کا مظاہرہ بھی کرتی جا رہی تھی۔
میں نے خبریں چاٹ لینے کے بعد وہ دونوں اخبار ایک طرف ڈالے تو ویرا کا مطالعہ تشنہ تھا۔ اس نے لپک کر ان اوراق کو اٹھا لیا۔
''یہ بہت برا ہوا...... بہت برا'' وہ اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے ہیجان انگیز سرگوشیانہ آواز میں بولی'' اس بڑی سرخی میں تو تمہارا نام کھل کر آیا ہے......''
''اپنی آواز دھیمی رکھو!'' میں نے اس کی بات کاٹ کر اس کے کان میں بہت دھیمی آواز میں غرا کر کہا''ڈبیکسٹر گونگا ہے، بہرا نہیں ہے۔''
''تم بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے؟'' اس بار ویرا کی آواز واقعی بہت نیچی ہو گئی تھی''ہو سکتا ہے کہ وہ

عباس کرمانی کی تلاش کا ڈراما رچا کر دراصل تم کو ڈھونڈتے پھر رہے ہوں۔ تمہیں دھوکا دینے کے لیے انہوں نے خود ہی اخبارات کو یہ کورا سٹوری فراہم کی ہو۔''

''بعض اوقات تم بالکل کند ذہن ہو کر رہ جاتی ہو...... فی الحال یہ بھولی رہو کہ خبر میں میرا نام آیا ہے۔ وہ ڈیبی نام کا کوئی اور بھی تیسرا شخص ہو سکتا ہے......''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس طرح ہم کھل کر بات کر سکیں گے اور اس گونگے کو کسی بات پر شبہ تک نہیں ہو سکے گا۔'' اس نے خوش ہو کر جلدی سے کہا۔

میں بے اختیار ہنس پڑا'' اس وقت شاید ہم دونوں ہی اخبار دیکھ کر اعصاب زدہ ہو گئے ہیں اور بے سروپا باتیں کر رہے ہیں۔''

ویرا کا منہ بن گیا'' اس وقت میں نے کون سی بے سروپا بات کہی ہے؟''

''میں نے دونوں کا ذکر کیا ہے۔ تمہارے ساتھ شاید میری عقل بھی چرنے کے لیے گئی ہوئی ہے۔ بیکسٹر گونگا ہو یا بہرا، ایک بات یقینی ہے کہ وہ اردو سے اسی طرح نابلد ہے جیسے میں ہسپانوی زبان میں پیدل ہوں۔ ہم اپنے جوش اور جذبات پر قابو رکھیں تو اس کے فرشتوں کو بھی ہماری گفتگو میں دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ اب آرام سے سامنے والی کرسی پر بیٹھ کر بات کرو۔''

ویرا کے ہونٹوں پر خفت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کرسی سنبھال لی۔

غیر متوقع طور پر پیش آنے والے پرخطر یا ہنگامی حالات میں یوں ہی ہوتا ہے کہ ہجوم میں سے کوئی آواز لگا دے کہ کوا کان لے گیا تو کوئی اپنے اور دوسروں کے کانوں کا جائزہ لینے کی زحمت نہیں کرتا، پوری بھیڑ اس خیالی کوے کے پیچھے دوڑ لگا دیتی ہے جو کسی کا کان نہیں لے گیا ہوتا۔

اس وقت ہم دونوں ہی ذہنی دباؤ اور عدم تحفظ کے احساسات میں مبتلا تھے۔ میرے ذہن میں ایک دوراز کار اندیشے نے سر ابھارا اور ویرا نے سوچے سمجھے بغیر اس اندیشے کو جوں کا توں تسلیم کر لیا۔ غنیمت یہ تھا کہ میری وہ غیر منطقی ذہنی حالت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی تھی۔

''تم اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے میرے ذہن کو یوں ہی بھٹکاتے رہتے ہو۔'' ویرا نے اپنی خفت مٹانے کے لیے ترشی سے کہا۔ ''تم نے خبروں کے ذریعے دھوکا دینے والی بات کا جواب نہیں دیا۔''

''یہ صرف اسی وقت ممکن تھا جب انہیں بدری پر شبہ ہوتا کہ وہ انہیں کسی فرضی ایرانی سائے کے پیچھے دوڑانے کی سازش کر رہا ہے۔ ایسی صورت میں وہ لوگ لمبی دوڑ لگا کر اسحاق گھنٹی کو یہاں سے اٹھا کر نہ لے جاتے۔''

''کیا گھنٹی کی گرفتاری کے لیے یہ جواز کافی نہیں تھا کہ اس کے بریف کیس میں ہونے والے دھماکے سے ایک پولیس افسر ہلاک ہو گیا تھا؟'' ویرا نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری عقل ابھی تک چرنے گئی ہوئی ہے۔ وہ مہلک دھما کا شام ساڑھے پانچ بجے کے لگ بھگ ہوا تھا۔ انہوں نے اس کی گرفتاری کے لیے آدھی رات کا وقت کیوں منتخب کیا؟ دراصل یہ کھیل میری اور بدری کی گفتگو کے بعد شروع ہوا۔ اوقات کا تعین یہ بتا رہا ہے کہ بدری نے ان لوگوں کو یہ باور کرا دیا تھا کہ اسحاق گھنٹی سبز فائل کے پانچوں کاغذ ایرانی ایجنٹ کو سونپ کر یا اس کے ہاتھوں ان سے محروم ہو کر بالکل یتیم ہو چکا تھا۔ اس کے لامحدود دفاعی ہتھیار کے ناکارہ ہونے کے بعد ہی وہ لوگ اس کے اسپتال پر چڑھائی کرنے کا حوصلہ کر سکے......''

''وہ پکڑا گیا مگر تمہارا نام بھی جھنڈے پر چڑھ گیا۔'' ویرا نے بات کا رخ بدل دیا۔

یہ اس کا خاص انداز تھا۔ وہ کسی بھی نکتے پر کبھی کھل کر اپنی ہار نہیں مانتی تھی۔ جوں ہی اس کی گرفت کا امکان قوی ہونا شروع ہوتا، وہ جھٹ گفتگو کا موضوع بدل دیتی تھی۔

''سرخی نے مجھے بھی دہلا دیا تھا۔'' میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا'' متن پڑھنے کے بعد مجھے اس شوشے کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ اسحاق گھنٹی اب ہارا ہوا جواری ہے۔ اس کی کسی بات کو اہمیت نہیں دی

جائے گی۔ ساری مہم عباسی کی تلاش پر مرکوز رہے گی۔"
"یہ کہانی زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گی۔ ورجینیا میں امریکا کے بہترین سازشی دماغ موجود ہیں۔ ایران میں امریکا دشمن انقلاب آجانے کے باوجود وہاں ان کے گماشتوں کا ایک مضبوط نیٹ ورک قائم ہے۔ وہ جلد ہی یہ کھوج نکال لیں گے کہ ایرانی خفیہ سروس میں عباس کرمانی کا کوئی وجود نہیں ہے اور تہران والے گیپ کے معاملے میں بے خبر ہیں۔"
"ان نتائج پر پہنچنے کے لیے انہیں کافی وقت درکار ہوگا۔ اس وقت تک ہم یہاں سے ہزاروں میل دور جا چکے ہوں گے۔ جہاں حالات خطرناک ہوں۔ وہاں تجربے کار ایجنٹ خود خطرہ مول لینے کے بجائے کرائے کے آدمیوں سے کام چلاتے ہیں۔ کرمانی ان میں سے بھی ہوسکتا ہے۔ مجھے فارسی میں ذرا بھی استعداد ہوتی تو میں دیکھتا کہ وہ کرمانی کے وجود پر کیسے شبہ کرتے ہیں۔"
"فارسی میں تم امریکا والوں کو صرف تیل کے دام ہی بتا سکتے ہو۔ میں فارسی کے بس چند الفاظ جانتی ہوں لیکن ایرانیوں کے سے لب و لہجے میں انگریزی ضرور بول سکتی ہوں۔ اگر تم ڈھنگ کی کوئی بات سوچ رہے ہو تو میں تمہاری معاونت کرسکتی ہوں۔"
ویرا کی اس پیش کش نے چند ثانیوں کے لیے مجھے سوچ میں ڈال دیا۔ کام اس سے بھی لیا جاسکتا تھا مگر خرابی وہی تھی کہ اس طرح ایک مرتبہ پھر سوچنے والوں کو یہ اشارہ مل جاتا کہ ان کے خلاف میدان میں ایک جوڑا اترا ہوا ہے۔
امریکا دشمن جوڑے کا ذکر آتے ہی ان دونوں ہر باخبر شخص کے ذہن میں میرا اور ویرا کا نام ابھرتا تھا۔ ہم دونوں کے خلاف تشہیر کی بھرپور انعامی مہم اتنے زور و شور سے چلائی گئی تھی کہ اس کے بد اثرات ہمیں کسی بھی وقت اپنی گرفت میں لے سکتے تھے۔
میرا ذہن تیزی سے کام کرتا رہا۔ سامنے کوئی متبادل راہ نہیں تھی۔ اسی اثنا میں مجھے مرعوب کرنے کے لیے ویرا نے ایرانی لب و لہجے میں انگریزی کے چند فقرے ادا کیے تو میں چونک پڑا۔
بے جگر اور ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک کامیاب اداکارہ اور صداکارہ بھی تھی۔ میں اپنی آنکھیں بند کرلیتا تو تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ میرے سامنے کسی ایرانی خانم کے بجائے ویرا الائیڈ بیٹھی ہوئی انگریزی جھاڑ رہی ہوگی۔
کچھ نہ ہونے سے کچھ نہ کچھ ہونا ہی بہتر تھا۔ میں نے بہت سرعت کے ساتھ اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد ویرا کو بریف کرنا شروع کردیا۔
میری بریفنگ سن کر ویرا قائل ہوگئی کہ عباس کرمانی کے خود ساختہ کردار میں جان ڈالنے کے لیے اپنے مخالفین کو گم راہ کرنا ضروری تھا۔
ویرا اشاروں کے استعمال میں جھنجلا دینے والی ناکامی کے بعد لکھ کر بیکسٹر کو کچھ سمجھانے کا ارادہ کررہی تھی کہ اس گونگے کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ادب اور نرمی سے ویرا کے ہاتھ سے بال پین لیا اور تیزی سے پیڈ پر کچھ لکھنے لگا۔
میں سگریٹ کے گہرے کش لے کر خاموشی سے اس صورت حال سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔
بیکسٹر کی تحریر مکمل ہونے سے پہلے ہی ویرا بھنا کر پھٹ پڑی۔ "ہاں، ہاں! مجھے معلوم ہے کہ تم صرف گونگے ہو، بہرے نہیں ہو۔ میری ہر بات سن اور سمجھ سکتے ہو۔ اشاروں کے ذریعے میں تمہیں یہ احساس دلانا چاہ رہی تھی کہ تمہارے جواب سمجھنا میرے لیے کتنا دشوار ہے۔ پتا نہیں تمہارے جیسے دلیر جنگ جو شخص کو تمہارا آقا ہماری خدمت میں کیوں ضائع کررہا ہے۔ تم سے بہتر......"
میں نے بڑھ کر سختی سے ویرا کے دہانے پر ہاتھ جما کر اسے خاموش کردیا۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ بے خیالی میں سرزد ہونے والی اپنی حماقت پر پردہ ڈالنے کے لیے وہ بے رحمی کے ساتھ بیکسٹر کی دل آزاری پر تل چکی تھی۔
بیکسٹر کی کدورت ہمارے لیے کسی بھی وقت سنگین مشکلات کا سبب بن سکتی تھی۔
"سوری، بیکسٹر!" میں نے ویرا کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "نفسیات میں پی ایچ ڈی کرنے کے بعد اس لڑکی کا دماغ پھر گیا ہے۔ ابھی اس

نے تمہارے اشاروں کی نقل کر کے تمہارے زم ردعمل کا مشاہدہ کیا۔ اب یہ تمہیں اشتعال دلا کر دوسرا تجربہ کرنا چاہتی ہے۔ یہ بہت نامناسب بات ہے۔ تم انسان ہو، کوئی تجرباتی مشین نہیں ہو۔''

میری بات پوری ہونے سے پہلے بیکسٹر نے کاغذ پر بال پین گھسیٹنا شروع کر دیا۔ لکھنے سے فارغ ہو کر اس نے پیڈ اٹھا کر میرے سامنے کر دیا۔ اس کا چہرہ فخر اور خوشی کے احساسات سے تمتما رہا تھا۔

اس کی تحریر پڑھ کر میں حیران رہ گیا، اس نے لکھا تھا ''اتنی اچھی مسی پر یوں ظلم نہ کرو۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ جو کچھ بھی کرتی ہے، اچھی لگتی ہے۔''

''بیکسٹر، یو گٹ آؤٹ!'' میں نے غرا کر درشت لہجے میں اسے حکم دیا'' میرے طلب کیے بغیر تم اپنے کمرے سے نکل کر اس چھت کے نیچے نہیں آؤ گے۔''

اس گونگے نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنا سر جھٹکا، کندھے اچکائے اور مڑ کر مغموم انداز میں نکاس کے راستے کی طرف چل دیا۔ میری پھٹکار سن کر اس کا چہرہ یک بہ یک بجھ گیا تھا۔

ٹیلی فون لائن پر سی ایس ڈی کی موجودگی میں مقامی رابطے کسی خوف یا خطرے کے بغیر کیے جا سکتے تھے لیکن شہر یا ملک سے باہر فون کرنے کی صورت میں بلنگ ریکارڈ کے لیے کچھ کوائف سی ایس ڈی پر اثر انداز ہوئے بغیر خودکار طریقے سے ریکارڈ ہونے یقینی تھے۔

ان کوائف میں دوسرے نمبر اور گفتگو کے دورانیے کا ریکارڈ ہونا ہر شک و شبے سے بالا تھا۔ اس کا تجربہ میں پاکستان جیسے ملک میں برسوں سے کرتا چلا آ رہا تھا۔ محض اسی خوف کی بنا پر میں نے ہوٹل پین پلازا چھوڑا تھا۔ امریکا میں جہاں اس وقت تک کمپیوٹرز زندگی کے ہر شعبے میں داخل ہو چکا تھا، سی آئی اے والوں کے لیے فون کے بلنگ ریکارڈ سے یہ سراغ لگانا مشکل نہیں تھا کہ رچمنڈ کے جیفرسن ہوٹل میں مقیم بدری ناتھ کو نیو یارک کے کس نمبر سے فون کیا جاتا رہا تھا۔

وہ الجھنیں میرے ذہن کے کسی عقبی حصے میں اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ موجود تھیں مگر میں ویرا اور بیکسٹر کی تازہ ترین جھڑپ سے غافل نہیں تھا۔ میں نے ملامت آمیز لہجے میں ویرا سے کہا'' اس وقت تم نے بیکسٹر کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ وہ ایسے سلوک کا مستحق نہیں تھا۔''

''تم دخل نہ دیتے تو میں شاید اسے جوتے مار کر یہاں سے نکال دیتی۔'' ویرا نے برہمی کے عالم میں کہا! ''حرام زادہ ایسی مرمٹنے والی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا کہ غصے میں، میں یہ تک بھول بیٹھی کہ وہ صرف گونگا ہے، بہرا نہیں ہے۔ ندیدے مردوں کو میں ہمیشہ سے اپنی جوتی کی نوک پر رکھتی آئی ہوں۔''

''اس میں بیکسٹر زیادہ قصوروار نہیں ہے۔ قدرت نے تمہیں اتنی فیاضی سے حسن و جمال کی رعنائیوں سے نوازا ہے کہ لوگ بے اختیار تمہاری طرف جھکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ وہ بے چارہ تمہاری جھاڑ سن کر بھی تمہارے ہی گن گا رہا تھا۔ یقین نہ ہو تو پیڈ کی آخری تحریر پڑھ لو۔''

بیکسٹر کے گھسیٹے ہوئے آخری فقرے ویرا کی نظروں سے محفوظ رہے تھے۔ انہیں پڑھتے ہی ایک مرتبہ پھر اس کا پارہ چڑھنے لگا۔

میں نے خاصی مشکل سے اس کا دماغ ٹھنڈا کیا اور اسے یاد دلایا کہ وہ ایک اہم ذمے داری اپنے سر لے بیٹھی ہے۔ جس کا پورا ہونا ضروری ہے۔

وہ منہ میں کچھ بڑبڑاتی ہوئی فون ڈائریکٹری کی طرف متوجہ ہو گئی۔

معاً میرے کانوں میں ایک دبی دبی اور کریہہ سی چیخ کی آواز آئی۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی کا گلا گھونٹ کر اسے قتل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو میرے کان کھڑے ہو گئے۔ ویرا اپنی جھلاہٹ کی وجہ سے شاید اس غیر معمولی آواز پر دھیان نہ دے سکی تھی۔

میں اسے ٹیلی فون ڈائریکٹری کی ورق گردانی میں مصروف چھوڑ کر خاموشی سے کچن سے نکل گیا۔

باہر چمکیلی دھوپ اور صاف ستھری فضا میں مختصر سا سرسبز لان نکھرا نکھرا سا نظر آ رہا تھا۔ میرے لیے اس خوب صورت منظر سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہیں

تھا۔ میرے کان مکان کے کسی بھی حصے سے ابھرنے والی کسی غیر معمولی آواز پر جمے ہوئے تھے اور میں چوکنے انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہی بلکہ اس سے بھی زیادہ گھٹی گھٹی اور ڈراؤنی آواز دوبارہ میرے کان کے پردوں سے ٹکرائی اور اس بار میں نے اندازہ لگالیا کہ آواز کا مخرج مکان کے عقب میں واقع تھا۔

وہ مکان مختصر تھا پھر بھی اس کی کوئی دیوار احاطے یا پڑوس کی دیوار سے ملی ہوئی نہیں تھی۔ اندر قدم رکھے بغیر احاطے میں سے ہی پورے گھر کا طواف کیا جاسکتا تھا۔

مکان کے پچھواڑے بند گیراج اور اسی سے ملحق سرونٹ کوارٹر تھا۔ پیش قدمی کے ساتھ میرے کانوں میں دبی دبی سسکیوں کی آوازیں بھی آنے لگیں۔ ان کے درمیان میں تیسری بار ابھرنے والی ہلکی سی چیخ نے آخر کار مجھے سرونٹ کوارٹر کے دروازے پر پہنچادیا۔

بیکسٹر مجھ سے زیادہ دراز قامت اور توانا نظر آتا تھا۔ اس وقت بھی شبہ ہوسکتا تھا کہ کوئی پہلے سے اس کمرے میں موجود تھا جس نے گونگے بیکسٹر کو بے خبری میں جکڑ لیا تھا اور اب فائر کرنے کا خطرہ مول لیے بغیر گلا گھونٹ کر اسے مارنے کے درپے تھا۔

دروازہ بند تھا، کھڑکی پر پردہ کھنچا ہوا تھا۔ میں نے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ اندر سے بولٹ تھا۔ میں دبے قدموں کھڑکی سے جالگا۔

ذرا سی جستجو کے بعد دہرے پردے کی درمیانی جھری سے اندر کا منظر دیکھتے ہی میری کھوپڑی خلا میں معلق ہوگئی۔

وہ بہت صاف ستھرا اور قرینے سے آراستہ کمرا تھا۔ وہاں کسی قسم کی مزاحمت کے کوئی آثار نہیں تھے۔ بس بڑی سی مسہری پر شکن آلود بستر پر بیکسٹر خود بائیں پہلو کے بل کئی تکیوں کے درمیان سمٹا شاید بلک بلک کر رو رہا تھا۔ اس کے ہلتے ہوئے جسم کے ساتھ اس کی سسکیاں اور پھر گھٹی گھٹی ایک دلدوز چیخ سن کر میں ایک ہی نتیجہ اخذ کرسکا کہ وہ گونگا ہونے کے ساتھ ساتھ ذہنی طور پر تھوڑے کھسکا ہوا بھی تھا۔

ہماری رفاقت کو پہلا دن بھی پورا نہیں ہوا تھا۔ وہ بلیک ڈیڈ کی طرف سے ہماری خدمت پر مامور کیا گیا ایک عام سا ملازم تھا۔ ویرا کی برہمی یا میری سرزنش پر اس کا وہ انتہائی جذباتی ردعمل دیکھ کر میں مداخلت کئے بغیر خاموشی سے لوٹ گیا۔

ویرا بیٹھک میں ٹیلی وژن کے سامنے جمی سگریٹ نوشی میں مصروف تھی" کیا اس لعنتی کا لیے کو منانے گئے تھے؟" مجھے دیکھتے ہی اس نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔

"میں یہ یقین کرنا چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں محصور ہوچکا ہے یا باہر چوکھٹ سے لگا بیٹھا ہے۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا" جب تک وہ منہ لپیٹے اپنے بستر میں پڑا ہوا ہے، ہم آزادی کے ساتھ بات چیت کرسکتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اپنا کام پورا کرلیا یا میرے انتظار میں ہو؟"

"میں کسی کا انتظار نہیں کرتی۔" اس نے اپنی گردن اکڑا کے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا" ٹائمز کے دفتر میں اس وقت طوفان مچا ہوا ہوگا۔ میں نے اس کے سینئر نیوز ایڈیٹر کو دھمکی دی ہے کہ نیویارک میں عباس کرمانی کی تلاش کا ڈراما ختم نہ ہوا تو ورلڈ ٹریڈ سینٹر سمیت، مین ہٹن کی کوئی بھی معروف اور فلک بوس عمارت بموں سے اڑادی جائے گی۔"

"تم نے اپنے بارے میں اسے کیا بتایا؟" میں نے خوش ہوکر متجسس لہجے میں پوچھا۔

"کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ عباس کرمانی کا نام اور لہجہ ہی میرے تعارف کے لیے کافی تھا۔ وہ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا مگر میں نے غیر ضروری باتوں میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ اپنا پیغام پہنچا کر فوراً ہی فون بند کردیا۔"

حریف کی صفوں میں انتشار اور خوف وہراس پھیلانے کے لیے ایسی کارروائیاں ناگزیر تھیں۔ میں نے وہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا اور مجھے توقع تھی کہ اس کے مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔ میں نے سوچتے ہوئے کہا" سب کچھ ٹھیک جارہا ہے۔ بس ہم بدری سے کٹ کررہ گئے ہیں۔"

"مجھے تم سے اختلاف ہے۔ مجھے یوں محسوس ہورہا

ہے جیسے ہم ایک جگہ تھم کر رہ گئے ہیں۔'' ویرا نے فضا میں سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے اگلتے ہوئے کہا۔

''اگر تمہاری مراد ٹھکانے سے ہے تو ہم نیویارک میں ضرور رکے ہوئے ہیں لیکن ہم نے پرسٹن میں بھی ایک اہم کام سرانجام دیا ہے۔''

''نیویارک میں رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' وہ قدرے تنک کر بولی'' واقعات میں پیش رفت نہیں ہو رہی۔ اب شاید اگلے چند روز بالکل ہی جمود رہے گا۔''

''کراچی کے ایٹمی بجلی گھر میں تخریب کاری کا سرا یہاں دریافت ہوا۔ وہاں بھیجے جانے والے پرزوں میں تخریب کاری کی سازش پرسٹن میں ناکام بنائی گئی۔ گیپ کا اہم ترین مسودہ حاصل کیا گیا اور سب سے بڑھ کر، اسحاق کھنٹی اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ اس کے خاتمے کو تم نے اپنی زندگی کا انتقامی مشن بنایا ہوا تھا......''

''میں مانتی ہوں کہ میرا مشن پورا ہو گیا۔ اس کا جو انجام ہوا ہے اس میں کوئی مزہ نہیں آیا۔ اسے ہم کسی پیاسے کتے کی طرح بھگا بھگا کر اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کرتے تو میرے دل میں واقعی ٹھنڈک پڑ جاتی۔''

ویرا کے لہجے سے اس کی دلی خلش کا اظہار ہو رہا تھا۔

''دراصل سب کچھ آسانی اور سبک روی سے حاصل ہوتا چلا گیا اس لیے تمہیں محرومی ستا رہی ہے۔ یہی نتائج زبردست کشت وخون کے بعد حاصل ہوئے ہوتے تو تمہاری خوں ریز انا کو تسکین مل جاتی۔ جینی نہ ملی ہوتی تو ہم اب تک بھٹک رہے ہوتے۔''

''ہاں......تم کہہ سکتے ہو۔ جینی نے بڑی معصومانہ بے خبری میں اسحاق کھنٹی کے پیروں کے نیچے سے تختہ کھینچ لیا ورنہ ابھی لڑائی جاری ہوتی۔'' وہ مسکرا کے بولی۔

''تم بھول رہی ہو کہ یہاں ہماری حیثیت کتنی مخدوش ہے۔ ہمارا شمار بدترین اشتہاری مجرموں میں کیا جا رہا ہے پھر بھی ہم زندہ اور محفوظ ہیں۔ تمہارا بدترین دشمن دھیرے دھیرے موت کی بھیانک دلدل میں اترتا جا رہا ہے۔''

''کاش وہ برقی کرسی کا ایندھن بن سکے!'' ویرا نے حسرت آمیز لہجے میں کہا ''میں مانتی ہوں کہ وہ بہت بری طرح پھنسا ہوا ہے لیکن تم نیویارک کے یہودی فتنہ گروں سے واقف نہیں ہو۔ اسے بچانے کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ وہ عدالتوں میں اپنی بقا کی قانونی جنگ لڑنے کی تیاریاں کر رہا ہے اور ہم اپنی بقا کے لیے کمزور، غیر قانونی ہتھکنڈے استعمال کر کے قانون کے محافظوں کو عباس کرمانی نامی مفرورے کے پیچھے دوڑا رہے ہیں۔''

''تم دیکھنا کہ ٹائمز کے سینئرز نیوایڈیٹر سے تمہاری گفتگو کیا رنگ دکھاتی ہے۔'' میں نے پریقین لہجے میں کہا'' کھلی جنگ میں ان ہتھکنڈوں کو مصلحت اور حکمت عملی کا نام دیا جاتا ہے۔''

''اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ میری دھمکی پر وہ تلاش کی مہم ترک کر دیں گے۔ صرف اتنا ہو سکتا ہے کہ جو کچھ وہ برسرِعام کر رہے ہیں، اب چوری چھپے کرتے رہیں گے۔''

''تم خود اس بات کا اعتراف کرتی رہی ہو کہ امریکی عام طور پر بزدل ہوتے ہیں......''

''یہ میں نے کہا؟'' اس نے حیرت سے دیدے پھاڑ کر پوچھا۔'' امریکی بہت نڈر اور بے جگر ہوتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ امریکا میں سفید فاموں کی آبادکاری کا آغاز بدنام مجرموں اور ہولناک قاتلوں نے کیا تھا۔ ان کی نسلوں میں جرم اور دیدہ دلیری کا خمیر آج بھی باقی ہے۔''

''تم بہک رہی ہو۔ میں تاریخ کی نہیں، آج کے امریکا کی بات کر رہا ہوں۔ ان جنگوں کی بات کر رہا ہوں جنہیں امریکی عوام کی تائید حاصل رہی ہے......''

ویرا کو اپنی بھولی ہوئی بات فوراً یاد آ گئی۔ اس نے میری بات کاٹ کر کہا'' ہاں، یہ درست ہے۔ امریکیوں نے آج تک اپنی سرزمین پر کسی جنگ کا مزہ نہیں چکھا۔ وہ دوسروں کے علاقوں میں لڑ کر ہارتے اور جیتتے رہے ہیں۔''

''تمہاری آج کی دھمکی یہاں کی رائے عامہ کو ہلا کر رکھ دے گی۔'' میں نے کہا'' کیا تم تصور کر سکتی ہو کہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر، راک فیلر سینٹر یا کسی اور ہائی رائز میں ہونے والے دھماکے یہاں کیسی بھیانک جانی اور مالی

تباہی لا سکتے ہیں؟''

''رائے عامہ کے دباؤ کا احترام ضرور کیا جاتا ہے لیکن سی آئی اے والے جونک بن کر اپنے دشمنوں کا پیچھا جاری رکھتے ہیں۔ وہ عباس کرمانی کی تلاش ترک نہیں کریں گے۔''

''یہ بات میں بھی جانتا ہوں۔ بس ذرا ان کا زور ٹوٹ جائے گا اور ہمیں اس مکان سے باہر گھومنے پھرنے کی تھوڑی سی آزادی میسر آجائے گی۔''

''تم باہر کہاں جاؤ گے؟'' ویرا نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

''دو کام بہت اہم ہیں۔ بدری ناتھ کا کزن شیام ناتھ اور دوسرا ڈاک خانہ!''

ویرا کے بشرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی ''میں سمجھی تمہارا کہیں اور جانے کا ارادہ ہے۔''

میں نے اس کا مدعا بھانپ کر کہا ''اب تم چاہو تو ہم دونوں ہی جینی سے ملنے جا سکتے ہیں۔''

''تمہارا خیال ہے کہ اسحاق گھنٹی نے سی آئی اے کی حوالات سے ہدایات جاری کر کے وہاں سے اپنے آدمی ہٹا لیے ہوں گے؟'' ویرا نے طنز سے پوچھا۔

''اب اس کی کسی ہدایت کی ضرورت نہیں رہی۔ مات ہوتی ہے تو ہر مہرہ اپنی جگہ پر بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے انجام سے باخبر ہوتے ہی ہر محاذ سے اس کے آدمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے ہوں گے۔ کل رات وہ بہت خوف زدہ تھی۔ اسے تمہارے سہارے کی ضرورت تھی۔''

''مجھے معلوم ہے۔ اس کے لیے ہم اپنی گردنیں نہیں کٹوا سکتے تھے۔ وہ کتنی بھی خوف زدہ رہی ہو، مجھے یقین ہے کہ مری نہیں ہوگی۔ میں اسے ابھی فون کیے لیتی ہوں۔''

ویرا فوراً ہی اسپیکر فون پر جینی کا نمبر ملانے لگی۔ اس کے کہے بغیر مجھے معلوم تھا کہ مجھے گفتگو سننے کی مگر اس میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ہوگی۔

نمبر ملتے ہی جینی نے پہلی گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا۔ ویرا کی آواز پہچانتے ہی اس نے شکوے شروع کر دیے ''پچھلی رات میری زندگی کی بدترین رات تھی۔ مجھے مان تھا کہ مجھے سہارا دینے کے لیے تم ہر رکاوٹ کو عبور کر کے میرے پاس پہنچو گی۔ میں نے پوری رات آہٹوں پر چونک چونک کر سہمتے ہوئے گزاری۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ صبح تک میں زندہ بچوں گی۔''

ویرا خاموشی سے اس کی شکایات سنتی رہی پھر بولی ''اچھا ہوا کہ تم نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ آج کی خبروں سے تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ پچھلی رات ہمارے لیے بھی کم کٹھن نہیں تھی۔ شکاری کتے ہمارے خون کی بو پر لگے ہوئے تھے۔ وہ نہ پکڑا جاتا تو ہم مار دیے گئے ہوتے۔'' ویرا نے اپنے لہجے میں شدت پیدا کر کے جینی کی طبیعت کا ابال وہیں ختم کر دیا۔

''خدا کا شکر ہے کہ رات گزر گئی۔ تم بھی زندہ ہو اور میں بھی تم سے باتیں کر رہی ہوں۔''

''کیا رات سے تم اپنے گھر میں ہی محصور ہو؟'' ویرا نے تجسس سے پوچھا۔

''نہیں، تم نے مجھے ڈرا دیا تھا کہ میں دفتر نہ گئی تو میری ذات شبہات کی زد میں آجائے گی۔ بے خوابی کے اثرات کو میک اپ کی تہوں میں چھپا کے دفتر گئی تو وہاں الو بول رہے تھے۔ گیارہواں فلور سیل پڑا ہوا تھا۔ دونوں خاص نفٹیں بند تھیں اور ایک فیڈرل ایجنسی کے دو افسر رنگس کے ملازموں کے کوائف نوٹ کر رہے انہیں لوٹا رہے تھے۔ ان مرحلوں سے گزر کر میں گھر لوٹ آئی۔''

''خطرات چھٹ چکے ہیں۔ اب تم بے فکری سے گھوم پھر سکتی ہو۔''

''مجھے یہ سب ایک بھیانک خواب معلوم ہو رہا ہے۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ زخمی کیسے ہوا اور پھر رات گئے کیسے دھر لیا گیا......'' جینی مزید کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

''تم پرکشش اور ذہین لڑکی ہو۔ ان فضول باتوں پر اپنا سر نہ کھپاؤ، یکسو ہو کر کوئی نئی نوکری تلاش کرو۔ رنگس کے دن اب گنے جا چکے ہیں۔''

''مجھے نوکری کی اتنی جلدی نہیں۔ کچھ دن آرام کرنے کے بعد ہی سوچوں گی۔ کہیں یہ سب میری دی ہوئی اسی فائل کی وجہ سے تو نہیں ہوا جس کی تلاش میں وہ پاگل ہوا جا رہا تھا؟''

''وہ اہم ضرور تھی لیکن ان واقعات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔'' ویرا کا لہجہ اچانک سرد ہوگیا ''تمہیں منع کیا تھا کہ آئندہ اس کا نام نہ لینا۔ وہ فائل مصیبت کا پیغام ہے۔ جس کے پاس جائے گی اس کو اسی انجام کو پہنچا دے گی جس سے تمہارا باس دوچار ہوا ہے۔''

''پھر تم میرے پاس کب آ رہی ہو؟'' جینی اس سے مل کر اپنے سوالوں کے جوابات پانے کی خواہاں تھی۔

''پرخطر اور دہشت انگیز رات گزر گئی۔ اب کسی وقت بھی تمہاری طرف آجائیں گے۔ اسلم نے تمہارا گھر دیکھا ہی ہوا ہے۔ کسی وقت اچانک پہنچیں گے۔''

''تم نے رات کو اسلم سے میری بات بھی نہیں کرائی۔'' جینی نے ویرا کو اس کا وعدہ یاد دلایا۔

''وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے کہیں نکل گیا تھا اور اب تک غائب ہے۔'' ویرا نے مجھے آنکھ مار کر جینی کو جواب دیا ''وہ بہت...... خود سر بلکہ سرپھرا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرا گزارہ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔ عام آدمی مجھے بے ہودہ لگتے ہیں۔''

''اوخدا! تو کیا رات سے تم اسی نائٹ کلب کے تہ خانے میں قید ہو؟'' جینی بے چاری کی تحیرزدہ آواز ویرا کے لیے ہمدردی کے جذبات سے لبریز تھی۔

''تمہارا کیا خیال تھا؟ میں کسی آرام دہ کمرے میں عیش کر رہی ہوں؟''

''اوہ، ڈارلنگ، سوری! آئی ایم ویری سوری۔''

جینی کی آواز مزید جذباتی ہوگئی ''کاش میں اس آڑے وقت میں تمہارے کام آسکتی۔ میرا گھر کافی بڑا ہے۔ تم دونوں بہت آرام سے یہاں رہ سکتے ہو۔ کاش! میں تمہارے کسی کام آسکتی۔''

ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا ''رات میں تمہارے کام نہیں آسکی۔ اب تم بے بس ہو۔ ہمارا آپس کا حساب مفت میں برابر ہوگیا۔''

مزید چند نجی مکالموں کے تبادلے کے بعد ویرا نے فون بند کر دیا۔

''تمہارے دماغ پر جینی اس بری طرح سوار ہے کہ تم نے اب تک یہ نہیں پوچھا کہ مجھے ڈاک خانے میں کیا کام ہے۔'' میں نے ویرا کو چھیڑا۔ دراصل میں اس موضوع پر ویرا سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ براہ راست اس کی کوئی بات چھیڑتا تو وہ بقراط بننے کی کوشش کرنے لگتی۔

''بلکہ یہ بھی بتا دو کہ شیام ناتھ کے پاس تمہیں کیا کام ہے۔'' ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ وہاں سے بدری کا کوئی پیغام مل سکے۔ راستے میں کہیں سے اول خان کو فون کروں گا۔ اب تک سلطان شاہ کو امریکی ائر ایمبولینس کے ذریعے انقرہ سے کراچی پہنچ جانا چاہیے۔ میں اس پرواز کی سلامتی کی طرف سے بہت فکرمند ہوں۔''

''اس پروگرام میں ڈاک خانے کا کوئی تذکرہ نہیں آیا۔ کیا سلطان شاہ کو مبارک باد کا ٹیلی گرام بھیجنے کا ارادہ ہے؟'' ویرا نے مزاحیہ انداز میں پوچھا۔

''یہ خیال بھی برا نہیں ہے۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں رہ کر بھی ہم ہر وقت اس کے بارے میں فکرمند رہتے ہیں اسی کے ساتھ گیپ کے پانچوں اصل کاغذ اول خان کو پوسٹ کر دوں گا۔'' میں نے غیر محسوس انداز میں وہ سنگین مسئلہ پیش کر دیا۔

''پہلے تمہارا خیال تھا کہ وہ پانچوں کاغذات امریکا میں تمہارے لیے سلامتی کے ضامن ثابت ہوسکتے ہیں۔'' ویرا نے تیوریاں چڑھا کر ناقدانہ انداز میں کہا۔

''یہ خیال اس وقت درست ہوتا جب ہمارا مقابلہ آدمیوں سے ہوتا۔ یہاں آدم خوروں سے پالا پڑا ہے۔ انہیں شبہ بھی ہوگیا کہ وہ پانچوں کاغذ میری تحویل میں ہیں تو وہ کسی قیمت پر مجھے یہاں سے زندہ نہیں نکلنے دیں گے معاہدے کے کاغذ حاصل کرنے کے لیے میرا نرخرا چیر کر رکھ دیں گے۔ ایسی صورت میں وہ کاغذ موت کا پروانہ ثابت ہوسکتے ہیں۔''

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ میں نے بھی سگریٹ سلگا کر اسے سوچنے کا موقع فراہم کر دیا۔ چند ثانیوں بعد وہ خود ہی بولنے لگی ''پاکستان کے خیرخواہوں کو وائٹ ہاؤس میں بیٹھنے والوں کی مکروہ صورتیں دکھانے کے لیے گیپ کے پانچوں اصل کاغذوں کا امریکا سے باہر نکلنا ضروری ہے۔ نقل کی تصدیق کے لیے اصل کا ہمارے

ہنا رہنا ضروری ہے کیونکہ اسٹیشنری کے صدارتی
پارک فوٹو کاپی میں نہیں آسکتے۔ اس گندے
رے پر لوگ اسی وقت یقین کریں گے جب وہ اپنی
ہوں سے اصل دیکھیں گے لیکن پھر ہم یہاں بے
مددگار رہ جائیں گے۔''
میرے لیے اصل اہمیت اس بات کی تھی کہ ویرانے
ی تجویز کی تائید کی تھی ورنہ اس کے فوائد اور نقصانات
پہلے ہی ہر پہلو سے بہت کچھ سوچ چکا تھا۔
اپنے کسی برے وقت میں گیپ کے ان اصل
غذوں کو بلیک میلنگ کا ذریعہ بنانا ہمارے لیے خودکشی
کے مترادف ہوتا۔ بظاہر ہماری ہر شرط کو منظور کر کے اسی
پوزیشن میں پہنچا دیا جاتا جس میں آرزک بیل بلیک ڈیڈ
کے ہاتھوں بری طرح زخمی ہوا تھا۔
ہمارے حریف اتنے شقی القلب اور خوں خوار تھے
کہ وہ ہماری جانیں لینے سے کم کسی منصوبے پر غور تک نہ
کرتے اور کاغذات سے محرومی کے ساتھ ہی ہمیں بادل
ناخواستہ داعیٔ اجل کو لبیک کہنا پڑ جاتا جو اس راستے
کا کوئی بہتر انجام نہ ہوتا۔
گیپ کے اصل کاغذات کو امریکا سے باہر بھیج دینے
کے بعد ہم اس کی نقل سے ہر کام لے سکتے تھے۔ کسی
سودے بازی کے لیے یہ شرط بھی رکھی جاسکتی تھی کہ ہمیں
حفاظت کے ساتھ امریکا سے باہر پہنچا کر معاہدے کے
اصل کاغذ حاصل کیے جاسکتے ہیں اور وہ پانچ اصل کاغذوں
تک رسائی سے پہلے ہمیں زندہ رکھنے پر مجبور ہو جاتے۔
''مجھے اول خان کو ہدایت دینی ہوگی کہ امریکا سے
ہماری واپسی تک گیپ کا راز فاش نہ کیا جائے ورنہ ہمارا
کھیل خراب ہوسکتا ہے۔'' میں نے خودکلامی کے انداز
میں کہا۔
''یہ ضروری ہوگا...... میری رائے میں وہ کاغذ ڈاک
سے بھیج کر تم بڑا خطرہ مول لو گے۔'' ویرا نے ہونٹ سکیڑ کر
پرتشویش لہجے میں کہا ''کاغذ گم بھی ہوسکتے ہیں۔''
''مجھے یقین نہیں کہ امریکی اپنے ملک سے روزانہ
باہر جانے والے لاکھوں خطوط کو سنسر کر کے یہ کاغذ
اڑانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔'' میں نے بے یقینی
سے کہا۔
''یہاں کوئی خطرہ نہیں۔ میں نے کراچی کے
اخباروں میں کئی بار غیر ملکی ڈاک کے کھلے ہوئے لفافوں
اور ڈاک کے ادھ جلے بنڈلوں کی دریافت کی شکایات
پڑھی ہیں۔ بدقسمتی سے تمہارا لفافہ کسی کام چور ڈاکیے کے
ہتھے چڑھ گیا تو وہ کبھی اول خان تک نہیں پہنچ سکے گا۔''
عام ڈاک کے بارے میں ویرا کے اس مشورے پر
حرف گیری کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔ ویرا خبروں کی
بات کر رہی تھی، میں ذاتی طور پر بارہا ایسے تجربوں سے
گزر چکا تھا کہ خط غائب ہوگیا یا کوئی بھاری لفافہ ملا تو
اسے پھاڑ کر یا کھول کر تلاشی لینے کی تمام تر نشانیاں
موجود تھیں۔
ایسی شکایات کی ذمے داری ڈاک لانے والے مظلوم
اہل کار کے سر نہیں ڈالی جاسکتی تھی۔ ڈاک کی تقسیم کے
آخری مرحلے پر لفافہ اس کے ہاتھ آنے سے پہلے متعدد
منازل، مراحل اور ہاتھوں سے گزر چکا ہوتا ہے۔ ان میں
اصل مجرم کی صحیح نشان دہی ناممکن ہو کر رہ جاتی ہے۔
ان مذموم شکایات کا ازالہ ذمے داری کے انفرادی
احساس سے ہی ہوسکتا تھا۔ یہ بدقسمتی ہے کہ ہم اجتماعی
اور انفرادی طور پر اس اثاثے سے محروم ہیں۔
رجسٹری کی صورت میں وہ لفافہ نیویارک کے
پوسٹ آفس سے ہی اہمیت اختیار کر لیتا جب کہ میں کسی
امریکی کو یہ شائبہ تک نہیں ہونے دینا چاہتا تھا کہ میرے
لفافے میں کوئی اہم چیز پاکستان بھیجی جارہی ہے۔ ملی جلی
بھاری عام ڈاک کے مقابلے میں مختلف ممالک کے لیے
انفرادی طور پر وصول کیے ہوئے پیکٹ اور لفافے بہت
آسانی سے سنسر یا تلاشی کا نشانہ بن سکتے ہیں۔
''پھر تمہارا کیا خیال ہے؟ میں خود ہی اول خان کو
گیپ کے کاغذ پہنچا کر واپس لوٹ آؤں؟''
''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' اس نے برا سا منہ بنا
کر کہا۔
''واشنگٹن اور نیویارک میں تمہارے بہت سے
سفارتی اور دوسرے سرکاری محکمے ہوں گے۔ تم ان سے
رجوع کیوں نہیں کرتے؟''

ویرا اس وقت واقعی بہت دور کی کوڑی لائی تھی۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ اس سے کسی موضوع پر تبادلہ خیال رائگاں جاتا ہو۔ ہمیشہ وہ سرسری انداز میں کوئی ایسی سامنے کی بات کہہ جاتی تھی جو مشکل حالات میں بھول کر بھی ذہن میں نہیں آتی۔

نیو یارک کی ٹیلی فون ڈائریکٹری میں تمام غیر ملکی مشن یکجا کر دیے گئے تھے۔ ان میں پاکستان کے حوالے سے دو نام مجھے فوراً ہی نظر آ گئے۔

اقوام متحدہ میں پاکستان کے سفیر اور مستقل مندوب کا دفتر مین ہٹن کی پینسٹھویں اسٹریٹ پر مشرقی سمت کی عمارت نمبر آٹھ میں واقع تھا جسے مین ہٹن کی اصطلاح میں ایٹ ایسٹ، سکسٹی ففتھ اسٹریٹ لکھا گیا تھا۔

دوسرا پتا قونصل جنرل کا تھا۔ اسی اسٹریٹ پر بارہ ایسٹ کی عمارت پاکستان ہاؤس کے نام سے موسوم تھی گویا میرے مسئلے کا حل برونکس سے ذرا سی مسافت پر مل سکتا تھا۔ کسی ذمے دار پاکستانی اہل کار کی تلاش میں مجھے واشنگٹن کا سفر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

ویرا اپنی جگہ بیٹھی پر امید نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میرے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو دیکھ کر وہ بے ساختہ بول پڑی "اب تم نعرہ لگاؤ گے کہ میں نے پالیا۔"

"میں کوئی فلاسفر ہوں اور نہ اس وقت پانی کے ٹب میں براجمان ہوں۔ ویسے نیو یارک کی ایک ہی سڑک کے مختصر سے حصے میں دو عمارتیں میری منزل ہو سکتی ہیں۔" میں نے کہا۔

"کمال ہے کہ تمہیں آج تک نیو یارک میں پاکستانی سفارتی دفاتر کا دیدار کرنے کا خیال نہیں آیا۔" میرے اقرار پر ویرا نے ہلکے سے پرغرور لہجے میں کہا۔

"میں مان چکا ہوں کہ تم پاکستانیوں سے زیادہ پاکستانی بن چکی ہو۔" میں نے جواب دیا "بیرون ملک پاکستانی سفارتی دفاتر سے میں اب تک دور ہی رہا ہوں۔ کسی اجنبی کو یہ جتانے کی کیا ضرورت ہے کہ پاکستان یا پاکستانی سفارت خانے سے میرا کوئی تعلق ہے۔"

میں نے ڈائریکٹری سے قونصل خانے کے فون نمبر ایک کاغذ پر نوٹ کیے اور فوراً ہی فون کی طرف [illegible] ہو گیا۔ وہ پاکستان سے باہر کسی بھی سرکاری اہلکار [illegible] میرا پہلا براہ راست رابطہ ثابت ہونے والا تھا۔

"اسپیکر فون استعمال کرنا۔" ویرا کی ہدایت پر [illegible] میرا ریسیور کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ مشینی انداز میں [illegible] کر بٹن کی طرف مڑ گیا۔

ویرا کہہ رہی تھی "تمہارے سفارتی افسروں [illegible] لوگ شاکی رہتے ہیں۔ ذرا میں بھی سنوں کہ تم جیسے [illegible] مار خان کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔"

میں نے اسپیکر فون آن کر دیا لیکن نمبر ملانے سے [illegible] کہا "میں فون پر اپنا تعارف نہیں کرا سکتا۔ ہو سکتا ہے [illegible] میری باتیں اس کے لیے بے سروپا ہوں......"

"تم فکر نہ کرو۔ تمہیں ان باتوں کی پوری پو[illegible] رعایت ملے گی۔" ویرا ہنس پڑی۔

ریسیور اٹھا کر دوسری طرف سے امریکی انداز [illegible] ہائے کہہ کر گفتگو کا آغاز کیا گیا مگر بولنے والے کا لہجہ [illegible] کھا رہا تھا کہ اس کی وہ مشق زیادہ پختہ نہیں ہو سکی تھی۔

"جی میرا نام اسلم خان ہے۔ میں ایک اہم کام [illegible] سلسلے میں آپ کو زحمت دینی چاہتا ہوں۔" میں نے [illegible] اور شائستہ انداز میں اپنا مدعا بیان کیا اور خاموش ہو گیا۔

"بولتے رہیں، میں سن رہا ہوں۔" میری ا[illegible] کے جواب میں دوسری طرف سے اردو ہی میں ٹوکا گیا [illegible] اس شخص کی آواز پختہ اور لہجہ مربیانہ تھا۔

"دراصل میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں [illegible] بے دھڑک کہہ دیا۔

"مگر کس سلسلے میں؟ پاسپورٹ کھو گیا ہے، کوئی کیس [illegible] ہو گیا ہے یا وطن واپسی کے لیے کسی مدد کی ضرورت [illegible] ہے؟" اس بار آواز میں ہلکی سی بے زاری امڈ آئی۔

"ان میں سے کوئی بھی مسئلہ نہیں ہے۔ مگر بہت ا[illegible] ہے۔" اس بار مجھے ناپ تول کر الفاظ کا انتخاب کرنا پڑ[illegible]

"مجھ سے زیادہ شاید میرے ملک کا مسئلہ ہے۔"

اسپیکر پر ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کے بعد تلخ آو[illegible] ابھری "سر! یہ ہمارے لیے نئی بات نہیں ہے۔ [illegible] پاکستانی کو یہ عادت سی ہو گئی ہے کہ وہ اپنے ذاتی مسئلے [illegible]

ان کی بقا کا مسئلہ قرار دے کر ہم سے رعایتیں لینا ہے۔ مسئلہ جانے بغیر آپ کو ملاقات کے لیے وقت دیا جا سکتا۔ اس کی حفاظتی وجوہ بھی ہیں۔ آئی ایم ......“

اس سے پہلے کہ وہ اپنا فقرہ مکمل کر کے فون بند کرتا، نے جلدی سے کہا ”کیا میں آپ کا اسم گرامی جان ہوں؟“

”ضرور! آپ کے اس خادم کو میجر جنجوعہ کہتے ۔“ آواز کی تلخی گہری ہو گئی ”مجھے معلوم ہے کہ اب پاکستان جا کر اخباروں میں میرے خلاف لکھیں گر میں طریقہ کار سے مجبور ہوں۔ ویسے بھی میں ل تو نصلر ہوں۔ آپ متعلقہ افسر کو فون کریں یا پھر ن میں سفارت خانے سے بات کریں۔ میں یہاں تجارتی اور درآمدی و برآمدی معاملات کی دیکھ کرتا ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ میرا مسئلہ آپ ہی حل کر سکتے ۔“ میں نے ویرا سے نظریں چار کیے بغیر شرمساری ساتھ کہا ”میں فون پر واشنگٹن والوں کو بھی کچھ نہیں بتا سکا۔“

میرے اصرار سے اتنا ضرور ہوا کہ اس کے دل میں تجسس بیدار ہوا اور اس نے فون بند کرنے کے ے قدرے جھلاہٹ کے ساتھ کہا ”آپ کیوں نہیں کہ حفاظتی وجوہ کی بنا پر ہم آپ کے کوائف اور ل جانے بغیر آپ کو ملاقات کا وقت نہیں دے ۔ اگر آپ کوئی تاجر یا صنعت کار ہیں تو مجھے اپنے ے میں ہی بتائیے۔ میں ایک اجنبی کو کیسے وقت دے ہوں؟“

”آپ اول خان کے نام سے واقف ہیں؟“ وہ ا تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس سے نازک سوال کر ڈالا۔ دوسری طرف چند ثانیوں کے سکوت چھا گیا۔

”اگر میں کہوں کہ نام شناسا معلوم ہوتا ہے تو اس کیا فرق پڑے گا؟“ اس مرتبہ میجر جنجوعہ کی آواز سے کافور ہو چکی تھی۔

”بہت فرق پڑتا ہے میجر صاحب!“ میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ ”وہ اور اس کے آدمی بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ بھی نہیں ہوتے۔ اب میں اپنا کیا تعارف کرا سکتا ہوں؟“

”آپ ......آپ کا مطلب ہے کہ......آپ اس کے آدمی ہیں؟“ اس کے ایک ایک لفظ سے تجسس کا سمندر پھوٹا پڑ رہا تھا۔

”آدمی نہیں، میں اس کا ساتھی ہوں۔ میرا......“ میری بات ادھوری رہ گئی۔

”اوہ خدا! آپ کیوں نہیں کہتے کہ آپ وہ ہیں جس کا نام آج پھر یہاں سننے میں آیا ہے......مسٹر ڈ......اسلم، مجھے بتائیے کہ آپ کب آنا چاہتے ہیں۔ میں دروازے پر آپ کا استقبال کروں گا۔ میں اپنی ترش کلامی پر شرمندہ ہوں۔ آپ کے......“

”انجانے میں نہ جانے کیا کچھ ہو جاتا ہے۔ آپ اس کی پروا نہ کریں۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر اسے مزید ندامت سے بچاتے ہوئے کہا ”مجھے آپ کی یہ بات پسند آئی کہ ہر پاکستان اپنے ذاتی مسئلے کو ملک کی بقا کا مسئلہ قرار دینے کا عادی ہو گیا ہے۔ آپ قواعد وضوابط سے ہٹ کر کام نہیں کر سکتے۔ مجھے پہچان لینے کے بعد بھی آپ کی سُرمہری برقرار رہتی تو میں پاکستان واپس جا کر واقعی ڈان میں ایک شکایتی مراسلہ ضرور بھجواتا۔“

میرے چبھتے ہوئے مذاق نے اسے مضطرب کر دیا اور وہ بوکھلا کر بولا ”سر! وہ بات آپ کے لیے نہیں تھی۔ آپ یقین کریں کہ لوگ ہمارے پاس جعل سازیوں کے لیے آتے ہیں۔ انہیں کورا سا جواب دے دیا جاتا ہے تو وہ اخباروں میں لکھتے ہیں۔ بیشتر شکایتوں میں بس دل کا عناد بھرا ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہم سب فرشتے ہیں۔ بعض جگہ ہماری غلطی بھی ہوتی ہے جس پر ہمیں اپنے دفتر خارجہ کو جواب دہی کرنی پڑتی ہے۔ یہ بتائیں کہ کب آ رہے ہیں۔ باقی باتیں ملاقات پر ہوں گی۔“

”کیا میرا وہاں آنا مناسب ہوگا؟“ میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

''ہوسکتا ہے کہ آپ کا کام یہاں آئے بغیر نہ ہوسکے۔'' اس کا لہجہ متذبذب تھا۔

''ایک بہت اہم لفافہ اول خان تک پہنچانا ہے۔ وہ کاغذات میں اب زیادہ دیر تک اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکتا۔ ڈاک میں لفافہ گم ہوسکتا ہے۔ میری کوشش تھی کہ کوئی برا وقت آنے سے پہلے میں وہ کاغذ کسی فرض شناس اور ذمے دار افسر تک پہنچادوں۔''

''پھر آپ کا آنا مناسب نہیں ہوگا۔ وقت اور مقام بتادیں۔ میں خود قدم بوسی کے لیے حاضر ہوجاؤں گا۔ میں آپ کے مقام اور مرتبے سے اچھی طرح واقف ہوں۔''

''مجھے شرمندہ نہ کریں، ملاقات کا پروگرام طے کرنے کے لیے میں دوبارہ کب تک فون کراؤں؟''

''میں تین بجے تک ہوتا ہوں مگر آج پانچ بجے تک انتظار کروں گا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ رابطے کے لیے آپ نے میرے نمبر کا انتخاب کیا۔''

وہ اپنے ہر فقرے کے ساتھ میری عزت افزائی کے دو بول بول رہا تھا۔ میں ویرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کی حرکتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ کرسی میں یوں اکڑی بیٹھی تھی جیسے میجر جنجوعہ کی وہ ساری تعریفیں بالواسطہ اسی کے لیے ہوں۔

بات بن گئی تھی۔ ویرا کے سامنے میری عزت رہ گئی اور سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا۔

''تم شروع میں بلاوجہ مجھ سے نظریں چرا رہے تھے۔ اس شریف آدمی کی جگہ تم ہوتے تو دو ہی جملے سننے کے بعد فون بند کردیتے۔'' بعد میں ویرا خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھی کیونکہ اسی کی تجویز پر عمل کرکے میں نے ایک مشکل کا آسان حل تلاش کیا تھا۔

''مجھے شرمندگی ہو رہی تھی کہ وہ پاکستانیوں کا کچا چٹھا تمہیں بھی سنا رہا تھا۔''

''شرمندگی کی کیا ضرورت تھی۔ اس حمام میں سب ہی ننگے ہوتے ہیں۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ پشاور میں بدکاری کے اڈوں کا ایندھن بننے والے امریکی لڑکے اور لڑکیاں آئے دن اپنے قونصل خانے سے امدادی

رقوم حاصل کرکے نشے بازی پر اڑانے کے عادی
ہیں۔'' ویرا نے بے پروائی سے کہا ''فرق صرف اتنا ہے
کہ تمہارے سفارت خانے مفلس ہیں، پریشان
ہوجاتے ہیں، مالدار ملکوں کے سفارت خانے اپنے
باشندوں کی کچھ نہ کچھ اعانت کردیتے ہیں اور کوئی شو
نہیں ہوتا۔''

''پیشہ ور لوگوں کی بات اور ہے۔ کچھ لوگوں کو جا
شکایات ہوتی ہیں۔''

''جائز شکایات کسے اور کہاں نہیں ہوتیں۔ ا
سے منہ چھپانا بے کار سی بات ہے۔'' ویرا اس وقت
خوشگوار موڈ میں تھی اور مسلسل میجر جنجوعہ کی باتوں
کر رہی تھی ''اس نے تم سے بہت مناسب رد
اختیار کیا۔ یہ لوگ بھی روزانہ ایک جیسے حیلے بہانے
سن سن کر تنگ آجاتے ہیں۔ تعارف کے بعد تم نے دیکھ
لیا کہ تمہارا نام سنتے ہی وہ کیسا موم ہو گیا تھا۔''

''اس وقت تم اس موم کی موم بتی بنی ہوئی ہو۔ ا
ذرا مجھے کام کر لینے دو۔''

ویرا کا منہ بند کرا کے میں نے سادہ کاغذ پر اول
خان کے لیے چند سطور لکھیں جن میں صورت حال
مختصر سی تصویر بھی پیش کردی۔ گیپ کے پانچوں کا
کے ساتھ اول خان کے لیے وہ تحریر یقیناً مسرت
ذریعہ ثابت ہوتی۔

''خط لکھ ہی رہے ہو تو ایک ایک لفافہ غزالہ
سلطان شاہ کے لیے بھی لکھ ڈالو۔'' ویرا نے سنجیدگی
مشورہ دیا ''جب سے تم نے پاکستان چھوڑا ہے، کس
سطریں تک نہیں لکھیں۔ ہر ایک کو بس فون پ
ٹرخا رہے ہو۔''

''وہ میں تخلیے میں لکھوں گا۔ ایسا اہم کام تمہار
سامنے نہیں کیا جاسکتا۔'' میں نے اپنی بھول کا اعتر
کرنے کے بجائے جلدی سے بات بنادی۔

''یہ تمہارا حق ہے، میں اس سے انکار نہیں کر سک
اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''بے
غزالہ پھر بھی یہ ضرور سوچے گی کہ اسے تمہارا خط ل
ہے اور مجھے تمہارا ساتھ میسر ہے۔ میرے لیے

اعزاز بہت کافی ہے۔"

میں اسے گھورتا ہوا کرسی سے اٹھ گیا" ذرا عمدہ سی چائے تیار کرو۔ میں تمہارے گونگے عاشق کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔ وہ تمہارے فراق میں منہ لپیٹے بھونڈی آوازوں سے رو رہا تھا۔"

ویرا غرا کر میری طرف لپکی اور میں تیزی سے وہاں سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

سرونٹ کوارٹر بدستور بند تھا۔ میں نے کھڑکی کے پردوں کے درمیان میں سے جھانکا تو بستر پر بیکسٹر کی پوزیشن میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ اس طرح روتے روتے پہلو کے بل سکڑ کر سو گیا تھا۔ اس کی ٹانگیں بدستور پیٹ سے لگی ہوئی تھیں اور جسم بالکل ساکت تھا۔

یہ بہت اچھا تھا کہ اپنی خوراک مل جانے کے بعد وہ خود ہی سو گیا تھا اور ہمیں دیر تک اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

میں مکان کے اگلے نکڑ تک پہنچا تو لان کے درمیان بنی ہوئی پختہ روش پر ایک نئی اور چمک دار کرسلر سے بلیک ڈیڈ اتر رہا تھا۔ اس کے تین حواری اس سے پہلے ہی اپنی نشستیں چھوڑ کر نیچے آ چکے تھے۔ وہ تینوں چہرے میرے لیے اجنبی نہیں تھے۔

بلیک ڈیڈ کے ساتھ آنے والوں میں اس کے ڈرائیور اور گن مین کے ساتھ میک بھی شامل تھا۔ اس وقت وہ چاروں شریفانہ لباس میں تھے اور کسی کے پاس اسلحے کی جھلک نظر نہیں آ رہی تھی۔

پڑوس کے لان پر چست نیکر اور ٹی شرٹ میں ملبوس ایک جواں سال امریکی خاتون برقی مشین سے گھاس کاٹنے میں مصروف تھی۔ اس نے اپنے پڑوس کے مکان میں اس چہل پہل کا خیر مقدم کرتے ہوئے ایک بلند آہنگ ہائے اچھالی۔ تین فٹ اونچی دیوار پر وہ ہمیں اور ہم اسے پوری طرح دیکھ رہے تھے۔ سب نے جوابی ہاتھ لہرا کر اس کے استقبال کا جواب دیا۔ اس اثنا میں، میں بلیک ڈیڈ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ مجھ سے پرتپاک انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے اس کی متجسس نظریں میرے پیچھے کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ آخر وہ مجھ سے بیکسٹر کے بارے میں پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"اس وقت مناسب خبر یہ ہوتی کہ میں نے اسے شوٹ کر دیا ہے۔" برابر کے لان پر ایک کھوجی پڑوسن کی موجودگی کی وجہ سے میں نے نیچی آواز میں جواب دیا "مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ پیچھے اپنے کمرے میں بے فکری کی نیند سو رہا ہے۔ میں اس کو دیکھ کر آ رہا ہوں۔"

میں نے دروازے کی طرف اس کی پیشوائی کی۔ صرف میک ہمارے پیچھے آیا، باقی دونوں افراد باہر ہی رک کے رہے۔

ویرا کچن میں چائے بنانے میں مصروف تھی۔ اس کی ہائے کا جواب دیتا ہوا، بلیک ڈیڈ وہیں گھس گیا اور حیرت سے بولا" کمال ہے۔ دھوپ میں اسلم ہمیں باہر سے لا رہا ہے اور تم کچن میں مصروف ہو پھر یہاں اس حرام زادے بیکسٹر کی کیا ضرورت ہے۔"

"اسلم نے اسی لیے تم سے کہا تھا کہ اس کی جگہ ہمیں کوئی بولنے والا حلال زادہ دے دو۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا "مگر تم اسی کے گن گا رہے تھے۔"

"وہ ایسا نہیں ہے۔ بہر حال میں میک کو لے آیا ہوں۔ یہ بھی تمہارے لیے کام کرے گا۔ تم دونوں اس سے بڑی حد تک واقف بھی ہو چکے ہو۔"

"وہ گونگا ہے اور یہ بولتا بہت ہے۔" ویرا نے مسکرا کر بے دھڑک کہہ ڈالا "اس کی موجودگی میں ہمیں بس رات کو ٹیلی وژن کھولنے کی ضرورت پیش آئے گی۔"

بلیک ڈیڈ نے خوش دلی سے قہقہہ لگا کر بے تکلفی سے ویرا کی پشت پر ہاتھ مارا" خوب چہک رہی ہو۔ تم بس ایسے ہی موڈ میں اچھی لگتی ہو۔ آؤ، اندر چل کر باتیں کریں گے۔ چائے میک بنائے گا۔"

یہ کہہ کر بلیک ڈیڈ نے مڑ کر میک کو ہدایت کی کہ وہ جا کر بیکسٹر سے رپورٹ لے کر آئے اور پھر کچن سنبھالے۔ اسے ہدایت دے کر وہ ہمارے ساتھ ہو لیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تمہارے آتے ہی گفتگو کی ابتدا بیکسٹر کے ناخوشگوار موضوع سے ہوئی۔ مجھے توقع نہیں

تھی کہ تم اطلاع دیے بغیر اتنے سویرے آپہنچو گے۔''

''یہاں کے حالات دیکھ کر میں الجھن کا شکار ہو گیا ہوں۔'' اس نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے فکر مندانہ انداز میں کہا۔'' دوسری گفتگو سے پہلے ہمیں یہ مسئلہ نمٹا لینا چاہیے۔ ہوا کیا ہے؟''

میں نے تھوڑی دیر قبل پیش آنے والے واقعات اختصار کے ساتھ دہرا کر کہا'' ہوسکتا ہے کہ اس کی بدنگاہی کے بارے میں روزی کو غلط فہمی ہوئی ہو لیکن اس نے میرے لیے جو کچھ لکھا، وہ بدتمیزی اور گستاخی کے زمرے میں آتا ہے۔''

بلیک ڈیڈ نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی جگہ پہلو بدلا اور آگے جھک کر دھیمی آواز میں کہنے لگا'' وہ دن رات کام کرنے والی ایک انتھک انسانی مشین ہے۔ وہ بہت ہی بے ضرر جمال پرست ہے۔ یہ برداشت نہ کرسکا ہوگا کہ تم اس کی وجہ سے روزی پر کسی بھی قسم کا تشدد کرو۔''

''تم اس کی طرف داری کر رہے ہو۔'' ویرا نے بھڑک کر کہا۔'' ہم اپنے ذاتی معاملات میں کسی خدمت گار کو اس حد تک دخل انداز ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔''

''خوب صورت عورتوں کے معاملے میں وہ بہت حساس طبیعت کا مالک ہے۔ انہیں پریشان دیکھ کر دکھی ہو جاتا ہے۔ تم نے ذرا سے تحمل سے کام لیا ہوتا تو تم دیکھتیں کہ وہ کسی وفادار کتے کی طرح سر جھکائے تمہارے پیر دبا رہا ہوتا۔''

''اوہ چارلی! ایسی کراہت انگیز باتیں مت کرو۔'' ویرا نے اس کا اصل نام لیے بغیر احتجاج کیا'' اس سے پیر دبوانے سے بہتر ہوتا کہ میں اپنے پیروں پر نیم مردہ کیچوے چھوڑ دیتی......''

''تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔'' وہ شانے اچکا کر بولا'' میری دانست میں وہ میرا ایک بہترین آدمی ہے۔ وہ تم دونوں کو اتنا ناپسند ہے تو میں اسے واپسی پر اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ قصہ ختم۔''

''تھینک یو چارلی! یو آر گریٹ۔'' ویرا نے فراخ دلی سے اپنی ممنونیت کا اظہار کیا۔

''اس کی جمال پرستی کا اندازہ تم دونوں اس بات سے لگا سکتے ہو کہ وہ کئی بار مجھ سے کہہ چکا تھا کہ جس دن اس نے اپنی زندگی کی حسین ترین عورت دیکھ لی، وہ اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔ خوشی سے نہ مر سکا تو وہ خودکشی کرلے گا۔'' بلیک ڈیڈ نے اضافہ کیا۔

''وہ یقیناً کسی ذہنی کج روی کا شکار ہے۔ اب اس کے بارے میں سر کھپانا بے سود ہے۔'' میں نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔'' ہمیں میک کو دیکھنا ہوگا۔''

''تم نے یہ سب دیکھ لیے ہوں گے۔'' بلیک ڈیڈ نے میز پر پڑے ہوئے اخبارات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا'' ان میں تمہارا نام آنا قابل فہم ہے۔ یہ عباس کرمانی کہاں سے پیدا ہوگیا۔ اس کی وجہ سے میری ساکھ پر اثر پڑا ہے۔''

''میرے لیے بھی یہ نام نیا ہے۔'' میں نے اپنی بے خبری کا اظہار کرتے ہوئے کہا'' پتا نہیں سی آئی اے والوں کو یہ کہاں سے مل گیا۔''

''خبروں میں تمہارے سوا کسی اور کا نام نہ آتا تو میرا کام بہت آسان ہو جاتا۔ اب بہت سے ذہن عباس کرمانی میں الجھ گئے ہیں۔ میرے بارے میں سوچنے کے مواقع محدود ہوگئے ہیں۔'' وہ مضطربانہ لہجے میں بولا'' یہ عجیب بات ہے کہ آئزک بیل ان کے سامنے سچ بول رہا ہے لیکن وہ اسے جھوٹا قرار دے کر سارا کریڈٹ اس ایرانی کو دینے پر تل گئے ہیں۔ یہ گورکھ دھندا میری سمجھ میں نہیں آرہا۔''

''میں نے اس ایرانی کا نام کل رات پہلی بار تمہاری زبان سے سنا تھا یا اب اخباروں میں دیکھا ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔ تم نے خود بتایا تھا کہ وہ رات ہی سے شہر بھر میں اسے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ اسے ان کا ڈراما بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔''

''ایرانی ڈفر ہوتے ہیں۔'' وہ صوفے پر ہاتھ مار کے بولا'' ایسا ایرانی کہاں پیدا ہوگیا جو آئزک بیل جیسے عفریت سے ٹکر لینے کی ہمت کرسکے۔''

''یہ نہ کہو۔'' ویرا نے دخل دیتے ہوئے کہا'' ایرانی

عورت کی آنکھ سے کاجل اور مرغی کے پیٹ سے انڈا اس طرح چراتے ہیں کہ انہیں چوری کا پتا تک نہیں چل پاتا۔"

"ویرا!" بلیک ڈیڈ نے اسے گھورا "کیا تم مجھے گھسنا چاہ رہی ہو؟"

"اب میں ایسی کوشش نہیں کرسکتی۔ میں تمہیں ایک ایرانی کہاوت کا انگیزی ترجمہ سنا رہی تھی۔" ویرا نے پوری سنجیدگی سے کہا "دوسری بات یہ کہ تم نے روانی میں میرا اصل نام لے ڈالا ہے۔"

"اس چھت کے نیچے ہمیں کسی احتیاط کی ضرورت نہیں۔" بلیک ڈیڈ نے ویرا کی وضاحت قبول کر کے بے پروائی سے کہا "ہم بے تکلفی سے بات کر سکتے ہیں۔"

میں ویرا کی دیدہ دلیری پر حیران رہ گیا۔ مرغی کے پیٹ سے انڈا چرانے کی بات کر کے اس نے یقیناً بلیک ڈیڈ کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی تھی کیونکہ وہ محاورہ میں نے کہیں نہیں سنا تھا۔ بلیک ڈیڈ کے چونکنے پر ویرا نے اسے مطمئن بھی کر دیا تھا۔

"عباس کرمانی فراڈ نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"وہ میری اور آئزک بیل کی لڑائی تھی جو میں نے جیت لی۔" اس نے میرے منہ در منہ ڈھٹائی سے کہا "اگر عباس کرمانی رنگ میں بھنگ کر رہا ہے تو اسے برسر زمین ہونے کے بجائے زیر زمین پہنچانا ہوگا۔ میں یہ کام بھی تمہارے ساتھ مل کر کرنا چاہتا ہوں۔"

بلیک ڈیڈ کی وہ تجویز سن کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ وہ میرے تخلیق کیے ہوئے سائے کی تلاش کا کام میرے ہی ذمے لگانا چاہ رہا تھا مگر میرے لیے انکار کی کوئی راہ نہیں تھی۔ میں نے پیشانی پر کوئی بل لائے بغیر کہا "میری مجبوریاں تمہارے علم میں ہیں۔ ان کے ساتھ ہر تعاون کے لیے تیار ہوں۔"

"یہ نہ بھولو کہ ان مجبوریوں کے باوجود تم نے آئزک بیل کو میرے قدموں میں لا ڈالا تھا۔"

"وہ ویرا کا مشن تھا۔ وہ اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے پر تلی ہوئی ہے۔"

"پھر اب بھی یہی سمجھو۔ عباس کرمانی کو ٹھکانے لگانا میرا مشن ہے۔"

"اس معاملے میں سی آئی اے والے کسی سنگین غلط فہمی کا شکار بھی ہو سکتے ہیں۔" معاملے کی نزاکت بھانپ کر ویرا بھی گفتگو میں شریک ہو گئی۔

"تم کیسی غلط فہمی کا امکان محسوس کر رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

مشکل یہ آن پڑی تھی کہ بلیک ڈیڈ کسی پیشگی اطلاع کے بغیر اچانک ہمارے سر پر مسلط ہو گیا تھا اور اس سے گفتگو کے بارے میں ہمیں اپنی حکمت عملی بنانے کی مہلت نہیں مل سکی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ بلیک ڈیڈ سے ہم دونوں بیک وقت گفتگو کرتے رہے تو مختلف سمتوں میں بھٹک کر بلیک ڈیڈ کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا کر دیں گے جن کا ازالہ کرنا دشوار ہو جائے گا۔

"سی آئی اے والے بہت گھاگ ہوتے ہیں۔ آئزک بیل ان کے سامنے بہت جلد سچ اگلنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ تم امریکا میں موجود ہو۔ انہوں نے آئزک بیل کے روابط کا کھوج لگایا تو عباس کرمانی کا مشتبہ نام سامنے آیا۔ وہ دل و جان سے اس کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔" ویرا بولی۔

"میں تمہاری بات پوری طرح سمجھ رہا ہوں۔" بلیک ڈیڈ نے کھوپڑی ہلا کر کہا "اب ایف بی آئی والے بھی میدان میں اتر چکے ہیں۔ ان دونوں اداروں کی تھیوری یہ ہو سکتی ہے کہ عباس کرمانی ایک طرف آئزک بیل سے مل رہا تھا دوسری طرف ڈینی ے نام کی آڑ لے کر اسے کوئی بڑا نقصان پہنچانے کے درپے تھا۔ اس نے وہ فائل اڑائی اور پھر اسی کے ذریعے بلیک میل کر کے آئزک بیل کو ایکسپریس وے پہنچنے پر مجبور کیا اور ناکام قاتلانہ حملے میں اسے زخمی کر کے بھاگ گیا؟"

تائید طلب لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے وہ خاموش ہوا تو میں دل ہی دل میں اس کے احمقانہ تعاون کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ شاید ویرا خود بھی اپنی بات اس جامع انداز میں مکمل نہیں کر سکتی تھی جو بلیک ڈیڈ نے اختیار کیا تھا۔

''بالکل!'' ویرا نے پورے خلوص سے اس کی تائید کی ''میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔''

''اگر میں پورے حالات سے باخبر نہ ہوتا تو خود بھی یہی سوچ رہا ہوتا۔'' بلیک ڈیڈ نے قدرے جھنجلا کر کہا ''پورے شہر میں لوگ یہی سوچ رہے ہیں۔''

مجھے دھیان آیا کہ مائیک کو بیکسٹر کی طرف گئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ وہ وہاں سے کوئی خبر نہیں لایا تھا مگر میں نے اس بارے میں اپنی زبان بند ہی رکھی۔

بلیک ڈیڈ قدرے توقف کے بعد براہ راست میری طرف متوجہ ہو گیا ''غور کیا جائے تو یہ سارا کیا دھرا تمہارا ہے۔ میری مشکل کے ذمے دار تم ہو!''

''الزام تراشی کے معاملے میں بعض اوقات تم بالکل بے دھڑک زبان کھولتے ہو۔'' میں نے لہجے میں ہلکی سی تلخی گھولتے ہوئے کہا ''کیا عباس کرمانی کا شوشہ میں نے چھوڑا ہے؟''

''وہ جائے جہنم میں۔ ساری خرابی کی جڑ یہ ہے کہ تم نے آئزک ہیل کی فائل کو بے سروپا سمجھ کر تلف کر دیا۔ اس وقت وہ ہمارے پاس محفوظ ہوتی تو میں وہ لوٹا کر سی آئی اے والوں کو قائل کر سکتا تھا کہ وہ عباس کرمانی کے پیچھے جھک مار رہے ہیں۔''

''یہ بات بالکل درست ہے۔ اس سے اتفاق کرنے کی صورت میں بھی سارا الزام تمہارے سر آتا ہے۔ فائل اس وقت تلف کی گئی جب تم ہمیں گھاس ڈالنے پر آمادہ نہیں تھے اور ہمیں امریکا سے بھاگ جانے کا مشورہ دے رہے تھے۔''

''ان ناخوشگوار باتوں کو بھول جاؤ۔'' اس نے منہ بنا کر تیزی سے کہا۔

''پھر یہ بھی بھول جاؤ کہ وہ فائل میں نے تلف کر دی تھی۔'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا ''عباس کرمانی کی تلاش میں کافی وقت لگے گا۔ تم چاہو تو دوسری راہ اختیار کر کے پورے نیویارک کو اپنی قوت کا احساس دلا سکتے ہو۔''

''وہ کیسے؟'' طاقت، قوت اور برتری کے تذکرے اس کی سدابہار کمزوری تھے۔

اسی وقت مائیک مختصر سی راہ داری سے منہ لٹکائے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں چائے اور دیگر لوازم سے سجی ہوئی ٹرے موجود تھی۔

مائیک کی صورت دیکھتے ہی بلیک ڈیڈ کو بیکسٹر یاد آ گیا ''میں نے چائے لانے سے پہلے تمہیں کوئی اور کام کرنے کی ہدایت دی تھی۔'' وہ مائیک پر برس پڑا۔

''سوری سر! اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہے۔'' مائیک کا چہرہ کچھ اور لٹک گیا۔

میں اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا۔ بلیک ڈیڈ بے ساختہ اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ویرا آنکھیں پھاڑ کر بے یقینی سے مائیک کا چہرہ تک رہی تھی۔

بلیک ڈیڈ مزید کچھ کہے بغیر تیزی کے ساتھ باہر چل دیا۔ وہ خبر اتنی غیر متوقع اور صدماتی تھی کہ ہم بھی چائے کو بھول بھال کر اسی کے پیچھے ہو لیے۔

سرونٹ کوارٹر کا دروازہ اندر کا بولٹ توڑ کر زبردستی کھولا گیا تھا اور قبضوں پر ایک طرف جھول رہا تھا۔ اندر مسہری پر بیکسٹر بالکل اسی حالت میں پڑا ہوا تھا جس میں، میں نے اسے تھوڑی دیر پہلے دیکھا تھا۔ ڈرائیور اور گن مین سوگوار چہروں کے ساتھ مسہری کے پہلو میں کھڑے تھے۔

بلیک ڈیڈ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا سیدھا مسہری تک پہنچا اور بیکسٹر پر جھک کر زور زور سے اس کے رخسار پر طمانچے مار کر مضطربانہ لہجے میں اسے آوازیں دینے لگا۔

''بے سود ہے باس!'' مائیک نے تقریباً رو دینے والی آواز میں کہا ''ہم پوری طرح یقین کر چکے ہیں۔ نبض کے ساتھ دل کی دھڑکنیں مفقود ہیں۔ بند پپوٹوں کے نیچے پتلیاں پھر چکی ہیں۔ ابھی بدن گرم ہے۔ شاید یہ تھوڑی دیر پہلے ہی مرا ہے۔''

''اجازت ہو تو اسے سیدھا کر دیں!'' ڈرائیور نے مسمسی آواز میں پوچھا ''بدن ٹھنڈا ہو گیا تو یہ اسی حالت میں اکڑا رہ جائے گا۔''

''اس کے ہاتھ پیر اسیدھے کرو۔'''' بلیک ڈیڈ نے بے رخی سے کہا اور دونوں ہاتھ کمر پر باندھ کر بے چینی

کمرے میں ٹہلنے لگا۔
"یہ ہوا کیسے؟" وہ ٹہلتے ٹہلتے خود کلامی کرنے لگا۔ "وہ ذرا سی ڈانٹ پھٹکار سے یوں مرجانے والا دیوزاد نہیں تھا....."
"باس!" مائیک نے چھوٹی سی دیوار گیر ڈریسنگ ٹیبل کے قریب پہنچ کر اسے متوجہ کیا "بیکسٹر نے شاید پانی سے یہ سب ایک ساتھ نگل لیں۔"
ہم تینوں تیر کی طرح اس میز کی طرف گئے۔ وہاں تیز خواب آور گولیوں کی ایک خالی شیشی کھلی ہوئی رکھی تھی، ڈھکن ایک طرف لڑھکا ہوا تھا، وہیں پانی کا گلاس بھی تھا جس میں بس چند قطرے باقی تھے۔ بیکسٹر کی زندگی کے خاتمے کے تمام تر اسباب وہی تھے۔
اس گونگے سیاہ فام کی ناگہانی خودکشی پر یک بہ یک میرا دل بھاری ہونے لگا۔
"سوری ڈیڈ!" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میں نے اسے گھر سے نہ نکالا ہوتا تو شاید یہ سانحہ رونما نہ ہوا ہوتا...... بیکسٹر میری توقع سے زیادہ حساس اور خود دار ثابت ہوا۔"
بلیک ڈیڈ نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اس کی بڑی بڑی چمکیلی آنکھیں نمی سے دھندلائی ہوئی تھیں۔
"بیکسٹر خود دار اور حساس نہیں، بہت ڈھیٹ آدمی تھا۔ میرے مہمانوں کی جھڑکیاں وہ سر جھکا کر سہنے کا عادی تھا۔ اتنا سخت جان نہ ہوتا تو برسوں پہلے مر چکا ہوتا۔" بلیک ڈیڈ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بھرائی ہوئی جذباتی آواز میں کہنے لگا "اس کے دشمن اس سے گھبراتے تھے، وہ ایک ہی مکے میں کسی کا بھی جبڑا توڑ دیتا تھا۔ لڑنے مرنے والے آدمی حساس ہو جائیں تو خون ریزی نہیں کر سکتے۔ اچھا ہوا کہ تم نے اسے نکال دیا ورنہ اس وقت اس کی لاش گھر میں پڑی ہوتی۔ اس نے خودکشی کر کے ویرا کے حسن کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔"
آخر میں اس کے ہونٹ جڑ گئے۔ کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ ہم لوگ دوبارہ مسہری کی طرف گئے تو بیکسٹر کی لاش کو چت لٹا دیا گیا تھا۔ اس کی بند آنکھوں اور مرجھاتے ہوئے چہرے سے ایک ابدی سکون جھلک رہا تھا۔
میرے سوا سب نے لاش کے گرد کھڑے ہو کر انگلیوں سے اپنے سینوں پر صلیب کے نشان بنائے، مرنے والے کے احترام میں سر کو خم دیا اور الٹے قدموں پیچھے ہٹ آئے۔
"مائیک! آج تم چھٹی پر ہو۔" بلیک ڈیڈ کی تحکمانہ آواز گونجی۔ "بیکسٹر کی تدفین کا انتظام کرو اور شام کو ہارلم کے مفلوک الحال لوگوں میں دس ہزار ڈالر کی خیرات بانٹ دو۔ رب یسوع مسیح بیکسٹر کی مغفرت کرے۔ اب ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔"
وہ مجھے اور ویرا کو ساتھ لے کر سرونٹ کوارٹر سے باہر نکل گیا۔
"اس کی موت کے بارے میں تمہارے کہے ہوئے آخری فقرے میرے پلے نہیں پڑ سکے۔" کمرے میں کافی دیر کے سکوت کے بعد آخر مجھے ہی زبان کھولنی پڑی۔
"ہوسکتا ہے کہ اسے اس بات سے اذیت پہنچی ہو کہ اس کی وجہ سے ویرا کو تمہاری زیادتی کا نشانہ بننا پڑا لیکن یہ کوئی بات نہیں تھی۔ میں تھوڑی دیر پہلے ہی تمہیں اس کی جمال پرستی کے بارے میں بتا رہا تھا۔ بس وہ ویرا کو دیکھنے کے لیے زندہ تھا۔ اپنی زندگی کی حسین ترین عورت دیکھ کر اس نے اپنے وعدے کے مطابق خودکشی کر لی۔"
"اس کے ساتھ اپنے آخری سلوک پر میں زندگی بھر پچھتاتی رہوں گی۔" ویرا کی آواز بھی دل گرفتہ ہو گئی تھی "ہم یہاں بیٹھے اس کے بارے میں بحث کر رہے تھے اور وہ نہ جانے کتنی دیر پہلے اپنے بند کمرے میں اس دنیا سے ہر رشتہ توڑ چکا تھا۔"
"تمہیں پچھتانے کی ضرورت نہیں تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ اس نے اپنی جان دے کر تمہیں اپنی زندگی کی حسین ترین عورت کا اعزاز بخشا ہے۔ ایسی خوشی مس یونیورس بن کر بھی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ وہ بے ضرر جمال پرست ہے۔

تمہاری دلکشی اور خوبروئی پر اپنے لہو کا نذرانہ دے کر اس نے میری بات درست ثابت کر دی ہے۔''

کچھ دیر تک اسی کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں پھر اچانک بلیک ڈیڈ کو خیال آیا۔''وہ بہت اچھا آدمی تھا، مجھے اس کی خودکشی پر صدمہ ہے لیکن اب عمر بھر اسے نہیں رویا جا سکتا۔ مائیک اس کی تدفین کے بعد رات میں کسی وقت تمہارے پاس آ جائے گا۔ چاہو تو اس دوران میں تمہارے لیے کسی اور کو بلا لیا جائے۔''

''نہیں مائیک کے آنے تک گزارہ ہو جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ تمہارے آدمی ہیکسٹر کی موت کی ذمے داری ہم دونوں کے سر نہیں سمجھیں گے۔''

''وہ میرے سامنے بہت کم کھلتا تھا۔ اس کے ساتھی اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ ضرور ہو گا کہ اب ہر شخص اس حسین لڑکی کو دیکھنا چاہے گا جسے دیکھ لینے کے بعد ہیکسٹر کے دل میں مزید زندہ رہنے کی آرزو باقی نہیں رہی مگر اسے میں دیکھ لوں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے لمحہ بھر توقف کیا پھر بولا''تم میرے لیے کوئی متبادل راہ عمل تجویز کر رہے تھے۔''

''ہاں، وہ بات ادھوری رہ گئی تھی۔'' میں نے اسے یہ تاثر دینا چاہا جیسے وہ تجویز میرے بجائے صرف اسی کے مفاد میں ہو۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے میں نے کہا۔ ''تم آئزک بنیل کے قریبی ساتھیوں کو اپنا نشانہ بنا کر ہر شخص پر یہ واضح کر سکتے ہو کہ تم آئزک بنیل اور اس کے ساتھیوں کے دشمن ہو اور نیویارک میں ان ہی کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔''

''میں نے رنگس کی دو لڑکیوں کو اٹھوا لیا تھا، انہیں تم نے رہا کرا دیا۔''

''تم بات کی روح کو ذرا دیر سے سمجھتے ہو۔'' میں نے برا سا منہ بنا کر کہا''میں اس کے ساتھیوں کی بات کر رہا ہوں، ملازموں کی نہیں۔''

''ساتھی؟'' اس نے حیرت سے کہا'' اس کے ساتھیوں کو میں کہاں ڈھونڈتا پھروں گا۔''

میں اپنی زبان سے نام لیے بغیر واضح اشارے اس کے ذہن میں انڈیل رہا تھا مگر وہ بوجھ بجھکو بنا ہوا تھا۔

اس کی ذہنی سطح ایک علاقائی دادا گیر سے زیادہ بلند نہیں تھی۔

''رنگس میں اس کے پارٹنرز تمہارا نشانہ بن سکتے ہیں۔'' میں نے دانستہ کہا۔

''وہ بلا شرکت غیرے رنگس کا مالک ہے۔'' وہ اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا'' اس کے بعد وہ صرف ڈیوڈ اسٹارز کی سرگرمیوں میں گہری دلچسپی رکھتا ہے۔''

''ہاں......آں۔'' میں نے نجوم داؤدی کے بارے میں سرسری لہجہ اپناتے ہوئے جواب دیا'' اگر وہ وہاں زیادہ سرگرم ہے تو تم اس کے بارے میں بھی سوچ سکتے ہو۔''

''ویسے تو ہر یہودی اس کی مالی مدد کرتا ہے لیکن اس کے ارب پتی ارکان ہی ڈیوڈ اسٹارز کہلاتے ہیں۔ وہی اس کے عہدے دار ہوتے ہیں اور فیصلے بھی وہی کرتے ہیں۔''

''بس تو پھر ان ہی میں سے دو چار کو اڑا دو۔'' میں نے بھی بے نیازی سے کہا۔

''ان کی تعداد درجنوں میں ہے۔ زیادہ تر بڑے بڑے چندے دے کر گھر بیٹھے رہتے ہیں۔ اس قسم کی دوسری جماعتوں کی طرح اصل دماغ دو چار ہی ہوتے ہیں۔ ان کی گردنیں دبوچی جائیں گی تو سارے یہودی بلبلا اٹھیں گے۔''

''یہودیوں سے ڈرتے ہو تو کوئی اور راہ سوچو!'' میں نے فوراً اس کی رگ دبا دی۔

''میں یہودیوں یا عربوں سے نہیں ڈرتا۔'' وہ بھنا کر بولا۔'' آئزک بنیل بھی یہودی تھا۔ تمہاری مخالفت کے باوجود اس پر اکلوتی گولی میں نے چلائی تھی۔''

''تم چاہو گے تو دوسرے ڈیوڈ اسٹارز سے ہم نمٹ لیں گے۔'' میں نے کہا۔

''شوق سے نمٹو۔ میں کل تک تمہیں دو چار اہم ڈیوڈ اسٹارز کے نام پتے فراہم کر دوں گا۔'' اس نے بلا تامل پیشکش کی'' مگر یہ تمہارا شوق ہو گا۔ یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ نیویارک کے یہودیوں کی مخالفت سے میں گھبرا رہا ہوں۔''

''بچوں جیسی وضاحتیں مت کرو۔ ہم سامنے نہیں آسکتے۔ ہمارے مارے ہوئے شکار بھی تمہارے کھاتے میں لکھے جائیں گے۔ ہماری بھی ہلکی پھلکی ورزش ہوجائے گی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم مزید کچھ عرصے تک نیو یارک میں رکو گے؟''

''آئزک بیل پر تمہارا فائر خطا نہ ہوا ہوتا تو اب تک ہم واپس جاچکے ہوتے۔'' میرے بولنے سے پہلے ویرا جواب دینے لگی۔''اب اس کے انجام کے انتظار میں رکنا پڑے گا۔ اسے کوئی رعایت دی گئی تو میں دوسری کوشش کروں گی۔ اسے ہر حال میں مرنا پڑے گا۔''

ویرا کا وہ عذر لنگ تھا۔ راس المیڈا اسے وہ پاکستان میں بھرپور انتقام لے چکی تھی۔ آئزک بیل اس بری طرح کچلا گیا تھا کہ وہ زندگی بھر ابھر کر پرانی سطح پر واپس نہیں آسکتا تھا۔ ہمیں مزید چند موثر کارروائیوں کے لیے وہاں رکنا تھا۔ اس کے لیے وہی بہانہ مناسب تھا۔

''اور یہ وقت تم میرے ساتھ رہ کر گزارو گی؟'' اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''اس کا انحصار تمہاری مرضی پر ہے۔ ویسے بھی میں نیویارک میں نہیں بیٹھی رہوں گی۔ ایک مدت کے بعد یہاں آئی ہوں تو ذرا دوسری ریاستوں کی سیر بھی کروں گی۔''

''پورے امریکا میں میرے قابل اعتماد دوست پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ سب نیویارک آتے ہیں تو میں ہی ان کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔ میرے پاس سیاحت کے لیے اتنا وقت نہیں ہے۔ وہ بہت شوق سے تمہاری مدد کریں گے۔''

ادھر ادھر کی باتوں میں اس نے ایک مرتبہ پھر بیکسٹر کا ذکر چھیڑا تو میں نے فوراً ہی اس سے کھانے کے بارے میں سوال کرڈالا۔

اس نے گھبرا کے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی اور اٹھ گیا۔''تمہارا شکریہ۔ آج مجھے ایک بزنس لنچ پر جانا ہے لیکن تم دونوں کے کھانے کا کیا ہوگا؟''

''تم کو رخصت کر کے ہم بھی مین ہٹن جائیں گے۔'' میں نے بتایا'' وہیں کسی اچھے ریستوران میں کھانا کھالیا جائے گا۔''

اس نے ہمیں مین ہٹن چھوڑنے کی رسمی پیشکش کی جسے میں نے قبول نہیں کیا۔

امریکیوں اور دوسری مغربی اقوام میں یہ ایک اچھی بات ہے کہ وہ لوگ کسی بھی دوست یا مہمان پر اپنی پسند مسلط نہیں کرتے۔ اپنی رائے کے ساتھ دعوت دیتے ہیں۔ قبول کر لی جائے تو فبہا ورنہ اصرار نہیں کرتے۔

بیکسٹر کی لاش لے کر مائیک کافی دیر پہلے سینٹ جانز کی میت گاڑی میں جا چکا تھا۔ میرے لیے یہ بات حیران کن بات تھی کہ اس انتظام کے لیے اس نے گھر کا اکلوتا فون سرے سے نہیں چھوا تھا۔ شاید وہ لوگ باہمی رابطوں کے لیے ٹرانسمٹر استعمال کرتے تھے۔

ایمبولینس، اسپتال، ڈاکٹر اور ڈیتھ سرٹیفکیٹ کے بغیر کسی مردے کے لیے براہ راست میت گاڑی کا بندوبست ہو جانا بھی حیرت ناک تھا۔ میرے استفسار پر بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ ایسے مواقع پر سیاہ رنگ کی ماتمی گاڑی کے بجائے اس کے آدمی سفید شیشوں والی بند وین طلب کرتے تھے تاکہ پڑوسیوں کو کسی قتل، خودکشی یا ناگہانی موت کا شبہ نہ ہو سکے۔

ڈرائیور اور گن مین کے ساتھ بلیک ڈیڈ رخصت ہو گیا اور میں اطمینان کا سانس لے کر اندر آ گیا۔ بلیک ڈیڈ کی بروقت آمد نے ہمیں ایک بڑی اذیت سے بچا لیا تھا۔ بیکسٹر کی لاش ہم دونوں میں سے کوئی دریافت کرتا تو بوکھلاہٹ میں رازداری کا برقرار رکھنا ناممکن ہو جاتا۔

''اے حسن کی دیوی! ایک انسانی جان کی بھینٹ لے کر تم اب تو خوش ہو؟'' خواب گاہ میں بستر پر گر کر میں نے شوخ لہجے میں ویرا سے پوچھا۔

ویرا نے منہ پھیر لیا'' اس بارے میں مذاق کرو گے تو میں اسی وقت یہاں سے چلی جاؤں گی۔''

میری توقع کے برعکس اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ میں نے تیزی سے اٹھ کر دیکھا تو وہ رومال سے اپنی آنکھوں کے گوشے صاف کر رہی تھی۔

''اب تم میری زبان سے اس بے زبان مظلوم کا ذکر نہیں سنو گی۔'' میں نے اسے پچکار کر کہا'' مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس کی موت نے تمہیں اتنا متاثر کیا ہو گا۔''

اس نے میری آنکھوں میں جھانکا اور زبان سے کچھ کہے بغیر باتھ روم میں چلی گئی۔

اس وقت ڈیڑھ کا عمل تھا۔ میں نے فرصت کو غنیمت جان کر میجر جنجوعہ کا نمبر ملایا۔

میری آواز سن کر وہ خوش ہو گیا'' میں بہت باتیں کرنی چاہتا ہوں۔ کب اور کہاں آ جاؤں؟''

''یہ شہر میرے لیے اجنبی ہے۔ چار بجے کے بعد آپ کوئی جگہ تجویز کر دیں۔ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔'' میں نے محفوظ مقام کے تعین کی ذمے داری اسی پر ڈال دی۔

''آپ کہاں سے آئیں گے؟''

''برونکس یا پھر مڈ ٹاؤن کے کسی بھی حصے سے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔

''برونکس سے پاکستان ہاؤس بہت قریب ہے۔ آپ کا وہاں آنا مناسب نہیں۔ ہم لوگ عام تفریح گاہوں سے ذرا پرہیز کرتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ چار بجے آپ مجھے میٹرو پولیٹن میوزیم آف آرٹ کے پاس مل جائیں۔ وہاں سے میں آپ کو لے لوں گا۔''

باہمی شناخت کے ساتھ پروگرام طے ہو گیا اور میں نے فون بند کر دیا۔

باتھ روم میں شاور سے پانی گرنے کی آواز سے اندازہ ہوا کہ ویرا غسل میں مصروف تھی۔ غزالہ، سلطان شاہ اور اول خان کے نام الگ الگ خطوط کے لفافے گیپ کے پانچوں کاغذوں کے ساتھ بڑے لفافے میں بند کر کے میں نے روانگی کی تیاری شروع کر دی۔

اس وقت میرا اور ویرا کا بنیادی مسئلہ بھوک کا تھا۔ گھر سے مین ہٹن کے اوپری مشرقی علاقے میں ہم نے ٹیکسی دانستہ اس سڑک سے گزاری جس پر پاکستان دو اہم سفارتی دفاتر واقع تھے۔ وہاں سے نکل کر ہم نے آرٹ میوزیم کو پیچھے چھوڑا اور ایک بارونق علاقے میں ٹیکسی چھوڑ دی۔

دیرا صبح سے صرف چائے پر گزارہ کرتی آرہی تھی۔
اسے بیئر کی شدید طلب محسوس ہورہی تھی۔ ہم نے ایک ریستوران میں بیٹھ کر بیئر اور سینڈوچز سے شکم پری کی پھر کسی بوتھ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ وقت بہت نامناسب تھا لیکن میں میجر جنجوعہ سے ملنے سے پہلے اول خان سے مختصر سی بات ضرور کرنی چاہ رہا تھا۔
پہلا خالی فون بوتھ نظر آتے ہی ہم دونوں اندر گھس گئے۔ اول خان نے نیند سے بوجھل آواز میں کال ریسیو کی مگر پھر فوراً ہی اعتدال پر آگیا۔ اس سے میری بات ہوئے کافی وقت گزر چکا تھا اور وہ خود بھی حالات جاننے کے لیے مضطرب تھا۔
''سب سے پہلے یہ سن لو کہ آج میں اپنے قونصل خانے کے میجر جنجوعہ کو تمہارے نام ایک سربمہر لفافہ دے رہا ہوں۔ اس میں معاہدے کے پانچوں اصل کاغذ موجود ہیں۔ تمہارے مشورے کے مطابق میں نے اس بوجھ سے سبکدوش ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے۔''
''آنکھ بند کرکے دے دو۔'' اس کی مسرت آمیز آواز آئی ''تم بالکل صحیح آدمی سے ٹکرائے ہو۔ اس لفافے کے لیے اس سے بہتر امین نہیں مل سکتا تھا۔''
''دگھنٹی پر کل شام ناکام قاتلانہ حملہ ہوا، وہ بری طرح زخمی ہوکر اسپتال پہنچ گیا۔ آدھی رات کے بعد اسے گرفتار کرلیا گیا۔ یہاں واقعات میں اچانک بہت تیزی آگئی ہے۔''
''خدا تم دونوں کو وہاں اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ تم بہت بڑے بڑے کام دکھا رہے ہو۔ پرزے ایک آدھ دن میں پہنچنے والے ہیں۔ ساری تیاریاں مکمل ہیں چوبیس گھنٹوں میں کینوپ کو دوبارہ گرڈ سے ملا دیا جائے گا اور دشمن منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔''
''ان باتوں سے پہلے یہ بتاؤ کہ سلطان شاہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ اس وقت میرے لیے سلطان شاہ کینوپ سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔''
''وہ واپس آگیا ہے۔ اسے اسپتال میں رکھنا ضروری تھا مگر وہ زبردستی کلفٹن والے فلیٹ میں گیا ہے۔ مجبوراً اسی کے کمرے میں ساری طبی سہولتیں میسر کی گئی ہیں..... دو نرسیں اس کی دیکھ بھال پر مامور ہیں۔''
''اس کی حفاظت کا کیا بندوبست ہے؟'' میرے ذہن میں فلم چل پڑی تھی۔
''چوبیس گھنٹے ایک کمانڈو اندر رہے گا۔ دو دو رہ کر نگرانی کریں گے۔'' اول خان کے پاس میرے ہر سوال کا تسلی بخش جواب موجود تھا۔
''غزالہ اس وقت کیا کررہی ہے؟'' میری دانست میں وہ سلطان شاہ کی زیادہ بہتر خبر گیری کرسکتی تھی۔ اول خان نے مجھے یہ بتا کر حیران کردیا کہ غزالہ اس کے ساتھ ہی فلیٹ پر منتقل ہوگئی تھی۔
مجھے یہ سن کر اطمینان ہوا کہ سلطان شاہ کے ساتھ ہر وقت فلیٹ کے اندر چار نفوس اور باہر دو کمانڈوز موجود رہیں گے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ زخم خوردہ دشمن اس کی مکمل صحت یابی سے پہلے اس پر قاتلانہ حملے کی کوشش ضرور کریں گے۔ نک موڈلے کا پاکستان سے ورجینیا پہنچنا اس امر کا غماز تھا کہ وہ نئے تخریبی منصوبے لینے کے لیے اپنے وطن لوٹا تھا۔
''وہ مصر ہے کہ مدان موہن کے چکر میں پکڑے جانے والوں میں سے دو تین آدمیوں کو ذبح کرکے کہیں پھینک دیا جائے۔ اس کا خیال ہے کہ اس طرح دشمنوں کو یہ باور کرایا جاسکتا ہے کہ تم پاکستان میں موجود ہو۔''
''ایسی لاشیں شہریوں میں خوف وہراس کی لہر دوڑا دیں گی۔ وہ صحیح سمت میں سوچ رہا ہے مگر کمزوری کی وجہ سے جذباتی ہورہا ہے۔ میری بھی خواہش ہے کہ وہاں کوئی بڑا چکر چلتا رہے۔ میرا نام چھپنے کے باوجود یہاں کوئی یہ یقین کرنے کے لیے تیار نہیں کہ میں امریکا میں موجود ہوں۔ اس سے مجھے زبردست فائدہ حاصل ہورہا ہے۔''
''تم مطمئن رہو۔ یہاں ہم غافل نہیں ہیں۔ دشمن کو سر اٹھاتے ہی بے رحمی سے کچل دیا جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی ناکامیوں کے بعد سب ہی زیر زمین چلے گئے ہیں۔''
''اس بھول میں نہ رہنا۔ را اور سی آئی اے کا گٹھ جوڑ بہت پرانا ہے۔ وہ اچانک کسی بھی سمت سے وار

کر سکتے ہیں۔ انہیں سکون سے پنپنے نہ دو۔ ان کے بلوں کو کریدتے رہو۔ کوئی نہ کوئی موذی تمہارے ہاتھ آتا ہی رہے گا۔"

"تمہاری جیسی چھیڑ چھاڑ کر کے اس کو بھاگانا میرے بس سے باہر ہے۔ گڑبڑ ہو گئی تو الٹی آنتیں بھی گلے پڑ سکتی ہیں۔" اول خان نے اپنی مجبوری بیان کر ڈالی۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "ذرا سلطان شاہ کی حفاظت کے ساتھ نگرانی بھی کراتے رہنا۔ مکمل صحت یابی تک میں اس پر بھروسا نہیں کر سکتا۔"

"کیا؟" مجھے اس کی آواز سے اندازہ ہوا کہ حیرت سے اس کا منہ کھل گیا ہوگا۔ وہ پوچھ رہا تھا "کیا انقرہ میں اس کی برین واشنگ کا شبہ کر رہے ہو؟"

میں بے ساختہ ہنس پڑا "ایسی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ ڈر ہے کہ کہیں وہ اپنی صحت مندی کے زعم میں سب کو دھوکا دے کر باہر نکلنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس وقت اس پر ایسی ہی ضد سوار ہے۔"

"بس، اب میجر سے ملاقات کا وقت ہو رہا ہے۔ یہ خیال رہے کہ میرے بھیجے ہوئے اصل کاغذ تمہارے پاس میری امانت ہوں گے۔ ہماری واپسی سے پہلے ان کا راز فاش ہوا تو ہماری جانیں ہر وقت سولی پر لٹکی رہیں گی۔"

"لیکن نقل کے سلسلے میں، میں کچھ لوگوں سے بات کر چکا ہوں۔ تم نے اس متن کی ڈی کوڈنگ کے لیے خود ہی مجھے ہدایت کی تھی۔"

"تو کیا ڈاک سے بھیجا ہوا وہ لفافہ تمہیں اتنی جلدی مل گیا؟"

"لفافہ نہیں ملا مگر میں اس معاہدے کا ذکر کر بیٹھا ہوں۔ اس سے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا نا؟" اول خان نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"نقل سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ بس اصل دبائے رکھنا۔ ہمارے دفتر خارجہ میں جو افسران ہمیشہ سے پاک امریکا دوستی کے حامی چلے آ رہے ہیں، اس معاہدے کا ایک ایک لفظ ان کے ہوش اڑا دے گا۔ وہ کبھی بھی ہمارے دوست رہے ہیں اور نہ رہیں گے۔"

"یہ تو روز اول ہی سے ظاہر ہوتا چلا آ رہا ہے کہ وہ ہمارے دشمنوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔"

"راجن اور وکرم کی تربیت کا قصہ تازہ ترین ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات انیسویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو ستمبر 2010میں شائع ہو رہا ہے۔

اسے اس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرچکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے پر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے 'آئزک بیل' راس المیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان 'ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آئزک بیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنا دی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائر ایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور نک موڈلے امریکا روانہ ہو رہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایما پر میں نے آئزک بیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کرکے آئزک بیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کر رہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر منتقل ہوگئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آئزک بیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کرلے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کر رہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک خبر کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"ڈینی یا کرمانی؟" اس اخبار کی کئی انچ چوڑی اور پورے صفحے پر پھیلی ہوئی وہ سہ لفظی سرخی ایک سوالیہ نشان کے ساتھ بہت نمایاں اور دہشت انگیز نظر آرہی تھی۔

ان تین الفاظ کے نیچے جمی ہوئی ذیلی سرخی میں ارب پتی یہودی سرمایہ دار آئزک بیل کی سی آئی اے کے ہاتھوں گرفتاری کا ذکر تھا۔ دوسرے اخبار کی سرخیاں اتنی سنسنی خیز نہیں تھیں۔ وہ میں نے ویرا کے حوالے کردیا اور خود پوری خبر کے مطالعے میں مصروف ہوگیا۔

گیپ امریکی حکومت اور اس کے سازشی شرکا کے درمیان کیا ہوا ایک ایسا سیاہ اور شرمناک معاہدہ تھا کہ سرکاری طور پر کہیں اس کا حوالہ تک نہیں دیا جاسکتا تھا۔ وہ اسی وقت تک اہم اور موثر تھا جب تک اس کا راز متعلقہ فریقوں کے درمیان محدود تھا۔ آئزک بیل کے ہاتھوں سے گیپ کے پانچوں اصل کاغذات نکل جانے کے بعد خبر میں اس کی طرف خفیف ترین اشارہ تک نہیں کیا گیا تھا لیکن اخباری نامہ نگار نے اس بات پر کھلی کھلی حیرت کا اظہار کیا تھا کہ واشنگٹن اور نیویارک میں بہت زیادہ معتبر اور بارسوخ تصور کئے جانے والے ڈیوڈ اسٹارز کے سربراہ کے سر پر اچانک ہی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

کوئنز مڈ ٹاؤن ایکسپریس وے پر اسے ایک عام اور بے یارو مددگار امریکی کی طرح کسی نے گولی مار کر بری طرح زخمی کردیا۔ اس سے پہلے کہ نیویارک کی انتظامیہ اس کو وی وی آئی پی علاج معالجے اور دیکھ بھال کی خصوصی سہولتیں فراہم کرتی' اس کی گاڑی میں رکھا ہوا سوٹ کیس ایک ہولناک دھماکے سے پھٹ گیا۔

اس دھماکے میں ایک اہل کار کی موت اور متعدد افراد کے زخمی ہونے کے بعد بھی مقامی انتظامیہ اس کے لیے فکر و تشویش کا اظہار کرتی رہی مگر آدھی رات کو حالات نے نہ جانے کیا پلٹا کھایا کہ فیرفیکس اور ورجینیا کے دوسرے مرکزی مقامات سے سی آئی اے والوں کا ایک لشکر گاڑیوں اور ہیلی کاپٹروں کی مدد سے نیویارک پہنچا اور نہایت سرعت سے آئزک بیل کو اپنی تحویل میں لے کر فوری طور پر ورجینیا واپس لوٹ گیا۔

سی آئی اے کے ذمے داروں نے اس پورے گوریلا ایکشن پر سختی سے اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی لیکن آئزک بیل نے اسٹریچر پر اسپتال سے جاتے ہوئے اخباری نمائندوں کو دیکھ کر غصیلی مگر نقاہت آلود آواز میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ اسے ڈینی نے اس حال کو پہنچایا تھا۔

آئزک بیل کے اسی الزام سے اخبار نے اپنی سرخی نکالی تھی جب کہ دوسری طرف کی خبریں یہ تھیں کہ سی آئی اے والے نیویارک پولیس کی مدد سے پورے شہر میں عباس کرمانی نامی کسی ایرانی نژاد شخص کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

آئزک بیل پر حملہ آور ہونے والوں کی سیاہ بیوک کا نمبر جعلی ثابت ہونے کے بعد یہ بات کھل گئی تھی کہ اس پر باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت حملہ کیا گیا تھا۔ اخبار کی دلیل یہ تھی کہ جب آئزک بیل خود ڈینی نامی اشتہاری مجرم کو ناکام قاتلانہ حملے کا ملزم نامزد کر رہا تھا تو سی آئی اے اسے بھول کر عباس کرمانی کو کیوں تلاش کر رہی تھی؟ وہ کون تھا؟ یکایک وہ اس قدر اہم کیسے ہوگیا تھا کہ آئزک بیل کی گرفتاری کے ساتھ پورے نیویارک میں سرگرمی سے اس کی تلاش کی ہمہ گیر مہم شروع کردی گئی تھی؟

سرکاری اداروں سے کوئی اشارہ نہ ملنے کی وجہ سے اخبار نے اپنی ایک کہانی گھڑلی تھی جس میں ذرا بھی جان نہیں تھی۔ اس کی اہمیت بس اتنی ہی تھی کہ اس میں میرا نام شہ سرخی کی زینت بنادیا گیا تھا۔

وہ واقعہ بہت غیر معمولی تھا۔ پورا اخبار اسی واقعے کے بارے میں چھوٹی بڑی خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ ان خبروں سے آئزک بیل کا کردار پوری طرح شکوک و شبہات کی زد میں آگیا تھا۔

وہ کوئنز مڈ ٹاؤن ایکسپریس وے پر ٹریفک کے ضابطوں کی خلاف ورزی کرکے گاڑی پارک کئے کیوں کھڑا تھا؟ وہ گاڑی سے اتر کر کس کا انتظار کر رہا تھا؟ اس کے بڑے بریف کیس یا چھوٹے سوٹ کیس میں ڈالروں کے نیچے سادے کاغذوں کی گڈیاں کیوں بھری ہوئی تھیں؟ رقم اور سادہ کاغذوں سے بھرے ہوئے اس سوٹ کیس میں ٹائم بم کیوں نصب کیا گیا تھا؟ وہ ڈینی سے کیوں خوف زدہ تھا؟ کیا ڈینی امریکا میں موجود ہے؟

سوالات کی ایک بھرمار تھی جو اس واردات کے حوالے سے

منطقی طور پر جنم لے چکی تھی اور آئزک بیل کے لیے ان میں سے کسی سوال کا جواب دینا آسان نہیں تھا۔

یہ سب سامنے کی کہانیاں اور ظاہری سوالات تھے۔

آئزک بیل کی طرف سے سی آئی اے کے بڑوں کی برہمی کے بارے میں بدری ناتھ مجھے بتا چکا تھا۔ وہ لوگ امریکی سی ون تھرٹی کے ذریعے سلطان شاہ کے اغوا اور پھر سلطان شاہ کے ہاتھوں اس جہاز کے یرغمال بنائے جانے کے قصوں میں آئزک بیل کے کردار پر ناخوش تھے اور اسے نیچا دکھانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔ بدری ناتھ نے گیپ کا مسودہ اس کی تحویل سے نکل کر عباس کرمانی کے قبضے میں پہنچنے کی خبر دے کر انہیں وہ سنہرا موقع فراہم کردیا تھا۔

آئزک بیل کو نیویارک کے اسپتال سے اٹھالے جانے کے لیے سی آئی اے والے اتنی رازداری اور سرعت کے ساتھ حرکت میں آئے تھے کہ ان کی کارروائی مکمل ہونے تک کسی کو کانوں کان ان کے عزائم کی خبر نہیں ہوسکی تھی مگر آئزک بیل کی گرفتاری کی تصدیق ہوتے ہی ایف بی آئی والے بھی اسے اپنا مطلوب مجرم قرار دے رہے تھے۔

نیویارک کی ایک ایکسپریس وے پر ہونے والے مہلک دھماکے کی ذمے داری آئزک بیل پر عائد ہوتی تھی۔ اس کے نتیجے میں ایک پولیس افسر ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے تھے۔ اس اعتبار سے وہ دہشت گردی کی ایک ناکام کارروائی تھی جس کے نتیجے میں مطلوبہ شخص کے بجائے بے گناہ سرکاری ملازمین ہلاک اور زخمی ہوئے تھے اور وہ ایف بی آئی کا کیس بن گیا تھا۔

جب تک آئزک بیل کے ستارے اس کی یاوری کر رہے تھے' وہ امریکا میں بہت طاقتور اور ناقابلِ شکست نظر آرہا تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے امریکا کے صدر سے لے کر بیورو کریسی تک سب اس کے حامی اور مددگار ہیں لیکن وقت کی ذرا سی کروٹ سے سب کچھ یکسر بدل کر رہ گیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ سی آئی اے اور وفاقی تحقیقاتی ادارے کے ساتھ ساتھ نیویارک کے ریاستی حکام بھی اس کے خلاف اپنی فردِ جرم تیار کرچکے ہوں گے۔

ٹائم بم کے مہلک دھماکے کا واقعہ ان کی ریاست میں پیش آیا تھا اور اس کے متاثرین امکانی طور پر اسی ریاست کے باشندے تھے۔ وہ اپنے مجرم کو وفاق کے حوالے کرکے چین کی بنسری نہیں بجاسکتے تھے۔ اپنے لوگوں کے تحفظ کے لیے قانونی کارروائی کی پہلی اور بنیادی ذمے داری ان ہی پر عائد ہوتی تھی۔

اپنے سر سے گیپ نامی معاہدے کا سایہ ہٹتے ہی آئزک بیل ہر طرف سے اس بری طرح عتاب میں آیا تھا کہ مجھے اس کے مصائب پر یقین کرنا دشوار ہورہا تھا۔

وہ معاہدہ آئزک بیل کے لیے ایک سرحدی لکیر کی طرح ثابت ہوا تھا۔ اس لکیر کے ایک طرف طاقت' اختیار' اثر ورسوخ اور مطلق العنانی کے ساتھ بے لگام زندگی گزارنے کی آزادیاں اس کا مقدر تھیں اور اس لکیر کے اس پار ذلت ورسوائی کے کئی کئی طوق اس کے منتظر تھے۔

میرے چہرے پر ابھرنے والے تجسّس اور اضطراب نے ویرا کو بھی ان سنسنی خیز اخباری شہ سرخیوں کی طرف متوجہ کردیا تھا۔ اس نے میرے عقب میں آکر میرے ساتھ ساتھ ہی وہ سب کچھ پڑھ ڈالا تھا۔ ساتھ ہی وہ بے ساختہ اور تحیرزدہ آوازوں میں اپنے ردِعمل کا مظاہرہ بھی کرتی جارہی تھی۔

میں نے خبریں چاٹ لینے کے بعد وہ دونوں اخبار ایک طرف ڈالے تو ویرا کا مطالعہ تشنہ تھا۔ اس نے لپک کر ان اوراق کو اٹھالیا۔

"یہ بہت برا ہوا..... بہت برا" وہ اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے ہیجان انگیز سرگوشیانہ آواز میں بولی "اس بڑی سرخی میں تو تمہارا نام کھل کر آیا ہے..."

"اپنی آواز دھیمی رکھو!" میں نے اس کی بات کاٹ کر اس کے کان میں بہت دھیمی آواز میں غرا کر کہا "بیکسٹر گونگا ہے' بہرا نہیں ہے۔"

"تم بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کررہے؟" اس بار ویرا کی آواز واقعی بہت نیچی ہوگئی تھی "ہوسکتا ہے کہ وہ عباس کرمانی کی تلاش کا ڈراما رچاکر دراصل تم کو ڈھونڈتے پھر رہے ہوں۔ تمہیں دھوکا دینے کے لیے انہوں نے خود ہی اخبارات کو یہ کور اسٹوری فراہم کی ہو۔"

"بعض اوقات تم بالکل کند ذہن ہو کر رہ جاتی ہو.... فی الحال یہ بھولی رہو کہ خبر میں میرا نام آیا ہے۔ وہ ڈپنی نام کا کوئی اور بھی تیسرا شخص ہوسکتا ہے..."

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس طرح ہم کھل کر بات کرسکیں گے اور اس گونگے کو کسی بات پر شبہ تک نہیں ہوسکے گا" اس نے خوش ہو کر جلدی سے کہا۔

میں بے اختیار ہنس پڑا "اس وقت شاید ہم دونوں ہی اخبار دیکھ کر اعصاب زدہ ہوگئے ہیں اور بے سروپا باتیں کررہے ہیں۔"

ویرا کا منہ بن گیا "اس وقت میں نے کون سی بے سروپا بات کہی ہے؟"

"میں نے دونوں کا ذکر کیا ہے۔ تمہارے ساتھ شاید میری عقل بھی چرنے کے لیے گئی ہوئی ہے۔ بیکسٹر گونگا ہو یا بہرا' ایک بات یقینی ہے کہ وہ اردو سے اسی طرح نابلد ہے جیسے میں ہسپانوی زبان میں بیدل ہوں۔ ہم اپنے جوش اور جذبات پر قابو رکھیں تو اس کے فرشتوں کو بھی ہماری گفتگو میں دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ اب آرام سے سامنے والی کرسی پر بیٹھ کر بات کرو۔"

ویرا کے ہونٹوں پر خفت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کرسی سنبھال لی۔

غیر متوقع طور پر پیش آنے والے پُرخطر یا ہنگامی حالات میں یوں ہی ہوتا ہے کہ ہجوم میں سے کوئی آواز لگادے کہ کوّا کان لے

گیا تو کوئی اپنے اور دوسروں کے کانوں کا جائزہ لینے کی زحمت نہیں کرتا' پوری بھیڑ اس خیالی کوّے کے پیچھے دوڑ لگا دیتی ہے جو کسی کا کان نہیں لے گیا ہوتا۔

اس وقت ہم دونوں ہی ذہنی دباؤ اور عدم تحفظ کے احساسات میں مبتلا تھے۔ میرے ذہن میں ایک دور از کار اندیشے نے سر ابھارا اور ویرا نے سوچے سمجھے بغیر اس اندیشے کو جوں کا توں تسلیم کر لیا۔ غنیمت یہ تھا کہ میری وہ غیر منطقی ذہنی حالت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی تھی۔

"تم اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے میرے ذہن کو یوں ہی بھٹکاتے رہتے ہو" ویرا نے اپنی خفت مٹانے کے لیے ترشی سے کہا۔ "تم نے خبروں کے ذریعے دھوکا دینے والی بات کا جواب نہیں دیا۔"

"یہ صرف اسی وقت ممکن تھا جب انہیں بدری پر شبہ ہوتا کہ وہ انہیں کسی فرضی ایرانی سائے کے پیچھے دوڑانے کی سازش کر رہا ہے۔ ایسی صورت میں وہ لوگ لمبی دوڑ لگا کر اسحاق گھنٹی کو یہاں سے اٹھا کر نہ لے جاتے۔"

"کیا گھنٹی کی گرفتاری کے لیے یہ جواز کافی نہیں تھا کہ اس کے بریف کیس میں ہونے والے دھماکے سے ایک پولیس افسر ہلاک ہو گیا تھا؟" ویرا نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری عقل ابھی تک چرنے گئی ہوئی ہے۔ وہ مہلک دھماکا شام ساڑھے پانچ بجے کے لگ بھگ ہوا تھا۔ انہوں نے اس کی گرفتاری کے لیے آدھی رات کا وقت کیوں منتخب کیا؟ دراصل یہ کھیل میری اور بدری کی گفتگو کے بعد شروع ہوا۔ اوقات کا تعین یہ بتا رہا ہے کہ بدری نے ان لوگوں کو یہ باور کرا دیا تھا کہ اسحاق گھنٹی سبز فائل کے پانچوں کاغذ ایرانی ایجنٹ کو سونپ کر یا اس کے ہاتھوں ان سے محروم ہو کر بالکل یتیم ہو چکا تھا۔ اس کے لامحدود دفاعی ہتھیار کے ناکارہ ہونے کے بعد ہی وہ لوگ اس کے اسپتال پر چڑھائی کرنے کا حوصلہ کر سکے..."

"وہ پکڑا گیا مگر تمہارا نام بھی جھنڈے پر چڑھ گیا" ویرا نے بات کا رخ بدل دیا۔

یہ اس کا خاص انداز تھا۔ وہ کسی بھی نکتے پر کبھی کھل کر اپنی ہار نہیں مانتی تھی۔ جوں ہی اس کی گرفت کا امکان قوی ہونا شروع ہوتا' وہ جھٹ گفتگو کا موضوع بدل دیتی تھی۔

"سرخی نے مجھے بھی دہلا دیا تھا" میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا "متن پڑھنے کے بعد مجھے اس شوشے کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ اسحاق گھنٹی اب ہارا ہوا جواری ہے۔ اس کی کسی بات کو اہمیت نہیں دی جائے گی۔ ساری مہم عباس کی تلاش پر مرکوز رہے گی۔"

"یہ کہانی زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گی۔ ورجینیا میں امریکا کے بہترین سازشی دماغ موجود ہیں۔ ایران میں امریکا دشمن انقلاب آجانے کے باوجود وہاں ان کے گماشتوں کا ایک مضبوط نیٹ ورک قائم ہے۔ وہ جلد ہی یہ کھوج نکال لیں گے کہ ایرانی خفیہ سروس میں عباس کرمانی کا کوئی وجود نہیں ہے اور تہران والے گیپ کے معاملے میں بے خبر ہیں۔"

"ان نتائج پر پہنچنے کے لیے انہیں کافی وقت درکار ہوگا۔ اس وقت تک ہم یہاں سے ہزاروں میل دور جا چکے ہوں گے۔ جہاں حالات خطرناک ہوں' وہاں تجربے کار ایجنٹ خود خطرہ مول لینے کے بجائے کرائے کے آدمیوں سے کام چلاتے ہیں۔ کرمانی ان میں سے بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے فارسی میں ذرا بھی استعداد ہوتی تو میں دیکھتا کہ وہ کرمانی کے وجود پر کیسے شبہ کرتے ہیں۔"

"فارسی میں تم امریکا والوں کو صرف تیل کے دام ہی بتا سکتے ہو۔ میں فارسی کے بس چند الفاظ جانتی ہوں لیکن ایرانیوں کے سے لب و لہجے میں انگریزی ضرور بول سکتی ہوں۔ اگر تم ڈھنگ کی کوئی بات سوچ رہے ہو تو میں تمہاری معاونت کر سکتی ہوں۔"

ویرا کی اس پیش کش نے چند ثانیوں کے لیے مجھے سوچ میں ڈال دیا۔ کام اس سے بھی لیا جا سکتا تھا مگر خرابی وہی تھی کہ اس طرح ایک مرتبہ پھر سوچنے والوں کو یہ اشارہ مل جاتا کہ ان کے خلاف میدان میں ایک جوڑا اترا ہوا ہے۔

امریکا دشمن جوڑے کا ذکر آتے ہی ان دنوں ہر باخبر شخص کے ذہن میں میرا اور ویرا کا نام ابھرتا تھا۔ ہم دونوں کے خلاف تشہیر کی بھرپور انعامی مہم اتنے زور شور سے چلائی گئی تھی کہ اس کے بد اثرات ہمیں کسی بھی وقت اپنی گرفت میں لے سکتے تھے۔

میرا ذہن تیزی سے کام کرتا رہا۔ سامنے کوئی متبادل راہ نہیں

تھی۔ اسی اثنا میں مجھے مرعوب کرنے کے لیے ویرا نے ایرانی لب و لہجے میں انگریزی کے چند فقرے ادا کیے تو میں چونک پڑا۔

بے جگر اور ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک کامیاب اداکارہ اور صداکارہ بھی تھی۔ میں اپنی آنکھیں بند کرلیتا تو تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ میرے سامنے کسی ایرانی خانم کے بجائے ویرا لائیڈ بیٹھی ہوئی انگریزی جھاڑ رہی ہوگی۔

کچھ نہ ہونے سے کچھ نہ کچھ ہونا ہی بہتر تھا۔ میں نے بہت سرعت کے ساتھ اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد ویرا کو بریف کرنا شروع کردیا۔

میری بریفنگ سن کر ویرا قائل ہوگئی کہ عباس کرمانی کے خود ساختہ کردار میں جان ڈالنے کے لیے اپنے مخالفین کو گم راہ کرنا ضروری تھا۔

ویرا اشاروں کے استعمال میں جھنجلا دینے والی ناکامی کے بعد لکھ کر بیکسٹر کو کچھ سمجھانے کا ارادہ کررہی تھی کہ اس گونگے کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ادب اور نرمی سے ویرا کے ہاتھ سے بال پین لیا اور تیزی سے پیڈ پر کچھ لکھنے لگا۔

میں سگریٹ کے گہرے کش لے کر خاموشی سے اس صورتِ حال سے لطف اندوز ہورہا تھا۔

بیکسٹر کی تحریر مکمل ہونے سے پہلے ہی ویرا بھنّا کر پھٹ پڑی۔

”ہاں، ہاں! مجھے معلوم ہے کہ تم صرف گونگے ہو، بہرے نہیں ہو۔ میری ہر بات سن اور سمجھ سکتے ہو۔ اشاروں کے ذریعے میں تمہیں یہ احساس دلانا چاہ رہی تھی کہ تمہارے جواب سمجھنا میرے لیے کتنا دشوار ہوتا ہے۔ پتا نہیں تمہارے جیسے دلیر جنگ جو شخص کو تمہارا آقا ہماری خدمت میں کیوں ضائع کررہا ہے۔ تم سے بہتر....“

میں نے بڑھ کر سختی سے ویرا کے دہانے پر ہاتھ جما کر اسے خاموش کردیا۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ بے خیالی میں سرزد ہونے والی اپنی حماقت پر پردہ ڈالنے کے لیے وہ بے رحمی کے ساتھ بیکسٹر کی دل آزاری پر تل چکی تھی۔

بیکسٹر کی کدورت ہمارے لیے کسی بھی وقت سنگین مشکلات کا سبب بن سکتی تھی۔

”سوری، بیکسٹر!“ میں نے ویرا کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ”نفسیات میں پی ایچ ڈی کرنے کے بعد اس لڑکی کا دماغ پھر گیا ہے۔ ابھی اس نے تمہارے اشاروں کی نقل کرکے تمہارے نرم ردِعمل کا مشاہدہ کیا۔ اب یہ تمہیں اشتعال دلا کر دوسرا تجربہ کرنا چاہتی ہے۔ یہ بہت نامناسب بات ہے۔ تم انسان ہو، کوئی تجرباتی مشین نہیں ہو۔“

میری بات پوری ہونے سے پہلے بیکسٹر نے کاغذ پر بال پین گھسیٹنا شروع کردیا۔ لکھنے سے فارغ ہوکر اس نے پیڈ اٹھا کر میرے سامنے کردیا۔ اس کا چہرہ فخر اور خوشی کے احساسات سے تمتمارہا تھا۔

اس کی تحریر پڑھ کر میں حیران رہ گیا، اس نے لکھا تھا ”اتنی اچھی مِسّی پر یوں ظلم نہ کرو۔ اسے چھوڑدو۔ یہ جو کچھ بھی کرتی ہے، اچھی لگتی ہے۔“

”بیکسٹر، یو گٹ آؤٹ!“ میں نے غرّا کر درشت لہجے میں اسے حکم دیا ”میرے طلب کئے بغیر تم اپنے کمرے سے نکل کر اس چھت کے نیچے نہیں آؤگے۔“

اس گونگے نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنا سر جھکایا، کندھے اچکائے اور مڑ کر مغموم انداز میں نکاس کے راستے کی طرف چل دیا۔ میری پھٹکار سن کر اس کا چہرہ یک بہ یک بجھ گیا تھا۔

ٹیلی فون لائن پر سی ایس ڈی کی موجودگی میں مقامی رابطے کسی خوف یا خطرے کے بغیر کئے جاسکتے تھے لیکن شہریا ملک سے باہر فون کرنے کی صورت میں بلنگ ریکارڈ کے لیے کچھ کوائف سی ایس ڈی پر اثر انداز ہوئے بغیر خود کار طریقے سے ریکارڈ ہونے یقینی تھے۔

ان کوائف میں دوسرے نمبر اور گفتگو کے دورانیے کا ریکارڈ ہونا ہر شک و شبے سے بالا تھا۔ اس کا تجربہ میں پاکستان جیسے ملک میں برسوں سے کرتا چلا آرہا تھا۔ محض اسی خوف کی بنا پر میں نے ہوٹل پین پلازا چھوڑا تھا۔ امریکا میں جہاں اس وقت تک کمپیوٹر زندگی کے ہر شعبے میں دخیل ہوچکا تھا، سی آئی اے والوں کے لیے فون کے بلنگ ریکارڈ سے یہ سراغ لگانا مشکل نہیں تھا کہ ریچمنڈ کے جیفرسن ہوٹل میں مقیم بدری ناتھ کو نیویارک کے کس نمبر سے فون کیا جاتا رہا تھا۔

وہ الجھنیں میرے ذہن کے کسی عقبی حصے میں اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ موجود تھیں مگر میں ویرا اور بیکسٹر کی تازہ ترین جھڑپ سے غافل نہیں تھا۔ میں نے ملامت آمیز لہجے میں ویرا سے کہا ”اس وقت تم نے بیکسٹر کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ وہ ایسے سلوک کا مستحق نہیں تھا۔“

”تم دخل نہ دیتے تو میں شاید اسے جوتے مار کر یہاں سے نکال دیتی“ ویرا نے برہمی کے عالم میں کہا ”حرام زادہ ایسی مرمٹنے والی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا کہ غصے میں، میں یہ تک بھول بیٹھی کہ وہ صرف گونگا ہے، بہرا نہیں ہے۔ ندیدے مردوں کو میں ہمیشہ سے اپنی جوتی کی نوک پر رکھتی آئی ہوں۔“

”اس میں بیکسٹر زیادہ قصوروار نہیں ہے۔ قدرت نے تمہیں اتنی فیاضی سے حسن و جمال کی رعنائیوں سے نوازا ہے کہ لوگ بے اختیار تمہاری طرف جھکنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ وہ بے چارہ تمہاری جھاڑ سن کر بھی تمہارے ہی گن گا رہا تھا۔ یقین نہ ہو تو پیڈ کی آخری تحریر پڑھ لو۔“

بیکسٹر کے گھسیٹے ہوئے آخری فقرے ویرا کی نظروں سے محفوظ رہے تھے۔ انہیں پڑھتے ہی ایک مرتبہ پھر اس کا پارہ چڑھنے لگا۔

میں نے خاصی مشکل سے اس کا دماغ ٹھنڈا کیا اور اسے یاد دلایا کہ وہ ایک اہم ذمے داری اپنے سر لے بیٹھی ہے جس کا پورا ہونا ضروری ہے۔

وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی ہوئی فون ڈائریکٹری کی طرف متوجہ ہوگئی۔

معاً میرے کانوں میں ایک دبی دبی اور کریہہ سی چیخ کی آواز آئی۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی کا گلا گھونٹ کر اسے قتل کرنے کی کوشش کی جارہی ہو۔ میرے کان کھڑے ہوگئے۔ ویرا اپنی جھلاّہٹ کی وجہ سے شاید اس غیر معمولی آواز پر دھیان نہیں دے سکی تھی۔

میں اسے ٹیلی فون ڈائریکٹری کی ورق گردانی میں مصروف چھوڑ کر خاموشی سے کچن سے نکل گیا۔

باہر چمکیلی دھوپ اور صاف ستھری فضا میں مختصر سا سرسبز لان نکھرا نکھرا سا نظر آرہا تھا۔ میرے لیے اس خوب صورت منظر سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہیں تھا۔ میرے کان مکان کے کسی بھی حصے سے ابھرنے والی کسی غیر معمولی آواز پر جمے ہوئے تھے اور میں چوکنّے انداز میں اِدھراُدھر دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہی بلکہ اس سے بھی زیادہ گھٹی گھٹی اور ڈراؤنی آواز دوبارہ میرے کان کے پردوں سے ٹکرائی اور اس بار میں نے اندازہ لگالیا کہ آواز کا مخرج مکان کے عقب میں واقع تھا۔

وہ مکان مختصر تھا پھر بھی اس کی کوئی دیوار احاطے یا پڑوس کی دیوار سے ملی ہوئی نہیں تھی۔ اندر قدم رکھے بغیر احاطے میں سے ہی پورے گھر کا طواف کیا جاسکتا تھا۔

مکان کے پچھواڑے بند گیراج اور اسی سے ملحق سرونٹ کوارٹر تھا۔ پیش قدمی کے ساتھ میرے کانوں میں دبی دبی سسکیوں کی آوازیں بھی آنے لگیں۔ ان کے درمیان میں تیسری بار ابھرنے والی ہلکی سی چیخ نے آخر کار مجھے سرونٹ کوارٹر کے دروازے پر پہنچادیا۔

بیکسٹر مجھ سے زیادہ دراز قامت اور توانا نظر آتا تھا۔ اس وقت یہی شبہ ہوسکتا تھا کہ کوئی پہلے سے اس کمرے میں موجود تھا جس نے گونگے بیکسٹر کو بے خبری میں جکڑ لیا تھا اور اب فائر کرنے کا خطرہ مول لیے بغیر، گلا گھونٹ کر اسے مارنے کے درپے تھا۔

دروازہ بند تھا، کھڑکی پر پردہ کھنچا ہوا تھا۔ میں نے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ اندر سے بولٹ تھا۔ میں دبے قدموں کھڑکی سے جالگا۔

ذرا سی جستجو کے بعد دوہرے پردے کی درمیانی جھری سے اندر کا منظر دیکھتے ہی میری کھوپڑی خلا میں معلق ہوگئی۔

وہ بہت صاف ستھرا اور قرینے سے آراستہ کمرا تھا۔ وہاں کسی قسم کی مزاحمت کے کوئی آثار نہیں تھے۔ بس بڑی سی مسہری پر شکن آلود بستر پر بیکسٹر خود بائیں پہلو کے بل کئی تکیوں کے درمیان سمٹا شاید بلک بلک کر رو رہا تھا۔ اس کے ہلتے ہوئے جسم کے ساتھ اس کی سسکیاں اور پھر گھٹی گھٹی ایک دلدوز چیخ سن کر میں ایک ہی نتیجہ اخذ کرسکا کہ وہ گونگا ہونے کے ساتھ ساتھ ذہنی طور پر قدرے کھسکا ہوا بھی تھا۔

ہماری رفاقت کو پہلا دن بھی پورا نہیں ہوا تھا۔ وہ بلیک ڈیڈ کی طرف سے ہماری خدمت پر مامور کیا گیا ایک عام سا ملازم تھا۔ ویرا کی برہمی یا میری سرزنش پر اس کا وہ انتہائی جذباتی ردِعمل دیکھ کر میں مداخلت کیے بغیر خاموشی سے لوٹ گیا۔

ویرا بیٹھک میں ٹیلی وژن کے سامنے جمی سگریٹ نوشی میں مصروف تھی "کیا اس لعنتی کا لیے کو منانے گئے تھے؟" مجھے دیکھتے ہی اس نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔

"میں یہ یقین کرنا چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں محصور ہوچکا ہے یا باہر چوکھٹ سے لگا بیٹھا ہے" میں نے بے پروائی سے جواب دیا "جب تک وہ منہ لپیٹے اپنے بستر میں پڑا ہوا ہے' ہم آزادی کے ساتھ بات چیت کرسکتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اپنا کام پورا کرلیا یا میرے انتظار میں ہو؟"

"میں کسی کا انتظار نہیں کرتی" اس نے اپنی گردن اکڑا کے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ٹائمز کے دفتر میں اس وقت طوفان مچا ہوا ہوگا۔ میں نے اس کے سینئر نیوز ایڈیٹر کو دھمکی دی ہے کہ نیویارک میں عباس کرمانی کی تلاش کا ڈراما ختم نہ ہوا تو ورلڈ ٹریڈ سینٹر سمیت، مین ہٹن کی کوئی بھی مصروف اور فلک بوس عمارت بموں سے اڑادی جائے گی۔"

"تم نے اپنے بارے میں اسے کیا بتایا؟" میں نے خوش ہوکر متجسس لہجے میں پوچھا۔

"کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ عباس کرمانی کا نام اور لہجہ ہی میرے تعارف کے لیے کافی تھا۔ وہ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا مگر میں نے غیر ضروری باتوں میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ اپنا پیغام پہنچا کر فوراً ہی فون بند کردیا۔"

حریف کی صفوں میں انتشار اور خوف وہراس پھیلانے کے لیے ایسی کارروائیاں ناگزیر تھیں۔ میں نے وہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا اور مجھے توقع تھی کہ اس کے مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔ میں نے سوچتے ہوئے کہا "سب کچھ ٹھیک جارہا ہے۔ بس ہم بدری سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔"

"مجھے تم سے اختلاف ہے۔ مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے ہم ایک جگہ تھم کر رہ گئے ہیں" ویرا نے فضا میں سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے اگلتے ہوئے کہا۔

"اگر تمہاری مراد ٹھکانے سے ہے تو ہم نیویارک میں ضرور رکے ہوئے ہیں لیکن ہم نے پرنسٹن میں بھی ایک اہم کام سرانجام دیا ہے۔"

"نیویارک میں رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا" وہ قدرے تنک کر بولی "واقعات میں پیش رفت نہیں ہورہی۔ اب شاید اگلے چند روز بالکل ہی جمود رہے گا۔"

"کراچی کے ایٹمی بجلی گھر میں تخریب کاری کا سرا یہاں دریافت ہوا۔ وہاں بھیجے جانے والے پرزوں میں تخریب کاری کی سازش پرنسٹن میں ناکام بنائی گئی۔ گیپ کا اہم ترین مسودہ حاصل

کیا گیا اور سب سے بڑھ کر، اسحاق گھنٹی اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ اس کے خاتمے کو تم نے اپنی زندگی کا انتقامی مشن بنایا ہوا تھا...“

”میں مانتی ہوں کہ میرا مشن پورا ہوگیا۔ اس کا جو انجام ہوا ہے اس میں کوئی مزہ نہیں آیا۔ اسے ہم کسی پیاسے کتے کی طرح بھگا بھگا کر اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کرتے تو میرے دل میں واقعی ٹھنڈک پڑ جاتی“ ویرا کے لہجے سے اس کی دلی خلش کا اظہار ہو رہا تھا۔

”دراصل سب کچھ آسانی اور سبک روی سے حاصل ہوتا چلا گیا اس لیے تمہیں محرومی ستا رہی ہے۔ یہی نتائج زبردست کشت و خون کے بعد حاصل ہوئے ہوتے تو تمہاری خوں ریز انا کو تسکین مل جاتی۔ جینی نہ ملی ہوتی تو ہم اب تک بھٹک رہے ہوتے۔“

”ہاں..... تم کہہ سکتے ہو۔ جینی نے بڑی معصومانہ بے خبری میں اسحاق گھنٹی کے پیروں کے نیچے سے تختہ کھینچ لیا ورنہ ابھی لڑائی جاری ہوتی“ وہ مسکرا کے بولی۔

”تم بھول رہی ہو کہ یہاں ہماری حیثیت کتنی مخدوش ہے۔ ہمارا شمار بدترین اشتہاری مجرموں میں کیا جا رہا ہے پھر بھی ہم زندہ اور محفوظ ہیں۔ تمہارا بدترین دشمن دھیرے دھیرے موت کی بھیانک دلدل میں اترتا جا رہا ہے۔“

”کاش وہ برقی کرسی کا ایندھن بن سکے!“ ویرا نے حسرت آمیز لہجے میں کہا ”میں مانتی ہوں کہ وہ بہت بری طرح پھنسا ہے لیکن تم نیویارک کے یہودی فتنہ گروں سے واقف نہیں ہو۔ اسے بچانے کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ وہ عدالتوں میں اپنی بقا کی قانونی جنگ لڑنے کی تیاریاں کر رہا ہے اور ہم اپنی بقا کے لیے کمزور غیر قانونی ہتھکنڈے استعمال کر کے قانون کے محافظوں کو عباس کرمانی نامی مفروضے کے پیچھے دوڑا رہے ہیں۔“

”تم دیکھنا کہ ٹائمز کے سینئر نیوز ایڈیٹر سے تمہاری گفتگو کیا رنگ دکھاتی ہے“ میں نے پُریقین لہجے میں کہا ”کھلی جنگ میں ان ہتھکنڈوں کو مصلحت اور حکمتِ عملی کا نام دیا جاتا ہے۔“

”اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ میری دھمکی پر وہ تلاش کی مہم ترک کر دیں گے۔ صرف اتنا ہو سکتا ہے کہ جو کچھ وہ بر سرِعام کر رہے ہیں ’اب چوری چھپے کرتے رہیں گے۔“

”تم خود اس بات کا اعتراف کرتی رہی ہو کہ امریکی عام طور پر بزدل ہوتے ہیں...“

”یہ میں نے کہا؟“ اس نے حیرت سے دیدے پھاڑ کر پوچھا۔

”امریکی بہت نڈر اور بے جگر ہوتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ امریکا میں سفید فاموں کی آبادکاری کا آغاز بدنام مجرموں اور ہولناک قاتلوں نے کیا تھا۔ ان کی نسلوں میں جرم اور دیدہ دلیری کا خمیر آج بھی باقی ہے۔“

”تم بہک رہی ہو۔ میں تاریخ کی نہیں‘ آج کے امریکا کی بات کر رہا ہوں۔ ان جنگوں کی بات کر رہا ہوں جنہیں امریکی عوام کی تائید حاصل رہی ہے...“

ویرا کو اپنی بھولی ہوئی بات فوراً یاد آ گئی۔ اس نے میری بات کاٹ کر کہا ”ہاں‘ یہ درست ہے۔ امریکیوں نے آج تک اپنی سرزمین پر کسی جنگ کا مزہ نہیں چکھا۔ وہ دوسروں کے علاقوں میں لڑ کر ہارتے اور جیتتے رہے ہیں۔“

”تمہاری آج کی دھمکی یہاں کی رائے عامہ کو ہلا کر رکھ دے گی“ میں نے کہا ”کیا تم تصور کر سکتی ہو کہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر‘ راک فیلر سینٹر یا کسی اور ہائی رائز میں ہونے والے دھماکے یہاں کیسی بھیانک جانی اور مالی تباہی لا سکتے ہیں؟“

”رائے عامہ کے دباؤ کا احترام ضرور کیا جاتا ہے لیکن سی آئی اے والے جونک بن کر اپنے دشمنوں کا پیچھا جاری رکھتے ہیں۔ وہ عباس کرمانی کی تلاش ترک نہیں کریں گے۔“

”یہ بات میں بھی جانتا ہوں۔ بس ذرا ان کا زور ٹوٹ جائے گا اور ہمیں اس مکان سے باہر گھومنے پھرنے کی تھوڑی سی آزادی میسر آجائے گی۔“

”تم باہر کہاں جاؤ گے؟“ ویرا نے آنکھیں نکال کے پوچھا۔

”دو کام بہت اہم ہیں۔ بدری ناتھ کا کزن شیام ناتھ اور دوسرا ڈاک خانہ!“

ویرا کے بشرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی ”میں سمجھی تمہارا کہیں اور جانے کا ارادہ ہے۔“

میں نے اس کا مدعا بھانپ کر کہا ”اب تم چاہو تو ہم دونوں ہی جینی سے ملنے جا سکتے ہیں۔“

”تمہارا خیال ہے کہ اسحاق گھنٹی نے سی آئی اے کی حوالات سے ہدایات جاری کر کے وہاں سے اپنے آدمی ہٹا لیے ہوں گے؟“ ویرا نے طنز سے پوچھا۔

”اب اس کی کسی ہدایت کی ضرورت نہیں رہی۔ مات ہوتی ہے تو ہر مہرہ اپنی جگہ پر بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے انجام سے باخبر ہوتے ہی ہر محاذ سے اس کے آدمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے ہوں گے۔ کل رات وہ بہت خوف زدہ تھی۔ اسے تمہارے

سہارے کی ضرورت تھی۔"

"مجھے معلوم ہے۔ اس کے لیے ہم اپنی گردنیں نہیں کٹوا سکتے تھے۔ وہ کتنی بھی خوف زدہ رہی ہو، مجھے یقین ہے کہ مری نہیں ہوگی۔ میں اسے ابھی فون کیے لیتی ہوں۔"

ویرا فوراً ہی اسپیکر فون پر جینی کا نمبر ملانے لگی۔ اس کے کہے بغیر مجھے معلوم تھا کہ مجھے گفتگو سننے کی مگر اس میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ہوگی۔

نمبر ملتے ہی جینی نے پہلی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا۔ ویرا کی آواز پہچانتے ہی اس نے شکوے شروع کردیے "پچھلی رات میری زندگی کی بدترین رات تھی۔ مجھے مان تھا کہ مجھے سہارا دینے کے لیے تم ہر رکاوٹ کو عبور کرکے میرے پاس پہنچو گی۔ میں نے پوری رات آہٹوں پر چونک چونک کر سہمتے ہوئے گزاری۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ صبح تک میں زندہ بچوں گی۔"

ویرا خاموشی سے اس کی شکایات سنتی رہی پھر بولی "اچھا ہوا کہ تم نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ آج کی خبروں سے تم نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ پچھلی رات ہمارے لیے بھی کم کٹھن نہیں تھی۔ شکاری کتے ہمارے خون کی بو پر لگے ہوئے تھے۔ وہ نہ پکڑا جاتا تو ہم مار دیے گئے ہوتے۔" ویرا نے اپنے لہجے میں شدت پیدا کرکے جینی کی طبیعت کا ابال وہیں ختم کردیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ رات گزر گئی۔ تم بھی زندہ ہو اور میں بھی تم سے باتیں کررہی ہوں۔"

"کیا رات سے تم اپنے گھر میں ہی محصور ہو؟" ویرا نے تجسس سے پوچھا۔

"نہیں، تم نے مجھے ڈرا دیا تھا کہ میں دفتر نہ گئی تو میری ذات شبہات کی زد میں آجائے گی۔ بے خوابی کے اثرات کو میک اپ کی تہوں میں چھپا کے دفتر گئی تو وہاں الّو بول رہے تھے۔ گیارھواں فلور سیل پڑا ہوا تھا۔ دونوں خاص لفٹیں بند تھیں اور ایک فیڈرل ایجنسی کے دو افسر رنگس کے ملازموں کے کوائف نوٹ کرکے انہیں لوٹا رہے تھے۔ ان مرحلوں سے گزر کر میں گھر لوٹ آئی۔"

"خطرات چھٹ چکے ہیں۔ اب تم بے فکری سے گھوم پھر سکتی ہو۔"

"مجھے یہ سب ایک بھیانک خواب معلوم ہورہا ہے۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ زخمی کیسے ہوا اور پھر رات گئے کیسے دھر لیا گیا...." جینی مزید کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم پُرکشش اور ذہین لڑکی ہو۔ ان فضول باتوں پر اپنا سر نہ کھپاؤ۔ یک سو ہوکر کوئی نئی نوکری تلاش کرو۔ رنگس کے دن اب گنے جاچکے ہیں۔"

"مجھے نوکری کی اتنی جلدی نہیں۔ کچھ دن آرام کرنے کے بعد ہی سوچوں گی۔ کہیں یہ سب میری دی ہوئی اسی فائل کی وجہ سے تو نہیں ہوا جس کی تلاش میں وہ پاگل ہوا جارہا تھا؟"

"وہ اہم ضرور تھی لیکن ان واقعات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔" ویرا کا لہجہ اچانک سرد ہوگیا "تمہیں منع کیا تھا کہ آئندہ اس کا نام نہ لینا۔ وہ فائل مصیبت کا پیغام ہے۔ جس کے پاس جائے گی اس کو اسی انجام کو پہنچادے گی جس سے تمہارا باس دوچار ہوا ہے۔"

"پھر تم میرے پاس کب آرہی ہو؟" جینی اس سے مل کر اپنے سوالوں کے جوابات پانے کی خواہاں تھی۔

"پُرخطر اور دہشت انگیز رات گزر گئی۔ اب کسی وقت بھی تمہاری طرف آجائیں گے۔ اسلم نے تمہارا گھر دیکھا ہی ہوا ہے۔ کسی وقت اچانک پہنچیں گے۔"

"تم نے رات کو اسلم سے میری بات بھی نہیں کرائی۔" جینی نے ویرا کو اس کا وعدہ یاد دلایا۔

"وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے کہیں نکل گیا تھا اور اب تک غائب ہے۔" ویرا نے مجھے آنکھ مار کر جینی کو جواب دیا "وہ بہت... خودسر بلکہ سرپھرا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرا گزارہ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔ عام آدمی مجھے بے ہودہ لگتے ہیں۔"

"اوہ خدا! تو کیا رات سے تم اسی نائٹ کلب کے تہ خانے میں قید ہو؟" جینی بے چاری کی تحیر زدہ آواز ویرا کے لیے ہمدردی کے جذبات سے لبریز تھی۔

"تمہارا کیا خیال تھا؟ میں کسی آرام دہ کمرے میں عیش کررہی ہوں؟"

"اوہ ڈارلنگ، سوری! آئی ایم ویری سوری۔" جینی کی آواز مزید جذباتی ہوگئی "کاش میں اس آڑے وقت میں تمہارے کام آسکتی۔ میرا گھر کافی بڑا ہے۔ تم دونوں بہت آرام سے یہاں رہ سکتے ہو۔ کاش! میں تمہارے کسی کام آسکتی۔"

ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "رات میں تمہارے کام نہیں آسکی۔ اب تم بے بس ہو۔ ہمارا آپس کا حساب مفت میں برابر ہوگیا۔"

مزید چند نجی مکالموں کے تبادلے کے بعد ویرا نے فون بند کردیا۔

"تمہارے دماغ پر جینی اس بری طرح سوار ہے کہ تم نے اب تک یہ نہیں پوچھا کہ مجھے ڈاک خانے میں کیا کام ہے۔" میں نے ویرا کو چھیڑا۔ دراصل میں اس موضوع پر ویرا سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ براہِ راست ایسی کوئی بات چھیڑتا تو وہ بقراط بننے کی کوشش کرنے لگتی۔

"بلکہ یہ بھی بتادو کہ شیام ناتھ کے پاس تمہیں کیا کام ہے۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

"ہوسکتا ہے کہ وہاں سے بدری کا کوئی پیغام مل سکے۔ راستے میں کہیں سے اول خان کو فون کروں گا۔ اب تک سلطان شاہ کو

امریکی ائرایمبولینس کے ذریعے انقرہ سے کراچی پہنچ جانا چاہیے۔ میں اس پرواز کی سلامتی کی طرف سے بہت فکرمند ہوں۔"

"اس پروگرام میں ڈاک خانے کا کوئی تذکرہ نہیں آیا۔ کیا سلطان شاہ کو مبارک باد کا ٹیلی گرام بھیجنے کا ارادہ ہے؟" ویرا نے مزاحیہ انداز میں پوچھا۔

"یہ خیال بھی برا نہیں ہے۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں رہ کر بھی ہم ہر وقت اس کے بارے میں فکرمند رہتے ہیں اسی کے ساتھ گیپ کے پانچوں اصل کاغذ اول خان کو پوسٹ کردوں گا۔" میں نے غیر محسوس انداز میں وہ سنگین مسئلہ پیش کردیا۔

"پہلے تمہارا خیال تھا کہ وہ پانچوں کاغذات امریکا میں تمہارے لیے سلامتی کے ضامن ثابت ہوسکتے ہیں۔" ویرا نے تیوریاں چڑھا کر ناقدانہ انداز میں کہا۔

"یہ خیال اس وقت درست ہوتا جب ہمارا مقابلہ آدمیوں سے ہوتا۔ یہاں آدم خوروں سے پالا پڑا ہوا ہے۔ انہیں شبہ بھی ہوگیا کہ وہ پانچوں کاغذ میری تحویل میں ہیں تو وہ کسی قیمت پر مجھے یہاں سے زندہ نہیں نکلنے دیں گے معاہدے کے کاغذ حاصل کرنے کے لیے میرا نرخرا چیر کر رکھ دیں گے۔ ایسی صورت میں وہ کاغذ موت کا پروانہ ثابت ہوسکتے ہیں۔"

وہ سوچ میں پڑگئی۔ میں نے بھی سگریٹ سلگا کر اسے سوچنے کا موقع فراہم کردیا۔ چند ثانیوں بعد وہ خود ہی بولنے لگی "پاکستان کے خیر خواہوں کو وائٹ ہاؤس میں بیٹھنے والوں کی مکروہ صورتیں دکھانے کے لیے گیپ کے پانچوں اصل کاغذوں کا امریکا سے باہر نکلنا ضروری ہے۔ نقل کی تصدیق کے لیے اصل کا ہمارے قبضے میں رہنا ضروری ہے کیونکہ اسٹیشنری کے صدارتی واٹر مارک فوٹو کاپی میں نہیں آسکتے۔ اس گندے معاہدے پر لوگ اسی وقت یقین کریں گے جب وہ اپنی آنکھوں سے اصل دیکھیں گے لیکن پھر ہم یہاں بے یارومددگار رہ جائیں گے۔"

میرے لیے اصل اہمیت اس بات کی تھی کہ ویرا نے میری تجویز کی تائید کی تھی ورنہ اس کے فوائد اور نقصانات پر میں پہلے ہی ہر پہلو سے بہت کچھ سوچ چکا تھا۔

اپنے کسی برے وقت میں گیپ کے ان اصل کاغذوں کو بلیک میلنگ کا ذریعہ بنانا ہمارے لیے خودکشی کے مترادف ہوتا۔ بظاہر ہماری ہر شرط کو منظور کرکے اسی پوزیشن میں پہنچا دیا جاتا جس میں آئزک بیل بلیک ڈیڈ کے ہاتھوں بری طرح زخمی ہوا تھا۔

ہمارے حریف اتنے شقی القلب اور خوں خوار تھے کہ وہ ہماری جانیں لینے سے کم کسی منصوبے پر غور تک نہ کرتے اور کاغذات سے محرومی کے ساتھ ہی ہمیں بادلِ ناخواستہ داعیِ اجل کو لبیک کہنا پڑجاتا جو اس راستے کا کوئی بہتر انجام نہ ہوتا۔

گیپ کے اصل کاغذات کو امریکا سے باہر بھیج دینے کے بعد ہم اس کی نقل سے ہر کام لے سکتے تھے۔ کسی سودے بازی کے لیے یہ شرط بھی رکھی جاسکتی تھی کہ ہمیں حفاظت کے ساتھ امریکا سے باہر پہنچا کر معاہدے کے اصل کاغذ حاصل کیے جاسکتے ہیں اور وہ پانچ اصل کاغذوں تک رسائی سے پہلے ہمیں زندہ رکھنے پر مجبور ہوجاتے۔

"مجھے اول خان کو ہدایت دینی ہوگی کہ امریکا سے ہماری واپسی تک گیپ کا راز فاش نہ کیا جائے ورنہ ہمارا کھیل خراب ہوسکتا ہے۔" میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"یہ ضروری ہوگا.... میری رائے میں وہ کاغذ ڈاک سے بھیج کر تم بڑا خطرہ مول لوگے۔" ویرا نے ہونٹ سکیڑ کر پُرتشویش لہجے میں کہا "کاغذ گم بھی ہوسکتے ہیں۔"

"مجھے یقین نہیں کہ امریکی اپنے ملک سے روزانہ باہر جانے والے لاکھوں خطوط کو سنسر کرکے یہ کاغذ اڑانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔" میں نے بے یقینی سے کہا۔

"یہاں کوئی خطرہ نہیں۔ میں نے کراچی کے اخباروں میں کئی بار غیر ملکی ڈاک کے کھلے ہوئے لفافوں اور ڈاک کے ادھ جلے بنڈلوں کی دریافت کی شکایات پڑھی ہیں۔ بدقسمتی سے تمہارا لفافہ کسی کام چور ڈاکیے کے ہتھے چڑھ گیا تو وہ کبھی اول خان تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

عام ڈاک کے بارے میں ویرا کے اس مشورے پر حرف گیری کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔ ویرا خبروں کی بات کررہی تھی، میں ذاتی طور پر بارہا ایسے تجربوں سے گزر چکا تھا کہ خط غائب ہوگیا یا کوئی بھاری لفافہ ملا تو اسے پھاڑ کر یا کھول کر تلاشی لینے کی تمام تر نشانیاں موجود تھیں۔

ایسی شکایات کی ذمے داری ڈاک لانے والے مظلوم اہل کار کے سر نہیں ڈالی جاسکتی تھی۔ ڈاک کی تقسیم کے آخری مرحلے پر لفافہ اس کے ہاتھ آنے سے پہلے متعدد منازل، مراحل اور ہاتھوں سے گزر چکا ہوتا ہے۔ ان میں اصل مجرم کی صحیح نشان دہی ناممکن ہوکر رہ جاتی ہے۔

ان مذموم شکایات کا ازالہ ذمے داری کے انفرادی احساس سے ہی ہوسکتا تھا۔ یہ بدقسمتی ہے کہ ہم اجتماعی اور انفرادی طور پر اس اثاثے سے محروم ہیں۔

رجسٹری کی صورت میں وہ لفافہ نیویارک کے پوسٹ آفس سے ہی اہمیت اختیار کرلیتا جب کہ میں کسی امریکی کو یہ شائبہ تک نہیں ہونے دینا چاہتا تھا کہ میرے لفافے میں کوئی اہم چیز پاکستان بھیجی جارہی ہے۔ ملی جلی بھاری عام ڈاک کے مقابلے میں مختلف ممالک کے لیے انفرادی طور پر وصول کیے ہوئے پیکٹ اور لفافے بہت آسانی سے سنسر یا تلاشی کا نشانہ بن سکتے ہیں۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے؟ میں خود ہی اول خان کو گیپ کے کاغذ پہنچا کر واپس لوٹ آؤں؟"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"واشنگٹن اور نیویارک میں تمہارے بہت سے سفارتی اور دوسرے سرکاری محکمے ہوں گے۔ تم ان سے رجوع کیوں نہیں کرتے؟"

ویرا اس وقت واقعی بہت دور کی کوڑی لائی تھی۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ اس سے کسی موضوع پر تبادلۂ خیال رائگاں جاتا ہو۔ ہمیشہ وہ سرسری انداز میں کوئی ایسی سامنے کی بات کہہ جاتی تھی جو مشکل حالات میں بھول کر بھی ذہن میں نہیں آتی۔

نیویارک کی ٹیلی فون ڈائریکٹری میں تمام غیر ملکی مشن یکجا کردیے گئے تھے۔ ان میں پاکستان کے حوالے سے دو نام مجھے فوراً ہی نظر آگئے۔

اقوام متحدہ میں پاکستان کے سفیر اور مستقل مندوب کا دفتر مین ہٹن کی پینسٹھویں اسٹریٹ پر مشرقی سمت کی عمارت نمبر آٹھ میں واقع تھا جسے مین ہٹن کی اصطلاح میں ایٹ ایسٹ' سکسٹی ففتھ اسٹریٹ لکھا گیا تھا۔

دوسرا پتا قونصل جنرل کا تھا۔ اسی اسٹریٹ پر بارہ ایسٹ کی عمارت پاکستان ہاؤس کے نام سے موسوم تھی گویا میرے مسئلے کا حل برونکس سے ذرا سی مسافت پر مل سکتا تھا۔ کسی ذمے دار پاکستانی اہل کار کی تلاش میں مجھے واشنگٹن کا سفر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

ویرا اپنی جگہ بیٹھی پُرامید نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میرے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو دیکھ کر وہ بے ساختہ بول پڑی "اب تم نعرہ لگاؤ گے کہ میں نے پالیا۔"

"میں کوئی فلاسفر ہوں اور نہ اس وقت پانی کے ٹب میں براجمان ہوں۔ ویسے نیویارک کی ایک ہی سڑک کے مختصر سے حصے میں دو عمارتیں میری منزل ہوسکتی ہیں۔" میں نے کہا۔

"کمال ہے کہ تمہیں آج تک نیویارک میں پاکستانی سفارتی دفاتر کا دیدار کرنے کا خیال نہیں آیا۔" میرے اقرار پر ویرا نے ہلکے سے پُرغرور لہجے میں کہا۔

"میں مان چکا ہوں کہ تم پاکستانیوں سے زیادہ پاکستانی بن چکی ہو۔" میں نے جواب دیا "بیرونِ ملک پاکستانی سفارتی دفاتر سے میں اب تک دور ہی رہا ہوں۔ کسی اجنبی کو یہ جتانے کی کیا ضرورت ہے کہ پاکستان یا پاکستانی سفارت خانے سے میرا کوئی تعلق ہے۔"

میں نے ڈائریکٹری سے قونصل خانے کے فون نمبر ایک کاغذ پر نوٹ کیے اور فوراً ہی فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ پاکستان سے باہر کسی بھی سرکاری اہلکار سے میرا پہلا براہِ راست رابطہ ثابت ہونے والا تھا۔

"اسپیکر فون استعمال کرنا۔" ویرا کی ہدایت سن کر میرا ریسیور کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ مشینی انداز میں رک کر بٹن کی طرف مڑ گیا۔

ویرا کہہ رہی تھی "تمہارے سفارتی افسروں سے لوگ شاکی رہتے ہیں۔ ذرا میں بھی سنوں کہ تم جیسے تیس مار خان کے ساتھ کیا

سلوک کیا جاتا ہے۔"
میں نے اسپیکر فون آن کر دیا لیکن نمبر ملانے سے پہلے کہا "میں فون پر اپنا تعارف نہیں کرا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ میری باتیں اس کے لیے بے سروپا ہوں...."
"تم فکر نہ کرو۔ تمہیں ان باتوں کی پوری پوری رعایت ملے گی۔" ویرا ہنس پڑی۔
ریسیور اٹھا کر دوسری طرف سے امریکی انداز میں ہائے کہہ کر گفتگو کا آغاز کیا گیا مگر بولنے والے کا لہجہ چغلی کھا رہا تھا کہ اس کی وہ مشق زیادہ پختہ نہیں ہو سکی تھی۔
"جی میرا نام اسلم خان ہے۔ میں ایک اہم کام کے سلسلے میں آپ کو زحمت دینی چاہتا ہوں۔" میں نے نرم اور شائستہ انداز میں اپنا مدعا بیان کیا اور خاموش ہو گیا۔
"بولتے رہیں، میں سن رہا ہوں۔" میری اردو کے جواب میں دوسری طرف سے اردو ہی میں ٹوکا گیا۔ اس شخص کی آواز پختہ اور لہجہ مربیانہ تھا۔
"دراصل میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے بے دھڑک کہہ دیا۔
"مگر کس سلسلے میں؟ پاسپورٹ کھو گیا ہے، کوئی کیس ہو گیا ہے یا وطن واپسی کے لیے کسی مدد کی ضرورت ہے؟" اس بار آواز میں ہلکی سی بے زاری اتر آئی۔
"ان میں سے کوئی بھی مسئلہ نہیں ہے مگر بہت اہم ہے۔" اس بار مجھے ناپ تول کر الفاظ کا انتخاب کرنا پڑا "مجھ سے زیادہ شاید میرے ملک کا مسئلہ ہے۔"
اسپیکر پر ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کے بعد تلخ آواز ابھری "سر! یہ ہمارے لیے نئی بات نہیں ہے۔ ہر پاکستانی کو یہ عادت سی ہو گئی ہے کہ وہ اپنے ذاتی مسئلے کو پاکستان کی بقا کا مسئلہ قرار دے کر ہم سے رعایتیں لینا چاہتا ہے۔ مسئلہ جانے بغیر آپ کو ملاقات کے لیے وقت نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی حفاظتی وجوہ بھی ہیں۔ آئی ایم سوری...."
اس سے پہلے کہ وہ اپنا فقرہ مکمل کر کے فون بند کرتا، میں نے جلدی سے کہا "کیا میں آپ کا اسم گرامی جان سکتا ہوں؟"
"ضرور! آپ کے اس خادم کو میجر جنجوعہ کہتے ہیں۔" آواز کی تلخی گہری ہو گئی "مجھے معلوم ہے کہ اب آپ پاکستان جا کر اخباروں میں میرے خلاف لکھیں گے مگر میں طریقۂ کار سے مجبور ہوں۔ ویسے بھی میں کمرشل قونصلر ہوں۔ آپ متعلقہ افسر کو فون کریں یا پھر واشنگٹن میں سفارت خانے سے بات کریں۔ میں یہاں صرف تجارتی اور درآمدی و برآمدی معاملات کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔"
"میرا خیال ہے کہ میرا مسئلہ آپ ہی حل کر سکتے ہیں۔" میں نے ویرا سے نظریں چار کیے بغیر شرمساری کے ساتھ کہا "میں فون پر واشنگٹن والوں کو بھی کچھ نہیں بتا سکوں گا۔"

میرے اصرار سے اتنا ضرور ہوا کہ اس کے دل میں کچھ تجسس بیدار ہوا اور اس نے فون بند کرنے کے بجائے قدرے جھلاہٹ کے ساتھ کہا "آپ کیوں نہیں سمجھتے کہ حفاظتی وجوہ کی بنا پر ہم آپ کے کوائف اور مسائل جانے بغیر آپ کو ملاقات کا وقت نہیں دے سکتے۔ اگر آپ کوئی تاجر یا صنعت کار ہیں تو مجھے اپنے بارے میں ہی بتایئے۔ میں ایک اجنبی کو کیسے وقت دے سکتا ہوں؟"
"آپ اول خان کے نام سے واقف ہیں؟" وہ میجر تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس سے وہ نازک سوال کر ڈالا۔ دوسری طرف چند ثانیوں کے لیے سکوت چھا گیا۔
"اگر میں کہوں کہ نام شناسا معلوم ہوتا ہے تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟" اس مرتبہ میجر جنجوعہ کی آواز سے تلخی کافور ہو چکی تھی۔
"بہت فرق پڑتا ہے میجر صاحب!" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "وہ اور اس کے آدمی بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ بھی نہیں ہوتے۔ اب میں اپنا کیا تعارف کرا سکتا ہوں؟"
"آپ.... آپ کا مطلب ہے کہ.... آپ اس کے آدمی ہیں؟" اس کے ایک ایک لفظ سے تجسس کا سمندر پھوٹا پڑ رہا تھا۔
"آدمی نہیں، میں اس کا ساتھی ہوں۔ میرا...." میری بات ادھوری رہ گئی۔
"اوہ خدا! آپ کیوں نہیں کہتے کہ آپ وہ ہیں جس کا نام آج پھر یہاں سننے میں آیا ہے.... مسٹر ڈ.... اسلم، مجھے بتایئے کہ آپ کب آنا چاہتے ہیں۔ میں دروازے پر آپ کا استقبال کروں گا۔ میں اپنی ترش کلامی پر شرمندہ ہوں۔ آپ کے...."
"انجانے میں نہ جانے کیا کچھ ہو جاتا ہے۔ آپ اس کی پروا نہ کریں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر اسے مزید ندامت سے بچاتے ہوئے کہا "مجھے آپ کی یہ بات پسند آئی کہ ہر پاکستانی اپنے ذاتی مسئلے کو ملک کی بقا کا مسئلہ قرار دینے کا عادی ہو گیا ہے۔ آپ قواعد و ضوابط سے ہٹ کر کام نہیں کر سکتے۔ مجھے پہچان لینے کے بعد بھی آپ کی سرد مہری برقرار رہتی تو میں پاکستان واپس جا کر واقعی ڈان میں ایک شکایتی مراسلہ ضرور چھپواتا۔"
میرے چبھتے ہوئے مذاق نے اسے مضطرب کر دیا اور وہ بوکھلا کر بولا "سر! وہ بات آپ کے لیے نہیں تھی۔ آپ یقین کریں کہ لوگ ہمارے پاس جعل سازیوں کے لیے آتے ہیں۔ انہیں کورا سا جواب دے دیا جاتا ہے تو وہ اخباروں میں لکھتے ہیں۔ بیشتر شکایتوں میں بس ذاتی عناد بھرا ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہم سب فرشتے ہیں۔ بعض جگہ ہماری غلطی بھی ہوتی ہے جس پر ہمیں اپنے دفترِ خارجہ کو جواب دہی کرنی پڑتی ہے۔ یہ بتائیں کہ کب آ رہے ہیں۔ باقی باتیں ملاقات پر ہوں گی۔"
"کیا میرا وہاں آنا مناسب ہوگا؟" میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"ہو سکتا ہے کہ آپ کا کام یہاں آئے بغیر نہ ہو سکے۔" اس کا لہجہ متذبذب تھا۔

"ایک بہت اہم لفافہ اول خان تک پہنچانا ہے۔ وہ کاغذات میں اب زیادہ دیر تک اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکتا۔ ڈاک میں لفافہ گم ہو سکتا ہے۔ میری کوشش تھی کہ کوئی برا وقت آنے سے پہلے میں وہ کاغذ کسی فرض شناس اور ذمے دار افسر تک پہنچا دوں۔"

"پھر آپ کا آنا مناسب نہیں ہوگا۔ وقت اور مقام بتا دیں۔ میں خود قدم بوسی کے لیے حاضر ہو جاؤں گا۔ میں آپ کے مقام اور مرتبے سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

"مجھے شرمندہ نہ کریں۔ ملاقات کا پروگرام طے کرنے کے لیے میں دوبارہ کب تک فون کرلوں؟"

"میں تین بجے تک ہوتا ہوں مگر آج پانچ بجے تک انتظار کروں گا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ رابطے کے لیے آپ نے میرے نمبر کا انتخاب کیا۔"

وہ اپنے ہر فقرے کے ساتھ میری عزت افزائی کے دو بول بول رہا تھا۔ میں ویرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کی حرکتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ کرسی میں یوں اکڑی بیٹھی تھی جیسے میجر جنجوعہ کی وہ ساری تعریفیں بالواسطہ اسی کے لیے ہوں۔

بات بن گئی تھی۔ ویرا کے سامنے میری عزت رہ گئی اور سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا۔

"تم شروع میں بلاوجہ مجھ سے نظریں چرا رہے تھے۔ اس شریف آدمی کی جگہ تم ہوتے تو دو ہی جملے سننے کے بعد فون بند کر دیتے۔" بعد میں ویرا خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھی کیونکہ اسی کی تجویز پر عمل کر کے میں نے ایک مشکل کا آسان حل تلاش کیا تھا۔

"مجھے شرمندگی ہو رہی تھی کہ وہ پاکستانیوں کا کچا چٹھا تمہیں بھی سنا رہا تھا۔"

"شرمندگی کی کیا ضرورت تھی۔ اس حمام میں سب ہی ننگے ہوتے ہیں۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ پشاور میں بدکاری کے اڈوں کا ایندھن بننے والے امریکی لڑکے اور لڑکیاں آئے دن اپنے قونصل خانے سے امدادی رقوم حاصل کر کے نشے بازی پر اڑانے کے عادی ہیں۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا "فرق صرف اتنا ہے کہ تمہارے سفارت خانے مفلس ہیں، پریشان ہو جاتے ہیں، مالدار ملکوں کے سفارت خانے اپنے باشندوں کی کچھ نہ کچھ اعانت کر دیتے ہیں اور کوئی شور نہیں مچاتا۔"

"پیشہ ور لوگوں کی بات اور ہے۔ کچھ لوگوں کو جائز شکایات ہوتی ہیں۔"

"جائز شکایات کسے اور کہاں نہیں ہوتیں۔ ان سے منہ چھپانا بے کار سی بات ہے۔" ویرا اس وقت خوشگوار موڈ میں تھی اور مسلسل میجر جنجوعہ کی باتوں کی حمایت کر رہی تھی "اس نے تم سے بہت مناسب رویہ اختیار کیا۔ یہ لوگ بھی روزانہ ایک جیسے حیلے بہانے سن سن کر تنگ آ جاتے ہیں۔ تعارف کے بعد تم نے دیکھ ہی لیا کہ تمہارا نام سنے بغیر وہ کیسا موم ہو گیا تھا۔"

"اس وقت تم اس موم کی موم بتی بنی ہوئی ہو۔ اب ذرا مجھے کام کر لینے دو۔"

ویرا کا منہ بند کرا کے میں نے سادہ کاغذ پر اول خان کے لیے چند سطور لکھیں جن میں صورتِ حال کی مختصر سی تصویر بھی پیش کر دی۔ گیپ کے پانچوں کاغذوں کے ساتھ اول خان کے لیے وہ تحریر یقیناً مسرت کا ذریعہ ثابت ہوتی۔

"خط لکھ ہی رہے ہو تو ایک ایک لفافہ غزالہ اور سلطان شاہ کے لیے بھی لکھ ڈالو۔" ویرا نے سنجیدگی سے مشورہ دیا "جب سے تم نے پاکستان چھوڑا ہے، کسی کو دو سطریں تک نہیں لکھیں۔ ہر ایک کو بس فون پر ہی ٹرخا رہے ہو۔"

"وہ میں تخلیے میں لکھوں گا۔ ایسا اہم کام تمہارے سامنے نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے اپنی بھول کا اعتراف کرنے کے بجائے جلدی سے بات بنا دی۔

"یہ تمہارا حق ہے، میں اس سے انکار نہیں کر سکتی۔" اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "بے چاری غزالہ پھر بھی یہ ضرور سوچے گی کہ اسے تمہارا خط مل رہا ہے اور مجھے تمہارا ساتھ میسر ہے۔ میرے لیے یہی اعزاز بہت کافی ہے۔"

میں اسے گھورتا ہوا کرسی سے اٹھ گیا "ذرا عمدہ سی چائے تیار کرو۔ میں تمہارے گونگے عاشق کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔ وہ تمہارے فراق میں منہ لپیٹے بھونڈی آوازوں سے رو رہا تھا۔"

ویرا غرا کر میری طرف لپکی اور میں تیزی سے وہاں سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

سرونٹ کوارٹر بدستور بند تھا۔ میں نے کھڑکی کے پردوں کے درمیان میں سے جھانکا تو بستر پر بیکسٹر کی پوزیشن میں کوئی قابلِ ذکر تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ اسی طرح روتے روتے پہلو کے بل سکڑ کر سو گیا تھا۔ اس کی ٹانگیں بدستور پیٹ سے لگی ہوئی تھیں اور جسم بالکل ساکت تھا۔

یہ بہت اچھا تھا کہ اپنی خوراک مل جانے کے بعد وہ خود ہی سو گیا تھا اور ہمیں دیر تک اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

میں مکان کے اگلے نکڑ تک پہنچا تو لان کے درمیان بنی ہوئی پختہ روش پر ایک نئی اور چمک دار کرسلر سے بلیک ڈیڈ اتر رہا تھا۔ اس کے تین حواری اس سے پہلے ہی اپنی نشستیں چھوڑ کر نیچے آ چکے تھے۔ وہ تینوں چہرے میرے لیے اجنبی نہیں تھے۔

بلیک ڈیڈ کے ساتھ آنے والوں میں اس کے ڈرائیور اور گن مین کے ساتھ میک بھی شامل تھا۔ اس وقت وہ چاروں شریفانہ

لباس میں تھے اور کسی کے پاس اسلحے کی جھلک نظر نہیں آرہی تھی۔
پڑوس کے لان پر چست نیکر اور ٹی شرٹ میں ملبوس ایک جواں سال امریکی خاتون برقی مشین سے گھاس کاٹنے میں مصروف تھی۔ اس نے اپنے پڑوس کے مکان میں اس چہل پہل کا خیر مقدم کرتے ہوئے ایک بلند آہنگ ہائے اچھالی۔ تین فٹ اونچی دیوار پر سے وہ ہمیں اور ہم اسے پوری طرح دیکھ رہے تھے۔ سب نے جوابی ہاتھ لہرا کر اس کے استقبال کا جواب دیا۔ اس اثنا میں، میں بلیک ڈیڈ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ مجھ سے پُرتپاک انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے اس کی متجسس نظریں میرے پیچھے کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ آخر وہ مجھ سے بیکسٹر کے بارے میں پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔
"اس وقت مناسب خبر یہ ہوتی کہ میں نے اسے شوٹ کر دیا ہے۔" برابر کے لان پر ایک کھوجی پڑوسن کی موجودگی کی وجہ سے میں نے نیچی آواز میں جواب دیا "مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ پیچھے اپنے کمرے میں بے فکری کی نیند سو رہا ہے۔ میں اسی کو دیکھ کر آرہا ہوں۔"
میں نے دروازے کی طرف اس کی پیشوائی کی۔ صرف میک ہمارے پیچھے آیا' باقی دونوں افراد باہر ہی رکے رہے۔
ویرا کچن میں چائے بنانے میں مصروف تھی۔ اس کی ہائے کا جواب دیتا ہوا' بلیک ڈیڈ وہیں گھس گیا اور حیرت سے بولا "کمال ہے۔ دھوپ میں اسلم ہمیں باہر سے لا رہا ہے اور تم کچن میں مصروف ہو پھر یہاں اس حرام زادے بیکسٹر کی کیا ضرورت ہے۔"
"اسلم نے اسی لیے تم سے کہا تھا کہ اس کی جگہ ہمیں کوئی بولنے والا حلال زادہ دے دو۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا "مگر تم اسی کے گن گا رہے تھے۔"
"وہ ایسا نہیں ہے۔ بہرحال میں میک کو لے آیا ہوں۔ یہ بھی تمہارے لیے کام کرے گا۔ تم دونوں اس سے بڑی حد تک واقف بھی ہو چکے ہو۔"
"وہ گونگا ہے اور یہ بولتا بہت ہے۔" ویرا نے مسکرا کر بے دھڑک کہہ ڈالا "اس کی موجودگی میں ہمیں بس رات کو ٹیلی وژن کھولنے کی ضرورت پیش آئے گی۔"
بلیک ڈیڈ نے خوش دلی سے قہقہہ لگا کر بے تکلفی سے ویرا کی پشت پر ہاتھ مارا "خوب چہک رہی ہو۔ تم بس ایسے ہی موڈ میں اچھی لگتی ہو۔ آؤ' اندر چل کر باتیں کریں گے۔ چائے میک بنائے گا۔"
یہ کہہ کر بلیک ڈیڈ نے مڑ کر میک کو ہدایت کی کہ وہ جا کر بیکسٹر سے رپورٹ لے کر آئے اور پھر کچن سنبھالے۔ اسے ہدایت دے کر وہ ہمارے ساتھ ہو لیا۔
"مجھے افسوس ہے کہ تمہارے آتے ہی گفتگو کی ابتدا بیکسٹر کے ناخوشگوار موضوع سے ہوئی۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ تم اطلاع دیے بغیر اتنے سویرے آپہنچو گے۔"
"یہاں کے حالات دیکھ کر میں الجھن کا شکار ہو گیا ہوں۔" اس نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے فکر مندانہ انداز میں کہا۔ "دوسری گفتگو سے پہلے ہمیں یہ مسئلہ نمٹالینا چاہیے۔ ہوا کیا ہے؟"
میں نے تھوڑی دیر قبل پیش آنے والے واقعات اختصار کے ساتھ دہرا کر کہا "ہوسکتا ہے کہ اس کی بدنگاہی کے بارے میں روزی کو غلط فہمی ہوئی ہو لیکن اس نے میرے لیے جو کچھ لکھا' وہ بدتمیزی اور گستاخی کے زمرے میں آتا ہے۔"
بلیک ڈیڈ نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی جگہ پہلو بدلا اور آگے جھک کر دھیمی آواز میں کہنے لگا "وہ دن رات کام کرنے والی ایک انتھک انسانی مشین ہے۔ وہ بہت ہی بے ضرر جمال پرست ہے۔ یہ برداشت نہ کرسکا ہوگا کہ تم اس کی وجہ سے روزی پر کسی بھی قسم کا تشدد کرو۔"
"تم اس کی طرف داری کر رہے ہو۔" ویرا نے بھڑک کر کہا۔ "ہم اپنے ذاتی معاملات میں کسی خدمت گار کو اس حد تک دخل انداز ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔"
"خوب صورت عورتوں کے معاملے میں وہ بہت حساس طبیعت کا مالک ہے۔ انہیں پریشان دیکھ کر دکھی ہو جاتا ہے۔ تم نے ذرا سے تحمل سے کام لیا ہوتا تو تم دیکھتیں کہ وہ کسی وفادار کتے کی طرح سر جھکائے تمہارے پیر دبا رہا ہوتا۔"
"اوہ چارلی! ایسی کراہت انگیز باتیں مت کرو۔" ویرا نے اس کا اصل نام لیے بغیر احتجاج کیا "اس سے پیر دبوانے سے بہتر ہوتا کہ میں اپنے پیروں پر نیم مُردہ کیچوے چھوڑ دیتی...."
"تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔" وہ شانے اچکا کر بولا "میری دانست میں وہ میرا ایک بہترین آدمی ہے۔ وہ تم دونوں کو اتنا ناپسند ہے تو میں اسے واپسی پر اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ قصہ ختم۔"
"تھینک یو چارلی! یو آر گریٹ۔" ویرا نے فراخ دلی سے اپنی ممنونیت کا اظہار کیا۔
"اس کی جمال پرستی کا اندازہ تم دونوں اس بات سے لگا سکتے ہو کہ وہ کئی بار مجھ سے کہہ چکا تھا کہ جس دن اس نے اپنی زندگی کی حسین ترین عورت دیکھ لی' وہ اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔ خوشی سے نہ مرسکا تو وہ خودکشی کرلے گا۔" بلیک ڈیڈ نے اضافہ کیا۔
"وہ یقیناً کسی ذہنی کج روی کا شکار ہے۔ اب اس کے بارے میں سر کھپانا بے سود ہے۔" میں نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں میک کو دیکھنا ہوگا۔"
"تم نے یہ سب دیکھ لیے ہوں گے۔" بلیک ڈیڈ نے میز پر پڑے ہوئے اخبارات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ان میں تمہارا نام آنا قابلِ فہم ہے۔ یہ عباس کرمانی کہاں سے پیدا ہو گیا۔ اس کی وجہ سے میری ساکھ پر اثر پڑا ہے۔"
"میرے لیے بھی یہ نام نیا ہے۔" میں نے اپنی بے خبری کا

اظہار کرتے ہوئے کہا "پتا نہیں سی آئی اے والوں کو یہ کہاں سے مل گیا۔"

"خبروں میں تمہارے سوا کسی اور کا نام نہ آتا تو میرا کام بہت آسان ہوجاتا۔ اب بہت سے ذہن عباس کرمانی میں الجھ گئے ہیں۔ میرے بارے میں سوچنے کے مواقع محدود ہوگئے ہیں۔" وہ مضطربانہ لہجے میں بولا "یہ عجیب بات ہے کہ آئزک بیل ان کے سامنے سچ بول رہا ہے لیکن وہ اسے جھوٹا قرار دے کر سارا کریڈٹ اس ایرانی کو دینے پر تل گئے ہیں۔ یہ گورکھ دھندا میری سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"میں نے اس ایرانی کا نام کل رات پہلی بار تمہاری زبان سے سنا تھا یا اب اخباروں میں دیکھا ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا تم نے خود بتایا تھا کہ وہ رات ہی سے شہر بھر میں اسے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ اسے ان کا ڈراما بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔"

"ایرانی ڈفر ہوتے ہیں۔" وہ صوفے پر ہاتھ مار کے بولا "ایسا ایرانی کہاں پیدا ہوگیا جو آئزک بیل جیسے عفریت سے ٹکر لینے کی ہمت کرسکے۔"

"یہ نہ کہو۔" ویرا نے دخل دیتے ہوئے کہا "ایرانی عورت کی آنکھ سے کاجل اور مرغی کے پیٹ سے انڈا اس طرح چراتے ہیں کہ انہیں چوری کا پتا تک نہیں چل پاتا۔"

"ویرا!" بلیک ڈیڈ نے اسے گھورا "کیا تم مجھے گھسنا چاہ رہی ہو؟"

"اب میں ایسی کوشش نہیں کرسکتی۔ میں تمہیں ایک ایرانی کہاوت کا انگریزی ترجمہ سنا رہی تھی۔" ویرا نے پوری سنجیدگی سے کہا "دوسری بات یہ کہ تم نے روانی میں میرا اصل نام لے ڈالا ہے۔"

"اس چھت کے نیچے ہمیں کسی احتیاط کی ضرورت نہیں۔" بلیک ڈیڈ نے ویرا کی وضاحت قبول کرکے بے پروائی سے کہا "ہم بے تکلفی سے بات کرسکتے ہیں۔"

میں ویرا کی دیدہ دلیری پر حیران رہ گیا۔ مرغی کے پیٹ سے انڈا چُرانے کی بات کرکے اس نے یقیناً بلیک ڈیڈ کا مضحکہ اُڑانے کی کوشش کی تھی کیونکہ وہ محاورہ میں نے کہیں نہیں سنا تھا۔ بلیک ڈیڈ کے چونکنے پر ویرا نے اسے مطمئن بھی کردیا تھا۔

"عباس کرمانی فراڈ نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"وہ میری اور آئزک بیل کی لڑائی تھی جو میں نے جیت لی۔" اس نے میرے منہ در منہ ڈھٹائی سے کہا "اگر عباس کرمانی رنگ میں بھنگ کررہا ہے تو اسے برسرِزمین ہونے کے بجائے زیرِ زمین پہنچانا ہوگا۔ میں یہ کام بھی تمہارے ساتھ مل کر کرنا چاہتا ہوں۔"

بلیک ڈیڈ کی وہ تجویز سن کر میرے فرشتے کوچ کرگئے۔ وہ میرے تخلیق کیے ہوئے سائے کی تلاش کا کام میرے ہی ذمے لگانا چاہ رہا تھا مگر میرے لیے انکار کی کوئی راہ نہیں تھی۔ میں نے پیشانی پر کوئی بَل لائے بغیر کہا "میری مجبوریاں تمہارے علم میں ہیں۔ ان کے ساتھ میں ہر تعاون کے لیے تیار ہوں۔"

"یہ نہ بھولو کہ ان مجبوریوں کے باوجود تم نے آئزک بیل کو میرے قدموں میں لاڈالا تھا۔"

"وہ ویرا کا مشن تھا۔ وہ اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے پر تلی ہوئی ہے۔"

"پھر اب بھی یہی سمجھو۔ عباس کرمانی کو ٹھکانے لگانا میرا مشن ہے۔"

"اس معاملے میں سی آئی اے والے کسی سنگین غلط فہمی کا شکار بھی ہوسکتے ہیں۔" معاملے کی نزاکت بھانپ کر ویرا بھی گفتگو میں شریک ہوگئی۔

"تم کیسی غلط فہمی کا امکان محسوس کررہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

مشکل یہ آن پڑی تھی کہ بلیک ڈیڈ کسی پیشگی اطلاع کے بغیر اچانک ہمارے سر پر مسلط ہوگیا تھا اور اس سے گفتگو کے بارے میں ہمیں اپنی حکمتِ عملی بنانے کی مہلت نہیں مل سکی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ بلیک ڈیڈ سے ہم دونوں بیک وقت گفتگو کرتے رہے تو مختلف سمتوں میں بھٹک کر بلیک ڈیڈ کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا کردیں گے جن کا ازالہ کرنا دشوار ہوجائے گا۔

"سی آئی اے والے بہت گھاگ ہوتے ہیں۔ آئزک بیل ان کے سامنے بہت جلد سچ اگلنے پر مجبور ہوگیا۔ وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ تم امریکا میں موجود ہو۔ انہوں نے آئزک بیل کے روابط کا کھوج لگایا تو عباس کرمانی کا مشتبہ نام سامنے آیا۔ وہ دل و جان سے اس کی تلاش میں مصروف ہوگئے۔" ویرا بولی۔

"میں تمہاری بات پوری طرح سمجھ رہا ہوں۔" بلیک ڈیڈ نے کھوپڑی ہلا کر کہا "اب ایف بی آئی والے بھی میدان میں اتر چکے ہیں۔ ان دونوں اداروں کی تھیوری یہ ہوسکتی ہے کہ عباس کرمانی ایک طرف آئزک بیل سے مل رہا تھا دوسری طرف ڈیڈی کے نام کی آڑ لے کر اسے کوئی بڑا نقصان پہنچانے کے درپے تھا۔ اس نے وہ فائل اُڑائی اور پھر اسی کے ذریعے بلیک میل کرکے آئزک بیل کو ایکسپریس وے پہنچنے پر مجبور کیا اور ناکام قاتلانہ حملے میں اسے زخمی کرکے بھاگ گیا؟"

تائید طلب لہجے میں اپنی بات مکمل کرکے وہ خاموش ہوا تو میں دل ہی دل میں اس کے احمقانہ تعاون کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ شاید ویرا خود بھی اپنی بات اس جامع انداز میں مکمل نہیں کرسکتی تھی جو بلیک ڈیڈ نے اختیار کیا تھا۔

"بالکل!" ویرا نے پورے خلوص سے اس کی تائید کی "میں یہی سوچ رہی تھی۔"

"اگر میں پورے حالات سے باخبر نہ ہوتا تو خود بھی یہی سوچ رہا ہوتا۔" بلیک ڈیڈ نے قدرے جھنجلا کر کہا "پورے شہر میں لوگ یہی سوچ رہے ہیں۔"

مجھے دھیان آیا کہ مائیک کو بیکسٹر کی طرف گئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ وہ وہاں سے کوئی خبر نہیں لایا تھا مگر میں نے اس بارے میں اپنی زبان بند ہی رکھی۔

بلیک ڈیڈ قدرے توقف کے بعد براہِ راست میری طرف متوجہ ہوگیا "غور کیا جائے تو یہ سارا کیا دھرا تمہارا ہے۔ میری مشکل کے ذمے دار تم ہو!"

"الزام تراشی کے معاملے میں بعض اوقات تم بالکل بے دھڑک زبان کھولتے ہو۔" میں نے لہجے میں ہلکی سی تلخی گھولتے ہوئے کہا "کیا عباس کرمانی کا شوشہ میں نے چھوڑا ہے؟"

"وہ جائے جہنم میں۔ ساری خرابی کی جڑ یہ ہے کہ تم نے آئزک بیل کی فائل کو بے سروپا سمجھ کر تلف کردیا۔ اس وقت وہ ہمارے پاس محفوظ ہوتی تو میں وہ لوٹا کر سی آئی اے والوں کو قائل کرسکتا تھا کہ وہ عباس کرمانی کے پیچھے جھک مار رہے ہیں۔"

"یہ بات بالکل درست ہے۔ اس سے اتفاق کرنے کی صورت میں بھی سارا الزام تمہارے سر آتا ہے۔ فائل اس وقت تلف کی گئی جب تم ہمیں گھاس ڈالنے پر آمادہ نہیں تھے اور ہمیں امریکا سے بھاگ جانے کا مشورہ دے رہے تھے۔"

"ان ناخوشگوار باتوں کو بھول جاؤ" اس نے منہ بنا کر تیزی سے کہا۔

"پھر یہ بھی بھول جاؤ کہ وہ فائل میں نے تلف کردی تھی۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "عباس کرمانی کی تلاش میں کافی وقت لگے گا۔ تم چاہو تو دوسری راہ اختیار کرکے پورے نیویارک کو اپنی قوت کا احساس دلا سکتے ہو۔"

"وہ کیسے؟" طاقت، قوت اور برتری کے تذکرے اس کی سدا بہار کمزوری تھے۔

اسی وقت مائیک مختصر سی راہداری سے منہ لٹکائے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں چائے اور دیگر لوازم سے سجی ہوئی ٹرے موجود تھی۔

مائیک کی صورت دیکھتے ہی بلیک ڈیڈ کو بیکسٹر یاد آگیا "میں نے چائے لانے سے پہلے تمہیں کوئی اور کام کرنے کی ہدایت دی تھی۔" وہ مائیک پر برس پڑا۔

"سوری سر! اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہے۔" مائیک کا چہرہ کچھ اور لٹک گیا۔

میں اپنی جگہ سنّ ہو کر رہ گیا۔ بلیک ڈیڈ بے ساختہ اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ویرا آنکھیں پھاڑ کر بے یقینی سے مائیک کا چہرہ تک رہی تھی۔

بلیک ڈیڈ مزید کچھ کہے بغیر تیزی کے ساتھ باہر چل دیا۔ وہ خبر اتنی غیر متوقع اور صدماتی تھی کہ ہم بھی چائے کو بھول بھال کر اسی کے پیچھے ہولیے۔

سرونٹ کوارٹر کا دروازہ اندر کا بولٹ توڑ کر زبردستی کھولا گیا تھا اور قبضوں پر ایک طرف جھول رہا تھا۔ اندر مسہری پر بیکسٹر بالکل اسی حالت میں پڑا ہوا تھا جس میں میں نے اسے تھوڑی دیر پہلے دیکھا تھا۔ ڈرائیور اور گن مین سوگوار چہروں کے ساتھ مسہری کے پہلو میں کھڑے تھے۔

بلیک ڈیڈ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا سیدھا مسہری تک پہنچا اور بیکسٹر پر جھک کر زور زور سے اس کے رخسار پر طمانچے مار کر مضطربانہ لہجے میں اسے آوازیں دینے لگا۔

"بے سُود ہے باس!" مائیک نے تقریباً رو دینے والی آواز میں کہا "ہم پوری طرح یقین کرچکے ہیں۔ نبض کے ساتھ دل کی دھڑکنیں مفقود ہیں۔ بند پپوٹوں کے نیچے پتلیاں پھر چکی ہیں۔ ابھی بدن گرم ہے۔ شاید یہ تھوڑی دیر پہلے ہی مرا ہے۔"

"اجازت ہو تو اسے سیدھا کردیں!" ڈرائیور نے مُسمسی آواز میں پوچھا "بدن ٹھنڈا ہوگیا تو یہ اسی حالت میں اکڑا رہ جائے گا۔"

"اس کے ہاتھ پیر سیدھے کردو۔" بلیک ڈیڈ نے بے رخی سے

کہا اور دونوں ہاتھ کمر پر باندھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔
"یہ ہوا کیسے؟" وہ ٹہلتے ٹہلتے خود کلامی کرنے لگا "وہ ذرا سی ڈانٹ پھٹکار سے یوں مرجانے والا دیو زاد نہیں تھا...."
"باس!" مائیک نے چھوٹی سی دیوار گیر ڈریسنگ ٹیبل قریب پہنچ کر اسے متوجہ کیا "بیکسٹر نے شاید پانی سے یہ سب ایک ساتھ نگل لیں۔"
ہم تینوں تیر کی طرح اس میز کی طرف گئے۔ وہاں تیز خواب آور گولیوں کی ایک خالی شیشی کھلی ہوئی رکھی تھی' ڈھکن ایک طرف لڑھکا ہوا تھا' وہیں پانی کا گلاس بھی تھا جس میں بس چند قطرے باقی تھے۔ بیکسٹر کی زندگی کے خاتمے کے تمام تر اسباب وہی تھے۔
اس گونگے سیاہ فام کی ناگہانی خودکشی پر یک بہ یک میرا دل بھاری ہونے لگا۔
"سوری ڈیڈ!" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میں نے اسے گھر سے نہ نکالا ہوتا تو شاید یہ سانحہ رونما نہ ہوا ہوتا.... بیکسٹر میری توقع سے زیادہ حساس اور خوددار ثابت ہوا۔"
بلیک ڈیڈ نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اس کی بڑی بڑی چمکیلی آنکھیں نمی سے دھندلائی ہوئی تھیں۔
"بیکسٹر خوددار اور حساس نہیں' بہت ڈھیٹ آدمی تھا۔ میرے مہمانوں کی جھڑکیاں وہ سر جھکا کر سہنے کا عادی تھا۔ اتنا سخت جان نہ ہوتا تو برسوں پہلے مرچکا ہوتا۔" بلیک ڈیڈ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بھرائی ہوئی جذباتی آواز میں کہنے لگا "اس کے دشمن اُس سے گھبراتے تھے' وہ ایک ہی مکے میں کسی کا بھی جبڑا توڑ دیتا تھا۔ لڑنے مرنے والے آدمی حساس ہوجائیں تو خون ریزی نہیں کرسکتے۔ اچھا ہوا کہ تم نے اسے نکال دیا ورنہ اس وقت اُس کی لاش گھر میں پڑی ہوتی۔ اس نے خودکشی کرکے ویرا کے حسن کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔"
آخر میں اس کے ہونٹ جڑ گئے۔ کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ ہم لوگ دوبارہ مسہری کی طرف گئے تو بیکسٹر کی لاش کو چت لٹا دیا گیا تھا۔ اس کی بند آنکھوں اور مرجھاتے ہوئے چہرے سے ایک ابدی سکون جھلک رہا تھا۔
میرے سوا سب نے لاش کے گرد کھڑے ہوکر انگلیوں سے اپنے سینوں پر صلیب کے نشان بنائے' مرنے والے کے احترام میں سر کو خم دیا اور الٹے قدموں پیچھے ہٹ آئے۔
"مائیک! آج تم چھٹی پر ہو۔" بلیک ڈیڈ کی تحکمانہ آواز گونجی۔ "بیکسٹر کی تدفین کا انتظام کرو اور شام کو ہارلم کے مفلوک الحال لوگوں میں دس ہزار ڈالر کی خیرات بانٹ دو۔ رب یسوع مسیح بیکسٹر کی مغفرت کرے۔ اب ہم اس کے لیے کچھ نہیں کرسکتے۔"
وہ مجھے اور ویرا کو ساتھ لے کر سرونٹ کوارٹر سے باہر نکل گیا۔
"اس کی موت کے بارے میں تمہارے کہے ہوئے آخری فقرے میرے پلے نہیں پڑسکے۔" کمرے میں کافی دیر کے سکوت کے بعد آخر مجھے ہی زبان کھولنی پڑی۔
"ہوسکتا ہے کہ اسے اس بات سے اذیت پہنچی ہو کہ اس کی وجہ سے ویرا کو تمہاری زیادتی کا نشانہ بننا پڑا لیکن یہ کوئی بات نہیں تھی۔ میں تھوڑی دیر پہلے ہی تمہیں اس کی جمال پرستی کے بارے میں بتا رہا تھا۔ بس وہ ویرا کو دیکھنے کے لیے زندہ تھا۔ اپنی زندگی کی حسین ترین عورت دیکھ کر اُس نے اپنے وعدے کے مطابق خودکشی کرلی۔"
"اس کے ساتھ اپنے آخری سلوک پر میں زندگی بھر پچھتاتی رہوں گی۔" ویرا کی آواز بھی دل گرفتہ ہوگئی تھی "ہم یہاں بیٹھے اس کے بارے میں بحث کررہے تھے اور وہ نہ جانے کتنی دیر پہلے اپنے بند کمرے میں اس دنیا سے ہر رشتہ توڑ چکا تھا۔"
"تمہیں پچھتانے کی ضرورت نہیں' تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ اس نے اپنی جان دے کر تمہیں اپنی زندگی کی حسین ترین عورت کا اعزاز بخشا ہے۔ ایسی خوشی مس یونیورس بن کر بھی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ وہ بے ضرر جمال پرست ہے۔ تمہاری دلکشی اور خوبروئی پر اپنے لہو کا نذرانہ دے کر اُس نے میری بات درست ثابت کردی ہے۔"
کچھ دیر تک اسی کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں پھر اچانک بلیک ڈیڈ کو خیال آیا۔ "وہ بہت اچھا آدمی تھا' مجھے اس کی خودکشی پر صدمہ ہے لیکن اب عمر بھر اسے نہیں رویا جاسکتا۔ مائیک اس کی تدفین کے بعد رات میں کسی وقت تمہارے پاس آجائے گا۔ چاہو تو اس دوران میں تمہارے لیے کسی اور کو بلالیا جائے۔"
"نہیں مائیک کے آنے تک گزارہ ہوجائے گا۔ مجھے امید ہے کہ تمہارے آدمی بیکسٹر کی موت کی ذمے داری ہم دونوں کے سر نہیں سمجھیں گے۔"
"وہ میرے سامنے بہت کم کھلتا تھا۔ اس کے ساتھی اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ ضرور ہوگا کہ اب ہر شخص اس حسین لڑکی کو دیکھنا چاہے گا جسے دیکھ لینے کے بعد بیکسٹر کے دل میں مزید زندہ رہنے کی آرزو باقی نہیں رہی مگر اسے میں دیکھ لوں گا" یہ کہہ کر اس نے لحہ بھر توقف کیا پھر بولا "تم میرے لیے کوئی متبادل راہِ عمل تجویز کررہے تھے۔"
"ہاں' وہ بات ادھوری رہ گئی تھی۔" میں نے اسے یہ تاثر دینا چاہا جیسے وہ تجویز میرے بجائے صرف اسی کے مفاد میں ہو۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے میں نے کہا "تم آئزک بیل کے قریبی ساتھیوں کو اپنا نشانہ بنا کر ہر شخص پر یہ واضح کرسکتے ہو کہ تم آئزک بیل اور اس کے ساتھیوں کے دشمن ہو اور نیویارک میں ان ہی کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔"
"میں نے رنگس کی دو لڑکیوں کو اٹھوالیا تھا' انہیں تم نے رہا کرادیا۔"

"تم بات کی روح کو ذرا دیر سے سمجھتے ہو۔" میں نے برا سامنہ بنا کر کہا "میں اس کے ساتھیوں کی بات کر رہا ہوں، ملازموں کی نہیں۔"

"ساتھی؟" اس نے حیرت سے کہا "اس کے ساتھیوں کو میں کہاں ڈھونڈتا پھروں گا۔"

میں اپنی زبان سے نام لیے بغیر واضح اشارے اس کے ذہن میں انڈیل رہا تھا مگر وہ بوجھ بھکڑ بنا ہوا تھا۔ اس کی ذہنی سطح ایک علاقائی دادا گیر سے زیادہ بلند نہیں تھی۔

"رنگس میں اس کے پارٹنرز تمہارا نشانہ بن سکتے ہیں۔" میں نے دانستہ کہا۔

"وہ بلا شرکتِ غیرے رنگس کا مالک ہے۔" وہ اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا "اس کے بعد وہ صرف ڈیوڈ اسٹارز کی سرگرمیوں میں گہری دلچسپی رکھتا ہے۔"

"ہاں.... آں۔" میں نے نجوم داؤدی کے بارے میں سرسری لہجہ اپناتے ہوئے جواب دیا "اگر وہ وہاں زیادہ سرگرم ہے تو تم ان کے بارے میں بھی سوچ سکتے ہو۔"

"ویسے تو ہر یہودی اس کی مالی مدد کرتا ہے لیکن اس کے ارب پتی ارکان ہی ڈیوڈ اسٹارز کہلاتے ہیں۔ وہی اس کے عہدے دار ہوتے ہیں اور فیصلے بھی وہی کرتے ہیں۔"

"بس تو پھر ان ہی میں سے دو چار کو اُڑا دو۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔

"ان کی تعداد درجنوں میں ہے۔ زیادہ تر بڑے بڑے چندے دے کر گھر بیٹھے رہتے ہیں۔ اس قسم کی دوسری جماعتوں کی طرح اصل دماغ دو چار ہی ہوتے ہیں۔ ان کی گردنیں دبوچی جائیں گی تو سارے یہودی بلبلا اٹھیں گے۔"

"یہودیوں سے ڈرتے ہو تو کوئی اور راہ سوچو!" میں نے فوراً اس کی رگ دبادی۔

"میں یہودیوں یا عربوں سے نہیں ڈرتا۔" وہ بھنّا کر بولا۔ "آئزک بیل بھی یہودی تھا۔ تمہاری مخالفت کے باوجود اس پر اکلوتی گولی میں نے چلائی تھی۔"

"تم چاہو گے تو دوسرے ڈیوڈ اسٹارز سے ہم نمٹ لیں گے۔" میں نے کہا۔

"شوق سے نمٹو۔ میں کل تک تمہیں دو چار اہم ڈیوڈ اسٹارز کے نام پتے فراہم کردوں گا۔" اس نے بلا تامّل پیشکش کی "مگر یہ تمہارا شوق ہوگا۔ یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ نیویارک کے یہودیوں کی مخالفت سے میں گھبرا رہا ہوں۔"

"بچوں جیسی وضاحتیں مت کرو۔ ہم سامنے نہیں آسکتے۔ ہمارے مارے ہوئے شکار بھی تمہارے کھاتے میں لکھے جائیں گے۔ ہماری بھی ہلکی پھلکی ورزش ہوجائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم مزید کچھ عرصے تک نیویارک میں رکو گے؟"

"آئزک بیل پر تمہارا فائر خطا نہ ہوا ہوتا تو اب تک ہم واپس جاچکے ہوتے۔" میرے بولنے سے پہلے ویرا جواب دینے لگی۔ "اب اس کے انجام کے انتظار میں رکنا پڑے گا۔ اسے کوئی رعایت دی گئی تو میں دوسری کوشش کروں گی۔ اسے ہر حال میں مرنا پڑے گا۔"

ویرا کا وہ عذر لنگ تھا۔ راس الیڈا سے وہ پاکستان میں بھرپور انتقام لے چکی تھی۔ آئزک بیل اس بری طرح کچلا گیا تھا کہ وہ

زندگی بھرا بھر کر پرانی سطح پر واپس نہیں آسکتا تھا۔ ہمیں مزید چند موثر کارروائیوں کے لیے وہاں رکنا تھا۔ اس کے لیے وہی بہانہ مناسب تھا۔

"اور یہ وقت تم میرے ساتھ رہ کر گزارو گی؟" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"اس کا انحصار تمہاری مرضی پر ہے۔ ویسے بھی میں نیویارک میں نہیں بیٹھی رہوں گی۔ ایک مدت کے بعد یہاں آئی ہوں تو ذرا دوسری ریاستوں کی سیر بھی کروں گی۔"

"پورے امریکا میں میرے قابلِ اعتماد دوست پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ سب نیویارک آتے ہیں تو میں ہی ان کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔ میرے پاس سیاحت کے لیے اتنا وقت نہیں ہے۔ وہ بہت شوق سے تمہاری مدد کریں گے۔"

اِدھر اُدھر کی باتوں میں اس نے ایک مرتبہ پھر بیکسٹر کا ذکر چھیڑا تو میں نے فوراً ہی اس سے کھانے کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

اس نے گھبرا کے اپنی رِسٹ واچ پر نظر ڈالی اور اٹھ گیا۔ "تمہارا شکریہ۔ آج مجھے ایک بزنس لنچ پر جانا ہے لیکن تم دونوں کے کھانے کا کیا ہوگا؟"

"تم کو رخصت کرکے ہم بھی مین ہٹن جائیں گے۔" میں نے بتایا "وہیں کسی اچھے ریستوران میں کھانا کھالیا جائے گا۔"

اس نے ہمیں مین ہٹن چھوڑنے کی رسمی پیشکش کی جسے میں نے قبول نہیں کیا۔

امریکیوں اور دوسری مغربی اقوام میں یہ ایک اچھی بات ہے کہ وہ لوگ کسی بھی دوست یا مہمان پر اپنی پسند مسلط نہیں کرتے۔ اپنی رائے کے ساتھ دعوت دیتے ہیں۔ قبول کرلی جائے تو فبہا ورنہ اصرار نہیں کرتے۔

بیکسٹر کی لاش لے کر مائیک کافی دیر پہلے سینٹ جانز کی میّت گاڑی میں جاچکا تھا۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ اس انتظام کے لیے اس نے گھر کا اکلوتا فون سرے سے نہیں چھوا تھا۔ شاید وہ لوگ باہمی رابطوں کے لیے ٹرانسمٹرز استعمال کرتے تھے۔

ایمبولینس، اسپتال، ڈاکٹر اور ڈیتھ سرٹیفکیٹ کے بغیر کسی مردے کے لیے براہِ راست میت گاڑی کا بندوبست ہوجانا بھی حیرت ناک تھا۔ میرے استفسار پر بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ ایسے مواقع پر سیاہ رنگ کی ماتمی گاڑی کے بجائے اس کے آدمی سفید شیشوں والی بند وین طلب کرتے تھے تاکہ پڑوسیوں کو کسی قتل، خودکشی یا ناگہانی موت کا شبہ نہ ہوسکے۔

ڈرائیور اور گن مین کے ساتھ بلیک ڈیڈ رخصت ہوگیا اور میں اطمینان کا سانس لے کر اندر آگیا۔ بلیک ڈیڈ کی بروقت آمد نے ہمیں ایک بڑی اذیت سے بچالیا تھا۔ بیکسٹر کی لاش ہم دونوں میں سے کوئی دریافت کرتا تو بوکھلاہٹ میں راز داری کا برقرار رکھنا ناممکن ہوجاتا۔

"اے حسن کی دیوی! ایک انسانی جان کی بھینٹ لے کر تم اب تو خوش ہو؟" خواب گاہ میں بستر پر گر کر میں نے شوخ لہجے میں ویرا سے پوچھا۔

ویرا نے مُنہ پھیرلیا "اس بارے میں مذاق کرو گے تو میں اسی وقت یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

میری توقع کے برعکس اس کی آواز رُندھی ہوئی تھی۔ میں نے تیزی سے اٹھ کر دیکھا تو وہ رومال سے اپنی آنکھوں کے گوشے صاف کررہی تھی۔

"اب تم میری زبان سے اس بے زبان مظلوم کا ذکر نہیں سنو گی۔" میں نے اسے پچکار کر کہا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس کی موت نے تمہیں اتنا متاثر کیا ہوگا۔"

اس نے میری آنکھوں میں جھانکا اور زبان سے کچھ کہے بغیر باتھ روم میں چلی گئی۔

اس وقت ڈیڑھ کا عمل تھا۔ میں نے فرصت کو غنیمت جان کر میجر جنجوعہ کا نمبر ملایا۔

میری آواز سن کر وہ خوش ہوگیا "میں بہت باتیں کرنی چاہتا ہوں۔ کب اور کہاں آجاؤں؟"

"یہ شہر میرے لیے اجنبی ہے۔ چار بجے کے بعد آپ کوئی جگہ تجویز کردیں۔ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔" میں نے محفوظ مقام کے تعین کی ذمے داری اسی پر ڈال دی۔

"آپ کہاں سے آئیں گے؟"

"برونکس یا پھر ڈاؤن ٹاؤن کے کسی بھی حصے سے۔" میں نے سوچ کر کہا۔

"برونکس سے پاکستان ہاؤس بہت قریب ہے۔ آپ کا وہاں آنا مناسب نہیں، ہم لوگ عام تفریح گاہوں سے ذرا پرہیز کرتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ چار بجے آپ مجھے میٹروپولیٹن میوزیم آف آرٹ کے پاس مل جائیں۔ وہاں سے میں آپ کو لے لوں گا۔"

باہمی شناخت کے ساتھ پروگرام طے ہوگیا اور میں نے فون بند کردیا۔

باتھ روم میں شاور سے پانی گرنے کی آواز سے اندازہ ہوا کہ ویرا غسل میں مصروف تھی۔ غزالہ، سلطان شاہ اور راول خان کے نام الگ الگ خطوط کے لفافے گیپ کے پانچوں کاغذوں کے ساتھ بڑے لفافے میں بند کرکے میں نے روانگی کی تیاری شروع کردی۔

اس وقت میرا اور ویرا کا بنیادی مسئلہ بھوک کا تھا۔ گھر سے مین ہٹن کے اوپری مشرقی علاقے میں ہم نے ٹیکسی دانستہ اس سڑک سے گزاری جس پر پاکستان کے دو اہم سفارتی دفاتر واقع تھے۔ وہاں سے نکل کر ہم نے آرٹ میوزیم کو پیچھے چھوڑا اور ایک بارونق علاقے میں ٹیکسی چھوڑدی۔

ویرا صبح سے صرف چائے پر گزارہ کرتی آرہی تھی۔ اسے بیئر کی شدید طلب محسوس ہورہی تھی۔ ہم نے ایک ریستوران میں بیٹھ کر بیئر اور سینڈوچز سے شکم پُری کی پھر کسی بوتھ کی تلاش میں

نکل کھڑے ہوئے۔ وقت بہت نامناسب تھا لیکن میں میجر جنجوعہ سے ملنے سے پہلے اول خان سے مختصر سی بات ضرور کرنی چاہ رہا تھا۔
پہلا خالی فون بوتھ نظر آتے ہی ہم دونوں اندر گھس گئے۔ اول خان نے نیند سے بوجھل آواز میں کال ریسیو کی مگر پھر فوراً ہی اعتدال پر آگیا۔ اس سے میری بات ہوئے کافی وقت گزر چکا تھا اور وہ خود بھی حالات جاننے کے لیے مضطرب تھا۔
"سب سے پہلے یہ سن لو کہ آج میں اپنے قونصل خانے کے میجر جنجوعہ کو تمہارے نام ایک سربمہر لفافہ دے رہا ہوں۔ اس میں معاہدے کے پانچوں اصل کاغذ موجود ہیں۔ تمہارے مشورے کے مطابق میں نے اس بوجھ سے سبکدوش ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"
"آنکھ بند کرکے دے دو۔" اس کی مسرت آمیز آواز آئی "تم بالکل صحیح آدمی سے ٹکرائے ہو۔ اس لفافے کے لیے اس سے بہتر امین نہیں مل سکتا تھا۔"
"گھنٹی پر کل شام ناکام قاتلانہ حملہ ہوا' وہ بری طرح زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ آدھی رات کے بعد اسے گرفتار کرلیا گیا۔ یہاں واقعات میں اچانک بہت تیزی آگئی ہے۔"
"خدا تم دونوں کو وہاں اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ تم بہت بڑے بڑے کام دکھا رہے ہو۔ پرزے ایک آدھ دن میں پہنچنے والے ہیں۔ ساری تیاریاں مکمل ہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں کینوپ کو دوبارہ گرڈ سے ملا دیا جائے گا اور دشمن منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔"
"ان باتوں سے پہلے یہ بتاؤ کہ سلطان شاہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ اس وقت میرے لیے سلطان شاہ کینوپ سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔"
"وہ واپس آگیا ہے۔ اسے اسپتال میں رکھنا ضروری تھا مگر وہ زبردستی کلفٹن والے فلیٹ میں گیا ہے۔ مجبوراً اسی کے کمرے میں ساری طبی سہولتیں میسر کی گئی ہیں۔ دو نرسیں اس کی دیکھ بھال پر مامور ہیں۔"
"اس کی حفاظت کا کیا بندوبست ہے؟" میرے ذہن میں قلم چل پڑی تھی۔
"چوبیس گھنٹے ایک کمانڈو اندر رہے گا۔ دو دور رہ کر نگرانی کریں گے۔" اول خان کے پاس میرے ہر سوال کا تسلی بخش جواب موجود تھا۔
"غزالہ اس وقت کیا کررہی ہے؟" میری دانست میں وہ سلطان شاہ کی زیادہ بہتر خبرگیری کرسکتی تھی۔ اول خان نے مجھے یہ بتا کر حیران کردیا کہ غزالہ اس کے ساتھ ہی فلیٹ پر منتقل ہوگئی تھی۔
مجھے یہ سن کر اطمینان ہوا کہ سلطان شاہ کے ساتھ ہر وقت فلیٹ کے اندر چار نفوس اور باہر دو کمانڈوز موجود رہیں گے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ زخم خوردہ دشمن اس کی مکمل صحت یابی سے پہلے اس پر قاتلانہ حملے کی کوشش ضرور کریں گے۔ نک موڈلے کا پاکستان سے ورجینیا پہنچنا اس امر کا غماز تھا کہ وہ نئے تخریبی منصوبے لینے کے لیے اپنے وطن لوٹا تھا۔
"وہ مُصر ہے کہ مدن موہن کے چکر میں پکڑے جانے والوں میں سے دو تین آدمیوں کو ذبح کرکے کہیں پھینک دیا جائے۔ اس کا خیال ہے کہ اس طرح دشمنوں کو یہ باور کرایا جاسکتا ہے کہ تم پاکستان میں موجود ہو۔"
"ایسی لاشیں شہریوں میں خوف و ہراس کی لہر دوڑا دیں گی۔ وہ صحیح سمت میں سوچ رہا ہے مگر کمزوری کی وجہ سے جذباتی ہو رہا ہے۔ میری بھی خواہش ہے کہ وہاں کوئی بڑا چکر چلتا رہے۔ میرا نام چھپنے کے باوجود یہاں کوئی یہ یقین کرنے کے لیے تیار نہیں کہ میں امریکا میں موجود ہوں۔ اس سے مجھے زبردست فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔"
"تم مطمئن رہو۔ یہاں ہم غافل نہیں ہیں۔ دشمن کو سر اٹھاتے ہی بے رحمی سے کچل دیا جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی ناکامیوں کے بعد سب ہی زیرِ زمین چلے گئے ہیں۔"
"اس بھول میں نہ رہنا۔ را اور سی آئی اے کا گٹھ جوڑ بہت پرانا ہے۔ وہ اچانک کسی بھی سمت سے وار کرسکتے ہیں۔ انہیں سکون سے پنپنے نہ دو۔ ان کے بلوں کو کریدتے رہو۔ کوئی نہ کوئی موذی تمہارے ہاتھ آتا ہی رہے گا۔"
"تمہاری جیسی چھیڑ چھاڑ کرکے اس کو نبھانا میرے بس سے باہر ہے۔ گڑبڑ ہوگئی تو الٹی آنتیں بھی گلے پڑسکتی ہیں۔" اول خان نے اپنی مجبوری بیان کرڈالی۔
"ٹھیک ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "ذرا سلطان شاہ کی حفاظت کے ساتھ نگرانی بھی کراتے رہنا۔ مکمل صحت یابی تک میں اس پر بھروسا نہیں کرسکتا۔"
"کیا؟" مجھے اس کی آواز سے اندازہ ہوا کہ حیرت سے اس کا منہ کھل گیا ہوگا۔ وہ پوچھ رہا تھا "کیا انقرہ میں اس کی برین واشنگ کا شبہ کررہے ہو؟"
میں بے ساختہ ہنس پڑا "ایسی کوئی بات نہیں ہوسکتی۔ ڈر ہے کہ کہیں وہ اپنی صحت مندی کے زعم میں سب کو دھوکا دے کر باہر نکلنے میں کامیاب نہ ہوجائے۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس وقت اس پر ایسی ہی ضد سوار ہے۔"
"بس' اب میجر سے ملاقات کا وقت ہو رہا ہے۔ یہ خیال رہے کہ میرے بھیجے ہوئے اصل کاغذ تمہارے پاس میری امانت ہوں گے۔ ہماری واپسی سے پہلے ان کا راز فاش ہوا تو ہماری جانیں ہر وقت سولی پر لٹکی رہیں گی۔"
"لیکن نقل کے سلسلے میں' میں کچھ لوگوں سے بات کرچکا ہوں۔ تم نے اس متن کی ڈی کوڈنگ کے لیے خود ہی مجھے ہدایت کی تھی۔"
"تو کیا ڈاک سے بھیجا ہوا وہ لفافہ تمہیں اتنی جلدی مل گیا؟"
"لفافہ نہیں ملا مگر میں اس معاہدے کا ذکر کربیٹھا ہوں۔ اس سے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا؟" اول خان نے مضطربانہ انداز میں

پوچھا۔

"نقل سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ بس اصل دبائے رکھنا۔ ہمارے دفتر خارجہ میں جو افسران ہمیشہ سے پاک امریکا دوستی کے حامی چلے آرہے ہیں' اس معاہدے کا ایک ایک لفظ ان کے ہوش اڑادے گا۔ وہ کبھی بھی ہمارے دوست رہے ہیں اور نہ رہیں گے۔"

"یہ تو روز اول ہی سے ظاہر ہوتا چلا آرہا ہے کہ وہ ہمارے دشمنوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔"

"راجن اور وکرم کی تربیت کا قصہ تازہ ترین ہے" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ان زخموں کو نہ کریدا کرو۔ جو کرسکتے ہو' خاموشی سے کرتے چلے جاؤ۔ بھلائی ایک دن غالب آکر رہتی ہے۔ تمہیں اس خدمت کا صلہ کوئی نہیں دے گا۔"

"یہ دیکھ کر خون کھولتا ہے کہ ہمارے ایک ایٹمی بجلی گھر کی کارکردگی کے خلاف سازشیں کی جاتی ہیں۔ اس کے آپریشن میں روڑے اٹکائے جارہے ہیں۔ ہر حیلہ اور بہانہ پابندیوں کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔ دوسری طرف ٹرامبے' تاراپور' چندی گڑھ اور دوسرے مقامات پر ایٹمی بجلی گھر مدتوں سے کسی رکاوٹ اور رخنہ اندازی کے بغیر چل رہے ہیں۔"

"یہ امتیازی سلوک بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے مگر ہمیشہ مصلحتیں آڑے آجاتی ہیں۔"

"میں کوئی نجومی یا غیب داں نہیں ہوں لیکن امریکا میں بیٹھ کر میں جو تیور دیکھ رہا ہوں انہوں نے مجھے تلخ تر کردیا ہے۔ میری بات کہیں لکھ لو کہ یہ مستقبل میں ہمیں بالکل تہی دست رکھ کر ہمارے دشمنوں کو ایٹمی ہتھیاروں سے لیس کرنے کا آخری ہدف حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ جس دن ایسا ہوگیا' ہم ہر طرف سے بدترین دباؤ میں آجائیں گے اور دم تک نہ مار سکیں گے۔"

"ایسی مایوس کن باتیں نہ سوچو۔ یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم صرف دشمن کی سرگرمیاں دیکھتے رہتے ہو۔ یہاں کیا ہو رہا ہے' اس سے بے خبر ہو۔ کہو نہ کو تم کیوں بھول جاتے ہو..."

"یہ دل کا غبار تھا جو میں نے نکال لیا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اب میں میجر جنجوعہ سے ذرا اچھے موڈ میں ملاقات کرسکوں گا۔ لفافہ ملے تو اس میں سے اپنے خط ضرور نکال لینا۔"

فون بند کرکے ہم دونوں بوتھ سے نکل کر ایک طرف چل پڑے۔

"بعض اوقات تم اس قدر قنوطی ہوجاتے ہو کہ تمہاری مایوسی میرے اوپر بھی اثرانداز ہونے لگتی ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ ہماری فراہم کی ہوئی اطلاعات ردی کی ٹوکری کی نذر کردی جاتی ہوں گی؟" ویرا نے میری بے زاری دیکھ کر استہزائیہ انداز میں کہا۔

"میں خود سے کچھ نہیں ہوتا' مجھ پر یہ خیالات خود بخود حاوی ہوجاتے ہیں" میں نے رکھائی سے کہا "اب میرے کان نہ کھاؤ۔ ساڑھے پانچ اور چھ بجے کے درمیان میں پورٹ اتھارٹی بس ٹرمینل پر پہنچ جاؤں گا۔ وہاں رک کر میرا انتظار کرنا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے اس سے نہیں ملواؤ گے؟" ویرا نے شکوہ کیا۔

"یہی سمجھ لو!" یہ کہہ کر میں نے قریبی موڑ سے اپنا راستہ بدل لیا۔

آرٹ میوزیم کی سمت کا مجھے اندازہ تھا۔ لنچ کے لیے ہم نے اس کے ایک قریبی علاقے کا انتخاب کیا تھا۔ چند منٹ بعد میں آرٹ میوزیم کے قریب موجود تھا۔

مین ہٹن کی ففتھ ایونیو پر یہ میوزیم اس دریائی جزیرے کے اکلوتے سینٹرل پارک کے کنارے واقع ہے۔ اس وقت بھی وہاں رنگارنگ سیاحوں کی کافی بھیڑ موجود تھی۔ متعدد سیاح میوزیم کی عمارت اور سیڑھیوں کو پس منظر میں لے کر فوٹوگرافی میں مصروف تھے۔

میری سیاہ جیکٹ کی اوپری جیب میں اڑسے ہوئے سرخ رومال کی وجہ سے میجر جنجوعہ کو مجھ تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ میں نے بھی سفید کرولا کو اس کی نمبرپلیٹ سے پہچان لیا۔ کار بس لحہ بھر کے لیے رکی اور پھر مجھے لے کر آگے بڑھ گئی۔

"شاندار!" میرے سوار ہوتے ہی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے جوان اور صحت مند شخص نے تعریفی لہجے میں کہا "جیسا سوچا کرتا تھا' میں نے آپ کو اس سے بڑھ کر پایا ہے۔"

"برا نہ مانیں تو آپ جناب کا تکلف ختم کردیا جائے!" میں نے زبان کھولی۔

میجر جنجوعہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "یہ میرے دل کی بات کہہ دی تم نے۔ ہم لاہوری بندوں کو تو اس آپ جناب سے الجھن ہوتی ہے۔ جو مزہ تو تڑاخ میں ہے وہ آپ جناب میں کہاں۔"

"میں ایسی گستاخی نہیں کروں گا۔ تم جس طرح چاہو' مخاطب کرو۔ میں برا نہیں مانوں گا" یہ کہتے ہوئے میں نے گیپ والا بند لفافہ اس کی گود میں ڈال دیا۔

میجر جنجوعہ نے لفافے پر ایک نگاہ ڈالی اور اسے اپنی نشست کے نیچے ڈال لیا "تمہیں یقین ہے کہ تم نے یہ اہم لفافہ کسی غلط آدمی کو نہیں دیا ہے؟"

میں بے اختیار مسکرادیا "تمہیں یقین ہے کہ یہ لیٹر بم نہیں' کوئی خط ہی ہے؟"

"بس اپنے لوگوں میں یہ بات ہوتی ہے" میجر جنجوعہ میرے جوابی سوال پر کھل اٹھا "دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ تعارف کی ضرورت' نہ شناخت کی۔ دو بول بولے اور ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ تم یقین کرو کہ میرے دل میں ایک مدت سے تم سے ملنے کی آرزو مچل رہی تھی۔"

"مگر ملے آپ تک نہیں" میں نے بے تکلفی سے اسے یاد

دلایا۔

"ارے واہ۔ مل تو رہے ہیں۔ اب میں تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گا۔ وہاں...."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "ملنا اسے کہاں کہتے ہیں۔ ہاتھ ملائے بغیر ملاقات ادھوری ہوتی ہے۔"

وہاں رائٹ ہینڈ ڈرائیونگ کی وجہ سے میں اس کی داہنی طرف بیٹھا ہوا تھا۔ ٹریفک سے نظریں ہٹائے بغیر اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کی گرم جوشی سے میرا بازو جھنجھنا اٹھا۔

"یہ اچھی بات ہے کہ چوک ہوتے ہی ٹوک دیتے ہو۔ بس میں ذرا ٹریفک کی بھیڑ سے نکل جاؤں پھر ہم گلے بھی ملیں گے۔"

"میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی پسلیاں عزیز ہیں۔ مصافحے کے بعد اب اتنی سکت نہیں رہی۔ ویسے بھی میرے پاس وقت کم ہے۔"

وہ دل کھول کر ہنستا رہا۔ میں خاموش ہوا تو اس نے سنجیدگی سے کہا "مجھے تمہارے وقت کی اہمیت کا احساس ہے۔ پچھلی رات یہاں جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد تمہارا یوں بے دھڑک ہو کر مین ہٹن میں نکل آنا دل گردے کی بات ہے۔ پھر بھی کچھ وقت تو دو مجھے۔ کہیں بیٹھ کر کچھ کھاتے پیتے ہیں۔"

"چلتی ہوئی گاڑی کے سوا میں خود کو کہیں محفوظ تصور نہیں کروں گا۔ اس وقت معافی چاہتا ہوں۔ میں پانچ بجے تک تمہارے ساتھ ہوں۔ شہر گھماتے اور باتیں کرتے رہو۔ پانچ بجے مجھے کہیں بھی بلکہ مڈ ٹاؤن میں کہیں بھی اتار دینا۔"

"اخبارات میں آئزک بیل کے حوالے سے تمہارا نام آنے کے بعد ہمارے قونصل جنرل اور سفیر کو الگ الگ سمری بھیجنی ہوگی۔ اگر تم اس واقعے پر کوئی روشنی ڈال سکو تو یہ مجھ پر ذاتی احسان ہوگا" میجر جنجوعہ یکایک یوں سنجیدہ ہو گیا جیسے بھولے سے بھی ہنسنا نہ جانتا ہو۔

"فی الوقت صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ آئزک بیل سچا ہے' سی آئی اے والے بھٹک رہے ہیں" میں نے جوابی سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"انہیں بھٹکایا گیا ہے یا وہ خود بھٹک رہے ہیں؟" اگلا سوال ذہانت آمیز تھا۔

"میں یہاں اکیلا ہوں۔ تم لوگوں سے بھی مدد نہیں لے سکتا۔ تم مدد کرنا چاہو تو تمہارا پروٹوکول آڑے آجائے گا۔ ایسے میں کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے مدافعانہ حکمتِ عملی بنانی پڑتی ہے۔ اس کے لیے عباس کرمانی کا نام انہیں پہنچایا گیا تھا۔ اب وہ اسی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔"

"کل رات تک اس کا نام نیویارک کے معزز ترین شہریوں کی فہرست میں تھا۔ اس کے بارے میں ہونے والی سرگوشیوں کے باوجود اسے وائٹ ہاؤس میں رسائی حاصل تھی۔ چند گھنٹوں میں یہ کیا کایا پلٹ ہوئی کہ وہ ایک قیدی بنا لیا گیا۔"

"کیس کی تفصیلات پر نظر رکھو۔ گیپ آتے ہی سب کچھ واضح ہو جائے گا۔"

"گیپ؟" اس نے الجھن آمیز لہجے میں دہرایا "کیس میں کیسا گیپ آسکتا ہے؟"

"وہی جو جی اے پی سے بنتا ہے۔ اسی گیپ نے اسے مروایا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ پاکستان والے تمہاری ان باتوں کو سمجھ لیں مگر میں معذور ہوں۔ خرابی یہ ہے کہ سرکاری چینل سے ہونے والی سرگرمیوں سے ہم پوری طرح باخبر رہتے ہیں۔ پسِ پردہ کیا ہو رہا ہے' ہمیں اس کے بارے میں بریف نہیں کیا جاتا۔ تم سے ملنے کے لیے یہ دوڑ میں نے اپنی ذاتی حیثیت میں لگائی ہے۔ سرکاری طور پر ہمیں تمہاری امریکا میں موجودگی کا علم نہیں ہے۔"

"آج اگر اخبارات میں میرا نام نہ آیا ہوتا تو شاید تم یقین بھی نہ کرتے کہ میں ڈیٹی ہوں۔"

"مجھے شبہ تھا کہ یہاں کچھ پراسرار سی گڑبڑ ہو رہی ہے۔ ہارلم کی خوں ریزی میں آئزک بیل کا نام لیا جا رہا تھا۔ پھر پرنسٹن سے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کا انسپکٹر اے جے ولسن غائب ہو گیا جو پاکستان بھیجے جانے والے پرزوں کا معائنہ کر کے لوٹ رہا تھا۔"

"ولسن بدمعاش تھا۔ معائنہ کر کے اس نے جو کچھ نصب کیا تھا' وہ نکال کر پرزے پاکستان بھیجے گئے ہیں ورنہ وہاں بہت کچھ تباہ ہو جاتا۔ ولسن کی لاش اس ڈیوائس سمیت ایک اندھے کنوئیں میں پڑی سڑ رہی ہے اور آئزک بیل سی آئی اے کی قید میں ہے۔"

"تم بہت بے خوفی سے کام کرتے ہو" میجر جنجوعہ جھرجھری لے کر بولا "تمہیں معلوم ہے کہ خدانخواستہ کبھی برا وقت آگیا تو کیا ہوگا؟"

"یہ شاید تمہارا پیشہ ورانہ فلسفہ ہے کہ اس برے وقت کے بارے میں سوچنے والے بے جگری سے نہیں لڑ سکتے۔ موت ایک بار آنی ہے۔ وہ آئے گی' نیویارک یا پرنسٹن میں نہیں تو بستر پر ہی آدبوچے گی۔ اس کے بارے میں سوچ کر وقت کیوں برباد کیا جائے؟"

"لوگ بے شمار اچھی باتیں پڑھتے ہیں لیکن ان پر سچے دل سے عمل کرنے والے چند ہی ہوتے ہیں جو واقعی نئی تاریخ لکھتے ہیں۔ تم ان ہی میں سے ہو۔ امریکیوں نے تمہاری گرفتاری پر بلاوجہ ایک بڑے انعام کا اعلان نہیں کیا ہوا ہے۔"

"بس یہ تم جیسے مہربانوں کا تعاون ہے کہ میرا سفر جاری ہے ورنہ بہت سے لوگ اس سے کہیں کم انعام کے لالچ میں ہر ایک کی مخبری کر سکتے ہیں۔"

"وطن کی مٹی سے محبت کے کوئی دام نہیں ہوتے" میجر جنجوعہ نے سخت لہجے میں کہا "تمہارا نام اس وقت سے میرے ذہن سے چپکا ہوا ہے جب کراچی کے نواح میں امریکی میرین کمانڈوز کو لے جانے والا ایک ہیلی کاپٹر مہلک حادثے میں تباہ ہوا تھا اور وہیں

راس المیڈا بھی مارا گیا تھا۔ اسے تم لوگوں نے اس بری طرح گھیر کر مارا تھا کہ آخر کار امریکی اس کی لاش پر اپنے دعوے سے دست بردار ہونے پر مجبور ہوگئے تھے۔ تم اور الیس ٹی ایف کے سارے اہل کار جنگل کے وہ مور ہیں جن کے دل ربا رقص کو دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔"

میں اس سے باتوں میں منہمک تھا۔ میں نے بس یہ دیکھا کہ اس کی گاڑی مین ہٹن کی پُرہجوم شاہراہوں سے کٹتی ہوئی ایک پُل پر سے گزری اور شہر کے کسی پُرسکون رہائشی علاقے میں داخل ہوگئی۔

"تم ذاتی حیثیت میں مجھ سے ملنے آئے ہو پھر میرا خط سفارتی ڈاک کے تھیلے میں کیسے شامل ہوسکے گا؟" میں نے دیر سے اپنے ذہن میں چبھتا ہوا سوال اس سے پوچھ ڈالا۔

"اس میں ہماری اہم ذاتی ڈاک بھی بھیج دی جاتی ہے۔ اسلام آباد والے اسے پوری احتیاط سے منزل تک پہنچاتے ہیں۔ تم اس فکر میں نہ پڑو، تمہارا خط اب مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ کل یہاں سے ہر قیمت پر نکل جائے گا۔"

"آج کل یہاں سفارتی سطح پر مراسم کی نوعیت کیا چل رہی ہے؟" اس کی تشفی ہونے کے بعد میں نے اس سے اپنا پہلا نازک سوال کرڈالا۔

"ہونٹوں پر مسکراہٹ، عملاً سرد مہری بلکہ کبھی کبھی تلخی۔ یہی ہماری سطح کے افسروں کا بیرومیٹر ہوتا ہے۔ آج کل پاکستان کی سرزمین پر امریکی خاصے جانی خسارے میں جارہے ہیں۔ اس پر ان کی برہمی قابلِ فہم ہے۔"

"یہی نہیں، کھسیانی بلی کھمبا بھی نوچ رہی ہے۔ یہاں تم نے کسی امریکی سی ون تھرٹی کے اغوا کی کوئی بازگشت سنی ہے؟" میں نے اسے انعام میں ایک مکمل اور تازہ خبر سنانے کے خیال سے پوچھا۔

"نہیں" اس نے وثوق سے اپنا سر ہلایا "شاید پچھلے پندرہ بیس برسوں سے یہاں ایسا کوئی واقعہ سننے میں نہیں آیا۔ سی ون تھرٹی ان کا بہت محفوظ مال بردار طیارہ ہے۔ اس میں عملے کے گنے چنے افراد ہی ہوتے ہیں۔ اس کا اغوا ناممکنات میں شمار کیا جاتا ہے۔"

"ہیلی کاپٹر کے حادثے میں مرنے والے امریکی کمانڈوز کی منجمد لاشیں لانے والے سی ون تھرٹی کے ساتھ یہ واردات ہوچکی ہے اور آئزک بیل اسی کے نتیجے میں سی آئی اے والوں کے عتاب کا نشانہ بنا ہے۔" میرے اس انکشاف پر میجر جنجوعہ حیرت سے بھونچکا رہ گیا۔

"یہاں اس کی کوئی اڑتی اڑتی خبر بھی نہیں سنی گئی" اس نے بے یقینی سے کہا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اسے سلطان شاہ کے اغوا سے انقرہ میں اس کی بازیابی تک کی پوری کہانی سناڈالی۔

اس وقت میجر جنجوعہ کی محویت قابلِ دید تھی۔ اگر وہ نیویارک کے کسی رہائشی علاقے کی سڑکوں پر گاڑی نہ چلا رہا ہوتا تو مین ہٹن میں کئی بار حادثوں سے دوچار ہوچکا ہوتا۔

"یہ میری سفارتی معلومات میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔ واشنگٹن ائیرپورٹ پر پورے فوجی اعزاز کے ساتھ تابوت ورثا کے حوالے کیے گئے تھے اور صدر نے خود وہاں ہیلی کاپٹر کا استقبال کیا تھا۔ اپنے مرنے والوں کو یہ امریکی ضرورت سے زیادہ عزت و تکریم دیتے ہیں تاکہ دوسروں کے دلوں میں ملک و قوم کے لیے مرمٹنے کا جذبہ پیدا کیا جاسکے۔ اندر کی ساری کہانیاں بلیک آؤٹ کردی جاتی ہیں۔"

وقت کے بارے میں میجر جنجوعہ کو میری مجبوری یاد تھی۔ وہ ایک نئے پُل کے راستے دوبارہ مین ہٹن کے سیلِ رواں میں شامل ہوگیا۔ ہماری باتیں بدستور جاری تھیں۔

"اب تم سے کب ملاقات ہوگی؟" مڈ ٹاؤن میں داخل ہوتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"جب موقع مل گیا۔ ہمارے شب و روز حالات کے غلام ہوتے ہیں مگر یہ میرا وعدہ ہے کہ کبھی کبھی فون پر ضرور بات ہوتی رہے گی۔ ہوسکتا ہے کہ ایک آدھ روز کے لیے مجھے نیویارک سے باہر بھی جانا پڑجائے۔ تم میری کال کا انتظار نہیں کروگے۔"

"انتظار تو تمہیں اتارنے کے بعد سے شروع ہوجائے گا" اس نے افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ایسے مخلص دوست زندگی میں کبھی کبھار ہی ملتے ہیں۔"

نیویارک میں ٹیکسی ڈرائیور پارکنگ سے لے کر ڈرائیونگ تک کے معاملات میں اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ شہریوں کی سہولت کی خاطر پولیس بھی ان کے چھوٹے موٹے جرائم سے چشم پوشی کرتی ہے۔ پرائیویٹ گاڑیوں کے لیے یہ قوانین بہت سختی سے نافذ کیے جاتے ہیں۔

ٹائمز اسکوائر کی علامات نظر آتے ہی میجر جنجوعہ نے قبل از وقت ہاتھ ملا کر الوداعی رسم ادا کی۔ ٹائمز اسکوائر پر ایک جگہ اس نے گاڑی روکی اور مجھے اتار کر ہاتھ لہراتا ہوا آگے چلا گیا۔

راستے میں اس نے اپنا سرکاری وزیٹنگ کارڈ مجھے دے دیا تھا۔ اس پر میجر جنجوعہ کے گھر کا فون نمبر بھی موجود تھا۔

ویرا سے ملنے کے لیے میرے پاس آدھے گھنٹے کا وقت باقی تھا۔ میں چوک سے آگے نکل کر ایک بھڑکیلے بار میں داخل ہوگیا جہاں بھیڑ ہونے کے باوجود بعض میزیں خالی تھیں۔ بار سے امریکن بیئر کا ایک جھاگوں بھرا بڑا مگ لے کر میں ایک خالی میز پر جا بیٹھا۔

نیویارک میں تیزی سے رونما ہونے والے واقعات کے بعد میں شدت سے بدری ناتھ سے ملاقات کی ضرورت محسوس کررہا تھا۔ اسے نیویارک سے فون کرنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ میجر جنجوعہ کی گاڑی میں شہر نوردی کرتے ہوئے میں نے سنجیدگی سے ارادہ کیا تھا کہ گھر سے سی ایس ڈی ساتھ لے کر اسی رات کسی پرواز سے ورجینیا کی طرف نکل جاؤں۔ رچمنڈ کے کسی ہوٹل میں

فون سے سی ایس ڈی منسلک کرکے میں لوکل کال پر بہت بے فکری سے اس سے تبادلۂ خیال کرسکتا تھا۔

بدری ناتھ کے پاس وقت اور موقع ہوتا تو اس سفر کے نتیجے میں اس سے ملاقات بھی ہوسکتی تھی جس میں مجھے اپنے ہر تشنہ سوال کا جواب مل جاتا۔

اس وقت بھی میں سگریٹ پیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس سفر کے بارے میں ویرا مجھے صحیح رہنمائی فراہم کرسکتی تھی۔ مجھے ان خیالوں میں ڈوبے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ ایک نسوانی ہاتھ نے بے تکلفی سے اپنا بیئر کا مگ چوبی میز پر تقریباً پٹخا۔ میں نے چونک کر سر اٹھایا تو ویرا اپنے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ لیے خالی کرسی سنبھال رہی تھی۔

”حد ہوگئی۔ اس وقت میں تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا“ میں نے بے ساختہ کہا۔

”ٹالنے کی کوشش مت کرو‘ سچ سچ بتاؤ کہ مجھے ساڑھے پانچ کا وقت دے کر یہاں کس کے انتظار میں جھک مار رہے تھے؟“ سوال کرتے ہوئے ویرا کے ہونٹوں سے مسکراہٹ رخصت ہوچکی تھی۔

وہ وقفے کے بغیر بولتی ہی چلی گئی ”میں نے تمہیں اسی وقت دیکھ لیا تھا جب تم سفید کرولا سے اترے تھے۔ تمہاری جیکٹ کی جیب میں گز بھر کا یہ سرخ رومال ابھی تک لہرا رہا ہے۔ اس سے ملنے کے بعد تمہیں یہ جھنڈا اپنی جیب سے نکال لینا چاہیے تھا۔ ٹائمز اسکوائر اور اس کے گردونواح میں شامیں گزارنے والے قدامت پرست انگریز بھی یوں اپنی جیبوں میں رومال ٹھونس کر نہیں آتے۔“

اسے بولنے کے لیے ہر وقت کسی نہ کسی موضوع کی تلاش رہتی تھی۔ میری ذرا سی غفلت نے اسے موضوع فراہم کردیا تھا۔ وہ خاصی دیر تک بولتی رہی۔ میں اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی رومال جیکٹ کی جیب سے نکال کر پتلون کی جیب میں اڑس چکا تھا۔

”اب یہ رومال کا پہاڑہ ختم کردو اور سنجیدہ ہوجاؤ“ اس کی خاموشی کے بڑھتے ہوئے انتظار سے اکتا کر میں نے درمیان میں کہا۔ ”ہم زیادہ دیر تک یوں سرعام نہیں گھوم سکتے۔“

”بتاؤ‘ تمہیں کیا تکلیف ہے؟“ یخ بیئر کا ایک بڑا گھونٹ لے کر اس نے پوچھا۔

”میں سوچ رہا ہوں کہ اِدھر اُدھر وقت برباد کرنے کے بجائے اسی وقت رچمنڈ کے لیے روانہ ہوجاؤں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟“

”نیک خیال ہے۔ ملاقات نہ بھی ہوسکی تو لوکل فون پر بے فکری سے بات ہوجائے گی۔ روانگی کا ارادہ ہے تو وقت برباد نہ کرو۔ یہاں کے بیشتر ہوائی اڈے رات کو نو یا دس بجے کے بعد اگلی صبح تک کے لیے بند کردیے جاتے ہیں۔“

وہ نکتہ میں بھول ہی گیا تھا۔ میں نے کہا ”وہاں جانے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ وہ ابھی تک رچمنڈ ہی میں ہے یا کہیں اور منتقل ہوگیا ہے۔“

”کل رات ہی تو پین پلازا سے تمہاری اور اس کی بات ہوئی تھی۔“

”اس وقت تک اس نے گیپ کا راز فاش کرکے اسحاق گھنٹی کو نہیں پکڑوایا تھا۔ اب وہ وی آئی پی بن چکا ہے۔ ہوسکتا ہے اسے کسی بڑے ہوٹل میں پہنچادیا گیا ہو۔“

”تمہارا فون کرنا مناسب نہیں ہوگا“ ویرا پُرتشویش لہجے میں بولی ”اگر رچمنڈ میں بدری کا فون نگرانی میں ہے تو تمہاری آواز کا ریکارڈ ہونا بھی کسی وقت خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ یہاں ایسے آلات پائے جاتے ہیں جو آواز بدلنے کی کوششوں کے باوجود موازنہ کرکے بتادیتے ہیں کہ وہ ایک ہی شخص کی بدلی ہوئی آوازیں ہیں۔“

میرا ذہن فوراً میجر جنجوعہ کی طرف گیا۔ اسی وقت ویرا دوبارہ بول پڑی ”میں معلوم کیے لیتی ہوں۔“

”تم رحم ہی کرو۔ یہاں تمہاری آواز کے سوا اور بھی بہت سی چیزیں پہچانی جاتی ہیں۔ سرکاری اہل کاروں کو شبہ بھی ہوگیا کہ تم امریکا میں ہو تو یہاں بھونچال آجائے گا۔ سب کو بھول کر ہماری تلاش شروع ہوجائے گی۔“

ویرا برا سا منہ بنائے میری بات سنتی رہی۔ میرے خاموش ہونے پر وہ برہم ہوکر بولی ”کسی کسی وقت تم کس قسم کی بازاری باتیں کرنے لگتے ہو؟ یہاں میری کون سی چیزیں پہچانی جاتی ہیں؟“

”فنگر پرنٹس اور ایک دھندلائی ہوئی تصویر کا ذکر تو پاکستان کے اخبارات میں آچکا ہے۔ ویسے بھی بازار میں بیٹھ کر بازاری زبان بولنی پڑتی ہے۔ میں نے کون سی غلط بات کہہ دی؟“

”وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ اب کب تک یہاں جمے بیٹھے رہو گے؟“

”میں نے تم سے ملاقات کا وقت طے کیا تھا‘ شیام کے پاس ہم کسی بھی وقت جاسکتے ہیں۔ اس کا بھنگڑ خانہ رات بھر کھلا رہتا ہے۔ یہاں کے کھلے ماحول میں سوچنا ذرا آسان معلوم ہورہا ہے“ میں نے اپنا مگ خالی کرکے میز پر رکھ دیا۔

ویرا نے تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھا پھر وہ بھی غٹاغٹ اپنا مگ پی گئی ”یہ لو اور ان دونوں کو دوبارہ بھروالاؤ تاکہ مجھے بھی سوچنے میں کچھ آسانی ہوسکے۔“

بارٹینڈر نے جھوٹے مگ ٹرے میں ڈال کر مجھے دو نئے مگ بھردیے۔

میں میز پر واپس لوٹا تو ویرا نے مسرت بھرے لہجے میں آگاہ کیا کہ وہ بدری کے بارے میں ایک حل سوچ چکی تھی۔ اس کی دانست میں وہ کام شیام سے لیا جاسکتا تھا۔

”شیام اسے فون نہیں کرے گا۔ اسحاق گھنٹی نے رچمنڈ جانے سے پہلے اسے بتادیا تھا کہ وہ اپنا فون نمبر یا ٹھکانا کسی کو نہیں بتائے گا۔ بدری نے معذرت کے ساتھ یہ بات شیام کو بھی بتادی تھی اسی لیے شیام بھی اسے فون نہیں کرسکا۔“

”وہ پابندی اس وقت تک تھی جب تک اسحاق گھنٹی کا ستارہ

عروج پر تھا۔ اب اس کے ساتھ اس کی ہدایات بھی ختم ہو چکی ہیں۔ تم اسے نمبر بتاؤ گے تو وہ ضرور رابطہ کرے گا۔"

"ابھی چلو گی تو دیکھ لیا جائے گا۔ تم اپنے رسک پر اس سے ملنے جارہی ہو۔ وہ بہت منہ پھٹ اور اوباش آدمی ہے۔ کوئی بدتمیزی کر بیٹھے تو مجھ سے کوئی شکوہ نہ کرنا۔"

"میں نے اس کے سامنے اردو بولی تو وہ مجھ سے ضرور بے تکلف ہونا چاہے گا۔ تم اسے یہ نہ بتانا پھر میں اسے خود سنبھال لوں گی۔"

شیام ناتھ سے ملاقات کا ایک مبہم سا خاکہ وجود میں آنے کے بعد ہم اس بار سے اٹھ گئے۔ چند منٹ کی چہل قدمی کے بعد ہم شیام کے نام نہاد ہوٹل میں پہنچے تو بس ایک میز آباد تھی۔ وہ خود سورج غروب ہونے کے انتظار میں صاف ستھرے کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا تھا۔

"آؤ جی، گرنام جی! آج کئی دن بعد ادھر آئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں بھائی کی بدبو مل جاتی ہے۔" اس نے گہری نظروں سے ویرا کا جائزہ لے کر گرم جوشی سے میرا استقبال کیا اور کاؤنٹر سے نکل کر مجھے اپنے سینے سے لگالیا۔

"یہ مس بُل ہے، میری دوست" میں نے انگریزی میں ویرا کا تعارف کرایا۔

"بھائی جی! اسے بتاؤ ناکہ ملاقات پر مرد اور عورت سب ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں۔ یہ تو سوکھا ہاتھ ملا کر ٹرخا رہی ہے" شیام نے اردو میں مجھ سے شکوہ کیا۔

"مس بُل صرف اپنے دوستوں سے گلے ملتی ہے" میں نے انگریزی میں کہا اور قریبی میز پر بیٹھ گیا۔

"بس مس بُل! آج سے تم مجھے بھی اپنا دوست بلکہ خادم ہی سمجھو" شیام مسکرا مسکرا کر ویرا کے سامنے بچھا جارہا تھا "تم کیا پینا پسند کرو گی؟"

"شکریہ۔ میں گھر سے باہر نہیں پیتی۔ گرنام کے گھر جاکر پیوں گی۔"

"اس کا نام بُل کے بجائے بُلبل ہونا چاہیے تھا۔ لونڈیا زوردار ہے۔ کہاں سے اٹھا کے لائے ہو؟" شیام نے کھڑے کھڑے میری طرف جھک کر رازدارانہ انداز میں اردو میں کہا۔ اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ ویرا دور ہوتی تب بھی آسانی سے سن سکتی تھی۔

"اس سے فری ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ بڑی ہاتھ چھوڑ واقع ہوئی ہے۔" میں نے اسے مشورہ دیا پھر پوچھا "تم بھائی کی بدبو کا کیا ذکر کررہے تھے؟"

"وہ جب بھی آتا ہے یا فون کرتا ہے، تم ضرور رابطہ کرلیتے ہو۔ ابھی پندرہ منٹ پہلے ہی وہ یہاں سے اٹھ کر گیا ہے۔ پہلے آجاتے تو وہ بھی تمہاری اس بُلبل کو دیکھ کر اپنی آنکھیں سینک لیتا۔"

اس کی زبان سے وہ خوش خبری سن کر میرا دل زور سے دھڑکا۔ وہ

اٹھا۔ ویرا نے مسکرا کر مجھے آنکھ ماری۔ شیام اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ اپنی رسٹ واچ دیکھ رہی تھی۔

"مس! اگر تم اجازت دو تو میں تمہیں بُلبل کہہ لوں۔ یہ ہماری طرف بُل سے ملتا جلتا بہت خوب صورت نام ہوتا ہے" شیام نے کھیسیں پھیلا کر انگریزی میں پوچھا۔

ویرا نے سحر طراز مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر کر کہا "تمہیں اچھا لگتا ہے تو ضرور کہو۔"

"کیا وہ آج کل نیویارک ہی آیا ہوا ہے؟" میں نے شیام کے شانے پر ہاتھ مار کر اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے پوچھا "ایک بار مجھے فارغ کردو پھر دل بھر کر اس سے باتیں کرلینا۔"

"آج صبح آیا تھا۔ وہ ہوٹل گورہام کے کمرا نمبر تین سو دو میں ٹھہرا ہوا ہے۔ شاید وہ کئی دن یہیں رکا رہے گا۔ اس کا کوئی سرکاری کام نکل آیا ہے" شیام نے ایک ہی سانس میں میرے تقریباً تمام سوالوں کے جواب دے ڈالے اور فوراً ویرا کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"دبلبل.... واہ! اب نام بھی تمہاری ہی طرح حسین ہوگیا ورنہ بُل کہتے ہوئے تو خوف آتا تھا۔" وہ ویرا کو اپنی چکنی چپڑی باتوں میں الجھانا چاہ رہا تھا۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے کھسکنے کا اشارہ کیا اور وہ فوراً ہی اپنے نتھنے پُھلا کر زور زور سے کچھ سونگھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"کیا ہوا، چھینک رک رہی ہے؟ میں تمہاری ناک میں تیلی گھمادوں؟" شیام نے مضطرب ہوکر سوال کیا، خود ہی تکلیف دریافت کی اور جھٹ اپنی خدمت پیش کردی۔

"چھینک وینک نہیں رکی۔ ذرا غور سے سونگھو کیا تمہیں بدبو نہیں آرہی؟" ویرا نے یہ کہتے ہوئے باقاعدہ اپنا رومال نکال کر اپنی ناک پر رکھ لیا۔

شیام کی عقل اس وقت شاید اس کے ٹخنوں میں اتر گئی تھی۔ وہ جلدی جلدی گہرے گہرے سانس لینے لگا پھر بوکھلا کر بولا "مجھے تو کوئی خاص بدبو نہیں آرہی۔"

"بدبو نہیں، یہ تعفن ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ ان صاف ستھری میزوں کے نیچے کہیں کوئی مردہ چوہا سڑ رہا ہے۔ اسے تلاش نہ کیا گیا تو یہاں طاعون پھیل جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے ویرا نے کرسی چھوڑ دی۔

اس وقت تک شیام مجھے بھولا ہوا تھا، میں آرام سے کرسی میں بیٹھا وہ ڈراما دیکھ رہا تھا۔ ویرا کے اٹھتے ہی شیام کو میرا دھیان آگیا "گرنام! کیا یہاں کوئی بدبو ہے؟"

ویرا کو میری رائے سے آگاہ کرنے کے لیے اس نے وہ سوال انگریزی میں کیا تھا۔ میں نے صاف جواب دے دیا "سوری یار! میری ناک بند ہے۔"

"تم ہوٹل کی صفائی کرالو۔ ہم پھر کسی وقت یہاں آئیں گے۔" شیام سے یہ کہہ کر ویرا نے میرا ہاتھ تھاما اور چلتے ہوئے بولی۔ "آؤ گرنام ڈارلنگ۔ یہاں سے جلدی نکل چلو۔"

میں نے بے بسی سے شیام کی طرف دیکھا، اس سے سرسری سا ہاتھ ملایا اور ویرا کے ساتھ تقریباً گھسٹتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔ بدری ناتھ کی نیویارک میں موجودگی کا سراغ ملنے کے بعد خود میرے لیے وہاں ٹھہرنا دشوار ہو گیا تھا۔

"گورہام سینٹرل پارک سے ذرا آگے واقع ہے۔" وہاں سے کچھ دور نکل آنے کے بعد ویرا نے بتایا "مگر وہاں جانا مناسب نہیں ہے۔ پہلے گھر سے اسے فون کرلو۔"

"ایک کال تو یہیں کہیں سے کی جاسکتی ہے۔ جب وہ کھل کر شیام سے مل سکتا ہے تو پھر یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے دوسرے ہم وطنوں سے بھی میل جول رکھتا ہو گا۔" میں نے کہا۔

"یہ بہتر رہے گا۔ اگر وہ ملاقات کے لیے آمادہ ہوا تو یہیں کام بن جائے گا ورنہ گھر پہنچ کر اس سے فون پر تفصیلی بات کرلی جائے گی۔"

ایک بوتھ میں موجود ڈائریکٹری سے گورہام کا نمبر تلاش کرکے میں نے ملایا تو فوراً ہی بدری سے بات ہو گئی۔ میں نے چھوٹتے ہی اسے بتا دیا کہ میں شیام سے ملاقات کے بعد اسے شہر کے کسی بوتھ سے فون کر رہا ہوں۔ اس کے لیے وہ اشارہ کافی تھا۔

"میں آج ہی یہاں آیا ہوں اور بہت مصروف ہوں۔ تم ٹھکانے پر پہنچ کر بات کرو۔" وہ مختصر سا معنی خیز پیغام دے کر اس نے فون بند کر دیا۔

"مقدر حیران کن حد تک ہمارا ساتھ دے رہا ہے۔" میں نے بوتھ سے باہر نکل کر کہا "میں اس سے ذرا سی دیر کی گفتگو کے لیے رچمنڈ تک دوڑ لگانے پر تلا بیٹھا تھا مگر کنواں خود ہی چل کر پیاسے کے پاس آگیا۔ اب رفتہ رفتہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔"

"ہم نے غور نہیں کیا ورنہ اس کی یہاں آمد ہمارے لیے متوقع ہوتی۔" ویرا بولی۔

"کیوں؟ کیا تم نے اسے کوئی دعوت نامہ بھیجا ہوا تھا؟" میں نے خوش دلی سے پوچھا۔

"اس وقت انہیں نیویارک میں عباس کرمانی کی تلاش ہے۔ اپنی کہانی کے مطابق بدری ناتھ اسے اچھی طرح پہچانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں رہ کر وہ اس مہم کی بہتر رہنمائی کرسکے گا۔"

"وہ ایک سزایاب سیکرٹ ایجنٹ کے طور پر یہاں بھیجا گیا تھا اور یہاں آمد سے ناخوش تھا۔ اب وقت کا پانسا اس کے حق میں پلٹ چکا ہے۔ دعا کرو کہ اس تبدیلی نے اسے دوبارہ متکبر نہ بنا دیا ہو۔ رمیش اگروال اور نک موڈلے کے درمیان پس کر وہ نرم پڑا تھا۔ اب وہ ان تمام بندشوں سے پوری طرح آزاد ہو چکا ہے۔"

ویرا میری اس تشویش میں برابر کی شریک تھی۔ گورہام سے ہونے والی گفتگو سے احتیاط کے علاوہ تکبر کا پہلو بھی جھلک رہا تھا۔ اصل پوزیشن گھر سے ہی معلوم کی جاسکتی تھی۔

وہاں ٹیکسیاں قدم قدم پر موجود تھیں۔ ہم تھوڑی ہی دیر میں گھر واپس پہنچ گئے جہاں مائیک ہم سے پہلے پہنچا ہوا تھا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ وہ اپنے سرونٹ کوارٹر میں محدود تھا۔ اس کے پاس گھر میں داخلے کے لیے کوئی فاضل چابی موجود نہیں تھی۔

وہ گھر میں گھسنے میں کامیاب ہو جاتا تو ٹیلی فون لائن سے منسلک سی ایل ڈی کو دیکھ کر شبہے میں پڑ جاتا اور یقینی طور پر بلیک ڈیڈ کو ایک مشتبہ آلے کی موجودگی سے باخبر کر دیتا۔

ویرا سے کچن کی ضروریات وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل کرکے مائیک گاڑی سے بازار چلا گیا۔ اسے بھگانے کے لیے ویرا نے جان بوجھ کر اپنی فہرست میں ایسی چیزوں کا اضافہ کر دیا تھا جو کچن اور فرج میں موجود نہیں تھیں۔

بدری ناتھ سے میری گفتگو طویل ہونے کا امکان تھا۔ میں نے مائیک کے جاتے ہی اسپیکر فون پر اس سے رابطہ کرلیا۔

"سوری باب۔ میرے پاس مہمان آئے ہوئے ہیں۔ پانچ منٹ بعد فون کرنا۔" میری آواز پہچانتے ہی بدری نے وہ روکھا پھیکا پیغام دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا "معلوم ہوتا ہے کہ بدری کا دماغ دوبارہ خراب ہو گیا ہے۔" ویرا نے میرے اندیشے کو تقویت دینے کے لیے زہر فشانی کی۔

"اس کی بات بری لگنے والی ہے لیکن اس کی بھی کچھ مجبوریاں ہوسکتی ہیں۔" میں نے اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "اب اس نے میرے ساتھ آنکھیں بدلنے کی کوشش کی تو میں اس کو بری طرح تباہ و برباد کرکے رکھ دوں گا۔ یہ بات وہ بھی جانتا ہے۔"

"ایک بار اپنی ساکھ بنالینے کے بعد وہ اپنی جگہ بہت مستحکم

ہو چکا ہے۔ تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔ تم نے اس کے خلاف پر پرزے نکالنے کی کوشش کی تو امریکا میں ہی تم کو رگڑ کر رکھ دے گا۔ تم یہاں سے باہر قدم نہیں نکال سکو گے۔"

"میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ یہاں رہ کر اس سے بدلہ لینے کی کوشش کروں۔ جو کچھ ہوگا' یہاں سے نکل جانے کے بعد ہی ہوگا۔ جس لمحے پرنسٹن کے مضافاتی کنوئیں سے ولسن کی لاش برآمد ہوئی' بدری کا حشر بھی اسحاق گھنٹی جیسا ہوگا۔"

"تم بہت خطرناک ہوتے جارہے ہو۔ اپنے حلیفوں کی کمزوریوں پر ہر وقت نظر رکھتے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ میرے بارے میں تم نہ جانے اپنے دل میں کیا کچھ مواد لیے بیٹھے ہوگے۔"

"خود کو بدری سے نہ ملاؤ۔ اس کے بارے میں تم خود ہی زہر اُگل رہی تھیں۔ وہ آنکھیں دکھانے پر اتر آیا تو ہم کیا کریں گے؟"

"تو کیا تم شروع ہی سے جان بوجھ کر اسے جرائم میں ملوث کرتے چلے آرہے ہو؟"

"میں اسے اکسا رہا تھا' ترغیب دے رہا تھا اور وہ جال میں پھنستا رہا۔ جرم کے ارتکاب کا یہ بنیادی اصول ہے کہ اپنے ہر حلیف کو بدترین کارروائیوں اور سازشوں میں ملوث کرتے ہوئے چلو۔ کوئی زندگی بھر غداری کا تصور نہیں کرسکے گا۔ منظم جرائم کا یہ بنیادی سبق تمہیں زبانی یاد ہونا چاہیے۔ جب اسے نظرانداز کرو گی' مشکلات میں گھر جاؤ گی۔"

بقیہ چند منٹ اسی تذبذب اور بے چینی کی اذیت میں گزرے۔ میں نے دوبارہ نمبر ملایا تو بدری ناتھ نے سب سے پہلے سی ایس ڈی کے بارے میں سوال کیا۔

میرا جواب اثبات میں سنتے ہی اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ "شیر علی! تم واقعی عظیم ہو۔ تم نے وہ کام کر دکھایا ہے جو شاید ڈینی بھی نہیں کرسکتا تھا۔ گرفتاری کے وقت گیپ کی دُہائی دینے کے باوجود وہ سبز فائل پیش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ تمہارے دوست کرمانی کا دعویٰ سچ نکلا مگر اسحاق گھنٹی کے سر پر ڈینی کا بھوت سوار ہے۔ اسے جوتے پڑ رہے ہیں۔ جلد ہی وہ کرمانی سے اپنی ڈیل کا اعتراف بھی کرلے گا۔ سی آئی اے کا ڈائریکٹر میری کارکردگی سے بہت خوش ہے۔ ہر طرف میری دھوم ہوگئی ہے اور یہ سب تمہاری محنت کا انعام ہے جو مجھے مل رہا ہے۔"

وہ بولتا رہا اور اس کے ہر لفظ سے میری انا کو تسکین ملتی رہی۔ اپنے عارضی وسوسوں کی تردید ہوجانے پر میں خود کو بہت پُرسکون محسوس کررہا تھا۔ اپنی محنت کا ذکر سن کر میں نے آہستگی سے پوچھا۔ "کیا تم ملاقات کے لیے کچھ وقت نکال سکتے ہو؟"

"میں ہر پابندی سے آزاد ہوچکا ہوں۔ جہاں چاہوں' جاسکتا ہوں مگر پچھلی رات سے میں اچانک اس قدر مصروف ہوگیا ہوں کہ میں نے زندگی میں کبھی ایسی مصروفیت کا تصور نہیں کیا تھا۔ کل تک جو افسر مجھے بنچ اور ٹرینی کے طور پر ساتھ لے جاتے تھے' آج مجھ سے بات کرنے میں فخر محسوس کررہے ہیں۔ سی آئی اے اور ایف بی آئی والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آج صبح سویرے نک موڈلے ورجینیا پہنچا تو اسے مجھ سے ملاقات کے لیے پورے پونے تین گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔ میرے دل میں ٹھنڈ پڑگئی۔ وہ ہر ایک سے کہہ رہا تھا کہ اعلیٰ تربیت کے لیے میرا انتخاب اسی نے کیا تھا۔ کاش میں اس عزت کا ایک بڑا حصہ تم کو منتقل کرسکتا۔"

بدری ناتھ کے ذہن پر اپنی بڑائی کے اظہار اور میری شکر مندی کا خمار چڑھا ہوا تھا۔ جو کچھ ہوا' وہ اس کے سان دگمان میں بھی نہیں تھا۔

"یہ عزت تمہارے لیے ہے اور تم ہی کو مبارک ہو۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ تم میری خدمات کو نہیں بھولے۔ یہ بتاؤ کہ تم وہاں سے نیویارک کیوں آئے ہو؟"

"عباس کرمانی کی تلاش کی مہم میرے سپرد کردی گئی ہے۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں ورنہ تم سے کہتا کہ مجھے اس کا پتا بتادو۔ مجھے معلوم ہے کہ میں تمہارے اس دوست پر کبھی ہاتھ نہیں ڈال سکوں گا مگر مغرور کردینے والی ان سرگرمیوں کے جوش و خروش میں بہہ کر مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں کسی بھی وقت اسے ہتھکڑیاں لگا دوں گا۔"

"اسحاق گھنٹی ابھی تک وہیں ہے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"وہیں ہے۔ قسمیں کھا رہا ہے کہ وہ ویرا اور ڈینی کی سازش کا شکار ہوا ہے۔ اس کے بیان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس نے دونوں سے فون پر باتیں کی ہیں مگر اپنی آنکھوں سے انہیں نیویارک میں کہیں نہیں دیکھ سکا۔"

"سبز فائل یا گیپ کے بارے میں وہ کیا کہتا ہے؟" میرے لیے وہ باتیں زیادہ اہم تھیں۔

"سب کچھ حرف بہ حرف وہی ہے جو تم نے بتایا تھا۔ بس اس میں عباس کرمانی کی جگہ ڈینی کا نام آگیا ہے۔ شاید ایک آدھ روز میں اس کا نفسیاتی تجزیہ بھی ہوگا کہ ڈینی کا فرضی خوف اس کے ذہن پر کیوں سوار ہے۔"

"نک موڈلے کراچی سے یہاں کیوں آیا ہے؟" میں نے پُراعتماد لہجے میں پوچھا۔

"اسے سن گن مل گئی تھی کہ سی آئی اے اس پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کرچکی ہے۔ یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ اس کے آنے تک اسحاق گھنٹی واقعی پکڑا جاچکا تھا۔ تم گیپ کی گمشدگی کا بھانڈا پھوڑ چکے تھے۔"

"وہ اسحاق گھنٹی کا اتنا بڑا مخالف ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ اسحاق سے اتنا سلگا ہوا ہے کہ اس نے ٹھوکروں اور

تھپڑوں سے اسے مارا ہے۔"
"اسے تمہارے قیدی سے اتنی پرخاش کیوں ہے؟"
"ٹنک کراچی میں سی آئی اے کا چیف ہے لیکن اسے سی ون تھرٹی کے معاملے سے بالکل الگ تھلگ رکھا گیا تھا۔ گھنٹی نے وائٹ ہاؤس میں اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر سی آئی اے کے ڈائریکٹر کی مخالفت کی بھی پروا نہیں کی اور منصوبے کی منظوری لے کر اس پر عمل کر ڈالا۔ وہ کراچی سے ڈینی کے کسی قریبی ساتھی کو اغوا کر کے لاشوں کے ساتھ امریکا لانا چاہ رہا تھا۔ قبرص میں مغوی نے عملے کو یرغمال بنا کر جہاز پر قبضہ کر لیا۔
"وہ امریکیوں کے لیے قومی عزت اور وقار کا معاملہ تھا۔ سب نے سر جوڑ کر فیصلہ کیا کہ قیدی یا مغوی کو کسی صورت میں رہا نہ کیا جائے۔ جہاز کو انسانی جانوں کی پروا کیے بغیر کمانڈو ایکشن میں تباہ کر دیا جائے۔ اس کا سارا الزام ڈینی کے ساتھی کے سر تھوپ دیا جائے۔ اسحاق گھنٹی اس فیصلے میں شریک تھا۔ کمانڈو ایکشن کے لیے وقت اور عملے کا انتخاب ہو چکا تھا کہ اسحاق گھنٹی نے ایک مرتبہ پھر سب لوگوں سے غداری کی اور پیٹھ دکھا دی۔
"ڈینی سے اس کی نہ جانے کون سی رگ دبتی ہے کہ آپریشن سے چند گھنٹے پہلے اس جہاز کو قیدی سمیت قبرص سے انقرہ پرواز کرنے کا حکم مل گیا۔ وائٹ ہاؤس کے براہِ راست حکم پر اعلیٰ فوجی قیادت وہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئی۔ انقرہ میں قیدی کو آزاد کر دیا گیا اور وہ ابھی تک زندہ ہے۔"
میرے لیے وہ کہانی نئی نہیں تھی مگر میں خاموشی سے بدری ناتھ کی کتھا سنتا رہا۔ اس میں پورے واقعے کے وہ پہلو بھی شامل تھے جو اس وقت تک میرے سامنے نہیں آسکے تھے۔
آئزک بیل کے خلاف مقتدر امریکی حلقوں میں نفرت کی داغ بیل اسی وقت پڑ گئی تھی جب اس نے سلطان شاہ کو اغوا کرنے کا غلط فیصلہ کیا تھا۔ اس نفرت کے ساتھ گیپ سے محرومی نے آخر کار اسے اس کے انجام تک پہنچا دیا تھا۔
"اس جوش و خروش میں تم اپنا اصل مقصد شاید بھول چکے ہو گے۔"
"کچھ روز میں دل کھول کر طاقت، عزت اور اختیار کے اس نئے نشے سے لطف اٹھاؤں گا۔ اس کے بعد پھر وہی شب و روز چل پڑیں گے۔"
اپنے دل کا احوال بتاتے ہوئے اسے یہ علم نہیں تھا کہ وہ شیر علی کے روپ میں ڈینی سے ہی مخاطب تھا۔ میرے دل میں بدری ناتھ کے لیے وقعت کم ہو گئی۔
"تم ٹنک موڈلے کے ہاتھوں ہونے والی اپنی تذلیل کو بھول چکے ہو۔"
"اس نے ایک اجنبی سرزمین پر میری تحقیر کی تھی، میں نے اس کے گھر میں پونے تین گھنٹے تک اسے ذلیل کر کے بدلہ لے لیا۔ اب وہ میرے گُن گاتا پھر رہا ہے۔"
"یہ نہ بھولو کہ اسحاق گھنٹی بھی اسی طرح عزت، طاقت اور اختیار کے نشے میں دُھت تھا۔ آج اس کا انجام تمہارے سامنے ہے۔"
"مجھے یوں نہ ڈراؤ۔ میں اس کی طرح بھٹکنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اصل معاملات میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوئے ہیں۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہاں پاکستان کے ہمدردوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ میرے دیش کے خیر خواہ بہت ہیں۔ میں تمہیں پاکستانی نہیں، اپنا محسن سمجھ کر یہ راز بتا رہا ہوں۔"
"یہ ایک کھلا راز ہے جس سے ہر شخص باخبر ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"میں ان ذخیروں کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں جو خلائی پروازوں کے لیے ٹھوس ایندھن کے طور پر کام آتے ہیں۔ ان کو نشانہ بنا کر تم انہیں بڑا نقصان پہنچا سکتے ہو۔"
"بھارت کی سازشوں کو ناکام بنانا بھی تمہارے مشن کا حصہ تھا۔"
"ضرور تھا مگر یہاں رہ کر میں ان سے بالکل بے خبر ہوں۔ واپسی پر ہم ہر تخریب کاری کے خلاف کام کریں گے، خواہ وہ کسی کی بھی طرف سے ہو۔"
اپنی انا کی بھرپور خوراک میسر آجانے پر بدری ناتھ اندر سے نرم پڑتا جا رہا تھا۔ میں نے کسی خفگی کا اظہار کیے بغیر کہا "تم نیویارک میں ہو تو اب میں کبھی کبھار تمہیں فون کرتا رہوں گا۔"
"بالکل کرتے رہنا۔ چاہو تو اپنا فون نمبر مجھے دے دو۔ میرے حالات بدل چکے ہیں۔ ضرورت ہوئی تو میں بھی تم سے رابطہ کر سکوں گا۔ میرے پاس تمہارا نمبر بالکل محفوظ رہے گا۔"
"تمہارے حالات بہتر ہو چکے ہیں مگر اسحاق گھنٹی کی گرفتاری کے بعد میرے لیے خطرات بڑھ گئے ہیں۔ میں ہوٹل چھوڑ کر ایک شناسا کے گھر پر رہ رہا ہوں۔ یہاں کا نمبر میں کسی اور کو نہیں دے سکتا۔ میری کوشش ہو گی کہ روز ہی تم سے رابطہ ہو سکے۔"
"میں تمہیں ایک مرتبہ پھر بتا دوں کہ میرے مشن اور خیالات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ زیرِ عتاب اہل کار سے مراعات یافتہ افسر کا درجہ ملنے کی خوشی نے غلبہ کیا ہوا ہے۔ اس کا اظہار میں صرف تم سے ہی کر سکتا ہوں۔ میرے لیے کوئی خاص کام تمہارے ذہن میں آتا ہے تو مجھے ضرور بتاؤ۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ اسے مکمل کر سکوں۔"
"ٹھوس ایندھن کے ذخائر پر تم کام کر ہی رہے ہو۔ کسی ایسے ایٹمی یا فوجی مرکز کا بھی سراغ لگاؤ جہاں داخلہ ناممکن نہ ہو۔ اس فہرست میں تم وائٹ ہاؤس کو بھی شامل کر سکتے ہو۔" میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد اسے اپنی ترجیحات سے آگاہ کر دیا۔
"میرا خیال ہے کہ ان میں سے وائٹ ہاؤس میں داخلہ بہت

آسان ہے۔ میں نے سنا ہے کہ مخصوص ایّام اور اوقات میں امریکی اور غیر ملکی سیاحوں کو اس عمارت کے بعض حصوں کی سیر کرنے کی کھلی اجازت ہوتی ہے لیکن آج تک وہاں کوئی تخریبی کارروائی نہیں کی گئی۔"

"ہوسکے تو وہاں کے حفاظتی انتظامات پر بھی کام کرو۔ اسحاق گھنٹی کی سرپرستی کرنے والے کے ٹھکانے پر کوئی اوچھا سا علامتی وار بھی سب کو ہلا کر رکھ دے گا۔"

"فکر مت کرو۔ تمہارے ایک اشارے سے مجھے نئی لائن مل گئی ہے۔ میں آج ہی سے اس پر بھرپور انداز میں کام شروع کر دیتا ہوں۔ ضرورت ہوئی تو میں خود بھی وہاں کا ایک چکر لگالوں گا۔ وہاں سی آئی اے کا کوئی نہ کوئی دفتر ضرور کام کر رہا ہوگا۔"

بدری ناتھ سے میری گفتگو طویل ہوگئی تھی۔ میں نے اس کی نئی مصروفیات کے حوالے سے سلسلۂ کلام وہیں ختم کر کے فون بند کر دیا۔

"اسے کرسی کا نشہ چڑھا ہے مگر بری طرح نہیں چڑھا۔" ویرا نے طمانیت کا ایک گہرا سانس لے کر کہا "آدمی اندر سے ذرا بھی کمزور ہو تو کرسی آخر کار اسے لے ڈوبتی ہے۔"

"ہم نے آئزک بیل کی تباہی کے تمہارے مشن کو اس کے نقطۂ عروج پر پہنچا دیا ہے۔ اب نئی راہ کے تعیّن میں ذرا وقت لگے گا۔ اس وقت تک بدری کا خمار بھی ہلکا ہو چکا ہوگا۔ دیکھو کہ اب ہمارا کون سا نیا ٹارگٹ سامنے آتا ہے۔"

"تمہارے سامنے امریکا کی وسیع و عریض سلطنت پھیلی ہوئی ہے اور تم یہاں ٹارگٹ ڈھونڈنے کی بات کر رہے ہو۔" ویرا استہزائیہ انداز میں بولی "وہ تمہارے چھوٹے سے فلیٹ میں گھس کر سلطان شاہ کو اٹھالے جاسکتے ہیں تو تم بھی جہاں چاہو وار کر سکتے ہو۔ یہاں کے پُل، عمارتیں، سرنگیں، یہ سب تمہارے آسان نشانے بن سکتے ہیں۔"

"ہم دہشت گرد نہیں ہیں، اپنی بقا کی ایک محدود سی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ایسی ننگی اور سفاکانہ کارروائیاں ہونے لگیں تو انسان دنیا کے کسی خطے میں سکھی نہیں رہ سکے گا۔"

"محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ جنگ کبھی محدود نہیں ہوتی۔ یہ اردو کا نہیں، انگریزی کا محاورہ ہے۔ وہ اس پر عمل کر رہے ہیں۔ تم منطقوں کے بگل بجاتے رہو۔" یہ کہہ کر ویرا اٹھی اور کچن میں سے مے نوشی کے لوازم لے آئی۔

سورج ڈھلے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اندھیرا ویرا کے لیے عموماً ایسی ہی سرگرمیوں کا سندیسہ لے کر اترتا تھا اور وہ ڈھلان پر رکھی ہوئی گولی کی طرح خود بہ خود اسی نشیب میں لڑھکنے لگتی تھی۔

○☆○

آئزک بیل کے جرائم کے بارے میں کڑی سرکاری راز داری کے باوجود اگلے دن کے اخبارات میں کافی مواد موجود تھا۔ ٹیلی وژن پر مذاکرات اور تبصرے شروع ہوگئے تھے۔ ان میں سب کچھ تھا لیکن گیپ اور ایوانِ صدر کے کردار کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں تھا۔

امریکی مبصروں کو اپنی معاشرتی اقدار کے حوالے سے بحث کے لیے ایک نیا نکتہ ہاتھ آگیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ انسان دنیا کا ہر اچھا یا برا کام صرف پیسہ کمانے کے لیے کرتا ہے کیونکہ پیسہ ہی زندگی کی تمام ضروریات کی اکلوتی کلید ہے۔ پھر وہ لوگ جن کے پاس پیسے کے انبار لگے ہوئے ہیں، کیوں جرائم کی طرف راغب ہوتے ہیں؟

وہ کوئی پیچیدہ پہیلی نہیں تھی۔ نسلی تعصب، ایذا رسانی اور توسیع پسندی اس سوال کے تین جواب تھے۔ آئزک بیل کے قصے میں ان تینوں حوالوں سے صیہونی برادری مذمت کا نشانہ بنتی تھی اس لیے کوئی بھی کھل کر اس سوال کا جواب دینے کی ہمت نہیں کر سکا۔ ہر بحث پیچ در پیچ سوالوں اور وضاحتوں میں الجھا کر سمیٹ دی گئی۔

میں ٹیلی وژن پر دن بھر یہی کھیل دیکھتا رہا۔ ایک بار بھی ڈیوڈ اسٹارز کو ہدفِ ملامت نہیں بنایا گیا حالانکہ اسی پلیٹ فارم نے آئزک بیل کو تباہی کے دہانے پر پہنچایا تھا۔

پانچ بجے بلیک ڈیڈ اپنے دو نفری عملے کے ساتھ ہمارے پاس آپہنچا۔

"ہر شخص تمہیں دیکھنے کے لیے مرا جا رہا ہے۔" مزاج پُرسی کے بعد اس نے ویرا کو آگاہ کیا "امریکی ایسی پاگل قوم ہے کہ بیکسٹر کی موت کی پوری تفصیل جاری کرنے کے بعد تمہیں دیکھنے پر پانچ ڈالر کا ٹکٹ لگا دیا جائے تو دو چار روز میں تم لاکھوں ڈالر بٹور سکتی ہو۔"

"یہ مذاق ہے یا مشورہ؟" ویرا نے گمبھیر سنجیدگی سے سوال کیا۔

"مذاق نہ مشورہ، بس ایک اطلاع تھی جو تم کو دے دی.... اور اب کام کی بات۔" یہ کہہ کر وہ اپنی جیبوں میں کوئی کاغذ تلاش کرنے لگا۔

وہ اس وقت ترنگ میں تھا۔ تھوڑی سی بدحواسی کا مظاہرہ کرنے کے بعد مطلوبہ کاغذ دریافت کرنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے میری طرف بڑھا دیا۔

"یہ چار افراد کے نام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نجم داؤدی ہے۔ یہ سب مل کر ڈیوڈ اسٹارز کہلاتے ہیں۔ اب یہی چاروں اس جماعت کے دماغ ہوں گے۔" اس نے بتایا۔

"ان کا نمبر آئزک بیل کے بعد آتا ہے یا یہ منصوبہ بندی میں اس سے اوپر تھے؟" میں نے بلیک ڈیڈ سے پوچھتے ہوئے وہ چاروں نام پڑھ ڈالے۔

"چھ افراد نے اس جماعت کی بنیاد رکھی تھی۔" بلیک ڈیڈ

سگریٹ سلگا کر کہنے لگا "راس المیڈا پاکستان میں مارا گیا یا لاپتا ہو گیا' آئزک بیل پکڑا جا چکا ہے۔ ان کی اندر کی خبریں بہت مشکل سے دستیاب ہوتی ہیں اس وجہ سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں کون کیا ہے۔"

"یہ چاروں نیویارک ہی میں رہتے ہیں؟" ناموں کے ساتھ پتے موجود نہیں تھے اس لیے مجھے وہ سوال کرنا پڑا۔

"یہ ہفتے میں ایک بار ڈیوڈ اسٹارز کے دفتر میں جمع ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہ کہاں رہتے ہیں' یہ بتانا مشکل ہے کیونکہ امریکا کے کئی بڑے شہروں میں ان کی جائیدادیں ہیں اور یہ بہت باحیثیت افراد میں شمار ہوتے ہیں۔"

"اگر تمہارے آدمی آج دن بھر میں صرف یہ چار نام حاصل کر سکے ہیں تو ان کی کارکردگی بہت تشویش ناک ہے۔ تم ان میں سے کسی کو اٹھوانا چاہو تو یہ کام ہفتوں بھی نہیں ہو سکے گا۔"

"یوں سمجھ لو کہ پہلے مرحلے میں صرف یہ نام ملے ہیں۔ دوسری معلومات حاصل ہوتے ہی میں تمہیں مطلع کر دوں گا۔ اس دوران میں تم اپنے طور پر کچھ کرنا چاہو تو ان ناموں کے سہارے کام کا آغاز کر سکتے ہو۔"

"میرا طریقۂ کار تم آئزک بیل کے سلسلے میں دیکھ چکے ہو۔ شکار کو بلا کر ایکسپریس وے پر ایک جگہ کھڑا کیا اور تم نے اس پر گولی چلا دی۔ نشانہ لگنا یا خطا ہونا ایک الگ بات تھی۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھ رہے کہ ان کے خلاف کسی بھی کارروائی کا سارا فائدہ تم کو پہنچے گا۔"

"شاید میں نے تم سے رابطہ کرنے میں عجلت کی ہے۔" وہ خفت آمیز لہجے میں بولا۔

"تم ڈینی سے ایسا سلوک کر رہے ہو جیسے یہ معاوضہ لے کر لوگوں کو مارنے والا پیشہ ور ہو۔" ویرا نے کہا "تم نے اسے نام دے دیے۔ اب انہیں ڈھونڈ کر مارنا ڈینی کا کام ہے۔ کام پورا ہو جائے گا تو تم اسے طے شدہ معاوضے کی رقم ادا کر دو گے۔"

"اگلی بار میں اس بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات لے کر آؤں گا۔ تم نے آئزک بیل کو گھیر کر مجھے اپنی صلاحیتوں سے اتنا زیادہ متاثر کیا ہے کہ میرا خیال تھا کہ باقی کام تم خود کر لو گے۔"

میں نے بلیک ڈیڈ کو مزید شرمندہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ آئزک بیل کے سلسلے میں قسمت نے ہمارا ساتھ نہ دیا ہوتا تو اس کے بارے میں بھی ہم کچھ معلوم نہیں کر سکے تھے۔ وہ نیویارک ہی میں رہتا تھا لیکن ہمیں اس کے گھر کا کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اس کے دفتر کی نشان دہی بدری ناتھ نے اپنی یادداشت کے سہارے کی تھی۔ بعد میں بیشتر کام جینی نے سرانجام دیا تھا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے دفتر کا نمبر ہمیں ٹیلی فون ڈائریکٹری سے ضرور ملا تھا ورنہ آئزک بیل نے خود بتایا تھا کہ اس کے پاس خفیہ نان ڈائریکٹری نمبر تھے۔

شاید احتیاط اور رازداری ان لوگوں کے معمولات میں شامل تھی۔ وہ اپنی نجی زندگی میں بھی ان امور پر کوئی سمجھوتا کرنے کے عادی نہیں تھے۔ معزز اور باحیثیت ہونے کے باوجود ان کے طور طریقے کسی مافیا یا سنڈیکیٹ کے سربراہوں جیسے تھے۔

"تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔" میں نے بلیک ڈیڈ کی اشک شوئی کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کام ہم لوگوں کو مل جل کر ہی انجام دینا ہو گا۔ اس میں جتنی زیادہ تاخیر ہو گی' اس میں تمہاری پوزیشن کو اسی قدر نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔"

"میں تم سے متفق ہوں۔ یہ بتاؤ کہ مائیک نے تمہیں اپنی فضول گوئی سے پریشان تو نہیں کیا؟"

"اول تو اسے اپنی چرب زبانی کے جوہر دکھانے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ پچھلی رات اس کو بہت کم وقت ملا تھا' دوم یہ کہ وہ خود بھی بیکسٹر کی خودکشی کی وجہ سے ذہنی پراگندگی کا شکار ہے۔ تیسری اور ایمان داری کی بات یہ ہے کہ وہ واقعی محتاط نظر آ رہا ہے۔ اس نے ہمیں بیکسٹر کی تدفین کے بارے میں ایک لفظ بھی بتانے کی کوشش نہیں کی۔" میں نے بتایا۔

"وہ تمہیں تنگ نہیں کرے گا۔ میں نے اسے ہر بات اس کی زبان میں سمجھا دی ہے۔"

"ہارلم کے فساد کا الزام اب براہِ راست تمہارے دشمن پر عائد کیا جا رہا ہے۔" ویرا نے اسے یاد دلایا "اس کا کچھ نہ کچھ ثمر تو تم کو بھی مل رہا ہو گا۔"

"فرق پڑا ہے۔ لوگوں نے مجھ سے پوچھنا شروع کر دیا ہے کہ اس سے میرا کیا تنازع تھا۔ میں ابھی تک یہ سمجھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا کہ اس نے اچانک میرے خلاف ہتھیار کیوں اٹھائے تھے۔ کوئی شکایت تھی تو وہ مجھ سے بات کر سکتا تھا۔"

"وہ ہمارے جال میں پھنس کر بری طرح پریشان ہو گیا تھا۔ شاید اس نے فرض کر لیا تھا کہ نیویارک میں صرف تم ہی ویرا کی مدد کر سکتے ہو۔" میں نے کہا "وہ اب بھی جس تسلسل اور تواتر سے ہمارے نام لے رہا ہے اس سے یہی ایک صورت سمجھ میں آتی ہے۔"

"حیرت اس بات پر ہے کہ ورجینیا اور واشنگٹن میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے اور ایف بی آئی کے افسران مسلسل اس کے سچ کو جھوٹ قرار دے رہے ہیں۔ کل کسی عورت نے ٹائمز کے ایڈیٹر کو دھمکی دی تھی کہ عباس کرمانی کی تلاش ختم نہ کی گئی تو نیویارک کی کوئی بڑی عمارت بموں سے اڑا دی جائے گی۔ اس پر لوگوں میں خاصی ہلچل مچی ہے۔ ظاہری سرگرمیاں بڑی حد تک ماند پڑ گئی ہیں مگر پس پردہ تلاش اسی طرح جاری ہے۔"

"میں نے بھی پڑھا ہے کہ وہ عورت اپنی آواز اور لہجے سے ایرانی معلوم ہو رہی تھی" ویرا نے پوری فکرمندی سے کہا "عباس

کمرانی کے مقابلے میں ایک مشتبہ ایرانی جوڑے کو آسانی سے پکڑا جاسکتا ہے۔ اس کی گرفتاری تک یہ معاملہ یوں ہی الجھا رہے گا۔ ڈیبی کو دکھ ہو رہا ہے کہ سی آئی اے والوں نے اس کے کارنامے کا سہرا کسی اور کے سر باندھنے کی کوشش کی ہے۔"

"ساری گڑبڑ کی وجہ یہ ہے کہ تم امریکا میں روپوش رہنے پر مجبور ہو۔"

تھوڑی دیر تک بیٹھنے کے بعد بلیک ڈیڈ واپس چلا گیا۔ حالات کے رخ سے وہ زیادہ خوش نظر نہیں آرہا تھا کیونکہ اس کا نیویارک پر حکمرانی کا خواب جلد ہی پورا ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔

اسے الوداع کہنے کے بعد ویرا نے کچن میں جھانکا تو وہاں تازہ پھلوں کی ایک بڑی ٹوکری اور بلیک لیبل اسکاچ کا پورا کارٹن موجود تھا۔ شاید وہ چیزیں بلیک ڈیڈ خود اپنے ساتھ لایا تھا۔

"کیا ان چار ناموں پر تم کوئی روشنی ڈال سکتی ہو؟" کمرے میں لوٹنے کے بعد میں نے ویرا سے پوچھا۔

ویرا نے کاغذ پر نظر ڈال کر مایوسی سے سر کو جنبش دی اور کہا۔ "مشکل یہ ہے کہ ہٹلر سے جوتے کھانے کے بعد یہ لوگ مجرمانہ سی گمنامی اور تنہائی کی زندگی گزارنے کے عادی چلے آرہے ہیں۔ صرف اپنے ہم مذہب لوگوں میں گھلتے ملتے ہیں۔ دوسروں سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ بلیک ڈیڈ نے یہ نام حاصل کر کے بھی تیر مارا ہے۔"

"میں نے اس کے سامنے زبان نہیں کھولی ورنہ اتنی قلیل سی مدت میں ڈیوڈ اسٹارز کے چار بڑے نام یک جا کرلینا آسان کام نہیں تھا۔"

"حیرت ہے کہ باحیثیت ہونے کے باوجود یہ لوگ اتنے گمنام ہیں" میں نے تعجب سے کہا۔

"اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ ان کے کاروبار ان کے پیشہ ور ملازمین چلاتے ہیں اس لیے ان کا ہر وقت کہیں بھی موجود رہنا ضروری نہیں ہوتا۔ آئزک بیل رنگس جیسی بڑی کمپنی کا سربراہ تھا لیکن کمپنی کے بیشتر ملازمین نے اسے دیکھا تک نہ ہوگا۔"

سوچتے سوچتے اچانک مجھے بدری ناتھ کا خیال آیا۔ وہ سی آئی اے میں فعال حیثیت میں آچکا تھا۔ اپنے ذرائع سے اس بارے میں بہت کچھ معلوم کرسکتا تھا۔

میں نے فوراً ہی اس کا نمبر ملالیا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت بدری کو بات کرنے کی فرصت تھی۔ میں اس کی مزاج پرسی کے بعد فوراً ہی اصل مقصد پر آگیا۔

اس نے میرے دیے ہوئے نام صحیح تلفظ کے ساتھ اپنے پاس نوٹ کرنے کے بعد پوچھا "کیا یہ چاروں امریکی ہی ہیں؟"

"امریکی ہی ہیں" میں نے لمحہ بھر سوچ کر جواب دیا۔ امریکی نہ ہوتے تو ان چاروں کا ہر ہفتے ڈیوڈ اسٹارز کے دفتر میں یک جا ہونا آسان نہ ہوتا۔

"ان کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہو؟" بدری ناتھ کے لہجے میں حالات کی تبدیلی کی وجہ سے عجیب سا ٹھہراؤ اور وقار پیدا ہوگیا تھا جو کانوں کو بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

"پتے اور فون نمبر کے ساتھ جو کچھ بھی معلوم ہوسکے، کار آمد رہے گا" میں نے کہا۔

"سات بجے فون کرلینا۔ میں ابھی کسی کو اس کام پر لگا دیتا ہوں۔"

"بدری سے پہلے تم ڈیوڈ اسٹارز کے دفتر بھی فون کرسکتے تھے" فون بند ہونے کے بعد ویرا نے کہا "اس کا نمبر تمہارے پاس لکھا ہوا ہے۔"

"مجھے اس کا خیال نہیں آیا لیکن یہ کوشش سودمند نہیں رہے گی۔ بلیک ڈیڈ نے سب سے پہلے وہیں ہاتھ مارنا چاہا ہوگا" میں نے یہ کہہ کر اپنی نوٹ بک نکال لی۔

ڈیوڈ اسٹارز کے نمبر پر دوسری گھنٹی کے ساتھ ہی جواب دینے والی خودکار مشین چل پڑی۔ اس پر نسوانی آواز میں پیغام موجود تھا کہ ناگزیر وجوہ کی بنا پر وہ دفتر غیر معینہ مدت کے لیے بند کردیا گیا تھا، مشین باہر کے پیغامات ریکارڈ کرنے سے قاصر تھی۔

اسپیکر فون پر وہ جواب سن کر ویرا بولی "حرکت میں ہمیشہ برکت ہی ہوتی ہے۔ یہ نئی بات معلوم ہوئی کہ آئزک بیل کے گرفتار ہوتے ہی ڈیوڈ اسٹارز اپنا دفتر بند کر کے بھاگ گئے۔"

ڈیوڈ اسٹارز انتہائی چالاک اور مکار یہودی دہشت گردوں کی عالمی تنظیم تھی۔ انہوں نے شاید آئزک بیل پر نازل ہونے والے مصائب کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگالیا تھا کہ کسی وقت وہ بھی زیر عتاب آسکتے ہیں۔ خطرہ بھانپ کر انہوں نے فوراً ہی اپنا ٹھکانا بند کردیا تھا۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں فضا میں اونچی جست لگاتے لگاتے اچانک درمیان میں معلق ہو کر رہ گیا ہوں، پیروں کے نیچے زمین برقرار رہی ہو نہ بلندی دسترس میں ہو۔

"شطرنج کا کھیل شاید فرصت اور صبر آزما انتظار کے ایسے ہی لمحات کے لیے ایجاد کیا گیا ہے" ویرا نے سکوت توڑنے کے لیے دوبارہ لب کشائی کی۔

"اعصابی تناؤ کے عالم میں شطرنج بھی پورے دھیان سے نہیں کھیلی جاسکتی۔"

"وقت گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا ورنہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر اکتا جائیں گے۔ آپس میں کوئی فساد بھی شروع ہوسکتا ہے" ویرا نے رائے ظاہر کی۔

"تم اکتا جاؤ تو اور بات ہے۔ میں تمہیں دیکھ دیکھ کر نہیں اکتا سکتا۔ جب سے بیکسٹر نے خودکشی کر کے تمہاری خوب صورتی کا اعلان کیا ہے، مجھے محسوس ہونے لگا ہے کہ تم واقعی دلکش خاتون ہو

جس کو اپنانے والا ہر وقت محلے والوں سے سر پھٹول میں مبتلا رہے گا۔"

ویرا کا کھلا ہوا چہرہ میرے آخری فقرے پر بگڑ گیا "میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اب میرے سامنے بیکسٹر کا نام نہ لینا۔ کیا تم اسے بھول نہیں سکتے؟"

"وقتی طور پر مجھے بھی اس کی موت پر صدمہ ہوا تھا مگر وقت دھیرے دھیرے ہر صدمے کا نشان مٹا دیتا ہے۔ بچوں جیسی باتیں مت کیا کرو۔ خود ہی دیکھ لو کہ اس وقت بیکسٹر کے ذکر پر تمہاری آنکھوں میں نمی کا ذرا سا بھی نشان نہیں آیا۔"

"یہ میرے دل گیر ہونے کی بات نہیں ہے۔ میرے لیے یہی احساس کافی ہے کہ میری وجہ سے کسی نے خود کو زندگی کی ساری نعمتوں سے محروم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"اس میں تمہاری رضامندی کا دور تک دخل نہیں تھا" میں نے کہا۔

"نہ ہو۔ پھر بھی ندامت کا احساس ہوتا ہے۔ میں سنجیدگی سے تم سے التجا کر رہی ہوں کہ اس واقعے کا مذاق میں بھی ذکر نہ کیا کرو۔ اس سے آخری ملاقات میری نظروں میں گھوم جاتی ہے۔ مجھے دکھ ہوتا ہے کہ میں نے اس کی آنکھوں میں ناچتی ہوئی معصومانہ چمک کو شیطانی جذبوں کا عکاس سمجھ کر اسے بری طرح لتاڑ دیا تھا۔ شاید وہ خودکشی سے پہلے اس کرب میں مبتلا ہو کر روتا رہا تھا کہ ہم دونوں نے اسے اور اس کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی زندگی کی ایک حسرت پوری ہوئی تو اسے بے عزتی کے صدمے سے بھی دوچار ہونا پڑا۔"

"وہ نازک انسانی جذبوں کا ایک پیچیدہ کیس تھا" میں نے ویرا سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "اپنے کمرے میں بند ہو کر وہ کسی معصوم بچے کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔ اس وقت بھی میں اسے نہیں سمجھ سکا۔ اسے منہ لگانے کے بجائے اس کے حال پر چھوڑ آیا۔"

"سب کچھ بھی رہا ہو، وہ ایک المناک سانحہ تھا جس کے ذکر پر دل اداس ہونے لگتا ہے۔"

"مجھے بھی اس کے ذکر سے خوشی نہیں ہوتی۔ تم نے دیکھا کہ بلیک ڈیڈ اس کے نام پر دس ہزار ڈالر خیرات کرا کے کتنی جلدی اسے بھول گیا۔"

"ان لوگوں کی بات نہ کرو۔ میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اندر سے یہ سب درندے ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھی جب تک غول میں رہ کر لڑنے بھڑنے کے قابل ہوں، انہیں ساتھ لے کر آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ کوئی زخم کھا کر گر جائے تو اسے روند کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔"

بدقسمتی سے ہم حالات کے ایسے جنگل میں آ پھنسے ہیں کہ دن رات ہمارا واسطہ ان ہی درندوں سے رہتا ہے" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "دیکھو، ان چکروں سے کب گلو خلاصی ہوتی ہے۔"

"سات بج رہے ہیں۔ دیکھ لو، شاید بدری نے کچھ معلوم کر لیا ہو۔"

خوش قسمتی سے بدری اس وقت بھی ہوٹل کے کمرے میں موجود تھا۔ میں نے لائن ملتے ہی اس سے پوچھا "عزت اور احترام میں اتنے اضافے کے بعد بھی تمہیں ہلٹن یا شیرٹن کے بجائے نیویارک کے ایک غیر معروف ہوٹل میں کیوں ٹھہرایا گیا ہے؟"

"مین ہٹن میں قدم قدم پر فور اور فائیو اسٹار ہوٹلوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ وہاں بیٹھ کر تفریح اور عیاشی تو کی جا سکتی ہے، کام مشکل ہو جاتا ہے۔ اس وقت گارہام کے پانچ کمرے ہمارے تصرف میں ہیں اور درمیانے درجے کا یہ ہوٹل ایک عارضی سی آئی اے یونٹ بنا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے کسی میزبان نے گارہام کے خلاف تمہارے کان بھرے ہیں۔"

آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے وہ معنی خیز انداز میں ہنسا تھا۔ میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے یوں ہی کہہ ڈالا "ہاں، یہاں گارہام کی شہرت کچھ اچھی نہیں ہے۔"

"گارہام کیا، یہاں کے کسی بھی ہوٹل کی شہرت زیادہ اچھی نہیں ہے۔ سیاحوں میں وہی ہوٹل زیادہ مقبول ہوتے ہیں جہاں زندگی کے گزرتے ہوئے لمحوں کو رنگین بنانے کے لیے آزادیاں اور آسانیاں ہوں۔ ویسے تم فکر مت کرو۔ گارہام ایک معقول ہوٹل ہے۔"

"شاید میں بہک گیا۔ سات بج چکے ہیں۔ میرے کام کا کیا رہا؟" ویرا کے اشارے پر میں چونک کر فوراً ہی مطلب کی بات پر آ گیا۔

"وہ چاروں نیویارک کے معززین کی فہرست میں ہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ ان چاروں کے پتے ڈیوڈ اسٹارز کے دفتر کی معرفت ہیں۔ سرکاری تقریبات کے دعوت نامے وغیرہ بھی اسی پتے پر ارسال کیے جاتے ہیں۔ ان کے رہائشی پتے ابھی تک نہیں مل سکے۔"

"کیا یہ بات تمہیں حیران کن معلوم نہیں ہوتی؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تمہارے ذریعے آنے والی ہر بات میرے لیے شدید ترین حیرانی کا سبب بنتی ہے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تم نے مجھے چار نام دیے اور وہ چاروں ڈیوڈ اسٹارز سے متعلق ہیں۔ شاید اسحاق گھنٹی کے بعد اب تم ان پر مہربان ہونے کا ارادہ کر رہے ہو۔"

"یہ چاروں خود بھی سرگرم ڈیوڈ اسٹارز ہیں۔ اسحاق گھنٹی کا جانشین ان ہی میں سے کسی کو چنا جائے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہ لوگ سر سے پیر تک سازشوں میں غرق ہیں۔"

"میری کوششیں جاری ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کل تک کوئی کام کی بات سامنے آ جائے۔"

"اپنے شکار کی تلاش کی دھن میں اس کام کو بھول نہ جانا۔

اس وقت لوہا گرم ہے' چوٹ پڑے گی تو ایک ہی وار میں کچھ کام بن جائے گا۔"

"وہ تلاش چلتی رہے گی" وہ ہنستے ہوئے بولا "پورے نیویارک سے اب تک مشتبہ ایرانیوں کی ایک بڑی تعداد سے کڑی باز پرس کی گئی ہے۔ ان میں متعدد جوڑے بھی شامل ہیں۔ نتیجہ صفر ہے۔ بیشتر بے گناہ ایرانیوں کو پوچھ گچھ کے بعد چھوڑ دیا گیا۔ دو جوڑے اب بھی زیر تفتیش ہیں۔"

"اب تم اس مہم کے سربراہ بنا دیے گئے ہو تو یہ خیال رکھنا کہ کسی ایرانی کے ساتھ زیادتی نہ ہونے پائے۔ تمہاری سرخ روئی ایک ایرانی کی ہی محنت کا نتیجہ ہے۔"

"میں یہ بات کبھی نہیں بھولوں گا۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ اپنے ان پڑوسیوں کے لیے تم برادرانہ جذبات رکھتے ہو۔ خوش حالی کے شاہی دور میں ایران نے آڑے وقتوں میں تمہارا بہت ساتھ دیا ہے۔ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تمہارا وہ کرمانی دوست اب بھی نیویارک میں ہے یا کہیں اور نکل چکا ہے۔"

"آخری اہم ترین اطلاع دینے کے بعد سے وہ لاپتا ہے۔ اس سے میرا رابطہ ٹوٹ گیا ہے۔ وہ اپنے پرانے ٹھکانے سے کہیں اور منتقل ہو چکا ہے' میں نے بھی ہوٹل چھوڑ دیا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے نئے ٹھکانے سے بے خبر ہیں۔ چاہیں تو بھی رابطہ نہیں کر سکتے۔"

"تمہارے بیشتر اندازے درست نکلتے ہیں۔ اس بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"

"وہ بہت ذہین اور موقع شناس ہے۔ اسحاق گھنٹی کے خلاف آپریشن شروع ہونے سے پہلے ہی خاموشی سے کسی دوسرے بڑے شہر کی طرف کوچ کر گیا ہوگا۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ اس نظریے کی آڑ لے کر اس کی تلاش کی مہم شکاگو یا لاس اینجلیز کی طرف منتقل کرا دوں۔ یہاں کی سرگرمیوں سے مجھے کچھ خوف آرہا ہے۔"

"کیسا خوف؟ بھول کر بھی یہ غلطی نہ کرنا۔ اس بہانے تم نیویارک میں آکر بیٹھ گئے ہو تو ہمارا قریبی رابطہ استوار ہو گیا ہے۔ تلاش کا مرکز تبدیل کیا تو تمہیں بھی وہیں جانا ہوگا اور ہمارا رابطہ ٹوٹ جائے گا۔ شاید تمہیں یہ علم نہیں کہ انٹرسٹی اور انٹرنیشنل کالز کی صورت میں سی ایس ڈی کی افادیت بڑی حد تک کم ہو جاتی ہے۔"

"نہیں" اس کی پُروثوق آواز ابھری "اس پر مقامی سے انٹرنیشنل تک' ہر کال سو فیصد محفوظ ہوتی ہے۔ میں رچمنڈ سے بلاوجہ ہی ساری باتیں نہیں کرتا تھا۔ یہ ڈیوائس ہر طرح سے محفوظ اور آزمودہ ہے۔ تم اسے بے خوفی سے ہر کال پر استعمال کر سکتے ہو۔"

"گفتگو یقیناً محفوظ رہتی ہوگی مگر تم بلنگ سے وابستہ لوازم کو شاید بھول رہے ہو۔"

"بلنگ!" اسپیکر فون پر اس کی پُرخیال بڑبڑاہٹ ابھری۔ چند ثانیوں کے بعد وہ چونک کر پُرجوش لہجے میں بولا "اوہ! تو تم نے ہوٹل اس لیے چھوڑا تھا۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ ڈیوائس گفتگو کو دخل اندازی سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ بلنگ کے مقاصد کے لیے نمبروں اور دورانیئے کی خودکار ریکارڈنگ اس کے دائرۂ عمل سے یقیناً خارج ہوتی ہوگی ورنہ اس پر شہر سے باہر بات کرنی ممکن نہ رہتی۔"

"اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ جب تک ممکن ہو' نیویارک میں جمے رہو۔ کسی خوف اور اندیشے کو اپنے دل میں جگہ نہ دو۔ اپنے آدمیوں کو یہاں الجھا کر عباس کو کہیں اور عیش کرنے دو۔"

"میرا یہ خوف تمہارے لیے ہے" جھجکتی ہوئی آواز آئی۔ "اچھی شہرت رکھنے والے سارے اہل کار زیادہ دیر تک یہاں مرکوز رہے تو ان کا ہاتھ تم تک بھی پہنچ سکتا ہے۔"

"میں اپنی حفاظت خود کر سکتا ہوں۔ تم کو اس اندیشے میں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔ داؤدی ستاروں کی تباہی کے لیے تمہارا یہاں ہونا بہت ضروری ہے۔"

"تم اتنے ہی پُراعتماد ہو تو میرے لیے بھی نیویارک بہتر جگہ ہے۔ یہاں میں اوپر والوں کے چوبیس گھنٹوں کے تسلط سے بالکل آزاد ہوں اور یہ شہر بھی زیادہ اجنبی نہیں لگتا۔"

"فون پر ہم نے بہت باتیں کر لیں۔ اب مل بیٹھنے کی کوئی راہ نکالو..."

"ایک دو روز میں کچھ سوچتا ہوں" اس نے میری بات کاٹ کر جواب دیا پھر چونک کر بولا "ہاں' وہ قصرِ صدارت کا خیال دل سے نکال دو۔ کچھ عرصے تک وہاں کے سیکیورٹی اسٹاف میں رہنے والا ایک افسر میرے ساتھ کام کر رہا ہے۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے بتایا ہے کہ وہاں داخل ہونے والوں کے دستی سامان کو چھیڑے بغیر اسکیننگ کے خودکار آلات اور خفیہ ایکسرے کیمروں کے ذریعے مسلسل نگرانی میں رکھا جاتا ہے۔ وہاں داخل ہونا جتنا آسان ہے' کسی برے ارادے سے وہاں ٹھہرنا اسی قدر دشوار ہے۔ وہاں پکڑے جانے والوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے' اس کے بارے میں کسی اخبار میں کوئی خبر نہیں چھپتی۔"

"یہ ابتدائی اطلاعات ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کل تم ہی کوئی حوصلہ افزا راہ سجھا دو۔ اسے اپنی فہرست میں شامل رکھو اور کام کرتے رہو۔ میں تمہارے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔"

"ڈیوڈ اسٹارز کی ایسی پُراسرار رازداریوں سے میں بھی لاعلم تھی" فون بند ہونے کے بعد ویرا نے تحیر زدہ آواز میں کہا "یہ لوگ نیویارک کے قلب میں مافیا کے گاڈ فادر کی سی زندگی گزار رہے ہیں۔"

"جہاں عزائم نیک نیتی پر مبنی نہ ہوں وہاں رازداری ناگزیر

ہو جاتی ہے۔ یہاں صیہونی نسل پرستوں کا غلبہ ضرور ہو سکتا ہے مگر ان کے غیر منظم مخالفین بھی بڑی تعداد میں بستے ہیں۔ وہ اپنی سرگرمیوں کو رازداری سے خفیہ نہ رکھیں تو کوئی بھی سرپھرا ان کو بارود سے اڑا سکتا ہے۔"

"بارود سے نہ سہی، وہ کسی نہ کسی طرح ضرور اڑائے جائیں گے" ویرا تلخی سے بولی۔

ہمیں گفتگو کی وہ ساری آزادی دو وجوہ سے میسر تھی۔ ہم بیشتر باتیں اردو میں کرتے تھے جو مائیک کے لیے قابلِ فہم نہیں تھی۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ مائیک کو غیر ضروری طور پر منڈلاتے رہنے کی اجازت نہیں تھی۔ اسے بتا دیا گیا تھا کہ گھر کے ضروری کاموں کو نمٹا کر اسے اپنے سرونٹ کوارٹر میں آرام کرنا چاہیے جہاں اس کو بلانے کے لیے گھنٹی موجود تھی۔ گھنٹی کے بٹن دونوں خواب گاہوں کے ساتھ کچن میں بھی موجود تھے۔

نیویارک کے چاروں ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں پائے جانے والے مکمل بلیک آؤٹ نے میری طبیعت بالکل ہی بے مزہ کر دی تھی۔ طبیعت کی بحالی کے لیے میں نے میجر جنجوعہ کے گھر کا نمبر ملا لیا۔

اسے توقع نہیں تھی کہ میں اتنی جلد دوبارہ اس سے رابطہ کروں گا۔ وہ میری بے تکلفانہ آواز سنتے ہی مجھے پہچان گیا۔ اسے میں بتا چکا تھا کہ میری سفری دستاویزات اسلم خان کے نام سے تھیں۔ اس نے آواز پہچاننے کے بعد مجھے اسی نام سے مخاطب کیا تھا۔

"میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ تمہاری مصروفیات کے کھاتے میں کہیں میرا نام بھی لکھا ہوا ہے۔ میں نے آج کی ڈاک سے تمہارا لفافہ پاکستان روانہ کر دیا ہے۔ کل تک وہ منزل پر پہنچ جائے گا۔"

"میں تمہارے اس تعاون کو یاد رکھوں گا۔ میرے لیے وہ خط بہت زیادہ اہم تھا۔"

"تم سے ملاقات کے بعد اب مجھے ٹیلی وژن اور اخبارات کی خبروں میں زیادہ لطف آنے لگا ہے۔ آدمی سچ جاننے کے بعد جب ہر طرف سے جھوٹ کا طوفان سنتا ہے تو قہقہے لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جب تک تم یہاں موجود ہو، ایسے لطیفے رونما ہوتے رہیں گے" اس کی گفتگو بہت محتاط تھی۔ اس نے بھول کر بھی کہیں کوئی قابلِ گرفت لفظ یا نام استعمال نہیں کیا تھا۔

"ڈیوڈ اسٹارز کے....." میں نے اسے اپنی سرگرمیوں کی نئی جہت سے آگاہ کرنا چاہا مگر اس نے بوکھلا کر میری بات درمیان ہی سے کاٹ دی۔

"خدا کے لیے فون پر محتاط رہو۔ ہو سکتا ہے کہ میرے فون پر آبزرویشن موجود ہو۔ تم میری مجبوری سمجھ رہے ہو نا۔ ہم لوگ ویسے بھی یہاں دوستانہ نظروں سے نہیں دیکھے جاتے۔"

اس کی بات مکمل ہونے پر میں نے ہنستے ہوئے کہا "میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ ان نزاکتوں کو بالائے طاق رکھ کر تمہیں مشکلات میں ڈال دوں۔ میری لائن پر ایک ایسا آلہ موجود ہے جو مداخلت کی صورت میں فوراً فون بند کر دیتا ہے۔ تمہارے فون پر کوئی آبزرویشن نہیں ہے۔"

میجر جنجوعہ کے لیے وہ ایک دلچسپ اور کارآمد اطلاع تھی۔ سی ایس ڈی کے بارے میں اس نے پے در پے کئی سوالات کر ڈالے۔ مکمل معلومات حاصل کر لینے تک مجھے اپنے موضوع کی طرف لوٹنے کا کوئی موقع نہیں دیا۔ جب وہ اس آلے کی کارکردگی سے پوری طرح واقف ہو گیا تو اس نے خوش دلی سے کہا "ہاں! اب ہم ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں بھی بات کر سکتے ہیں۔"

"یہ بتاؤ کہ اس نام پر تم خائف کیوں ہو گئے تھے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"صیہونی لابی پاکستان کی کٹر دشمن ہے۔ اسے ڈیوڈ اسٹارز ہی سے سرمائے کے ساتھ گائیڈ لائن ملتی ہے۔ ہم ان کی سرگرمیوں سے باخبر رہنے کی کوششیں ضرور کرتے ہیں مگر ان کے بارے میں آزادانہ گفتگو سے پرہیز کرتے ہیں۔ ہمارا کوئی بھی لفظ ناپسندیدہ سفارتی سرگرمیوں کے زمرے میں شمار کر کے ہمارے لیے مشکلات کھڑی کی جا سکتی ہیں۔"

"تمہیں علم ہے کہ اس تنظیم کو کون کون چلا رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اب شاید صرف چار رہ گئے ہیں" اس کے جواب سے میرے دل میں امید کی ایک نئی کرن نمودار ہو گئی۔ وہ قونصل خانے کے تجارتی شعبے کا سربراہ ہونے کے باوجود ان معاملات سے بالکل بے خبر نہیں تھا۔

"تم ان کے فون نمبر یا ٹھکانوں کی نشان دہی کر سکتے ہو؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔

"یہ میرا شعبہ نہیں ہے۔ میں متعلقہ لوگوں سے بات کر کے بتا سکتا ہوں..... میرے پاس شاید کسی ایک کے گھر کا نمبر پڑا ہوا ہے جو میں دیکھ کر بتا سکتا ہوں۔"

ایک پاکستانی سفارت کار کے پاس کسی اہم ترین ڈیوڈ اسٹار کے گھر کا پتا موجود ہونے کی خبر سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں۔ لمحہ بھر میں ذہن میں متعدد خیالات آندھی کی طرح آکر گزر گئے۔ میرے لیے وہ چاروں ڈیوڈ اسٹارز یک بہ یک اپنی اہمیت کھو بیٹھے تھے۔ اہم ترین سوال یہ بن گیا تھا کہ میجر جنجوعہ کے پاس وہ نمبر کیوں اور کیسے آیا تھا؟

میں نے خود کو پُرسکون رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہوئے سوال کیا "یہ نمبر تمہیں کیسے مل گیا؟"

"ایک کاک ٹیل پارٹی میں بنجمن فورٹ میرے قریب موجود تھا۔" اس نے میرے سوال کی اہمیت کو سمجھے بغیر روا روی میں کہنا شروع کیا "وہ بی بی سی کی ایک نامہ نگار کو وہ نمبر بتا رہا تھا تاکہ وہ اس سے براہِ راست بات کر کے انٹرویو کا وقت طے کر سکے۔ میں نے وہ نمبر سن کر اپنی پاکٹ ڈائری پر لکھ لیا۔ بعد میں وہ نمبر متعلقہ افسر کو دے دیا مگر میری نوٹ بک پر وہ ابھی تک محفوظ ہوگا۔"

سوال کا اطمینان بخش جواب ملتے ہی میری اعصابی کشیدگی دور ہوگئی، سارے اندیشے برسات کی گرد کی طرح بیٹھ گئے، میں نے کہا۔ "میں ہولڈ کر رہا ہوں، نمبر تلاش کر کے بتاؤ۔"

"میں ڈائری لاتا ہوں" اس کے بعد ایک منٹ سے بھی کم وقفے کے لیے لائن پر سکوت چھایا رہا پھر میجر جنجوعہ دوبارہ لائن پر آگیا۔

"یہ نمبر مل جانے کے بعد مجھے اس پر کام کرنا ہے۔ تم بقیہ تین کے بارے میں معلومات ضرور حاصل کرنا۔ میں کل شام تم سے بات کروں گا۔"

"یہاں کے بجائے مجھے دفتر ہی فون کرنا تاکہ مجھے پتا چل سکے کہ میرا فون کسی بگ کی زد میں نہیں ہے" اس نے فوراً ہی فرمائش کردی "ہوسکے تو تم ہمارے دفتر کے سارے نمبر چیک کر ڈالو۔ اس خوف کی وجہ سے ہم فون پر کسی سے کھل کر بات نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے، کل تین بجے سے پہلے بات ہوگی" میں نے فون بند کر دیا۔

بنجمن فورٹ کا نام بلیک ڈیڈ کی دی ہوئی فہرست میں دوسرے نمبر پر موجود تھا۔

"حرکت میں برکت والی تمہاری تھیوری اس بار بھی درست نکلی۔ کاک ٹیل پارٹی میں بہکے ہوئے بنجمن کی ایک غلطی اس کا سراغ بن کر ہمارے ہاتھ لگ چکی ہے۔ اب اس سے بھی دو دو ہاتھ ہوجائیں گے۔"

وہ گھر کا فون نمبر تھا۔ دوسری گھنٹی پر ایک خاتون نے فون اٹھایا اور غیر امریکی لہجے میں ہیلو کہا اور میرا نام جاننا چاہا۔ میں نے اپنا نام بتائے بغیر بنجمن فورٹ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

"سوری سر! میں نے آپ کا نام جاننا چاہا تھا" نہایت اخلاق اور شائستگی سے کہا گیا۔

لمحہ بھر کے لیے میں نے سوچا اور پھر کہہ ڈالا "گیپ۔ بنجمن کو بتا دینا کہ یہ ضروری کال ہے۔"

"سر! آپ نے گیپ ہی کہا نا؟" نسوانی آواز اس عجیب نام پر قدرے تحیر زدہ تھی۔

"یس..... جی اے پی، گیپ" میں نے زور دے کر سخت لہجے میں کہا۔

لمحہ بھر کے لیے سکوت رہا پھر اچانک ہی سی ایل ڈی کا بزر بول اٹھا۔ لائن بند ہوگئی۔

میں نے اسپیکر فون کو بند کر کے دوبارہ آن کیا۔ ری ڈائل بٹن دبایا۔ اس بار پہلی گھنٹی پر وہی خاتون لائن پر آگئی۔

"سنو خاتون، کسی ایکس ٹینشن کو اٹھاتے ہی لائن دوبارہ کٹ جائے گی۔ وہ بات کرنی چاہتا ہے تو اسے یہیں بلا دو۔ میں ایک بار پھر بتا رہا ہوں کہ یہ ایک اہم کال ہے۔"

"سوری سر! وہ لائبریری میں ہیں۔ میں انہیں وہاں ڈسٹرب نہیں کر سکتی" نسوانی آواز سے بے بسی مترشح تھی "پچھلی بار شاید انہوں نے اوپر سے فون اٹھایا تھا اور لائن کٹ گئی تھی۔"

"کیا تم اس کی ملازمہ ہو؟" میں نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"یس سر! میں ہاؤس میڈ ہوں۔ وہ نو بجے کھانے کے لیے نیچے آئیں گے تو میں انہیں آپ کا پیغام دے دوں گی" وہ اپنی جانب سے ہر ممکن تعاون کرنا چاہ رہی تھی۔

"میں تیسری مرتبہ فون ملاتا ہوں۔ تم گھنٹی بجتے دینا تاکہ وہ خود اٹھائے اور میری بات ہو سکے" میں نے درشت لہجے میں کہا "میں نو بجے تک انتظار نہیں کر سکتا۔"

"مسلسل گھنٹی بجتی رہی تو میرے لیے جواب دہی مشکل ہوجائے گی۔ وہ اسے میری غفلت قرار دیں گے" اس کی آواز روہانسی ہوگئی۔ وہ بے چاری واقعی مشکل میں پڑ گئی تھی۔

میں نے بٹن دبا کر فون بند کر دیا۔

لڑکی اپنی جگہ مجبور تھی لیکن یہ پتا چل چکا تھا کہ وہ رات کے نو بجے نچلی منزل پر فون کے آس پاس موجود ہوگا اور اسے یہ معلوم ہو چکا ہوگا کہ کوئی اس سے گیپ کے حوالے سے بات کرنی چاہ رہا ہے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

تھا۔ اس فون پر بات کرنے والے گورے نے اسے اس خالی مکان کا رخ کرنے کی ہدایت کی تھی اس لیے وہ یہاں موجود تھا۔ سنی نے جب یہ بھانپ لیا کہ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے تو اس نے اپنی جاں بخشی کے عوض ساگا کا آخری پیغام دہرادیا جو دو مہمل الفاظ 'نیلو رہا میبے' پر مشتمل تھا۔ اول خان نے اسے ہلاک کردیا۔ اب ہمیں جان کا انتظار تھا جسے سنی سے ملاقات کے لیے آنا تھا۔ جان آیا تو ہم نے اسے چھاپ لیا۔ اس دوران میں ہمیں یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ جان نے جس سفارت کار کے گھر پناہ لے رکھی ہے اس کا گھر اسی مکان سے ملحق ہے۔ جان کو بے بس کرنے کے بعد ہم نے اس سفارت کار کو دھوکے سے مکان میں بلوالیا۔ وہ ایک امن پسند اور شریف آدمی تھا۔ وہ ویرا کو اس کی رضامندی کے ساتھ اس شرط پر ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ ہوگیا کہ جان کو چھوڑ دیا جائے۔ اس تبادلے کے بعد ہم گھر پہنچ گئے۔ جان ہمارے بدترین تشدد کو نہ سہار سکا اور طبی امداد ملنے سے پہلے ہی دم توڑ گیا جبکہ وہ سفارت کار ہماری وجہ سے وبال میں آگیا۔ سنی کے کہے ہوئے الفاظ نیلو رہا میبے اب میرے ذہن میں کھٹک رہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکنوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں' اس کا قصہ جلد پاک ہوجانا چاہیے۔ اول خان کے ساتھ ہم چاروں آنے والے وقت سے بے خبر' اپنے خوفناک عزائم کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔ باہمی تبادلۂ خیال کے بعد یہ خیال زور پکڑتا چلا گیا کہ راس المیڈا کے جسم میں کوئی چپ موجود رہا ہوگا جس کی مدد سے اسٹیشن فور کی نشاندہی کی جاسکتی تھی۔ اول خان نے اپنے دوست کمانڈر سعید سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ امریکن نیوی کے متعلقہ میں لنگر انداز جہاز سے پرواز کرنے والا ایک ہیلی کاپٹر لاپتا ہے جس میں بیس افراد سوار تھے۔ اندازہ تھا کہ یہ راس المیڈا کی بازیابی کی مہم پر نکلا تھا۔ ویرا نے راس المیڈا پر تشدد کرکے چپ برآمد کرکے تباہ کردیا۔ نیلو رہا میبے کے متعلق راس المیڈا نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت را کے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے اسے مار کر اپنا انتقام پورا کرلیا۔ اول خان نے ہیلی کاپٹر سے نمٹنے کے تمام انتظامات کرلیے تھے جس کی وجہ سے ہمارا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا اور مخالف اپنے ہیلی کاپٹر سمیت جہنم واصل ہوگئے۔ بعد کے معاملات کمانڈر سعید نے اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اب ہمارے سامنے را کے ایجنٹوں کی تلاش تھی۔ ساگا کی محبوبہ سے پتا چلا کہ راجن اور وکرم نامی دو افراد کو ساگا نے ایک مقامی ہوٹل میں ٹھہرایا تھا۔ اب ہوٹل کے ذمے داروں سے معلومات کرنا تھیں۔ اول خان کی بھاگ دوڑ کافی مفید ثابت ہوئی تھی مگر ہمیں صبح کا انتظار تھا۔ اگلے دن راس المیڈا کے جانشین آئزک بیل نے ایک فون کال کرکے ہمیں اضطراب میں مبتلا کردیا کہ ہفتے کے دن پاکستان کا ایک بجلی گھر تباہ کردیا جائے گا۔ ہفتے میں ابھی کچھ دن تھے۔ پہلے را کے ایجنٹوں کی تلاش ضروری تھی کیونکہ انہوں نے یہاں اپنی موجودگی کا ثبوت دو بم دھماکوں کی شکل میں دے دیا تھا۔ انہیں پاکستان پہنچانے والے غفور بھٹی کی مدد سے ان کے خاکے تیار کرلیے گئے تھے مگر وہ بے کار ثابت ہوئے۔ اس سلسلے میں ہم نے ساگا کی محبوبہ نادیہ سے مدد حاصل کی۔ اس کا بیان کردہ حلیہ 'غفور بھٹی کی بتائی ہوئی معلومات سے قطعی مختلف تھا۔ ہم نے غفور بھٹی کو اٹھوالیا۔ اس سے ایک اسپیڈ بوٹ میں باز پرس کی گئی کہ اس نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا تھا مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ میرا اول خان سے ایرپس پر رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ نادیہ کی مدد سے تیار کیے گئے خاکوں کو ہوٹل کے عملے نے پہچان لیا ہے مگر یہ دونوں ایجنٹ ہوٹل چھوڑ چکے ہیں۔ غفور بھٹی کے سلسلے میں اس نے کہا کہ اس کے پیروں میں وزن باندھ کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔ اول خان کی تجویز سن کر وہ پہلی بار سراسیمہ ہوا۔ اس نے ساری زندگی سمندر میں گزاری تھی اور بپھرے ہوئے پانیوں میں آنے والی موت کا مفہوم اچھی طرح جانتا تھا۔ ہمارے تشدد کے نتیجے میں غفور بھٹی نے اگل دیا کہ اس نے بختل کے کہنے پر خاکوں میں تبدیلی کی تھی۔ بختل حاجی دل مراد کا آدمی تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس نے را کے ایجنٹوں کو معاوضے کے عوض پناہ دے رکھی تھی۔ غفور بھٹی کو سمندر کے حوالے کرنے کے بعد ہم نے بختل اٹھوالیا۔ اس نے بتایا کہ حاجی دل مراد ان ایجنٹوں کو ہمارے حوالے کردے گا مگر اس وقت وہ اپنے دوست غفور بھٹی کی گمشدگی پر پریشان ہے۔ اسے دوسری راہ پر لگانے کے لیے میں نے اغوا کنندہ بن کر حاجی دل مراد کو فون کیا اور غفور بھٹی کی رہائی کے عوض ایک کروڑ کا مطالبہ کردیا جس پر اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑگیا۔ بختل نے ہم سے تعاون کرتے ہوئے اپنی محبوبہ ریشم بخت کے گھر میں ان ایجنٹوں سے میری ملاقات کا انتظام کردیا تھا۔ میں مقررہ وقت پر وہاں پہنچا تو بختل کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ شاید ان شاطر ایجنٹوں کو کچھ شک ہوگیا تھا۔ میں نے بھی سخت رویہ اپنایا۔ ایک مرحلے پر میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ را کے ایجنٹ اپنی نشستوں پر جمے مجھے گھورے جارہے تھے۔ پھر وکرم کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک موہوم سی سفاکانہ مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ وہ دونوں بہت ہوشیار بن رہے تھے مگر میرے جال میں پھنس گئے۔ میں انہیں نادرہ کے مکان پر لے آیا۔ بھاری معاوضے کے عوض میں ان کی مدد کرنے پر راضی ہوگیا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ انہوں نے مجھے خود اپنی تلاش کا کام سونپا تھا۔ ان کے ذریعے میں نے بھارتی قونصل خانے میں ملازم مدن موہن کو گھیرلیا۔ اس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہونے کی امید تھی۔ را کے ایجنٹ راس المیڈا کے بلاوے پر پاکستان آئے تھے۔ اب اس کی موت کے بعد انہیں امریکی قونصل خانے کے افسر نک موڈلے سے مزید ہدایات ملنا تھیں مگر وہ خود براہ راست یہ ملاقات نہیں کرسکتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے درمیان رابطے کا کام انجام دوں۔ میں نے ابھی اس کام کی ہامی نہیں بھری تھی کیونکہ اس میں میرے لئے سنگین خطرات پوشیدہ تھے۔ میں نے وکرم (جس کا اصل نام بدری ناتھ تھا) کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وہ نک کا صورت آشنا نہیں ہے اس لیے اس سے خود رابطہ کرلے۔ اس نے میری اس تجویز کی تعریف کی مگر ساتھ ہی یہ دلیل دی کہ اس کی اور راجن (رمیش اگروال) کی آمد کی اطلاع کے ساتھ ہی نک کے پاس ان کی تصاویر مع کوائف پہنچ گئی ہوں گی۔ میں نے سب کو صورت حال سے مطلع کیا۔ اول خان نے بتایا کہ مدن موہن سے اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں اور آئزک بیل کی دھمکی کے مطابق لوٹ اڈو کے تھرمل پاور ہاؤس میں دھماکے کے بعد آگ لگ گئی تھی مگر ملزم رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ وہ بھی ڈیوڈ اسٹارز کے ہاتھوں بلیک میلنگ کا شاخسانہ تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ نک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسیٹر بھجوایا تھا۔ میں نے ایف ایم ٹائک کے ذریعے ان کی گفتگو سنی تو اندازہ ہوا کہ کوئی اہم مشن درپیش تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی خلیج تھی' بدری کو نک کا تحکمانہ انداز بھی پسند نہیں آیا تھا۔ وہ میرا تعاون حاصل کرکے مجھے اپنے ساتھ امریکا لے جانا چاہتا تھا۔ یہ ڈیوڈ اسٹارز کو تباہ کرنے کا بہترین موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ نک موڈلے نے بھی دو افراد کو بھیجا تھا جو ٹرانسیٹر میں پوشیدہ ڈی ٹیکٹر کی مدد سے ہمارے ٹھکانے کی طرف آرہے تھے۔ بدری نے دونوں کو جہنم واصل کردیا۔ اس دوران میں میری اور ویرا کی لندن جانے کی تیاریاں ہوچکی تھیں۔ بدری سے وہاں رابطے کا نمبر لے کر میں لندن روانہ ہوگیا۔ جہاز میں اتفاقاً مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے ایک ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوگئی۔ وہ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ لندن میں بدری کے دیے ہوئے نمبر پر رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس نمبر پر را کے ایجنٹوں کے مسائل حل کئے جاتے ہیں۔ میری درخواست پر ایک ایجنٹ گیتا کو بھیجا گیا۔ وہ میری طرف سے مشکوک تھی چنانچہ اپنے گھر لا کر اپنے ساتھی کی مدد سے اصلیت اگلوانا چاہتی تھی۔ ویرا نے پیچھے سے پہنچ کر دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ دہرے قتل کی اس واردات نے سنسنی پھیلادی۔ دوسری طرف پاکستان میں سلیم اکبر خان کے دفاتر میرے ایما پر سیل کردیے گئے تھے۔ وہ ملک واپس جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر میں نے اسے رضامند کرکے واپس بھیج دیا جہاں اول خان اس کا منتظر تھا۔ بدری کے لندن پہنچتے ہی اس کی نگرانی شروع ہوگئی تھی۔ رمیش اس کی راہ کی رکاوٹ تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی راہ کا یہ کانٹا جلد ہی نکل جائے گا۔ پہلی واردات کے خطرات اور پریشانی کے بعد فی الحال حالات ہمارے حق میں تھے۔ ویرا نے رمیش کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ وہ واپس لوٹی تو اول خان سے ملنے والی یہ اطلاع اس کی منتظر تھی کہ پاکستان میں سلطان شاہ کو اغوا کرلیا گیا۔ غزالہ اس لیے بچ گئی کہ وہ اول خان کے گھر تھی۔ ہم متفق تھے کہ یہ کام آئزک بیل کا ہے۔ آئزک بیل سے براہ راست بات ہوئی تو اس کی تصدیق ہوگئی۔ اس کی معلومات کے مطابق میں پاکستان میں ہی تھا۔ اس نے مجھے ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کرنے کی پیش کش کی۔ مغوی سلطان شاہ کو لاشوں کے ساتھ تابوت میں بند کرکے امریکا پہنچایا تھا۔ میں نے اول خان کو صورت حال بتادی مگر وہ بدقسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی بحریہ کا سی ون تھرٹی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے سی ون تھرٹی اغوا کرلیا۔ میں نے دوبارہ آئزک بیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کرکے میں نے آئزک بیل سے طویل گفت وشنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں انقرہ کے ایک اسپتال میں پہنچادیا گیا۔ امریکا کے سفر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ نادانستگی میں منشیات فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں ویرا ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور آئزک بیل ہماری آمد سے آگاہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آئزک بیل کے آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آئزک بیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی' اطمینان سے اپنا کام کر آئی۔ اس کے بیان کے مطابق آئزک بیل رنگس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو اپنی ایک پرانی سہیلی جینی بھی نظر آگئی۔ آئزک بیل نے بلیک ڈیڈ کے

خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ جینی نے آئزک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کردی۔ آئزک بیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر ناکارہ ہوچکا ہے۔ اس کی مرمت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ ذمے داری رنگس کمپنی کی تھی۔ جینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ گڑبڑ کا امکان غالباً وہیں تھا۔ میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جینی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوادی تھی تاکہ وہ اسے ڈی کوڈ کراسکے۔ جینی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آئزک بیل آگ بگولا تھا۔ میں نے آئزک بیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش کی جسے میں نے مسترد کردیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کرلی تھی لیکن وہ بلیک ڈیڈ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مطمئن کرنے کے بعد ہم منصوبے کے مطابق پرنسٹن روانہ ہوگئے۔ یہاں میں نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں گڑبڑ سے باز رکھا۔ اسے ہلاک کرنے کے بعد میں نے اسے اس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرچکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے پر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے، آئزک بیل، راس المیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان، ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آئزک بیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنادی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائرایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور نک موڈلے امریکا روانہ ہورہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایما پر میں نے آئزک بیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کرکے آئزک بیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کررہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر منتقل ہوگئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آئزک بیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کرلے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کررہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔ زخمی آئزک بیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا تاہم ابھی یہ بات تصدیق طلب تھی کہ حملہ میں نے کیا ہے یا کرمانی نے۔ میں نے حالات کا اندازہ کرکے گیپ نامی معاہدہ ایک پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوادیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو نمایاں مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اسے کرمانی کی تلاش میں نیویارک بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کی طرف مبذول ہوگئی۔ بلیک ڈیڈ نے میری مدد کی اور چار اہم افراد کے نام فراہم کردیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر مجھے دے دیا جو اسے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نے بنجمن فورٹ نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کرکے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"تم فون پر اس سے کیا بات کرنی چاہ رہے ہو؟" کال کا سلسلہ منقطع ہونے پر ویرا نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔ "بعض اوقات تم مشورے کے بغیر اچانک ہی من مانیاں کرنے لگتے ہو۔"

"بنجمن فورٹ کا نام اور فون نمبر مل جانے کے بعد ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھا جاسکتا۔ اسے رگیدنے کے لیے اس پر کوئی جال ڈالنا پڑے گا۔" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

"تم نے فون پر گیپ کا حوالہ دے کر کوئی عقل مندی نہیں کی۔" ویرا برا سا منہ بنا کے بولی "یہ لفظ اسے قبل از وقت ہوشیار کردے گا۔"

"یہ تمہارا خیال ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ گیپ کا نام اسے خوف زدہ کردے گا۔ یہ بھی اسی وقت ممکن ہوگا جب وہ گیپ کے وجود اور اس کی اہمیت سے پوری طرح باخبر ہو۔"

"کیا تمہاری دانست میں یہ امکان بھی ہے کہ ڈیوڈ اسٹارز گیپ سے لاعلم ہوں؟" ویرا نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ لوگ اس معاہدے میں ایک فریق کے طور پر شامل ہیں۔"

"یہ سامنے کی بات ہے کہ گیپ کا ایک ایک لفظ ان لوگوں کے مذموم ارادوں کی تکمیل کرتا ہوا نظر آتا ہے لیکن امریکا کے ایوانِ صدارت سے لامحدود اختیارات کا وہ پروانہ ڈیوڈ اسٹارز کے ہر رکن کو جاری نہیں کیا گیا تھا۔ ان کی طرف سے صرف راس المیڈا کو وہ رعایتیں دی گئی تھیں جو بہت پہلے جہنم واصل ہوچکا ہے۔"

ویرا تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی "ہاں، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ آئزک بیل رنگس کے سربراہ کے طور پر اس معاہدے کا دوسرا فریق ہے اور اسی حیثیت میں گیپ کو استعمال کرتا چلا آرہا ہے۔ یہ محض ایک اتفاق ہے کہ راس المیڈا کے بعد ڈیوڈ اسٹارز کی سربراہی بھی اسے مل گئی ہے۔"

"گیپ کے متن میں بہت واضح الفاظ میں یہ شق موجود ہے کہ ہر فریق پوری ذمے داری سے اس کی رازداری کی حفاظت کرے گا اور کسی پانچویں فرد کو دانستہ یا نادانستہ طور پر اس سے آگاہ نہیں کرے گا۔ ویسے بھی آئزک بیل نے اپنی کرشماتی کامیابیوں سے دوسروں کو مرعوب کرنے کے لیے گیپ کا وجود خفیہ رکھا ہوگا لیکن اس کی گرفتاری کے بعد شاید صورتِ حال بدل چکی ہے۔"

"گرفتاری کے بعد تو وہ بالکل ہی بے بس اور مجبور ہوکر رہ گیا ہے۔"

"اس کی اسی بے بسی اور مجبوری کی وجہ سے گیپ کا ذکر نکل سکتا ہے۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر پُرخیال لہجے میں کہا "پہلے بدری ناتھ اس لفظ سے لاعلم تھا۔ میں نے اسے بریف کیا، اس نے دوسروں کو بتایا اور بات پھیل گئی۔ اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سبز فائل ہاتھ سے نکل جانے کے بعد آئزک بیل نے اپنے بعض ساتھیوں کو اعتماد میں لیا ہو۔"

"یہ ہوسکتا ہے۔ گیپ کا نام بعض لوگوں کے علم میں

آسکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا بھیانک متن کسی کے بھی علم میں نہ آیا ہو۔"

"بس، میں تمہیں یہی سمجھانا چاہ رہا تھا۔" میں نے جلدی سے کہا "کچھ لوگوں کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ گیپ نامی ایک پراسرار دستاویز کے ذریعے آئزک بیل کو بہت سے تحفظات حاصل تھے اور وہ اپنی بدقسمتی سے وہ دستاویز کھو کر ہر رعایت سے محروم ہو چکا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب گیپ نیویارک کے باخبر حلقوں میں ایک خون آشام پہیلی کا روپ دھار چکا ہے۔ بہت سے لوگ اس لرزہ خیز دستاویز کے وجود سے واقف ہو چکے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ اس کے اوراق پر کیا کچھ لکھا ہوا ہے۔" ویرا نے میری کہی ہوئی باتوں کو چند فقروں میں سمیٹ کر ان کا اعادہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور اب تک گیپ کے کئی متلاشی میدان میں آچکے ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"جب کسی کو اس کے متن کا علم ہی نہیں ہے تو اس کے متلاشی میدان میں کیسے اتر سکتے ہیں؟" ویرا نے میرے بیان پر فوراً ہی ایک اعتراض جڑ دیا۔

"اس کا متن خفیہ ہے لیکن یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ پچھلی رات سے سی آئی اے والے نیویارک کے ہوٹلوں میں عباس کرمانی کو دیوانہ وار تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ وہ عباس کرمانی کی تلاش میں ہیں' آئزک بیل نے کہا ہے کہ اسے ڈینی نے اس حال کو پہنچایا ہے۔ سمجھنے والے سمجھ چکے ہوں گے کہ وہ ڈینی ہو یا عباس کرمانی' گیپ اسی کے قبضے میں ہے۔"

"یہ سی آئی اے اور ایف بی آئی کے معاملات ہیں۔" ویرا نے حسب عادت میری بات کو کوئی اہمیت دیے بغیر کہا۔ "گیپ کے لیے ایرے غیرے کیوں میدان میں اتریں گے؟"

"بعض اوقات تمہاری سوختہ کھوپڑی پر برف جم کر رہ جاتی ہے اور تم....."

اس نے میرا فقرہ درمیان سے ہی کاٹ دیا اور تنک کر بولی "اوختہ سوختہ جیسے فرسودہ فارسی الفاظ استعمال کر کے مجھے اشتعال دلانے کی کوشش مت کرو۔ اتنی فارسی میں بھی جانتی ہوں۔ اگر تم عباس کرمانی کا کردار ایجاد کر سکتے ہو تو میں بھی آدھی فارسی بول سکتی ہوں۔"

اس کی آدھی فارسی دانی کے دعوے پر میں بے اختیار ہنس پڑا "دوسروں کے لیے وہ آدھی فارسی اہم ہوگی جو تم بولنے سے قاصر ہو۔"

"مجھے باتوں میں الجھانے کی کوشش مت کرو۔ یہ بتاؤ کہ غیر متعلقہ لوگوں کو گیپ جیسے مسودے میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟" ویرا کے لہجے کی ترشی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

"سیکرٹ ایجنٹ اور ایک تخریب کار کے درمیان بال سے زیادہ باریک فرق ہوتا ہے۔ اپنے ملک کے لیے جو شخص ہیرو قرار پاتا ہے' دشمن کے لیے وہی گردن زدنی ہوتا ہے....."

ویرا نے میری بات کاٹ کر پُر زور لہجے میں اعتراض کیا۔ "تم پھر فارسی کی آڑ لے رہے ہو۔"

"ویرا خانم! یہ فارسی نہیں' اردو ہے۔" میں نے تلخی سے کہا "ایران میں مروّج فارسی سن کر تم اپنی ساری کتابی زبان دانی کو آگ لگا دو گی۔ میری بات سننی ہے تو تسلی سے سنو ورنہ خاموش رہ کر کچھ دیر کے لیے مجھے سوچنے دو۔"

"تم بولتے ہوئے بھی سوچ سکتے ہو۔" وہ غرا کر بولی "اس وقت تم نے چپ سادھی تو میں کوئی چیز مار کر تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔"

یہ کہتے ہوئے ویرا نے میز پر سے ماربل کی وزنی ایش ٹرے اٹھالی اور میری زبان از خود چل پڑی "بات دراصل یہ ہے کہ پہلے بات ہمارے اور آئزک بیل کے درمیان تھی۔ وہ نیویارک کا ایک معزز بدمعاش ہے تو ہم بھی اس سے کم نہیں ہیں مگر اب بات ذرا زیادہ پھیل چکی ہے۔ نیویارک میں جرائم کی دنیا سے رابطہ رکھنے والے بہت سے لوگوں کو یہ بات معلوم ہو چکی ہوگی کہ گیپ سے محرومی کی وجہ سے آئزک بیل برے احوال سے دوچار ہوا ہے۔ ان سب کے لیے گیپ کے نام میں ایک کشش پیدا ہو گئی ہے اور اب وہ سب اس کی کھوج میں ہوں گے۔"

"میں یہی تو پوچھنا چاہ رہی ہوں۔" ویرا ماربل کی وزنی ایش ٹرے کو چوبی میز کی سطح پر بجا کر بولی "ان لچوں لفنگوں کے لیے گیپ کے نام میں کیا کشش ہو سکتی ہے۔"

"دنیا کے ہر خطے میں مجرموں اور سیکرٹ ایجنٹوں کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ ایک ملک کے مجرم دوسرے ملک کے نامور جاسوس ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح مقامی سطح پر یہ لوگ ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ اب تم خود تصور کرو کہ سی آئی اے کے منظم ایجنٹ جس دستاویز کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہوں' وہ بلیک ڈیڈ سنہری تھالی میں سجا کر سی آئی اے کے ڈائریکٹر کو پیش کر دے تو اس کی کیا پوزیشن ہوگی۔"

"اوہ.....!" ویرا کے دہانے سے ایک بے ساختہ تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "یہ شکوہ تو شاید بلیک ڈیڈ تم سے کر ہی چکا ہے کہ تم نے گیپ کی نقل تک اپنے پاس نہیں رکھی ورنہ وہ اسی کو سی آئی اے والوں کے حوالے کر کے سرخ رو ہو جاتا۔"

"اب تمہاری سوختہ کھوپڑی پر جمی ہوئی برف پگھلنے کے بعد تمہاری خفتہ صلاحیتیں اونگھ سے باہر نکلی ہیں۔" میں نے ویرا کو چڑانے کے لیے دانستہ فارسی الفاظ استعمال کرتے ہوئے کہا "سی آئی اے والوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس وقت نیویارک کا ہر نتھو خیرا گیپ کو حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہا ہوگا۔"

"ایسی ہولناک باتیں نہ کرو۔" ویرا غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں بولی "یہاں کے بدمعاشوں میں یہ وبا پھیل گئی تو وہ لوگ نیویارک میں بے گناہ ایرانی باشندوں کا قتلِ عام شروع کردیں گے اور اس کا کوئی اختتام نہیں ہوگا۔"

"ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس وقت بلیک ڈیڈ ہمارے ساتھ ہے۔ اسے عباس کرمانی کی اصل حقیقت معلوم ہے۔ جس کسی نے اس فرضی کردار کے تعاقب میں کسی بے گناہ ایرانی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے کی کوشش کی 'بلیک ڈیڈ بڑھ کر اس کی گردن توڑ دے گا۔"

"نیویارک کے بدمعاشوں میں اس کی یہ برتری ابھی مشتبہ ہے۔" ویرا نے کہا۔

"آئزک بیل کے قید ہوجانے کے بعد وہ اپنی یہ برتری منوانے کی پوزیشن میں آچکا ہے۔ ریاستی اور وفاقی ادارے اس کے مقام کو تسلیم کریں یا نہ کریں' مقامی شورہ پشتوں کو وہ دھونس اور دھاندلی سے بری طرح کچل دے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ نیویارک میں اب مقامی بدمعاشوں کے تنازعے سر اٹھائیں گے۔ روز دو چار آدمی موت کے گھاٹ اتارے جائیں گے!" ویرا کی آواز میں گہری تشویش امڈ آئی۔

"خوشی کی بات یہ ہے کہ اس آویزش میں مرنے اور مارنے والے' سب میڈ اِن امریکا ہوں گے۔ ان کے لہو کی ارزانی پر تم کو آزردہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"نہیں ڈینی!" وہ قدرے سخت اور جذباتی لہجے میں بولی۔ "میں نے امریکا کی شہریت کو رضا کارانہ طور پر خیرباد کہا ہے' میں امریکی حکومت سے بد دل اور بے زار ہوں جس کا اژدر سوخ وائٹ ہاؤس' پینٹاگون اور فیر فیکس کے جاہ و جلال سے جھلکتا ہے۔ میں ان سب کے خون کی پیاسی ہوں

مگر عام امریکی مجھے ڈیرہ غازی خان کے مظلوم دہقانوں کی طرح قابلِ رحم محسوس ہوتے ہیں۔ ان کی گردنیں گاجر مولی کی طرح کٹنے لگیں تو میں ایک پل بھی چین سے نہ رہ سکوں گی۔"

"تم زیادتی کررہی ہو۔" میں نے اس سے زیادہ سخت لہجے میں احتجاج کیا "تم نیویارک کے غنڈوں، بدمعاشوں اور قاتلوں کو ڈیرہ غازی خان کے مظلوم دہقانوں سے ملا رہی ہو۔"

"نہیں، میں نے یہ تو نہیں کہا۔" ویرا نے پورے وثوق سے میرے احتجاج کی تردید کی۔

"بدقسمتی سے تم نے یہی کچھ کہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری کہہ مکرنی رہی ہو۔ اب بھی تم یہ مان لو کہ موجودہ لہر میں نیویارک کے دس بیس معروف مجرم موت کے گھاٹ اتر جائیں تو ہمیں ہماری محنت کا صلہ مل جائے گا پھر میں بحث ترک کردوں گا۔"

"اب اس موضوع پر بحث نہیں ہوگی۔" ویرا نے اپنی عادت کے مطابق ہار ماننے کے بجائے تحکمانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا "بدمعاش امریکی ہو یا پاکستانی، قاتل، دہشت گرد یا کم از کم سماج دشمن تو ہوتا ہی ہے۔ اس کی موت میں سب کا نہیں تو بہت سوں کا فائدہ پوشیدہ ہوتا ہے۔"

"نکتے کی یہ بات بہت دیر سے تمہاری سمجھ میں آئی ہے۔ یہاں اب جو کچھ ہوگا، اسے مکافاتِ عمل کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں دیا جاسکے گا۔"

ویرا گفتگو کی گرم جوشی میں کافی دیر سے اسکاچ کے گلاس کو فراموش کیے بیٹھی تھی، میرے تلخ جواب پر اسے اور کچھ نہ سوجھا تو اس نے گلاس اپنے گلابی لبوں سے لگا کر غٹاغٹ خالی کردیا۔

میں کسی ہونق کی طرح اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ مجھے اتنی مہلت تک نہ مل سکی کہ میں اس کی بے لگام مے نوشی پر کوئی قدغن عاید کرسکتا۔

گلاس خالی کرکے اس نے کسی عادی شرابی کی طرح زور سے میز پر گلاس پٹکا اور پُرغرور لہجے میں کہا "تم یہ سمجھ رہے ہوگے کہ میں نے ایک ہی سانس میں کافی چڑھالی ہے اور اب بہکنے لگوں گی مگر میرے پیارے لٹل ڈینی ڈارلنگ! ذرا اپنے اس دوست کا تصور تو کرو جو ایک بڑی بالٹی میں بیئر کی بوتلیں خالی کرکے ان میں وہسکی انڈیلتا تھا اور نہانے کے ڈونگے بھر بھر کے یہ کاک ٹیل پیتا تھا اور پھر موٹر سائیکل پر سوار ہوکر چل دیتا تھا۔ موٹر سائیکل جہاں تک سیدھی چلتی تھی، چلتی تھی۔ جہاں وہ گرجاتی، وہیں وہ جواں مرد لیٹ کر سوجاتا تھا۔

ایسے لوگوں میں بیٹھ کر پینے کے بعد یہ ننھا سا ایک آدھ گلاس میرا کیا بگاڑ لے گا؟ تم کو جو کہنا ہے، کہتے رہو۔ میں پوری توجہ سے سن رہی ہوں۔"

میں نے متاسفانہ انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا "تم اب اپنی دھن میں مگن رہو۔ میرے اور تمہارے مذاکرات منقطع ہوچکے ہیں۔ یہ گلاس معدے سے پہلے تمہارے دماغ میں چڑھ چکا ہے۔ اب میری کوئی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آسکے گی۔"

"آئے گی۔" وہ ترشی سے بولی "یہ دوسری بات ہے کہ اب میں بحث کرنے کا ارادہ ترک کرچکی ہوں۔ تم جو کچھ کہو گے، وہ میں مان لوں گی۔"

میں نے کن انکھیوں سے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "میری وجہ سے تم اپنا سرور غارت مت کرو۔ جو کچھ کرنا چاہتی ہو، کرتی رہو۔ میں نو بجنے کا منتظر ہوں۔ اس وقت بنجمن فورٹ اپنے فون پر میری دسترس میں آچکا ہوگا۔"

"ہُوں... اوں!" اس نے سر جھٹک کر ایک ادا سے کہا۔ "تم مجھے یہ بتانا پسند کرو گے کہ اس سے تم کس حیثیت میں بات کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

ویرا کے اس باہوش سوال نے مجھے بھونچکا کردیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ انی مے نوشی کے اس سنگین مرحلے پر ایسا باریک سا نکتہ اٹھاسکے گی۔ میں نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا "ڈینی ان سب کے لیے ایک آسیب بنا ہوا ہے۔ اس کے سوا میں اسے اور کس نام سے دہشت زدہ کرسکوں گا؟"

"تو، مائی ڈارلنگ۔" ویرا نے فضا میں انگلی لہرا کر کہا "جو کچھ چولی اور چلمن کے پیچھے ہے، اسے دشمن پر آشکارا کیوں کرتے ہو۔ ابھی تک کسی کو امریکا میں تمہاری موجودگی کی سند نہیں مل سکی ہے تو تم کیوں اپنی زبان سے اس راز کا اقرار کرنے پر تلے ہوئے ہو؟"

ویرا تھوڑی سی بہکی ہوئی تھی مگر بالکل ہی چوپٹ نہیں ہوئی تھی۔ چولی اور چلمن کے حوالے کے سوا اس نے اپنے ہر فقرے سے ہوش مندی کا ثبوت دیا تھا۔ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس سے گفتگو کرنے کے لیے میں نے اپنا بھرپور تعارف نہ کرایا تو شاید گیپ جیسے اہم مسودے کا حوالہ بھی رائگاں جائے گا اور وہ مردود فون بند کردے گا۔"

وہ عارفانہ انداز میں ہنس دی "اس وقت تم اپنے روپ پر اتنے نازاں ہو کہ اپنے بہروپ کو بھلا بیٹھے ہو۔ ڈینی کو پردے میں رہنے دو۔ عباس کرمانی سے کام چلاؤ۔ اس وقت یہ

نام بھی تمہارے بدخواہوں کے لیے ہوّا بنا ہوا ہے۔"

ویرا کی وہ بات فوراً ہی میری عقل سے معدے تک میں اتر گئی۔ وہ کتنی ہی ترنگ میں رہی ہو' اس کی تجویز کی معقولیت پر ذرا سے بھی اعتراض کی گنجائش نہیں تھی۔

"تم کہتی ہو تو میں یوں ہی کرلوں گا۔" میں نے اس کی تجویز کو بظاہر کوئی اہمیت دیے بغیر سرسری لہجے میں کہا "گیپ کے حوالے سے یہ نام ذرا زیادہ زوردار رہے گا۔"

"یہ نہ بھولنا کہ تمہاری طرف سے میں نے ٹائمز والوں کو فون پر ایک ہوش ربا دھمکی دی تھی۔ تم چاہو تو میرے لیے نادرہ بروجردی کا نام استعمال کرسکتے ہو۔"

"بروجردی؟" میں نے حیرت سے دہرایا "تمہیں معلوم ہے کہ تم کس شہر کا حوالہ دے رہی ہو؟ بروجردی کا رہنے والا علی اصغر رسوائے زمانہ اذیت رساں تھا؟"

"یہ مجھے معلوم نہیں۔" ویرا نے کھلے دل سے اعتراف کرلیا "بروجرد کی جگہ تم کرمان یا ہمدان کا نام لے سکتے ہو مگر نادرہ میرا پسندیدہ نام ہوگا۔ میں کراچی میں ٹکرانے والی اس عورت کو آج بھی نہیں بھولی ہوں جسے سی آئی اے کے ایجنٹوں نے تم پر ڈورے ڈالنے کے لیے پھانسا تھا مگر وہ تم سے ملاقات کے بعد خود تمہارے جال میں پھنس گئی تھی۔"

"سچ پوچھو تو کبھی کبھی مجھے بھی اس کا خیال آتا ہے۔ میرے ساتھ اپنی مجبوریاں نہ ہوتیں تو میں ضرور آخر تک اس کی خبرگیری کرتا۔ وہ کوئی خراب عورت نہیں تھی۔ بے یار و مددگار ہونے کے بعد کسی ہلکے سے سہارے کی تلاش میں سرگرداں تھی۔"

"تمہاری یہی دلیلیں مجھے زہر لگتی ہیں۔" ویرا بھنا کر بولی۔ "نادرہ اُلو کی پٹھی اور حرام زادی تھی۔ وہ تم پر ڈورے ڈال رہی تھی۔ اس کی مظلومیت اپنی جگہ مسلمہ تھی مگر وہ اس کی آڑ لے کر کسی جونک کی طرح تمہارے گرد لپٹ جانے کے چکر میں پڑ گئی تھی۔"

میں نے فوراً ہتھیار ڈال دیے "وہ جو بھی اور جیسی بھی تھی' میں نے اسے مسترد کردیا تھا۔ اب تم اس کے بارے میں باتیں کرکے اپنا قیمتی وقت کیوں برباد کررہی ہو؟"

"میرا وقت ہرگز قیمتی نہیں ہے۔" ویرا نے بے اعتنائی سے کہا "اگر میں اس سے بھی زیادہ وقت صرف کرکے تمہیں گھٹیا اور چھچھوری عورتوں سے دور رکھ سکوں تو یہ میری کامیابی ہوگی۔"

"نادرہ پاکستان بلکہ شاید سکھر میں ہے اور میں نیویارک میں ہوں۔ تم اس فاصلے کو اور کہاں تک بڑھانے کی خواہاں ہو؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

"بات زمینی فاصلوں کی نہیں ہوتی' ذہنی قربت کی ہوتی ہے....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "میں نادرہ کو یکسر فراموش کرچکا تھا۔ تم نے اس کا نام لے کر خود ہی میرے ذہن میں اس کا خیال جگایا ہے اور اب میں سوچ رہا ہوں کہ شاید وہ اتنی بری نہیں ہے جتنا برا تم اسے سمجھتی ہو۔"

میرے اس جواب کا ردِّعمل وہی تھا جو میں چاہ رہا تھا۔ میری ذرا سی تعریف پر ویرا یوں پھٹ پڑی جیسے میں نے نادرہ کے لیے پسندیدگی کا اظہار کرکے اس کی بدترین توہین کرڈالی ہو۔ اس نے براہ راست میرے خلاف تو کچھ نہیں کہا لیکن نادرہ کے خلاف دل کھول کر زہر اگلتی رہی۔ میرے لیے نادرہ کی حیثیت ایک کتاب کے گزرے ہوئے باب سے زیادہ نہیں تھی۔ جب تک وہ میرے سامنے موجود تھی' میری تمام ہمدردیاں اور کچھ دلچسپیاں اس کی ذات سے وابستہ تھیں۔ اس کے بعد میں اسے تقریباً بھول چکا تھا۔ ہمارا اور اس کا رسمی سا تعلق مالک مکان اور کرائے دار کا رہ گیا تھا کیونکہ وہ کانٹن کے اس فلیٹ کی مالکہ تھی جس میں غزالہ' سلطان شاہ کے ساتھ رہ رہی تھی۔

ویرا اس کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالتی رہی۔ میں نے اس کی کسی بات کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میری وہ لاتعلقی ویرا کے لیے اشتعال انگیز ثابت ہوئی اور اس کی نیم ہذیانی تقریر کا دورانیہ خود بہ خود طویل ہوتا چلا گیا۔

میں یوں ہی ویرا کو چڑا کر وقت گزارتا رہا۔ مے نوشی کا خمار گہرا ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مسلسل بولنے پر تلی ہوئی تھی پھر جب نو بجے کا وقت قریب آیا تو میں نے نوک جھوک کا وہ سلسلہ ترک کردیا۔

"تم بلاوجہ مجھ سے الجھنے کی کوشش کرتے ہو۔ مجھے معلوم تھا کہ آخر کار تمہیں ہار ماننی پڑے گی۔" میری مصلحت آمیز خاموشی کو میری پسپائی سمجھ کر ویرا نے فاتحانہ انداز میں کہا۔

بنجمن فورٹ کو فون کرنے کا وقت نہ ہوگیا ہوتا تو میں اب بھی بہت کچھ بول سکتا تھا "تھوڑی دیر کے لیے تم بھی خاموشی اختیار کرلو ورنہ مجھے اسپیکر فون استعمال کرنے کے بجائے ریسیور اٹھا کر بات کرنی پڑے گی۔"

"ریسیور کو تم نے ہاتھ بھی لگایا تو میں انسٹرومنٹ توڑ دوں گی۔ سیدھی طرح اسپیکر فون پر بات کرو۔ میں درمیان میں دخل نہیں دوں گی۔"

میں نے مسکرا کر اسے آنکھ ماری اور بٹن دبا کر اسپیکر

فون آن کردیا۔

بنجمن کے گھر کا نمبر مل جانے پر دوسری طرف سے وہی سہمی ہوئی اور معصومانہ نسوانی آواز سنائی دی جس سے پہلے بھی میرا واسطہ پڑ چکا تھا۔ میری زبان سے بنجمن کا نام سنتے ہی وہ بھی میری آواز پہچان گئی اور جلدی سے بولی "سر! ہولڈ کریں۔ میں انہیں بلاتی ہوں۔"

میرے لیے انتظار کے وہ چند لمحے سنسنی اور اضطراب سے بھرپور تھے پھر ایک باوقار مردانہ آواز نے انتظار کے وہ لمحات ختم کردیے "میں بنجمن بول رہا ہوں۔" امریکی روایت کے مطابق اس نے صرف اپنا پہلا نام بتانے پر اکتفا کیا تھا۔ اس کی آواز باوقار ضرور تھی لیکن لہجہ سخت بلکہ کھردرا تھا۔

"شاید تمہیں بتادیا گیا ہوگا کہ میں تم سے گیپ کے بارے میں بات کرنی چاہ رہا تھا۔"

"کسی بھی بارے میں بات کرنے سے پہلے مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میرا مخاطب کون ہے۔" بظاہر وہ گیپ کے حوالے سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوا تھا۔

"آئزک بیل کے بارے میں سب کچھ منظرِعام پر آنے کے بعد تمہارا یہ سوال غیرضروری معلوم ہورہا ہے۔ میرے بتائے بغیر تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ میں کون بول رہا ہوں۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"ڈینی؟ مگر تم نے میرا فون نمبر کہاں سے حاصل کیا؟" اس کی آواز کی خشکی برقرار رہی۔

"ڈینی نہیں، عباس کرمانی!" میں نے سختی سے اس کی تصحیح کی "جو شخص رنگس کے دفتر میں آئزک بیل کی اہم ترین فائل اڑا سکتا ہے اس کے لیے چوروں کی طرح چھپے ہوئے ڈیوڈ اسٹارز کے فون نمبر معلوم کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"آئزک کی پریشانیوں سے میں بے خبر نہیں ہوں۔ وہ ڈینی سے خائف تھا۔ گیپ کی فائل بھی اسی نے چرائی تھی اور اس بارے میں ان دونوں کی بات بھی ہوتی رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب اچانک یہ عباس کرمانی کہاں سے نکل آیا۔ تم اپنی آواز بگاڑ کر بولنے کی کوشش کررہے ہو مگر میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تم ایرانی نہیں ہو۔"

"سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ خود بھی مجھ سے یہ اقرار کرانے کی کوشش کرتا رہا کہ میں ڈینی ہوں پھر وہ تمہیں کیسے بتا سکتا تھا کہ وہ عباس کرمانی سے نہیں، ڈینی سے خطرہ محسوس کررہا ہے۔"

"تم مجھے الجھانے اور یہ باور کرانے کی کوشش کررہے ہو کہ ڈینی کے بارے میں وہ کسی نفسیاتی عارضے میں مبتلا تھا اور اسی وجہ سے اسے برے دن دیکھنے پڑے ہیں۔"

"اس کی بربادی کا تعلق اس کے نفسیاتی عارضے سے نہیں، اس کی بدنیتی سے تھا۔ وہ ٹائم بم کے بغیر پوری رقم لے آتا تو خاموشی سے گیپ کی فائل حاصل کرلیتا۔ اس نے رقم بچانے کے ساتھ ہی مجھے مارنے کی منصوبہ بندی کی اور خود اپنے بنائے ہوئے جال میں پھنس گیا۔"

"یہ کہانی کمزور ہے۔" بنجمن کی آواز استہزائیہ ہوگئی "تمہاری نیت اسے ہلاک کرنے کی تھی۔ وہ پوری رقم لے آتا تب بھی اسی انجام سے دوچار ہوتا۔ اس سے ملنے اور رقم کا بریف کیس کھولے بغیر تم کو چلتی کار سے کیسے معلوم ہوگیا کہ نوٹوں کی ایک تہ کے نیچے سادے کاغذوں کی گڈیوں میں ٹائم بم لگا ہوا ہے جو تمہارے لیے موت کا پیغام بن جائے گا۔"

"شاید تم کو معلوم ہو کہ آئزک بیل نے رنگس کی ہیلن رائے نامی ایک ملازمہ کو غداری کے جرم میں بدترین جنسی تشدد کا نشانہ بنوا کر پاگل کرادیا تھا۔ وہ ایک لڑکی تھی جو اس کے ہاتھ لگ گئی مگر رنگس میں آخر تک میرے مخبر موجود تھے......"

"بکواس۔ یہ سراسر لغو بات ہے۔" بنجمن نے برہمی سے میری بات کاٹ دی۔

"امریکا میں ہر شخص کے سر پر ڈالر کمانے کی دُھن سوار رہتی ہے۔ میں نے خطیر معاوضہ دے کر ان لوگوں کی خدمات حاصل کی تھیں اور ان ہی سے مجھے یہ اطلاع ملی تھی کہ آئزک بیل میرے لیے حقیری رقم کے ساتھ موت کا پھندا لے کر ایکسپریس وے پر پہنچے گا۔"

"یہ سب تمہاری من گھڑت کہانیاں ہیں جن پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے فون کیوں کیا ہے؟"

میری گفتگو نے اسے اس بری طرح الجھایا تھا کہ وہ میرے نام اور وطنیت کے بارے میں اپنے تمام ابتدائی سوال بھول بیٹھا تھا۔

"گیپ کے بارے میں آئزک کو کی جانے والی میری پیشکش اب بھی برقرار ہے۔"

"میرے لیے ان کاغذوں کی اہمیت حقیر چیتھڑوں سے زیادہ نہیں ہے۔" اسپیکر پر بنجمن کی آواز واقعی تحقیر آمیز ہوگئی "وہ کاغذ آئزک کے لیے سب کچھ تھے۔ اس کے کسی ذاتی کام کے لیے میں اس کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔"

"پھر شاید تم واقعی گیپ کی اصلیت سے بے خبر ہو۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں کہ میں اس کی تفصیل سے لاعلم ہوں۔ مجھے بس اتنا معلوم ہے گیپ آئزک کے لیے کوئی اہم ترین فائل تھی....."

"وہ اسی فائل کے سہارے ملے ہوئے اختیارات کے تحت تم لوگوں کے مقاصد حاصل کر رہا تھا۔ وہ محض اسی وجہ سے عتاب میں آیا ہے کہ وہ اس فائل سے محروم ہو چکا ہے۔"

"اگر تمہاری یہ بات درست مان لی جائے تو پھر میں یہی کہوں گا کہ اس نے تمہاری صلاحیتوں کا غلط اندازہ لگایا ورنہ وہ منہ مانگی رقم تمہارے منہ پر مار کر تم سے وہ کاغذ واپس لے سکتا تھا۔ اسے رقم کے ساتھ کوئی ہیر پھیر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"گڈ۔ میں بھی تم کو یہی بات سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تم آئزک سے زیادہ ذہین ہو۔ بعض چیزیں زندگی میں اتنی اہم ہوتی ہیں کہ ان کے سامنے پیسے کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ یہ بات سمجھ لینے کے بعد تم بھی ایک غلطی کر رہے ہو۔"

"میں ہر بات سوچ سمجھ کر کرتا ہوں۔ میری کسی غلطی کی نشان دہی کرکے بقراط بننے کی کوشش مت کرو۔" اس کی آواز میں بدمزگی عود کر آئی۔

"وہ خود ڈیوڈ اسٹار ہے بلکہ تم جیسے تمام ڈیوڈ اسٹارز کا سربراہ ہے۔ تم اس کی خاطر گیپ کی قیمت ادا کرنے سے اپنی جان چھڑا رہے ہو۔"

اسپیکر پر اس کا ایک مختصر اور زہریلا قہقہہ ابھرا پھر اس کی آواز گونجی "ہم میں سے کوئی بھی اتنا احمق نہیں ہے کہ تمہاری باتوں میں آکر گیپ یا کسی بھی چیز کی قیمت دو مرتبہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائے۔"

"دو مرتبہ!" میں نے حیرت سے کہا "تم سے بات کرنے سے پہلے میں نے کسی سے ان کاغذوں کے لیے ایک پیسہ تک وصول نہیں کیا۔"

"یہاں غلطی تم سے ہو رہی ہے۔ ضروری نہیں کہ کسی چیز کی قیمت صرف ڈالروں میں ہی ادا کی جائے۔ آئزک قید و بند کی صعوبت اٹھا کر ان کاغذوں سے محرومی کی بھاری ترین قیمت ادا کر رہا ہے پھر میں دو کوڑی کے ان کاغذوں کے لیے اپنا وقت اور سرمایہ کیوں برباد کروں؟"

اس کے جوابی سوال نے لمحہ بھر کے لیے مجھے چکرا کے رکھ دیا۔ مجھے اس کی طرف سے ذہانت کے ایسے برجستہ اظہار کی ذرا بھی امید نہیں تھی۔ میں نے سنبھالا لے کر پوچھا "تم وہ کاغذ حاصل کرکے اپنے دوست اور سربراہ کو اس مصیبت سے نکالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے؟"

وہ میرے سوال میں پوشیدہ مفہوم کو فوراً بھانپ گیا اور کسی توقف کے بغیر بولا "یہ نہ سمجھنا کہ میں اسے مشکل میں گھرا ہوا چھوڑ کر اس کی جگہ پر فائز ہونے کا کوئی احمقانہ خواب دیکھ رہا ہوں۔ ہم سب ایک دوسرے کے لیے ایک جان ہزار قالب ہیں مگر ہمارے فیصلے عقل سے عاری یا جذباتی نہیں ہوتے۔ تم ڈینی ہو یا عباس کرمانی، مجھے قائل کردو کہ وہ کاغذ اب بھی آئزک کے کسی کام آسکتے ہیں تو میں تم سے تمہاری شرائط پر ان کا سودا کرلوں گا۔"

"ان کاغذوں سے محروم ہو کر وہ اس حال کو پہنچا ہے' کاغذ مل جانے کے بعد اپنی پرانی پوزیشن میں لوٹ آئے گا۔ یہ سیدھی سی بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آرہی؟"

"میرے نادان دوست! مجھے نچا دینے کی کوشش مت کرو۔ خفیہ کاغذوں کا اعتبار اسی وقت تک قائم رہتا ہے جب تک وہ متعلقہ ہاتھوں میں رہتے ہیں۔ ایک بار وہ کسی حریف یا دشمن کے ہاتھ لگ جائیں تو ردی ہو جاتے ہیں۔ آئزک کو ہماری سزا اسی بات کی مل رہی ہے کہ وہ ان خفیہ اور اہم ترین کاغذوں کی حفاظت نہیں کرسکا۔"

"وہ کاغذ ردی ہی ہو چکے ہیں تو کچھ لوگ میری تلاش میں سر دھڑ کی بازی کیوں لگائے ہوئے ہیں؟" وہ اپنی نکتہ آفرینی سے مجھے مسلسل مدافعت پر مجبور کر رہا تھا۔

"یہ وہی بتا سکتے ہیں۔ میری یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ گیپ کی بازیابی سے اب آئزک کو کوئی فیض نہیں پہنچے گا۔ اب ان کاغذوں کی فکر ان لوگوں کو ہوگی جنہوں نے آئزک کو آزادیاں دی ہوئی تھیں۔ وہ یہ پسند نہیں کریں گے کہ ایسے

اہم کاغذ ملک سے باہر جائیں۔"

آئزک بیل کے برعکس، بنجمن فورٹ، بہت صاف ذہن کا مالک تھا۔ اس گفتگو میں اس نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ ہر مسئلے کو اس کے صحیح تناظر میں پرکھنے کا عادی تھا۔ گیپ کے مندرجات سے لاعلم ہونے کے باوجود اس نے صحیح صورتِ حال کا ادراک کر لیا تھا اور مجھے اس کو اپنے جال میں پھانسنے میں کھلی ناکامی ہوتی نظر آرہی تھی۔

"وہ مر کر بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب مجھے ان ہی سے سودا کرنا پڑے گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "تم پر میں بلاوجہ اپنا وقت برباد کر رہا ہوں۔"

"اگر تمہارا عباس کرمانی ہونا تسلیم کرلوں تو اخبارات اس حوالے سے تمہیں ایرانی سیکرٹ ایجنٹ قرار دے رہے ہیں۔ کیا تم نے یہ کاغذات اپنے ملک کے بجائے صرف رقم کے لیے اڑائے تھے؟"

"ساواک والے کچا کھیل نہیں کھیلتے۔ میرے ملک کے لیے ان کاغذوں کی نقلیں بھی بہت کافی ہوں گی۔ تمہاری یا کسی اور کی ضرورت اصل کاغذوں تک محدود ہے۔ میں صرف ان ہی کا سودا کروں گا۔ گیپ کا متن جانے بغیر یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آسکیں گی۔"

"تو تم ساواک کے آدمی ہو۔ شاہ کے زمانے میں تم لوگ دشمنوں سے زیادہ اپنے ہم وطنوں کے لیے ہوّا بنے ہوئے تھے۔" بنجمن نے متجسس لہجے میں کہا "تمہاری مادری زبان میں اس لفظ کے کیا معنے ہوتے ہیں؟"

"یہ لفظ نہیں، کئی اچھے الفاظ کا مخفف ہے۔ سازمانِ امنیت و اطلاعاتِ کشور۔ اب سب کچھ بدل گیا ہے۔ ایران میں اداروں کی شناخت بدل چکی ہے۔ شاہ کا دور اس کے ساتھ دفن ہو چکا ہے۔ اس کے اقتدار کے زمانے میں ایران کا کوئی سرکاری اہلکار امریکا کی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔" میں نے محض کوئی راہ ملنے کی امید میں اس سے گفتگو جاری رکھی "آج میں سی آئی اے کے لیے ایک چیلنج بنا ہوا ہوں۔ وہ شاید میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے۔"

"اور تمہارے فون پر کوئی ایسا آلہ بھی لگا ہوا ہے جو گفتگو میں کسی بھی مداخلت کی صورت میں فون بند کر دیتا ہے؟" اس نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"میدان میں اترنے سے پہلے اپنے دفاع کا بندوبست نہ کرنے والے عام طور پر برے انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔ یہاں حالات اس قدر خوف ناک ہیں کہ تم جیسے بارسوخ سورما بھی اپنے دفتر میں تالا ڈال کر اپنے کچھاروں میں جا چھپے ہیں۔ میں کس گنتی میں ہوں۔"

"ہم بھاگے نہیں ہیں۔" اس نے فوراً ہی میرے الزام کی تردید کی "موجودہ لہر کی گرد بیٹھ جانے کا انتظار کیا جارہا ہے۔ پھر تم دیکھو گے کہ زمین تمہارے لیے کتنی تنگ ہو چکی ہے۔ آئزک کی اپنی غلطیاں جو بھی رہی ہوں، اس کی ذلت کا بدلہ ضرور لیا جائے گا۔"

"چاہو تو میں اسی وقت تمہاری پسند کی جگہ پر تم سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"تاکہ تم آئزک کی طرح مجھے بھی دور سے گولیاں مار کر بھاگ جاؤ۔" اس کی آواز میں طنز کی تلخی پیدا ہو گئی "میرے لیے تمہارے یہ ہتھکنڈے ناکارہ ثابت ہوں گے اور میں یہ بھی بتا دوں کہ تم نے میرے گھر کے فون نمبر کا سراغ لگا لیا ہے، ادھر کا رخ کرنے کی کوشش کی تو تمہارے چیتھڑے بھی مشکل سے ملیں گے۔"

"بزدل لوگ ہمیشہ ایسے ہی حصاروں میں رہتے ہیں اور خود کو محفوظ سمجھتے ہیں لیکن آخرکار بہت بے بسی کی موت سے دوچار ہوتے ہیں۔"

وہ ایک دم ہی بھپر گیا "موت ان لوگوں اور زمینوں پر نازل ہو گی جنہوں نے ہمیں امان دی اور نہ ہمارا وجود گوارا کیا۔ تم ڈینی ہو تو پاکستان کی اور عباس ہو تو ایران کی خیر مناؤ۔ ہم لوگ جس ہدف پر کام کرتے ہیں، اسے ہر قیمت پر حاصل کر کے رہتے ہیں۔"

اس کی وہ ہرزہ سرائی میرے لیے قابلِ برداشت نہیں تھی۔ میں نے جل کر کہا "اسی طرح جیسے آئزک آج کل اپنے سارے ہدف حاصل کر رہا ہے۔"

"شٹ اپ!" وہ اپنی نفاست اور معاملہ فہمی کو خیرباد کہہ کر بدکلامی پر اتر آیا اور میں نے فون بند کر دیا۔

"یہ کچھ زیادہ ہی مشکل شکار معلوم ہوتا ہے۔" ویرا نے پُرتشویش لہجے میں کہا "تم اسے گھیر گھار کر کہیں ملنے پر آمادہ کرنا چاہ رہے تھے مگر وہ تمہاری چال سمجھ رہا تھا۔"

"یہ ناکامی ہوئی ہے لیکن گیپ کے بارے میں اب میرا ذہن صاف ہو گیا۔ وہ کاغذ اب آئزک کے کسی کام نہیں آسکیں گے۔ وہ حالات اور شہادتوں کی بے رحم چکی میں پستا ہی چلا جائے گا۔ گیپ کی تلاش اب صرف سی آئی اے یا دوسری ایجنسیوں کے ذمے ہو گی۔"

"اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈیوڈ اسٹارز کے پاس سوچنے اور کام کرنے والے دماغوں کی کمی نہیں ہے۔ وہ آئزک کا ایک بہتر متبادل ثابت ہو گا۔" ویرا بولی۔

"اس سے ہونے والی گفتگو نے میرے ذہن میں آگ سی بھردی ہے اور دل چاہ رہا ہے کہ اس کی شیخیوں کا اسی وقت منہ توڑ جواب دیا جائے۔" میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ "میجر جنجوعہ سے اس کا فون نمبر مل گیا مگر پتا ہاتھ نہیں لگ سکا۔"

میرا آخری فقرہ سنتے ہی ویرا یوں چونکی جیسے اسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔ پُرخیال انداز میں زیرلب کچھ بڑبڑانے کے بعد وہ بولی "ابتدائی ہندسوں سے ظاہر ہورہا ہے کہ بنجمن کے فون کا تعلق کوئنز کے علاقے سے ہے جہاں جینی رہتی ہے۔ ٹھہرو، میں نمبروں والی ڈائریکٹری دیکھتی ہوں۔"

اس کی زبان سے جینی کا نام سن کر میرے ذہن میں بھی ایک دریچہ کھل گیا "ڈائریکٹری دیکھ لو۔ کام بن جائے تو اچھا ہے ورنہ ہم ابھی جینی کی طرف چلتے ہیں۔ اس بے چاری کو تم نے بری طرح نظرانداز کیا ہوا ہے۔ خطرات ٹل جانے کے بعد تمہیں پہلی فرصت میں اس سے ملنا چاہیے تھا۔"

ڈائریکٹری تلاش کرتے کرتے اس نے نظریں اٹھا کر مجھے گھورا اور تیکھے لہجے میں بولی "وہ یکایک اس موقع پر کیسے یاد آگئی۔ کیا ایک بار پھر اسے استعمال کرنے کا ارادہ ہے؟"

"میں نے ایک مرتبہ بھی اسے استعمال نہیں کیا۔ اب تک جو کچھ ہوتا رہا، اس کی تجویز تمہاری طرف سے آتی رہی تھی۔ میری حیثیت تمہارے پیغام رساں سے زیادہ نہیں تھی۔"

ڈائریکٹری کی تلاش میں ناکامی پر ویرا نے کال بیل کا بٹن دبایا اور بولی "تھوڑی دیر بعد ہم تینوں یک جا ہوں گے تو سب کچھ سامنے آجائے گا۔ فون پر وہ مجھے چکر دے سکتی ہے لیکن روبہ رو اپنے دل کا چور مجھ سے نہیں چھپا سکے گی۔"

اسی لمحے مائیک اپنے لباس کے اگلے حصے پر ایپرن باندھے کمرے میں گھس آیا۔ خلافِ توقع اس کی آمد پر میرا منہ بن گیا اور میں نے تلخی سے پوچھا "تمہیں اپنے کمرے میں ہونا چاہیے تھا۔ اس وقت تم یہاں کیا کررہے ہو؟"

"میں اپنے کمرے میں ہی تھا۔ جب تم اسپیکر فون پر کسی سے بات کررہے تھے تو میں تم دونوں کے ڈنر کی تیاری کے لیے کچن میں آیا تھا اور وہیں مصروف تھا۔"

اس کی زبان سے اسپیکر فون کا حوالہ سن کر میرے تن بدن میں آگ سی لگ گئی "ڈنر گیا بھاڑ میں۔ جب تمہیں ایک بار بتا دیا گیا ہے کہ تم اجازت کے بغیر اندر نہیں آؤ گے تو تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ تم ہماری سن گن لینے کے چکر میں لگے ہوئے ہو؟"

"یہ تمہارا وہم ہے۔" اس نے نہایت سنجیدہ اور مدافعانہ لہجے میں کہا "میں تمہاری خلوت اور ہدایت کا پورا پورا احترام کرتا ہوں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ کھانا تیار کرنے، ناشتا بنانے اور کمروں کی صفائی کرنے کے لیے بھی مجھے کسی اجازت کی ضرورت ہوگی۔ یہ سب کام تو میرے فرائض کا لازمی حصہ ہیں۔ میں ہروقت اجازت لینے کے چکر میں پڑا رہا تو تمہیں کوئی چیز وقت پر نہیں مل سکے گی۔"

اس کی دلیل معقول تھی۔ اس کے باوجود میرا غصہ رفع نہ ہوسکا۔ میں نے اسی لہجے میں سوال کیا "تم کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے تھا۔ تمہیں اس تجسس میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی کہ میں اسپیکر فون پر کس سے کیا بات کررہا ہوں؟"

"میں نے کسی تجسس سے کام نہیں لیا۔" اس نے حیرانگی سے کہا "میں بہرا نہیں ہوں۔ وہ آوازیں کچن تک آرہی تھیں پھر بھی میں نے پوری باتیں نہیں سنیں۔ میرا دھیان اپنے کام کی طرف تھا۔ میں یہاں تمہارا خدمت گار ہی نہیں، معاون اور خیرخواہ بھی ہوں۔ میرے ساتھ اتنی بے اعتمادی روا رکھو گے تو تلخیاں ہی تلخیاں پھیلتی چلی جائیں گی۔"

میری بے ساختہ جھلاہٹ کا اندازہ لگا کر ویرا نے گفتگو کی ذمے داری خود سنبھال لی اور مفاہمانہ لہجے میں بولی "دیکھو مائیک! یہ بے اعتمادی کی بات نہیں ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ کب ہم گھر میں اکیلے ہیں اور کب تم بھی اندر موجود ہو۔ آخر ہم جوان ہیں اور ایک دوسرے کے بے تکلف دوست ہیں۔ تم اندر آبھی گئے تھے تو تمہیں کسی آواز یا اشارے سے ہمیں اپنی آمد سے باخبر کردینا چاہیے تھا۔ بے اعتمادی سے زیادہ یہ اخلاقیات کا معاملہ ہے۔"

ویرا کے اٹھائے ہوئے سوال نے اسے نادم کردیا "یہ میری اخلاقی غلطی تھی اور میں اس پر شرمندہ ہوں۔ آئندہ تمہیں یہ شکایت بھی نہیں ہوگی۔ میرے بارے میں جب بھی ذہن میں کوئی بدگمانی آئے تو یہ ضرور یاد رکھنا کہ باس نے تم دونوں کے بارے میں صرف تین آدمیوں کو اعتماد میں لیا ہے اور میں ان میں سب سے پہلا تھا۔"

"اب ذرا نیومیریکل ڈائریکٹری دو۔ وہ کہیں نہیں مل رہی۔" ویرا نے مسکرا کر وہ قصہ ختم کردیا۔

"وہ دوسرے کمرے میں ہے۔" مائیک نے کہا اور فرماں بردارانہ انداز میں سر جھکا کر تیزی سے ہماری خوابگاہ سے نکل گیا۔

''اس وقت تم نے بلاوجہ ہی اسے لتاڑا ہے۔ بلیک ڈیڈ کے آدمیوں کے ساتھ اتنا جارحانہ رویّہ ٹھیک نہیں ہے۔'' اس کے چلے جانے پر ویرا نے دھیمی آواز میں کہا۔

''اس کی زبان سے اسپیکر فون کا ذکر سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھے جتانے کی کوشش کررہا ہو۔'' میں نے بھی سرگوشیانہ لہجے میں کہا ''اچھا ہوا کہ تم نے بات سنبھال لی۔''

مائیک ڈائریکٹری کی کئی موٹی موٹی اور وزنی جلدیں لے کر آیا اور اس نے میز پر رکھ دیں۔

''اب میں رات کے کھانے اور باورچی خانے کی صفائی تک یہیں موجود رہوں گا۔ اس دوران میں زیادہ جذباتی ہونے کی کوشش نہ کرنا۔'' مائیک نے واپس لوٹتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور چلا گیا۔ اس کا وہ مفاہمانہ رویّہ قابل تعریف تھا۔

ویرا ڈائریکٹری کی مطلوبہ جلد سنبھال کر تیزی سے اس کی ورق گردانی کررہی تھی۔ مختلف علاقوں کے ترتیب وار چھپے ہوئے فون نمبروں کا کئی مرتبہ جائزہ لینے کے بعد اس نے مایوسانہ لہجے میں اپنی ناکامی کا اعتراف کرلیا۔

مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تحفظ اور رازداری کے رسیا ڈیوڈ اسٹارز نے اپنے سراغ کے اس ذریعے کو بھی نظرانداز نہیں کیا ہوگا مگر میں نے قبل ازوقت اس خیال کا اظہار کرکے ویرا کی دل شکنی نہیں کی تھی۔ وہ عام طور پر شاکی رہتی تھی کہ میں تاریک امکانات پر پہلے غور کرتا ہوں اور بیشتر اوقات وہی واضح ہوکر سامنے آجاتے ہیں۔

ناکامی پر ویرا نے ڈائریکٹری بے پروائی سے ایک طرف ڈال دی اور مجھ سے گویا ہوئی ''اب اس خوب صورت فتنے کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''اسے معلوم ہے کہ تم کسی تکلیف دہ اور سیلن زدہ تہ خانے میں مقیم ہو۔ اسے بتادو کہ تم اس مخدوش ماحول سے نجات پاچکی ہو اور اس سے ملنے جاسکتی ہو۔''

''فون کرنے کے بجائے کیوں نہ سیدھے اس کے گھر پہنچ جائیں۔ گاڑی موجود ہے اور تم نے اس کا گھر دیکھا ہوا ہے۔'' ویرا نے تجویز پیش کی۔

''مائیک ہمارے لیے ڈنر تیار کررہا ہے۔ فی الحال جینی کو فون کردو۔ کھانے کے بعد سوچیں گے کہ اس سے ملنا کس حد تک سودمند ثابت ہوسکتا ہے۔'' میں نے انگڑائی لے کر کہا۔

''کھانا بھی اس کے ساتھ کھایا تو وہ بندریا خوش ہوجائے گی۔'' جینی سے میرے معاملے میں حسد و رقابت کے ساتھ ویرا کو اس کی دل جوئی بھی عزیز تھی ''مائیک کا بنایا ہوا کھانا پھر کسی وقت کام آجائے گا۔ یہاں ویسے بھی گھروں میں ہروقت تازہ کھانا تیار کرنے کا رواج نہیں ہے۔ ہر ڈش تھوک کے حساب سے تیار کرکے ڈیپ فریز کردی جاتی ہے اور پھر مائیکرو ویو اوون کے ذریعے تازہ کرکے ہفتوں کھائی جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بینکسٹر کے جمائے ہوئے کھانے گرم کررہا ہو۔''

''دیکھ لو کہ وہ گھر پر ہی ہے یا کہیں آوارہ گردی کے لیے نکلی ہوئی ہے۔'' میں نے مشورہ دیا۔

فون پر گفتگو کا آغاز ہوتے ہی میں نے اندازہ لگا لیا کہ جینی گھر پر موجود تھی۔ ویرا کو باتوں میں مصروف چھوڑ کر میں کچن کی طرف ہولیا۔ میری دانست میں یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ جینی اپنی کسی مصروفیت کی بنا پر ویرا جیسی پرانی سہیلی سے ملاقات کا وہ موقع گنوادیتی۔

''ہماری طرف سے تمہیں آزادی ہے۔'' میں نے باورچی خانے میں پہنچ کر مائیک کو خوش خبری سنائی ''ہم آج کا کھانا باہر کھائیں گے۔ چاہو تو تم بھی دو تین گھنٹوں کے لیے آوارہ گردی کے لیے نکل سکتے ہو۔''

اس اطلاع پر مائیک نے فوراً ہی چولھے کا برنر بند کردیا۔ ''شاید تم دلوں میں بھی جھانک سکتے ہو۔ نہ جانے کیوں مجھے اپنی گرل فرینڈ یاد آرہی تھی۔'' مجھ سے بات کرتے ہوئے اس کے ہاتھ تیزی سے سامان سمیٹنے میں مصروف تھے ''مجھے واپسی میں دیر سویر ہوجائے تو فکر مت کرنا۔ دروازہ اندر سے بولٹ کرکے سوجانا۔ بس صبح تمہیں میرے لیے بولٹ گرانے ہوں گے۔''

میں نے بھی مائیک کا ہاتھ بٹانا شروع کردیا۔ میرے لیے یہ اچھی خبر تھی کہ ہمارے ساتھ وہ بھی گھر سے باہر جارہا تھا اور مجھے ٹیلی فون لائن سے سی ایس ڈی الگ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

تھوڑی دیر پہلے کی تلخ کلامی کے بعد میرے معاون رویّے نے مائیک کے دل سے رہی سہی کدورت بھی ختم کردی۔ وہ کچن سے فارغ ہوکر سیدھا اپنے کوارٹر کی طرف چل دیا۔

میں واپس لوٹا تو ویرا کے مذاکرات بدستور جاری تھے۔ وہ جینی سے ہنس ہنس کر باتیں کررہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے کہا ''تمہارا وہ من موہنا بھی منڈلاتا ہوا آگیا ہے۔ میں کوشش کروں گی کہ اسے بھی اپنے ساتھ لے کر آؤں۔ اس کی وجہ سے مجھے تمہارے گھر پہنچنے میں آسانی رہے گی۔ وہ آجائے تو اس سے باقی باتیں تم خود کرلینا۔''

میں ایک گہرا سانس لے کر اپنا سر جھٹکتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس وقت ویرا کی وہ منافقت مجھے زہر محسوس ہوئی تھی۔

وہ جینی کو ایک مرتبہ پھر میرے سر پر سوار ہونے کی ڈھیل دے رہی تھی جب کہ وہ میرے اور جینی کے میل جول میں کسی بھی قسم کی گرم جوشی پر کھل کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر چکی تھی۔ اسے علم نہیں تھا کہ پاکستان بھیجے جانے والے پرزوں کی نقل و حمل کی تفصیل حاصل کرتے ہوئے، جینی کے گھر میں میرے اور اس کے مراسم کن حدوں کو چھو چکے تھے۔

ویرا اسے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی تھی جبکہ جینی کو میرے ذریعے اس کے تنگ دلانہ خیالات سے پہلے ہی واقفیت ہو چکی تھی۔ مجھے امید تھی کہ اس سہ فریقی ملاقات کے نتیجے میں ہم تینوں کے درمیان کوئی کشیدگی پیدا نہیں ہوگی۔

مائیک کو اپنی گرل فرینڈ سے ملنے کی ایسی عجلت تھی کہ وہ گیراج سے گاڑی باہر نکال کر ہم سے پہلے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

سی ایس ڈی کو میں نے پہلے ہی اس طرح نصب کیا تھا کہ اسے آسانی سے دیکھنا یا تلاش کرنا ممکن نہیں تھا۔ چلنے سے پہلے اس پر ایک نگاہ ڈال کر میں نے کمرے کی روشنیاں گل کیں اور باہر آ گیا۔ گاڑی کی چابی اگنیشن میں موجود تھی۔ احاطے کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ وہاں یہ دھڑکا نہیں تھا کہ مکینوں کی کسی غفلت کی وجہ سے کوئی گاڑی اڑا لے جائے گا۔

مجھے مین ہٹن سے زیرِ آب سرنگ کے ذریعے کوئنز میں داخل ہونے کے بعد جینی کے گھر کا راستہ یاد تھا جو میں نے ایک ٹیکسی میں طے کیا تھا لیکن اپنی قیام گاہ سے وہاں تک کے راستے اور فاصلے کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ میرے جانے بوجھے مقام تک رہنمائی کی ذمے داری ویرا نے اپنے سر لے لی تھی۔ میں اس کے بتائے ہوئے خوب صورت اور کشادہ راستوں پر نیویارک کی متمول اور اوسط درجے کی آبادیوں کے درمیان کافی دیر تک ڈرائیونگ کرتا رہا۔

طویل اور پُرپیچ راستوں سے گزرنے کے بعد ویرا نے آخر کار مجھے اس جانی بوجھی شاہراہ پر پہنچا دیا جہاں بلیک ڈیڈ نے آئزک بیل پر ناکام قاتلانہ حملہ کیا تھا۔

اس وقت ہم کوئنز ڈاؤن ٹاؤن ایکسپریس وے پر مین ہٹن کی طرف سفر کر رہے تھے۔ مقررہ جنکشن آتے ہی میں نے گاڑی داہنی طرف لی اور ذرا سی دیر بعد ہم جینی کے گھر پہنچ گئے۔

وہ ویرا سے جینی کی پہلی ملاقات تھی۔ جینی گرم جوشی سے اس سے بغل گیر ہو گئی۔ میں ویرا کے پیچھے تھا۔ جینی اس سے گلے ملتے ہوئے مجھے آنکھوں سے عجیب و غریب اشارے کرتی رہی۔ میرے پاس ایک دل فریب مسکراہٹ کے سوا اس کے اشاروں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

ویرا سے فارغ ہو کر جینی میری طرف لپکی تو میرے اوسان خطا ہو گئے۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے بھی ویرا جیسا سلوک ہی کرے گی مگر غنیمت ہوا اس نے مجھ سے ایک طویل مصافحے پر ہی اکتفا کیا اور پھر ہمیں ساتھ لے کر گھر میں داخل ہو گئی۔

ویرا اور جینی میں بظاہر زیادہ فرق نہیں تھا۔ دونوں جوان، خوب صورت، لاابالی اور غیر شادی شدہ تھیں مگر ویرا کی زندگی کا ڈھب کچھ عجیب ہی تھا۔ وہ گھرداری اور گھر سے ہمیشہ دور بلکہ نالاں سی رہی تھی۔ جینی کے پُرتعیش اور آراستہ مکان کو دیکھ کر وہ بے ساختہ تعریفیں کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"اتنا بھرا پرا اور آراستہ مکان بنایا ہے تم نے۔ کسی چیز پر گرد و غبار کا نام و نشان تک نہیں ہے۔"

"یہ میرا نہیں، میری ہاؤس کیپر کا کمال ہے۔ نفاست اس کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔" جینی نے فخریہ ہنسی کے ساتھ بتایا۔

"تو کیا وہ تمہارے ساتھ ہی رہتی ہے؟" ویرا نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں، اس کے پاس گھر کی چابی رہتی ہے۔ میرے دفتر جانے کے بعد آتی تھی اور اپنا کام کر کے چلی جاتی تھی۔ اب دو روز سے میں گھر میں ہی ہوں تو اس سے ملاقات ہو رہی ہے۔"

"اس چھوٹے سے خوابوں کے جزیرے میں وہ اپنے بوائے فرینڈ کو ضرور لاتی رہی ہوگی؟"

"لاتی رہے۔" جینی شانے اچکا کر مترنم آواز میں ہنسی۔ "اگر وہ چور نہیں ہے اور ان دونوں کی وجہ سے میرے گھر کی کسی چیز کو نقصان نہیں پہنچتا تو میرا کیا حرج ہے۔ اچھا ہے ان کا ہوٹل کا خرچ بچ جاتا ہے۔ اس گھر میں پچھلی ایک رات میں نے جس خوف اور کرب میں گزاری ہے، اس وقت

تمہارے ساتھ مجھے وہ بھی یاد آرہی تھی۔ خوف کے عالم میں تنہائی انسان کو ڈسنے لگتی ہے۔" وہ ایک جھرجھری لے کر خاموش ہوگئی۔

"سوری جینی!" ویرا مربیانہ انداز میں اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی "میری اپنی مجبوریاں تھیں۔ وہ رات ہم سب کے لیے ایک ڈراؤنے خواب کی طرح تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کا انجام اچھا ثابت ہوا۔ نتائج مختلف ہوتے تو اس وقت بھی ہم اسی عذاب سے دوچار ہوتے۔"

ویرا نے مکان کی تعریف کر کے جینی کا دل بڑھا دیا تھا۔ وہ اسے ساتھ لے کر گھر کا ایک ایک کونا دکھاتی پھر رہی تھی۔ اس دوران میں ان کی باتیں بھی جاری تھیں۔

میرے لیے وہ مکان اور اس کی مکین اچھی طرح دیکھی بھالی تھی۔ اس سیر میں میرے لیے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر سگریٹ سلگالی۔

ویرا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں واپس آتے ہی جینی والہانہ انداز میں براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوگئی "تم نے روزی کو بہت پریشان کیا ہوا ہے۔ کبھی اسے مشکل حالات میں چھوڑ کر بھاگ جاتے ہو اور کبھی کئی کئی دن اس کی خبر نہیں لیتے۔"

ہم تینوں کے درمیان ناموں کا بھی ایک عجیب گورکھ دھندا چلا ہوا تھا۔ وہ دونوں عورتیں ایک دوسرے کی پرانا شناسا اور مزاج آشنا تھیں لیکن ویرا نے مجھے اسلم خان عرف رمضان بنا کر اس سے ملاقات کے لیے بھیجا تھا اور جینی کے سامنے میری زبان سے روزی ہی کہلوانا پسند کرتی تھی۔ اس پیچ در پیچ جھوٹ سے ویرا کا مقصد صرف اتنا تھا کہ وہ نیویارک میں میرے ساتھ اپنی موجودگی کو خفیہ رکھنا چاہتی تھی مگر جینی اس کے اندازوں سے کہیں زیادہ چالاک تھی۔

رنگسن کے دفتر میں اس سے ہونے والی میری پہلی ملاقات خاصی مختصر تھی لیکن وہ اسی لمحے سے مجھ پر مائل بہ کرم ہونے لگی تھی پھر اس نے رنگسن کے ذریعے پاکستان بھیجے جانے والے ایٹمی پلانٹ کے پرزوں کی نقل و حرکت کی اطلاعات دینے کے بہانے مجھے اپنے گھر بلایا تو بے تکلفانہ خلوت میں اس نے پورے وثوق سے دعویٰ کردیا کہ میں ڈینی ہی تھا۔

جینی نے میرے لیے انکار کی گنجائش چھوڑی تھی نہ وہ اقرار کا موقع تھا۔ ہمارے درمیان یہ مفاہمت ضرور ہوگئی تھی کہ ویرا کے سامنے جینی مجھے وہی سمجھتی رہے گی جو ویرا اسے سمجھانا چاہتی تھی۔

"تم روزی کی پرانی سہیلی ہو۔ یہ بات مجھ سے زیادہ جانتی ہوگی کہ روزی مردوں کو اپنے پاس بلانے اور پھر بھگانے کے فن میں یگانۂ روزگار ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جب آدمی کی جان پر بن جائے تو اس کے عشق و محبت کے سارے دعوے پانی کے بلبلوں کی طرح بیٹھ جاتے ہیں۔"

میرے جواب پر جینی نے دل کھول کر قہقہہ لگایا "تم عجیب مرد ہو کہ اتنی ڈھٹائی سے اپنی بزدلی کا اعتراف کر رہے ہو۔ اس تہ خانے میں ویرا نے بھی وہ پوری رات گزاری ہی تھی۔"

"میں ایسی مردانگی کو دور ہی سے سات سلام کرتا ہوں جس میں ناحق موت کا خطرہ ہو۔ روزی کے پیچھے لگے ہوئے قاتلوں اور خونیوں کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ میں ایک عورت کو مارتے ہیں یا اس کے دوست کو بھی پیوندِ زمین کردیتے ہیں۔"

"تم جو کچھ بھی ہو، آدمی دلچسپ ہو۔" مجھ سے کہتے کہتے وہ اچانک ویرا کی طرف متوجہ ہو کر بولی "مجھے اس کی ان ہی باتوں پر پیار آتا ہے لیکن یہ بات بات پر بھڑکنے لگتا ہے۔"

ویرا نے جینی سے نظریں بچا کر مجھے گھورا پھر بے چینی سے پہلو بدل کر بولی "یہ اتنا بونگا بھی نہیں ہے۔ تم نے بلاوجہ اس کی تعریفیں کر کر کے اسے سر چڑھالیا ہے اس لیے یہ اس وقت کچھ زیادہ ہی بن رہا ہے۔ پچھلی بار تو یہ بہت دیر تک تمہارے ساتھ رہا تھا اور رات گئے جھومتا جھامتا واپس پہنچا تھا۔"

"یہ راستے میں کسی شراب خانے میں گھس گیا ہوگا۔ یہاں سے تو بالکل ٹھیک ٹھاک نکلا تھا۔" جینی نے مسکرا کر کہا "اچھا ہوا کہ تم اسے اپنے ساتھ لے آئیں۔ تھوڑی دیر کے لیے کمرے میں بند کر کے پوچھ گچھ کروں گی تو اس کی ساری قلعی کھل جائے گی۔"

مجھے نظر آرہا تھا کہ گفتگو کا وہ رخ ویرا کے لیے تکلیف دہ ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی کھوپڑی پر قابو پانے کے بجائے فوراً ہی موضوع بدل دیا "جینی! اب کھانے کا بندوبست کرو۔ یہ فضول باتیں بعد میں بھی ہوسکتی ہیں۔ بھوک سے میرا دم نکل رہا ہے۔"

جینی نے ایک مرتبہ پھر قہقہہ لگایا۔ ہم لوگوں سے مل کر وہ بات بات پر کھلی پڑ رہی تھی۔ ہنسی تھمنے پر اس نے ویرا سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ایک مدت تک امریکا سے باہر رہنے کے بعد تم یہاں کے سارے ادب آداب بھول گئی ہو۔ یہاں ہر مہمان خود ہی اپنا میزبان ہوتا ہے۔ میں کیا بندوبست کروں گی۔ دونوں میرے ساتھ کچن میں آجاؤ اور اپنی پسند کی چیزیں نکال کر خود ہی گرم کرلو۔ زبردست ڈنر کا مزہ آجائے گا۔ میرا فرج اور ڈیپ فریزر بھانت بھانت کی ڈشوں سے بھرا ہوا ہے۔"

"تم برف جھاڑ پونچھ کر دو چار ڈشیں پہچان کے قابل بناؤ۔ ہم آتے ہیں۔"

"یوں کہو کہ اپنے دوست کے ساتھ تخلیہ چاہتی ہو۔" جینی نے ویرا کے فقروں میں چھپا ہوا مفہوم خوش دلی سے دہرایا اور اپنی بھری بھری کمر کو لچکیلے بل دیتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

"اس کے سامنے اس قدر احمق اور بودے بننے کی کوشش مت کرو کہ وہ تمہیں تل کر کھانے کا پروگرام بنانے پر مجبور ہوجائے۔" جینی کے جاتے ہی ویرا دانت پیس کر سرگوشیانہ لہجے میں غرائی "اوباش لڑکیاں ایسے نکتے اور ڈرپوک مردوں پر جان دیتی

ہیں۔

”اب تبدیلی مشکل ہے ڈارلنگ!“ میں نے ویرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ”پچھلی دو ملاقاتوں میں مَیں نے اسی تدبیر سے خود کو اس کی زد سے بچایا تھا۔ اب میں نے پٹڑی بدلنے کی کوشش کی تو وہ بدگمانی میں مبتلا ہو جائے گی کہ تم نے تخلیے میں مجھے کوئی پٹی پڑھائی ہے۔“

”میں یہ سب نہیں جانتی!“ یہ کہتے ہوئے وہ صوفے سے اٹھ گئی ”بس تمہیں اتنا بتانا چاہتی ہوں کہ یہاں میری مرضی کے خلاف کوئی واقعہ رونما ہوا تو میں تمہارا حشر خراب کردوں گی۔“

”تمہارے ساتھ رہ کر میرا حشر ویسے بھی کچھ بہتر نہیں ہے۔“ میں ایک گہرا سانس لے کر اُس کے پیچھے کچن کی طرف چل پڑا۔

تن آسان اور قدرے فربہی مائل جینی نے کچن میں اشیائے خورونوش کی واقعی کافی ذخیرہ اندوزی کی ہوئی تھی۔ ہم تینوں نے مل جل کر دوستانہ فضا میں ڈشیں گرم کیں۔ عمدہ قسم کی وائن کے ساتھ روکھے پھیکے مغربی کھانوں سے اچھی طرح شکم سیر کیا پھر سیاہ کافی کا مگ تیار ہوتے ہی ہم کچن سے باہر نکل آئے۔ اس بار ویرا کا رخ جینی کی اسٹڈی کی طرف تھا۔

”تمہاری اسٹڈی میں کمپیوٹر کے ساتھ کچھ زیادہ ہی ڈبے وغیرہ نظر آرہے ہیں۔“ ویرا نے وہاں رک کر کچھ سوچتے ہوئے تبصرہ کیا۔

”یہ میرا پیشہ‘ شوق اور وقت گزاری کا بہترین مشغلہ ہے۔ بازار میں آنے والی ہر نئی چیز میں اس میں شامل کرلیتی ہوں۔ اس سسٹم کی قدر کمپیوٹر کا کوئی شوقین ہی کر سکتا ہے۔“

”اور یہ رنگنس والوں کے کمپیوٹر سے بھی ملا ہوا ہے۔“ میں نے بات بڑھانے کے لیے ٹکڑا لگایا۔

ویرا کی استفسار طلب نگاہیں روزی کی طرف اٹھیں اور وہ فخریہ لہجے میں بتانے لگی ”یہاں بیٹھ کر میں ہر وہ کام کرسکتی ہوں جو اپنی کمپنی کے دفتر میں کرتی تھی۔“

ویرا کمپیوٹر کی کارکردگی کے بارے میں زیادہ باخبر نہیں تھی۔ اس نے حیرت سے پوچھا ”رنگنس کا سارا ریکارڈ تم یہاں بیٹھے بیٹھے دیکھ سکتی ہو؟“

”اسی کی مدد سے میں نے پرنسٹن کے خفیہ گودام کی نشان دہی کی تھی۔ بس آئزک کا انتہائی نجی نوعیت کا وہ ریکارڈ جس کے لیے خاص پاس ورڈ ضروری ہوتا ہے‘ میری رسائی سے باہر ہے۔“

وہاں آنے سے پہلے ہم نے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ بس ایک اخلاقی ذمے داری تھی جسے نبھانے کے لیے ہم جینی کے پاس چلے آئے تھے لیکن ان باتوں کے درمیان ہی مجھے بلیک ڈیڈ کے دیئے ہوئے وہ چار نام یاد آئے جن کا مزید سراغ ملنا دشوار ہو رہا تھا۔

میں نے جیب سے وہ رقعہ نکال کر جینی کی طرف بڑھا دیا ”ان میں سے کوئی نام تمہارے ریکارڈ پر ہوگا؟“

--ی نے نا ک بھوں پر زور دے کر اپنا سر نفی میں ہلا دیا ”سچے سے کمپیوٹر پر ہزاروں فائلوں کا ریکارڈ ہوتا ہے۔ میرے لیے ان سب کا یاد رکھنا ناممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نام کہیں مل جائیں۔ یہ پرچہ تمہیں کہاں سے ملا ہے؟ ناموں سے تو یہ چاروں ہی یہودی معلوم ہوتے ہیں۔“

”یہ آئزک بیل کے چار قریب ترین ساتھی ہیں۔“ مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی ”تمہارا باس مجرم ثابت ہوا تو اس کے یہ چاروں ساتھی بھی مجرم ہوسکتے ہیں۔“

اس کی شوخ اور زندگی سے بھرپور آنکھوں میں یکایک بے رونقی سی اتر آئی اور وہ ویرا کو گھورنے لگی۔

”کیا بات ہے؟ مجھے اس طرح کیوں گھور رہی ہو؟“ ویرا نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ پوچھا۔

”ایک بات پوچھوں؟ سچ سچ جواب دوگی؟“ جینی نے سرد اور سنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔

”پوری کوشش کروں گی۔ تمہارے چہرے کی بدلی ہوئی کیفیت سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم کوئی بہت اہم سوال کرنا چاہ رہی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ میرے پاس اس کا جواب موجود نہ ہو۔“

”تم سے اچانک ملاقات کی خوشی میں وہ سوال میرے ذہن سے پھسل گیا تھا۔ کیا میں اسلم کی موجودگی میں تم سے کھل کر بات کرسکتی ہوں؟“ جینی نے مجھ پر نگاہ ڈال کر ویرا سے پوچھا ”مجھے یقین ہے کہ میرے اس سوال کا جواب تمہارے سوا کوئی نہیں دے سکے گا۔“

”برے بھلے وقت میں میرے ساتھ دوڑ لگا کر اسلم بہت کچھ جان چکا ہے اور میں اس پر اعتماد کرنے لگی ہوں۔ ایسا نہ ہوتا تو اسے اپنا نمائندہ بنا کر تمہارے پاس نہ بھیجتی۔“

”پرنسٹن سے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کا ایک انسپکٹر ابھی تک لاپتا ہے۔ وہ تمہاری دلچسپی کے پرزوں کا معائنہ کرنے وہاں گیا تھا۔ پھر کہیں نہیں دیکھا گیا۔ وہ کہاں ہے؟“

”وہ انسپکٹر نہیں‘ تخریب کار تھا۔“ ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی ”رنگے ہاتھوں پکڑا اور پھر مارا گیا۔ اس کی لاش ایک متروک کنوئیں کی تہ میں محفوظ ہے۔“

”میرا دل یہ کہہ رہا تھا کہ ولسن کی پُراسرار گمشدگی میں میرا کوئی نہ کوئی کردار ضرور ہے۔ وہ جس گودام کے چکر میں غائب ہوا‘ اس کا پتا میں نے ہی اسلم کو فراہم کیا تھا۔“

”کیا تمہیں اس کی موت پر افسوس ہے؟“ ویرا نے ذرا تیکھے لہجے میں پوچھا۔

”میرے لیے وہ ایک اجنبی ہے۔ روز اخبارات میں بہت سے لوگوں کے مرنے اور گم ہونے کی خبریں آتی ہیں۔ ان پر میں دھیان بھی نہیں دیتی۔ اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں ایک قتل میں شریک ہو چکی ہوں۔ اس پر مجھے ندامت ہے نہ افسوس مگر احساس پیدا ہو چکا ہے۔“

"کسی بھی انسان کی اچھائی یا برائی سے قطع نظر' اس کا قتل محسوس کیا جانا چاہیے.... بالکل اسی طرح جیسے میں آج بھی رہ رہ کر اپنے باپ کے قتل کے کچوکے محسوس کرتی ہوں...."

"میں یہی پوچھنا چاہ رہی تھی۔" جینی اس کی بات کاٹ کر بول پڑی "تم اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کے لیے امریکا واپس آئی تھیں۔ کم از کم مجھ سے تم نے یہی کہا تھا۔ آئزک قید ہوگیا۔ اب تم دوسرے بکھیڑوں میں الجھ کر اپنا مستقبل کیوں داؤ پر لگا رہی ہو۔"

"میرے باپ کا لہو وائٹ ہاؤس کی ایک روش پر بہا تھا۔ جب تک اس کے قاتل کا خون کسی گندی نالی میں نہیں بہتا' میں اس کے حلیفوں اور مددگاروں کو ذبح کرتی رہوں گی؟"

"یہ چار نام بھی تم اسی لیے اپنے ساتھ لیے پھر رہی ہو؟" جینی نے میرا دیا ہوا رقعہ چٹکی میں دبا کر ویرا کے چہرے کے سامنے لہرایا۔

"ان کے کردار کا تعین ہونے پر ہی میں کوئی فیصلہ کر سکوں گی۔" جینی کے موڈ کا اندازہ لگا کر ویرا نے بہت خوب صورتی سے بات گھما دی۔ میں نے بھی بھانپ لیا تھا کہ ناگزیر ضرورت سے زیادہ خوں ریزی جینی کے سلجھے ہوئے مزاج سے ذرا بھی ہم آہنگ نہیں تھی۔ گمشدہ ولسن کا خیال آتے ہی اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

"کردار کا تعین تو تم کر ہی چکی ہو۔" جینی نے اپنی کمپیوٹر ڈیسک کے سامنے پڑی ہوئی کرسی سنبھالتے ہوئے کہا "تم نے تھوڑی دیر پہلے ان چاروں کو آئزک کے قریب ترین ساتھی قرار دیا تھا۔"

ہلکے پھلکے تفریحی انداز میں شروع ہونے والی اس ملاقات نے یک بہ یک سنجیدہ بلکہ خطرناک رخ اختیار کر لیا تھا۔ ہم دونوں نے بھی اسٹڈی میں پڑی ہوئی کرسیاں سنبھال لیں۔

"قریب ترین ساتھی ہونا کوئی جرم نہیں ہوگا۔ دیکھا جائے تو رنگس کے سارے ملازمین اصولی طور پر آئزک کے جرائم میں شریک تھے۔ بڑے عہدے پر ہونے کی وجہ سے تمہاری شراکت کو زیادہ سنگین کہا جا سکتا ہے مگر میں نے رنگس کے ملازمین کا قتل عام نہیں کیا۔ تم بدستور میری دوست ہو اور میں اس وقت تمہاری مہمان ہوں۔ کسی کے کردار کا تعین اس کی حیثیت سے نہیں' اس کے عمل سے ہوتا ہے۔ ان چاروں کا سراغ لگا کر اور چھان بین کر کے ہی کوئی رائے قائم کی جا سکے گی۔"

"تم ان چاروں کو اندھا دھند اپنے انتقام کا نشانہ نہیں بناؤ گی؟" للی برنارڈ عرف جینی نے سخت اور تائید طلب لہجے میں ویرا سے سوال کیا۔ اس کی سنجیدگی اس وقت بھی برقرار تھی۔

ویرا فراخ دلی سے مسکرائی۔ اس کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں کے پیچھے موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے دانتوں کی قطاریں اس وقت مجھے غراتے ہوئے کسی مکار بھیڑیے کی یاد دلا رہی تھیں۔ اس نے اپنی کرسی جینی کے قریب کھسکا کر اپنائیت سے لبریز لہجے میں کہا "ہرگز نہیں... تم بلاوجہ وسوسوں میں پڑ رہی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں نام تمہارے لیے نئے نہیں ہیں۔"

"مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ان میں سے جارج شلز کا نام میں نے کہیں سنا یا پڑھا ہوا ہے۔" وہ ویرا کی بات پر یقین کر کے پُرخیال آواز میں بولی "باقی تین نام نئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کمپیوٹر ریکارڈ میں چاروں ہی نام مل جائیں۔"

"تمہیں پتا ہے کہ آئزک نے ہارلم میں دیدہ و دانستہ خوں ریز نسلی فسادات کی آگ بھڑکائی تھی۔ اس کا حریف ان چاروں کی تلاش میں ہے۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ یہ نام ہمارے ہاتھ لگ گئے۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ یہ کون ہیں اور یہاں کیا کرتے پھر رہے ہیں۔"

"نام سے چاروں یہودی معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یہ ڈیوڈ اسٹارز ہیں تو ان کے بارے میں تفصیل آئزک کے خفیہ ریکارڈ پر ہوگی۔ وہ میری پہنچ سے باہر ہے۔" اس نے کافی کا ایک گھونٹ لے کر خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"ضروری نہیں کہ ہر یہودی ڈیوڈ اسٹار ہو یا ہر ڈیوڈ اسٹار اتنا اہم ہو کہ اس کے بارے میں کہیں سے کوئی معلومات نہ مل سکیں۔" ویرا نے اضطراری انداز میں کہا "تم کوشش کر کے دیکھ لو۔ جارج شلز کا نام تمہیں جانا پہچانا معلوم ہوا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا۔ شاید کام بن جائے۔"

جینی نے کافی کا مگ خالی کر کے ڈیسک کے سرے پر رکھا اور ایک ڈبے پر لگا ہوا بٹن دبا کر مانیٹر کی رنگین اسکرین روشن کر دی جس پر تیزی سے حروف' ہندسے اور عبارتیں نمودار اور غائب ہونے لگیں۔ وہ ایک مختصر مگر صبر آزما مرحلہ تھا۔

اپنے کی بورڈ کے کمانڈ سسٹم کے ذریعے وہ ذرا سی دیر میں رنگس انکارپوریٹڈ کے ریکارڈ میں گھس چکی تھی۔ اس کی بڑی بڑی پُرکشش آنکھیں اسکرین پر مرکوز تھیں۔ انگلیاں رک رک کر بہت تیزی سے کی بورڈ پر چل رہی تھیں۔ عبارات اتنی تیزی سے تبدیل

ہو رہی تھیں کہ میرے لیے انہیں پڑھنا دشوار تھا لیکن جینی پیشہ ورانہ انداز میں سب کچھ دیکھ اور سمجھ کر آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ سب اتنا سحر انگیز تھا کہ میں نے بھی اپنی کرسی جینی کے قریب کرلی۔ بہت کچھ نہ سمجھنے کے باوجود وہ کھیل دیکھنا مجھے اچھا لگ رہا تھا۔

معلومات کا ایک جنگل تھا جو جینی کے سامنے رکھی ہوئی چھوٹی سی مشین میں خودکار طریقے سے ایک ترتیب اور تسلسل کے ساتھ موجود تھا۔ شاید ہزاروں کاغذ اور سیکڑوں فائلیں کھنگال کر گھنٹوں یا دنوں کی مدت میں اتنی زیادہ تفصیلات کا مشاہدہ کرنا ناممکن تھا۔

آخر وہ رنگس کے سالانہ ڈنر کی تقریب کے مدعوئین کی فہرست پر پہنچ گئی۔ اے سے شروع ہونے والے ناموں کی طویل فہرست اوپر سرکنے لگی پھر بی شروع ہوگیا۔ بنجمن فورٹ کا نام کہیں نہیں تھا لیکن جارج شلز کا نام آتے ہی جینی نے فہرست اسکرین پر منجمد کردی۔

بے اختیار خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ جینی نے تعارف کی ابتدا سے اس لمحے تک ہمیں کسی مرحلے پر مایوس نہیں کیا تھا۔

"یہ ہے وہ نام جو میں نے چند ہفتوں پہلے دیکھا ہوگا۔" جینی اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر تھکے ہوئے انداز میں کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گئی "یہ بروکلین میں رہتا ہے۔ میں جس حد تک اس علاقے سے واقف ہوں، اس کا پتا کسی ممتاز رہائشی علاقے کا نہیں ہے۔ یہ شاید بروکلین کے چھوٹے مکان ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں صرف نام کی مماثلت نہ ہو۔ تمہارا مطلوبہ آدمی کوئی اور ہو۔"

"فہرست میں دوسرے دو نام بھی دیکھ ڈالو۔ شاید وہ بھی مل جائیں۔ تین نام رنگس کے ریکارڈ میں یکجا ہوں تو یہ شبہ نہیں رہے گا کہ ہم غلطی کر رہے ہیں۔" میں نے مشورہ دیا۔

اسکرین پر نام دوبارہ پھسلنے شروع ہوگئے۔ وہ دو سو اسّی ناموں کی فہرست تھی مگر اس میں جارج شلز کے سوا ہمارا کوئی اور مطلوبہ نام نہیں تھا۔

جینی فہرست کو الٹا چلا کر دوبارہ جارج شلز کا نام اسکرین پر لے آئی۔ وہ چاہتی تو اس پوری فہرست کا پرنٹ نکال سکتی تھی مگر وہ خودکار طریقے پر ریکارڈ ہو جاتا۔ رنگس کو سیل کردیا گیا تھا پھر بھی یہ ڈر تھا کہ کسی وقت حکام اس کے کمپیوٹر ریکارڈز کی چھان بین کرکے یہ سراغ لگا لیتے کہ جینی نے کمپنی بند ہونے کے بعد پھر اس کی کوئی فہرست نکالی تھی تو وہ غیر ضروری بازپرس کا شکار ہو سکتی تھی۔

امید و بیم کے عالم میں، میں نے جارج شلز کا پتا نوٹ کرلیا۔ دیگر مدعوئین کے برعکس ریکارڈ میں جارج کا کوئی فون نمبر درج نہیں کیا گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ مشقت اب ختم ہوجانی چاہیے۔" جینی نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی "تیزی دکھانے کے چکر میں میری آنکھیں تھک گئی ہیں۔"

جینی نے اپنا کمپیوٹر بند کیا اور ہم تینوں ڈرائنگ روم میں اٹھ آئے۔

میں نے برونکس سے روانہ ہوتے ہوئے یہ فرض کرلیا تھا کہ ملاقات کی ابتدا مے نوشی کی محفل میں بے تکلفانہ گپ شپ سے ہوگی جس کے بعد کھانے کا نمبر آئے گا لیکن جینی کی میری ذات میں بڑھتی ہوئی دلچسپی نے ویرا کو فوراً کھانے کا مطالبہ کرنے پر مجبور کردیا۔ یوں جینی کے گھر میں ہونے والی کھانے کی دعوت روایتی ڈنر میں تبدیل نہیں ہوسکی۔

یہ اچھا ہی ہوا کہ جینی نے بھی ویرا کی نام نہاد بھوک کے احترام میں مے نوشی کی دعوت نہیں دی۔ معدے سیراب ہوتے تو ہم میں سے کسی کے مزاج میں وہ سنجیدگی باقی نہیں رہ سکتی تھی جو ولسن کے بارے میں جینی کے پہلے سوال کے بعد سے ہی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

دوستانہ محفل کا مزہ کھلے دل کے ساتھ مل بیٹھنے میں ہی آتا ہے۔ بوجھل بوجھل سی فضا میں کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ جارج شلز کے سراغ کے بارے میں ہم میں سے کوئی زیادہ پُر امید نہیں تھا اس لیے ہم ڈھنگ سے جینی کا شکریہ تک ادا نہیں کرسکے۔ ویرا نے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا تو جینی نے اسے رسماً بھی رکنے کے لیے نہیں کہا اور بیرونی دروازے تک ہماری رہنمائی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس رات کا پروگرام جس امنگ اور جوش کے ساتھ بنایا گیا تھا، وہ کافور ہوچکی تھی۔ ہم قدرے سرد مہری کے انداز میں وہاں سے واپس روانہ ہوگئے۔

"تم نے اپنی حماقتوں سے آج کی شام تباہ کرڈالی۔" ویرا چند منٹ سے زیادہ خاموش نہ رہ سکی اور مجھ پر برس پڑی "اگر تم اسے اپنی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ دیتے تو میرا موڈ خوشگوار رہتا۔"

"تمہیں اکیلا آنا چاہیے تھا، مجھے ساتھ لے آئی تھیں تو تھوڑی سی برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔ اس بربادی کی پوری ذمے داری تم پر آتی ہے۔ تم اسے ناراض کرکے آئی ہو۔"

"میں خود ہی اسے منالوں گی۔ تم اس کی دل جوئی کی کوشش شروع نہ کردینا۔" ویرا نے زہریلے لہجے میں کہا "بی جمالو کی طرح بھس میں چنگاری ڈال کر تماشا دیکھ رہے تھے۔ تم نے اس کے روٹھنے کا اندازہ لگالیا تھا تو وہیں برف پگھلانے کی کوئی کوشش کیوں نہیں کی۔"

"ویرا خانم! میرے سر پر اتنے بال نہیں ہیں۔ میں اسے منانے کی کوشش کرتا تو وہ تمہاری بدتمیزی کا جواب دینے کے لیے مجھ پر پہلے سے زیادہ مہربان ہوجاتی اور تم اسے بھول کر میرے خون کی پیاسی ہوجاتیں۔ جو ہوا، ٹھیک ہی ہوا ہے۔ تم کو تمہاری سہیلی مبارک ہو۔ مجھے موٹی لڑکیاں ویسے بھی ناپسند ہیں۔"

"وہ موٹی ہرگز نہیں ہے۔ قد کے لحاظ سے اس کا جسم بہت مناسب اور متناسب ہے۔"

"تم جیسی دو چار خوشامدی سہیلیوں کی آرا نے ہی اسے برے دنوں میں سان فرانسسکو کی راہ دکھائی ہوگی۔ مردوں کے مقابلے میں وہ عورتوں کے لیے ضرور مناسب ہو سکتی ہے۔"

"ڈیئی! اس کے بارے میں زیادہ بدتمیزی کی تو میں ہاتھ چھوڑ بیٹھوں گی۔ وہ اس وقت روٹھ گئی ہے تو کیا ہوا؟ وہ اب بھی میری بہترین سہیلی ہے۔"

"وہ تمہاری دوست ہے اس لیے اُس کی غیبتیں کرنا صرف تمہارا حق ہے۔ میں اس پر کوئی جائز تنقید بھی نہیں کر سکتا' خوب منطق ہے تمہاری۔"

ویرا غصے یا حسد میں وہاں جو کچھ کر آئی تھی' اس پر اندر ہی اندر پشیمان تھی۔ میں کچھ دیر تک اسے سلگا کر لطف اندوز کرتا رہا پھر نہ جانے کس طرح جینی کے کمپیوٹر کی بات نکل آئی اور یوں موضوع سخن جارج شلز کی طرف منتقل ہو گیا۔

"میں اس نام اور پتے سے بالکل ہی ناامید نہیں ہوں۔" میں نے کہا "یہ صرف نام کی مشابہت نہیں ہے۔ اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ یہ پتا ہمیں رنگس کے کمپیوٹر ریکارڈ سے ملا ہے۔"

"صرف جارج ہی کیوں؟ فہرست میں دوسرے تین داؤدی ستاروں کے نام بھی موجود ہونے چاہییں تھے۔ یہ ایک خوش فہمی ہے جو صرف ایک فون کال سے رفع ہو جائے گی۔"

"تم کسے فون کرو گی؟ کون اسے پہچاننے کا دعوے دار ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا نام پتا موجود ہے۔ انکوائری سے نمبر مل جائے گا۔ خود اسی سے بات کی جائے گی۔"

"وہ تمہارے پہلے ہی سوال کے جواب میں اعتراف کر لے گا کہ وہ نجم داؤدی ہے؟"

"میرا مضحکہ اُڑانے کی کوشش مت کرو۔ نام' پتا اور فون نمبر مل جانے کے بعد تحقیقات کا کوئی نہ کوئی راستہ متعین کیا جا سکتا ہے۔ دور سے اس کی نگرانی کر کے بھی بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ یہاں ہم نے آئزک نیل کے کسی سراغ کے بغیر ہی اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالا ہے۔"

"بنجمن سے میں فون پر چھیڑ چھاڑ کر چکا ہوں۔ اب ان میں سے کسی اور کے ساتھ یہ حرکت دہرائی گئی تو وہ چاروں خوف زدہ ہو کر روپوشی اختیار کر سکتے ہیں۔ بنجمن فون پر بہادری جتانے کے باوجود اعصاب زدہ ہو گیا تھا۔ آئزک کے انجام نے انہیں اندر سے ہلا کر رکھ دیا ہو گا۔"

"ہم یوں اگر مگر میں الجھے نہیں رہ سکتے۔ ہمیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا اور کچھ نہیں تو اتنا ہی معلوم ہو جانا چاہیے کہ بروکلین میں رہنے والا جارج شلز ہمارا مطلوبہ آدمی ہے یا نہیں۔"

مجھے جارج شلز کے بارے میں صرف ایک بات کھٹک رہی تھی۔ کوئی مال دار ڈیوڈ اسٹار اپنی حفاظت اور سرگرمیوں کی رازداری کے پیش نظر کسی چھوٹے مکان میں کیسے رہ سکتا تھا۔ ان لوگوں کے پاس مالی وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی۔ کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی کہ ان میں سے کوئی اپنی ذات کے مکمل تحفظ کے لیے اپنے ان وسائل سے بھرپور استفادہ نہ کرے۔

ہم میں سے کسی نے بنجمن فورٹ کا گھر بھی نہیں دیکھا تھا لیکن اس نے جس انداز میں اپنے گھر پر میرے چیتھڑے اڑانے کی بات کی تھی' اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ یقیناً کسی قلعے نما مکان میں رہتا ہو گا جہاں اس کے متعدد مسلح ملازم کسی ناپسندیدہ شخص کی بے جا مداخلت روکنے کے لیے تیار رہتے ہوں گے۔ ویرا نے میرا یہ نظریہ سنتے ہی میرا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ اس کی دلیل تھی کہ بنجمن کے نام کے ساتھ لگے ہوئے فورٹ نے مجھے اتنا مرعوب کر دیا تھا کہ میں اس کے مکان کو قلعہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

میں نے ویرا کے اس جاہلانہ طرز استدلال کا کوئی جواب نہیں دیا اور چپ سادھ لی۔ چاروں داؤدی ستاروں کے بارے میں کچھ نہ کچھ پیش رفت ضرور ہوئی تھی اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ضرورت واضح تھی۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ ہمارا اگلا قدم کیا ہو۔

گھر کے برائے نام احاطے کا دروازہ بدستور کھلا ہوا تھا۔ مائیک اپنی گرل فرینڈ سے مل کر اس وقت تک واپس نہیں لوٹا تھا۔ ویرا مُصر تھی کہ چابی گاڑی ہی میں چھوڑ دی جائے تاکہ مائیک واپس آکر خاموشی سے کار گیراج میں کھڑی کر دے مگر میں پاکستان بلکہ کراچی کے حالات کا شاہد تھا۔ وہاں گھروں میں کھڑی ہوئی مقفل گاڑیاں بھی محفوظ نہیں سمجھی جاتی تھیں۔ میں نے چابی اگنیشن میں چھوڑ کر کسی مقامی آوارہ گرد کے صبر کو آزمانے کے بجائے چابی ساتھ ہی لے لی۔

ویرا نے اس شام خاصی الکحل استعمال کی تھی۔ جینی کی دعوت میں پیدا ہونے والی بدمزگی کو بھلانے کے لیے اس نے واپسی پر دوبارہ وہی سلسلہ شروع کر دیا۔ ویسے بھی فرصت اور بے کاری کے اوقات میں وہ اس کا محبوب ترین مشغلہ ہوتا تھا جس سے کسی کسی وقت مجھے اکتاہٹ بھی ہونے لگتی تھی۔ میں نے اس کی دعوت کو نرمی سے مسترد کر دیا۔

میں بستر پر دراز' سگریٹیں پھونک پھونک کر اس عملی جمود کو توڑنے کی تدابیر سوچتا رہا جس سے ہم دوچار ہو چکے تھے۔ وقت گزرتا جا رہا تھا مگر نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ویرا کے بارے میں' میں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ وہ نشے سے بے سدھ ہونے سے پہلے بستر کا رخ نہیں کرے گی۔

ڈیڑھ بجے بیرونی دروازے پر دستک کی دھیمی سی آواز سن کر میں چونک پڑا۔ ڈھلتی رات کے گہرے سکوت میں وہ ہلکی سی آواز بھی بہت تیز محسوس ہوئی تھی۔

"بھڑکنے کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے نشے سے بوجھل آواز میں زبان کھول کر مجھے باور کرانا چاہا کہ اپنی مصروفیت کے باوجود وہ اپنے گرد و پیش سے غافل نہیں تھی۔ وہ کہہ رہی تھی "مائیک شب وصال گزار کر آیا ہو گا۔ اندر روشنی دیکھ کر شاید دروازے پر دستک

دے بیٹھا ہے۔"

"کیا اسے ڈور بیل کا بٹن دبانا یاد نہیں رہا؟" میں نے چبھتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نشے کی جھونک میں جب آدمی زیادہ مہذب اور شائستہ بننے کی کوشش کرتا ہے تو یہی ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے گھنٹی بجانا مناسب نہ سمجھا ہو۔ ذرا تم دیکھ لو۔"

میں اس کی ہدایت سے پہلے ہی بستر چھوڑ چکا تھا۔ داخلے کے دروازے کے قریب رک کر میں نے قدرے بلند آواز میں سوال کیا۔ جواب میں مائیک کی لکنت آمیز آواز آئی "اگر تم سو نہیں رہے ہو تو میں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ میں واپس لوٹ آیا ہوں۔ اگر چابی دے دو تو میں گاڑی گیراج میں بند کردوں۔ رات بھر کی اوس میں بھیگی ہوئی گاڑی کو صاف کرنا ذرا مشکل ہوجاتا ہے۔"

میں نے بولٹ گرا کر ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ مائیک ہلکی برسات میں بھیگے ہوئے کسی الّو کی طرح اپنے شانے ڈھلکائے، پلکیں جھپکا رہا تھا۔ میں قہربار نظروں سے اسے گھورنے لگا "اس حالت میں گاڑی کو حرکت میں لانے کے بعد تمہیں دیوار اور دروازے کا فرق نظر آجائے گا؟"

"تم ناراض ہورہے ہو تو گاڑی کو باہر ہی رہنے دو، صبح ذرا سی محنت کرلوں گا۔"

"اندر آؤ اور تیز کافی کی پیالیاں تیار کرو۔" غصیلی آواز میں اسے حکم دے کر میں اندر لوٹ گیا۔

"برہمی دکھا کر کیوں اس بے چارے کا سارا لطف غارت کررہے ہو۔" کمرے میں پہنچتے ہی ویرا نے نیچی آواز میں ملامت کا پٹارا کھول لیا "وہ بھی ہماری طرح ایک جیتا جاگتا انسان ہے اور پھر وہ تم سے اجازت لے کر گیا تھا۔ ذرا سی بے اعتدالی کرلی تو کون سا آسمان گر پڑا؟"

"وہ بھی انسان ہے، تم بھی انسان ہو۔ میرا خیال ہے کہ میں تم لوگوں میں غلط پھنس گیا ہوں۔ پتا نہیں تم جیسوں کی رگوں میں شراب اس طرح کیوں سرایت کرجاتی ہے۔"

ویرا نے مخمور انداز میں ایک زوردار قہقہہ لگا کر کہا "مچھلی مجھے پانی سے پرہیز کا مشورہ دے رہی ہے۔ خود پیتے ہو تو ہر ایک کو پیچھے چھوڑ دیتے ہو۔ مجھ پر اعتراض کررہے ہو۔"

"ہر کام کا کوئی ایک وقت اور موقع ہوتا ہے۔ اس طرح تم خود کو برباد کررہی ہو۔"

"یہ کام نہیں، میری تفریح ہے اور تفریح ہر وقت کی جاسکتی ہے۔"

"تم جو چاہو، کرتی رہو۔ میں نے تمہیں تمہارے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"یہ کب کی خبر ہے؟" اس نے تمسخرانہ لہجے میں کہا "ابھی تو میں نے سنا ہے کہ تم مائیک کو کافی کی دو پیالیاں تیار کرنے کی ہدایت دے رہے تھے۔ دونوں پیالیاں تم ہی کو پینی ہوں گی۔ اس وقت میں کافی کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔"

"دوسری پیالی تمہارے لیے نہیں ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں جواب دیا "وہ مائیک پیئے گا۔ اس کے اوسان درست ہوں تو مجھے اس سے کچھ اہم باتیں کرنی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مجھے اس کے ساتھ یہ رات کالی کرنی پڑجائے۔ میں تمہارے معمول میں ذرا بھی دخل نہیں دوں گا۔"

"کیا تم کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کرچکے ہو؟" اس نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں مائیک ایک ٹرے میں کافی کی دو پیالیاں لے کر آگیا۔ وہ اپنی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نشہ بھگانے کی کوششیں کررہا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ اتنی رات گئے واپسی پر بھی اسے کچن میں جھک مارنی پڑے گی۔

"بیٹھ جاؤ اور میرے ساتھ کافی پیو!" میں نے ایک پیالی اٹھا کر مائیک کو حکم دیا۔

"مم.... میں.... میرا مطلب ہے کہ میں اتنی رات کو کافی نہیں پیتا۔" اس نے بوکھلا کر بے چارگی سے کہا۔

"بکری کی طرح ممیانے کی ضرورت نہیں۔ جو میں کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کرو۔"

اس نے منہ لٹکا کر یوں پیالی تھام لی جیسے اس میں زہر بھرا ہو اور اسے پینا ہو۔

"اس وقت بلیک ڈیڈ کہاں مل سکے گا۔" کافی کے چند گھونٹ لینے کے بعد میں نے مائیک سے پوچھا۔

"یہ تم مجھ سے بھی پوچھ سکتے تھے۔" ویرا نے درمیان میں اپنی ٹانگ اڑا دی "دو چار کوششوں میں وہ کہیں نہ کہیں مل ہی جاتا۔ اُس سے بات کرنے کے لیے مائیک کے انتظار کی کیا ضرورت تھی؟"

مائیک نے دیوار گیر کلاک کو نظرانداز کرکے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا "اس وقت دیر ہوچکی ہے۔ وہ خواب گاہ میں چلا جاتا ہے تو پھر کوئی فون نہیں سنتا۔"

"مجھے ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے زور دے کر کہا "آج کی رات گزر گئی تو ہمیں اگلی رات تک انتظار کرنا ہوگا۔ تم نمبر ملا کر اس تک پیغام پہنچاؤ کہ میں اس سے بات کرنی چاہ رہا ہوں۔"

"اگر اس نے کسی جھونک میں انکار کردیا تو بلاوجہ تمہیں قلق ہوگا۔" مائیک نے جھجکتے ہوئے، رک رک کر کہا "میری بات مانو تو اس سے صبح ہی بات کرلینا، یہ وقت مناسب نہیں ہے۔"

"کیوں مناسب نہیں ہے؟" میں نے تنک کر پوچھا "کیا تم مجھے یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ امریکا میں اتنی رات گئے ہر شخص شراب کے نشے میں تمہاری طرح دھت ہوکر سورہا ہوتا ہے؟"

"اوہ نو چیف!" میری برہمی پر اس کے ہاتھ پیر پھول گئے اور پیالی سے تھوڑی سی کافی چھلک کر اس کے کپڑوں پر آرہی۔ وہ کہہ رہا تھا "امریکا میں لاکھوں ایسے لوگ بھی رہتے ہیں جنہوں نے

ساری عمر الکحل کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ یہ کوئی فارمولا نہیں ہے لیکن ہمارا باس شاہی مزاج کا آدمی ہے۔ وہ خود کہتا ہے کہ وہ سارا دن اور پھر رات گئے تک اس لیے سخت محنت کرتا ہے کہ رات اپنی مرضی کے مطابق گزار سکے۔"

"تم سے جو کہا جا رہا ہے' اس پر عمل کرو۔ اس کا بات کرنے کا موڈ نہ ہوا تو پھر کچھ اور سوچا جائے گا۔" میں نے اس کا مشورہ مسترد کر کے سختی سے کہا اور وہ فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ویرا اسے کئی کوششوں کے بعد کسی ٹھکانے پر تلاش کر پاتی' مائیک نے براہِ راست اسی ٹھکانے کا نمبر ملایا جہاں بلیک ڈیڈ اس وقت موجود تھا۔

"اتنی رات گئے تمہیں فون کرنے کی کیا تکلیف لاحق ہو گئی؟" تعارف ہوتے ہی دوسری طرف سے ایک پختہ اور بھاری نسوانی آواز میں سوال کیا گیا "کیا زیادہ پی لینے کے بعد تمہارا فطری حرامی پن دوبارہ عود کر آیا؟"

"جوڈی!" مائیک نے احتجاج کیا "میں بزرگی کی وجہ سے تمہارا احترام کرتا ہوں جس دن میں نے تمہاری گالیوں کا جواب دینے کا فیصلہ کر لیا' تم منہ چھپاتی پھرو گی۔"

"میں نے پیچھا چھڑانے کے لیے اپنے جن نومولود بچوں کو اِدھر اُدھر ٹھکانے لگایا تھا' اگر وہ زندہ ہیں تو آج عمر میں تم سے بڑے ہوں گے۔ مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ میں تمہیں ہر طرف سے چیر پھاڑ کر رکھ دوں گی۔ تم جیسے لونڈوں کو میں اپنی بغل میں ہلا ہلا کر نڈھال کر سکتی ہوں۔"

مائیک نے خفت آمیز کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا۔ شاید اسی متوقع اور بے ہودہ گفتگو کے ڈر سے وہ اسپیکر فون استعمال کرنے سے ہچکچا رہا تھا مگر میری سختی نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ بہرحال اب وہ گالیاں اس کا مقدر تھیں۔ اس نے کھسیائی ہوئی آواز میں کہا "اس عمر میں تم بس اپنے منہ اور بغلوں سے ہی کام لے سکتی ہو۔ ان باتوں کو کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھو۔ باس کو بتاؤ کہ اس کا مہمان اُس سے بات کرنی چاہتا ہے۔"

"مہمان کو اس وقت کیوں خارش اٹھی ہے؟ کیا اسے نہیں معلوم کہ کیا بجا ہے؟"

مائیک نے شرمندہ اور معذرت خواہانہ نظریں میری طرف اٹھائیں۔ میں نے اس کی تسلی کے لیے سر ہلا دیا۔ وہ بولا "جوڈی! تمہارے یہ الفاظ مہمانوں تک پہنچ گئے تو ان کی شکایت پر باس تمہاری کھال اُترا دے گا۔ تم اپنے کام سے کام رکھو اور مجھے باس کے جواب سے مطلع کرو۔"

جوڈی شاید ہمارے اور بلیک ڈیڈ کے مراسم کی نوعیت سے یکسر لاعلم تھی۔ اس نے ایک ہی سانس میں مہمان کو کئی گندی گندی گالیاں دیتے ہوئے مائیک کو لائن ہولڈ کرا دی۔

"میں اس لیے کہہ رہا تھا کہ مجھے ریسیور سے بات کرنے دو۔" لائن پر سکوت ہوتے ہی مائیک نے دھیمی آواز میں بے بسی سے کہا۔ "مجھے ڈر تھا کہ فون یہی اٹھائے گی۔"

میں نے ہونٹ پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔ پتا نہیں کس وقت دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا جاتا اور ہماری گفتگو سن لی جاتی۔ سکوت کا وہ وقفہ قدرے طویل ثابت ہوا۔ آخر کار بلیک ڈیڈ خود لائن پر آ گیا۔ اس کی آواز میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"ہائے! کون بول رہا ہے؟ روزی یا اسلم خان؟" اس نے ریسیور اٹھاتے ہی پوچھا تھا۔

"اسلم۔" میں نے جھٹ ریسیور اٹھا کر جواب دیا۔ اسپیکر فون خود بہ خود ناکارہ ہو گیا۔

"تم لوگ کہاں غائب تھے؟" میرے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی اس نے شکوہ کرنا شروع کر دیا "میں نے کئی بار تمہارا نمبر ملایا لیکن کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ کیا تم لوگ باہر گئے ہوئے تھے؟"

"ہاں' روزی مجھے سیر کرانے لے گئی تھی۔ ہم تھوڑی دیر پہلے ہی واپس آئے ہیں۔"

"روزی کو بتا دینا کہ میں نے اس کے لیے ایک تحفے کا بندوبست کیا ہے۔ وہ دیکھے گی تو اس کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔ میں اسے یہی اطلاع دینی چاہ رہا تھا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت کیوں فون کیا ہے۔"

"نجم داؤدی کے بارے میں کیا خیر خبر ہے؟" میں نے قدرے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"ابھی تک کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا وہ لوگ اس قدر پُراسرار انداز میں زندگی گزارنے کے عادی ہوں گے۔ میرے آدمی اسی کام پر لگے ہوئے ہیں۔ جوں ہی کوئی کام کی بات معلوم ہوگی' میں تم کو اطلاع دے دوں گا۔ فی الحال صبر اور انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔"

"ہمارے پاس کچھ اطلاعات موجود ہیں....." میری بات مکمل ہونے سے پہلے اس نے بولنا شروع کر دیا۔

"ٹھہرو۔ اگر کوئی قابلِ ذکر بات معلوم ہوئی ہے تو فون پر یہ باتیں مناسب نہیں ہیں۔ میں اسی وقت تمہارے پاس آ جاتا ہوں۔ میں ان کو جلد از جلد نیچا دکھانے کے لیے تڑپ رہا ہوں۔ مل بیٹھ کر ہم کوئی نہ کوئی راستہ نکالیں گے۔ ان پر آج ہی پہلا وار ہو سکے تو مزہ آ جائے گا۔"

میں اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ ہمارے فون پر بدری ناتھ کا دیا ہوا سی ایس ڈی موجود تھا جس کے ہوتے ہوئے ہماری گفتگو بالکل محفوظ تھی۔ ویسے بھی میری یہی خواہش تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کو آرام دہ بستر سے اٹھا کر وہاں بلانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ وہ خود ہی اس پر تل گیا تھا۔ یہ ایک اچھی بات تھی۔

"تم آ جاؤ۔ یہاں بیٹھ کر کچھ طے کرتے ہیں۔ اس وقت ان میں دو کی گردنیں....."

اس نے ایک مرتبہ پھر میری بات کاٹ دی "بس بس! تم نے میرا دورانِ خون تیز کر دیا ہے۔ میں ذرا سی دیر میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔ مائیک کو بھی اٹھا لو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی ضرورت پیش آ جائے۔"

"وہ میرے پاس ہی موجود ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ اس دوران میں مائیک اپنے سینے پر شہادت کی انگلی مار کر بار بار مجھے متوجہ کرتا رہا تھا کہ وہ خود بھی بلیک ڈیڈ سے بات کرنی چاہتا تھا۔ اس کی بے چینی دیکھتے ہوئے میں نے بات جاری رکھی "چاہو تو تم اس سے بھی بات کرسکتے ہو۔"

"ریسیور اسے دے دو۔" بلیک ڈیڈ نے کہا "اسے ایک آدھ ضروری بات بتانی ہے۔"

مائیک نے ریسیور لے کر ہائے باس کہا اور کچھ دیر تک بلیک ڈیڈ کی تقریر خاموشی سے سنتا رہا۔ شاید بلیک ڈیڈ کا پیغام مکمل ہونے پر ہی وہ بولا تھا "باس! ذرا جوڈی سے میری بات کرادو۔"

بس چند ثانیوں تک وہ خاموش رہا پھر اس کی زبان چل پڑی۔

"جوڈی! اب کان کھول کر سنو کہ تم پکی حرّافہ، الو کی پٹھی اور کمینی ہو۔ تمہارے سارے ناجائز بچے مل کر بھی مجھ اکیلے کی برابری نہیں کرسکتے۔ ہمت ہے تو اب باس کے سامنے جواب دو! بولتی بند کیوں ہوگئی تمہاری؟"

میں بے اختیار مسکرانے پر مجبور ہوگیا۔ اپنے باس کی موجودگی کا فائدہ اٹھا کر اس نے جوڈی سے ایک ہی وار میں ساری بدزبانیوں کا بدلہ لے لیا تھا۔

جوڈی بے بس تھی اور بلیک ڈیڈ کے سامنے زبان نہیں کھول سکتی تھی۔ اس کے پاس فون بند کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ مائیک نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ ریسیور رکھ دیا۔

"اس وقت تم نے جوڈی کے ساتھ بہت چھچھوری اور گھٹیا حرکت کی ہے۔" میں نے مائیک سے ملامت بھرے لہجے میں کہا۔

"اس وقت وہ مجبور تھی۔ بعد میں تم سے دل کھول کر بدلہ لے گی۔ تم جیسے بردبار آدمی کو بچوں جیسی حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔"

وہ بے پروائی سے ہنسنے لگا "ہم سب مل جل کر ایک خاندان کی طرح رہتے ہیں۔ وہ مجھ سے ہزار ہا بدلہ لے لے پھر بھی اس خلش کو نہیں بھول سکے گی کہ وہ میری گالیوں پر زبان تک نہیں ہلا سکتی تھی۔ یہ موقع قسمت سے ملا تھا جس سے میں نے فائدہ اٹھالیا۔ یہ قصہ سن کر ہر ایک کا دل باغ باغ ہوجائے گا۔"

بلیک ڈیڈ سے میری گفتگو ریسیور کے ذریعے ہوئی تھی۔ ویرا نے میرے جواب سے اندازہ لگالیا تھا کہ مائیک وہاں آرہا تھا۔ اس نے منہ بنا کر پوچھا "رات کے دو بجے اسے یہاں بلانے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"وہ تمہارے لیے ایک تحفہ لے کر آرہا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تمہاری طبیعت خوش ہوجائے گی۔"

"اپنی چنڈال چوکڑی ڈرائنگ روم یا دوسرے بیڈ روم میں جمانا، مجھے نیند آرہی ہے۔ میں تمہارے ساتھ نہیں بیٹھوں گی۔"

ویرا نے تحفے والی بات کو مذاق سمجھ کر بے پروائی سے کہا "بہتر ہوگا کہ تم دونوں اسی وقت یہ کمرا چھوڑ دو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے آنے تک مجھے نیند آجائے۔"

"نیند نہیں، یہ نشے کی مدہوشی ہے جو اب تمہارے اعصاب کو چٹخا رہی ہے۔" میں نے غصیلی آواز میں کہا۔ "اسے میں نے نہیں بلایا، وہ خود یہاں آنے پر تل گیا تھا۔" میرے بولنے سے پہلے ہی مائیک خواب گاہ سے جاچکا تھا۔ میں نے غور سے ویرا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے سرخ ڈورے تیر رہے تھے، سرخ و سفید چہرہ مزید تمتمایا ہوا تھا اور گھنیری پلکیں اس کی آنکھوں پر جھکی پڑ رہی تھیں۔

وہ اپنی نیم وا آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال کر مسکرائی اور میں اس کمرے سے نکل گیا۔

مائیک کچن میں مصروف تھا اور ایک کارٹن کھول کر بیئر کے کین فریزر میں رکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی زبان چل پڑی۔

"روزی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس کے آنے کے بعد تمہاری رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ جائے گی۔ اس نے مجھے بیئر کا پورا کارٹن فریزر میں ڈالنے اور دوسرا بیڈ روم تیار کرنے کے لیے کہا ہے۔ شاید اب وہ یہیں ڈیرا ڈالے گا۔"

"یہ سب تمہاری ڈیٹ کا عذاب ہے جو تم پر نازل ہورہا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "تم اپنی گرل فرینڈ سے ملنے جاتے نہ رات گئے یہ کام تمہارے ذمے پڑتے۔"

"باس کے لیے ہر وقت ہماری جان بھی حاضر رہتی ہے۔" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا "وہ اپنے بچوں کی طرح ہر ایک کا خیال رکھتا ہے۔ اسے بلاوجہ بلیک ڈیڈ نہیں کہا جاتا۔"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں، میں مذاق کررہا تھا۔ دل لگا کر جلدی سے اپنا کام ختم کرو۔"

"باس آئے گا تو اسے ذرا ذرا سی دیر میں فون کی ضرورت پیش آتی رہے گی۔ اجازت دو تو روزی کے کمرے سے فون نکال کر ڈرائنگ روم میں لگادوں؟" مائیک کی تجویز پر میں چونک پڑا۔

”بیکسٹر کی لاش کی یہاں سے منتقلی کا سارا بندوبست تم نے فون کو ہاتھ لگائے بغیر کیا تھا۔ اب فون کیوں یاد آرہا ہے۔“ اس کے سوال پر مجھے شبہ ہوا کہ کہیں اس نے سی ایس ڈی نہ دیکھ لیا ہو۔

”ہم لوگ ٹرانسمیٹرز استعمال کرتے ہیں۔ باس کو اس سے الجھن ہوتی ہے۔ کوئی بات کررہا ہو تو اسے مجبوراً اس کے خاموش ہونے کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ فون پر جب وہ چاہتا ہے‘ کسی کی بھی بات کاٹ کر اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لیتا ہے۔“

اس کی بات قابل قبول تھی۔ میں نے دھیرے سے کہا ”تم اجازت کے بغیر اندر نہ جانا۔ میں وہاں سے فون نکال لاتا ہوں۔ اس وقت روزی اچھے موڈ میں نہیں ہے۔ تمہیں دیکھ کر بھڑک جائے گی۔“

میں ٹہلتا ہوا دوبارہ اپنی خواب گاہ کی طرف چل دیا۔ اندر ویرا کی کرسی خالی تھی۔ وہ بستر پر بھی نہیں تھی۔ میں نے باتھ روم میں نگاہ ڈالی تو جھریوں میں روشنی موجود تھی اور اندر سے شاور کی تیز دھاریں بہنے کی آوازیں آرہی تھی۔ میں فون کی تاروں کی طرف متوجہ ہوگیا۔

سی ایس ڈی کو لائن سے الگ کر کے میں نے سائیڈ ٹیبل کی نچلی دراز میں چھپایا پھر پلگ نکال کر فون لائن سے جدا کرلیا۔ ویرا غالباً نشے کی جھونک سے نجات حاصل کرنے اور پھر بلیک ڈیڈ کی بے وقت آمد کا سبب جاننے کے لیے لمبے غسل میں مصروف تھی۔ میں اسے چھیڑے بغیر کمرے سے نکل آیا۔

دو بجے کے بعد تقریباً بے آواز انجن والی ایک لمبی سی سیاہ کار ہمارے مکان کے سامنے رکی۔ میں ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے وہ منظر دیکھ رہا تھا۔ مائیک اپنے باس کا استقبال کرنے کے لیے باہر ٹہل رہا تھا۔

کار رکتے ہی اس کے تین دروازے کھلے اور بلیک ڈیڈ سمیت پانچ آدمی پھرتی سے سڑک پر آگئے۔ کار فوراً ہی تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ وہ پانچوں کھلا ہوا پھاٹک عبور کر کے ہمارے احاطے میں آگئے۔ چند لمحوں بعد مکان میں داخل ہونے والے تعداد میں صرف دو تھے۔

بلیک ڈیڈ اپنے متورم پپوٹوں کے ساتھ آگے تھا۔ مائیک کسی خاندانی غلام کی طرح اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

”تمہارے باقی آدمی کہاں غائب ہوگئے؟“ گرم جوشی سے بلیک ڈیڈ کا استقبال کرنے کے بعد میں نے حیرت سے پوچھا ”کار سے تو تم پانچ افراد اترے تھے۔“

”وہ سب سرونٹ کوارٹر میں گھسے ہوئے ہیں۔“ بلیک ڈیڈ صوفے پر بیٹھ کر بولا ”میں نے گاڑی بھی دور پارک کروائی ہے تاکہ تمہارے پڑوسیوں کو یہاں کسی غیر معمولی سرگرمی کی کوئی سن گن نہ مل سکے۔ یہاں لوگ ذرا ذرا سی بات پر خاموشی سے پولیس کو فون کھڑکا دیتے ہیں۔ سیکڑوں تلخ بلکہ بے مقصد تجربات کے باوجود وہ احمق وردی پوش فوراً ہی دوڑ لگا دیتے ہیں۔“

”یہ کوئی اچھی روایت نہیں ہے۔ اس طرح تو دہشت گرد انہیں دھوکے سے کہیں بھی بلا کر گولیوں سے بھون سکتے ہیں۔“ میں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے بے مروتی سے کہا۔

”یہاں ایسی دہشت گردی کا کوئی رواج نہیں ہے۔ یہاں خلافِ قانون کام کرنے والے اتنے دیدہ دلیر نہیں ہیں کہ قانون کے محافظوں کا مقابلہ کریں۔ بیشتر مجرم پولیس کے نرغے میں آکر ہتھیار ڈال دیتے ہیں جو قانون سے لڑتا ہے‘ اسے پوری قوت سے پیس کر رکھ دیا جاتا ہے۔“

”تمہارا شمار کن لوگوں میں ہوتا ہے؟“ تم قانون پسند ہو‘ نہ اس کے محافظ۔“

”پتا نہیں تم ایسے کڑوے سوال کیوں کرتے ہو؟ پولیس کی ملی بھگت سے دنیا بھر میں جرائم ہوتے ہیں۔ ہم بھی ان ہی کے سہارے چل رہے ہیں۔ ان ہی کی چشم پوشیوں نے ہمیں دلیر بنایا ہے۔ جواب میں ہم بھی ان کے لیے امن و امان کے مسئلے کھڑے نہیں کرتے۔“ وضاحت کرتے کرتے وہ اچانک جھلا کر بولا ”یہ تم نے مجھے کن خرافات میں الجھالیا.... مجھے وہ باتیں بتاؤ جن کے لیے میں یہاں آیا ہوں.... اور ہاں‘ وہ ویرا کہاں ہے؟ کہیں نظر نہیں آرہی۔“

”آج کل وہ ایک نئے خبط میں مبتلا ہوگئی ہے۔“ میں نے پوری سنجیدگی سے جواب دیا ”خوب پیتی ہے اور جب نشہ گہرا ہوجاتا ہے تو نہانے گھس جاتی ہے تاکہ نشہ بھگا سکے۔“

”اس سے اسے کیا فائدہ ہوتا ہے؟“ بلیک ڈیڈ نے متحیر ہوکر پوچھا ”شراب ضائع ہوتی ہے اور اعضائے رئیسہ پر بھی بلاوجہ بوجھ پڑتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ وہ پینا کم کردے۔“

”اسے اپنے اعضائے رئیسہ و خبیثہ کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ وہ ریسرچ کررہی ہے۔“ میں نے بے نیازی سے کہا ”تم اس کے لیے کوئی تحفہ لانے کی بات کررہے تھے۔“

”میں اس کے لیے بیم گن لایا ہوں۔ اسے یہ ہمیشہ سے پسند ہے۔ اس نے مجھ سے فرمائش کی تھی۔“ اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر ایک وزنی چرمی ہولسٹر جیب سے نکال کر مجھے تھما دیا۔

اس نادر روزگار ہتھیار کی موجودگی کا انکشاف ہوتے ہی میرا دل خوشی سے اُچھل پڑا۔ سفری تلاشیوں میں اس کی محرومی کے خوف سے ہم نے اپنی بیم گن پاکستان میں ہی چھوڑ دی تھی۔ اس کا متبادل یوں ہاتھ آنا ایک نیک شگون سے کم نہیں تھا۔ میں نے ہولسٹر سے نکال کر اس سیاہ اور وزنی بیم گن کا جائزہ لیا۔ وہ ہوبہو ہماری بیم گن جیسی تھی۔ بلیک ڈیڈ کی ایما پر میں نے گن ہولسٹر میں رکھ کر اسے لوٹا دی۔

”میں ابھی تک تم دونوں کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکا۔“ بلیک ڈیڈ کی آواز سے ممنونیت جھلک رہی تھی ”شی کے ایک پرانے آئی مین سے یہ گن ادھار لی ہے۔ وہ جاتے ہوئے اسے لوٹا دے گی۔ ویسے بھی اسے ایئرپورٹ پر لے جانا ناممکن ہوگا۔ سیکیورٹی والے

ضبط کرلیں گے۔"

"تحفے کی واپسی کا مطالبہ تم ہی کرسکتے ہو۔ میرے لیے یہ نئی بات ہے۔" میں نے کہا۔

اسی وقت مائیک ایک ٹرے میں بیئر کے ڈبے، دو مگ اور مونگ پھلی کے نمکین دانے وہاں لے آیا۔

وہ بلیک ڈیڈ کا فرمائشی اہتمام تھا۔ میں نے مروت میں انکار نہیں کیا۔ مائیک دونوں مگ لبریز کرکے چلا گیا۔ میں محسوس کررہا تھا کہ خوں خوار اور تند خو بلیک ڈیڈ نے مفاہمت کے بعد ہمارے ساتھ اپنا رویہ یکسر بدل لیا تھا۔ ہماری طرف سے اسے اس کا جواب ملنا ضروری تھا۔

"ان چاروں میں سے دو کا سراغ ملا ہے۔" میں نے اس کے دوبارہ ٹوکنے سے پہلے بات شروع کردی "بنجمن فورٹ اور جارج شلز۔ ایک سے میں فون پر بات کرچکا ہوں' دوسرے کا صرف پتا ملا ہے۔ ابھی اس سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں ہوئی۔ اس پر میں بے خبری میں وار کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ موضوع چھڑتے ہی بلیک ڈیڈ کی طرف سے سوالات کی یلغار ہوگئی۔ میں نے کسی ہیر پھیر کے بغیر اپنی معلومات کا تفصیلی اظہار شروع کردیا۔

وہ میری اس رائے سے پوری طرح متفق تھا کہ بنجمن نے گیپ کی افادیت کے بارے میں صحیح اندازہ لگالیا تھا۔ اس حوالے سے اسے کوئی فریب نہیں دیا جاسکتا تھا "گیپ اب چلا ہوا کارتوس ہے۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

"تم اسے پوری مہارت سے آئزک کے خلاف استعمال کرچکے ہو۔ اس کے ذریعے کسی دوسرے ڈیوڈ اسٹار کو نہیں پھانسا جاسکے گا۔ میں اس کا پتا معلوم کرتا ہوں۔ دیکھیں گے کہ وہ کس طرح ہمارے چھیتھڑے اڑاتا ہے۔"

اس نے بیئر کے دو گھونٹ لے کر فون اپنے سامنے سرکایا اور اس پر انکوائری کا نمبر ملا کر جارج شلز کا فون نمبر دریافت کیا۔ دوسرے ناموں کی طرح اس مخصوص جارج کی شناخت کے لیے آپریٹر نے اس کا پتا دریافت کیا۔ اگلے ہی لمحے اس کا فون نمبر کاغذ پر منتقل ہوچکا تھا۔

"تم اسے فون نہیں کروگے۔" میں نے اصرار کیا "وہ ابھی تک بے خبر تھا۔ وہ بھی ہوشیار ہوگیا تو مشکلات بڑھ جائیں گی۔ ہم ان میں سے کسی تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

بلیک ڈیڈ کی نگاہوں کے تعاقب میں' میں نے دروازے کی طرف دیکھا تو ویرا تازہ دم ہوکر نکھرے ہوئے لباس میں اندر داخل ہورہی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے اپنی عادت کے مطابق بزرگانہ انداز میں' نپے تلے فقروں کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ وہ ویرا کو اپنے تحفظ میں آئی ہوئی ایک ننھی سی بچی تصور کرتا تھا جو وقت کی ٹھوکریں کھا کر ضرورت سے زیادہ سمجھ دار اور چالاک ہوگئی تھی۔

ویرا کے آتے ہی اس نے بیم گن اسے تھمادی "میری طرف سے یہ حقیر سا عارضی تحفہ!"

ویرا نے ہولسٹر کھول کر دیکھا اور اس کا چہرہ مسرت سے دمکنے لگا۔ اس نے بیم گن کو دونوں ہاتھوں میں بھینچ کر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا "کاش! یہ ہتھیار چند روز پہلے مل گیا ہوتا۔"

"چلو' اب اسے باقی چار داؤدی ستاروں پر آزمالیں گے۔ ابھی تو کھیل چل ہی رہا ہے۔" میں نے کہا "یہ دیکھو کہ بلیک ڈیڈ تمہاری کتنی قدر کرتا ہے۔ میں ابھی تک اس تحفے سے محروم ہوں۔"

"میں نے امریکا کی بیٹی کا نعرہ لگا کر ویرا کو تم سے چھیننے کی کوشش نہیں کی۔" بلیک ڈیڈ نے دانت چمکاتے ہوئے کہا "میری طرف سے اس رواداری کو ایک تحفہ سمجھ لو کہ میں نے ویرا پر تمہارا تصرف تسلیم کرلیا ہے۔ ان بزدل چوہوں کو للکارنے میں ہمیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔" بلیک ڈیڈ دوبارہ اصل موضوع کی طرف آگیا "میرا خیال ہے کہ براہ راست بنجمن کے گھر پر دھاوا بولا جائے۔ یہ کام اس کا پتا ملتے ہی ہونا چاہیے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آج کی رات کچھ بھی نہیں ہوگا۔" میں نے مایوسی سے پوچھا۔

"تم بتاؤ کہ کیا کیا جائے۔" اس نے لائحۂ عمل طے کرنے کی ذمّے داری میرے شانوں پر ڈال دی۔

"جارج شلز کے بارے میں ابھی شبہ ہے کہ وہی ہمارا مطلوبہ آدمی ہے یا نہیں۔ اس کی فوری طور پر نگرانی شروع ہوجانی چاہیے۔" ویرا نے زبان کھولی "آخر میں یہ قصہ کھودا پہاڑ' نکلا چوہا کا مصداق بھی بن سکتا ہے۔ یہ نہ ہو کہ آخر میں پتا چلے کہ ہم کسی غلط جارج شلز کے پیچھے اپنا وقت برباد کرتے پھر رہے تھے۔"

"نگرانی کے ساتھ ہی اس کے گھر کو کسی طرح بگ کیا جاسکے تو ہم جلدی کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن کیسے! اسے شبہ ہوگیا کہ کچھ غیر متعلق لوگ اس کی ذات میں دلچسپی لے رہے ہیں تو وہ بدک جائے گا۔" یہ رائے بلیک ڈیڈ کی تھی۔

"اور یہ کام اس کے گھر میں گھسے بغیر انجام دینا کسی طرح ممکن نہیں۔" ویرا نے تبصرہ کیا۔

ایک نئی بحث شروع ہوگئی۔ بلیک ڈیڈ میری تجویز کے بارے میں بہت پُرجوش تھا۔ ویرا بھی متفق تھی مگر مسئلہ بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کا تھا۔

"میرے پاس ایسے متعدد اپریٹس اور ساؤنڈ اسکینرز پڑے ہیں جن پر میلوں دور کی آوازیں بہت صاف اور واضح طور پر سنی جاسکتی ہیں۔" کچھ دیر بعد بلیک ڈیڈ نے کہا "مگر پھر وہی مسئلہ ہے کہ ان سے منسلک مائیکروفون اس کے گھر میں موجود ہونے چاہئیں۔"

"ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت اپنے گھر میں گھسا رہتا ہو۔ اس کی فیملی اور معمولات کے بارے میں نگرانی کے ذریعے ہی معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔" ویرا نے کہا "اس کے بعد اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے وہاں چوری کی کوئی واردات بھی کرائی جاسکتی ہے۔"

چوری میں الجھ کر اسے خیال تک نہیں آسکے گا کہ چور نے اس کے گھر میں لاسلکی مائیکروفون لگائے ہوں گے۔ سانپ بھی مرجائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔"

"یہ کام ہوتا رہے۔ اس سے پہلے میں چاہوں گا کہ کوئی خوب صورت سا تحفہ جعلی پوسٹ پارسل کے ذریعے اس تک پہنچا دیا جائے۔ اس تحفے میں کوئی طاقت ور مائیکروفون چھپایا جاسکتا ہے۔"

"اسے تحفہ بھیجنے والے کا نام پتا کیا ہوگا؟" بلیک ڈیڈ نے تجویز میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی بھی نام اور پتا ہو سکتا ہے۔ اگر وہ ڈیوڈ اسٹار ہے تو امریکا میں بسے ہوئے بے شمار یہودی اس کے پرستار یا مداح ہو سکتے ہیں۔ کوئی بھی چند جذباتی سطور کے ساتھ اسے تحفہ بھیج سکتا ہے۔"

"اس کے لیے تحفہ بھی خاص ہونا چاہیے۔" ویرا نے سوچتے ہوئے کہا۔

"چھوٹے سے پیندے میں ایک نوک کے سہارے ٹھہرا ہوا نجم داؤدی اس کے لیے بہترین تحفہ ثابت ہوگا۔ وہ اسے ڈرائنگ روم یا خواب گاہ میں ہی سجائے گا۔"

میری وہ بات سن کر بلیک ڈیڈ اچھل پڑا "خشک موم' پلاسٹک اور دھات کے بنے ہوئے ایسے ماڈل یہاں بڑی دکانوں میں عام طور پر ملتے ہیں۔ پارسل میں ایک کے بجائے چار چھ ماڈل رکھ دیے جائیں تو اس کے پورے گھر سے سانس کی آوازیں تک ہم کو سنائی دیتی رہیں گی۔"

"اتنے جوش کی ضرورت نہیں۔ ایک یا دو سے زیادہ ماڈل گڑبڑ کردیں گے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

بلیک ڈیڈ نے مائیک کے ذریعے سرونٹ کوارٹر سے اپنے گن مین کو بلایا اور تیزی کے ساتھ اسے ہدایات دینے لگا جن میں پہلی ترجیح داؤدی ستارے کے ماڈلوں کی تھی۔

گن مین نے معاملے کی نوعیت کو سمجھے بغیر اسے بتانا چاہا کہ بازار میں اس قسم کے کرسٹل اور زرقون کے بنے ہوئے تحائف بھی مل جائیں گے۔ بلیک ڈیڈ نے اسے بری طرح جھاڑ دیا۔ ہمارے مقاصد کے لیے شفاف اور ٹھوس ماڈل بیکار تھے۔ کھوکھلے ستاروں میں چھوٹے مگر طاقت ور مائیکروفون آسانی سے چھپائے جاسکتے تھے۔

بروکلین میں جارج شلز کے مکان کی محتاط ترین نگرانی اسی وقت شروع ہوجانی تھی۔ بنجمن فورٹ کے فون نمبر کے ذریعے کوئنز میں اس کے مکان کا کھوج نکالنے والے کو ٹیلی فون کے محکمے سے ہر قیمت پر اگلے دن وہ پتا معلوم کرنا تھا۔ تحفے کا پارسل اگلی صبح دس بجے تک جارج شلز کے پتے پر پہنچ جانا تھا۔ اس کے لیے بلیک ڈیڈ کا کوئی بھی آدمی جعلی ڈاکیے کا روپ دھار سکتا تھا۔

گن مین کو ان میں سے کوئی کام خود نہیں کرنا تھا۔ اس کی ذمے داری بس اتنی تھی کہ گروہ کے مخصوص ٹرانسمیٹرز پر متعلقہ آدمیوں کو ان کی نئی ذمے داریوں سے آگاہ کردے اور پھر بلیک ڈیڈ کے لیے ان کی رپورٹوں کا انتظار کرے۔

صبح چھ بجے خواب گاہ میں داخل ہونے کے بعد جب میں گیارہ بجے ناشتے کے لیے تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلا تو میرا خیال تھا کہ ڈیڈ دوسرے کمرے میں پڑا بے خبر سو رہا ہوگا لیکن وہ ناشتے سے فارغ ہو کر ڈرائنگ روم میں اپنے تین آدمیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

میں دور ہی سے اسے صبح بخیر کہہ کر کچن میں گھس گیا جہاں مائیک کسی پیشہ ور باورچی کی طرح بہت سے کاموں میں مصروف تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس نے برقی کیتلی کا بٹن آن کر دیا۔

میز پر ناشتے کے بہت سے لوازم پہلے سے موجود تھے۔ مائیک نے ابلے ہوئے گرم گرم انڈے میرے سامنے سجاتے ہوئے کہا "باس بہت خوش ہے۔ وہ نو بجے اپنے کمرے سے باہر آگیا تھا۔ اس کے پاس کچھ اچھی خبریں آئی ہیں۔ اسے بس ایک بات کا غصہ ہے کہ ڈینی اور کرمانی کے چکر میں پکڑ کر کوئی بھی آئزک کے معاملے میں اس کا نام نہیں لے رہا۔ ہم لوگ جس کو بتاتے ہیں کہ آئزک پر گولی باس نے چلائی تھی تو وہ یقین نہیں کرتا۔"

میں خاموشی سے ناشتے سے انصاف کرنے میں مصروف رہا۔ مجھے امید تھی کہ چاروں ڈیوڈ اسٹارز سے نمٹنے کے دوران میں کچھ ایسا دھوم دھڑکا ضرور ہوگا کہ سب کی توجہ افراد سے ہٹ کر گروہوں کی طرف مبذول ہوجائے گی اور ہارلم کے ہنگاموں کے بعد اس فہرست میں بلیک ڈیڈ کا نام سب سے اوپر تھا۔

میں ناشتے سے فارغ ہو کر ڈرائنگ روم میں پہنچا تو بلیک ڈیڈ اکیلا بیٹھا ہوا میرا منتظر تھا۔ میری صورت دیکھتے ہی اس نے اپنے آدمیوں کو فارغ کردیا تھا۔

"بروکلین سے ابھی تک کوئی خاص خبر نہیں ملی۔" اس نے بتایا "وہ چار سو گز کے قریب رقبے پر بنا ہوا چھوٹا سا کاٹیج ہے جس میں وہ اپنے کتے کے ساتھ اکیلا رہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہی ہمارا مطلوبہ آدمی ہے۔ ایسا ہوا تو اسے اٹھانا یا مارنا ذرا بھی مشکل نہیں ہوگا۔"

"تمہارے اس یقین کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں' پہلے وہ دفتری معمولات پر عمل کرتا تھا۔ کتے کو ساتھ لے کر صبح نو دس بجے گھر سے روانہ ہو کر شام کے تین' چار بجے گھر لوٹتا تھا۔ دو دن سے وہ مسلسل گھر میں ہے۔"

"یعنی ڈیوڈ اسٹارز کا دفتر بند ہونے کے بعد سے وہ گوشہ نشین ہوگیا ہے؟"

"یہی معلوم ہو رہا ہے۔ وہ صرف چند بار دروازے سے باہر آیا ہے پھر فوراً ہی اندر لوٹ گیا۔"

"تمہارا تحفہ کب تک اسے پہنچا دیا جائے گا؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ پیکٹ راستے میں ہے۔ مانیٹر پر بھانت بھانت کی آوازیں آرہی ہیں۔ پیکٹ پہنچتے ہی مجھے اطلاع مل جائے گی۔ وہ دونوں مائیکروفون بہت زبردست ہیں۔ راستے کی ہر آواز پکڑ رہے ہیں۔ سب سے اچھی اطلاع یہ ہے کہ بنجمن کے گھر کا پتا مل گیا۔ وہ کوئنز

کے علاقے میں ایک عالی شان گھر میں رہ رہا ہے جہاں ملازموں اور محافظوں کی ایک اچھی خاصی فوج پل رہی ہے۔"

"یہی ایک نکتہ مجھے شبے میں ڈال رہا ہے۔ بروکلین والا جارج شلز اگر ڈیوڈ اسٹار ہے تو اسے بھی مال دار ہونا چاہیے۔ وہ ایسی تنہائی کے عالم میں کیوں رہ رہا ہے۔"

"یہ نہ بھولو کہ یہودی کنجوس بھی ہوتے ہیں۔ مال خرچ کرتے ہوئے اس کا دل دُکھتا ہوگا۔"

"اگر ایک کتے کے سوا اس کا کوئی نہیں ہے تو وہ اتنی کفایت کس کے لیے کر رہا ہے؟"

"یہ وہ سوال ہے جس کا جواب مرتے دم تک آدمی کے ذہن میں نہیں آتا۔ وہ یہ فرض کرلیتا ہے کہ وہ ہمیشہ اسی طرح جیتا رہے گا، موت ابھی اس سے بہت دور ہے۔ جب فرشتۂ اجل اچانک اس کے سر پر سوار ہوجاتا ہے تو وہ بھونچکا رہ جاتا ہے۔"

"ایک پہلو تم نے بتایا۔ دوسرا امکان یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنے سارے اثاثے ڈیوڈ اسٹارز کے لیے وقف کردیے ہوں۔ وہ بلاوجہ تو اس تنظیم کے بڑوں میں شامل نہیں ہوا۔"

"اس کی ظاہری حالت کا سبب کچھ بھی ہو، وہ ڈیوڈ اسٹار ہی ہے۔ کاغذ پر وہ لوگ خود کو ایک سماجی اور فلاحی تنظیم کہتے ہیں۔ اخباروں میں بھی یہی کچھ چھپتا ہے۔ کوئی ان پر شبہ نہیں کرتا اور وہ بے خوف و خطر عام امریکیوں کی طرح رہتے ہیں۔"

"پھر بنجمن کی شان و شوکت کو تم کیا کہو گے۔ وہ بھی اسی منصب کا آدمی ہے۔"

"یہ اپنے اپنے مزاج کی بات ہوتی ہے۔ بنجمن اس کی طرح درویش صفت یہودی نہیں ہے۔ بعض لوگ نمود و نمائش کے بغیر زندہ رہنے کا تصور تک نہیں کرسکتے۔ وہ ان ہی میں معلوم ہوتا ہے۔"

پچھلی رات میں نے بلیک ڈیڈ کی آمد پر خوشی محسوس کی تھی۔ اس کے آنے کا یہ فائدہ ہوا کہ بعض باتیں طے کرکے انہیں عملی جامہ پہنانے کا بندوبست کرلیا گیا تھا لیکن اس وقت بلیک ڈیڈ کے تیور دیکھ کر مجھے بے نام سی الجھن ہونے لگی تھی۔

فون ڈرائنگ روم میں آگیا تھا۔ اس پر سی ایس ڈی موجود نہیں تھی۔ میں بلیک ڈیڈ کی موجودگی میں کسی سے بھی آزادانہ بات چیت نہیں کرسکتا تھا جب کہ ایک طرف بدری ناتھ میرے لیے اہم تھا۔ دوسری طرف میں نے میجر جنجوعہ سے تین بجے سے پہلے بات کرنے کا وعدہ کیا ہوا تھا، تیسری طرف اول خان یا سلطان شاہ سے کراچی کے بارے میں خبریں لیتی تھیں۔ بلیک ڈیڈ کے تیوروں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کسی فیصلہ کن اقدام سے پہلے وہاں سے نہ اٹھنے کا ارادہ کرچکا تھا۔

"جارج شلز کی باتیں سنانے والا مانیٹر تم اپنے ساتھ لے جاؤ گے یا یہیں چھوڑ دو گے؟" کئی سیکنڈ تک سوچنے کے بعد میں نے اس سے ایسا سوال کیا کہ جواب کی صورت میں اس کے عزائم واضح ہوکر سامنے آسکیں۔ میرے لیے اس کے جواب کی ابتدا ہی مایوس کن تھی۔

وہ کہہ رہا تھا "ابھی تو میں کہیں نہیں جارہا۔ اکٹھے ہی سب کچھ سنیں گے۔ دوپہر تک مجھے کل کی آمدنی کا حساب لینے کے لیے جانا ہوگا۔ ضرورت ہوئی تو وہ پروگرام منسوخ کردیا جائے گا۔"

"نہیں، تم اپنا حرج مت کرو۔" میں نے اسے پٹی پڑھانے کی کوشش کی "فی الحال تو صرف اطلاعات جمع کرنی ہیں۔ کارروائی کی نوبت آئی تو اس کے لیے رات کا اندھیرا ہی مناسب رہے گا۔ اس وقت تک تم اپنے سارے کام نمٹا کر واپس آجاؤ گے۔ تمہاری چند گھنٹوں کی غیر حاضری سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ ابھی تو دیکھو کہ کیا ہو رہا ہے۔" اس نے میز پر پڑے ہوئے ایک مستطیل سے آلے کی آواز بڑھا دی "وہ مانیٹر آج کل کے موبائل فون سے بڑی حد تک مشابہ تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس کے ہر بٹن پر نمبر کے بجائے علامات بنی ہوئی تھیں۔

"آلے پر گہرا سکوت طاری تھا۔ بلیک ڈیڈ نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"شاید تحفہ اپنی جگہ پر پہنچ چکا ہے۔" میں نے محتاط رہ کر اپنی رائے ظاہر کی۔

مانیٹر پر ایک گہرے سانس کی آواز کے ساتھ بڑبڑاہٹ ابھری "شاندار... دونوں ستارے بہت شاندار ہیں مگر یہ بھیجے کس نے ہیں..... کیلیفورنیا میں، میں کس ڈیوڈ ایس گوریان کو نہیں جانتا ہوں؟"

وہ یقیناً جارج شلز کی آواز تھی۔ وہ پارسل سے ملنے والے ستاروں کا جائزہ لیتے ہوئے خود کلامی کر رہا تھا۔ اس سے یہ پتا نہیں چل پارہا تھا کہ وہ کون ہے۔ ہمارا مطلوبہ جارج یا کوئی اجنبی!

"تمہاری شیطانی کھوپڑی کا جواب نہیں۔" بلیک ڈیڈ نے مسرت آمیز لہجے میں کہا "دو ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں اور دونوں کے مدار ہماری نظروں میں ہیں۔"

"راکٹ فائر کرو اور نہیں گرادو۔" میں نے مسکرا کر تجویز پیش کی۔

"بس، اب راکٹ چلانے میں تھوڑی ہی دیر رہ گئی ہے۔ الٹی گنتی شروع ہوچکی ہے۔ کسی بھی وقت ان معصوم دہشت گردوں کے سروں پر دھما کا ہوجائے گا۔"

ویرا بھی ناشتا کرکے آگئی۔ بلیک ڈیڈ اسے تبدیلیوں سے آگاہ کرنے لگا مگر میرے کان مانیٹر کی طرف لگے رہے۔ میں نے میز پر رکھے ہوئے دوسرے مانیٹر کی آواز بھی کھول دی۔

ان آلات پر چھائے ہوئے مکمل اور طویل سکوت سے مجھے اندازہ ہوا کہ کسی کا بالکل یکہ و تنہا رہنا کس قدر دردناک معمول ہوتا ہے۔ کسی سے بولے چالے بغیر گھنٹوں اپنے بُرے یا بھلے خیالوں میں ڈوبے رہو۔ کھاؤ، پیو اور پھر سوجاؤ۔ کارخانے میں لگی

ہوئی' احساسات سے عاری کسی مشین کی طرح جو دن بھر پیداوار میں مصروف رہنے کے بعد رات کو بٹن دبا کر روک دی جاتی ہے۔

بیچ بیچ کی آوازوں کے بعد جارج کی آواز پھر سنائی دی۔ "ڈارلنگ! تم بھی نہیں جانتیں کہ مجھے یہ پارسل کس جذباتی دوست نے بھیجا ہے؟" یوں معلوم ہوا تھا جیسے جارج نے کسی خاتون کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں بھر کر محبت سے وہ سوال پوچھا ہو۔ کتیا کے حلق سے نکلنے والی باریک سی محبت بھری آواز نے وہ خوش فہمی فوراً ہی دور کردی۔ وہ اپنی ڈارلنگ نامی کتیا سے باتیں کررہا تھا پھر کچھ ایسی آوازیں آتی رہیں جیسے وہ کتیا اچھل اچھل کر اپنے مالک سے کھیل رہی ہو۔ آخر جارج نے پچکارنے کے بعد اسے بیٹھنے کا حکم دیا۔ ایک مرتبہ پھر سکوت گہرا ہونے لگا۔

چند منٹ کی خاموشی کے بعد مانیٹر پر ایک بہت دھیمی اور سمجھ میں نہ آنے والی آواز ابھری پھر جارج بولا "میں جارج بول رہا ہوں۔ بنجمن سے میری بات کراؤ۔"

بلیک ڈیڈ مکا تان کر صوفے سے فضا میں اچھل پڑا۔ ہمیں اپنے اہم ترین سوال کا جواب مل چکا تھا۔

"یہی ملعون ہمارا نشانہ ہے۔" بلیک ڈیڈ کی آواز خوشی سے مرتعش تھی "میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس حرام زادے کی تنہائی' مسکینی اور مفلوک الحالی پر مت جاؤ۔ یہ ڈیوڈ اسٹار ہی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے کسی ضرورت کے لیے یہ سوانگ رچایا ہوا ہو۔" وہ باتیں کرتے ہوئے بلیک ڈیڈ بہت تیزی کے ساتھ مانیٹر کے مختلف بٹنوں اور سوئچوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا تھا جس کے نتیجے میں آوازیں بہت زیادہ گڑبڑ ہورہی تھیں مگر میں اپنے مانیٹر پر پوری بات سُن رہا تھا۔

جارج شلنز کو لائن ہولڈ کرائی گئی تھی۔

جوں ہی جارج کی فون کے ریسیور پر موہوم سی منمناتی ہوئی آواز بلند ہوئی' بلیک ڈیڈ نے لمحہ بھر میں اپنے مانیٹر پر سب کچھ درست کرلیا۔ جارج شلنز کی آواز کافی دھیمی ہوچکی تھی لیکن اس سے فون پر بات کرنے والے کی آواز اتنی واضح ہوگئی تھی کہ اسے دھیان سے سنا اور سمجھا جاسکتا تھا۔

"......کی تشویش نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے۔" وہ آوازیں نے پہچان لی۔ وہ بنجمن فورٹ ہی تھا۔ وہ پوچھ رہا تھا "تمہاری طرف تو خیریت ہے نا۔ میں فون کی ہر گھنٹی پر چونک پڑتا ہوں۔"

"خوش گوار خیریت ہے۔ میں ذہنی طور پر کسی بھی جھٹکے کے لیے پوری طرح تیار ہوں لیکن تھوڑی دیر پہلے مجھے کسی پرستار کی طرف سے دو بہت خوب صورت داؤدی ستارے ملے ہیں......"

"جارج! ہوشیار رہنا۔ یہ پارسل بم بھی ہوسکتے ہیں۔" بنجمن نے گھبرا کے اس کی بات کاٹ دی "آدمی کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہوں تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔"

"میں نے اپنا اطمینان کرلیا ہے۔ ان میں بارود نہیں ہے نہ ٹائم بم کی ٹِک ٹِک۔ مجھے ابلات کا وہ ربّی آج تک یاد ہے جسے کسی نے عقیدت سے ایک گلدستہ دیا تھا مگر تھوڑی ہی دیر بعد ان پھولوں میں سے نکلنے والے زہریلے بچھو نے ربّی کو ڈنک مار کر موت کی ابدی نیند سلا دیا تھا۔"

"یہ ستارے تمہیں کس پرستار نے بھیجے ہیں؟" بنجمن کی طرف سے پوچھا گیا۔

"پارسل میں کمپیوٹر پر چھپی ہوئی صرف ایک تحریر ہے۔ پیارے جارج شلنز کے لیے عقیدت کے ساتھ۔ پارسل پر کسی ڈیوڈ ایلس گوریان کا کیلیفورنیا کا پتا ہے۔ یہ نام میرے لیے اجنبی ہے۔"

"اجنبی بھروسے کے قابل نہیں ہوتے۔ موجودہ حالات میں ہمیں پھونک پھونک کر قدم اٹھانا ہوگا۔ فوراً اسے شکریے کا ٹیلی گرام دے کر شکایت کرو کہ اس نے خط میں کچھ اور کیوں نہیں لکھا؟ وہ تمہارا مداح کیوں ہے؟ کل تک تمہیں اس کی طرف سے جواب مل جائے گا اور ہر بات سامنے آجائے گی۔"

بنجمن کی وہ مکارانہ تجویز سن کر بلیک ڈیڈ کے چہرے پر بدحواسی کی لہر دوڑ گئی۔

"میں ٹیلی گرام بھیج دوں گا۔ ویسے وہ نام سے ہمارا ہم مذہب معلوم ہوتا ہے۔"

"تمہیں تحفہ ملا ہے اس لیے تم مطمئن اور پُرسکون ہو۔ میری طرح تمہارے پاس کسی موذی کا فون آیا ہوتا تو تم دہشت سے بے ہوش ہوگئے ہوتے۔ یہ نہ بھولو کہ ہم ایک بُرے دور سے گزر رہے ہیں۔"

"مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ یہاں رہ کر اب میں خود کو بہت غیر محفوظ تصور کررہا ہوں۔"

"سب سے پہلے اس تحفے کو تباہ کرکے دریا میں پھینک دو پھر میرے پاس چلے آؤ۔"

"نہیں بنجمن! تحفے میں داؤدی ستارے کی جگہ کچھ اور ملا ہوتا تو میں ضرور تمہارے مشورے پر عمل کرلیتا۔ اس ستارے سے گہری عقیدت ہی نے تو ہمیں ایک بھائی چارے کی کڑی میں پرویا ہوا ہے۔"

"میں ان ستاروں کو ایک نظر دیکھنا ضرور چاہوں گا۔ آتے ہوئے انہیں بھی ساتھ لے آنا۔"

"کیا تم یہاں نہیں آسکتے؟" جارج کی آواز سے اندازہ ہورہا تھا کہ اسے بنجمن کے اصرار سے رنج پہنچا تھا۔

"ہمیشہ میں ہی تمہارے پاس آتا ہوں۔ ابھی تم نے خود کہا تھا کہ اپنے گھر میں تم خود کو غیر محفوظ تصور کرتے ہو۔ میرے گھر میں تم محفوظ رہوگے۔ میں نے آج رات جیکب اور سولومن کو بھی کھانے پر بلایا ہے۔ ہم چاروں مل کر سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ عباس کرمانی نے میرا فون نمبر کہاں سے حاصل کیا اور مجھے کیوں فون کیا تھا؟"

"تمہاری پاگل بیوی پر جب ہذیانی دورے پڑتے ہیں تو وہ مجھے دہشت زدہ کر دیتی ہے...."

"اس کا ذکر مت کرو۔ وہ تمہیں کھا نہیں جائے گی۔ میں شب و روز اسی کے ساتھ گزارا کر رہا ہوں۔"

"اب پتی باپ کی بیٹی کے ساتھ گزارا کرنا تمہاری مجبوری ہے بنجمن!" جارج کی نرم آواز طنز سے بالکل عاری تھی۔ "یہ بات تم بار بار ہمارے سامنے کہتے رہے ہو.... اگر وہ دونوں تمہارے گھر آرہے ہیں تو میں بھی پہنچ جاؤں گا۔ یہ ڈینی اور عباس کا مسئلہ اب طے ہونا چاہیے کہ ہم ان دونوں میں سے کس سے لڑ رہے ہیں۔"

"آئزک ہمیشہ صرف ڈینی کا ذکر کرتا رہا لیکن اس سے بات کرنے کے بعد مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ڈینی کے ساتھ کوئی لالچی ایرانی بھی بیچ میں کودا ہوا ہے۔"

"یہ صرف تمہارا نہیں، ہم سب کا اور ہماری مقدس قوم کا مسئلہ ہے۔ میں تمہاری پریشانی سمجھ رہا ہوں۔ میں شام کو آؤں گا۔ ممکن ہو تو اپنی بیوی کو خواب آور دوائیں دے دینا۔ اس جیسی حسین عورت کو بال کھول کر چنگھاڑتے دیکھ کر دہشت اور عبرت سے دل دہل اٹھتا ہے۔"

"میں بندوبست کردوں گا کہ دروازے پر تمہیں پریشانی نہ ہو لیکن عباس کرمانی کے فون کے بعد گھر کے چوکیدار بہت سخت ہو گئے ہیں۔ دروازہ کھلنے میں دیر سویر ہو جائے تو مجھے معاف کر دینا۔"

"بنجمن! تم میرے بھائی ہو اور ہم سب بھائی ایک طویل مدت تک ایک دوسرے کے لیے دنیا بھر میں خاک چھانتے اور جوتے کھاتے پھرتے رہے ہیں۔ آج کے بھلے دنوں میں بھی ہمیں ایک دوسرے کے لیے یہ سبق یاد رکھنا چاہیے۔ بھائی کو بھائی سے شکوہ ہونے لگا تو یہ دن پلٹ جائیں گے۔"

"میں تمہارا منتظر رہوں گا۔" ہلکی سی کلک کی آواز کے ساتھ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"گولڈا سے اچھی تو میری ڈارلنگ ہے" مانیٹر پر جارج کی آواز ابھری۔ شاید اس نے فون بند کر کے اپنی کتیا سے باتیں شروع کر دی تھیں۔

میرا ذہن سوچ میں ڈوب گیا۔ ڈیوڈ اسٹارز عالمی صیہونی برادری کے لیے کام کر رہی تھی اور اسرائیل اسی پالیسی کا عملی دعوے دار تھا۔ وہ سرزمین دنیا کے ہر صیہونی کے لیے اس کے بنیادی وطن کے طور پر کھلی ہوئی تھی۔ پڑھے لکھے اور ذہین یہودی یہ جانتے تھے کہ انہوں نے مل کر اپنے وطن کی طرف ہجرت کی تو وہ ننھی سی ریاست اپنے سارے وسائل جھونک کر بھی ان کی معاشی ضروریات کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گی۔ وہ دنیا کے ہر خطے میں رہ رہے تھے اور اپنی مادی آسودگیوں کے ساتھ اپنے وطن کی خوش حالی کے لیے بھی انتھک جدوجہد کر رہے تھے۔ حد یہ ہے کہ امریکا جیسے ملک میں وہ شی کے ذریعے ہیروئن کا کالا دھن سمیٹ کر ڈیوڈ اسٹارز میں لگا رہے تھے جس کا فلسفہ جارج شلز نے دو سطروں میں بیان کر دیا تھا۔

وہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ گمنام تحفے کے ذریعے جارج کو بھیجے گئے مائیکروفونز وہاں بروقت پہنچے تھے۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ میں نے رواروی میں داؤدی ستارے کے غولوں کی تجویز دی تھی اور جارج نے ان تحفوں کو مقدس قرار دے کر تباہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

ہمیں ان دونوں کی اہم ترین گفتگو سننے کا موقع مل چکا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ بنجمن فورٹ ایک دنیا دار اور خود غرض آدمی تھا جو جذبات کو پس پشت ڈال کر ہر فیصلہ عقلی دلیل سے کرتا تھا جبکہ چھوٹے سے گھر میں تنہا رہنے والا جارج شلز غور و فکر کرنے والا، ایک سلجھا ہوا انسان محسوس ہوا تھا۔ اپنے صیہونی تعصبات اور مجرمانہ مقاصد کی وجہ سے اس نے خود کو بگاڑ لیا تھا۔

"ہماری بھاگ دوڑ بہت بار آور ثابت ہوئی ہے" بلیک ڈیڈ کہہ رہا تھا "ہم چاہتے تب بھی ان چاروں بدمعاشوں کو کبھی یک جا نہیں کر سکتے تھے۔ ہر ایک کو الگ الگ گھیرنا پڑتا۔ بنجمن فورٹ نے تینوں کو کھانے پر بلا کر ہمارا کام آسان کر دیا ہے۔"

"جو کچھ کرنا ہے، آج رات ہی کرنا پڑے گا۔" ویرا بولی "شیطان کے چار چیلوں کو ایک ساتھ ٹھکانے لگانے کا ایسا سنہرا موقع دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"تمہیں آئزک کے پھسپھسے انجام میں مزہ نہیں آیا تھا۔ اب بنجمن کے گھر پر دل کھول کر اپنی بھڑاس نکال لینا۔" میں نے ہنس کر ویرا سے کہا "وہاں کی تیاریوں کے بارے میں تم سن ہی چکی ہو کہ جارج شلز جیسے جانے بوجھے آدمی کو بھی اندر جانے میں دشواری ہوگی۔"

"یہ تشویش کی بات ہے۔ اتنے کڑے حفاظتی انتظامات کی موجودگی میں ہم بنجمن کے مکان میں کیسے داخل ہو سکیں گے؟" ویرا نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"ہمارے پاس زیادہ سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں ہے" بلیک ڈیڈ نے اعلان کیا "ان کی طاقت کو بھرپور طاقت سے کچلنا ہوگا۔ براہِ راست حملے کے سوا مجھے کوئی راہ نظر نہیں آرہی۔"

"یہ ایک احمقانہ قدم بھی ثابت ہو سکتا ہے" میں نے بے خوفی سے کہہ ڈالا "ہم دروازے پر ان کے محافظوں سے لڑتے رہ جائیں گے اور وہ چاروں کسی طرف سے فرار ہو جائیں گے۔"

"یہ نہیں ہوگا" بلیک ڈیڈ نے یقین دلایا "میرے آدمی اسی وقت اس مکان کی ریکی پر نکل جائیں گے۔ فرار کی ہر راہ کا جائزہ لیا جائے گا۔ باہر سے حملے کا آغاز ہونے سے پہلے اس مکان کے گرد نادیدہ مسلح حصار قائم ہو چکا ہوگا جسے توڑ کر چوہے کا بچہ بھی باہر نہیں جا سکے گا۔"

"اس کارروائی کے لیے بہت بھاری نفری درکار ہوگی۔" میں نے اس سے کہا۔

"نفری کی تم پروا مت کرو" بلیک ڈیڈ کے لہجے سے بے نیازی

جھلک رہی تھی "میرے ایک اشارے پر ہارلم کے سارے نوجوان ہتھیار سنبھال کر وہاں صف آرا ہو جائیں گے۔ اصل مسئلہ احاطے میں گھسنے کا ہوگا۔ ایک بار ہم اندر پہنچ گئے تو حالات ہمارے قابو میں آجائیں گے۔"

"تم اس طرح بات کر رہے ہو جیسے پینٹاگون والوں نے تمہیں اپنے کسی لڑاکا ڈویژن کی کمان سونپ دی ہو۔" میں نے اس کا دماغ آسمان سے زمین پر لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "شاید وہ متمول لوگوں کا علاقہ ہے۔ تم زیادہ دیر تک وہاں نہیں ٹک سکو گے۔ پولیس کی پہلی گاڑی نمودار ہوتے ہی ہر شخص اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ کھڑا ہوگا۔"

بلیک ڈیڈ سر ہلانے لگا۔ میری بات پر اس کے شانے ڈھلک گئے تھے۔

اس نے اپنی ٹھوڑی ہتھیلی پر ٹکا کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "فائر کھلتے ہی کوئی نہ کوئی مقامی، پولیس کو فون ضرور کرے گا۔ میں یہ بندوبست تو کر سکتا ہوں کہ پولیس پہلے فون پر ہی ادھر دوڑ نہ لگائے۔ یہ تاخیر زیادہ سے زیادہ دس پندرہ منٹ کی ہو سکتی ہے پھر وہ آجائیں گے۔"

"تم مصر ہو کہ تمہارے پاس سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ ہمیں اچھی طرح سوچ سمجھ کر اُدھر کا رخ کرنا چاہیے۔ یہ ابھی یا کبھی نہیں والا معاملہ ہے۔ ہم کوئی معقول منصوبہ بندی کر سکیں تو ان چاروں کو ٹھکانے لگانے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

"تو پھر سوچو۔ میں نے کب روکا ہے" بلیک ڈیڈ نے پیر پسار کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگا لیا۔

"سب سے پہلے اپنے آدمیوں کو ریکی پر روانہ کر دو۔ یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہیے۔ اس کے بعد ہم تینوں مل کر سوچ بچار کرتے ہیں کہ کون سی راہ بہترین ثابت ہوگی۔"

"سوچ بچار تم دونوں ہی کرو۔ میرے دماغ میں جو تجویز آئی تھی، وہ میں نے بے دھڑک بتا دی۔ اس کا کوئی بہتر متبادل بتاؤ اور میری تجویز کو رد کر دو" یہ کہتے ہوئے وہ صوفہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھے رہو۔ تم جا کہاں رہے ہو؟" میں نے ہلکی سی تیزی سے کہا۔

"کہیں نہیں جا رہا۔ سرونٹ کوارٹر میں اپنے آدمیوں کو اس علاقے کی دیکھ بھال کے بارے میں سمجھا کر واپس آتا ہوں" بات ختم کر کے بلیک ڈیڈ وہاں سے چلا گیا۔

"تم کیا کہتی ہو؟" میں نے ویرا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"امریکا میں جتھے بند ہو کر کسی کے گھر پر یوں چڑھائی کرنا آسان کام نہیں ہے۔ لڑائی بھڑائی کے معاملوں میں بلیک ڈیڈ کی عقل شاید ٹخنوں میں اتر جاتی ہے" ویرا نے جواب دیا۔

"خرافات نہ بکو۔ یہ بتاؤ کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ شام سر پر آجائے گی اور ہمیں ناچار بلیک ڈیڈ کے احمقانہ منصوبے پر عمل کر کے منہ کی کھانی پڑے گی۔"

"جارج شلز اکیلا ہوگا۔ اسے راستے ہی میں ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔ باقی تین کے لیے وہی کرو جو بلیک ڈیڈ کہہ رہا ہے۔ ناکامی ہوئی تو بعد میں کچھ سوچا جائے گا۔"

میں نے خاموش ہو کر سگریٹ سلگا لی۔ میرے ذہن میں گھر سے بیکسٹر کی لاش کی روانگی کا وہ منظر گھوم رہا تھا جو میں نے خود نہیں دیکھا تھا۔

"ان لوگوں کی نحوست کے بارے میں تم نے غور کیا کہ ان کی ذاتی زندگیاں کس قدر نا آسودہ ہیں۔" کچھ دیر بعد ویرا نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

"کس نحوست کی بات کر رہی ہو؟" میں نے اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"جارج شلز ایک کتیا کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے، بنجمن فورٹ کی خوب صورت بیوی پاگل ہے۔ پتا نہیں سولومن اور جیکب کے گھروں کا کیا حال ہوگا۔" ویرا نے وضاحت کی۔

"یہ ان کی نیتوں کا زہر ہے جو ان کے گھروں میں پھیلا ہوا ہے۔ اب کچھ دیر اپنی چونچ بند رکھو۔ میں واقعات کی کچھ کڑیاں ملانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم بے مقصد چاند ماری سے بچ کر آج زیادہ بڑی کامیاب حاصل کر لیں۔"

"یہ ذہن میں رکھنا کہ اب بیم گن بھی ہمارے قبضے میں ہے۔ فائر کے دھماکے کا خطرہ مول لیے بغیر ہم خاموشی سے کسی کو بھی ختم کر سکتے ہیں۔" ویرا نے مجھے یاد دلایا۔

بلیک ڈیڈ اپنے آدمیوں کو کام سونپ کر واپس آیا تو اس کے منہ سے یخ بستہ بیئر کا کین لگا ہوا تھا۔ پچھلی رات سے وہ پانی کی طرح مسلسل بیئر پیے جا رہا تھا۔

"تم کہیں سے ایک بڑی ایمبولینس حاصل کر سکتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"صرف ایک فون کر کے تم بھی ایمبولینس منگوا سکتے ہو۔ اس کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"فون کر کے منگوائی جانے والی ایمبولینس میں ہتھیار نہیں لے جائے جا سکتے" میں نے تلخی سے کہا "اسی لیے میں نے تم سے سوال کیا تھا۔"

"ایمبولینس میں ہتھیار" وہ خوش ہو کر بولا "اس کا مطلب ہے کہ تمہاری کھوپڑی چل پڑی ہے اور تم کوئی قابلِ عمل تدبیر سوچ رہے ہو۔ ایک کیا، تم چاہو تو میرے آدمی اس سے زیادہ ایمبولینسیں اٹھا سکتے ہیں۔ ان سے اپنا کام نکالو اور شہر میں کہیں بھی چھوڑ کر غائب ہو جاؤ۔"

"میں یہی چاہ رہا تھا۔ ایمبولینس لے جا کر ہم آسانی سے، بنجمن

فورٹ کے گھر کا دروازہ کھلواسکتے ہیں۔ اندر پہنچتے ہی ایمبولینس میں چھپے ہوئے مسلح آدمی باہر نکلیں گے اور تیزی سے سب کو زیر کرتے چلے جائیں گے۔" میں نے اسے بتایا "ہوسکتا ہے کہ کسی دھواں دھار مقابلے کے بغیر ہی ہم حالات پر قابو پالیں۔"

"لیکن وہ کسی بن بلائی ایمبولینس کے لیے دروازہ کیوں کھولیں گے؟" ویرا کے چہرے پر الجھن تھی۔

میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کرکے بلیک ڈیڈ سے بات جاری رکھی "ریکی سے محاصرے تک، سب کچھ اسی طرح کا ہوگا جیسے تم نے سوچا تھا۔ بس حملہ آور ہونے کا طریقہ بدل جائے گا۔ ہم لوگوں کے ساتھ تمہارے ہتھیار بند آدمی ایمبولینس میں چھپ کر اندر گھسیں گے، ان کے پیچھے دوسری گاڑیاں بھی اندر داخل ہوسکتی ہیں۔ اس کا انحصار مزاحمت کی شدت پر ہوگا۔"

"یہ سب درست ہے لیکن تم نے ویرا کے سوال کا جواب نہیں دیا" بلیک ڈیڈ نے ٹوکا۔

"ہمیں معلوم ہے کہ جارج شلز آج شام بنجمن کی طرف جائے گا۔ اس کی نگرانی ہورہی ہے۔ ہم اسے راستے سے اغوا کرلیں گے اور بے ہوش کرکے کسی محفوظ مقام...."

میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ میز پر رکھے ہوئے مانیٹر پر یکایک فون کی گھنٹی کی ہلکی سی آواز ابھری تھی۔ بلیک ڈیڈ نے فوراً ہی اس مانیٹر کی آواز بڑھادی۔

مانیٹر اپنی کارکردگی کی ابتدا سے ہی مسلسل آن تھا۔ جارج اور بنجمن کی اہم ترین گفتگو کے بعد اس پر کوئی قابلِ ذکر آواز نہیں سنائی دی تھی اس لیے اسے نظرانداز کردیا گیا تھا۔ اس پر فون کی گھنٹی کی آواز کا آنا اس بات کا غماز تھا کہ کسی نے جارج کو فون کیا تھا۔

فون کی گھنٹی کے فوراً بعد جارج کی پالتو کتیا کی ایک دبی ہوئی آواز آئی۔ شاید اس نے اپنے مالک کو فون کی طرف متوجہ کیا تھا۔ دوسری گھنٹی بجتے ہی جارج فون پر پہنچ چکا تھا اور مانیٹر پر اس کی آواز بالکل صاف سنائی دے رہی تھی۔

دوسری طرف سے بولنے والا، تیسرا ڈیوڈ اسٹار جیکب تھا۔ ہم تیسرے ڈیوڈ اسٹار کی آواز سن رہے تھے۔ صورت صرف ایک کی شناسا تھی جسے بلیک ڈیڈ کے آدمیوں نے اپنی نگرانی میں رکھا ہوا تھا اور وہی جارج کو پہچان سکتے تھے۔ بقیہ تینوں داؤدی ستارے ہمارے لیے ناقابلِ شناخت تھے۔

"بنجمن کو آنے والے فون کا قصہ تمہارے علم میں ہوگا؟" جارج کے فون کے ریسیور اور خفیہ مائیکروفون کے ذریعے جیکب کی آواز مانیٹر تک پہنچ رہی تھی "اس واقعے نے سب کو خوف اور تشویش میں مبتلا کردیا ہے۔"

"آئزک کے اچانک بے دست و پا ہوجانے سے پریشانی ہورہی ہے۔ سب رابطے اور انتظامات اسی کے ہوتے تھے۔ اب کسی کو کچھ نہیں معلوم کہ کیا کرنا ہے۔ دفتر کھلے گا تو ریکارڈ سے کچھ معلوم ہوگا" جارج اسے سمجھا رہا تھا "اس وقت تک ہمیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔"

"میں اپنے بھائی پر الزام نہیں لگا رہا۔ برادرہڈ میں ایسا نہیں ہوتا مگر یہ حقیقت ہے کہ بلیک ڈیڈ کو چھیڑنا آئزک کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ اسی کے بعد سے سب کچھ بدلتا چلا گیا۔"

"تم یہ سمجھتے ہو تو اس سے رابطہ کرو، اسے سمجھاؤ، نہ مانے تو اسے اپنے خدا کی رضا کے حوالے کردو۔ شاید اس کے خون کی بھینٹ یہ مشکل وقت ٹال دے" جارج کی آواز نرم مگر الفاظ سفاکانہ تھے۔

"آج شام کچھ طے کرنے کے بعد ہی کچھ کریں گے۔ تم وہاں آرہے ہو؟" جیکب نے پوچھا۔

"کیا نہ آنے کی کوئی وجہ موجود ہے؟" جارج نے جوابی سوال کرڈالا۔

"تم بے جگر آدمی ہو۔ چھوٹے سے گھر میں بے فکری سے اکیلے رہتے ہو...."

جارج نے اس کی بات کاٹ دی "اکیلا نہیں، میں ڈارلنگ کے ساتھ رہتا ہوں۔"

"اس خوفناک کتیا سے تمہیں بہت پیار ہے۔ میں یہ پوچھ رہا تھا کہ کیا تم میرے ساتھ وہاں جانا چاہوگے؟" جیکب نے وہ سوال کرکے میرے وجود میں سنسنی کی ایک لہر دوڑادی۔

اگر وہ دونوں ایک ساتھ سفر کرتے تو جارج کے ذریعے جیکب کی بھی نشاندہی ہوسکتی تھی۔ ہم بنجمن کے گھر سے باہر ہی دو ڈیوڈ اسٹارز کو اغوا کرکے اپنے منصوبے کو بہتر طور پر عملی جامہ پہنا سکتے تھے۔ میری وہ مسرت آمیز سنسنی بس چند لمحوں کے لیے قائم رہی۔ جارج کے سپاٹ جواب نے میری نئی امیدوں پر ایک دم اوس سی ڈال دی۔

وہ کہہ رہا تھا "تمہاری گاڑی محافظوں سے بھری ہوتی ہے۔ میں ڈارلنگ کے ساتھ سفر کرنے کا عادی ہوں۔ تم کو زحمت ہوگی۔ ویسے بھی کسی عام مقام پر ہم چاروں میں سے کسی بھی دو کا یک جا ہوجانا فی الحال مناسب نہیں ہے۔ پتا نہیں کون کس کی نظروں میں چبھ رہا ہو۔ ایک کی وجہ سے دوسرا بھی مشکل میں پڑسکتا ہے۔ میں تمہاری پیش کش کے لیے تمہارا شکرگزار ہوں۔"

وہ فقرے ادا کرتے ہوئے جارج شلز کو یہ علم نہیں تھا کہ اس کے تینوں ساتھی اپنے دشمنوں کی نظروں سے پوری طرح اوجھل تھے۔ وہ اکیلا ہی ہماری نگاہوں میں آیا ہوا تھا۔

"سب پریشان ہیں اور ٹیلی فون پر ایک دوسرے کا سہارا تلاش کررہے ہیں" جیکب کہہ رہا تھا "ہمارے دل اچاٹ ہیں۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس انسان دوست سرزمین پر ہم یوں اچانک بے یارومددگار رہ جائیں گے۔ سارے افسر اور اہل کار ہم

سے نظریں پھیرلیں گے۔"
"اگر بنجمن کو فون کرنے والا سچا ہے تو آئزک نے گیپ کے معاملے میں چال بازی کرکے آگ سے کھیلنے کی کوشش کی اور ہم سب کے دامن داغ دار کردیے۔ یہ ہمارے خلاف کوئی بہت بڑی سازش تھی جس کا توڑ دھیرے دھیرے ہی ہوسکے گا۔ اس اچھے وقت کے لیے ہمیں صبر کے ساتھ انتظار کرنا ہوگا۔ میں آج آگے کی منصوبہ بندی کا کوئی خاکہ لے کر آؤں گا۔ تم بھی سوچو کہ ہم کس ترکیب سے اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرکے اپنے لوگوں کے لیے کام کرسکتے ہیں۔"
"اس وقت تم ہی یہ سب سوچنے کا حوصلہ کرسکتے ہو۔ میں بہت ہراساں ہوں۔ بنجمن نے کہا ہے کہ ہم تینوں چاہیں تو کچھ روز اسی کے گھر پر رہ سکتے ہیں۔ سرجوڑ کر ہم بہت کچھ سوچ سکیں گے اور ہمیں ایک دوسرے سے ڈھارس بھی رہے گی۔ میں تھوڑی سی تیاری کے ساتھ پہنچوں گا اور فیصلہ وہیں پہنچ کر کروں گا۔ سولومن تو شاید اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے کر آرہا ہے۔"
"خدا ہم سب پر مہربان ہو۔ اب شام کو ملاقات ہوگی" دوسری اہم ترین گفتگو کا وہ سلسلہ بھی آخر کار وہاں ختم ہوگیا۔ بلیک ڈیڈ نے مانیٹر کی آواز گھٹادی۔
"اب شاید سولومن اسے فون کرے گا۔ وہ اطمینان سے اپنے گھر میں بیٹھا ہوا ہے، دوسرے بلاوجہ اسے پریشان کررہے ہیں" ویرا نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا۔
"سب سے زیادہ خطرہ اسی کو ہے" بلیک ڈیڈ دانت پیس کر بولا "سؤر کا بچہ، جیکب کو میری بھینٹ دینے کی ترغیب دے رہا تھا..... جی چاہ رہا ہے کہ اسی وقت کسی کو بھیج کر اسے اور اس کی کتیا کو مروادوں۔ ان چاروں میں مجھے یہی سب سے زیادہ سفاک اور سنگ دل معلوم ہورہا ہے۔"
"فون کی آواز پر تمہاری بات ادھوری رہ گئی تھی" بات بڑھنے سے پہلے ویرا نے مجھے یاد دلایا "تم اسی مردود کے اغوا کے بارے میں کوئی منصوبہ بتارہے تھے۔"
"یہ بہت اچھا ہوا کہ تم پہلے ہی اس سے خار کھائے بیٹھے تھے اور اسی کو چارا بنانے کا فیصلہ کرچکے تھے" بلیک ڈیڈ نے زور دے کر کہا "وہ اس قابل ہے کہ اسے ایمبولینس کے پیچھے باندھ کر سڑکوں پر دور تک گھسیٹا جائے۔ تم دیکھنا کہ میں اس کا کیا حشر کرتا ہوں۔"
میں بے ساختہ ہنس پڑا "مجھے اس سے کوئی خار نہیں تھا۔ اس وقت وہی ہماری پہچان اور دسترس میں ہے۔ اسے بے ہوش کرکے ہم ایمبولینس میں بنجمن کے گھر لے جائیں گے اور بتائیں گے کہ ایک دورے کے نتیجے میں بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے بنجمن کے گھر پہنچائے جانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ دیکھ بھال ہوگی۔ وہ بنجمن کے محافظوں کا جانا پہچانا چہرہ ہے۔ ایمبولینس کے لیے دروازہ کھل جائے گا..."
"اندر پہنچتے ہی کیبن میں چھپے ہوئے آدمی باہر نکل کر ان پر ٹوٹ پڑیں گے" اگلا فقرہ بلیک ڈیڈ نے مکمل کردیا "بہت شاندار، بے داغ اور قابلِ عمل طریقہ ہے۔ بس صرف ایمبولینس کی ضرورت ہے۔"
"یہ سب ہوجائے گا مگر اندر کی بھیڑ میں بنجمن اور اس کے ساتھیوں کو کون پہچانے گا؟" ویرا نے اپنی دانست میں ایک ٹیڑھا سوال دریافت کیا۔
"جارج شلز کو اسی آخری کام کے لیے زندہ رکھا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ملازمین کے رویے سے پہچان لیے جائیں۔ ایسا نہ ہوا تو جارج ہماری رہنمائی کرے گا۔"
"سب طے ہوگیا" بلیک ڈیڈ اپنے کیبن کو خالی کرکے اٹھ گیا "اب مجھے راستوں کا جائزہ لے کر یہ طے کرنا ہوگا کہ جارج کو کہاں اغوا کیا جائے، ایمبولینس کہاں اس کا انتظار کرے گی اور اس میں مسلح آدمیوں کو چھپانے کا کیا بندوبست ہوگا۔"
"جب تم ان چاروں کو مارلو تو بنجمن کے گھر سے فون کرکے ہمیں نتائج سے باخبر کردینا" ویرا نے اس کی شیخیوں سے جل کر تلخی سے کہا۔
"مم.... میرا یہ مطلب نہیں تھا بے بی!" وہ سٹپٹا کر بولا "تم دونوں شروع سے آخر تک میرے ساتھ رہوگے۔ بعد میں ہم ایمبولینس میں ہوں گے۔ میں آدمیوں وغیرہ کا تعین کرکے چھ بجے سے پہلے لوٹ آؤں گا۔ یہاں سے ہم ایک ساتھ جارج شلز کی طرف روانہ ہوں گے۔"
"ایک خالی ویگن بھی واپسی کے لیے درکار ہوگی۔ اپنا کام مکمل کرنے کے بعد ہم مسروقہ ایمبولینس وہیں چھوڑدیں گے۔ وہ ہمارے فرار کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔"
بلیک ڈیڈ وہاں سے جاتے جاتے رک گیا "تمہاری نظر ہر بات پر رہتی ہے۔ میرا خیال تھا کہ ہم وہاں سے ایمبولینس پر ہی نکلیں گے۔ ہمیں کہیں کسی روک ٹوک کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ سائرن بجاتی ہوئی ایسی گاڑیوں کو پولیس والے کم ہی روکتے ہیں۔"
"اس وقت تک پولیس کو اطلاع مل چکی ہوگی کہ بنجمن کے گھر میں ایمبولینس پہنچنے کے بعد تصادم کا آغاز ہوا ہے۔ ہم پکڑے جائیں گے" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
"میں تم سے بحث نہیں کررہا، صرف اپنے خیال سے آگاہ کررہا تھا۔ میں نے تمہارے مشورے کی افادیت تسلیم کرلی ہے۔ ایسی ہی کوئی اور اہم بات رہ گئی ہو تو وہ بھی بتادو۔ ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر کوئی گڑبڑ ہوجائے اور تم ساری ذمّے داری میرے سر ڈال دو۔"
"ان باتوں کو ذہن نشین کرکے تم اطمینان سے جاسکتے ہو۔ باقی باتیں واپسی پر ہوں گی۔"
شاید مائیک کے ذریعے ڈرائیور کو بلیک ڈیڈ کی روانگی کی اطلاع

مل گئی تھی۔ کالی گاڑی دروازے کے سامنے آگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ باوقار انداز میں گاڑی میں سوار ہوا تو اس بار اس کے دو آدمی کم ہو چکے تھے جنہیں وہ پہلے ہی بھاگ دوڑ کے لیے روانہ کر چکا تھا۔

"رات سے تم بہت تھک گئے ہو' اپنے کمرے میں جا کر تھوڑی دیر آرام کرلو۔ ہو سکتا ہے کہ شام کو بھی تمہاری ضرورت پیش آجائے" میں نے مائیک کو پھسلا کر لان سے ہی اس کے کوارٹر کی طرف بھیج دیا۔

بلیک ڈیڈ عجیب بے پروا اور لاابالی طبیعت کا مالک تھا۔ اس کی موجودگی میں مائیک اپنی پوری پھرتی دکھانے کے باوجود ڈرائنگ روم کو سمیٹنے میں ناکام رہا تھا۔ ہمیں بھی ڈرائنگ روم کی صفائی کی کوئی عجلت نہیں تھی۔ بس میں وہاں سے فون نکال کر اپنے کمرے میں لے آیا۔

فون کو اپنی خواب گاہ میں سی ایس ڈی کے ذریعے لائن سے منسلک کرکے سب سے پہلے میں نے بدری کے ہوٹل فون کیا تو وہ اپنے کمرے میں موجود نہیں تھا۔ دو بجنے والے تھے' میں نے میجر جنجوعہ کا نمبر ملایا۔

میری کال اس نے بہت خوشی کے ساتھ وصول کی۔ اسے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ میرے آلے کی تحقیق کے مطابق اس کے فون پر کوئی آبزرویشن نہیں تھی۔

ڈیوڈ اسٹارز کے معاملات کو چلانے والوں کے بارے میں وہ بنیادی باتیں پہلے سے جانتا تھا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ سفارت خانے کے متعلقہ عملے سے بات کرکے مجھے ان چاروں ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں بتائے گا جو راس المیڈا اور آئزک بیل کے بعد اس صیہونی تنظیم کو چلانے کے ذمے دار ہو سکتے تھے۔ ان میں سے بنجمن فورث کا نمبر وہ مجھے پہلے ہی دے چکا تھا۔

اس نے حسبِ وعدہ مجھے ان چاروں کے نام' پتے اور فون نمبر لکھوا دیے۔ نام میرے پاس پہلے سے موجود تھے۔ دو پتوں کی لفظ بہ لفظ درستگی کی بنا پر مجھے یقین تھا کہ اس نے جیکب اور سولومن کے پتے بھی درست ہی لکھوائے ہوں گے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ پاکستان کے پس پردہ کام کرنے والے سفارتی اہل کاروں کی کارکردگی بہت شاندار تھی۔ پرائی سرزمین پر بیٹھ کر وہ ایسی معلومات بھی حاصل کر رہے تھے جن تک ہر کس وناکس کی رسائی نہیں تھی۔ کھلی آنکھوں کے ساتھ ہر محاذ پر اسی طرح سرگرم رہ کر سرخروئی حاصل کی جا سکتی تھی۔

میرے پاس وقت کی کمی نہیں تھی لیکن ایک اہم معرکہ سامنے آجانے کی وجہ سے میں فطری اعصابی دباؤ میں مبتلا ہو رہا تھا۔ میجر جنجوعہ مجھ سے مزید گفتگو کرنے کا خواہاں تھا مگر میں نے مصروفیت کا عذر کرکے بات وہیں ختم کردی۔ اس کے پُرزور اصرار پر میں نے تین مرتبہ قونصل جنرل کا نمبر ملا کر بات کرنے کی کوشش کی۔ ہر بار لائن ملتے ہی سی ایس ڈی فعال ہوا' سرخ روشنی جلی' بزر بولا اور لائن کٹ گئی۔

وہ اہم خبر دینے کے لیے مجھے دوبارہ میجر جنجوعہ کا نمبر ملانا پڑا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم نے تین بار قونصل جنرل صاحب کا نمبر ملانے کی ناکام کوشش کی ہے" اس نے میری آواز سنتے ہی کہا۔

"تمہاری لائن بار بار ڈراپ کیوں ہو رہی تھی؟"

"وہ میرے آلے کی کارکردگی تھی۔ وہ نمبر آبزرویشن میں ہے اسی لیے اس پر بات نہیں ہو سکی۔ دوسرے نمبر میں پھر کسی وقت چیک کرلوں گا۔ اس وقت میں بری طرح الجھا ہوا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ کل تم کچھ اچھی خبریں سن سکو۔"

وہ خود ایک فرض شناس اور ذمّے دار افسر تھا' دوسروں کی مجبوریوں کو سمجھتا تھا۔ اس نے خود ہی مجھے خدا حافظ کہہ کر فون بند کردیا۔

"ہو سکتا ہے کہ ہمیں رات گئے تک باہر کسی فون بوتھ تک پہنچنے کا موقع نہ مل سکے" مجھے تذبذب میں دیکھ کر ویرا نے لقمہ دیا۔ "اول خان یا سلطان شاہ کو یہیں سے فون کرلو۔"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ بل کے ذریعے پاکستان کا ایک اہم فون نمبر بلیک ڈیڈ کے قبضے میں چلا جائے گا۔ میں ایسی بے احتیاطیوں سے گریز ہی کرتا ہوں۔"

"حیرت ہے کہ تم ابھی تک اس پر اعتبار کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہو۔"

"یہ اعتبار کا نہیں' اس کے مزاج کا مسئلہ ہے۔ اس کی بے پروائی سے یہ نمبر کہیں بھی پہنچ سکتا ہے۔ جب تک ہم یہاں ہیں' ہمارے تمام رابطوں کو راز ہی رہنا چاہیے۔ ہمارے جانے کے بعد جو ہوتا ہے' ہوتا رہے' مجھے رتی برابر فکر نہ ہوگی" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"پھر تم بے غم ہو کر نمبر ملاؤ۔ اس کال کا بل دو تین ہفتوں سے پہلے نہیں آئے گا۔ اس وقت تک ہم یہاں نہیں بیٹھے رہیں گے" ویرا اپنی بات پر اڑی رہی۔

میرے نزدیک فرد کے مقابلے میں ایک اہم ادارے کی سالمیت کو ترجیح حاصل تھی۔ میں نے اول خان کے گھر یا دفتر رابطہ کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ ہمارے فلیٹ کا نمبر پہلے ہی آئزک کے علم میں تھا۔ وہ کئی بار امریکا سے اس نمبر پر فون کرکے مجھے دھمکیاں دیتا رہا تھا۔ وہ نمبر کسی اور تک پہنچ جاتا تو کوئی خاص فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ میں نے اسپیکر فون آن کردیا۔

ادھر ویرا میرے ساتھ موجود تھی' وہاں غزالہ' سلطان شاہ کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ صورتِ حال نازک تھی مگر میں نے اس سے نبرد آزما ہونے کا فیصلہ کرکے نمبر ملانا شروع کردیا۔

بین الاقوامی کال بیپ کے ساتھ سلطان شاہ کی مسرت آمیز آواز فوراً سنائی دی "ہیلو! کیا تم امریکا سے بول رہے ہو؟"

"ہاں! کیا بات ہے۔ تم اتنے سویرے کیسے جاگ رہے ہو؟

حال چال کیسے ہیں؟" اس سے بات کرتے ہوئے فرطِ جذبات سے میرے حلق میں ایک گولا سا پھنسنے لگا۔

"میں مزے میں ہوں۔ یہاں فجر کا وقت ہونے والا ہے۔ غزالہ نماز کی تیاری کررہی ہے۔ تمہاری آواز اس کے کانوں تک ضرور جارہی ہوگی۔ وہ وضو مکمل کرکے آتی ہی ہوگی" سلطان شاہ ایک ہی سانس میں بولتا چلا گیا۔ "یہ بتاؤ کہ تم کب واپس آرہے ہو.....؟"

"واپسی جلد ہوگی۔ یہاں کام پر کام نکلا چلا آرہا ہے۔ اس وقت میں بھی اسپیکر فون استعمال کررہا ہوں اور روزی میرے ساتھ موجود ہے۔ یہ تمہیں بہت یاد کرتی رہتی ہے۔"

"اللہ تم پر رحم کرے..... اس کو بتادو کہ کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔ یہ مجھے کتنا بھی یاد کرے میں پٹھان کا بچہ ہوں' ذرا بھی نہیں بدل سکتا" روزی کے نام پر سلطان شاہ کی آواز قدرے کراری ہوگئی تھی اور وہ ویرا پر طنز کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"میں تم پر ترس کھاکر تمہیں یاد کرتی ہوں" ویرا لڑاکا لہجے میں بول پڑی "سنا ہے کہ انقرہ سے ہڈیوں کی مالا بن کر اسٹریچر پر پہنچے ہو۔ جس دن تمہاری مکمل صحت یابی کی اطلاع مل گئی' بھول کر بھی تمہیں یاد نہیں کروں گی۔ میں ڈھور ڈنگروں سے ذرا دور ہی رہتی ہوں۔"

"میری ہڈیاں نہیں نکلیں' بس ذرا فالتو چربی پگھلی ہے۔ تمہیں مجھ پر ترس کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ترس کا اصلی حق دار اس وقت بھی تمہارے ساتھ موجود ہے۔ یہ یاد....."

"بس! زیادہ لڑنے کی ضرورت نہیں" غزالہ کی غصیلی آواز کے ساتھ ہی سلطان شاہ کی زبان تھم گئی۔ اسے ڈانٹ کر وہ ہم سے مخاطب ہوگئی "اتنے دنوں بعد آپ کی آواز سن کر دل خوش ہوگیا۔ آپ خیریت سے تو ہیں نا؟ میں دن رات آپ دونوں کے لیے فکر مند رہتی ہوں۔"

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ الگ الگ رہ کر بھی ہم دونوں ہر وقت ایک دوسرے کی خبرگیری کرتے رہتے ہیں" ویرا نے کہا "دعا کرو کہ یہاں سے جلد فارغ ہوں تو واپس لوٹیں۔"

"بس اب یہی وظیفہ رہ گیا ہے۔ تم دونوں کے بغیر زندگی روکھی پھیکی ہوکر رہ گئی ہے.... آپ ذرا اسے سمجھادیں" ویرا سے بات کرکے وہ مجھ سے مخاطب ہوگئی "ابھی تک اس پر آرام کی پابندی ہے مگر یہ رات ہی کو گاڑی میں نکل گیا تھا اور دو کو زخمی کرکے آیا ہے۔"

"سلطان شاہ! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ کیا تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے؟"

"شاید یہی ہوا تھا" سلطان شاہ کی آواز خفت آلود تھی "اول خان کے کیس کے سات ملزم پولیس کے حوالے کیے گئے ہیں۔ ان میں سے دو بارسوخ آدمی چند گھنٹوں میں ضمانت پر چھوڑ دیے گئے۔ اول خان کو اپنی محنت برباد ہونے کا بہت قلق تھا۔ میں نے دونوں کو ادھیڑ ڈالا۔"

"اس وقت تم نے احتیاط نہیں کی تو اپنی زندگی برباد کرلوگے۔ یہ حرکتیں اچھی نہیں ہیں۔ تم نے ان سے کوئی زور آزمائی تو نہیں کی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"قسم لے لو جو انہیں ہاتھ بھی لگایا ہو۔ دونوں کے ایک ایک گھٹنے پر فائر کرکے زندگی بھر کے لیے معذور کیا ہے۔ اب دنیا کا کوئی آپریشن ان کے گھٹنوں کے جوڑوں کو اصل حالت میں نہیں لاسکے گا۔ میں مجبور ہوکر نکلا تھا۔ اب وعدہ کرتا ہوں کہ آرام کروں گا۔"

"آپ کبھی کبھی فون کرتے رہیں تو یہ سیدھا رہے گا۔ آپ کی خاموشی اسے شیر کردیتی ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ اب یہ شرافت سے رہے گا۔ میں جلد ہی واپس آنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔"

"اب بہت لمبی غیر حاضری ہوگئی۔ آپ کو آجانا چاہیے" اسپیکر فون پر وہ بے چاری اس سے زیادہ کچھ کہنے سے معذور تھی۔ میں اسے دلاسا دیتا رہا۔ وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنی تنہائی اور بے بسی کا شکوہ کرتی رہی۔ چھ سات منٹ کی گفتگو کے بعد میں نے سلسلہ منقطع کردیا۔

"یہ سلطان شاہ تو بالکل ہی جنگلی ہے۔ دو ملزم رہا ہوگئے تھے تو کون سی قیامت آگئی تھی۔ پاکستان میں اثرورسوخ رکھنے والوں کو ایسی رعایتیں ملتی ہی رہتی ہیں۔ اسے ان کے پیچھے جانے کی کیا ضرورت تھی" ویرا نے اپنے دل کا غبار نکالتے ہوئے تلخی سے کہا۔

"اصل بات پر تم نے غور نہیں کیا۔ اسے اول خان کے ملال سے دکھ پہنچا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے بہت محنت کے بعد ان دونوں پر ہاتھ ڈالا ہوگا۔ پولیس کی تحویل میں جاتے ہی وہ چند گھنٹوں میں ضمانت پر چھوٹ گئے۔ محنت یوں ضائع ہو تو قلق ہوتا ہی ہے۔"

"وہ اپنی قسم کا اکلوتا عجوبہ ہے۔ صحت مند تھا تو اغوا ہوگیا۔ لبِ گور تھا تو جہاز اغوا کرلیا۔ اب بسترِ علالت سے اٹھ کر دو آدمیوں کو معذور کر آیا۔ یقیناً اس کی کھوپڑی کی کوئی رگ اپنی جگہ سے کھسکی ہوئی ہے۔ کہیں بھی اس کا رویہ نارمل آدمیوں جیسا نہیں ہوتا۔"

"سچ بتانا کہ کیا تم واقعی صرف ترس کھاکر اس کا ذکر کرتی رہتی ہو؟"

"وہ جیسی اوٹ پٹانگ باتیں کرتا ہے' ان کا جواب یہی ہوسکتا تھا" وہ منہ بناکے بولی "اتنی مدت تک آدمی کسی جانور کو بھی اپنے گھر میں باندھے تو اس سے انس ہوجاتا ہے۔"

میں زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا۔ وہ دونوں ہی پکے منافق تھے۔ کبھی بھی اپنے حقیقی جذبات کی ہوا نہیں لگنے دیتے تھے یا شاید ان کے اظہار کو کسرِ شان سمجھتے تھے۔

پچھلی رات کی کم خوابی کی کسر پوری کرنے کے لیے میں نے بستر

پر دراز ہو کر آنکھیں موند لیں اور غزالہ کا سحر انگیز سراپا میری چشمِ تصور کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اس کے شگفتہ اور حسین ہونٹوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی جیسے شکوہ کر رہی ہو کہ میں نے اس سے اسپیکر فون پر کیوں بات کی تھی۔ میرے اوپر اس کا اس سے کہیں زیادہ حق تھا۔

اس نے لب کھولے‘ نہ میں نے اس کے خاموش شکوے کا جواب دینا ضروری سمجھا اور یوں تصور ہی تصور میں میری آنکھ لگ گئی۔

میں ٹیلی فون کی گھنٹیوں پر ہڑبڑا کر بیدار ہوا تو ویرا بھی اپنی آنکھیں مسل رہی تھی۔

"تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں" ریسیور اٹھانے پر دوسری طرف سے بلیک ڈیڈ کی تر و تازہ آواز آئی "اس آپریشن میں ہم تینوں کے ساتھ دس آدمی ایمبولینس میں اندر گھسیں گے۔ گیارہواں آدمی خالی وین تیار رکھے گا۔ اس کے پیچھے ایک گاڑی میں پانچ آدمیوں کی کمک ہوگی جو ضرورت پڑنے پر اندر آئیں گے ورنہ باہر ہی رکے رہیں گے۔"

"آپس میں رابطے کا کیا بندوبست رہے گا؟" میں نے بستر چھوڑ کر پوچھا۔

"ہر شخص کے پاس ٹرانسمیٹر ہوگا۔ ہر شخص کا مقررہ کوڈ نمبر ہوگا۔ میرا ایک‘ تمہارا دو اور روزی کا تین مقرر کیا ہے۔ سات نمبر اس وقت جارج کے گھر کی نگرانی کر رہا ہے۔"

"اسے راستے میں گھیرنے کی ذمے داری کس کی ہوگی؟" میرے ذہن میں تصویر بننے لگی تھی۔

"سات نمبر کی اطلاع پر ہم تینوں اسے روکیں گے۔ میں بے ہوش کرنے والی گیس کا اسپرے کین اور دوسرے لوازم لے کر تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہوں۔ تم اپنی تیاری کرلو۔ کپڑے سفید پہننا تاکہ پہلی نظر میں یہ معلوم ہو کہ ہم لوگ ایمبولینس کے نرسنگ اسٹاف میں سے ہیں۔"

"بس تم آجاؤ۔ ہم تیار رہیں گے" یہ کہہ کر میں فون بند کرتا ہوا غسل خانے میں گھس گیا۔

میں تیاری کے آخری مراحل میں تھا کہ ویرا باتھ روم سے تیار ہو کر آگئی۔ سفید بلاؤز اور اسکرٹ میں وہ کوئی نرس ہی نظر آرہی تھی۔

ہتھیاروں کی فراہمی کی ذمّے داری بلیک ڈیڈ کی تھی لیکن ہمیں اپنے ہتھیاروں کو بھی استعمال کرنا تھا۔ ویرا بیم گن سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں تھی۔ میں نے چیمبر لوڈ کر کے ریوالور بھی اسے دے دیا۔ بھرا ہوا پستول میرے کام آسکتا تھا۔

ساڑھے پانچ بجے بلیک ڈیڈ آپہنچا۔ سر سے پیر تک سفید لباس میں وہ بہت شاندار لگ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے ویرا سے کہا "ہم تینوں یہاں سے سفید کپڑوں میں ایک ساتھ نکلے تو ہر ایک کی نظر میں آجائیں گے۔ فی الحال کوئی رنگین کوٹ ڈال لو۔ اسے گاڑی میں چھوڑ دیں گے۔"

"یہ بات پہلے بتادی ہوتی تو میں بھی کوئی بلیزر پہن لیتا" بلیک ڈیڈ نے آئینے کے سامنے اپنی تیاری کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "کپڑوں کی بے داغ سفید رنگت واقعی نظروں میں چبھ رہی ہے۔"

"یہ تمہیں خود سوچنا چاہیے تھا۔ قدم قدم پر میں ہر بات تو نہیں بتاتا رہوں گا۔"

"میں ہمیشہ سے لڑ بھڑ کر اپنی راہ بنانے کا عادی رہا ہوں۔ جوڑ توڑ والی ایسی سازشوں سے کبھی پالا نہیں پڑا لیکن اب میں تم سے یہ سب کچھ سیکھ رہا ہوں۔ اپنی پختگی کی وجہ سے تم کوئی پیشہ ور منصوبہ ساز معلوم ہوتے ہو۔ کوئی بات تمہاری عقابی نظروں سے نہیں بچتی۔"

اسی وقت مائیک منہ لٹکائے دروازے پر آکھڑا ہوا "میرے لیے کیا حکم ہے باس؟"

"تم آرام کرو۔ یہ میری غلطی ہے۔ ٹیم بناتے ہوئے صرف وہ لوگ لیے جو سامنے موجود تھے۔ تمہارا دھیان نہیں آیا۔ اب کسی تبدیلی کا وقت نہیں ہے۔"

"اجازت ہو تو تمہاری غیر حاضری میں گھر اور کچن کی صفائی کرلوں؟" مائیک نے اُداس لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"ضرور!" اس کی مایوسی کو دیکھتے ہوئے میں نے دل پر جبر کر کے سی ایس ڈی کے تحفظ کو فراموش کردیا۔ شاید وہ اسے دیکھ کر بھی اس کی اصلیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ وہ بلیک ڈیڈ کو لائن پر کسی مشکوک ڈبیا کی موجودگی کی اطلاع دیتا تو میں کوئی بھی الٹی سیدھی کہانی سنا کر اسے مطمئن کر سکتا تھا۔ اس آلے سے محرومی کا امکان نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔

ٹھیک چھ بجے ہم گھر سے نکل گئے۔ اس وقت بلیک ڈیڈ کی گاڑی میں خلافِ معمول صرف ڈرائیور تھا۔ تینوں کے سوار ہوتے ہی اس نے گاڑی آگے بڑھادی۔

راستے میں بلیک ڈیڈ نے مختلف کارروائیوں کے مقامات کے بارے میں بتانا شروع کیا تو میں قطعی لاتعلق بنا رہا۔ میں نیویارک کے پُرپیچ رہائشی علاقوں سے ناواقف تھا۔ وہ رموز ویرا کے ہی پلے پڑ سکتے تھے۔ نقشہ دیکھ کر میں یہ اندازہ ضرور لگا چکا تھا کہ ہم نیویارک کے ایک سرے پر رہ رہے تھے‘ جارج شلز دوسرے سرے پر تھا جبکہ بنجمن فورٹ کا مکان درمیان میں واقع تھا۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا‘ ایک وقت میں چار ڈیوڈ اسٹارز سے مقابلہ کرنے کے تصور سے میرے خون کی گردش تیز ہوتی جارہی تھی۔ اپنے اعصاب کو اعتدال پر رکھنے کے لیے میں نے سگریٹ سلگالی۔

شہر کے بعض حصوں میں ٹریفک خاصا بھاری تھا مگر مجموعی طور پر صورتِ حال مین ہٹن سے بہت بہتر تھی جہاں بے شمار سیاحوں

کے ارتکاز کی وجہ سے ہر وقت ٹریفک کی کثرت رہتی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے دو مرتبہ اپنے سات نمبر سے جارج کے بارے میں دریافت کیا۔ اس وقت تک وہ اپنے گھر میں ہی تھا۔

پونے سات بجے سے ذرا پہلے ہم ایک ایسی سڑک پر جا نکلے جہاں دونوں طرف میدان پھیلے ہوئے تھے اور سڑک کے کناروں پر گھنے درختوں کا سایہ تھا۔

ڈرائیور نہ جانے کن سمتوں سے وہاں تک پہنچا تھا کہ اس نے رخ گھمائے بغیر گاڑی کو سڑک سے اتار کر درختوں کے درمیان کھڑا کردیا اور اپنی سیٹ سے اتر آیا۔

بلیک ڈیڈ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، ویرا اس کے برابر میں چلی گئی۔ ڈرائیور میرے ساتھ آبیٹھا۔ یہ تبدیلیاں طے شدہ پروگرام کے مطابق تھیں۔ ویرا مصر تھی کہ جارج کے اغوا میں پہل وہ کرے گی اس لیے اگلی نشست مجبوراً اسے دینی پڑی ورنہ وہاں مجھے بیٹھنا تھا۔

مریض اور ایمبولینس والا مرحلہ دور تھا اس لیے ہم نے اپنے کوٹ بدستور پہنے ہوئے تھے۔ گاڑی کا رخ ترچھا ہونے کی وجہ سے دونوں طرف سے آنے والا ٹریفک ہمیں صاف نظر آرہا تھا۔

ٹھیک سات بجے ہر ٹرانسمیٹر پر آواز آنے لگی "نمبر سیون رپورٹنگ ٹو نمبر ون۔ کتیا کا بچہ اپنی ماں کے ساتھ کالی کریسلر میں گھر سے نکل رہا ہے۔ تین چار منٹ میں وہ ٹارگٹ ایریا میں پہنچ جائے گا۔"

رپورٹ کا ابتدائی حصہ سن کر میں بے ساختہ ہنس پڑا۔ جارج کے لیے انگریزی میں کہے گئے وہ الفاظ ذرا بھی ناموزوں نہیں معلوم ہوئے تھے۔ گفتگو میں گالیوں کا فراخ دلانہ استعمال نچلے درجے کے امریکیوں کا وتیرہ تھا۔ ایسی ہی ایک گالی سن آف اے بچ بھی تھی۔

بلیک ڈیڈ نے صرف او کے کہنے پر اکتفا کیا۔

اس سڑک پر ٹریفک بہت کم تھا۔ وقفے وقفے سے آنے جانے والی گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ جوں ہی بلیک ڈیڈ کو کریسلر کی پہلی جھلک نظر آئی، اس نے اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کردیا اور نہایت سست رفتاری سے اسے سڑک کے کنارے کنارے چلانے لگا۔

"نمبر ون! ہم کسی بھی وقت تمہارے قریب سے گزرنے والے ہیں!" پیغام آیا۔

بلیک ڈیڈ کی نگاہیں عقب نما آئینے پر جم گئیں۔ اس کی گاڑی بدستور رینگتی رہی۔ جوں ہی سیاہ کریسلر برابر سے گزری، اس نے ہارن بجا کر اپنی رفتار یک لخت بڑھادی۔ لمحہ بھر میں وہ کریسلر کے برابر میں جا پہنچا۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود معمر، باریش اور نیم گنجے شخص نے ہراساں نظروں سے اس گاڑی کی طرف دیکھا جو آگے نکلنے کے بجائے اس کی کار کے ساتھ دوڑ رہی تھی۔

ویرا نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر درشت آواز میں کہا۔ "پولیس۔ گاڑی روکو!"

بلیک ڈیڈ نے اپنی گاڑی آگے بڑھائی اور بتدریج اسے سڑک سے داہنی طرف اتار کر روک لیا۔ کریسلر اس کے پیچھے رک گئی۔ ویرا رومال میں لپٹا ہوا اسپرے کین ہاتھ میں دبا کر نیچے اتری اور کریسلر کی طرف بڑھی۔ چند سیکنڈ کا وقفہ دے کر میں بھی اتر گیا۔

"کتے کا لائسنس دکھائیں سر!" ویرا کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ ہلکی سی اسپرے کی آواز آئی اور میں نے ونڈ شیلڈ کے پیچھے بڈھے جارج کو اپنی نشست میں ڈھلک کر بے جان ہوتے دیکھا۔

جارج شلز کی ڈارلنگ کے لیے وہ صورت حال تشویش ناک تھی۔ وہ غراکر اپنے مالک پر سے ہوتی ہوئی کھڑکی پر لپکی جس کے باہر ویرا موجود تھی۔ غراتی اور جھپٹتی ہوئی ایک جسیم جرمن شیفرڈ کتیا کے مقابلے میں اپنی جگہ پر جمے رہنا دل گردے کا کام تھا۔ ویرا نے زمین چھوڑے بغیر انتظار کیا، جوں ہی کتیا کا چہرہ کھڑکی کے قریب پہنچا، ویرا نے اس پر تیز اسپرے کی دھار ماری۔ کتیا کی غراہٹ کسی چوہیا کی آواز میں معدوم ہوگئی اور وہ اپنے مالک کی گود میں گر گئی۔

بلیک ڈیڈ کا ڈرائیور مجھ سے پہلے ویرا تک پہنچا تھا۔ ویرا کین اسے تھما کر لوٹ آئی۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر کتیا کی ناک پر مزید اسپرے کیا پھر اسے بے رحمی سے گھسیٹ کر عقبی پائیدان میں ڈال دیا۔ وہ چند ثانیوں تک سڑک صاف ہونے کا انتظار کرتا رہا پھر پھرتی کے ساتھ چار میں سے ایک ڈیوڈ اسٹار کو اپنے کندھے پر لاد کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

میں تیزی سے گھوم کر بائیں طرف کے عقبی دروازے سے گاڑی میں گھسا، ڈرائیور نے اپنی طرف سے جارج شلز کو اندر پھینکا اور خود بھی نشست پر بیٹھ گیا۔ بلیک ڈیڈ نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھادی۔ جھٹکے سے داہنا دروازہ خود بہ خود بند ہوگیا۔

گاڑی حرکت میں آتے ہی ہم دونوں نے جارج کو اپنے درمیان سہار کر یوں سیدھا بٹھا دیا جیسے وہ دوران سفر اونگھ رہا ہو۔

"شاندار!" بلیک ڈیڈ نے بھرائی ہوئی پُرجوش آواز میں کہا "ہم نے اپنے منصوبے کے پہلے حصے میں زبردست کامیابی حاصل کی ہے۔ اب باقی مرحلے بھی اسی طرح کامیابی سے طے ہوتے چلے جائیں گے۔"

"اس کی کتیا بہت خوں خوار اور قد آور تھی۔" ویرا ایک گہری سانس لے کر بولی "جب وہ غراتی ہوئی میری طرف لپکی تو بے اختیار میرا دل چاہا کہ سب کچھ وہیں پھینک کر ایک طرف دوڑ لگا دوں۔ پتا نہیں کیا ہوا کہ میرے پیر زمین پر جم کر رہ گئے اور میں ہل بھی نہ سکی۔ اس کے قریب آتے ہی مشینی انداز میں میرا ہاتھ چلا اور وہ کتیا بھی بے سدھ ہو کر گر گئی۔"

میں نے چاہا کہ ویرا کو بتاؤں کہ اس کی آنی غیر ارادی بلکہ اضطراری حرکات کو میں اس کی حوصلہ مندی سمجھ کر دل ہی دل میں داد دے رہا تھا لیکن گاڑی میں ڈرائیور کی موجودگی کے باعث میں

نے کام کی سنجیدہ فضا میں کوئی شوشا چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیا۔
سڑک کا وہ ویران حصہ گاڑی نے پلک جھپکتے میں طے کر لیا۔ آبادیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ہم بے خوف و خطر اپنی اگلی منزل کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ فضا میں دھند کا گہرا ہونے سے پہلے بلیک ڈیڈ نے ایک کئی منزلہ عمارت کے گراؤنڈ فلور پر اونچے شٹرز کے سامنے گاڑی روکی۔ کسی نادیدہ نگراں نے بلیک ڈیڈ کی گاڑی پہچان کر وہ مشینی شٹرز بے آواز اور خود کار طریقے سے اوپر اٹھا دیے۔
مناسب خلا پیدا ہوتے ہی بلیک ڈیڈ گاڑی کو اندر لے گیا اور شٹرز دوبارہ نیچے آگئے۔
وہ تقریباً پندرہ فٹ اونچا اور تقریباً سو فٹ گہرا وسیع ہال تھا جس میں راستے کے دونوں طرف جا بجا مختلف اقسام کے سامان کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ان میں کاغذی ریلیں، چھوٹے بڑے ڈرم، تختوں پر کسے ہوئے پیکٹ اور چوبی کریٹ تک شامل تھے۔
اس ہال کی بند فضا میں گاڑیوں کے دھوئیں اور جلے ہوئے تیل کی ناگوار بُو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ غالباً کوئی گودام تھا جسے بلیک ڈیڈ اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہا تھا۔
دونوں طرف جمے ہوئے سامان کے انباروں کے وسطی راستے پر سب سے آگے ایک بند وین اور آخر میں ہماری دو گاڑیاں موجود تھیں۔ ان کے درمیان چھوٹے ٹرک کے سائز کی اونچی، سفید ایمبولینس کھڑی ہوئی تھی۔ ایمبولینس واقعی کافی بڑی تھی۔ اس میں ایک چھوٹا موٹا مسلح دستہ آسانی سے پناہ لے سکتا تھا۔
گودام میں موجود ناکافی روشنی میں بھی بلیک ڈیڈ کے آدمیوں کی بھیڑ نظر آرہی تھی۔ کل نفری کی تعداد شاید بیس سے متجاوز تھی لیکن ان میں افراتفری کا شائبہ تک نہیں تھا۔
بلیک ڈیڈ کے ڈرائیور نے جارج شلز کو اپنے کندھے پر لاد کر ایمبولینس کے عقبی کیبن کے فرش پر ڈال دیا۔ وہاں موجود دو افراد نے اسے گھسیٹ کر اسٹریچر پر ڈالا۔ ہاتھ پیر اسٹریچر پر مہیا کیے ہوئے ان چرمی تسموں سے باندھ دیے جو ذہنی مریضوں کو قابو میں رکھنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔
بے ہوش جارج کو اسٹریچر پر تیار کرنے کے بعد پورا اسٹریچر سفید چادر میں لپیٹ دیا گیا۔ صرف جارج کا چہرہ چادر سے باہر نظر آرہا تھا۔
چھت میں لگی ہوئی ریلنگ کے سہارے اسٹریچر کے گرد بھاری پردے لٹکے ہوئے تھے جن کے پیچھے بینچیں، طبی سہولیات اور دیگر چیزیں پوشیدہ تھیں۔ اسٹریچر سے نمٹنے کے بعد مسلح آدمی ایک ایک کر کے ان پردوں کے پیچھے غائب ہونے لگے۔ جب دسواں آدمی بھی اندر پہنچ گیا تو بلیک ڈیڈ نے باہر کھڑے کھڑے انہیں آخری بریفنگ دی "میرے آؤٹ کہنے سے پہلے کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا اور سگنل ملنے کے بعد لمحہ بھر اندر نہیں رکے گا۔ جو شخص حکم کی تعمیل نہ کرے، اسے بے دریغ شوٹ کرنا ہے۔"
جارج کو مناسب مدت تک بے ہوش رکھنے کے لیے میری دانست میں مزید گیس اسپرے کی ضرورت تھی مگر میں اس وقت اپنی زبان کھول کر بلیک ڈیڈ کی قائدانہ پوزیشن کو مشکوک نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اپنی ان ضروریات کا اسے پہلے سے ادراک ہونا چاہیے تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ اس گیس اسپرے کے اثرات کے بارے میں پوری طرح معلومات حاصل کرنے کے بعد مطمئن ہو چکا ہو۔
دس آدمیوں کے ایمبولینس میں سمانے کے بعد بھیڑ چھٹ گئی تھی۔ عقبی دروازہ بند کر دیا گیا۔ کچھ لوگ پیچھے کھڑی ہوئی گاڑیوں کی طرف بڑھے۔ بلیک ڈیڈ ایمبولینس کی ڈرائیونگ سیٹ پر چڑھ گیا۔ میں نے اپنا اور ویرا کا کوٹ اتار کر ڈرائیور کے حوالے کیا اور ہم دونوں بھی ایمبولینس کے ڈرائیونگ کیبن میں بیٹھ گئے۔ پائیدان میں دو ہلکی خود کار رائفلیں پورے میگزین سمیت موجود تھیں۔
بلیک ڈیڈ شاید پہلے ہی پوری طرح اس ایمبولینس کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ اس نے کسی دقت کے بغیر انجن اسٹارٹ کیا اور دروازوں پر لگے ہوئے بڑے بڑے عقب نما آئینوں کی مدد سے ایمبولینس کو ریورس کر کے گودام سے باہر نکالنے لگا۔ پیچھے والی دو گاڑیاں پہلے ہی باہر جا چکی تھیں۔
ایمبولینس باہر نکالنے کے بعد بلیک ڈیڈ سائرن یا چھت پر لگی ہوئی تیز گردشی روشنی آن کیے بغیر فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا۔ کام بانٹے جا چکے تھے۔ ہر شخص کا کردار متعین تھا۔ مزید باتوں میں وقت برباد کرنا بے سود تھا۔ میں نے جھک کر پائیدان سے دونوں رائفلیں اٹھا لیں۔
دوران سفر کئی مرتبہ ٹریفک کی رکاوٹوں کا سامنا بھی ہوا لیکن اگلی گاڑیاں محض ایمبولینس کو پہچان کر خود ہی ہمیں راستہ دیتی رہیں اور سفر جاری رہا۔
بلیک ڈیڈ کے لیے ٹرانسمیٹر پر پیغامات آنے لگے تھے۔ کمک فراہم کرنے والی نفری ایمبولینس سے کچھ پیچھے تھی۔ خالی وین روانہ ہو چکی تھی۔ سات نمبر نے جارج شلز کی کریسلر کا بانٹ کھول کر گاڑی معقل کر دی تھی اور چابی کے علاوہ ڈیوڈ اسٹار کے دو نمونے بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس کا ڈرائیور خالی گاڑی لے کر پیچھے پیچھے آرہا تھا۔
سب کچھ اسی طرح ہو رہا تھا جس طرح طے کیا گیا تھا مگر بلیک ڈیڈ کے بشرے سے تناؤ اور فکرمندی کی علامات ظاہر ہو رہی تھیں۔ خلافِ عادت وہ ضرورت سے زیادہ خاموش تھا۔
"تم کچھ پریشان نظر آرہے ہو" میں نے اسے چھیڑا "کیا کہیں کوئی چوک ہو گئی ہے؟"
"نہیں۔ آج سارے راستے کچھ لمبے ہو گئے ہیں۔ انتظار سے میرے اعصاب کشیدہ ہونے لگتے ہیں۔ جو ہونا ہے، جھٹ پٹ

ہو جانا چاہیے۔ پتا نہیں بنجمن کا گھر کتنی دیر میں آئے گا۔" وہ بولا۔

"تم نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا لیکن اس گھر کے محاصرے کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"اس کا مکان بہت اچھی جگہ واقع ہے۔ اس کی پشت پر ایک پارک ہے جو میرے آدمیوں کے لیے بہترین کمین گاہ ثابت ہوگا۔ اب سے کافی دیر پہلے سات آدمی وہاں پہنچ چکے ہیں۔ وہ الگ فری کوئنسی پر کام کررہے ہیں۔ ایک سسٹم پر زیادہ بھیڑ بھاڑ ہونے سے شدید غلط فہمیاں بھی ہوسکتی تھیں۔"

"آج کے آپریشن کے بارے میں تمہارا دل کیا کہتا ہے؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔

اس نے فوراً جواب نہیں دیا، قدرے توقف کے بعد بولا "بظاہر کامیابی یقینی ہے لیکن دشمن کو دفن کرنے سے پہلے فتح پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ شی کو یہ لوگ اپنی سازشوں سے تباہ کرچکے ہیں۔ آج ان کے بہترین دماغ جہنم واصل ہوگئے تو ڈیوڈ اسٹارز کا شیرازہ بکھر جائے گا۔"

"اور نیویارک میں تمہارا طوطی بولنے لگے گا" میں نے اس کی دیرینہ آرزو کا ذکر کیا۔

"یہ آپریشن میرا ضرور کہا جاسکتا ہے لیکن منصوبہ تمہارا ہے۔ آج کامیابی حاصل ہوگئی تو میں تم دونوں کا یہ احسان زندگی بھر نہیں اتار سکوں گا۔"

پھر ہم تینوں ہی خاموش ہوگئے۔ ایمبولینس نیویارک کی سڑکوں پر رواں تھی۔

"بس، اگلے موڑ پر دوسرا مکان بنجمن کا ہے" کچھ دیر بعد بلیک ڈیڈ نے بتایا۔ میں اپنی نشست میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ رائفل میرے ہاتھوں میں تیار تھی۔

بنجمن کے مکان کے سرے پر بھی ایک سڑک تھی اور اس کا داخلی پھاٹک وہیں واقع تھا۔ بلیک ڈیڈ نے ہونٹ بھینچ کر ایمبولینس کا اسٹیرنگ کاٹا اور رفتار کم کرتے ہوئے اسے پھاٹک پر روک دیا۔

ہیڈ لیمپس کی روشنی پڑتے ہی مضبوط چوبی پھاٹک کے پیچھے کچھ ہلچل سی محسوس ہوئی، پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھلا اور ایک تنومند محافظ ہاتھ میں رائفل لئے باہر آگیا۔

اس نے چندھیائی ہوئی تحیر زدہ نظروں سے ایمبولینس کو دیکھا اور کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اسی دوران میں اندر سے اس کا ایک اور مسلح ساتھی اس سے آملا۔

"ہے.... گیٹ کھولو" بلیک ڈیڈ نے جھلائی ہوئی آواز میں ہانک لگائی۔

دونوں محافظوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا پھر وہ بڑھ کر بلیک ڈیڈ کے قریب آگئے "تم کس لیے آئے ہو۔ یہاں ایمبولینس کی کوئی ضرورت نہیں ہے" بعد میں آنے والے نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

"میں مریض لایا ہوں۔ جارج شلز اسٹریچر پر پڑا ہوا ہے" بلیک ڈیڈ نے جھلا کر کہا۔

"جارج شلز!" دونوں کے منہ سے بیک وقت تحیر زدہ آوازیں نکلیں "کیا ہوا اسے؟"

بلیک ڈیڈ مشتعل ہوکر نیچے اترا، میں نے بھی خالی ہاتھ اس کا ساتھ دیا۔

پیچھے جاکر اس نے بولٹ ہٹا کر ایمبولینس کا دروازہ کھول دیا "ایک دورے میں بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے کہا تھا کہ اسے یہاں پہنچا دیا جائے۔ اس کی رپورٹیں بھی موجود ہیں۔ دروازہ کھولو اور اپنے مریض کی وصولی کی رسید پر دستخط کرکے ہمیں فارغ کرو۔"

ان دونوں نے جھک کر جارج شلز کو دیکھا۔ نتھنوں پر ہاتھ لگا کر سانس کی آمد و رفت کا اندازہ لگایا، اس کے دل کی دھڑکن دیکھی پھر بوکھلا کر تقریباً دوڑتے ہوئے اندر لوٹ گئے۔

ایمبولینس کا عقبی دروازہ بند تھا۔ ہم دونوں دوبارہ اپنی جگہ پر آگئے۔ اس بار دانستہ بولٹ نہیں لگایا گیا تھا۔ جارج شلز کی بے

ہوشی کی خبر نے اندر کھلبلی مچا دی تھی۔ وہ لوگ اس کی آمد کے منتظر تھے مگر اس حالت میں نہیں۔ فوراً ہی شہتیروں سے بنا ہوا چوبی پھاٹک کھول دیا گیا۔ پھاٹک سے ایک پختہ روش کافی فاصلے پر واقع عمارت تک چلی گئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے ایمبولینس آگے بڑھا دی۔
اس غیر متوقع صورتِ حال پر وہاں کے محافظوں کے ہتھیار شانوں پر لوٹ چکے تھے۔ وہ سب فکر مند اور پریشان نظر آرہے تھے۔ بلیک ڈیڈ نے عمارت کا رخ کرنے کے بجائے ایمبولینس گیٹ کے اندر لا کر روک دی۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے عقب نما آئینے میں پیچھے کا منظر دیکھا۔ سب محافظ ایمبولینس کے پیچھے جمع ہو چکے تھے۔

"آؤٹ!" دونوں کیبنوں کے درمیان موجود جالی دار خلا کی طرف منہ کر کے بلیک ڈیڈ دبی دبی آواز میں غرایا اور ہم تینوں اپنی اپنی رائفلیں لے کر نیچے اتر پڑے۔
"حرکت مت کرنا۔" بلیک ڈیڈ ایک ہوائی فائر کر کے غرایا "جو ہلا، مارا جائے گا۔"
اس کی ہدایت پر عمل نہیں ہو سکا۔ عقبی دروازہ کھول کر ایمبولینس میں چھپے ہوئے مسلح افراد ایک غول کی صورت میں بنجمن کے محافظوں پر وحشیانہ انداز میں ٹوٹ پڑے تھے۔ فائرنگ کرنے کے بجائے وہ اپنی رائفلوں سے دشمنوں کو مار رہے تھے۔
میری نگاہ ایک محافظ پر پڑی جو ایک گملے کی اوٹ سے کسی کا نشانہ لے رہا تھا۔ میں نے شست لے کر پہلا مہلک فائر کیا اور وہ ایک بھیانک چیخ مار کر پیچھے الٹ گیا۔
وہ مرنے والے کی آخری دلدوز چیخ تھی۔ اس کے ساتھ عمارت کی طرف سے وحشیانہ نسوانی چیخوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ رونگٹے کھڑے کر دینے والی ان آوازوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ لوگ زبردستی اس عورت کو ذبح کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ اگر ہمیں جارج اور بنجمن کی گفتگو سے اس عمارت میں ایک پاگل عورت کی موجودگی کا علم نہ ہو چکا ہوتا تو وہ چیخیں ہمیں بری طرح گمراہ کر دیتیں۔
اس مکان کے سارے محافظ غالباً اسی داخلی راستے پر مرکوز تھے کیونکہ وہاں ہونے والی گڑبڑ کے نتیجے میں دوسرے حصوں سے کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں ہوا تھا۔
وہ سب بالکل بے خبری میں مارے گئے تھے اس لیے وہاں آتشیں اسلحے کے استعمال کی نوبت نہیں آسکی۔ وہ سب خوں خوار درندوں کی طرح دست بدست ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ میرے اور بلیک ڈیڈ کے دو فائروں کے سوا وہاں تیسرا فائر نہیں ہوا تھا۔
"گاڑی میں چلو۔" اچانک بلیک ڈیڈ نے ہذیانی سرگوشی میں کہا۔ اور ہم دوڑ پڑے۔
ایمبولینس حرکت میں آتے ہی اس کے کھلے ہوئے عقبی پٹ

پُرشور آوازوں کے ساتھ اپنے آہنی قبضوں پر جھولنے لگے لیکن بلیک ڈیڈ کی اس حرکت کا سبب نظر آتے ہی میری توجہ صرف اس طرف مرکوز ہو گئی۔
چند افراد کا جلوس پُرشکوہ عمارت سے برآمد ہو کر پھاٹک کی طرف آرہا تھا۔ میں نے پہلی نظر میں دیکھ لیا کہ ان میں تین باریش افراد آگے تھے۔ بقیہ چار مؤدب انداز میں ان کے پیچھے چل رہے تھے۔

ہمیں اس مکان کے احاطے میں پہنچے مشکل سے ڈیڑھ منٹ ہوئے ہوں گے مگر وہاں واقعات اتنے تواتر اور تیزی کے ساتھ رونما ہو رہے تھے کہ وہ وقفہ بہت طویل محسوس ہو رہا تھا۔
ایمبولینس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں، میں نے دیکھ لیا کہ آگے آنے والے تینوں افراد مسلح تھے۔ ان کے ہتھیاروں کا رخ زمین کی طرف جھکا ہوا تھا مگر وہ نالیں کسی بھی لمحے ہماری طرف اٹھ سکتی تھیں۔
مجھے فوری طور پر یہ اندازہ ہو گیا کہ جارج شلز کی ایمبولینس کے ذریعے آمد کی خبر انٹر کام پر پہنچا دی گئی تھی اور اس کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تینوں ڈیوڈ اسٹارز اسے دیکھنے کے لیے گھر سے نکل آئے تھے۔ وہ بُرے دنوں سے گزر رہے تھے، اس لیے انہوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر ہتھیار ساتھ لے لیے تھے۔ بنجمن کے غیر مسلح گھریلو ملازم ان کے پیچھے تھے۔
"ان تینوں کو روند ڈالو۔" میں نے بلیک ڈیڈ کو جھنجوڑ کر کہا۔ "ان کی حلق تک بڑھی ہوئی داڑھیاں بتا رہی ہیں کہ یہی ڈیوڈ اسٹارز ہیں۔"
بلیک ڈیڈ نے رفتار بڑھا کر اسٹیئرنگ کاٹا مگر اس سے ذرا سی لغزش ہو گئی۔ وہ سب اچھل کر بچ گئے اور ایمبولینس آگے نکل گئی۔ اس نے ایمبولینس خوب صورت لان پر چڑھا کر واپس گھمائی۔ وہ سب افراتفری کے عالم میں اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔
"وہ تینوں۔" ویرا انگلی اٹھا کر چیخی "وہ اب بھی ایک ساتھ ہیں۔"
بلیک ڈیڈ نے ایمبولینس ان ہی کے پیچھے لگا دی۔
غراتے ہوئے انجن کی آوازوں کو اپنے قریب آتا محسوس کر کے یکایک وہ تینوں ہی پلٹ کر اپنے قدموں پر جم گئے اور انہوں نے ایمبولینس پر بیک وقت فائر کر ڈالے۔
اسی لمحے فضا میں سائرن کی دل اڑانے والی آواز گونج اٹھی اور میرا دماغ اچانک سن ہونے لگا۔ وہ آواز بہت قریب کی تھی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی تو ہم مر کر بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

...اد کے نام فراہم کر رہے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ایوڈ اسٹار کا فون نمبر لکھ دے دیا جو اسے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نے بنجمن فورٹ نامی ایوڈ اسٹار کے گھر فون کر کے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ بنجمن سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ...ثابت ہوا۔ ایوڈ اسٹارز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جینی کے کمپیوٹر ریکارڈ سے جارج شلز نامی ایک ایوڈ اسٹار کا پتا اور فون نمبر معلوم کرلیا۔ بلیک ڈیڈ سے تبادلہ خیال ہوا تو ... جارج شلز کو دو داؤدی ستاروں میں طاقت ور مائیکرو فون چھپا کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ مائیکرو فون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورت حال پر گفتگو ...کے لیے بنجمن فورٹ کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیڈ نے ان چاروں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بنایا۔ ہم جارج شلز کو اغوا کر کے ایک ...بکس میں ڈال کر بنجمن کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ایوڈ اسٹارز ...ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مر کر بھی وہاں ...نکل سکتے تھے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

اپنے تینوں حریفوں کو ایمبولینس کے نیچے کچل کر ہلاک کرنے کی کوشش میں بلیک ڈیڈ نے پختہ روش چھوڑ کر ایمبولینس ...کے وسیع قطعات میں اتار دی تھی۔ وہ قطعات نہ صرف ...نیچے تھے بلکہ ان میں خوب صورت پھولوں کے لیے جابجا ...مستطیل اور گول کیاریاں بھی کھدی ہوئی تھیں جن میں ...ہی ایمبولینس بری طرح اچھلتی تھی۔

بلیک ڈیڈ نے ان تمام نامساعد دشواریوں پر قابو پاتے ہوئے ...حریفوں کو تقریباً جا ہی لیا تھا کہ انہوں نے دردناک موت کو ...کر پلٹ پڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

...کی طرف سے بیک وقت چلنے والی تین میں سے دو گولیاں ...کی ونڈ شیلڈ سے گزرتی ہوئی ڈرائیونگ کیبن کی چھت ...پیوست ہو گئی تھیں۔ اپنی خصوصی ساخت کی وجہ سے ونڈ شیلڈ ...چکنا چور نہیں ہوا تھا لیکن اس پر مکڑی کے مہین جالے کی طرح چٹخنے کی بے شمار لکیریں اس طرح نمودار ہو گئی تھیں کہ شیشہ دھندلا کر رہ گیا تھا۔ ایسی حالت میں ونڈ شیلڈ سے آگے دیکھنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

وہ بالکل غیر متوقع صورتِ حال تھی۔ بلیک ڈیڈ نے اچھلتی ہوئی ایمبولینس کو اچانک ہی بریک لگا دیے تھے اور پھر ساتھ ہی فضا میں ایک روح فرسا سائرن کی آواز گونجنے لگی تھی۔ سائرن کی دل اڑا دینے والی آسیبی آواز نے میرے اوسان خطا کردیے تھے۔

بلیک ڈیڈ نے جھلائے ہوئے لہجے میں کئی وزنی گالیاں دیتے ہوئے اسٹیئرنگ پر دونوں ہتھیلیاں مار کر کسی لیور کو چھیڑا اور سائرن کی آواز جس طرح اچانک نمودار ہوئی تھی' اسی طرح یک لخت معدوم ہو گئی اور فضا پر چند لمحوں کے لیے سکوت چھا گیا۔

اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ وہ سائرن باہر سے آنے والی کسی پولیس کار کا نہیں تھا۔ ایمبولینس کو اچانک روکنے اور ونڈ شیلڈ

دھندلانے کے نتیجے میں جو جھٹکے لگے تھے' ان کے سبب بدحواسی میں بلیک ڈیڈ کا ہاتھ ایمبولینس کے سائرن پر پڑ گیا۔ اپنی حماقت کا احساس ہوتے ہی اس نے وقت ضائع کیے بغیر سوئچ آف کر دیا تھا۔

میں نے خود کار رائفل کا آہنی دستہ دیوانہ وار ونڈ اسکرین پر برسانا شروع کر دیا۔ چٹخ کر اپنی جگہ پر قائم ٹکڑے پھاٹکوں کی آواز سے باہر کی طرف گرنے لگے۔

ونڈ شیلڈ کے اس بڑھتے ہوئے خلا میں سے وہ تینوں اس بار الگ الگ سمتوں میں بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ بلیک ڈیڈ نے جوں ہی ایمبولینس کو دوبارہ حرکت میں لانا چاہا' میں اپنی طرف کا دروازہ کھول کر رائفل سمیت باہر کود گیا۔ ویرا نے بھی میری تقلید کی۔

گھاس کے گہرے سبز اور مخملیں قالین پر ہمارے سنبھلنے سے پہلے ہی ایمبولینس کسی خون آشام مشینی درندے کی طرح غراتی اور اچھلتی ہوئی اس حریف کی طرف ہولی جو ان تینوں میں زیادہ پھرتیلا تھا اور شاید سب سے زیادہ دور جا چکا تھا۔

میری اور ویرا کی نظریں چار ہوئیں۔ ہم دونوں نے بقیہ دو ڈیوڈ اسٹارز کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

میں نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا تھا کہ ان تینوں میں سے کوئی بھی نوجوان نہیں تھا۔ وہ تینوں پختہ عمروں والے باریش نجوم داؤدی تھے اور آتشیں ہتھیاروں سے مسلح تھے۔

"رکو! ورنہ گولی مار دوں گا۔" میں نے چیخ کر کہا۔ کسی پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

ویرا نے بھاگتے بھاگتے رک کر ان میں سے ایک کی پشت پر نال سیدھی کی' لمحہ بھر کے لیے زاویہ درست کیا اور فائر کر دیا۔ ایک ہولناک بارودی دھماکے کے ساتھ اس کا دوڑتا ہوا شکار فضا میں قلابازی کھا کر گھاس پر گرا مگر فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی فرار کی کوشش بدستور جاری تھی لیکن وہ بری طرح لنگڑا رہا تھا۔

پھر فضا ایک اور لرزہ خیز انسانی چیخ سے گونج اٹھی۔ اس بار بلیک ڈیڈ نے ایک شکار کو ایمبولینس کے پہیوں تلے روند دیا تھا۔

بلیک ڈیڈ کے سر پر خون سوار تھا۔ اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کو کچلنے کے بعد لمحہ بھر کے لیے بھی رکنے یا یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ اس کا کیا حشر ہوا تھا۔ وہ گاڑی کو آگے لیتا چلا گیا اور پھر احاطے کی دیوار کے قریب سے رخ گھما کر میری طرف آنے لگا۔

ایمبولینس کے روپ میں بھیانک آہنی عفریت کو اپنی طرف آتا دیکھ کر میرا شکار حواس باختہ ہو کر پلٹا۔ اس طرف سے میں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خود کو موت کے حصار میں گھرا دیکھ کر اس نے بائیں طرف دوڑ لگا دی۔ میں نے رک کر اس کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔

وہ فضا میں کئی فٹ تک اچھل کر ایسا گرا کہ اسے دوبارہ اٹھنا نصیب نہ ہوا۔ وہ گھاس پر پڑا بری طرح تڑپ رہا تھا۔ ایمبولینس بدستور اس کی طرف اچھلتی چلی آ رہی تھی۔ ایمبولینس کے اگلے پہیے کو اس کے بدن پر ایک جھٹکے کے ساتھ گزرتے دیکھ کر میں نے سختی سے اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔

بلیک ڈیڈ نے ایمبولینس میرے قریب روک دی۔ ونڈ شیلڈ کے فریم میں پھنسے ہوئے ریزہ ریزہ ٹکڑوں کے درمیان اس کا چہرہ اس وقت بھیانک نظر آ رہا تھا۔

"جلدی اوپر آ جاؤ..... کھیل ختم ہو گیا۔ اب یہاں سے نکلنے کی فکر کرو۔" انجن کے شور میں اس کی وحشت زدہ آواز میرے کانوں میں آئی۔

میں نے سر گھما کر دیکھا تو ویرا اپنے زخمی شکار کے قریب کھڑی ہوئی تھی اور تیسرا ڈیوڈ اسٹار زمین پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ ویرا کی طرف سے مزید کسی فائر کی آواز نہیں آئی تھی۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ ویرا نے اپنے لنگڑے حریف کو مارنے کے لیے بیم گن استعمال کی ہوگی۔

"تین مارے گئے ہیں۔ اب جارج شلز باقی ہے....." میں نے بلیک ڈیڈ کو جواب دیا۔

"اس کی کھوپڑی میں گولی مار کر جلدی آؤ۔ پولیس کسی بھی وقت پہنچ سکتی ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کر ہیجانی انداز میں کہا اور میں ایمبولینس کے عقبی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

ایمبولینس کے دروازے چوپٹ کھلے ہوئے تھے لیکن وہاں جارج شلز یا اسٹریچر کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ چند ثانیوں کے لیے میرا دماغ چکرا کر رہ گیا۔

بلیک ڈیڈ کے آدمیوں کا مسیحائی کے پیشے سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ انہوں نے سفید کپڑے پہن کر ایمبولینس پر قبضہ ضرور کر لیا تھا مگر اس کے استعمال کے صحیح طریقوں سے بالکل بے خبر تھے۔ انہوں نے اپنے قیدی کو چرمی تسموں کے ذریعے اسٹریچر سے ضرور باندھ دیا تھا لیکن اسٹریچر کو ایمبولینس کے فرش میں لگے ہوئے کلپس میں نہیں پھنسایا گیا تھا۔ دوران سفر میں جب تک ایمبولینس کے دروازے بولٹ رہے' وہ اسٹریچر اندر ہی ہلتا جلتا رہا۔ ہیمن فورٹ کے مکان میں گھسنے اور مسلح افراد کے ایمبولینس سے نکلنے کے بعد دروازوں کو دوبارہ بولٹ کرنے کی نوبت نہیں آ سکی تھی اور بلیک ڈیڈ نے ایمبولینس کو وحشیانہ انداز میں لان پر کیاریوں میں اور جھاڑیوں میں دوڑانا شروع کر دیا تھا۔ شاید اسی افراتفری میں بے ہوش جارج شلز اسٹریچر سمیت کہیں گر گیا تھا۔

اس معرکے میں ہماری طرف سے شامل ہر فرد کو وقت کی اہمیت کا پورا احساس دلا دیا گیا تھا۔ پھاٹک کے قریب دست بدست لڑائی میں حصہ لینے والوں کی طرف سے حوصلہ افزا پیغام آ چکا تھا۔ وہ لوگ کسی بھی لمحے عمارت کے محافظوں کا مکمل صفایا کرنے والے تھے۔

ویرا اپنے حریف کو ختم کر کے دوڑتی ہوئی واپس آئی تھی۔ میری زبان سے جارج شلز کی گمشدگی کی خبر سن کر وہ بھی پریشان

ہوئی اور ادھر اُدھر نظر دوڑانے لگی۔

"کیا بات ہے؟ تم کہاں رکے ہوئے ہو؟" میری طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر بلیک ڈیڈ نے چلا کر پوچھا "کیا ایک بے ہوش کوئی بھی تمہارے قابو میں نہیں آرہا؟"

"وہ لاپتا ہے۔ بدحواسی میں تم اسے کہیں پھینک آئے ہو۔" میں نے اس کی سمت میں پہنچ کر اسے تاخیر کے سبب سے آگاہ کیا تو اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"جلدی بیٹھو۔ ہم زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتے۔ ایمبولینس ہی میں وہ کہیں پڑا ہوا نظر آجائے گا۔" وہ الفاظ کے انتخاب میں غلطی کر گیا تھا لیکن اس کی بات قابلِ فہم تھی۔ ایمبولینس میں سوار ہو کر ہم چند منٹ میں پورا احاطہ چھان سکتے تھے۔

ایک مرتبہ پھر ہم تینوں ایمبولینس کے ڈرائیونگ کیبن میں یکجا ہوگئے۔

تینوں ڈیوڈ اسٹارز کے ساتھ عمارت سے نمودار ہونے والے چار مودب ملازمین اپنی جانوں کو لاحق خطرات بھانپ کر ایسے غائب ہوئے تھے کہ ان کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ پھاٹک سے مار دھاڑ کی آوازوں کے درمیان اکا دکا فائروں کی آواز آرہی تھی۔ پتا نہیں وہ ان حالات کا ردِعمل تھا یا بنجمن فورٹ کی بیوی گولڈا پر معمول کا کوئی دورہ پڑا ہوا تھا۔ پُرشکوہ عمارت کے در و دیوار سے وقفے وقفے سے اس کی خوفناک ہذیانی چیخوں اور قہقہوں کی آواز آرہی تھی۔

بلیک ڈیڈ نے ایمبولینس اسی طرف موڑلی جہاں سے اس نے اپنے حریفوں کے تعاقب کا آغاز کیا تھا۔ ایمبولینس کے ٹائروں سے کچلی ہوئی ایک باڑھ کے قریب اسٹریچر الٹا پڑا ہوا نظر آگیا۔ جارج کلوز اس کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس کی پیشانی باڑھ کی پتھریلی منڈیر سے ٹکرا کر زخمی ہو چکی تھی۔ زخم سے بہنے والا خون گھاس کے کافی بڑے حصے میں پھیلا ہوا تھا۔

بلیک ڈیڈ اسے بھی ایمبولینس سے ہی روند ڈالنا چاہتا تھا مگر میں نے اسے روک دیا۔ بے ہوش جارج کا جائزہ لینے کے بعد ویرانے نے گن کی نال اس کی کھوپڑی پر ٹکا کر ٹریگر دبا دیا۔ بس لمحہ بھر کے لیے اس نے آخری جھرجھری لی، اس کے جسم سے بندھا ہوا اسٹریچر بھی ساتھ لرز کانپا اور پھر نیویارک کا چوتھا نامور داؤدی ستارہ بھی ہمیشہ کے لیے موت کی اتھاہ اور بے رحم وادیوں میں غروب ہوگیا۔

ہمارے دوبارہ سوار ہوتے ہی ایمبولینس پھاٹک کی طرف دوڑ پڑی۔

☆☆

اس وقت تک پھاٹک پر مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ بلیک ڈیڈ کے آدمی وہاں قابض تھے۔ ان میں سے کئی ایک بوکھلاہٹ کے عالم میں ادھر اُدھر دوڑ رہے تھے جیسے کسی کی تلاش ہو۔

"سب کچھ قابو میں ہے، باس!" بلیک ڈیڈ کی گود میں پڑے ٹرانسمیٹر پر اس کے نمبر پانچ کا پیغام آرہا تھا "دشمن کے سات تومی ہمارے ہاتھوں بے ہوش کیے جا چکے ہیں۔ [illegible] مگر گیارہ نمبر کا پتا نہیں چل رہا۔ اس کی تلاش جاری ہے۔ نو نمبر بہت بری طرح زخمی ہے۔ اوور۔"

"حملہ ختم ہوچکا۔ پولیس کسی بھی لمحے یہاں پہنچ سکتی ہے۔ ہر شخص یہاں سے نکل کر فوراً وین میں پہنچے۔ نو نمبر کی دیکھ بھال وین میں کرتے رہنا۔" بلیک ڈیڈ نے اختتامی ہدایات جاری کرنی شروع کردیں اور ایمبولینس پھاٹک سے ذرا دور روک دی۔

ہمارے اترنے تک بلیک ڈیڈ کے مسلح تومی پھاٹک سے باہر نکلنے لگے۔ وین وہیں آگئی تھی۔ اس کے پیچھے بلیک ڈیڈ کا ڈرائیور اس کی گاڑی لیے موجود تھا۔

کمک کے طور پر ساتھ آنے والی پانچ نفری پارٹی کا کہیں پتا نہیں تھا۔ مہم میں شمولیت کی ضرورت پیش نہ آنے کے بعد شاید وہ واپس روانہ ہو چکے تھے۔

ہمارے باہر نکلتے تک وین حرکت میں آچکی تھی۔ بنجمن فورٹ کے گھریلو محافظ ادھر اُدھر بے جان لاشوں کی طرح پڑے ہوئے تھے۔ ان پر بے خبری میں شب خون مارا گیا تھا اس لیے وہ اپنی مدافعت کے لیے کوئی بھرپور یا منظم کارروائی نہیں کرسکے تھے۔

پھاٹک سے نکلتے ہوئے مجھے بلیک ڈیڈ کے گیارہ نمبر تومی کے بارے میں ملال محسوس ہو رہا تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ ہم اسے کس حال میں وہاں چھوڑ کر واپس جارہے تھے۔

واپسی کے سفر میں ہر گاڑی کا راستہ مختلف تھا۔ بلیک ڈیڈ کے ڈرائیور کی تیز رفتاری کے باوجود ہمیں دور دور تک وین کا نام و نشان تک نظر نہیں آسکا۔

"یہ مہم تو ہماری توقع سے کچھ زیادہ ہی آسان ثابت ہوئی۔" راستے میں ویرانے نے سکوت توڑا۔

"سارا کمال صرف ایمبولینس کا تھا۔ اگر جارج کو ایمبولینس میں ڈال کر نہ لے جایا گیا ہوتا تو ابھی تک ہم وہیں کھڑے اندر گھسنے کی کوشش کر رہے ہوتے۔" بلیک ڈیڈ نے کسی توقف کے بغیر کہا۔

"اندر گھسنے کے بعد تم نے ایمبولینس کو ٹینک بلکہ بکتربند گاڑی بنا لیا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ان تینوں کے جلوس کو دیکھتے ہی میرے دماغ میں اس ترکیب نے سر ابھارا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں ایک جلوس کی

صورت میں یک جا ہو کر باہر آنے کی کیا ضرورت تھی!"

"یہ نہ بھولو کہ جارج شلز ان کا قریبی ساتھی اور جرم داؤدی تھا۔ اس کے ایمبولینس کے ذریعے پہنچنے کی خبر نے انہیں مضطرب کردیا ہوگا۔" ویرا نے جواب دیا "وہ تمہارا مقابلہ کرنے نہیں' اپنی نظروں سے جارج شلز کی حالت دیکھنے کے لیے آئے تھے۔"

"اور اب خود وہاں تماشائے عبرت بنے پڑے ہیں۔" بلیک ڈیڈ کی آواز استہزائیہ تھی۔

"مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ اس مقابلے میں تمہارا ایک آدمی غائب ہوگیا۔ اگر سارے محافظ زیر کر لیے گئے تھے تو پھر وہ کہاں ہو سکتا ہے؟" میں نے کہا۔

"اس ایک آدمی کی وجہ سے میں بارہ زندگیوں کو داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کونے کھدرے میں جا کر بے ہوش ہوگیا ہو۔ اگر وہ زندہ ہے تو میں ہر قیمت پر اسے رہا کرالوں گا۔ وہ اس مقابلے میں کام آچکا ہے تو میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکوں گا۔"

"ایسے واقعات سے تمہارے دوسرے کارکنوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا نہیں ہوتا؟"

"یہ واقعات ان کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔ ہر شخص اس بات کا اعتراف کرے گا کہ میں نے گیارہ نمبر کے لیے اسے زیادہ مہلک خطرات میں نہیں جھونکا۔۔۔ ویسے بھی گیارہ نمبر کے وہاں رہ جانے سے مجھے اور میرے آدمیوں کو بھاری فائدہ پہنچے گا۔" بات کرتے کرتے اس نے چونک کر کہا۔

"ایک آدمی سے ہاتھ دھو کر تم کس فائدے کی توقع کر رہے ہو؟"

"یہ میرا پروگرام یا ارادہ نہیں تھا۔" ڈرائیور کی موجودگی کی وجہ سے اس نے مدافعانہ انداز میں بات شروع کی "میں ہمیشہ خوش فہمیوں میں مگن رہنے والا آدمی ہوں۔ گیارہ نمبر جس حالت میں بھی پولیس وغیرہ کو ملا' یہ بات سامنے آجائے گی کہ وہ میرا آدمی ہے۔ اس بار مجھے کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ داؤدی ستاروں کو میں نے جہنم واصل کیا ہے۔"

"اور اس بارے میں پولیس تم سے کوئی تعرض نہیں کرے گی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کرتی رہے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ میرے خلاف ثبوت کہاں سے لائیں گے؟ اخباروں میں الزام تراشی کرنا بہت آسان ہے۔ ان الزامات کو عدالت میں ثابت کرنے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔ نیویارک کے دو بہترین وکیل میرے مشیر ہیں۔ یہاں کی عدالتوں میں وکیلوں کی شہرت اور نیک نامی بھی عدالتی فیصلوں پر اثرانداز ہوتی ہے۔ جب معاملہ صرف شک و شبے کا ہو تو امریکی قانون اس کا سارا فائدہ ملزم کو دیتا ہے۔ مدعی منہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔"

"جائے واردات سے تمہارے آدمی کی گرفتاری بھی تمہارے لیے مسئلہ نہیں بنے گی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ شاید اپنی خوش فہمی کے بارے میں تمہارا قول درست ہی ہے۔"

"اس کی شناخت اور شہرت میری نشان دہی کرے گی۔ اخبارات اس نکتے کو اچھالیں گے لیکن وہ ایک جیتا جاگتا آدمی ہے' روبوٹ نہیں ہے جو صرف میرا تابع ہو۔ میں کسی دوسرے کے فعل کا ذمے دار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ تمہیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"وہ اپنی وہاں موجودگی کا کیا جواز پیش کرے گا؟" میں نے حیرت سے احتجاج کیا۔

"وہ اپنے وکیل سے مشورہ کرکے بیان دے گا۔ وہ جو کچھ بھی کہے' میرے خلاف زبان نہیں کھولے گا۔ وہ جانتا ہے کہ آخرکار اسے رہا کرانا میرا فرض ہوگا۔"

"اگر گیارہ نمبر وہاں نہ رہا ہوتا تو تم اس واقعے میں اپنی شمولیت کی خبریں یا افواہیں کیسے پھیلاتے؟" اس کی کج بحثی پر چڑ کر میں نے ایک ناخوش گوار سوال کر ڈالا۔

بلیک ڈیڈ نے پلٹ کر مجھے گھورا اور سخت لہجے میں کہا "تمہیں ایمبولینس کے ڈیش بورڈ میں ایک لفافہ ملے گا جس میں ایک کمپیوٹر سلپ موجود ہے۔ "ہارلم کے خون کا حساب" اس پر لکھی ہوئی یہ سطر بہت کافی ثابت ہوگی۔ سب جانتے ہیں کہ ہارلم کس کا علاقہ ہے۔ میری اور آئزک بیل کی آویزش کے قصے ابھی بھی گردش میں ہیں۔"

"تمہاری ان باتوں سے یہ معلوم ہو رہا ہے جیسے نیویارک بھی کولمبیا کا کوئی شہر ہے جہاں قانون کی عمل داری بہت کمزور ہے۔ سارا اختیار تمہارے اور تم جیسے لوگوں کے ہاتھوں میں مرکوز ہے۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔" بلیک ڈیڈ نے سنجیدگی سے کہا "میں اپنے معاملات کو نمٹانا جانتا ہوں۔ تمہارے لیے فخر اور خوشی کی بات یہ ہے کہ تمہارا بتایا ہوا منصوبہ سو فیصد کامیاب رہا ہے۔ اس کامیابی کے ذریعے میرے ساتھ تم دونوں نے بھی اپنے مقاصد حاصل کرلیے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "آج دو ڈیوڈ اسٹارز کو اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کرکے میرے دل میں ٹھنڈک پڑی ہے کہ میں نے آخرکار جمی لائیڈ کا بدلہ لے لیا۔ آئزک بیل کے انجام سے مجھے ذرا بھی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ خون کا بدلہ صرف اور صرف خون ہوتا ہے جب کہ وہ مکار اپنی ساری ذلتوں کے باوجود اب تک زندہ ہے۔"

"یہ کل کے اخباروں سے ہی پتا چلے گا کہ کس نے کس کو مارا ہے۔ جارج شلز کے سوا ہمارے لیے وہ تینوں ہی اجنبی تھے۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد ریڈیو اور ٹیلی وژن سے سب کچھ معلوم

ہو جائے گا۔ بنیادی خبر ان ہی ذرائع سے ملتی ہے۔ اخبارات کی ضرورت تفصیل اور کہانیوں کے لیے پیش آتی ہے۔"

گاڑی میں بقیہ سفر خاموشی سے طے ہوا۔ ہم تینوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ ہم تینوں کو اتارتے ہی ڈرائیور گاڑی کو فوراً آگے بڑھالے گیا۔

مائیک شاید اندر کسی کھڑکی سے لگا اپنے آقا کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ ڈور بیل بجانے یا دستک دینے کی نوبت آنے سے پہلے، اس نے ہمارے استقبال کے لیے دروازہ کھول دیا۔

"ہم لوگ مکمل اور شاندار کامیابی حاصل کر کے آئے ہیں۔" اندر پہنچنے کے بعد بلیک ڈیڈ نے مائیک کو اپنی خوشی میں شریک کرتے ہوئے کہا "ٹونی ہمارے ساتھ نہیں لوٹ سکا۔"

"اوہ!" مائیک کے ہونٹوں سے بے ساختہ متاسفانہ آواز نکلی۔ "کیا وہ مارا گیا؟"

"فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" بلیک ڈیڈ نے مبہم سا جواب دیا "وہ واپسی پر ہمارے ساتھ نہیں تھا۔"

مائیک اس کی پشت پر تھا۔ بلیک ڈیڈ کی زبان سے اپنے ساتھی کے بارے میں بری خبر سن کر اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے انگلیوں سے اپنے سینے پر کراس بنایا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدا کر رہ گیا۔

ہماری غیر حاضری میں مائیک نے کچن سے کمروں تک صفائی کر دی تھی۔ بکھرا ہوا ڈرائنگ روم سمٹنے کے بعد دوبارہ نکھر آیا تھا۔ بلیک ڈیڈ سیدھا وہیں جا بیٹھا۔

"میں کپڑے بدل کر ابھی آتا ہوں۔" میں نے اس سے معذرت کی "کام مکمل ہو جانے کے بعد یہ سفید کپڑے مجھے کفن کی طرح ناگوار محسوس ہو رہے ہیں۔"

بلیک ڈیڈ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا "مجھے بھی سفید لباس بدل لینا چاہیے۔" یہ کہہ کر وہ دوسری خواب گاہ کی طرف چل دیا جہاں اس کی ضرورت کا کچھ سامان شاید موجود تھا۔

ویرا کے لیے وہاں رکنا بے سود تھا۔ وہ میرے ساتھ ہو لی۔

کچھ دیر بعد ہم دونوں ڈرائنگ روم میں واپس پہنچے تو میں یہ اطمینان کر چکا تھا کہ ہماری غیر حاضری میں سی ایس ڈی کو نہیں چھیڑا گیا تھا۔ وہ ڈیوائس اسی طرح موجود تھی جس طرح میں نے اسے چھوڑا تھا۔

بلیک ڈیڈ اس وقت تک واپس نہیں آیا تھا۔ ویرا سرگوشیانہ لہجے میں بولی "معلوم ہوتا ہے کہ یہ آج بھی ہمارے سروں پر مسلط رہے گا۔ اس کا جانے کا کوئی ارادہ نظر نہیں آرہا۔"

"ہو سکتا ہے کہ تھوڑی دیر میں چلا ہی جائے۔ بات کر کے ہی کچھ اندازہ ہو سکے گا۔"

بلیک ڈیڈ واپس آیا تو اس کے بدن پر لباس سے جوتوں تک، کہیں بھی سفید رنگ نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "تم نے تو ہر سفید چیز بدل ڈالی۔۔۔"

"تمہاری باتیں گہری اور دل کو لگنے والی ہوتی ہیں۔" اپنے معمول کے مطابق اس نے میری بات کاٹ کر کہا "تم نے اس انداز میں کفن کا ذکر کیا تھا کہ مجھے خواہ مخواہ اپنے کپڑوں سے کافور کی بو آنے لگی تھی۔ یہ بو آدمی تابوت میں پہنچنے کے بعد ہی برداشت کر سکتا ہے۔"

"اب پتا چلا کہ تم ضعیف الاعتقاد بھی ہو۔" ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کے کہا۔

"یہ ضعیف الاعتقادی نہیں، فطرت ہے۔ ہر جواری ٹونے ٹوٹکوں اور شگون پر یقین رکھتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میری آمدنی کے بیشتر ذرائع ایسے ہی ہیں۔ میرے تجربات اس بات کے شاہد ہیں کہ ان باتوں میں وزن ہوتا ہے۔ سیامی بلیاں اور سنہرے بالوں والی لڑکیاں میرے لیے ہمیشہ خوش نصیبی اپنے ساتھ لے کر آتی ہیں۔"

"ویرا کے بال سنہرے ہیں۔" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ "اس سے دوستانہ مراسم ہونے کے بعد تم اپنے پانچ حریفوں یا ڈیوڈ اسٹارز سے کسی نہ کسی طرح نجات حاصل کر چکے ہو۔"

"یہ باتیں تمہیں لے ڈوبیں گی۔" ویرا نے میری بات پوری ہوتے ہی بے اعتنائی سے کہا "بازار میں ملنے والے خضابوں کی مدد سے ستر سالہ بوڑھیاں بھی اپنے سفید بالوں کو سنہرا کیے پھرتی ہیں۔"

بلیک ڈیڈ اپنے ایک مشن میں بڑی کامیابی حاصل کر کے آیا تھا۔ اس موقع کی مناسبت سے مائیک ایک ٹرے میں شیمپئن کی تین یخ بوتلیں گلاسوں کے ساتھ لے آیا۔

"یہ تین کیوں ہیں؟" بلیک ڈیڈ نے خشک لہجے میں غرا کر مائیک سے پوچھا۔

مائیک سٹپٹا گیا "کیا۔۔۔ کیا تم اس موقع پر شیمپئن نہیں پیو گے؟"

"تم۔۔۔ سن آف اے گن۔۔۔! جاؤ اور اپنے لیے چوتھی بوتل بھی لے آؤ۔" بلیک ڈیڈ نے اسے پھٹکارا۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ اپنے باس کے شکریے کی تکرار کرتا ہوا کچن کی طرف دوڑ گیا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم اپنے آدمیوں کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہو۔ تمہاری ان ہمدردیوں اور خوش کلامیوں کے نتیجے میں یہ سب تمہارے پسینے پر اپنا خون بہانے کے لیے تیار رہتے ہوں گے۔" مائیک کے چلے جانے کے بعد میں نے قدرے دھیمی آواز میں بلیک ڈیڈ کی تعریف کی۔

"اکیلا آدمی تیس مار خاں بھی ہو تو حقیر مکھی سے زیادہ بساط کا مالک نہیں ہوتا۔ کوئی بھی بڑا حریف آسانی سے اس کی گردن مروڑ دیتا ہے۔ یہی سب میرے دست و بازو ہیں، میری ساری شہرت اور بالادستی ان ہی کے دم قدم سے ہے پھر میں ان کی عزت کیوں نہ کروں؟"

اسی وقت مائیک اپنے حصے کی شمپئن لے آیا۔ اس شام کی کامیابی کے نام پر بوتلوں کے کاگ اڑائے گئے۔ پہلے گھونٹ کے بعد بوتلیں گلاسوں میں انڈیل لی گئیں۔

"آج رات تم ہمارے ساتھ ہی بسر کرو گے؟" مختصر سے جشن کے بعد میں نے سگریٹ سلگا کر بلیک ڈیڈ سے پوچھا۔ میز کے نیچے ویرا نے پیر دبا کر احساس دلایا کہ میرا سوال بہت زیادہ براہِ راست ہو گیا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں اپنی خلوت میں میری مداخلت پسند نہیں کرو گے مگر...." بلیک ڈیڈ نے میرے فقروں میں پنہاں مفہوم کو بھانپ کر کہنا شروع کیا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ یہاں ایک ساتھ رہ کر ہم بہتر طور پر نئے مسائل کے خلاف کوئی منصوبہ بندی کر سکیں گے۔ میں تم سے اس تجویز کی تائید چاہ رہا تھا۔"

اس نے غور سے میری طرف دیکھا۔ شاید وہ میری آنکھوں میں جھانک کر میرے الفاظ کا وزن پرکھنا چاہ رہا تھا۔ مطمئن ہونے کے بعد وہ بولا "تھوڑی دیر میں ٹیلی وژن سے خبریں آنی شروع ہو جائیں گی۔ میں بھی یہیں رکنا چاہ رہا ہوں۔ تمہارے مشورے مجھے بہت کار آمد محسوس ہوتے ہیں۔ دقت یہ ہے کہ مجھے اب جائے واردات سے اپنی غیر حاضری کے چند معزز گواہ بھی پیدا کرنے ہوں گے اس کے لیے مجھے جانا ہی ہو گا۔"

وہ اپنے معتبر وکیلوں کے ذریعے قانون کی کمزوریوں سے کھیلنے کا عادی تھا لیکن اس کے لیے بھی کچھ نہ کچھ ہوم ورک کرنا اور بنیادیں فراہم کرنا ضروری تھا۔ میں نے کہا "اگر یہ درست ہے تو تم یہاں بیٹھ کر وقت ضائع کر رہے ہو۔ وقت کا فرق بڑھنے سے تمہارے لیے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔"

وہ شمپئن کا گلاس پانی کی طرف غٹاغٹ خالی کر کے اٹھ کھڑا ہوا "بس میں جا رہا ہوں۔ کوئی نئی بات ذہن میں آئی تو فون پر تم سے رابطہ کر لوں گا۔"

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ وہاں سے رخصت ہونے پر آمادہ تھا۔

مائیک اس کا پروگرام سنتے ہی گلاس سمیت ڈرائنگ روم سے چلا گیا۔ بلیک ڈیڈ کو اسے کوئی ہدایت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

چند منٹ بعد مائیک نے آکر اطلاع دی کہ اس کا ڈرائیور لینے آیا تھا۔ ہم نے بھی مختصر سے ڈرائیو وے پر سیاہ گاڑی کی جھلک دیکھی تھی۔ بلیک ڈیڈ فوراً ہی دروازے کی طرف چل پڑا۔ اس بار گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ بلیک ڈیڈ کا گن مین بھی موجود تھا۔ اس کے آدمیوں کی اس پُراسرار آمد اور روپوشی بظاہر وائرلیس کے مستقل لاسلکی روابط کی مرہونِ منت معلوم ہوتی

"تم نے بہت محنت سے پورے گھر کو چمکایا ہے۔" بلیک ڈیڈ کی روانگی کے بعد میں نے مائیک کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دوستانہ لہجے میں کہا "اب تم کچن سے اپنی ضرورت کی اشیا لے کر اپنے کمرے میں آرام کر سکتے ہو۔ ہم تمہاری مصروفیات میں مخل نہیں ہوں گے۔"

"اور تم دونوں کا ڈنر؟" مائیک ضرورت سے زیادہ فرض شناس ثابت ہو رہا تھا۔

"ابھی گپ شپ کا موڈ ہے۔" میں نے اسے آنکھ مار کر کہا۔ "ضرورت ہوئی تو ہم خود ہی بندوبست کر لیں گے۔"

اتنی وضاحت کے بعد مائیک لمحہ بھر کے لیے بھی وہاں نہیں رکا۔ سیدھا کچن میں چلا گیا۔

"مائیک کو تم نے کہاں بھگا دیا؟ اب کھانا کون لگائے گا؟" میرے ڈرائنگ روم میں پہنچنے پر ویرا نے خفگی سے پوچھا۔ وہ میرے اور مائیک کے مذاکرات کو دور سے دیکھتی رہی تھی۔

"آج تمہارے ہاتھ کا کھانا کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا "تم انکار کرو گی تو آج پھر جینی کے گھر کا رخ کرنا پڑے گا۔ وہ خاصے لذیذ کھانے بناتی ہے۔"

"خاک بناتی ہے۔" ویرا نے ہونٹ سکیڑ کر حقارت سے کہا۔ "چٹ پٹے پاکستانی کھانوں کی عادت پڑ جانے کے بعد روکھے پھیکے امریکی کھانے مجھے صابن کا شوربہ معلوم ہوتے ہیں۔"

"بیکسٹر کے بعد مائیک بھی صابن کے شوربے کھلا رہا ہے۔ آج تم ہی کچھ بنا ڈالو۔"

"شہر میں سیکڑوں ریستوران کھلے ہیں' جہاں چاہو جا سکتے ہو۔ مجھے چولھا جھونکنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان بے تکی باتوں میں وقت برباد کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ تمہارے ارادے کیا ہیں۔"

"ارادے نیک ہیں' آؤ بیڈ روم میں چلتے ہیں۔" میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا۔

وہ مچل کر مجھ سے دور جا کھڑی ہوئی "تمہارے ایک ایک لفظ سے منافقت کی بو آرہی ہے۔"

"آج کا دن ہی کچھ خراب ہے۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا "بلیک ڈیڈ کو کافور کی بو آرہی تھی' تم کو منافقت کی بو آرہی ہے۔ آج شاید میری ناک بند ہوگئی ہے۔"

وہ دونوں ہاتھ کمر پر باندھے مجھے اشتباہ آمیز نظروں سے گھورتی رہی۔ میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنا سر جھٹک کر خواب گاہ کی طرف چل دیا۔

نیویارک میں رات ڈھل رہی تھی' پاکستان میں دن نکل چکا تھا۔ میں اول خان سے کچھ دیر بعد بھی بات کر سکتا تھا۔ مقامیوں سے فوری مذاکرات ضروری تھے۔

پہلے میں نے مین ہٹن کے گورہام ہوٹل کا نمبر ملایا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ عباس کرمانی کی تلاش میں آیا ہوا بدری ناتھ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ آپریٹر نے فوراً لائن اسے منتقل کردی۔

"تم اس وقت بھی سی ایس ڈی استعمال کر رہے ہو نا؟" میری آواز پہچانتے ہی بدری ناتھ نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔ شاید وہ اس وقت کوئی اہم بات کرنے کے موڈ میں تھا۔

"اس کے بغیر میں تم سے رابطے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔

"تھوڑی دیر پہلے تم کہاں تھے؟" بدری ناتھ کی آواز میں تجسس بڑھتا جارہا تھا۔

"میں یہیں بیٹھا آرام کر رہا تھا۔ آج تم اتنے زیادہ سوالات کیوں کر رہے ہو؟"

"برا مان گئے۔" دوسری طرف سے ہلکی سی ہنسی کی آواز ابھری "میں حیران ہوں کہ تم جس کسی کا نام لیتے ہو' وہ بہت جلد کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے یا مارا جاتا ہے۔"

"کیا پھر کوئی مارا گیا؟" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے چونک کر پوچھا۔

"میں اس وقت خود کو بالکل چغد محسوس کر رہا ہوں۔ میں مان ہی نہیں سکتا کہ....."

میں نے اس کی بات کاٹ کر مزاحیہ انداز میں کہا "اپنے بارے میں اس قدر کسرِ نفسی سے کام نہ لو۔ سی آئی اے کی ایک بڑی مہم کا سربراہ خود کو چغد محسوس کرنے لگے تو اس کی کرسی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"تم نے چار ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اور میں کچھ نہیں کر سکا تھا۔ ذرا سی دیر پہلے خبر ملی ہے کہ ان میں سے بنجمن فورٹ نامی داؤدی ستارے کے گھر میں خاصا کشت و خون ہوا ہے۔ میں کیسے مان لوں کہ اس واقعے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہوگا؟"

"تو کیا بنجمن فورٹ مارا گیا؟" اس بار میرا سوال بے ساختہ تھا۔ ہم لوگ صرف جارج شلز کی موت کے بارے میں یقین تھے۔ دوسرے داؤدی ستاروں کو اندازے سے ٹھکانے لگایا گیا تھا۔ جب تک کسی اور ذریعے سے اس اندازے کی تصدیق نہ ہو جاتی' یقین مشکل تھا۔

"ابھی صرف ابتدائی اطلاعات ملی ہیں۔ وہاں متعدد لاشیں ملی ہیں۔ مرنے والوں کے نام ابھی آنے باقی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مرنے والوں میں وہ بھی شامل ہو۔"

"یہ میرے لیے ایک اچھی خبر ہے۔ پتا نہیں وہ کون محسن ہے جو میرے کام کا بوجھ ہلکا کر رہا ہے۔"

"وہ کوئی اور کیسے ہو سکتا ہے؟ تم مجھے کیوں بہکا رہے ہو؟ بتا کیوں نہیں دیتے کہ اس کے گھر پر تم ہی نے کوئی انتقامی کارروائی کی ہے؟ میں تمہارا دشمن نہیں گہرا دوست ہوں۔"

"تمہیں یہ سب باتیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اگر میں نے کچھ کیا ہوتا تو میں فخر کے ساتھ تمہیں اپنے کارنامے کی خبر دیتا۔ تم سے کوئی بات چھپا کر مجھے کوئی فیض حاصل ہو سکتا ہے؟"

"یہی بات مجھے حیران کر رہی ہے۔ کیا یہ ایک عجیب اتفاق نہیں کہ تمہارے چار مطلوبہ آدمیوں میں سے ایک کے گھر پر کسی اور نے حملہ کر کے تباہی مچا دی۔"

"یہ اتفاق ضرور ہے لیکن تم اسے عجیب نہیں کہہ سکتے۔ ایسے لوگوں کے بے شمار دشمن ہوتے ہیں اور ان پر برا وقت آتے ہی وہ سب ان کے خلاف میدانِ عمل میں اتر آتے ہیں۔ پتا نہیں وہاں کن دل جلوں نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ تم بلاوجہ مجھ پر شبہ مت کرو۔"

"ذرا ایک منٹ ہولڈ کرو۔ میں دوسری لائن پر بات کرلوں۔" اس نے جلدی سے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ میں اپنے ریسیور میں پہلے ہی فون کی گھنٹی کی آواز سن چکا تھا۔

مجھے کئی منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔ وہ فون پر واپس آیا تو ہیجان میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اس نے تقریباً چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان کہا "بنجمن فورٹ' جارج شلز' ایان جیکب اور سولومن ویل..... یہ چاروں وہی نام ہیں جن کے بارے میں تم کو معلومات مطلوب تھیں۔ مجھے ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ بنجمن فورٹ کے مکان کے احاطے میں ان چاروں کو بڑی بے رحمی سے مار ڈالا گیا ہے۔"

"چاروں؟ بقیہ تین اس کے گھر میں کیا کر رہے تھے جنہیں نے

بیجی سے پوچھا۔
"جارج شلز کی لاش اسٹریچر سے بندھی ہوئی ہے‘ دو کو کسی گاڑی کے پہیوں تلے کچل کر مارا گیا ہے۔ ایان جیکب کی ٹانگ اور پیٹ میں زخم ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کو زبردستی وہاں جمع کر کے ٹھکانے لگایا گیا ہو۔ یہ بہت منظم اور سفاکانہ واردات معلوم ہوتی ہے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ مجھ جیسا تنہا اور بے سروسامان آدمی اتنا بڑا اہتمام کر سکتا ہے؟ نہیں بدری‘ میری طرف سے اپنا دل صاف رکھو۔ میں نے تم سے کوئی بات نہیں چھپائی ہے۔"

"ہر مہم کی ابتدا تم کرتے ہو لیکن کارروائی کوئی اور کر جاتا ہے۔ یہ بات کیسے مانی جا سکتی ہے؟ آئزک بیل کا پیچھا تم نے لیا ہوا تھا لیکن اس کا تباہ کن تصادم عباس کہانی سے ہو گیا۔ اب ان چاروں داؤدی ستاروں کی ناقابلِ فہم کہانی سامنے آئی ہے۔"

"وہ یقیناً وہاں کسی سازشی منصوبے کی تیاری کے لیے جمع ہوئے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں یہاں کی کسی ایجنسی نے ہی اڑا دیا ہو۔" میں اپنے مدافعانہ موقف پر اڑا رہا۔

"ناممکن... یہاں ایجنسیوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ قانون کی سخت عمل داری اور مسلسل مواخذے کی وجہ سے ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اگر تمہارے ہاتھ صاف ہیں تو زیر زمین دنیا کے کچھ لوگوں نے اپنی مخاصمت کا کوئی حساب چکایا ہو گا۔ میرے لیے سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ تمہارے ایما پر میں نے اپنے ایک آدمی کو ان چاروں کے بارے میں معلومات جمع کرنے پر لگایا تھا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" پوری بات سمجھتے ہوئے بھی میں انجان بن گیا۔

"دوسرے فون پر اسی شخص نے مجھے اطلاع دی ہے۔ جانتے ہو اس کے کیا الفاظ تھے؟"

میں خاموش رہا۔ لائن پر ایک طویل سکوت کے بعد وہ دوبارہ بولنے لگا "وہ کہہ رہا تھا کہ میں جن چار داؤدی ستاروں کے بارے میں متجسس تھا‘ وہ سب ہی فورٹ ہاؤس کے سبزہ زار پر مارے جا چکے ہیں۔ دوسری لاشوں کی شناخت ابھی باقی ہے۔ یہ بات چھپنے والی نہیں ہے‘ پھیلے گی تو میری پوزیشن بہت مخدوش ہو جائے گی۔ پیشہ ورانہ حسد اور رقابت میں مبتلا لوگ چاروں مقتولین میں میری دلچسپی کو خوب ہوا دیں گے۔ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکوں گا۔"

"یہ ابتدائی خبریں ہیں۔ ان پر یوں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تفصیلات ملنے پر یہ بات خود ہی صاف ہو جائے کہ قاتل کون تھے۔ ان میں تمہاری پیشگی دلچسپی بھی کوئی ناقابلِ معافی جرم نہیں ہے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ تمہیں ان چاروں کے خلاف کارروائی کا خدشہ تھا۔"

"یہ خدشہ کیوں تھا؟ ان چاروں کے نام مجھے کس نے دیے؟ وہ لوگ تو ایک محتاط زندگی بسر کر رہے تھے کہ معززین شہر ہونے کے باوجود کہیں ان کا پتا یا فون نمبر تک موجود نہیں تھا۔"

"تم اپنے شعبے کے ایک سینئر اور ذہین افسر ہو۔ خود بھی کچھ سوچنے کی کوشش کرو۔ تم شیام ناتھ کے ہوٹل جاتے رہے ہو۔ وہاں کوئی تمہیں کچھ بتا سکتا ہے‘ کچھ اجنبیوں کی باہمی گفتگو کے ذریعے وہ نام تمہارے کانوں میں پڑ سکتے ہیں۔ کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"یعنی میں یہ یقین کر لوں کہ تمہارے ہاتھ صاف ہیں؟" بدری کی آواز سے بے اعتباری ترشح تھی۔

"مت یقین کرو اور مجھے سزائے موت دلوا دو۔" میں نے برہمی سے جواب دے کر فون بند کر دیا۔ اس کی تکرار نے واقعی میرا پارہ چڑھا دیا تھا۔

"تم نے برا کیا۔" ویرا نے فوراً ہی تنقید کا سلسلہ شروع کر دیا۔ "وہ دودھ پیتا بچہ نہیں ہے جو تمہاری ہر من گھڑت کہانی کو درست مان لے۔ اس کی چھٹی حس اس کی صحیح رہنمائی کر رہی ہے تو تم کو اس طرح مشتعل ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس حرکت سے شاید تم نے اسے کھو دیا ہے۔"

"اس کے دماغ سے شکوک و شبہات کا خنّاس نکالنے کے لیے سخت جواب دینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اگر وہ میرے جواب پر ناراض ہوا ہے تو صبح تک اس کا دماغ ٹھکانے آ جائے گا۔ جائے واردات سے ایک زخمی یا مردہ حملہ آور کی گرفتاری اور ایمبولینس سے ملنے والی تحریر کے بعد میرا دامن خود بہ خود صاف ہو جائے گا اور وہ اپنے اصرار پر خود ہی شرمندگی محسوس کرنے لگے گا۔"

"اس کے پاس تمہارا فون نمبر نہیں ہے جو وہ رابطہ کر کے اپنے رویّے پر معذرت کر سکے۔"

"نہ ہو۔ صبح کے اخبارات آنے کے بعد میں فون کر کے خود ہی اس کا دماغ درست کروں گا۔ میں لوگوں سے لڑنا جانتا ہوں تو ان سے دوستی استوار کرنے کے گروں سے بھی واقف ہوں۔"

"کمال ہے کہ فورٹ ہاؤس میں اتنی بڑی واردات ہو گئی اور وہ ہوٹل ہی میں بیٹھا ہوا ہے۔"

"بعض اوقات تمہاری عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں۔" میں نے چڑ کر کہا "وہ نیویارک کا پولیس چیف یا سی آئی اے کا ڈائریکٹر نہیں ہے جو ہر معاملے میں اپنی ٹانگ اڑاتا پھرے۔ اسے عباس کہانی کی تلاش کی ٹاسک دے کر یہاں بھیجا گیا ہے اور بس۔ وہ ان لوگوں میں رہ رہا ہے اس لیے اسے ادھر ادھر سے خبریں ملتی رہتی ہیں۔ اس کو یہ اہمیت بھی ہماری وجہ سے ملی ہے ورنہ وہ نیو لیکس میں ایک معمولی ٹرینی کی طرح پڑا ہوا تھا۔"

"خود ہی اسے عزت دلوائی اور اب اس سے جل رہے ہو۔" ویرا نے اپنے مکارانہ معمول کے مطابق اصل موضوع کو چھوڑ کر میرے آخری فقرے پکڑ لیے "وہ چاہے تو اب بھی تمہیں بند کرا سکتا ہے۔"

"تم اس سے کوئی ناپاک گٹھ جوڑ کرو تو دوسری بات ہے۔ وہ مر کر بھی میرا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ جس لمحے بھی اس نے مجھے آنکھیں دکھانے کی کوشش کی، اس کی جان وبال میں آجائے گی۔"

"وہ بے چارہ آنکھیں دکھانے کے بجائے تمہیں اس نحوس خلائی ایندھن کے ذخیرے کی راہ دکھانے کی کوشش کر رہا ہے جس کی تباہی پر یہاں والوں پر وقت پڑ جائے گا۔"

"اس وقت میں اس سے اسی بارے میں بات کرنی چاہ رہا تھا لیکن اس نے میرا موڈ تباہ کر دیا۔ اب اس سے کل صبح ہی کوئی بات ہو سکے گی۔" میں نے کہا۔

"اصولی طور پر یہاں ہمارا کام پورا ہو چکا ہے۔ جمی لائیڈ کے قتل کا انتقام پورا ہو گیا۔ رنگس تباہ ہو گئی اور ڈیوڈ اسٹارز بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ کسی نئے چکر میں پھنسنے سے پہلے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آنرک بیل اپنی سر توڑ کوششوں کے باوجود امریکی حکومت کو یہ باور نہیں کرا سکا کہ ہم دونوں امریکا میں موجود ہیں۔۔۔"

میں نے ویرا کی بات کاٹ دی "یہ انتقامی کارروائیاں تھیں۔ ہمارے نشانوں میں سے ایک 'نک موڈلے' جو یہاں آگیا ہے، ابھی تک بچا ہوا ہے۔ اس کے بعد کچھ جوابی حملے بھی ضروری ہیں۔ انہیں پتا چلنا چاہیے کہ ان کی سرزمین بھی دوسروں کی سازشوں کا نشانہ بن سکتی ہے۔"

"پہلے دن سے تم جوابی کارروائیاں ہی کر رہے ہو۔ یہاں انسانی جانوں کا بھاری اتلاف معمول میں شامل نہیں ہے۔ ہمارے آنے کے بعد یہاں بہت خون بہا ہے۔"

"وہ سب دوسروں کے کھاتوں میں گیا ہے۔ ایک ولسن ہی ایسا ہے جو اپنی کہانی سمیت نیو جرسی کے ایک کنوئیں میں مدفون ہے۔ انہیں پتا چلنا چاہیے کہ یہ سب ڈیئی اور ویرا نے ان کے سینے پر مونگ دل کر کیا ہے۔ انتقام اسی وقت پورا ہوتا ہے جب انتقام لینے والوں اور ان کا نشانہ بننے والوں کی کھلی کھلی شناخت ہو چکی ہو۔ اس کے بغیر سب کچھ محض ایک حادثہ، اتفاقی واقعہ یا واردات بن کر رہ جاتا ہے۔"

"یہاں رہتے ہوئے یہ سب نہیں کیا جا سکتا۔ جس راز کو ہم ہفتوں سے چھپاتے چلے آرہے ہیں، اسے اپنی زبان سے فاش کر کے ہم مصائب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ہماری واپسی کے بعد جس دن پاکستان کے دفتر خارجہ نے امریکی سفیر کو طلب کر کے کیپ کے کاغذات اس کے سامنے رکھے، اسی لمحے یہ کام ہو جائے گا۔ سب کو پتا چل جائے گا کہ عباس کرمانی وغیرہ کا کوئی وجود نہیں تھا، وہ ہماری اختراع تھی۔"

"جب تک ہم یہاں ہیں، کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ سکتا۔"

"دن میں نیویارک کی جدید عمارات، عجائب خانے اور لائبریریاں دیکھو، رات کو میڈیسن سرکٹ اور ٹائمز اسکوائر میں آوارہ گردی کرو۔ تمہارا وقت بہت اچھا گزر جائے گا۔"

"مجھے امریکا جیسے موذی ملک کی تاریخ اور ترقی سے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔" میں نے حقارت سے کہا "میرے لیے موہن جو داڑو، ہڑپا اور ٹیکسلا کی سیر زیادہ آسودگی کا باعث ہوگی۔"

"میں تمہیں یہی تو سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ جلد از جلد پاکستان واپسی کی فکر کرو۔"

"میرا دماغ مت چاٹو!" میں نے بے زاری کے عالم میں کہا۔ "مجھے کچھ کام کرنے دو۔"

میں اس کے ردعمل پر دھیان دیے بغیر دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

نمبر ملنے پر میری آواز پہچان کر میجر جنجوعہ کی آواز میں دوستانہ گرمجوشی عود کر آئی "میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ نیویارک میں تمہارے پاس ایک ایسا محفوظ فون ہے جس پر میں کھل کر بات کر سکتا ہوں۔ فون پر ہم ہمیشہ بہت زیادہ محتاط رہتے ہیں۔۔۔"

میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "ابھی تک تم نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس کے لیے ایک محفوظ فون نمبر کی ضرورت ثابت ہوتی ہو۔"

"میں نے کل دوپہر میں تمہیں ان چاروں کے نام پتے بتائے تھے اور ابھی چند منٹ پہلے ٹیلی فون پر بتایا گیا ہے کہ ان چاروں کو فورٹ ہاؤس میں قتل کر دیا گیا۔" وہ پُرجوش لہجے میں کہہ رہا تھا۔

اس بارے میں میجر جنجوعہ کی تحیر زدہ باتیں من و عن وہی تھیں جو میں کچھ دیر پہلے بدری کی زبان سے سن چکا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ بدری پر مجھے سو فیصد اعتماد نہیں تھا۔ میں نے ان واقعات میں اپنے کسی بھی کردار سے صاف انکار کر دیا تھا۔ میجر جنجوعہ نے اگلی ملاقات میں میرا دل جیت لیا تھا۔ اسے میں نے حقیقت سے مطلع کر دیا اور فخر سے اس کی آواز بھرانے لگی۔

اس منصوبہ بندی میں، میں نے کسی ایک فرد یا ذریعے پر انحصار نہیں کیا تھا۔ معلومات کے جلد از جلد حصول کے لیے ہر اس فرد سے رابطہ کیا تھا جو میرا مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔

بلیک ڈیڈ نے کسی پتے یا نشان کے بغیر وہ چار نام میرے حوالے کیے تھے، بدری ناتھ نے صرف یہ بتایا تھا کہ وہ چاروں معززین شہر میں شامل تھے لیکن ریکارڈ میں ان چاروں کے پتے ڈیوڈ اسٹارز کے دفتر کی معرفت تھے اور وہ دفتر ان دنوں مقفل تھا، للی برنارڈ عرف جینی نے رنگس کے کمپیوٹر ریکارڈ کی چھان بین کر کے جارج شلز کے گھر کا پتا بتایا تھا اور میجر جنجوعہ نے سب سے پہلے بیمن فورٹ کا نمبر دے کر مجھے ان چاروں میں خوف و ہراس پھیلانے کا اولین موقع دیا تھا اور پھر چاروں کے پتے بھی فراہم کر دیے تھے۔

وہ چاروں اپنے کیفر کردار کو پہنچ چکے تھے۔ ان کے انجام کے بارے میں خبریں سامنے آنے کے بعد میری معلومات کا ذریعہ

میں اس واقعے میں اپنے کردار پر قطعاً نادم نہیں [illegible]
[illegible] انسانی ندامت میں جلتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ان [illegible] بھی [illegible] ہوگا۔ وہ [illegible] کرنے اور [illegible] والی [illegible] تھی جو [illegible] خون سے [illegible] کر لی تھی لیکن میجر جنجوعہ کا معاملہ مختلف تھا۔
ایک ایسے یمبارک کی [illegible] دنیا میں اپنے اقتدار اور [illegible] کی فکر تھی۔ اسے یقین تھا کہ ان چاروں کی موت کے بعد [illegible] ناموں کے ساتھ یمبارک کا چادہ معاش یا سرغنہ تسلیم کر لیا جائے گا۔ میجر جنجوعہ کی خوشی کے اسباب ایک سے زائد تھے۔

اسے چاروں ڈیوڈ اسٹارز کے پتے فراہم کرنے والے پاکستانی [illegible] نے جنجوعہ کو بتایا تھا کہ امریکا میں دہشت گرد اور متعصب [illegible] کی سازشی یا دوستی کا خاتمہ کرنے کے لیے وہ لوگ برسوں سے ڈیوڈ اسٹارز کی گھات میں تھے لیکن اپنی ساری معلومات کے [illegible] کے باوجود ان میں سے کسی کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے تھے مگر [illegible] کے ایک گمنام دوست نے ایک ہی وار میں چار کا صفایا کر دیا [illegible] آئزک بیل اس سے پہلے ہی ذلیل و خوار ہو کر قیدی بن چکا [illegible] اس کا پیش رو اور داؤدی ستاروں کا بانی، راس ایلیڈا پہلے ہی [illegible] میں پاکستانی سرزمین پر موت کے گھاٹ اتر چکا تھا۔
"چھ نمایاں اور ممتاز یہودی دہشت گرد ضرور مارے گئے ہیں [illegible] ان کی جگہ لینے والے جلد ہی سامنے آجائیں گے۔" میں نے میجر جنجوعہ کی باتیں سن کر کہا "میرے لیے یہ ایک عارضی کامیابی ہے۔"
"تم یہاں کی کہانیوں سے باخبر نہیں ہو اس لیے ایسا سمجھ رہے ہو۔ یہ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی سپریم کونسل کے چھ اہم ترین داؤدی ستارے کم و بیش ایک ساتھ مارے جائیں گے۔ اس قیادت کا متبادل دس بیس برس میں بھی پیدا نہیں ہو سکے گا۔"
"امریکا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں یہودی آباد [illegible]" میں نے کہا "ان میں سے کوئی بھی ساتواں داؤدی ستارہ ثابت ہو سکتا ہے۔"
"یہ سسٹم کی بات ہے۔ اس برادرہڈ پر صرف چھ افراد کی گرفت تھی۔ وہی اس کے تمام اندرونی اور بیرونی رازوں سے واقف تھے۔ ساتواں آدمی باہر کا ہوگا۔ اس کے لیے ہر چیز مشکل ثابت ہوگی۔ اپنی کوششوں سے وہ کچھ بھی بنا سکتا ہے لیکن اس برادرہڈ کو زندہ نہیں کر سکتا۔"
"کیا پورے امریکا میں آباد یہودیوں کی صرف یہی ایک تنظیم [illegible]" میں نے ہلکے سے استہزائیہ انداز میں سوال کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔
"امریکا کے ہر شہر اور قصبے میں معاشی اور معاشرتی بہبود کے [illegible] یہودیوں کی مقامی یا علاقائی تنظیمیں ہیں جو مقامی معاملات اپنی

[illegible] سے [illegible] میں [illegible] [illegible] [illegible] سے [illegible] [illegible] [illegible] کچھ [illegible] [illegible] [illegible] ایک [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ساری [illegible] [illegible] [illegible]"
اس مرتبہ میجر جنجوعہ ان لوگوں کے بارے میں پہلی دفعہ سے زیادہ [illegible] ہو رہا تھا۔
"اس سے انہیں کیا نقصان پہنچے گا؟ امریکا میں وہ اب بھی محب مذہبی اقلیت ہیں۔"
"ان کے مفادات کو سخت نقصان پہنچے گا۔ کوئی سچ پر من کے مفادات کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ صدارتی انتخاب کے امیدواروں سے خفیہ مراعات کے معاہدے کون کرے گا؟"
"ان کے نمائندے کانگریس اور سینیٹ میں بھی ہوتے ہیں اور اہم کردار ادا کرتے ہیں۔"
"وہ سب ظاہری تماشا ہوتا ہے۔ ان کو ہدایتیں تو ڈیوڈ اسٹارز ہی دیتے تھے۔"
"بات سمجھ میں نہیں آرہی کہ یہاں کوئی ایسی سیاسی مافیا بھی وجود رکھتی ہے۔"
"اسے یوں سمجھ لو کہ صدارتی انتخاب میں مدمقابل آنے والے امیدوار ہر یہودی یا ہر یہودی تنظیم کو اعتماد میں نہیں لے سکتے لیکن ڈیوڈ اسٹارز کے سربراہ سے مذاکرات میں یہودیوں کے لیے خفیہ مراعات سمیت ہر موضوع پر کھل کر بات کرتے ہیں۔ جس امیدوار سے بات بن جاتی ہے، ڈیوڈ اسٹارز کا سربراہ اس کی حمایت میں بیان جاری کر دیتا ہے۔ سب اسی پر عمل کرتے ہیں۔"
بدمعاش، دہشت گرد، جرائم پیشہ اور نسل پرست یہودیوں کی ڈیوڈ اسٹارز نامی وہ تنظیم ان کی یک جہتی میں واقعی ایک مرکزی مافیا کا کردار ادا کر رہی تھی۔ ان کی صفوں میں ڈیوڈ اسٹارز کا کوئی دوسرا متبادل نہیں تھا۔ اسی وجہ سے آئزک بیل کو قانون کے بے رحم شکنجے سے نکالنے کے لیے کوئی آواز بلند نہیں ہوئی تھی۔ وہی واقعہ امریکا میں آباد کسی اور یہودی کے ساتھ پیش آیا ہوتا تو آئزک بیل گیپ کے سارے خم ٹھونک کر اس کی مدد کے لیے میدان میں اتر آیا ہوتا۔
"یہ امریکا میں بسے ہوئے نسل پرستوں کے لیے شاید سب سے بڑا صدمہ ہے۔ ڈیوڈ اسٹارز کی مکمل ترین تباہی کے بعد وہ خود کو یتیم محسوس کر رہے ہوں گے۔" میجر جنجوعہ کہہ رہا تھا۔
"اس کا مطلب ہے کہ اب تم بھی عملی طور پر ختم ہی سمجھنا چاہیے؟"
"وہ امریکا کے سرکاری مقاصد کے لیے بنائی ہوئی این جی او یا غیر سرکاری تنظیم تھی جس کی باگ ڈور سازشوں کے تحت ڈیوڈ اسٹارز کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی۔ اگر پیداواری علاقوں میں ہیروئن کی کھپت کے سرکاری ہدف پورے ہو چکے ہیں تو شاید اب

اسے زندہ نہیں کیا جائے گا۔"

میجر جنجوعہ کی وہ بات حرف بہ حرف درست تھی۔ ٹی اور اس کے مقامی مددگاروں کے ذریعے اس وقت تک لاگت سے بھی کم داموں پر ہیروئن فروخت کرکے پاکستان میں اکتیس لاکھ افراد کو اس کا عادی بنایا جاچکا تھا۔ ٹی کی وہ کامیابی بہت مہیب اور لرزہ خیز تھی۔

"پھر جو کچھ باقی رہ جاتا ہے وہ سیاسی اور سفارتی کھیل ہے۔ اس میں ہونے والی دھاندلیوں اور بدمعاشیوں کا اسی زبان میں جواب دینا ہوگا۔" میں نے میجر جنجوعہ کی پُرخیال باتوں پر غور کرتے ہوئے کہا۔

"ایسا نہیں ہوتا.... میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ ہم لوگ یہاں ہر قدم پر محتاط رہتے ہیں۔ فون پر مذاق میں بھی کوئی نامناسب لفظ استعمال نہیں کرتے لیکن ان کے سفارت کار ہمارے ملک میں من مانیاں کرتے ہیں' رنگے ہاتھوں پکڑے جاتے ہیں پھر بھی بات خفیہ احتجاجی مراسلوں سے آگے نہیں بڑھتی۔ ہمارے ساتھ ہی نہیں' ساری دنیا میں یہ ہو رہا ہے۔ کمزور کو پیس دیا جاتا ہے' شہ زور کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں ہے۔"

"فکر مت کرو۔ آج کل نک موڈلے نامی ایک سفارت کار کراچی سے یہاں آیا ہوا ہے۔" میں نے تلخی سے کہا "ہو سکتا ہے کہ نیویارک کے کسی تابوت پر اس کا نام لکھا ہوا ہو۔"

"تم عظیم ہو' میں تمہاری عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ وہ زمانے لد گئے جب برائی کو نیکی کی قوت سے تباہ و برباد کرکے ختم کیا جاتا تھا۔ اب بدی کو بدی ہی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ تم ان کو ان ہی کی زبان میں جواب دے رہے ہو۔ ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

"بس میں ان ہی دعاؤں کے سہارے چل رہا ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا "ورنہ موت کے جبڑوں سے بار بار بچ نکلنا ممکن نہیں تھا۔"

وہ میجر جنجوعہ سے میری انتہائی گفتگو کی ابتدا تھی جو کئی منٹ تک چلتی رہی اور پھر ختم ہوگئی۔

"اب سمجھ میں آیا کہ آج کیا ہوا ہے۔" اسپیکر فون بند ہوتے ہی ویرا بول پڑی "ایک ہی وار میں ڈیوڈ اسٹارز کی صفِ اوّل کی پوری قیادت فنا ہوگئی ہے۔ یہ خلا برسوں پُر نہیں ہو سکے گا۔"

"اب ان کی نوحہ گری بے سود ہے۔ سب مردود مر گئے۔ جانے سے پہلے نک موڈلے بھی ہاتھ آجائے تو مزہ آجائے گا۔" میں نے دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

ویرا نے جھٹ ٹیلی وژن آن کردیا "یہ سلسلہ ختم کرو۔ ذرا دیکھا جائے کہ ٹیلی وژن والے کیا خبریں سنا رہے ہیں۔ ہم ابھی تک تازہ ترین خبریں نہیں سن سکے ہیں۔"

ٹیلی وژن کے خبروں کے چینل پر اشتہارات چل رہے تھے۔ نیویارک میں رہتے ہوئے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہاں خبروں کے چینل پر عام طور سے سب سے کم اشتہارات دکھائے جاتے تھے لیکن کوئی اہم خبر آتے ہی ان اشتہارات کا تناسب یک بیک بڑھ جاتا تھا۔

کوئنز ڈسٹرکٹ کے فورٹ ہاؤس میں متعدد داؤدی ستاروں کے قتل کی اہمیت کا اندازہ مجھے یکے بعد دیگرے نمودار ہونے والے اشتہاروں سے ہو رہا تھا۔ وہ دورانیہ معمول سے زیادہ طویل تھا۔ خبروں کی سرخیاں شاید اس اشتہاری وقفے سے پہلے سنا کر ناظرین کو تجسس میں مبتلا کردیا گیا تھا اور ان کے صبر کا امتحان لینے کے لیے سکون سے اشتہار دکھائے جا رہے تھے۔ وقفہ ختم ہوتے ہی خبر شروع ہوگئی۔

نیوز کاسٹر نے سب سے پہلے اس روز کی افسوس ناک خوں ریزی کی خبر شروع کی اور کیمرا فوراً ہی اس کے چہرے سے فورٹ ہاؤس کے اجڑے ہوئے احاطے میں منتقل ہوگیا۔

وہ خبر بہت تفصیلی اور طویل تھی جس میں وقفے وقفے سے زندہ بچ جانے والے محافظوں' پولیس افسران اور بنجمن فورٹ کے پڑوسیوں کے مختصر انٹرویو دکھائے جا رہے تھے۔ شاید نیویارک کے مقامی باشندوں کے لئے وہ سب اہم اور ضروری رہا ہو' ہم دونوں کے لیے وہ ڈرامائی منظر کشی بے مقصد تھی۔

یہ طے ہوچکا تھا کہ کچلی ہوئی باڑھ میں اسٹریچر کے نیچے دبے ہوئے جارج شلز کو ویرا نے بیم گن کا نشانہ بنایا تھا۔ اس کے سر کے جھلسے ہوئے نتھنے سے زخم کی نوعیت کا تعین نہیں کیا جا سکا تھا لیکن گولی کے زخم سے یکسر مختلف ہونے کی وجہ سے اسے کسی پراسرار اور نامعلوم ہتھیار کا شکار قرار دیا گیا تھا۔

ویرا کا دوسرا شکار ایان جیکب تھا۔ اس کی داہنی ران گولی سے زخمی ہوئی تھی۔ بائیں جانب کی پسلیوں میں اسی پراسرار ہتھیار کا جھلسا ہوا قدرے بڑا سوراخ تھا۔ دونوں لاشوں میں پائے جانے والے سوراخوں کا یہ فرق بیم گن کے قریب اور قدرے دور سے استعمال کا فطری نتیجہ تھا۔

کسی مہلک زخم کے بغیر ایمبولینس کے نیچے کچل کر مرنے والا سولومن ویل واضح طور پر بلیک ڈیڈ کا براہِ راست شکار تھا۔ بنجمن فورٹ کی پشت میں لگنے والی گولی اس کے دل کو چیرتی ہوئی سینے کے پار نکل گئی تھی۔ وہ لاش بھی پہیوں کے نیچے کچل دی گئی تھی۔ یقینی طور پر۔ بنجمن فورٹ ہی میری گولی کا نشانہ بنا تھا۔ بلیک ڈیڈ نے محض انتقاماً اسے ایمبولینس کے نیچے روند ڈالا تھا۔

ان چار داؤدی ستاروں کے علاوہ تین محافظ بھی مارے گئے تھے۔ بقیہ چار بری طرح زخمی اور بے ہوش پائے گئے تھے۔ انہیں قریبی اسپتال میں طبی امداد دی جا رہی تھی۔ ان چار میں سے دو کے انٹرویو اسپتال میں ہی ریکارڈ کیے گئے تھے۔

خبریں سننے کے ساتھ ساتھ میں دشمن کے جانی نقصان کا

حساب بھی رکھا جا رہا تھا۔ ان سات لاشوں کے عوض بلیک ڈیڈ کو اپنے اس ٹونی سے محروم ہونا پڑا تھا جسے اس کے ٹولی میں تلاش نہیں کر پائے تھے۔ ٹونی نامی اس شخص کی لاش گارڈ روم کے پیچھے واقع تالاب میں سے برآمد ہوئی تھی۔ اس تالاب کا پانی موٹر کے ذریعے لان اور پودوں کی آبیاری کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

اس کی شناخت نہیں ہو سکی تھی۔ خبر میں اسے نامعلوم قاتلوں کا ساتھی قرار دیا گیا تھا۔ اس کے سر کے عقبی حصے پر کسی کند ہتھیار کا گہرا اور کاری زخم تھا۔ شاید وہ دست بدست مقابلے میں سر پر ضرب پڑتے ہی تالاب میں جا گرا تھا اور پھر اسی میں دم توڑ گیا۔

فورٹ ہاؤس کے اونچے چوبی دروازوں کے قریب کھڑی ہوئی بی ایمبولینس اسکرین پر ایک آسیب کی طرح نظر آ رہی تھی۔ پولیس افسران نے بیمن کی تلاشی لے کر وہ تحریر برآمد کر لی تھی جو بلیک ڈیڈ نے دانستہ چھوڑی تھی۔ کمپیوٹر پر بڑے حروف میں چھاپی گئی ان دو سطروں کی ٹیلی وژن پر نمائش کے ساتھ نیوز کاسٹر بتا رہا تھا کہ بعض ماہرین کے اندازوں کے مطابق ہارلم کے فسادات بظاہر دم توڑ گئے تھے لیکن متعدد انسانی جانوں اور لاکھوں ڈالر کے مالی نقصانات کی بھینٹ لینے والے ان ہنگاموں کی تلخیاں زیرِ زمین دنیا میں پروان چڑھتی رہی تھیں جنھوں نے فورٹ ہاؤس کے المیے کی صورت میں رنگ دکھایا تھا۔

بیمن فورٹ اپنے گھر میں تین معزز مہمانوں اور تین محافظوں کے ساتھ مارا گیا تھا۔ خبر میں ان مقتولین کے ساتھ ہمدردانہ رویے کی موجودگی فطری تھی۔ بلیک ڈیڈ کی تحریر کے باوجود ٹیلی وژن پر اس واردات کی ذمے داری کسی پر نہیں ڈالی گئی۔ بس نامعلوم اور شقی القلب قاتلوں کے خلاف غم و غصے کے اظہار پر اکتفا کیا گیا اور پھر مبصرین کی رائے زنی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

"ون سیون بہت قابلِ رشک اسکور ہے۔" ویرا نے مسکرا کر کہا "ہو سکتا ہے بلیک ڈیڈ کا شدید زخمی ہونے والا دوسرا آدمی بھی نہ بچ سکے۔ ان دو عام کارکنوں کی قربانی دے کر چار داؤدی ستاروں کو مار لینا بہت بڑی کامیابی ہے۔ ان کے محافظ مفت میں مارے گئے۔"

"یہ بس مقدر کی یاوری تھی۔ گھیر لیے جاتے تو وہاں سے ہم بھی زندہ نہیں لوٹ سکتے تھے۔"

"اب یوں چبا چبا کر باتیں نہ کرو۔ وہاں دور دور تک ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جنگی اصطلاح میں اسے شاید پہل کرنے کا فائدہ کہتے ہیں جو ہم نے اٹھا لیا۔ وہ بالکل بے خبری میں مارے گئے۔ یہ محض اتفاق تھا یا ان چاروں کی بدنصیبی کہ تمہارا بنایا ہوا منصوبہ بے داغ ثابت ہوا۔"

"منصوبے میں، میں بھی شریک تھا لیکن میرے جذبات تم سے مختلف ہیں۔ تم دشمنوں کو مار کر اس طرح خوش ہوتی ہو جیسے وہ انسان نہیں، کتے بلے رہے ہوں۔"

"بس بس، اپنی یہ اخلاقیات اپنے ہی پاس رکھو۔" ویرا نے کر میری بات کاٹ دی "دشمن کو مار کر رونے سے بہتر ہے کہ ہتھیار ہی نہ اٹھایا جائے۔ جنگ جیت کر خوش ہونا انسان کا حق ہے۔ دشمن کی کھوپڑی کو نیزے پر اچھالنے اور خوشیاں منانے کی روایت تہذیب سے بھی زیادہ پرانی ہے اور آج تک ہر جگہ دہرائی جاتی ہے۔"

"تم جیسی خوب صورت عورت کی ایسی شقی القلبی اچھی نہیں لگتی۔"

"یہ عورت تم نے مجھے کیسے بنا دیا؟ کیا تمہیں علم نہیں کہ میں ابھی تک مس ہوں اور ہر مس مسز ہونے سے پہلے تک صرف لڑکی کہلاتی ہے؟" اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"تم جو کچھ بھی ہو، تمہیں قدرت نے اپنے دستِ خاص سے بنایا ہے۔ میں تمہیں مزید بنانے کی صلاحیت سے محروم ہوں۔" میں نے اس بحث کے تلخ پہلو سے گریز کرتے ہوئے کہا "تم نے تازہ ترین خبریں سن لی ہیں۔ اب مجھے اول خان سے بات کر لینے دو۔"

"ضرور بات کرو۔ اب تم اس کی زبان سے اپنی تعریفیں سننے کے لیے بے چین ہو رہے ہو گے۔" اس نے محض مجھے چڑانے کے لیے بے پروائی سے کہا "اسے بتا دینا کہ آج کا منصوبہ تم نے بنایا تھا۔"

میں بے بسی سے اس پر دانت پیس کر رہ گیا۔ اس کے منہ لگنا بے سود تھا۔

پچھلی بار میں نے کراچی والوں کی خیریت دریافت کرنے کے لیے دانستہ اول خان کے بجائے اپنے فلیٹ فون کیا تھا۔ میں اول خان کے نمبر کو بلیک ڈیڈ کے فون بل پر ریکارڈ ہونے سے بچانا چاہتا تھا مگر اس بار مجبوری تھی۔ امریکا میں ہمارا کام نمٹ رہا تھا۔ مجھے اس سے کچھ اہم باتیں کرنی تھیں۔

"تمہارا ڈاک سے بھیجا ہوا لفافہ مجھے اب تک نہیں ملا لیکن سفارتی تھیلے والا لفافہ مل چکا ہے۔ اگر تم نے مجھے طریقہ نہ بتایا ہوتا تو کوئی بھی یہ تحریر نہیں پڑھ سکتا تھا۔ کیپ کا ایک ایک لفظ ہمارے لیے بغض و عناد سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ امریکی ہمارے اتنے بدخواہ ہوں گے۔"

"وہ ہمیشہ سے ایسے ہی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ برسوں پہلے بحران میں پھنسے ہوئے ایک رہنما نے پنڈی کے راجا بازار میں چند کاغذ دکھا کر مجمع کو بتایا تھا کہ خون آشام کتے میرے خون کی بو پر لگے ہوئے ہیں تو بہت سے لوگوں نے اس پر اعتبار نہیں کیا تھا۔ اس نعرے کو سیاسی ڈرامے بازی قرار دیا تھا۔ آج کیپ کے پانچ کاغذ یہ بتاتے ہیں کہ ان کے دلوں میں ہمارے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔ وہ ہماری آزادی اور ایٹمی ترقی کو ہر قیمت پر غصب کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"

ہماری آزادی خداداد نعمت ہے۔ جب تک ہم اپنے پاؤں پر قدم نہیں ماریں گے کوئی اسے غصب نہیں کر سکے گا۔ رہا ایٹمی پروگرام تو اب تم اس کی فکر مت کرو۔ مجھے کل ہی کچھ حیرت انگیز ترقی کا علم ہوا ہے۔ یہ اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔"
"لیکن کینوپ کو بھیجے جانے والے پرزوں میں تخریب کاری کا خدشہ بہت سنگین ہو سکتا تھا۔"

"تم نے بہت بڑا کام کیا کہ جوابی کارروائی کر کے وہیں معاملہ صاف کر دیا۔ یہاں کوئی ان پر اعتبار نہیں کرتا۔ ان سے حاصل ہونے والی ایک کیل کو بھی پوری جانچ پڑتال کے بعد استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ سارے کام خاموشی اور مکمل راز داری سے ہوتے ہیں اس لیے ہم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ہمارے ماہرین عالمی فتنہ انگیزیوں سے بے خبر ہیں۔"
"آئے دن ہمارے اس پروگرام کے خلاف غلغلہ کیوں اٹھتا رہتا ہے؟"

میرے سوال پر اول خان خوش ہو گیا "یہی ساری کامیابی کی کلید ہے۔ ہر سال چھ مہینے میں ہمارے ماہرین پورے ہوم ورک کے بعد حکومت کے ایما سے کوئی گمراہ کن خبر لیک کر دیتے ہیں۔ ہمارے دشمن اس راہ پر سر کھپاتے رہتے ہیں جب کہ اصل کام کہیں اور ہی ہو رہا ہوتا ہے۔ آج تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک اور پروگرام کے مطابق چل رہا ہے۔"
"یعنی گمراہ کن خبر ہم خود لیک کرتے ہیں، دشمن یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی کاوشوں سے ہمارا کوئی قیمتی راز حاصل کر لیا ہے اور وہ اس کے خلاف جٹ جاتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔
"بالکل.... بالکل یہی ہو رہا ہے۔ ہم جدھر سرخ کپڑا لہراتے ہیں بھڑکا ہوا سانڈ اسی طرف دوڑ پڑتا ہے، ہم اسی لمحے کہیں اور جا کھڑے ہوتے ہیں۔"
"میرے لیے یہ بہت بڑی خبر ہے۔ میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہے۔ میں ایٹم اور ایٹمی توانائی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا لیکن میرا رواں رواں ان کامیابیوں کے لیے دعا گو رہتا ہے۔"
"میرا اور کروڑوں پاکستانیوں کا یہی حال ہے۔ بس چند لوگ ہیں جو اس کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔ سنا ہے کہ پچھلے دنوں تجربہ گاہ میں ایٹمی تجربے کیے جا چکے ہیں۔ وہاں سب کچھ تھا، صرف ایٹم بم نہیں تھا۔ یہ تجربے کامیاب ترین رہے ہیں۔ اتنے کامیاب کہ پاکستان پورے اعتماد کے ساتھ کہیں بھی اصلی ایٹمی دھماکا کر سکتا ہے۔ وقت آئے گا تو دنیا دیکھ لے گی کہ اول خان کا یہ دعویٰ غلط نہیں تھا۔"

اول خان ایک سچا اور درد مند پاکستانی تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی آنکھوں میں اپنے ملک کے لیے سنہرے خواب اور دل میں نیک تمنائیں سجائے رہتا تھا۔ اپنی خوش فہمیوں کے اظہار میں وہ کبھی کبھی حد سے تجاوز بھی کر جاتا تھا۔ ایسے مواقع پر میں عموماً خاموش ہو جاتا تھا۔

میرا خیال تھا کہ وہ اس وقت بھی پاکستان کی ایٹمی صلاحیتوں کے بارے میں خارا شگاف خوش فہمیوں میں مبتلا تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ پاکستان اس میدان میں اتنا آگے بڑھ چکا ہو اور خلا میں شب و روز گردش کرنے والے سیکڑوں سراغ رساں سیاروں کی آنکھوں سے کرۂ ارض کے چپے چپے کی نگرانی کرنے والے ان تبدیلیوں سے بے خبر رہیں۔

ریگستانوں کی دھول، سمندر کی گہرائیوں اور زمینی سرنگوں میں ہونے والی سرگرمیوں کی کڑی جانچ پڑتال کرنے والے ایسے جامع نظام کی موجودگی میں اگر پاکستان نے وہ کچھ حاصل کر لیا تھا جس کے اشارے اول خان دے رہا تھا تو یہ واقعات میرے لیے حیرت انگیز تھے۔ "آج تم بہت اچھی اور امید افزا باتیں کر رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سب ٹھیک ہے۔"

"سب ٹھیک ہے.... تم نے کیپ کے اصلی کاغذوں کی صورت میں بارود میرے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ بس تم دونوں اس جہنم سے نکل آؤ تو میں اس بارود کو دیا سلائی دکھا دوں گا۔ یہ پانچ کاغذ ہمارے بعض مصلحت گزیدہ اور کمزور دوستوں کی حمایت میں انقلابی تبدیلیاں لا سکتے ہیں۔"

"تم چاہو تو ہم کل ہی یہاں سے نکل سکتے ہیں۔" میں نے کن انکھیوں سے ویرا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ وہ میرے قریب بیٹھی انتظار کر رہی تھی کہ میں اول خان کو کب واؤدی ستاروں کی کہانی سنا کر مرعوب کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

محفوظ ترین گاڑی

نئی اور برق رفتار گاڑیوں میں باڈی کے ایروڈائنامک ڈیزائن کے ساتھ ٹیکنالوجی کے کچھ اور شاہکار بھی یکجا کیے جا رہے ہیں۔ ان میں نہ ٹوٹنے والی ونڈ شیلڈ اور ائربیگ سسٹم کی خوب تشہیر کی جاتی ہے۔ ونڈ شیلڈ بدترین تصادم میں بھی چکنا چور نہیں ہوتی اور ائربیگ کے سہارے گاڑی کو دوڑتے دوڑتے کہیں بھی منجمد کیا جا سکتا ہے۔ یہی بیگ مین نے فرمایا کہ آپ بے خطر ہو کر ڈیڑھ سو میل فی گھنٹا کی رفتار سے جدید گاڑی دوڑائیں اور پھر ائربیگ اگا کر اچانک گاڑی روک دیں۔ ونڈ شیلڈ مضبوط ہے، نتیجہ....؟ ظاہر ہے کہ آپ نے سیٹ بیلٹ استعمال نہ کی تو ونڈ شیلڈ کی اندرونی سطح پر آپ لئی کی ایک گندی پرت کی طرح چپک کر رہ جائیں گے جسے کسی اسکریپر سے ہی ہٹایا جا سکے گا۔

اول خان کی ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی "میرے خیال میں ہو گیا ہے.... کام پورا ہو گیا ہے تو آتش فشاں کے اس دہانے میں رکنا تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔"

"یہ فون محفوظ ہے۔ ذرا کھل کر کام کی نشاندہی کرو۔ ہم دونوں یہاں دن رات ہی کچھ نہ کچھ کر گزرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"روزی کا انتقام۔ اس کے بعد شی اور داؤدی ستاروں کی تباہی۔" اس نے بے ساختہ کہا پھر چند ثانیوں کے توقف کے بعد بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ان کی تباہی شاید تم دونوں کے لیے ممکن نہ ہو' ان کو اتنا نقصان ضرور پہنچانا چاہیے کہ وہ چند برسوں تک پاکستان کے بارے میں نہ سوچ سکیں۔ انھیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ یہاں ان کی قبریں کھودی جائیں گی۔"

"خود ہماری بھی یہی کوششیں ہیں۔ ابھی تک ہم اپنے ہدف حاصل کر رہے ہیں۔ قسمت یوں ہی ساتھ دیتی رہی تو آخری اہداف بھی ضرور پورے ہو جائیں گے.... یہ....."

اس بار ویرا خاموش نہ رہ سکی اور میری بات کاٹ کر برس پڑی "تم اسے چکر میں کیوں ڈال رہے ہو؟ کھل کر کیوں نہیں بتاتے کہ تم نے کیا تیر مارا ہے؟"

"اوہو.... یہ کیا ہو رہا ہے؟ بین الاقوامی کال پر تم دونوں کیوں لڑ رہے ہو؟" اسپیکر فون پر اول خان کی پُرتشویش آواز ابھری۔

میں نے مسکرا کر ویرا کو چڑانے کے لیے آنکھ ماری اور کہا "تم نے دو مارے تھے۔ یہ تمہارا ہی کارنامہ ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم اپنی زبان سے وہ سب دہرا دو۔"

اسپیکر فون بہت عمدہ اور حساس تھا جو قدرے دور کی آوازیں بھی دوسری طرف پہنچا دیتا تھا مگر ویرا غیر ارادی طور پر اس کی طرف جھک کر اضطراری آواز میں بولی "تمہارے سوچے ہوئے دونوں مقاصد اب سے تھوڑی دیر پہلے حاصل کیے جا چکے ہیں۔ پتا نہیں اسلم یہ بات تم سے کیوں چھپا رہا ہے۔"

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" اول خان کی بے ساختہ آواز تشکر کے جذبات سے لبریز تھی "مجھے امید تھی کہ تم دونوں کا ہزاروں میل کا سفر رائگاں نہیں جائے گا۔ مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم دونوں نے اتنی مختصر سی مدت میں داؤدی ستاروں کو نیست و نابود کر دیا ہو گا۔"

"وہ کل چھ تھے جو اپنی تنظیم کے روحِ رواں تھے۔ موجودہ صورت یہ ہے کہ ان میں سے پانچ جہنم واصل ہو چکے ہیں' چھٹا قید کی ذلتیں اور صعوبتیں سہہ رہا ہے۔"

"تم دونوں کمالات دکھانے کی صلاحیتیں رکھتے ہو۔ دشمن کے جبڑوں میں گھس کر اس کی آنتیں باہر کھینچ نکالتے ہو۔ تم دونوں وہ گمنام سپاہی ہو جن کی ناقابلِ فراموش کارکردگی اور قربانیاں یاد رکھی جاتی ہیں لیکن ان کا نام کسی کو معلوم نہیں ہوتا....."

"مسٹر اسلم تم سے یہ سب سننا چاہ رہا تھا۔" ویرا نے درمیان میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "میں نے اسے ٹوک دیا اور اس نے اپنی زبان پر تالا ڈال لیا۔"

"تم دونوں کی اس نوک جھونک سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمہارے حوصلے ابھی تک تازہ ہیں۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اول خان کی آواز آئی "ہاں اسلم! اچانک کہاں غائب ہو گیا؟"

"میں یہیں ہوں اور تمہاری ہر بات سن رہا ہوں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اب مجھے اپنی ایک بڑی غلطی کا احساس ہوا ہے اور میں مسلسل اس کی سزا بھگت رہا ہوں۔"

"تمہاری غلطی؟" اول خان کی آواز متحیرانہ تھی "روزی کامیابیوں کی کہانی سنا رہی ہے اور تم اپنی کسی غلطی کا ذکر کر رہے ہو۔ آخر یہ سب کیا ہے؟"

"غلطی یہ ہے کہ میں روزی کو اپنے ساتھ لے آیا۔ میں بولتا ہوں تو یہ مجھے زبان بندی کے مشورے دیتی ہے۔ چپ رہتا ہوں تو بولنے پر مجبور کرتی ہے.... فلیٹ والوں کو میری طرف سے دعا پیار پہنچا دینا۔ انہیں بھی بتا دینا کہ میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔"

"آپس کے ان جھگڑوں کو تم خود ہی نمٹاؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ ان میں دخل دینے والا آخر میں تم دونوں کا مشترکہ نشانہ بن جاتا ہے۔" اول خان نے ہنستے ہوئے جواب دیا تھا۔

"ہم کڑے وقت سے بچ کر ان خرافات میں صرف اس وجہ سے الجھ جاتے ہیں کہ ابھی تک کسی کو یقین نہیں آسکا کہ ہم یہاں موجود ہیں۔ جس لمحے یہ راز فاش ہو گیا' ہمارے لیے سکھ چین حرام ہو جائے گا۔" اس بار ویرا نے سنجیدگی سے دخل اندازی کی "آپس کی یہ لڑائیاں نہ ہوں تو تم یقین کرو کہ یہاں کی زندگی بہت پھیکی اور بے کیف ہے۔"

"اب تم لوگ واپسی کی راہ لو۔ کسی بھی فیصلے کے لیے وقت بہت اہم عنصر ہوتا ہے۔ وقت گزرنے کے بعد کیا جانے والا بہترین فیصلہ بھی بدترین نتائج کا سبب بن جاتا ہے۔"

"کل ہم کوئی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں آسکیں گے۔ فی الحال کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"میں تمہارے پیغام کا منتظر رہوں گا۔ گڈ لک اور اللہ حافظ۔"

"کل کون سی تبدیلی آجائے گی کہ تم فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں آجاؤ گے؟" فون بند ہوتے ہی ویرا نے چیخ کر سوال کیا۔

"دھیرج سے کام لو۔" میں نے پیکٹ سے سگریٹ نکالتے ہوئے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ آج فون پر بدری ناتھ سے ذرا سی تلخ کلامی ہو گئی تھی۔ صبح اخبارات آجانے کے بعد اسے میرے دعوے کی صداقت کا یقین آجانا چاہیے۔ اگر اس نے ڈھنگ سے بات کی تو ایندھن کے ذخیرے کے ساتھ ہی اس سے ملک موڈلے کے بارے میں کچھ کریدنے کی کوشش کروں گا۔ حیرت ہے کہ یہاں

ذرا سی عزت افزائی ہوتے ہی نک کے خلاف ان ساری تلخیوں کو بھلا دیا ہے جن کے نتیجے میں اس نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔"

"داؤدی ستاروں کے دلوں میں چور تھا۔ وہ تم سے اور ہر ایک سے چھپتے پھر رہے تھے۔ تم نے انہیں آسانی سے مار لیا اور ان کا فون بلیک ڈیڈ کے سر منڈھ دیا۔ وہ لوگ سرکاری ہمدردیاں کھو کر اس وقت معتوب بنے ہوئے تھے کیونکہ ان کا بڑا گیپ کی حفاظت نہیں کر سکا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس معاملے میں ہمارے لیے کوئی دشواری پیدا نہ ہو مگر نک کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔"

"کیا تم اس سے کسی قسم کا خوف محسوس کر رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"خوف میں کسی سے محسوس نہیں کرتی۔ وہ ایک پرانا سفارت کار ہے' پاکستان سے کسی اہم مشن پر آیا ہے۔ اس کا صفایا ہوتے ہی واقعات کی بہت سی کڑیاں خود بہ خود مل جائیں گی۔"

"تم کن کڑیوں کا ذکر کر رہی ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کرتے ہوئے اسے گھورا۔

"ابھی تک قصۂ زمین بر سرِ زمین ہے۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اسے مقامی حالات کے تناظر میں دیکھا اور نمٹایا جا رہا ہے۔ کسی کو بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا کہ آئزک بیل اور دوسرے چار داؤدی ستاروں پر پاکستان کے واقعات کا سایہ پڑ رہا ہے۔ سی آئی اے والے یہ سوچ کر نہال ہو رہے ہیں کہ انہوں نے آئزک بیل کو بے دست و پا کر کے اس سے سی ون تھرٹی والی بے عزتی کا بدلہ لے لیا ہے۔ نک موڈلے کو نقصان پہنچا تو یہاں سب چونک پڑیں گے۔ اس کے لیے ہم بلیک ڈیڈ' عباس کرمانی یا ہارلم کا نام استعمال نہیں کر سکتے۔ وہ لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ پاکستان سے تعلق رکھنے والا ہر امریکی کیوں مارا جا رہا ہے۔"

"تم بہت دور کی کوڑی لائی ہو۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "اب جے ولسن کے علاوہ یہ سب نیویارک میں گھیرے جائیں گے۔ یہ شہران کی بھرپور توجہ کا مرکز بن جائے گا۔"

"بس تم میری بات سمجھ گئے۔ اس مرحلے پر ہم کو ایسا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔"

"بدری سے بات کرنے کے بعد کچھ سوچا جائے گا۔ میں خود بھی خودکشی کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف بلیک ڈیڈ موجود تھا۔

"تم نے خبریں تو سن ہی لی ہوں گی!" میری آواز پہچانتے ہی اس نے سوال داغ دیا۔

"گیارہ نمبر کے بارے میں بری خبر سن کر دلی افسوس ہوا۔ وہ زخم سے نہیں' شاید تالاب میں ڈوبنے کی وجہ سے ضائع ہوا ہے۔ تمہارے دوسرے زخمی کا کیا حال ہے؟"

"وہ بھی گزر گیا۔ مزید کسی اور کے مرنے کا امکان نہیں۔" اس کی سپاٹ اور مشینی آواز آئی "سب دو چار روز میں لوٹ پوٹ کر تندرست ہو جائیں گے۔ سات جگاری ڈکاروں کے مقابلے میں یہ ذرا سا نقصان کچھ بھی نہیں ہے۔ ذرا مائیک کو ان دونوں کے بارے میں بتا دینا۔"

"بے فکر رہو۔ یہ کام فون بند کرتے ہی پورا کر دوں گا۔ اب تم کو ہوشیار رہنا ہوگا۔ تمہاری خواہش کے مطابق یہ واقعہ تمہارے ہی کھاتے میں جاتا ہوا نظر آ رہا ہے۔"

"میری عمر اسی شہر میں خطرات سے کھیلتے ہوئے گزری ہے۔ پانی میں رہنے والے مگرمچھوں کے ساتھ گزارہ کرنا جانتے ہیں۔ بس روزی سے یہ کہہ دینا کہ وہ میرے دیے ہوئے تحفے کو احتیاط سے رکھے۔ اس کا راز کسی بھی قیمت پر فاش نہیں ہونا چاہیے۔"

بلیک ڈیڈ کو سی ایس ڈی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا اسی لیے وہ اشاروں کنایوں میں بات کر رہا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ اس وقت تک بلیک ڈیڈ کے فون کی نگرانی کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا کیونکہ اس پوری گفتگو کے دوران میری سی ایس ڈی فعال نہیں ہوئی تھی۔

O☆O

نیویارک جیسے گنجان آباد اور بین الاقوامی شہر میں بیک وقت آٹھ لاشوں کا ملنا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ سونے پہ سہاگا یہ تھا کہ مرنے والوں میں سے چار کا شمار معززین شہر میں ہوتا تھا اور وہ اپنے مذہبی گروہ کے ممتاز قائدین میں شمار کیے جاتے تھے۔

شہر کے ہر اخبار نے اس واقعے پر اپنے انداز میں شہ سرخیاں اور ذیلی خبریں جمائی تھیں۔ ایک بات سب اخباروں میں مشترک تھی کہ کسی نے بھی اس واقعے میں غیر ملکی ہاتھ کے ملوث ہونے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ایک نامہ نگار کو آئزک بیل کے بارے میں سی آئی اے کے سربراہ کے معاندانہ رویے کی بھنک مل گئی تھی اور اس نے دل کھول کر اسے رگید ڈالا تھا۔

اس کا کہنا تھا کہ آئزک بیل کو رگیدنے کے چکر میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر نے ایسی بھونڈی کارروائیاں کی تھیں جن سے یہ تاثر پیدا ہوا تھا کہ امریکی انتظامیہ نے یہودیوں کی حفاظت سے بالکل ہی ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ اس کے نتیجے میں شہر کے چھوٹے بڑے بدمعاش ڈیوڈ اسٹارز سے اپنے پرانے حساب چکانے کے لیے میدان میں کود پڑے تھے۔ فورٹ ہاؤس کا المیہ اسی غلط پالیسی کا منطقی نتیجہ تھا۔

ہر خبر میں اس بات کو اچھالا گیا تھا کہ فورٹ ہاؤس کی واردات اگر ہارلم کے فسادات کا شاخسانہ تھی تو ہارلم کا سب سے بڑا غیر سرکاری سرپرست بلیک ڈیڈ تھا جو اس منظم خوں ریزی کے پس منظر پر روشنی ڈال سکتا تھا۔ کسی نے اسے براہِ راست موردِ الزام نہیں ٹھہرایا تھا۔

فورٹ نے اپنے گھر میں خدمات انجام دینے کے لیے صرف یہودیوں کا تقرر کیا تھا۔ اس حقیقت سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ بنیادی طور پر وہ انتہائی متعصب اور نسل پرست تھا۔ شاید دوسرے داؤدی ستارے بھی اسی ذہنیت کے مالک رہے ہوں گے۔

پورے اخبارات جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ان خبروں کے مطالعے کے بعد میری طرف سے بدری ناتھ کا ذہن صاف ہو جانا چاہیے تھا۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں نے اسے فون کیا تو وہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اپنی غلط فہمی کا اعتراف کرتے ہوئے وہ شرمندگی کا اظہار کرے گا لیکن اس نے پچھلی رات کی گفتگو کا کوئی ذکر کئے بغیر خشک لہجے میں مزاج پرسی کی تو میں چونک پڑا۔

"کیا بات ہے؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"فورٹ ہاؤس کے واقعات نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ میں ساری رات ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سو سکا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر تمہارا ہی خیال آتا رہا۔" اس کی طرف سے جواب آیا۔

"تم ابھی تک ان ہی بدگمانیوں میں پھنسے ہوئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ابھی تک اخباروں پر نظر نہیں ڈالی ورنہ تمہارے سارے وسوسے جھاگ کی طرح بیٹھ چکے ہوتے۔"

"میں اخبار بلکہ کئی اخبار دیکھ چکا ہوں۔ خبریں اپنی جگہ ہیں لیکن میرے دل میں جو احساسِ جرم جاگ چکا ہے' اسے لوری دے کر سلانا میرے بس سے باہر ہو رہا ہے۔"

"اس وقت تم کچھ اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہے ہو۔" میں نے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔ اس کی گفتگو سن کر دیرا کی آنکھیں فرطِ حیرت سے کشادہ ہو گئی تھیں۔

"شیر علی! تم بہت اچھے دوست ہو۔ ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ خوش گوار وقت گزارا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب ہماری دوستی کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ سی ایس ڈی لوٹا دو اور جلد از جلد یہاں سے چلے جاؤ۔ اب میں تمہارا مزید ساتھ نہیں دے سکوں گا۔"

"مگر کیوں؟ ہم برے اور بھلے وقت کے ساتھی رہے ہیں۔ مجھے تمہارے خیالات میں تبدیلی کا سبب جاننے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔" میں نے احتجاج کیا "میں نے تمہارے ایما پر اپنا ملک چھوڑ کر یہاں کا سفر کیا تھا۔"

"اسے تم میری چھٹی حس بھی کہہ سکتے ہو۔ پچھلی رات سے مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں نے کہیں کوئی سنگین غلطی کی ہے۔ جتنا سوچتا ہوں' تمہارا ہی نام میرے ذہن میں گھومتا رہتا ہے۔"

"کیا تم مجھ پر بے وفائی کا الزام لگا رہے ہو؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

ان ساری چونکانے والی اور سنسنی خیز خبروں سے ہٹ کر میرے لیے وہ چھوٹی سی خبر زیادہ اہم تھی جو آتشیں ہتھیاروں کے ایک ماہر کے بیان کے حوالے سے شائع ہوئی تھی۔

اس نے جارج شلز اور ایان ڈیکب کے جسموں پر پائے جانے والے دو زخموں کو لیزر گنز کے استعمال کا نتیجہ قرار دیا تھا۔ وہ ہیم گن کی ٹھیک ٹھیک نشان دہی نہیں کر سکا تھا لیکن اس نے فورٹ ہاؤس کی خوں ریزی میں غیر روایتی ہتھیاروں کے استعمال کی نشاندہی کر دی تھی۔

وہ خبر شاید بلیک ڈیڈ اپنے ذرائع سے پہلے ہی حاصل کر چکا تھا۔ صرف ایک اخباری نمائندہ اس سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو سکا تھا۔ اس نے اس واقعے پر ہارلم کے دادا کی رائے جاننی چاہی تو اس نے کہہ دیا کہ ہارلم کے مظلوم لڑکے ابھی اتنے وسائل کے مالک نہیں ہوئے کہ لڑائی جھگڑوں میں اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لیے لیزر گنوں جیسے بیش قیمت ہتھیار خرید سکیں۔ واردات سے گھنٹوں پہلے اور اس کے بعد تک اس نے ڈریم لینڈ میں اپنی موجودگی کے متعدد گواہ پیدا کر لیے تھے۔

اس کا صرف ایک ہی کمزور نکتہ تھا کہ فورٹ ہاؤس کے بھرے ہوئے حوض سے اس کے ایک زخمی آدمی کی لاش برآمد ہوئی تھی۔ ٹونی برسوں سے ڈریم لینڈ میں محافظ کی ڈیوٹی پر مامور تھا لیکن بلیک ڈیڈ کے بیان کے مطابق چار دن پہلے اسے ملازمت سے جواب دیا جا چکا تھا۔

متوفی ٹونی کے کسی بھی غیر قانونی فعل سے خود کو بری الذمہ قرار دینے کے ساتھ بلیک ڈیڈ نے ڈنکے کی چوٹ پر اعلان بھی کر دیا تھا کہ ٹونی نے برسوں اس کے لئے کام کیا تھا۔ ان خدمات کے اعتراف میں وہ اس کی تدفین اور اس کے پس ماندگان کی کفالت کے جملہ اخراجات اٹھائے گا۔

مجموعی طور پر اخباروں نے وہی تاثر پیدا کیا جو بلیک ڈیڈ چاہتا تھا۔ اس پر براہِ راست الزام تراشی کئے بغیر ہر نامہ نگار نے یہ رائے دی تھی کہ فورٹ ہاؤس پر بھرپور اور کامیاب ترین منصوبہ بندی کے ساتھ کیا جانے والا خوں ریز حملہ ہارلم کے کسی بڑے ہمدرد کی حمایت اور اعانت کے بغیر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہاں کے حفاظتی انتظامات اتنے سخت تھے کہ عام حالات میں وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔

سات لاشوں اور چار زخمیوں کے نوحوں میں یہ ذکر بھی موجود تھا کہ چاروں ڈیوڈ اسٹارز کے ساتھ فورٹ ہاؤس کا سارا عملہ بھی یہودی ملازمین پر مشتمل تھا۔ ٹونی کے سوا اس حملے کے تمام متاثرین مذہبی اعتبار سے یہودی تھے لیکن نیویارک میں ان کے مقابل کوئی بھی ایسی تنظیم نہیں تھی جس کے بارے میں یہ سوچا جا سکے کہ اس نے یہودیوں کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا ہوگا۔

ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں وہ نکتہ خیال انگیز تھا۔ انجمن

"اوہام تراشی نہیں ہے۔ مجھے اپنے ہر سوال کا جواب مل رہا ہے لیکن تمہارے بارے میں میرے ذہن کے سارے دریچے بند ہیں۔ ابھی تک میں تمہاری کہی ہوئی ہر بات پر اعتبار کرتا چلا آیا ہوں۔ میں نے اپنے طور پر اس میں سے کسی بات کی تصدیق نہیں کی۔"

"میں بھی تمہارے بارے میں یہی سب شبہات ظاہر کر سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کہنے والے کی زبان نہیں پکڑی جا سکتی مگر تم برا نہ مانو۔ احتیاط میرے پیشے کا تقاضا ہے۔ میرے بارے میں شروع سے ہر بات کی تصدیق ہوتی رہی ہے۔ کراچی میں تم خود میرے اور تلک کے درمیان پیغام رساں کا کردار ادا کرتے رہے۔ یہاں میں سی آئی اے میں زیرِ تربیت ہوں......"

"ابھی کل کی سی بات ہے۔" میں نے اس کا فقرہ اچک لیا "تم اپنے دل کی گہرائیوں سے میرے احسان مند تھے کہ میری وجہ سے عباس کرمانی کی کہانی تمہارے ہاتھ لگی اور اپنے محکمے میں تم کو یکایک عزت اور احترام کا وہ رتبہ مل گیا جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔"

"یہی باتیں شبے میں ڈالنے والی ہیں۔ تم معاوضے پر چھوٹے موٹے کام کرنے والے جرائم پیشہ کے طور پر مجھ سے ٹکرائے تھے۔ وہاں سے نکلتے ہی اچانک تمہارے جوہر کھلنے لگے۔ تم نے مجھے اکسا کر رمیش اگروال کا پتا صاف کروایا۔ میں اکیلا رہ گیا تو یہاں تم نے مکڑی کی طرح میرے گرد اپنی صلاحیتوں کا جال بننا شروع کر دیا۔ آخر یہ سب کیا ہے، کیا ہو رہا ہے؟ رات سے میں یہی سب سوچ رہا ہوں۔"

"تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ میری کارکردگی تم کو کھلنے لگی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں شیر علی!" اس کی آواز دھیمی اور مصالحانہ ہو گئی "تم جو کہتے ہو، وہ ہو جاتا ہے۔ جس کا نام لیتے ہو، وہ مارا جاتا ہے یا مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ تمہاری کارگزاریوں کے سحر میں گرفتار ہو کر میں نے پہلے ان باتوں پر غور کیوں نہیں کیا۔"

"اور میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اب تمہارا دھیان اس طرف کیوں گیا ہے؟"

وہ گفتگو بہت سنگین اور اعصاب شکن تھی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بدری ناتھ مجھے یوں بیچ منجدھار میں دھکیل کر خود الگ ہو جائے گا۔

اسپیکر پر بدری کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر وہ بولا۔ "کل شام مجھے نئی دہلی سے ایک جنرل بریفنگ ملی ہے۔ اسے پڑھ کر میرا دل بجھ گیا۔ پچھلے ہفتے پاکستانی فوجیوں نے کشمیری باغیوں کا روپ دھار کر پونچھ، راجوری، پلواما اور بڈگرام میں ہماری چھاؤنیوں اور آبادیوں پر شب خون مارے۔ اس ایک [illegible] کارروائی میں چھ شہری اور ستر فوجی افسر اور جوان [illegible] تخریب کارانہ [illegible] کے علاوہ [illegible] زخمی ہو گئے۔ [illegible] سی ورمیں [illegible] بھارتی سرگرم ہو گئے۔ اس میں میرا بھائی [illegible] تھا۔ ارکل سین مجھ سے بڑے بھائی کی طرح محبت کرتا تھا۔ وہیں سے میرا ذہن بھٹکنے لگا۔ چھاپہ ماروں [illegible] آئی۔ جب میں تم سے بات کر رہا تھا تو میرا ذہن صاف ہو گیا تھا۔ میں بھارتی ہوں، تم پاکستانی ہو۔ ہماری دنیا میں ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں۔ مگر ہماری مٹی بھی ایک نہیں ہوتی تو ہم [illegible] ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟"

"اپنے بہنوئی کی موت کی خبر پر تم نے محبت، امن اور بھائی چارے کی ہر سوچ کو آگ لگا دی؟"

"آگ تو پہلے سے لگی ہوئی ہے۔ برسوں سے سلگ اور جل رہی ہے۔ یہ میری بھول تھی کہ میں نے اپنی زندگی کے بدترین جال سے نکلنے کے لیے تمہارا سہارا لیا...... پتا نہیں تم کون ہو، یہاں کس لیے آئے ہو اور مجھے اپنے کن مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہو؟"

"بدری ناتھ! تم اتنے بھولے نہیں ہو کہ میں تمہیں اشتنجے کے ڈھیلے کی طرح بار بار استعمال کرتا رہوں اور تم کو میری نیت کا اندازہ نہ ہو سکے۔ آج تک جو کچھ ہوا ہے، اس میں تمہاری مرضی بھی شامل تھی۔"

"تمہارے الفاظ سے نفرت کی بو آ رہی ہے۔" بدری ناتھ کی آواز میں ذرا بھی ترشی یا تیزی نہیں آئی۔ وہ کہہ رہا تھا "میں کسی لاٹ صاحب کے استنجے کا ڈھیلا نہیں بن سکتا، تم تو بے چارے شیر علی ہو۔ مجھے کھلے دل سے اور سچ سچ بتا دو کہ تم کون ہو اور یہاں تمہارے کتنے آدمی ہیں پھر شاید میں کچھ سوچ سکوں۔"

"میں شیر علی ہوں اور تمہاری طرح یہاں بالکل اکیلا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"پھر کچھ نہیں ہو سکتا۔ میری سی ایس ڈی لوٹا دو اور خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤ۔ میں تمہاری مخبری کروں گا نہ تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کروں گا۔" اس نے پیش کش کی۔

"یہ یاد رکھنا کہ شیر علی نفع نقصان کی پروا کیے بغیر قدم آگے بڑھاتا ہے۔ تم نے کوئی اوچھی حرکت کی تو میں اس کا پورا پورا بدلہ لوں گا۔ سی آئی اے میں ملی ہوئی عزت و عظمت والی کرسی تمہارے لیے بجلی کی کرسی میں بدل جائے گی۔ ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔"

"مجھے معلوم ہے۔ ہم دونوں کی گردنیں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہیں۔ میں نے تمہیں رنگس کے دفتر اور ریٹنی کے گودام کے بارے میں اندر کی خبریں دیں تو یہ نہ بھولو کہ تمہارے پاسپورٹ کا نمبر اور اس پر لکھا ہوا نام مجھے یاد ہے۔ میری زبان کھل گئی تو

ہے، زندہ نہیں نکل سکو گے۔"

رہے اور غیر مذہبی لہجے میں سنگین دھمکیوں کے تبادلے کی
چیز تھی۔ بخش کی محبوبہ "ریشم جان کے چھوٹے سے گھر میں
والی شناسائی نے گہری دوستی سے گزر کر اس وقت خون آشام
کا روپ دھار لیا تھا۔ موسم خوش گوار ہونے کے باوجود میری
پر پسینے کے قطرے ابھر آئے۔

"بدری! تم واپسی کے سب راستے بند کر رہے ہو۔" میں نے
تنبیہ کی۔

"حقیقت ہے کہ بروقت میری آنکھیں کھل گئیں۔ مجھ سے
ہم یہ سب باتیں سوچنے لگتے تو نہ جانے مجھے کہاں لے جا کر
تے۔ تمہاری سفاکی اور سنگ دلی کی جھلک فورٹ ہاؤس کی
نوں میں نقش ہو چکی ہے۔ میں ایسے کسی انجام سے دوچار نہیں
ہونا چاہتا۔"

"بدری! تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ میں کہہ چکا ہوں کہ اس
معاملے میں میرے ہاتھ صاف ہیں۔"

"تم کہہ رہے ہو پر میں اپنے اندر کی آواز کو کہاں دفن
کروں؟" اس نے پوچھا۔

"اب تم سے بات کرنی بے سود ہے۔" میں نے ایک گہرا
سانس لے کر کہا "اپنی سی ایس ڈی لینے کے لیے تم کہاں مل رہے
ہو؟ اس وقت ہم آخری اور دو ٹوک باتیں بھی کر لیں گے۔"

اس بار وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا تھا "کیا تم مجھے عقل سے
بالکل ہی کورا سمجھتے ہو؟ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اب مجھے
تمہارے تصور ہی سے خوف آ رہا ہے۔ میں باہر تم سے کہیں نہیں
مل سکتا۔ چاہو تو گارہام میں میرے پاس آ جاؤ۔ یہاں میں خود کو
محفوظ تصور کرتا ہوں۔"

"اور میں یقین کر لوں کہ تم گارہام سے مجھے صحیح سلامت
جانے دو گے؟ تمہارے اشارے پر پی آئی اے کے کارندے مجھے
قربانی کا بکرا نہیں بنائیں گے؟" میں نے تلخی سے پوچھا۔

"یہ میرا وعدہ ہے۔ تم نے اتنے دنوں میں یہ اندازہ لگا لیا ہو گا
کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔"

"وعدہ خلافی ہوئی تو میں تمہارا کیا بگاڑ لوں گا؟ تم میری بے بسی
پر ہنستے لگاؤ گے۔"

"پھر سی ایس ڈی اسی کو لوٹا دو جس سے تم نے لی تھی۔ شیام
سندر مجھ تک پہنچ جائے گی۔"

"تمہیں کالین دین ہمیں مل بیٹھ کر طے کرنا ہو گا۔ میں کسی
پر اعتبار نہیں جانتا۔ بھیڑیے کا رشتہ دار بھی بھیڑیا ہی ہوتا ہے۔ وہ
ہمدرد نہیں ہو سکتا۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ اس پر تمہاری نیت خراب ہو چکی
ہے۔" ...

"میری نیت صاف ہے۔ میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ اپنے

عزیز بہنوئی کی موت کی خبر سن کر تم پر قنوطیت اور مایوسی کا دورہ پڑا
ہوا ہے۔ کل تک تم مجھے فرقوں غلامی اینڈ حسن کے ذخیرے اور مال
موڑنے کی خبریں سنا رہے تھے۔ آج مجھ سے یکایک بالکل منحرف
ہو گئے ہو۔ مجھے تمہارے دکھ کا احساس ہے مگر لڑائیوں میں ایسا ہوتا
ہی رہتا ہے۔ تمہارے بہنوئی کی موت میں میرا ہاتھ نہیں تھا۔ چاہو
تو میں تمہیں سوچنے سمجھنے کے لیے ایک دو دن کا وقت دے سکتا
ہوں۔ شاید تمہارے ذہن سے صدمے کے اثرات زائل
ہو جائیں۔"

"مجھے کوئی صدمہ نہیں ہے۔ جو لوگ فوج میں جاتے ہیں'
ملک کے لیے گردن کٹانے کا عہد کر کے ہی جاتے ہیں۔ وہ زندہ رہ کر
مدت پوری کر لیں تو یہ ان کی خوش قسمتی ہوتی ہے۔ میرے دماغ پر
تم نے اپنے کرتبوں سے ایک دبیز پردہ ڈالا ہوا تھا جو کل رات
اچانک سرک گیا۔ اب میں اپنے فیصلے خود کر سکتا ہوں۔"

"تمہیں میری اصلیت پر شک ہے تو تم کراچی میں اپنے
ایجنٹوں سے تصدیق کرا سکتے ہو؟"

"یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ تمہارے لندن پہنچنے کے بعد سے
ہی کراچی میں ان پر قیامت ٹوٹ پڑی اور ہمارے بیشتر آدمی پکڑے
گئے۔ جو بچ سکے وہ روپوشی کی زندگی گزار رہے ہیں.... مزے کی بات
یہ ہے کہ ہمارے دو بااثر پاکستانی مخبروں نے اپنی ضمانتیں کرالی
تھیں۔ دوسرے ہی دن کسی سفاک خونی نے ان دونوں کے گھٹنوں
پر فائر کر کے انہیں زندگی بھر کے لیے معذور کر دیا۔ ایسے خونی ماحول
میں کون تمہاری اطلاعات کی تصدیق کرے گا؟"

"تمہارے پاس میرے ہر سوال کا جواب ہے۔ اس کا مطلب
ہے کہ تم اپنا راستہ بدلنے کا آخری فیصلہ کر چکے ہو۔ اس میں تبدیلی
کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ شاید تمہارے مخبروں کے گھٹنے بھی میں
نے تڑوائے ہیں۔"

دھیمی سی ہنسی کے بعد اس کی آواز آئی "میں تمہاری بے چینی
کو خوب سمجھ رہا ہوں۔ بھارتیوں کی طرح تم امریکیوں کے خون کے
بھی پیاسے ہو۔ میرے ذریعے تم انہیں بھاری نقصان پہنچانے کے
جو خواب دیکھ رہے تھے' اب انہیں بھول جاؤ۔ امریکا ایک عظیم
ملک ہے۔ تم ایک ذخیرہ اڑا کر بھی کچھ نہیں کر سکو گے۔ چیونٹی
پوری قوت سے ہاتھی کی کھال پر کاٹ لے تو اس مشقت سے نڈھال
نڈھال رہتی ہے' ہاتھی کو پتا بھی نہیں چلتا۔ میں یہاں بیٹھ کر اپنے
دیش کے لیے کام کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔" وہ بس لمحہ بھر کے
لیے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "تم سے میری
مفاہمت بس ایک شرط پر ہو سکتی ہے۔"

میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ میں نے بے پروائی سے کہا۔
"تمہاری وہ شرط بھی اچھوتی ہی ہو گی۔"

"تم بہت اچھے اور سچے ہو۔" اچانک بدری ناتھ کا لہجہ حیرت
ناک حد تک خوش گوار ہو گیا "کان کھول کر سن لو کہ میں جب تک

تمہاری عقل سے سوچتا رہا' تمہاری بنائی ہوئی بھول بھلیوں میں بھٹکتا رہا۔ اب میں اپنا کھیل خود کھیل رہا ہوں۔ تمہیں یہ نکتہ ذہن نشین کرلینا چاہیے۔"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ اب تک تم جو خاصمانہ باتیں کررہے تھے وہ بے سروپا تھیں۔"

"ان میں ایک لفظ بھی حقیقت سے دور نہیں تھا۔ میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا تھا کہ تم کون ہو۔ تمہارا ایک اعتراف سارے گلے شکوے دور کرسکتا تھا مگر تم بہت پکے ہو۔ ان باتوں سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ہم نے ایک دوسرے کو اچھی طرح پرکھ لیا۔ مجھے تمہاری مار کا اندازہ ہے' تم میری حیثیت کو سمجھ چکے ہو۔ ہم میں سے جس کو پہل کرنے کا موقع مل گیا وہ دوسرے کو فنا کرکے رکھ دے گا۔"

"یہ پہیلی میری سمجھ میں نہیں آسکی۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ اس کی نئی قلابازی نے مجھے شدید حیرت اور بے یقینی میں مبتلا کرکے رکھ دیا تھا۔

"میں اس نتیجے پر پہنچ چکا ہوں کہ آئزک بیل بالکل سچ بول رہا ہے۔"

اس کے الفاظ مجھے دور کسی گہرے کنوئیں سے آتے ہوئے محسوس ہوئے۔ میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے مضبوط آواز میں پوچھا "وہ جب سے عتاب میں آیا ہے' مسلسل بول رہا ہے۔ تم اس کی کس سچائی کی توثیق کرنی چاہ رہے ہو؟"

"اس کے دفتر سے کیپ کی فائل عباس کرمانی نے نہیں' ڈینی نے اڑائی تھی۔" بدری ناتھ کے ان پُرسکون فقروں نے بھک سے میرا دماغ اڑا دیا۔ وہ خبیث آخر کار حقیقت کی تہ تک پہنچ ہی گیا تھا۔

"میرے لیے یہ نئی اطلاع ہے۔ اس کی تصدیق ڈینی ہی کرسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"اسی لیے میں تم سے بات کررہا ہوں۔ میرا دعویٰ ہے کہ عباس کرمانی کا روئے زمین پر کوئی وجود نہیں۔ وہ تمہارے دماغ کی پیداوار ہے۔ آئزک بیل بلاوجہ تشدد کا نشانہ بن رہا ہے۔"

"اس مردود سے ہمدردی مت جتاؤ۔ وہ اس سے زیادہ سزا کا مستحق ہے۔"

"کیا تم یہ تسلیم کررہے ہو کہ تمہارے بارے میں میرا اندازہ درست ہے؟" اس نے اصرار کیا۔

"تم ایک فیصلہ کرچکے ہو تو میری تصدیق یا تردید سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں نے اپنے رگ وپے میں سنسنی کی لہریں محسوس کرتے ہوئے سرسری لہجے میں کہا "اپنے ڈائریکٹر کو بتاؤ کہ تمہاری پہلی اطلاع غلط تھی' آئزک بیل سچا ہے۔ وہ اپنی ساری فورس کو میری تلاش پر مامور کردے گا۔"

"تم بہت مکار ہو۔ تم نے عباس کرمانی کی کہانی میرے ذریعے ان لوگوں تک پہنچائی تھی اور انہوں نے بہت بڑے پیمانے پر اس کی تلاش کی مہم شروع کردی۔ اب میں انہیں اس کہانی کی حقیقت بتا کر طنز و تضحیک کا نشانہ بنانا پسند نہیں کروں گا۔ ساہو اور بھروسا بنانا مشکل ہے' ذرا سی غلطی اس پر پانی پھیر دیتی ہے۔"

"پھر تم مجھ سے اعتراف کرا کے کیا حاصل کرنا چاہ رہے تھے؟" میں مزید الجھ گیا "کیا یہ بھی نئی بلیک میلنگ کا ایک ذریعہ ثابت ہونے والا ہے۔"

"ان کے لیے کیپ زندگی اور موت کا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ وہ ہر قیمت پر اس کی واپسی چاہتے ہیں۔"

"تم میری لاش پر سے گزر کر بھی اس تک نہیں پہنچ سکو گے۔" میں نے حقارت سے کہا۔

"کیا تم ان کاغذوں کو امریکا سے باہر بھیج چکے ہو؟" بدری کی آواز مزید نرم اور دوستانہ ہوگئی۔

میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا اور چبے تلے الفاظ میں جواب دیا "نہیں لیکن وہ کاغذ میرے پاس بھی نہیں ہیں۔ اب امریکا میں وہی پانچ کاغذ میری سلامتی کے محافظ ہیں۔ میرا بال بھی بیکا ہوا تو میرے دوست اس کی ہزاروں نقلیں بانٹ کر دنیا بھر میں امریکا کو رسوا کردیں گے۔"

"مجھ سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" میرے لب و لہجے میں پوشیدہ جارحیت کو محسوس کرکے بدری نے اسی نرم آواز میں کہا "تم شروع سے اتنے محتاط رہے ہو کہ تم نے کبھی مجھے اپنے ٹھکانے سے آگاہ نہیں کیا۔ چین پلازا کے بارے میں تم نے مجھے اس وقت بتایا جب تم وہاں سے منتقل ہوچکے تھے۔ آج کل تم کہاں ہو؟"

میں ہنس پڑا "کیا تم ڈینی کو اتنا ہی بے وقوف سمجھتے ہو؟"

"میں پہلی فرصت میں تم سے مل کر کچھ اہم ترین باتیں کرنی چاہتا ہوں۔"

"پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا ہے۔ اب ملاقات ہونی ممکن نہیں ہے۔"

"شروع میں ہونے والی پیچ دار بلکہ زہریلی باتوں کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ وہ کمینٹ ڈاگ میں نے تم سے ایک اعتراف کروانے کے لیے پھیلایا تھا ورنہ اب میرے دل میں تمہاری زیادہ عزت ہے۔ میرے لیے یہ فخر کی بات ہے کہ میں اتنے دنوں سے شیر کی بجائے ڈینی کا ساتھی تھا۔"

"میں کوئی نیا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔" میں نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا "کل کلاں کو تمہارا کوئی دوسرا بہنوئی مارا گیا تو تم پر کوئی نیا دورہ پڑ جائے گا۔ تم نے سنا ہی ہوگا کہ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ تم نے میرے ذہنی تحفظات میں بہت اضافہ کردیا ہے۔"

"میرے رشتے داروں کو بددعائیں نہ دو۔ میں بھی تمہارا

نہیں رہا۔ تمہیں شیر دل سمجھ کر تمہارے سامنے بارہا تمہاری
تعریف کرتا رہا ہوں۔ تم میرے رو برو ہوتے تھے اور میں تمہاری
طرح بننے کی آرزو میں کر رہا ہوتا تھا۔ یہ سب زیادہ دور کی باتیں
نہیں۔

آج تم نے ان سب پر پانی پھیر دیا۔ ابھی تم خود کہہ چکے ہو
کہ اعتماد کا بنانا بہت دشوار ہوتا ہے' اس کی تباہی لمحہ بھر میں ہو جاتی
ہے۔ میں اعتماد کا ہوتا ہے جو تم کھو چکے ہو۔"
"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم ان باتوں کو اتنی سنجیدگی سے لو گے۔"
اس کی آواز متاسفانہ ہو گئی "اس دور کے ایک عظیم آدمی سے
محروم ہوا ہے تو میں اس کے اعتماد سے محروم ہو چکا ہوں۔"
"تمہاری کج فہمی پر میں کوئی رائے زنی نہیں کروں گا۔ تم نے
ابتک فون پر بہت کچھ کہہ لیا ہے۔ مزید کوئی بات رہ گئی ہے تو وہ
بھی کہہ ڈالو۔ میں تحمل سے سن لوں گا۔"
چند لمحوں کے لیے سکوت چھایا رہا پھر اس کی قدرے کمزور
آواز سنائی دی "ٹیپ ان کے لیے ضروری ہے۔ تم نے بہت مشکل
سے حاصل کیا ہے لیکن تم اس کی نقل تو مجھے دے سکتے ہو۔"
"اس کے لیے تمہیں میری چند شرائط ماننی پڑیں گی۔" میں
نے بردباری سے کہا۔
"تم بہت کینہ پرور ہو۔ میری ہر بات لوٹانے کی کوشش کر رہے
ہو۔" وہ بولا۔
"کیوں نہ کروں؟ بات تم ہی نے بڑھائی ہے۔ کشمیر میں مجاہدین
کی کارروائی یا کراچی میں مخبروں کے گھٹنے توڑنے سے میرا کیا تعلق
تھا تو تم یہ ساری باتیں مجھے سنا رہے تھے۔"
"یہ سب حقائق ہیں۔ تم اپنے ملک کے ایک اہم آدمی ہو۔ تم
تک یہ سب خبریں تو ملتی ہی رہتی ہوں گی۔ میں نے یہ باتیں بلاوجہ
نہیں دہرائی تھیں۔ ہر واقعے کا کوئی نہ کوئی حوالہ موجود تھا۔"
"کمان سے نکلا ہوا تیر اور زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کبھی
واپس نہیں لوٹتے۔ وضاحتوں میں وقت برباد کرنے کے بجائے کام
کی بات کرو۔ تمہاری بغاوت کے بعد میرا کام بڑھ گیا ہے۔"
"میں باغی نہیں ہوا' اب بھی تمہارا دوست ہوں۔ بس
تمہاری اصلیت کا کھوج لگانے میں ذرا دور نکل گیا ہوں۔ میری یہ
بات آنے والا وقت ثابت کر دے گا۔ تم اپنی شرائط بتاؤ۔"
"موسی ایندھن اور تمک موزلے۔" میں نے مختصر ترین الفاظ
میں اپنا مقصد بیان کر ڈالا۔
"ایندھن کے وسیع ذخائر جارجیا کے کسی مقام پر ہیں۔ میں
فی الوقت ان کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔
تمک نیویارک بسٹن اینڈ ٹاورز کے کمرا نمبر تین ہزار دس میں مقیم
ہے۔" ہر لفظ ناتھ کے بولنے کے ساتھ ساتھ دہرانے وہ پتا خاموشی
سے ایک کاغذ پر نوٹ کر لیا۔
کہو کیا حال واقعہ ہے؟" میں نے ذرا سے دانستہ ایک غیر

ضروری سوال کر ڈالا۔ "تم کو پتا ہے؟"

"مجھے اس کا پتا یاد نہیں۔ وہ بہت بڑا ہوٹل ہے۔ تم کو آسانی سے مل جائے گا۔ چاہو تو میں فون نمبر بتا سکتا ہوں۔" اس کی دبی دبی آواز آئی "پانچ سو چھیاسی ساٹھ ہزار..."

ویرا نے مستعدی سے وہ فون نمبر بھی لکھ لیا۔ اس طرح وہ ڈائریکٹری کی ورق گردانی کی زحمت سے بچ گئی۔

"میرے دونوں کام مکمل ہوتے ہی کیپ کی نقل تمہارے ہوٹل پہنچ جائے گی۔"

"اس تاخیر سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ نقل مل گئی تو میرے ایک دو ساتھی یہ بات بھول جائیں گے کہ میں نے فورٹ ہاؤس کے واقعے سے پہلے ان سے داؤدی ستاروں کے بارے میں بات کی تھی۔" اس بار بدری نے خوشامدانہ لہجے میں التجا کی تھی۔

"میں کوشش کروں گا لیکن وعدہ نہیں کرتا۔" صورت حال بدل جانے کے بعد میرا رویہ سخت ہو چکا تھا۔

"اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تمہیں کسی سے مشورے کی ضرورت ہے؟"

"عباس کرمانی سے مشورے کے بغیر میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

اس کی ہنسی کی آواز سے نفرت اور بے بسی جھلک رہی تھی "یہ مجھ پر تمہارا احسان ہوگا۔"

"مجھے صرف یہ سوچنا ہوگا کہ کیپ کی اس نقل سے تم مجھے کیا نقصان پہنچا سکتے ہو۔ یہ بات صاف ہوتے ہی میں پانچ کاغذوں کا لفافہ گارہام کے پتے پر پوسٹ کردوں گا۔"

"تم یقین کرو کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، میرا مقام بلند ہو جائے گا۔"

"اتنی زیادہ عزت اور بلندی شاید تمہیں راس نہیں آسکے گی۔ تم جھٹ تک کو ہوشیار رہنے کا مشورہ دے بیٹھو گے۔" میں نے زہریلی آواز میں کہا۔

"میں اسے معاف کرچکا ہوں لیکن مجھے اس سے کوئی ہمدردی بھی نہیں ہے۔ میں تمہارے اور اس کے درمیان دخل نہیں دوں گا۔"

"ہماری بنیادیں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں۔ مرکر بھی ہماری مٹی ایک نہیں ہوتی تو جیتے جی ہم دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟" موقع ملتے ہی میں نے اس کے کہے ہوئے الفاظ اس کے منہ پر دے مارے "تک کے بٹنے سے تمہارے پیارے دیش کا کیا فائدہ ہوگا؟"

"جس طرح تم اپنے وطن سے محبت کرتے ہو، اسی طرح میں اپنی دھرتی سے پیار کرتا ہوں۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے جو کہا تھا وہ تمہیں اشتعال دلانے اور غصے میں سچ بولنے پر آمادہ کرنے کے لیے کہا تھا۔ میں نہ جانے کتنے کام ایسے کرتا ہوں جن سے میرے ملک کو فائدہ ہوتا ہے لیکن تمہارے ملک کو نقصان ہوتا ہے۔ ابھی فلسطین کے ہاتھ سے ملنے والی رقم میں سے چار ہزار ڈالر بلندی سے اپنے گھر بھیجے ہیں۔ میرے ملک کو ڈالر ملیں یا نہ ملیں، میرے گھر والوں کو زیادہ روپے ضرور ملیں گے۔"

"کاش میں جلد ہی تمہاری ان باتوں پر اعتبار کرنے لگوں۔ آج تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔"

"یہ دیکھو کہ میں نے شیر علی میں چھپے ہوئے ایجنٹ کا پتا لگانے کی کتنی بڑی قیمت ادا کی ہے۔ میں نے یہ سب نہ کیا ہوتا تو پہلے کی طرح آج بھی اندھیرے میں ہوتا۔"

"لیکن اب تم بھول جاؤ گے کہ تم نے یہ نام سنا تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں جس کی ذات میں دلچسپی لینے لگتا ہوں وہ سفاکانہ موت کا شکار ہو جاتا ہے یا مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

"تمہیں اماد نے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اپنی کہی ہوئی ہر بات اچھی طرح یاد ہے۔ تم سے بس اتنی التجا ہے کہ جب تک مجھے دوبارہ اپنا دوست نہیں سمجھتے، دشمن نہ سمجھنے لگنا۔"

طویل اور اعصاب شکن گفتگو کے اس آخری مرحلے پر پہلی بار میں مسکرا دیا "میں سوچوں گا۔"

"خدا کی پناہ!" وہ گفتگو منقطع ہوتے ہی ویرا اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کے بولی "اس حرام زادے نے میرے پیروں تلے سے زمین نکال دی تھی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اب ہمیں پہلی پرواز سے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ وہ گھر کا بھیدی ہے، تمہارے ساتھ مجھے بھی مروا دیتا۔"

میں نے سگریٹ سلگا کر آرام کرسی میں نیم دراز ہوتے ہوئے پوچھا "سارے نشیب و فراز کے بعد تمہاری آخری رائے کیا ہے؟"

"مصالحت ہو گئی ہے اور تمہیں اس پر واضح برتری حاصل ہے۔" ویرا نے اطمینان سے کہا۔

"یہ ابتدائی پنجہ آزمائی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کا دم خم دیکھ لیا۔ آخری فیصلہ صرف اس لیے ٹل گیا کہ وہ ہماری نظروں میں ہے لیکن ہمارے ٹھکانے سے بالکل بے خبر ہے۔"

"نہیں۔" ویرا نے بے اختیاری سے کہا "یہ تمہاری بدگمانی ہے۔ میں حیران ہوں کہ اس نے تمہیں پہچاننے میں اتنا وقت کیوں لیا؟ اس جیسے گھاگ آدمی کو بہت پہلے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ وہ کسی معمولی بدمعاش کے ساتھ کام نہیں کر رہا۔ اس کا حلیف کوئی بڑی چیز ہے۔"

"اس کی آڑ لے کر تم بھی طعن و تشنیع کرلو۔" میں نے ویرا کے تبصرے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جواب دیا "خرابی یہ ہے کہ شروع سے آخر تک اس کی کوئی بات بے ربط نہیں تھی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ پہلے جھوٹ بول رہا تھا یا اس نے بعد میں جھوٹ کا سہارا لیا۔"

"یہ تجزیے میرے بس سے باہر ہیں۔ میں حیران ہوں کہ دنیا اتنی سمٹ کر رہ گئی ہے۔ سلطان شاہ کے ہاتھوں زخمی ہونے والے پاکستانیوں کے بارے میں وہ پوری طرح باخبر تھا۔"

"وہ اپنے ملک سے کنٹ کرشی یا ڈیوڈا شارز والوں کے لیے کام کرنے آیا تھا۔ وہاں سے تربیت کے لیے امریکا آگیا۔ نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ اس کے بڑوں نے اسے فراموش نہیں کیا۔ اسے خطے کی صورتِ حال سے باخبر رکھ رہے ہیں تاکہ وہ اس سے کہیں بھی فائدہ اٹھا سکے۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہ بریفنگ اس کے بہنوئی کی موت کی وجہ سے اسے بھیجی گئی ہو۔"

"اس کے بہنوئی کی موت کا کراچی کے زخمیوں سے کیا تعلق تھا؟ میرے ساتھ ہونے والی گفتگو میں اس نے ہر ہر نکتے سے بھرپور نفسیاتی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔"

"تمہیں پسینے چھوٹ گئے تھے۔" ویرا نے نظریں گھما کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"کوئی میرے سر پر لٹھ بھی رسید کر دیتا تو مجھے اتنی حیرت نہ ہوتی جتنی اس کی باتوں سے ہو رہی تھی۔ خود تمہارے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ شاید وہ واقعی رات بھر سوچتا رہا تھا۔"

"اب تم نے اسے کس شمار میں رکھا ہے؟" ویرا نے ٹٹولنے والے لہجے میں پوچھا۔

"ہم تلوار کی تیز دھار پر چل رہے ہیں۔ امریکی قانون ہمارا بدترین دشمن ہے۔ یہاں ہم بہت صاف ذہن کے ساتھ اپنا وجود برقرار رکھ سکتے ہیں۔ ذہن ذرا بھی دھندلایا تو ہم بے موت مارے جائیں گے۔ اپنی تمام یقین دہانیوں کے باوجود وہ اب ناقابلِ اعتبار ہے۔"

"تو کیا اس کی باری بھی آنے والی ہے؟" ویرا کی آواز معنی خیز تھی۔

"اس کا انحصار خود اس کے رویّے پر ہوگا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے کہ وہ اس سرزمین پر ہمارا آخری شکار ثابت ہو۔"

"نک موڈلے کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟" ویرا ہر بات اسی وقت جان لینا چاہتی تھی۔

"سب سے پہلے میں واپسی کی بکنگ کرانی چاہتا ہوں۔ اس کے بعد ہی کچھ دیکھا جائے گا۔"

"واپسی؟" ویرا کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز نکلی "اسے تم نے ٹھوس خلائی ایندھن کے ذخائر کی تلاش میں لگایا ہوا ہے۔ اس کا کیا بنے گا۔"

"اسے سمجھنے دو کہ ہم اس سے معلومات حاصل کرنے کی امید تک یہاں دھرنا دیے بیٹھے رہیں گے۔ اس ذخیرے کی تباہی کے لیے ہم اپنی جان جوکھوں میں ڈالیں گے۔ امریکا کو شاید زیادہ فرق نہیں

ویٹریات

"ویٹر! میری پلیٹ میں چوہا ہے۔"

"سر! پانچ روپے کی پلیٹ میں ہم چوہا ہی پیش کر سکتے ہیں' بلّی نہیں۔"

"ویٹر! دو گھنٹے ہو گئے ہیں' آخر کھانا کب آئے گا؟"

"سر! بس باورچی لکڑیاں لینے گیا ہے۔ آجائے تو فوراً تازہ کھانا پکا کر پیش کر دیا جائے گا۔"

"ویٹر! ایک چمچ لاؤ میں سوپ پینا چاہتا ہوں۔"

"سر! کل کے بنے اس سوپ کو پینے کے لیے آپ کو چمچ کی نہیں' چھری کانٹے کی ضرورت پڑے گی۔"

"ویٹر! تمہارے ہوٹل میں ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ ساتھ لانا کیوں ضروری ہوتا ہے؟"

"سر! ہمارے مناسب بل اور غیر مناسب ٹپ کی وجہ سے۔"

"ویٹر! تمہارے ہوٹل کی سب سے بہترین ڈش کون سی ہوتی ہے؟"

"سر! دھلی ہوئی۔"

"ویٹر! مجھے کھانے کے بعد کیا کرنا چاہیے؟"

"سر! کھانے کے فوراً بعد آپ کو ڈاکٹر سے ٹائم لینا چاہیے۔"

"ویٹر! بل لاؤ۔"

"سر! ٹپ ملا کر یا ٹپ علیحدہ دیں گے۔"

"ویٹر! کھانا کھانے کے بعد مجھے چکر کیوں آرہے ہیں؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے سر' بل تو ابھی میں نہیں لایا۔"

پرنس کشمیری کی بہاولپور سے عنایت

پڑے گا۔ اس نے ہاتھی اور چیونٹی کی مثال ٹھیک ہی دی تھی۔"

"تم اسے دھوکا دے کر یا اس سے بچ کر یہاں سے نکلنا چاہ رہے ہو؟"

"یہ آنے والا وقت بتائے گا۔ ابھی میں نے تم سے کہا تھا کہ وہ امریکا میں ہمارا آخری شکار بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ را والوں کو اسے کھونے پر بہت صدمہ پہنچے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ابھی تمہارا ذہن صاف نہیں ہے۔ آگے جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔"

میں نے ویرا کی بات کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ بدری ناتھ سے بات کرنے کے بعد میرا ذہن بری طرح الجھا تھا اور میں خطرات کو دبے پاؤں اپنی طرف بڑھتے دیکھ رہا تھا۔

ابتدائی باتوں میں بدری ناتھ نے یہ جاننا چاہا تھا کہ امریکا میں میرے معاونوں کی تعداد کیا تھی۔ وہ ایک نازک اور حساس سوال تھا جس کی اہمیت ویرا کے پلے نہیں پڑ سکی تھی۔

فورٹ ہاؤس پر چاروں داؤدی ستاروں اور ان کے حواریوں کے خلاف کارروائی میں ہم سے سب سے بڑی اور سنگین غلطی یہ ہوئی تھی کہ اس میں ویرا بیم گن استعمال کر بیٹھی تھی۔

جدید ہتھیاروں کا کوئی بھی ماہر اس کا شکار ہونے والے کا زخم دیکھ کر ہی بیم گن کے استعمال کی نشان دہی کر سکتا تھا اور یہ خبر بیم گن کے نام کے بغیر اخبارات میں آچکی تھی۔ بیم گن بازاروں میں ملنے والی کوئی عام گن نہیں تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ٹی کے ہر آئی مین کو یہ گن دی جاتی تھی اور ویرا نے بھی ایک آئی مین سے ہی وہ گن حاصل کی تھی۔

ٹی امریکا کی سرکاری سرپرستی میں پروان چڑھنے والی تنظیم تھی۔ اس کے ہر آئی مین کو وہ بیم گن پینٹاگون سے حاصل کر کے دی جاتی تھی جس کا کہیں نہ کہیں ریکارڈ ہونا ضروری تھا۔ بلیک ڈیڈ ویرا اور جمی لائیڈ کے ہمدردوں میں سے تھا۔ یہ یقینی بات تھی کہ اس نے ٹی کے کسی آئی مین سے وہ گن لے کر عارضی طور پر ویرا کے حوالے کی تھی۔ امریکا سے واپسی سے پہلے ویرا وہ گن بلیک ڈیڈ کو لوٹانے کی پابند تھی۔

فورٹ ہاؤس میں دو داؤدی ستاروں کے جسموں پر بیم گن کے جھلسے ہوئے سوراخ امریکی حکام کو چونکانے کے لیے کافی تھے۔ بیم گن کے استعمال کا یقین ہوتے ہی وہ یہ اندازہ لگاتے کہ فورٹ ہاؤس پر حملہ آور ہونے والوں میں ٹی کا کوئی نہ کوئی آئی مین ضرور شامل تھا۔ بیم گنز کے اجرا کا ریکارڈ موجود ہونے کی بنا پر پینٹاگون کے حکام کسی بھی لمحے امریکا میں موجود ہر آئی مین سے رابطہ کر سکتے تھے۔ اس کے نتیجے میں وہ شخص فوراً گرفت میں آجاتا جس نے اپنی بیم گن بلیک ڈیڈ کو مستعار دی ہوئی تھی۔ ٹی والے حکومت سے ہمیشہ بہت قریب رہے تھے' بلیک ڈیڈ کی نشان دہی ہوتی اور ہمارے لیے اس ملک کی زمین تنگ ہونی شروع ہو جاتی۔

شاید بدری ناتھ نے بھی ٹی کا نام لیے بغیر یہ پوچھا ہو کہ ٹی کے کتنے منحرفین میری مدد کر رہے تھے۔ میرے اور ویرا کے قریبی مراسم زیر زمین عالمی حلقوں سے پوشیدہ نہیں تھے۔ ہر قابل ذکر شخص جانتا تھا کہ ویرا نے محض میری وجہ سے اپنے باپ سے ٹکر لے کر اس کے اور امریکا کے مفادات کے خلاف کام شروع کیا تھا۔ شاید بدری یہ سمجھ رہا تھا کہ ٹی میں ویرا کے ہمدرد چوری چھپے میرا ساتھ دے رہے تھے۔

وہ دو اور دو' چار جیسی سیدھی سادی مساوات تھی۔ ہم پر ہر شخص کے گرد گھیرا تنگ ہونے سے پہلے ہمارا امریکا سے نکل جانا ناگزیر ہو چکا تھا۔ وقت کی دوسری اہم ضرورت یہ تھی کہ بیم گن بلیک ڈیڈ کو لوٹا دی جائے تاکہ اسے اس کے اصل مالک کی تحویل میں پہنچایا جا سکے۔

"تم اس وقت بوجھ بجھکڑ بنے کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو؟" کچن کا چکر لگانے کے بعد ویرا نے پوچھا۔

"تلوار کی دھار مزید باریک اور تیز ہوتی نظر آرہی ہے۔ ہمیں پہلی فرصت میں بیم گن سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہیے ورنہ یہ کسی کے بھی گلے پڑ سکتی ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔" ویرا آنکھیں نکال کے بولی "بلیک ڈیڈ کا یہ تحفہ عارضی اور قابلِ واپسی ہے۔ اسے پھینکنے کی حماقت بھی نہ کرنا۔ اس نے یہ کسی آئی مین سے ادھار لی ہوگی۔"

"چھٹکارے سے میرا یہی مطلب تھا کہ اسے بلیک ڈیڈ کو لوٹا دیا جائے۔"

"شاید تمہارا معدہ خراب ہو گیا ہے اسی لیے تمہیں بیداری کی حالت میں برے برے خواب نظر آرہے ہیں۔ یہ خاموش اور مہلک ہتھیار ہر قدم پر ہماری ضرورت ثابت ہوگا۔"

اس کی بات بھی غلط نہیں تھی۔ میں پُرتشویش نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا۔

"ذرا بلیک ڈیڈ کو تلاش کرو۔ اس سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" کچھ دیر بعد میں نے ویرا سے کہا۔

ویرا اپنی جگہ چھوڑ کر ناگواری کے انداز میں فون کی طرف بڑھی ہی تھی کہ گھنٹی بج اٹھی۔ ویرا نے منہ بنا کر اسپیکر فون آن کر دیا۔

"روزی بے بی! آئی ایم سوری مگر کچھ ایمرجنسی ہو گئی ہے۔ کیا تم میرا دیا ہوا تحفہ مائیک کے ہاتھ اسی وقت مجھے بھجوا سکتی ہو؟" ویرا کی ہیلو کے جواب میں بلیک ڈیڈ کی معذرت خواہانہ آواز ابھری۔

"چاہو تو میں اس کے ساتھ چند روز کا کرایہ بھی تمہیں بھجوا دوں۔" ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے' بھنائے ہوئے لہجے میں بلیک ڈیڈ کو جواب دیا۔

"اوہ بے بی! مجھے معلوم تھا کہ تم ناراض ہو جاؤ گی مگر بہت

...ی مجبوری ہے۔"

"اور میں مائیک کے ہاتھ... ایک لفافہ بھی بھیج رہا ہوں۔"

...سلسلہ منقطع ہونے سے پہلے اونچی آواز میں کہا "یورپ کی
...بھی ایئرلائن پر ہماری واپسی کی نشستیں بک کرا دو۔"

"تم آن ایزلم۔" اس نے اسلم کو امریکی لہجے میں بگاڑ کر کہا۔
"... اتنی بڑی بات نہیں ہے کہ تم فوراً ہی واپسی پر تل جاؤ۔ میں
...ں گا تو تمہیں پوری تفصیل بتاؤں گا۔ تم خود میری مجبوری کے
...ئل ہو جاؤ گے۔"

"یہ دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔ تمہاری بے بی ایلی فنٹ
...ے روٹھنے سے پہلے میں واپسی کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس کے اسباب
بھی ملاقات پر سن لوگے۔ یہ کام بہت ضروری...."

میری بات ادھوری رہ گئی۔ بلیک ڈیڈ سے بات کرتے ہوئے
پہلی بار سی ایس ڈی پر سرخ بلب روشن ہوا' ہلکا سا بزر چیخا اور لائن
بے جان ہو گئی۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میرے ذہن میں پہلا
خیال یہی آیا کہ بلیک ڈیڈ کے فون پر نامعلوم وجوہ کی بنا پر آبزرویشن
لگا دیا گیا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے' تم کھل کر مجھے کوئی بات کیوں نہیں
بتاتے؟" ویرا اعصاب زدہ آواز میں غرائی' سی ایس ڈی کی غیر
متوقع مداخلت نے اسے ہراساں کر دیا تھا۔

"پُرسکون رہنے کی کوشش کرو۔ شاید ہمارا کھیل کسی خطرناک
مرحلے میں داخل ہونے والا ہے۔ بدری ناتھ پکا حرام زادہ ہے۔
اتنی باتیں کرنے کے باوجود اس نے مجھ سے بعض باتیں چھپائی
ہیں۔"

ویرا کے لیے خود کو پُرسکون بنانے کی ایک ہی راہ تھی۔ وہ کسی
الم زدہ گھریلو خاتون کی طرح بکتی جھکتی ہوئی کچن کی طرف چل دی۔
مجھے معلوم تھا اس کی واپسی اسکاچ کی بوتل یا کم از کم لبریز گلاس کے
ساتھ ہوگی۔ میں نے فوراً ہی مائیک کے لیے کال بیل بجا دی۔

مائیک کسی جن کی طرح فوراً ہی آموجود ہوا۔ اس کے پیچھے
ویرا اسکاچ کے گلاس کے ساتھ آ گئی۔

ویرا نے اپنے بیگ میں سے چرمی ہولسٹر میں لپٹی ہوئی بیم گن
نکال کر ہتک آمیز انداز میں مائیک کے سامنے ڈال دی۔ میں نے
بریف کیس سے دونوں پاسپورٹوں کا لفافہ نکال کر اس کے حوالے
کرتے ہوئے کہا "یہ دونوں چیزیں اسی وقت بلیک ڈیڈ کو پہنچا دو۔
ہمیں کسی بھی نان امریکن ائر لائن سے کراچی کے لیے بکنگ
چاہیے۔ کل کی کوئی پرواز مل سکے تو بہت اچھا ہوگا۔"

مائیک کا دہانہ احمقانہ انداز میں کھلا اور پھر اچانک بند ہو گیا۔
اپنی طرف سے حیرت کے اس بے ساختہ اور خاموش اظہار
کے بعد اس نے لفافے میں سے پاسپورٹ نکالے جن کے ساتھ
ہمارے ٹکٹ بھی موجود تھے۔

"نان امریکن ائرلائن ناممکن ہے۔" اس نے ایک ٹکٹ کا
جائزہ لیتے ہی اعلان کر دیا۔

مجھے فوراً ہی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا۔ حالات کے بڑھتے
ہوئے دباؤ میں میں یہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ ہمارے پاس امارات
کے ٹکٹ تھے جن کے ذریعے نیویارک لندن سیکٹر پر امریکن ائرلائن
سے ہی سفر کرنا تھا۔ لندن سے دبئی کے راستے امارات کی پرواز مل
سکتی تھی۔

میں نے اپنی غلطی کو نبھانے کے لیے جلدی سے کہا "دیکھ لینا۔
ہمارے ٹکٹ پورے کرائے کے ہیں۔ ان پر کوئی ڈسکاؤنٹ نہیں
ہے۔ ایسے مسافروں کو شاید ہر ائرلائن قبول کر لیتی ہے۔"

مائیک کو غیر ضروری مداخلت پر ایک مرتبہ بھرپور خوراک مل
چکی تھی۔ اس نے میری ہدایات کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا اور
دونوں چیزیں لے کر خاموشی سے چلا گیا۔ اس نے ہم سے یہ پوچھنے
کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی کہ اس وقت بلیک ڈیڈ کہاں
ہوگا۔

ویرا خاموش بیٹھی وہ تماشا دیکھتی رہی۔ مائیک کے جانے کے
بعد ایک دم پھٹ پڑی "تم ایک بات کہتے ہو' تھوڑی دیر بعد کالا کتا
بھی وہی بات کہتا ہے۔ تم دونوں مجھے زچ کرنے پر کیوں تلے ہوئے
ہو؟"

"دھیرج' دھیرج.... ابھی بات تم نے انگریزی میں کہی ہوتی تو
کالا کتا برا مان کر تمہیں کاٹ بھی سکتا تھا۔ ہماری کوئی ملی بھگت
نہیں ہے۔ یہ وہی بات ہے جو بدری ناتھ کہہ رہا تھا۔"

"وہ صحیح کہہ رہا تھا۔" ویرا جل کر بولی "تم کالی زبان ہو۔ جو
منحوس بات منہ سے نکالتے ہو' ہو کر رہتی ہے۔ اس وقت بیم گن
کی وجہ سے کون سی قیامت آنے والی تھی؟"

"میرا صرف قیاس تھا۔ اصل وجوہ پر وہی روشنی ڈال سکتا ہے
جس نے اپنا تحفہ واپس منگوایا ہے۔" میں نے مسمسی صورت بنا کر
بے چارگی سے کہا۔

"ہم کل تک یہاں کیا کریں گے؟ تم نے آج کی بکنگ کیوں
نہیں کروائی؟"

"بکنگ تو اب اللہ کی رضا اور ائرلائن والوں کی رضامندی سے
ہوگی۔ سنا ہے کہ یہاں سے بحرِ اوقیانوس کے پار جانے والی پروازیں
شام تک نکل جاتی ہیں تاکہ وقت کے فرق کے ساتھ صبح تک یورپ
پہنچ سکیں۔ رات کو وہ اپنے ہوائی اڈے بند کر دیتے ہیں۔"

ویرا پھاڑ کھانے والی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی۔ میں
اسے نظرانداز کر کے ٹیلی وژن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے صبر
کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو وہ میرے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر آ بیٹھی اور
میرا شانہ ہلاتے ہوئے درشت لہجے میں بولی "بننے کی کوشش مت
کرو اور میری بات کا جواب دو!"

"میں نے بتایا ناکہ آج کے لیے دیر ہو چکی ہے۔ کل کا
پروگرام ہی بہتر رہے گا۔"

"پروگرام نہیں بیم گن۔ میں اس کی بات کررہی ہوں۔ اس سے کیا مصیبت آرہی تھی۔"

"اپنے اسباب پر بلیک ڈیڈ ہی روشنی ڈال سکے گا۔ میری دانست میں کل رات بیم گن غلط بلکہ غیر ضروری طور پر استعمال کی گئی تھی۔" اس کی جھلاہٹ کو دیکھتے ہوئے میں نے سنجیدگی اختیار کرلی۔

"کیسے؟ میں اس کا سبب جاننا چاہتی ہوں۔" وہ ضدی لہجے میں بولی۔

"امریکا میں بیم گن شاید مخصوص فوجیوں اور شی کے آئی مین کے ہی پاس ہوتی ہے۔"

ویرا کے چہرے پر چھائی ہوئی جھلاہٹ کافور ہوگئی۔ اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لیا اور اس کی آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی "تمہیں معلوم تھا کہ میں بیم گن استعمال کروں گی۔ تم نے کل رات ہی مجھے کیوں نہیں روکا؟"

وہ ذہین تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میرا ایک فقرہ سن کر ہی وہ پوری بات سمجھ گئی تھی۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "کل رات مجھے بھی اس خطرے کا ادراک نہیں تھا۔ بدری کی کہی ہوئی باتوں پر غور کرتے ہوئے میرے ذہن پر یہ خطرہ منکشف ہوا تھا۔"

"پھر بلیک ڈیڈ کی پریشانی اور عجلت قابلِ فہم ہے۔ اگر کوئی جانچ پڑتال شروع ہوچکی ہے تو بیم گن کو جلد از جلد اس کے اصل مالک تک پہنچ جانا چاہیے۔"

"روانگی کی تیاری شروع ہوچکی ہے تو اب نک موڈلے کی بھی خبر لینی چاہیے۔"

"بیم گن سے محرومی کے بعد یہ کام خاصا دشوار ثابت ہوگا۔" ویرا نے تبصرہ کیا۔

"کسی پُرشور ہتھیار کے مقابلے میں وہ بہت بہتر تھی۔ یہی کام ہاتھوں سے بھی کیا جاسکتا ہے۔"

"اگر بلیک ڈیڈ نے عجلت سے کام نہ لیا ہوتا تو میں اپنا منصوبہ بنا چکی تھی۔"

"اب وہ متروک ہوچکا ہے۔ پھر بھی میں جاننا ضرور چاہوں گا۔" میں نے دلچسپی ظاہر کی۔

"یہاں زندگی کا محور صرف اور صرف بجلی ہے۔ عمارت جتنی بڑی ہوگی، بجلی پر انحصار بھی اسی قدر زیادہ ہوگا۔ نیویارک ہلٹن اینڈ ٹاورز میرا دیکھا ہوا ہے۔ وہاں بجلی کے موٹے زیرِ زمین تار کہیں نہ کہیں فرش سے برآمد ہوکر عمارت میں پھیلتے ہوں گے۔ بیم گن کی پتلی سی دھار سے ان تاروں کو کاٹ کر پورے ہوٹل میں بدترین افراتفری پھیلائی جاسکتی تھی۔ یہ کام میرے ذمے ہوتا، تم مقررہ وقت پر اس کے فلور پر ہوتے۔ اندھیرا اور افراتفری پھیلتے ہی اسے ٹھکانے لگادیتے۔"

میں نے اتنے بڑے ہوٹل میں ہنگامی روشنیوں وغیرہ کا ذکر کرکے بات کو طول نہیں دیا۔ ویرا کا جواب یہی ہوتا کہ نیویارک جیسے شہر میں بجلی فیل ہونے کا تصور ہی نہیں تھا تو ہنگامی بندوبست کی کیا ضرورت تھی۔

ویرا اپنے سکون آور مشروب سے شغل کرتی اور میرے ساتھ نک کے مسئلے پر سر کھپاتی رہی۔ ہم نے بہت دیر تک کئی متبادل طریقوں پر تبادلۂ خیال کیا لیکن اسے راہ سے ہٹانے کے کسی محفوظ طریقے پر متفق نہیں ہوسکے۔ اس دوران میں ویرا مجھے اپنا ساتھ دینے پر آمادہ کرچکی تھی۔

مجھے یہ فکر بھی پریشان کررہی تھی کہ بلیک ڈیڈ سے بات کرتے ہوئے یکایک کیا مداخلت ہوئی تھی۔ گفتگو کے دوران میں لائن کٹ ہی گئی تھی تو بلیک ڈیڈ کو اخلاقاً دوبارہ نمبر ملا کر بات کرنی چاہیے تھی۔ ہمیں کچھ پتا نہیں تھا کہ اس وقت وہ کہاں ہوگا اور ویرا فون پر زیادہ وقت برباد کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

دوپہر کے بعد ڈور بیل بجی تو مجھے حیرت ہوئی کہ اس وقت کون آگیا تھا۔ مائیک کے پاس چابی موجود رہتی تھی۔ وہ گھنٹی بجائے بغیر دروازہ کھول کر اندر آسکتا تھا۔ میں قدرے تشویش کے عالم میں دروازے پر پہنچا تو ڈور لینس کے ذریعے بلیک ڈیڈ کا چہرہ نظر آیا۔

میں نے دروازہ کھول دیا۔ بلیک ڈیڈ جھپاک سے اندر آگیا "یہ بتاؤ کہ روزی کہاں ہے؟"

"بیڈ روم میں بیٹھی تحفے سے محرومی کا غم غلط کررہی ہے۔" میں نے مسکرا کے بتایا۔

وہ سیدھا اسی طرف چل دیا اور ویرا کا سامنا ہوتے ہی سراپا انکسار بن کر اس سے معافی تلافی کرنے لگا۔ اپنی ان کوششوں میں وہ ویرا کے سر پر سوار ہوا جارہا تھا۔

"آرام سے کرسی پر بیٹھ کر بات کرو۔" ویرا نے اسے بے اعتنائی سے پرے دھکیلتے ہوئے کہا "تم نے بات کرتے کرتے اچانک فون بند کیوں کردیا تھا؟"

"میں کیوں بند کرتا؟ میں سمجھا کہ مداخلت محسوس کرکے ڈینی نے فون بند کیا ہے۔" اس نے جلدی سے صفائی پیش کی "وہ غلطی جوڈی کی تھی۔ اُلّو کی پٹھی بالکل سٹھیا گئی ہے۔ میں بات کررہا تھا اور اس نے دوسرے انسٹرومنٹ کا ریسیور اٹھالیا۔ میں نے اس کی خاصی ٹھکائی کی ہے۔ آج کے تھپڑ وہ برسوں نہیں بھلا سکے گی۔ اسے گھمنڈ ہوگیا تھا کہ وہ جو چاہے، کرتی پھرے۔ میں اسے کچھ نہیں کہوں گا۔"

بلیک ڈیڈ کی آمد نے ہماری ایک تشویش رفع کردی۔ ویرا نے فوراً اگلا سوال داغ دیا "تمہیں بیم گن کی کیا ضرورت پیش آگئی؟ اس سے بہتر تھا کہ وہ تم نے مجھے نہ دی ہوتی۔"

"اس معاملے میں مَیں خود کو تمہارا مجرم محسوس کررہا ہوں اسی لیے اپنی اہم ترین مصروفیات کو پس پشت ڈال کر یہاں دوڑا چلا آیا۔ دراصل غلطی میری تھی۔ تم پیری کا ویل کو جانتی ہوگی۔ اس

گی یہ ہیم گن پچھلے کئی مہینوں سے میرے پاس پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے پوچھے بغیر تمہیں دے دی۔ مجھے معلوم تھا کہ تم خوش ہو جاؤ گی....."

"تم دیکھ سکتے ہو کہ میں ابھی تک بہت خوش ہوں۔" ویرا نے درمیان میں لقمہ دے کر زبردستی دانت نکال دیے۔ بلیک ڈیڈ سر جھٹک کر بے ساختہ ہنس پڑا۔

"آج صبح بوسٹن سے پیری کا فون آیا۔ پینٹاگون کے کسی انسپکٹر نے اسے فوری طور پر ہیم گن واپس لوٹانے کی ہدایت کی تھی۔ میں نے اس سے امانت میں خیانت کا اعتراف کرنے کے بجائے تم سے شرمندگی مول لینے کو ترجیح دی۔ اب میرا ایک آدمی ہیم گن لے کر بوسٹن گیا ہوا ہے۔ میں نے پیری کو ہدایت کی ہے کہ وہ میرے آدمی کے سامنے ہی گن چلا کر چیک کر لے کہ وہ ٹھیک کام کر رہی ہے۔"

"تاکہ اس کے کل رات چلائے جانے کا ثبوت باقی نہ رہے۔" میں نے کہا۔

"ایک غلط کام کو چھپانے کے لیے دس غلط کام کرنے پڑتے ہیں۔" وہ بے پروائی سے بولا "میں نے اس پر سے سارے نشان وغیرہ بھی بالکل صاف کر دیے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ پینٹاگون والے اپنی تجربہ گاہوں میں ان کی جانچ پڑتال کرنے بیٹھ جائیں۔ ایسے اسپیشل ہتھیاروں سے پرہیز ہی اچھا ہوتا ہے۔"

"غلطی تمہاری تھی۔ تم نے ویرا کو خوش کرنے کی کوشش نہ کی ہوتی تو اس نے بھی اسے استعمال نہ کیا ہوتا۔ ہم میں سے کسی کے صرف دو راؤنڈ زیادہ خرچ ہوتے۔"

"ویرا نے مجھے معاف کر دیا۔ وہ قصہ ختم ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری واپسی کا کیا چکر ہے؟"

"فورٹ ہاؤس میں ویرا کا انتقام پورا ہو چکا ہے۔ پریس کے تیور اچھے نہیں ہیں۔ یہ معاملہ خوب اچھالا جائے گا۔ یہاں رکے رہے تو ہم دونوں بھی زد میں آ جائیں گے۔" میں نے کہا۔

"میرے سامنے پریس والوں کی رگ دبتی ہے۔ میں انہیں خوب کھلاتا پلاتا ہوں۔ کئی رپورٹروں کو میرے ٹھکانوں سے بھتے ملتے ہیں۔ تم نے دیکھ لیا کہ کوئی کھل کر میرے خلاف لکھنے کی جرأت نہیں کر سکا۔"

"حالانکہ تم یہی چاہتے تھے۔" ویرا نے ٹکڑا لگایا "سزا یابی کا خوف نہ ہوتا تو تم پورے نیوارک میں بینر لگوا دیتے کہ ڈیوڈ اسٹارز تم سے ٹکرا کر فنا ہوئے ہیں۔"

"میں جو کچھ چاہتا تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔ لوگ سطروں کے درمیان بن لکھی تحریر کو بھی سمجھ لیتے ہیں۔"

"تم سے ابھی تک باز پرس یا تفتیش کا سلسلہ شروع نہیں ہوا؟" ویرا نے پوچھا۔

"کیسی باز پرس؟ کس بات کی تفتیش؟" بلیک ڈیڈ نے فضا میں ہاتھ اچھال کر کہا۔

"وہاں سے تمہارے ایک آدمی کی لاش ملی ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"میرا رسمی مؤقف تم نے اخبار میں پڑھ لیا ہوگا۔ باقی باتیں میرے وکیلوں کے علم میں ہیں۔ میں نے انہیں اور انہوں نے مجھے ہر بات سمجھا دی ہے۔ پولیس کچھ جاننا چاہتی ہے تو میرا وقت برباد کرنے کے بجائے میرے وکیلوں سے رجوع کرے۔ کوئی قانونی مجبوری لاحق ہوئی تو وہ مجھے مناسب مشورہ دیں گے۔"

"کیا امریکا میں جرم کر کے بچ نکلنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے؟" میں نے ویرا سے پوچھا۔

"اس کے لیے صرف دو باتیں ضروری ہیں۔" ویرا سے پہلے بلیک ڈیڈ بول پڑا "تم کو اپنے قانونی حقوق کا پورا علم ہونا چاہیے اس کے ساتھ ساتھ اچھے وکیلوں کے بڑے بڑے پیٹ بھرنے کے لیے مالی وسائل کی موجودگی ضروری ہے.... جرم کی شہادتیں سامنے ہوں تو پھر کوئی گئی گزری جیوری بھی مجرم کو معاف نہیں کرتی، ہر وسیلہ دھرا رہ جاتا ہے۔"

"تمہاری دانست میں وہاں آٹھ لاشوں اور چار زخمیوں کی موجودگی کو شہادت نہیں مانا جائے گا؟" میں نے متعجب ہو کر سوال کیا۔

"وہ واقعہ ہے۔ وہاں میری موجودگی کی کوئی شہادت نہیں مل سکے گی۔" وہ فخر سے بولا۔

"میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ تم اپنے دفاع کی طرف سے اتنے مطمئن ہو۔"

"مطمئن نہ ہوتا تو ویرا سے معذرت کے لیے یہاں تک دوڑا نہ چلا آتا۔" اس نے کہا۔

"مجھے مائیک کی واپسی کی توقع تھی۔ اسے تم کہاں چھوڑ آئے؟" ویرا نے پوچھا۔

"وہ تم دونوں کی بکنگ کے لیے گیا ہوا ہے۔ یہاں سے آئے دن پروازوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے لیکن رش کم ہونے میں نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا سال پورا یورپ اور امریکا اِدھر سے اُدھر سفر کرتا رہتا ہے۔ دیکھو کب کی نشستیں ملتی ہیں۔"

"ہم جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں۔ کیا تم اپنا اثر رسوخ استعمال نہیں کر سکتے؟"

"مائیک ان کاموں میں ماہر ہے۔ تم اس پر اعتماد کر سکتی ہو۔"

"جانے سے پہلے ایک کام میں تمہاری مدد کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔" سفر کا موضوع ختم ہوتے ہی میں نے بلیک ڈیڈ سے اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی۔

"تم دونوں نے میرے لیے جو کچھ کیا ہے اس کے بعد میں تمہارے لیے دنیا کے آخری سرے تک دوڑ لگا سکتا ہوں۔ تم کام بتاؤ۔ ممکن ہوا تو وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔"

ہمیں یہاں کے ایک بڑے ہوٹل میں مقیم ایک امریکی کو اغوا
کرانا مقصود ہے۔"

"اچھا!" میری بات سنتے ہی بلیک ڈیڈ نے تحکمانہ انداز میں
کہا "یہ بد اخلاقی ہے۔ خود پی رہی ہو۔ مجھ سے پوچھا تک
نہیں۔ ذرا ہم دونوں کے لیے بھی ڈرنک بنا لاؤ۔"

اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ اسے بلیک ڈیڈ کا
تحکمانہ انداز پسند نہیں آیا تھا لیکن وہ کوئی تعرض کیے بغیر کچن کی
جانب چل دی اور بلیک ڈیڈ میری طرف جھک آیا۔

"وہ امریکی کون ہے؟ اپنی برادری کا کوئی آدمی؟" اس نے
دلچسپی سے پوچھا۔

"وہ ایک ٹورسٹ نہیں بلکہ سفارت کار ہے۔ پاکستان میں خاصا
گند پھیلا کر آج کل یہاں آیا ہوا ہے۔ اس کے اعمال کے اعتبار سے
تم اسے اپنی برادری کا فرد ہی سمجھ سکتے ہو۔"

"صرف اغوا اور پوچھ گچھ کا ارادہ ہے یا آگے بھی کچھ ہونے
کا امکان ہے؟" اس نے پورے خلوص سے سوال کیا۔

"شاید بات آگے تک جائے گی۔ یہ کام نہ ہو سکا تو مجھے ہمیشہ
حسرت رہے گی۔"

"اس کا نام بتا دو۔ میں دیکھوں گا کہ کیا ہو سکتا ہے۔" وہ
سوچتے ہوئے بولا۔

"تمہارے انداز سے کچھ معمولی سی جھلک رہی ہے۔" میں نے
ذاتی سے قسم کی۔

"تم ٹھیک سمجھ رہے ہو۔ اگر وہ عام ٹورسٹ کی طرح رہ رہا ہے تو
اسے یہاں پہنچانا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوگا۔ اس پر کوئی مامور ہوئے
تو بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔ میں کسی بھی کام میں ادھورا ہاتھ ڈالنے کا
عادی نہیں ہوں۔ ہونے والا کام ہو تو بس ہو کر ہی رہتا ہے۔"

"وہ اپنے ملک میں ہے۔ مجھے امید نہیں کہ اس کو کوئی غیر
معمولی پروٹوکول دیا جا رہا ہوگا۔" میں نے کہا "اسے لانے کے لیے
یہ جگہ شاید مناسب نہیں رہے گی۔ اس نے غل غپاڑہ مچایا تو لوگ
متوجہ ہو جائیں گے اور کام بگڑ جائے گا۔"

"اسے منہ باندھ کر بے ہوشی کی حالت میں لایا جائے گا۔
پوچھ گچھ تحریر کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ اس کا باپ بھی یہاں کوئی
گڑبڑ نہیں کرسکے گا۔ دوسری جگہ تم بے آرامی محسوس کرو گے۔"

اس کی بات میں وزن تھا۔ میں نے اس کی تجویز قبول کر لی۔
اس وقت وہ اندر سے میں ڈرنکس کے لوازم لے آئی۔ اس نے بلیک

ڈیڈ کے حکم کی لفظ بہ لفظ تعمیل کرنے کے بجائے گلاسوں کی تیاری کا کام اس کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

بلیک ڈیڈ نے جب ویرا کو ٹکا سا جواب دے کر امریکا سے بھاگ جانے کا مشورہ دیا تھا تو میں نے اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی تھی۔ میں نے اسے خود غرض اور احسان فراموش تصور کرلیا تھا لیکن اس سے مراسم استوار ہونے کے بعد میں اس کی خوبیوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ صاف گو تھا اور اسی وجہ سے کبھی کبھی بددماغ نظر آنے لگتا تھا۔

اس نے جس اطمینان کے ساتھ نک موڈلے کو اٹھالانے کا ارادہ کیا تھا اس پر میرا حیران ہونا قدرتی امر تھا۔ میں نے اس کا نام اور ہوٹل کی تفصیل بتانے کے بعد اس سے پوچھا کہ وہ اسے بھرے پڑے ہوٹل یا بازار سے کیسے اٹھالائے گا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

"لوگوں کو اٹھانا اور مناسب گوشمالی کے بعد کسی ویرانے میں ڈال دینا ہمارا روزمرّہ کا کام ہے۔ اپنے علاقے کے سرکش اور منہ زور لوگوں کو لگام نہ دی جائے تو ہوا اکھڑنے لگتی ہے۔ شاید تم نے گن سے فائر کی جانے والی ان سر-بنجوں کے بارے میں سنا ہوگا جو درندوں کے شکاری کھالیں بچانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ لمبی سوئی جسم میں پیوست ہوتے ہی سرنج کا سارا سیّال اپنے زور میں جسم میں اتر کر شکار کو بے ہوش کردیتا ہے۔ وہی دوا' راہ چلتے ہوئے ہاتھ سے بھی انجکٹ کی جاسکتی ہے۔ شکار کے لڑکھڑاتے ہی شکاری مددگار بن کر اسے سنبھال لیتا ہے اور شکار میرے جال میں آجاتا ہے۔"

"خاصا سہل اور آرام دہ طریقہ ہے۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی ضروری سمجھی "شکار ہر قسم کی ٹوٹ پھوٹ سے بالکل محفوظ رہتا ہے۔"

نک موڈلے کے بارے میں جلد از جلد اطلاع دینے کا وعدہ کرکے بلیک ڈیڈ ہم سے رخصت ہوگیا۔ اس کے جانے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد مائیک واپس آیا۔ اسے دوسرے دن کی آخری پرواز پر چانس پر نشستیں مل رہی تھیں۔ اس نے وہ خطرہ مول لینے کے بجائے تیسرے دن کی نشستیں محفوظ کرالی تھیں۔

"تم نے اپنی مشقت میں خود ہی ایک دن کا اضافہ کرلیا۔ اب جلدی سے کھانا تیار کرلو۔" ویرا نے دوستانہ انداز میں مائیک سے فرمائش کی۔ واپسی کا پروگرام طے ہوتے ہی اس کے موڈ میں خوش گوار تبدیلی آچکی تھی۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے وہ خود بھی امریکا میں رہ کر پاکستان کو مس کررہی ہو۔

کچن میں ویرا نے اسی جذبے کے ساتھ مائیک کو ڈائننگ ٹیبل پر اپنے ساتھ بٹھالیا۔

ویرا کھانے کے درمیان مسلسل باتیں کرتی بلکہ چہکتی رہی۔ اسی دوران میں اس نے کسی طرح جوڈی کا ذکر نکال کر مائیک کو یہ بھی بتادیا کہ اس روز وہ بڑھیا مار کھا چکی تھی۔ مائیک کے لیے اطلاع ناقابلِ یقین تھی۔ وہ کھانا ادھورا چھوڑ کر فون کی طرف بھاگا اور کسی سے اس خبر کی تصدیق کرنے لگا۔ واپسی پر خوشی سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

جوڈی کے بارے میں بلیک ڈیڈ کی سنائی ہوئی کہانی حرف بہ حرف درست تھی۔

"جی چاہ رہا ہے کہ جوڈی کو فون کرکے اُس سے اسی وقت مزاج پُرسی کی جائے۔" اس نے دوبارہ کھانے میں شریک ہوتے ہوئے حسرت زدہ لہجے میں کہا "اظہارِ ہمدردی کی دو چار فون کالز ملنے کے بعد وہ ان سے گالیوں کی طرح بدکنے لگے گی۔ اس وقت اس کی حالت قابلِ دید ہوگی۔"

"کھانا کھانے کے بعد اپنی یہ اخلاقی ذمے داری بھی پوری کرلینا۔ برے بھلے وقت میں اپنے ساتھیوں کے جذبات میں شرکت سے تعلقات میں گرمجوشی پیدا ہوتی ہے۔" ویرا نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ اسے اکسانے والے انداز میں کہا "اسے بدکنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تم اسے نہیں جانتیں۔ بلیک ڈیڈ آدمیوں کا جیتا جاگتا عجائب گھر پالنے کا عادی ہے۔ بیکسٹر اور جوڈی کے علاوہ اس کے پاس بڑے مشاہروں پر کئی عجوبے ملازم ہیں جو آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آسکے۔ بھینگا ڈِک بھی ان میں شامل ہے۔" وہ ازخود ہنستے ہوئے بتارہا تھا "اس کے پستول یا ریوالور کی نال اس کی نگاہوں کی طرح ہمیشہ ٹیڑھی اٹھتی ہے لیکن اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ وہ کھڑے کھڑے کسی بھی شخص کے جبڑے پر گدھے کی طرح لات رسید کرسکتا ہے۔ ان خوبیوں کے باوجود وہ بینگن کے نام تک سے چڑتا ہے۔ مرنے مارنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔"

"تم جوڈی کو فون کرتے ہوئے ڈر رہے ہو؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ باس وہاں موجود ہوا تو سمجھ جائے گا کہ جوڈی کے ساتھ شرارت کی جارہی ہے۔"

"تو کیا وہ اپنا بیشتر وقت وہیں گزارتا ہے؟" میں نے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا کیونکہ وہ کبھی بھی پہلی کال میں بلیک ڈیڈ کو تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھی۔

"نہیں' وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔" مائیک نے گول مول سا جواب دیا "وہ شہر میں موجود ہو تو دن میں ایک آدھ مرتبہ وہاں ضرور جاتا ہے۔"

کھانے کے بعد مائیک برتن وغیرہ سمیٹنے لگا۔ ویرا اٹھ کر چلی گئی مگر میں نے کچن ٹیبل چھوڑے بغیر سگریٹ سلگالی۔ چند ثانیوں کے بعد میں نے مائیک سے پوچھا "کیا یہ مکان کسی قیدی کو رکھنے کے لیے محفوظ ہے؟"

اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور بولا "قیدی کو رکھنے کے

...نہ ذبح بھی کیا جاسکتا ہے۔ تمہیں یہ جاننے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟"

"شاید کوئی مہمان یہاں آہی جائے۔" میں نے مبہم سا جواب دیا "یہ مکان مختصر، ہوا دار اور چاروں طرف سے باہر کھلنے والا ہے۔ کھڑکیوں سے ہر غیر معمولی آواز پڑوسیوں تک پہنچ سکتی ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ یہ مکان بلیک ڈیڈ کا ہے۔" اس نے آنکھ ماری "یہاں ان چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ ...کو آسمان تو کیا، زمین تک نظر نہیں آسکتی۔"

"کیا یہاں کوئی تہ خانہ بھی ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"تم بہت عقل مند ہو۔ اس علاقے کے متوسط گھروں میں سٹور روم کے طور پر چھوٹے تہ خانے ضرور موجود ہیں جہاں ڈیپ فریزر، واشنگ مشین اور دوسرا کاٹھ کباڑ رکھا جاتا ہے۔ نوکروں کا رواج نہیں ہے لیکن مائیک نے یہاں گیراج کے ساتھ سرونٹ کوارٹر صرف اس لیے بنوایا ہے کہ ادھر بنے ہوئے تہ خانے کی دیکھ بھال ہوتی رہے۔ مکان کے بجائے گیراج اور سرونٹ کوارٹر کے نیچے تہ خانہ بنوانے کا مقصد یہی تھا کہ پڑوسیوں کی نظروں سے محفوظ ایک ٹھکانا دستیاب رہے۔"

میری ایک بڑی الجھن دور ہوگئی۔ مختصر سی اصل عمارت مجھے ایسے کسی بھی کام کے لیے مخدوش نظر آرہی تھی۔ عقبی تہ خانے میں نک موڈلے سے ذرا کھل کر بات چیت ہوسکتی تھی۔

مائیک کچن سمیٹ کر فارغ ہوا تو میں بھی اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ ویرا بستر پر دراز ٹیلی وژن دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس پر کورٹ ہاؤس کے بارے میں کچھ بتایا جارہا تھا۔

میں نے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر چینل بدل دیا۔ یکے بعد دیگرے میں نے متعدد چینل دیکھے، ہر جگہ سے اسی واقعے کے بارے میں کوئی نہ کوئی پروگرام دکھایا جارہا تھا۔ مرنے والے داؤدی ہمارے بدروحوں کی طرح ہر چینل سے چمٹ کر رہ گئے تھے۔ میں نے اکتا کر ٹیلی وژن بند کردیا۔

"ٹیلی وژن کھلا رہے تو تنہائی کا احساس نہیں ہوتا۔" ویرا بستر پر پڑے پڑے انگڑائی لے کر بولی "سارے کردار اپنے اردگرد گھومتے پھرتے اور بولتے چالتے محسوس ہوتے ہیں۔"

"اس لعنت نے لوگوں کو ان کے گھروں میں محصور کرکے رکھ دیا ہے۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا "جو وقت دوستوں اور رشتے داروں سے ملاقات میل جول میں بسر ہوتا تھا، وہ اب تنہائی کے باوجود اس منحوس ڈبے کے گرد گزر جاتا ہے۔ ہر شخص کو شکایت ہے کہ اسے وقت نہیں ملتا....."

"بس بس.... اب بوڑھی عورتوں کی طرح کلکلا کر کوسنے پیٹنے پر نہ اتر آنا۔" ویرا نے ہاتھ اٹھا کر میری بات کاٹ دی۔ "آج کی دنیا ایک کوزے میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ گھر میں پڑے پڑے بھی آدمی دنیا بھر کی خبروں سے واقف ہوتا رہتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ کیا تم پرسوں روانگی کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو؟"

چوڑے بستر پر ویرا سے قدرے دور نیم دراز ہوتے ہوئے میں نے دھیرے سے کہا "شاید نہیں۔ میں یہاں کے لیے ذہن میں ایک طویل پروگرام لے کر آیا تھا۔ اب اسے ادھورا چھوڑ کر بھاگنا پڑ رہا ہے۔ بدری ناتھ کی قلابازی نے خطرات کا امکان یک بہت زیادہ بڑھا دیا ہے۔"

"اپنے طویل پروگرام کے بارے میں تم نے آج تک مجھے کچھ نہیں بتایا۔" اس نے میری طرف کروٹ لے لی۔

"تباہیوں اور تخریب کاری کے بوکھلا دینے والے سلسلے کے علاوہ اور کیا کیا جاسکتا ہے۔ اس طویل و عریض ملک میں ایسی کارروائیوں کے بے شمار مواقع بکھرے ہوئے ہیں۔ بیم گن ہوتی تو اس کے سہارے نیویارک کے چند کلیدی کیبل کاٹ کر پورے شہر کو تاریک کیا جاسکتا تھا۔"

"میں تمہیں ہرگز ایسا نہ کرنے دیتی۔" ویرا بوکھلا کر بولی "بجلی کا بریک ڈاؤن اس شہر کے لیے قیامتِ صغریٰ بن جاتا ہے۔ تاریخ میں چند بار ہی ایسا ہوا ہے...."

"نک موڈلے کے ہوٹل کے لیے یہ تجویز تم ہی نے دی تھی۔" میں نے درمیان میں اسے یاد دلایا "اور پھر انہوں نے تو کراچی میں کینوپ کے بجلی گھر کو کئی ہفتوں کے لیے بند کردیا تھا۔ اس شہر میں بھی امریکیوں جیسے بلکہ شاید ان سے بہتر انسان رہتے ہیں۔"

"جس شہر میں برقی اور مشینی نظام پر انحصار جتنا زیادہ ہوتا ہے، وہاں اتنی ہی بڑی بربادی آتی ہے۔" ویرا نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی "کراچی میں بجلی فیل ہوتی ہے تو صابر و شاکر شہری اندھیرے گھروں کی گرمی میں نل کے پانی پر گزارہ کرلیتے ہیں۔ یہاں کا سماں ہی بدل جاتا ہے۔ لفٹوں اور سب وے میں پھنسی ہوئی

عورتوں پر درندے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ چوری، ڈاکوں، لوٹ مار، زنا، اغوا اور قتل کی اس قدر وارداتیں ہوتی ہیں کہ اگلے پچھلے سب ریکارڈ ٹوٹ جاتے ہیں۔ ذرا سی دیر میں بربادی سے دوچار ہونے والوں میں اکثریت شریف اور بے گناہ شہریوں کی ہوتی ہے۔ نتیجہ سامنے آنے پر تم خود اپنے اقدام پر شرمسار ہو جاتے۔"

"یہ محض ایک مثال تھی۔ بدری ناتھ شرافت سے چھتا رہتا تو انسانوں کو نشانہ بنائے بغیر انہیں بھاری مالی اور فنی نقصان پہنچایا جاسکتا تھا لیکن اب یہ کام ادھورا رہ جائے گا۔"

"بلیک ڈیڈ ہمارے بعد بہت کچھ کرسکتا ہے لیکن اس کی تنگ کھوپڑی منصوبہ بندی کی صلاحیتوں سے محروم ہے۔" ویرا نے مایوسی سے کہا "یہی کافی ہے کہ اس کے جیتے جی ڈیوڈ اسٹارز دوبارہ سر نہیں اٹھاسکیں گے۔"

ہم دیر تک ان امکانات پر گفتگو کرتے رہے۔ صبح تک ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے نیویارک بلکہ امریکا میں ہمارا ہر کام ختم ہوگیا ہو اور ہم جمود کا شکار ہونے والے ہوں۔ روانگی کا پروگرام طے ہوتے ہی ہمیں بے شمار کام نظر آنے لگے تھے جنہیں پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے وقت درکار تھا۔

اسی دوران میں تھوڑی دیر کے لیے غنودگی چھاگئی۔ نیند کا غلبہ ہونے سے پہلے میں نے اپنے بدن پر ویرا کے گداز اور حرارت انگیز وجود کا لوچ محسوس کیا۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں اور ویرا کو خطرناک حد تک اپنے قریب دیکھ کر بستر چھوڑ دیا۔

میری بوکھلاہٹ پر ویرا نے قہقہہ لگایا "بس، ڈر گئے؟ ترغیب پر نفس کو مارنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ تمہاری جگہ گاندھی ہوتا تو میری ذرا بھی پروا کیے بغیر گہری نیند سوتا رہتا۔"

"میں گاندھی کی طرح دالیں اور سبزیاں کھا کر بکری کا دودھ نہیں پیتا۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا اور دوسرے بیڈ روم کی طرف چل دیا۔ ویرا نے میرا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی۔

چار بجے ٹیلی فون کی گھنٹی سن کر مجھے دوبارہ اسی کمرے میں آنا پڑا۔ ویرا فون پر بلیک ڈیڈ سے بات کررہی تھی۔ عادت کے مطابق اس نے اسپیکر فون ہی آن کیا ہوا تھا۔

"ہاں، بالکل ہو جائے گا۔" وہاں پہنچنے پر میرے کانوں میں بلیک ڈیڈ کی آواز آئی۔

"اندازاً کتنے پاؤنڈ کا ہوگا؟" ویرا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میں بول پڑا۔

"پاؤنڈ؟ میں سمجھا نہیں کہ تم کیا پوچھ رہے ہو۔" بلیک ڈیڈ کی آواز متحیرانہ تھی۔

"ہونے والے بچے کا وزن پوچھ رہا تھا۔ کیا تم کسی زچگی کی اطلاع نہیں دے رہے تھے؟"

بلیک ڈیڈ ہنس پڑا "میں ہوٹل والے مہمان کی بات کررہا تھا۔ میں نے تین آدمی لگادیے ہیں۔ کام زیادہ مشکل نہیں ہونا چاہیے۔ غروب آفتاب کے بعد ڈک اسے لے کر تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔"

"ڈک؟ یہ وہی تو نہیں جو بھینگا ہے؟ دیکھتا کسی کو ہے اور مارتا کسی اور کو؟"

"تمہارے چونکنے سے پتا چل رہا ہے کہ تم اس سے واقف ہو۔" وہ بولا۔

"تمہارے انسانی میوزیم کے خاص خاص نمونوں سے واقف ہونا ہی چاہیے۔"

وہ دوبارہ ہنسنے لگا "میں سمجھ گیا۔ یہ مائیک کی بدمعاشی معلوم ہوتی ہے۔ یہ لوگ کسی کی صلاحیتوں سے زیادہ اس کی شکل وصورت پر دھیان دیتے ہیں۔ اس کی موجودگی میں تمہیں اپنے شکار پر زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ وہی اس کو سنبھال لے گا۔"

"اور اگر وہ آں جہانی ہوگیا تو کیا صورت رہے گی.....؟ کیا تم ادھر آرہے ہو؟"

"میں نہیں آسکوں گا۔ اس کے بارے میں ڈک اور مائیک تمہاری ہدایات پر عمل کریں گے۔ تمہارے تہ خانے میں وہ کئی دن تک محفوظ رہ سکتا ہے۔ وش یو گڈ لک اینڈ بائے۔"

فون بند کرتے ہی میں نے کال بیل کا بٹن دبادیا۔ مجھے مائیک پر بلاوجہ غصہ آرہا تھا۔

"یہ بھینگا ڈک کیا بلا ہے؟" ویرا نے سگریٹ سلگا کر پوچھا۔

"ایک چوپایہ۔" میں نے بھنا کر جواب دیا۔ اسی وقت مائیک وہاں آموجود ہوا۔

"تم نے بھینگے ڈک کا نام لیا تھا اور اب وہ یہاں نازل ہونے والا ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا "وہ مردود تمہیں یاد ہی کیوں آیا تھا؟"

"بات برسبیل تذکرہ نکلی تھی۔ میں نے دانستہ اس کا نام نہیں لیا تھا۔ اپنے پیدائشی عیب کے باوجود وہ بہت بے خوف اور کارآمد آدمی ہے۔ نگرانی کے کاموں پر باس عام طور پر اسی کو لگاتا ہے۔ حریف کو پتا تک نہیں چل پاتا کہ ڈک مسلسل اسی کو گھور رہا ہے۔"

میں بے بسی سے ہنس پڑا "جاؤ اور جاکر تہ خانہ صاف کرو۔ وہاں ایک مہمان آنے والا ہے۔"

مائیک کا چہرہ کھل اٹھا۔ فورٹ ہاؤس سے اس کی غیر حاضری کے ازالے کا ایک امکان پیدا ہو چلا تھا۔

"لان پر دو کرسیاں ڈال دو اور میز لگادو۔ ہم کچھ دیر تازہ ہوا میں بیٹھیں گے۔" ویرا نے اسے ہدایت کی اور وہ سعادت مندانہ انداز میں سر جھکا کر باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم ہلکی ہلکی خوش گوار ہوا میں مختصر لان پر کرسیاں ڈالے بیٹھے ہوئے تھے۔ مطلع صاف تھا۔ فضا میں حبس یا گرمی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ مغرب کی طرف ڈھلتے ہوئے سورج کی تھکی تھکی کرنوں نے پورے لان کو اپنی زد میں لیا ہوا تھا۔

اس وقت ہم گھر سے باہر کھلی فضا میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں پڑوسیوں سے سامنا بھی ہو سکتا تھا۔ ان رموز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مائیک نے بلور کے گلاسوں کے بجائے نازک بلوریں جام میز پر سجائے تھے۔ ٹرے میں آئس پاٹ، سائفن اور سوڈے کے ساتھ مختلف اقسام کی کئی رنگا رنگ بوتلیں بھی تھیں۔

"باہر بیٹھ کر شریفوں کی طرح سے مے نوشی کرنی ہے تو پھر یونگ کاک ٹیل ہی بہتر رہے گی۔" ویرا نے مائیک کے کئے ہوئے انتظام پر تعریفی نظریں دوڑاتے ہوئے کہا "میرے نسخے سے تمہیں مزہ آجائے گا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ویرا میز کی طرف متوجہ ہوگئی اور مختلف شرابوں کی مقدار ناپ ناپ کر دونوں دیکھتے ہوئے پیمانوں میں ڈالنے لگی۔ اس کی پوری توجہ اپنے کام پر مرکوز تھی۔ میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہا تھا کہ مجھے پڑوس والے مکان کے بند دروازے کے پیچھے کسی کی موجودگی کا بے نام سا احساس ہوا۔ کوئی دروازے کی اوٹ سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔

چند ثانیوں بعد ایک سڈول اور دراز قامت امریکی عورت اس دروازے سے باہر نکل آئی۔ اس کے جسم پر اس وقت بھی ایک چست ٹی شرٹ اور اونچی نیکر موجود تھی۔ خوب صورت چہرے پر مسکراہٹ رچی ہوئی تھی اور ترشے ہوئے سنہرے بال اس کے شانوں پر لہرا رہے تھے۔

میں اسی طرف متوجہ تھا۔ میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں۔ اس نے میری طرف ہاتھ لہرایا تو اس کے گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو چکی تھی۔ میں نے جواب میں ہاتھ ہلایا تو ویرا چونکی اور پھر میری نظروں کے تعاقب میں اس نے بھی اپنی اس پڑوسن کو دیکھ لیا جو چند روز پہلے لان پر گھاس کاٹتی ہوئی نظر آئی تھی۔ ویرا کا منہ بن گیا مگر اسے اخلاقاً پڑوسن کو ہاتھ لہرانا پڑ گیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ الّو کی پٹھی ہر وقت ہماری تاک میں لگی رہتی ہے۔" ویرا دوبارہ کاک ٹیل کی تیاری میں مصروف ہوتے ہوئے بڑبڑائی "ایسی متجسس عورتیں مجھے زہر لگتی ہیں۔ اسے نظر انداز کرو ورنہ وہ ہمارے سر پر سوار ہو کر گلے پڑ جائے گی۔"

متناسب بدن والی اس پُرکشش خاتون نے مجھے اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ میں اسے نظر انداز کرسکوں۔ وہ میری طرف دیکھتی ہوئی سیدھی چلی آرہی تھی۔ دونوں احاطوں کو الگ کرنے والی ڈھائی تین فٹ اونچی رسمی سی دیوار کے پاس آکر وہ رک گئی۔

"ہائے.... اگر میری مداخلت ناگوار نہ ہو تو کیا میں تمہاری طرف آسکتی ہوں؟" اس نے مسکراتے ہوئے دلکش آواز میں پوچھا اور میں دل ہی دل میں یہ اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا کہ کسی عورت کو ایک عورت ہی صحیح پہچان سکتی ہے۔ اسی وجہ سے اکثر مرد ان کی دل فریبی سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔

ویرا کو شاید یہ پسند نہیں تھا کہ میں اس سے بات کروں۔ وہ فوراً ہی اس کی طرف پلٹ کے بولی "ضرور آؤ لیکن اس وقت لان پر صرف دو ہی کرسیاں ہیں۔"

درمیانی دیوار کی بساط ہی کیا تھی۔ یکے بعد دیگرے اس کی دونوں لمبی ٹانگیں ہمارے لان پر تھیں "نیور مائنڈ.... میں اندر سے تیسری کرسی خود اٹھالاؤں گی۔" اس نے ویرا کے خشک جواب کو اپنی فراخ دلانہ مسکراہٹ میں گھول کر بالکل بے اثر کردیا اور بے پروایانہ انداز میں ہمارے پاس آگئی۔

ہم دونوں اٹھے "میں میڈیلین ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا نرم ہاتھ ویرا کی طرف بڑھادیا۔

"روزی!" ویرا نے کسی گرمجوشی کے بغیر اپنا تعارف کرا کے اس سے ہاتھ ملایا۔

"اسلم!" میں نے نرمی سے اس کی گداز ہتھیلی اپنی گرفت میں لے لی۔ اس کی مخروطی انگلیاں سختی سے میرے ہاتھ کے گرد لپٹ گئیں۔ میں نے ایک طرف سرک کر اپنی کرسی اسے پیش کردی۔

"تم بیٹھو!" اس نے بے تکلفی سے میرے بازو تھام کر مجھے کرسی پر بٹھانا چاہا "میں اپنے لیے اندر سے تیسری کرسی لے آتی ہوں.... ویسے بھی میں کباب میں ہڈی نہیں بنوں گی۔ آج یقیناً تم دونوں میں سے کسی کا برتھ ڈے ہے جو یہ دو نفری کاک ٹیل پارٹی ہو رہی ہے۔"

مائیک ایک اچھے خدمت گار کی طرح نہ جانے کہاں چھپا یہ صورتِ حال دیکھ رہا تھا۔ ہماری تکرار کا کوئی نتیجہ برآمد ہونے سے پہلے ہی وہ ایک کرسی اور ایک پیگ لیے چلا آیا۔

"یہ کسی کی برتھ ڈے پارٹی نہیں ہے۔ تم کاک ٹیل لوگی؟" ویرا نے خشک مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسمی لہجے میں میڈیلین سے پوچھا۔

میڈیلین کا جواب اثبات میں پاکر ویرا نے تیسرا پیمانہ تیار کرنا شروع کردیا۔

اس کے نیکر کے نیچے اور ٹی شرٹ سے اوپر اس کی جلد کی چمک چیخ چیخ کر اعلان کررہی تھی کہ وہ عنفوانِ شباب کے رنگین دور سے گزر رہی تھی۔ اس کی بے چین سبز آنکھوں میں تجسس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اپنی فطری خوش دلی کے ساتھ وہ باتیں کرنے کی بھی بہت شوقین تھی۔

وہ ہمارے بارے میں رسمی تعارف سے کچھ زیادہ جاننے کی خواہش مند تھی۔ ویرا نے چند فقروں میں جواب نمٹا دیا۔ ہم لندن میں رہتے تھے اور وہاں سے مختصر چھٹیاں گزارنے کے لیے نیوارک آئے ہوئے تھے۔ چند روز میں لندن واپسی کا ارادہ تھا۔

فورٹ ہاؤس اس دن کا سلگتا ہوا موضوع تھا۔ کاک ٹیل کا پہلا گھونٹ لینے کے بعد میڈیلین نے اس کا ذکر چھیڑ دیا۔ ویرا نے فوراً ہی اسے خاموش کردیا "میڈیلین پلیز۔ اس واقعے کا ذکر کرکے ہماری شام برباد نہ کرو۔ دن بھر ٹیلی وژن اسی کے بارے میں بھونکتا

ہاہے" اس نے شرمندہ ہو کر معذرت کی اور میں نے اس کے سوالات سے محفوظ رہنے کے لیے اس پر جوابی حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا "کیا تم ہمارے پڑوس میں اکیلی ہی رہتی ہو؟"

"فی الحال کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔" میرے تخاطب پر اس کی آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہوگیا "اکیلی نہ ہوتی تو تم دونوں کے درمیان مخل نہ ہوتی۔ جارج کی واپسی تک یہی صورت رہے گی۔"

"جارج تمہارا بوائے فرینڈ ہے؟" ویرا کا وہ سوال تضحیک آمیز تھا۔

"پہلے ہوا کرتا تھا۔ دو سال سے میرا شوہر ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"وہ کہاں گیا ہوا ہے؟ کیا کسی کمپنی میں سیلز مین کے طور پر کام کرتا ہے؟"

"دو ہفتے کے کورس پر فیر فیکس گیا ہوا ہے۔ سی آئی اے میں ملازمت کرتا ہے۔"

اس کا وہ جواب سن کر میں سنبھل گیا۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ ہمارے پڑوس میں سی آئی اے کا ایک ہرکارہ رہ رہا تھا اور بلیک ڈیڈ اس کے وجود سے بے خبر تھا۔ اسے علم ہوتا تو وہ ہمیں یقینی طور پر اس پڑوس سے محتاط رہنے کا مشورہ دیتا۔

میرے ذہن میں سر ابھارنے والا دوسرا شبہ زیادہ سنگین تھا۔ وہ اتفاقاً ہمارے ساتھ مل بیٹھی تھی یا کسی خاص مقصد کے لیے ہم سے قریب ہونے کی کوشش کررہی تھی۔ میں نے غور سے اس کی سرخ و سفید رنگت اور تیکھے خدوخال کی معصومیت پر غور کیا اور اس شبے کو کمزور قرار دے کر مسترد کردیا۔ میڈیلین ان عورتوں میں سے تھی جو اپنے دل کی بات کو زبان یا بشرے پر ظاہر ہونے سے نہیں روک سکتیں۔

"سی آئی اے!" میں نے ازراہِ مذاق دہرایا "پھر تو وہ تم جیسی خوب صورت عورت کو بھی اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہوگا۔" امریکا سے باہر سی آئی اے کو ایک پُراسرار بلکہ افسانوی تنظیم تصور کیا جاتا ہے جو اپنے مقصد حاصل کرنے کے لیے محیر العقول طریقے اختیار کرتی ہے۔

"اس کے دفتر میں لڑکیاں بھی کام کرتی ہیں۔" اس کی خوش دلی بدستور برقرار تھی "وہ ان سے کام لیتا ہوگا۔ میں فلرٹ کی قائل نہیں ہوں اسی لیے کوئی نوکری نہیں کرتی۔"

"تو کیا نوکری کرنے والی تمام لڑکیاں فلرٹ کرنے کی عادی ہوتی ہیں۔" میں نے اسے الجھالیا۔

"سب نہیں، بہت سے باوقار ادارے بھی ہیں جن سے وابستگی میں لڑکیاں فخر محسوس کرتی ہوں گی لیکن بیشتر اداروں میں لڑکیوں کو اپنے باس کو خوش رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔ یہاں باس ناخوش ہو تو ملازمت سے کھڑے کھڑے جواب دے سکتا ہے۔"

ویرا کی بنائی ہوئی کاک ٹیل بہت لذیذ اور سرور انگیز تھی۔ میڈیلین مزے لے لے کر پیالے سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتی رہی۔ ویرا اس بن بلائی مہمان کے مسلط ہوجانے سے سخت کوفت میں مبتلا تھی۔ جب اس سے نہ رہا گیا تو وہ میڈیلین سے معذرت کا ایک لفظ بھی کہے بغیر کرسی چھوڑ کر اٹھ گئی۔

"تت.... تم کہاں جارہی ہو؟" میں نے بوکھلا کر ویرا سے سوال کیا۔

"مجھے ایک ضروری فون کرنا ہے۔ تم میڈیلین کے ساتھ پیگ ختم کرلو۔ فون کے بارے میں بعد میں بتاؤں گی۔"

ویرا کے وہ روکھے پھیکے فقرے اس کی ناپسندیدگی کا کھلا اظہار تھے۔ ان میں واضح پیغام موجود تھا کہ میڈیلین ہمارے لان سے جلد از جلد دفع ہوجائے تاکہ وہ مجھ سے کچھ نجی باتیں کرسکے۔

"تمہاری بیوی کی خوب صورتی سے میں مرعوب ہوتی رہی ہوں۔" ویرا کے چلے جانے کے بعد میڈیلین نے میری طرف جھک کر کہا "آج اس کی بددماغی نے مجھے صدمہ پہنچایا ہے۔ تم اس کے ساتھ کیسے گزارہ کررہے ہو۔"

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں "بیوی کے روپ میں دنیا کی ہر عورت کم و بیش ایسی ہی ہوتی ہے۔ تم سے مل کر جتنی خوشی مجھے ہوئی ہے، جارج کو اس کی عشرِ عشیر بھی نہیں ہوتی ہوگی۔ جارج کے لیے تم بیوی ہو اور میرے لیے ایک حسین عورت۔"

"تم بہت شریر ہو۔" اس نے اچانک میری ران پر زور سے چٹکی لی "بیوی کے سامنے بھی تم میرے قصیدے پڑھ رہے تھے اور اب مجھے ورغلا رہے ہو۔"

"میں جوابی چٹکی لے کر تمہاری نازک جلد کو داغ دار نہیں کروں گا۔" میں نے اسے چھو کر جتایا "سچ سچ بتاؤ کہ اس وقت تم اِدھر کیوں آئی تھیں؟"

معترض ہوئے بغیر اس نے اپنی کرسی میری طرف کھسکالی اور رازدارانہ لہجے میں بولی "تم ایک عارضی مہمان ہو، چند روز میں یہاں سے چلے جاؤ گے مگر جارج کو اس گھر کے مالکوں پر شبہ ہے۔ ہفتوں یہاں سناٹا چھایا رہتا ہے، چند روز کے لیے لوگوں کی آمدورفت ہوتی ہے اور پھر وہی ویرانی۔"

اس نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی جلد پر دبالیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔ "تم یہ سب مجھے کیوں بتارہی ہو؟"

"تم مجھے اچھے اور معصوم لگے ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ ان لوگوں کی وجہ سے تم کسی مشکل میں پڑو۔ بہتر ہوگا کہ یہ چند روز کسی ہوٹل میں گزار لو۔" اس کی آواز میں عجیب اپنائیت سی عود کر آئی۔ "ہوٹل میں تمہارا پڑوس نہیں مل سکے گا۔" اپنے کام کی

بات اگلوانے کے لیے میں نے اسے شہ دی۔
"پڑوس!" وہ ہلکی سی مترنم آواز میں ہنس پڑی "تمہاری بیوی نے مجھے مایوس کیا ہے۔ میں تمہارے گھر آئی تو وہ بددماغ عورت مجھ سے لڑ پڑے گی۔ تمہیں موقع ملے تو کسی بھی وقت دو فٹ کی یہ دیوار عبور کر کے میرے گھر آ جاؤ۔ آج کل میں اکیلی ہی ہوتی ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ میں جارج سے بے وفائی کا ارتکاب نہیں کروں گی۔"
اس کا آخری فقرہ نہایت مہمل تھا۔ اس طرح اس نے خود ہی ایک امکان کی نشان دہی کی تھی۔ میں نے پوچھا "آج کل تم یہاں ہونے والی آمدورفت کے بارے میں کیا نوٹ کر رہی ہو؟"
"بس کل رات گاڑیاں رکنے اور روانہ ہونے کی کئی آوازیں آئیں، میں نے دو تین مرتبہ جھانکا مگر باہر کچھ نہیں تھا۔ تمہارے اِکّا دُکّا ملنے والوں پر میں دھیان نہیں دیتی۔"
سورج اس وقت آسمان کے آخری کناروں سے نیچے جھک رہا تھا پھر بھی لان پر خاصی روشنی تھی۔ اس نے میرے ہاتھ کو پوری قوت سے بھینچ کر ایک ہلکی سی جھرجھری لی اور ہاتھ چھوڑ دیا۔
اپنا پیگ خالی کر کے وہ اٹھ گئی "تمہاری بیوی کی مداخلت سے پہلے مجھے چلا جانا چاہیے۔ یہ بتاؤ کہ کل کس وقت آؤ گے۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔"
"میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ روزی کیس نکل گئی تو میں ضرور آؤں گا۔ تم سے ایک بار پھر ملاقات کی خواہش میرے دل میں ارمان بن کر جاگ چکی ہے۔" میں نے مبالغے سے کام لیتے ہوئے کہا۔
"شش!" اس نے پلکیں جھپکا کر مجھے تادیب کی "غلط باتیں مت سوچو۔ ہم دونوں شادی شدہ ہیں۔ بیٹھ کر بہترین کاک ٹیل پئیں گے، باتیں کریں گے اور پھر وقت ہوا تو سو جائیں گے۔"
میں نے بوکھلا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کے پہلے اور آخری فقرے کے نمایاں تضاد نے مجھے چکرا کر رکھ دیا تھا۔
مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے چوکنی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنا شروع کیا تو میں نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ میدان صاف پا کر میرا ہاتھ چومنے کے چکر میں تھی۔
دیوار عبور کر کے اس نے میری طرف ہاتھ لہرایا۔ اپنے دروازے پر رک کر اس نے یہی حرکت دہرائی۔ میں ایک سحر زدہ معمول کی طرح میڈلین کی ان حرکتوں کا جواب دیتا رہا۔ وہ اندر چلی گئی تو میں بھی تھکے ہوئے انداز میں دروازے کی طرف ہو لیا۔
مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں نے اس سے پہلے لان پر نہ بیٹھ کر اپنے ساتھ زیادتی کی تھی۔ میڈلین سے پہلے ہی دوستی ہو گئی ہوتی تو مجھے اس سے کئی کارآمد باتیں معلوم ہو سکتی تھیں۔
اندر پہنچتے ہی ویرا نے میری توقع کے برعکس ایک جان دار قہقہے سے میرا استقبال کیا "آخر کار تم نے اپنی دل ربا محبوبہ کو رخصت کر ہی دیا۔ اس نے کب بلایا ہے تمہیں؟"
میں ویرا کی قیاس آرائی پر حیران رہ گیا "تم کیا جانو کہ وہ کیا کہہ رہی تھی۔"
"وہ راستے کی بیری ہے۔ جو چاہتا ہے، پتھر مار کر بیریں بٹور لیتا ہے۔" کمرے میں موجود مائیک نے وضاحت کی "وہ اُلجھی ہوئی ذہنی مریضہ ہے۔ کم سے کم لباس استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوششیں کرتی رہتی ہے۔ بدنامی کے ڈر سے کھلے بندوں محلے کا کوئی مرد اس سے نہیں ملتا مگر چوری چھپے کئی افراد اس کے گھر آتے جاتے ہیں۔ عورتیں سرے سے اسے پسند ہی نہیں کرتیں۔"
"تمہیں معلوم ہے کہ اس کا شوہر جارج سی آئی اے میں ملازم ہے؟" میں نے سنبھالا لینے کی کوشش کی۔
"وہ ہر ایک سے یہی کہتی ہے۔ سی آئی اے اس کے دماغ میں بسی ہوئی ہے۔ جارج بے چارہ ایک بیمہ ایجنٹ ہے۔ وہ چند روز کے لیے گھر آتا ہے تو یہ دروازے پر بھی نظر نہیں آتی۔"
"لاحول ولا قوۃ!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا پھر میں نے خفت سے ان دونوں کو اپنی کہانی سنا دی۔ اس کی چٹکی اور اپنی جوابی رعایت کا تذکرہ میں نے گول کر دیا۔
اس پاگل لڑکی نے مربوط انداز میں سی آئی اے کا ذکر کر کے مجھے خاصا بے وقوف بنا ڈالا تھا۔ مائیک نے اس کی پول کھول کر اس کے کئی متضاد فقروں کا جواز بھی فراہم کر دیا تھا۔
اگر ویرا، مائیک کو اپنے ساتھ ملا لیتی اور مجھے میڈلین کے بارے میں اصلیت کا علم نہ ہوتا تو میں بے خبری کے عالم میں کسی ایسی مضحکہ خیز سچویشن سے دوچار ہو سکتا تھا جہاں میرے لیے ندامت، ملامت اور شرمندگی کے سوا کچھ بھی نہ ہوتا۔
"سچ سچ بتانا کہ اپنی پاگل مگر چالاک پڑوسن سے تمہارے مراسم کیسے ہیں؟" اپنے دل ہی دل میں امڈتی ہوئی خود ملامتی کی لہر کو دبانے کے لیے میں نے ویرا کی موجودگی کی پروا کیے بغیر مائیک سے سوال کر ڈالا۔
"میں فرشتہ نہیں ہوں اور وہ اپنی نفسیاتی الجھنوں کے باوجود خاصی پرکشش ہے۔ میں تو خیر کبھی کبھار یہاں رہتا ہوں۔ بیکسٹر جیسا شریف النفس آدمی اس کے گھر آتا جاتا رہتا تھا۔"
بیکسٹر کا نام آتے ہی ویرا کی تیوریاں چڑھ گئیں اور میں نے کسی بڑے فساد سے بچنے کے لیے مائیک کو فوراً ہی کمرے سے رخصت کر دیا۔
باہر اندھیرا پھیل چکا تھا۔ سڑکوں پر اسٹریٹ لائٹس جل اٹھی تھیں اور ہمارے کان باہر سے آنے والی آوازوں پر جمے ہوئے تھے۔ بلیک ڈیڈ کا آدمی کسی بھی وقت تک موڈلے کو وہاں لا سکتا تھا۔
وقت دھیرے دھیرے رینگتا رہا، ہمارے انتظار کی گھڑیاں طویل سے طویل تر ہوتی چلی گئیں۔ معمول کے مطابق نو بجے مائیک

نے ذرا لگا دیا۔ کچن میں کھانا کھاتے ہوئے بھی ہمارے کان احاطے میں کسی کار کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔

کھڑکیوں کے راستے پورے گھر میں چند ثانیوں کے لیے پڑنے والی روشنی کے سیلاب سے میں اچھل پڑا۔ کوئی کار ہمارے پھاٹک میں مڑی تھی اور ڈرائیور نے مڑتے ہی ہیڈ لیمپس بجھا دیے تھے۔ پختہ روش پر انجن کی غراہٹ اور ٹائروں کی رگڑ سنائی دی جو گھر کے بغلی حصے میں جا کر معدوم ہو گئی۔

مائیک اپنی جگہ مستعد تھا۔ شاید وہ کار براہِ راست گیراج میں بند کر دی گئی تھی۔

"تم یہیں رکو۔ میں دیکھ کر آتا ہوں۔" ویرا نے میرا مشورہ خندہ پیشانی سے قبول کر لیا اور میں تیزی سے گھر سے نکل کر عقبی احاطے کی طرف ہو لیا۔

گیراج کا دروازہ بند تھا۔ اس کی جھریوں سے روشنی نظر آ رہی تھی لیکن اندر گہرا سکوت تھا۔ مائیک نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ سرونٹ کوارٹر ملحق باتھ روم کے دوسرے دروازے کے ذریعے گیراج سے ملا ہوا تھا۔ نک موڈلے کی آمد کے بعد آمدورفت کے لیے وہی راستہ استعمال کیا جاتا تھا۔

سرونٹ کوارٹر کا دروازہ اندر سے بولٹ یا مقفل تھا۔ میری مخصوص دستک پر مائیک کو گیراج سے اپنے کمرے تک پہنچنے میں ذرا سا وقت صرف ہوا پھر دروازہ کھل گیا۔ میرے اندر داخل ہوتے ہی مائیک نے دروازہ دوبارہ بولٹ کر دیا۔

صاف ستھرے سرونٹ کوارٹر کے باتھ روم سے ہو کر ہم گیراج میں پہنچے تو وہاں ایک قوی الجثہ اور پستہ قامت شخص ہمارا منتظر تھا۔ اس کی آنکھیں بہت زیادہ بھینگی تھیں۔

نووارد نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور دوستانہ لہجے میں کہا۔ "ذرا سا سہارا دو تاکہ میں اسے اپنی پشت پر لاد کر نیچے پہنچا دوں۔ یہ کسی بھی وقت ہوش میں آ سکتا ہے۔"

"ضرور ضرور!" خوش دلی سے یہ کہہ کر میں نے مائیک سے آگے نکلنے کی کوشش کی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے روک دیا۔

"ڈک تم سے نہیں، مجھ سے مخاطب تھا۔" مائیک یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

بھینگے ڈک کی موجودگی کی وہ پہلی برکت تھی جو مجھ پر نازل ہوئی تھی۔

اندر سے وہ گیراج میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ اتنا کشادہ تھا کہ اس وقت وہاں دو گاڑیاں ایک دوسرے کے برابر میں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان دروازے کھولنے اور نقل و حرکت کے لیے خاصی جگہ موجود تھی۔ وہ دونوں اپنے بے ہوش شکار کو کالی گاڑی کے عقبی پائیدان سے اٹھا کر ڈک کی پشت پر منتقل کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

ذرا سی دیر میں ڈک نے کسی گینڈے کی طرح، دبلے پتلے اور دراز قامت نک کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ نک کے ہاتھ پیر آزاد تھے۔ دہانے پر بھی کوئی ٹیپ وغیرہ نہیں چپکایا گیا تھا۔

مائیک نے لپک کر گیراج کی پچھلی دیوار میں نظر آنے والا دروازہ کھول دیا۔

میں نے ان دونوں کے بعد اندر قدم رکھا تو اندازہ ہوا کہ دروازے سے چند فٹ کے فاصلے پر ایک اور سپاٹ دیوار موجود تھی۔ ان دہری دیواروں کے درمیان چند فٹ کے مسطح فرش کے بعد پختہ سیڑھیاں نیچے جاتی نظر آ رہی تھیں۔

ان سیڑھیوں کے ایک سرے پر سپاٹ دیوار تھی دوسری طرف کوئی دیوار یا ریلنگ نہیں تھی۔ چند زینے اترنے کے بعد اس سمت میں تہ خانے کا منظر صاف نظر آنے لگا۔

کاٹھ کباڑ اور کبھی کبھار استعمال میں آنے والا سامان طویل تہ خانے کے ابتدائی حصے میں قرینے سے سجا ہوا تھا۔ تہ خانہ غالباً پورے گیراج اور سرونٹ کوارٹر کی زیرِ زمین منزل کے طور پر بنایا گیا تھا اور بہت لمبا تھا۔ اس کے آخری سرے پر ایک مسہری اور چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

ڈک نے نک موڈلے کو بے رحمی سے مسہری پر ڈال دیا۔ وہ شاید پہلے بھی ایسی مہمات پر وہاں آتا رہا تھا۔ اس نے فوراً ہی ایک الماری میں سے نائیلون کی ڈوری کا لچھا، روئی کا بنڈل اور دوسرے لوازم نکالے اور نک موڈلے پر اپنا کام کرنے میں مصروف ہو گیا۔

"ہائے چیف!" نک کے ہاتھ اس کی پشت پر باندھتے ہوئے ڈک دیوار کی طرف دیکھ کر مسکرایا "میں اسے بے بس کر کے تم سے ہاتھ ملاؤں گا۔ ٹریفک جام میں میرا کافی وقت برباد ہو گیا۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ وہ مجھ سے مخاطب تھا۔ میں نے کہا "فکر مت کرو۔ ہمارا غائبانہ تعارف ہو چکا ہے۔ اب صرف کام ہونا چاہیے۔ دیکھو، اس کے پپوٹوں میں ہلکی سی جنبش ہونے لگی ہے۔ تھوڑی دیر بعد یہ ٹڈا ہوش میں آ جائے گا۔"

اس کے ہاتھ باندھ کر ڈک نے پپوٹوں کا جائزہ لیا اور پیر باندھنے کا ارادہ ترک کر کے اس کے دہانے میں روئی ٹھونسنے لگا۔ مائیک اس کی مدد کر رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں وہ دونوں روئی کا آدھے سے زیادہ بنڈل بے رحمی سے اس کے حلق تک ٹھونس چکے تھے۔

کچھ بے ہوشی کے اثرات مندمل ہو رہے تھے، کچھ دہانے میں روئی اترنے کا اعصابی دباؤ تھا کہ اسی دوران میں نک موڈلے نے کئی بار پلکیں جھپکا کر وحشت زدہ آنکھیں کھول دیں۔

وہ گہری اور طویل بے ہوشی سے ہوش میں آیا تھا۔ اصولاً اس کے حواس بحال ہونے میں کچھ وقت لگنا چاہیے تھا لیکن بولنے میں ناکامی ہوتے ہی وہ اپنا پورا زور صرف کر کے مسہری سے اٹھتا چلا گیا۔ اس کے منہ میں روئی ٹھنسی ہوئی تھی، ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے مگر پیر آزاد تھے۔ وہ دونوں کوشش کے باوجود اسے اپنے قدموں پر کھڑا ہونے سے نہ روک سکے۔

نک موڈلے کی تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں‘ آنکھیں اپنے
حلقوں سے ابلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ شاید غصے میں وہ بہت
کچھ بکنا چاہ رہا تھا مگر بے بس تھا۔ اس نے طیش کے عالم میں سامنے
رکھی ہوئی تپائی کو زور سے ٹھوکر ماری۔

اگر میں تیزی سے ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو وہ تپائی ہوا
میں اڑتی ہوئی میرے سینے سے ٹکرائی ہوتی۔ ڈک نے غلیظ گالیاں
دیتے ہوئے ریوالور نکال کر نک پر تان لیا۔

نک کو پتا بھی نہیں چل سکا ہوگا کہ ڈک اسے پھاڑ کھانے والی
نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس نے بڑھ کر پستول کی نال نک کی بائیں
کنپٹی پر رکھ دی اور غرا کر کہا ”تیزی دکھانے کی کوشش کی تو ابھی
ٹھنڈا کردوں گا۔ یہ مت بھولو کہ اس وقت تم ہمارے رحم و کرم پر
ہو۔“

نک زور زور سے اپنا سر اوپر نیچے ہلانے لگا۔ اس کا وہ انداز
سوالیہ تھا۔ سوال بہت سے ہوسکتے تھے۔ وہ کن لوگوں کا قیدی تھا؟
کہاں تھا؟ کیوں اغوا کیا گیا تھا؟ ہم اس سے کیا چاہتے تھے؟

ڈک نے اپنا ریوالور مائیک کی طرف اچھال دیا اور بھڑکے
ہوئے نک کے روبہ رو جا کھڑا ہوا۔ وہ صورتِ حال بس چند لمحوں
کے لیے برقرار رہی پھر ڈک نے کھڑے کھڑے فضا میں ایک حیرت
ناک قلابازی کھائی‘ اس کے بائیں جوتے کی ایڑی پوری قوت اور
زوردار ٹھوس آواز کے ساتھ نک کے جبڑے پر پڑی۔ وہ مسہری
سے ٹکرا کر فرش پر گر گیا۔ اس اثنا میں ڈک دوبارہ اپنے قدموں پر
کھڑا ہو کر دوبارہ نک کے سر پر پہنچ چکا تھا۔

”اٹھو‘ دوبارہ اٹھو اور سورما بننے کی کوشش کرو۔“ وہ ہاتھ سے
اشارے کر کرکے نک پر غرانے لگا۔ اس بار نک فرش سے اٹھنے کی
ہمت نہیں کرسکا۔

جھٹکے ڈک کی فضا میں گھومتی ہوئی لات نے یقینی طور پر نک کا
جبڑا بری طرح مجروح کردیا تھا۔ دانتوں کی ٹوٹ پھوٹ اس کے علاوہ
ہوسکتی تھی۔

جب نک نے کافی دیر تک فرش نہیں چھوڑا تو ڈک نے اس
کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر اسے زبردستی اٹھنے پر مجبور کردیا۔
”اٹھو...... بزدل کی اولاد! ایسے ہی دلیر ہو تو آنکھوں میں آنکھیں
ڈال کر بات کرو۔ میں تمہاری پوری بتیسی تمہارے حلق میں اتار
دوں گا۔“

ایک لات کھا کر نک کی تیزی و طراری رخصت ہوگئی تھی۔ وہ
ساکت و صامت کھڑا اپنے حریفوں کے ساتھ تہ خانے کا جائزہ لیتا
رہا۔

دہانے میں روئی ٹھنسی ہوئی ہونے کی وجہ سے اس کا منہ کھلا
ہوا تھا۔ سفید دانت الگ چمک رہے تھے۔ تبدیلی یہ آئی تھی کہ
روئی کے داہنے کناروں پر خون کی برتی ہوئی سرخی نمودار ہونے لگی
تھی۔ ڈک کی لات نے اس کے جبڑے اور دانتوں کو اندر سے ادھیڑ
ڈالا تھا۔

”تم ایسے مقام پر موجود ہو جہاں دور دور تک کوئی تمہاری
چیخیں نہیں سن سکے گا۔“ چند ثانیوں کے گمبھیر سکوت کے بعد میں
نے زبان کھولی ”تم سر ہلا کر ہاں یا نہ میں جواب دو کہ ہمارے
سوالات کے جواب دوگے؟“ اس کا سر اثبات پھر نفی میں ہلا۔

”اس کا مطلب ہے کہ تم مرنے کے لیے تیار ہو چکے ہو!“ میں
نے درشت لہجے میں کہا اور اس کا سر زور زور سے نفی میں ہلنے لگا۔
میں نے اس کی آنکھوں سے پڑھ لیا کہ وہ موت سے بہت زیادہ
ڈرنے والے لوگوں میں سے تھا۔

”تم اوپر جاؤ۔ روزی کو یہاں بھیج دو!“ میں نے ایک کرسی پر
بیٹھ کر مائیک کو ہدایت دی اور بے پروایانہ انداز میں سگریٹ
سلگانے میں مصروف ہوگیا۔ ڈک اپنا ریوالور سنبھالے نک کی کسی
بھی حرکت کا سدِباب کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

”چاہو تو تم بھی مسہری پر بیٹھ جاؤ۔“ میں نے سگریٹ کا دھواں
فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنے چرے ہوئے ہونٹوں کو مزید پھیلا پھیلا کر منہ
آگے بڑھایا۔ وہ یقینی طور پر زبان بندی کے عذاب سے نجات
حاصل کرنی چاہ رہا تھا۔ اس سفید روئی میں نظر آنے والی سرخی
دھیرے دھیرے مزید پھیلتی جارہی تھی۔

”ابھی بیٹھے رہو۔ روزی کے آنے تک کچھ نہیں ہوسکتا۔
تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت تم کن لوگوں کی تحویل میں
ہو اور وہ تم سے کیا چاہ سکتے ہیں۔“ میں نے اس کی التجا مسترد
کردی۔

نک مسہری کے سرے پر ٹک چکا تھا۔ ڈک میرے قریب آگیا
اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا ”چیف! یہاں ونچ موجود ہے۔ اس کے
ساتھ پھانسی کا پھندا بھی ہے۔ اس کے ہاتھ پیر باندھ کر گلے میں وہ
پھندا لگاؤ اور منہ سے روئی نکال دو۔ یہ ذرا بھی گڑبڑ کرے گا تو ونچ
دبا کر اسے سولی پر ٹانگ دیں گے۔“

میں نے تحسین آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا لیکن وہ
پتا نہیں کدھر دیکھ رہا تھا۔

”یس چیف! تم بتاؤ۔ میں تمہاری ہی طرف متوجہ ہوں۔“
میرے چہرے پر الجھن کے آثار دیکھ کر وہ میری پریشانی بھانپ گیا
اور خود ہی بول پڑا۔

”سولی سسٹم تیار کرکے دکھاؤ پھر کوئی فیصلہ ہوگا۔“ میں نے
مسکرا کے کہا۔

اپنا ریوالور میرے حوالے کرکے وہ دیوار کی جڑ میں نصب
ایک مشین کی طرف گیا۔ چند منٹ بعد وہ وہاں سے لوٹا تو اس کے
ایک ہاتھ میں نائیلون کی مضبوط ڈوری کا پھندا تھا جس کا دوسرا سرا
مشین میں سے نکلتا چلا آرہا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں ایک ڈبا تھا۔

”یہ ونچ کا ریموٹ کنٹرول ہے۔ بس تین بٹن ہیں۔ اسٹارٹ‘

نی اسٹاپ پر معلق اور ریورس پر لاش زمین پر آجاتی ہے۔"
مجھے ڈرا کر اس نے کہا۔
ہم دونوں کی ساری گفتگو دھیمی آواز میں ہو رہی تھی لیکن تہ
نے کی محدود فضا میں گونج کے باعث آوازیں تک موڈلے کے
وں تک بھی پہنچ رہی تھیں۔ وہ سخت اضطراب کے عالم میں
ی کے سرے پر بیٹھا بار بار پہلو بدل رہا تھا۔
ڈک مشین سے آئے ہوئے پھندے کو سیڑھی پر تختہ کر چھت
لگے ہوئے آہنی ہک میں سے گزار رہا تھا کہ ویرا گھٹ گھٹ

کر لی تہ خانے میں آ پہنچی۔ اس پر نظر پڑتے ہی تک موڈلے
سراسیمہ ہو کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس کی پھٹی ہوئی آنکھوں
میں عجیب سی دہشت سمٹ آئی تھی۔
"ہائے گل!" ویرا نے تلخ اور استہزائیہ لہجے میں کہا "آج تم
کسی ماؤس کی طرح پنجرے میں آ ہی گئے ہو۔ افسوس کہ تمہارے سر
کی کوئی قیمت مقرر کی گئی ہے نہ تمہاری گرفتاری پر کوئی انعام مقرر
ہے۔ اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے تم مارے گئے تو تمہاری لاش
دریائے ہڈسن کی مچھلیوں کی خوراک ہی بنے گی۔"

زندگی زدگاں کے لیے ایک زمانہ گزیدہ کی خوں رنگ سرگزشت

"تمک! یہ ہمارا تعارف ہے!" میں نے اسے پہلی مرتبہ اردو میں مخاطب کیا۔ سلطان شاہ مجھے بتا چکا تھا کہ وہ اردو بہت اچھی طرح سمجھ لیتا ہے مگر اردو اپنے ہی لب و لہجے میں بولتا ہے۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تمہیں یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ تم کن لوگوں کے قیدی ہو۔ اب تم تیزی اور آسانی سے اپنے فیصلے کر سکو گے۔"

"تم پاکستان میں ہمارے سایوں تک بھی نہیں پہنچ سکے۔ یہاں ہم نے تمہاری گردن میں پھندا ڈال دیا ہے۔" ویرا اردو میں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے لگی "جواب دو یا مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

ڈک مشینی سولی کا پھندا آہنی کنڈے میں سے گزار کر کافی رسی فرش پر ڈھیر کیے ویرا کی بات مکمل ہونے کا منتظر تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا "چیف! ٹرائی کر لو!"

اس کی آواز سن کر ویرا نے اس کی طرف دیکھا اور پھر دیکھتی ہی رہ گئی۔

"گڈ ایوننگ مس!" ڈک نے خلیقانہ آواز میں ویرا کو انگریزی سلام کیا۔

ویرا نے ہڑبڑا کر اسے یوں جواب دیا جیسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ ڈک نے مس کا لفظ استعمال نہ کیا ہوتا تو وہ یہی سمجھتی کہ ڈک کسی اور سے مخاطب تھا۔

میں نے ڈبیا کا اسٹارٹ کا بٹن دبایا۔ رسی شڑاشڑ کی تیز آوازوں کے ساتھ برقی چرخی میں لپٹنے لگی۔ پھندا فضا میں بلند ہونے سے پہلے میں نے اسٹاپ کا بٹن دبایا۔ رسی تھم گئی۔ میں نے دوبارہ اسٹارٹ کا بٹن دبایا اور پھندے سمیت پوری رسی کنڈے سے گزر کر چرخی میں غائب ہو گئی۔

تمک موڈلے پھٹی پھٹی نگاہوں سے وہ روح فرسا کھیل دیکھ رہا تھا۔

ڈک نے دوبارہ پھندا نکال کر سقف گیر آہنی کنڈے میں سے گزارا اور سولی کو زمین سے چند فٹ اوپر لہراتا چھوڑ دیا۔ رسّی کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ نئی نہیں تھی۔ اس قسم کے خون آشام معاملات میں بارہا استعمال ہو چکی تھی۔ ڈک نے کام پورا ہونے کے بعد سیڑھی ہٹا دی۔

ویرا پر نگاہ پڑنے کے ساتھ ہی تمک موڈلے کی حالت حقیر ہونے لگی تھی۔ اس کی اکڑفوں رخصت ہو چکی تھی اور چہرے کی سرخ و سفید رنگت میں زردی سی حلول کر چکی تھی۔ ڈک مجھ سے اپنا ریوالور واپس لے کر اس کے قریب پہنچا تو وہ سہما ہوا تھا۔

ڈک نے یکایک نیچے جھک کر بائیں ہاتھ سے اس کی ٹانگیں پکڑ کر اسے بستر پر الٹا اور فوراً ہی ریوالور تان کر غرایا "لیٹو۔۔۔ بے دست و پا ہونے کے بعد تمہارا دہانہ آزاد ہو سکے گا۔" اس نے جھک کر ریوالور کی سرد آہنی نال اس کی پیشانی پر ٹکا دی "یہ یاد رکھنا کہ زبان کو غلط استعمال کیا تو اسی لمحے تم سولی پر لٹک جاؤ گے۔ سولی کی موت بہت دردناک ہوتی ہے۔"

تمک کے پاس کوئی راہِ فرار نہیں تھی۔ اس نے اپنے پیر مسہری پر اٹھا کر یک جا کر دیے اور ڈک اس کے دونوں پیروں کو ایسی ڈھیلی بندشوں میں باندھنے میں مصروف ہو گیا کہ وہ بھاگنے یا تیز چلنے کے قابل نہ رہے لیکن اپنے قدموں پر کھڑا ہو سکے۔

اس کام سے فارغ ہو کر ڈک نے سہارا دے کر اسے کھڑا کیا اور پھر کشاں کشاں اسے چھت میں لگے ہوئے آہنی کنڈے کے نیچے لے آیا۔

تہ خانے کی چھت بارہ فٹ کے لگ بھگ اونچی تھی۔ تمک موڈلے کا قد سوا چھ فٹ کے قریب تھا۔ ڈک نے پھندا اس کے گلے میں ڈالا تو رسّی خاصی دراز تھی۔ میں نے اسٹارٹ اور اسٹاپ کے بٹن بہت احتیاط سے استعمال کر کے فاضل رسّی برقی چرخی میں لپیٹ دی۔ پھندا تمک کی گردن پر قدرے تنگ ہو گیا۔ رسی پر بھی ہلکا سا تناؤ آ گیا تھا۔

سب کچھ تیار تھا۔ میرے ایما پر ڈک نے تمک موڈلے کے دہانے سے روئی کے ٹکڑے کھینچنے شروع کر دیے۔ ان میں سے بیشتر خون میں تر تھے۔

روئی کے آخری ٹکڑے تمک موڈلے نے خود ہی تھوک دیے۔ وہ کافی دیر تک منہ میں زبان گھما گھما کر اپنا دہانہ صاف کرتا اور خون تھوکتا رہا۔ وہ اپنی کشیدہ قامت کے ساتھ بالکل سیدھا کھڑا ہوا تھا۔ گردن میں پڑی ہوئی رسّی بائیں رخسار سے چھوتی ہوئی اوپر جا رہی تھی۔

میں نے ڈک کو واپس بلا لیا اور خود تمک موڈلے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کا داہنا جبڑا سوجا ہوا تھا۔ وہ اس وقت تک کوشش کے باوجود بولنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے حلق کی ساری رطوبتیں روئی نے چوس لی تھیں۔ رہا سہا لعاب اس نے خود تھوک دیا تھا۔

تمک نے اپنے منہ میں جمع ہونے والے کچھ پھوسڑے فرش پر تھوکے۔

"حرام زادے! میں گولی مار دوں گا۔" اچانک تہ خانے کی فضا ڈک کی غضب ناک آواز سے دہل اٹھی۔

میں تیزی سے پلٹا اور اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔ وہ ریوالور کی نال میری طرف اٹھائے قہربار نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔

ویرا نے میرے بشرے کی کیفیت سے فوراً ہی غیر متوقع خطرے کی سنگینی بھانپ لی۔ اس نے اپنی جگہ سے جست لگائی اور ڈک کو گرا کر تہ خانے کے فرش پر دور تک رگیدتی چلی گئی۔ اس ناگہانی حملے میں ریوالور ڈک کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ حیرت کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

تھا۔ بدری کے لندن پہنچتے ہی اس کی نگرانی شروع ہوگئی تھی۔ رمیش اس کی راہ کی رکاوٹ تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی راہ کا یہ کانٹا جلد ہی نکل جائے گا۔ پہلی واردات کے خطرات اور پریشانی کے بعد فی الحال حالات ہمارے حق میں تھے۔ ویرا نے رمیش کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ وہ واپس لوٹی تو اول خان سے ملنے والی یہ اطلاع اس کی منتظر تھی کہ پاکستان میں سلطان شاہ کو اغوا کرلیا گیا۔ غزالہ اس لیے بچ گئی کہ وہ اول خان کے گھر تھی۔ ہم متفق تھے کہ یہ کام آنرک نیل کا ہے۔ آنرک نیل سے براہِ راست بات ہوئی تو اس کی تصدیق ہوگئی۔ اس کی معلومات کے مطابق میں پاکستان میں ہی تھا۔ اس نے مجھے ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کرنے کی پیش کش کی۔ مغوی سلطان شاہ کو لاشوں کے ساتھ تابوت میں بند کرکے امریکا پہنچانا تھا۔ میں نے اول خان کو صورتِ حال بتادی مگر وہ بدقسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی بحریہ کا سی ون تھرٹی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے سی ون تھرٹی اغوا کرلیا۔ میں نے دوبارہ آنرک نیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کرکے میں نے آنرک نیل سے طویل گفت و شنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں انقرہ کے ایک اسپتال میں پہنچادیا گیا۔ امریکا کے سفر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ نادانستگی میں منشیات فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں ویرا ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور آنرک نیل ہماری آمد سے آگاہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آنرک نیل کے آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آنرک نیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی ’اطمینان سے اپنا کام کر آئی۔ اس کے بیان کے مطابق آنرک نیل رنگس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو اپنی ایک پرانی سہیلی جینی بھی نظر آگئی۔ آنرک نیل نے بلیک ڈیڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ جینی نے آنرک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کردی۔ آنرک نیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر ناکارہ ہوچکا ہے۔ اس کی مرمّت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ ذمے داری رنگس کمپنی کی تھی۔ جینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جانا تھا۔ گڑبڑ کا امکان غالباً وہیں تھا۔ میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جینی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوادی تھی تاکہ وہ اسے ڈی کوڈ کراسکے۔ جینی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آنرک نیل آگ بگولا تھا۔ میں نے آنرک نیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش ... کی جسے میں نے مسترد کردیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کرلی تھی لیکن وہ بلیک ڈیڈ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مطمئن کرنے کے بعد ہم منصوبے کے مطابق پرنسٹن روانہ ہوگئے۔ یہاں میں نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں گڑبڑ سے باز رکھا۔ اسے ہلاک کرنے کے بعد میں نے اسے اس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرچکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے پر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے ’آنرک نیل‘ راس المیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان ’ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آنرک نیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنادی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائرایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور نک موڈلے امریکا روانہ ہورہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایما پر میں نے آنرک نیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کرکے آنرک نیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کررہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر منتقل ہوگئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آنرک نیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کرلے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کررہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔ زخمی آنرک نیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا تاہم ابھی یہ بات تصدیق طلب تھی کہ حملہ میں نے کیا ہے یا کرمانی نے۔ میں نے حالات کا اندازہ کرکے گیپ نامی معاہدہ ایک پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوادیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو نمایاں مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اسے کرمانی کی تلاش میں نیویارک بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کی طرف مبذول ہوگئی۔ بلیک ڈیڈ نے میری مدد کی اور چار اہم افراد کے نام فراہم کردیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر مجھے دے دیا جو اسے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نے بنجمن نورٹ نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کرکے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ بنجمن سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جینی کے کمپیوٹر ریکارڈز سے جارج شلز نامی ایک ڈیوڈ اسٹار کا پتا اور فون نمبر معلوم کرلیا۔ بلیک ڈیڈ سے تبادلۂ خیال ہوا تو اس کی تجویز پر جارج شلز کو دو داؤدی ستاروں میں طاقت ور مائیکروفون چھپا کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ مائیکروفون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورتِ حال پر گفتگو کرنے کے لیے بنجمن فورٹ کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیڈ نے ان چاروں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بنایا۔ ہم جارج شلز کو اغوا کرکے ایک ایمبولینس میں ڈال کر بنجمن کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارز اپنے محافظوں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مر کر بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ کسی بٹن کے دبنے کے باعث ہماری ہی ایمبولینس کا سائرن بجا تھا۔ خون ریز مقابلے کے بعد چاروں ڈیوڈ اسٹارز مارے گئے۔ میری بدری ناتھ سے بات ہوئی تو اس نے حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے بلادھڑک مجھ پر ڈبل ہونے کا الزام لگادیا۔ اس کے منحرف ہونے کے بعد امریکا میں مزید قیام خطرناک تھا اس لیے بلیک ڈیڈ سے کہہ کر ہم نے واپسی کے انتظامات کرلیے تھے۔ اب صرف نک موڈلے سے حساب بے باق کرنا تھا جو ان دنوں امریکا میں تھا۔ بلیک ڈیڈ نے میرے ایما پر اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اغوا کروالیا۔ میں ابھی اس پر تشدد ہی کررہا تھا کہ بلیک ڈیڈ کے ایک آدمی نے مجھ پر ریوالور تان لیا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

وہ سب اس قدر تیزی کے ساتھ رونما ہوا کہ بس ہوتا ہی چلا گیا۔ ہم میں سے کسی کو لمحہ بھر کے لیے بھی سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں مل سکی۔

ویرا نے اپنی عقابی جست کے نتیجے میں ڈک کو غیر مسلح کردیا تھا اور وہ ویرا کے سُبک وجود کے نیچے ننگے فرش پر گھسٹتے ہوئے اپنی بے ساختہ غراہٹوں پر قابو نہیں پاسکا تھا۔ ہماری اس باہمی آویزش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نک موڈلے نے چیخنے کی کوشش کی لیکن یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ اس وقت تک اس کے دہانے میں قدرتی رطوبتوں کا نظام نارمل نہیں ہوسکا تھا۔ میں نے اس کی پھیلتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس کا دہانہ کھلتا دیکھا مگر اس کے خشک حلق سے کوئی قابلِ ذکر آواز برآمد نہیں ہوسکی۔

آواز نکلی یا نہیں نکلی‘ وہ ایک ضمنی مسئلہ تھا۔ میرے نزدیک اہمیت اس بات کی تھی کہ نک موڈلے نے ہدایت کی خلاف ورزی کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ میں نے بے ساختہ اس کے منہ پر

الٹے ہاتھ کا تھپڑ رسید کیا۔ تہ خانے کی محدود فضا چٹاخ کی پُر زور آواز سے گونج اٹھی اور اس بار نک موڈلے کے دہانے کے ایک سرے سے خون کی پتلی سی دھار بہہ نکلی۔

اس غیر متوقع ضرب کی شدت سے اس کی آنکھوں میں نمی اُبھر آئی تھی۔ شاید اسے امید تھی کہ میں بھی ویرا اور ڈک کی دھینگا مشتی میں شامل ہو کر اسے فراموش کر بیٹھوں گا۔ اپنے سر پر میرے تسلط کا ایک واضح ثبوت مل جانے کے بعد اس نے دوبارہ گلا پھاڑنے کی کوشش نہیں کی۔

دوسری طرف میں ویرا کے نیچے دبے ہوئے ڈک کی جھلائی ہوئی آواز سن چکا تھا "مس! یہ تم کیا حماقت کر رہی ہو؟ میرا سر توڑنے کی کوشش مت کرو۔"

ڈک کی آواز میں کچھ ایسا سحر آمیز اعتماد تھا کہ ویرا نے اس کا چہرہ فرش پر دے مارنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس وقت ڈک فرش پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ ویرا نے اس کی پشت پر سوار ہو کر بالوں کے سہارے اس کا چہرہ فرش سے کئی انچ اوپر اٹھایا ہوا تھا۔

"تم.... تم نے اسلم کو گالی دی.... اسے گولی مارنے کی دھمکی دے رہے تھے؟" ویرا نے ہانپتے ہوئے غصیلی آواز میں غرا کر پوچھا۔

"اگر تمہاری عقل اتنی ہی موٹی ہے تو پھر میرا چہرہ ضرور مسخ کر دو تاکہ میری آنکھوں کا بھینگا پن بھی مسخ ہو جائے۔ میں اپنے چیف سے اس لب و لہجے میں بات کر سکتا تھا؟" وہ بھنا کر بولا۔

مجھے اس کی بات پر یقین کرنا پڑا۔ شاید وہ کسی اور سمت میں دیکھ رہا تھا۔ اس کے بھینگے پن کی وجہ سے مجھے شبہ ہوا کہ وہ مجھ سے مخاطب تھا اور ویرا میری نظروں میں تشویش کی لہر دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑی۔ وہ سب کچھ بجا تھا لیکن اس کے ریوالور کی نال بھی میری طرف اٹھی ہوئی تھی۔ وہ خیال ایک برقی کوندے کی طرح میرے ذہن میں لپک کر گزر گیا۔ مجھے مائیک کی باتیں یاد آ گئیں۔ اس نے بلیک ڈیڈ کے جمع کیے ہوئے انسانی عجائبات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ڈک کے پستول یا ریوالور کی نال اس کی نگاہوں کی طرح ہمیشہ ٹیڑھی اٹھتی ہے لیکن اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔

ڈک کا جواب سن کر ویرا کی متذبذب نگاہیں میری طرف اٹھیں اور میں نے کسی توقف کے بغیر اسے ڈک کو چھوڑنے کا حکم دے ڈالا۔ ویرا فوراً اس کی پشت سے اتر گئی۔

"مجھے خوشی ہے کہ مس لڑنے مرنے والی ایک بے خوف لڑکی ہے۔" ڈک فرش سے اٹھتے ہوئے، بُرا سا منہ بنا کر تلخ لہجے میں بولا "مگر اس بات کا دکھ ہے کہ اس نے اپنے عملی تعارف کے لیے دشمن کے بجائے میرا انتخاب کیا۔" خود کلامی کے انداز میں بولتے بولتے وہ گھوما۔ اس بار بھی واضح نہیں ہو سکا کہ وہ مجھے دیکھ رہا تھا یا میرے برابر میں سولی میں پھنسے ہوئے نک موڈلے کی طرف متوجہ تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "اس حرام زادے نے تمہارے اوپر تھوکا تھا۔

اس پر مجھے اچانک غصہ آ گیا تھا اور اس دلیر مس نے بلاوجہ مجھے رگید ڈالا۔"

فرش سے اپنا ریوالور اٹھاتے ہوئے وہ غیر ارادی سے انداز میں اپنی گردن سہلا رہا تھا۔

"سوری ڈک!" ویرا نے فراخ دلی سے معذرت کی "میں اپنی غلط فہمی پر شرمندہ ہوں۔"

"دشمن سولی کے پھندے میں بالکل محفوظ ہے۔ ایسی کسی دوسری غلط فہمی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ سب لوگ ایک دوسرے سے دور اور الگ الگ رہیں تاکہ ہر ایک کو یہ معلوم ہوتا رہے کہ میں کس سے مخاطب ہوں اور کون میرے نشانے پر ہے۔" ڈک نے بدمزگی سے کہا۔

اس کی وہ شرط معقول تھی۔ میں نک موڈلے سے کئی قدم دور ہٹ گیا۔

"تت.... تم لوگ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" نک موڈلے نے انگریزی میں پوچھا۔ اس کی آواز پھنسی پھنسی اور خوف زدہ سی تھی۔

"یہ لڑکی تمہارے لیے اجنبی نہیں ہونی چاہیے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا "اسے پہچان لینے کے بعد تمہیں ہمارے عزائم اور مقاصد کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں رہنی چاہیے۔" اسے میں نے اردو میں جواب دیا تھا۔ اپنی بات پوری کرکے میں نے اسے تاکید کی "اب تم اردو ہی بولو گے' سنا ہے کہ تم نے ہماری زبان بولنے اور سمجھنے میں خاصی مہارت حاصل کی ہوئی ہے۔"

پھانسی کی قدرے تنی ہوئی رسی کی وجہ سے اس کی گردن بالکل سیدھی تھی اور چہرہ کچھ اوپر اٹھا ہوا تھا۔ اس نے نظریں گھما کر خوف زدہ انداز میں ہم تینوں کا جائزہ لیا پھر توقف کے بعد بولا۔

"موجے کئی بار ٹم ڈونوں کا کھایال آیا ٹھا۔ نیویارک میں کھون کھرابے کا سبب اب سمج میں آرہاہائے۔"

اپنے بگڑے ہوئے تلفظ کے ساتھ اس نے شستہ اردو بول کر اپنی ذہنی شکست تسلیم کر لی تھی۔ میں نے پوچھا "تم نے اپنے اس خیال سے یہاں اور کس کس کو آگاہ کیا ہوا ہے۔"

"امریکا میں تمہاری موجودگی کا کوئی ثبوت میرے سامنے نہیں تھا۔" اس نے اپنے خراب اردو تلفظ میں جواب دیا "میں کسی ثبوت کے بغیر زبان نہیں کھول سکتا تھا کیونکہ سرکاری حلقوں میں کچھ دوسری ہی کہانیاں گردش کر رہی تھیں۔ شاید عباس کرمانی بھی تمہارے ہی کسی بہروپ کا نام رہا ہوگا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے مار دو گے مگر جب تک میں زندہ ہوں' مجھے ذرا سی سہولت فراہم کر دو۔ یہ رسی بہت تنگ ہے' اسے ذرا سا ڈھیلا کر دو۔ میں دیکھ چکا ہوں کہ تم لحہ بھر میں مجھے پھانسی پر ٹانگ سکتے ہو۔"

برقی چرخی کا کنٹرول اس وقت ویرا کے ہاتھ میں تھا۔ میرے اشارے پر اس نے رسی کو ڈھیلا کر دیا۔ نک موڈلے اپنے قدموں پر

سیدھا کھڑا ہونے کے قابل ہوگیا۔

تہ خانے کی فضا میں اس کے گہرے گہرے سانسوں کی آواز گونجنے لگی۔ میں نے اس پر اعصابی دباؤ برقرار رکھنے کے لیے سکون سے سگریٹ سلگائی پھر کہا "ہمیں تم کو مارنا ہوتا تو تمہیں لاد کر یہاں لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ تمہارے جسم میں اترنے والا سیال زہریلا بھی ہوسکتا تھا۔ تم جہاں بھی تھے، وہیں گرتے اور ایک لاوارث کتے کی طرح مرجاتے۔ ہمیں کسی اٹھا پٹخ کی ضرورت نہیں تھی۔"

"میرے لیے یہ اطلاع حیران کن بلکہ ناقابلِ یقین ہے کہ تم مجھے زندہ رکھنا چاہتے ہو۔" اس نے کسی طنز کے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا "ابھی تک صرف آئزک بیل تمہارے قاتلانہ وار سے بچ سکا ہے ورنہ تم نے پورے نیویارک کو خون میں نہلایا ہوا ہے پھر مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہو رہے ہو۔"

"ہم بھیڑیوں اور درندوں کو چن چن کر مار رہے ہیں۔ ہمیں نیویارک کو خون کا غسل دینا ہوتا تو تمہارے ساتھ تمہارے ہوٹل کی پُرشکوہ عمارت راکھ اور ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کی جاسکتی تھی۔ ہمیں نیویارک والوں یا عام امریکیوں سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ ہمارے لیے تم بھی ایک عام امریکی ہو، اپنے فرائض اور منصب کی ذمّے داریوں کی وجہ سے ہمارے خلاف سازشیں کررہے تھے۔"

"سودے بازی!" ان الفاظ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں پہلی بار ایک ہلکی سی چمک لہراگئی۔

میں اپنی جگہ منجمد کھڑا رہا۔ میری خواہش تھی کہ وہ اپنے اس قیاس کی خود ہی کوئی وضاحت کرے تاکہ میں اس کے ذہن کو پڑھ کر اپنی راہ کا تعین کرسکوں۔

"تم مجھے واپس بھیج دو گے تاکہ میں اپنی جگہ رہ کر تمہارے لیے کام کروں اور اپنے لوگوں کو ڈبل کراس کروں؟" میری خاموشی پر وہ مضطرب ہو کر بولنے پر مجبور ہوگیا۔ بولنا اس کی مجبوری تھی کیونکہ ہمارے سامنے بے دست و پا ہونے کے بعد وہ بہت کمزور پوزیشن میں تھا۔

"ایسا کرسکو تو یہ میرے لیے سب سے بہتر ہوگا ورنہ چند سوالات کے جواب دے کر بھی تم اپنی جان بچاسکتے ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک سفارتی اہل کار کو ختم کرکے میں یہاں سے اپنی واپسی کی راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی کرلوں۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لگا کر کہا۔

اس بار وہ دہشت زدہ اور ہذیانی انداز میں شاید ہنسا اور پھر بولا۔ "دیرا آتے ہی مجھے میرے انجام کے بارے میں بتا چکی ہے۔ دریائے ہڈسن کی مچھلیوں کی خوراک بنانے سے پہلے تم میرا ذہن نچوڑ لینا چاہتے ہو۔ اب تک کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکی ہے کہ تم دونوں امریکا میں موجود ہو۔ آئزک بیل مسلسل تمہارا نام لے رہا ہے مگر سی آئی اے اور ایف بی آئی کے بڑے دماغ اسے جھوٹا قرار دے رہے ہیں۔ میں شاید پہلا سرکاری آدمی ہوں جو تم سے مل رہا ہوں۔ اپنی یہاں موجودگی کے ایسے اکلوتے گواہ کو تم زندہ لوٹنے دو گے۔ یہ بات احمقانہ ہے۔ میں تمہارے اس فریب میں نہیں آسکتا۔"

"تم پہلے نہیں، دوسرے سرکاری آدمی ہو۔" میں نے بھرپور سنجیدگی سے کہا "ہم بدری ناتھ کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے تھے اور آخر کار اسے چھاپ لیا تھا۔ اب وہ ہمارے لیے کام کررہا ہے۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہوگا کہ اس نے اپنے افسرانِ بالا کو اپنی صلاحیتوں سے اس قدر متحیر کردیا ہے کہ وہ راتوں رات ایک معمولی غیرملکی ٹرینی سے سی آئی اے کا اہم افسر بن چکا ہے....."

"اوہ!" اس کے ہونٹ تحیرزدہ انداز میں پھیل گئے "وہ خنزیر کا بچہ تمہارا انفارمر بن چکا ہے اور تمہاری من گھڑت کہانیاں اعلیٰ حلقوں میں پھیلا کر سب کو گمراہ کررہا ہے۔ اب میں سمجھا کہ یہاں کیا ہورہا ہے..... مجھے اس پر پہلے ہی شبہ تھا۔ کراچی میں، میں نے اسے بہت بُری طرح رگیدا ہوا تھا۔ وہاں اس نے اپنی حماقتوں سے بہت کچھ برباد کرادیا تھا۔ شاید اسی کینہ پرور شخص نے اپنا بدلہ لینے کے لیے تمہیں میری راہ پر ڈالا ہے۔ اب میں اپنے انجام کو زیادہ بہتر طور پر دیکھ رہا ہوں۔ تم مجھے کوئی فریب نہیں دے سکو گے۔"

"ہمارے لیے بدری ناتھ کی خواہشات کی تکمیل سے زیادہ اہمیت ہماری رازدارانہ واپسی کی ہے۔ اس پر کوئی سمجھوتا نہیں ہوسکتا۔ تم چند سوالات کے جواب دے دو۔ ہم جلد از جلد یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"تمہیں یہ یقین رہے گا کہ میں تمہاری قید سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد تمہاری واپسی کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوئی کوشش نہیں کروں گا؟" اس بار اس کے خون آلود دہانے سے برآمد ہونے والے فقرے سراسر استہزائیہ تھے۔ بہترین صورتِ حال

سے دوچار ہونے کے باوجود اس کا ذہن کام کر رہا تھا۔

"ہماری واپسی تک تمہیں ہماری یا ہمارے ساتھیوں کی تحویل میں رہنا ہوگا۔"

"کیا تم دریائے ہڈسن میں پائی جانے والی مچھلیوں کو اپنا ساتھی قرار دے رہے ہو؟"

"تم احمق ہو۔" میں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا "یہ مقامی بھینگا تمہارے سامنے ہے۔"

نک موڈلے کی نگاہیں ڈک کے چہرے پر جم گئیں اور پھر اس کی ذہنی رو اسی کی طرف بھٹک گئی "یہ تمہارا بہت خطرناک اور مہلک ہتھیار ہے۔ اس کی آنکھوں کے غیر معمولی عیب کی وجہ سے میں نے ہوٹل میں اپنے قریب اس کی موجودگی محسوس کی تھی۔ مجھے شبہ تک نہیں ہوسکا تھا کہ یہ باسٹرڈ میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ یہ یقیناً یہاں کے کسی جرائم پیشہ گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔"

"تم دریائے ہڈسن کی مچھلیوں کو بھول جاؤ۔ سرکشی کی صورت میں وہ تمہارا انجام ضرور ثابت ہوسکتی ہیں مگر میں تمہیں اس صورتِ حال سے بچا کر ایک انسان کی طرح انسانوں ہی میں رکھنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے تمہارے ایک لفظ پر بھی یقین نہیں ہے پھر بھی تم سوال کرو۔ میں نے مناسب سمجھا تو جواب دے دوں گا۔ تم جیسے لوگوں کے فیصلے اٹل اور سوچے سمجھے ہوتے ہیں۔ مشروط فیصلوں پر انحصار کرنے والے زیادہ دیر تک اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب نہیں ہوتے۔"

"کراچی کے قونصل خانے میں تم اپنی ذمے داریاں کس کو سونپ کر آئے ہو؟"

"کسی کو نہیں۔" اس نے کسی تذبذب کے بغیر جواب دیا۔ "اس کی ضرورت نہیں تھی۔"

"تم کراچی سے کس مشن پر امریکا آئے ہو؟" میں نے اس سے اگلا سوال کیا۔

"مجھے نظرانداز کرکے سازشیں کرنے والے آئزک نیل کی تحقیر کا نظارہ کرنے!"

"اپنی ذاتی خواہش کی تکمیل کے لیے تمہیں چھٹی پر آنا چاہیے تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"پاکستان میں کام کرنے والے بیشتر سفارت کاروں کو جلد ہی طویل چھٹی پر واپس امریکا لایا جارہا ہے۔ مجھے اس بارے میں یہاں کچھ بات چیت کرنی تھی....."

"پاکستان سے امریکی سفارت کاروں کی واپسی!" میں نے حیرت سے دہرایا "ابھی تک ایسی کوئی اطلاع منظرِ عام پر نہیں آئی۔ کیا تم لوگ وہاں کوئی نیا کھیل شروع کرنے کا ارادہ کرچکے ہو؟"

"کھیل ہر وقت جاری رہتے ہیں، مہرے بدلتے رہتے ہیں۔ تمہارا ملک ویسے بھی امریکیوں کے لیے سخت غیر محفوظ تصور کیا جانے لگا ہے۔ ہر بڑے سیاسی نعرے کی بنیاد امریکا سے نفرت پر رکھی جاتی ہے۔ کشمیر اور افغانستان میں لڑنے والے انتہا پسند مسلمانوں کے عالمی جتھے بھی امریکیوں کی گھات میں لگے رہتے ہیں۔ بڑھتے ہوئے ان خطرات کی وجہ سے سفارتی عملے کی تعداد خاموشی سے گھٹانے کا فیصلہ ہوچکا ہے۔"

بظاہر میرا وہ سوال سیدھا سادہ اور بے ضرر تھا۔ نک موڈلے نے بھی کسی تردّد کے بغیر اس کا جواب دے ڈالا تھا مگر میں اس کے الفاظ میں جان و مال سے ٹوٹ کر پیار کرنے والے امریکیوں کی ہزیمت اور پسپائی کی کہانی چھپی ہوئی محسوس کر رہا تھا۔

"پاکستان میں تمہارے لیے کتنے مقامی انفارمر کام کر رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

زخم خوردہ اور بے دست و پا ہونے کے باوجود اس کے خون آلود ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ عود کر آئی "یہ اعداد و شمار تمہیں اپنی آئینی اور غیر آئینی ایجنسیوں کے ریکارڈ سے مل سکتے ہیں۔ تمہارے بااثر لوگوں کی اتنی بڑی تعداد ہمارے کام آنے کی خواہش مند رہنے لگی ہے کہ ہم نے انفرادی حوصلہ افزائی کی پالیسی ترک کردی ہے۔ ایسے ہر شخص کو اپنی اولادوں یا رشتے داروں کے لیے امریکا میں تعلیم اور ملازمت کے لیے ویزا اور گرین کارڈ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب وہاں ہم این جی اوز سے کام لے رہے ہیں۔ کوئی ماحولیاتی تحفظ کے لیے بکری کی مینگنیوں پر ریسرچ کی تجویز لے کر آتا ہے تو ہم دل کھول کر اسے فنڈز فراہم کرتے ہیں۔ یہ سرمایہ کاری اپنا رنگ جما رہی ہے۔ حیرت ہے کہ تم ایسے معمولی سوال کرکے اپنا اور میرا وقت برباد کر رہے ہو۔ یہ باتیں پاکستان میں سب کو معلوم ہیں۔ پتا نہیں تم کیوں اتنے بے خبر ہو۔"

نک موڈلے درست ہی کہہ رہا تھا۔ پاکستان میں وہ ساری باتیں ایک کھلے راز کی طرح سینہ بہ سینہ سفر کرتی رہتی تھیں۔ مالی وسائل میں سے ہر حق دار کو باقاعدگی سے اس کا حصہ ملنے کی وجہ سے اندر کی کہانیاں منظرِ عام پر نہیں آتی تھیں۔ اسی کے ساتھ ملک سے ذہن اور سرمائے کے فرار کا رجحان بھی تیزی سے بڑھتا جارہا تھا جسے لوگ سیاسی حکمرانوں کی ناکامی قرار دیتے تھے۔

سیاست سے مجھے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ حکومت چلانے کے لیے بہرطور کسی نہ کسی کو برسرِاقتدار ہونا ہی پڑتا ہے۔ اس حمام میں کم و بیش سب ہی ایک جیسے تھے۔ کون آتا ہے اور کون جاتا ہے، اس مسئلے سے مجھے کبھی کوئی غرض نہیں رہی تھی۔ نہ میں نے کبھی اول خان کی زبان سے اس قسم کی باتیں سنی تھیں۔ ہم سب کے لیے صرف ملک ہی سب کچھ تھا۔ ملک پھلتا پھولتا ہے اور مضبوط ہوتا ہے تو ہم بھی خوش حال اور پُروقار ہوتے چلے جاتے ہیں ورنہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

نک موڈلے اس وقت جو کچھ کہہ رہا تھا، اس کے ڈانڈے ...ت سے ہی ملتے تھے۔ یہ ایک المناک حقیقت تھی کہ جدید دور

میں ریاست اپنے طور پر ایک اکائی کی حیثیت سے کہیں بھی اپنا وجود منوانے میں کامیاب نہیں رہی تھی۔ اس کی شناخت کا سارا دارومدار وہاں کی سیاست پر رہ گیا تھا۔

"پاکستان چھوڑ کر آنے والوں میں تم بھی شامل ہو؟" ویرا کے سوال نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

"فی الحال مجھے واپس جانا ہے۔ اگر آج ڈینی نے اپنا وعدہ پورا کردیا تو پاکستان سے آنے والے آخری دستے میں میرا نام بھی شامل ہوگا ورنہ ہڈسن کی مچھلیاں...." تک نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے تم دریائی مچھلیوں کا ذکر کرکے بار بار ہمیں اپنے قتل پر اکسا رہے ہو۔" ویرا نے اس کے جواب پر تلخی سے کہا۔

"اور مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے تم دونوں میرے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہے ہو۔" اس نے بے چینی سے اپنے ایک پیر کا بوجھ دوسرے پر منتقل کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ کھیل اب ختم ہوجانا چاہیے۔" ویرا نے مجھے مشورہ دیا۔

"تمہاری کیا رائے ہے ڈک؟" میں نے انگریزی میں بھنگتے ڈک سے سوال کیا۔

"پتا نہیں تم تینوں کس سیارے کی زبان میں باتیں کرتے رہے ہو۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا "میں کسی ہونق کی طرح سب کچھ سننے کے باوجود ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکا۔" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر دوبارہ کہنے لگا "یہ آدمی سمجھ دار نظر آتا ہے۔ شاید ابھی تک تمہاری ہدایات پر عمل کرتا رہا ہے۔ اسے اعتماد میں لے کر تم کوئی بڑی کامیابی بھی حاصل کرسکتے ہو۔"

"یہ نہیں ہوسکے گا۔" تک موڈلے نے پوری بے خوفی سے دخل اندازی کی "ابھی تک میں نے صرف اس لیے تم لوگوں سے تعاون کیا کہ تم نے مجھ سے کوئی ٹیڑھا سوال نہیں کیا تھا۔ مجھے اپنی زندگی بہت عزیز ہے لیکن میں امریکا کے مفاد کے سامنے ہیچ تصور کرتا ہوں۔"

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ان کی کوئی بڑی کامیابی امریکا کے مفاد کے خلاف ہوگی؟" ڈک نے حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ دونوں امریکا کے مانے ہوئے دشمن ہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ بھول کر بھی امریکا کے لیے کوئی بھلی بات سوچیں گے۔" تک موڈلے نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا۔

"پھر مجبوری ہے۔" ڈک نے شانے اچکا کر بے پروائی سے کہا "تم دونوں اپنی مرضی کے مالک ہو۔ میں نے شکار کو پھندا لگادیا ہے۔ اس کے ساتھ جو چاہو کرسکتے ہو۔"

میں نے ویرا کو آنکھ مار کر اشارہ کیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں موجود ننھے سے کنٹرول یونٹ کا ایک بٹن دبا دیا۔ ہلکی سی آواز کے ساتھ برقی چرخی حرکت میں آئی اور ایک جھٹکے سے تک موڈلے کے قدم زمین سے اٹھ گئے۔

اس کے حلق سے خرخراہٹ کی بھیانک آوازیں بلند ہوئیں اور پھانسی کے پھندے سے لٹکا ہوا معلق جسم فضا میں بُری طرح تڑپنے لگا۔

اس بار رسی کا سرا خالی نہیں تھا لہٰذا چرخی پر رسی دھیرے دھیرے لپٹ رہی تھی پھر بھی ہمارے سنبھلنے سے پہلے سولی سے لٹکے ہوئے تک موڈلے کے بدن نے چھت تک کا فاصلہ طے کرلیا۔ اس کا سر اس آہنی کنڈے سے جالگا جس میں سے گزر کر رسی چرخی تک گئی ہوئی تھی۔ اگلے ہی لمحے برقی چرخی کی شہ زوری نے اپنا کام دکھایا' رسی تک موڈلے کی گردن کی جلد میں پیوست ہونے لگی۔ ہڈیاں ٹوٹنے کی لرزہ خیز آوازوں کے ساتھ مضبوط آہنی کنڈا تک موڈلے کی کھوپڑی میں پیوست ہوگیا۔

اس کا سر چھت سے جالگا تھا اور جسم بے جان ہوگیا تھا۔

"روکو' وینچ کو روکو۔" ڈک ایک دم چونک کر غرایا "اس کی گردن الگ ہوجائے گی۔"

ویرا کو بھی ہوش آگیا۔ اس نے بوکھلا کر ایک بٹن دبایا لیکن گھبراہٹ میں وہ شاید غلط بٹن دبا بیٹھی۔ چرخی اپنی جگہ رکنے کے بجائے تیزی سے الٹی گھومنے لگی اور تک موڈلے کی بگڑی ہوئی خون آلود لاش اپنے ہی وزن سے پُرشور آواز کے ساتھ فرش پر آگری۔

بے ساختہ میری نظریں چھت میں لگے ہوئے آہنی کنڈے کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ نہ صرف خون میں لتھڑا ہوا تھا بلکہ اس پر تک موڈلے کے کاسۂ سر سے برآمد ہونے والی کچھ آلائشیں بھی چپکی ہوئی تھیں۔

رسی ڈھیلی ہوتے ہی سب سے پہلے تک موڈلے کا پورا وجود قدموں کے بل فرش سے ٹکرایا تھا پھر لاش پشت کے بل فرش پر ڈھیر ہوگئی۔ اس کا چہرہ بہت بری طرح مسخ ہوچکا تھا۔ سب کیفیات وہی تھیں جو پھانسی کے بعد رونما ہوتی ہیں۔ بس ویرا کی نادانستہ غلطی کی وجہ سے لاش کی گردن اور سر پر غیر ضروری زخم آئے تھے جن سے خون جاری تھا۔

"مس! تم نے اپنے اناڑی پن سے ایک نفیس شخص کی لاش کو اتنا بگاڑ دیا ہے کہ اب اسے اٹھاتے ہوئے بھی گھن آئے گی۔" ڈک نے لاش کا جائزہ لینے کے بعد بلا تردد کہہ ڈالا۔

"بک بک مت کرو۔" ویرا اس پر آنکھیں نکال کر غرائی "میں تمہارا ابھی یہی حشر کرسکتی ہوں۔"

"جب عورتیں یوں سرِعام مردوں کو مارنے کی دھمکیاں دیتی پھریں تو سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا کا خاتمہ قریب آچکا ہے۔" وہ تفہیمی انداز میں سرہلاتے ہوئے بڑبڑایا "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔"

"آؤ! اوپر چل کر کچھ پیتے ہیں۔" میں نے ڈک کی پشت پر ہاتھ مار کر کہا اور ہم تینوں تک موڈلے کی لاش وہیں چھوڑ کر زینوں کی

طرف چل دیے۔
مائیک کو نک موڈلے کی آمد کی خبر سن کر خوشی ہوئی تھی کہ اسے بنجمن فورٹ پر حملے میں شرکت سے محرومی کے ازالے کا موقع مل جائے گا۔ جب اسے تہ خانے میں کہانی کے اختتام کا علم ہوا تو اس کا منہ لٹک گیا۔ اس نے نیم دلی سے ڈرائنگ روم میں ہمارے لیے مے نوشی کے لوازم لگا دیے۔
میں غسل خانے سے ہاتھ منہ دھو کر نکلا تو راستے ہی میں ویرا کی غصیلی آواز میرے کانوں میں آئی۔ وہ کہہ رہی تھی "تم بدمعاش اور ندیدے ہو۔ عورتوں کی بے خبری میں انہیں تاڑنا بہت بُری عادت ہے۔ شاید اسی وجہ سے تم اپنی آنکھوں کا یہ معمولی سا عیب دور نہیں کراتے۔"
میں اپنی رفتار بڑھا کر فوراً ہی ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔ معاملہ کچھ سنگین معلوم ہو رہا تھا۔
"مم.... میں سچ کہہ رہا ہوں۔" بھینگا ڈک مدافعانہ لہجے میں کہہ رہا تھا "میں نے دانستہ کچھ نہیں دیکھا جھکتے ہوئے تمہارے شانے کا تل بلاؤز کے نیچے خود بہ خود نمایاں ہو جاتا ہے۔"
بات فوراً واضح ہوگئی۔ ڈک نے یقیناً ویرا کے اس حسین تل کے بارے میں کوئی تبصرہ کر ڈالا تھا اور وہ بلاؤز کے نیچے پوشیدہ اس تل کے بارے میں ایک بھینگے مرد کی زبان سے تعریفی کلمات سن کر سیخ پا ہوگئی۔ اسے شبہ ہوا ہوگا کہ ڈک چپکے چپکے اسے دیکھتا رہتا ہے۔
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی اس جھگڑے کو نمٹانے کی نیت سے کہا "مگر مس روزی بھی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ایک معمولی سے آپریشن کے ذریعے تم اپنی آنکھوں کے نقص سے نجات حاصل کر کے شاندار شخصیت کے مالک بن سکتے ہو۔ اس کے بعد غلط فہمیاں پیدا ہوں گی' نہ کوئی تم پر الزام تراشی کر سکے گا۔"
ڈک ایک گہرا سانس لے کر بولا "میں بھی یہی سب سوچتا ہوں مگر باس راضی نہیں ہوتا۔ اسے اہم ترین مواقع پر میری ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ ایسی انوکھی باتیں صرف وہی سوچ سکتا ہے۔ وہ مجھے ایک ایسی توپ قرار دیتا ہے جس کے نشانے کا آخری لمحے تک اندازہ نہیں ہو سکتا۔"
"یہ تمہارا خالص ذاتی معاملہ ہے۔ بلیک ڈیڈ تمہیں کیسے روک سکتا ہے؟" میں نے اپنے لیے بنائے ہوئے گلاس سے اسکاچ کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔
"بلیک ڈیڈ ہم سب کا زمینی باپ ہے۔" مائیک نے وضاحت کی۔ "وہ چاہے تو دن میں ہمارے سانسوں کی تعداد بھی مقرر کر سکتا ہے۔ ہم اس کے حکم کی تعمیل کریں گے۔"
"مگر کیوں؟" میں نے جھلّا کر ڈک سے پوچھا "تم اس کے ملازم ہو' غلام تو نہیں ہو۔"
"بس چیف' ہمیں اس کا بے دام غلام ہی سمجھ لو۔" ڈک سر جھکا کے بولا "اس نے مجھے اس وقت ایک معقول ملازمت دی تھی جب میرے ماں باپ اپنی اپنی دوسری شادیاں کر کے مجھے بالکل فراموش کر چکے تھے اور میں بارہ برس کی عمر میں کوڑے دانوں کو کرید کر اپنے پیٹ کا جہنم بھرنے پر مجبور تھا۔ باس نے مجھے نوکری ہی نہیں' رہنے کا ٹھکانا بھی دیا۔ میں اس کی بات کیسے ٹال سکتا ہوں؟ میرا رُواں رُواں مرتے دم تک اس کا احسان مند رہے گا۔ تم میری بھینگی آنکھوں کی بات کر رہے ہو' وہ حکم دے تو میں اس کے لیے اپنی ایک آنکھ نکلوا بھی سکتا ہوں۔ یہ باتیں تم نہیں سمجھ سکو گے۔ اس کے گرد آج بیشتر لوگ ایسے ہی ہیں جو بچپن میں ٹوٹ پھوٹ کر بُری طرح بکھر رہے تھے' بھوکے تھے' آوارہ تھے اور بے گھر تھے۔ باس نے ان سب کو اپنے بچوں کی طرح پالا ہے۔ ہارلم کے رہنے والے اس پر بلاوجہ ہی جان نہیں دیتے۔"
"ٹھیک ہے۔ تم بلیک ڈیڈ کے لیے اندھی توپ بنے رہو لیکن محتاط رہا کرو۔ عورتوں سے ان کی ان ہی خوبیوں کے بارے میں بات کیا کرو جو وہ جان بوجھ کر تمہیں دکھاتی ہیں۔ ان کی بے خبری میں دیکھی جانے والی خوبیوں پر تم نے سختی سے اپنی زبان بند نہ رکھی تو کسی دن کوئی مس تمہاری دونوں آنکھیں پھوڑ دے گی۔ تم تل والی مس کی مار دھاڑ کا تجربہ تہ خانے میں کر ہی چکے ہو۔"
"میں تمہاری ہدایت پر عمل کروں گا۔" اس نے سعادت مندی سے کہا "کبھی کبھی میں بالکل بے محل باتیں کر جاتا ہوں۔ دوسروں کا ردِعمل دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مجھ سے کہیں کوئی غلطی ہوگئی ہے۔ بعد کے پچھتاوے سے احتیاط ہی زیادہ بہتر ہے۔"
"مہمان کا کیا بنے گا؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد ویرا نے پوچھا۔
"رات گہری ہو رہی ہے۔" ڈک نے ہم دونوں میں سے کسی سے کہا "ویسے بھی شکم سیر ہونے کے بعد اسکاچ مزہ نہیں دیتی۔ ہمیں اجازت دو کہ ہم اپنے کمرے میں چلے جائیں۔ صبح تمہیں ہر چیز صاف ستھری ملے گی۔ مہمان کو پوری احتیاط کے ساتھ اس کے ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے گا۔"
"مائیک تمہارے ساتھ جائے گا؟" ویرا کا رویہ اس کے ساتھ مسلسل جارحانہ تھا۔
"سرونٹ کوارٹر تک تو ساتھ ہی جائے گا۔ اسے کار میں ڈالنے تک مجھے اس کی مدد کی ضرورت ہوگی۔ اس سے آگے میں اکیلا ہی سب کچھ سنبھال لوں گا۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ نیوارک ہلٹن اینڈ ٹاورز کا ایک مکین اچانک کہاں غائب ہوگیا۔"
"پھر تم دونوں اپنے گلاسوں سمیت چلے جاؤ۔ وقت ضائع مت کرو۔" میں نے کہا۔
"گلاس لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟" یہ کہہ کر مائیک نے

دو لمبے لمبے گھونٹوں میں اپنا گلاس خالی کر دیا۔ ڈک نے اس کی تقلید کی۔

وہ ہماری اور ڈک کی الوداعی ملاقات تھی۔ وہ مصافحے کے لیے بڑھا تو پھر گڑبڑ ہو گئی۔ میں سمجھا کہ وہ میری طرف آ رہا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھایا مگر وہ لیڈیز فرسٹ کے اصول کا قائل تھا۔ میرا ہاتھ فضا میں پھیلا رہ گیا۔ اس نے "شب بخیر مس" کہہ کر ویرا کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ قطعی تیار نہیں تھی۔ اس نے عجلت میں ڈک سے ہاتھ ملایا پھر میری باری آئی اور وہ مائیک کے ساتھ رخصت ہو گیا۔

"اُلّو کا پٹھا!" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا بڑبڑائی "تنہائی میں سامنے بیٹھ کر مسلسل مجھے دیکھے جا رہا تھا۔ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی یہ شبہ نہیں ہوا کہ وہ میری طرف متوجہ تھا۔ بہت ہی ذلیل اور گھٹیا انسان ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس سے جلد ہی جان چھوٹ گئی۔"

"ذلیل اور گھٹیا ہونے کے ساتھ دلچسپ بھی ہے۔" میں نے کہا "اب بھی فلموں کا رخ کر لے تو اپنی فطری حرکتوں کی وجہ سے ایک کامیاب کامیڈین ثابت ہو سکتا ہے۔"

"بھاڑ میں جائے۔ مجھے اس سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔" ویرا نے بھنا کر کہا اور میں نے اس موضوع کو فوری طور پر وہیں ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ڈک کی یہ بات درست تھی کہ شکم سیر ہونے کے بعد اسکاچ ذرا بھی مزہ نہیں دیتی لیکن ویرا پر اس اصول کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔ اس نے خواب گاہ کا رخ کرنے سے پہلے میرے اور اپنے لیے اسکاچ اور یخ بستہ پانی سے دو لمبے گلاس لبریز کیے اور اٹھ گئی۔

عام آدمی کے لیے بھرے پیٹ پر اتنی الکحل کا ہضم کرنا آسان نہیں تھا۔ کھایا پیا تک الٹ کر رہ جاتا مگر میں نے اپنی زبان بند رکھی اور ہم خواب گاہ میں آ گئے۔

"اجازت ہو تو میں جینی کو فون کر لوں؟" خواب گاہ میں کرسی سنبھالنے کے بعد میں نے پوچھا۔

"کوئی ضرورت نہیں۔" ویرا نے سختی سے کہا "وہ اتنی شدت سے تمہارے سر پر کیوں سوار ہے؟"

"اسے خلش ہو گی۔ ڈیوڈ اسٹارز کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد ہم نے اسے یکسر بھلا دیا ہے۔ امریکا چھوڑنے سے پہلے اس سے بات ہونی چاہیے۔"

"اپنی اخلاقیات اپنے پاس رکھو۔" وہ برہمی سے بولی "تم مجھ سے اسی قدر بیزار ہو گئے ہو تو جینی کو فون کرنے کے بجائے اپنی پڑوسن سے مل آؤ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ ویسے بھی وہ شام کو تمہیں خود گھر آنے کی دعوت دے کر گئی ہے۔"

"میڈیلین نیم پاگل عورت ہے۔ ایسی عورتوں سے مجھے خوف آتا ہے۔" میں نے اسے چڑانے کے لیے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"صحیح الدماغ ہوتی تو تمہاری تجویز پر غور کیا جا سکتا تھا۔"

"شاید تم فورٹ ہاؤس کی بند دیواروں میں سے آنے والی دہشت ناک نسوانی چیخوں کو بھول گئے۔ مرد اس قدر لالچی ہوتے ہیں کہ دولت کی خاطر ساری عمر کے لیے پاگل عورتوں کی غلامی کر لیتے ہیں۔"

"میں بنجمن فورٹ نہیں ہوں۔ یہ نہ بھولو کہ اسی کا ایک دوست کسی بے وفا عورت کے بجائے اپنی وفادار کتیا کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔" میں نے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر کہا۔

ویرا میرے جواب پر تلملا اٹھی "تمہاری دانست میں ہر عورت پاگل یا پھر بے وفا ہوتی ہے؟"

"میں نے یہ نہیں کہا۔ یہ تمہارے اندر کا کوئی چور بول رہا ہے۔ میں تو وجودِ زن سے کائنات میں رنگوں کی بہار کا قائل ہوں۔ عورت کو نکال دیا جائے تو سب کچھ دھرا کا دھرا اور بے کیف ہو کر رہ جائے گا۔"

"پھر میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے پُراشتیاق لہجے میں کہا۔

"میری رائے جاننے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ میں ایک مدت سے تمہیں برداشت کرتا چلا آ رہا ہوں۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

ویرا نے بیڈ سوئچ دبا کر کمرا تاریک کیا اور اچھل کر میرے اوپر آ رہی۔ بے خبری کی وجہ سے اسکاچ سے بھرا ہوا گلاس میرے ہاتھ سے نکل کر قالین پر گر گیا۔ گلاس ٹوٹنے کے ہلکے سے چھناکے کے ساتھ ہی ویرا مجھے کرسی سے اٹھا کر بستر پر گرا چکی تھی۔

○☆○

اگلی صبح بلیک ڈیڈ صبح سویرے ہی ہمارے پاس آ دھمکا۔ خلافِ معمول وہ بہت خوش و خرم نظر آ رہا تھا۔ اس کے استقبال کا فرض مجھے پورا کرنا پڑا کیونکہ پچھلی رات کی سرمستیوں کے بعد ویرا اس وقت بھی گہری نیند سو رہی تھی۔ میرا گلاس ٹوٹنے کی وجہ سے میری قدرتی نیند مدہوشی میں تبدیل نہیں ہو سکی تھی۔

بلیک ڈیڈ کی آمد سے پہلے ہی مائیک نے مجھے بتا دیا تھا کہ ڈک صبح تین بجے تک موڈلے کی لاش سمیت گھر سے رخصت ہو چکا تھا۔

"شاید تمہیں خوشی ہے کہ کل ہم سے تمہارا پیچھا چھوٹ جائے گا۔" میں نے بلیک ڈیڈ کو ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد شائستگی سے کہا۔

"اپنی روانگی کا ذکر کر کے مجھے اداس کرنے کی کوشش مت کرو۔" اس نے مشفقانہ لہجے میں کہا "کل کے لیے تمہاری بکنگ ہو گئی ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ کل تم چلے ہی جاؤ۔ یہ بکنگ تمہارے اصرار پر ہوئی ہے۔ اگلی کسی تاریخ کے لیے بھی نشستیں مل سکتی ہیں۔"

"کیا تم ہمیں روکنے کے ارادے سے یہاں نازل ہوئے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یہ بے وقت ذکر تم نے ہی چھیڑا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اپنے ذہن کو کھلا رکھو۔ جب موقع ہو' یہاں سے نکل جانا۔ کوئی تاریخ اپنے سر پر مسلط مت کرو۔"

"تاریخوں کا چکر عورتوں کے سر پر سوار رہتا ہے۔ میں اس سے آزاد ہوں۔ میرا مسئلہ صرف اتنا ہے کہ یہاں میرا کام ختم ہوچکا ہے۔ غیر ضروری طور پر یہاں رک کر میں ناگہانی خطرات کو دعوت دوں گا۔ ہم دونوں کو پہلی فرصت میں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"دیکھا جائے گا۔ تم نے بلاوجہ ہی مجھے اس موضوع میں الجھالیا۔" اس نے صوفے پر پہلو بدل کر کہا "میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ دن یہاں رک کر میری لڑائی بھی دیکھو۔"

"یہاں میں نے تمہارے ساتھ یادگار وقت گزارا ہے۔ اب میں دنیا کے کسی خطے میں بھی رہوں' تم سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کوئی نئی سرخ روئی حاصل کی ہے۔"

"سب کو شبہ بلکہ یقین ہے کہ فورٹ ہاؤس کے واقعے میں میرا ہاتھ تھا مگر نیویارک کی انتظامیہ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کر پارہی۔"

"یہ تمہارے مخبروں کی پیدا کی ہوئی کوئی خوش فہمی بھی ہوسکتی ہے۔"

"ایسا نہیں ہے۔ پولیس کمشنر کو ڈر ہے کہ مجھ پر ہاتھ ڈالتے ہی ہارلم میں دوبارہ فساد کی آگ بھڑک اٹھے گی۔ میں ہر مسئلے میں انہیں اپنے وکیلوں کی طرف دھکیل رہا ہوں۔ شہر کے کم از کم سات معززین اس بات کے گواہ ہیں کہ وقوعے کی شب میں واردات سے پہلے اور بعد میں گھنٹوں ڈریم لینڈ کے ریہرسل ہال میں ان کے ساتھ بیٹھا رہا ہوں۔"

"اور یہی تمہارے دفاع کی سب سے مضبوط دلیل ہے۔" میں نے رائے دی۔

"اب لطف کی بات یہ ہے کہ وہ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ ایف بی آئی نے ان سات میں سے تین معزز ترین گواہوں کو اٹھالیا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ قانون ملزم کو چھوڑ کر اس کے دفاعی گواہوں کو اپنی تحویل میں لیتا پھر رہا ہے۔"

"مجھے اس طریقۂ کار پر زیادہ تعجب نہیں ہے۔ وہ ان گواہوں پر جرح کرکے ان کے بیانات میں تضاد تلاش کرنے کی سر توڑ کوششیں کریں گے۔ پاکستان میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔"

"تفتیش الگ بات ہے۔ باقاعدہ اٹھالے جانا ایک بالکل مختلف عمل ہے۔"

"ملزم بااثر ہو تو یہی سب ہوتا ہے۔ قانون کے محافظوں کو جرم ثابت کرنے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔"

"یہاں کی ایجنسیوں کو دانتوں پسینہ ضرور آجائے گا مگر وہ کچھ بھی ثابت نہیں کرسکیں گی۔ اس وقت سب کے چھکے چھوٹے ہوئے ہیں اور میں ان کے سینے پر مونگ دلتا پھر رہا ہوں۔"

"میں تمہاری آزادی اور سربلندی کے لیے دعا گو ہوں۔ امریکا میں اب تم ہی داؤدی ستاروں کی نشاۃ ثانیہ کی راہ میں رکاوٹ بن سکو گے۔ وہ تمہارے اور میرے مشترکہ حریف ہیں۔"

"رات تم نے نک موڈلے کو ختم کرکے ایک بڑا موقع گنوا دیا۔" اس نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"تمہیں معلوم تھا کہ اس کے بارے میں میرے ارادے نیک نہیں ہیں۔ اس وقت تم نے مجھے کوئی مشورہ نہیں دیا تھا۔ اب اچانک تمہیں کون سا موقع یاد آگیا؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ایک ذمے دار سفارتی افسر تھا اور محض اپنی شناخت کے سہارے وائٹ ہاؤس سے پینٹاگون تک کہیں بھی آسانی سے داخل ہوسکتا تھا۔ تم اس کے ذریعے ان میں سے کسی بھی اہم عمارت میں ہولناک تباہی پھیلا کر ان امریکیوں کو بدحواس کرسکتے تھے۔"

"تو کیا تم خود امریکی نہیں ہو؟" میں نے اس کی تجویز کے دوسرے پہلوؤں کو بھول کر پہلا بے ساختہ سوال کیا۔ اس نے امریکیوں کا تذکرہ بہت تحقیر آمیز انداز میں کیا تھا۔

"میں ایک عام امریکی ہوں۔ عام امریکی بہت سادہ لوح' بے تکلف' ملنسار اور زندہ دل ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں کی خوشیوں میں خوش ہوتے ہیں لیکن ان پر حکمرانی کرنے والوں کا ایک مخصوص ٹولہ بہت سفاک اور سنگ دل ہے۔ دنیا میں سازشوں اور خوں ریزیوں کو پروان چڑھانے والے یہی چند لوگ ہیں۔ ان کی حرکتوں کی وجہ سے باہر کی دنیا میں ہر امریکی کو ان ہی کی طرح مکار' سازشی اور شقی القلب سمجھا جاتا ہے۔ یہ لوگ زبردستی امریکا کی شناخت بن بیٹھے ہیں۔ ان سے مجھے نفرت ہے۔"

"تم بہت فراخ دل امریکی ہو.... نک موڈلے امریکا کی ان طاقتوں کا نمائندہ تھا جن سے تم نفرت کرتے ہو۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ میری فرمائش پر وہ کسی بھی اہم امریکی ادارے میں بم کا دھماکا کرنے پر آسانی سے رضامند ہوجاتا؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوپاتا کہ اس سے کیا کام لینے والے ہو۔ اس کی کمر سے بندھی ہوئی ٹرائی نائٹروٹولین بیلٹ ہولناک دھماکے سے پھٹتی تو اس کے چیتھڑوں کا بھی سراغ نہ ملتا۔ اس کے اردگرد کا وسیع علاقہ تباہی کی زد میں آجاتا۔"

اس کی باتوں میں مجھے یک بہ یک دلچسپی کا عنصر محسوس ہونے لگا۔ میں نے کہا "مجھے اس بیلٹ کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کہیں اور کام آسکے۔"

"یہ ٹی این ٹی بیلٹ ایک ناقابل گرفت بارودی بم ہے۔ فائبر کے ہک اور بکل کے ساتھ منسلک چرمی بیلٹ کے درمیان خالص ترین بارود کی ایک تباہ کن تہ جمی ہوئی ہوتی ہے۔ اس میں دھات

کے صرف دو مختصر ترین آلے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ایک ننھا سا حساس مائیکروفون جو بیلٹ استعمال کرنے والے کے آس پاس ہونے والی ساری گفتگو کو مخصوص ریسیور پر تم تک پہنچاتا رہے گا اور دوسرا ریموٹ کنٹرول سرکٹ جو تمہارے ایک اشارے پر فعال ہو کر بظاہر بے ضرر نظر آنے والی چرمی بیلٹ کو ہولناک دھماکے کے ساتھ اڑا دیتا ہے۔ تم نک کو اس کی اصلیت سے آگاہ کیے بغیر اسے بیلٹ پہن کر کہیں جانے پر آمادہ کرتے اور پھر اس کے ذریعے اپنا ہدف اڑا دیتے۔"

"نک موڈلے بہت چالاک آدمی تھا۔ وہ میری یا ویرا کی دی ہوئی کسی چیز پر بھروسا نہ کرتا۔ ہماری رسائی سے باہر نکلتے ہی بیلٹ کو ادھیڑ ڈالتا....."

"اور تم اسے ادھیڑ ڈالتے۔ مائیکروفون کے ذریعے تمہیں جوں ہی اس کے انحراف کا علم ہوتا، تم ریموٹ کے ذریعے اسے اڑا دیتے۔ ہدف پورا ہوتا یا نہ ہوتا۔ وہ زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔"

"کیا تم نے ایسی ٹی این ٹی بیلٹ کبھی استعمال کی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں، کبھی اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔" اس نے کھلے دل سے اعتراف کیا "پیری کاویل نے کچھ عرصے پہلے ایک بیلٹ مجھے تحفے میں دی تھی۔ وہ میں نے شاید تمہارے لیے ہی محفوظ رکھی ہوئی ہے۔"

"ایک بیلٹ!" میں نے قدرے مایوسی سے پوچھا "یہ پیری کاویل تو وہی ہے نا جس نے اپنی بیم گن تمہارے پاس رکھوائی ہوئی تھی؟"

"تم بالکل ٹھیک سمجھے۔" اس نے برجستہ کہا "وہ شی کا آئی مین اور میرا گہرا دوست ہے، بوسٹن میں رہتا ہے۔ بہت یار باش اور کھلے دل کا آدمی ہے۔"

"اگر ہم اپنی اکلوتی بارودی بیلٹ نک موڈلے پر ضائع کردیتے تو اب ہمارے پاس کچھ بھی نہ ہوتا۔ وہ گولی چلائے بغیر مرگیا۔ اب دیکھنا ہوگا کہ یہ بیلٹ کہاں کام آتی ہے۔"

"تمہارے کام آسکے تو وہ بیلٹ حاضر ہے۔ بیلٹ کا مائیکروفون اور ریسیور میرا آزمایا ہوا ہے۔ باقی تجربہ تمہیں اپنے طور پر کرنا ہوگا۔"

"پیری کاویل سے پتا چل سکتا ہے کہ ایسی دوسری بیلٹ کہاں سے مل سکے گی؟"

"میں اس سے بات کروں گا لیکن کچھ معلوم ہونے کی امید نہیں ہے۔ جب شی اپنے عروج پر تھی تو ہر تباہ کن شعبدہ ان لوگوں کی دسترس میں رہتا تھا۔ جمی لائیڈ کے بعد سے شی فنڈز کھانے کے لیے استعمال کی جارہی ہے۔"

"ویسے بھی اس سے رابطہ ضروری ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ بیم گن واپس مل جانے کے بعد پینٹاگون کے انسپکٹر کا ردِعمل کیا تھا۔ جارج شلز اور ایان جیکب کے جسموں پر بیم گن کے زخم کسی بھی وقت اپنا رنگ دکھا سکتے ہیں۔"

"تم مطمئن رہو۔ کوئی بری خبر ہوتی تو پیری خود ہی مجھ سے رابطہ کرتا۔ کبھی کبھی کسی خبر کا نہ ہونا ہی سب سے اچھی خبر ہوتی ہے۔"

"بیلٹ کے ریسیور کی رینج کتنی ہے؟" میں نے فوری خیال کے تحت پوچھا۔

"صحیح یاد نہیں۔ شاید دو ڈھائی سو کلومیٹر ہے۔ ریسیور پر اس کی رینج لکھی ہوئی ہے۔"

"میں اس کا کوئی نہ کوئی استعمال سوچ لوں گا۔ تم وہ بیلٹ مجھے ضرور بھجوادو۔"

"میں واپس جاتے ہی کوئی نہ کوئی بندوبست کروں گا۔ تم کوئی ایسا نام سوچو جو تمہارے چارے کے طور پر ہمارے کام آسکے۔ نیویارک سے باہر واشنگٹن یا اس کے آس پاس کوئی بڑی تباہی آئی تو نیچے سے اوپر تک سب ہل کر رہ جائیں گے۔"

وہ مجھے تجویز دے رہا تھا۔ ادھر میرے ذہن میں خود بہ خود ایک نام ابھر کر نمایاں ہوتا چلا جارہا تھا۔

کشمیر کے محاذ پر اپنے بڑے بہنوئی کی ہلاکت پر میرے خلاف جذباتی ردِعمل ظاہر کرکے بدری ناتھ نے میری نظروں میں اپنا مقام گرالیا تھا۔ اس نے جذباتی انداز میں بہت سی ایسی سخت باتیں کہی تھیں جو میرے دل پر نقش ہوچکی تھیں۔

تلخ کلامی کی انتہا اور پھر میرے ڈبل ہونے پر اصرار کرنے کے بعد اس نے یکایک دوستانہ قلابازی کھاکر میرے قصیدے پڑھنے شروع کردیے تھے اور یہ تاویل پیش کی تھی کہ اس نے مجھ سے میری اصلیت اگلوانے کے لیے معاندانہ رویّہ اختیار کیا تھا ورنہ وہ حقیقت میں میرا بہت بڑا مداح اور گہرا دوست تھا۔

وہ اس کی سوچ کے دو رخ تھے۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ ان میں سے کون سا رخ اس کی اصل نیت کی عکاسی کررہا تھا۔ میرے لیے احتیاط اور تحفظ کا تقاضا یہی تھا کہ اس پر اعتبار نہ کیا جائے۔ اس کی بنیادی خرابی یہ تھی کہ وہ را کا ایک تجربے کار ایجنٹ تھا۔ محض شبہے میں اسے ہلاک کرتے ہوئے بھی مجھے کوئی ملال نہ ہوتا۔ میں اپنے دشمن سے جو کام لے سکتا تھا، لے چکا تھا۔ اس کے بعد وہ میرے لیے عضوِ معطل تھا۔ رہتا یا نہ رہتا، میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑسکتا تھا۔

بلیک ڈیڈ چند دنوں کی مدت میں پے در پے کئی بڑی کامیابیاں حاصل کرنے کے نتیجے میں میرا اتنا گرویدہ ہوچکا تھا کہ اپنی برتری کے قصے سنانے کے لیے خود میرے پاس دوڑا چلا آیا تھا۔ اس کی آمد کا یہ فائدہ ہوا کہ مجھے بارودی بیلٹ اور اس کی تباہ کاری کا علم ہوگیا۔ ایک طرف وہ ہتھیار میرے قبضے میں آنے والا تھا اور دوسری طرف بدری ناتھ جیسا خفیہ دشمن میری نگاہوں میں تھا۔ ان دونوں کو کسی تدبیر سے یکجا کرکے میں امریکا میں ایک نیا دھماکا کرسکتا تھا۔

بلیک ڈیڈ کافی دیر تک اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد مجھے خیال آیا کہ اس نے نک موڈلے کی لاش کے بارے میں ڈک کی رپورٹ کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ پاکستان میں ہر وقت ریشہ دوانیوں میں مصروف رہنے والے اس سخت گیر افسر کا پتا ایسے سرسری انداز میں صاف ہوا تھا کہ خود مجھے بھی اس کی باقیات کے بارے میں کچھ پوچھنے کا دھیان نہیں رہا تھا۔

میں اخبار بینی سے ناشتے کے دوران میں فارغ ہو چکا تھا۔ بلیک ڈیڈ کے چلے جانے کے بعد میں نے تلخ کافی کا دوسرا کپ پیتے ہوئے چیدہ چیدہ خبروں پر دوبارہ نگاہ ڈالی اور پھر اپنی خواب گاہ کی طرف ہولیا۔ وہاں شکن آلود بستر خالی تھا۔ قالین پر سے ٹوٹے ہوئے گلاس کے ٹکڑے سمیٹے جا چکے تھے اور ویرا باتھ روم میں بند تھی۔

میں نے گارہام ہوٹل کا نمبر ملایا تو بدری ناتھ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ مجھے خود بھی یہی توقع تھی کیونکہ عباس کرمانی کی تلاش کی مہم میں وہی کمرا بدری ناتھ کا گھر تھا اور وہی دفتر۔

"تھینک گاڈ!" میری آواز پر اس کی تشکر آمیز آواز ابھری۔ "مجھے ڈر تھا کہ کہیں اب تم غائب ہی نہ ہو جاؤ۔ تمہارے فون سے مجھے تسلی ہوئی ہے کہ تمہارا دل میری طرف سے صاف ہو چکا ہے۔"

"جب تک کشمیر سے تمہیں کوئی دوسری بری خبر نہیں ملتی، میرا دل صاف رہے گا۔"

"پلیز! ان باتوں کا حوالہ مت دو۔" اس کی آواز ملتجیانہ ہوگئی "وہ باتیں میں نے تم سے کچھ اگلوانے کے لیے کی تھیں۔ ان باتوں کو ہمیشہ کے لیے بھول جاؤ اور یہ بتاؤ کہ میرے کام کا کیا رہا؟"

"اچھا ہوا کہ جارجیا کے بارے میں میرے کسی سوال سے پہلے تم نے اپنے کام کے بارے میں پوچھ لیا۔ میں نے بہت غور کیا ہے۔ اس نقل سے تم اپنے نمبر تو بڑھا سکتے ہو' میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے....."

"بالکل!" اس نے مضطربانہ لہجے میں میری بات درمیان سے ہی اچک لی "میں کل تم کو یہی سمجھانا چاہ رہا تھا۔ میری وقعت بڑھ جائے گی اور عباس کرمانی کے بارے میں تمہاری سلجھائی ہوئی کہانی میں بھی مزید جان پڑ جائے گی۔ فورٹ ہاؤس کے واقعے کے بعد حالات نے ایک نئی کروٹ لی ہے اور ہر طرف نئی چہ میگوئیاں شروع ہوگئی ہیں۔"

"کیا فورٹ ہاؤس کا کرمانی سے کوئی تعلق نکل آیا ہے؟" میں نے اپنے اضطراب پر قابو پا کر اس سے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"دو داودی ستارے لیزر گن سے مارے گئے تھے۔ لاشوں کے طبی معائنے کی رپورٹیں سامنے آنے کے بعد نت نئے نظریے قائم اور رد کیے جا رہے ہیں۔ کچھ لوگ اسحاق گھنٹی کے اصرار کو بھی اہمیت دے رہے ہیں اور فورٹ ہاؤس کے واقعے کو گھنٹی کی گرفتاری کا تسلسل قرار دے کر عباس کرمانی کے وجود کو مسترد کر رہے ہیں۔ انہیں تقویت ملی تو یہاں کی ساری توپوں کا رخ تمہاری طرف ہو جائے گا۔"

"اس طرح کہیں تم مجھ سے کچھ اور تو نہیں اگلوانا چاہ رہے؟" میں نے طنز سے پوچھا۔

"پھر وہی بدگمانی۔" بدری ناتھ کراہا "میں کہہ رہا ہوں کہ میرے اس ہذیان کو بھول جاؤ۔ میں آج کی سنگین ترین حقیقت تم کو بتا رہا ہوں۔ انہیں نک کی سلامتی کی طرف سے بھی گہری تشویش ہے۔ وہ کل شام اپنے ہوٹل سے نکلا تھا اور اب تک لاپتا ہے۔ اس کے بارے میں تم مجھ سے زیادہ جانتے ہوگے...."

"میں اس مردود کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے ترش لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "پتا نہیں وہ شراب پی کر کس کال گرل کے اپارٹمنٹ میں اوندھا پڑا ہوا ہوگا۔ یہاں کے ہزاروں شہری اپنی کئی کئی راتیں گھروں سے باہر گزارنے کے عادی ہیں۔ اسے تو غائب ہوئے ایک رات ہی گزری ہے۔"

"پھر بھی وہ پریشان ہیں۔ اس کے ہر ممکنہ ٹھکانے سے رجوع کیا جا رہا ہے۔ میرا قائم کیا ہوا سحر آہستہ آہستہ اپنا اثر کھو رہا ہے۔ وہ اپنی عقلوں سے بھی سوچنے لگے ہیں۔ اس وقت ان پانچ کاغذوں کی نقلیں میری دم توڑتی ہوئی کہانی میں دوبارہ جان ڈال سکتی ہیں۔ تم چاہو تو اس دوران میں خاموشی سے یہاں سے نکل سکتے ہو۔ آنے والا وقت زیادہ برا نظر آ رہا ہے۔"

"وہ نقلیں آج کسی بھی وقت میرے پاس آ جائیں گی۔ میں فوراً ہی تمہیں پوسٹ کر دوں گا۔ کل کسی وقت وہ لفافہ تمہیں مل جائے گا۔" میں نے اصل خواہش کو دباتے ہوئے کہا۔

"کل تک دیر بھی ہو سکتی ہے۔ اگر آج وہ کاغذ مل رہے ہیں تو مجھے وقت اور جگہ بتاؤ' میں خود آکر تم سے وہ لفافہ لے لوں گا۔ جو کام آج ہو سکتا ہے اسے کل پر مت ٹالو۔"

"اس کے لیے تمہیں میری اگلی کال کا انتظار کرنا ہوگا۔ دیکھنا ہوگا کہ قاصد کب پہنچتا ہے۔"

"میں جم کر انتظار کروں گا۔ اس وقت میرے لیے یہ کام سب سے زیادہ اہم ہے۔"

"اگر رات ہوگئی تو تم ان کاغذوں کا کیا کرو گے؟" میں نے سکون سے سوال کیا۔

"میں اسی وقت دوڑ لگا دوں گا اور وہ لفافہ ذاتی طور پر سی آئی اے کے ڈائریکٹر تک پہنچاؤں گا۔ اس وقت وہ سب گیپ کے لیے مرے جا رہے ہیں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم یہ لفافہ براہِ راست صدر تک پہنچاؤ؟" میں نے پوچھا۔

"گیپ کا نام سنتے ہی میرے لیے وائٹ ہاؤس کے دروازے کھل جائیں گے مگر میری یہ حرکت چھچھوری اور پروٹوکول کے خلاف

سمجھی جائے گی۔ بعد میں میری بہت جگ ہنسائی ہوگی۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اسے اپنی بساط سے زیادہ لمبی اڑان لینے پر مجبور کرنا مناسب نہیں تھا۔ امریکا میں سی آئی اے کے سربراہ کا منصب بہت بڑا ہوتا ہے' اسے صدر کا دستِ راست اور قریبی آدمی تصور کیا جاتا ہے۔ اگر بدری ناتھ وہاں تک پہنچ سکتا تھا تو بہت کافی تھا۔

"اپنے کام کو تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو۔ میری خواہش ہے کہ تم وہ کاغذ کسی ذمے دار آدمی تک پہنچاؤ۔ وہ کون ہوسکتا ہے' یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔"

"میں اپنے ادارے کے سربراہ سے آگے جانے کا تصور نہیں کرسکتا۔ وہ کہاں جاتا ہے' یہ اس کا اپنا فیصلہ ہوگا' جس سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔"

"میں چاہوں گا کہ تمہارے سربراہ کا ردِعمل اپنے کانوں سے سن سکوں۔" میں نے زیادہ زور دیے بغیر ایک معصوم اور فطری سی خواہش کا اظہار کیا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں وہیں سے تم کو رپورٹ دوں گا۔" بدری ناتھ نے روانی میں کہا۔

"وہ تمہارے الفاظ ہوں گے۔ میں اس کے الفاظ' اسی کی زبان سے براہِ راست سننا چاہتا ہوں۔" میری آواز میں ہلکی سی حسرت اُمڈ آئی۔

"میں کوئی جیبی ریکارڈر اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔" اس نے میری دلجوئی کے لیے فوراً پیش کش کی "میں نے سنا ہے کہ وہ ایک شیطانی کارخانہ ہے۔ وہاں جا بہ جا بگ اور اینٹی بگ ڈیوائسز نصب ہیں۔ اگر ان کی موجودگی میں بھی ریکارڈر کام کرتا رہا تو ساری آوازیں اور تبصرے میرے ٹیپ میں محفوظ ہوجائیں گے۔ وہ میں تمہیں پیش کردوں گا۔"

"جیبی ریکارڈر خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ وہ پکڑا گیا تو تم تحت الثریٰ میں جاگرو گے۔" میں چند ثانیوں کے لیے دانستہ خاموش ہوا پھر چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا "ٹھیک ہے' میں دیکھتا ہوں کہ ایک بیلٹ مجھے مل جائے۔ اس کے چمڑے میں کہیں ایک ننھا سا مائیکروفون پوشیدہ ہے۔ وہ بیلٹ مل گئی تو میں ہر آواز اپنے کانوں سے سن سکوں گا۔"

"یہ ترکیب بہت آسان رہے گی۔" بدری ناتھ خوش ہوگیا۔ "میں اپنی بیلٹ کی جگہ تمہاری دی ہوئی بیلٹ استعمال کروں گا۔ مل جائے تو وہ بیلٹ بھی ساتھ لیتے آنا۔ تم سے لفافہ لینے کے بعد میں ہوٹل کے بجائے سیدھا سی آئی اے ہیڈ کوارٹرز کی طرف نکل جاؤں گا۔"

پنچھی زیرِدام آرہا تھا۔ میں نے پُرسکون ہوکر کہا "امید کم ہے مگر میں کوشش کروں گا۔ ہوسکتا ہے کہ میری یہ خواہش پوری ہوجائے۔ میں سننا چاہتا ہوں کہ یہ لوگ تمہاری کتنی عزت کرتے ہیں۔"

"بھگوان کا شکر اور تمہارا شکریہ کہ ابھی تک بات بنی ہوئی ہے۔ نقل کے بجائے گیپ کے اصل کاغذ مل جاتے تو یہ لوگ مجھے اپنے سروں پر بٹھالیتے۔"

"اگر حالات نے اجازت دی تو میں اس بارے میں بھی سوچوں گا۔" میں نے زیرِلب مسکراہٹ کے ساتھ مکاری سے کہا۔ "فی الحال نقل پر ہی اکتفا کرو۔ زیادہ لمبی چھلانگ لگاتے ہوئے اندازے کی ذرا سی بھی غلطی ہوجائے تو آدمی اپنی ہڈیاں پسلیاں تڑوا بیٹھتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں خود بھی زمین پر ٹک کر چلنے کا عادی ہوں۔ میرے لیے اتنی یقین دہانی ہی کافی ہے کہ تم کسی بھلے وقت پر اصل کاغذوں کے بارے میں سوچنے کا وعدہ کررہے ہو۔"

"جارجیا کے بارے میں تم نے ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"میں کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ فی الحال میرے پاس بتانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اپنی پوری کوشش کے باوجود تمہاری جیسی تیزی سے نتائج حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔"

میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر سر گھمایا تو ویرا اپنے گیلے بالوں پر تولیہ لپیٹے میرے قریب کھڑی مجھے خشمگیں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"تمہاری نظروں سے ظاہر ہورہا ہے کہ غسل کے باوجود تمہارے من کا میل نہیں دھل سکا۔" میں نے مسکرا کر [illegible] مارتے ہوئے کہا "کیا اب نشترِ مکرر کا ارادہ باندھ رہی ہو؟"

"فضول باتیں مت کرو۔ میں بہت دیر سے اپنا غصہ ضبط کیے کھڑی ہوں۔"

"تھک گئی تھیں تو بیٹھ جاتیں۔ اس میں غصے کی کیا بات ہے؟" میں نے اس کا فقرہ اچک کر کہا۔

"تم اسپیکر فون کے بجائے ریسیور کیوں استعمال کررہے تھے؟" ویرا نے رکھائی سے پوچھا۔

"کیا اس کے استعمال پر کوئی پابندی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا "تم کمرے میں موجود ہوتیں تو میں ضرور اسپیکر فون ہی استعمال کرتا۔ تم نے یہ اندازہ تو لگا ہی لیا ہوگا کہ میں جینی سے نہیں' بدری ناتھ سے بات کررہا تھا۔"

"یہ کون سی بیلٹ کا چکر تھا؟ تم اسے کہاں بھیج رہے ہو؟" ویرا نے کرسی سنبھال کر اپنے کھلے ہوئے الجھے ہوئے بالوں کو تولیے سے خشک کرنا شروع کردیا۔

معاً مجھے یاد آیا کہ ویرا دیر تک سوتے رہنے کی وجہ سے اس روز کی ہر پیش رفت سے بے خبر تھی۔ میں نے کہا "بلیک ڈیڈ آیا تھا۔ شام تک وہ میرا بیلٹ بدل بھائی بننے والا ہے۔"

"سیدھی طرح بات کرو ورنہ میں دوسرا طریقہ استعمال کروں گی۔" وہ تیزی سے بولی۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ رات والے طریقے کے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔" میں نے جلدی سے کہا اور پھر اسے بریف کرنا شروع کر دیا۔

"تم نے بدری ناتھ کی جو باتیں بتائیں' ان سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اب بھی تمہارے ساتھ مخلص ہے۔ پچھلی گفتگو میں اس نے تمہیں دھوکا دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔"

"بدقسمتی سے ایسا ہی ہے مگر اس کے دل میں اپنی ناموری کی آرزو بہت توانا ہے۔ شہرت حاصل کرنے کے لیے وہ کسی بھی وقت کوئی گندی حرکت کر سکتا ہے۔"

"یہ تم اپنے فیصلے کے جواز میں کہہ رہے ہو ورنہ ایسا اندیشہ بہت موہوم ہے۔"

"کتنا بھی موہوم ہو مگر اس کی طرف سے خطرہ ضرور ہے۔ اسی لیے میں نے اسے گیپ کے اصل کاغذوں کے بارے میں امید دلائی ہے۔"

"اس لالچ میں وہ تمہارے ایک اشارے پر دوڑا چلا آئے گا اور تم اس کی کمر میں بارودی پٹا ڈال کر اسے سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹرز کی طرف ہانک دو گے۔"

"مجبوری ہے۔" میں نے شانے اچکا کر کہا "اس وقت وہی ایک ایسا آدمی ہے جو اس عمارت میں کسی روک ٹوک کے بغیر گھس سکتا ہے۔ تم کوئی دوسرا نام بتا دو تو اسے کسی اگلے موقع کے لیے پالا جا سکتا ہے۔"

"آج شام تک تم اسے بارودی بیلٹ سے اڑانے کا فیصلہ کر چکے ہو؟"

"ارادہ یہی ہے کہ یہ کارِ خیر سورج ڈھلنے سے پہلے انجام دیا جائے۔ وقت کا سارا انحصار بلیک ڈیڈ کی طرف سے بیلٹ ملنے پر ہے۔ کاغذوں کی فاضل نقل بریف کیس میں محفوظ ہے۔"

"تم یہاں بیٹھ کر اس کی نقل و حرکت کو پوری طرح مانیٹر کر سکو گے؟" اس نے پوچھا۔

"یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔ ریسیور کی رینج کم ہے۔ ہمیں اس کے پیچھے جانا ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم سے ملنے کے لیے وہ اکیلا نہ آئے۔ کوئی اس کی حفاظت کر رہا ہو؟"

"یہ خطرہ میرے ذہن میں موجود ہے۔ اس کا تدارک بلیک ڈیڈ کو کرنا ہوگا۔"

"تم نے سب کچھ سوچ لیا ہے تو پھر یہ بھی طے کر چکے ہو گے کہ کل ہمیں ہر حال میں یہاں سے نکل جانا ہے۔ بدری ناتھ کو ٹھکانے لگانے کے بعد ہم نازک صورتِ حال میں گھر جائیں گے۔"

"مجھے ایسا کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔ ضروری ہوا تو ہم کل بھی جا سکتے ہیں۔"

"فورٹ ہاؤس میں تم نے بروقت مجھے نہیں روکا تھا مگر میں تمہیں وقت سے پہلے خطرے سے ضرور خبردار کر رہی ہوں۔ بیم گن کی طرح ٹی این ٹی بیلٹ بھی پیری کاویل کی طرف سے بلیک ڈیڈ کو ملی ہے۔ بیم گن کے بعد بارودی بیلٹ کا استعمال اس بات پر تصدیق کی مہر ثبت کر دے گا کہ شی کا کوئی منحرف آئی مین چوری چھپے ان کارروائیوں کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ امریکا میں ایسی حمایت صرف ہم دونوں کو مل سکتی ہے۔ ہمارے خلاف آئزک بیل کا بیان ریکارڈ پر ہے۔ ساری کڑیاں آسانی سی ملتی چلی جائیں گی۔"

میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔ وہ بہت سامنے کی بات تھی جو میری نظروں سے اوجھل تھی۔ میں نے ہتھیار ڈال دیے۔

"بدری کا راہ سے ہٹایا جانا ناگزیر ہو چکا ہے۔ وہ را کا واحد ایجنٹ ہے جو مجھ سے واقف ہو چکا ہے۔ یہ سمجھو کہ کل ہمیں یہاں سے کوچ کرنا ہی ہے۔"

ویرا گیلا تولیہ ایک طرف ڈال کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی "اگر ڈک نے نک موڈلے کی لاش کو غرقاب کرنے میں بے پروائی سے کام لیا ہے تو وہ کسی بھی وقت پھول کر دریا کے کسی کنارے پر لگ سکتی ہے۔ حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے تم مسلسل آگ سے کھیل رہے ہو۔ ایک مرتبہ ہمارا نام منظرِ عام پر آگیا تو پولیس بلیک ڈیڈ کو بھی نہیں بخشے گی۔ قانون ذرا دیر سے ہی حرکت میں آتا ہے لیکن جب اس کا عمل شروع ہوتا ہے تو یہ کسی مست سانڈ کی طرح اپنی راہ میں آنے والے ہر وجود کو روند کر رکھ دیتا ہے۔"

"آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر فلمی ڈائیلاگ بولنے کی ضرورت نہیں۔ بس اتنا کافی ہے کہ آج رات خطرات اپنی انتہا کو پہنچ جائیں گے۔ ہمیں فرار کی راہ اختیار کر لینی چاہیے۔"

میں نے اسپیکر فون آن کر کے وہی نمبر ملا لیا جس پر مائیک اکثر جوڈی یا بلیک ڈیڈ سے بات کرتا رہتا تھا۔ لائن ملتے ہی اسپیکر پر ایک کرخت اور جھٹکے دار نسوانی آواز گونجی۔ اس نے صرف ہیلو پر اکتفا نہ کرتے ہوئے یہ بھی جاننا چاہا کہ کون اس سے ہم کلام ہونے کی سعادت حاصل کر رہا تھا۔

میں نے بلیک ڈیڈ سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ دوسری طرف سے تحقیر آمیز انکار کے ساتھ فون بند کر دیا گیا۔ وہ واضح طور پر جوڈی کی آواز تھی مگر اس کا رویہ ناقابلِ فہم تھا۔

"وہ صرف بلیک ڈیڈ سے پٹتی ہے ورنہ دوسروں کو اسی طرح اپنی زبان سے ادھیڑ ڈالتی ہے۔ شرافت سے مائیک کو بلا لو۔ وہ تمہاری مشکل آسان کر دے گا۔" ویرا نے اس صورتِ حال سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

مائیک' ویرا کو ناشتا دینے کے انتظار میں کچن میں موجود تھا۔ گھنٹی بجاتے ہی کمرے میں آگیا۔

"تمہاری کشکھنی بڑھیا میرے بس سے باہر ہے۔ ذرا اپنے باس سے بات کراؤ۔" میں نے کہا۔

مائیک ذہین تھا۔ صورتِ حال سمجھ گیا۔ اسپیکر فون آن کر کے اس نے پورا نمبر ملانے کے بجائے صرف ری ڈائیل بٹن دبانے پر اکتفا کیا۔ گھنٹی بجنے پر وہی نمبر ملا۔ جوڈی کی وہی سخت آواز ابھری اور مائیک نے فوراً کہا "جوڈی ڈارلنگ! ذرا باس سے بات کرادو۔"

"تم..... اٹھائی گیرے! تمہیں ہر وقت باس سے ہم کلام ہونے کا زیادہ ہی شوق ہو گیا ہے؟"

"یہ شوق مجھے نہیں' باس کے ان مہمانوں کو ہے جو آج کل میرے چیف ہیں۔"

مائیک کی وضاحت سنتے ہی بڑھیا سنبھل گئی "ہولڈ کرو۔ وہ یہاں نہیں ہے۔ میں کانفرنس لائن پر اس سے بات کراتی ہوں۔" اسپیکر پر سناٹا سا چھا گیا۔

"اب باس ہی لائن پر آئے گا۔" یہ اطلاع دے کر مائیک کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

چند ثانیوں بعد ہی بلیک ڈیڈ فون پر موجود تھا مگر اس کے بولتے ہی سی ایس ڈی حرکت میں آئی اور لائن کٹ گئی۔ میں لمحے بھر کے لیے چکرا گیا مگر پھر بات سمجھ میں آ گئی۔

جوڈی نے کانفرنس لائن پر بات کرانے کی کوشش کی تھی یعنی ہمارا فون جوڈی کے فون کے ذریعے بلیک ڈیڈ کے نمبر سے ملایا گیا تھا۔ بیک وقت تین لائنیں فعال ہوتے ہی سی ایس ڈی نے لائن بند کر دی۔

میں مائیک کو دوبارہ بلانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ویرا اپنے بال سنوار کر ناشتے کے لیے جا چکی تھی' میں نے پھرتی سے ریسیور اٹھا لیا۔

"جب بھی جوڈی درمیان میں ہوتی ہے' تمہارا فون بند کیوں ہو جاتا ہے۔" دوسری طرف سے بلیک ڈیڈ اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"اس وقت میں نے خود فون بند کیا تھا۔" سی ایس ڈی کا راز پوشیدہ رکھنے کے لیے وہ ذمے داری میں نے اپنے سر لے لی "مجھے شبہ ہوا تھا کہ درمیان میں کوئی ہماری بات سننے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"تمہارا شبہ صحیح تھا۔ وہ کانفرنس لائن تھی۔ جوڈی لائن پر تھی مگر وہ ہماری بات سننے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ یہ بتاؤ کہ اتنی سی دیر میں تمہیں دوبارہ میری ضرورت کیوں پڑ گئی؟"

"پتلون ڈھیلی ہو گئی ہے۔ بیلٹ کب بھجوا رہے ہو؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"اوہ! تم نے اتنی جلدی کوئی دوسرا شکار تلاش کر لیا" اس کی آواز سے حیرت عیاں تھی۔

"اگلے روز کی نشستیں کنفرم ہوں تو تیزی دکھانی ہی پڑ جاتی ہے۔"

"میرا سمجھانا بے سود رہا۔ تم کل یہاں سے جانے کا پکا ارادہ کر ہی چکے ہو۔"

"یہ میرا نہیں' تمہاری چہیتی بے بی کا اصرار ہے۔ وہ یہاں پڑے پڑے اکتا گئی ہے۔"

"یہ تمہارا قصور ہے۔ اس سے دوستی کی ہے تو اس کی دل جوئی کا بھی خیال رکھو۔ تم اسے بھول کر ہر وقت کام کی دھن میں لگے رہتے ہو۔ اس کا اکتا جانا میرے لیے قابلِ فہم ہے۔"

"اب واپس جا کر ہی تمہارے مشورے پر عمل کیا جا سکے گا' وہ اڑ گئی ہے۔"

"پھر تم بیلٹ کا کیا کرو گے۔ کیا اسے ساتھ لے جانے کا ارادہ ہے؟" اس نے پوچھا۔

"گارہام ہوٹل میں آج کل سی آئی اے والوں کا کیمپ آفس قائم ہے۔ اس کا سربراہ بدری ناتھ نامی ایک انڈین سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ بیلٹ مل جائے تو میں اسے بلانا چاہتا ہوں۔"

"اور وہ دوڑا چلا آئے گا؟" بلیک ڈیڈ کو میری بات پر یقین نہیں آ سکا تھا۔

"ہاں' اسے شدت سے میری تلاش ہے۔ میں اس بارے میں اسے ٹپ دینے کے لیے بلاؤں گا اور وہ مجھ سے ملاقات کے بعد سیدھا سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹرز کی طرف دوڑ لگا دے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کام جلد از جلد نمٹا لیا جائے۔"

"بیلٹ ایک گھنٹے میں تم کو مل جائے گی۔ یہ سمجھ لینا کہ فاصلہ کافی زیادہ ہے۔ تم کو اس کے پیچھے جانا پڑے گا ورنہ تمہارا ریموٹ ناکارہ ہو کر رہ جائے گا۔ اس کی رینج ڈیڑھ سو کلومیٹر ہے مگر عمارتوں اور دوسری رکاوٹوں کی وجہ سے اس پر صرف سو کلومیٹر تک بھروسا کیا جا سکتا ہے۔"

"میں اس سے کسی بھی وقت پانچ دس کلومیٹر سے زیادہ دور نہیں رہوں گا۔"

"مائیک تمہارے لیے بہترین ڈرائیور ثابت ہو گا۔ وہ ان علاقوں کا کیڑا ہے۔"

"اس کی رہنمائی ناگزیر ہے مگر تمہیں ایک آدمی اور دینا ہو گا۔ وہ اسی وقت گارہام کی نگرانی شروع کر دے گا۔ اسے یہ دیکھنا ہو گا کہ بدری ناتھ ہوٹل سے اکیلا ہی نکلتا ہے یا کوئی اور گاڑی بھی اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ تمہارا آدمی اپریٹس پر مجھے کلیرنس دے گا تب میں اس سے ملوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ بیلٹ کے ساتھ اپریٹس بھی تمہیں مل جائے گا۔ نگرانی کے لیے ڈک کو بھیجے دیتا ہوں۔ تم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں رہے ہو۔ اپریٹس پر تمہارا مسلسل رابطہ رہے گا۔ تمہارا کوڈ ہیری ہو گا۔ وہ چارلی کے نام سے تمہیں رجوع کرے گا۔"

"ویری گڈ۔" میں نے حقیقی مسرت کے ساتھ کہا "تمہارے اس مردانہ تعاون سے دل شیر ہو جاتا ہے۔ اب یہ ہوگا کہ چارلی کی کلیرنس کے بعد میں بدری سے مل کر فرضی ٹپ کے ساتھ بیلٹ کا تحفہ اسے پیش کروں گا۔ وہ نیویارک سے روانہ ہو جائے گا۔ میں اس کے پیچھے نکلوں گا۔ چارلی کو ہمارے پیچھے رہ کر یہ دیکھنا ہے کہ کوئی اور ہمارا تعاقب نہ کرنے پائے۔"

"سب کچھ تمہاری مرضی کے عین مطابق ہوگا۔ اب یہ بتاؤ کہ اس انڈین سیکرٹ ایجنٹ کو شہر میں کہاں بلا رہے ہو؟" بلیک ڈیڈ نے میرے پروگرام پر صاد کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں نہ اسے ڈریم لینڈ ہی بلالوں؟" میں نے سنجیدگی سے تجویز پیش کی۔

"ہرگز نہیں۔ میری وجہ سے ڈریم لینڈ آج کل ہر ایجنسی کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔ اس کا نام سنتے ہی تمہارا شکار بھڑک جائے گا۔ اسے پین اسٹیشن پر بلالو۔ تمہارے پین پلازا ہوٹل کے قریب وہ جگہ ایسے کاموں کے لیے بہت موزوں ہے۔" بلیک ڈیڈ کی وضاحت اور تجویز بہت مناسب تھی۔

وہ نیویارک سے باہر کی ایک خطرناک مہم تھی۔ بلیک ڈیڈ کو میرے اور بدری ناتھ کے گٹھ جوڑ کا سرے سے کوئی علم نہیں تھا۔ وہ بس اتنا جانتا تھا کہ سی آئی اے سے تعلق رکھنے والے گدھے بھی ہاتھیوں کو تل کر کھا جانے میں ماہر ہوتے ہیں۔ وہ ضروری نکات پر مجھے بریفنگ دیتا رہا۔ آخر کار گفتگو کا وہ فیصلہ کن سلسلہ موقوف ہوگیا۔ میں اس کام سے فارغ ہو کر کچن میں پہنچ گیا۔

ویرا میز پر اخبار پھیلائے ناشتے میں مصروف تھی۔ مائیک نے میرے لیے بھی ایک خالی پیالی میز پر رکھ دی۔

"روانگی کی تیاری پکڑلو۔" میں نے ویرا کو سنانے کے لیے مائیک سے کہا "دوپہر تک ہمیں شہر سے باہر جانا ہے۔ واپسی میں تاخیر بھی ہوسکتی ہے۔"

ویرا نے فوراً ہی اخبار ایک طرف سمیٹ دیا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ اتنی جلدی روانگی کا کوئی پروگرام طے ہوسکے گا۔ اس کے ساتھ مائیک نے بھی سوالات داغنے شروع کردیے۔

اپنے پروگرام کے بارے میں میرا ذہن صاف تھا۔ بلیک ڈیڈ سے تفصیلی گفتگو ہونے کے بعد رہا سہا ہر ابہام دور ہوگیا تھا۔ میں بلا تکان ان دونوں کے ہر سوال کا جواب دیتا چلا گیا۔

"اس کے لیے روٹ پچانوے سب سے بہتر رہے گا۔" سب کچھ سمجھ لینے کے بعد مائیک نے اپنی مہارت کا اظہار ضروری سمجھتے ہوئے کہا "اس راستے پر ہم واشنگٹن سے گزرتے ہوئے رچمنڈ اور پھر مطلوبہ مقام تک پہنچ جائیں گے۔ سی آئی اے کا مرکز ان ہی اطراف میں کہیں واقع ہے۔"

"ضروری نہیں کہ ہم وہاں تک جائیں۔ ہم رچمنڈ میں رک کر بھی اپنا کام کرسکتے ہیں۔" مجھے یاد تھا کہ ورجینیا میں اپنی تربیت کے دنوں میں بدری ناتھ رچمنڈ ہی کے ایک ہوٹل میں مقیم تھا۔

مائیک ہم سے اجازت لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ویرا مسکراتے ہوئے بولی "آج کے لیے مجھے بھی خاصی تیاری کرنی پڑے گی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ امریکا میں ہمارا آخری مشن ثابت ہو اور ہمیں دوبارہ ادھر آنے کا موقع نہ مل سکے۔ اب تک ہم نے انہیں تگنی کا ناچ نچایا ہوا ہے۔"

"جو تیاری چاہو کرو لیکن اپنے شانے کا تل ذرا احتیاط سے چھپالینا۔ آج پھر ڈک ہمارے ساتھ ہوگا۔"

"ہوا کرے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ دوسری گاڑی میں ہم سے دور رہ کر وہ میری جوتی بھی نہیں دیکھ سکے گا۔" ویرا دلکش مسکراہٹ کے ساتھ بولی "میں تمہاری موجودگی کا لحاظ کرتی ہوں ورنہ میں ایسے بدنظر مردوں کو بہت ڈھٹائی کے ساتھ سسکا سسکا کر ذلیل کرنا جانتی ہوں۔"

"وہ بدنظر نہیں ہے۔ تم بلاوجہ اس کی طرف سے اپنے دل میں کدورت لیے بیٹھی ہو۔ وہ اتنے ادب اور احترام سے تمہیں مس کہہ کر مخاطب کررہا تھا کہ میں اس پر کسی الزام تراشی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔"

وقت تیزی سے گزرتا چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ڈک کسی جن کی طرح مسکراتا ہوا آموجود ہوا۔ مائیک اس کے ساتھ تھا۔ اس نے آتے ہی ایک لفافہ میرے حوالے کردیا۔

لفافے میں ٹرانسمٹر تھا اور گتے کے پتلے سے ڈبے میں خوفناک بارودی بیلٹ موجود تھی۔ دیکھنے میں وہ عام سی سیاہ چرمی

بیلٹ سے ذرا بھی مختلف نہیں تھی لیکن بناوٹ کے اعتبار سے بیش قیمت نظر آرہی تھی۔ میں نے اسے دوبارہ اسی ڈبے میں رکھ دیا جس میں بیلٹ کا ریموٹ اور ریسیور رکھا ہوا تھا۔

"اس بیلٹ کو تیز گرمی سے ذرا دور ہی رکھنا ورنہ یہ ریموٹ کے بغیر بھی چل پڑے گی" ڈک نے واپس جانے سے پہلے میری معلومات میں اضافہ کیا "یہاں سے میں سیدھا گارہام جارہا ہوں۔ وہاں پہنچنے کے بعد تمہیں ایریٹس پر اپنی رپورٹ دوں گا۔"

بلیک ڈیڈ کی بھیجی ہوئی وہ بیلٹ ویرا اور مائیک کے لیے بھی دلچسپی کا سبب بن گئی تھی۔ ان دونوں کو اس میں اُلجھا چھوڑ کر میں دوبارہ اپنے کمرے میں جا پہنچا۔

"تم ٹھیک ایک بجے پین اسٹیشن پہنچ جاؤ" فون پر بدری ناتھ کو وقت دیتے ہوئے میں نے یہ گنجائش رکھی تھی کہ ڈک کو اس کے ہوٹل کے قرب وجوار میں اپنے قدم جمانے کے لیے وقت مل سکے۔

"پین اسٹیشن؟" اس کی آواز میں بے یقینی تھی "کیا ہماری یہ ملاقات تمہارے گھر یا کسی اور بہتر مقام پر نہیں ہوسکتی؟"

میرا ماتھا ٹھنکا۔ "وہاں آنے میں تم کوئی سبکی محسوس کررہے ہو؟"

"میرے لیے کہیں بھی پہنچنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ایسے معروف اور مصروف مقامات اس وقت بھی میرے آدمیوں کی نگرانی میں ہیں۔ وہ سب مجھے جانتے ہیں مگر میں ان سب کو نہیں پہچانتا۔ کسی نے ہم دونوں کو ملتے دیکھ لیا تو بہت گڑبڑ ہوجائے گی۔ دو اور دو چار کی طرح وہ بعد میں یہ سمجھ لے گا کہ گیپ کے کاغذوں کی نقل میں نے تم سے حاصل کی تھی۔"

اس نے ایک سنگین خطرے کی نشان دہی کی تھی۔ میں نے سوچنے کے لیے وقت لیتے ہوئے کہا "پھر تم ہی کوئی مناسب مقام تجویز کرو۔ میں تمہیں پرائے گھر میں بلانے سے قاصر ہوں۔"

"پورٹ اتھارٹی ٹرمینل کے پاس والے پرانے ٹھکانے کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اب تک وہ بستر چھوڑ چکا ہوگا۔ اس کے بھنگر خانے میں ہم اطمینان سے کچھ دیر بیٹھ سکتے ہیں۔"

"میں تمہارے بتائے ہوئے خطرے کی سنگینی سے پوری طرح متفق ہوں۔ اس ملاقات کا کوئی گواہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں اجنبیوں کے درمیان ہی ملنا چاہیے۔ شیام ناتھ کا ہوٹل اس کام کے لیے مناسب نہیں ہے۔"

"میں نے تمہیں اپنے تحفظ سے آگاہ کردیا ہے۔ اب تم ہی کوئی مقام تجویز کرو۔" وہ بولا۔

میں مشکل میں پڑگیا۔ اس کے اعتراض کی معقولیت سے متفق ہونے کے باوجود میں آنکھیں بند کرکے اس پر اعتماد نہیں کرسکتا تھا۔ دوسری طرف میں خود نیویارک سے بہت زیادہ واقف نہیں تھا۔ اگر مجھے اس شہر کے کسی بڑے اسپتال کا نام اور محل وقوع معلوم ہوتا تو اس کی پارکنگ لاٹ ہمارے مقصد کے لیے بہترین ثابت ہوسکتی تھی۔ چند ثانیوں کے تذبذب کے بعد میں نے تھیٹر ڈسٹرکٹ کے ایک میکڈانلڈ ریستوران کا نام لیا اور وہ وہاں ملاقات پر آمادہ ہوگیا۔

تھیٹر ڈسٹرکٹ نیویارک میں رات کی رونقوں کا علاقہ تھا۔ وہاں زندگی اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی جوبن پر آتی تھی ورنہ دن میں وہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی تھی۔ ہر جگہ معمول کی کاروباری سرگرمیوں میں مصروف لوگوں میں ملے جلے تھوڑے بہت سیاح نظر آتے تھے جبکہ سورج ڈھلتے ہی وہاں کے راستوں پر کھوے سے کھوا چھلنے لگتا تھا۔

بدری ناتھ سے وقت طے کرلینے کے بعد مجھے بے چینی سے ڈک کی رپورٹ کا انتظار تھا۔ اس طے شدہ ملاقات کے ہونے یا نہ ہونے کا تمام تر دارومدار اسی کی رپورٹوں پر تھا۔

بارہ بج کر دس منٹ پر بے جان ٹرانسسٹر بیدار ہوگیا۔ ڈک عرف چارلی کو معلوم تھا کہ میں اس کے پیغام کا منتظر رہوں گا۔ اس نے مجھ سے رابطے کی تصدیق چاہے بغیر ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ ڈالا۔ اس نے گارہام ہوٹل کی خاصی ڈراؤنی منظر کشی کی تھی جس کی وجہ سے مجھے مجوزہ ملاقات اسی لمحے کھٹائی میں پڑتی نظر آنے لگی۔

گورہام ہوٹل پر سخت پہرا تھا۔ عملی طور پر وہ ایک عام سے ہوٹل کے بجائے کسی اہم دفتری عمارت میں تبدیل ہوکر رہ گیا تھا۔ ہوٹل میں مشتبہ قسم کے سادہ پوش افراد کی سرگرم آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا۔ ایسی حالت میں وہ ہوٹل میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کرسکا تھا۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ بدری ناتھ ہوٹل ہی میں تھا یا وہاں سے نکل گیا تھا۔

"ابھی وہ اندر ہی ہے۔ میری اس سے بات ہوچکی ہے۔ اسے ایک بجے تھیٹر ڈسٹرکٹ کے میکڈانلڈ میں مجھ سے ملنا ہے۔ وہ گندمی رنگت کا ایک صحت مند ایشیائی ہے۔ تنگ پیشانی اور سفاک نگاہیں اس کی واضح پہچان ہیں۔ اسے دیکھتے ہی میرے یہ الفاظ تمہیں اچانک یاد آجائیں گے.... اوور" میں نے اس کی پوری کتھا سن لینے کے بعد حوصلہ دلانے کی کوشش کی۔

"اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے میں اپنی ساری توجہ ہوٹل کی پارکنگ سے نکاس کے راستے پر مرکوز کررہا ہوں۔ وہ اہم آدمی ہے تو گاڑی ہی میں ہوٹل سے نکلے گا.... اوور۔"

"اسے لمبا سفر درپیش ہے۔ وہ گاڑی ہی میں ہوگا' اوور اینڈ آل۔"

ہم مین ہٹن کے مرکزی علاقے سے کافی دور تھے مجھے بدری سے تنہائی میں ملنا تھا جب کہ ویرا اور مائیک کو گاڑی میں رکنا تھا۔ اپنی ان ضروریات کے تحت ہمارا بدری ناتھ سے پہلے اس علاقے میں موجود ہونا ضروری تھا۔ میں نے فوری طور پر روانگی کی تیاری کا بگل بجادیا۔

ویرا نے اس سفر کی تیاری میں زیادہ وقت نہیں لیا تھا لیکن وہ

تیار ہو کر نکلی تو شعلۂ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ بغیر آستین کے ڈھیلے ڈھالے سرخ بلاؤز اور کالی جینز میں اس کا شباب پھٹا پڑ رہا تھا۔ ہونٹوں پر بلاؤز سے ملتی ہوئی تیز سرخ لپ اسٹک کی تہ جمی ہوئی تھی جس میں کہیں کہیں شبنم کے قطروں جیسی نمی کے مقید ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ایسا احساس ہو رہا تھا جیسے وہ غنڈوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی کوئی معصوم سی اسکول گرل ہو جسے ضرورت سے زیادہ تیاری پر مجبور کر دیا گیا ہو۔

"بدری ناتھ تمہیں اس حال میں دیکھ لے تو پٹ سے مر جائے گا اور بارودی بیلٹ صاف بچ جائے گی" اس پر نگاہ پڑتے ہی میں نے نکیلے لہجے میں کہا۔

"تمہارے ساتھ جا رہی ہوں اور مشرقی روایات کے مطابق تمہاری ذمے داری ہوں۔ مجھ سے جو کام چاہو، لے سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا" اس نے مجھے لاجواب کر دیا۔

باہر مائیک گاڑی تیار کر چکا تھا۔ ہم دروازہ مقفل کر کے باہر نکل آئے۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ برابر کے لان پر میڈیلین مختصر لباس میں دھوپ تاپ رہی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی اس نے اٹھ کر ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی مگر میں انجان بنا رہا۔ ہم دونوں کار کی عقبی نشست پر بیٹھے اور گاڑی وہاں سے روانہ ہو گئی۔

میں نے بارودی بیلٹ کا ڈبا کھول کر اس میں سے ریموٹ اور ریسیور نکال کر ویرا کے حوالے کر دیا۔ ٹرانسمٹر میری گود میں پڑا رہا۔ کوئنز ڈسٹرکٹ کی صاف ستھری اور کشادہ سڑکوں سے گزر کر دریا عبور کرتے ہوئے ہم تھوڑی ہی دیر میں مین ہٹن میں داخل ہو گئے۔

اچانک ٹرانسمٹر پر آواز آنے لگی "چارلی کالنگ ہیری..... وہ بالکل وہی ہے جو تم نے بتایا تھا۔ سیاہ رنگ کی فورڈ مستانگ میں وہ ابھی اکیلا باہر نکلا ہے.... اس کے پیچھے ابھی تک کوئی گاڑی نہیں نکلی۔ میں بس چند لمحے اور دیکھوں گا، پھر اس کے پیچھے چل پڑوں گا.... اوور!"

"گڈ چارلی!" کام شروع ہوتے ہی ہماری لاسلکی گفتگو نے باقاعدہ رخ اختیار کر لیا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تم مستانگ کے پیچھے لگے رہو۔ وہ بہت چالاک حریف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ راستے میں سے کوئی گاڑی اس کے ساتھ ہو لے۔ تمہیں یہ یقین کرنا ہے کہ وہ کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہیں کر رہا، اوور۔"

"وہ اسٹریٹ پچپن پر مغرب کی طرف جا رہا ہے۔ دیکھنا ہو گا کہ وہ براڈوے پر مڑتا ہے یا آگے نویں ایونیو پکڑتا ہے۔ ابھی تک کہیں سے کوئی گاڑی اس کے پیچھے نہیں لگی ہے.....اوور۔"

ہمارے مقابلے میں بدری ناتھ مقررہ مقام سے قریب تر تھا۔ ایک بجنے میں کافی دیر تھی لیکن مائیک نے ڈک کی رپورٹ سنتے ہی رفتار بڑھادی اور نیویارک کے ٹیکسی ڈرائیوروں کی طرح آڑی ترچھی ڈرائیونگ کرکے ٹریفک کی بھیڑ میں تیزی سے اپنا راستہ بنانے لگا۔

اس کی بے ہودہ ڈرائیونگ پر احتجاج کرتے ہوئے نیویارک کے کسی باسی نے گالی کے طور پر اپنا تیز ہارن بجایا تو مجھے بولنا پڑ گیا۔ "عجلت کی ضرورت نہیں، ہمارے پاس کافی وقت ہے۔ اسے ایک بجے تک میرے انتظار میں وہاں رکنا ہی پڑے گا۔"

ڈک نے لائن مجھے اوور کر دی تھی مگر میں نے اسے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ چند ثانیوں بعد اس نے اطلاع دی کہ بدری ناتھ براڈوے پر بائیں طرف مڑ گیا تھا۔ اس وقت تک ہم بھی ٹائمز اسکوائر کے قریب پہنچ چکے تھے اور اس سے زیادہ دور نہیں تھے۔

بدری ناتھ ہم سے پہلے اپنی گاڑی ایک جگہ پارک کر چکا تھا اور وہاں سے پیدل چل دیا تھا۔ اس موقع پر ڈک نے مجھ سے ہدایت لینی چاہی تو میں نے اسے گاڑی ہی میں رہنے کی ہدایت دے ڈالی۔ اس مقام پر گاڑی کھڑی کر کے بدری ناتھ میکڈانلڈ کے سوا کہیں نہیں جا سکتا تھا۔

ایک موزوں مقام پر گاڑی روک کر مائیک نے مجھے اتارا اور گاڑی آگے لیتا چلا گیا۔ پہلے سے طے کیے ہوئے پروگرام کے مطابق اسے دس پندرہ منٹ بعد وہیں موجود رہنا تھا۔

میں ریستوران میں داخل ہوا تو ایک بجنے میں چند منٹ باقی تھے۔ ہال میں خال خال ہی میزیں آباد تھیں۔ ایک کونے میں بدری کسی مشروب کا گلاس لیے اپنے گمبھیر چہرے کے ساتھ موجود تھا۔

میں اسے دیکھ چکا تھا' اس نے بھی ہاتھ لہرا کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا اور میں اس کی میز پر پہنچ گیا۔ اس نے کرسی سے اٹھ کر نہایت تپاک سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ پچھلی تلخ کلامیوں کے بعد اس نے غیر معمولی گرم جوشی کا اظہار ضروری سمجھا تھا۔

میرے بیٹھتے ہی وہ اپنی جگہ چھوڑ کر کاؤنٹر پر گیا اور میرے لیے بھی پیپسی کا گلاس لے آیا۔ اس قسم کے فاسٹ فوڈ ریستورانوں میں عام طور پر کسی کو یہ پروا نہیں ہوتی کہ کس نے کیا کھایا پیا ہے لیکن کسی بھی میز پر قبضے کے اخلاقی جواز کے طور پر مہمانوں کے سامنے استعمال شدہ یا زیر استعمال کاغذی پیکنگ وغیرہ کی موجودگی بہتر تصور کی جاتی ہے۔ ہم دونوں کے سامنے ایک ایک گلاس کی موجودگی میں ریستوران کا کوئی باوردی ملازم ہمیں وہاں سیلف سروس کے نظام کی طرف متوجہ نہیں کر سکتا تھا۔

کچھ خریدے بغیر کرسی پر قبضہ کرنے والے ریستوران کے عملے کی نظروں میں آجائیں تو عملے کا کوئی رکن نہایت اخلاق سے انہیں یاد دلاتا ہے کہ ریستوران میں سیلف سروس کا دستور ہے۔ جو کھانا ہے' کاؤنٹر پر پیسے دے کر خریدو اور پھر مزے سے دن بھر کرسی توڑتے رہو۔ اگر بالکل ہی کنگال ہو تو کرسی خالی کر کے باہر نکلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

بدری ناتھ کے لیے گیپ سب سے اہم مسئلہ تھا۔ اس کے واپس آتے ہی میں نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں سے گیپ کی نقل پر مشتمل لفافہ نکال کر خاموشی سے اس کے حوالے کر دیا۔

"پانچوں کاغذ ہیں؟" اس نے وہ لفافہ اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں اُڑستے ہوئے مسرت آمیز بے یقینی سے سوال کیا۔

"بیت الخلا میں جا کر اپنی تسلی کرلو اور وہیں یہ بیلٹ بھی لگا لینا" یہ کہتے ہوئے میں نے بارودی بیلٹ والا ڈبا بھی دونوں ہاتھوں سے اس کی طرف بڑھا دیا۔ میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ اس کی پتلون میں لگی ہوئی سیاہ بیلٹ کی چوڑائی بارودی بیلٹ سے کم نہیں تھی۔

اس نے سر کو تشکر آمیز انداز میں خم دے کر وہ ڈبا میرے ہاتھوں سے لے لیا۔

میری خواہش تھی کہ وہ میری دی ہوئی بارودی بیلٹ جلد از جلد اپنی کمر پر کس لے جب کہ وہ گیپ کے نایاب کاغذوں کی نقل دیکھنے کے لیے مرا جا رہا تھا۔ ان دونوں کاموں کے بارے میں میری تجویز اس کے لیے اس قدر تحریص انگیز ثابت ہوئی کہ وہ' وہ بیلٹ کا ڈبا لے کر فوراً ہی کرسی سے اٹھ گیا۔

"اپنی بیلٹ اسی ڈبے میں ڈال لینا۔ یہ بعد میں تمہارے کام آئے گی۔"

وہ ریستوران میں آویزاں رہنما علامات کو دیکھ کر باتھ روم کی طرف ہو لیا۔

اس وقت تک ہر کام میری مرضی اور خواہش کے مطابق ہوتا جا رہا تھا۔ میری آرزو تھی کہ اگلے چوبیس گھنٹے تک ستارے یوں ہی یاوری کرتے رہیں تو ہم پوری بے فکری کے ساتھ امریکا سے نکل سکیں گے۔

چند منٹ بعد بدری ناتھ نئی بیلٹ باندھ کر ڈبے سمیت واپس آگیا۔

"شاندار..... مجھے اب بھی اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا..." خود پر قابو پانے کے باوجود وہ اپنی خوشی کے بے ساختہ اظہار کو پوشیدہ نہ رکھ سکا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم کو میری دی ہوئی بیلٹ بہت زیادہ پسند آئی ہے؟"

"وہ بھی بہت نفیس اور عمدہ ہے۔ میں اس کی بے داغ دستی بناوٹ میں کہیں بھی کسی آلے کی موجودگی کا اندازہ نہیں کرسکا۔" اس نے پورے خلوص سے اعتراف کیا۔

"وہ بھی سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کیا تمہاری خوشی کسی اور چیز کے بارے میں تھی؟"

وہ احمقانہ انداز میں ہنس پڑا "یوں انجان نہ بنو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میری ضرورت کیا ہے۔ پوری تحریر ناقابل فہم ہے مگر میں اس لیٹر ہیڈ کو پہچانتا ہوں۔ آج کل ایسے کاغذ ہر روز میری نظروں سے گزرتے رہتے ہیں۔ یہ تم نے میرے اوپر ایک احسان کیا ہے۔"

"فکر مت کرو' میں جلد ہی تم سے اس احسان کی بھرپور قیمت وصول کرلوں گا" میں نے آنے والی ہلاکت کے بارے میں اسے مبہم سا اشارہ دیا۔

"میں اپنی پوری جان کے ساتھ حاضر ہوں" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

میں مسکرا کر خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ میں اس کی پیشکش کو پہلے ہی شرفِ قبولیت بخش چکا تھا جس کی سند بارودی بیلٹ کی صورت میں اس کی کمر کے گرد کس چکی تھی۔ وہ چاہتا تب بھی اپنی پیشکش واپس نہیں لے سکتا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارا وقت بہت قیمتی ہے مگر آج میں پہلی بار تم سے' تمہیں جانتے ہوئے مل رہا ہوں" اس نے اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر کہا "آج سے پہلے میں نے ہمیشہ تمہیں وہی سمجھا جو تم مجھے سمجھاتے رہے تھے۔ یہ میری کورچشمی تھی کہ میں شیر علی کے روپ میں چھپے ہوئے اصل شیر کو کل تک نہیں پہچان سکا۔ تم اجازت دو تو میں تم سے ایک اہم بات کرنی چاہتا ہوں۔"

"تمہاری اس لمبی تمہید نے مجھے تجسس میں ڈال دیا ہے۔ جو کچھ کہنا ہے' جلدی سے کہہ ڈالو۔"

"پانچوں اصل کاغذوں سے دست بردار ہو کر تم ان کی منہ مانگی قیمت حاصل کرسکتے ہو...." ہماری باتیں اردو میں ہو رہی تھیں لیکن اس بار بدری ناتھ کا لہجہ سرگوشیانہ ہو گیا "رقم' یہاں یا کہیں کی بھی مکمل شہریت اور غیر مشروط معافی۔ وہ تمہاری ہر شرط ماننے

کے لیے تیار رہیں۔"

میرے ذہن کے کسی گوشے میں ایک شعلہ سا لپک اٹھا' میری تیوریاں تن گئیں اور میں نے پھنکارتی ہوئی دھیمی آواز میں اس سے پوچھا "کیا تم نے انہیں بتادیا کہ وہ کاغذ میرے پاس ہیں؟"

"نن..... نہیں" میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر بدری ناتھ کے اوسان خطا ہو گئے "تمہارے بارے میں ان کے فرشتوں کو بھی ہوا نہیں لگ سکی ہے۔ ان کی طرف سے مجھے ان کاغذات کے لیے کھلی سودے بازی کا مکمل اختیار دے دیا گیا ہے۔ وہ کاغذ جس کسی کے پاس موجود ہوں وہ مجھ سے اپنی شرائط پر سودا کر سکتا ہے۔ یہ ایک سودا میری آنے والی نسلوں کی زندگی سدھار دے گا۔"

اس کے آخری فقرے میں پنہاں حسرت کا اندازہ کر کے میں نے ہمدردانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا "تم ابھی تک ان امریکی درندوں کو نہیں سمجھ پائے۔ وہ جانتے ہیں کہ عباس کرمانی سے تمہارا کوئی نہ کوئی رابطہ ضرور ہوگا۔ اس وقت کے لیے وہ تمہیں قربانی کا بکرا بنا رہے ہیں۔ سودا تم کرو گے' ضمانتیں تمہاری ہوں گی' پانچوں اصل کاغذ ہاتھ میں آتے ہی وہ بے رحمی سے تمہیں کاٹ ڈالیں گے اور سودے کے دوسرے فریق کا بھی یہی حشر ہوگا۔ یہاں کی کہانی یہیں کی مٹی میں دفن ہو جائے گی۔ کسی کو کوئی ڈالر ملے گا اور نہ معافی۔ میں تمہارے گرد پھیلائے جانے والے اس جال میں نہیں پھنسوں گا۔"

"تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ....." اس نے مجھے میری بات یاد دلانی چاہی مگر میں نے ہاتھ اٹھا کر اُس کا فقرہ درمیان سے ہی کاٹ دیا۔

"مجھے اپنی کہی ہوئی ہر بات یاد رہتی ہے۔ تمہیں اس کی نشان دہی کی ضرورت نہیں۔ اگر حالات نے اجازت دی تو میں وہ کاغذات تمہیں مفت دے دوں گا' ان کے پھیلائے ہوئے لالچ کے پھندے میں نہیں پھنسوں گا۔ یہی بات میں تمہیں بھی سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"تمہاری باتیں چشم کشا ہوتی ہیں۔ میرا تجربہ یہی بتاتا ہے۔ میں پھر سوچوں گا کہ مجھ سے کہاں بھول ہو رہی ہے۔ میں عزت اور دولت کے حصول کا خواہش مند ضرور ہوں لیکن ان دونوں چیزوں کے لیے اپنی جان کا سودا نہیں کر سکتا۔ زندگی بس ایک بار ملتی ہے' باقی ہر چیز کے لیے مواقع پیدا ہوتے اور مٹتے رہتے ہیں۔"

میں اس احمق بھارتی کی نادانی پر دل ہی دل میں ہنس دیا۔ اسے را میں اپنے تجربے پر ناز تھا مگر وہ جب سے مجھ سے ٹکرایا تھا' قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا پھر رہا تھا۔ اسے یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس نے اپنے امریکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے گیپ کی ایک بے وقعت نقل کے عوض مجھ سے اپنی جان کا سودا کر لیا تھا۔ اس نے جتنے شوق سے وہ کاغذ سنبھالے تھے' کم و بیش اسی شوق سے بارودی بیلٹ اپنی کمر پر باندھی تھی۔ اس کی ننھی سی کھوپڑی میں گیپ کی نقل پالینے کا ایسا گہرا سرور طاری ہوا تھا کہ وہ ہولناک دھماکا ہونے تک اس پُراسرار بیلٹ کے بارے میں کچھ سوچنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔

"تمہارا سفر لمبا ہے۔ اب تم جاؤ" میں نے کہا "میری آواز تم نہیں سن سکو گے مگر تمہاری آواز میرے کانوں تک پہنچتی رہے گی۔ راستے میں مجھے کچھ نہ کچھ بتاتے رہنا۔ زندگی رہی تو واپسی پر باقی باتیں ہوں گی۔ مجھے خوشی ہے کہ ہمارے درمیان پیدا ہونے والا بغض اب ختم ہو چکا ہے۔"

"مجھے اجازت دو کہ میں ایک بار تمہیں تمہارے اصل نام سے مخاطب کر سکوں؟"

اس کی طفلانہ خواہش پر میں بردباری سے مسکرا کر رہ گیا "اپنی یہ آرزو بھی پوری کر لو۔ پتا نہیں فیئر فیکس سے تمہاری واپسی کب ہوتی ہے۔"

"ڈینی! میرے باپ' میرے بھائی!" وہ فرطِ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں بولا "آج تم نے لفافہ دے کر میرا ایک بڑا ارمان پورا کیا ہے۔ ان کاغذوں کے لیے میں نے کئی دنوں سے منتیں مانی ہوئی تھیں۔ واپسی پر میں بنارس جا کر مندروں میں پنڈتوں اور پجاریوں کو دان دوں گا' دیوی دیوتاؤں کے چرنوں میں بھینٹ دوں گا' وہی منش کی آشاؤں کو پورا کرنے والے ہیں اور وہی اس کی رکھشا کرتے ہیں۔ میں ان....." اس کی آواز حلق میں پھنس گئی اور وہ خاموش ہو گیا۔

جذبات میں مذہب کی اندھی عقیدت شامل ہوتے ہی بدری ناتھ نے دھڑا دھڑ ہندی الفاظ کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ جس طرح ڈیوڈ اسٹارز باہر سے نرم و مہربان نظر آنے کے باوجود اندر سے متعصب اور نسل پرست یہودی تھے' اسی طرح بدری ناتھ بھی جذبات کی دھار پر چھلنے کے بعد اندر سے کٹر ہندو نکلا تھا۔ اس کی خود غرضیوں اور تعصب پرستی کے قصے میں پہلے ہی سن چکا تھا۔

"پہلے میں جاتا ہوں' تم بعد میں نکلنا" مجھ سے ہاتھ ملا کر بدری ناتھ نے دونوں خالی گلاس اٹھا لیے اور انہیں ڈسٹ بن میں ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔

میں خود بھی اس وقت بدری ناتھ کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ میں چند ثانیوں تک وہاں بدری ناتھ کی ان تشنہ آرزوؤں اور امیدوں کے بارے میں سوچتا رہا جنہیں دل میں لے کر اسے دنیا سے رخصت ہو جانا تھا۔

انسان جوانی میں اس دنیا سے کوچ کرے یا بڑھاپے میں داعیٔ اجل کو لبیک کہے' ہوتا یہی ہے کہ ہمیشہ اور ہر انسان کی منصوبہ بندی اپنی طبعی عمر سے بس چند برس زیادہ کی ہوتی ہے اور یوں ہر مرنے والے کے بہت سے خواب ادھورے رہ جاتے ہیں۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے مگر ہوتا ضرور ہے کہ بسترِ مرگ پر انسان اپنی حسرتوں کی نوحہ گری کرنے کے بجائے پورے صبر و سکون سے اپنی زندگی کا محاسبہ کرے

ہر کمزور لمحے کے لیے اپنے پروردگار سے معافی طلب کرتے ہوئے اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کردے۔

میں اپنے خیالوں کی دنیا کے ساتھ ہی میکڈانلڈ سے باہر نکل آیا۔ بدری کی بیلٹ جو بارودی بیلٹ کے ڈبے میں بند تھی، اب میری تحویل میں تھی کیونکہ رقت زدہ بدری ناتھ اسے اپنے ساتھ لے جانا بھول گیا تھا۔ وہ وہاں خالی ہاتھ آیا تھا اور بے دھیانی میں خالی ہاتھ ہی واپس چل دیا تھا۔

اس سے میری گفتگو توقع سے زیادہ طویل ثابت ہوئی تھی۔ مجھے مقررہ مقام پر چند منٹ انتظار کرنا پڑا۔ مائیک گاڑی لے کر دوبارہ وہاں آیا اور میں پھرتی سے پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔

ویرا نے میرے ہاتھ میں موجود ڈبا لے کر لمحہ بھر کے لیے تولا پھر تحیر زدہ آواز میں بولی "تم یہ بیلٹ واپس کیوں لے آئے؟ کیا پروگرام میں کچھ تبدیلی ہوگئی ہے؟"

"ہاں!" میں نے بے پروائی سے کہا "اسے شبہ ہوگیا تھا۔ اب راستے میں ہی اس کا کام تمام کرنا ہوگا۔"

"اس کے باوجود تم نے گیپ کی نقل اسے دے دی ہوگی؟" ویرا نے تلخی سے پوچھا۔

"یہ غلطی مجھ سے پہلے ہی سرزد ہوچکی تھی، معافی چاہتا ہوں۔"

"سارا موڈ غارت ہوگیا۔ چلے تھے سی آئی اے کے مرکز میں دھماکا کرنے اور اب بے وقوفوں کی طرح سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے پھریں گے۔ مجھے تو امید تھی کہ تم اپنے ہاتھوں سے بیلٹ اس کی کمر پر باندھ کر آؤ گے۔"

"اس کی جگہ کوئی خوب رو لڑکی ہوتی تب بھی ایسی حرکت گھر یا ہوٹل کے کمرے میں ہی کی جاسکتی تھی۔ میکڈانلڈ جیسے ریستوران میں اس کی گنجائش نہیں تھی۔"

معاً سیٹ پر رکھے ہوئے ریسیور پر ایک پرانے بھارتی فلمی گانے کی آواز سنائی دینے لگی۔

ویرا بھڑک کر مجھے گھورنے لگی۔ میں اسے نظرانداز کرکے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔

یہ موٹی سی بات اس کی سمجھ میں بھی آگئی کہ بارودی بیلٹ اپنی اصل جگہ پہنچ چکی تھی اور بدری ناتھ نے تنہائی کے احساس کو دور کرنے کے لیے گاڑی میں پرانے فلمی نغموں کا کوئی کیسٹ چلادیا تھا جس کی آواز بیلٹ میں پوشیدہ مائیکروفون کے ذریعے ریسیور تک پہنچ رہی تھی۔

اس نے جھلا کر ڈبا کھولنے کے بجائے، بری طرح نوچ کر پھاڑ ڈالا اور اس میں سے برآمد ہونے والی بدری ناتھ کی بیلٹ کو پائیدان میں پھینک کر سینڈلوں سے مسلنے لگی۔

وہ پیچ و تاب کھاتی رہی۔ میں اس سے الگ تھلگ بیٹھا رہا۔

اسی اثنا میں ڈک کا پیغام آگیا۔

"وہ مسلسل مین ہٹن کے جنوبی حصے کی طرف جارہا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ ہالینڈ ٹنل سے نیو جرسی میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ میری نظروں میں ہے "تم لوگ کہاں ہو؟ اوور!"

"گنجان ٹریفک میں اس پر نظر رکھو اور ہماری فکر مت کرو۔ آبادی سے نکلنے کے بعد اس سے فاصلہ بڑھالینا۔ کسی موقع پر ہم تمہیں اوورٹیک کرکے درمیان میں آجائیں گے، اوور اینڈ آل۔"

اس دوران میں میری نظر پسنجر سیٹ کے اگلے پائیدان میں رکھے ہوئے تھیلوں پر پڑی تو میں چونک پڑا۔ گھر سے چلتے ہوئے وہ پائیدان بالکل خالی تھا۔

"یہ اگلے پائیدان میں کس چیز کے تھیلے رکھے ہوئے ہیں؟" میں نے ویرا سے مخاطب ہوکر دانستہ انگریزی میں سوال کیا۔

حسبِ توقع ویرا نے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ فرض مائیک نے پورا کردیا۔ "راستہ طویل ہے" مس نے راستے میں کھانے پینے کے لیے کچھ سامان خریدا ہے۔"

"تو یہ تھیلے آگے کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ ذرا بیئر کا ایک ڈبا مجھے دے دو۔"

گاڑی کی رفتار کم تھی اور بیئر کے ڈبوں کا تھیلا شاید سامنے ہی تھا۔ مائیک نے پیچھے مڑے بغیر بیئر کا ایک یخ بستہ کین میری طرف بڑھادیا۔

میں نے وہ کین ویرا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ ٹھنڈی ہے اس کی تاثیر بھی ٹھنڈی ہوتی ہے۔ دو گھونٹ لیتے ہی تمہارا غصہ اس کے جھاگوں کی طرح بیٹھ جائے گا۔"

"میرے مقابلے میں تمہیں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ فیڈر میں بھر کر اسے چسنی سے پینا شروع کردو تاکہ تمہیں اپنے بچپن کا پورا یقین ہوسکے۔ اس پختہ عمر میں لاابالی لڑکوں جیسا مذاق تمہیں زیب نہیں دیتا۔"

"میں بچپن میں ہوں نہ پچپن میں۔ واجبی سی عمر ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اس مذاق سے محظوظ ہونے کے بجائے برا مان جاؤ گی۔ اب غصہ تھوک دو ورنہ سفر کے دوران میں ہی ہم دونوں آپس میں لڑلڑ کر فنا ہوجائیں گے۔ بدری ناتھ کی بیلٹ کا بٹن تم ہی کو دبانا ہے۔"

ویرا نے میرے ہاتھ سے کین لے کر بات ختم کردی۔ مائیک ہماری گفتگو سے بے خبر تھا لیکن طور طریقوں سے سب کچھ سمجھ لینے کے باوجود اس نے درمیان میں کوئی دخل اندازی نہیں کی تھی۔ اس نے شاید عقب نما آئینے میں ویرا کو کین لیتے دیکھا اور خاموشی سے میرے لیے دوسرا کین نکال دیا۔

کین کی سیل توڑتے ہی اندر سے جھاگوں کا سیلاب امڈ پڑا۔ میں نے فوراً ہی ایک بڑا گھونٹ لے کر اس مسئلے کو وہیں ختم کردیا۔ چلتی گاڑی میں ایک گھونٹ لے کر لطف آگیا تھا۔

ہم ٹریفک کی رفتار کا ساتھ دیتے ہوئے نیویارک بلکہ مین ہٹن

سے نکل کر نیو جرسی کے علاقے میں داخل ہوئے جو بارونق ہونے کے باوجود مین ہٹن کی طرح پُرہجوم نہیں تھا۔
اس وقت تک بارودی بیلٹ سے منسلک ریسیور پر مسلسل پرانے اور دل کی گہرائیوں کو چھو لینے والے منتخب نغمے سنائی دے رہے تھے۔ اچانک وہ آواز تھم گئی۔ شاید بدری ناتھ نے کیسٹ روک دیا تھا۔
"عجلت میں یہ پوچھنا تو یاد ہی نہیں رہا کہ تم کتنی دیر میں گھر پہنچو گے؟" ریسیور پر بدری ناتھ کی آواز سنائی دی "اگر تم پہنچ گئے ہو تو سن لو کہ میں تمہاری امانت کے ساتھ اب کسی بھی لمحے نیو جرسی کی حدود کو خیرباد کہہ دوں گا۔ کھلی ہوئی فری وے میرے سامنے ہے۔ بس دعا کرتے رہنا۔"
ریسیور پر دوبارہ فلمی نغمے گونجنے لگے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میرے کانٹے میں پھنسنے ہوئے شکار کو میری ہدایات یاد تھیں اور وہ اپنی کامیابی کے نشے میں سرشار ہو کر ہر خطرے کو بھولا ہوا تھا۔
ہم بدری ناتھ کے راستے پر چلتے ہوئے نیو آرک کو پیچھے چھوڑ آئے مگر اس وقت بھی ہم ریاست نیو جرسی کی حدود میں سفر کر رہے تھے۔ ہم سے چند منٹ قبل روانہ ہونے والے بدری ناتھ نے ہمیں ریاست کی حدود سے نکلنے کی اطلاع دی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بہت تیز رفتاری سے سفر کر رہا تھا۔
"چارلی! اس وقت تمہاری رفتار اور پوزیشن کیا ہے.... اوور!" میں نے ٹرانسیٹر پر پوچھا۔
"ہم نیو جرسی اسٹیٹ کی حدود سے نکل کر روٹ پچانوے پر آچکے ہیں۔ اس کا دماغ خراب معلوم ہو رہا ہے۔ وہ گاڑی کو سو میل کی رفتار سے اڑائے لیے جا رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ کسی حادثے سے دوچار نہ ہو جائے۔ ایسا نہ ہوا تب بھی کہیں نہ کہیں اس کا چالان ضرور ہو گا اور اسے ٹکٹ تھما دیا جائے گا.... اوور۔"
"تم سنبھل کر سفر کرو۔ چالیس پچاس میل کے فاصلے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی آخری منزل ہمیں معلوم ہے۔ اوور اینڈ آل۔"
فری وے سے دور نظر آنے والی آبادیاں یکے بعد دیگرے تیزی سے گزرتی رہیں۔ بدری ناتھ کی رفتار کا ذکر سن کر مائیک نے بھی اپنی رفتار بڑھا دی تھی۔ فلاڈلفیا اور میری لینڈ کے درمیان ہم اک سے آگے نکل گئے۔ اس کے برابر سے گزرتے ہوئے ہم نے اس کی صرف ایک جھلک دیکھی تھی لیکن آگے فورڈ مستانگ کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔
ریسیور پر سنائی دینے والے گانوں سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ س وقت تک بدری ناتھ کسی حادثے سے دوچار ہوئے بغیر محوِ سفر تھا اور ہماری دسترس میں تھا۔
فری وے پر راستے میں کئی جگہ مسافروں کی سہولت کے لیے سروس ایریاز نظر آئے جہاں گیسولین اور ڈیزل سے لے کر کھانے پینے کی ہر سہولت موجود تھی لیکن ہمارے پاس اشیائے خورونوش کا وافر ذخیرہ موجود تھا۔ ہم کہیں رک کر وقت برباد کرنے کے بجائے تقریباً ۵ گھنٹے بعد واشنگٹن ڈی سی تک پہنچ گئے۔
یہاں مائیک نے اپنی معلومات کے اظہار کو ناگزیر تصور کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ نول ووڈ سے ذرا آگے ایک جنکشن پر پچانوے نمبر فری وے ایک رنگ روڈ میں مدغم ہو گئی تھی۔ یہ سڑک تقریباً دائرے کی صورت میں امریکی دارالخلافہ کے گرد پھیلی ہوئی تھی۔
مائیک نے سفر جاری رکھنے کے لیے گاڑی بائیں سمت میں ڈال دی اور ہم واشنگٹن کے مشرقی مضافات سے گزرنے لگے۔ سرسبز اور آباد علاقوں سے گزرتے ہوئے ہم اسپرنگ فیلڈ کے مقام پر ایک جنکشن سے دوبارہ فری وے پر آگئے۔
"چارلی کالنگ.... مستانگ کی طرح تم لوگ بھی بہت تیزی کے ساتھ میری نظروں سے اوجھل ہو چکے ہو۔ میں اتنی تیز رفتاری کا خطرہ مول نہیں لے سکتا مگر میں تمہارے پیچھے آ رہا ہوں.... اوور۔"
"اسے احتیاط کے طور پر بلایا گیا تھا۔" مائیک نے پہلی مرتبہ مشورہ دینے کے لیے زبان کھولی "اب تک سب کچھ ٹھیک ہے۔ پیچھے کوئی نہیں ہے۔ ہدف ہر وقت ہماری زد میں ہے۔ اس کی پوزیشن لے کر اسے راستے میں ہی کہیں روک دو۔ اسے بلاوجہ آخر تک دوڑ لگانے کی ضرورت نہیں۔"
"مائیک ٹھیک کہہ رہا ہے۔ واپسی پر ہم اسے اپنے ساتھ لے لیں گے۔" ویرا نے اس کی تائید کی۔
"اس وقت تم کہاں ہو؟" "اوور!" میں نے اپریٹس پر ڈک سے سوال کیا۔
"میں پینتسویں جنکشن پر پہنچنے والا ہوں۔ وہاں سے ہائی رج بہت قریب ہے۔ اوور۔"
"تم فری وے سے اتر کر وہیں کہیں رک جاؤ۔ واپسی پر ہم تمہیں ساتھ لے لیں گے۔ اوور۔"
"اوہ نو۔" ڈک کی احتجاجی آواز ابھری "میں سست روی سے کام نہیں لے رہا۔ بس رفتار کی حد کی پابندی کر رہا ہوں۔ مجھے ایسی سزا نہ سناؤ.... اوور۔"
"یہ سزا نہیں ہے چارلی!" میں نے کہا "ایک آدمی کے لیے صرف ہم ہی کافی ہیں۔ تمہیں جس مقصد کے لیے لائے تھے' وہ پورا ہو چکا ہے۔ وہ اکیلا ہے' اس نے ہمارے ساتھ کوئی چال بازی نہیں کی۔ تمہاری اس تصدیق کے بعد تمہارا کام پورا ہو چکا ہے۔ اوور!"
"اوکے ہیری۔" اس کی پژمردہ آواز سنائی دی "جو تمہاری مرضی۔ گڈ لک! اوور اینڈ آل۔"
نیویارک سے بدری ناتھ کے تعاقب میں روانہ ہوتے ہوئے

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہمارا وہ سفر اتنا طویل اور اکتا دینے والا ثابت ہوگا۔ ہم آپس میں باتیں کرتے کرتے اکتا گئے تھے لیکن وہ سفر ختم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

آخر کار ریسیور پر بدری ناتھ کا پیغام آیا۔ وہ اپنی منزل سے بس چند منٹ کی مسافت پر تھا۔ میں نے وہ خبر سن کر اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔

"ہم اس سے بہت قریب ہیں۔ میری رائے میں مزید آگے بڑھنا بے سود بلکہ خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔" ویرا نے وہ پیغام سنتے ہی مشورہ دیا "جو کچھ کرنا ہے، ہمیں دور ہی سے کرنا ہے۔ اس کے لیے ہم یہیں کہیں ڈیرا ڈال سکتے ہیں۔"

"گاڑی کی رفتار کم کرلو اور کسی ایگزٹ کا خیال رکھو۔" میں نے ویرا کی تجویز پر غور کرتے ہوئے مائیک کو ہدایت کی۔ اس نے فوراً ہی رفتار بتدریج کم کرنی شروع کردی۔

"آگے ایک ایگزٹ آنے والا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، اس پر فری وے کے بائیں جانب لیڈی اسمتھ نامی ایک قصبہ ہے۔ ہم وہیں کسی چھوٹے موٹے موٹل میں رک سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

ہمارے اس طویل سفر کا مقصد بدری ناتھ اور اس کے چند آقاؤں کے خاتمے کے سوا کچھ اور نہیں تھا۔ یہ کام بھی دور رہ کر کرنا تھا۔ اگر واپسی کے سفر میں پولیس کی کوئی گشتی پارٹی ہمیں راستے میں روک کر ذرا بھی باز پرس کرتی تو ہم یہ بتانے سے قاصر ہوتے کہ ہم کہاں سے واپس لوٹ رہے تھے۔

ایسی ہی صورتِ حال کسی چھوٹے قصبے میں داخل ہونے پر رونما ہوسکتی تھی۔ قصبات میں آنے والوں کی تعداد اتنی کم ہوتی ہے کہ ہر نیا آنے والا غیر ضروری طور پر مقامیوں کی نظروں میں آجاتا ہے اور پھر وہاں کی پولیس بھی مستعدی دکھانے پر تل جاتی ہے۔ میں اس موقع پر کہیں بھی قانون کے محافظوں سے تصادم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔

ریسیور پر بدری ناتھ کا آخری پیغام بہت واضح آواز کے ساتھ موصول ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جس رینج کے لیے ریسیور کارآمد تھا اسی فاصلے تک ریموٹ کو بھی کام کرنا چاہیے تھا۔ ویرا کا مشورہ بہت صائب تھا کہ ہمیں غیر ضروری طور پر جائے واردات سے قریب تر ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے مگر لیڈی اسمتھ کے بارے میں مائیک کی تجویز خطرناک تھی۔

"ہمیں کسی آبادی میں جانے کا خطرہ مول لینے کے بجائے سروس ایریا میں رکنا چاہیے۔" میں نے سوچتے ہوئے فیصلہ صادر کیا "وہاں ہم کسی کی غیر معمولی توجہ کا مرکز نہیں بن سکیں گے۔"

"سروس ایریا بھی قریب ہی ہونا چاہیے۔ میں نے ابھی ابھی اس کا پہلا سائن دیکھا تھا۔"

"ادھر نہیں، ہمیں واپسی کے ٹریک پر پہنچنا ہے تاکہ کام کرتے ہی ہم تیزی سے نیویارک کی طرف واپس روانہ ہوسکیں۔" میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگا کر کہا۔

اس وقت ریسیور پر گہرا سکوت طاری تھا۔ اس پر سنائی دینے والے گانوں کا سلسلہ کافی دیر پہلے ختم ہوچکا تھا۔ ہر اچھی چیز کی طرح اچھے گانے کی بھی ایک حد تھی جو بدری ناتھ کے لیے شاید پوری ہوچکی تھی اور اس نے کیسٹ بند کردیا تھا۔

فری وے کے کنارے کھمبوں پر لگی ہوئی علامات کے مطابق ایک سو سواں جنکشن بہت قریب آچکا تھا۔ مائیک نے رفتار کم کرکے گاڑی کو انتہائی بائیں ٹریک پر لے لیا تھا۔

فری وے کے چھٹتے ہی مائیک نے گاڑی نیچے اتارلی اور پھر آٹھ کے انگریزی ہندسے کی صورت میں ایک طویل چکر کاٹ کر اسی جنکشن کے دوسرے حصے سے دوبارہ فری وے پر آگیا۔ اس بار کار کا رخ رچمنڈ کے بجائے نیویارک کی طرف ہوچکا تھا۔

ریسیور پر بدری ناتھ کی دھیمی سی بڑبڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ میں نے آواز بڑھادی۔ الفاظ واضح ہونے پر اندازہ ہوا کہ وہ ٹھیٹ ہندی میں اپنے کچھ اشلوک یا منتر جنتر پڑھ رہا تھا۔ غالباً وہ کسی بھی لمحے سی آئی اے کے مرکز میں داخل ہونے والا تھا۔

"آپ کی شناخت سر!" امریکی لب و لہجے میں ایک اجنبی آواز سنائی دی۔

خاموشی کے وقفے کے بعد اسی آواز نے اوکے کہا۔ بدری ناتھ ابتدائی شناخت کے مرحلے سے گزر کر اپنے مطلوب احاطے میں داخل ہوچکا تھا۔

خاموشی کے بعد پختہ فرش پر قدموں کی آہٹ سنائی دینے لگی۔ اس سے پہلے گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں بھی آئی تھیں۔ بدری ناتھ ہمارے ہدف کی طرف چل پڑا تھا۔

"ہائے بدری!" اچانک ریسیور پر ایک پُرجوش آواز سنائی دی "تم چور کی طرح اطلاع دیے بغیر یہاں کیسے آگئے؟" وہ اس کا کوئی شناسا تھا۔ پھر مزید کئی آوازیں شامل ہوگئیں۔ عمارت میں بدری کی آمد کی خبر بہت تیزی سے پھیلی تھی۔

وہ سب اس سے خیر خیریت معلوم کرنے کے ساتھ ساتھ جاننا چاہ رہے تھے کہ وہ نیویارک سے اچانک وہاں کیوں آپہنچا تھا۔ بدری نے انہیں صرف اتنا بتایا کہ ایک اہم کام کے سلسلے میں اپنے ڈائریکٹر سے ملنے کے لیے وہاں پہنچا تھا۔

اس وقت تک عباس کرمانی سی آئی اے والوں کے لیے ایک سلگتا ہوا موضوع تھا۔ ایک آدمی بدری ناتھ سے اس بارے میں کریدتا ہوا اس کے ساتھ ہولیا۔ قدموں کی چاپ کے ساتھ ان دونوں کی آوازیں پورے تسلسل کے ساتھ سنائی دے رہی تھیں۔

سڑک کے کنارے سروس ایریا کا پہلا نشان نظر آتے ہی ویرا نے ٹی این ٹی بیلٹ کا ریموٹ اپنے ہاتھ میں اٹھالیا۔ اس کی انگلیاں اضطراری طور پر آپس میں الجھ رہی تھیں۔

بدری ناتھ کے ساتھی کی آواز غائب ہوگئی۔ چند لمحوں تک بدری ناتھ کے قدموں کی آواز آتی رہی پھر وہ بھی معدوم ہوگئی۔ ریسیور پر اعصاب شکن خاموشی طاری ہوگئی۔

دروازے پر دستک کی ہلکی سی آواز سن کر میں نے اندازہ لگایا کہ شاید بدری قالین سے آراستہ کسی راہداری میں بے آواز قدموں سے چلتا رہا تھا۔ دستک کے جواب میں دور سے یا شاید کسی بند کمرے سے کم اِن کی نرم مگر باوقار آواز آئی۔

اگلے لمحات میں کم از کم تین ملی جلی، تحیر زدہ مردانہ آوازوں نے بڑے تپاک سے بدری ناتھ کا استقبال کیا تھا۔ اس سے پھر وہی سوال دہرائے گئے جنہیں وہ باہر ٹالتا رہا تھا۔

مجھے بدری ناتھ کے جواب سے ہی اندازہ ہوسکتا تھا کہ وہ اس وقت کن لوگوں کے درمیان موجود تھا۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا۔ ویرا اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے بیٹھی تھی، مائیک کے کان بھی ہماری طرف لگے ہوئے تھے۔

"سر! میں اصل کاغذوں تک نہیں پہنچ سکا لیکن آپ کے لیے گیپ کی نقل لانے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔" بدری ناتھ نے شاید اپنی جیب سے لفافہ نکال کر اپنے ڈائریکٹر کو جواب دیا تھا۔

"اوہ! بدری، یو آر گریٹ۔ تم واقعی ہمارے لیے ونڈر بوائے ثابت ہورہے ہو۔ تمہاری کامیابیاں ہم سب کے لیے قابلِ رشک ہیں۔" وہ تین مختلف آوازوں میں بیک وقت کیے جانے والے تحیر زدہ تبصرے تھے جو بدری ناتھ کا جواب سن کر یا میرا بھیجا ہوا لفافہ دیکھ کر ادا کیے گئے تھے۔

بدری ناتھ دُھن کا پکا تھا۔ وہ اپنی صحیح منزل پر پہنچ چکا تھا۔ ویرا کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کی ایک انگلی ریموٹ کے آپریٹنگ بٹن پر نرمی سے ٹک چکی تھی۔

"فائر!" میں نے سرد اور گمبھیر آواز میں ویرا کو حکم دیا۔

ویرا نے بٹن دبا دیا۔ ریسیور پر دھماکے کی بہت مختصر اور ادھوری آواز آئی پھر وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔ ویرا نے ریموٹ نیچے پھینک کر میری طرف ہاتھ بڑھا دیا جسے میں نے مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ ہماری بے مثال کامیابی تھی۔

"براوو!" مائیک خوشی سے بے قابو ہو کر چلّا اٹھا "چیف، تم واقعی کرتبی آدمی ہو۔"

"دھیان سے گاڑی چلاؤ۔" میں نے سروس ایریا کے اشارے کے آثار دیکھ کر اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے کہا "کام ہوچکا ہے۔ اب ہم یہاں نہیں رکیں گے۔ واشنگٹن سے آگے کہیں تھوڑا سا آرام کریں گے۔ اس وقت تک لینگلے روڈ کی خبریں بھی ٹیلی وژن پر آنے لگیں گی۔"

میں نے ٹرانسمٹر پر رابطہ کرکے ڈک کو اس کامیابی کی اطلاع دینے کی کوشش کی مگر کئی بار کی ناکامی کے بعد ارادہ ترک کردیا۔ ہمارے درمیان اس ایریئس کی رینج سے زیادہ فاصلہ حائل تھا۔

"اسے چورا چورا کردو۔" میں نے ویرا کے پائیدان میں پڑے ہوئے ریموٹ کی طرف اشارہ کرکے کہا اور خود ریسیور کو نیچے ڈال کر جوتے کی ایڑی سے کچلنا شروع کردیا۔

کام پورا ہوجانے کے بعد وہ دونوں آلات ہمارے لیے بالکل بے کار ہوچکے تھے۔ میں نے ان کے ٹکڑے پلاسٹک کے ایک تھیلے میں سمیٹ کر جمع کرلیے۔ ویرا نے پائیدان پر سے اس کارروائی کی ہر نشانی صاف کرنے کی پوری کوششوں میں میرا ساتھ دیا تھا۔

وہ امریکا کی مشرقی ریاستوں کی ایک اہم اور مصروف شاہراہ تھی۔ ہلکی اور بھاری گاڑیوں کے تیز رفتار مگر منظم ہجوم میں ہماری واپسی کا سفر جاری رہا۔ مائیک نے دھیمی آواز میں گاڑی کا ریڈیو کھول دیا تھا تاکہ ہم اس ذریعے سے آنے والی خبروں سے آگاہ رہ سکیں۔

"چیف!" مہم کے تمام مراحل میں خاموش رہنے کے بعد مائیک کی زبان کی خارش اسے دوبارہ ستانے لگی "آوازوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہاں بدری کے ساتھ کم از کم تین آدمی اور بھی تھے۔"

"کم از کم وہ چاروں تو مارے ہی گئے ہیں۔" میرے بجائے ویرا بول پڑی "دیکھنا ہوگا کہ ان کے ساتھ زخمی ہونے والوں کی کیا تعداد ہے۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔" مائیک پھر بولا۔ "ہمارے ریسیور پر دھماکے کی آواز اتنی ہلکی اور مختصر کیوں سنائی دی تھی؟"

"ضروری نہیں کہ ہر بات ہر آدمی کی سمجھ میں آسکے۔" میں نے اس سے کہا "پھر بھی میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ یہ ایک ننھا سا ریسیور تھا۔ ہوسکتا ہے کہ دھماکے کے طاقت ور سگنل سے اس کا اسپیکر ہی پھٹ گیا ہو۔ دھماکے کی ادھوری آواز کا دوسرا سبب یہ تھا کہ دھماکا ہوتے وقت مائیکروفون ٹھیک تھا۔ اس نے ابتدائی آواز نشر کی مگر دھماکے کے اثر سے وہ بھی برباد ہوگیا اور ریسیور خاموش ہوگیا۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ فوری طور پر وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکیں گے۔" مائیک نے فخریہ لہجے میں کہا "وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ بدری اپنی مرضی سے ایک تباہ کن بارودی بیلٹ ان تک لایا ہوگا جسے ریموٹ کنٹرول سے اُڑایا گیا ہے۔ چند روز کے لیے سب چکرا کر رہ جائیں گے۔"

"فی الحال زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ دعا کرو کہ ہم خیریت سے نیویارک پہنچ جائیں۔ بعض اتفاقی واقعات بھی کبھی کبھی انسان کی بدقسمتی کا سبب بن جاتے ہیں۔"

"خدا نے چاہا تو ہمارا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔" وہ بڑبڑا کر بولا

پڑا "انسان کو مشکل حالات میں بھی اچھی امیدیں رکھنی چاہئیں۔ ہم تو بہت بہتر پوزیشن میں ہیں۔"

واشنگٹن کے رنگ روڈ پر مائیک اس بار مغربی سمت سے اس شہر کا طواف مکمل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے اسے سختی سے منع کردیا۔ اس وقت میں نئے راستے پر سفر کرکے کوئی بھی غیر متوقع خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

وہ ویسے بھی امریکا کا صدارتی شہر اور دارالخلافہ تھا۔ سی آئی اے کے مرکز میں ہونے والے تباہ کن دھماکے کی خبر کہیں اور پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو' اس شہر میں ضرور پہنچ جانی چاہیے تھی۔ اس کے نتیجے میں پولیس کے گشت اور سختیوں میں اضافے کا ہر امکان بہت واضح تھا۔

رنگ روڈ کے وسطی حصے میں میرے اندیشے کی تصدیق ہوگئی۔ سڑک کے وسیع حصے پر مسلح پولیس والوں کا راج تھا۔ انہوں نے رکاوٹیں کھڑی کرکے سڑک کی چوڑائی اس طرح بلاک کردی تھی کہ تمام گاڑیاں ایک قطار میں آگے بڑھ رہی تھیں۔

تیز رفتار ٹریفک میں ڈالی جانے والی اس رکاوٹ کی وجہ سے رنگ روڈ پر گاڑیوں کی قطار تیزی سے بڑھتی جارہی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ سڑک پر موجود ہر پولیس والا تلاشی کے فرائض انجام نہیں دے رہا تھا۔ وہ صرف ٹریفک کی متعدد قطاروں کو ترتیب کے ساتھ ایک لائن میں لارہے تھے۔ تلاشی لینے یا نہ لینے کا فیصلہ ایک مخصوص مقام پر کھڑے ہوئے دو تجربے کار افسران کررہے تھے۔ انہوں نے رکاوٹوں سے آگے متعدد گاڑیوں کو تفصیلی جانچ پڑتال اور تلاشی کے لیے روکا ہوا تھا۔

وہ شاید ہماری مہم کا مشکل ترین مرحلہ تھا۔ مجھے عقابی نظروں والے وہ دونوں پولیس افسران دور ہی سے خطرناک نظر آرہے تھے۔ اگر وہ ہمیں روک لیتے تو ہمارے پاس تین ایسی مشتبہ چیزیں موجود تھیں جن کے بارے میں جواب دہی تقریباً ناممکن تھی۔

کچلے ہوئے ریسیور اور ریموٹ کے جملہ لوازم ایک تھیلی میں پڑے ہوئے تھے۔ ٹرانسمٹر کو میں نے نشست اور پشت گاہ کے نچلے جوڑ میں گھسا دیا تھا۔ تلاشی کی صورت میں ٹرانسمٹر کا محفوظ رہنا ناممکنات میں سے تھا۔ اس وقت ڈک بھی وہاں سے دور نہیں تھا اور وہ بھی ایسے ٹرانسمٹر سے لیس تھا۔

خطرے کو بھانپ کر میری اور ویرا کی نظریں چار ہوئیں اور وہ اپنا سر پیچھے ٹکا کریوں پھیل گئی جیسے تھکن یا علالت کی وجہ سے اس پر غنودگی طاری ہورہی ہو۔ اس مشکل وقت میں مائیک کی چرب زبانی رخصت ہوچکی تھی۔ وہ زبان ہلائے بغیر گاڑی کو قطار میں دھیرے دھیرے آگے بڑھا رہا تھا۔

گاڑیاں ان دونوں کے سامنے سے رینگتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ خدا خدا کرکے ہماری باری آئی۔ دونوں طرف سے جھکے ہوئے پتھریلے چہروں اور بے رحم آنکھوں نے اندر کا جائزہ لیا۔ ویرا نے آنکھیں موند کر ہولے ہولے کراہنا شروع کردیا تھا۔

جتنی دیر ہم ان دونوں کی عقابی نگاہوں کی زد میں رہے' میرا خون خشک ہوتا رہا۔ میرے ذہن میں بار بار ایک ایشیائی مرد اور امریکی لڑکی یا ڈینی اور ویرا کی مساوات چکرا رہی تھی لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ ہم ان کی نگاہوں کے سامنے سے سرخرو ہوکر گزر گئے۔

ٹریفک کی روانی میں شامل ہوتے ہوئے مائیک بول پڑا "بیمار عورت پولیس والوں سمیت ہر امریکی کی کمزوری ہوتی ہے۔ ہمیں اسی حربے نے موذیوں سے بچایا ہے۔"

"تم واقعی بیمار لگ رہی تھیں۔ خوف کی وجہ سے تمہارا چہرہ تک زرد پڑگیا تھا۔" میں نے کہا۔

"میں واقعی پریشان تھی۔ اگر ان دونوں میں سے کسی کے ذہن میں لمحہ بھر کے لیے بھی ویرا یا ڈینی کا نام آجاتا تو ہماری گاڑی روک لی جاتی۔ پتا نہیں تم ٹوٹے ہوئے پرزوں کی تھیلی اب تک کیوں لیے بیٹھے ہو۔ اسے کہیں بھی پھینک کر قصہ پاک کرو۔"

"ہم یہاں سے نکل جائیں پھر اسے ڈسٹ بن میں ڈال دیں گے۔ ایسی چیزوں کا بے احتیاطی سے تلف کرنا بعض اوقات گلے پڑجاتا ہے۔"

میں نے ٹرانسمٹر اٹھا کر ایک مرتبہ پھر ڈک کے لیے پیغام نشر کیا۔ اس کی طرف سے فوراً ہی جواب مل گیا۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ کسی شہر کے بجائے اس وقت ہائی وے سے آگے نیویارک جانے والے ٹریک کے ریسٹ ایریا میں رکا ہوا ہے۔

ہمارے لیے بھی وہ مقام بہتر تھا۔ اسے وہیں رکنے کی ہدایت کرکے میں نے سلسلہ منقطع کردیا۔

بدری ناتھ کے بارے میں اس نے کچھ پوچھا نہ میں نے بتایا۔ ڈک والے ریسٹ ایریا میں' میں نے خالی ڈبوں اور تھیلیوں کے ساتھ کچلے ہوئے پرزوں کی تھیلی بھی ڈسٹ بن میں ڈال دی۔ کچھ دیر تک وہاں قیام کے بعد ہم نے تھوڑے سے فاصلے سے واپسی کا بقیہ سفر طے کرنا شروع کردیا۔ اس بار ڈک کی گاڑی ہم سے آگے تھی۔

حیرت ناک بات یہ تھی کہ کافی وقت گزر جانے کے باوجود ریڈیو سے اس واقعے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا گیا تھا۔

○☆○

سات بجے سے ہمارے کمرے میں ریڈیو بھی آن تھا اور ٹیلی وژن بھی چل رہا تھا مگر کہیں سے کوئی خبر نہیں آرہی تھی۔ ویرا نے گھر پہنچتے ہی معلومات کے ان دونوں ذرائع کو بیک وقت فعال کرنے کے بعد غسل خانے کا رخ اختیار کیا تھا اور اب منہ لٹکائے بیٹھی تھی۔

امریکا جیسے ملک میں کسی بڑی خبر کو تین چار گھنٹوں تک یوں چھپائے رکھنا میرے لیے حیران کن تھا۔ پتا نہیں وہ لوگ اس بارے میں کیا سوچ رہے تھے۔

آخر کار سوا آٹھ بجے بلیک ڈیڈ کا فون آگیا "ڈک سے مجھے معلوم ہوگیا کہ تم میری طرف سے ایک اور مبارک باد کے حق دار بن چکے ہو لیکن فیئر فیکس والے خاموش کیوں ہیں؟"

"اس کا جواب وہی دے سکتے ہیں۔ میں خود اس بارے میں فکر مند ہوں۔"

"ریسیور پر دھماکے کی ہلکی سی آواز تم نے اپنے کانوں سے سنی تھی؟"

"اس وقت روزی سمیت مایئک بھی میرے ساتھ گاڑی میں موجود تھا۔"

ٹیلی وژن اسکرین پر معمول کی نشریات چل رہی تھیں۔ بلیک ڈیڈ کی اشتباہ آمیز تفتیش کا سامنا کرتے ہوئے بھی میری نگاہیں اسی طرف مرکوز تھیں۔ اچانک وہ سلسلہ منقطع ہوگیا اور اسکرین پر اسپیشل نیوز بلیٹن کی سلائیڈ چھاگئی۔

"سنو ڈیڈ... ٹیلی وژن اسکرین پر کوئی خاص خبر آنے والی ہے۔" میں نے وہ خبر فوراً ہی اس تک پہنچادی تاکہ ہماری کامیابی کے بارے میں اس کے شبہات دور ہوسکیں۔

"میرے کمرے میں ٹیلی وژن نہیں ہے۔ ذرا آواز بڑھا دو۔ میں فون پر ہی خبر سن لوں گا۔"

میں نے ویرا کو آواز بڑھانے کا اشارہ کیا اور اپنا رخ بدل لیا تاکہ ٹیلی وژن کی آواز براہِ راست ماؤتھ پیس میں پہنچ سکے۔ اسکرین پر اناؤنسر کا چہرہ نمودار ہوچکا تھا۔

اناؤنسر کے سیاہ لباس اور ستے ہوئے چہرے سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس کے پاس اپنے ناظرین کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔

خبروہی تھی جس کا ہم سب کو شدت سے انتظار تھا۔ فیئر فیکس میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر کے دفتر میں ہونے والے ایک طاقت ور... بارودی دھماکے میں ڈائریکٹر سمیت تین امریکن اور ایک بھارتی کی ہلاکت ہوئی تھی۔ مرنے والوں میں بقیہ دو سی آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر تھے۔ بدری ناتھ نامی چوتھا شخص انڈین ٹرینی تھا جو خاص مہم پر کام کررہا تھا۔

خبر میں دھماکے کی نوعیت اور دوسری تفصیلات سے گریز کیا گیا تھا۔ امریکی قوم کو صرف یہ اطلاع دی گئی تھی کہ امریکا کے مشرقی معیاری وقت کے مطابق تین بج کر چالیس منٹ پر وہ تباہی نازل ہوئی تھی۔ اس خبر میں عمارت کو پہنچنے والے نقصان یا زخمیوں کی تعداد کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ حد یہ تھی کہ خبرنامہ جائے واردات کی فلم رپورٹ سے یکسر عاری تھا۔

"مبارک ہو۔ خبر آہی گئی۔ فلم میں وہ منظر کیسا لگ رہا تھا؟" بلیک ڈیڈ نے پوچھا۔

"فلم نہیں دکھائی گئی۔ یہاں بھی ہمیں توقع سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ چینل بدلتے رہو۔ کہیں نہ کہیں سے تفصیلی خبر آہی جائے گی۔ معاملہ سی آئی اے کا ہے اس لیے ہر ایک محتاط رہ کر زبان کھولے گا۔"

"اس کامیابی کے بعد میں امریکا میں رکنے کی غلطی نہیں کرسکتا۔ یہ یاد رکھنا کہ کل میں ہر صورت میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔" میں نے اسے اپنا فیصلہ سنادیا۔

"میری دلی خواہش ہے کہ تم کچھ دن اور یہاں رہو۔ اب تمہیں کچھ نہیں کرنا۔ خاموشی سے روپوش رہو اور اپنے دشمنوں کو دنیا بھر کی خاک چھاننے دو۔ یہ گرد دب جائے تو اطمینان سے اپنے وطن روانہ ہوجانا۔ تم کو کوئی نہیں چھیڑ سکے گا۔"

"پہلی بات یہ ہے کہ خالی بیٹھنا میری فطرت کے خلاف ہے۔ دوسری اور زیادہ اہم بات یہ کہ ابھی سی آئی اے والے بدحواس ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ ان کے گڑھ میں یہ سب کیسے ہوگیا۔ ایک دو روز میں بارودی ماہرین کی رپورٹیں آئیں گی تو بہت کچھ کھل جائے گا۔ میں ان لوگوں کے ہوش میں آنے سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں مجبور نہیں کرسکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہاری نگاہیں مجھ سے کہیں دور تک دیکھ لینے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں۔ اپنے فیصلے تم خود ہی کرسکتے ہو۔"

بلیک ڈیڈ اپنی عام زندگی میں جس قدر تند خو اور منہ پھٹ مشہور تھا' ہمارے ساتھ دوستی کے بعد اسی قدر لحاظ و مروّت سے پیش آتا رہا تھا۔ میری زبان سے روانگی کا پختہ پروگرام سن کر وہ بجھ سا گیا اور پھر جذباتی ہونے لگا۔

اس جیسے شخص کا کسی کے لیے یوں آزردہ ہونا بہت بڑی بات تھی۔ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہا اور میں اسے دلاسے دیتا رہا۔ وہ اس وقت تک اپنی کامیابیوں کے خمار میں مبتلا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ میری مدد سے اس نے نیویارک کی زیرِ زمین دنیا میں اپنی عظیم الشان سلطنت کی داغ بیل ڈال دی ہے جس پر کوئی ٹیڑھی نگاہ نہیں ڈال سکے گا۔

وہ آنے والے دنوں کے ان خطرات سے بالکل بے خبر تھا جو مجھے اس وقت بھی صاف نظر آرہے تھے۔ وہ قانون کی زد سے اسی وقت تک محفوظ تھا جب تک میرا یا ویرا کا نام سامنے نہیں آتا تھا۔ جس دن یہ بات ثابت ہوجاتی کہ اس نے ہمیں نیویارک میں پناہ دی ہوئی تھی' اس کے سارے سنہرے خواب چکنا چور ہونے شروع ہوجاتے۔ اس انجام کی بنیاد پڑچکی تھی۔

فورٹ ہاؤس کی دو لاشوں پر لیزر گن کے استعمال کی بات ثابت ہوچکی تھی۔ جب فیئر فیکس میں ٹی این ٹی بیلٹ کے استعمال کا انکشاف ہوتا تو بلیک ڈیڈ کے لیے مشکلات پیدا ہونی شروع ہوجاتیں۔ وہ مستقبل کے اندیشے تھے۔ میں نے ان کا ذکر چھیڑ کر اس کی خوش فہمیوں پر اوس ڈالنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

وہ دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہا پھر اس نے ویرا سے بھی بات

کی۔ اپنے شہر بلکہ ملک سے ہمیں الوداع کہنے کے لیے اس نے صبح اپنی آمد کا ارادہ ظاہر کیا تو ویرا نے اسے خوب صورتی سے ٹال دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی آمد ہمارے لیے کسی آسانی کے بجائے مسائل کا سبب بن جائے گی۔

مائیک کو بھی کسی طرح ہماری روانگی کی بھنک مل چکی تھی۔ بلیک ڈیڈ سے گفتگو ختم ہوتے ہی وہ ہمارے لیے اسکاچ کی نئی بوتل دوسری چیزوں کے ساتھ لے آیا۔

میری ہدایت پر دو کے بجائے تین گلاس بناتے ہوئے مائیک کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "کیا تم واقعی کل یہاں سے جا رہے ہو؟"

"حیرت ہے۔ ہماری نشستیں تو تم ہی کنفرم کرا کے لائے تھے۔" میں نے کہا۔

"میں نے سنا تھا کہ باس تم دونوں کو روک لے گا۔" وہ اداس ہو کر بولا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ ہم یہاں دلدل میں بھاگ رہے ہیں۔ ابھی تک قسمت ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔ ہم یہاں رکے رہے تو ایک دن اچانک گردن تک دلدل میں غرق ہو جائیں گے اور کہیں نہیں بھاگ سکیں گے۔ بہتر ہے کہ وہ برا وقت آنے سے پہلے ہم خاموشی سے نکل جائیں۔ یہ بات تمہارے باس کی سمجھ میں بھی آگئی ہے۔ ہم سب کی بہتری اسی فیصلے میں مضمر ہے۔"

"یہ شہر ویران ہو جائے گا۔ باس تنہا رہ جائے گا۔ میں نے اپنی زندگی میں اسے کسی کے ساتھ اتنا بے تکلف اور مہربان نہیں دیکھا جتنا وہ تمہارے ساتھ ہے۔"

"بے کار باتیں ہیں.... یہ دیکھو کہ دنیا میں کیسے کیسے لوگ مرجاتے ہیں۔ ان کی زندگی میں یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ ان کے بغیر زندگی کا پہیا چل سکے گا۔ وہ مرجاتے ہیں، چند روز کے رونے پیٹنے کے بعد زندگی اپنی ساری رونقوں کے ساتھ رواں دواں ہو جاتی ہے۔"

مرنے والوں کی مثال پر وہ لاجواب ہو گیا "تمہاری بات ٹھیک ہے مگر بہت سے مرنے والوں کو لوگ زندگی بھر نہیں بھول پاتے۔ میں نے تمہارے ساتھ رہ کر دیکھ لیا ہے۔ تم دونوں جیسے بامروّت لوگ میں نے کم ہی دیکھے ہیں۔"

وہ ہمارے ساتھ بیٹھا مے نوشی کرتا اور ہمارے گن گاتا رہا۔ دوالارج پیگ معدے میں اترنے کے بعد یہ معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہماری روانگی کے غم میں کسی بھی لمحے رونا شروع کر دے گا۔ میں نے فوراً ہی اسے کھانا لگانے کی ہدایت کے ساتھ کمرے سے اٹھا دیا۔

"سب سے روانگی کے موضوع پر باتیں ہو رہی ہیں تو جینی سے بھی بات کرلو۔" میں نے ایک مرتبہ پھر اسے یاد دلایا "اس نے ہر مرحلے پر تمہارا بہت ساتھ دیا ہے۔"

"تمہاری زبان سے اس کا ذکر سن کر مجھے چڑ سی ہونے لگی ہے۔" ویرا منہ بنا کے بولی۔

"اس وقت میں پوری طرح سنجیدہ ہوں۔ میں اس سے بات نہیں کروں گا۔ بس تم اپنا اخلاقی فرض پورا کرلو۔ دنیا بہت مختصر ہو کر رہ گئی ہے۔ پتا نہیں تمہیں پھر کہاں اس کی ضرورت پڑ جائے۔"

"اگر تم دخل اندازی نہیں کرو گے تو میں یہ نیک کام ابھی کیے لیتی ہوں۔"

یہ کہہ کر ویرا نے اسپیکر فون آن کیا اور جینی کا نمبر ملا ڈالا۔ وہ رنگس کا دفتر بند ہونے کے بعد مسلسل اپنے گھر پر آرام کر رہی تھی اور اس کی بیشتر شامیں کمپیوٹر پر مے نوشی کرتے ہوئے گزرتی تھیں۔ اس وقت بھی اس کی آواز خمار سے قدرے بوجھل ہو رہی تھی۔

"اوہ، روزی! تم بہت بے وفا ہو۔" ویرا کی آواز سنتے ہی اس کی متاسفانہ آواز ابھری "معلوم ہے کہ تم کتنے دن بعد مجھے فون کر رہی ہو؟"

"مجھے سب معلوم ہے۔ میں اپنے مسائل میں گھری ہوئی ہوں۔ اسلم مجھے چھوڑ کر اچانک کہیں غائب ہو گیا ہے۔ میں نے اس کی تلاش میں نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانی ہے۔"

"وہ ایسا ہرجائی نہیں تھا۔ تم نے ہی اپنی زیادتیوں سے اسے بھاگ جانے پر مجبور کیا ہوگا۔" جینی کے لہجے سے بھرپور بے اعتباری مترشح تھی۔ پھر اس نے چونکی ہوئی آواز میں کہا "ایسا تو نہیں کہ مجھے اس سے دور رکھنے کے لیے تم یہ کہانی سنا رہی ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اسے پسند کرنے لگی تھی۔"

"بکواس مت کرو۔" ویرا نے مصنوعی غصے سے اسے ڈانٹا۔ "میں اتنی خودغرض نہیں ہوں کہ تم جیسی عزیز ہستی کو ایسے فریب دیتی پھروں۔ وہ واقعی کہیں بھاگ گیا ہے اور اب میں بھی کسی وقت یہاں سے روانگی کے پروگرام پر غور کر رہی ہوں۔"

جینی کو گویا کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی "مجھ سے یہ سب نہ کہو۔ اس مرتبہ تم نے میرے ساتھ خودغرضی کی انتہا کر دی ہے۔ مجھے ایسی بے رحمی سے استعمال کیا ہے کہ کسی کسی وقت مجھے اپنے آپ سے شرم آنے لگی ہے۔ میں تمہارے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔"

"یہ تم کن باتوں کا ذکر کر رہی ہو؟" ویرا نے انجان بن کر معصومیت سے پوچھا۔

"اتنی بھولی نہ بنو۔" جینی کا طنزیہ جواب آیا "ہر مرتبہ تم نے جو چاہا، میں تم کو فراہم کرتی رہی لیکن تم ہر بار مجھے دھوکا دیتی رہیں۔ میں اپنے سابق باس کا کوئی شکوہ نہیں کرتی لیکن ولسن کا آج تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ تم نے مجھ سے چار پتے مانگے تھے۔ میں نے رنگس کے ریکارڈ سے جارج شلز کا پتا دیتے ہوئے التجا کی تھی کہ میری فراہم کی ہوئی معلومات کو کسی خوں ریزی کا ذریعہ نہ بنانا مگر چند

روز پہلے شلز ہی نہیں، تمہارے چاروں مطلوب افراد فورٹ ہاؤس میں مار ڈالے گئے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تمہاری اس وعدہ خلافی سے مجھے کیسی شدید ذہنی اذیت پہنچی ہے۔"

"وہ میرا کام نہیں تھا۔ تم جانتی ہو کہ ایسے کاموں میں ایک ٹیم چلتی ہے۔ میں دوسروں کو اعتماد میں لینے کے بعد قطعی بے بس ہوگئی تھی۔ انہوں نے وہی کیا جو وہ چاہتے تھے۔" ویرا نے ضرورت کے مطابق اپنی آواز میں بے چارگی کے تاثرات پیدا کرلیے تھے۔ "تم بتاؤ کہ میں کیا کرتی؟"

"مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ اب تم پہلے جیسی نہیں رہی ہو۔ وقت اور تجربوں نے تمہیں اندر سے بالکل بدل کر رکھ دیا ہے۔ آئندہ مجھے ان باتوں کا دھیان رکھنا پڑے گا۔"

"آئندہ کے لیے تم آزاد اور خود مختار ہو۔ اس بار جو کچھ ہوا، اس کے لیے میں شرمندہ ہوں۔ میں اپنی انا کے خول میں سمٹ کر تم جیسی دوست کو کھونا نہیں چاہتی۔"

جینی کی ہنسی کی آواز آئی پھر وہ بولی "میں تمہاری معذرت قبول کیے لیتی ہوں مگر سچ سچ بتاؤ کہ تمہارا وہ بوائے فرینڈ کہاں ہے۔ میں حلفیہ بتارہی ہوں کہ آج بھی میں گھنٹوں تمہارے اور اس کے بارے میں سوچتی ہوں۔ اس وقت تمہارا فون نہ آیا ہوتا تو میں صبح ایک بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کرچکی تھی۔ اس سے تمہیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔"

ویرا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر میری طرف دیکھا پھر جینی سے پوچھا "ذرا میں بھی تو سنوں کہ تم نے کون سا بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہوا تھا؟"

"میں خود کو فورٹ ہاؤس میں مرنے والوں کا قاتل محسوس کرتی رہی ہوں۔ میرے لیے یہ احساس ایک عذاب سے کم نہیں ہے۔ دوسری جھلاہٹ تمہاری دھوکے بازی کی تھی۔ مجھ سے جارج شلز کا پتا لے کر تم اچانک غائب ہوگئیں.... تمہیں معلوم ہے کہ مجھے پیسے کا کبھی لالچ نہیں رہا۔ میرے پاس جو کچھ ہے، وہ میرے لیے کافی ہے۔ میں نے تم پر مقرر کیے گئے انعام کے کسی لالچ کے بغیر نیویارک کے پولیس چیف کو تمہاری یہاں موجودگی سے آگاہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں اسی طرح اپنے بڑھتے ہوئے احساسِ جرم سے نجات حاصل کرسکتی ہوں۔"

"شاید تمہارا دماغ چل گیا تھا۔" ویرا وحشت زدہ آواز میں بولی۔

"نہیں ڈارلنگ! میں بہت سنجیدہ تھی۔ سچ پوچھو تو میں اس وقت کمپیوٹر پر پولیس چیف کے نام اپنا فیکس ہی تیار کررہی تھی۔ صبح یہ فیکس اس کی میز پر موجود ہوتا۔ اس میں تمہارا ہی نہیں، تمہارے بوائے فرینڈ کا بھی تفصیلی ذکر ہے۔"

جینی کے اس انکشاف پر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ویرا کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا "میں نے جان بوجھ کر کوئی دھوکا نہیں دیا۔ میں اپنی دشواریوں میں گھری ہوئی تھی۔ مجھے علم نہیں تھا کہ تجرد کی زندگی گزار کر تم اتنی حساس اور خطرناک ہوگئی ہو۔ فوراً وہ خط ضائع کردو، اسے کمپیوٹر کی میموری سے بھی نکال دو۔"

"تم مجھ سے بات کررہی ہو، میں تمہاری معذرت قبول کرچکی ہوں۔ یہ سب نہ ہوا ہوتا تو طلوع ہونے والا سورج تمہارے لیے مصائب کے پیغام لاتا۔ اب میں ہر چیز ضائع کردوں گی۔ میں تجرد کی زندگی گزار... رہی ہوتی تو شاید خطرناک بھی ہوگئی ہوتی۔ تم جانتی ہو کہ ہم جیسی لڑکیاں اس کرب سے نہیں گزرتیں۔ ایک اشارے پر کئی دوست پیدا ہوجاتے ہیں جو ماضی کو کریدتے ہیں نہ مستقبل کے سنہرے خواب دکھاتے ہیں۔ ان کے ساتھ جو وقت گزار لیا جائے، وہی غنیمت ہوتا ہے۔"

"مجھے اب تک یقین نہیں آرہا کہ تم میرے خلاف مخبری کرنے کا ارادہ کرچکی تھیں۔"

"ڈارلنگ! جرم کرنا شاید دنیا کا آسان ترین کام ہے لیکن احساسِ جرم کو اپنے دل سے نکال پھینکنا اور ضمیر کے چوکوں کو سہنا بہت مشکل بلکہ ناممکن کام ہے۔ فورٹ ہاؤس کی خبریں پڑھنے کے بعد میں مسلسل اس کیفیت سے گزر رہی تھی، میری نیندیں اڑ گئی تھیں۔ مخبری کرکے میں نے اس روگ کا ازالہ کرنے کی ایک کوشش کرنی چاہی تھی۔ تمہاری اس فون کال سے میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوگیا ہے۔ اب مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔"

"تمہیں دوبارہ یہ دورہ پڑسکتا ہے۔" ویرا اس سے خوف زدہ دکھائی دے رہی تھی۔

جینی کی ہنسی بہت گہری اور جان دار تھی "میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا۔ میں جھوٹ بولتی ہوں نہ جھوٹے وعدے کرتی ہوں۔ تمہیں مجھ سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"غنیمت ہے کہ میں نے تمہیں فون کرلیا۔" ویرا گہرا سانس لے کر بولی "اور بات رفع دفع ہوگئی ورنہ میں بے خبری میں کہیں بھی ماری جاسکتی تھی۔"

"اب سچ سچ بتادو کہ تمہارا بوائے فرینڈ کہاں ہے؟" جینی نے تیسری بار سوال دہرایا۔

"تم پرسوں تک انتظار کرو۔" ویرا نے مجھے آنکھ مار کر اسے دلاسا دیا "میں اسے کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالوں گی اور وہ دُم ہلاتا ہوا تمہارے پاس پہنچے گا۔ ہوسکتا ہے کہ آج کی مفاہمت کی خوشی میں، میں دستبردار ہوکر اسے تمہارے حوالے کردوں۔"

"مجھے بہلانے کے لیے تم بہت بڑی پیش کش کررہی ہو۔"

جینی اپنے نپے تلے الفاظ سے ویرا کے زخموں کو کرید رہی تھی۔ وہ ویرا کے سامنے انجان بنی ہوئی تھی مگر میری اصلیت سے واقف تھی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ویرا کا دعویٰ کھوکھلا تھا۔ وہ اسے پورا نہیں کرسکتی تھی۔

"ایک دو روز میں تم دیکھ لو گی کہ میرا دل کتنا بڑا ہے۔" ویرا نے اصرار کیا۔
"اس کا مطلب ہے کہ وہ واقعی ڈینی نہیں ہے۔" جینی نے کھل کر میرا نام لے ڈالا۔
"تم سے کس نے کہا کہ وہ ڈینی ہے؟" ویرا نے بھڑک کر سوال کیا۔
"کون کہتا؟ بس دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ ابھی تک مجھے شبہ تھا کہ وہ تمہارا پرانا دوست ہے جو نام بدل کر یہاں آیا ہوا ہے۔ وہ وہی ہوتا تو تم اس سے اتنی آسانی سے الگ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کے لیے تم نے اپنے باپ اور ملک سے ٹکر مول لی تھی۔"
"جینی! خدا کے لیے بس کرو۔ تم نشے کی جھونک میں ہو اور بولے چلی جا رہی ہو۔ تم نے ذرا سی دیر میں میرے دماغ کی چولیں ہلا ڈالی ہیں۔ میں جلد ہی تم سے ملوں گی اور تمہارے دماغ کے سارے کیڑے جھاڑ دوں گی۔ اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"
"گڈ نائٹ ڈارلنگ!" جینی کی مخمور آواز ابھری "میں نے تمہیں سوچنے کے لیے بہت سا مواد دے دیا ہے۔ اگر اگلے چند دنوں میں ہماری کوئی ملاقات ہوئی تو ان نکات پر ضرور بات ہو گی۔"
جینی نے اگلی ملاقات کے بارے میں سبھے کا اظہار کر کے ایک اور چٹکی لے ڈالی تھی۔ ویرا اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے اسے خاموشی سے پی گئی اور گڈ نائٹ کہہ کر فون بند کر دیا۔
"آج گولی ہمارے کان پر سے گزری ہے۔ تم اسے فون نہ کرتیں تو کل ہماری روانگی کا خواب ادھورا ہی رہ جاتا۔" میں نے تادیبی لہجے میں کہا "ہو سکتا ہے کہ ہم ائرپورٹ پر ہی دھر لیے جاتے۔"
"وہ تمہارے بارے میں سوچ رہی تھی اور تم اس کی دل جوئی کے لیے بے چین تھے۔ اسی کو ٹیلی پیتھی کہتے ہیں۔" ویرا نے جلے کٹے لہجے میں کہا "کل روانگی کے بارے میں اندیشوں کی داغ بیل پڑ گئی ہے۔ وہ نشے میں تھی۔ ہو سکتا ہے کہ جھونک میں اپنا خط فیکس کر کے بھول گئی ہو اور مجھ کو بلا وجہ دلاسے دے رہی ہو۔"
"وہ زیادہ نشے میں نہیں تھی۔ ہر بات صحیح اور برمحل کر رہی تھی۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ اس نے ایسی فاش غلطی نہیں کی ہو گی۔ ہماری روانگی کا پروگرام ذرا بھی تبدیل نہیں ہو گا۔" میں نے کہا۔
"اچھی طرح سوچ لو۔ ہم نے بڑے بڑے دشمنوں کو نمٹا لیا ہے لیکن جینی مارِ آستین ثابت ہو رہی ہے۔ وقت ہوتا تو میں اس کا دماغ بھی درست کر دیتی۔ پڑھ لکھ کر خود کو افلاطون سمجھنے لگی ہے۔"
مائیک شاید فون پر گفتگو کے اختتام کا منتظر تھا۔ اس نے آکر کھانا لگنے کی اطلاع دی اور ہم دونوں کچن کی طرف چل دیے۔ مائیک ہمارے پیچھے ہو لیا۔
"خدا کرے کہ یہ نیویارک میں ہمارا آخری ڈنر ثابت ہو۔" ویرا نے کرسی سنبھالتے ہوئے اردو میں کہا "اُلّو کی پٹھی نے بیٹھے بٹھائے ایک پریشانی میں مبتلا کر دیا۔"
"اس کا مسئلہ صرف اتنا سا ہے کہ تم نے اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے بعد اسے بری طرح نظرانداز کیا ہوا تھا۔ میری یاددہانی کو تم نے مذاق میں نہ اڑایا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ اب بار بار اس کا ذکر مت کرو۔ اگر تقدیر میں کوئی گردش لکھ ہی دی گئی ہے تو ہم رو پیٹ کر اسے نہیں ٹال سکتے۔"
میز کے لوازم پورے ہونے کے بعد ہم نے مائیک کو بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا۔ میری آخری تنبیہہ کے بعد ویرا نے جینی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ خاموشی سے کھانا ختم کر کے ہم نے یکے بعد دیگرے میز چھوڑ دی۔
اگلے روز امریکا روانگی سے پہلے میری نظریں ورجینیا سے آنے والی خبروں پر لگی ہوئی تھیں۔ بستر پر دراز ہونے کے بعد میں نے خبروں کا ایک چینل چلتا رہنے دیا۔
ویرا طویل سفر کی تکان اور مے نوشی کی وجہ سے تھوڑی ہی دیر میں نیند کی پرکیف وادیوں میں اتر گئی۔ میں سگریٹیں پھونک پھونک کر ٹیلی وژن دیکھتا رہا۔
وقفوں کے ساتھ ہر بار وہی ابتدائی خبر نشر کی جا رہی تھی۔ اس میں صرف اتنا اضافہ ہوا تھا کہ عمارت کے گرد سخت پہرے اور احاطے میں ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کے داخلے پر پابندی کی وجہ سے تفصیلات کا حصول تقریباً ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔
سوا بارہ بجے اسپتال کے ذرائع کے حوالے سے یہ اضافہ کیا گیا کہ چاروں لاشوں میں سخت فائبر کے سیکڑوں چھوٹے چھوٹے دھار دار ٹکڑے کافی گہرائی تک پیوست تھے اور وہی موت کا سبب بنے تھے۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ چاروں کسی طاقت ور کلسٹر بم کی زد میں آکر مارے گئے ہوں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ بم کا کوئی ٹکڑا لاشوں میں نہیں مل سکا۔
میں نے ٹیلی وژن بند کر کے دوسرے پہلو پر کروٹ بدلی اور سونے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔
اگلی صبح نیویارک ٹائمز اس واقعے کی تفصیلات سے بھرا ہوا تھا۔ اخبار نے اپنی شہ سرخی میں اس خونین واقعے کو سی آئی اے کے مرکز میں پراسرار دہشت گردی قرار دیا تھا۔
اس واقعے کی پراسراریت یہ تھی کہ سخت حفاظتی انتظامات کی وجہ سے کوئی مشکوک شخص اس عمارت میں نہیں پھٹک سکتا تھا پھر دھماکا خیز مادہ وہاں کیسے اور کس کے ذریعے پہنچا۔ اگر بدری ناتھ وہ ہلاکت انگیز مادہ اپنے ساتھ لایا تھا تو کیا اسے اپنے انجام کا اندازہ نہیں تھا؟
خبروں میں جائے واردات سے گیپ کی نقل ملنے کا کوئی ذکر

نہیں تھا۔ اسی طرح کسی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ نیویارک میں اپنے فرائض کی انجام دہی پر مامور بدری ناتھ کسی اطلاع کے بغیر اچانک فیئرفیکس کیوں آن پہنچا تھا۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے وہ واردات ہر ایک کے لیے معما بن کر رہ گئی تھی۔

اس دھماکے سے ڈائریکٹر کے دفتر سے ملحق مزید دو کمرے اور بہت سی کھڑکیوں کے شیشے تباہ ہوئے تھے۔ اس ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں پانچ افراد کو شدید اور تین کو معمولی زخم آئے تھے۔ اس طرح حادثے کے جملہ متاثرین کی تعداد ایک درجن ہو گئی تھی۔

وہ دھماکا بدری ناتھ کے پہنچنے کے ساتھ ہی ہوا تھا۔ پھر فائبر کے سب سے زیادہ ٹکڑے اسی کے جسم کے درمیانی حصے میں پیوست پائے گئے تھے اس لیے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسی کے خلاف شبہات کا اظہار کیا گیا تھا۔ ساتھ ساتھ اس کی کارکردگی کے حوالے سے یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ ادارے میں ہر فرد کی خوشنودی حاصل ہونے کے باوجود بدری کو ایسی مجرمانہ کارروائی میں شمولیت کی کیا مجبوری پیش آسکتی تھی۔

اس واقعے کے بارے میں پایا جانے والا وقتی ابہام ہمارے لیے سود مند تھا۔ ہمارے نکل جانے کے بعد ساری کڑیاں مل بھی جاتیں تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑا جا سکتا تھا۔

"ماہرین آج نہیں تو کل تک ہر بات کی تہ تک پہنچ جائیں گے۔" ویرا کی غیر ضروری مسرت پر میں نے اسے آگاہ کیا "چرمی بیلٹ کا کوئی بھی ٹکڑا ہاتھ آنے کے بعد بات صاف ہو جائے گی۔ مائیکروفون کا مصرف معلوم ہوتے ہی دھماکے کا طریقہ واضح ہو جائے گا اور تفتیش کا رخ بہت تیزی سے ٹی این ٹی بیلٹ پر مرکوز ہو جائے گا۔"

"ایسا ہونے تک ہم پاکستان میں بیٹھے ہوں گے۔ لندن ائرپورٹ پر ہمارا صرف چند گھنٹوں کا ٹرانزٹ ہے۔ طیارہ بدل کر ہم وہاں سے پرواز کر جائیں گے۔" ویرا نے کہا۔

ہمارے پاس زیادہ سازوسامان نہیں تھا۔ میرے پاس ہلکے پھلکے سوٹ کیس کے علاوہ ایک بریف کیس تھا۔ ویرا صرف سوٹ کیس کے ساتھ آئی تھی۔

ناشتے کے بعد میں نے نیویارک میں ویرا کا خریدا ہوا پستول اور ریوالور راؤنڈز سمیت مائیک کے حوالے کر دیا کیونکہ ان ہتھیاروں کو پرواز پر ساتھ لے جانا ممکن نہیں تھا۔ اس کے بعد ہمارا کل سامان وہی رہ گیا جو ہم لندن سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس میں بس ایک اہم اضافہ ہونا تھا جو بدری ناتھ سے حاصل ہونے والی سی ایس ڈی پر مشتمل تھا۔

ہماری پرواز کا وقت دو بجے تھا۔ ہمیں بارہ بجے نیوآرک ائرپورٹ پر پہنچنا تھا۔ میری خواہش تھی کہ ہم جلد از جلد شہر چھوڑ کر ائرپورٹ پہنچ جائیں۔ سر پر سفر سوار ہونے کے بعد مجھے گھر میں بیٹھے رہنا دشوار محسوس ہو رہا تھا۔

ہماری تیاریوں کے درمیان ساڑھے دس بجے بلیک ڈیڈ کا الوداعی فون آیا "تم سفر کی ابتدا ایک بڑی کامیابی سے کر رہے ہو۔" اس نے کہا "اس مرتبہ کل ایک درجن شکار ہوئے ہیں۔"

"اب یہ حساب کتاب تم کو سنبھالنا ہے۔ ہم تو بنجارے ہیں۔ آج یہاں ہیں، کل کہیں اور ہوں گے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"بنجاروں کا کوئی دیس نہیں ہوتا۔ تم اپنے گھر جا رہے ہو اور میں خود کو اندر سے خالی خالی محسوس کر رہا ہوں۔ تم نے بہت کم وقت میں مجھے اپنا گرویدہ بنایا ہے۔ پاکستان جا کر مجھے بھول نہ جانا۔"

"جوڈی کو بتا دینا کہ میری کال کو ٹالنے کی کوشش نہ کرے۔" میں نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں اس بدمعاش بڑھیا کو اچھی طرح سمجھا دوں گا۔"

بلیک ڈیڈ کو وقت کی تنگی کا اندازہ تھا۔ اس نے میرے بعد ویرا سے آخری گفتگو کر کے فون بند کر دیا اور میں نے اسی وقت سی ایس ڈی کو فون کے تاروں سے جدا کر کے اس کے سیل نکالے اور ڈبیا کو اپنے بریف کیس میں ڈال لیا۔

مائیک ہم دونوں کو ایک ساتھ نیوآرک پہنچانے پر مصر تھا۔ میں نے اسے اپنے حفاظتی مسائل سے آگاہ کیا تو اس نے مجھے میرے سامان سمیت ایک چوراہے پر لے جا کر ٹیکسی دلوادی۔ ویرا کو میرے بعد اسی کے ساتھ ائرپورٹ پہنچنا تھا۔

میں ٹیکسی میں کوئنز، مین ہٹن اور دریاؤں کے پانی پر الوداعی نظریں ڈالتا ہوا بارہ بجے سے پہلے ہی نیوآرک ائرپورٹ پہنچ گیا۔ وہاں کانٹی نینٹل ائرلائنز کا کاؤنٹر کھل چکا تھا۔ ہر کمپیوٹر کے سامنے چند افراد اپنے سامان سمیت موجود تھے۔

جلد ہی میری باری آگئی۔ ٹکٹ اور پاسپورٹ دے کر میں نے بورڈنگ کارڈ لیا۔ بیگیج ٹیگ ٹکٹ سے منسلک کر دیا گیا تھا۔ سوٹ کیس سے نجات حاصل کر کے میں امیگریشن کے سرسری مرحلے سے گزرا۔ متعلقہ افسر نے میرے پاسپورٹ سے لگا ہوا ڈس امبارکیشن کارڈ کا نصف حصہ الگ کیا اور کوئی مہر لگائے بغیر پاسپورٹ لوٹا دیا۔ میں سیڑھیاں طے کر کے لاؤنج کے اس حصے میں پہنچ گیا جہاں بار اور ریستوران کے ساتھ ہی ڈیوٹی فری شاپس بھی موجود تھیں۔ سیکیورٹی کے مرحلے پر مجھے کسی نے نہیں روکا تھا۔

ان دکانوں پر نظر پڑتے ہی مجھے یاد آیا کہ میں نے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا سفر کر ڈالا تھا مگر کراچی والوں اور خاص طور پر غزالہ کے لیے کوئی تنکا تک نہیں خریدا تھا۔ ویرا کی آمد کے بعد خریداری کا ارادہ کر کے میں ایک ایسی جگہ پر بیٹھ گیا جہاں سے نئے آنے والے مسافروں پر آسانی سے نگاہ رکھ سکوں۔

دنیا بھر میں ترقی یافتہ ملکوں کے چمکتے دمکتے ہوئے ہوائی اڈے

کچھ الگ ہی مزاج اور ماحول رکھتے ہیں۔ رنگارنگ مسافروں اور چاق وچوبند عملے سے آباد ان روشن عمارتوں میں قدم رکھتے ہی انسان کا موڈ خود بخود خوش گوار ہونے لگتا ہے۔ روشنی، صحت، صفائی اور سہولتوں کی فراہمی کا ایسا اہتمام ہوتا ہے کہ دیکھ کر رشک آتا ہے۔

مجھے اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ذرا ہی دیر ہوئی تھی کہ میں نے قرب و جوار میں دو ایسے باوردی افراد کو دیکھا جو اپنی دھیمی چال اور چبھتی ہوئی سوالیہ نگاہوں کی وجہ سے حفاظتی عملے کے ارکان معلوم ہو رہے تھے۔ ان کے گشت کا مقصد مسافروں کو ہراساں کرنے کے بجائے انہیں مکمل تحفظ کا بھرپور یقین دلانا تھا۔ وہ اپنی حدود میں مشتبہ افراد اور اشیا کی تلاش میں مسلسل ٹہل رہے تھے۔

میں ایک اسٹال سے کافی کا پیپر کپ خرید کر دوبارہ اسی جگہ آبیٹھا اور سگریٹ نوشی میں مصروف ہوگیا۔ سگریٹ ختم ہوئی، دھیرے دھیرے کافی کا کپ بھی خالی ہوگیا۔ وقت گزرتا رہا، ساڑھے بارہ بج گئے لیکن ویرا کی آمد کے آثار نظر نہ آئے تو مجھے تشویش ہونے لگی۔

اپنی بے چینی پر قابو پانے کے لیے میں نے اٹھ کر ٹہلنا شروع کردیا۔ میں نے اپنا بریف کیس صوفے نما کرسی کے پاس ہی چھوڑ دیا تھا۔

میں اپنی فکر میں غلطاں اس مشق میں مصروف تھا کہ نہ جانے کہاں سے سیکیورٹی کا ایک ترش رو آدمی میری نشست کے قریب پہنچ کر میرے بریف کیس کو پُرتشویش نظروں سے گھورنے لگا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی میں لپک کر وہاں پہنچا تو اس نے میرے سراپا پر ایک نظر ڈالی اور پوچھا "یہ بریف کیس تمہارا ہی ہے؟"

"بالکل.... میرا ہی ہے۔" میں نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"بورڈنگ کارڈ؟" اس نے میری طرف ہاتھ پھیلایا۔

میں نے اندر کی جیب سے بورڈنگ کارڈ نکالا ہی تھا کہ اس نے اسے چھوئے بغیر آنکھیں موند کر اثبات میں سرہلایا اور بولا "بریف کیس کے ٹیگ پر اپنا نام لکھوا اور اسے یوں لاوارث نہ چھوڑو۔ کوئی بھی اٹھا کر لے جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ آگے چل دیا۔

میں دوبارہ وہیں بیٹھ گیا۔ اس بار برقی زینے پر فوراً ہی ویرا طلوع ہوتی نظر آئی۔ میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں پھر وہ کسی اجنبی کی طرح فرش پر ایڑیوں سے کھٹ کھٹ کرتی میرے سامنے سے گزرتی چلی گئی۔ میں بدستور اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

کافی مسافروں کی آمد کے بعد میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اسکرین پر اس وقت تک ہماری پرواز کی بورڈنگ کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ کلوزڈ سرکٹ ٹیلی وژن سے گزر کر میں نے ڈیوٹی فری شاپس کا جائزہ لینا شروع کیا اور قیمتیں دیکھ کر اندازہ لگایا کہ وہاں ہر چیز بہت مہنگی تھی۔

نیو آرک سے مہنگی چیزیں لاد کر کراچی تک لے جانا حماقت ہی ہوتا۔ میں نے سوچ لیا کہ اپنی خریداری دبئی ائرپورٹ سے کروں گا۔ البتہ نیو آرک سے چند چھوٹی موٹی چیزیں خریدی جاسکتی تھیں۔

میں مصنوعی زیورات اور انگوٹھیوں کی ایک دکان میں داخل ہوا تو ویرا مجھ سے پہلے وہاں گھسی ہوئی تھی اور آئینے کے سامنے ایک نیکلس پہن کر دیکھ رہی تھی۔

"ہائے مسٹر!" مجھے دیکھتے ہی اس نے کسی اجنبی کی طرح مخاطب کیا "ذرا دیکھنا یہ ہار میرے گلے میں کیسا لگ رہا ہے؟"

دکان دار دلچسپی سے ویرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے انگریزی ہی میں جواب دیا "معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہار صرف تمہاری خوب صورت گردن کے لیے ہی بنایا گیا ہے۔ اس کے لیے اس سے بہتر جگہ مشکل سے ہی ملے گی۔"

اس نے خوش ہو کر میرا شکریہ ادا کیا اور نیکلس اتار کر پیکنگ کے لیے دکان دار کو دے دیا۔

"میں نے تمہارا مسئلہ حل کردیا۔ اب ذرا میری مدد بھی کرو۔" میں نے دکان دار کو سنانے کے لیے کہا۔

ویرا لپک کر میرے قریب آگئی اور شوکیس پر جھکتے ہوئے اردو میں بڑبڑائی "گاڑی کا ٹائر پنکچر ہوگیا تھا ویسے سب خیریت تھی۔"

"چند مردانہ اور زنانہ انگوٹھیوں کا انتخاب کردو۔" میں نے ویرا سے فرمائش کی۔

ویرا نے چند منٹ میں میرا مسئلہ حل کردیا اور دکان دار سے اپنا نیکلس لے کر چلی گئی۔ میں نے بورڈنگ کارڈ دے کر اپنی خریدی ہوئی مزید چند اشیا کا بل بنوایا۔ رقم کی ادائیگی کی اور اس دکان سے باہر نکل آیا۔ ویرا سے مختصر سی بات ہوجانے کے بعد مجھے اطمینان ہوگیا تھا۔

غزالہ اور دوسرے دوستوں کے لیے میری وہ مختصر سی خریداری محض علامتی تھی۔ ان تحفوں کے ذریعے میں ان لوگوں کو یہ یقین دلا سکتا تھا کہ پاکستان سے ہزاروں میل دور ایک دوسرے براعظم میں ہوتے ہوئے بھی میں ان کے خیال سے غافل نہیں تھا۔

ایک بجے لاؤنج میں جا بجا نصب کلوزڈ سرکٹ ٹیلی وژن اسکرینوں اور بڑے بڑے اطلاعی بورڈز پر ہماری پرواز کی بورڈنگ شروع ہونے کا اعلان آگیا۔

گھر سے نیو آرک ائرپورٹ پہنچنے کے بعد میں خود کو بڑی حد تک امریکا سے باہر اور محفوظ تصور کر رہا تھا لیکن دل میں ایک خوف یہ بھی تھا کہ اس وقت میں اسی سرزمین پر تھا۔ بے شمار لوگ مختلف کاموں اور ضرورتوں کے تحت لاؤنج میں اِدھر اُدھر آجا رہے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی میرے یا ویرا کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

لاؤنج کے مقابلے میں طیارہ ہمارے لیے زیادہ بہتر اور محفوظ تھا۔ وہاں ہم غیر متعلقہ افراد کی نظروں سے بچ سکتے تھے۔ مسافروں

اور جہاز کے عملے سے مجھے کوئی خوف نہیں تھا۔ میں دھیرے دھیرے اس گیٹ کی طرف چل دیا جس سے گزر کر میں اپنی پرواز تک پہنچ سکتا تھا۔

وہاں کوئی بھیڑ بھاڑ یا ہنگامہ آرائی نہیں تھی۔ ہال سے گینگ وے میں داخلے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کے داہنے کونے پر ایک دراز قامت اور خوب رو امریکی لڑکی فضائی میزبان کی وردی پہنے مسافروں کا انتظار کر رہی تھی۔

اس نے مسکرا کر مجھے خوش آمدید کہا۔ بورڈنگ کارڈ کا ایک حصہ پھاڑ کر اپنے پاس محفوظ کیا اور دوسرا حصہ مجھے لوٹا دیا۔ میں دروازہ عبور کرکے چوکور اور ڈھلوان سرنگ میں داخل ہو گیا جو خاصی روشن اور ہوادار تھی۔

لاؤنج کو براہِ راست طیارے سے منسلک کرنے والے اس گینگ وے میں مجھ سے آگے صرف تین مسافر نظر آرہے تھے جو میری ہی طرح اپنی سلامتی کے بارے میں تشویش میں مبتلا تھے یا پھر نو آموز مسافر تھے۔ میں نے ملکی اور غیر ملکی پروازوں میں ہمیشہ یہ دیکھا تھا کہ تجربے کار مسافر سفر کے آغاز سے پہلے زمین کی نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر آخری لمحات میں ایک ہجوم کی صورت میں طیارے کا رخ کرتے ہیں۔ بورڈنگ کے اس آفاقی اصول کا لحاظ میری اس پرواز پر بھی ہوتا تھا جو تھوڑی دیر بعد زمین سے رشتہ توڑ کر فضا کی وسعتوں میں بلند ہونے والی تھی۔

میری توقع کے عین مطابق وسیع و عریض جہاز تقریباً خالی پڑا ہوا تھا۔ اس دیو قامت کیبن میں اِکّا دُکّا مسافروں کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔ راہداریوں میں جہاز کے عملے کے اراکین نشستوں اور ان کے اوپر بنے ہوئے خانوں میں رکھی ہوئی اشیا کی دیکھ بھال کرتے پھر رہے تھے۔

میں سگریٹ نوشوں کے لیے مخصوص کی جانے والی نشستوں میں اپنی جگہ تلاش کرکے کھڑکی کے ساتھ جا بیٹھا۔ لاؤنج سے طیارے میں آکر میں نے عجیب سا اطمینان محسوس کیا تھا۔

طیارے میں رفتہ رفتہ مسافروں کی تعداد بڑھنے لگی۔ اندر چھائے ہوئے سکون یا سناٹے میں متعدد ملی جلی اور خوش گوار آوازیں گونجنے لگیں۔

آخر کار بورڈنگ مکمل ہوگئی۔ بظاہر پورا طیارہ بھرا ہوا نظر آرہا تھا۔ امریکی سامان سے لدے پھندے مسافر مشکل سے اپنے اپنے دستی سامان کو اِدھر اُدھر کھپا سکے تھے۔ میں وہ سارے تماشے دیکھ رہا تھا لیکن پوری کوشش کے باوجود یہ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا کہ ویرا کو جہاز میں کہاں جگہ ملی تھی۔

عملہ خوش اخلاقی سے مسافروں کو اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھنے کی تلقین کرنے میں مصروف ہوگیا۔ آغازِ سفر کی ہدایات پورے کیبن میں روشن تھیں۔ بحرِ اوقیانوس پر مسلسل گھنٹوں تک اڑنے والی پرواز کے مسافروں میں خاصا جوش و خروش موجود تھا۔

آخر کار جہاز سے ٹیلی اسکوپک گینگ وے الگ کر کے دروازے بند کردیے گئے۔ انجن چلائے گئے اور مسافر کھٹ کھٹ کی آوازوں کے ساتھ حفاظتی بیلٹیں باندھنے لگے۔

اپنی کمر کے گرد سیفٹی بیلٹ باندھتے ہوئے مجھے اچانک بدری ناتھ کا خیال آگیا اور میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ پچھلے دن وہ بھی ایک بیلٹ کا شکار ہوا تھا۔ اس نے میرے دیے ہوئے جس تحفے کو خوشی سے قبول کیا تھا' آخر کار وہی اس کی عبرت ناک موت کا سبب بنا تھا۔

بارودی بیلٹ اور جہاز کی حفاظتی بیلٹ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

جہاز رن وے پر حرکت میں آگیا۔ وہ گھوم کر دھیرے دھیرے اپنا رخ تبدیل کر رہا تھا۔ سمت درست ہوتے ہی جہاز کسی مست خرام پرندے کی طرح آگے رینگنے لگا۔ گزرنے والا ہر لمحہ امریکا کی سرزمین سے میرے تعلق کو کمزور تر کرتا جارہا تھا۔

اپنے طے شدہ رن وے کے ایک سرے پر پہنچ کر طیارہ رک گیا۔ قرب و جوار کی دوسری پٹیوں سے کئی جہاز اڑان لینے کے مختلف مرحلوں سے گزر رہے تھے۔ ہمارے جہاز کے کپتان کو کنٹرول ٹاور کی طرف سے پرواز کی اجازت کا انتظار تھا۔

اجازت ملتے ہی طیارہ تیزی سے بڑھتی ہوئی رفتار کے ساتھ کنکریٹ کی پٹی پر دوڑنے لگا اور پٹی ختم ہونے سے پہلے ہی ترچھا ہو کر فضا میں اٹھتا چلا گیا۔

ٹیک آف کے بعد فضا میں بڑے طیاروں کی مست خرامیاں ایک انوکھا تجربہ ہوتی ہیں۔ ہواباز اگر مشاق اور تجربے کار ہو تو جہاز کے نرم ہچکولے اور دائیں بائیں طرف کے جھکاؤ مزہ دے جاتے ہیں۔ ابھی جہاز ان مراحل سے گزر ہی رہا تھا کہ مخصوص نشستوں پر سے تمباکو نوشی کی ممانعت کی ہدایات تاریک ہوگئیں۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اسکرین پر ہنگامی صورتِ حال میں اختیار کی جانے والی تدابیر کی فلم اپنے آخری مراحل میں تھی۔ جہاز کا عملہ اپنے عملی مظاہرے شاید ٹیک آف سے پہلے ہی مکمل کرچکا تھا۔ میں اپنے خیالوں میں گم ہونے کی وجہ سے ادھر دھیان نہیں دے سکا تھا۔

جہاز کے بلند ہونے کا زاویہ کم ہوچکا تھا مگر وہ بادلوں کے پرے چیرنے کے بعد اس وقت بھی مسلسل بلند ہو رہا تھا۔ بحرِ اوقیانوس کے پانی میں بکھرے ہوئے جزیرے ننھے ننھے نکتوں میں تبدیل ہوتے جارہے تھے۔ کشتیاں کھلونوں کے مانند نظر آرہی تھیں۔ سورج کی نکھری ہوئی تیز روشنی میں وہ منظر نگاہوں کو بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

اس وقت میری توجہ دو اطراف میں بٹی ہوئی تھی۔ مجھے جہاز کی راہداریوں میں ویرا کی تلاش تھی اور میں باہر کے حسین مناظر

سے بھی لطف اندوز ہو رہا تھا۔ میرے برابر میں بیٹھے ہوئے تنک چڑھے اور معنک انگریز نے اپنے بریف کیس میں سے ایک ضخیم کتاب نکال کر پورے انہماک سے چاٹنی شروع کردی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کتاب کے مطالعے کے لیے ہی جہاز پر سوار ہوا ہو۔

میں نے اسی لمحے اپنے اس خشک مزاج ہم سفر سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ارادہ کرلیا اور ویرا کی تلاش کی نیت سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

معمر انگریز نے مجھے یوں چونک کر دیکھا جیسے میں نے اسے نیند سے جھنجوڑ ڈالا ہو۔ اس کی نگاہیں مجسم سوال بنی ہوئی تھیں۔ میرے اٹھ جانے کے باوجود وہ کوڑھ مغز یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ میں باہر نکلنا چاہ رہا تھا۔

"ایکسکیوز می۔" کہتے ہوئے میں نے اگلی نشست کی پشت گاہ اور اس کے گھٹنے کے درمیان اپنی پنڈلی اڑا دی۔ اس وقت وہ سمجھا کہ میں کیا چاہ رہا تھا۔ میری کسی زبردستی سے اپنے بچاؤ کے لیے اس نے کسی کچھوے کی طرح نشست میں سمٹ کر میرے گزرنے کے لیے راستہ دے دیا۔

میں آس پاس کی قطاروں کا جائزہ لیتا ہوا' راہداری میں آگے بڑھنے لگا۔

دوسری سمت میں کچن کے قریب ہی ویرا مجھے ایک کھڑکی سے لگی ہوئی نظر آگئی۔ اس کے برابر میں قدرے زیادہ عمر کی ایک امریکی عورت ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ویرا اتنے اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے تلاش کرنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی تھی۔

میں کچن سے گزر کر اس کے قریب پہنچا تو مجھے دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس کی پڑوسن نے اپنے فطری تجسس سے مجبور ہو کر میری طرف گردن گھمائی اور نظریں چار ہوتے ہی اخلاقاً مسکرا دی۔ اس اثنا میں ویرا اپنی جگہ سے باہر آچکی تھی۔

"بہت مزے سے بیٹھی ہوئی تھیں۔" میں نے اردو میں اسے ملامت کی "مجھے فکر ہونے لگی تھی کہ کہیں تم نے یہ پرواز مس نہ کردی ہو۔"

"بچوں جیسی باتیں مت کیا کرو۔" وہ منہ بنا کے بولی "بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے والا مسافر جہاز پر سوار نہ ہو تو ہر طرف افراتفری پھیل جاتی ہے کہ کہیں وہ اپنے سامان میں بم طیارے پر چڑھا کر فرار نہ ہوگیا ہو۔ اس کا سامان اتارے بغیر جہاز حرکت تک نہیں کرتا۔"

"پھر بھی تمہیں دیکھنا چاہیے تھا کہ میں کہاں بیٹھا ہوا ہوں۔ تم نے تو بالکل ہی لاتعلقی اختیار کرلی ہے۔"

"ایک دفعہ جہاز پر سوار ہونے کے بعد تم چاہو بھی تو کہیں غائب نہیں ہوسکتے۔ ہر جہاز ائر ٹائٹ ہوتا ہے۔ نیچے اتھاہ سمندر اور اوپر بے کراں آسمان ہو تو کوئی بھی جہاز سے کودنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ ابھی نہ سہی' تھوڑی دیر میں ہماری ملاقات ہو جاتی۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا تو مجھے اس کی آنکھوں میں فکرمندی کے سائے لہراتے ہوئے نظر آئے اور میں اس سے ہمدردی کے اظہار پر مجبور ہوگیا "کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان ہو۔"

"شکر ہے کہ اپنی شکایتوں کے ساتھ تمہیں کبھی کبھی میری پریشانی بھی نظر آجاتی ہے۔ میں واقعی تشویش میں مبتلا ہوگئی ہوں اسی لیے اپنی سیٹ تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔"

"مجھے حیرت ہے کہ امریکی سرزمین کو خیرباد کہہ دینے کے بعد بھی تم اتنی پریشان ہو۔ تمہیں پہلی فرصت میں مجھے اعتماد میں لینا چاہیے تھا.... یہ بتاؤ کہ بات کیا ہے؟"

"میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ طیارے کے ٹیک آف کرتے ہی خطرات کے سارے بادل چھٹ جائیں گے مگر خطرات اب بڑھ چکے ہیں۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ اس وقت ہم کیسی نازک صورتِ حال میں گھر چکے ہیں۔" اس نے میرے قریب ہو کر دھیمی آواز میں کہا۔

"کچھ بتاؤ گی بھی یا یوں ہی پہیلیاں بجھواتی رہو گی۔" میں نے چڑ کر کہا۔

"یہ امریکی ائرلائن ہے اور اس پرواز کا چیف پائلٹ مجھ سے بہت اچھی طرح واقف ہے۔ پرواز نارمل ہونے کے بعد وہ روایتی طریقوں کے مطابق مسافروں کی دیکھ بھال کے لیے کاک پٹ سے کیبن میں نکل آیا تو سامنا ہوتے ہی پہلی نظر میں مجھے پہچان لے گا۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہی جہاز اڑا رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جہاز کا عملہ بھی اسی راستے سے جہاز پر سوار ہوتا ہے جدھر سے مسافر آتے ہیں۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے پوری وردی میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔"

"تم نے اسی وقت مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟ ہم بورڈنگ کارڈ واپس کرسکتے تھے' یہ ممکن نہ ہوتا تو لاؤنج سے غائب ہوسکتے تھے۔"

"دونوں صورتوں میں ہم مشکل میں پڑ جاتے۔ امریکی سرزمین ہمارے لیے ویسے ہی خطرناک ہوچکی تھی۔ اس غیر معمولی حرکت کے بعد ہم سنگین خطرات سے دوچار ہوسکتے تھے۔"

میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پرواز طویل اور خطرہ سنگین تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ طیارے کی اگلی منزل لندن تھی جہاں کے حالات ہمارے لیے سازگار نہیں ہوسکتے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

میں بند کر کے امریکا پہنچانا تھا۔ میں نے اول خان کو صورتِ حال بتادی مگر وہ بدقسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی بحریہ کا سی ون تھرٹی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے سی ون تھرٹی اغوا کرلیا۔ میں نے دوبارہ آئزک بیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کر کے میں نے آئزک بیل سے طویل گفت وشنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں انقرہ کے ایک اسپتال میں پہنچادیا گیا۔ امریکا کے سفر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ نادانستگی میں منشیات فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں ویرا ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور آئزک بیل ہماری آمد سے آگاہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آئزک بیل کے آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آئزک بیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی، اطمینان سے اپنا کام کر آئی۔ اس کے بیان کے مطابق آئزک بیل رنگس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو اپنی ایک پرانی سہیلی جینی بھی نظر آگئی۔ آئزک بیل نے بلیک ڈیڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ جینی نے آئزک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کردی۔ آئزک بیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر ناکارہ ہوچکا ہے۔ اس کی مرمت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ ذمے داری رنگس کمپنی کی تھی۔ جینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ گڑبڑ کا امکان غالباً وہیں تھا۔ میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جینی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوادی تھی تاکہ وہ اسے ڈی کوڈ کراسکے۔ جینی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آئزک بیل آگ بگولا تھا۔ میں نے آئزک بیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش ... کی جسے میں نے مسترد کردیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کرلی تھی لیکن وہ بلیک ڈیڈ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مطمئن کرنے کے بعد ہم منصوبے کے مطابق پرنسٹن روانہ ہوگئے۔ یہاں میں نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں گڑبڑ سے باز رکھا۔ اسے ہلاک کرنے کے بعد میں نے اسے اس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرچکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے پر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے، آئزک بیل، راس اِلیمیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان، ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آئزک بیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنادی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائر ایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور نک موڈلے امریکا روانہ ہورہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایما پر میں نے آئزک بیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کرکے آئزک بیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کررہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر منتقل ہوگئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آئزک بیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کرلے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کررہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔ زخمی آئزک بیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا تاہم ابھی یہ بات تصدیق طلب تھی کہ حملہ میں نے کیا ہے یا کرمانی نے۔ میں نے حالات کا اندازہ کرکے گیپ نامی معاہدہ ایک پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوادیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو نمایاں مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اسے کرمانی کی تلاش میں نیویارک بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کی طرف مبذول ہوگئی۔ بلیک ڈیڈ نے میری مدد کی اور چار اہم افراد کے نام فراہم کردیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر مجھے دے دیا جو اسے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نے بنجمن فورٹ نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کرکے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ بنجمن سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جینی کے کمپیوٹر ریکارڈ سے جارج شلز نامی ایک ڈیوڈ اسٹار کا پتا اور فون نمبر معلوم کرلیا۔ بلیک ڈیڈ سے تبادلۂ خیال ہوا تو اس کی تجویز پر جارج شلز کو دو داؤدی ستاروں میں طاقت ور مائیکروفون چھپا کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ مائیکروفون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورتِ حال پر گفتگو کرنے کے لیے بنجمن فورٹ کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیڈ نے ان چاروں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بتایا۔ ہم جارج شلز کو اغوا کر کے ایک ایمبولینس میں ڈال کر بنجمن کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارز اپنے محافظوں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مر کر بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ کسی بٹن کے دبنے کے باعث ہماری ہی ایمبولینس کا سائرن بجا تھا۔ خون ریز مقابلے کے بعد چاروں ڈیوڈ اسٹارز مارے گئے۔ میری بدری ناتھ سے بات ہوئی تو اس نے حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے بلادھڑک مجھ پر ذہنی ہونے کا الزام لگادیا۔ اس کے منحرف ہونے کے بعد امریکا میں مزید قیام خطرناک تھا اس لیے بلیک ڈیڈ سے کہہ کر ہم نے واپسی کے انتظامات کرلیے تھے۔ اب صرف نک موڈلے سے حساب بے باق کرنا تھا جو ان دنوں امریکا میں تھا۔ بلیک ڈیڈ نے میرے ایما پر اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اغوا کروالیا۔ میں ابھی اس پر تشدد ہی کررہا تھا کہ بلیک ڈیڈ کے ایک آدمی نے مجھ پر ریوالور تان لیا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دراصل یہ غلط فہمی تھی جو بلیک ڈیڈ کے آدمی ڈک کے بھینگے پن کے باعث ہوئی تھی۔ ڈک کا نشانہ نک موڈلے تھا۔ نک کو ہلاک کرنے کے بعد اب بدری ناتھ میرے نشانے پر تھا۔ بلیک ڈیڈ کی فراہم کردہ بارودی بیلٹ کے ذریعے بدری ناتھ بھی تین سی آئی اے کے اہل کاروں سمیت جہنم واصل ہوا تو ہم نے رختِ سفر باندھ لیا۔ ہم طیارے میں بحفاظت سوار ہوگئے مگر فلائٹ کے دوران میں ویرا نے یہ تشویش ناک خبر سنائی کہ چیف پائلٹ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہم اچانک سنگین خطرے سے دوچار ہوگئے تھے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

”تم بہت زیادہ پریشان نظر آرہے ہو۔“ ویرا میری فکرمندی کا اندازہ کرکے بولی ”یہ مسئلہ ضرور ہے مگر اتنا سنگین نہیں ہے۔ وہ کیبن میں نکل آیا تو میں فیصلہ کرچکی ہوں کہ خود کو باتھ روم میں بند کرلوں گی۔ اس کی نظروں سے محفوظ رہنے کا یہ ریڈی میڈ طریقہ کامیاب رہے گا۔“

وہ آخری حل میرے ذہن میں بھی موجود تھا لیکن اس سے کچھ پریشانیاں بھی پیدا ہوسکتی تھیں۔ میں نے ویرا پر ان خدشات کا اظہار نہیں کیا اور خاموشی سے سوچتا رہا۔

طویل پروازوں پر استعمال ہونے والے بڑے جہازوں میں مسافروں کی ضروریات کے پیشِ نظر باتھ رومز کی تعداد خاصی معقول ہوتی ہے مگر پھر بھی ہر مسافر کو ضرورت کے وقت باتھ رومز خالی ملنے کے امکانات کم ہی ہوتے ہیں۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی جگہ کئی کئی مسافر کھڑے نظر آتے ہیں۔ ایسے میں ویرا کا زیادہ دیر تک کسی باتھ روم پر قابض ہوکر اندر محصور ہونا جہاز کے عملے کی توجہ کا مرکز بن سکتا تھا۔

جہاز کے عملے کے کسی فرض شناس رکن کو محض یہ شبہ بھی

ہو جاتا کہ اس باتھ روم میں موجود مسافر کسی بیماری یا اچانک دورے کی وجہ سے اندر پھنس گیا ہے تو چیف پائلٹ سمیت پورے عملے کی توجہ وہیں مرکوز ہو کر رہ جاتی۔ یوں ویرا اپنے شناسا سے روپوش ہونے کے بجائے بطور خاص اس کی نظر میں آجاتی۔ اس مرحلے پر یہ فرض کرنا کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ چیف پائلٹ کیبن کی ایک راہ داری میں نمودار ہو کر چند منٹ میں دوسری راہ داری کے ذریعے اپنے کاک پٹ میں چلا جائے گا۔

"تم یوں ہی چلتی پھرتی رہو۔ میں کوئی راہ نکال لیتا ہوں۔" اسے تسلی دے کر میں اپنی نشست کی طرف ہولیا۔ میں نے اس کی تجویز کو براہ راست مسترد کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

اس وقت تک میرا ہم سفر' ادھیڑ عمر انگریز کتاب کے مطالعے میں پوری طرح مستغرق ہو چکا تھا اور اپنے بائیں ہاتھ کی ایک انگلی ناک پر جما کر ہمہ تن کتاب کی طرف متوجہ تھا۔

میرے رکنے کے باوجود اس نے میری موجودگی محسوس نہ کی تو مجھے کھنکھار کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنا پڑا۔ موٹے عدسوں کے عقب سے اس کی چمک دار' نیلی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ ان آنکھوں میں ناگواری کے ساتھ اجنبیت بھی تھی۔

"میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟" مجھے حرکت پر آمادہ نہ پا کر اس نے ترشی سے پوچھا۔

"یہ نشست میری ہے۔" میں نے کھڑکی کے ساتھ والی خالی سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جتایا "ہو سکے تو مجھے وہاں تک پہنچنے کا راستہ دے دو۔"

"اوہ' یقیناً!" وہ روایات پرست انگریز تھا۔ اپنی غلطی کا احساس کرتے ہی بوکھلا کر اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا اور پوری جگہ چھوڑ کر راہ داری میں نکل آیا۔

میں نے زبردستی باچھیں پھیلا کر اسے ایک طنزیہ مسکراہٹ کا تاثر دیا اور اپنی نشست پر پہنچ گیا۔

"شاید تم بھی لندن ہی جا رہے ہو۔" اس نے اپنی جگہ سنبھالنے کے بعد خفت مٹانے کے لیے مجھ سے پہلی مرتبہ تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی۔

"مجبوری ہے۔" میں نے شانے اچکا کے بے پروائی سے کہا۔ "لندن سے پہلے یہ پرواز کہیں نہیں رکے گی۔"

"تم اچھا مذاق کر لیتے ہو۔" اس نے میرے بے رحمانہ تبصرے کا برا مانے بغیر سنجیدگی سے کہا اور پھر ضخیم کتاب پر ہاتھ مارتے ہوئے بات جاری رکھی "اگر میرے پاس یہ دلچسپ کتاب نہ ہوتی تو میں دورانِ سفر تم سے ضرور باتیں کرتا۔ مطالعہ کسی بھی شخص کے لیے فاضل وقت کا بہترین مصرف ہوتا ہے۔"

"اپنے گردو پیش موجود لوگوں کا مشاہدہ بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔" میں نے رکھائی سے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ اثبات میں سر ہلا کر بولا "کتابوں میں ہم جو کچھ پڑھتے ہیں' وہ سیکنڈ ہینڈ ہوتا ہے یعنی کسی اور کا مشاہدہ جو مصنف کے ذریعے ہم تک پہنچتا ہے۔ اگر لندن پہنچنے سے پہلے یہ کتاب ختم ہو گئی تو میں اس دلچسپ موضوع پر تم سے ضرور بات کروں گا....."

"مجھے ڈر ہے کہ یہ کتاب اتنی جلدی ختم نہیں ہو سکے گی۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر فوراً ہی اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی۔ "میری وجہ سے تم بار بار ڈسٹرب ہوتے رہو گے؟"

"کیوں؟" عدسوں کے پیچھے اس کی آنکھیں اشتباہ آمیز انداز میں پھیل گئیں "اس بارے میں تم اتنے پُریقین کیوں ہو؟"

میں نے ایک گہرا سانس لے کر متاسفانہ لہجے میں کہا "میں گردوں کا مریض ہوں۔ مجھے بار بار ٹوائلٹ جانا ہوگا پھر میں کھڑکی کے ساتھ والی سیٹ بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

"ہوائی جہاز کی کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے مجھے ہول آتا ہے۔" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے بول اٹھا "یہ ایکروفوبیا کی کوئی قسم بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بار بار کی خلل اندازی میرے لیے تکلیف دہ ثابت ہوگی۔ مجھے کسی اور سے اپنی جگہ بدلنی ہوگی۔"

"اسی جہاز میں میری ایک دوست بھی سفر کر رہی ہے۔ دوسری راہداری میں وہ تمہاری پسند کی جگہ پر بیٹھی ہوئی ہے۔ آؤ' میں تمہیں وہاں بٹھائے دیتا ہوں۔" میں نے موقع میسر آتے ہی اسے پیش کش کر ڈالی اور وہ بادلِ ناخواستہ اپنا دستی سامان سمیٹنے میں مصروف ہو گیا۔

ویرا سے اپنی جگہ بدلنے سے قبل اس نے مجھ سے نئی سیٹ کے بارے میں متعدد سوال کیے۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں ویرا کے ساتھ والی بھی میری طرح گردوں وغیرہ کی مریضہ نہ ہو۔ میں نے پورے وثوق سے اس کے اندیشوں کی تردید کر ڈالی۔

وہ معمر تھا۔ اس کا دستی بیگ میں نے اٹھا لیا اور چکر کاٹ کر دوسری راہ داری میں ویرا تک جا پہنچا۔ اس نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا کہ میں کسی کو پھانس کر اپنے ساتھ لا رہا ہوں۔

میرے ہم سفر کو ویرا سے جگہ بدلنے میں کوئی تعرض نہیں ہوا کیونکہ اس کی نئی ہم سفر امریکی اور کم و بیش اسی کی عمر کی تھی۔ اس نے گرم جوشی سے معمر انگریز کو خوش آمدید کہا تھا۔

"مجھے اس ایشیائی کے گردوں کی خرابی کی وجہ سے جگہ بدلنی پڑی۔" انگریز نے بے تکلفی کے ساتھ اس خاتون سے کہہ ڈالا۔ "امید ہے کہ تم کو بار بار نکلنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔" خوش وضع امریکی بڑھیا نے مجھے آنکھ مار کر اسے جواب دیا "مغرب میں بیماریاں ذرا دیر سے ہی شروع ہوتی ہیں۔"

بوڑھے نے میرا اور میں نے اس کا شکریہ ادا کیا پھر میں ویرا کے ساتھ چل پڑا۔

"تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ جگہ بدلنے سے کون سا فرق

پڑ جائے گا؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد ویرا نے چڑچڑے لہجے میں پوچھا۔

"دیکھتی رہو...... اب تم بیمار پڑنے والی ہو۔" میں نے خوش دلی سے کہا "فی الحال ٹانگوں پر کمبل ڈالے رہوگی۔ ضرورت پیش آئی تو وہی کمبل سر تک اوڑھ کر سو جاؤ گی۔"

"یہ اداکاری جگہ بدلے بغیر بھی کی جاسکتی تھی۔ اس کے لیے اتنے پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت تھی؟" ویرا میری ہر تجویز پر اعتراض کرنے کا موقع فوراً ڈھونڈ نکالتی تھی۔

"تم وہاں ایسی بے تکی حرکتیں کرتیں تو امریکی بڑھیا تم پر ترس کھا کر پورے عملے کو وہیں جمع کرلیتی۔ پرواز کے دوران بیمار پڑنے والوں کو فضائی عملہ بہت اہمیت دیتا ہے۔"

"بیمار پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ بہت سے لوگ لمبی پروازوں پر سو کر وقت گزارنے کے عادی ہوتے ہیں۔ مجھے کون روک سکتا تھا؟"

"تمہارے دماغ میں خشکی ہوگئی ہے یا پھر بھس بھر گیا ہے۔" میں نے تنک کر کہا "منہ ڈھانک کر سونے والوں کو صحیح الدماغ نہیں سمجھا جاتا۔"

"نہ سمجھا جائے۔ اس سے میری صحت پر کیا فرق پڑتا؟ ان چند سو مسافروں میں کوئی بھی میرا رشتے دار نہیں ہے۔ مجھے ان کی رائے کی برابر پروا نہیں ہے۔ وہ دلوں میں جو چاہتے، سوچتے رہتے۔ کوئی مجھے روکنے یا ٹوکنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تھوڑی دیر پہلے تم خود ہی چیف پائلٹ کو اپنا قدیم اور خاندانی دوست قرار دے رہی تھیں۔"

"پرواز کی روانگی سے پہلے اسے مسافروں کی جو فہرست دی گئی ہوگی اس میں میرا نام سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ میں تمہارے آؤل کان کی دی ہوئی سفری دستاویزات اور شناختوں کے مطابق سفر کررہی ہوں۔ وہ مجھے صرف دیکھ کر ہی پہچان سکتا ہے۔ میرا چہرہ چھپنے کے بعد یہ خطرہ بالکل ٹل جاتا۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے میں کسی کی بھی رائے کا احترام کرنے کی پابند نہیں ہوں۔"

مجبور ہوکر میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ ایسے مواقع پر مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بے تکی باتوں کا جواب دینا پڑتا تھا۔ میں جب بھی کسی مصلحت کی وجہ سے خاموشی اختیار کرتا تھا، وہ جھٹ یہ نتیجہ اخذ کرلیتی تھی کہ اس نے مجھے لاجواب کرکے فتح حاصل کرلی ہے۔

وہ فاتحانہ انداز میں کھڑکی کے ساتھ والی نشست پر نیم دراز ہوگئی۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے اوپر کے خانے سے پلاسٹک کی تھیلی میں سیل کیا ہوا ایک صاف ستھرا کمبل نکالا اور اس کی گود میں ڈال دیا۔ احتیاطاً میں نے دوسرا کمبل اپنے ساتھ رکھ لیا۔

ویرا کی مسکراہٹ اس وقت مجھے زہر لگ رہی تھی۔ اس کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے مجھے میری ہار پر چڑا رہی ہو۔ میں نے اشتعال کی بے ساختہ رو میں دوبارہ بحث شروع کردی "یہ کام اسی قدر آسان تھا تو تم اتنی متفکر اور بدحواس کیوں نظر آرہی تھیں؟"

وہ ہنس پڑی "اس وقت غصے سے تمہارا چہرہ چقندر کی طرح سرخ ہورہا ہے۔ میں تم سے دور ہوتی ہوں تو ہر لمحے تمہارے لیے فکرمند رہتی ہوں۔"

میں نے دل ہی دل میں اس پر لعنت بھیج کر خاموشی اختیار کرلی۔ میرا دل چاہا کہ کاش اس وقت میرے پاس بھی معمر انگریز کی طرح کوئی دلچسپ کتاب موجود ہوتی تو میں اس کے مطالعے میں محو ہوکر آسانی سے اپنے ابال کو ٹھنڈا کرسکتا تھا۔

ویرا نے تھیلی پھاڑ کر کمبل نکالا اور اپنے نچلے دھڑ پر اس طرح ڈال لیا کہ ضرورت پیش آنے پر باقی کمبل اپنے شانوں سے اوپر تک کھینچ سکے۔ میرے طلب کرنے پر ایک ائرہوسٹس آئی تو مجھ سے پہلے ویرا اس سے مخاطب ہوگئی۔

وہ سردی اور بخار کی شکایت کے اظہار کے ساتھ اس سے درد دور کرنے والی کوئی گولیاں منگوانی چاہ رہی تھی۔ ائرہوسٹس نے فوراً ہی پیش کش کی کہ ویرا چاہے تو طیارے کے پیجنگ سسٹم پر کسی ڈاکٹر کی ضرورت کا اعلان کیا جاسکتا تھا۔ مسافروں میں موجود کوئی ڈاکٹر اس کی دیکھ بھال کرسکتا تھا۔ یہ سنتے ہی ویرا بوکھلا گئی۔ اس نے کہا کہ وہ یوں تماشا بننا پسند نہیں کرے گی۔

ائرہوسٹس جہاز کی ایمرجنسی میڈیکل کٹ کا جائزہ لینے کا وعدہ کرکے جانے لگی تو ویرا نے اسے یاد دلایا کہ گولیاں کھانے کے لیے اسے بیئر بھی درکار ہوگی۔ اس انوکھی فرمائش پر وہ مسکرا کر رہ گئی۔

مصروف بین الاقوامی راستوں پر فضا میں میزبانی کرنے والوں کو دن رات نت نئی فرمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بھانت بھانت کے لوگوں کو مطمئن کرنے کا وسیع تجربہ رکھنے والے یہ لوگ ڈھیلی ڈھالی اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے، حتی الامکان اپنے ہر مسافر کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان حدود سے تجاوز کرنے والوں کو نہ صرف دوران سفر تحقیر کا نشانہ بننا پڑتا ہے بلکہ اگلی منزل پر انہیں سخت بین الاقوامی سفری قوانین کی خلاف ورزی کرنے کے جرم میں پولیس کے حوالے بھی کردیا جاتا ہے۔

ایسے اکا دکا واقعات کبھی کبھار ہوتے ہی رہتے ہیں جس میں دنیا کی چھوٹی اور بڑی قوموں کے افراد ملوث ہوتے ہیں لیکن ہر تھوڑے عرصے بعد کسی نہ کسی پاکستانی کھلاڑی، فن کار یا لیڈر کا نشے میں دھت ہوکر مسائل پیدا کرنا خبروں کا عنوان بننے لگا ہے جو کوئی اچھی ریت نہیں ہے۔

ویرا کی فرمائش اس حد سے بہرحال متجاوز نہیں تھی۔ چند منٹ بعد ائرہوسٹس دو گولیوں کے ساتھ ہمارے لیے بیئر کے دو ٹھنڈے کین بھی لے آئی۔

ائرہوسٹس کے جانے کے بعد ویرا نے گولیاں اپنے وینٹی بیگ

میں ڈالیں اور کمبل سینے تک سرکا کر بیئر کے کین سے لطف اندوز ہونے لگی۔ اسی وقت فلائٹ کچن سے مشروبات کی لدی پھندی ٹرالیاں راہداریوں میں نکل آئیں اور کیبن کی فضا کا ٹھہراؤ خوش گوار ہلچل میں تبدیل ہو گیا۔

اس وقت طیارہ مشرق سے مغرب کی طرف سفر کر رہا تھا۔ سورج ہمارے جہاز سے بھی بہت اوپر آسمان کی بے کراں وسعتوں میں اپنا لگا بندھا سفر طے کر رہا تھا۔ طیارے سے باہر دن کا اجالا پھیلا ہوا تھا مگر اس روشنی میں اضمحلال نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ وقت کی طنابیں تیزی سے سمٹ رہی تھیں۔ لندن پہنچنے تک ہمیں پانچ گھنٹوں کا خسارہ ہونے والا تھا۔

جہاز سے بہت آگے ہمیں رخ کی تبدیلی ہونے پر کبھی کبھی وہ اندھیری لکیر نظر آجاتی تھی جو کہیں رات ہونے کا پتا دے رہی تھی۔ پیچھے روشن اور توانا دن پھیلا ہوا تھا۔ ہم شام کے دھند لکوں سے گزر رہے تھے اور دور کہیں رات اپنے ڈیرے جمائے ہماری منتظر تھی۔ وقت کے ایسے حسین سنگم کا نظارہ زمین سے تیس پینتیس ہزار فٹ کی بلندی پر کسی تیز رفتار طیارے سے ہی کرنا ممکن ہوتا ہے۔

ان سب نظاروں کے ساتھ میں کپتان کی آمد کا خطرہ نہیں بھولا تھا۔ جہاز کے عملے میں اس وقت تک چیف پائلٹ کا چہرہ نظر نہیں آیا تھا۔

روشنی سے اندھیرے کا سفر تیزی سے جاری رہا۔ ہمارے جہاز کے نیچے بادلوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ بحر اوقیانوس کے گہرے پانیوں میں تیرتے بڑے بڑے جہاز ہمیں حقیر کشتیوں کی طرح نظر آرہے تھے اور پھر ہمیں سمندر کے سینے پر بے شمار رنگین جگنو سے چمکتے نظر آنے لگے۔ زمین پر اندھیرا پھیل چکا تھا۔ سفینوں کے ناخداؤں نے روشنیاں جلا دی تھیں مگر میری رسٹ واچ کے مطابق اس وقت نیویارک میں شام کے صرف ساڑھے پانچ ہی بجے تھے۔

ناؤ و نوش کا دور اختتام کو پہنچا تو اشتہا انگیز خوشبوؤں والے بے ذائقہ مغربی کھانوں کا دور شروع ہو گیا۔ میری اور ویرا کی نشستوں کی بکنگ پاکستانی پاسپورٹوں پر کراچی تک کے لیے ہوئی تھی اور اسی بنا پر میں نے بورڈنگ کارڈ لیتے ہوئے حلال کھانے کی فرمائش کی تھی۔

اسی وقت مجھے بتا دیا گیا تھا کہ اس پرواز پر اسلامی کھانے کے بجائے کوشر فوڈ فراہم کیا جا سکے گا۔ میری سنی سنائی معلومات کے مطابق یہودیوں کا ذبیحہ جو کوشر کہلاتا ہے' اسلامی طریقے سے بہت قریب ہوتا ہے۔ میں نے اسی کو قبول کر لیا تھا۔

ویرا ہم لوگوں کے ساتھ رہ کر پاکستانی کھانوں کی عادی ضرور ہو گئی تھی لیکن حرام و حلال کے مسائل سے وہ یکسر آزاد تھی۔ ٹرالی آنے پر اس نے اپنی پسندیدہ ٹرے لے لی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ اپنی سیٹ نہ بدل کر میں نے خود کو ایک بڑی دقت سے بچایا تھا۔ امریکی کو بھگانے کے بجائے مجھے کہیں اور بیٹھنا پڑتا تو ائر ہوسٹس کے لیے کوشر فوڈ مجھ تک پہنچانا ممکن نہ رہتا۔ وہ فلائٹ کچن سے بورڈنگ کارڈ پر مندرج نشست کے لیے مخصوص کھانا لے کر آئی تھی جو متعلقہ مسافر کی غیر موجودگی میں کسی بھی خواہش مند مسافر کے حوالے کیا جا سکتا تھا۔

"تم کھانے کے ساتھ وائن یعنی الکحل پی رہے ہو مگر کھانے کے لیے کوشر فوڈ لیا ہے۔" چند منٹ بعد ویرا کی زبان میں دوبارہ خارش ہونے لگی "یہ کس قسم کی منافقت ہے؟"

"تمہارے پاس جب کہنے کے لیے کچھ نہیں رہتا تو تم پرانی باتوں کو دہرانا شروع کر دیتی ہو۔ میرا خیال ہے کہ اس موضوع پر ہم کافی پہلے سیر حاصل بحث کر چکے ہیں۔" میں نے تلخی سے کہا۔

"اگر میرا حافظہ کمزور ہو گیا ہے تو ذرا اپنے دلائل دوبارہ دہرا دو۔"

"مجھے یاد نہیں کہ میں نے اس وقت کیا کچھ کہا تھا۔ اب میرا دماغ مت چاٹو۔"

"تمہارے بلکہ شاید ہر مذہب میں جھوٹ اسی لیے منع ہے کہ دروغ گو اپنی کہی ہوئی بات بھول جاتا ہے۔ تم نے کوئی اصولی بات کی ہوتی تو وہ تمہیں یاد بھی رہتی۔"

"تم جو کچھ کہہ رہی ہو' وہ درست ہے۔ اس کے جواب میں کوئی دلیل دی جا سکتی ہے نہ اصولی بات کی جا سکتی ہے۔ یہ خرابیاں ایک مدت سے یوں ہی چلی آرہی ہیں اور بس۔" میں نے مفاہمانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا "میں عذرِ گناہ کو اصل گناہ سے زیادہ بڑا سمجھتا ہوں۔"

"اب تم سیاسی بولی بول رہے ہو۔" وہ ہنس کر بولی "میں تمہیں بتا دوں کہ کوشر فوڈ کے دھوکے میں نہ رہنا۔ یہ سب کھانے ایک ہی جگہ پکائے جاتے ہیں۔ برتن بھی ادل بدل جاتے ہوں گے۔ پھر ان کی پیکنگ ایک ہی جگہ ہوتی ہے۔ انہیں گرم رکھنے کے لیے ایک ساتھ رکھا جاتا ہے۔ بھاپ اور خوشبوئیں ایک ٹرے سے دوسری میں جذب ہوتی ہیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں سمجھ دار لوگوں کو بھی ان ڈھکوسلوں میں مبتلا دیکھتی ہوں۔ یہ سامنے کی باتیں انہیں نہیں معلوم ہوتی ہوں گی۔"

"پھر تو آدمی جہاز میں کیا' امریکا میں بھی کچھ کھا پی نہیں سکتا۔" میں نے احتجاج کیا۔

"جسے اپنا دین عزیز ہے وہ یہاں آئے ہی کیوں؟ ہر شخص کو منہ اٹھا کر یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟ آؤ تو پھر اپنے ہاتھ سے مرغی ذبح کر کے پکانے کا حوصلہ رکھو یا مچھلیاں کھاتے رہو۔ امریکا بلکہ مغرب میں آکر بال کی کھال نکالنے والے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ دریا میں اترنے والوں کے دامن بھی خشک نہیں رہ سکتے۔ دریا میں اترو' خوب نہاؤ۔ پانی کو گیلا کہو اور نہ دامن کو نچوڑ کر خشک

کرنے کی کوشش کرو....."

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں کھانے سے ہاتھ روک لوں؟" میں نے غصے سے پوچھا۔

"شوق سے کھانا کھاتے رہو مگر یہ سمجھ کر کھاؤ کہ کیا کھا رہے ہو۔" یہ مشورہ دے کر وہ ہنسنے لگی۔

ویرا کی وہ باتیں غلط نہیں تھیں۔ مسئلہ یہ تھا کہ عاداتِ بد میں مبتلا ہر شخص کو اپنی کمزوریوں کا پوری طرح احساس ہوتا ہے' ویرا کی باتوں سے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ مجھے کوئی فائدہ پہنچانے کی نیت کیے بغیر محض ایذا رسانی کے لیے میرے زخموں کو کرید رہی ہو۔ میں خود کو اس کے ہاتھوں میں ایک کھلونا نہیں بنا سکتا تھا۔ یہ بات وہ خود بھی بہت اچھی طرح جانتی تھی۔

تمام مسافروں کو ان کی ضرورت کی اشیائے خورد نوش پہنچانے کے بعد ٹرالیاں کچن ایریاز میں پہنچا دی گئی تھیں۔ دونوں راہداریوں میں موجود خوش اخلاق فضائی میزبان دوڑ دوڑ کر مسافروں کی انفرادی فرمائشیں پوری کر رہی تھیں اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ پرواز ہموار تھی۔

اچانک ویرا نے نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے وائن کا گلاس خالی کیا اور سیٹ میں دبک کر کمبل سر تک اوڑھ لیا۔ اس کی وہ حرکت اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھی کہ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے نظریں اٹھائیں اور پھر مجھے وہ دراز قامت اور خوش رو شخص بھی نظر آگیا جو اپنی پُرشکوہ وردی سے جہاز کا چیف پائلٹ ہی معلوم ہو رہا تھا۔

وہ ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ سجائے' مسافروں کی مزاج پرسی کرتا ہوا' راہ داری میں بہت دھیرے دھیرے پیش قدمی کر رہا تھا۔ راستے میں کوئی اس سے مخاطب ہو رہا تھا تو وہ ذرا سی دیر کے لیے وہاں رک کر گپ شپ بھی کر رہا تھا۔

ویرا پر نظر پڑتے ہی' اس کے لیے گولیاں لانے والی ائر ہوسٹس تیر کی طرح میرے پاس آگئی۔

"کیا بات ہے؟ مادام کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

"شکم پری کے بعد ذرا غنودگی کا حملہ ہوا ہے۔" میں نے اسے تسلی دی "تھوڑی دیر اونگھ لے گی تو طبیعت بحال ہو جائے گی۔" یہ کہتے ہوئے میں نے برتن سمیٹ کر ویرا کی ٹرے ائر ہوسٹس کے حوالے کر دی۔ پیچھے والے کے کھانے کی وجہ سے ویرا اپنی نشست کی پشت گاہ نہیں ڈھلکا سکتی تھی۔ میں اگلی میز بند کر کے اسے سونے میں ذرا سی سہولت فراہم کر سکتا تھا۔

"بس چند منٹ بعد روشنیاں کم کر دی جائیں گی۔ مادام کو آرام سے نیند آجائے گی۔"

وہ چلی گئی۔ جہاز کے کپتان کا سفر بہت ست اور طویل ثابت ہو رہا تھا۔ میزوں سے کھانے کے خالی برتن اٹھائے جا رہے تھے۔

جہاز کے مخصوص حصے میں سگریٹوں کا بل کھاتا ہوا سرمئی دھواں گندی اور گرم ہوا کھینچنے والی سقف گیر لائنوں میں معدوم ہو رہا تھا کہ کیبن میں روشنیوں کی تعداد میں کمی کر دی گئی۔ متعدد نشستوں پر مطالعے کے لیے مخصوص اسپاٹ لائٹس جل اٹھیں۔

چیف پائلٹ کی آواز میرے کانوں تک پہنچی تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خوش مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ جارح بھی تھا۔ باتوں میں موزوں فقرے بھی چست کرتا جا رہا تھا۔

اس نے سر سے پیر تک کمبل میں سمٹی ہوئی ویرا کو قدرے حیرت سے دیکھا اور رک کر مجھ سے پوچھا "یہ تمہاری ساتھی ہے؟"

"صرف ساتھی نہیں' میری گرل فرینڈ ہے۔" میں نے اسے آنکھ مار کر کہا۔

"خوش قسمت ہو۔" وہ مسکرایا "میں شادی کر کے اپنی گرل فرینڈ کو کھو چکا ہوں...."

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے میں نے حیرت سے پوچھا۔ "کیوں؟ کیا کسی اور سے شادی کرادی گئی؟"

"اسی سے شادی ہوئی ہے۔ بیوی بننے کے بعد وہ بالکل بدل چکی ہے۔" اس نے باقاعدہ ہنستے ہوئے اپنی بات کی وضاحت کی پھر پوچھا "تم نے اسے سر سے پیر تک چھپایا ہوا کیوں ہے؟"

"نیویارک کی شب بیداریوں کا حساب پورا کر رہی ہے۔" میں نے برجستہ جواب دیا۔

"میری نیک تمنائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔

میں نے اضطراری انداز میں سگریٹ سلگائی۔ اس کے چلے جانے پر مجھے اپنے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر جانے کا احساس ہوا تھا مگر اس وقت تک خطرہ پوری طرح نہیں ٹلا تھا۔

"یہ اُلو کا پٹھا کاک پٹ میں کب واپس جائے گا؟" چیف پائلٹ کے کافی آگے نکل جانے کے بعد کمبل میں سے ویرا کی منمناتی ہوئی آواز میرے کانوں میں آئی۔

"سانس روکے یوں ہی بیٹھی رہو۔ جب تک وہ جہاز کی دُم سے گھوم کر دوسری راہ داری سے آگے نہیں بڑھ جاتا' خطرہ موجود رہے گا۔ وہ ادھر سے تم پر نظر ضرور مارے گا۔" میں نے سرگوشی کی۔

ویرا اسی طرح کمبل میں بیٹھی رہی۔ میں نے اپنی اور اس کی نشستوں کی پشت پیچھے جھکا دی۔

چیف پائلٹ کا چکر بہت طویل ثابت ہوا۔ اس کے دوسری راہ داری میں پہنچنے تک دباؤ کی شدت سے میرے اعصاب چٹخنے لگے تھے۔ بظاہر میں اس کی طرف سے بے پروا تھا لیکن کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ ویرا کا کمبل اس کے ذہن سے چمٹا ہوا تھا۔ دوسری راہداری سے اس نے متجسسانہ نظروں سے ہماری

طرف دیکھا اور اسی لمحے جہاز کو ایک شدید جھٹکا لگا۔
ہوا کے دباؤ کے فرق کی وجہ سے جہاز اچانک ہی نیچے گیا تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا' متعدد مسافروں کی بے ساختہ چیخیں نکل گئیں۔ کیبن میں بے خبری کی وجہ سے کئی چیزیں گرنے اور ٹوٹنے کی آوازیں آئیں۔ فوراً حفاظتی بند باندھنے کی ہدایات روشن ہوگئیں۔
پیجنگ سسٹم پر معاون ہوا باز کے وضاحتی اعلان سے قبل چیف پائلٹ کو اپنا دورہ نامکمل چھوڑ کر کاک پٹ کی طرف دوڑنا پڑ گیا تھا۔
بات پہلے جھٹکے پر ختم نہیں ہوئی۔ بحراوقیانوس کی فضاؤں میں جنم لینے والے کسی خاموش طوفان نے طیارے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ دیو ہیکل جہاز کسی حقیر سے ہنڈولے کی طرح شاید کئی کئی سو فٹ نیچے گر کر دوبارہ اٹھ رہا تھا۔ پُر کیف سفر یک بہ یک ہنگامی صورتِ حال سے دوچار ہو چکا تھا۔ اپنے اپنے مذہب اور عقیدے کے مطابق بیشتر مسافروں نے یاد آنے والی دعائیں پڑھنی شروع کردی تھیں۔
ان حالات میں ویرا کا کمبل میں دبکے رہنا قطعی غیر فطری ہوتا۔ پہلا جھٹکا لگنے کے بعد اس نے کسل مندی کے ساتھ کمبل اتار کر متلاشی نظروں سے آس پاس کا جائزہ لیا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی "وہ یقیناً اپنے کاک پٹ کی طرف دوڑا ہوگا۔ یہ غیبی بحران نمودار نہ ہوتا تو شاید وہ لندن تک یہیں کہیں منڈلاتا رہتا۔ خدا کی پناہ....! کمبل میں میرا دم گھٹ رہا تھا۔"
"دم گھٹ ہی جاتا تو بہتر ہوتا۔ تمہاری بہت سی مشکلیں آسان ہوجاتیں۔"
"میں اتنی نرم و نازک نہیں ہوں کہ آدھے گھنٹے کے اس پردے میں مرجاتی۔ مجھے حیرت ہے کہ تمہاری طرف بہت سے لوگ سارا سارا دن عورتوں کو پردے میں قید رہنے پر کیسے آمادہ کرلیتے ہیں۔"
"خرافات مت بکو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا "برقعے ہلکے اور ہوا دار کپڑے سے بنائے جاتے ہیں۔ پردے کے لیے کمبلوں کا کہیں کوئی رواج نہیں ہے۔"
"برقع پھر برقع ہوتا ہے۔ میں تو اسے ذرا سی دیر بھی برداشت نہیں کرسکتی۔"
"تمہاری پروا کون کرتا ہے۔ جو لڑکی دوسری حدود و قیود کی پابندی نہ کرتی ہو' اسے کون پردے میں بٹھا سکتا ہے۔ ہر بات میں موقع بے موقع اپنی مثال مت دیا کرو۔"
فلائٹ ایمرجنسی کے دوران پورا عملہ اپنی اپنی جگہ مستعد رہا۔ کاک پٹ سے چیف پائلٹ مسلسل مسافروں سے مخاطب رہا۔ وہ مسافروں کی رہنمائی اور تسلی کے لیے ہدایات اور وضاحتیں پیش کررہا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ کی وحشت ناک بے یقینی کے بعد طیارہ اس گرداب سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ پرواز ہموار ہونے کے کئی منٹ بعد چیف پائلٹ نے وہ خوش خبری مسافروں کو سنائی ورنہ ہر شخص سیٹ میں یوں اکڑا بیٹھا تھا جیسے اسے دوبارہ ہچکولے شروع ہونے کا اندیشہ ہو۔
لندن پہنچنے کا اعلان ہونے پر میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو نیچے گہرے بادلوں سے آگے کچھ نظر نہیں آسکا۔ فضا میں ہر وقت منڈلانے والی ہلکی اور گہری بدلیاں ہی اس شہرِ خرابات کی پہلی پہچان تھیں۔ جہاز اپنے سفر کے ساتھ ساتھ نیچے ہوتا جارہا تھا۔
"اگر جہاز کے دروازے پر چیف پائلٹ موجود ہوا تو کیا ہوگا؟" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے ایک وسوسے کو فوراً الفاظ کا روپ دے دیا۔
"اس بارے میں تم بالکل کورے ہو۔" اس نے بے باکی سے کہا "لینڈنگ کے بعد مسافروں کو کیبن کریو الوداع کہتا ہے۔ کاک پٹ کے عملے کو اس وقت تک اپنی جگہ سے ہلنے کی اجازت نہیں ہوتی جب تک سامان اور مسافروں کا انخلا مکمل نہ ہوجائے۔"
"تمہاری پائلٹوں سے شناسائی رہی ہے۔ ان باتوں سے تمہارے سوا اور کون واقف ہوسکتا ہے؟"
پھٹے ہوئے بادلوں کے درمیان سے کہیں کہیں لندن کی خواب ناک سی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ جہاز فضا میں رخ اور زاویے بدل بدل کر لینڈنگ پوزیشن کے لیے چکر لگاتا رہا۔ پائلٹ نے چند لمحوں بعد گیٹ وک ائرپورٹ پر لینڈنگ کے اعلان کے ساتھ منزل کا موسم بتایا۔ اس وقت وہاں ہلکی سی برسات ہورہی تھی۔
شہر کی روشنیوں سے آگے نکل کر طیارہ تیزی سے نیچے آنے لگا۔ وہ بادلوں کو چیرتا ہوا نیچے اترا تو ائرپورٹ پر ہر چیز دھلی دھلی' نکھری نکھری نظر آرہی تھی۔
جہاز کے پہیوں نے رن وے کو کب چھوا' اس کا اندازہ ہی نہیں ہوسکا۔ کھڑکیوں سے باہر دوڑتی ہوئی اشیا سے اندازہ ہورہا تھا کہ ہم فضاؤں سے دوبارہ زمین پر آچکے تھے۔ رن وے پر طیارے کے پہیوں کی گرفت مستحکم ہوتے ہی بریک لگے اور طیارہ پھڑپھڑاتے ہوئے پرندے کی طرح دھیما ہوگیا۔
مسافروں نے روشن ہدایات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حفاظتی بیلٹ کھولنی شروع کردیں اور خانوں سے اپنا دستی سامان نکالنے لگے۔
ایک طویل مسافت کے بعد دیو پیکر طیارہ برج سے جا لگا۔ مسافر اپنی نشستوں سے اٹھ کر راہ داریوں میں قطار بند ہوتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر تک زمینی تیاریوں کا انتظار ہوتا رہا پھر دونوں قطاریں آہستہ آہستہ آگے سرکنے لگیں۔
وہ گیٹ وک ائرپورٹ پر شاید اس رات کی آخری پرواز تھی۔ باہر زیادہ سرگرمیاں نظر نہیں آرہی تھیں۔

کھڑکیوں سے باہر ٹارمک اور رن وے پر دور تک برسات کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ ہواباز کی فراہم کی ہوئی اطلاعات کے مطابق موسم خاصا خنک تھا مگر جہاز میں آرام دہ حرارت رچی ہوئی تھی جس کی وجہ سے باہر کا بھیگا بھیگا موسم نظروں کو بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

ٹرمینل کی عمارت کو جہاز سے ملانے والا گینگ وے فرسٹ کلاس کے دروازے سے منسلک کیا گیا تھا۔ ہم پیش قدمی کرتے ہوئے اکانومی اور فرسٹ کلاس کو الگ کرنے والی عارضی رکاوٹ تک پہنچے تو ویرا کے اندازے کی تصدیق ہوگئی۔

دروازے کے قریب عملے کے کئی اراکین مسکرا مسکرا کر جانے والوں کو الوداع کہہ رہے تھے۔ ان میں تین خواتین کے ساتھ ایک مرد بھی تھا لیکن جہاز کے چیف پائلٹ یا اس کے معاون کا دور تک پتا نہیں تھا۔ بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ میرا دل چاہا کہ آگے والے سارے مسافروں کو پھلانگ کر ویرا سمیت جلد از جلد طیارے سے باہر نکل جاؤں۔

فرسٹ کلاس سے نکاس کا کھلا ہوا دروازہ جہاز کے اگلے حصے میں تقریباً اس کی نوک پر واقع تھا اور اس سے کاک پٹ کا فاصلہ بہ مشکل چند فٹ رہا ہوگا۔ دور سے کاک پٹ کا دروازہ کھلا ہوا نظر آرہا تھا۔ آگے پہنچتے پہنچتے کاک پٹ کے متعدد نازک آلات اور پھر اندر بیٹھے ہوئے افراد کی پشت بھی نظر آنے لگیں۔

مسلسل بڑھتے ہوئے ہم ذرا سی دیر کے لیے ایسی خطرناک پوزیشن سے گزرے کہ اگر چیف پائلٹ صرف گردن گھما کر پیچھے دیکھ لیتا تو وہ اپنی نشست سے ہی ویرا کو پہچان سکتا تھا۔ ہم نے ایک دوسرے سے ایک لفظ تک نہیں کہا مگر ویرا کو خطرے کی سنگینی کا پورا ادراک تھا۔ نازک مرحلے سے گزرتے ہوئے اس نے اپنا دایاں ہاتھ اس طرح اٹھالیا کہ وہ اس کے چہرے اور کاک پٹ کے کھلے ہوئے دروازے کے درمیان خود بخود ایک رکاوٹ بن کر حائل ہوگیا۔

ائرلائنز کے عملے کی الوداعی مسکراہٹوں پر ہم دونوں خوش خلقی سے سرہلاتے باہر نکل گئے۔

طویل گینگ وے میں قدم رکھتے ہی ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "ہر قدم پر میری روح فنا ہو رہی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں میلوں دور سے بھاگتی ہوئی یہاں پہنچی ہوں۔"

غنیمت یہ تھا کہ ہم جہاز سے اترنے والے مسافروں کی آخری کھیپ میں نہیں تھے۔ ہمارے بعد بھی جہاز کے پیٹ سے مسافروں کی ڈار کی ڈار نکلی چلی آرہی تھی۔

گینگ وے عبور کرکے ہم عمارت کی ایک وسیع، بلند اور دور تک پھیلی ہوئی راہداری میں آئے تو وہاں مسافروں کی رہنمائی کے لیے نمایاں سائن بورڈ موجود تھے مگر یہ بات فوراً ہی واضح ہوگئی کہ رات کے اس پہر گیٹ وک ائرپورٹ پر زندگی کی رعنائیاں دم توڑ چکی تھیں۔ اس روشن اور پُرشکوہ راہ داری میں ہماری پرواز سے آنے والے مسافروں کے سوا شاید ہی کوئی اور موجود رہا ہو۔

علامات کے سہارے مسافر خود بہ خود دو سمتوں میں بٹ گئے۔ اس مقام پر کانٹی نینٹل ائرلائنز کے زمینی عملے کی ایک رکن خاتون مسافروں کی مدد کے لیے موجود تھی اور مسافروں کی رضا کارانہ تقسیم کو بہت آسودہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

نیویارک سے لندن پہنچنے والوں کی بڑی تعداد امیگریشن اور کسٹم کے مراحل سے گزر کر لندن میں داخلے کے لیے ایک طرف چلی گئی تھی۔ اس پرواز سے آنے والوں میں ٹرانزٹ مسافروں کی تعداد خاصی کم تھی۔ عمارت کی ایک دیواگیر گھڑی پر نظر پڑنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ ہم نے محض اپنی مجبوری کی وجہ سے نیویارک سے ایک نامناسب پرواز پکڑی تھی۔ شاید دوسروں کے ساتھ بھی ایسی ہی کوئی مجبوری رہی ہوگی ورنہ اتنے لمبے سفر میں کون بلاوجہ اپنی ایک رات برباد کرتا ہے۔

زمینی عملے والی خاتون بہت تیز اور پھرتیلی تھی۔ اس نے ہمارے قریب سے گزر کر آگے نکلتے ہوئے کہا "جلدی آجائیں تاکہ آرام کرنے کے لیے زیادہ وقت مل سکے کیونکہ اگلی پرواز صبح سات بجے یہاں سے روانہ ہوجائے گی۔"

ٹرانزٹ ہال کے دروازے پر اس نے مسافروں سے پاسپورٹ اور ٹکٹ جمع کرکے انہیں خالی ہال میں انتظار کرنے کا مشورہ دیا۔ ہم دونوں تھکے ہوئے انداز میں آرام دہ صوفوں پر بیٹھ گئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آج کی رات ان ہی صوفوں پر کالی ہوگی۔" میں نے شیشے کی دیواروں سے باہر زرد روشنیوں میں نہائے ہوئے ائرپورٹ پر نگاہ ڈالتے ہوئے مایوسی سے کہا "نیویارک سے نکل بھاگنے کے چکر میں ہم نے یہ بھی نہ سوچا کہ ٹرانزٹ میں کتنا وقت برباد ہوگا۔"

"فکر مت کرو۔ کوئی مسافر اپنی مرضی سے بھائیں بھائیں کرتے ہوئے اس لاؤنج میں رات بسر کرنا چاہے تو دوسری بات ہے ورنہ ائرلائن اتنے لمبے ٹرانزٹ کے لیے ہوٹل ضرور فراہم کرے گی۔ یہاں بین الاقوامی سفری ضابطے سختی سے لاگو کیے جاتے ہیں۔"

ٹرانزٹ ہال کے امیگریشن کاؤنٹر پر پختہ عمر کی ایک خاتون بیزاری کے عالم میں بال پین کا سرا دانتوں میں دبائے بیٹھی تھی۔ ہماری زمینی میزبان نے اپنے جمع کیے ہوئے پاسپورٹ اس کے سامنے رکھ کر اسے کچھ بتانے کی کوشش کی مگر امیگریشن والی وردی پوش خاتون نے اس کی تقریر میں ذرا بھی دلچسپی لیے بغیر پاسپورٹوں کی ورق گردانی کرکے ان پر مہرلگانی شروع کردی۔

وہ ہال میں نازل ہونے والے نئے مسافروں کو جلد از جلد بھگتا کر وہاں سے نکل بھاگنے کے چکر میں تھی۔ ویسے بھی ائرلائنز اور امیگریشن کے عملے میں ہر جگہ ایک خاموش سی پیشہ ورانہ مفاہمت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے بہتیرے کام پھرتی سے نمٹ جاتے

ہیں۔

ہماری توقع کے برعکس ہماری میزبان ساری سفری دستاویزات ایک ہینڈ بیگ میں بند کرکے بہت جلد لوٹ آئی اور ہماری راہ نوردی دوبارہ شروع ہوگئی۔

اس بار ہمیں زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔ برسات کی بھیگی ہوئی خنک ہواؤں میں ایک بڑی اور آرام دہ بس سائبان کے نیچے ہماری منتظر تھی۔ میزبان خاتون دروازے پر کھڑی اندر جانے والے مسافروں کو غیر محسوس انداز میں گنتی رہی۔ آخر میں وہ خود بھی اندر آگئی۔ خود کار دروازہ بند ہوا اور بس نے لندن کے اس مضافاتی ہوائی اڈے کو چھوڑ دیا۔

باہر سے گیٹ وک ائرپورٹ کا منظر بہت حسین تھا۔ پوری عمارت روشنیوں میں نہائی ہوئی تھی مگر وہاں نقل و حرکت کا فقدان تھا۔ مختلف ٹرمینلز کو ملانے والی برقی شٹل اپنی اپنی جگہوں پر ساکت تھیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہماری پرواز کی کلیئرنس کے بعد وہاں صبح تک کے لیے تالے ڈالے جانے والے ہوں۔

میزبان اپنی مخصوص نشست کے سامنے لگے ہوئے مائیکروفون کے ذریعے تاکید کر رہی تھی کہ صبح ہم سب کو پونے پانچ بجے ہوٹل کے ہال میں ناشتے کے لیے پہنچنا تھا تاکہ ہوٹل سے سوا پانچ بجے تک روانہ ہو کر وقت پر ائرپورٹ پہنچ سکیں۔ ہوٹل میں دو دو مسافروں کو ایک ساتھ ٹھہرایا جانا مقصود تھا جس کے لیے ساتھیوں کو فوری انتخاب کی تجویز دی گئی تھی۔ خواتین کو اس شرط سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا۔

لندن اور گیٹ وک ائرپورٹ کے درمیان اتنا فاصلہ حائل ہے کہ وہاں آنا جانا ہوتا تو ہوٹل کا بستر لگاڑے بغیر ٹرانزٹ کا وقت آرام سے گزر جاتا مگر اس ہوائی اڈے کی منصوبہ بندی کرنے والوں نے مسافروں کی اس ضرورت کا پیشگی خیال رکھا تھا۔

ائرپورٹ ٹرمینل سے چند منٹ کی مسافت پر ایک خوب صورت کثیرالمنزلہ ہوٹل کے برآمدے میں ہمارے سفر کا اختتام ہوا۔ جدید مواصلاتی ذرائع سے قبل از وقت موصول ہونے والی تفصیلات کی روشنی میں میزبان خاتون اور ہوٹل کے عملے کو ٹرانزٹ میں رکنے والے مسافروں کی تعداد کا علم تھا، کمرے تیار تھے، پاسپورٹ وغیرہ پہلے ہی میزبان کی تحویل میں تھے۔ فارموں پر مختصر اندراجات کے بعد چابیاں مسافروں کے حوالے کی جانے لگیں۔

وہ ہوٹل فائیو اسٹار نہیں تھا لیکن کمرے میں تمام سہولتیں اسی معیار کی تھیں۔ ایک طویل وقفے کے بعد آرام دہ ڈبل بیڈ سامنے آتے ہی میں اس پر ڈھیر ہوگیا۔

ائرلائن نے نیویارک سے مسافروں کا سامان براہِ راست آخری منزل کے لیے بک کیا تھا۔ ہمارے کپڑے وغیرہ سوٹ کیسوں میں بند گیٹ وک کے کسی کارگو ہینچ میں پڑے ہوئے تھے۔ ہم دونوں میں سے کسی کو خیال تک نہیں آیا تھا کہ راستے میں شب بسری کی نوبت آجائے گی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ہم نے کاموں میں الجھ کر مائیک پر اندھا..... اعتماد کرلیا تھا، اپنے ٹکٹ تک دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی ورنہ لندن سے روانگی کا وقت سامنے آتے ہی وہ عقدہ کھل جاتا۔

شب خوابی کے لئے متبادل لباس نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں ان ہی کپڑوں میں بستر پر دراز ہونا پڑا۔ ویرا نے بستر سنبھال کر ریموٹ کنٹرول سے ٹیلی وژن آن کرکے آواز دھیمی کی اور پھر چینل بدلنے شروع کردیے۔

لندن میں رات بھر کے قیام نے میرے ذہن میں اندیشے پیدا کردیے تھے۔ میرے دماغ میں نہ جانے یہ بات کیوں بیٹھی ہوئی تھی کہ ہمیں گیٹ وک ائرپورٹ پر بس کچھ دیر انتظار کرکے دوسرے طیارے سے آگے روانہ ہوجانا تھا۔ ہمارے لیے برطانیہ کی سرزمین بھی اسی قدر ہولناک تھی، جتنی امریکا کی۔ ہمارے امریکی حریفوں کے ذرا سے اشارے پر برطانوی حکام ہمارے خلاف صف آرا ہوسکتے تھے۔ دشمنوں کی اس دوسری سرزمین سے نکلے بغیر ہم خطرات سے دوچار تھے۔

ٹیلی وژن پر ویرا کی محنت آخر کار بار آور ثابت ہوئی۔ ایک چینل پر سی این این سے اشتہاروں کے طومار کے بغیر خبروں کا سلسلہ جاری تھا۔ اس وقت افریقہ کے کسی ملک میں غذائی بحران کی دستاویزی فلم دکھائی جارہی تھی۔ شاید اہم خبروں کا ابتدائی حصہ گزر چکا تھا جو ایک مقررہ وقفے کے بعد دوبارہ سنایا جاسکتا تھا۔

"نیویارک سے پرواز کرنے تک میرا دل ڈوب رہا تھا۔" ویرا نے میری طرف کروٹ لے کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھے یقین تھا کہ جینی نے ہم دونوں کے خلاف اپنے کمپیوٹر پر لکھا ہوا خط نشے کی جھونک میں نیویارک کے پولیس چیف کو فیکس کردیا ہوگا اور نیو آرک ائرپورٹ سے ہماری روانگی ناممکن ہوکر رہ جائے گی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے تقریباً آدھی مسافت طے کرلی ہے۔"

"میں اس کے بارے میں کچھ کہوں گا تو پھر تمہارا منہ بن جائے گا۔"

ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "تمہیں جو کچھ کہنا ہے، دل کھول کر کہو۔ اب میں برا نہیں مانوں گی۔ ہم نیویارک سے ہزاروں میل دور ہیں۔ تم چاہو تو بھی اس جادوگرنی سے ملاقات کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔"

"تم اس کی طرف سے بلاوجہ ہی حسد اور رقابت میں مبتلا ہو۔ وہ بہت کھلے اور صاف ستھرے ذہن کی مالک ہے۔ اس نے ہمیشہ تم سے وہی کہا ہے جو اس کے دل میں ہوتا ہے۔"

"اپنے بارے میں اس کی گھٹیا باتیں یاد کرو۔ وہ آخر تک تمہیں مجھ سے چھین لینے کی کوشش کرتی رہی۔ ایسی باتیں صاف ستھرے نہیں، غلیظ ذہن میں آتی ہیں۔ بس تم اسے منہ پھٹ کہہ سکتے ہو۔ وہ اپنی کسی بات کو راز میں رکھنے پر قادر نہیں ہے۔"

"میرے بارے میں تم نے خود اس کی حوصلہ افزائی کی۔ مجھے روک کر اسے اکساتی رہیں۔ اس کی بے مہار خواہشوں کو ہوا دینے

میں تمہارا کردار بہت نمایاں تھا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میں نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اس کے باوجود ہم نے اس سے اپنے کئی بڑے کام کروالیے۔ اسے احساس ہو چکا تھا کہ وہ ہمارے ہاتھوں میں کھیلتی رہی ہے۔"

میں نے ویرا کا وہ مان برقرار رہنے دیا اور دھیرے سے کہا "وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔ آخر تک تم سے سچ بولتی رہی اور تم آخر میں بھی اس سے جھوٹ بول کر آئی ہو۔"

"مجھے اس سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ تم کس جھوٹ کی بات کر رہے ہو؟"

"اس سے اگلے چند روز میں ملاقات کا وعدہ کرتے وقت تمہیں معلوم تھا کہ تم نیویارک میں ایک دن سے زیادہ کی مہمان نہیں ہو۔ اب وہ پورے خلوص سے تمہارا انتظار کرے گی۔"

"جو ہوا' بہت بہتر ہوا ہے۔" ویرا یکایک بہت زیادہ سنجیدہ ہوگئی "تم اس سے پہلی بار ملے تھے' میں اسے برسوں سے جانتی ہوں۔ پیشہ ورانہ زندگی میں آنے کے بعد اس کی سوچ میں بڑی تبدیلیاں آئی ہیں۔ پہلے جرم اور برائی کے بارے میں وہ اتنی حساس نہیں تھی لیکن اب مجھے یقین ہے کہ وہ جارج شلز اور دوسرے تین ڈیوڈ اسٹارز کی موت کے بارے میں اپنے بڑھتے ہوئے ذہنی دباؤ سے نجات حاصل نہیں کرسکے گی اور کسی بھی وقت کسی ذمے دار افسر کے سامنے اپنا اقبالی بیان درج کرادے گی۔"

"وہ تمہاری رازدار یا شریکِ کار نہیں تھی۔ ہم نے اسے نادانستگی میں اپنا آلۂ کار بنایا تھا۔ اگر ہمارے نکل آنے کے بعد وہ اپنی حماقتوں کے ازالے کی کوئی کوشش کرتی ہے تو اسے ایسا کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ تم اس پر بددیانتی یا غداری کا الزام نہیں لگاسکتیں۔"

ویرا تلخی سے ہنسی "یہ ازالہ نہیں ہوگا' وہ ناقابلِ تصور پریشانیوں میں مبتلا ہوجائے گی۔ سی آئی اے اور ایف بی آئی کے تجربہ کار افسروں کے سینے میں پتھر کا دل ہوتا ہے۔ وہ اسے ہمارا معاون قرار دے کر دھرلیں گے اور پھر اس پر ایسا نفسیاتی تشدد ہوگا کہ اپنے سارے نئے نظریے بھول جائے گی۔ آج کی پُرپیچ دنیا میں ایماندار بننے کی کوشش کرنے والے بے ایمانوں کو ہر میدان میں منہ کی کھانی پڑتی ہے۔ اس پر ایسے ایسے گھناؤنے الزام عائد کیے جائیں گے کہ وہ تھرا اٹھے گی۔"

"میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ امریکا میں ہم دونوں کی موجودگی کا پہلا باضابطہ انکشاف اسی کی زبان سے ہوگا۔ بعد میں اس کے ساتھ کیا بدسلوکی کی جاتی ہے' اس کے بارے میں تو شاید کبھی کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوسکے گا۔"

"اگر اس نے فورٹ ہاؤس کے واقعے کے بارے میں لب کشائی کی حماقت کی تو پھر وہ اس سے آئزک بیل کے بارے میں بھی ہر بات اگلوالیں گے کیونکہ جینی رنگس میں ایک ذمے دار عہدے پر ملازم تھی۔ اسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہاں سے گیپ کی فائل اسی نے اُڑا کر ہم تک پہنچائی تھی۔ اس کا یہ قصور اس کے مستقبل پر بدقسمتی کی مہر لگا سکتا ہے۔"

"مجھے تمہاری کسی بات سے اختلاف نہیں ہے۔ اسے کوئی تکلیف پہنچی تو مجھے دکھ ہوگا۔ امریکا میں وہ ہماری پہلی اور سب سے بڑی حلیف تھی۔ اس نے ہمارا بھرپور ساتھ نہ دیا ہوتا تو ہم آج بھی اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہوتے۔"

"یہ حقیقت ہر شبے سے بالاتر ہے۔ امریکا میں ہمارے دو ہی مددگار تھے۔ جینی نے لب کشائی کر کے مصائب کو ازخود دعوت نہ دی تو وہ بچ جائے گی مگر بلیک ڈیڈ کا بچنا محال ہے۔"

"میں اس کے لیے خود کو دل گرفتہ محسوس کر رہا ہوں۔ ہم نے دانستہ اس کے خلاف کوئی سازش نہیں کی۔ ہم نے پوری نیک نیتی سے اس کے تعاون سے فائدہ اٹھایا۔ آثار و قرائن یہی ہیں کہ وہ جلد ہی مشکلات سے دوچار ہوجائے گا۔"

سی این این کی نشریات کے بارے میں مختصر سے اشتہاری وقفے کے بعد سی این این کی ہیڈ لائن نیوز کا آغاز ہوگیا۔ اس میں سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹرز میں ہونے والے مہلک دھماکے پر سنسنی خیز انکشاف سرفہرست تھے۔

ہم دونوں خاموشی سے ٹیلی وژن کی طرف متوجہ ہوگئے۔

خبروں کا انداز حسبِ معمول ڈرامائی تھا۔ ناظرین کو تجسس میں الجھا کر سی این این کا مزید ایک اشتہار دکھایا گیا پھر نیوز کاسٹر نے ورجینیا میں فیئرفیکس کا ذکر کیا اور کیمرا سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹرز کے تباہ شدہ حصے پر مرکوز ہوگیا جہاں چار ہلاکتوں کے ساتھ آٹھ افراد زخمی ہوئے تھے۔

ماہرین نے جائے حادثہ کے معائنے اور وہاں سے ملنے والی شہادتوں کے تکنیکی تجزیے سے یہ سراغ لگالیا تھا کہ اس واردات میں کوئی مسروقہ ٹی این ٹی بیلٹ استعمال کی گئی تھی۔ وہ لوگ بہت تیزی کے ساتھ صحیح نتیجے پر پہنچے تھے۔

اسکرین پر فیئرفیکس میں موجود سی این این کا نامہ نگار بتا رہا تھا کہ جدید لاسلکی ریموٹ کنٹرول سے پھٹنے والی وہ خوف ناک بارودی بیلٹ پینٹاگون کے دو یہودی محققین کی ایجاد تھی۔ وہ بیلٹ اپنی میعاد گزرنے کی وجہ سے محدود پیمانے پر تباہی پھیلا سکی تھی جس کے نتیجے میں صرف چار افراد ہلاک ہوئے تھے۔ اگر اس کی جگہ کوئی نئی بیلٹ استعمال کی جاتی تو تباہی سے ہونے والے نقصانات پانچ گنا سے بھی زیادہ ہوسکتے تھے اور شاید باقیات کا تجزیہ بھی اس قدر آسان نہ رہتا۔

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ بدری ناتھ اپنی کمر پر ٹی این ٹی بیلٹ باندھ کر نیویارک سے سیدھا فیئرفیکس پہنچا تھا۔ وہ ذاتی طور پر کچھ اہم ترین کاغذات کی نقول سی آئی اے کے سربراہ کو پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ کاغذات کیا تھے' بدری ناتھ کے ہاتھ کیسے لگے' اس بارے میں سی آئی اے کے ذمے داروں نے سختی سے اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی۔

بدری ناتھ کی پچھلی کارکردگی کی روشنی میں یہ نظریہ تقویت پکڑتا نظر آرہا تھا کہ اس نے اپنی جان پر کھیل کر اپنے محکمے کے خلاف کوئی سازش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ وہ اپنے پراسرار مخبر یا زیادہ واضح طور پر عباس کرمانی کی کسی بے رحمانہ سازش کا نشانہ بنا تھا۔

عباس کرمانی نے دانستہ کچھ ایسے کاغذوں کی نقول بدری ناتھ کو فراہم کیں جن کے لیے فیئر فیکس سے وائٹ ہاؤس تک سب پریشان تھے۔ سرکاری طور پر اس بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا مگر واشنگٹن کے باخبر حلقوں کے لیے وہ ایک کھلا راز تھا۔

گیپ کا نام لیے بغیر نامہ نگار نے کہا کہ وہ نقل حاصل کرتے ہی بدری ناتھ نے نیویارک سے ورجینیا کی طرف دوڑ لگا دی۔ مجرم نقول دینے سے پہلے کسی طرح بدری کو ٹی این ٹی بیلٹ استعمال کرنے پر آمادہ کرچکا تھا۔ بدری اس چرمی بیلٹ کی تباہ کاری سے بے خبر تھا۔ وہ سی آئی اے کے محافظوں کے سامنے سے گزر کر ایک بارودی انسان کے روپ میں اپنی منزل مقصود پر پہنچا تو عباس کرمانی نے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے ہیڈ کوارٹرز میں خونین دہشت گردی کا ایک المناک باب رقم کرڈالا۔

نیویارک کے فورٹ ہاؤس میں دو مقتولین پر لیزر گن جیسے خفیہ ہتھیار کے استعمال کے محض دو روز بعد سی آئی اے سینٹر میں ٹی این ٹی بیلٹ کے استعمال نے قومی سلامتی کے ذمے دار اداروں سمیت پینٹاگون والوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور یہ سوال پوری شدت کے ساتھ ابھر کر سامنے آگیا تھا کہ اہم ترین دفاعی اداروں کے اسلحہ خانوں میں رکھے ہوئے حساس ترین نوعیت کے آلات کی حفاظت کی کیا ضمانت رہ گئی تھی۔

اگر امریکی ساختہ لیزر گن اور ٹی این ٹی بیلٹ کسی مجرم اور دہشت گرد کے ہاتھ لگ سکتی تھی تو پھر جوہری ہتھیاروں کے ذخائر بھی ایسے مجرموں کی دسترس میں تھے۔ وہ امریکا کے کسی بھی حصے میں کسی وقت دہشت گردی کی تاریخ کا کوئی بدترین مظاہرہ کرسکتے تھے۔

یہ امریکی قوم کی بنیادی خوبی یا خرابی ہے کہ وہ لوگ جب کسی واقعے یا حادثے سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں تو پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑجاتے ہیں، اس کے ہر مثبت اور منفی پہلو کو پوری طرح کھنگال کر رکھ دیتے ہیں۔ الیکٹرونک ریموٹ کنٹرول کے ذریعے چلائے جانے والے مہلک ترین ہتھیاروں کے عدم تحفظ اور قومی سلامتی پر اس کے اثرات کے سوال پر ٹیلی وژن پر مختلف شخصیات کی آرا کا سلسلہ چل پڑا جو میرے لیے خشک اور غیر دلچسپ تھا۔ امریکیوں کی انفرادی اور قومی سلامتی سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

"مجھے بلیک ڈیڈ کی شامت کے نمایاں آثار نظر آنے لگے ہیں۔ وہ بے چارہ اپنی خینچوں اور ہرزہ سرائیوں کی بہت بھاری قیمت ادا کرے گا۔" میں نے ریموٹ سے ٹیلی وژن بند کرکے کہا۔

"ابھی تک اس کا نام نہیں آیا۔ سارا زور عباس کرمانی پر ہے۔" ویرا بولی "دعا کرو کہ ہم لوگوں کے پاکستان پہنچنے تک یہ صورتِ حال اسی طرح الجھی رہے۔"

"وہ لوگ بہت تیزی سے صحیح سمت میں پیش قدمی کر رہے ہیں۔ فورٹ ہاؤس کے واقعے کی بازگشت پھر سنائی دے رہی ہے۔ اس حوالے سے نیویارک کی زیرِ زمین دنیا میں بلیک ڈیڈ خود اپنے نام کو جھنڈے پر چڑھاتا رہا ہے۔ رشوت خور پولیس اہل کار عام حالات میں ان حقیقتوں سے چشم پوشی اختیار کرسکتے ہیں لیکن اب قومی سلامتی کے سنگین سوال اٹھائے جارہے ہیں۔ فورٹ ہاؤس میں بیم گن کے استعمال کی بات کھل چکی ہے۔ سی آئی اے والے بلیک ڈیڈ کو تفصیلی مشوروں کے لیے کسی بھی وقت اٹھا کرلے جائیں گے۔ جسمانی اور اندرونی ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں اس نے ہمارا یا پیری کا ویل کا نام لے ڈالا تو سی آئی اے والوں کا کام بہت آسان ہوجائے گا۔"

"موجودہ نقصانات کے بعد شاید آئزک بیل کی باتوں پر غور کیا جائے گا۔ ابھی تک وہ اکلوتا گواہ ہے جو عباس کرمانی کے بجائے ہم دونوں کو ملوث کرنے پر تلا ہوا ہے۔"

"بدری ناتھ کے راہ سے ہٹ جانے کے بعد بہت کچھ بدل جائے گا۔ اب وہ اپنی کھوپڑیوں سے غور و خوض کریں گے، بھکانے والے کے ہٹ جانے کے بعد ان کے اخذ کیے ہوئے نتائج صحیح بھی ہوسکتے ہیں۔ شاید اگلے ایک دو روز میں معاملات کی تہ تک پہنچ جائیں گے۔"

"امریکی عام طور پر بے وقوف نہیں ہوتے۔ وہ اپنی ذہانت اور مکاری کے سہارے ہی دنیا پر راج کررہے ہیں۔" ویرا نے میرے لہجے میں ابہام محسوس کرکے کہا "یہ ہمارے مقدر کی یاوری تھی کہ پچھلے دنوں وہ کسی سدھائے ہوئے گدھے کی طرح ہماری سجھائی ہوئی راہوں پر چلتے رہے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کو بھٹکانے میں بدری ناتھ کلیدی کردار ادا کررہا تھا۔"

"سی این این والے کاغذوں کی نقول کا حوالہ دے رہے تھے لیکن خبر میں ایک بار بھی گیپ کا نام نہیں لیا گیا۔ اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"گیپ ایک سرکاری کمزوری کا نام ہے۔ وہ اسے ہر قیمت پر خفیہ رکھنا چاہ رہے ہیں۔ بات زیادہ اچھلے گی تو یہ نام بھی زبان زدِ عام ہوجائے گا۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا "اب مجھے تھوڑی سی نیند لے لینے دو۔ میں پورے سفر میں اعصابی کشیدگی میں مبتلا رہی ہوں۔"

"تم عیش کرو۔ میں ذرا کراچی کی خیر خبر لے لوں۔ اپنے چکروں میں ہم انہیں بھول ہی گئے ہیں۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ انہیں اطلاع دے کر کراچی میں اپنے استقبال کا بندوبست کرانا چاہتے ہو۔ وہ تینوں جلوس کی صورت میں ائرپورٹ پہنچ جائیں گے۔"

"کسی وقت اپنی ذات کے خول سے باہر نکل کر ڈھنگ کی بات

بھی سوچ لیا کرو۔"

"یہ کام تمہارے ذمے ہے۔ بس اب مجھے ڈسٹرب نہ کرنا۔" اس نے کروٹ لے لی۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر اندازہ لگایا کہ غزالہ اور سلطان شاہ کے لیے وہ بہت سویرا تھا۔ وہ دونوں فلیٹ میں فرصت اور فراغت کے دن گزار رہے تھے۔ انہیں صبح سویرے بستر سے اٹھانا مناسب نہیں تھا۔ اول خان کو اس وقت اپنے دفتر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔ اسی سے کچھ کھلی کھلی باتیں کر کے میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتا تھا۔

میں نے آپریٹر کو جوں ہی پاکستان کا نمبر بتایا' اس نے متذبذب مگر مہذب لہجے میں کہا "سر' آپ ٹرانزٹ میں اپنی ائرلائن کے مہمان ہیں مگر وہ اس فون کال کی ادائیگی نہیں کریں گے۔ ان کی ذمے داری کمرے اور ناشتے تک محدود ہے۔"

"مس! تم فکر نہ کرو۔ کال کی ادائیگی میں خود کروں گا۔ تم جلدی سے نمبر ملا دو۔"

چند ثانیوں میں کال مل گئی اور اول خان کی چہکتی ہوئی آواز میرے کانوں میں آئی "تم کہاں غائب ہو؟ اتنے لمبے وقفے کے بعد کراچی کا خیال آیا ہے....."

"سچ پوچھو تو ہر وقت کراچی ہی کا خیال رہتا ہے۔ یہاں پڑے پڑے طبیعت اکتا چکی ہے۔"

"پڑے پڑے!" اس نے حیرت سے دہرایا "تو کیا تازہ خبروں سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے؟ ان میں تمہارے دوست کا نام بھی اچھالا جا رہا ہے۔"

وہ یقینی طور پر فیئر فیکس کا حوالہ دے رہا تھا۔ میں نے متانت سے کہا "تعلق نہ ہوتا تو اس وقت تم سے بات نہ کر رہا ہوتا۔ اس واقعے نے قدم اکھاڑ دیے ہیں۔"

"خدا خیر کرے۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" میرے جواب پر اول خان دہل گیا "تمہارا واپسی کا کیا پروگرام بن رہا ہے؟"

میں ہنس پڑا "تم بالکل ٹھیک سمجھے ہو۔ آستین کے سانپ کو مار لینے کے بعد وہاں سے نکلنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اس وقت میں ٹرانزٹ پر لندن میں ہوں۔ شام کی پرواز سے ہم دونوں کراچی آ رہے ہیں۔ اب تم سے وہیں تفصیلی ملاقات ہوگی۔"

"اوہ! تو تم لندن آ چکے ہو۔ تم نے دل خوش کر دیا میرا۔ تم جتنی تیزی دکھا رہے تھے اس کے بعد تمہیں وہاں سے نکل ہی آنا چاہیے تھا۔ کہو تو میں گاڑی ائرپورٹ بھیج دوں؟"

اس کے آخری سوال پر میرا دل بجھ گیا "کیوں؟ کیا تم نہیں آؤ گے؟"

"تم چاہو گے تو سر کے بل آؤں گا مگر میرا مشورہ ہے کہ مجھے نہ بلاؤ۔ تمہاری آمد خاموشی اور رازداری کے ساتھ ہونی چاہیے۔ بہتر ہوگا کہ تم دونوں الگ الگ ہی آؤ۔"

"تمہاری باتوں نے مجھے فکر مند کر دیا۔ وہاں خیریت تو ہے نا؟"

"بس خیریت ہی سمجھو۔ میں یہ مشورہ احتیاطاً دے رہا ہوں۔ کل تمہارے فلیٹ کے قریب دو مشتبہ آدمی منڈلاتے ہوئے نظر آئے تھے۔ میرے آدمیوں کی بازپرس سے پہلے ہی وہ خطرہ بھانپ کر کہیں روپوش ہو گئے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم واپس آتے ہی کسی دشواری میں پڑ جاؤ۔"

"میں تمہارا مشکور ہوں۔ کسی کو ائرپورٹ آنے کی ضرورت نہیں۔ ہم دونوں الگ الگ ٹیکسیوں سے خود ہی گھر پہنچ جائیں گے۔ وہیں ملاقات ہوگی۔"

"تمہارے دونوں ساتھی بے وقوف اور جذباتی ہیں۔ ہر خطرے کو بالائے طاق رکھ کر ائرپورٹ پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ میں انہیں تمہاری واپسی کی اطلاع نہیں دوں گا۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے مجھے مطلع کر دیا۔ یہ سمجھ لو کہ اس وقت فون پر ہماری کوئی بات نہیں ہوئی۔ اب رات کو ہی ملاقات ہوگی۔"

اول خان سے وہ مختصر سی گفتگو کر کے میں نے فون بند کر دیا۔

میرے ریسیور رکھتے ہی دوبارہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے چونک کر ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف ہوٹل کی آپریٹر موجود تھی اور مجھے یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ ہوٹل کے سروس چارجز وغیرہ ملا کر اس کال کی مالیت سوا پانچ پاؤنڈ بنی تھی۔

"کیا وہاں کوئی گڑبڑ ہے؟" ویرا نے تھکی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

میں نے اول خان سے جو کچھ سنا تھا' وہ اس کے گوش گزار کر دیا۔

بستر میسر آنے پر مجھے بھی شدت سے نیند کی ضرورت کا احساس ہو رہا تھا۔ کمرے میں اندھیرا کرنے کے چند منٹ بعد ہی میری آنکھ لگ گئی۔

ساڑھے چار بجے آپریٹر نے کال کے ذریعے ہمیں بیدار کیا تو میرے لیے آنکھیں کھولنا دشوار ہو رہا تھا مگر مجبوری تھی۔

ہم دونوں جلد ہی منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو گئے۔ شکن آلود لباس کی تبدیلی کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ آئینے میں اپنا سراپا درست کرتے ہی ہم نے کمرا چھوڑ دیا۔

ہوٹل کے وسیع و عریض ڈائننگ ہال میں مسافر تیزی کے ساتھ جمع ہوتے چلے گئے۔ ان کی تعداد اتنی قلیل تھی کہ سب لوگ ہال کے ایک گوشے میں سما گئے۔ ہوٹل کی انتظامیہ نے ہمارے ناشتے کے لیے ہال میں سیلف سروس کی صرف ایک ہی میز سجائی تھی۔

مسلمانوں کے مذہبی گھرانوں کے سوا دنیا بھر میں کہیں بھی سحر خیزی کی روایت اب موجود نہیں رہی ہے۔ جو لوگ منہ اندھیرے اٹھتے ہیں' وہ کسی ذاتی' کاروباری یا ملازمت کی مجبوری کی وجہ سے اٹھتے ہیں ورنہ دنیا کی بیشتر آبادی اپنی سہولت کے مطابق دیر سے

اٹھنے کی عادی ہوتی چلی جارہی ہے۔ لندن جیسے شہر میں صبح کے پونے پانچ بجے بیدار بلکہ تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچنا میرے لیے ایک خوش گوار تجربہ تھا۔

شیشے کی شفاف دیواروں سے باہر ہوٹل کے احاطے میں لگے ہوئے رنگا رنگ پھولوں کے تختے مصنوعی روشنی میں عجیب بہار دکھا رہے تھے۔ اس وقت آسمان پر اندھیرے کا راج تھا اس لیے احاطے میں لگے ہوئے بلب اور اسٹریٹ لیمپ بدستور روشن تھے۔ رات کو ہونے والی بارش تھم چکی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ ہوٹل کی آرام دہ فضا سے باہر نکلتے ہی صبح کی کاٹ دار ہوائیں ہمارا استقبال کریں گی۔

ناشتے کے درمیان میں ائرلائن کی طرف سے ہماری نئی زمینی میزبان وہاں آپہنچی۔ رات والی خاتون کے بدن پر یونائیٹڈ کی وردی تھی۔ اس بار آنے والی امارات کی پُروقار وردی میں ملبوس نظر آرہی تھی۔ وہ ایک جواں سال اور ہنس مکھ مقامی لڑکی تھی۔

اس وقت تک ہماری سفری دستاویزات کا کوئی پتا نہیں تھا۔ ائرپورٹ کی حدود میں داخلے سے پہلے ان کی واپسی کا کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا۔

بڑے طیاروں پر مقامی اور بین الاقوامی پروازوں سے سفر کے لیے ہر ائرلائن زور دیتی ہے کہ مسافر پرواز سے کم از کم دو گھنٹے پہلے ائرپورٹ پر رپورٹ کریں تاکہ آخری لمحات میں ہجوم اور بدنظمی نہ ہو' سارا کام خوش اسلوبی سے پورا ہوسکے مگر ہم لوگوں کے سلسلے میں کچھ رعایت سے کام لیا گیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارا سامان پہلے ہی ائرلائن کی تحویل میں تھا۔ سفری دستاویزات یک جا تھیں۔ گروپ کی صورت میں ہر کام تیزی سے پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتا تھا۔

ایک کوسٹر نے ٹھیک ساڑھے پانچ بجے ہمیں ہوٹل سے گیٹ وک ائرپورٹ کے متعلقہ ٹرمینل پر اتار دیا۔ رات کو ویران اور خالی نظر آنے والی عمارتوں میں اس وقت زندگی کی رعنائیاں اپنے شباب پر تھیں۔ یہ دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ اتنے سویرے بھی وہاں مسافروں کی خاصی تعداد موجود تھی۔

دستاویزی کارروائیوں کے مراحل سے گزرنے کے بعد ہم بورڈنگ کارڈ سمیت روانگی کے لاؤنج میں پہنچ گئے جہاں روایتی رونق اور گہما گہمی ہماری منتظر تھی۔

"ابھی تک کچھ نہیں ہوا' اس کا مطلب ہے کہ ہم یہاں سے خیریت سے نکل جائیں گے۔" ویرا نے مجھے ایک طرف دھکیلتے ہوئے سرگوشی کی۔

"صبح سویرے ایسے منحوس اندیشوں کے بارے میں نہ سوچو۔" میں نے اسے گھور کر کہا "فکرمندی سے شروع ہونے والا دن پریشانیوں میں ہی نہ گزر جائے۔"

"ہم نیویارک میں تھے تو واقعات کی گرمی اور روانی میں بہت کچھ کرتے چلے جارہے تھے۔ اب سوچتے ہوئے حیرت ہو رہی ہے کہ ہم نے مختصر سی مدت میں وہاں کیسی یادگار کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ جب امریکیوں کو علم ہوگا کہ ہم ان کی ناک کے نیچے ان کے سینے پر مونگ دلتے رہے تھے تو وہ اپنی بے خبری پر بال نوچتے رہ جائیں گے۔ ان کے گھر میں شاید ہی کسی نے اتنی بے دردی سے جوتے لگائے ہوں۔"

"اپنی خفت مٹانے کے لیے انہوں نے آئزک بیل کو کچھ رعایتیں دینے کا فیصلہ کرلیا تو وہ زخمی ناگ دم توڑنے کے بجائے دوبارہ جان پکڑلے گا۔" میں نے کہا۔

"یہ ناممکن ہے۔" ویرا نے اپنا فیصلہ صادر کردیا "ہر بات معاف اور نظرانداز کی جاسکتی ہے لیکن امریکا پر راج کرنے والی ایجنسیاں یہ بات فراموش نہیں کرسکیں گی کہ وہ گیپ جیسی اہم دستاویز کی حفاظت کرنے میں بری طرح ناکام ہوچکا تھا۔"

"وہ اندر کی کہانی ہے۔ اس پر ظاہری فردِ جرم بھی سنگین ہے۔"

"ہارلم کے فسادات اور کوئنز ڈاؤن ایکسپریس وے پر دہشت گردی کے ذریعے ایک پولیس افسر کے قتل کے الزامات سے وہ بری نہیں ہوسکے گا۔"

ویرا لاؤنج کے ایک بار کی طرف بڑھی تو میں چونک پڑا "یہاں کہاں جارہی ہو؟"

"شہری شراب خانوں پر وقت کی پابندی ہوتی ہے۔" وہ ایک آنکھ دبا کر مسکرائی "میں شرط لگا سکتی ہوں کہ اس وقت پورے لندن میں کوئی شراب خانہ نہیں کھلا ہوگا مگر یہاں وقت کے ستائے ہوئے مسافروں کی سہولت کے لیے اس وقت بھی ساقی اپنے مے کدے میں موجود ہے۔"

گول محرابی کاؤنٹر کے پیچھے موجود بھرے بھرے بدن والی خاتون صبح کی اولین مسکراہٹ کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوئی اور ویرا نے فرمان جاری کردیا۔

"دولارج بلیک لیبل.... برف اور سوڈے کے ساتھ۔" یہ سنتے ہی خاتون اپنے عقب میں لگی ہوئی بوتلوں کی قطار کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ یہ مے نوشی کا کون سا وقت ہے؟ میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔" میں نے اردو میں شدت سے احتجاج کیا۔

"جہاز پر مفت کی ملتی ہے مگر تمہیں علم ہے کہ میں نے نیویارک سے یہاں تک بیئر کے ایک کین کے سوا کچھ نہیں لیا تھا۔ اب موڈ بحال رکھنے کے لیے یہ ٹانک ناگزیر ہوگیا ہے۔ یہ گلاس تمہارے معدے میں اترے گا تو تمہیں باہر کی فضا زیادہ رنگین اور پُرامید نظر آنے لگے گی۔"

میں نے ترحم آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "محض آرڈر دے کر تمہارا یہ حال ہے تو گلاس خالی کرنے کے بعد تمہیں سنبھالنا مشکل ہوجائے گا۔"

"ایسا ہو تو کوئی رسک نہ لینا۔ مجھے یہیں چھوڑ کر تم نکل جانا۔ چند روز کے لیے غزالہ خوش ہو جائے گی کہ تم نے آخر کار مجھ سے اپنا پیچھا چھڑا ہی لیا۔" وہ ڈھٹائی سے بولی۔

ساقی گری کرنے والی خاتون نے شیشے کے دو چمکتے ہوئے پیمانوں میں جھلملاتا ہوا سیال ہمارے سامنے رکھ دیا۔ وہ برف کے ڈلے ڈال چکی تھی۔ ساتھ ہی اس نے دونوں پیمانوں میں سوڈے کی دھاریں مارتے ہوئے وہ مسکرا کر بولی "علی الصباح کا یہ ڈرنک مبارک ہو۔ یہ میری آج کی پہلی سیل ہے۔"

"تم کو شرم آنی چاہیے۔" میں نے ویرا کو ملامت کی "یہاں بے شمار سفید فام نظر آ رہے ہیں جن کی گھٹی میں شراب شامل ہوتی ہے لیکن انہوں نے بھی اتنے منہ اندھیرے بار کا رخ نہیں کیا....."

"تقریر مت کرو اور پیگ اٹھاؤ۔" ویرا غرائی "میں ہمیشہ تمہاری خواہشات کا احترام کرتی ہوں۔ اس وقت تم میری بات مان لوگے تو کون سی قیامت آجائے گی۔ میں تمہیں زہر کا پیالہ تو نہیں پلا رہی۔"

اس کی بڑی بڑی اور چمک دار آنکھوں میں شرارت سے زیادہ سرکشی ناچ رہی تھی۔ ایسے موڈ میں وہ ہمیشہ جارح اور زبان دراز ہو جایا کرتی تھی۔ میں نے خاموشی سے پیگ اٹھالیا۔

"تمہارے دشمنوں کے اڑے ہوئے چیتھڑوں کے نام۔" اس نے اپنا پیگ میری طرف لہرایا۔

میں نے جواب میں کچھ کہے بغیر اپنے لب تر کر لیے۔ اس وقت ویرا کے منہ لگ کر مجھے کوفت اور جھلاہٹ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

میں اس وقت اُکھڑے اُکھڑے رویّے کا مظاہرہ نہ کرتا تو شاید ویرا جہاز کا رخ کرنے تک وہیں جمی رہتی۔ میرے تیور دیکھ کر اس نے مزید فرمائش نہیں کی۔ ادائیگی کے بعد ہم وہاں سے اٹھ گئے۔

ویرا نے ایک سہ نشستی صوفے پر نیم دراز ہو کر سگریٹ سلگائی اور میں لاؤنج میں ٹہلتا ہوا آگے نکل گیا۔ دنیا کے سفر پر نکلے ہوئے دنیا جہان کے لوگوں کی ارادی اور اضطراری حرکات کا گہرا مشاہدہ میرے لیے ہمیشہ دلچسپی سے بھرپور ثابت ہوتا تھا۔

ویرا سے الگ رہ کر میں نے مٹرگشت میں اپنا وقت بہت آسانی سے گزار لیا۔ سوا چھ بجے ہماری فلائٹ کی بورڈنگ کے اعلانات ہر جگہ نظر آنے لگے۔ اسکرین کا جائزہ لینے سے معلوم ہوا کہ اگلے ایک گھنٹے میں گیٹ وک سے کم از کم سات پروازیں روانہ ہونے والی تھیں۔ اس اعتبار سے ہماری صبح سات بجے کی پرواز انوکھی نہیں تھی۔ اپنی اگلی منزل پر زیادہ سے زیادہ وقت حاصل کرنے کے خواہش مند مسافر صبح سویرے سفر کے آغاز کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ لاؤنج بہت تیزی سے بھرتا جا رہا تھا۔

ہم وہاں پہنچے تو ایشیائی باشندوں کی ظاہری تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسافروں کی بھیڑ میں نہ صرف ایشیائی بلکہ بہت سے پاکستانی چہرے بھی نظر آنے لگے تھے۔ میں ان لوگوں کا دور دور سے محتاط جائزہ لیتا رہا تاکہ اپنے کسی ممکنہ شناسا سے دور رہ سکوں۔

کراچی میں میری سرگرمیاں اپنے کاموں تک محدود رہتی تھیں۔ میں نے کبھی بھی تقریبات وغیرہ میں شامل ہو کر لوگوں سے میل جول بڑھانے کی کوششیں نہیں کی تھیں' اسی وجہ سے میرے واقف کاروں کی تعداد کبھی بھی زیادہ نہیں رہی تھی۔ یہ خامی یا خوبی میرے کاموں میں ہمیشہ معاون ثابت ہوئی تھی۔

میں نے ٹہلتے ہوئے طائرانہ نظروں سے ہال کا جائزہ لیا تو ویرا کے صوفے پر جاپانیوں کی ایک ٹولی کو قابض پایا۔ ویرا کہیں نکل چکی تھی۔ میں بے پروائی سے اپنے گیٹ کی طرف چل دیا۔

جہاز کا سفر قدرے طویل وقفے کے بعد ہو تو اس میں سنسنی اور نئے پن کا احساس ہوتا ہے ورنہ سب کچھ ایک لگے بندھے معمول کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ میں راہداری سے گزر کر جہاز میں داخل ہوا اور ٹرالی سے تازہ اخبار لیتا ہوا اپنی نشست کی طرف چل دیا جس کی نشان دہی ایک ائر ہوسٹس کر چکی تھی۔

جہاز... میں غیر ملکیوں کے ساتھ متعدد پاکستانی چہرے بھی نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے بعض اپنے بال بچوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ان پر نگاہ پڑتے ہی میں نے غیر ارادی طور پر دو حصوں میں بانٹ لیا۔ اپنے ظاہری احوال اور بول چال سے ایک وہ طبقہ نظر آ رہا تھا جو مستقل بنیادوں پر برطانیہ میں مقیم تھا۔ وہ لوگ رشتے داروں سے ملنے جلنے یا کسی تقریب میں شرکت کے لیے جا رہے تھے۔ دوسرے پاکستانی وہ تھے جو سیر و تفریح یا تجارتی کاموں کو نمٹانے کے بعد اپنے وطن لوٹ رہے تھے۔

میں ان دونوں طبقوں کی معاشرت' بود و باش' بول چال اور زندگیوں کا موازنہ کرتا ہوا اپنی نشست تک پہنچا تو ویرا مجھ سے پہلے وہاں موجود تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے دانت نکال دیے۔

"اس وقت تم کوئی شوخ بندریا معلوم ہو رہی ہو۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔

"شکریہ!" اس نے برا مانے بغیر خوش دلی سے کہا "مجھے معلوم ہے کہ بہتیرے پاکستانی سفید فاموں اور خاص طور پر امریکیوں کو پیار سے بندر کہتے ہیں۔ اس رعایت سے تم مجھے بندریا ہی کہہ سکتے ہو۔"

"یہ نام پیار سے نہیں' تحقیر کے لیے دیا جاتا ہے۔" اس کی ڈھٹائی پر مجھے غصہ آ گیا۔

"جھوٹ مت بولو۔" وہ اٹھلا کر بولی "میں مان ہی نہیں سکتی کہ تم کبھی میری تحقیر کا تصور بھی کر سکتے ہو۔ یہ مذاق مجھے پسند نہیں آیا۔"

وہ پوری سنجیدگی سے مجھے سلگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور میرا

پارہ چڑھ گیا۔

"ہم اپنے کمرے میں نہیں، جہاز میں بیٹھے ہیں۔ یہ پاگلوں کی طرح کیوں ہنس رہی ہو؟"

"تمہارا بایاں نتھنا یوں ہولے ہولے پھڑک رہا ہے۔" اس نے اپنے بائیں ہاتھ کی پانچویں انگلی ملا کر انہیں خفیف سی جنبش دیتے ہوئے کہا "جب تم اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہے ہوتے ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ بس یہی دیکھ کر میری ہنسی چھوٹ گئی تھی۔ کیا مجھ پر غصہ آرہا ہے؟"

"بول چال میں احتیاط کرو اور خود پر قابو رکھو۔" میں نے اسے گھور کر سرزنش کی "ہمارے ساتھ پاکستانیوں کی خاصی تعداد سفر کررہی ہے۔ تمہاری بے لگام باتیں کسی کو بھی ہماری طرف متوجہ کرسکتی ہیں۔"

"خاصی تعداد کا ذکر غیر ضروری ہے۔ تمہارے ساتھ شاید سارے پاکستانی برسوں سے سفر کررہے ہیں۔" اس نے بے ساختہ جواب دیا۔

اس کی بات فوری طور پر میرے پلّے نہیں پڑ سکی "اب کہاں کی ہانک رہی ہو؟"

"حقیقت اتنی ہی کڑوی ہوتی ہے۔ تم اردو والے سفر کی بات کررہے تھے، مجھے انگریزی والا سفریاد آگیا۔ تمہارا قومی ابتلا میرے لیے ہمیشہ تشویش ناک رہا ہے۔ پتا نہیں تمہاری قوم اپنی قیادت کے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہے یا پھر قوم کی بے راہ روی کی سزا میں اس پر خود غرض اور بد عنوان حکمراں مسلط کیے جاتے رہے ہیں۔ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے ورنہ اول خان جیسے مخلص کو معطلی اور پھر معزولی کا خطرہ درپیش نہ ہوتا۔ وہ واقعہ میرے ذہن سے جونک کی طرح چمٹ کررہ گیا ہے۔"

میں حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کی ذہنی رُو اسی طرح اچانک بدلتی تھی۔ کہاں وہ مجھے چڑا کر لطف اندوز ہورہی تھی اور کہاں یکایک پاکستان کا ایک سنگین ترین مسئلہ لے بیٹھی تھی۔

"یہ صرف ایک گناہ کی سزا ہے۔" اس کی سنجیدگی دیکھتے ہوئے میں نے بھی غصہ تھوک دیا "ہر شخص ہوسِ زر میں مبتلا ہوچکا ہے اور اپنی توفیق کے مطابق لوٹ مار میں مصروف ہے۔ یہ ملک ان گنے چنے نیک لوگوں کی وجہ سے چل رہا ہے جو اس بھیڑ چال سے بچے ہوئے ہیں۔"

"میں تو یہ پڑھ پڑھ کر حیران ہوتی ہوں کہ تمہارے ملک میں رشوت، کمیشن اور کِک بیک کے ساتھ ساتھ بھاری قرضوں کی معافی کا فیشن بھی برسوں سے پروان چڑھ رہا ہے۔ ایسی ننگی لوٹ تو ترقی یافتہ ملک بھی نہیں سہہ سکتے۔ یہ ساری لوٹ مار وہ طبقہ کرتا ہے جو اقتدار اور اختیار پر قابض ہوتا ہے۔ عام لوگ حسرت اور محرومی سے یہ تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔ وہ اہل کار جو ان دونوں کے درمیان آتے ہیں، اپنی چاندی کررہے ہیں۔ یہ کیسا اندھیر ہے کہ اربوں روپے ڈکار جانے والے تمہارے ملک میں معزز کہے اور سمجھے جاتے ہیں۔ اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے کسی کے گھر میں چوری کرنے والے کا ہاتھ قلم کردینے کے نکتے اٹھائے جاتے ہیں مگر ان معزز ڈاکوؤں کی گرفتاری کے لیے اجازتوں کے عذر پیش کیے جاتے ہیں۔ جب قانون موجود ہے اور جرم کے سارے شواہد موجود ہیں تو پھر کس اجازت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ عام ڈاکوؤں، چوروں اور لٹیروں کو کس کی اجازت سے، کس قانون اور اختیار کے تحت اور کیوں گرفتار کرکے سزا یاب کرایا جاتا ہے؟ حیرت ہے کہ آج تک تمہارے ملک میں کسی نے بھرپور انداز میں حکمرانوں سے ان سوالوں کے جواب دریافت نہیں کیے۔"

"ابھی تک تم ہمارے معاشی ناسور کی باتیں کررہی تھیں اور میں تمہیں جواب دے رہا تھا۔ اب تم سیاست کی طرف آگئی ہو۔ ساری اجازتیں سیاسی مصلحتوں اور سودے بازیوں کی پابند ہوتی ہیں۔ میں سیاست سے دور بھاگتا ہوں۔ میں نے جس دن یہ سب سوچنا شروع کردیا، میں اپنا اصل کام بھول جاؤں گا۔"

"یہ انفرادی لاتعلقی ہی تمہاری قوم کا اجتماعی مرض ہے۔" وہ یکایک جذباتی ہوگئی "سیاست کوئی غلاظت یا حرام کاری نہیں ہے جو تم اس سے یوں دور بھاگتے ہو۔ وہ تمہاری زندگی کا ایک اہم حصہ ہے، تم پر ہر طرح اثرانداز ہوتی ہے۔ تم نے اپنے حق سے دست بردار ہوکر اسے دوسروں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ سیاست داں جو چاہیں، کرتے رہیں۔ تم نے اپنے اوپر ایک خود ساختہ مسکینی، مایوسی اور بے بسی طاری کی ہوئی ہے۔ اپنا ووٹ بدمعاشوں کو مسترد اور نیک نام لوگوں کو کامیاب بنانے کے لیے استعمال کیوں نہیں کرتے۔ رائے شماری کا وقت آتا ہے تو تم لاتعلقی اختیار کرکے ٹیلی وژن پر خاص پروگرام دیکھنے بیٹھ جاتے ہو یا پھر بستر میں پڑے اینڈتے رہتے ہو۔ تمہارا ووٹ بالا ہی بالا ان بدمعاشوں کے حق میں استعمال ہوجاتا ہے جن سے تم نفرت کرتے ہو۔ ایسی مجرمانہ لاتعلقی کے بعد جب کوئی تیکھا سوال سامنے آتا ہے تو جنم جلی بوڑھیوں کی طرح سیاست کو کوسنے بیٹھ جاتے ہو۔"

"ہمارے تجربے تم سے مختلف اور ذرا تلخ ہیں۔" میں نے سہلاتے ہوئے دھیرے سے کہا "یہ لاتعلقی خود بہ خود ہی پیدا نہیں ہوئی۔ اس کے اسباب بہت گہرے ہیں۔ لوگوں نے مخلص قیادت کو سامنے لانے کے لیے پورے جوش و خروش سے تپتی دھوپ میں قطاریں لگا کر ووٹ کی پرچیاں ڈالیں۔ نتائج آئے تو وہ دنگ رہ گئے۔ ان کا مخالفانہ ووٹ بھی قیادت بدلنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا....."

"ایک دوبار ایسا ہوسکتا ہے لیکن ہمیشہ یہ سب یوں ہی نہیں رہے گا....."

"اسے بدلنا اتنا آسان نہیں ہے۔ یہ بھی ایک پوری سنڈیکیٹ ہے۔ تمہیں اندازہ ہے کہ پاکستان میں ہیروئن کی تجارت سے کالے دھن کی کتنی بڑی منڈی پیدا ہوچکی ہے؟ ہماری پوری قوم اس ہولناک معاشی ریلے کے حصار میں ہے۔ یہ رقم قانونی تجارت

اور لین دین میں نہیں کھپ سکتی۔ یہ اسمگلر اپنی پسند کے سیاسی گھوڑوں پر گڈیوں کے حساب سے نہیں، بوریوں کے حساب سے سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ یہ گھوڑے جیت جاتے ہیں تو انہیں رعایتوں، مراعتوں اور اجازتوں کی صورت میں اپنا سرمایہ منافع سمیت واپس مل جاتا ہے۔ یہ کالا دھن خوف ناک رفتار سے روز بہ روز بڑھتا جارہا ہے۔ نودولیتوں کی ایک ایسی کھیپ وجود میں آچکی ہے جو اپنی پسند کی چیز منہ مانگے داموں پر خریدنے کی شوقین ہے۔ انہوں نے بازاروں میں آگ لگائی ہوئی ہے جس کی چنگاریاں عام آدمی کے دامن کو دھیرے دھیرے راکھ کررہی ہیں۔"

"خرابیاں اس قدر ہیں کہ بات کہیں سے بھی شروع کی جاسکتی ہے لیکن گہرائی میں جھانکا جائے تو تمہارے ملک کی بربادی میں ہیروئن کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس کی ناجائز آمدنی نے تمہاری سرزمین پر ہتھیاروں کی غیر قانونی تجارت کو فروغ دیا اور یہی سیاست کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔"

"ہمارے یہاں معاشرتی سطح پر بھی ہیروئن کے اسمگلروں کو بہت برا نہیں سمجھا جاتا۔ بہت سے پڑھے لکھے لوگ یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر کوئی پاکستانی ہیروئن برآمد کرکے دولت کماتا ہے تو کیا ہوا، پورا مغرب بھانت بھانت کی شرابیں بیچ کر دنیا کی دولت بٹور رہا ہے۔ مغرب کی منافقت کی وجہ سے اس کے بنائے ہوئے معیار بھی ہمارے یہاں نفرت اور تعصب کا نشانہ بننے لگے ہیں۔"

"مجھے اندازہ ہے۔" اس نے تفہیمی انداز میں سرہلا کر اعتراف کیا "تمہارے مذہب میں ہر نشہ حرام ہے۔ اس میں شراب، ہیروئن اور بھنگ کا فرق نہیں ہے۔ اگر کچھ لوگ اس قسم کا موازنہ کرتے ہیں تو وہ سمجھ میں آتا ہے۔ پھر جوہری قوت کا مسئلہ بھی تمہارے یہاں بہت حساس ہے۔ یہ طاقت جب تک مغرب کے پاس رہی، جائز تھی۔ جب چین نے دھماکے کیے تو مغرب میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ آج کئی ایشیائی ممالک اس صف میں شامل ہونے کے لیے تیار ہیں تو پابندیوں، معاہدوں اور سزاؤں کا شور بلند ہورہا ہے۔"

"یہ کھلے تعصبات ہیں جنہیں نام بدل کر کسی بھی طرح نہیں چھپایا جاسکتا۔"

"میں خود یہ تسلیم کررہی ہوں۔ دیکھنا یہ ہے کہ مغربی فلسفے سے بیزاری کے اظہار میں تم اپنا کیا نقصان کررہے ہو۔ یہ درست ہے کہ ہیروئن کی اسمگلنگ سے پاکستانیوں میں پیسہ آرہا ہے لیکن یہ کالا دھن بے فیض بلکہ خطرناک ہے۔ اس سے چند خاندان ضرور ارب پتی بن سکتے ہیں، ملک اور عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ ان کے مصائب بڑھتے چلے جائیں گے۔"

"ابھی تک ہم ہیروئن کے خلاف عالمی جنگ لڑتے رہے ہیں۔ شاید اب مجھے اندر بھی توجہ دینی ہوگی۔ اس تجارت کے چند بڑے سرخیل بھی میرے قابو میں آگئے تو حالات میں نمایاں تبدیلی آئے گی۔"

"تم نے پاکستان سے مافیا کے پاؤں اکھاڑے، شی کو عملاً نیست ونابود کردیا، داؤدی ستارے موت کی سرد اور بے رحم کھائیوں کے اندھیروں میں کہیں غروب ہوچکے ہیں مگر عالمی منڈیوں میں ہیروئن کی طلب آج بھی موجود ہے۔ اسے پورا کرنے والے پاکستان یا اس کے آس پاس رہتے ہیں۔ انہیں مجبور کرنا ہوگا کہ وہ اپنے سرمائے کی غیر قانونی گردش کو روک کر ترقیاتی منصوبوں میں سرمایہ کاری کریں۔"

"ہر حکومت نے کسی نہ کسی روپ میں کالے دھن کو جائز بنانے کے لیے مراعات کا اعلان کیا لیکن یہ لوگ اس جال میں نہیں آئے۔ لمبی مدت میں وہ بھاری ٹیکسوں کے بوجھ تلے نہیں دبنا چاہتے۔ اس سے زیادہ رعایتیں دی گئیں تو ملک پر منی لانڈرنگ کا الزام آجائے گا۔"

جہاز میں اعلانات ہورہے تھے۔ ہماری بے خبری میں نہ جانے کب بورڈنگ مکمل ہوچکی تھی۔ اس وقت جہاز نے رینگنا شروع کردیا تھا۔ ہم نے جلدی سے حفاظتی بند باندھ لیے۔

آدمی کتنا ہی صحت مند اور چاق وچوبند کیوں نہ ہو، جہاز کی لینڈنگ اور ٹیک آف کے دوران میں اس کے اندرونی جسمانی نظام میں لازماً چند اندرونی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ بعض لوگ انہیں آسانی سے برداشت کرلیتے ہیں، کچھ پریشان ہوجاتے ہیں۔

میرا اور ویرا کا شمار پہلی قسم کے مسافروں میں ہوتا ہے۔ ہم نے ہنستے بولتے وہ مرحلہ طے کرلیا اور آخر کار اپنے دشمنوں کی سرزمین سے ہمارا ہر رشتہ ٹوٹ گیا۔

طیارہ بادلوں کو چیرتا ہوا بلندی کی طرف محوِ پرواز تھا۔ میں نے لندن کا تازہ اخبار کھول لیا۔

مجھے اخبار میں صرف اور صرف فیٹریکس کے بارے میں کسی تفصیلی خبر کی تلاش تھی اور وہ مجھے پہلے ہی صفحے پر مل گئی۔ سی آئی اے کے خلاف خونیں دہشت گردی۔ سراغ ملنے لگے۔ وہ اخبار کی جلی سرخی تھی۔ اس کے نیچے وہی کچھ تفصیل سے دیا گیا تھا جو ہم رات گئے سی این این سے سن چکے تھے لیکن بین السطور میں یہ نشان دہی کردی گئی تھی کہ امریکا کی مالی اعانت سے چلنے والی ایک این جی او کے چند عہدے دار تفتیش کے لیے حراست میں لے لیے گئے تھے۔

این جی او ایک نئی اصطلاح تھی جب کہ شی اس اصطلاح کے متعارف ہونے سے بہت پہلے وجود میں آچکی تھی۔ عملی طور پر شی، این جی او کا بہترین تصور پیش کرتی تھی۔ اس کی ساری مالیاتی ضروریات امریکی سرکار پوری کرتی تھی اور وہ ہیروئن کے انسداد کے لیے سرکاری امداف کے حصول کے لیے سرگرمی سے کام کرتی تھی۔

خبر پڑھ لینے کے بعد مجھے یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ سی آئی اے والوں نے لیزر یا بیم گن کے بعد ٹی این ٹی بیلٹ کا استعمال سامنے آنے کے بعد شی کے ان مشتبہ آئی مین پر ہاتھ ڈال دیا تھا جن کے روابط ناپسندیدہ لوگوں سے تھے۔ اس فہرست میں بلیک ڈیڈ

کے دوست پیری کاویل کے نام کی شمولیت ناگزیر تھی۔ کھوپڑیوں پر جمی ہوئی برف پگھلنے کے بعد سی آئی اے والے تیزی سے پیش رفت کررہے تھے۔

ادھر وہ کامیابی کی طرف بڑھ رہے تھے اور ادھر ہمارا طیارہ ہمیں تیزی کے ساتھ پاکستان کی طرف اُڑائے لیے جارہا تھا۔ اگر ہم بلیک ڈیڈ کی فرمائش پر نیویارک سے اپنی روانگی کے پروگرام کو چند روز کے لیے ملتوی کردیتے تو امریکا ہی ہمارا مقتل ثابت ہوسکتا تھا۔

لندن سے دبئی تک کی پرواز چھ گھنٹوں کی تھی مگر وقت میں تین گھنٹوں کے فرق کی وجہ سے ہم شام کے وقت وہاں پہنچے۔ ہماری پرواز وہاں کافی دیر رکی رہی۔ مسافروں کی ایک بڑی تعداد دبئی میں اتر گئی۔ آگے جانے والوں کو ٹرانزٹ لاؤنج میں جانے کی اجازت مل گئی۔

دبئی کی ڈیوٹی فری شاپ سے ویرا نے میرے منع کرنے کے باوجود کچھ ایسی چیزیں خرید ڈالیں جو پاکستان میں ممنوعہ تھیں۔ لاؤنج میں ہماری پرواز کی آگے روانگی کا اعلان ہوا۔ مسافر سمٹ کر واپسی کی راہ ہولیے۔ اس وقت تک جہاز میں دبئی سے مسافروں کی نئی کھیپ سوار ہوچکی تھی۔ ان میں سے بیشتر پاکستانی تھے جو اپنے روزگار کے سلسلے میں وہاں مقیم تھے اور چھٹیوں پر یا معاہدہ ختم کرکے پاکستان جارہے تھے۔

دبئی سے کراچی تک کی پرواز بہت طویل نہیں تھی۔ کھانے پینے کا ایک بھرپور دور ختم ہونے کے کچھ دیر بعد ہی کراچی پہنچنے کا اعلان ہوگیا۔

میں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ کراچی میں گزارا ہے۔ جوانی میں لاہور کو خیرباد کہنے کے بعد میں نے ایک بے سروسامان مہمان کی طرح اس شہر کی مٹی پر پہلا قدم رکھا تھا اور پھر کراچی کی زمین نے میرے قدم یوں پکڑے کہ میں یہیں کا ہوکر رہ گیا۔

لاہور میں میرے سوتیلوں نے مجھ سے جو کچھ اور جتنا کچھ غصب کیا تھا' کراچی نے مختصری مدت میں اس سے کہیں زیادہ مجھے لوٹا دیا اور اتنا سیر چشم بنادیا کہ مجھے کبھی مڑ کر پیچھے دیکھنے کی ضرورت تک پیش نہیں آئی۔ مجھے کراچی سے پیار تھا' اس پیار میں جہاں کراچی کی خوبیوں کا حصہ ہے وہیں اس کی خامیوں اور خرابیوں کا بھی کچھ نہ کچھ دخل ضرور ہے۔

شہر میں رہتے اور شب و روز اس کی کوچہ نوردی کرتے ہوئے مجھے اب بھی محسوس ہوتا ہے کہ چند حصوں کو چھوڑ کر پورا شہر بے ترتیبی اور بدنظمی کا شکار ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی منظم منصوبہ بندی کے بجائے ہنگامی ضرورتوں کے تحت بڑے بڑے میدانوں کو آبادی میں بدل کر شہر کو وسعت دی گئی ہے مگر اس رات شہر پر جہاز کی پرواز کے دوران میں مجھے یہ دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی کہ دنیا کے دوسرے مشہور شہروں کی طرح رات کے اندھیرے میں کراچی کا فضائی منظر بھی بہت حسین ہوتا ہے۔

فضا سے شہر میں ہر طرف لمبی لمبی روشن اور اندھیری سڑکوں کا جال پھیلا ہوا نظر آرہا تھا۔ روشن شاہراہوں کی پہچان ان کی روشنیاں تھیں اور جو سڑکیں تاریک تھیں' ان کی نشان دہی گاڑیوں کی روشنیوں کی قطاروں سے ہورہی تھی۔ پارک' عمارتیں' کارخانے اور میدان' سب ایک دوسرے سے الگ اور خوش نما نظر آرہے تھے۔

میرے دل میں خواہش ابھری کہ کاش امارات کا وہ جہاز کچھ دیر تک شہر کی فضاؤں میں یوں ہی منڈلاتا اور میری آرزوؤں کو تھپکیاں دیتا رہے لیکن کنٹرول ٹاور جہاز کے استقبال کے لیے تیار تھا۔ چکر پورا کرتے ہوئے جہاز نے اپنی بلندی مزید کم کی اور لینڈنگ پوزیشن لیتا چلا گیا۔

رن وے اور ٹرمینل کی عمارت کے درمیان جہاز سے اتر کر بس میں سوار ہوتے ہوئے مجھے دل ہی دل میں بے نام سی ندامت ہورہی تھی۔ نیو آرک' گیٹ وک اور پھر دبئی کے بعد کراچی ایئرپورٹ کا تاثر کچھ بہتر نہیں تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے کسی نے مجھے زیب النساء اسٹریٹ کے بھرے پُرے بازار سے اٹھا کر پنڈی بھٹیاں کے گرد آلود چوک پر کھڑا کردیا ہو۔

عمارت اور سہولتوں کی طرح کراچی ایئرپورٹ خدمات کے میدان میں بھی پس ماندہ تھا۔ اہل کار اپنے فرائض تندہی سے انجام نہیں دے رہے تھے۔ صاف معلوم ہورہا تھا کہ وہ اپنی دانست میں مسافروں پر احسان کررہے تھے۔ نیویارک سے کراچی تک کے سفر میں میرے متعدد تجربات کے درمیان اتنا کم وقفہ تھا کہ مجھے وہ فرق شدت سے محسوس ہورہا تھا اور شاید ادھر آنے والا ہر مسافر ہی محسوس کرتا ہو۔

اول خان کی ہدایت کے مطابق ویرا مجھ سے پہلے طیارے سے نکلی تھی۔ گو ہم دونوں ایک ہی بس میں سوار ہوکر ٹرمینل تک آئے تھے مگر وہاں میں نے پھر پسپائی اختیار کرلی اور ویرا آگے نکل گئی۔

میں کسٹم کے مرحلے پر پہنچا تو سوٹ کیس پر لگے ہوئے بیگیج ٹیگ سے ظاہر ہورہا تھا کہ میں نے اپنے سفر کی ابتدا نیویارک سے کی تھی۔ میرے حصے میں آنے والے افسر نے ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ مجھے سوٹ کیس کھولنے کی ہدایت دی۔ اسے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ میں نے کسی ہچر مچر کے بغیر اس کی ہدایت پر عمل کرنا شروع کردیا تھا۔

"سوٹ کیس ایک ہی ہے؟" آخر کار وہ مجھ سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"اور یہ بھی بڑی حد تک خالی ہے" میں نے اسے مزید مایوس کردیا۔ امریکا سے آنے والے مسافر سامان کے ضمن میں وزن کی قید کے بجائے مقررہ سائز کے اندر دو سوٹ کیسوں کی اجازت ہونے کی وجہ سے عام طور پر لدے پھندے آتے ہیں۔ وہ افسر اسی معیار کا عادی تھا۔ میرا ایک ہلکا پھلکا سوٹ کیس اس کی نگاہوں میں شاید چبھ رہا تھا۔

"اسکاچ وغیرہ تو ضرور ہوگی؟" اس نے بے تکلفی سے اگلا سوال کیا۔

"معدے میں موجود ہے۔ سوٹ کیس اور بریف کیس میں کچھ نہیں ہے" میں نے جواب دیا۔

"بھائی، تو پھر امریکا کیوں گئے تھے؟" اس نے طنزیہ لہجے میں یہ کہتے ہوئے میرا کھلا ہوا سوٹ کیس بے اعتباری سے اپنی طرف گھمالیا۔

کپڑوں وغیرہ کو اچھی طرح زیروزبر کرنے اور سوٹ کیس کی دیواروں کو ٹٹولنے کے باوجود اسے کچھ نہ ملا تو اس نے میرا بریف کیس بھی کھلوالیا۔

اپنی ہر کوشش میں ناکام ہو کر اس نے بددلی کے ساتھ مجھے جانے کی اجازت دے دی۔

خاصا وقت برباد کر کے میں باہر آیا تو ویرا کا دور تک پتا نہیں تھا۔ میں ایجنٹوں کی بھیڑ سے بچتا بچاتا خود ہی ایک باریش ٹیکسی ڈرائیور تک جا پہنچا۔

"صاب! میٹر سے پچاس روپیہ زیادہ دینا ہوگا" اس نے کسی مول تول کے بغیر اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"جب میٹر موجود ہے تو پچاس روپے کس بات کے لوگے؟"

رقم معمولی ہونے کے باوجود مجھے اس کا تحکمانہ لب ولہجہ پسند نہیں آیا تھا۔

"ام نئیں لے گی" اس نے اسی تیور سے جواب دیا "اِدر سے سواری اٹھانے والے ڈریور سے پولیس پچاس روپیہ لیتی ہے۔ ام اُس کو دے گی۔"

میں سہلا کر رہ گیا۔ بات سمجھ میں آگئی تھی۔ وہ واقعی شریف ڈرائیور تھا ورنہ سنا یہ تھا کہ کراچی کے بیشتر ٹیکسی ڈرائیور باہر سے آنے والوں سے ڈالروں اور ریالوں میں کرایہ طے کرتے ہیں۔

ڈرائیور نے میرا سوٹ کیس ڈکی میں رکھا اور اپنی نشست پر بیٹھ کر بسم اللہ پڑھتے ہوئے سیلف لگایا۔ میں پہلے ہی اس کے برابر میں بیٹھ چکا تھا۔

پارکنگ ایریا سے نکاس کے راستے پر سفید وردی میں ملبوس ٹریفک کا ایک سپاہی ٹریفک کنٹرول کرنے کے بہانے ٹیکسیوں کی نگرانی اور وصولی پر مامور تھا۔ میرے ڈرائیور نے ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر اپنی مٹھی میں دبا ہوا پچاس روپے کا نوٹ سپاہی کے ہاتھ میں منتقل کیا اور زیرِ لب کچھ بڑبڑاتے ہوئے ٹیکسی کی رفتار بڑھادی۔

"کیا لاحول پڑھ رہے تھے؟" میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو چھیڑنے کی نیت سے سوال کیا۔

وہ سر جھٹک کر غصے سے اپنے لب ولہجے میں بولا "ہم جانتی ہے کہ رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنمی ہوتے ہیں مگر کیا کرے؟ روزی کیسے کمائے؟ پیٹرول مہنگا ہو چکا' کرائے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ بابو لوگ اب ٹیکسی کا رخ ہی نہیں کرتے۔ شہر میں خالی ٹیکسیاں ماری ماری پھرتی ہیں۔ ادھر سواری ملتی ہے تو رشوت دینی پڑتی ہے۔ ہم یہ برا کام کرتی ہے تو لاحول پڑھتی ہے۔"

وہ کراچی نہیں' شاید پاکستان کے ہر بڑے شہر کا المیہ تھا کہ وہاں خدا ترس اور سادہ لوح لوگوں کے لیے پیسہ کمانا ذرا بھی مشکل نہیں تھا لیکن رزقِ حلال کمانا بہت مشکل ہوتا جارہا تھا۔ رشوت' ناپ تول کی چوری' معیار میں ملاوٹ اور جھوٹ کے بغیر کسی بھی چھوٹے یا بڑے دھندے میں چار پیسے کمانا روز بہ روز مشکل تر نظر آرہا تھا۔

ائرپورٹ سے فلیٹ تک کا فاصلہ خاصا طویل تھا لیکن راستہ سیدھا اور صاف ہونے کی وجہ سے میں ٹھیک نو بجے اپنے فلیٹ والی عمارت کے نیچے پہنچ چکا تھا۔

ٹیکسی رکتے ہی سلطان شاہ میرے قریب آپہنچا۔ ویرا سے خبر ملنے کے بعد شاید وہ میرے استقبال کے لیے پہلے سے نیچے آن موجود ہوا تھا۔

میرے نیچے اترتے ہی وہ دونوں بازو پھیلا کر والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ وہ خاصا کمزور ہو چکا تھا۔

میرے اصرار کے باوجود سوٹ کیس سلطان شاہ نے اٹھایا' اپنی مادری زبان میں ٹیکسی ڈرائیور سے چند دوستانہ فقروں کا تبادلہ کیا اور پھر میرے ساتھ لفٹ کی طرف چل پڑا۔

"تمہیں دیکھ کر میرا دل کھل اٹھا ہے مگر یہ شکوہ رہے گا کہ تم اطلاع دیے بغیر خاموشی سے یہاں پہنچ گئے۔ کہیں سے ایک فون ہی کردیا ہوتا تو ہم ائرپورٹ پر پہنچ گئے ہوتے۔"

"ہم خیریت سے آچکے ہیں۔ اب سارے گلے شکوے بھول جاؤ۔ وہاں کی کہانیاں سنو گے تو تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ ہم ان کے چنگل سے نکلنے میں کیسے کامیاب ہوئے" میں نے محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا پھر پوچھا "ویرا تو آگئی ہے نا؟"

"وہ نہ آتی تو مجھے تمہارے آنے کی اطلاع کیسے ملتی؟ تھوڑی سی موٹی ہو کر آئی ہے۔ اوپر پہنچتے ہی غزالہ سے گلے مل کر یوں رو رہی تھی جیسے اسے برسوں کے بعد دیکھا ہو۔"

مجھے اندازہ تھا کہ ویرا اپنی ساری فطری عیاریوں اور خود غرضیوں کے باوجود ہم لوگوں کے ساتھ بہت مخلص تھی۔ اس کے ساتھ امریکا تک کا دوطرفہ سفر کر کے میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کے دعوے صرف زبانی نہیں تھے۔ اس نے عملی طور پر اپنے وطن کی مٹی سے اپنا ہر رشتہ توڑ کر اپنا مستقبل ہمارے ساتھ وابستہ کرلیا تھا۔ اس کی وہ قربانی بہرحال قابلِ قدر تھی۔

ڈور بیل کے جواب میں فلیٹ کا دروازہ غزالہ نے کھولا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور فرطِ جذبات سے اس کے یاقوتی لبوں کے گوشے کانپنے لگے۔ میرے وجود کے کسی حصے سے سرور و آسودگی کی ایک طاقت ور لہر ابھری اور مجھے اپنی گرفت میں لیتی چلی گئی۔

سلطان شاہ سوٹ کیس لیے میرے پیچھے موجود تھا۔ ویرا' غزالہ کی پشت پر تھی۔ میں نے ویرا کی پروا کیے بغیر مغلوب ہو کر غزالہ کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور اسے سلطان شاہ کے کمرے میں لیتا چلا گیا کیونکہ اس وقت وہی دروازہ سب سے قریب نظر آ رہا تھا۔

غزالہ سسکیاں لیتی ہوئی میرے سینے سے لپٹ گئی اور میں نے پوری قوت سے اسے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔ اس سے دور رہ کر میں نے اس سے جن بے وفائیوں کا ارتکاب کیا تھا' ان کی یاد اس وقت میرے دل اور ضمیر پر ملامت کے کوڑے برسا رہی تھی۔ میرا دل چاہا کہ میں اپنا سر وفا کی اس دیوی کے قدموں میں ڈال کر اس سے اپنے ان گناہوں کا اعتراف کروں اور پھر اس سے معافی کی التجا کروں مگر وہ بڑا فیصلہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ ان جذباتی لمحات میں کیا ہوا کوئی غلط فیصلہ مجھے ہمیشہ کے لیے غزالہ کی نظروں سے گرا سکتا تھا۔

دل اور وہ بھی ٹوٹ کر چاہنے والی ایک حسین اور نوجوان بیوی کا دل ایسے آئینے کے مانند ہوتا ہے جس پر آیا ہوا بال کبھی دور نہیں ہو سکتا۔ میری سزا کے لیے میرے ضمیر کا بوجھ ہی کافی تھا۔ میں تلخ حقیقتوں کا اعتراف کر کے غزالہ کا دل نہیں دکھا سکتا تھا۔

کرنل زوار زیدی' شمع خاتون اور کامران جیسے قریب ترین رشتے داروں کی پدری' مادری اور برادرانہ محبتوں کو یکے بعد دیگرے کھو دینے کے بعد غزالہ نے اپنی آئندہ زندگی کے لیے مجھے اپنا آئیڈیل بنا لیا تھا۔ اس کی خوشی' سربلندی اور پندار کی خاطر میں اس کے سامنے اپنی کسی کمزوری کا اعتراف کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ میں بس اپنے عمل سے ہی اس کے ہر خاموش سوال کا جواب دے سکتا تھا۔

میں نے لات مار کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

○☆○

اول خان مخلص' راست گو اور صلح جو آدمی ضرور تھا مگر اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ ہم سے پہلے فلیٹ پہنچ کر اپنی پوزیشن مشکوک بنا لیتا۔ ہم چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھے' ویرا کی بنائی ہوئی گرم گرم چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ اول خان آ پہنچا۔

وہ ایسے پُرتپاک اور بے ساختہ انداز میں ہم دونوں سے ملا جیسے وہ ہماری آمد کے پروگرام سے واقعی بے خبر رہا ہو۔ ویرا کو اس نے محض علیک سلیک کر کے ہی بخش دیا لیکن مجھ سے اس کی کسر پوری کر لی۔ بغل گیر ہو کر میرے رخسار اور پیشانی کے یوں بوسے لیے کہ میں شرمسار ہو کر رہ گیا۔

"تم نے کمال کر دیا۔ تم واقعی ذہین اور ناقابلِ شکست انسان ہو۔ مار کھا کر بھرپور بدلہ لینے کے فن سے واقف ہو۔" وہ مجھے لپٹائے پُرجوش لہجے میں کہے جا رہا تھا "مجھے پل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ تم نے ان کے حلق میں ہاتھ ڈال کر ان سے حساب کتاب کیا ہے۔ میرا دل خوش ہو گیا۔"

"ضرور ہوا ہوگا مگر یہ قصور ایسا تو نہیں ہے کہ تم میری ہڈی پسلی ایک کر دو۔ اب چھوڑ بھی دو تاکہ میں چند پورے اور گہرے سانس لے کر اپنے اوسان بحال کر سکوں۔"

"اب وہ تمہارے نام سے کانپنے لگیں گے" اول خان نے ہنستے ہوئے مجھے آزاد کر دیا۔

"تمہاری باتیں تو سمجھ میں آ رہی ہیں لیکن یہ چوما چاٹی کی کیا تک تھی؟" میں نے ہتھیلی سے اپنی پیشانی اور رخساروں کو رگڑتے ہوئے مزاحیہ انداز میں پوچھا۔

"اسے بھائیوں والی پٹھانی مبارک باد سمجھ لو۔ دل چاہ رہا تھا کہ تمہیں گود میں اٹھا کر ناچنا شروع کر دوں" اول خان کے ایک ایک لفظ سے اس کی دلی مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"وہ کارنامے میں نے انجام نہیں دیے۔ ان میں ویرا بھی میرے ساتھ شامل تھی۔ ایسی ہی تھوڑی سی مبارک باد اسے بھی دے دیتے۔" میں نے کہا "اسے کیوں بھول بیٹھے؟"

"ہاں' دیکھو' وہ بے چاری حسرت سے اپنی باری کا انتظار کر رہی ہے۔" سلطان شاہ بول پڑا۔

"میرے منہ نہ لگنا" ویرا اس پر برس پڑی "میں تمہاری طرح گئی گزری نہیں ہوں کہ دوسروں کی ستائش کے لیے تڑپتی پھروں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دماغی طور پر تمہاری صحت ابھی تک بحال نہیں ہو سکی ہے۔"

"بس!" اول خان نے ہاتھ اٹھا کر سختی سے دونوں کو خاموش کر دیا "حیرت ہے کہ اتنے دنوں تک ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور رہ کر بھی تمہارے دلوں کی کدورت کم نہیں ہوئی۔ ہمیں صرف وہی باتیں معلوم ہیں جو ڈینی نے فون پر بتا دیں یا امریکا کے اخباروں نے چھاپ دیں۔ ہمیں ان دونوں سے اس کے علاوہ بھی بہت کچھ معلوم کرنا ہے۔ بے مقصد لڑائی جھگڑے میں وقت مت برباد کرو۔"

"وہ لمبی کہانیاں ہیں۔ چلتی رہیں گی۔ یہ بتاؤ کہ یہاں کا کیا حال چال ہے؟" میں نے صوفے پر پہلو بدل کر بے تکلفی سے پوچھا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ بدری ناتھ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟" سلطان شاہ نے ٹانگ اڑا دی "یہاں کے اخباروں نے فیئر فیکس میں سی آئی اے کے سربراہ کے ساتھ بدری ناتھ اور دو دوسرے افسروں کی موت کی خبر چھاپی تھی۔ ہم سب کا خیال تھا کہ وہ تمہارا ہی کام ہو سکتا ہے۔"

میں نے لندن سے فون کر کے اول خان کو اس بارے میں بتا دیا تھا مگر اول خان نے وہ گفتگو غزالہ اور سلطان شاہ سے پوشیدہ رکھی تھی اس لیے اس کا وہ سوال حق بجانب تھا۔

"ڈیوڈ اسٹارز کے بعد بدری ناتھ ہمارا آخری نشانہ تھا۔ حالات کچھ ایسے سازگار ہوتے چلے گئے کہ ہم نے اس کے ساتھ سی آئی اے والوں کو بھی اڑا دیا۔ وہ لوگ تفتیش کرتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم وہاں سے فوراً نہ نکلے ہوتے تو اب تک پھنس چکے ہوتے۔"

"تم بھول رہے ہو" ویرا نے میری تصحیح کی "ڈیوڈ اسٹارز اور بدری ناتھ کے درمیان تک موڈلے کو بھی ٹھکانے لگایا گیا تھا۔ اب اس کی چھٹیاں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔"

"واہ.....وہ خبیث بھی مارا گیا" اول خان خوشی سے اچھل پڑا۔

"اس کے بارے میں ابھی تک کہیں سے کوئی سن گن نہیں ملی۔ بس یہ معلوم ہے کہ وہ باہر گیا ہوا ہے۔"

"اسے گم شدہ تصور کیا جا رہا ہے جبکہ اس کی لاش اب تک دریائے ہڈسن کی مچھلیوں کی خوراک بن چکی ہوگی۔ اسے ویرا نے اپنے دستِ خاص سے مشینی سولی پر ٹانگا تھا۔"

"تم ڈیڑھ آدمی وہاں اس قدر خوں ریزیاں کرتے پھر رہے تھے اور کوئی روکنے والا نہیں تھا....."

سلطان شاہ نہ جانے مزید کیا کہنا چاہ رہا تھا' میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی "تم شرانگیزی سے باز نہیں آؤ گے؟ یہ تم ڈیڑھ آدمی کی منطق کہاں سے نکال لائے؟"

میرے تیور دیکھ کر سلطان شاہ بوکھلا گیا "م.....میرا مطلب تھا کہ ویسے تو تم دو ہی تھے لیکن گواہی کا کوئی چکر ہوتا تو تم ڈیڑھ ہی رہ جاتے۔ وہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے نا۔"

"اگر تم اپنی زبان اور کھوپڑی پر قابو نہیں رکھ سکتے تو تھوڑی دیر کے لیے اپنے کمرے میں چلے جاؤ۔ کچھ اہم باتیں طے کر کے ہمیں آرام بھی کرنا ہے۔ تمہیں احساس ہونا چاہیے کہ ہم بہت طویل اور مسلسل سفر سے آئے ہیں۔ اس وقت تمہاری چھیڑ چھاڑ کسی بدمزگی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔"

"میں محتاط رہوں گا۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے وعدہ کرلیا۔

میں کن انکھیوں سے دیکھ چکا تھا کہ سلطان شاہ کی زبان سے ڈیڑھ آدمی کا ذکر سنتے ہی ویرا کے تیور خراب ہو گئے تھے۔ اگر میں بروقت دخل اندازی نہ کرتا تو ویرا سلطان شاہ پر برس سکتی تھی۔ میری سرزنش کے نتیجے میں ویرا کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"میں یہاں کے حالات کے بارے میں پوچھ رہا تھا" میں نے اول خان کو یاد دلایا۔ مجھے لندن ہی سے یہ فکر لاحق تھی کہ اول خان کے آدمیوں نے ہمارے فلیٹ کے پاس کن مشتبہ افراد کو منڈلاتے دیکھا تھا۔

"سلطان شاہ کی واپسی کے بعد سے میرے دو آدمی مسلسل اس فلیٹ کی نگرانی کر رہے ہیں" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اول خان بتانے لگا "سلطان شاہ نے میری ہدایت کو نظرانداز کر کے را کے دو مقامی انفارمرز کو گھٹنے توڑ کر جب سے معذور کیا ہے' حالات نے نئی کروٹ لی ہے۔ وہ دونوں بارسوخ سرکاری اہل کار ہیں اور اسی وجہ سے ضمانت پر رہا ہونے میں کامیاب ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان ہی کے کچھ آدمی بدلہ لینے کے لیے تمہارے فلیٹ کے قرب وجوار میں منڈلاتے پھر رہے ہیں۔"

"یہ کب کا واقعہ ہے؟" غزالہ نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "تم نے مجھ سے تو کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"میں تمہیں ہراساں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دو روز پہلے میرے آدمیوں نے یہاں دو مشکوک آدمیوں کو منڈلاتے دیکھا تھا۔ وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔"

"اگر گھٹنوں سے معذور ہو جانے کے باوجود ان کا گھمنڈ خاک میں نہیں ملا ہے تو میں ان کا قصہ ہی پاک کردوں گا۔ مجھے صرف تمہاری اجازت درکار ہوگی" سلطان شاہ نے مجھ سے کہا۔

"تمہاری یہی خودسری نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ جب اول خان نے تمہیں کسی مہم جوئی سے روکا ہوا تھا تو تمہیں ان کا رخ کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟ وہ تمہارا کیا بگاڑ رہے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"اول خان نے دن رات ایک کر کے نیچرل انفارمیشن سیل کو توڑا تھا۔ ان کے لیے کام کرنے والوں کی گرفتاری بھی آسان نہیں تھی۔ بعد میں نامعلوم وجوہ کی بنا پر قیدیوں سمیت وہ کیس پولیس کو منتقل کرنا پڑا اور وہاں سے وہ دونوں رہا کردیے گئے۔ تم یہاں نہیں تھے مگر میں نے دیکھا تھا کہ اس واقعے نے اول خان کو کس قدر مایوس اور بددل کیا تھا۔ میں صرف اول خان کی اشک شوئی کے لیے ان کے پیچھے گیا تھا۔"

"اگر ان کے دو آدمی یہاں تک پہنچے تھے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے اوپر کیے جانے والے حملے میں تمہارے ملوث ہونے کا سراغ لگا چکے ہیں۔ تم پر کہیں بھی وار کیا جاسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔ میں ان حرام زادوں سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں۔"

"وہ ہیں کون لوگ؟" ویرا نے اس گفتگو میں پہلی مرتبہ حصہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"گریڈ سترہ اور اٹھارہ کے سرکاری افسر ہیں۔ انتہائی اوباش اور رنگین مزاج ہیں۔ ان ہی چکروں میں وہ انڈین ہائی کمیشن کی دعوتوں میں جاتے تھے جہاں وہ را والوں کے نیچرل انفارمیشن سیل کے چنگل میں پھنس گئے۔" اول خان نے وضاحت سے بتایا۔

"را والے ان کے کسی کام نہیں آسکتے اور نہ اس گریڈ کے افسر بہت زیادہ طاقت ور ہوتے ہیں۔" ویرا نے اعتراض کیا "آخر ان کے اثر ورسوخ کا وہ کون سا ذریعہ ہے جو ان کی رہائی میں مددگار ثابت ہوا۔"

میں ابتدا ہی میں ویرا کے سوال کا مقصد سمجھ گیا تھا مگر میں نے اس کی جرح میں بالکل مداخلت نہیں کی۔ خاموش بیٹھا اس کی اور اول خان کی باتیں سنتا رہا۔

"اگر مجھے مزید دو دن مل جاتے تو میں ان سے سب کچھ اگلوا لیتا۔ مجھے یقین کی حد تک شبہ ہے کہ وہ دونوں مقامی ڈرگ مافیا کے کارندے ہیں۔ ان کی پشت پناہی کرنے والوں نے ہی ان کی

رہائی کا بندوبست کرایا ہوگا۔ ایسے لوگ اعلیٰ افسران اور طاقت ور مقامی وڈیروں، جاگیرداروں وغیرہ سے گہرا میل جول رکھتے ہیں۔"
اول خان نے مزید تفصیل میں جاتے ہوئے کہا "شاید ان ہی کے ایما پر یہ کیس پولیس کو دیا گیا تھا۔"
"مقامی ڈرگ مافیا!" ویرا نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ بات اسی نکتے پر آگئی جو جہاز میں ہماری گفتگو کا موضوع تھا۔ "یہ مافیا ہی اس ملک اور سسٹم کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ کسی کو اپنے مفاد کے خلاف نہیں چلنے دیتی۔"
اس نے خاموش ہو کر سگریٹ سلگائی پھر اول خان کی طرف متوجہ ہوگئی "تم کو کیسے شبہ ہوا کہ وہ کسی ڈرگ مافیا کے کارندے ہیں؟"
"وہ جن کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں وہاں بڑی رشوتیں لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دونوں متوسط بلکہ غریب دیہی گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے ٹھاٹ باٹ رئیس زادوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔ انہیں یہ پیسہ ایسے ہی لوگ دے سکتے ہیں جن کی اندھی آمدنیاں ہوں۔"
"ان کے عہدے غیر اہم ہیں پھر کوئی ان پر پیسہ کیوں لٹا رہا ہے؟" ویرا بال کی کھال نکالے جارہی تھی۔ سلطان شاہ خوش تھا کہ ویرا نے اس معاملے میں گہری دلچسپی لینی شروع کردی تھی۔
اول خان کو لاجواب پاکر میں نے زبان کھولی "بظاہر ان کے عہدے غیر اہم ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی اسمگلر ان کی بے خبری میں ان سے کوئی بڑا فائدہ اٹھا رہا ہو۔ یہ کسی اسمگلر کی سرمایہ کاری بھی ہوسکتی ہے۔ وہ دونوں عمر بھر اسی گریڈ اور عہدے پر نہیں رہیں گے۔ وہ ترقی پاکر کہیں بھی پہنچ جائیں، اپنے محسن یا محسنوں کو فراموش نہیں کرسکیں گے۔ ایسے زرخرید افسر ہمیشہ بہت کام آتے ہیں۔"
"مجھے تمہاری کسی بات پر شبہ نہیں تھا۔" ویرا نے سگریٹ کا دھواں فضا میں اگل کر اول خان سے کہا "جہاز میں ہم یہی باتیں کررہے تھے۔ ہم دنیا بھر میں اپنے دشمنوں کو مارتے پھر رہے ہیں مگر اپنی آستین میں پلنے والے دشمنوں کو بالکل بھولے ہوئے ہیں۔ میں یقین کرنا چاہ رہی تھی کہ سلطان شاہ کے ہاتھوں معذور ہونے والوں کے بارے میں تمہارے شبہات کس حد تک درست ہیں۔"
"میرا خیال ہے کہ ہم جہاز میں بات کررہے تھے اور یہاں ہمارے لیے وہی کام تیار تھا۔" میں نے ہنس کر کہا "اگر آج کی رات مجھے گہری نیند آگئی تو کل سے میں میدان میں آجاؤں گا۔"
"سلطان شاہ کے بعد اب تم خود ان لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کرو گے؟" اول خان نے بوکھلا کر پوچھا "وہ چھچھورے لوگ ہیں۔ کسی طرح بھی اس قابل نہیں کہ تم ان پر اپنا وقت برباد کرو۔"
"وہ آئزک بیل سے زیادہ چھچھورے نہیں ہوسکتے۔ ہم یہاں تھے تو وہ نیویارک سے فون پر ہمیں گیدڑ بھبکیاں دیتا رہتا تھا۔ وہاں پہنچے تو وہ تیسرے درجے کے کسی چور کی طرح ہم سے چھپتا پھر رہا تھا۔"
"اس وقت سب سے اہم مسئلہ گیپ کا ہے۔" اسے اچانک ہی وہ معاہدہ یاد آگیا "میں نے تمہاری ڈی کوڈ کی ہوئی تحریر اپنے کمانڈر کو بھجوا دی تھی۔ اسے اب تک یقین نہیں ہے کہ امریکا جیسی جمہوری ریاست میں صدر کسی فرد یا تنظیم کے ساتھ ایسا مجرمانہ معاہدہ کرسکتا ہے۔"
"پھر تم بھی اسے بھول جاؤ۔ مشکل یہی ہے کہ امریکا کی ساکھ کی وجہ سے کسی کو اس کا اصل چہرہ نظر نہیں آتا۔ واٹر گیٹ اور اس جیسے کئی اسکینڈل آج امریکی تاریخ کا ایک حصہ ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔
"تم برا مان گئے.... مجھے تمہارے جذبات کا پورا احساس ہے۔ تم نے اپنے ہر سکھ کو تج کر اور بھیانک خطرات مول لے کر ان کاغذوں تک رسائی حاصل کی ہوگی۔ ان پر بے اعتباری سے تمہیں ضرور دکھ ہوا ہوگا مگر میں نے تمہیں صحیح صورتِ حال بتادی۔ میجر جنجوعہ کے بھیجے ہوئے پانچوں اصل کاغذ میرے پاس محفوظ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں کوئی بھی جھٹلانے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔"
"مجھے ذرا بھی دکھ نہیں ہوا۔ تم چاہو تو اب ان تمام کاغذوں کو آگ لگا سکتے ہو۔"
اول خان اپنی جگہ چھوڑ کر میرے برابر میں آبیٹھا "تم زندگی کی بدترین حقیقتوں سے روبہ رو لڑنے والے سپاہی ہو۔ تمہیں اتنا حساس نہیں ہونا چاہیے۔"
"کسی کی طرف سے بے اعتباری کے اظہار سے ہمارے کام کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔" ویرا نے لقمہ دیا "ہم نے گیپ کا مسودہ کسی انعام یا عزت افزائی کے لالچ میں حاصل نہیں کیا تھا۔ اسے متعلقہ لوگوں تک پہنچانے کے بعد تمہارا کام ختم ہوگیا۔ وہ جو چاہیں، کریں۔"
"یہ وہ لاتعلقی ہے جو اجتماعی روپ دھار لے تو ایک ڈراؤنا روگ بن جاتی ہے۔" میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اسے یاد دلایا "اسے تم نے ہمارا بنیادی مرض قرار دیا تھا اور اب خود اسی میں مبتلا ہورہی ہو!"
"یہ ایک مختلف معاملہ ہے۔" ویرا نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "گیپ کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے ملک کے بارے میں امریکا کے گندے عزائم سے شاید ساری دنیا واقف ہے۔"
"وہ زبانی باتیں ہیں۔ ایک ٹھوس دستاویزی ثبوت کے ساتھ امریکا کو دنیا کے سامنے بے نقاب کرنے یا..... نہ کرنے کا معاملہ ایک آدمی کی صوابدید پر نہیں چھوڑا جاسکتا، خواہ وہ آدمی اسپیشل ٹاسک فورس کا نیک نام سربراہ ہی کیوں نہ ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ گیپ صرف پاکستان کے خلاف گٹھ جوڑ نہیں ہے۔ اس میں ایران اور افغانستان کا بھی ذکر ہے جب کہ اس کی روح اسلامی دنیا

کی بدترین مخالفت ہے۔"
"میں بھی یہی کہنا چاہ رہا ہوں۔ ایسی اہم دستاویز کو ضائع نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے اجازت دو کہ میں وہ پانچوں اصل کاغذ اپنے سربراہ کو بھیج دوں۔ وہ مجھ سے زیادہ ایمان دار اور محب وطن ہے۔ وائٹ ہاؤس کے لیٹرہیڈ پر ٹائپ کیے ہوئے' اصل دستخطوں اور مہروں والے وہ کاغذ مسترد نہیں کیے جاسکتے۔"
"میرے لیے ان کاغذوں کی رازداری اسی وقت تک ضروری تھی جب تک ہم دونوں امریکا میں پھنسے ہوئے تھے۔ اب تم جس طرح چاہو انہیں استعمال کرسکتے ہو مگر یہ یاد رہے کہ ان کاغذوں کا اتلاف میں کسی قیمت پر برداشت نہیں کروں گا۔ وہ استعمال نہ ہوں تو واپس مجھے مل جانے چاہئیں۔"
"میں اس کی ضمانت لیتا ہوں۔" اول خان نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کے یقین دلایا۔
"ایسا نہ ہو کہ گیپ کا اصل مسودہ نیچرل انفارمیشن سیل کے مجرموں کی طرح ایس ٹی ایف کی تحویل سے کسی اور کے پاس جائے اور وہاں سے غائب کردیا جائے۔" غزالہ نے اندیشہ ظاہر کیا۔
"سب سے بڑا خطرہ یہی ہوسکتا ہے۔" میں نے پُرزور الفاظ میں اس کی تائید کی۔
اول خان بے بسی سے شانے اچکا کے بولا "تم بھول رہے ہو کہ اسپیشل ٹاسک فورس اپنی جگہ بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں ہے۔ گیپ کی بنیاد پر کسی اجلاس یا احتجاج کی ضرورت پیش آئی تو یہ کام دفترِ خارجہ یا کوئی اور مرکزی محکمہ انجام دے گا۔ ہمارا سربراہ مسودہ متعلقہ لوگوں کو پہنچادے گا۔ آخری فیصلہ وہ اپنی مرضی سے کریں گے۔ بعد میں ہم ان سے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھ سکیں گے۔"
"یعنی بے بس ہوجائیں گے۔ غزالہ بھی یہی کہہ رہی تھی۔" میں نے کہا۔
گیپ کے اصل مسودے اور میرے ڈی کوڈ کیے ہوئے متن کو اول خان نے غزالہ اور سلطان شاہ سے پوشیدہ نہیں رکھا تھا۔ میری کارکردگی سے آگاہ کرنے اور اپنی خوشی میں شریک کرنے کے لیے اس نے ان دونوں کو اعتماد میں لے لیا تھا۔
غزالہ کے سوال اور اول خان کے جواب پر ہمارے درمیان ایک طویل بحث شروع ہوگئی۔ مسئلے کے سارے پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ گیپ کی بنیاد پر صرف اور صرف سرکاری سطح پر ہی کوئی احتجاجی کارروائی ہوسکتی تھی۔ انفرادی طور پر ہم اسے کہیں استعمال نہیں کرسکتے تھے۔ وہی فیصلہ ہوا جو ہونا تھا یعنی گیپ کے بارے میں اول خان کو پورا اختیار دے دیا گیا۔
اس بحث میں بعض ایسی باتیں بھی سامنے آئیں جو اس سے پہلے میرے ذہن میں نہیں تھیں۔ پہلا اور قوی امکان یہی تھا کہ امریکی حکومت گیپ کو اپنی سرکاری دستاویز تسلیم کرنے سے صاف انکار کردیتی۔ اس طرح وہ بہت سی وضاحتوں اور تلخیوں سے اپنا دامن صاف بچا سکتے تھے۔ گیپ کے وجود اور گم شدگی کا قصہ نیویارک اور واشنگٹن کی فائلوں میں دفن ہو کر رہ جاتا۔
سرکاری رازوں کے قانون کے تحت مقررہ مدت گزرنے کے بعد وہ دستاویز کبھی منظرِعام پر آتی تو قصۂ پارینہ ہونے کی وجہ سے اپنی اہمیت کھوچکی ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ اتنا فرق پڑتا کہ امریکا پاکستان کے خلاف سرکاری سطح پر صیہونی مفادات کو بروئے کار لانے میں محتاط ہوجاتا۔
دوسرا اور موہوم سا امکان یہ تھا کہ وہ امریکا سے ایک اہم سرکاری راز کی چوری پر زبردست احتجاج کرکے پاکستان کے اعتراضات کو یکسر مسترد کردیتے اور ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کردیتے کہ گیپ کے ساتھ اسے چرانے والے مجرم کو فوری طور پر امریکا کے حوالے کیا جائے۔ یہ امکان کمزور اس وجہ سے نظر آرہا تھا کہ ایسی صورت میں وہ ایک بھڑکتا ہوا عالمی اسکینڈل بن جاتا جسے دنیا بھر کے اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ میں زبردست تشہیر ملتی۔ اس تشہیر کے نتیجے میں امریکا کو صرف رسوائیاں ہی مل سکتی تھیں۔ وہاں کی کوئی بھی حکومت ذلت کے اس طوق کو اپنے گلے کی زینت نہیں بناسکتی تھی۔
ہم دونوں امارات کی پرواز پر دبئی اور کراچی کے درمیان سفر کے دوران میں شکم سیر ہو کر آئے تھے۔ گھر میں جو کچھ موجود تھا' وہ ان تینوں کے لیے کافی تھا۔ اول خان کے انکشاف کی روشنی میں غیر ضروری طور پر گھر سے نکل کر کوئی خطرہ مول لینا مناسب نہیں تھا۔ کھانے کے مختصر سے دور کے بعد اول خان رخصت ہوگیا اور ہم اپنے اپنے کمروں میں چلے آئے۔
گھر پہنچتے ہی غزالہ سے تخلیے میں میری ملاقات ہوچکی تھی مگر وہ شدید جذباتی ابال کے نازک لمحات تھے۔ وہ اچانک مجھے اپنے روبرو دیکھ کر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت سے دوچار تھی۔ اپنی گزشتہ تنہائی اور پھر میری رفاقت کے بھرپور یقین سے اس کے دل پر ایسی رقت طاری تھی کہ وہ میرے وجود کو چھوچھو کر اپنی آنکھوں سے مسرت آمیز موتیوں کی شفاف لڑیاں بہاتی رہی اور کوشش کے باوجود کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاسکی۔ دوسری طرف میں خود اپنی پشیمانیوں میں گھرا ہوا تھا اور اپنی شرمساری مٹانے کے لیے غزالہ کی دلجوئی کی کوششوں میں مصروف تھا۔ ہمارے وہ لمحات خاموش مگر سرگرم وفاؤں کی تجدید میں بہت تیزی سے گزرے تھے اور ہم ذرا سی دیر بعد ہی ویرا اور سلطان شاہ کی محفل میں شریک ہوگئے تھے۔
کھانے کے بعد اپنی خواب گاہ کے تخلیے میں غزالہ پُرسکون تھی۔ اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں بہت کچھ تھا جو میرے لیے اجنبی نہیں تھا مگر میں نے اسے چھیڑنے میں پہل نہیں کی۔ وہ کچھ کہتی تو اس کے جواب میں میرے پاس بہت کچھ مواد موجود تھا۔ مجھے ندامت کے ساتھ یہ اعتراف ہے کہ میں نے اپنی عزیز از جان غزالہ کے اطمینان کے لیے امریکا کے سنگین تجربات میں مبالغہ

آمیزی سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
"مجھے اپنی آنکھوں پر ابھی تک یقین نہیں آ رہا" وہ بستر پر میرے قریب بیٹھ کر سر جھکائے کہہ رہی تھی "بے کیف شب و روز یہی سوچتے گزر رہے تھے کہ آپ کا کام بڑا ہے اور سفر بہت طویل ..... شاید آپ کی واپسی مہینوں سے پہلے نہیں ہو سکے گی۔"
"آدمی ہر طرف سے خون آشام دشمنوں کے نرغے میں آیا ہوا ہو تو اسے اپنی ذات سے آگے کچھ سوچنے کی مہلت نہیں ملتی" میں نے پیار سے اس کے ریشمیں بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا "مگر پھر بھی میں تمہارے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی تو یہ سوچ کر میرا دل ڈوبنے لگتا تھا کہ کہیں مجھے تم سے ہزاروں میل دور اپنے کسی ناگہانی انجام سے دوچار نہ ہونا پڑے....."
اس نے گھبرا کے میرے ہونٹوں پر اپنا نرم و نازک ہاتھ رکھ دیا۔
"وہ ایک ڈراؤنا خواب تھا جو گزر گیا۔ اب اپنے منہ سے ایسی بدفال نہ نکالیے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ تھیں، سلطان شاہ جب سے آیا تھا، رو رو کر آپ کی سلامتی کے لیے گڑگڑاتا رہتا تھا..... اس نے موت کو بہت قریب سے دیکھ لیا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ زندگی کیا ہوتی ہے۔ وہ اسٹریچر پر گھر آیا تو میں اسے دیکھ کر لرز اٹھی تھی....."
"اسے صرف میری ہی فکر تھی یا وہ ویرا کو بھی یاد کرتا رہتا تھا؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر درمیان میں سوال کیا۔
"امریکا میں آپ دونوں ایک جان، دو قالب تھے۔ میں خود بھی آپ کے بارے میں سوچتی تھی تو ویرا خود بہ خود میرے ذہن میں آموجود ہوتی تھی۔ اسے بھلایا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ کبھی کبھی تو مجھے اس سے حسد محسوس ہونے لگتا تھا۔ وہ کچھ بھی نہ ہوتے ہوئے آپ سے اتنے قریب تھی کہ میرے لیے بھی آپ دونوں کے لیے الگ الگ کچھ سوچنا ممکن نہیں تھا..... عورت محبت کے بارے میں بہت چھوٹے دل کی مالک ہوتی ہے، جسے اپنے دل میں بسا لیتی ہے اس کے ساتھ کسی اور کا نام گوارا نہیں کرتی، وہ اس کے لیے گالی بن جاتا ہے۔"
"مجھے اندازہ ہے کہ تمہارے دل کو ٹھیس لگتی ہوگی مگر تمہارا یہ حسد بے بنیاد تھا۔ میں اس کے ساتھ گھومنے پھرنے نہیں، جان جوکھوں کا کام کرنے گیا تھا۔"
وہ دھیرے سے مسکرائی "اس کے رخساروں پر خفیف سے گڑھے نمایاں ہو گئے "مجھے سب معلوم تھا، میں یہاں بیٹھ کر اپنی چشم تصور سے سب کچھ دیکھ رہی تھی مگر میں دل کا کیا کرتی۔ میں آپ کو کوئی الزام نہیں دے رہی، اپنے دل کی بے ایمانیاں بتا رہی ہوں۔"
وہ کراچی میں بیٹھ کر اپنی چشم تصور سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کے ان الفاظ کی چبھن نے مجھے مضطرب کر دیا "ذرا میں بھی تو سنوں کہ تم کیا دیکھ رہی تھیں۔"
"پاگل پن کی باتیں تھیں۔" اس نے ہنس کر مجھے ٹال دیا۔ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی "مجھے معلوم تھا کہ آپ دونوں اپنی اپنی حفاظت کے خیال سے ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ رہ رہے ہیں مگر دل بہکاتا تھا کہ ایسا نہیں ہے۔ آپ مجھے ٹوٹ کر چاہتے ہیں تو کیا ہوا، ویرا بہت تیز و طرار لڑکی ہے۔ میرے سامنے آپ کو ستانے سے باز نہیں آتی تو امریکا میں آپ کو آپ کے حال پر کیسے چھوڑ دے گی۔"
"یہاں اسے فرصت میسر ہوتی ہے۔ وہاں وہ بھی ہر وقت مسائل میں الجھی ہوئی تھی۔ پتا نہیں تمہارے ذہن میں ان خرافات کو جگہ کیسے مل رہی تھی۔" اس کی باتوں میں چھپی ہوئی میٹھی میٹھی سی کسک مجھے اندر سے بے چین کیے دے رہی تھی۔
"میرے دل کے کسی گوشے میں سب سے بڑا خوف یہی چھپا ہوا تھا کہ وہ آپ کو یہاں سے امریکا لے گئی ہے جہاں آپ کے لیے بہت زیادہ خطرات ہو سکتے ہیں۔ یہ سوچ کر میرا دل بیٹھنے لگتا تھا کہ آپ سے اپنے پرانے رشتے استوار کرنے کے لیے وہ آپ کے گرد مکڑی کی طرح ایسا خوفناک جال بُن دے گی کہ آپ کے لیے امریکا سے نکلنا ناممکن ہو جائے گا اور آپ اس کے رحم و کرم پر رہ جائیں گے۔ میں عمر بھر یہاں بیٹھی آپ کا انتظار کرتی رہوں گی۔ وہ رفتہ رفتہ آپ کے دل و دماغ پر ایسا جادو چلائے گی کہ میرا خیال تک آپ کے ذہن سے نکل جائے گا اور وہ آپ کو مجھ سے چھین لے گی۔"
میں نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگا لیا "غزالہ! ڈارلنگ! تم کیسی خوفناک باتیں سوچ رہی تھیں؟ تمہارا دماغ تو شیطان کا کارخانہ بنا ہوا تھا۔"
"خالی دماغ شیطان کا کارخانہ ہی ہوتا ہے۔" وہ معصومیت سے بولی "اس نے میری گرفت میں جنبش کرنے کی کوئی کوشش تک نہیں کی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی درندے سے پیچھا چھڑانے کے بعد میری پناہ میں آ کر پُرسکون ہو گئی ہو۔
"دشمنوں کے دانت کھٹے کر کے آپ دونوں لوٹ آئے ہیں۔ اس وقت میرا سر غرور سے بلند ہے۔ مجھے خود شرم آ رہی ہے کہ میں کیسی بری بری باتیں سوچتی رہی تھی لیکن میں کیا کروں۔ خیالوں پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ یہ آتے ہیں تو بس آتے ہی چلے جاتے ہیں۔ رات کی اندھیری تنہائیوں میں یہ وسوسے آسیبی روپ دھار کر مجھے ستاتے تھے۔ میں یہ باتیں کسی کو نہیں بتا سکتی تھی۔ سلطان شاہ میرا بہت ہمدرد ہے مگر میں اس سے بھی یہ باتیں نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے آپ کو اپنی نادان سوچوں کے بارے میں بتا کر دل کا بوجھ ہلکا کر رہی ہوں۔"
غزالہ سادگی میں اپنا حالِ دل بیان کر رہی تھی اور میں اس سے اپنی مدافعت کی نرم سی لفظی لڑائی لڑ رہا تھا مگر دل ہی دل میں، میں غزالہ کی ان باتوں سے ہلکا سا خوف محسوس کر رہا تھا۔ اس نے ماں، باپ اور بھائی کے بعد روئے زمین پر صرف مجھے چاہا تھا، اپنی زندگی مجھے سونپ دی تھی، میری ذات کو اپنی ہر سوچ کا مرکز و محور بنا

لیا تھا۔ یہ اس چاہنے والی کا وجدان تھا جو اسے کراچی میں بیٹھے بیٹھے لندن اور نیویارک کی خبریں دے رہا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ خود غزالہ کو اپنی ان خام خیالیوں پر اعتبار نہیں تھا۔ وہ اپنی سادگی اور معصومیت سے میرے لیے خود ہی نجات کی راہ تجویز کرتی جا رہی تھی۔

"مجھے تمہاری تنہائی کے کرب کا اچھی طرح اندازہ ہے۔ وہ دن گزر گئے' ان برے اور ڈراؤنے خیالوں کو بھول جاؤ۔ اچھی باتیں سوچو تاکہ ایسے وسوسے بچھو کے ڈنک کی طرح ہمارے ذہنوں میں کسی بدگمانی کا زہر نہ پھیلا سکیں۔ چند روز میں تم خود ہی بہتر ہو جاؤ گی۔"

"آپ کو دیکھتے ہی میں بہتر ہو چکی ہوں۔ اب ان گزری ہوئی باتوں کا ذکر نہیں کروں گی۔"

"میں تمہیں صاف بتادوں کہ ویرا ہمارے لیے ایک دوست سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر تمہارے دل میں اس کی طرف سے اسی قدر بدگمانیاں پروان چڑھ رہی ہیں تو میں خوش اسلوبی کے ساتھ اسے یہاں سے رخصت کر سکتا ہوں۔ اس کی وجہ سے ہماری زندگی میں تلخیاں پیدا نہیں ہونی چاہئیں۔"

"ارے نہیں۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "آپ بلاوجہ سنجیدہ ہو رہے ہیں۔ میں تو خود ویرا کے سامنے نادم ہوں۔ اسے پتا چل جائے کہ میں اس کے بارے میں کیا کچھ سوچتی رہی ہوں تو وہ میری صورت بھی دیکھنی گوارا نہیں کرے گی۔ آپ اس سے ان باتوں کا کوئی ذکر نہ کیجیے گا۔"

"بند کمروں کی باتیں زبان پر لانے کے لیے نہیں سینے میں دفن کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ اس کی تم پروا نہ کرو لیکن میں ایک بات بتادوں کہ آج مجھے تمہاری بے وقوفی کا صحیح اندازہ ہوا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم جیسی روشن خیال اور پڑھی لکھی لڑکی کی پرواز اتنی محدود ہو سکتی ہے۔"

"اچھا اب یہ جھگڑا ختم کریں اور یہ بتائیں کہ آئزک بیل اور نک موڈلے کے ساتھ کیا ہوا اور بدری کو راستے سے ہٹانے کی ضرورت کیوں پیش آئی" اس نے سر اٹھا کر تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے اپنے وجود میں عجیب سی ٹھنڈک اترتی محسوس کی۔ غزالہ کی نگاہوں میں دور دور تک کسی بے اعتمادی کا شائبہ نہیں تھا۔ وہ اس وقت سراپا پیار و محبت بنی ہوئی تھی۔

میں نے پاکستان سے باہر پیش آنے والے واقعات دھیرے دھیرے بیان کرنے شروع کر دیے۔

میں گھر پہنچا تو سفر کی تکان کے باعث نیند کا غلبہ محسوس کر رہا تھا۔ کمرے کی بے تکلفانہ فضا میں غزالہ سے باتیں شروع ہوئیں تو آنکھوں سے نیند ہی کافور ہو گئی۔

ہم نہ جانے کب تک باتیں کرتے رہے۔ غزالہ ایک ایک بات کرید کرید کر بہت دلچسپی سے سن رہی تھی۔ اس دوران میں باہر سے کئی مرتبہ ویرا اور سلطان شاہ کی بلند آوازیں سنائی دیں مگر میں نے انہیں نظرانداز کر دیا۔ میں نے سوچا کہ غزالہ مجھ سے سفر کی کہانیاں سن رہی تھی' شاید سلطان شاہ نے ویرا کو گھیرا ہوا تھا۔

باہر سے ایک مرتبہ پھر تیز آوازیں آئیں اور پھر کسی نے زور سے ہماری خواب گاہ کا دروازہ پیٹ ڈالا۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور میں بستر سے اچھل کر نیچے اتر گیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ چوکیدار کی غفلت کی بنا پر کوئی مشتبہ شخص ہمارے فلیٹ میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میں نے بولٹ گرا کر دروازہ کھولا تو باہر سلطان شاہ غصے کی حالت میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کے گریبان کے دو بٹن ٹوٹے ہوئے تھے اور وہ شکن آلود ہو رہا تھا۔

"نکالو.... میں کہہ رہا ہوں کہ اسے میرے کمرے سے نکال دو" اس نے چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان غصے میں کہا۔

"کس کی بات کر رہے ہو؟" غزالہ نے پوچھا۔ میرے پیچھے وہ بھی دروازے پر آ گئی تھی۔

"گھنٹوں سے کمرے میں گھسی میرے کان کھا رہی ہے۔ اب میں ایک لمحے کے لیے بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ اس سے کہو کہ وہ اپنے کمرے میں جا کر منہ کالا کرے" سلطان شاہ بھنا کر بولا۔

اسی وقت ویرا اٹھلاتی ہوئی لابی میں نکل آئی۔ اس کے ہونٹوں پر پُرسکون مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ کس بات پر اتنے برہم ہو رہے ہو؟" اس نے باہر نکل کر پوچھا۔

"پورا شہر بے خبری کی نیند سو رہا ہے اور وہ میرے سر پر سوار ہے..."

ویرا سلطان شاہ کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی "میرا قصور صرف اتنا سا ہے کہ میں نے ہمدردی میں آ کر اس کے زخم دیکھنے کی فرمائش کی تھی اور یہ آپے سے باہر ہو گیا۔"

"کیسے زخم؟" میں نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

غزالہ نے سہلا کر کہا "اس کے بدن پر امریکیوں کے لگائے ہوئے کچھ زخم ابھی تک باقی ہیں۔"

"میں اتنے دن بعد آئی ہوں۔ اس کی تعزیت کر رہی تھی کہ ضرورت ہو تو مرہم پٹی کر دوں" ویرا نے بہت نرمی اور تحمل سے وضاحت کی۔ "پتا نہیں یہ کیوں اتنا بھڑک رہا ہے۔"

"ابھی میں مرا نہیں ہوں جو تم میری تعزیت کر رہی تھیں...." سلطان شاہ کو طرارہ آ گیا۔

"چلو' معاف کر دو۔ میرا مطلب عیادت سے تھا۔ کبھی کبھی میری اردو میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔"

"یہ عیادت ہے" سلطان شاہ نے دونوں ہاتھ کی چٹکیوں سے قمیص تھام کر اپنا گریبان آگے کرتے ہوئے احتجاج کیا۔ "اسے منع کردیا کہ زخم نہیں دکھاؤں گا تو ہاتھا پائی پر اتر آئی' گریبان کے یہ بٹن اسی نے توڑے ہیں۔"

"بہت افسوس کی بات ہے" میں نے ویرا کو ملامت آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "تم نے آتے ہی اپنی پرانی فتنہ انگیزیاں پھر شروع کردیں۔"

"اس میں کون سی فتنہ انگیزی ہوگئی؟" ویرا نے شرمندہ ہونے کے بجائے مجھ پر آنکھیں نکالیں۔ "مرنے سے بال بال بچا ہے' سوکھ کر کانٹا ہوگیا ہے۔ کیا ہوا جو میں نے ذرا اس کی مزاج پرسی کرلی؟ نخرے کرتا ہے تو میری طرف سے بھاڑ میں جائے۔ اس کے زخموں میں کیڑے بھی پڑجائیں گے تو اب نہیں پوچھوں گی۔ یہ کسی ہمدردی کے قابل ہی نہیں ہے۔ تم دونوں نے اسے بری طرح بگاڑ دیا ہے۔"

ویرا بکتی جھکتی اپنے کمرے میں آگئی اور زور سے دروازہ بند کرلیا۔

"لو' وہ چلی گئی۔ اب تم بھی جاکر اطمینان سے سوجاؤ۔ بلاوجہ دروازہ پیٹ کر بات کا بتنگڑ بنادیا" میں نے ترش لہجے میں سلطان شاہ کو اس کی حماقت کا احساس دلانا چاہا۔

ویرا کی رضاکارانہ واپسی پر سلطان شاہ سٹپٹا کر رہ گیا تھا۔ وہ بولا۔ "وہ ناراض ہوکر کیڑے پڑنے کی بددعائیں دیتی ہوئی گئی ہے۔ یہ موٹی سی بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ میں اسے اپنے سارے زخم نہیں دکھا سکتا۔ اپنے بعض زخموں کی ڈریسنگ میں خود کرتا ہوں۔"

میں مشکل سے اپنی مسکراہٹ ضبط کرسکا "چلو' اب اس سے تمہاری جان چھوٹ گئی۔ کم از کم چند روز تک وہ تمہاری مزاج پرسی نہیں کرے گی۔"

"ضرور کرے..... عیادت کسے بری لگتی ہے لیکن زبردستی میری نرس بننے کی کوشش نہ کرے۔"

میں نے معنی خیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا پھر سلطان شاہ سے پوچھا "یہ نرس کا کیا چکر ہے؟"

"اس کا یہی اصرار ہے۔ کہہ رہی تھی کہ مریض کو ڈاکٹر اور نرس سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے' اس کے بغیر صحیح تیمارداری ہو ہی نہیں سکتی۔"

"اب جاکر سوجاؤ' صبح میں تمہارے زخم دیکھنے کے بعد فیصلہ کروں گا کہ اس کا اصرار درست ہے یا تمہاری ضد جائز ہے۔ دوبارہ ہمارا دروازہ توڑنے کی کوشش مت کرنا" میں نے کہا۔

"ہرگز نہیں" اس نے جاتے جاتے اڑیل پن کا مظاہرہ کیا۔
"سارے زخم تو میں تمہیں بھی نہیں دکھاؤں گا۔"

"مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں ہے" میں نے سختی سے جواب دیا "ضرورت ہوئی تو معائنے سے پہلے تمہیں بے ہوش بھی کیا جاسکتا ہے۔ اپنا علاج خود کرتے رہے تو ویرا کی بددعا ضرور قبول ہوجائے گی۔"

وہ برا سامنہ بنا کر پلٹا اور بڑبڑاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

"ویرا سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا" غزالہ گہرا سانس لے کے بولی "ہر شخص کی دکھتی رگ اتنی پھرتی سے تلاش کرتی ہے کہ وہ خود ششدر رہ جاتا ہے۔"

"اس میں ذہانت کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے۔ وہ اس کا استعمال بھی جانتی ہے۔ تم سونے سے پہلے لاحول ضرور پڑھ لینا ورنہ وہ خواب میں دوبارہ تمہیں ڈراتی رہے گی۔"

صبح میری آنکھ دیر سے کھلی۔ غزالہ غائب تھی اور سائیڈ ٹیبل پر تازہ اخبار موجود تھا۔

طویل تعطل کے بعد میں نے اخبار پر نظر ڈالی تو وہ اجنبی سا محسوس ہوا۔ اہم خبروں کے روزانہ تسلسل کی وجہ سے بعض سرخیاں میرے پلے ہی نہیں پڑسکیں۔ میں خبروں کا سرسری جائزہ لے کر باتھ روم میں جاگھسا۔

تیز شاور کے نیچے غسل کرتے ہوئے مجھے سی ایس ڈی کا خیال آیا۔ الیکٹرونکس کے میدان میں وہ چھوٹی سی کرشماتی ایجاد امریکا میں ہر قدم پر میرے لیے مددگار ثابت ہوئی تھی۔ جس روز میں نے سی ایس ڈی کو پہلی بار آزمایا تھا' اسی دن یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ یہ آلہ بدری ناتھ کو واپس نہیں کروں گا۔ اس وقت دور دور تک یہ امکان نہیں تھا کہ امریکا چھوڑنے سے پہلے مجھے بدری ناتھ کو اپنے راستے سے ہٹانا پڑجائے گا۔ موت کے بعد بدری ناتھ کے اس ورثے کا اصل حق دار میرے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔

میں نے سی ایس ڈی کو اسپیکر فون لائن سے منسلک کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے بریف کیس کھولا تو غزالہ بھی کمرے میں آموجود ہوئی۔ میں نے نیو آرک' گیٹ وک اور دبئی کی ڈیوٹی فری شاپس سے خریدے ہوئے علامتی تحفوں کی تھیلیاں اس کے حوالے کیں تو مسرت سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"میں یہی سوچ رہی تھی کہ آپ آدھی دنیا کا چکر لگا آئے لیکن میرے لیے کچھ نہیں لائے" خوب صورت طلائی انگوٹھیوں کو اپنی انگلیوں میں پھنساتے ہوئے غزالہ کے اندر کی عورت بول پڑی۔

"خریداری کے لیے ذہنی سکون میسر تھا نہ فرصت" میں نے اسے بتایا "سرِ راہ چلتے چلتے جو نظر آیا' لیتا چلا آیا۔ ان تھیلیوں میں چند مردانہ تحفے بھی ہیں۔ وہ سلطان شاہ اور راول خان کے لیے نکال لینا۔"

"ساری ہی تھیلیاں ڈیوٹی فری شاپس کی ہیں" وہ آویزے دیکھتے ہوئے بولی "اس خریداری سے ہی پتا چل رہا ہے کہ قیام کے دوران میں آپ کے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ آپ کے ذاتی

سامان میں بھی مجھے کوئی قابلِ ذکر اضافہ نظر نہیں آرہا۔"
ایسا نہیں تھا کہ ہم ہر وقت کام میں جتے ہوئے تھے۔ فرصت بھی مل جاتی تھی لیکن لہو کے پیاسے ہماری تلاش میں ہر طرف سرگرداں رہتے تھے۔ ہم غیر ضروری مٹر گشت سے گریز ہی کرتے تھے۔

شاید ویرا کو تیاری کے دوران میں ہماری مصروفیات کی بھنک مل گئی تھی۔ وہ ہاتھ میں کچھ لیے ہمارے کمرے میں آئی اور پھر اس نے ایک پیکٹ غزالہ کے حوالے کیا تو میں تعجب میں پڑ گیا۔
"یہ تو وہی نیکلس ہے جو تم نے نیو آرک سے اپنے لیے خریدا تھا۔" میں نے کہا۔
اس نے ہنسی کے ساتھ مجھے بتایا "اس نیکلس کے لیے وہاں گردن میری اور پسند تمہاری تھی مگر میں نے یہ تحفہ غزالہ کے لیے ہی خریدا تھا۔"
پھر ویرا اسے نیکلس کی خریداری کا قصہ سنانے لگی اور میرا دل خوش ہو گیا۔ نیکلس والی دکان میں ہم دونوں دو اجنبیوں کی طرح ملے تھے۔ اس تفصیل سے غزالہ کو یہ اطمینان ہو سکتا تھا کہ ہم دونوں "ہر جگہ" ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ رہے تھے۔
"مخلوط مغربی معاشرے میں تم دونوں کو ایک دوسرے سے یوں الگ تھلگ رہنا عجیب تو لگتا ہوگا؟" غزالہ نے یہ سوال ویرا سے کیا تھا۔
"الگ تھلگ کیا، بس ایک دوسرے پر نگاہ رکھتے تھے۔ ڈینی چاہتا تو اس کے لیے وہاں لڑکیوں کی کمی نہیں تھی۔ دراصل ہم دونوں میں سے کسی کے پاس ان خرافات کے لیے وقت نہیں تھا۔ اس کے باوجود ایک آدم خور لڑکی ڈینی کے پیچھے لگ ہی گئی تھی۔"
پتا نہیں ویرا کیا شگوفہ چھوڑنے والی تھی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"آدم خور لڑکی! امریکا جیسے ملک میں آدم خور لڑکی کہاں سے آگئی؟"
"جو لڑکیاں خوبرو مردوں پر ڈورے ڈالتی پھرتی ہیں، میں انہیں آدم خور ہی سمجھتی ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ میں ڈینی کو جینی سے بہت مشکل سے بچا کے لائی ہوں۔ میں نہ ہوتی تو وہ اس کی ممی تیار کر کے اپنے بیڈ روم میں سجا لیتی" جینی سے اپنے بغض کو ویرا، غزالہ سے پوشیدہ نہ رکھ سکی۔ توڑ مروڑ کر اس کا نام غزالہ کے کانوں میں ڈال ہی دیا۔
میرا دل چاہا کہ اٹھ کر ویرا کا سر توڑ دوں۔ اس نے بالکل غیر ضروری طور پر جینی کے بارے میں ایسی پُر تجسس کہانی سنائی تھی کہ غزالہ اس کے بارے میں سوچے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔
میں نے بالکل چپ سادھ لی۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے زبان کھولی تو ویرا مزید کچھ ایسا زہر اگلے گی کہ بات بننے کے بجائے مزید بگڑ جائے گی۔

"جینی کا نام بھی ان کے نام سے ملتا جلتا تھا۔ کیا وہ کوئی آوارہ گرد لڑکی تھی؟" ویرا کا پیدا کیا ہوا تجسس فوری طور پر غزالہ کے ذہن پر سوار ہونے لگا تھا۔
"وہ بہت پڑھی لکھی، خوب صورت اور برسرِ روزگار لڑکی تھی۔ ایمان داری کی بات ہے کہ ڈینی نے اسے زیادہ منہ نہیں لگایا۔ ایک آدھ مرتبہ ڈینی کو اس پر ترس آیا تو میں راستے کی دیوار بن گئی" ویرا اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے اس موقع کو پوری طرح استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔
"وہاں یہ سب رائج ہے" غزالہ کے غیر متوقع جواب نے میرا دل خوش کر دیا۔ وہ ہنس کر کہہ رہی تھی "تم بلاوجہ ان کی کردار کشی کر رہی ہو۔ وہاں کا پانی ہی کچھ ایسا ہوگا کہ اچھے خاصے آدمی کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہوں گے۔ وہاں کے بارے میں، میں نے کہیں پڑھا تھا کہ وفادار بیوی یا شوہر کا تصور صرف اتنا رہ گیا ہے کہ وہ کبھی ایک دوسرے سے بے وفائی کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں نہ پکڑے جائیں۔"
"امریکا کو بھول کر اب خود کو یہاں کے ماحول میں واپس لانے کی کوشش کرو" میں نے اسے مشورہ دیا "یہاں تمہیں دل بہلانے کے لیے سلطان شاہ کی نرسنگ کے سوا کچھ اور مشاغل بھی مل سکتے ہیں۔"
سلطان شاہ کا نام آتے ہی ویرا اٹھ گئی "میں ناشتا بنانے جا رہی ہوں۔ اب بھوک برداشت نہیں ہو رہی۔"
غزالہ ناشتا بنا چکی تھی۔ وہ اس کے ساتھ چلی گئی۔ میں نے سی ایس ڈی فون سے منسلک کر دی۔
میں نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈالی۔ نیویارک کے وقت کا حساب لگایا اور ناشتا کرنے کا ارادہ کر کے ڈائننگ روم کی طرف چل دیا جہاں دونوں عورتیں ناشتے کا آغاز کر چکی تھیں۔
"کمرے میں بیٹھے تم کس جوڑ توڑ میں مصروف تھے؟" ویرا نے مزاحیہ انداز میں پوچھا۔
"فون پر سی ایس ڈی لگا رہا تھا۔ کسی وقت بلیک ڈیڈ کی خیریت معلوم کرنے کا ارادہ ہو رہا ہے۔"
سی ایس ڈی غزالہ کے لیے ایک نیا نام تھا۔ اس نے سوال کر ڈالا اور مختصری وضاحت کے بعد ہی اس کارآمد آلے کی نوعیت کو سمجھ کر نہ صرف مطمئن بلکہ خوش ہو گئی۔
"میری مانو تو بلیک ڈیڈ کو اب اس کے مقدر پر چھوڑ دو" ویرا نے مشورہ دیا "اسے چھیڑو گے تو وہ واویلا ہی کرے گا۔ مجھے اس کا انجام اچھا نظر نہیں آرہا۔"
"ہمیں گیپ کا مسئلہ اٹھانے سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ لوگ کہاں تک پہنچے ہیں۔ جس لمحے انہوں نے ہر واقعے کی کڑی ملائی، بلیک ڈیڈ غائب ہو جائے گا۔"
"تم اپنی مرضی کے مالک ہو، بس اسے یہ نہ بتانا کہ تم واپس

پاکستان پہنچ چکے ہو۔ اس کے ذریعے یہ خبر تمہارے دشمنوں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ تم سے مار کھانے کے باوجود وہ اتنے طاقت ور ہیں کہ یہاں سے سلطان شاہ کو نکال کر لے ہی گئے تھے۔ کسی وقت تم پر بھی وار کر سکتے ہیں۔"

ویرا کا یہ مشورہ مفید تھا۔ میں نے اسے فوراً ہی پلے سے باندھ لیا۔

تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ بھی تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکل آیا اور ویرا کو نظرانداز کرتا ہوا میرے برابر میں آبیٹھا۔ میں پُرتشویش نظروں سے اس کی نقل و حرکت کا گہرا مشاہدہ کرتا رہا۔ غور کرنے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے چلنے پھرنے میں زیادہ دشواری نہیں تھی مگر اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔

جب سے غزالہ نے اس کے جسم پر زخموں کی موجودگی کی تصدیق کی تھی، میں اس کی طرف سے فکرمند تھا۔ وہ ناشتے سے فارغ ہو گیا تو میں اشارے سے اسے اپنے ساتھ اسی کے کمرے میں لے گیا اور دروازہ اندر سے مقفل کر کے بولٹ بھی کر لیا تاکہ ویرا کو کوئی شرارت کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

سلطان شاہ کو میرے تیوروں سے میرے ارادے کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس نے میرے کسی مطالبے سے پہلے ہی اپنے زخموں کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ اسے اغوا کرنے والوں نے اس پر جو جسمانی تشدد کیا تھا اس کے اثرات بڑی حد تک زائل ہو چکے تھے۔ اس کے ساتھ اصل مسائل دو تھے جن کی نشان دہی انقرہ کے ملٹری اسپتال میں خون وغیرہ کے مختلف تجزیوں کے بعد کی گئی تھی۔

اغوا کے بعد اس کی بے ہوشی کی مدت کو طول دینے کے لیے اسے انجکشن کے ذریعے ایسی موذی ادویہ دی گئی تھیں جنھوں نے اس کے اعصابی اور جسمانی نظام کو بہت تیزی سے کمزور کیا تھا۔ اسی بے ہوشی کی حالت میں وہ بہت دیر تک ایک منجمد لاش کے ساتھ تابوت میں بند رہا تھا۔ لاش پر جمی ہوئی برف کی تہ نے اس کے جسم کے پچھلے حصے پر پشت سے پنڈلیوں تک متعدد بڑے بڑے زخم ڈال دیے تھے۔

وہ زخم کچھ ایسے ہی تھے جیسے برفانی علاقوں میں فرائض انجام دینے والے فوجیوں یا کوہ پیماؤں کے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں آجاتے ہیں جن کے نتیجے میں وہ اعضا کاٹنے پڑ جاتے ہیں۔ معالجوں نے سلطان شاہ کے زخموں کو بڑی حد تک سنوبائیٹ سے مشابہ قرار دیا تھا۔

اس نے قمیص اٹھا کر مجھے اپنی پشت دکھائی تو میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ سلطان شاہ نے بیدار ہونے کے بعد ان زخموں کی ڈریسنگ نہیں کی تھی جس کی وجہ سے مجھے اس کی گلی ہوئی جلد، کھال اور چربی کی گلابی مائل سفید تہیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ تین خاصے بڑے زخم میرے سامنے تھے۔ دو شلوار کے نیچے کولھوں پر چھپے ہوئے تھے۔ چھٹا اور زیادہ بگڑا ہوا زخم داہنی پنڈلی پر تھا جو اپنی گہرائی میں شاید ہڈی تک پہنچا ہوا تھا۔

ترک ڈاکٹروں کے تجویز کردہ علاج کی توثیق کراچی کے فوجی ڈاکٹروں نے بھی کی تھی۔ وہ جب تک پی این ایس شفا میں زیر علاج رہا، وہاں اس کی ڈریسنگ ہوتی رہی۔ اس کے لیے ہر وقت بستر پر دراز رہنا مناسب نہیں تھا۔ جوں ہی اس کی جسمانی قوت کسی حد تک بحال ہوئی، اسے اسپتال سے رخصت کر دیا گیا۔ زخموں کی ڈریسنگ صرف مرہم اور روئی کی ہلکی سی تہ سے کی جاتی تھی۔ یہ کام سلطان شاہ خود ہی کر لیتا تھا۔

اس کے زخم دیکھ کر میرے دل میں اس کے لیے ترحم کا جذبہ عود کر آیا۔ مجھے یاد آیا کہ وہ برسوں پہلے شی والوں کی گن بوٹ پر بھی ایک آئس بکس میں ایسی ہی خطرناک قید سے دوچار ہو چکا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت اس پر سنوبائیٹ وغیرہ کا حملہ نہیں ہوا تھا۔ انجماد سے بہت گرے ہوئے درجۂ حرارت کی وجہ سے اس کے بدن کے سارے جوڑ اور پٹھے وغیرہ اکڑ کے رہ گئے تھے جو کئی دن بعد نقل و حرکت کے قابل ہو سکتے تھے۔

میں نے دانستہ اس پرانے قصے کا ذکر نہیں کیا۔ اپنے ہاتھ سے اس کے زخموں کی ڈریسنگ کرتے ہوئے میں نے نرمی سے کہا "تم ویرا کی ذرا ذرا سی باتوں پر بدک کر خود اسے چڑانے کے مواقع فراہم کرتے ہو۔ وہ واقعی نرسنگ کورس کر چکی ہے، کمر اور پنڈلی کے زخموں کی دیکھ بھال اچھی طرح کرے گی۔"

"وہ تمہارے سامنے مسکین بن جاتی ہے اور تم دھوکا کھا جاتے ہو" اس نے بے بسی سے احتجاج کیا "تمہیں نہیں معلوم کہ وہ اکیلے میں کیسی زہریلی باتیں کر کے کچوکے لگاتی ہے۔ اسے میرے اوپر کوئی احسان کرنے کا موقع مل گیا تو وہ چند ہی روز میں میرا جینا حرام کر دے گی۔"

"ٹھیک ہے پھر یہ ڈریسنگ میں کیا کروں گا۔" میں نے وہ موضوع وہیں ختم کر دیا اور کہا "اب تم آرام سے میرے سامنے بیٹھ جاؤ اور مجھے ان دونوں کے بارے میں بتاؤ جو تمہارے ہاتھوں معذور ہوئے ہیں۔"

"ولی جان جنگلات کے محکمے میں اٹھارھویں گریڈ کا افسر ہے۔ شنکر رائے سترھویں گریڈ کا ملازم ہے۔ شاید محکمۂ داخلہ میں کام کرتا ہے۔ دونوں کے بال بچے گاؤں میں رہتے ہیں اور وہ گلشن اقبال کے ایک بنگلے میں اکٹھے رہتے ہیں۔ انہوں نے اس بنگلے کو اپنی عیاشیوں کا گڑھ بنایا ہوا تھا۔"

"تمہیں یہ سب باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟" میں نے نرمی سے استفسار کیا۔

"یہ اول خان کا ریکارڈ بتاتا ہے۔ اس نے بہت محنت کے بعد سات آدمیوں پر ہاتھ ڈالا تھا۔ ان میں سے یہ دونوں صاف نکل گئے۔ اگر وہ ایک ساتھ نہ رہ رہے ہوتے تو شاید میں دوسرے کا

پیچھا نہ کرتا۔ وہ دونوں اپنے بنگلے کے ایک کمرے میں دو لڑکیوں کے ساتھ نشے میں دھت تھے۔ پہلی گولی چلتے ہی دونوں لڑکیاں خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی تھیں۔ شاید ان میں سے کسی نے باہر کھڑی ہوئی گاڑی کا نمبر نوٹ کیا ہو گا ورنہ ان کے فرشتے بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ میں دونوں کا ایک ایک گھٹنا توڑ کر صاف نکل آیا تھا۔"

"دشمن کے گھٹنے توڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ تم انہیں مار بھی سکتے تھے۔"

"مدن موہن کا ریکٹ یہاں بہت گھناؤنا کھیل' کھیل رہا تھا۔ تم نے یہ نوٹ نہیں کیا کہ ولی جان مسلمان اور شنکر رائے ہندو ہے پھر بھی وہ ایک ساتھ رہتے اور کھاتے پیتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ ان غداروں کی ڈوریاں ایک ہی جگہ سے ہلائی جا رہی تھیں۔ ان کے لیے موت بہت آسان سزا تھی۔ اب وہ زندگی بھر معذوری کے ساتھ سسک سسک کر زندہ رہیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں دیکھ کر دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔"

"ان دونوں کے ضامن کون تھے؟" میں نے پُرخیال انداز میں سوال کیا۔

"اول خان دل برداشتہ ہو گیا تھا۔ ان کی رہائی کی خبر پانے کے بعد اس نے ان کا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔ وہ بے مقصد بھاگ دوڑ سے نفرت کرتا ہے۔"

"وہ باہر سے نہیں آیا' اسی ملک میں پلا بڑھا ہے۔ یہاں کی یہ ساری خرابیاں اس کی جانی بوجھی ہیں۔ اگر وہ ایک بار ضمانت پر باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے تو انہیں دوبارہ اندر ڈالا جا سکتا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس اتنی بے بس نہیں ہے کہ مصدقہ مجرموں سے دست بردار ہونے پر مجبور ہو جائے۔"

"ان سوالوں کے جواب وہی دے سکے گا' میرے سامنے وہ مایوس ہو چکا تھا۔"

سلطان شاہ کا کوئی ہوم ورک نہیں تھا۔ اس نے اول خان کی ہمدردی میں' وقتی اشتعال کے تحت ان دونوں کو معذور کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ دونوں اس سے کہیں زیادہ توجہ کے مستحق تھے۔ میں اسے وہیں چھوڑ کر اس کے کمرے سے نکل آیا۔

میں نے اول خان کو فون کیا تو وہ اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔ اس کے آدمی نے میری آواز پہچان کر بتایا کہ وہ چار بجے کے بعد ہی دفتر آسکے گا۔ میں نے پیغام چھوڑ کر فون بند کر دیا۔

کام میرے سامنے تھا لیکن اس کا کوئی سرا نظر نہیں آ رہا تھا۔ لے دے کر وہی دو زخمی تھے جن کے بارے میں سلطان شاہ کو زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ اسے یہ تک علم نہیں تھا کہ وہ شہر کے کسی اسپتال میں تھے یا کہیں اور منتقل کیے جا چکے تھے۔

مجھے اول خان کی اس دلیل میں زیادہ وزن نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ دونوں اپنے خاندانی پس منظر اور موجودہ عہدوں سے میسر ہونے والے وسائل سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر زندگی گزار رہے تھے اس لیے یہ بات یقینی نظر آتی تھی کہ کوئی جرائم پیشہ شخص ان کی مالی اعانت کر رہا تھا یا پھر یہ کہ وہ مقامی ڈرگ مافیا کے کارندے تھے۔ ان کے نامعلوم وسائل کی فراہمی کا ذریعہ مدن موہن بھی ہو سکتا تھا جو را والوں کی طرف سے کراچی میں نیچرل انفارمیشن سیل کی آڑ میں عیاشی کا اڈا چلا رہا تھا۔ اسے معلومات کی ضرورت تھی۔ اہم معلومات کے لیے وہ آنکھیں بند کر کے بڑی بڑی رقوم بھی خرچ کر سکتا تھا مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ محکمۂ جنگلات کا ایک افسر را والوں کو کیا معلومات فراہم کر سکتا تھا۔ اس سے زیادہ اہم شنکر رائے تھا جو نچلے گریڈ میں اہم صوبائی محکمے کا ملازم تھا۔

میں سوچتا اور کڑھتا رہا۔ معاً مجھے یاد آیا کہ اول خان نے صرف مالی وسائل کی بات نہیں کی تھی۔ اسی کے ساتھ یہ نکتہ بھی اٹھایا تھا کہ پاکستان میں را والے اتنے طاقت ور نہیں ہو سکتے کہ اپنے حلیفوں کو اسپیشل ٹاسک فورس کی کڑی تحویل سے شہری پولیس کی حراست میں پہنچا کر ان کی ضمانت کرا سکیں۔

وہ کام کسی مقامی قوت کا ہی ہو سکتا تھا' ایسی قوت جو ضرورت پڑنے پر اپنے کارندوں کے تحفظ کے لیے بے دریغ پیسہ لٹا سکے۔ ان باتوں سے ایک اور اہم بات سامنے آتی تھی کہ ولی جان اور شنکر رائے عام مجرم نہیں تھے۔ ان میں بہت سی ایسی باتیں مشترک تھیں جنہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

سب سے پہلی بات یہ تھی کہ مذہبی تضاد کے باوجود وہ ایک دوسرے کے گہرے دوست اور ہم ذوق تھے۔ دونوں ہی مدن موہن کے ریکٹ میں گھسے ہوئے تھے' انہیں کسی ایسی قوت کی پشت پناہی حاصل تھی جس نے تمام تر ناموافق حالات کے باوجود انہیں ضمانت پر رہا کرالیا تھا اور اب انہیں معذور کرنے والے سلطان شاہ سے انتقام لینے کے لیے اپنے آدمیوں کو اس کے پیچھے لگایا ہوا تھا۔

طویل اور گہری سوچ بچار کے نتیجے میں مرتب ہونے والے نتائج بہت واضح تھے۔ اگر فوری طور پر کوئی اور سرا ہمارے ہاتھ نہیں آتا تھا تو ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک سے مذاکرات کے ذریعے بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔

چار بجے میں نے بلیک ڈیڈ سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس وقت نیویارک میں صبح کے سات بجے کا عمل ہونا چاہیے تھا۔ کسی کو بستر سے اٹھانے کے لیے وہ وقت بہت زیادہ نامناسب نہیں تھا۔

نیویارک میں تین گھنٹیاں بجنے کے بعد میرے کانوں میں جوڈی کی سخت' کھردری اور گستاخانہ آواز آئی "اتنے سویرے کون بول رہا ہے؟"

اس سے پہلے کہ وہ بددماغ بڑھیا مزید کوئی اشتعال انگیز بات کہتی' میں نے جلدی سے کہا "میں اسلم ہوں کل تک تمہارے

باس کا مہمان تھا۔ اگر تمہارا سویرا نہیں ہوا تو بعد میں اسے فون کے بارے میں بتا دینا۔"

"اوہ نو سر! میں شرمندہ ہوں۔ وہ رات بھی بے چینی سے تمہاری کال کا منتظر تھا۔" میری دھمکی پر جوڈی کے ہوش ٹھکانے آگئے۔ اس کی آواز سے نیند کا خمار کافور ہو چکا تھا "تم ہولڈ کرو۔ میں اسے دیکھتی ہوں۔"

تقریباً آدھے منٹ بعد بلیک ڈیڈ کی نیند کے نشے میں ڈوبی ہوئی بوجھل آواز سنائی دی "ہائے ڈینی! کیا تم اپنے ملک واپس پہنچ چکے ہو؟ میں تمہارے پیغام کا منتظر تھا۔"

"نہیں ڈیڈ۔ ہم لندن میں رک گئے ہیں۔ ہمارے پاس ویزا موجود تھا۔ بس سامان آف لوڈ کروانے میں تھوڑی سی دشواری ہوئی ورنہ سب ٹھیک ہے۔ پاکستان میں ہمارے لیے خطرات پیدا ہو چکے ہیں۔"

"اوہ گاڈ! تم کو لندن میں بھی محتاط رہنا ہوگا۔ اچھا ہوا کہ تم یہاں سے وقت پر نکل گئے۔ کل سے عباس کرمانی کے بجائے تم دونوں کی تلاش شروع ہوگئی ہے۔ ہوٹل کھنگالے جا رہے ہیں۔ نیویارک کے تینوں ہوائی اڈوں اور زمینی راستوں پر مخبر پھیلا دیے گئے ہیں۔ بدترین خبر یہ ہے کہ پیری کاویل کو اٹھالیا گیا ہے۔"

"کس نے اٹھایا؟ اس کا جرم کیا ہے؟" یہ خبریں میرے لیے متوقع تھیں پھر بھی بلیک ڈیڈ کی دل جوئی کے لیے مجھے خاصی بے ساختہ حیرت کا اظہار کرنا پڑ گیا۔

"یہ سؤر کے بچے' سی آئی اے والے فرعون ہوتے ہیں۔ کسی کو کچھ نہیں بتاتے۔" اس کی برافروختہ آواز آئی "بیم گن کے بعد بیلٹ پھٹنے سے کئی آئی مین شبہات کی زد میں آئے ہیں لیکن کچھ بھی نہیں ہوگا۔ پیری آہنی اعصاب کا مالک ہے! اپنی جان پر ہر ستم سہہ لے گا مگر زبان نہیں کھولے گا۔"

"میری دعا ہے کہ تمہاری یہ خوش گمانی حقیقت ثابت ہو۔ پیری بکھر گیا تو تمہاری باری بھی آسکتی ہے۔" میں نے پورے خلوص کے ساتھ جواب دیا۔

"یہ بہت دور کی بات ہے لیکن رونما ہو سکتی ہے۔ اس وقت تمہارا مشورہ کیا ہے؟"

"روپوشی اختیار کرلو۔ جب تک مطلع صاف نہ ہو' سامنے آنے کی غلطی نہ کرنا۔"

"وہ میرے آدمیوں کا جینا حرام کردیں گے۔ ایک ایک کو رگیدنا شروع کردیں گے۔"

"خاص آدمیوں کو بھی انڈر گراؤنڈ کردو۔ دوسروں کی طرف سے آنکھیں بند کرنی ہوں گی۔ یہ مجبوری ہے۔ تم نے جلد ہی فیصلہ نہ کیا تو پچھتانے کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔"

"میں نے یہ ٹھکانا چھوڑ دیا تو تم سے میرا رابطہ ختم ہو جائے گا۔ ایسا کرو کہ تم مجھے اپنا فون نمبر دے دو۔"

"ابھی تم نے مجھے چوکنا رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ میں بھی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہوں گا۔ آج یہاں ہوں' کل پتا نہیں لندن کے کس ہوٹل میں ڈیرا ڈالنا پڑ جائے۔"

"بس' پھر ہم ایک دوسرے کے لیے دعا ہی کرسکتے ہیں۔ ویسے جوڈی ایک بے ضرر سی بڑھیا ہے۔ وہ یہیں رہے گی۔ تم چاہو تو اس سے بات کرتے رہنا۔ حالات کے تحت میں بھی اس سے رابطے میں رہوں گا۔"

پیری کاویل کی گرفتاری پر بلیک ڈیڈ کی پریشانی بے جا نہیں تھی۔ اس واقعے کے مضمرات کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہوئے بھی وہ خوش فہمیوں کے سہارے لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس سے گفتگو ختم کرتے ہوئے میرے ذہن میں خود بہ خود جینی کا نام ابھر آیا۔ ہماری نیویارک سے روانگی سے ایک رات پہلے ہی وہ ہم دونوں کی طرف سے بد دل ہو کر نیویارک کے پولیس چیف کو ہمارے بارے میں خط لکھنے کا ارادہ کر چکی تھی لیکن ویرا نے اگلے چند روز میں ملاقات کا جھوٹا وعدہ کرکے اسے منالیا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ جینی بس چند روز ہی انتظار کرے گی۔ جب اسے یہ یقین ہو جائے گا کہ اس کے تشنہ سوالوں کے جواب دینے کے لیے ہم اس کے پاس نہیں پہنچیں گے تو وہ خاموشی کے ساتھ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا دے گی۔ نیویارک میں ہماری اہم ترین سرگرمیوں کی وہ مضبوط گواہ تھی۔

جینی اور بلیک ڈیڈ میں سے کسی پر ہمارا کوئی زور نہیں تھا۔ وہ دونوں ویرا کے پرانے واقف کار تھے۔ ہم نے امریکا میں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ان دونوں کو بدری ناتھ سے زیادہ استعمال کیا تھا۔ بدری ناتھ کو ہم اپنے ہاتھوں سے ختم کر آئے تھے' ان دونوں نے ہمیں سکون سے امریکا سے نکلنے کی مہلت دے دی تھی۔ ہمارے وہاں آجانے کے بعد جینی جو کچھ بھی کر گزرتی اس پر اس سے کوئی شکوہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

"اب تم امریکا کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہو۔" ویرا نے مجھے سوچ میں غلطاں دیکھ کر کہا "بھول جاؤ کہ وہاں کیا ہو رہا ہوگا۔ ان لوگوں کے ہاتھ کتنے بھی لمبے ہوں' پاکستان میں ہماری گردنوں تک نہیں پہنچ سکتے۔"

"امید تو یہی ہے لیکن ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ انہوں نے اپنے مطلوبہ مجرموں کو دور دراز ملکوں سے اغوا کرکے امریکا میں سخت ترین سزائیں دی ہیں۔ یہاں سے انہیں ہمارے خلاف سرکاری تعاون نہ ملا تو وہ دوسرے حربے استعمال کریں گے۔"

"دوسرے حربے وہ ایک مدت سے استعمال کر رہے ہیں۔ اب ان سے کون سی قیامت آجائے گی؟"

ساڑھے چار بجے ہم چائے نوشی میں مصروف تھے کہ اول خان فون کرنے کے بجائے خود ہی آپہنچا "میں نے کافی یقین دہانیاں حاصل کرنے کے بعد گیپ کا اصل مسودہ اسلام آباد بھجوا دیا

ہے۔" اس نے آتے ہی اپنی دن بھر کی کارکردگی کے بارے میں بتایا۔ "کل دوپہر تک اس بارے میں پوزیشن سامنے آجائے گی۔"
میں نے اس کے آتے ہی سوالات کی بھرمار کرنے کے بجائے اسے اطمینان سے چائے ختم کرنے کا موقع دیا اور پھر اس کے دونوں ملزموں کے ضامنوں کے بارے میں پہلا سوال کرڈالا۔
"میرا دل کھٹا ہوگیا تھا۔ میں نے ان کے معاملے میں دلچسپی نہیں لی۔" اس نے صاف گوئی سے کہا "سنا ہے کہ ضمانتیں معمولی تھیں، کسی ایک ہی شخص نے گاڑی کے کاغذات پر انہیں چھڑالیا تھا۔"
"تم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش تو کی ہوتی کہ ضامن کون تھا اور اس نے کس کے ایما پر ان دونوں کی ضمانت لی تھی۔" میں نے محتاط انداز میں اپنی رائے دی "اس کارروائی سے چند چہرے ضرور بے نقاب ہوجاتے۔"
"اگر تم اس بارے میں اسی قدر سنجیدہ ہوچکے ہو تو میں ابھی فون پر معلوم کیے لیتا ہوں۔"
میری طرف سے اثبات میں جواب پاکر اول خان نے ڈرائنگ روم میں موجود انسٹرومنٹ سے فون کیا۔ میں نے سی ایس ڈی مین لائن سے منسلک کی تھی اس وجہ سے مداخلت کے کسی خطرے کے بغیر ایک وقت میں تینوں میں سے کوئی ایک ایکس ٹینشن استعمال کی جاسکتی تھی۔
اس نے چند منٹ کی گفتگو کے بعد فون بند کردیا۔ عدالتی اوقاتِ کار ختم ہوجانے کی وجہ سے اس وقت کچھ معلوم ہونا ناممکن تھا البتہ اول خان سے اگلے روز معلومات فراہم کرنے کا وعدہ کرلیا گیا تھا۔
میں نے اول خان کو اپنے پروگرام کے بارے میں بتانا شروع کردیا تاکہ وہ اگلے روز زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرسکے۔ پوری بات ذہن نشین کرلینے کے بعد اس نے کہا "تم بلاوجہ ان کے ضامن کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ وہ جو بھی ہے، درمیان کا آدمی ہے۔ اگر ہمیں کچھ کرنا ہی ہے تو ان ہی دونوں کے لیے کرنا ہوگا۔ اصل آدمی تک رسائی کے لیے وہی کار آمد ثابت ہوسکتے ہیں۔"
"ان کے خلاف کہاں سر کھپایا جائے؟ تمہیں ان کے بارے میں سرے سے کچھ پتا نہیں ہے۔"
"تم میری بات نہیں سمجھ سکے۔" اس کی آواز میں ہلکا سا جوش عود کر آیا "وہ کیس میرے ہاتھوں سے نکل کر پولیس کے ہاتھوں میں پہنچا تو میں نے اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ بعد میں دو کی ضمانت ہوئی تو میں بددل ہوکر انہیں بھول گیا.... پولیس کی تحویل میں پہنچنے کے بعد سے ان کے زخمی ہونے تک جو کچھ ہوا، میں اس سے واقعی بے خبر ہوں لیکن پھر سلطان شاہ اس چکر میں ملوث ہوگیا تو مجبوراً مجھے ان پر دھیان دینا پڑا۔ دو مشتبہ افراد کے دیکھے جانے کے بعد میری توجہ میں اضافہ ہوگیا۔"

"لاحول ولا قوۃ! اور یہ بات تم مجھے آج بتا رہے ہو۔ کہاں ہیں وہ دونوں؟"
"زخمی ہونے کے بعد انہیں اسپتال ہی لے جایا گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے انہیں دیکھتے ہی جواب دے دیا۔ سلطان شاہ نے ان کے گھٹنوں کو بڑی سفاکی سے برباد کیا ہے۔ گولیاں پیچھے سے گھس کر گھٹنے کی پوری ہڈی کو چکنا چور کرتی ہوئی آگے سے نکل گئی تھیں۔ بچے ہوئے ریزوں کو کوئی مائیکرو سرجن یک جا نہیں کرسکتا تھا۔ اس رائے کے بعد کوئی ان دونوں کو گھر لے گیا تھا۔ وہ دونوں ایک ماہر کی نگرانی میں وہیں زیرِ علاج ہیں۔ ان کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لیے نرسنگ اسٹاف کے علاوہ ہر وقت تین محافظ بھی وہاں موجود رہتے ہیں۔"
"تم ان کے بارے میں پوری طرح باخبر ہو پھر میں یہ کیوں سمجھتا رہا کہ تم اندھیرے میں ہو؟"
"تم نے کل کھل کر کوئی بات ہی نہیں کی تھی۔" اس نے یاد دلایا "تم قسطوں میں سوال کرتے رہے، میں اسی طرح نپے تلے جواب دیتا رہا۔ کل تم نے امریکا سے یہاں قدم رکھا ہی تھا۔ تمہیں یہاں کے حالات کا علم نہیں تھا اور میں تمہارے ذہن پر آتے ہی غیر ضروری بوجھ نہیں ڈالنا چاہ رہا تھا۔"
"یہ بات تو مجھے بھی اب معلوم ہو رہی ہے کہ وہ اسی گھر میں زیرِ علاج ہیں۔" سلطان شاہ نے کہا۔
"میں نے تم سے یہ تفصیل دانستہ پوشیدہ رکھی تھی۔ تم ان کے دوسرے گھٹنے توڑنے کا ارادہ کرلیتے تو میں تمہیں کیسے روک سکتا تھا؟ تمہیں دلیری اور خودسری کے فرق کا اندازہ نہیں ہے۔"
"وہ گھر میں ہیں تو ان کے بال بچے بھی وہیں آگئے ہوں گے؟" ویرا نے دریافت کیا۔
"بنگلا چھوٹا ہے۔ شاید ان کی بیویاں آگئی ہوں۔ بچے وہاں نہیں دیکھے گئے۔"
"ایسی مہلک چوٹوں کا گھر پر کیا علاج ہو رہا ہوگا؟" غزالہ نے حیرت ظاہر کی "انہیں سرجری کی ضرورت تھی۔ گھر پر رہ کر وہ یقیناً معذور ہوجائیں گے۔"
"کیا ہو رہا ہے، یہ مجھے نہیں معلوم۔ اتنا معلوم ہے کہ وہ اپنے گھر پر ہیں۔" اول خان بولا۔
سلطان شاہ کے حملے نے ان دونوں کو خوف زدہ کیا ہوا تھا۔ اسپتال میں انہوں نے خود کو غیر محفوظ تصور کرتے ہوئے گھر پر رہنے کو ترجیح دی ہوگی۔ ان کے گھٹنوں کے جوڑ اور چپنی ہڈی کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ ان کی ضرورت یہ تھی کہ زخموں سے ہڈیوں کے ٹکڑے نکال کر زخموں کی بھرپور دیکھ بھال کی جائے۔ ایسی صفائی شاید کسی باقاعدہ آپریشن کے بعد ہی کرلی گئی ہو۔
"اگر ان پر نظر رکھی جارہی ہے تو تمہیں یہ اندازہ ضرور ہوگا کہ ان پر دوبارہ کیسے ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے؟" میں نے اس سے سوال

کیا۔
"آج تم ہاتھ ڈالو گے۔ کل پھر قیدی کو پولیس اسٹیشن چھوڑنا پڑ جائے گا۔" ویرا نے ٹکڑا لگایا۔
"وہ باقاعدہ آپریشن تھا۔ بہت سے لوگوں کو علم تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس مدن موہن کے این آئی سی کو تباہ کرنے کے لیے کارروائی کررہی ہے۔ نئی گرفتاری ایس ٹی ایف کی خفیہ مہم ہوگی۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلے گا کہ زخمی کہاں غائب ہوگیا۔"
"میں پہلے بھی یہی کہہ رہا تھا کہ ایس ٹی ایف کہیں اتنی مجبور نہیں ہوسکتی کہ ایک مسلمہ مجرم کو چھوڑنے کے بعد صرف تماشا دیکھتی رہے۔ یہ قدم پہلے بھی اٹھایا جاسکتا تھا۔" میں نے کہا۔
"ہم دروازے پر دستک دے کر اپنی نفری اور ہتھیاروں کے زور پر کسی کو لائے تو بات پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ یہ کام بالا ہی بالا ہونا چاہیے۔" اول خان نے میرے ایک اندیشے کی وضاحت کر ڈالی۔
"پھر تو ہم کو ہی کچھ کرنا ہوگا۔ ایس ٹی ایف سے بالا ہی بالا کون قیدی کو اٹھائے گا؟" ویرا نے پوچھا۔
"شاید میں اپنی بات واضح نہیں کرسکا۔" اول خان نے پہلو بدل کر کہا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس معاملے میں اس کی دلچسپی بڑھتی جارہی تھی۔ اس کی بات جاری رہی "کام میرے آدمی کریں گے۔ قیدی میرے لاک اپ میں جائے گا۔ ہمارے طریقوں کے مطابق اس کا اندراج ہوگا اور ہم ہی اس سے پوچھ گچھ کریں گے لیکن یہ کام اس طرح خاموشی سے کیا جائے گا کہ باہر کے کسی آدمی کو اس اغوا میں ایس ٹی ایف کے ملوث ہونے کا شبہ نہ ہو۔ یہ بات لیک آؤٹ ہوگئی تو دباؤ کے ساتھ ہی مجھ سے کڑی بازپُرس بھی ہوسکتی ہے۔"
سب کے چہروں پر اطمینان پھیل گیا۔ غزالہ مسکراتی ہوئی کچن کی طرف چل دی۔
"میں دلی جان کے بجائے شنکر رائے پر ہاتھ ڈالنے کو ترجیح دوں گا۔" میں نے رائے دی "اپنی مذہبی ہمدردیوں اور محکمے کی بنا پر وہ زیادہ اہم معلوم ہوتا ہے۔"
"یہ سب ہوجائے گا۔" اول خان نے یقین دلایا "میں نے اپنا مدعا بیان کردیا ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ اس تجویز پر عمل کیسے ہوگا۔ تین مسلح محافظوں کی موجودگی میں ادھر کا رخ کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔"
اول خان کا وہ سوال سب سے اہم تھا کہ اس کی تجویز پر عمل کیسے کیا جائے۔
"تین محافظوں کی موجودگی میں اتنی خاموشی سے ایک زخمی کو نکال کرلانا آسان نہیں ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ اس کوشش میں تم اپنے ایک دو آدمی گنوا بیٹھو۔" ویرا نے اپنی تشویش ظاہر کی۔
میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ شنکر رائے کی رہائش گاہ کا ایک چکر لگائے بغیر اس کارروائی کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ سلطان شاہ اٹھ کر اندر چلا گیا تھا۔
"اس گھر کے کسی حصے میں بے ضرر سی آگ لگادی جائے تو محافظوں کی توجہ ادھر مبذول ہوسکتی ہے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے کہا "اس دوران میں شنکر کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔"
"دیر ہوگئی تو محافظ تمہارے آدمی کو باڑھ پر رکھ لیں گے۔" ویرا نے اعتراض کردیا "اس سے بہتر ہے کہ تمہارے تجربے کار آدمیوں کی بھاری نفری سادہ کپڑوں میں وہاں دھاوا بول دے۔ تھوڑا سا شور شرابا ضرور ہوگا لیکن تمہارے کسی آدمی کے نقصان کا خطرہ باقی نہیں رہے گا۔"
"دونوں طرف خود کار ہتھیار موجود ہوں تو یقین سے کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ گولی اپنے اور پرائے میں تمیز نہیں کرتی۔ گھر جانے پر وہ اندھا دھند گولیاں برسا کر نہ جانے کتنے جسموں کو چھلنی کردیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کام خون بہائے بغیر پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے....."
"تم خوں ریزی سے اس قدر خائف کیوں ہو؟" میں نے ان دونوں کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اول خان سے نرم لہجے میں سوال کیا "ان تینوں کو بے خبری میں کیوں نہ ماردیا جائے۔"
"بے مقصد خوں ریزی سے کیا حاصل ہوگا؟" وہ بے بس نظر آنے لگا۔
"اس وقت ہمارا مقصد شنکر کو اٹھانا ہے۔ اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے کی جانے والی خوں ریزی کو تم بے مقصد کیوں قرار دے رہے ہو؟ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ تینوں محافظ کسی جرائم پیشہ شخص کے پالے ہوئے غنڈے ہیں۔ ان ہی کے دو ساتھی ادھر بھی آچکے ہیں۔"
"تمہارا مطلب ہے کہ طاقت استعمال کیے بغیر ہم اپنا مطلب پورا نہیں کرسکتے!"
"میرے ذہن میں طاقت کے محدود استعمال کی ایک صورت ابھر رہی ہے۔ اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں ان کے ٹھکانے کا جائزہ لینا ہوگا۔"
"چاہو تو ابھی ایک چکر لگالیتے ہیں۔ اندھیرا پھیلنے تک منصوبے پر عمل کرڈالیں گے۔"
"جاؤ۔ تم سلطان شاہ سے بیم گن لے آؤ۔" میں نے ویرا کو ہدایت کی "اور ہاں، ذرا وہ کین بھی لیتی آنا جو تم نے جارج شلز اور اس کی کتیا پر استعمال کیا تھا۔ میں نے وہ کین تمہارے سوٹ کیس میں دیکھا تھا۔"
"اس کین میں کیا ہے؟" ویرا کے چلے جانے کے بعد اول خان نے تجسس سے پوچھا۔
"کلورو فارم کی نسل کی کوئی گیس ہے۔ ناک پر پہلی پھوار

پڑتے ہی شکار کو بے ہوش کردیتی ہے۔"

"بیم گن اور کلوروفارم اسپرے کا مطلب ہے کہ تم کافی دور تک سوچ چکے ہو۔ مجھے بتاؤ کہ تم کیا طے کیے بیٹھے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میرا کوئی آدمی تمہارے مطلوبہ معیار پر پورا نہ اتر سکے۔"

"اس کی تم پروا نہ کرو۔ ضروری ہوا تو میں خود تمہارے ساتھ اس مہم پر چلوں گا۔"

"تم خود!" میرے انکشاف پر وہ حیران رہ گیا "میں تمہیں یہ خطرناک مشورہ نہیں دوں گا۔"

"یہ کام بہت اہم ہے۔ تم اندازہ نہیں کرپارہے ہو کہ ہم نے بڑھ کر ان لوگوں کی گردنیں نہ دبوچیں تو وہ ہماری بے خبری میں کسی بھی وقت ہمارے اوپر آپڑیں گے۔ ہم روز روز گھر بدل سکتے ہیں نہ ان کے ڈر سے چوبیس گھنٹے گھر میں محصور رہ سکتے ہیں۔"

ویرا ذرا سی دیر میں دونوں چیزیں لے آئی۔ میں نے ہلا کر دیکھا تو کین میں سیال گیس کی خاصی مقدار موجود تھی۔ یہ ویرا کی عقل مندی تھی کہ اس نے جارج شلز کی بے ہوشی کے بعد وہ کین اپنے بیگ میں رکھ لیا تھا جو بعد میں سوٹ کیس میں منتقل ہوگیا۔ اس نے احتیاط سے کام نہ لیا ہوتا تو فورٹ ہاؤس کی خوف ناک افراتفری میں وہ کین کہیں بھی ضائع ہوچکا ہوتا۔

"ابھی تم صرف جائزہ لینے جارہے ہو تو ان دونوں چیزوں کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟" ویرا نے میرے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

"ساتھ لے جانے میں حرج ہی کیا ہے؟" میں نے اسے آنکھ مار کر سوال کرڈالا۔

اس نے میرے ساتھ بحث نہیں چھیڑی لیکن ساتھ چلنے کا مطالبہ پیش کرڈالا۔

"ہم جن حالات سے گزر کر واپس آئے ہیں وہ خوشگوار نہیں تھے۔ کل یہاں کیا رنگ رہتا ہے' اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ فی الحال ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ منظرِ عام پر نہیں آنا چاہیے۔"

"میں ڈینی کے مشورے سے سو فیصد متفق ہوں۔" اول خان نے میری تائید کی "شاید ان ہی دور اندیشیوں نے تم کو ابھی تک دشمنوں سے بچایا ہوا ہے ورنہ وہ تم کو بہت پہلے ٹھکانے لگا چکے ہوتے۔"

میری اور اول خان کی گلشن اقبال روانگی کی خبر غزالہ اور سلطان شاہ نے حیرت سے سنی اور سوالات کی بھرمار کردی۔ ہم میں سے کسی کے پاس ان بے تکے سوالوں کے جواب نہیں تھے۔

اول خان کی غیر سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی میں ہم گھر سے روانہ ہوئے تو شام کے چھ بج چکے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ راستے میں ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ اور فاصلے کی وجہ سے ہمارے گلشن اقبال پہنچنے تک ہر طرف خاصا اندھیرا پھیل جائے گا۔ ایسا ہونے کی صورت میں ہمیں دوبارہ ادھر جانے کی ضرورت نہ رہتی۔

ہم ڈیفنس سے نکل کر کورنگی روڈ پر بائیں طرف مڑتے ہوئے تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ رک جانا پڑا۔ ہمارے آگے تک گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں جو رینگ رینگ کر آگے سرک رہی تھیں۔ اول خان نے آگے کا جائزہ لے کر گاڑی واپس گھمانے کا قصد کیا لیکن وہاں گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ پیچھے جمع ہونے والی بسوں اور دوسری گاڑیوں نے واپسی کی راہ مسدود کردی تھی۔

"پھنس گئے.... اب دیکھو کہ اس ٹریفک جام سے کتنی دیر میں نجات ملتی ہے۔"

سورج غروب ہورہا تھا۔ شام کے سائے بہت تیزی کے ساتھ دراز تر ہوتے جارہے تھے۔ ہماری گاڑی جوں کی چال سے رینگتی ہوئی ریلوے لائنوں پر بنے ہوئے پل پر پہنچی تو اندھیرا پھیل چکا تھا' اسٹریٹ لائٹس روشن ہوگئی تھیں۔ منزل پر پہنچنے تک رات ہوہی جاتی تھی۔

پل پر سے گزرتے ہوئے ٹریفک جام کا سبب بھی نظر آگیا۔ وہ سامان سے لدا ہوا کوئی ٹرک تھا جو سڑک کے بائیں کنارے پر بند تھا۔ سڑک کا کچھ حصہ ٹرک نے روکا ہوا تھا۔ تقریباً اتنا ہی حصہ اس کے گرد سڑک پر رکھے ہوئے پتھروں نے بند کردیا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ پیچھے سے تین اور چار قطاروں میں آنے والا ٹریفک اس مقام پر صرف ایک قطار میں گزر رہا تھا۔ قطاروں کے ایک قطار میں سمٹنے کی وجہ سے مزید بدنظمی پھیلی ہوئی تھی جسے سنبھالنے کے لیے دور دور تک کوئی سپاہی نظر نہیں آرہا تھا۔

پل پر ناگہانی طور پر پیدا ہونے والی رکاوٹ کی وجہ سے سڑک کا اگلا حصہ صاف تھا اور اس پر ٹریفک تیزی کے ساتھ رواں دواں تھا۔ ہم شہر کے قلب میں مزید ٹریفک جام میں پھنسنے کا خطرہ مول لیے بغیر سوسائٹیز اور پھر اسٹیڈیم روڈ سے گلشن اقبال کے چوراہے پر پہنچ گئے۔

میں اس علاقے سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ اول خان نے اپنے دونوں زخمی مجرموں کا ٹھکانا دیکھا ہوا تھا۔ اس نے چند ثانیوں

کے لیے یونیورسٹی روڈ پر آکر اپنی گاڑی حسن اسکوائر کی عقبی سڑک پر موڑلی۔ اونچے فلیٹوں کے درمیان شکستہ سڑکوں سے ہوتے ہوئے ہم ایک لیول کراسنگ تک پہنچ گئے جو شاید سرکلر ریلوے کی ٹرینوں کے لیے بنایا گیا تھا۔

لیول کراسنگ کے بعد داہنی طرف بل کھاتی ہوئی سڑک ریلوے لائن کے متوازی دور تک چلی گئی ہے۔ سڑک کی داہنی جانب ریلوے کی بیش قیمت زمین قبضہ گروپوں کو دعوتِ فکر و عمل دے رہی تھی۔ اول خان نے بتایا کہ بائیں طرف کا علاقہ بلاک نمبر تیرہ ڈی کہلاتا تھا۔

اس سڑک پر ہمیں زیادہ دور تک نہیں جانا پڑا۔ اول خان نے کھیل کے میدان کے ساتھ گاڑی گھماتے ہوئے رفتار کم کردی اور کہا "بائیں ہاتھ پر سبز رنگ کا پانچواں مکان انہی کا ہے۔"

اول خان کا وہ انکشاف سنتے ہی میری طبیعت خوش ہوگئی۔ وہاں برقی کھمبے موجود تھے لیکن اسٹریٹ لائٹس کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ میدان کے کناروں پر بے ترتیبی سے اُگی ہوئی گنجان اور خودرَو جھاڑیوں کی وجہ سے اس سڑک پر سرِشام ہی ہُو کا عالم طاری تھا۔

پانچواں مکان درحقیقت پانچواں نہیں تھا کیونکہ درمیان میں کم از کم دو خالی پلاٹ تھے جن پر کوڑے کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ سبز رنگ کے پانچویں مکان سے متصل پلاٹ بھی خالی تھا۔ میں نے گہری نظروں سے جائزہ لے کر وہ پوزیشن ذہن نشین کرلی۔

اس مکان کے سامنے خودرَو جھاڑیوں سے اَٹا ہوا تاریک میدان ہونے کی وجہ سے مجھے کام خاصا سہل نظر آنے لگا تھا۔ میدان کے اختتام پر پتلی سی سڑک کے ساتھ دو رویہ مکانات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ وہ سب آباد اور بارونق نظر آرہے تھے۔ بیشتر مکانوں پر گیٹ لیمپ روشن تھے جو اسٹریٹ لائٹس کی کمی پوری کررہے تھے۔ اس تنگ سڑک سے نکل کر اول خان نے گاڑی داہنی طرف موڑلی۔

"مکان دیکھ لیا۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"ارادہ نیک ہے۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر وقت گزار لیں پھر گاڑی اسی طرف گھمالینا۔"

"کیوں؟ کیا کوئی بات نگاہوں میں آنے سے رہ گئی ہے؟"

"میں نے سب دیکھ لیا ہے۔ اب تو کام کرنا ہے تاکہ ہاتھوں ہاتھ نمٹ جائیں۔"

"کیا مطلب؟ کسی تیاری کے بغیر ہی ان لوگوں سے ٹکرلوگے؟" وہ بوکھلا گیا۔

"بیم گن اور گیس اسپرے موجود ہے۔ تیاری تو پہلے ہی مکمل ہے۔"

"تم تو کہہ رہے تھے کہ جائزہ لینے کے بعد پروگرام طے کرو گے؟"

"جائزہ لے لیا۔ اسی کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ابھی نمٹ لیا جائے۔"

"سوچ لو۔ آس پاس گنجان آبادی ہے۔ اس سڑک پر ویرانی ضرور ہے مگر دونوں طرف سے گاڑیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ کہیں ہم رنگے ہاتھوں پکڑے نہ جائیں۔"

"میری خاطر آج یہ تجربہ بھی کر ڈالو۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تمہارا آدمی کہاں چھپ کر اس مکان کی نگرانی کررہا ہوگا۔ اسے بتانا ہوگا کہ ہم سے کوئی تعرض نہ کرے۔"

"نگرانی بس دن میں ہوتی ہے۔ مغرب کے بعد باہر اتنا سناٹا ہوجاتا ہے کہ خوف آنے لگتا ہے۔ میں رات کو کسی کو ادھر نہیں بھیجتا۔" اس نے مطلع کیا۔

"دس پندرہ منٹ گزارنے ہیں تاکہ میں اپنے ذہن میں کوئی خاکہ بنا سکوں۔ ہم اس سڑک پر آبادی کے اندر سے داخل ہوں گے تاکہ ہماری گاڑی کا رخ واپسی کے راستے کی طرف رہے۔ کام مکمل ہونے کے بعد ایک منٹ کے لیے بھی ہم نہیں رکیں گے۔"

"ابھی تک میں تمہاری ہر ہدایت پر لفظ بہ لفظ عمل کرتا آرہا ہوں لیکن تمہارے ارادوں سے بالکل بے خبر ہوں۔ مجھے کچھ تو بتادو کہ تم کیا کرنے جارہے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر میرے اور تمہارے درمیان کوئی غلط فہمی رہ جانے کی وجہ سے کوئی گڑبڑ ہوجائے۔"

"تم یقین کرو کہ ابھی تک میرا ذہن صاف نہیں ہے۔ بس چند موٹی موٹی باتیں طے شدہ ہیں۔ اس گھر میں تین مسلح محافظوں کے علاوہ دو معذور مجرم اور ان کی بے گناہ بیویاں موجود ہیں۔ میں دروازہ کھلوا کر اندر داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ نیت یہ ہے کہ کم سے کم خوں ریزی کرکے باقی لوگوں کو بے ہوش کروں اور شکر رائے کو اٹھا کر تمہاری گاڑی تک لے آؤں۔ وہاں سے ہم سیدھے تمہارے کیمپ آفس نکل جائیں گے۔"

"یہ کیسے ہوگا؟ وہ تمہیں اندر کیوں گھسنے دیں گے۔" اول خان اعصاب زدہ ہوا جارہا تھا۔

"دیکھنا ہوگا۔ ایک ترکیب یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہم ان کے گھر کے سامنے گاڑی بند کرکے بونٹ اٹھادیں اور میں ریڈی ایٹر کے پانی کے لیے ان کے دروازے پر گھنٹی بجاؤں۔ اگر بات بن گئی تو کوئی محافظ پانی کی بالٹی اٹھانے کے لیے اندر بلا سکتا ہے۔"

"بہت موزوں تجویز ہے لیکن فرض کرو کہ وہ پانی نہیں دیتے پھر کیا کروگے؟"

"یہ فیصلہ اسی وقت کرنا پڑے گا۔ پہلے سے کچھ طے نہیں کیا جاسکتا۔ شاید میں سامنے آنے والے کو مار ہی ڈالوں۔ ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔"

"وہ ایک سے زیادہ ہوئے تو کیا ہوگا؟ دوسروں نے شدید ردِعمل کا مظاہرہ کیا تو تمہاری پوزیشن کیا ہوگی؟ مار دھاڑ سے دہشت زدہ ہوکر عورتوں نے ہذیانی آوازوں میں چیخنا شروع کردیا تو

کیا بنے گا۔"

"سوالات بے شمار ہیں۔ میں بھی ان ہی میں الجھا ہوا ہوں مگر ایک بات طے ہے کہ میرا مار دھاڑ کا کوئی ارادہ نہیں۔ بیم گن اور گیس اسپرے کے سوا میں اور کچھ استعمال نہیں کروں گا۔"

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔ تم آگ میں کودنے جا رہے ہو۔" اس نے متنبہ کیا۔

"اس سے پہلے کہ یہ آگ میرے دامن تک پہنچے، مجھے اس میں کودنا ہوگا۔"

اول خان نے چپ سادھ لی۔ اس کے چہرے پر تناؤ سا آگیا تھا اور اس نے ہونٹ بھینچ کر اپنی ساری توجہ سڑک پر مرکوز کی ہوئی تھی۔ میری باتیں اسے مطمئن نہیں کر سکی تھیں۔

"بہت صاف اور دو ٹوک انداز میں ایک بات اور بتا دوں۔ اگر وہاں گڑبڑ ہو جائے اور تم ایمانداری سے یہ محسوس کرو کہ میرا لوٹ کر تم تک پہنچنا ناممکن ہو گیا تو خود کو کسی خطرے میں نہ ڈالنا۔ تیزی سے واپسی کی راہ لے لینا۔ میں کسی نہ کسی طرح اپنی راہ بنا لوں گا۔"

"یہ نہیں ہوگا۔ تمہارے پاس بیم گن ہے تو میری گاڑی میں بھری ہوئی گن ہے۔ دونوں ایک ساتھ ہی واپسی کا راستہ بنائیں گے یا پھر وہیں حالات کا مقابلہ کریں گے۔ اس پر کوئی سمجھوتا نہیں ہوگا۔"

حالات قابو سے باہر ہو جانے کی صورت میں غزالہ کو کوئی یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ گلشن اقبال میں کیا ہوا تھا۔ اسے اپنے ساتھیوں سمیت ان ہی خبروں پر یقین کرنا پڑتا جو دوسرے ذرائع سے ملتیں۔ میں نے ایک مرتبہ پھر اول خان کو سمجھانے کی کوشش کی "میرا دامن ہلکا ہے۔ تم بال بچوں والے ہو۔ ضد مت کرو۔ تمہارا نکل جانا ہی بہتر رہے گا۔"

"یہ فیصلہ مجھ پر چھوڑ دو۔" اس نے سرد لہجے میں کہا "کوئی بری گھڑی آئی تو ہم دونوں اپنے اپنے فیصلے کرنے کے لیے پوری طرح آزاد ہوں گے۔"

"گاڑی واپس لے لو۔ آٹھ بج رہے ہیں۔ اگر آج ٹیلی وژن پر کوئی اچھا ڈراما آرہا ہے تو لوگ گھروں میں محصور ہوں گے اور سڑک کی ویرانی ہمارا ساتھ دے گی۔"

اول خان نے یوٹرن لینے کے بجائے گاڑی اگلی سڑک پر موڑ لی۔

میں نے آخری بار اپنی جیبوں کو ہاتھ لگا کر بیم گن اور گیس اسپرے کین کی جگہوں کا تعین کیا اور اپنی سیٹ میں سیدھا ہو کر بیٹھ

گیا۔

ہم ان دونوں کی کمین گاہ سے بہت دور نہیں نکلے تھے۔ چند منٹ بعد ہم دوبارہ اسی سڑک پر تھے۔ گاڑی کی رفتار دھیمی تھی۔ سڑک دور تک صاف نظر آ رہی تھی۔

دو رویہ مکانوں سے آگے ویران میدان اور سبز مکان کے درمیان اول خان نے گاڑی کنارے سے لگا کر انجن بند کر دیا۔ بونٹ لیور کے کھٹکے کی آواز کے ساتھ ہم دونوں نیچے اتر آئے۔ وہاں دور تک کوئی ہمیں نہیں دیکھ رہا تھا پھر بھی ہم بونٹ اٹھا کر خاموشی سے اندر جھانکتے رہے۔

اندھیرے میں ہماری آنکھیں چار ہوئیں۔ اول خان کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "فی امان اللہ۔" میں نپے تلے قدموں سے سبز مکان کی طرف ہولیا۔

ڈور بیل بجاتے ہوئے میرا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اندر گھنٹی بجنے کی آواز کے بعد سناٹا چھا گیا۔ ایک طویل انتظار کے بعد پختہ فرش پر قدموں کی چاپ کے ساتھ کسی کی آواز گونجی "کون ہے؟"

بولنے والا اجڈ اور تندخو محسوس ہوا تھا۔ میں نے جواب دیا "بھائی پانی کی ضرورت ہے۔"

آہٹیں قریب آ گئیں اور پھاٹک کی آہنی کھڑکی کھول دی گئی۔ خطرناک چہرے اور بڑی بڑی مونچھوں والا ایک جسیم شخص میرے سامنے آ گیا۔ اس کے داہنے شانے پر کلاشن کوف لٹکی ہوئی تھی جس سے جڑا ہوا میگزین نمایاں نظر آ رہا تھا۔

"گگ.... گا.... آڑی خراب ہو گئی ہے۔" میں نے لکنت کی اداکاری کرتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں کہا "ایک آدھ بالٹی پانی کی ضرورت ہے....."

"گاڑی میں پیٹرول بھی ہے یا اسے صرف پانی سے چلاتے ہو۔" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ اس کے چہرے اور وضع قطع کے ساتھ گفتگو سے بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ شرافت سے اس کی کوئی پرانی دشمنی تھی۔ میں نے اس کی بدتمیزی پر یوں دانت نکال دیے جیسے اس نے کوئی عمدہ مذاق کیا ہو۔

"ٹنکی میں پیٹرول بہت ہے۔" میں نے اول خان کی گاڑی کی طرف اشارہ کیا "بس ریڈی ایٹر خالی ہو گیا ہے۔ پانی مل جائے تو انجن ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

اس نے تولنے والی نظروں سے میری طرف دیکھا اور چند ثانیوں بعد پیچھے ہٹ کے مجھے راستہ دے دیا "جلدی سے پانی لو اور چلتے بنو۔ دوبارہ پریشان نہ کرنا۔"

میں اسی موقع کی گھات میں تھا۔ فوراً اندر گھس گیا۔ لمحوں ہی لمحوں میں، میں نے دیکھ لیا کہ مختصر سے پورچ میں وہ اکیلا تھا۔ پورچ سے ایک پتلا سا پختہ راستہ عمارت اور احاطے کی دیوار کے درمیان پیچھے جا رہا تھا۔ اسی راستے میں ایک جگہ نل نظر آ رہا تھا جس کے نیچے بالٹی موجود تھی۔

وہ آہنی کھڑکی بند کر رہا تھا کہ میں نے بیم گن نکال کر اس کی کھوپڑی کے عقبی حصے پر بہت قریب سے فائر کر دیا۔ نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی دھار اس کی کھوپڑی میں اتری اور وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ میرے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ میں نے اس کو قمیص کے کالر سے فرش پر گھسیٹتے ہوئے گملوں کی اونچی سی دیوار کے پیچھے ڈال دیا۔

مکان کے سامنے والے حصے کے بند دروازوں کو دیکھ کر میں یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ عمارت کے بجائے پختہ بغلی راہداری سے گزر کر پھاٹک تک آیا تھا۔ اس کی واپسی میں تاخیر ہونے کی صورت میں اس کے کسی ساتھی کو اس طرف سے نمودار ہونا چاہیے تھا۔

میں نے چوکنے انداز میں دائیں بائیں کا جائزہ لینے کے بعد پنجوں کے بل نل کی طرف دوڑ لگا دی۔ میرا ارادہ تھا کہ چند لمحوں کے لیے وہاں رک کر عمارت کے عقبی کونے تک پہنچ جاؤں گا تاکہ ادھر سے آنے والے کسی بھی حریف کو آمنا سامنا ہوتے ہی بیم گن کا نشانہ بنا سکوں۔

مکان کی کھڑکیوں سے آنے والی روشنی سے بچنے کے لیے میں تقریباً دہرا ہو کر نل کی طرف جا ہی رہا تھا کہ روشن کھڑکیوں کے درمیان اچانک کسی کھلتے ہوئے دروازے کا بڑھتا ہوا روشن مستطیل نمودار ہونے لگا اور میں وحشت زدہ انداز میں اپنی جگہ رک کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ میرے پاس آگے نکلنے کا وقت تھا نہ پیچھے لوٹ جانے کی مہلت تھی۔

دروازہ کھل جانے پر پختہ راہ داری میں ایک انسانی سایہ متحرک ہوا۔ جوں ہی وہ کھلے ہوئے دروازے سے باہر آیا، میں نے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ اگلے ہی لمحے اندر سے دوسرا مسلح محافظ باہر آ چکا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے بجلی کی سی تیزی سے اپنے کندھے سے لٹکی ہوئی کلاشنکوف اتار کر میرے اوپر تان لی اور دبی دبی غراہٹ کے ساتھ پوچھا "تم کون ہو؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟ رشید کہاں ہے؟"

"تمہارے کسی ساتھی نے مجھے بالٹی میں پانی لینے کے لیے بھیجا ہے۔" میں نے مسمسی آواز میں کہا "وہ خود آگے ہی کھڑا ہوا ہے۔"

"پانی کس کے لیے چاہیے؟ جلدی بتاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

وہ اپنی مہلک رائفل کی نال ہلا کر اضطراری لہجے میں بولا اور اسی لمحے وہ مکان یا شاید پورا علاقہ اندھیرے میں ڈوب گیا۔

"خبردار! حرکت نہ کرنا ورنہ میں گولی مار دوں گا۔" اندھیرے میں اسی کی آواز ابھری۔ اس وقت تک میں دیوار کے ساتھ لگ چکا تھا۔ کے ای ایس سی کی کارکردگی نے میرے لیے ایک سنہرا موقع فراہم کر دیا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

ٹھکانے لگا کر اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ رفتہ رفتہ وہ میرے حصار میں آتا چلا گیا اور آخر کار میں نے کشمیر روڈ کے ایک مکان میں اسے اپنا قیدی بنالیا۔ اس ٹھکانے کی نشان دہی کرنے والا ساگا نامی بدمعاش ہمارا زخمی قیدی تھا۔ راس المیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ساتھی جان' ویرا کو اغوا کر کے لے گیا۔ اس نے ڈیرا کو مجھ سے فون پر بات کرنے پر مجبور کیا۔ وہ ویرا کی رہائی کے بدلے راس المیڈا کی آزادی کا طلب گار تھا۔ اسی دوران میں کچھ لوگوں نے ساگا کو نکال لے جانے میں کامیابی حاصل کرلی مگر وہ کسمپرسی کے عالم میں مرگیا۔ ہم جان کی پناہ گاہ کا سراغ لگانے کی کوشش میں لگے رہے۔ فون نمبر کے حوالے سے وہ پتا معلوم ہوگیا۔ ہم پوری احتیاط اور تیاریوں کے ساتھ اس تاریک اور بظاہر ویران مکان میں پہنچے تو گھور اندھیرے میں اچانک ہی سنی سامنے آگیا۔ میری دا فست میں وہ بازارِ حسن میں پروان چڑھنے والا ایک بے ضرر نوجوان تھا جو زنانہ عادتوں میں مبتلا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سنی' راس المیڈا کا آدمی ہوگا۔ اول خان اسے اپنے آدمی کے قاتل کے طور پر شہر بھر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا مگر وہ جان اور راس المیڈا کے زیرِ سایہ اس کمین گاہ میں روپوش تھا۔ سنی نے بازپرس کے بعد بتایا کہ ساگا نے مرنے سے قبل اسے ایک فون نمبر دے کر اپنی حالت کی خبر کرنے کو کہا تھا۔ اس فون پر بات کرنے والے گورے نے اسے اس خالی مکان کا رخ کرنے کی ہدایت کی تھی اس لیے وہ یہاں موجود تھا۔ سنی نے جب یہ بھانپ لیا کہ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے تو اس نے اپنی جاں بخشی کے عوض ساگا کا آخری پیغام دہرادیا جو دو مہمل الفاظ 'نیلو رہامیبے' پر مشتمل تھا۔ اول خان نے اسے ہلاک کردیا۔ اب ہمیں جان کا انتظار تھا جسے سنی سے ملاقات کے لیے آنا تھا۔ جان آیا تو ہم نے اسے چھاپ لیا۔ اس دوران میں ہمیں یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ جان نے جس سفارت کار کے گھر پناہ لے رکھی ہے' اس کا گھر اسی مکان سے ملحق ہے۔ جان کو بے بس کرنے کے بعد ہم نے اس سفارت کار کو دھوکے سے مکان میں بلوالیا۔ وہ ایک امن پسند اور شریف آدمی تھا۔ وہ ویرا کو اس کی رضامندی کے ساتھ اس شرط پر ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ ہوگیا کہ جان کو چھوڑ دیا جائے۔ اس تبادلے کے بعد ہم گھر پہنچ گئے۔ جان ہمارے بدترین تشدد کو نہ سہار سکا اور طبی امداد ملنے سے پہلے ہی دم توڑ گیا جبکہ وہ سفارت کار ہماری وجہ سے وبال میں آگیا۔ سنی کے کہے ہوئے الفاظ نیلو رہامیبے اب میرے ذہن میں کھٹک رہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکنوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں' اس کا قصہ جلد پاک ہوجانا چاہیے۔ اول خان کے ساتھ ہم چاروں آنے والے وقت سے بے خبر' اپنے خوفناک عزائم کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔ باہمی تبادلۂ خیال کے بعد یہ خیال زور پکڑتا چلا گیا کہ راس المیڈا کے جسم میں کوئی چپ موجود رہا ہوگا جس کی مدد سے اسٹیشن فور کی نشاندہی کی جاسکتی تھی۔ اول خان نے اپنے دوست کمانڈر سعید سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ امریکن نیوی کے متعلقہ میں لنگر انداز جہاز سے پرواز کرنے والا ایک ہیلی کاپٹر لاپتا ہے جس میں بیس افراد سوار تھے۔ اندازہ تھا کہ یہ راس المیڈا کی بازیابی کی مہم پر نکلا تھا۔ ویرا نے راس المیڈا پر تشدد کر کے چپ برآمد کرکے تباہ کردیا۔ نیلو رہامیبے کے متعلق راس المیڈا نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت را کے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے اسے مار کر اپنا انتقام پورا کرلیا۔ اول خان نے ہیلی کاپٹر سے نمٹنے کے تمام انتظامات کرلیے تھے جس کی وجہ سے ہمارا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا اور مخالف اپنے ہیلی کاپٹر سمیت جہنم واصل ہوگئے۔ بعد کے معاملات کمانڈر سعید نے اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اب ہمارے سامنے را کے ایجنٹوں کی تلاش تھی۔ ساگا کی محبوبہ سے پتا چلا کہ راجن اور وکرم نامی دو افراد کو ساگا نے ایک مقامی ہوٹل میں ٹھہرایا تھا۔ اب ہوٹل کے ذمے داروں سے معلومات کرنا تھیں۔ اول خان کی بھاگ دوڑ کافی مفید ثابت ہوئی تھی مگر ہمیں صبح کا انتظار تھا۔ اگلے دن راس المیڈا کے جانشین آئزک بیل نے ایک فون کال کر کے ہمیں اضطراب میں مبتلا کردیا کہ ہفتے کے دن پاکستان کا ایک بجلی گھر تباہ کردیا جائے گا۔ ہفتے میں ابھی کچھ دن تھے۔ پہلے را کے ایجنٹوں کی تلاش ضروری تھی کیونکہ انہوں نے یہاں اپنی موجودگی کا ثبوت دو بم دھماکوں کی شکل میں دے دیا تھا۔ انہیں پاکستان پہنچانے والے غفور بھٹی کی مدد سے ان کے خاکے تیار کرلیے گئے تھے مگر وہ بے کار ثابت ہوئے۔ اس سلسلے میں ہم نے ساگا کی محبوبہ نادیہ سے مدد حاصل کی۔ اس کا بیان کردہ حلیہ غفور بھٹی کی بتائی ہوئی معلومات سے قطعی مختلف تھا۔ ہم نے غفور بھٹی کو اٹھوالیا۔ اس سے ایک اسپیڈ بوٹ میں بازپرس کی گئی کہ اس نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا تھا مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ میرا اول خان سے اپریس پر رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ نادیہ کی مدد سے تیار کئے گئے خاکوں کو ہوٹل کے عملے نے پہچان لیا ہے مگر یہ دونوں ایجنٹ ہوٹل چھوڑ چکے ہیں۔ غفور بھٹی کے سلسلے میں اس نے کہا کہ اس کے پیروں میں وزن باندھ کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔ اول خان کی تجویز سن کر وہ پہلی بار سراسیمہ ہوا۔ اس نے ساری زندگی سمندر میں گزاری تھی اور بپھرے ہوئے پانیوں میں آنے والی موت کا مفہوم اچھی طرح جانتا تھا۔ ہمارے تشدد کے نتیجے میں غفور بھٹی نے اگل دیا کہ اس نے بختل کے کہنے پر خاکوں میں تبدیلی کی تھی۔ بختل حاجی دل مراد کا آدمی تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس نے را کے ایجنٹوں کو معاوضے کے عوض پناہ دے رکھی تھی۔ غفور بھٹی کو سمندر کے حوالے کرنے کے بعد ہم نے بختل اٹھوالیا۔ اس نے بتایا کہ حاجی دل مراد ان ایجنٹوں کو ہمارے حوالے کردے گا مگر اس وقت وہ اپنے دوست غفور بھٹی کی گمشدگی پر پریشان ہے۔ اسے دوسری راہ پر لگانے کے لیے میں نے اغوا کنندہ بن کر حاجی دل مراد کو فون کیا اور غفور بھٹی کی رہائی کے عوض ایک کروڑ کا مطالبہ کردیا جس پر اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑگیا۔ بختل نے ہم سے تعاون کرتے ہوئے اپنی محبوبہ ریشم بخت کے گھر میں ان ایجنٹوں سے میری ملاقات کا انتظام کردیا تھا۔ میں مقررہ وقت پر وہاں پہنچا تو بختل کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ شاید ان شاطر ایجنٹوں کو کچھ شک ہوگیا تھا۔ میں نے بھی سخت رویہ اپنایا۔ ایک مرحلے پر میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ را کے ایجنٹ اپنی نشستوں پر جمے مجھے گھورے جارہے تھے۔ پھر وکرم کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک موہوم سی سفاکانہ مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ وہ دونوں بہت ہوشیار بن رہے تھے مگر میرے جال میں پھنس گئے۔ میں انہیں نادرہ کے مکان پر لے آیا۔ بھاری معاوضے کے عوض میں ان کی مدد کرنے پر راضی ہوگیا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ انہوں نے مجھے خود اپنی تلاش کا کام سونپا تھا۔ ان کے ذریعے میں نے بھارتی قونصل خانے میں ملازم مدن موہن کو گھیرلیا۔ اس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہونے کی امید تھی۔ را کے ایجنٹ راس المیڈا کے بلاوے پر پاکستان آئے تھے۔ اب اس کی موت کے بعد انہیں امریکی قونصل خانے کے افسر نک موڈلے سے مزید ہدایات ملنا تھیں مگر وہ خود براہِ راست یہ ملاقات نہیں کرسکتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے درمیان رابطے کا کام انجام دوں۔ میں نے ابھی اس کام کی ہامی نہیں بھری تھی کیونکہ اس میں میرے لئے سنگین خطرات پوشیدہ تھے۔ میں نے وکرم (جس کا اصل نام بدری ناتھ تھا) کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وہ نک کا صورت آشنا نہیں ہے اس لیے اس سے خود رابطہ کرلے۔ اس نے میری اس تجویز کی تعریف کی مگر ساتھ ہی یہ دلیل دی کہ اس کی اور راجن (رمیش اگروال) کی آمد کی اطلاع کے ساتھ ہی نک کے پاس ان کی تصاویر مع کوائف پہنچ گئی ہوں گی۔ میں نے سب کو صورتِ حال سے مطلع کیا۔ اول خان نے بتایا کہ مدن موہن سے اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں اور آئزک بیل کی دھمکی کے مطابق کوٹ ادو کے تھرمل پاور ہاؤس میں دھماکے کے بعد آگ لگ گئی تھی مگر ملزم رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ وہ بھی ڈیوڈ اسٹارز کے ہاتھوں بلیک میلنگ کا شاخسانہ تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ نک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسیٹر بھجوایا تھا۔ میں نے ایف ایم مائک کے ذریعے ان کی گفتگو سنی تو اندازہ ہوا کہ کوئی اہم مشن درپیش تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی خلیج تھی' بدری کو نک کا تحکمانہ انداز بھی پسند نہیں آیا تھا۔ وہ میرا تعاون حاصل کر کے مجھے اپنے ساتھ امریکا لے جانا چاہتا تھا۔ یہ ڈیوڈ اسٹارز کو تباہ کرنے کا بہترین موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ نک موڈلے نے بھی دو افراد کو بھیجا تھا جو ٹرانسیٹر میں پوشیدہ ڈی ٹیکٹر کی مدد سے ہمارے ٹھکانے کی طرف آرہے تھے۔ بدری نے دونوں کو جہنم واصل کردیا۔ اس دوران میں میری اور ویرا کی لندن جانے کی تیاریاں ہوچکی تھیں۔ بدری سے وہاں رابطے کا نمبر لے کر میں لندن روانہ ہوگیا۔ جہاز میں اتفاقاً مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے ایک ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوگئی۔ وہ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ لندن میں بدری کے دیئے ہوئے نمبر پر رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس نمبر پر را کے ایجنٹوں کے مسائل حل کئے جاتے ہیں۔ میری درخواست پر ایک ایجنٹ گیتا کو بھیجا گیا۔ وہ میری طرف سے مشکوک تھی چنانچہ اسے گھر لا کر اپنے ساتھی کی مدد سے اصلیت اگلوانا چاہتی تھی۔ ویرا نے پیچھے سے پہنچ کر دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ دہرے قتل کی اس واردات نے سنسنی پھیلادی۔ دوسری طرف پاکستان میں سلیم اکبر خان کے دفاتر میرے ایما پر سیل کردیے گئے تھے۔ وہ ملک واپس جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر میں نے اسے رضامند کر کے واپس بھیج دیا جہاں اول خان اس کا منتظر تھا۔ بدری کے لندن پہنچتے ہی اس کی نگرانی شروع ہوگئی تھی۔ رمیش اس کی راہ کی رکاوٹ تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی راہ کا یہ کانٹا جلد ہی نکل جائے گا۔ پہلی واردات کے خطرات اور پریشانی کے بعد فی الحال حالات ہمارے حق میں تھے۔ ویرا نے رمیش کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ وہ واپس لوٹی تو اول خان سے ملنے والی یہ اطلاع اس کی منتظر تھی کہ پاکستان میں سلطان شاہ کو اغوا کرلیا گیا۔ غزالہ اس لیے بچ گئی کہ وہ اول خان کے گھر تھی۔ ہم متفق تھے کہ یہ کام آئزک بیل کا ہے۔ آئزک بیل سے براہِ راست بات ہوئی تو اس کی تصدیق ہوگئی۔ اس کی معلومات کے مطابق میں پاکستان میں ہی تھا۔ اس نے مجھے ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کرنے کی پیش کش کی۔ مغوی سلطان شاہ کو لاشوں کے ساتھ تابوت

میں بند کر کے امریکا پہنچاتا تھا۔ میں نے اول خان کو صورتِ حال بتادی مگروہ بدقسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی بحریہ کا سی ون تھرٹی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے سی ون تھرٹی اغوا کرلیا۔ میں نے دوبارہ آئزک بیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کر کے میں نے آئزک بیل سے طویل گفت وشنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں انقرہ کے ایک اسپتال میں پہنچادیا گیا۔ امریکا کے سفر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ نادا نستگی میں منشیات فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں ویرا ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور آئزک بیل ہماری آمد سے آگاہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آئزک بیل کے آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آئزک بیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی' اطمینان سے اپنا کام کر آئی۔ اس کے بیان کے مطابق آئزک بیل رنگنس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو اپنی ایک پرانی سہیلی جینی بھی نظر آگئی۔ آئزک بیل نے بلیک ڈیڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ جینی نے آئزک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کردی۔ آئزک بیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر ناکارہ ہوچکا ہے۔ اس کی مرمت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ ذمے داری رنگنس کمپنی کی تھی۔ جینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ گڑبڑ کا امکان غالباً وہیں تھا۔ میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جینی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوادی تھی تاکہ وہ اسے ڈی کوڈ کراسکے۔ جینی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آئزک بیل آگ بگولا تھا۔ میں نے آئزک بیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش ... کی جسے میں نے مسترد کردیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کرلی تھی لیکن وہ بلیک ڈیڈ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مطمئن کرنے کے بعد ہم منصوبے کے مطابق پرنسٹن روانہ ہوگئے۔ یہاں میں نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں گڑبڑ سے باز رکھا۔ اسے ہلاک کرنے کے بعد میں نے اسے اس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرچکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے پر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے' آئزک بیل' راس المیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان' ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آئزک بیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنا دی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائر ایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور نک موڈلے امریکا روانہ ہورہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایما پر میں نے آئزک بیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کر کے آئزک بیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کررہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر منتقل ہوگئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آئزک بیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کر لے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کررہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔ زخمی آئزک بیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا تاہم ابھی یہ بات تصدیق طلب تھی کہ حملہ میں نے یا کرمانی نے۔ میں نے حالات کا اندازہ کر کے گیپ نامی معاہدہ ایک پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوادیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو نمایاں مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اسے کرمانی کی تلاش میں نیویارک بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کی طرف مبذول ہوگئی۔ بلیک ڈیڈ نے میری مدد کی اور چار اہم افراد کے نام فراہم کردیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر مجھے دے دیا جو اسے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نے بنجمن فورٹ نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کر کے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ بنجمن سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جینی کے کمپیوٹر ریکارڈ سے جارج شلز نامی ایک ڈیوڈ اسٹار کا پتا اور فون نمبر معلوم کرلیا۔ بلیک ڈیڈ سے تبادلۂ خیال ہوا تو اس کی تجویز پر جارج شلز کو دو داؤدی ستاروں میں طاقت ور مائیکروفون چھپا کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ مائیکروفون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورتِ حال پر گفتگو کرنے کے لیے بنجمن فورٹ کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیڈ نے ان چاروں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بنایا۔ ہم جارج شلز کو اغوا کر کے ایک ایمبولینس میں ڈال کر بنجمن کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارز اپنے محافظوں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مر کر بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ کسی بٹن کے دبنے کے باعث ہماری ہی ایمبولینس کا سائرن بجا تھا۔ خون ریز مقابلے کے بعد چاروں ڈیوڈ اسٹارز مارے گئے۔ میری بدری ناتھ سے بات ہوئی تو اس نے حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے بلادھڑک مجھ پر ذہنی ہونے کا الزام لگادیا۔ اس کے منحرف ہونے کے بعد امریکا میں مزید قیام خطرناک تھا اس لیے بلیک ڈیڈ سے کہہ کر ہم نے واپسی کے انتظامات کرلیے تھے۔ اب صرف نک موڈلے سے حساب بے باق کرنا تھا جو ان دنوں امریکا میں تھا۔ بلیک ڈیڈ نے میرے ایما پر اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اغوا کروالیا۔ میں ابھی اس پر تشدد ہی کررہا تھا کہ بلیک ڈیڈ کے ایک آدمی نے مجھ پر ریوالور تان لیا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دراصل یہ غلط فہمی تھی جو بلیک ڈیڈ کے آدمی ڈک کے جھینگے پن کے باعث ہوئی تھی۔ ڈک کا نشانہ نک موڈلے تھا۔ نک کو ہلاک کرنے کے بعد اب بدری ناتھ میرے نشانے پر تھا۔ بلیک ڈیڈ کی فراہم کردہ بارودی بیلٹ کے ذریعے بدری ناتھ بھی تین سی آئی اے کے اہل کاروں سمیت جہنم واصل ہوا تو ہم نے رختِ سفر باندھ لیا۔ ہم طیارے میں بحفاظت سوار ہوگئے مگر فلائٹ کے دوران میں ویرا نے یہ تشویش ناک خبر سنائی کہ چیف پائلٹ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہم اچانک سنگین خطرے سے دوچار ہوگئے تھے لیکن یہ مرحلہ ویرا نے خود کو بیمار ظاہر کر کے طے کرلیا۔ ہم بحفاظت پاکستان پہنچ گئے۔ امریکا جانے سے پہلے ہم را کے ایجنٹ مدن موہن کے نیپال انفارمیشن سیل پر کام کررہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ اس نے را کے دو انفارمر افسران کو گرفتار کرلیا تھا مگر وہ اپنے اثرورسوخ کی بنا پر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ سلطان شاہ نے ان کا سراغ لگا کر انہیں معذور کردیا تھا۔ میں نے انہیں اٹھانے کا پروگرام بنایا اور اول خان کے ساتھ ان کے ٹھکانے پر جا پہنچا۔ ایک گارڈ کو ختم کرنے کے بعد میں آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ مجھے دوسرے گارڈ نے گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔ اسی وقت لائٹ چلی گئی اور مجھے ایک سنہرا موقع مل گیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

تاریکی پھیلنے سے پہلے تک میں بالکل غیر مسلح نظر آرہا تھا' اسی کے ساتھ میرے خوف آمیز اور مدافعانہ رویّے نے بھی اندر سے برآمد ہونے والے مسلح شخص کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔ یکایک پھیل جانے والی تاریکی میں وہ خود کو میرے مقابلے میں اتنا محفوظ تصور کررہا تھا کہ اندھیرا ہوجانے کے بعد اس نے اپنی جگہ چھوڑنے کی ذرا بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔

میں نے دیوار کے ساتھ لگتے ہوئے پھرتی سے بیم گن جیب سے نکال لی تھی۔ اندھیرا ہونے پر بس چند لمحوں کے لیے میری بصارت مفلوج ہوئی پھر مجھے تاریکی میں اپنے

حریف کا تاریک تر ہیولا نظر آنے لگا۔ اس ہیولے کی آنکھوں کے چمکتے ہوئے دائروں کا فاصلہ مجھ سے بہت زیادہ نہیں تھا۔
وہ سب تیز ترین مشاہدے کی باتیں تھیں ورنہ ان میں وقت صرف نہیں ہوا تھا۔
"جواب دو۔۔۔!" قدرے توقف کے بعد اندھیرے میں وہی غراہٹ ابھری۔
میں نے دیوار کے ساتھ نیچے بیٹھتے ہوئے بیم گن کی نال سیدھی کی اور ٹریگر دبا دیا۔ کسی جھٹکے یا کھٹکے کے بغیر اندھیرے میں نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی دھار بیم گن کے نوزل سے نکل کر اس کے چہرے پر پڑی۔ لمحہ بھر کے لیے اس کا ڈراؤنا چہرہ ان نیلی شعاعوں کی روشنی میں نہا گیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں خوف سے زیادہ حیرت کا عنصر نمایاں تھا۔ پھر وہ مہلک شعاعیں اس کے چہرے میں سے گزرتی چلی گئیں۔ وہ بے جان ہو کر ایک دھماکے کے ساتھ پختہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی کلاشنکوف اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پُرشور آواز کے ساتھ کہیں قریب ہی جا گری تھی۔
ان دو پُرشور مگر محدود آوازوں کے بعد وہاں پھر موت کا بھیانک سناٹا چھا گیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہاں ابتدا سے ہی میرے سوا کوئی اور موجود نہ رہا ہو۔
میں اندھیرے میں دیوار کے ساتھ اسی طرح چپکا بیٹھا رہا۔ اول خان کے ذریعے ملنے والی اطلاعات سے ظاہر تھا کہ ان دونوں کے مارے جانے کے بعد تیسرا مسلح محافظ اندر ہی کہیں موجود تھا اور وہ کسی بھی لمحے کہیں سے نمودار ہو سکتا تھا۔ اسے مار گرانے کے بعد میرے لیے دونوں معذور دشمنوں تک پہنچنا زیادہ مشکل نہ رہتا۔ اگر ان کی عورتیں بھی اندر موجود ہوتیں تو میں آسانی سے انہیں ڈرا دھمکا کر خاموش کر سکتا تھا۔
مکان کی بغلی دیوار والا دروازہ پوری طرح کھلا ہوا تھا اور میری تمام تر توجہ اسی پر مرکوز تھی۔ میرا قیاس تھا کہ مرنے والوں کا تیسرا ساتھی اسی دروازے سے باہر نکلے گا مگر فضا میں آہنی کھٹکوں کی آواز نے مجھے چوکنا کر دیا۔ وہ آوازیں قریب کی تھیں۔ یقینی طور پر کوئی اسی مکان کا پھاٹک کھول کر اندر آ رہا تھا۔
آہنی پھاٹک بند کیے جانے کی تیز آواز کے بعد قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر میری کمین گاہ کے سرے پر روشنی کا ایک تیز اور بے چین دائرہ ناچنے لگا۔ وہ جو کوئی بھی تھا' اپنی ٹارچ چمکاتا ہوا اسی راستے پر آ رہا تھا جس سے گزر کر میں وہاں تک آیا تھا۔
میرے وجود میں یک لخت سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں اور اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔ بظاہر امکان یہی تھا کہ نو وارد مرنے والوں کا تیسرا ساتھی رہا ہو جو کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر گیا ہوا ہو اور اس وقت واپس آ رہا ہو۔ میرے پاس صرف اتنی مہلت تھی کہ میں اس کے کونے تک پہنچنے سے پہلے اس طویل گلیارے میں خود کو کہیں پوشیدہ کر لیتا۔ کونے پر پہنچ کر وہ جوں ہی اس طرف مڑتا' اسے اپنی طاقت ور ٹارچ کی روشنی میں نہ صرف اپنے ساتھی کی لاش نظر آ جاتی بلکہ وہ مجھے بھی دیکھ لیتا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے میں اسے بیم گن کا نشانہ نہیں بنا سکتا تھا جب کہ وہ اپنے کسی بھی آتشیں ہتھیار کی مدد سے میرا قصہ تمام کر سکتا تھا۔
احاطے کے پختہ فرش پر اس کے قدموں کی دھمک تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں دوڑ کر مکان کے عقبی سرے تک پہنچ پاتا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی سے اس دروازے میں گھس گیا جس میں سے رشید کی خبر گیری کرنے والا دوسرا محافظ برآمد ہوا تھا۔
واقعات تیزی کے ساتھ پے در پے رونما ہوتے جا رہے تھے۔ بنگلے کے اصل مکینوں کو اس وقت تک باہر کی خطرناک صورتِ حال کا ادراک نہیں ہو سکا تھا۔ میں اس راہ داری میں گھستے ہی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا تاکہ تیسرے شکار کے نمودار ہوتے ہی اس کی گردن ناپ سکوں۔
میری نظریں باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں جمی ہوئی تھیں۔ مجھے انتظار تھا کہ کونے سے اس طرف گھومے تو مجھے اس کی ٹارچ کی روشنی نظر آ سکے۔ مجھے یقین تھا کہ سکون اور خاموشی سے نمٹتا ہوا وہ خونی کھیل غیر متوقع طور پر شور شرابے میں تبدیل ہونے والا تھا۔
میں نے وہ منصوبہ بناتے ہوئے اس امکان کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا کہ میری کارروائی کے دوران میں گھر کا کوئی فرد باہر سے لوٹ آیا تو گڑبڑ ہو سکتی ہے۔ وہ جوں ہی ٹارچ کی روشنی میں اپنے ساتھی کی لاش دیکھتا' فوراً پیش قدمی ترک کر کے پوزیشن لے لیتا۔ اپنی آمد کے واشگاف اعلان کے لیے وہ بدحواسی کے عالم میں اندھادھند فائرنگ بھی کر سکتا تھا۔
میری نگاہیں اندھیرے میں اور کان آہٹوں پر مرکوز تھے۔ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے زور سے ہچکی لی ہو پھر دھپ کی آواز کے ساتھ کوئی گرا۔ آنے والے کے قدموں کی چاپ معدوم ہو گئی۔ میرے دل میں شدت سے یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں باہر نکل کر صورتِ حال کا جائزہ لوں لیکن میں اپنی جگہ جما رہا۔
گرنے والا کوئی بھی ہو سکتا تھا' ہچکی کی آواز میرا واہمہ

ہو سکتی تھی' آنے والا محتاط انداز میں پنجوں کے بل چلنا شروع کر دیتا تو کوئی آہٹ پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ میں اسی طرح دم سادھے' آنے والے کی ٹارچ کی روشنی کا انتظار کرتا رہا۔

وہ میرے لیے قیامت کے لمحات تھے۔ وقت گویا ایک جگہ تھم کر رہ گیا تھا۔ اعصاب شکن انتظار کے بعد بھی باہر روشنی کی کوئی جھلک نظر نہیں آئی تو اچانک مجھے خیال آیا کہ میں باہر سے وقفے وقفے سے ابھرنے والی مینڈک کی آواز کو مسلسل فراموش کر رہا تھا۔ میری ساری توجہ ایک سمت میں مرکوز ہو کر رہ گئی تھی اس لیے وہ آواز مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

مختلف مہمات پر اول خان کے ساتھ رہ کر میں نے انسانوں کے حلق سے برآمد ہونے والی متعدد حیوانی آوازوں کے ذریعے خفیہ پیغام رسانی کے بارے میں خاصا کچھ سیکھا ہوا تھا۔ مینڈک کی وہ آواز اندھیرے میں اچانک ہی شروع ہوئی تھی۔ اگر وہ مینڈک کی آواز نہیں تھی تو اول خان مجھ سے میری خیریت دریافت کر رہا تھا۔ میں نے بہت احتیاط کے ساتھ دروازے سے اپنا سر باہر نکالا اور اسی طرح کی ایک آواز میں جواب دے کر پھرتی سے اپنا سر دوبارہ اندر کر لیا۔

اس مرتبہ کسی توقف کے بغیر ہی آواز دوبارہ سنائی دی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے کوئی بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ پیغام اول خان کی طرف تھا۔ اس صوتی اشارے کا مطلب تھا کہ باہر کے حالات اس کے قابو میں تھے۔ میں بے فکر ہو کر اپنی کارروائی آگے بڑھا سکتا تھا۔

وہ سگنل ملنے کے بعد مجھے اندر کی راہ اختیار کرنی تھی مگر اس اقدام سے پہلے میں دوبارہ بغلی راستے میں اتر گیا۔ اتنی دیر تک گھور اندھیرے میں رہنے کے بعد میری نظریں تاریکی میں بھی بہت کچھ دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں۔ میں نے قریب ہی پڑی ہوئی لاش کا سرسری جائزہ لینے کے بعد اپنے مقتول دشمن کی کلاشنکوف اپنی تحویل میں لے لی۔

اول خان کے صوتی اشارے میں پنہاں پیغام یہی ہو سکتا تھا کہ اس نے باہر سے لوٹنے والے تیسرے محافظ کو بے خبری میں جہنم واصل کر دیا تھا۔ فضا میں ابھرنے والی تیز ہچکی میرے وہم کی پیداوار نہیں تھی۔ اول خان نے پیچھے سے اپنے شکار کی گردن پر کراٹے کا ایسا بھرپور ہاتھ رسید کیا ہوگا کہ گردن کا منکا ٹوٹنے کی وجہ سے اس کی دلدوز چیخ محض ایک بلند آہنگ ہچکی میں سمٹ کر رہ گئی ہوگی۔

میں نے باہر کی کھلی فضا میں چند گہرے گہرے سانس لے کر واقعات کو اپنے ذہن میں یکجا کیا۔ تینوں مسلح محافظوں کی

بوقتِ داخلہ

صاحب زادی نے لڑکیوں کے ہاسٹل میں داخلے کے لیے فارم پُر کیا اور اسے میز پر چھوڑ کر کسی کام سے دوسرے کمرے میں گئی۔ باپ نے فارم اٹھا کر پڑھا۔ ایک سوال تھا "تم کس قسم کی لڑکی کی روم میٹ بننا پسند کرو گی؟"

لڑکی نے جواب میں لکھا "جو لڑکوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کی شوقین ہو۔"

اگلا سوال تھا "کیوں؟"

جواب تھا "تاکہ وہ زیادہ وقت روم سے باہر گزارے اور میں سکون سے پڑھ سکوں۔"

موت کے بعد ہمارے دونوں معذور شکاری بے یارو مددگار رہ گئے تھے۔ اگر وہاں عورتیں بھی موجود تھیں تو وہ میری تیاریوں کے سامنے زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتی تھیں۔

میں سر جھٹک کر کھلے ہوئے دروازے سے تاریک راہداری میں داخل ہو گیا۔

کھلے ہوئے آسمان کے نیچے تاروں کی چھاؤں میں ماحول اتنا گمبھیر نہیں تھا لیکن میرے آگے مہیب تاریکی کا راج تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اگر مکان میں کوئی بھی صحت مند عورت موجود تھی تو اس نے روشنی کا متبادل بندوبست کیوں نہیں کیا تھا۔

میں چوکنے انداز میں' پنجوں کے بل دھیرے دھیرے آگے بڑھتا رہا۔ پھر مکان کے کسی حصے سے ایک غصیلی مردانہ آواز سنائی دی "پتا نہیں یہ تینوں کہاں مر گئے.... ساجد سے اتنا بھی نہیں ہوا کہ دفعان ہونے سے پہلے یہاں ایک موم بتی ہی جلا دیتا۔"

میرے قدم اپنی جگہ پر جم کر رہ گئے۔ وہ آواز راہداری کی داہنی سمت میں کہیں قریب سے ہی آئی تھی۔

اس کے جواب میں ایک ہلکی سی تلخ ہنسی سنائی دی پھر کوئی اور بولا "پیارے ولی جان! بلاوجہ اپنا خون مت جلاؤ۔ کسی کسی وقت یہ تینوں مجھے محافظ کے بجائے نگراں نظر آنے لگتے ہیں۔ ان کا رویہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے ہم ان کے قیدی ہوں۔ خدا ایسی معذوری کسی کو نہ دے....."

"معذوری!" آواز میں غصے اور بے بسی کے ملے جلے تاثرات موجود تھے "اگر ہمارے گھٹنے ہمیں واپس نہیں مل سکتے تو ہم چند گھٹنے توڑ ضرور سکتے ہیں۔ غضب خدا کا! سالوں

نے آج اسکاچ کے بجائے دیسی وہسکی کا صرف ایک ادھا دیا ہے۔ شہر میں ایسی کون سی قیامت آگئی کہ اسکاچ تو در کنار' دیسی بھی ملنا مشکل ہو گئی؟"

"صبر کرو۔" ولی جان کے مقابلے میں شنکر رائے زیادہ سمجھ دار معلوم ہو رہا تھا "ہم کسی طرح چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ابھی ہم ان کے رحم و کرم پر ہیں۔ انہوں نے ہماری یہ باتیں سن لیں تو ہماری دشواریوں میں اضافہ ہو جائے گا۔"

"اب تو شاید ہم بیساکھیوں کے سہارے ہی چل سکیں گے۔" وہ ولی جان کی آواز تھی "لنگڑے گداگروں پر مجھے ہمیشہ ترس آجایا کرتا تھا۔ یہ پتا نہیں تھا کہ ایک روز میرا بھی یہی حشر ہو گا۔ ان تینوں کو دیکھو کیسے دندنا کر چلتے ہیں۔ دور ہی سے ان کے قدموں کی دھمک سنائی دیتی ہے۔ ہمیں گرمی اور اندھیرے میں ڈال کر وہ تینوں باہر گپیں لڑا رہے ہوں گے۔ ان کے سامنے میں اپنے دل کا غبار بھی نہیں نکال سکتا۔ جب تک ان کے قدموں کی چاپ نہیں سنائی دیتی' باتیں کرتے رہو۔ ہم دونوں کا دل بہلا رہے گا۔"

"ہائے!" شنکر رائے کے حسرت زدہ سانس کی آواز آئی۔ "کیا برا وقت آگیا ہے کہ اب ہم شہر کی خوب صورت لڑکیوں کے بجائے روکھی سوکھی باتوں سے دل بہلا رہے ہیں۔"

مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ آوارگی ان دونوں کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ شنکر کے یاد دلاتے ہی ولی جان کو بیک وقت کئی نام یاد آگئے اور ان کی گفتگو اپنے دکھوں سے کچھ مہ جبینوں کی رنگین مزاجیوں کی طرف چل پڑی۔ ان کی آوازیں میری رہنمائی کر رہی تھیں۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس راہداری سے داہنی طرف قدرے کشادہ لابی تھی جس میں کئی دروازے موجود تھے اور سب ہی کھلے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک دروازے سے ان دونوں کی باتوں کی آواز آرہی تھی۔

وہ معذوری کی حد تک زخمی ہونے کے باوجود جس ڈھٹائی اور بے حیائی سے باتیں کر رہے تھے اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کے اہلِ خانہ اس چھت کے نیچے موجود نہیں تھے۔ ان کی بیویوں کے بارے میں اول خان کا قائم کیا ہوا مفروضہ بالکل غلط تھا۔

پہلے میں نے دیوار کی اوٹ میں رہتے ہوئے ان کی آوازوں سے اندازہ لگایا اور پھر دیکھ بھی لیا کہ وہ دونوں اس کمرے میں الگ الگ مسہریوں پر دراز تھے۔ دروازوں کی تعداد سے ظاہر تھا کہ زخمی ہونے سے پہلے وہ دونوں الگ الگ کمروں میں اپنی خلوتیں سجاتے ہوں گے۔ زخمی ہونے کے بعد انہیں نظریۂ ضرورت کے تحت ایک ہی کمرے میں یکجا کر دیا گیا تھا۔

وہ دونوں آنے والے خطرے سے بالکل بے خبر اپنی باتوں میں مصروف تھے کہ میں کلاشنکوف تان کر ان کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس بار بھی میں نے کوئی آہٹ پیدا نہیں ہونے دی تھی مگر ان کی چھٹی حس نے انہیں دروازے پر کسی کی موجودگی کا احساس دلایا۔

"کون ہے؟" دونوں کے دہانوں سے بیک وقت اضطراری آوازیں برآمد ہوئیں۔

"زبانیں بند رکھو ورنہ بھون ڈالوں گا۔" میں نے اندھیرے میں میگزین نکال کر دوبارہ لوڈ کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ میگزین لوڈ ہونے کی خوف ناک آواز نے انہیں دہشت زدہ کر دیا۔

"تت.... تم کون ہو؟" اس بار صرف شنکر رائے سوال کرنے کی ہمت کر سکا تھا۔

اس دوران میں' میں کلاشنکوف اپنے کندھے پر لٹکا چکا تھا اور گیس اسپرے میری جیب سے نکل کر میرے داہنے ہاتھ میں منتقل ہو چکا تھا۔ میں نے آواز سے اندازہ کرتے ہوئے تیزی سے شنکر رائے کی طرف پیش قدمی کی اور اس کے چہرے پر گیس اسپرے کر دی۔

شنکر نے کوئی سوال کرنے کی کوشش کی اور یوں گیس کی زیادہ مقدار اپنے پھیپھڑوں میں کھینچ کر فوراً ہی بے حس و حرکت ہو گیا۔ اسپرے کی آواز اور شنکر کی غیر فطری خاموشی نے ولی جان کو مضطرب کر دیا۔ اس کے حلق سے پھنسی پھنسی استفہامیہ آواز برآمد ہوئی "تم کیا کر رہے ہو.... کون ہو؟"

اس کے سوال کا عملی جواب دینے کے لیے میں فوراً ہی اس کے سر پر پہنچ گیا۔ میرے انگوٹھے کے ذرا سے دباؤ پر کین سے سرد گیس کی پھوار ولی جان کے چہرے پر پڑی اور وہ کچھ سوچنے یا سمجھنے سے پہلے ہی بے ہوشی کی اتھاہ دلدل میں دھنستا چلا گیا۔

تین محافظوں کے ڈھیر ہونے کے بعد میں نے بہت آسانی کے ساتھ اپنے دونوں دشمنوں کو زیر کر لیا تھا۔ ستارے بدستور میرا ساتھ دے رہے تھے' ہر طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ میں نے چند ثانیوں کے لیے غور کیا اور پھر شنکر رائے کے بستر کی طرف بڑھ گیا۔

وہ زیادہ قد آور یا صحت مند نہیں تھا۔ میں نے اس کے

وزن کا اندازہ لگانے کے بعد ایک ہی جھٹکے میں اسے اپنے کندھے پر لاد لیا۔ مقتول محافظ کی کلاشنکوف میرے دوسرے شانے سے جھول رہی تھی۔

میں اپنے شکار سمیت لابی اور راہداری طے کرکے باہر نکلا اور تیزی سے پھاٹک کی طرف ہولیا۔ کونے سے گھومتے ہی مجھے تیسرا محافظ نظر آ گیا۔ وہ راستے میں بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس سے آگے، آہنی پھاٹک کے قریب اول خان میری واپسی کا منتظر تھا۔

اس وقت تک حالات قابو میں تھے۔ اول خان نے مہلت سے فائدہ اٹھا کر گاڑی کو پھاٹک سے تقریباً ملا لیا تھا۔ میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اس نے پھاٹک اور پھر گاڑی کا عقبی دروازہ کھول دیا۔

باہر اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا۔ اس علاقے کی وحشت ناک ویرانی کے باعث مکین اپنی چار دیواریوں میں محصور تھے۔ کسی نے اندھیرے کے اسباب جاننے کے لیے باہر نکلنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ شاید وہ لوگ بجلی کی ایسی آنکھ مچولیوں کے عادی ہو چکے تھے۔

میں نے شنکر رائے کے بے ہوش وجود کو بے رحمی سے اول خان کی گاڑی کے عقبی پائیدان پر ڈالا' کھلا ہوا آہنی پھاٹک بند کیا اور پسنجر سیٹ پر سوار ہو گیا۔ اس وقت تک اول خان چابی گھما کر انجن کو حرکت میں لا چکا تھا۔

"دوسرے کا کیا حال ہے؟" اول خان نے گاڑی چلانے سے پہلے متجسسانہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ بھی اسی کی طرح دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر پڑا ہوا ہے۔" میں نے بتایا۔

"کیوں نہ لگے ہاتھوں اسے بھی اٹھا لیا جائے؟" اول خان کی آواز پُرجوش ہو گئی۔

"گاڑی چلاؤ۔" میں نے سختی سے کہا۔ اول خان نے مزید کچھ کہے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی۔

"موقع ضرور تھا لیکن دونوں کے اغوا سے تمہارے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے اپنے فیصلے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"میرے کیمپ میں دو کیا' دس قیدیوں کو بھی پوری راز داری کے ساتھ بند رکھا جا سکتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ دونوں تمہارے قیدی تھے' پولیس کی تحویل میں آنے کے بعد ایک ساتھ ضمانت پر رہا ہوئے' پھر ایک ساتھ معذور ہوئے۔ اب وہ دونوں اغوا کیے جاتے تو پہلا شبہ تم پر ہی کیا جاتا۔ ان کے بارسوخ پشت پناہ یہ سمجھ لیتے کہ تم نے بدلہ لینے کے لیے انہیں اٹھایا ہے۔"

"وہ اب بھی یہی سوچیں گے۔ تم انہیں سوچنے سے نہیں روک سکتے۔"

"ولی جان کی موجودگی ہر ایک کو چکر میں ڈال دے گی۔ ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ جب وہ بھی بے ہوش کر دیا گیا تھا اور محافظ مارے جا چکے تھے تو پھر اسے کیوں چھوڑ دیا گیا؟ یہ قضیہ ان لوگوں کے لیے ایک نیا ہی رنگ اختیار کر لے گا۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تم شنکر ہی کو لائے ہو؟" اول خان نے نیا سوال کر ڈالا۔

"دونوں لنگڑے اندھیرے کمرے میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ خاموش ہوتے تو مجھے اپنا شکار پہچاننے میں کچھ دشواری ہو سکتی تھی۔ انہوں نے خود میرا کام آسان کر دیا تھا۔"

"اور تم نے یہ بھی فرض کر لیا کہ تیسرا محافظ بے ہوش نہیں ہوا' مارا گیا ہے؟"

"سر پر خون سوار ہونے کے بعد تمہیں اتنا ہوش کہاں رہ سکتا تھا کہ اس کی گردن پر ہلکا ہاتھ رکھو؟" میں نے کہا۔ "اس کی ہچکی میں موت کا کرب میں نے اپنے کانوں سے سنا تھا۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہم اس علاقے کی کوچہ نوردی کرتے ہوئے اتنی آسانی سے اپنے تین حریفوں کو مار ڈالیں گے۔"

"یہ ہونا ہی تھا۔ تم ان پر ذرا بھی ترس کھاتے تو وہ تم کو گولیوں سے بھون ڈالتے۔"

"جب تک تم اندر نہیں گھسے تھے' میرا خون بالکل ٹھنڈا تھا۔ علاقے کی بجلی اڑنے کے بعد میں پریشان ہو گیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ بعد میں آنے والا بے خبری میں تمہارے سر پر پہنچ جائے گا۔"

"مجھے بھی یہی خوف تھا۔ تیسرے کا صفایا کیے بغیر میں اندر قدم بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔"

"ان کی بیویوں کا کیا بنا؟" اول خان کو اچانک ہی مفروضہ بیویاں یاد آ گئیں۔

میں بے اختیار ہنس پڑا "اچھا ہی ہوا کہ اندر کوئی عورت نہیں تھی اور میں کسی عورت کے ساتھ سختی برتنے کی کوفت سہنے سے بچ گیا۔ عورتوں کا رونا پیٹنا دشمن کی گولہ باری سے زیادہ خوف ناک ہوتا ہے۔"

"یہ نہ بھولو کہ تم ویرا سے مدتوں لڑتے رہے ہو۔" اس

نے مجھے یاد دلایا۔

"اس کا شمار رلانے والیوں میں ہوا کرتا تھا۔ وہ اب بھی مردوں سے زیادہ مردانگی کا مظاہرہ کرتی ہے۔"

ویرا کے نام میں کچھ ایسا سحر تھا کہ پھر اول خان دیر تک اسی کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ وہ خاص طور پر امریکا میں اس کی کارکردگی کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہ رہا تھا۔

باتیں ہوتی رہیں اور گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ اول خان نے اپنے کیمپ آفس تک پہنچنے کے لیے بہت مختصر راستہ اختیار کیا تھا۔ اپنی شکار گاہ سے وہ سیدھا یونیورسٹی روڈ پر آیا تھا جو شہر کی ایک قدیم بستی سے گزر کر چھاؤنی کے علاقے میں پہنچا دیتی ہے۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے افسروں اور کارندوں کے لیے اوقاتِ کار کا کبھی بھی کوئی تعین دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ کام سامنے آجانے پر ہر شخص، ہر وقت مستعد کھڑا نظر آتا تھا۔ عارضی رکاوٹ عبور کرتے ہی ہمیں ہر طرف ہلچل سی نظر آنے لگی۔ اول خان کی گاڑی پہچان کر اس کے آدمیوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ اسٹیشن فور کے اس کیمپ آفس میں کوئی سرگرمی شروع ہونے والی تھی۔

اول خان نے اپنی بیرک کے سامنے گاڑی روکی تو اس کے بلائے بغیر متعدد افراد وہاں آموجود ہوئے۔ اول خان نے سرسری انداز میں انہیں بے ہوش قیدی کو جلد از جلد ہوش میں لانے کی ہدایت کی اور میرے ساتھ اپنے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔

اول خان کے دفتر کا تالا کھلنے میں بس چند منٹ صرف ہوئے۔ میں نے اندر پہنچتے ہی فون سنبھال لیا تاکہ غزالہ کو اپنی اس رات کی مصروفیات سے آگاہ کرسکوں۔

سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے ویرا کی آواز سنائی دی تو میں بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ وہ ہر وقت زیادہ سے زیادہ باخبر رہنے کے چکر میں فون کی گھنٹی کی آواز سنتے ہی چیل کی طرح اس کی طرف جھپٹتی تھی۔ اس کی موجودگی میں کال وصول کرنے کی سعادت کسی اور کو کم ہی حاصل ہوتی تھی۔

"ذرا فون غزالہ کو دے دو۔ اس سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"وہ مصروف ہے۔ تم ضروری بات مجھ سے بھی کرسکتے ہو۔" ویرا نے اصرار کیا "اس وقت تم کہاں ہو؟"

"میں جہاں بھی ہوں، خوش ہوں اور اس وقت صرف غزالہ سے بات کرنی چاہتا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ وہ تمہاری بیوی ہے۔ اس سے بات کرنے کے لیے تمہاری خواب گاہ زیادہ بہتر جگہ ہے۔ اس وقت جو کچھ بتانا ہے، مجھے بتادو۔"

"اگر وہ اتنی ہی مصروف ہے تو میں تھوڑی دیر بعد دوبارہ فون کرلوں گا۔" میں نے چڑ کر کہا۔

"دوبارہ کیا، تم دس بار بھی فون کرو گے تو میری ہی آواز سنو گے۔ گھر واپس لوٹنے کے بجائے تم اب تک کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟"

"کسی کو بھٹکانے کے لیے تمہاری شیطانی موجودگی ناگزیر ہوتی ہے۔ اسے یہ بتادینا کہ مجھے واپس لوٹنے میں دیر ہوسکتی ہے۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا۔

"یعنی تم نے کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"شکار آسانی سے ہاتھ آجائے تو ایسے فیصلے کرنے ہی پڑجاتے ہیں۔" میں نے اپنا خون سلگانے کے بجائے اسے چڑانے کے لیے گول مول الفاظ میں اشارہ دیا۔

"اگر تم نے شنکر رائے پر ہاتھ ڈال دیا ہے تو کھل کر بتاؤ، شاید تمہیں یاد نہیں رہا کہ ہمارے فون پر سی ایس ڈی موجود ہے۔ تم بے خوف ہو کر بات کرسکتے ہو۔"

"اب تم اندازے لگاتی رہو۔ واپسی پر بات ہوگی۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

اول خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ عود کر آئی۔ فون بند ہونے پر وہ نرمی سے بولا "یہ ایسی بات تو نہیں تھی کہ تم غزالہ سے بات کرنے پر اصرار کرتے۔ ویرا ہر بات دوسروں کو بتا دیتی ہے۔"

"کبھی کبھی وہ اس طرح خدائی فوج دار بننے لگتی ہے کہ اس کی آواز تک بری لگنے لگتی ہے۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔

"اسے ہر وقت آسانی سے برداشت نہیں کیا جاسکتا۔"

"یہی شکایات سلطان شاہ کرتا ہے تو تم اسے نصیحتیں کرنے بیٹھ جاتے ہو۔"

"اس پر لعنت بھیجو اور عمدہ چائے کا بندوبست کرو۔ شنکر کو ہوش میں آنے میں دیر بھی لگ سکتی ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ امریکا جیسے ملک میں ایسے دہرے معیار رائج ہیں۔" اپنے آدمی کو چائے لانے کی ہدایت کرکے اول خان نے کہا "ایک طرف ڈاکٹری نسخے کے بغیر کوئی دوا خریدنی ممکن نہیں ہے اور دوسری طرف عام سہولتوں کے نام پر ایسی خطرناک گیس کے ڈبے کھلے بندوں بیچے جاتے ہیں۔"

"یہ گیس کھلاڑیوں کو کھیل کے دوران میں آنے والی

چوٹوں کو سُن کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ پھٹی ہوئی جلد اور کھلے ہوئے زخم پر اس کا استعمال منع ہے۔ جس دن امریکیوں کو یہ پتا چل گیا کہ جارج شلز کو یہی ڈبا سنگھایا گیا تھا' وہ اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"اس کی زیادہ مقدار مہلک بھی ثابت ہو سکتی ہے؟" اول خان نے استفسار کیا۔

"یقیناً... اسی لیے یہ دشمنوں پر استعمال کی گئی ہے۔ محفوظ ہوتی تو میں کسی وقت ویرا پر بھی اس کا تجربہ کر سکتا تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

شنکر رائے کی بے ہوشی گہری اور طویل ثابت ہو سکتی تھی مگر اول خان کے آدمی اس کا توڑ جانتے تھے۔ ہماری چائے کی پیالیاں خالی ہونے تک اس کے ہوش میں آنے کی خبر مل گئی اور میں اول خان کے ساتھ اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں شنکر رائے بستر پر پڑا ہوا تھا۔

وہ بری طرح خوف زدہ تھا۔ اس کے گھٹنے کے زخم کو اغوا اور منتقلی کی کارروائیوں کے دوران میں شدید نقصان پہنچا تھا جس کے نتیجے میں زخم کی پوری ڈریسنگ تازہ خون میں بھیگی ہوئی نظر آرہی تھی مگر وہ موت کے خوف سے اپنے زخم کی تکلیف کو کسی حد تک بھولا ہوا تھا۔

"تت... تم لوگ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" ہمیں دیکھتے ہی وہ خوف زدہ اور نیم ہذیانی آواز میں تقریباً چیخ پڑا۔

میں نے فوری طور پر اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی سرد نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ میں اس سے باز پرس کے لیے کوئی مؤثر اور موزوں ترین ابتدائی سوال سوچ رہا تھا۔

میری چبھتی ہوئی بے رحمانہ نگاہوں نے اسے بے چین کر دیا۔ چند ثانیوں کے سکوت پر ہی وہ بری طرح بلبلا اٹھا "تم بولتے کیوں نہیں... یہاں سب گونگے کیوں بنے ہوئے ہیں؟"

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت اول خان کو خاموش رہنا تھا۔ قیدی سے باز پرس کی ذمے داری صرف مجھے پوری کرنی تھی۔ میں نے پنے تلے انداز میں پوچھا۔ "تمہارے دماغ میں بغاوت کے جراثیم کیوں پرورش پا رہے تھے؟"

"بغاوت...؟ یہ تم کیسی بات کر رہے ہو؟ میں نے کسی سے بغاوت نہیں کی... آخر تم یہ کیوں نہیں بتاتے کہ تم کون ہو... مجھ سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟"

"میرے سوال کے بعد تمہیں ہر بات سمجھ لینی چاہیے۔ تین بے جگر اور مسلح آدمیوں کی موجودگی میں باہر کا کوئی آدمی تمہارے گھر میں پر بھی نہیں مار سکتا تھا۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

میری وہ بات ذو معنی تھی۔ اس نے میرے فقروں سے وہی نتیجہ اخذ کیا جو میں چاہتا تھا۔ دہشت سے اس کے سفید دیدے پھیل گئے اور وہ اضطراری انداز میں اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولا "میں نے کسی سے بغاوت نہیں کی۔ تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ ولی جان سے تم اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو۔"

"ولی جان بھی دوسرے کمرے میں موجود ہے۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ اس نے اپنی کھال بچانے کے لیے کئی باتوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ اس کے دماغ میں سارا زہر تم نے ہی گھولا تھا۔"

"وہ جھوٹا ہے۔" شنکر رائے بے ساختہ بول پڑا "میرے ساتھ اسے بھی اپنے مستقبل کا خوف تھا۔ زندگی بھر کے لیے معذور ہونے کے بعد ہمیں آگے اندھیرا ہی اندھیرا نظر آرہا تھا۔"

"گول مول باتیں کرنے کے بجائے صاف اور دو ٹوک انداز میں سب کچھ بتاتے چلے جاؤ گے تو ولی جان کی طرح تمہارے بارے میں بھی ہمدردی سے سوچا جا سکے گا ورنہ تمہارے مستقبل کا فیصلہ اسی کمرے کی بند دیواروں میں صادر کر دیا جائے گا۔"

"تم... تم دونوں اجنبی ہو۔" قدرے توقف کے بعد وہ بولا تو اس کی آواز تھکی ہوئی تھی "کوئی شناسا چہرہ ساتھ لے آؤ تو میں تم سے کھل کر بات کر سکوں گا۔ تم مجھ سے زبردستی کچھ نہیں اگلوا سکتے۔"

شنکر رائے کی وہ شرط معقول اور چونکا دینے والی تھی۔ اپنی تمام تر ظاہری بدحواسی کے باوجود اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ اندیشہ رینگ رہا تھا کہ وہ کسی غلط آدمی کے ہاتھ پڑ گیا ہے۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کا داہنا پنجہ پکڑ کر زور سے اس کے پیر کو جنبش دی اور اس کے حلق سے دردناک چیخیں نکل گئیں۔ میں نے حقارت سے اس کا پنجہ چھوڑ دیا "اس زخمی گھٹنے کی تکلیف تم بھگت رہے ہو۔ جب میں تمہارے جسم پر استرے سے لکیریں ڈال کر ان پر مرچیں چھڑکوں گا تو تم گھٹنے کی اذیت کو بھول جاؤ گے۔ اس قدر کمزور پوزیشن میں ہو کر شرطیں پیش مت کرو۔ ہمیں ہر حال میں وہی کچھ کرنا ہے جس

کے لیے ہمیں اوپر سے حکم ملا ہے۔ تمہاری خاموشی کو جرم کا اعتراف سمجھا جائے گا۔"

"ہو سکے تو تم مجھے تھوڑی دیر کے لیے کھٹو مل سے ملوا دو۔" وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے دھیرے سے بولا "میں اس سے اپنے معاملات خود صاف کرلوں گا۔ تم درمیان سے نکل جاؤ' وہ میری بات سمجھ لے گا۔"

کھٹو مل.... میرے ذہن میں اس نام کی بازگشت گونجی لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آسکا۔ وہ نام میرے لیے نیا تھا۔ مجھے متذبذب دیکھ کر اول خان نے میرے پہلو میں اپنی کہنی سے ٹھوکا دیا اور شنکر رائے سے بولا "کھٹومل راجوانی کوئی ٹٹ پونجیا نہیں ہے جو تم اس کا نام ایسی بے تکلفی سے لے رہے ہو۔ تمہیں ہم کو جواب دہی کرنی ہے۔ زبان نہیں کھولو گے تو ہم تمہیں ادھیڑ کر رکھ دیں گے۔"

"تم لوگ فراڈ ہو۔" وہ باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولا پھر اس کی نظریں اول خان کے چہرے پر جم گئیں۔ "مجھ سے بہت بڑی چوک ہوئی ہے۔ مجھے پہلی بار اٹھایا گیا تو میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی مگر میں تمہاری ظالمانہ آواز کو نہیں بھول سکتا۔ تم ہی میرے اصل دشمن ہو۔ پولیس کے ذریعے میری رہائی کا انتقام لینے کے لیے پہلے تم نے مجھے معذور کرایا۔ اس پر بھی صبر نہیں آیا تو آج دوبارہ اٹھا لائے.... میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ میں نے کھٹو مل کا نام لے کر سنگین غلطی کی ہے مگر تم یاد رکھو کہ وہ بہت طاقت ور آدمی ہے۔ تم اس کا یا میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکو گے۔"

ایک غلطی کا اعتراف شنکر کر رہا تھا' دوسری غلطی اول خان نے زبان کھول کر کی تھی لیکن حساب برابر نہیں ہوا تھا۔ شنکر رائے کا جواب اشتعال انگیز تھا۔ اول خان نے بڑھ کر اسے گریبان سے تھاما اور ایک ہی ہاتھ سے اسے بستر سے کافی اوپر اٹھا کر داہنے ہاتھ سے اس کے جبڑے پر ایک زوردار مُکا رسید کرکے اس کا گریبان چھوڑ دیا۔ شنکر کے دہانے سے ایک تیز چیخ برآمد ہوئی۔ اول خان کی ایک ہی ضرب نے اس کا جبڑا ادھیڑ ڈالا تھا۔

"اس بار کھٹو مل یا تمہارے کسی اور ہمدرد کو ہوا بھی نہیں لگ سکے گی کہ تم کہاں ہو۔" میں نے دھمکی دی "تم سیدھی طرح راہِ راست پر نہ آئے تو یہاں سے زندہ نہیں نکل سکو گے۔"

"تم مجھے مار لو گے مگر پھر بھی کچھ حاصل نہیں کرسکو گے۔" وہ اپنا جبڑا سہلاتے ہوئے حقارت سے بولا "ہمارے ہاتھ بہت لمبے اور جڑیں گہری ہیں۔ تم ایک شنکر مارو گے تو دس ولی جان اس کی جگہ لے لیں گے۔ تم کس کس کا خون بہاتے پھرو گے؟"

مدن موہن' شنکر رائے اور کھٹو مل راجوانی کی تکون میں پھنسا ہوا ولی جان کا نام واقعی خیال انگیز تھا۔ وہ بظاہر کوئی بھارتی سازش معلوم ہو رہی تھی جسے سماجی اور سرکاری سطح پر پروان چڑھایا جا رہا تھا۔ اس میں ولی جان جیسے ذمے دار افسر کا ملوث ہونا اس امر کی نشان دہی کر رہا تھا کہ ان لوگوں نے اپنے کام کو بہت عرق ریزی سے دور تک پھیلایا ہوا تھا۔

ان لوگوں نے کافی دنوں پہلے ملاّ سرکار کے ذریعے بھی ایک بھیانک سازش تیار کی تھی جس میں مسلح جتھوں کو تربیت دے کر بغاوت پر اکسانے کی آخری تیاریاں کی گئی تھیں مگر عین وقت پر ایس ٹی ایف کے تعاون سے ان طاقتوں کو کچل دیا گیا تھا۔ شاید اس بار پھر وہی کھیل دہرایا جا رہا تھا۔

مدن موہن کے این آئی سی سے شروع ہونے والی اس کہانی میں اول خان اپنی پوری کوشش کے باوجود چند اہم افراد کی گرفتاریوں سے آگے کوئی پیش رفت نہیں کرسکا تھا۔ اس کے سامنے صرف وہی نام تھے جو ان گرفتاریوں کی بنیاد بنے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے قیدیوں کی زبان سے کچھ اگلواتا' اسے پورا کیس پولیس کے حوالے کرنا پڑ گیا اور معاملہ ٹھپ ہو گیا۔

اس مرتبہ شنکر نے کھٹو مل راجوانی کا نام اگلا تھا۔ وہ یقینی طور پر کوئی اہم آدمی تھا جب ہی اول خان اس نام سے واقف تھا۔ شنکر کے سامنے یہ بات کھل چکی تھی کہ ہمارا تعلق اس کے آقاؤں سے نہیں تھا۔ اول خان کی آواز پہچان کر اس نے سمجھ لیا تھا کہ وہ ایک مرتبہ پھر اپنے پرانے دشمنوں کے چنگل میں آ پھنسا تھا۔ میں نے ہیر پھیر چھوڑ کر اس بارے میں کھلی کارروائی کا فیصلہ کرلیا۔

"اس سے پہلے کہ حجام کے استرے سے شنکر کا جسم ادھیڑا جائے' میں جاننا چاہوں گا کہ کھٹو مل راجوانی کون ہے۔ میرے لیے یہ نیا نام ہے۔" میں نے اول خان سے کہا۔

"یہ اقلیتوں کی سیاست کا ایک بڑا نام ہے۔" اول خان نے بتایا "خود سفارتوں اور وزارتوں سے دور رہتا ہے مگر اس کے نامزد کیے ہوئے لوگ ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ بظاہر اسے اپنی وسیع زمینوں سے خطیر زرعی آمدنی ہوتی ہے مگر پھر بھی اس کا شاہانہ ٹھاٹ باٹ وسائل سے میل نہیں کھاتا۔"

"یوں کہو کہ وہ بادشاہ نہیں' بادشاہ گر ہے۔" میں نے شنکر کے چہرے پر نظر گاڑ کر کہا "اور شنکر اسی کا پرانا نمک خوار ہے۔ تنخواہ ہماری سرکار سے لیتا ہے مگر کام کھٹو مل کے

لیے کرتا ہے۔"

"یہ الزام تراشی ہے۔" شنکر نے احتجاج کیا "کھٹومل سے میرا صرف اتنا تعلق ہے کہ وہ یہاں ہمارے حقوق کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ میں اپنے ساتھ ہونے والے ظلم پر اس سے فریاد کرنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے میرے مذہب کی بنا پر ظلم اور بربریت کا نشانہ بنا رہے ہو۔"

"مذہب!" میں نے دانت پیس کر کہا "تم اس کی آڑ لے کر بچ نہیں سکتے۔ یاد رکھو کہ یہاں تمہاری ڈرامے بازی کو دیکھنے اور سننے والا کوئی تیسرا فرد موجود نہیں ہے۔ تمہارے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے' اس کا دارومدار صرف ہم دونوں کے فیصلے پر ہوگا۔"

"میری بات لکھ لو کہ بہت جلد تمہاری نوکریاں جاتی رہیں گی۔ تمہاری حرکتوں کی خبر ملتے ہی کھٹومل پوری حکومت کو ہلا کر رکھ دے گا۔ میں ویسے بھی محکمۂ داخلہ کا ایک ذمے دار افسر ہوں...."

"محکمۂ داخلہ کا ذمے دار افسر' مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل میں اپنی کیا ایسی کی تیسی کراتا تھا۔" اول خان نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر کے درشتی سے سوال کیا۔

"میں ایسے کسی سیل سے واقف نہیں ہوں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "تم مجھے زبردستی کسی ناپاک سازش میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"یہ شرافت سے راہِ راست پر آنے والوں میں سے نہیں ہے۔" میں نے غصیلی آواز میں کہا "اس پر تھرڈ ڈگری آزما کر ہی اس کی زبان کھلوا سکیں گے۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" اول خان یہ کہہ کر کھلے ہوئے دروازے کی طرف پلٹ گیا۔

میں سیدھا اول خان کے دفتر کی طرف چل دیا۔ وہ اپنے آدمیوں کو شنکر کے بارے میں نئی ہدایات دینے کے لیے بیرک کے برآمدے میں رک گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ایس ٹی ایف والے جب تھرڈ ڈگری کی بات کرتے ہیں تو وہ واقعی تھرڈ ڈگری ہی ہوتی ہے۔ جو بڑے بڑے سورماؤں کے چھکے چھڑا دیتی ہے۔

اول خان اپنے کام سے فارغ ہو کر آیا تو میں نے اس بارے میں کوئی سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں اس سے کھٹومل کے بارے میں جاننے کا خواہش مند تھا۔

میرا پہلا سوال سنتے ہی وہ افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "کاش اس کا نام تمہارے لیے اتنا اجنبی نہ ہوتا اور مجھے زبان نہ کھولنی پڑتی۔ وہ تمہاری چال میں آکر روانی میں بہت کچھ بتاتا چلا جاتا۔ میری آواز پہچانتے ہی وہ بھڑک گیا۔ اس امکان کو میں بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا...."

"تم نے بروقت زبان کھولی تھی۔" میں نے اس کے احساسِ ندامت کو ہلکا کرنے کے لیے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے کہا "کھٹومل سے لاعلمی کی بنا پر میں شنکر کو زیادہ دیر تک چکر نہیں دے سکتا تھا۔"

"تمام بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کی طرح کھٹومل بھی اپنی زمینوں سے غیر حاضر رہتا ہے۔ جاگیر کے معاملات اس کے ملازم سنبھالتے ہیں۔ وہ اپنا زیادہ وقت بڑے شہروں میں گزارتا ہے۔"

"یہاں اس کی مصروفیات کیا رہتی ہیں؟" میں نے سگریٹ سلگا کر پوچھا۔

"کبھی اس کی باقاعدہ نگرانی نہیں کی گئی لیکن سنا گیا ہے کہ سیاست دانوں کے ساتھ ہی وہ نامی گرامی بدمعاشوں سے بھی گہرا میل جول رکھتا ہے۔ کئی سفارت کاروں سے اس کے قریبی مراسم ہیں۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ خود ہی کام کے آدمیوں کو مدن موہن کے این آئی سی کی طرف ہانکتا رہا ہو۔ بھارتی ایجنٹ ہمیشہ یہاں کام کے آدمیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔"

"میرے پاس اس بارے میں کوئی مصدقہ اطلاع نہیں ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا۔

"کیا اس کی سرگرمیاں ایس ٹی ایف کو اس کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کافی نہیں تھیں؟"

اول خان نے اپنے سر کو پُرزور انداز میں نفی میں جنبش دی اور کہا "ایس ٹی ایف صرف قومی سلامتی کے خطرناک دشمنوں کا تعاقب کرتی ہے۔ مذہب اور عقیدے کی بنا پر کسی کو مشتبہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ رہ گئی اس کے ہمہ جہتی مراسم کی بات تو یہ ہمارے یہاں کی ریت بن چکی ہے۔ بہت سے سیاست دانوں نے اپنے حاشیہ برداروں میں خطرناک غنڈے پالے ہوئے ہیں اور کوئی ان سے بازپرس نہیں کرتا۔ وہ عزت واحترام کے ساتھ غیر ملکی سفارتی تقریبات میں مدعو کیے جاتے ہیں۔"

"پھر کھٹومل کا نام تمہاری یادداشت کے خانے میں کیوں محفوظ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ملک کی ممتاز اور نمایاں شخصیات کے بارے میں ہمیں کچھ نہ کچھ یاد رکھنا ہی پڑتا ہے۔ شنکر کی زبان سے اس کا نام سننے تک مجھے اس پر کوئی شبہ نہیں تھا۔"

معاً فضا میں کرب میں ڈوبی ہوئی ایک انسانی چیخ گونجی پھر پے درپے کئی چیخیں سنائی دیں جن کا سلسلہ یک لخت موقوف

ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی نے چیخنے والے کا منہ زبردستی بند کرکے اسے خاموش ہوجانے پر مجبور کردیا ہو۔

"یہ ہوتا رہے گا۔ شنکر کی آزمائش شروع ہوچکی ہے۔ تم اپنی باتیں جاری رکھو۔" میرے چونکنے پر اول خان نے بے پروائی سے ان چیخوں کے بارے میں تبصرہ کیا۔

"یہ کھٹومل اپنا بیشتر وقت کس شہر میں گزارتا ہے؟" وہ نام میرے ذہن میں چبھے جارہا تھا۔

"کراچی کے بعد اسلام آباد اور پشاور اس کے پسندیدہ شہر ہیں۔" اول خان نے جواب دیا۔

"پشاور میں یہ ہندو بنیا کیا کرنے جاتا ہے؟" میں نے پہلو بدل کر اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"دفکر مت کرو۔ چند روز میں تمہیں یہ ساری تفصیل مل جائے گی۔ اس کا نام میری لسٹ پر آگیا ہے تو میرے آدمی اس کا پورا شجرہ کھود نکالیں گے۔"

"تم نے اس کے پسندیدہ شہروں میں پشاور کا نام گنا کر میرے لیے ایک نئی راہ نکالی ہے۔ پشاور میں ایک ہندو بنیے کے لیے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟"

"کیا تم اس پر ڈرگز کے لین دین میں ملوث ہونے کا شبہ کررہے ہو؟"

"یہ اندھیرے میں چھوڑا ہوا ایک بے جواز تیر ہے جو نشانے پر بھی لگ سکتا ہے۔"

"تمہاری بات بالکل ہی بے جواز نہیں ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق پاکستان اور افغانستان کے سرحدی قبائل میں پوست کی کاشت پورے زور شور سے جاری ہے۔ اس افیم کی بھاری مقدار ہیروئن کی تیاری کے لیے استعمال کی جارہی ہے۔ جس کی زبردست عالمی منڈی موجود ہے۔ یہاں سے شی اور مافیا کے قدم اکھڑے جانے کے بعد یہ ملٹی بلین بزنس مقامی طالع آزماؤں کے ہاتھ آگیا ہے۔ خفیہ اعداد و شمار کے مطابق ماضی قریب میں پاکستان میں بڑی تعداد میں بہت تیزی سے ایسے ارب پتی ابھرے ہیں جو حکومت کو ٹیکس کی مد میں ایک پیسہ بھی نہیں دیتے۔ ان سب کا ماضی بالکل بے نام و نشان ہے۔ یہ باور کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ہیروئن کے ہیر پھیر میں بے اندازہ مال کمایا ہے لیکن سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے ان سے کوئی باز پرس نہیں کی جاتی۔"

"اس کالے دھن میں سے سرکاری حصہ وصول کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ ان کی سرگرمیاں اسی قدر واضح ہیں تو کسی مصلحت کو ٹیکسوں کی وصولی میں آڑے نہیں آنا چاہیے۔"

"سیاسی جماعتوں اور شخصیات کو چوری چھپے دیے جانے والے بھاری چندے ان کو تحفظ کی چھتری فراہم کرتے ہیں۔ جو حکمران ان سے باز پرس کرے گا، یہ اس کا کچا چٹھا اخباروں کو دے دیں گے۔"

"تم بہت خطرناک صورتِ حال کی نشان دہی کررہے ہو۔ خدا کرے کہ تمہارے اندیشے غلط ہوں۔"

"یہ میرے اندیشے نہیں، خفیہ اعداد و شمار ہیں۔" وہ تلخی سے بولا "تم اخباروں میں آئے دن بڑے مگرمچھوں کا ذکر پڑھتے ہوگے۔ ان کی گرفتاری کے لیے سرکاری اجازت کی دہائی دی جاتی ہے۔ اجازت کی دہائی دینے والے اہل کاروں سے کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ تعزیراتِ پاکستان کے تحت کارروائی کیوں نہیں کی جاتی۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ ایسا شوشہ چھوڑ کر دھمکیاں دی جاتی ہیں اور پانچ دس کروڑ کا چندہ یا بھتا ملتے ہی اجازت کے طلب گار گہری نیند سوجاتے ہیں۔ اگلی کوئی مالی ضرورت انگنے تک وہ گہری نیند سوتے رہتے ہیں۔ لوگوں کا حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ وہ اس دوران میں سب کچھ بھول بھال جاتے ہیں۔"

"ملزموں کی گرفتاری کی اجازت لینے والی باتیں کبھی بھی میرے حلق سے نہیں اترسکیں۔" میں نے پوری ایمان داری سے کہا "تمہاری باتیں دل کو لگنے والی ہیں۔"

"تم غلط موضوع میں الجھ گئے۔ یہ نہ بھولو کہ ہم غیر سیاسی لوگ ہیں۔ ہمیں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ پشاور میں کھٹومل کی مصروفیات پر سے پردہ اٹھنے کے بعد کچھ بھی سامنے آسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوکر اضافی مالی وسائل حاصل کررہا ہو۔"

"دیکھنا پڑے گا کہ کھٹومل، شنکر سے کیا کام لے رہا تھا۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "ان دونوں کے درمیان گہرے تعلق کی غمازی اسی ایک بات سے ہوتی ہے کہ کھٹومل نے اسے نہ صرف ضمانت پر رہا کرایا بلکہ اس کے زخمی ہوجانے کے بعد اس کی حفاظت پر تین گارڈ بھی مامور کئے ہوئے تھے۔"

"کچھ باتیں تو ذرا سی دیر میں ہی سامنے آجائیں گی۔ وہ ہماری تھرڈ ڈگری کو زیادہ دیر نہیں سہہ سکے گا۔ یہ ہم ان ہی پاپیوں پر آزماتے ہیں جن کے کالے کرتوت ہر شک و شبہے سے بالاتر ہوں۔"

اول خان کی وہ خود اعتمادی بے جا نہیں تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک آدمی نے اس کے دفتر میں آکر اطلاع دی کہ ملزم نے زبان کھولنے پر آمادگی ظاہر کردی تھی۔

چند منٹ بعد ہم دونوں قیدی کے کمرے میں پہنچے تو وہ عبرت کا مرقع بنا چھت کی ایک کڑی سے الٹا لٹکا ہوا تھا۔ اسے لٹکانے کے لیے اسی پیر میں رسی باندھی گئی تھی جس کا گھٹنا سلطان شاہ اڑا چکا تھا۔ شنکر کا دوسرا پیر آزاد تھا۔ اس طرح اس کے بدن کا سارا زور اس کے زخمی گھٹنے پر مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔

شنکر کا سر زمین سے بہ مشکل تین فٹ بلند تھا۔ اس کے سر کے نیچے رکھا ہوا برقی ہیٹر گو اس وقت بند تھا مگر کمرے کی فضا میں رچی ہوئی حرارت سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ ہیٹر کی مدد سے شنکر کی کھوپڑی کو بہت اچھی طرح سینکا گیا تھا۔

اس کے منہ پر مضبوط پٹی بندھی ہوئی تھی' دونوں آزاد ہاتھ بے جان ہو کر یوں جھول رہے تھے کہ اس کی انگلیاں برقی چولھے سے بس چند انچ دور تھیں۔ تشدد کے نتیجے میں اس کے اعصاب اس بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئے تھے کہ اس کی آزاد ٹانگ بھی غیر فطری انداز میں لٹکی ہوئی تھی۔ بس اس کی آنکھوں کے ڈھیلوں کی حرکت سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی کی لڑی برقرار تھی ورنہ اس کا وجود چھت سے لٹکی ہوئی لاش کا سماں پیش کر رہا تھا۔

''اس کا دہانہ آزاد کردو۔'' اول خان نے وہاں پہنچتے ہی اپنے آدمی کو حکم دیا۔

ہدایت کی فوری تعمیل کی گئی۔ دہانہ آزاد ہوتے ہی وہ جگالی کرنے کے انداز میں یوں جلدی جلدی منہ چلانے لگا جیسے کچھ بولنے کے لیے اپنے جامد عضلات کو رواں کر رہا ہو۔

''مجھے اس الٹی سولی سے اتار دو' تم جو پوچھو گے' میں بتادوں گا۔'' اس نے ہانپتے اور کراہتے ہوئے نڈھال آواز میں التجا کی ''میرے لیے یہ جہنم نا قابلِ برداشت ہو رہا ہے۔''

اول خان کے اشارے پر اس کے ایک آدمی نے دھیرے دھیرے اسے نیچے اتارنا شروع کردیا۔ اس عمل میں بوجھ سہارنے والے زخمی گھٹنے کے زاویے بدلنے کی وجہ سے شنکر کی پے درپے کئی چیخیں نکل گئیں۔ وہ زمین پر ڈالا گیا تو پسینوں میں بری طرح شرابور ہو رہا تھا اور اس کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

''ہم تم پر ساری رات برباد کرسکتے ہیں۔'' چند ثانیوں کے انتظار کے بعد میں نے درشت لہجے میں کہا ''اگر تم نے خود پر قابو نہ پایا تو ہم تمہیں اسی طرح لٹکا کر چلے جائیں گے اور تم سسک سسک کر دم توڑ دو گے۔''

''تمہیں جو پوچھنا ہے پوچھ لو۔ میں جواب دوں گا۔'' وہ اذیت سے فرش پر بل کھاتے ہوئے کراہا ''تم لوگ بہت سفاک اور سنگ دل ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کسی پر ترس کھانا نہیں جانتے۔''

''کھٹول کے لیے تم کیا کام کرتے رہے ہو؟'' میں نے اس سے پہلا سوال کر ڈالا۔

''میں اس کا احسان مند ہوں۔ وہ میری سرکاری تنخواہ سے دگنی رقم ہر مہینے مجھے دیتا ہے۔ اس کے عوض میں اس کے لیے ہر کام کرتا ہوں مگر اس نے آج تک مجھ سے کوئی غیر قانونی کام نہیں لیا۔ تم بلاوجہ مجھے اپنے جبر اور تشدد کا نشانہ بنا رہے ہو۔''

''اگر وہ کوئی غیر قانونی کام نہیں لیتا تو تمہیں رقم کیوں دیتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ ہم جیسے متوسط طبقے کے لوگوں کو خوش حال اور بے فکر دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ میری ہی نہیں' مجھ جیسے بہت سے سفید پوشوں کی کفالت کرتا ہے۔ تم کس کس کو پکڑ کر مارو گے۔''

''مدن موہن کے پاس اسی نے تم کو بھیجا تھا؟'' میں نے سوالات کا رخ بدل دیا۔

''نہیں' اس نے بس تعارف کرایا تھا۔ مدن نے ایک پارٹی میں شرکت کی دعوت دی اور میں وہاں چلا گیا۔ وہاں ہونے والا ہلا گلا اتنا دل فریب اور رنگین تھا کہ پھر میں باقاعدگی سے وہاں جانے لگا۔ وہ ملنے جلنے' پینے پلانے اور دل بہلانے والی پارٹیاں ہوتی تھیں۔ وہاں بھی کوئی غلط کام نہیں ہوتا تھا۔''

''غلط کام!'' میں نے ہونٹ بھینچ کر کہا ''اسے تم جیسے لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ نشے میں دھت ہو کر تم جیسے افسر وہاں اپنا کھایا پیا تک اگل آتے تھے۔ اس سے بڑا غلط کام اور کیا ہوگا۔''

''مدن نے مجھ سے کبھی میرے کام کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں پوچھا۔ مجھے اس چکر میں بالکل بے گناہ پکڑا گیا تھا۔ تم لوگ بلاوجہ میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہو۔''

''بکواس بند کرو۔'' اول خان اس پر برس پڑا ''اس کی تحویل سے تمہارے محکمے کی خفیہ رپورٹوں کی کئی نقلیں برآمد ہوئی تھیں جو تمہارے سوا کوئی اور اسے نہیں دے سکتا تھا۔''

''میرے لیے وہ بے ضرر کاغذ تھے۔ ان سے کسی کو کوئی نقصان نہیں.....''

''شٹ اپ!'' میں نے درمیان ہی سے اس کی بات اڑا دی اور پوچھا ''کھٹول سے تم کو رقم کیسے پہنچتی تھی؟ وہ تم سے

کب اور کہاں ملا کرتا تھا؟"
"رقم کا بند لفافہ وہ خود مجھے دیتا تھا۔ کبھی میں اس کے گھر چلا جاتا تھا' کبھی وہ سکریٹریٹ کی طرف آتا تو خود گپ شپ کے لیے میرے دفتر میں آجاتا تھا۔ وہ بہت نفیس آدمی ہے۔ اس میں بڑائی یا تکبر نام کو بھی نہیں ہے۔ تم اس کے پیچھے بلاوجہ اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔"
کھٹول اس کا اَن داتا تھا۔ وہ اسی کے گن گا رہا تھا۔ اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ اپنی ذمے دار سرکاری حیثیت میں وہ کس طرح مدن موہن کا آلۂ کار بنا ہوا تھا اور کھٹول اس سے کیا کام لے رہا تھا۔ اس سے دیر تک سوال و جواب کا سلسلہ چلتا رہا۔ ابتدا میں وہ یہی کہتا رہا کہ کھٹول کبھی کبھار اس سے چھوٹے موٹے کام لے لیتا تھا یا کسی کی سفارش کردیتا تھا۔ چند تھپڑ کھانے کے بعد اسے یاد آیا کہ اس نے کھٹول کے لیے بس ایک ہی اہم کام کیا تھا جو غداری کے زمرے میں نہیں آتا تھا۔
اس نے تھر اور راجستھان کے سرحدی علاقوں میں واقع پاکستان کی اہم غیر فوجی تنصیبات کی فہرست کھٹول کو دی تھی۔ وہ فہرست شہری دفاع کے حوالے سے بنائی گئی تھی۔ اس میں یہ تفصیل بھی موجود تھی کہ ہر مقام کے لیے کس قسم کے حفاظتی انتظامات موجود تھے اور کسی ہنگامی صورتِ حال میں اضافی تحفظ کے لیے کس قسم کے مالی اور افرادی وسائل درکار تھے۔
شنکر رائے کا اصرار تھا کہ وہ فہرستیں کسی بھی طرح راز داری کے زمرے میں نہیں آتی تھیں۔ علاقائی باشندے ان تنصیبات کے بارے میں پورا پورا علم رکھتے تھے اور کوئی بھی شخص ان دور افتادہ مقامات کی سیر کے دوران میں ان فہرستوں سے کہیں زیادہ معلومات یک جا کر سکتا تھا۔
وہ ایک قومی مجرم کا مدافعانہ نقطۂ نظر تھا جو اول خان کے لیے ذرا بھی قابلِ قبول نہیں تھا۔ ہر ملک میں ہر قسم کی تجارتی' فلاحی اور فوجی سرگرمیاں عوام کی آنکھوں کے سامنے ہی انجام دی جاتی ہیں اور ہر شخص کو ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہوتا ہے لیکن جب وہی معلومات کسی خاص قرینے سے کاغذوں پر جمع کرلی جاتی ہیں تو ان کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔
شنکر رائے کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ اس کے دل و دماغ پر کھٹول کی حکمرانی تھی۔ اس کے دیے ہوئے ہر کام کو وہ معمولی اور بے ضرر سمجھ کر کر گزرتا تھا۔ اس نے بھارت اور مشرقِ وسطیٰ کی ریاستوں سے آئے ہوئے متعدد بھارتیوں کے قیام کی مدت میں توسیع کرائی اور اسے ہمیشہ انسانی ہمدردی کا ایک پہلو سمجھ کر نظرانداز کرتا رہا۔ اسے بھول کر بھی کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ اس کی مدد سے پاکستان میں اپنے قیام کو طول دینے والے ایسے لوگ را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں کے ایجنٹ بھی ہوسکتے تھے۔
کھٹول ایک معروف آدمی تھا۔ اول خان ذرا سی محنت کرکے اس کی مقامی قیام گاہ کا سراغ لگا سکتا تھا مگر شنکر رائے نے دو دانتوں سے محروم ہوئے بغیر اس کے مقامی ٹھکانے کے بارے میں کچھ بتانے سے انکار کردیا تھا۔ وہ ہمیں کوس رہا تھا کہ ہم کھٹول کے ساتھ بھی وہی سلوک کر گزریں گے جسے وہ بھگت رہا تھا۔
اپنے بے خبر مجرم کے ذہن کو اچھی طرح ٹٹولنے کے بعد ہم وہاں سے نکلے تو میرے ذہن میں شنکر کے مستقبل کے بارے میں ایک بڑا سوالیہ نشان جاگزیں ہوچکا تھا۔
"اس کے بارے میں کیا کرنا ہے؟" اول خان نے گویا میرا ذہن پڑھ کر سوال کیا۔
"اسے رہا کرنے میں اندیشہ ہے کہ اس کے سرپرست اس بار تمہارے خلاف زیادہ سرگرم ہوجائیں گے۔ تمہاری آواز پہچان کر اس نے اپنی تقدیر پر خود ہی ایک مہر سی لگالی ہے۔"
اول خان تفہیمی انداز میں سہلاتے ہوئے بولا "ویسے بھی اس کی حالت ابتر ہے۔ معذوری کے بعد وہ بُری طرح زخمی بھی ہوچکا ہے۔ تمہارے فلیٹ کا طواف کرنے والوں کے بارے میں وہ ایک لفظ بھی نہیں بتاسکا۔ اسے قید میں رکھ کر ہمیں کیا حاصل ہوگا؟"
اول خان کے آخری سوال پر میں حیران رہ گیا "کیا تم اسے رہا کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہو؟"
اول خان مسکرا دیا "اسے قیدِ حیات سمیت ہر قید سے نجات مل جانی چاہیے۔ تمہارے اندیشے سے واقف ہونے کے بعد میں ایسی احمقانہ بات سوچ بھی نہیں سکتا۔"
ہمارے لیے وہاں رکنا بے سود تھا۔ اول خان نے قیدی سے گلوخلاصی کے بارے میں اپنے ایک آدمی کو محض چند فقروں میں بریف کیا اور ہم وہاں سے واپس روانہ ہوگئے۔
"سلطان شاہ نے ان دونوں کے گھٹنے نہ توڑے ہوتے تو ہمارا کام اتنا آسان ثابت نہ ہوتا۔" میں نے راستے میں اول خان سے ذکر کیا۔
"کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس کے زخمی ہونے کی وجہ سے ہمیں تین لاشیں عبور کرنے کے

بعد اس تک رسائی حاصل ہوئی تھی۔ سلطان شاہ نے اسے نہ چھیڑا ہوتا تو شاید مسلح محافظ درمیان میں نہ آتے اور ہم براہِ راست اسے گھیر لیتے۔"

"وہ بہت سخت جان ہے۔ صحت مندی کی حالت میں ہرگز زبان نہ کھولتا۔ زخمی گھٹنے کے بل وہ کافی دیر تک لٹکا رہا تھا۔ ایسے مجرموں سے کچھ اگلوانے میں بڑا وقت برباد ہوتا ہے۔"

"تھرڈ ڈگری کا اصول ہی یہی ہوتا ہے۔ اپنے حریف کے بدن میں کوئی کمزوری تلاش یا پیدا کرو اور پھر مسلسل اسی کو نشانہ بناتے چلے جاؤ۔ بلبلا کر وہ خود ہتھیار ڈال دیتا ہے۔"

میرے لیے یہ خیال فرحت انگیز تھا کہ میں نے اپنے فلیٹ کا طواف کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دے کر ان کے حوصلے پست کردیے تھے۔ فلیٹ کے چکر کاٹنے کی پاداش میں وہ تین آدمیوں سے ہاتھ دھوچکے تھے۔ ان کے لیے چوتھی لاش کا تحفہ بھی تقریباً تیار تھا۔ اس بھاگ دوڑ کا نچوڑ یہ تھا کہ کام آگے بڑھانے کے لیے کھٹومل راجوانی کا مشکوک نام ہمارے سامنے آچکا تھا۔

اول خان نے مجھے فلیٹ کے نیچے چھوڑا تو میری رسٹ واچ رات کے دس بجا رہی تھی۔ مجھے اتار کر وہ وہیں سے اپنے گھر لوٹ گیا۔

اول خان کسی زمانے میں فوج کا کوئی عہدے دار رہا ہو تو اور بات ہے ورنہ ان دنوں وہ اس ادارے کا رکن نہ ہونے کے باوجود سخت ترین فوجی نظم و ضبط کا پابند نظر آتا تھا۔ اسی نے کسی موقع پر یہ بتایا تھا کہ ایس ٹی ایف کی تشکیل اور تربیت خالص عسکری بنیادوں پر کی گئی تھی۔ وہاں ہر شخص کے سوچنے کے لیے حدود متعین تھیں لیکن اوپر سے آئے ہوئے حکم کی تعمیل ہر ماتحت کے لیے ناگزیر تھی۔

اول خان اسٹیشن فور کا کمانڈر تھا۔ اس حیثیت میں وہ چاہتا تو اپنا سارا وقت دفتر میں پاؤں پسار کر گزار سکتا تھا اور بھاگ دوڑ کے سارے کام اپنے ماتحتوں سے لے سکتا تھا لیکن یہ اس کی فرض شناسی کی انتہا تھی کہ ہر اہم موقع پر وہ مجھے خود میدانِ عمل میں نظر آیا تھا۔ مجموعی طور پر وہ اپنے ہر ماتحت سے زیادہ کام کرکے ان کے لیے ایک مثال بنا رہتا تھا۔ اس چکر میں شاید اس کی گھریلو زندگی بھی پس پشت چلی گئی تھی۔ گھر کی ضروریات پر وہ اپنے دفتری فرائض کو فوقیت دیتا تھا۔ اس کے نزدیک کسی ایک گھر کے مقابلے میں وطن کی سلامتی زیادہ اہم اور مقدس تھی۔

○☆○

اگلی صبح کے اخبار میں چاروں لاشوں کے بارے میں سہ کالمی خبر پہلے صفحے پر خاصی نمایاں تھی۔

گلشنِ اقبال کے بنگلے کے بارے میں تفصیلات خاصی سنسنی خیز تھیں۔ رات گئے ولی جان نے ہوش میں آنے کے بعد شنکر رائے کا بستر خالی پایا تو بری طرح بوکھلا گیا۔ اس نے مسہری چھوڑنے اور باہر نکلنے کی کوشش کی تو گھٹنے کی معذوری آڑے آگئی۔

اس وقت تک بجلی بحال ہوچکی تھی مگر ہر طرف رات کے گہرے سناٹے کا راج تھا۔ ولی جان نے دہشت زدہ ہوکر پوری قوت سے مدد کے لیے چلّانا شروع کردیا۔ لوگ جمع ہوئے تو مکان کے احاطے میں تین لاشیں دریافت ہوئیں۔ ولی جان اندر نڈھال پڑا ہوا تھا۔

ولی جان نے پولیس کو شنکر رائے کی گمشدگی کے بارے میں بتایا جب کہ اس سے کافی دیر پہلے یونیورسٹی سے کچھ فاصلے پر شنکر رائے کی لاش مل چکی تھی۔ ابتدا میں اسے نامعلوم

مقتول قرار دیا گیا تھا لیکن ٹوٹے ہوئے گھٹنے کی بنا پر اس کی شناخت کے مراحل تیزی سے طے ہوتے چلے گئے۔

شنکر نے اسٹیشن فور پر اول خان کی آواز پہچان کر اندازہ لگالیا تھا کہ وہ دوبارہ اپنے پرانے دشمنوں کی قید میں چلا گیا تھا لیکن ولی جان سے صرف میرا سامنا ہوا تھا۔ وہ ہمارے بارے میں کوئی بھی انکشاف نہیں کرسکا تھا اور پولیس کو تفتیش کے آغاز کے لیے کوئی نکتہ نہیں مل سکا تھا۔

چار لاشوں کا معاملہ اس قدر الجھا ہوا تھا کہ ان سے متعلقہ متعدد چھوٹی بڑی خبروں میں کہیں بھی بیم گن کا نشانہ بننے والے دو مقتولین کے غیر معمولی زخموں کا ذکر نہیں تھا۔ اس کے دو ہی اسباب ہوسکتے تھے۔ خبر دیر میں ملنے کی وجہ سے اخباری نمائندے واردات کی پوری جزئیات کا احاطہ نہیں کرسکے تھے یا پھر متعلقہ پولیس اہل کار اپنی نا تجربے کاری کی وجہ سے ان غیر معمولی زخموں پر توجہ نہیں دے سکے تھے۔

وہ کراچی کے امن و امان میں بگاڑ کا دور تھا۔ شہر میں آئے دن دو چار افراد نامعلوم دہشت گردوں کی بربریت کا نشانہ بنتے رہتے تھے اور ہر واردات کے بارے میں سرعام یہ کہا جانے لگا تھا کہ دہشت گرد جدید ترین آتشیں ہتھیاروں سے لیس ہو کر اپنے ہدف پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ ان افواہوں کی لہر میں اگر کسی مرحلے پر لیزر گن وغیرہ کا نام بھی آجاتا تو اس سے کسی تفتیشی افسر کو کوئی خاص نظریہ قائم کرنے میں مدد نہیں مل سکتی تھی۔ یہ فرض کرکے روایتی انداز میں صبر کرلیا جاتا کہ دہشت گردوں کو بڑے اور چھوٹے بور کے جدید ہتھیاروں اور دستی راکٹ لانچروں کے ساتھ لیزر سے چلنے والے مہلک ہتھیاروں تک رسائی حاصل ہوچکی ہے۔ یہ خطرناک رویہ اجتماعی طور پر شہریوں کے حوصلے پست کرنے کے ساتھ دہشت گردوں کو کھلی چھوٹ دینے کے مترادف تھا۔ اس رُو میں جو بھی کوئی خود کار ہتھیار لے کر کسی کو للکار بیٹھتا تھا، پوری آزادی اور بے فکری کے ساتھ اپنی من مانی کر گزرتا تھا۔

"آپ کے موڈ کے بارے میں کبھی کچھ پتا نہیں چلتا۔" غزالہ نے میز پر ناشتا لگاتے ہوئے ہنس کر کہا "یہاں سے صرف جائزہ لینے کے لیے نکلے اور ایک ہنگامہ کھڑا کر آئے۔"

"ہمارے اپنے تحفظ کے لیے یہ پیش قدمی ضروری تھی۔" مجھ سے پہلے سلطان شاہ نے میرے دل کی بات کہہ دی "اگر وہ ہمارے اوپر ہاتھ ڈالنے کا کوئی پروگرام بنا رہے تھے تو اب انہیں دس بار سوچنا پڑے گا۔ ایسی لڑائی میں پہل کو ہمیشہ بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔"

ویرا کا منہ بن گیا "گھر میں بیٹھ کر باتیں بنانا کوئی تم سے سیکھے۔ سب لوگ تمہاری طرح چوڑیاں پہن کر گھر میں بیٹھ جائیں تو حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے ہمارے دشمن ہمیں گھڑی کی چوتھائی میں روند ڈالیں۔"

"میں گھر میں اپنی مرضی سے نہیں بیٹھا، بٹھایا گیا ہوں۔" سلطان شاہ اکڑ کے بولا۔

"ہاں، اسی طرح جیسے کنواری لڑکیوں کو مایوں بٹھایا جاتا ہے۔" ویرا نے حاضر جوابی کا مظاہرہ کیا "اب تم اپنے بڑوں سے پوچھے بغیر گھر سے باہر قدم بھی نہیں نکال سکو گے۔"

"رات والی مہم کے لیے بنیادی کام سلطان شاہ نے ہی کیا تھا۔" میں نے ویرا کو سمجھانا چاہا "اس نے شنکر اور ولی جان کو زخمی نہ کیا ہوتا تو وہ ہماری نظروں سے اوجھل رہتے اور مجھے ان کا خیال تک نہ آتا۔"

"اس کے زخمی کرنے سے ان میں کون سے سرخاب کے پر لگ گئے؟" ویرا ناراض ہوگئی۔

"زخمی نہ ہوئے ہوتے تو وہ اپنی معمول کی زندگی گزار رہے ہوتے۔ ہم ان پر شک و شبہ نہیں کرسکتے تھے۔ زخمی ہوتے ہی ان پر تین مسلح گارڈ مامور کردیے گئے اور اول خان کی تھوڑی بہت توجہ ادھر مبذول ہوگئی۔ مجھے خوشی ہے کہ ہماری رات کی بھاگ دوڑ رائگاں نہیں گئی۔"

"شنکر تمہارے ہاتھ ضرور آگیا مگر اس کے لیے تمہیں تین آدمیوں کا خون بہانا پڑا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بے گناہ رہے ہوں۔ ان کا داؤ چل جاتا تو وہ وہیں تمہارا تیا پانچا کردیتے۔"

"شاید تم نے یہ چھوٹی سی خبر نہیں پڑھی۔" غزالہ نے اخبار موڑ کر ایک خبر ویرا کے سامنے کردی "ان تینوں میں سے کوئی شریف آدمی نہیں تھا۔ دو اندرونِ سندھ کی پولیس کو مطلوب مفرور ملزم ہیں جو قتل کی وارداتوں میں ملوث بتائے گئے ہیں۔ تیسرا ایک بدنام منشیات فروش تھا۔"

ویرا نے ناگواری سے خبر پڑھ کر اخبار ایک طرف ڈال دیا اور بولی "مجھے معلوم ہے کہ کبھی کبھی تم تینوں میرے خلاف گٹھ جوڑ کرلیتے ہو۔ گھٹنے مڑتے ہیں تو ہمیشہ پیٹ ہی کی طرف جاتے ہیں۔"

"بالکل غلط..... گھٹنے سے صرف پنڈلی مڑتی ہے۔ شنکر اور

ولی جان کی ایک ایک پنڈلی دونوں طرف مڑنے لگی تھی۔ تم یہ کہہ سکتی ہو کہ مڑتی ہیں تو رانیں پیٹ کی طرف جاتی ہیں۔"
سالطان شاہ نے تصحیح کی۔

ناشتے کے دوران میں بھی وہ نوک جھوک جاری رہی۔ مجھے اس تکرار میں دخل انداز ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ اس گفتگو میں تلخی کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔

دیرا ہم لوگوں کے ساتھ رہ کر اس ماحول کی عادی ہو گئی تھی۔ لندن اور نیویارک کے مصروف شب و روز میں میرا ساتھ میسر ہونے کے باوجود وہ باقی لوگوں کی کمی محسوس کرتی رہی تھی۔ کراچی آنے کے بعد شاید وہ سب سے الجھ کر اسی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ناشتا ختم کرنے کے بعد میں ڈرائنگ روم میں جا بیٹھا۔ میرا ارادہ کھٹومل کو چھیڑنے کا تھا۔

میرے پاس شنکر کا دیا ہوا پتا اور فون نمبر موجود تھا۔ مجھے توقع تھی کہ اول خان مجھ سے مشورہ کیے بغیر کھٹومل سے براہِ راست چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا۔ بس اس کی سرگرمیوں کی نگرانی وغیرہ پر اکتفا کرے گا۔ یہ سوچ کر میں نے اس سے فون پر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

نمبر ملنے پر فون کھٹومل کے کسی ملازم نے اٹھایا تھا۔ میں نے کھٹومل سے بات کرنے کی خواہش کی تو اس نے اپنے مالک کی موجودگی یا غیر حاضری کے بارے میں کچھ بتائے بغیر میرا نام جاننا چاہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میرا نام جانے بغیر وہ کھٹومل تک پیغام نہیں پہنچائے گا۔ میں نے غیر ارادی طور پر اسے اپنا نام شنکر بتا دیا۔

نام بتا دینے کے بعد مجھے توقع تھی کہ وہ چونکے گا لیکن اس نے کسی ردِ عمل کا مظاہرہ کیے بغیر مجھے انتظار کرنے کا مشورہ دیا اور غائب ہو گیا۔

قدرے طویل انتظار کے بعد لائن پر کچھ کھٹ پٹ ہوئی پھر میرے کانوں میں نرم اور شفیق سی آواز گونج اٹھی "جی بابا! میں کھٹومل بول رہا ہوں۔ آپ کون بول رہے ہو؟"

"کھٹومل! میں شنکر بول رہا ہوں، شنکر رائے!" میں نے اسے چونکانے کے لیے اپنے جھوٹ کا تسلسل برقرار رکھا۔ مجھے یقین تھا کہ اسے رات ہی کو اپنے آدمیوں کے قتل کی خبر مل گئی ہوگی۔ براہِ راست خبر نہ بھی ملی ہوتی تو اخبار کے ذریعے اسے واقعات سے باخبر ہو جانا چاہیے تھا۔

اس کا خاص آدمی، شنکر رائے پچھلی رات کا آخری مقتول تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میری زبان سے اس کا نام سن کر کھٹومل گھبرا جائے گا یا پھر اسے غصہ آجائے گا لیکن اس کی آواز حیرت ناک طور پر نرم اور پُرسکون رہی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"بابا! میں نے تمہیں نہیں پہچانا۔ ذرا کچھ اور تعارف کرا دو۔ شاید مجھے یاد آجائے۔"

"نام شنکر رائے... ملازمت محکمۂ داخلہ... سترھویں گریڈ کا سرکاری ملازم ہوں۔" میں نے بھی اسی کی طرح پُرسکون رہتے ہوئے رک رک کر کہا۔

"نہیں یاد آتا۔" اس کی آواز معذرت خواہانہ ہو گئی۔ "صبح سے شام تک پچاس آدمیوں سے میل ملاقات ہوتی ہے۔ کسی کسی کا نام یاد سے نکل جاتا ہے۔ حکم کرو کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

میری طرف سے واضح ترین اشاروں کے باوجود کھٹومل کا رویّہ الجھن میں ڈالنے والا تھا۔ میں نے تلخی سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔"

"دیکھا ہے سائیں... بالکل دیکھا ہے۔" دوسری طرف سے برجستہ آواز آئی پھر اس نے چونک کر کہا "اب سمجھا۔ اخبار میں ہوم ڈپارٹمنٹ کے سترہ گریڈ والے کسی شنکر رائے کے خون کی خبر چھپی ہے۔ تمہارا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ خبر غلط ہے اور تم زندہ ہو؟"

"اگر میں یہ کہوں تو تم اس پر اعتبار کر لو گے؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"پھر میں مشورہ دوں گا کہ تم سیدھے عبدالستار ایدھی صاحب کے پاس چلے جاؤ۔ تم مرے نہیں ہو تو زخمی ضرور ہو گے۔ ایدھی صاحب اچھا آدمی ہے۔ تمہیں اپنی گاڑی میں گھر بھجوا دے گا۔"

وہ بہت چالاک اور مکار شخص تھا۔ شاید اس نے اپنے ملازم سے میرا مفروضہ نام سنتے ہی فون پر کسی گڑبڑ کا اندازہ لگا لیا تھا اور شروع سے ہی مجھ سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کرتا رہا۔ وہ ایک گندہ کھیل کھیل رہا تھا۔ پچھلی رات اس کے چار مہرے ایک ساتھ پٹ گئے تھے۔ وہ ان سے اپنی مکمل لاتعلقی کا اظہار کر کے کسی بھی متوقع الجھن سے اپنا دامن بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کھٹومل! زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا "شنکر رائے سے اس طرح لاتعلقی جتا کر بھی تم اپنی گردن نہیں بچا سکو گے۔ اسے مروانے والے تم

ہی ہو۔"
"اب تم کھل کر بولے ہو۔" وہ اسی لب و لہجے میں بولا۔ "یہ بتاؤ کہ تم شنکر کے ابّے لگتے ہو یا دادے؟"
"اگر تم سیدھی طرح بات نہیں کرو گے تو تمہارا انجام ان چاروں سے بھی خراب ہو سکتا ہے۔"
"دھمکیاں مت دو۔ میں دنگے فساد والا آدمی نہیں ہوں۔ سیدھا اور کھرا بنیا ہوں۔ یہ بولو کہ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ بات ڈھنگ کی ہوئی تو میں مان لوں گا ورنہ میرا وقت کھوٹا مت کرو۔"
"پھر تم تیار رہو۔ تم سے ملاقات پر ہی کچھ ڈھنگ کی باتیں ہوں گی۔ فی الحال ولی جان کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ اسے پتا چلے گا کہ تم اپنے مرنے والے ساتھیوں سے اس طرح نظریں پھیر لیتے ہو تو وہ خود ہی تمہاری گردن پر کوئی پھندا فٹ کروا دے گا۔ تمہارے اوپر چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔"
"یہ سوچو کہ اس سے تم کو کیا ملے گا؟ کیا تم کوئی سرکاری آدمی ہو؟" بات آگے بڑھنے لگی۔
"میں ایسی سرکار پر لعنت بھیجتا ہوں جس کی ناک کے نیچے تم جیسے کیڑے پوری آزادی سے اپنا کھیل کھیلتے رہتے ہیں اور سرکار کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔"
"پھر تم کون ہو؟ شنکر سے تمہاری کیا دشمنی تھی؟" اس نے پہلی بار ڈھنگ کا ایک سوال کیا۔
"عورت۔ مدن موہن کی ایک پارٹی میں وہ میری گرل فرینڈ سے ملا تھا اور پھر اسے لے اڑا۔ اس نے میری گرل فرینڈ کو ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ واپس میرے پاس آنے پر آمادہ ہی نہیں تھی۔"
"اپنی کھوئی ہوئی عورت کو پانے کے لیے تم نے شنکر کو مار دیا۔" اس کی آواز متاسفانہ ہو گئی "کیا اب وہ تمہیں مل جائے گی؟ مایا' دھرتی اور ناری ہر فساد کی جڑ ہوتی ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس نے کسی پرائی ہانڈی پر منہ مارا ہے ورنہ میں خود اسے سمجھا دیتا۔ تم..."
میں نے اس کی بات کاٹ دی "عورت گئی' میں نے اسے چھیننے والے کو رخصت کر دیا۔ اس نے مجھے تمہارا نمبر دیا تھا اور کہا تھا کہ تم اس کی زندگی بچانے کے لیے مجھے منہ مانگی رقم دے سکتے ہو۔"
"اس نے سچ کہا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ مایا اور دھن مرد ذات کے ہاتھ کا میل ہوتا ہے۔ اسی طرح ناری مرد کے من کا میل ہوتی ہے۔ مل گئی تو برت لیا' پھسل کر ہاتھ سے نکل گئی تو بھول گیا۔ تم نے شنکر سے اپنی عورت کا بدلہ لے لیا ہے تو اب مجھے فون کیوں کیا ہے؟"
"مجھے اچھی زندگی گزارنے کے لیے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے۔" میں نے مطالبہ کر دیا۔
"مگر میں تمہیں رقم کیوں دینے لگا۔" وہ شروع سے ہی غصے میں آئے بغیر نہایت صبر و تحمل سے بات کر رہا تھا "تم نے شنکر پر ہاتھ نہ اٹھایا ہوتا تو بات بن بھی سکتی تھی۔"
"رقم نہیں دو گے تو میں تمہارے پیچھے لگ جاؤں گا۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ میں کیسی بھیڑ میں سے اسے نکال لے گیا تھا۔" میں نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔
"تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہوں پھر بھی تم زبردستی مجھ سے ایک کوڑی نہیں لے سکتے۔ مجھے بس ایک بات بتا دو۔ شنکر سے تمہارا عورت کا جھگڑا تھا تو تم نے یہ کیوں کہا کہ تم نے ولی جان کو چھوڑ دیا ہے اور وہی میری گردن پر کوئی پھندا لگائے گا۔"
"تم سے کچھ ملنے کی امید میں میں کچھ بھی کہہ سکتا ہوں۔ مجھ سے رقم کی بات کرو۔"
"مارنے سے پہلے تم نے شنکر کا ایک گھٹنا کیوں توڑ ڈالا؟" اس نے پوچھا۔
"وہ پہلے ہی سے ٹوٹا ہوا تھا۔ میں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔" اس سے اپنا رابطہ برقرار رکھنے کی امید میں میں نے اپنی حکمتِ عملی یکسر تبدیل کر دی تھی۔
"میں مانتا ہوں کہ وہ پہلے سے معذور تھا۔ کیا تم نے اسے معذور نہیں کیا تھا؟" وہ اطمینان کرنا چاہ رہا تھا کہ میرا تعلق شنکر کے کسی دیرینہ حریف سے نہیں تھا' جو کچھ ہوا وہ رقابت کے جذبے کے تحت ہو گیا۔
"مجھے اس کو دو قسطوں میں مارنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ پہلے ہاتھ آجاتا تو میں معذور کرنے کے بجائے ایک ہی وار میں اس کا جھٹکا کر دیتا۔"
"تمہیں اسے مارنا ہی تھا تو تم کو اس سے پوچھ گچھ کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی؟"
"باہر لے جا کر میں نے اسے مارا' پیٹا اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد مار دیا۔ مجھے اس سے پوچھ گچھ کرنے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔"
"پھر تمہیں میرا فون نمبر' نام اور ولی جان کا نام کیسے

معلوم ہوا؟" کھٹومل نے سوال کیا۔
"یہ سب وہی بکے جا رہا تھا۔ بہت ڈرپوک آدمی تھا۔ پہلے اس نے مجھے ولی جان سے سودا کرنے کے لیے کہا تھا۔ میں راضی نہیں ہوا تو اس نے تمہارا نام لیا تھا۔"
"تم نے صحیح چوکھٹ پر دستک دی ہے۔" اس کی آواز میں حلاوت عود کر آئی "مجھے اپنا نام پتا بتا دو۔ میں تمہیں مفت میں کوئی رقم نہیں دے سکتا۔ میرا کوئی آدمی تم سے مل کر کام لے گا اور اس کا معاوضہ دے گا۔ جلد ہی تمہارے دن بدل جائیں گے۔"
اس بار میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا "کھٹومل جی! میں عقل سے بالکل ہی چوپٹ نہیں ہوں جو تمہیں اپنا نام پتا دے دوں تاکہ تمہارا کوئی آدمی آرام سے ان چاروں کے بدلے میری جان لے لے۔ جو کہنا ہے ابھی اور اسی وقت فون پر بتاؤ ورنہ مجھ سے لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔"
"میری بات پر شبہ کر کے تم نے۔۔۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ سی ایس ڈی کے بزر کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گفتگو میں کسی قسم کی مداخلت کی کوشش کی گئی تھی۔
فوراً ہی غزالہ خواب گاہ سے دوڑی ہوئی آئی اور بولی۔
"سی ایس ڈی کا سرخ بلب جلنے کے ساتھ بزر بول رہا ہے۔ اس کا کیا کروں؟"
میں نے مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا "جاؤ' وہ دونوں چیزیں نارمل ہو گئیں۔"
میرا خیال تھا کہ میں خود ہی کھٹومل سے گفتگو کو طول دے رہا تھا لیکن سی ایس ڈی کے حرکت میں آنے سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ وہ خود بھی مجھے باتوں میں الجھا کر کسی دوسرے فون پر ایکسچینج سے میرا نمبر معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جوں ہی ادھر سے مداخلت ہوئی' میرا فون بند ہو گیا۔
"تم کھٹومل سے بات کر کے کیا نتیجہ حاصل کرنا چاہ رہے تھے؟" ویرا نے مجھ سے پوچھا۔
"حرکت میں برکت ہے۔" میں نے آنکھیں موند کر جواب دیا "اس کے ذہن پر ہر وقت یہ خوف سوار رہے گا کہ شنکر کا قاتل اس کے بارے میں خاصا باخبر ہے۔ کہیں نہ کہیں تو ہمارا اور اس کا آمنا سامنا ہونا ہی ہے۔ اس وقت کی باتیں ملاقات پر میرے کام آئیں گی۔"
"ہر وقت اپنے فائدے کے پہلو پر نظر مت رکھا کرو۔ یہ خطرہ کیوں فراموش کر رہے ہو کہ تم نے اسے اپنے ایک دشمن کی موجودگی سے آگاہ کر دیا ہے۔ اب وہ ہر وقت چوکنا رہے گا۔"
"رہا کرے۔ اسی اعصابی دباؤ میں اس سے غلطیاں سرزد ہوں گی جو میرے لیے سودمند ثابت ہو سکتی ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔"
"ایسی ہی غلطیوں کا ارتکاب تم کر بیٹھے تو کیا بنے گا؟" ویرا پھر بحث کے موڈ میں تھی۔
"کچھ بھی بن سکتا ہے۔ تیر کمان سے اور بات زبان سے نکل جائے تو اسے واپس نہیں لوٹایا جا سکتا۔ تمہیں یہ قیمتی مشورے دینے ہی تھے تو فون کرنے سے پہلے دیے ہوتے۔ اب چپ چاپ بیٹھی رہو۔"
"تم تو یہاں آ کر فرعون بے سامان بن گئے ہو۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ کب کیا کرنے والے ہو۔ ناشتے کی میز سے اٹھے اور کسی سے کچھ کہے سنے بغیر فون گھما دیا۔" وہ تنک کر بولی۔
"سیدھی بیٹھو۔ اس وقت پھر تمہارے شانے کا تل نظر آ رہا ہے۔ بھینگے ڈک کی طرح کہیں مجھ پر کوئی الزام نہ لگا دینا۔ غزالہ میری جان کو آ جائے گی۔"
"مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم کو غزالہ کی کتنی فکر رہتی ہے۔ میں اسے بہت اچھی طرح سمجھنے لگی ہوں۔ جس دن اسے تمہاری حرکتوں کا علم ہو گیا' وہ اپنی ساری نرم گفتاری کو بالائے طاق رکھ کر تمہارے حق میں خوں خوار ہو جائے گی۔ ایسی لڑکیاں اعتماد کا فریب برداشت نہیں کر پاتیں۔"
"اپنی ان منطقوں کو احتیاط سے اپنے پاس محفوظ رکھو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ درمیان میں تمہاری وکالت کی کوئی ضرورت نہیں۔"
اسے ٹالنے کے لیے میں نے اخبار اٹھا لیا۔ حقیقت یہ تھی کہ مارے جانے والے تینوں محافظوں کے ماضی کے بارے میں چھپنے والی خبر میری نگاہوں سے چوک گئی تھی۔
ان کی خراب شہرت کے بارے میں میز پر بات ہو ہی چکی تھی۔ ان کے ناموں سے معلوم ہوا کہ بظاہر وہ تینوں مسلمان ہی تھے یعنی اس واقعے کو ہندو مسلم منافرت کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا تھا۔
بارہ بجے اول خان آ موجود ہوا۔ اپنے معمول کے مطابق اس نے آتے ہی چائے کی فرمائش کی تھی۔

"آج ہر طرف سے خبریں ہی خبریں چلی آرہی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔"
سلام دعا کے بعد اول خان نے بات چھیڑی۔

"کوئی بری خبر ہو تو وہ پہلے سنا دو تاکہ بعد میں موڈ خراب نہ ہو۔" میں نے مشورہ دیا۔

"وہ بھی کئی ہیں۔ سب سے بڑی گڑبڑ یہ ہوئی کہ بیم گن کا نشانہ بننے والوں کی موت کے سبب کو پوسٹ مارٹم رپورٹ میں کسی جدید آتشیں ہتھیار کے استعمال کا نتیجہ قرار دے کر دبا دیا گیا ہے مگر اسپتال سے یہ اطلاع کسی طرح باہر آگئی ہے کہ دو لاشیں جسموں میں باریک سوراخوں کے ساتھ ملی تھیں۔"

"پاکستان میں بیم گن کا تصور اجنبی ہے۔ اگر کاغذات پر رپورٹ درست ہے تو ہمیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ وقت کے ساتھ یہ خوف خود بخود ختم ہو جائے گا۔"

"میری دعا ہے کہ ایسا ہی ہو۔ وقت کے فرق کی وجہ سے میں کل یا پرسوں کا تعین کرنے سے قاصر ہوں۔ بہرحال یہ سمجھ لو کہ نیویارک میں جینی نامی کسی لڑکی نے تمہاری اور ویرا کی بہت سی سرگرمیوں کے بارے میں پولیس چیف کو اپنا رضاکارانہ بیان دے کر سنسنی پھیلا دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ امریکا میں کشت و خون کرنے کے بعد تم اسے دھوکا دے کر امریکا سے فرار ہو چکے ہو۔"

"اس کی طرف سے مجھے شبہ تھا کہ وہ ایسا ہی کرے گی۔" میں نے اپنے دل میں جینی کے لیے ہمدردی کی ایک لہر محسوس کرتے ہوئے اعتراف کیا "ہم نے اس کے اعتماد کو دھوکا دے کر بہت بے رحمی سے اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا تھا۔ اس نے اپنے طور پر بعض کڑیاں یکجا بھی کرلی تھیں۔ وہ اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے پولیس کے پاس گئی ہے۔ وہ لوگ اب لکیر پیٹنے کے سوا کچھ نہیں کرسکیں گے۔"

"نتائج اخذ کرنے میں اتنی عجلت سے کام نہ لو۔ ان خبروں کی تیسری کڑی یہ ہے کہ دفترِ خارجہ میں اعلیٰ ترین سطح پر امریکی سفیر کو طلب کرکے پاکستان نے گیپ کے بارے میں شدید ترین احتجاج کیا ہے۔ سنا ہے کہ امریکی سفیر کو اس ناپاک سمجھوتے کے اصل کاغذات دکھا کر جواب طلب کیا گیا تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود اصل کاغذوں کے بجائے ان کی نقل اس کے حوالے کی گئی ہے۔"

"یہ بڑی بات ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ہم آج بھی ایک آزاد اور خود مختار ملک کی حیثیت سے امریکا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ کڑوے کسیلے سوالات کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔"

"ان سوالوں کے دو جواب بھی آچکے ہیں۔ تمہیں امریکا کا قومی مجرم قرار دے کر پاکستان سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ تمہیں جلد از جلد گرفتار کرکے امریکا کے حوالے کیا جائے تاکہ تم پر وہاں کی عدالتوں میں وہیں کے قانون کے مطابق مقدمات چلائے جاسکیں۔" اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"دوسرا جواب کیا ہے؟" میں نے مضطربانہ تجسس کے ساتھ سوال کیا۔

"گیپ کے بارے میں ہر الزام کو فوری طور پر مسترد کرکے مطالبہ کیا گیا ہے کہ پانچوں اصل کاغذ امریکا بھیجے جائیں تاکہ واشنگٹن میں بیٹھے ہوئے ماہرین ان کی اصلیت یا کسی بین الاقوامی جعل سازی کا تعین کرسکیں۔ اس کے بعد ہی گیپ کے بارے میں کوئی بات ہوسکے گی۔"

"پاکستان اس بارے میں کیا کررہا ہے؟" میں نے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"سرکاری موقف سامنے آنے میں وقت لگتا ہے لیکن عام تاثر یہی ہے کہ گیپ کے اصل کاغذ نہیں دیے جائیں گے۔ وہ ایک بار ان کے قبضے میں چلے گئے تو انہیں تلف کرکے جعلی کاغذ لوٹا دیے جائیں گے۔"

"پھر تو یہ معاملہ یہیں ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"یہی قرین قیاس نظر آرہا ہے۔ ہم اصل کاغذ ان کے حوالے نہیں کریں گے، وہ الزام تسلیم نہیں کریں گے۔"

"کیا یہ معاملہ کسی بین الاقوامی فورم پر نہیں لے جایا جاسکتا؟"

"ہوسکتا ہے لیکن ہم اس پیمانے پر امریکا کے ساتھ محاذ آرائی کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ ہمارے خلاف انتقامی پابندیوں کا پنڈورا باکس کھل جائے گا۔"

"مجھے دکھ ہے کہ گیپ کے بارے میں ہماری ساری دوڑ دھوپ بے سود ثابت ہوگی۔"

"اس کا سوگ منانے کے بجائے اب اپنی خیر مناؤ۔ تمہارے بارے میں ایک مرتبہ پھر خطرات سر ابھار رہے

ہیں۔ امریکا کے مقامی ایجنٹوں کو بھنک بھی مل گئی کہ گلشنِ اقبال میں ہونے والی تہرے قتل کی واردات میں بیم گن استعمال ہوئی تھی تو انہیں تمہاری موجودگی کا یقین ہوجائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ چند روز میں امریکا سے آنے والے سراغ رساں یہیں ڈیرے ڈال کر بیٹھ جائیں۔"

"ٹائمنگ غلط ہوگئی۔ سارے کام ایک ہی وقت میں چل پڑے ہیں۔"

"اتفاق کی بات ہے ورنہ گلشنِ اقبال والے معاملے کو التوا میں ڈالا جاسکتا تھا۔"

"ہم انہیں ڈھیل دیتے تو وہ کسی بھی وقت ہم پر ٹوٹ پڑتے۔ میرے لیے یہ معاملہ اہم ترین اور فوری توجہ کا متقاضی تھا۔ اس پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا جاسکتا تھا۔"

"بحث بے سود ہے۔ ہم اپنے کارڈز کھیل چکے۔ دیکھنا ہے کہ دوسری طرف سے کیا ہوتا ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو' ہمیں ہروقت آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی۔ اگر کھٹول اور مدن موہن ایک دوسرے کے قریب تھے تو کھٹول کے امریکیوں سے بھی گہرے مراسم ہوں گے۔"

"میرے آدمی آج شام تک اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم کرلیں گے۔ اگر وہ خطرناک نظر آیا تو اس کو راستے سے ہٹانے کی منصوبہ بندی کرنی پڑے گی۔"

"وہ بہت چالاک اور ٹھنڈے ماتھے والا آدمی ہے۔ ایسے لوگ بہت گھنّے ہوتے ہیں۔ آخری لمحات تک کسی کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ وہ کیا کرنے والے ہیں۔"

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟" میری رائے سن کر وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"تھوڑی دیر پہلے فون پر اس سے مذاکرات ہوئے تھے۔ میں نے اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ شنکر کا قتل ایک رقابت کا شاخسانہ تھا۔"

"اچھا ہے کہ اس غلط فہمی میں وہ چند روز تک بھٹکتا رہے گا۔" اول خان خوش ہوکر بولا "مجھے پوری بات بتاؤ کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔"

میں نے اپنی اور کھٹول کی گفتگو کا ذکر چھیڑا ہی تھا کہ ویرا بھی وہیں آکر قریب بیٹھ گئی۔ میں خاموشی سے اسے گھور کر رہ گیا کیونکہ اس کی سانسوں سے بیئر کی بو آرہی تھی۔

"تم نے اسے چھیڑ کر غلطی کی۔" پوری بات سن کر اول خان نے کہا "سوئے ہوئے دشمن کو جھنجوڑ کر جگانا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔"

"بالکل یہی رائے میری بھی تھی۔" ویرا نے موقع پاکر اسے شہ دی "مگر ڈینی پر ہروقت افلاطون بننے کا خبط سوار رہتا ہے۔ اسے تم ہی سمجھا سکتے ہو۔"

"یہ فلیٹ اس کی نظروں میں ہے۔ اگر اس نے تمہاری رقابت والی کہانی پر یقین کرلیا ہے تب بھی وہ اپنی جھنجلاہٹ اتارنے کے لیے یہاں کوئی جوابی کارروائی کرسکتا ہے اور کچھ ہو یا نہ ہو' اسے اپنے آدمیوں کے سامنے سرخ روئی حاصل ہوجائے گی۔"

"برے لوگ دھونس اور بھرم قائم رکھنے پر جان دیتے ہیں۔ یہ میرے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تمہارے آدمی اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اگر وہ کسی منصوبے پر عمل کرنے کے لیے زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ کرے گا تو بات ہم تک پہنچ ہی جائے گی۔"

"تیرو تفنگ اور بھاگ دوڑ کے زمانے لد گئے۔" ویرا نے فضا میں ہاتھ نچا کر تلخی سے کہا "اب بڑے بدمعاش اپنی پُرتعیش خواب گاہوں میں اینڈا اینڈ کر اپنے آدمیوں کی ڈوریاں ہلاتے ہیں۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ ٹیلیفون اور وائرلیس سیٹوں کے بعد اب پاکستان میں موبائل فون بھی آگئے ہیں۔ چند روز کی بات ہے پھر گدھا گاڑیوں والے بھی موبائل فون لیے اپنے اڈوں پر موجود رہا کریں گے۔"

"موبائل فون یہاں کب سے آگئے۔" میرے لیے وہ اطلاع نئی تھی اس لیے میں اصل موضوع کو بھول کر اسی کی طرف متوجہ ہوگیا "ہم لوگ اس سہولت سے کیوں محروم ہیں؟"

"یہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔" اول خان نے مجھے آگاہ کیا "ابھی تجرباتی طور پر صرف ایک کمپنی محدود وسائل کے ساتھ میدان میں اتری ہے۔ دباؤ کم ہوجائے تو ہم بھی ہروقت ایک دوسرے سے رابطے میں رہنے کے لیے یہ سہولت استعمال کرسکیں گے۔"

سلطان شاہ شاید لابی میں کھڑا ہماری باتیں سن رہا تھا۔ وہ فوراً ہی ڈرائنگ روم میں آگیا اور بولا "آگے کی منصوبہ بندی کرنے کے بجائے ہمیں آج کی فکر کرنی چاہیے۔ تم لوگ شترمرغ کی طرح ریت میں گردن دے کر طوفان کو ٹلا ہوا سمجھ رہے ہو یا پھر سب کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں۔"

"تم کون سے طوفان کی خبر لائے ہو؟" ویرا نے اس کا

مضحکہ اڑانے کی کوشش کی۔

"تم دونوں امریکا گئے ہوئے تھے اس لیے بہت سی باتیں تمہارے ذہنوں سے نکلی ہوئی ہیں۔" سلطان شاہ اسے نظر انداز کرکے پوری طرح سنجیدہ ہوگیا "بھول جاؤ کہ ہمارے دشمن اس فلیٹ کی اصلیت سے بے خبر ہیں۔ مجھے یہیں سے اغوا کرکے لے جایا گیا تھا۔"

سلطان شاہ کی اس یاد دہانی پر فرطِ حیرت سے ہم تینوں کے دہانے کھل گئے اور اول خان پُرجوش لہجے میں بولا "حیرت ہے کہ ہم یہ اہم ترین نکتہ فراموش کیے بیٹھے ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زخموں کو خاصا افاقہ ہوا ہے کبھی یہ عقل کی بات کر رہا ہے۔" ویرا نے بادلِ ناخواستہ سلطان شاہ کی تعریف کی "ہمارے ایک دشمن کے باخبر ہونے کا مطلب ہے کہ یہ بات ان سب کے علم میں ہے۔ یہاں کا چکر لگانے والے شاید یہی دیکھنے آئے ہوں گے کہ ہم میں سے کونسا کون یہاں موجود ہے۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ خطرہ ٹلا نہیں بلکہ اور زیادہ بڑھ گیا ہے۔" اول خان پہلو بدل کر بولا "ہوسکتا ہے کہ اب تک ان کو تمہاری واپسی کی اطلاع مل چکی ہو......"

"اطلاع مل چکی ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر اصرار کیا "گلشن والی لاشوں کی مبہم پوسٹ مارٹم رپورٹوں سے تمام لوگ دھوکا کھا جائیں گے مگر متعلقہ لوگوں کو یہ سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوگی کہ اس خوں ریزی میں بیم گن کو استعمال کرنے والا ڈینی اینڈ کمپنی کا ہی کوئی فرد ہوسکتا ہے۔ کھٹول نے خود یہ نتیجہ اخذ نہ کیا تو اسے یہ بات سمجھا دی جائے گی اور پھر طبل بجا دیا جائے گا۔"

"ہماری غیر حاضری میں یہاں بیم گن استعمال نہیں ہوئی؟" میں نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سارے دشمن خاموش بیٹھے تمہاری واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ تم آئے اور یہاں گڑبڑ شروع ہوگئی۔"

وہ ایک حیرت انگیز اتفاق تھا کہ جب نیویارک میں پیری کاڈیلس اور بلیک ڈیڈ کے ذریعے ملی ہوئی بیم گن استعمال ہو رہی تھی تو کراچی میں ہماری بیم گن بند تھی۔ کراچی میں بیم گن کا استعمال شروع ہونے سے پہلے نیویارک والی بیم گن اس کے اصل مالک تک پہنچ چکی تھی۔ اس اتفاق کی روشنی میں صرف ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ کراچی سے نیویارک تک صرف ایک ہی بیم گن استعمال کی جارہی تھی۔ اس نظریے کی تصدیق کے لیے جینی کا بیان پیش کیا جاسکتا تھا۔

"مان لو کہ نقشہ کچھ گمبھیر ہو چلا ہے۔" اول خان نے رسانیت سے کہا "ہمیں کسی برے وقت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"تیاری سے شاید کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" ویرا نے فیصلہ صادر کردیا "اس فلیٹ میں ہمارے قیام کی کہانی اتنی دور تک پھیل چکی ہے تو ہمیں خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کسی کسی محاذ پر مصلحت انگیز پسپائی بھی فتح کے برابر شمار کی جاتی ہے۔"

"یہاں سے نکل کر ہم کہاں جائیں گے؟" سلطان شاہ تشویش میں مبتلا ہوگیا۔

"عارضی طور پر ہمیں ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑنا ہوگا۔ ڈینی اپنے پرانے دوست جہانگیر کے گھر چلا جائے گا۔ میں، غزالہ کے ساتھ اول خان کے گھر میں رہ سکتی ہوں۔ تم چاہو تو ملیر چھاؤنی میں ایس ٹی ایف کے کسی مہمان خانے میں قیام کرسکتے ہو۔" ویرا نے تجویز پیش کی۔

"یہ تجویز بہت محفوظ اور مناسب ہے۔" اول خان اس کی تائید میں بولا "تم لوگوں کے نکلتے ہی میرے چند آدمی یہاں بیٹھ جائیں گے اور آنے والوں کے دانت کھٹے کردیں گے۔"

"ہم نے حالات کے منفی رخ پر بہت تیزی کے ساتھ سوچنا شروع کردیا ہے۔" میں نے اول خان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا "ہمیں کب تک یہاں سے نکل جانا چاہیے؟"

"جلد از جلد۔" اول خان نے بلا توقف جواب دیا "اگر تم سوچنے کے لیے مہلت چاہتے ہو تو زیادہ سے زیادہ آج کی رات اس چھت کے نیچے گزار لو۔ کل دوپہر سے پہلے تم سب کو یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"میں یہی جاننا چاہ رہا تھا۔ کل دوپہر سے پہلے فیصلہ ہوجائے گا۔" میں نے کہا۔

ان تینوں نے یک زبان ہو کر حالات کا ایسا نقشہ کھینچا تھا کہ میرے لیے اختلافِ رائے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ ایک طرف کھٹول اور اس کے غنڈوں کا ہوّا نظر آرہا تھا تو دوسری طرف امریکیوں کی طرف سے کسی بھرپور انتقامی کارروائی کا اندیشہ تھا مگر مجھے یقین تھا کہ ہماری مخالف قوتیں اتنی تیزی کے ساتھ متحد اور متحرک نہیں ہوسکیں گی۔

اول خان نے وہیں بیٹھے بیٹھے ایک نمبر گھمایا اور

کوڈورڈز میں کسی سے بات کرنے لگا۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ اپنے دفتری فرائض کی ادائیگی کے لیے تخلیہ چاہ رہا تھا۔ میں ویرا اور سلطان شاہ کو آنکھ سے اشارہ کرتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

"میں کس قسم کی باتیں سن رہی ہوں؟ اب ایسی باتوں سے طبیعت ہراساں ہونے لگی ہے۔" میرے' کمرے میں پہنچتے ہی غزالہ سر پر مسلط ہو گئی۔ وہ مسلسل گھر کے کام کاج میں مصروف تھی لیکن آتے جاتے ہوئے فلیٹ کی محدود فضا میں ابھرنے والی باتیں سن رہی تھی۔

"تم ان باتوں کا زیادہ اثر مت لو۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" میں نے اسے دلاسا دیا "ان تینوں کے ذہنوں پر مایوسی سوار ہو چلی ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ان کے مشورے پر آج ہی عمل کرلیا جائے اور ہم یہاں سے نکل کر اپنی اپنی راہ لیں؟ میرا اور آپ کا بندھن اٹوٹ ہے' ویرا ویسے ہی آزاد منش لڑکی ہے۔ جلد ہی کہیں نہ کہیں اپنا آشیانہ بسالے گی۔ سلطان شاہ مرد ذات ہے۔ اس کی جیب میں معقول رقم موجود ہو تو وہ کہیں بھی ٹک کر کوئی کاروبار جما سکتا ہے۔ آخر ہم ایک دوسرے کے ساتھ کیوں بندھے ہوئے ہیں؟" غزالہ نے ایک ہی سانس میں تجاویز پیش کرنے کے ساتھ نازک سا ایک سوال بھی کر ڈالا۔

"اپنے سوال کے جواب میں تمہیں ہر جواب مل جائے گا۔ تم نے کبھی سوچا ہے کہ یہ لوگ سائے کی طرح ہمارے ساتھ ساتھ کیوں لگے رہتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

غزالہ نے معصومانہ انداز میں سر ہلا کر اپنی بے خبری کا اعتراف کرلیا۔

"دونوں مجھے اپنا بڑا تسلیم کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے تحفظ کے لیے ہمارے سائے میں پناہ لی ہوئی ہے کیونکہ ان کا اور ہمارا مشن ایک ہے۔ میں یک بہ یک انہیں الوداع کہہ کر اپنے مشن سے انحراف نہیں کرسکتا۔ یہ میری سب سے بڑی مجبوری ہے۔"

"یہ مشن تو زندگی بھر پورا نہیں ہو سکتا۔" غزالہ نے مایوسی سے کہا "کائنات میں نیکی اور بدی کی قوتیں روز اول سے بر سرپیکار ہیں۔ کوئی پیغمبر بھی روئے زمین سے برائیوں کا مکمل خاتمہ نہیں کرسکا۔ ایک دن ہم لوگ بھی اسی مشن کا ایندھن بن جائیں گے۔ ہم نہیں ہوں گے تو کوئی دوسرا ہماری طرح یا شاید ہم سے زیادہ بہتر انداز میں ان برائیوں سے لڑ رہا ہوگا تو کیوں نہ ہم آج ہی پیچھے ہٹ کر تھوڑی سی زندگی آزادی اور اپنی مرضی سے گزار لیں؟ ہم انسان ہیں' ہمیں انسانوں ہی کی طرح رہنا اور سوچنا چاہیے۔"

میں نے اس کے روبرو کھڑے ہو کر اس کی جھیل جیسی گہری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور ملائمت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "یہ سب ہو سکتا ہے۔ ہم آج ایک بات دل پر رکھ لیں تو ان میں سے کوئی بھی ہمیں نہیں روک سکے گا۔ وہ تینوں اپنے دل مسوس کر رہ جائیں گے۔ دیوانوں کی اس ٹولی سے بچھڑ کر ہم صرف اپنے لیے زندہ رہیں گے۔ ان منشیات فروشوں کے خلاف ہمارا جہاد ختم ہو جائے گا جو ہر روز ہمارے گرد و پیش میں نہ جانے کتنی غزالاؤں کے کامران ٹھنڈے کر رہے ہیں' ماؤں کے لال اور بہنوں کی عزتوں کے محافظ موت کے ان سوداگروں کی ہوسِ زر کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں۔"

غزالہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں "ممی اور کامران بھائی کی یاد دلا کر آپ نے میرے پرانے زخموں کو تازہ کر دیا ہے۔ ان ظالموں کے خلاف میں آج بھی دنیا کے آخری سرے تک جانے کے لیے تیار ہوں لیکن اب آپ ان سے نہیں لڑ رہے' آپ روز بہ روز پُر پیچ سیاست میں الجھتے جا رہے ہیں۔"

"تم بہت نادان ہو۔" میں نے اس کا رخسار تھپتھپا کر کہا۔ "یہ موت کے سوداگروں کے بہروپ ہیں۔ آج بھی ہماری لڑائی ان ہی سے ہو رہی ہے۔ ٹی اور مافیا کیا تھی؟ ڈیوڈ اسٹارز کس سرمائے سے پل رہے ہیں؟ را اور سی آئی اے والوں کو بے اندازہ وسائل کہاں سے دستیاب ہو رہے ہیں....."

"یہ سب درست ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کر مصالحانہ انداز میں کہا "مگر آج یہ سارے محاذ ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔ آپ کی لڑائی کھٹول راجوانی سے ہے جو نہ جانے کون ہے۔"

"تم اپنی جگہ درست ہو۔" میں نے اقرار کیا "میرے سوا ہر ایک کو اس سے خوف آ رہا ہے۔ وہ بظاہر ایک جاگیر دار ہے مگر مجھے شبہ ہے کہ وہ بھی ہیروئن کے دھندے میں ملوث ہے۔ میرے اردگرد سلگتے ہوئے راکھ کے ہر ڈھیر میں تمہیں ہیروئن کی چنگاری ضرور نظر آئے گی.... موت کے

سوداگر اپنے اصل روپ میں ہوں یا بہروپ میں، میرے سامنے آئیں، میرے اندر کا وجدان انہیں پہچان لیتا ہے۔"

"تو کیا کھٹومل را کا ایجنٹ نہیں ہے؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔ ماں اور بھائی کے ذکر پر طاری ہونے والی رقت اس کے دل سے دور ہو چکی تھی۔

"وہ نہ جانے کیا کیا بنا ہوا ہوگا۔ اس کے ایک ایک پرت کو اتار کر تم آخر میں دیکھو گی تو تمہیں ہیروئن کا ایک گھناؤنا سوداگر نظر آئے گا جو پیسوں کے مول موت بانٹتا پھرتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" غزالہ نے مغموم مسکراہٹ کے ساتھ پُرجوش انداز میں میرا ہاتھ دبایا "آج کے بعد میں اس بارے میں آپ سے کوئی شکایت نہیں کروں گی۔"

"شاباش! جب تک مجھ میں ہمت اور حوصلہ ہے، مجھے ان مکروہ چہروں سے لڑنے دو۔ لڑتے لڑتے جس دن میں تھک گیا، انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر دستبردار ہو جاؤں گا اور اسی دن یہ کہانی ختم ہو جائے گی۔"

"میں پورے صبر اور استقامت سے اس مبارک دن کا انتظار کروں گی جب آپ اپنے دشمنوں کو بھول کر صرف اور صرف میرے بارے میں سوچنا شروع کریں گے۔" اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

غزالہ کی وہ ادا اس قدر سادہ مگر سحر انگیز تھی کہ میرا دورانِ خون یک لخت تیز ہو گیا لیکن خواب گاہ کا کھلا ہوا دروازہ میرے کسی حرارت آفریں اور منہ زور جذبے کی زنجیر بن گیا۔ میں اپنا سر جھکا کر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے سے باہر نکل گیا۔

ڈرائنگ روم کی فضا میں بیئر کی تازہ بُو ظاہر کر رہی تھی کہ ویرا موقع پا کر دوبارہ اپنے پسندیدہ مشغلے سے فارغ ہو چکی تھی۔ اول خان بھی فون پر گفتگو ختم کر چکا تھا اور اس وقت پورے انہماک سے ویرا کی کوئی سنجیدہ تقریر سننے میں مصروف تھا۔

میں نے دور ہی سے کھنکھار کر اپنی موجودگی کا اعلان کیا تو ویرا ہنس پڑی "بے فکر ہو کر چلے آؤ۔ یہاں کوئی راز و نیاز نہیں ہو رہے۔ تمہارا ہی ذکرِ خیر ہو رہا تھا۔"

"تم کہتی ہو تو مانے لیتا ہوں ورنہ تمہارے ذکر میں خیر کا عنصر کم ہی ہوتا ہے۔"

"کسی دن تم نے مجبور کر دیا تو اپنی شرپسندی کا ایسا کمال دکھاؤں گی کہ تم بس تلملا کر رہ جاؤ گے۔"

"پتا نہیں سامنے آنے کے بعد تم دونوں ایک دوسرے سے کیوں الجھنے لگتے ہو۔" اول خان نے صوفہ چھوڑ کر اٹھتے ہوئے کہا "ابھی ویرا تمہارے لیے تعریفوں کے پُل باندھ رہی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے تم نے امریکا میں رہتے ہوئے اپنے تمام حریفوں کو ناک چنے چبوا دیے ہوں۔"

میں نے اس کی وہ بات سنی اَن سنی کرتے ہوئے پوچھا۔ "تم ابھی کسی سے بات کر رہے تھے۔ کھٹومل کے بارے میں کوئی خیر خبر ملی یا ابھی تک سناٹا ہی سناٹا ہے؟"

"وہ لوگ فیلڈ میں ہیں۔ ان کی طرف سے دفتر میں پیغامات ضرور آئے ہوں گے۔ جاؤں گا تو ان کا جائزہ لوں گا۔ کوئی خاص بات ہوئی تو فون پر بتا دوں گا ورنہ شام کو واپسی پر ملاقات ہوگی۔"

اسے لفٹ میں الوداع کہہ کر میں پلٹا تو ویرا فلیٹ کے دروازے پر میری منتظر تھی۔

"ٹھنڈی بیئر پینے کا موڈ ہو تو میرے کمرے میں آ جاؤ.... مزہ آ جائے گا۔"

"تم موج کرو۔ مجھے دو چار دن الکحل سے دور ہی رہنے دو تو اچھا ہوگا۔"

وہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔ میں دوبارہ ڈرائنگ روم میں ہی لوٹ آیا۔ ویرا کی زبان سے جہانگیر کا ذکر سن کر میری طبیعت پر بے چینی اور ندامت سی طاری ہونے لگی تھی۔ امریکا سے میں نے ایک بار بھی فون کر کے اس کی خیریت معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی جب کہ وہ بے چارہ محض میری دوستی کی وجہ سے کئی بار شدید مالی اور جسمانی پریشانیوں سے دوچار ہو چکا تھا۔

دوسری طرف سے گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھا لیا گیا۔ ادھر سے سلمیٰ کی آواز سن کر میری روح فنا ہو گئی۔ میرا دل چاہا کہ کچھ کہے بغیر فون بند کر دوں مگر میں وہ غیر اخلاقی حرکت نہیں کر سکا۔

"اوہو.... تو تم زندہ ہو۔ ہم دونوں تو سمجھ رہے تھے کہ تم غزالہ کو چھوڑ کر بہانے سے ویرا کو بھگا لے گئے ہو۔ وہ حرافہ ہر وقت تمہارے ساتھ چپکی رہنے کی کوششوں میں لگی رہتی ہے۔"

سلمیٰ کے شکوے نے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ گھر میں کسی نے مجھے اس سے رابطے کے بارے میں اطلاع نہیں دی

تھی۔ دوسری طرف وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، حقیقت پر مبنی تھا۔ اسے میرے اور ویرا کے جانے کی کہانی غزالہ یا سلطان شاہ سے ہی معلوم ہو سکتی تھی۔

"مجھے تم جیسی مہربان ہستیوں کی سوچ کا اندازہ تھا۔ میں اس کے ساتھ لوٹ آیا ہوں۔"

"کہاں کہاں مزے اڑاتے رہے؟ مجھے حیرت ہے کہ غزالہ نے تمہیں ایسی ڈھیل دی ہوئی ہے۔"

"بیویاں اپنے شوہروں کا مزاج دیکھ کر ڈھیل دیتی ہیں۔" میں نے شوخی سے کہا "غزالہ مجھ پر پورا اعتماد کرتی ہے اور تم دیکھ سکتی ہو کہ ہم آج بھی خوش و خرم ہیں۔"

"تم نے میرے پہلے سوال کا جواب گول کر دیا۔ ذرا میں بھی تو سنوں کہ تم نے اسے کہاں کہاں کی سیر کرائی ہے۔"

"تمہارا اندازہ کیا کہتا ہے؟" مجھے ڈر تھا کہ کہیں اسے میرے صحیح پروگرام کا علم نہ ہو۔

"اندازے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ غزالہ نے بس اتنا بتایا تھا کہ تم ویرا کے ساتھ چند روز کے لیے مشرق بعید کی طرف نکل گئے ہو۔ ملکوں کے بارے میں وہ خود بے خبر تھی۔"

"اصل منزل بنکاک تھی پھر ذرا ہانگ کانگ بھی چلے گئے تھے۔" میں نے اطمینان سے کہہ ڈالا۔

"اوئی اللہ... یہ ویرا کی بچی کیا کرنے گئی تھی؟ میں نے تو سنا ہے کہ دنیا بھر میں صرف مرد ہی تفریح کے لیے بنکاک جاتے ہیں۔"

"سنی سنائی پر یقین مت کیا کرو۔ یہ بے پر کی خبر تمہارے میاں نے اڑائی ہوگی۔ جو لوگ اپنی بیویوں کے بغیر تفریح کے عادی ہوتے ہیں وہ ان سے پیچھا چھڑانے کے لیے ایسی ہی افواہیں تراش لیتے ہیں۔ وہاں آنے والوں میں عورتوں کی مجموعی تعداد مردوں سے بس ذرا ہی کم ہوتی ہوگی۔ گرمیوں میں وہاں کے ریتیلے ساحل گوری میموں سے پٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

میرا جواب سنتے ہی وہ ہنسنے لگی تھی "تم جہانگیر کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔ بنکاک کے بارے میں یہ غلط سلط باتیں انہوں نے ہی بتائی تھیں۔ وہاں سے تم کب واپس لوٹے؟"

"کل رات آیا تھا۔ اس وقت تمہیں فون کر رہا ہوں۔" میں نے اس کی دل جوئی کے لیے کہا۔

"بس فون ہی کر رہے ہو!" اس نے شکوہ کیا "ادھر کیوں نہیں آ جاتے؟"

اس کی آواز میں رونما ہونے والی تبدیلی محسوس کر کے میں جز بز ہو کر رہ گیا "کسی وقت غزالہ کے ساتھ ضرور آؤں گا۔ تم دونوں کو دیکھے ہوئے کافی دن ہو چکے ہیں۔"

"ان کو دیکھ کر تمہیں خوشی نہیں ہوگی۔ آج کل دکان میں بیٹھ کر ہلکی سی توند نکل آئی ہے۔"

"تو کیا اس نے کوئی دھندا شروع کر ہی لیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بتاتے ہیں کہ دوائیں بیچ رہے ہیں۔ دارو پینے والا دوائیں بیچنے لگے تو تم سمجھ لو کہ مریضوں کا کیا حال ہو سکتا ہے۔ بس ان کی دن بھر کی نوک جھوک سے نجات مل گئی ہے۔"

"اس کی دکان کا بھی چکر لگانا پڑے گا۔ کیا وہ وہیں گیا ہوا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تیار ہو کر روز دس بجے گھر سے نکل جاتے ہیں اور نو بجے سے پہلے ہی واپس آ جاتے ہیں۔ دن بھر مصروف رہنے کی وجہ سے پینا پلانا بھی کم ہو گیا ہے۔"

"تمہاری قدر بھی کرنے لگا ہوگا؟" میں نے احتیاط سے سوال کیا۔

"یہ کام ان کے بس سے باہر ہے۔" اس کی آواز میں ہلکی سی تلخی آ گئی "رات کو پینا شروع کرتے ہیں تو روز کسی نہ کسی خوب صورت عورت کا ذکر ضرور کرتے ہیں جو ان کی دکان پر دوا لینے آئی ہو۔"

"مجبوری ہے۔ پچھلے برسوں میں تم سے لڑ لڑ کر یہ اس کا مزاج بن گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں جلانے کے لیے اپنے دل سے ایسی کہانیاں گھڑ لیتا ہو..."

"میں ہر بار کچھ سوچ کر خاموش ہو جاتی ہوں۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی "میں نے ایک دن بھی گھر پر دودھ پہنچانے والے کی تعریف میں چند لفظ کہہ دیے تو وہ ناچ اٹھیں گے۔"

"بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔" میں نے بوکھلا کر مشورہ دیا "وہ تمہیں زندگی بھر اسی گوالے کے طعنے دیتا رہے گا اور تمہاری زندگی عذاب ہو کر رہ جائے گی۔"

"میں خاموش ہی رہتی ہوں مگر کب تک؟ میں بھی ان کی طرح انسان ہوں۔ کسی دن میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو نتیجے کی پروا کیے بغیر ان کی طبیعت صاف کر دوں گی۔ دنیا بھر میں وہ تمہارے سوا کسی مرد کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔ میں نے بارہا ان کے سامنے تمہاری تعریفیں کی ہیں لیکن وہ ا...

ذرا بھی برا نہیں مانتے۔ خود بھی کھل کر میرا ساتھ دیتے ہیں۔"

"اس کا یہی اعتبار مجھے بھٹکنے سے روکتا ہے اور تم سمجھتی ہو کہ میں تم سے دور بھاگتا ہوں۔" میں نے وہ نکتہ فوراً اپنی صفائی میں استعمال کر ڈالا۔

"ٹھیک ہے۔" سلمیٰ فون پر ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "میں تمہارے ان بہانوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ جب تک دل چاہے' بے نیازی دکھاتے رہو۔ ایک نہ ایک دن تم میری بات سمجھ ہی لو گے۔"

"اس کو میرا سلام کہہ دینا۔ میں رات کو دوبارہ فون کروں گا۔" میں نے اس کی بڑھتی ہوئی بے تکلفی سے خائف ہو کر فون بند کر دیا۔

میرے لیے یہ بات باعثِ اطمینان تھی کہ سلمیٰ نے کسی پریشانی کا ذکر نہیں کیا تھا۔ کچھ لوگ ہمارے فلیٹ کی طرف ضرور متوجہ تھے لیکن اس بار میری وجہ سے جہانگیر میرے دشمنوں کا نشانہ بننے سے محفوظ تھا۔ کوئی مسئلہ کھڑا ہونے کی صورت میں اس کے گھر میں پناہ لی جا سکتی تھی۔

وہ دن کسی خاص واقعے کے بغیر دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ شام کو چار بجے ویرا کو اچانک بلیک ڈیڈ کا خیال آگیا۔ وہ فون پر اس کی خیریت جاننے کی خواہاں تھی۔

"اسپیکر فون موجود ہے۔ اس سے سی ایس ڈی بھی منسلک ہے۔ نمبر ملاؤ اور بات کر لو۔" میں نے اپنی جگہ سے جنبش کیے بغیر بے پروائی سے کہا۔

"تو کیا تم اس سے بات کرنے کے خواہش مند نہیں ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"میرا اندازہ ہے کہ میری یا تمہاری خواہش پوری ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"کیوں؟ تمہارے خیال میں وہ غائب ہو چکا ہوگا؟" اس نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"اسے روپوش ہونے کا موقع مل گیا تو وہ خوش نصیب ہوگا ورنہ تمہاری موٹی سہیلی کے پھیلائے ہوئے فتور کے بعد اس کا قانون کے شکنجے میں پھنسنا ناگزیر نظر آ رہا ہے۔"

"جینی نے ہمیں پہلے ہی اپنے عزائم سے آگاہ کر دیا تھا۔ اگر بلیک ڈیڈ اس کے بیان کی وجہ سے پھنستا ہے تو اس کی اخلاقی ذمے داری ہم دونوں پر آتی ہے۔ ہمیں بلیک ڈیڈ کو بھی ہوشیار کر دینا چاہیے تھا۔"

"تم بھول رہی ہو کہ جینی کی کہانی میں بلیک ڈیڈ کا نام کہیں بھی نہیں آیا ہوگا۔"

"پھر بھی اس کے دہرائے ہوئے واقعات اس کی نشان دہی کریں گے۔ ہمارے ہر جرم کا کریڈٹ اپنے سر لینے کے چکر میں وہ دلدل میں غرق ہو چکا ہوگا۔"

"یہ اس کے مقدر کا چکر ہے۔ تم فون پر دیکھ لو۔ وہ نہ ہوا تو جوڈی سے بات ہو جائے گی۔"

"ایک بار اس لعنتی بڑھیا سے بھی بات کر ہی لی جائے۔" ویرا فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔

نیویارک میں وہ صبح سویرے کا وقت تھا۔ صبح کے چھ سوا چھ بجے وہاں وہی لوگ بیدار ہوتے ہیں جنہیں ڈیوٹی کی کوئی مجبوری درپیش ہوتی ہے۔ متعدد گھنٹیوں کے بعد اسپیکر فون پر جوڈی کی کرخت اور جھٹکے دار آواز کسی کٹ کھنّی بلی کی غراہٹوں سے مشابہ تھی۔

ویرا نے روزی برڈ کے نام سے اپنا تعارف کراتے ہوئے بلیک ڈیڈ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو نیند کے گہرے خمار کے باوجود بڑھیا کی آواز نرم پڑ گئی۔

"بے بی! وہ بے چارہ تیزی سے دوڑتے دوڑتے اچانک منہ کے بل گر پڑا ہے۔ اس سے تمہاری بات نہیں ہو سکے گی۔ ہم سب اس کے لیے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اسے کچھ ہوا تو نیویارک کے لاکھوں کالے اپنے حقیقی باپ کے سائے سے محروم ہو کر یتیم ہو جائیں گے۔"

جوڈی کے ان پیچ دار مکالموں پر ویرا کے دیدے پھیل گئے۔ الفاظ کے گورکھ دھندے میں بلیک ڈیڈ کے ساتھ پیش آنے والے اصل واقعے کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں تھا۔

"جوڈی! سلیس انگریزی میں بتاؤ کہ کیا ہوا ہے۔ اسے کیا حادثہ پیش آیا ہے؟"

فون پر جوڈی نے کسی نامعلوم عورت کو چند انتہائی غلیظ گالیاں دیں پھر کہا "یہ حادثہ ٹیلی وژن پر جینی کے بیان کے بعد پیش آیا تھا۔ وہ خود کو کسی ویرا لائیڈ کی سہیلی بتا رہی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے وہ بیان بہت غور سے سنا تھا کیونکہ جینی نے اس کے کئی کارنامے ویرا اور اس کے بوائے فرینڈ ڈینی کے کھاتے میں ڈال دیے تھے۔ بلیک ڈیڈ نے روپوشی کی تیاری کرتے ہوئے پورا بیان سنا تھا۔"

"رک کیوں گئیں؟ بات پوری کرو!" لائن پر سکوت طاری ہوتے ہی ویرا نے اسے ٹوکا۔

"اس نے خطرہ بھانپ لیا تھا۔ وہ اپنے دو وفاداروں کے ساتھ نکلا لیکن ٹائمز اسکوائر کی بھیڑ سے نکلنے سے پہلے ہی پولیس کے ایک اسپیشل اسکواڈ نے اسے گھیرے میں لے لیا۔ گولیاں چلیں، مقابلہ ہوا لیکن بلیک ڈیڈ نہیں بچ سکا۔ اب وہ پولیس کی تحویل میں ہے۔"

"ملنے جاؤ تو اس دلیر شخص کو میرا سلام پہنچا دینا۔ میں اس کے لیے اداس اور دل گرفتہ ہوگئی ہوں۔"

"ہم سب کا ایک ہی حال ہے بے بی!" جوڈی کی آواز رقّت کی وجہ سے ڈراؤنی ہوگئی۔ ویرا نے جواب میں مزید کچھ کہے بغیر فون بند کردیا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔ جینی کی وجہ سے وہاں سب کچھ تلپٹ ہوکر رہ گیا ہے۔" ویرا کو میرے اندیشوں کی تائید کرتے ہوئے کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی۔

"دعا کرو کہ تبدیلیوں کا یہ سلسلہ زیادہ دراز نہ ہو ورنہ نئے مصائب اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

"بلیک ڈیڈ کی گرفتاری شاید تبدیلیوں کی آخری کڑی تھی۔ اس سے آگے کیا ہوگا؟"

"آئزک بیل بھی ابھی تک قید میں ہے۔ وہ شروع سے وہی باتیں کہتا چلا آرہا ہے جو جینی نے اب بتائی ہیں۔ اسے دوبارہ اہمیت ملنے کا امکان ہے۔"

"ہا.... آں!" ویرا نے سوچتے ہوئے کہا "اہمیت اس کے بیانات کو ملے گی۔ اسے مرکر بھی اپنا کھویا ہوا مقام نہیں مل سکتا۔ سی آئی اے والے سی ون تھرٹی کا حساب بے باق کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور اب یہ بھی ثابت ہوچکا ہے کہ گیپ کے کاغذ اس کی تحویل سے نکل کر پاکستان پہنچ چکے ہیں۔ یہ دونوں جرائم اس کی زندگی تباہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ واشنگٹن والے رازداریوں کے معاملے میں بہت سفاکی سے فیصلے کرتے ہیں۔"

"امریکا میں جنم لینے والی تبدیلیوں کی یہ لہر جلد ہی پاکستان کا رخ کرے گی۔" میں نے سگریٹ کا کش لے کر خود کلامی کے انداز میں کہا "آنے والے دن ہنگامہ خیز ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"ساری اہمیت وقت کی ہے۔ صحیح فیصلہ وہی ہوتا ہے جو بروقت کیا جائے۔ بلیک ڈیڈ نے وقت گزر جانے کے بعد فیصلہ کیا اور اب وہ گردش میں ہے۔ ہمیں آنے والے دنوں کے لیے ابھی سے تیار ہوجانا چاہیے۔"

"آج رات ٹھنڈے دل سے ایک بار پھر ہر اونچ نیچ پر غور کرلو۔ تجویز میں کوئی خرابی سامنے نہ آئی تو ہم کل یہ فلیٹ ضرور چھوڑ دیں گے۔ یہ واقعی مخدوش ہوچکا ہے۔"

"مجھے تو اس وقت بھی یہ محسوس ہورہا ہے جیسے ہم کسی آتش فشاں کے دہانے میں بیٹھے ہوں۔ کھٹول کا معاملہ میری نگاہوں میں کھٹک رہا ہے۔ پتا نہیں اول خان کے آدمی کہاں جھک مارتے پھر رہے ہیں۔"

سوا پانچ بجے تک اول خان کی طرف سے فون نہیں آیا لیکن وہ خود آپہنچا اور میرے اعصاب پر بڑھتا ہوا دباؤ بڑی حد تک کم ہوگیا۔ ہمیں اس سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس نے ہمارے چہروں سے اندازہ لگالیا کہ انتظار کی شدت سے ہمارے اعصاب چیخ رہے تھے۔

"کھٹول کی طرف سے کسی قسم کا فوری خطرہ درپیش نہیں ہے۔" اس نے بتایا "وہ اپنے گھر میں موجود ہے اور اس کے مکان کے لان پر ایک پُر تکلف ضیافت کا اہتمام ہورہا ہے جس میں موسیقی کے پروگرام کے بعد یا شاید وقفے میں طعام کا بندوبست بھی شامل ہے۔"

میں نے ویرا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اطمینان کی جھلکیاں نظر آئیں۔ اگر کھٹول اس رات کسی بڑی محفلِ راگ و رنگ کی میزبانی میں مصروف تھا تو ہم چین کی نیند سو سکتے تھے۔

"یہ واقعی اہم اطلاع ہے۔" ویرا اول خان سے کہہ رہی تھی "اس کے گھر میں کوئی تقریب ہورہی ہے تو اس کی داغ بیل کئی دن پہلے ڈالی گئی ہوگی۔ ہمارے لیے وہ اپنی اس تقریب کو خراب نہیں کرے گا۔ اسے کچھ کرنا ہی ہے تو وہ آج کے بعد کسی بھی وقت سامنے آجائے گا۔"

"کہیں دہشت گردی کرنے کے لیے اسے خود میدان میں اترنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس کے پاس تجربے کار آدمیوں کی ایک ٹیم موجود ہے۔" اول خان نے اسے یاد دلایا۔

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" ویرا نے چونک کر اس سے سوال کیا۔

"سیدھی سی بات ہے۔ وہ کچھ کرنا چاہے تو آج رات بھی کرسکتا ہے۔ وہ خود راگ و رنگ کی محفل سجائے بیٹھا رہے گا۔ اس کے آدمی اپنا کام کرگزریں گے۔" وہ بولا۔

"تمہارے آدمیوں نے سارا دن گزار کر یہی دو باتیں

معلوم نہیں کی ہوں گی۔" میں نے ان کی گفتگو میں پہلی بار دخل اندازہوتے ہوئے پُرخیال انداز میں سوال کیا۔

"بہت سی باتیں ہیں۔ میں نے ابھی صرف اہم ترین نکتہ بتایا ہے۔۔۔"

"اس کی آج کی سرگرمیوں پر بھی نظر رکھنے کی کوشش کی گئی ہوگی؟"

"اس نے سارا دن اپنے گھر پر گزارا ہے۔ اس کے تینوں فون بھی مانیٹر کیے جاتے رہے ہیں۔ اس نے کسی سے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کی بنا پر اسے مشتبہ قرار دیا جاسکے۔"

"میں یہی جاننا چاہ رہا تھا۔ اس کی مکمل خاموشی کا مطلب یہ ہے کہ ہم آج کی رات سکون سے گزار سکیں گے۔ جو کچھ ہونا ہے' کل دن کے اجالے میں ہی ہوگا۔"

"سکون کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بالکل ہی غافل ہوجائیں۔ ہمیں چوکنا رہنا ہوگا۔ میں نے اپنے چار بہترین آدمی اس عمارت کے آس پاس مامور کردیے ہیں۔ ان کی نظروں سے بچ کر کوئی بھی مشکوک آدمی تمہارے فلیٹ تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

"ایسی نگرانی کسی مکان کے لئے مؤثر ثابت ہوسکتی ہے۔ ان کثیرالمنزلہ فلیٹوں میں آنے والے ہر شخص پر نظر رکھنا آسان کام نہیں ہے۔ کوئی بھی کہیں سے اندر آسکتا ہے۔" ویرا بولی۔

"آنے والے صرف اسی صورت میں چور راستہ اختیار کریں گے جب انہیں یہ معلوم ہو کہ یہاں نگرانی کا کوئی سخت بندوبست کیا گیا ہے۔ عام راستے سے آنے والے مکین کو چوکیدار پہچانتے ہیں۔ ملاقاتیوں کو اوپر آنے کی اجازت دینے سے پہلے متعلقہ مہمان سے چوکیدار انٹر کام پر تصدیق کرتا ہے۔ اس کے بعد ہی کوئی نیا آدمی لفٹ یا زینے کا رخ کرسکتا ہے۔" اول خان نے اسے بتایا۔

"پھر روک تھام ہوسکتی ہے۔" ویرا مطمئن ہوگئی "شہر کی پرانی عمارتوں میں تو میں نے یہ دیکھا ہے کہ جس کا دل چاہے وہ عمارت میں گھس جاتا ہے۔"

"شہر میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی اور عدم تحفظ کے احساس کی وجہ سے بہت سے متمول لوگوں نے اپنے الگ تھلگ مکانوں کو چھوڑ کر نئے فلیٹوں میں سکونت اختیار کرنی شروع کردی ہے جہاں انہیں یقین ہوتا ہے کہ وہ بے فکری سے پاؤں پسار کر سوسکیں گے۔" اول خان نے دردمندی سے کہا "کیسے دکھ کی بات ہے کہ آج یہاں لوگ خود کو اپنے گھروں میں بھی محفوظ تصور نہیں کرتے۔"

"یہ مسائل ہر بڑے شہر میں تیزی سے ابھر رہے ہیں۔" ویرا شاید کھٹومل اور اس کے غنڈوں کی طرف سے مطمئن ہوچکی تھی اس لیے پوری یکسوئی سے اس سنگین عمرانی مسئلے پر تبادلۂ خیال میں مصروف ہوگئی "جدید حفاظتی انتظامات کے باوجود فلیٹوں میں بھی وارداتیں ہوتی ہی رہتی ہیں لیکن ان کا تناسب خاصا کم ہے۔ شاید اسی لیے ہم یہاں موجود ہیں۔"

"یہ رموز و نکات ان لوگوں کے لیے چھوڑ دو جو ان مسائل کے حل کے ذمے دار ہیں۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں ویرا کو مشورہ دیا "اس وقت یہ دیکھو کہ ہمارے مسائل کیا ہیں۔"

"کم از کم آج کی رات کوئی مسئلہ سامنے آنے کی امید نہیں ہے۔۔۔"

میں اس کی بات کاٹ کر اول خان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "تم کھٹومل کے بارے میں مزید کچھ معلومات کا ذکر کررہے تھے۔ ذرا ان پر بھی بات ہوجائے۔"

"کھٹومل بھی بیشتر جاگیرداروں سے مختلف نہیں ہے۔ اس نے غنڈوں کی فوج پالی ہوئی ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ ان غنڈوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو منشیات فروشی کے حوالے سے بدنام ماضی رکھتے ہیں اور آج بھی مشتبہ سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔"

"اس کی پشاور آمدورفت کے بارے میں معلوم ہوتے ہی میں کھٹکا تھا۔ آزاد سرحدی پٹی میں ہیروئن کے چھوٹے بڑے سودے کرنے والوں کا پہلا پڑاؤ پشاور میں ہی ہوتا ہے۔"

"اس کے باوجود کھٹومل کا ریکارڈ بالکل بے داغ ہے۔" اول خان نے زور دے کر کہا "آج تک اس کا کوئی آدمی کسی چکر میں گرفتار نہیں ہوا۔ وہ ہر کام خاموشی سے کرگزرتا ہے۔"

"جب ولی جان اور شنکر رائے جیسے بے ضمیر افسر کسی مجرم کے زرخرید غلام بن جائیں تو کوئی اسے انگلی بھی نہیں لگا سکتا۔" ویرا نے تلخ لہجے میں تبصرہ کیا "تیسری دنیا کی سب سے بڑی بدقسمتی یہی ہے کہ جواب دہی کے تصور سے عاری افسر شاہی کو ہر ملک میں من مانی کرنے کی پوری آزادی ہے۔"

”اس کے باوجود ان کی صفوں میں اول خان جیسے ایمان دار اور بے لوث لوگ موجود ہیں۔“

”یہ ہر شخص کے اپنے ضمیر اور اپنے اصول کا معاملہ ہوتا ہے۔ اول خان چاہے تو اسے کون بد عنوانیوں سے روک سکے گا؟ ایس ٹی ایف کے نشانے پر آیا ہوا ہر شخص فراخ دلی سے اپنی تجوریوں کے منہ کھولنے کی پیشکش ضرور کرتا ہوگا۔“

”اول خان کی توہین نہ کرو۔“ سلطان شاہ نے گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے تادیب کی ”وہ افسر ہے اور نہ افسر شاہی سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔ ایس ٹی ایف والے تو مجھے کسی الگ تھلگ اور انوکھی برادری کے فرزند معلوم ہوتے ہیں۔“

”یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ اول خان بے اختیار ہنس پڑا۔ ”ہمیں خود نہیں معلوم کہ ہمارا کس کھاتے میں شمار ہوتا ہے۔ ہم اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور وقت پر ہمیں تنخواہیں مل جاتی ہیں۔ کاغذوں کو دیکھو تو ان پر ہمارا کوئی سراغ نہیں ملتا۔“

”اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے پچھلے چند برسوں میں تمہاری فورس کی رازداری مجروح ہوئی ہے۔ پاکستان میں شاید کم لوگوں کو تمہارے بارے میں علم ہوگا لیکن ہر دشمن یہ جاننے لگا ہے کہ ادھر کا رخ کرتے ہی اسے سب سے پہلے تمہاری فورس سے تصادم مول لینا پڑے گا۔“

”ایک ادارے کے طور پر فورس کی یہی شہرت ہے۔“ اس نے اعتراف کیا ”مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ فورس کی کارکردگی کا شہرہ صرف میرے یونٹ کی کامیابیوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ کامیابیاں میں نے اسی وقت حاصل کرنی شروع کیں جب ڈینی نے ہمارا رخ کیا۔ ہماری بیشتر مہمات میں سے ڈینی کی کامیابیاں حذف کردی جائیں تو ہم بہت پیچھے نظر آئیں گے۔“

”میرا نہیں، سب کا نام لو۔“ میں نے اس کی تصحیح کی۔ ”ان کامیابیوں میں ہم پانچوں ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ رہے ہیں۔ غزالہ کا کردار محدود رہا ہے لیکن وقت پڑنے پر اس نے بھی کمال کی کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ صرف میرا نام لے کر تم سب کی حق تلفی کررہے ہو۔“

”دراصل تمہارا نام ہی اس پوری ٹیم کی شناخت بنا ہوا ہے۔ کوئی بھی جب تمہاری بات کرتا ہے تو اس کے ذہن میں تمہارا اور تمہارے گروہ کا تصور ہوتا ہے۔ کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم دو عورتوں اور صرف ایک مرد کے ساتھ یہ کامیابیاں حاصل کرتے ہو۔“

”ہماری کامیابی کی بنیادی وجہ بھی شاید یہی ہے کہ ہم گنتی کے چند افراد ہیں جو ایک ہی طرح سوچتے ہیں۔ یہ تعداد زیادہ ہوتی تو مسائل بڑھ سکتے تھے۔“ اول خان کے جواب میں سلطان شاہ نے ہلکے سے فخر کے ساتھ کہا ”ہم میں سے ہر ایک ڈینی کو اپنا بڑا تسلیم کرتا ہے۔“

”تم سب ڈینی کے ڈھول پیٹتے رہو، میں اسے نہیں مانتی۔“ وہ گفتگو واقعی ستائش سے کچھ تجاوز کرگئی تھی اس پر ویرا کا بھڑکنا قدرتی امر تھا۔ وہ کہہ رہی تھی ”ڈینی بھی فاش غلطیاں کرتا رہا ہے اور ہم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ کامیابی کا سبب صرف اتنا ہے کہ ڈینی انا کے چکر میں پڑے بغیر ہر معقول مشورہ مان لیتا ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو یہ اپنی پیش بینی کی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود کئی بار مار کھا چکا ہوتا۔“

”میں تم سے پوری طرح متفق ہوں۔“ میں نے اسے یقین دلایا ”اب یہ ذکر ختم ہوجانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ کھُل کے خلاف صف آرا ہونے تک ہمارے درمیان اختلافات کی دراڑیں پڑچکی ہوں۔“

”کھلے دل سے بات کرنے کی اجازت اور سننے کا حوصلہ ہو تو کبھی اختلاف رونما نہیں ہوتے۔“ اول خان نے ہلکی سی انگڑائی لے کر کہا۔ ”آج کا دن میں نے کافی مصروف گزارا ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔“

اسی وقت غزالہ اس کے اور ہمارے لیے چائے کی ٹرے سنبھالے آموجود ہوئی۔

”میں چائے نہیں پیوں گی۔“ ویرا مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی ”میری پیالی تم لے لو۔“

”مجھے معلوم ہے کہ تم کیا پی رہی ہو۔“ سلطان شاہ نے سرہلا کر کہا ”اپنے کمرے کا دروازہ بند کرکے تم اس بُو کو قید نہیں کرسکتیں جو پورے گھر میں پھیلی ہوئی ہے۔“

”تمہیں شرم نہیں آتی۔“ ویرا آنکھیں نکال کر اس پر برس پڑی ”تمہیں میرے کمرے کی ٹوہ میں لگے رہنے کے سوا کیا کوئی اور کام نہیں ہے؟“

”تمہارے کرتوتوں سے واقفیت کے لیے کسی کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اشتہاری بھبکے ہر ایک کو محسوس ہوتے ہیں۔ یہ تینوں شریف آدمی خاموش رہتے ہیں تو یہ نہ سمجھو کہ

انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔۔۔"

ویرا اس کی پوری بات سنے بغیر غصے میں ڈرائنگ روم سے چلی گئی۔

"بری بات ہے۔" میں نے ویرا کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ کو ملامت کی "ہر ایک اس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے لیکن بھری محفل میں نجی مشاغل پر یوں طعنہ زنی مناسب نہیں ہوتی۔ اب وہ تم سے کئی روز تک ناراض رہے گی۔"

"وہ امریکا میں گزارے ہوئے دنوں سے اس قدر بیزار ہے کہ اب ہم میں سے کسی سے ناراض نہیں ہو سکتی۔ تم دیکھ لینا کہ کھانے کی میز پر وہ ہر بات بھول چکی ہوگی۔"

"تھوڑی دیر بعد اول خان واپس چلا گیا۔ جاتے جاتے اس نے ہمیں یہ بتا دیا تھا کہ فلیٹ کی بیرونی حفاظت پر مامور کیے ہوئے اس کے آدمی ہم چاروں کو انفرادی طور پر پہچانتے تھے اور کوئی ہنگامی ضرورت پیش آنے پر ببر کے حوالے سے ہم سے رجوع کر سکتے تھے۔

سلطان شاہ متوقع حالات کے پیش نظر سارے ہتھیار سمیٹ کر اپنے کمرے میں لے گیا تاکہ دیکھ بھال کے ساتھ ان کی صفائی کر سکے۔ غزالہ ایک خانہ دار خاتون کی طرح برتن سمیٹنے میں مصروف تھی۔

"اجازت ہو تو کچھ دیر ویرا کے ساتھ بیٹھ لوں؟" میں نے خاموشی سے کچن میں داخل ہو کر غزالہ کے کان کے نیچے سرگوشی کی۔

وہ تیزی سے پلٹی تو اس کی مسکراتی ہوئی آنکھوں میں شوخی تیر رہی تھی "خیریت تو ہے؟ کیا آج آپ کی طبیعت ناساز ہے؟"

"نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے ہڑبڑا کر کہا۔ "تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟"

"میں کبھی روک ٹوک کرتی ہوں نہ آپ کبھی مجھ سے اجازت لیتے ہیں پھر آج یہ خیال کیسے آگیا؟" اس نے مسکرا کر ایک ادا کے ساتھ سوال کیا۔

"تمہاری باتوں کے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔ مجھے تمہاری کسی دل آزاری کے اندیشے سے خوف آنے لگا ہے۔" میں نے پوری ایمان داری سے سچ بات کہہ ڈالی۔

"میری طرف سے ہر بدگمانی اپنے دل سے نکال دیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ویرا آپ کو جیسی کمپنی دیتی ہے وہ میرے بس سے باہر ہے۔ جس دن مجھ سے یہ باتیں برداشت نہ ہوئیں، میں خود پورے لوازم کے ساتھ آپ کے شوق کا ساتھ دوں گی۔"

میدان صاف تھا۔ میں نے اس کی نکھری ہوئی، سادہ سوچ پر بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی۔

میں دستک دے کر ویرا کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ روشنیاں گل کر کے کھڑکیوں کے پردے کھینچے، دیوار گیر بلب کی مدھم اور خواب ناک روشنی میں کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ قالین پر بیئر کے کئی خالی کین لڑھکے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے دن کی ابتدا بیئر سے کی تھی لیکن غروب آفتاب کے استقبال کے لیے اپنے کمرے میں رات کا سماں پیدا کر کے وہ مشروب بدل چکی تھی۔ گلاس میں اس وقت اسکاچ موجود تھی۔

مجھے دیکھ کر اس نے اپنے قریب قالین پر رکھا ہوا کیسٹ ریکارڈر آن کر دیا۔ کمرے میں بہت دھیمی آواز میں منی بیگم کے غزلیاتی سُر گونجے تو میں ڈیرا کے اس ذوق پر حیران رہ گیا۔

"تم ایلوس پریسلے اور مائیکل جیکسن کے بجائے منی بیگم کی غزلیں سن رہی ہو!"

"بول سمجھنے کی استطاعت ہو تو یہ شاعری نشے کو دو آتشہ کر دیتی ہے۔ کہو تو تمہارے لیے بھی نکالوں؟" میری رضا مندی سے پہلے ہی اس نے بوتل اٹھا لی۔

"یہ میرا پہلا اور آخری گلاس ہوگا۔" میں نے اسے آگاہ کیا "میں تمہیں یہ مشورہ دینے آیا تھا کہ تم بھی قناعت سے کام لو۔ آج کی رات ہم پر بھاری پڑ سکتی ہے۔"

"کھل کر ہر بات کر لی گئی تھی۔" اس نے چونک کر کہا۔ "اب یہ کون سا نیا فتور تمہارے ذہن میں آرہا ہے؟"

"انسان کا ذہن ہر وقت کام کرتا رہتا ہے۔ میری دعا ہے کہ یہ رات سکون سے گزر جائے لیکن ہمیں تیار رہنا چاہیے۔ کیا پتا کہ آج کچھ ہو ہی جائے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمہیں اول خان کی دی ہوئی اطلاعات پر بھروسا نہیں ہے۔"

"پورا بھروسا ہے۔ اس نے محدود وسائل پر انحصار کیا تھا۔ کھٹول یہ جانتا ہے کہ بات چیت کے لیے عام فون محفوظ نہیں ہوتے۔ اگر اس نے موبائل فون پر اپنے آدمیوں کو ہدایات دی ہوں تو کیا ہوگا۔"

"ہر اچھی سہولت اپنے ساتھ کچھ مشکلات بھی لے کر آتی ہے۔" وہ نیا گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے متفکرانہ لہجے میں بولی "سنا ہے کہ اس سسٹم پر ہونے والی گفتگو کہیں

نہیں پکڑی جا سکتی۔"

"میں اسی خطرے کی نشان دہی کر رہا ہوں۔ باہر اول خان کے آدمیوں کی موجودگی کے باوجود ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ یہ صرف ایک رات کی بات ہے۔ کل ہم کسی نئے ٹھکانے پر ہوں گے۔ تم وہاں دل کھول کر اپنے سارے شوق پورے کر لینا۔"

اس نے اپنے نیم لبریز گلاس میں مزید اسکاچ اور برف ڈالتے ہوئے کہا "پھر اسے میرا بھی آخری گلاس سمجھو۔ کبھی کبھی تم مجھے خوف زدہ کر دیتے ہو۔"

ویرا اس وقت سرور کے عالم میں تھی۔ میں اسے متوقع خطرے کا احساس نہ دلاتا تو شاید اس کا ذہن ہلکے پھلکے رومان کی دھند میں ڈوبتا چلا جاتا۔ میری طرف سے لگام لگنے کے بعد اس کا ذہن کھٹولی کی طرف بھٹک گیا۔ وہ نیا نام سامنے آتے ہی ہمارے لیے مشکلات کا سبب بن گیا تھا۔

رات کے کھانے پر ہم چاروں خاموش اور پُرسکون تھے۔ ہر شخص اپنی جگہ کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔ سلطان شاہ کے دعوے کے عین مطابق ویرا اس کی شام والی گستاخی کو بالکل بھول چکی تھی۔

"ہم سب اتنے خاموش کیوں ہیں؟" ویرا نے چٹپٹے کوفتوں کا ایک لقمہ لیتے ہوئے تعجب سے پوچھا "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ہم کسی کی تدفین سے واپس آ کر روٹی کھا رہے ہوں۔"

"تم بولتی رہو تو سب بولتے رہیں گے۔" سلطان شاہ نے کہا "اس وقت تم ہی میرِ محفل ہو۔"

تشویش اور فکر مندی کا سب سے پہلا ایندھن انسان کی خوش مزاجی بنتی ہے۔ انفرادی کوششوں کے باوجود فلیٹ کی فضا میں چھایا ہوا بوجھل پن دور نہ ہو سکا۔

"سوگواری کے ساتھ ایک دوسرے کے منہ تکنے سے بہتر ہو گا کہ ہم اپنے اپنے بستروں میں آرام کریں۔" کھانے کے بعد میز پر اپنی پہلی سگریٹ ختم کرنے کے بعد ویرا نے تجویز پیش کی جسے سب نے قبول کر لیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے اعصاب پر بے چینی سی طاری ہوئے چلی جا رہی تھی۔ سلطان شاہ نے ہم چاروں میں ہتھیار تقسیم کر دیے تاکہ ضرورت پیش آنے پر افراتفری پیدا نہ ہو۔ ویرا بیم گن بھی اپنے ساتھ رکھنے پر بضد تھی مگر وہ میں نے اپنے پاس رکھ لی پھر ہم اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

دس بجے فون کی گھنٹی بجی تو بے اختیار میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور میں نے ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا "آج کی رات کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے ہیں.... پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے دو مشکوک گاڑیاں تمہارے قرب و جوار میں دیکھی جا رہی ہیں۔"

"گڈ! یہ بات تسلی بخش ہے کہ تمہارے آدمی ان کی موجودگی سے باخبر ہیں۔ ہم بھی کسی بری گھڑی کا سامنا کرنے کے لیے پوری طرح تیار رہیں۔"

"ابھی تک ان میں سے کوئی گاڑی سے نہیں اترا۔ یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے وہ چکر لگا کر جائزہ لے رہے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ رات گہری ہونے کے بعد ہی کوئی کارروائی کریں گے۔"

"ہمارا علاقہ خاصا بارونق ہے۔ یہاں رات کی ویرانی ذرا دیر ہی سے دکھائی دیتی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ ایسے موقع کی تلاش میں ہیں تو انہیں رات کے دو ڈھائی بجے تک انتظار کرنا ہو گا۔"

"اگر وہ پیشہ ور ہیں تو اتنا لمبا انتظار نہیں کریں گے۔ خوف و ہراس پھیلانے کے لیے کہیں بھی دو چار فائر کریں گے اور ذرا سی دیر میں ہر طرف سناٹا ہو جائے گا۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چاروں آدمیوں کے پاس کوئی ٹرانسمٹر وغیرہ نہیں ہے جس پر ان سے مسلسل رابطہ رہ سکے۔ ان کی طرف سے ابھی ابھی فون پر یہ رپورٹ ملی ہے۔ میں بندوبست کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے ہی کارروائی شروع ہو جائے۔ تم کو بہت زیادہ ہوشیار رہنا ہے۔ میں خود بھی وہاں پہنچ رہا ہوں۔"

اول خان کی طرف سے وہ اطلاع ملتے ہی میرے وجود پر چھایا ہوا بے نام اضطراب یکایک کہیں جا سویا تھا۔ ویرا نے اپنی عادت کے برعکس ایکسٹینشن اٹھا کر کال میں مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ میری خواب گاہ کے دروازے پر دستک دے کر سلطان شاہ کے ساتھ وہیں آ گئی تھی۔

میں نے باری باری ان کے گمبھیر چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے اول خان سے کہا "اگر تم ادھر آ رہے ہو تو پھر ہم نیچے ہی تمہارا انتظار کریں گے۔ یہ رات...."

"نہیں!" اول خان فون پر بے ساختہ چیخ پڑا "تم میں سے کوئی بھی فلیٹ سے باہر قدم نہیں نکالے گا۔ دونوں

گاڑیوں میں دس بارہ بدمعاش بھرے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاتھوں تم میں سے کسی کے بدن پر خراش بھی آئی تو میں اپنی ناقص منصوبہ بندی پر خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے سکون سے کہا "میں بہت سوچ سمجھ کر بات کر رہا ہوں۔ وہ لوگ آ ہی گئے ہیں تو تمہارے مسلح آدمی ان سے نمٹ لیں گے۔ وہ کسی طرح فلیٹ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو انہیں میدان خالی ملے گا...."

"اور تم چاروں کھلے آسمان تلے میرا انتظار کرتے رہو گے۔" وہ میری بات کاٹ کے بے صبری سے بول پڑا۔

"پوری بات سن لو۔ وہ یہاں آئے ہیں۔ ہم اپنا گھر چھوڑ کر اسی وقت کھٹومل کے گھر پر دھاوا بولیں گے اور اس کی محفلِ عیش و نشاط کو تہس نہس کر دیں گے۔"

اچانک فضا میں مسلسل تین فائروں کی بھیانک آواز گونج اٹھی۔

"لو! وہ شاید تمہارے اندیشوں سے باخبر ہو گئے ہیں۔ باہر تین فائر ہوئے ہیں۔" میں نے کہا۔

باہر ایک مرتبہ پھر وقفے وقفے سے گولیاں چلیں۔ وہ بھی تین فائر تھے۔ دور ہوتی ہوئی آوازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس بار چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کیے گئے تھے۔

"فائرنگ کی آوازیں مسلسل آ رہی ہیں۔" اول خان کی آواز پُر تشویش تھی "اب باہر مت نکلنا۔ خطرہ ٹل جانے کے بعد میں خود کسی نہ کسی طرح تم سے رابطہ کروں گا۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" میں نے بگڑ کر کہا "ہم میں سے کوئی بھی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے۔ بڑھ کر انہیں منہ توڑ جواب دینا ضروری ہو گیا ہے۔ ابھی وہ شاید صرف خوف و ہراس پھیلا رہے ہیں تاکہ ان کی کارروائی کے لیے میدان صاف ہو سکے۔ ہم ان کے لوٹنے سے پہلے کھٹومل کی طرف نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو وہاں افراتفری پھیلائیں گے۔ یہاں پھنس گئے تو تمہارے آدمیوں کے ساتھ مل کر انہیں مزہ چکھا دیں گے۔"

"تمہارے سر پر خون سوار ہو جاتا ہے تو تم کسی کی نہیں سنتے۔" اول خان کی آواز میں غصے اور بے بسی کا امتزاج تھا۔ "کھٹومل کے گھر ایک بڑا اجتماع ہے۔ وہاں کوئی گڑبڑ ہوئی تو بھگدڑ میں بہت سے بے گناہ بھی روندے جائیں گے۔ وہ خود تمہارے ہاتھ نہیں آ سکے گا۔"

"اس غدار سے میل جول رکھنے اور اس کی محفلیں سجانے والے ایک مرتبہ روندے گئے تو دوبارہ اس کے گھر کا رخ نہیں کریں گے۔ مجھے ان سے ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے۔ میرے سر پر کسی قسم کا خون یا جنون سوار نہیں ہوا۔ میں بالکل نارمل ہوں۔ باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اب تم بھی نکل آؤ۔"

میں نے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ ہمارے دشمنوں نے باہر فائرنگ کر کے خود ہی اپنا کام دشوار بنا لیا تھا۔ وہ شہر کا حساس اور اہم علاقہ تھا۔ وہاں فائرنگ ہوتے ہی پولیس کی بھاری نفری کا حرکت میں آنا ناگزیر تھا۔ پولیس کے گشت اور مستعدی میں اضافے کے بعد کوئی کارروائی آسان ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔

ہمارے پاس ہتھیار تیار تھے۔ ان کے بغیر باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ گو باہر فائرنگ کا شور ہر ایک کے کانوں تک پہنچ چکا ہو گا لیکن پھر بھی ہم کھلے ہتھیاروں کے ساتھ باہر نکل کر خود کو تماشا نہیں بنا سکتے تھے۔ دیکھنے والے اجنبی خود ہم کو دہشت گرد یا تخریب کار سمجھ سکتے تھے۔

اپنے اپنے ہتھیاروں کو کپڑوں میں چھپانے اور جوتے وغیرہ پہننے میں ہمیں مشکل سے چند منٹ لگے۔ سونے کے لیے کپڑے کسی نے بھی تبدیل نہیں کیے تھے۔ ہم چاروں ذرا سی دیر میں فلیٹ سے باہر تھے۔ انفرادی روشنیوں وغیرہ کو بند کرنے کے بجائے میں نے فلیٹ سے نکلتے ہوئے مین سوئچ ہی آف کر دیا۔

لفٹ نے اپنی جگہ سے ذرا سی جنبش کی ہی تھی کہ فضا اس بار کسی خودکار ہتھیار کے خوفناک برسٹ سے لرز اٹھی۔ اسی کے ساتھ دل کو دہلا دینے والا ایک دھماکا ہوا اور ہر سو تاریکی پھیلنے کے ساتھ ہی لفٹ جہاں تھی وہیں رک گئی۔

ہمارے دشمنوں نے انتظار کا خطرہ مول لیے بغیر بہت تیزی دکھائی تھی اور برسٹ مار کر شاید اس ٹرانسفارمر کو اڑا دیا تھا جس سے ہماری بلڈنگ کو بجلی فراہم کی جاتی تھی۔

دشمن کھلی فضا میں آزادی سے دندناتے اور اپنی من مانیاں کرتے پھر رہے تھے، ہم بجلی کے تعطل کی وجہ سے درمیان میں پھنسی ہوئی لفٹ میں قید ہو گئے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

ٹھکانے لگاکر اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ رفتہ رفتہ وہ میرے حصار میں آتا چلا گیا اور آخر کار میں نے کشمیر روڈ کے ایک مکان میں اسے اپنا قیدی بنالیا۔ اس ٹھکانے کی نشان دہی کرنے والا ساگا نامی بدمعاش ہمارا زخمی قیدی تھا۔ وہ ایک اعصاب شکن مقابلہ تھا۔ راس المیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ساتھی جان' ویرا کو اغوا کر کے لے گیا۔ اس نے ڈیرا کو مجھ سے فون پر بات کرنے پر مجبور کیا۔ وہ ویرا کی رہائی کے بدلے راس المیڈا کی آزادی کا طلب گار تھا۔ اسی دوران میں کچھ لوگوں نے ساگا کو نکال لے جانے میں کامیابی حاصل کرلی مگر وہ کسمپرسی کے عالم میں مرگیا۔ ہم جان کی پناہ گاہ کا سراغ لگانے کی کوشش میں لگے رہے۔ فون نمبر کے حوالے سے وہ پتا معلوم ہوگیا۔ ہم پوری احتیاط اور تیاریوں کے ساتھ اس تاریک اور بظاہر ویران مکان میں پہنچے تو گھور اندھیرے میں اچانک ہی سنی سامنے آگیا۔ میری دانست میں وہ بازارِ حسن میں پروان چڑھنے والا ایسا بے ضرر نوجوان تھا جو زنانہ عادتوں میں مبتلا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سنی' راس المیڈا کا آدمی ہوگا۔ اول خان اسے اپنے آدمی کے قاتل کے طور پر شہر بھر میں تلاش کراتا پھر رہا تھا مگر وہ جان اور راس المیڈا کے زیرِ سایہ اس کمین گاہ میں روپوش تھا۔ سنی نے بازپرس کے بعد بتایا کہ ساگا نے مرنے سے قبل اسے ایک فون نمبر دے کر اپنی حالت کی خبر کرنے کو کہا تھا۔ اس فون پر بات کرنے والے گورے نے اسے اس خالی مکان کا رخ کرنے کی ہدایت کی تھی اس لیے وہ یہاں موجود تھا۔ سنی نے جب یہ بھانپ لیا کہ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے تو اس نے اپنی جاں بخشی کے عوض ساگا کا آخری پیغام دہرادیا جو دو مہمل الفاظ 'نیلو رہا میبے' پر مشتمل تھا۔ اول خان نے اسے ہلاک کردیا۔ اب ہمیں جان کا انتظار تھا جسے سنی سے ملاقات کے لیے آنا تھا۔ جان آیا تو ہم نے اسے چھاپ لیا۔ اس دوران میں ہمیں یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ جان نے جس سفارت کار کے گھر پناہ لے رکھی ہے' اس کا گھر اسی مکان سے ملحق ہے۔ جان کو بے بس کرنے کے بعد ہم نے اس سفارت کار کو دھوکے سے مکان میں بلوالیا۔ وہ ایک امن پسند اور شریف آدمی تھا۔ وہ ویرا کو اس کی رضامندی کے ساتھ اس شرط پر ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ ہوگیا کہ جان کو چھوڑ دیا جائے۔ اس تبادلے کے بعد ہم گھر پہنچ گئے۔ جان ہمارے بدترین تشدد کو نہ سہار سکا اور طبی امداد ملنے سے پہلے ہی دم توڑ گیا جبکہ وہ سفارت کار ہماری وجہ سے وبال میں آگیا۔ سنی کے کہے ہوئے الفاظ نیلو رہا میبے اب میرے ذہن میں کھٹک رہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکنوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں' اس کا قصہ جلد پاک ہوجانا چاہیے۔ اول خان کے ساتھ ہم چاروں آنے والے وقت سے بے خبر' اپنے خوفناک عزائم کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔ باہمی تبادلۂ خیال کے بعد یہ خیال زور پکڑتا چلا گیا کہ راس المیڈا کے جسم میں کوئی چپ موجود رہا ہوگا جس کی مدد سے اسٹیشن فور کی نشاندہی کی جاسکتی تھی۔ اول خان نے اپنے دوست کمانڈر سعید سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ امریکن نیوی کے منطقے میں لنگر انداز جہاز سے پرواز کرنے والا ایک ہیلی کاپٹر لاپتا ہے جس میں بیس افراد سوار تھے۔ اندازہ تھا کہ یہ راس المیڈا کی بازیابی کی مہم پر نکلا تھا۔ ویرا نے راس المیڈا پر تشدد کر کے چپ برآمد کر کے تباہ کردیا۔ نیلو رہا میبے کے متعلق راس المیڈا نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت را کے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے اسے مار کر اپنا انتقام پورا کرلیا۔ اول خان نے ہیلی کاپٹر سے نمٹنے کے تمام انتظامات کرلیے تھے جس کی وجہ سے ہمارا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا اور مخالف اپنے ہیلی کاپٹر سمیت جہنم واصل ہوگئے۔ بعد کے معاملات کمانڈر سعید نے اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اب ہمارے سامنے را کے ایجنٹوں کی تلاش تھی۔ ساگا کی محبوبہ سے پتا چلا کہ راجن اور وکرم نامی دو افراد کو ساگا نے ایک مقامی ہوٹل میں ٹھہرایا تھا۔ اب ہوٹل کے ذمے داروں سے معلومات کرنا تھیں۔ اول خان کی بھاگ دوڑ کافی مفید ثابت ہوئی تھی مگر ہمیں صبح کا انتظار تھا۔ اگلے دن راس المیڈا کے جانشین آئزک بیل نے ایک فون کال کر کے ہمیں اضطراب میں مبتلا کردیا کہ ہفتے کے دن پاکستان کا ایک بجلی گھر تباہ کردیا جائے گا۔ ہفتے میں ابھی کچھ دن تھے۔ پہلے را کے ایجنٹوں کی تلاش ضروری تھی کیونکہ انہوں نے یہاں اپنی موجودگی کا ثبوت دو بم دھماکوں کی شکل میں دے دیا تھا۔ انہیں پاکستان پہنچانے والے غفور بھٹی کی مدد سے ان کے خاکے تیار کرلیے گئے تھے مگر وہ بے کار ثابت ہوئے۔ اس سلسلے میں ہم نے ساگا کی محبوبہ نادیہ سے مدد حاصل کی۔ اس کا بیان کردہ حلیہ 'غفور بھٹی کی بتائی ہوئی معلومات سے قطعی مختلف تھا۔ ہم نے غفور بھٹی کو اٹھوالیا۔ اس سے ایک اسپیڈ بوٹ میں بازپرس کی گئی کہ اس نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا تھا مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ میرا اول خان سے ایرفس پر رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ نادیہ کی مدد سے تیار کیے گئے خاکوں کو ہوٹل کے عملے نے پہچان لیا ہے مگر یہ دونوں ایجنٹ ہوٹل چھوڑ چکے ہیں۔ غفور بھٹی کے سلسلے میں اس نے کہا کہ اس کے پیروں میں وزن باندھ کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔ اول خان کی تجویز سن کر وہ پہلی بار سراسیمہ ہوا۔ اس نے ساری زندگی سمندر میں گزاری تھی اور بپھرے ہوئے پانیوں میں آنے والی موت کا مفہوم اچھی طرح جانتا تھا۔ ہمارے تشدد کے نتیجے میں غفور بھٹی نے اگل دیا کہ اس نے بخشل کے کہنے پر خاکوں میں تبدیلی کی تھی۔ بخشل حاجی دل مراد کا آدمی تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس نے را کے ایجنٹوں کو معاوضے کے عوض پناہ دے رکھی تھی۔ غفور بھٹی کو سمندر کے حوالے کرنے کے بعد ہم نے بخشل اٹھوالیا۔ اس نے بتایا کہ حاجی دل مراد ان ایجنٹوں کو ہمارے حوالے کردے گا مگر اس وقت وہ اپنے دوست غفور بھٹی کی گمشدگی پر پریشان ہے۔ اسے دوسری راہ پر لگانے کے لیے میں نے اغوا کنندہ بن کر حاجی دل مراد کو فون کیا اور غفور بھٹی کی رہائی کے عوض ایک کروڑ کا مطالبہ کردیا جس پر اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑگیا۔ بخشل نے ہم سے تعاون کرتے ہوئے اپنی محبوبہ ریشم بخت کے گھر میں ان ایجنٹوں سے میری ملاقات کا انتظام کردیا تھا۔ میں مقررہ وقت پر وہاں پہنچا تو بخشل کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ شاید ان شاطر ایجنٹوں کو کچھ شک ہوگیا تھا۔ میں نے بھی سخت رویہ اپنایا۔ ایک مرحلے پر میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ را کے ایجنٹ اپنی نشستوں پر جمے مجھے گھورے جا رہے تھے۔ پھر وکرم کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک موہوم سی سفاکانہ مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ وہ دونوں بہت ہوشیار بن رہے تھے مگر میرے جال میں پھنس گئے۔ میں انہیں نادرہ کے مکان پر لے آیا۔ بھاری معاوضے کے عوض میں ان کی مدد کرنے پر راضی ہوگیا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ انہوں نے مجھے خود اپنی تلاش کا کام سونپا تھا۔ ان کے ذریعے میں نے بھارتی قونصل خانے میں ملازم مدن موہن کو گھیرلیا۔ اس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہونے کی امید تھی۔ را کے ایجنٹ راس المیڈا کے بلاوے پر پاکستان آئے تھے۔ اب اس کی موت کے بعد انہیں امریکی قونصل خانے کے افسر نک موڈلے سے مزید ہدایات ملنا تھیں مگر وہ خود براہِ راست یہ ملاقات نہیں کرسکتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے درمیان رابطے کا کام انجام دوں۔ میں نے ابھی اس کام کی ہامی نہیں بھری تھی کیونکہ اس میں میرے لئے سنگین خطرات پوشیدہ تھے۔ میں نے وکرم (جس کا اصل نام بدری ناتھ تھا) کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وہ نک کا صورت آشنا نہیں ہے اس لیے اس سے خود رابطہ کرلے۔ اس نے میری اس تجویز کی تعریف کی مگر ساتھ ہی یہ دلیل دی کہ اس کی اور راجن (رمیش اگروال) کی آمد کی اطلاع کے ساتھ ہی نک کے پاس ان کی تصاویر مع کوائف پہنچ گئی ہوں گی۔ میں نے سب کو صورتِ حال سے مطلع کیا۔ اول خان نے بتایا کہ مدن موہن سے اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں اور آئزک بیل کی دھمکی کے مطابق کوٹ اڈو کے تھرمل پاور ہاؤس میں دھماکے کے بعد آگ لگ گئی تھی مگر ملزم رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ وہ بھی ڈیوڈ اسٹارز کے ہاتھوں بلیک میلنگ کا شاخسانہ تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ نک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسیٹر بھجوایا تھا۔ میں نے ایف ایم مائک کے ذریعے ان کی گفتگو سنی تو اندازہ ہوا کہ کوئی اہم مشن درپیش تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی خلیج تھی' بدری کو نک کا تحکمانہ انداز بھی پسند نہیں آیا تھا۔ وہ میرا تعاون حاصل کر کے مجھے اپنے ساتھ امریکا لے جانا چاہتا تھا۔ یہ ڈیوڈ اسٹارز کو تباہ کرنے کا بہترین موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ نک موڈلے نے بھی دو افراد کو بھیجا تھا جو ٹرانسیٹر میں پوشیدہ ڈی ٹیکٹر کی مدد سے ہمارے ٹھکانے کی طرف آرہے تھے۔ بدری نے دونوں کو جہنم واصل کردیا۔ اس دوران میں میری اور ویرا کی لندن جانے کی تیاریاں ہوچکی تھیں۔ بدری سے وہاں رابطے کا نمبر لے کر میں لندن روانہ ہوگیا۔ جہاز میں اتفاقاً مدن موہن کے نیپال انفارمیشن سیل کے ایک ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوگئی۔ وہ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ لندن میں بدری کے دیے ہوئے نمبر پر رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس نمبر پر را کے ایجنٹوں کے مسائل حل کیے جاتے ہیں۔ میری درخواست پر ایک ایجنٹ گیتا کو بھیجا گیا۔ وہ میری طرف سے مشکوک تھی چنانچہ اپنے گھر لاکر اپنے ساتھی کی مدد سے اصلیت اگلوانا چاہتی تھی۔ ویرا نے پیچھے سے پہنچ کر دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ دہرے قتل کی اس واردات نے سنسنی پھیلادی۔ دوسری طرف پاکستان میں سلیم اکبر خان کے دفاتر میرے ایما پر سیل کردیے گئے تھے۔ وہ ملک واپس جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر میں نے اسے رضامند کر کے واپس بھیج دیا جہاں اول خان اس کا منتظر تھا۔ بدری کے لندن پہنچتے ہی اس کی نگرانی شروع ہوگئی تھی۔ رمیش اس کی راہ کی رکاوٹ تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی راہ کا یہ کانٹا جلد ہی نکل جائے گا۔ پہلی واردات کے خطرات اور پریشانی کے بعد فی الحال حالات ہمارے حق میں تھے۔ ویرا نے رمیش کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ وہ واپس لوٹی تو اول خان سے ملنے والی یہ اطلاع اس کی منتظر تھی کہ پاکستان میں سلطان شاہ کو اغوا کرلیا گیا۔ غزالہ اس لیے بچ گئی کہ وہ اول خان کے گھر تھی۔ ہم متفق تھے کہ یہ کام آئزک بیل کا ہے۔ آئزک بیل سے براہِ راست بات ہوئی تو اس کی تصدیق ہوگئی۔ اس کی معلومات کے مطابق میں پاکستان میں ہی تھا۔ اس نے مجھے ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کرنے کی پیش کش کی۔ مغوی سلطان شاہ کو لاشوں کے ساتھ تابوت

میں بند کرکے امریکا پہنچانا تھا۔ میں نے اول خان کو صورتِ حال بتادی مگر وہ بدقسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی بحریہ کا سی ون تھرٹی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے سی ون تھرٹی اغوا کرلیا۔ میں نے دوبارہ آئزک بیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کرکے میں نے آئزک بیل سے طویل گفت وشنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں انقرہ کے ایک اسپتال میں پہنچادیا گیا۔ امریکا کے سفر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ نادانستگی میں منشیات فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں ویرا ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور آئزک بیل ہماری آمد سے آگاہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آئزک بیل کے آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آئزک بیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی، اطمینان سے اپنا کام کر آئی۔ اس کے بیان کے مطابق آئزک بیل رنگس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو اپنی ایک پرانی سہیلی جینی بھی نظر آگئی۔ آئزک بیل نے بلیک ڈیڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ جینی نے آئزک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کردی۔ آئزک بیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر ناکارہ ہوچکا ہے۔ اس کی مرمت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ ذمے داری رنگس کمپنی کی تھی۔ جینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جانا تھا۔ گڑبڑ کا امکان غالباً وہیں تھا۔ میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جینی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوادی تھی تاکہ وہ اسے ڈی کوڈ کراسکے۔ جینی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آئزک بیل آگ بگولا تھا۔ میں نے آئزک بیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش ...کی جسے میں نے مسترد کردیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کرلی تھی لیکن وہ بلیک ڈیڈ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مطمئن کرنے کے بعد ہم منصوبے کے مطابق پرنسٹن روانہ ہوگئے۔ یہاں میں نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں گڑبڑ سے باز رکھا۔ اسے ہلاک کرنے کے بعد میں نے اسے اس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرچکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے پر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے، آئزک بیل، راس المیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان، ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آئزک بیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنا دی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائرایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور نک موڈلے امریکا روانہ ہورہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایما پر میں نے آئزک بیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کرکے آئزک بیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کررہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر منتقل ہوگئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آئزک بیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کرلے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کررہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔ زخمی آئزک بیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا تاہم ابھی یہ بات تصدیق طلب تھی کہ حملہ میں نے کیا ہے یا کرمانی نے۔ میں نے حالات کا اندازہ کرکے گیپ نامی معاہدہ ایک پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوادیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو نمایاں مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اسے کرمانی کی تلاش میں نیویارک بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کی طرف مبذول ہوگئی۔ بلیک ڈیڈ نے میری مدد کی اور چار اہم افراد کے نام فراہم کردیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر مجھے دے دیا جو اسے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نے بنجمن فورٹ نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کرکے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ بنجمن سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جینی کے کمپیوٹر ریکارڈ سے جارج شلز نامی ایک ڈیوڈ اسٹار کا پتا اور فون نمبر معلوم کرلیا۔ بلیک ڈیڈ سے تبادلۂ خیال ہوا تو اس کی تجویز پر جارج شلز کو دو داؤدی ستاروں میں طاقت ور مائیکروفون چھپا کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ مائیکروفون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورتِ حال پر گفتگو کرنے کے لیے بنجمن فورٹ کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیڈ نے ان چاروں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بنایا۔ ہم جارج شلز کو اغوا کرکے ایک ایمبولینس میں ڈال کر بنجمن کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارز اپنے محافظوں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مر کر بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ کسی بٹن کے دبنے کے باعث ہماری ہی ایمبولینس کا سائرن بجا تھا۔ خون ریز مقابلے کے بعد چاروں ڈیوڈ اسٹارز مارے گئے۔ میری بدری ناتھ سے بات ہوئی تو اس نے حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے بلادھڑک مجھ پر ڈبل ہونے کا الزام لگادیا۔ اس کے منحرف ہونے کے بعد امریکا میں مزید قیام خطرناک تھا اس لیے بلیک ڈیڈ سے کہہ کر ہم نے واپسی کے انتظامات کرلیے تھے۔ اب صرف نک موڈلے سے حساب بے باق کرنا تھا جو ان دنوں امریکا میں تھا۔ بلیک ڈیڈ نے میرے ایما پر اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اغوا کروالیا۔ میں ابھی اس پر تشدد ہی کررہا تھا کہ بلیک ڈیڈ کے ایک آدمی نے مجھ پر ریوالور تان لیا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دراصل یہ غلط فہمی تھی جو بلیک ڈیڈ کے آدمی ڈک کے بھینگے پن کے باعث ہوئی تھی۔ ڈک کا نشانہ نک موڈلے تھا۔ نک کو ہلاک کرنے کے بعد اب بدری ناتھ میرے نشانے پر تھا۔ بلیک ڈیڈ کی فراہم کردہ بارودی بیلٹ کے ذریعے بدری ناتھ بھی تین سی آئی اے کے اہل کاروں سمیت جہنم واصل ہوا تو ہم نے رختِ سفر باندھ لیا۔ ہم طیارے میں بحفاظت سوار ہوگئے مگر فلائٹ کے دوران میں ویرا نے یہ تشویش ناک خبر سنائی کہ چیف پائلٹ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہم اچانک سنگین خطرے سے دوچار ہوگئے تھے لیکن یہ مرحلہ ویرا نے خود کو بیمار ظاہر کرکے طے کرلیا۔ ہم بحفاظت پاکستان پہنچ گئے۔ امریکا جانے سے پہلے ہم را کے ایجنٹ مدن موہن کے نیٹ ورک انفارمیشن سیل پر کام کررہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ اس نے را کے دو انفارمر افسران کو گرفتار کرلیا تھا مگر وہ اپنے اثرورسوخ کی بنا پر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ سلطان شاہ نے ان کا سراغ لگاکر انہیں معذور کردیا تھا۔ میں نے انہیں اٹھانے کا پروگرام بنایا اور اول خان کے ساتھ ان کے ٹھکانے پر جاپہنچا۔ ایک گارڈ کو ختم کرنے کے بعد میں آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ مجھے دوسرے گارڈ نے گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔ اسی وقت لائٹ چلی گئی اور مجھے گارڈ سے نمٹنے کا سنہرا موقع مل گیا۔ شنکر رائے نامی انفارمر کو ہم اسٹیشن فور لے آئے۔ اس پر تشدد کیا گیا تو اس نے اپنے پشت پناہ کنول راجوانی کا نام اگل دیا جو ایک بارسوخ جاگیردار تھا۔ اول خان نے بتایا کہ جینی کے ہمارے خلاف رضاکارانہ بیان کے بعد امریکا نے میری حوالگی کا مطالبہ کردیا ہے اور اس کے ساتھ گیپ کے اصل کاغذات بھی طلب کیے ہیں۔ بلیک ڈیڈ کو بھی گرفتار کرلیا گیا تھا۔ میں نے کنول راجوانی سے نمٹنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ہمارے فلیٹ کا محاصرہ ہوگیا۔ ہم نیچے جانے کے لیے لفٹ میں سوار ہوئے۔ اسی دوران میں فائرنگ کرکے ٹرانسفارمر تباہ کردیا گیا جس کے نتیجے میں بجلی معطل ہوگئی۔ ہم لوگ لفٹ میں قید ہوکر رہ گئے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ہم نے کراچی میں حالات کے حد سے زیادہ بڑھتے ہوئے دباؤ اور مہلک خطرات کے پیشِ نظر اپنے پرانے ٹھکانے کو فوری طور پر خیرباد کہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اُن دنوں شہر کے حالات اتنے خراب نہیں تھے لیکن ہم لوگوں کی سلامتی کو دشمنوں کی طرف سے بھیانک خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔ اس صورتِ حال میں ہمارے لیے پسند اور ناپسند کی بہت زیادہ آزادی میسر نہیں تھی۔ سارا زور صرف اپنے

تحفظ پر تھا۔
ایسی مجبوری کے عالم میں نادرہ غنی کا وہ سجا سجایا اور کشادہ فلیٹ ہمیں ایک غیر مترقبہ نعمت سے کم نہیں نظر آیا تھا۔ نادرہ کھلے دل اور اچھے ذوق کی مالک' ایک پُرکشش خاتون تھی۔ اس سے معاملات طے کرتے ہوئے میں نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اس عمارت میں بجلی کی فراہمی میں کوئی تعطل پیدا ہونے کی صورت میں کیا متبادل انتظام تھا۔

ٹرانسفارمر اُڑنے کے خوف ناک دھماکے کے بعد لفٹ رک گئی تھی۔ ہم چاروں اس تاریک اور ساکن لفٹ میں محبوس تھے۔ ہر طرف اندھیرا پھیل جانے کے باوجود فضا میں دھواں دھار فائرنگ کا زہرہ گداز شور گونج رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کلفٹن کے اس رہائشی اور تجارتی علاقے میں یکایک مسلح درندوں کا کوئی غول گھس آیا ہو۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ چند منٹ قبل آنے والی' اول خان کی فون کال نے یہ بات کسی شک و شبے کے بغیر ثابت کردی تھی کہ آنے والے محض ہم لوگوں کے لہو کے پیاسے تھے اور اپنی راہ میں آجانے والی ہر رکاوٹ کو گرا کر اس رات ہم تک پہنچنے کا عزم لے کر آئے تھے۔

ان کی مسلسل اور بھاری فائرنگ کے باوجود مجھے یقین تھا کہ وہ قتل عام کا ارادہ لے کر نہیں آئے تھے۔ ہر طرف اندھا دھند گولیاں برسا کر وہ خوف و ہراس کی ایسی فضا تیار کر رہے تھے کہ کوئی بھی اپنی کمین گاہ سے نکل کر ان کے سامنے آنے کی ہمت نہ کرسکے۔

اول خان کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق ان کی نفری خاصی زیادہ تھی۔ شاید کچھ لوگ باہر پھیل کر بارود کی حفاظتی چھتری فراہم کر رہے تھے اور چند افراد کی ٹولی اس بالادستی کا فائدہ اٹھا کر ہماری تلاش میں عمارت میں داخل ہونے والی تھی۔

میری یادداشت کے کسی خانے میں یہ گمان نہیں ابھر سکا کہ ہماری عمارت میں بجلی کی متبادل فراہمی کے لیے کسی ایمرجنسی جنریٹر کا انتظام تھا۔ وہ بجلی کی کوئی معمولی سی خرابی نہیں تھی۔ زبردست دھماکوں کے ساتھ برقی تنصیبات کی تباہی کے بعد ہمیں نہ جانے کتنی دیر تک اس اندھیری لفٹ میں بند رہنا تھا جہاں ہوا کا گزر بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ چھت میں لگا ہوا اکلوتا پنکھا بجلی سے چلتا تھا۔ اس کے بند ہونے کے نتیجے میں ہم زیادہ دیر تک پُرسکون نہیں رہ سکتے تھے۔

میں نے اول خان سے اس خوں ریز ماحول میں باہر ملنے کا ایک طرفہ وعدہ کر ڈالا تھا مگر حالات پاؤں کی زنجیر بن چکے تھے۔ اس چنگل سے نکلنے اور دشمن کا بھرپور مقابلہ کرنے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ کسی نہ کسی صورت سے لفٹ کا دروازہ توڑ کر باہر نکلنے کی کوشش کی جاتی۔

"آج یہ علاقہ خون میں نہا جائے گا۔" اندھیرے میں دیرا کی پُرتشویش بڑبڑاہٹ سنائی دی "بڑے بور کے خود کار ہتھیاروں سے اندھا دھند گولیاں برسائی جارہی ہیں۔"

"ہم بہت بری طرح پھنسے ہیں.... اس منحوس لفٹ میں کچھ کر بھی نہیں سکتے۔" وہ آواز سلطان شاہ کی تھی۔
"خاموش رہو!" غزالہ نے سرگوشی کی "اوپر آنے کے لیے وہ لوگ زینے استعمال کریں گے۔ ہماری ذرا سی بھی آواز ان کے کانوں میں پڑگئی تو وہ ہمیں یہیں بھون ڈالیں گے۔"

میں گھور اندھیرے میں سنبھلتا ہوا لفٹ کے دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ ذہن پر ذرا سا زور دینے پر مجھے یاد آگیا تھا کہ لفٹ کا دروازہ بائیں سے داہنی جانب سرک کر بند ہوتا تھا اور یقینی طور پر اسی طرف کسی مضبوط آہنی کنڈے میں پھنس کر اس برقی سوئچ کو فعال بناتا تھا جس کے بعد ہی لفٹ کو اوپر یا نیچے کی طرف لے جایا جاسکتا تھا۔

میں نے لفٹ کی دیوار اور دروازے کے دائیں طرف والے گوشے میں' چھت کے بالکل قریب بیم گن کی نال نکائی اور ٹریگر دبا کر اسے بہت تیزی کے ساتھ فرش کی طرف لیتا چلا آیا۔
لفٹ میں چھائی ہوئی گہری تاریکی میں ذرا سی دیر کے لیے بیم گن کے نوزل سے نکلنے والی مہلک نیلگوں شعاعوں کی بہت محدود سی روشنی پھیلی اور ٹریگر پر میری انگلی کا دباؤ ختم ہوتے ہی مدھم سا نیلا نیلا اجالا ایک لخت معدوم ہوگیا۔
فلور سے نیچے اتری ہوئی بند آہنی لفٹ میں اس وقت اتنا گھور اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا مگر بیم گن کے چلتے ہی ہر ایک نے اندازہ لگا لیا کہ میں نے اس سنگین صورتِ حال سے گلوخلاصی کے لیے کون سی راہ کا انتخاب کیا تھا۔
میرے فارغ ہونے سے پہلے ہی غزالہ نے لفٹ کے سرکنے والے دروازے پر طبع آزمائی شروع کردی۔ جوں ہی میرا ہاتھ چھت سے سرکتا ہوا لفٹ کے فرش تک آکر رکا' لفٹ کا دروازہ ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ بائیں طرف سرکتا چلا گیا۔ غالباً اس کے برقی اور میکانی قفل کا نظام فرش کے قریب' لفٹ کے بالکل نچلے حصے میں پوشیدہ تھا۔ اس کے کٹتے ہی دروازہ غیر مقفل ہوگیا تھا۔
دروازہ کھلتے ہی میں نے ہاتھ بڑھایا اور سامنے کنکریٹ کی خنک دیوار کو موجود پایا۔ دروازہ کھلنے سے لفٹ میں غیر محسوس سی روشنی آنے لگی تھی۔

میں نے تیزی سے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ہماری لفٹ کی چھت اور اوپر والے فلور کے درمیان ایک تنگ اور چوکور سی

کھڑکی نمودار ہوچکی تھی۔ کھلنے والے دروازے کا بقیہ راستہ نچلی منزل کی سنگین دیوار نے مسدود کیا ہوا تھا۔

"ٹھہرو۔" میں نے سلطان شاہ کو فرش پر ہاتھ جماتے دیکھ کر ٹوکا "پہلے میں باہر نکل کر تم لوگوں کو کور دوں گا۔ تم تینوں میرے بعد باہر آؤ گے۔"

وہ رک گیا۔ اسے قید سے رہائی کی طرف پیش قدمی کرتے دیکھ کر میرے دل میں ایک پُرہول خیال پیدا ہوا تھا جس کے زیرِ اثر میں نے اضطراری طور پر اسے روک دیا تھا۔

باہر جو کچھ بھی ہوا تھا، ہم میں سے کسی نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا مگر اندازہ تھا کہ نامعلوم حملہ آوروں نے سب سے پہلے اس علاقے میں برقی ترسیل کے نظام کو اپنا نشانہ بنایا تھا تاکہ وہ اندھیرے کی آڑ میں پوری آزادی سے اپنی من مانی کر سکیں۔ بجلی کی فوری یا جلد بحالی کی دور دور تک کوئی امید نہیں تھی۔ جب تک بجلی نہ آجاتی، لفٹ کو اپنی مرضی سے حرکت دینا ممکن نہیں تھا۔

وہ میرے لیے ایک اطمینان بخش نکتہ تھا لیکن مجھے خوف اس بات سے تھا کہ لفٹ کے دروازے اور بغلی دیوار کے اتصال کے مقام پر میں نے پوری بے دردی سے بیم گن استعمال کر کے اس آہنی پنجرے سے نجات کا راستہ پیدا کیا تھا۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ اس عمل میں لفٹ کی کن برقی یا میکانی حفاظتی کڑیوں کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ اگر اوپر پیدا ہونے والے خلا سے کسی کے باہر نکلتے ہوئے وہ لفٹ اپنے نظام میں پیدا ہوجانے والے کسی نقص کی بنا پر اچانک پستی کا سفر شروع کردیتی تو اندر والوں کا جو حشر ہوتا سو ہوتا، خلا میں موجود شخص کا بدن فرش اور لفٹ کی آہنی چھت کے درمیان کٹ کر فوری طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا۔ کٹا ہوا اوپری دھڑ ہمارے فلور پر تڑپتا رہ جاتا اور لفٹ میں گرنے والا نچلا دھڑ دوسروں کو دہشت زدہ کردیتا۔

مرّوجہ مشینی سہولتوں نے انسان کو جہاں آسائش اور سہل پسندی کے ناقابلِ تصور ذرائع مہیا کیے ہیں، وہیں کسی ہنگامی صورتِ حال میں بدترین خطرات بھی پیدا کیے ہیں جن سے آدمی صرف اسی وقت واقف ہوتا ہے جب وہ خود ایسی صورتِ حال سے دوچار ہو۔ لفٹوں میں روزانہ سفر کرنے والے لاکھوں افراد میں سے شاید کسی نے اس امکان کے بارے میں سوچا تک نہ ہو جس سے ہم اس وقت دوچار تھے۔

اوپر کے فرش پر ہاتھ جما کر میں نے اپنے بدن کو اوپر اٹھایا اور سینے کے بل اوپر کے فرش پر رینگ کر لفٹ سے باہر نکل گیا۔ ان چند لمحوں کے لیے میرا سارا اعتماد رخصت ہوگیا تھا اور بدن کے بیشتر مسامات سے ٹھنڈا پسینہ بہہ نکلا تھا۔

باہر وہی دھواں دھار فائرنگ ہو رہی تھی۔ عمارت کے مکینوں میں سخت دہشت اور افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ فلیٹوں کے دروازے مضبوطی سے بند تھے۔ کوئی بھی متنفس باہر نظر نہیں آرہا تھا لیکن فضا خوف زدہ چیخوں اور بچوں کے رونے کی آوازوں سے لرز رہی تھی۔

میں نے اپنے قدموں پر اٹھتے ہی رائفل سیدھی کرلی کیونکہ عمارت کے زینوں پر کئی دوڑتے ہوئے قدموں کی وزنی دھمک سنائی دے رہی تھی۔

زینے لفٹ کے گرد طواف کرتے ہوئے منزل بہ منزل اوپر جاتے تھے لیکن میرے لیے بلکہ بیم گن کے لیے وہ رینج قدرے زیادہ ہوسکتی تھی۔ بات دشمنوں کے ساتھ آنکھ مچولی سے بڑھ کر کھلے کھلے خوں ریز تصادم تک پہنچ چکی تھی۔ ان حالات میں بیم گن جیسے خاموش ہتھیار کی توانائی کے مشکوک زیاں کے مقابلے میں بارودی گولیوں کا استعمال ہی زیادہ موثر ہوسکتا تھا۔

میرے بعد غزالہ بھی خیروعافیت سے اسی خلا سے گزر کر باہر آگئی اور اس نے بھی فوراً ہی پوزیشن سنبھال لی۔ سیڑھیوں پر سنائی دینے والی قدموں کی گونج بتدریج قریب آتی جارہی تھی۔

ویرا اس خلا سے فلور پر آنے کی کوشش کررہی تھی کہ سیڑھیوں پر ایک مسلح شخص تیزی سے ابھرتا ہوا نظر آیا، میں بس لمحہ بھر کے لیے جھجکا مگر اسی لمحے غزالہ نے اس پر اپنے ریوالور کے دہانے سے آگ اگل دی۔ اس اعصاب شکن ماحول میں غزالہ کے بے داغ نشانے پر میں حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ غزالہ کے ریوالور کی بے رحم نال سے نکلا ہوا مہلک شعلہ آنے والے کی پیشانی میں روپوش ہوا تھا۔ وہ ایک کریہہ چیخ کے ساتھ سیڑھیوں پر پیچھے لڑھک کر میری نظروں سے معدوم ہوگیا۔

سیڑھیوں پر لڑھکتے ہوئے ایک وزنی انسانی وجود کی خوفناک اور پُرشور دھمک خاصی پُرہیبت معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے گرتے ہی زینوں کے خلا میں متعدد فائروں کی آواز سنائی دی، ساتھ ہی اوپر آنے والے بہت تیزی سے نیچے کی محفوظ ترلینڈنگ پر اترتے چلے گئے۔

باہر ہونے والی فائرنگ کے مقابلے میں عمارت کے اندر ہونے والی فائرنگ کا ردِعمل زیادہ شدید تھا۔ دروازوں اور روشن دانوں کی جھریوں کے ذریعے فلیٹوں میں داخل ہونے والے بارودی دھوئیں نے عمارت میں رہنے والوں کو یقین دلا دیا تھا کہ موت کے ہرکارے گولیوں کے سائے میں آخر کار ان کے دروازوں تک پہنچ گئے تھے اور کسی بھی وقت دروازے توڑ کر کسی فلیٹ میں گھس سکتے تھے۔

غزالہ کے کیے ہوئے اکلوتے فائر نے ویرا اور سلطان شاہ کو خطرے کی سنگینی کا احساس دلا دیا تھا۔ وہ دونوں ہم سے بھی کم وقت میں پھنسی ہوئی لفٹ سے باہر نکل آئے۔

زینوں پر دشمن قابض تھا اور اوپر کی طرف اندھا دھند گولیاں

برسا رہا تھا' لفٹ بجلی کے تعطل کی وجہ سے ناکارہ ہو چکی تھی۔ ہم اپنے فلیٹ کے چوہے دان میں لُوٹنے کا خطرہ مول لے سکتے تھے' نہ جانوں کا خطرہ مول لیے بغیر نیچے اترنے کی کوئی صورت نظر آرہی تھی۔ میں اسی تذبذب میں تھا کہ سلطان شاہ نے زبان سے کچھ کہے بغیر فرش پر ایک لوٹ سی لگائی۔

مجھے اس کے عزائم کا اندازہ ہوا تو وقت کی ڈور میرے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ وہ فرش پر لڑھکتا ہوا تیزی سے سیڑھیوں کی طرف جارہا تھا۔ نیچے سے آنے والی گولیاں اس کے گرے ہوئے بدن سے محض ایک ڈیڑھ فٹ اوپر سے گزر رہی تھیں۔

وہ سی ون تھرٹی کے ذریعے اپنے اغوا کی واردات کے دوران میں آنے والے زخموں سے پوری طرح صحت یاب نہیں ہوپایا تھا۔ اس حالت میں سیڑھیوں پر لڑھک کر دشمن کے سر پر سوار ہونے کی وہ کوشش اس کے لیے مہلک ثابت ہوسکتی تھی۔ اول تو دشمنوں میں سے کسی کی چلائی ہوئی اندھی گولی ہی اسے چاٹ جاتی' کسی معجزے کے تحت وہ ان گولیوں سے بچ جاتا تو سیڑھیوں پر لڑھکتے ہوئے نچلی لینڈنگ تک کا فاصلہ طے کرنے میں شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوسکتا تھا۔

موقع ایسا تھا کہ میں سلطان شاہ کو اس احمقانہ جرات مندی سے روکنے کے لیے کچھ بھی نہ کرسکا' بس اپنی جگہ مضطرب ہوکر رہ گیا اور وہ فرش پر متحرک ایک انسان نما دھبے کی صورت میں سیڑھیوں کے نشیب میں میری نظروں سے معدوم ہوگیا۔

وہ بے خوف سورما اپنی جان پر کھیل کر آگے بڑھا تھا' میرے کان کسی بھی لمحے اس کی آخری دردناک چیخ کے منتظر تھے لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ شاید آنے والے درندے اسے اپنا مارا ہوا شکار سمجھ کر پوری طرح مطمئن تھے۔

اچانک عمارت کے زینوں پر گونجتے ہوئے آتشیں نغموں میں ایک نیا اور جاندار سر جاگ اٹھا۔ وہ سلطان شاہ کی کلاشنکوف کی لرزہ خیز تڑتڑاہٹ تھی۔ اس کے ابھرتے ہی فضا میں دو دلدوز چیخیں گونجیں اور ساتھ ہی پہلے سے جاری فائرنگ کا آہنگ بگڑ گیا۔

سلطان شاہ کی معجزاتی کامیابی اور دشمن کے پاؤں اکھڑنے کا

پہلا احساس ہوتے ہی ہم تینوں نے بغلی دیوار سے چپک کر زینے اترنے شروع کردیے۔
اس وقت تک ہمارے زینے فائرنگ سے محفوظ ہوچکے تھے۔
سلطان شاہ نے بلائے ناگہانی کی طرح ان کے سروں پر نازل ہوکر ان کے قدم اکھاڑ دیے تھے۔ اس کی فائرنگ سے بچ جانے والوں نے بہت تیزی کے ساتھ پسپائی اختیار کرکے خود کو بچایا تھا۔
اس وقت وہ چند لمحے میرے لیے گھنٹوں کی طرح طویل ہوگئے تھے، کان فائرنگ کے یوں عادی ہوگئے تھے جیسے وہ سلسلہ کئی دنوں سے چل رہا ہو۔ اسی بنا پر میں نے اندازہ لگالیا کہ ابتدا میں آنے والوں کی تعداد چار تھی جو سلطان شاہ کی مداخلت کے بعد گھٹ کر دو رہ گئی تھی۔ ان دو حریفوں کے لیے سلطان شاہ رک رک کر فائرنگ کررہا تھا۔
پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے لینڈنگ تک پہنچنے پر مجھے یہ دیکھ کر بے اندازہ خوشی ہوئی کہ سلطان شاہ عزم وحوصلے کی کسی چٹان کی طرح اپنے قدموں پر کھڑا، دیوار کی اوٹ سے نیچے والوں پر فائرنگ کررہا تھا۔
خوشی کے عالم میں ویرا اور غزالہ نے بھی وہی کیا جو میں نے کیا تھا۔ ہم تینوں نے سلطان شاہ کی حمایت میں نیچے کی طرف بے ساختہ گولیاں برسادیں۔
ہمارے اس غیرارادی ردِعمل نے حریفوں کے قدم اکھاڑ دیے۔ نیچے سے فائرنگ کا سلسلہ یک لخت موقوف ہوگیا اور بہت تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز دور ہونے لگی۔
مقابلے میں کھل کر شریک ہونے کے بعد ہم سب کے حوصلے بڑھ چکے تھے۔ ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہم نے باقی ماندہ تاریک زینے طے کرنے شروع کردیے۔ زینے طے کرکے ہم گراؤنڈ فلور پر پہنچے تو چوکیدار کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ ڈھیلی ڈھالی قمیص شلوار میں ملبوس دو افراد پوری قوت سے دوڑتے ہوئے اس بلاک سے نکاس کے راستے کی طرف بڑھ رہے تھے۔
میں نے رکے بغیر اپنی گن سیدھی کرکے فرار ہونے والوں میں سے ایک کی کشادہ پشت پر فائر کیا اور آگ اگلتی ہوئی گولی اس کے جسم کے کسی حصے میں پیوست ہوگئی۔ تاریک ماحول میں تاریک تر نظر آنے والا وہ سایہ اپنے ہی زور میں اچھل کر منہ کے بل آگے پختہ فرش پر جاگرا۔
سر پر بھیانک خطرات سوار ہوتے ہی ہم چاروں کے درمیان ایک دوسرے کے ذہن کو پڑھنے کا کچھ ایسا سلسلہ چل پڑا تھا کہ تقریباً اسی لمحے ویرا نے دوسرے مفرور پر گولی چلائی اور وہ بھی نشانہ بن کر دل دوز آواز میں دہاڑتا ہوا فرش پر ڈھیر ہوگیا۔
عمارت کے اندر دشمن کی لاشیں گر رہی تھیں۔ ان کے سارے ہتھیار خاموش ہوچکے تھے۔ ان کی جگہ ہمارے بارودی ہتھیار گنگنا رہے تھے لیکن عمارت سے باہر، کھلی فضا میں ہونے والی فائرنگ کے تواتر میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔
ہم چاروں چوکنے انداز میں دوڑتے ہوئے فرش پر گری ہوئی دو تازہ لاشوں سے آگے نکل گئے۔ ہمارے سامنے ان فلیٹوں کی عمارات کے گرد پھیلا ہوا کشادہ احاطہ بھی اس تاریکی میں ویرانی کا منظر پیش کررہا تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے آگ وخون کی وہ برسات شروع ہوتے ہی ہر ذی روح خوف زدہ ہوکر کسی نہ کسی کونے کھدرے میں دبک گیا ہو۔
فائرنگ کی آوازوں پر دھیان دینے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ اس وقت جو کچھ ہورہا تھا وہ ہمارے احاطے سے باہر ہی ہورہا تھا۔ حملہ آوروں نے باہر کا راستہ صاف رکھنے کے لیے بھی وہاں دہشت گردی پھیلائی ہوئی تھی، اندر کی تمام ذمے داری انہوں نے اپنے چاروں مسلح ساتھیوں کے سپرد کی ہوئی تھی جو دو مرحلوں میں ہمارے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچ چکے تھے۔
"ہمارے سروں پر منڈلاتا ہوا خطرہ شاید ٹل چکا ہے۔" احاطے کی دیوار کے سائے میں پناہ لینے کے بعد ویرا نے سرگوشیانہ آواز میں کہا "لیکن اب باہر نکلنا مشکل ہے۔"
"غور سے سنو!" میں نے اضطرابی لہجے میں ان تینوں کو متوجہ کیا "باہر بھی یک طرفہ فائرنگ کا سلسلہ موقوف ہوچکا ہے۔ شاید کوئی ان کے مقابلے پر اتر آیا ہے۔"
وہ ایک باریک نکتہ تھا جو توجہ مرکوز کرنے کے بعد ہی سمجھ میں آسکتا تھا ورنہ فائرنگ تو بس فائرنگ ہی ہوتی ہے۔ میں نے زینوں والی گمبھیر صورتِ حال سے نکلتے ہی یہ بھانپ لیا تھا کہ باہر کسی نے جوابی فائرنگ کا آغاز بھی کردیا تھا۔
"تو کیا پولیس آچکی ہے؟" سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کیا۔
"پولیس نہیں ہوسکتی۔" میں نے پُریقین لہجے میں اسے بتایا۔ "ایسے دھواں دھار ماحول میں وہ دور ہی سے سائرن بجاتے ہوئے آتے ہیں تاکہ ان کی آمد کے خوف سے متصادم حریفوں کے پاؤں اکھڑ سکیں۔ یہ کوئی اور ہی چکر چل پڑا ہے۔"
"پھر یہ اول خان کے آدمی ہوسکتے ہیں۔" غزالہ نے فیصلہ سنا دیا "انہیں ہماری حفاظت پر مامور کیا گیا ہے۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ سکتے...."
"ہم چوہے دان سے نکل کر باہر کھلی فضا میں آچکے ہیں اور کہیں بھی جاسکتے ہیں۔" ویرا اس کی بات کاٹ کے بول پڑی "لیکن فائرنگ کا زور ٹوٹنے سے پہلے ہم احاطے سے باہر نہیں جائیں گے۔ اندھا دھند چلائی جانے والی گولیاں دوست اور دشمن میں کوئی تمیز نہیں کرتیں۔"
وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کیونکہ اس اثنا میں مجھے یہ اندازہ بھی

ہوچکا تھا کہ باہر ہوائی فائرنگ کے بجائے اس وقت ٹارگٹ شوٹنگ کا سلسلہ چل پڑا تھا۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے کے ٹھکانوں کو تاک تاک کر گولیاں چلائی جارہی تھیں۔ فائرنگ کے شور کی سمت اور درمیانی وقفوں سے کوئی بھی لڑاکا آسانی سے اس رائے پر پہنچ سکتا تھا۔

"باہر نکلتے ہوئے خوف سے تمہارا دم نکل رہا ہے تو اسی چار دیواری میں دبکی رہو۔" میں نے ویرا سے کہا "لیکن یوں بت کی طرح یہیں نہ جمی رہو۔ میرے پیچھے آؤ۔"

میں دیوار کے سائے میں اس پھاٹک کی طرف چل پڑا جو احاطے سے باہر نکلنے کے لیے ہروقت استعمال میں رہتا تھا۔

ذرا سی دیر کی پیش قدمی کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ میرا وہ فیصلہ خاصا درست تھا۔

مجھے پھاٹک سے فائروں کی آواز آرہی تھی۔ وہاں کچھ لوگ جمے ہوئے تھے جو باہر کی طرف گولیاں چلا رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ صرف میں نے انہیں دیکھا تھا لیکن وہ لوگ مجھ سے زیادہ چالاک اور چوکنا تھے۔ ان میں سے کسی نے مجھے پہلے ہی نوٹ کرلیا تھا۔

"ہولڈ اِٹ.... ہینڈز اپ!" انسانی جذبوں سے عاری وہ سفاکانہ آواز سن کر میں نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر بلند کرلیے۔

وہ ہمارے لہو کا کوئی پیاسا ہوتا تو ہمیں اندھیرے میں محض ہاتھ اٹھانے کی ہدایت نہ کرتا' بے دریغ گولی چلا کر کم از کم میرا سینہ لہولہان کردیتا۔ اس نے جو حکم دیا تھا اس میں احتیاط پنہاں تھی۔ اسے توقع تھی کہ اندر سے دشمن کے ساتھ ساتھ کوئی دوست بھی نمودار ہوسکتا تھا اس لیے کسی آنے والے کو للکارے بغیر گولیوں سے ادھیڑ ڈالنا مناسب نہیں تھا۔

"فرینڈز!" میرے دہانے سے بے ساختہ ایک تیز سرگوشی برآمد ہوئی "آئی ایم ڈی فارڈینی!"

"کم آن سر!" گیٹ کے قریبی سرے سے ایک دوستانہ آواز ابھری "خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔ آگے آجاؤ مگر پھاٹک کے سامنے ہرگز نہ آنا۔ دشمن سامنے ایک گاڑی کی اوٹ لے کر ڈائریکٹ اندر فائر کررہا ہے.... باس کسی بھی وقت پیچھے سے ان کی گردنیں دبوچنے والا ہے۔"

میرے وجود میں سکون و اطمینان کی ایک آسودہ سی لہر سرایت کرگئی۔ دشمنوں سے کشت و خون کے بعد ہم آخر کار اپنے دوستوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے تھے۔

ہماری طرف سے مطمئن ہونے کے بعد' ہم سے مذاکرات کرنے والا دوبارہ دشمن پر گولیاں برسانے میں مصروف ہوچکا تھا۔ قریب پہنچنے کے بعد میں نے دیکھا کہ تاریکی کا جزبنے ہوئے وہ دونوں سائے گیٹ کے دونوں سروں پر جمے ہوئے تھے اور دوسری طرف سے آنے والی گولیوں کی سمت کا اندازہ لگا کر دشمن کے مورچوں پر نپے تلے فائر کررہے تھے۔

اچانک باہر ہونے والی فائرنگ میں وحشیانہ شدت پیدا ہوگئی۔ صرف فائرنگ میں اضافہ نہیں ہوا تھا بلکہ فضا میں گونجنے والی ہولناک آوازوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ اس خون آشام مقابلے میں جدید' بھاری اور نئے ہتھیاروں کی ایک بڑی کھیپ شامل ہوچکی تھی۔

"کاش اول خان آپہنچا ہو!" اس تبدیلی پر میرے دل میں آرزو ابھری۔

نئے ہتھیار اس قدر شدت اور جارحیت کے ساتھ میدانِ کارزار میں اترے کہ باہر کی فضا میں لرزہ براندام کردینے والی کئی چیخیں بھی سنائی دیں اور پھر لمحوں ہی لمحوں میں بس نئے ہتھیاروں کی گونج باقی رہ گئی۔

ہمارے احاطے کے پھاٹک پر جمے ہوئے دونوں جانباز خوشی سے اچھل پڑے۔ ان کے بِرمقابل بھاگ نکلے تھے اور انہوں نے اپنی دانست میں میدان مارلیا تھا۔

اچانک فائرنگ تھم گئی۔ گولیوں کی روح فرسا گھن گرج کے بعد وہ سناٹا بہت عجیب محسوس ہورہا تھا۔ اسے روتے ہوئے بچوں یا خوف زدہ عورتوں کی آوازیں ہی مجروح کررہی تھیں۔

سلطان شاہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر پھاٹک سے باہر کا جائزہ لینے کی کوشش کی لیکن ہماری طرف موجود مسلح آدمی نے سختی سے اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اس کی دانست میں فائرنگ ضرور تھم گئی تھی مگر خطرہ پوری طرح نہیں ٹلا تھا۔ جب تک اسے اپنے ساتھیوں کی طرف سے میدان صاف ہونے کا اشارہ نہ مل جاتا' سامنے آنے کی کوشش مہلک ثابت ہوسکتی تھی۔

اول خان نے تھوڑی دیر پہلے فون پر بات کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اس بات کی تصدیق کی تھی کہ ہمارے فلیٹ کی حفاظت کے لیے اس نے اپنے چار آدمی مامور کیے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو اس وقت ہمارے ساتھ موجود تھے اور دو باہر کہیں اپنی کمین گاہوں میں موجود تھے۔ میرے ذہن میں جو نیا نقشہ بن رہا تھا اس کی روشنی میں باہر والوں کو اپنے باس یا کمانڈر سے کمک ضرور ملی تھی۔ اگر میرا یہ اندازہ درست تھا تو پھر ہماری نفری دو ہندسوں سے متجاوز ہوچکی تھی۔

ہمیں زیادہ دیر تک انتظار کی زحمت سے نہیں گزرنا پڑا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اول خان کے استعمال میں رہنے والی بڑی جیپ احاطے کے دروازے کے قریب آکر رک گئی۔ جیپ روکنے سے قبل اس کے ڈرائیور نے تین مرتبہ روشنیاں دھیمی اور تیز کرکے اپنی شناخت کرائی تھی۔ ان حالات میں اپنوں کی مار سے بچنے کے لیے وہ احتیاط ناگزیر تھی۔

آنے والی جیپ سے صرف دو افراد بر آمد ہوئے اور وہ دونوں میرے لیے اجنبی تھے۔
پہلے سے ہمارے ساتھ موجود ایس ٹی ایف کے آدمی اپنے ان ساتھیوں کو پہچان کر گیٹ سے باہر نکل گئے۔ ہم چاروں نے بھی ان کی تقلید کی۔
"باس کہاں ہے؟" میں نے آنے والوں سے بے ساختہ سوال کر ڈالا۔ مجھے توقع تھی کہ آنے والی جیپ سے اول خان ضرور بر آمد ہوگا۔
"وہ پھیلی ہوئی نفری کو سمیٹ کر یہیں آئیں گے۔" ان میں سے ایک نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
"اپنے بندے سب ٹھیک ہیں نا؟" ہمارے ساتھ موجود ایک شخص نے پوچھا۔
"ہم پانچ آدمی وائرلیس سیٹ لے کر آئے تھے اور پانچوں ہی بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔" اس نے ہماری بھیڑ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا پھر پوچھا "تمہارے دو ساتھی شاید باہر ہیں۔"
"ہاں! ہم چاروں ہی باہر تھے.... گڑبڑ شروع ہونے کے بعد ہم دونوں نے بہت مشکل سے یہاں پہنچ کر پوزیشن سنبھالی تھی۔ ہمارے آنے سے پہلے کچھ آدمی اندر گھس چکے تھے۔"
"ان کا کیا بنا؟ اندر والے تو خیریت سے ہیں؟" آنے والے کا لہجہ متجسسانہ ہوگیا۔
"اندر والے سب لوگ تمہارے سامنے موجود ہیں۔" کسی اور سے پہلے میں خود ہی بول پڑا "چار آدمی ہماری تلاش میں اندر گھسے تھے۔ وہ سب سیڑھیوں پر اور بر آمدے میں پڑے ہیں۔"
"زندہ ہیں یا تم نے انہیں مار دیا؟" وہ ان کے بارے میں سب کچھ جان لینا چاہ رہا تھا۔
"کوشش یہی تھی کہ ان میں سے کوئی زندہ نہ بچنے پائے۔ کوئی زخمی ہو کر صرف بے ہوش ہوا ہو تو یہ اس کی خوش نصیبی ہوگی۔" میں نے کہا۔
"ان ذلیلوں میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں بچنا چاہیے۔" اس نے دانت پیس کر غصیلے لہجے میں کہا "میں انہیں دیکھ کر آتا ہوں۔ باس کے آنے سے پہلے لوٹ آؤں گا۔"
وہ یہ کہہ کر اندر چلا گیا۔ میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگائی ہی تھی کہ وہ ویرا نے میرے ہونٹوں سے اچک لی۔ میں اندھیرے میں اسے گھور کر رہ گیا۔
چند ثانیوں بعد سڑک پر ایک اور گاڑی نظر آئی۔ عام حالات میں وہ سڑک ہر وقت مصروف رہتی تھی لیکن تھوڑی دیر پہلے ہونے والی دھوا دھار فائرنگ کے بعد وہاں ایسا سناٹا چھایا ہوا تھا جیسے علاقے میں کرفیو نافذ کر دیا گیا ہو۔ ایسے میں وہ اکلوتی گاڑی الگ ہی نظر آرہی تھی۔
جب اس کے ہیڈ لیمپس بھی تین مرتبہ مدھم اور تیز ہوئے تو ہم سب نے سمجھ لیا کہ آنے والا اول خان ہی ہو سکتا تھا۔ وہ گاڑی سے اترتے ہی نہایت پُرتپاک انداز میں ہم سے ملا۔
"تم نے وہی کیا جس پر اڑے ہوئے تھے۔" اس نے مجھ سے پُرجوش انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "گھر سے باہر نکل کر تم نے بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔"
"خطرہ مول نہیں لیا' یہ کہو کہ بروقت فلیٹ چھوڑ کر ہم موت کے منہ سے بال بال بچے ہیں۔" ویرا نے اسے لقمہ دیا "تمہارے آدمیوں کے پہنچنے سے پہلے چار بھیڑیے اندر گھس چکے تھے۔"
اسی وقت اول خان کا آدمی اندر کا جائزہ لے کر واپس آگیا۔
"چاروں جہنم واصل ہو چکے ہیں۔" اس نے فوجی انداز میں اول خان کو سیلوٹ کرکے اعلان کیا۔
"تو کیا تم لوگوں نے ان چاروں کو مار ڈالا؟" اول خان حیرت سے بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔
"انہیں نہ مارتے تو وہ ہم کو مار ڈالتے۔" میں نے کہا "ان کے پہنچنے سے ذرا سی دیر پہلے ہم لفٹ میں پھنسے ہوئے تھے۔ قسمت تھی کہ دروازہ کاٹ کر بروقت باہر آگئے...."
"آؤ! یہاں کب تک کھڑے رہو گے۔ اوپر ہی چلتے ہیں۔" ویرا میری بات پوری ہونے سے پہلے بولی۔
"اب بھول کر بھی فلیٹ کا رخ نہ کرنا۔ اس واقعے کے بعد وہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ان کے چار آدمی تم نے مارے ہیں۔ دو تین باہر بھی مرے یا زخمی ہوئے ہیں۔ وہ جلد از جلد اس کا جواب دینے کی کوشش کرسکتے ہیں۔" اول خان نے مربیانہ انداز میں کہا۔
"ہم صرف ہتھیار لے کر خالی ہاتھ وہاں سے نکلے ہیں۔" سلطان شاہ نے وضاحت کی "ہمیں ضرورت کا کچھ نہ کچھ سامان تو لینا ہی ہوگا۔"
"وہ سب بعد میں آتا رہے گا۔ اس وقت یہاں سے نکل چلو۔" اول خان اپنی بات پر اڑا رہا۔
اول خان نے ہم میں سے کسی کا جواب سننے کی زحمت کیے بغیر اپنے چار آدمیوں کو ہمارے فلیٹ کے بارے میں ہدایات دینے کا سلسلہ شروع کردیا۔ وہاں موجود سازو سامان کے بارے میں وہ غزالہ سے مشورہ کرتا جارہا تھا۔
اس وقت ہماری کل نفری تیرہ افراد پر مشتمل تھی۔ چار افراد کو فلیٹ کی حفاظت یا دشمن کے مقابلے کے لیے چھوڑ دینے کے بعد یہ تعداد نو رہ جاتی۔ میری دانست میں وہ تعداد کہیں بھی بڑے پیمانے پر افرا تفری پھیلانے کے لیے بہت کافی تھی۔
اول خان عجلت میں ہدایات دیتے ہوئے بار بار اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال رہا تھا۔ اس کام سے فارغ ہوتے ہی وہ ہم چاروں کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر سوار ہوگیا۔ بقیہ چار افراد دوسری گاڑی کی طرف ہو لیے۔
دو گاڑیوں پر مشتمل ہمارا کارواں وہاں سے روانہ ہوا تو پورا علاقہ بدستور گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور سڑکوں پر مکمل ویرانی کا راج تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ فائرنگ کے بھیانک مقابلے کے باوجود

پولیس کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ علاقے کی پولیس اس واقعے سے بے خبر رہی ہو گی۔

"علاقے کی پولیس کہاں سوئی ہوئی ہے؟" کچھ دور نکل آنے کے بعد میں اول خان سے وہ سوال کیے بغیر نہ رہ سکا "اتنی فائرنگ سے تو قبر کے مردے بھی بیدار ہو سکتے تھے۔"

"آج میں نے اپنا اختیار استعمال کیا ہے۔" اول خان نے مسکرا کر کہا۔ "اس وقت تک ہماری گاڑیاں تاریک علاقے سے روشنیوں کے خطے میں داخل ہو چکی تھیں۔

"یعنی پولیس کو اس معاملے سے الگ تھلگ رہنے کا حکم دیا ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"جب ملک میں عام قانون کی حکمرانی ہو تو پولیس کو دنیا کی کوئی طاقت اس کے علاقے میں ہونے والے جرائم سے الگ تھلگ نہیں رکھ سکتی۔ لاشیں ان ہی کی تحویل میں جائیں گی اور وہی اس تصادم کی تفتیش کریں گے۔ ان سے صرف اتنا کہا گیا ہے کہ فائرنگ کا سلسلہ موقوف ہونے کے تیس منٹ بعد علاقے میں اپنی کارروائی کا آغاز کریں۔ اسی لیے میں تیس منٹ پورے ہونے سے پہلے تمہیں وہاں سے نکال لایا ہوں۔"

"اور اب کہاں جا رہے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں اگلا سوال کیا۔

"جمشید روڈ۔" اس کے پاس جواب تیار تھا "دونوں عورتوں کو اپنے گھر کی چار دیواری میں پہنچانے کے بعد سوچوں گا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"تم ہمارے لیے کسی چار دیواری کی فکر مت کرو۔" ویرا نے برا مان کر کہا "تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم عام قسم کی عورتیں نہیں ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے ہم دونوں کے ہتھیار بھی آگ اُگل رہے تھے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" سلطان شاہ درمیان میں بول پڑا "اس کے پاس ہتھیار نہ ہو تب بھی یہ اپنی زبان سے آگ اگلنے لگتی ہے۔"

"تم پھر میرے منہ لگے؟" ویرا غرائی "ابھی کچھ کہہ دوں گی تو منہ لٹکا لو گے۔"

"ساری پریشانی یہی ہے کہ میں تمہارے منہ نہیں لگتا۔ کوئی شریف آدمی ایک آتش فشاں کا قرب پسند نہیں کرے گا۔ میں اول خان سے بات کر رہا تھا۔"

"تم جیسے بدمعاش خود کو شریف کہنے لگیں تو سمجھ لو کہ شرافت کا جنازہ نکل چکا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ آج مارے جانے والوں میں سے کسی کا نام شرافت ہو۔ آج دیر ہو گئی ہے۔ کل اس کا جنازہ ضرور نکل جائے گا اور تم...."

"بس!" میں نے ترشی سے سلطان شاہ کو ڈانٹ دیا "خرافات میں وقت برباد مت کرو۔"

"بہت بہتر۔" سلطان شاہ نے برا مانے بغیر کہا "تم وقت کی بربادی کا کوئی دوسرا ذریعہ بتا دو۔"

میں اس کی بات سنی اَن سنی کر کے اول خان سے مخاطب ہو گیا "جمشید روڈ کے بجائے کھٹومل راجوانی کے گھر کی طرف چلو۔ اس کو سبق سکھانا ضروری ہو گیا ہے۔"

اول خان نے میری بات سن کر تفہیمی انداز میں سر ہلایا پھر کہا۔ "مجھے تمہاری بات سے پورا اتفاق ہے مگر ان دونوں کو وہاں لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مدہوشوں کی بھیڑ میں افراتفری پھیلانے کے لیے میرے صرف دو آدمی بھی کافی ہوں گے...."

"نہیں!" ویرا نے سختی سے اس کی بات کاٹ دی "اگر آج کی رات مزید کچھ کرنا ہے تو میں بھی ساتھ رہوں گی۔ تم مجھے عضوِ معطل بنا کر گھر نہیں بٹھا سکتے۔"

"بڑے سے بڑا سورما اور بادشاہ بھی جوان جہان بیٹیوں کو گھر نہیں بٹھا سکتا تو تم کیسے بیٹھی رہو گی۔ ایک نہ ایک دن تمہیں کسی کا گھر بسانا ہی ہو گا مگر اس کام کے لیے کھٹومل....."

سلطان شاہ کی بات ادھوری رہ گئی۔ اس کی دبی دبی غراہٹ اور فریاد سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا نے جھلا کر شاید اس کی گردن دبوچ لی تھی۔

اول خان نے ڈرائیونگ پر سے توجہ ہٹائے بغیر کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے ویرا کا مشورہ مان لینے کا اشارہ دے دیا۔

"مجھے ان دونوں کو ساتھ لیے پھرنے میں ذرا بھی عذر نہیں ہے۔" اول خان نے وضاحت کی "تمہیں معلوم ہے کہ وقت کا پہیّہ ایک مرتبہ پھر تمہارے خلاف چل پڑا ہے۔ گلشنِ اقبال میں مارے جانے والوں پر بیم گن کے استعمال کا راز پوری احتیاط کے باوجود باہر آ چکا ہے۔ دوسری طرف اب تم امریکا کے مطلوب ملزم بن چکے ہو۔ ویرا تمہاری شناخت کے لیے ایک اشتہار ثابت ہو سکتی ہے۔ اب تم دونوں کو حتی الامکان ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہی رہنا چاہیے۔ یہ کوئی مشکل یا ناممکن بات نہیں ہے۔"

"ان مشوروں پر غور و خوض کے بعد کل سے عمل کیا جائے گا۔ اس وقت جو ہو رہا ہے 'ہونے دو۔" ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا "رات کے وقت کوئی دوربین لے کر ہماری تلاش میں نہیں نکلے گا۔"

"تم بعض اوقات بہت گندذہن ہو کر رہ جاتی ہو۔" اول خان نے بیزاری سے کہا "میں تم دونوں کو ہر مصیبت سے بچائے رکھنا چاہتا ہوں۔ دوسروں کی سلامتی کو کسی قسم کے خطرات لاحق ہوتے ہیں تو تم ہی دونوں اس کا کوئی توڑ نکالتے ہو۔ تم دونوں گردش میں آ گئے تو کون تمہاری مدد کرے گا؟"

"یہ بودی اور فضول باتیں ہیں۔ وقت پڑنے پر تم سمیت ہر شخص نے بہترین کارکردگی دکھائی ہے۔ جب تک ہمارا وقت نہیں آ جاتا' ہمیں کوئی نہیں مار سکتا۔ یہ فلسفہ میں نے تم لوگوں میں رہ کر

ہی سیکھا ہے۔ کمال ہے کہ تم اسے بھول رہے ہو۔"
اول خان لاجواب ہو گیا اور اپنا اپریٹس سنبھال کر پچھلی گاڑی والوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔
"حجت اور تکرار کے معاملے میں تم نے کسی سور کا دماغ پایا ہے۔" پچھلی نشستوں پر سلطان شاہ ایک مرتبہ پھر ویرا سے الجھنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا تھا۔
"اور تم نے ڈھٹائی کے معاملے میں کسی سورنی جیسا جسم پایا ہے۔ سی ون تھرٹی میں گھنٹوں منجمد لاشوں کے ساتھ تابوت میں بند رہے مگر پھر بھی زندہ ہو' کسی طرح مرنے کا نام ہی نہیں لیتے۔"
"زندہ رہ کر تمہارا غرور خاک میں ملا رہا ہوں۔" سلطان شاہ کی آواز فخریہ ہو گئی۔
"ماروں گھٹنا' پھوٹے آنکھ شاید اسی کو کہتے ہیں۔" ویرا نے طنز سے کہا۔
"حسن والوں کو سدا سے یہ غرور ہے کہ وہ جسے نظر بھر کر دیکھ لیں وہ گر کر پٹ سے مر جاتا ہے۔ تم مجھے گھور رہی ہو مگر میں زندہ ہوں۔ شاید اس لیے کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔"
"میں نے کبھی حسین ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اب تم اُوٹ پٹانگ باتوں پر اتر آئے ہو۔"
"یہ دعویٰ تم کر بھی نہیں سکتیں۔ جس دن سے تمہاری صورت دیکھی ہے' ہر وقت موت سے لڑنا پڑ رہا ہے۔ یہ دیکھ لو کہ ابھی ابھی ہم موت کے منہ سے نکل کر آئے ہیں۔"
"یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔ بعض لوگ واقعی اتنے بدنصیب ہوتے ہیں کہ وہ اونٹ پر سفر کر رہے ہوں تب بھی کتا ان کی پنڈلی پر کاٹ لیتا ہے۔" ویرا نے بے زاری سے کہا۔
"تمہاری یہ مثال کچھ عجیب سی ہے۔" غزالہ نے ان کی بحث ختم کرانے کے لیے مداخلت کی۔
"ویسے تو اونٹ ہی ایک عجیب جانور ہے۔ تصور کرو کہ اس کی پشت پر بیٹھا ہوا آدمی زمین سے کتنا بلند ہوتا ہے۔ اگر پھر بھی کوئی حقیر کتا اس کی پنڈلی پر کاٹ لے تو اسے اس شخص کی بدنصیبی کی انتہا کے سوا اور کیا کہا جا سکے گا؟"
غزالہ ہنس پڑی "یہ بات تمہاری وضاحت کے بغیر بھی میری سمجھ میں آگئی تھی۔"
میں ان تینوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کی طرف سے اپنے کان بند نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود میں اول خان کی اپریٹس پر ہونے والی گفتگو سے غافل نہیں تھا۔
پچھلی گاڑی میں موجود چار افراد میں سے ایک نے کھٹومل راجوانی کا گھر دیکھا ہوا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ لان پر ہونے والی راگ رنگ اور خورونوش کی محفل کے لیے کیا انتظامات کیے گئے تھے۔ اول خان نے اسی کو نئی مہم کا سربراہ مقرر کیا تھا۔
طے یہ ہوا تھا کہ کھٹومل راجوانی کے ساتھ وہی کچھ دہرایا جائے گا جو اس رات ہمارے ساتھ ہو چکا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ہمارے دشمن ہمیں مارنے کا عزم لے کر آئے تھے جبکہ اول خان کے آدمیوں کو موقع پا کر کھٹومل راجوانی کو اس کے گھر سے اٹھالانا تھا۔
مجوزہ منصوبے کی جزئیات کو نظر میں رکھتے ہوئے کھٹومل کے ہاتھ آنے کا امکان بہت موہوم تھا۔ اندھیرے میں ہونے والی بھگدڑ میں یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی کھٹومل کو پہچان کر اس پر ہاتھ ڈال سکے۔ وہ پکڑا جاتا تو اسے اس کی بدنصیبی ہی قرار دیا جا سکتا تھا جس کی مثال ویرا نے اونٹ سوار کی پنڈلی پر کتے کے کاٹنے سے دی تھی۔
"کھٹومل!" اپریٹس پر اپنی گفتگو ختم کرنے کے بعد اول خان خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا "بڑا عجیب اور نامانوس سا نام ہے اس مردود کا۔"
"وہ ہندو ہے۔ یہ ہندی کا ہی کوئی نام ہوگا۔" پیچھے سے سلطان شاہ نے رائے دی۔
"یہ نام شروع ہی سے میرے کانوں میں بھی چبھ رہا ہے کیونکہ میں ہندی سے ناواقف ہوں۔" ویرا نے اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔
"تم کیوں چپ ہو؟" میں نے مڑ کر غزالہ سے کہا "اور یہ مسکراہٹ کیسی ہے۔"
"ویرا کی بات پر ہنس رہی ہوں۔ رام' مل' رائے اور ناتھ وغیرہ تو عام ناموں میں آتے رہتے ہیں۔ اسے شاید کھٹو پر اعتراض ہے حالانکہ وہ یہ لفظ روز ہی سنتی یا بولتی رہتی ہے۔"
"اگر تم یہ کہہ رہی ہو کہ کھٹے کو کھٹو بنا دیا گیا ہے تو میں مان سکتی ہوں۔"
"کھٹے میٹھے سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ نکھٹو' کام چور اور حرام خور کو کہتے ہیں۔ کھٹو کے معنے محنتی ہی ہو سکتے ہیں۔" غزالہ نے جواب دیا۔
"اس دریافت پر تمہیں ہندی کا ایوارڈ دینا چاہیے۔" ویرا کی آواز تحسین آمیز تھی۔
اس وقت ہماری دونوں گاڑیاں کلفٹن کے پل سے گزر کر صدر کے علاقے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ رات کے گیارہ بجے سے اوپر کا عمل ہونے کی وجہ سے آنے اور جانے والی سڑکوں پر ٹریفک کی زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی جس کی وجہ سے دونوں گاڑیوں کا ایک ساتھ رہنا مشکل نہیں تھا۔
ہمارے فلیٹ سے روانگی کے وقت اول خان سب سے پہلے اپنے گھر جانے کا ارادہ کر چکا تھا اس لیے اس نے گاڑی اس سیدھے راستے پر ڈالی تھی ورنہ کھٹومل کے گھر پہنچنے کے لیے ڈیفنس سے براہ راست گورا قبرستان کا راستہ زیادہ مختصر اور آسان ثابت ہوتا۔
"ہو سکتا ہے کہ اس وقت اس عمارت کے کسی بند کمرے میں ہم لوگوں کے خلاف کوئی منصوبہ بندی ہو رہی ہو۔" امریکی قونصل خانے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ویرا نے تحقیر آمیز لہجے میں

کہا۔
قونصل خانے کے وسیع احاطے میں مسلح محافظ پوری طرح چاق و چوبند نظر آرہے تھے۔ میں نے لحہ بھر کے لیے سوچا کہ ایک نہ ایک دن ہمیں اس عمارت میں رہنے اور کام کرنے والوں سے بھی دو دو ہاتھ کرنے ہی تھے۔
ہوٹل میٹروپول کی وسیع عمارت کا آدھا طواف کرنے کے بعد ہم اواری ٹاورز کے کونے سے شارع فیصل پر مڑ گئے۔ اس شاہراہ پر آتے ہی اول خان نے جیپ کی رفتار بڑھا دی۔
ہوٹل مہران، عائشہ باوانی اکیڈمی اور فنانس اینڈ ٹریڈ سینٹر کی معروف عمارتوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ہم جلد ہی سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے سگنل پر پہنچ گئے۔ اس وقت تک دوسری گاڑی آگے آچکی تھی۔ اول خان سکون سے اس کی تقلید کر رہا تھا۔
اس ٹریفک سگنل سے داہنی طرف سوسائٹی کا بلاک بی تھا جبکہ بائیں طرف زیادہ بارونق اے بلاک واقع تھا۔ ہماری گاڑیاں سڑک کے انتہائی داہنے سرے پر رکی تھیں اس لیے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ ہمارا ہدف بلاک بی میں واقع تھا۔
سبز اشارہ جلنے پر گاڑیاں داہنی طرف مڑ گئیں۔ مختصر سی مسافت کے بعد پھر داہنا موڑ لیا گیا۔ بائیں طرف کی ایک ذیلی سڑک پر گھومتے ہی ہدف کے واضح آثار نظر آنے لگے۔
گلی کے اختتام پر زمین سے قدرے بلندی پر ریلوے لائن چمک رہی تھی۔ مجھے بے اختیار نادرہ کا وہ مکان یاد آگیا جہاں میں نے رمیش اگر وال اور بدری ناتھ کے ساتھ رہتے ہوئے ان کو اپنے جال میں پھانسا تھا۔ وہ مکان شارع فیصل کے اسی رخ پر وہاں سے تقریباً دو تین کلو میٹر دور واقع تھا۔
کھٹّومل کا مکان وسیع رقبے پر بنا ہوا تھا۔ اس کے احاطے میں لگے ہوئے شامیانے دور سے نظر آرہے تھے۔ اندر کے چراغاں کے انعکاس نے فضا کو خاصی دور تک منور کیا ہوا تھا۔ مکان والی سڑک پر دونوں طرف نت نئے ماڈلوں کی گاڑیاں پارک کی ہوئی تھیں۔ ان کی تعداد سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کھٹّومل کی کوئی مخصوص نجی دعوت تھی جس میں ڈیڑھ دو سو سے زیادہ افراد مدعو نہیں تھے۔
مکان پر حملہ آور ہونے والے اپنی گاڑی سیدھی لیتے چلے گئے۔ اول خان نے اپنی جیپ ایک گلی میں گھما لی۔ ہم پانچوں کو اس آپریشن میں کوئی عملی حصہ نہیں لینا تھا۔ بس دور رہ کر اگلی پارٹی کو پشت پناہی کا یقین دلانا تھا اس لیے جیپ کو گاڑیوں کی بھیڑ میں پھنسانا کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا۔
وہ آبادی وسیع رقبے پر بنے ہوئے مکانوں پر ہی مشتمل تھی۔ مکانوں کی بیرونی دیواروں اور ان کے ساتھ پھیلی ہوئی کچی مٹی کی خستہ حالی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ مکین شاید برسوں تک باہر کی دیکھ بھال کے بعد تھک گئے تھے یا پھر انہیں باہر کی پرواہی نہیں تھی۔ ان کی ساری دلچسپیاں اپنے گھروں کو اندر سے سجانے اور سنوارنے تک محدود تھیں۔
ایک چکر کاٹ کر اول خان نے کھٹّومل والی سڑک کے ایک ویران حصے پر جیپ ایسے رخ سے کھڑی کی کہ ہمیں عقب نما آئینوں میں پیچھے کا منظر نظر آتا رہے۔
ٹھیک گیارہ بج کر بیس منٹ پر بجلی کے شارٹ سرکٹ کی تیز بھڑبھڑ کے ساتھ عقبی فضا میں سرخ روشنی نمودار ہوئی اور پھر کھٹّومل کے مکان کے اجالے گہری تاریکی نے نگل لیے۔ پروگرام کے مطابق اول خان کے آدمیوں کو کھٹّومل کے مکان میں جانے والے بجلی کے تاروں پر دہرا آہنی لنگرا اچھال کر تاروں کو آپس میں شارٹ کرنا تھا۔ اس کارروائی کے ذریعے پورے علاقے کی برقی رو بند کیے بغیر صرف کھٹّومل کو آسانی سے اپنا نشانہ بنایا جاسکتا تھا۔ پروگرام کا وہ پہلا مرحلہ طے ہونے کے چند منٹ بعد ہی فضا ملی جلی مردانہ اور زنانہ چیخوں سے گونجنے لگی۔ اس وقت تک ایک بھی گولی نہیں چلی تھی۔
اول خان نے بے گناہوں کے خون سے بچنے کے لیے یہ پروگرام طے کیا تھا کہ اندھیرا ہونے کے بعد اس کے دو آدمی کھٹّومل کے گھر میں داخل ہوں اور ہتھیاروں کی دھمکی دے کر مہمانوں کے ساتھ مصنوعی لوٹ مار شروع کر دیں۔ کسی کو کچھ پتا نہ چلتا کہ لوٹنے والے کون ہیں۔
وہاں بھگدڑ مچتی تو اول خان کے آدمی بھی بھیڑ میں شامل ہو کر اطمینان سے باہر آجاتے۔ انہیں اس پوری کارروائی کے لیے صرف دس منٹ کا وقت دیا گیا تھا۔ انہیں حتی الامکان گولی نہیں چلانی تھی لیکن کسی سنگین خطرے کی صورت میں ایسی کارروائی کی ممانعت بھی نہیں کی گئی تھی۔
کلفٹن میں درندگی اور بربریت کے مظاہرے کے پیچھے اگر کھٹّومل کا ہاتھ کار فرما تھا تو اپنی محفلِ طرب و نشاط کی بربادی پر اسے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ دوسروں کے گھروں پر سنگ باری کر کے وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنے شیش محل میں محفوظ نہیں رہ سکے گا۔
گاڑیوں کے انجن بیدار ہونے لگے، بہکے بہکے مہمان بدحواسی کے عالم میں گھر سے نکل کر اپنی گاڑیوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ باہر کے وہ مناظر دوسرے گھروں کے گیٹ لیمپس اور گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں نظر آرہے تھے ورنہ کھٹّومل کا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔
بات صرف انتظار کی ہو تو وقت گزرنے کا نام ہی نہیں لیتا لیکن جب کوئی سرگرمی جاری ہو تو وقت اتنی تیزی سے گزرتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ میں نے عقب میں رونما ہونے والی صورتِ حال کے ایک سرسری سے جائزے کے بعد رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو وقت پورا ہو چکا تھا۔ اول خان کے آدمیوں کو کسی بھی وقت واپس آجانا چاہیے تھا۔
وقت کی نزاکت اول خان کی نظروں سے بھی اوجھل نہیں تھی۔ اس نے فوراً ہی اپنی جیپ کا انجن اسٹارٹ کر لیا۔ اس کی

نظریں عقب نما آئینے پر جمی ہوئی تھیں۔
اندھیرے میں پیچھے سے آنے والی کسی گاڑی کو پہچاننا ناممکن ہوتا ہے۔ اس کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی گاڑی کی ہر تفصیل کو چھپالیتی ہے۔ وہ خیال مجھے اس وقت آیا جب اول خان کی گود میں پڑے ہوئے ایریٹیس پر اس کے ایک آدمی کی آواز سنائی دی۔
وہ لوگ گھونٹل کے گھر سے روانہ ہو رہے تھے۔ انہوں نے اول خان کی جیپ دیکھ لی تھی۔
اول خان نے انہیں شاہراہِ قائدین کے چوراہے سے آگے نکل کر چند ثانیوں کے لیے رکنے کی ہدایت کی اور پھر جیپ آگے بڑھادی۔
"یہ چاروں یہاں سے سیدھے ملیر کینٹ جائیں گے۔" اول خان نے خاص طور پر کسی کو مخاطب کیے بغیر اپنے ارادے کا اظہار کیا "سلطان شاہ ان کے ساتھ نکل جائے گا۔"
"اور تم کہاں جاؤ گے؟" میں نے اس سے سوال کیا تاکہ میں اس کے جواب کی روشنی میں اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرسکوں۔
"میں گھر کے سوا اور کہاں جاسکتا ہوں؟ ان دونوں کا گھر پہنچنا ضروری ہے۔" اول خان نے کہا "ان کے بعد تمہیں جہانگیر کے گھر پہنچادوں گا۔"
"تمہیں اتنی لمبی دوڑ لگانے کی ضرورت نہیں۔ میں بیم گن اور ایک ریوالور کے ساتھ آگے اتر جاؤں گا۔ یہاں سے جہانگیر کے گھر تک پہنچنا مشکل نہیں ہوگا۔"
"سوچ لو.... آج کل اتنی رات گئے پولیس والے ہر آنے جانے والی ٹیکسی کو روک کر پوچھ گچھ کرتے ہیں۔ کہیں تم کسی مشکل میں نہ پڑجاؤ۔" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔
"دیکھا جائے گا۔ ہتھیار کے ساتھ جیب میں کوئی معقول رقم بھی موجود ہو تو ہتھیار صاف بچایا جاسکتا ہے۔ میں نے فلیٹ چھوڑنے سے پہلے نوٹوں کی ایک گڈی جیب میں ڈال لی تھی۔"
"اوہ! میں پیسوں والی الماری تو کھلی چھوڑ آئی ہوں۔" غزالہ کو اچانک یاد آیا۔
"اس کی فکر مت کرو۔ کل تک تمہارا ایک ایک پیسہ تمہیں واپس مل جائے گا۔" اول خان نے اسے یقین دہانی کرائی "میرے آدمی سازوسامان کے ساتھ رقم بھی نکال لائیں گے۔"
"نادرہ کا سامان نہ اٹھوالینا۔" میں نے اول خان کو یاد دلایا۔ "ہم نے وہ فلیٹ فرنشنگ کے ساتھ کرائے پر لیا تھا۔ کپڑوں اور ذاتی ضرورت کے سامان کے سوا ہر چیز فلیٹ والی کی ملکیت ہے۔"
"مجھے معلوم ہے۔ ویسے تم نے وہاں سے کوئی چیز اٹھوا بھی لی تو نادرہ شکایت نہیں کرے گی۔"
اول خان کے تبصرے پر ویرا نے دل کھول کر قہقہہ لگایا۔ "حیرت ہے کہ یہ بات تم بھی جانتے ہو۔ یہی بات میں کہہ دیتی تو ڈیٹی ابھی لڑنے مرنے پر آمادہ ہوجاتا۔"
دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوبارہ شارع فیصل پر آگئیں۔ اس بار جیپ آگے تھی۔
نرسری کے بس اسٹاپ سے ذرا پہلے اول خان نے پٹرول پمپ کے سامنے جیپ روکی تو میں سلطان شاہ کے ساتھ فوراً ہی جیپ سے اتر گیا۔ پچھلی گاڑی رکی تو سلطان شاہ پھرتی سے اس کی عقبی نشست پر سوار ہوگیا۔ میں اسے ہاتھ ہلا کر سروس لین کی طرف بڑھ گیا جہاں ٹیکسیاں وغیرہ نظر آرہی تھیں۔
کراچی کے رکشا اور ٹیکسی ڈرائیوروں کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ مسافر کے بجائے اپنی مرضی سے چلتے ہیں۔ لانڈھی جانے والے کو نیو کراچی کا راستہ بتاتے ہیں، کوئی کیماڑی جانا چاہے تو یہ صرف گلشنِ اقبال جانا پسند کرتے ہیں۔ شاید ایسا ہوتا بھی ہو مگر اس دن میرے ستارے یاور تھے۔ میں نے سب سے پہلے جس ٹیکسی والے سے بات کی، وہ فوراً ہی میٹر گرا کر مجھے منزلِ مقصود تک پہنچانے پر رضامند ہوگیا۔
دورانِ سفر میں کالا پل کے علاقے میں سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی ایک پولیس موبائل کے عملے نے ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا تو میری روح فنا ہوگئی۔ لین دین کرکے اس مصیبت کو ٹالا ضرور جاسکتا تھا لیکن مصیبت بہرحال مصیبت ہوتی ہے اور ٹل جانے کے باوجود اپنے اثراتِ بد چھوڑ جاتی ہے۔
ڈرائیور نے دو مسلح اور باوردی سپاہیوں کے قریب ٹیکسی روکتے ہی کیبن لائٹ آن کردی۔ سپاہیوں نے جھک کر اشتباہ آمیز، عقابی نگاہوں سے میرا اور ڈرائیور کا گہرا جائزہ لیا پھر انہیں ہم میں نہ جانے کیا نظر آیا کہ انہوں نے نال کے اشارے سے ٹیکسی کو جانے کی اجازت دے دی۔
میں نے سکون کا ایک گہرا سانس لے کر سگریٹ سلگالی۔ اس وقت ذرا سی کوئی بھی بات میرے سارے ذہنی سکون کو درہم برہم کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔
"صاحب! تمہارے پاس کوئی مال ہو تو بتادو۔" اس مرحلے سے گزرنے کے بعد ڈرائیور نے عاجزانہ لہجے میں گفتگو کی ابتدا کرتے ہوئے مجھے مشورہ دیا۔
"اول تو میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس پر پولیس والے اعتراض کرسکیں اور ہوتی بھی تو تمہیں اس کے بارے میں بتانے سے کیا فرق پڑسکتا تھا؟" میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا "پولیس والا جہاں بھی ہاتھ دکھائے گا، تمہیں رکنا پڑے گا ورنہ وہ پیچھا کرکے پکڑلیں گے۔"
وہ دھیرے سے ہنسا اور بولا "ہر آدمی اپنے فن کا ماہر ہوتا ہے۔ پولیس سے بچا کر منزل پر پہنچانے کے لیے میں میٹر سے پچاس روپے فالتو لیتا ہوں۔ مجھے کراچی کی ایسی ایسی گلیاں یاد ہیں جن سے میں شہر کے کسی بھی حصے میں پہنچ سکتا ہوں اور راستے میں پولیس والوں کا سایہ تک نظر نہیں آتا۔"
"کیا تم اپنے ہر مسافر سے اس قسم کی گفتگو کرتے ہو؟" میں نے قدرے ترشی سے کہا۔

"نہیں صاحب!" اس نے جلدی سے کہا "آدمی دیکھ بھال کر بات کرتا ہوں۔"

"مجھ میں تمہیں ایسی کون سی مشتبہ بات نظر آگئی جو یہ باتیں نکال بیٹھے؟"

"صاحب، برا نہ ماننا۔" وہ گھگیا کر بولا "تمہاری جیبیں ذرا بھاری نظر آئی تھیں۔ شراب وغیرہ لے جانے والے شریف آدمی عام طور سے پولیس کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہیں۔ چار چھ سو روپے کی شراب اور عزت بچانے کے لیے مجھے خوشی سے پچاس روپے فالتو دے جاتے ہیں۔"

"تو یہ بات ہے۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا "وہ شروع ہی سے میری جیبوں کے بھاری پن کو تاڑ چکا ہے۔"

اس وقت ٹیکسی فیز نمبر دو کے کمرشل ایریا میں داخل ہو چکی تھی۔ میری منزل زیادہ دور نہیں تھی اور وہاں تک پہنچنے کے بہت زیادہ راستے نہیں تھے پھر بھی میں نے خود کو ٹیکسی ڈرائیور کی کسی غیر متوقع شرارت سے محفوظ رکھنے کے لیے ہنس کر کہا "تم خطرناک آدمی ہو۔ جیبوں میں چھپی ہوئی بوتلیں تاڑ لیتے ہو۔ چلو پچاس روپے تمہارے ہوئے۔"

اپنی بھاری جیبوں کی طرف سے اس کا دھیان ہٹانے کے لیے وہ پیشکش ناگزیر تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ڈیفنس کے رہائشی علاقے سے سن سیٹ بلیوارڈ پر نکلنے کے بجائے یکایک ہی کسی کچی آبادی میں جا گھسا جہاں تنگ گلیوں میں خاصی گنجان آبادی کے آثار نظر آرہے تھے۔

کچی آبادیوں کی طرز پر قائم ہو کر بعد میں باقاعدگی اختیار کرنے والی وہ کالونیاں ڈیفنس اور کلفٹن کے بیش قیمت رہائشی علاقوں کے درمیان مدتوں سے حدِ فاصل کے طور پر قائم تھیں لیکن میں نے کبھی ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ وہ ڈرائیور مجھے اپنی مہارت سے مرعوب کرنے کے لیے زیادہ فاصلہ ایسی ہی غیر معروف گلیوں میں طے کرتا رہا۔ ایک دو جگہ وہ کسی سڑک پر بس لمحہ بھر کے لیے آیا اور عبور کرتے ہی کسی اور بھول بھلیاں میں گھس گیا۔

سپر مارکیٹ والے چوراہے پر اسے مجبوراً سڑک پر آنا پڑا۔ اس نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس قسم کے روشن اور بارونق مقامات عام طور پر پولیس کی چیکنگ سے محفوظ رہتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے اختیارات کے فراخ دلانہ استعمال کے لیے نسبتاً ویران اور تاریک مقامات پر عارضی چوکیاں بناتے ہیں تاکہ وہاں ہونے والی کارروائیاں خلقِ خدا کی نظروں سے پوشیدہ رہ سکیں۔

وہ مجھے گھر تک پہنچانے پر مُصر تھا مگر میں نے اسے مین روڈ پر ہی فارغ کر دیا۔ راستے میں ہمیں دیکھ چکا تھا کہ ہمارے فلیٹ والی عمارت اور اس کے قرب و جوار کا علاقہ بدستور اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہاں متعدد ایسی گاڑیاں جمع تھیں جن کی چھتوں پر گردش کرنے والی زرد، نیلی اور سرخ روشنیاں دور سے دیکھی جاسکتی تھیں۔

ہمارے متروک فلیٹ سے جہانگیر کے گھر کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا اس لیے واردات کے اثرات وہاں بھی پائے جارہے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے آس پاس سے اپنی جملہ نفری سمیٹ کر جائے واردات پر مرکوز کردی تھی۔

تھوڑی دیر پہلے رونما ہونے والے واقعات پر اس وقت بھی اِکّا دُکّا ٹولیاں تبادلۂ خیال کررہی تھیں۔ وہ سب اس علاقے کے فلیٹوں کے باسی معلوم ہورہے تھے جو تازہ ترین صورتِ حال جاننے کے لیے شاید دیر سے اپنے گھروں سے نکلے ہوئے تھے۔

میں اپنی جیبوں کے وزن کی طرف سے کچھ زیادہ ہی محتاط ہو چکا تھا۔ میرے ذہن میں یہ خیال جما ہوا تھا کہ جو چیز ایک عام سے ٹیکسی ڈرائیور کو نظر آسکتی تھی اسے کوئی ذہین شخص بھی دور سے بھانپ سکتا تھا۔

جہانگیر کے گھر میری زیادہ آمدورفت نہیں رہی تھی پھر بھی چوکی دار کو میری صورت یاد تھی۔ نہ صرف یہ کہ اس نے مجھ سے کوئی استفسار نہیں کیا بلکہ مجھے سر کی جنبش سے سلام بھی کیا اور میں لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

غیر متوقع طور پر اتنی رات گئے مجھے اپنے دروازے پر دیکھ کر سلمٰی حیران رہ گئی۔

"تم؟ اس وقت یہاں کیسے نظر آرہے ہو؟" اس نے میرا بازو تھام کر مجھے تقریباً کھینچتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا "باہر کے حالات تو بہت زیادہ خراب معلوم ہوتے ہیں۔"

میرے ذہن نے فوراً ہی قلابازی کھائی۔ فائرنگ کی گھن گرج وہ بھی سن چکی تھی، واقعے کی دیگر تفصیلات اگلے دن کے اخبار سے اس کے علم میں آجاتیں۔ وہ ہمارے نمبر پر فون کرکے معلوم کرسکتی تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی وہاں مقیم نہیں تھا۔

یہ خدشات ایسے تھے کہ ان کے سدِباب کے لیے میں نے اس سے کسی حد تک سچ بولنے کا فیصلہ کرتے ہوئے جواب دیا "تم خراب حالات کی بات کررہی ہو۔ وہاں تو ہر لمحے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ گولیاں کھڑکیاں توڑ کر ہمارے فلیٹ میں آنے لگیں گی.... مگر یہ بتاؤ کہ جہانگیر کہاں ہے؟"

"تم بروقت آئے ہو۔ اس وقت انہیں لگام نہ دی گئی تو وہ صبح تک مدہوش پڑے رہیں گے۔"

میں اندر پہنچ چکا تھا۔ میرا بازو بدستور سلمٰی کی گرفت میں تھا جسے وہ شاید جان بوجھ کر بار بار دبا رہی تھی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے دروازہ مقفل اور بولٹ کرتے ہوئے کہا "اب یہی دیکھ لو کہ حالات اتنے گڑبڑ ہیں اور انہیں ذرا بھی پروا نہیں ہے کہ دروازے پر کون آیا ہے۔ تمہاری جگہ کوئی چور ڈاکو ہوتا تو میرا کیا حشر ہوتا؟ انہیں کبھی بھی میری پروا نہیں رہی۔"

"تم تھوڑی سی احمق اور جذباتی عورت ہو۔" میں نے خوش

دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "یہ پروا کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ نہیں ہے۔ اسے تم پر پورا پورا اعتماد ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کوئی گڑبڑ ہوئی تو تم خود اسے سنبھال لوگی۔ بات بڑھ گئی تو خود ہی اسے اپنی مدد کے لیے بلا لوگی۔"

اس نے ہنستے ہوئے میرے بازو میں اپنی انگلیاں تقریباً گاڑ دیں۔

"تم دونوں ایک جیسے ہو۔ ہر وقت ایک دوسرے کے عیبوں کی پردہ پوشی کرتے رہتے ہو۔ ان کے اعتماد کا حال میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ انہوں نے آج تک گھر کے کام کاج کے لیے کوئی لڑکا رکھنے کی اجازت نہیں دی۔؟"

"اسے ایسا الزام نہ دو۔ گارڈن ایسٹ میں جب تم ایک شاہانہ حویلی میں رہتی تھیں تو وہاں مرد ملازمین کی بھی ایک فوج پل رہی تھی۔"

"وہ اور بات تھی۔ وہ بڑا گھر تھا۔ وہاں ڈرائیور، خانساماں، مالی اور چوکی داروں کے ساتھ دو ماسیاں بھی ہر وقت میرے سر پر سوار رہتی تھیں جو پیسوں کے لالچ میں انہیں میری پل پل کی خبریں دیتی تھیں۔ یہاں ہم زیادہ ملازم نہیں رکھ سکتے۔"

سلمٰی وہ تمام باتیں نیچی آواز میں کر رہی تھی۔ اپنی خواب گاہ کے دروازے سے ذرا پہلے اس نے میرا بازو چھوڑا تو مجھے یقین تھا کہ وہ وہاں نیل ڈال چکی تھی۔

"آخاہ....!" میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی جہانگیر اپنی کرسی سے یوں اچھلا کہ اس کے ہاتھ میں موجود گلاس سے خاصی اسکاچ چھلک کر اس کے کپڑوں پر گر گئی۔ اس نے پروا کیے بغیر گلاس تپائی پر رکھا اور دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا کر میری طرف لپک آیا۔

"آخر تمہیں میرا خیال آ ہی گیا۔" وہ مجھ سے گلے ملتے ہوئے شکوہ کر رہا تھا "مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے تمہیں دیکھے صدیاں بیت گئی ہوں۔ سنا ہے کہ ویرا تمہیں لے کر بنکاک فرار ہو گئی تھی۔"

"تم اتنی عمر گنوا کر بھی احمق کے احمق ہو۔" میں نے بدمزگی سے کہا "وہ یہاں بھی میرے ساتھ رہتی ہے۔ ہمیں یہاں سے فرار ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ فرض کرو کہ فرار ہوئے بھی ہوتے تو کیا سب کو بتا کر جاتے کہ ہم اس ظالم سماج سے بھاگ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یار کبھی تو عقل کی بات کر لیا کرو!"

"یہ سب مجھ سے نہیں، ان بی جمالو سے پوچھو۔" جہانگیر نے مجھ سے الگ ہو کر اپنی بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بے زاری سے کہا "تمہارے خلاف یہی ہر وقت میرے کان بھرتی رہتی ہے۔ تم آ گئے ہو تو تمہارے سامنے تمہاری ایسی ہمدرد بن جائے گی جیسے دنیا میں اسے تم ہی سب سے عزیز ہو۔"

میں نے زبان سے کوئی شکایت کیے بغیر ملامت آمیز نظروں سے سلمٰی کو گھورا اور وہ فوراً بول پڑی۔

"یہ شراب پی کر مجھ پر صرف الزام تراشیاں نہیں کرتے، جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ ابھی فون ملا کر غزالہ سے پوچھو کہ اس سے کس نے بات کی تھی۔ اس سے سب کچھ اگلوا کر انہوں نے ہی بڑی حسرت سے مجھے بتایا تھا کہ ڈینی سالا اتنا خوش نصیب ہے کہ ایک حسین بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری حسینہ، عالم کو بھگا لے گیا...."

"چلو چلو.... یہ میں نے ہی کہا ہوگا۔" بیوی کی پھٹکار سن کر جہانگیر کا حافظہ فوراً بحال ہو گیا "اب یہ تو مان لو کہ تم نے تردید کرنے کے بجائے میری ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ یہ تک کہہ دیا تھا کہ ڈینی بہت ندیدا ہے اور غزالہ جیسی معصوم اور بے زبان بیوی پر ظلم کر رہا ہے۔"

وہ دونوں زبانی جنگ میں الجھ کر مجھے بالکل بھلا بیٹھے تھے۔ میں نے اطمینان سے خود ہی کرسی سنبھال کر سگریٹ سلگائی اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر ان کی باتوں سے محظوظ ہونے لگا۔

"میں شادی سے پہلے ڈینی کو جانتی تک نہیں تھی۔ لاہور سے بالکل سیدھی سادی آئی تھی۔ تم ہی نے اپنے دوست کی غیبتیں کر کے میرا دماغ خراب کیا ہے ورنہ میں جانتی ہوں کہ ڈینی اپنی بیوی کا کتنا خیال رکھتا ہے۔ تمہاری طرح ہر وقت پرائی عورتوں پر اپنی رال نہیں ٹپکاتا پھرتا۔"

آخری فقروں میں سلمٰی نے میرے بارے میں اپنے ذاتی تجربات کا نچوڑ سمو کر ایک تیر سے دو شکار کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ ایک طرف میرے کردار کو جہانگیر کے لیے چیلنج بنا دیا تھا اور دوسری طرف مجھ سے دبی زبان میں شکوہ بھی کر ڈالا تھا کہ میں اس کی مہربانیوں کے جواب میں ہمیشہ برف کے تودے کی طرح منجمد اور سرد چلا آ رہا تھا۔

"میرے بارے میں تم دونوں کو لڑنے بھڑنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے ان کے فساد میں مداخلت کرتے ہوئے ہنس کر دونوں کو تادیب کی "تم دونوں میرے بارے میں جو بھی بری بھلی باتیں کہتے رہے ہو، میں جانتا ہوں کہ اس میں ہمیشہ تمہاری نیک نیتی اور خیر خواہی شامل رہی ہے۔"

"میں تمہاری اس فراخ دلی کو بھی ہمیشہ سراہتی ہوں۔ بڑی سے بڑی بات کو بھی بھول جانا اور معاف کر دینا ہی مردوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ یہ میری ذرا ذرا سی لغزش کو مہینوں اپنے دل میں لیے بیٹھے رہتے ہیں اور ہر وقت اس کے بارے میں طعنے دیتے رہتے ہیں۔" سلمٰی نے قدرے ناز سے شکوہ کیا۔

"تم ہوش و حواس میں رہتے ہوئے لغزش کرتی ہو مگر میری وہ باتیں بھی پکڑ لیتی ہو جو میں سُرور کی روانی میں ارادے کے بغیر کہہ جاتا ہوں...."

"بس!" میں نے جہانگیر کی بات کاٹ کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے "میں تم دونوں کے جھگڑے نمٹانے کے لیے یہاں نہیں آیا۔ اب اس بارے میں ایک لفظ بھی کہا گیا تو میں اسی وقت واپس چلا جاؤں گا۔ یہ پروا نہیں کروں گا کہ اپنے فلیٹ میں میرا کیا حشر ہوگا۔"

"حشر؟" جہانگیر نے تحیرزدہ خوشی کے ساتھ پوچھا "تو کیا تم

غزالہ سے لڑ کر یہاں آئے ہو؟"

"وہ نہیں، میں ان لوگوں کی بات کر رہا ہوں جو تھوڑی دیر پہلے گولیاں برساتے پھر رہے تھے۔" میں نے جل کر کہا "انہیں میری واپسی پر خاصی خوشی ہوگی۔"

"دیکھ لیا!" جہانگیر نے سلمٰی کی طرف متوجہ ہو کر فخریہ لہجے میں جتایا "میں نے فائرنگ کی آوازیں سنتے ہی کہہ دیا تھا کہ ہو نہ ہو، یہ ڈینی کی کوئی شرارت معلوم ہوتی ہے۔ یہ جہاں ہوتا ہے، وہاں سے سکھ چین سب سے پہلے رخصت ہوتا ہے۔"

"اتنا بڑھ چڑھ کر مت بولو۔" میں نے خفا ہو کر کہا "ابھی کچھ پتا نہیں کہ گولیاں کیوں چل رہی تھیں۔ میں نے صرف ایک خطرے کا اظہار کیا تھا اور تم اسی کو لے دوڑے۔"

سلمٰی نے پھر منہ کھولنا چاہا لیکن جہانگیر نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا "کچن میں جا کر جلدی سے چکن اور مٹن کے کچھ پارچے بھون لو۔ ڈینی اتنے دنوں بعد آیا ہے تو اس کی دعوت بھی ہو جانی چاہیے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ میرے سامنے تم اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال سکو گے۔ لو، میں دفع ہو رہی ہوں۔" سلمٰی نے یہ کہا اور تنک کر کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

"اب سناؤ۔" جہانگیر نے مجھے آنکھ مار کر مونگ پھلی کے دانے چباتے ہوئے کہا "سالی شیطان کی خالہ بن کر سر پر سوار ہونے کے چکر میں تھی۔ تم دونوں بنکاک میں کیا کرنے گئے تھے؟"

"چند روز کے لیے دشمنوں کی نظروں سے دور رہ کر تفریح کرنے کا ارادہ تھا.... تم نے سلمٰی کے دماغ میں یہ کیا گند گھولا ہوا ہے کہ بنکاک مردوں کی تفریح کی جگہ ہے، شریف عورتیں وہاں نہیں جاتیں۔"

"یار، سمجھا کرو۔" وہ دبی دبی آواز میں بولا "یہ ہر جگہ میری دُم چھلی بننے کی کوشش میں لگی رہتی ہے۔ اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے بہت سے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ شاندار دعوت میں بھی آدمی گھر سے باندھ کر لائی ہوئی دال روٹی کھانے بیٹھ جائے تو لعنت ہے اس کی زندگی پر.... یہ خانم یہی چاہتی ہے۔"

"تمہاری رگ رگ سے واقف ہونے کے باوجود وہ تمہارے ہر جھوٹ پر یقین لے آتی ہے۔ وہ بڑے تجسس کے ساتھ یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ ویرا بنکاک میں کیا کرتی پھر رہی تھی۔" میں نے تلخی سے کہا۔

جہانگیر نے اپنی دروغ گوئی کی کامیابی کی اس اطلاع پر ایک قہقہہ لگایا اور کہا "آخر کو بیوی ہے اور میں اس کا مزاجی خدا ہوں۔ میری بات کا یقین نہیں کرے گی تو کہاں جائے گی۔"

"اے عقل مند! مزاجی نہیں، مجازی خدا کہا جاتا ہے حقیقی شوہر کو۔" میں نے بھنّا کر کہا۔

"میں نے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کو یہی بولتے سنا ہے۔ تمہیں بلاوجہ میری ہر بات میں کیڑے نکالنے کی عادت پڑ گئی ہے۔"

وہ برا مان کر اکڑ گیا اور فوراً گلاس منہ سے لگا لیا۔

"تم جیسے پڑھے لکھے لوگ تو مزاج شریف کو بھی مجاز شریف کہتے پھرتے ہیں۔"

"یہ دونوں طرح چلتا ہے۔" اس نے اعتراف کیا "کبھی کبھی سننے میں بھی فرق پڑ جاتا ہے.... لو، تم بھی جلدی سے اپنا گلاس بنا ڈالو تاکہ میری طرح سرور میں آجاؤ۔ اس وقت تم بالکل خشک معلوم ہو رہے ہو۔"

"میں تمہارا مہمان ہوں اور یہ یاد رکھنا کہ اس مرتبہ بلائے جان بننے کے ارادے سے آیا ہوں۔" میں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کرنے کی کوشش کی۔

بات اس کے سر پر سے گزر گئی "تم واقعی میری جان ہو۔" یہ کہہ کر اُس نے میز پر رکھے ہوئے خالی گلاسوں میں شیواز ریگل کی خوب صورت بوتل سے اسکاچ انڈیلنی شروع کر دی۔

"تمہاری میز پر یہ دوسرا خالی گلاس کیوں رکھا ہوا تھا؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"گھر میں بیٹھ کر اکیلے شراب پینے کی یہ تکنیک میں نے ڈش کے ایک چینل سے سیکھی ہے۔" اس نے میرے لیے پیگ بناتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔

"ہائیں! تو کیا میز پر محض ایک خالی گلاس رکھنے میں بھی کوئی تکنیک پوشیدہ ہے؟"

"ہاں! یہ ایک نفسیاتی ترکیب ہے۔ آدمی کو اکیلے پن کا احساس نہیں ستاتا۔ شروع میں اسے امید رہتی ہے کہ جلد ہی کوئی نہ کوئی آکر اس کا ساتھ دے گا۔ جب چراغوں میں روشنی نہیں رہتی تو وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی ساتھی گلاس خالی کر کے باتھ روم میں گئی ہوئی ہے، جلد لوٹ آئے گی۔"

"یہ نفسیاتی ترکیب نہیں، عقل کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑنے والی حرکت ہے۔"

"دیکھ لو.... دوسرا گلاس رکھا ہوا تھا تو تم آ ہی گئے اور میں اکیلا نہیں رہا۔ میں نے پچھلے ہفتے ہی اس ترکیب پر عمل کرنا شروع کیا ہے۔ چھ دنوں میں ایک کامیابی کا مطلب ہے یہ ترکیب اب تک سولہ فیصد سے زیادہ کامیاب ہے۔ آج کل تو کاروبار بھی محض دس فیصد پر چل رہا ہے۔"

"کس کاروبار کی بات کر رہے ہو؟ کیا کہیں سے کمیشن وصول کر رہے ہو؟"

"ایک ناکام ڈاکٹر سے فارمیسی کا لائسنس خریدا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ دوائیں بیچ رہا ہوں۔ دکان پر دو ملازم بھی ہیں۔ کام چل نکلا تو دوائیں امپورٹ بھی ہوں گی۔ اس کام میں چاندی ہی چاندی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے میرے لیے بنایا ہوا گلاس میرے سامنے رکھ دیا۔

گلاس میں چھلکتے ہوئے سیّال کا رنگ چغلی کھا رہا تھا کہ جہانگیر نے میرے ساتھ بددیانتی کی تھی۔ گلاس میں برف اور پانی کے

مقابلے میں اسکاچ کی مقدار کافی زیادہ تھی۔ نشے کی جھونک میں ہونے کے باوجود اس نے چالاکی سے مجھے زیادہ پلانے کی کوشش کی تھی۔ میں بس اسے گھور کر رہ گیا۔

"دواؤں کی درآمد میں چاندی کی کہانی تمہیں کس نے سنادی؟" کسی شکوے کے بغیر اپنے گلاس سے پہلا گھونٹ لینے کے بعد میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"ویسے تو سب روتے ہوئے ہی نظر آئیں گے مگر یہ اندر کی باتیں ہیں۔" وہ مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "برسوں سے استعمال ہونے والی متعدد دوائیں نئی تحقیقات کے نتیجے میں آئے دن بند ہوتی رہتی ہیں۔ یورپ اور امریکا میں ان کی بندش کا قانون فوراً نافذ ہوجاتا ہے۔ کمپنیاں مارکیٹ سے اسٹاک اٹھانے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔ ہمارے یہاں اول تو کسی بندش یا پابندی کا قانون ہی نہیں ہے۔ ہو بھی تو لوگوں کو برسوں بعد ہوش آتا ہے۔ ایسے اسٹاک کوڑیوں کے مول مل جاتے ہیں۔ سال میں دو چار سودے بھی مل جائیں تو وارے نیارے ہوجاتے ہیں۔ بالکل صاف ستھرا اور قانونی کام ہے۔"

"یعنی اب تم ناقص بلکہ مضر دوائیں یہاں درآمد کرکے لوگوں کے جان ومال سے کھیلوگے۔ ایسی دولت لوٹتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئے گی؟" میں نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"جس نے کی شرم' اس کے پھوٹے کرم۔" وہ بے حیائی سے مسکراتا رہا "اور دوسری مشہور کہاوت بھی سن لو کہ روم جاکر وہی کرو جو سب رومن کرتے ہیں۔ یہاں ہر ایک یہی کررہا ہے تو میں کیوں نہ کروں۔ میں کوئی جرم کروں گا اور نہ قانون کی خلاف ورزی!"

"میری دعا ہے کہ وہ وقت آنے سے پہلے تمہارا ضمیر جاگ اٹھے!" میں نے تلخی سے کہا۔

"مرنے والے دوبارہ نہیں جاگا کرتے.... ضمیر جعفری کافی دن پہلے رحلت پاچکے ہیں۔" اس نے میرا مضحکہ اڑایا "حیرت ہے کہ تم اتنے بے خبر رہتے ہو۔"

میں نے دل ہی دل میں اس پر لعنت بھیجی مگر تحمل سے پوچھا۔ "موجودہ کام کیسا جارہا ہے؟"

"ٹھیک ہے' خرچ نکل رہا ہے۔ بس گلشن کا کاروبار چلنے میں ذرا سی رکاوٹ آرہی ہے۔"

میں چونک پڑا "یہ گلشن کے کاروبار کا ذکر تم کہاں سے نکال بیٹھے؟"

"ذرا کرسی آگے کرلو۔" اس نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ سرگوشی کی "بڑی خوب صورت عورت ہے۔ اس کی آنکھیں ایسی جان دار ہیں کہ بس بے خود کردیتی ہیں۔ اسی سے دوستی کے چکر میں ہوں۔"

"کیا اس کا نام گلشن ہے؟" اس کی بکواس کی روشنی میں میرا وہ سوال فطری تھا مگر وہ بھڑک گیا۔

"اس پر میرے دانت ہیں' تمہیں اس کے نام سے کیا لینا؟ کیا اس پر ڈورے ڈالنے کا ارادہ ہے؟"

"ابھی تم نے خود گلشن کا کاروبار چلنے کا ذکر کیا تھا۔ بس اسی لیے پوچھ بیٹھا۔"

"دیکھوگے تو اس پر ہزاروں گلشن قربان کردوگے" وہ اس نامعلوم خاتون کے تصور سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا "میں نے دانہ ڈال دیا ہے۔ وہ ہر دوسرے تیسرے روز آرہی ہے۔ دعا کرو کہ جلدی سے جال میں آجائے۔ میں تو فلیٹ پر لعنت بھیج کر دکان ہی کے پچھلے حصے میں بستر لگالوں گا۔"

مجھے حیرت تھی کہ وہ اسی قدر حسین وجمیل تھی تو جہانگیر جیسے اوباش اور غبی شخص کے جال میں کیسے پھنس رہی تھی۔ اس نے اپنے تازہ ترین معاشقے کا ذکر کرکے میرے دل میں تجسس پیدا کردیا تھا لیکن اس کے بارے میں مزید کچھ اگلنے پر آمادہ نہیں تھا۔

خاصی محنت اور وعدے وعید کے بعد اس نے زبان کھولی تو میں اس کی حماقت پر حیران رہ گیا۔

پہلی بار وہ اس سے کچھ مہنگی دوائیں لینے آئی تھی۔ جہانگیر اس کی نظروں کا گھائل ہوگیا اور بیک جنبشِ قلم پچاس فیصد رعایت پر وہ دوائیں اس کے حوالے کردیں۔ نسخے میں شامل مہنگا ترین انجکشن صرف ایک بار کے لیے تھا۔ دوسری دوائیں ہفتے بھر سے زیادہ مدت کے لیے کافی تھیں لیکن وہ چوتھے روز اسی نسخے کے ساتھ دوبارہ موجود تھی۔ جہانگیر نے اس بار بھی کوئی سوال کیے بغیر اس سے حاتم والا سلوک کیا۔ وہ مسکرائی اور اس کا شکریہ ادا کرکے چلی گئی۔

اس عورت کی مسکراہٹوں نے جہانگیر کی کھوپڑی پر کچھ ایسی برف جمائی تھی کہ وہ خوشی سے پھولا نہ سمارہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ عورت محض اسے دیکھنے کے لیے ہر دوسرے تیسرے روز مہنگی دواؤں کی خریداری کے بہانے دکان پر آرہی تھی اور آدھے داموں پر ہی سہی' خاصی غیر ضروری دوائیں خرید رہی تھی' وہ موقع پاکر کسی بھی وقت اس سے اظہارِ مدعا کے لیے تلا بیٹھا تھا۔

"تم سے خریدی ہوئی دواؤں کا وہ کیا کرتی ہوگی؟" پوری بات سن کر میں نے اس سے پوچھا۔

"پھینک دیتی ہوگی یا کسی خیراتی ادارے کو دے دیتی ہوگی؟" اس نے بے فکری سے کہا۔

"مجھ سے ملاقات کا بہانہ درکار ہے تو کچھ سستی دوائیں بھی خرید سکتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم ان دواؤں کے پیسے ہی نہ لو۔ آخر وہ اسی ایک نسخے کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہے؟"

"بے چاری کو خیال نہیں آیا ہوگا" جہانگیر نے معصومیت سے کہا "عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں نا۔"

اس بار میں اپنا غصہ ضبط نہ کرسکا اور دانت پیس کر بولا "ابے گھامڑ! وہ تجھے لوٹ رہی ہے۔ اس نے روز آنا شروع کردیا تو چند ہی مہینوں میں تم کو کنگال کردے گی۔ وہ تم سے آدھی قیمت پر لی ہوئی

دوائیں دس پندرہ فیصد کم داموں پر بھی کسی اور اسٹور والے کو بیچتی ہوگی تو اسے معقول رقم مل جاتی ہوگی۔ یہ موٹی سی بات تمہاری بھُس بھری ہوئی کھوپڑی میں کیوں نہیں آئی۔"

"یہ نہیں ہو سکتا" وہ بے یقینی سے بڑبڑایا "صورت سے وہ ایسی دھوکا دینے والی نہیں لگتی۔ دوا بیچنے کے لیے اسے خوامخواہ کسی اور دکان دار کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا ہوگا۔"

"آزما کر دیکھ لینا۔ جس دن تم نے اس سے پوری قیمت وصول کرنی چاہی' وہ اسی روز پیسوں کی کمی کا بہانہ کرکے یوں غائب ہوگی کہ تم اس کی صورت دیکھنے کو ترس جاؤ گے۔"

"مجھے پٹی مت پڑھاؤ" وہ خفا ہوگیا "مجھے ایسی حرکت کرنے کی کیا ضرورت ہے جس سے وہ ناراض ہوکر ہمیشہ کے لیے چلی جائے۔ رعایت اس نے تو نہیں مانگی تھی' میں نے خود ہی دی تھی۔"

"اسی لیے کہتے ہیں کہ اپنے کیئے کا کچھ علاج نہیں ہوتا۔ خود کو رِدوالیا کرلو مگر اسے ہرگز ناراض نہ کرنا۔ اسے تم جیسا بے وقوف دکاندار شہر بھر میں نہیں ملے گا۔"

"وہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میں جانوں اور میرا کام۔ اب میں اس بارے میں تمہیں کچھ بتاؤں گا' نہ تم سے کوئی مشورہ لوں گا۔ شراب پیو اور اچھی اچھی باتیں کرو بلکہ یہ بتاؤ کہ فائرنگ کا کیا چکر تھا۔"

میرا دل تو یہ چاہا کہ فائرنگ کو میں اپنا ذاتی معاملہ قرار دے کر اسے ترکی بہ ترکی جواب دوں مگر اس وقت میری غرض اٹکی ہوئی تھی۔ چند راتوں کے لیے مجھے شہر بھر میں اس کے گھر سے بہتر ٹھکانا میسر نہیں آسکتا تھا۔ میں نے دل پر جبر کرکے کہا "کچھ لوگ گولیاں برساتے ہوئے ہماری عمارت میں داخل ہوئے تھے پھر ان کا کسی سے ٹکراؤ ہوگیا۔ شاید کچھ خوں ریزی بھی ہوئی ہے۔"

"تم اس میں شامل نہیں تھے؟" اس نے اشتباہ آمیز انداز میں پوچھا۔

"شامل ہونے کا مرحلہ نہیں آیا۔ اس سے پہلے سب کچھ ختم ہوگیا۔ ہم لوگ خاموشی کے ساتھ فلیٹ چھوڑ چکے ہیں" میں نے دھیمی آواز میں اسے آگاہ کیا۔

"پھر ویرا کہاں ہے؟ اور لوگ کہاں ہیں؟" اس مردود کو سب سے پہلے ویرا یاد آئی تھی۔

"سب لوگوں کو میں نے اِدھر اُدھر بھیج دیا' خود یہاں چلا آیا۔ تمہارے فلیٹ میں اتنی بھیڑ بھاڑ کی گنجائش نہیں ہے۔ آج کے واقعے کے بعد تمہارے گھر میں زیادہ مہمانوں کی آمد کو چوکیدار سے لے کر پڑوسیوں تک سب لوگ شک وشبے کی نظر سے دیکھیں گے۔"

"بات تم دور کی سوچتے ہو۔ وجہ کچھ بھی ہو لیکن آج میرا دل خوش ہوگیا۔ ایک مدت کے بعد ہم دونوں کو چند روز کے لیے ساتھ رہنے کا موقع ملا ہے۔ اب دیکھنا کہ سلمٰی خانم کیسی جل کر کباب ہوتی ہے۔ تمہارے سامنے وہ اپنی بدکلامی کے جوہر بھی نہیں دکھا سکے گی۔"

"تم کنوئیں کے مینڈک ہو۔ تمہاری ہر سوچ بس سلمٰی کو اذیت پہنچانے پر مرکوز ہوکر رہ گئی ہے۔ وہ اتنی بری نہیں ہے۔ تمہارے ساتھ نباہ کررہی ہے اور تمہارے اکلوتے بیٹے کی ماں ہے۔"

"بیٹے کا ذکر مت کرو۔ بلاوجہ دل خراب ہونے لگتا ہے۔" اس کی آواز اچانک بھّرا گئی۔

میرا دل ہول اٹھا۔ پتا نہیں اس کے بیٹے کو کیا ہوا تھا۔ جب سے میں فلیٹ میں آیا تھا' میں نے کسی نومولود کے رونے یا قلقاریاں مارنے کی آوازیں نہیں سنی تھیں۔ میں نے ہمدردی سے پوچھا۔ "کیوں؟ وہ کہاں ہے؟"

"میں نے اسے سلمٰی کے سائے سے بچانے کے لیے ننھیال میں دے دیا ہے۔ لاہور میں میرا ایک سالا لاولد ہے اور سلمٰی کا بڑا بھائی ہونے کے باوجود شریف آدمی ہے۔ وہ اس کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ بس وہ یاد بہت آتا ہے۔"

میرے دل پر سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ "تم نے تو مجھے دہلا دیا تھا۔ میں سمجھا کہ کہیں خدانخواستہ اسے ایک بار پھر اٹھالیا گیا ہے۔"

وہ آستین سے اپنی آنکھوں میں آئی ہوئی نمی خشک کرتے ہوئے بولا "سچ پوچھو تو مجھے ایک خوف یہ بھی تھا۔ میں کراچی چھوڑ نہیں سکتا۔ یہاں کسی بھی وقت کوئی دوبارہ ایسی حرکت کرسکتا ہے۔ وہاں میرا بچہ ایسے ہر خطرے سے محفوظ رہے گا۔"

جہانگیر کا کوٹا پورا ہوچکا تھا۔ اس کی زبان پر لکنت طاری ہونے لگی تھی۔ رقتِ قلب کا مظاہرہ وہ اپنے بچے کے ذکر پر کرچکا تھا۔ میں نے تھوڑی سی اسکاچ لینے کے بہانے بوتل اس کے پہلو سے اٹھا کر اپنی تحویل میں لے لی۔ وہ چندھیائی ہوئی آنکھوں سے دیر تک میری طرف دیکھنے کے باوجود یہ نہ سمجھ سکا کہ میں نے کیا کارروائی کی تھی۔ اس کی خرابی یہی تھی کہ پیتے پیتے شراب کا کوئی ایک گھونٹ اچانک ہی اس کے حواس مختل کردیتا تھا۔ خود اسے بھی یہ اندازہ نہیں ہوپاتا تھا کہ وہ کب آؤٹ ہوگیا۔

"تم یہاں رہوگے' میرے پاس رہوگے' میرے کمرے میں رہوگے" اس نے میرے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر لڑکھڑائی ہوئی آواز میں کہا "سالی سلمٰی خانم دوسرے کمرے..."

سلمٰی اس کے فقرے کے ابتدائی الفاظ سن کر بپھرے ہوئے تیوروں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی اور اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ "میں اب تمہاری سالی ہوگئی؟ یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔"

"مجھے سب معلوم ہے" وہ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر بولا "میں اپنے سالے کی بات کررہا تھا۔ وہ جو تمہارا بڑا سالا ہے۔ منا اسی کے پاس ہے نا؟"

سلمٰی اپنے کولھوں پر ہاتھ رکھ کر میری طرف مڑی اور بھنّا کر

بولی "کم و بیش روز یہی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کھانا کھاتے کھاتے ہی میز پر سر ٹکا کر سو جائیں۔ میں اس آدمی کا کیا کروں؟"

"تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ یہ اِدھر اُدھر منہ نہیں مارتا۔ جو کچھ کرتا ہے' گھر میں کرتا ہے۔" اس کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر میں نے فوراً پینترا بدل لیا "ویسے یہ بہت بری بات ہے۔ آدمی کو پینی ہی ہو تو اوقات میں رہ کر پیئے ورنہ اس کے قریب بھی نہ پھٹکے۔"

"جس دن میں سختی کرتی ہوں اور ساری بوتلیں الماری میں مقفل کر کے چابیاں چھپادیتی ہوں تو یہ رات بھر کسی اداس اُلّو کی طرح چھت اور دیواروں کو تکتے رہتے ہیں' ہنسنا بولنا بھول جاتے ہیں اور ایش ٹرے میں جلی ہوئی سگریٹوں کا انبار لگادیتے ہیں۔ میں اپنا یہ دُکھ کس سے کہوں؟"

"فکر مت کرو" میں نے اسے تسلی دی "اس بار میں دو چار روز اس کے ساتھ رہوں گا اور اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ کل سے ایسا نہیں ہوگا۔"

میری زبان سے دو چار روز کا ذکر سنتے ہی سلمیٰ کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ وہ پُرسکون ہو کر بولی "ٹھیک ہے۔ کل بھی زیادہ دور نہیں ہے۔ تم نے انہیں راہِ راست پر ڈال دیا تو میں تمہارے پیر چوموں گی۔ اب یہ بتاؤ کہ کھانا تیار ہے' اس کا کیا کروں؟"

فضا میں واقعی بھنے ہوئے گوشت کی اشتہا انگیز خوشبوئیں تیرتی پھر رہی تھیں۔ میں حیران تھا کہ پہلے میرا دھیان اس طرف کیوں نہیں گیا۔ میں نے اسے مشورہ دیا "کھانا یہیں لے آؤ اور تم بھی آجاؤ۔"

جب تک سلمیٰ کمرے میں موجود رہی' جہانگیر آنکھیں موندے اپنی کرسی پر خاموش پڑا رہا۔ اس نے ہلنے جلنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ سلمیٰ کے جاتے ہی اس کے پپوٹوں میں حرکت پیدا ہوئی' شاید اس نے اپنی آنکھوں میں خفیف سی جھری بنا کر موقع کا جائزہ لیا پھر آنکھیں کھول دیں۔

اس کی کھلی ہوئی آنکھیں بھی بس خوابیدہ اور نیم وا سی تھیں۔ وہ ایک جھٹکے سے آگے کی طرف جھکا اور پھر اپنے زور میں جھکتا ہی چلا گیا۔ میں نے لپک کر اسے روکا نہ ہوتا تو نشے کی جھونک میں اس کا سر خاصی شدت سے میز پر بکھرے ہوئے سامان سے جا ٹکرایا ہوتا۔

میں نے سختی سے اسے کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا دیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرا ایک ہاتھ تھام لیا اور ہچکیوں کے درمیان اٹک اٹک کر کہنے لگا "دیکھو' ہم دونوں شرابی بھائی ہیں۔ میں اس کا مزاجی خدا ہوں' وہ میری مرضی کے بغیر تمہارے پیر کیسے چوم سکتی ہے؟"

مجھے حیرت تھی کہ نشے کی گہری جھونک میں ہونے کے باوجود اس نے سلمیٰ کے خلاف غل غپاڑہ مچانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی بلکہ نہایت مکاری کے ساتھ سرگوشیانہ لہجے میں بول رہا تھا۔

میں نے دیوانے کی اس بڑ کا کوئی جواب نہیں دیا تو چند ثانیوں کے انتظار کے بعد وہ دوبارہ بولنے لگا "مجھے معلوم ہے کہ تم جواب نہیں دو گے۔ تم مجھے مزاجی خدا نہیں مانتے۔ ہر شوہر اپنی بیوی کا مزاجی خدا ہوتا ہے۔ جب تک دل چاہتا ہے' شوہر بنا رہتا ہے۔ اس کے مزاج میں آئے تو وہ اپنی بیوی کا خدا بن جاتا ہے۔ پتا نہیں یہ اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے۔ جس دن بیوہ ہوئی تو دماغ آسمان سے زمین پر آجائے گا۔"

"بک بک مت کرو" میں نے اس کا شانہ دبا کر سختی سے کہا "وہ کھانا لے کر آرہی ہے۔"

بولتے بولتے اس کی آواز یکایک معدوم ہوگئی مگر اس کا منہ چلتا رہا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی چیز چبانے کی کوشش کر رہا ہو۔

سلمیٰ نے گرم گرم اور تازہ کھانوں کی ٹرے میز پر رکھ کر اپنی کرسی ایسی جگہ لگائی جہاں سے وہ میری بھی دیکھ بھال کر سکے لیکن جہانگیر کا ذہن کسی حد تک بیدار ہونے کے باوجود اس کے ہاتھ پیر اس کے قابو میں نہیں تھے۔ میرے ایما پر سلمیٰ اسے برا بھلا کہتی' اپنی کرسی اسی کے پہلو میں لے گئی۔

"لو' اب ڈینی کو بھی اپنا تماشا دکھاؤ" سلمیٰ نے چکن کی ایک بوٹی اپنے ہاتھ سے اس کے منہ میں دیتے ہوئے چڑچڑے لہجے میں کہا "شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ ہاتھی جیسے ڈیل ڈول والے آدمی نے اپنا ایسا ستیاناس مارا ہوا ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک لقمہ بھی نہیں لے سکتا۔"

"ہائے سلمیٰ ڈارلنگ!" جہانگیر نے کسی اندھے کی طرح اپنے دونوں ہاتھوں سے سلمیٰ کا چہرہ اور بدن ٹٹولتے ہوئے لقمہ چبانے کی کریہہ آوازوں کے درمیان ہانک لگائی "میں اتنی نہ پیوں تو تم ہرگز مجھے اتنی محبت سے کھانا نہیں کھلاؤ گی۔ میں بہت برا ہوں تو کسی دن ان ہی ہاتھوں سے مجھے زہر دے دو...."

سلمیٰ نے بے رحمی سے اس کے دہانے پر ہاتھ رکھ دیا "چپ رہو۔ اس حالت میں بھی مکاری سے باز نہیں آؤ گے۔ تمہیں تو مجھ سے زیادہ وہ عورتیں عزیز ہیں جو تمہاری دکان پر ٹکے ٹکے کی دوا لینے آتی ہیں۔"

"میں ان سب کو تمہاری بہنیں سمجھتا ہوں..." چپ چپ اور لکنت کے درمیان وہ بولا۔

سلمیٰ نے غصیلے انداز میں اس کی بات کاٹ دی "خدا کا شکر ہے کہ میری کوئی اور بہن نہیں ہے پھر بھی تم میری بہنوں کو دن رات گالیاں دیتے رہتے ہو۔ انہیں میری نہیں' اپنی بہنیں سمجھا کرو۔"

میں ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا اور وہ سب دیکھ رہا تھا۔ میں اس سے پہلے جہانگیر کو اس سے زیادہ ابتر حالت میں دیکھ چکا تھا لیکن اس وقت میری ذہنی رو کہیں اور پہنچی ہوئی تھی۔ میرے لیے

وہ ایک دوست کا خانگی المیہ نہیں بلکہ ایک آئینہ تھا جس میں مجھے بہت کچھ نظر آرہا تھا۔

جہانگیر محض شرابی تھا۔ شراب ایک نشہ ہے اور بے شک ہر نشہ حرام ہے لیکن پھر بھی شراب ایک طویل مدت میں اور بہت دھیرے دھیرے انسان کو اپنا غلام بناتی ہے۔ جہانگیر پی کر بہکا ہوا تھا مگر اس کے لاشعور کے نامعلوم گوشوں میں کہیں سُود و زیاں کا احساس زندہ تھا۔ اس نے بہکنے کے باوجود سلمٰی کو اس عورت کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی جو اس سے بیش قیمت دوائیں آدھے دام پر لے جاتی رہتی تھی۔ وہ گاہے گاہے میرے سامنے سلمٰی سے اپنی بے زاری کا اظہار کرتا رہتا تھا لیکن نشے کی حالت میں مثبت منافقت سے کام لے کر اس کی خوشامدیں کرکے اپنی ازدواجی زندگی کی بنیادوں کو مستحکم کررہا تھا۔ اپنی دن بھر کی کاروباری مصروفیات سے نمٹ کر وہ اپنی چاردیواری میں موجود تھا جہاں اس کی خبرگیری کے لیے سلمٰی موجود تھی۔

نشہ، نشہ ہی تھا مگر اس وقت تک نشوں میں بدترین نشہ ہیروئن کا تھا جو محض چند دنوں میں اپنے عادی کے ہر رگ و ریشے کو ہی نہیں، اس کی روح تک کو اپنا غلام بنالیتا ہے، انسان اپنے سود و زیاں، گھربار، روزگار اور رشتوں کے احترام سے بہت تیزی کے ساتھ بے نیاز ہوتا چلا جاتا ہے۔ وقت پر نشے کی طلب پوری کرنے کے لیے کسی کی چادر کی حرمت کی پروا کرتا ہے نہ کسی چاردیواری کا لحاظ کرتا ہے۔ چوری اور ڈکیتی کرکے بھی اسے بروقت اپنا نشہ پورا کرنا ہوتا ہے اور کسی وقت یہ ممکن نہ ہو تو ہیروئن کا عادی معدے سے لے کر اعصاب تک کے ان گنت اور ہولناک مصائب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ وہ گھربار اور اپنوں سے دور، غلاظتوں کے ڈھیر میں ایک غلیظ مگر زندہ لوتھڑے کی طرح اپنی زندگی بسر کررہا ہوتا ہے اس لیے وہاں اس کی خبرگیری کے لیے کوئی نہیں ہوتا اور پھر ایک روز وہ خود کسی گمنام فٹ پاتھ، نالے یا کوڑے دان میں سسک سسک کر، اپنی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر موت کے منہ میں پہنچ جاتا ہے۔

شہر کے غلیظ ترین مقامات پر غول در غول گندی چادروں میں چھپ کر، سگریٹ کی پنی پر سگریٹ یا دیا سلائی کی تپش سے تحلیل ہوتی ہوئی ہیروئن کے تمام تر دھوئیں کو گہرے سانسوں کے ذریعے اپنے پھیپھڑوں میں کھینچنے والے نہ جانے کن کن ماؤں کے لختِ جگر، بہنوں کے مان اور سہاگنوں کے ارمان تھے جنہیں ہیروئن نگل رہی تھی۔ تپتی دھوپ، کڑکتے جاڑوں اور طوفانی بارشوں میں ان مفلوک الحال نشے بازوں کو کہیں کوئی پناہ میسر نہیں تھی، نہ ہیروئن پینے والے کسی جہانگیر کو اپنی سلمٰی کی ملامت آمیز محبت کا کوئی عشرِ عشیر حاصل تھا۔ وہ اپنے حال میں بدحال رہنے اور پھر یوں ہی زندگی سے گزر جانے پر مجبور تھے۔

پیسے دے کر کوچے کوچے میں ہر روز روشن چہروں اور پُرنور پیشانیوں والے ان گنت نونہال ہیروئن کے فسوں خیز مگر ہلاکت انگیز سفوف کے ہاتھوں اپنی زندگیاں گروی رکھ رہے تھے اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں تھا۔ خبرگیروں کو جب تک اصل علت کا علم ہوتا تھا، پانی سر سے گزر چکا ہوتا تھا۔

میرے دل میں ہیروئن کے فروغ کے لیے شب و روز کام کرنے والوں کے خلاف بے پناہ نفرت کا احساس مزید گہرا ہوگیا۔ جہانگیر اور سلمٰی کی خواب گاہ میں نظر آنے اور سنائی دینے والے واقعات نے میرے اس عزم کو ایک مرتبہ پھر مستحکم کردیا کہ موت کے سوداگروں سے میری جو جنگ جاری تھی، وہ جاری ہی رہے گی۔ میرے دشمنوں کی فہرست میں اس وقت جو نام سب سے اوپر تھا، وہ کھٹّومل راجوانی کا تھا۔

○☆○

گہری نیند میں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کھٹّومل کے آدمی میری تلاش میں بھٹکتے بھٹکتے جہانگیر کے گھر آپہنچے ہوں اور کمرے کا دروازہ توڑ کر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کررہے ہوں۔ عالمِ خواب میں ہی دہشت کی ایک سرد سی لہر میرے پورے وجود میں سرایت کرگئی۔ میں جس کے خون کا پیاسا تھا وہ موقع ملنے پر میرے ساتھ ذرا سی بھی رعایت نہیں کرسکتا تھا!

عالمِ خواب میں حملہ آور ہونے والی، دہشت کی وہ لہر اس قدر شدید تھی کہ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ ذہن بدستور غنودگی کی گرفت میں تھا لیکن سماعت پوری طرح کام کررہی تھی۔ یہ جان کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے کہ میری خواب گاہ کا دروازہ گرانے کی کوششیں کی جارہی تھیں۔

میں نے ہڑبڑا کر بستر سے چھلانگ لگادی۔ خطرے کو خود سے اتنے قریب پاکر میرے حواس بہت تیزی کے ساتھ بحال ہوتے چلے گئے اور پھر دریافت ہوا کہ فلیٹ میں دشمن آگھسا تھا نہ دروازہ توڑنے کی کوئی کوشش کی جارہی تھی بلکہ سلمٰی دروازہ پیٹ پیٹ کر مجھے جگانے کی کوشش کررہی تھی۔

میں نے ہلکی سی انگڑائی لے کر مسکراتے ہوئے وال کلاک کی طرف دیکھا تو وہاں دن کے گیارہ بج چکے تھے۔ میں نے بڑھ کر دروازے کا بولٹ گرادیا اور سلمٰی دروازہ کھول کر دندناتی ہوئی اندر آگئی۔

"اتنی دیر سے دروازہ پیٹ رہی ہوں مگر تم ایسے گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے تھے کہ دنیا و مافیہا کا کچھ ہوش ہی نہیں تھا" اس نے تیوریاں چڑھا کر تیزی سے کہا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے اسے کوئی شوخ جواب دینے کے بارے میں سوچا اور پھر خود ہی اپنا خیال مسترد کردیا۔ مجھے چند روز تک اسی چھت کے نیچے رہنا تھا۔ میری طرف سے دی گئی ذرا سی بھی ڈھیل سلمٰی کو بری طرح میرے سر پر مسلط کرسکتی تھی۔ میں نے سنجیدگی سے کہا "رات دیر سے سویا تھا..... شاید ابھی تک میری نیند پوری نہیں ہوسکی ہے۔"

"کبھی کبھی ایسی ہی گہری نیند آتی ہے" وہ معنی خیز لہجے میں بولی

پھر شکوہ کیا "تمہیں اندر سے دروازہ بند کر کے سونے کی کیا ضرورت تھی؟ اس گھر میں تم دوستوں کے درمیان ہو۔"

"بہت عرصے سے عادت سی ہوگئی ہے۔ اسے تم میری کوئی نفسیاتی گرہ بھی کہہ سکتی ہو۔ جب تک دروازہ مقفل یا بولٹ نہ کرلوں' بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلتا رہتا ہوں۔"

"جہانگیر ناشتے پر کافی دیر تک تمہارا انتظار کرنے کے بعد دکان پر گئے ہیں۔ جلدی سے تازہ دم ہو کر آجاؤ۔ میں تمہارا انتظار کررہی ہوں" وہ اپنا حکم سنا کر باہر چلی گئی۔

جہانگیر کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرتے ہوئے شاید میری عقل پر پردہ پڑگیا تھا کہ میں نے وہاں میسر تحفظ کے بارے میں ہی سوچا تھا' اس تحفظ کے ساتھ لاحق ہونے والے سلمیٰ کے خطرے کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ جب سے مجھ سے متعارف ہوئی تھی' مجھ پر مہربان چلی آرہی تھی۔ ابتدا میں اس نے عورتوں کے روایتی انداز میں میری حوصلہ افزائی کرنے بلکہ اکسانے کی کوششیں کی تھیں پھر ذاتی محرومیوں کے حوالے سے کھل کر میرا سہارا لینا چاہا تھا۔ میں ہر بار کسی چکنی مچھلی کی طرح اس کے ہاتھوں سے پھسل کر نکلتا رہا۔ اسے جب بھی موقع ملتا' وہ میرے رویئے کے بارے میں گلے شکوے لے بیٹھتی تھی۔ مجھے صاف نظر آرہا تھا کہ اس بار جہانگیر کے گھر میں رہتے ہوئے مجھے ایک سخت ترین آزمائش سے گزرنا تھا۔ میں پورے خلوصِ دل سے اس آزمائش میں اپنی سرخ روئی کا خواہاں تھا لیکن آخری نتیجے کا انحصار سلمیٰ کے رویئے پر بھی تھا۔

اس پیچ کے بارے میں سوچتے ہوئے میں شاور کے نیچے اپنے بدن پر ٹھنڈے پانی کی تیز دھاریں بہاتا رہا۔ میں غسل خانے میں ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دوسری گھنٹی پر وہ سلسلہ معدوم ہوگیا۔ میں جلدی سے تیار ہو کر باہر نکلا تو سلمیٰ نے بتایا کہ میرے لیے غزالہ کا فون آیا تھا۔

میں نے لحہ بھر کے لیے سوچا۔ پچھلی رات ہم لوگ اپنے فلیٹ سے نکلے تو ارادہ یہی تھا کہ باہر کی فضا صاف ہونے پر وہیں لوٹ جائیں گے۔ اس خیال سے ہم نے ہتھیاروں کے سوا وہاں سے کوئی چیز اپنے ساتھ نہیں لی تھی۔ بدری ناتھ سے حاصل کی ہوئی سی ایس ڈی بھی وہیں رہ گئی تھی۔ اس حساس آلے کی غیر موجودگی میں' میں فون پر کسی سے بھی کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے فوراً ہی اول خان کے گھر کا فون نمبر ملا ڈالا۔ اس طرف غزالہ شاید میرے فون کے انتظار میں ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھالیا۔

"میں آپ کے بارے میں فکر مند تھی" سلام کے بعد اس کی میٹھی اور مترنم آواز میرے کانوں میں گونجی "آپ نے ٹیکسی میں آنے کا فیصلہ کر کے غیر ضروری خطرہ مول لیا تھا۔"

میں نے کن انکھیوں سے سلمیٰ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "میں یہاں بہت مزے میں ہوں۔ بس ذرا کپڑوں کی ضرورت محسوس ہورہی ہے اور سی ایس ڈی بھی نہیں ہے..."

اس نے میری بات کاٹ کر ہنسی کے درمیان کہا "مجھے معلوم تھا کہ آپ کو ہر وقت اس کی ضرورت پڑے گی۔ وہ سب چیزیں یہاں آگئی تھیں۔ تھوڑی دیر پہلے ایک آدمی آپ کا سامان لے کر نکل چکا ہے۔ سوٹ کیس کسی بھی وقت مل جائے گا..."

"ٹھیک ہے" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اس وقت زیادہ گفتگو نہیں ہوسکتی۔ سامان آجانے کے بعد میں دوبارہ فون کروں گا۔"

"حد ہوگئی!" فون بند ہونے پر سلمیٰ نے سر جھٹک کر کہا "تم دونوں کی شادی کو اتنے دن ہوگئے مگر اب بھی تمہارا حال لیلیٰ مجنوں جیسا ہے۔ تم رات ہی کو یہاں آئے ہو اور وہ تمہاری آواز سننے کے لیے بے چین تھی۔ پتا نہیں اس نے تمہیں ویرا کے ساتھ بنکاک جانے کی اجازت کیسے دے دی تھی؟"

"میاں بیوی کے درمیان ذہنی ہم آہنگی ہو تو وہ زندگی بھر ایک دوسرے کے لیے اسی طرح فکر مند رہتے ہیں" میں نے ہنس کر کہا۔ "اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔"

"اپنی محبت جتا کر میرے اوپر طنز کررہے ہو یا مجھے جلانے کی کوشش کررہے ہو؟"

"لاحول ولا قوۃ!" میں نے جلدی سے اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگا کے کہا "میں ایسی جسارت نہیں کرسکتا۔ ویسے کل رات میں نے بہت سی خوشگوار باتیں نوٹ کی ہیں۔ تم دونوں بلاوجہ ہی ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہو ورنہ دل سے ایک دوسرے کو چاہتے ہو۔ رات کو وہ کس طرح تمہاری خوشامدیں کررہا تھا۔"

"بس' بس۔ ان باتوں کو رہنے دو۔ میں برسوں سے یہ سب تماشے دیکھتی آرہی ہوں" وہ منہ بنا کے بے زاری کے عالم میں بولی۔ "یہ ان کے پرانے ڈھکوسلے ہیں۔"

"ڈھکوسلے؟" میں نے ناشتے کا آغاز کرتے ہوئے حیرت سے دہرایا "تم جہانگیر کے خلوص کی توہین کررہی ہو۔ وہ واقعی تمہیں پسند کرتا ہے۔ نشے کی حالت میں انسان کی نفرت اور محبت' دونوں میں شدت آجاتی ہے۔ وہ تمہیں خود سے دور بھی دھکیل سکتا تھا۔"

"شراب پی لینے کے بعد عورت کی قربت ان کی ضرورت بن جاتی ہے" یہ کہتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھ رہی تھیں "اس وقت میرے بجائے کوئی چماری بھی ان کے پاس بیٹھی ہوتی تو وہ اسی طرح اُس کی بھی خوشامدیں کررہے ہوتے۔ وہ پکے منافق ہیں۔ نشے کی حالت میں ان کی یہ منافقت اور زیادہ گہری ہوجاتی ہے۔"

"ایسا مت کہو" میں نے احتجاج کیا "میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ شرابی جب نشے میں ہوتے ہیں تو اپنا دل کھول کر سب کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ انہیں منافقت دکھانے کا ہوش کب رہتا ہے؟"

اس کے ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ تیر گئی "تم یہ

باتیں اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم خود اس بری عادت میں مبتلا ہو۔ میں ہر روز پورے ہوش وحواس میں جہانگیر کی حرکتوں کو تشویش سے دیکھتی ہوں۔"

"تم اس کے بارے میں جو چاہو' کہتی یا سمجھتی رہو۔ میں یقین نہیں کرسکتا۔"

"شادی کے بعد میں نے اپنی غلط فہمیوں کی بنا پر خاصے دکھ اٹھائے ہیں۔ میں انہیں نشے میں سمجھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی حماقت کرگزرتی تھی اور پھر جوتے کھاتی تھی۔ مجھے بہت دیر بعد اندازہ ہوا کہ صبح انہیں گزری ہوئی رات کی ہر ضروری بات بہت اچھی طرح یاد ہوتی ہے۔"

وہ اپنے ذاتی تجربے کے حوالے سے بڑے وثوق سے بات کررہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اس کی بات کو تولا' اپنے طویل ماضی پر تیزی سے ایک سرسری نظر دوڑائی اور اس حیران کن نتیجے پر پہنچا کہ جو بات مجھے برسوں سے معلوم نہیں تھی وہ سلمٰی نے صرف ایک فقرے میں بیان کردی تھی۔

محض بہکنے کی حد تک پینے والے واقعی اونٹ کی سی یادداشت کے مالک ہوتے ہیں۔ انہیں خوب معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم سرور میں کب اور کس سے کیا کیا کہہ رہے ہیں۔ جو اس حد سے تجاوز کر کے آپے سے باہر ہوجاتے ہیں اور اول فول بکنے پر اتر آتے ہیں' انہیں واقعی کچھ ہوش نہیں رہتا کہ وہ کیا بک رہے ہیں۔

ہر وہ نشہ جس کی زیادتی انسان کو ہوش و خرد سے بیگانہ کردے' اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔ یہ دین و فطرت بلکہ دینِ فطرت کا ایک اٹل اصول ہے جو بنتِ عنب سے جو ہر افیم تک ہر نشے پر لاگو ہوتا ہے۔ نشہ کوئی بھی ہو' تباہ کن ہوتا ہے اور ہیروئن اس دوڑ میں سب سے آگے ہے۔ اس کے عادی کی دو ہی کیفیات ہوتی ہیں وہ نشے میں ہوتا ہے تو بالکل اپنے آپے میں نہیں ہوتا۔ بند یا کھلی آنکھوں سے ایک عجیب ہی مخلوق کے روپ میں ان دنیاؤں کے لذت انگیز خواب دیکھتا رہتا ہے جو اسے کبھی میسر نہیں آسکیں' اپنی تشنہ و ناکام آرزوؤں کی پیاس وہ ان خوابوں میں بجھاتا ہے' خدا کی بنائی ہوئی زمین پر گھر بار سے دور' کہیں بھی بے سدھ پڑ کر ہاتھ پیر ہلائے بغیر شہ زوری و مردانگی کے ایسے ایسے محیر العقول کارنامے انجام دیتا ہے جو عام انسان کے حیطۂ خیال سے بھی باہر ہوتے ہیں۔ ہیروئنچی کی دوسری کیفیت وہ ہوتی ہے جب اس کا نشہ ٹوٹ چکا ہوتا ہے' وہ اداسی' اضمحلال' بے عملی اور مایوسی کے عالم میں خود فراموش ہو کر بس ایک ہی دُھن میں ہوتا ہے کہ اسے کہیں سے اور کسی بھی طرح ہیروئن کی بس ایک پڑیا مل جائے تاکہ وہ حقائق کی اس سفاک اور بے رحم دنیا سے ایک بار پھر خوابوں کے ان ہی دھندلے دھندلے پراسرار' لاہوتی اور عیش و نشاط میں ڈوبے ہوئے جزیروں پر پہنچ جائے جہاں اس کے تصور کے عین مطابق کسی فرض یا ذمے داری کے بغیر ہر وقت خوشیاں ہی خوشیاں لٹائی جاتی ہیں۔

"انڈا ٹھنڈا ہو رہا ہے' تم خیالوں کی کس دنیا میں کھوئے ہوئے ہو؟" سلمٰی کی آواز نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ میرے ہاتھ میں ٹوسٹ دبا ہوا تھا اور ہاف فرائیڈ انڈے کی ٹوٹی ہوئی زردی پھیل کر پلیٹ میں جمنی شروع ہوگئی تھی۔ میں خفت سے مسکرا کر دوبارہ ناشتے میں مصروف ہوگیا۔

جہانگیر کے گھر میں پہنچنے کے صرف بارہ گھنٹوں میں میری ذہنی رو کسی ارادے کے بغیر دوسری بار ہیروئن کی طرف بہکی تھی۔ میں نے خاموشی سے اپنے ذہن کا تجزیہ کرنا چاہا تو بس ایک ہی نتیجہ اخذ کرسکا کہ پچھلی رات کے حملہ آوروں کی دیدہ دلیری اور قانون شکنی نے میرے دل و دماغ میں سلگتی ہوئی نفرت کی اس آگ کو بھڑکا دیا تھا جو برسوں سے موت کے سوداگروں کے خلاف جل رہی تھی۔

سلمٰی بھی ناشتے میں دھیرے دھیرے میرا ساتھ دے رہی تھی۔ شاید وہ ناشتے کی پہلی قسط اپنے شوہر کے ساتھ مکمل کرچکی تھی۔ میں اس بات سے مطمئن تھا کہ گھر میں مکمل خلوت میسر ہونے کے باوجود سلمٰی نے ایک بار بھی وقار و شائستگی کی حدود سے تجاوز کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اسی جامے میں رہتی تو میرے لئے اس گھر میں چند روز تو کیا' چند مہینے گزارنا بھی آسان تھا۔

"یہ امریکی تمہارے دشمن کیوں ہو رہے ہیں؟" ناشتے کے اختتام پر سلمٰی کے اس غیر متوقع سوال نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

"تمہارے اوپر پہلے بھی کوئی بڑا انعام رکھا گیا تھا؟"

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" اس سے سوال کر ڈالنے کے بعد مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"رات کو تم ہی نے اخبارات کی فرمائش کی تھی۔ وہ ڈرائنگ روم کی میز پر پڑے ہوئے ہیں۔ مجھے آج تک اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے بڑے پیمانے پر دشمنیاں مول لیتے پھر رہے ہو۔" اس کا جواب متوقع تھا۔

میں کرسی چھوڑ کر تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا اور وہاں کھڑے کھڑے اردو اور انگریزی اخبارات کے پہلے صفحے کا سرسری جائزہ لے ڈالا۔

وہ دونوں صبح کے اخبارات تھے اور اپنی پالیسی کے تحت سنسنی خیزی سے اجتناب کرتے تھے۔ یہ کارِ خیر وہ اپنے شام کے اخبارات کے لئے چھوڑ دیتے تھے مگر ان کی ذیلی سرخیوں میں حقیقتوں کا دردناک اعتراف موجود تھا۔ اخبار والے وہی کچھ دیکھتے تھے جو ان کے سامنے آتا تھا' وہ میری یا اول خان کی طرح پسِ پردہ کہانیوں سے باخبر نہیں تھے۔ انہوں نے شہر میں یکایک ہونے والی دہشت گردی اور خوں ریزی پر احتجاج کرتے ہوئے کلفٹن کے علاقے میں پچھلی رات چھ نامعلوم مسلح افراد کی ہلاکت کا انکشاف کیا تھا۔

چار مسلح افراد کی لاشیں ان کے زیرِ استعمال ہتھیاروں سمیت ہماری بلڈنگ میں سے ملی تھیں۔ دو لاشیں اس عمارت کی قریبی گلیوں سے برآمد ہوئی تھیں۔

ہمارے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں تھا اور ہمیں اس کی کوئی

ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ ہمیں ملک و قوم کے ان کھلے دشمنوں کو کسی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر کے سزا دلوانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ واقعات کا تسلسل ان کے جرائم کا کھلا ثبوت تھا۔ میرا ضمیر مطمئن تھا کہ ہم نے بے گناہوں کو نہیں مارا تھا‘ اپنے گھر پر چڑھائی کرنے والے مسلح غنڈوں اور دہشت گردوں کا صفایا کیا تھا۔

بظاہر وہ سب کٹھ پتلی راجوانی کی حرکتیں تھیں۔ وہ راگ رنگ کی محفلوں میں پسِ پردہ بیٹھ کر اپنی کٹھ پتلیوں کی ڈوریاں ہلا رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ چوبیس گھنٹوں کی مختصر سی مدت میں اپنے دس آدمیوں سے محروم ہونے کے بعد وہ سازشی بادشاہ گر دہل کر رہ گیا ہوگا۔

اس کی پر تکلف ضیافت پر ڈاکوؤں کے شب خون کی کہانی بھی پہلے صفحے کی زینت بنی تھی۔ وہ شہر کا ایک شریف اور معزز شہری سمجھا جاتا تھا۔ اس کے مہمانوں سے ڈاکو لاکھوں روپے کے زیورات اور نقدی لے اڑے تھے۔ دہشت سے دل کا دورہ پڑنے کے باعث ایک معمر مہمان موقع پر ہلاک ہوگیا تھا۔ پندرہ افراد بھگدڑ اور اندھیرے کے باعث بھاری فرنیچر اور قدموں تلے روندے گئے تھے۔

اول خان کی سخت ہدایت میں نے اپنے کانوں سے سنی تھی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو ڈکیتی کا ڈراما رچانے کا حکم دیتے ہوئے تاکید کی تھی کہ وہ وہاں سے ایک کیل بھی نہ لائیں۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے کسی سے کچھ چھیننا پڑے تو واپسی پر اسے وہیں پھینک آئیں۔

اس کے باوجود لاکھوں روپے کے زیورات وغیرہ کی گمشدگی کی خبر خیال انگیز تھی۔ معززین اور شرفائے شہر کے اس اجتماع سے فرار ہونے والوں میں سے کچھ لوگ خود ہی پنڈال سے ہاتھ لگنے والی قیمتی اشیا مالِ غنیمت کے طور پر لے اڑے تھے اور وہ ڈکیتیاں نامعلوم افراد کے سر ڈال دی گئی تھیں۔

میری دلچسپی کی تیسری خبر خود میرے بارے میں تھی۔ وزارتِ داخلہ کے ایک افسر نے پاکستان میں ڈینی نام کے کسی مجرم کی موجودگی سے یکسر لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ وہ خبر میرے لئے حیران کن تھی۔ سرکاری سطح پر میرے ساتھ کبھی کوئی رابطہ نہیں کیا گیا تھا۔ چند ملاقاتیں اول خان کے ذریعے ضرور ہوئی تھیں لیکن وہ سرکاری تھیں اور نہ ہی کسی ریکارڈ کا حصہ۔ یوں مجھے علم ہی نہیں تھا کہ سرکاری طور پر اپنے وطن میں میری حیثیت کیا تھی۔ یہ ضرور تھا کہ ماضی میں امریکیوں کے دباؤ پر یا شاید ان کی خوشنودی کے لئے شہر میں میری تلاش کی نیم دلانہ کوششیں کی گئی تھیں جن میں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ تازہ ترین خبر سے ظاہر ہو رہا تھا کہ امریکا کے مطالبے کے جواب میں میرے وجود سے لاعلمی ظاہر کر کے مجھے دانستہ ڈھیل دی گئی تھی۔

"قتل اور غارت گری کی خبریں پڑھ پڑھ کر جہانگیر کو اختلاج ہونے لگتا ہے۔" سلمیٰ میرے شانے سے شانہ ملائے کھڑی تھی۔ "اسی وجہ سے ہمارے گھر میں ہر اخبار کا داخلہ بند ہے۔ اگر تم نے اخبار نہ منگوائے ہوتے تو مجھے پتا بھی نہیں چلتا کہ تم کیسے خطروں میں گھرے ہوئے ہو۔ میں تمہارے ساتھ بازار جا کر خریداری کرنے کا پروگرام بنا رہی تھی اب مجھے اکیلا جانا ہوگا۔"

"تم بہت عقل مند عورت ہو۔" میں نے مسکرا کر اس کی تعریف کی اور اس کا منہ بن گیا۔

"تم مجھے ہمیشہ عورت ہی کہتے ہو مگر ویرا کو لڑکی کہتے ہو۔ وہ عمر میں مجھ سے بڑی نہیں لگتی؟"

"لڑکی جب تک کسی نکاح نامے پر دستخط نہیں کرتی‘ لڑکی رہتی ہے جس لمحے وہ دستخط ثبت کردیتی ہے‘ عورت بن جاتی ہے اور تم تو خیر سے ایک عدد بیٹے کی ماں بھی بن چکی ہو۔ ویرا ابھی ان بکھیڑوں سے آزاد ہے۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لئے یہ بتا دوں کہ دنیا جہاں کے قبل از وقت تجربات نے اسے ذرا سا عمر رسیدہ بنا دیا ہے ورنہ اس کی عمر اتنی زیادہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس نے ملامت آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ خفیہ باتیں تم سے زیادہ کون جانتا ہے۔ بنکاک جا کر تمہاری معلومات میں خاصا اضافہ ہوا ہوگا۔"

اسی وقت جہانگیر کا فون آگیا۔ وہ مجھ سے بات کرنی چاہتا تھا۔ اخبارات وغیرہ سے اس کی دلچسپی شاید بالکل ہی ختم ہو کر رہ گئی تھی کیونکہ وہ رات کے واقعات کی تفصیل سے بے خبر تھا اور مجھ سے اسی بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہ رہا تھا۔

اسی دوران میں ڈور بیل بجی۔ سلمیٰ نے ڈور لینس سے دیکھنے کے بعد دروازہ کھول دیا۔

وہ اول خان کا آدمی تھا جس کے بائیں ہاتھ میں ایک چھوٹا سوٹ کیس جھول رہا تھا۔ اس نے شناسا نظروں سے سلمیٰ کی طرف دیکھ کر سلام کیا۔ سلمیٰ نے اسے اندر بلا لیا۔

وہ شخص شاید پچھلے دنوں ان کی حفاظت کے لئے ان کے گھر کے گیسٹ روم میں رہ چکا تھا اور سلمیٰ بھی اسے اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے۔ میں جہانگیر سے گفتگو مختصر کر کے ان کے ساتھ شامل ہوا تو پتا چلا کہ ان کے درمیان رسمی شناسائی ہی نہیں‘ تھوڑی سی دوستی بھی تھی۔

اس کی زبانی معلوم ہوا کہ فلیٹ سے ہمارا بیشتر ذاتی سامان اول خان کے گھر منتقل کیا جا چکا تھا۔ میں نے اس کے لائے ہوئے سوٹ کیس کو کھولا تو اس میں کپڑوں کے اوپر ہی خاصی رقم کی گڈیاں موجود تھیں۔ ساتھ میں سی ایس ڈی بھی رکھی ہوئی تھی۔

اسپیشل ٹاسک فورس سے آنے والا بجل شاہ نامی وہ نوجوان اہلکار کام کا عذر پیش کر کے جلد ہی واپس چلا گیا۔ ایس ٹی ایف اسٹیشن فور کے بیشتر اہلکاروں سے میرا ملنا جلنا رہتا تھا اور مجھے [illegible] تھی کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کے برعکس اس عقابی تنظیم

پاکستان کے ہر علاقے کے لوگ نسل اور زبان کے کسی امتیاز کے بغیر یکساں جذبے کے ساتھ دن رات ملک و قوم کی خدمت پر کمربستہ رہتے تھے۔

سامان کے ساتھ سی ایس ڈی مل جانے کے بعد مجھے سلمیٰ کی موجودگی سے الجھن ہو رہی تھی۔ اس کے مسلسل تسلط سے عاجز آکر مجھے خود ہی اسے یاد دلانا پڑا کہ اسے بازار سے کچھ خریداری کرنی تھی۔

اس نے اپنے کمرے میں جاکر خود کو نوک پلک سے سنوارا اور شولڈر بیگ کے ساتھ واپس آکر مجھے دھمکایا۔ "میں چابی اپنے ساتھ نہیں لے جا رہی۔ فلیٹ بند کر کے کہیں غائب نہ ہو جانا۔"

"بے فکر رہو۔ فی الحال میں خود بھی کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

اس نے دھوپ کا خوبصورت فریم والا چشمہ اپنی پیشانی پر چڑھا کر ایک ادا سے مجھے الوداع کہا اور فلیٹ سے نکل گئی۔ جاتے ہوئے اس نے خود ہی دروازہ بند کر دیا۔

میں نے فوراً ہی بجل شاہ کا لایا ہوا سوٹ کیس اپنے کمرے میں لے جا کر الٹ دیا۔ سی ایس ڈی میں نے پہلے ہی نکال لی تھی۔ اسے لابی میں موجود فون لائن سے منسلک کرنے میں بس چند منٹ صرف ہوئے۔ اس کی تنصیب مکمل ہوتے ہی میں نے اول خان کے دفتر کا نمبر ملا لیا۔

"میرا خیال تھا کہ تم فون کے بجائے اپریٹس پر مجھ سے رابطہ کرو گے۔" اول خان نے میری آواز پہچانتے ہی کہا۔ "میرا اندازہ تھا کہ اس گھر میں تم رازداری کے ساتھ فون استعمال نہیں کر سکو گے۔"

"اپریٹس کہاں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "تم سے رابطے کے لئے وہی بہتر ذریعہ رہے گا۔"

"اپنے سوٹ کیس میں کپڑوں کے درمیان تلاش کرو۔ اس پر تم میرے علاوہ مزید تین آدمیوں سے رابطے میں رہو گے۔ ان تینوں میں سے کوئی نہ کوئی ہر وقت فلیٹ سے بہت قریب رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ میں دیکھ لوں گا۔ اس وقت میں گھر میں اکیلا ہوں اور فون پر سی ایس ڈی لگا چکا ہوں۔"

"تمہارا ہنسوں کا جوڑا کہاں نکل گیا؟" اول خان نے ہنسی کے درمیان پوچھا۔

"جہانگیر آدھی قیمت پر دوائیں بیچنے گیا ہوا ہے۔ سلمیٰ دگنی قیمت پر سبزی لینے گئی ہے۔"

اول خان وہ فقرہ سن کر دیر تک ہنستا رہا۔ ہنسی تھمی تو اس نے بتایا۔ "پاکستان میں تمہارے خلاف پہلی ایف آئی آر درج ہو چکی ہے۔ کھٹول نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ ڈپٹی نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس کے مہمانوں پر ڈاکا ڈالا ہے۔ مسروقہ زیورات اور نقدی کی مالیت ستائیس لاکھ سے زائد بتائی گئی ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر بھونڈے انداز میں اپنے چہرے پر سے خود ہی نقاب اتار پھینکے گا۔ وہ کھل کر سامنے آگیا ہے تو ہمیں بھی کھل کر جوابی وار کرنا ہوگا۔"

"تم بلاوجہ مشتعل ہو رہے ہو۔ ایف آئی آر درج ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہمیں اپنا ہر قدم سوچ سمجھ کر اور احتیاط سے اٹھانا ہوگا۔" میں نے کسی پریشانی کے بغیر کہا۔

"تم ایف آئی آر کی قانونی حیثیت سے ناواقف ہو اس لئے اتنے مطمئن ہو۔ یہ تمہارے خلاف پہلی اور واحد قانونی دستاویز ہے جسے ہر صورت میں ختم ہو جانا چاہئے۔" وہ اس بارے میں مضطرب تھا۔

"ایسا بھی ہے تو وہ اپنا کام کر گزرا ہے۔ تم اس کا کیا توڑ کر سکتے ہو؟"

"میں کام شروع کر چکا ہوں۔ کھٹول کی پارٹی کا انتظام کرنے والے کو اٹھایا جا چکا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ کھٹول کے آدمیوں نے ٹارچوں کی روشنی میں پنڈال سے ہر قیمتی چیز اٹھا کر اپنے مالک کے حوالے کر دی تھی۔ سب سے بڑا ڈاکو وہ خود ہے۔ میری کوشش ہے کہ اسے مال ہٹانے کی مہلت نہ ملے اور میں اس سے پہلے ہی اس کے گھر کے سرچ وارنٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"اوہ..... تم اس کے گھر سے مسروقہ مال برآمد کر کے بازی الٹنی چاہتے ہو۔"

"جھوٹی ایف آئی آر درج کرانا سنگین جرم ہے۔ اس کے گھر سے مال ہاتھ آگیا تو میں اسی وقت اسے ہتھکڑیاں لگوا دوں گا۔ باقی چھان بین بعد میں ہوتی رہے گی۔" اول خان کو غصہ آنے لگا۔

"دیکھ بھال کر کام کرنا۔ وہ بہت بارسوخ آدمی ہے۔ اسے قبل از وقت ذرا بھی بھنک مل گئی تو وہ نہ جانے کتنے افسروں کی وردیاں اتروا دے گا۔"

"یہ سب نکات میری نظروں میں ہیں اسی لئے میں نے مقامی سطح پر بالکل خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ جو کچھ ہونا ہے' اسلام آباد سے ہوگا۔"

"میں تشویش اور فکرمندی کے ساتھ تمہاری کامیابی کے لئے صرف دعا ہی کر سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "بڑی مچھلیوں پر ہاتھ ڈالنے میں درپیش رکاوٹوں کا اندازہ اب ہو رہا ہے۔"

"یہ خرابیاں یہاں نہیں' دنیا کے ہر ملک میں ہیں۔ بڑے مجرموں کے سامنے قانون کے محافظ اکثر خود کو بونا محسوس کرتے ہیں۔"

"امریکا میں آئزک بیل کا بھی یہی قصہ تھا۔ اپنے اصل جرائم پر وہ ہمیشہ سے نازاں چلا آرہا تھا۔ اسے چال بازی کے ذریعے ایک ناکردہ جرم میں نہ پھنسایا گیا ہوتا تو وہ آج بھی آزاد ہوتا۔"

"ایک دفعہ کوئی بڑے سے بڑا سورما بھی قانون کے چنگل میں آجائے تو پھر اس کا بے رحمانہ عمل شروع ہو جاتا ہے۔ وہ ہاتھ آجائے تو ہم اس کے سارے کس بل نکال دیں گے۔"

"تم نے آج کے اخبارات دیکھ ہی لئے ہوں گے؟" میں نے اس کا حوصلہ بڑھانے کے لئے پوچھا۔

"شاید دس آدمیوں کے نقصان نے اس کا دماغ الٹ دیا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی درج کرائی ہوئی رپورٹ امریکیوں کی کسی ہدایت کا نتیجہ ہو۔"

"امریکیوں کو اس کے گھر میں ہونے والی لوٹ مار سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔"

"ابھی تک تم ان کے لئے صرف ایک نام ہو۔ وہ ہر قیمت پر تمہارا مکمل ریکارڈ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تم آج کے اخبار میں ہوم آفس کا بیان پڑھ لو۔ انہوں نے کل کہہ دیا ہے کہ وہ تمہارے بارے میں کوئی علم نہیں رکھتے۔ ہوسکتا ہے کہ اس بیان کے ردِّعمل میں کراچی کے قونصل خانے والوں نے کھٹول کو تمہارے خلاف پرچہ کٹوانے کی ہدایت دی ہو۔"

"بات کسی حد تک سمجھ میں آرہی ہے۔ میرے خلاف ہر طرف سے تقریباً ایک ہی ساتھ دباؤ بڑھنا شروع ہوا ہے۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ میں خود میدان میں اتر کر اپنا دفاع کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ یہ سارا بوجھ اب تم کو اکیلے ہی اٹھانا پڑے گا۔"

"ایف آئی آر آج صبح کٹوائی گئی ہے۔ اس کی اطلاع ملتے ہی میں نے ویرا سے مشورہ کیا تھا۔ وہ بھی ہماری طرف سے بھرپور جارحانہ جواب کے حق میں ہے۔"

"بس تو پھر بسم اللہ کرو۔ اس کال کے بعد میرا اپریٹس مسلسل آن رہے گا۔"

"یہاں ہیروئن اور سیاست کے تانے بانے ایک دوسرے میں بری طرح گتھے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں تمہارے خدشات سو فیصد درست ہیں۔ کل مارے جانے والوں میں سے دو مقامی منڈی کے بڑے نام ہیں۔ بقیہ چاران ہی کے کارندے تھے۔"

"ولی جان اور شنکر رائے کا معاملہ صاف ہوچکا ہے۔ شنکر نے اپنی زبان سے اعتراف کرلیا تھا کہ وہ کھٹول کے لئے کام کرتا ہے۔ رات کو آنے والے حملہ آوروں کے بارے میں ابھی تک واضح نہیں ہوسکا کہ وہ کس کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ ذرا اس کا بھی کھوج نکالنے کی کوشش کرو۔"

"دیکھا جائے گا۔ اس وقت شہر میں کھٹول ہی تمہارا اکلوتا دشمن ہے اور ایسی حرکت کی اسی سے توقع کی جاسکتی ہے۔"

"اگر امریکی میرے بارے میں زیادہ جذباتی ہوگئے ہیں تو وہ بھی بالا ہی بالا مقامی بدمعاشوں کو خرید کر میری راہ پر لگا سکتے ہیں۔ وہ فلیٹ کافی عرصے سے ان کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔"

"ایک مرتبہ کھٹول کی گردن ہاتھ میں آجائے تو یہ ساری باتیں خود بخود صاف ہوتی چلی جائیں گی۔ اب میں فون بند کررہا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ اسلام آباد سے کوئی اس نمبر پر بات کرنی چاہ رہا ہو۔" اول خان نے یہ کہتے ہوئے فون بند کردیا۔

میں ریسیور رکھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ کپڑوں کے درمیان اول خان کا بھیجا ہوا اپریٹس موجود تھا۔ میں نے اسے آن کرکے بیٹری وغیرہ چیک کی اور ساتھ لے کر باہر آگیا۔

میں کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ کے گہرے کشوں کے درمیان مسلسل سوچتا رہا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ کھٹول سے براہِ راست بات کرکے ہی کچھ الجھنیں دور کی جاسکتی تھیں۔

میں نے کھٹول راجوانی کا فون ملایا تو اس بار بھی اس کے کسی ملازم سے بات ہوئی۔ اس کے استفسار پر میں نے اسے شنکر نام بتایا۔ اس بار تقریباً فوراً ہی کھٹول لائن پر آگیا۔

"ہاں بابا! کیسے ہو۔ خیر خیریت ہے' مزے میں ہو؟" کھٹول کی نرم آواز مجھے زہریلی معلوم ہوئی۔

"تمہاری بددعاؤں کے باوجود خیریت سے ہوں۔" میں نے اس سے زیادہ نرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔ "کل تمہاری گڑبڑ کی وجہ سے بات ادھوری رہ گئی تھی۔ آج میرا کھوج لگانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ بات پھر ادھوری رہ جائے گی۔"

"نہ بابا' میں نے کل بھی کچھ نہیں کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ تم دوبارہ فون کرو گے۔"

"شاید نہ کرتا' مجھے ایسی شدید ضرورت نہیں تھی لیکن اخبار میں ڈکیتی کی خبر پڑھی تو مجھے بھی اپنا حصہ یاد آگیا۔ ڈاکو ذرا سی دیر میں لاکھوں سمیٹ کرلے گئے۔"

"دکھ ہوتا ہے۔ لوگ کسی کو کھاتے پیتے نہیں دیکھ سکتے۔ میں تو ویسے بھی بہت دیالو ہوں۔ شاید شہر میں میرا کوئی دشمن پیدا ہوگیا ہے جو مجھے نقصان پہنچانے پر تُلا ہوا ہے۔"

"ایک چھوٹا موٹا دشمن تو میں ہی ہوں۔" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ "بس لاکھ دو لاکھ کا سوال ہے۔ اپنی مرضی سے نہیں دو گے تو ڈاکا ڈالنا پڑے گا۔ رات والوں نے راستہ دکھا ہی دیا ہے۔"

"بھلی آؤ' سر آنکھوں پر آؤ' کام کا وعدہ کرو۔ میں ہاتھ جوڑ کر پیسے دوں گا۔ کچھ شراب پانی بھی پیتے ہو یا بس کنیاؤں کے شوقین ہو؟"

"ڈبل روٹی دودھ میں اور عورت شراب میں بھیگ کر ہی اچھی لگتی ہے مگر وہ میرا اپنا شوق ہے۔ تم بڑے آدمی ہو۔ آدمی کو اپنی اوقات میں رہنا چاہئے۔ میری تم سے بس معاملے کی بات ہے۔"

"اپنا پتا نہیں دیتے' کسی بات سے ڈرتے ہو تو میرے پاس آجاؤ۔ بیٹھ کر سب طے کرلیں گے۔ آج کل مجھے کام کے آدمیوں کی بڑی تلاش رہنے لگی ہے۔ شنکر بہت بے وقوف تھا کہ اس نے تمہاری عورت سے یاری کی۔ آج کل جیب میں پیسے ہوں تو عورت آرام سے مل جاتی ہے' یار کسی قیمت پر نہیں ملتا۔"

اس میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ بہت ٹھنڈا اور دھیما آدمی تھا۔ اسے مشتعل کرکے اپنی راہ پر لانا بہت مشکل کام

تھا۔ اس سے اسی کے انداز میں میٹھی میٹھی باتیں کر کے کچھ اگلوایا جا سکتا تھا۔ میں نے اس کی بات سن کر کہا۔ "حیرت ہے کہ تم جیسے سمجھ دار آدمی کے ساتھ رہ کر بھی اس نے اتنا نہیں سیکھا اور اپنے ساتھ تین اور آدمیوں کو لے ڈوبا۔"

"ہاں...... پر یہ بات سمجھ کی ہوتی ہے۔ وہ تو جو تھا' سو تھا۔ تم بھی عقل میں اس سے زیادہ نہیں ہو۔ ایک عورت کے لئے چار آدمیوں کو مار ڈالا۔ جس دن بھی تم پکڑے گئے تو یہ سمجھ لو کہ بات پھانسی کے پھندے پر ہی جا کر رکے گی۔ یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"تم تو اس طرح دکھی ہو رہے ہو جیسے وہ سب تمہارے آدمی تھے۔" مجھے وہ سوال کرنے کا موقع مل گیا۔

"کسی کے بھی تھے مگر وہ جیتے جاگتے آدمی تھے۔ تم نے چار چیونٹے نہیں' آدمی مارے ہیں۔"

وہ نہایت مکاری سے میرے سوال کا جواب گول کر گیا تھا۔ میں نے فوراً ہی دوسرے پہلو سے وار کر دیا۔ "آدمیوں کا کیا ہے۔ وہ تو روز مرتے ہی رہتے ہیں۔ کل چھ آدمی گولیوں سے بھون دیئے گئے۔ ساتواں تمہارے گھر میں کسی گولی کے بغیر نری دہشت سے مر گیا۔"

"یہ تو ہے۔" وہ مجھ سے متفق ہونے پر مجبور تھا۔ "آدمی کتے بلّے سے بھی سستا ہو گیا ہے۔ یہ پتا نہیں چلا کہ تم نے گلشن میں شنکر کے دو رکھوالوں کو کس چیز سے مارا تھا۔ فولاد کی دہکتی ہوئی میخ بھی کسی کے بدن میں اتنا صاف سوراخ نہیں کر سکتی۔"

"یہ میرا راز ہے جو میں ہر ایک کو نہیں بتا سکتا۔ تم مجھ سے معاملے کی بات کرو۔"

"یہ سب معاملے کی باتیں ہی ہو رہی ہیں۔ تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔"

"جب تک ہمارے درمیان دوستی نہیں ہوتی' مجھے شنکر ہی کہتے اور سمجھتے رہو۔"

"تم خود کو چھپا رہے ہو۔ گلشن والی دونوں لاشیں بہت سی باتیں کھول گئی ہیں۔ شنکر کی ارتھی جل کر راکھ ہو چکی ہے' تم پھر بھی اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہو۔"

"یہ سمجھتے ہو تو پانچ کوششوں میں خود ہی بوجھ لو کہ میں کون ہو سکتا ہوں۔" میں نے خوش دلی سے قہقہہ لگا کر کہا۔ "میرا وعدہ ہے کہ تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"مجھے پانچ کوششوں کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے چوہے اور بلّے کا کھیل مت کھیلو۔ صاف صاف بتا دو کہ تم ڈینی ہو یا نہیں۔ میں تم سے اگلا سوال نہیں پوچھوں گا۔"

"چلو مان لیا کہ تم ٹھیک کہتے ہو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے دھیمے سے پوچھا۔

"کل رات تم ہی نے میرے گھر رنگ میں بھنگ ڈالا تھا؟" اس کی آواز میں پہلی بار ہلکی سی خفگی عود کر آئی۔

"نہیں!" میں نے صدقِ دل سے کہا کیونکہ وہ کارروائی ایس ٹی ایف والوں کی تھی۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ میں تمہیں سچ بتا رہا ہوں کہ میری تم سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔ میرا راستہ مت کاٹو۔ یہ تمہارے لئے بہت برا ہو گا۔ رات کی ڈکیتی میں نے تمہارے نام لکھوائی ہے۔ کوئی وعدہ کرو تو میں تمہارا نام واپس لے لوں گا ورنہ پولیس تمہارے پیچھے لگ جائے گی۔ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔ میں اتنے لمبے ہاتھ والوں سے دور ہی رہتا ہوں۔" میں نے اس کی دی ہوئی اطلاع پر کسی ردِ عمل کا مظاہرہ کئے بغیر کہا۔ "لیکن وہ زیادتی کریں تو میں انہیں نہیں بخشتا۔ تم نے ڈکیتی میں میرا نام ڈالا ہے تو اس کا خمیازہ بھی بھگتنا ہو گا۔"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔" اس کی آواز میں پہلی بار برہمی عود کر آئی۔ "جانتے ہو کہ تم کس سے بات کر رہے ہو۔ میں ہر گستاخ زبان کو گدی سے کھینچ لیتا ہوں۔"

"نہیں میرے پیارے کھٹو مل! تم کچھ بھی نہیں کرتے۔ خود شراب و شباب کی محفلوں میں کھوئے رہتے ہو اور کام دوسروں سے لیتے ہو۔" میں نے اپنے سکون میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیا تھا۔

"وہی سب میرے دست و بازو ہیں۔ وہ تمہیں چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیں گے۔" میری محنت کے نتیجے میں اس کے اعصاب بے قابو ہونے لگے تھے اور پارہ چڑھ گیا تھا۔

"پچھلے چوبیس گھنٹوں میں تمہارے دس دست و بازو توڑے مروڑے جا چکے ہیں۔ پتا نہیں تم جیسے کھٹو کی خود ساختہ انا اور کتنی جانوں کی بھینٹ لے گی۔"

"کل رات تک مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم خود میدان میں اترے ہوئے ہو۔ تم مکار اور سازشی ہو۔ دیکھنا کہ اب تم ان ہی طریقوں سے جہنم واصل ہو گے۔ تمہیں للکار کر سنبھلنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ تم سے ان دسوں کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔"

اس نے الفاظ کے ہیر پھیر میں یہ مان لیا تھا کہ ہمارے فلیٹ کے قرب و جوار میں مارے جانے والے چھ آدمی بھی اسی کے ٹولے سے تعلق رکھتے تھے اور اول خان کی فراہم کی ہوئی اطلاعات کے مطابق وہ سب ہی شہر میں ہیروئن کی فروخت میں پوری طرح سرگرم تھے۔

"چاہو تو تمہاری اطلاع کے لئے یہ بھی بتا دوں کہ میں تمہارے بہت قریب موجود ہوں۔ اگر تم اس وقت اپنے کھلے لان پر آنے کی ہمت کر سکو تو تمہارے سینے یا دماغ میں ایک بہت نفیس اور باریک سا سوراخ نمودار ہو سکتا ہے۔ تم آنے والی مصیبتوں سے صاف بچ جاؤ گے۔"

"یہ تیسرے درجے کی چھچھوری حرکتیں ہیں۔ اس طرح تم مجھے مرعوب یا خوف زدہ نہیں کر سکتے۔" وہ اپنے غصے پر جلد ہی قابو پا کر ایک مرتبہ پھر پرسکون ہو گیا تھا۔

"تھوڑی دیر پہلے تم کہہ رہے تھے کہ مجھ سے تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے پھر کل رات تمہارے آدمیوں نے میرے گھر کو روندنے

کی ناکام کوشش کیوں کی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"تمہارے دھرم میں خون کا بدلہ خون ہے۔ مجھے گلشن والے چار آدمیوں کا بدلہ لینا تھا۔ مجھے تمہاری کہانی پر شروع سے یقین نہیں تھا لیکن یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ خون تم نے کیے ہوں گے۔ اپنے آدمیوں کو اپنی طاقت کا یقین دلانے کے لئے مجھے کہیں چند جوابی لاشیں گرانی تھیں۔ غلطی صرف یہ ہوئی کہ انہیں تمہارے آدمیوں کی طرف بھیج دیا گیا۔"

"یہ غلطی آئندہ تمہارے لئے افات کا سبب بنے گی۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "تمہیں اپنی بے بسی اور میری طاقت کا اندازہ ہو چکا ہے۔ ہمت ہے تو اپنے لان پر آکر دکھاؤ۔"

جواب میں اس نے فحش کلامی کا مظاہرہ کیا پھر بولا۔ "جلد ہی سدھائے ہوئے خوں خوار کتے تمہارا بدن ادھیڑ رہے ہوں گے۔ تمہارا انجام اب قریب آگیا ہے۔"

"اطلاع دینے کا شکریہ۔ اگر تم اپنے لان پر آنے سے ڈر رہے ہو تو پھاٹک پر بھی نہ آنا۔ میں کسی بھی وقت تمہارے گھر پہنچ رہا ہوں۔ تم سے روبہ رو بات کر کے ہی کچھ طے کیا جا سکے گا۔"

"میں ان گیدڑ بھبکیوں میں نہیں آؤں گا۔ مرد کے بچے ہو تو یہاں آکر دکھاؤ۔ میں بہت شوق سے تمہاری کھال کے جوتے بنوا کر پہنوں گا۔"

میں نے مزید کچھ کہے بغیر فون بند کر دیا۔ میں نے اس سے اپنی الجھنوں کے بارے میں بہت کچھ اگلوا لیا تھا لیکن اسے یہ ہوا نہیں لگنے دی تھی کہ میں ہیروئن کے کاروبار سے اس کے تعلق کی کڑیاں ملانے میں خاصی حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایریئس جاگ اٹھا۔ میں نے اس کی آواز کھول دی۔ اس پر اول خان کے دو آدمی آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان کی وہ ساری گفتگو کوڈ ورڈز میں تھی جو میرے پلے نہیں پڑ سکی۔ ان کی باتیں ختم ہوتے ہی اول خان لائن پر آگیا۔ وہ مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ میں نے ایریئس پر اس کا مکمل پیغام سن لینے کے بعد نشری بٹن دبا کر اپنی موجودگی کا اعلان کیا۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی بتا دیا کہ کھٹول پچھلی رات کے حملے کی ذمے داری قبول کر چکا ہے۔

"ویری گڈ!" میری بات مکمل ہونے پر اول خان کی آواز ابھری۔ "یہ اس کے خلاف فرد جرم میں ایک نمایاں اضافہ ہے۔ اسلام آباد سے اس کے گھر کا سرچ وارنٹ فیکس پر مل چکا ہے۔"

"یہ کام جلد از جلد مکمل کرنے کی کوشش کرو۔ اس وقت میں نے اسے اتنا خوفزدہ کیا ہوا ہے کہ وہ اپنے گھر سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ اسے وہیں چھاپ لو۔"

"پورے شہر میں آئی جی کے سوا کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ میں اسی کے دفتر کی طرف جا رہا ہوں۔ علاقہ مجسٹریٹ کو بھی پولیس ہیڈ کوارٹرز میں طلب کر لیا گیا ہے۔ اس کے پہنچتے ہی آئی جی کی نگرانی میں چھاپا مارا جائے گا۔ میں مبصر کے طور پر کارروائی میں شامل رہوں گا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ ہے۔"

"میں تمہاری کامیابی کے لئے دعاگو ہوں۔ مجھے نتیجے سے ضرور آگاہ کرنا۔"

"اوور اینڈ آل۔" اول خان نے اپنا فرض پورا کر کے خاموشی اختیار کر لی۔

میرے پاس انتظار کے سوا کوئی کام باقی نہیں رہا تھا۔ نیویارک سے رابطے کے لئے وہ وقت ناموزوں تھا۔ منہ اندھیرے بار بار نیند خراب کیے جانے پر بد دماغ جوڑی برہم بھی ہو سکتی تھی۔ معاً میرے ذہن میں جینی کا خیال آیا اور میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

ہم دونوں اسے دھوکا دے کر امریکا سے فرار ہوئے تھے۔ اس نے ہماری وعدہ خلافی کا انتقام لینے کے لئے اپنی زبان بندی ختم کر کے بلیک ڈیڈ اور اس کے ہمدردوں کو شدید مشکلات سے دوچار کر دیا تھا۔ میرے یاد دلانے کے باوجود ویرا اس سے فون پر بات کر کے معذرت پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ چند روز بعد جینی کا غصہ کم ہو جائے گا تو وہ رابطہ کر کے اسے منا لے گی۔

میری بات ذرا مختلف تھی۔ جینی نے ویرا کی لاعلمی میں مجھ سے قریبی مراسم استوار کر کے اپنی خواب گاہ کی خلوت میں یہ حقیقت جانی تھی کہ میں رمضان یا اسلم خان نہیں 'ڈینی' تھا۔ بھرے بھرے بدن والی خوب رو اور خوش مزاج جینی کے وہ مشاہدے اس قدر اٹل تھے کہ میرے لئے اس کے سامنے اعتراف کرنے کے سوا کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔

میں نے وقت کی پروا کیے بغیر فون پر جینی کے گھر کا نمبر ملایا۔ تیسری گھنٹی پر ریسیور اٹھائے جانے کے بعد اس کی غنودہ آواز سن کر میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہو گئیں۔

"جینی! مائی ڈارلنگ! مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہاری گہری نیند....."

"ڈینی!" میری مدافعانہ تمہید مکمل ہونے سے پہلے ہی ریسیور میں اس کی تحیر زدہ آواز گونج اٹھی۔ "تم کہاں ہو؟ جھوٹے، مکار، فریبی کہیں کے..... تم میں اتنی مروت بھی نہیں تھی کہ یہاں سے جانے سے پہلے ائرپورٹ سے فون کر کے ہی مجھے الوداع کہہ دیتے۔"

"تم کہتی رہو..... مجھے گالیاں بھی دو گی تو میں سر جھکا کر سنتا رہوں گا۔" اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے ندامت سے کہا۔ "تمہاری برہمی بالکل جائز اور بجا ہے۔"

"میں جس کے ساتھ راحت کی گھڑیاں گزار چکی ہوں، اسے گالیاں نہیں دے سکتی۔ تم گونگے کیوں بن گئے ہو۔ منہ سے کچھ پھوٹو کہ تمہارے ساتھ کیا مجبوری تھی۔"

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہیں امریکا سے ہماری روانگی کا علم کب اور کیسے ہوا؟"

"پچھلی شام۔" اس نے بے ساختہ جواب دیا۔ اس کی آواز

میں نیند کے خمار کا شائبہ تک باقی نہیں رہا تھا۔ وہ بتا رہی تھی۔
"نیویارک کے پولیس چیف کو بیان دینے تک مجھے یقین تھا کہ تم دونوں نیویارک میں ہی ہو اور میرے بیان کے بعد یہاں سے کبھی نہیں نکل سکو گے۔ تم دونوں کی تلاش کی مہم دور دور تک پھیلا دی گئی تھی۔ میں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ تم دونوں کی سفری دستاویزات کن ناموں پر ہیں......"
"پھر یہ بات کیسے نکلی؟" جینی کے خاموش ہوتے ہی میں نے سوال کر ڈالا۔
"کسی کو امیگریشن کا خیال آگیا۔ انہوں نے آج ہی ریکارڈ سے تم دونوں کے اخراج کی تصدیق کی ہے۔ اس کے بعد تلاش کا سلسلہ ختم کردیا گیا مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"
"پاکستان ہمارے لئے ممنوعہ ملک بن چکا ہے۔ وہاں بھی ہماری تلاش ہو رہی ہے۔"
"پھر تم اس وقت کس خطے سے بول رہے ہو؟ ویرا کہاں ہے؟" ماضی کے تلخ تجربات اور اپنی رنگین مزاجی کے باوجود وہ ایک پرخلوص لڑکی تھی اور مسلسل اس کا اظہار کئے جا رہی تھی۔
"ہم دونوں بنکاک میں ہیں۔ یہاں شام ہونے والی ہے۔" میں نے سفید جھوٹ بولا۔ "ویرا حسبِ معمول آوارہ گردی کے لئے باہر نکلی ہوئی ہے اسی وجہ سے میں نے تمہیں فون کرلیا ہے۔"
"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ یہ خلش مجھے مارے ڈال رہی ہے۔ میری زندگی میں آنے والے کسی مرد نے آج تک مجھے اتنی بے رحمی سے نظرانداز نہیں کیا تھا۔"
"ویرا تمہارے لئے اجنبی نہیں ہے۔ اسے میرے اور تمہارے مراسم پر شبہ ہوگیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ میں اسے بھول کر ہمیشہ کے لئے تمہارے پاس رہ جاؤں گا۔ نیویارک سے پرواز کرنے تک وہ ہر وقت میری کڑی نگرانی کرتی رہی تھی۔ اس نے مجھے ذرا بھی موقع نہیں دیا ورنہ میں خود تم سے بات کرنے کو ترس رہا تھا۔"
"اوہ ڈیرا!" جینی کی آواز ترحم آمیز ہوگئی۔ "مجھے شبہ تھا کہ اس کتیا نے تمہیں اپنا قیدی بنایا ہوا ہے۔ وہ کئی نوجوانوں کے ساتھ ایسا ہی مالکانہ سلوک کرتی رہی تھی۔ تم اس سے اپنی جان چھڑالو ورنہ وہ تمہاری زندگی تباہ کردے گی۔ نام بدل کر امریکا آسکو تو ضرور آؤ۔ میں تمہاری راہ میں پلکیں بچھا کر تمہارا استقبال کروں گی۔ تم ایک سحر بن کر اب تک میرے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہو۔"
"نہیں جینی۔" میں نے غم ناک آواز میں کہا۔ "میرا یہ فون اس بات کا گواہ ہے کہ میں بھی تم کو نہیں بھول سکا۔ تم سراپا شعر ہو جس کا ہر بار ایک نیا مفہوم سامنے آتا ہے۔ تمہارے بیان نے امریکا میں میرے کئی دوستوں اور ہمدردوں کو پسِ زنداں پہنچا کر ان کی زندگیوں کو عذاب بنا دیا ہے۔ میں وہاں آیا تو اُن کے وارث میرا خون پی جائیں گے۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"
"صرف بلیک ڈیڈ پکڑا گیا ہے۔ اس نے دوسروں کی نشاندہی کی ہوتو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ اس پر عاید فردِ جرم لمبی ہوتی جا رہی ہے۔"
"اور تمہارے باس کا کیا حال ہے؟" میں اسے میٹھی میٹھی باتوں میں الجھا کر کام کے سوالات کرتا جا رہا تھا۔
"پریس اس کا حامی ہوگیا ہے۔ وقت نے ثابت کردیا ہے کہ وہ شروع سے سچ بول رہا تھا لیکن اس پر چند سنگین الزامات میں مجھے اس کی گردن بچتی نظر نہیں آتی۔ فیڈرل ایجنسیاں ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ وہ اس سے مریخ کے اغوا کا اعتراف بھی کرواسکتی ہیں۔"
"آئزک بیل کے بعد ڈیوڈ اسٹارز میں قیادت کا ایک بھیانک خلا نظر آتا ہے۔"
"تم دونوں نے یہ کام بہت برا کیا۔" جینی کی پرکشش آواز افسردہ ہوگئی۔ "فورٹ ہاؤس میں مارے جانے والے داؤدی ستاروں کو نسل کشی کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ یہودی تھے۔"
"یہودی بہت سے ہیں۔ وہ صرف ڈیوڈ اسٹارز تھے۔ یہ سب مجرم تھے اور اپنے جرائم کی بنا پر ویرا کی نظروں میں آئے ہوئے تھے۔ اس معاملے میں میرا ضمیر صاف ہے۔"
"مگر میں مطمئن نہیں ہوں۔ مجھے یہ سوچ کر شرم آتی ہے کہ ان چاروں کی نشان دہی میں' میں نے تمہاری کافی مدد کی تھی۔"
"میں تم سے بحث کرکے تمہارے جذبات مجروح نہیں کروں گا۔ میں نے تمہاری نظروں میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے یہ فون کیا تھا تاکہ اگلی ملاقات تک ہماری دوستی برقرار رہ سکے۔"
"ڈیئی! مائی ڈارلنگ! میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ اپنے لیے تم میرے دروازے ہمیشہ کھلے پاؤ گے۔ شرط صرف اتنی سی ہے کہ وہ کمینی تمہارے ساتھ نہ ہو۔"
"اس سے گلو خلاصی کے لیے میں پہلی فرصت میں تمہارے مشورے پر عمل کروں گا۔"
"گڈ نائٹ" کے ساتھ ہی ریسیور پر جینی کے گداز ہونٹ جڑ کر آواز کے ساتھ کھلنے کا عمل سنائی دیا۔ میں نے اسی انداز میں جواب دے کر فون بند کردیا۔
بلیک ڈیڈ کی گرفتاری کی خبر سننے کے بعد سے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے نیویارک بلکہ پورے امریکا سے ہمارا رشتہ ہی ٹوٹ گیا ہو۔ وہاں گزارے ہوئے دنوں میں ہم نے ہر طرف اپنے دشمن ہی دشمن پیدا کیے تھے' دوستوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ میں نے تھوڑی سی مصلحت اور خوش کلامی سے کام لے کر جینی جیسی روٹھی ہوئی دوست کو منالیا تھا۔
غنیمت تھا کہ اس نے میری لچھے دار گفتگو کے سحر میں ڈوب کر میرا بنکاک کا فون نمبر دریافت کرنے کی ضرورت کو یکسر فراموش کردیا تھا۔ وہ پوچھ بیٹھتی تو میرے پاس بتانے کے لیے وہاں کے کسی ہوٹل کا نمبر نہیں تھا۔

میں نے سلمیٰ کی موجودگی میں اخبارات کا سرسری سا مطالعہ کیا تھا۔ فرصت کو غنیمت جان کر میں نے ریفریجریٹر میں سے ٹھنڈی بیئر کا ایک ڈبا نکالا، شیلف سے گلاس اٹھایا اور ڈرائنگ روم میں آبیٹھا۔

اخباروں میں چشم دید گواہوں کے حوالے سے کلفٹن میں رونما ہونے والے واقعے کی تفصیلات بیان کی گئی تھیں۔ ہر شخص کی متفقہ رائے تھی کہ نامعلوم دہشت گردوں نے اکا دکا ہوائی فائروں سے علاقے میں خوف و ہراس پھیلانے کے بعد منظم منصوبہ بندی کے تحت بھاری فائرنگ سے کارروائی کا آغاز کیا تھا۔ ہمارے فلیٹوں کے دونوں چوکی دار بے ہوشی کی حالت میں زخمی پائے گئے تھے۔

ان دونوں کا بیان تھا کہ اندھیرا پھیلنے کے بعد چار آدمی گولیاں برساتے ہوئے اندر گھسے تھے اور اپنی راہ میں آنے پر ان دونوں کو آہنی ہتھیاروں کی ضرب لگا کر بے ہوش کر دیا تھا۔

وہ چاروں وہی تھے جو اندر آنے کے بعد ہمارے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

سیڑھیوں پر موت کے گھاٹ اترنے والوں کے بارے میں یہ تعین کرنا مشکل تھا کہ اوپر جاتے ہوئے گولیوں کا نشانہ بنے تھے یا واپسی پر موت نے انہیں گھیر لیا تھا لیکن برآمدے میں ملنے والی دونوں لاشوں کی پوزیشن سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ باہر بھاگتے ہوئے موت کی زد میں آئے تھے۔

اس دوران میں پولیس سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔ عمارت میں رہنے والوں میں سے کسی نے اپنے فلیٹ میں مداخلت کی شکایت نہیں کی تھی اس لیے سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ وہ چاروں کس کی گولیوں کا نشانہ بنے تھے۔ یہی سوال باہر سے ملنے والی دو لاشوں کے بارے میں اٹھایا گیا تھا۔

اخبار والے اپنی میزوں پر بیٹھ کر جائے واردات سے ملنے والے شواہد اور کوائف کا تجزیہ کر کے سنگین نوعیت کے سوال پیدا کرنے اور پھر ان کے جواب ایجاد کرنے میں بلا کے ماہر ہوتے ہیں۔ انہوں نے مشترکہ طور پر یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ وہ واقعات دو مخالف گروہوں میں باہمی تصادم کا نتیجہ بھی ہو سکتے تھے۔ باہر سے آنے والوں میں خوں ریز لڑائی کی جزئیات حیران کن مہارت سے تیار کی گئی تھیں۔

وہ سب رائے عامہ کو گمراہ کرنے اور پولیس کی تفتیش کو غلط راہ پر ڈالنے کی نادانستہ کوششیں قرار دی جا سکتی تھیں لیکن مجبوری یہ تھی کہ اس دور کے قاری کے پاس سوچنے کے لیے ذرا بھی وقت نہیں ہوتا۔ اپنے تجزیے کے لیے وہ ایک بنا بنایا نظریہ چاہتا ہے۔ اخبارات اپنے قارئین کی اس ضرورت کو تندہی سے پورا کرتے ہیں۔ لوگ مطمئن رہتے ہیں۔

تھوڑی دیر میں سلمیٰ سامان سے لدی پھندی واپس آ گئی۔ تھیلیاں کھانے کی میز پر ڈھیر کر کے وہ تھکے ہارے انداز میں وہیں بیٹھ گئی "آج آس پاس کے سارے بازار بند ہیں۔ ہر طرف پولیس ہی پولیس نظر آرہی ہے۔" وہ ہانپتے ہوئے بولی۔

"چھ آدمیوں کے قتل کے اثرات کم از کم چھ دن تک تو باقی رہیں گے۔"

"مارنے والے اپنی من مانی کر کے چلے گئے۔ اس وقت دور دور تک کسی کا پتا نہیں تھا۔ اب آنے جانے والوں کو روک کر تلاشی کے بہانے بلا وجہ تنگ کیا جا رہا ہے۔"

"عورتوں سے خاص رعایت کی جاتی ہے، تمہیں تو نہیں روکا گیا ہوگا؟"

"ہونہہ!" وہ پانی کے چند گھونٹ لینے کے بعد بولی "سبزی کے دو تھیلے دیکھنے کے بعد ملنے کی اجازت دی گئی تھی۔ پولیس والے اب عورتوں کو بھی مردوں کے مساوی سمجھنے لگے ہیں۔"

"خوشی کی بات ہے۔ حقوقِ نسواں کا تحفظ کرنے والوں کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ کہیں سے تو مساوات کی ابتدا ہونی ہی تھی۔ یہ نیک کام پولیس والوں نے شروع کر دیا۔"

وہ مسکراتی ہوئی اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی اور میں صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

سلمیٰ اپنے کمرے میں سے لباس تبدیل کر کے سیدھی میرے پاس آئی۔ وہ جہانگیر کی بیوی تھی اس لیے رنگ کی کافی مماثلت کے باوجود بیئر اور اسکاچ میں تمیز کر سکتی تھی پھر میز پر بیئر کا خالی ڈبا بھی رکھا ہوا تھا۔ اس نے میرے شغل پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کچھ دیر بیٹھی آزادانہ انداز میں ادھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی پھر کچن میں غائب ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد ویرا کا فون آ گیا۔ سلمیٰ کچن میں تھی اس لیے کال مجھے ہی وصول کرنی پڑی۔

"سب سے تمہاری جان چھوٹ گئی۔ وہاں پڑے عیش کر رہے ہو گے۔" وہ چہکی۔

"عیش تمہارے ہیں کہ وہاں غزالہ کے علاوہ اول خان کی فیملی بھی موجود ہے۔"

"مگر وقت بہت بے کیف گزر رہا ہے۔ کسی چیز میں دل ہی نہیں لگ رہا۔"

"وہ تمہارا نہیں، اول خان کا گھر ہے۔" میں نے اسے تادیب کی "وہاں اپنی الٹی سیدھی حرکتیں شروع نہ کر دینا۔ اس کی قدامت پرست بیوی ناراض بھی ہو سکتی ہے۔"

"وہ پردے کی سختی سے پابندی ضرور کرتی ہے لیکن ذرا بھی قدامت پرست نہیں ہے۔ پڑھ لکھ کر ہر لڑکی اتنی ہی روشن خیال ہو جاتی ہے کہ عملی زندگی سے آسانی سے سمجھوتے کر لیتی ہے۔"

"کیا وہ بھی تمہاری ہم ذوق ہے؟" میں نے اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کی۔

"میری ہمسری نہیں کر سکتی۔ اول خان نے راستے ہی میں مجھے ہر بات سمجھا دی تھی۔ اسے بیوی کے بجائے بچوں کی فکر تھی۔ میں

اپنے کمرے میں جو چاہوں' کر سکتی ہوں۔ کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔"

"تو پھر عیش کرو۔ میرے کان کیوں کھا رہی ہو؟" میں نے ترشی سے کہا۔

"یہ علاقہ میرے لیے اجنبی ہے۔ اول خان سے فرمائش نہیں کر سکتی۔ تم ہی جہانگیر کے ذخیرے میں سے دو چار بوتلیں بھجوا دو۔ تمہاری مہربانی ہوگی۔"

"میں دیکھوں گا۔ ویسے تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں نے جینی کو منا لیا ہے۔"

"جینی! مجھے معلوم تھا کہ موقع ملتے ہی تم دوبارہ اس سے پینگیں بڑھاؤ گے۔"

"اس سے پینگیں بڑھا کر مجھے کیا حاصل ہوگا۔ وہ سات سمندر پار بیٹھی ہے۔"

"وہ اتنی ہی دور ہے تو اسے فون کیوں کیا تھا؟ وہ تمہارے دماغ سے کیوں چپکی ہوئی ہے؟"

"چپکی ہوئی تھی۔" میں نے اس کی تصحیح کی "صرف اس لیے کہ ہم نے اس کے خلوص کو دھوکا دیا تھا۔ میں نے اپنی پوزیشن صاف کر لی ہے۔ اب مجھے اس کی پروا بھی نہیں ہے۔"

"تم نے میرے خلاف زہر اگلا ہے؟" اس نے چبھتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ضرورت نہیں تھی۔ اس معاملے میں تم خود کفیل ہو۔ وہ تمہیں خوب سمجھتی ہے۔"

"دو چار دن گزر جانے دو۔ میں اس کے دماغ کے کیڑے اچھی طرح جھاڑ دوں گی۔"

وہ تھوڑی دیر تک جینی کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالتی رہی۔ اس دوران میں میں نے اسے آئزک بیل اور بلیک ڈیڈ کے بارے میں جینی کی تازہ ترین رائے سے بھی آگاہ کر دیا۔

غزالہ نے دوسرے کمرے میں اول خان کی بیوی کو باتوں میں لگایا ہوا تھا۔ اس سے میری گفتگو نہیں ہو سکی۔ میں نے اسے کھٹومل کے بارے میں بتائے بغیر بات ختم کر دی۔

دن جیسے تیسے گزر ہی گیا۔ میں نے اریٹس پر اول خان کے آدمی سے رابطہ کر کے اس کے ذریعے دو بوتلیں ویرا کو بھجوا دیں۔ اس کے بعد مجھے بس اول خان کی طرف سے کسی اطلاع کا انتظار تھا۔ اس نے براہ راست اس عفریت سے ٹکر لینے کا فیصلہ کر کے بہت کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔

آخر کار سوا سات بجے اس کا فون آ ہی گیا۔ معاملات ایسا رخ اختیار کر گئے تھے کہ وہ سلطان شاہ کے ساتھ تھوڑی دیر میں میرے پاس پہنچنے کی اطلاع دے رہا تھا۔

○☆○

کھٹومل نہ جانے کب سے وہاں رہتا چلا آ رہا تھا۔ اس کا پرانی طرز کا مکان ایک منزلہ اور کافی وسیع تھا۔ آئی جی کی قیادت میں پولیس کی بھاری نفری متعدد گاڑیوں میں سوار ہو کر وہاں پہنچی تھی۔ دوسری گاڑیاں باہر رک گئیں۔ ان سے اترنے والے مسلح سپاہی پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت بہت تیزی سے کھٹومل کے مکان کے احاطے کی دیواروں کے گرد پھیلتے چلے گئے۔

ذرا سے وقفے کے بعد آئی جی کے ڈرائیور نے سرکاری گاڑی آہنی پھاٹک کے سامنے روک کر ہارن بجایا' دربان نے ایک کھڑکی سے باہر جھانکا اور اگلی سیٹ پر موجود آئی جی کی وردی کو دیکھتے ہی سرعت سے پھاٹک کھول دیا۔

بہت بڑے سرسبز و شاداب لان اور عمارت کے درمیان ایک کشادہ ڈرائیو وے پورچ سے بھی آگے تک چلا گیا تھا جہاں ایک دوسرے کے ساتھ بنے ہوئے گیراجوں میں دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ انسپکٹر جنرل کے ڈرائیور نے گاڑی پورچ میں روک دی۔

اس گاڑی میں آئی جی کے ساتھ اول خان' سلطان شاہ اور مجسٹریٹ بھی سوار تھے۔ وہ چاروں برآمدے میں رک کر کافی دیر تک بے چینی سے انتظار کرتے رہے۔ کھٹومل خاصی دیر کے بعد اندر سے برآمد ہوا تھا۔ اس نے رسمی انداز میں ان لوگوں کو ہیلو کہہ کر استفسار طلب نگاہیں آئی جی کے چہرے پر مرکوز کر دیں جو میزبان کی آمد میں تاخیر پر پہلے ہی بھنایا ہوا تھا۔

"سر! کل کی ڈکیتی کے بارے میں مجھے سخت افسوس اور صدمہ ہے....." آئی جی نے اپنے غصے پر قابو پا کر خوش خلقی سے بات شروع کرنی چاہی مگر کھٹومل نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہر ذمے دار اور فرض شناس افسر کو افسوس ہونا ہی چاہیے۔" اس کی آواز میں طنز کی تلخی ہر ایک نے محسوس کی تھی۔ "میری ساری رات پولیس والوں کے درمیان اور پھر فون پر اپنے دہشت زدہ مہمانوں سے معذرتیں کرتے گزری ہے۔ یہ فرمائیے کہ اب آپ نے کیسے زحمت کی ہے؟"

"واردات کی ایف آئی آر درج ہو چکی ہے۔ اس معاملے میں آپ نے ایک ملزم بھی نامزد کیا ہے۔ ہماری تفتیش جاری ہے اور اس دوران میں....."

"میں آپ کے ماتحت عملے کو ہر بات پوری تفصیل کے ساتھ بتا چکا ہوں۔ ریکارڈ میں آپ کو اپنے ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔ مشکل یہی ہے کہ کسی وقوعے کی رپورٹ درج کرانے والے کا گھر پولیس والوں کی مستقل آماجگاہ بن جاتا ہے....."

خوش اخلاقی اور نرم گفتاری کی شہرت رکھنے والا کھٹومل اس وقت ضرورت سے زیادہ بدمزاجی کا مظاہرہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ آنے والے افسر اعلیٰ کا عہدہ پہچان لینے کے باوجود اس نے اسے ڈرائنگ روم میں چلنے یا پھر برآمدے میں پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی تھی۔

اس بار آئی جی کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ اس نے درشت لہجے اور اونچی آواز میں بولنا شروع کر دیا "آپ اپنی بولے جا رہے ہیں۔ ذرا سی میری گزارش بھی سن لیں۔ ہم یہاں آپ سے

کسی باز پرس یا اظہارِ افسوس کے لیے نہیں، خانہ تلاشی کے لیے آئے ہیں۔"

آئی جی کی زبان سے وہ انکشاف سن کر کھٹومل بھونچکا رہ گیا۔ اس کے دیدے حیرت سے پھیل گئے "میرے گھر ڈکیتی ہوئی اور اب میری ہی خانہ تلاشی ہوگی! اس کا کوئی اختیار ہے تمہارے پاس؟"

حیرت، غصے اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیت میں وہ اعصاب زدہ ہو کر آپ سے تم پر آگیا تھا۔

"یہ لو!" مجسٹریٹ نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا "میں یہاں کا مجسٹریٹ ہوں اور تلاشی کی کارروائی میری نگرانی میں مکمل ہوگی۔"

کھٹومل نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کاغذ کے مندرجات کو دیکھا اور احتجاج کیا "مگر کیوں.... میری خانہ تلاشی کا سبب کیا ہے؟ کیا میں نے اپنے مہمانوں کو خود لوٹ کر ان کا مال تجوری میں چھپالیا ہے؟"

آئی جی کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی "یہ گمان تو ہمارے ذہنوں میں دور دور تک نہیں تھا۔ تم کہتے ہو تو یہ بھی دیکھ لیں گے۔"

"تلاشی کی ضرورت کیوں پیش آرہی ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میں ایک معزز شہری ہوں۔ یہ میری کھلی توہین اور بے عزتی ہے۔ میں تم سب پر دعویٰ دائر کردوں گا۔"

"تمہارے ملازمین پر شبہ ہے۔" آئی جی نے کہا "اندھیرے میں یہ کیسے ممکن تھا کہ ڈاکو مہمانوں کی ہر قیمتی چیز گھاس سے اٹھا کر لے گئے ہوں۔ ان سے بہت سی چیزیں رہ گئی ہوں گی جو تمہارے ملازموں نے پولیس کی آمد سے پہلے سمیٹ کر کہیں غائب کردیں۔"

"پھر سرونٹ کوارٹرز کی تلاشی لو۔ میرے گھر میں کوئی قدم نہیں رکھے گا۔" کھٹومل پھیل گیا۔

"کھٹومل! تم ایک قانونی کارروائی میں روڑے اٹکانے کی کوشش کررہے ہو۔" اول خان نے پہلی بار دخل اندازی کی "گھر کے ہر اس حصے کی تلاشی لی جائے گی جہاں تمہارے ملازموں کی رسائی ہے۔ وہ اتنے احمق نہیں ہیں کہ انہوں نے چوری کا مال اپنے بوسیدہ اور غیر محفوظ کوارٹروں میں چھپایا ہوگا۔ تمہارے گھر کے بہت سے حصے ایسے ہیں جہاں تم برسوں ہاتھ نہیں ڈالتے ہوگے، تمہارے ملازم روزانہ ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔"

"میں ابھی ایک فون کرکے آتا ہوں، پھر تم سے بات کروں گا۔" اس نے برہمی سے کہا اور مڑنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اول خان نے سختی سے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔

"نہیں، تلاشی مکمل ہونے تک تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ تمہارے گھر کے تینوں فون اس وقت بے جان ہیں۔ تم تعاون کرو گے تو جاتے ہوئے ہم یہ لائنیں بحال کرادیں گے۔"

کھٹومل کی آنکھوں میں پہلی بار سراسیمگی کے سائے لہرائے اور وہ نرم آواز میں بولا "ٹھیک ہے، تم پورے ہوم ورک کے ساتھ آئے ہو۔ میں اندر پردے وغیرہ کا بندوبست کرکے آتا ہوں۔"

"نہیں!" اول خان کی سرد آواز گونجی "تماشا دیکھنے والے ملازموں کے ذریعے تم اپنا ہر پیغام اندر پہنچا سکتے ہو۔ تلاشی کے دوران میں تم مسلسل ہمارے ساتھ رہو گے۔"

"تم کون ہو؟" اس نے خوف زدہ لہجے میں اول خان سے پوچھا "تمہارے جسم پر کوئی وردی نہیں ہے۔"

"تمہارے پھاٹک سے باہر متعدد وردی پوش موجود ہیں۔ تمہارے اطمینان کے لیے یہ کافی ہونا چاہیے کہ میں آئی جی صاحب کے ساتھ آیا ہوں۔" یہ کہہ کر اول خان نے اس کے شانے سے ہاتھ ہٹالیا۔

"آؤ، ادھر آؤ بابا!" کھٹومل نے تھکی تھکی آواز میں ان چند ملازمین کو اشارہ کیا جو اِدھر اُدھر دبکے، حیرت اور خوف سے وہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"تم نے کوئی غلط یا خفیہ پیغام دینے کی کوشش کی تو یہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔"

"اندر جاکر بی بی لوگ کو بولو کہ بڑے افسر ہمارے گھر آئے ہیں۔ اندر سے کمرے دیکھیں گے۔ سب میرے کمرے میں جمع ہوجائیں۔ دروازہ بند کرکے پردے بھی گرالیں۔"

نوکروں نے اپنی جگہ سے جنبش ہی کی تھی کہ اول خان نے تحکمانہ آواز میں انہیں روک لیا اور کھٹومل سے کہا "ہم تلاشی کا آغاز تمہارے کمرے سے ہی کریں گے، عورتوں کو کسی اور کمرے میں بھیج دو۔"

کھٹومل کے چہرے کا رنگ اڑ گیا "میرے کمرے کی تلاشی؟ کیا تم مجھے ڈاکو سمجھ رہے ہو؟"

"ہم بھول کر بھی ایسا نہیں سوچ سکتے۔ یہ خیال تم نے خود پیش کیا تھا۔" اول خان نے زہرخند کے ساتھ جواب دیا "یہ شبہ دور کرلیں پھر اپنا دوسرا کام شروع کریں گے۔"

"تم لوگ زندگی بھر پچھتاؤ گے۔ میں تم سب کو معزول کروا دوں گا۔ میں کوئی للو پنجو نہیں' کھٹول راجوانی ہوں۔ پتا نہیں کس نے تمہیں میرے خلاف بہکا دیا ہے۔ میں کہہ رہا ہوں کہ تمہیں یہاں کچھ نہیں ملے گا۔ تم میرے گھر میں اپنا وقت اور مستقبل برباد کر رہے ہو۔"

"تم سے جو ہو سکے وہ کرلینا مگر اس وقت تلاشی ہوگی اور اسی طرح ہوگی جس طرح میں کہہ رہا ہوں۔" اول خان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تم جتنی تکرار کرو گے' تلاشی اسی قدر تفصیل اور باریک بینی سے لی جائے گی۔ ہر بڑے گھر میں کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ کچھ بھی نہ ملا تو تم ولایتی شراب کی چند بوتلوں کا قانونی جواز بھی نہیں دے سکو گے..... ہم سے تعاون کرو' اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے اپنے ملازموں سے کہا "بی بی لوگ کو گول کمرے میں بھیج دو۔"

اول خان کی عقابی نظریں ملازمین کے چہروں کو گھور رہی تھیں۔ کھٹول کی نئی ہدایت پر ان کی آنکھوں میں تذبذب کے آثار دیکھ کر اول خان فوراً معاملے کی تہ تک پہنچ گیا۔

"کھٹول!" وہ تیز آواز میں غرایا "چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔ گول کمرا ہی تمہارا کمرا ہے۔ اپنے نوکروں کو امتحان میں مت ڈالو ورنہ ہم خود اونچی آواز میں تمہاری عورتوں کو پردے میں چلے جانے کا حکم دے کر اندر داخل ہو جائیں گے۔"

"اندر کچھ نہیں ہے مگر یہ میری عزت کا سوال ہے۔" اس بار وہ بکھر کر رہ گیا پھر نیچی آواز میں بولا "میرے گھر کی تلاشی لیے بغیر لوٹ جاؤ۔ میں تمہیں منہ مانگی رقم ادا کردوں گا۔"

"ہمارے شکوک و شبہات بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔" آئی جی نے اپنی چھڑی کو فضا میں ہلاتے ہوئے کہا "یہ سودے بازی تلاشی کے بعد ہی ہوگی۔"

کھٹول کی مایوس آنکھوں میں امید کے دیے جل اٹھے "ابھی سودا کرلو۔ بولو کیا مانگتے ہو؟"

"نوٹوں کے بھکاری یوں تمہارے روبرو نہیں آسکتے تھے۔" آئی جی نے اسے پھٹکار دیا "اسی لیے میں خود یہاں آیا ہوں۔ رشوت کی پیشکش کرکے تم پہلے جرم کے مرتکب ہو چکے ہو۔ دوسرا جرم قانون کی مزاحمت کا ہے اور یہ سب اس کے چشم دید گواہ ہیں۔"

"جاؤ' عورتوں کو پوجا والے کمرے میں بھیج دو۔" اس بار کھٹول کی بات پوری ہوتے ہی اس کے ملازم کسی تذبذب کے بغیر دوڑتے ہوئے اندر چلے گئے۔

"ہمیں کتنی دیر تک انتظار کرنا ہوگا؟" کم و بیش پانچ منٹ گزر جانے کے بعد آئی جی نے پوچھا۔

"آجاؤ!" اس نے شکست خوردہ آواز میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"باہر سے دو انسپکٹرز کو اندر بھیج دو۔" آئی جی اپنے ڈرائیور کو ہدایت دے کر کھٹول کے پیچھے چل دیا۔ بقیہ تینوں آدمی اس کے ساتھ تھے۔

عمارت میں داخل ہوتے ہی عورتوں کے بین اور آہ وبکا کی دردناک آوازوں نے اس جماعت کا استقبال کیا۔ شاید باہر سے پیغام لے جانے والے ملازموں نے عورتوں کو باہر کی پوری صورتِ حال سے آگاہ کردیا تھا اور وہاں رونا پیٹنا شروع ہوگیا تھا۔

اونچی چھتوں والی پُرپیچ کشادہ راہداریوں میں اندر سے آتا ہوا ایک ادھیڑ عمر شخص ملا جس نے موٹے عدسوں والی عینک لگائی ہوئی تھی۔ وہ رک کر حیران نظروں سے اپنی طرف بڑھنے والوں کو دیکھ رہا تھا۔

"منشی جی! یہ بڑے پولیس افسر ہیں۔" کھٹول نے اونچی آواز میں کہا۔ منشی کا داہنا ہاتھ فوراً اپنے کان کے پیچھے جم گیا۔ سب کو اندازہ ہوگیا کہ منشی کی سماعت کمزور تھی۔

"گھر کی تلاشی کے لیے آئے ہیں۔ انہیں میرے کمرے میں لے جاؤ۔" کھٹول کہہ رہا تھا "میں پیشاب کرکے ابھی پہنچتا ہوں۔"

"نہیں۔" اول خان نے اسے روک لیا "ہمارے ساتھ چلو۔ کمرے کے باتھ روم میں بھی تم پیشاب کرسکتے ہو۔"

"یہ پرانی وضع کا گھر ہے۔ یہاں کسی کمرے کے ساتھ باتھ روم نہیں ہے۔ میں...."

اول خان نے اس کی بات کاٹ دی "پھر میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تلاشی ختم ہونے تک تمہیں ہمارے ساتھ ساتھ رہنا ہے۔"

کھٹول نے مجروح اور متاسفانہ نظروں سے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اتنی بے اعتباری نہ دکھاؤ۔ میں عزت اور حیثیت والا آدمی ہوں۔ تمہیں اپنے گھر میں لے آیا ہوں' باہر تمہارے سپاہی پھیلے ہوئے ہیں۔ میں بھاگ کر کہاں جاؤں گا اور کیوں جاؤں گا؟"

کھٹول کا وہ داؤ چل گیا' مجسٹریٹ کا دل پسیج گیا۔ اس نے اول خان کو آنکھ سے اشارہ کیا۔

"بس پانچ منٹ میں اپنے کمرے میں پہنچو۔" اول خان نے اسے تنبیہہ کی۔

"ابھی آیا۔" یہ کہہ کر کھٹول تیزی سے ایک طرف بڑھتا چلا گیا۔

منشی کے ساتھ وہ چاروں کھٹول کے گول کمرے میں داخل ہوئے تو اس کی آرائش دیکھ کر حیران رہ گئے۔ باہر سے اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ اس مکان میں کوئی اس قدر خوب صورت کمرا بھی ہوگا۔ کمرے کی سپاٹ دیواروں میں کہیں بھی ملحق باتھ روم کا دروازہ نہیں تھا۔

ان کے پیچھے پیچھے باہر سے دونوں انسپکٹرز بھی وہیں آگئے۔ انہیں شروع سے منزلِ مقصود کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا لیکن یہ معلوم تھا کہ وہاں پہنچ کر انہیں خانہ تلاشی کا کام سرانجام دینا ہے۔

اول خان کے ساتھ ان دونوں نے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کردیا۔ آئی جی کھٹول کی واپسی کے انتظار میں وزنی آہنی تجوری کے قریب جا کھڑا ہوا۔

اچانک ایک انسپکٹر نے مسہری کے نیچے سے پھول دار ریشمین کپڑے کی ایک وزنی اور بڑی سی پوٹلی کھینچ کر نکال لی۔

"یہ زیور معلوم ہوتے ہیں۔" انسپکٹر نے پوٹلی کے وزن سے اندازہ لگا کر رائے ظاہر کی اور پھر مسہری پر رکھ کر اس کی گانٹھیں کھول دیں۔

پوٹلی کھلتے ہی سب کے دہانوں سے بے ساختہ تحیر زدہ آوازیں آزاد ہوگئیں۔ ان کے سامنے بے ترتیبی سے جمع کیے ہوئے متعدد طلائی زیورات کا ڈھیر موجود تھا۔ اس میں بہت سی بیش قیمت مردانہ اور زنانہ گھڑیاں بھی نظر آرہی تھیں۔ اپنی ہیئت اور ترکیب کے اعتبار سے وہ سب مالِ مسروقہ نظر آرہا تھا۔

اول خان نے اس ڈھیر کو ہاتھ لگائے بغیر پھول دار کپڑے کو بستر پر پھیلا کر اس کے کناروں کو الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کردیا۔

"یہ چوری کا مال ہے۔ حیرت ہے کہ اسے اتنی بے پروائی سے رکھا گیا ہے۔" آئی جی نے جھک کر ان قیمتی زیورات کا جائزہ لیتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"یہ سو فیصد پچھلی رات کے جمع کیے ہوئے زیورات ہیں۔" اول خان نے اپنے معائنے سے فارغ ہو کر اعلان کیا "اس میز پوش کے ایک کنارے پر اس کمپنی کا نام چھپا ہوا ہے جس نے کل رات یہاں کی پارٹی میں کیٹرنگ کا کام کیا تھا۔"

"کھٹول اونچا ڈاکو ہے۔" مجسٹریٹ نے رائے زنی کی "یہ بات اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوگی کہ پولیس پارٹی اتنی جلدی اس کے سر پر سوار ہوجائے گی۔ اسے شک بھی ہوجاتا تو وہ یہ مال اتنی بے پروائی سے مسہری کے نیچے نہ ڈالتا۔"

"اسی لیے وہ ہمیں اپنے کمرے سے دور رکھنے کی کوششیں کررہا تھا!" آئی جی خوش تھا۔ مال برآمد ہونے پر اسے اپنی سرخ روئی کا سامان نظر آنے لگا تھا ورنہ ہوم آفس کے حکم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اسے پورا یقین تھا کہ تلاشی بے سود ثابت ہوگی اور پھر کھٹول اس کی نوکری کے ساتھ اس کی جان کا بھی دشمن ہوجائے گا۔ اس نے یہ باتیں واپسی پر خود اول خان کو بتائی تھیں۔

"او بڈھے!" ایک انسپکٹر نے منشی کا کالر کھینچ کر غصے سے پوچھا۔ "یہ تیرے سیٹھ نے کیا رکھا ہوا ہے؟"

"بھگوان جانے!" منشی نے چھت کی طرف انگلی اٹھا کے بے

قارئین متوجہ ہوں

قرآنِ حکیم کی مقدس آیات و احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر آیات و احادیث درج ہیں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیے۔

بسی سے کہا "میں رات کو جلدی سو جاتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ رات کو یہاں کیا ہوا تھا اور یہ زیور کہاں سے آئے ہیں۔"

"ان زیورات اور گھڑیوں کا مشیر نامہ بنالو۔" آئی جی نے کہا۔ "اس میں خاصا وقت لگ جائے گا۔"

"بہت دیر ہوگئی۔ کھٹول ابھی تک نہیں آیا۔" اول خان نے چونک کر سب کو یاد دلایا۔

افراتفری پھیل گئی۔ ڈکیتی کے مال کی بازیابی کی ساری خوشی بدحواسی میں تبدیل ہوگئی۔ باہر سے بلا کر متعدد سپاہیوں کو کھٹول کی تلاش پر لگا دیا گیا لیکن اس کا کہیں سراغ نہیں مل سکا۔

اول خان نے ڈنکے کی چوٹ پر سب کے سامنے کہہ دیا کہ وہ کھٹول کو موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا مگر علاقہ مجسٹریٹ کے ایما پر اس نے ملزم کو مہلت دی تھی۔ مجسٹریٹ شرمسار ہو کر خاموشی سے زیورات وغیرہ کی فہرست بنانے میں مصروف تھا۔

طویل بھاگ دوڑ اور چھان بین کے بعد پتا چلا کہ کھٹول کے گیراجوں کی عقبی دیواروں کے ساتھ کچے پکے مکانات کے تسلسل کی وجہ سے گھر کا محاصرہ مکمل نہیں ہوسکا تھا۔ کھٹول ایک جرائم پیشہ شخص تھا۔ اسے علم رہا ہوگا کہ پولیس اس طرف نہیں پہنچ سکے گی۔ وہ پیشاب کے بہانے گیراجوں کی چھت پر چڑھ کر اسی طرف سے فرار ہوچکا تھا۔

وہ نظریہ قائم کرنے کے بعد اس طرف واقع کچی آبادی کے مکینوں سے ذرا سختی سے پوچھ گچھ کی گئی تو کئی افراد نے بتایا کہ انہوں نے ایک معقول آدمی کو مکانوں کی چھت سے کود کر بدحواسی کے عالم میں ریلوے لائن کے پار بھاگتے دیکھا تھا۔ وہ کھٹول کے نام سے واقف تھے لیکن اسے پہچانتے نہیں تھے۔

کھٹول کے فرار نے سب کے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا تھا۔ سب سے زیادہ کوفت اول خان کو تھی کہ اس نے مجسٹریٹ کے اشارے پر اپنے شکار کو کیوں ڈھیل دی تھی۔

ضابطے کی کارروائی مکمل کرکے زیورات اور گھڑیوں کی پوٹلی تحویل میں لے لی گئی۔ کمرے میں موجود ولایتی شراب کی درجنوں بوتلوں کو جوں کا توں چھوڑ دیا گیا۔ تجوری کی تلاشی باقی تھی اس لیے کھٹول کی خواب گاہ کو باضابطہ سیل کرکے منشی کو اس کا ذمے دار مقرر کردیا گیا۔

اول خان اس بندوبست سے مطمئن نہیں تھا۔ اس کی دانست میں منشی جیسا ادنیٰ ملازم کھٹومل کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ جب چاہتا، گھر آکر اپنے کمرے کی سیل توڑ سکتا تھا۔ آئی جی نے علاقہ مجسٹریٹ کے مشورے سے ایک سپاہی کو گول کمرے کے دروازے پر عارضی طور پر مامور کردیا اور وہ کارواں وہاں سے پولیس ہیڈ کوارٹرز کے لیے روانہ ہوگیا۔

کھٹومل راجوانی جیسے نامی گرامی اور بارسوخ شخص کی خواب گاہ سے لوٹے ہوئے زیورات کی بازیابی کی خوشی اور سنسنی، مجرم کے ہاتھوں سے نکل جانے کی وجہ سے ہر ایک کے لیے بے کیف ہو کر رہ گئی تھی۔

اول خان نے پولیس ہیڈ کوارٹرز سے اپنی گاڑی میں واپس لوٹتے ہوئے راستے میں اپنے بڑوں پر فون کے ذریعے واضح کردیا تھا کہ اس کھیل میں وہ مجسٹریٹ کے کردار سے مطمئن نہیں تھا۔ اسی بوتھ سے فون کرکے اس نے مجھے اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔

○☆○

اس کی کہانی سن کر میں افسردہ ہوگیا "سب کچھ ہو کر بھی کچھ نہیں ہوا۔ یوں سمجھو کہ کانٹے میں پھنسی ہوئی مچھلی کو نکال کر تم نے خود پانی میں اچھال دیا۔"

"حماقت آدمی سے ہی ہوتی ہے۔ میں کوئی فرشتہ نہیں ہوں۔"

"میں نے خود دیکھا تھا۔ مجسٹریٹ نے بہت وقار اور متانت سے اول خان کو نرمی برتنے کا اشارہ کیا تھا۔" سلطان شاہ نے اس کی وکالت کی "سب کی عقلوں پر پردے سے پڑگئے تھے۔"

"وہ کوئی بے حیثیت شخص نہیں ہے۔" میں نے اپنے حلق میں تلخی سی محسوس کرتے ہوئے کہا "کب تک بھاگے گا اور بھاگ کر کہاں جائے گا۔"

"یہی کہہ کر اس نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آنے والی تھی لیکن دیکھ لو کہ وہ بھاگ گیا اور ہم اس کے پیچھے کفِ افسوس مل رہے ہیں۔"

"اب مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ایس ڈی ایم اسی کا آدمی تھا اور اس نے کھٹومل کو بھاگ جانے کا موقع فراہم کیا ہے۔" سلطان شاہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"احمقانہ باتیں مت کیا کرو۔" میں نے منہ بنا کر کہا "ان دونوں کی ملی بھگت ہوتی تو کھٹومل تمہارے پہنچنے سے پہلے ہی فرار ہوچکا ہوتا۔ تمہیں اس علاقے میں اس کا سایہ تک نہ ملتا۔"

"اس کی بات قابلِ غور ہے۔" اول خان نے مجھے متوجہ کیا۔ "ایس ڈی ایم اپنے علاقے میں خود مختار ہوتا ہے لیکن انتظامی طور پر آئی جی کا عہدہ زیادہ بڑا ہے۔ اسے یہ تو معلوم تھا کہ کارروائی اس کے علاقے میں ہوگی۔ کس کے گھر ہوگی؟ یہ بات اسے اس وقت بتائی گئی جب فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔"

"اسے رابطے کا موقع ہی نہیں ملا۔ تم اس پر شبہ کیوں کررہے ہو؟" میں نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"وہ شروع سے آخر تک کھٹومل سے نظریں چرا رہا تھا۔ وارنٹ دیتے ہوئے بس ایک بار وہ اس سے مخاطب ہوا تھا۔ میرا تو خیال ہے کہ اس نے وارنٹ بھی واپس نہیں لیا تھا۔"

"کھٹومل وارنٹ سمیت بھاگا ہے تو اب وہ اسلام آباد کا ہی رخ کرے گا۔" میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا "اس کے پاس تحریری ثبوت موجود ہے کہ کس کے حکم پر یہ کارروائی ہوئی ہے۔"

"اسے اتنی جلدی پرواز نہیں مل سکے گی۔ ہمیں فوراً ائرپورٹ پہنچ جانا چاہیے۔"

"چور کے پاؤں نہیں ہوتے اور پھر وہ احمق بھی نہیں ہے۔ کراچی ائرپورٹ پر ائرلائنز کے عملے سمیت بہت سے لوگ اسے جانتے ہوں گے۔ اسے خوف ہوگا کہ وہ ادھر گیا تو دھرلیا جائے گا۔"

"آخری ٹرین بھی دیکھی جاسکتی ہے۔" اول خان نے تجویز پیش کی۔

"وہ کراچی میں بھیڑ بھاڑ سے دور رہنے کی کوشش کرے گا۔ ہر جگہ اسے پہچانے جانے کا خوف لاحق رہے گا۔ اس کے لیے حیدر آباد سب سے بہتر اور کراچی سے قریب ترین ٹھکانا ہے۔"

"ہر ٹرین وہاں سے ہو کر جاتی ہے۔ بعض پروازیں بھی حیدر آباد میں رکتی ہیں۔"

"میں یہی کہنا چاہ رہا ہوں۔ ائرپورٹ سے معلوم کرو کہ اس وقت حیدر آباد کے راستے اسلام آباد کے لیے کون سی پرواز جاتی ہے۔"

اول خان فوراً ہی ٹیلی فون کی طرف دوڑ گیا۔ اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل ہونے کی امید نے اس کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔

چھوٹے شہروں میں میسر فضائی سفر کی سہولیات کے بارے میں میری معلومات بہت محدود تھیں لیکن میں اتنا ضرور جانتا تھا کہ ایسی سہولتیں بہت کم تھیں۔ چند منٹ بعد اول خان نے اس کی تائید کردی۔ رات کے وقت حیدر آباد کے راستے اسلام آباد کے لیے کوئی پرواز دستیاب نہیں تھی۔

"وہ انتظار میں وقت برباد کرنے کے بجائے ٹرین میں سفر کو ترجیح دے گا۔" میں نے رائے دی "ہمیں ہر قیمت پر اسے پکڑنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ایک بار وہ اسلام آباد پہنچ گیا تو ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ وہ واپس آکر ہمارے سینوں پر مونگ دلنا شروع کردے گا۔"

"اسلام آباد کو تم اتنی زیادہ اہمیت کیوں دے رہے ہو؟" سلطان شاہ نے چڑ کر پوچھا۔

"تلاشی کا حکم وہیں سے آیا تھا، اس کی واپسی بھی وہیں سے ممکن ہوگی۔"

سلمٰی نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے ہم تینوں کی گفتگو میں مخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سلام دعا کے بعد اپنے کمرے میں محصور ہوگئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ہمارے لیے چائے بھی بنا دی تھی۔ بڑھتے ہوئے ذہنی دباؤ کی وجہ سے میں شدت سے چائے کی ایک اور پیالی کی خواہش محسوس کر رہا تھا۔ میں نے سلمٰی کے دروازے پر دستک دی تو اس نے مجھے اندر بلالیا۔

دستک دینے سے پہلے شاید وہ اپنے بستر پر دراز تھی۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو اسے مسہری کے کنارے پر بیٹھا ہوا پایا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا اور آنکھوں میں تشویش کے سائے لرزتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان نظر آرہی ہو۔" میں نے کھڑے کھڑے حیرت سے پوچھا۔

"تمہارے پاس وقت ہو تو تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس بیٹھ جاؤ۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فکرمندانہ آواز میں کہا۔

میں کرسی پر بیٹھ گیا "کیا ان دونوں کے آنے سے تمہیں ذہنی کوفت ہوئی ہے۔"

"تمہارے رہتے میں اتنی اکتا گئی ہوں کہ اب انسانوں سے مل کر عجیب سی راحت اور خوشی کا احساس ہوتا ہے۔ میں مردم بے زار نہیں ہوں۔"

"پھر کیا بات ہے، جلدی سے بتا ڈالو۔ وہ دونوں میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ تم لوگ کن معاملات پر سر جوڑ کر بیٹھے ہوئے ہو۔ میں نے آتے جاتے ہوئے جو کچھ سنا ہے' اس نے مجھے دہشت زدہ کیا ہوا ہے....."

میں نے ہنس کر اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی "وہ سب معمول کی باتیں ہیں۔ تمہیں ان کے بارے میں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔"

"مجھے ماضی کے واقعات بھیانک خوابوں کی طرح ایک ایک کر کے یاد آرہے ہیں۔ ان عذابوں سے خدا خدا کر کے اب پیچھا چھوٹا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ سلسلہ خدانخواستہ دوبارہ شروع ہو جائے۔ اس مرتبہ میں دہشت سے گھٹ کر مر جاؤں گی۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور اس کی بات کا برا مانے بغیر آہستہ سے کہا "اب میں کوئی وضاحت نہیں کروں گا۔ تمہارے ذہن میں شبہات سر ابھار رہے ہیں تو یہ سلسلہ یہیں ختم ہو جانا چاہیے۔ مجھے تمہارا سکھ چین ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔"

"تو کیا تم ان معاملات سے اتنی آسانی سے علیحدگی اختیار کرلو گے؟"

"یہ میرے بس سے باہر ہے۔ میرا بال بال اس دلدل میں ڈوبا ہوا ہے۔ تمہیں ان مسائل سے الگ تھلگ رکھنے کے لیے میں

اسی وقت یہاں سے اپنا بستر بوریا سمیٹ لیتا ہوں....“

وہ بے چین ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی ”تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں اپنے ساتھ تمہارے لیے بھی فکر مند ہوں۔ اپنے لیے نہ سہی تو غزالہ کی خاطر تم کو اب یہ مہم جویانہ زندگی ترک کر دینی چاہیے۔“ اس کی آواز روہانسی ہو گئی تھی۔

”فوری طور پر یہ سب نہیں ہو سکتا۔ میں برا مانے بغیر پوری ایمان داری سے اقرار کرتا ہوں کہ میں نے یہاں کا رخ کر کے اول درجے کی خود غرضی کا مظاہرہ کیا ہے۔ میری وجہ سے تم لوگوں کو کوئی گزند پہنچ گئی تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔“ میں کرسی سے اٹھ گیا۔

وہ پھرتی سے میرے سامنے آ کھڑی ہوئی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولی ”کبھی کبھی تم ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو جاتے ہو۔ شاید میں نے ہی تمہارے سامنے زبان کھول کر غلطی کی ہے۔ اگر ان کو بھنک بھی مل گئی کہ میں نے تم سے ایسی کوئی بات کی ہے تو وہ مجھے گھر سے نکال دیں گے۔“

میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”فکر نہ کرو۔ میں جہانگیر سے ملے اور اسے قائل کیے بغیر یہ گھر نہیں چھوڑوں گا۔ تم پر آنچ نہیں آئے گی۔“

”تم ان سے بات کرو گے اور نہ یہاں سے جاؤ گے۔“ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرا گریبان تھام کر التجا کی۔ ”میں اپنے ساتھ تمہیں بھی محفوظ اور بے فکر دیکھنا چاہتی ہوں۔ یہ شہر نہیں، موت کا جنگل ہے۔ یہاں ہر طرف موت کے سوداگروں کا راج ہے، وہ گلی کوچوں میں دندناتے پھر رہے ہیں۔ جو چاہتے ہیں، کر گزرتے ہیں اور کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تم ان سے کب تک لڑو گے؟ وہ تمہیں بھگا بھگا کے تھکا دیں گے اور جب تم بے حال ہو کر گر جاؤ گے تو وہ تمہاری گردن اتار کر تمہیں دوسروں کے لیے عبرت کا نمونہ بنا دیں گے۔ ڈیئی کچھ سوچو۔ میں اسی برے دن سے ڈرتی ہوں اور تمہارے لیے دعائیں کرتی رہتی ہوں۔“ بولتے بولتے اس کی آواز رندھ گئی۔

”میں سوچوں گا۔“ یہ کہہ کر میں نے اس کے ہاتھ نرمی سے اپنے گریبان سے الگ کر دیے۔

اس کے کمرے میں جا کر میں اپنی چائے کی فرمائش بھول بیٹھا تھا۔ واپسی پر میرے بوجھل ذہن پر بس ایک ہی سوال مسلط تھا کہ امید انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ زندگی کا آخری لمحہ آ جانے تک وہ امیدوں اور اچھی توقعات سے کنارہ کش نہیں ہوتا تو پھر یہ کیسی ناامیدی تھی جو چپکے چپکے ناسور بن کر دلوں میں اترتی جا رہی تھی؟

جو باتیں غزالہ مجھ سے کہہ چکی تھی وہی سب سلمیٰ بھی کہہ رہی تھی۔ دونوں کے الفاظ مختلف تھے مگر مدعا ایک ہی تھا۔ بدی غالب ہے، اس کا مقابلہ کرنے سے باز آ جاؤ، تائب ہو جاؤ۔ موت کے سوداگروں کو کھل کر اپنا کھیل کھیلنے دو۔ تم ان کے آڑے آئے تو وہ تمہاری زندگی کا چراغ بھی گل کر دیں گے!

ڈرائنگ روم میں داخل ہونے تک میں ناامیدی کے اس غبار کو اپنے ذہن سے جھٹک چکا تھا۔ میرے سامنے کھٹول کی تازہ ترین مثال موجود تھی۔ وہ دہشت گردوں اور خون آشاموں کے ایک بڑے ٹولے کا سرخیل تھا، زرخیز فضا میں خوب پھل پھول رہا تھا لیکن ہم نے پیش قدمی کر کے آخر کار اسے چوروں کی طرح میدان سے بھاگ نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ڈرائنگ روم میں وہ دونوں خاصے خوش اور مطمئن نظر آ رہے تھے۔

”معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کھٹول کا سراغ لگا لیا ہے۔“ میں نے ان کی محفل میں شریک ہوتے ہوئے ہنس کر تبصرہ کیا۔

”تمہاری بچھائی ہوئی راہ پر چل رہے ہیں۔ امید ہے کہ وہ ہمارے جال سے نہیں نکل سکے گا۔“ اول خان نے جوابی خوش دلی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا۔

”ذرا مجھے بھی بتا دو کہ میں نے تم کو کون سی راہ سجھائی ہے؟“

”وہ اسلام آباد اور وہاں ہوم آفس پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ یہ بنیادی مفروضہ تم نے ہمیں فراہم کیا ہے۔ میں نے اسپیشل ٹاسک فورس کے اسلام آباد یونٹ کو اطلاع دے دی ہے۔ کھٹول وہاں بھی ایک معروف آدمی ہے۔ ان کے لیے اسے پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے۔ وہاں وہ لوگ اس کے استقبال کے لیے تیار رہیں گے، یہاں ہم ان کے پیچھے جا رہے ہیں۔“

”کہاں؟ اس وقت تم لوگوں کا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟“ سلمیٰ اچانک ہی کہیں سے نمودار ہو گئی۔ وہ کسی اوٹ میں کھڑی ہماری گفتگو سن رہی تھی۔

”حیدر آباد۔“ اول خان نے احتراماً اپنی جگہ چھوڑ کر جواب دیا۔

”ہرگز نہیں، کوئی کہیں نہیں جائے گا۔“ اس نے سرد اور سپاٹ آواز میں کہا ”ڈیئی سے میری بات ہو چکی ہے۔ اس نے آج کی رات اس چوکھٹ سے قدم بھی باہر نکالا تو میں خود کو ختم کر لوں گی۔“

اس نے دوپٹے کی آڑ میں چھپا ہوا داہنا ہاتھ باہر نکالا تو اس میں ننھا سا خوب صورت دستے والا ریوالور دبا ہوا تھا۔ کسی کے کچھ کہنے سننے سے پہلے اس بے وقوف عورت نے پھرتی سے ریوالور کی بے رحم آہنی نال اپنی داہنی کنپٹی پر رکھ لی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

"وسلمیٰ!" میں نے سرد اور بے رحمانہ آواز میں اسے للکارا "حماقت مت کرو اور ریوالور نیچے کرلو۔ یہ دونوں اپنی روانگی کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ میرے ساتھ تم ان کو اپنا قیدی نہیں بنا سکتیں۔ یہ میرے مہمان ہیں اور میں ان کی توہین برداشت نہیں کروں گا۔"

اس کی وحشت زدہ آنکھوں میں بے یقینی سی لہرائی۔ اس نے میرے چہرے پر نظریں گاڑ دیں "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ یہ دونوں تمہیں بھی ساتھ لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ میں۔۔۔۔"

سلمیٰ کی بات ادھوری رہ گئی۔ اس وقت اس کی پوری توجہ میری طرف مرکوز تھی۔ وہ اول خان اور سلطان شاہ کی طرف سے غافل ہو چکی تھی۔ اول خان اس کی دھمکی سنتے ہی اصل صورتِ حال کا اندازہ کر چکا تھا۔ اس نے کسی عقاب کی سی پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑی اور سلمیٰ کے ہاتھ سے ریوالور جھپٹتا ہوا دور نکل گیا۔

سلمیٰ کے دہانے سے ایک ہلکی سی بے ساختہ آواز نکل کر رہ گئی۔ وہ حیرت، خوف اور بے یقینی سے اپنے اٹھے ہوئے داہنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی جو خالی ہو چکا تھا۔

"اوہ خدایا!" اول خان چھینے ہوئے ریوالور کا جائزہ لیتے ہوئے بڑبڑایا "یہ نہ صرف بھرا ہوا ہے بلکہ اس کا سیفٹی کیچ بھی ہٹا ہوا ہے۔ یہ عورت شاید دیوانی ہو گئی ہے۔"

سلمیٰ نے اس وقت حیرت انگیز جذباتی ردِ عمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ خوف اور بے اعتباری کے عالم میں اسے جو کچھ بھی سوجھا، وہ کر گزری تھی۔ اپنی کوشش کی ناکامی پر چند ثانیوں تک وہ حیران و پریشان نظر آئی پھر اس نے پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

میں نے اس کا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بس اپنی جگہ پر کھڑا اسے ترحم آمیز نگاہوں سے غائب ہوتے دیکھتا رہا۔ اس نے اپنی خواب گاہ میں داخل ہو کر پر شور آواز سے دروازہ بند کر لیا تھا۔

"جاؤ، جا کر اسے دیکھو۔" اول خان نے میرے قریب آ کر دبی دبی اضطراری آواز میں کہا "دروازہ بند کر کے وہ خود کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔"

"نہیں!" میں نے افسردگی سے سر ہلا کر کہا "وہ ایک جذباتی ابال تھا جو اپنے کلائمکس پر پہنچنے کے بعد بیٹھ گیا۔ ایک ناکامی کے بعد وہ دوسری کوئی حرکت نہیں کرے گی۔ وہ اب شاید بستر پر گری رو رہی ہوگی۔ اسے تنہا رہ کر اپنے دل کا غبار نکال لینے دو۔"

"ڈینی کو ایسی عورتوں کی نفسیات کا زیادہ علم ہے۔" سلطان شاہ نے میری تائید کرتے ہوئے اول خان سے کہا۔ "اس وقت سلمیٰ کو اس کے حال پر چھوڑنا ہی زیادہ بہتر ہوگا۔"

"پھر تمہارا کیا پروگرام ہے؟" اول خان نے احتیاط سے ریوالور کا چیمبر خالی کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کس بارے میں؟"۔۔۔ میں خالی الذہنی کے عالم میں غیر ارادی طور پر پوچھ بیٹھا۔

اس کا منہ بن گیا۔ "سلمیٰ کی مداخلت سے پہلے ہم کیا بات کر رہے تھے؟"

"تم نے اسلام آباد میں اپنے آدمیوں کو الرٹ کر کے بہت ہوشیاری کا مظاہرہ کیا ہے مگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ سکتے۔ وہ حیدر آباد سے ہاتھ لگ جائے تو یہ معاملہ بالائی سطح پر جانے سے پہلے ہی اس کے گرد جال مضبوط ہو جائے گا۔"

"میں یہاں سے اسی وقت حیدر آباد تک دوڑ لگانے کے لیے تیار ہوں۔"

"چلو! میں بھی تیار ہوں۔" میں نے کسی پس و پیش کے بغیر رضامندی ظاہر کر دی۔ مجھے امید تھی کہ تھوڑی دیر میں جہانگیر کی واپسی پر سلمیٰ کا خوف خود بخود کم ہو جائے گا۔

"جانے سے پہلے ریوالور کو گولیوں سمیت کہیں چھپا دو۔" اول خان نے مشورہ دیا۔

میں نے اس کے ہاتھ سے ریوالور لیا ہی تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سلطان شاہ نے مشینی انداز میں فون کی طرف بڑھنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے روک دیا اور خود لپک کر فون کا ریسیور اٹھا لیا دوسری طرف سے جہانگیر کی تشویش زدہ آواز سنائی دے رہی تھی۔

"ذرا ریسیور جلدی سے ڈینی کو دے دو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ شاید اسے گمان ہوا تھا کہ اس وقت وہ سلمیٰ سے مخاطب تھا۔

"میں ڈینی ہی بول رہا ہوں۔" لائن پر سی ایس ڈی کی موجودگی کی وجہ سے میں نے پوری بے خوفی سے اعتراف کر لیا۔

"تم اس وقت گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟"

"تمہارے قدم رکھتے ہی ہر جگہ ستاروں کی چال بگڑ جاتی ہے۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔ وہ دونوں باہر میرا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔

"تم کن دونوں کی بات کر رہے ہو؟" میں نے پر سکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ اس کے وہ فقرے سنتے

ہی میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

"دونوں ہی اپنی صورتوں سے چھٹے ہوئے بدمعاش نظر آرہے ہیں اور اپنی کھٹارا گاڑی میں باہر بیٹھے ہوئے میری دکان بند ہونے کا انتظار کررہے ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ ان میں سے ایک کالو مکرانی ہے جو موسیٰ لین کے کئی اڈوں سے ہیروئن سپلائی کرتا تھا۔"

"تم وقت برباد کررہے ہو۔" میں نے بدمزگی سے کہا۔ "وہ تم سے کیسے ٹکرا گئے؟ تم ان سے اس قدر خوفزدہ کیوں ہو؟ ہوسکتا ہے کہ وہ اتفاقاً وہاں آنکلے ہوں۔"

"یہ سب اسی مردود نسیم کا کیا دھرا ہے....." اس نے کہنا چاہا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ذرا ٹھہرو اور یہ بتاؤ کہ نسیم کون ہے..... کیا میں اس شخص کو جانتا ہوں۔"

"شخص نہیں، یہ وہی آفت کی پرکالہ ہے جو کئی ہفتوں سے آدھی قیمت پر دوائیں لے جارہی ہے۔" اس نے زور دے کر نیچی آواز میں کہا۔ اس بار میں نے اسے ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور وہ بولتا رہا۔ "آج میری عقل پر پردہ پڑگیا اور میں نے تمہارا دعویٰ آزمانے کے لئے اپنا دل کڑا کرکے اس سے دواؤں کی پوری قیمت مانگ لی۔ اس نے حیرت سے قیمت میں زیادتی کی شکایت کی تو میں نے اسے ڈبوں پر لکھے ہوئے دام دکھادیئے۔ اس کے پاس پیسے کم تھے۔ وہ رقم پوری کرنے کا عذر کرکے دوائیں لئے بغیر چلی گئی۔ اب سے ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے وہ ان دونوں مسٹنڈوں کے ساتھ واپس آئی اور شور مچانے لگی کہ تھوڑی دیر پہلے وہ اکیلی دکان پر آئی تھی تو میں نے اس سے چھیڑ چھاڑ کی تھی....."

"سچ سچ بتاؤ کہ تم نے اس سے کیا کہا تھا؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "تم اسے اپنا حالِ دل سنانے کے لئے پہلے ہی مرے جارہے تھے۔"

"میں ہر قسم کھانے کے لئے تیار ہوں، مجھے اگلی گھڑی نصیب نہ ہو اگر میں جھوٹ بولوں۔ میں نے اس حرّافہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ میرے اوپر جھوٹا الزام لگارہی تھی۔"

"چلو مان لیا..... پھر کیا ہوا؟" میں نے بات مختصر کرتے ہوئے کہا۔

"اس کے دونوں حمایتی غنڈے لڑنے مرنے کے موڈ میں تھے۔ انہوں نے دکان میں غل غپاڑہ مچانا شروع کردیا۔ میرے گاہک دم دبا کر بھاگ گئے۔ میں نے بڑی منت سماجت کرکے انہیں ٹھنڈا کیا۔ کالو مکرانی کو میں نے اسی وقت پہچان لیا تھا مگر میں اس سے انجان بنا رہا۔ وہ تینوں غنڈا گردی کرکے پیسے اینٹھنے آئے تھے۔ اپنی عورت کی بے عزتی کا سودا کرنے پر آگئے۔ میں نے پانچ ہزار دے کر اپنی جان چھڑائی۔ اس وقت نسیم کسی منحوس چڑیل جیسی نظر آرہی تھی۔"

"جب پیسے دے کر معاملہ رفع دفع ہوگیا تو اب وہ باہر کیا کررہے ہیں؟"

"مجھے یہی پریشانی ہے۔ اس وقت وہ تینوں چلے گئے تھے۔ اب آدھے گھنٹے سے گاڑی سڑک کے کنارے لگائے سگریٹ پر سگریٹ پھونکے جارہے ہیں۔ اس مرتبہ نسیم ان کے ساتھ نہیں ہے۔"

"ایک زمانے میں موسیٰ لین اور لیاری کے دوسرے علاقوں میں تمہارا کافی آنا جانا رہتا تھا۔ ایسا تو نہیں کہ کالو مکرانی نے بھی تمہیں پہچان لیا ہو؟" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے ایک وسوسے کے تحت ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

"شاید پہچان لیا ہو مگر اس نے کچھ بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ شی والے دنوں میں وہ مجھ سے بارہا مل چکا تھا۔ جب میں نے اسے پہچان لیا تو وہ بھی مجھے پہچان سکتا تھا۔"

"تم اپنی دکان میں ہی ٹھہرو۔" میں نے بلا تامّل اسے مشورہ دیا۔ "میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔ میری جھلک دیکھتے ہی تم دکان بند کرکے چل دینا۔ انہوں نے تمہارا پیچھا کرنے یا تمہیں ہراساں کرنے کی کوئی کوشش کی تو میں ان کی گردنیں توڑ دوں گا۔ یہ خطرناک چکر معلوم ہورہا ہے۔"

"ذرا مجھے بھی تو بتادو کہ یہ کیا چکر ہوسکتا ہے۔" اس نے مطالبہ کیا لیکن میں نے اس پر کان دھرے بغیر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

میں گفتگو سے فارغ ہوکر مڑا تو سلمیٰ بھی اپنے کمرے سے باہر کھڑی میری طرف متوجہ تھی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور نظروں سے خفگی جھلک رہی تھی۔

"تم دونوں فوراً حیدر آباد کے لئے روانہ ہوجاؤ۔" میں نے اول خان اور سلطان شاہ سے کہا۔ "میرے لئے یہاں ایک اہم کام نکل آیا ہے۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکوں گا۔"

اس دوران میں سلمیٰ بھی میرے قریب آگئی تھی۔ اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔ "کس کا فون تھا؟"

"جہانگیر ایک مشکل سے دوچار ہوگیا ہے۔ میں تمہاری گاڑی لے کر اس کی دکان کی طرف جارہا ہوں۔ یہ مجبوری

ہے۔ اس وقت میرا راستہ روکنے کی کوشش مت کرنا۔"
"کیا اس مشکل کا تعلق تمہاری یہاں آمد سے ہے؟"
سلمیٰ جرح کے موڈ میں تھی۔
"ہرگز نہیں۔" میں نے پرزور لہجے میں تردید کی۔ "یہ سو فیصد اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ میں نہ آتا تب بھی وہ اس مشکل میں گرفتار ہو جاتا۔ یہ غنیمت ہے کہ میں یہاں موجود ہوں۔"
"تم واقعی ان کی طرف جا رہے ہو یا مجھے چکر دے کر حیدر آباد کی طرف نکلنا چاہ رہے ہو؟"
میں تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "فون کی گھنٹی کے بعد اگر تم نے میرے چند فقرے بھی سنے ہوں تو تمہیں اندازہ ہونا چاہیے کہ تم کس قدر احمقانہ سوال پوچھ رہی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ میرے پہنچنے سے پہلے وہ بے چین ہو کر دوبارہ فون کر بیٹھے۔"

"اور وہ مشکل کیا ہے؟" اس بار سوال سلطان شاہ کی طرف سے آیا تھا۔
میں قہربار نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا اور دانت پیس کر بتایا۔ "اسے شبہ ہے کہ دو آدمی ڈکیتی کی نیت سے اس کی دکان کے آس پاس منڈلا رہے ہیں۔"
"ٹھیک ہے۔" اول خان نے دخل انداز ہو کر بات ختم کردی۔ "ہم حیدر آباد جا رہے ہیں۔ تم اسے دیکھو۔ میرے دو آدمی اس وقت بھی نیچے موجود ہیں۔ چاہو تو اپریٹس پر رابطہ کر کے کسی ایک کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ دوسرا یہاں کی دیکھ بھال کرتا رہے گا۔"
معاملے دونوں ہی اہم تھے اور فوری توجہ کے متقاضی بھی۔ اول خان، سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر فلیٹ سے نکل گیا۔ اس دوران میں سلمیٰ مسلسل ہم تینوں کو اشتباہ آمیز نظروں سے گھورتی رہی تھی۔
ان دونوں کے چلے جانے کے بعد میں نے اپریٹس پر ایس ٹی ایف کے کسی آدمی سے رابطہ کرنے کی کوشش شروع کردی۔ اس وقت میرے ذہن میں تکلیف دہ خیالات اور تصورات کا ایک سلسلہ چل نکلا تھا جس کا تعلق جہانگیر کے ساتھ پیش آنے والے واقعے سے تھا۔
جہانگیر سے میری دوستی بہت پرانی تھی۔ ہم جب بھی ایک دوسرے سے ملتے تھے، وہ نہایت بے تکلفی سے دل کھول کر ساری اگلی پچھلی باتیں لے بیٹھتا تھا۔ حد یہ تھی کہ اس کی خانگی زندگی کے بہت سے نجی پہلو بھی میرے علم میں تھے۔ اس پس منظر میں جب اس نے پچھلی رات اپنی دکان پر آنے والی خوبصورت عورت کا ذکر چھیڑا تو میں اسے جہانگیر کی

معمول کی لاف و گزاف ہی سمجھا تھا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آنے والے چوبیس گھنٹوں میں وہ مکار اور لالچی عورت کوئی اہم حیثیت حاصل کر لے گی۔
جہانگیر نے ذرا سی دیر پہلے فون پر جو کچھ بتایا تھا، اس کی روشنی میں یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا ہو چکی تھی کہ وہ عورت اسے ہوس پرست اسامی سمجھ کر پچھلے دنوں تسلسل کے ساتھ اس کی دکان پر آتی رہی تھی۔ میرے ایما پر جہانگیر نے جونہی اس سے قیمتی دواؤں کا پورا بل طلب کیا، وہ بھڑک گئی اور اس نے شاید اپنے معمول کے طریقۂ واردات کے مطابق اپنے دو ناپسندیدہ ساتھیوں کے ساتھ مل کر جہانگیر سے یک مشت ایک قابلِ ذکر رقم اینٹھنے کی کامیاب کوشش کر ڈالی۔

یہ جہانگیر کی بدقسمتی تھی کہ نسیم نامی اس لفنگی کے ساتھیوں میں کالو مکرانی بھی شامل تھا۔ جس طرح جہانگیر نے اسے پہچان لیا تھا، اس طرح مجھے پورا یقین تھا کہ کالو نے بھی پہلی نظر میں اسے پہچان لیا ہوگا مگر اس نے شناسائی کا اظہار کر کے اپنے ڈرامے میں کوئی جھول نہیں آنے دیا۔
جب ہم لوگ شی کی پشت پناہی میں شہر کے گلی کوچوں میں ہیروئن کو فروغ دے رہے تھے تو جہانگیر ایک اہم اور ذمے دار آدمی ہوا کرتا تھا، جس کے نام سے بڑے بڑے بدمعاشوں کو پسینے چھوٹ جایا کرتے تھے۔ اس کے برعکس کالو مکرانی ایک ممتاز مگر عام سا کارندہ تھا جو نچلی سطح پر پرچون فروشوں کو ہیروئن پہنچا کر موٹی رقمیں بٹورا کرتا تھا۔
اگر کالو اس حوالے سے جہانگیر کو پہچان لینے کا اظہار کرتا تو اخلاقی طور پر اسے منکسرالمزاجی کا مظاہرہ کرنا پڑتا اور شاید ان تینوں کو جہانگیر کی دکان سے خالی ہاتھ ہی لوٹ جانا پڑتا۔ وہ مکاری کے ساتھ انجان بن کر اپنے پرانے باس پر الزام تراشی کرتا رہا اور آخر کار پانچ ہزار روپے ہتھیانے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ اس واردات کا پہلا ایکٹ تھا۔ شاید دکان سے نکل جانے کے بعد کالو مکرانی نے فخر کے ساتھ اپنے دونوں ساتھیوں کو بتایا ہوگا اس واردات میں اس نے اپنے ایک پرانے مالک کو کامیابی سے ٹھگ لیا تھا۔ اسی ترنگ میں اس نے اپنے اور جہانگیر کے پرانے روابط پر بھی روشنی ڈالی ہوگی اور وہیں سے ایک سنگین بگاڑ کی صورت پیدا ہوتی چلی گئی۔
کراچی کی زیرِ زمین دنیا سے وابستہ لوگوں کے لئے یہ بات کبھی بھی راز نہیں رہی تھی کہ مقامی طور پر شی اور ہیروئن کے فروغ کے دھندے کی سربراہی کون لوگ کر رہے تھے۔

جب تک شی میدان میں رہی، شہر میں چار ناموں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ان میں سرفہرست میرا نام تھا، جہانگیر میرے دستِ راست کے طور پر پہچانا جاتا تھا۔ کالو مکرانی نے جوں ہی ان دنوں کے حوالے سے واقعات کا ذکر شروع کیا، نسیم یا دوسرے شخص کا ذہن تازہ ترین اخباری اشتہاروں کی طرف مبذول ہو گیا۔

امریکیوں نے میری گرفتاری میں مقامی شہریوں کی مدد حاصل کرنے کے لیے کار آمد اطلاعات فراہم کرنے والے کے لئے خطیر رقم کے ساتھ متعدد تحفظات فراہم کرنے کی پیشکش کا ان ہی دنوں اخبارات میں اعادہ کیا تھا۔ یقیناً کسی کے ذہن میں یہ خیال سما چکا تھا کہ جہانگیر کے ذریعے میرا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ دونوں کچھ مذموم عزائم کے ساتھ سڑک پر اپنی پرانی گاڑی میں بیٹھے، جہانگیر کی دکان بند ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ اسے فوری طور پر مدد اور تحفظ کی ضرورت تھی۔

جہانگیر کے ساتھ جو کچھ ہوا اور ہونے والا تھا، اس کا میری آمد سے ذرا سا بھی تعلق نہیں تھا۔ خوبرو عورتوں کے بارے میں اس کے ذہن میں جو جراثیم ہر وقت کلبلاتے رہتے تھے، ان کی تحریک کے نتیجے میں اسے نسیم کے ہاتھوں جلد یا بدیر اسی انجام سے دوچار ہونا تھا۔ میری آمد سے فرق صرف اتنا پڑا تھا کہ میرے اکسانے کی وجہ سے جہانگیر نے اس کھیل کو اس کے فطری انجام تک پہنچنے سے پہلے ہی دواؤں کے پورے داموں کا مطالبہ کر کے اختتام کو پہنچا دیا تھا۔ شاید اسے اندازہ تک نہیں تھا کہ نسیم کے حسین روپ میں الجھ کر وہ اپنے لئے کتنے بڑے خطرے کو دعوت دے بیٹھا تھا۔

ایس ٹی ایف کے آدمی سے ایریئس پر میری مختصر سی گفتگو ختم ہوتے ہی سلمیٰ میرے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔ "کیا تم مجھے بالکل ہی بے وقوف اور گاؤدی سمجھتے ہو؟" اس نے غصے سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔ "مجھ سے الجھ کر وقت ضائع مت کرو۔ گاڑی کی چابی دو اور مجھے جانے دو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اسے کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں۔"

"اگر وہ ڈاکو ہی ہیں تو کیا وہ تمہارے پہنچنے کے انتظار میں اپنی کارروائی کو التوا میں رکھیں گے؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سختی سے سوال کیا۔ "سچ سچ بتاؤ کہ کیا چکر ہے؟"

"یہ وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہو گا کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے وہ جہانگیر کو لوٹنے کے لئے دکان بند ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ روشنیاں گل کر کے وہ دروازہ بند کر رہا ہو گا تو ڈاکو اسے گھیر لیں گے۔ شاید تم نے سنا نہیں کہ میں نے اپنے پہنچنے سے پہلے اسے دکان بند نہ کرنے کا مشورہ دیا ہے۔"

"میں نے یہی ایک بات پوری طرح سنی تھی۔" وہ بولی۔ "جب تک تم نہیں پہنچو گے، وہ دکان بند نہیں کریں گے اور جب تک دکان بند نہیں ہو گی، ان پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔ وقت ضائع نہیں ہو رہا۔ تم میری بات کا جواب دو۔ مجھے مطمئن نہیں کرو گے تو میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"زیادہ تفصیل جاننے کا شوق ہے تو میرا مغز چاٹنے کے بجائے اپنے چہیتے شوہر کو فون کر لو۔" میں نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں مطمئن کر سکتا ہوں، نہ ساتھ لے جا سکتا ہوں۔"

"مجھے یہاں کے در و دیوار سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔" یکایک اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور وہ فکر مند نظر آنے لگی۔ "لوٹ مار، قتل و غارت اور دہشت کے سائے میں، میں سہم سہم کر مر جاؤں گی۔"

"مایوسی کو اپنے اوپر مسلط نہ کرو۔" اس بار میں نے بھی ہمدردانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ محض اتفاقات ہیں۔ اپنے گھر کی چار دیواری میں تم خیریت سے ہو۔ تھوڑی دیر میں جہانگیر بھی میرے ساتھ لوٹ آئے گا۔ شہر میں رہنے والے ہر وقت ایسے ناگہانی مسائل سے دوچار رہتے ہیں۔ ان سے گھبرانا نہیں چاہیے۔"

سلمیٰ کے دل میں دراصل خوف گھر کر چکا تھا جسے وہ بڑی اور غصے کے لبادے میں چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے چند منٹ کی ہمدردانہ گفتگو کے بعد اسے مطمئن کر دیا اور اس نے اپنی گاڑی کی چابی میرے حوالے کرتے ہوئے اپنے ریوالور کے بارے میں استفسار کیا۔

میں نے الجھن آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "تمہیں دوبارہ کوئی دورہ پڑا تو تم پھر اسے اپنے اوپر استعمال کر بیٹھو گی۔"

اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔ "میں زندگی کی قدر و قیمت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اسے ذرا کاسی بات پر ضائع نہیں کیا جا سکتا۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم نے بہت خطرناک حرکت کی تھی۔" میں نے صوفے کے نیچے سے خالی ریوالور اور اس کی گولیاں

نکالتے ہوئے ملامت سے کہا۔
"وہ محض دھمکی تھی۔ مجھے خود نہیں معلوم تھا کہ اس کا سیفٹی کیچ ہٹا ہوا تھا۔"
"المناک حادثے ایسی ہی بے خبری میں ہوتے ہیں۔ آئندہ ایسی حماقت نہ کرنا۔"
گولیاں چیمبر میں ڈال کر میں نے ریوالور کا سیفٹی کیچ لگایا اور اس کے حوالے کر کے فلیٹ سے نکل گیا۔
جہانگیر کی دواؤں کی دکان میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی مگر مجھے یہ معلوم تھا کہ اس نے اپنا وہ کاروبار لی مارکیٹ کے علاقے میں شروع کیا تھا۔
سلمٰی کی سفید کرولا میں قدم رکھتے ہی اول خان کا آدمی کہیں سے نکل کر میرے پاس آگیا۔ نیم تاریکی میں میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ بجل شاہ تھا جو پچھلی شام اول خان کے گھر سے میرا سامان لایا تھا۔
ایس ٹی ایف کے اہلکار میدان میں ہوتے تھے تو ہر وقت مسلح رہتے تھے۔ اس بارے میں مجھے بجل شاہ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے چلنے سے قبل بھرا ہوا پستول اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ آخری ہتھیار کے طور پر بیم گن پہلے سے میری جیکٹ کی جیب میں موجود تھی۔
لی مارکیٹ کراچی کا ایک قدیم اور بارونق علاقہ ہے جہاں آبادی اور ٹریفک میں ہولناک اضافے کی وجہ سے آلودگی، شور وغل اور بھیڑ بھاڑ میں آج بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے مگر پھر بھی اس علاقے کے چیدہ چیدہ حصوں میں قدیم کراچی کی بودوباش کی کچھ کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔
کچھ دیر تک ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد میں اس تنگ اور مصروف سڑک پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں سڑک کی داہنی جانب واقع، سامان سے ابلتی ہوئی دکانوں کے درمیان گولڈن فارمیسی کا بورڈ دور سے نظر آ رہا تھا۔ میں نے گاڑی کی رفتار قدرے سست کر دی۔
دکان روشنیوں سے جگمگا رہی تھی۔ کاؤنٹر کے پیچھے جہانگیر کھڑا ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں سڑک کی طرف مرکوز تھیں۔ بادی النظر میں یہ گمان ہو رہا تھا کہ وہ فٹ پاتھ سے گزرنے والوں میں اپنے گاہکوں کو تلاش کر رہا ہے۔
اس کی دکان سے ذرا پہلے کھڑی ہوئی وہ پرانی اور بوسیدہ کار میری نظروں سے نہ بچ سکی جس کی اگلی نشستوں پر بھاری ڈیل ڈول والے دو افراد موجود تھے۔ گاڑی میں روشنی نہ ہونے کی وجہ سے میں ان کے چہرے نہیں دیکھ سکا لیکن مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہی دونوں میرے حریف تھے۔ کالو مکرانی

سے میرا باقاعدہ تعارف نہیں تھا لیکن شہر میں ہیروئن فروشوں کی کارکردگی کا خفیہ جائزہ لیتے ہوئے ایک آدھ بار میں دور سے اسے دیکھ چکا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ ان دونوں سے سامنا ہونے کی نوبت آگئی تو میں کالو مکرانی کو ضرور پہچان لوں گا۔
وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے سگریٹوں کا دھواں اڑا رہے تھے اور عقب نما آئینے میں گولڈن فارمیسی کی نگرانی کر رہے تھے۔ ان سے آگے نکلتے ہی ہم جہانگیر کی نظروں میں آگئے۔ سامنے سے آنے والی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی نے ہماری شناخت میں اس کی مدد کی تھی۔
اس نے اضطراری انداز میں ہاتھ کو فضا میں قدرے بلند کر کے مجھے اشارہ کیا۔ میں نے بھی کھلی ہوئی کھڑکی میں سے ہاتھ ہلایا اور گاڑی آگے لیتا چلا گیا۔
ابتدائی طور پر میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں سلمٰی کی گاڑی بجل شاہ کے حوالے کر دوں اور خود جہانگیر سے جا ملوں۔ اگر ہم دونوں کا پیچھا کیا جائے تو بجل شاہ ہمارے تعاقب کرنے والوں کے پیچھے چل پڑے اور اپنی صوابدید کے مطابق انہیں جہانگیر کے گھر تک نہ پہنچنے دے۔
میں نے گولڈن فارمیسی سے آگے جا کر یوٹرن لینے تک اس تجویز کو اپنے ذہن میں کئی مرتبہ گھمایا اور پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ میرے جہانگیر کے ساتھ مل جانے سے کالو مکرانی ہوشیار ہو سکتا تھا۔ دونوں طرف برابر کی نفری ہونے کی وجہ سے وہ شاید اس رات جہانگیر کے ساتھ کسی ٹکراؤ کا ارادہ ملتوی کر دیتا اور بعد میں زیادہ تیاری کے ساتھ اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرتا۔
اس وقت وہ ہماری نظروں میں تھا۔ کوئی بھی حرکت کرتا تو رنگے ہاتھوں پکڑا جا سکتا تھا۔ اگر وہ اپنے عزائم کو کسی موزوں وقت کے لئے ملتوی کر دیتا تو بعد میں ہمیں اس کے بارے میں کچھ علم نہ ہوتا اور وہ ہماری بے خبری میں کوئی کامیاب وار کر گزرتا۔
دوسری خرابی یہ تھی کہ مجھے جہانگیر کو اپنے ساتھ لے کر ہر حال میں ان لوگوں کے چنگل سے نکل جانا تھا۔ کالو مکرانی اور اس کے ساتھی سے نمٹنے کی ساری ذمے داری بجل شاہ کے کاندھوں پر آ جاتی۔ وہ صورتِ حال سے پوری طرح باخبر نہیں تھا۔ اس وجہ سے وہ ان دونوں کے بارے میں عین وقت پر کوئی غلط فیصلہ کر کے نادانستہ طور پر کھیل بگاڑ سکتا تھا۔
سلمٰی کی گاڑی بجل شاہ کو سونپ دینے میں اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے خطرات مضمر تھے جو میرے ذہن میں کئے بعد

دیگرے ابھرتے چلے آئے اور میں نے اپنے اس ارادے پر بچل شاہ سے بات کرنے سے قبل ہی فیصلہ بدل دیا۔

رات گہری ہو چلی تھی۔ اس گنجان اور تنگ سڑک پر واقع بعض دفاتر اور دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ ان کے مالکان کی گاڑیاں روانہ ہو جانے کی وجہ سے کہیں پارکنگ کی جگہ نظر آرہی تھی۔ میں نے جہانگیر کی دکان سے پہلے ہی ایک خالی جگہ میں اپنی گاڑی اس طرح پھنسا دی کہ ضرورت پیش آنے پر اسے نکالنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

سچویشن کچھ ایسی تھی کہ کالو مکرانی اپنے ہمراہی سمیت گولڈن فارمیسی سے ذرا آگے اپنی گاڑی میں بیٹھا شاید جہانگیر کی نگرانی کر رہا تھا۔ ہم دونوں جہانگیر کے میڈیکل اسٹور سے پہلے براہِ راست دونوں حریفوں کو دیکھ رہے تھے۔ درمیان میں گولڈن فارمیسی کی روشنیاں گل ہو چکی تھیں۔

جہانگیر اس وقت اتنا زیادہ پریشان تھا کہ اس نے شاید میری ایک جھلک دیکھتے ہی اپنی دکان بند کرنے کی تیاری شروع کر دی تھی۔

ذرا سی دیر میں تاریک دکان سے تین سائے باہر فٹ پاتھ پر نکل آئے۔ دوسری دکانوں اور اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں وہ تینوں دور سے ہی پہچانے جا رہے تھے۔ جہانگیر اپنی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے الگ کھڑا رہا۔ بقیہ دونوں ملازمین نے سرکنے والے آہنی جنگلے کھینچنے کے بعد پر شور آوازوں سے شٹر گرائے اور انہیں مقفل کرنے میں مصروف ہو گئے۔

اپنی ذمے داری پوری کرنے کے بعد انہوں نے چابیوں کا گچھا جہانگیر کے حوالے کیا اور اسے سلام کر کے آگے بس اسٹاپ کی طرف چل دیے۔ جہانگیر اپنی دکان کے سامنے کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ چند ثانیوں میں اس کی گاڑی پارکنگ سے نکل کر سڑک پر رینگ آئی۔

میں اپنی کار کا انجن اسٹارٹ کر کے اعصابی کشیدگی کے عالم میں کالو مکرانی کے ردعمل کا منتظر رہا۔ جب جہانگیر کی گاڑی رفتار پکڑ کر ان سے آگے نکل گئی تو ان کی کار بھی تیزی سے حرکت میں آگئی۔ جہانگیر کا شبہ غلط نہیں تھا۔ وہ دونوں خبیث واقعی اس کی روانگی کے منتظر تھے۔

میں نے ان کی سال خوردہ کار کے نمبر ذہن نشین کیے اور ان کے پیچھے چل پڑا۔

"تمہارا دوست سب سے اگلی کار میں اکیلا ہے جبکہ پیچھا کرنے والے دو ہیں۔" بچل شاہ نے ان الفاظ کے ذریعے مجھے اپنے مشاہدے سے آگاہ کیا۔

"بس اسی طرح آنکھیں کھلی رکھو۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ "ویسے وہ اکیلا بھی ان دونوں پر بھاری رہے گا۔"

واپسی کے سفر میں مجھے پہلی بار یہ سوچنا پڑا کہ جہانگیر نے کلفٹن میں رہتے ہوئے اتنے دور افتادہ مقام پر نئے کاروبار کی داغ بیل کیوں ڈالی تھی؟ اس کا سہل ترین جواب یہی ہو سکتا تھا کہ اس نے ناکام ڈاکٹر سے صرف فارمیسی کا لائسنس ہی نہیں، اس کی دکان بھی خریدی ہوگی۔ اس لائن میں ضروری تجربہ حاصل کرنے کے بعد وہ اپنی دکان شہر کے کسی اور حصے میں بھی منتقل کر سکتا تھا۔ اس وقت تک اسے بس ایک سہولت حاصل رہتی کہ سلمٰی وقت بے وقت اس کی موجودہ دکان پر نازل نہیں ہو سکتی تھی۔

شہر کے قدیم بازاروں کے پرہجوم ٹریفک میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے میں نے یہ بات جلد ہی نوٹ کر لی تھی کہ کالو مکرانی جارحانہ انداز میں جہانگیر کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس نے کہیں بھی اپنی گاڑی کو جہانگیر کی نظروں سے اوجھل یا کسی مخصوص فاصلے پر رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بظاہر یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بائیں طرف سے جہانگیر کی کار کو اوور ٹیک کرنا چاہ رہا ہو۔

لی مارکیٹ کو براہِ راست آئی آئی چندریگر روڈ سے ملانے والی سڑک کے تقریباً وسط میں داہنی طرف کراچی کا روایتی بازارِ حسن واقع ہے جہاں میں کچھ ہی دنوں پہلے عجیب و غریب تجربات سے گزر چکا تھا۔

رات بھیگ چکی تھی۔ اس بازار کے قریب سے گزرتے ہوئے ٹریفک کے تیز شور میں بھی جا بجا سازوں کی پرشور آواز سنائی دے رہی تھی۔ گلیوں اور گلیاروں میں روشن چلمنوں کے پیچھے بیٹھے ہوئے، بالاخانوں کے مجاور ہارمونیم اور طبلوں پر اونچی اونچی تانیں لگا کر تماش بینوں کو اپنی سجی سجائی دکانوں کی طرف متوجہ کر رہے تھے۔

یہ دوڑ اسی طرح جاری رہی۔ ایم اے جناح روڈ اور نیو چالی کے چوراہوں سے گزر کر ہم آئی آئی چندریگر روڈ پر پہنچے تو ٹریفک کے دباؤ میں نمایاں کمی آچکی تھی۔

آئی آئی چندریگر روڈ کراچی میں بینکوں، تجارتی اور مالیاتی اداروں کے دفاتر کے سب سے بڑے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان دفاتر میں عام طور پر پانچ بجے چھٹی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کے نتیجے میں کراچی کے اس سرے سے نکلنے والے ٹریفک کا دباؤ یکایک بڑھ جاتا ہے۔ مختلف چھوٹے بڑے دفاتر میں چھٹی کا یہ سلسلہ دیر تک چلتا رہتا ہے لیکن

آٹھ بجے کے بعد ٹریفک کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔ نو بجے سڑک پر رواں گاڑیوں کی تعداد میں نمایاں کمی کی وجہ سے یہ سڑک بہت چوڑی نظر آنے لگتی ہے۔ اس وقت ہمارے لئے بھی میدان تقریباً صاف ہی تھا۔

بائیں موڑ پر ہی کالو مکرانی کی پرانی گاڑی، جہانگیر کی کار کے بائیں جانب گھستی چلی گئی۔ جہانگیر نے کسی نمایاں تقسیم سے عاری اس دو رویہ سڑک کے تقریباً وسط میں جاکر اپنے حریف کو آگے نکل جانے کا موقع فراہم کیا مگر وہ شرارت پر آمادہ تھا۔

رفتار بڑھا کر آگے نکل جانے کے بجائے وہ مسلسل جہانگیر کو داہنی طرف دباتا رہا۔ اسی وقت مخالف سمت سے دو بسیں ریس لگاتی اور ایک دوسرے کے متوازی دوڑتی ہوئی سامنے آگئیں۔ جہانگیر مزید راستہ دینے کی کوشش کرتا تو ایک بس اسے بری طرح روند ڈالتی۔

کالو مکرانی کو شاید ایسے ہی کسی موقع کی تلاش تھی۔ اس کی گاڑی کا پچھلا حصہ پرشور آواز کے ساتھ جہانگیر کی کار کے بائیں فینڈر سے ٹکرایا۔ جہانگیر کی گاڑی لحہ بھر کے لئے لہرائی اور پھر اس نے پورے بریک لگا دیے۔

وہ رکنے پر مجبور تھا کیونکہ تصادم ہوتے ہی کھٹارا گاڑی اپنی جگہ رک گئی تھی۔ فوراً ہی اگلے دونوں دروازوں سے دو خطرناک افراد برآمد ہو کر تیزی سے جہانگیر کی کار کی طرف لپکے۔ جہانگیر کو اپنی نشست سے نکلنے کا موقع دیے بغیر ایک نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔

میں محض احتیاط کے پیش نظر ان دونوں گاڑیوں سے قدرے فاصلے پر تھا۔ جنرل پوسٹ آفس کے سامنے کیے جانے والے اس دانستہ تصادم کے وقت میں ریلوے اسٹیڈیم کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ بدلتی ہوئی صورتِ حال دیکھتے ہی میں نے رفتار بڑھائی اور لحہ بھر میں جائے واردات تک پہنچ گیا۔ میں انجن بند کرکے اترا تو بگل شاہ پہلے ہی سڑک پر پہنچ چکا تھا۔

"سالا شرابی..... اندھا ہو کر گاڑی چلاتا ہے۔ تیری..... "میرے کانوں میں مغلظات کے ساتھ ایک ہلکی سی کراہ کی آواز آئی۔ ان دونوں میں سے کسی نے اپنی شرارت جہانگیر کے سر تھوپ کر اس کے ساتھ ہاتھا پائی شروع کر دی تھی۔

بگل شاہ نے اپنے ماؤزر کے دستے سے مار پیٹ کرنے والے بدکلام شخص کی گردن پر ایسی شدید ضرب لگائی کہ اس نے بلبلا کر جہانگیر کا گریبان چھوڑ دیا۔ وہ مکا تان کر پلٹا تو بگل شاہ اسے اپنے ماؤزر کی زد پر لے چکا تھا۔

وہ غنڈا گردی شہر کی ایک معروف شاہراہ پر ہو رہی تھی۔ اتفاق سے اس وقت دور دور تک کوئی راہ گیر نظر نہیں آرہا تھا جو اس فیصلہ کن تصادم میں مداخلت کرتا۔ قریب سے گزرنے والی گاڑیوں کے ڈرائیور رفتار کم کرکے وہاں رونما ہونے والے واقعے کا مشاہدہ کرکے اپنی راہ پر بڑھتے رہے۔ کسی نے رک کر دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

دہشت اور ناامیدی کے ساتھ ساتھ وہ تیسرا موذی مرض تھا جو تیزی سے کراچی کے باسیوں کی رگوں میں اتر رہا تھا۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر لوگ ایک دوسرے سے بے تعلق ہوئے جا رہے تھے۔ کوئی بھی دوسرے کے پھڈے میں ٹانگ اڑانے پر آمادہ نہیں تھا۔ کہیں ظلم ہو رہا ہو تو خاموشی سے تماشا دیکھتے رہو، دیکھنے کی تاب نہ لا سکو تو اپنی آنکھیں بند کرلو کہ اسی میں عافیت ہے۔ پتا نہیں ظالم کا ہاتھ کتنا دراز ہو۔ اس کی پہنچ کہاں تک ہو۔ وہ اپنے شکار کو بھول کر تمہارا ہی بھرتا نہ بنا دے۔

وہ کیفیت افسوس ناک تھی مگر اس وقت اس کا تمام تر فائدہ ہمیں پہنچنے کی امید تھی۔ میں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا کہ جہانگیر کو تشدد کا نشانہ بنانے والا کالو مکرانی تھا۔ بگل شاہ کے ہاتھ میں دبے ہوئے ماؤزر کی دہشت ناک نال دیکھ کر ان دونوں نے ہاتھ اوپر اٹھا لئے تھے۔

"تم کون لوگ ہے.....؟ یہ ہمارا گاڑی کو سائیڈ مارا ہے۔ تم اس پھڈے میں کیوں پڑتا ہے؟" کالو مکرانی نے اپنے اوسان پر قابو پاتے ہوئے احتجاج کیا۔

"جلدی سے گاڑی میں پیچھے بیٹھو۔" بگل شاہ نے حقارت سے اس کی پنڈلی پر ٹھوکر مار کر ماؤزر کی نال سے جہانگیر کی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

کالو کے حلق سے غراہٹ سے مشابہ چیخ برآمد ہوئی۔ اس نے پھر منہ کھولنا چاہا لیکن بگل شاہ نے سفاکانہ انداز میں ایک قدم اس کی طرف بڑھا کر کہا۔ "جو کہا جا رہا ہے اس پر فوراً عمل کرو ورنہ تم دونوں کو ٹھوکروں سے اڑا دوں گا۔"

اس وقت تک جہانگیر بھی سنبھل کر کار کی ڈرائیونگ سیٹ سے نکل آیا تھا۔ وقت اور حالات کے تحت اس نے شریفانہ چلن اپنا لیا تھا ورنہ ایک زمانے میں وہ خود بھی دادا گیر ہوا کرتا تھا۔ اس نے ہاتھ گھما کر پیچھے سے کالو کے داہنے جبڑے پر اتنا زوردار مکا رسید کیا کہ اس کے دانت بج کے رہ گئے۔ میں کالو کے ساتھی کے سر پر سوار تھا۔

ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں بھی مسلح رہے ہوں لیکن انہوں

نے ہتھیاروں کے بجائے محض اپنے زورِ بازو سے جہانگیر کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کی تھی اور اس میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ وہ اس وقت بجلی شاہ کے ماؤزر کی زد میں تھے، اس کے جارحانہ تیور دیکھ چکے تھے اس لئے دروازے کھول کر زیرِ لب کچھ بڑبڑاتے ہوئے جہانگیر کی گاڑی کی عقبی نشست پر بیٹھ گئے۔

اس سے پہلے کہ کالو کا ساتھی دروازہ بند کرتا، میں نے اس کی کنپٹی پر ایک زوردار اور نپا تلا مُکا رسید کیا۔ اس کے منہ سے کراہنے کی آواز نکلی۔ اس نے کسی اندھے کی طرح فضا میں اپنے دونوں ہاتھ یوں لہرائے جیسے ڈوبنے سے بچنے کے لئے کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو پھر کسی مُردے کی طرح گردن ڈال کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

میرے اور بجلی شاہ کے درمیان پہلے سے کچھ طے نہیں تھا لیکن مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ موقع کی نزاکت بھانپ کر اس نے مجھ سے کوئی ہدایت لئے بغیر کالو مکرانی کے ساتھ بعینہٖ وہی سلوک کیا تھا۔

میں نے جہانگیر کی کار کا پچھلا دروازہ بند کرتے ہوئے اسے ہدایت کی۔ "تم سلمٰی کی گاڑی لے کر فوراً گھر پہنچ جاؤ۔ اس واقعے کے بارے میں کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں تھوڑی دیر میں گھر واپس پہنچوں گا تو طے کیا جائے گا کہ اب کیا کرنا ہے۔"

"کہو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔" اس نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی۔ "آج برسوں بعد کسی پر ہاتھ اٹھایا ہے تو خون گرم ہو گیا ہے۔ میں تمہارا کام کافی آسان کر دوں گا۔"

"باسی کڑھی کے اس ابال کو بھول کر فوراً یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ پیچھے سے نسیم یہاں پہنچ کر تمہارا گریبان تھام لے" میری وہ دھمکی کارگر رہی اور وہ مزید کچھ کہے بغیر فوراً سلمٰی کی گاڑی کی طرف بڑھ گیا جس کی چابی اگنیشن میں موجود تھی۔

اس تصادم میں پہل ہمارے حریفوں نے کی تھی لیکن وہ اپنی پہل کا کوئی فائدہ اٹھانے میں سرے سے ناکام رہے تھے۔ میری اور بجلی شاہ کی بروقت مداخلت نے ان کا مذموم منصوبہ ناکام بنا دیا تھا۔ بظاہر وہ تیز تر انداز میں پیش آنے والے واقعات کا ایک تسلسل تھا جو ذرا سی دیر میں نمٹ گیا تھا۔ اس سے قبل کہ کسی غیر متعلقہ فریق کو رکنے اور مداخلت کرنے کا دھیان آتا، سب کچھ نارمل ہو چکا تھا۔ بس سڑک کے وسط میں دو آپس میں ٹکرائی ہوئی گاڑیاں کھڑی رہ گئی تھیں۔

ہم دو افراد تھے، گاڑیاں بھی دو ہی تھیں۔ کالو مکرانی کی کھٹارا اگر یوں ہی سڑک کے وسط میں چھوڑ دی جاتی تو بہت جلد ٹریفک پولیس وغیرہ کی نظروں میں آ جاتی۔ میں نے بجلی شاہ کو وہ گاڑی وہاں سے لے جا کر صدر میں کسی جگہ پارک کرنے کی ہدایت کی اور پھر جہانگیر کی کار میں دو بے ہوش قیدیوں کو لے کر اس کے پیچھے ہو لیا۔

بجلی شاہ نے اخبارات کے دفاتر والے، شب و روز مصروف رہنے والے علاقے میں وہ کھٹارا ایک گلی میں پارک کر دی۔ میں مین روڈ پر اس کا منتظر رہا، گاڑی چھوڑ کر اور اس کی چابی پائیدان پر پھینک کر وہ چند لمحوں میں میرے پاس پہنچ گیا اور میں نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھا دی۔ اس دوران میں جہانگیر ہم سے بہت دور نکل کر نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

"اب ان دونوں کا کیا کرنا ہے سر!" اسی سڑک پر شاہین کمپلیکس کے چوراہے سے گزرنے کے بعد بجلی شاہ نے دھیمی اور پُرسکون آواز میں پوچھا۔

میرا ذہن بھی اسی مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ ہم نے جہانگیر سے الجھنے والوں کو پکڑ کر بے ہوش ضرور کر لیا تھا مگر ان کا مصرف میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ان کا قصور اتنا سنگین نہیں تھا کہ انہیں بے رحمی سے ختم کر دیا جاتا۔ ان کے اصل عزائم کی نشاندہی باز پرس کے بعد ہی ہو سکتی تھی۔ انہیں کہیں قید کیا جاتا تو ان کی طویل غیر حاضری پر نسیم نامی خوبرو عورت جہانگیر کی گولڈن فارمیسی کے خلاف کوئی بڑا ہنگامہ کھڑا کر سکتی تھی۔ ہم اس کے ٹھکانے سے باخبر ہوتے، تب بھی اس آزاد خیال یا شاید بے راہ رو عورت پر ہاتھ نہ ڈالتے اور وہ ہم سب کے لیے مشکلات پیدا کر دیتی۔

میری طرف سے فوراً جواب نہ ملنے پر بجلی شاہ نے اپنی بات جاری رکھی "فکرمندی کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ چھوٹی جگہ پر یہ ہوش میں آتے ہی اودھم مچائیں گے۔ ابھی ان کو سیدھے اسٹیشن فور لے چلتے ہیں وہاں ان کے دماغوں کے کیڑے جھڑ جائیں گے۔"

اس کی تجویز بہت مناسب تھی۔ میں نے اتفاق ظاہر کرتے ہوئے کہا "فاصلہ بہت طویل ہے۔ یہ دونوں مُردوں کی طرح بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔ راستے میں کوئی پولیس پارٹی نہ روک لے۔"

اسٹریٹ لیمپس کے بار بار گھٹتے بڑھتے انعکاس میں مجھے اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی فاخرانہ مسکراہٹ نظر آئی اور وہ بولا "سر! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پولیس کی فکر ہی نہ کرو۔ ہماری فورس والوں کو ہر قدم پر پولیس کی رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑے تو ہم ایک دن بھی کام نہیں کر سکتے۔"

مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا۔ مزید تجسس بے سود تھا۔ مجھے یاد آیا کہ ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کی وجہ سے میں پہلے بھی پولیس والوں کی چھان بین سے بچ چکا تھا۔ ہماری گاڑی شارعِ فیصل پر جانے کے لیے فلیٹ کلب والی سڑک پر پہنچی تو وہاں پیٹرول پمپ کے قریب، اندھیرے میں پولیس کی ایک سوزوکی موبائل کھڑی ہوئی تھی۔ مسلح اہل کار کئی گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں کو روک کے کاغذات کی دیکھ بھال اور تلاشی میں مصروف تھے۔

وہاں سے گزرنے والے ٹریفک میں سے مشتبہ گاڑیوں کو روکنے پر مامور گھاگ سپاہی نے مجھ سے آگے جانے والی گاڑیوں

سے کوئی تعرض نہ کیا تو مجھے خوشی ہوئی کہ شاید بچل شاہ کو اپنی شناخت کی اہمیت جتانے کا موقع نہ مل سکے مگر اس مسلح سپاہی نے گویا دور ہی سے میرے دل کی تحریر پڑھ کر مجھے رواں ٹریفک سے الگ ہوکر رکنے کا اشارہ کیا اور میں نے بادلِ ناخواستہ کار کی رفتار کم کرکے اسے بائیں طرف کاٹنا شروع کردیا۔

گاڑی رکتے رکتے کئی مسلح سپاہیوں نے چبھتی ہوئی عقابی نظروں سے ہمارا جائزہ لیا اور عقبی نشست پر موجود بے حس و حرکت افراد کو دیکھ کر چوکنا ہوگئے۔ انہوں نے کسی امکانی مزاحمت سے نمٹنے کے لیے اپنے خود کار ہتھیار سیدھے کرلیے تھے۔

"اوئے! انجن بند کرکے نیچے اتر آؤ تم دونوں!" ایک ادھیڑ عمر پولیس افسر نے ہماری رینگتی ہوئی کار سے دور ہٹ کر ہمیں للکارا۔

"سر! تم اندر بیٹھے رہو۔ میں انہیں سمجھالیتا ہوں" گاڑی رکتے ہی بچل شاہ یہ کہہ کر نیچے اتر گیا۔ اس نے پولیس کی مسلح نفری کو اپنی نیک نیتی کا یقین دلانے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلا کر قدرے اوپر اٹھالیے تھے۔

"وہیں ٹھہرجا......" میرے کانوں میں ادھیڑ عمر افسر کی شناسا مگر اضطراری آواز آئی "تیرا ساتھی گاڑی میں کیوں مرا ہوا ہے اور اندر دو لاشیں کس کی ہیں؟"

اس کی زبان سے لاشوں کے ذکر نے سنسنی پھیلادی۔ بیک وقت کئی رائفلوں میں میگزین چڑھائے جانے کی خوفناک آوازیں سنائی دیں۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں مفروضہ خطرے کے پیشِ نظر ان میں سے کوئی گولی نہ چلادے۔

مجھے دروازے پر لگے ہوئے عقب نما آئینے میں پیچھے کا منظر نظر آرہا تھا۔ توہین آمیز للکار سنتے ہی بچل شاہ اپنی جگہ جم کر رہ گیا پھر اس کی سپاٹ آواز ابھری "وہ لاشیں نہیں، دو مریض ہیں......مجھے روک دیا ہے تو خود آگے آکر میری جامہ تلاشی لے ڈالو۔ میری شناخت کے بعد تمہارے سارے اعتراضات خود بخود ختم ہوجائیں گے۔"

"دیکھ لو......شاہ جی! ذرا بڑھ کر دیکھ لو" وہ کسی افسر کی تحکمانہ آواز تھی "یہ اپنی ہی کسی ایجنسی کا بندہ معلوم ہورہا ہے۔"

میں اس نامعلوم افسر کے مشاہدے پر حیران رہ گیا۔ شاید اس نے محض بچل شاہ کے لب و لہجے میں پوشیدہ اطمینان سے یہ اندازہ لگالیا تھا۔

ایک باوردی سپاہی رائفل تانے، بچل شاہ کے قریب آیا اور چند لمحوں بعد ہی واپس لوٹ گیا۔ بچل شاہ اطمینان سے واپس میرے پہلو میں آبیٹھا "سر! نکل چلو، بات ہوگئی۔"

وہ ایک دشوار مرحلہ تھا جو خیر و خوبی سے گزر گیا اور ہم دوبارہ اپنی راہ پر ہولیے۔

شارعِ فیصل پر آنے کے بعد بچل شاہ نے نشست پر یوں پہلو بدل لیا کہ بے ہوش قیدی اس کی نظروں میں رہ سکیں۔ میرے اندازے کے برعکس وہ راستے بھر دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر پڑے رہے اور ہم طویل راستہ طے کرکے ملیر چھاؤنی کے علاقے میں واقع اسپیشل ٹاسک فورس کے کیمپ آفس میں پہنچ گئے۔

جب سے سراب گوٹھ کے مضافات میں امریکی بحریہ کا ایک ہیلی کاپٹر کمانڈوز کی بھاری نفری کے ساتھ جل کر راکھ کا ڈھیر ہوا تھا اور پھر وہیں پر راس المیڈا ویرا کے ہاتھوں مارا گیا تھا، ایس ٹی ایف والوں نے متروک بیرکوں میں واقع ٹھکانے کو خیرباد کہہ کر ملیر چھاؤنی میں ایسا پڑاؤ ڈالا تھا کہ ایک مدت گزر جانے کے بعد یہ وہیں مقیم تھے۔

اول خان مجھے پہلے ہی بتاچکا تھا کہ جب تک ملیر چھاؤنی میں بھیجی جانے والی کسی نئی رجمنٹ کو اس قطعۂ زمین کی ضرورت پیش نہیں آتی، اسٹیشن فوروہیں برقرار رہے گا۔

وہاں کے رنگ ڈھنگ میرے لیے نئے نہیں تھے۔ وہاں پہنچنے کے بعد ہمیں کسی کے ساتھ سر نہیں کھپانا پڑا۔ ملک و قوم کے خفیہ اور معزز دشمنوں کی سرکوبی میں شب و روز مصروف رہنے والے جوانوں نے مشینی انداز میں دونوں قیدیوں کو لمبی بیرک کے ایک کمرے میں پہنچادیا۔

اس ذمے داری سے نمٹنے کے بعد بچل شاہ کو اپنے ساتھی کا خیال آیا اور اس نے اپنا ایرپیس آن کرکے اس سے رابطہ قائم کرنا چاہا تو اس پر اول خان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ میری سمجھ میں نہ آنے والی کسی جناتی زبان میں کچھ بول رہا تھا۔

اول خان کے بیان کے مطابق اس فری کوئنسی پر کام کرنے والے صرف چار ایرپیس فیلڈ میں تھے۔ دو میرے اور بچل شاہ کے پاس تھے۔ تیسرا خود اول خان کے استعمال میں تھا۔ چوتھا اس محافظ کے پاس تھا جو جہانگیر کے گھر پر مامور تھا۔

صاف ظاہر تھا کہ اول خان چوتھے آدمی سے بات کررہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اس وقت کراچی سے کافی دور نکل چکا ہوگا۔ اس کے باوجود وہ ہماری دسترس میں تھا۔

جوں ہی گاڑی کے انجن اور ریڈیائی لہروں کے ملے جلے شور میں اول خان کی آواز معدوم ہوئی، بچل شاہ نے اپنے ایرپیس کا ٹرانس میٹنگ بٹن دبا کر اسی جناتی زبان میں چند فقرے ادا کیے پھر بولا "ہم دو آدمی اپنے گھر لے آئے ہیں۔ یہاں پوری خیریت ہے۔ جہانگیر اپنے گھر پہنچ چکا ہوگا.....اوور۔"

"شکر ہے کہ تمہیں اپنا ایرپیس آن کرنے کا ہوش آگیا" اول خان کی تلخ آواز ابھری "میں نوری آباد سے آگے نکل چکا ہوں مگر تم دونوں کی طرف سے پریشان تھا۔ جہانگیر کے گھر پہنچنے کی رپورٹ مجھے مل چکی ہے، ڈپٹی سے میری بات کراؤ۔"

میرا ایرپیس اس وقت بھی آف تھا۔ بچل شاہ نے اپنا ٹرانسمٹر میری طرف بڑھادیا۔

"سوری خان!" میں نے فوراً کہا "مجھے معلوم نہیں تھا کہ

تمہارے اس سسٹم کی رینج اتنی زیادہ ہے ورنہ میں اب تک دس بار تم سے بات کرچکا ہوتا۔ میں تمہاری کمی شدت سے محسوس کررہا تھا۔ تمہاری آواز سن کر میرے آدھے تفکرات ختم ہوگئے ہیں۔"
"تفکرات سے پہلے یہ بتاؤ کہ جہانگیر کو کیا خطرہ درپیش تھا" اس نے مطالبہ کیا۔
مجھے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔ اسے پورے واقعات سے آگاہ کرنے کے بعد میں نے یہ بھی بتادیا کہ کالو مکرانی کو اس کے ساتھی سمیت بے دست وپا کرلینے کے بعد میں کن ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہوچکا تھا۔
"تم بے فکر ہوکر ان کی زبانیں کھلواؤ۔ میں واپسی پر ان کا کوئی بندوبست کرلوں گا۔ اگر ان کے عزائم سنگین تھے تو انہیں پولیس کی تحویل میں بھی دیا جاسکتا ہے۔ صبح تک نسیم بھی زبان نہیں کھولے گی۔ اس سے پہلے میں کراچی لوٹ آؤں گا۔ ان الزامات میں پولیس آسانی سے نسیم کو اٹھالے گی۔"
ان تینوں کو ان کے حلقوں سے کاٹ کر پولیس کی تحویل میں دینے کی بات بہت موزوں تھی۔ یہ امکان غالب تھا کہ انہوں نے اپنی مجرمانہ سازش میں رازداری کا پورا اہتمام رکھا ہوگا۔ جب تک نسیم کو ان دونوں کی واپسی کی طرف سے مایوسی نہ ہوجاتی، وہ دوسروں کو کچھ نہیں بتاسکتی تھی۔ اس کا پہلا اور امکانی ردعمل یہ ہوتا کہ وہ اگلے دن گولڈن فارمیسی کھلنے کا بے تابی سے انتظار کرتی اور پھر جہانگیر کے سر پر مسلط ہوکر اس سے اپنے دونوں ساتھیوں کے بارے میں حقائق اگلوانے کی کوشش کرتی۔ اس کے بعد ہی وہ پولیس یا زیرِزمین دنیا کے خطرناک افراد سے رجوع کرسکتی تھی۔
ان دونوں کے بارے میں مختصر سی گفتگو کے بعد اول خان نے کھٹول راجوانی کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ اپنے سفر کا بڑا حصہ طے کرچکا تھا مگر پھر بھی خاصی مسافت باقی تھی۔ شیطان کی آنت کی طرح طویل سپرہائی وے پر وقت گزاری کے لیے یہ مشغلہ نہایت مناسب تھا۔ اس کی گفتگو کے درمیان کہیں کہیں سلطان شاہ بھی چہک کر اپنی موجودگی کا ثبوت دے رہا تھا۔
گفتگو کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد میں نے اپنا ایرپیس بھی آن کرلیا تاکہ میں بچل شاہ کی غیرموجودگی میں بھی دوسروں سے رابطے میں رہ سکوں۔
تھوڑی دیر بعد اطلاع ملی کہ دونوں قیدی ہوش میں آرہے ہیں۔ ہم دونوں اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں فرش پر بستروں کے سوا کوئی سہولت موجود نہیں تھی۔ ان دونوں کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے گئے تھے اور وہ پُرتشویش انداز میں پلکیں جھپکا رہے تھے۔
دروازہ کھلتے ہی ان کی ہراساں نظریں ہمارے چہرے پر مرکوز ہوگئیں جن میں میرے لیے شناسائی کا ذرا سا بھی شائبہ نہیں تھا۔
"تم لوگ کون ہے، ہم کدھر ہے؟" کالو مکرانی نے اپنے مخصوص لب ولہجے میں زبان کھولی۔
میں نے پُرسکون انداز میں آگے بڑھ کر اس کے منہ پر زوردار طمانچہ رسید کردیا۔ تڑاخ کی آواز کے ساتھ اس کا منہ پھر گیا۔
"دونوں اپنے نام اور پتے بتاؤ" میں نے غرا کر حکم دیا "کوئی سوال کرنے کی کوشش کی تو ادھیڑ کر رکھ دیے جاؤ گے۔"
کالو مکرانی کے ساتھی کا نام قاسم تھا اور وہ دونوں میراں ناکا کے رہنے والے تھے۔ کالو مکرانی کہہ رہا تھا "نام پتا" سب لے لو مگر ئی باپ' یہ ظلم ہے۔ ہم لوگ نے کچھ نہیں کیا۔ دوسرا آدمی نے ہمارا گاڑی کو سائیڈ مارا تھا۔۔۔"
اس بار کالو مکرانی کے لیے میرا مکا زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا۔ میں نے پوچھا "تم اس شریف آدمی کا پیچھا کیوں کررہے تھے؟ کیا اسے تاوان کے لیے اغوا کرنے کا ارادہ تھا؟"
"اڑے قاسو مردار! تم بھی بولونی۔ وہ تمہارا عورت کو کیا بولتا تھا" کالو دوسری بار مار کھا کر اپنے ساتھی پر برس پڑا۔
"وہ ہمارا بیوی کو چھیڑتا تھا۔ ہم لوگ اسی کا بات کرنے آیا تھا" قاسم نے بھاری آواز میں کہا۔
نسیم سے اس کا رشتہ معلوم ہوتے ہی میری ساری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی "تو وہ بدمعاش عورت تمہاری بیوی ہے! وہ روز وہاں سے دوائیں لینے کیوں جاتی تھی؟"
"گالی نہیں دو... ہمارا عورت کو گالی نہیں دو" قاسم نے تلخ لہجے میں احتجاج کیا "بیمار لوگ کا واسطے دوا لینا جرم نہیں ہے۔"
اس بار میں نے اسے مکوں پر رکھ لیا۔ میری نظروں میں وہ کالو سے زیادہ قابلِ نفرت تھا۔ خود پسِ پردہ رہ کر اپنی بیوی سے مجرمانہ مفادات کے حصول میں مدد لیتا تھا۔
ذرا سی دیر میں مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ دونوں ہی ڈھیٹ اور ضدی تھے۔ ان سے آسانی سے کچھ نہیں اگلوایا جاسکتا تھا۔ اپنے سوالات سے میں نے انہیں یہی تاثر دینے کی کوشش کی تھی جیسے ہمارا تعلق امن وامان برقرار رکھنے والے کسی خفیہ ادارے سے ہو۔
بچل شاہ تابعدارانہ انداز میں میرے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ کالو کا بتایا ہوا پتا ایک کاغذ پر نوٹ کرچکا تھا۔ میں نے اس کی طرف متوجہ ہوکر کہا "آدمی بلاؤ۔ یہ تھرڈ ڈگری چاہتے ہیں تو پھر یہی سہی۔"
دونوں نے میرے تیور بھانپ کر فوراً ہی شور مچانا شروع کردیا مگر بچل شاہ ان پر دھیان دیے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا۔ اچانک تشدد سے ان دونوں کو تحیر زدہ کردینے کے بارے میں ہمارے درمیان پہلے ہی مشورہ ہوچکا تھا۔
چند منٹ بعد بچل شاہ واپس آیا تو اس کے ساتھ چست لباس میں ملبوس، کسرتی جسم والا ایک قد آور کمانڈو بھی موجود تھا۔ اس نے آتے ہی نیم فوجی انداز میں مجھے سلام کیا اور اگلے ہی لمحے پھرتی سے فضا میں اڑتا ہوا ان دونوں پر جا پڑا۔ کمرا ان دونوں کی بے

ساختہ چیخوں سے گونج اٹھا۔ فضا میں تیزی سے گردش کرتی ہوئی ایک لات ہی قاسم کا جبڑا ادھیڑ کر کالو کے سینے پر پڑی تھی اور وہ دونوں ننگے فرش پر ڈھیر ہوچکے تھے۔

ان دونوں کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے لڑھک کر فرش سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن نووارد کمانڈو کسی برق کوندے کی طرح دوبارہ ان پر ٹوٹ پڑا۔ وہ مارشل آرٹ میں نمایاں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے ان دونوں کو اس بری طرح اپنی فلائنگ ککس اور کھڑی ہتھیلی کے واروں پر لیا کہ وہ بار بار سنبھلنے کے باوجود دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑے نہ ہوسکے۔ اونچی چھت والا وہ سیل یا قید خانہ ان کی درد آمیز چیخوں سے گونجتا رہا۔

کافی تشدد سہہ لینے کے بعد بھی ان کے کس بل برقرار نظر آرہے تھے۔ میں خاموش کھڑا تماشا دیکھتا رہا۔ ایس ٹی ایف کا مشاق کمانڈو پوری تن دہی سے انہیں تاک تاک کر نشانہ بناتا رہا۔ پہلے وہ چیخوں کے درمیان دنیا جہان کی قسمیں کھا کھا کر اپنی بے گناہی کا اعلان کرتے رہے۔ حالت ابتر ہونے کے بعد انہیں اپنے اس دعوے کا ہوش نہیں رہا۔

میرے ساتھ بچل بھی ان کی سخت جانی پر حیران تھا۔ اچانک اور تیزی سے ہونے والا جسمانی تشدد اکثر بڑے بڑے سورماؤں کو چند لمحوں میں حواس باختہ کردیتا ہے مگر وہ اپنے چہرے بگڑ جانے کے باوجود کسی اعتراف پر آمادہ نہیں تھے۔

یہ طویل سلسلہ تقریباً آٹھ دس منٹ تک جاری رہا۔ کالو پٹتے پٹتے بے ہوش ہوگیا تو قاسم کے اعصاب بھی جواب دینے لگے۔ آخر کار وہ رحم کے لیے چیخ ہی پڑا۔

قاسم کو اس کی فرمائش پر پانی پلایا گیا تو اس نے پہلا گھونٹ فرش پر الٹ دیا۔ اس کے دہانے سے برآمد ہونے والا پانی لہو رنگ تھا۔ گہرے گہرے سانسوں اور کراہوں کے درمیان اس نے پانی کا پورا گلاس خالی کردیا پھر آنکھیں موند کر تھکے ہوئے انداز میں ہانپنے لگا۔

"اب تم نے فوراً بولنا شروع نہ کیا تو مار مار کر تمہاری ساری پسلیاں توڑ دی جائیں گی۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں اسے وارننگ دی۔

اس نے دہشت زدہ ہوکر فوراً ہی آنکھیں کھول دیں اور رک رک کر التجا کی کہ اس کی پشت پر بندھے ہوئے ہاتھ کھول دیے جائیں۔ میں نے سختی سے انکار کردیا۔ اسے ذرا سی بھی رعایت دی جاتی تو وہ اپنی قوت یکجا کرکے دوبارہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرسکتا تھا۔

وہ شاید گفتگو بلکہ اعتراف کی ابتدا کے لیے مناسب الفاظ کا انتخاب کررہا تھا۔ میں نے اس پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لیے کمانڈو کو آنکھ سے اشارہ کیا اور اس نے جھپٹ کر قاسم کو بے رحمی سے فرش پر گرا کر دوبارہ ادھیڑنا شروع کردیا۔

"چھوڑدو... چھوڑدو... خدا کے لیے ہم کو چھوڑدو..... میں سب بتاتا ہوں" وہ بلبلا اٹھا۔

میرے ایما پر کمانڈو نے اپنی کارروائی دوبارہ ملتوی کردی مگر اس بار وہ جارحانہ انداز میں بازو پھیلا کر قاسم کے سر پر کھڑا رہا۔

اس نے سب سے پہلا اعتراف یہ کیا کہ وہ دونوں جہانگیر کو کسی ویرانے میں لے جاکر اس سے معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہاں سے سوال و جواب کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا جس کے اختتام پر ایک واضح تصویر سامنے آچکی تھی۔

کالو اپنے علاقے کا ایک بدنام ہیروئن فروش تھا۔ اس کام میں چھوٹے موٹے لوگوں کے درمیان مسابقت اور پھر علاقہ پولیس کے بڑھتے ہوئے مطالبات کی وجہ سے وہ اس کام کو چھوڑ چکا تھا اور چھوٹی موٹی وارداتوں پر گزارا کررہا تھا۔ قاسم اس کا پرانا دوست اور ہم پیشہ تھا۔ نسیم اپنے شوہر اور کالو کو ہمیشہ زیادہ سے زیادہ مال بنانے پر اکساتی رہتی تھی تاکہ وہ بھی علاقے کی امیر عورتوں کی طرح خوب بناؤ سنگھار کے ساتھ عیش و عشرت کی زندگی گزار سکے۔

پچھلے چند مہینوں سے وہ لوٹ مار میں ان کے ساتھ شریک ہوچکی تھی۔ وہ بڑی دکانوں کے مالکان سے تیزی سے اپنا ربط وضبط بڑھاتی تھی۔ اس کے تاڑے ہوئے مرد اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے نسیم کے حسن پر ریجھ کر اس کے جال میں پھنس جاتے تھے اور وہ ان سے مال حاصل کرتی رہتی تھی۔ جوں ہی دوسری طرف سے کوئی ناروا جوابی مطالبہ زور پکڑتا، نسیم منظر سے غائب ہوجاتی۔ کالو اور قاسم دکان دار کو ڈرا دھمکا کر ایک موٹی رقم اینٹھ لیتے تھے۔

جہانگیر بلکہ قاسم کے کہنے کے مطابق جہانگیر سیٹھ، نسیم کا پانچواں شکار تھا۔ وہ اپنی جھجک کی وجہ سے کبھی حرفِ مدعا زبان پر نہیں لاسکا۔ نہ نسیم نے اس سے کبھی رقم کا مطالبہ کیا۔ قیمتی دوائیں آدھی قیمت دے کر اس نے خود ہی اپنی نظربازی کا معاوضہ طے کردیا تھا۔ جوں ہی اس نے نسیم سے دواؤں کی پوری قیمت طلب کی، نسیم نے سمجھ لیا کہ یہ سلسلہ مزید دراز نہیں ہوسکے گا۔

وہاں تک سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ خرابی کی ابتدا اس وقت ہوئی، جب نسیم کی نشان دہی پر وہ دونوں گولڈن فارمیسی پہنچے۔ کالو نے پہلی ہی نظر میں جہانگیر سیٹھ کو پہچان لیا جو ایک زمانے میں شی کی طرف سے اس کا باس ہوا کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جہانگیر سیٹھ نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ وہ بھی انجان بنا رہا اور یوں اس سے پانچ ہزار روپے ہتھیانے میں کامیاب ہوگیا۔

وہاں سے واپسی پر کالو نے قاسم کو بتایا کہ جہانگیر شی کے دنوں میں ڈینی کا گہرا یار ہوا کرتا تھا اور ڈینی کی گرفتاری کے لیے انگریزوں نے بہت بڑا انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ اس کی دانست میں امریکیوں سمیت ہر گورا انگریز ہی ہوتا تھا۔

گھر لوٹ کر کالو نے چند روز پرانے اخبار میں اسے میرے بارے میں چھپنے والا انعامی اشتہار دکھایا۔ قاسم سے زیادہ نسیم کی

رال ٹپک پڑی۔ اگر وہ تینوں جہانگیر سیٹھ سے میرا پتا ٹھکانا معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو راتوں رات کروڑپتی بن سکتے تھے۔

انہوں نے جہانگیر سیٹھ کو کوئی مہلت دیے بغیر گھیرنے کا فیصلہ کیا اور رات ہوتے ہی اس کی دکان کی نگرانی کرنے پہنچ گئے۔

کالو کا خیال تھا کہ کراچی میں شی اور مافیا کے ٹوٹ جانے کے بعد شہر کی ہیروئن کی منڈی ہر ایرے غیرے کے لیے کھل گئی تھی۔ جس کا دل چاہتا، سرحدی علاقوں سے دو چار کلو مال لا کر کراچی میں پھینک دیتا تھا۔ اس خلا کو رفتہ رفتہ کھٹومل راجوانی پُر کر رہا تھا۔ اس نے منڈی کے پرانے آدمیوں کو خرید کر زیرِ زمین لین دین پر اپنی گرفت مستحکم کرنی شروع کر دی تھی۔ کالو کو حسرت تھی کہ اس وقت اسے کہیں سے کوئی بڑی رقم مل جاتی تو وہ اپنے پرانے تجربے کی بنا پر چند ہی روز میں کراچی کا ہیروئن کنگ بن سکتا تھا۔ جہانگیر سیٹھ کے ذریعے میرا سراغ ملنے کی صورت میں اسے اپنا وہ خواب پورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔

میرے لیے یہ بات نئی نہیں تھی کہ کالو کو کروڑوں روپے سے زیادہ دلچسپی ہیروئن کنگ بننے سے تھی۔ جرائم کی دنیا میں آئزک بیل جیسے طاقت ور مجرم سے لے کر کالو جیسے بے بساط مہرے تک، ہر شخص پیسے سے زیادہ اقتدار، جاہ و حشم اور دھاک کا متمنی ہوتا ہے۔ آئزک بیل تو گرہ کا مال خرچ کر کے شی اور ڈیوڈ اسٹارز پر قابض ہوا تھا۔

قاسم نے سرائے کے حصول میں کالو کی گہری دلچسپی کے جواز کے طور پر کراچی کی ہیروئن مارکیٹ کے خلا اور اس پر کھٹومل راجوانی کی قابض ہونے کی کوششوں کا ذکر کیا تھا جس پر میرا چونکنا فطری امر تھا۔ وہ زیرِ زمین دنیا کا کوئی معروف غنڈا یا دادا گیر نہیں تھا جس کی ہیبت سے کالو اور قاسم جیسے بدمعاش تھراتے ہوں۔ وہ ملک کا ایک معزز اور نامور جاگیردار تھا جو سیاست میں بھی اپنا ایک مقام رکھتا تھا۔ میرے لیے اس کا مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہونا ایک مسلمہ امر تھا لیکن وہ اس قدر کھلے بندوں جرائم پیشہ افراد سے میل جول قائم رکھنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا کہ ہر کس و ناکس کی زبان پر اس کا چرچا عام ہو جائے۔

قاسم نے تشدد کی دہشت اور بدحواسی کے عالم میں اپنی جان بچانے کے لیے برسبیلِ تذکرہ کھٹومل کا نام لے دیا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت وہی ملعون بہروپیا میرا اکلوتا ہدف تھا۔ نسیم کے حسنِ بدباطن میں جہانگیر کی ذرا سی دلچسپی سے شروع ہونے والے اس قصے کا نیا موڑ میرے لیے دلچسپ ہی نہیں، سنسنی خیز بھی تھا۔

میرا کھٹومل کے ذکر پر چونکنا ایک فطری فعل تھا لیکن میں نے قاسم کو کہیں نہیں ٹوکا۔ اس کی پوری کتھا سن لینے کے بعد میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا "کھٹومل کے بارے میں تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟ اس سے تمہارا کیا رابطہ ہے؟"

اس نے اپنا لہولہان چہرہ اٹھا کر سوجی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور ہکلا کر جواب دیا "یہ باتیں بہت سے لوگوں کو معلوم ہیں۔ ہم لوگ کا اس سے کوئی میل جول نہیں ہے۔"

"میں سچ سننا چاہتا ہوں" میں نے درشت لہجے میں اسے آگاہ کیا "تم نے اب تک جو اعتراف کیے ہیں، وہ تمہیں لمبی مدت کی سزا دلوانے کے لیے کافی ہیں۔ کھٹومل کے بارے میں تم نے سچ بولا تو تمہاری جان چھوٹ سکتی ہے۔"

"ہم کچھ نہیں جانتا" وہ رو دینے والی آواز میں گڑگڑایا "مائی باپ، ہم پر رحم کرو۔ ہم ابھی نہیں مرنا چاہتا" یہ کہہ کر اسے کچھ اور نہ سوجھا تو وہ فرش پر سجدے میں گر گیا۔ اس کے ہاتھ کھلے ہوتے تو شاید وہ انہیں ہی میرے سامنے جوڑ دیتا۔

"تمہاری مرضی کے بغیر یہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا" میں نے اسے یقین دلایا "تم نے سچ نہ بولا تو ہم تمہاری زندگی برباد کر دیں گے۔"

اسی وقت کالو کے بدن میں جنبش ہوئی۔ اسے رفتہ رفتہ ہوش آ رہا تھا۔

"یہ کالو کو معلوم ہوگا۔ اسی نے ہم کو بولا تھا۔ ہم اس کو اپنا باس مانتا ہے۔ جو وہ بولتا ہے، وہی کرتا ہے۔ اس سے لفڑا نہیں کرتا۔"

"یہ لفڑا کیا بلا ہے؟" بچل شاہ نے متجسس لہجے میں بے ساختہ سوال کیا۔

"پھڈا..... پھڈا!" قاسم نے جلدی سے وضاحت کی "ہم باس سے پھڈا نہیں کرتا۔"

"تم نے کھٹومل کے بارے میں زبان کھولی تو تمہیں کون مار ڈالے گا؟" اس بار میں نے اس کا خوف کم کرنے کے لیے رسانیت سے پوچھا۔

"پتا نہیں..... کالو بولتا تھا کہ جو اس کا نام لے گا، مارا جائے گا" وہ خوف زدہ ہو رہا تھا۔

"پھر تم نے اس کا نام کیوں لیا؟" اس بار میں نے غصے سے پوچھا۔

"غلطی ہو گیا۔ صاحب! معاف کر دو" وہ ایک مرتبہ پھر گڑگڑانے لگا۔

مزید چند سوالوں میں، میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس کی معلومات کا اصل ذریعہ کالو تھا۔ اسے کھٹومل کے نام اور اس کے اثر و رسوخ سے زیادہ کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ اسی اثنا میں کالو بتدریج ہوش میں آتا جا رہا تھا۔ میں نے بچل شاہ کے ذریعے قاسم کو دوسرے کمرے میں بھجوا دیا۔

میں ایک پرانی اور آزمودہ ترکیب کے ذریعے کالو سے تنہائی میں معلومات اگلوانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ قاسم کی غیر حاضری کالو کو اعصاب زدہ کر دے گی۔

زخمی اور بدحال کالو فرش پر بدستور کسمسا رہا تھا۔ اس کی داہنی آنکھ پر اس بری طرح زخم آیا تھا کہ وہ پوری طرح بند ہو کر رہ گئی تھی۔ بائیں آنکھ قدرے وا ہوئی تو میں نے کالو کے چہرے پر پانی سے بھرا ہوا جگ الٹ دیا۔ جلد سے پانی ٹکراتے ہی وہ اکھڑے اکھڑے سانس لیتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

چند منٹ بعد میں نے اس سے براہِ راست کھٹومل کے بارے میں پوچھا تو وہ حیران رہ گیا۔ اس نے کھٹومل سے اپنی لاتعلقی پر خاصا اصرار کیا لیکن میں نے اسے یہ نوید سنائی کہ اس بارے میں قاسم بہت کچھ اگل چکا تھا اور اگر اس نے سچ نہ بولا تو اسے ایک مرتبہ پھر اذیت ناک تشدد سہنا ہوگا۔

کالو میں مزاحمت کا زیادہ دم خم باقی نہیں رہا تھا پھر بھی وہ آسانی سے زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ میں نے دروازے کے باہر موجود کمانڈو کو آواز دے کر اندر طلب کیا تو کالو اپنے پھٹے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"شروع ہو جاؤ۔" میں نے ایس ٹی ایف کے کمانڈو کو ہدایت کی۔

اس نے اپنی جگہ سے جنبش ہی کی تھی کہ کالو کا سارا حوصلہ جواب دے گیا۔

کھٹومل سے ان دونوں کا براہِ راست کوئی رابطہ نہیں تھا لیکن کالو کو یہ یقین تھا کہ بالم اور جانی نامی دو مقامی منشیات فروش اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ اسے یہ بات کیماڑی کے اس شراب خانے کے مالک سے معلوم ہوئی تھی جس کے عقبی کمرے میں بالم چند ماہ پہلے کھٹومل سے ملا تھا۔ نصف گھنٹے طویل اس ملاقات کے بعد بالم بہت تیزی سے خوش حال ہوتا چلا گیا۔ اس نے شہر کے کئی بڑے ٹھکانوں پر ہیروئن کی ترسیل بھی شروع کر دی تھی اور جانی کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

بعض چھوٹے موٹے کاموں کے لیے بالم اور جانی باہر کے لوگوں کو بھی مناسب معاوضے پر استعمال کرتے تھے لیکن ہیروئن کی سپلائی اور رقوم کی وصولی کا کام ان کے خاص کارندے ہی سرانجام دیتے تھے۔ اس کام کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا تھا۔

کالو کے مقابلے میں بالم اور جانی نوآموز تھے لیکن انہوں نے جتنی تیزی سے ترقی کی تھی، کالو اسے رشک کی نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔ پھر پچھلے روز بالم نے ایک کام کے لیے اسے دس ہزار روپے کے خطیر معاوضے کی پیش کش کی تو وہ انکار نہیں کر سکا۔

کالو کو اس رقم کے عوض پچھلی رات صرف ایک گھنٹے کے لیے بالم اور جانی کو فائرنگ کور فراہم کرنا تھا تاکہ وہ دونوں ایک عمارت میں داخل ہو کر اپنا کوئی اہم کام کر سکیں۔ عمارت کے باہر سے تحفظ فراہم کرنے والوں میں کالو سمیت دس افراد شامل تھے۔

کالو نے اداسی سے بتایا کہ وہ پچھلی رات بہت مشکل سے اپنی جان بچا کر وہاں سے فرار ہو سکا تھا۔ بالم اور جانی اپنے چار آدمیوں سمیت مارے گئے تھے۔

میں نے اس پر ذرا بھی ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ پچھلی رات میرے قتل کی کوششوں میں معاونت کا مجرم تھا۔ اخبارات نے مرنے والوں کے بارے میں جو کچھ شائع کیا تھا، اس کے مطابق بالم اور جانی ہماری عمارت میں اپنے دو ساتھیوں سمیت موت کے گھاٹ اتارے گئے تھے۔

کالو کی کہانی سننے کے بعد پچھلی رات کا نقشہ بہت واضح ہو گیا تھا۔ بالم نے اپنے تین قابلِ اعتماد ساتھیوں کی معیت میں ہمارے فلیٹ تک پہنچ کر مجھے ٹھکانے لگانے کی ناکام کوشش کی تھی۔ باہر فائرنگ کر کے خوف و ہراس پھیلانے اور اس پارٹی کو تحفظ فراہم کرنے والے دس افراد کی خدمات کرائے پر حاصل کی گئی تھیں۔ ان میں سے دو ایس ٹی ایف والوں کی گولیوں کا نشانہ بنے تھے۔

اس وقت ہم اپنی دانست میں جہانگیر کی ناپسندیدہ حرکات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مخدوش صورتِ حال میں اس کی مدد کرنے کے لیے نکلے تھے لیکن نتیجے میں کھٹومل کے خلاف پہلا اور شاید اکلوتا گواہ ہاتھ آ گیا تھا۔ اس ضمن میں براہِ راست کسی کوشش کے بغیر یوں کامیابی مل جانا ایک معجزے سے کم نہیں تھا۔

میں کمانڈو کو کالو کی دیکھ بھال کی ہدایت کر کے اس کمرے سے نکل آیا۔ بجل شاہ الرٹ حالت میں میری واپسی کا منتظر تھا۔ اس سے میری ملاقات ہوئی تو وہ سادہ لباس میں تھا۔ مجھے فورس میں اس کے درجے یا عہدے کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ وہ مجھے لے کر اپنے دفتر میں گیا تب معلوم ہوا کہ اول خان کے گھر سے میرا سامان جہانگیر کے فلیٹ پر پہنچانے والا کوئی عام کارکن نہیں بلکہ ایک ذمے دار افسر تھا۔

اس کے استفسار پر میں نے اسے دونوں قیدیوں کو ایک ساتھ رکھنے کی اجازت دے دی۔ وہ اس کے مطابق بندوبست کرنے کے لیے باہر چلا گیا۔ میں ایر پیس پر اول خان کو پکارنے لگا۔

تیسری کال پر اول خان کی طرف سے جواب آ گیا۔ وہ گاڑی سے اتر کر ریلوے اسٹیشن جا رہا تھا۔ اشارہ ملنے پر بات کرنے کے لیے دوبارہ گاڑی میں آیا تھا۔

"یہ جہانگیر کا معاملہ نہیں، خالص ہمارا کیس تھا۔" میں نے اسے آگاہ کیا "کل رات کو ہمارے فلیٹ پر ہونے والے حملے میں کالو بھی شریک تھا۔"

"اسے تم سے کیا پرخاش تھی؟" اول خان کے سوال میں بے ساختگی تھی۔

"اسے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ وہاں کیا ہونے والا ہے۔ وہ کرائے کے دہشت گرد کا کام انجام دے رہا تھا، محض دس ہزار روپے کے عوض۔"

"تو کیا کھٹومل کا اس واردات سے کوئی تعلق نہیں تھا؟" اول خان نے پوچھا۔

"سوفیصد اسی کی حرکت تھی۔ بالم اور جانی کے نام سے پہچانے جانے والے منشیات فروش کھٹول کے زر خرید ہیں۔ انہوں نے کالو مکرانی کو خریدا تھا۔ وہ باہر رہ کر گولیاں چلا رہا تھا۔"

"عجیب بات ہے کہ رات کو وہ اصل سازش سے بے خبر تھا اور تمہارے دوست کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ کیا تم اس بات کو محض اتفاق مان لینے پر آمادہ ہو گئے ہو؟"

"وہ ایک الگ ہی چینل تھا۔ وہ جہانگیر کے ذریعے مجھے پکڑوا کر امریکیوں سے انعام کی رقم وصول کرنے کا سنہرا خواب دیکھ رہا تھا جو چکنا چور ہو گیا۔"

"پھر وہ جہانگیر والا قصہ کیا تھا؟" اول خان کے ذہن میں سوالات ابھرتے چلے آ رہے تھے۔

"وہ اتفاق تھا۔ اسی کے نتیجے میں ہم نے ایک کامیابی حاصل کی ہے۔"

"اب وہ دونوں پولیس والوں کی خوراک بنیں گے۔ ان کی ساتھی عورت بھی دھری جائے گی۔ فی الحال تم ان دونوں کو اسٹیشن فور پر ہی رکھو۔ میں آخری ٹرین میں اسے دیکھتے ہی واپس چل دوں گا اور سیدھا دفتر آؤں گا۔ تم چاہو تو بے فکر ہو کر واپس جا سکتے ہو۔"

"کچھ دیر میں یہیں ہوں۔ میری دعا ہے کہ کھٹول تمہارے ہاتھ آجائے۔"

"کاش ایسا ہو سکے۔ وہ ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر نکلا ہے۔ ہاتھ آگیا تو راستے میں ہی مار مار کر میں اس کا حلیہ بگاڑ دوں گا۔" اول خان کی آواز میں تلخی عود کر آئی۔

وہ کہانی اتنی سیدھی اور سادہ نہیں تھی کہ ان چند مکالموں سے اول خان کی سمجھ میں آجاتی۔ حیدر آباد ریلوے اسٹیشن پر آخری ٹرین پہنچنے میں وقت باقی تھا۔ وہ اپنی تسلی کے لیے دل کھول کر سوال کرتا رہا اور جب مطمئن ہو گیا تو اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

بچل شاہ اپنے کام سے فارغ ہو کر لوٹا تو اسے میرے کھانے کا خیال آیا مگر میں نے چائے کی خواہش ظاہر کرنے پر اکتفا کیا۔ اپریٹس کی کارکردگی سے مطمئن ہونے کے بعد میں جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا تاکہ جہانگیر اور سلمٰی کے درمیان سر اٹھانے والے کسی فتنے کی سرکوبی کر سکوں۔

چائے نوشی کے دوران میں بچل شاہ کو قیدیوں کے بارے میں ہدایات دے کر میں نے وہاں سے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے اپریٹس سمیت اپنا ایک متبادل میرے ساتھ کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ فلیٹ کی حفاظت کے لیے وہاں ہر وقت دو آدمیوں کی موجودگی ناگزیر تھی تاکہ وہ فلیٹ کے ساتھ ایک دوسرے کا دھیان بھی رکھ سکیں۔ قیدیوں کی وجہ سے وہ خود وہیں رکنے کا خواہاں تھا۔

کالو مکرانی کے ساتھ جہانگیر کے تصادم میں دخل انداز ہونے کے بعد میں نے جہانگیر کو اس کے گھر بھیج دیا تھا۔ اس کے بعد ہمارے درمیان سرے سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ اسٹیشن فور پر بھی مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ اسے فون کر کے اپنی خیریت سے آگاہ کر دیتا۔ ان دونوں کا میری طرف سے فکرمند ہونا فطری تھا۔

میں ان کے فلیٹ میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ویرا اور غزالہ بھی موجود ہیں۔ ان چاروں کے ستے ہوئے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میری باضابطہ تدفین کے لیے ذہنی طور پر بڑی حد تک تیار ہو چکے تھے۔

میری آواز سنتے ہی سب کے چہرے کھل اٹھے۔ جہانگیر اپنا نیم لبریز گلاس تپائی پر رکھ کر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گیا "خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ و سلامت لوٹ آئے اور میں ان تینوں کے سامنے سرخ رو ہو گیا۔ ان کے ظالمانہ تبصرے سن سن کر میں زمین میں گڑا جا رہا تھا۔"

"اس وقت تم زمین سے خاصی بلندی پر ہو" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "زمین میں گڑنے کے لیے زمین پر موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔"

"کل رات یہاں موت کی جو ہولی کھیلی گئی اس کے بعد آپ کی گمشدگی نے میری جان نکال دی تھی" غزالہ نے نرم لہجے میں شکوہ کیا "ذہن میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم دونوں یہاں کیسے موجود ہو" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم لاوارث نہیں ہو جو یوں منہ اٹھا کر اچانک کہیں بھی غائب ہو جاتے ہو" ویرا بیئر کے گلاس سے گھونٹ لینے کے بعد تلخی سے بولی "اس شہر میں تمہارے لیے فکرمند ہونے والوں کی تعداد کافی ہے۔"

"تمہاری فکرمندی تو میں دیکھ ہی رہا ہوں" میں نے اس کے گلاس کی طرف اشارہ کر کے طنز کیا "مجھے آنے میں مزید تاخیر ہو جاتی تو شاید تم دونوں آپے سے باہر ہو چکے ہوتے۔"

"ہم اسکاچ نہیں بیئر پی رہے ہیں.... محض وقت گزاری کے لیے شغل...." جہانگیر نے جلدی سے وضاحت پیش کرنے کی کوشش کی مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کم ظرفوں کے لیے وہ بھی کافی ہوتی ہے۔ اب زیادہ بک بک مت کرو۔"

"آخر ہوا کیا تھا؟ ان پر کیا افتاد نازل ہوئی تھی جو تم کو اتنے لمبے بکھیڑے میں الجھنا پڑا؟" اس بار سلمٰی نے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا۔ شاید اس کی چھٹی حس نے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

"یہ اپنے میاں سے پوچھو" میں نے بے پروائی سے کہا "شکر ادا کرو کہ نوبت نسیم...."

نسیم کا نام آتے ہی جہانگیر نے ہڑبڑا کر قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "کیا اول فول بک رہے ہو؟ سیدھی طرح کیوں نہیں بتاتے کہ ڈاکوؤں نے مجھے کس طرح گھیر لیا تھا۔"

"میں پوچھتی ہوں کہ نسیم کا کیا قصہ ہے؟" سلمٰی کولھوں پر ہاتھ رکھ کر جہانگیر کے سامنے تن گئی۔

"نسیم کا کوئی قصہ نہیں ہے" میں نے سلمٰی کا مضحکہ اڑاتے ہوئے جواب دیا "میں یہ کہہ رہا تھا کہ نوبت نسیم سحری کے جھونکوں تک نہیں پہنچی۔ تمہیں تو تہذیب' مسرت اور خوشبو کے ذکر پر بھی جہانگیر کے گرد اس نام کی عورتیں منڈلاتی نظر آتی ہوں گی۔ یہ اتنا اسمارٹ اور خوب رو نہیں ہے۔"

میرے وہ کاٹ دار فقرے اتنے مؤثر ثابت ہوئے کہ سلمٰی کھسیا کر پیر پٹختی ہوئی وہاں سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ جہانگیر کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم اول درجے کے جھوٹے اور مکار ہو" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا غرائی "پہلے تم نے صرف نسیم کہا تھا۔ اگر تمہاری بعد والی بات درست تھی تو تمہیں نسیمے کہنا چاہیے تھا' سحر اس کے بعد ہی آسکتی تھی۔"

"ڈینی کی اردو شروع سے بہت کمزور ہے" جہانگیر نے فوراً ہی میری صفائی پیش کی "اسے زیر زبر کا ذرا بھی خیال نہیں رہتا۔ تم اس بحث میں نہ پڑو تو اچھا ہے۔"

"بات ٹالنے کی کوشش مت کرو" ویرا نے اسے ڈانٹ دیا۔

"اردو ڈینی کی جڑوں میں بیٹھی ہوئی ہے" جہانگیر سے یہ کہہ کر وہ میری طرف مخاطب ہوگئی "ہاں' تو تم کیا بتا رہے تھے؟"

"کچھ بھی نہیں" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"وہی نسیم سحر کا قصہ تھا۔"

"تم نے ہمیں نہ بتایا تو میں سلمٰی کو جہانگیر کے پیچھے لگا دوں گی" ویرا نے نیچی آواز میں دھمکی دی "میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم ہمیں جو کچھ بتاؤ گے' سلمٰی کو اس کی بھنک بھی نہیں ملے گی۔"

"اگر ویرا خوش ہوتی ہے تو یوں ہی سہی" جہانگیر نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے کہا "تم انہیں نسیم کے نام سے کوئی بھی واقعہ سنا دو۔ میں اعتراض کیے بغیر اسے من و عن تسلیم کرلوں گا۔"

"چلو' یوں ہی سہی۔ تم قصہ تو سناؤ۔ خود بخود پتا چل جائے گا کہ اس میں سچ کتنا ہے" ویرا نے کسی بحث میں الجھنے کے بجائے مصالحانہ رویہ اختیار کرلیا۔

"قصہ سنانے سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تم دونوں یہاں کیسے نظر آرہی ہو۔"

"میں نے یہاں فون کیا تو سلمٰی تمہاری طرف سے فکرمند تھی۔ اسی سے پتا چلا کہ اول خان اور سلطان شاہ حیدر آباد گئے ہوئے ہیں" ویرا بتانے لگی "مجھے گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا۔ غزالہ سے بات ہوئی تو اس نے فکرمند ہو کر رونا شروع کردیا اور ہم دونوں یہاں آگئیں۔"

"تم بالکل بے وقوف اور جذباتی ہو" میں نے غزالہ کے شانے پر ہاتھ مار کے کہا "میں شہر میں کہیں کھو نہیں گیا تھا۔ جہانگیر کے سامنے ہی ہم نے دونوں ڈاکوؤں کو زیر کرلیا تھا۔ اس کے بعد ان کی مزاج پرسی میں ہی دیر سویر ہو سکتی تھی۔"

"آپ نہیں سمجھ سکتے کہ میں اول خان کے گھر جا کر خود کو کس قدر مجبور اور بے سہارا محسوس کررہی ہوں۔ ویرا کے ساتھ اس کی بیوی بھی میرا بہت خیال رکھتی ہے مگر میں اپنے دل کو نہیں سمجھا سکتی۔ اپنے گھر اور اپنی چھت کی عادت پڑجانے کے بعد کہیں اور سکھ مل ہی نہیں سکتا۔ میری یہ بات سلمٰی سمجھ سکتی ہے۔ میں آپ کو...." بولتے بولتے اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

ویرا ہنس پڑی اور بولی "سلمٰی کے ساتھ میں بھی تمہارے جذبات کا اندازہ لگا سکتی ہوں۔ میں تمہارے گھر کو اپنا گھر سمجھتی ہوں اور وہیں آرام ملتا ہے۔ میری شادی نہیں ہوئی پھر بھی میں ایک بے شاخ آشیانے پر بسیرا کررہی ہوں اور اسی سے مانوس ہوں۔"

"سنا تھا کہ تم سلطان شاہ سے شادی کرنے والی ہو" جہانگیر نے فوراً ہی ایک بونگا سوال کر ڈالا اور ویرا چراغ پا ہوگئی۔

"مجھے اس الو کے پٹھے کا نام بتاؤ جس نے تم سے یہ بات کہی ہے۔ میں اس کی گردن مروڑ دوں گی۔ وہ میرے پیر پکڑ کر التجائیں کرے تب بھی میں اس سے شادی نہیں کرسکتی۔ جو مرد اپنے آپ کو اعلیٰ اور اچھوتا سمجھتا ہو' میں اسے منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتی۔"

"تم اپنا گھر بسالوگی تو وہ بھی کہیں نہ کہیں شادی کرلے گا" میں نے بات رفع دفع کرنے کی نیت سے دخل دیا "تم دونوں لڑتے ہو تو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوجاتے ہو' موڈ اچھا رہے تو شیر و شکر بنے رہتے ہو۔ محبت اور نفرت کی یہ انتہائیں غلط فہمی کا سبب بن ہی جاتی ہیں۔ جہانگیر ایک اچھی بات بھی چڑانے والے انداز میں پوچھنے میں ماہر ہے۔"

"جہانگیر کو بیئر میں جھونکو اور وہ نسیم والا قصہ سناؤ پھر میں سلمٰی کے سامنے اس سے پوچھوں گی کہ یہ نسیم سے کب دوسری شادی کررہا ہے" ویرا غصے کی رو میں بولی۔

"تت.... تم وعدہ کرچکی ہو کہ سلمٰی کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دوگی" جہانگیر نے بوکھلا کر احتجاج کیا "وعدہ خلافی سے بہتر ہے کہ یہ بات بھول جاؤ۔"

"تم سناؤ!" ویرا نے اس کی بات سنی ان سنی کرکے مجھے حکم دیا۔

میں نے ترحم آمیز نگاہوں سے جہانگیر کی طرف دیکھا اور وہ قصہ شروع کردیا۔

جہانگیر نے بیئر کا نیا کین اپنے اور ویرا کے گلاس میں خالی کیا اور بردباری کے ساتھ یوں لاتعلق ہو کر بیٹھ گیا جیسے نسیم والا واقعہ واقعی مفروضہ ہو۔

میں نے ان دونوں کو ہر بات من و عن بتادی۔ پوری تفصیل

سن کر ویرا بولی "اس کا مطلب ہے کہ جہانگیر نے نسیم سے آنکھ لڑا کر اپنا نقصان ضرور کیا مگر تمہیں خاصا فائدہ پہنچایا ہے۔ یہ کڑیاں اتنی آسانی سے نہیں مل سکتی تھیں۔"

"میرا کوئی نقصان نہیں ہوا" جہانگیر نے بے پروائی سے کہا۔ "میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ نسیم والا قصہ من گھڑت ہے جو تمہیں خوش کرنے کے لیے سنایا گیا ہے۔"

"وہ جھوٹ ہے تو تم سچ بتا ڈالو۔ کالو اور قاسم تمہاری طرف کیوں متوجہ ہوئے؟"

جہانگیر یوں ہنس پڑا جیسے ویرا نے کوئی احمقانہ سوال کیا ہو پھر بولا "میں کوئی پردے دار خاتون نہیں ہوں۔ دن بھر کھلی دکان پر بیٹھتا ہوں۔ گاہکوں کے علاوہ ہزاروں راہ گیر بھی روز مجھے دیکھتے ہوں گے۔ ان میں سے کوئی بھی مجھے پہچان سکتا ہے۔ تم ایمان داری سے بتاؤ کہ کیا میں تمہیں واقعی اتنا گھامڑ لگتا ہوں کہ کسی خوب صورت عورت کو بلاوجہ قیمتی دوائیں آدھی قیمت پر دیتا رہوں گا؟ یہ بات تمہاری سمجھ میں آسکتی ہے؟"

جہانگیر نے میرے روبرو وہ آخری دو سوال اس قدر اعتماد اور ڈھٹائی سے کئے تھے کہ میں ششدر رہ گیا۔ اس کے سوالات میں یہ احساس بھی پنہاں تھا کہ نسیم کے معاملے میں اسے اپنے گھامڑ پن کا پورا ادراک ہو چکا تھا۔

جہانگیر کی دیدہ دلیری پر ویرا سٹپٹا گئی۔ لاجواب ہو کر اس نے میری طرف دیکھا۔ میں نے اسے آنکھ مار کر کہا "کہانی تم نے سن لی۔ اب جہانگیر کی بات پر بھی اعتبار کرلو۔ یہ اس قدر کند ذہن اور گدھا نہیں ہے کہ ایک خوب صورت عورت پر بلاوجہ اپنا پیسہ لٹاتا رہے۔"

نئے القاب پر جہانگیر نے کھنکھار کر اپنی جگہ پر پہلو بدلا لیکن کوئی اعتراض نہ کرسکا۔ جب وہ خود کو بالواسطہ طور پر گھامڑ تسلیم کر سکتا تھا تو میں بھی اسے کند ذہن اور گدھا قرار دینے کا پورا حق رکھتا تھا۔ وہ بے بسی سے مجھے گھور کر رہ گیا۔

میری واپسی کے انتظار میں ان میں سے کسی نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ سلمٰی نے مہمان داری کی تیاری مکمل کی ہوئی تھی۔ میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو سلمٰی کو آواز دی۔ جہانگیر پہلے ہی فیصلہ صادر کر چکا تھا کہ وہ ان دونوں کو کھانا کھائے بغیر واپس نہیں جانے دے گا۔

میرے ایما پر سلمٰی نے فوراً ہی میز لگادی۔ ہم پانچوں نے میز پر باتوں کے درمیان کھانا ختم کیا اور پھر میں ان کے ساتھ روانہ ہونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ویرا اور غزالہ کا اصرار تھا کہ وہ ٹیکسی لے کر گھر چلی جائیں گی۔ مجھے بلاوجہ جمشید روڈ تک جاکر تنہا واپس لوٹنا ہوگا مگر میں اتنی رات گئے انہیں شہر کے ٹیکسی ڈرائیوروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

دراصل کراچی کی معاشرت کا رنگ ڈھنگ کچھ ایسا تھا کہ دن میں اکیلی عورت کو بھی کہیں کوئی خطرہ نہیں ہوتا تھا لیکن رات گئے دو خوش شکل خواتین کو کسی مرد کی ہمراہی کے بغیر شہر کی سڑکوں پر دیکھ کر کوئی بھی ان کے بارے میں اچھی رائے قائم نہیں کرسکتا تھا۔ ایسے میں کوئی اوباش فطرت رئیس زادہ اپنی قیمتی گاڑی میں ان کی ٹیکسی کا پیچھا کرنا شروع کردیتا تو وہ دونوں عورتیں مشکل صورت حال سے دوچار ہو سکتی تھیں۔

میں ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کی پولیس سے بچ نکلنے کی صلاحیت کا ایک تازہ ترین مشاہدہ کر چکا تھا اس لیے میں نے فلیٹ سے نکلنے سے پہلے اپرٹس پر نیچے والوں میں سے کسی ایک کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے تیار رہنے کی ہدایت کی اور پھر دونوں خواتین کے ہمراہ فلیٹ سے نکل کھڑا ہوا۔ چلنے سے پہلے میں نے جہانگیر کو ہوش میں رہنے کی تاکید کردی تھی۔

کھانے کی میز پر میں نے محسوس کرلیا تھا کہ جہانگیر نے اپنا ہاتھ روکا ہوا تھا۔ محض دوسروں کا ساتھ دینے کے لیے طویل وقفوں سے چند چھوٹے لقمے لے کر دیر تک چباتا رہا تھا۔ دکان اور دوسرے مسائل سے فارغ ہونے کے بعد اتنے اہتمام سے معدے کو خالی رکھنے کی کوششوں کا صرف ایک ہی مطلب ہوسکتا تھا کہ تخلیہ میسر آجانے پر وہ مزید مے نوشی کا ارادہ رکھتا تھا۔ بیئر کی وافر مقدار پی لینے کے بعد اسکاچ کے ایک دو پیگ ہی اسے کھوپڑی سے باہر کرسکتے تھے۔

نیچے وہی مسلح شخص گاڑی کے پاس موجود تھا جو ملیر سے میرے ساتھ آیا تھا۔ میں نے چابی اسی کے حوالے کردی اور خود غزالہ کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ ویرا برا مانے بغیر بے تکلفی سے اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ پچھلی نشست پر گنجائش ہونے کے باوجود اس نے کباب میں ہڈی بننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کی وہی ادا مجھے پسند تھی۔

"اپنے صاحب کے گھر چلو" انجن اسٹارٹ ہونے پر میں نے ہدایت دی اور گاڑی چل پڑی۔

اندھیرے میں غزالہ کی چمکتی ہوئی آنکھیں بار بار میری طرف اٹھ رہی تھیں۔ ان نگاہوں میں نہ جانے کیا کشش تھی کہ میں بے اختیار سرک کر اس کے قریب ہو گیا۔

"کیا کررہے ہیں؟" اس نے میرے کان کے نیچے سرگوشیانہ احتجاج کیا اور اپنے دروازے کی طرف سمٹ گئی۔ "گاڑی میں ہمارے علاوہ اور لوگ بھی موجود ہیں۔"

میرا خیال تھا کہ اس کی مدھم آواز انجن کے ہلکے شور میں دب کر ویرا کے کانوں تک نہیں پہنچی ہوگی مگر وہ میری غلط فہمی ثابت ہوئی۔ ویرا فوراً ہی بول پڑی "تم دونوں چپکے چپکے کیا کانا پھوسی کررہے ہو؟ اونچی آواز میں بات کرو تاکہ میں بھی شریک ہوسکوں۔"

"ہر بات اونچی آواز میں نہیں کی جاسکتی۔" میں نے غزالہ

سے اپنے فاصلے میں اضافہ کرتے ہوئے ڈھٹائی سے جواب دیا۔
"میاں بیوی کے درمیان کچھ رازداری بھی رہنی چاہیے۔"
"ہم گاڑی میں سفر کر رہے ہیں۔ ایسی ہی رازداری کے خواہاں ہو تو آج رات تم بھی اول خان کے گھر میں رہ سکتے ہو۔" ویرا کے پاس مسکت جواب تیار تھا۔

ویرا کی اس مداخلتِ بے جا کی وجہ سے راستے بھر ہم دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہو سکی۔ بس میں غزالہ کا نرم و گداز ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا۔ وہ میری غیر حاضری پر واقعی بہت زیادہ پریشان ہوئی ہوگی۔ اس کے باوجود اس نے جہانگیر کے گھر پر جس پُروقار رویّے کا مظاہرہ کیا تھا اس نے میرے دل میں اس کی عزت میں اضافہ کردیا تھا۔

راستے میں ٹریفک کی غیر معمولی کمی کی وجہ سے ہم جلد ہی اول خان کے گھر پہنچ گئے۔ اس کی ذمے داریوں کے حوالے سے پیدا ہونے والی شب و روز کی مصروفیات کی وجہ سے اس کے اہلِ خانہ اس کی اچانک غیر حاضریوں کے عادی ہوگئے تھے۔ گھر پر رات کا سکوت طاری تھا' وہ لوگ شاید اپنے بستروں میں جاچکے تھے۔

ان دونوں کو اتار کر میں نے پسنجر سیٹ سنبھالی اور ہم واپس روانہ ہوگئے۔

واپسی میں رات بہت گہری ہوچکی تھی۔ ہم سبیل والی مسجد سے آگے نکلے ہی تھے کہ ایرپیس پر اشارہ موصول ہونے لگا۔ میں نے اسے آن کیا تو دوسری طرف سے سلطان شاہ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

اس کا پیغام ختم ہوتے ہی میں نے اپنی بات شروع کردی "میں سن رہا ہوں۔ تم کہاں ہو اور اول خان کیا کر رہا ہے؟"

"میں حیدر آباد ریلوے اسٹیشن کے ایک ویران گوشے سے بول رہا ہوں۔" سلطان شاہ کی آواز سے پریشانی مترشح تھی "اول خان ٹرین کے ساتھ جاچکا ہے۔"

"ٹرین کے ساتھ؟" میں نے چونک کر حیرت سے دہرایا "تو کیا وہ پنڈی چلا گیا ہے؟"

"ہم قبل از وقت یہاں پہنچ گئے تھے۔" سلطان شاہ نے گہرا سانس لے کر بتایا "ہم نے پورا پلیٹ فارم چھان مارا مگر اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر ہم داخلے کے راستے کی نگرانی کرنے لگے۔ ٹرین آنے کے بعد میں پیشاب کرنے کے لیے ویٹنگ روم کی طرف چلا گیا۔ اسی دوران میں ٹرین نے روانگی کی وسل دینی شروع کردی۔ میں واپس آیا تو ٹرین نے رینگنا شروع کردیا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اول خان نے اپنی جگہ سے اچانک دوڑ لگا دی۔ اس سے آگے ایک اور آدمی بھیڑ کو چیرتا ہوا ٹرین کی طرف دوڑ رہا تھا۔ اور۔"

"بات پوری کرو۔ درمیان میں خاموش کیوں ہوگئے؟" میں نے اسے ٹوکا۔

خاصے طویل سکوت کے بعد اس کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ "کھلے پلیٹ فارم پر دو آدمی ادھر آنکلے تھے اس لیے خاموش ہونا پڑا۔ میں کھٹومل کو نہیں پہچانتا' میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اول خان کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ وہ دونوں دوڑتے ہوئے چلتی ٹرین کے الگ الگ ڈبوں میں لٹک گئے۔ میرے پہنچنے تک ٹرین رفتار پکڑ چکی تھی۔ میں منہ دیکھتا رہ گیا۔ ٹرین نکل گئی۔"

"اگر اول خان نے اسے دیکھ لیا ہے اور ٹرین چل رہی تھی تو وہ یقیناً اس پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوجائے گا۔" میں نے ہلکے سے جوش کے ساتھ کہا۔

"اس کا ایرپیس میرے پاس تھا اس لیے تم سے بات ہوگئی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اب میں کیا کروں اور کہاں جھک ماروں۔"

"کہیں جھک مارنے کی ضرورت نہیں۔ گاڑی اسٹارٹ کرو اور خاموشی سے کراچی لوٹ آؤ۔"

"اول خان کے پاس ایرپیس ہوگا' نہ سواری۔ وہ پریشان ہوجائے گا۔"

"اگر وہ ٹرین میں اس کے پیچھے گیا ہے تو ان مسائل سے بھی نمٹ لے گا۔ تمہارا وہاں رکنا بے سود ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ اب کس شہر سے لوٹتا ہے۔"

"تمہارا یہ مشورہ ہے تو میں ابھی واپسی کے لیے روانہ ہو رہا ہوں۔ گاڑی کی چابی اول خان کے ساتھ چلی گئی ہے لیکن اس کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔"

"شراکت کے کاموں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اور کچھ نہ ہوسکے تو تار استعمال کرلینا۔"

"آخری لمحوں پر پیش آنے والے اس واقعے نے میرے ذہن کو بوجھل کردیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کھٹومل کہیں چھپا' میرے غائب ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ میں موجود ہوتا تو شاید اسے لمبی دوڑ لگانے کا موقع نہ مل پاتا۔ ہم اسے دروازے پر ہی دبوچ لیتے۔"

"یہ غلط وقت پر پیشاب خطا ہونے کا خمیازہ ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ سپرہائی وے سے ہی سیدھے ملیر کینٹ کی طرف نکل کر گہری نیند لو۔ اب تم سے کل بات ہوگی۔"

"تمہارے قیدیوں کا کیا حال ہے؟" اس کی آواز میں پہلی بار تجسس پیدا ہوا۔

"ان سے تم اسٹیشن فور پر مل سکتے ہو۔ وہ وہاں بچل شاہ کی تحویل میں ہیں۔"

"میں اب نکلتا ہوں۔ راستے میں کوئی مسئلہ پیش آیا تو میں ایرپیس پر ہی تم سے رابطہ کرلوں گا۔ تم سونے کی تیاری تو نہیں کر رہے تھے؟"

"میں اس وقت سڑک پر ہوں۔" میں نے قدرے خفگی سے اسے آگاہ کیا "ان حالات میں شاید نیند آہی نہ سکے۔ راستے میں

ضرورت پیش نہ آئے تو اسٹیشن فور پر پہنچ کر مجھے اطلاع ضرور دے دینا۔ تمہاری واپسی سے پہلے میں بستر کا رخ نہیں کروں گا۔"

"بس میرے لیے دعا کرتے رہنا۔ گاڑی کی چابی کے بغیر سرہائی وے کی کسی چیک پوسٹ پر مجھے مسئلہ پیش آسکتا ہے۔ میری کوشش ہوگی کہ ملیر کینٹ پہنچنے سے پہلے تمہیں تنگ نہ کروں۔ اوور اینڈ آل۔" یہ کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کردیا۔

عام حالات میں ایس ٹی ایف کے اراکین مشینی آدمیوں کی طرح کام کرتے تھے۔ ہر لمحے اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ غیر متعلقہ معاملات سے یوں الگ تھلگ رہتے تھے جیسے انہوں نے کچھ دیکھا یا سنا ہی نہ ہو مگر اس وقت ساری گفتگو اول خان کے بارے میں ہوئی تھی۔ میرا ساتھی اپنے سربراہ کے بارے میں اپنی بے تعلقی برقرار نہ رکھ سکا۔

اسے سلطان شاہ کی زبان سے یہ سن کر حیرت ہوئی تھی کہ اول خان کسی مطلوبہ آدمی کا پیچھا کرتا ہوا حیدر آباد سے بھی آگے نکل چکا تھا۔

اس کے پاس اپریٹس موجود تھا۔ وہ اس لاسلکی نظام پر اول خان سے ہونے والی میری گفتگو سنتا رہا تھا۔ اس نے مجھ سے اول خان کے بارے میں چند سوالات کیے اور گہری سوچ میں ڈوب کر دوبارہ خاموشی اختیار کرلی۔

فلیٹ میں قدم رکھتے ہی میں نے جہانگیر اور سلمٰی کے درمیان کشیدگی کی بو محسوس کرلی۔ غنیمت یہ تھا کہ جہانگیر نے میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے مے نوشی کا سلسلہ دوبارہ شروع نہیں کیا تھا۔ پوری رغبت سے شکم سیر ہونے کے بعد ڈرائنگ روم میں صوفے پر پاؤں پسارے پڑا ہوا تھا۔

سلمٰی اپنے چہرے پر گہری سنجیدگی بکھیرے، میرے ساتھ بہت اہتمام ڈرائنگ روم تک آئی۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے کسی سنگین موضوع پر بات کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کے سر پر صرف اور صرف نسیم کا نام سوار تھا۔

جہانگیر اس پر نظر پڑتے ہی چہک اٹھا "اوہ! تو آخر کار تم نے غصہ تھوک ہی دیا۔ غنیمت ہے کہ یہاں نہ صرف تمہاری جوتیاں آئی ہیں بلکہ تم بھی ان میں موجود ہو۔"

"میں کہہ رہی ہوں کہ میرے منہ نہ لگو۔" سلمٰی غرائی "میں ڈیڈی سے بات کرنے آئی ہوں۔"

"اس سے بات کرنی ہے تو اسے اپنے بیڈ روم میں لے جاؤ۔ آج رات میں یہیں آرام کروں گا۔" جہانگیر نے بے پروائی سے کہا "یہاں بیٹھوگی تو میں بولتا رہوں گا۔"

"تم دونوں کو لڑنے اور بدمزگی پھیلانے کی ضرورت نہیں۔" میں فیصلہ کن لہجے میں یہ کہہ کر سلمٰی کی طرف متوجہ ہوگیا "مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تم کو کوفت ہوئی۔ تمہیں معلوم ہے کہ بعض اوقات ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خاصا بے رحمانہ مذاق کر گزرتے ہیں۔ اس وقت بھی یہی قصہ تھا۔ جہانگیر جن لوگوں کو ڈکیت سمجھ رہا تھا، وہ کچھ اور تھے، اسے اغوا کرنے کے ارادے سے اس کی دکان کے باہر جمع ہوئے تھے۔"

"کوئی کسی کو بلاوجہ اغوا نہیں کرتا۔" سلمٰی فضا میں ہاتھ نچا کے بولی "انہوں نے کسی کی....."

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "وہ پیسے کے لالچ میں اس کے پیچھے لگے تھے۔ بھاری تاوان اغوا کا سب سے بڑا محرک ہوتا ہے۔"

"تم بتاؤ یا نہ بتاؤ، میں جانتی ہوں کہ روانی میں تمہاری زبان سے سچ نکلتے نکلتے رہ گیا۔ نسیم کا کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہے۔"

"اگر یہ وہم تمہارے دماغ میں بیٹھ ہی گیا ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔"

"اب میں ان کے ساتھ دکان جایا کروں گی۔ گھر میں پڑے پڑے کیا کرتی ہوں جو وہاں جانے سے حرج ہوگا؟ پھر دیکھوں گی کہ ان کے پاس کون کون حرافائیں آتی ہیں۔"

"خود بھی تماشا بنوگی اور اپنے ساتھ مجھے بھی تماشا بنا کر رکھ دو گی۔" سلمٰی کی دھمکی نے جہانگیر کو بولنے پر مجبور کردیا "اس بار وہ میرے بجائے تمہیں اٹھالے جائیں گے۔"

"لے جانے دو.... تم تاوان ادا نہ کرنا۔ مجھ سے ہمیشہ کے لیے تمہاری جان چھوٹ جائے گی پھر جس کے ساتھ جی چاہے، گل چھرے اڑاتے پھرنا۔" سلمٰی اچانک روہانسی ہوگئی۔

"دیکھو! اب یہ رو کر ڈرائے گی۔" جہانگیر نے مجھ سے فریاد کی "دھونس دھمکی سے کام نہیں چلتا تو یہ اچانک مظلوم بن جاتی ہے۔ یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔"

"اب چند روز تک دکان بند رہے گی۔ تم دونوں میں سے کوئی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔" میں نے جھلا کر کہا "اغوا کے لیے آنے والے پکڑے گئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کے ساتھی دوبارہ کوئی کوشش کریں۔ آرام سے گھر میں عیش کرو اور دن رات لڑتے رہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"دکان تو اب ان کا ایمان بن گئی ہے۔ ایک دن بھی وہاں سے ناغہ نہیں کرتے کہ کہیں ان کی کسی چہیتی کو مایوس ہو کر نہ لوٹنا پڑے۔" قلیل سے وقفے کے بعد سلمٰی نے پھر سنبھالا لے لیا تھا۔

"تمہاری یہ بدگمانیاں اسے تباہ کردیں گی۔" میں نے سلمٰی کو سرزنش کی "دنیا کے سارے مرد کمانے کے لیے دکانوں اور دفتروں میں جاتے ہیں۔ خدا خدا کرکے اس نکھٹو نے کام شروع کیا ہے تو اب تمہارے دماغ میں کیڑے کلبلانے لگے ہیں۔ آخر تم چاہتی کیا ہو؟"

"ہاں، اس کا جواب دو!" جہانگیر نے اُچھل کر میری تائید کی۔

"دیکھا جائے گا۔ ابھی تو دو چار دن دکان بند ہی رہے گی۔

دیکھتی ہوں کہ گھر پر کس کس کا فون آتا ہے۔ اس کے بعد فیصلہ ہوگا۔"

جہانگیر زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ میں اطمینان سے دوسرے صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔

"تم نے اپنے مشکوک رویّے سے اسے ذہنی مریضہ بنا دیا ہے۔" میں نے اسے ملامت کی۔

"یہ سب چلتا رہتا ہے۔" وہ بے فکری سے بولا "اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر اپنے دماغ کو نہ تھکاؤ۔ وہ تھوڑی دیر میں سب کچھ بھول بھال جاتی ہے۔ دو تین گلاس چڑھا کر جس وقت بھی اس کی تھوڑی سی چاپلوسی کروں گا' پھول کر کپّا ہوجائے گی۔"

"پھر یہ کارِ خیر اسی وقت کیوں نہیں کرلیتے؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"شراب نوشی کے لیے تم منع کرگئے تھے۔ پیے بغیر میں ایسی گھٹیا خوشامدوں کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

وہ میرے سامنے جتنے خلوص سے سچ بولنے لگتا تھا' اس پر ہمیشہ مجھے حیرت ہوتی تھی۔ اس کا تازہ ترین اعتراف میرے لیے خیال انگیز تھا۔ وہ ہوش میں رہ کر سلمیٰ کو جس قدر اشتعال دلاتا تھا' مدہوشی کے عالم میں اس کا مکمل ازالہ کرکے اپنی ازدواجی زندگی میں پیدا ہونے والی شکست و ریخت سے چھٹکارا حاصل کرلیتا تھا۔

"مجھے ان باتوں کوفت ہوتی ہے۔ جب تک میں یہاں رہ رہا ہوں' کوشش کرو کہ تم اسے ناراض نہ کرو اور وقت سکون سے گزر جائے۔" میں نے اس سے گزارش کی۔

"اسے بھول جاؤ۔ اب تمہیں شکایت نہیں ہوگی۔ آج تم نے اسے بھڑکایا تھا اور خود ہی سنبھال بھی لیا۔ آخری آنچ کی جو کسر رہ گئی ہے' وہ میں کسی وقت پوری کردوں گا۔" وہ بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے بولا "وہ دوبارہ خوش اور مگن نظر آنے لگے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب میں اپنے کمرے میں جاسکتا ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"ضرور جاؤ مگر جانے سے پہلے اتنا ضرور بتادو کہ یہ کھٹومل کے گھر پر کیا ہوا تھا؟"

"اس کے بارے میں تم کیا جانو؟" میں نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"اخبار پڑھ کر مجھے اختلاج ہونے لگتا ہے۔ یہ تم نے ہی منگوائے تھے۔" اس نے میز کی طرف اشارہ کرکے کہا "ان میں قتل' لوٹ مار اور دہشت گردی کی خبروں کے سوا ہوتا ہی کیا ہے..... ابھی ابھی تم نے مجھے نکھٹو کہا تو مجھے بے اختیار کھٹومل یاد آگیا تھا۔"

"میں نے بھی وہ خبر اخبار میں ہی دیکھی ہے۔ اس کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"

"بہت بارسوخ اور امیر آدمی ہے۔ امریکی سفیر جوزف فارلینڈ اپنی تعیناتی کے زمانے میں باقاعدگی سے اس کے گھر کی تقریب میں شریک ہوا کرتا تھا۔ سنا ہے کہ وہ بہت متحمل مزاج اور نرم گفتار ہے لیکن شہر کے نامی گرامی بدمعاش اس کے نام سے کانپتے ہیں۔"

"وہ بدمعاشی بھی کرتا ہے؟" میں نے اسے کریدنے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔

وہ ہنس پڑا "یار' یہاں کون بڑا آدمی بدمعاشی نہیں کرتا؟ پھر وہ تو سیاست داں بھی ہے۔ جس کی کمر پر ہاتھ رکھ دیتا ہے وہ اسمبلی میں پہنچ جاتا ہے۔ یہاں مال اور طاقت کے بغیر سیاست کم ہی کامیاب ہوتی ہے۔ پتا نہیں کس جی دار نے اس کے یہاں رنگ میں بھنگ ڈالنے کی ہمت کی۔"

"اس سے تمہاری کوئی جان پہچان بھی ہے یا سنی سنائی باتیں دہرا رہے ہو؟"

"جن دنوں میں گارمنٹس کا کاروبار کررہا تھا' اس سے کئی بار ملاقاتیں ہوئیں۔ اس نے سرکار سے بھاری قرضہ لے کر ایک گارمنٹس فیکٹری لگائی تھی۔ آدھا قرضہ وہ کھاگیا۔ باقی رقم سے جو کچھ بنا وہ صرف دو سال چل سکا۔ پھر اس نے فیکٹری کی چابیاں بینک کے حوالے کردیں۔ اس کی مشینیں شاید آج بھی نیلامی کے انتظار میں زنگ کھارہی ہوں گی۔"

"اس کے بارے میں ذہن پر زور دیتے رہو۔ کسی نہ کسی وقت اس سے میرا ٹکراؤ ضرور ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ تم کو کوئی اہم نکتہ یاد آجائے۔"

اسے وہیں چھوڑ کر میں اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ سلمیٰ نے کمرا بہت محنت سے صاف کیا ہوا تھا۔

لباس تبدیل کرکے میں بستر پر دراز' اپنے خیالات کی رو میں غلطاں تھا کہ اپرٹیس پر سوا دو بجے سلطان شاہ کا پیغام موصول ہوا۔ وہ راستے میں دو مقامات پر چیکنگ کے مراحل کی دشواریوں سے نمٹنے کے بعد ملیر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہوچکا تھا اور کسی بھی وقت ایس ٹی ایف کے مرکز پہنچ سکتا تھا۔

میرے ذہن پر مسلط بوجھ میں کمی ضرور ہوگئی لیکن اس کا خاتمہ نہیں ہوا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر اول خان اور کھٹومل کی آویزش کے مختلف مناظر سر ابھار رہے تھے۔

حیدر آباد ریلوے اسٹیشن پر کھٹومل کا دیکھا جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ ہم اس کے بارے میں صحیح خطوط پر سوچ رہے تھے۔ اول خان نے چلتی ٹرین میں سوار ہوکر دشمن پر غلبہ پانے کی شدید ترین آرزو کا اظہار کردیا تھا۔ اس کے نتائج کا انحصار دشمن کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں پر تھا۔

وہ دونوں ٹرین کے الگ الگ ڈبوں میں سوار ہوئے تھے۔ کوئی بھی آسانی سے دوسرے تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ یہ آنکھ مچولی طول پکڑجاتی تو اول خان کا حیدر آباد سے شروع ہونے والا سفر پنڈی تک بھی طول پکڑسکتا تھا۔

میں سگریٹیں پھونک پھونک کر اسی بارے میں سوچتا رہا۔ تکان کے باوجود نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں بستر پر پہلو بدلتا رہا۔

ساڑھے تین بجے فلیٹ کے گہرے سکوت میں فون کی گھنٹی کسی آسیبی چیخ کی طرح گونجی تو میں نے فوراً ہی بستر چھوڑ دیا۔

میں لابی میں رکھے ہوئے فون تک پہنچا تو سلمیٰ بکھرے ہوئے بالوں اور مخمور آنکھوں کے ساتھ اپنی خواب گاہ کے دروازے پر نمودار ہوئی۔ اندر سے جہانگیر کی اونچی بڑبڑاہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید اس نے مجھ سے نجات حاصل کرتے ہی صلح و صفائی کے اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دیا تھا۔

"اول خان! تم کہاں ہو؟ میں تمہارے بارے میں بہت فکر مند تھا۔" فون پر آواز پہچانتے ہی میں بے ساختہ بول پڑا۔ میری زبان سے اول خان کا نام سن کر سلمیٰ نے اندر غائب ہو کر خواب گاہ کا دروازہ بند کر لیا۔ وہ اس وقت جہانگیر کو اکیلا چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

"وہ ایک دن میں دوسری بار میرے ہاتھوں سے نکل گیا۔" اول خان کی متاسفانہ آواز سنائی دی "میرے اور اس کے درمیان چند فٹ کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔"

"چلتی ٹرین سے وہ کہاں غائب ہو گیا؟" میں نے تعجب سے سوال کیا۔

"نواب شاہ سے آگے کسی وجہ سے ٹرین کی رفتار کم ہوئی تھی۔ شاید وہاں ٹریک کی مرمت کا کام چل رہا ہے۔ میں اسی وقت کئی ڈبے عبور کر کے اس کی بوگی میں داخل ہوا۔ وہ میری طرف سے غافل نہیں تھا۔ میری صورت دیکھتے ہی دروازہ کھول کر پائیدان پر لٹک گیا۔ میں کھلے ہوئے دروازے پر پہنچا تو اس نے اندھیرے میں اندھا دھند باہر چھلانگ لگا دی۔"

"وہ مرا نہیں تو زخمی ضرور ہوا ہوگا.... اس وقت تم کہاں ہو؟"

"میں شداد پور میں لیلیٰن ہوٹل سے بول رہا ہوں۔" اول خان نے جواب دیا "مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی طرح اپنی جان پر نہ کھیل سکا۔ ٹرین کی رفتار کم ہونے کے باوجود خطرناک تھی۔ ٹریک قریبی میدان سے کافی اونچا تھا اور پھر ٹرین کا پائیدان! تم جانتے ہی ہو کہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ شداد پور اسٹیشن پر ٹرین نے بس سانس لیا تھا اور میں یہیں اتر گیا۔"

"اچھا کیا کہ تم نے فون کر لیا۔ اب اس پر لعنت بھیجو۔ جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔"

"وہ ایک گٹھڑی کی طرح ڈھلان پر گرا تھا۔ میں اندھیرے میں اس کا انجام نہیں دیکھ سکا مگر میں تمہارے خیال سے متفق ہوں۔ وہ زندہ بچ گیا تو ہاتھ پیر ضرور تڑوا بیٹھا ہوگا۔"

"کیا شداد پور جیسے چھوٹے شہر میں بھی ہوٹل رات بھر کھلے رہتے ہیں؟"

وہ دھیرے سے ہنسا "اس زرعی قصبے میں تھوڑی دیر بعد لوگوں کے روز مرہ معمولات شروع ہو جائیں گے۔ بس تانگے والا مہربان تھا۔ یہاں پہنچا کر ہوٹل کے مالک کو اس کے گھر سے بلا لایا۔ اس وقت وہ شریف آدمی ہوٹل کی کسی پچھلی کوٹھری میں میرے لیے بستر اور چارپائی درست کروا رہا ہوگا۔ کچھ دیر یہاں کمر سیدھی کر کے واپسی کی فکر کروں گا۔"

"اس وقت تم چاہو تب بھی شاید وہاں سے نہیں نکل سکتے؟" میں نے پوچھا۔

"ناممکن۔ یہی غنیمت ہے کہ اسٹیشن کے باہر تانگا مل گیا ورنہ میں پیدل ہی بھٹک رہا ہوتا۔"

"ذرا ہوشیار رہنا۔ اندرونِ سندھ ہندوؤں کی خاصی بہتات ہے۔ پھر ہوٹل میں بھی تمہیں اجنبی پردیسی سمجھ کر لوٹا جا سکتا ہے۔"

"میرا تجربہ بتاتا ہے کہ لیلیٰن ایک شریف اور سادہ لوح انسان ہے۔ اس کے ہوٹل میں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا.... یہ بتاؤ کہ سلطان شاہ کی کیا خیر خبر ہے۔"

میں نے بتا دیا کہ وہ اسٹیشن فور پہنچ چکا تھا۔ اول خان نے اطمینان کا سانس لیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ سلطان شاہ کہیں فرطِ جوش میں گاڑی میں ٹرین کے پیچھے نہ چل دے۔

واپسی پر رابطے کا وعدہ کر کے اس نے فون کال کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

○☆○

کھٹول راجوانی کے گھر پر اعلیٰ سطحی پولیس پارٹی کے ناکام چھاپے کے بعد اس کا ذاتی کمرا سیل کر دیا گیا تھا اور اس کی نگرانی پر ایک سپاہی مامور کر دیا گیا تھا۔ وہ سرکاری انتظام تھا۔ غیر سرکاری طور پر اول خان نے اپنے دو آدمی وہاں آنے جانے والوں پر نظر رکھنے کے لیے لگا دیے تھے۔ مجھے کچھ امید تھی تو بس ان ہی دونوں سے تھی ورنہ چھاپے میں اہم عہدے داروں کا کردار سامنے آ ہی چکا تھا۔

چھاپے میں علاقہ مجسٹریٹ کے کردار کے بارے میں اول خان نے کھل کر اپنے تحفظات کا اظہار کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ان عہدوں میں انتظامی اور عدالتی اختیارات یکجا ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہو چکا تھا جس کا سدھار آسان نہیں تھا۔

پچھلے روز جہانگیر میرے بیدار ہونے سے پہلے تیار ہو کر دکان کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا۔ اس دن گھر میں سب سے پہلے میری آنکھ کھلی تھی حالانکہ میں اول خان سے بات ہونے کے بعد بوجھل ذہن کے ساتھ سونے میں کامیاب ہو سکا تھا۔

کمرے سے نکلنے پر مجھے دروازے کے قریب اخبار دیکھ کر خوشی ہوئی۔ سلمیٰ نے میری دلچسپی کو ملحوظ رکھتے ہوئے گھر پر اخبار منگوا

کا بندوبست کرلیا تھا۔

اخبار کے پہلے صفحے پر میری گرفتاری میں مدد حاصل کرنے کے لیے اس روز پھر ایک بڑا اشتہار دیا گیا تھا۔ میرے خلاف الزامات کی فہرست طویل ہوچکی تھی۔ اشتہار کی رو سے میں صرف عالمی دہشت گرد نہیں رہا تھا' مجھے قاتل' سازشی' ڈکیت اور کرائے کا مخبر بھی قرار دیا گیا تھا۔ انعام کی رقم پندرہ سے بڑھا کر بیس لاکھ امریکی ڈالر کردی گئی تھی۔

کار آمد اطلاع دینے والے شخص کے اہل خاندان کے لیے مکمل ترین تحفظ اور اس کے حصول کے لیے امریکی شہریت دینے کی ترغیبات بدستور موجود تھیں۔

وہ تشہیر میرے لیے خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھی۔ کالو مکرانی کا تلخ تجربہ میرے سامنے تھا۔ اس نے لالچ سے مغلوب ہو کر جہانگیر کے ذریعے میری گردن تک رسائی کی پہلی کوشش کرہی ڈالی تھی۔ شہر میں بہت سے لوگ اس انعام کی طرف راغب ہوسکتے تھے جو ان کی زندگی بدل سکتا تھا۔

پاکستانی کرنسی کے قدرے استحکام کے باوجود ان دنوں بیس لاکھ ڈالر کی رقم بہت خطیر تھی۔ امریکا کو مطلوب دوسرے ملزموں کے مقابلے میں مجھے یہ نقصان تھا کہ عوام میں سے کوئی میرے نام سے واقف تھا' نہ انہیں یہ معلوم تھا کہ امریکا کے مفادات پر کاری ضربیں لگا کر میں پس پردہ کن پاکستانی مفادات کا بھرپور تحفظ کررہا تھا۔ ان کے لیے وہ اشتہار ہی میرا تعارف تھا۔

دوسرے "مجرموں یا ملزموں" کو طاقت ور زیر زمین تحریکوں کی حمایت حاصل تھی۔ امریکا کو نقصان پہنچانے پر ان کے کارناموں کے بارے میں ایسے محتاط الفاظ میں تشہیر کی جاتی تھی کہ امریکا کی خون آشام مخالفت کے باوجود دنیا کے بیشتر خطوں میں ان کے لیے رائے عامہ ایک نرم گوشہ ضرور رکھتی تھی۔ میں ابتدا سے ہی خود کو چھپاتا رہا تھا اور میری حمایت کرنے والی اسپیشل ٹاسک فورس کا یہ حال تھا کہ اپنی پوری طاقت اور کارکردگی کے ساتھ موجود ہونے کے باوجود وہ کاغذوں یا ریکارڈ پر سرے سے نہیں تھی۔

ہمارے بارے میں لوگ وہی زہر فشانیاں پڑھتے رہے تھے جو ابلاغ کے مغربی ذرائع سے چھن کر ہمارے پریس تک پہنچتا تھا۔ مجھے پہلی بار قلق ہوا کہ میں ناگزیر وجوہ کی بنا پر اپنے ہم وطنوں کی ہمدردیوں سے محروم تھا جس کے نتیجے میں کسی بھی لمحے کوئی دوسرا کالو میری راہ کا سنگ گراں بن سکتا تھا۔

امریکی مہنگے اشتہار دے کر اسی ایک نکتے سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے کوشاں تھے۔

اپنے ان دشمنوں سے لڑتے ہوئے مجھے ایک مدت گزر گئی تھی۔ ان کی بھیانک سازشوں کے باوجود میں صرف اس لیے بچا ہوا تھا کہ وہ صرف میرے نام سے آشنا تھے' میری کوئی تصویر ان کے ریکارڈ میں شامل نہیں تھی۔ میں امریکا گیا تو میرا ویزا جعلی تھا۔ سفارت خانے یا قونصل خانے میں میری کوئی تصویر نہیں دی گئی تھی۔ جینی کے بیان کے بعد امیگریشن والوں کو یہ معلوم ہوچکا تھا کہ میں اسلم خان کے نام سے امریکا میں داخل ہوا تھا۔ اس حوالے سے ان کے پاس جعلی کوائف پر مشتمل صرف ایک کارڈ تھا' تصویر وہاں بھی نہیں تھی۔ اگر میں نے کراچی سے فون کرکے جینی کا غصہ ٹھنڈا نہ کیا ہوتا تو یہ خطرہ موجود تھا کہ امریکی ایجنسیاں اس کی مدد سے میرا خاکہ تیار کروا کے اشتہاروں کے ساتھ جاری کردیتیں۔

میرے اور گیپ کی اصل دستاویز کے بارے میں پاکستانی اور امریکی حکام کی سرد جنگ بدستور جاری تھی اور خبروں میں اس کی جھلکیاں موجود تھیں۔

پاکستان گیپ کے اصل مسودے کو امریکا کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ افواہیں تھیں کہ دارالحکومت میں غیر ملکی سفیروں کے کئی منتخب اجتماعات میں ان اصل کاغذات کو پیش کیے جانے کا پروگرام بن رہا تھا تاکہ عالمی سطح پر ایک رائے منظم کی جاسکے۔

ان افواہوں کے پس منظر میں امریکی دفتر خارجہ نے اصل کاغذوں کے بارے میں اپنے مطالبے میں شدت پیدا کردی تھی۔ میرے لیے یہ بات ذرا بھی حیران کن نہیں تھی کہ امریکی کسی خفت یا شرمندگی کا اظہار کرنے کے بجائے چوری کے بعد سینہ زوری دکھا رہے تھے۔

ان کا استدلال تھا کہ گیپ جیسی سنگین الزام تراشی کے بعد پاکستان کو امریکی حکومت کے اطمینان کے مطابق اس کا ثبوت پیش کرنا چاہیے۔ کسی مسلمہ چور کی طرف سے اپنے خلاف ثبوت کی فراہمی کا دباؤ اور وہ بھی اپنی ہی خدمت میں' ایک انوکھا مطالبہ تھا جس کی نظیر ملنی مشکل تھی مگر وہ سنگین زمینی حقیقت تھی جو برسرِ زمین موجود تھی اور اس کے خلاف کہیں سے کوئی آواز بلند نہیں ہوئی تھی۔ پاکستان کو اپنا کیس تنہا لڑنا پڑ رہا تھا۔

میرے لیے وہ کاغذ دیکھے بھالے تھے۔ ان میں پاکستان کے ساتھ کئی اور ممالک کے نام شامل تھے۔ وہ ممالک بھی اس وقت تک مہر بہ لب تھے۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے پاکستان نے گیپ کا اصل مسودہ حاصل کرکے ساری ذمے داری اپنے سر لے لی تھی۔

بظاہر وہ معاملہ الجھتا اور طول پکڑتا ہوا نظر آرہا تھا کیونکہ دوسرا فریق اس کے حل کے بارے میں اخلاص یا سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کررہا تھا۔

میرا معاملہ مختلف تھا۔ میں اپنی عوامی حمایت سے محروم' امریکا کا خطرناک ملزم قرار دیا جارہا تھا اور امریکی مجھے ہر قیمت پر اپنے چنگل میں جکڑ کر سزایاب کرانا چاہ رہے تھے لیکن پاکستان کے ذمے دار سرکاری اہل کار میرے وجود سے اپنی لاعلمی کا اظہار کرنے پر مصر تھے۔

سرکاری دفاتر اور فائلوں میں میرے کسی جرم کا کوئی واضح ثبوت یا ریکارڈ نہیں تھا۔ امریکی اس موقف کی تردید کرنے کی

پوزیشن میں نہیں تھے کیونکہ خود ان کے پاس میرا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں تھا۔ وہ صرف الزامات کی فہرست دہرا رہے تھے۔
میرے لیے وہ بہت بڑی رعایت تھی۔ مجھے یہ ذہنی سکون میسر تھا کہ اس بار مجھے اپنوں کے اختیار کا کوئی تشدد سہے بغیر، ملک میں اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کی آزادی حاصل ہے۔
میرے حق میں موجود اس فضا کو مسموم کرنے کے لیے واضح طور پر کھٹومل راجوانی کو آلۂ کار بنایا گیا تھا۔ ایک مختصر سی خبر کے مطابق اس نے اپنے گھر پر ہونے والی مبینہ ڈکیتی کے الزام میں ڈینی اور اس کے نامعلوم ساتھیوں کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی تھی۔
اس وقت تک میرا اور کھٹومل کا براہِ راست آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اس کے گھر پر حملہ کرنے والے ایس ٹی ایف کے آدمی تھے۔ میں نے اس کی چار دیواری میں قدم تک نہیں رکھا تھا۔ اس سے فون پر گفتگو کے دوران میں، میں نے ہمیشہ شنکر کا نام استعمال کیا تھا مگر آخری بار اس نے خود ہی مجھے ڈینی قرار دینے پر اصرار کیا تھا۔
یہی نہیں اس نے ہمارے نادرہ والے فلیٹ میں گھسنے کے لیے بالم اور جانی جیسے جرائم پیشہ افراد کو مامور کیا تھا جس کی گواہی کالو مکرانی دے چکا تھا۔
یہ سب نکات اس امر کی غمازی کر رہے تھے کہ تیس مار خان بننے والا کھٹومل اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کر رہا تھا۔ اس کی ڈوریاں کہیں اور سے ہلائی جا رہی تھیں۔ اس کے نامعلوم آقاؤں نے اس کی کھوپڑی میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ اسے قانونی یا غیر قانونی ذرائع اختیار کر کے مجھے ختم کرنا تھا اسی وجہ سے اسے ہر جگہ میرا سایہ نظر آ رہا تھا۔
اس نے غیر قانونی ذریعے سے میرے خاتمے کے لیے بالم اور جانی کے ذریعے ناکام لشکر کشی کی تھی۔ قانونی مار مارنے کے لیے میرے خلاف جھوٹا پرچہ کٹوا دیا تھا۔
جو کام امر کی اپنے دباؤ اور اثر و رسوخ سے نہیں کروا سکے تھے وہ کھٹومل نے ذرا سی دیر میں کر دکھایا تھا۔ تھانے کی سطح کے اہل کاروں کو علم نہیں ہو سکتا تھا کہ ڈینی کون ہے اور اسے کن خاموش قوتوں کی پشت پناہی حاصل ہے۔
وہ بس اپنے علاقے میں بسنے والے کھٹومل کی جاہ و حشمت سے مرعوب تھے۔ اس کے گھر ہونے والی ڈکیتی کا سراغ لگانا ان کا فرض تھا۔ انہوں نے بے چون و چرا ایف آئی آر درج کر کے میرا نام ریکارڈ میں شامل کر دیا تھا۔
میرے لیے وہ موذی اور بدمعاش سیاست داں، آئزک بیل سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا تھا۔ وہ آستین کا سانپ تھا جس کا پھن کچلنا ناگزیر ہو گیا تھا۔
میں اپنے کمرے سے تازہ دم ہو کر باہر نکلا تھا۔ سلمٰی کے بیدار ہونے تک میز پر بیٹھا اخبار چاٹتا رہا۔ وہ بن سنور کر کمرے سے نکلی تو والہانہ انداز میں میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی اور اخبار پر جھکتے ہوئے بولی "کیا خبریں پڑھ رہے ہو؟ جہانگیر کے بارے میں کچھ چھپا ہے؟"
وہ مجھ سے خطرناک حد تک قریب تھی۔ اس کے رچے بسے نسوانی وجود کی حیوانی مہکار سے بوکھلا کر میں اپنی کرسی میں سمٹ گیا اور دوسرے مرحلے میں میں نے تیزی سے کرسی چھوڑ دی۔
"کیا ہوا؟" سلمٰی نے معصومانہ انداز میں نظریں اٹھا کر سوال کیا "میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے کرسی سے کیوں اٹھ گئے؟"
"مجھے اپنی عزت عزیز ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "بے خبری میں تم کو کچھ ہوش نہیں رہتا۔ جہانگیر ہم دونوں کو اتنے قریب دیکھ لے تو اس کا ماتھا ٹھنک سکتا ہے۔ نیت صاف ہونے کے باوجود میں اس کی بدگمانی دور نہیں کر سکوں گا۔"
"ان کی بات چھوڑو۔" وہ بے پروائی سے بولی "وہ گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہیں۔ اب دوپہر کی خبر لائیں گے۔ وہ دیکھ بھی لیں تو تمہاری طرف سے کبھی بدگمان نہیں ہو سکتے۔"
"اخبار میں اس معمولی واقعے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ تم جا کر ناشتا تیار کر لو۔ مجھے انتظار کرتے ہوئے ڈیڑھ گھنٹا گزر چکا ہے۔"
"ڈرپوک کہیں کے۔" دھیمے سے یہ کہہ کر سلمٰی اٹھلاتی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئی۔
ناشتا ہم نے میز پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر کیا۔ ناشتے کے بعد اسے یہ فکر سوار ہو گئی کہ میں نے جہانگیر کو بجا طور پر گھر میں نظر بند کر دیا تھا لیکن اس کے نتیجے میں وہ بسیار نوشی میں مبتلا ہو سکتا تھا۔
"یہ دیکھنا تمہارا کام ہے۔ تم اس کی بیوی ہو۔" میں نے بے رخی سے کہا "میں صرف اتنا یقین دلا سکتا ہوں کہ میری طرف سے اس کی حوصلہ افزائی نہیں ہوگی۔"
"کبھی کبھی وہ تمہیں بھی بہکا لیتے ہیں پھر بھی مجھے حسرت ہی ہے کہ کبھی تم نشے کی حالت میں میرا اور غزالہ کا فرق فراموش کر بیٹھو۔ وہ تو کل رات ہی بیئر پی کر ویرا پر لٹو ہوئے جا رہے تھے۔ تم اپنے اوپر اتنا قابو کیسے رکھتے ہو؟"
"ایک طلسم پڑھ ڈالو تو جہانگیر بھی نہیں بہکے گا۔ یہ تمہارے....." میرا وہ بے سروپا مشورہ ادھورا رہ گیا کیونکہ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔
دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا۔ وہ بلیسن ہوٹل کے مالک کے تعاون کی وجہ سے شداد پور سے صبح سویرے نکلنے والی پہلی بس کے ذریعے دس بجے کراچی پہنچ گیا تھا اور اس وقت اپنے گھر پر موجود تھا۔
"گھر پہنچنے کے بعد یہ میرا تیسرا فون ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں

ناشتا کر کے تمہاری طرف آتا ہوں۔" اپنی آمد کی پوری روداد سنانے کے بعد اس نے اطلاع دی۔

"تم یہاں آجاؤ گے تو کالو اور اس کے ساتھی کا کیا بنے گا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے جو کام اپنے سر لیا ہے' اس سے غافل نہیں ہوں۔ تم سے پہلے میں نے دو فون اسی بارے میں کیے تھے۔ ان دونوں کے ساتھ نسیم کا بندوبست بھی ہو گیا ہے۔"

"پولیس انہیں کس الزام میں اپنی تحویل میں لے گی؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"پہلے میرا ارادہ تھا کہ ان پر بلیک میلنگ اور اغوا کے الزامات عائد کیے جائیں مگر اس طرح جہانگیر کا نام بھی ملوث ہو جاتا۔ اب انہیں صرف ایک جرم میں گرفتار کیا جائے گا جس کا اعتراف کالو اپنی زبان سے کر چکا ہے۔"

"میرے گھر پر حملے کا الزام؟ اس طرح میرا نام ملوث ہو گا۔" میں نے کہا۔

"کسی کا نام نہیں آئے گا۔ وہ لوگ تمہارے فلیٹ میں داخل ہونے سے پہلے زینوں پر مارے گئے تھے۔ اصل پروگرام سے وہ چاروں واقف تھے۔ کالو سمیت باقی افراد کو کسی بات کا علم نہیں تھا۔ وہ پولیس کو اس خوں ریزی کے مقصد سے آگاہ نہیں کر سکیں گے۔" اول خان نے بتایا۔

"اس طرح ان کے جرم کی سنگینی کم نہیں ہو جائے گی؟" مجھے تشویش ہوئی۔

"یہ دیکھنا میرا کام ہے۔ وہ جرم کے مقاصد سے واقف نہیں تھا مگر وہاں فائرنگ کے نتیجے میں چھ لاشیں وجود میں آئی تھیں۔ یہ بھول جاؤ کہ مرنے والے سب ہی پیشہ ور مجرم تھے اور انہیں تم لوگوں نے یا میرے آدمیوں نے مارا تھا۔ پولیس کو ان کے قاتلوں کی تلاش ہے۔ کالو کے اعتراف کی روشنی میں اسے قتل یا پھر قتل میں اعانت کا ملزم گردانا جائے گا۔ اس کی گردن نہیں بچ سکے گی۔"

"اگر تفتیش تمہارے بتائے ہوئے خطوط پر کی گئی تو ایسا ہی ہونا چاہیے۔"

"ہم انہیں ایک تیار کیس دے رہے ہیں۔ وہ ان خطوط سے ذرا بھی انحراف نہیں کریں گے۔"

"ظاہر ہے کہ تم نے یہ سارا بندوبست سرکاری سطح پر کیا ہو گا۔"

"مجبوری تھی۔ اعلیٰ حکام کی ہدایت کے بغیر تھانے والے ہم سے ڈکٹیشن نہ لیتے۔"

"پھر کھٹو مل کی گردن بھی اس کیس میں پھنسائی جا سکتی ہے۔" میں نے رائے ظاہر کی۔

"کھل کر بتاؤ تاکہ ملزموں کی منتقلی سے پہلے میں اس کی وضاحت بھی کر دوں۔"

"کالو ہی یہ نیک کام کرے گا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ بالم اور جانی کے لیے کام کر رہا تھا۔ وہ دونوں کھٹو مل کے تنخواہ دار تھے۔ ضرورت پیش آنے پر اس شراب خانے کے مالک کو بھی گھسیٹا جا سکتا ہے جس کے عقبی دفتر میں بالم اور کھٹو مل کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔"

فون پر اول خان کی ہنسی کی آواز سنائی دی پھر وہ بولا "تمہاری یادداشت قابلِ رشک ہے۔ کام کا ہر نکتہ یاد رکھتے ہو۔ تم ہی کو اس کیس کا تفتیشی افسر ہونا چاہیے تھا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ یہاں آنے سے پہلے تم نے ان تینوں کا بندوبست کر لیا ہے۔" میں نے دائیں بائیں دیکھ کر دھیمی آواز میں کہا "یہاں آکر نسیم کا ذکر نہ کرنا۔ سلمیٰ بری طرح بھڑک جائے گی۔ میں اپنی موجودگی میں یہاں کسی قسم کی کشیدگی نہیں چاہتا۔"

"میں سمجھ گیا۔ اس کا ذکر کرنا ہی پڑا تو نام اور جنس بدلی جا سکتی ہے۔"

اس بار میں بے ساختہ ہنس پڑا "یہاں سارا جھگڑا ہی جنس کا ہے۔ وہ میرے دوست کو ضرورت سے زیادہ جنس زدہ سمجھتی ہے۔"

"'بد اچھا' بدنام برا شاید اسی کے لیے کہا گیا ہے۔ میں دو تین فون کر کے آتا ہوں۔ باقی باتیں ملاقات ہونے پر ہوں گی۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

میں فون رکھ کر واپس لوٹا تو سلمیٰ کچن میں ناشتے کے برتن دھو رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ سوال کر بیٹھی "کیا باتیں ہو رہی تھیں؟ خوب قہقہے لگ رہے تھے۔"

"مشکلات کچھ آسان ہوئی ہیں تو ہنسنے کی خواہش پوری کر رہا تھا۔"

"ہنسنا چاہو تو تم ہر وقت مجھ پر بھی ہنس سکتے ہو۔" اپنا کام ادھورا چھوڑ کر اس نے ہاتھ دھوئے اور باورچی خانے سے باہر نکل آئی۔

سلمیٰ کی اس حرکت کے پیچھے اس کی یہ لاشعوری خواہش کارفرما تھی کہ وہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت میرے ساتھ گزارے جب کہ میں تنہائی میں اس کے ساتھ خود کو بہت بے آرام محسوس کرتا تھا۔ ہر وقت اس کی طرف سے کسی ذہنی جھٹکے کا خطرہ رہتا تھا۔

"تم پر کون ہنس سکتا ہے؟ تمہارے پاس دنیا کی کس چیز کی کمی ہے؟"

"دیکھ لو۔" اس نے صوفے پر بیٹھ کر اپنا دامن پھیلا دیا۔ "ماں ہو کر بھی خالی گود لیے پھرتی ہوں۔"

"جوان رہنے اور نظر آنے کے لیے تمہارے طبقے کی بہت سی عورتیں بچوں کو آیاؤں کے سپرد کر دیتی ہیں۔ انہیں شیرِ مادر کا ذائقہ تک نہیں چکھنے دیتیں۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تم نے مہینوں اپنے بچے کو خود پالا پوسا ہے۔"

"اکثر خیال آتا ہے کہ بھائی لاولد ہیں۔ پتا نہیں وہ بچے کی ضرورتوں کو سمجھتی بھی ہیں یا انہیں نظرانداز کردیتی ہیں۔ میں گھنٹوں اس کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں۔"

وہ اس کا اپنا پیدا کیا ہوا مسئلہ تھا جس سے مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ اس وقت اس کی ذہنی رو اپنے بچے کی طرف بہکی ہوئی تھی۔ وہ مسلسل اسی کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ میں اس کا بن بلایا مہمان تھا۔ مروت میں اس کی باتیں سنتا اور جواب دیتا رہا۔

اول خان میرے اندازے سے کہیں زیادہ تاخیر سے آیا اور سلمٰی سے میری گلوخلاصی ہوگئی۔

"اب تم اپنے اس فلیٹ سے باہر نہ نکلنا۔" تخلیہ ہوتے ہی اول خان نے رازدارانہ لہجے میں ہدایت دے کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑادیں۔

"کیوں؟ کیا یہ فلیٹ بھی ہمارے دشمنوں کی نظروں میں آگیا ہے؟"

"تمہارے خلاف ایف آئی آر درج ہونے کے بعد امریکی ذرا تیزی دکھا رہے ہیں۔ انہوں نے سرکاری سطح پر ہماری طرف سے لاعلمی کے اظہار کے بعد باضابطہ طور پر نادرہ کے فلیٹ کی نشاندہی کی ہے۔ ان کا اصرار ہے کہ تم وہاں مقیم ہو۔"

"غنیمت ہے کہ یہ بات اب کہی جارہی ہے۔ انہیں بروقت ہوش آجاتا تو مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔ اس کے بعد ان کا اگلا قدم کیا ہوگا؟" میرے لیے وہ اطلاع تشویشناک تھی۔

"وہ قانون کے محافظوں کو تمہاری راہ پر ڈالنے کی سرتوڑ کوششوں کا آغاز کرچکے ہیں۔ انہیں جواب دے دیا گیا کہ وہ فلیٹ خالی اور مقفل پڑا ہوا ہے۔"

"کھٹول کے بھیجے ہوئے قاتلوں کی ناکامی کے بعد یہ بات انہیں پہلے ہی معلوم ہوچکی ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ وہ اب کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔ میرے لیے اصل اہمیت ان کے موجودہ عزائم کی ہے۔"

"ایف بی آئی کا ایک سراغرساں دو تربیت یافتہ کتوں کے ساتھ کراچی میں موجود ہے۔"

"امریکی کتے میرے لیے نئے نہیں ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "میں انہیں پہلے بھی بھگت چکا ہوں۔"

"شاید تم امریکیوں پر طنز کررہے ہو۔" وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بولا۔

"امریکی دو ٹانگوں والے ہوتے ہیں۔ میں چوپایوں کی بات کررہا ہوں۔ تمہارا حافظہ کمزور ہوگیا ہے ورنہ تمہیں یاد آجاتا کہ سوسائٹی میں راس المیڈا سے میرے پہلے تصادم کے فوراً بعد پی ای سی ایچ ایس کی گلیوں میں ایک خونخوار کتا میری بو پر حملہ آور ہوا تھا۔ کھڑکی کا شیشہ گرا ہوا ہوتا تو وہ میرا پورا شانہ ادھیڑ لے جاتا۔"

"یاد آگیا۔" اول خان بولا۔ "تم نے اسے مار دیا تھا۔ اس روز سلطان شاہ تم سے بچھڑ گیا تھا اور تم اس کی تلاش میں گلیاں چھانتے پھر رہے تھے۔"

"گڈ... میں یہی حوالہ دے رہا تھا۔ اب شاید وہ سراغرساں اپنے کتوں سمیت نادرہ کے فلیٹ میں جانا چاہ رہا ہوگا؟"

"سو فیصد یہی قصہ ہے۔ بات ان کی خواہش سے آگے بڑھ چکی ہے۔ اس خواہش کو مسترد کرنے کو یہ مفہوم دیا جاتا کہ مقامی حکام تمہیں تحفظ فراہم کررہے ہیں۔ امریکیوں اور مقامیوں پر مشتمل ماہرین کی ایک ٹیم دونوں کتوں کے ساتھ آج تین بجے فلیٹ کا معائنہ کرے گی۔"

"انہیں پھر چوٹ ہوگی۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔ "سارا سامان پہلے ہی وہاں سے نکالا جاچکا ہے۔ وہاں اتنے لوگوں کی آمدورفت رہی ہے کہ وہ مرکر بھی میری بو کا سراغ نہیں لگاسکیں گے۔"

"بیشتر سامان نکال لیا گیا ہے مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ چیزیں وہاں رہ گئی ہوں گی۔ اس وقت یہ معلوم ہوتا کہ نادرہ کا گھر ہمیشہ کے لیے خالی کرنا ہے تو ہر چیز منگوالیتا۔"

"اس سے بھی مدد نہیں ملے گی۔ ذاتی استعمال کی چیزوں پر کسی کا نام نہیں لکھا ہوتا۔"

"پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔ آج تم بھول کر بھی باہر نہ نکلنا۔ وہ کتوں کو تمہاری بو پر سدھا کر اس علاقے میں آزاد چھوڑنا چاہ رہے تھے تاکہ کتے ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد کسی خاص مقام کی نشاندہی کرسکیں مگر تحفظ عامہ کے تحت یہ تجویز سختی سے مسترد کردی گئی۔ کتے لاکھ تربیت یافتہ ہوں لیکن کسی بھی چیز سے مشتعل ہوکر خونخوار ہوسکتے ہیں۔"

"بہتر ہوتا کہ ان کی تجویز قبول کرلی جاتی اور تمہارے نشانچی چھپ کر انہیں بھون ڈالتے۔"

"ان کی ہر بات مان لینے سے ان کے حوصلے بلند ہوجاتے۔ پتا نہیں آگے وہ کیا کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہیں بے لگام آزادیاں نہیں دی جائیں گی۔"

"تم امریکیوں کی توہین کررہے ہو۔ لگام چوپایوں کی دی جاتی ہے!" میں نے یاد دلایا۔

"ایسی باتیں قوموں کے بارے میں نہیں، افراد کے بارے میں کی جاتی ہیں۔ ہر قوم میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جنہیں دیکھ کر چوپائے تو کیا، درندے بھی شرما جائیں۔"

"میں تم سے متفق ہوں۔ کچھ ہی روز پہلے میں نے ایک جاپانی کے بارے میں پڑھا ہے۔ وہ اپنی خوبصورت دوستوں کا گوشت ڈیپ فریزر میں منجمد کرکے مہینوں بہت رغبت سے استعمال کرتا تھا۔ یہ اس کی ذاتی کج روی تھی ورنہ جاپانی قوم منکسرالمزاج، خوش اخلاق اور امن پرور مشہور ہے۔"

"ایک اہم بات بتادوں۔" بات کرتے کرتے اول خان کو کوئی

بھولی ہوئی بات یاد آگئی۔ "یہاں کے حفاظتی انتظامات میں میں نے ذرا سی تبدیلی کی ہے۔ آدمی دو ہی ہیں مگر اپریٹس ایک رہ گیا ہے۔ دوسرا اپریٹس اسٹیشن فور پر ہے تاکہ ہم سب کا وہاں سے بھی رابطہ رہ سکے۔"

"یہ بندوبست اسی طرح ہونا چاہیے تھا۔ بہرحال دیر آید' درست آید۔"

سلمٰی ہم دونوں کے لیے چائے لے آئی۔ ساتھ ہی یہ اطلاع بھی ملی کہ جہانگیر بیدار ہوکر غسل خانے میں گھسا ہوا تھا اور کسی بھی وقت برآمد ہوکر ہمارے ساتھ شامل ہو سکتا تھا۔

ہم چائے کی پیالیاں خالی بھی نہ کرپائے تھے کہ جہانگیر دونوں ہتھیلیاں رگڑتا اور چہکتا ہوا آپہنچا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے غسل کے پانی کے ساتھ رات کی مے نوشی کے جملہ اثرات ڈرین پائپ میں بہا دیے ہوں۔

اس کے پیچھے پیچھے سلمٰی ناشتے کی ٹرے لیے وہاں آگئی اور خود بھی بیٹھ گئی۔

جہانگیر کو معلوم تھا کہ اس سے ٹکرانے والے دونوں افراد ایس ٹی ایف کی تحویل میں دے دیے گئے۔ اس نے اول خان سے رسمی طور پر ان کے بارے میں پوچھا۔ اس کے حیدر آباد کے ہنگامی دورے کے بارے میں چند سوال کیے۔ اس دوران میں وہ ناشتے سے بھی انصاف کرتا رہا۔

کچھ دیر بعد اول خان نے اپنے اپریٹس پر کال سگنل دیکھ کر آواز کھولی تو کوئی اس سے گفتگو کرنی چاہ رہا تھا۔ اول خان نے جونہی اپنی موجودگی کا پیغام دیا' دوسری طرف سے آواز آنے لگی "پولیس نے نسیم کو پکڑلیا ہے.... یہ اطلاع ابھی ابھی...."

میں نے بوکھلا کر اپریٹس اس کے ہاتھ سے چھینا اور آف کردیا۔

اول خان تحیرزدہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ "کیا ہوا؟ تم نے اسے کیوں بند کردیا؟"

اسی وقت سلمٰی کچن سے دوڑی چلی آئی۔ وہ جہانگیر کے لیے چائے لینے گئی ہوئی تھی۔ "ابھی ابھی کوئی بھرائی ہوئی آواز میں نسیم کا ذکر کررہا تھا.... تم لوگوں نے بھی آواز سنی ہوگی؟"

تینوں احمقانہ انداز میں ایک دوسرے کے چہرے تکنے لگے۔ ہماری خاموشی مشکوک ٹھہرتی۔ میں نے جلدی سے کہا۔ "ہم نے کچھ نہیں سنا' تمہارے کان بج رہے ہیں۔ رات کو بھی تمہیں اسی کے خواب نظر آتے رہے ہوں گے۔"

"ہاں' ایسی تو کوئی بات نہیں تھی۔" اول خان نے سرہلا کر میری تائید کی۔

سلمٰی کے لیے میرے جواب سے زیادہ معتبر اول خان کی تائید تھی۔ وہ مطمئن ہوکر لوٹ گئی۔

"تم ضرور اسے مروا دو گے۔" میں نے دبی زبان میں اول خان پر غصہ نکالا۔

وہ خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میں نے پوری احتیاط کی ہے۔ اپریٹس ذہن میں نہیں آیا تھا۔ یہ خبر بھی عین اسی وقت آنی تھی۔"

میں نے بازو پکڑ کر اسے صوفے سے اٹھایا اور تقریباً کھینچتا ہوا اپنے کمرے میں لے گیا۔

"اب یہاں سے بات کرو کہ کیا ہوا ہے۔" میں نے اسے باتھ روم کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے اندر چلا گیا اور اپریٹس پر اپنے آدمی سے رابطہ کرنے لگا۔

اپریٹس کی آواز کم رکھ کر اس نے دھیمی آواز میں گفتگو شروع کی۔ میں کھلے ہوئے دروازے پر کھڑا ہر لفظ سن رہا تھا۔

اصل خبر وہی تھی جو ہم سن چکے تھے۔ نسیم کو اس کے گھر سے اٹھا کر خواتین کے تھانے میں بند کردیا گیا تھا۔ اپنے مجرمانہ پس منظر کی وجہ سے وہ پولیس کو دیکھ کر خائف ہوگئی تھی اور کسی مزاحمت کے بغیر خود کو پولیس کے حوالے کردیا تھا۔

"اس کے بارے میں کوئی نئی خبر ملے تو نسیم کے بجائے مولا بخش کا نام استعمال کرنا۔ یہ احتیاط بہت ضروری ہے۔ اوور اینڈ آل۔" اول خان آخر میں آئندہ کے لیے ہدایت دینی نہیں بھولا تھا۔

"تم نے اچھا کیا کہ اپریٹس چھین کر آف کردیا۔ اس کے کان کھڑے ہوگئے تھے۔ ہم تینوں یک زبان نہ ہوتے تو کوئی گڑبڑ شروع ہو سکتی تھی۔"

اول خان نے اپریٹس جیب میں رکھا اور ہم دونوں کمرے سے نکل آئے۔

اول خان حیدر آباد سے شہدادپور ہوکر کراچی لوٹ آیا تھا لیکن اس نے کھٹول راجوانی کو فراموش نہیں کیا تھا۔ اس مکار آدمی کے ہاتھوں اٹھائی ہوئی زک اسے مضطرب کیے دے رہی تھی۔ اس نے فون پر اپنے ذرائع سے رابطہ کرکے نواب شاہ اور اس کے قرب و جوار کا سارا علاقہ چیک کروالیا تھا مگر کہیں بھی پچھلی رات کسی ایسے زخمی کی آمد کی اطلاع نہیں ملی تھی جس پر کھٹول ہونے کا شبہ کیا جا سکتا۔ وہاں کوود کروہ خاموشی سے نکل گیا تھا۔

اسے حیرت تھی کہ وہ سخت جان مجرم چلتی ٹرین سے ایک خطرناک چھلانگ لگانے کے باوجود بری طرح زخمی ہونے سے کیسے محفوظ رہا تھا۔ اس کی دانست میں وہ واقعہ کھٹول کی مقدر کی یاوری کا کھلا ثبوت تھا۔ اس کے ستارے ساتھ نہ دے رہے ہوتے تو وہ اپنے گھر بلکہ کمرے میں مالِ مسروقہ کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہوتا۔

اول خان اس کے دوسرے فرار کا بھی چشم دید گواہ تھا۔ میں اس کے تجزیے پر حرف گیری نہیں کرسکتا تھا۔

ایک بچے کے بعد کھٹول کے اثر و رسوخ کے کمالات سامنے

آنے شروع ہو گئے۔ اسٹیشن فوری صوبے کے اعلیٰ حکام کا دباؤ بڑھ گیا۔ وہ سب اول خان کو تلاش کر رہے تھے۔ ماتحت عملہ پیغامات نوٹ کر کے اول خان کی مصروفیات سے لاعلمی کا اظہار کرتا رہا۔ پیغامات کی تکرار شروع ہوئی تو ان میں سے کسی نے اپریٹس پر ڈیڑھ بجے اول خان کو ان پیغامات کی پہلی رپورٹ دی۔

"آئی جی اور صوبائی ہوم آفس کو میری تلاش ہے۔ اس کا مطلب ایک ہی ہو سکتا ہے کہ کھٹول اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔" اول خان نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ آج صبح سویرے حیدر آباد یا نواب شاہ سے جہاز کے ذریعے اسلام آباد گیا ہوگا۔ ٹرین سے اتنی جلد وہاں پہنچنا ممکن نہیں تھا۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اسلام آباد میں ہمارے آدمی سو رہے تھے۔" غصے اور بے بسی کے عالم میں اول خان نے اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ "انہیں پہلے سے ہوشیار کر دیا گیا تھا پھر بھی وہ اس کی راہ روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ یہ عجیب سی بات ہے۔"

"انہیں الزام نہ دو۔ وہ تمہارے سامنے سے دو مرتبہ فرار ہو چکا ہے۔"

"وہ چھلاوا بنا ہوا ہے۔ اس کے ہمدرد حرکت میں آگئے تو اس بات کی تحقیقات ہو رہی ہوں گی کہ کھٹول کے گھر پر چھاپا کس کی ہدایت پر گیا تھا۔"

"تم نے اسلام آباد سے اس بارے میں کسی قسم کا حکم جاری کرایا تھا۔"

"میری رسائی اپنے فورس کمانڈر تک تھی۔ پتا نہیں اس نے کس اتھارٹی سے بات کی تھی۔"

"کہیں تم کسی جواب دہی کا خطرہ تو محسوس نہیں کر رہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"جواب دہی کی مجھے پرکاہ کے برابر پروا نہیں۔ جھلاہٹ اس بات کی ہے کہ ہماری راہیں مسدود کر کے ایک خطرناک مجرم کے لیے آسانیاں پیدا کی جا رہی ہیں۔"

"بڑے مگرمچھوں کی گرفتاری سے پہلے اجازت لینے کا فلسفہ اب سمجھ میں آرہا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "عام آدمی جرم نہ بھی کرے تو پولیس محض شبے میں اسے اٹھا کر حوالات میں بند کر دیتی ہے۔ بڑے آدمی کا جرم سامنے آنے پر بھی اس کی گرفتاری محال ہوتی ہے۔"

"یہی خرابیاں ہمیں تباہ کر رہی ہیں۔ مجرم کوئی بھی ہو، اسے بے رحمی سے کچل دینا چاہیے۔ پتا نہیں یہ سیدھی سی بات اوپر والوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ الزام کی نوعیت جانے بغیر ہر مقتدر آدمی اپنے عزیزوں، دوستوں اور حلیفوں کو تحفظ فراہم کرنے پر تل جاتا ہے۔"

"اصل بات وہی ہے جو تم ایک بار کہہ چکے ہو۔ یہ سب ہمارے سسٹم کی خرابیاں ہیں جو چھوٹے موٹے اور نیم دلانہ اقدامات سے ختم نہیں ہو سکتیں۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم اس سسٹم کے پابند ہیں۔ ہمیں اسی میں رہ کر کام کرنا پڑتا ہے۔"

"اسی وجہ سے ایس ٹی ایف غیر ملکی دشمنوں کو اپنا ہدف بنائے رکھتی ہے۔ مقامی گند میں جب بھی ہاتھ ڈالا جاتا ہے، نت نئے مسائل سر اٹھانے لگتے ہیں۔"

"یہ باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔ پہلے یہ دیکھو کہ وہ لوگ تم سے کیا چاہتے ہیں۔"

"دیکھنا پڑے گا۔ یہ پروٹوکول کی مجبوری ہے۔ وہ لوگ مجھ سے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔" یہ کہہ کر اول خان نے بے دلی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

پہلے اس نے صوبے کے انسپکٹر جنرل کے دفتر کا نمبر ملایا۔ آئی جی کے پی اے نے اس کا نام سنتے ہی کال اپنے باس سے ملا دی۔ سلام دعا کے بعد اول خان بس یس سر، یس سر ہی کہتا رہا۔ دوسری طرف سے آنے والی ہدایات میں شاید اس کے بولنے کی گنجائش نہیں تھی۔

"بالکل سر! میں وقت پر پہنچوں گا۔ میرے ساتھ ایک ماتحت بھی ہوگا۔" آخر میں اس نے کہا۔ جواب میں دوسری طرف سے پھر کچھ کہا گیا۔

چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اول خان نے عاجزانہ لہجے میں آئی جی کا شکریہ ادا کیا اور غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"اب وقت کی بربادی کا دور چلے گا۔ سیکریٹری نے ہوم آفس میں آج شام چھ بجے ایک اجلاس طلب کیا ہے جہاں مجھے بھی طلب کیا گیا ہے۔" اول خان نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں نے آئی جی سے ایک ماتحت کو اپنے ساتھ لانے کی اجازت لے لی ہے۔ تم میرے ساتھ چلو گے۔"

"آج تم نے مجھے گھر سے نہ نکلنے کی ہدایت دی تھی....." میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے وہ بول پڑا۔

"مجبوری ہے۔ تمہیں چلنا ہوگا تاکہ میں وہاں بہکنے نہ پاؤں۔ تم یقین کرو کہ اس وقت میرے خون کی گردش خود بخود تیز ہو چکی ہے۔"

"اگر امریکی بھی وہاں موجود ہوئے تو میں مارا جاؤں گا۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"وہ نہیں ہوں گے۔ انہیں تین بجے تمہارے چھوڑے ہوئے فلیٹ میں جانا ہے۔ ان میں سے کوئی تمہیں نہیں پہچانتا۔ تم کسی فرضی نام سے وہاں جاؤ گے۔ تمہارا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔"

"جذبات کی رو میں آکر تم ایک انتہا پسندانہ فیصلہ کر رہے ہو۔"

"میں اپنے فیصلوں کے نتائج کا سامنا کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا ہوں۔ تم پر ذرا بھی آنچ آنے سے پہلے میں ہر ایک سے ٹکرا

جاؤں گا۔" اول خان کچھ بھی سننے پر آمادہ نہیں تھا۔
"اگر تم ضد پر اتر آئے ہو تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ ایک تجربہ یہ بھی سہی۔"
"تم دونوں برا نہ مانو تو میں بھی کچھ عرض کروں۔" جہانگیر نے طویل خاموشی کے بعد معذرت خواہانہ انداز میں زبان کھولی۔
"معاف کرنا۔ اپنی باتوں میں الجھ کر ہم تمہیں بالکل فراموش کر بیٹھے۔" اول خان نے خفت سے کہا۔ "تم پوری آزادی سے کوئی بھی مشورہ دے سکتے ہو۔"
"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں لیکن یہ اندازہ ضرور ہورہا ہے کہ تم نے میری وجہ سے کالو پر ہاتھ ڈالا اور اب اس کی وجہ سے کسی چکر میں پھنس گئے ہو۔ میری مانو تو اسے چھوڑ دو۔ جو ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔" جہانگیر نے پورے خلوص سے کہا۔
"وہ ڈاکو تھے۔ انہیں پکڑنے سے کیا مشکل پیدا ہوگئی؟" سلمٰی نے حیرت سے پوچھا۔ "اس کارنامے پر تو ڈیڈی کو انعام ملنا چاہیے تھا۔ یہاں الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔"
"بی بی! تم اپنی ننھی سی عقل پر زور مت دو۔" جہانگیر نے اس پر طنز کیا۔ "کچن میں جا کر کھانے پینے کا کوئی بندوبست کرو۔ یہ مردوں کی باتیں ہیں۔ ہم خود کچھ طے کرلیں گے۔"
"جہانگیر کی بک بک پر دھیان مت دو مگر لنچ بہت ضروری ہے۔ ہم خالی پیٹ میٹنگ میں گئے تو کسی نہ کسی سے لڑ بیٹھیں گے۔ اس کا گناہ تمہارے سر آئے گا۔"
"تم ہمیشہ ان کا ساتھ دیتے ہو۔" سلمٰی نے اٹھتے ہوئے شکوہ کیا۔ "میں بلاوجہ تمہارے سر پر بوجھ نہیں بنوں گی۔ ایک گھنٹے بعد جب چاہو' کھانا مانگ سکتے ہو۔"
"ہم مانگنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ تین بجے میز پر لگا دینا۔" اس کے جاتے جاتے جہانگیر نے ہانک لگائی۔ "کھانا مقدار میں وافر اور ذائقے میں لذیذ ہونا چاہیے۔"
میں چند ثانیوں تک جہانگیر کو گھورتا رہا پھر آہستگی سے کہا۔ "میں نے اس کے سامنے تمہاری لاج رکھ لی۔ اب تم بھی جا کر اس کا ہاتھ بٹاؤ۔ یہ معاملہ بہت سنگین ہوگیا ہے۔ ہم دونوں کو تخلیے میں بیٹھ کر اس پر اپنا سر کھپانا ہوگا۔"
"مجھے صرف ایک بات بتا دو۔" اس نے آگے جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں خوشامد کی۔ "کیا یہ سارے خطرات صرف اس وجہ سے پیدا ہوئے ہیں کہ میں نے نسیم سے راہ و رسم پیدا کرنے کی کوشش کی تھی؟ تم دونوں کی باتیں سننے کے بعد یہ احساس مجھے مارے ڈال رہا ہے۔"
"بنیاد وہی ہے۔ تم اس عورت کی حوصلہ افزائی کرتے نہ بعد کے واقعات رونما ہوتے۔ کالو کی گرفتاری کے بعد کچھ دوسرے عوامل نے پورے معاملے کو سنگین بنا دیا ہے۔"
"پھر تم غور و خوض کرو۔ میں تمہارا ایک لمحہ بھی برباد نہیں کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا۔
اول خان نے نیچی آواز میں مجھے آئی جی سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔
"ابھی تم نے صرف ایک فون کیا ہے' کچھ اور لوگ بھی تمہاری تلاش میں ہیں۔" اس کی بات مکمل ہونے پر میں نے اسے یاد دلایا۔
"وہ بھی یہی سلسلہ ہوگا۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "لیکن مجھے ہوم آفس والوں سے بھی بات کرلینی چاہیے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم میرے ساتھ جاؤ گے۔"
اس بار میں نے اول خان کا پیچھا نہیں کیا۔ وہ گیا اور چند منٹ بعد لوٹ آیا۔ "وہی کہانی تھی۔ مجھ سے ریکارڈ ساتھ لانے کی فرمائش کی گئی تھی۔ میں نے صاف بتا دیا کہ ہم ریکارڈ کے بغیر کام کرنے والے لوگ ہیں۔ ہمارا ریکارڈ فائلوں کے بجائے ذہنوں میں محفوظ ہوتا ہے۔ ویسے بھی وہ چھاپا ہم نے نہیں مارا تھا۔ میں مبصر کے طور پر اس کارروائی میں شریک ہوا تھا۔ اصل ذمے داری آئی جی کی تھی۔"
اول خان نے بدلے ہوئے حالات کی روشنی میں اپنے انتظامات میں جو تبدیلیاں کی تھیں ان کے نتیجے میں کھانے کی میز پر اسے اریٹس پر پیغام ملا کہ ٹھیک تین بجے چار امریکی' چھ پاکستانی اور دو قد آور کتے اس عمارت میں داخل ہوتے دیکھے گئے تھے جس کی اوپری منزل پر نادرہ غنی کا آراستہ فلیٹ واقع تھا۔ یہ اطلاع اس اعتبار سے تسلی بخش تھی کہ ان کے وہاں مصروف ہوجانے کے بعد چھ بجے والے اجلاس میں ان کی شرکت کا بہت کم امکان رہ جاتا تھا۔
چار بجے ایس ٹی ایف کے ایک اہلکار نے ڈوربیل بجا کر خاکی رنگ کا ایک لفافہ سلمٰی کے حوالے کردیا۔ اول خان نے لفافے میں موجود چند کاغذات کا جائزہ لینے کے بعد انہیں پھاڑ کر تلف کردیا۔ باقی رہ جانے والی تین دستاویزات میری طرف بڑھا دیں۔
ان کاغذوں کی رو سے میرا نام ریٹائرڈ کرنل جمال دستی تھا اور میں کئی سال کی مدت سے اسپیشل ٹاسک فورس سے وابستہ تھا۔ ایک طرف یہ انتہا تھی کہ امریکیوں کے پاس میری کوئی تصویر نہیں تھی۔ دوسری طرف تصاویر کی اتنی فراوانی تھی کہ میں شناختی کارڈ پر پلاسٹنگ کوٹنگ کے نیچے اپنی تازہ تصویر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میرے سوال پر اول خان نے بتایا کہ وہ تصاویر امریکا کے سفر کے لیے پاسپورٹ پر لگانے کے لیے اتروائی گئی تھیں۔ اس کام میں ایک تصویر استعمال ہوئی' دوسری ضائع ہوگئی۔ دو اول خان کے پاس محفوظ تھیں۔ میرا ایس ٹی ایف کا کارڈ بننے کے بعد بھی ایک تصویر باقی رہ جاتی تھی۔
ساڑھے پانچ بجے دوبارہ اطلاع ملی کہ دس رکنی مشترکہ ٹیم بدستور عمارت میں مصروف تھی۔ اس کی حفاظت کے لیے عمارت

کے گرد پولیس اور امریکی میرین فورس کے کئی دستے پھیلے ہوئے تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ ساری حفاظتی نفری ٹیم کے بعد وہاں پہنچی تھی۔

شاید ان لوگوں نے اپنی آمد سے پہلے مکمل رازداری برقرار رکھنے کے لیے وہ طریقۂ کار اپنایا تھا جو خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا مگر اطلاع سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سب کچھ بہتر تھا۔

وہاں حالات کو بہتر ہونا ہی تھا۔ امریکیوں کی اصل پرخاش میری ذات سے تھی اور میں دوسری الجھنوں میں گرفتار تھا۔ اول خان میرا مضبوط ترین مددگار تھا۔ وہ خود ذہنی یکسوئی سے محروم ہو چکا تھا۔ یہ نکات امریکیوں کے لیے عافیت اور زندگی کی ضمانت فراہم کرتے تھے۔

دوسرا پیغام ملتے ہی ہم دونوں نے بھرے ہوئے پستولوں کے ساتھ فلیٹ چھوڑ دیا۔ اس موقع پر مجھے بیم گن کو چھوڑنا پڑا۔ کسی حفاظتی جامہ تلاشی کے نتیجے میں میں اس کا راز فاش کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ویسے بھی اس سرکاری اجلاس میں ہمیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔

نیچے اول خان کی گاڑی ڈرائیور سمیت موجود تھی۔ ہمارے سوار ہوتے ہی بظاہر سرکاری نظر آنے والی وہ غیر سرکاری جیپ سندھ اسمبلی کے قریب واقع دفاتر کی طرف روانہ ہو گئی۔

فاصلہ زیادہ طویل نہیں تھا۔ ہم پندرہ منٹ میں وزارتِ داخلہ پہنچ گئے۔ اس وقت تمام صوبائی دفتروں میں چھٹی ہو چکی تھی۔ دن میں گاڑیوں اور انسانوں سے بھری ہوئی وہ سڑک بالکل خالی اور ویران نظر آرہی تھی۔ اس کے دونوں سروں پر پولیس کی چند گاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ صوبے کے آئی جی اور ہوم سیکریٹری کی آمد کی وجہ سے ان گاڑیوں کا موجود ہونا تعجب خیز نہیں تھا۔

پھاٹک پر شناخت اور رہنمائی کے بعد اندر بھی کچھ لوگ شرکا کے منتظر تھے۔ مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد ہم کانفرنس روم میں پہنچے تو وہاں ایک لمبی میز کے گرد بیس بائیس کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن پر صرف چھ افراد براجمان تھے۔ ان میں سے ایک پولیس یونیفارم میں ملبوس تھا۔ عہدے کے نشانات سے وہ کراچی کا ڈی آئی جی معلوم ہو رہا تھا۔

ہوم آفس کے افسر مہمان داری نے تعارف کرایا تو میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ ایک آدمی ڈی آئی جی کے ساتھ آیا تھا' دو سی آئی اے کے اعلیٰ عہدیدار تھے۔ بقیہ دو آئی بی یا انٹیلی جنس بیورو کی نمائندگی کر رہے تھے۔ وہ دونوں اول خان کے پرانے واقف کار تھے۔

چھ بجنے سے چند منٹ پہلے آئی جی پوری وردی میں داخل ہوا۔ وہ بھی اکیلا نہیں تھا۔ سب نے نشستوں سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ یہ دور ختم ہونے نہ پایا تھا کہ سیکریٹری اپنے بھاگتے دوڑتے ہوئے عملے کے کئی ارکان کے ساتھ آگیا۔

رسمی فقروں کے تبادلے اور ہلکے پھلکے کھوکھلے مذاق کے بعد سب نے اپنی مقررہ نشستیں سنبھال لیں۔ میز کے گرد رکھی ہوئی کرسیوں پر اس وقت صرف سولہ نفوس براجمان تھے۔

سیکریٹری نے سگار کا کش لے کر ناقدانہ نظروں سے شرکا کا سرسری جائزہ لیا پھر بولا۔ "سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ آج کا یہ اجلاس غیر رسمی اور آف دی ریکارڈ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہاں ایک ایسی ایجنسی کے دو نمائندے موجود ہیں جو سرکاری سطح پر اپنا کوئی وجود نہ رکھنے کے باوجود بہت فعال ہیں۔"

بہت سی نگاہیں میرے اور اول خان کے چہروں پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ سب صوبے کے اعلیٰ ترین افسران تھے اور سب ہی کسی نہ کسی فورس یا ایجنسی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی بھیڑ میں میں خود کو بونا اور اجنبی محسوس کر رہا تھا۔ میری ہتھیلیاں دھیرے دھیرے پسینے میں بھیگنے لگیں۔

"آج کا ایجنڈا بہت مختصر ہے۔" سیکریٹری کہہ رہا تھا۔ "کھٹوبل راجوانی کیس اور ڈینی!"

"ہمارا سرکاری موقف یہ ہے کہ ہم ڈینی کو نہیں جانتے۔" آئی بی کے ایک افسر نے مضبوط لہجے میں اعتراض کیا۔ "پھر اس کے نام کو ایجنڈے پر کیسے لایا جا سکتا ہے؟"

"اس کی وضاحت میں پہلے کر چکا ہوں کہ یہ اجلاس آف دی ریکارڈ ہو رہا ہے۔ اس کی کارروائی کی کہیں رپورٹنگ نہیں ہوگی۔ یہ صرف اور صرف ایک بریفنگ ہے۔ دو طرفہ بریفنگ۔ آپ لوگ مجھے بریف کریں گے' میں صوبے کے بہتر مفاد میں آپ کو

بریف کروں گا۔ ہم عمدہ چائے پئیں گے اور پھر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے۔"

"صوبائی سطح پر شاید یہ سب اسی طرح ممکن ہو جیسا آپ فرما رہے ہیں۔" آئی بی والے نے دوبارہ زبان کھولی۔ "مگر سر، ہم ایک فیڈرل ایجنسی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ہمیں یہاں ہونے والی ہر سرگرمی کی روزانہ رپورٹ اسلام آباد کو فراہم کرنی ہوتی ہے۔ ہمارے لیے کچھ بھی آف دی ریکارڈ نہیں ہوتا۔ اسلام آباد کی ضرورت کے تحت ہم کہیں بھی جھانک لیتے ہیں۔ اس میٹنگ اور خاص طور پر اس ایجنڈے کے دوسرے نکتے کے بارے میں ہم کیا لکھ سکیں گے۔"

شاید اس کا اعتراض معقول تھا۔ سب کو سانپ سونگھ گیا۔ ادھیڑ عمر سیکریٹری کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "یہ ہماری پوزیشن تھی جو ہم نے بتادی۔ آپ وہ کریں جو آپ کا ڈسپلن کہتا ہے۔ بات ختم۔"

سیکریٹری بس لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر براہ راست آئی جی سے مخاطب ہو گیا۔ "کھٹومل راجوانی ہمارے معاشرے کا ایک ذمے دار اور باعزت فرد ہے۔ آپ نے کل اس کے خلاف کس کی رپورٹ پر ایکشن لیا تھا؟ میں اس شخص کا نام جاننا چاہتا ہوں۔"

"مرکزی وزارت داخلہ کے ایک افسر کے فون پر وہ قدم اٹھایا گیا تھا اور صحیح اٹھایا گیا تھا۔ کھٹومل کی ذاتی خوابگاہ میں اس کی مسہری کے نیچے سے ایک دسترخوان میں بندھے ہوئے وہ سب زیورات برآمد ہوئے جن کی ڈکیتی کی ایف آئی آر درج کرائی گئی تھی۔ تقریب کے کئی مہمانوں نے اپنی قیمتی اشیا پہچان لی ہیں۔ یہ کھٹومل کا نہیں تو اس کے کسی ملازم کا کام ہو سکتا ہے۔"

"نو سر!" سیکریٹری نے سر جھٹک کر کہا۔ "یہ دشمنی بھی ہو سکتی ہے۔ سوچنے والی بات ہے کہ اس جیسا باحیثیت آدمی ایسی حرکت کیوں کرے گا۔ وہ اسلام آباد میں بھرا بیٹھا ہے۔ میں فون سن سن کر تھک گیا ہوں۔ ہمیں یہ فائل دبانی ہو گی۔"

"آپ حکم کریں۔ اس پر عمل کیا جائے گا۔" آئی جی نے خندہ پیشانی سے کہا۔

"سنا ہے کہ ایس ٹی ایف بھی اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔" سیکریٹری نے اول خان سے پوچھا۔

"سر! فورس ہر مجرم کا پیچھا کرتی ہے۔" اول خان نے ادب سے جواب دیا۔ "اس کے خلاف ثبوت موجود ہیں۔ اس کا پیچھا کرنا ہماری مجبوری ہے۔"

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے اس کے خلاف؟" سیکریٹری نے ترشی سے پوچھا۔

"آئی جی صاحب بتا چکے ہیں پھر وہ اپنے گھر سے کسی چور ہی کی طرح فرار ہوا اور سیدھا اسلام آباد پہنچ گیا۔" اول خان نے اس کے لہجے کی ترشی کو نظرانداز کر کے کہا۔

"اس بارے میں آپ کے سامنے آئی جی صاحب سے بات ہو چکی ہے۔ آپ اپنے ثبوت بتائیں۔" آخری فقرہ اس نے آئی جی کو

"سر! مقامی معاملات میں ہم مقامی اتھارٹی کی مدد سے کام کرتے ہیں۔ ان سے ہٹ کر ہم الگ کام کرنا شروع کر دیں تو بڑی افراتفری پھیل جائے گی۔ وہ ہمارے دست و بازو ہوتے ہیں۔"

"وہ تو صرف گھر سے بھاگا تھا، ہتھکڑی لگنے کے خوف سے اس کا ہارٹ فیل بھی ہو سکتا تھا۔" سیکریٹری کہنے لگا۔ "ہر شریف آدمی اپنی عزت سے ڈرتا ہے۔ اس کے فرار کو میں جرم نہیں مانتا۔ مال مسروقہ اس کے سر تھوپا گیا۔ اول تو اسے اپنے مہمانوں کو لوٹنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے لوٹ لیا تھا تو وہ کسی ڈفر کی طرح لوٹ کا مال بے پروائی سے مسہری کے نیچے نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس فائل کو آپ بند سمجھیں۔ اب مجاز صوبائی اتھارٹی کی تحریری اجازت کے بغیر کوئی صوبائی اہلکار کھٹومل کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔ آئی جی صاحب اس اجلاس کے بعد اس کے کمرے کی سیل کھلوا دیں گے۔"

سیکریٹری نے کھٹومل کو وہی تحفظ فراہم کرنے کا اعلان کیا تھا جو امریکی صدر نے گیپ کے ذریعے آئزک بیل کو دیا ہوا تھا۔ فرق یہ تھا کہ آئزک بیل کو ملکی اور بین الاقوامی غنڈا گردی کا تحریری پرمٹ ملا ہوا تھا، کھٹومل کو زبانی اور محض صوبائی سطح پر آوارہ سانڈ بنایا جا رہا تھا۔

سیاست کا وہ روپ میرے لیے بہت گھناؤنا تھا۔ میرے معدے میں گرہیں سی پڑنے لگیں۔

"عدالت میں الزامات ثابت ہونے تک وہ واقعی معزز شہری ہے۔" میں نے اندر کے ابال سے مجبور ہو کر زبان کھولی۔ "آئی بی کے معزز رکن ڈینی کے نام کو ایجنڈے میں شامل کرنے پر معترض تھے۔ کھٹومل نے ڈکیتی کی ایف آئی آر میں ڈینی کو ملزم نامزد کیا ہے۔ کیا یہ اس کی بدنیتی کا ثبوت نہیں ہے؟ آج کراچی کی ایک حوالات میں کالو نامی ملزم موجود ہے جس نے کھٹومل کے بارے میں ہوشربا اقبالی بیان دیا ہے۔ دو روز پہلے کلفٹن میں دہشت گردی مچانے والے کھٹومل کے آدمی تھے جو کسی غلط فہمی میں اپنے ہی ہاتھوں اپنے چھ آدمی مارنے کے بعد وہاں سے بھاگ گئے۔ یہ اسی شام کا ذکر ہے جب کھٹومل اپنے گھر میں راگ و رنگ کی ایک محفل کی میزبانی کر رہا تھا۔ یہ اس کی سفاکی اور چالاکی کی انتہا تھی کہ اپنے آدمیوں کو قتل و غارت گری کے مشن پر بھیج کر وہ گانے بجانے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔"

میرے خاموش ہوتے ہی شرکا میں بھنبھناہٹ ہونے لگی۔ میرے اٹھائے ہوئے دونوں نکتے مضبوط اور شاید نئے تھے۔ شرکا کی دبی دبی سرگوشیوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ نکات بہت سوں کے علم میں نہیں تھے۔

"یہ نئے الزامات ہیں۔" سیکریٹری نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "آپ مجھے نوٹ بھجوا دیں۔ میں پورا معاملہ اپنے طور پر دیکھوں گا۔ ضرورت ہوئی تو اس کی پرانی فائل بھی کھل جائے گی مگر آج وہی ہو گا جو میں نے طے کر دیا ہے۔"

مخاطب کر کے کہا تھا۔

سب سمجھ رہے تھے کہ اس وقت سیکریٹری خود نہیں بول رہا تھا' وہ ہزماسٹرز وائس بنا ہوا تھا۔ اسے اوپر سے جو حکم ملا تھا' وہ سنا رہا تھا۔ کوئی مقتدر اور بااثر شخصیت کھٹومل کی آزادی کی خواہاں تھی۔ سیکریٹری اس کا آلۂ کار تھا اور دوسروں کو اپنا آلۂ کار بنا رہا تھا۔ آئی جی کے کمزور اور سعادت مند رویّے نے اس کا حوصلہ بڑھایا ہوا تھا ورنہ محض دو کاغذ طلب کر کے میرے بیان کی تصدیق یا تردید کی جاسکتی تھی۔

سیکریٹری نے اپنے سامنے پڑے ہوئے سادہ پیڈ پر کچھ لکھا اور کہا۔ ”کھٹومل کے بارے میں احکام کی تعمیل کی رپورٹ ہر قیمت پر آج جانی ہے۔ یہ مسئلہ یہاں ختم ہوا۔ اب آتے ہیں ڈینی کی طرف.....“

”سر! اسے زیرِ بحث نہ لایا جائے۔“ آئی بی والے نے سیکریٹری کو سمجھانا چاہا۔ ”کرنل جمال دستی نے ابھی جو نئے انکشافات کیے ہیں' ان سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ دو الگ الگ مسائل نہیں ہیں۔ کھٹومل ڈینی کو نقصان پہنچانا چاہ رہا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ڈینی چور یا ڈاکو نہیں ہے۔“

”میں ڈینی کا نام کئی بار سن چکا ہوں۔ یہاں قانون نافذ کرنے والے تقریباً تمام اداروں کے ذمے دار افسر موجود ہیں۔“ سیکریٹری کہہ رہا تھا۔ ”میں آپ سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ ڈینی اس قدر باصلاحیت اور عظیم ہے تو ہم اسے اپنی کسی سروس میں کوئی شایانِ شان عہدہ کیوں نہیں دیتے؟“

سیکریٹری کے اس احمقانہ سوال پر کئی افراد زیرِ لب مسکرا دیے۔

”سر! ہر قوم کے کچھ گمنام ہیرو ہوتے ہیں۔“ اس بار سیکریٹری کے ساتھ آنے والوں میں سے ایک منحنی سا شخص کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا اور خوشامدانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ”دشمن انہیں غدار قرار دیتا ہے۔ شاید ڈینی بے چارے کا بھی یہی معاملہ ہے۔ آج کل امریکا اس کا دشمن ہے۔ سروس میں کیا' وہ منظرِ عام پر بھی آیا تو امریکی اسے یہاں سے اغوا کر کے لے جائیں گے۔“

یہ ناممکن ہے..... ایسا نہیں ہو سکتا..... ہم لوگوں نے چوڑیاں نہیں پہنی ہوئی ہیں۔

بیک وقت کئی لوگوں نے اس پر اعتراضات کی بھرمار کر دی اور وہ کھسیا کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

اس مرحلے پر سیکریٹری نے ایک اور احمقانہ بات چھیڑ دی۔

”میری آپ سب سے گزارش ہے کہ ڈینی جس کسی کے رابطے میں ہو' وہ رازداری کے ساتھ مجھے آگاہ کرے۔ صوبے میں قانون سے ماورا قوتوں پر نظر رکھنا ہمارے منصب کی ذمے داریوں میں شامل ہے۔ یہ ہماری صوابدید ہوتی ہے کہ ہم اپنی مصلحتوں کی بنا پر کبھی کبھی یا اکثر ان سے چشم پوشی اختیار کر لیتے ہیں۔“

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میٹنگ کے شرکا کا موڈ دیکھ کر سیکریٹری میرے بارے میں کھل کر اپنے دل کی بات نہ کہہ سکا۔ کالو مکرانی کے بعد وہ دوسرا باخبر آدمی تھا جسے میں نے اپنے بارے میں غیر جذباتی پایا تھا۔

”ہو سکتا ہے کہ وہ بھی مجھے بیس لاکھ ڈالر کے نوٹ کی شکل میں دیکھ رہا ہو۔“ میں نے سوچا۔ اس وقت تک خون کی حدت سے میری ہتھیلیوں کا پسینہ بھاپ بن کر اڑ چکا تھا۔

سیکریٹری کے پاس کہنے کے لیے مزید کچھ نہیں تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس اجلاس کا مقصد صرف یہ تھا کہ صوبے میں کام کرنے والی تمام ایجنسیوں کو یہ پیغام پہنچا دیا جائے کہ کھٹومل کے خلاف شہادتوں کی موجودگی کے باوجود' اسے چھوٹ دینے کا فیصلہ کرلیا گیا تھا لہٰذا ہر ایک کو اس کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لینی چاہئیں۔

اس سطح کے کسی انتظامی اجلاس میں میری شرکت کا وہ پہلا موقع تھا۔ اول خان نے بہت بڑا خطرہ مول لے کر مجھے وہ موقع فراہم کیا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ میں پسِ پردہ اور گمنام رہ کر بھی بہت سی نگاہوں میں تھا۔ اگر شہر کی فضاؤں میں میرے خون کے پیاسے گدھ منڈلا رہے تھے تو ان سے اوپر کچھ شاہین بھی ان کی گھات میں تھے۔ کسی کالی بھیڑ کے لیے مجھے نقصان پہنچانا آسان نہیں تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو مدت پہلے میرا کام تمام ہو چکا ہوتا۔

اکثر انسان صرف اپنی ہی کامیابیوں پر رشک کرتا ہے۔ ذاتی کامیابی کی لذت اس کا سر غرور سے بلند کر دیتی ہے لیکن کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ دوسروں کا سہارا اس کے مان میں اضافے کا سبب بن جاتا ہے۔ اپنے ہمدردوں اور بہی خواہوں کی موجودگی اسے تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیتی۔ اس اجلاس کا ماحول دیکھ کر میں اسی کیفیت سے دوچار تھا۔

سیکریٹری کو میٹنگ کے شرکا کو کوئی ٹھوس قانونی حکم دینا ہوتا تو وہ اجلاس طلب کیے بغیر اپنے دستخط سے ایک خط جاری کر کے ان میں سے کسی کو بھی تعمیل کا پابند کر سکتا تھا۔ وہاں مسئلہ قانونی اختیار کا نہیں بلکہ قانون شکنی سے چشم پوشی کا تھا۔ وہ لکھ کر کسی کو حکم نہیں دے سکتا تھا کہ کھٹومل راجوانی کو بالکل نظرانداز کر دیا جائے۔ اپنی اس مجبوری کی وجہ سے اس نے اس غیر رسمی اور آف دی ریکارڈ اجلاس کا بندوبست کیا تھا۔

اوپر سے آنے والی ہدایت درجہ بہ درجہ مراحل سے گزرتی ہوئی جس زبانی انداز میں اس تک پہنچی تھی' اس نے اسی انداز میں وہ ہدایت آگے بڑھا دی تھی۔ اس نے اپنی ذمے داری احسن طریقے سے پوری کر دی تھی۔ اوپر والے اس سے کوئی شکایت نہیں کر سکتے تھے۔

اجلاس ختم ہو گیا۔ سیکریٹری کے ایک ماتحت کے اشارے پر سفید وردیوں میں ملبوس بیرے اندر آ گئے اور شرکا کے آگے پلیٹیں لگانے لگے۔ خورونوش کی ہلکی پھلکی اشیا میز پر پہلے سے موجود تھیں۔ سیکریٹری نے ابتدا کی' دوسروں نے اس کی تقلید کی مگر میرا

ذہن سنسنا رہا تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے جو کچھ سنا تھا' اس کے بعد میرے ذہن میں بڑے بڑے سوالیہ نشان ابھر رہے تھے۔
چائے کا دور چلا اور ختم ہوگیا۔ میری پلیٹ خالی رہی۔ چائے کی پیالی سے میں صرف دو گھونٹ لے کر اپنا حلق تر کر سکا۔ بیشتر شرکا ماکولات سے لطف اندوز ہو رہے تھے مگر چند چہروں پر میں فکرمندی کے سائے لہراتے دیکھ رہا تھا۔
اجلاس کے شرکا میرِ محفل کے پیچھے کانفرنس روم سے نکلنے لگے۔ مودب اور باوردی ڈرائیوروں نے اپنے صاحبوں کے لیے رتبوں کے لحاظ سے آگے پیچھے گاڑیاں لگادی تھیں۔ کافی لوگوں کے بعد ہم دونوں بھی وہاں سے گھر کے لیے روانہ ہوگئے۔
"یہ تو سب خاک میں ملتا نظر آرہا ہے۔" میں نے راستے میں اول خان کو اپنی مایوسی سے آگاہ کیا۔
"تمہارا آنا بہت اچھا ہوا۔ تمہارے اٹھائے ہوئے نکات نے سب کی آنکھیں کھول دیں۔ میں غصے میں وہ سب فراموش کر بیٹھا تھا۔ ہمیں اپنی راہ اب خود بنانی ہوگی۔"
"ایجنڈے میں دوسرا نام میرا تھا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "میرے بارے میں سیکریٹری کی خواہش معنی خیز تھی۔ وہ تمہارے لیے پوشیدہ پیغام بھی ہوسکتا تھا۔ تم نے کچھ لوگوں کی خواہشات کے برعکس کھٹومل کا پیچھا جاری رکھا تو یہاں میرے لیے مسائل کھڑے کئے جاسکتے ہیں۔"
اول خان نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا اور پھر اسے چھیڑنے کا ارادہ ترک کردیا۔
گاڑی کلفٹن کے پل پر سے گزر رہی تھی کہ اول خان نے ڈرائیور کو جہانگیر کے بجائے اسٹیشن فور کی طرف چلنے کا حکم دیا۔
"تمہیں اپنے دفتر میں کوئی کام ہے تو مجھے گھر اتار دو یا میں یہیں سے ٹیکسی پکڑ لوں گا۔" میں نے دھیمی آواز میں اسے پیشکش کی۔
اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور مضمحل سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "تمہاری موجودگی ضروری ہے۔ میں دفتر میں پوری آزادی سے بات کرسکوں گا۔ فلیٹ میں محتاط رہنا پڑتا ہے۔"
"آج جو کچھ ہوا' وہ ہمارے سسٹم میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔" میں نے اسے دلاسا دیا۔ "بہت سے لوگوں کے رویے سے کوئی غیر معمولی بات نہیں جھلک رہی تھی۔ تم بلاوجہ آزردہ ہو رہے ہو۔"
"آزردگی نہیں ہے۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کھٹومل کو کس طرح شکنجے میں جکڑا جائے۔ اس بار وہ ہماری گرفت سے نکل گیا تو دوبارہ اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہوجائے گا۔"
"تم اپنے دفتر جا کر کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔
"کچھ نہیں۔ دفتر میں کام کا موڈ بنتا ہے' سوچنے اور بولنے کی آزادی ہوتی ہے۔ وہاں کے ماحول میں ہم دونوں مل کر شاید کوئی راہ نکال سکیں۔"
"دفتر جا کر تم اپنے ہیڈ کوارٹرز کے بجائے پنڈی یونٹ سے رابطہ کرو اور یہ معلوم کرو کہ تمہاری پیشگی اطلاع کے باوجود کھٹومل اپنے سرپرستوں تک پہنچنے میں کیسے کامیاب ہوا؟"
"یہ بات میرے ذہن میں کہیں چبھ رہی تھی لیکن میں اسے اتنے واضح الفاظ میں محسوس نہیں کرپا رہا تھا۔ یہ کام سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔" وہ خوش ہوگیا۔
اول خان نے راستے میں ہی ایریئس پر رابطہ کرکے اپنے کسی آدمی کو اپنی آمد سے مطلع کردیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب ہم اسٹیشن فور پہنچے تو سلطان شاہ بے چینی سے ہمارا منتظر تھا۔
"سنا ہے کہ تم لوگ کسی اہم اجلاس میں گئے ہوئے تھے۔" سلام دعا ہوتے ہی سلطان شاہ نے سوال کر ڈالا۔ "کیسی میٹنگ تھی؟ کہاں گئے تھے تم دونوں؟"
"تمہیں یہ اطلاع کس مخبر نے فراہم کی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔
"شک و شبے میں مت پڑو۔ تھوڑی دیر پہلے جہانگیر سے بات ہوئی ہے۔ وہ بتا رہا تھا کہ کسی وجہ سے تم دونوں فکرمند ہو....."
میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہمارے ساتھ چلے آؤ۔ تھوڑی دیر میں ہر بات سمجھ میں آجائے گی۔" سلطان شاہ نے بحث نہیں کی۔ خاموشی سے ہمارے ساتھ ہولیا۔
کھٹومل کے اسلام آباد پہنچنے کی کہانی میں مجھے گہری دلچسپی تھی۔ اول خان نے گفتگو کے لیے ایک اسپیکر فون استعمال کرتے ہوئے اپنے پنڈی یونٹ کا نمبر ملا ڈالا۔
"میں ابھی تم سے رابطہ کرنے ہی والا تھا۔" اول خان سے سلام دعا کے تبادلے کے بعد پنڈی سے جواب دیا گیا۔ "آدمی اسلام آباد ایئرپورٹ اور ریلوے اسٹیشن پر بیٹھے ہوئے ہیں لیکن وہ

یہ کا مطلب ہوگیا۔ یہ اطلاع مجھے ابھی ابھی ملی ہے۔ اتنی جلدی اسے کا مطلب ہے کہ وہ ائرپورٹ کے راستے شہر میں داخل ہوا تھا۔"

"وزارتِ داخلہ کے دفاتر پر بھی تمہارے آدمی اسے نہیں روک سکے!" اول خان نے تلخی سے پوچھا۔

"وہ وہاں نہیں پہنچا۔ میرے آدمی ہر جگہ مستعد تھے لیکن اسے خطرات کا اندازہ تھا۔ وہ ائرپورٹ کے وی آئی پی لاؤنج سے کسی وی آئی پی کے ساتھ نکل گیا۔ بعض بڑے لوگوں کی گاڑیاں انہیں لینے کے لیے ٹارمک تک چلی جاتی ہیں۔ اس نے ایسی کوئی سہولت استعمال کی اور ہمارے آدمیوں کی نظروں میں آئے بغیر وہ چلا گیا......"

"مجھے یہ اندازہ ہوگیا تھا۔" اول خان نے اس کی بات کاٹ کے کہا۔ "میں ہوم آفس کے دفاتر کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کی آخری ممکنہ منزل وہی تھی۔"

"بدقسمتی سے اس نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ وہ خاصی زخمی حالت میں ہے اور اسلام آباد میں اپنے کسی دوست کے گھر پر آرام کررہا ہے۔ میں نے اس کے ٹھکانے کا سراغ لگانے کی کوششیں شروع کردی ہیں۔"

"یہ سب کہانیاں ہیں۔ وہ ہم سب کو چکما دے کر اپنا کام کرگزرا ہے۔ اس کے اثرات کراچی میں محسوس کیے جا رہے ہیں۔" اول خان قدرے برہم ہونے لگا۔

"یہ کہانیاں نہیں ہیں۔ دفاتر میں چھٹی کا وقت ہوجانے پر میرے آدمیوں کو تشویش ہوئی۔ انہوں نے خاصی بھاگ دوڑ کے بعد معلوم کیا کہ کھٹول اسلام آباد پہنچنے کے بعد ان دفاتر میں اپنے کئی خیرخواہوں سے فون پر رابطہ کرچکا ہے۔ اس نے ہر ایک سے معذرت کی کہ وہ زخمی ہونے کی وجہ سے ان سے ملنے نہیں آسکا۔ یہ بات اتنی پھیلی ہوئی تھی کہ آخرکار میرے آدمیوں کے علم میں بھی آگئی۔"

"اوہ!" اول خان کے حلق سے غراہٹ سی آزاد ہوگئی۔

"اب کڑیاں کسی حد تک مل رہی ہیں۔ وہ اپنی چوٹوں سے فائدہ اٹھا کر وہاں بھی چھپا بیٹھا ہے۔"

"کراچی کے بارے میں تم جو کچھ بتا رہے ہو اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کھٹول فون پر ہی اپنے لیے رعایتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوچکا ہے۔"

"یہی ہوا ہے۔ کراچی میں اسے امان مل چکی ہے۔ اب وہ یہاں آگیا تو ہم اسے نہیں چھیڑ سکیں گے۔" اول خان کی آواز میں شکست کی تلخی گھلی ہوئی تھی۔

"مجھے شروع ہی سے تمہارے اس کیس کی اہمیت کا اندازہ تھا" دوسری طرف سے کہا گیا "ہم نے اس کی پشاور کی مصروفیات پر تھوڑی بہت نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ اس کی خاطر میں نے آج کا کافی وقت فیلڈ میں گزارا تھا۔ تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ جو کچھ ہوا' اس میں میرے آدمیوں کا کوئی قصور نہیں تھا۔"

کھٹول کی مکاری پر میرے ذہن میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ ٹرین سے کودنے کے نتیجے میں آنے والے زخموں سے بھی اس نے فائدہ اٹھالیا تھا۔ وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہوا ہوتا تو اسلام آباد میں سیدھا دفاتر کا رخ کرتا اور دھرلیا جاتا۔ زخمی ہونے کے نتیجے میں اس نے وہاں بھی روپوشی اختیار کرلی تھی۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوئی کہ اپنے کمرے کی سیل کھلنے کی اطلاع کو آزادی کا پروانہ سمجھ کر وہ فوری طور پر اسلام آباد سے کراچی پہنچ جاتا جہاں اس کے ہمدردوں کا اختیار ہماری طاقت پر غالب تھا۔

"اس پر وہیں ہاتھ ڈال دو" میں نے اضطراری لہجے میں اول خان کو مشورہ دیا۔

بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھ سے استفسار کیا۔ میں نے اپنی بات دہرائی تو دوسری طرف سے جواب آیا "اس وقت یہی حربہ کارگر ہوسکتا ہے۔"

"تم خود ڈپٹی سے بات کرلو۔ یہ تمہیں بہتر رائے دے سکے گا۔" اول خان اسپیکر فون پر یہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔

"میں اپنے نادیدہ دوست سے بات کرکے خوشی محسوس کروں گا۔"

"وہ یہاں اپنی کلیرنس کا مکمل بندوبست کرچکا ہے اور کسی بھی پرواز سے کراچی پہنچنے کی کوشش کرسکتا ہے۔ اس بار ائرپورٹ سیل کردو۔ وی آئی پی لاؤنج کا راستہ بھی نگاہوں میں رہنا چاہیے۔ وہ زخمی ہے۔ ہر ایک اس سے ہمدردی کا مظاہرہ کرے گا۔ ساتھ ساتھ اس کی کمین گاہ کا سراغ لگانے کی کوشش کرتے رہو۔ وہ جہاں اور جس حال میں ہے' تمہارے ہاتھ آنا چاہیے۔"

"میں سمجھ گیا۔ تم اس سے اپنی پسند کے میدان میں لڑنا چاہتے ہو۔ اب ایسا ہی ہوگا" اس کا لہجہ پرعزم تھا۔ میں نے باتوں میں وقت برباد کرنے کے بجائے فون بند کردیا۔

اول خان خالی خالی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ دھیرے سے بولا "آج اسے اسلام آباد کی ہدایت پر ہی تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ وہاں تم اس کا کیا بگاڑ سکو گے؟"

"دیکھتے جاؤ" میں نے سگریٹ سلگا کر پُرخیال انداز میں کہا "ہم صرف کوشش کرسکتے ہیں۔ نتائج پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ہمیں ایسی حکمتِ عملی اختیار کرنی ہوگی کہ کہیں سے کمک ملنے سے پہلے ہم اس کے سارے بال و پر کاٹ سکیں۔"

اول خان سرہلا کر رہ گیا۔ دفتر میں گہری خاموشی چھاگئی۔ اس سکوت میں سقف گیر پنکھے کی گھوں گھوں بہت واضح ہوگئی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

لگالیا۔ اول خان نے سلطنی سے ریوالور جھپٹا تو وہ شرمندہ ہو کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ اسی وقت فون پر جہانگیر نے اطلاع دی کہ اس کی دکان کے باہر دو بدمعاش موجود ہیں۔ اول خان اور سلطان شاہ کو کھنول کی تلاش میں حیدر آباد روانہ کرکے میں ایس ٹی ایف کے آدمی کے ساتھ جہانگیر کی مدد کو پہنچ گیا۔ ان میں سے ایک بدمعاش کالو کمرانی کی زمانے میں جہانگیر کے ساتھ کام کرچکا تھا۔ اب وہ جہانگیر کے ذریعے میرا کھوج لگا کر انعام کی بھاری رقم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں بدمعاشوں کو اسٹیشن فور لے آئے جہاں ان پر تشدد کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکمادے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کردیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورتِ حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کردی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

کمرے کی بوجھل فضا میں کافی دیر تک ہم تینوں خاموش بیٹھے پُرخیال نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ میرا ذہن پیش آنے والے متوقع واقعات کی کڑیاں ملانے میں مصروف تھا مگر میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ ان دونوں نے میری پیش کی ہوئی تجویز سن ضرور لی تھی مگر وہ اسے قبول نہیں کرسکے تھے۔ ان کی پُرتشویش نظروں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ میری جانب سے کسی وضاحت کی توقع کررہے تھے جب کہ اس وقت میں خود کوئی وضاحت پیش کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

میں نے سگریٹ سلگا کر غیرارادی طور پر کمرے میں ٹہلنا شروع کردیا۔ سلطان شاہ کے مقابلے میں اول خان کو صورتِ حال کا بہتر ادراک تھا۔ آخرکار اس سے نہ رہا گیا اور وہ بول ہی پڑا "میں تمہاری مشکل کو سمجھ رہا ہوں..."

"کیسی مشکل؟" سلطان شاہ نے تنک کر اس کی بات کاٹ دی۔ "ڈپٹی نے ادھوری بات سنا کر ہمیں مشکل بلکہ الجھن میں ڈال دیا ہے۔ جو شخص اسلام آباد والوں کا چہیتا ہو اس پر ہم کہیں بھی ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ کچھ پتا تو چلے کہ پورا منصوبہ کیا ہے؟"

"کام کرنے میں یہی ہوتا ہے" اول خان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "مجھے معلوم ہے کہ حالات کی پیچیدگی کو دیکھتے ہوئے ڈپٹی نے اس کا ایک حل تجویز کردیا ہے مگر اب خود پریشان ہے کہ اس پر عمل کیسے کیا جاسکے گا۔"

میں نے غور سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور نرمی سے کہا۔ "تم کھنول کے بارے میں اندازے کی ایک بنیادی غلطی کررہے ہو۔"

"تم چپ شاہ کا روزہ توڑ کر کچھ ارشاد فرماؤ تو میں بلا جھجک اپنی غلطی تسلیم کرلوں گا۔"

اس کے جلے کٹے لہجے پر میں بے اختیار ہنس پڑا "وہ اسلام آباد والوں کا چہیتا نہیں ہے۔ وہاں بیٹھے ہوئے کسی ایک بارسوخ شخص کا منظورِ نظر ہے۔"

"کیا ان دونوں مفروضوں سے کوئی فرق پڑسکتا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اسلام آباد ملک کے دارالحکومت اور اقتدارِ اعلیٰ کا نام ہے۔ مقتدر حلقے اتنے غافل نہیں ہیں کہ اس جیسے مسلمہ مجرم کی پشت پناہی کرکے اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کی حماقت کرسکیں۔" مجھے اپنے نظریے کی وضاحت کے لیے موزوں الفاظ کا سہارا مل گیا۔

"کھنول نے اپنے کسی دوست کی مدد حاصل کی ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ کوئی سرکاری آدمی ہی ہو۔ وہ بڑے لوگوں یا حکمرانوں کا کوئی خوشامدی بھی ہوسکتا ہے۔"

"چلو' یہ بھی مانے لیتا ہوں.... اگر وہ شخص اسلام آباد سے ڈوریاں ہلا کر کراچی والوں کو بے بسی کے عذاب میں مبتلا کرسکتا ہے تو اسلام آباد میں تمہیں کیسے برداشت کرسکے گا؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس بار تم واقعی اول خان کو نوکری سے نکلوادو گے؟"

"اس وقت اہم ترین بات یہ ہے کہ کھنول کا کوئی سراغ مل جائے" اس بار میں اول خان کی طرف متوجہ ہوگیا "خاموشی سے اسے اٹھاؤ اور قبائلی علاقے میں پہنچادو۔ وہاں کھنول کے کسی دوست کی سفارش بھی کام نہیں آسکے گی۔"

"تم مجھے اس سسٹم سے بغاوت کرنے کا مشورہ دے رہے ہو جسے بار بار میری مجبوری قرار دیتے رہے ہو۔ میرے اوپر والے بھی اس حرکت کو پسند نہیں کریں گے۔"

"یہ بغاوت نہیں' صرف وقت حاصل کرنے کی ایک بھرپور کوشش ہوگی۔ اسے منظرِ عام سے غائب کرکے تم اپنے بڑوں اور دوسروں کو یقین دلا سکو گے کہ اس کے ساتھ ہمدردی جتانے والا شیطان کا بھی والد بزرگوار ہے۔"

اول خان کی آنکھیں چمک اٹھیں "تم آزاد علاقے میں اسے ہلاک نہیں کروگے؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ جس سرزمین کا غدار ہے' اس کا آخری انجام اسی سرزمین پر ہونا چاہیے۔ وہ قبائلی علاقے میں اس وقت تک یرغمال میں رہے گا جب تک تم ہر ایک کو اس کے بارے میں حقائق باور نہیں کرادیتے۔"

"قبائلی علاقے میں بھی اس کے دوست ہیں" سلطان شاہ نے شوشہ چھوڑا "وہ پشاور کے راستے ان سے میل جول اور منشیات کا لین دین رکھتا ہے۔"

"انہیں بھول جاؤ" اس بار اول خان نے پورے اعتماد سے کہا "ہم اسے اسلام آباد سے نکالنے میں کامیاب ہوگئے تو وہ آدم خان کے آدمیوں کی تحویل میں رہے گا۔ وہ منشیات فروشی سے کوسوں دور ہیں۔ ان کے ٹھکانے بھی ایسے پہاڑی دَرّوں میں ہیں جہاں پرندے تک باہر نکلنے کا راستہ بھول جاتے ہیں۔"

"وہ ضرور بے جگر اور بہترین منصوبہ ساز ہوں گے مگر ان کے بارے میں اتنا مبالغہ نہ کرو۔ پرندے تو روشنی کی ذرا سی کرن سے

آسمان کی راہ پالیتے ہیں" میں نے کہا۔

"ان پہاڑی قلعوں کا یہی کمال ہے کہ ہر روشنی کا اختتام کسی اور غار یا بند کھائی پر ہوتا ہے۔ خوراک کی تلاش میں اندر گھس آنے والے پرندوں کو وہ لوگ تنگ آکر اپنے ہتھیاروں سے مار گراتے ہیں۔ آدم خان نے بڑی منصوبہ بندی سے پہاڑوں کے سینے خالی کرائے ہیں۔"

"خیر' میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا" میں نے بحث کو طول دینے کے بجائے کہا "ہماری ضرورت صرف اتنی ہے کہ کھٹول کو چند روز کے لیے پوری رازداری کے ساتھ کہیں قید رکھا جاسکے۔"

"کیا یہ کام پاکستان کی حدود میں ایس ٹی ایف سرانجام نہیں دے سکتی؟" سلطان شاہ آزاد علاقے کے بارے میں نہ جانے کیوں مطمئن نہیں تھا۔

میں نے گہری نظروں سے اسے گھورا پھر تلخی سے کہا "غیر ملکی ایجنٹوں اور دشمنوں کے خلاف ایس ٹی ایف بہت فعال اور موثر ہے۔ دشمن کے گریبان پر ہاتھ ڈالا' اس سے سب کچھ اگلوایا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آستین کے سانپوں کے سامنے یہ بھی بے بس ہیں...."

"کیسی بے بسی؟" سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کے کہا۔ "جن کے جرم ثابت ہوچکے ہوں' ان کو خاموشی سے جہنم واصل کردینا چاہیے۔ انہیں لے کر ادھر اُدھر مارے مارے پھرنے سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوسکے گا۔ وہ ہمارے سینوں پر مونگ دلتے رہیں گے۔"

"یہ بات تم نہیں سمجھ سکتے" اول خان نے ناصحانہ انداز میں کہا "ڈینی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ کھٹول کے بارے میں دو تازہ ترین واقعات تمہارے سامنے ہیں۔ وہ اپنے گھر میں مالِ مسروقہ سمیت رنگے ہاتھوں پکڑا جاسکتا تھا' میں اس مہم میں خود بھی شریک تھا لیکن ایک سرکاری اہل کار کی ملی بھگت کی وجہ سے میں کچھ بھی نہیں کرسکا' منہ دیکھتا رہ گیا اور کھٹول پیشاب کرنے کے بہانے سب کو جل دے کر اسلام آباد کی طرف فرار ہوگیا۔"

وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا ہی تھا کہ سلطان شاہ پھر بول پڑا۔

"اور اب صوبائی ہوم سیکریٹری نے اوپر والوں کی ہدایت پر تم سب کے ہاتھ پیر باندھ دیے ہیں اس لیے اس زہریلے ناگ کو پیار و محبت کے ساتھ دودھ پلانا ضروری ہوگیا ہے۔"

"ہاں' کچھ ایسی ہی بات ہے" میں نے تختی سے کہا "کہیں نہ کہیں اس کے ہمدرد موجود ہیں' میرے خلاف اس کی ایف آئی آر کٹی ہوئی ہے' سب کو معلوم ہے کہ اس کے خلاف کون کون سی قوتیں میدانِ عمل میں اتری ہوئی ہیں۔ ہدایات اور ضابطوں کے برعکس اس کا بال بھی بیکا ہوا تو ہم سب اپنوں کے عتاب میں آجائیں گے۔ ایس ٹی ایف جو کچھ بھی ہے لیکن کسی نہ کسی سرے پر کوئی اہم ترین شخصیت اس کے سربراہ سے جواب طلب کرسکتی ہے۔"

"ان اعتراضات میں الجھنے کے بجائے تم کھل کر بات کیوں نہیں کرتے" اول خان نے اس کا ذہن پڑھ کر دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"آزاد علاقوں میں مسلمان کی زبان اور عمل پر اعتبار کیا جاتا ہے' نیتوں کا حال اللہ ہی جانتا ہے۔ پتا نہیں کیسے کیسے بدکار اور سازشی اپنی مظلومیت کی جھوٹی کہانیاں سنا کر وہاں پناہ لیے رہتے ہیں۔ ان میں سے کوئی کھٹول کا ہمدرد ہوا تو تم کیا کرو گے؟"

"اول خان کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تیر گئی "تم ذرا دور کے رہنے والے ہو' میں ان ہی پہاڑوں کی گود میں پلا بڑھا ہوں اور وہاں رہنے والوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ لوگ باہر سے آئے ہوئے پناہ گزینوں پر ہمیشہ کڑی نگاہ رکھتے ہیں۔ اتنی ڈھیل نہیں دیتے کہ وہ ان کی زمین پر من مانے انداز میں فتنہ وفساد پھیلا سکیں۔"

"تمہارے خدشات بس اتنے ہی ہیں تو انہیں بھول جاؤ" میں نے لقمہ دیا "اول خان تمہاری طرح بلکہ شاید تم سے زیادہ پٹھان ہے' کھٹول ایک سازشی بنیا ہے۔ وہ اول خان کو چکما نہیں دے سکے گا اور جلد ہی اپنے انجام کو پہنچا دیا جائے گا۔"

"میری نیک تمنائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں" سلطان شاہ نے بے رخی سے کہا "وہ ہمیں دوبارہ تو چکر دے ہی چکا ہے۔ حیرت ہے کہ تم اب بھی خوش فہمیوں میں مبتلا ہو۔"

"اس کے دل میں چور ہے' اسے اپنا انجام بہت اچھی طرح معلوم ہے اسی لیے وہ اپنی جان کی پروا کیے بغیر چلتی ٹرین سے کود گیا؟" اول خان نے اس کی دل جوئی کرتے ہوئے کہا "یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ صرف زخمی ہوکر اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے میری گرفت میں آنے پر ٹرین سے کود کر مرجانے کو ترجیح دی تھی۔ میں اس کے پیچھے کودنے کا حوصلہ نہیں کرسکا۔ اسے چکر نہیں' مکافاتِ عمل کہتے ہیں۔ وہ دھیرے دھیرے نرغے میں آرہا ہے۔"

"جلد ہی نتیجہ سامنے آجائے گا" اس نے بے رخی سے کہا۔ "ڈینی نے تمہیں بھی بگاڑ دیا ہے۔"

ہم دونوں میں سے کسی نے اس سے آخری فقرے کے بارے میں کوئی وضاحت طلب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ عارضی ناکامیوں پر قنوطیت کا شکار ہو چلا تھا۔ اس وقت اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی سب سے بہتر ردِ عمل ہو سکتا تھا۔

کھٹول جیسے بارسوخ سیاست داں کی مجرمانہ سرگرمیوں کے کھلے کھلے ثبوت ہمارے سامنے تھے۔ شاید ان سب الزامات کو کسی عدالت میں ثابت کرنا اتنا آسان نہ ہوتا مگر ہم سب ہی اپنے مقصد کے حصول.... کی سرتوڑ جدوجہد کے باوجود اپنے ضمیر کو جواب دہ تھے۔ کسی کو ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ فطری انصاف کی کسی بھی بھٹی سے گزر کر کھٹول خود کو بے گناہ ثابت کرسکے گا۔

اسے عارضی طور پر جو حمایت مل گئی تھی' وہ بظاہر حوصلہ شکن

تھی مگر مجھے ان حالات میں امید کا ایک بہت زیادہ روشن مینار نظر آیا تھا جو مجھے سب کچھ کر گزرنے پر اکسا رہا تھا۔

ہوم سیکریٹری کی طلب کی ہوئی آف دی ریکارڈ میٹنگ میں شریک ہونے والے بیشتر صوبائی اہل کار اس کے ماتحت یا خوشامدی تھے لیکن انٹیلی جنس بیورو کے ایک اعلیٰ افسر نے ایجنڈے میں میرے نام کی موجودگی پر جس طرح کھل کر اعتراض کیا تھا' اس سے یہ صاف ظاہر ہوگیا تھا کہ چند مفاد پرستوں کے سوا بہت سی محبِ وطن قوتیں میری حامی تھیں۔

آئی بی جیسے کلیدی ادارے کا میرے بارے میں باخبر ہونا ہی میرے لیے اعزاز کا باعث تھا جبکہ وہ میری مدد پر بھی آمادہ نظر آئے تھے۔

مسئلہ یہ تھا کہ ہم سب کراچی میں بیٹھے ہوئے تھے' کھٹومل زخمی ہونے کے باوجود اسلام آباد میں جوڑتوڑ اور سازشیں کرنے میں مصروف تھا' اول خان کی ایس ٹی ایف کے آدمی اس کی بو سونگھتے پھر رہے تھے اور اس وقت تک انھیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی۔

دوسری طرف سندھ کے ہوم سیکریٹری کے پیغام نے یہ واضح کردیا تھا کہ اس صوبے کی انتظامیہ کھٹومل کی ہر غیر قانونی سرگرمی سے چشم پوشی اختیار کرنے پر مجبور کردی گئی تھی۔ کراچی میں اس کے سر پر منڈلانے والے خطرے کے سیاہ بادل سفارشوں کی تیز آندھی میں تحلیل ہو چکے تھے۔ آئی جی اس کی خواب گاہ کی سیل کھلوا کر فائل بند کرنے کا وعدہ کرچکا تھا اور شاید اس وقت تک اس وعدے پر عمل درآمد بھی کیا جاچکا ہوگا۔

اپنے اہداف حاصل کرلینے کے بعد کھٹومل کراچی آجاتا تو ہم اس کے خلاف کوئی قدم اٹھا کر مقامی انتظامیہ سے تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

ایس ٹی ایف کے پنڈی یونٹ والے کھٹومل کی اصلیت سے بہت زیادہ باخبر نہیں تھے۔ وہ صرف اول خان کی ہدایت پر عمل کررہے تھے۔ انھیں پوری طرح متحرک کرنے کے لیے اول خان کی وہاں موجودگی ضروری نظر آرہی تھی۔ دوسری صورت میں کھیل بگڑ سکتا تھا۔

"میں اس وقت کراچی نہیں چھوڑ سکتا" میری تجویز پر اول خان نے بے بسی سے کہا "میرے یہاں سے جانے کا مطلب لیا جائے گا کہ میں نے ہوم سیکریٹری کی نیم سرکاری خواہشات کو بے اثر بنانے کے لیے پنڈی جاکر کھٹومل پر ہاتھ ڈالا ہے۔ انتظامی تصادم سے مکمل گریز ہماری فورس کے منشور میں شامل ہے۔ چاہو تو تم اسلام آباد جاکر کمان سنبھال سکتے ہو۔"

"وہاں والوں کے لیے میں اجنبی ہوں۔ میں کیا کرسکوں گا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ نہ بھولو کہ کرنل جمال دستی کے نام سے آج سے تم فورس میں شامل ہو چکے ہو۔ ایس ٹی ایف والے اپنے ان ہی ساتھیوں کو جانتے ہیں' جن سے ان کا رابطہ رہتا ہے ورنہ سب ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوتے ہیں۔ تمہاری نئی شناخت کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا۔ میں نے اپنے پورے اختیار کے ساتھ تمہیں شناخت نامہ جاری کرایا ہے۔"

"پھر میرے لیے پہلی پرواز سے اسلام آباد پہنچنے کا بندوبست کرو" میں نے اس کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا "اور مجھے بتاؤ کہ وہاں جاکر مجھے کس سے ملنا ہوگا۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا" سلطان شاہ نے اپنا فیصلہ صادر کردیا۔

اول خان نے انٹرکام پر اپنے کسی آدمی کو ہدایت کی کہ اسلام آباد کے لیے عام نشستوں کے ملنے میں کوئی دشواری ہو تو وہ سرکاری کوٹے سے فوراً دو نشستیں حاصل کرلے۔

اول خان مجھے اسلام آباد کے بارے میں بریف کرنے لگا۔ اس نے ذاتی طور پر بہت بڑا خطرہ مول لے کر مجھے ڈپٹی سے کرنل جمال دستی بنایا تھا۔ اس روپ میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کے لیے مجھے ایس ٹی ایف کی بہت سی اندرونی سرگرمیوں سے واقف ہونا ضروری تھا۔ سلطان شاہ اس گفتگو کی نزاکت کو بھانپ کر خود بہ خود وہاں سے ٹل گیا تھا۔

کچھ دیر کی گفتگو کے بعد اول خان نے مجھے بند لفافے میں ایک رقعہ دیا جو مجھے اسلام آباد میں ایس ٹی ایف کے اسٹیشن کمانڈر کے حوالے کرنا تھا۔ اس دوران میں یہ اطلاع مل چکی تھی کہ چند گھنٹوں بعد روانہ ہونے والی پہلی پرواز میں وفاقی کوٹے سے دو نشستیں حاصل کرلی گئی تھیں۔

میرے پاس وقت کم تھا۔ میں اول خان کے ساتھ اجلاس میں شرکت کے لیے جہانگیر کے گھر سے روانہ ہوا تھا۔ میرے اچانک غائب ہونے پر وہ خاصا بدحواس ہو سکتا تھا۔ میں نے فون پر ہی اسے اپنی غیر متوقع غیر حاضری کے بارے میں آگاہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

میری کال جہانگیر نے ہی وصول کی اور آواز پہچان کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا "تم کہاں مرے ہوئے ہو۔ میں بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ کتنی دیر میں آرہے ہو؟"

"میں نے صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ اب شاید میں دو چار دن بعد ہی واپس آؤں گا۔ تمہیں میری طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

اس کی آواز مزید رازدارانہ ہوگئی "کیا پھر ویرا کو بنکاک لے جارہے ہو؟" میرے تجسس میں پڑ کر وہ مردود عارضی طور پر اپنی پریشانی کو بھول بیٹھا تھا۔

"فکر مت کرو" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "اس بار ویرا کو بنکاک لے جانا ہوا تو تمہیں بھی نسیم کے ساتھ وہاں لے جاؤں گا۔ خوب عیش کرتے رہنا۔"

"ارے باپ رے..... اس حرام زادی کا نام بھی مت لو۔ اسی نے تو مجھے مصیبت میں ڈالا ہوا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب

اس کہانی کا انجام کیا ہوگا؟"

"وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا.... تم بے فکر رہو۔ وہ پولیس کے قبضے میں ہے۔"

"وہ جہنم میں بھی ہو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تمہاری سلمیٰ بی بی کے دماغ پر اب اسی کے بارے میں جاننے کا خبط سوار ہو چکا ہے...."

"پھر پریشانی کیا ہے، جنوادو" میں نے اس کی بات کاٹ کے بے اعتنائی سے کہا۔

فون پر اس کی خفت زدہ ہنسی کی آواز ابھری "آج وہ مجھ پر ضرورت سے زیادہ مہربان ہے اور خود پیگ بنا کر دے رہی ہے۔"

"خوشی کی بات ہے۔ اپنی عورت ساقی گری کرنے لگے تو آدمی نسیم جیسے گند پر منہ مارنا چھوڑ دیتا ہے۔ تمہیں اس تبدیلی پر خوش ہونا چاہیے۔"

"تم ہر بات پر مذاق شروع کر دیتے ہو" وہ شاید برا مان کر بولا۔ "وہ ایسی حرکتیں خلوص سے نہیں کرتی۔ ہر حرکت میں کوئی نہ کوئی منافقت پوشیدہ ہوتی ہے۔"

"میرے پاس تمہارے ان ازلی جھگڑوں کے لیے وقت نہیں ہے۔ مختصر الفاظ میں بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو اور اس وقت سلمیٰ کہاں ہے؟"

"وہ سوڈے کی بوتلیں لینے کے لیے نیچے گئی ہوئی ہے۔ اس کا خوفناک منصوبہ مجھے مدہوش کر کے نسیم کا راز اگلوانے کا معلوم ہو رہا ہے۔ کہیں میں بہک ہی جاؤں۔"

"پھر پینے سے گریز کرو" میں نے خشک لہجے میں کہا "بہتر ہوگا کہ بوتل ہی توڑ دو۔"

وہ ڈھٹائی سے ہنس پڑا "وہ بدزبان ضرور ہے لیکن بدصورت نہیں ہے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ اس جیسی دلکش بیوی پیگ بنا کر دے تو کون کافر انکار کر سکتا ہے۔"

وہ واقعی اس کی مجبوری تھی۔ شراب سامنے آجانے کے بعد وہ اس سے گریز کر ہی نہیں سکتا تھا۔ میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر اس سے کہا "تمہارے گھر میں املی یا کھٹائی ہے؟"

"یہ املی اور کھٹائی کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"بک بک مت کرو اور شرافت سے میری بات کا جواب دو۔" میں نے غرا کے کہا۔

"میری مدہوشی کا توڑ کرنے کے لیے سلمیٰ گھر میں ہر وقت ایسی کھٹی میٹھی چیزوں کا ذخیرہ رکھتی ہے" اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اعتراف کیا۔

"دل کھول کر املی یا کھٹائی کھاؤ اور اس پر ایک گلاس یخ بستہ پانی پی ڈالو۔ اللہ نے چاہا تو تمہارا مسئلہ خیروخوبی سے حل ہو جائے گا۔"

"مذاق مت کرو۔ یہ تو تم نشہ اتارنے والی ترکیبیں بتا رہے ہو" اس کی کھسیائی ہوئی آواز آئی۔

"ابے گھامڑ! نشہ ہو تو ان چیزوں سے اترتا ہے۔ تم نے ابھی ابتدا کی ہے۔ یہ ترکیب آزما ڈالو۔ ذرا سی دیر میں تمہارا حلق بند ہو جائے گا۔ ریڈیو خراب ہوگا تو تم سلمیٰ کی کوشش اور اپنی خواہش کے باوجود نسیم کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکو گے۔"

وہ خوش ہو گیا "سالی اپنا سر پیٹ کر رہ جائے گی۔ دیکھتا ہوں کہ اب وہ کتنی پلاتی ہے.... ویسے کم سے کم کتنی املی کافی رہے گی؟"

میں نے بھنا کر جو کچھ کہا وہ زیادہ شائستہ نہیں تھا، میں نے فون بند کر دیا۔

اول خان قریب ہی بیٹھا میری گفتگو سن رہا تھا۔ فون بند ہونے پر وہ ہنستے ہوئے بولا "تم مشورے نہ دیتے رہو تو ان کی گاڑی زیادہ دن نہیں چل سکتی۔ انہیں ہر وقت تمہاری مصالحت کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔"

"دونوں پکے فراڈ ہیں" میں نے جل کر کہا "ٹوٹ کر ایک دوسرے کو چاہتے ہیں مگر انا کی خاطر کوئی بھی اپنی چاہت کا اعتراف نہیں کرتا، ہر وقت ایک دوسرے کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔ آپس میں بھروسا نہ ہونے کے باوجود ان میں گاڑھی چھنتی ہے۔ میں ہاتھ آجاتا ہوں تو دونوں مل کر مجھے تختۂ مشق بنا لیتے ہیں۔ جیسے میں ہی ان کا مورثِ اعلیٰ رہا ہوں۔"

"دونوں میاں بیوی دل و جان سے تمہاری عزت کرتے ہیں۔" اول خان اس صورتِ حال سے بدستور محظوظ ہو رہا تھا۔ میں اسے

کیا بتاتا کہ میں نے کیسی کیسی نفس کشی کے بعد اپنی عزت کو سلمیٰ کے بے رحم ہاتھوں سے بچایا ہوا تھا۔

اس کے بعد غزالہ کی باری تھی۔ حالات کی سنگینی نے ہمیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہنے پر مجبور کیا ہوا تھا مگر میرے بارے میں پوری طرح باخبر رہنا اس کا جائز حق تھا۔

اول خان کے گھر میں ویرا کی موجودگی میں یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ کسی اور کو فون سننے کا موقع دیتی۔ "سنا ہے کہ تمہیں کوئی وزارت ملنے والی ہے اور اب تم جھنڈے والی گاڑی میں وندناتے پھرا کرو گے؟" میری آواز سن کر وہ فون پر چہکی۔

اس سے کوئی سوال کئے بغیر میں نے سمجھ لیا کہ کسی سرکاری اجلاس میں میری شرکت کی اطلاع اسے جہانگیر ہی سے ملی ہوگی اور اس نے اسی بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ میں نے کسی سخت ردِعمل کا مظاہرہ کئے بغیر نرمی سے کہا "جھنڈے لہرانے والے بعض لوگوں کو بعد میں ڈنڈوں کی تنصیب بھی سہنی پڑتی ہے۔ میں ایسی کسی پیشکش کو قبول کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

میرے جواب نے اسے تعجب میں ڈال دیا "میں تو مذاق کر رہی تھی! کیا یہ واقعی سچ ہے؟"

"اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ہر وقت نیک بول بولا کرو' نہ جانے کب' کون سی بات قبول ہو جائے" میں نے اس کے سوال کا براہِ راست جواب دینے کے بجائے کہا "ذرا غزالہ سے بات کرا دو۔"

"تمہیں کس عہدے کی پیش کش کی گئی ہے؟" وہ بدستور تحیر زدہ تھی۔

"غزالہ سے بات کرا دو۔ میں اسے سب کچھ سمجھا دوں گا" میں نے تحمل سے جواب دیا۔

"ظاہر ہے کہ ایسی خبر تم سب سے پہلے اسی کو سناؤ گے' میں تمہاری کون لگتی ہوں" میرے جواب نے اسے آزردہ کر دیا اور فون کال فوراً ہی غزالہ کو منتقل ہو گئی۔

"یہ ویرا کیا کہہ..... " غزالہ نے ریسیور سنبھالتے ہی موضوع کو جاری رکھنا چاہا مگر میں نے بہت خلوص سے اس کی بات منقطع کر دی۔

"ڈارلنگ! تم اس کی بے سروپا باتوں پر دھیان مت دیا کرو۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ آج ایک غیر سرکاری اجلاس میں ایک اہم سرکاری اہل کار نے ہم سب کو کھٹول سے دور رہنے کی ہدایت کی ہے اور میں اسی سلسلے میں تھوڑی دیر بعد اسلام آباد جا رہا ہوں۔"

"آپ نے امریکا سے آنے کے بعد ایک دن بھی میرے ساتھ بے فکری سے نہیں گزارا" اس نے شکوہ کیا "اب پھر یہ بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ کیا آپ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے؟"

"مجھے معلوم ہے کہ تم بہت بے خوف اور حوصلہ مند عورت ہو مگر وہاں تمہارا کام نہیں ہے۔ خود کو بلاوجہ کسی خطرے میں ڈالنا دانش مندی کے خلاف ہے۔"

اس نے میرے ساتھ سفر کرنے پر اصرار نہیں کیا اور بولی "کب تک لوٹ آئیں گے؟"

"جلد از جلد..... شاید ایک دو روز میں" میں نے گول مول سا جواب دیا۔

"میں منتظر رہوں گی۔ جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ کچھ امریکی سراغ رساں اپنے ساتھ لائے ہوئے تربیت یافتہ کتوں کے ساتھ نادرہ کے فلیٹ میں گئے تھے' میں آپ کی سلامتی کی طرف سے بہت فکر مند ہوں۔ یہ محاذ آرائی روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہے۔"

اس کی تشویش رفع کرنے کے لیے میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "میرے خلاف ان کے پاس کوئی سراغ نہیں ہے۔ وہ کتوں کو کس بو پر لگائیں گے؟ میری تصویر سے وہ بے چارے اب تک محروم ہیں۔ بس ذرا ویرا کا دھیان رکھنا۔ مجھے گھیرنے کے لیے وہ اس کو اپنا ہدف بنا سکتے ہیں۔"

"کھوجی کتوں کے لیے انہیں دنیا بھر سے ویرا کے ذاتی استعمال کی بے شمار چیزیں مل سکتی ہیں" وہ میری طرف سے بے فکر ہو کر ویرا کے لیے تشویش میں مبتلا ہو گئی۔ اس کی یہی معصومانہ سادگی مجھے اس کی ساری اداؤں سے زیادہ عزیز تھی۔

"تم میری توقع سے زیادہ سمجھ دار ہو۔ اسے بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلنے دینا۔"

"وہ آپ سے بات بات پر الجھتی رہتی ہے مگر میری ہر بات بے چون و چرا مان لیتی ہے۔ آپ بے فکر ہو کر اسلام آباد جائیں۔ میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

میں نے فون بند کر کے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور نئی سگریٹ سلگا لی۔

کالو مکرانی اور قاسم پولیس کی تحویل میں تھے۔ ان پر کلفٹن کی عمارت میں دہشت گردی کا الزام تھا جس کا وہ خود اعتراف کر چکے تھے۔ دہشت گردی میں چھ افراد کی موت کی وجہ سے ان کا جرم بہت سنگین ہو گیا تھا۔ نسیم پر جہانگیر کو بلیک میل کرنے کے بجائے کالو مکرانی اور قاسم کی دہشت گردی میں معاونت کرنے کا الزام تھا۔ ان لوگوں کے بیانات نے بالم اور جانی کو بے نقاب کر دیا تھا جو کھٹول کے ہرکارے تھے۔

کراچی میں اس حد تک سب کچھ بہتر تھا۔ بس کھٹول سے آگے گڑبڑ ہی گڑبڑ تھی۔

اول خان ہمارے منصوبے میں پوری طرح شامل تھا۔ مجھے کرنل جمال دستی اسی نے بنایا تھا مگر واضح ترین وجوہ کی بنا پر وہ سامنے نہیں آ سکتا تھا۔ اس نے ہمیں ائرپورٹ پہنچانے کی ذمے داری بجل شاہ کو سونپ دی تھی اور ہم تینوں وقت گزاری کے لیے چائے نوشی میں مصروف ہو گئے تھے۔

ایس ٹی ایف میں نچلی سطح پر پاکستان کے ہر خطے سے تعلق رکھنے والے لوگ کام کر رہے تھے اور پوری تن دہی سے ملک کے

دشمنوں کی سرکوبی کررہے تھے لیکن یہ عجیب اتفاق تھا کہ ہمارے رنگارنگ اتحاد میں بھی ہر خطے کے لوگ شامل تھے۔

خود میرا خمیر داتا کی نگری سے اٹھا تھا۔ لاہور میرا آبائی شہر تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اپنے باپ کی وفات کے بعد سوتیلی ماں اور بھائیوں کے سلوک کی وجہ سے میرے اوپر اس شہر کی زمین تنگ ہونی شروع ہوئی اور پھر کس مپرسی کے عالم میں میری سگی ماں نے داعیِ اجل کو لبیک کہا تو کراچی کی مہربان فضاؤں نے مجھے اپنی نرم وپُر عزم آغوش میں لے کر زندگی گزارنے کا نیا حوصلہ سکھایا اور میں کراچی کے رنگ میں رنگتا چلا گیا۔ اول خان اور سلطان شاہ قدرے مختلف علاقوں کے پٹھان تھے۔ بچل شاہ اصل نسل سندھی تھا۔ جہانگیر کراچی کا پیدائشی تھا اور ویرا.... وہ تو نہ جانے کہاں کہاں کی باسی رہ چکی تھی۔

ہم سب کی زبانیں، ثقافتیں اور تہذیبیں خاصی مختلف تھیں لیکن سب کا مشن مشترک تھا۔ ہم مل جل کر ایک بڑے مقصد کے لیے کام کررہے تھے جس کی ابتدا ملک میں ہیروئن کے انسداد سے ہوئی۔ اس مہلک اور گھناؤنے کاروبار کی جڑوں میں اترتے اترتے ہم عالمی سازشوں اور دہشت گردیوں کے ایک ایسے سمندر میں نکل گئے تھے جہاں بظاہر ہیروئن کا کہیں پتا نہیں تھا لیکن اس سمندر کا مخرج و منبع وہی خطیر سرمایہ تھا جو کسی روک ٹوک کے بغیر ہیروئن کے دھندے سے کمایا جارہا تھا۔

"اب تم کیا سوچ رہے ہو؟" اول خان نے اپنی پیالی خالی کرکے مجھ سے پوچھا۔

"میں رابطوں کے موجودہ وقیانوسی نظام کے بارے میں فکرمند ہوں" میرے ذہن نے چونکتے ہی ایک قلابازی کھائی اور میں نے ایک اہم بات چھیڑ دی۔

"کس نظام کی بات کررہے ہو؟" اول خان نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

"ہم ابھی تک ٹرانسیٹرز وغیرہ کے جھمیلوں میں الجھے ہوئے ہیں اور ہمارے حریف شاید موبائل فون سے فیض حاصل کررہے ہیں" میں نے شکوہ کیا۔

"تمہاری شکایت مجھے یاد ہے۔ میں نے تمہیں بتایا بھی تھا کہ یہ سہولتیں یہاں نئی اور بہت مہنگی ہیں لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ ہورہا ہے۔ اسلام آباد میں تمہیں موبائل فون مل جائے گا۔ چند ہفتوں تک کراچی میں بھی تم اپنے یا فورس کے وسائل سے یہ سہولت حاصل کرسکو گے۔"

باتوں میں وقت تیزی سے گزر گیا۔ روانگی کا مرحلہ آیا تو اول خان نے ہمیں پوری گرم جوشی کے ساتھ بچل شاہ کے ساتھ رخصت کیا۔ ملیر چھاؤنی سے ائرپورٹ کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ کشادہ سڑکوں پر چند منٹ کے سفر کے بعد ہم ائرپورٹ پہنچ گئے۔

ایس ٹی ایف ملک کی ایک ایسی نادیدہ اور منظم قوت تھی کہ ہر لمحے اپنے حریفوں کی نظروں سے روپوش رہنے کی کوششوں کے باوجود اہم مقامات اور مواقع پر اپنی موجودگی کا احساس دلاتی رہتی تھی۔

بچل شاہ نے گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دیکھ کر دور ہی سے بتادیا کہ سرمئی کپڑوں والا ائرپورٹ سے پرواز کی روانگی تک ہماری دیکھ بھال کا ذمے دار تھا۔

ہمارے پاس بچل شاہ کے فراہم کیے ہوئے ایک بریف کیس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ حد یہ ہے کہ ہمارے ٹکٹ بھی ہم تک نہیں پہنچے تھے۔ سرمئی کپڑوں والے نے گاڑی سے اترتے ہی ادب سے سلام کیا اور ٹکٹ کے بقیہ کوپن کے ساتھ دو بورڈنگ کارڈز میرے حوالے کردیے۔

لاؤنج میں ذرا بھی وقت ضائع کیے بغیر براہِ راست بورڈنگ کارڈز حاصل کرنے کا وہ تجربہ خوشگوار تھا۔ سرمئی سوٹ والا بریف کیس اٹھائے ایسے طنطنے سے ہمارے آگے چل رہا تھا جیسے راہ میں حائل ہونے والوں کو ایک طرف دھکیل دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

وہ سادہ پوش اور ہمارے لیے اجنبی ہونے کے باوجود عمارت میں موجود، مختلف ایجنسیوں کے اہل کاروں کا شناسا تھا۔ ہمیں کہیں رکنا پڑا، نہ کوئی تلاشی ہوئی۔ ہم براہِ راست فرسٹ کلاس

لاؤنج میں پہنچ گئے۔ وہاں بھی وہ ہمارے آس پاس ہی منڈلاتا رہا۔
پرواز کی روانگی سے چند لمحوں قبل وہ طیارے میں بھی نظر آیا اور دور سے ہم دونوں پر ایک نگاہ ڈال کر واپس لوٹ گیا۔

کراچی سے اسلام آباد تک جانے والی پی آئی اے کی وہ پرواز بہت ہموار اور آرام دہ مگر روکھی پھیکی تھی۔ مسافروں کی دیکھ بھال پر مامور کیبن کریو کا ہر فرد تھکا تھکا اور بیزار نظر آرہا تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے عملے کی کمی کی وجہ سے انہیں زبردستی اضافی ڈیوٹی انجام دینے پر مجبور کیا گیا ہو۔

اسلام آباد ائرپورٹ پر حالات بالکل مختلف تھے۔ وہاں لاؤنج میں ہماری پیشوائی کے لیے کوئی موجود نہیں تھا۔ ہماری آمد کی رازداری برقرار رکھنے کے لیے شاید وہ احتیاط ضروری سمجھی گئی تھی۔ مجھے فکر صرف ایک ہی تھی کہ کہیں ایس ٹی ایف والا ہمیں پہچاننے میں ناکام نہ ہوگیا ہو۔

ہم سامان کی فکر سے آزاد مسافروں کی ابتدائی بھیڑ میں شامل ہو کر لاؤنج سے باہر نکلے تو آہنی ریلنگ کے پیچھے کھڑے ہوئے ایک اجنبی شخص نے شناسائی کے انداز میں ہماری طرف ہاتھ لہرایا پھر تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر غائب ہوگیا۔

ہم گھوم کر برآمدے کے غیر ممنوعہ حصے میں پہنچے تو وہ ہمارے ساتھ آملا اور ہمیں تیزی کے ساتھ ایک دور افتادہ گوشے کی طرف لیتا چلا گیا۔

اس نے ہمارا تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی‘ نہ اپنے بارے میں کچھ بتایا‘ چھوٹتے ہی بولا ”سر! ایف سیون میں اس کی موجودگی کا شبہ ہے لیکن ابھی تک اسے کہیں نہیں دیکھا گیا۔ دو گھنٹے بعد یہ پرواز کراچی واپس جائے گی۔ ہوسکتا ہے وہ اس کے ذریعے یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے۔ ہمارے دو آدمی یہاں نگرانی کررہے ہیں۔“

بات کرتے ہوئے اس نے اپنی جیب میں سے ابتدائی وضع کا ایک موبائل فون نکال کر میرے حوالے کردیا تھا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ”پیچھے اسٹکر پر اہم نمبروں کے ساتھ اس سیٹ کا نمبر بھی لکھا ہوا ہے۔ چارجر ریسٹ ہاؤس میں موجود ہے۔“

”ریسٹ ہاؤس یہاں سے کتنی دور ہے؟“ میں نے موبائل فون کا جائزہ لے کر کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

”سر! بس بیس منٹ کی ڈرائیو ہے۔“ اس نے مجھے مطلع کیا۔

”ذرا معلوم کرو کہ کراچی کے لیے پرواز کی روانگی کا صحیح وقت کیا ہے۔ ہم کونے پر کافی ہاؤس میں تمہاری واپسی کا انتظار کررہے ہیں۔“ یہ کہتے ہوئے میں عمارت کے بیرونی بازو پر واقع کافی شاپ کی طرف بڑھ گیا۔

”تم نے تو یہاں اترتے ہی چکر چلانا شروع کردیا۔“ سلطان شاہ نے دھیرے سے کہا ”تمہارے کیا ارادے ہیں؟ کیا کراچی واپسی کے لیے پر تول رہے ہو؟“

”اگر اگلی پرواز دو گھنٹے بعد روانہ ہونے والی ہے تو ذرا سی دیر میں اس کے مسافروں کی آمد شروع ہوجائے گی۔ ریسٹ ہاؤس تک ہماری آمدورفت کے چالیس منٹ میں ذرا سا آرام کا نصف گھنٹا جمع کرلو تو یہ سوا گھنٹے سے زیادہ وقت بن جاتا ہے۔ اگر وہ دی آئی پی بن کر عین وقت پر بھی آیا تو ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ ہم پرواز چیک کرکے ہی شہر کی طرف جائیں۔“

ایس ٹی ایف کا آدمی کافی شاپ میں خبر لایا کہ پرواز کی روانگی میں فنی دیکھ بھال کی بنا پر ڈیڑھ گھنٹے کی تاخیر متوقع تھی۔ ہم نے جلدی جلدی پیالیاں خالی کیں اور باہر آگئے۔

ائرپورٹ کے احاطے میں اس کی آرام دہ گاڑی موجود تھی۔ ہم فوراً اسلام آباد کی طرف روانہ ہوگئے۔ گاڑی چلنے پر اس نے بتایا کہ اس کا نام اکبر تھا۔

ائرپورٹ سے شاہراہِ اسلام آباد تک کا راستہ ڈرائیونگ کے اعتبار سے پُر پیچ اور قدرے بے آرام ہے جو پاکستان کے دارالحکومت میں آنے والوں پر کچھ اچھا تاثر نہیں چھوڑتا۔ بڑی سڑک پر آنے کے بعد اکبر نے گاڑی کی رفتار تیز کردی۔

شاہراہِ کشمیر کے چوراہے پر زیرو پوائنٹ کے سگنل کو عبور کرکے بھی اکبر سیدھا چلتا رہا۔ خیابانِ قائداعظم کے چوراہے پر داہنی طرف مڑنے کے بعد اس نے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا ”یہ اسلام آباد کا سیکٹر ایف سیون ہے۔ چوہدری سلام اسی سیکٹر میں رہتا ہے۔“

”چوہدری سلام!“ سلطان شاہ چونک پڑا ”تمہیں اس کا نام کیوں یاد آگیا۔ اسلام آباد میں تو اس سے بھی بڑے بڑے بہت سے سیاست داں رہتے ہیں۔“

”اس کے گھر کی خفیہ نگرانی ہورہی ہے‘ سر!“ اکبر نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا ”شبہ ہے کہ کھوسل اسی کے گھر میں ٹھہرا ہوا ہے۔“

”اس شبے کی کچھ نہ کچھ وجوہ ضرور ہوں گی؟“ میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

”سر! کڑیاں ذرا مشکل سے ملی ہیں پھر بھی مل ہی گئی ہیں۔ ہم لوگ سیاست اور سیاسی لیڈروں سے دور رہتے ہیں۔ اب پتا چلا ہے کہ ان دونوں کی کسی کاروباری پارٹنرشپ کی خبریں اسلام آباد میں عام ہیں۔ ہم اندر کی خبریں معلوم کرنے کے لیے کسی ملازم پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں ہیں۔“ اکبر نے ہلکے سے مجرمانہ احساس کے ساتھ کہا۔

”لیکن یہ خبر کراچی ابھی تک نہیں پہنچی۔“ میں اپنے لہجے کی بے اختیار خفگی پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ ایس ٹی ایف کے اسلام آباد یونٹ والے اس وقت تک کھوسل کے معاملے کی سنگینی کا ادراک نہیں کرسکے تھے۔

”سر! ہمیں خود یہ خبر ایک گھنٹے پہلے ملی ہے۔“ اس نے برا مانے بغیر وضاحت کی ”اسٹیشن فور والوں کو فوراً خبر دی گئی تھی۔ آپ دونوں وہاں سے نکل چکے تھے۔“

چوہدری سلام کی رہائش ایف سیون میں تھی۔ وہاں سے گزرتے ہوئے میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اس کے گھر پر

ایک نگاہ ڈال لوں مگر ایسی کسی قبل از وقت کوشش سے ان لوگوں کا بنایا ہوا کھیل بگڑ سکتا تھا۔

اسلام آباد کے بلاک ایف کے سیکٹر نمبر چھ یا عرفِ عام میں ایف سکس میں ہمارا ریسٹ ہاؤس تھا.... وہاں کے عام رواج کے مطابق وہ ایک بڑا رہائشی مکان ہی تھا جس کے اگلے حصے کو دفتر اور عقبی کمروں کو ریسٹ ہاؤس کی رسمی شکل دے دی گئی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ ایس ٹی ایف کے سربراہ سے ملاقات کے لیے پچھلی بار میں اس عمارت میں نہیں آیا تھا۔

اکبر نے ہمیں کمروں تک پہنچایا تو میں اس سے اس بارے میں اپنا سوال کیے بغیر نہ رہ سکا "کیا پہلے تمہارا یہ دفتر کسی اور عمارت میں تھا؟"

"نہیں سر! یہ شروع سے یہیں ہے۔" اس نے اختصار سے جواب دیا۔

"مگر میں کہیں اور آیا تھا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "میری یادداشت اتنی کمزور نہیں ہے۔"

"سر! آپ ہیڈ آفس آئے ہوں گے۔ یہ اسٹیشن نائن کہلاتا ہے۔ ہم لوگ صرف پنڈی، اسلام آباد اور اس کے مضافات میں آپریٹ کرتے ہیں۔ ہیڈ آفس سارے اسٹیشنوں کا نگراں ہے۔"

"اوہ!" میں نے تفہیمی انداز میں سرہلایا "اسٹیشن نائن کا کمانڈر کون ہے؟"

"وہ میرے ہم نام ہیں، سر!" وہ سر کیے بغیر کسی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا "ان کا پورا نام اکبر رانا ہے۔ فرق کے لیے انہیں کمانڈر رانا کہا جاتا ہے.... اس وقت وہ بھی کھٹول کے پیچھے ہیں۔ پہلی فرصت میں آپ سے ملنے آئیں گے۔"

ریسٹ ہاؤس میں ایک کل وقتی خدمت گار موجود تھا۔ اسے ہم دونوں کے بارے میں ہدایات دے کر اکبر واپس چلا گیا۔ جانے سے پہلے اس نے اپنے موبائل فون پر کوڈ ورڈز میں کسی سے چند ثانیوں کے لیے مختصری بات کی تھی۔

"چوہدری سلام کے نام پر تم کیوں چونکے تھے؟" اکبر کے چلے جانے کے بعد میں نے اپنے ذہن میں کسی بچھو کے ڈنک کی طرح چبھنے والا وہ سوال سلطان شاہ سے کرہی ڈالا۔

"وہ ایک رسوائے زمانہ بدمعاش ہے۔" سلطان شاہ نے ایک گہرا سانس لے کر بے بسی سے کہا "سیاسی لیڈروں نے اپنے جلسوں میں آدمی جمع کرنے کے لیے اسے شہ دینا شروع کیا اور رفتہ رفتہ وہ موٌمستری سے چوہدری سلام بنتا چلا گیا اور آج خود بھی ایک بڑا لیڈر بنا بیٹھا ہے۔"

"تم اتنے عمر رسیدہ تو نہیں ہو کہ یہ تبدیلیاں تم نے اپنے سامنے آتی دیکھی ہوں۔"

"ماضی کی کہانیاں ہیں۔ اپنے بڑوں سے سنتا رہا تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد میں نے خود اس کے لیے نعرے لگائے تھے۔ برسوں سے وہ خود اور اس کا ایک آدھ بیٹا اسمبلیوں کا ممبر چلا آرہا ہے۔" سلطان شاہ کی معلومات واقعی خاصی اہم تھیں۔

"سرحد میں تو چوہدری نہیں ہوتے پھر تم نے اس کے لیے نعرے کیوں لگائے تھے؟"

"اب شرمندہ نہ کرو۔" وہ خفت سے بولا "نعرے بازی کے لیے لگانے پڑتے ہیں جس سے پیسے ملتے ہیں۔ قومی اسمبلی کے الیکشن میں سارے لیڈر ایک دوسرے کے جلسوں میں جاتے ہیں۔ پنجاب کے جلسے میں سرحد یا بلوچستان کے کسی لیڈر کے حق میں نعرے لگیں تو اس کی مقبولیت سے سب ہی مرعوب ہونے لگتے ہیں۔"

"ایک معمولی مستری کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آگیا؟" میرے ذہن میں سوال ابھرتے چلے آرہے تھے۔

"پہلے سیاسی رشوت میں بھنگ، چرس اور دیسی شراب کے ٹھیکے چلانے شروع کیے۔ بعد میں پاؤڈر چلا تو اس کے پاس دولت کی ریل پیل ہوتی چلی گئی۔ اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ کھٹول کی چوہدری سلام سے دوستی ہے تو میں تمہیں اسی کے گھر جانے کا مشورہ دیتا۔"

"تو کیا وہ شروع سے اسلام آباد میں ہی رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پہلے لاہور میں کسی فٹ پاتھ پر مستری کا کام کرتا تھا۔ وہاں سے آٹو پارٹس کے دکان داروں کی بڑی رقم کھا کر ہری پور میں آگیا تھا۔ وہاں اس کا مستری خانہ تو کیا چلتا، لیڈروں کے جلسوں کے لیے آدمی جمع کرنے کا دھندا چل پڑا۔ اب تو پتا نہیں کہاں کہاں اس کی حویلیاں ہوں گی۔"

یہ ہمیشہ سے ایک حیران کن بلکہ روح فرسا حقیقت رہی ہے کہ حلال کی روزی کمانے اور اس پر تمام سرکاری محصول ادا کرکے سفید پوشی قائم رکھنے والوں کی آمدنی یا تنخواہوں میں چند ہزار سالانہ کا بھی اضافہ ہو تو محصول اور محاسبے کے سارے مروج قوانین حرکت میں آجاتے ہیں لیکن تحت الثریٰ سے اپنے سفر کا آغاز کرکے پچیس تیس برسوں میں ارب پتی بن جانے اور ٹیکس میں دھیلا بھی نہ دینے والوں سے کوئی نہیں پوچھتا کہ ان کے ابتدائی وسائل کیا تھے اور انہوں نے اتنی دولت کیسے جمع کی۔

اس دلدل میں پیر رکھنے کے بعد وہ رموز دھیرے دھیرے میری سمجھ میں آنے لگے تھے۔ جس طرح چوہدری سلام عرف مومستری نے ہوم سیکریٹری کے ذریعے کراچی میں کھٹول کو تحفظ فراہم کیا تھا اور ہر ادارے کو اس کے جرائم سے چشم پوشی اختیار کرنے کا حاکمانہ مشورہ دیا تھا اسی طرح اوپر کے کچھ لوگ چوہدری سلام کو اپنے مفادات کے لیے تحفظ فراہم کررہے تھے۔

وہ ان ہی بڑی مچھلیوں کا کھیل تھا جن کی کہانیاں آئے دن اخباروں میں آتی رہتی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ وہ غاصب، خائن، بدنیت، چور اور لٹیرے ہیں لیکن قانون ازخود ان کے خلاف حرکت میں آنے کی قوت نہیں رکھتا۔ قانون کے بے رحم محافظوں کو بھی ان مگرمچھوں کے خلاف کسی نہ کسی کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسی اجازت آج تک نہیں دی گئی۔

اگر کھٹول ہیروئن کے گھناؤنے کاروبار کے ذریعے اپنے اور مومستری کے لیے بے اندازہ دولت کما رہا تھا تو ان دونوں کی مفاہمت بہت زیادہ قابلِ فہم تھی۔

ایس ٹی ایف والے مومستری کے مکان سے باہر رہ کر چوری چھپے اندر کی خبریں معلوم کرنے کی کوشش کررہے تھے، میں نے براہِ راست ایک وار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

پاکستان میں ٹیلی فون ڈائرکٹریوں کا نظام اس قدر فرسودہ اور راز کارفتہ ہے کہ برسہا برس سے کبھی بھی تازہ ترین ڈائرکٹری دستیاب نہیں ہوسکی۔ ہر زیرِ اشاعت ڈائرکٹری مقررہ مدت سے ڈیڑھ دو سال بعد آتی ہے اور اس وقت تک بیشتر نہیں تو بے شمار فون نمبر فنی وجوہ کی بنیاد پر بدلے جاچکے ہوتے ہیں۔

ڈائرکٹری میں بلاوجہ سر کھپانے کے بجائے میں نے انکوائری سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا۔ فون کا ریسیور اٹھاتے ہی مجھے حکومتِ پاکستان کی اس محکمہ جاتی ڈائرکٹری کا خیال آیا جس میں ساری وزارتوں اور ان کے متعلقہ دفاتر اور افسروں کے فون نمبر ہر بڑی تبدیلی کے بعد نہایت باقاعدگی سے اور بروقت شائع کیے جاتے ہیں۔

ایس ٹی ایف جیسے حساس ادارے کے ریسٹ ہاؤس میں اس ڈائرکٹری کی موجودگی ناگزیر تھی۔ میں نے جوں ہی رائٹنگ ٹیبل کی پہلی دراز کھولی، میرے اندازے کی تصدیق ہوگئی۔

قومی اسمبلی کے اراکین کی فہرست میں چوہدری سلام کے نام کے سامنے کئی اقامتی اور دفتری فون نمبر موجود تھے۔ میں نے وہ صفحہ موڑ لیا۔

ایف سیون کے پتے والا پہلا نمبر ملانے کے چند ثانیوں بعد دوسری طرف سے رابطہ قائم ہوگیا۔ ادھر سے بات کرنے والی کوئی مہذب خاتون تھی۔

"کیا یہ چوہدری سلام صاحب کا گھر ہے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ تصدیق چاہی۔

"یقیناً۔ گھر ان ہی کا ہے مگر وہ اس وقت موجود نہیں ہیں....."

اس سے پہلے کہ وہ خاتون ٹکا سا جواب مکمل کرکے فون بند کرتی، میں خوشامدانہ لہجے میں بول پڑا "میرا چوہدری صاحب سے تعارف نہیں ہے۔ مجھے ان کے مہمان سے ذرا سی بات کرنی ہے۔ میرا یہ مسئلہ بہت اہم اور ضروری ہے۔"

خوشامد ہر عورت کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے، وہ فوراً نرم پڑگئی "ان کے پاس تو کئی مہمان ہوتے ہیں۔ آپ کون ہیں اور کس سے بات کرنی چاہتے ہیں؟"

میں نے اس کے پہلے سوال کا جواب گول کرکے دوسرے سوال کا جواب دے ڈالا "کراچی سے کھٹول راجوانی آئے ہوئے ہیں۔ ان سے بات کرادیں۔"

"یہ مشکل ہے۔" اس کی متذبذب آواز ابھری "وہ ذرا علیل ہیں۔ آپ اپنا نام اور فون نمبر لکھوا دیں۔ انہوں نے ضروری سمجھا تو وہ خود آپ سے رابطہ کرلیں گے۔"

خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ جس سراغ کے لیے اسٹیشن ٹائن والے پچھلے روز سے ہر طرف مارے مارے پھر رہے تھے، وہ میں نے اسلام آباد پہنچنے کے پہلے گھنٹے میں ہی حاصل کرلیا تھا۔ یہ بات اپنی جگہ سب سے اہم تھی کہ میری اس کوشش کے لیے بنیادی اطلاع اکبر نے ہی فراہم کی تھی۔

اکبر نے چوہدری سلام اور کھٹومل کے گٹھ جوڑ پر شبے کا اظہار کیا، سلطان شاہ نے ممو مستری کا کچا چٹھا کھولا اور میرے ذہن کو ایک نئی راہ ملتی چلی گئی۔

میں نے فون پر کسی وقفے کے بغیر اس خاتون کو جواب دیا "میں ابھی ابھی پشاور سے پنڈی پہنچا ہوں۔ ایک پی سی او سے فون کر رہا ہوں۔ آپ کھٹومل کو صرف یہ بتا دیں کہ پشاور سے شش.... شہزاد آفریدی یہاں آگیا ہے۔ میں کسی ہوٹل میں کمرا لے کر دوبارہ فون کروں گا یا پھر آپ کے گھر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

میری زبان سے بے اختیار شنکر آفریدی نکلتے نکلتے رہ گیا۔ کھٹومل کو میں شنکر کے نام سے ہی ڈراتا رہا تھا لیکن وہ موقع ایسی شہ زوری دکھانے کا نہیں تھا۔ اسے ذرا بھی شبہ ہوجاتا کہ اس کے خون کے پیاسے اس کے پیچھے اسلام آباد تک پہنچ گئے ہیں تو وہاں ہلچل مچ جاتی۔ شاید چوہدری مو اپنے اثر و رسوخ کے سہارے پورے اسلام آباد کی پولیس فورس اپنے گھر پر جمع کرکے ایسا ہنگامہ کھڑا کردیتا کہ ہم اپنا مقصد کسی طرح بھی حاصل نہیں کرسکتے تھے۔

اس خاتون کو شہزاد آفریدی کی ادائیگی میں میری خفیف سی ہکلاہٹ پر کوئی شبہ نہیں ہوا۔ اسلام آباد میں شیر اپنے کچھار میں محفوظ تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چوہدری سلام عرف ممو مستری کی پناہ میں آئے ہوئے مہمان کو کوئی للکار سکے گا۔

خاتون نے میرا پیغام سننے کے بعد اوکے کہہ کر فون بند کردیا۔

میرے ریسیور رکھتے ہی سلطان شاہ والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا "خدا کی قسم! تم نے انتہائی شیطانی کھوپڑی پائی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ مشکل مسئلہ اتنی آسانی سے حل ہوجائے گا۔ تم نے واقعی کھیل میں جان ڈال دی ہے۔"

وہ میرے سینے سے الگ ہوا تو مسرت سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

"مجھ پر الزام تراشیاں مت کرو۔" میں نے مسکراتے ہوئے احتجاج کیا "مجھے یہ سیدھی سی راہ تم نے اکبر خان کی دی ہوئی اطلاع کی وضاحتوں کے ذریعے سجھائی تھی۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔" وہ فرطِ جوش میں اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا "تمہیں راہ میں نے سجھائی مگر یہ بات میرے ذہن میں نہیں آسکی۔ تمہارے ریڈار نے ہلکا سا اشارہ ملتے ہی اپنا کام شروع کر ڈالا اور تم نے نتیجہ حاصل کرلیا۔"

"ابھی زیادہ اچھلنے کی ضرورت نہیں۔ شکار کو اس کے کچھار سے نکالنے میں دانتوں پسینہ آسکتا ہے۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "سب سے پہلے ہمیں اکبر رانا کو دیکھنا چاہیے۔ پتا نہیں وہ اور اس کے آدمی شہر بھر میں کیا پاپڑ بیلتے پھر رہے ہیں۔"

"ضرور دیکھو۔" سلطان شاہ مسہری پر بیٹھ گیا "کبھی کبھی تو ایسی فضا بن جاتی ہے کہ تمہاری کسی بھی بات سے اختلاف کرتے ہوئے خوف آنے لگتا ہے۔"

اکبر کے دیے ہوئے موبائل فون کی پشت پر چسپاں اسٹکر پر کمانڈر رانا کا موبائل نمبر بھی درج تھا۔ میں نے فوراً ہی وہ نمبر ملالیا۔

"میں جمال دستی بول رہا ہوں....." میں نے اس کی ہیلو کے جواب میں کہا اور اس نے میری بات درمیان سے ہی اچک لی۔

"میں اسی چکر میں الجھا ہوا ہوں اور آپ کی طرف آرہا ہوں۔ مجھے شرمندگی ہے کہ میں آپ کو لینے کے لیے خود ائرپورٹ پر نہ آسکا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔ "آپ جناب کا چکر چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ اس وقت کی صورتِ احوال کیا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنی ضروریات کے معاملے میں خود کفیل اور اس گھر میں محصور ہیں۔ وہاں سے صرف دو گاڑیاں برآمد ہوئی ہیں۔ ایک میں تین افراد تھے۔ ان کا اس توقع پر پیچھا کیا گیا کہ ان میں سے کوئی کہیں اترے گا تو اسے گھیرلیا جائے گا۔ وہ گاڑی اپنے مسافروں سمیت مری روڈ کی ایک کوٹھی میں گھس گئی۔ دوسری گاڑی کا میں نے خود پیچھا کیا۔ اس میں پورے پانچ افراد تھے۔ میں سوہاوہ سے واپس لوٹ آیا۔ ان کے تیوروں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ ہائی وے پر کسی لمبے سفر کی نیت سے نکلے ہوئے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم ہم سے بہت دور ہو۔" میں نے رسٹ واچ دیکھ کر کہا۔

"نہیں، نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا "ہم فیض آباد چوک سے آگے نکل چکے ہیں۔ بس ذرا سی دیر میں وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"شہر سے اپنے سارے آدمی سمیٹ کر چوہدری سلام کے مکان کے گرد جمع کردو۔ ہمارا مطلوبہ آدمی وہیں موجود ہے اور ہمیں اس بارے میں آج ہی کچھ کرنا ہے۔"

"وہ.... وہاں ہے.... تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟" اس کی آواز سے اضطرار، حیرت اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیات عیاں تھیں "تم نے تو ابھی یہاں قدم ہی رکھا ہے۔"

"اپنے آدمیوں کو ہدف پر مرکوز ہونے کی ہدایات کرتے ہوئے چلے آؤ۔ باقی باتیں یہیں ہوں گی۔" یہ کہہ کر میں نے کال ختم

کردی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔" سلطان شاہ بولا "مو مستری کا مکان کسی قلعے یا حویلی سے کم نہیں ہوگا۔ ہم کھٹومل کو آسانی سے وہاں سے نہیں لاسکیں گے۔"

"دیکھنا ہوگا کہ اس بارے میں اسٹیشن ٹائن والے کیا کچھ کرسکتے ہیں۔"

"ان کی کارکردگی تمہارے سامنے آہی گئی ہے۔ وہ ابھی تک کھٹومل کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔"

"زیادہ بڑھ چڑھ کر نہ بولا کرو۔" میں نے ترشی سے کہا "تم بار بار یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس کے بارے میں پہلا سراغ اکبر نے ہی دیا تھا۔"

"مم..... میرا مطلب تھا کہ وہ کام کرنے والے لوگ ہیں۔" اس نے بوکھلا کر وضاحت کی "اول خان خود بھی اپنی اس خامی کو تسلیم کرتا ہے۔ زیادہ باریک قسم کی منصوبہ بندیاں شاید ان کے فرائض میں سرے سے شامل نہیں ہیں۔ اوپر سے طے شدہ ہدف دیا جاتا ہے اور یہ اسے حاصل کرلیتے ہیں۔"

"پھر خاموش رہو اور خود بھی کچھ سوچنے کی کوشش کرو۔ میں بھی امکانات پر غور کرنا چاہتا ہوں۔" میں یہ کہہ کر صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔

کمانڈر رانا جلد ہی لوٹ آیا۔ وہ ایک دراز قامت اور وجیہہ آدمی تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی اور روشن آنکھوں سے اس کی دلیری اور فراخ دلی کا اظہار ہورہا تھا۔

وہ آیا اور اس نے آتے ہی میرے ہاتھ فرطِ عقیدت سے چوم کر اپنی آنکھوں سے لگالیے "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں آپ سے مل رہا ہوں۔ میرے لیے یہ فخر کی بات ہے کہ میں آپ کے ساتھ کام کروں گا۔ آپ کے قدموں کی خاک بھی میرے لیے ایک بڑا انعام ہوگی۔"

"میں نے کہا تھا کہ تکلفات کو بالائے طاق رکھ دو۔" اس کی وارفتگی دیکھ کر میں مزید بے تکلف ہوگیا "فون پر تم سدھر گئے تھے۔ سامنا ہوتے ہی پھر آپ جناب شروع کردی۔"

"ہمت ہی نہیں ہوتی کہ آپ کے روبرو ایسی گستاخی کروں۔ فون پر بہک گیا تھا' اس کے لیے معافی چاہتا ہوں۔" اس نے میرے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"اب تم کھٹومل جیسی حرکتیں کررہے ہو۔" میں نے دوستانہ نرمی سے اس کے ہاتھ گرادیے "تکلف کی فضا میں ساتھ رہ کر کام کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔"

"آپ یہ بات میرے اوپر چھوڑ دیں۔ میں بے تکلف ہونے کی کوشش کروں گا اور جب اپنے حجاب پر غالب آجاؤں گا تو خود بخود اندازِ تخاطب بدل لوں گا۔ یہ بتائیں کہ یہاں پہنچنے کے بعد کھانے پینے کے لیے کیا پسند کریں گے۔"

"فی الحال کچھ نہیں۔ تمہارا آدمی بتا چکا ہے کہ کچن میں سب کچھ تیار ہے۔"

وہ میری ذات اور شہرت سے اس قدر مرعوب تھا کہ دیر تک نیازمندی کے ان ہی مظاہروں میں جتا رہا۔ جب اس کی ذرا تسکین ہوئی تو اسے کھٹومل کا خیال آیا۔

تصدیق کے لیے اختیار کیے جانے والے سہل ترین طریقے کے بارے میں سن کر وہ حیران رہ گیا "مجھے خیال آبھی جاتا تو میں اس خوف سے یہ طریقہ استعمال نہ کرتا کہ کھٹومل فون پر آہی گیا تو میں اس سے کیا کہوں گا۔"

"وہ فون پر آجاتا تو شاید میں اس کی آواز سن کر فون بند کردیتا۔"

"اسے شبہ ہوجاتا کہ کسی نے اس کا سراغ لگالیا ہے۔" اکبر رانا نے کہا۔

"ناممکن۔" میں نے پورے وثوق سے کہا "پتا نہیں چوہدری سلام نے کہاں کہاں کی ڈوریاں ہلائی ہوں گی۔ کراچی میں ان کوششوں کا نتیجہ حیران کن تھا۔ ایسے آدمی کی چاردیواری میں رہ کر کھٹومل کوئی صحیح اندازہ لگا ہی نہیں سکتا تھا۔"

"مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ سندھ میں اب کھٹومل پر فوراً ہاتھ نہیں ڈالا جاسکے گا۔"

"عملی طور پر اسلام آباد میں بھی یہی صورت ہے۔ جس نے ایسی جسارت کی' وہ مارا جائے گا۔"

"اسلام آباد کی فیڈرل پولیس بہت بااختیار ہے۔ یہاں حوصلہ مند افسروں کی کمی نہیں ہے۔"

"اور کھٹومل جیسا خطرناک مجرم یہیں چھپا بیٹھا ہے.... چوہدری سلام اس کی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ سے پنجہ آزمائی کرے گا۔ انگلیاں کس کی ٹوٹتی ہیں' یہ فیصلہ وقت کرے گا۔"

"اس کے ٹھکانے کا پتا چل گیا ہے لیکن سامنے آئے بغیر اسے وہاں سے نکالنا محال نظر آرہا ہے۔" ابتدائی مسرت کے بعد اس کے چہرے پر تشویش کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں۔

"کھٹومل کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ بیمار ہے لیکن اول خان جانتا ہے کہ وہ زخمی ہے۔ اس وقت چوہدری سلام گھر پر نہیں ہے....."

اکبر رانا نے میری بات درمیان سے اچک لی "میرا خیال ہے کہ میں نے جی ٹی روڈ پر سوہاوہ تک جس کار کا پیچھا کیا ہے' اس میں ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر وہ خود موجود تھا۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور چند ثانیوں تک دیکھتا ہی رہا۔

میری نظروں کی تاب نہ لاکر اس نے آہستگی سے اپنی نگاہیں جھکائیں۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے ذہن میں کوئی نئی بات آرہی

ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

میں نے سلطان شاہ کی آواز سنی مگر میں بالکل خالی الذہن تھا۔ ذہن کے کسی گوشے میں کچھ گڈمڈ ہو رہا تھا جس کا خاکہ واضح نہیں تھا۔

یکایک میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔ نیویارک میں ڈیوڈ اسٹار بنجمن فورث کا فورٹ ہاؤس بھی کسی قلعے سے کم نہیں تھا۔ کسی مسلح اجنبی کا وہاں گھسنا ناممکنات میں سے تھا لیکن ہم بلیک ڈیڈ کے آدمیوں کے پورے مسلح لشکر کے ساتھ اندر گھس کر اپنے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہاں سے ہمیں کسی قیدی کو لانے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ ہم نے اپنے ساتھ لائی ہوئی جارج شلز کی لاش بھی وہیں کہیں پھینک دی تھی۔

"کیا تم کسی طرح یہ تصدیق کر سکتے ہو کہ چوہدری سلام... تمہارے اندازے کے مطابق اس وقت کسی لمبے سفر پر نکلا ہوا ہے؟" میں نے اکبر رانا سے پوچھا۔

"شاید یہ اتنا مشکل کام ثابت نہیں ہوگا۔" اس نے نیم دلی سے جواب دیا۔

"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟" میں نے اسے اکسایا اور اس نے کرسی چھوڑ دی۔

چوہدری سلام عرف ممو مستری کے پُرشکوہ گھر کا نمبر حاصل کرنے کے لیے اکبر رانا نے بھی اسی فیڈرل فون ڈائرکٹری کا سہارا لیا جو میں نے استعمال کی تھی۔

اکبر رانا کو یہ معلوم تھا کہ چوہدری سلام اس وقت اپنے گھر پر نہیں تھا۔ اسے صرف یہ جاننا تھا کہ وہ کب تک گھر سے باہر رہے گا۔

فون پر رابطہ ہوتے ہی اس نے پورے اعتماد سے بے دھڑک کہہ دیا "ریلوے کے ڈی ای صاحب چوہدری صاحب سے بات کرنی چاہتے ہیں....."

اکبر رانا نے چالاکی سے کام لیا تھا۔ اس نے کسی مخصوص عہدے یا عہدے دار کا نام لیے بغیر صرف ریلوے کے ڈویژنل انجینئر کا ذکر کیا تھا جب کہ ریلوے کے محکمے میں ہر ڈویژن کے مختلف شعبوں کے لیے متعدد ڈی ای پائے جاتے ہیں۔ چوہدری سلام واپس آ کر بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کے کس مخصوص افسر نے فون کیا ہوگا۔

دوسری طرف سے مکالموں کے مختصر سے تبادلے کے بعد اکبر رانا نے بتایا کہ چوہدری سلام کسی اہم کام سے تھوڑی دیر پہلے گجرات کے لیے روانہ ہوا تھا۔ اگلے روز سے پہلے اس کی واپسی ممکن نہیں تھی۔

"پھر تم جلد از جلد کسی معتبر ادارے کی ایک ایمبولینس کا بندوبست کرو۔" میں نے کہا۔

"ایک کیا، میں ابھی فون کر کے کئی ایمبولینسیں منگوائے لیتا ہوں۔" اکبر رانا نے کہا۔

"نہیں، ایمبولینس مسروقہ ہونی ضروری ہے۔ دوسری صورت میں سارا عتاب ایمبولینس بھیجنے والے ادارے کے سر آجائے گا۔ ہمیں یہ کام الگ تھلگ رہ کر کرنا ہے۔"

اکبر رانا کا چہرہ گمبھیر ہو گیا مگر ایس ٹی ایف والوں کی لغت میں انکار کا لفظ نہیں تھا۔ حکم کی تعمیل کرو خواہ اس کوشش میں تمہاری جان ہی چلی جائے۔

یہی وہ جذبہ تھا جو کھٹوئل اور چوہدری سلام جیسے لوگوں کی سازشوں کو کچلنے میں کام آ رہا تھا اور اس وقت اکبر رانا اسی عزم کی علامت کے طور پر اٹھ کر گیا تھا۔

"تم نے آتے ہی اسے امتحان میں ڈال دیا ہے۔" اس کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے کہا۔

"وہ کیا، اس وقت ہم سب ہی ایک کڑے امتحان سے گزر رہے ہیں۔"

"مجھے کچھ تو بتاؤ کہ اب تم کیا کرنے جا رہے ہو۔" سلطان شاہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"مسروقہ ایمبولینس میں ہم چار افراد چوہدری سلام کے گھر جائیں گے۔ تم اور اکبر رانا اسٹریچر اٹھانے یا مردے ڈھونے والوں کا روپ دھارو گے۔ میں ڈاکٹر کا بہروپ اختیار کروں گا۔ چوتھا آدمی اس ایمبولینس کا ڈرائیور ہوگا۔"

"اور وہاں جا کر ہم چوہدری سلام کے گھر والوں سے التجا کریں گے کہ وہ زخمی مجرم کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم اسے پوری احتیاط سے اپنے ساتھ لے جا سکیں۔"

"بالکل!" میں نے اس کے طنز سے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"اور تمہارا خیال ہے کہ وہ ہماری اس فرمائش کو کسی چون و چرا کے بغیر پورا کر دیں گے؟"

"اگر ان میں شرافت کا ذرا بھی مادہ ہے تو انہیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔" میں نے اسے چڑانا شروع کر دیا۔

"فرض کرو کہ انہوں نے تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیا تو کیا ہوگا؟" اس نے غصے کی رو میں پوچھا۔

"یہ فیصلہ وہیں اور اسی وقت کیا جائے گا۔ میں نے ڈاکٹر کا کردار اسی وجہ سے اپنے لیے مخصوص کیا ہے۔ تم انہیں سنبھال لو تو میں تمہارے حق میں مستعفی ہونے کو تیار ہوں۔"

"تمہیں شاید ابھی تک ان لوگوں کی بدمعاشی کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ انہیں ہم پر شبہ بھی ہو گیا تو وہاں ایک خون آشام فضا بن جائے گی۔"

"حالات بگڑنے سے پہلے ہی ہم خاموشی سے وہاں سے واپس لوٹ آئیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"اندر جانے کے بعد تم اپنی مرضی سے باہر نہیں آسکو گے۔ وہ

نہ صرف ہمیں چھلنی کر دیں گے بلکہ اپنے گھر میں ڈاکا زنی وغیرہ کی کوشش کا الزام بھی رکھ دیں گے۔ چوری کی ایمبولینس کی وجہ سے ہر ایک یقین کر لے گا کہ چاروں مرنے والے ڈاکو ہی تھے۔ تم آگ سے کھیلنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"اگر کنٹول کو بازیاب کرنا ہے تو یہ خطرات ہر قیمت پر مول لینے پڑیں گے۔" میں نے جواب دیا "تمہارے اطمینان کے لیے یہ کافی ہے کہ تم اکیلے وہاں نہیں جا رہے' میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"ہمارے مقدر میں ایسی ہی گندی موت لکھ دی گئی ہے تو پھر یوں ہی سہی۔ تم میری بات لکھ کر رکھ لو کہ ہمارے تمام پس ماندگان غم سے اپنی چھاتیاں پیٹ پیٹ کر مر جائیں گے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ وہاں کھلا حملہ کر دو۔ مارے گئے تو بعد میں کوئی ہمیں ڈاکو تو نہیں سمجھے گا۔"

"آدمی مر جاتا ہے تو اس کے لیے یہ دنیا کچھ نہیں رہتی۔ سارے رشتے اور جذبے منوں مٹی کے نیچے دب کر ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ نہ سوچو کہ تمہارے مرنے کے بعد لوگ تمہارے بارے میں کیا سوچیں گے۔ بس اپنے ضمیر کو صاف رکھو اور اس کی آواز پر چلتے رہو۔ اس کے بعد جو ہونا ہے' ہونے دو۔"

"لوگ اپنی پہاڑ جیسی عمر محض ان کوششوں میں گزار دیتے ہیں کہ انہیں مرنے کے بعد اچھے نام سے یاد کیا جائے اور تم مجھے الٹی پٹی پڑھا رہے ہو۔ پتا نہیں اس وقت تمہیں کیا ہو گیا ہے۔"

"کوشش ہماری بھی اچھے انجام اور نتیجے کے لیے ہے۔ اس کا کوئی برا نتیجہ نکل آئے تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ چوہدری سلام اور اس کے آدمی ہم پر لاکھ الزام تراشیاں کرتے رہیں' ان کے دل گواہی دیں گے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ جو ہمیں جانتے ہیں' وہ ہمیں کبھی برا نہیں کہیں گے۔"

سلطان شاہ بھنّا کر اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا۔

خاصی دیر بعد وہ کمرے میں واپس آیا تو اس کے ساتھ اکبر رانا بھی چلا آ رہا تھا۔

"مجھے ایمبولینس کے بندوبست کے لیے خاصا وقت دینا پڑا۔" اس نے آتے ہی معذرت کرتے ہوئے امید ظاہر کی "توقع ہے کہ کچھ دیر بعد پولی کلینک کی ایک ایمبولینس یہاں آ جائے گی۔ اگر مزید تیاریوں کی ضرورت ہو تو وہ بھی بتا دیں۔"

اس کے آخری فقرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سلطان شاہ نے میرے منصوبے کے خلاف اس کے کان بھرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اختصار سے جواب دیا "ایمبولینس کے عملے کے چار افراد کے لیے وردیوں وغیرہ کی ضرورت پڑے گی۔ آپریشن تھیٹر میں استعمال ہونے والے چار عدد نقاب بھی بہت ضروری ہیں۔"

"اکبر سے بھی اس بارے میں بات کر لو!" آخر سلطان شاہ سے نہ رہا گیا تو وہ بول ہی پڑا۔

"دراصل سلطان شاہ کے ذہن میں پوری کارروائی کا کوئی واضح خاکہ نہیں ہے۔" اکبر نے وضاحت کر کے سلطان شاہ کی زہر افشانی کی پول کھول دی "یہ چاہ رہا ہے کہ جانے سے پہلے ہم آپس میں ایک بار کھل کر تبادلۂ خیال کر لیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا۔

"نہیں' اگر آپ کمان کر رہے ہیں تو کسی تبادلۂ خیال کی ضرورت نہیں۔ ہمیں موقع پر ہی ہر ہدایت ملتی رہے گی۔" اکبر رانا نے گڑبڑا کے کہا۔

اس کی پسپائی نے میرے تیور نرم کر دیے اور میں نے کہا۔ "درحقیقت میرے ذہن میں بھی سب کچھ واضح نہیں ہے۔ وہاں جو کچھ ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔"

"وہ لوگ آسانی سے کنٹول کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے۔" رانا بولا۔

"میں جانتا ہوں۔ ہم وہاں کوئی مطالبہ کرنے نہیں جا رہے۔ انہیں بتائیں گے کہ چوہدری سلام نے فون پر ہمیں اپنے گھر سے ایک زخمی مریض کو اسپتال لے جانے کی ہدایت کی ہے کیونکہ مریض کے زخموں میں زہر پھیل رہا ہے جو متعدی بھی ہو سکتا ہے۔۔۔۔"

"میں سلطان شاہ سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ آپ کوئی کمزور منصوبہ نہیں بنا سکتے۔" میری بات سن کر رانا اچھل پڑا "چوہدری سلام کی ہدایت کا حوالہ ہی کم نہیں ہوگا۔ زخموں میں دوسروں کو لگنے والا زہر پھیلنے کی اطلاع انہیں حواس باختہ کر دے گی۔"

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "ہم رات کے ایک ڈیڑھ بجے سے پہلے وہاں نہیں جا سکیں گے۔ کچی نیند سے بیداری کے دباؤ میں کوئی کچھ نہیں سوچ سکے گا۔"

"آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ میں باقی سامان کے لیے بھی کہے دیتا ہوں۔" وہ ایک مرتبہ پھر کمرا چھوڑ کر باہر نکلتا چلا گیا۔

"اس کے سامنے میرے خلاف زہر اگل کر تم نے کیا حاصل کیا؟" چند لمحوں بعد میں نے نرمی سے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"تم نے یہ باتیں پہلے ہی مجھے بتا دی ہوتیں تو مجھے منہ کھولنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میرے کچھ بتانے سے پہلے ہی تم نے اپنے مفروضے بیان کرنے شروع کر دیے اور میں ان کی تائید کرتا چلا گیا۔ تم نے پروگرام کے بارے میں پوچھا ہی کب تھا؟"

"چلو' اس طرح تم نے یہ تو دیکھ لیا کہ رانا تمہارا اندھا معتقد ہے۔ آخر تک تمہارا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔" اس نے ڈھٹائی سے اپنی خامی میں بھی خوبی کا ایک پہلو نکال لیا۔

منصوبے کی صحیح جزئیات معلوم ہونے کے بعد سلطان شاہ بھی

زیادہ فعال ہوگیا۔ کچھ دیر بعد رانا اپنی گاڑی میں اس مہم کے لوازم لے کر آیا تو میں نے حلیوں میں تبدیلی کی ضرورت کا ذکر کیا۔ اس قسم کے شعبدے عمارت کے اگلے دفاتر میں موجود تھے۔

عینکوں اور گھنی مونچھوں کے استعمال نے ہمیں ایک دوسرے کے لیے بھی اجنبی بنا کر رکھ دیا۔ رانا کے بالائی لبوں پر مونچھیں پہلے سے موجود تھیں۔ اپنے حلیے کی تبدیلی کے لیے وہ ان کی قربانی دینے پر بھی آمادہ تھا مگر میں نے اسے روک دیا۔ میرے مشورے پر اس نے تھوڑی سی محنت کے بعد اپنے چہرے پر خشخشی داڑھی لگائی اور خاصا معتبر نظر آنے لگا۔

ایک بجے سے چند منٹ پہلے مسروقہ ایمبولینس خاموشی کے ساتھ احاطے میں پہنچ گئی۔ ان دنوں اسلام آباد میں پولیس کا کنٹرول اتنا سخت اور مؤثر ہوا کرتا تھا کہ وہاں جرم کرکے بچ نکلنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوتے تھے۔ اس خوف یا امکان کی وجہ سے رانا نے ایسا اہتمام کیا تھا کہ کم از کم دو تین گھنٹوں تک اسپتال کی انتظامیہ کو ایمبولینس کی چوری کا علم نہ ہوسکے۔

مجھے توقع تھی کہ ایمبولینس لانے والا رانا کا ہم نام ہوگا جس نے ائرپورٹ پر ہمارا استقبال کیا تھا مگر وہ کوئی اور ثابت ہوا۔ رانا نے اپنے ہم نام کو چوہدری سلام کے گھر کے گرد پھیلی ہوئی مسلح نفری کو کنٹرول کرنے کی ذمّے داری سونپی تھی۔

ان لوگوں کو بتا دیا گیا تھا کہ انہیں صرف اسی وقت ایکشن میں آنا تھا جب اندر سے گولی چلنے کی کوئی بھی آواز سنائی دے۔ وہ جس قماش کے لوگ تھے' ان سے یہ امید کی ہی نہیں جاسکتی تھی کہ وہ اپنے اشتعال کا پہلا مظاہرہ فائرنگ کی صورت میں نہ کریں۔

ایک بجے تک ہماری تیاریاں مکمل تھیں۔ میرے ذہن میں نہ رہ کر فورٹ ہاؤس کا منظر گھوم رہا تھا۔ اسلام آباد میں واردات کے اسی طریقے کا ایک نیا استعمال ہونے والا تھا۔

رانا اور سلطان شاہ ایمبولینس کے عقبی حصے میں سوار ہوگئے۔ میں سفید کوٹ میں ملبوس' ایک میڈیکل بیگ کے ساتھ ڈرائیور کے برابر میں بیٹھ گیا اور ہمارا سفر شروع ہوگیا۔

دونوں بلاک ایک ہی تھے' بس سیکٹر ایک دوسرے سے متصل تھے۔ ہم ایمبولینس کا سائرن اور تیز گردشی روشنیاں بند کرکے ذرا سی دیر میں چوہدری سلام کے مکان کے بند پھاٹک پر پہنچ گئے۔ تیز ہیڈ لیمپس کی روشنی پھاٹک پر پڑ رہی تھی۔ میرے ایما پر ڈرائیور نے چھت پر لگی ہوئی سرخ اور زرد روشنیاں بھی آن کردیں۔

تیز انعکاس کے ساتھ گھومنے والی ان روشنیوں کے آن ہوتے ہی ذیلی کھڑکی کھلی اور پھر بند ہوگئی۔ چوکی دار پھاٹک پر ایمبولینس دیکھ کر اس قدر دہشت زدہ ہوا تھا کہ اس نے باہر نکل کر ہم سے کوئی سوال کیے بغیر فوراً پھاٹک کھول دیا۔

ڈرائیور نے ایمبولینس اندر بڑھا کر روک لی۔ ساتھ ہی چھت والی روشنیاں بھی گل کردیں۔ چوکی دار پھاٹک کھلا چھوڑ کر تیزی سے میری طرف کی کھڑکی پر آیا۔

"مریض کہاں ہے؟" میں نے خشک لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"صاحب! مجھے نہیں پتا۔" مسلح چوکی دار نے تشویش اور..... بےبسی سے جواب دیا۔

"اندر کسی کے زخموں میں کیڑے پڑ گئے ہیں۔ چوہدری صاحب نے اسے اسپتال لے جانے کے لیے ہمیں بھیجا ہے۔" میں نے زہر کو کیڑوں میں تبدیل کرکے تحکمانہ لہجے میں کہا "جلدی اندر خبر کرو۔"

چوکی دار پھاٹک بند کرنے کے لیے مڑا۔ ڈرائیور ایمبولینس کو برآمدے تک بڑھا تا لے گیا۔

ایمبولینس کے رکنے تک وسیع اور ویران احاطے میں نہ جانے کہاں سے کئی مسلح افراد نکل آئے۔ شاید وہ سب ہی احاطے میں کسی انجن کی آواز سن کر بیدار ہوئے تھے۔

میں نے ڈرائیور کے ساتھ نیچے اتر کر منہ پر نقاب اوڑھی اور اسٹیتھسکوپ گلے میں ڈال لیا۔ میرا رویہ آمرانہ تھا۔ جمع ہونے والے ڈرائیور سے پوچھ گچھ کرنے لگے۔ اسی اثنا میں عمارت کا عالی شان چوبی دروازہ کھلا اور سلیپنگ سوٹ پر گاؤن پہنے ایک بہت موٹا شخص نیند سے جھومتا ہوا باہر آگیا۔

مجھے توقع تھی کہ وہ اکھڑ لہجے میں بدتمیزی سے بات کرے گا لیکن اس نے اسٹیتھسکوپ سے مجھے ڈاکٹر سمجھ کر انگریزی میں کہا۔ "یہاں کوئی ایمرجنسی نہیں ہے۔ آپ لوگ کیوں آئے ہیں؟"

"ایمرجنسی نہیں ہے تو ہم چلے جاتے ہیں۔ کئی گھنٹے پہلے چوہدری صاحب نے فون کیا تھا کہ ان کے گھر میں کسی زخمی کو سیپٹک ہونا شروع ہوگیا ہے۔ اسے اسپتال منتقل کردیا جائے۔" میں نے روکھے پھیکے انداز میں کہا "ایمبولینس میسر آتے ہی ہم پہنچ گئے۔"

"اوہ' ہاں۔" وہ شہادت کی انگلی اپنی پیشانی کے قریب لے جا کر بولا "ڈیڈی نے شاید کھنوانکل کے بارے میں فون کیا ہوگا۔ مگر انہوں نے سیپٹک کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں بتایا۔"

میں پیش قدمی کرکے اس کے قریب پہنچ گیا اور قدرے رازدارانہ لہجے میں بولا "چوہدری صاحب سمجھ دار آدمی ہیں۔ انہیں کسی متعدی زہرباد کا خطرہ ہے۔ یہ بات کسی سے کہتے تو پورے گھر میں خوف و ہراس پھیل جاتا..... اس وقت چوہدری صاحب خود کہاں ہیں؟"

"وہ ایک ضروری کام سے رات ہی گجرات گئے ہیں۔" وہ ہلکی سی جھرجھری لے کر بولا "بہرحال میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ انکل اس کمرے میں ہیں۔ آپ انہیں اسپتال لے جائیں۔"

اس نے جس دروازے کی طرف اشارہ کیا' وہ بند تھا۔ میں نے غیر ضروری طور پر اس سے کہا "یہ دروازہ کھلوا دیں۔" پھر بات کو مزید آگے بڑھایا "مریض کی منتقلی کے بعد اس کے زیرِ استعمال

ہر چادر اور تکیے کو جلوا دیں۔ کمرے کی جراثیم کش دواؤں سے صفائی بلکہ دھلائی ہونی ضروری ہے۔ ٹیٹنس کی یہ قسم بہت تیزی سے ایک سے دوسرے فرد تک پھیلتی ہے۔"

طبی معاملات میں اناڑی پاکر میں نے دانستہ اسے ہراساں کیا تھا تاکہ چوہدری سلام کو واپسی پر اپنے گھر کی چند قیمتی اشیا کی بربادی پر بھی سر پیٹنے کا موقع مل سکے۔

چوہدری کے موٹے بیٹے نے کراہت سے منہ بنا کر پھریری لی اور برآمدے کے سرے پر آکر نیچی آواز میں اپنے آدمیوں سے بولا۔ "تم لوگ ذرا دور ہی رہو۔ یہ لوگ انکل کو خود اسپتال لے جائیں گے۔"

ہمارے اردگرد منڈلاتے ہوئے سارے منحوس چہرے تیزی سے دور ہوتے چلے گئے۔

"آپ فکر نہ کریں۔" اس مرتبہ چھوٹا مگر موٹا چوہدری مجھ سے مخاطب تھا "میں ابھی نوکرانی سے دروازہ کھلواتا ہوں۔ میری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خرچے کا چیک میں صبح بھیج دوں گا اور آپ کے جاتے ہی اس کمرے کی ہر چیز کو آگ لگوا دوں گا۔ پتا نہیں جراثیم کہاں کہاں بیٹھ چکے ہوں۔"

میرا دل چاہا کہ اسے پورے مکان ہی کو آگ لگانے کا مشورہ دوں مگر یہ صائب مشورہ زبان پر لانا مناسب نہیں تھا۔ وہ رضاکارانہ طور پر جو کچھ کر رہا تھا' چوہدری کے اشتعال کے لیے وہی کافی تھا۔

رانا اور سلطان شاہ اپنے دہانوں پر سفید نقاب چڑھائے' ایمبولینس سے اسٹریچر باہر نکال چکے تھے۔ چھوٹا چوہدری چوبی دروازے کے پیچھے گھر میں غائب ہو گیا۔ دروازہ بند کر لیا گیا۔ چند ثانیوں بعد ایک موٹی اور بدصورت عورت نے کھٹول کی خواب گاہ کا دروازہ اندر سے کھول دیا۔

وہ ہمارے حلیوں کا ردِعمل تھا یا شاید اس عورت کو کھٹول میں چھوت کے جراثیم پیدا ہونے کی بھنک مل گئی تھی کہ اس نے ناک اور دہانے کو دوپٹے سے دبایا ہوا تھا۔

دروازہ کھول کر وہ عورت خود بھی کسی دوسرے دروازے سے اندر غائب ہو گئی۔ وہ دونوں اسٹریچر لے کر روشنی میں میرے سامنے سے گزرے تو مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ انہوں نے ایمبولینس سے اٹھا کر اپنے ہاتھوں پر باریک سرجیکل دستانے بھی چڑھا لیے تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے وہ انگلیوں کے نشانات چھوڑے بغیر من مانی کارروائیاں کر سکتے تھے۔

ان کے پیچھے میں کمرے میں داخل ہوا تو اس کی تزئین و آرائش دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ فرش پر دبیز قیمتی قالین سے مرصع چوبی مسہری تک ہر چیز پُرتعیش اور بیش قیمت تھی۔ بہت بڑی مسہری کے وسط میں ایک مختصر سا وجود یوں سکڑا ہوا سو رہا تھا جیسے اسے اسی حالت میں وہاں رکھ دیا گیا ہو۔ اس کی قمیص کی داہنی آستین غائب تھی اور کلائی سے شانے تک بھاری پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ وہ دونوں سرنج لے کر جوتوں سمیت مسہری پر چڑھ گئے۔

"سرنج میں موجود دوا کے بارے میں رانا ہی تھوڑا بہت جانتا تھا۔ وہ کھٹول کو کئی گھنٹوں کے لیے بے ہوش رکھنے کے لیے کافی تھی۔ بازو میں وہ انجکشن لگتے ہوئے اس نے ذرا بھی جنبش نہیں کی تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ اپنی تکلیف کی وجہ سے وہ پہلے ہی مسکن دواؤں کے زیرِ اثر تھا۔

پلاسٹر میں مقید وزنی بازو کی پروا کیے بغیر وہ دونوں اسے مسہری کے سرے تک لائے پھر اسے اٹھا کر اسٹریچر پر ڈال دیا۔

وہ ساری کارروائی چند منٹ میں پوری ہو گئی۔ مجھے کسی چیز کو چھونے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ہمارا سہ نفری کارواں اپنے شکار سمیت کمرے سے نکل آیا۔

گھر کا داخلی دروازہ بدستور بند تھا۔ چوہدری کے مال پر پلنے والے مسلح حرام خور دور کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسٹریچر کے ساتھ رانا اور سلطان شاہ اندر گھسے تو میں نے رانا کو اتار لیا تاکہ وہ ڈرائیونگ کیبن میں میرے ساتھ ہی بیٹھ سکے۔

اپنی مہم کا مشکل ترین مرحلہ سر کرنے کے بعد مجھے اچانک ہی خیال آیا تھا کہ ہم لوگوں نے کھٹول کے اغوا کے بعد کے بندوبست کے بارے میں ذرا بھی مشورہ نہیں کیا تھا۔

ہم جتنی آسانی سے چوہدری سلام کی کچھار میں داخل ہوئے تھے' اتنی ہی آسانی سے وہاں سے نکل کر تیزی سے ایک طرف روانہ ہو گئے۔

"یہاں تک سب کچھ طے تھا۔" گاڑی سڑک پر بائیں طرف رواں ہونے کے بعد میں نے رانا سے پوچھا "اب ہم کھٹول کو کہاں اور کیسے پہنچائیں گے؟"

روشن اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں مجھے اس کے ہونٹوں پر منکسرانہ مسکراہٹ نظر آئی اور وہ دھیرے سے بولا "سر! آپ نے اس مہم کا مشکل ترین مرحلہ سر کرا دیا۔ اب ہر کام بہت سہل ہے۔ اس بارے میں ہم آدم خان کے آدمیوں سے مسلسل رابطے میں ہیں۔"

مجھے سر کہہ کر اس نے اس مرتبہ ضرورت سے زیادہ تکلف یا احترام کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ اپنے اندر کے جذبوں اور تربیت سے مجبور تھا۔ اسے ٹوکنا بے سود ہوتا۔ میں نے ایمبولینس کے راستے پر غور کرتے ہوئے پوچھا "اسلام آباد کی منصوبہ بندی مجھے بہت پسند ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسٹیشن ٹائن کے لیے ہمیں چوہدری سلام کے گھر سے نکل کر داہنی طرف مڑنا چاہیے تھا لیکن یہ سفر مخالف سمت میں جاری ہے۔ کیا ہم کہیں اور جا رہے ہیں؟"

"آپ مسلسل مجھے حیران کیے جا رہے ہیں۔ اتنا قریبی مشاہدہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہم اسٹیشن ٹائن کے بجائے جی ٹی روڈ کی طرف جا رہے ہیں۔ وہاں پیرودھائی کے بس اسٹینڈ کے قریب آدم خان کے آدمیوں کا امدادی کیمپ ہے' ہم وہیں جائیں

گے۔"

ایمبولینس کا سائرن بند تھا۔ ٹریفک کے ہجوم کو خبردار کرنے اور چھت پر گھومنے والی تیز روشنیاں بھی بند تھیں۔ اکبر رانا کی کسی ہدایت کے بغیر ایمبولینس پہلے سے طے شدہ راستے پر دوڑی چلی جارہی تھی۔ چند ہی لمحوں میں، میں مضطرب ہوگیا۔

"کیا تم کھٹول کو اسی ایمبولینس میں امدادی کیمپ تک لے جاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"اپنے شکار کو ان لوگوں کی تحویل میں دینے کے بعد ہم ایمبولینس پنڈی کے کسی حصے میں چھوڑ دیں گے۔" اس نے پورے اعتماد اور اطمینان سے جواب دیا۔

"ابھی ہم نے بہت کم فاصلہ طے کیا ہے مگر میں پولیس کی دو گشتی گاڑیاں دیکھ چکا ہوں۔ تم خود بھی اسلام آباد پولیس کی کارکردگی کے معترف ہو۔ کل صبح کھٹول کے اغوا کا راز کھلتے ہی ایمبولینس کی ٹریکنگ شروع ہوگی اور پولیس امدادی کیمپ تک پہنچ جائے گی۔"

وہ تشویش میں پڑ گیا "یہ خطرہ واقعی موجود ہے۔ رازداری قائم رکھنے کے لیے ہماری ہر کوشش ناکام ہوجائے گی۔ شاہراہ کشمیر پر ویسے بھی رات کے وقت پولیس سڑکوں وغیرہ کو چیک کرتی رہتی ہے۔ وہ ہمیں نہیں روکیں گے مگر ہمارا راستہ ان کی نظروں میں آجائے گا۔"

وہ پریشان کن گفتگو سن کر ڈرائیور نے از خود ایمبولینس کی رفتار کم کرلی۔

"گاڑی کا رخ کسی بالکل ہی مخالف سمت میں موڑ لو" میں نے اسے مشورہ دیا۔

ڈرائیور کو اندازہ ہوچکا تھا کہ اس کا کمانڈر میرے مشورے سے اختلاف نہیں کرے گا۔ موڑ قریب ہی تھا۔ اس نے بریک لگاتے ہوئے گاڑی واپسی کے لیے موڑ لی۔

"انہیں الٹی راہ پر ڈالنے کے لیے اب کسی بھی محفوظ راستے سے جی ٹی روڈ کے لاہور جانے والے راستے پر نکل چلو۔" اکبر رانا نے ڈرائیور کو ہدایت کی پھر مجھ سے مخاطب ہوگیا "وہاں سے ہمیں کھٹول کے لیے کوئی نہ کوئی متبادل بندوبست کرنا ہوگا۔"

"متبادل بندوبست تمہاری جیب میں موجود ہے۔ فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

میری بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ اس کے تحیر زدہ استفسار پر میں نے اسے موبائل فون یاد دلایا تو وہ بے اختیار اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔

"یہ کرتبی ٹیلی فون کل ہی ملا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی عادت پڑے گی" یہ کہہ کر اس نے اپنی جیب سے موبائل فون نکالا اور اکبر سے گفتگو شروع کردی۔

وہ ایک ایسے ادارے کے ارکان تھے جس کے تشخص کا خود ان کو بھی علم نہیں تھا۔ اسی وجہ سے وہ آپس میں بیشتر گفتگو ایسے خفیہ الفاظ میں کرتے تھے جو کم از کم میرے پلے بھی نہیں پڑ سکی تھی۔ وہ گفتگو ذرا سی دیر جاری رہی۔ فون بند کرتے ہی رانا کے دہانے سے اطمینان کا ایک لمبا سانس خارج ہوگیا۔

"ہمارے نکل آنے کے باوجود وہ لوگ ان ہی اطراف میں تھے" اس نے مجھے بتایا "میں نے ان سب کو ریلیز کردیا ہے۔ اکبر ایک آدمی کے ساتھ جی ٹی روڈ پر فوجی فاؤنڈیشن پر پہنچ رہا ہے۔ وہاں دو گاڑیاں آئیں گی تاکہ کھٹول کی روانگی کے ساتھ ہم لوگوں کی واپسی بھی ممکن ہوسکے۔"

"پتا نہیں بعد میں کیا ہو۔ میں ایک مرتبہ کھٹول کو غور سے ضرور دیکھنا چاہوں گا" میں نے خوش دلی سے کہا "ایسے نایاب مجرم کبھی کبھی ہی ہاتھ آتے ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ اس کی منتقلی کے لیے میں نے جو مقام سوچا ہے، وہاں ہم ایک گھنٹے تک بھی اس کا سروے کرتے رہیں تو کوئی دخل اندازی نہیں کرے گا۔"

"مجھے بس ایک ہی ڈر ہے" میں نے اپنے خدشے کا اظہار کیا "وہ پہلے سے خواب آور دواؤں کے زیرِ اثر تھا۔ تمہارا دیا ہوا انجکشن اس کے لیے ضرورت سے زیادہ نہ ہوگیا ہو۔"

"مجھے امید نہیں کہ قدرت نے اس جیسے خبیث کے حق میں بے خبری کی ایسی آسان موت لکھی ہوگی" اکبر رانا نے پہلی مرتبہ میری رائے سے اختلاف کیا اور میں اس کا شانہ تھپتھپا کر رہ گیا۔

سب کچھ از سرِ نو طے ہو چکا تھا اور ایمبولینس شہر سے نکل کر رات کی روشنی میں نہائی ہوئی کشادہ اور خوب صورت شاہراہ اسلام آباد پر دوڑی چلی جارہی تھی۔ اس سڑک پر ٹریفک پولیس کے کل وقتی گشت کے پیشِ نظر رانا نے ایمبولینس کی خوف آور گردشی روشنیاں آن کرادی تھیں تاکہ دیکھنے والے دور ہی سے کسی مداخلت کا ارادہ ترک کردیں۔

رانا نے اپنے ماتحت اکبر کو شاید بہت تیزی کے ساتھ طے شدہ مقام پر پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ اسی کے ساتھ ایمبولینس کی رفتار میں کچھ کمی واقع ہو چکی تھی۔ ان دو امور کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے پہنچنے کے چند منٹ بعد ہی دو گاڑیاں فوجی فاؤنڈیشن سے ذرا پہلے ایمبولینس کے قریب آرکیں۔

دو گاڑیوں کے ساتھ اکبر اور اس کے ایک ساتھی کی آمد کے بعد ہماری نفری چھ ہو چکی تھی۔ ساتواں کھٹول تھا۔ ساتوں کے لیے دو گاڑیاں بہت کافی تھیں۔

موٹے، سخت اور سفید پلاسٹر میں لپٹا ہوا کھٹول کا ہاتھ اس امر کا غماز تھا کہ اس نے حیدر آباد کے نواح میں رینگتی یا چلتی ٹرین سے چھلانگ لگا کر بہت خطرناک قدم اٹھایا تھا۔ اس جسارت کے نتیجے میں ہاتھ کی ہڈیوں کے بجائے اس کی گردن بھی ٹوٹ سکتی تھی۔

ایمبولینس کی ساری روشنیاں گل کردی گئی تھیں پھر بھی تاروں کی چھاؤں میں، میں نے اتنا ضرور دیکھا کہ اپنی نرم گفتاری اور تحمل مزاجی کی مطابقت سے وہ کوئی پُرشکوہ یا بارعب آدمی نہیں تھا۔ متوسط قد و قامت اور عام سے چہرے کی بنا پر کوئی بھی اس موذی کی حقیقی ہلاکت خیزی کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔

ایمبولینس کا ڈرائیور، اکبر اور اس کے ساتھی سمیت اس گاڑی میں سوار ہو گیا جس کی عقبی نشست پر بے ہوش و لاچار کھٹول پڑا ہوا تھا۔ وہ غدار اور خطرناک شخص اس وقت پوری طرح ہمارے رحم و کرم پر تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی اس کی گردن دبوچ کر اسے موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا مگر وہ مضبوط سیاسی روابط اور پشت پناہی بھی رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ ایسی کوئی فوری واردات بہت سے نقصانات پہنچا سکتی تھی۔

سلطان شاہ نے تو اس مرحلے پر دانت پیس کر اسے مار ڈالنے کا مشورہ دے ہی ڈالا تھا مگر میں نے سختی سے اسے مسترد کردیا۔ آنے والے دو تین روز میں اس کے خلاف فضا ساز گار کرنے کے بعد ہی اس کے بارے میں کوئی صحیح فیصلہ کیا جاسکتا تھا۔

رانا کے آدمی ایک گاڑی میں اسے لے کر واپس پنڈی کے راستے اس امدادی کیمپ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں سے آدم خان کے آدمی پوری رازداری کے ساتھ اسے ملک کی قانونی حدود سے باہر نکال لے جاتے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ آزاد قبائلی علاقے پاکستان کی جغرافیائی حدود میں واقع ہیں، پاکستان کی اسمبلی میں بھی ان علاقوں کی قابلِ لحاظ نمائندگی ہے مگر ان علاقوں میں پاکستان کا قانون اور خاص طور پر تعزیری قانون لاگو نہیں ہوتا۔ آزاد علاقوں کے مسلح قبائلی اپنی صدیوں پرانی رسوم و روایات کے سائے میں زندگی گزارتے ہیں۔ جسے وہ امان دے دیں، کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ ہاں، وہ خود ہی کسی کو مجرم قرار دے کر پاکستانی حکام کے حوالے کردیں تو وہ دیگر بات ہوتی ہے جس کا قانونی دباؤ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

دوسری گاڑی میں ہم تینوں سوار تھے۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر کمانڈر اکبر رانا خود براجمان تھا۔ اگلی گاڑی کی واپسی کے چند منٹ بعد رانا نے بھی واپسی کا سفر شروع کردیا۔

"ہوش میں آتے ہی اس حرام زادے کے ہوش اڑ جائیں گے۔" راستے میں سلطان شاہ نے کہا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کھٹول کی طرف سے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"تم اس کی طرف سے زیادہ بدظن اور بے زار معلوم ہو رہے ہو؟" سلطان شاہ کے جلے کٹے تبصرے پر اکبر بے ساختہ ہنس پڑا۔

"اس کی وجہ ہے۔" میں نے اسے بتایا "اول خان کے ساتھ یہ بھی حیدر آباد ریلوے اسٹیشن پر کھٹول کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ آخری لمحات پر وہ نظر آیا تو ٹرین رینگ رہی تھی۔ کھٹول بھاگ کر رینگتی ہوئی ٹرین پر چڑھ گیا۔ اول خان نے بھی لپک کر دوسرا ڈبا پکڑلیا۔ سلطان شاہ وہیں پلیٹ فارم پر اپنا خون سلگاتا رہ گیا۔"

"سلطان شاہ کا غصہ قابلِ فہم ہے۔" اکبر رانا نے کہا "ٹرین میں اگر یہ دونوں سوار ہو جاتے تو کھٹول کو شاید چلتی ٹرین سے کود کر فرار ہونے کا موقع نہ ملتا۔ جب وہ دونوں چلتی ٹرین میں سوار ہو گئے تھے تو تم اتنی ہمت کیوں نہیں کرسکے؟"

میں نے سلطان شاہ کی پیشاب کی بے وقت ضرورت کا ذکر دانستہ نہیں کیا۔ اس نے خود ہی وضاحت کی "بس کسی وجہ سے میں اول خان سے کافی دور تھا۔ میرے پہنچنے تک ٹرین خطرناک رفتار پکڑ چکی تھی ورنہ یہ قصہ حیدر آباد اور شہداد پور کے درمیان ہی نمٹ گیا ہوتا۔"

رانا کو کھٹول کے بارے میں بہت کچھ معلوم تھا لیکن اسے یہ علم نہیں تھا کہ وہ کراچی سے کن حالات کے تحت فرار ہو کر مدد حاصل کرنے کے لیے اسلام آباد پہنچا تھا۔ بات چھڑی تو اس کی طرف سے سوالات کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا اور میں نے کسی پس و پیش کے بغیر اس کو حقائق سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔ وہ ایس ٹی ایف کا ایک قابلِ اعتماد افسر تھا، اپنے یونٹ کے ذریعے ایک ایمبولینس اور پھر کھٹول کے اغوا کے بعد پوری طرح اس سنگین صورتِ حال میں ملوث ہو چکا تھا۔ پوری طرح باخبر ہونے کے بعد ہی وہ ہمارے لیے زیادہ کار آمد ثابت ہو سکتا تھا۔

اسٹیشن تائن پہنچنے تک وہ میرے بارے میں بے تکلفی کے حصار سے نکل چکا تھا۔ وہاں ہمارے ساتھ چائے نوشی کے دوران میں ہی اس نے کراچی فون کرکے اول خان کو اپنی کارکردگی سے باخبر کیا۔ اس کی گفتگو مکمل ہونے کے بعد ریسیور میرے پاس آگیا۔

"تم نے وہاں پہنچتے ہی اپنے کمالات کا مظاہرہ شروع کردیا۔" اس کی خوشی سے بھرپور آواز میرے کانوں میں آئی "رانا تم سے بہت زیادہ متاثر ہوچکا ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ یہ معاملہ آج رات ہی نمٹ گیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ چوہدری سلام گجرات سے واپسی پر کیا طوفان اٹھاتا ہے۔ اپنے گھر کی آگ اسے پاگل کردے گی۔" میں نے اس کے تعریفی فقروں کو یکسر نظرانداز کرکے ایک نئی بات چھیڑدی۔

"چوہدری سلام مشکوک ذرائع آمدنی کا مالک ہے اور اس کی شہرت بھی بہت خراب ہے۔ یوں سمجھ لو کہ وہ اپنے علاقے کا سفید پوش بدمعاش ہے۔ رانا بتارہا ہے کہ وہاں پوری کارروائی مفاہمانہ انداز میں مکمل ہوئی تھی پھر تم کس آگ کا ذکر کررہے ہو؟"

"چوہدری سلام کے بیٹے کو ہم اس وہم میں ڈال آئے ہیں کہ کھٹومل کے زخموں میں چھوت چھات سے پھیلنے والے خوفناک جراثیم پیدا ہوچکے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کے باپ نے مکمل خاموشی اور رازداری سے کھٹومل کو اپنے گھر سے اسپتال بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے....."

"شاید تم رانا کے کوڈ ورڈز نہیں سمجھ سکے۔ اس نے مختصر اور جامع انداز میں یہ سب مجھے بتادیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس کے گھر میں آگ کا کیا قصہ ہے۔"

"میں اسی طرف آرہا تھا۔ چوہدری سلام نے کھٹومل کو اپنے شاندار گیسٹ روم میں ٹھہرایا ہوا تھا جس کی شاہانہ آرائش بیش قیمت فرنیچر اور دیگر سامان سے کی گئی ہے۔ چوہدری کے بیٹے نے روپوش جراثیم سے دہشت زدہ ہوکر اس کمرے کا سارا سامان نذرِ آتش کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے تاکہ وہ اپنے گھر والوں کو کھٹومل کے جراثیم سے بچاسکے۔"

اول خان زور سے ہنس پڑا۔ "تو یوں کہو کہ تم نے چوہدری کے گھر کو اسی کے چراغ بلکہ چشم وچراغ سے آگ لگوانے کا پورا پورا بندوبست کرلیا ہے۔ وہ اپنے بال نوچ کر رہ جائے گا۔"

"اس کا بیٹا اپنے ارادے کو اسی وقت عملی جامہ پہنانے کے موڈ میں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اب تک یہ عمل شروع ہوچکا ہو۔ اس بارے میں وہ فون پر اپنے باپ سے مشورہ کرنے کی زحمت بھی نہیں کرے گا۔ چوہدری سلام کو گجرات سے واپسی پر اس دہری بربادی کا علم ہوگا۔ بس دعائیں کرتے رہو۔ صبح یہاں کے حالات دیکھنے کے بعد ہی میں واپسی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرسکوں گا۔" میں نے کہا۔

"میرا مشورہ ہے کہ فی الحال تم وہیں ٹھہرو۔ ہوسکتا ہے کھٹومل کے اغوا کے بارے میں ہماری پوزیشن صاف ہونے کے باوجود حالات اس حد تک سازگار نہ ہوسکیں کہ اسے پاکستان واپس لایا جاسکے۔ چوہدری سلام بہت بڑا سیاسی فتنہ ہے۔ وہ بہت سوں کو ہلا کر رکھ دے گا۔ ایسی صورت میں تمہیں کھٹومل سے بات چیت اور آخری فیصلے کے لیے آزاد علاقے کا سفر کرنا پڑے گا۔"

"کل کی کل دیکھی جائے گی۔ اب نیند آنے لگی ہے۔" میں نے کسل مندی سے کہا۔

"بڑے شکار کے بعد عام طور پر ایسی ہی گہری نیند آتی ہے۔ اسے گرفت میں لے کر تم نے مجھے اپنے ضمیر کی ایک گہری خلش سے بچالیا ہے۔ فی امان اللہ۔"

لائن بے جان ہوگئی۔ سلطان شاہ احمقانہ انداز میں میرا منہ دیکھ رہا تھا۔

○☆○

ہم اسٹیشن ٹائن کے ہی عقبی حصے میں مقیم تھے اس لیے ہماری پل پل کی مصروفیات کی خبریں رانا تک پہنچتی رہیں۔ ہم دونوں تازہ دم ہوکر ناشتے کے لیے مختصر سی گول میز کے گرد بیٹھے تو اس پر کئی تازہ اخبارات موجود تھے۔

صفحہ اول کے اوپر نصف حصے کی چنگھاڑتی ہوئی عالمی اور سیاسی سرخیوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے اخبار پلٹا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پہلے صفحے کے نچلے حصے میں امریکیوں کی طرف سے میرے خلاف چوتھائی صفحے کا نمایاں اشتہار پھر موجود تھا۔

یہ دیکھ کر میرا دل دھک سے رہ گیا کہ اشتہار کے جلی متن کے درمیان ایک قلمی خاکہ بھی موجود تھا مگر دوسری نگاہ میں میرا ہر خوف رفع ہوگیا۔

وہ قلمی خاکہ میرے ہی نام سے معنون کیا گیا تھا لیکن اس میں دور دور تک میری کوئی شباہت نہیں تھی۔ بے اختیار میرا دل جینی کے لیے ممنونیت کے جذبات سے لبریز ہوگیا۔

یوں تو اس وقت کی پوری ہی امریکی انتظامیہ میرے لہو کی پیاسی تھی لیکن انفرادی سطح پر آئزک بیل میرا اکلوتا بدترین دشمن تھا جو اپنی خوش قسمتی سے زندہ اور امریکا کی فیڈرل ایجنسیوں کی تحویل میں تھا۔ اس سے بس ایک بار ہی میرا آمنا سامنا ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ میں ویرا کے ایما پر اسٹیشنری فراہم کرنے والی ایک فرم کے نمائندے کے بہروپ میں خوب صورت وخوش گفتار جینی کے دفتر میں اس کی میز پر بیٹھا ہوا تھا کہ جینی اور رنگس کا سربراہ آئزک بیل اچانک ہی اس کے دفتر میں آگیا تھا۔ غنیمت ہوا کہ میں اس کی شناسا آواز سن کر ہی اپنی جگہ منجمد ہوکر رہ گیا تھا ورنہ اس روز وہ نہ صرف مجھے دیکھ لیتا بلکہ پہچان لینے کی صورت میں اسی دن اور اسی لمحے میرا کام تمام کرسکتا تھا۔

اس سے بارہا فون پر میری تلخ کلامیاں ہوتی رہیں لیکن وہ میری شناخت کے بارے میں امریکی حکام کی کوئی بھی مدد کرنے سے قاصر تھا۔ امریکی صرف دو ہی افراد سے میرے خاکوں کے بارے میں مدد لے سکتے تھے۔ ان میں سے ایک بلیک ڈیڈ تھا جو سخت جان ہی نہیں، ضدی بھی تھا۔

میں نے اس مخلص اور بے خوف دوست کو آخری لمحات پر اپنی مجبوریوں کے تحت داؤ پر لگا کر امریکا کو خیرباد کہا تھا لیکن اس بے چارے کو آخر تک علم نہیں ہوسکا تھا کہ میرے فرار کے بعد وہ کیسی

بھیانک پریشانیوں کی دلدل میں دھنسنے والا تھا۔ اپنے بارے میں اس کی والہانہ پسندیدگی کے پیشِ نظر مجھے پورا یقین تھا کہ بلیک ڈیڈ نامی وہ سیاہ فام امریکی مر کر بھی میرے بارے میں ایک لفظ اپنی زبان پر نہیں لائے گا۔ وہ امریکا میں میرا سب سے بڑا دوست اور ہمدرد ثابت ہوا تھا۔ میری شکل وصورت سے بالکل متضاد نوعیت کا وہ مطبوعہ خاکہ چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا کہ بلیک ڈیڈ نے میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی تھی' اپنی زبان کو تالا لگا لیا تھا۔

وہ خاکہ بالکل غلط اور گمراہ کن تھا۔ امریکی حکام نے اسے پورے اعتماد سے میرا اسکیچ سمجھ کر اس مہنگے اشتہار میں شامل کیا تھا۔ وہ خاکہ یقینی طور پر کسی ایسے شخص کی مدد سے تیار کیا گیا تھا جس پر امریکیوں کو پورا پورا اعتبار تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس شخص کے دل کے کسی گوشے میں میرے لیے ہمدردی کی کوئی بھی رمق موجود ہوگی۔

اس وقت نیویارک میں ایسی ذات صرف ایک ہی تھی اور وہ پیاری اور گداز سی جینی تھی۔

میں اسے ملاقات کے دھوکے میں رکھ کر' بتائے بغیر امریکا سے بھاگ نکلا تھا۔ اس کے لیے وہ صدمہ ناقابلِ برداشت تھا کہ اس کے خلوت کے ایک ساتھی نے اتنی آسانی اور بے رخی سے اسے فراموش کردیا تھا۔ غصے اور انتقام کے ابلتے ہوئے جذبات میں آکر اس نے از خود نیویارک کے پولیس چیف کو میری اور ویرا کی امریکا میں موجودگی کے بارے میں سب کچھ بتادیا تھا۔

ویرا نے خود ہی مجھے جینی سے متعارف کرایا تھا۔ جینی بہت دلکش شخصیت اور من موہنی شکل وصورت کی مالک تھی۔ اس کی خوش کلامی اور پھر ذرا سی آزاد خیالی نے ہمیں رنگس کے دفتر سے جینی کے گھر اور پھر اس کی خواب گاہ تک پہنچادیا۔ ویرا کو اندرونِ خانہ پروان چڑھنے والی اس روداد کی بھنک بھی نہیں ملی تھی لیکن اس کی چھٹی حس نے اسے جینی سے حسد و رقابت میں اس حد تک مبتلا کردیا کہ وہ میری زبان سے جینی کا نام تک سننے کی روادار نہ رہی۔

ویرا کی اس خود غرضی کے باوجود شاید میرے ستارے یاور تھے کہ میں نے چند روز پہلے کراچی سے جینی کو فون کرڈالا۔ مجھے امریکا میں اس لڑکی کی اہمیت کا صحیح اندازہ تھا۔ اس کی رفاقت میں گزارا ہوا وقت میرے لیے ماضی کا ایک اثاثہ ضرور تھا پھر بھی میں نے نہایت منافقت اور ریاکاری سے کام لیتے ہوئے اسے بہت سی بے بنیاد یقین دہانیاں کراتے ہوئے یہ باور کرادیا کہ میں درحقیقت ویرا کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور تھا۔ اسی نے مجھ کو جینی سے ملے بغیر امریکا سے نکل جانے پر مجبور کیا تھا۔

جینی نے اسی وقت مجھے بتادیا تھا کہ امریکی حکام اس کی مدد سے میرے خاکے بنوانے کی تیاریاں کررہے تھے۔ میں نے فون پر اس کی ہمدردیاں جیت کر مستقبل کے لیے کچھ دل فریب وعدے کیے تھے اور سادہ لوح جینی میرے جال میں آگئی تھی۔ اشتہار میں موجود گمراہ کن خاکے سے میری ذات کے لیے جینی کی تمام ہمدردیاں جھلک رہی تھیں۔ اس امریکی لڑکی نے مجھ سے فریب کھانے کے بعد بھی میرے اوپر ایک بہت بڑا احسان کیا تھا جس کا بوجھ میں عمر بھر نہیں اتار سکتا تھا۔

جینی اور بلیک ڈیڈ۔ بلیک ڈیڈ اور جینی! وہ اشتہار میری نظروں کے سامنے دھندلانے لگا۔ مجھے اس میں بس وہی دونوں چہرے اپنی بدلتی ہوئی طنزیہ' مزاحیہ' دوستانہ اور بے تکلفانہ مسکراہٹوں کے ساتھ نظر آرہے تھے۔

اپنی دانست میں' میں امریکیوں سے لڑ رہا تھا۔ وہ میرے خون کے پیاسے تھے اور میں ان کی جانوں کا خواہاں تھا لیکن خود فراموشی اور احسان مندی کے ان نازک لمحات میں یکایک مجھے ادراک ہوا کہ میری اصل لڑائی عام امریکیوں سے نہیں تھی۔ ان میں سے بیشتر سادہ لوح' فراخ دل اور کھلے دل کے مالک تھے۔ میری اصل لڑائی امریکی حکومت اور اس کے اہل کاروں سے تھی۔

وہ بے گناہ اور کمزور قوموں کا لہو پی جانے والے درندوں کا ایک منظم غول تھا جس کی سربراہی واشنگٹن کے وائٹ ہاؤس میں بیٹھا ہوا صدر کرتا تھا۔ اس کا کھلا ثبوت گیپ کے مستند اور اصل کاغذوں کی صورت میں میرے اور اول خان کے ہاتھوں سے گزرتا ہوا منزلِ مقصود پر پہنچ چکا تھا۔

امریکی قوم کی واحد اور سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ شباب اقتدار کے نشے میں بدمست حکمراں ان ہی کے دیے ہوئے اقتدار اور اختیار کے ذریعے کبر و نخوت کے ساتھ' من مانے انداز میں لوگوں کو روند رہے تھے اور وہ خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔

میرے خلاف امریکیوں کا وہ اشتہار بالکل نیا اور تازہ تھا۔ انعام کی رقم بیس لاکھ ڈالر ہی تھی مگر خاکے کی اشاعت کے ذریعے میری تلاش کا کام آسان بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ میری ذات پر امریکیوں کے روایتی الزامات کی فہرست میں کھٹول کی بدولت کچھ ایسے مواد کا اضافہ بھی کردیا گیا تھا جس کی بنا پر بہت سے بے خبر پاکستانی بھی مجھ سے متنفر ہوسکتے تھے۔

اشتہار کی رو سے میں کراچی کے ایک معزز اور معتبر شہری کے گھر ہونے والی تقریب میں ڈکیتی اور قتل کے الزامات میں پولیس کو مطلوب تھا۔ اشتہار میں بس کھٹول کا نام نہیں تھا ورنہ متعلقہ تھانے میں اس کی درج کرائی ہوئی ایف آئی آر کا پورا حوالہ موجود تھا۔

کھٹول نے اپنے گھر پر رقص و موسیقی کی محفل سجا کر بالم اور جانی کے ذریعے ہمارے نادرہ والے فلیٹ پر لشکر کشی کا جو منصوبہ بنایا تھا' وہ بہت قلیل سی مدت میں بے نقاب ہوچکا تھا۔

اگر وہ خوں خوار غنڈے اپنے حملے میں ہم لوگوں کو اور بطور خاص مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب ہوجاتے تو امریکیوں کا مقصد اسی مرحلے پر پورا ہوجاتا لیکن اول خان کے آدمیوں کی مسلسل خبرگیری کی وجہ سے کھٹول اپنے چھ آدمی گنوا کر بھی کچھ حاصل نہ کرسکا۔

اپنے گھر پر دشمن کے ناکام قاتلانہ شب خون کے بعد کھٹول کی تقریب پر جوابی وار کرنے کا ہمارا فیصلہ قطعی اضطراری تھا جس میں پیشگی منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ شاید اس واردات کے بعد بھی کھٹول یہ نہ سوچ سکا ہوگا کہ اس کے گھر میں ہونے والی تقریب پر ہماری طرف سے حملہ کیا گیا ہوگا۔

یقینی طور پر یہ امریکی سفارت کاروں کے روپ میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے کے ایجنٹوں کی ذہنی ندرت تھی کہ انہوں نے کھٹول کو اس واردات کی ایف آئی آر میں بلا سوچے سمجھے میرا نام ڈالنے کی ہدایت دے ڈالی تھی۔ اپنی اس حرکت کے ذریعے وہ میرا نام سرکاری ریکارڈ پر لے آئے تھے اور محض دو دن گزرنے کے بعد ہی انہوں نے اس اشتہار میں مذکورہ ایف آئی آر سے فائدہ اٹھا ڈالا تھا۔

"ملزموں یا مجرموں کے خاکے مشابہت کے کسی یقین کے بعد جاری کرائے جاتے ہیں۔" سلطان شاہ نے اپنے ہاتھ میں موجود دوسرے اخبار میں چھپے ہوئے اشتہار کا جائزہ لے کر کہا "اس انعامی خاکے میں تو تمہارے چہرے کی ساخت ہی بدل کر رکھ دی گئی ہے۔"

"یہ اس پیاری سی امریکی لڑکی کا کمال ہے جس نے ہمارے فرار کے بعد نیویارک کے پولیس چیف کو میرے اور ویرا کے بارے میں رضاکارانہ طور پر سب کچھ بتا ڈالا تھا۔" میں نے اسے بتایا۔

"جینی نامی اس آوارہ لڑکی کے بارے میں ویرا مجھے بہت کچھ بتا چکی ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا "وہ پڑھ لکھ کر معاشرے میں ایک باعزت مقام حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہوگئی لیکن چڑھتی جوانی کی بے راہ روی ابھی تک اس کی ذات میں گھر کیے بیٹھی ہے....."

میں نے تحیر زدہ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "میری آمد کے بعد تم مسلسل ویرا سے لڑتے رہے ہو۔ یہ ساری خرافات اس نے تمہیں کب سنا ڈالیں؟"

"یہ میرا اور ویرا کا معاملہ ہے۔ یہ جینی تم پر اتنی مہربان کیوں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے اسے امید دلائی ہے کہ میں جلد ہی امریکا جاؤں گا یا دنیا کے کسی اور ملک میں تفریح کے لیے اسے مدعو کروں گا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ جینی سے میرے خاکے میں مدد ضرور لیں گے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں قدم قدم پر ایسی مرمٹنے والی لڑکیاں کیسے مل جاتی ہیں؟" بہتیرے لوگ اسی کوشش میں پوری عمر گزار دیتے ہیں لیکن انہیں ایک لڑکی بھی نہیں ملتی۔"

"ایسی طفلانہ باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔" میں نے اسے ہلکی سی سرزنش کی "کبھی کسی لڑکی سے چھیڑ چھاڑ کر کے دیکھو، تمہاری ٹانٹ پر ایک بال بھی باقی نہیں رہے گا۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں کہ تمہیں ہر جگہ جینیاں کیسے مل جاتی ہیں؟" اسے میری ہی بات سے ایک دلیل مل گئی۔

"تم کن جینیوں کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اسے گھور کر پوچھا۔

"ایک ہو تو بتاؤں، یہاں تو لائن لگی ہوئی ہے۔" وہ میری نگاہوں سے مرعوب ہوئے بغیر بولا۔

"ذرا تمہاری زبان سے چند نام میں بھی تو سنوں۔" میں نے تلخی سے اصرار کیا۔

"غزالہ سے تم شادی کیے بیٹھے ہو اس لیے وہ اس گنتی سے باہر ہے۔" اس نے بائیں ہاتھ سے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلی تھام کر گنتی شروع کرائی "ویرا ایسی جان کو آئی ہے کہ آج تک گلے کا ہار بنی ہوئی ہے، سلمیٰ سے تم خود ہر وقت خوف زدہ رہتے ہو.... بیچ کی گنتی کو چھوڑ بھی دو تو نادرہ غنی کل کی سی بات ہے اور اب جینی سامنے آئی ہے۔ اشتہار میں چھپے ہوئے اس بے سروپا خاکے کے بعد یہ بات ہر شک وشبے سے بالا ہے کہ وہ بھی تمہاری دیوانی ہے۔"

اس نے مجھے لاجواب کرنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی مگر میں نے کسی خفت کے بغیر گہری سنجیدگی سے کہا "میری ایک بات گرہ سے باندھ لو کہ عورتیں یا لڑکیاں جنگلی بیری کا پھل نہیں ہوتیں کہ جس نے جب چاہا، پتھر مار کر انہیں اپنی گود میں گرا لیا۔ تم نے ابھی جتنے نام گنوائے، ان میں سے کوئی بھی قدم قدم پر ملنے والی لڑکی یا عورت شمار نہیں کی جاسکتی۔ ہر ایک سے پہلے کوئی نہ کوئی تعارف یا رابطہ ہوا اور پھر بات ذرا آگے بڑھ گئی۔ جینی میری نہیں، ویرا کی پرانی اور گہری دوست ہے۔ ویرا نے ہی مجھے اس سے ملاقات کے لیے بھیجا تھا۔"

"وہ اس گھڑی کو کوس رہی تھی جب اس نے وہ غلط فیصلہ کیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ تم نے کراچی آتے ہی اسے فون کر ڈالا تھا۔" سلطان شاہ نے انکشاف کیا۔

"لعنت ہے ویرا کی کھوپڑی پر۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "میں نے اسے فون نہ کیا ہوتا تو آج اس اشتہار میں میرا ایسا بھرپور خاکہ شائع ہوا ہوتا کہ مجھے کہیں چھپنے کی جگہ نہ ملتی۔"

وہ گفتگو وہیں ختم ہوگئی۔ ملازم ناشتا لے آیا تھا اور اسی کے پیچھے پیچھے رانا اپنے دفتری لباس میں چلا آرہا تھا۔ اس کے لبوں پر عجیب سا فاتحانہ تبسم رقصاں تھا۔

سلطان شاہ نے میز پر پھیلے ہوئے اخبارات سمیٹ کر ایک خالی کرسی پر ڈال دیے۔ ملازم میز پر ناشتا لگانے لگا۔ رانا نے ہم دونوں سے ہاتھ ملا کر چوتھی خالی کرسی سنبھالی۔

"مبارک ہو، آج پھر تمہارے بارے میں بڑے بڑے اشتہار چھپے ہیں۔" ملازم کے چلے جانے کے بعد رانا نے شوخ لہجے میں کہا۔ "تمہارے بارے میں امریکی کچھ اعصاب زدہ سے ہوگئے ہیں۔"

"تم مبارک باد دے رہے ہو!" سلطان شاہ نے متعجبانہ لہجے میں کہا "میرے لیے تو یہ سخت تشویش کی بات ہے کہ ڈینی کے دشمن

دوبارہ ضرورت سے زیادہ سرگرم ہو رہے ہیں۔"
"لیکن وہ غلط راہ پر چل رہے ہیں۔" رانا مسکرا کے بولا "تم نے خاکے پر غور نہیں کیا۔ اب ڈپٹی خود بھی گرفتاری پیش کرنا چاہیں تو انہیں ناکامی ہوگی۔ تازہ اشتہار کے بعد کوئی ہوش مند آدمی انہیں ڈپٹی تسلیم نہیں کرے گا۔"
"خوش فہمی شاید اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی بنیادی کمزوری ہے۔" سلطان شاہ نے توسٹ پر ہلکا سا مکھن لگاتے ہوئے جواب دیا "تم لوگ ہر بری خبر میں بھی اچھائی کا کوئی نہ کوئی پہلو تلاش کرلیتے ہو۔ یہی مرض اول خان کو لاحق ہے۔"
اس نے قہقہہ لگا کر سلطان شاہ کے طنز کو سراہا پھر بولا "تم نے اخبار تو دیکھ ہی لیا ہوگا؟"
"ابھی اشتہار سے آگے بڑھنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ تم آگئے۔" میں نے کہا۔
"چوہدری سلام کے بیٹے نے وہم میں پڑ کر کھٹومل کے کمرے کے سارے سامان کو رات ہی آگ لگوادی۔ دیکھنا ہوگا کہ اس کا باپ واپس آکر کیا کرتا ہے۔"
"تو کیا پورا واقعہ اخبارات میں آچکا ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔
"کم تعداد میں چھپنے والے اخبار ذرا دیر سے پریس جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک اخبار میں یہ دلچسپ خبر آئی ہے۔ ایف سیون سے کئی لوگوں نے پولیس اور فائر اسٹیشن فون کرکے چوہدری سلام کی کوٹھی میں آگ لگنے کی خبر دی۔ وہاں سے بلند شعلوں کے ساتھ دھواں اٹھ رہا تھا۔" وہ چائے نوشی کے دوران میں مزے لے لے کر بتانے لگا "معاملہ چوہدری سلام کے گھر کا تھا۔ ذرا سی دیر میں کئی گاڑیاں وہاں پہنچ گئیں۔ اندر واقعی زوردار آگ لگی ہوئی تھی۔ ملازمین نے بتایا کہ وہ چھوٹے چوہدری کے حکم پر گھر کا کچھ غیر ضروری سازوسامان جلا رہے تھے۔"
"ان سے پوچھا نہیں گیا کہ اس ردی کام کے لیے وہ دن طلوع ہونے کا انتظار نہیں کرسکتے تھے؟" رانا کے خاموش ہوتے ہی سلطان شاہ پوچھ بیٹھا۔
"ضرور پوچھا گیا ہوگا مگر یہ تفصیل اخبار میں نہیں آئی۔ ملازمین نے جو کچھ بھی کہا ہوگا وہ مان لینا پڑا ہوگا۔ بڑے لوگوں کے ساتھ ڈیل کرنے میں ایسی بہت سی مجبوریاں آڑے آتی ہیں۔"
"ایمبولینس اور کھٹومل کے بارے میں کیا خبریں ہیں؟" میں نے پوچھا۔
"کھٹومل، چوہدری سلام کا دوست تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کے گھر والوں کو کھٹومل سے کوئی لگاؤ یا زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ وہ بات اسی وقت کھلے گی جب کوئی کھٹومل کے بارے میں پولی کلینک سے رابطہ کرے گا۔ البتہ ایمبولینس کا قصہ آج صبح نمٹ گیا۔"
"نمٹ گیا؟" سلطان شاہ نے حیرت سے دہرایا "وہ قصہ کیسے نمٹ سکتا ہے؟"
"کسی کو کچھ نہیں معلوم کہ وہ ایمبولینس کہاں استعمال کی گئی تھی۔ اسپتال کی انتظامیہ نے رپورٹ درج کرائی تھی کہ کل رات کوئی نامعلوم شخص اسپتال کے احاطے سے ایک ایمبولینس لے اڑا۔ کوئی ایمبولینس کی چوری کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ حفاظتی عملے نے معمول کی کوئی روانگی سمجھ کر ڈرائیور سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ رات بھر وہ ایمبولینس وہیں کھڑی رہی جہاں ہم نے اسے چھوڑا تھا۔ پولیس کنٹرول روم سے آج صبح پولی کلینک سے ایمبولینس کی چوری کی رپورٹ نشر کی گئی تو ایک گشتی پارٹی فوراً ہی وہاں پہنچ گئی اور دیکھ بھال کے بعد ایمبولینس اسلام آباد پہنچا دی گئی۔"
"سرکاری زبان میں مال مسروقہ برآمد ہوگیا' مدعی پولیس کی کارکردگی اور اپنے مال کی برآمدگی پر مسرور و مطمئن ہے اس لیے فائل بند کردی گئی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"پولیس کے ہر محرر کی تحریر اس سے کہیں زیادہ گنجلک اور ناقابل فہم ہوتی ہے جس کا سر پیر سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں ہوتا۔ وہ فائل کھٹومل کے اغوا کے انکشاف پر دوبارہ کھولنی پڑ جائے گی۔" رانا واقعات کی رفتار سے بہت مطمئن تھا۔
میں نے ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد لاہور سے جاری ہونے والے ایک مشہور اور بڑے اخبار کو غور سے صفحہ بہ صفحہ دیکھ ڈالا' ہر سرخی پڑھ لی لیکن مجھے کالو مکرانی' قاسم یا نادرہ کے فلیٹ میں جانے والی کھوجی پارٹی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ مل سکا۔
اس دوران میں رانا' سلطان شاہ کے ساتھ باتوں میں لگا رہا۔ میں اخبار بینی سے فارغ ہوا تو وہ فوراً ہی میری طرف متوجہ ہوگیا "تم نے پڑھا کہ چھوٹا چوہدری کس قدر احمق ہے۔"
"اس کی حماقت کی داستان تم نے زیادہ تفصیل سے سنائی ہے۔ پورے اخبار میں مجھے اپنے مطلب کی بات کہیں نہیں مل سکی۔ اس میں کراچی کی خبریں بہت کم ہیں۔"
"پنجاب کے زمیندار اور جاگیردار ہر روز کسی کمی کمین کی بہو بیٹی کی چادر تار تار کرکے ان اخباروں کو اتنا مواد فراہم کردیتے ہیں کہ دوسرے شہروں کے لیے بہت کم جگہ باقی بچتی ہے۔ ویسے بھی ہر اخبار کا اپنا انداز اور قرینہ ہوتا ہے۔ تم کراچی کا کون سا اخبار پڑھتے ہو؟"
میری فرمائش پر تھوڑی ہی دیر میں کراچی کا ایک مشہور اردو روزنامہ بھی آگیا۔
مجھے اس اخبار کے تمام صفحات نہیں کھنگالنے پڑے۔ شہری صفحات پر کلفٹن میں ہونے والی ہولناک دہشت گردی کے حوالے سے تین اہم ملزموں کی گرفتاری کی خبر موجود تھی۔ جن کے ذریعے اہم شہادتیں ملنے کی توقع تھی۔ نامہ نگار کے بیان کے مطابق پولیس ان تینوں کے بارے میں مکمل رازداری سے کام لے رہی تھی۔

صاف ظاہر تھا کہ نامہ نگار نے جہانگیر کی پسند، نسیم کو بھی کالو کمرانی اور قاسم کے ساتھ شامل کرلیا تھا۔ خبر میں ان تینوں میں سے کسی کا نام نہیں تھا۔

آخری صفحے پر امریکا سے آئے ہوئے ایف بی آئی کے ایک سراغ رساں کی سرگرمیوں کی خبر تھی۔ وہ اپنے دو تربیت یافتہ کھوجی کتوں کے ساتھ سکھر میں مقیم ایک خاتون کے آراستہ مگر غیر آباد فلیٹ میں کئی گھنٹوں تک مصروف رہا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے لیے مقامی ماہرین کی ایک جماعت بھی اس کے ہمراہ تھی۔ ان لوگوں کے پڑوسیوں اور عمارت کے چوکی دار کے بیانات بھی لیے تھے۔

اس سے پہلے اول خان نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ اس خبر میں زیادہ تفصیل کے ساتھ موجود تھا۔ ایف بی آئی والے نے اخباری نمائندوں کو وقت دینے سے صاف انکار کردیا تھا مگر اپنی حکومت کی پالیسی کی وضاحت میں کچھ ایسی باتیں کہہ گیا تھا جو بہت اہم تھیں۔

اس نے میرا نام لیے بغیر الزام لگایا تھا کہ امریکی حکومت کے پاس یہ باور کرنے کی ٹھوس وجوہ موجود تھیں کہ ایک خطرناک ترین عالمی دہشت گرد کراچی میں روپوش تھا اور امریکی حکومت یہ عزم کرچکی تھی کہ دنیا کے آخری سرے تک ہر دہشت گرد کا پیچھا کرکے اسے کیفرِ کردار تک پہنچائے گی۔

اخبار کے نامہ نگار نے مذکورہ بیان اور میرے بارے میں اپنے اخبار کو ملنے والے انعامی اشتہار کی روشنی میں آخر میں خود یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا کہ امریکی حکومت اور اس کے مقاصد کے حصول کے لیے کام کرنے والے خفیہ شعبوں کے اہل کار ڈینی نامی کسی مفروضہ شخص سے بہت زیادہ خائف تھے جو ان کے بیان کے مطابق پاکستانی نژاد تھا۔ دوسری طرف پاکستان کے ذمے دار افسران اس نام سے اپنی مکمل بے خبری ظاہر کررہے تھے۔

میں نے نشان دہی کرکے وہ دونوں خبریں رانا کے سامنے کردیں ”مجھے ان خبروں کی تلاش تھی جو لاہور کے اخباروں میں سرے سے موجود نہیں ہیں۔“

”کلفٹن میں دہشت گردی کرنے والوں کی گرفتاری قومی اہمیت کی خبر ہے‘ دوسری خبر بین الاقوامی اہمیت کی ہے۔“ اکبر رانا نے اعتراف کیا ”دونوں خبریں اسٹاف رپورٹرز کے حوالے سے آئی ہیں۔ کراچی میں ہونے کی وجہ سے ان کے زیادہ تعلقات ہیں....“

میں ہنس پڑا ”یہ مت کہو۔ پاکستان کے ہر قابلِ ذکر اخبار کے بیورو آفس کراچی میں بھی ہیں۔ ان دفاتر میں کراچی والے ہی کام کرتے ہیں مگر ان سے خبروں کے بجائے اشتہارات حاصل کرنے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے پھر محنت والی خبریں کہاں سے آئیں گی؟“

"کلفٹن میں ہونے والے خوں ریز مقابلے کے بارے میں پنجاب کے سارے اخباروں نے بڑی بڑی سرخیاں لگائی تھیں۔ پتا نہیں اب اسے کیوں بھلا دیا گیا۔" رانا بولا۔

"شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ وہ واقعہ ہی کھٹومل کی جان کا روگ بنا ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا "وہ کراچی کے معمولات کا کوئی حصہ نہیں تھا۔"

اکبر رانا چونک پڑا۔

کراچی میں اندرونِ خانہ ہم لوگوں کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا تھا' وہ اس سے بالکل بے خبر تھا۔ اسے اول خان کی زبانی صرف اتنا پتا چلا تھا کہ مشہور لیڈر کھٹومل کراچی سے فرار ہو کر اسلام آباد پہنچنے والا تھا اور وہ اول خان کو مطلوب تھا۔ اسے اول خان کے مطالبے کے اسباب اور پس منظر سے ذرا بھی واقفیت نہیں تھی۔ وہ سر جھکا کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

میں نے اخبارات کی کارکردگی سے شروع ہونے والی گفتگو کے تسلسل میں اسے کھٹومل کے پورے پس منظر سے آگاہ کیا تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اگر کھٹومل کراچی میں امریکیوں کا ایجنٹ ہے تو مجھے یقین ہے کہ یہاں چوہدری سلام ان کا نمک خوار ہے۔ ان لوگوں نے ہر طرف اپنے زر خرید کارندوں کا جال پھیلایا ہوا ہے۔ مجھے ابھی تک اندازہ نہیں تھا کہ یہ اتنا اونچا کھیل چل رہا ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"یہاں ہم تم سے مدد لینے کے لیے آئے ہیں۔ تمہارا ان سب باتوں سے باخبر ہونا ضروری تھا۔" میں نے مزید وضاحت کی "کھٹومل کے ساتھ ملک و قوم کے چند اور غداروں کی گردنیں ہمارے شکنجے میں آسکیں تو اس سیاسی مافیا کی کمر ٹوٹ جائے گی۔"

"تم نے مجھے ایک نئی راہ سجھائی ہے۔" رانا کی آواز گمبھیر ہوگئی "ہم یہاں دارالحکومت میں بیٹھے ہیں۔ ہم بہت کچھ ہوتے ہوئے کچھ بھی نہیں ہیں۔ اپنی آنکھوں سے ایسے ایسے کھیل دیکھتے ہیں جو کراہت انگیز ہوتے ہیں مگر ہم ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔"

"اب تمہیں ہر وقت اپنی آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"تم جانتے ہو کہ جنیوا کنونشن کے تحت دنیا بھر میں سفارت خانوں کو بہت سے تحفظات حاصل ہیں۔ وہ پرائی زمین پر ہونے کے باوجود اپنے وطن کی سرزمین کے ایک حصے کی طرح ہوتے ہیں۔ ان پر متنازع مقامی قوانین کا ذرا بھی اطلاق نہیں ہوتا۔"

"یہ بہت پرانی باتیں ہیں۔ ان ہی کی آڑ لے کر بہت سی گھناؤنی سازشیں کی جاتی ہیں۔"

"تمہاری فکر انگیز باتیں سن کر میرے ذہن میں بار بار دو نام کلبلا رہے ہیں۔ یہ وہ بے غیرت پاکستانی ہیں جو اپنی بیویوں اور اولادوں کے ساتھ بہت باقاعدگی سے امریکی سفارت خانے کی تمام

کاک ٹیل پارٹیوں میں شریک ہوتے ہیں....."

"اب ہمارے درمیان کوئی پردہ نہیں رہا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "یہاں کوئی غیر نہیں ہے۔ نام لے کر بات کرو تاکہ ہم بھی ان چہروں سے واقف ہو سکیں۔"

"ان کی اولادوں میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔" اس نے دکھ بھری آواز میں کہا "میں تصدیق کیے بغیر ان کے نام نہیں لوں گا۔ مناسب وقت آنے پر تم خود ان کے چہرے دیکھ لو گے۔ وہ دونوں ہی چوہدری سلام کے گہرے دوست ہیں۔"

"دوستی کو معیارِ مت بناؤ۔" سلطان شاہ نے تلخ لہجے میں کہا۔

"عوام کے بڑے بڑے اجتماعات میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے بلکہ گالیاں دینے والے سیاست داں بھی نجی زندگی میں ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ بعض کو اس طرح ہم نوالہ و ہم پیالہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔"

"سیاست سے ہم ہمیشہ بہت دور رہتے ہیں۔" رانا نے فوراً ہی کہا "ہم بس افراد کو دیکھتے' پرکھتے اور ان کی نگرانی کرتے ہیں۔"

"بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے یہاں بیشتر خرابی اسی سیاست کی لائی ہوئی ہے۔ کاغذوں پر لکھے ہوئے ہر جماعت کے نعرے یا منشور محض دکھاوے کے لیے ہیں۔ ہمارے یہاں بس دو سیاسی جماعتیں چلی آرہی ہیں۔ ایک حزبِ اقتدار کہلاتی ہے اور دوسری حزبِ اختلاف۔ عوام کو بے وقوف بنا کر درونِ خانہ یہ سب مل جل کر رہتے ہیں۔ کیا پتا کب کس کی لاٹری نکل آئے۔"

"اس کے باوجود ایس ٹی ایف کسی کی سیاسی وفاداری سے مرعوب ہوتی ہے' نہ اس بنا پر اس کی دشمن ہوتی ہے۔ ہماری بے لاگ رپورٹیں آج بھی کہیں نہ کہیں محفوظ ہوں گی۔ یہ سب ہمارے ہونٹوں ہیں۔ ان کو سرزنش کرنا ہمارے دائرۂ کار سے خارج ہے۔"

ناشتا ختم کر کے وہ دیر تک ہمارے ساتھ بیٹھا رہا۔ میرا ارادہ اس کے ساتھ اسٹیشن نائن کے دفاتر دیکھنے کا تھا لیکن اس نے نرمی کے ساتھ مجھے روک دیا۔

"تمہارے ساتھ وقت گزار کر اب مجھے اندازہ ہوا ہے کہ تم کھٹومل کو فی الحال زندہ رکھنے پر کیوں مجبور ہو۔ اس واقعے کی گرد دبنے تک تم کو محتاط رہنا چاہیے۔ کیا پتا کہ کوئی سرکاری ایجنسی ہماری بھی نگرانی کر رہی ہو۔ ایسے میں تمہارا سامنے آنا مناسب نہیں ہوگا۔"

وہ دلوں کو چیر دینے والی بے اطمینانی تھی جو رانا کے لب و لہجے میں پنہاں تھی۔

وہ اپنے دفتر میں چلا گیا اور میں سی ایس ڈی کے بارے میں سوچنے لگا۔ رانا نے کسی ایجنسی کی طرف سے اپنے اسٹیشن کی نگرانی کا خدشہ ظاہر کر کے مجھے اندر سے ہلا دیا تھا۔ نگرانی ہو سکتی تھی تو فون بھی ٹیپ کیا جا سکتا تھا۔ میں فون پر اول خان سے کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔

کراچی میں ہوم سیکریٹری کی طرف سے طلب کیے ہوئے

اجلاس میں شرکت کے بعد میں اول خان کے ساتھ سیدھا ملیر چھاؤنی چلا گیا تھا۔ سلطان شاہ پہلے سے وہاں موجود تھا اور پھر ہم دونوں وہیں سے براہِ راست اسلام آباد چلے آئے تھے۔ مجھے درمیان میں ذرا بھی موقع ملا ہوتا تو میں جہانگیر کے گھر کی فون لائن سے ننھی سی سی ایس ڈی ضرور نکال لایا ہوتا۔

مجھ سے جب جہانگیر نے روز اپنی دکان پر آنے والی ایک خوب رو عورت سے اپنے یک طرفہ عشق کا ذکر کیا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جہانگیر کی وہ رنگین مزاجی کسی بڑے واقعے کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ اس کے بعد سب کچھ اتنی تیزی سے ہوتا چلا گیا کہ ہمارے فلیٹ پر حملہ آور ہونے والوں کے دو ساتھی کراچی پولیس کی تحویل میں تھے اور ہم کھٹول کے کامیاب اغواء کے بعد اسلام آباد میں پڑے مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

موبائل فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے بٹن دبا کر فون آن کیا تو دوسری طرف اول خان موجود تھا "مجھے معلوم تھا کہ تم کہیں بھی ہوئے، تم سے بات ضرور ہو جائے گی۔" وہ مسرت آمیز آواز میں کہہ رہا تھا "یہ بتاؤ کہ اب تمہارے شہر کی کیا خبریں ہیں۔"

"کچھ نہیں۔" میں نے کسی جوابی گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا "جہانگیر کے گھر جا کر مجھے فون کرو پھر تفصیل سے بات ہو سکے گی۔"

"اوہ!" وہ فوراً ہی بات کی تہ تک پہنچ گیا "میں تھوڑی دیر میں رنگ کرتا ہوں۔"

بھارتی سیکرٹ سروس را کے سینئر اہل کار بدری ناتھ کے ساتھ میری منافقانہ رفاقت خاصی طویل رہی۔ وہ مجھے گھیرنے کی کوشش کرتا رہا اور میں اس کے گرد اپنا جال پھیلاتا رہا۔ اس دوران میں کئی نازک لمحات بھی آئے مگر امریکا میں ہم دونوں کو ہی مجبوریاں درپیش تھیں۔ دونوں ایک دوسرے سے دبتے اور بغلوں میں چھریاں دبا کر منہ سے رام کی مالا جپتے رہے۔

اس سرد جنگ میں مجھے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ میں اسے شیشے میں اتار کر سنسر سینسنگ ڈیوائس یا سی ایس ڈی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس وقت اس ننھے سے موثر آلے کا کوئی متبادل یا توڑ میرے سامنے نہیں آسکا تھا۔

موبائل فون مل جانے کے بعد ایک مسئلہ میرے ذہن میں سر ابھار رہا تھا کہ سی ایس ڈی کو فون کے دو تاروں سے جوڑ کر ہی استعمال کیا جا سکتا تھا جب کہ موبائل فون میں بیرونی یا اندرونی تاروں کا تصور ہی سرے سے ناپید تھا۔ اس کے ساتھ سی ایس ڈی کو منسلک کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس آلے کے بغیر موبائل فون کی افادیت محدود ہو کر رہ جاتی۔

گیارہ بجے رانا نے کھٹول کے بارے میں دل خوش کر دینے والی ابتدائی خبر سنائی۔

چوہدری سلام نے گجرات سے واپسی کے بعد فون کرنے کے بجائے کھٹول کی خیریت معلوم کرنے کے لیے خود ہی اسلام آباد پولی کلینک کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ اسپتال میں اپنے گہرے دوست کا کوئی سراغ نہ پا کر وہ بری طرح بدحواس ہو گیا۔

پہلے وہ اسپتال کے اعلیٰ انتظامی عملے سے بدتمیزی کرتا رہا پھر اسلام آباد کے آئی جی کے دفتر میں زلزلہ برپا کر دیا۔ وہ ہر قیمت پر کھٹول کی فوری بازیابی کا مطالبہ کر رہا تھا۔

کھٹول سندھ کی اقلیت پر اپنے موثر کنٹرول کی وجہ سے قومی سطح پر ایک معروف حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ دوسری طرف چوہدری سلام جیسا منہ پھٹ اور جارح سیاست داں اس کی پشت پر تھا۔ پورے اسلام آباد میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔

سب کڑیاں موجود تھیں۔ انہیں یک جا کر کے یہ اندازہ لگانے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی کہ کھٹول کو کیسے اغوا کیا ہوگا۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ اس موضوع پر باتیں کر رہا تھا کہ اول خان کا فون آگیا۔

"غنیمت ہے کہ تم نے موبائل فون پر رابطہ نہیں کیا۔ پتا نہیں اس لاسلکی فون پر سی ایس ڈی کام بھی کر سکے گی یا نہیں؟" میں نے دعا سلام کے بعد کہا۔

"میں تمہارا مسئلہ سمجھ گیا تھا۔ یہاں مسئلہ یہ ہے کہ ویرا مجھ سے پہلے موجود ہے اور جہانگیر کے کان کھا رہی ہے۔ میری صورت دیکھتے ہی جھاڑ کے کانٹے کی طرح میرے پیچھے پڑ گئی تھی۔"

"میں نے غزالہ کو بہت اختصار سے بریف کیا تھا۔ تم اس کی تسلی کرا دینا۔ اس سے کہو کہ وہ یوں گھر سے باہر نکلنے کا خطرہ مول نہ لے۔ وہ بے موت ماری جائے گی۔"

"میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم اپنی کہانی سناؤ۔" وہ بے چین ہوا جا رہا تھا۔

"چوہدری سلام نے واپس آکر ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے۔ دیکھنا ہے کہ کھٹول کے اغوا کی تفتیش کیا رخ اختیار کرتی ہے۔ اکبر رانا بھی کچھ پریشان ہے۔"

"کیوں؟ اسے کس بات کی پریشانی ہے؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"اسے شبہ ہے کہ کہیں کوئی ایجنسی اسٹیشن ٹائن کی نگرانی نہ کر رہی ہو۔"

"یہ ناقابلِ یقین سی بات ہے۔ مجھے اس سے بھی رابطہ کرنا پڑے گا۔"

"میں نے بلاوجہ ہی تمہیں جہانگیر کا فون استعمال کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا۔"

"ہماری گفتگو کا جاری رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی مداخلت نہیں ہو رہی۔"

"رانا یہاں بیٹھا ہوا ہے۔ یہاں کے مسائل کو وہ ہم دونوں سے بہتر سمجھتا ہے۔" میں نے کہا۔

"میرے خیال میں یہ اس کی محتاط روی ہے۔ دنیا کے ہر

دارالحکومت میں ایسی ہی بے یقینی کی فضا رہتی ہے۔ کسی کو کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کون کس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"تمہارے بڑوں کو علم ہے کہ اسٹیشن ٹائن والے کیا کررہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ایسے اہم اور نازک معاملات میں ہم بڑوں کو بے خبر نہیں رکھ سکتے۔"

"اسے منظرِ عام سے ہٹا دیا گیا۔ اب اس کے خلاف تم کیا کررہے ہو؟"

"آج مجھے اندازہ ہوا کہ کسی شہری کی انتظامیہ میں تھانے دار کتنا طاقتور ہوتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "ایس ایچ او نے ایف آئی آر کے تحت کالو مکرانی اور قاسم کے بیان لے کر سیل کرلئے ہیں۔ اس پر شدید دباؤ ہے کہ دونوں بیانات میں کھٹول کا کوئی ذکر نہ آنے پائے لیکن اس نے ملزموں کے بیان میں ردوبدل کرنے سے صاف انکار کردیا ہے۔"

"جس صوبے میں آئی جی اپنے ہوم سیکریٹری کے سامنے بھیگی بلی بنا رہتا ہو، وہاں ایک تھانے دار کی یہ ضد سمجھ میں نہیں آتی۔" میں نے قدرے تعجب سے کہا۔

"بگڑی ہوئی مشینری میں اب بھی کہیں کہیں صحیح پرزے موجود ہیں۔" اول خان نے کہا۔

"اس کا تبادلہ کردیا جائے گا، کھڈے لائن لگا دیا جائے گا۔" میں نے رائے ظاہر کی۔

"بعد میں جو ہونا ہے وہ ہوتا رہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اصل بیان فائل میں شامل رکھے گا۔ اس کا کوئی افسر چاہتا ہے تو خود اپنے قلم سے اس میں ردوبدل کرے۔ میں نے بہت دیکھ بھال کر قیدیوں کو اس کے حوالے کیا تھا۔ مجھے اس سے یہی امید تھی۔"

"مجھے خوشی ہے کہ پولیس کے محکمے میں ایسے اصول پرست افسر بھی موجود ہیں۔ اب اس بارے میں تیزی سے کوئی فیصلہ ہونا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"آج کسی بھی وقت فائل چل پڑے گی۔" اول خان نے پورے وثوق سے کہا۔ "معاملہ کھٹول کا ہے اس لئے فائل درجہ بہ درجہ ایس پی، ہوم سیکریٹری، چیف سیکریٹری اور چیف ایگزیکٹو سے ہوتی ہوئی اسلام آباد جائے گی۔"

"اور کچھ ہو یا نہ ہو، وہ لوگ تاخیری حربے ضرور آزمائیں گے۔" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

"یہ نہیں ہوسکتا، امریکیوں نے اپنے اشتہار میں کھٹول کی درج کرائی ہوئی ایف آئی آر کا حوالہ دے کر اس کی گردن پھنسوانے کا پورا بندوبست کرلیا ہے۔ میٹنگ میں تمہارے اٹھائے ہوئے نکات اب ہر ذمے دار کو سوچنے پر مجبور کررہے ہیں۔"

"اس گٹھ جوڑ کو سامنے آنا ہی تھا۔ بس امریکیوں نے ذرا عجلت دکھا کر ہمارا کام آسان کردیا۔ تم یہ دیکھتے رہو کہ بقیہ کام تیزی سے نمٹتا چلا جائے۔"

"مجھے جو کچھ کرنا تھا، میں کر گزرا ہوں۔ اب معاملات سرکاری ڈھب پر چلیں گے۔ معاملے کی نزاکت کے پیشِ نظر امید ہے کہ تاخیری حربے کامیاب ہوں گے، نہ کوئی کالو مکرانی کے بیان پر قلم لگا کر اپنی معطلی اور معزولی کا خطرہ مول لے گا۔"

"ہوم سیکریٹری وہ فائل آئی جی کے منہ پر دے مارے گا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"کمزور اور خوشامدی افسروں کو اکثر ایسی تذلیل سہنی پڑتی ہے۔" اول خان بولا۔ "ڈانٹ پھٹکار سن کر ان کی کھال اتنی موٹی ہوجاتی ہے کہ اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"کالو مکرانی کا بیان بہت اہم ہے۔ وہ اسلام آباد والوں تک پہنچ گیا تو چوہدری سلام کے غبارے سے ایک دم ہوا نکل جائے گی۔ رانا کو شبہ ہے کہ وہ بھی امریکی مفادات کے لئے کام کررہا ہے۔"

"کھٹول کے کرتوت بے نقاب ہوگئے تو وہ خود بخود عتاب میں آجائے گا۔ میں یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ چوہدری سلام نے کھٹول کی بے گناہی کی کہانی سنا کر کسی نہ کسی وزیر یا سیکریٹری کی ہمدردیاں حاصل کی ہوں گی۔ اس کے بغیر کھٹول کو سندھ میں کھلی چھوٹ نہیں مل سکتی تھی۔ پول کھلنے کے بعد چوہدری سلام اپنا اعتبار کھو بیٹھے گا۔"

"اب میں یہاں ریسٹ ہاؤس میں چھپا بیٹھا ہوں۔ تم ویرا کو سمجھاؤ کہ وہ احمقانہ حرکتیں نہ کرتی پھرے۔ اس کے پہچانے جانے کے خطرات ہمیشہ بہت زیادہ رہے ہیں۔"

"مجھے سب سے بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ امریکیوں نے اپنے اشتہار میں تمہارا گمراہ کن خاکہ شائع کیا ہے۔ تم بے خوف و خطر پورے اسلام آباد میں گشت کرسکتے ہو۔ ہاں، ویرا کی بات مختلف ہے۔ وہ میرے سر پر سوار ہے۔ تم خود ہی اسے سمجھالو۔"

"کل رات تم مجھے نہیں بتا سکتے تھے کہ تم اسلام آباد جارہے ہو؟" ویرا بھری بیٹھی تھی۔ اول خان سے ریسیور لیتے ہی پھٹ پڑی۔ "میں تمہاری دُم میں کوئی نمدہ تو نہ باندھ دیتی۔"

"میرے پاس وقت کم تھا۔ میں نے غزالہ کو بتا دیا تھا۔ میں تم دونوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔"

"وہ تمہاری بیوی ہے، میں کچھ بھی نہیں ہوں۔" وہ زہریلی آواز میں غرائی۔

"اب تک تمہیں معلوم ہوچکا ہوگا کہ میں یہاں تفریح کے لئے....."

"مجھے بہت کچھ معلوم ہوچکا ہے۔" ویرا نے برہمی سے میری بات کاٹ دی۔ "وہ چڑیل ہماری اتنی دشمن ہوگئی تھی کہ مخبری کرنے خود پولیس چیف کے پاس جا پہنچی یا اب اتنی ہمدرد ہوگئی ہے کہ اس نے تمہارا خاکہ ہی الٹ ڈالا۔ میں تم دونوں کی ایسی کی تیسی کرکے رکھ دوں گی۔"

"ایف بی آئی اور سی آئی اے والے بھی یہی کرنا چاہ رہے ہیں۔" میں نے کسی طنز کے بغیر کہا۔ "تمہارے ہاتھ سے گردن کٹنے

گی تو مجھے زیادہ دکھ نہیں ہوگا۔"
"یہ یاد رکھنا کہ میرا نام ویرا ہے۔ میں اس جینی کی بچی کو دیکھ لوں گی۔"
"میری طرف سے تم اسے دڑے مارو، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "وہ میری نہیں، تمہاری دوست ہے۔"
امریکیوں کے اشتہار کی وجہ سے اس روز جینی بار بار موضوع سخن بنتی رہی۔ وہ اس سلسلے کی آخری گفتگو تھی جو ویرا سے وہیں ختم ہوگئی اور وہ میری سرگرمیوں کے بارے میں پوچھنے لگی۔
مجھے اندازہ تھا کہ اس کی کھوپڑی میں لاوا پکتا رہا تھا۔ اسے اعتدال پر لانے کے لئے میں بہت تحمل سے اس کے سوالوں کے جواب دیتا رہا۔ آخر میں جب میں نے اس سے گھر میں محدود ہو جانے کا ذکر چھیڑا تو اس نے حیرت ناک سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کرلیا۔
"ویرا ہی تمہاری دکھتی رگوں کو دبانا جانتی ہے۔ اس سے تم ٹھیک رہتے ہو۔" سلطان شاہ بولا۔
"کراچی واپس چلو پھر دیکھوں گا کہ وہ کس کی رگیں صحیح دباتی ہے۔"
"میرے ساتھ وہ فتنہ انگیزی کرتی ہے جس کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا۔ تمہارے....."
"بس!" میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کردیا۔ "اب اپنی بے سروپا باتوں سے میرا دماغ مت کھاؤ۔ ہم ایک نئے شہر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں ہم کو ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہے۔"
"اوّل تو اسلام آباد تمہارے لئے نیا نہیں ہے۔ بندروں کے ذریعے کہوٹہ کے مضافات میں جاسوسی کے جدید ترین آلات کے استعمال کو ناکام بنانے کے لئے تم نے کافی دن یہاں گزارے تھے۔"
"مجھے وہ سب یاد ہے۔ ان مضافات میں ایک یہودی، بم بردار ابابیلوں کے ذریعے کہوٹہ کی تباہی کے ناکام منصوبے پر کام کرتا رہا تھا مگر وہ حالات کچھ اور تھے۔ اس وقت ہم مقامی سیاست اور سازشوں کے دوپاٹوں کے درمیان پس رہے ہیں۔"
"دونوں پاٹ گھس گھس کر اندر سے کھوکھلے ہوچکے ہیں۔ ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا۔"
میں نے اس کی بات سنی اَن سنی کر کے خاموشی اختیار کرلی۔
میرے ذہن میں ایک نکتہ رہ رہ کر سر ابھار رہا تھا۔ کھٹومل اقلیتوں کا ایک غیر متنازع لیڈر تھا اور چوہدری سلام اپنے صوبے کے کسی حلقے سے قومی اسمبلی کا رکن تھا۔ ان دونوں کے اثر ورسوخ میں کوئی شبہ نہیں تھا لیکن ان میں سے کسی کے پاس اتنے زبردست انتظامی اختیارات نہیں تھے کہ وہ اسلام آباد میں بیٹھے بیٹھے سندھ کے ہوم سیکریٹری کو کھٹومل کی حرکتوں سے چشم پوشی اختیار کرنے پر مجبور کرسکیں۔ وہ کام کوئی بااختیار شخص ہی کرسکتا تھا۔
دیکھنا یہ تھا کہ ملک میں دانستہ یا نادانستہ طور پر ایسی لاقانونیت کو فروغ دینے والا وہ مہرہ کون تھا اور کس بنا پر چوہدری سلام سے تعاون کررہا تھا۔
دو بجے رانا سے خبر ملی کہ چوہدری سلام نے اپنے سارے تعلقات بروئے کار لاکر کھٹومل کے دلیرانہ اغوا کو پورے اسلام آباد کا مسئلہ بنا دیا تھا۔
اس نے رات گئے اپنے گھر میں لگائی جانے والی آگ کے بارے میں پوری سچائی سے کام لے کر ہر ایک کو صاف بتا دیا تھا کہ طبی عملے کے روپ میں کھٹومل کو اغوا کرنے والوں نے اس کا نام لے کر اس کے گھر والوں کو اس قدر دہشت زدہ کردیا تھا کہ اس کے سادہ لوح بیٹے نے اپنے باپ سے مزید کسی مشورے کی ضرورت محسوس کئے بغیر پندرہ بیس لاکھ روپے سے زیادہ مالیت کے قیمتی فرنیچر، قالینوں اور دوسرے سازو سامان کو محض اس خوف سے آگ لگوا دی تھی کہ کہیں ان میں کھٹومل کے زخموں کے جراثیم سرایت نہ کرگئے ہوں۔
ہر ایک سے اس کا ایک ہی سوال تھا کہ جب اسلام آباد جیسے محفوظ اور مرکزی شہر میں قومی اسمبلی کے ایک رکن کے گھر میں ٹھہرا ہوا مہمان مجرموں سے محفوظ ومامون نہیں تھا تو پھر ملک میں قانون عام شہریوں کو کس طرح تحفظ فراہم کرسکتا تھا؟
تسلی، تشفی اور دلاسوں کے سوا کسی کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔
چوہدری سلام کے من میں چور تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کھٹومل مجھ سے دہشت زدہ تھا۔ میرے ہاتھوں اس کے کئی آدمی مارے گئے تھے اور میں شنکر بن کر فون پر اسے مزید خوف زدہ کرتا رہا تھا۔ اس وجہ سے اس نے کھٹومل کے اغوا کے سلسلے میں مجرموں کا نام لیا تھا۔ کسی ادارے یا ایجنسی پر اپنے شک وشبے کا اظہار نہیں کیا تھا۔
ایس ٹی ایف ویسے بھی اپنی ہیئت میں ایک پراسرار تنظیم تھی جس کے بارے میں خود اس کے اہلکار بھی بہت زیادہ نہیں جانتے تھے۔ کسی کو بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ کھٹومل کے اغوا میں ان لوگوں نے کوئی کردار ادا کیا ہوگا۔
یہ آخری نکتہ اکبر رانا کے لئے بہت حوصلہ افزا تھا۔ بعد میں اس نے اعتراف کیا کہ کھٹومل کے اغوا کے بعد سے وہ مسلسل سوچ سوچ کر ہلکان ہوتا رہا تھا کہ کوئی بھی فیڈرل ایجنسی اس اغوا کے بارے میں براہِ راست اسٹیشن نائن سے رجوع کرسکتی ہے۔
وہ ایک الگ بات تھی کہ ایس ٹی ایف کا کوئی بھی اسٹیشن اپنے ہیڈ کوارٹرز کے سوا کسی کو جواب دہ نہیں تھا۔ اکبر رانا اس اصول کے سہارے، اپنی طرف آنے والی ہر آفت کو ٹال سکتا تھا لیکن اس کے نتیجے میں جو بدمزگی اور کشیدگی پیدا ہوتی، وہ مستقبل

FEBRUARY.99 ○SUSPENSE

میں اس کے کام میں رکاوٹوں کا سبب بن سکتی تھی۔ چوہدری سلام نے میری ذات کو اپنے ذہن میں رکھ کر ایس ٹی ایف پر سے ہر بوجھ بار ہٹا دیا تھا۔

شام کے چار بجے پہلی حوصلہ افزا خبر آئی۔ مرکزی وزارتِ داخلہ میں کراچی سے کوئی طویل پیغام فیکس پر آیا تھا اور دفاتر میں اچانک ہی پراسراری ہلچل اور نقل و حرکت شروع ہوگئی تھی۔ وہ اس دفتر کا کوئی معمول کا سلسلہ بھی ہو سکتا تھا۔ اس بارے میں اہم ترین بات یہ تھی کہ کراچی سے فیکس ملنے کے صرف نصف گھنٹے بعد ایس پی آفس کو چوہدری سلام کے ساتھ معذرت خواہانہ رویہ ترک کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

ایس پی آفس میں حالات کی رفتار پر نگاہ رکھنے کے لئے ایس ٹی ایف کے دو آدمی مامور تھے۔ انہوں نے خبر دی کہ ایس پی نے چوہدری سلام کا ایک فون سننے سے انکار کر دیا تھا۔

چوہدری سلام ایک سیاسی لیڈر ہی نہیں، فطری اور جبلّی طور پر بدمعاش بھی تھا۔ وہ اپنی کھلی توہین برداشت نہیں کرسکا۔ اپنے آدمیوں کے ساتھ ایس پی کے دفتر پہنچا تو اس کی لاف و گزاف کے باوجود عملے نے اسے دفتر سے باہر ہی روک لیا۔

شور بڑھ کر مغلظات کی حدود میں داخل ہوا تو ایس پی خود اپنے دفتر سے باہر آیا اور اس نے چوہدری سلام کو تلخ لہجے میں جھاڑ دیا۔

"چوہدری صاحب! یہ شرمناک واردات ہوئی ہے۔ ہم پوری سرگرمی سے کام کررہے ہیں۔ آپ بار بار زحمت کرکے ہماری زندگی اجیرن نہ بنائیں۔ کوئی نتیجہ برآمد ہوتے ہی آپ کو گھر پر مطلع کردیا جائے گا۔ اس وقت تک آپ وہیں آرام کریں۔"

چوہدری سلام کے کان ایسے لب و لہجے سے آشنا نہ تھے۔ وہ ہر درجے کے سرکاری ملازمین کو ذاتی خدمت گار سمجھنے کا عادی تھا۔ وہ ایس پی کی وردی اتروانے کی دھمکیاں دیتا ہوا آگ بگولا ہو کر وہاں سے نکل گیا۔

سیکریٹریٹ..... میں مرکزی وزارتِ داخلہ کا دفتر اس کی دوسری منزل تھی۔ وہ اپنی توہین کی شکایت لے کر براہِ راست وزیر یا سیکریٹری سے ملنا چاہتا تھا مگر اسے فلور پر لفٹ سے اترتے ہی دوسرا دھچکا لگا۔ اسے بتایا گیا کہ سب لوگ کسی اہم کام میں مصروف تھے۔ فلور پر بیرونی افراد کے داخلے پر پابندی تھی۔ وہ زینوں سے نیچے اترا تو اس کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

وہ کوئی تیسرا دروازہ کھٹکھٹانے کی ہمت نہیں کرسکا۔ شاید اسے نوشتۂ دیوار کچھ دھندلا دھندلا سا نظر آنے لگا تھا۔ اس بار وہ سیدھا اپنے گھر کی طرف گیا تھا۔

وہ خبریں سن کر میرا سر فخر سے تن گیا۔ پاکستان کی سرزمین پر کوئی جرم کرنا اگر آسان تھا تو پھر قانون کی بے رحم گرفت سے بچ نکلنا اسی قدر محال تھا۔ بات صرف قانون کے حرکت میں آنے کی تھی۔

بڑی مچھلیوں اور مگرمچھوں کے جرائم کے خلاف کارروائی کے لئے اجازتوں کے ذکر ہم سب سنتے آئے ہیں۔ وہ بھی مگرمچھوں کے خلاف ہونے والی ایک کارروائی تھی جس کی صحیح بنیاد ایک تھانے میں رکھی گئی تھی۔ تھانے دار راشی تھا، نہ ڈرپوک۔ اس نے جو کچھ دیکھا اور سنا، اسے من و عن ریکارڈ کرنے پر تل گیا۔ اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو اس نے حقارت سے ٹھکرا دیا۔

اس کے بنائے ہوئے کاغذوں میں سنگین حقائق کے ساتھ ٹھوس ثبوت موجود تھے۔ نچلی سطح پر صحیح خطوط پر بننے والی وہ فائل کسی کے روکے نہ رک سکی اور شاید فیکس کے ذریعے مرکزی وزارتِ داخلہ تک پہنچ چکی تھی۔

چوہدری سلام ایک مصروف اور معروف لیڈر تھا۔ اس روز ہونے والی ہوا خیزی نے اسے پریشان کردیا۔ اس کے پاس پاسپورٹ موجود تھا۔ پاسپورٹ کے صفحات پر متعدد ملکوں کے ویزے موجود تھے۔ اس نے گھر بیٹھے ٹکٹ حاصل کیا اور صرف اپنے ڈرائیور کے ساتھ چھ بجے ائرپورٹ پہنچ گیا۔

وہ سات بجے والی پرواز سے اپنی دبئی روانگی کے بارے میں اس قدر پُریقین تھا کہ اس کا ڈرائیور اسے ائرپورٹ پر اتار کر چلا گیا۔

وہ بورڈنگ کے مرحلے سے بخوبی گزر گیا۔ وہاں کام کرنے والوں میں سے بیشتر اسے جانتے تھے۔ ان سے نمٹ کر وہ امیگریشن پر پہنچا تو کئی منٹ کے صبر آزما انتظار کے بعد اس کا پاسپورٹ اسے

لوٹا دیا گیا۔ افسر نے بہت احتیاط سے متعدد کاغذات چیک کر کے اس کے پاسپورٹ پر کلیئرنس کی مہر لگانے سے معذرت کرلی تھی۔ اس بار چوہدری سلام غصے میں آپے سے باہر ہوا' نہ افسر کو گالیاں یا دھمکیاں دے سکا۔ بس پھٹی پھٹی مجروح اور بے اعتبار آنکھوں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کے قدم گویا زمین میں گڑ کر رہ گئے تھے۔ اس کے پیچھے جمع ہونے والے اس کے ہٹنے کے منتظر تھے۔

افسر نے احترام آمیز لہجے میں اسے دوسروں کے لئے جگہ خالی کرنے کی ہدایت کی اور آگاہ کیا کہ تھوڑی دیر قبل اس کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں آچکا تھا۔

میرے لئے وہ ناقابلِ یقین واقعات اور تجربات تھے جو ٹوٹ ٹوٹ کر قسطوں میں مجھ تک پہنچ رہے تھے۔ اپنے رعب اور دبدبے سے ہر ایک کے اوسان خطا کردینے والا چوہدری سلام بے بسی کے عالم میں ٹیکسی سے اپنے گھر واپس پہنچا تھا۔

اکبر رانا کا اعتماد بہت تیزی سے بحال ہوا تھا۔ اس کے دل سے ہر خوف نکل چکا تھا۔ اس کے مستعد اور ذہین ماتحت محاذ کے ہر اہم مورچے پر پھیلے ہوئے تھے اور اسے پل پل کی خبریں پہنچا رہے تھے۔

اس وقت تک وہ چہرہ سامنے نہیں آیا تھا جس نے چوہدری سلام کے ایما پر کھٹومل کو سندھ میں تحفظ فراہم کیا تھا لیکن اس وقت آنے والی خبروں سے یہ ضرور ثابت ہوگیا تھا کہ سسٹم میں گنتی کی کالی بھیڑوں کے ساتھ سرگرم اور فرض شناس اہل کاروں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی۔

سلطان شاہ بے حسی اور مستعدی کی ان دو انتہاؤں پر رہ کر حیران ہورہا تھا۔ ایک طرف یہ عالم تھا کہ ایک اعلیٰ عہدے دار خود کھٹومل کی وکالت کرکے ہر ایک کو اس کی طرف سے چشم پوشی برتنے پر مجبور کررہا تھا۔ دوسری طرف اسی اعلیٰ عہدے دار کے ہاتھوں سے گزر کر کچھ ایسا مواد اسلام آباد پہنچ چکا تھا جس کی روشنی میں چوہدری سلام پر دھیرے دھیرے ہر در بند ہوتا چلا جارہا تھا۔

"میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا۔" ائرپورٹ سے چوہدری سلام کی واپسی کی خبر سننے کے بعد سلطان شاہ بول پڑا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ کوئی الٹا جادو چل پڑا ہے۔"

"یہ الٹا جادو وادو نہیں' سیدھا سادہ مکافات کا عمل ہے۔" میں نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر کہا۔ "کبھی کبھی اس میں تاخیر ضرور ہوجاتی ہے مگر یہ اپنا رنگ ضرور دکھاتا ہے۔"

"جہاں کاغذ ایک سے دوسری میز تک پہنچنے میں ہفتوں کا وقت لے لیتا ہو' وہاں ایسی حیرتناک تیزی ناقابلِ یقین ہے۔ صبح وہ پورے شہر میں بنکارتا پھر رہا تھا۔ اب کسی پر کٹے بلبل کی طرح اپنے گھر میں جا گھسا ہے۔"

"اس نے تو اپنی بے توقیری دیکھ لی ہے۔ اب وہ فون پر مصروف ہوگا۔"

"اس کا نام اتنی سرعت سے ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں آیا ہے کہ خود اسے بھی یقین نہیں آسکا ہوگا۔ اس حالت میں ہر ایک اس سے کترائے گا۔ وہ فون پر شاید ہی کسی سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوسکے۔" سلطان شاہ نے ترحم آمیز لہجے میں کہا۔

"ابھی کوئی بات طے نہیں ہے۔ پانسا پلٹ بھی سکتا ہے۔ جو لوگ اونٹ پالتے ہیں' وہ اپنے دروازے بھی اونچے رکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ فرار کے لئے اپنے خفیہ رابطوں کی تلاش میں ہو۔"

"اس کی نگرانی ہونی چاہیے۔" سلطان شاہ مضطربانہ لہجے میں بولا۔ "اگر وہ نکلنے میں کامیاب ہوگیا تو ہماری یہ ساری بھاگ دوڑ برباد ہوجائے گی۔"

"یہ نہ بھولو کہ تم کھٹومل کے پیچھے یہاں آئے تھے۔ وہ ہمارے قبضے میں ہے۔" اکبر رانا نے ہنس کر اسے یاد دلایا۔ "چوہدری سلام گرفت میں آگیا تو یہ اس کی بدقسمتی ہوگی۔"

"تو کیا تمہیں اب بھی اس کے پکڑے جانے میں شبہ ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"چکنی مچھلیاں اکثر ہاتھ آکر پھسل جاتی ہیں۔ شکار وہی کہلاتا ہے جو جھولی میں پہنچ جائے۔"

"مجھے واقعات میں اتنی تیزی کی امید نہیں تھی۔ چند گھنٹوں میں سب کچھ ہوگیا۔" میں نے کہا۔

"کراچی میں اول خان نے سرتوڑ کوششیں کی ہوں گی۔" رانا نے خیال ظاہر کیا۔ "وہاں سے مواد اسلام آباد نہ آتا تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ہر شخص چوہدری سلام کے دباؤ میں رہتا۔"

"چوہدری سلام کے بال و پر کاٹے جاچکے ہیں۔ کل تک کھٹومل ...کے بارے میں بھی حالات واضح ہوجائیں گے۔ پھر ہم کیا کریں گے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"میں سمجھا نہیں کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔" رانا نے الجھن سے کہا۔

"کھٹومل کو اغوا تو کرلیا۔ اب واپس کیسے لاؤ گے؟" میں نے اپنی بات واضح کردی۔

"ابھی تک جو پوزیشن ہے وہ ہمارے حق میں ہے۔ کراچی والوں کو کھٹومل سے دور رہنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ ہم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ ہم اسے باضابطہ طور پر پولیس کی تحویل میں دے سکتے ہیں۔"

"سوچ لو اور اپنے بڑوں سے مشورہ کرلو۔ یہ معاملہ بہت اونچی سطح تک چلا گیا ہے۔ کھٹومل ضرور سزایاب ہوجائے گا مگر ایس ٹی ایف موضوعِ سخن بن جائے گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ان معاملات میں چوہدری سلام بھی ملوث ہے۔ ایس ٹی ایف کا نام اسمبلی میں پہنچ گیا تو اس کی رازداری

تباہ ہو جائے گی۔"

"یہی نہیں، پوری فورس کی بقا بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ فورس کس قانون کے تحت اور کس نے بنائی ہے؟ اسے فنڈز کہاں سے ملتے ہیں؟ اس کا دائرۂ کار کیا ہے؟ نام اچھلتے ہی بے شمار ٹیڑھے سوال سر اٹھائیں گے۔ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا۔"

"تمہاری نگاہیں دور رس ہیں۔ یہ باریکیاں میرے گمان میں بھی نہیں تھیں۔ مجھے اوپر ہی سے کوئی ہدایت لینی ہوگی۔ ایک مجرم کے لئے پوری فورس کی بقا کو داؤ پر نہیں لگایا جا سکتا۔"

"اسے اِدھر اُدھر گھمانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" سلطان شاہ نے بیزاری سے کہا۔ "آزاد علاقے میں ہی مارو اور کہیں دبا دو۔ کچھ عرصے تک اس کی تلاش جاری رہے گی۔ وقت گزرنے کے ساتھ لوگ رفتہ رفتہ اسے بھول جائیں گے۔"

"نہیں۔" رانا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اول خان نے اسے زندہ رکھنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کی ابدی روپوشی کے سنگین نتائج بر آمد ہو سکتے ہیں۔ وہ مجرم سہی مگر ایک مقبول اقلیتی لیڈر ہے۔ اسے عدالت سے ہی سزایاب ہونا ہے۔ کس طرح؟ یہ اوپر والے بتائیں گے۔"

"میری دانست میں اسے واپس لانے کا ایک ہی طریقہ ممکن ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تم بتا دو۔ میں اپنے چیف کو تمہاری رائے سے بھی آگاہ کر دوں گا۔"

"آدم خان کے آدمیوں کے سوا کوئی بھی قبیلہ اسے اپنے علاقے کے پولیٹیکل ایجنٹ کے حوالے کر دے۔"

"جواز کیا ہوگا؟" رانا نے میری تجویز میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بے ہوش اور زخمی حالت میں کہیں بھی پڑا ہوا مل سکتا ہے۔"

"بالکل۔" سلطان شاہ نے میری تائید کی۔ "یہی سمجھا جائے گا کہ کچھ لوگ تاوان وغیرہ کی امید میں اسے اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔ راستے میں انہیں اندازہ ہوا کہ وہ غلط آدمی کو اٹھا لائے ہیں یا اس کے وارثوں سے تاوان کی رقم نہیں مل سکے گی۔ انہوں نے اسے پھینک دیا۔"

سلطان شاہ کے کہے ہوئے ہر لفظ کے ساتھ رانا کی آنکھوں میں چمک بڑھتی چلی گئی۔ وہ اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوا تو رانا بولا۔ "میں چیف سے ضرور بات کروں گا مگر مجھے تمہاری تجویز مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں وہ کسی پر الزام تراشی

نہیں کر سکے گا۔"

میرے ذہن میں یہ بات پہلے سے موجود تھی کہ اکبر رانا' کھٹومل کے اغوا کے بعد تحفظ کے سلسلے میں بہت فکر مند تھا۔ یہی صورت اول خان کے ساتھ تھی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا کہ کھٹومل کو عارضی امانت کے طور پر آدم خان کے آدمیوں کے حوالے کیا گیا تھا۔ وہ اسے جتنے دن اپنی تحویل میں رکھتے' مہمان کے طور پر رکھتے۔ کھٹومل کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ تاوان کے سوا کسی اور مقصد کے لئے آزاد علاقے میں پہنچایا گیا تھا۔

"کھٹومل کے ساتھ اب چوہدری سلام بھی ہماری لسٹ پر آ گیا ہے تو اس کے خلاف بھی کچھ کام شروع ہو جانا چاہیے۔" میں نے رانا کو مشورہ دیا۔

"حکم کرو۔ جو چاہتے ہو اسی پر عمل شروع کر دیا جائے گا۔" اس نے فوراً کہا۔

"یہ پتا چلاؤ کہ چوہدری سلام چار آدمیوں کے ساتھ کل اتنی رات گئے گجرات کیوں گیا تھا؟ اس کا پچھلی رات کا سفر میری نگاہوں میں کھٹک رہا ہے۔"

"تم کہہ رہے ہو تو خیال آ رہا ہے کہ لوگ رات کے وقت اسلام آباد اور لاہور کے درمیان سفر سے گریز کرتے ہیں کیونکہ ٹرکوں کا رش زیادہ ہوتا ہے۔ بعض خطرناک مقامات پر ٹرکوں کی تیز روشنیاں کار چلانے والوں کو بالکل اندھا کر دیتی ہیں۔" رانا بولا۔

"مجھے پورا یقین ہے کہ کھٹومل خود ہی چوہدری سلام کے خلاف بہت کچھ اگل دے گا لیکن ہمیں بھی کہیں نہ کہیں مصروف رہنا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"یہاں بظاہر کوئی زیادہ کام نہیں ہے۔ اکبر سمجھ دار آدمی ہے۔ میں ابھی اسے گجرات روانہ کئے دیتا ہوں۔ کل تک وہ بہت کچھ معلوم کر کے لوٹ آئے گا۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ آج کا کام کل پر چھوڑنا میری سرشت میں نہیں تھا۔

رانا کو دو کام مل گئے تھے۔ اکبر کی گجرات روانگی اور کھٹومل کی واپسی کے بارے میں اپنے چیف سے مشورہ۔ وہ اٹھ کر اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔

"برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں جو صبح سے میرے دماغ میں پھانس بن کر چبھ رہی ہے۔" رانا کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے تخلیے میں مجھ سے کہا۔

"تم نے سوال نہ کیا تو یہ پھانس رات بھر میرے دماغ میں چبھتی رہے گی۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "جو پوچھنا ہے' جلد از جلد پوچھ ڈالو!"

"ہمیں اسلام آباد آئے ہوئے چوبیں گھنٹے ہونے والے ہیں۔ ایس ٹی ایف کا چیف اسی شہر میں ہے۔ اس نے ابھی تک تم سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟"

وہ سوال میرے ذہن میں بھی ابھر چکا تھا۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا پھر بھی میں نے اس کا دل رکھنے کے لئے کہا۔ "اس کی اپنی کوئی مصلحت یا مجبوری ہو سکتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو' اسے فون کر کے معذرت ہی کر لینی چاہیے تھی۔ میں رانا سے پوچھوں گا۔"

"رانا سے ذکر بھی نہ کرنا۔ یہ معمولی سی بات بلاوجہ اہم بن جائے گی۔"

"معمولی نہیں' میرے نزدیک یہ بہت اہم بات ہے۔" اس نے قدرے تیزی سے کہا۔ "آدمی عزت کے لئے ہی اپنی جان لڑاتا ہے۔ عزت نہ ملے تو سب بیکار ہے۔"

"تمہاری دانست میں عزت صرف اسی کے دینے سے ملے گی؟ کیا یہ کافی نہیں کہ رانا تمہارے سامنے بچھا جا رہا ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میں اسی کی وجہ سے چپ ہوں ورنہ اب تک تم سے واپسی کا مطالبہ کر چکا ہوتا۔"

"تمہارا دل بہت چھوٹا ہے اسی لئے ذرا ذرا سی بات پر ویرا سے لڑ پڑتے ہو۔ تم یہ بات کیوں بھول جاتے ہو کہ ہم آرمی' نیوی یا ایس ٹی ایف کے لئے کام نہیں کر رہے۔ اپنے مشن کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ہیروئن کے حوالے سے ہم کھٹومل کے پیچھے لگے تھے لیکن دیکھ لو کہ جہانگیر کی رنگین مزاجی کے بہانے ہم نے اس کا دوسرا چہرہ بھی دیکھ لیا۔"

"تمہارا بڑا دل تم ہی کو مبارک ہو۔ میں چھوٹا آدمی ہوں اور چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے سہارے ہی زندہ رہتا ہوں۔ زندگی میں یہ بھی نہ ملیں تو زندہ رہنے کا فائدہ؟"

میں مسکرا کے رہ گیا۔ سلطان شاہ کی بعض باتیں بہت سادہ مگر دل نشین ہوتی تھیں جن سے میں اسی طرح محظوظ ہوا کرتا تھا۔

سوا آٹھ بجے کے قریب رانا واپس آیا۔ اس کے آتے ہی خدمت گار نے میز پر کھانا لگانا شروع کر دیا۔ اس بار میں بولے بغیر نہ رہ سکا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ شخص تم کو بتا کر یا تم سے پوچھ کر ہمارے لئے میز لگاتا ہے....."

"تمہارا پہلا خیال درست ہے۔" اس نے مسکرا کر میری تائید کی۔ "میں نے اسے ہدایت کی ہوئی ہے کہ میں دفتر میں موجود ہوں تو یہ مجھے تمہارے خورونوش کے اوقات سے آگاہ کرتا رہے تاکہ میں میزبانی کے تھوڑے بہت فرائض انجام دے سکوں۔"

"میزبانی تو خوب ہو رہی ہے مگر اصل میزبان کا دور دور تک پتا نہیں ہے۔" سلطان شاہ کو رانا کے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔

"اوہ!" اکبر رانا اس کا اشارہ فوراً ہی سمجھ گیا۔ "چیف کہیں مصروف ہے۔ کل سے میرا اور اس کا فون پر بھی رابطہ نہیں

ہوسکا۔"

"پھر کھٹومل کی واپسی کے بارے میں تم نے کیا طے کیا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے پیغام چھوڑ دیا ہے۔ دس منٹ بعد چیف شاید یہاں کے نمبر پر فون کرے گا تو بات ہوگی۔ میں اکبر کو گجرات کے لئے روانہ کر آیا ہوں۔ وہ پہلی کوچ سے نکل جائے گا۔"

اکبر سے اس کے اہل و عیال کے بارے میں سرے سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ پنڈی یا اسلام آباد ہی میں رہتا تھا لیکن اول خان کی طرح وہ بھی اپنے کام کو گھریلو ذمے داریوں پر ترجیح دیتا تھا۔

اس وقت خاصی دیر ہو چکی تھی۔ اپنے چیف سے مشورے کے لئے اسے مزید کچھ دیر دفتر ہی میں رکنا تھا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوگیا۔

کھانے کے درمیان باتوں کا دور بھی چلتا رہا۔ اسے اپنے آدمیوں کی طرف سے مزید کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ بس اتنا بتایا گیا تھا کہ وزارتِ داخلہ کے بعض اہم دفاتر اس وقت بھی آباد تھے۔ ان دفاتر میں ہونے والی سرگرمیوں سے اس کے آدمی بے خبر تھے۔

ہم تینوں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد چائے نوشی میں مصروف تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور رانا نے ہی اٹھایا اور اس میں لیس سر کہنے کے بعد ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں۔" دوسری طرف سے اول خان کے چیف کی ندامت آمیز آواز آئی۔ "پچھلی رات سے اب تک تم سے ملنے کے لئے نہیں آسکا۔"

"کوئی حرج نہیں۔" میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔ "یہی کافی ہے کہ تم کو میرا خیال ہے۔ اب کام سے نمٹ کر ہی ملاقات بہتر رہے گی۔"

"کراچی میں اول خان ایڑی چوٹی کا زور لگا تا رہا' یہاں میں خود کیس کے پیچھے لگا ہوا ہوں تب کچھ نتائج سامنے آئے ہیں۔ آج رات کراچی میں کالو مکرانی اور اس کے ساتھی کی گرفتاری کا پریس ریلیز جاری ہوجائے گا جس میں کھٹومل کا ذکر بھی ہوگا۔"

"گڈ!" وہ خبر سن کر میں واقعی خوش ہوگیا۔ "یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔"

"کچھ کام ہوگیا ہے۔ بہت سا کام باقی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کل کسی وقت میں فارغ ہو جاؤں گا۔ پینے پلانے کے لئے کوئی خواہش محسوس کرو تو رانا کو بلا تکلف بتا دینا۔ وہ بندوبست کر دے گا۔ آج کل ریسٹ ہاؤس میں کچھ نہیں رہتا۔"

میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "اب روزِ ابر و شبِ ماہ تاب والی بات رہ گئی ہے۔ تم آؤ گے تو دیکھا جائے گا۔"

"تم یقین کرو کہ میں تم سے ملنے کے لئے بے تاب ہوں لیکن یہ بہت گندہ اور جان لیوا کیس ہے۔ تم نے اس میں قدم قدم پر کمال دکھائے ہیں۔ میں تمہاری اس محنت کو پوری طرح بار آور بنانے کی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔"

اس کے ایک ایک لفظ سے خلوص کی بو آرہی تھی۔ سلطان شاہ نے اس کی طرف سے میرے دل میں جو غبار بھرا تھا' وہ چند ہی لمحوں میں زائل ہوگیا۔

اس سے بات ہونے کے بعد پتا چلا کہ اسلام آباد والوں پر کارکردگی دکھانے کا دورہ از خود نہیں پڑا تھا۔ ایس ٹی ایف کا سربراہ بذاتِ خود اس کیس کی پیروی کر رہا تھا۔ اس نازک معاملے میں اپنے ماتحتوں کو پس منظر میں رکھ کر خود سازشی افراد کے خلاف سینہ سپر ہو جانا بڑی ہمت اور جرات کا کام تھا۔

چیف سے کوئی یہ سوال کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا کہ چوہدری سلام کے گھر سے کھٹول کو اٹھانے والے کون تھے۔

مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ بہت مصروف تھا' اس کے پاس وقت کی کمی تھی۔ میں نے اس سے کھٹول کی واپسی کے بارے میں کوئی بات نہیں چھیڑی کیونکہ اس نے دورانِ گفتگو میں ہی بتا دیا تھا کہ میرے بعد وہ رانا سے کچھ بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"سر! ہم ان سب مسائل پر غور کر چکے ہیں۔" اپنے چیف کی گفتگو سن لینے کے بعد رانا نے کہا۔ "فورس کو اس قضیے سے الگ تھلگ رکھنے کے لئے کرنل جمال دستی ایک رائے رکھتے ہیں۔"

دوسری طرف سے اجازت ملتے ہی رانا نے میری بتائی ہوئی تجویز دہرانی شروع کر دی۔ اس کی بات مکمل ہونے کے اگلے ہی لمحے گفتگو ختم ہوگئی اور اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

اپنی تمام تر مصروفیات اور عجلت کے باوجود اس نے مجھ سے خاصی طویل گفتگو کی جس کے خاتمے پر میں نے ریسیور رانا کو لوٹا دیا۔

رانا نے فون پر نہایت ادب سے کھٹول کی واپسی کا معاملہ بیان کر ڈالا۔ وہ خاصی دیر تک اپنے چیف کا جواب سنتا رہا جو شاید اطمینان بخش نہیں تھا۔

"چیف نے تمہاری تجویز سنتے ہی منظوری دے کر فون بند کر دیا۔" اس نے خوش ہو کر مجھے بتایا۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ چیف سے تمہاری اتنی بے تکلفی ہوگی۔ وہ تمہارے لئے اسکاچ وغیرہ کا بندوبست کرنے کے لئے بھی کہہ رہے تھے۔"

"نہیں' جب خواہش ہوئی' میں تمہیں خود بتا دوں گا۔" میں نے کہا۔

"کھٹول کی واپسی کے سلسلے میں کیا کیا جائے؟" چند ثانیوں

بعد اس نے پوچھا۔

"طریقہ طے ہوچکا ہے لیکن عمل وقت پر ہی کیا جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ ہدایت دینے کے بعد اس کی واپسی میں کتنا وقت صرف ہوگا۔ یہاں سے پشاور اور پھر وہاں سے آزاد قبائلی علاقے کا فاصلہ خاصا طویل ہے۔ قاصد کو وہاں تک پہنچنے میں ہی آدھا دن لگ جائے گا۔"

"وہ سب پرانی باتیں ہیں۔" رانا نے بے پروائی سے کہا۔ "افغانستان کی لڑائی سے جہاں پاکستان میں ہیروئن اور ہتھیاروں کا سیلاب آیا ہے وہیں مواصلاتی آلات بھی آئے ہیں۔ سب کیمپ غیر قانونی وائرلیس ٹرانسمیٹرز کے ذریعے آپس میں مربوط ہیں۔"

"پیغام فوراً پہنچ جائے گا۔" میں نے تسلی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "اور اس کی رہائی میں کتنا وقت لگے گا؟ وہ پنڈی کب تک آجائے گا؟"

"سب کام اسی تیزی سے ہوں گے جس تیزی سے آج ہوئے ہیں۔ ایک گھنٹے میں وہ پشاور پہنچ سکتا ہے۔ پرواز مل گئی تو مزید ایک گھنٹا رکھ لو۔"

"کل صبح کارروائی کا آغاز ہوا تو وہ دوپہر یا زیادہ سے زیادہ شام تک یہاں آجائے گا!" میں نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔ اس کا جواب اثبات میں تھا۔

تقریباً سب کچھ طے ہوگیا تھا۔ وہ صبح سویرے ملاقات کا وعدہ کرکے ہم سے رخصت ہوگیا۔

میں ریسٹ ہاؤس کے فون پر فورس کے چیف سے بات کرچکا تھا لیکن اول خان سے رابطہ کرنے پر طبیعت مائل نہیں ہورہی تھی۔ فون پر کسی گڑبڑ کا اندیشہ میرے ذہن کے کسی گوشے میں چھپا بیٹھا تھا۔ میری خواہش تھی کہ اول خان جہانگیر کے گھر سے دوبارہ مجھ سے رابطہ کرے تو میں اسے تازہ ترین خبروں سے آگاہ کرکے کراچی کے بارے میں کچھ دریافت کرسکوں۔

اول خان اپنے چیف کی طرح نہ جانے کن مسائل میں الجھا ہوا تھا کہ اس کا فون نہیں آیا اور اسی انتظار میں نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح بیدار ہوتے ہی میں نے اخبارات پر چھلانگ لگائی اور متعدد اخبارات میں سے چھانٹ کر کراچی کا اخبار نکال لیا جو رانا نے شاید میری پسند کے پیشِ نظر منگوایا تھا۔

صفحۂ اول کی ذیلی سرخی کلفٹن کے سانحے کے دو ملزموں کی گرفتاری اور ان کے سنسنی خیز انکشافات کے بارے میں تھی۔ میں نے اضطراری انداز میں سگریٹ سلگائی اور میز کے گرد ایک کرسی پر بیٹھ کر پوری خبر کا مطالعہ شروع کردیا۔

اصل خبر پولیس ہینڈ آؤٹ کے حوالے سے تھی۔ اس میں اقرار کیا گیا تھا کہ کالو مکرانی نے چھ افراد کے قتل کے سانحے کا روحِ رواں کھٹومل کو قرار دیا تھا جس کے دو اہم گرگے اس واردات میں مارے گئے تھے۔

اس پریس ریلیز میں ملزمان میں سے کسی کا پورا بیان شامل نہیں تھا۔ چیدہ چیدہ نکات جمع کرکے ایک جامع خبر بنالی گئی تھی۔ خبر کے آخر میں وضاحت کی گئی تھی کہ مزید تفتیش کے لئے پولیس کھٹومل کو شہر میں تلاش کررہی تھی۔

اس بڑی خبر کے نیچے اخبار نے اپنے ذرائع سے مزید کئی ذیلی خبریں شائع کی تھیں۔ ایک خبر کا عنوان تھا۔ "کھٹومل کہاں روپوش ہے؟"

ایک طرف پولیس کی بے خبری کا یہ عالم تھا کہ وہ ضابطے کی کارروائی پوری کرنے کے لئے کھٹومل کو شہر میں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ دوسری طرف اخبار اپنے ذرائع سے اس کی اسلام آباد میں موجودگی اور پھر وہاں سے پُراسرار اغوا کی خبر دے رہا تھا۔

اخبار نے کھٹومل کی مضبوط مالی حیثیت اور بے پناہ اثر ورسوخ کے حوالے سے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ اس کے اغوا کی اطلاع روپوشی کا کوئی ڈراما بھی ہوسکتی ہے۔ ممکن ہے کہ اسے اپنے ذرائع سے آنے والے برے وقت کی خبر مل گئی ہو اور اس نے قانون کی گرفت سے بچنے کے لئے خود ہی اپنے اغوا کا ڈراما رچا کر کہیں روپوشی اختیار کرلی ہو۔

اس ضمن میں اس کے گہرے دوست چوہدری سلام کی طرف سے اسلام آباد میں درج کرائی جانے والی ایف آئی آر کا بھی حوالہ دیا گیا تھا جو اخبار کے اندازے کے مطابق ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کی کوشش کہی جاسکتی تھی۔

کھٹومل ان واقعات سے پہلے بھی فرشتہ صفت نہیں رہا تھا لیکن بے نقاب نہیں ہوا تھا۔ دہشت گردی کے واقعے میں باقاعدہ طور پر اس کے ملوث ہونے کے بعد اخبار میں اسے آڑے ہاتھوں لیا گیا تھا۔

کھٹومل کے گھر ہونے والی تقریب میں ڈکیتی کی نام نہاد واردات نے بھی اخبارات میں جگہ پائی تھی۔ اس کی اہمیت یوں بھی بڑھ گئی تھی کہ اس واردات میں دہشت کے باعث دل کا دورہ پڑنے کے سبب ایک معمر مہمان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

اخبار نے سوال اٹھایا تھا کہ کلفٹن میں بارود اور خون کی ہولی کے اسباب مہیا کرکے کھٹومل نے اپنے گھر محفلِ طرب ونشاط سجا کر کیا مقصد حاصل کرنا چاہا تھا اور اس تقریب کو برباد کرنے والے کون لوگ تھے۔

اس ڈکیتی کی ایف آئی آر اور اس بارے میں ہونے والی پیش رفت بھی اخبار کے کھوجی نامہ نگار سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی۔ ایف آئی آر کا اندراج، تفتیش، خود کھٹول کی خواب گاہ سے ڈکیتی کا مال برآمد ہونا، تقریب کے شرکا کا اپنی قیمتی اشیا کو پہچان لینا اور پھر اچانک سب کچھ ختم کر دیا جانا۔ یہ تمام تفصیلات اخبار کے ریکارڈ پر آ گئی تھیں۔

صرف دو پہلو ان خبروں کی زد میں آنے سے بچ گئے تھے۔ ان میں پہلا کھٹول کے بزدلانہ فرار کا واقعہ تھا، دوسرا اس کیس کے سلسلے میں آف دی ریکارڈ بریفنگ کا انعقاد۔

ان دو نکات کو چھوڑ کر اخبار نے ہر اعتبار سے کھٹول کی شخصیت کے چیتھڑے اڑا کر رکھ دیے تھے۔ اس کے خلاف چھاپا جانے والا وہ مواد اسے کسی بھی عدالت سے سزایاب کرانے کے لئے اسی صورت میں کارآمد ثابت ہو سکتا تھا جب ان کی تصدیق کے لئے ثبوت فراہم کیے جاتے۔

ثبوت فراہم کرنے کی ذمے داری جن افراد اور اداروں کی تھی، ان کی کارکردگی میں قریبی معاونت کے لئے ایس ٹی ایف کے فرض شناس اہلکار پہلے ہی میدان میں اترے ہوئے تھے۔

ایک حاشیے میں یہ خبر بھی موجود تھی کہ اسلام آباد میں کھٹول کے میزبان اور ممتاز سیاسی رہنما چوہدری سلام کو پچھلی شام ملک سے باہر جانے سے روک دیا گیا کیونکہ اس کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل ہو چکا تھا۔

چوہدری سلام کے بارے میں زیادہ تفصیلی اور سنسنی خیز مواد لاہور کے اخبار نے شائع کیا تھا۔ اخبار نے اس کے بیرونِ ملک سفر سے روکے جانے کو کھٹول کیس کا شاخسانہ قرار دیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے ماضی کے سفر کا خلاصہ بھی بیان کر دیا گیا تھا جو اس نے موٹر مستری کے روپ میں لاہور کے ایک فٹ پاتھ سے شروع کیا تھا۔

دونوں مجرم بہت بری طرح اور اچانک ہی قانون کے شکنجے میں آئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے اعمال کی معقول سزا سے کسی صورت میں نہیں بچ سکیں گے۔ ان کے خلاف کالو مکرانی ہمارا سب سے مضبوط ہتھیار تھا۔ میں اخبارات میں اپنے مطلب کی خبریں چھانٹنے میں مصروف تھا کہ اکبر رانا آ پہنچا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ دن تمہارے عروج کے ہیں۔ تمہاری زبان سے نکلی ہوئی ہر بات لفظ بہ لفظ درست ثابت ہوتی چلی آ رہی ہے۔" اس نے آتے ہی مسرت سے اطلاع دی۔

"کیوں؟ اب میں نے کیا کہہ دیا؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"اکبر ابھی گجرات میں ہی رکا ہوا ہے۔ اس نے مجھے فون پر اطلاع دی ہے کہ پرسوں رات چوہدری سلام بیس کلو ہیروئن کا کارٹن گجرات پہنچانے گیا تھا۔ راستے میں چھان بین اور تلاشی سے بچنے کے لئے وہ گجرات تک خود ہی مال لے کر جاتا ہے تاکہ ضرورت پڑنے پر اپنی سیاسی شخصیت سے ناجائز فائدہ اٹھا سکے۔" رانا نے مجھے بتایا۔

"حیرت ہے کہ اکبر نے یہ باتیں اتنی آسانی سے معلوم کر لیں!"

"اس نے صرف یہ سراغ لگایا کہ چوہدری سلام گجرات میں کہاں گیا تھا۔ باقی باتیں خود بخود سامنے آ گئیں۔ اس کے میزبان کے گھر سے غلام علی نامی ایک بدمعاش وہ کارٹن لے گیا تھا۔ غلام علی گجرات سے لاہور تک ہیروئن کا ایک بدنام سپلائر ہے۔ دو اور دو کی طرح ایک فیصلہ کر کے اکبر غلام علی کے گھر جا پہنچا۔ وہ ایکسائز افسر کے روپ میں گیا تھا۔ تمہیں یہ سن کر مزید حیرت ہوگی کہ غلام علی نے اسے اپنی زبان بند رکھنے کے لئے دس ہزار کی رشوت دی ہے۔"

ہیروئن..... ہیروئن..... ہیروئن! میرا دماغ چکرا کر رہ گیا۔ ہر بڑی برائی کے پردے میں ہیروئن ناچ رہی تھی۔ پاکستان سے امریکا تک اور امریکا سے پاکستان تک، بیشتر اور بڑے بڑے بدمعاشوں کی جیب میں ہیروئن کا سرمایہ گل کھلا رہا تھا۔

نام بدلے ہوئے تھے، کردار سب کے سب وہی تھے۔ راس المیڈا، آئزک بیل، کھٹول اور چوہدری سلام۔ ان سب کی آرزوئیں اور خواہشیں یکساں تھیں، آمدنی کے ذرائع ایک جیسے تھے اور شاید زندہ رہ جانے والوں کا انجام بھی یکساں ہی ہونا تھا۔

فون کی گھنٹی کی تیز آواز نے مجھے چونکا دیا۔ اس بار رانا کو اپنے چیف کی کال کا انتظار نہیں تھا اس لئے اس نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی۔ میں نے بڑھ کر ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے اول خان کی بجھی بجھی آواز سن کر میرا دل دھک سے رہ گیا۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان معلوم ہو رہے ہو۔" میں نے سنبھل کر پوچھا۔

"بات ہی کچھ ایسی ہے۔" اس کی آواز میں مزید آزردگی سمٹ آئی۔ "آج صبح سویرے کالو مکرانی کو پولیس سے سی آئی اے کی تحویل میں منتقل کرتے ہوئے نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں مار دیں۔"

میرے کان سن ہو گئے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آواز کسی بہت گہرے اندھے کنوئیں کی تہ سے آ رہی ہو۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

لگالیا۔ اول خان نے سلطی سے ریوالور جھپٹا تو وہ شرمندہ ہو کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ اسی وقت فون پر جہانگیر نے اطلاع دی کہ اس کی دکان کے باہر دو بدمعاش موجود ہیں۔ اول خان اور سلطان شاہ کو کھنول کی تلاش میں حیدر آباد روانہ کرکے میں ایس ٹی ایف کے آدمی کے ساتھ جہانگیر کی مدد کو پہنچ گیا۔ ان میں سے ایک بدمعاش کالو مکرانی کسی زمانے میں جہانگیر کے ساتھ کام کرچکا تھا۔ اب وہ جہانگیر کے ذریعے میرا کھوج لگا کر انعام کی بھاری رقم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں بدمعاشوں کو اسٹیشن فورلے آئے جہاں ان پر تشدد کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکمادے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کردیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورت حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کردی۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کھنول کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اغوا کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچادیا۔ کھنول کے سلسلے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہوگئے۔ کالو مکرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنادیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کھنول کا پشت پناہ چوہدری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے فون کرکے بتایا کہ کالو مکرانی کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں ماردیں۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

کالو مکرانی، کھٹول کے خلاف ہمارا اکلوتا اور مضبوط گواہ تھا۔ ایس ٹی ایف والے اس بارسوخ مجرم کو قانون اور انصاف کے تقاضوں سے ماورا کوئی سزا دینے کے لیے تیار نہیں تھے جب کہ کھٹول کو کسی بھی عدالت سے سزایاب کرانے کے لیے اس کے خلاف گواہوں کی موجودگی ضروری تھی۔

اول خان کی زبان سے کالو مکرانی پر ہونے والے قاتلانہ حملے کی خبر سن کر چند ثانیوں کے لیے میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کھٹول اپنے ہونٹوں پر زہر میں بجھی ہوئی ایک طنزیہ مسکراہٹ لیے، دور کھڑا انگوٹھا دکھا رہا ہو۔

"اسے ہلاک کرنے والے کون لوگ تھے؟" ابتدائی ذہنی جھٹکے سے سنبھل کر میں نے پوچھا۔

"وہ مرا نہیں، بری طرح زخمی ہوا ہے۔" اول خان نے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس پر فائرنگ کا ذکر کیا تھا۔ ایک گولی اس کی گردن میں لگی ہے۔ دوسری بازو میں پیوست ہوئی ہے۔ دو موٹر سائیکلوں پر سوار حملہ آور بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔"

"اس کی حالت تشویش ناک تو نہیں ہے؟" میں نے متفکرانہ لہجے میں پوچھا۔

"ڈاکٹر اس کی جان بچانے کی سرتوڑ کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔" اول خان کی آواز گمبھیر تھی۔ "گردن میں لگنے والی گولی ریڑھ کی ہڈی تک پہنچنے والے اعصاب کو بس چھوتی ہوئی گزری ہے۔ ان اعصاب اور عضلات کو ذرا بھی زیادہ نقصان پہنچتا تو وہ گولی لگتے ہی ہلاک ہوسکتا تھا۔"

وہ تفصیل خاصی تسلی بخش تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ اول خان کے آخری فقرے بہت امید افزا تھے۔

"کالو مکرانی کو پولیس سے سی آئی اے کی تحویل میں منتقل کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟" قیدی کی زندگی کی امید پیدا ہوتے ہی میرے ذہن میں دوسرے نکات سر ابھارنے لگے۔

"کالو مکرانی کی جان کی حفاظت کے لیے یہ ہدایت براہِ راست آئی جی نے جاری کی تھی۔"

وہ ابتدا سے ہی خود کو کھٹول کا خیر خواہ ثابت کرتا چلا آرہا ہے۔" میں نے غصے سے کہا۔ "میں دعویٰ کرتا ہوں کہ کالو مکرانی کو راستے سے ہٹانے کی سازش میں وہ بھی شریک تھا۔"

"میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔ اس سے بھی ذرا بڑھ کر میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ آئی جی نے اس کو ایک اصول پرست اور باضمیر ایس ایچ او کے چنگل سے نکالا ہے۔ کیس کی تفتیش سی آئی اے کو منتقل ہوتے ہی تفتیشی افسر بھی بدل جاتا۔" اول خان بولا۔

"یہ بہت دور کی بات ہوتی۔ پہلی اور بنیادی کوشش کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ اسے لاک اپ سے نکال کر کھلی فضا میں لایا گیا جہاں پہلے سے موجود حملہ آوروں نے گھات لگا کر اس پر گولیاں برسادیں۔ ایسے اچانک اور مہلک حملے میں اس کا بچ جانا کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔"

"واقعات اتنی تیزی سے رونما ہورہے ہیں کہ اب کوئی بھی ان سے چشم پوشی کرکے سارا الزام اپنے سر لینے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس خوشامدی آئی جی نے اپنے کسی اعلیٰ افسر کو خوش کرنے کے لیے معمول کے مطابق اس کے ٹیلی فون کے مطابق عمل کیا ہوگا۔ یہ اندر کی کہانی ہوسکتی ہے۔ کاغذوں پر اس واقعے کی پوری ذمے داری آئی جی پر ہے۔"

"پھر اس کے خلاف کیا کارروائی ہوئی؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"فی الحال اس کا ہیڈکوارٹرز میں تبادلہ کردیا گیا ہے۔" اول خان کی آواز دھیمی تھی۔

"صرف تبادلہ؟" میں حیرت اور غصے کے عالم میں تقریباً

چیخ پڑا۔ ”ایک بڑے مجرم کے ساتھ سازش میں شرکت کے نمایاں ثبوت کے بعد محض تبادلہ کر دینا تو ایک مذاق ہے۔“

”بڑے عہدوں پر فائز بیوروکریٹس کو اچانک اس سے بڑی سزا نہیں دی جاسکتی۔“ اول خان نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ”آپس کی پیشہ ورانہ رقابتوں کے باوجود سرکاری افسروں کی برادری کسی مافیا کی طرح منظم اور مربوط ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پورے حقائق سامنے آنے کے بعد اسے معطل کر کے ضابطے کی کارروائی شروع کر دی جائے۔ ابھی یہی کافی ہے کہ وہ صوبے میں اپنے اقتدار اور اختیار سے محروم ہو کر ایک بند دفتر میں جا بیٹھا ہے۔“

”پولیس بڑے مجرموں اور قوم کا سارا مال ہڑپ کر جانے والے مگرمچھوں پر اوپر والوں کی اجازت کے بغیر ہاتھ نہیں ڈال سکتی، عدالتیں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے قاتل کو دوسرے روز پھانسی کی سزا نہیں سنا سکتیں، بیوروکریٹس کو ان کی غداریوں اور مفاد پرستیوں پر سزا نہیں دی جاسکتی تو پھر ہم کن سنگی دیواروں سے اپنے سر ٹکرا رہے ہیں؟“ میرا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔

”یہ چھوٹی بڑی گراریوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو فرسودہ ہو جانے کے باوجود ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے۔ ایک دوسرے سے رگڑ رگڑ کر ساری گراریاں خراب مگر یکساں ہو چکی ہیں۔ ان میں کہیں بھی صرف ایک نئی گراری ڈال دی گئی تو شور کے ساتھ ہی سب کچھ ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائے گا۔ پورا سسٹم بیٹھ جائے گا۔ تم ان چکروں میں مت پڑو۔“

”حیرت ہے، تم مجھے ان جیسا بن جانے کا مشورہ دے رہے ہو.....“ میری بات ادھوری رہ گئی۔

”سسٹم میں وہی کچھ برقرار رہتا ہے جو اس سے مطابقت رکھتا ہو۔“ اول خان میری بات کاٹ کر بول پڑا۔ ”باقی سب کچھ اس چکی میں پس کر بے نام و نشان ہو جاتا ہے۔“

”اگر میں تمہاری بات مان لوں تو پھر ایس ٹی ایف کے وجود کا جواز کہاں تلاش کروں گا۔“

”اسپیشل سیکیورٹی فورس محض اس لیے زندہ اور فعال ہے کہ یہ سسٹم میں شامل نہیں ہے۔ اس سے باہر رہ کر کام کرتی ہے۔ اپنے فیصلوں کے لیے پوری طرح خود مختار ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارا سربراہ بھی سلطنت کے کسی ایک ذمے دار کو جواب دہ ہوگا۔“

”کیا اس سسٹم کو ایس ٹی ایف کے سانچے میں نہیں ڈھالا جاسکتا؟“ میں نے پوچھا۔

وہ تلخی سے ہنس پڑا۔ ”اس سے ملوکیت بلکہ آمریت کی بُو آتی ہے جو مغربی دنیا کو ذرا بھی پسند نہیں ہے۔ وہ صرف جمہوری معاشروں کی پشت پناہی کرتی ہیں۔“

”تاکہ ان کو اپنی سازشوں کے لیے آسانی سے تیار ایندھن اور مواد ملتا رہے؟“

”ان باریکیوں کو تم سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے! میں تو ایک ادنیٰ سا سپاہی ہوں۔“

”مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے دشمنوں سے کہیں بڑھ کر ہمارے اپنے دشمن ہیں۔ ہر ایک حسب توفیق ہماری کوششوں کو سبوتاژ کرنے میں لگا ہوا ہے۔“

”ڈیئی! تم یقین کرو کہ تم خوش نصیب ہو۔“ اس نے مجھے دلاسا دیا۔ ”موجودہ حالات میں تم نے جتنی تیزی سے اور جو کچھ نتائج حاصل کیے ہیں، وہ حیران کن ہیں۔“

”کالو مکرانی زخمی ہو کر اسپتال پہنچا ہوا ہے۔ اب ہمارا لائحہ عمل کیا ہوگا؟“

”کھٹومل کو آزاد علاقے سے واپس لا کر قانون کی تحویل میں دینا ہمارا پہلا ٹارگٹ ہے۔“ اس کا لہجہ پرعزم تھا۔ ”کالو مکرانی کا بیان ریکارڈ پر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ زندہ رہے گا اور عدالت میں کھل کر اپنے بیان کی توثیق کرے گا۔“

”میں حیران ہوں کہ کھٹومل کے معاملے میں تم قانون کی دُم سے کیوں لٹکے ہوئے ہو؟“ میں نے جھلا کر کہا۔ ”اس سے پہلے ہم کئی مجرموں کو جہنم واصل کر چکے ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ کلفٹن پر ہمارے فلیٹ پر شب خون مارنے

والوں میں سے دو کو ہم نے ٹھکانے لگایا، چار کو تمہارے آدمیوں نے مارا تھا۔"
"وہ مسلح تھے اور گولیاں برسا رہے تھے..... "اس نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔
میں نے اس کی بات اڑا دی۔ "ہم نے نہتے مگر خطرناک غداروں کو بھی مارا ہے!"
"میں مانتا ہوں، تم سے بحث نہیں کر رہا۔" اپنے لہجے سے وہ معذرت خواہ محسوس ہو رہا تھا۔ "کھٹومل کے بارے میں اوپر سے کچھ ہدایت ہے۔ یہ حساس سیاسی معاملہ بن سکتا ہے۔ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ کھٹومل پورے ملک میں اور خاص طور پر سندھ میں ایک مقبول اقلیتی لیڈر رہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ ایک افواہ سے بھی ہو رہا ہے۔"
"وہ افواہ کیا ہے؟" اس کی بات سن کر میں غیر ارادی طور پر سوال کر بیٹھا۔
"سنا ہے کہ کھٹومل کے خلاف کالو مکرانی کے بیان کے اجرا اور پھر اس کے اغوا کو امریکی حکومت نے انتقامی کارروائی قرار دیتے ہوئے پاکستان سے احتجاج کیا ہے۔"
"یہ ہمارا مقامی اور اندرونی معاملہ ہے۔ امریکا اسے انتقامی کارروائی کیسے قرار دے سکتا ہے؟"
"میں اس افواہ کی تصدیق کی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ وزارت خارجہ کے پٹارے سے خبریں ذرا مشکل سے ہی نکلتی ہیں۔ اگر یہ افواہ سچ ثابت ہوئی تو کل کلاں کو انسانی حقوق اور انفرادی آزادیوں کے حوالے سے بھی کسی مہم کا آغاز ہو سکتا ہے۔"
"انہوں نے یقینی طور پر یہی کہا ہوگا کہ کھٹومل نے اپنی ایف آئی آر میں ڈینی کو مجرم قرار دیا ہے۔ اس رپورٹ کے نتیجے میں ڈینی کی تلاش کی مہم کو تقویت ملی ہے۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے اب پاکستان میں کھٹومل کو زیادتیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔" میں نے کہا۔
"میں اس وقت کوئی رائے دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں لیکن گمان یہی ہوتا ہے۔ کل پیش آنے والے تمام واقعات آج کے اخبارات میں رپورٹ ہوئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ امریکیوں کو کل ہی پتا چل گیا تھا کہ کھٹومل کے گرد گھیرا تنگ ہو چکا ہے۔"
"اب بات سمجھ میں آئی۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "کسی کو پہلے ہی شبہ ہو چکا ہے کہ کھٹومل کو مارا گیا تو اسے امریکی انتقامی قتل قرار دے کر شدید احتجاج کریں گے۔"

"احتجاج سے بات آگے بڑھ گئی ہے۔ کھٹومل کے آدمی ازخود کالو مکرانی پر ناکام قاتلانہ حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ گہری سازش اونچے پیمانے پر تیار کی گئی ہے۔ اس میں اہم ترین کردار آئی جی کا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نادانستگی میں سازشی عناصر کا آلۂ کار بنا ہو۔ اس بات کا تعین بعد میں ہوتا رہے گا۔ سارا کھیل اس کے حکم نامے کے بعد شروع ہوا۔"
"تمہارا نکتہ میری سمجھ میں آ رہا ہے۔ میری تلاش کے سلسلے میں امریکی سراغرساں پہلے ہی کراچی آئے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اب انہوں نے اپنی توجہ کھٹومل کی طرف مبذول کر دی ہو۔"
"یہ امکان میرے ذہن میں آ چکا ہے۔" اول خان نے میری تائید کی۔
"بس، اب کالو مکرانی کی حفاظت کرتے رہو۔ اسپتال میں اس پر دوبارہ کوئی قاتلانہ حملہ ہو سکتا ہے۔ یہ امریکی جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اسے پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑتے۔"
اول خان سے وہ طویل گفتگو ختم ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا۔ "یہ بتاؤ کہ ہماری دیسی سی آئی اے اور امریکی سی آئی اے کی کارکردگی میں اتنا فرق کیوں ہے؟"
"ان ناموں پر نہ جاؤ۔ دونوں کے ڈھانچے یکسر مختلف ہیں۔" میں نے سگریٹ سلگا کر اسے ٹالنے کی کوشش کی مگر وہ اٹک گیا۔
"انہوں نے دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچایا ہوا ہے، ہمارے والے ٹکے ٹکے کے اچکوں کو مار لگا کر خوش ہوتے رہتے ہیں۔ آخر یہ کب ان کی سطح تک پہنچیں گے؟"
میں نے غصے اور بے بسی سے اسے گھورا پھر چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا۔ "تم ملک سے باہر کی ہوا کھا کر فر فر انگریزی ضرور بولنے لگے ہو لیکن تمہاری معلومات صفر سے کچھ ہی زیادہ ہیں۔"
"کیا میرے سوال کا معلومات سے بھی کوئی تعلق ہے؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔
"امریکا میں یہ ادارہ سینٹرل انٹیلی جنس ایجنسی کہلاتا ہے اور وفاق کے تحت کام کرتا ہے۔ ہمارا ادارہ کریمنل انوسٹی گیشن ایجنسی ہے۔ یہ صوبائی سطح پر صرف جرائم کی تفتیش تک محدود رہتا ہے۔ اس سے باہر کے معاملات دوسرے ادارے سنبھالتے ہیں۔"
"حد ہو گئی۔" وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "میں

بلاوجہ ہی یہ موازنہ کرکے کڑھتا رہتا تھا۔"

"بے خبری اس قسم کے احساسِ کمتری کا سبب بنتی رہتی ہے۔ کچھ پڑھتے پڑھاتے بھی رہا کرو۔"

"مار دھاڑ سے فرصت ملے تو پڑھنے کا دھیان بھی آئے۔ جب ہر طرف سکھ چین کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں تو تم خود کوئی مسئلہ تلاش کرلیتے ہو....."

"شاید کھٹومل کے غنڈوں کو میں نے فلیٹ پر مدعو کیا تھا؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ آئے تھے، چھ آدمی گنوا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ قصہ ختم ہوگیا مگر کھٹومل تمہارے دماغ پر اس بری طرح سوار تھا کہ تم نے کالو مکرانی کو پکڑلیا۔"

"اسے میں نے نہیں پکڑا، جہانگیر نے پکڑوایا تھا۔ اس کے ناکام عشق کا نتیجہ میرے کھاتے میں مت ڈالو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"اول خان سے تم بیوروکریسی اور افواہوں کے بارے میں کیا باتیں کررہے تھے؟" اس نے متجسس لہجے میں اچانک ہی موضوع بدل دیا۔

ٹیلی فون پر ساری گفتگو اس کی اور اکبر رانا کی موجودگی میں ہوئی تھی۔ ان دونوں کو وہ تفصیل جاننے کا پورا حق حاصل تھا۔ میں نے انہیں کراچی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

"کھٹومل کا مذہب جو بھی ہو، اس کی شہریت پاکستانی ہے۔ وہ ایک پاکستانی ہوکر تمہارا بدترین دشمن ثابت ہورہا ہے جب کہ جینی امریکی لڑکی ہے۔ وہ تمہارا ایسا دم بھرتی ہے کہ اس نے تمہارا غلط خاکہ بنوا کر کھٹومل کے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

"گاؤں، شہر، قبیلے اور ملک باہمی پہچان کے لیے ہوتے ہیں۔ ہمارے مذہب میں ان کی مخالفت نہیں ہے مگر اس بنیاد پر کسی کو کسی پر افضل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بنیادی بات یہ ہے کہ ہم سب انسان ہیں۔ ہر جگہ اچھے اور برے لوگ پائے جاتے ہیں۔ کھٹومل ایک بدترین اور غدار پاکستانی ہے جب کہ جینی ایک مہربان اور نرم دل امریکی لڑکی ہے۔" میں نے

جواب دیا۔

"تم اعترافِ جرم کر رہے ہو۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "ویرا کو یہی شکوہ ہے کہ چینی اس کی دوست ہونے کے باوجود تم پر ضرورت سے زیادہ مہربان تھی۔"

"تم نرے الو ہو۔ میں نے مہربان ہونے کا تذکرہ کسی ذو معنی مفہوم میں نہیں کیا تھا۔"

"یہ تم جانو۔ ایک جوان، خوبرو اور آزاد خیال عورت کے مہربان ہونے کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے۔ ویرا اس سے واقف ہے۔ ہو سکے تو تم اسے دوسرے معنی سمجھا دینا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں آپس میں اتنے بے تکلف ہو۔" اکبر رانا نے ہم دونوں کے درمیان ہونے والی وہ گفتگو سن کر خوشگوار لہجے میں کہا۔ "کام کے وقت ڈسپلن اور فاضل اوقات میں مکمل مساوات ایس ٹی ایف کا بنیادی اصول ہے۔ اسی طرح افسروں اور ماتحتوں کے درمیان حیرت انگیز مفاہمت پیدا ہوتی ہے جس کے نتائج کارکردگی پر اچھا اثر ڈالتے ہیں۔"

"تم نے گجرات میں چوہدری سلام کی سرگرمیوں کی خبر سنا دی، کراچی میں کالو کے زخمی ہونے کی خبر سن لی۔ اب یہ بتاؤ کہ کھٹومل کب آ رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"اس کی واپسی کا پیغام دیا جا چکا ہے۔ تم ناشتا کر لو پھر ہمیں پیرو دھائی کی طرف جانا ہو گا۔"

"افغان مہاجروں کے امدادی کیمپ میں؟" سلطان شاہ نے چونک کر سوال کیا۔

"آدم خان وہیں ملتا ہے۔ اس سے تازہ ترین پوزیشن معلوم ہو سکے گی۔"

"کیا اس کیمپ میں فون نہیں ہے؟" سلطان شاہ کے پاس اگلا سوال تیار تھا۔

"ان لوگوں کو وسیع رینج میں کام کرنے والے مفت کے لاسلکی آلات میسر ہیں تو وہ فون کے بکھیڑوں میں کیوں پڑیں؟ ان کے بیشتر مفادات آج بھی افغانستان کی سرزمین سے وابستہ ہیں۔ وہاں سے مسلسل رابطے کے لیے طاقتور وائرلیس سیٹ مؤثر رہتے ہیں۔"

"جب سے یہ عقدہ کھلا ہے کہ پاکستان میں ہیروئن اور ہتھیاروں کی بھرمار افغانستان میں روسی مداخلت کے بعد شروع ہوئی ہے، مجھے مظلوم اور بے بس افغانوں سے بھی خوف آنے لگا ہے۔ یہ تباہ کن لعنتیں ہم پر مسلط کرنے والے کوئی بھی رہے ہوں، افغان اپنی مجبوریوں کی وجہ سے آلۂ کار بنے ہیں۔" سلطان شاہ نے بے لاگ انداز میں اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"پیرو دھائی جانے سے ڈر رہے ہو تو تمہارے ساتھ جبر نہیں کیا جائے گا۔" میں نے ہلکے پھلکے انداز میں وہ سنگین موضوع ٹال دیا۔ "ہم دونوں آدم خان سے مل لیں گے۔"

"تم میری بات کو منفی رنگ دینے کی کوشش...." سلطان شاہ نے احتجاج کرنے کی کوشش کی مگر میں نے درمیان سے ہی اس کی بات اڑا دی۔

"اس موضوع پر اب تم ایک لفظ بھی نہیں بولو گے۔ ہم اس بحث میں الجھ گئے تو دوسری اہم تر باتوں کو بھول بیٹھیں گے۔"

ناشتے کے دوران میں اکبر رانا باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ کراچی سے نکلنے والے روزنامے کا بھی مطالعہ کرتا رہا پھر اخبار ایک طرف ڈالتے ہوئے بولا۔ "یہ اخبار واقعی منفرد اور مختلف ہے۔ اس میں صرف خبریں ہیں، چٹخارے دار مال مسالا نہیں ہے۔"

مختصر سے وقفے میں حاصل ہونے والی معلومات کو جس طرح یکجا کر کے کھٹومل کے چہرے سے نقاب ہٹایا گیا تھا، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ نامہ نگار کی اپنی قلمی محنت کے پیچھے کوئی باخبر ذہن بھی کارفرما تھا جس نے کڑیاں ملا کر کہانی مکمل کی تھی۔

اسلام آباد کی کشادہ شاہراہ پر میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے اکبر رانا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ "اول خان کی مدد کے بغیر اتنی سرعت سے یہ خبریں نہیں بن سکتی تھیں۔ وہ کراچی میں بیٹھ کر بھی پوری طرح ہماری مدد کر رہا ہے۔"

"کھٹومل کے خلاف الزامات کی فہرست آ چکی ہے۔ اگر کل امریکا کے کسی احتجاج کی تصدیق ہو جاتی ہے تو ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ امریکا کو ایک پاکستانی ملزم سے کیوں ہمدردی ہو رہی ہے۔ میرے خلاف ان کے اشتہاری مواد کی صحت پر بھی شبہ کیا جائے گا۔"

"عام لوگ اپنے رہن سہن میں امریکیوں کی لاشعوری یا دانستہ نقالی کے باوجود اس سے نالاں نظر آتے ہیں۔ یوں رائے عامّہ مزید ہموار ہو گی۔" کمانڈر اکبر رانا نے جواب میں کہا۔

میں بے اختیار ہنس دیا۔ "امریکا صرف ان ہی خطّوں میں رائے عامّہ کا احترام کرتا ہے جہاں وہ اس کے حق میں ہوتی ہے۔ مخالفانہ رائے عامّہ کو وہ بے رحمی سے مسترد کر کے حکمرانوں سے جوڑ توڑ کرنا شروع کر دیتا ہے۔"

"غنیمت ہے کہ ابھی تک یہاں ایسے کسی جوڑ توڑ کا

آغاز نہیں ہوا ہے۔" اس نے میری رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"اندرونِ خانہ جنم لینے والی کہانیوں سے ہم لوگ بے خبر رہتے ہیں۔ تم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے۔"

"معاشرے کے ہر شعبے میں پھیلے ہوئے کرپشن کے ناسور کے باوجود یہاں قومی حمیت باقی ہے۔ اس کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ امریکا تمہارے معاملے میں بے بسی کا شکار ہے اور تم پر ہاتھ ڈالنے کے لیے اخباری اشتہاروں سے مدد لینے پر مجبور ہو گیا ہے۔"

"دوسری صورت میں ان کا کوئی بھی نمک خوار میری گردن ان کے ہاتھوں میں دے سکتا تھا۔" میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

اسلام آباد کی خوبصورت اور پُرسکون شاہراہ پر ایک طویل سفر طے کر کے ہم پیر ڈھائی سے ذرا پہلے واقع افغان مہاجرین کے امدادی کیمپ میں پہنچ گئے۔

وہ پُراسرار سا دفتر بظاہر ایک چھوٹے سے کمرے پر مشتمل تھا جہاں دو میزوں اور تین افراد کے سوا کچھ اور نظر نہیں آرہا تھا البتہ وہ چھوٹا سا دفتر عقبی دروازے کے ذریعے کسی اور کمرے سے بھی منسلک تھا۔ اس دروازے سے جنگجو... نظر آنے والے مسلح افراد کی آمدورفت جاری تھی۔ وہ لوگ دفتر کے دو نفری عملے سے رسمی علیک سلیک کرتے ہوئے یوں گزر رہے تھے جیسے ان سے کوئی رسمی سا تعلق ہو۔

دفتر میں بیٹھا ہوا معمر شخص کمانڈر اکبر رانا کو پہچانتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ اپنی میز کے پیچھے سے نکل کر باہر آیا اور گرم جوشی کے ساتھ اس سے بغل گیر ہو گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے شخص کو بھی کرسی سے اٹھنا پڑا۔ اس کی نظروں میں استعجابیہ اجنبیت رچی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے صرف ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا۔

معانقے سے فارغ ہو کر اکبر رانا نے میرا اور معمر افغان کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے ساتھی کرنل جمال دستی ہیں اور یہ آدم خان کے خصوصی نائب ملا بدر ہیں۔"

ملا بدر اپنی عمر کے باوجود پُرجوش اور مخلص شخص نظر آرہا تھا۔ میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر وہ اسے نظرانداز کر کے مجھ سے لپٹ گیا۔ میری پسلیوں کے گرد اس کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ چند ثانیوں کے لیے مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ ٹوٹی پھوٹی اردو میں چند خیرمقدمی اور تہنیتی کلمات ادا کرنے کے بعد ملا بدر نے مجھے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا۔

اپنی کرسی پر واپس جاتے ہوئے اس نے پشتو میں اپنے ساتھی کو جلدی جلدی ہدایات دیں۔ اس گفتگو میں دوبار استعمال ہونے والا صرف "ٹرانسمیٹر" کا لفظ ہی میرے پلّے پڑ سکا۔ وہ ملا بدر کی بات سن کر اپنی جگہ سے اٹھا اور اندر کھلنے والے دروازے میں غائب ہو گیا۔

ہم دونوں کو دفتر میں پڑے ہوئے گندے اور فرسودہ صوفوں پر بٹھانے کے بعد ملا بدر نے پشتو میں اکبر رانا کو کچھ بتانا شروع کر دیا۔ اکبر رانا خاموشی سے تفہیمی انداز میں سر ہلاتا رہا۔

وہ خاموش ہوا تو اکبر رانا نے کہا۔ "کرنل صاحب پشتو نہیں جانتے۔ ان کے سامنے ہم اردو میں بات کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

ملا بدر دھیمے سے ہنسا۔ "خو، تم جانتی... ام کا اردو....."

"کوئی فکر مت کرو۔ اردو کسی بھی لب و لہجے میں بولی جائے، سمجھنے والے مفہوم سمجھ جاتے ہیں۔" اکبر رانا نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

اکبر رانا کی وہ بات خاصی بے وزن تھی۔ لب و لہجہ اور صحیح تلفظ ہی ہر زبان کی جان ہوتا ہے۔ میں نے دنیا کے مختلف ملکوں میں انگریزی جیسی بین الاقوامی زبان کی ایسی درگت بنتی دیکھی تھی کہ کسی انگریز کے سامنے کوئی فرنچ، جرمن یا اطالوی انگریزی بولنے کی کوشش کر رہا ہے اور انگریز حیرت سے دیدے پھاڑے یوں اس کا منہ تک رہا ہے جیسے وہ کسی دوسرے سیارے کی اجنبی زبان بول رہا ہو۔

انگریزی میں باہمی افہام و تفہیم کے اس عذاب سے گزرنے کے لیے بہتیرے انگریز یورپ کی دوسری زبانیں بھی جانتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر اپنی اس مہارت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ذہن پر زور ڈالنے کی ساری ذمے داری فریقِ ثانی پر ڈال دیتے ہیں۔

کسی جرمن کی غوں غاں میں ڈوبی ہوئی ہولناک انگریزی کو سمجھنے سے زیادہ آسان یہ ہوتا ہے کہ انگریز خود جرمن زبان بول کر اپنے مخاطب کو امتحان میں ڈال دیں۔ اس سے دو فائدے ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ جرمنوں کے من میں سوئے ہوئے فوق البشر کی انا کو تسکین ملتی ہے، دوم یہ کہ ٹوٹی پھوٹی جرمن زبان میں کہے ہوئے فقروں سے مفہوم اخذ کرنے کی ساری ذمے داری خود ان کے سر آجاتی ہے۔

مگر میں مجبور تھا۔ پشتو سے یکسر نابلد ہونے کی وجہ سے اپنا بوجھ ملا بدر پر منتقل نہیں کر سکتا تھا۔

"وہ آج دوپہر کے بعد کسی بھی وقت پنڈی پہنچ جائے

گا۔" ملا بدر نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں تذکرو تانیث میں کوئی ناروا فرق روا رکھے بغیر بتایا۔ "میرا آدمی اندر ٹرانسیٹر پر بات کرنے گیا ہے۔ وہ زخاخیل کیمپ والوں سے بات کر کے صحیح پوزیشن بتا سکے گا۔"

"قیدی کس حال میں ہے؟" میں نے پہلی بار ملا بدر سے براہِ راست سوال کیا۔

"الحمدللہ، بہت اچھا ہے۔ بس اس کا ٹوٹا ہوا ہاتھ اسے بہت تنگ کر رہا ہے۔ زخاخیل کے بڑے حکیم نے اس کا پلاسٹر اتار کر دیسی جڑی بوٹیوں اور پہاڑی سلاجیت کا لیپ چڑھا دیا ہے، دو چار دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ملا بدر نے آگاہ کیا۔

"زخاخیل والوں سے تمہاری بات کب ہوئی تھی؟" اکبر رانا نے پوچھا۔

"قیدی کے پہنچنے کے بعد انہوں نے خود رابطہ کیا تھا پھر تمہارا پیغام ملنے کے بعد میں نے ان سے بات کی تھی کہ وہ مہمان قیدی کو کہیں ڈال کر پولیٹیکل ایجنٹ کو مخبری کرا دیں۔"

ہم وہیں بیٹھے ملا بدر سے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں اندرونی دروازے سے ہر عمر کے باریش، مسلح اور تنومند مردوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا۔ ان میں سے بیشتر کے شانوں پر ہلکے اونی کمبل یا چادریں پڑی ہوئی تھیں جو ہتھیاروں کو چھپانے سے کہیں بڑھ کر نمایاں کر رہی تھیں۔ ان ہی میں سے کسی نے تام چینی کی کیتلی میں کھولتا ہوا قہوہ پیالیوں سمیت لا کر ہمارے سامنے رکھ دیا۔

افغان مہاجرین کے لیے قائم کیا ہوا وہ امدادی کیمپ راولپنڈی اور اسلام آباد کے سنگم پر ایک مختصر سے قبائلی خطے کا سماں پیش کر رہا تھا جہاں ہر سو بے تکلفی اور بے فکری کا راج نظر آ رہا تھا۔

"اندر سے کون لوگ آ جا رہے ہیں؟" گرم قہوے کا پہلا گھونٹ لینے کے بعد میں وہ سوال کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

"یہ سب روسیوں کے ستائے ہوئے مظلوم مہاجرین ہیں۔" ملا بدر نے دکھی آواز میں بتایا۔ "ان کی فصلیں ٹینکوں نے روند ڈالیں یا بموں نے جلا ڈالیں۔ توپوں نے گھر مسمار کر دیے۔ ہر سینے میں اپنے کئی کئی پیاروں کے لہو کے داغ پوشیدہ ہیں اور یہ یہاں فاقہ کشی کی زندگی گزار رہے ہیں۔"

"فاقہ کشی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "مجھے ان میں سے کسی کے چہرے پر فاقہ کشی کی کوئی علامت نہیں دکھائی دی۔"

"پہاڑوں کی گود میں پلنے والے، ہم لوگ بہت سخت جان ہوتے ہیں۔ سردی اور برف باری میں موسم کے تیور بگڑ جائیں تو عام حالات میں بھی ایک روز کا راشن چار چار روز چلا کر گزارہ کر لیتے ہیں۔ ہمارے کیمپوں میں بس دو تین وقت کا فاقہ ہوتا ہے پھر کہیں نہ کہیں سے رسد آ ہی جاتی ہے۔"

"میں نے سنا ہے کہ مغربی دنیا دل کھول کر افغان مجاہدوں کی مدد کر رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ شروع کی بات ہے، اتنی امداد مل رہی تھی کہ ہم سے سنبھالے نہیں سنبھلتی تھی۔ فالتو سامان پشاور کی منڈی میں کوڑیوں کے دام پھینک دیا جاتا تھا۔" ملا بدر کی آواز بتدریج مغموم ہوتی جا رہی تھی۔ "ہم نے بچے ہوئے روسیوں سے چھینے ہوئے ہتھیار تک بیچے ہیں مگر اب وقت بدل چکا ہے۔"

"وقت وہی ہے۔ پہلے تم روسیوں سے لڑ رہے تھے، اب ان کے ایجنٹوں سے لڑ رہے ہو۔"

"ایجنٹ ہم جیسا ہوتا ہے۔ اسے پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جب تک سائبیریا کا سفید ریچھ میدان میں تھا، ہم اس کے خلاف یکجا تھے۔ اسے مار بھگانے کے بعد ہم سب پورے صدقِ دل سے آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ہر حریف خود کو حق بجانب اور مخالف کو گمراہ قرار دے رہا ہے۔"

"یہ مہاجرین صرف اپنے ہتھیار ہی بیچ دیں تو نہ صرف اپنی فاقہ کشی دور کر سکتے ہیں بلکہ اپنے گھروں کو بھی دوبارہ آباد کر سکتے ہیں۔" میں نے موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہتھیار پٹھان کا زیور ہوتا ہے۔ خالی پیٹ کوئی نہیں ٹٹولتا، ہتھیار سے خالی شانے کو ہر ایک حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے۔" ملا بدر کہنے لگا۔ "یہ خود بھی اپنے گھروں کو لوٹنا چاہتے ہیں، بہت سے آبائی زمینوں پر جا کر دوبارہ واپس آئے ہیں کیونکہ وہاں سب کچھ برباد ہو چکا ہے۔ مہنگائی کا طوفان ہے اور ضروریاتِ زندگی ناپید ہو چکی ہے۔ سکے کی ایسی ناقدری میں گزارہ ناممکن ہو چکا ہے۔"

"مگر وہ اپنی زمین ہے، یہاں کی غریب الوطنی اور فاقہ کشی سے وہاں کی زندگی زیادہ بہتر ہو گی۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ تیر گئی۔ "یہاں کے حکمران ہم پر مہربان رہے ہیں۔ ان کے برادرانہ رویّے کی وجہ سے ہم نے خود کو یہاں کبھی بے وطن نہیں سمجھا، یہ ہماری سرزمین ہے۔ ہر افغان مہاجر کے پاس پاکستان کا شناختی کارڈ اور پاسپورٹ موجود ہے۔ ان کاغذوں

کے سہارے کراچی یا عرب ریاستوں میں نوکری حاصل کر کے روزی کمانا ہر افغان نوجوان کا خواب بن چکا ہے۔ ساری جیبیں بھری ہوں تو آدمی دنیا کے کسی بھی حصے میں اپنا گھر بنا سکتا ہے۔ خالی جیب اور خالی پیٹ افغان سے آسودہ حال مہاجر ہونا کہیں بہتر ہوگا۔"

ملا بدر کے آخری فقرے میں گہرا فلسفہ پنہاں تھا۔ آزادی کی جن تحریکوں کو باہر سے مدد فراہم کی گئی وہ ماضی میں صرف کاغذی نعروں تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ ہجرت کے حوالے سے ملنے والی عالمی رعایتوں کے ذریعے ایسی تحریکوں کے رہنما اور مہاجرین ہر سہولت سے فیض اٹھانے کے بعد خوش حال ہو کر دنیا بھر میں آباد ہوتے چلے گئے۔ ایسے نام نہاد مہاجرین کا مفاد ایک نکتے میں مرکوز تھا کہ حالات جوں کے توں رکھے جائیں۔ اسٹیٹس کو کے تحت وہ اپنی مظلومیت کی کہانیاں سنا کر عالمی ہمدردیاں بٹورتے رہیں، دوسری طرف خوش حال ملکوں میں حصولِ تعلیم، کاروبار اور معقول ملازمتوں کے ذریعے اپنی جڑیں مضبوط کرتے رہیں۔

ملا بدر مجھے کچھ ایسی ہی کہانی سنا رہا تھا۔ افغانوں کو دنیا بھر سے مالی اور اخلاقی امداد ضرور ملی تھی مگر ان کو شہریت حاصل کرنے کی بے مہار آزادی صرف پاکستان نے ہی فراہم کی تھی۔ رشوت دیے بغیر شناختی کارڈ یا پاسپورٹ بنوانے والے ایک حقیقی پاکستانی کو نہ جانے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، اعتراضات دور کرنے کے لیے بار بار دفتروں کے دھکے کھانے پڑتے ہیں لیکن افغان پناہ گزینوں کو ملنے والی مراعات کا ذکر ملا بدر خود کر رہا تھا۔

ناخواندہ اور نیم خواندہ افغان مہاجرین اپنے نسلی مزاج کے اعتبار سے تند خو اور جنگ جو تھے۔ مکمل پاکستانی شناخت حاصل کرنے کے بعد وہ دنیا کے جس خطے میں پہنچتے تھے، اپنی کسی بھی غلطی کی پاداش میں ایک پاکستانی کے طور پر سزایاب ہوتے تھے۔

یہ مفت کی وہ بدنامی تھی جو افغان پناہ گزینوں کو ملنے والی مراعات اور چشم پوشیوں کے نتیجے میں پاکستان کو حاصل ہو رہی تھی۔

غیر قانونی ہتھیاروں کی خرید و فروخت کا ذکر ملا بدر کر چکا تھا۔ افغانوں کے ذریعے ملک میں پھیلنے والے ہیروئن کے بھیانک سیلاب کا میں خود عینی شاہد تھا۔

میں نے ملا بدر کے لیے اپنے دل میں حسد و رقابت کی ہلکی سی آنچ محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ اس سودے میں پاکستان کو کیا کچھ حاصل ہوا ہے؟"

ملا بدر نے اپنے سر کو منفی جنبش دیتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "شاید کچھ بھی نہیں..... اتنا ضرور ہوا ہے کہ اب دنیا بھر میں لوگ پاکستان کے نام اور محلِ وقوع سے واقف ہو گئے ہیں۔ انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ پاکستان اور افغانستان کی خاصی لمبی سرحد مشترک ہے۔"

"پاکستان میں ہیروئن، ہتھیاروں اور جرائم کی افزائش کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"دیکھو، کہیں آگ بھڑکتی ہے تو اس کی تپش دور تک پھیلتی ہے جہاں آگ کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔" ملا بدر نے پُرخیال آواز میں کہا۔ "کہیں جنگ چھڑتی ہے تو وہاں سے کردار اور اخلاق جیسی روایات سب سے پہلے رخصت ہوتی ہیں۔ یہ اثرات پاکستان پر بھی پڑے ہیں۔ تم ٹھنڈے دل سے سوچو تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔ ہم سفید ریچھ کے سامنے سینہ سپر نہ ہوتے تو اس کے ٹینک ہمارے گھروں کو روندتے ہوئے پاکستان میں گھس آتے۔ افغانستان بندرگاہ سے محروم اور خشکی سے گھرا ہوا ملک ہے۔ روس کی بندرگاہیں خراب موسم کی وجہ سے سرمائی موسم میں بند رہتی ہیں۔ انہیں تمہاری جنوبی ساحلی پٹی کی شدید ضرورت تھی تاکہ وہ ان کے ذریعے پورے سال دنیا کے ساتھ تجارت کر سکیں۔ اپنوں کا لہو دے کر ہم نے تمہارا دفاع کیا ہے۔ ہماری اس عظیم قربانی کا صلہ تمہارے حکمراں دے رہے ہیں۔"

وہ بات وہیں رہ گئی۔ ملا بدر کا ساتھی ٹرانسمیٹر پر زخاخیل والوں سے بات کر کے لوٹ آیا اور پشتو میں جلدی جلدی رپورٹ دینے لگا۔

"دو مراحل طے ہو چکے ہیں۔" اس کے خاموش ہونے پر اکبر رانا مجھے اس کی رپورٹ کا خلاصہ سنانے لگا۔ "کھٹومل پولیٹیکل ایجنٹ کے ذریعے پشاور پہنچایا جا چکا ہے۔ وہاں وہ ہمارے لوگوں کی تحویل میں دیا گیا تھا۔ اصولی طور پر اسے دوپہر کی پرواز سے اسلام آباد پہنچ جانا چاہیے۔"

وہاں آنے کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ لیکن ملا بدر سے ہونے والی گفتگو نے میرے دل و دماغ میں بہت سے نئے اور چبھتے ہوئے سوالات پیدا کر دیے تھے جن کے جواب کسی بھی صورت میں خوشگوار نہیں ہو سکتے تھے۔

قہوے کی مزید ایک ایک پیالی ختم کر کے ہم ملا بدر سے رخصت ہو گئے۔

"اگر کھٹومل کو کسی پرواز سے آج ہی اسلام سے یہاں پہنچنا ہے تو اب تک تمہارے پاس کوئی نہ کوئی اطلاع پہنچ جانی چاہیے تھی۔" میں نے راستے میں اکبر رانا سے کہا۔

"اصولی طور پر اسٹیشن کو مطلع کیا جانا چاہیے تھا مگر تم بھول رہے ہو کہ اسلام آباد میں اسٹیشن نائن کے ساتھ ہمارا ہیڈ کوارٹر بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پشاور والوں نے وہاں خبر دے دی ہو۔" اس نے بتایا۔

"تو کیا ہیڈ کوارٹرز والوں کی اپنی بھی فیلڈ فورس ہوتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل ہے۔ اپنے فیلڈ اسٹاف کے بغیر ہیڈ کوارٹر اسٹیشن نائن کا محتاج ہو کر رہ جاتا۔ وہ اپنے طور پر چھوٹی بڑی کارروائی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اکثر ہم نے ان سے مدد بھی لی ہے۔"

دو بجے ایس ٹی ایف کے چیف کا فون آیا۔ اس کی کال میں نے ریسیو کی اور وہ تعارف کے بغیر میری آواز پہچان کر بولا۔ "تم نے اسلام آباد میں قدم رکھتے ہی میری مصروفیات میں بے حساب اضافہ کر دیا ہے۔"

"مجھے ملوث نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ تم ہر لمحے مصروف رہتے ہو۔" میں نے ہنس کے جواب دیا۔

"ایسی مسلسل مصروفیت کبھی کبھار ہی پیدا ہوتی ہے ورنہ روٹین کے معمولات میں ہی دن گزر جاتا ہے۔" دوسری طرف سے اس کی آواز آئی۔ "شاید اول خان نے تمہیں امریکیوں کے سخت ردِعمل کے بارے میں بتا دیا ہوگا؟"

"بتایا تھا مگر وہ پر یقین نہیں تھا۔ ان کے احتجاج کی تصدیق ہونی باقی تھی۔" میں نے کہا۔

"تصدیق ہو گئی ہے۔ ان کا پہلا اور سخت مراسلہ کراچی میں کالو مکرانی اور قاسم کی گرفتاری کے بارے میں جاری کیے جانے والے پریس ریلیز کے حوالے سے آیا تھا۔ انہوں نے کالو مکرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ اور کھٹومل کے خلاف منظم سازش قرار دیا تھا۔"

"تو کیا کوئی دوسرا مراسلہ بھی آیا ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"واشنگٹن اور اسلام آباد کے درمیان وقت کے فرق کی وجہ سے انہیں صبح سویرے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ ذرا سی دیر پہلے کھٹومل کو چوہدری سلام کے گھر سے اغوا کر لیا گیا ہے۔ اپنے دوسرے مراسلے میں امریکی حکومت نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تشخص کے حوالے سے مذہبی آزادی اور رواداری کا شور مچا کر کھٹومل کے خلاف سازشوں کے تسلسل پر احتجاج کیا ہے۔ اقوام متحدہ کے ہیومین رائٹس کمیشن کے سربراہ نے بھی کھٹومل کی فوری بازیابی اور کسی عدالت میں پیشی کا پُرزور مطالبہ کیا ہے۔"

"ہماری جانب سے اس بارے میں کیا قدم اٹھایا گیا ہے؟" اس کے خاموش ہو جانے پر میں نے پوچھا۔

"اوپر تلے ملنے والے ان دو مراسلات نے وزارتِ خارجہ میں کھلبلی مچا دی ہے۔" ایس ٹی ایف کے چیف نے بتایا۔ "ابھی تک اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکا۔"

"تمہاری رپورٹ ہی انہیں کسی فیصلے پر پہنچنے میں مدد دے گی۔" میں نے کہا۔

"میں مسلسل اوپر والوں کو بریف کر رہا ہوں۔ کھٹومل کو اس وقت چکلالہ کے ملٹری ائر بیس پر موجود ہونا چاہیے۔ وہاں سے اسے اسٹیشن نائن پہنچایا جائے گا۔"

"شاید حفاظتی وجوہ کی بنا پر اسے ملٹری ائر بیس پر لایا گیا ہے!" میں نے رائے زنی کی۔

"نہیں، پی آئی اے کی پرواز رات سے پہلے میسر نہیں تھی۔ اسے آرمی کے ایک ہیلی کاپٹر سے یہاں لایا گیا ہے۔ اس کی آنکھوں پر مسلسل سیاہ پٹی بندھی ہوئی ہیں۔ ابھی تک اسے کچھ پتا نہیں چل سکا کہ وہ کن لوگوں کی تحویل میں ہے۔"

"گڈ! یہ سب پروگرام کے مطابق جا رہا ہے۔ اس سے باز پرس مکمل ہوتے ہی ہم اسے اور کالو مکرانی کو منظرِ عام پر لے آئیں گے۔ اس کے اقبالی بیان کے بعد امریکیوں کے احتجاجی غبارے کی ساری ہوا خود بخود خارج ہو جائے گی۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"تمہارا نام ان کے اعصاب پر ایک خوف کی طرح طاری ہے۔ میں حیران ہوں کہ انہوں نے تمہارے خلاف کھٹومل کو اتنی دیدہ دلیری کے ساتھ استعمال کرنے کی کوشش کی کہ اس کے اچانک غائب ہونے پر ہیومین رائٹس کمیشن تک کو میدان میں لے آئے ہیں۔"

"یہ قدرت کے کھیل ہیں جو نیارے ہوتے ہیں۔ کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ محض ایک یا دو افراد امریکا کے باخبر اور فعال اداروں کی ناک کے نیچے گیپ اور ڈیوڈ اسٹارز کے چیتھڑے اڑا کر یوں حفاظت سے باہر نکل آئیں گے....."

"ان ہی واقعات کے تسلسل میں یہاں تم نے کھٹومل پر ہاتھ ڈال دیا۔" اس نے میری بات درمیان سے اچک کر کہا۔ "تمہاری یہ ساری کامیابیاں ایک مضبوط نیٹ ورک کی نشاندہی کرتی ہیں۔ تمہیں بے دست و پا کر کے وہ اس نیٹ ورک کو توڑنا چاہتے ہیں۔"

میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ "میرا نیٹ ورک میرے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ دراصل کھٹومل سے تصادم کی بنیاد اسی وقت

پڑگئی تھی جب میرے ساتھی نے اپنے فلیٹ کے گرد منڈلاتے ہوئے دو مشتبہ افراد کے گھٹنے توڑے تھے۔ بعد میں ان ہی میں سے ایک نے کھٹومل کا نام لیا تھا۔"

"تمہارا ہر آدمی اپنی ذات میں ایک مکمل نیٹ ورک ہے۔" وہ بولا۔ "کھٹومل کے ساتھ ہونے والی پیش رفت سے مجھے باخبر کرتے رہنا۔ یہ مسئلہ یکایک ہی بہت سنگین اور اہم ہوگیا ہے۔"

ایس ٹی ایف کے چیف سے گفتگو ختم ہونے کے تقریباً نصف گھنٹے بعد آہنی باڈی والی ایک بند جیپ میں فورس کے تین مسلح جوان کھٹومل کو اسٹیشن نائن لے آئے۔

متوسط قامت اور جسامت والے اس خطرناک سیاست داں کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ٹوٹا ہوا داہنا بازو اس کے پہلو میں جھول رہا تھا۔ ایس ٹی ایف کا ایک آدمی بایاں ہاتھ تھام کر اس کی رہنمائی کر رہا تھا۔

میں برآمدے میں کھڑا وہ عبرتناک منظر دیکھتا رہا۔ کھٹومل کو پاکستان کے حوالے سے صرف دولت ہی نہیں، سیاسی شہرت اور نیک نامی بھی ملی تھی، جو شاید اسے راس نہیں آسکی تھی۔

پتا نہیں کہ کھٹومل اور امریکیوں کے گٹھ جوڑ میں بھارتی قونصل خانے کا کوئی کردار تھا یا وہ براہِ راست امریکیوں کا آلۂ کار بنا تھا۔ صورتِ احوال ان میں سے جو بھی رہی ہو، کھٹومل نے اپنی تقدیر پر اپنے ہاتھوں سے غداری کی ان مٹ مُہر ثبت کرلی تھی۔

"پتا نہیں تم کون لوگ ہو!" میرے کانوں میں کھٹومل کی بڑبڑاہٹ آئی۔ "کچھ بولتے ہو نہ سنتے ہو۔ بابا! میں اِدھر اُدھر کیوں گھمایا جارہا ہوں؟" اس کی آواز حسبِ معمول دھیمی اور پُرسکون تھی۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر دھیرے سے کہا۔ "کھٹومل! سیدھے چلے آؤ، ذرا سی دیر میں تمہارا سارا تجسس دور ہوجائے گا۔ تم کسی غیر کے پاس نہیں، اپنوں میں ہو۔"

میری آواز سنتے ہی کھٹومل کے قدم ڈگمگا گئے۔ "تت..... تم ڈینی ہو؟" میری آواز پہچانتے ہی اس کا اعتماد رخصت ہوگیا اور زبان پر لکنت طاری ہوگئی۔

میری باری آچکی تھی۔ میں نے اس سے کھیلنا شروع کردیا اور کہا۔ "خدا سے نہیں تو اپنے بھگوان سے ہی ڈرو۔ میں تمہارا اپنا شنکر ہوں۔ مجھے ڈینی جیسے آدمی کا نام نہ دو۔"

میری زہریلی آواز نے اس کے اضطراب میں اضافہ کردیا۔ "میں دھوکا نہیں کھا سکتا..... تم ڈینی ہی ہو۔ تم نے شنکر کو مارا اور اب اسی کا نام لے کر مجھے ڈرا رہے ہو۔"

"دھوکا نہیں، یہ آواگون کا چکر ہے، کھٹومل۔ شریر ڈینی کا ضرور ہے مگر اس میں آتما تمہارے شنکر کی ہے۔ اسی لیے میں نے تمہاری آنکھوں پر کالی پٹی بندھوا دی ہے کہ کہیں تم مجھے دیکھ کر ڈر نہ جاؤ۔ ٹوٹے ہوئے بازو کے ساتھ بھاگنا تمہارے لیے عذاب بن جائے گا۔"

میرا اندازہ تھا کہ اس بار وہ ضرور بدحواس ہوجائے گا لیکن اس کے استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ کشاں کشاں برآمدے کی طرف بڑھتا رہا۔ وہ رکنے یا بھاگنے کی کوشش کرتا تو اسے ناکام بنانے کے لیے ایس ٹی ایف کے تین کارندوں نے اسے اپنے نرغے میں لیا ہوا تھا۔

اسٹیشن نائن کا انٹروگیشن سیل اسلام آباد کی اسی عمارت کے تہ خانے میں واقع تھا۔ برآمدے کے چند زینے چڑھنے اور راہداری سے گزرنے کے بعد جب اسے دوبارہ سیڑھیوں کی موجودگی کی اطلاع دی گئی تو وہ بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "اب تم مجھے کسی تہ خانے میں لے جاکر میرے اوپر تشدد کرو گے۔ میں تم کو بتادوں کہ تمہاری یہ کوشش بے سود ثابت ہوگی۔"

"ہم عدم تشدد کے حامی اور اہنسا کے پجاری ہیں۔" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ "اچھا ہوا کہ تم نے ہمیں اپنے ارادے سے آگاہ کردیا۔ ہم کچھ نہیں کریں گے۔ بس تمہارا ٹوٹا ہوا داہنا ہاتھ بغل کے جوڑ سے الگ کریں گے تاکہ تم کو اس عذاب سے نجات مل جائے۔"

وہ سیڑھیاں اترتے اترتے ذرا سا لہرایا پھر بولنے لگا۔ "یہ بھی کرد یکھو..... تم کامیاب نہیں ہوسکو گے۔"

متوقع خطرات اس کے سامنے تھے۔ وہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے ذہنی طور پر اپنی پوری تیاری کرچکا تھا۔ اس جیسے سرد اور متحمل مزاج افراد اگر سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کرلیں تو روایتی تشدد کے ذریعے انہیں مجبور کرنا ناممکن ہوتا ہے۔

میں نے آنکھ سے اکبر رانا کو اشارہ کیا اور ہم دونوں تیزی کے ساتھ سیڑھیاں طے کرکے تہ خانے کے مہیب کمرے میں پہنچ گئے۔ کمرے میں چھت سے لٹکتے ہوئے چند آہنی کنڈوں، زنجیروں، رسیوں، برقی آلات اور ایک آہنی کرسی کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے دہشت ٹپکتی

ہو لیکن آٹھ فٹ اونچی چھت والے اس زیرِ زمین کمرے کی ساخت کچھ اس وضع کی تھی کہ اس سے ہیبت ٹپکتی تھی۔ لیکن میری دانست میں کھٹومل کے لیے وہ ساخت غیر اہم ثابت ہوتی۔

تہ خانے میں اسٹیشن نائن کے دو اہل کار پہلے سے موجود تھے۔ شاید کھٹومل کو لانے والوں کی ڈیوٹی اسے نیچے پہنچانے کے بعد ختم ہو جاتی اور وہ اسے ان دونوں کے حوالے کر کے ہیڈ کوارٹرز کی طرف واپس روانہ ہو جاتے۔

"اس کی آنکھوں پر سے بلائنڈ فولڈ ہٹائے بغیر اوسط درجے کے دو تین برقی جھٹکے دینے ناگزیر ہیں۔" میں نے آہنی کرسی پر نگاہیں جما کر کہا۔

"اس کی ذہنی یکسوئی ایسی غیر متوقع اذیت سے شاید ختم ہو جائے گی۔" اس نے میری تائید کی۔ "اسے الیکٹرک چیئر سے ہی باندھ دیا جائے گا۔ کرسی میں دوڑائے جانے والے کرنٹ کو ہم اپنی مرضی سے کم و بیش کر سکتے ہیں۔"

سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ دھیمے دھیمے قریب آ رہی تھی۔ سیڑھیاں اترتے ہی اسٹیشن نائن والوں نے قیدی کو سنبھال لیا۔ اسے لانے والے تینوں افراد وہیں سے لوٹ گئے۔

اکبر رانا نے انگلی سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ دونوں کھٹومل کو اسی کرسی کی طرف لے آئے۔ ان میں سے ایک کی ہدایت پر جوں ہی کھٹومل کرسی پر بیٹھا، خودکار کنڈوں نے کھٹاک کھٹاک کی آواز کے ساتھ اس کی دونوں پنڈلیوں اور کلائیوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

زخمی بازو کی کلائی پر کلپ کی گرفت ہوتے ہی کھٹومل نے کرسی سے اٹھنے کی ناکام اور غیر اضطراری کوشش کی اور ہلکی سی کراہ کے ساتھ دوبارہ اسی میں گر [illegible]۔ اٹھنے کی کوشش میں سارا زور اس کی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں پر [illegible]و گیا تھا۔

اکبر رانا دیوار گیر ریگولیٹر پر کرنٹ [illegible] کر رہا تھا۔ اپنے کام سے فارغ ہوتے ہی اس نے ایک بٹن پر اپنی انگلی رکھی، بورڈ پر ایک سرخ گولا روشن ہو گیا اور تہ خا[illegible]ے کی بند فضا کھٹومل کی بھیانک غیر ارادی چیخ سے گونج اٹھی۔

سرخ دائرہ لمحہ بھر روشن رہ کر بجھ گیا۔ [illegible] لمحاتی شاک مکمل ہو چکا تھا۔

کھٹومل وہ جھٹکا سہہ لینے کے بعد گھبراہ[illegible] [illegible]ان میں زور زور سے کچھ بولنے لگا۔ اس کے لہجے سے ظا[illegible]ہا تھا کہ وہ خود کلامی کے ذریعے خود کو سنبھالے رکھنے کی [illegible]شش کر رہا تھا۔

اکبر رانا اسٹیشن نائن کا سربراہ تھا اور اپنے ہتھیاروں کے بہترین استعمال سے بخوبی واقف تھا۔ میرے اشارے پر اس نے بورڈ پر کچھ چھیڑ چھاڑ کرنے کے بعد دوبارہ بٹن دبایا۔

ایک مرتبہ پھر سرخ دائرہ روشن ہو گیا اور تہ خانہ کھٹومل کی وحشت ناک چیخوں سے لرزنے لگا۔ آہنی بندھنوں نے اسے بے بس کیا ہوا تھا۔ وہ کرسی میں کئی سیکنڈ تک ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتا اور چیختا رہا۔ آخر سرخ روشنی غائب ہو گئی اور کھٹومل ۔۔۔ جس حال میں تھا نڈھال سا اسی حالت میں بیٹھا رہ گیا۔

اس کا چہرہ پسینے میں بھیگنے لگا تھا۔ داہنے بازو کے زخموں کا منہ دوبارہ کھل گیا تھا۔ اس کی اچھل کود کے نتیجے میں ان زخموں سے خون بہنا شروع ہو گیا تھا۔

"ڈیڈی! تم۔۔۔ پکے سؤر کے۔۔۔ بچ۔۔۔ بچے ہو۔" وہ رک رک کر کراہا۔

"کھٹومل! اپنی زبان پر قابو رکھو۔ تیسرا جھٹکا اس سے زیادہ طویل ہوگا۔" میں نے غرا کر اسے تنبیہہ کی۔ "یہ یاد رکھو کہ جب تک تمہاری آنکھوں پر سیاہ پٹی موجود ہے، تمہاری زندگی کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔ یہ پٹی اترنے کے بعد تمہیں اسی برقی کرسی پر بھون دیا جائے گا۔"

"یہ ظلم ہے۔۔۔ بربریت ہے۔" وہ بے بسی سے حلق کے بل چیخ پڑا۔

"ہر ظالم اپنے کیے کی سزا پانے پر یہی کہتا ہے۔ زبان کھولو ورنہ طاقت ور برقی رو تمہیں جلا کر کوئلہ بنا دے گی۔ کوئلے کے کھٹومل کو کوئی نہیں پہچان سکے گا۔"

کھٹومل کسی مرکھنے بیل کی طرح منہ کھول کر ہانپتا اور میری بات سنتا رہا۔ میرے خاموش ہونے کے کئی ثانیوں بعد بھی وہ نہ بولا تو مجھے اپنی بات جاری رکھنی پڑی۔

میں نے اکبر رانا کے آدمیوں کو ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے ہوئے کرخت آواز میں حکم دیا۔ "یہ مردود مرنا ہی چاہتا ہے تو اس کی آنکھوں سے بلائنڈ فولڈ اتار دو۔"

ایک شخص کے ہاتھ فوراً ہی کھٹومل کی پسینے میں بھیگی ہوئی پیشانی سے جا لگے۔

کھٹومل کے لیے وہ ملک الموت کے ہاتھ کا لمس تھا۔ اس نے اپنا سر جھٹک کر پوری قوت سے کہا۔ "دور رہو اور پوچھو، کیا پوچھتے ہو؟"

"اسے ایک مہلت دے دو!" میں نے اکبر رانا کے ماتحت سے کہا پھر اپنے قیدی سے مخاطب ہو گیا۔ "کھٹومل!

امریکیوں کے لیے تم کب سے کام کر رہے ہو؟"

"یہ مجھ پر جھوٹا الزام ہے۔ میں کسی کے لیے کوئی کام نہیں کرتا۔ میرے ایک اشارے پر لوگوں کی قسمتیں بدل جاتی ہیں۔ مجھے کسی کے لیے کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہمیں بھی یہی پریشانی ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے تم کس مجبوری کے تحت ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے ہو؟ وہ تمہیں کیوں بلیک میل کر رہے ہیں؟"

"یہ جھوٹ ہے۔ یہ بہتان ہے۔ میں ایک معزز سیاست داں ہوں۔ میں نے کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا۔"

"تم نے ڈینی کے خلاف ڈکیتی اور قتل کی جھوٹی ایف آئی آر کیوں درج کرائی تھی؟"

"ڈینی کے خلاف؟" اس نے ہذیانی لہجے میں دہرایا۔ "تم پھر مکر رہے ہو کہ تم ڈینی ہو۔"

"اس لیے کہ میں ڈینی نہیں ہوں۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "ڈینی تمہارا کوئی خواب ہو سکتا ہے۔ ہمارا تعلق قانون کے محافظوں سے ہے۔ جو پوچھا جا رہا ہے اس کا جواب دو۔"

"وہ رپورٹ جھوٹی نہیں تھی۔" وہ سخت اور ضدی لہجے میں اپنی بات پر اڑ گیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ جس وقت تمہارے گھر ڈکیتی نہیں بلکہ ہڑبونگ کرنے کے لیے لوگ ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے آئے، تمہارے کرائے کے قاتل کلفٹن میں ایک فلیٹ کو گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"بظاہر یہی معلوم ہو رہا تھا لیکن میں نے کئی گھنٹے گزرنے کے بعد رپورٹ درج کرائی تو مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ کلفٹن میں کوئی مقابلہ ہوا ہے جس میں چھ آدمی مارے گئے ہیں۔ اس واقعے میں ڈینی ملوث تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اسی نے کسی غلط فہمی کی بنا پر میرے گھر کا رخ کیا ہوگا۔"

"کھٹومل! زیادہ بک بک مت کرو۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ اذیت ناک برقی جھٹکے کھانے کے باوجود اس کی ذہنی حالت ابتر نہیں ہوئی تھی۔ اس نے کلفٹن کے واقعے کا ذکر کرتے ہوئے بہت احتیاط سے الفاظ استعمال کیے تھے۔ بھول کر بھی اس خونیں تصادم کی ذمے داری قبول کرنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "بہت سی کڑیاں مل چکی ہیں۔ کراچی میں کیماڑی کے ایک شراب خانے کے مالک نے بتایا ہے کہ اس کے عقبی دفتر میں تم بالم سے ملے تھے۔ بالم تمہارا نمک خوار تھا۔ لڑائی میں وہ مارا گیا۔ دوسرے لوگوں کو اسی نے کرائے پر لیا تھا۔"

"ب.... بالم!" وہ خوفزدہ انداز میں ہکلایا۔ "میں کسی بالم کو نہیں جانتا۔"

"بالم اور جانی۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "یہ دونوں تمہارے پالتو غنڈے تھے۔"

"وہ دونوں مر چکے ہیں۔ اب ان کا ذکر بے سود ہے۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ جانی بھی مارا گیا تھا؟" مجھے فصیل میں شگاف ہوتا ہوا نظر آنے لگا۔

اس نے کرسی میں ہلکی سی جنبش کی پھر بولا۔ "اخباروں میں سب کچھ آ گیا تھا۔"

میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کر اکبر رانا کو اشارہ کیا۔ اس نے سوئچ دبایا۔ کرسی میں برقی رو دوڑتے ہی کھٹومل بری طرح بلبلانے لگا۔ اس پر اعصابی شکست و ریخت کے آثار نمودار ہو چلے تھے۔

اکبر رانا کو قیدی کی ناگزیر ضروریات کا پورا اندازہ تھا۔ اس نے بجلی کی بچت سے کام لیتے ہوئے اس بار محض ایک مختصر سے جھٹکے پر اکتفا کیا تھا۔

"ہم تمہیں سسکا سسکا کر یوں ہی انسانی روسٹ میں تبدیل کر دیں گے۔" میں نے اپنے لہجے میں سفاکانہ سرد مہری سموتے ہوئے کہا۔ "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ کان کھول کر یہ بھی سن لو کہ تمہارا شراکت دار چوہدری سلام بھی ہمارے ہاتھ آ چکا ہے۔ اس نے تم سے کہیں زیادہ عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔ فرار کے راستے مسدود پاتے ہی اس کی زبان چل پڑی تھی۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے ایک بے ساختہ آواز برآمد ہوئی۔ "وہ بتا چکا ہے تو پھر تم مجھ سے کیا سننا چاہتے ہو؟ میں نے کچھ نہیں کیا، میں بالکل بے گناہ ہوں۔"

"چوہدری سلام ہیروئن کی کھیپ اسلام آباد سے گجرات لے جاتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے۔" میں نے سچ میں جھوٹ کی ملاوٹ کرتے ہوئے اگلا وار کیا۔ "اس نے ہمیں اپنے اور تمہارے تعلق کی کہانی سنائی ہے۔ تم اپنے اور امریکیوں کے رشتے کی کہانی سناؤ گے۔"

"میری آنکھیں کھول دو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "میں تم سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چند باتیں کرنی چاہتا ہوں۔"

"ہمیں ہمارے دشمن صرف ڈراؤنے خواب میں دیکھتے

ہیں۔ کھلی آنکھوں سے ہم کو شناخت کرنے والوں پر یہ زمین تنگ ہوجاتی ہے۔ اپنی جان کی امان چاہتے ہو تو پٹی بندھی رہنے دو اور جو کہنا چاہتے ہو، کہہ ڈالو۔ آنکھیں بندھی رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"میں اپنے اور تمہارے فائدے کی بات کرنی چاہتا ہوں۔ مجھ پر آیا ہوا بُرا وقت ٹل جائے گا اور تمہارے بھی دن پھر جائیں گے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"بولتے رہو۔ میں سن رہا ہوں۔" اس کی خاموشی پر میں نے لقمہ دیا۔

"کیا میں پورے اعتماد اور راز داری کے ساتھ زبان کھول سکتا ہوں؟"

"یہاں کوئی اجنبی نہیں ہے۔ تم پوری بے تکلفی سے اپنے دل کی بات کہہ سکتے ہو۔"

"میں نے اس ملک میں زندگی بھر بہت کچھ کمایا ہے۔ میں تمہاری خوشنودی کے لیے ایک بڑی رقم سے دست بردار ہونے کو تیار ہوں۔" اس کی آواز دھیمی ہوگئی۔

"میرے صبر کا امتحان مت لو۔ ایک ہی سانس میں اپنی بات پوری کرڈالو۔" میں نے اسے ٹوکا۔

"تم قیمت بتاؤ۔ میں ادا کرنے کو تیار ہوں۔ تم مجھے بھول جاؤ گے اور میں اس قیمت کو ایک کاروباری خسارہ سمجھ کر ہمیشہ کے لیے بھول جاؤں گا۔ تم لوگ یقیناً سرکاری ملازم ہو۔ ایک ڈیڑھ کروڑ کی رقم تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی زندگی بدل سکتی ہے۔"

"تم اپنی آزادی کی بہت کم قیمت لگا رہے ہو۔ ڈیڑھ کروڑ کے بارے میں ایک آدمی ضرور سوچ میں پڑ سکتا ہے مگر ہم چار ہیں۔ ہمارے....."

"دس کروڑ" اس نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے اضطراری لہجے میں بولی لگائی۔

وہ رشوت کی پیشکش کررہا تھا۔ تہ خانے میں کہا ہوا ہر لفظ ایک حساس سسٹم کے ذریعے مقناطیسی فیتے پر ریکارڈ ہو رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ کھٹومل کی مزاحمت کی ہر قوت اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی اور وہ ہمارے چنگل سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہر حربہ آزمانے پر تل گیا تھا۔

"نہیں کھٹومل.... اتنی چھوٹی رقم میں ہم اپنے ضمیر کا سودا نہیں کرسکتے۔"

"مجھے معلوم ہے.... سب معلوم ہے۔" وہ بے چین ہوا جارہا تھا۔ "ہر شخص کے اصولوں کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ سستے اصول آسانی سے بک جاتے ہیں۔ تمہاری بولی میری حیثیت سے زیادہ ہوئی تو میں تمہاری زیادتیاں سہتا رہوں گا ورنہ تمہارا منہ بند کردوں گا۔ بولو، کیا مانگتے ہو!"

"سچ.... سچ کے سوا کچھ نہیں۔ امریکیوں کے لیے تم کب سے اور کیا کام کررہے ہو۔" میں نے سرد اور اٹل لہجے میں اسے سنگین حقائق کی دنیا میں واپس کھینچ لیا۔

مایوسی کے عالم میں اس پر ایک مرتبہ پھر ہذیان کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔

بے ضمیر اور جرائم پیشہ لوگوں کو اپنی زندگی بہت عزیز ہوتی ہے۔ اسی کو رنگین اور پُرتعیش انداز میں گزارنے کے لیے وہ جرائم کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ کھٹومل کو جب یہ اندازہ ہوگیا کہ جھوٹ اور پیسے کے زور پر وہ ہمارے چنگل سے نہیں نکل سکے گا تو اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

اس کی کہانی کا حیرت انگیز اور بنیادی پہلو یہ تھا کہ اس کے سیاسی و سماجی جرائم کا بھارتی سفارت کاروں سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کی اڑان بہت اونچی تھی۔ اس نے براہِ راست امریکیوں سے مراسم استوار کیے تھے۔ ان سے دوستی بڑھانے کی سرتوڑ کوششوں میں اس سے جابجا کئی لغزشیں بھی ہوئیں جن کی غلط تشہیر اس کی سماجی اور گھریلو زندگی تباہ کرسکتی تھی۔ یہ امریکی سفارت کاروں کے گرد پھیلے رہنے والے ایجنٹوں کی کارکردگی تھی کہ کھٹومل کی زندگی کے وہ کمزور لمحے کہیں نہ کہیں محفوظ کرلیے گئے تھے۔

بین الاقوامی سازشوں کے ایک لگے بندھے معمول کی طرح کھٹومل نے بھی ایک چھوٹا کام کرکے اس دلدل کے سرے پر پہلا قدم رکھا تھا اور پھر ہر بڑھتے ہوئے قدم کے ساتھ وہ اس دلدل میں دھنستا ہی چلا گیا۔ اس کے پاس امریکی فرمائشوں سے گریز کی کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔

جن دنوں میں امریکا میں بلیک ڈیڈ اور جینی کے تعاون سے امریکی مفادات کو زک پہنچا رہا تھا، امریکی قونصل خانے کے ویزا افسر نے کھٹومل کو میرے کسی قریبی ساتھی کے اغوا پر مامور کیا تھا۔ میرا کلفٹن والا فلیٹ پہلے سے ان لوگوں کی نگاہوں میں تھا۔ کھٹومل نے اپنے آدمی میرے پیچھے لگا دیے۔

کھٹومل کے آدمی پہلے سلطان شاہ کے ہاتھوں زخمی ہوئے پھر گلشن اقبال میں ہمارے ہاتھوں مارے گئے۔ ان کا وہ عبرت ناک انجام کھٹومل کے لیے اشتعال انگیز ثابت ہوا اور اس نے بالم کو میرا فلیٹ تباہ کرکے وہاں موجود ہر شخص کو ہلاک یا اغوا کرنے کے مشن پر مامور کردیا۔

اس کے بعد کے واقعات ہمارے سامنے تھے۔ میں نے

کھٹومل سے یہ بھی اگلوا لیا کہ اس نے اپنی ایف آئی آر میں میرا نام امریکی قونصل خانے کے ویزا افسر کے ایما پر ڈالا تھا۔

وہ کھٹومل کی کہانی کا ایک رخ تھا جس کا براہ راست میری ذات سے تعلق تھا۔ اس بارے میں اس کی زبان سے نکلی ہوئی تمام تر جزئیات ریکارڈ کرنے کے بعد میں نے چوہدری سلام کا قصہ چھیڑ دیا۔

چوہدری سلام سے کھٹومل کی شناسائی زیادہ پرانی نہیں تھی اس لیے وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ کسی زمانے میں چوہدری سلام مومستری کے نام سے لاہور کی ایک فٹ پاتھ پر اپنا موٹر ورکشاپ چلاتا تھا۔ ان دونوں کی ملاقات اس وقت ہوئی جب مومستری اپنے ماضی سے پیچھا چھڑا کر چوہدری سلام کے نام سے پاکستان کے سیاسی اکھاڑے میں اتر چکا تھا۔

ایک ممتاز اقلیتی رہنما ہونے کی بنا پر سندھ میں کھٹومل کو کئی شراب خانوں کے پرمٹ ملے ہوئے تھے۔ دوسری طرف چوہدری سلام کو اپنی مالی استعداد بڑھانے کے لیے دولت کمانے کے آسان نسخوں کی تلاش تھی۔ ایک نعرے باز سیاسی کارکن اور سفید پوش بدمعاش ہونے کی وجہ سے وہ بہت سے رہنماؤں کا منہ چڑھا تھا۔ اس نے پنجاب میں شراب خانوں کے پرمٹ لینے شروع کردیے۔

بنیادی طور پر وہ سرکاری اجازت نامے شراب کے پرمٹ پر غیر مسلموں کو فروخت کے لیے جاری کیے جاتے تھے۔ ان دکانوں میں مے نوشی کی اجازت نہیں تھی لیکن یہ ایک کھلا راز تھا کہ ملک بھر میں بیشتر دکانوں پر مے خواروں کو پینے کے لیے شراب فراہم کی جاتی تھی اور پرمٹ کے بغیر مسلمانوں کو بلیک بھی کی جاتی تھی، یہی دو دھندے ان دکانوں کی خطیر آمدنی کا ذریعہ تھے۔

مے فروشی میں مشترکہ مفادات کی بنا پر ان دونوں میں مراسم کی داغ بیل پڑی۔ دونوں واقف تھے کہ اس کام میں قانون شکنی کیے بغیر کچھ آمدنی نہیں تھی۔ اس موضوع پر باہمی اعتماد میں اضافہ ہوا تو چوہدری سلام نے کھٹومل کو ہیروئن فروشی کا آغاز کرنے کی تجویز دی۔

چوہدری سلام کے پاس جملہ ذرائع موجود تھے مگر سرمایہ نہیں تھا۔ کھٹومل کے پاس سرمائے کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن وہ ہیروئن فروشی کے اسرار و رموز سے ناواقف تھا۔ دونوں میں شراکتی کاروبار کی ابتدا ہو گئی۔

چوہدری سلام نے قلیل سی مدت میں اس کام کے ہیر پھیر سے اتنا مال بنا لیا کہ اگلے انتخابات میں کارکنوں کی بھرپور نفری کے ساتھ میدان میں کود پڑا۔ شرافت، دھونس، دھمکی اور سرمائے کے ملے جلے استعمال سے وہ کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو ہی گیا۔ اسمبلی میں پہنچنے کے بعد اس نے بیوروکریسی کے اہم مہروں سے اپنے تعلقات بڑھانے شروع کردیے جن سے کھٹومل بھی حسب ضرورت فیض یاب ہوتا رہا۔ کراچی میں پیش آنے والے نامساعد حالات سے کھٹومل کی گلوخلاصی کے لیے چوہدری سلام نے اپنے ان ہی تعلقات سے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔

یہ کھٹومل کے اعترافات کا خلاصہ تھا۔ اس کی کہانی میں ایسے کئی پردہ نشینوں کے نام بھی آئے تھے جو پورے ملک کو چونکا سکتے تھے۔ بیوروکریسی اور سیاست کے میدان میں انتہائی نیک نام لوگوں کے وہ کرتوت میرے لیے حیران کن تھے۔

میں نے اکبر رانا سے نظروں ہی نظروں میں تبادلۂ خیال کیا۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کی کہ اس کے چلے جانے کے بعد وہ کھٹومل کو الیکٹرک چیئر کے بندھنوں سے آزاد کرنے کے ساتھ ہی بلائنڈ فولڈ سے بھی نجات دلا دیں۔

"کھٹومل کے اعترافات میرے لیے اب ناقابلِ یقین ہیں۔" تہ خانے کے زینوں پر اکبر رانا نے دھیمی آواز میں سرگوشی کی۔ "اگر وہ ان اعترافات سے منحرف نہیں ہوتا تو امریکی ایک مرتبہ پھر اپنا منہ لے کر رہ جائیں گے۔ انہیں تمہارے خلاف نئے سرے سے کوئی محاذ کھولنا ہوگا۔"

"اس کی کتھا سن لینے کے بعد تم کس نتیجے پر پہنچے ہو؟" میں نے اسی لہجے میں پوچھا۔

"چیف کو کھٹومل کے بارے میں بریفنگ دینے کے ساتھ ہی مجھے چوہدری سلام کی گرفتاری کی اجازت بھی حاصل کرنی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں نام آنے کے بعد وہ گرفتاری کے خوف سے سرحد پار کرکے کسی پڑوسی ملک میں روپوش ہو جائے۔"

"گڈ، یہ کام سب سے زیادہ ضروری ہے۔" میں نے اس کی بھرپور تائید کی۔

کمرے میں پہنچنے کے بعد میں سگریٹ سلگا کر تھکے ہوئے انداز میں بستر پر دراز ہو گیا۔ اکبر رانا فون پر اپنے چیف سے رابطہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

حاصل کرلی مگر وہ کسمپرسی کے عالم میں مرگیا۔ ہم جان کی پناہ گاہ کا سراغ لگانے کی کوشش میں لگے رہے۔ فون نمبر کے حوالے سے وہ پتا معلوم ہوگیا۔ ہم پوری احتیاط اور تیاریوں کے ساتھ اس تاریک اور بظاہر ویران مکان میں پہنچے تو گھور اندھیرے میں اچانک ہی سنی سامنے آگیا۔ میری دانست میں وہ بازارِ حسن میں پروان چڑھنے والا ایسا بے ضرر نوجوان تھا جو زنانہ عادتوں میں مبتلا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سنی' راس المیڈا کا آدمی ہوگا۔ اول خان اسے اپنے آدمی کے قاتل کے طور پر شہر بھر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا مگر وہ جان اور راس المیڈا کے زیرِ سایہ اس کمین گاہ میں روپوش تھا۔ سنی نے بازپرس کے بعد بتایا کہ ساگا نے مرنے سے قبل اسے ایک فون نمبر دے کر اپنی حالت کی خبر کرنے کو کہا تھا۔ اس فون پر بات کرنے والے گورے نے اسے اس خالی مکان کا رخ کرنے کی ہدایت کی تھی اس لیے وہ یہاں موجود تھا۔ سنی نے جب یہ بھانپ لیا کہ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے تو اس نے اپنی جاں بخشی کے عوض ساگا کا آخری پیغام دہرا دیا جو دو مہمل الفاظ 'نیلو رامیبے' پر مشتمل تھا۔ اول خان نے اسے ہلاک کردیا۔ اب ہمیں جان کا انتظار تھا جسے سنی سے ملاقات کے لیے آنا تھا۔ جان آیا تو ہم نے اسے چھاپ لیا۔ اس دوران میں ہمیں یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ جان نے جس سفارت کار کے گھر پناہ لے رکھی ہے' اس کا گھر اسی مکان سے ملحق ہے۔ جان کو بے بس کرنے کے بعد ہم نے اس سفارت کار کو دھوکے سے مکان میں بلوالیا۔ وہ ایک امن پسند اور شریف آدمی تھا۔ وہ ویرا کو اس کی رضامندی کے ساتھ اس شرط پر ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ ہوگیا کہ جان کو چھوڑ دیا جائے۔ اس تبادلے کے بعد ہم گھر پہنچ گئے۔ جان ہمارے بدترین تشدد کو نہ سہار سکا اور طبی امداد ملنے سے پہلے ہی دم توڑ گیا جبکہ وہ سفارت کار ہماری وجہ سے وبال میں آگیا۔ سنی کے کہے ہوئے الفاظ نیلو رامیبے اب میرے ذہن میں کھٹک رہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکیوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں' اس کا قصہ جلد پاک ہوجانا چاہیے۔ اول خان کے ساتھ ہم چاروں آنے والے وقت سے بے خبر' اپنے خوفناک عزائم کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔ باہمی تبادلۂ خیال کے بعد یہ خیال زور پکڑتا چلا گیا کہ راس المیڈا کے جسم میں کوئی چپ' موجود رہا ہوگا جس کی مدد سے اسٹیشن فور کی نشاندہی کی جاسکتی تھی۔ اول خان نے اپنے دوست کمانڈر سعید سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ امریکن نیوی کے متعلقہ میں لنگر انداز جہاز سے پرواز کرنے والا ایک ہیلی کاپٹر لاپتا ہے جس میں بیس افراد سوار تھے۔ اندازہ تھا کہ یہ راس المیڈا کی بازیابی کی مہم پر نکلا تھا۔ ویرا نے راس المیڈا پر تشدد کرکے چپ برآمد کرکے تباہ کردیا۔ نیلو رامیبے کے متعلق راس المیڈا نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت را کے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے اسے مار کر اپنا انتقام پورا کرلیا۔ اول خان نے ہیلی کاپٹر سے نمٹنے کے تمام انتظامات کرلیے تھے جس کی وجہ سے ہمارا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا اور مخالف اپنے ہیلی کاپٹر سمیت جہنم واصل ہوگئے۔ بعد کے معاملات کمانڈر سعید نے اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اب ہمارے سامنے را کے ایجنٹوں کی تلاش تھی۔ ساگا کی محبوبہ سے پتا چلا کہ راجن اور وکرم نامی دو افراد کو ساگا نے ایک مقامی ہوٹل میں ٹھہرایا تھا۔ اب ہوٹل کے ذمے داروں سے معلومات کرنا تھیں۔ اول خان کی بھاگ دوڑ کافی مفید ثابت ہوئی تھی مگر ہمیں صبح کا انتظار تھا۔ اگلے دن راس المیڈا کے جانشین آئزک نیل نے ایک فون کال کرکے ہمیں اضطراب میں مبتلا کردیا کہ ہفتے کے دن پاکستان کا ایک بجلی گھر تباہ کردیا جائے گا۔ ہفتے میں ابھی کچھ دن تھے۔ پہلے را کے ایجنٹوں کی تلاش ضروری تھی کیونکہ انہوں نے یہاں اپنی موجودگی کا ثبوت دو بم دھماکوں کی شکل میں دے دیا تھا۔ انہیں پاکستان پہنچانے والے غفور بھٹی کی مدد سے ان کے خاکے تیار کرلیے گئے تھے مگر وہ بے کار ثابت ہوئے۔ اس سلسلے میں ہم نے ساگا کی محبوبہ نادیہ سے مدد حاصل کی۔ اس کا بیان کردہ حلیہ' غفور بھٹی کی بتائی ہوئی معلومات سے قطعی مختلف تھا۔ ہم نے غفور بھٹی کو اٹھوالیا۔ اس سے ایک اسپیڈ بوٹ میں بازپرس کی گئی کہ اس نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا تھا مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ میرا اول خان سے ریڈیو پر رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ نادیہ کی مدد سے تیار کیے گئے خاکوں کو ہوٹل کے عملے نے پہچان لیا ہے مگر یہ دونوں ایجنٹ ہوٹل چھوڑ چکے ہیں۔ غفور بھٹی کے سلسلے میں اس نے کہا کہ اس کے پیروں میں وزن باندھ کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔ اول خان کی تجویز سن کر وہ پہلی بار سراسیمہ ہوا۔ اس نے ساری زندگی سمندر میں گزاری تھی اور بپھرے ہوئے پانیوں میں آنے والی موت کا مفہوم اچھی طرح جانتا تھا۔ ہمارے تشدد کے نتیجے میں غفور بھٹی نے اگل دیا کہ اس نے بختل کے کہنے پر خاکوں میں تبدیلی کی تھی۔ بختل حاجی دل مراد کا آدمی تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس نے را کے ایجنٹوں کو معاوضے کے عوض پناہ دے رکھی تھی۔ غفور بھٹی کو سمندر کے حوالے کرنے کے بعد ہم نے بختل اٹھوالیا۔ اس نے بتایا کہ حاجی دل مراد ان ایجنٹوں کو ہمارے حوالے کردے گا مگر اس وقت وہ اپنے دوست غفور بھٹی کی گمشدگی پر پریشان ہے۔ اسے دوسری راہ پر لگانے کے لیے میں نے اغوا کنندہ بن کر حاجی دل مراد کو فون کیا اور غفور بھٹی کی رہائی کے عوض ایک کروڑ کا مطالبہ کردیا جس پر اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑگیا۔ بختل نے ہم سے تعاون کرتے ہوئے اپنی محبوبہ ریشم بخت کے گھر میں ان ایجنٹوں سے میری ملاقات کا انتظام کردیا تھا۔ میں مقررہ وقت پر وہاں پہنچا تو بختل کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ شاید ان شاطر ایجنٹوں کو کچھ شک ہوگیا تھا۔ میں نے بھی تحفظ ... یہ اپنایا۔ ایک مرحلے پر میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ را کے ایجنٹ اپنی نشستوں پر جمے مجھے گھورے جارہے تھے۔ پھر وکرم کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک موہوم سی ... مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ وہ دونوں بہت ہوشیار بن رہے تھے مگر میرے جال میں پھنس گئے۔ میں انہیں نادرہ کے مکان پر لے آیا۔ بھاری معاوضے کے عوض میں ان کی مدد کرنے پر راضی ہوگیا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ انہوں نے مجھے خود اپنی تلاش کا کام سونپا تھا۔ ان کے ذریعے میں نے بھارتی قونصل خانے میں ملازم مدن موہن کو گھیرلیا۔ اس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہونے کی امید تھی۔ را کے ایجنٹ راس المیڈا کے بلاوے پر پاکستان آئے تھے۔ اب اس کی موت کے بعد انہیں امریکی قونصل خانے کے افسر نک موڈلے سے مزید ہدایات ملنا تھیں مگر وہ خود براہِ راست یہ ملاقات نہیں کرسکتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے درمیان رابطے کا کام انجام دوں۔ میں نے ابھی اس کام کی ہامی نہیں بھری تھی کیونکہ اس میں میرے لیے سنگین خطرات پوشیدہ تھے۔ میں نے وکرم (جس کا اصل نام بدری ناتھ تھا) کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وہ نک کا صورت آشنا نہیں ہے اس لیے اس سے خود رابطہ کرلے۔ اس نے میری اس تجویز کی تعریف کی مگر ساتھ ہی یہ دلیل دی کہ اس کی اور راجن (رمیش اگروال) کی آمد کی اطلاع کے ساتھ ہی نک کے پاس ان کی تصاویر مع لوائف پہنچ گئی ہوں گی۔ میں نے سب کو صورتِ حال سے مطلع کیا۔ اول خان نے بتایا کہ مدن موہن سے اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں اور آئزک نیل کی دھمکی کے مطابق کوٹ ادو کے تھرمل پاور ہاؤس میں دھماکے کے بعد آگ لگ گئی تھی مگر ملزم رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ وہ بھی ڈیوڈ اسٹارز کے ہاتھوں بلیک میلنگ کا شاخسانہ تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ نک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسیٹر بھجوایا تھا۔ میں نے ایف ایم ماٹک کے ذریعے ان کی گفتگو سنی تو اندازہ ہوا کہ کوئی اہم مشن درپیش تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی خلیج تھی' بدری کو نک کا تحکمانہ انداز بھی پسند نہیں آیا تھا۔ وہ میرا تعاون حاصل کرکے مجھے اپنے ساتھ امریکا لے جانا چاہتا تھا۔ یہ ڈیوڈ اسٹارز کو تباہ کرنے کا بہترین موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ نک موڈلے نے بھی دو افراد کو بھیجا تھا جو ٹرانسیٹر میں پوشیدہ ڈی ٹیکٹر کی مدد سے ہمارے ٹھکانے کی طرف آرہے تھے۔ بدری نے دونوں کو جہنم واصل کردیا۔ اس دوران میں میری اور ویرا کی لندن جانے کی تیاریاں ہوچکی تھیں۔ بدری سے وہاں رابطے کا نمبر لے کر میں لندن روانہ ہوگیا۔ جہاز میں اتفاقاً مدن موہن کے بیپرل انفارمیشن سیل کے ایک ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوگئی۔ وہ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ لندن میں بدری کے دیے ہوئے نمبر پر رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس نمبر پر را کے ایجنٹوں کے مسائل حل کیے جاتے ہیں۔ میری درخواست پر ایک ایجنٹ گپتا کو بھیجا گیا۔ وہ میری طرف سے مشکوک تھی چنانچہ اپنے گھر لاکر اپنے ساتھی کی مدد سے اصلیت اگلوانا چاہتی تھی۔ ویرا نے پیچھے سے پہنچ کر دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ دہرے قتل کی اس واردات نے سنسنی پھیلادی۔ دوسری طرف پاکستان میں سلیم اکبر خان کے دفاتر میرے ایما پر سیل کردیے گئے تھے۔ وہ ملک واپس جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر میں نے اسے رضامند کرکے واپس بھیج دیا جہاں اول خان اس کا منتظر تھا۔ بدری کے لندن پہنچتے ہی اس کی نگرانی شروع ہوگئی تھی۔ رمیش اس کی راہ کی رکاوٹ تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی راہ کا یہ کانٹا جلد ہی نکل جائے گا۔ پہلی واردات کے خطرات اور پریشانی کے بعد فی الحال حالات ہمارے حق میں تھے۔ ویرا نے رمیش کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ وہ واپس لوٹی تو اول خان سے ملنے والی یہ اطلاع اس کی منتظر تھی کہ پاکستان میں سلطان شاہ کو اغوا کرلیا گیا۔ غزالہ اس لیے بچ گئی کہ وہ اول خان کے گھر تھی۔ ہم متفق تھے کہ یہ کام آئزک نیل کا ہے۔ آئزک نیل سے براہِ راست بات ہوئی تو اس کی تصدیق ہوگئی۔ اس کی معلومات کے مطابق میں پاکستان میں ہی تھا۔ اس نے مجھے ڈیوڈ اسٹارز کے لیے کام کرنے کی پیش کش کی۔ ملوکی سلطان شاہ کو لاشوں کے ساتھ تابوت میں بند کرکے امریکا پہنچانا تھا۔ میں نے اول خان کو صورتِ حال بتادی مگر وہ بدقسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی بحریہ کا سی ون تھرٹی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے سی ون تھرٹی اغوا کرلیا۔ میں نے دوبارہ آئزک نیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کرکے میں نے آئزک نیل سے طویل گفت

وشنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں انقرہ کے ایک اسپتال میں پہنچا دیا گیا۔ امریکا کے سفر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ نادا نستگی میں منشیات فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں ویرا ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور آئزک نیل ہماری آمد سے آگاہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آئزک نیل کے آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آئزک نیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی، اطمینان سے اپنا کام کر آئی۔ اس کے بیان کے مطابق آئزک نیل رنگس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو اپنی ایک پرانی سہیلی جینی بھی نظر آگئی۔ آئزک نیل نے بلیک ڈیڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ جینی نے آئزک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کردی۔ آئزک نیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر ناکارہ ہوچکا ہے۔ اس کی مرمت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ ذمے داری رنگس کمپنی کی تھی۔ جینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جانا تھا۔ گڑبڑ کا امکان غالباً وہیں تھا۔ میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جینی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوادی تھی تاکہ وہ اسے ڈی کوڈ کراسکے۔ جینی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آئزک نیل آگ بگولا تھا۔ میں نے آئزک نیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش ... کی جسے میں نے مسترد کردیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کرلی تھی لیکن وہ بلیک ڈیڈ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مطمئن کرنے کے بعد ہم منصوبے کے مطابق پرسٹن روانہ ہوگئے۔ یہاں میں نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں گڑبڑ سے باز رکھا۔ اسے ہلاک کرنے کے بعد میں نے اسے اس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرچکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے پر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے، آئزک نیل، راس المیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان، ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آئزک نیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنا دی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائر ایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور نک موڈلے امریکا روانہ ہورہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایما پر میں نے آئزک نیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کرکے آئزک نیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کررہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر منتقل ہوگئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آئزک نیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کرلے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کررہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں

سے ایک اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔ زخمی آئزک نیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا تاہم ابھی یہ بات تصدیق طلب تھی کہ حملہ میں نے کیا ہے یا کرمانی نے۔ میں نے حالات کا اندازہ کرکے گیپ نامی معاہدہ ایک پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوادیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو نمایاں مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اسے کرمانی کی تلاش میں نیویارک بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کی طرف مبذول ہوگئی۔ بلیک ڈیڈ نے میری مدد کی اور چار اہم افراد کے نام فراہم کردیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر مجھے دے دیا جو اسے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نے بنجمن نورث نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کرکے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ بنجمن سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جینی کے کمپیوٹر ریکارڈز سے جارج شلز نامی ایک ڈیوڈ اسٹار کا پتا اور فون نمبر معلوم کرلیا۔ بلیک ڈیڈ سے تبادلۂ خیال ہوا تو اس کی تجویز پر جارج شلز کو دو داؤدی ستاروں میں طاقت ور مائیکروفون چھپا کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ مائیکروفون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورتِ حال پر گفتگو کرنے کے لیے بنجمن نورث کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیڈ نے ان چاروں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بنایا۔ ہم جارج شلز کو اغوا کرکے ایک ایمبولینس میں ڈال کر بنجمن کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارز اپنے محافظوں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مر کر بھی وہاں

سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ کسی بٹن کے دبنے کے باعث ہماری ہی ایمبولینس کا سائرن بجا تھا۔ خون ریز مقابلے کے بعد چاروں ڈیوڈ اسٹارز مارے گئے۔ میری بدری ناتھ سے بات ہوئی تو اس نے حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے بلا دھڑک مجھ پر زینی ہونے کا الزام لگادیا۔ اس کے منحرف ہونے کے بعد امریکا میں مزید قیام خطرناک تھا اس لیے بلیک ڈیڈ سے کہہ کر ہم نے واپسی کے انتظامات کرلیے تھے۔ اب صرف نک موڈلے سے حساب بے باق کرنا تھا جو ان دنوں امریکا میں تھا۔ بلیک ڈیڈ نے میرے ایما پر اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اغوا کروالیا۔ میں ابھی اس پر تشدد ہی کررہا تھا کہ بلیک ڈیڈ کے ایک آدمی نے مجھ پر ریوالور تان لیا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دراصل یہ غلط فہمی تھی جو بلیک ڈیڈ کے آدمی ذک کے بھینگے پن کے باعث ہوئی تھی۔ ذک کا نشانہ نک موڈلے تھا۔ نک کو ہلاک کرنے کے بعد اب بدری ناتھ میرے نشانے پر تھا۔ بلیک ڈیڈ کی فراہم کردہ بارودی بیلٹ کے ذریعے بدری ناتھ بھی تین سی آئی اے کے اہل کاروں سمیت جہنم واصل ہوا تو ہم نے رختِ سفر باندھ لیا۔ ہم طیارے میں بحفاظت سوار ہوگئے مگر فلائٹ کے دوران میں ویرا نے یہ تشویش ناک خبر سنائی کہ چیف پائلٹ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہم اچانک سنگین خطرے سے دوچار ہوگئے تھے لیکن یہ مرحلہ ویرا نے خود کو بیمار ظاہر کرکے طے کرلیا۔ ہم بحفاظت پاکستان پہنچ گئے۔ امریکا جانے سے پہلے ہم را کے ایجنٹ مدن موہن کے نیپال انفارمیشن سیل پر کام کررہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ اس نے را کے دو انفار مر افسران کو گرفتار کرلیا تھا مگر وہ اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ سلطان شاہ نے ان کا سراغ لگا کر انہیں معذور کردیا تھا۔ میں نے انہیں اٹھانے کا پروگرام بنایا اور اول خان کے ساتھ ان کے ٹھکانے پر جا پہنچا۔ ایک گارڈ کو ختم کرنے کے بعد میں آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ مجھے دوسرے گارڈ نے گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔ اسی وقت لائٹ چلی گئی اور مجھے گارڈ سے نمٹنے کا سنہرا موقع مل گیا۔ شنکر رائے نامی انفارمر کو ہم اسٹیشن فور لے آئے۔ اس پر تشدد کیا گیا تو اس نے اپنے پشت پناہ کنول راجوانی کا نام اگل دیا جو ایک بارسوخ جاگیردار تھا۔ اول خان نے بتایا کہ جینی کے ہمارے خلاف رضاکارانہ بیان کے بعد امریکا نے میری حوالگی کا مطالبہ کردیا ہے اور اس کے ساتھ گیپ کے اصل کاغذات بھی طلب کیے ہیں۔ بلیک ڈیڈ کو بھی گرفتار کرلیا گیا تھا۔ میں نے کنول راجوانی سے نمٹنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ہمارے فلیٹ کا محاصرہ ہوگیا۔ ہم نیچے جانے کے لیے لفٹ میں سوار ہوئے۔ اسی دوران میں فائرنگ کرکے ٹرانسفارمر تباہ کردیا گیا جس کے نتیجے میں بجلی معطل ہوگئی۔ ہم لوگ لفٹ میں قید ہو

کر رہ گئے۔ ہم گن کی مدد سے دروازہ کاٹنے کے بعد ہم لفٹ سے نکل آئے۔ باہر دھواں دار فائرنگ ہورہی تھی۔ ہم بھی ان میں شامل ہوگئے اور دشمنوں کو میدان چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ یہ کنول کے بھیجے ہوئے لوگ تھے۔ ہم نے فوری طور پر جوابی حملہ کردیا مگر اول خان کے آدمی صرف کنول کے گھر ہونے والی تقریب کو درہم برہم کرسکے۔ کنول نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور مہمانوں کا قیمتی سامان اپنے قبضے میں کرکے میرے خلاف ایف آئی آر کٹوادی۔ اول خان کی ہدایت پر خواتین اس کے گھر اور سلطان شاہ اسٹیشن فور منتقل ہوچکا تھا۔ میں فی الحال جہانگیر کے گھر چلا آیا تھا۔ اول خان نے سرچ وارنٹ حاصل کرکے آئی جی کی سربراہی میں کنول کے گھر کی تلاشی لی تو مسروقہ سامان کی پوٹلی برآمد ہوگئی البتہ کنول فرار ہوگیا۔ ابھی ہم کنول کی بازیابی کے متعلق تبادلۂ خیال ہی کررہے تھے کہ جہانگیر کی بیوی سلمٰی نے مجھے اپنی سرگرمیوں سے روکنے کے لیے اپنی کنپٹی سے ریوالور لگالیا۔ اول خان نے سلمٰی سے ریوالور جھپٹا تو وہ شرمندہ ہو کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ اسی وقت فون پر جہانگیر نے اطلاع دی کہ اس کی دکان کے باہر دو بدمعاش موجود ہیں۔ اول خان اور سلطان شاہ کو کنول کی تلاش میں حیدرآباد روانہ کرکے میں ایس ٹی ایف کے آدمی کے ساتھ جہانگیر کی مدد کو پہنچ گیا۔ ان میں سے ایک بدمعاش کالو مکرانی کسی زمانے میں جہانگیر کے ساتھ کام کرچکا تھا۔ اب وہ جہانگیر کے ذریعے میرا کھوج لگا کر انعام کی بھاری رقم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں بدمعاشوں کو اسٹیشن فور لے آئے جہاں ان پر تشدد کے

بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکمادے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کردیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورت حال سے مایوس ہوکر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کرای۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کھنول کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اٹھا کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچادیا۔ کھنول کے سلسلے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہوگئے۔ کالو مکرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنادیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کھنول کا پشت پناہ چوہدری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے فون کرکے بتایا کہ کالو مکرانی کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں ماردیں۔ خوش قسمتی سے کالو مکرانی صرف زخمی ہوا تھا۔ امریکیوں نے کھنول کی گمشدگی پر خاصا واویلا کیا اور کالو مکرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ کھنول کو دوبارہ اسلام آباد بلالیا گیا۔ میں نے انٹروگیشن سیل میں اس سے کڑی بازپرس کی جس کے نتیجے میں اس نے سنسنی خیز انکشافات کیے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں ویرا کے ساتھ اپنے دشمنوں کے دیس' امریکا میں تھا تو وہاں واقعات اتنی تیزی کے ساتھ رونما ہوتے چلے جارہے تھے کہ ہمیں درمیان میں ستانے کی مہلت بھی مشکل سے ملتی تھی۔ وقت شب و روز ایسی بے رحمانہ رفتار سے گردش میں تھا کہ ہمیں اس کا ساتھ دینے میں دقت محسوس ہورہی تھی۔ سرکاری اور غیر سرکاری دشمنوں کی بھیڑ میں ہمارے بس دو ہمدرد اور ہم نوا تھے۔

پہلا سفید فام بلیک ڈیڈ تھا جو ہمارا ساتھ دینے کی پاداش میں آخری وقت میں امریکی ایجنسیوں کی گرفت میں آگیا تھا۔ دوسری گول مٹول' ہنس مکھ اور دل ربا جینی تھی جسے ویرا نے رشک و رقابت اور اپنی خود غرضی کی بنا پر اپنا دشمن بنالیا تھا۔

امریکا میں چند روز کے قیام میں ہم نے اتنے معرکے سر کیے تھے کہ ان مراحل سے گزر آنے کے بعد خود مجھے بھی اپنی ان کامیابیوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

دوسری طرف پاکستان ہمارا اپنا وطن تھا۔ یہاں حالات بہت مختلف تھے۔ ہمارے حامیوں اور مددگاروں کو دشمنوں پر واضح عددی برتری حاصل تھی' بظاہر وقت کا دھارا بھی ہمارے ساتھ تھا لیکن کامیابی کی رفتار حیران کن حد تک سست ہوگئی تھی۔

جھنگر' ولی جان' بالم اور جانی ضرور مارے گئے تھے لیکن وہ سب ایک تناور درخت کی بے فیض جٹائیں تھیں جنہیں کاٹ کر بھی اس شجر کا گھنا سایہ کم نہیں کیا جاسکا تھا۔

جہنم واصل ہوجانے والے ان مجرموں اور غداروں کے دونوں پشت پناہ ہمارے لیے حلق کی ہڈی بن کر رہ گئے تھے۔ کھنول ہماری تحویل میں تھا لیکن سیاسی مصلحتوں اور ضرورتوں کی بنا پر اسے وہ سزا نہیں دی جاسکتی تھی جس کا وہ سزاوار تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ جس روز وہ ایس ٹی ایف کی تحویل سے نکل کر کرپشن میں لتھڑی ہوئی انتظامیہ کی گود میں پہنچا' کوئی نہ کوئی راشی افسر اس کی ترغیبات کے تحریص آمیز پھندے میں پھنس کر اس کی راہیں آسان بنادے گا۔

رہا چوہدری سلام تو وہ قومی اسمبلی کا رکن تھا۔ اس کے خلاف واضح فردِ جرم ہونے کے باوجود اس پر آسانی سے ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا تھا۔

ایس ٹی ایف کڑے ڈسپلن میں جکڑی ہوئی ایک عجیب تنظیم تھی جس میں ہر ماتحت کسی چون وچرا کے بغیر اپنے اوپر والوں کا حکم ماننے پر مجبور تھا مگر اس وقت مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہورہی تھی کہ کمانڈر اکبر رانا چوہدری سلام کی گرفتاری کے بارے میں فون پر اپنے چیف سے بحث کرنے کی دلیرانہ کوشش کررہا تھا۔

میں پُر امید نظروں سے اکبر رانا کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ فون پر اپنے چیف سے گفتگو کو طول دیتے ہوئے اس کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئی تھیں' اس کا چہرہ قدرے تمتمایا ہوا تھا' اس کے لب ولہجے میں دبا دبا سا احتجاج پوشیدہ تھا۔ آخر کار گفتگو تمام ہوئی اور اس نے مایوسانہ انداز میں اپنا سر جھٹک کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

ملک میں منشیات فروشی' سیاست' قیادت اور فرائض سے... روگردانی کے بارے میں' میں عرصہ دراز سے جو کچھ سنتا رہا تھا' اس کی گرہیں بہت دھیرے دھیرے کھل رہی تھیں۔ وہ سب ایسے وزنی پتھر تھے جنہیں ہر ایک چوم کر ان کی جگہ پر چھوڑ دیتا تھا۔

"بہت مشکل کام ہے۔ چیف سب کچھ سمجھنے کے باوجود مجبور ہے۔" اکبر رانا گفتگو ختم کرنے کے بعد اپنی عرق آلود پیشانی صاف کرتے ہوئے بولا۔

سلطان شاہ پیرودھائی کے اڈے کے قریب واقع افغان مہاجرین کے امدادی کیمپ کے بارے میں ہونے والی گفتگو کے بعد شاید ہم دونوں سے ناراض ہوکر اسلام آباد کی سیر کو نکل گیا تھا۔ اکبر رانا کی بات پوری ہوتے ہی تھکا ہارا' کمرے میں لوٹ آیا۔

اپنی مسلسل مصروفیت کی وجہ سے میں نے اس کی غیر حاضری محسوس نہیں کی تھی۔ وہ یوں اچانک میرے سامنے آیا تو مجھے اس پر غصہ آگیا۔

"کچھ کہے سنے بغیر' اونٹ کی طرح منہ اٹھا کر کہاں نکل گئے تھے؟" میں نے قدرے درشت لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"افغان مہاجرین کی بھیڑ میں جانے سے ڈر رہا تھا اس لیے نہ چھپا کر خاموشی سے مرگلہ کی سیر کو نکل گیا تھا۔" اس نے بے پروائی سے کہا "ویسے بھی میں کوئی نا سمجھ بچہ نہیں ہوں جسے ہر قدم اٹھانے سے پہلے اپنے بڑوں سے اجازت لینی پڑے۔"

"میرے لیے یہ اطلاع حیرت ناک ہے کہ تم اچانک اتنے بالغ ہوگئے ہو۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "آئندہ اپنے انا

دعوے سے منحرف نہ ہوجانا۔"

وہ ڈھٹائی سے مسکراتا ہوا ایک خالی کرسی میں ڈھیر ہوگیا اور اکبر رانا سے مخاطب ہوکر بولا "میں تمہاری پوری بات نہیں سن سکا۔ تم کسی کی مجبوری کا ذکر کررہے تھے۔"

میری دیکھا دیکھی اکبر رانا نے اس کا مضحکہ اڑانے کی کوشش نہیں کی بلکہ سنجیدگی سے کہنے لگا "کھٹول تہ خانے میں بند ہے اور ہم چوہدری سلام کو اٹھانے سے قاصر ہیں۔"

"جب اس کے گھر سے کھٹول کو زخاخیل جیسے دور دراز علاقے میں پہنچایا اور پھر یہاں واپس لایا جاسکتا ہے تو اسے اٹھانے میں کون سی دشواری حائل ہوسکتی ہے؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"سیاسی ادارے مجرموں کی پناہ گاہ بننے لگیں تو ہر طرف دشواریاں ہی دشواریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔" میں نے تلخی سے کہا "وہ اسمبلی کا رکن ہے...."

"سب سے بڑی دقت یہی ہے۔" اکبر رانا نے درمیان میں ہی میری بات کی تائید کی "ایس ٹی ایف سیاست اور سیاسی شخصیات سے دور رہتی ہے۔"

"مگر یہ سیاست کا مسئلہ نہیں ہے۔ چوہدری سلام ایک مجرم ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

"یہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ قانون کی زبان میں وہ ملزم ہوسکتا ہے۔ مجرم اسی وقت کہلائے گا جب دس پانچ برس کی سماعتوں کے بعد کوئی عدالت اس کے خلاف پیش ہونے والی شہادتوں کو کافی تسلیم کرے گی۔ اس جیسے ملزم یا مجرم کو سوچے سمجھے بغیر نہیں پکڑا جاسکتا۔"

"کیوں؟" سلطان شاہ کا وہ مختصر ترین سوال بہت سخت لہجے میں پوچھا گیا تھا۔

"اراکین اسمبلی کو بہت سے تحفظات حاصل ہوتے ہیں۔ ہم چوہدری سلام کو بعض مقتدر شخصیات کی اجازت کے بغیر چھو بھی نہیں سکتے۔ اس بارے میں کام ہورہا ہے۔ اشارہ ملتے ہی چوہدری کو اس کے بیٹے سمیت گرفتار کرلیا جائے گا۔" اکبر رانا نے جواب دیا۔

"تم نے اس کے فرار یا روپوشی کا خدشہ ظاہر کیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تمہاری کہی ہوئی ہر بات میرے ذہن میں گھر کرجاتی ہے۔ میں نے دل کڑا کرکے یہ بات چیف کے کانوں تک پہنچا دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ چوہدری سلام اس وقت نادیدہ دوربینوں کے سائے میں گھوم پھر رہا ہے۔ اسے کسی قیمت پر بھی سرحد پار نہیں جانے دیا جائے گا۔ اشارہ ملنے پر اسے ذرا سی دیر میں ہتھکڑیاں پہنا دی جائیں گی۔"

میرے لیے ایس ٹی ایف کے چیف کی وہ یقین دہانی بھی باعثِ اطمینان تھی۔

میں کھٹول، چوہدری سلام اور امریکی قونصل خانے کے ویزا افسر کے گھناؤنے گٹھ جوڑ کے بارے میں سوچتا اور کڑھتا رہا۔ اسی دوران میں میری ذہنی رو کراچی کی طرف بھٹک گئی۔

ان سازشوں کا بنیادی منظرنامہ کراچی میں تیار ہوا تھا اور کھٹول کراچی میں خطرات کی بو سونگھ کر اچانک ہی اسلام آباد میں روپوش ہوا تھا۔ اس کے تعاقب میں ہمیں بھی وہاں آنا پڑا تھا جب کہ کراچی کا محاذ اول خان نے سنبھالا ہوا تھا۔

پتا نہیں اس وقت وہ کہاں تھا اور کیا کررہا تھا۔ ہماری مجبوری یہ تھی کہ ہمارا واسطہ ایسے خطرناک دشمنوں سے پڑا ہوا تھا جو جدید ترین ہتھیاروں اور مواصلاتی سہولتوں سے لیس تھے۔ ہمارے بعض ٹھکانے ان کی نظروں میں آئے ہوئے تھے۔ اگر میں دوسرے نمبرون پر اول خان سے رابطہ کرتا تو ہماری گفتگو سنی یا ریکارڈ کی جاسکتی تھی۔ اس سے بات کرنے کی بس ایک ہی صورت محفوظ و مامون تھی کہ وہ جہانگیر کے فون پر ہم سے رابطہ کرتا۔

جہانگیر کے فون پر سی ایل ڈی نصب تھی۔ اس کی موجودگی میں ہم کسی کی مداخلت کے خطرے کے بغیر پوری بے فکری سے تبادلۂ خیال کرسکتے تھے۔

میں ان خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ فون کی تیز گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔

اکبر رانا نے لپک کروہ کال ریسیو کی۔ اس کے لب ولہجے اور گرم جوشی سے ظاہر ہورہا تھا کہ دوسری طرف اس کا کوئی شناسا ہی تھا۔

چند ثانیوں کی رسمی گفتگو کے بعد اس نے ریسیور خاموشی سے میری طرف بڑھا دیا۔

"میں بڑی مشکل میں پھنسا ہوا ہوں۔" دوسری طرف سے اول خان کی فکرمندانہ آواز آئی "اس وقت گھر سے ہی بات کررہا ہوں۔ وہ ہر قیمت پر تم سے بات کرنے پر تلی ہوئی ہے۔"

میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ ویرا کے بارے میں بات کررہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "کھل کر بات نہیں ہوسکتی مگر پھر بھی ریسیور اسے دے دو۔"

"نہیں، وہ سرکشی پر آمادہ ہے۔ یہاں کچھ اور مسائل بھی ہیں۔ میں تھوڑی دیر بعد تم سے دوبارہ رابطہ کروں گا۔" اس کی آواز سے اضطراب جھلک رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، میں انتظار کروں گا۔ کسی مجبوری کی وجہ سے یہاں نکانہ رہ سکا تو موبائل پر رابطہ کرلینا۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

میرا جواب سنتے ہی اس نے فون بند کردیا۔

"اول خان کچھ پریشان اور گھبرایا ہوا تھا۔" اکبر رانا نے مجھے کریدنے کی کوشش کی۔

"وہ کچھ نئے مسائل کا ذکر کررہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک محفوظ نمبر سے دوبارہ رابطہ کرے گا۔"

"میں پہلے بھی تمہاری زبان سے محفوظ فون نمبر کا تذکرہ سن چکا ہوں۔ کیا اس میں کوئی خاص خوبی پائی جاتی ہے؟" اکبر رانا اپنے دل میں پیدا ہونے والے تجسس پر قابو نہیں پا سکا۔

"اس فون پر ہونے والی گفتگو میں کسی بھی قسم کی مداخلت ناممکن ہے۔" میں نے اسے ٹالنے کے لیے سرسری سا جواب دیا۔

"کیا ہم اسٹیشن نائن کے نمبروں پر ایسا بندوبست نہیں کرسکتے؟" اس نے پوچھا۔

"سنسر سیننگ ڈیوائس ہی یہ سہولت فراہم کرسکتی ہے۔ میں اس کے کسی متبادل سے واقف نہیں ہوں۔" میں نے ایمان داری سے اعتراف کرلیا۔

"یہ کوئی نایاب قسم کا آلہ معلوم ہوتا ہے۔ میں اس سے لاعلم ہوں۔" وہ بولا۔

اس کے اشتیاق کو دیکھتے ہوئے مجھے سی ایس ڈی کے بارے میں زبان کھولنی پڑگئی۔

جاپان کی ریڈ آرمی بنیادی طور پر ایک خفیہ عسکری تنظیم تھی جو سائنسی تحقیق اور تجربات جیسے نازک کاموں کے جھنجھٹ میں نہیں پڑسکتی تھی۔ لازمی بات تھی کہ ان لوگوں نے سی ایس ڈی کسی موجد یا محقق سے خریدی تھی اور پھر اپنی ضرورت سے زائد وہ آلات تیار کروانے کے بعد خفیہ طور پر، بھاری داموں فروخت بھی کیے تھے۔

وہ عام استعمال کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس کی ساری افادیت اس کے محدود اور خفیہ رہنے میں مضمر تھی۔ ریڈ آرمی والوں نے اپنی سرمایہ کاری واپس لینے کے لیے اس کی قلیل سی تعداد اپنے حلیفوں کے ہاتھ بیچی تھی جن میں بھارت کے ریسرچ اینڈ اینالیسس ونگ یا را والے بھی شامل تھے۔ ان کی طرف سے وہ آلہ بدری ناتھ کو بھی دیا گیا تھا تاکہ وہ پاکستان میں پورے تحفظ اور رازداری کے ساتھ اپنے مذموم منصوبوں کو پروان چڑھا سکے۔

یہ بدری ناتھ اور اس سے بڑھ کر را والوں کی بدقسمتی تھی کہ وہ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد راس المیڈا تک پہنچنے کے بجائے میرے ہتھے چڑھ گیا اور اپنی بدقسمتیوں کی ایک لمبی داستان اپنے سینے میں لیے، میرے ہاتھوں امریکا میں جہنم واصل ہوگیا۔

اس کے ساتھ ہونے والی طویل ذہنی اور اعصابی جنگ میں سی ایس ڈی مالِ غنیمت کے طور پر میرے ہاتھ آئی تھی۔

اکبر رانا کے لیے پیشہ ورانہ طور پر را اور ریڈ آرمی کے نام بہت زیادہ سنسنی خیز تھے۔ وہ سب ایسی ریاستی اور غیر ریاستی تنظیمیں تھیں جو تشہیر سے دور رہ کر نہایت خاموشی سے اپنے اپنے کام سر انجام دیتی رہتی تھیں۔

وہ را والوں کے ساتھ میرے اس ٹکراؤ سے بے خبر تھا۔ اس کی دلچسپی کے پیشِ نظر مجھے ماضیِ قریب کے وہ واقعات خاصی تفصیل کے ساتھ دہرانے پڑ گئے۔

اکبر حیرت اور گہری دلچسپی سے وہ تفصیلات سنتا اور گاہے گاہے سوالات کرتا رہا۔ پوری کتھا سن لینے کے بعد اس نے حسرت زدہ لہجے میں کہا "ایسی فول پروف ایجاد تو ہمارے استعمال میں بھی ہونی چاہیے۔ ہمارے مالی وسائل ناکافی نہیں ہیں۔"

"بات مالی وسائل کی نہیں، ایسی عنقا چیزوں کی دستیابی کی ہے۔" سلطان شاہ نے فاضلانہ انداز میں اسے سمجھایا "زیرِ زمین رہ کر کام کرنے والوں کی بھی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں۔ وہ دگنے داموں پر بھی ایسی نادر چیزیں مسلمانوں کو نہیں دیں گے۔"

میں سلطان شاہ کی وہ نکتہ آفرینی سن کر چونک پڑا "یہ مسلمانوں کا ذکر کہاں سے آگیا؟"

"تمہارے ساتھ رہ کر میں نے بہت کچھ دیکھا اور سیکھا ہے۔ آج کل دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد کی لہر چل رہی ہے۔ وہ جہاں بھی ہیں، پٹ رہے ہیں۔"

"سلطان شاہ کی بات سے مجھے بھی اتفاق ہے۔" اکبر رانا نے سرہلا کر اس کی تائید کی "سی آئی اے، کے جی بی، ایم فائیو اور موساد جیسے رسوائے زمانہ ادارے ہر جگہ مسلمانوں کے خلاف اسی طرح سرگرم ہیں جس طرح را والے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم سے کیا قصور سرزد ہوا ہے۔"

"کبھی کبھی تو مجھے یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے آنے والے سالوں میں کسی تیسری صلیبی جنگ کی چپکے چپکے تیاریاں کی جارہی ہیں۔" سلطان شاہ مسلسل مجھے حیران کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"صلیبی جنگوں کا حوالہ دے کر تم یہ جتانے کی کوشش کررہے ہو کہ تم نے تھوڑی بہت تاریخ بھی پڑھی ہوئی ہے۔" میں نے قدرے حیرت سے کہا۔

"تاریخ سے مجھے اسکول میں بھی خوف آتا تھا۔ مرنے والوں کی ہڈیاں تک رزقِ خاک ہوچکی ہوتی ہیں اور بچوں کو ان کے مرنے جینے کے دن رٹنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا "میں نے نسیم حجازی اور دوسروں کے لکھے ہوئے تاریخی ناول بہت شوق سے پڑھے ہیں۔"

"ایک زمانے میں میرے گاؤں کی چوپال میں کوئی پڑھا ہوا نوجوان لڑکا پورے ایکشن کے ساتھ یہ ناول پڑھتا تھا اور سارے بڑے بوڑھے انہماک سے یہ قصے سن کر بیچ بیچ میں تحسین و مرحبا کے نعرے لگاتے تھے۔ کوئی جنگی فتح ہوتی تو فضا نعرۂ تکبیر سے بھی گونج اٹھتی تھی۔" اکبر رانا اس روز پوری طرح سلطان شاہ کی ہوئی باتوں کی تائید کرنے کے موڈ میں نظر آرہا تھا۔

"اب میں خود اپنی بے وقوفی پر ہنستا ہوں۔" سلطان شاہ بولا۔
"ان ناولوں میں یوں لگتا ہے جیسے لکھنے والا ہر جگہ موجود رہ کر سارے مکالمے اپنے کانوں سے سنتا رہا ہو۔ امیروں، سپہ سالاروں اور بادشاہوں کے سونے کے کمروں میں ہونے والی سرگوشیاں تک

ناولوں میں ڈال دی جاتی ہیں۔ گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے' سورما خاک و خون میں نہا رہے ہیں' تلواریں ٹوٹ رہی ہیں' زخمی گھوڑے بدک کر اپنے ہی فوجیوں کو روند رہے ہیں' کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ ایسے میں ہیرو اپنی مشرقی حور کے بارے میں کوئی نازیبا بات سوچتا ہے اور مصنف دل کی وہ آواز پوری طرح سن کر جوں کی توں ناول میں شامل کر لیتا ہے۔ اس زمانے میں یہ سب چل جاتا تھا۔"

"اب ٹیلی وژن اور سیٹلائٹ نے بڑوں سے زیادہ بچوں کو چالاک بنا دیا ہے۔ لوگ تصوراتی دنیا کے بجائے زمین کی حقیقتیں اور کہانیاں پڑھنی چاہتے ہیں۔" وہ پوری گفتگو اکبر رانا اور سلطان شاہ کے درمیان ہی چل رہی تھی۔

"لکھنے والے آسمان سے نہیں اترا کرتے۔" میں نے ان دونوں کو فہمائش کی "وہ وہی کچھ لکھتے ہیں جو ان کے قاری پڑھنا چاہتے ہیں اور اسی لیے مقبول ہوتے ہیں...."

"پھر تو یہ تخلیق نہیں ہوئی۔" سلطان شاہ نے فوراً میری بات کاٹ دی "فرمائشی قصے کہانیوں کے سہارے مقبولیت حاصل کرنا کوئی کمال تو نہیں ہے۔"

"تم بہک رہے ہو۔ قصے کہانیاں فرمائشی نہیں ہوتیں۔ پلاٹ مصنف کا اپنا ہوتا ہے۔ انداز بیان وہ ہوتا ہے جو پڑھنے والوں کو اپنی طرف راغب کر سکے۔"

"مجھے صرف ایک بات بتا دو۔" اس نے مطالبہ کیا "بادشاہ اور ملکہ آدھی رات کو اپنی خواب گاہ میں امورِ سلطنت پر جو باتیں کرتے ہیں' وہ ناول میں کیسے آجاتی ہیں؟ کیا مصنف شاہی چھپر کھٹ کے نیچے چھپ کر شارٹ ہینڈ میں ہر لفظ اور مکالمہ لکھ لیتا تھا؟"

میں اپنی بے ساختہ مسکراہٹ پر قابو نہ پا سکا "تم نرے الو ہو۔ عام قاری ماضی کے حکمرانوں کی خلوت کی باتیں بھی جاننا چاہتا ہے۔ اسے یہ مواد پڑھنے کو ملتا ہے تو وہ تمہاری طرح تنقید نہیں کرتا۔ تحریر سے لطف اندوز ہو کر ان کمزوریوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔"

"نا سمجھی میں' میں بھی یہی کیا کرتا تھا۔ جب سے تھوڑی بہت عقل آئی ہے' میں نے راستہ بدل لیا ہے۔" وہ ناراضی کو یکسر فراموش کر کے خوشگوار موڈ میں آچکا تھا۔

"بات تیسری صلیبی جنگ کے امکان سے شروع ہوئی تھی اور میرے گاؤں کی چوپال سے ہوتی ہوئی دور نکل گئی۔" اکبر رانا نے سنبھل کر کہا "سلطان شاہ کی بات میں وزن تھا۔"

"سلطان شاہ نے اپنی بات ذرا کھردرے الفاظ میں کہی ہے۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا "صلیبی جنگیں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ہوئی تھیں۔ اب غور کرو تو محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف دھیرے دھیرے ایک عالمی اتحاد وجود میں آرہا ہے۔ اس میں عیسائیوں کے ساتھ ہندو اور یہودی بھی شامل ہیں۔"

"وہ گرہ سے کچھ خرچ نہیں کر رہے۔ زیادہ تر سرمایہ منشیات کے فروغ سے حاصل کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد ہتھیاروں کی بلیک مارکیٹ بھی وسائل حاصل کرنے کا دوسرا بڑا ذریعہ ہے۔" اکبر رانا نے اپنی معلومات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہتھیاروں کی اسمگلنگ کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ ان کی بلیک مارکیٹنگ سے تمہاری کیا مراد ہے؟" سلطان شاہ نے الجھن آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

اکبر رانا نے اجازت طلب نظروں سے میری طرف دیکھا اور اشارہ پا کر کہا "دنیا بھر میں ہتھیاروں کی تجارت پر چند گنے چنے ملکوں کی اجارہ داری ہے مگر وہ صرف اپنے پسندیدہ ملکوں سے ہی لین دین رکھتے ہیں' دوسروں کو گھاس نہیں ڈالتے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کر ڈالا

"یہ مسابقت کا دور ہے۔ ان کا فائدہ اسی میں ہے کہ ان کی بارودی صنعتیں دن رات چلتی رہیں اور ان کا بنایا ہوا اسلحہ پوری دنیا میں

فروخت ہوتا رہے۔"

"ہو یہی رہا ہے مگر ذرا دوسرے طریقے سے۔ پسندیدہ ملکوں کو وہ رعایتی داموں پر پوری گارنٹی اور ذمے داری کے ساتھ ہتھیار وغیرہ دیتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہیں امداد اور قرضے بھی دیتے ہیں۔ ان کے ناپسندیدہ ملکوں کی فہرست میں مسلمان ملکوں کی تعداد زیادہ ہے۔"

"یہ میں پڑھتا رہا ہوں۔ کوئی دہشت گرد ہے' کہیں آمریت ہے' کہیں بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں۔ ہر ایک کو بلیک لسٹ کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ موجود ہے۔"

"ان میں پاکستان کے ساتھ لیبیا' عراق اور ایران وغیرہ بھی شامل ہیں۔"

اکبر رانا کے تائید طلب لہجے کے جواب میں سلطان شاہ نے سرہلا کر اعتراف کیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ بلیک لسٹ میں آئے ہوئے ان ملکوں نے اپنی فوجی ضروریات کی طرف سے آنکھیں بند کرلی ہوں گی؟"

"اپنی صنعتوں کو ترقی دے رہے ہوں گے۔ پاکستان ایٹمی دوڑ میں سب کو حیران کیے دے رہا ہے' پھر ہر ملک کے لیے متبادل ذرائع بھی موجود ہیں۔"

"سب سے بڑا متبادل چین ہے مگر اس کی پیداواری صلاحیتیں محدود ہیں۔ جدید ترین اور دشمن کے لیے تباہ کن ٹکنالوجی صرف مغرب کے پاس ہے۔ براہِ راست پابندی ہونے کی وجہ سے ہم ایسی چیزیں کسی تیسرے ذریعے سے خریدنے پر مجبور ہیں۔"

"اوہ!" سلطان شاہ کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز نکلی "تو یہ تیسرا ذریعہ بلیک مارکیٹ ہے!"

"ایسے معصوم نہ بنو۔" اس کی حیرت پر میں نے غصے سے کہا۔ "پھٹی کریک کے ذریعے سندھ کے ڈاکوؤں کو ہتھیاروں کی فراہمی کے علاوہ الحدید نامی بوٹ کے قصے سے بھی تم اچھی طرح واقف ہو۔ الحدید کا قصہ اتنی دور تک چلا گیا تھا کہ اول خان عتاب میں آگیا تھا۔"

"ان دنوں تم مجھے اتنا زیادہ باخبر نہیں رکھتے تھے۔ میرے لیے وہ ہتھیاروں کی اسمگلنگ کے واقعات تھے جو پاکستان میں تشدد اور دہشت گردی کو ہوا دینے کے لیے پلان کیے گئے تھے۔"

"را والے بھارتی فیکٹریوں میں بنے ہوئے ہتھیار اور گولے وغیرہ یہاں بانٹیں یا بیچیں تو یہ واقعی اسمگلنگ کہلائے گی۔ بلیک مارکیٹنگ اسی ساز و سامان کی ہوتی ہے جو کھلی منڈیوں میں نہیں ملتا۔" اکبر رانا نے جلدی سے دخل اندازی کی "بلیک میں خریدی جانے والی ہر چیز کے بارے میں دو کمزور پہلو ہوتے ہیں۔ وہ مہنگی ملتی ہے اور اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی۔"

"تیسری دنیا کے مسلمان ملکوں کو وہ گولا بارود بھی بیچ دیا جاتا ہوگا جو گوداموں میں پڑے پڑے ناکارہ ہوگیا ہو؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"ایسا ہوتا رہتا ہے۔ بارود کا ٹیسٹ میدانِ جنگ میں یا حقیقی جنگی مشقوں میں ہی ہوتا ہے۔"

"آج تک ایسی کوئی خبر نظر سے نہیں گزری کہ کسی ملک کا خریدا ہوا اسلحہ ناکارہ نکلا ہو۔"

"کوئی حکومت اپنی اس غلطی کا اعتراف نہیں کرسکتی۔ اس پر خطیر سرمایہ برباد ہوتا ہے۔ ایسی ناقص کھیپ کو خاموشی سے تلف کردیا جاتا ہے۔"

میں نے بولنے کے لیے زبان کھولی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرے ذہن پر اول خان سوار تھا۔ میں نے جلدی سے ریسیور اٹھالیا۔

"میں جہانگیر کے گھر سے بول رہا ہوں۔" اول خان نے میرے اطمینان کے لیے ابتدا میں ہی وضاحت کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "پاکستان پر دباؤ بڑھانے کے لیے کراچی میں محاذ کھول دیا گیا ہے۔ آج صبح گیارہ بجے سندھ اسمبلی کے قریب ایک کار میں زبردست بم بلاسٹ ہوا ہے۔ تین شہری ہلاک اور سترہ زخمی ہوئے ہیں۔"

"تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا کہ یہ پاکستان پر دباؤ ڈالنے کی کوشش ہے؟" میں نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا "کراچی میں امن و امان کی صورت ویسے بھی تسلی بخش نہیں ہے۔"

"تم جانتے ہو کہ میں سوچے سمجھے بغیر زبان کھولنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں ہر امکان پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں مگر کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"دباؤ ڈالنے کی کوشش کن لوگوں کی طرف سے کی گئی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے پورا یقین ہے کہ اس دھماکے میں وہ دونوں ملعون امریکی سراغ رساں ملوث ہیں جو کتوں کے ذریعے تمہاری تلاش کی مہم پر کراچی آئے ہوئے ہیں۔"

"تمہارے اس یقین کا کوئی نہ کوئی سبب بھی ہوگا؟" میں نے پہلو بدل کر پوچھا۔

"سبب نہیں' اسباب ہیں۔ ان دونوں کی نقل و حرکت بہت احتیاط سے مانیٹر کی جارہی ہے۔ وہ دونوں غیر ملکی فوٹو گرافروں کا روپ دھار کر آج صبح ڈیڑھ گھنٹے تک اس علاقے میں منڈلاتے رہے تھے۔ ان کے جانے کے آدھے گھنٹے بعد وہاں دھماکے سے تباہی پھیل گئی۔ درجنوں گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں ملبے کے ڈھیر میں بدل گئی تھیں۔"

غم و غصے کی ایک شدید لہر کے ساتھ میرا دل اداس ہوگیا۔ رات بھر سنسان رہنے والا وہ علاقہ دفتری اوقات میں بہت گنجان آباد اور مصروف ہوجاتا تھا۔ سرکاری دفاتر میں کام کرنے والے بے شمار افراد کے علاوہ وہاں عوام کا بھی ہجوم رہتا تھا۔

ایسی بھیڑ بھاڑ میں کسی خطرناک تخریبی کارروائی کی کوشش وہی کر سکتا تھا جو اپنی زندگی اور موت سے بالکل بے پروا ہو کر کوئی مقصد حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہو۔ وہ دونوں امریکی سراغ رساں اس معیار پر پورے اترتے تھے۔

"ہم کس قدر بے بس ہیں!" میرے حلق سے ایک غراہٹ آزاد ہوئی "ان دونوں کو پیوندِ زمین کردیا جائے تب بھی ان تین افراد کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جاسکتا جو ان کی درندگی کا نشانہ بنے ہیں۔"

"واقعی ہم بہت بے بس ہیں۔ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی ان دونوں کو ہاتھ تک نہیں لگا سکتے۔" اس کی آواز انتہائی پژمردہ تھی۔

"کیوں؟ ان دونوں کو تو اب تک اپنے پالے ہوئے کتوں کی خوراک بن جانا چاہیے تھا۔"

"سوری ڈینی! میرے جذبات بھی تم سے مختلف نہیں ہیں۔ وہ خونی پورے سفارتی پروٹوکول کے تحت آئے ہیں اور ہمارے مہمان ہیں۔ ان کی حفاظت ہماری ذمے داری ہے....."

"مجھے کسی پروٹوکول کی پروا نہیں۔" میں بپھر گیا "وہ دونوں قاتل اب کراچی سے زندہ نہیں لوٹ سکتے۔ کیسا اندھیر ہے کہ ہم کھٹومل کو گولی مار سکتے ہیں نہ ان دونوں کو سزا دے سکتے ہیں۔"

"انہوں نے یہاں قدم جما کر کم و بیش وہی کھیل شروع کردیا ہے جو تم امریکا میں ان کے ساتھ کھیل کر واپس آئے ہو۔" اس کی آواز میں افسردگی رچی ہوئی تھی۔

"ادل خان! خدا کے لیے تم تو یہ نہ کہو۔ میں امریکا میں ایک مجرم کی طرح ان کی نظروں سے چھپ کر اپنے ہدف حاصل کر رہا تھا۔ یہ دونوں ہمارے مہمان بن کر ہماری نظروں کے سامنے خوں ریزی کر رہے ہیں۔ ان بے شرم اور بے غیرت لوگوں سے میرا موازنہ مت کرو۔"

"تمہاری بات صحیح ہے۔ مجھے معاف کردو۔" اس نے بلاتامل اپنی غلطی تسلیم کرلی۔

"کان کھول کر سن لو! وہ تمہارے یا حکومت کے مہمان ہوسکتے ہیں، میرے لیے بدترین دشمن ہیں اور میں تمہارے کسی سفارتی پروٹوکول کا پابند نہیں ہوں۔ تم انہیں انگلی نہیں لگا سکتے لیکن میں ان بھیڑیوں کے نرخرے چیر سکتا ہوں۔"

"میں تمہارا ہاتھ نہیں روکوں گا۔ تم کراچی کب لوٹ رہے ہو؟" ماؤتھ پیس میں اس کی آواز ابھری۔

"کراچی میں سفارتی پروٹوکول نے تمہارے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں۔ یہاں سیاسی پروٹوکول راستے کا پتھر بنا ہوا ہے۔ کھٹومل قبضے میں ہے۔ اس کے مربی کی گرفتاری کے لیے اجازت نامے کا انتظار ہے۔ مجھ سے یہ ذہنی عذاب نہیں جھیلا جائے گا۔"

"کھٹومل اصل مسئلہ تھا۔ وہ پوری طرح گرفت میں آگیا ہے تو

تم کراچی لوٹ آؤ....“

”چوہدری سلام بھی کم اہم نہیں ہے لیکن میں اس کی گرفتاری میں کوئی کردار ادا نہیں کرسکتا۔ میرے حصے کا کام مکمل ہوچکا ہے.... یہ بتاؤ کہ کالو مکرانی کا کیا حال ہے۔“ اول خان کی پیشہ ورانہ مجبوریوں کا احساس کرتے ہوئے میری جھنجلاہٹ ختم ہوگئی۔

”وہ اسپتال میں ہے اور خطرے سے باہر ہے۔“ موضوع بدل جانے پر اول خان خوش ہوگیا۔

”آئی جی کے تبادلے کے بعد اس کے کیس کی کیا پوزیشن ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”پرانی پوزیشن بحال ہوگئی ہے۔ کالو مکرانی اور قاسم سی آئی اے کے بجائے اسی تھانے کی تحویل میں آچکے ہیں جس کے ایس ایچ او نے بیانات میں ہیر پھیر کرنے سے انکار کردیا تھا۔“

”اور کھٹول کا کیا بنے گا؟“ مجھے اس کی چال بازیوں کی طرف سے فکر دامن گیر تھی۔

”اصولی طور پر وہ بھی اسی تھانے کا ملزم ہے۔ اکبر رانا سے بات کرکے مجھے اندازہ ہوسکے گا کہ اس کے بارے میں کیا کیا جاسکتا ہے.... یہ ویرا تم سے بات کرنی چاہ رہی ہے۔“

”اس سے کہہ دو کہ میں جلد ہی کراچی آرہا ہوں....“ میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اس اثنا میں ویرا شاید ریسیور پر قبضہ کرچکی تھی۔

”تم کراچی آؤ یا نہ آؤ۔ میں آج شام کی پرواز سے اسلام آباد پہنچ رہی ہوں۔“ ویرا کی آواز سے اس کی برہمی مترشح تھی ”وہاں جا کر کسی چور کی طرح منہ چھپا کر بیٹھ گئے ہو۔ تمہیں کچھ احساس ہے کہ دوسرے لوگ تمہارے بارے میں کتنے فکر مند رہتے ہیں!“

”مجھے کراچی چھوڑے مشکل سے چند روز ہوئے ہیں اور میں اول خان سے مسلسل رابطے میں ہوں۔ میں کام چھوڑ کر فون سے بندھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔“ میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

”تمہاری شادی اول خان سے نہیں‘ غزالہ سے ہوئی ہے!“ اس کی آواز زہریلی ہوگئی۔

”شکایت غزالہ کو ہونی چاہیے۔ تم کیوں مرچیں چبا رہی ہو؟ میں فون پر غیر محتاط گفتگو کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے میں نے گھر فون نہیں کیا تھا۔ اول خان سے بھی جہانگیر کے نمبر پر بات ہوتی ہے۔ سبب تم کو معلوم ہی ہے۔“

”تم سی ایس ڈی نکال کر اپنے ساتھ بھی لے جاسکتے تھے۔ تم نے دانستہ اسے چھوڑا ہے تاکہ اسلام آباد میں آزادی سے گلچھرے اڑا سکو۔“

اس کی کج فہمی پر میں بے اختیار ہنس دیا ”اسلام آباد میں تم ہو نہ تمہاری سہیلی جینی۔ میں کھٹول جیسے موذی کے ساتھ کیا موج اڑا سکتا ہوں؟ میں نے تمہارے لیے احتیاط کی ہدایت کی تھی۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ سختی سے اول خان کی چار دیواری میں روپوش رہو....“

”میں وارننگ دے رہی ہوں کہ تم کل شام تک کراچی واپس نہ آئے تو میں کسی خطرے کی پروا کیے بغیر اسلام آباد پہنچ جاؤں گی۔“

”چلو‘ میں تمہاری یہ دھمکی مانے لیتا ہوں۔“ میں نے بات ختم کرنے کے ارادے سے کہا ”اب ریسیور اول خان کو دے دو۔“

اول خان کے لائن پر آتے ہی میں نے ریسیور اکبر رانا کو دے دیا۔

”کیا کہہ رہی تھی ویرا؟“ میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

”کراچی جا کر اسی سے پوچھ لینا۔ تمہیں یاد کر رہی ہے۔“ میں نے اسی کے لہجے میں جواب دیا اور وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

کراچی سے کھٹول کے فرار اور پھر روپوشی کے بعد جو معاملات بری طرح الجھ گئے تھے‘ وہ اس کی بازیابی کی حد تک قابو میں آچکے تھے۔ یہ بات بالکل طے ہوچکی تھی کہ حکمرانوں میں سے کوئی بھی کھٹول کو عدالتی کارروائی کے بغیر ٹھکانے لگانے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ اسے ہر حال میں قانون کے مطابق مکافاتِ عمل سے گزرنا تھا۔

میرے لیے وہ نکتہ باعث تکلیف تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ اسے قانونی موشگافیوں سے کھیلنے کی مہلت دیے بغیر کیفرِ کردار کو پہنچا دیا جائے۔ اس بارے میں جو کچھ کرنا تھا‘ مجھے ہی کرنا تھا اور اس طرح کرنا تھا کہ سرکاری حلقوں میں میرے خلاف کوئی مخالفانہ جذبہ سر نہ اٹھا سکے۔

کمانڈر اکبر رانا کے بیان کے مطابق چوہدری سلام ہر وقت ان کی عقابی نگاہوں میں تھا۔ جوں ہی اوپر سے گرین سگنل ملتا‘ اسے اسلام آباد کے سیکٹر ایف سیون میں واقع اپنے عالی شان مکان سے اٹھا کر کسی لاک اپ میں ڈال دیا جاتا۔

میرے لیے اسلام آباد جیسے بے مہر اور روکھے پھیکے شہر میں بیٹھ کر ان دونوں امور کے ظہور پذیر ہونے کا انتظار کرنا بالکل بے سود تھا۔

اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ اسلام آباد کی منصوبہ بندی بہت شان دار ہے‘ سڑکیں کشادہ ہیں۔ باغات‘ پارکوں اور تفریح گاہوں کی افراط ہے‘ زمین بیش قیمت اور عمارتیں حسین و پُرشکوہ ہیں لیکن اس پورے شہر پر اعلیٰ گریڈوں میں منقسم بیوروکریسی کا ایک درشت اور لاتعلقانہ سا مزاج طاری ہے۔ شہر میں زندگی اور زندہ دلی کا اظہار آب پارہ کے گردونواح میں ہوتا ہے جہاں پرانی اصطلاح کے مطابق تیسرے اور چوتھے درجے کے سرکاری ملازمین اپنے کرائے داروں سمیت آباد ہیں۔ اپنی سواری رکھنے والے امرا کے لیے شہر کے دو تین شاپنگ مال شام کے اوقات میں رونقیں لٹاتے ہیں۔

میں لوگوں میں گھل مل کر، ان ہی کے انداز میں اپنے شب و روز گزارنے میں سچی خوشی محسوس کرتا ہوں۔ میں جب بھی اسلام آباد میں رہا، ہوا کی تازگی اور ماحول کی فرحت کے باوجود ہمیشہ گھٹن کا شکار رہا۔

اسلام آباد کے مقابلے میں پنڈی ہمیشہ مجھے اپنا شہر محسوس ہوتا ہے۔ چھوٹے بڑے، امیر اور غریب، سب ہی لوگ راجا بازار، کینٹ، مری روڈ اور دوسرے بازاروں کی دھکم پیل میں خوشی خوشی گھومتے پھرتے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ فوجی افسر بھی جب سادہ لباس میں ہوتا ہے تو باڑھی چوک کی بھیڑ میں اپنا پیر دب جانے پر کسی کو حقارت سے نہیں گھورتا۔

رہا لاہور تو اس کی بات ہی اور ہے۔ اسے بلا وجہ ہی زندہ دلوں کا شہر نہیں کہا جاتا۔ آپ پیار سے رخسار پر تھپکی دینے کے بجائے مسکراتے لبوں کے ساتھ، دوستی کے اظہار میں کسی کو ہلکا پھلکا تھپڑ بھی رسید کر دیں تو وہ برہنائے خلوص اس کا برا نہیں مانے گا۔

شہروں کی وہ بھولی بسری یادیں تازہ ہوتے ہی میرا خلجان بڑھنے لگا۔

اس وقت اکبر رانا اپنے دفتر چلا گیا۔ شام کی چائے پر اس سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو میں نے اس سے فوری واپسی کی خواہش کا اظہار کیا۔

”کیوں؟“ اس نے متحیر اور استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ”تمہیں بیٹھے بٹھائے اچانک واپسی کا خیال کیوں آگیا۔“

”تم کراچی میں ہونے والے دھماکے کے بارے میں سن ہی چکے ہو۔ مہمان کمینگی پر اتر آئیں تو میزبان کی عزت کیا، زندگی تک عذاب میں پڑ جاتی ہے۔ یہاں میرا کوئی کام باقی نہیں رہا۔ مجھے رات کی پرواز سے بھی سفر کرنا پڑا تو میں واپسی کو ترجیح دوں گا۔“

”دراصل ان کی آدھی گھر والی نے انہیں وارننگ دے دی ہے....“ سلطان شاہ نے تمسخرانہ لہجے میں بات شروع کی اور میں نے اسے بری طرح گھور کر خاموش کر دیا۔

”ان کی آدھی گھر والی کون ہوئی؟“ اکبر رانا نے میری طرف دیکھے بغیر اس سے پوچھا۔

”وہ سالی نہیں ہے، پھر بھی آدھی گھر والی ہے۔“ سلطان شاہ باز نہیں آیا ”یہ بیوی پر رعب جماتے ہیں۔ وہ انہیں اپنی دھونس میں رکھتی ہے۔“

”مجھے حیرت ہے کہ روئے زمین پر کوئی عورت ایسی بھی ہے جو ان پر حاوی ہے۔ میرے حقیر سے تجربے کے مطابق ڈینی کسی عورت سے مرعوب ہونے والوں میں سے نہیں ہیں۔“

”تم اس کی باتوں پر دھیان مت دو۔“ میں نے ہنس کر بات اڑا دی ”اگر میں اس کی ہونے والی منگیتر کا احترام کرتا ہوں تو اسے ایسی باتیں کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔“

اکبر رانا نے بے تکلفی سے سلطان شاہ کے شانے پر ہاتھ مار کر زوردار قہقہہ لگایا ”تو یہ بات ہے۔ جو کام تم خود نہیں کر سکتے، وہ اپنی منگیتر سے لیتے ہو۔ یہ بہت بری بات ہے۔“

سلطان شاہ نے بوکھلا کر بار بار وضاحت کرنے کی کوشش کی لیکن ہم دونوں نے بلند آہنگ قہقہوں میں اس کی ایک نہ سنی۔ وہ چائے کی پیالی ختم کیے بغیر اپنے کمرے میں جا گھسا۔

پاکستان کی ہر ملکی پرواز پر سرکاری کوٹے پر کچھ نہ کچھ نشستیں مخصوص رہتی ہیں۔ پتا نہیں کس افسر کا کب بلاوا آجائے۔ کب کسی وزیر کو دورے کی سوجھ جائے۔ آخری لمحات پر بچ جانے والی ایسی نشستیں چانس پر موجود، شناسا مسافروں میں خاموشی سے بانٹ دی جاتی ہیں۔

اکبر رانا دارالحکومت کا رہنے والا تھا اور ان رموز و نکات سے خوب واقف تھا۔ پہلے وہ دیر تک مجھے روکنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کی سب سے مضبوط دلیل یہ تھی کہ اس وقت اس کے چیف سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ چیف چوہدری سلام کی گتھی سلجھانے کے لیے لاہور میں کچھ اہم افراد سے ملنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ اس کی واپسی تک مجھے اسلام آباد میں ہی رہنا چاہیے تھا۔

مجھے خود بھی اندازہ تھا کہ ملاقات کے بغیر میری واپسی پر چیف کو قلق رہے گا لیکن اس کے پاس مجھ سے شکوہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں جب سے آیا تھا، مسلسل اس کے شہر میں موجود رہا تھا۔ یہ اس کی مصروفیات تھیں جنہوں نے اسے مجھ سے دور رکھا ہوا تھا۔

آخر کار اکبر رانا کو ہتھیار ڈالنے پڑ گئے۔ اس نے اپنے کسی شناسا کو فون کیا اور ہم رات کو کراچی روانہ ہونے والی پرواز کے لیے ائرپورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

○☆○

ہم دونوں کے ساتھ زیادہ ساز و سامان تھا نہ کوئی اور مجبوری۔ کسی کو فون کر کے پریشان کرنے کے بجائے ہم نے ٹیکسی پکڑی اور ائرپورٹ سے سیدھے جہانگیر کے فلیٹ پہنچ گئے۔

ہمارے گھر پر بالم اور جانی وغیرہ کے ناکام شب خون کے بعد سے ہم نے یہی بندوبست کیا تھا کہ دونوں عورتیں اول خان کے گھر پر رہ رہی تھیں۔ میں جہانگیر کے گھر پر تھا اور سلطان شاہ اسٹیشن فور پر رہ رہا تھا۔

اس نے راستے میں ہی کہا کہ میں اسے ملیر چھاؤنی میں واقع ایس ٹی ایف کے اسٹیشن فور پر اتار دوں لیکن میں نے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ جہانگیر کے گھر پر میرے ساتھ ایک رات گزار کر اگلی صبح واپس جا سکتا تھا۔

کال بیل کے جواب میں دروازہ کھلنے پر ویرا کی صورت نظر آئی تو میں بھونچکا رہ گیا۔

"ارے.... !تم دونوں تو واقعی میری دھمکی میں آ گئے" ویرا غیر متوقع طور پر ہمیں دیکھ کر خوشی سے بے قابو ہو گئی۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے ڈرپوک ہو۔"

"کوئی ڈرپوک نہیں ہے، ہمیں صرف تمہاری زندگی عزیز ہے۔ اپنی کسی حماقت سے جان کھو بیٹھتیں تو ہمیں ہمیشہ افسوس رہتا کہ تمہاری گردن ناپنے کے لیے ہم کراچی میں کیوں موجود نہیں تھے" میں نے اپنی حیرت پر قابو پا کر خشک لہجے میں کہا۔

"اڑیل گھوڑی کی طرح دروازے پر کیوں جمی ہوئی ہو؟" سلطان شاہ نے بھی اسے آنکھیں دکھائیں "راستہ دو تاکہ ہم اندر آسکیں۔"

"آؤ اڑیل ٹٹو!" ویرا نے سلطان شاہ کا بازو تھام کر اسے بے رخی سے اندر کھینچ لیا "میں ابھی تمہاری خبر لیتی ہوں۔ کافی دنوں بعد میرے ہاتھ آئے ہو۔"

دروازے پر ہماری آوازیں سن کر سلمٰی کے ساتھ جہانگیر بھی پتلی سی راہداری کے سرے پر آگیا۔ رات بھیگ جانے کے باوجود جہانگیر صرف سرور میں تھا، نشے میں دھت نہیں تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ دونوں بھی خوش ہو گئے۔

"مجھے خوشی ہے کہ کراچی کی رونقیں لوٹ آئیں" جہانگیر نے مسرت سے کہا "جب تک کان تمہاری بکواس نہ سن لیں، زندگی بے کیف سی محسوس ہوتی ہے۔"

اسلام آباد کے اسٹیشن ٹائن پر کمانڈر اکبر رانا کی احترام آمیز میزبانی کے سامنے وہ بے تکلفانہ استقبال بہت مسرت انگیز تھا۔

"تمہیں اول خان کے گھر پر ہونا چاہیے تھا۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" میں نے لابی سے گزر کر ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر بیٹھ کر ویرا سے سوال کیا۔

"مجھے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ مجھے کس وقت کہاں ہونا چاہیے۔ تم میرے ہیڈ ماسٹر نہیں ہو۔ کچھ پوچھنا ہی ہے تو اپنی جورو سے پوچھو۔"

ویرا کا جارحانہ جواب سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میرے ذہن میں شبے نے سر ابھارا کہ کہیں وہ غزالہ سے لڑ کر وہاں نہ آئی ہو "کیا غزالہ سے تمہاری کوئی اَن بن ہوئی ہے؟" میں اپنے اضطراری سوال کو زبان پر آنے سے نہیں روک سکا۔

"یار! تم بھی کس کی باتوں میں آ رہے ہو" جہانگیر نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر کہا "دوپہر کو اول خان اسے یہاں چھوڑ کر کسی کام سے گیا ہے۔ واپسی پر اپنے ساتھ گھر لے جائے گا۔ یہ اس کے انتظار میں اب تک تین ڈبل نکا چکی ہے۔"

میں نے ڈرائنگ روم کی خالی تپائیوں پر نظریں دوڑائیں، ہونٹ سکیڑ کر ایک دو گہرے گہرے سانس لیے پھر پوچھا "یہاں کی آب و ہوا تو صاف ہے۔ یہ شغل کہاں ہو رہا تھا؟"

"میرے بیڈ روم کے سوا انہیں اور کہاں جگہ ملتی؟" سلمٰی نے مسکرا کر جواب دیا "میں نے ویرا کو مہمان سمجھ کر کمرا چھوڑ دیا اور ڈرائنگ روم میں آبیٹھی تھی۔ یہاں کی آب و ہوا تمہیں اسی لیے صاف ستھری محسوس ہو رہی ہے۔"

"ہاں! تمہارے بدن میں آب و ہوا نتھارنے کے فلٹر جو لگے ہوئے ہیں" جہانگیر نے اپنی بیوی پر چوٹ کی۔

سلمٰی نے اس کی بات کا ذرا بھی برا نہیں منایا۔ سب خوش گوار موڈ میں تھے اور ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔

"اول خان کہاں گیا ہے؟ اب تک اسے لوٹ آنا چاہیے تھا" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر سنجیدگی سے سوال کیا "کہیں وہ کسی مشکل میں نہ گھر گیا ہو۔"

"آج کل وہ موبائل فون سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے بتا چکا ہے کہ اسے لوٹنے میں کچھ اور وقت لگے گا۔"

"مگر وہ ہے کہاں؟" میں نے الجھ کر پوچھا۔

"جام جم میں دیکھو۔ شاید پتا چل جائے" ویرا نے بے پروائی سے کہا "تمہاری طرح وہ بھی اپنی مصروفیات کے بارے میں کسی کو اعتماد میں نہیں لیتا۔"

"اس گھر میں جام جم نہیں ہے۔ اجازت ہو تو ہم دونوں اپنے گلاس یہیں لے آئیں؟" جہانگیر نے ملتجیانہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہرگز نہیں" سلمٰی نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ "یہ طے ہو چکا ہے کہ اب تم اپنے بیڈ روم سے باہر ایک گھونٹ بھی نہیں لو گے۔"

"آج رات ہم یہیں سو جائیں گے تو ڈرائنگ روم ہمارا بیڈ روم بن جائے گا۔ آپس کے گھریلو معاہدے ایسی رواداری سے ہی چل سکتے ہیں ورنہ ٹوٹ جاتے ہیں" جہانگیر نے ڈھٹائی سے کہا۔

"نو!" ویرا ایک بہ یک سلمٰی کی حمایت پر تل گئی "بیوی اپنے شوہر کی پیر کی جوتی نہیں ہوتی۔ اسے رواداری کی پٹی پڑھانے کے بجائے تم خود بھی رواداری سے کام لو..."

"میں تو تمہارا گلاس بھی یہیں لانا چاہ رہا تھا" مایوسی سے جہانگیر کا منہ لٹک گیا۔

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میرا گلاس بالکل خالی ہے۔ تمہارے کہنے کے مطابق میں تین ڈبل نکا چکی ہوں۔ اب تمہاری جیب پر چوتھے کا بوجھ نہیں ڈالوں گی۔"

"ارے! یہ تم کیسی چھوٹی بات کہہ رہی ہو" جہانگیر والہانہ فریفتگی سے بولا "خدا کی قسم، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ تم جیسی خوش اخلاق دوست پر سے تو بوتلیں قربان کی جا سکتی ہیں۔ میں ڈینی کو تعداد کے ذریعے تمہارے موڈ کے بارے میں بتا رہا تھا۔"

"خیر!" ویرا نے سلمٰی کو آنکھ مار کر بے رخی سے کہا "مجھے ایسے لوگ سخت ناپسند ہیں جو پلانے کے بعد گلاس گنوانے بیٹھ جاتے

ہیں۔ جا کر اپنی اسکاچ خود پیتے رہو۔"

"دیکھو ویرا' مجھے ایسے گھٹیا طعنے نہ دو۔" جہانگیر اس کے سامنے گھگیانے لگا "تھوڑی دیر پہلے تم مجھے اپنا پسندیدہ.... مم.... میرا مطلب ہے کہ پسندیدہ آدمی قرار دے رہی تھیں۔ ڈینی کے آتے ہی تم نے مجھ سے ایک دم آنکھیں پھیر لی ہیں۔"

"ڈینی کے آنے سے پہلے تم نے ایسی کوئی بات بھی نہیں کی تھی۔ مجھ پر طعنہ زنی کرو گے تو ایسی کڑوی کسیلی باتیں سنتے رہو گے۔ جب تک تم بھیگی بلی بنے ہوئے تھے' میں بھی تقریباً تمہاری بیوی جیسی فرماں برداری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ یہ...."

"ہوہو.... ہوہو!" جہانگیر گڑبڑا کر بلاوجہ ہی زور زور سے ہنسنے لگا "چھوڑو' لعنت بھیجو ان خرافات پر.... جھگڑوں میں کیا رکھا ہے.... کچھ اچھی اچھی باتیں کرو۔"

"مجھے تو یہ اس وقت بھی کسی بھیگے ہوئے بلے کی طرح مکار نظر آ رہا ہے" میں نے ویرا کے کنایوں سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں آفت کے پرکالے ہو" جہانگیر فضا میں دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا "پیچھے پڑ گئے تو میری مٹی ایسی پلید کرو گے کہ میں ہفتوں منانے کے باوجود سلمٰی کا دل صاف نہیں کر سکوں گا۔ کسی شریف آدمی کا گھر بگاڑنا اچھی بات نہیں ہے۔"

"شریف آدمی!" ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور استہزائیہ انداز میں کہا "شرافت سے اپنے پرانے گلاس کے ساتھ میرے لیے چوتھا ڈبل بنا لاؤ۔"

جہانگیر نے خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سلمٰی بے بسی سے ہونٹ بھینچے دور تک اس احمق کو گھورتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں غصے اور بے بسی کے آثار نمایاں تھے۔

ویرا نے اس کے پہلو میں بیٹھ کر اسے بے اختیار اپنی بانہوں میں بھینچ لیا "پیچ و تاب کھانے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب مذاق کی باتیں تھیں۔ تم خوش نصیب ہو کہ تمہارا میاں اپنا ہر اچھا برا شوق گھر میں پورا کرتا ہے۔ بس وہ نشے میں ذرا گاؤدی ہو جاتا ہے۔"

"مجھے دکھ اسی بات کا ہوتا ہے کہ پی کر وہ خود کو ہر ایک کے مذاق کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ انہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ اس طرح میری کتنی سبکی ہوتی ہے۔ اپنے شوہر پر ناز کرنا ہر عورت کا مان ہوتا ہے" سلمٰی نے آزردگی سے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

"تمہاری کوئی سبکی نہیں ہوئی۔ وہ تمہارا شوہر ہے تو میرا بھائی ہے" ویرا نے بے باکی سے وہ عجیب بات کہہ کر ہر ایک کو چونکا دیا۔

"ایسے رشتوں میں کہاں کسی کی سبکی ہوتی ہے۔"

سلمٰی کی آنکھوں میں امید کے دیے جل اٹھے۔ اس نے بے اعتباری سے ویرا کی جھیل جیسی گہری اور نیلی آنکھوں میں جھانکا جہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ویرا ایسی ہی مکار اداکارہ تھی کہ جب چاہتی' اپنے اوپر کوئی بھی کیفیت طاری کر لیتی تھی۔ ایسے مواقع پر اس کی آنکھیں ہمیشہ اس کا ساتھ دیتی تھیں۔ سلمٰی بھی اس کی اداکاری سے دھوکا کھا کر مطمئن ہو گئی۔

سلطان شاہ معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ ویرا کے بارے میں جہانگیر کے ندیدے پن اور بے ہمتی سے ہم سب ہی واقف تھے۔ وہ اپنی جسارتوں پر کئی بار ویرا سے پھٹکار بھی سن چکا تھا۔ ان سب حقیقتوں کے باوجود ویرا نے اچانک اسے اپنا بھائی قرار دے کر سلمٰی کے دل سے ہر میل دھو ڈالا تھا۔ سلمٰی نے ممنونیت کے جذبے سے مغلوب ہو کر اپنا چہرہ ویرا کے شانے پر رکھ دیا۔

جہانگیر کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات چپک گئی تھی کہ اس سے کہیں کوئی سنگین غلطی سرزد ہو چکی تھی۔ اس نے دونوں گلاسوں سمیت واپس آتے ہی کراچی میں ہونے والے بم کے خوں ریز دھماکے کا ذکر چھیڑ کر فضا کو افسردہ کر دیا۔

جہانگیر کو اخبارات اور خبروں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی اس لیے شام کے اخبار نہیں لائے گئے تھے۔ ان تینوں کی معلومات صرف وہی تھیں جو انہیں اول خان سے حاصل ہوئی تھیں۔ اس اندوہ ناک دہشت گردی پر تفصیلی روشنی اول خان ہی ڈال سکتا تھا۔

وہ موضوع ختم ہونے سے پہلے مجھے خیال آیا کہ کسی پیشگی منصوبہ بندی کے بغیر ہم سب جہانگیر کے گھر یک جا ہو چکے تھے' صرف غزالہ ہمارے درمیان نہیں تھی۔

میں اپنی جگہ چھوڑ کر فوراً فون کی طرف بڑھ گیا۔ فون غزالہ نے اٹھایا اور ایک طویل وقفے کے بعد میری آواز سن کر مسرور ہو گئی۔

میں نے جب اسے بتایا کہ میں کراچی میں جہانگیر کے گھر سے بول رہا تھا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ ہر حال میں خوش رہنے اور شکوہ نہ کرنے والی ایسی صابر لڑکی تھی جو میری ساری خامیوں کو رضاکارانہ طور پر نظرانداز کر کے ہمیشہ میری خوبیوں پر نگاہ رکھتی تھی۔

اس نے مجھ سے گلہ شکوہ نہیں کیا کہ میں امریکا سے لوٹنے کے بعد دوبارہ اسے چھوڑ کر کیوں چلا گیا تھا۔ اسے مجھ سے اپنے گھربار اور پُرسکون گھریلو زندگی کے بارے میں جو کچھ کہنا تھا' وہ خلوت میں کہہ چکی تھی۔ اس کے سوالوں کا کوئی جواب میرے پاس نہیں تھا۔ میں نے بس اسے اپنی مجبوریاں بتا دی تھیں اور اس نے ان ناگزیر حالات کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا تھا۔

دونوں طرف سے مزاج پرسی اور چاہتوں کے بھرپور اظہار کے بعد غزالہ کی ملائم اور ملکوتی آواز میرے کانوں میں آئی "مجھے معلوم ہے کہ آپ یہاں نہیں آئیں گے۔ ہم سب کب تک یوں ہی بکھرے رہیں گے؟"

"نادرہ کا وہ مکان بھی خالی ہے جہاں میں نے بدری ناتھ اور

اس کے ساتھی کو ٹھہرایا تھا مگر وہ مخدوش ہے۔ امریکی ایجنٹوں نے نادرہ سے اسی پتے پر رجوع کیا تھا۔"

میری تجویز سن کر غزالہ نے کہا "وہ نادرہ کے چکر میں وہاں پہنچے تھے۔ ان کے لیے اب وہ باب بند ہو چکا ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ ہم نے وہ گھر آباد کرلیا ہے۔"

"دشمن کو کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ تمہیں معلوم ہے کہ بعد میں اس مکان کی تلاش میں پورے علاقے کا فضائی سروے کرکے اس کی چھت پر رنگ سے بھری ہوئی تھیلیاں پھینک کر مارکنگ کی گئی تھی تاکہ بعد میں گھر پر ائر کمانڈوز اتارے جاسکیں۔"

"آپ کی یادداشت حیرت انگیز ہے۔ واقعات کی گرد میں یہ سب بہت پیچھے نظر آتا ہے لیکن یہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے" اس نے بلاحیل و حجت اعتراف کرلیا۔

"امن اور سکھ چین ذرا دور کی باتیں ہیں لیکن میرے ساتھ رہنا تمہارا حق ہے۔ میں ان ضروریات سے غافل نہیں ہوں۔ پہلی فرصت میں کوئی نہ کوئی بندوبست کرلیا جائے گا۔"

"میں اپنی نہیں، سب کی بات کر رہی تھی۔ فلیٹ چھوڑنے کے بعد ہم چار افراد تین جگہوں پر بکھر گئے ہیں اور سب بے آرام ہیں" اس نے وضاحت کی۔

میں نے زیرِلب مسکراہٹ کے ساتھ ایک نرم سا جواب دے کر گفتگو کا سلسلہ منقطع کردیا۔

اول خان کے آنے تک وہ محفل یوں ہی جمی رہی۔ چوتھے گلاس کے خاتمے کے بعد میں نے جہانگیر اور ویرا کی مے نوشی پر پابندی لگادی۔ ویرا سگریٹیں پھونک پھونک کر وقت گزارتی رہی۔ ہم تینوں وقفے وقفے سے چائے نوشی کرتے رہے۔

ہمارے درمیان سلمٰی بھی موجود تھی اس لیے کھٹول کے بارے میں زیادہ کھل کر بات نہیں ہوسکی۔ ویرا کو یہ اندازہ پہلے ہی ہوچکا تھا کہ صورتِ احوال ہمارے قابو میں تھی۔

اول خان رات کے ایک بجے کے قریب واپس آیا تو اس کے چہرے سے تکان اور اضمحلال کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ آتے ہی ایک صوفے پر گر گیا۔

میں اشارے سے سلمٰی کو ایک طرف لے گیا۔ وہ ہر وقت دل و جان سے میری کسی اشارے بازی کی منتظر رہتی تھی۔ جھٹ لابی کے ایک گوشے میں آگئی۔

"جہانگیر چمکیلی دھوپ میں پھنسے ہوئے کسی اُلّو کی طرح دیدے پھاڑ پھاڑ کر ہر ایک کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کی زبان بھی لڑکھڑا رہی ہے۔ اسے تماشا بنانے کے بجائے سہارا دے کر کمرے میں لے جاؤ۔ مہمانوں سے میں نمٹ لوں گا" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

"وہ خود بھی اٹھنا چاہ رہے ہوں گے۔ میں ابھی انہیں لے جاتی ہوں۔"

"اس سے شاید اٹھا بھی نہیں جائے گا۔ میں سب کو اپنے کمرے میں لے جاتا ہوں۔ بعد میں تم اسے سنبھال لینا۔ وہ سب کے سامنے گر گیا تو تم کو پھر سبکی محسوس ہوگی۔"

سلمٰی نے سینے سے ایک گہرا سانس خارج کرکے مجھے گھورا اور "بہت بہتر" کہہ کر تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف چل دی۔

"ادھر.... میرے کمرے میں آجاؤ" میں نے ڈرائنگ روم کی دہلیز پر کھڑے ہو کر کہا۔ میری آواز پر جہانگیر نے چونک کر اپنی ناک بھوں پر زور دینا شروع کردیا۔

"وہ تم سے نہیں، دوسروں سے کہہ رہے ہیں" سلمٰی نے اس کے سر پر پہنچ کر کہا۔ اس دوران میں بقیہ تینوں افراد اپنی جگہیں چھوڑ چکے تھے۔

"ایک مدت کے بعد آج میں اتنی زیادہ تکان محسوس کر رہا ہوں" اول خان نے میری خواب گاہ میں داخل ہو کر مسہری پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"تم بے فکر ہو کر لیٹ جاؤ۔ میری موجودگی کی پروا مت کرو" ویرا نے مشورہ دیا "بھاگ دوڑ کے بعد نتائج بالکل صفر ہوں تو تھکن کا احساس بڑھ جاتا ہے۔"

"تم نے سچے کی بات کہی ہے" اول خان پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "آج میرے ساتھ یہی ہوا ہے۔ یہاں سے میں زور لگا رہا ہوں۔ ہمارا چیف لاہور میں ڈیرا ڈالے بیٹھا ہے لیکن چوہدری سلام کی گرفتاری کی کوئی راہ نہیں مل رہی۔"

"حیرت ہے کہ اس جیسے مجرموں اور منشیات فروشوں کو ہمارے یہاں کس قدر اونچے پیمانے پر تحفظ حاصل ہے۔" میں نے کہا "پتا نہیں کھٹول کے ستارے کیوں گردش میں آگئے۔"

"کھٹول کا مقدمہ کراچی میں تیار ہوا ہے۔ چوہدری سلام طاقت کے مرکز میں بیٹھ کر اپنے مہرے کھیل رہا ہے" اول خان بولا۔ "دیکھا جائے تو کھٹول دراصل چوہدری سلام کا ایک اہم مہرہ تھا۔ اسے پٹوا کر وہ اپنی بازی بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

اول خان کی فرمائش پر ویرا کافی اور سینڈوچ بنانے کے لیے کچن میں چلی گئی۔ ہم تینوں کی گفتگو جاری رہی۔ اس وقت ہمارے سامنے پانچ نام تھے۔ کھٹول، چوہدری سلام، امریکا سے آئے ہوئے وہ دو سفاک سراغ رساں جنہوں نے صبح کراچی میں دھماکا کیا اور مقامی قونصل خانے کا ویزا افسر جس نے کھٹول کو میرا پیچھا کرنے پر مجبور کیا تھا۔

اول خان کی زبانی پتا چلا کہ کھٹول کی اگلے روز کراچی منتقلی کا بندوبست ہوچکا تھا۔ اسلام آباد پولیس کے اعلیٰ افسران صبح ایک پریس کانفرنس میں اس اہم قومی ملزم کے ساتھ فوٹو سیشن کے بعد اپنی ٹیم کی نگرانی میں کراچی بھیجنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔

"تم بھی کھٹول پر مقدمہ چلانے کے حق میں ہو؟" میں نے اول خان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد اور دھیمی آواز میں

سوال کیا۔
"یہ میری مجبوری ہے۔ میں ڈسپلن کے خلاف کوئی ذاتی رائے نہیں دے سکتا۔"
"اگر میں اپنے طور پر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہوں تو تمہارا رویّہ کیا ہوگا؟"
"میں تمہارا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ جو کرنا چاہتے ہو' کرتے رہو لیکن اس بارے میں مجھ پر بالکل انحصار نہ کرنا۔ میں تمہیں بتادوں کہ ابھی سے اس کی حفاظت کے لیے غیر معمولی اقدامات کرلیے گئے ہیں۔ اسلام آباد کی پریس کانفرنس میں اس کا کوئی بیان یا انٹرویو نہیں ہوگا۔ دو حساس ادارے اس کے اقبالی بیان کے بعض حصوں کو حذف کرنے پر غور کررہے ہیں۔"
"کیوں؟ کیا ایسا کرنا فطری انصاف کے تقاضوں کے منافی نہیں ہوگا؟" میں نے قدرے تلخی سے پوچھا۔
"فطری انصاف میں ریاست کے مفادات کو اوّلیت حاصل ہے۔ ایسا نہ ہو تو سرکاری رازوں کے بارے میں سارے قوانین منسوخ کرنے پڑیں گے۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ قوانین کیا' بعض ادارے بھی ختم ہوجائیں گے" میں نے ایس ٹی ایف کا نام لیے بغیر حقیقت بیان کر ڈالی۔
"اس کا پورا بیان جاری کردیا گیا تو سب سے پہلے چوہدری سلام ہی اسے مروادے گا۔"
"بیان خفیہ رہے یا اعلانیہ' چوہدری سلام سمجھ چکا ہوگا کہ اس پر سارا عتاب کھٹومل کی وجہ سے آیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کھٹومل کو راستے ہی میں ماردیا جائے۔"
"میں تم سے بحث نہیں کررہا۔ مجھے معلوم ہے کہ نکتہ آفرینی میں کوئی تم سے نہیں جیت سکتا۔"
"قونصل خانے کے ویزا افسر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے پوچھا۔
اول خان ایک گہرا سانس لے کر بستر سے اٹھ گیا اور بولا۔ "تمہاری نگاہیں میری توقع سے کہیں زیادہ تیز اور عقابی ہیں۔ شاید یہ ذکر بھی کچھ سفارتی مجبوریوں کی وجہ سے حذف کردیا جائے۔ ہم انہیں آگاہ نہیں کرنا چاہتے کہ کھٹومل نے ان کے خلاف سچ اگل دیا ہے۔"
"اس کے خلاف فردِ جرم کمزور پڑجائے گی۔ وہ ملک سے غداری کا ارتکاب کیوں اور کس کے ایما پر کررہا تھا؟" اندر کی باتیں سامنے آنے پر مجھے واقعی غصہ آگیا۔
"ہوسکتا ہے" اس نے سہلا کر اقرار کیا "مگر وہ سزا یاب ضرور ہوگا۔ بہت سے لوگ کسی اور طاقت ور محرک کے بغیر صرف پیسے کے لیے اپنے وطن سے غداری پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ غداری سے ہٹ کر اس پر منشیات فروشی کا ایک ایسا سنگین الزام ہوگا جس پر اسے سزائے موت بھی سنائی جاسکتی ہے۔ وہ کسی قیمت پر سزا سے نہیں بچ سکے گا۔"
"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ اپنے بیان میں تبدیلیوں پر آمادہ ہوجائے گا؟"
"اس میں کسی کو کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اپنی زبان سے اقبالِ جرم کرنے والے اپنا سر اوکھلی میں دے بیٹھتے ہیں" وہ بولا۔ "سزا میں نرمی کی یقین دہانی پر وہ اپنے بیان میں ہر ترمیم اور اضافے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔ پولیس چاہے تو اپنے ہتھکنڈوں سے یہ اعتراف بھی کرواسکتی ہے کہ چاند کی سطح پر گڑھے کسی ایسے ملزم نے کھودے ہیں۔"
"میں تم سے یہ سب اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ مجرم تمہاری فورس کے ہاتھوں سے گزر کر پولیس تک پہنچے گا۔ میرے ان سوالوں کے جواب تم ہی دے سکتے ہو۔"
اول خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی اور وہ بولا۔ "تم بے فکر ہوکر سوالات کرتے رہو۔ جب تک میری معلومات ساتھ دیں گی' میں برا مانے بغیر جواب دیتا رہوں گا۔"
ویرا کافی اور سینڈوچ بنا کرلے آئی تھی اور گہری دلچسپی سے ہم دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ اس نے سگریٹ کا ایک کش لے کر اول خان سے پوچھا "تم نے بتایا ہے کہ کھٹومل کو اسلام آباد سے لاکر اسی ایس ایچ او کے حوالے کیا جائے گا جس نے کالو مکرانی کے بیان میں ردوبدل کرنے سے قطعی انکار کردیا تھا۔ کیا وہ تفتیشی افسر کھٹومل کے معاملے میں اپنے اصول توڑ دے گا؟"
"مجھے تم لوگوں کی طرف سے ایسے کڑے سوالات کا اندازہ تھا۔ میں نے پہلے ہی تھوڑی سی تیاری کرلی تھی۔ یہ سوال رہ رہ کر مجھے بھی ستارہا تھا۔"
وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا تو سلطان شاہ بول پڑا "یعنی اس کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔"
"جواب خاصا دلچسپ ہے" اول خان نے کہا "کھٹومل اسٹیشن تائن پر ہے۔ ابھی تک اس کا کوئی بیان نہیں لیا گیا۔ ٹیپ پر وہ بازپرس ریکارڈ ہوئی ہے جو ڈیئی نے انٹروگیشن سیل میں کی تھی۔ لوگ آوازوں کے اسی کیسٹ پر کام کررہے ہیں۔ مجسٹریٹ کی موجودگی میں اس کا بیان لینے سے پہلے متن کا فیصلہ کرلیا جائے گا۔ کراچی والے ایس ایچ او کے پاس وہی بیان پہنچے گا جو حساس ادارے طے کرلیں گے۔ کھٹومل کو نرمی کی امید پر اپنے اسی بیان پر قائم رہنا ہوگا۔"
"گڈ! خاصا مناسب ہوم ورک ہے" میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "دیکھنا ہوگا کہ ہم اس پلان میں کہاں کہاں رخنہ اندازی کرسکتے ہیں۔"
اول خان تکان کے ساتھ شاید بھوکا بھی تھا۔ اس نے ویرا کے بنائے ہوئے سینڈوچوں پر جس طرح یلغار کی تھی اس کا

ادراک مجھے ذرا دیر سے ہوا اور میں نے اسے شکم پری کا بھرپور موقع دینے کے لیے خاموشی اختیار کرلی۔ اس سے باتوں کے دوران میں میرے ذہن نے ایک خاص لائن پر کام کرنا شروع کردیا تھا۔ میں اس حوالے سے کچھ نئے سوالات ترتیب دینے لگا۔

"مزہ آگیا" کافی کی پیالی سے آخری گھونٹ لینے کے بعد اول خان نے ممنون نگاہوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس وقت میرے لیے یہ چیزیں من و سلویٰ سے کم نہیں تھیں۔"

"بھوکا پیاسا رہ کر کام کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی" ویرا نے جواب میں اس کی توصیف کی "میرا پیٹ خالی ہو تو عقل معدے میں اتر جاتی ہے۔ دماغ کام ہی نہیں کرتا۔"

"اول خان کی عقل بھوک میں بھی خوب کام کررہی تھی" ویرا سے یہ کہہ کر میں اول خان سے مخاطب ہوگیا "اب اجازت ہو تو میں رہے سہے سوال بھی ختم کرلوں؟"

"اوہ!" وہ چونک کر ہنسا "تو ابھی تمہارے سوالات باقی ہیں۔ میں رات ڈھلے کا ناشتا کرتے ہوئے بھی تمہارے سوالوں کے جواب دے سکتا تھا۔"

"تمہاری فورس سے اختلافِ رائے پیدا ہوجانے کے باوجود میں ایسا سفاک نہیں بن سکتا کہ تمہیں سکون سے اپنا پیٹ بھی نہ بھرنے دوں۔"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں اپنی معلومات کی حد تک ہر جواب فراہم کروں گا۔"

"مقامی قونصل خانے کے ویزا افسر کا کیا نام ہے اور وہ کہاں رہتا ہے؟"

"اوبرائن ڈی ہنٹ۔ عرفِ عام میں وہ اوبی بھی کہلاتا ہے اور کلفٹن میں رہتا ہے۔ تحفظ کے خیال سے وہ اپنا سرکاری مکان چھوڑ کر چند ہفتے پہلے کینٹ کے ایک فلیٹ میں منتقل ہوا ہے۔"

"تجربہ بتاتا ہے کہ ڈھنگ سے بنائے ہوئے فلیٹ کھلے مکانوں کے مقابلے میں زیادہ محفوظ ہوتے ہیں۔" ویرا نے اپنی ماہرانہ رائے دی۔ کافی پینے کے بعد اس کا رہا سہا نشہ بھی ہرن ہوچکا تھا۔

"شاید اس نے اپنے فلیٹ میں کتا بھی پالا ہوا ہوگا۔"

ویرا کی قیاس آرائی پر اول خان حیران رہ گیا "میں یہی خاص بات بتانے والا تھا۔ کراچی میں چند واقعات رونما ہونے کے بعد امریکی مسلح محافظوں کے ساتھ کتوں سے بھی مدد لے رہے ہیں۔ انسان بک جاتا ہے مگر کتا مرتے دم تک اپنی وفاداری نہیں بدلتا۔"

"مجھے اس کا پتا چاہیے" میں نے دھیمی آواز میں اول خان سے مطالبہ کیا۔

"ابھی مجھے نہیں معلوم۔ دن میں کسی وقت مل جائے گا" اس نے وعدہ کرلیا۔

"اور اب دونوں سراغ رسانوں کے بارے میں کچھ بتا ڈالو تاکہ ہم تمہارے کام میں خلل ڈالے بغیر اپنی راہ پر لگے رہیں۔ میرے لیے وہ دونوں سب سے زیادہ اہم ہیں۔"

وہ دونوں ایک مشہور ہوٹل کی ساتویں منزل کے ایسے گوشے میں رہ رہے تھے جہاں سامنے کی بند دیوار میں اور دائیں بائیں' کل تین کمروں کے دروازے تھے۔ ایک کمرا ان دونوں کے مشترکہ تصرف میں تھا بقیہ دو کمرے امریکی میرین کمانڈوز کے لیے تھے۔

ان دونوں کی حفاظت پر مامور کمانڈوز کی تعداد چھ تھی۔ وہ باری باری ڈیوٹی دیتے تھے۔ ان کے تربیت یافتہ کتے قونصل خانے کے پنجروں میں رہتے تھے۔ ضرورت کے وقت انہیں وہاں سے نکال لیا جاتا تھا۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے ٹرینر بھی امریکا سے ہی آیا تھا۔

گفتگو ختم کرکے اول خان کھڑا ہوگیا "میرے لیے آج کا دن بہت لمبا ہوگیا۔ میں اجازت چاہوں گا" یہ کہہ کر اس نے نگاہوں سے ویرا کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تم نے اپنی راہ الگ کرلی ہے۔ میں ڈینی سے اس کے پروگرام کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں" اس نے بیٹھے بیٹھے فریاد کی "مجھے تھوڑا سا وقت تو دے دو۔"

"نہیں ویرا۔ اس وقت میرا ذہن بالکل صاف ہے" میں نے اسے ٹالنے کی نیت سے کہا۔ "تم چلی جاؤ۔ صبح بات ہوگی۔ اول خان کی پوزیشن کو داغ دار کیے بغیر اپنا ہدف حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کی منصوبہ بندی کے لیے وقت اور دماغ سوزی درکار ہے۔"

"کل تم حفاظت کے نام پر مجھے گھر سے نکلنے نہیں دوگے۔ فون پر ہی بات ہوگی۔"

"میں کوئی اور راہ نکالوں گا۔ اس خاص معاملے میں اول خان کا تعاون ختم ہونے کے بعد ہم چاروں کو ایک دوسرے پر انحصار کرنا ہوگا۔ باہر کے کسی آدمی سے کام لینے کی صورت میں ہم بے موت مارے جاسکتے ہیں۔ کل ہم کہیں نہ کہیں ضرور یکجا ہوں گے" میں نے اسے دلاسا دیا۔

"ہم یہاں بھی رک سکتے ہیں۔ کچھ دنوں کے لیے اسی ایک کمرے میں گزارہ کرلیں گے" ویرا رکنے کے لیے مچلی جارہی تھی۔

"جہانگیر اول درجے کا بددماغ آدمی ہے۔ اتنی بھیڑ کو برداشت نہیں کرے گا۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ وہ گھر میں کیسی بے اعتدالیاں کرگزرتا ہے۔"

میری محنت کارگر ثابت ہوئی۔ ویرا' اول خان کے ساتھ واپس چلی گئی۔

رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا۔ چند گھنٹوں کے بعد صبح نمودار ہونے والی تھی۔ میں روشنیاں گل کرکے سلطان شاہ کے ساتھ دہرے بیڈ پر دراز ہوگیا۔ اسلام آباد میں تھوڑی سی ورزش اور کراچی تک کے فضائی سفر کے باعث میں کسل مندی محسوس کررہا تھا لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں یہ سوچ سوچ کر کڑھ رہا تھا کہ اس ملک کی قسمت میں ممو مستری جیسے بے ضمیر لوگوں کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ضرور تھا۔

دیر سے سونے کے نتیجے میں صبح دیر سے میری آنکھ کھلی۔ سلطان شاہ بدستور سو رہا تھا۔ میں کمرے سے باہر نکلا تو کہیں زندگی کے آثار نہیں تھے۔ سب لوگ ہی گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔ دروازے کی جھری کے پاس صبح کے تازہ اخبار موجود تھے۔ شاید سلمٰی نے میری خواہش کے احترام میں کسی ہاکر کو پرچے ڈالنے کی ہدایت کردی تھی۔

میں نے اردو اور انگریزی اخبارات کے بیرونی صفحات پر سرسری نظریں ڈالیں اور پچھلی صبح ہونے والے حادثے کے بارے میں جمائی گئی سرخیاں دیکھ کر دل گیر ہوگیا۔

زخمی ہونے والوں میں سے مزید ایک شخص چل بسا تھا۔ اس طرح بم کے دھماکے میں مرنے والوں کی تعداد چار ہوگئی تھی۔ اس المناک بربریت کی تصاویر خبروں سے زیادہ دلدوز تھیں۔ پچکی اور الٹی ہوئی گاڑیوں کے ملبے کی تصویروں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شہری آبادی پر کسی فضائی حملے کے بعد لی گئی ہوں۔

میں اخبارات چھوڑ کر غسل خانے میں جاگھسا اور عجلت میں تازہ دم ہونے کے بعد دوبارہ ڈرائنگ روم میں اخبار لے بیٹھا۔

دہشت گردی اور خوں ریزی کی ساری وارداتوں کی خبریں کم و بیش ایک جیسا دکھ پہنچاتی ہیں۔ بس متاثرین کے نام اور مجرموں کے مقاصد میں ردوبدل ہوتی رہتی ہے۔ بے گناہ اور معصوم انسانوں کے لہو کی حرمت کو پامال کرنے والوں کے خلاف میرے دل میں انتقام اور نفرت کی ایک آگ سی بھڑک اٹھی جو صرف سازشیوں کے خون سے سرد ہوسکتی تھی۔

اخبارات میں یہ اشارہ کہیں بھی نہیں تھا کہ بم پھٹنے سے قبل دو مشتبہ غیر ملکی سراغ رساں' فوٹو گرافروں کے بھیس میں متاثرہ علاقے میں منڈلاتے رہے تھے۔

وہ ایک ایسا نکتہ تھا جسے اچھال کر کئی مقاصد حاصل کئے جاسکتے تھے۔ اخبار میں خبر لگ جانے کے بعد ان دونوں کی سرگرمیوں کے متعدد گواہ پیدا ہوسکتے تھے لیکن بیورو کریٹس ایسا کوئی دلیرانہ قدم اٹھانے کے بجائے شترمرغ کی طرح ریت میں گردن دے کر خود کو طوفان سے محفوظ تصور کر رہے تھے۔

مجھے پورا یقین تھا کہ ایس ٹی ایف والوں نے دونوں گورے قاتلوں کی سرگرمیوں کی خبر اپنے سینوں تک محدود نہیں رکھی ہوگی۔ متعلقہ لوگوں کو فوری طور پر وہ اطلاعات پہنچادی گئی ہوں گی مگر امریکا کے ساتھ مراسم میں بہتری اور اس کی خوشنودی کے خواہاں افسران نے وہ خبر جاری کرنے کے بجائے سختی سے دبادی۔ وہ ایک کھلی حماقت تھی۔

ان کی سرگرمیوں کو پوشیدہ رکھ کر ان کی کھلی حوصلہ افزائی کی جارہی تھی۔ دوسری خبریں، میرے اس نظریے کی تصدیق کردی گئی تھی۔

ہم نے نادرہ غنی کے جس آراستہ فلیٹ کو ہنگامی حالات میں خیرباد کہا تھا اس پر امریکا سے آئے ہوئے سراغ رسانوں کے دھاوے کی خبر پرانی ہوچکی تھی۔ وہ اپنے تربیت یافتہ کتوں سمیت متعدد مقامی حکام کی رہنمائی میں وہاں گئے تھے اور شاید بے نیل مرام واپس آئے تھے۔

اس مہم جوئی کے بعد مجسٹریٹ کی نگرانی میں ہمارے فلیٹ کو سیل کردیا گیا تھا۔ تازہ خبر کے مطابق پچھلی شام وہ سراغ رساں مجسٹریٹ اور ایک پولیس افسر کی معیت میں دوبارہ اس فلیٹ میں گئے تھے۔ اس بار کتے ان کے ساتھ نہیں تھے۔ کئی گھنٹوں تک فلیٹ میں پائے جانے والے فنگر پرنٹس کی تصاویر اٹھانے کے بعد وہ واپس چلے گئے تھے۔

یہ ان کی دیدہ دلیری کی انتہا تھی۔ صبح انہوں نے صوبے کے ایک حساس انتظامی مرکز میں مقامیوں کے خون سے ہولی کھیلی پھر کوئی طویل وقفہ دیے بغیر شام کو ہمارے فلیٹ پر پہنچ گئے۔

ان کی وہ تمام حرکتیں ظاہر کررہی تھیں کہ وہ میری ذات سے بہت زیادہ خائف تھے اور ہر قیمت پر مجھے نیست و نابود کرنے کا عزم لے کر پاکستان آئے تھے۔

امریکیوں کے پروردہ دشمنوں سے محاذ آرائی شروع ہونے کے بعد ہمیں ہمیشہ ان پر برتری اور سبقت حاصل رہی تھی۔ حد یہ تھی کہ وہ اپنے ملک میں بھی مجھے اور ویرا کو اپنی من مانی کرنے سے نہیں روک سکے تھے۔ یہ پہلی بار ہورہا تھا کہ مجھے اپنے ہی ملک میں پسپائی اختیار کرنی پڑ رہی تھی اور وہ لوگ ہماری ناگزیر مجبوریوں اور مصلحتوں کا ناجائز فائدہ اٹھا کر سنگین خطرہ بنتے جارہے تھے۔

یکایک میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔ پاکستانی حکام دانستہ یا نادانستہ طور پر انہیں جو ڈھیل دے رہے تھے، اس سے میں بڑا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر کمرے کے خواب ناک ماحول میں واپس جانے کے بجائے وہیں صوفے پر دراز ہوگیا اور اپنے منصوبے کے تاروپود کو یکجا کرنے کی ذہنی کوششوں میں مصروف ہوگیا۔

گیارہ بجے جب میں سلمٰی کے تیار کیے ہوئے ناشتے سے انصاف کرنے میں مشغول تھا تو اول خان کا فون آگیا۔ اس کی آواز میں تازگی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"کیا بات ہے۔ کل کی تکان شاید ابھی تک دور نہیں ہوسکی ہے۔" میں نے کہا۔

"آج کل ہر صبح نئے واقعات کے ساتھ جنم لے رہی ہے۔ میرے پاس اس وقت کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔" اس کی آواز میں ہچکچاہٹ تھی جیسے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کوئی بری خبر سنانے پر مجبور ہو۔

"کل کے دھماکے میں مرنے والوں کی تعداد میں اضافے سے زیادہ بری خبر کیا ہوسکتی ہے۔"

"اس کا تعلق تمہاری اور صرف تمہاری ذات سے ہے۔" اول خان نے مجھے تجسس میں ڈال دیا۔

"فکر نہ کرو۔ میں جب تک زندہ ہوں، میرے لیے کوئی خبر بری نہیں ہوسکتی۔"

"تم جانتے ہو کہ تمہارے بارے میں حکومت نے مکمل لاعلمی کا سخت موقف اختیار کیا ہوا ہے؟" اس نے کوئی خبر سنانے کے بجائے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ اپنی بے شمار مصلحتوں اور مجبوریوں کے چنگل میں جکڑے ہوئے لوگ میرے بارے میں اتنی اخلاقی جرات کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ خبر کیا ہے!؟"

"میں اسی طرف آرہا ہوں۔ خبر سننے سے پہلے تمہیں اس کے مکمل پس منظر سے بھی واقف ہوجانا چاہیے۔" وہ محتاط لب ولہجہ استعمال کررہا تھا "بات اب بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ امریکی تمہاری تلاش کے لیے پاکستان میں ایک بڑا آپریشن شروع کرنے کا فیصلہ کرچکے ہیں۔"

"ان کے سارے ہی آپریشن بڑے ہوتے ہیں اور وہ مسلسل جاری ہیں۔ ان سے صرف مجھے ہی نہیں، ویرا کو بھی شدید خطرات لاحق ہیں۔" میں نے کہا۔

"ویرا امریکی شہری ہے۔ اس کے بارے میں ہماری حکومت پر کوئی ذمے داری عائد نہیں کی جاسکتی۔ میں صرف تمہارے بارے میں فکرمند ہوں۔"

"نئے آپریشن سے میں ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں۔ انہیں کھل کر میدان میں اترنے دو۔ انہیں تگنی کا ناچ نچا دیا جائے گا۔ تم ان اطلاعات پر بلاوجہ پریشان ہو۔"

"میری پریشانی کا سبب آپریشن نہیں، تمہاری سیمابی فطرت ہے۔ تمہاری کارکردگی کو بالا ہی بالا مانیٹر کرنے والوں کو تمہاری مہم جویانہ فطرت کا خوب اندازہ ہے۔ انہیں اندیشہ ہے کہ تم نے امریکیوں کے خلاف کوئی جوابی محاذ کھول دیا اور پھر پھنس گئے تو بین الاقوامی سطح پر ہماری حکومت کو بدترین ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"تو کیا تم مجھے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنے کا مشورہ دینا چاہ رہے ہو؟"

"جب میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا تو مجھے مشورہ دینے کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔ میں اس پس منظر کے ساتھ تمہیں وہ بری خبر سنانی چاہ رہا ہوں۔"

"اوہ! تو کیا آپریشن کے علاوہ کوئی اور خبر بھی تیار ہے؟" میں نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

"خدا کے لیے سنجیدگی اختیار کرو۔" اول خان کی آواز پُرتشویش تھی "کسی ممکنہ بدنامی اور ندامت سے بچنے کے لیے حکومت نے فوری طور پر تمہیں اپنی تحویل میں لینے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"کیا؟" میں حیرت اور بے یقینی سے تقریباً چیخ پڑا "تم سادہ الفاظ میں کیوں نہیں بتاتے کہ اب میری گرفتاری کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔"

میری آواز سن کر سلمیٰ کچن سے بوکھلائی ہوئی لابی میں آئی اور چند ثانیوں تک حیرانی و پریشانی سے میرا جائزہ لینے کے بعد دوبارہ واپس چلی گئی۔

"گرفتاری اور حفاظتی تحویل میں بہت فرق ہوتا ہے۔" اول خان مدافعانہ لہجے میں وضاحت کر رہا تھا "حکومت نے اعلیٰ سطح پر یہ فیصلہ کیا ہے۔ حساس اداروں کی رائے ہے کہ امریکی آپریشن کے دوران میں تمہیں منظرِ عام سے بالکل دور، ان کی حفاظت میں ہونا چاہیے تاکہ کسی ناخوشگوار تصادم کی نوبت نہ آنے پائے۔ وہ جھک مار کر واپس چلے جائیں گے تو تم اپنی مرضی کے مالک ہو گے۔"

"شاید مجھے تحویل میں لینے کا فرض تم ہی کو سونپا گیا ہے؟" میں نے طنز سے پوچھا۔

"نہیں۔ یہ کام کچھ بڑے خود انجام دیں گے۔ مجھ سے صرف تمہارا ٹھکانا پوچھا گیا تھا۔ میں نے خطرے کی بو سونگھ کر فی الحال اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ یہ....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "اس کا مطلب ہے کہ میں اسٹیشن ٹائن سے بروقت نکل آیا۔ رات کو وہاں رکا رہتا تو آج کہیں اور پہنچا دیا جاتا۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اسے مجبوراً اعتراف کرنا پڑا۔ "میں نے جواب دیا ہے کہ اسلام آباد سے واپسی کے بعد تم میرے رابطے میں نہیں ہو۔"

اول خان کی باتوں نے مجھے الجھا دیا "میں کچھ سمجھ نہیں سکا کہ تم کیا چاہ رہے ہو۔ ایک طرف تم حکومت کے فیصلے کی وکالت کر رہے ہو، دوسری طرف میری مخبری کرنے کے بجائے مجھے ہوشیار کر رہے ہو۔ تمہاری اس فون کال کا اصل مقصد اور مدعا کیا ہے؟"

"تمہیں حالات سے آگاہ کرنا اور صحیح راستہ سمجھانا۔" اس نے جواب دیا۔

"سنو!" میں نے سختی سے کہا "میں موت سے نہیں ڈرتا۔ اس کا ایک وقت مقرر ہے۔ جب آنی ہے، ہر حال میں آکر رہے گی۔ سرکاری بقراطوں کو یہ ضرور سمجھا دینا کہ جو شخص دشمن کے سامنے جما رہ سکتا ہے، وہ اپنوں کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے گا۔ میں اپنی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو کسی امتیاز کے بغیر توڑ دوں گا یا پھر اسی کوشش میں موت کو اپنے گلے لگا لوں گا۔"

"تم بلاوجہ جذباتی ہو رہے ہو۔" اس نے مجھے سمجھانا چاہا۔ "اپنوں کے خلاف ہتھیار اٹھا کر تم ان کی حمایت بھی کھو دو گے۔ دلیری اور سرکشی میں بہت معمولی سا فرق ہوتا ہے۔ تمہاری محاذ آرائی کو سرکشی پر محمول کیا جائے گا۔"

"تمہارے ہمدردانہ مشوروں کا شکریہ۔ میں اپنے فیصلے کے نتائج کا خود ذمے دار ہوں گا۔ بس تم میری غزالہ کی حفاظت کرتے رہنا۔ میری تلاش میں بے فیض ٹکریں مارنے والوں نے اسے کوئی ٹھیس پہنچائی تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔"

"اور ویرا کا کیا بنے گا؟" اس نے پوچھا "غزالہ کو تو میں آج ہی اپنی بیوی کے ساتھ پشاور بھیج دوں گا۔ اس کے میکے میں غزالہ آرام سے رہے گی۔"

غزالہ کے بارے میں اس کی تجویز اطمینان بخش تھی۔ صوبہ سرحد کے مخصوص معاشرتی پس منظر میں میری وجہ سے غزالہ کو چھونا آسان کام نہیں ہوتا۔ عزت و غیرت کے نام پر مر مٹنے والے پٹھان اس کے تحفظ کے لیے لاشیں تک گرانے پر تل سکتے تھے۔

ویرا کا مسئلہ پریشان کن تھا۔ میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا "تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری سنائی ہوئی خبروں کے بعد میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ میرے لیے جہانگیر کا گھر محفوظ نہیں ہے۔ مجھے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ہے۔ ویرا کو سمجھا دینا کہ جب گھمسان کا رن پڑتا ہے تو ہر ایک صرف اپنی بقا کے لیے لڑتا ہے۔ وہ جہاں دیدہ لڑکی ہے۔ کوئی نہ کوئی راہ نکال لے گی۔"

"راہ تو نکل ہی آئے گی۔ مجھے اس کے اشتعال کی فکر ہے۔ اس کا پہلا ردِعمل خاصا پریشان کرے گا۔ ضد میں وہ کوئی غلط فیصلہ بھی کر سکتی ہے۔"

"اسے تم ہی کو سنبھالنا ہو گا۔ تم نے مجھے کرنل جمال دستی بنایا تھا۔ اسے بھی کچھ اور بنا کر کہیں کھپا دینا۔ وہ ہماری سرکار کا مسئلہ نہیں ہے لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ امریکی اس کی بو پر بھی لگے ہوئے ہیں۔ اس برے وقت میں ہم اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتے۔"

"میں ویرا کو بھی پشاور بھیج سکتا ہوں لیکن ایمان داری کی بات یہ ہے کہ وہاں آزاد خیال مغربی عورتوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ وہ عام طور پر مقامیوں سے رقمیں بٹور کر دو چار کلو ہیروئن اپنے ساتھ وطن لے جانے کے چکر میں سستے ہوٹلوں وغیرہ میں پڑی رہتی ہیں۔ میری سسرال والے اسے غزالہ جیسی عزت نہیں دے سکیں گے۔"

اس نے جو بات کھل کر نہیں کہی تھی وہ میں جانتا تھا۔ آوارہ گرد مغربی لڑکے اور لڑکیاں سرحدی علاقوں میں کسی سرمایہ کاری کے بغیر پیسہ بٹورنے کے لیے ایک ہی راہ اختیار کرتے تھے جو گناہوں کی دلدل سے گزرتی تھی۔ دنیا کے دوسرے خطوں کی طرح ان علاقوں میں بھی فرشتے نہیں، آدم زاد بستے تھے جو آسانی سے ان

پری پیکروں کا شکار بن جاتے تھے۔
اول خان ویرا کے لیے جو کچھ بھی کرتا' بہتر ہی کرتا۔ میں نے اپنا پیغام اسے ذہن نشین کرا دیا تھا۔ وہ بے چارہ بیچ کا آدمی تھا۔ دوسری طرف کی ناخوشگوار اطلاعات مجھ تک پہنچانے کے چکر میں وہ میری تلخ نوائی کا شکار بھی ہوا تھا۔ میں نے گفتگو ختم کرتے ہوئے پوری کوشش کی تھی کہ اس کے دل سے بدمزگی کا ہر داغ دھل جائے۔ میں اس سے بات ختم کر کے گھوما تو سلمیٰ میرے سر پر سوار تھی۔
"تمہیں کون گرفتار کر رہا ہے۔ تم ایسی خوف ناک باتیں کس سے کر رہے تھے؟" اس نے سہمی سہمی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"اتنا تجسس مت کیا کرو۔ بھول جاؤ کہ تم نے کیا سنا ہے۔ میرے لیے کچھ مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ میں تھوڑی دیر بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔" میں نے دھیمی اور تحکمانہ آواز میں کہا۔
اس وقت میری آنکھوں میں کوئی ایسی کیفیت عود کر آئی تھی کہ وہ اگلا سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکی اور سر جھکا کر واپس لوٹنے لگی۔
"گھنٹی بجے تو اب فون تم ہی اٹھانا اور یہ یاد رکھنا کہ میں یہاں سے جا چکا ہوں۔" میں نے اس کے جاتے جاتے مزید ہدایات جاری کیں پھر کمرے میں گھس گیا۔
اس بار میں نے سب سے پہلے فون لائن سے سی ایس ڈی الگ کی تھی۔ اسلام آباد سے واپسی کے بعد سے میرا بریف کیس جوں کا توں رکھا ہوا تھا۔ اس میں سفری ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ بریف کیس میں موبائل فون' سی ایس ڈی' بیم گن' ریوالور اور فاضل راؤنڈز کے اضافے کے ساتھ میں ایک نئے فرار کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔
سلطان شاہ کی طرح جہانگیر بھی بے خبر سو رہا تھا۔ میں نے ان کی نیند خراب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں ان کی جرح سے بچنا چاہ رہا تھا۔
چلتے چلتے مجھے اوبی کا خیال آیا۔ زادِ سفر کے علاوہ ضروری معلومات میرے پاس موجود تھیں۔ اوبرائن ڈی ہنٹ کے بارے میں کوئی واضح سراغ نہیں تھا۔
دفتر کے بجائے میں نے اول خان کے موبائل فون کا نمبر ملایا۔ پتا اور فون نمبر اس کے پاس موجود تھا۔ میں نے ایک کاغذ پر دونوں چیزیں نوٹ کر کے اول خان کو الوداع کہہ دیا۔
سلمیٰ دور کھڑی ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے میرے ہاتھ میں دبے ہوئے بریف کیس کو دیکھ رہی تھی۔
میں نے بڑھ کر ہولے سے اس کے شانے پر تھپکی دی اور کہا۔ "فکر مت کرو۔ یہ کڑا وقت بھی گزر جائے گا اور میں جلد لوٹ آؤں گا۔"
سلمیٰ نے دونوں ہاتھوں سے میرا داہنا ہاتھ تھام کر گرم جوشی سے دبایا' اس کا وجود ہولے سے کانپا اور پھر اس کی آنکھوں سے دو آنسو اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔ وہ میرے جواب میں کچھ کہے بغیر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کچن کی طرف بھاگ گئی۔
اگلے ہی لمحے میں جہانگیر اور سلمیٰ کی دہلیز سے نکل چکا تھا۔
میں عمارت سے نکل کر سڑک پر آیا تو اوپر چمکتا ہوا آسمان تھا' پیروں تلے تپتی ہوئی زمین تھی۔ لمحوں ہی لمحوں میں میرے لیے سب کچھ اجنبی سا ہو کر رہ گیا تھا۔ میرے لیے کوئی گھر تھا نہ ٹھکانا۔ میں نے بالکل خالی الذہن ہو کر جہانگیر کا گھر چھوڑا تھا۔
وقت بہت ظالم اور سفاک ہوتا ہے۔ ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ ایک انگڑائی لیتا ہے اور عرش سے انسان کو فرش پر لا پٹختا ہے۔ میں پچھلی رات تک اسلام آباد میں ایس ٹی ایف والوں کا خصوصی مہمان تھا۔ ان کا چیف مجھ سے ملنے کا خواہاں تھا مگر میں اس کی خواہش کو نظر انداز کر کے بروقت وہاں سے نکل آیا تھا۔
مجھے بے اختیار وہ بے مروت یاد آ گیا جب لاہور میں اپنے سوتیلوں کے ظلم و ستم کی وجہ سے میں اپنی ماں کے ساتھ زندگی کے کٹھن دن گزار رہا تھا۔ اس وقت میں نے نوجوانی کی سرحدوں میں قدم رکھا تھا کہ ایک دن ماں ہمیشہ کے لیے میرا ساتھ چھوڑ گئی۔
ماں کے بعد مجھے اپنے لیے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو تھے' دل بھاری تھا اور ذہن بالکل

خالی۔ میں ریل کی پٹری کے ساتھ ساتھ ایک طرف چل پڑا تھا۔
برسوں کے بعد کراچی میں تاریخ خود کو دہرا رہی تھی۔ فرق یہ تھا کہ لاہور میں، میں ایک ناپختہ کار، تہی دست اور کمزور نوجوان تھا۔ کراچی میں تجربے نے مجھے دولت اور طاقت سے نواز دیا تھا۔ میں بہتر انداز میں اپنے مستقبل کے فیصلے کر سکتا تھا۔
جہانگیر کے گھر سے سڑک زیادہ دور نہیں تھی لیکن اہم لوگوں کے استعمال میں رہنے والی، کلفٹن کی اس بڑی شاہراہ پر بسوں اور ویگنوں وغیرہ کا گزر ممنوع تھا۔ وہ پچھلے متبادل راستوں سے گزر کر اپنی منزل تک پہنچتی تھیں۔ میں نے سڑک عبور کر کے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔
میں نے ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ کر اسے ساحل کی طرف چلنے کے لیے کہا تو اس نے کن انکھیوں سے میرا جائزہ لیا اور پھر پردیسی سمجھ کر کہا "پچاس روپے ہوں گے۔"
"کس بات کے؟" میں نے غرا کر اس پر آنکھیں نکالیں "ابے! یہاں سے پیشاب کی دھار ماروں تو وہ سمندر میں جائے گی۔ اتنی سی دور کے پچاس روپے؟ یہ میٹر کس لیے ہے؟"
ڈرائیور منحنی سا تھا۔ میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر سہم گیا اور جھٹ میٹر کی چرخی گھما کر گرا دی۔
بے سروسامان ہونے کے بعد ایک معمولی سے ڈرائیور پر حاصل ہونے والی اس حقیر سی فتح نے میرے اوپر حیرت ناک اثرات مرتب کیے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اول خان سے گفتگو کے بعد میرے وجود میں آزردگی اور شکست وریخت کے سرایت ہونے کے جس عمل کا آغاز ہو چکا تھا، وہ یکایک رک گیا تھا۔
ماہی خانے کے قریب میں نے ٹیکسی رکوالی۔ میٹر میں دس روپے بھی نہیں بنے تھے۔ میں نے جیب سے نکال کر پچاس روپے کا نوٹ ڈرائیور کو تھمایا اور بقیہ رقم واپس لیے بغیر اسے حیران و پریشان چھوڑ کر اندر چل دیا۔ اس نے میری دھمکی سے مرعوب ہو کر میرے اوپر جو احسان کیا تھا اس کے لیے وہ ایک معقول انعام کا حق دار بن چکا تھا۔
ماہی خانے کے خنک ماحول میں بھانت بھانت کی رنگ برنگ مچھلیوں کو شیشے کے تالابوں میں تیرتے دیکھ کر مجھے خاصا ذہنی سکون ملا مگر میں اپنے بریف کیس کی وجہ سے دوسرے تماشائیوں کی نگاہوں کا مرکز بن رہا تھا۔ مجھے خود احساس ہوا کہ میں پینڈو لگ رہا تھا۔
میں باہر آ کر اجڑے ہوئے لان کے ایک دور افتادہ گوشے میں بیٹھ گیا۔ دن کا وقت تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے وہاں اِکّا دُکّا افراد یا ٹھیلوں والے نظر آ رہے تھے۔
میں بریف کیس پر سر رکھ کر گھاس پر دراز ہو گیا۔ اس وقت میری آزادی اور بقا کے لیے دو چیزیں بہت اہم تھیں۔ سر چھپانے کا ٹھکانا اور ایک عدد عام ٹیلی فون۔

ویسے اول خان کا دیا ہوا موبائل فون میں نے ساتھ لے لیا تھا لیکن مجھے علم نہیں تھا کہ سی ایس ڈی اس الاسلکی آلے کے ساتھ کس طرح منسلک ہوگا اور کام بھی کرے گا یا نہیں۔
کسی ہوٹل میں قیام کی صورت میں ٹیلی فون ایکسچینج کی وجہ سے سی ایس ڈی سے آزادانہ استفادہ محال تھا۔ آپریٹر اپنی مداخلت کی کوششوں میں مسلسل ناکامی کے بعد میری طرف سے مشکوک ہو سکتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اوسط درجے کے ہوٹل مالکان ایسی مشتبہ صورتوں میں فوراً مقامی پولیس سے رابطہ کرتے تھے۔ کبھی کبھار کامیاب ہونے والی ایسی مخبریوں کی وجہ سے ان کے باہمی مراسم بہت اچھے رہتے تھے۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا جو میرے اور پولیس کے سامنے کا سبب بن جائے۔
میرے مسئلے کا واحد حل کوئی چھوٹا مکان یا گیسٹ ہاؤس تھا جس میں چند بنیادی سہولتوں کے ساتھ ٹیلی فون بھی موجود ہو۔
میں نے ایک آوارہ گرد لڑکے سے اخباری اسٹال کے بارے میں معلوم کیا جو کچھ فاصلے پر تھا۔ اخبار خرید کر میں نے ایک بہتر اور سایہ دار جگہ پر ڈیرا ڈال دیا۔
اخبار میں کرائے داری کے کالم میں متعدد اشتہار موجود تھے مگر ان میں سے کوئی بھی میرے کام کا نہیں تھا۔ پھر بھی میں نے موبائل پر چند نمبروں پر رابطہ کیا اور بہادر آباد کے رہائشی علاقے میں وسطی منزل پر واقع ایک ایسے کمرے کو ذہن میں رکھ لیا جو فون، باتھ روم اور چھوٹے سے کچن کے ساتھ قدرے موزوں تھا۔ اس کا کرایہ اور ڈپازٹ زیادہ تھا لیکن میرے لیے وہ چیزیں ثانوی تھیں۔
سوچتے سوچتے مجھے نادرہ کا مکان یاد آ گیا جس کی نشان دہی غزالہ بھی کر چکی تھی۔ اگر وہاں کا فون بل کی عدم ادائیگی کی وجہ سے منقطع نہیں ہوا تھا تو میں پوری بے فکری کے ساتھ وہاں عارضی پڑاؤ ڈال کر اپنا کھیل شروع کر سکتا تھا۔
سایہ، سبزہ اور سکون میسر ہو تو انسان کا ذہن تیزی سے کام کرتا ہے۔ یہ سوچ کر میں وہاں سے چل پڑا۔ وہ مکان آراستہ اور میرا دیکھا بھالا تھا۔ گھر کے داخلی دروازے کی چابی میرے پاس موجود تھی۔ دوسری چابیاں گھر ہی کی ایک خفیہ دراز میں محفوظ تھیں۔
نادرہ کے مکان پر وحشت اور ویرانی کا راج تھا۔ پھاٹک پر نصب میل بکس میں کئی بل پڑے ہوئے تھے جن میں فون کے دو بل بھی تھے۔ پھاٹک کھول کر میں اندر داخل ہوا تو گھاس لمبی اور بے ترتیب ہو کر کیاریوں تک پھیل گئی تھی۔ دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے پودے سوکھ چکے تھے۔
میرے لیے باہر کا وہ نقشہ ذرا بھی اہم نہیں تھا۔ میرا ذہن صرف فون میں اٹکا ہوا تھا۔
ڈرائنگ روم اور راہداری سے گزر کر میں فون تک پہنچا تو

اس پر ٹون آرہی تھی۔ میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ مختصر سی تنگی کے بعد قدرت پھر مجھ پر مہربان ہو رہی تھی۔

فون مکان کے اسی عقبی کمرے میں تھا جو الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے مجھے پسند تھا۔

ایک بل پرانا تھا۔ اس کے واجبات اگلے فون بل میں شامل تھے۔ دوسرے بل کی ادائیگی کی تاریخ بھی سولہ دن پہلے گزر چکی تھی۔

بنک کا وقت باقی تھا۔ میں نے اسی وقت رکشے سے نرسری جا کر فون، بجلی اور گیس کے بل جمع کرا دیے۔ پتا نہیں کیا وجہ تھی کہ میری طرف سے رابطہ ختم ہو جانے کے باوجود نادرہ نے اپنے گھر کی کوئی خیر خبر لینے کی زحمت نہیں کی تھی۔

فرشی قالین پر مجھے لوٹ نہیں لگانی تھی۔ میں نے بستر کی چادر وغیرہ جھٹک کر گرد صاف کی اور جوتے اتار کر مسہری پر چڑھ گیا تاکہ سی ایس ڈی کو فوری طور پر فون سے منسلک کرلوں۔

نرسری کے بنک میں بلوں کی ادائیگی کے بعد میں ڈبوں اور پیکٹوں میں بند، خورونوش کی بہت سی ایسی چیزیں بھی خرید لایا تھا کہ مجھے اپنی کسی ضرورت کے لیے کئی روز تک باہر نکلنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کوئی متبادل ٹھکانا نہ ملنے کی صورت میں میں غیر معینہ مدت تک وہاں روپوش رہ سکتا تھا۔

اس علاقے کی یہ خوبی میں نے پہلے بھی نوٹ کی تھی کہ گلی میں کسی کو دوسرے مکینوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ سب اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ پھر بھی میں نے یہ طے کرلیا تھا کہ مجھے وہاں رہنا ہی پڑا تو مالک یا مہمان کے بجائے مکان کے نگراں کا روپ دھار کر رہوں گا۔ اس طرح مجھے لان وغیرہ کی صفائی کا موقع مل سکتا تھا۔ کوئی محلے دار ویران مکان میں میری آمد نوٹ کرتا تو ملازم سمجھ کر نظر انداز کر دیتا۔

گوشۂ عافیت میسر آجانے کے بعد مجھے عجیب ذہنی سکون میسر آیا تھا۔ لائن سے سی ایس ڈی منسلک کرنے کے بعد میں سگریٹ سلگا کر بستر پر دراز ہو گیا۔

میرے ذہن میں غزالہ سے بات کرنے کا خیال آیا جسے میں نے فوراً ہی جھٹک دیا۔ اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے بھی رابطہ کرنا میرے لیے جنجال ثابت ہو سکتا تھا۔ ان کے بے حساب سوالوں کے جواب دینا میرے بس سے باہر تھا۔

میرے حق میں بہتر یہی تھا کہ مطلع صاف ہونے تک میں ان لوگوں سے دور اور بالکل الگ تھلگ رہوں۔ کسی کی مدد کی ضرورت پیش آجاتی تو وہ ایک الگ معاملہ ہوتا۔

شہر کے فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے سراغ رسانوں کے مختصر نام جان اور ایڈی تھے۔ میں نے خاصی سوچ بچار کے بعد ان سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

سی ایس ڈی کی موجودگی میں ہوٹل کے سوئچ بورڈ سے بات کرنی ممکن نہیں تھی۔ وہ موبائل فون کا ابتدائی دور تھا اور کہا جاتا تھا کہ اس پر ہونے والی گفتگو ہر مداخلت سے محفوظ ہوتی تھی۔ میں نے نمبر ملا کر ہوٹل کے کمرا نمبر ۳۰۸ میں ایڈی سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپریٹر نے ذرا سے مشینی توقف کے بعد لائن ملا دی۔

"ایڈی!" میرا مطالبہ سن کر دوسری طرف سے امریکی لب و لہجے میں حیرت سے دہرایا گیا "تم کون ہو اور تمہیں اس سے کیا کام ہے؟"

"یہ سب میں اسی کو بتا سکتا ہوں۔ وہ موجود ہے تو اس سے میری بات کرا دو۔"

"شناخت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔" رکھائی سے کہا گیا۔ "میرا وقت برباد مت کرو۔"

"یہ کال سوئچ بورڈ پر ہے۔ اگر تم کوئی ڈائرکٹ نمبر دے سکو تو شاید بات بن سکتی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "میں نے ایڈی کے فائدے اور انعام کے لیے فون کیا ہے۔"

"انعام کے لیے اخباروں میں نمبر شائع کیے جا رہے ہیں۔ بہرحال، تم موبائل پر رنگ کرو۔" اتنا کہنے کے بعد اسی تندخو شخص نے تیزی سے ایک موبائل نمبر دہرا دیا۔

میں نے سلسلہ منقطع کرکے سی ایس ڈی والے انسٹرومنٹ پر موبائل نمبر ملایا تو دوسری طرف سے ایک نئی آواز سنائی دی۔

"ابھی چند لمحے پہلے میری کسی سے ایڈی کے بارے میں بات ہو رہی تھی‘ اسی کو بلا دو۔" میں نے کہا۔

"وہ دوسری ڈیوٹی پر ہے۔ جو کہنا ہے‘ مجھ سے کہو۔" وہ بھی باون گز کا تھا "سب سے پہلے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ اسی کے بعد کچھ ہو سکے گا۔"

"میں ایک مقامی ہوں۔ تمہارا دو ملین کا اشتہار میرے لیے دلچسپی کا باعث ہے۔"

"وہ ہمارا نہیں‘ قونصل خانے کا اشتہار ہے۔ تم کو ان کے نمبروں پر رابطہ کرنا چاہیے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ ایڈی اور جان بھی اسی مہم پر آئے ہوئے ہیں۔" میں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا "ایڈی کا مجھ سے رابطہ نہ ہو سکا تو تم لوگ نقصان اٹھاؤ گے۔"

چند ثانیوں کے لیے لائن پر خاموشی چھا گئی پھر وہ بولا "تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان ہمارے لیے ہائی رسک زون ہے۔ اگر تم ہمارے خیر خواہ ہو تو اپنے فون نمبر کے ساتھ پیغام چھوڑ دو۔ ایڈی نے ضروری سمجھا تو وہ خود تم سے رابطہ کرلے گا۔"

"میں اپنا نمبر نہیں دے سکتا۔ اس وقت بھی....." میری بات ادھوری رہ گئی۔ سی ایل سی ڈی پر سرخ بلب چمکا‘ بزر بولا اور لائن ڈراپ ہو گئی۔

میں نے فوراً ہی وہ نمبر ری ڈائل کرلیا۔ میری آواز پر اس نے حیرت کا اظہار کیا اور پوچھا "تم نے فون بند کیوں کر دیا تھا؟"

"تم نے میری گفتگو ریکارڈ کرنے کی کوشش کی اور فون خود بند ہو گیا۔ بات جاری رکھنی چاہتے ہو تو کوئی الیکٹرو میگنٹ ٹیپ چلاؤ نہ کوئی اور خلل اندازی کرو۔ مسئلہ بہت اہم اور سنگین ہے۔ اسی لیے میں اس محفوظ فون سے بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ! شاید تم واقعی سنجیدہ ہو۔ کہو‘ کیا کہنا چاہ رہے ہو۔ میں ایڈی کا ساتھی جان بول رہا ہوں۔" توقف کے بعد اس کی آواز آئی۔ "تم کس نقصان کی بات کر رہے ہو؟"

"کل ہونے والا بم کا دھماکا بہت خوف ناک تھا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اخباروں میں اس کی ساری تفصیل آچکی ہے۔ کیا تم ہمیں بھی ایسے ہی کسی دھماکے کی دھمکی دے کر خوف زدہ کرنا چاہ رہے ہو؟" وہ ایک دم اکھڑ گیا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے نرم اور دھیمی آواز میں کہا۔ "اخباروں میں پوری کہانی نہیں آئی۔ خفیہ کیمروں کی آنکھ نے جو کچھ محفوظ کیا ہے‘ وہ اخباروں میں نہیں آیا۔ یہ دھمکی نہیں ہے۔ میں تمہیں ایک خطرے سے قبل از وقت آگاہ کر رہا ہوں۔"

"کیمروں میں کیا تھا؟ تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔" وہ الجھنے لگا۔

"دھماکے سے پہلے تم اور ایڈی فوٹو گرافروں کے بھیس میں کافی دیر تک وہاں رہے تھے۔" میں نے اول خان سے ہاتھ آنے والا اپنا پہلا کارڈ کھیلتے ہوئے کہا "ایک جدید وڈیو کیمرے نے تمہاری تمام سرگرمیاں رنگے ہاتھوں ریکارڈ کی ہیں....."

"اور اس کیسٹ کے بدلے تم دو ملین ڈالر مانگتے ہو۔" اس نے بھڑک کر پھر میری بات کاٹ دی۔

"پہلی بات یہ ذہن نشین کرلو کہ میں کوئی بلیک میلر نہیں‘ ایک معزز سرکاری ملازم ہوں۔ امریکا اور امریکیوں کو اپنا آئیڈیل سمجھتا ہوں۔ گرین کارڈ لے کر اپنی بقیہ زندگی وہیں گزارنی چاہتا ہوں۔ مجھے صرف گرین کارڈ چاہیے۔ کاروبار کی ابتدا کے لیے جو مالی مدد مل گئی‘ میں ہنسی خوشی اسے قبول کرلوں گا۔ یہ میری مختصر سی آرزوئیں ہیں۔"

"پہلے تم نے دو ملین ڈالر کے انعام کا حوالہ دیا تھا؟" اس نے اپنی تسلی کے لیے پوچھا۔

"میں اس کے لیے بھی کوشش کر رہا ہوں۔ شاید جلد کامیاب بھی ہو جاؤں۔"

"تم ہوٹل آکر مجھ سے مل سکتے ہو؟" میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ میں نے محسوس کیا کہ امریکی کسی ہیر پھیر کے بغیر اپنے دل کی بات اگل دینے کے عادی ہوتے ہیں۔

"میں سامنے نہیں آسکتا۔ پس پردہ رہ کر تمہارے لیے کام کر سکتا ہوں۔"

"وڈیو کس نے بنائی ہے۔ اسے خفیہ رکھنے میں کیا مصلحت ہے؟ بیشتر پاکستانی ہمارے لیے اپنے دل میں کینہ رکھتے ہیں۔ اس فلم کی تشہیر سے امریکا پر الزام تراشیاں ہوتیں۔ اس سے بہتیرے پاکستانیوں کو خوشی ہو سکتی تھی۔"

"یہ کسی سرکاری پالیسی کا تسلسل ہے۔ اگر تم دونوں وہاں تھے تو تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے کہ میں کسی اہم جگہ ملازم ہوں اور تمہارے لیے کس قدر کارآمد ہوں۔"

"ہمیں ایسے دوستوں کی ہر وقت تلاش رہتی ہے۔ تم ڈینی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" اس کے لہجے میں پہلی مرتبہ نرمی اور دلچسپی پیدا ہو گئی۔

چند خود ساختہ بقراط حکومت کو غلط مشورے دے کر امریکیوں کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ ان کے کھلے جرائم کی پردہ پوشی کی جارہی تھی۔ میں خوش تھا کہ میں نے ایک شوشہ چھوڑ کر جان کے دل میں اپنے لیے جگہ بنالی تھی۔

"ڈینی کہیں نہ کہیں موجود ضرور ہے۔" میں نے پُرخیال آواز میں کہا "امریکا سایوں کا پیچھا نہیں کر سکتا۔ میں اس کے بارے میں جلد ہی کوئی خوش خبری سناؤں گا۔"

"ہمارا وڈیو کیسٹ تمہاری دسترس میں ہے؟" جان نے متجسس آواز میں پوچھا۔

"نہیں..... میں نے اس کا ذکر سنا ہے۔ آنکھوں سے نہیں

دیکھا۔"

"تم کس ایجنسی میں کام کرتے ہو؟" آخر کار وہ میری ذات میں گہری دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا تھا "تمہارا عہدہ کیا ہے؟"

"فی الحال ان باتوں کو نہ چھیڑو۔ وقت آئے گا تو سب کچھ خود بخود تمہارے سامنے آجائے گا۔ میرے لیے اپنی سلامتی مقدم ہے۔ جو لوگ تمہارے پر گن سکتے ہیں انہیں میرے اس رابطے کی بھنک بھی مل گئی تو وہ میری گردن اڑا دیں گے۔"

"تم جب چاہو، قونصل خانے میں اوبی سے مل سکتے ہو..... تمہارا نام کیا ہے؟"

"فی الحال جو نام چاہو، دے دو..... اس اوبی کو بھی ہوشیار کر دینا۔ کھٹومل نے کراچی میں اپنے سارے جرائم کا بوجھ اوبرائن ڈی ہنٹ پر ڈال دیا ہے۔ شاید اسے جلد ہی ناپسندیدہ قرار دے کر یہاں سے نکال دیا جائے۔" مجھے دوسرا کارڈ کھیلنے کا سنہرا موقع مل گیا۔

"اوہ، نو!" جان کی غراہٹ سنائی دی "اس کے بارے میں اوبی فکر مند ضرور ہے مگر اس کی الزام تراشی سے بالکل بے خبر ہے۔ کھٹومل تو پکا نمک حرام نکلا۔ ہم یہاں سے اوبی کی روانگی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ پچھلی بربادیوں کے بعد اس نے بڑی محنت سے یہاں اپنا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔"

مشترکہ مفاد کی باتیں چھڑنے کے بعد وہ پوری بے تکلفی سے لیکن حدود میں رہ کر بول رہا تھا۔

"اوبی کو یہاں روکنا ہے تو کھٹومل کو عدالت کا سامنا کرنے سے پہلے راہ سے ہٹانا ہوگا۔ تمہارے لیے اصل مصائب کی ابتدا اسی کی حماقتوں سے ہوئی ہے۔"

"یہ ہمارے آپریشنل سیکرٹ ہیں۔ تمہاری زبان سے کھٹومل کی زہر فشانی کا ذکر سنتے ہی میں نے اس کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے بارے میں تمہیں کوئی مشورہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ کام مقامیوں کو سونپا گیا تو وہی گند ہوگا جو کھٹومل نے پھیلایا ہے۔" میں نے دل ہی دل میں اپنی کامیابی پر ناز کرتے ہوئے ذو معنی لہجے میں کہا۔

"فکر مت کرو۔ یہ کام ہم خود نہ کر سکے تو ہمارے آدمی ہی کریں گے۔ منحرف ہونے والوں کے ساتھ غداروں والا سلوک ہی بہتر رہتا ہے۔"

"میرے گرین کارڈ کے بارے میں تم نے ابھی تک ایک لفظ نہیں کہا۔"

"یہ چھوٹی سی بات ہے۔ اوبی سے رابطے میں رہو۔ اس موبائل نمبر پر میں نہ ملوں تو ایڈی ہوتا ہے۔ اپنے اور اپنی فیملی کے بارے میں معلومات فراہم کرو۔ اوبی تمہاری خدمات سے خوش ہوا تو ذرا سی دیر میں تمہارا کام بن جائے گا۔"

"مجھے اپنی محنت کا صلہ مل گیا۔ خدا تمہیں اس کا اجر دے

گا۔" میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"اولی سے تم ہوپ کے نام سے ملو گے۔ جب تک تمہاری مجبوریاں مانع ہیں، ہم بھی تمہیں اسی نام سے پکارتے رہیں گے۔"

"یہ نام بہت اچھا ہے۔ میں ہمیشہ ہی پُر امید رہتا ہوں۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

"ہم خود کھٹومل کا ٹریک رکھیں گے۔ تمہیں اس باسٹرڈ کی آمد کا کوئی پروگرام معلوم ہو تو فوراً ہمیں اطلاع دینا۔ اس کی سرکوبی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔"

اس کو میرے فون کا حفاظتی نظام اتنا پسند آیا کہ اس نے مجھے فون بند کرنے سے روک دیا۔ چند لمحوں تک لائن ملی رہی۔ جوں ہی دوسری طرف سے جان نے کوئی حرکت کی، سی ایس ڈی کے ذریعے فون بند ہو گیا۔

میرے لیے دن کا آغاز جس قدر مایوس کن تھا، وہ کامیابی اسی قدر خوش کن تھی۔ افسوس کی بات یہ تھی کہ میں دوسروں کو اپنی اس خوشی میں شریک نہیں کر سکتا تھا۔

غم اور خوشی کے لمحات میں انسان کو ہمیشہ کسی ہم نوا کی ضرورت درپیش رہتی ہے۔ اپنے تمام ساتھیوں کے بارے میں غور کرنے کے بعد میں نے اول خان کا نمبر ملا لیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم نے مجھ سے رابطہ کر لیا۔" اول خان نے گہرے سانس کے بعد کہا "تم نے گھر چھوڑ کر اب کہاں پیر جمائے ہیں؟"

"فی الحال سر جہانگیر کوٹھاری پیریڈ کی ایک شکستہ دیوار پر بیٹھا ہوں۔ نیچے زمین اور اوپر نیلا آسمان ہے۔ سورج ڈوبنے سے پہلے کہیں نہ کہیں پڑاؤ ڈال ہی لوں گا۔"

"یہ تم کس جگہ کا ذکر کر رہے ہو؟ کیا یہ کراچی میں ہی ہے؟"

"کلفٹن کے پانی سے دور، سڑک کے کنارے کنکریٹ کی قدیم گیلریاں اور گزرگاہیں اسی نام سے مشہور ہیں۔ پہلے پانی یہاں تک آتا تھا۔ اب کبھی بھی نہیں آتا۔"

"شاعری مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے....."

"یہ لفظ استعمال نہ کرنا۔ شام کے اخباروں میں اس کا بہت خاص مفہوم ہوتا ہے۔ میں ایسے ہر تجربے سے بالکل محفوظ ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"تم نے اپنے منصوبے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ اس پر عمل کرو گے یا وقت کا انتظار کرو گے؟"

"کھٹومل کو کراچی آ لینے دو پھر کچھ سوچا جائے گا۔" میں نے اس کے سوال سے محظوظ ہوتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"اس کے آنے میں کیا رکھا ہے۔ وہ آج رات کی اسی پرواز سے لایا جا رہا ہے جس سے تم کراچی پہنچے تھے۔ یہ منتقلی راز داری کے ساتھ کی جا رہی ہے۔"

جان اور رائیڈی کے لیے مفت میں ایک نئی خبر مل گئی تھی۔ میں نے روا روی میں پوچھا "وہ تو پورے حفاظتی لاؤ لشکر کے ساتھ لایا جا رہا ہو گا۔"

"راز داری کے پیش نظر کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ ائرپورٹ سے دو آدمی اسے لائیں گے۔ کچھ مسلح سپاہی دو گاڑیوں میں اس کے پیچھے آئیں گے اور بس!"

پتا نہیں وہ اول خان کی سادہ لوحی تھی یا وہ دانستہ مجھے وہ تفصیلات بتا رہا تھا تاکہ میں کھٹومل کے بارے میں اپنے پروگرام کو پوری منصوبہ بندی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ اسے یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ میں نے خون کی اس ہولی سے اپنا پیرا باہر نکال کر دو حریفوں کو آپس میں ٹکرانے کا موقع دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کھیل کا پورا منظر نامہ تیار کر کے میں نادرہ کے گھر میں چین کی بانسری بجا سکتا تھا۔

"تم یہ سب تفصیلات مجھے کیوں بتا رہے ہو؟" میں نے ہنس کر اس سے پوچھا۔

"عادت سی ہو گئی ہے۔ ہمیشہ، ہر بری بھلی بات تم کو بتاتا رہتا ہوں۔"

"آج صورتِ حال مختلف ہے۔ تم سرکاری موقف کے وکیل بنے ہوئے ہو اور میں منحرف ہوں۔ میرے عزائم بھی تم سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ میں تمہیں ہر بات بتا چکا ہوں۔"

"میرا حافظہ اتنا کمزور نہیں ہے۔ مجھے ہر بات ازبر ہے۔ آج تو تمہیں اپنا ٹھکانا بنانا ہے۔ اتنی کم مدت میں تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے پھر دل کا بوجھ ہلکا کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"میں نے بھی اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے تم کو فون کیا ہے۔ کھٹومل کے بارے میں، میں اپنے ارادوں پر نظرِ ثانی کر رہا ہوں۔ اگر اس پر کوئی حملہ وغیرہ ہو تو حملہ آوروں سے ذرا بھی رعایت نہ کرنا۔ انہیں بھی موقع پر ہی مار دیا جائے تو زیادہ بہتر ہو گا۔"

"حیرت ہے کہ تم اس پر مہربان ہو گئے ہو۔" اول خان کی آواز تعجب آمیز تھی "اگر تم مجھ پر کوئی طنز کر رہے ہو یا چیلنج دے رہے ہو تو میں واضح کر دوں کہ اسے اسلام آباد پولیس کے حوالے کرنے کے بعد فورس کا رول ختم ہو چکا ہے۔ ساری کارروائی کی ذمے داری پولیس پر ہو گی۔"

"یہ طنز تھا نہ چیلنج۔" میں نے جلدی سے کہا "میں نے پورے خلوص سے مشورہ دیا ہے۔ ہو سکے تو یہ بات پولیس والوں کے کانوں میں بھی ڈال دو۔"

"کبھی کبھی تم میری سمجھ سے باہر ہو جاتے ہو۔ تم کسی سے کچھ کہے سنے بغیر یوں خاموشی سے روپوش ہوئے ہو کہ ویرا اور سلطان شاہ نے میری زندگی عذاب میں ڈال دی ہے۔ ان کے تیور اتنے خراب ہیں کہ میں ابھی تک انہیں تمہاری روپوشی کا سبب بتانے کی

ہمت نہیں کرسکا۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "روپوشی کا مشورہ تم نے دیا تھا۔ اس کے نتائج تم ہی بھگتو۔ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا کہ انہیں چھیڑ کر ان کی بے رحمانہ جرح کا سامنا کروں۔"

"ان سے نہ سہی، غزالہ سے بات کرلو۔ وہ بھی فکر مند ہے۔ آج رات میں اسے پشاور بھیج رہا ہوں۔"

"فون ویرا نے چھین لیا تو مصیبت آجائے گی۔ وہ بہت پاگل اور جذباتی لڑکی ہے۔ یہ سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹا جارہا ہوگا کہ میں اسے بے یارومددگار چھوڑ کر بھاگ نکلا ہوں۔"

"تم عیش کرو۔ میں اپنے کیے کو خود ہی بھگتوں گا۔" اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"میرا مشورہ ذمے دار حکام تک پہنچانا نہ بھولنا۔" میں نے اسے تاکید کی۔

"کیا تم آج رات واقعی کسی خطرے کی بو سونگھ رہے ہو؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"یہاں صرف سمندری پانی کی بو ہے مگر میرا وجدان کہہ رہا ہے کہ کھٹولی کی آمد پر کچھ نہ کچھ ہوکر رہے گا۔ ذرا سی تیاری کرلینے میں حرج ہی کیا ہے؟"

"بعض اوقات تمہارے دوراز کار اندیشے بھی حقیقت کا روپ دھارتے رہے ہیں۔ میں تمہارا مشورہ آگے بڑھا دوں گا۔ بس تم اس سے دور ہی رہنا۔"

اس وقت دوپہر کے دو بجے تھے۔ تازہ ترین معلومات سے امریکی سراغ رسانوں کو اتنی جلدی آگاہ کرنا مناسب نہیں تھا۔ پرواز کی اسلام آباد سے روانگی کے متوقع وقت پر وہ اطلاع دی جاتی تو ان کو زیادہ سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں ملتا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ جان اپنے منحرف کو کراچی پہنچتے ہی موت کے گھاٹ اتارنے پر تلا بیٹھا تھا۔

نادرہ کے کچن ریفریجریٹر میں خورونوش کا کافی سامان موجود تھا جو میری دانست میں پرانا ہوچکا تھا۔ میں نے سیل بند اور کار آمد ڈبوں کے سوا ہر چیز کوڑے دان میں ڈال دی۔ ان کی جگہ میں نے اپنا لایا ہوا تازہ سامان بھر دیا۔

مجھے ایک طویل عرصے کے بعد اپنے لیے خود کھانا تیار کرنا پڑا۔ کھانا کیا، بس ڈبل روٹی کے سلائسوں کے درمیان پنیر اور نمکین گوشت کے پارچے جمالیے تھے جو تیز چائے کے ساتھ بہت لذیذ محسوس ہورہے تھے۔ میں اس مرحلے سے گزر رہا تھا کہ موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ نمبر چند گنے چنے افراد کے سوا کسی کے پاس نہیں تھا۔

میں نے لائن آن کی دوسری طرف ویرا تھی اور بڑی بے تابی سے ہیلو ہیلو کیے جارہی تھی۔ میں نے کوئی جواب دیے بغیر کال آف کی پھر فون بھی بند کردیا تاکہ ویرا کو خود کار ریکارڈنگ کے ذریعے فون بند ہونے کی اطلاع مل جائے۔ فون کھلا رہتا تو وہ میری طرف سے جواب ملنے تک بار بار نمبر ملاتی رہتی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ شرارت اول خان کی تھی ورنہ ویرا میرے موبائل نمبر سے واقف نہیں تھی۔

نادرہ کے کشادہ مکان میں یوں تو ہر کمرا آراستہ اور قابلِ استعمال تھا لیکن میں رات کے وقت گھر کے مختلف حصوں میں غیر ضروری طور پر روشنی استعمال نہیں کرنی چاہتا تھا۔ میں نے اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی اپنی ضرورت کی اشیا اپنے عقبی کمرے میں جمع کرلیں۔ ان میں وہ ٹیلی وژن بھی تھا جو ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں رکھا ہوا تھا۔

اکیلے گھر میں وہ قید تنہائی میرے لیے خاصی پُرعذاب تھی۔ میں نے ٹیلی وژن کھولا ہوا تھا لیکن اس کے بے مغز پروگراموں پر نظریں جمانا تک دشوار ہورہا تھا۔ گھر کے سکون اور یکسانیت میں وقفوں وقفوں سے کسی گزرتی ہوئی ٹرین کے آہنی پہیوں کی گڑگڑاہٹ یا انجن کی پُرشور آوازیں انقلاب لے آتی تھیں پھر اگلی کسی گاڑی کی آمد یا روانگی تک فضا پر وہی یکسانیت طاری ہوجاتی تھی۔ میرے لیے اس ماحول میں زیادہ وقت گزارنا ناممکن تھا۔

مجھے علم نہیں تھا کہ کالو مکرانی اور قاسم کی گرفتاری کے بعد جہانگیر نے لی مارکیٹ میں اپنی گولڈن فارمیسی پر جانا شروع کیا تھا یا نہیں لیکن ہر دو صورتوں میں سلطان شاہ کو وہاں سے اسٹیشن فوریا کسی اور مناسب ٹھکانے پر منتقل ہوجانا چاہیے تھا۔

اس حساب کتاب کے بعد میں نے جہانگیر کے گھر کا نمبر ملایا تو کال سلمٰی نے وصول کی۔ اس کی آواز سن کر میرے ذہن میں وہ منظر تازہ ہوگیا جو صبح اس کے گھر سے میری روانگی کے وقت پیش آیا تھا۔ میری اچانک روانگی کی خبر سن کر وہ ایسی دل گرفتہ ہوئی کہ میرا دل پسیج گیا تھا۔

"جہانگیر کہاں ہے اور تم کیا کررہی ہو؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"وہ فارمیسی سے اپنے وقت پر آئیں گے اور میں تمہارا فون سن رہی ہوں۔" میری غیر متوقع فون کال پر اس کی آواز سے مسرت پھوٹی پڑرہی تھی "صبح تم نے خاموشی سے روانہ ہوکر مجھے بڑی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ جہانگیر برس رہے تھے کہ میں نے انہیں کیوں نہیں اٹھایا۔ سلطان شاہ کافی دیر تک بولائے ہوئے انداز میں پورے گھر میں ناچتا رہا۔ کافی دیر بعد اس نے مجھ سے پوچھا اور میرا جواب سن کر وہ بھونچکا رہ گیا۔ وہ اسی وقت ناشتا کیے بغیر گھر سے نکل گیا تھا۔"

"میری گفتگو کے کچھ حصے تم نے سنے تھے۔ ان دونوں پر ایسی نیستی سوار تھی کہ میں ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا تو مشکل میں پڑ سکتا تھا۔"

"تمہارے جانے کے بعد کوئی بھی نہیں آیا۔ میں ڈر رہی تھی کہ پولیس آگئی تو میں کیا کروں گی۔ کسی نے تم کو بلاوجہ ہی ڈرا دیا تھا۔"

"اول تو اب کوئی نہیں آئے گا۔ انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ میں روپوش ہو گیا ہوں۔ اگر کوئی آ جائے تو ڈوبنے یا ڈرنے کے بجائے صاف کہہ دینا کہ میں نے کئی دن سے ادھر کا رخ نہیں کیا۔"

"پتا نہیں بے چارہ سلطان شاہ تمہاری تلاش میں کہاں کہاں کی خاک چھانتا پھر رہا ہوگا۔" سلمیٰ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے لیے سب ہی تڑپ اٹھتے ہیں۔"

باتوں میں سلمیٰ کا دل لگ رہا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ اِدھر اُدھر کی گپ شپ میں کچھ وقت گزارا۔ اس کے بعد وہی تنہائی طاری ہونے لگی۔

آٹھ بجے میں نے جان اور ایڈی کا موبائل نمبر ملایا۔ اس بار آواز اجنبی تھی۔ میں نے جوں ہی اپنا نام ہوپ بتایا' میرا مخاطب کھل اٹھا "ہائے ہوپ! میں تمہاری آواز سننے کا منتظر تھا۔ میں ایڈی ہوں! انجان اور اجنبی ہوتے ہوئے بھی تم نے فوراً ہمارے دل میں گھر کرلیا ہے۔"

"تمہارے دل میں نہیں' میں امریکا میں اپنا گھر بسانا چاہتا ہوں" میں نے گرین کارڈ کے لیے اپنی حریصانہ طلب کا اظہار کیا اور وہ ہنس پڑا۔

"مجھے حیرت ہے کہ اتنی بڑی دنیا میں بعض لوگ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے ترستے ہیں۔" وہ میری سادہ لوحی سے شاید مرعوب ہو گیا تھا "تم بس ایک مرتبہ اس باسٹرڈ ڈپی کی گردن ہمارے ہاتھ میں دے دو' تمہارے دن پھر جائیں گے۔ امریکی تمہیں اپنا ہیرو بنا لیں گے۔"

"میری نظر بھی دو ملین ڈالر پر ہے۔ فی الحال میں چھوٹے شکار پر ہوں..."

"تفصیل میں مت جاؤ۔ جان مجھے سب بتا چکا ہے۔ تازہ ترین خبریں کیا ہیں؟"

"اب سے تقریباً دو گھنٹے بعد اسے کراچی میں ہونا چاہیے۔ رازداری کی وجہ سے اس کے لیے کوئی خاص بندوبست نہیں ہوگا۔ گاڑی میں دو تین سپاہی ہو سکتے ہیں۔"

"گڈ! ہماری اطلاع بھی یہی ہے کہ وہ آ رہا ہے۔ یہاں کے بندوبست کے بارے میں تم نے اضافی معلومات فراہم کی ہیں۔"

"مجھے حیرت ہے کہ ملاقات کے بغیر تم جیسے تجربے کار لوگ میری باتوں پر اعتبار کرتے چلے جا رہے ہو؟" میں نے اس کی نیت ٹٹولنے کے لیے وہ ٹیڑھا سوال کر ڈالا۔

"تمہاری ہر بات میں وزن تھا۔ ہم دونوں نے اس جگہ خاصا وقت گزارا تھا۔ کھٹومل کو اوبی نے ہی کچھ کام سونپے تھے۔ یہ ہماری خفیہ باتیں ہیں۔ تم کسی مضبوط وسیلے کے بغیر ان کے بارے میں نہیں جان سکتے تھے۔ ابھی تم نے جو کچھ بتایا' اس میں سے نصف پروگرام ہمارے علم میں تھا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے اپنی کسوٹی پر پورا پایا ہے۔ اب کھٹومل کا کیا ہوگا؟"

"بڈی! یہ تمہارا بزنس نہیں ہے" اس نے بے مروّتی سے کہہ ڈالا "تم نے اپنا کام کرلیا۔ ہم اپنے آپشنز کے تحت اپنا کام کرلیں گے۔ سورج چڑھتا ہے تو دنیا دیکھ لیتی ہے۔"

"سوری ایڈی! میرا سوال واقعی ناروا تھا" میں نے معذرت کی۔

"شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم نے ناروا سوال کرکے میرا منہ توڑ جواب سن لیا۔ حساب برابر ہو گیا۔ آئندہ تم خود احتیاط کرو گے.... تم اوبی سے کب مل رہے ہو؟"

"موقع نکال کر جلد ہی مل لوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی مجھے اس کے دفتر جاتے دیکھے۔"

"اس سے گھر پر مل لو۔" اس نے میری مشکل آسان کردی۔ "وہ تمہارا نام سن کر شاید خود ہی تمہیں اپنے گھر پر مدعو کرلے۔ کل تم اس سے رابطہ تو کر ہی لو۔"

"میں کل اسے فون ضرور کرلوں گا۔" میں نے وعدہ کیا "تم اسے بریف کردینا۔"

"اسے بریف کیا جا چکا ہے۔ وہ تمہارا چہرہ دیکھ کر تمہاری صلاحیتوں کا صحیح اندازہ لگائے گا اور اسی کے مطابق تمہیں کام سونپے گا.... ٹھہرو! فون بند مت کرنا۔ میں اپنے موبائل میں ریکارڈنگ جیک لگا کر دیکھوں گا کہ تمہارا فون کیسے بند ہوتا ہے۔"

بدری کا کھلونا ان دونوں کے لیے بھی کھیل بنا ہوا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا "جیک لگانے سے پہلے میری ایک بات ضرور سن لو۔ کھٹومل کے خلاف جب بھی کارروائی ہو' کسی اور کو زد میں نہیں آنا چاہیے۔ کوئی بے گناہ مارا گیا تو اس کا خون میری گردن پر آئے گا۔"

"ہم امریکی بلاضرورت کسی چیونٹی کو بھی نہیں مارتے" اس نے فخریہ لہجے میں کہا "مجبوری درپیش ہو تو ہم ٹارگٹ کلنگ کرتے ہیں۔ نشانہ خطا نہ ہوا تو کسی اور کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔"

"میرے سر پر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ اب تم جیک لگا لو" میں نے نیک نیتی سے کہا۔

اسی لمحے سی ایس ڈی میں تحریک ہوئی۔ لائن بلا تاخیر ڈراپ ہو گئی۔

ریسیور رکھتے ہوئے میرے پورے وجود میں سنسنی کی عجیب سی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔ ایک طرف میں نے چور کو چوری پر آمادہ کرلیا تھا' دوسری طرف کوتوال کو بھی چوکنا کردیا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر ٹیلی وژن کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں پورے گھر میں یکہ و تنہا تھا اس لیے میں نے پورے گھر

کے بیرونی دروازے اندر سے بولٹ کر لیے تھے۔ اس تنہائی سے مجھے خوف نہیں آرہا تھا لیکن وحشت سی ہو رہی تھی۔
وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ نو بجے موبائل فون کی مترنم گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ ادھر سے اول خان بتا رہا تھا کہ اسلام آباد سے کراچی آنے والی پرواز میں فنی وجوہ کی بنا پر ڈیڑھ گھنٹے کی تاخیر ہوگئی تھی۔ ایڈی نے مجھے ایک سخت جواب دے کر اپنا پروگرام پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن میں پہلی بار جان کے اضطراب سے اندازہ لگا چکا تھا کہ کھٹومل کو کراچی آمد مہنگی پڑے گی۔
پرواز وقت پر آتی تو جو کچھ ہونا تھا رات کے بارہ بجے سے بہت پہلے ہو جاتا۔ پرواز میں تاخیر نے انتظار کے جاں گسل لمحات میں نوّے منٹ کا اضافہ کر دیا تھا۔
ٹی وی بند کر کے میں نے کمرے کی روشنیاں گل کیں اور سائڈ لیمپ جلا کر بستر پر دراز ہو گیا۔
اس روز میں نے کوئی بھاگ دوڑ کی تھی نہ مشقت۔ گھر سے نکل کر کلفٹن گیا تھا اور وہاں سے نادرہ کے خالی گھر میں آگیا تھا مگر بستر پر لیٹتے ہی تنہائی کی بوریت کی وجہ سے میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ میں نے کسی مزاحمت کے بغیر ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔
کسی بڑی خبر کے انتظار میں گھنٹوں تک سسک سسک کر جاگنے سے بہتر تھا کہ میں کچھ نیند ہی لے لیتا۔ پتا نہیں تھا کہ رات گئے کیا ہونے والا تھا۔
نیند بڑی ظالم شے ہے۔ زور دکھاتی ہے تو تختۂ دار پر بھی آجاتی ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ بس ذرا سی دیر کے لیے میری آنکھ لگی ہو۔ پھر کان کے قریب تیز شور سے ہڑبڑا کر میں بیدار ہوا تو وال کلاک رات کا ڈیڑھ بجا رہا تھا۔ موبائل فون کی گھنٹی بجے جا رہی تھی۔
"جمال! آج کمال ہو گیا" لائن آن ہوتے ہی میرے کانوں میں اول خان کی فرطِ جذبات سے کانپتی ہوئی آواز آئی...." میں نے تیسری مرتبہ نمبر ملایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم گہری نیند سو رہے تھے..."
"ہاں... آں!" میں نے جماہی لے کر کہا "تمہاری آواز سے معلوم ہو رہا ہے کہ کچھ ہو ہی گیا ہے۔ میری نیند کا خمار دور ہو چکا ہے۔ تم کوئی اچھی خبر سناؤ۔"
"شارع فیصل کے ایک سنسان حصے پر سب کچھ صرف تین منٹ میں ہو گیا" اس کے الفاظ وفورِ جوش سے ایک دوسرے میں الجھے جا رہے تھے۔
"کیا ہو گیا؟ ذرا خود پر قابو رکھ کر تفصیل سے بتاؤ۔ میرے حساب سے بہت کچھ ہو جانا چاہیے تھا۔ پتا نہیں تم ان میں سے کن باتوں کا ذکر کر رہے ہو۔"
"کھٹومل سمیت پیپ.... پانچ افراد چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ ان میں وہ دو جاسوس یا سراغ رساں بھی ہیں جو تمہاری تلاش کی مہم پر کتے لے کر یہاں آئے ہوئے تھے۔"
"تمہارا کتنا نقصان ہوا؟" میں نے اپنے وجود کی گہرائیوں میں ٹھنڈک سی پڑتی محسوس کی۔
"حیرت ہے کہ کسی کو خراش تک نہیں آئی۔ انہوں نے کھٹومل کو نشانہ بنا کر چلتی گاڑیوں میں بڑی مہارت سے مارا تھا۔ ڈرائیور کی دہشت زدگی سے گاڑی ایک پلیا کی دیوار سے ٹکرا گئی لیکن پھر اسکواڈ کارز نے بہت تیزی سے لینڈ رووَر کو گھیر کر چاروں کو اڑا دیا۔ فائرنگ سے پٹرول کی ٹنکی پھٹ گئی۔ تھوڑی دیر پہلے آگ پر قابو پایا جا سکا ہے۔ لاشیں جل کر بری طرح مسخ ہوئی ہیں۔"
میرا دل تشکر کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ ہماری کسی کوشش کے بغیر تاریخ خود کو دہرا رہی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے سپر ہائی وے کے بائیں جانب پھیلے ہوئے ویرانے میں ہیلی کاپٹر کے ذریعے آنے والے کمانڈوز ہمارے ہاتھوں اسی طرح آگ میں جل مرے تھے۔
وہ امریکی میرین کمانڈوز ایک بحری جہاز سے پرواز کر کے راس المیڈا کی تلاش میں آئے تھے۔ ایس ٹی ایف کے نشانچیوں نے نیچی پرواز کرنے والے جنگی ہیلی کاپٹر کو مار گرایا اور پھر ویرانے راس المیڈا کو اسی ویرانے میں دوڑا دوڑا کر مار ڈالا تھا۔
"لینڈ رووَر کی نمبر پلیٹ سفارتی تھی؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا۔
"نہیں، نمبر پلیٹ پرائیویٹ تھی لیکن مرنے والوں کی شناخت ہو گئی ہے۔ سیکیورٹی اسکواڈ میں شامل دو افسران امریکی سراغ رسانوں کے ساتھ خاصا وقت گزار چکے تھے۔"
"ان کے نام کیا کیا ہیں؟"
"جان اور ایڈی۔ باقی دو ان کے محافظ کمانڈوز ہیں۔ گاڑی میں وہ چار تھے اور چاروں ہی مار دیے گئے۔ میرے لیے یہ واقعہ ناقابلِ یقین ہے۔ حکومت کے لیے حلق کی ہڈی بنے ہوئے تین بڑے نام ایسے غیر متوقع انداز میں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ کوئی حکومت پر حرف گیری نہیں کر سکے گا۔ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تم نے اتنی قلیل سی مدت میں یہ ڈراما کیسے تیار کر لیا؟"
"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے مجھے تفصیل سے بتا ڈالو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔
"وہاں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ امریکیوں نے کھٹومل کو نشانہ لے کر مارا، مقامی پولیس نے انہیں فرار ہوتے ہوئے بھون ڈالا۔ اس سے زیادہ مجھے بھی کچھ علم نہیں۔"
"یہ برا ہوا کہ وہ چاروں ہی مارے گئے اور گاڑی میں آگ لگ گئی۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔
"کیوں؟ اس سے حقائق میں کیا فرق پڑ جائے گا؟" میری بات اس کی سمجھ سے بالا تھی۔
"سارے ثبوت مٹ گئے۔ وہ لوگ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ

پولیس نے خود ہی کھٹول کو مارا اور پھر وہاں سے اتفاقی طور پر گزرتے ہوئے امریکی ماہرین کو بھی بھون ڈالا۔"

"ان چاروں کی جائے واردات پر موجودگی کو کوئی صاحب عقل اتفاق تسلیم نہیں کرے گا۔ آگ میں بہت کچھ جل جانے کے باوجود فولادی ہتھیار نہیں پگھلے ہوں گے۔ ماہرین ان کا تجزیہ کرکے بتادیں گے کہ کھٹول کی موت کن ہتھیاروں کے استعمال کے نتیجے میں واقع ہوئی ہے۔"

"ثبوت بعد میں آتے رہیں گے۔ وقتی طور پر انہیں اپنے چہرے کی کالک کم کرنے کا ایک موقع مل جائے گا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہر طرف تحیرانگیز مسرت پھیلی ہوئی ہے" اول خان خوشی سے سرشار تھا "تم میرے سامنے ہوتے تو میں تمہارے پیر چوم لیتا۔ اپنوں کے عتاب سے ستایا ہوا ایک تنہا شخص ایسا منصوبہ بنالے، یہ میری دانست میں انسانی بساط سے باہر کا کام ہے۔"

"اب مجھے جن بھوت نہ بناؤ۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کہاں ہو؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"اسٹیشن فوری طور پر، اپنے دفتر میں" اس نے جلدی سے کہا "میں تمہیں یہ خبر سنانے کے لیے یہاں رکا ہوا تھا۔ اب میں وہیں جارہا ہوں۔"

"وہاں سے موبائل پر مجھ سے بات کرتے رہنا۔ اس کامیابی پر میری نیند اڑگئی ہے۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ خرانٹ امریکی اتنی آسانی سے باجماعت مارلیے جائیں گے۔ یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ ایسی بے داغ کامیابی کے اسباب کیا تھے۔"

"وہ چاروں زبردست نشانے باز تھے۔ کھٹول کو لے جانے والی کار دوڑ رہی تھی۔ وہ خود بھی تیزی سے اس کے برابر میں گئے ہوں گے پھر بھی کسی کو زخم نہیں آیا۔"

میرے لبوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔ "انہوں نے میری خواہش کے احترام میں ٹارگٹ کلنگ کا اہتمام کیا تھا۔"

"تت..... توکیا تم نے براہِ راست ان سے رابطہ کیا تھا؟" اول خان کو یقین نہیں آیا۔

"ایک تنہا آدمی اور کیا کرسکتا تھا؟ جان اور ایڈی میرے رابطے میں آگئے تھے۔"

"خدا کی پناہ! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنا بڑا جوا کھیل بیٹھو گے۔"

"یہ جوا نہیں، سوچا سمجھا کھیل تھا۔ میں نے تم سے ملنے والی معلومات کو چالاکی سے استعمال کیا تھا۔ وہ مجھ پر اعتبار نہ کرتے تو میرا کچھ بھی نہ جاتا۔ سی ایل ڈی کی وجہ سے وہ سراغ بھی نہیں لگاسکتے تھے کہ... کس نمبر سے فون کیا گیا ہے۔"

"فوجی دستوں نے وہ علاقہ گھیر لیا ہے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی ہے۔ سرکردہ افراد اور ادارے وہاں جمع ہورہے ہوں گے۔ اب میں وہاں کا جائزہ لینے کے بعد ہی تم سے بات کروں گا۔"

تین منٹ میں نمٹ جانے والا وہ ڈراما مہینوں کی اذیت اور کوفت کا اختتامی باب تھا۔ اس کی داغ بیل سلطان شاہ نے دو آدمیوں کے گھٹنے توڑ کر ڈالی تھی۔ اختتام میں مجھ سمیت کوئی عملی طور پر شامل نہیں تھا۔ تینوں فریقوں نے خود ہی اپنا حساب برابر کرلیا تھا۔

اول خان کا اگلا فون آنے میں دیر تھی۔ جائے واردات میرے گھر سے زیادہ دور نہیں تھی لیکن کسی سواری کے بغیر اتنی رات گئے ادھر جانا مناسب نہیں تھا۔ میں نے ویرا کو جگانے کا ارادہ کرلیا۔

اول خان کے گھر پر فون کی پہلی گھنٹی بجتے ہی ویرا نے ریسیور اٹھالیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تنہائی کے خوف سے تمہاری نیند اڑی ہوئی ہے" میں نے چڑانے والے لہجے میں کہا "آدھی گھنٹی پر ہی تم نے ریسیور اٹھالیا۔"

"تم.... تم سے میں اچھی طرح سمجھ لوں گی" ویرا کی آواز میں غصے کا پیچ وتاب نمایاں تھا "تمہیں اپنے طور پر کچھ کرنا تھا تو تم گھر سے بھاگے بغیر بھی کرسکتے تھے۔ اس اوچھی حرکت کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں نے کیا کیا ہے جو تم یوں ڈانٹ ڈپٹ کررہی ہو؟" میں نے بے چارگی سے پوچھا۔

"سلطان شاہ برابر والے کمرے میں کسی مُردے کی طرح سویا ہوا ہے۔ شاید تمہاری طرف سے بھی جواب نہیں مل رہا تھا۔ اول خان مجھے بتاچکا ہے کہ آج تم نے توپ پر تیر مارا ہے۔"

"اول خان نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ میں بے سروسامانی کے عالم میں گھر سے کیوں نکلا تھا؟"

"نوبت ہی نہیں آئی۔ صبح سے میں غصے میں پاگل ہورہی تھی" اس کا غصہ دھیما ہونے لگا۔

"صبح اول خان نے اطلاع دی تھی کہ مجھے بے دست وپا کرنے کے لیے حفاظتی تحویل میں لینے یعنی گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا جاچکا ہے۔ میرے ذہن میں منصوبے کے ابتدائی خدوخال سرابھار چکے تھے۔ میں خاموشی کے ساتھ جہانگیر کے گھر سے نکل گیا۔"

"ہم سب کو تم نے حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا" وہ تلخی سے بولی "تمہیں معلوم ہے کہ غزالہ یہاں سے تمہارے لیے بلکتی ہوئی گئی ہے۔ کبھی کبھی تم بہت سنگ دل اور خودغرض ہوجاتے ہو۔"

"یہ تمہارا وہم ہے۔ اول خان کے کہنے کے مطابق خطرہ صرف مجھے لاحق تھا۔ باقی لوگ محفوظ تھے۔ غزالہ کو میں نے دانستہ پشاور بھجوایا ہے تاکہ میری تلاش کے لیے اسے دباؤ کے حربے کے

طور پر استعمال نہ کیا جا سکے۔ مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ میرا منصوبہ اتنی سرعت سے مکمل ہوگا تو میں اسے کراچی سے نہ بھیجتا۔ میں ایک لمحے کے لیے بھی تم لوگوں سے غافل نہیں رہ سکتا۔"

"تمہارا منصوبہ مکمل کہاں ہوا۔ ابھی اوبرائن ڈی ہنٹ باقی ہے" اسے وہ نام یاد تھا۔

"اسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔ آج کے واقعے کے بعد وہ اپنی اہمیت کھو بیٹھا ہے" میں نے وہ موضوع ٹالنے کے لیے کہا ورنہ جان مجھے بتا چکا تھا کہ اوبی کراچی بلکہ پاکستان میں ان کا کلیدی آدمی تھا جس نے پوری محنت سے سازشیوں کا ایک نیا نیٹ ورک تیار کیا تھا۔

"تمہاری گرفتاری کے احکام اب بھی برقرار رہیں گے؟" ویرا نے پوچھا۔

"یہ حکم جاری کرنے والے بادشاہوں کی مرضی پر منحصر ہے۔ اول خان ان کے عزائم پر روشنی ڈال سکے گا۔ میں تو ایک تنگ کوٹھری میں محصور بیٹھا ہوں۔"

"مجھے بتاؤ کہ تم کہاں ہو۔ میں ابھی وہاں پہنچتی ہوں" اس نے پیش کش کی۔

"بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔ یہ ایک آستانے کے مجاور کا کمرا ہے۔ باہر کئی ملنگ چرس کے نشے میں دھت پڑے ہوئے ہیں..."

اس نے برہمی سے میری بات کاٹ دی "نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ لیکن مجھ سے یہ بے سروپا باتیں مت کرو۔ جھوٹ بولنا اب دھیرے دھیرے تمہارے مزاج میں شامل ہوتا جا رہا ہے۔"

"میں فون بند کر رہا ہوں۔ کسی بھی وقت اول خان کی کال آ سکتی ہے۔"

"تو کیا تمہارے پاس صرف موبائل فون ہی ہے؟" اس نے مکاری سے پوچھا۔

"آستانوں میں ٹیلی فون ایکسچینج ابھی تک رائج نہیں ہوئے... فی الحال بس یہی ہے۔"

"میں اول خان سے بات کروں گی۔ تمہیں جلد ہی منظرِ عام پر آنا پڑے گا۔ اس وقت میں تم سے گن گن کر ان چٹکیوں کے بدلے لوں گی۔"

"تمہارا حافظہ کمزور ہے۔ صبح تک تم یہ باتیں بھول جاؤ گی۔ اب آرام کرو" میں نے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر فون بند کر دیا۔

جائے واردات سے اول خان کی دوسری فون کال کا انتظار بہت طویل ثابت ہوا۔ چار بجے اس نے بتایا کہ ائرپورٹ سے شہر آنے والے ٹریک کا ایک بڑا حصہ مسلح فوجیوں کے حصار میں تھا کیونکہ کھٹومل کو قتل کرنے کے بعد قاتلوں کی لینڈ رووور میں کئی فرلانگ بعد آگ لگی تھی۔

کھٹومل کے قتل ہوتے ہی، اسے لے جانے والی گاڑی معمولی حادثے کا شکار ہو کر رک گئی تھی اور لینڈ رووور بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھی تھی۔ کھٹومل کو ایسکورٹ کرنے والی دونوں اسکواڈ کاریں بالکل نئی اور طاقت ور تھیں۔ انہوں نے غرا کر فوراً ہی لینڈ رووور کو دونوں طرف سے دبانا چاہا۔ قاتلوں کی طرف سے پولیس پر فائرنگ کی گئی جس کے نشان باڈی کے سوراخوں کی صورت میں موجود تھے۔ بھاگتے ہوئے قاتلوں کو مزید خوں ریزی پر آمادہ پا کر پولیس والوں نے انہیں شدید فائرنگ کی باڑھ پر لے کر ٹھکانے لگا دیا۔ اس مقابلے میں کوئی گولی لینڈ رووور کی ٹنکی میں جا لگی اور ایندھن لیک ہوتے ہی آگ نے پوری گاڑی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

شاید وہ سب اس طرح نہ ہوا ہوتا۔ کھٹومل کو ائرپورٹ سے لانے کے لیے چار مسلح جوانوں پر مشتمل ایک پرانی پک اپ کو کار کے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ میں نے فون پر اول خان کو کسی ممکنہ حملے اور اس کے سدِباب کے بارے میں مشورہ دیا تو اس نے کھٹومل کی منتقلی کے ذمے دار افسران سے بات کی اور پروگرام پر نظرِ ثانی کر لی گئی۔

پرانی پک اپ کے بجائے دو نئی اسکواڈ کارز کو بہت دور اور الگ تھلگ رہ کر قیدی کو لے جانے والی گاڑی کی نگرانی کرنی تھی۔ اس دوران میں چار سفید فاموں سمیت ایک سیاہ لینڈ رووور نظر آئی جو پارکنگ ایریا سے باہر روک دی گئی۔ چاروں سوار اندر بیٹھے رہے۔

محافظ دستوں کے لیے وہ خطرے کا سگنل تھا۔ کھٹومل کی روانگی کے بعد جب لینڈ رووور بھی دھیرے دھیرے ائرپورٹ سے واپس چل دی تو کچھ فاصلے سے دونوں اسکواڈ کارز اس کے تعاقب میں ہو لیں۔ یہ ان کی گاڑیوں کی برتری تھی جس کی بنا پر لینڈ رووور جیسی برق رفتار گاڑی کھٹومل کے قتل کے بعد زیادہ دور نکلنے سے پہلے گھیر لی گئی۔ ان کی جگہ کوئی فرسودہ پک اپ ہوتی تو لینڈ رووور ذرا سی دیر میں سب کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی۔

وہ اصل واقعہ تھا۔ اس میں صرف ایک پہلو کمزور تھا کہ محافظوں کی گاڑیاں کھٹومل کو لے جانے والی گاڑی کے ساتھ کیوں روانہ نہیں ہوئیں؟ انہوں نے لینڈ رووور کو درمیان میں لے کر امریکیوں کو دانستہ یہ موقع فراہم کیا کہ وہ کھٹومل کے خلاف کوئی بھی کارروائی کر گزریں۔

جائے واردات پر امریکی اور پاکستانی حکام کے درمیان سنگین سفارتی تلخ کلامیوں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ امریکی اپنے چاروں آدمیوں کی ہلاکت کو ماورائے عدالت قتل کا نام دے رہے تھے۔ پاکستانیوں کا اٹل مؤقف تھا کہ قاتل واردات کے بعد فرار ہوتے ہوئے فائرنگ کے شدید تبادلے میں مارے گئے۔ ان پر فائر نہ کھولا جاتا تو وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جاتے اور شاید قانون کے محافظوں کو

بھی ہلاک اور زخمی کردیتے۔

اس مؤقف کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ دونوں گاڑیوں کے درمیان کئی فرلانگ کا فاصلہ تھا۔

میری توقع کے برعکس امریکیوں نے اس وقت تک یہ نکتہ نہیں اٹھایا تھا کہ ان کے آدمی کھٹومل کے قتل میں ملوث نہیں تھے۔ جلی ہوئی لاشوں کے پاس موجود امریکی ساخت کی طاقت ور خود کار رائفلیں جل جانے کے باوجود یہ ظاہر کررہی تھیں کہ ان کی نالوں پر نشانہ لینے کے لیے حساس دوربینیں نصب رہی ہوں گی جن سے پیشہ وریا اجرتی قاتل ہی فائدہ اٹھاسکتے تھے۔

کھٹومل، جان اور ایڈی کے جرائم کے باوجود درپیش پیچیدگیوں سے صرف اعلیٰ ترین حکام ہی واقف تھے۔ تین منٹ کے اس واقعے نے ان کی وہ ساری پیچیدگیاں دور کردی تھیں۔ عام پاکستانی اہل کار اس پس منظر سے واقف نہیں تھے اس لیے ان کے چہرے گمبھیر اور لٹکے ہوئے نظر آرہے تھے۔

پانچوں لاشیں اور دونوں متاثرہ گاڑیاں پولیس کے محکمے سے آئے ہوئے ماہرین اور فوٹو گرافروں کے علاوہ متعدد غیر ملکی ماہرین کے نرغے میں تھیں۔ پریس کے عملے کو ان کے قریب جانے کی اجازت نہیں تھی۔

اول خان کی زبانی وہ ساری تفصیل سن کر میں نے پوچھا ”تم نے سب کچھ ہی معلوم کرلیا ہے۔ پھر اب تم وہاں کیا کررہے ہو؟“

”رسمی کارروائیاں مکمل ہوتے ہی لاشیں پوسٹ مارٹم کے لیے سرکاری مردہ خانے بھجوادی جائیں گی۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں یہاں کسی ایسے شخص کا منتظر ہوں جو تمہاری موجودہ حیثیت کے بارے میں فیصلہ کرسکے۔ اب تمہاری حفاظتی تحویل کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔“

”یہ کام فون پر بھی کیا جاسکتا ہے۔ ایسا کرو کہ تم گاڑی کہیں دور کھڑی کرکے سیدھے میرے پاس آجاؤ۔ میں تم سے زیادہ دور نہیں ہوں۔“

وہ بھی گھاگ آدمی تھا، فوراً میرا مفہوم سمجھ گیا ”تم نادرہ کے گھر میں ہو؟“

”تم ٹھیک سمجھے۔ گھر مدت سے خالی پڑا ہوا تھا۔ نادرہ شاید سکھر میں ہے“ میں نے ہنس کر کہا ”پھاٹک پر میں تمہارا انتظار کروں گا۔“

”نہیں.... آج یہ خطرہ مول مت لو۔ اس واقعے کی وجہ سے شارع فیصل پر گاڑیوں کی آمدورفت میں خاصا اضافہ ہوگیا ہے۔ ہمیں لوگوں کی نظروں سے دور رہنا چاہیے۔ پریس رپورٹرز میں سے کسی نے مجھے راستے میں رکتے دیکھ لیا تو تمہاری پوری کہانی کھود نکالے گا۔“

”پھر میں سڑک پر آجاتا ہوں۔ راستے سے مجھے ساتھ لے لینا“ میں نے کہا۔

”ایک ہی بات ہے۔ آج کی رات روپوشی میں آرام کرو۔ صبح تک کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی“ اس نے اضطراری لہجے میں کہا۔ ”تمہاری تلاش میں آنے والی یہ دوسری ٹیم ہے جو موت سے ہم کنار ہوئی ہے۔ یہ بات تمہارے دشمنوں کے ذہنوں میں بھی کھٹک رہی ہوگی۔“

”جن کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہوتے ہیں، انہیں امریکا سے اٹھا کر یہاں بھیج دیا جاتا ہے۔ تم گواہ ہو کہ اس بار میرا دامن بالکل بے داغ رہا ہے۔“

”ایسی بے نیازی کا مظاہرہ مت کرو، صبح میں دفتر پہنچوں گا تو علم ہوگا کہ تمہاری اس کارروائی کے نتیجے میں کراچی سے اسلام آباد تک کیسی شدید ہلچل مچی ہوئی ہے۔“

اس سے گفتگو ختم کرکے میں دوبارہ بستر پر دراز ہوگیا۔ کئی گھنٹوں کی گہری نیند لینے کے باعث اس بار دور دور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔

اگلی صبح میں تازہ اخباروں کے حصول کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اسلام آباد سے آنے والی پرواز میں تاخیر کے باعث وہ واقعہ اتنی دیر سے رونما ہوا تھا کہ اخباروں میں اس کی تفصیلی خبریں نہیں لگ سکی تھیں۔ ہر اخبار کے پہلے صفحے پر جلی سرخیوں یا حاشیے کے ساتھ یہ مختصر خبر ضرور موجود تھی کہ شارع فیصل پر ایک قیدی کو قتل کرنے کے بعد چار امریکی بھی پولیس کے ہاتھوں مارے گئے۔

مجھے توقع تھی کہ شام کے اخباروں کا نیا ایڈیشن، پوری خبروں کے ساتھ قبل از وقت آجائے گا اور لوگوں کی دلچسپی کے باعث ہاتھوں ہاتھ نکل جائے گا۔

میں نے نہا دھو کر تیاری کی اور کچن میں اپنا ناشتا تیار کرکے کمرے میں لے آیا۔ میں نے ناشتے کی ابتدا بھی نہیں کی تھی کہ اول خان کا فون آگیا۔

”میرا اندازہ درست تھا۔ تمہاری کارکردگی پر نگاہ رکھنے والوں نے اندازہ لگالیا ہے کہ کل کے واقعے میں کہیں نہ کہیں تم ضرور ملوث تھے اور اس پر مبارک باد مجھے دی جارہی ہے۔“

”تم اس کے مستحق بھی ہو۔ میں زیر زمین ہوں۔ میں نے اپنے منصوبے کو تمہاری مدد سے ہی پایۂ تکمیل کو پہنچایا ہے۔ مبارک بادیاں لیتے رہو“ میں نے خوش دلی سے کہا۔

”اپنے زیر زمین ہونے پر زیادہ شکوہ مت کرو۔ اس بارے میں میری بات ہوچکی ہے۔ اصولی طور پر میں لاجواب ہو کر رہ گیا۔“

”تمہاری دانست میں وہ فیصلہ درست تھا؟“ میں نے تیزی سے پوچھا۔

”بالکل۔ تم نے اس کا جواز ثابت کردیا ہے۔ وہ لوگ تمہیں اپنی حفاظتی تحویل میں لے کر بے عمل بنانا چاہتے تھے۔ فیصلہ ہوچکا تھا، احکام جاری ہوگئے تھے۔ میں نے تمہیں اطلاع دی اور تم کسی چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر ان کے ہاتھوں سے نکل گئے اور اپنی

من مانی کر گزرے۔ غنیمت ہے کہ اس کے اثرات اور نتائج ہمارے حق میں ہیں۔ کوئی لغزش ہو جاتی تو حکومت کے لیے سنگین مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ ہر طرف نگاہ رکھنے والے انسانی غلطی کے پہلو کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ان کا فیصلہ برقرار ہے؟" میں نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

"بدقسمتی سے ایسا ہی ہے۔ وہ تمہارے لیے اب زیادہ سنگین خطرات محسوس کر رہے ہیں۔ اس کے سرکاری اثرات بھی سامنے آ گئے ہیں۔"

"عجیب احکام ہیں!" میں نے تلخی سے کہا "ابھی تک کوئی میری تلاش میں نہیں آیا۔ کیا وہ یہ توقع کر رہے ہیں کہ میں ہاتھ جوڑ کر خود ان کے قدموں میں جا بیٹھوں گا۔"

ریسیور میں اس کی ہنسی کی آواز آئی "تمہاری الجھن ٹھیک ہے۔ دراصل کراچی میں تمہاری تلاش کی ذمے داری مجھے سونپی گئی ہے۔ جوں ہی میں انہیں تمہارے بارے میں کوئی مثبت خبر دوں گا' ذمے دار حکام آ کر عزت و احترام سے تمہیں لے جائیں گے۔ ان کے اسٹاف نے تمہیں دیکھ لیا تو انہیں میری اطلاع کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

"میں عین وقت پر ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دوں تو کیا ہوگا؟"

"میری طرف سے اطلاع کی فراہمی کا مطلب تمہاری رضامندی ہوگا۔ تم انتخاب کا حق کھو دو گے۔ انکار کیا تو وہ زبردستی تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اس سے بہتر ہے کہ میں تمہاری کمین گاہ کے بارے میں اپنی لاعلمی ظاہر کرتا رہوں۔"

"میرے لیے خطرات کے حوالے سے تم سرکاری اثرات کی بات کر رہے تھے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"رات کو سب نے اس موضوع پر اپنی زبان بندی کی ہوئی تھی۔ صبح سات بجے امریکیوں نے اپنے سرکاری مؤقف کا تلخ اعلامیہ جاری کیا ہے۔ انہوں نے اپنے چاروں آدمیوں کی بے گناہی پر اصرار کرتے ہوئے اپنے پرانے زخم کریدے ہیں اور سوال اٹھایا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ پاکستان میں ڈیٹی کے خلاف میدان میں اترنے والے ہر مقامی اور غیر ملکی کو یکساں طور پر موت کے گھاٹ اتار کر عبرت نشان بنا دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کھٹول کے قتل پر بھی احتجاج کیا ہے اور کشت و خون کی ساری ذمے داری وفاقی ایجنسیوں پر ڈالی ہے جو ان کی دانست میں تمہاری پشت پناہی کرتی ہیں۔"

"حقائق کی روشنی میں ان کی یہ کہانی زیادہ دیر نہیں ٹک سکے گی۔"

"وہ بعد کی بات ہے۔ اس وقت ان کے مؤقف کو پوری دنیا میں تشہیر ملے گی۔ چار اہم آدمی گنوا کر وہ مظلوم بن چکے ہیں۔ ان کی بات کو اہمیت دی جائے گی۔"

"یہ بہت مضبوط کیس ہے۔ ہم اس کی تفتیش کے لیے کسی بھی غیر جانبدار کمیشن کے قیام کی پیش کش کر سکتے ہیں۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ مقامی معاملات میں کسی بھی غیر ملکی مداخلت کا دروازہ کھولنا ملکی وقار کے منافی ہوگا۔ انہیں دعوت دی گئی ہے کہ وہ اپنے ماہرین کو تفتیشی ٹیم میں شامل کرا دیں۔"

"وہ یہ تجویز مسترد کر دیں گے۔ انہیں معلوم ہے کہ تفتیش کے نتائج ان کے حق میں نہیں ہوں گے۔"

"یہی ہوا ہے۔ انہوں نے مزید ایک قدم آگے بڑھ کر جانبدارانہ تفتیشی کارروائیوں کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کیا ہے۔ ان کے اس معاندانہ رویّے کو مدِنظر رکھو تو تمہیں اپنے خیر خواہوں کا فیصلہ درست نظر آئے گا کہ تمہیں منظرِ عام سے ہٹ جانا چاہیے۔"

"تم پھر وہی ذکر نکال بیٹھے" میں نے چڑ کر کہا "آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"میں تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔ یہ بات ان تک پہنچ گئی ہے کہ کھٹول کے لیے کیے جانے والے حفاظتی بندوبست میں میرے ایما پر تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ وہ اس بڑے واقعے کا سارا کریڈٹ مجھے دینے پر آمادہ نہیں ہیں' اسے تمہارا کام قرار دے رہے ہیں۔ میں زیادہ دیر تک ان کے اخلاقی دباؤ کا سامنا نہیں کر سکوں گا۔"

میں چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔

ویرا کا باپ جمی لائیڈ جو اپنی زندگی میں ڈیٹی کا پہلا مضبوط ترین سربراہ تھا' مجھے منشیات کے دھندے میں لایا تھا یا زیادہ موزوں الفاظ میں اس کی تنظیم کے کراچی یونٹ نے میری مجبوریوں اور بے روزگاری سے فائدہ اٹھا کر مجھے منشیات فروشی کی راہ پر ڈالا تھا۔ ڈیٹی کو امریکی حکومت کی مالی اور اخلاقی اعانت حاصل تھی اس لیے یہ سمجھنا بے جا نہیں تھا کہ میں نے اپنی خوش حالی کے دور کا آغاز امریکی مفادات کے ایک آلۂ کار کے طور پر کیا تھا۔ ڈیٹی میں نچلی سطح سے ترقی کرتا ہوا میں اوپر پہنچا تو ہیروئن کی تباہ کاریاں میرے سامنے تھیں۔ صدمہ یہ جان کر ہوا کہ مغرب کو اس نشے کی لعنت سے محفوظ رکھنے کے لیے ڈیٹی ایک منظم منصوبے کے تحت پاکستان میں ہیروئن کی مقامی طلب اور کھپت میں اضافے کے مشن پر کام کر رہی تھی۔

وہ میری زندگی میں انقلابی تبدیلی کا موڑ تھا۔ میں نے ڈیٹی اور امریکا کے خلاف علمِ بغاوت اٹھا لیا۔

امریکیوں سے میری وہ جنگ ایک مدت سے جاری تھی اور بظاہر وہ آویزش کہیں ختم ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایک تصادم ختم ہوتا تھا تو چہروں اور ناموں کی تبدیلی کے ساتھ ان کی کوئی دوسری ٹولی میرے خلاف میدان میں کود پڑتی تھی۔

ان لوگوں سے جاری تازہ ترین محاذ آرائی میں مَیں نے اپنے بیشتر اہداف حاصل کر لیے تھے۔ بس ایک اوبرائن ڈی ہنٹ باقی رہ گیا تھا۔ اس کی سرکوبی کے بعد مجھے سکھ چین کا ایک دور نظر آرہا تھا جو اپنے خیر خواہوں کی تحویل میں رہ کر بھی گزارا جا سکتا تھا۔

چند ثانیوں کی خاموشی کے دوران میں نے اپنا وہ تجزیہ مکمل کر کے اول خان سے کہا "مجھے سوچنے کے لیے آج کی مہلت دے دو۔ کل میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔"

"عام طور پر تم فیصلوں میں اتنی دیر نہیں لگاتے۔ پلک جھپکتے میں فیصلہ کر کے اس پر عمل بھی کر ڈالتے ہو۔ کہیں کوئی بھولا ہوا کام تو یاد نہیں آگیا ہے؟"

"اب تم بھی چھچھے دار باتیں کرنے لگے ہو۔ مجھے کون سا کام یاد آسکتا ہے۔"

"تمہارے ساتھ رہ کر میں دھیرے دھیرے بہت کچھ سیکھ رہا ہوں۔ میرا اشارہ اوبی کی طرف تھا۔ نئی فہرست میں سے صرف وہی باقی رہ گیا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اسے بھول جاؤ۔"

اس کی صحیح قیاس آرائی پر میں ہنس پڑا "ایک کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟ وہ بھڑکا ہوا نظر آیا تو میں اسے بھول جاؤں گا۔"

"تم اس پر چڑھائی نہیں کرو گے۔" اول خان نے مجھے تنبیہہ کی "زخم خوردہ بھیڑیے خطرناک ہو جاتے ہیں۔"

"میں روپوش آدمی ہوں۔ اس سے فون پر ہی بات کروں گا۔ اس نے کوئی راہ دی تو اس سے مل بیٹھنے کے بارے میں سوچا جائے گا۔"

"بس اس کی طرف سے محتاط رہنا اور یہ یاد رکھنا کہ ان کے چار آدمی تمہارے مشوروں کی بھینٹ چڑھے ہیں۔"

"تم فکر نہ کرو۔" اسے اطمینان دلا کر میں نے فون بند کیا اور ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اسے گرم کرنے کے لیے دوبارہ کچن میں جانا مشکل تھا۔ میں نے جیسے تیسے ناشتا حلق سے اتارا، سی ایس ڈی کو چیک کیا اور اوبی کے دفتر کا نمبر ملانے لگا۔ اسے براہِ راست گھر پر فون کر کے میں اسے چونکانا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

فون پر وہ خود ہی موجود تھا۔ میری زبان سے ہوپ کا کوڈ سنتے ہی اس کی طرف سے ایک گہری سانس کے بعد آواز آئی "مجھے امید تھی کہ آج تمہارا فون ضرور آئے گا۔ تم نے اخبار دیکھ لیا ہوگا۔ آج ہم سب کے دل رو رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ شہر ہمارے لہو کا کیوں پیاسا ہے!"

"میں تمہارے دکھ میں پوری طرح شریک ہوں۔" میں نے ریاکاری سے کام لیتے ہوئے کہا "یہ واقعہ مدتوں نہیں بھلایا جا سکتا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اتنی تیزی سے کوئی قدم اٹھائیں گے اور ایسی اندوہناک ناکامی سے دوچار ہوں گے۔"

"پورے دفتر کی فضا سوگوار ہے، ہم سب ماتمی لباسوں میں یہاں آئے ہیں اور چوروں کی طرح ایک دوسرے سے یوں نظریں بچا رہے ہیں جیسے ان چاروں کی دلیرانہ موت میں ہمارا ہی ہاتھ ہو۔"

"میں نے اس واقعے پر تعزیت کے لیے فون کیا ہے۔ دونوں کی ہدایت تھی کہ میں جلد از جلد تم سے رابطہ کرلوں تاکہ تم مجھے کوئی کام سونپ سکو۔"

"میں اس شہر کی خون آشام فضا کو اپنے حق میں ڈھالنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے مجھے مخلص اور محنتی آدمیوں کی ضرورت ہے۔ تم شاید ڈینی پر بھی کچھ کام کرنا چاہتے ہو۔"

"بالکل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ انعام میری زندگی بدل کر رکھ دے گا لیکن تم اتنی بے احتیاطی سے اس کا نام مت لو۔ میں کسی کو اپنی سرگرمیوں کی بھنک بھی نہیں دینی چاہتا۔"

"میری بے احتیاطی کا سبب ہے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ تمہارے فون پر کال میں مداخلت کی نشان دہی کرنے والا کوئی حساس آلہ نصب ہے جس کی وجہ سے کوئی غیر متعلقہ آدمی میری اور تمہاری گفتگو کا ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا۔"

"انہوں نے تمہیں سب کچھ ہی بتا دیا تھا۔" میں نے ایک گہرا سانس لیا اور بات جاری رکھی "یہ فون میرا نہیں، میرے دفتر کا ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔ ہر وہ چیز جس پر تم کو تصرف حاصل ہو، وہ تمہاری ہوتی ہے۔"

"میں ایک دو روز میں تم سے رابطہ کروں گا۔ وقت کا مرہم تمہارے دکھ کو ذرا ہلکا کر دے گا۔ تم جہاں چاہو گے، میں تم سے ملنے کے لیے پہنچ جاؤں گا۔"

"زندگی اور موت کے دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اپنے غم کے باوجود ہم کسی مرنے والے کے ساتھ مر نہیں جاتے، کاروبارِ زندگی اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ مرنے والوں کے لیے بہترین خراجِ تحسین یہ ہوگا کہ ہم ان کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے تن، من، دھن کی بازی لگا دیں۔"

"تم جس طرح چاہو، میں حاضر اور تیار ہوں۔" میں نے... پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"آج کا کام کل پر نہیں ٹالنا چاہیے۔ یہاں دفتر کا ماحول سازگار نہیں ہے۔ کیا تم کچھ دیر بعد میرے گھر پہنچ سکتے ہو؟" میرے دل کی بات آخر کار اس کی زبان پر آ ہی گئی۔

"بالکل آسکتا ہوں۔ تمہارا گھر کس علاقے میں ہے؟" میں نے رضامندی ظاہر کر کے پوچھا۔

"کلفٹن میں۔ میں جلد از جلد وہاں پہنچتا ہوں۔ ٹریفک کی وجہ سے دیر سویر ہو سکتی ہے۔ تم ایک گھنٹے بعد وہاں آجاؤ۔" مجھے آمادہ پا کر اس نے فوراً ہی پروگرام طے کر دیا۔

اس نے مجھ سے رازداری اور وفاداری کے وعدے لیے،

کلفٹن کی ایک کثیرالمنزلہ عمارت میں اپنے فلیٹ کا نمبر بتایا اور فون کر دیا۔

مجھے حیرت تھی کہ بھاری جانی نقصان سے دوچار ہونے کے بعد وہ اتنی آسانی سے میرے دام میں آگیا تھا۔ حالات ساز گار ہوتے تو میں ایک گھنٹے بعد اسے اور اس کے کتے کو آسانی سے ٹھکانے لگا سکتا تھا۔

اول خان میری ہر کارگزاری سے واقف تھا۔ میں نے فون کرکے اسے اپنی نئی کامیابی کی اطلاع دی تو وہ مجھے مبارک باد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

"میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ آدمی کے ستارے ساتھ دے رہے ہوں تو دشمن کی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "تم میرے لیے دعا کرتے رہنا۔"

اول خان نے پُرتپاک لہجے میں میرے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ وہ بھی اپنے ذرائع سے اوبی کے فلیٹ کا پتا حاصل کر چکا تھا جو میرے بتائے ہوئے پتے کے عین مطابق تھا۔

اول خان سے گفتگو ختم کرکے میں نے اس سلسلے کی آخری مہم پر روانگی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس سے نمٹنے کے بعد میں خود کو کسی کی بھی حفاظتی تحویل میں دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

میں ساڑھے دس سے ذرا پہلے ہی اوبرائن ڈی بسنٹ کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا۔ بلند احاطے میں گھری ہوئی وہ بلند عمارت خاصی پُرشکوہ تھی۔ وقت سے پہلے اس کے دروازے پر دستک دینی مناسب نہیں تھی۔ میں نے چند منٹ وہیں ٹہل کر ایک سگریٹ پھونکنے میں گزارے۔ میں نے محسوس کیا کہ اس دوران میں میرے خون کا دباؤ وفورِ جوش سے بڑھتا جا رہا تھا۔

عمارتوں کے تیزی سے ابھرتے ہوئے جنگل میں وہ اس منصوبے کی اکلوتی عمارت تھی۔ چوکی دار نے مہذب انداز میں مجھے روک کر میرے میزبان کا اور میرا نام پوچھا، انٹرکام پر کسی سے گفتگو کی اور لمحہ بھر میں مجھے لفٹ کی طرف جانے کی اجازت دے دی۔

جدید اور تیز رفتار لفٹ نے مختصر سے زناٹے کے ساتھ مجھے آٹھویں منزل پر پہنچا دیا۔ لفٹ سے نکلتے ہی ایک دروازے پر پیتل کے بڑے ہندسوں میں اوبی کا بتایا ہوا نمبر چمک رہا تھا۔

میں لفٹ سے نکل کر لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا۔ میری رسٹ واچ میں ساڑھے دس بج رہے تھے۔ میں نے بڑھ کر ڈور بیل کا بٹن دبا دیا۔ وہ شاید انٹرکام پر اطلاع مل جانے کی وجہ سے دروازے کے قریب میرا منتظر تھا۔ دروازہ فوراً کھل گیا۔ سامنے آتے ہی اس نے اپنا تعارف کرا دیا تھا۔

کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ سے نمودار ہونے والے معنک چہرے کے ہر خدوخال سے ایسی عیاری اور مکاری ٹپک رہی تھی کہ میرا دل بجھ گیا۔

اس کی پُرفریب، معصومانہ آواز سن کر میں نے اپنے ذہن میں اس کی جو بھولی بھالی تصویر بنائی تھی، وہ اس سے بالکل مختلف اور خرانٹ نظر آرہا تھا۔

اس نے مجھ سے پُرتپاک انداز میں ہاتھ ملایا اور دروازے سے اندر لے گیا۔ وہاں ایک قالین پر قد آور سیاہ کتا اپنی لمبی سی تھوتھنی اگلی ٹانگوں پر رکھے، آنکھیں موند کر سستا رہا تھا۔ ہماری آوازوں پر اس نے ناگواری سے آنکھیں نیم وا کرکے ہماری طرف دیکھا اور پھر انتا غفیل ہوگیا۔

کتا تربیت یافتہ تھا۔ میں کسی خوف کے بغیر اس کے قریب سے گزر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہونے لگا تھا کہ اچانک کہیں ایک بزر بول پڑا۔

اوبرائن بھڑک کر مجھ سے دور ہوگیا اور اشتباہ آمیز نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے بولا "کیا تم اپنے ساتھ کوئی ہتھیار لے کر آئے ہو؟"

"ہاں۔" میں نے گلے میں اٹکی ہوئی کوئی شے نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا "یہ ہر وقت میرے ساتھ رہتا ہے۔ شاید تم نے ڈرائنگ روم کے دروازے کی چوکھٹ میں کوئی ڈی ٹیکٹر لگوایا ہوا ہے؟"

"مجبوری ہے۔" وہ خشک لہجے میں بولا "ہر شخص خون کا پیاسا ہو رہا ہو تو احتیاط کرنی ہی پڑتی ہے۔"

میں نے ریوالور نکالنے کے ارادے سے اپنا ہاتھ جیب کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ ڈرائنگ روم کے ایک دبیز پردے کے پیچھے چھپے ہوئے اندرونی دروازے سے ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس ایک دیوپیکر شخص نمودار ہو کر غرایا "ہوشیاری مت دکھانا۔ دونوں ہاتھ اٹھالو۔ میں خود تمہاری جامہ تلاشی لوں گا۔"

میرا جیب کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ خود بخود رک گیا کیونکہ اندر سے نمودار ہونے والے کے دائیں ہاتھ میں بڑے بور کا ریوالور دبا ہوا تھا جس کی نال پر سائلنسر چڑھا ہوا تھا۔

نقشہ اچانک پلٹ گیا تھا۔ میں ایک چوہے دان میں آپھنسا تھا۔ میرے بدن کے مسامات سے ہلکا ہلکا پسینہ پھوٹ پڑا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

اس ماہ ہر خط میں ایک ہی سوال تھا۔ "موت کے سوداگر مختصر کیوں تھی؟" وجہ اس کی یہ تھی کہ موت کے سوداگر کے مصنف اقلیم علیم اپنی بیٹی کی شادی کے انتظامات میں مصروف رہے چنانچہ قسط مختصر چھاپنی پڑی۔ امید ہے اس ماہ مکمل قسط ملاحظہ کرکے آپ کی شکایت دور ہوگئی ہوگی۔

بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکمادے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کردیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورتِ حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کردی۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کھنول کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اٹھا کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچادیا۔ کھنول کے سلسلے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہوگئے۔ کالو مکرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنادیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کھنول کا پشت پناہ چوہدری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے فون کرکے بتایا کہ کالو مکرانی کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں ماردیں۔ خوش قسمتی سے کالو مکرانی صرف زخمی ہوا تھا۔ امریکیوں نے کھنول کی گمشدگی پر خاصا واویلا کیا اور کالو مکرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ کھنول کو دوبارہ اسلام آباد بلالیا گیا۔ میں نے انٹروگیشن سیل میں اس سے کڑی باز پرس کی جس کے نتیجے میں اس نے سنسنی خیز انکشافات کیے۔ کھنول کے آقاؤں نے اس کی رہائی کے لیے دباؤ ڈالنے کے لیے کراچی میں بم دھماکا کیا تو میں فوراً کراچی پہنچ گیا۔ اول خان نے بتایا کہ کھنول کی کراچی منتقلی کا بندوبست ہوچکا ہے۔ وہ اقبالی بیان دینے کے لیے تیار ہے۔ اپنے خلاف امریکیوں کے بڑے آپریشن کے پیشِ نظر میں نے غزالہ کو پشاور بھیج دیا اور خود بھی جہانگیر کا گھر چھوڑدیا۔ اب میرا ٹھکانا نادرہ کا ویران مکان تھا۔ یہاں میں نے امریکی ایجنٹوں سے رابطہ کرکے کھنول کے متعلق مخبری کردی۔ اس کا نتیجہ میرے حسبِ منشا نکلا اور کھنول امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اوبی تھا۔ میں اس کے گھر پہنچا تو نقشہ اچانک پلٹ گیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

اوبرائن ڈی ہنٹ سے وہ ملاقات ہونے سے پہلے میں کامیابی کی فضاؤں میں کسی شہباز کی طرح اونچی پرواز کررہا تھا۔ اس کے فلیٹ میں داخل ہوتے ہی حالات نے اتنی تیزی سے رخ پلٹا کہ میرے اوسان چند لمحوں کے لیے خطا ہوگئے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے آسمان کی بلندیوں پر اُڑنے والا شہباز اپنے طاقت ور پروں کے یکایک مفلوج ہوجانے کی بنا پر کسی ٹھوس اور روزنی لوتھڑے کی طرح زمین سے ٹکرا کر بے نشان چیتھڑوں میں بدل گیا ہو۔

میرے بدن کے مسامات سے پھوٹنے والے ہلکے ہلکے پسینے نے ان چند لمحوں میں میری جلد پر رینگتی ہوئی لکیروں کی صورت اختیار کرلی۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میری ٹانگوں میں سے یکایک آدھی جان نکل گئی ہو اور میں زیادہ دیر تک اپنے قدموں پر کھڑا نہیں رہ سکوں گا۔

اندرونی دبیز پردے کے پیچھے سے برآمد ہونے والا دیو پیکر شخص ہر اعتبار سے خطرناک نظر آرہا تھا۔ سب سے پہلی بات یہ تھی کہ اس کے ہاتھ میں بڑے بور کا ایک مہیب ریوالور تھا جس کے چیمبر میں کئی عدد زندہ گولیاں موجود رہی ہوں گی۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ مکارانہ خدوخال والا ویسا ہی روایتی سیاہ فام تھا جنہیں امریکا میں کوئی بھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ خود سفید فام تھا مگر اس نے اپنے فلیٹ میں اپنے تحفظ کے لیے ایک سیاہ فام انسان اور دوسرے سیاہ رنگ کے قد آور کتے کا انتخاب کیا تھا۔ اپنے آقا کی بے آرامی بھانپ کر وہ دونوں ہی کالے بہت مستعد اور چوکنے نظر آنے لگے تھے۔ اوبرائن کی آواز میں تشویش کی پہلی علامت نمودار ہوتے ہی قالین پر اونگھتے ہوئے کتے کی نیند ایک دم کافور ہوگئی تھی۔ اس نے آگے پھیلے ہوئے پیروں پر سے اپنی تھوتھنی اٹھالی اور اپنے لٹکے ہوئے لمبے کان ہلا ہلا کر ناراض نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

اوبرائن کے فلیٹ میں داخل ہونے کے بعد میرے ساتھ جو صورتِ حال رونما ہوئی وہ بالکل ہی غیر متوقع تھی اس لیے اضطراری ذہنی جھٹکا میرے اختیار سے باہر تھا۔ اس کے باوجود مجھے بہ خوبی اندازہ تھا کہ میں اس وقت شیر کی کچھار میں اس کے روبرو موجود تھا۔ میری ذرا سی لغزش میرے لیے مکمل تباہی کا سامان بن سکتی تھی۔

میرا جیب کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ رک چکا تھا مگر میں نے پردے کے پیچھے سے برآمد ہونے والے کالے دیو کے حکم کی تعمیل میں اپنے ہاتھ بلند نہیں کیے تھے۔ ابتدائی ذہنی صدمے سے سنبھالا لیتے ہوئے میں نے اوبی کی طرف گھوم کر خفگی سے کہا ”یہ کیا مذاق ہے اوبی؟ اپنے گھر میں میری تذلیل کرنے کے بجائے تم نے دروازے ہی پر سوال کرلیا ہوتا تو میں تمہیں بتادیتا کہ میرے پاس ریوالور موجود ہے۔“

”بحث مت کرو اور اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔“ اوبی نے سفاکانہ لاتعلقی سے کہا ”بلیکی بے خطا نشانے باز ہے۔ تم نے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو وہ تمہیں عمر بھر کے لیے معذور کردے گا۔“

میرے دونوں ہاتھ میرے جسم سے دور فضا میں غیر فطری انداز میں جھول رہے تھے۔ مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ پچھلے روز کھنول کے واقعے میں ایڈی اور جان کے ساتھ اپنے دو کمانڈوز گنوانے کے بعد وہ کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں تھے۔ میں نے ایک تلخ ہنکارے کے ساتھ اپنے ہاتھ اوپر اٹھالیے۔

بالم اور جانی کے ناکام شب خون کے بعد میں نے جب سے اپنا گھر چھوڑا تھا، بیم گن میری ہی تحویل میں رہی تھی کیونکہ میں میدان میں اپنے حریفوں سے مقابلہ کررہا تھا جب کہ ویرا، اول خان کے گھر میں پناہ گزین تھی اس کے لیے بیم گن جیسے خاموش اور تباہ کن ہتھیار کی زیادہ افادیت نہیں تھی۔ میں نے اپنی کمین گاہ سے اوبی کی طرف روانہ ہوتے ہوئے، پہلے بیم گن ہی اپنے ساتھ لی تھی لیکن آخری لمحات پر میں نے اپنا ارادہ بدل کر بیم گن کی جگہ ریوالور اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ دھندلا سا امکان اس وقت بھی موجود تھا کہ اگر کسی مرحلے پر مقدر کی خرابی سے کھیل بگڑ گیا اور اوبی نے مجھے مغلوب کرلیا تو میری تحویل سے بیم گن جیسا نادر

ہتھیار برآمد ہوتے ہی وہ اندازہ لگالیتا کہ میں کوئی خود غرض اور مفاد پرست سرکاری ملازم نہیں بلکہ ڈینی یا اس کا کوئی قریبی ساتھی ہوں۔

اس وقت تک امریکیوں کے پاس میری کوئی واضح شناخت نہیں تھی۔ اپنے متعدد مُردوں کی جانچ پڑتال کے بعد وہ اتنا ضرور جانتے تھے کہ میں ایک عدد بیم گن پر قابض ہوں اور جب بھی مجھ پر کوئی براوقت آتا ہے تو میں بے رحمی سے اسے استعمال کر گزرتا ہوں۔

ان کے لیے بیم گن میری شناخت کی واحد علامت تھی۔ اگر اوبی کے فلیٹ میں اس وقت میرے پاس بیم گن موجود ہوتی تو شاید میری کہانی اسی لمحے ختم ہوگئی ہوتی اور میں اپنی داستان دنیا کو سنائے بغیر اجل کی خاموش اور سنسناتی ہوئی وادیوں میں پہنچ چکا ہوتا۔

بلیکی کی عرفیت سے متعارف کرائے گئے سیاہ فام نے براہِ راست میرے جیکٹ کی داہنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اعشاریہ دو دو کا بھرا ہوا ریوالور نکال لیا۔

"اچھا کھلونا ہے۔" بلیکی نے میرے ریوالور کا جائزہ لیتے ہوئے استہزائیہ انداز میں کہا اور پھر شاید اوبرائن کو مطلع کیا "چیمبر میں پوری گولیاں موجود ہیں مگر سیفٹی کیچ چڑھا ہوا ہے۔"

"یہ میری نیک نیتی کا ثبوت ہے۔" میں نے بلیکی کے مشاہدے سے فائدہ اٹھا کر کہا۔

اوبی نے میری بات سنی ان سنی کر کے بلیکی سے کہا "واپس لوٹنے سے پہلے مہمان کی اچھی طرح جامہ تلاشی لے لو۔"

امریکا میں، میں نے بہت سے مہذب اور تعلیم یافتہ کالے بھی دیکھے جن کی شائستگی اور خوش مزاجی کے سامنے گورے بھی شرماتے تھے مگر یہ ایک افسوسناک حقیقت تھی کہ ان کی اکثریت اجڈ، تند خو اور جھگڑالو تھی۔ بلیکی کا تعلق امریکی سیاہ فاموں کے دوسرے قبیلے سے تھا۔ اس نے نہایت توہین آمیز انداز میں میری مکمل جامہ تلاشی لی اور میرے جسم سے دھات کی ہر بھاری شے الگ کرنے کے بعد مجھے باہر جا کر دوبارہ ڈرائنگ روم میں آنے کو کہا۔

اس دوران میں ناراض کتا بھی کسل مندی کو خیرباد کہہ کر اپنے قدموں پر کھڑا ہو چکا تھا اور کسی بھی غیر متوقع صورتِ حال میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار تھا۔

بلیکی نے تلاشی کے دوران میں میرے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس پر میرا خون کھول اٹھا لیکن اس کمرے میں موجود تین چاق وچوبند جان داروں کے سامنے میں مجبور تھا۔ میں بلیکی کو خشمگیں نظروں سے گھور کر واپس ہولیا۔

اس کے حکم کی تعمیل میں مجھے باہر جانے اور اندر آنے کے دوران دو مرتبہ دروازے سے گزرنا پڑا اور دونوں بار خفیہ ڈی ٹیکٹر سے منسلک بزر میں کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی۔

میری طرف سے مطمئن ہو کر بلیکی دوبارہ اسی دبیز پردے کے پیچھے غائب ہو گیا جس کی اوٹ سے وہ برآمد ہوا تھا۔ میرا ریوالور وہ اوبی کو دے چکا تھا۔

"شیری! گو اِن سائڈ۔" اوبی نے کوئی اشارہ کیے بغیر حکم صادر کیا۔

مجھے شیری کے نام سے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اوبی نے کتا نہیں کتیا پالی ہوئی تھی۔ نیویارک میں تجرد کی زندگی گزارنے والا جارج شلز نامی داوَدی ستارہ بھی ایک کتیا کا مالک تھا اور تنہائی میں اس سے یوں باتیں کرتا تھا جیسے وہ اس کی ہر بات سمجھتی ہو۔

اوبی کی زبان سے فقرہ ادا ہوتے ہی شیری نامی صحت مند کتیا نے سر جھکا کر محبت بھرے انداز میں دم ہلائی پھر وہ بھی اس پردے کے پیچھے غائب ہوگئی جس نے بلیکی کو میری نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں، میں اوبی کے ساتھ کھڑا رہ گیا۔

کتوں کی تربیت کے بارے میں، میں نے بہت کچھ سنا اور دیکھا تھا۔ جارج شلز اور اس کی لاڈلی کتیا کی باتیں میں نے خفیہ لاسلکی آلے پر سنی تھیں مگر تازہ ترین مشاہدہ بہت حیران کن تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے شیری اور اوبی ہم زبان رہے ہوں۔ شیری اپنے مالک کی ہدایت کو سمجھتی تھی۔ شاید اوبی بھی اسی طرح شیری کی آوازوں سے اس کی ضروریات اور مطالبات کا اندازہ لگالیتا ہوگا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ میرے مقابل آکھڑا ہوا۔ اس کی چبھتی ہوئی تیز نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ ان نگاہوں میں شکوک وشبہات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔

"گھر بلا کر بے عزتی کر لینے کے بعد بھی تم مطمئن نہیں ہو؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"میرے سینے پر چار دوستوں کی جانوں کا گھاؤ تازہ ہے۔" وہ پلکیں جھپکائے بغیر بولا "اس واردات میں تم نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ خلش میرے دل سے مٹائے نہیں مٹتی۔"

"میرا کوئی کردار نہیں تھا۔" میں نے پُرزور لہجے میں احتجاج کیا۔ "میں نے غلطی کی جو جان اور رایڈی سے رابطہ کر کے انہیں کھٹومل کے بارے میں آگاہ کیا۔ انہوں نے مجھے اپنے ارادوں کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔ عجلت کے بعض اقدام ایسی ہی بھینٹ لیتے ہیں۔"

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے سرد اور جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔

"شکریہ۔" میں نے کسی تلخی کے بغیر کہا۔ مجھے اچانک ہی یاد آگیا تھا کہ اس کے سامنے مجھے ایک ایسے خود غرض سرکاری افسر کا کردار ادا کرنا تھا جو اپنے اہلِ خانہ کے لیے ہر قیمت پر امریکا کی شہریت یعنی گرین کارڈ حاصل کرنے کے لیے مرا جا رہا تھا۔

"کھٹومل مر گیا یا مار ڈالا گیا۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "ہمارے لیے اب وہ ایک بھولا بسرا نام ہے۔ مجھے تشویش یہ ہے کہ اس کے ساتھ ہمارے چار بہترین آدمی مارے

گئے۔ یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہے کہ جان کو تم نے ہی اس مہم پر اکسایا تھا۔"

میں بے اعتباری پر ہنس پڑا "تم جیسے تجربے کار ڈپلومیٹ کی زبان سے یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ کیا جان اور ایڈی اتنے ہی بے وقوف تھے کہ ایک ایسے اجنبی کی باتوں میں آگئے جس سے وہ بالکل ناواقف تھے؟ ان کے اپنے کوئی ذرائع نہیں تھے؟"

"میں نے انہیں بے وقوف نہیں کہا۔" اس نے تنک کر تیزی سے کہا "یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ جس سمت میں کام کر رہے تھے، تم نے انہیں اسی سمت میں گمراہ کیا ہو۔"

اس کی تصحیح پر میں بے اختیار گہرا سانس لے کر بولا "تم نے جس تیزی سے اپنے موقف کی تائید کی ہے، اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ ہماری گفتگو کہیں ریکارڈ ہو رہی ہے۔"

"تم واقعی بہت چالاک ہو۔" میرے غیر ارادی تبصرے پر اس کا منہ بن گیا "اب دیکھنا پڑے گا کہ تمہاری حقیقت کیا ہے۔"

"میں جان اور ایڈی کو بتا چکا تھا۔ میرا تعلق ایک ایجنسی سے ہے۔" میں نے اپنی لغزش پر دل ہی دل میں افسوس کرتے ہوئے پورے اعتماد سے کہا۔

"یہ بات بھی شکوک میں اضافہ کرتی ہے۔ ایجنسیوں کے کھیل نیارے ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تم نے ان دونوں کو ڈبل کراس کیا ہو....."

"اوبی! تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر سخت لہجے میں کہا "اگر تمہیں میری نیت پر اس حد تک شبہ ہے تو ہماری یہ ملاقات بے سود رہے گی۔"

اوبی کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر سفاکانہ مسکراہٹ تیر گئی۔ "یہ ملاقات نہیں، تمہاری آزمائش ہے، ہوپ! میں تمہارا درشن کرنا چاہتا تھا۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر تمہیں اپنے گھر بلایا ہے۔ آرام سے بیٹھے رہو اور مجھے اپنے بارے میں بتاؤ ورنہ تم زحمت میں پڑ سکتے ہو۔"

"کیا تم یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ میں تمہارا مہمان نہیں، قیدی ہوں؟"

"میں نے ابھی کچھ نہیں بتایا۔ اپنا تعارف کراؤ پھر میں کوئی فیصلہ کروں گا۔"

"میں یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا۔" میں برہمی سے اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا "میں گرین کارڈ کے لیے اتنی قربانیاں نہیں دے سکتا۔"

"سرکاری افسر کسی دفتر میں ہو یا خفیہ ایجنسی میں، اندر سے پکا بیوروکریٹ ہوتا ہے۔" وہ طنز سے بولا "بھڑکنے کی ضرورت نہیں، آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

"نہیں اوبی، اب مجھے گرین کارڈ نہیں چاہیے۔ میں چلوں گا۔" میں نے بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ کہا "میرا ریوالور مجھے دے دو، چاہو تو گولیاں نکال لو۔"

"اب مسئلہ تمہاری خواہشات کا نہیں، میری ضروریات کا ہے۔" وہ کھل کر سامنے آگیا "تم کسی بھی درجے کے افسر ہو، کسی نہ کسی کو جواب دہ ضرور ہو گے۔ تمہارے اوپر والوں کو یہ بات پسند نہیں آئے گی کہ تم نے اپنے دفتری ذرائع سے ملنے والی خفیہ معلومات جان اور ایڈی کو فراہم کی تھیں۔"

"تو اب تم مجھے بلیک میل کرو گے؟" میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

"یہ بلیک میل نہیں، اس وقت کی حقیقی پوزیشن ہے۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بتایا "تم اپنے آپشنز کھو چکے ہو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

میں نے اس پر یوں ظاہر کیا جیسے اس کی باتوں سے مجھے صدمہ پہنچا ہو پھر دھیرے دھیرے بڑے صوفے کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ "تم نے میرے اعتبار کو مجروح کیا ہے۔"

"اجنبیوں پر اعتبار کرنا صرف اور صرف خود فریبی کے زمرے میں آتا ہے۔" وہ بولا "جان اور ایڈی نے تم پر اعتماد کیا اور لمحہ بھر میں اپنی جانیں کھو بیٹھے۔ اپنے ساتھ دو آدمی اور بھی لے گئے۔ تم نے تو ابھی کوئی قیمت ہی ادا نہیں کی۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے سہمی ہوئی اور پُر تشویش آواز میں سوال کیا۔

"اپنے اور اپنی ایجنسی کے بارے میں بتاؤ تاکہ میں اس کی تصدیق کر سکوں۔"

"یہ امور قومی رازوں کی تعریف میں آتے ہیں۔ میں نے جان کو بتا دیا تھا کہ یہ باتیں مناسب وقت پر ہی سامنے آسکیں گی۔ فی الحال اس موضوع پر بات نہیں ہو سکتی۔"

"تم ان کے سامنے نہیں تھے، فون پر رابطہ ہوا تھا۔ وہ تمہاری بات ماننے پر مجبور تھے۔ میرے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔ تم میرے گھر میں، میرے سامنے موجود ہو۔"

میں نے اس کے ذو معنی فقروں میں پوشیدہ دھمکی کو نظر انداز کرتے ہوئے سختی سے کہا "نہیں.... میں اس بارے میں اپنی زبان نہیں کھول سکتا۔ تمہیں میری مجبوریوں کو سمجھنا چاہیے۔ جب تک میں اس ملک میں برسر ملازمت ہوں، میری کچھ مجبوریاں ہیں۔"

"لوگوں کی مجبوریوں کا سراغ لگانا اور پھر ان سے باہمی فائدے کی کوئی راہ نکالنا ہی میرے منصب کی سب سے بڑی ذمے داری ہے۔"

"کھوسل نے اپنی گردن تمہارے ہاتھ میں دی ہوئی تھی۔ اس کا عبرت ناک انجام میرے سامنے ہے۔ میں خود کو اس جیسے....." میری بات ادھوری رہ گئی۔

وہ مشتعل ہو کر کہہ رہا تھا "اب میرے سامنے اس نمک حرام کا نام بھی نہ لینا۔ ہم نے اسے فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچایا۔ وہ بھی ہمارے لیے کام کرتا رہا لیکن آخر میں اس نے میری نشان دہی

کر کے بنیادی حلف سے غداری کی اور جہنم واصل ہو گیا۔"
"ٹھیک ہے۔" میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا "مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دو۔"
"ملاقات سے پہلے تمہیں وقت مل چکا۔ اب صرف تعارف کراؤ۔ میرا سرکاری عہدہ اور موجودہ کام تمہارے سامنے ہیں۔ تم اپنے اور ڈینی کے بارے میں بتا ڈالو۔"
اس کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی چمک سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈینی اس کا سب سے بڑا سوال تھا۔ میں نے اسے بتایا "ڈینی پر کام ہو رہا ہے۔ اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری کے خفیہ احکام جاری ہو چکے ہیں۔ میں بھی دو ملین ڈالر کے انعام کی فکر میں ہوں۔ کوئی بھی سرا میرے ہاتھ آیا تو میں وہ تمہیں تھما دوں گا۔ تم خود اس سے نمٹ لینا۔"
"تم..... تمہارا نام.... تمہاری ایجنسی!" اس نے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے استفسار کیا۔
"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ مجھے مجبور مت کرو۔ تھوڑا سا وقت دے دو۔" میں نے التجا کی۔
"غوں۔" اس کے حلق سے غراہٹ سی برآمد ہوئی پھر وہ بولنے لگا "اس فلیٹ میں تم شیری کو دیکھ ہی چکے ہو۔ میری مرضی کے بغیر یہ کتیا تم کو باہر نہیں جانے دے گی۔ اپنے تیز دانتوں سے تمہارے پورے بدن کو بھنبھوڑ کر رکھ دے گی۔ دوسرا بلیکی ہے جو اپنی مرضی کا نشانہ لے کر ہر حریف کو موت کی نیند سلا سکتا ہے اور تیسرا ایک الیکٹرولائزر ہے۔ تم جانتے ہو اس کے بارے میں؟"
میرے لیے وہ لفظ نیا نہیں تھا۔ برقی رو کے ذریعے کسی بھی مرکب محلول کو اس کے اجزا میں تحلیل کرنے والے ہر آلے کو الیکٹرولائزر کہا جا سکتا ہے۔ اس کے پورے نام کا انحصار اس کے استعمال پر ہو سکتا ہے۔ میں نے سوچنے کی اداکاری کرنے کے بعد مایوسی سے نفی میں سر ہلا دیا۔
"یہ ایک چھوٹا سا بلڈ الیکٹرولائزر ہے۔ بجلی کا جھٹکا لگنے سے لوگوں کے مر جانے کی خبریں پاکستان میں عام ہیں۔" وہ مجھے بتانے لگا۔ "میرا الیکٹرولائزر بہت بے ضرر ہے۔ اس میں بہت کم طاقت والی برقی رو استعمال ہوتی ہے۔ اس کے دو الیکٹروڈ میڈیکل ڈرپ کی سوئی کی طرح تمہاری شریانوں یا وریدوں میں اتارے جائیں گے تو یہ مشین تمہارے خون میں شامل پانی کو آکسیجن اور ہائیڈروجن میں تبدیل کر کے خون سکھانا شروع کر دے گی۔ رفتہ رفتہ تمہارے اعصاب اینٹھنے لگیں گے' بصارت دھندلا جائے گی' زبان ساتھ نہیں دے گی۔ گیسوں کے دباؤ سے رگیں پھٹتی ہوئی محسوس ہوں گی۔ اس دوران تم کو غور کرنے کی پوری فرصت میسر ہو گی۔ تم نے دو گھنٹے کے اندر اندر کوئی مثبت فیصلہ نہ کیا تو یہ عمل تمہیں موت کی دہلیز میں اتار دے گا۔ مشین پر سرخ بلب جلنے تک تم نے فیصلہ نہ کیا تو میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔ یہ خود کار عمل بروقت نہ روکا جائے تو سولی سے زیادہ بھیانک ثابت ہوتا ہے؟"
"تم مجھے قتل اور تشدد کی دھمکیاں دے رہے ہو؟" میں نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے سوال کیا "گھر بلائے ہوئے مہمان سے ایسے سلوک پر تمہیں ندامت نہیں ہو گی؟"
"مہمان جانا بوجھا نہ ہو تو اپنا تعارف کراتا ہے۔" اس کی آواز سے سفاکی کی جھلک آ رہی تھی۔ "ان جانے مہمان بلائے جان ثابت ہوتے ہیں۔ ان سے بچنا چاہیے۔"
"میرے قتل کے الزام میں تم یہاں سے نکالے بھی جا سکتے ہو۔ میں نے سنا ہے کہ یہاں کے نیٹ ورک کے لیے تم بہت اہم بلکہ ناگزیر ہو۔"
"تمہاری موت کو قتل نہیں' حادثہ قرار دیا جائے گا۔ الیکٹرولائزر کے ذریعے مرنے والے کی حالت وہی ہوتی ہے جو برقی جھٹکے سے مرنے والوں کی ہوا کرتی ہے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی الیکٹرک شاک کی کہانی سناتی ہے۔ یہ ہمارا ایک جدید طریقہ ہے۔"
میں اندر ہی اندر سے لرز کر رہ گیا "کیا یہ درندگی نہیں ہے؟"
"پاکستان میں شاید ہر شخص ہمارے خون کا پیاسا ہے۔ ایسے درندوں کو ان ہی کی زبان میں سمجھایا جا سکتا ہے۔ ان پر نصیحت' تلقین اور اصولوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔"
"میں بھی پاکستانی ہوں۔ میرے سامنے تم یہ سب کہہ رہے ہو۔"
"تم نے مجبور کر دیا ہے' ویسے بھی اب تم پاکستانی ہو نہ

امریکی۔" وہ بولا۔
"میری قومیت کے بارے میں تم نے یہ فیصلہ کیسے کرلیا؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔
"گرین کارڈ حاصل کرنے کے آرزو مند ہو' اس لیے پاکستان سے اپنی وابستگی ختم کرچکے ہو۔ گرین کارڈ نہیں ملا اس وجہ سے ابھی امریکی بھی نہیں ہو...... جلد فیصلہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ان بے سروپا باتوں میں زیادہ وقت برباد نہیں کرسکتا۔"
اسے اندازہ ہوگیا کہ میں گفتگو کو طول دے کر وقت حاصل کررہا تھا۔
حقیقت بھی یہی تھی کہ بظاہر اس سے گفتگو میں مصروف ہونے کے باوجود میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کررہا تھا۔ میرے لیے اس کا رویّہ قابلِ فہم تھا۔ وہ اپنی دانست میں مجھے ڈرا دھمکا کر اپنی راہ پر لانے کی کوششیں کررہا تھا۔ اگر میں کسی مزاحمت کے بغیر اس کے مطالبات کو تسلیم کرلیتا تو اس کے شکوک و شبہات ختم ہونے کے بجائے مزید گہرے ہوسکتے تھے۔
اس بحث اور مزاحمت کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے ہتھیار میری نظروں میں آگئے تھے۔ کسی انسان کے جسم میں خون کو بہت دھیرے دھیرے خشک کرکے مارنے کا حیوانی تصور بہت وحشت ناک تھا مگر وہ بڑی ڈھٹائی سے اس کا اعتراف کرچکا تھا۔
اس کے فلیٹ میں بظاہر سنگین صورتِ حال سے دوچار ہونے کے باوجود مجھے یہ اطمینان تھا کہ اول خان میری وہاں آمد کے پروگرام سے باخبر تھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ اس کے دو چار آدمیوں نے میرے پہنچنے سے پہلے ان اطراف میں منڈلانا شروع کردیا ہو اور اس وقت میری واپسی کا انتظار کررہے ہوں۔ وہ کسی ناگہانی سچویشن میں میرے مددگار ثابت ہوسکتے تھے۔
"اگر مجھے تمہارے ارادوں کا علم ہوتا تو میں بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔" میں نے اس کے جواب میں افسردگی سے کہا "تم مجھ جیسے اجنبی پر اعتماد کرکے دھوکا کھانے کے لیے تیار نہیں ہو مگر میں تم پر بھروسا کرکے دھوکا کھا چکا ہوں۔"
"کیسا دھوکا؟ میں نے تمہیں کیا دھوکا دیا؟" اس نے چیخ کر مجھے گھورا۔
"تم نے مذاکرات کے بہانے مجھے یہاں بلایا اور اب پُرتشدد بازپرس پر تلے ہوئے ہو۔"
وہ پہلی بار ہنسا "کبھی کبھی شکاری اپنے پھیلائے ہوئے جال میں خود پھنس جاتا ہے۔"
"غنیمت ہے کہ تمہارے خزاں رسیدہ ہونٹوں پر ہنسی کی جھلک نظر آئی۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہارا دل بالکل ہی پتھر نہیں ہے۔ اس میں معقولیت بھی پائی جاتی ہے۔"
"اپنے بارے میں ہر بات بتاتے چلے جاؤ۔ مجھے بہت معقول پاؤ گے۔"
"میں ٹیپ ریکارڈر نہیں ہوں کہ تم بٹن دباؤ اور میں مقناطیسی فیتے میں پوشیدہ ہر ساز و آواز کو اگلنا شروع کردوں۔ سوال کرو' میں جواب دوں گا۔"
"پہلے میں تمہارا نام..... اصلی نام جاننا چاہوں گا؟" وہ دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔
"جمال دستی۔" میں نے اپنے ذہن میں ترتیب دیے ہوئے منصوبے کے مطابق کہا۔
وہ نام سنتے ہی اوبرائن چونک پڑا اور استفہامیہ لہجے میں بولا۔
"کرنل جمال دستی؟"
"بالکل وہی۔" میں نے اس کی تائید کی اور حیرت سے پوچھا۔ "تم میرے پورے نام سے کیسے واقف ہوگئے؟ بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ میں کبھی فورسز میں تھا۔"
"سندھ کے چیف سیکریٹری کی بریفنگ میں تم بھی شامل تھے۔" اس نے بتایا۔
"اوہ!" میں بے اختیار بول پڑا "اس بریفنگ سے تمہارا کیا تعلق تھا؟"
"ہم اپنے مفادات پر ہر وقت گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہاں ڈینی کے بارے میں خاصی باتیں ہوئی تھیں۔ تم سے بھی کچھ کہا گیا تھا؟"
"تم اتنے زیادہ باخبر ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ہم سیکریٹری سمیت کسی بھی سرکاری عہدے دار کو جواب دہ نہیں ہیں۔ جو کچھ کہا گیا تھا' وہ سن کر بھلا دیا گیا۔"
"کیا یہ حقیقت ہے کہ تمہارا تعلق اسپیشل ٹاسک فورس سے ہے؟" اس نے بے اعتباری سے پوچھا۔
"ایک طرف باخبر ہونے کے دعوے کررہے ہو' دوسری طرف یہ سوال۔ آخر تم مجھ سے کیا چاہ رہے ہو؟" میں نے زچ آجانے والی بے جان سی ہنسی کے ساتھ پوچھا۔
"سب کچھ جاننے کے باوجود یقین نہیں آرہا۔" وہ اسی لہجے میں بولا "ایس ٹی ایف والوں کی شہرت تو یہ ہے کہ وہ مرجاتے ہیں لیکن زبان نہیں کھولتے اور تم نے بہت آسانی کے ساتھ اپنے راز پر سے پردہ اٹھا دیا۔ یہ بات مجھے الجھن میں ڈال رہی ہے۔"
"میں نے تمہیں اپنا ادھورا نام بتایا۔ دیگر نتائج تم نے خود اخذ کئے ہیں۔"
"اور تم ان کی تائید بھی تو کررہے ہو۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔
"مجبوری ہے۔" میں نے شانے اچکا کر کہا "انکار کرتا تو تم تسلیم نہ کرتے۔ بس یہ یاد رکھنا کہ یہ راز میرے اور تمہارے درمیان رہے گا۔ کہیں اور ایس ٹی ایف کا نام سامنے نہیں آئے گا۔"
"یہ گفتگو ریکارڈ ہورہی ہے۔ ریکارڈنگ کا ٹیپ کسی نہ کسی کی تحویل میں جائے گا۔ میں اس راز کو اپنی ذات تک محدود رکھنے کا

وعدہ نہیں کرسکتا۔"

"ایسا بندوبست تو کرسکتے ہو کہ اس بارے میں مجھے زیادہ نہ کریدا جائے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"فی الحال احتیاط کی جائے گی۔ جب تک تم پاکستان میں ہو، یہ بات ہمارے حق میں ہوگی کہ میرے اور تمہارے مراسم کے بارے میں کسی کو پتا نہ چلے اور تم میرے لیے خاموشی سے کام کرتے رہو۔"

"تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟" میں نے اس کی سپاٹ اور چمکیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"کوئی بھی کام ہو سکتا ہے۔ فی الحال یہ اصولی سمجھوتا ہے۔ تم میرے لیے کام کروگے اور میں تمہارے مفاد کا خیال رکھوں گا۔"

"تم بار بار فی الحال کا لفظ استعمال کررہے ہو۔ کیا اس کا کوئی خاص مقصد ہے؟"

"یہ لفظ تمہاری خوش قسمتی کی کلید ہے۔" اس نے زور دے کر کہا "جب تک تم پاکستان میں ہو، ہر بات صیغۂ راز میں رکھی جائے گی۔ امریکا پہنچتے ہی تم آزاد ہوجاؤ گے۔ تمہاری پہلی پریس کانفرنس میں دنیا کو معلوم ہوجائے گا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے وجود اور مقاصد کے بارے میں پاکستان ہمیشہ جھوٹ بولتا رہا ہے۔ تم دیکھنا کہ امریکی پریس کی طرف سے تمہارے سوانح کے لیے لاکھوں ڈالر کی پیشکشیں آئیں گی۔ کتاب یوں ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی کہ تم اس کی رائلٹی سے ارب پتی بن جاؤ گے۔ دنیا بھر میں پاکستان کے خفیہ عزائم کے بارے میں ہروقت کچھ نہ کچھ ناقابلِ یقین کہانیاں گردش کرتی رہتی ہیں۔لوگ ان کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں مگر کہیں کوئی مواد دستیاب نہیں ہے۔ تمہارے سوانح اس موضوع پر ایک مستند دستاویز مانی جائے گی۔"

"شاید تم مجھ سے یہی کام لینا چاہ رہے ہو۔ مجھے جلد از جلد یہاں سے امریکا کی طرف نکل جانے کا موقع فراہم کروگے تاکہ اگلے مراحل پر کام شروع ہوسکے۔"

"نہیں.... فی الحال یہ ثانوی منصوبہ ہے۔ میں پھر فی الحال کہہ رہا ہوں۔ آج کا اہم ترین کام ڈینی کی تلاش ہے۔ تم کو میں دو ملین ڈالر نہیں، منہ مانگا انعام دلواؤں گا۔ بس اس خبیث کا سراغ لگالو۔"

میں گھر سے یہ سوچ کر نہیں آیا تھا کہ اوبرائن سے ایس ٹی ایف کے بارے میں کوئی بات کروں گا۔ اپنے بارے میں میں نے کسی مناسب موقع پر کسی بھی سرکاری ایجنسی کا نام استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ مجھ سے لغزش صرف یہ ہوئی کہ جب اس نے میرا نام پوچھا تو میں نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے جمال دستی کا نام استعمال کرڈالا جو اول خان نے مجھے دیا تھا۔ سبب یہ تھا کہ اس نام پر میرا جعلی شناختی کارڈ بھی موجود تھا۔ اوبرائن کسی شبے کا اظہار کرتا تو میں اسے شناختی کارڈ دکھا سکتا تھا۔

ہوا یہ کہ اوبرائن کے لیے میرا مفروضہ نام نیا نہیں تھا۔ اس حیثیت سے میں ایک سرکاری اجلاس میں شرکت کرچکا تھا۔ اوبرائن اس خفیہ اجلاس کی پوری روداد سے باخبر تھا۔ میرے نہ چاہنے کے باوجود اس مرتبہ پھر میرا نام ایس ٹی ایف سے منسلک ہوگیا تھا۔

میں نے اوبرائن عرف اوبی کو جواب میں کہا "ڈینی صرف تمہارا نہیں، میرا بھی مسئلہ ہے۔ بیس لاکھ ڈالر کی رقم حقیر نہیں ہوتی۔ سچ پوچھو تو میں کسی نمایاں صلے کے بغیر پس پشت رہ کر کشت وخون کرنے سے اکتا گیا ہوں۔ گرین کارڈ اور بیس لاکھ ڈالر جیب میں ہوں تو میں دنیا کے کسی پرسکون علاقے میں اپنا گھر بسالوں۔"

"ایس ٹی ایف اپنے آدمیوں کی سخت جانی، بے لوثی اور وفاداری کے لیے شہرت رکھتی ہے۔ وہ لوگ بدترین تشدد سہہ کر مرجاتے ہیں، اپنی فورس پر آنچ نہیں آنے دیتے۔ مجھے حیرت ہے کہ ان کے درمیان تم جیسے خود پرست اور خود غرض لوگ بھی موجود ہیں۔"

"فورس کے لیے پہلے میں بھی ویسا ہی تھا جیسا تم نے سنا ہے لیکن اب یہ یکسانیت کھلنے لگی ہے۔" میں نے اپنے لیے جواز پیدا کرتے ہوئے اسے بتایا "یہ اکتاہٹ ہر انسان پر کبھی نہ کبھی غالب آتی ہے۔ مغرب میں اسے مڈل ایج کرائسس کہا جاتا ہے۔ مجھ پر یہ قنوطیت ذرا قبل از وقت طاری ہورہی ہے۔"

"تم ڈینی کے لیے واقعی اس قدر پریشان ہو، جتنا ظاہر کررہے ہو؟" اس کا اگلا سوال چونکا دینے والا تھا۔ میں نے سر اٹھایا تو وہ غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"شاید اس سے بھی زیادہ۔" میں نے کسی توقف کے بغیر اسے جواب دیا "جیب میں دو ملین ڈالر آجائیں تو کوئی نہ کوئی ایجنٹ کچھ رقم لے کر گرین کارڈ کا بندوبست کرا سکتا ہے۔ ویسے بھی ڈینی کی گرفتاری میں مدد دینے والے کے لیے امریکی شہریت، تحفظ اور دوسرے فوائد مشتہر کیے گئے ہیں۔ دو ملین کے ساتھ یہ سب سہولتیں بھی مل جائیں گی۔"

"مجھے تمہاری بات ماننے میں اب بھی تردد ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"نہ مانو اور مجھے اپنے بلڈ الیکٹرولائزر پر لگادو۔ پردۂ غیب سے کچھ ظہور میں نہ آیا تو تمہیں میری ذات سے چھٹکارا ضرور مل جائے گا۔"

"تم اس بریفنگ میں اپنی فورس کے اسٹیشن کمانڈر اول خان کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سرکاری حلقوں میں وہ ڈینی کا دستِ راست ہے۔ اگر تم اول خان سے اتنے قریب ہو تو تمہیں ڈینی کے بارے میں بھی کافی باخبر ہونا چاہیے۔" اس کی منطق خاصی وزنی تھی۔

"چیف سیکریٹری کی بریفنگ میں ہم دونوں ایک ساتھ ضرور

شریک ہوئے تھے مگر ہمارے درمیان زیادہ ہم آہنگی نہیں ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اول خان مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے مگر میں اپنی کوششوں سے اس کے سر پر مسلط ہوں۔"

"تم کتنے عرصے سے اس کے ساتھ ہو؟" اوبرائن کے اگلے سوال پر میں گڑبڑا گیا۔

"بہ مشکل چند ہفتے ہی ہوئے ہوں گے۔" میں نے کرنل جمال دستی کے بنے ہوئے اپنے ایس ٹی ایف کے کارڈ کی تاریخ یاد کرتے ہوئے جواب دیا "اول خان کو ڈینی کے بارے میں میرے تجسس سے چڑ ہے۔ میرا خیال ہے کہ ڈینی اس کے لیے ذاتی دوستی، انا اور وقار کا مسئلہ بن چکا ہے۔"

"اس پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل ہے۔ کئی بار اس کا پیچھا کیا گیا ہے مگر ہر بار کچھ مسلح محافظ اس کے آگے پیچھے ہوتے ہیں۔" اس نے مایوسی سے بتایا "مختلف ذرائع سے جو خبریں ملتی رہتی ہیں، ان سے یہی پتا چلتا ہے کہ وہ دونوں گہرے دوست ہیں۔"

"بالکل ہیں۔" اوبرائن کو مزید کسی ٹیڑھے سوال سے روکنے کے لیے میں نے پُرزور انداز میں اس کی تائید کی "اسپیشل ٹاسک فورس کا مقامی اسٹیشن تمہاری دسترس سے باہر ہے لیکن میں وہاں مامور ہوں۔ مجھے پوری امید ہے کہ جلد ہی ڈینی کا کوئی نہ کوئی سراغ مل جائے گا۔"

"اول خان پہلے سے ہماری نظروں میں تھا۔ اب تم سامنے آئے ہو۔ اس کی کمزوریاں تلاش کرو۔ وہ بھی تم جیسا ایک انسان ہے۔ اس کی بھی کچھ امنگیں اور آرزوئیں ہوں گی۔ ایک مرتبہ اسے ہمارے دام میں لے آؤ۔ ہم اس سے ہر بات اگلوالیں گے۔ دو ملین کا انعام تمہارا ہوگا۔"

"وہ کسی چٹان کی طرح سرد، خشک اور بے مہر ہے۔ عورت پر پگھلتا ہے نہ پیسے کا حریص ہے۔ جس مٹی سے پیدا ہوا ہے، اس میں مل جانے کو اپنی زندگی کا مشن سمجھتا ہے۔ ایسے مشکل آدمی میں کسی کمزوری کا ملنا محال ہے۔ اس کے بارے میں نہ سوچنا ہی زیادہ بہتر رہے گا۔"

"مجھے آم کھانے سے مطلب ہے، پیڑ گننے سے نہیں۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا "ڈینی ہاتھ آجاتا ہے تو مجھے اول خان سے کوئی غرض نہیں....."

"میں پوری کوشش کروں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر پورے خلوص سے کہا۔

"اس دوران میں تم ایک اور کام کرو گے۔" اس نے قدرے توقف کے بعد کہا "واشنگٹن میں ایف بی آئی کے ذرائع پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ پاکستان کے مختلف شہروں میں ایس ٹی ایف کے کل دس مراکز ہیں۔ ان میں سے دو اسلام آباد میں ہیں۔"

وہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ اس کی بلکہ ایف بی آئی کی معلومات حیرت انگیز حد تک درست تھیں۔ وہ سیاسی اور سفارتی مصلحتوں کا کھیل تھا کہ امریکا نے پاکستان میں اسپیشل ٹاسک فورس کے وجود کے بارے میں ہر سرکاری تردید کو قبول کرلیا تھا۔ اوبرائن کے الفاظ کے مطابق امریکا حقائق سے پوری طرح باخبر تھا۔ شاید ان کے پاس ثبوت دستیاب نہیں تھے یا پھر وہ کوئی چال بازی تھی کہ ہر احتجاج کے موقع پر انہوں نے ایس ٹی ایف کے بارے میں اپنا دعویٰ منوانے پر اصرار نہیں کیا تھا۔

پاکستان میں سلامتی کے ذمے دار مطمئن تھے کہ وہ امریکا جیسی عالمی قوت کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ایس ٹی ایف کے ذریعے چپکے چپکے قومی مفادات کے تحفظ کا مشن آگے بڑھا رہے تھے جبکہ ...امریکی تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے شاید کسی مناسب وقت کے منتظر تھے۔

"ان میں متعین افسروں اور کارکنوں کی تعداد کے بارے میں متضاد اطلاعات ہیں۔" اوبرائن اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "تم ہمیں ان کے محلِ وقوع اور نفری کے بارے میں اطلاعات فراہم کرو گے۔ یہ کام اندر کے کسی آدمی کے لیے زیادہ مشکل نہیں ہے۔"

"تم نے جب امریکا میں میری کتاب کی اشاعت اور اس کی مقبولیت کی بات کی تھی تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔" میں نے قدرے بے جان آواز میں کہا۔ "تم اس فورس سے واقف

نہیں ہو۔ اس میں داخلے کے دس راستے ہیں لیکن نکاس کا صرف ایک ہی راستہ ہے جو موت کی اندھی وادی میں نکلتا ہے۔ میں یہ کام نہیں کرسکوں گا۔"

"تیسری دنیا کے ایک چھوٹے سے ملک میں کوئی ایجنسی ایسی بھیانک نہیں ہوسکتی۔ تم پہل کرکے دوسروں کے لیے مثال قائم کرو پھر دیکھنا کہ دولت اور شہرت کے بھوکے کتنے باغی مغربی ملکوں میں فرار ہوکر پناہ لیتے ہیں۔ ایس ٹی ایف کی شہرت اور دہشت کے خاتمے کے لیے میں ہر قدم اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ ہمارے پروگرام کے لیے اس فورس کی تباہی ناگزیر ہوگئی ہے۔"

"مجھے تمہارے مقاصد سے کوئی غرض نہیں لیکن میں اس کے لیے قربانی کا بکرا نہیں بنوں گا۔ انہیں میری غداری کی بھنک بھی مل گئی تو میرا کہیں نام ونشان تک نہیں ملے گا۔"

"مجھ سے انکار کی صورت میں بھی تمہارا انجام کچھ ایسا ہی ہوگا۔" اس نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہ انجام زیادہ ذلت آمیز اور بھیانک ہوگا۔"

"یہ زیادتی ہے۔" میں نے احتجاج کیا۔ "ڈینی کی تلاش پر ہمارا سمجھوتا ہوچکا ہے۔ اب تم دوسری شرائط لگاتے جارہے ہو۔ مجھ پر اس طرح دباؤ مت ڈالو۔"

"ابھی تک تم اپنی فورس کے یک طرفہ دباؤ میں تھے۔ اب تمہاری ڈوری میرے ہاتھ میں بھی ہے۔ میری ہربات مانو ورنہ برے انجام کے لیے تیار رہو۔" اس نے اپنے ہاتھ میں موجود، میرے ریوالور کی نال میرے چہرے کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بہتر یہی ہوگا کہ تم گولی چلا دو۔" میں نے دل کڑا کرکے کہا۔ "شاید میں نے یہاں آکر سنگین غلطی کی ہے جس کا خمیازہ مجھ ہی کو بھگتنا ہوگا۔"

اس نے ہنس کر میرا ریوالور اپنی گود میں ڈال لیا اور بولا۔ "اب تمہارے لیے مجھ کو کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ تمہاری ہر سزا اور جزا تمہاری فورس کے سر ہوگی۔"

"تمہاری الجھی الجھی باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔" میں نے تشویش سے کہا۔

"تم انکار کرو اور چلے جاؤ۔ میرا دفتر ایک پریس ریلیز جاری کر دے گا کہ کرنل جمال دستی نامی کوئی شخص گرین کارڈ کے عوض ایس ٹی ایف کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی پیشکش لے کر آیا تھا۔ امریکا کو اس فرضی فورس کے بارے میں پاکستانی حکومت کی یقین دہانیوں پر پورا اعتماد ہے اس لیے کرنل جمال دستی کو کسی افسر سے ملاقات کے بغیر لوٹا دیا گیا۔"

میں نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے مکار اور بے رحم ثابت ہوگے۔ اب سمجھ میں آیا کہ لوگ تمہارے چنگل میں کس طرح پھنستے ہیں۔"

"امریکا کی آزاد معاشرت، فطری تہذیب اور خوش حالی کی شہرت نے تیسری دنیا کے ملکوں میں ہمیں ایک سہانے خواب کا روپ دیا ہوا ہے۔" اس نے پرغرور لہجے میں کہا۔ "تم ایک بے نام ونشان فورس کے کوئی گمنام افسر ہو لیکن تمہیں حیرت ہوگی کہ تمہارے ملک کے بڑے بڑے سیاسی اور آسودہ خاندانوں کے بڑے اور نوجوان امریکی ویزا کے لیے دن رات ہمارے آگے گڑگڑاتے رہتے ہیں۔ وہاں کی شہرت ملے یا نہ ملے، وہ خوابوں کی اس سرزمین کو ایک بار ضرور دیکھنا چاہتے ہیں، ان میں سے کئی ایسے ہوتے ہیں جو اپنی اس خواہش کی ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں اور میں ان سے سودا کرلیتا ہوں۔"

میرے ذہن میں جان کے کہے ہوئے فقرے گونج اٹھے۔ پچھلی بربادیوں کے بعد اوبرائن نے بڑی محنت سے پاکستان میں اپنا نیا نیٹ ورک تیار کیا تھا اور امریکی پاکستان سے اس کی روانگی کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ وہی ایک نکتہ تھا جس پر کھٹومل کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا گیا تھا پھر کھٹومل کے ساتھ ساتھ محض تین منٹ کی قلیل سی مدت میں چار امریکی جہنم واصل ہوگئے۔

"تم نے مجھے ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔" میں نے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے۔ "میں تمہارے مطالبات پورے کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"اس کے لیے تمہیں تین دن کی مہلت دے رہا ہوں۔ یہ گنتی....."

"نہیں اوبی! مجھے اتنا نہ پیسو کہ میں پلٹ کر جواب دینے پر مجبور ہوجاؤں۔" میں نے اس کا تحکمانہ فقرہ کاٹ کر احتجاج کیا۔ "مجھ پر وقت کی پابندی مت لگاؤ۔ اپنی کھال بچا کر میں جلد از جلد تمہارا کام کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے نرمی سے کہا۔ "شاید اپنے چار آدمیوں کے قتل نے مجھے جذباتی کردیا ہے ورنہ میں لوگوں سے دوستانہ انداز میں سودے بازی کرتا ہوں۔ تم پر وقت کی کوئی قید نہیں ہوگی۔ دیر ہوئی تو تم مجھے رپورٹ ضرور دیتے رہوگے۔"

"خدا کا شکر اور تمہارا شکریہ کہ تم نے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس کرلیا۔" میں نے سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

وہ ہنس پڑا۔ "اتنی عجلت نہ دکھاؤ۔ میری مزید کوئی شرط نہیں ہے۔ اب ہم کچھ باتیں کریں گے۔" وہ اٹھ کر ٹہلتا ہوا ایک کیبنٹ کی طرف بڑھا پھر پلٹ کر مجھ سے پوچھا۔ "دن میں کیا لیتے ہو؟"

"اس وقت تو جو مل جائے وہی چلے گی۔" میں نے کیبنٹ کے شیشے کے پیچھے سجی ہوئی بوتلوں پر سرسری نگاہ ڈال کر کہا۔ "تم نے میرے اعصاب ہلا کر رکھ دیے ہیں۔"

"جن، واڈکا یا اسکاچ؟" اس نے پھر سوال کیا۔ "یہاں ہر ڈرنک دستیاب ہے۔"

"ذرا اسٹرانگ لارج اسکاچ.... پانی کے ساتھ۔" ایک طویل وقفے کے بعد میں نے اس روز مطالبہ کر ہی دیا۔ غزالہ کی خوشنودی کے لیے میں نے ایک مدت سے ویرا کی دعوتوں کو بھی نظرانداز کیا ہوا تھا مگر اوبرائن کو اپنی بے بسی کا بھرپور تاثر دینے کے لیے وہ مطالبہ ضروری تھا۔

اوبرائن اپنے لیے کوئی سفید شراب لایا تھا' میرے گلاس کا رنگ طلائی ہو رہا تھا۔ وہ میرے قریب آیا تو اس کے گلاس سے آنے والی بو نے بتا دیا کہ وہ دن میں جن پینے کا شوقین تھا۔

"تمہاری کامیابی کے نام۔" اوبرائن نے جام تجویز کیا۔ میں نے پہلا گھونٹ لیا تو ہونٹوں سے معدے تک ایک سلگتی ہوئی تلخ لکیر سی تیرتی چلی گئی اور میری آنکھوں میں نمی سی اُمڈ آئی۔

میری فرمائش پر اوبرائن نے میرے گلاس میں پانی کی بہت کم مقدار استعمال کی تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ میں نے ایک طویل عرصے کے بعد ام الخبائث کو ہاتھ بلکہ منہ لگایا تھا۔

میری نگاہوں میں تیرنے والی نمی اوبرائن کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ وہ ہنس کر بولا۔ "یہ تمہاری فرمائش کے مطابق ہے۔ چاہو تو برف یا ٹھنڈا پانی ڈال لو۔"

میں نے رومال سے آنکھیں خشک کرتے ہوئے اس کے دوسرے مشورے پر عمل کیا اور دوبارہ اس کے پاس آ بیٹھا۔ اس نے اپنی جیب سے میرا ریوالور نکال کر میرے حوالے کر دیا۔ "آئندہ تم اسلحہ لے کر نہیں آؤ گے۔"

"یہ میری پیشہ ورانہ مجبوری ہے۔ اسلحہ ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔ بہرحال آئندہ تمہاری طرف آنا ہوا تو ہتھیار گاڑی میں ہی چھوڑ دوں گا۔"

میں نے اوبرائن کی اجازت سے سگریٹ سلگا لی تو اس نے پوچھا۔ "جان' ایڈی اور ان کے دو کمانڈوز کے بارے میں تمہاری فورس کا کیا ردعمل ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے فوراً جواب دیا۔ "فورس اس معاملے سے باہر ہے۔ یہ خالص پولیس کیس ہے۔ ان کی طرف سے پوری روداد اخبارات میں آ چکی ہے۔"

"پھر بھی تمہاری فورس کا کوئی نہ کوئی موقف تو ہوگا۔" اوبی نے اصرار کیا۔

"وہ اوپر والوں کی باتیں ہیں۔ میری سطح پر فورس ہر مقامی قضیے سے الگ تھلگ رہتی ہے۔" میں نے اسے کوئی راہ دیے بغیر جواب دیا۔

"اگر یہ پولیس کیس تھا اور ایس ٹی ایف اس سے بالکل الگ تھلگ تھی تو تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ کھٹومل نے ڈینی کے گھر پر حملے کے سلسلے میں ساری ذمے داری میرے اوپر ڈالی ہے؟" وہ مجھ سے پہلی ہی ملاقات میں ہر سوال کا جواب حاصل کرنے کا تہیہ کیے بیٹھا تھا اور نپے تلے انداز میں اپنی جرح کا سلسلہ آگے بڑھا رہا تھا۔

معذرت

برطانیہ کے جسٹس گراہم اپنی رحم دلی اور ملزموں سے نرم سلوک کے لیے مشہور تھے۔ ایک مقدمۂ قتل کا فیصلہ لکھتے وقت پھانسی کی سزا پانے والے سولہ افراد میں سے ایک کا نام لکھنے سے رہ گیا۔ کلرک نے جج کی توجہ اس فروگزاشت کی طرف دلائی تو جج نے مذکورہ ملزم کو بلا کر کہا "مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہارا نام ان قیدیوں کی فہرست میں نہیں لکھا جا سکا جنہیں پھانسی کی سزا دی گئی ہے۔ یہ ایک اتفاقی غلطی ہے اور میں اس پر تم سے معذرت خواہ ہوں اور تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ہی پھانسی دی جائے گی۔"

اس بار میں نے گلاس سے ایک بڑا گھونٹ لیا اور پُراعتماد انداز میں ہنس کر پوچھا۔ "تمہارا قیاس کیا ہے؟ کیا میں نے غلط بیانی کی تھی؟"

"رفتہ رفتہ ہر بات کھل کر سامنے آجائے گی۔ اس وقت دونوں باتیں متضاد معلوم ہو رہی ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ ایس ٹی ایف اس قصے میں ملوث نہیں تھی۔"

"بالکل نہیں تھی۔ کھٹومل کے اس اعتراف کا تعلق ڈینی کی اور تمہاری ذات سے تھا۔" میں نے وضاحت پیش کی۔ "تم جانتے ہو کہ چند وجوہ کی بناء پر ڈینی ایس ٹی ایف کے لیے ایک اہم اور حساس فائل ہے پھر تمہاری یعنی ایک بڑے ملک کے سفارتی مشن کی مشتبہ سرگرمیاں سامنے آئی تھیں۔ یہ دونوں معاملے پولیس کے اختیار سے باہر تھے....."

"مان لیا کہ یہ معاملے پولیس کے دائرۂ کار سے باہر تھے۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "انہیں اپنی معلومات سے آئی بی یا ایف آئی اے کو آگاہ کرنا چاہیے تھا۔ ان کے لیے اسپیشل ٹاسک فورس کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔"

"میں ان تفصیلات سے لاعلم ہوں۔" میں نے اقرار کیا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ اطلاعات ان میں سے کسی وفاقی ادارے کے ذریعے ایس ٹی ایف تک پہنچی ہوں۔ وفاقی ادارے اپنی آئینی اور قانونی حدود کے قیدی ہیں۔ فورس بالکل آزاد ہے۔"

اوبرائن نے برا سا منہ بنایا اور تلخی سے کہا۔ "پاکستان میں

آئین اور قانون کو صرف اپوزیشن کو کچلنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر بااختیار شخص کے ہاتھوں میں یہ دونوں دستاویزات کھلونا بنی ہوئی ہیں۔ وہ جب چاہے' کسی کو بھی مار سکتا ہے۔ یہی دیکھ لو کہ وردی والوں نے بیدریغ ہمارے چار آدمی مار دیئے اور آزادی سے دندناتے پھر رہے ہیں۔ ہمیں بہلایا جا رہا ہے کہ تحقیقاتی کمیشن بنا دیا گیا ہے۔ ان کو چار آدمیوں کی لاشوں سے بڑے کون سے ثبوت کی تلاش ہے؟"

میں نے دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیا کہ اس کا آخری تیکھا سوال بھی گزر گیا تھا اور وہ جذبات کی رو میں بہہ رہا تھا۔ میرے پاس اس کی ہاں میں ہاں ملانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ وہ گلاس خالی ہونے تک پاکستان اور پاکستانیوں کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالتا رہا۔ اس کے دماغ میں جو زہر بھرا ہوا تھا اس کا کوئی علاج نہیں تھا۔ میں یہ جانتا تھا کہ اس کے کوسنے پیٹنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ میں بہت تحمل سے اس کی ہرزہ سرائی سنتا رہا اور اس کی ہم نوائی کرتا رہا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ میری توقعات کے برعکس ایک خطرناک آدمی ثابت ہوا تھا۔ اس کے پاس زیادہ وقت گزارنا مصلحت کے خلاف تھا۔ میں موقع پاتے ہی دوبارہ اٹھ گیا۔

"بہت عجلت میں ہو۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "میری اگلی ملاقات کا وقت ہونے والا ہے۔ میں تمہیں مزید نہیں روکوں گا مگر یہ خیال رکھنا کہ مجھے تمہارے کسی مثبت پیغام کا شدت سے انتظار رہے گا۔"

میں نے اس سے پرتپاک مصافحہ کیا اور اس نے ہاتھ ملا کر اپنی دہلیز سے ہی مجھے رخصت کر کے دروازہ بند کر لیا۔ اس سے گلوخلاصی ہونے پر میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی تمام تر چالاکی اور مکاری کے باوجود میں اس کے سامنے اپنا بہروپ قائم رکھنے میں کامیاب رہا تھا۔

اس معاملے میں میری کسی ذہانت سے زیادہ اس کی باخبری کام آئی تھی۔ چیف سیکریٹری کی صدارت میں ہونے والی خفیہ بریفنگ کے حوالے سے اس نے میرا نام نہ سنا ہوا ہوتا تو وہ شاید آسانی سے مجھے کرنل جمال دستی کبھی تسلیم نہ کرتا۔

آٹھویں فلور کی وہ راہداری بالکل ویران پڑی ہوئی تھی۔ لفٹ کے دروازے پر روشن اشارے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ لفٹ نیچے سے اوپر آرہی تھی۔ میں نے اسے روکنے کے لیے بٹن دبا دیا۔

بے آواز لفٹ میرے سامنے آکر رکی' دروازہ کھلا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ لفٹ میں نادرہ موجود تھی۔

پچھلے چند مہینوں میں وہ کافی بدل چکی تھی۔ اس کی جاذبیت میں کمی آچکی تھی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ ناپید تھی۔ میں اپنی بوکھلاہٹ کے باوجود' اس سے نگاہیں چار ہوتے ہی شناسائی کے اظہار میں مسکرایا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے مکمل اجنبیت رچی ہوئی تھی۔ وہ لفٹ سے نکلی اور میری طرف دھیان دیئے بغیر اوبرائن کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

نادرہ سے وہ غیر متوقع سامنا میرے لیے سنسنی خیز تھا۔ وہ اپنے شوہر اور بیٹے کی طرف سے پریشان ہونے کے باوجود امریکیوں سے متنفر تھی۔ میری تلاش کے بارے میں ان کے دباؤ سے نکلنے کے لیے اس نے میرا ہی سہارا لیا تھا اور ان سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

اس پس منظر میں اس کا اچانک اوبرائن کی طرف آنا معنی خیز تھا۔ میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ خالی لفٹ میرے سامنے موجود تھی۔ نادرہ پلٹے بغیر اوبی کے فلیٹ کی ڈور بیل بجا کر جواب کے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی۔ میرے لیے فلور پر مزید رکنے کا جواز نہیں تھا۔

اوبرائن' نادرہ کے لیے دروازہ کھول کر باہر جھانک لیتا تو مجھے موجود پا کر یہی سمجھتا کہ میں اس کے خلاف کسی قسم کی جاسوسی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں پل بھر میں لفٹ میں داخل ہوا اور دروازہ بند ہونے سے پہلے ہی گراؤنڈ فلور کا بٹن دبا دیا۔

برق رفتار لفٹ نیچے چلی اور میرا دل لحہ بھر کے لیے اچھل پڑا۔ آٹھویں منزل سے نیچے تک۔۔۔ کے اس مختصر سے سفر میں مجھے خیال آیا کہ نادرہ کراچی کے حالات سے ہراساں ہو کر ایک مدت پہلے سکھر منتقل ہوچکی تھی جہاں اس کی بہن اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی۔ اس نے اپنا سوسائٹی والا مکان جوں کا توں چھوڑ دیا تھا جو امریکا جانے سے پہلے میرے تصرف میں رہا تھا۔ امریکا سے واپسی کے بعد ان دنوں بھی میں اسی مکان کے ایک عقبی کمرے میں پناہ گزیں تھا۔

نادرہ کا کلفٹن والا آراستہ فلیٹ ہم نے کرائے پر لیا ہوا تھا۔ وہی فلیٹ نادرہ سے میرے تعارف کا سبب بنا تھا۔ اس پر بالم اور جانی کے گروہ کے ناکام حملے کے بعد ہم نے وہاں کی رہائش ترک کردی تھی۔ کرائے کی مد میں نادرہ کو ادا کی ہوئی پیشگی رقم اس کے واجبات سے کہیں زیادہ تھی اس لیے میں نے نادرہ سے رابطہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

میرا خیال تھا کہ جلد یا بدیر اسے فلیٹ خالی ہونے کی اطلاع مل جائے گی۔ اس سے رابطہ نہ ہونے کا دوسرا اور اہم سبب یہ تھا کہ اس دوران میں مجھے سکون و اطمینان کا کوئی وقفہ نہیں مل سکا تھا۔

نادرہ کو میں نے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ محروم اور ناآسودہ زندگی گزارنے والی وہ دلکش خاتون کسی بھی طرح ایک اچھی اداکارہ نہیں تھی۔ لفٹ میں آمنا سامنا ہونے پر مجھے کسی اجنبی کی طرح نظرانداز کر کے' سپاٹ چہرے کے ساتھ گزر جانا اس کے بس سے باہر تھا۔

میں ان حقائق کی بنا پر ایک ہی نتیجے پر پہنچ سکا کہ وہ نادرہ کے

بجائے اس کی بہن تھی۔ ہم شکل ہونے کے باوجود دونوں بہنوں کے نقوش میں کچھ نمایاں فرق تھا جسے میں نے بادی النظر میں تبدیلیاں سمجھ کر نظرانداز کردیا تھا۔ مجھ سے متعارف نہ ہونے کی وجہ سے نادرہ کی بہن مجھے نہیں پہچان سکتی تھی۔

وہ نتیجہ میں نے لفٹ چھوڑنے سے پہلے اخذ کرلیا۔ اس کی روشنی میں میرے ذہن میں عجیب سا ہیجان برپا ہوچکا تھا۔ نادرہ کا شوہر عبدالغنی، ہیروئن کی اسمگلنگ کے جرم میں کارڈف کی جیل میں دس سال کی سزا بھگت رہا تھا جس کے دو ڈھائی سال گزر چکے تھے۔ اس کا اکلوتا بیٹا فرخ ایک امریکن بورڈنگ ہاؤس میں زیر تعلیم تھا۔ امریکی ایجنٹوں نے ان دونوں حوالوں سے اسے بلیک میل کرکے میری تلاش پر مامور کرنا چاہا تھا لیکن نادرہ ان سے متنفر اور خوفزدہ تھی۔

اسے ہراساں کرنے والے امریکی ایجنٹ ہمارے ہاتھوں مارے گئے تو بظاہر وہ قصہ نمٹ گیا اور میرے مشورے پر نادرہ سکھر منتقل ہوگئی تھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ حالات نے وہ کون سی نئی کروٹ لی تھی کہ مجبور ہوکر نادرہ کی بہن کو اوبرائن کے دروازے پر حاضری دینا پڑ رہی تھی اور میری ذات پر اس کے کیا اثرات پڑ سکتے تھے۔

میرے پاس صرف اندازے ہی اندازے تھے۔ صحیح جواب صرف نادرہ دے سکتی تھی جو نہ جانے کہاں اور کس حال میں تھی۔

میں نے رواروی میں گھر یعنی اپنی عارضی کمین گاہ تک پہنچنے کے لیے ٹیکسی لے لی تھی لیکن انجانے اندیشوں اور وسوسوں کے تحت ڈیفنس کمرشل ایریا میں ہی ٹیکسی کو فارغ کردیا۔

چند منٹ تک بازار میں ٹہلنے کے بعد ایک سڑک کے سایہ دار کنارے پر رک کر میں نے موبائل فون پر اول خان سے رابطہ کیا۔ میری خوش قسمتی تھی کہ وہ دفتر میں مل گیا۔

"سناؤ، ملاقات کیسی رہی؟ میں تمہارے کسی پیغام کے انتظار میں دفتر میں رکا ہوا تھا۔" میری آواز سنتے ہی وہ چہکا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم خیریت سے واپس لوٹ آئے ہو۔"

"تمہارا اندازہ درست تھا۔" میں نے جذبات سے عاری آواز میں اعتراف کیا۔ "زخم کھائے ہوئے بھیڑیئے بہت زیادہ خطرناک ہوجاتے ہیں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ میں وہاں سے واپس لوٹ سکوں گا۔"

"اوہ!" اول خان کی بے ساختہ اور تحیر زدہ آواز سنائی دی۔ "میں نے تمہیں وارننگ دی تھی۔ تم خود ہر وقت خطرات کو دعوت دیتے پھرتے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ اس بار وہ بڑے پیمانے پر میرا گھیراؤ کرچکے ہیں۔"

"کس حیثیت میں؟" اس نے پوچھا۔ "آج کل تم کئی چہرے لیے پھر رہے ہو۔"

"اصل حیثیت میں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے اس سے اپنا تعارف کرنل جمال دستی کے طور پر نہ کرایا ہوتا تو آج میری واپسی محال تھی....."

"تم نے غلطی کی۔" وہ درمیان میں ہی بول پڑا۔ "تمہارا یہ نام اب فورس سے وابستہ ہوچکا ہے۔ انہیں ہمارے خلاف ایک نام یا ثبوت مل گیا ہے۔"

میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "لمبی کہانی ہے۔ سن کر تم خود سمجھ لوگے کہ میں نے نادانستگی میں ایک صحیح نام استعمال کیا تھا۔ وہ فورس کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں اور میرے ذریعے مزید باتیں جاننے کے آرزو مند ہیں تاکہ اس پر آخری وار کرسکیں۔"

"پھر تم جہانگیر کے گھر پہنچو، ویرا بھی وہاں آنے والی ہوگی۔" اول خان کی آواز میں بے چینی عود کر آئی۔

"شاید مجھے یہی کرنا پڑے۔ میرا موجودہ ٹھکانا مخدوش ہوچکا ہے۔"

"کیوں؟ وہاں کیا خطرہ ہے؟ صبح تک تو تم اس بارے میں بالکل بے فکر تھے۔"

"صبح کی بات اور تھی۔ میں نے وہاں سے نکلتے ہوئے نادرہ کی بہن کو دیکھا تھا۔"

"وہ وہاں کیا کرنے گئی ہے؟ تم نے اسے کیسے پہچان لیا؟ وہ شاید سکھر میں رہتی ہے نا؟"

"ہاں، پہلی نظر میں میں اسے نادرہ ہی سمجھا تھا۔ وہ مجھے نہیں پہچان سکی....."

"پھر تم اپنے ٹھکانے پر لعنت بھیجو اور سیدھے جہانگیر کی طرف آجاؤ۔" اس نے میری بات کاٹ کر مشورہ دیا۔ "ہم سر جوڑ کر کوئی صحیح فیصلہ کرسکیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہاں خطرات بڑھتے چلے جائیں گے۔ میں وہاں سے بیم گن اور سی ایس ڈی نکالنا چاہ رہا ہوں۔" میں نے اسے اپنی الجھن سے آگاہ کیا۔

"دونوں چیزیں بہت اہم اور ضروری ہیں۔" اس کی پرخیال آواز ابھری۔ "اس وقت بھی تم اکیلے نہیں ہو۔ میرا ایک آدمی تمہیں کور دے رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ناکافی ثابت ہو۔ میں اس کے لیے کمک کا بندوبست کرکے آدھے گھنٹے میں تمہیں اطلاع دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ وقت کہیں نہ کہیں گزارتا ہوں۔ بس یہ خیال رکھنا کہ اب وقت کے ساتھ خطرات بہت تیزی کے ساتھ بڑھتے چلے جائیں گے۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

وہ سایہ دار جگہ چھوڑ کر دوبارہ مین روڈ کی طرف بڑھتے ہوئے میں اپنے گردوپیش سے چوکنا تھا لیکن مجھے اپنے آس پاس کوئی ایسا آدمی نظر نہ آسکا جس پر ایس ٹی ایف کا کارکن ہونے کا شبہ کیا

جا سکتا۔ وہ جو کوئی بھی تھا' پوری ہوشیاری سے اپنا فرض ادا کر رہا تھا۔

مڑ گشت کے انداز میں بہت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے کے باوجود میں محض ڈیڑھ منٹ میں قریبی سڑک پر نکل آیا اور پھر خالی کھڑی ہوئی ٹیکسیوں کی طرف بڑھ گیا۔

کراچی کے ٹیکسی ڈرائیور میٹر پر لمبا سفر کرنے والوں کے مقابلے میں کرایہ طے کرکے مختصر سفر کرنے والی سواریوں کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ اس طرح انہیں نہ صرف زیادہ آمدنی ہوتی ہے بلکہ وہ ہر وقت شہر کے مصروف اور کاروباری علاقے میں ہی گھومتے رہتے ہیں۔

میں وہاں سے نرسری کے لیے روانہ ہوا تو میں نے ایک پان فروش کے کیبن کے قریب موٹر سائیکل سوار کو حرکت میں آتے دیکھا۔ پہلی ہی نظر میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ میرا محافظ تھا۔ شارعِ فیصل کے سگنل پر ٹیکسی رکی تو اسے مجبوراً قریب آنا پڑا۔ میں نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ وہ کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ جواب میں سرہلائے بغیر نہ رہ سکا۔

میں نے نرسری کے بازار میں داخل ہونے کے بجائے سروس روڈ پر ہی ٹیکسی چھوڑ دی۔ موٹر سائیکل سوار پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا۔ میں نے ہاتھ دکھا کر اسے روک دیا۔

"موٹر سائیکل کہیں پارک کرکے میرے ساتھ آجاؤ۔" میں نے اس سے کہا۔ "ایک ساتھ رہ کر ہم دونوں ہی زیادہ محفوظ رہیں گے۔"

"یس سر!" کہہ کر وہ موٹر سائیکل کو آگے لیتا چلا گیا۔ میں بھی اسی سمت میں آگے ہولیا۔

میرا ذہن مسلسل نادرہ' اس کی بہن اور اوبرائن کی نکیلی تکون میں الجھا ہوا تھا۔ تواتر کے ساتھ عجیب اور پُر پیچ سوالات ذہن میں سر ابھار رہے تھے لیکن میرے پاس کسی سوال کا کوئی قابلِ قبول جواب موجود نہیں تھا۔

نرسری کی گلی میں ایس ٹی ایف کا ہرکارہ مجھ سے آملا اور خفت آمیز آواز میں بولا۔ "سر! مجھے دور رہ کر نگاہ رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ ایسا نہ ہو کہ چیف....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "چیف کی فکر نہ کرو۔ وہ احتیاط کلفٹن کی حد تک ضروری تھی۔ یہ بتاؤ کہ تم مسلح ہو یا خالی ہاتھ آئے ہو؟"

"سر! میں ڈیوٹی پر ہوں۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔ "میرے پاس فاضل راؤنڈز بھی ہیں۔"

میں نے غیر ارادی طور پر دسویں بار اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ اول خان سے بات کیے ہوئے مجھے دس منٹ بھی پورے نہیں ہوئے تھے۔

میں نے ذہن میں اس وقت کی صورتِ حال کا تجزیہ کرنا شروع کردیا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ عرف اولی مکار ہونے کے ساتھ ہی بہت محتاط آدمی نظر آیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اپنے جال میں آئے ہوئے پنچھیوں کو غیر ضروری طور پر اپنے آس پاس دیکھنا ہرگز پسند نہیں کرتا ہوگا۔ نادرہ کی بہن کے نظر آنے سے پہلے اولی نے خود مجھ سے کہا تھا کہ اس کی اگلی ملاقات کا وقت ہونے والا تھا۔ میں اس

مشورہ

پولٹری فارم کے مالک نے اپنے دوست سے کہا "جب بھی سیلاب آتا ہے' سیکڑوں چوزے ہلاک ہوجاتے ہیں' اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟ میں تو قلاش ہوتا جارہا ہوں۔"

دوست نے چند لمحے سوچا اور پھر بولا "تم چوزوں کی جگہ بطخیں کیوں نہیں پال لیتے؟"

○☆○

مشہور اداکار باب ہوپ کو ایک بار ڈاکے کے مقدمے میں گواہ کے طور پر پیش ہونا پڑا۔ ڈاکو کے وکیل نے باب ہوپ کو اپنے سوالات سے پریشان اور ہراساں کرنے کی کوشش کی۔

"مسٹر ہوپ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ڈاکا کس وقت ڈالا گیا؟" وکیل صاحب نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے" باب نے ابھی کہنا ہی شروع کیا تھا کہ وکیل نے اس کی بات کاٹی۔

"اپنا خیال نہیں بلکہ درست بتائیے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔"

"مجھے بلاواسطہ جواب کی ضرورت ہے" وکیل گرجا۔

باب نے معصومیت سے اس کی طرف دیکھا اور بولا "آپ یہ نہیں جاننا چاہتے کہ میں کیا سمجھتا ہوں؟"

"ہرگز نہیں۔"

"تو پھر میں گواہی نہیں دے سکتا" باب ہوپ نے جج سے مخاطب ہوتے ہوئے مایوسی کے انداز میں کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں سمجھے بغیر نہیں بول سکتا کیونکہ میں وکیل نہیں ہوں۔"

سے رخصت ہوا تو... لفٹ سے وہ خاتون برآمد ہوئی جو کسی مجبوری یا دباؤ کے تحت سکھر سے چل کر اس عمارت تک پہنچی تھی۔

ہم نے نادرہ کے جس آراستہ فلیٹ کو بے سروسامانی کے عالم میں خیرباد کہا تھا، وہ کئی روز سے امریکی ایجنٹوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اول خان سے خبریں ملتی رہی تھیں کہ جان اور ایڈی اپنے سراغ رساں کتوں کے ساتھ وہاں جاتے رہے تھے اور ان کارروائیوں میں مقامی حکام ان کی پوری پوری معاونت کررہے تھے تاکہ وہ میرا یعنی ڈینی کا کوئی سراغ حاصل کرسکیں۔

دوسری طرف سلطان شاہ کے منظم اغوا سے یہ بات ثابت ہوچکی تھی کہ ہماری قیام گاہ کے طور پر وہ فلیٹ پہلے سے امریکی ایجنٹوں کی نظروں میں آیا ہوا تھا۔ میرے بارے میں کسی سراغ کی تلاش میں مکمل ناکامی کے بعد ان لوگوں کا فلیٹ کے مالک کی طرف متوجہ ہونا فطری امر تھا۔

سرکاری ریکارڈ پر نادرہ کا جو بھی پتا درج رہا ہو، مقامی حکام کے لیے یہ معلوم کرنا دشوار نہیں تھا کہ ہمارے متروکہ فلیٹ کی مالکن ان دنوں اپنی مستقل رہائش ترک کرکے سکھر میں مقیم تھی۔ شاید انہوں نے نادرہ کی طلبی کا فرمان جاری کیا تھا۔

مقامی اہل کار وہ فرائض اپنے امریکی ہم منصبوں کی خواہش پر سرانجام دے رہے تھے۔ اپنے طور پر انہیں اس مشق سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مہم کے سرکردہ ایجنٹ یعنی جان اور ایڈی مارے جاچکے تھے اس وجہ سے ان کا میزبان، اوبرائن ڈی ہنٹ میدان میں رہ گیا تھا اور کوئی متبادل بندوبست ہونے تک تمام تفتیشی اہتمام اسی کے سر آن پڑا تھا۔

مقامی انتظامیہ نے شاید نادرہ کو شہر میں آکر اوبرائن سے ملنے کی ہدایت کی ہوگی۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ نادرہ زیادہ بیمار تھی، مرچکی تھی یا ملک سے نکل گئی تھی۔ وجہ کچھ بھی رہی ہو، وہ کراچی آنے سے قاصر تھی۔ حکم نامہ سخت رہا ہوگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی بہن کو کراچی آنا پڑ گیا۔

اس خاتون کی آمد کے بعد یہ نکتہ زیادہ شدومد کے ساتھ زیرِ غور آنا لازمی تھا کہ شہر میں نادرہ کی مزید کیا جائیدادیں تھیں۔ سوسائٹی والے مکان کا ذکر آتے ہی اوبرائن اپنی توجہ ادھر بھی مرکوز کرسکتا تھا۔

وہ صرف وقت کی لڑائی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ اوبرائن کے ادھر متوجہ ہونے سے پہلے میں مکان میں داخل ہوکر اپنی دونوں اہم ترین چیزیں نکال لوں۔ ایک بار اس کے آدمی وہاں پہنچ جاتے تو میرے لیے ادھر کا رخ کرنا ناممکن ہوکر رہ جاتا۔

نادرہ کی بہن کی آمد کے معاملے میں میرا ذہن صاف ہوچکا تھا اور مجھے ایک بھاری بوجھ سے نجات مل گئی تھی لیکن اس کی جگہ دوسرے مسئلے نے لے لی تھی۔

"پتا نہیں اول خان کا پیغام کب آئے گا۔" میں نے وقت دیکھ کر پُرتشویش انداز میں کہا۔ "وقت تیزی سے نکلا جارہا ہے۔ کیا تم ذرا سا خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہو؟"

"مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں ہر جگہ سائے کی طرح تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گا۔ میں تمہارا پیچھا کررہا ہوتا تو بھی مجھے ہر قیمت پر تمہارا ساتھ دینا پڑتا۔"

میں نے اسے مقبول آباد ہاؤسنگ سوسائٹی میں واقع نادرہ کے مکان کے بارے میں بریف کیا۔ وہاں ہمارا کام چند منٹ سے زیادہ کا نہیں تھا۔ وہ فوراً تیار ہوگیا۔

میں نے اتمام حجت کے طور پر اول خان کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے پتا چلا کہ وہ دفتر سے نکلا ہوا تھا۔ اس نے اپنا موبائل فون میرے حوالے کیا ہوا تھا اور مجھے علم نہیں تھا کہ اس نے کوئی متبادل بندوبست کرلیا تھا تو اس کا نیا نمبر کیا تھا۔

ان دنوں موٹر سائیکل پر ڈبل سواری کی کھلی اجازت ہوا کرتی تھی۔ دہشت گردی کے انسداد کے نام پر ایسی پابندی کا اچھوتا خیال کسی کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ میں تن بہ تقدیر ہوکر موٹر سائیکل کے ذریعے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔

ہم شارعِ فیصل کے داہنے سروس روڈ سے مطلوبہ گلی میں گھومے تو وہ حسبِ معمول ویران نظر آرہی تھی۔ میں نے نکڑ سے ہی دیکھ لیا کہ نادرہ کے مکان کے سامنے کوئی گاڑی تھی، نہ کسی قسم کی سرگرمی۔ میرے ایما پر اس نے اپنی موٹر سائیکل پھاٹک کے قریب روک دی۔

میدان صاف پاکر مجھے دل ہی دل میں ندامت ہوئی کہ میں نے اتنے معمولی سے کام کے لیے اول خان کی باتوں میں آکر خاصا وقت ضائع کردیا تھا۔

ہم دونوں پھاٹک سے گزر کر کسی رکاوٹ کے بغیر اس مکان کے ویران احاطے میں داخل ہوگئے۔

عمارت کے گرد گھوم کر ہم عقبی حصے کی طرف جارہے تھے کہ اول خان کا آدمی ٹھٹک کر رک گیا۔ اس نے پھرتی سے اپنی جیب سے ایک لاسلکی آلہ نکالا اور اس کا کوئی سوئچ دبا کر اسے اپنے دہانے کے قریب لے گیا۔

دوسری طرف سے ریڈیائی شور میں اول خان کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میرے ساتھی نے اس کی کال کا جواب دیا تو اول خان نے بتایا کہ وہ اپنے اسکواڈ کے ساتھ تیزی سے مقبول آباد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بات پوری کرکے اس نے اپنے آدمی کی پوزیشن دریافت کی تو میں نے اپریٹس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"سوری چیف!" میں نے کہا۔ "مجھ سے صبر نہیں ہوسکا۔ اس وقت ہم مکان کے احاطے میں ہیں اور چند منٹ میں فارغ ہوکر یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"اوہ! تم بے صبری میں بڑی غلطیاں کربیٹھتے ہو۔" اول خان کی

مضطربانہ آواز ابھری۔ "چند منٹ پہلے پولیس کے ریڈیو کنٹرول سے فیروز آباد پولیس اسٹیشن کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ مسلح نفری کے ساتھ اس مکان کو گھیرے میں لے لیں۔ پیغام میں نے خود سنا تھا' وہ کسی بھی لمحے آکر تمہیں چوہے دان میں گھیر لیں گے۔ فوراً وہاں سے نکل جاؤ اور باہر میرا انتظار کرو۔"

میں اس کی بات کا جواب بھی نہیں دینے پایا تھا کہ میرے کانوں میں پولیس سائرن کی ہلکی سی آواز آئی۔ فیروز آباد پولیس اسٹیشن وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ شاید ان کی گاڑیاں ہماری کمین گاہ کو گھیرنے کے لیے سڑکوں پر نکل پڑی تھیں۔

"سائرن کی آواز آرہی ہے' چیف!" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"سی ایس ڈی نوچنے اور گن اٹھانے میں ایک منٹ لگے گا۔ ہم ان کے پہنچنے سے پہلے نکل جائیں گے۔" اس سے بات کرنے کے دوران ہی میں نے عقبی احاطے کی طرف دوڑ لگا دی۔

"نو.... نو...." اول خان دہاڑا۔ "سب کچھ بھول جاؤ۔ باہر نکل جاؤ۔ میرے پہنچنے سے پہلے انہوں نے تم کو گھیر لیا تو بڑی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔"

اول خان بولتا رہا۔ وہ ڈرا رہا تھا' دھمکیاں دے رہا تھا' گڑگڑا رہا تھا۔ میں نے اس کی سنی اَن سنی کر دی۔ پلک جھپکتے میں ہم دونوں عقبی کمرے کے مقفل دروازے پر موجود تھے۔

فضا میں سائرن کی آوازیں لحہ بہ لحہ تیز اور واضح ہوتی جا رہی تھیں۔ شارع فیصل کی دوسری جانب واقع تھانے سے پولیس کی گاڑیوں کو مقبول آباد تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔

کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا تھا۔ اپنی دو نایاب اور انمول چیزوں کے حصول کے لیے کیے جانے والے فیصلے نے یکایک سنگین صورت اختیار کر لی تھی۔ ایک طرف ہم دو آدمی مقفل دروازے پر اپنے مقصد کے حصول کے لیے موجود تھے' دوسری طرف سے پولیس ہمیں گھیرنے آرہی تھی اور تیسری سمت سے اول خان اپنے اسکواڈ سمیت ہماری طرف اڑا آرہا تھا۔

"تم کہاں مر گئے ہو..... جواب کیوں نہیں دیتے..... اوور!" میں نے جیکٹ کی جیب سے چابی نکالتے ہوئے ایرپیس پر توجہ دی تو اول خان کی جھنجلائی ہوئی بلکہ ہذیانی آواز میرے کانوں میں آئی۔ میری خاموشی پر اس کی وہ کیفیت قابلِ فہم تھی۔

"تالا کھل گیا۔" میں نے بٹن دبا کر اسے اطلاع دی۔ "بس چند سیکنڈ میں ہم باہر ہوں گے۔"

”مجھے ایریٹس پر پولیس سائرن کی واضح آوازیں آرہی ہیں۔ وہ بہت قریب آچکے ہیں۔“

دل اڑا دینے والی وہ آوازیں اب واقعی کان کے پردوں میں گھس رہی تھیں۔ میں نے کمرے میں گھس کر سی ایس ڈی ایک جھٹکے سے تاروں سے نوچ کر الگ کی اور جیب میں ڈال لی۔ میرے اشارے پر میرے نامعلوم ساتھی نے دیوار گیر الماری کا درمیانی چوبی پٹ تالے سمیت اکھاڑ دیا۔

میں نے کمبل کی تہ میں ہاتھ ڈال کر بیم گن نکالی اور میرے وجود میں آسودگی کی ایک لہر سی سرایت کر گئی۔ میں نے اپنا ہدف حاصل کرلیا تھا۔

”کام ہوگیا.... ہم واپس لوٹ رہے ہیں، چیف!“ میں نے اول خان کو اطلاع دی۔

”باہر کا رخ نہ کرنا.... تم پھنس چکے ہو۔ میں سائرن کی آوازیں نہیں سن سکا۔ شاید اب وہ تیزی سے عمارت کو گھیر رہے ہوں گے۔ خدا تم پر رحم کرے۔ میں نرسری کے قریب سے گزر رہا ہوں، اگر تم چند منٹ زندہ رہ کر گزار لو تو میں دیکھوں گا کہ کیا ہوسکتا ہے۔“

اول خان کے توجہ دلانے پر میں سناٹے میں رہ گیا۔ میں اپنی دھن میں مگن تھا اور پولیس کار کا سائرن بہت قریب آکر یکلخت بند ہوچکا تھا۔ دوپہر کی تپتی ہوئی فضا میں یکایک موت کی سی خاموشی رچ گئی تھی۔ اول خان ایریٹس کے ذریعے ان تبدیلیوں کا بالکل صحیح ادراک کررہا تھا۔

ہم دونوں خاموشی سے دیوار سے لگ گئے اور اپنے اپنے ریوالور سنبھال کر کونے کی طرف سرکنے لگے۔ میرے ساتھی کا چہرہ پسینے میں بھیگنا شروع ہوگیا تھا اور اس کی آنکھوں میں وحشت لہرانے لگی تھی۔ پتا نہیں میرے چہرے کا کیا حال تھا۔

کھیل کھیل میں موت یوں سر پر آن کھڑی ہوئی تھی کہ میں اندازہ تک نہیں لگا سکا تھا۔

”مکان پولیس کے نرغے میں آچکا ہے۔“ اچانک میگافون پر ایک کرخت آواز سنائی دی۔ میں نے غیرارادی طور پر ایریٹس کا بٹن دبالیا تاکہ وہ آواز براہِ راست اول خان تک پہنچ سکے۔

”اندر جو بھی ہے، ہتھیار پھینک کر باہر آجائے ورنہ دس تک گنتی پوری ہوتے ہی مسلح دھاوا بول دیا جائے گا۔ یہ مجرموں کے لیے آخری وارننگ ہے.....ون.....“

میں نے ایریٹس کا بٹن چھوڑ دیا۔ ریسیور پر اول خان کی گھبرائی ہوئی آواز آنے لگی۔ ”میں گنتی مکمل ہونے تک نہیں آسکتا۔ ہر قیمت پر ایک ڈیڑھ منٹ گزارو..... احکام بہت سخت ہیں۔ اس پولیس ایکشن میں جو سامنے آیا، کسی بٹیر کی طرح بھون دیا جائے گا۔ بچو اور ان کو روکتے رہو۔“

گنتی تین تک پہنچ چکی تھی۔ دیوار کے ساتھ ایک باوردی سپاہی نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں خودکار رائفل دبی ہوئی تھی۔ وہ چوکنے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پھونک پھونک کر اندر بڑھ رہا تھا۔

”ہوائی فائر کروں؟“ میرے ساتھی نے گھبرائی ہوئی اور سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”نہیں!“ میں نے سختی سے اسے روک دیا۔ ”گولی نہیں چلے گی۔ یہ قانون کے محافظ ہیں۔“

”ان پر نہیں، میں ہوا میں فائر کروں گا۔“ وہ اعصاب زدہ ہوا جارہا تھا۔

”نہیں۔ فائر فائر ہوتا ہے۔ کوئی یہ نہیں دیکھے گا کہ گولی کدھر چلائی گئی ہے۔ ہلکا سا دھماکا بھی انہیں مشتعل کردے گا اور پھر اول خان کا کام دشوار ہوجائے گا۔“

احاطے کی دیوار کے ساتھ اندر بڑھتا ہوا سپاہی ہماری مکمل خاموشی سے خوفزدہ ہوکر ایسی جگہ پر رک چکا تھا جہاں سے وہ کسی بھی لمحے ہمیں دیکھ سکتا تھا۔

میں نے اپنے ساتھی کے بازو پر ہاتھ مارا اور دیوار سے لگے لگے واپس دروازے کی طرف سرکنا شروع کردیا۔ میں نے اپنا ریوالور جیب میں ڈال لیا۔ اس نے میری تقلید کی۔

گنتی پانچ سے آگے بڑھنے والی تھی کہ اچانک کہیں سے فائر ہوا، میرے بائیں بازو میں آگ اور درد کی ایک لہر سی اتر گئی اور میں نے بے اختیار اپنے ہونٹ دانتوں میں بھینچ کر اپنی بے ساختہ چیخ کو حلق کی گہرائیوں میں دفن کردیا۔

میرے ساتھی کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ ہم دونوں ہی زمین پر گر گئے۔

اس پہلے فائر کے ساتھ ہی متعدد گولیاں چلیں۔ ماحول سنگین تر ہوگیا۔ میں نے ایریٹس اپنے ساتھی کو دے دیا اور داہنے ہاتھ سے اپنا زخم دبائے دروازے کی طرف گھسٹتا رہا۔

پہلے راؤنڈ کے جواب میں ہماری طرف سے خاموشی رہی تو فائرنگ کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ اس دوران میں ہم عقبی کمرے سے متصل اس دروازے تک پہنچ چکے تھے جو مکان میں جاتا تھا۔

میں نے سینے کے بل فرش پر لیٹے لیٹے بہت احتیاط اور آہستگی سے پٹ کو اتنا دھکیلا کہ ہم دونوں باری باری اندر جاسکیں۔

سات تک گنتی ہوچکی تھی۔ میں اندر والی پختہ راہداری میں پہنچتے ہی دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا اور تیزی سے ان زینوں کی طرف بڑھ گیا جو تہ خانے میں جاتے تھے۔

میں اس تہ خانے کو پہلے بھی عقوبت خانے کے طور پر استعمال کرتا رہا تھا۔ نیچے پھیلے ہوئے اندھیرے میں بھی مجھے اس کا ایک ایک گوشہ اچھی طرح یاد تھا۔

”پنجوں کے بل میرے پیچھے چلے آؤ۔“ عقبی دروازہ بند کرکے میں نے سرگوشی کی اور ہم دونوں بلیوں کی طرح بے آواز قدموں

سے گرد آلود زینے طے کر کے تہ خانے میں اترنے لگے۔

گرد آلود تہ خانے کی سیلن زدہ فضا میں روشندان کے بند ہونے کے باعث خاصا اندھیرا تھا۔ میں نے اندازے سے ٹٹول کر وہاں کے دونوں بلب اتار دیے۔ گھپ اندھیرے میں ہم دونوں ایک دوسرے کے گہرے سانسوں کی آواز واضح طور پر سن رہے تھے۔

"گنتی ختم ہونے والی ہے چیف!" میرے کانوں میں اپنے ساتھی کی بھنبھناہٹ سی آئی۔ "ڈپٹی کے بازو میں گولی لگی ہے۔ ہم نے ابھی تک کوئی فائر نہیں کیا۔ ہم تہ خانے میں ہیں۔"

"اوہ خدایا! تو رحم کردے۔" اول خان کی آواز بھی اس بار دھیمی تھی۔ شاید اس کے آدمی نے ایرپیس کی آواز گھٹا دی تھی۔

"بس میں پہنچنے والا ہوں۔"

"اب اسے بند کردو۔" میں نے اپنی اذیت پر قابو پا کر دھیمی آواز میں کہا۔

وہ تہ خانے کے دروازے کی طرف بڑھا تو میں نے اسے روک دیا۔ "دروازہ نہیں، ایرپیس بند کردو۔ اب یہ خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔"

میں اسے لے کر تہ خانے کی پہلی دیوار سے یوں لگ کر کھڑا ہوگیا کہ دروازے سے اندر آنے والا کوئی بھی شخص پیچھے مڑے بغیر ہمیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"دس!" باہر کی فضا سے میگافون کی گھٹی گھٹی آواز تہ خانے کی فضا میں لہرائی۔ "فائر اینڈ ایکشن۔"

اس بار فضا گولیوں کی ہولناک برسات سے لرز اٹھی۔ میرے لیے وہ زندگی کی سب سے خراب صورتِ حال تھی کیونکہ میرا مقابلہ مجرموں کے کسی ٹولے سے نہیں بلکہ قانون کے محافظوں سے تھا۔ نادرہ کے مکان پر ان کے دھاوے کی وجوہ جو بھی رہی ہوں، مجھے پورا یقین تھا کہ اس میں ان کی بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ انہیں یقین دلایا گیا ہوگا کہ اس مکان میں خطرناک مجرموں کا مسکن تھا یا پھر وہ رات میں وہاں روپوش رہتے تھے۔

شاید پولیس فورس وہاں آتی اور خاموشی سے خانہ تلاشی لے کر لوٹ جاتی مگر باہر کھڑی ہوئی موٹر سائیکل اس امر کی شاہد تھی کہ اندر کوئی نہ کوئی موجود تھا۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد پولیس پارٹی کے سربراہ نے جو بھی فیصلہ کیا، وہ بہت صائب تھا۔ اندر والوں کو غیر مسلح ہو کر باہر نکلنے کی مہلت دینے کے بعد اسے ہر کارروائی کا حق حاصل تھا۔ گنتی کے درمیان جو چند گولیاں چلیں اور جن میں سے پہلی گولی نے مجھے زخمی کیا، وہ شاید میرے مقدر کی خرابی کا نتیجہ تھیں۔ پولیس والے بھی عام انسان ہوتے ہیں۔ مسلح مقابلے کے خوف سے اعصاب زدہ ہو کر کوئی بھی کمزور دل سپاہی ایسی حرکت کرسکتا تھا۔

پولیس کی نفری پوری طرح مسلح اور آزاد تھی۔ ہم دونوں تاریک تہ خانے میں محصور تھے۔ ہم اپنے دونوں ریوالوروں سے کام نہ لینے کا اٹل فیصلہ کرچکے تھے۔ اگر اول خان کے پہنچنے سے پہلے کوئی ادھر آنکلتا اور ہماری گردنیں ناپ لیتا تو ہم بالکل بے بس تھے۔

دھواں دھار فائرنگ کی آڑ میں پولیس مکان میں داخل ہوچکی تھی۔ بارودی دھماکوں کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ تہ خانے کی چھت کے مختلف حصوں سے بھاگتے دوڑتے ہوئے وزنی قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ اوپر سے آنے والی للکارتی ہوئی یا تحیر زدہ آوازیں بھی ہمارے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ دونوں سانس روکے 'دیوار کا ایک جز بنے خاموش کھڑے ہوئے تھے۔

پھر اچانک ہی کوئی تہ خانے کی طرف نکل آیا۔ دو افراد کے قدموں کی دھمک زینوں سے اوپر ہی رک گئی' کچھ سرگوشیاں ابھریں۔ پھر کسی نے للکارا۔ "اوئے! کون ہے نیچے؟ شرافت سے ہاتھ اٹھا کر باہر آجاؤ ورنہ اڑا دیں گے۔"

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ زخم کی تکلیف کو میں بالکل بھول گیا۔ وہ کسی بھی لمحے زینے طے کر کے ہمارے سروں پر پہنچ سکتے تھے۔

طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد چٹ کی ہلکی سی آواز آئی۔ شاید کسی نے اوپر کا سوئچ آن کر کے تہ خانہ روشن کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

"ادھر کوئی نہیں ہوسکتا۔" ایک پُراعتماد آواز آئی۔ "نیچے اندھیرا ہے اور دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔ کوئی ہے تو کسی الماری یا

باتھ روم میں ہی ہوسکتا ہے۔''

وہ فقرہ مکمل ہوتے ہی زینوں سے ایک فائر ہوا۔ گولی کھلے ہوئے دروازے سے گزر کر دیوار کی جڑ میں پیوست ہوگئی۔ فضا دھماکے سے جھنجھنا اٹھی اور بارود کی بُو سے بھر گئی۔

وزنی جوتوں کی آہٹیں بتدریج ان زینوں سے دور ہوتی چلی گئیں۔

میرے ساتھی نے جوش سے میرا داہنا بازو دبایا۔ بولنا خطرناک تھا۔ اس وقت ہماری ذرا سی آہٹ بھی ہماری موت کا پیغام بن سکتی تھی۔

میرے داہنے ہاتھ کی انگلیاں تازہ تازہ خون کے لیس سے چپچپا رہی تھیں۔ دیوار کے ساتھ بے عملی کی حالت میں کھڑے کھڑے مجھے نقاہت محسوس ہونے لگی تھی۔ میں دیوار کے ساتھ گھسٹتا ہوا وہیں فرش پر بیٹھ گیا۔ ایس ٹی ایف کا آدمی میرے برابر میں بیٹھ گیا۔

تہ خانے کی اوپری منزل پر ہونے والی ہڑبونگ اور دھما چوکڑی میں رفتہ رفتہ کمی آتی چلی گئی۔ مکان میں کسی کو نہ پاکر پولیس والوں کو سخت مایوسی ہوئی تھی۔ تہ خانے کا کھلا ہوا دروازہ ان کی کامیابی اور ہم دونوں کی سلامتی کا ضامن بن گیا تھا۔

وقت بہت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ میرے تازہ زخم میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ ہڈی محفوظ تھی یا مجروح ہوئی تھی' گولی بازو میں ہی تھی یا گوشت پھاڑتی ہوئی دوسری طرف سے نکل گئی تھی۔

مجھے صرف ایک خوف تھا کہ کہیں اول خان کے پہنچنے میں زیادہ دیر ہوگئی تو زخم سے زیادہ خون بہہ جانے کے سبب میں جانبر نہ ہوسکوں گا۔

خون کی کمی سے دوچار ہونے والے میرے اعصاب رفتہ رفتہ سست پڑتے جارہے تھے' ذہن پر رہ رہ کر دھند سی حملہ آور ہونے لگی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں وہ تمام دعائیں دہرانی شروع کردیں جو آخری وقت میں انسان کی مغفرت کا سبب بن جانے کی شہرت رکھتی ہیں۔

ایک مرتبہ پھر کسی کے جوتوں کی دھمک تہ خانے کی طرف آنے لگی۔ برے وقت کی دہشت سے میرا گلا خشک ہوگیا' دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں اور آنکھوں کے سامنے تاریک دائرے سے ناچنے لگے۔

اس بار وہ آہٹیں رکنے کے بجائے زینوں پر منتقل ہوگئیں۔ وہ جو بھی تھا' رکے بغیر سیدھا تہ خانے میں چلا آرہا تھا۔

''فائر کردوں؟'' اس نے میری پیشانی تھام کر میرے کان میں سرگوشی کی۔

میری زبان بھاری ہونے لگی تھی۔ میں نے سر کی منفی جنبش سے اسے روک دیا۔

وہ آہٹیں زینے کے وسط میں رک گئیں اور پھر آواز ابھری۔

''ہولڈ اٹ..... میں تمہارے پاس آرہا ہوں۔'' وہ اول خان کی آواز تھی جو میں نے پوری طرح سنی اسی کے ساتھ میرے دماغ میں پھلجھڑیاں سی چلنے لگیں اور مجھے کچھ ہوش نہیں رہا کہ میں کہاں تھا۔

○☆○

دوبارہ آنکھ کھلی تو وہ تہ خانہ تھا نہ وہاں کا دہشت ناک سماں۔ میں ایک صاف ستھرے بستر پر دراز تھا اور اوپر سفید چھت چمک رہی تھی۔ میں نے اپنی پُتلیوں کو جنبش دی تو وہ چھت دور تک پھیلی ہوئی نظر آئی۔

جہانگیر کا کوئی کمرا اتنا بڑا تو نہیں ہے۔ میں نے سوچا۔ اسی لمحے غزالہ کا حسین اور جگمگاتا ہوا چہرہ میرے سامنے آگیا۔ اس کی جھیل جیسی گہری آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ اس نے بے اختیار میرا چہرہ اپنی دونوں ہتھیلیوں میں لے لیا۔

میں غیر متوقع طور پر اسے یوں اپنے روبرو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میرے علم کے مطابق اول خان نے اسے اپنی بیوی کے ساتھ پشاور بھیجا ہوا تھا۔ پتا نہیں وہ پشاور سے کب کراچی واپس آئی تھی۔ باتوں کے دوران میں بعد میں پتا چلا کہ میری نازک حالت کی وجہ سے اول خان نے غزالہ کو حادثے کی شام کو ہی پشاور سے واپس بلالیا تھا تاکہ وہ میری دیکھ بھال کرسکے۔

میں نے بے اختیار اس کے دونوں ہاتھ تھامنے چاہے اور بائیں بازو میں شدید ٹیس اٹھنے سے تڑپ اٹھا۔ میں نے داہنے ہاتھ سے اس کی کلائی تھام لی۔

''آپ اچھے ہیں نا؟ آپ بہت جلد اچھے ہوجائیں گے۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں ایک سوال کرکے خود ہی جواب دے دیا۔

''میں کہاں ہوں....؟ میرے بازو کی ہڈی تو محفوظ ہے نا؟'' اس سے سوال کرتے ہوئے میں نے اپنی زبان میں ہلکی سی لکنت محسوس کی۔

''تمہیں چوہے دان سے نکال کر بہت مشکل سے یہاں پہنچایا گیا تھا۔'' غزالہ کے بجائے میرے کانوں میں ویرا کی چبھتی ہوئی آواز آئی۔ ''مرنے سے بال بال بچے ہو۔''

کروٹ لینی مشکل تھی۔ میں نے آواز کی سمت دیکھنا چاہا لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔ غزالہ بستر پر میرے قریب ہی بیٹھ کر ویرا سے بولی۔ ''وہ کڑا وقت گزر گیا۔ اب ایسی بدفال منہ سے مت نکالو۔ مریں ان کے دشمن۔ یہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔''

''تمہارے اسی لاڈ پیار نے ڈیڈی کو بگاڑا ہے۔'' اس بار ویرا کی آواز استہزائیہ نہیں تمسخرانہ تھی۔ ''تم کبھی اسے غلطیوں پر نہیں ٹوکتی ہو۔ اسے بتاؤ کہ گولی سے ہڈی ضرور بچ گئی تھی لیکن بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے جان بچانی مشکل ہوگئی تھی۔''

''تمہیں خون کی چار بوتلیں دی گئی ہیں۔'' سلطان شاہ نے ویرا سمیت میرے سامنے آتے ہوئے مطلع کیا۔

"اول خان کو وہاں پہنچنے میں ذرا سی تاخیر ہو جاتی تو گڑبڑ ہو سکتی تھی۔"

"خوب!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم سب ہی یہاں موجود ہو۔ اس وقت ہم کہاں ہیں؟"

"اسٹیشن فور کے فیلڈ اسپتال کا یہ خاص کمرا ہے جو تمہیں دیا گیا ہے۔" سلطان شاہ نے بتایا۔

"اور اول خان کہاں ہے؟" میں نے باری باری ان کا جائزہ لے کر پوچھا۔

"وہ پرسوں سے تمہارے چلائے ہوئے چکر کو سمیٹنے میں لگا ہوا ہے۔"

"پرسوں سے! تو کیا میں دو دن سے مسلسل بے ہوش تھا؟" میں نے پلکیں جھپکاتے ہوئے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

"پہلے واقعی بے ہوش تھے پھر مسکن دواؤں کے زیر اثر انٹاغفیل رہے۔" ویرا نے آنکھیں مٹکا کے کہا۔ "زیادہ بک بک تمہارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اول خان کے مشورے پر تمہیں ڈرپ کے ساتھ مسکن دوائیں دی جا رہی تھیں۔"

"سوری!" میں نے غزالہ کا ہاتھ چوم کر کہا۔ "میں نے تم سب کو بہت پریشان کیا۔"

"قلق اس بات کا ہے کہ اول خان نے تمہیں آخر تک وہاں جانے سے روکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ پولیس کو نادرہ کے مکان کے سلسلے میں بری طرح ورغلایا گیا تھا۔ تم کسی کی بات نہیں مانتے۔ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔" سلطان شاہ نے بزرگانہ انداز میں مجھے ملامت کی۔

"وطن کی بنیادوں میں اپنا خون شامل کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو مینار پاکستان کے نیچے جا کر اپنی کوئی شہ رگ کاٹ لو۔ پولیس اور ایس ٹی ایف کو امتحان میں کیوں ڈالتے ہو؟" ویرا بولی۔

"مجھ سے جو غلطی سرزد ہوئی تھی وہ ہو گئی۔ اب یہ ملامتیں بے سود ہیں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ نادرہ کے مکان کے بارے میں اچانک کیا مصیبت آ گئی تھی۔" میں نے کہا۔

ان تینوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر غزالہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "اول خان یہی کہہ رہے تھے کہ آپ ہوش میں آتے ہی سب کچھ جاننا چاہیں گے اور دوبارہ حالت خراب ہو جائے گی۔ اسی خدشے کی وجہ سے آپ کو خواب آور دوائیں دی جا رہی تھیں۔"

"وہ مرحلے گزر گئے۔" میں نے بحالی کے احساس کے ساتھ کہا۔ "اب میں ٹھیک ہوں۔ تم لوگ خود ہی بات بتاتے چلے جاؤ تو مجھے بولنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"پوری تفصیل اول خان ہی بتا سکے گا۔" ویرا نے کہا۔ "ہمیں اتنا معلوم ہے کہ یہ فتور نادرہ کی بہن طاہرہ نے پھیلایا تھا۔"

"وہ ان معاملات میں اچانک کہاں سے آن کودی؟" میری وہ حیرت برقرار تھی۔

"فلیٹ کے سلسلے میں پوچھ گچھ کے لئے ڈی آئی جی نے نادرہ کو طلب کیا ہوا تھا۔ اس کے شوہر کو جیل سے پیرول پر رہائی مل گئی ہے۔ وہ اس سے ملنے کارڈف جا چکی ہے۔ نوٹس سخت تھا۔ طاہرہ خود ہی دوڑی ہوئی کراچی چلی آئی۔"

"وہ ڈی آئی جی کے دفتر کے بجائے اوبرائن کے گھر کیوں جا پہنچی؟" میرے لئے سوال کرنا ناگزیر ہو رہا تھا۔

"اس کی پہلی ملاقات پولیس ہیڈ کوارٹر میں دونوں سے ہوئی تھی۔ اگلے دن وہ اوبرائن سے ملی تو اسے پتا چل چکا تھا کہ مکان کا پچھلا کمرا کسی کے زیر استعمال ہے۔"

میں پہلے نادرہ کے فلیٹ میں کرائے دار تھا۔ اس سے کسی نہ کسی حد تک میری دوستی بھی استوار ہو گئی تھی۔ اوبرائن کے لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا کہ اس غیر آباد مکان کا عقبی کمرا میرے استعمال میں تھا۔ اس نے وقت ضائع کئے بغیر ڈی آئی جی اور پھر براہِ راست صوبے کے آئی جی سے رابطہ کر کے مطالبہ کیا کہ نادرہ کے ویران مکان میں روپوش مجرم کو گرفتار کیا جائے۔

کھٹو مل کے ساتھ چار اہم امریکی شہریوں کی ہلاکت کے بعد پولیس امریکی سفارت کاروں کے اخلاقی دباؤ میں آئی ہوئی تھی۔ آئی جی ویسے بھی کھٹو مل کے بہی خواہوں میں سے تھا۔ اس نے یہ جاننے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی کہ اوبرائن کے مطالبے کا کیا محرک تھا اور اس کارروائی کے نتیجے میں کس شخص کی زندگی کو سنگین خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔

معصومیت

ایک شخص کے گھر چوری ہو گئی۔ تھانے دار نے تفتیش کا آغاز کیا "میری بات کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا۔ جس وقت چوری ہوئی تھی اس وقت کیا بجا تھا؟"

اس شخص نے جواب دیا۔ "ایک ڈنڈا میرے سر پر دوسرا میری بیوی کے سر پر۔"

○☆○

ایک ماں اپنے پانچ سالہ جڑواں بچوں کو لے کر بچکانا کپڑوں کے اسٹور پر گئی تاکہ جڑواں بچوں کے لیے ایک جیسے سوئٹر خرید سکے۔ کاؤنٹر کلرک نے پوچھا "کیا آپ ان بچوں کو سوئٹر پہنا کر شیشے میں دکھانا چاہیں گی؟"

پولیس آپریشن ہوا اور تہ خانے کے کھلے ہوئے دروازے کی وجہ سے پولیس پارٹی مجھ تک پہنچنے میں ناکام رہی۔ وہ لوگ اس عمارت میں اپنا سر کھپا ہی رہے تھے کہ اول خان اپنے اسکواڈ کے ساتھ جائے وقوعہ پر پہنچ گیا۔

اسے اپنے آدمی سے پوری پوزیشن معلوم ہو چکی تھی۔ اس نے انسپکٹر انچارج سے بات کی تو اس نے تسلیم کیا کہ عمارت سے کوئی فائر ہوا نہ وہاں سے کوئی ملزم یا مجرم ہاتھ آسکا۔

اول خان نے اسی شام سے عمارت کی مسلسل نگرانی کی ہدایت دے کر پولیس پارٹی کو واپس بھیج دیا۔ اس کی شناخت کے بعد انسپکٹر اس کی ہدایت سے سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے بھی اس نے اول خان کی کسی مداخلت سے پہلے اپنا آپریشن مکمل کر لیا تھا۔

میدان صاف ہوتے ہی اول خان نے مجھے بے ہوشی کی حالت میں تہ خانے سے نکال لیا۔ جب وہ مجھے لے کر اپنے سہ نفری اسکواڈ کے ساتھ مقبول آباد سے نکل رہا تھا تو اوبرائن ڈی ہنٹ طاہرہ اور محافظوں کے ہمراہ وہاں پہنچا۔ اول خان اسے نظرانداز کر کے نکل آیا۔

اول خان نے ان لوگوں کو بتایا کہ میری حوصلہ مندی اور حاضر دماغی کے باعث اس روز ایک بہت بڑا المیہ یوں کانوں کان ٹل گیا تھا کہ کسی کو میرے محصور یا زخمی ہونے کی بھنک تک نہیں مل سکی تھی۔ اس رازداری کو برقرار رکھنے کے لئے وہ مجھے شہر کے بجائے اپنے فیلڈ اسپتال میں لے آیا تھا۔

نادرہ کے مکان پر آپریشن کی ناکامی اور اپنی نامزد کی ہوئی عمارت سے پولیس کی عجلت میں واپسی پر اوبی بری طرح بھنایا تھا لیکن وہ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچ کر رہ گیا۔ اس کے پاس پولیس پر الزام تراشی کے لئے کوئی مواد تھا نہ ثبوت۔

علاقے کے مکین گواہ تھے کہ نادرہ کے خالی مکان پر پولیس نے بھرپور تیاری کے ساتھ چڑھائی کی تھی اور علاقے کی فضا کو بارود کی تیز بو سے بوجھل کرنے کے بعد بے نیل مرام واپس لوٹ گئی تھی۔

"تمہارے بازو کا زخم دیکھنے کے بعد ڈاکٹر حیران تھا کہ اتنا کاری زخم کھا کر بھی تم نے کوئی آواز نہیں نکالی تھی۔" وہ کہانی پوری ہونے کے بعد ویرا نے کہا۔ "تم اتنے بہادر کب سے ہو گئے؟"

"اس وقت مجھے زخم کا نہیں جان کا خوف تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "یہ میرا خدا ہی جانتا ہے کہ میں نے اپنی بے ساختہ چیخ کیسے روکی تھی۔ وہ میری چیخ کیا آواز بھی سن لیتے تو ہم تہ خانے کا دروازہ کھلا رکھنے کے باوجود نہیں بچ سکتے تھے۔"

مجھ سے باتیں کر کے غزالہ کی اداسی دور ہو گئی تھی۔ وہ شوخ اور والہانہ نظروں سے مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ میرے جواب پر وہ کچھ نہیں بولی لیکن سلطان شاہ ویرا کو جواب دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

"ہر زخم کو خاموشی سے سہہ لینا صرف مردوں کی شان ہے۔ تمہیں کانٹا بھی چبھ جائے تو اف اللہ کہہ کر دہری تہری ہو جاؤ گی۔ ڈینی نر کا بچہ ہے جبھی موت کے منہ سے مکھن کے بال کی طرح نکل آیا۔"

"ہمیشہ ڈینی کے کندھوں پر سوار ہو کر اپنا قد بلند کرتے رہنا' خود کچھ کر کے نہ دکھانا۔" ویرا نے زہر میں بجھی ہوئی آواز میں اسے سلگانے کی کوشش کی۔

"یہ میرے توڑے ہوئے گھٹنوں کا کمال ہے کہ آج کھٹومل' جان اور ایڈی سے نمٹنے کے بعد تم اوبرائن کو للکار رہی ہو۔ واقعات کو تعصب کی عینک کے بغیر بھی دیکھ لیا کرو۔"

"تم دونوں کی ہر وقت کی لڑائی سے میں عاجز آگئی ہوں۔" غزالہ اپنی ہتھیلیاں دونوں کانوں پر رکھتے ہوئے بولی۔ "یہ جھگڑے ہر وقت اچھے نہیں لگتے۔"

"میں کبھی پہل نہیں کرتا۔" سلطان شاہ نے بیزاری سے کہا۔ "اپنی چہیتی ویرا کو سمجھاؤ جو ہر وقت مرچیں چباتی رہتی ہے۔ اس سے کہو کہ کبھی میٹھی باتیں بھی کر لیا کرے۔"

"آ گئے نا اصلیت پر!" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ "تم سے تو کوئی معذور بھکارن بھی میٹھی میٹھی باتیں کرنے پر آمادہ نہیں ہو گی۔ تمہاری یہ حسرت قبر تک تمہارے ساتھ جائے گی۔"

"میں نے میٹھی میٹھی نہیں' صرف میٹھی باتیں کہا تھا۔" سلطان شاہ غرایا۔ "تم میری ہر بات کو توڑ مروڑ کر اپنے مطلب کے نتیجے اخذ مت کیا کرو۔"

ان دونوں کی محاذ آرائی وہیں دم توڑ گئی کیونکہ اچانک ہی اول خان دروازہ کھول کر اندر آگیا تھا۔ "کیا بات ہے؟ سب خاموش کیوں ہیں؟" اس نے آتے ہی پوچھا۔

"تلخ کلامیوں کے تبادلے کے بعد ایسا سکوت آ ہی جاتا ہے۔" میں نے اسے بتایا۔ "یہ تینوں آج کل کہاں کہاں رہ رہے ہیں؟"

"پرسوں سے سب اسٹیشن فور کے مہمان ہیں۔" اس نے کرسی سنبھال کر بتایا۔ "تمہاری نازک حالت دیکھ کر میں دہل گیا تھا۔ کوئی نیا خطرہ مول لینے کے بجائے میں تینوں کو یہاں لے آیا۔"

"سی ایس ڈی اور بیم گن کہاں ہیں؟" اچانک خیال آجانے پر میں نے پوچھا۔

"بیم گن غزالہ کے پاس ہے۔ سی ایس ڈی اب میرے فون سے منسلک ہے۔"

"میں ایک بات ابھی اپنے دماغ سے جھٹکنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔" ویرا نے براہِ راست اول خان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "وہ بچھو کے ڈنک کی طرح میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔"

"کوئی اور مثال دو۔ تمہارا ڈنک بچھو سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔" سلطان شاہ پھر بول پڑا۔

"دیکھو' اس الو کو خاموش کر لو ورنہ میں اس کا دماغ درست کر دوں گی۔" ویرا نے مجھ سے شکایت کی۔

میں نے سلطان شاہ کو گھورا تو اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔
"ناقص العقل مخلوق کی بے سروپا باتیں سننا میرے لئے مشکل ہے۔ میں تازہ ہوا کھانے جارہا ہوں۔"
"اپنے گھر کی عورتوں کی بھی تم اسی طرح بے عزتی کرتے ہو گے۔" ویرا اس پر برسی۔
"خدا نہ کرے۔" سلطان شاہ اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگا کے بولا۔ "وہ بہت کم بولتی ہیں اسی لئے ڈھنگ کی بات کرتی ہیں۔ تمہاری زبان میں تو بچھو لگا ہوا ہے۔" اپنی بات پوری کر کے وہ ویرا کا جواب سنے بغیر پھرتی سے باہر نکل گیا۔
"میں سچ کہہ رہی ہوں کہ یہ کسی دن مجھ سے پٹ جائے گا۔" ویرا نے بے بسی سے کہا۔
"اس پر بھول کر بھی ہاتھ نہ اٹھانا۔ اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔" اول خان نے جلدی سے کہا۔ "اسے تم سے بے پناہ انسیت ہے اسی لئے ہر وقت تمہارے پیچھے پڑا رہتا ہے۔"
"بھاڑ میں گئے ایسے جھمکے جن سے پھٹ جائیں کان۔" ویرا نے تنک کر کہا اور ہم تینوں حیرت سے اس کا منہ تکتے رہ گئے۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میری قوتِ برداشت جواب دے گئی تو ذرا سی دیر میں اس کے سر سے انسیت کا سارا بھوت اتار دوں گی۔ لفنگا کہیں کا۔"
"اس کے پیٹھ پیچھے غیبت مت کرو۔ یہ بتاؤ کہ تم کس بات کا ذکر کر رہی تھیں۔" اول خان نے اس کی ذہنی رو بدلنے کے لئے اسے یاد دلایا۔
"ہاں! تم کو یاد ہو گا کہ پہلی ہی نظر میں مجھے نادرہ کے لچھن اچھے نظر نہیں آئے تھے۔ اب دیکھ لو کہ اس کمینی نے ڈینی کو کس حال کو پہنچا دیا تھا۔"
"ہو سکتا ہے کہ وہ اچھی عورت نہ رہی ہو لیکن تازہ واقعے سے اس بے چاری کا کیا واسطہ؟" غزالہ نے نرمی سے کہا۔ "وہ یہاں سے ہزاروں میل دور کارڈف میں بیٹھی ہوئی ہے۔"
"اس کی بہن کی چالاکی پر مجھے ضرور حیرت ہے۔" میں نے کہا۔ "اس نے بالا ہی بالا کیسے پتا چلا لیا کہ نادرہ کے گھر کا ایک کمرا کوئی استعمال کر رہا ہے؟"
"وہ اپنی بہن کے پاس آتی جاتی رہی ہو گی۔ پاس پڑوس میں کسی سے معلوم کر لیا ہو گا۔" اول خان نے اس کی صفائی پیش کی۔
"معلوم کر ہی لیا تھا تو اس نے اپنے طور پر ڈینی تک پہنچنے کے بجائے اوبرائن کو خبر کیوں دی؟" ایک جواب کے بعد ویرا کے پاس دوسرا اعتراض تیار تھا۔
"خود کو اس کی جگہ رکھو تو ہر بات سمجھ میں آجائے گی۔" اول خان اس کی جرح کا جواب دینے کے لئے تیار تھا۔ "اسے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کمرا کون استعمال کر رہا ہے۔ معاملہ پولیس کی اعلیٰ سطح پر پہنچا ہوا تھا اس وجہ سے وہ خوفزدہ تھی۔ اس نے خود کوئی خطرہ مول لینے کے بجائے اوبرائن کو مطلع کر دیا کیونکہ ڈی آئی جی نے اسے اوبرائن سے ملنے کی ہدایت کی تھی۔"
"نادرہ اور طاہرہ کو میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" ویرا نے اصرار کیا۔ "یہ کہیں بھی نظر آگئیں تو میں ان کے چہرے رگڑ دوں گی۔"
"ان قصوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ آج کی پوزیشن کیا ہے؟" میں نے اول خان سے کہا۔
"پولیس کی کارروائی مکمل اور بے داغ تھی۔ ایس ٹی ایف کا ریکارڈ میں کوئی ذکر نہیں ہے۔" اس نے بتایا۔ "اوبرائن کراچی میں کسی کو متاثر کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا لیکن وہ بہت کمینہ شخص ہے۔ اس نے اپنے سفیر کے ذریعے ہمارے دفترِ خارجہ سے شکایت کی ہے کہ کرنل جمال دستی نامی کوئی شخص خود کو اسپیشل ٹاسک فورس کا افسر ظاہر کر کے گرین کارڈ حاصل کرنے کے لئے دباؤ ڈال رہا ہے۔ میں نے اپنے طور پر اس نام سے تمہارا تقرر کیا تھا جو ریکارڈ پر آچکا ہے۔ تنگ آکر میں نے کہہ دیا کہ کرنل جمال دستی کا تقرر ایڈہاک تھا۔ عارضی مدت پوری کر کے وہ غائب ہو چکا ہے۔"
"تمہارے کمزور مؤقف سے اوبرائن کی شکایت کو تقویت ملے گی۔"
"میں جانتا ہوں۔ میرے سامنے کوئی متبادل راہ نہیں تھی۔ تم زخمی اور بے ہوش تھے۔ میں کیا کرتا۔"
"میری طرف سے خاموشی کے باعث اس نے یہ حرکت کی ہے۔ میں فون پر اس سے رابطہ کر لوں تو وہ اپنی شکایت واپس لے سکتا ہے۔"
"ایک بار ایسا ہو جائے تو میں بہت سی الجھنوں سے بچ جاؤں گا۔" وہ خوش ہو گیا۔ "میں کرنل جمال دستی کے وجود سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ یہ مسئلہ میرے گلے کی ہڈی بن گیا ہے۔"
"ہلنے جلنے سے میرے بازو میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی ہیں۔ میں بستر سے اٹھ نہیں سکوں گا......"
"نہیں۔ تم ایک ہفتے تک بستر سے نہیں ہلو گے۔" میرا مدعا بھانپ کر وہ جلدی سے بولا۔ "میں ابھی فون کی لائن یہاں منتقل کرائے دیتا ہوں۔"
میرے سرہانے لگی ہوئی گھنٹی بجا کر اس نے ایک اردلی کو طلب کیا اور کچھ ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔ غزالہ نے بھی مسہری چھوڑ دی اور ویرا سے بولی۔ "ان لوگوں نے اپنے چکر شروع کر دیے ہیں۔ آؤ، ہم اپنے کمرے میں چلتے ہیں۔"
"تم چلی جاؤ۔" ویرا نے بے مروتی سے کہا۔ "مجھے ان کے چکروں سے دلچسپی ہے۔"
غزالہ خفت آمیز انداز میں مسکراتی ہوئی میرے کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

"کم از کم میرے سامنے غزالہ سے ایسی بے رخی سے بات نہ کیا کرو۔" میں نے شکوہ کیا۔

"یہ نہ بھولو کہ وہ تمہاری بیوی ہی نہیں، میری بہترین دوست بھی ہے۔ مجھے اس سے اپنی مرضی کے مطابق بات کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔"

ویرا کے منہ لگنا بے سود تھا۔ وہ جس بات پر اڑ جاتی تھی اس سے سرمو بھی سمجھوتا نہیں کرتی تھی۔

چند منٹ بعد ٹیلی فون ایک لمبے تار کے ساتھ میرے سرہانے ایک تپائی پر پہنچا دیا گیا۔ اول خان سے پتا چلا کہ اس لائن پر ہی سی ایس ڈی نصب تھی۔

اس وقت دوپہر ہونے والی تھی۔ اوقاتِ کار میں اوبرائن کو اپنے دفتر میں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے ایڈی سے ملنے والے راست نمبر پر رابطہ کیا اور اوبرائن کی آواز پہچان لی۔

"میں جمال بول رہا ہوں اوبی!" میں نے اپنی آواز میں تازگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ! کرنل جمال دستی!" اس کی تحیرزدہ آواز ابھری۔ "دو دن سے تم کہاں غائب ہو؟"

"دو دن کہاں؟ پرسوں تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ صرف کل کا دن گزرا ہے اور تم نے میرے خلاف اپنی ریشہ دوانیاں شروع کردیں۔"

"کیسی ریشہ دوانیاں؟" اس مکار کی آواز سے معصومانہ حیرت عیاں تھی۔

"تمہارے سفیر نے دفترِ خارجہ میں میرے خلاف شکایت بھیجی ہے۔ میں تمہاری مطلوبہ فہرست حاصل کرنے والا تھا مگر اب یہ کام ناممکن نظر آرہا ہے.... میں مجبور ہوگیا ہوں۔"

"کیوں؟ میری شکایت سے تمہارے لئے کیا دشواریاں پیدا ہوگئی ہیں؟" اس نے اپنی گھٹیا حرکت کا بالواسطہ اقرار کرتے ہوئے پوچھا۔

"اتنے بھولے نہ بنو۔ دفترِ خارجہ والے تمہارے سفیر کی ایک سنگین شکایت کو نظرانداز نہیں کرسکتے اور کچھ ہو یا نہ ہو، مجھے کسی بھی وقت لاک اپ میں ڈال دیا جائے گا۔ میں نے تمہارے ساتھ ایسی کوئی برائی تو نہیں کی تھی جس کا تم نے بدلہ لیا ہے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ شکایت پر اتنی تیزی سے کارروائی ہوگی۔ دو تین دن تو ہمارے سفارت خانے والے بھی خط کے اجرا میں لے لیتے ہیں۔ تم کچھ اور ہی کہانی سنا رہے ہو۔"

"شاید تم یہ چاہ رہے تھے کہ تمہارا کام مکمل ہوتے ہی میں عتاب میں آجاؤں؟"

"ہرگز نہیں..... یہ لمبی مدت کی پالیسی کا ایک حصہ تھا۔ اس سے تمہارے کام میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے تو میں ابھی فیکس کے ذریعے اپنی شکایت واپس لئے لیتا ہوں۔"

"کاش ایسا ہوسکے اور ہمارے دفترِ خارجہ والے بھی تمہاری معذرت قبول کرلیں ورنہ میرا نام تو بلیک لسٹ میں جا ہی چکا ہے۔"

"میں یہ کام ابھی کرتا ہوں۔ آج کی تاریخ میں شکایت واپس لے لی جائے گی۔"

"تم کوشش کرکے دیکھ لو۔" میں نے مایوسانہ آواز میں کہا۔ "تمہیں میری ساکھ کو جو نقصان پہنچانا تھا، وہ پہنچا چکے ہو۔ آخر تمہیں مجھ سے کیا شکایت پیدا ہوگئی تھی۔"

"مجھے کوئی شکایت نہیں تھی۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "میں نے اپنی اور تمہاری ملاقات کی رپورٹ کے ساتھ ایک تجویز بھیجی تھی کہ اگر تمہارے خلاف ایک ہلکی پھلکی شکایت ریکارڈ پر ڈال دی جائے تو آنے والے برسوں میں اس سے ہم ایک اہم فائدہ اٹھا سکیں گے۔"

"آنے والے برسوں میں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ "کیا تم یہاں کسی لمبی منصوبہ بندی کے تحت کام کر رہے ہو؟"

"بڑے کام برسوں کی مدت میں ہی پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ تم نے امریکا کا نقشہ دیکھا ہو تو سمجھ سکتے ہو کہ ہم صرف جغرافیائی سرحدوں پر یقین رکھتے ہیں اور مشرق سے ہر مصنوعی سرحد کو ختم کرکے بڑی بڑی تجارتی اور پیداواری منڈیاں قائم کرنے کے خواہش مند ہیں۔ یہ کام چند ہفتوں یا مہینوں میں نہیں ہوسکتا۔"

اس کے وہ الفاظ میری آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی تھے۔ میں نے پوچھا۔ "تم جغرافیائی سرحدوں کی تعریف کس طرح کرسکتے ہو؟"

"زمین کا عدم تسلسل یا یوں سمجھ لو کہ ہر خلیج، گھاٹی، دریا یا پہاڑ جغرافیائی سرحد بناتا ہے۔ تم نے میدانوں میں اپنی مرضی کی لکیریں ڈال کر سرحدیں قائم کرلی ہیں۔"

"یہ سرحدیں ہماری نہیں، انگریز سامراج کی بنائی ہوئی ہیں۔" میں نے کہا۔

"اس خطے میں صرف ایک سرحد ہے۔ ہمالیہ کے ایک طرف چین واقع ہے اور دوسری طرف ایک ارب تیس کروڑ انسانوں پر مشتمل متعدد چھوٹے بڑے ممالک ہیں۔ ان میں سے تمہارے اور بھارت کے درمیان کشمیر پر جھگڑا ہے۔ تھوڑی سی جگہ اور آبادی کے لئے دونوں ملک ایک دوسرے کے خلاف ایٹمی تیاریوں میں مصروف ہیں اور پورے خطے کو تہس نہس کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"میری شکایت کا ازالہ کرتے کرتے تم نے سیاسی باتیں شروع کردیں۔"

"یہ سیاسی باتیں نہیں، ہماری عظیم تر منصوبہ بندی کی روح ہے۔ تم جانتے ہو کہ کشمیر کی بلکہ بقول تمہارے مقبوضہ کشمیر کی کل آبادی کتنی ہے اور اس میں کشمیری پنڈتوں کا کیا تناسب ہے۔ تم

کتنی چھوٹی سی آبادی کے لئے اپنے تمام وسائل تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہو۔"
اوبرائن ڈی ہنٹ کی زبان سے امریکی عزائم سامنے آرہے تھے۔ میں نے اس کی حوصلہ شکنی کرنے کے بجائے کہا۔ "میں غیر سیاسی آدمی ہوں۔ ساری باتیں تم بتا رہے ہو تو یہ گنتی بھی تم ہی گنوا دو۔ پتا نہیں تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو۔"
"مقبوضہ کشمیر کی کل آبادی تیس لاکھ ہے جس میں چالیس فیصد یعنی بارہ لاکھ ہندو ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان صرف اٹھارہ لاکھ کشمیری مسلمانوں کی آزادی کے لئے لڑ رہا ہے۔"
اوبرائن کو شاید وہ سارے اعداد و شمار ازبر تھے۔
"بات اٹھارہ لاکھ یا اٹھارہ کروڑ کی نہیں‘ اصولوں کی ہے۔" میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ تم نے یہ اعداد و شمار اپنے مقاصد کے لئے مرتب کئے ہوں۔ ان کی سند کیا ہے؟"
"یہ مواصلات اور سیٹلائٹ کا دور ہے۔ ہر سند ہر جگہ مل جائے گی۔ ذرا غور کرو کہ محض اٹھارہ لاکھ افراد کی خاطر کوہیما سے گوادر اور گلگت سے گالے تک چھ سات ممالک میں بسنے والے ایک ارب تیس کروڑ انسانوں کو ایٹمی توپ کے دہانے پر لا بٹھانا کہاں کی دانش مندی ہے۔ اس جنونی مسئلے کا واحد حل یہ ہے کہ ہر مصنوعی سرحد مٹا کر ہمالیہ اور خیبر کو سرحد بنا دیا جائے۔ ہمالیہ کی ایک سمت میں چین ہوگا‘ دوسری طرف عظیم قوت اور آبادی والا برصغیر۔ ہمارے اس منصوبے میں چھوٹی چھوٹی باتوں کی ذرا بھی اہمیت نہیں ہے۔"
"اہمیت نہیں ہے تو تم نے میرے خلاف شکایت کو ریکارڈ پر لانا کیوں ضروری سمجھا؟" میں اس کی زبان سے نئے امریکی منصوبے کے خدوخال سن کر اندر سے دہل اٹھا تھا مگر میں نے اس موضوع پر بات آگے بڑھانے کے بجائے رخ اپنی طرف پھیر لیا۔
"ایس ٹی ایف جیسی نادیدہ اور قانون سے ماورا قوتیں ہماری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں۔" اس نے کھل کر تسلیم کر لیا۔ "ہمارا ہدف تمہاری ذات نہیں ہے۔ ہم مناسب موقع پر اس فورس کو فنا کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ رپورٹ ہمارے ہوم ورک کا ایک حصہ بننے والی تھی۔"
"اب تم اسے واپس لے رہے ہو؟" میں نے اس سے تائید چاہی۔
"مجبوری ہے کیونکہ تم رپورٹ سے کہیں زیادہ اہم مشن پر کام کر رہے ہو۔ تمہاری کامیابی سے ہماری راہ کافی مختصر ہو جائے گی۔" وہ میری باتوں میں آچکا تھا۔
اس سے وعدہ لیتے ہی میں اس کے من پسند موضوع کی طرف چلا گیا۔ "تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ برصغیر کے نام پر تم پاکستان کو ختم کر کے عظیم تر ہندوستان قائم کرنے کے خواہاں ہو۔"
"ہمیں پاکستان یا ہندوستان سے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔ اپنی خوش فہمی کے لئے تم یہ بھی سمجھ سکتے ہو کہ ہم سارے ملکوں کو پاکستان میں مدغم کر دینا چاہتے ہیں۔ دراصل یہ پورا خطہ چین کے مقابلے میں ایک زبردست اکائی ہے اور مستقبل میں ہم اسے یہی کردار سونپنا چاہتے ہیں۔"
"موجودہ حالات میں تمہارا یہ خواب محض ایک خواب ہی نظر آتا ہے۔"
"جب تک اس علاقے کے دو بڑے ملکوں میں دشمنی کی جڑیں نہیں کاٹی جاتیں‘ یہ خواب پورا نہیں ہوگا۔" اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ ڈالا۔ "ایک طرف صرف اٹھارہ لاکھ افراد کی آزادی کی خودساختہ لڑائی ہے اور دوسری طرف سوا ارب سے بھی زیادہ انسانوں کی خوش حالی۔ ہم کشمیر کا بٹوارہ کر دیں گے۔ جو جہاں ہے‘ وہیں رہے۔ دوسری طرف والوں کو بھول جائے۔ جس دن یہ سمجھوتا ہو گیا‘ ہمارے خواب کو پہلی تعبیر مل جائے گی اور تم دیکھو گے کہ غیر منقسم پنجاب‘ بنگال اور راجستھان جیسی مضبوط اور متحد ریاستوں پر مشتمل ریاست ہائے متحدہ ایشیا نامی ملک عالمی نقشے پر ظہور میں آئے گا۔"
"وہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے مجھے عتاب سے نجات ملنی چاہیے۔" میں نے اکتاہٹ ظاہر کی۔
"اس طرف سے تم بے فکر رہو۔ میں فون بند کر کے سب سے پہلے یہی کام کروں گا۔" اس نے یقین دلایا اور پھر پوچھا۔ "تم اب بھی اپنے محکمے کا محفوظ فون استعمال کر رہے ہو؟"
اس نے میرے اقرار کو آزمانے کے لئے لائن میں کوئی گڑبڑ کی اور سی ایس ڈی کی مداخلت سے فون بند ہو گیا۔
"بہت لمبی بات ہوئی!" ویرا نے متجسس انداز میں کہا۔ "زیادہ تر وہی بولتا رہا اور تم سنتے رہے۔"
"جان نے صحیح کہا تھا۔ اوبرائن ہمارے ملک میں بہت گھناؤنے عزائم کے ساتھ وارد ہوا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اس کی باتوں نے مجھے فکر مند کر دیا ہے۔"
وہ دونوں ہمہ تن گوش تھے۔ میں نے ان کو اوبرائن ڈی ہنٹ کی ہرزہ سرائیوں کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ وہ حیرت سے منہ پھاڑے وہ بھیانک منصوبہ سن رہے تھے جس میں نظریاتی بنیادوں کو منہدم کر کے جغرافیائی وحدتوں کی عمارت تعمیر کرنے کے عزائم پوشیدہ تھے۔
"اب سمجھ میں آرہا ہے کہ پچھلے کافی عرصے سے امریکی پاکستان پر بار بار اپنا پھن کیوں مار رہے ہیں۔" میری زبان سے وہ روداد سن کر اول خان پُرتشویش لہجے میں بولا "وہ تمہیں بھی ایس ٹی ایف کے زمرے میں شمار کرتے ہیں اور فورس کے ساتھ تم کو بھی ختم کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کو پاکستان میں اپنی مرضی کی بساط جمانے کے لیے کھلا میدان مل سکے۔"
"ایسا مت سوچو اول خان!" میں نے سنجیدگی سے اسے ٹوک

دیا "میرے اور تمہاری فورس کے علاوہ بھی اس ملک میں دشمن کی گردن توڑنے والے لوگ موجود ہیں۔ جن لوگوں نے اسپیشل ٹاسک فورس کا تصور دیا' اس کی منصوبہ بندی اور تشکیل کی' تم انہیں کیوں بھول رہے ہو۔"

اول خان شرمندہ ہو کر بولا "ہاں' یہ میری فورس نہیں ہے۔ اس کی داغ بیل ڈالنے والے آج بھی گمنام رہ کر اس کے کارناموں پر فخر کرتے ہوں گے۔ انہوں نے بھلے وقتوں میں اسپیشل ٹاسک فورس بنا دی ورنہ آج تو دور دور تک امید کی کرنیں نظر نہیں آتیں۔"

"ہم تینوں ہی امید کی کرنیں ہیں۔ ویرا پاکستانی نہیں ہے لیکن تم اس کی کامیابیوں اور کارگزاریوں کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔" میں نے کہا۔

میں نے اس سے غلط نہیں کہا تھا۔ نام نہاد قنوطی دانش وروں کے برعکس میں پاکستان اور پاکستانیوں کے بارے میں بہت زیادہ... پُرامید تھا۔ اگر ہمیں تحفظات فراہم کرنے اور ہمارا مان پورا کرنے والے نہ ہوتے تو ہم ایک دن بھی اپنے دشمنوں کے سامنے نہیں کھڑے رہ سکتے تھے۔ دو دن پہلے کی بات تھی کہ فیروز آباد پولیس اسٹیشن کے ایک انسپکٹر نے اپنے ڈی آئی جی کا حکم پورا کرتے ہی اول خان کا مشورہ بے چون وچرا مان لیا اور اپنی نفری لے کر واپس چلا گیا۔ وہ تعاون نہ کرتا تو میری کہانی اسی روز ختم ہو گئی ہوتی۔ اول خان اس سے بحث میں الجھا رہتا اور میں خون ضائع ہونے کے سبب نادرہ کے مکان کے اندھیرے تہ خانے میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ دیتا۔

یہ ضرور تھا کہ ہم حالات سے باخبر ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ سرگرم اور فعال تھے لیکن ہم بہت سی بیساکھیاں استعمال کر کے اپنے مقاصد حاصل کر رہے تھے۔ سرکاری عہدوں پر جہاں فرض ناشناس اور غدار افراد براجمان تھے وہاں ہمارے معاونین کی بھی کمی نہیں تھی۔

"تمہاری شکایت کے بارے میں اس نے کیا کہا؟" اول خان نے پوچھا۔

"دغلطی مان رہا تھا اور کوئی لمبی کہانی سنا رہا تھا۔ یہ طے ہو گیا ہے کہ آج ہی وہ شکایت واپس لے لے گا۔" میں نے اسے بتایا۔

"یہ بہت بڑا کام ہو گا۔ میرے مسائل حل ہو جائیں گے۔" وہ خوش ہو کر بولا "ایک مرتبہ شکایت واپس لے لی گئی تو تمہیں بھی کھل کھیلنے کی آزادی مل جائے گی۔ ان لوگوں نے دوبارہ تمہاری شکایت کی تو اسے کوئی اہمیت دیے بغیر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میں نے بستر پر پڑے پڑے بھی تمہاری ایک مشکل آسان کر دی۔"

"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ اس شکایت کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟"

"شاید تمہارا ذہن کہیں اور تھا۔ میرے سوال کے جواب میں ہی اس نے جوش میں آ کر اپنے طویل مدت کے منصوبے پر روشنی ڈالنی شروع کی تھی۔"

"اور وہ اس نئے ملک کا نام بھی تجویز کر چکا ہے۔" اول خان کی آواز میں ملال اور صدمے کا عنصر نمایاں تھا۔

"نام سے انہیں کوئی غرض نہیں ہے۔ عملی طور پر وہ اس خطے میں ریاست ہائے متحدہ ایشیا بنانا چاہتے ہیں اور اس پر کام شروع ہو چکا ہے۔"

"نام سب سے زیادہ اہم ہے۔" ویرا بولی "فرض کرو کہ نئے ملک کو پاکستان کہا جائے تو اس کا مفہوم یہی ہو گا کہ دیگر ممالک اپنا علیحدہ وجود ختم کر کے پاکستان میں ضم ہو گئے ہیں۔ یہ پوزیشن ہر پاکستانی خوشی سے قبول کر لے گا لیکن متعصب ہندو اس پر چراغ پا ہو جائیں گے۔"

"ہاں' یہ نفسیاتی فرق تو پڑے گا۔ اس بارے میں اس کی باتیں گول مول تھیں۔"

"مجھے اس منصوبے پر ذرا بھی شک و شبہ نہیں ہے۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر کہا "امریکا نے روس کو افغان جنگ میں الجھا کر تباہ و برباد کر دیا ہے۔ جنگ میں خود شرکت کیے بغیر دل کھول کر لڑاکا گروپوں کو مدد فراہم کی ہے۔ اسے یقین ہے کہ روس کی قوت تباہ ہو جائے گی۔ اسے اصل خوف چین سے ہے جو ہمالیہ کی اوٹ میں تیزی سے ایک فوجی اور صنعتی عفریت کا روپ دھارتا چلا جا رہا ہے۔ امریکی دانش ور اب روس کے بجائے چین پر بات کرتے رہتے ہیں۔"

"مجوزہ اتحاد بھی چین کے خلاف استعمال ہو گا۔" اول خان نے کہا "موجودہ حیثیت میں کوئی بھی ملک چین کے لیے چیلنج نہیں بن سکتا۔"

اوبرائن ڈی ہنٹ نے اپنی کھلی کھلی باتوں سے ہمارے سوچنے کے لیے بہت سا فکر انگیز مواد فراہم کر دیا تھا۔ ہم دیر تک پُرہول امکانات اور اندیشوں پر سر کھپاتے رہے پھر اول خان ایک پیغام ملنے پر وہاں سے اٹھ کر اپنے دفتر چل دیا۔

"اب بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" چند ثانیوں تک مسکراتی ہوئی نظروں سے میرا جائزہ لینے کے بعد ویرا نے شوخی سے پوچھا۔

"وہی جو بادشاہ دوسرے بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تم نے ہم سب کی جان نکال دی تھی۔ تمہیں وہاں جانے کی اتنی عجلت کیوں تھی؟"

"یہ موضوع ختم ہو چکا ہے۔ اب کوئی نئی بات کرو۔ مقدر کا لکھا ایسی ہی لغزشوں کے ذریعے پورا ہوتا ہے۔ تقدیر کے نفاذ کے

لیے آسمان سے فرشتے نازل نہیں ہوتے۔"

"یہ اچھی بات ہے کہ اس تجربے سے گزرنے کے بعد تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔"

اول خان میرے کمرے سے چلا گیا تھا۔ غزالہ کو شاید اس بات کا علم ہوگیا تھا۔ وہ یہ برداشت نہیں کرسکی کہ ویرا میرے ساتھ تخلیے میں رہے۔ چند منٹ میں وہ میرے پاس آگئی۔

"تم چاہو تو جا کر کچھ آرام کرلو۔ میں ان کی دیکھ بھال کرلوں گی۔" اس نے آتے ہی ویرا کو پیشکش کی۔ ویرا نے اسے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کا منہ بن گیا۔

اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنی سگریٹ ختم کی اور پھر اکتائے ہوئے انداز میں اٹھ کر چلی گئی۔ غزالہ نے بڑھ کر چند ثانیوں کے لیے اپنا چہرہ میرے سینے پر رکھ دیا اور میرے وجود میں لذت انگیز ٹھنڈک سی سرایت کرگئی۔ ایسی والہانہ چاہت اور سپردگی کا اظہار غزالہ جیسی باوفا بیوی ہی کرسکتی تھی۔

شام کو چار بجے اول خان دوبارہ آیا تو بہت خوش تھا "تم نے اوبرائن سے بات کرکے مجھے بہت بڑی مشکل سے نکال لیا۔" اس نے آتے ہی کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے وعدے پر واقعی عمل کیا ہے۔"

"شکایت معذرت کے ساتھ واپس لے لی گئی ہے مگر کرنل جمال دستی کے بارے میں اوپر والوں کی پوچھ گچھ جاری ہے۔ ایس ٹی ایف کی صفوں میں بدعنوانی یا ذاتی مفاد پرستی کو ناقابلِ معافی جرم سمجھا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ کچھ دنوں تک چلتا رہے گا۔"

"مجھے ایڈہاک ملازم قرار دے کر تم پیش منظر سے غائب کرچکے ہو۔ اب وہ تم سے کیا جاننا چاہیں گے؟ تم ایک روپوش آدمی کو کہاں سے پیدا کرو گے؟"

"ڈسپلن کے معاملات بہت پیچیدہ ہوتے ہیں۔ یہ سوال اس وقت بھی برقرار ہے کہ میں نے مشتبہ پس منظر رکھنے والے کو اپنی فورس میں کیوں جگہ دی۔"

"پھر تم کیوں خوش ہورہے ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"اوپر والوں کا لب ولہجہ نرم پڑتے ہی میں نے اپنا مؤقف تبدیل کرلیا ہے۔ تمہیں ایڈہاک ملازم کے بجائے ایک بے لوث مخبر قرار دیا ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایس ٹی ایف کے فنڈز سے کرنل جمال دستی کے نام پر ایک پیسہ بھی جاری نہیں کیا گیا۔"

"تم صاف صاف کیوں نہیں بتا دیتے کہ تم نے ڈینی کو بچانے کی کوشش کی تھی؟"

"یہ بات میں لکھ کر نہیں دے سکتا۔ اسلام آباد جا کر ذاتی طور پر بتاؤں گا کہ مجبوری کے تحت ڈینی کو کرنل جمال دستی کا نام دینا پڑا تھا اور یہ قصہ ختم ہوجائے گا۔ اوبرائن نے اپنی شکایت واپس لے کر میری پوزیشن مضبوط کردی ہے۔"

"تم اسلام آباد جارہے ہو؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔ "صرف اتنی سی بات کے لیے؟"

"یہ ضمنی کام ہوگا۔ اصل معاملہ اوبرائن سے ملنے والی معلومات کا ہے۔ اب سمجھ میں آرہا ہے کہ بعض سیاسی حلقے امریکا کے اشارے پر ہی پاکستان اور بھارت کی کنفیڈریشن کا مسئلہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ یہ باتیں فوری طور پر مقتدر حلقوں کے علم میں آنی چاہئیں۔"

"میں اس بارے میں سوچتا رہا ہوں۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "میں نے اوبرائن کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ وہ لوگ ایک لمبی مدت میں مرحلہ وار اپنے مقاصد حاصل کریں گے۔"

"تمہاری یہ وضاحتیں میرے کام آئیں گی۔ تم جانتے ہو کہ اس قسم کے تجزیے میرے بس سے باہر ہیں۔ تمہاری اس سے براہِ راست بات ہوئی تھی۔ تم ہی اس کی بہترین تشریح کرسکتے ہو۔"

"میرے لیے ایک سگریٹ سلگا دو۔" میں نے اس سے فرمائش کی۔ اول خان کی آنکھوں میں آزردگی سی تیرگئی۔ اس نے زبان سے کچھ کہے بغیر سگریٹ سلگا دی۔ اسے یہ جان کر دکھ ہوا ہوگا کہ عارضی طور پر ہی سہی، میں اپنی چھوٹی چھوٹی ضروریات پوری کرنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

میں نے سگریٹ کے دو گہرے گہرے کش لے کر دھواں فضا میں خارج کیا پھر کہنا شروع کیا "اس کی زہریلی باتوں سے مجھے جو اشارے ملے ہیں ان سے تین مرحلے سامنے آئے ہیں۔ پہلا مرحلہ کشمیر میں مکمل ترین سیز فائر اور موجودہ کنٹرول لائن کی بین الاقوامی سرحد میں تبدیلی کا ہوگا۔ یہ پاکستان اور بھارت کے درمیان محاذ آرائی کا سب سے بڑا بلکہ بنیادی سبب ہے....."

"کیا تمہاری دانست میں یہ اس مسئلے کا کوئی مناسب حل ہے؟" اس نے درمیان میں پوچھا۔

"اس وقت ہم ان کے منصوبے پر بات کررہے ہیں۔ میری ذاتی رائے مختلف ہے۔ پوزیشن کو جوں کا توں تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ماضی میں ہم جو کچھ کرتے رہے وہ غلط تھا۔"

"میں بھی اس وقت بالکل یہی بات سوچ رہا تھا۔" وہ بے ساختہ بول اٹھا۔

"دوسرے مرحلے میں شاید وہ پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کی کنفیڈریشن بنانے پر زور دیں گے۔ یہ اس خطے میں بڑی آبادی والے تین ملک ہیں۔ ان کا ادغام ایک نئی سوچ اور نفسیات کو جنم دے گا۔ اس کے بعد تیسرے مرحلے میں چھوٹے موٹے ملکوں کو ملا کر یہ اپنا خواب پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"انہیں بھارت کی پوری حمایت حاصل ہوگی۔ وہاں اکھنڈ بھارت کے نعرے اب بھی سنائی دیتے ہیں۔"

"سیاسی تجزیے ان لوگوں کے لیے چھوڑ دو جو اس فن کی روزی کھا رہے ہیں۔ ہمارا کام محدود اور مختلف ہے۔ ملک دشمنوں اور مجرموں کے خلاف جہاد میں پہلی مرتبہ اوبرائن جیسا خطرناک اور ٹیڑھا مگر صاف گو سازشی سامنے آیا ہے۔ اس کے جرائم کی فہرست میں پاکستان کی سالمیت کے خلاف سازشیں کرنے کے جرم کا اضافہ ہو چکا ہے۔"

"تم نے بتایا تھا کہ امریکی اس کو اپنے لیے بہت اہم تصور کرتے ہیں۔"

"وہ اہم ہے۔" میں نے زور دے کر کہا "وہ موقع پرست اور زیرک ہے۔ اس قدر جارح مزاج کا مالک ہے کہ مخاطب پر فوراً حاوی ہونے کی کوششیں شروع کر دیتا ہے۔ اس کے چنگل میں پھنسنے والے کمزور آدمی مشکل سے ہی نکل پاتے ہوں گے۔"

"تم اپنے بارے میں کیا محسوس کر رہے ہو؟ اس نے تمہیں بھی گھیرا ہوا ہے۔"

میں سگریٹ اپنے لبوں سے ہٹا کر بے ساختہ ہنس پڑا "وہ صبح کی پوزیشن تھی۔ اپنی شکایت واپس لینے کے بعد اس نے مجھے بے مہار کر دیا ہے۔ میں اسے تگنی کا ناچ نچا دوں گا۔"

"اسے جلد از جلد جانا چاہیے۔ پاکستان میں اس کا قیام طویل ہو گیا تو یہ اپنا نیٹ ورک نہ جانے کہاں کہاں پھیلا دے گا۔ اس کے عزائم سے واقف ہونے کے بعد اسے ڈھیل نہیں دی جا سکتی۔"

"میں اسے پاکستان سے نہیں، اس دنیا سے روانہ کر سکتا ہوں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "بس تمہاری اجازت کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں تم کسی آفت کا شکار ہو جاؤ۔"

"میں اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ وہ ایک اہم ملک کا سفارت کار ہے۔" وہ کمزور سی آواز میں بولا "اس کی موت پر خوف ناک پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"تم اسلام آباد جا رہے ہو۔" میں نے دھیرے سے اسے شہ دی "اس بارے میں بھی بات کر لینا۔ گرین سگنل مل گیا تو اپنی سی کچھ کر گزریں گے۔"

"پہلے اپنی خیر مناؤ اور بستر چھوڑو۔ یہ بعد کی باتیں ہیں۔ عمر بھر چلتی رہیں گی۔" وہ جھرجھری لے کر رہ گیا۔

"تمہارا ڈاکٹر میرے زخم کے بارے میں کیا کہتا ہے؟" مجھے وہ بھولا ہوا موضوع یاد آ گیا۔

"ہمارے اسٹیشن پر کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔ یہاں صرف فرسٹ ایڈ اور نرسنگ کی سہولتیں میسر ہیں۔ تم کو دیکھنے کے لیے ایک آرمی سرجن آتا ہے۔ وہ تمہاری قوتِ مزاحمت پر حیران تھا۔"

"میں نے کوئی مزاحمت کی ہی نہیں، بس بے خبری میں گولی کا نشانہ بن گیا۔"

"میں دوسری مزاحمت کی بات کر رہا تھا۔ تمہارے جسم میں خون کی مقدار اتنی کم رہ گئی تھی کہ تمہاری زندگی خطرے کے نشان سے بھی نیچے تھی مگر تم بچ گئے۔ گولی نے تمہارے بازو کی جلد اور گوشت کو ادھیڑ ڈالا تھا۔ ہڈی پر صرف خراش آئی ہے۔ ایک ہفتے بعد تم اس قابل ہو سکو گے کہ کھڑے ہو کر اپنے بازو کو لٹکا سکو۔ آزادانہ نقل و حرکت بعد کی بات ہے۔"

"خطرہ تو ٹل چکا ہے۔ اب یہ ڈرپ کا سلسلہ ختم کر دو۔ میں غزالہ کی مدد سے اپنے سارے کام انجام دے لوں گا۔ بستر پر ہفتے بھر پڑا رہا تو میری پیٹھ میں زخم پڑ جائیں گے۔"

"سات بجے ڈاکٹر آئے گا تو بات کر لیں گے۔" اس نے مجھے دلاسا دیا۔

اول خان کی زبانی مجھے پتا چلا کہ بے ہوشی کی حالت میں میری جان کو لاحق خطرے کی پچھلی دو راتیں میرے تیمارداروں نے بہت اضطراب کے عالم میں آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ میرے ہوش میں آنے کے بعد ویرا اور سلطان شاہ غائب ہو گئے تھے۔ بس غزالہ میری دیکھ بھال میں لگی رہی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں اپنے کمروں میں پڑے سو رہے تھے۔

شام کو کرنل کے عہدے کا آرمی سرجن مجھے دیکھنے آیا۔ وہ جوان اور خوش اخلاق آدمی تھا۔ اس نے خود ہی ڈریسنگ کھول کر زخم اور ٹانکوں کا جائزہ لیا۔ مجھے جلد صحت یابی کی نوید سنائی اور دوبارہ زخم کی ڈریسنگ کر کے چلا گیا۔

"ایک طرف تم کرنل جمال دستی کی وضاحتوں میں الجھے ہوئے ہو۔ دوسری طرف مجھے یہاں لا ڈالا ہے۔ کیا یہ دونوں باتیں متضاد نہیں ہیں؟"

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "میرا بیشتر اسٹاف جانتا ہے کہ تم ڈیپی ہو۔ یہاں تم ڈیپی ہی ہو۔ جمال دستی والی وضاحت میرے اسلام آباد پہنچنے پر ہو گی۔"

"میرے بارے میں جہانگیر کو کیا بتایا گیا ہے؟ وہ میاں بیوی کس حال میں ہیں؟"

"انہیں آپ کے زخمی ہونے کی خبر نہیں دی گئی۔" غزالہ نے بتایا "اول خان نے اس بری خبر کو پوری طرح خفیہ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ دونوں مزے میں ہیں۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ آپ کسی اہم کام سے چند روز کے لیے شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"چوہدری سلام کا کیا بنا؟" میں نے اول خان سے پوچھا۔ بھولی ہوئی باتیں مجھے ایک ایک کر کے یاد آتی جا رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سب بہت پرانے قصے ہوں۔

"ان سوالوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم نارمل ہوتے جا رہے ہو۔" اول خان مسکرا کے بولا "اس کے خلاف ثبوت اس قدر واضح اور مکمل تھے کہ اس کے حامی ہچکچا کر پسپا ہوتے چلے گئے اور آخر کار اینٹی نارکوٹکس اور ڈرگ انفورسمنٹ ایجنسی والوں نے اس پر ہاتھ ڈال دیا۔"

"ہماری جدوجہد بار آور ہوئی۔" میں نے خوشی سے کہا۔ "کھٹومل مکافاتِ عمل کا نشانہ بن گیا۔ چوہدری سلام اب وقت کی چکی میں پستا رہے گا۔ تم دیکھ لو کہ یہ دونوں کتنے طاقت ور اور بارسوخ تھے مگر ظلم اور جرم ہمیشہ نہیں پھل پھول سکتا۔ جب تک کہیں بھی کوئی ایک فرض شناس اور ایمان دار آدمی بیٹھا ہوا ہے' جرم کی بیخ کنی ہوتی رہے گی۔"

"چوہدری سلام اپنی گرفتاری پر اپنے دوستوں اور بہی خواہوں سے شاکی ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ اس کے برے وقت میں کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ اسے منجدھار میں اکیلا چھوڑ دیا۔ مایوسی کے اس غلبے میں اس نے متعدد سرکردہ سیاسی اور سماجی چہرے بے نقاب کردیے ہیں۔ وہ سب اس کے ساتھ یا اپنے طور پر ہیروئن کے ناجائز کاروبار میں ملوث ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اس بار موت کے سوداگروں کی ایک بڑی کھیپ پکڑی گئی ہے۔"

"ابھی کوئی نہیں پکڑا گیا۔" اول خان نے میری تصحیح کی "ایک ملزم کے انکشافات کو اتنی اہمیت نہیں دی جاسکتی کہ اس کی بنا پر نام نہاد معززین کی اندھا دھند گرفتاریاں شروع کردی جائیں۔ ان کے علم میں نہیں ہے کہ چوہدری سلام نے کیا کام دکھایا ہے۔ ایسے افراد کی نگرانی شروع ہوگئی ہے۔ مناسب وقت آنے پر وہ باری باری دھرلیے جائیں گے۔"

"کیسی سرعت سے اور کتنا نیک کام ہورہا ہے پھر بھی ہم اپنے سسٹم سے نالاں رہتے ہیں۔"

"تم یہ بات بھول رہے ہو کہ کھٹومل اور چوہدری سلام اسی سسٹم کے کلیدی پرزے تھے اور ایک مدت سے پروان چڑھ رہے تھے۔"

تھوڑی دیر بعد ویرا اپنی نیند پوری کرکے وہاں آپہنچی۔ اس کے بعد سلطان شاہ بھی آگیا اور ہماری باتیں سنجیدہ موضوعات سے ہٹ کر خوش گپیوں میں تبدیل ہوگئیں۔ ہر شخص دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کے لیے تازہ دم اور سدا بہار نظر آرہا تھا۔

○☆○

اگلے دن میں نے بستر چھوڑ دیا۔ گلے میں سلنگ ڈال کر میں نے یہ اہتمام کرلیا تھا کہ بائیں بازو کا سارا زور کہنی کے ذریعے میری گردن سے جھولنے والی نرم پٹی پر رہے۔ میں نے دن کا بیشتر حصہ اسٹیشن فور میں گھومتے پھرتے یا اول خان کے دفتر میں بیٹھ کر گزارا۔

کھٹومل کو قتل کرنے والے چاروں امریکیوں کی پولیس کے ہاتھوں ہلاکت کو کئی روز گزر چکے تھے لیکن اخبارات میں اس خونیں واقعے کی بازگشت موجود تھی۔

لاشوں کے پوسٹ مارٹم اور اسلحے کے ماہرین کی جامع رپورٹیں آجانے سے کئی باتیں ثابت ہوچکی تھیں۔ اولین اور اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ کھٹومل کی موت کا سبب بننے والی گولی لینڈ روور میں موجود ایک سب مشین گن سے چلائی گئی تھی۔ لینڈ روور میں موجود دوسرے ہتھیاروں سے چلائی ہوئی گولیاں پولیس کی گاڑیوں وغیرہ سے برآمد ہوئی تھیں۔ ان کے سارے ہتھیار امریکی ساخت کے تھے۔

بقیہ چار مقتولین کے بارے میں خود پولیس نے اقرار کرلیا تھا کہ انہیں کھٹومل کے قتل کے بعد فرار ہوتے ہوئے' پولیس مقابلے میں ہلاک کیا گیا تھا۔

ان حقائق کے باوجود امریکی حکّام ایک ہی راگ الاپ رہے تھے کہ وہ پورا واقعہ کسی بھیانک سازش کا نتیجہ تھا جس میں اصل ہدف کھٹومل تھا۔ امریکی شہری شاید واردات کے عینی شاہد ہونے کی بنا پر ہلاک کردیے گئے تھے۔

ان کی نرالی منطق یہ تھی کہ کھٹومل کو ڈینی کے خلاف ایف آئی آر درج کرانے پر انتقام کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ وہ لوگ اس بات کا کوئی جواب دینے سے قاصر رہے تھے کہ غیر سفارتی نمبر پلیٹ والی لینڈ روور میں ان کے چار آدمی کھٹومل کے آس پاس کیوں موجود تھے۔

ایک اخبار کے نامہ نگار نے کمال ہی کردکھایا تھا۔ اس نے لینڈ روور کی پرائیویٹ نمبر پلیٹ سے اس کے مالک کا سراغ لگا کر انکشاف کیا تھا کہ وہ کھٹومل کا ایک قریبی ہندو دوست تھا جو ان دنوں کسی کاروباری دورے پر کینیا گیا ہوا تھا۔

امریکیوں کے دانت کھٹے کرنے کے لیے وہ انکشاف بہت اہم تھا۔ اگر وہ چاروں امریکی کسی مجبوری کے تحت اپنی سفارتی گاڑی میں سفر نہیں کررہے تھے تو کس اتفاق کے تحت کھٹومل کے دوست کی لینڈ روور استعمال کررہے تھے؟ کھٹومل کا وہ دوست بیرونِ ملک تھا۔ انہوں نے وہ گاڑی کس طرح اور کس اختیار کے تحت حاصل کی تھی؟

نامہ نگار نے اپنی اس دریافت کے ساتھ ان کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا تھا۔ اس کا مؤقف تھا کہ امریکیوں نے کھٹومل کو مارنے کے لیے اس کے دوست کی گاڑی استعمال کرکے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ پرائیویٹ گاڑی ہونے کی وجہ سے وہ ہر شک و شبے سے بالاتر رہتے اور اگر کوئی اس گاڑی کا نمبر نوٹ کرلیتا تو کھٹومل کے غیر حاضر دوست کا نام سامنے آنے پر بات الجھ جاتی۔ زیادہ سے زیادہ یہی سوچا جاسکتا تھا کہ ہندو برادری کے کسی ابھرتے ہوئے سیاسی رہنما نے کھٹومل جیسی طاقت ور شخصیت کو قتل کرکے اپنا راستہ صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔

اخبار اول خان نے بھی پڑھا تھا لیکن وہ تفصیل میں نہیں گیا تھا۔ اسے حقائق کا علم تھا اور وہ پُریقین تھا کہ امریکی سر کے بل کھڑے ہوجائیں تب بھی اپنے آلودہ دامن کے داغ نہیں مٹا سکیں گے۔

میں مزید دو دن تک مجبوری اور جزوی معذوری کے اس عذاب سے گزرتا رہا اور صرف اسٹیشن فور تک محدود رہا۔ اس دوران میں مَیں نے ایک بار پھر اوبرائن کو فون کیا تاکہ اس کے صبر کا پیمانہ چھلکنے سے پہلے اسے تھپک کر سلا سکوں۔

"تم فون کرتے ہو اور غائب ہوجاتے ہو۔" میری آواز پہچانتے ہی وہ پھٹ پڑا "مجھے اپنا فون نمبر دو تاکہ میں ضرورت کے وقت تم سے رابطہ کرسکوں۔"

"نہیں اوبی، تم مجھے مروا دو گے۔" میں نے سختی سے انکار کردیا "تم نے شکایت واپس لے کر اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش ضرور کی ہے مگر میری دُم میں بدستور نمدہ کسا ہوا ہے۔"

"کیوں؟ اب تم پر کیا مصیبت آئی ہوئی ہے؟" اس نے بھنا کر پوچھا۔

"باہر میری نگرانی ہوتی ہے، دفتر میں لوگ محتاط رہ کر بات کرتے ہیں۔ یہ سوال ہر ایک کے لیے پریشان کن ہے کہ فورس کے سیکڑوں اہل کاروں میں سے صرف میرا نام کیوں لیا گیا۔"

"میں اپنا کام کرچکا ہوں۔ یہ تمہارے ذاتی معاملات ہیں۔ انہیں تم ہی سنبھالو گے۔ مجھے جلد از جلد نتیجہ چاہیے۔" دوسری طرف سے بے اعتنائی سے جواب دیا گیا۔

"ہر کام کو بگاڑنا بہت آسان ہوتا ہے۔ اسے سنبھالنا دشوار ہوجاتا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا "نتیجے کے لیے تم کو کچھ انتظار کرنا ہوگا۔"

"پہلے تم نے بتایا تھا کہ تم فہرستوں تک رسائی حاصل کرنے والے تھے؟"

"وہ اس وقت کی بات ہے جب تم نے مجھ پر الزام تراشی نہیں کی تھی۔ اس کے بعد میں اشتباہ آمیز نگاہوں کا مرکز بن گیا ہوں۔"

"کان کھول کر سن لو!" اس کی تادیبی آواز ابھری "میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔"

"نہ دو" میں نے بے پروائی سے کہا "میرا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔"

"میں تمہارے بارے میں پریس ریلیز جاری کرادوں گا۔ تم تباہ ہوجاؤ گے۔"

"میں پہلے ہی تباہ ہوچکا ہوں۔ مزید کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہم لوگ پریس کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ ہم کو اپنے اوپر نیچے والوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ ان میں تم میری ساکھ خراب کرچکے ہو۔"

"کیا میں یہ سمجھ لوں کہ اب تم مجھے آنکھیں دکھانے پر تل گئے ہو؟"

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ میں صرف یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ مجھ پر ناجائز دباؤ مت ڈالو۔ میں خود بھی وقت برباد کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"کام ہوجائے تو مجھے فون کرنا۔ ڈینی کے بارے میں کیا ہورہا ہے؟"

"وہ کراچی ہی میں ہے۔ میں ایک آدھ بار دور سے اسے دیکھ بھی چکا ہوں۔ بات وہی ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کے اعتماد سے محروم ہوچکا ہوں۔ ان سے کچھ اگلوانا مشکل ہوگیا ہے۔"

"تم نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ میرے اپنے بھی کچھ ذرائع ہیں۔ میں دیکھوں گا کہ میں نے تمہارے لیے کتنی مشکلات پیدا کی ہیں۔ تمہاری غلط بیانی سامنے آئی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ تم اپنا اطمینان کرلو" میرے یہ کہتے ہی فون بند ہوگیا۔

اس گفتگو کے دوران میں ویرا اور غزالہ کمرے میں ہی موجود تھیں۔ سلطان شاہ ایس ٹی ایف کے جوانوں کے ساتھ والی بال کورٹ میں گیا ہوا تھا۔

"تم چھیڑ چھاڑ کرکے اسے بلاوجہ اشتعال دلا رہے ہو" فون بند ہونے پر ویرا نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ جو کچھ چاہ رہا ہے اسے فراہم کردوں؟"

"اس کے اشاروں پر ناچنا نہیں چاہتے تو خاموش بیٹھے رہو" وہ بولی۔

"خاموش رہ کر اس سے رابطہ توڑنا مناسب نہیں ہے۔ وہ اس وقت ہمارا اکلوتا بدترین دشمن ہے جو نگاہوں میں آیا ہوا ہے۔ جلد یا بدیر اس کے خلاف کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا ہی پڑے گا۔"

"اس سے رابطہ قائم رکھ کر تم کیا فائدہ حاصل کرنے کی آس لگائے بیٹھے ہو؟"

"وہ میری طرف سے تھوڑا سا پُرامید رہے گا۔ شاید میں اسی طرح اس پر ڈورے ڈال سکوں۔"

"یہ رابطہ تمہارے لیے نقصان دہ ہے۔ اس کے ساتھیوں کو ان رابطوں کا علم رہے گا۔ کبھی بھی اس کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوئی تو الزام تمہارے اوپر آجائے گا۔"

"پتا نہیں، یہ اول خان اسلام آباد کب جائے گا۔ میں تم سے اس حد تک متفق ہوں کہ چوہے اور بلی کا یہ کھیل زیادہ طویل نہیں ہونا چاہیے۔"

"اول خان کا آج رات اسلام آباد جانے کا پروگرام ہے" غزالہ نے مجھے بتایا۔

پھر اول خان بھی آگیا۔ اس نے غزالہ کی دی ہوئی اطلاع کی تائید کی اور مزید بتایا کہ اس کے باس کی مصروفیات کی وجہ سے اس کی روانگی میں تاخیر ہوئی تھی۔ اسلام آباد میں اس سے ملاقات کے بعد اگلی شام تک اسے واپس آجانا تھا۔

میں نے اسپتال کا بستر چھوڑنے کے ساتھ اس کمرے کو بھی خیرباد کہہ دیا تھا۔ یونٹ میں اقامتی سہولتوں کی قلت تھی پھر بھی

اول خان نے ایک کمرا عورتوں کو دیا ہوا تھا۔ دوسرا سلطان شاہ کے حوالے تھا۔ کسی کسی وقت وہ خود بھی سلطان شاہ کے کمرے میں سستا لیتا تھا۔

وہ سچویشن نازک تھی۔ میرے اور غزالہ کے یک جا ہونے کی صورت میں ویرا کو سلطان شاہ کے ساتھ گزارہ کرنا پڑتا۔ تکنیکی اعتبار سے وہ کوئی موزوں بندوبست نہ ہوتا۔ مکمل تخلیے میں ویرا اس کی جو درگت بناتی' اس کا صرف تصور ہی کیا جا سکتا تھا۔ معاملات ان دونوں کے درمیان رہتے تو کوئی مضائقہ نہیں تھا لیکن مجھے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ غالب امکان یہی تھا کہ اس بندوبست سے کچھ ایسی تلخیاں جنم لیتیں کہ ہمارے لیے حالات کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔

اس غور و خوض کے بعد میں نے اعلان کر دیا کہ میں کوئی متبادل بندوبست ہونے تک سلطان شاہ کے کمرے میں رہوں گا۔

شاید اول خان بھی اس بارے میں فکرمند تھا۔ میرا فیصلہ سنتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ مجھے عورتوں کے کمرے سے اٹھا کر راہداری میں لے گیا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے کافی دنوں سے شراب نوشی ترک کی ہوئی ہے۔" تخلیے میں پہنچ کر اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا "یہ حقیقت ہے یا صرف میرا احساس ہے؟"

"طبیعت اس طرف راغب نہیں ہوتی۔ ویسے میں تائب نہیں ہوا ہوں۔ اوبرائن کے ساتھ میں نے ایک گلاس لیا تھا۔ تمہیں اس بارے میں کیا پریشانی لاحق ہے؟"

"تم لوگ یہاں میرے مہمان ہو۔ تمہاری ضروریات کا خیال رکھنا میرا فرض ہے" اس نے انکسار سے کہا۔ "کہو تو اسلام آباد جانے سے پہلے کچھ بندوبست کر دوں؟"

"میری فکر مت کرو" میں نے ہنستے ہوئے کہا "بس ویرا کے دال دلیے کا بندوبست کر دو۔"

"اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے دس بوتلوں کا کریٹ آچکا تھا۔ وہ اسی کی تحویل میں ہے۔"

میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "تم نے وہ پورا کریٹ اس کے حوالے کر دیا۔"

"پھر کیا کرتا؟" وہ ہنسنے لگا "مجھے تو یہ تک نہیں معلوم کہ کون سی بوتل باہر اور کون سی فریج یا فریزر میں رکھی جاتی ہے۔ اپنی ضروریات وہی سنبھال سکتی ہے۔"

"اس نے لائن لگا دی ہوگی۔ اب اس بارے میں اس سے کچھ نہ پوچھنا۔"

"وہ کئی بار سرور میں ضرور نظر آئی لیکن اس نے بے اعتدالی نہیں کی" اول خان نے ویرا کی صفائی پیش کی "اب اس کی دیکھ بھال تمہارے ذمے ہے۔"

"مجھے یہاں فون کی کمی محسوس ہو رہی ہے" میں نے اس کے ساتھ سلطان شاہ والے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "آج رات جہانگیر سے بات کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔"

"فون یہاں تک لانے میں ذرا سی الجھن ہے۔ زمین کھود کر تار دبانا پڑے گا..."

"پھر بھول جاؤ۔" میں نے اسے منع کر دیا "میں تمہارے دفتر سے ہی بات کر لوں گا۔"

"میرا کمرا تمہارے لیے ہر وقت کھلا رہے گا۔ میں آدمیوں کو ہدایت دے دوں گا۔"

کھانے کے بعد اول خان ہم سے رخصت ہو کر اپنی گاڑی میں ائرپورٹ روانہ ہو گیا۔

"سلطان شاہ والی بال کھیل کر تھکا ہوا ہے۔ اب لمبی تان کر سوئے گا۔ تم زنانہ کمرے میں ہی آجاؤ۔" ویرا نے مجھے پیشکش کی۔ "بے چاری غزالہ میری وجہ سے بور ہوتی رہتی ہے۔"

میں نے اسے گھور کر پوچھا "بور ہونے کی کوئی نہ کوئی وجہ بھی ہوتی ہوگی۔"

"کمرے میں چل کر خود ہی اندازہ لگا لوگے" وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔

ان کے کمرے میں اول خان نے اپنے گھر سے کچھ آرائشی چیزیں بھی منگوا دی تھیں جن کی وجہ سے وہ کمرا خاصا نکھر گیا تھا۔ ویرا نے ایک الماری کے نچلے خانے میں سے اسکاچ کی بوتل نکالی تو غزالہ کی بوریت کا سبب خود بہ خود واضح ہو گیا۔

بوتل اور دو گلاس تپائی پر رکھ کر ویرا فیلڈ انٹرکام پر میس سے برف طلب کر رہی تھی تو غزالہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے اس کا ساتھ دینے سے منع کر دیا۔

"یہ کیا بدذوقی ہے؟" میں نے ویرا پر آنکھیں نکالیں "کھانے کے بعد اسکاچ کی کیا تک ہے؟"

"میں نے تم لوگوں کا ساتھ دینے کے لیے بس دو چار لقمے لیے تھے۔ کھانا تھوڑی دیر بعد کھاؤں گی" اس نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ "اول خان نے اس ویرانے میں بھی میرا بہت خیال رکھا ہے۔"

"دوسرا گلاس واپس رکھ دو۔ میں شکم سیر ہو چکا ہوں" میں نے بے رخی سے کہا۔

"اوہ!" ویرا کا منہ لٹک گیا "میں سوچ رہی تھی کہ آج تمہارے ساتھ مزہ آئے گا۔ ساتھ نہیں دیتا تو میں تم کو باندھ کر نہیں بٹھاؤں گی۔ خاموش اور کھلی فضا میں غزالہ کے ساتھ چہل قدمی کر کے تمہیں عجیب راحت ملے گی۔ اس دوران میں' میں اپنا کوٹا پورا کر لوں گی۔"

تجویز اس کی طرف سے آئی تھی۔ میں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ "اب تک کتنی بوتلیں نگل چکی ہو؟"

"سختی سے ایک بوتل یومیہ چل رہی ہے۔ باقی اسٹاک موجود ہے۔"

"اداس لومڑی کی طرح اکیلے بیٹھ کر پینے میں تمہیں کیا مزہ آتا ہے؟"

"کیسٹ پر اپنی پسند کی دھنیں سنتی ہوں یا پھر پرانی غزلیں۔ تمہیں پتا ہے کہ یہ میرے پرانے شوق ہیں۔ کیسٹ پلیئر موجود ہو تو مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

کیسٹ پلیئر اس کے سرہانے موجود تھا۔ وہ اس میں الجھ گئی۔ میں غزالہ کو لے کر باہر نکل گیا۔

تاروں بھرے آسمان کے نیچے ملیر چھاؤنی کا وہ پُرسکون علاقہ اس وقت خواب ناک منظر پیش کر رہا تھا۔ بجری سے ڈھکے ہوئے میدان میں بیرکوں سے آنے والی بس اتنی روشنی تھی کہ قرب و جوار میں دیکھا جا سکتا تھا۔ میدان سے آگے پختہ سڑک تھی جس پر قطار سے اسٹریٹ لائٹس جل رہی تھیں۔ ادھر سے کبھی کبھار اِکّا دُکّا گاڑی گزر جاتی تھی ورنہ وہاں سائیکلوں پر سوار یا پیدل چلنے والے فوجیوں کا راج تھا۔ اس علاقے میں مشینی ٹرانسپورٹ کی بھرمار نہ ہونے کی وجہ سے فضا میں آلودگی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے میدان سے سڑک تک آ گئے۔ مادرِ وطن کے لیے اپنی جانوں کی بازی لگانے والے شہبازوں کے لیے میرا زخمی بازو ذرا بھی اہم نہیں تھا۔ ہم کسی کی چبھتی ہوئی طنزیہ یا سوالیہ نگاہوں کا نشانہ بنے بغیر اگلے چوراہے پر ایک اسٹور تک گئے۔ وہاں چھاؤنی میں رہنے والے اِکّا دُکّا افسران اپنی فیملی کے ساتھ موجود تھے۔

اسٹور ضروریاتِ زندگی سے لدا ہوا تھا۔ اشیا تروتازہ اور نرخ معقول تھے۔ ہم یخ بستہ کولڈ ڈرنک لے کر اسٹور سے ملحق لان پر جا بیٹھے۔ غزالہ مجھے اپنے پشاور کے مختصر سے قیام کے دوران میں ہونے والے معاشرتی تجربات کے بارے میں بتا رہی تھی۔

ویرا کمرے میں محبوس، جام و سبو کی تنہا تمنائی تھی اور ہم اس کے مشورے پر کھلی فضا سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بوتلیں ختم کر کے بھی ہم دیر تک وہاں بیٹھے اور باتیں کرتے رہے۔ اس روز مجھے غزالہ بدلی بدلی اور زیادہ پُرکشش محسوس ہو رہی تھی۔ اسے بے اندازہ خوشی تھی کہ میں نے محض اس کی جنبشِ ابرو پر ویرا کی دعوت رد کر دی تھی۔

واپسی پر میں اول خان کے دفتر کی طرف نکل گیا۔ چابی رات کے گارڈ کے پاس موجود تھی۔ اس نے فلیگ پوسٹ پر روشن بلب کے نیچے ہمیں پہچان کر فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔

اول خان اسٹیشن فور کا کمانڈر تھا۔ اسے ہر طرح کے وسائل میسر تھے لیکن اس کے دفتر میں مجھے ہمیشہ سادگی نظر آئی تھی۔ بنیادی ضرورت کی ہر دفتری سہولت موجود ہونے کے باوجود وہاں تعیش کا سایہ تک نہیں تھا۔ اپنے کردار اور عمل کی اسی مضبوطی کے بل پر وہ اپنے جوانوں سے تپتی ہوئی دھوپ اور کڑکتے ہوئے جاڑے میں بھی گھنٹوں کام لے سکتا تھا۔

"کراچی میں آپ چار دوست ہوا کرتے تھے نا؟" اول خان کے دفتر کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر غزالہ نے سوال کیا "ان ہی میں جہانگیر بھی ہوا کرتا تھا۔"

"ہاں!" میرا ذہن یک بہ یک برسوں پرانے ماضی کی یادوں میں کھو گیا "عجیب دن تھے وہ بھی۔ میں، جہانگیر، طارق اور نادر خان۔ طارق ایسی بے بسی اور کس مپرسی کے عالم میں مارا گیا تھا کہ ہم میں سے کسی کو اس کے جنازے کو کندھا دینے کی بھی اجازت نہیں ملی تھی پھر نادر خان بھی یوں ہی ہم سے بچھڑ گیا۔ کراچی میں شی کے کاروبار کی بنیاد رکھنے والوں میں سے میرے ساتھ صرف جہانگیر باقی رہ گیا۔"

"اسی لیے آپ دونوں ایک دوسرے کا اتنا خیال رکھتے ہیں؟" غزالہ دھیرے سے ہنسی۔

"مجھے اس کا کچھ زیادہ ہی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ وہ ابتدا ہی سے ذرا گھامڑ واقع ہوا ہے" یہ کہہ کر میں فون پر جہانگیر کے گھر کا نمبر ملانے لگا۔

فون سلمٰی نے ریسیو کیا تو میں نے اندازہ لگا لیا کہ جہانگیر کہیں بیٹھا عالمِ سرور میں جھوم رہا ہوگا۔

"بڑا بھائی کیا کر رہا ہے؟" میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر ماؤتھ پیس میں سوال کیا۔

"آخر تمہیں ہمارا خیال آ گیا" سلمٰی میری آواز پہچان کر اپنائیت سے بولی "کسی سے کچھ کہے سنے بغیر اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے؟"

"ابھی بھی غائب ہی ہوں۔ لاہور سے فون کر رہا ہوں" میں نے کہا۔

"تم آس پاس یا شہر میں ہوتے ہو تو میرے دل کو عجیب سی ڈھارس رہتی ہے کہ ہم پر کوئی برا وقت نہیں آئے گا۔ تمہارے غائب ہوتے ہی میں اندر سے خالی ہو جاتی ہوں۔"

"میں جلد ہی لوٹ آؤں گا۔ تمہارا افلاطون اس وقت مجھ سے بات کر سکے گا؟"

"اپنا پٹرول پیے بغیر وہ مشکل سے ہی بولتے ہیں اور اوٹ پٹانگ بولتے ہیں۔ اس وقت بھی دوسرا پیگ بناتے ہوئے تمہیں یاد کر رہے تھے..... ہولڈ کرو، میں انہیں بلاتی ہوں۔"

"یار ڈینی دی گریٹ۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ کہیں تم عالمِ بالا کی طرف ہی کوچ نہ کر گئے ہو۔ ابھی میری نصف بدتر نے بتایا کہ تم صرف لاہور تک پہنچے.... اے! دور ہٹو، یہ کیا بدتمیزی ہے..... میں ابھی تمہارا منہ توڑ دوں گا۔"

مجھ سے بات کرتے کرتے وہ سلمٰی کی کسی حرکت پر شاید اس سے الجھ پڑا تھا اور ریسیور پر ہتھیلی رکھے بغیر سارے مکالمات براہِ راست نشر کر رہا تھا۔

"کس کا منہ توڑ رہے ہو؟ کیا اول فول بک رہے ہو؟" میں نے تمسخر سے پوچھا۔

"اپنے مقدر میں سلمیٰ کے سوا اور کون ہے؟ میں تم سے بات کر رہا ہوں۔ تکلیف اسے ہو رہی ہے۔ میرے پیٹ میں انگلی مار کر مجھے بدترین کہہ رہی تھی۔"

"صحیح کہہ رہی تھی۔ جس چیز کو تم اپنا پیٹ سمجھ رہے ہو وہ پیٹ نہیں، توند کہلاتی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم ہمیشہ اس کی حمایت کرتے ہو۔ اس نے تمہیں اُلو کا گوشت کھلایا ہے جو تمہیں اس کی ہر بات صحیح نظر آتی ہے۔"

"اُلو کے گوشت میں یہ تاثیر ہوتی تو سلمیٰ سب سے پہلے تم کو اسی کا قورمہ کھلاتی تاکہ تمہاری چھت کے نیچے ہر وقت سکھ چین کا دور دورہ رہے" میں نے جل کر کہا۔

"اپنی چہیتی سے کہو کہ مجھے اُلو کے گوشت کے بجائے سنکھیا دے دے۔ اس کی پوری زندگی سکھ چین سے کٹے گی۔ وہ میری ہر خوشی سے جلتی ہے۔ دو گھونٹ شراب پی لوں تو میری ہر بات کو شرابی کی بڑ کہہ کر ٹال دیتی ہے" بولتے بولتے اچانک اس کی آواز مسرت آمیز سرگوشی میں تبدیل ہو گئی "سالی جل بھن کر پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔"

"تم بہت خبیث ہو گئے ہو۔ اپنی بیوی کی بے عزتی کر کے خوشی محسوس کرتے ہو۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ وہ ناخن بڑھائے رکھتی ہے۔ میں اسے ہزار مرتبہ منع کر چکا ہوں کہ میری تت.... مم.... میرے پیٹ میں انگلیاں نہ مارا کرے۔ کسی دن ناف میں اس کا زہریلا ناخن گھس گیا تو وہ بیٹھے بٹھائے بیوہ ہو جائے گی۔ وہ سمجھ کر ہی نہیں دیتی۔"

"مجھے ان خرافات سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے" میں نے تلخی سے کہا "میں نے صرف یہ جاننے کے لیے فون کیا ہے کہ گولڈن فارمیسی کیسی چل رہی ہے۔ کوئی تمہیں تنگ تو نہیں کر رہا؟"

"دکان روز کھل رہی ہے اور علاقے میں تمہاری دعا سے میری دھاک بھی بیٹھ گئی ہے۔"

میرے کان کھڑے ہو گئے "کیا کسی کے ساتھ مار پیٹ کی نوبت آ گئی تھی؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں ایسے دھندوں سے ہمیشہ دور رہا ہوں۔ کالو مکرانی اور قاسم کی گرفتاری نے سب کے دماغ ٹھیک کر دیے ہیں۔ پرسوں تین بڈھے میرے پاس آئے تھے۔"

"تمہیں بزرگوں کا احترام کرنا بھی نہیں آتا۔ وہ کوئی سفارش لے کر آئے ہوں گے؟"

"ہاتھ پیر جوڑ رہے تھے کہ ان دونوں کو چھڑوا دوں" بولتے بولتے ایک مرتبہ پھر اس کی آواز رازدارانہ ہو گئی "قاسم کی حرافہ بیوی بھی ان کے ساتھ آئی تھی۔ اسے میں نے پھٹکار کر دکان سے نکال دیا۔ وہ آخر تک فٹ پاتھ پر کھڑی مجھے دیکھتی رہی۔"

"وہ دوبارہ آئیں تو ان سے سمجھوتا کر لینا۔ چند روز میں وہ دونوں رہا ہو جائیں گے۔"

"وہ چھوٹنے والے ہیں تو میں کل ہی فون کر کے ان تینوں کو بلا لوں گا۔ مفت میں سالوں پر احسان ہو جائے گا۔ علاقے میں دکان چلانی ہے تو ان سے بنا کر رکھنی پڑے گی۔"

"گڈ.... مجھے خوشی ہے کہ یہ موٹی سی بات تمہاری سمجھ میں آ گئی۔ اب سلمیٰ سے نہ لڑنا۔ وہ تمہاری بدخواہ ہوتی تو تمہاری مدہوشی میں دس دفعہ تمہاری ناف کو ناخنوں سے نوچ چکی ہوتی۔ تمہاری ان بے سروپا بدگمانیوں کی وجہ سے وہ تم سے بیزار رہتی ہے۔"

"آج تو میں ویسے بھی اس سے لڑنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" اس نے اپنی دانست میں مجھے اطمینان دلایا "اس سے پوری صلح تمہاری واپسی کے بعد ہو گی۔"

"گھر میں تمہارا جو جی چاہے کرتے رہو۔ باہر نکلو تو ہوش و حواس میں رہا کرو۔ آج کل شہر کے حالات کچھ خراب چل رہے ہیں۔ کہیں بھی کوئی دوسرا کالو مکرانی ٹکرا سکتا ہے۔"

"تمہارے مشورے کے بغیر میں اسی اصول پر چل رہا ہوں۔ باہر ہوش، گھر میں مدہوش۔ اس سنہرے اصول سے زندگی بہت آسان اور گوارا ہو جاتی ہے۔"

"اب تم سے واپسی پر ملاقات ہو گی..." میں نے اختتامی فقرے کے ساتھ فون بند کرنا چاہا مگر اس نے درمیان میں سے ہی میری بات اچک لی۔

"کسی وقت ویرا اور غزالہ کو ادھر بھیج دو۔ تمہارے جاتے ہی سب غائب ہو جاتے ہیں۔"

مجھے معلوم تھا کہ وہ غزالہ کا نام تکلفاً لے رہا تھا ورنہ اسے اصل حاجت ویرا کی تھی۔ اس جیسی حسین اور ذہین لڑکی کے ساتھ پینے کا حظ وہ کئی بار اٹھا چکا تھا۔

"وہ دونوں میرے ساتھ ہیں۔" میں نے جہانگیر کو ٹال دیا۔ "واپسی پر ہم سب مل کر تمہارے گھر ایک شام گزاریں گے۔ تمہارے سارے شکوے دور ہو جائیں گے۔"

"چشمہ روشن......" اس نے اپنی مسرت کا اظہار کرنا چاہا اور میں نے اسے پھٹکار دیا۔

"وہ چشمہ نہیں چشم ما ہے، بے وقوف آدمی! گاڑھی اردو نہیں بول سکتے تو اس کی ٹانگ مت توڑا کرو۔ میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔"

"مجھے معلوم ہے۔ بس کبھی کبھی زبان ذرا بہک جاتی ہے۔" کھسیانی ہنسی کے ساتھ جواب آیا اور میں نے فون بند کر دیا۔

ہم ایک ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت گزار کر کمرے میں پہنچے تو میز پر سے بوتل غائب تھی۔ ویرا کے گلاس میں کنڈنی سیال کے چند

گھونٹ نظر آرہے تھے۔ وہ خود کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے' میز پر پاؤں پسارے سگریٹ کے کش لے رہی تھی۔ کیسٹ دھیمی آواز میں چل رہا تھا۔

اسٹیشن فور بنیادی طور پر ایک فوجی کیمپ تھا جہاں ملحق باتھ روم جیسی عیاشیوں کا گزر نہیں تھا۔ اول خان نے دونوں عورتوں کی سہولت کے لیے قریبی غسل خانہ اور بیت الخلا ان کے لیے مخصوص کرکے مقفل کرادیا تھا۔ غزالہ لباس تبدیل کرنے کے لیے غسل خانے کی چابی لے کر چلی گئی تو ویرا نے مخمور اور گھائل نظروں سے میری طرف دیکھا "اس کمرے میں بیٹھو گے نہیں؟"

"دن لمبا تھا۔ رات گہری ہو چکی ہے۔ میں سونا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ان پنجروں سے جہانگیر کا گھر اچھا تھا جہاں ہر وقت عافیت اور سکون کا کوئی نہ کوئی گوشہ میسر رہتا تھا۔ ہم کب تک یہاں پڑے رہیں گے۔"

"اوبرائن کا مسئلہ حل ہونے تک ہمیں شہر سے دور رہنا پڑے گا۔ ابھی تک اس نے مجھ سے تمہارا ذکر نہیں کیا لیکن میرا اندازہ ہے کہ میرے ساتھ ساتھ وہ تمہیں بھی ڈھونڈ رہا ہوگا۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ جہانگیر کے گھر سے قدم باہر نہیں نکالوں گی۔ مجھے اس قید خانے سے وہاں پہنچادو۔ یہاں مجھے وحشت ہونے لگی ہے۔"

"تم اکیلی نہیں ہو' غزالہ بھی تمہارے ساتھ رہ رہی ہے۔" میں نے پچکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"غزالہ کی دل جوئی کے لیے تم یہاں ہو۔" اس نے شکایت کی۔ "میں کسے اپنا سمجھوں۔ یہاں کے کھلے ماحول میں تم بھی مجھ سے کھچے کھچے رہنے لگے ہو۔ کسی کسی وقت جھلا کر جی چاہتا ہے کہ تمہارا گلا گھونٹ کر اپنی کنپٹی پر گولی مارلوں۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی نیلی اور خمار زدہ آنکھوں میں گمبھیر اداسی تیر رہی تھی جس میں اداکاری کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"شراب پینے کے بعد تم ضرورت سے زیادہ حساس اور جذباتی ہو رہی ہو ورنہ میرے رویّے میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ مجھے اپنے اور غزالہ کے رشتے کا احترام کرنا پڑتا ہے۔"

"کسی وقت میرے مجروح جذبوں کے بارے میں بھی کچھ سوچ لیا کرو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اتنے اجنبی نہیں ہیں' جتنا دوسرے سمجھتے ہیں۔"

میں نے کھڑے کھڑے بے چینی سے اپنا وزن دوسرے پاؤں پر منتقل کیا اور کہا "زندگی میں کچھ موڑ ایسے بھی آتے ہیں جہاں ماضی کی یادیں عذاب بن جاتی ہیں۔ کوشش کرو کہ ان یادوں کو فراموش کیے رہو۔ محض میری اور میری خانگی زندگی کی خاطر۔"

"ڈیئی ڈارلنگ! یہ کیا کہہ دیا تم نے؟ تمہاری خاطر تو میں نے خود کو برباد کرلیا ہے۔"

"بس ویرا۔ چپ رہو اور ہوش کی باتیں کرو۔" میں نے گھبرا کر تیزی سے کہا "غزالہ کسی بھی لمحے خاموشی سے کمرے میں آجائے گی۔"

ویرا تلخی سے ہنس پڑی "وہ تمہارے سامنے زبان نہیں کھولتی تو یہ نہ سمجھو کہ وہ بھولی ہے۔ وہ سب سمجھتی ہے۔ اسے میری حسرتوں کا بھی اندازہ ہے اس لیے وہ تم کو میرے پاس چھوڑ کر کپڑے بدلنے گئی ہے۔ نادان ہوتی تو تمہارے جانے کے بعد غسل خانے کا رخ کرتی۔"

مجھے گھبراہٹ سے اپنی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ میں نے جلدی سے کہا "تم فکر مت کرو۔ کل اول خان کے آنے کے بعد میں تمہیں جہانگیر کے گھر پہنچادوں گا۔"

"وہ اپنی سفاک بیوی سے پریشان ہے اور محبت کی قدر کرنی جانتا ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس کے ساتھ چند گھڑیاں گزار کر میری انا کو کتنی تسکین ملتی ہے۔ وہ میری جھڑکیاں بھی ہنس ہنس کر سنتا ہے اور اس کی پیشانی پر ذرا بل نہیں آتا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اس وقت بہت خطرناک موڈ میں آچکی تھی۔

"اور وہ تو بالکل نکما ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس کی بوجھل زبان دوبارہ چل پڑی "ورزش کرنے اور والی بال کھیلنے کے سوا اسے یہاں اور کچھ نظر نہیں آتا۔ پتا نہیں کس مٹی کا بنا ہوا ہے۔ ہرجمالیاتی حس سے بالکل عاری اور پتھر کی طرح بے جان ہے ....."

غزالہ لباس تبدیل کرکے لوٹ آئی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ راہ داری میں قدموں کی چاپ سنتے ہی ویرا نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"اچھا ویرا' شب بخیر۔ تم غزالہ سے گپ شپ کرو۔" میں اس کا جواب سنے بغیر وہاں سے نکل گیا۔ برابر والے کمرے میں اندھیرا تھا اور سلطان شاہ تھک ہار کر بے خبر سو رہا تھا۔

وہ رات سکون سے گزر گئی۔

بیرکیں وسیع میدان میں بنی ہوئی تھیں۔ کمروں کے دونوں طرف دالان نما برآمدے تھے مگر ابھرتے ہوئے سورج کی کرنیں صبح سویرے ہی کھڑکیوں اور روشن دانوں سے چھن کر کمرے میں اجالا کردیتی تھیں جس کی وجہ سے دیر تک سونا ممکن ہی نہیں تھا۔

فضا قریب اور دور کی ملی جلی آوازوں سے گونج رہی تھی جن میں ڈرل' مارچ اور کاشن دینے کی صدائیں شامل تھیں۔ میں ناشتے سے فارغ ہوکر برآمدے میں نکلا تو رات کو ویران پڑے ہوئے میدانوں میں یکساں اور یک رنگ انسانوں کی بہار آئی ہوئی تھی۔ دور دور تک ہر یونٹ اپنے گراؤنڈ پر اپنی اپنی وردی میں مصروف تھا۔

بازو کے زخم کی وجہ سے میں کسی کی مدد کے بغیر لباس تبدیل نہیں کرسکتا تھا۔ میرے بدن پر پچھلی شام سے ایک ہی ڈھیلا ڈھالا لباس تھا جو شب خوابی کی وجہ سے شکن آلود ہوچکا تھا۔ میں بیرک سے دور جانے کے بجائے اول خان کے دفتر کی طرف چل دیا۔

اول خان نہیں تھا لیکن دفتر میں اس کا عملہ موجود تھا۔ تینوں آدمیوں نے مجھے دیکھتے ہی اپنی جگہیں چھوڑ کر سلام کیا، میری مزاج پرسی کی اور دفتر سے نکل گئے۔

میں نے کرسی پر دراز ہوکر سگریٹ ہونٹوں میں دبائی اور لائٹر سے سلگا کر اپنے فیصلے پر غور کرنے لگا۔ میرا ارادہ اوبرائن کو فون کرنے کا تھا۔

اول خان شام تک اسلام آباد سے اوبرائن کی قسمت کا فیصلہ لے کر آنے والا تھا۔ اس وقت اسے اپنی طرف سے پُرامید رکھنے کے لیے میں ایک فون کال کرلیتا تو اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ میں وقت سے پہلے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا کر شام کو کوئی بہتر راستہ اختیار کرسکتا تھا۔

میں یوں ہی بیٹھا ہوا تھا کہ اول خان کا اردلی میرے لیے گرم گرم چائے کی پیالی لے آیا۔

"میں بہت شدت سے تمہیں یاد کررہا تھا۔" رابطہ ہونے پر اوبرائن نے پُرسکون آواز میں کہا "تم کہاں ہو اور اس وقت کن حالات سے گزر رہے ہو؟"

"مجھے خوشی ہے اوبی کہ آج تم نے میری آواز سن کر کسی چڑچڑے پن کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میں تمہارے شہر میں ہوں اور ادارے میں اپنی ساکھ بحال کرنے کی سرتوڑ کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ ابھی تک حوصلہ افزا نتائج سامنے آئے ہیں۔ دیکھو آگے کیا ہوتا ہے۔"

"میرے سکون کا سبب یہ ہے کہ میں تمہاری طرف سے مطمئن ہوچکا ہوں۔"

"پہلے یہ بے اطمینانی کیوں تھی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میری اپنی غلطی تھی۔ تم نے اپنا تعارف کرایا اور میں نے تمہیں کرنل جمال دستی تسلیم کرلیا۔ بعد میں مجھے رہ رہ کر خیال آتا رہا کہ تم کوئی فراڈ بھی ہوسکتے ہو۔ تمہاری آواز سنتے ہی میرا یہ احساس زیادہ قوی ہونے لگتا تھا۔"

"کیا میں تمہارے موجودہ اطمینان کا سبب جان سکتا ہوں؟" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"ضرور.... تمہارے فنگر پرنٹس کے موازنے سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ تم کرنل جمال دستی ہی ہو۔"

اس کی زبان سے فنگر پرنٹس کا ذکر سن کر میرے اوسان خطا ہوگئے۔ پتا نہیں اس نے میرے فنگر پرنٹ کب اور کیسے حاصل کرلیے تھے۔

"میرے فنگر پرنٹس تمہارے پاس کہاں سے آگئے؟" لمحہ بھر سوچنے کے بعد میں نے اس سے براہِ راست سوال کرڈالا۔ اس کا جواب میرے لیے بہت اہم تھا۔

"چیف سیکریٹری کی بریفنگ میں تم اور اول خان پہلی بار شریک ہوئے تھے۔ وہاں سے تم دونوں کے نشانات لے کر محفوظ کرلیے گئے تھے۔ یہ میرے نیٹ ورک کی خوبی ہے کہ ضروری معلومات خود بخود مجھ تک پہنچتی رہتی ہیں۔ ایسا ہی بندوبست تمہارے ساتھ بھی ہونا چاہیے۔"

"تمہاری موازنے والی بات ادھوری رہ گئی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم نے میرے گھر میں اسکاچ کا ایک گلاس لیا تھا۔ وہ گلاس میں نے غیرارادی طور پر محفوظ کرلیا تھا۔ کل خیال آیا تو میں نے موازنے کے لیے اسے لیبارٹری میں بھیج دیا۔ رپورٹ تمہارے حق میں تھی۔ اب میں پُرسکون ہوں کہ میرا رابطہ صحیح آدمی سے ہوا ہے۔"

وہ بہت مکار اور چالاک تھا۔ وہ خبر سنا کر اس نے مجھے پریشان کردیا تھا۔ ڈینی کے طور پر میرا کوئی ریکارڈ ان کے پاس نہیں تھا لیکن کرنل جمال دستی کے نام سے میرے فنگر پرنٹس امریکی ریکارڈ میں شامل ہوچکے تھے۔ ان کی بنا پر وہ کہیں بھی میری موجودگی کا سراغ لگاسکتے تھے۔

آزادانہ طور پر کام کرتے ہوئے بہت سے مقامات ایسے ہوسکتے تھے جہاں کرنل جمال دستی کا وجود بدترین شکوک وشبہات کا سبب بن سکتا تھا۔ ایسی جگہوں پر مجھے اپنے فنگر پرنٹس چھوڑنے سے کامل گریز کرنا تھا۔ جس کی واحد صورت یہ تھی کہ میں سرجری میں استعمال ہونے والے باریک جلدی دستانوں کا استعمال شروع کردوں۔

"تم واقعی حیران کن صلاحیتوں کے مالک ہو۔ شاید تم نے سوچ سمجھ کر ہی مجھے شراب کی پیش کش کی تھی؟" میں نے اس کے ہاتھوں ایک زک اٹھانے کے بعد پوچھا۔

"یہ میرے کام کا ایک حصہ ہے۔ ایسے اجنبی ملاقاتیوں سے مجھے نفرت ہے جو اپنی کوئی شناخت چھوڑے بغیر رخصت ہونے کے عادی ہوں۔ میں دفتر اور گھر میں لوگوں کو کوئی نہ کوئی مشروب یا سادہ پانی پیش کرکے ان کے فنگر پرنٹس ضرور لے لیتا ہوں جو ایک مخصوص مدت کے بعد ضائع کردیے جاتے ہیں۔"

"میرے فنگر پرنٹس کب ضائع کیے جائیں گے؟" میں بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

"تمہارے ساتھ۔" اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا "تم میرے لیے یا میرے ساتھ کام کروگے اس لیے تمہاری یہ آفاقی شناخت زندگی بھر تمہاری فائل کا ایک حصہ بنی رہے گی۔ تمہاری فطری یا غیر فطری وفات سے پہلے اس فائل کے اتلاف کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

میں نے اس پر اپنی کسی تشویش کا اظہار کیئے بغیر خوش دلی سے کہا "تم نے مجھے کسی ہزار پا عفریت کی طرح اپنے چنگل میں لے لیا ہے۔ میں نام بدل کر بھی تم سے نہیں بچ سکوں گا۔"

"کوشش کر کے دیکھ لو۔" اس نے بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ کہا "ہو سکتا ہے کہ اگلے چند روز میں ہی تمہاری فائل ضائع کرنے کی نوبت آجائے۔"

"تم سنگ دل ہونے کے ساتھ خوش مذاق بھی ہو۔ کھل کر بات کرتے ہو۔"

"صرف اس لیے کہ مجھے تمہارے فون پر بات سننے کا خطرہ نہیں ہے۔"

"اور اگر میں یہ ساری گفتگو کسی ٹیپ پر محفوظ کر رہا ہوں تو تم کیا کر سکو گے؟"

"یہ سائنس کے اصولوں کے خلاف ہو گا۔ میری کسی حرکت پر لائن کٹ سکتی ہے تو تمہاری طرف سے اسی قسم کی مداخلت پر بھی تمہارا آلہ کام دکھائے گا۔ مجھے اس کے بارے میں ابتدائی اطلاعات مل چکی ہیں۔ یہ ریڈ آرمی والوں کی سی ایس ڈی تو نہیں ہے؟"

"میں تمہاری طرح سائنس داں نہیں ہوں۔" میں نے اس پر ہلکی سی چوٹ کی "میں آلے کے نام اور نوعیت سے لاعلم ہوں۔ اس کا کام سو فیصد پکا ہے۔"

"اگر تم کچھ اور نہیں کر سکتے تو کسی طرح ڈینی کے فنگر پرنٹ ہی حاصل کر لو۔"

"ہائیں۔" میں نے حیرت کا اظہار کیا "وہ تمہارا مطلوب مجرم ہے اور اس کے فنگر پرنٹ تمہارے ریکارڈ میں نہیں ہیں۔"

"ہمارے پاس تین فنگر پرنٹس کا ایک سیٹ موجود ہے۔" اس نے برجستہ جھوٹ بولا "ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ ان میں سے کون سے پرنٹس ڈینی کے ہیں۔"

"میرے لیے یہ کام سہل ہو گا۔ دستاویزات کے مقابلے میں کسی کاغذ، گلاس یا قلم کو محافظوں کی نظروں سے بچا کر لانا زیادہ دشوار نہیں ہو گا۔"

اس مرتبہ پھر وہ میری باتوں میں آگیا اور جلدی سے بولا "یہ خیال رکھنا کہ کاغذ ہو تو چکنا ہو، کھردرے کاغذ پر بہت خراب پرنٹ آتا ہے۔ اس کی تصویر بنانی اور بھی مشکل ہوتی ہے۔"

"ڈینی کو ادھر آنے دو۔ میں یہ کام تو کر ہی گزروں گا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"وہ ویسا ہی ہے جیسا ہمارے انعامی اشتہار میں دکھایا گیا ہے؟" اس نے انتہائی غیر متوقع طور پر جینی کے بنوائے ہوئے گمراہ کن خاکے کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

"خاکے سو فیصد درست نہیں ہوتے۔ وہ اس سے ملتا جلتا ہے۔ آج کل اس نے ہلکی سی داڑھی بھی رکھی ہوئی ہے۔"

"وہ خاکہ ایک ایسی امریکی لڑکی نے بنوایا ہے جو ڈینی کی داشتہ یا دوست ہونے کی دعوے دار ہے۔ وقت ملا تو تمہاری مدد سے اس خاکے پر مزید کام کیا جائے گا تاکہ ڈینی زیادہ دیر تک آزاد نہ رہ سکے۔ اب اسے ہماری تحویل میں آجانا چاہیے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس خاکے پر کام کرنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اس سے پہلے میں دو ملین ڈالر کا انعام لے لوں گا۔ مجھے رہنمائی کے لیے کسی خاکے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ کاش تم یہ انعام جلد از جلد حاصل کر سکو۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تم مجھے شدت سے کیوں یاد کر رہے تھے۔"

"ڈینی کے فنگر پرنٹس والی بات یاد آئی تھی۔ وہ میں تم کو بتا چکا ہوں۔"

مزید چند فقروں کے تبادلے کے بعد اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی جانب سے گڑبڑ کر کے فون بند کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ شاید وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ میں اس وقت بھی اسی محفوظ ٹیلی فون پر مصروف ہوں یا کہیں اور سے بات کر رہا ہوں۔ میں نے اسے اجازت دے دی۔ ●

فون بند کرنے کے بعد میں مضطربانہ انداز میں اول خان کے دفتر سے نکل گیا۔

میں نے اپنے ذہن کا بوجھ کچھ ہلکا کرنے کے لیے صبح سویرے اوبرائن کو فون کیا تھا لیکن اس سے ہونے والی گفتگو نے پہلی بار مجھے پریشان کر دیا تھا۔ میرے فنگر پرنٹس کا اس کی تحویل میں پہنچنا میرے لیے کسی بھی وقت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

میں امریکا میں زندگی کے ہر شعبے میں کمپیوٹر کے بے محابا استعمال کا ذاتی طور پر مشاہدہ کر چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ایس ٹی ایف کے ایک عہدے دار کے طور پر میرے فنگر پرنٹس صرف اوبرائن کی تحویل میں نہیں رہیں گے بلکہ ان کی نقول دوسرے اہم امریکی اداروں اور وفاقی ایجنسیوں کو بھی فراہم کر دی جائیں گی۔ یہی سلوک اول خان کے ساتھ بھی ہونا تھا۔

ہماری ذرا سی غفلت سے رونما ہونے والی اس تبدیلی کے اثرات بہت دور رس ہو سکتے تھے۔ ہم ان کے خلاف ہر مہم میں پیش پیش ہوتے تھے۔ کہیں بھی ہماری انگلیوں کے نشان باقی رہ جاتے تو ہماری کڑی گرفت ہو سکتی تھی۔

اول خان کراچی سے باہر تھا۔ میں نے اپنے تینوں ساتھیوں کو بھی اس ناگہانی مسئلے سے آگاہ کر دیا۔ میری بات سنتے ہی سلطان شاہ بپھر گیا۔ "تم اوبرائن کو بلاوجہ ہوا بنا رہے ہو۔ مجھے اس کے فلیٹ کا پتا بتاؤ میں اسے بلیکی اور کتے سمیت ختم کر کے فلیٹ کو آگ لگا دوں گا پھر دیکھتا ہوں کہ اس کے ریکارڈ میں تمہارے فنگر پرنٹس کیسے باقی رہتے ہیں۔"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔ وہ اس کثیر المنزلہ عمارت میں تنہا نہیں رہتا۔ وہاں سیکڑوں لوگ آباد ہیں۔ اوبرائن کی وجہ سے ہم ان کی زندگیوں سے نہیں کھیل سکتے۔"

"اوبرائن اور اس کے حمایتیوں کی زندگی سے تو کھیل سکتے ہیں نا؟ تم مجھے اس کا پتا سمجھاؤ۔ شام تک کوئی نتیجہ نہ لاؤں تو میرا نام بدل دینا۔"

"وہ کچھ سوچ سمجھ کر ہی ایک گنجان آباد عمارت کی آٹھویں منزل پر چڑھا بیٹھا ہے۔" ویرا نے دخل اندازی کی "بچوں جیسی حرکتیں کرو گے تو شام سے پہلے ہی مرحوم ہو جاؤ گے۔ یہ سنگین معاملہ ہے کہ اب ڈینی کی انگلیوں کے نشان بھی انہیں مل جائیں گے۔"

"انہیں کرنل جمال دستی کے نشانات ہی رہنے دو۔" سلطان شاہ غرایا "دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ پاکستان بھر میں ایس ٹی ایف کے یونٹوں کے بارے میں اس کی معلومات سے ثابت ہو چکا ہے کہ فورس میں بھی ان کا کوئی نہ کوئی مخبر پل رہا ہے۔"

"یہ بات ذہن سے نکال دو۔" میں نے وثوق سے کہا "ایس ٹی ایف میں دشمنوں کا کوئی مخبر زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا۔ یہاں کسی کو اپنے کام سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ ادھوری باتیں جاننے والے کسی کو کیا خبر دے سکتے ہیں؟"

"پھر اسے کیسے پتا چلا کہ ایس ٹی ایف کے کل دس یونٹ کام کر رہے ہیں؟"

"ایس ٹی ایف آسمان سے نہیں ٹپکی۔ بنانے والوں نے اسے بیورو کریسی کے ذریعے ہی کھڑا کیا ہوگا۔ اسے سالانہ فنڈز ملتے ہیں۔ اس کی فائلیں وزارتِ خزانہ اور داخلہ یا پھر شاید وزارتِ دفاع کی تجوریوں میں ضرور موجود ہوں گی۔ یہ خبریں وہیں سے نکل سکتی تھیں۔"

خبریں کہیں سے بھی نکلتی ہوں، یہ ایک مسلمہ حقیقت تھی کہ اوبرائن بہت سی خفیہ باتوں سے پوری طرح باخبر تھا۔ اس کی باخبری کے بارے میں امریکا سے آیا ہوا جان یہ کہہ کر روشنی ڈال چکا تھا کہ اوبرائن پاکستان میں اپنے نئے نظام کی وجہ سے امریکی ضروریات کے لیے ناگزیر حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

نئی پریشان کن اطلاع سے ہم چاروں کے ذہن بوجھل ہو گئے تھے۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور ہم بے چینی سے اول خان کی واپسی کا منتظر تھا۔

وہ اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق شام کی پرواز سے واپس کراچی پہنچ گیا۔ اس نے ہمارے سامنے خوش مزاجی کے مظاہرے کی کوشش کی لیکن میں نے بھانپ لیا کہ وہ اندر سے بجھا بجھا اور فکر مند تھا۔

وہ ہم سب کے لیے ایک غیر معمولی دن تھا۔ اول خان کی رسمی مزاج پرسی کے بعد اسے صبر نہ ہو سکا اور اس نے اوبرائن کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس نے اول خان کو بتایا "اوبرائن بہت تیز جا رہا ہے۔ اس نے تمہارے اور ڈینی کے فنگر پرنٹس حاصل کر لیے ہیں۔"

"کب؟ کیسے؟" اول خان پر وہ اطلاع آسمانی بجلی کی طرح گری اور اس کا دہانہ حیرت کی زیادتی سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"جو ہونا تھا، وہ ہو چکا۔" میں نے اسے دلاسا دیا "تم آرام سے چائے پی لو پھر اس بارے میں کھل کر باتیں ہوں گی۔ اوبرائن ہمارے لیے روز بہ روز خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔"

"میں جہاز پر بہترین چائے پی کر آیا ہوں۔ تم کام کی بات بتاؤ۔" وہ کرسی پر پہلو بدل کر مضطربانہ لہجے میں بولا "یہ فنگر پرنٹس کی کیا کہانی ہے؟"

میں نے مختصر الفاظ میں اسے تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔

"یہ بہت برا ہوا۔" اول خان کو تفصیل جان کر گہرا صدمہ پہنچا تھا "اس کے گھر کی بات مختلف ہے۔ وہاں وہ جو چاہے، کر سکتا ہے مگر بریفنگ سے فنگر پرنٹس کی چوری شرمناک ہے۔ یہ کام اوبرائن کا کوئی پرانا زر خرید ہی سرانجام دے سکتا تھا۔"

"نئے اور پرانے کی بات مت کرو۔ زر خرید صرف زر خرید ہوتا ہے۔ اوبرائن اسے دل کھول کر نواز رہا ہوگا۔ ان کاموں میں ساری اہمیت سرمایہ کاری کی ہوتی ہے۔ زندگی بدل جانے کی امید میں عقل سے کورے افسر بھی حیران کن کارگزاری دکھانے لگتے ہیں۔"

"تم اسلام آباد سے کیا خبریں لے کر آئے ہو؟" ویرا نے اسے ٹوکا۔

"اوبرائن نے ڈینی سے مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں جو زہر افشانی کی ہے، وہ بالکل اسی طرح ٹاپ سیکرٹ فائلوں میں موجود ہے۔" اول خان نے تھکی ہوئی آواز میں انکشاف کیا۔ "امریکا اور پاکستان کے درمیان مذاکرات اور خط و کتابت میں وہ نکات من و عن بار بار دہرائے گئے ہیں۔ اعداد و شمار تک وہی ہیں اور ان میں سارا زور کشمیر کے مسئلے کے حل پر ہے۔"

ہیروئن اور اس کی اندھی آمدنی سے شروع ہونے والی

صحت کا خیال

خاتون "تم کھانا مانگنے صرف میرے ہی دروازے پر کیوں آتے ہو؟"

بھکاری "ڈاکٹر نے کہا ہے کہ جو غذا تمہاری صحت کے لیے مفید ہو، وہی استعمال کرو۔"

کہانیاں ایک مرتبہ پھر مقامی سیاست سے ہو کر بین الاقوامی سفارت اور سازشوں تک پہنچ رہی تھیں۔ سب کچھ ایک دوسرے میں یوں گڈمڈ ہو گیا تھا کہ کچھ سراغ ہی نہیں مل سکتا تھا۔ سازشی مہروں نے جرم اور سیاست کاری کو ایسی مہارت سے یک جان کیا تھا کہ دونوں کے درمیان لکیر کھینچنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

"پھر تو اوبرائن نے کوئی نئی بات نہیں بتائی۔ ریکارڈ پر آئی ہوئی چیزیں سازش کے زمرے میں شمار نہیں کی جاسکتیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ریکارڈ میں الفاظ کا ہیر پھیر ہے۔ کشمیر کے مسئلے کے حل، پُرامن بقائے باہمی، اچھے تعلقات اور خطے میں آزادانہ تجارت کے ذریعے معاشی خوش حالی کا ذکر ہے۔" اول خان وضاحت پیش کرتے ہوئے بولا "اس میں کہیں بھی چین کے مقابلے میں ایک نئی اور عظیم تر ریاست کے قیام کا عندیہ نہیں ملتا۔ اوبرائن نے جوشِ بیان میں تمہیں آگے تک کے منصوبے بتا دیے ہیں۔"

"یہ منصوبہ اوبرائن کا بنایا ہوا نہیں ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "اسے اس منصوبے کی تیزی سے تکمیل کے لیے پاکستان میں مامور کیا گیا ہے۔ اس کی کارگزاری ہمارے سامنے ہے۔ تم اس کے بارے میں اسلام آباد سے کیا فیصلہ لے کر آئے ہو۔"

اول خان چند ثانیوں تک خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر بولا "اوبرائن کی شکایت کے حوالے سے باس نے میری پوزیشن تسلیم کرلی ہے۔ اب تم پوری بے فکری سے کرنل جمال دستی بن کر کام کرسکتے ہو۔"

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔" میں نے ترحم آمیز نرمی سے کہا "میں نے تم سے اوبرائن کے مستقبل کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"میں اسی طرف آرہا ہوں۔ اب تم کسی حد تک فورس میں شامل ہو چکے ہو۔ اوبرائن کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ ہم دونوں کو کرنا ہوگا..... نتائج اور پیچیدگیوں کی پوری ذمے داری ہم پر ہوگی۔"

"پھر تم اسلام آباد کیا لینے گئے تھے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کراچی میں کھٹومل کے ساتھ چار امریکیوں کے قتل کے بعد کوئی بھی اوبرائن کے بارے میں فیصلہ کرنے پر تیار نہیں ہے۔ امریکا کے متوقع ردِعمل سے ہر ذمے دار خوف زدہ ہے۔ آج صبح سے بلکہ کل رات سے ہی اس نے کوئی فیصلہ حاصل کرنے کے لیے کوششیں شروع کردی تھیں۔ ہر جگہ اگر مگر اور ٹال مٹول کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں اصولی حمایت تک نہیں مل سکی۔"

"حیرت ہے کہ اعلیٰ ترین سطح پر سرد مہری کا یہ رویّہ سامنے آرہا ہے!" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"میں نے اعلیٰ ترین سطح کی بات نہیں کی۔" اول خان نے سنبھل کر سختی سے میری تصحیح کی "ہماری طرح ہمارا باس بھی پروٹوکول پر سختی سے عمل کرتا ہے۔ اس کی رسائی اپنے اہم منصوبوں تک ہے۔ اس سے اوپر بات کرنے کی ذمے داری دوسروں کی ہے۔"

"انتظامی فیصلے میں یہ ڈیڈ لاک تباہ کن بھی ثابت ہوسکتا ہے۔"

"میں نے یہ بات اپنے باس کو بتا دی تھی۔ اس نے بھی کسر نہیں چھوڑی ہوگی۔ لوگ معاملے کی نزاکت کو پوری طرح سمجھ رہے ہیں لیکن فیصلہ صادر کرنے سے گریزاں ہیں۔" اول خان کی آواز سے بے بسی جھلک رہی تھی۔

"پھر تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ اوبرائن کے بارے میں مجھے اور تم کو فیصلہ کرنا ہوگا؟"

"یہ ایس ٹی ایف کے سربراہ کا اپنا فیصلہ ہے۔ ہم فیلڈ میں ہیں اور براہِ راست اوبرائن کے سامنے صف آرا ہیں۔ اس نے ہمیں فیصلے کی مکمل آزادی دے دی ہے۔"

"یعنی ہم کوئی بھی فیصلہ کرسکتے ہیں؟" میں نے الجھن محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ملک کے مفاد میں اور قوم کے نام پر ہمیں بہترین فیصلہ کرنا ہوگا۔ پوری ایمان داری کے ساتھ۔"

"خواہ وہ فیصلہ پسپائی اور خاموشی کا ہی ہو؟" میں نے مٹھیاں بھینچ کر پوچھا۔

"سب کچھ ہماری صوابدید پر ہے۔" اس کا جواب بالکل واضح تھا۔

میرا دورانِ خون تیز ہونے لگا۔ ذہن میں چنگاریاں سی بھرنے لگیں۔ فیصلے صادر کرنے کے مجاز حکام اپنے فرض سے چشم پوشی کررہے تھے۔ باس ان کے سامنے بے بس تھا۔ گھنٹی ہمارے گلے میں ڈال دی گئی تھی۔

مجھے اندازہ تھا کہ ان حالات کے کیا نتائج ہوسکتے تھے۔ اسٹیشن فور کو قربانی کا بکرا بنا دیا گیا تھا۔ خوش اسلوبی کے ساتھ اوبرائن کا قصہ نمٹ جاتا تو اسٹیشن فور کو فراموش کرکے کریڈٹ کے بہت سے حق دار پیدا ہوجاتے۔ کوئی گڑبڑ ہوتی تو عتاب ہمارا منتظر ہوتا۔

ایک طرف دشمن ہمارے خون کا پیاسا تھا، دوسری طرف اپنے بھی ہمیں ملامت کا ہدف بنا سکتے تھے۔

میرے حلق میں تلخی سی گھلنے لگی اور میں نے اپنے وجود میں کھولتے ہوئے لاوے کے زیرِ اثر اپنا بایاں بازو سلنگ سے نکال کر بے رحمی سے کرسی کے ہتھے پر ٹکا دیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنول راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکما دے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورتِ حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھنول پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت دی۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کھنول کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اغوا کر کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچا دیا۔ کھنول کے سلسلے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہو گئے۔ کالو مکرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنا دیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کھنول کا پشت پناہ چوہدری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہو گئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے فون کر کے بتایا کہ کالو مکرانی کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں مار دیں۔ خوش قسمتی سے کالو مکرانی صرف زخمی ہوا تھا۔ امریکیوں نے کھنول کی گمشدگی پر خاصا واویلا کیا اور کالو مکرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ کھنول کو دوبارہ اسلام آباد بلا لیا گیا۔ میں نے انٹروگیشن سیل میں اس سے کڑی بازپرس کی جس کے نتیجے میں اس نے سنسنی خیز انکشافات کیے۔ کھنول کے آقاؤں نے اس کی رہائی کے لیے دباؤ ڈالنے کے لیے کراچی میں بم دھماکا کیا تو میں فوراً کراچی پہنچ گیا۔ اول خان نے بتایا کہ کھنول کی کراچی منتقلی کا بندوبست ہو چکا ہے۔ وہ اقبالی بیان دینے کے لیے تیار ہے۔ اپنے خلاف امریکیوں کے بڑے آپریشن کے پیشِ نظر میں نے غزالہ کو پشاور بھیج دیا اور خود بھی جہانگیر کا گھر چھوڑ دیا۔ اب میرا ٹھکانا نادرہ کا ویران مکان تھا۔ یہاں میں نے امریکی ایجنٹوں سے رابطہ کر کے کھنول کے متعلق مخبری کر دی۔ اس کا نتیجہ بڑے حسبِ منشا نکلا اور کھنول امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اوبی تھا۔ میں اس کے گھر پہنچا تو خود کو کرنل جمال دستی کی حیثیت سے متعارف کرایا اور اوبی کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ میں گرین کارڈ کے لالچ میں ایس ٹی ایف سے غداری کر رہا ہوں۔ رخصت ہوتے ہوئے میری نظر نادرہ کی بہن پر پڑی جو فلیٹ سے نکل رہی تھی۔ نادرہ کا مکان اب میرے لیے مخدوش ہو گیا تھا۔ میں وہاں کی ایس ڈی اور تیم گن لینے پہنچا تو پولیس نے محاصرہ کر لیا۔ اس دوران میں انھوں نے فائرنگ کر دی۔ میرے بازو پر ایک گولی لگی اور میں خون بہہ جانے کے باعث بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو اسٹیشن فور پر تھا۔ اول خان نے بتایا کہ اوبی نے دفترِ خارجہ میں کرنل جمال دستی کی شکایت کر دی ہے۔ میں نے اوبی سے فون پر بات کی تو وہ شکایت واپس لینے پر راضی ہو گیا۔ اس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس ہیں۔ اول خان نے اوبرائن کے متعلق اپنے اعلیٰ حکام سے بات کی تو انھوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ اب ایک طرف دشمن ہمارے خون کا پیاسا تھا اور دوسری طرف اپنے بھی ہمیں ملامت کا ہدف بنا سکتے تھے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

مایوسی اور بددلی کے غلبے سے جنم لینے والے میرے اس غیر ارادی ردِعمل نے دونوں عورتوں کو مضطرب کر دیا۔ غزالہ کے اضطراب میں دردمندی اور دکھ کے عناصر غالب تھے۔ ویرا نے غصیلی آواز میں فہمائش کرتے ہوئے میری بائیں کلائی دوبارہ سلنگ میں ڈال دی۔

"ویرا بالکل صحیح بات کہہ رہی ہے" اول خان نے اس کی حمایت کرتے ہوئے کہا "دوسروں کے فیصلوں پر ایسی جھنجلاہٹ اور خود آزاری کا مظاہرہ کر کے تم اپنی شکست قبول کر رہے ہو۔"

"میں اوبرائن کا نرخرا چیر سکتا ہوں مگر تمہارا باس؟ اس کے لیے میں کیا کر سکتا ہوں؟" مجھے اپنی آواز میں شدید غم و غصے کا پوری طرح ادراک تھا۔

"میں نے لگی لپٹی رکھے بغیر تم کو پورے حالات سے آگاہ کر دیا ہے" اول خان نے مدافعانہ لہجے میں کہا "وہ خود بھی بے بسی کا شکار ہے۔"

"ہر شخص بے بس ہے.... تمہارا باس پروٹوکول کا پابند ہے' اپنے ہم منصبوں سے اوپر کی سطح پر رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ تم بھی اپنی فورس کے ڈسپلن کے تابع ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ اوبرائن کا ڈھول صرف اور صرف میرے گلے میں باندھ دیا گیا ہے۔"

"میں تمہارے ہر فیصلے میں پوری طرح شریک رہوں گا۔ خود کو اس قدر تنہا محسوس مت کرو۔ کل تم خود ہی کہہ رہے تھے کہ ہم لوگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے بیوروکریٹ اور حکمراں اس ملک کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ ہر آڑے وقت میں ہمارے کام آتے ہیں۔"

"بہت سے فیصلے تم اپنی مرضی اور صوابدید سے کرتے آئے ہو" ویرا نے گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہا "ان فیصلوں کے نتیجے میں ناکامیابیوں نے تمہارے قدم چومے ہیں۔ چند روز کے لیے سب کو بھول جاؤ..... سمجھ لو کہ تم تنہا میدان میں اترے ہوئے ہو۔"

ویرا کی بات پوری ہونے سے پہلے اول خان بول پڑا "دشمن کے گھیرے میں اپنی کمان سے بچھڑا ہوا سپاہی کسی کمان دار کے حکم کا تابع نہیں ہوتا۔ تم فیصلہ کرو' ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔"

"مجھے کسی بچے کی طرح بہلانے کی کوشش مت کرو" میں نے تلخی سے کہا "جب ٹھوس حقائق سامنے ہوں تو مفروضوں سے دل نہیں بہلایا جا سکتا۔ اسلام آباد کی خبریں سنا کر تم نے میرا دل خون کر دیا ہے۔ میں اپنی جاگیر کے لیے نہیں' اس ملک کے لیے لڑ رہا ہوں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تمہاری فورس کا سربراہ ایسے نازک موقع پر بزدلی دکھائے گا..."

"ڈیئی!" اول خان نے اونچی آواز میں میری بات کاٹ دی۔ "آگے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ تم بھول رہے ہو کہ ایس ٹی ایف نے ڈسپلن کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ سخت ترین ڈسپلن کے سوا اس کا کوئی تحریری ضابطۂ کار نہیں ہے۔ اپنے باس کی مجبوریوں کو صرف میں ہی سمجھ سکتا ہوں۔ جب اس نے اپنی بے بسی ظاہر کرتے ہوئے مجھے فیصلے کا اختیار دیا تو اس کی آنکھوں سے بے پایاں کرب جھلک رہا تھا۔"

"یہ کیسا ڈسپلن ہے کہ باس مجبور ہے مگر اس کا ماتحت اپنا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہے؟" میں نے تلخ اور استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"اسے اندھا ڈسپلن کہتے ہیں" اول خان نے میری دلیل سے مرعوب یا متاثر ہوئے بغیر دفاع کیا۔ "اس نے فیصلہ صادر نہیں کیا' اس کی مرضی۔ اس نے اپنا اختیار مجھے منتقل کر دیا' یہ بھی اس کی مرضی۔ مجھے اس پر حرف گیری کا کوئی حق نہیں ہے۔ اسی بل پر

ایس ٹی ایف زندہ ہے۔"

"تمہاری یہ منطق میری سمجھ سے باہر ہے... شاید اس لیے کہ میں فورس سے باہر کا آدمی ہوں۔"

"اب تم باہر کے آدمی نہیں رہے" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔ "جب تک تم کرنل جمال دستی کے روپ میں ہو' ایس ٹی ایف کے مخبر بلکہ اہل کار ہو۔ تمہارے لیے یہ بات کافی ہونی چاہیے کہ کام روکا نہیں گیا' جاری ہے اور تم بالکل آزاد ہو۔"

"مگر نتائج کی پوری ذمے داری میری اور تمہاری ہوگی" میں نے کہا۔

"یہ کہنے کی بات ہے۔ مجھے یقین ہے کہ باس نے خاموشی اختیار نہیں کی ہوگی۔ معمول کے ذرائع ناکام ہونے کے بعد اب وہ اوپر سے اپنی بات منوانے کے دوسرے ذرائع استعمال کررہا ہوگا۔"

"کوششیں جاری تھیں تو اس نے پروٹوکول کی آڑ لے کر تمہیں کیوں ٹال دیا؟" اس بار ویرا نے میرے موقف کی حمایت میں زبان کھولی تھی۔

"میری کراچی میں موجودگی ضروری تھی" اول خان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "وہ مجھے غیر معینہ مدت تک اسلام آباد میں بٹھا کر کام نہیں روک سکتا تھا۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ اس نے مجھے بلینک چیک دے کر بھیجا ہے۔"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا "یہ بات تمہیں اب سوجھ رہی ہے۔ وہاں سے تم منہ لٹکائے واپس آئے تھے۔ بلینک چیک حاصل کرنے والے اداس اور پژمردہ نہیں ہوا کرتے۔"

"دشمن کی رسائی اور بالا دستی کا کوئی توڑ سوچنے کے بجائے تم آپس میں لڑ رہے ہو" سلطان شاہ نے اپنی خاموشی توڑتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں کہا "ایس ٹی ایف میں نیچے سے اوپر تک کوئی بھی ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں ہے۔ اول خان کے باس نے اگر پسپائی اختیار کی ہے تو اس کی بہت سی مضبوط وجوہ ہوں گی۔"

"ہمیں ان وجوہ کو اپنی مجبوری سمجھ کر مان لینا چاہیے" غزالہ نے اس کی بات مکمل ہونے سے قبل لقمہ دیا "یہ سوچو کہ موجودہ حالات میں کیا' کیا جاسکتا ہے؟"

"بظاہر صبر کرنے کے سوا اور کوئی راہ نظر نہیں آتی" میں نے سرد مہری سے جواب دیا۔

"آپ زخمی ہیں" غزالہ نے ناصحانہ انداز میں مجھ سے کہا۔ "آپ کی جھلاہٹ کا سبب سمجھ میں آتا ہے۔ کوئی حرج نہیں' آپ تھوڑی دیر آرام کریں۔ ہم آپس میں مغز زنی کرکے کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیں گے۔ اس پر آپ سے بھی رائے لے لی جائے گی۔"

"میں زخمی ہوں' مجبور ہوں' معذور ہوں' مجھے دودھ میں پڑی ہوئی مکھی کی طرح نکال کر الگ پھینک دو" میرا پارہ چڑھنے لگا "میں تماشا دیکھتا رہوں گا۔"

"میں نے یہ نہیں کہا" میرے غصے سے غزالہ سہم گئی "آپ کو تھوڑے سے آرام کی ضرورت ہے۔ ہم چاروں کو بھی کچھ نہ کچھ سوچنا اور کرنا چاہیے۔ کب تک..."

"بس' غزالہ!" اول خان نے ہاتھ اٹھا کر درمیان میں دخل اندازی کی "تم خاموش ہی رہو تو بہتر رہے گا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ڈینی کی شرکت کے بغیر ہم کوئی فیصلہ کرسکیں؟"

ویرا کی بھویں تن گئیں۔ اس نے اول خان کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا اور پوچھا "کیا ہم سب کی کھوپڑیوں میں بھوسا بھرا ہوا ہے کہ ہم ڈینی کی مدد کے بغیر کچھ سوچ بھی نہیں سکتے؟ یہ ایسا ہی بقراط ہوتا تو اس وقت زخمی بازو نہ لیے بیٹھا ہوتا۔"

اول خان نے بے ساختہ دونوں ہاتھوں سے اپنی پیشانی تھام لی اور بے بسی سے بولا "اس وقت تم سب جذباتی ہو رہے ہو۔ کوئی میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کررہا۔"

ویرا کے اشتعال انگیز فقروں پر مجھے طرارہ آیا تھا مگر اول خان کے فوری ردِعمل نے مجھے زبان کھولنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ یقیناً کوئی اہم بات کہنے والا تھا۔

سب کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر مرکوز ہوکر رہ گئی تھیں۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ بولا "ہم سب پس منظر میں ہیں۔ صرف ڈینی ہی اوبرائن سے رابطے میں ہے۔ اسے الگ رکھ کر ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔"

سب کو سانپ سونگھ گیا۔ ویرا کے تنے ہوئے تیور ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے پُرتشویش نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم ڈینی پر اتنا بوجھ نہیں ڈال سکتے۔ اس کا زخم بگڑ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"میں اتنا خودغرض نہیں ہوں کہ اس کے ساتھ ایسی کوئی زیادتی کر گزروں۔ میں ڈاکٹر سے بات کرتا رہا ہوں۔ ڈینی کا زخم تیزی سے بھر رہا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ چند منٹ پہلے اس نے غصے میں سلنگ سے کتنی تیزی سے اپنی کلائی نکالی تھی۔"

میں دل ہی دل میں اول خان کے تیز مشاہدے کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے اپنا بازو کرسی کے ہتھے پر ٹکاتے ہوئے تکلیف ضرور ہوئی تھی لیکن وہ بہت شدید یا ناقابل برداشت نہیں تھی۔

"تم کیوں نہیں بولتے؟ گم صم کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟" ویرا میری طرف گھوم گئی۔

"میں صرف تماشائی ہوں۔ تم لوگ بحث کرتے رہو۔ میں سکون کے ساتھ کسی فیصلے کا انتظار کروں گا" میں نے ویرا کو سلگانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ڈینی سے مت الجھو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اب کیا ہوگا۔" اول خان نے تحمل سے سمجھایا۔

"جلدی بتا ڈالو۔ میں صبح تک انتظار نہیں کرسکتی" ویرا بھنا کر

بولی۔

"جب تک زخم بالکل صحیح نہیں ہو جاتا' ڈیلی کو جسمانی مشقت سے الگ تھلگ رہنا ہوگا۔ ہم اوبرائن کو اس کے قلعے نما فلیٹ میں نہیں گھیر سکتے۔ ڈیلی کو اسے کسی طرح باہر نکالنا ہوگا۔ باقی کام ہم خود کرلیں گے۔" اول خان کے آخری فقرے سے اس کے عزائم واضح ہوگئے۔

"دفتر جانے کے لیے وہ روز ہی گھر سے نکلتا ہوگا۔ اسے کہیں بھی گھیر کر جہنم واصل کیا جاسکتا ہے۔" سلطان شاہ نے اپنی مخلصانہ رائے پیش کی۔

"وہ ایک اہم آدمی ہے" اول خان اسے سمجھانے لگا۔

ذہنوں پر چھایا ہوا تناؤ بتدریج ختم ہوچکا تھا اور چاروں ایک دوسرے کی بات سننے کے موڈ میں آچکے تھے۔

جب سے امریکا نے پاکستان کو اپنے شہریوں کے لیے ہائی رسک زون قرار دیا تھا' اس کے اہم سیاسی اور سفارتی عہدے دار مقامی آبادیوں میں سے گزرنے کے لیے آرمرڈ اور بلٹ پروف گاڑیاں استعمال کررہے تھے جن میں مسلح محافظ بھی موجود ہوتے تھے۔

یہ جان' ایڈی اور ان کے دونوں کمانڈوز کی مجبوری اور بدقسمتی تھی کہ وہ کھشول کو سرعام قتل کرنے کے لیے اپنی کوئی محفوظ ترین گاڑی استعمال نہیں کرسکتے تھے۔ اپنے جرم کی پردہ پوشی کے لیے انہوں نے کھشول کے ایک ہندو دوست کی جیپ استعمال کی اور ارتکاب جرم کے بعد مقامی پولیس کی گولیوں کی خوراک بن گئے۔

ان چاروں کے برعکس' اوبرائن کو ایسی کوئی مجبوری درپیش نہیں تھی۔ اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری کے لیے وہ آمدورفت میں ہر احتیاط برت رہا تھا۔ ایس ٹی ایف کے اہل کاروں نے پچھلے چند دنوں میں اس کا خفیہ تعاقب کرکے یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا' ایسے کسی سفر میں اوبرائن پر کامیابی سے ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں تھا۔

اول خان کی رائے تھی کہ میں اسے کسی مجرمانہ کامیابی کا لالچ دے کر شیشے میں اتار سکتا تھا۔ کسی خفیہ مشن کے لیے اوبرائن یقینی طور پر سرکاری آرمرڈ گاڑی کے استعمال سے گریز کرتا اور شاید محافظوں کی تعداد بھی کم ہوجاتی۔ اس وقت اسے راستے میں کہیں بھی للکار کر یا بے خبری میں مارا جاسکتا تھا۔ اسے راہ سے ہٹائے بغیر پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازشوں کا زور توڑنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس کی موت سے وہ فتنے ایک لمبی مدت کے لیے دب سکتے تھے۔

اول خان نے اپنی تجویز میں میرا کردار بھی متعین کردیا تھا۔ مجھے صرف فون پر اوبرائن سے رابطہ کرکے غیر محسوس طریقے پر اپنے دام میں لانا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ اگلے دو تین روز میں میرا زخم اتنا بہتر ہوسکتا تھا کہ میں تھوڑی سی احتیاط کے ساتھ تمام سرگرمیوں میں حصہ لے سکتا تھا۔

رات کے کھانے کا وقت ہونے تک پانچوں افراد پوری عرق ریزی کے ساتھ اسی ایک موضوع پر جٹے رہے۔ بھانت بھانت کی تجاویز بنتی اور مسترد ہوتی رہیں۔ اس بحث مباحثے سے مجھے اپنے کام کے لیے خاصا مواد مل رہا تھا' میں باتوں کو دانستہ طول دیتا رہا۔

کھانے کے بعد اول خان اپنے گھر جانے کا ارادہ ترک کرکے اسٹیشن فور پر ہی رک گیا۔

اس نے حالات میں تیزی سے پیدا ہونے والے بگاڑ کی وجہ سے غزالہ کو اپنی فیملی کے ساتھ پشاور بھیجا تھا۔ میرے زخمی ہونے کی وجہ سے اسے ہنگامی طور پر غزالہ کو واپس کراچی بلوانا پڑگیا لیکن اس کے بیوی بچے بدستور پشاور میں تھے۔ وہ کئی دن تک گھر نہ جاتا تب بھی کوئی اس کی طرف سے فکرمند نہ ہوتا۔

اسٹیشن فور پر ملک بھر سے کئی اخبارات آتے تھے تاکہ ایس ٹی ایف کی مقامی قیادت ہر وقت تازہ ترین واقعات اور حالات سے باخبر رہ سکے۔

خان کی زبانی مجھے پتا چلا تھا کہ کرنل جمال دستی کے خلاف دفتر خارجہ میں امریکی سفیر کی شکایت کو مقامی اور بین الاقوامی پریس نے خاصی اہمیت دی تھی کیونکہ اس میں ایک مرتبہ پھر اسپیشل ٹاسک فورس کے وجود کی بازگشت سنائی دی تھی۔

اس شکایت کی واپسی کے چوتھے روز تمام اخبارات نے امریکی سفیر کی معذرت کو نمایاں طور پر شائع کیا تھا۔ شکایت سے دستبردار ہونے میں سبکی ہوئی تھی اس وجہ سے امریکیوں نے شاید وہ اطلاع براہ راست اخبارات کو فراہم نہیں کی تھی۔ پاکستانی حکام نے اپنی سہولت کے مطابق تین دن کی تاخیر کے بعد وہ خبر اخبارات اور ایجنسیوں کو جاری کردی تھی۔

میرے لیے اس خبر کی اہمیت صرف اتنی تھی کہ اعلیٰ سطح پر ہونے والی وہ کارروائی اخباروں کے ذریعے عام آدمی تک پہنچ گئی تھی ورنہ اول خان نے اسی رات تصدیق کرلی تھی کہ اوبرائن نے میرے دکھائے ہوئے سبز باغ کے نتیجے میں اپنا وعدہ پورا کردیا تھا اور میں کرنل جمال دستی کے روپ میں دوبارہ ایس ٹی ایف میں بحال ہوگیا تھا۔

ان دنوں پاکستان میں اخبارات پر زیادہ پابندیاں عائد نہیں تھیں۔ کئی نامہ نگاروں نے جان اور ایڈی کے قتل کے بعد پاکستان اور امریکا کے درمیان شروع ہونے والی سفارتی جنگ میں پاکستان کی کامیابی کو شکایت کی واپسی سے منسلک کردیا تھا۔ ان کی متفقہ رائے تھی کہ محاذ پر منہ کی کھانے کے بعد امریکیوں نے اپنے جارحانہ تیور ترک کرکے نرم مدافعانہ پالیسی اپنالی تھی۔ اس دلیل سے یہ منطقی نتیجہ بھی اخذ کرلیا گیا تھا کہ یوں امریکا نے جان اور ایڈی کے جرم کے بارے میں کراچی پولیس کے موقف کو بڑی حد تک تسلیم کرلیا تھا۔

ایک طویل تبصرے میں یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ سفارتی پروٹوکول کے تحت امریکا سے آئے ہوئے دونوں سراغ رسانوں کو کھٹوٹل کے قتل کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔

چوہدری اسلام کے بارے میں مجھے کسی اخبار میں ایک سطر تک نہ مل سکی۔ وہ معاملہ پرانا ہو کر دب چکا تھا یا اس خبر کا مکمل بلیک آؤٹ کیا جا رہا تھا۔

ناشتے پر اول خان میرے ساتھ موجود تھا۔ بعد میں سلطان شاہ بھی شریک ہو گیا۔ رات بھر سوچنے کی مہلت دینے کے بعد وہ دونوں ہی میرے عزائم جاننا چاہتے تھے۔

"میں آج بلکہ ناشتے کے فوراً بعد اسے فون کرنے کے لیے تیار ہوں" میں نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا "سوال یہ ہے کہ موضوع سخن کیا ہو گا؟"

"میرا خیال ہے کہ اس کا ایجنڈا چار نکات تک محدود ہے۔" اول خان نے پر خیال لہجے میں کہا۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا "میری دانست میں تو وہ صرف میری یعنی ڈینی کی جان کا خواہاں ہے۔ تم کن چار نکات کی بات کر رہے ہو؟"

"ایس ٹی ایف کی نفری اور اس کے دس مراکز کا محل وقوع اس کے پہلے دو مطالبے تھے۔ تیسرے نمبر پر تمہارے فنگر پرنٹس اور چوتھے نمبر پر تمہارا سراغ۔"

"چلو، یوں ہی سمجھ لو۔" میں نے نیم دلی سے کہا "میری نشان دہی اس کے لیے شاید زیادہ اہم ہو۔"

"اس کا ذکر بھی نہ کرنا۔ کہانی وہیں ختم ہو جائے گی" اس نے سرعت سے کہا "وہ بہت چالاک ہے۔ فون پر ہی تم سے سب کچھ جاننا چاہے گا اور پوری تسلی کے بعد اپنے مسلح کرگے تمہارے بتائے ہوئے مقام کی طرف روانہ کر دے گا۔ وہ خود ایک ذمے دار اور اعلیٰ انتظامی افسر ہے۔ خود مار دھاڑ میں حصہ نہیں لے گا اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

"اس سے کم کسی بات پر اسے اپنی کمین گاہ سے باہر نہیں نکالا جا سکے گا۔"

"تمہارے فنگر پرنٹس بھی اس کے لیے مساوی اہمیت رکھتے ہیں" سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا "وہ اسکیچ سے کہیں زیادہ مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"بدقسمتی سے وہ پہلے ہی اس کی تحویل میں ہیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "بس ان پر لیبل کرنل جمال دستی کے نام کا ہے۔"

"سلطان شاہ کی تجویز مناسب ہے۔" اول خان نے اس کی حمایت کی "اسٹیشن فور پر کچن اور میس وغیرہ میں کام کرنے والے متعدد آدمی ایسے ہیں جو کبھی فیلڈ میں نہیں نکلتے اور ان کا زندگی بھر امریکیوں سے سامنا ہونے کا کوئی امکان نہیں۔"

"تم چاہتے ہو کہ ڈینی اپنے نام پر ان میں سے کسی کے فنگر پرنٹس اس کے حوالے کر دے۔"

"اس کے سوا اور کیا، کیا جا سکتا ہے؟ ڈینی چاہے تو بھی اپنے صحیح فنگر پرنٹس اسے نہیں دے سکتا۔ راز کھل جائے گا کہ جمال دستی اور ڈینی ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں۔" مزاحیہ انداز میں یہ کہہ کر اول خان دھیرے سے ہنس پڑا۔

میں ناشتے کے اختتام تک اس تجویز پر غور کرتا رہا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ ہم لوگ اوبرائن کو ٹریپ کرنے کے لیے کوشش ہی کر سکتے تھے، کامیابی اور ناکامی کا انحصار ہماری قسمت پر تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے اوبرائن کے ڈائریکٹ نمبر پر رابطہ کیا تو وہ موجود تھا۔ میری آواز سن کر وہ مضطربانہ لہجے میں بولا "کیا تم نے کسی خاص سلسلے میں فون کیا ہے؟"

"میں ہنسی مذاق کے لیے تمہیں فون نہیں کرتا۔ آج تم نے ایسا اکھڑا اکھڑا سوال کیوں پوچھا ہے؟" میں نے ہلکی سی ترشی سے پوچھا۔

"مجھے خوف ہے کہ ہماری باتیں کہیں اور بھی سنی جاتی ہوں گی۔"

"تم خود بھی جانتے ہو کہ سی ایس ڈی کے ہوتے ہوئے ایسا ہونا ناممکن ہے۔"

"تم ایس ٹی ایف کے سربراہ نہیں ہو۔ جن لوگوں نے تمہارے فون پر یہ آلہ لگوایا ہے وہ اس کا توڑ بھی جانتے ہوں گے۔"

"میں تمہیں یقین دلا سکتا ہوں کہ تمہارا یہ اندیشہ بالکل بے بنیاد ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم درست کہہ رہے ہو لیکن میرے اپنے تحفظات ہیں۔ آج کل تم شکوک و شبہات کی زد میں آئے ہوئے ہو۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔" اس کے لب و لہجے سے اس کی بے اطمینانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے فون کیوں کیا ہے؟"

"اسی قدر خوف زدہ ہو تو فون بند کیے دیتا ہوں۔ تم سے ملاقات کے بعد مجھے زیادہ خوشی نہیں ہوئی تھی۔ تعلق توڑ کر شاید میں پرسکون ہو جاؤں۔"

"فون کیا ہے تو جلدی سے مدعا بھی بتاؤ۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"شاید میں نے تمہارے مطلوبہ فنگر پرنٹس حاصل کر لیے ہیں۔" میں نے کہا۔

"گڈ، یہ اچھی اطلاع ہے۔ لیکن یہ کس چیز پر ہیں؟" اوبرائن نے پوچھا۔

"ہیں، تمہارے مشورے پر عمل نہیں کر سکا۔ اس کے استعمال

میں آیا ہوا گلاس میں نے محفوظ کرلیا ہے۔"

"اس پر دوسروں کی انگلیوں کے نشان بھی موجود ہوں گے؟"

اوبرائن نے خود مجھے راہ دی۔

"شاید خدمتگار کے پرنٹس ہوں۔ اس سے پہلے میں نے گلاس صاف کردیا تھا۔"

"اسے احتیاط سے رکھو اور کل دوپہر بارہ بجے ایمپریس مارکیٹ کے مین گیٹ پر لے آؤ۔ بلیکی وہاں تمہارا انتظار کرے گا۔ اس سے بقیہ ہدایات بھی ملیں گی۔"

"تو کیا تم مجھے بلیکی کے حوالے کررہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ عارضی احتیاط ہے۔ اب تم براہِ راست مجھے فون نہیں کرو گے۔"

"مگر کیوں؟" میں نے احتجاج کیا۔

"حالات اور میرے تحفظات۔" اس کی سپاٹ آواز ابھری۔ "کل بارہ بجے ایمپریس مارکیٹ پہنچنا نہ بھولنا' بلیکی وہاں زیادہ دیر تک تمہارا انتظار نہیں کرے گا۔"

اپنی بات مکمل کرکے اس نے میرا ردِعمل جانے بغیر فون بند کردیا۔

"بلیکی کا کیا چکر چل پڑا؟" جوں ہی میں نے ریسیور کریڈل پر رکھا' سلطان شاہ تجسس آمیز لہجے میں سوال کر بیٹھا۔ "اس سے بات کرتے ہوئے تم کچھ پریشان تھے۔"

میں نے ان دونوں کو اوبرائن ڈی ہنٹ کے بدلے ہوئے رویے کی کہانی سنادی۔

"شاید تمہاری طرف سے اس کا ماتھا ٹھنک گیا ہے۔" اول خان نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "ایسی صورت میں تمہارا ایمپریس مارکیٹ جانا مخدوش بھی ہوسکتا ہے۔"

"میرا خیال اس کے برعکس ہے۔" سلطان شاہ نے مجھے حوصلہ دینے کی کوشش کی۔ "کھٹومل' جان' ایڈی اور دو میرین کمانڈوز کا انجام اس کے سامنے ہے۔ کسی وجہ سے وہ خوف زدہ ہوگیا ہے۔ شاید اس کی چھٹی حس نے موت کی بو سونگھ لی ہے۔"

میری دانست میں اوبرائن کی باتیں خاصی بے ربط اور شکستہ تھیں۔ میں نے اس سے ہونے والی گفتگو کو اپنے ذہن میں دہرایا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ سلطان شاہ صحیح نتیجے پر پہنچا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ اوبرائن نے وہ پروگرام اگلے دن کے لیے رکھا تھا۔ شاید اس لیے کہ میں نے پہلے سے طے شدہ کسی پروگرام کے بغیر اچانک اسے فون کیا تھا۔ شاید بلیکی فوری طور پر دستیاب نہیں رہا ہوگا۔ اوبرائن نے اسے سمجھانے اور وقت کی پابندی کے لیے اگلے دن کا وقت مقرر کیا تھا۔

میرے لیے ایک دن کی وہ مہلت نعمت سے کم نہیں تھی۔ میرے بازو کا زخم تیزی سے مندمل ہورہا تھا۔ میں نے اگلے دن کی

تسلسل

ایک گھرانا جو تنگ مکان میں رہتا تھا' ایک کشادہ مکان میں منتقل ہوگیا۔ ایک شخص نے اس مکان میں آنے والے بچے سے پوچھا "تمہیں یہ مکان کیسا لگا؟"

بچے نے بتایا "مجھے یہ مکان بہت پسند ہے۔ میرا کمرا بھی الگ ہے اور میری دونوں بہنوں کے بھی اپنے اپنے کمرے ہیں" بچے نے یہ کہہ کر تھوڑا سا توقف کیا پھر کچھ دیر سوچتے ہوئے بولا "مگر بے چاری ممی! انہیں اب بھی ڈیڈی کے کمرے میں ہی سونا پڑتا ہے۔"

جہلم سے محمد آصف جمروز خان کی عنایت

پیش گی تیاری کے لیے سلنگ اتار کر اپنا بایاں بازو آزاد کردیا۔ زخم میں چند ثانیوں کے لیے ٹیسیں اٹھیں جو زیادہ شدید نہیں تھیں۔

غزالہ نے اس تبدیلی کو خوشگوار حیرت سے دیکھا اور مجھے مزید چند روز احتیاط کا مشورہ دیا۔ جب میں نے اسے اوبرائن سے طے ہونے والے پروگرام سے آگاہ کیا تو اس نے اپنے مشورے پر اصرار نہیں کیا۔ دھیرے سے مسکرا کر رہ گئی۔

اس شام بھی ڈاکٹر آیا۔ زخم کا معائنہ کرکے اس نے دواؤں میں کچھ ردوبدل کی۔ اول خان سے مشورے کے بعد ایک انجکشن لگایا اور مختصری پُرامید گفتگو کے بعد واپس چلا گیا۔

دن بھر کی مشق کے بعد میں نے چلتے ہوئے' اپنے دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں میں لٹکائے رکھنے کی اتنی عادت ڈال لی تھی کہ اگلے دن مجھے کسی پریشانی کا اندیشہ نہیں تھا۔

اول خان نے اپنی دفتری مصروفیات سے فارغ ہوکر شام میں اطلاع دی کہ اس کے باس کی انتھک کوششوں کے نتیجے میں اسلام آباد میں برف پگھلنی شروع ہوگئی تھی۔ اوبرائن ڈی ہنٹ کو شجر ممنوعہ قرار دینے والے بزرجمہروں کو اوپر والوں نے نظرانداز کردیا تھا۔

اوپر والے اوبرائن کو پوری احتیاط سے راہ سے ہٹانے کی تجویز سے متفق ہوگئے تھے۔ پہلی ترجیح یہ تھی کہ اسے اس قدر دہشت زدہ کردیا جائے کہ وہ خود گھبرا کر اپنے وطن لوٹ جائے۔ اس طریقۂ کار میں ناکامی کی صورت میں اس کے لیے اسی قدر مہارت اور ہوشیاری ضروری قرار دی گئی تھی جتنی جان اور ایڈی کے معاملے میں اختیار کی گئی تھی۔

وہ نکات غیر معمولی نہیں تھے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اندازہ تھا کہ امریکیوں کے جانی نقصانات کا تسلسل کسی بھیانک انتقامی کارروائی کا پیش خیمہ بھی بن سکتا تھا۔ کسی بھی واقعے میں کسی ایجنسی کے ملوث ہونے کا کوئی سراغ باقی رہ جاتا تو ایسی کارروائی کے امکانات بڑھ سکتے تھے۔

وہ قدرت کی عجیب ستم ظریفی تھی۔ اوبرائن میرے رابطے میں تھا اور مجھ سے بار بار بات کرنے کا آرزو مند تھا تو کہیں سے پیش قدمی کا کوئی موہوم ترین اشارہ نہیں ملا تھا۔ ہم آپس میں لڑتے اور سر کھپاتے رہتے تھے۔ وہ بلیکی کو آگے بڑھا کر غائب ہوا تو اسلام آباد سے گرین سگنل آگیا۔

اگلی صبح میرا زخم بہت بہتر ہو چکا تھا۔ وہ شاید انجکشن کا کمال تھا کہ میں ہلکی سی تکلیف کے ساتھ اپنے لٹکتے ہوئے بازو کو اوپر نیچے حرکت دینے کے قابل ہو چکا تھا۔

بلیکی سے ملاقات کی تیاری میں میں یہ نکتہ فراموش کیے بیٹھا تھا کہ بائیں بازو کا زخم بڑی حد تک بھر جانے کے باوجود میں ڈرائیونگ کے قابل نہیں تھا۔ دس بجے اول خان نے مسکرا کر اس بارے میں پوچھا تو میری نظریں بے اختیار سلطان شاہ کی طرف اٹھ گئیں۔

"نہیں!" اول خان نے سختی سے کہا۔ "ہم میں سے کوئی تمہارے ساتھ نہیں جائے گا۔ اس وقت کی ذرا سی لغزش ہمارے گلے کا پھندا بن سکتی ہے۔"

سلطان شاہ مہم جوئی کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اس نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ "میں دور رہ کر بھی ان کی حفاظت کرتا رہوں گا۔"

"اس سے دور رہ کر تم اس کی زیادہ خدمت کرو گے۔ میں گاڑی اور ڈرائیور کا بندوبست کر چکا ہوں۔" اول خان نے وہ بات وہیں ختم کر دی۔

میں گیارہ بجے اسٹیشن فور سے روانہ ہوا تو میری جیبوں میں گن کے ساتھ موبائل فون بھی موجود تھا۔ فون میں نے بند کیا ہوا تھا۔ بلیکی کو موبائل فون کی بھنک مل جاتی تو وہ اس کا نمبر مانگ سکتا تھا۔ جب کہ میں ان لوگوں سے اپنا ہر سراغ پوشیدہ رکھنا چاہ رہا تھا۔

وہ سفر وسوسوں، اندیشوں اور خوش گمانیوں کے دوران میں طے ہوا۔ اول خان نے میرے لیے کراچی کی روایتی زرد و سیاہ ٹیکسی کا بندوبست کیا تھا۔ اسے چلانے والا اپنی وضع قطع سے کوئی پیشہ ور ڈرائیور نظر آرہا تھا مگر اول خان مجھے بتا چکا تھا کہ وہ اس کی فورس کا ایک ممتاز اہل کار تھا۔

میں صدر کی مصروف اور پُرہجوم سڑکوں پر وقت گزاری کرتا ہوا مقررہ وقت پر ایمپریس مارکیٹ کے مین گیٹ پر پہنچا تو قوی الجثہ بلیکی بھی ایک ٹیکسی سے اتر رہا تھا۔

وہ قد آور اور ضخیم شحیم تھا اس لیے اسے نظرانداز کرنا ناممکن نہیں تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس کے جسم پر سرمئی رنگ کا قمیص شلوار سوٹ موجود تھا۔ لباس پہننے کے بے پروایانہ قرینے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مقامی لباس اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ اس حلیے میں وہ دور سے کوئی قد آور مکرانی معلوم ہو رہا تھا۔ شاید اسی وجہ سے اسے شہر کی بھیڑ بھاڑ میں بھیجنے کا خطرہ مول لیا گیا تھا۔

بلیکی اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ متوسط قامت اور جسامت والا کوئی مقامی شخص بھی تھا جو قمیص پتلون میں ملبوس تھا۔ ٹیکسی سے اترتے ہی ان دونوں کی متلاشی نظریں مارکیٹ کے بڑے داخلی راستے سے ہو کر ادھر ادھر بھٹکنے لگیں اور پھر بلیکی نے مجھے دیکھ لیا۔

میں اس کی طرف لپکا اور وہ دونوں تیر کی طرح میری طرف آئے۔

"گلاس کہاں ہے؟" بلیکی نے آتے ہی کسی سلام دعا یا تمہید کے بغیر سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

میں نے اس سے متوقع مصافحے کی امید میں اپنا داہنا ہاتھ خالی رکھا تھا۔ گلاس والا ہلکا سا پیکٹ بائیں ہاتھ میں تھاما ہوا تھا۔ اس کے گستاخانہ مطالبے پر میں نے بائیں ہاتھ سے وہ پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا جو اس نے فوراً لے لیا۔

"کیا بات ہے؟ کیا تمہارا بایاں بازو مفلوج ہو گیا ہے؟" اس نے اپنی تیز نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے بے رحمانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں، کوئی پٹھا اکڑ گیا ہے۔" میں نے اس کی بدتمیزی کو یکسر نظرانداز کر دیا۔ میں اس کے بارے میں پہلے ہی خراب رائے قائم کر چکا تھا۔ بلیکی اس وقت بھی اپنی بول چال سے خود کو انتہائی گھٹیا درجے کا سیاہ فام امریکی ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"میں جا رہا ہوں، یہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتا۔ دھن راج تمہیں آئندہ طریقۂ کار کے بارے میں بریف کر دے گا۔" اس نے واپسی کے لیے پر تول لیے۔

"اوبی نے مجھ سے صرف تمہارا ذکر کیا تھا۔ میں دھن راج کو نہیں جانتا۔"

"تم نہیں جانتے مگر میں نے تعارف کرا دیا ہے۔ اب دھن راج ہی تم سے ڈیل کرے گا.... بائے!" یہ کہہ کر اس نے فضا میں ہاتھ لہرایا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا مارکیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"اسے یوں حیرت سے نہ دیکھو۔" مقامی نظر آنے والے شخص نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ "اپنا ذہن صاف رکھو۔ ابھی ہمیں کئی ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

میں اس وقت ذہنی طور پر الجھ کر رہ گیا تھا۔ پتا نہیں اوبرائن میرے ساتھ کیا کھیل کھیل رہا تھا۔ پہلے بلیکی اور اب دھن راج میرے سامنے تھا۔ جب تک وہ خاموش رہا، میں اسے مقامی ہی

سمجھتا رہا لیکن اس کے بولنے پر مجھے شبہ ہوا کہ اس کا لب و لہجہ مقامی نہیں تھا۔

"بلیکی کی طرح تم بھی دساور سے آئے ہوئے معلوم ہوتے ہو!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوری بے خوفی سے کہا۔ "بھارتی ہو؟"

"پاکستان اور بھارت ایک ہی ملک کے دو نام ہیں۔" اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "جو چاہو سمجھ لو۔ آج کی ملاقات کا مطلب یہ تھا کہ میں تمہیں اور تم مجھ کو دیکھ لو۔ میں ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ اب تم اولی یا بلیکی کے بجائے مجھ سے رابطہ رکھو گے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ایک تہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔

"اگر اس کاغذ پر تمہارا ہوٹل کا پتا اور فون نمبر لکھا ہوا ہے تو یہ چیزیں اوبرائن مجھے فون پر بھی بتا سکتا تھا۔ اس کی خاطر سرِ راہ یوں ملنا ضروری نہیں تھا۔" میں نے کاغذ دیکھے بغیر اپنی جیب میں ڈال کر بدمزگی سے کہا۔ "پتا نہیں میرے ساتھ کیا ناٹک رچایا جا رہا ہے۔"

"برا نہ مانو کرنل!" اس نے نرمی سے مجھے جتا دیا کہ وہ پہلے سے میرے بارے میں بریف کیا جا چکا ہے۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ "گلاس دینے کے لیے تمہیں کہیں نہ کہیں آنا ہی تھا۔ اولی کا خیال تھا کہ ہمیں بہت دنوں تک ایک دوسرے کے ساتھ کام کرنا ہے' آپس میں تعارف ہو جائے تو اچھا رہے گا.... یوں بیچ میں رکنے کے بجائے کنارے سے آ جاؤ..... زیادہ باتیں کرنی ہیں تو ہوٹل چل کر میرے ساتھ کچھ پینے کی دعوت قبول کرو۔"

"میں تعارف کا ہی منتظر ہوں۔ میرے بارے میں شاید تمہیں سب کچھ بتا دیا گیا ہے مگر میں تمہارے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ انجان لوگوں کے ساتھ کام کرنے میں مجھے الجھن ہوتی ہے۔"

"قدرتی بات ہے۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "میرا کوئی لمبا چوڑا تعارف نہیں ہے۔ تم نئے ہو' میں پرانا ہوں۔ رفتہ رفتہ تم بھی میری طرح پرانے ہو جاؤ گے۔"

اس کا جواب بہت مبہم لیکن اپنی جگہ مکمل تھا۔ میری الجھن دور نہیں ہو سکی۔ میں نے دھیرے سے پوچھا۔ "کیا تم قونصل خانے میں کام کرتے ہو؟"

وہ یوں ہنسا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ پھر بولا۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں تمہاری طرح ہوں۔ بس ذرا پرانا ہوں۔ اسی وجہ سے مجھ پر بھروسا کیا جاتا ہے۔"

اس کے پراسرار رویے اور پر پیچ جوابوں سے میری طبیعت مکدر ہونے لگی۔ جی چاہا کہ اسی وقت اس مردار کی گردن دبوچ کر جوتے لگانے شروع کر دوں مگر وہ مشتعل ہونے کا موقع نہیں تھا۔ میں نے اپنا غصہ پیتے ہوئے کہا۔ "بلیکی گلاس لے کر چلا گیا' تمہیں پرچہ دے کر لوٹ جانا چاہیے تھا۔"

وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔ "مجھے بتا دیا گیا ہے کہ تم جس فورس میں ہو' وہ اپنے آدمیوں کے لیے بھی بہت موذی اور خطرناک ہے۔ پھر بھی ایمرجنسی کے لیے کوئی نہ کوئی رابطہ تو ہونا ہی چاہیے۔"

"سہاروں کی ضرورت نئے آدمی کو ہوتی ہے۔ تم پرانے ہو۔ میری ضرورت محسوس نہیں کرو گے۔ یہ بات اولی اچھی طرح جانتا ہے۔" میرے الفاظ تلخ تھے مگر لہجہ نرم تھا۔

اس نے داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ "کبھی رنگ رلیوں میں ڈوب کر چند گھنٹے گزارنے کا موڈ ہو تو فون کرکے میرے پاس آ جانا۔ میں اپنے مہمانوں کی فراخ دلی سے دیکھ بھال کرتا ہوں۔"

میری دانست میں وہ شراب نوشی کی دعوت تھی۔ میں نے اس کی تضحیک کی نیت سے پوچھا۔ "دیسی پر گزارہ کرتے ہو یا ولایتی بھی مل جاتی ہے؟"

"یہ پسند اور موڈ پر منحصر ہے۔ شراب اور لڑکیاں..... دونوں ہی دیسی بھی مل جاتی ہیں اور پردیسی بھی۔" اس نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔ "شہر کے اوباش روسا کو ترسانے والیاں میری ایک فون کال پر سر کے بل چلی آتی ہیں کیونکہ میں کام سے پہلے پورے گن کے بندھے دام ادا کر دیتا ہوں۔"

وہ غلاظت کی طرف جانے لگا تھا۔ میرا داہنا ہاتھ پوری طرح صحت مند تھا۔ میں نے ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا اور اپنی ٹیکسی کی طرف مڑ گیا۔

ٹیکسی بسوں اور بھانت بھانت کی گاڑیوں کی رینگتی ہوئی بے ترتیب بھیڑ سے گزر کر زیب النساء اسٹریٹ سے ہوتی ہوئی شارع فیصل پر آئی تو میرے ڈرائیور نے پر تشویش آواز میں کہا۔ "سر! شاید ایک کالی گاڑی ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔"

"کرنے دو۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "تم سیدھے اسٹیشن فور کی طرف چلو۔"

"سوسائٹی میں داخل ہو کر اسے کہیں غچا نہ دے دوں؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"انہیں معلوم ہے کہ میں اسٹیشن فور پر ہوتا ہوں۔ چھاؤنی کی چیک پوسٹ سے پہلے ہی وہ گاڑی واپس چلی جائے گی۔ تم اسے بھول کر ڈرائیونگ کرتے رہو۔"

میں نے خود بھی مڑ کر مشتبہ گاڑی پر نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میرا ذہن مسلسل دھن راج میں الجھا ہوا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا' بہت بدنصیب تھا۔ اوبرائن نے اسے قربانی کا بکرا بنا کر میرے سامنے ڈال دیا تھا۔ اس کا نام اور پتا میری جیب میں موجود تھا۔ اول خان کا کوئی بھی ذہین آدمی چند گھنٹوں میں اس کا پورا شجرہ نکال کر لا سکتا تھا۔ اس کے بعد دھن راج کے ساتھ جو کچھ ہوتا وہ ہماری مرضی سے ہوتا اور ہمارے منتخب کیے ہوئے وقت پر ہوتا۔ دھن راج اس سے بچ نہیں سکتا تھا۔

بارہ بجے ہونے والی وہ ملاقات بہت مختصر رہی تھی۔ واپسی پر شہر کے وسط سے مضافات کی طرف جانے والا ٹریفک زیادہ نہیں تھا۔ ہم جلد ہی ملیر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہو کر اسٹیشن فور پہنچ گئے۔ میرے اندازے کے عین مطابق سیاہ کار چھاؤنی کی حدود شروع ہونے سے پہلے ہی غائب ہو چکی تھی۔

میرے ایما پر ڈرائیور گاڑی براہِ راست اول خان کے دفتر کی طرف لے گیا۔

اول خان ٹیکسی کے انجن کی آواز پہچان کر دفتر سے برآمدے میں نکل آیا۔ اسے حیرت تھی کہ اتنی اہم ملاقات مختصر سے وقت میں ختم ہو گئی تھی۔

اوبرائن ڈی ہنٹ کی طرح دھن راج کا نام بھی اسپیشل ٹاسک فورس کی فہرست میں نہیں تھا۔ دھن راج سے میری ملاقات کے بعد یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا تھی کہ وہ کراچی کے ایک بڑے ہوٹل میں بیٹھ کر ہمارے خلاف سنگین ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا اور خود کو ہر ایجنسی کی نگاہوں سے بچائے رکھنے میں پوری طرح کامیاب تھا۔

اس قسم کے سنگین مجرموں کی ابتدائی نشان دہی عام طور پر ایس ٹی ایف ہی کیا کرتی تھی کیونکہ اس کا دائرۂ کار بیشتر پابندیوں سے یکسر آزاد تھا۔ ابتدائی شواہد کی دستیابی کے بعد فورس اپنے ہدف کا ریکارڈ متعلقہ وفاقی اداروں کو فراہم کر دیتی تھی۔

اول خان نے اپنے دفتر میں دو تجربے کار اہل کاروں کو بلا کر دھن راج کے جملہ کوائف اور سرگرمیوں کا کھوج لگانے پر مامور کر دیا اور پھر لنچ کے لیے میرے ساتھ رہائشی بیرکوں کی طرف ہو لیا۔

غزالہ کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں کسی دنگے فساد میں ملوث ہوئے بغیر خیر و عافیت سے واپس لوٹ آیا تھا اور میرا زخمی ہاتھ مزید مجروح نہیں ہوا تھا۔

''جہاز کے وزنی لنگر کی طرح، تمہارا ٹھہرا ہوا بازو بلیکی کی نظروں سے پوشیدہ تو نہ رہ سکا ہوگا؟'' ویرا نے اپنے معمول کے مطابق استہزائیہ انداز میں دریافت کیا۔

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی ''تمہیں ایسی اچھوتی مثالیں کیسے سوجھ جاتی ہیں؟''

''غور کرتیں تو تمہیں بھی اندازہ ہو جاتا کہ ڈینی کا بایاں بازو کس طرح ساکت ہے۔''

''بلیکی میرے ساتھ زیادہ دیر رکا ہی نہیں۔ گلاس لے کر چلا گیا۔ پٹھا اکڑنے کا عذر اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔

سلنگ سے نجات کے بعد زخم کی بحالی کی رفتار تیز ہو گئی ہے۔ ایک آدھ روز میں یہ لنگر ہنڈولم میں تبدیل ہو جائے گا۔''

ایمپریس مارکیٹ پر جو کچھ ہوا، وہ بہت ہی پھسپھسا اور روکھا پھیکا تھا۔ پہلے ہم اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ اوبرائن اپنے چار ساتھیوں کے انجام کی وجہ سے مجھ سے خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اپنے اس خوف کے تحت اس نے مجھے بلیکی کے سپرد کر دیا مگر پھر بلیکی جیسا نڈر اور قدرے کم عقل شخص کیوں غائب ہو گیا؟ اس نے مجھے کس وجہ سے دھن راج کے حوالے کیا تھا؟

وقت گزارنے کے لیے وہ سوال بہت سا مواد فراہم کرتے تھے لیکن ہمارے پاس ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ دھن راج کے اصل خدو خال سامنے آنے کے بعد صورتِ حال کچھ واضح ہو سکتی تھی۔

شام کو اول خان نے ایک نئی خبر فراہم کی۔ ایس ٹی ایف کا سربراہ اپنے ذرائع سے اوبرائن ڈی ہنٹ پر مسلسل کام کر رہا تھا۔ اسے امریکا کے دارالحکومت واشنگٹن سے خبر ملی تھی کہ اوبرائن کا تعلق امریکا کی فارن انٹیلی جنس ایڈوائزری سروس سے تھا۔

وہ ادارہ سی آئی اے کی طرح بین الاقوامی سطح پر رسوا نہیں ہوا تھا مگر اس کے مقاصد سی آئی اے سے کہیں زیادہ خطرناک اور ہمہ گیر تھے۔ وہ ہر ملک کے مخصوص علاقائی حالات اور ماحول کے تحت سازشوں کے تانے بانے بُن کر مقامیوں سے کام لینے میں ماہر تھے۔

سٹے بازوں کی مضبوط پشت پناہی کر کے ابھرتے ہوئے ملکوں میں بھیانک اقتصادی بحران پیدا کر کے اپنی منڈیوں کو قبضے میں رکھنا اور مقبول حکومتوں کا تختہ الٹ کر لنڈول اور چوہدری سلام جیسے کرپٹ سیاست دانوں کو آگے لانا ان کے فرائض میں شامل تھا۔

ہم سب کے لیے وہ نئی اطلاع تھی۔ اس وقت تک ہم اوبرائن کو سی آئی اے کا مہرہ سمجھ رہے تھے۔ وہ اس سے بھی اونچے درجے کا فن کار نکلا تھا۔

''فارن انٹیلی جنس ایڈوائزری سروس بھی ایس ٹی ایف جیسی فورس معلوم ہوتی ہے۔'' ویرا نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر دھواں اگلتے ہوئے کہا۔

''ان دونوں کا موازنہ کر کے تم میری فورس کے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔'' اول خان نے پُر زور لہجے میں اعتراض کیا۔ ''ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔''

''یہ فرق مجھے تو نظر نہیں آتا۔'' ویرا بے پروائی سے بولی۔

”تم پاکستانی مفادات کا تحفظ کرتے ہو‘ وہ امریکا کے لیے کام کرتے ہیں۔“

”ہمارا کام مدافعانہ ہے۔ ہم اپنی سلامتی اور وقار کے دشمنوں کی بیخ کنی کرتے ہیں جبکہ ان کے ہدف جارحانہ ہوتے ہیں۔ وہ حکومتوں اور ملکوں کی توڑ پھوڑ میں ملوث ہیں۔“

ویرا مسکرانے لگی ”میں نے یہ فرق نظرانداز کردیا تھا۔ دیکھا جائے تو ان لوگوں کا کام بھی سی آئی اے سے مختلف نہیں ہے۔ بس مہارت اور طریقۂ کار کا فرق ہوسکتا ہے۔“

”ہم سب بوڑھی بیواؤں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہاں پناہ گزین ہوگئے ہیں۔“ یکایک سلطان شاہ اکتائے ہوئے انداز میں بولا ”میرے لیے یہ بے کاری ناقابلِ برداشت ہے۔ میں شہر کی طرف جارہا ہوں۔ دیر ہوگئی تو رات کسی دوست کے گھر بسر کرلوں گا۔ میری طرف سے کسی کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔“

”شہر میں ہمارے لیے خطرات موجود ہیں۔ تمہارا یوں نکلنا مناسب نہیں ہوگا۔“ غزالہ نے اسے سمجھایا ”ایک دو روز میں حالات بہتر ہوجائیں گے۔“

”شہر میں کچھ نہیں ہوگا۔“ سلطان شاہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ”ڈینی نے بلیکی سے ملاقات کی اور کچھ نہیں ہوا۔ ہم لوگ بلاوجہ ہی احتیاط میں گھلے جارہے ہیں۔“

ہر ایک نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی بات پر اڑ گیا اور تیار ہوکر تھوڑی ہی دیر میں اسٹیشن فور سے نکل کھڑا ہوا۔ ہماری بحث سے چڑ کر اس نے سواری فراہم کرنے کی پیشکش بھی قبول نہیں کی۔ کسی بھی منی بس یا ٹیکسی سے شہر کے مرکزی حصے میں پہنچنے کا قصد کرکے پیدل چل دیا۔ جاتے جاتے غزالہ نے اسے ایک ریوالور ضرور تھمادیا تھا۔

اسٹیشن فور میں وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ مجھے سلطان شاہ کی طرف سے ویسے تو کوئی پریشانی نہیں تھی لیکن یہ تشویش ضرور لاحق تھی کہ وہ اوبرائن کی طرف سے بھرا بیٹھا تھا۔ ہماری نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ عاجلانہ انداز میں اس کے خلاف کوئی قدم اٹھا بیٹھتا تو کسی بھی بدترین خطرے سے دوچار ہوسکتا تھا۔

شام تک دھن راج کے بارے میں کچھ مواد یک جا ہوچکا تھا۔ وہ سندھ کے ایک دور افتادہ‘ سرحدی شہر عمرکوٹ کے ایک بڑے جاگیردار کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اسے کام کاج اور آمدنی کی کوئی فکر نہیں تھی۔ باپ کی زمینوں سے اتنی آمدنی ہوتی تھی کہ پورا خاندان بے فکری اور عیاشی سے زندگی بسر کرنے کے باوجود ہر سال کچھ نہ کچھ پس انداز کرلیتا تھا۔

سرپرائز

ایک خاتون سڑک کے حادثے میں زخمی ہونے والوں کو فوری طبی امداد دینے کے ادارے سے منسلک تھی۔ اس نے اپنے شوہر کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ زخمی ہونے والے کی اداکاری کرے۔ شوہر نے ہامی بھرلی۔ خاتون نے اسے سر سے گردن تک چڑھانے کا ماسک دیا جس پر زخموں کے نشان تھے۔ جگہ جگہ سے پھٹا ہوا لباس دیا جس پر خون کے دھبے تھے۔ پھر ایمبولینس منگوا کر اسے لٹادیا۔ وہ کراہتے ہوئے بے ہنگم آوازیں نکالتا رہا۔ ایمبولینس دیر تک سڑکوں پر دوڑتی ہوئی رک گئی۔ اٹینڈنٹ نے دروازہ کھولا اور فرضی زخمی کو سہارا دے کر باہر نکالا۔ معاً فضا تالیوں اور سیٹیوں سے گونج اٹھی۔ اس نے اپنی کامیابی پر خوش ہوکر بظاہر ڈولتے اور لڑکھڑاتے ہوئے سر پر سے ماسک کھینچا تو ششدر رہ گیا۔ وہ اپنے مکان کے لان میں مرد و خواتین دوست احباب کے درمیان کھڑا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ اس روز اس کی شادی کی پچاسویں سالگرہ تھی اور اپریل کی پہلی تاریخ بھی۔

عمرکوٹ جیسے پس ماندہ شہر میں دھن راج کا زیادہ دل نہیں لگتا تھا کیونکہ اس نے کراچی کی بہت سی بدنام خواتین کے ساتھ دل لگایا ہوا تھا۔ اسی لیے وہ اکثر و بیشتر کراچی کے ایک خاص ہوٹل میں پایا جاتا تھا۔

چند ماہ پہلے بھارتی قونصل خانے میں ریکارڈ آفیسر کی اسامی پر بھارت سے میجر بخشی کا تقرر ہوا تو دھن راج وہاں بھی دیکھا جانے لگا۔

ایس ٹی ایف کے آدمیوں نے سراغ لگایا تھا کہ تقسیم سے پہلے میجر بخشی کا باپ بھی عمرکوٹ میں رہتا تھا۔ انگریز کی رخصت کے بعد وہ جان کے خوف سے اپنے پورے خاندان سمیت‘ سرحد پار کرکے اودے پور میں جابسا تھا۔

ان دونوں خاندانوں میں پرانی آشنائی نے میجر بخشی اور دھن راج کی گہری دوستی کا روپ دھار لیا۔ کبھی کبھی میجر بخشی بھی دھن راج کے کمرے میں دیکھا جانے لگا۔

میجر بخشی انڈین آرمی کا ریٹائرڈ افسر تھا اور بظاہر اسے فارن آفس نے کراچی کے قونصل خانے میں مامور کیا تھا لیکن خفیہ اطلاعات یہ تھیں کہ میجر بخشی کو آرمی سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ دے کر را کے اسپیشل سروسز بیورو میں مامور کر دیا گیا تھا۔ وہیں سے اسے فارن آفس کی معرفت کراچی بھیجا گیا تھا۔

میرے لیے اسپیشل سروسز بیورو کا نام نیا نہیں تھا۔ اسے صرف اور صرف پاکستان کے خلاف شورشیں برپا کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ انڈین ایس ایس بی کو اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد اور امریکی سی آئی اے کا قریبی تعاون حاصل تھا۔

اس وقت تک دھن راج اور میجر بخشی کے درمیان کسی گٹھ جوڑ کے بارے میں کوئی شہادت نہیں مل سکی تھی مگر میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ میجر بخشی نے عمر کوٹ میں راج خاندان کی ممتاز سماجی حیثیت اور کراچی میں دھن راج کے وسیع مراسم کو اپنے مفادات کے لیے ضرور استعمال کیا ہوگا۔ کمزور کردار کے حامل لوگوں کو اپنے چنگل میں پھانسنے کے لیے تین ڈبلیو یعنی ویلتھ' وائن اور وومن یا دولت' شراب اور عورت جیسے تینوں مؤثر حربے دھن راج کی دسترس میں تھے۔ میجر بخشی اس کے ان وسائل سے استفادہ نہ کرتا تو اپنے فرائض سے انحراف کا مرتکب ہوتا۔

میری نگاہوں میں دھن راج کی اہمیت یک بہ یک بڑھ گئی۔

"فی الحال گاڑی یوں ہی چلنے دو۔" اول خان نے میری دلچسپی کو بھانپتے ہوئے کہا "چند روز میں میرے آدمی کچھ ٹھوس مواد اکٹھا کرلیں گے۔ اس کے بعد ان دونوں کو دیکھ لیا جائے گا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ ہمیں دشمن کے خلاف کسی مواد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بس یہ یقین ہونا چاہیے کہ وہ ہمارا دشمن ہے۔ کام فوراً شروع ہو جاتا ہے۔"

"ایک وقت میں کئی دشمنوں سے بھڑنا مصلحت کے خلاف ہوتا ہے....."

"مصلحت کے مقابلے میں ضرورت زیادہ اہم ہوتی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ بات چبھ رہی ہے کہ اوبرائن نے مجھے اچانک دھن راج کے حوالے کیوں کر دیا؟ اب میجر بخشی اور اوبرائن کے عہدوں پر غور کرو تو تمہیں دھن راج درمیانی رابطے کا اہم آدمی نظر آئے گا۔"

"سی آئی اے اور را کا گٹھ جوڑ نیا نہیں ہے۔ پاکستان میں یہ دونوں ادارے شانہ بہ شانہ کام کرتے ہیں۔ اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہوگا۔"

"دونوں میں سے کسی ایک کی کمر توڑ دی جائے تو دوسرا خود بخود پسپا ہو جائے گا۔"

"اوبرائن کے خلاف تم کو گرین سگنل مل چکا ہے۔ اپنی توجہ اسی پر مرکوز رکھو۔"

"اوبرائن کے ہوش و حواس پر چار لاشیں مسلط ہیں۔ میرے لیے دھن راج زیادہ اہم ہو چکا ہے۔" میں نے... پُرخیال لہجے میں جواب دیا۔

"شاید اس لیے کہ اوبرائن اور ریلیکی تمہیں اس کے حوالے کر کے اچانک درمیان میں سے نکل گئے ہیں۔" ویرا نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔

"فی الحال یہی سمجھ لو۔" میں نے بحث میں الجھنے کے بجائے مختصراً کہا۔

"آپ اس کے خلاف کیا کرنا چاہ رہے ہیں؟" غزالہ نے تشویش سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ ابھی اس سے پینگیں بڑھانے کا ارادہ ہے تاکہ اس کا اصل چہرہ میرے سامنے آسکے۔ ممکن ہوا تو میجر بخشی کو بھی ٹٹولا جائے گا۔"

"مل بیٹھنے کی حد تک تمہیں اجازت دی جاسکتی ہے۔" اول خان نے اطمینان کا سانس لے کر کہا "وہ خود بھی یہی چاہتا ہے۔"

میں نے شکریے میں سر کو ہلکی سی جنبش دے کر فون کا ریسیور اٹھالیا۔

دھن راج کے دیے ہوئے رقعے پر اس کے کمرے کا ایک فون نمبر ڈائرکٹ تھا' دوسرے نمبر آپریٹر کے ذریعے کمرے سے ملائے جاسکتے تھے۔ میں نے اس کا ڈائرکٹ نمبر ملایا۔ فون اٹھانے والی کی آواز بہت دلکش اور ہوش ربا تھی۔ اس کی زبان سے ڈھلکتے ہوئے الفاظ سن کر ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ دھن راج کے ساتھ مے نوشی کر رہی تھی۔

عورت کے اصرار پر بھی میں نے اپنا نام نہیں بتایا اور دھن راج سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ چند ثانیوں بعد وہ فون پر آگیا۔

میری آواز پہچانتے ہی اس نے خوشی سے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "دن کی تپتی ہوئی دھوپ میں شاید تمہیں میری پیشکش بری لگی تھی۔ اب کیسے یاد کیا ہے؟"

"میں مسلسل تمہارے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔"

میں نے الجھن آمیز آواز میں کہا "یہ بتاؤ کہ تم سے ملاقات کب ہو سکتی ہے۔"

"اس وقت کی معافی چاہتا ہوں۔ کل کا کوئی وقت رکھ لو۔" جواب آیا۔

"چار بجے شام کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"ہاں.... آں۔" اقرار کرتے کرتے وہ ایک دم چونک پڑا۔ "شام کے بجائے تم صبح گیارہ بجے آجاؤ تو تمہاری ملاقات ایک مزے دار دوست سے کراؤں گا۔"

"مرد ہے یا عورت؟" میں نے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے محتاط لہجے میں سوال کیا۔

"یہ کل ہی پتا چلے گا۔ آسکتے ہو تو گیارہ بجے چلے آؤ۔" وہ اوبرائن کی طرح تنک مزاج نہیں تھا۔

"ڈن!" میں نے لمحہ بھر میں اس کا مجوزہ پروگرام قبول کرلیا "اب تم اپنی سویٹی کے ساتھ عیش کرو۔ میں تمہارا مزید وقت نہیں لوں گا۔"

"تھینک یو یار۔ تم واقعی گریٹ ہو۔" اس کی تحسین آمیز آواز سن کر میں نے فون بند کردیا۔

دھن راج سے بات کرکے مجھے خوشی ہوئی تھی کہ وہ بے تکلف اور یار باش آدمی تھا۔ اوبرائن تحکم کے ساتھ دوسروں کی تذلیل کرنے کا بھی عادی تھا۔

اس رات ہم دیر تک سلطان شاہ کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ واپس نہیں آیا۔ بارہ بجے میں مایوس ہوگیا۔ مجھے علم تھا کہ پٹھان کالونی میں اس کے قبیلے اور برادری کے کچھ لوگ رہتے ہیں جن سے وہ کبھی کبھی ملتا رہتا تھا۔ شاید اس نے وہیں ڈیرا ڈال دیا تھا۔

روشنیاں گل کرنے کے بعد نیند آنے سے پہلے میں فیصلہ کرچکا تھا کہ صبح میں کسی محافظ یا نگراں کے بغیر بالکل یکہ و تنہا دھن راج سے ملنے جاؤں گا۔

اگلی صبح میری چھٹی حس کچھ زیادہ ہی فعال تھی۔ میں اوبرائن سے ملنے کے لیے اس کے گھر گیا تھا جہاں حفاظت اور آنے والوں کی جامہ تلاشی کا خود کار الیکٹرانک نظام نصب تھا جبکہ دھن راج سے میری ملاقات ہوٹل کے ایک کمرے میں ہونے والی تھی جہاں ایسی رکاوٹوں کا کوئی امکان نہیں تھا پھر بھی میں نے چلنے سے قبل بیم گن جیب سے نکال کر ویرا کو تھمادی۔

"تو کیا بالکل خالی ہاتھ وہاں جاؤ گے؟" ویرا نے بیم گن لے کر حیرت سے پوچھا۔

• • • • • • • • • • • • • • •

الّو کا پٹھا

ایک آدمی اپنے کمرے میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔ پاس ہی اس کا چھوٹا بیٹا ٹرین سے کھیل رہا تھا۔ بچہ ٹرین کو چابی دے کر چھوڑ دیتا اور جب وہ ٹرین ایک دائرہ مکمل کرلیتی تو انگلی سے روک کر کہتا۔ "اسٹیشن آگیا ہے، جس الّو کے پٹھے کو اترنا ہے، جلدی سے اتر جائے۔"

جب بچے نے دو تین مرتبہ یہی جملہ دہرایا تو باپ نے سوچا بچہ غلط بات سیکھ رہا ہے لہٰذا اس نے ٹرین اٹھالی۔ تقریباً آدھا گھنٹا گزر گیا، بچہ خاموشی سے مسکین صورت بنائے بیٹھا رہا۔ آخر باپ کو ترس آگیا۔ اس نے بچے کو ٹرین دے دی اور کہا۔ "اب پہلے والی غلطی مت کرنا۔"

بچے نے ٹرین کو چابی دی۔ جب گاڑی نے چکر مکمل کرلیا تو گاڑی روک کر بچے نے کہا "جس الّو کے پٹھے کو اترنا ہے، جلدی سے اتر جائے۔ پہلے ہی اس الّو کے پٹھے کی وجہ سے گاڑی تیس منٹ لیٹ ہوگئی ہے۔"

نکاح خواں اور چھوہارے

پطرس بخاری کے کسی عزیز کا نکاح تھا۔ اس کے لیے مولوی درکار تھا۔ تلاش بسیار کے بعد ایک مولوی کو ڈھونڈ کر لایا گیا جو بہت دبلا پتلا تھا۔ پطرس صاحب اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بولے۔ "نکاح کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نکاح خواں اور چھوہارے کی۔ ماشاء اللہ ان میں دونوں صفات موجود ہیں۔"

• • • • • • • • • • • • • • •

"میں وہاں لڑنے نہیں، مذاکرات کرنے جارہا ہوں۔ تم ہی لوگوں نے مجھے کسی بھی محاذ آرائی سے روکا ہوا ہے۔" میں نے اس کی کہی ہوئی بات یاد دلائی۔

"اگر اس کے دل میں کوئی شرارت آگئی تو تم کیا کرو گے؟" ویرا دوبارہ بولی۔

"وہ شرارت پر آمادہ ہے تو وہاں نفری بھی زیادہ ہوگی۔

بیم کن سے میں کتنے آدمیوں کو گرا سکوں گا؟ آخر کار وہ مجھے زیر کر ہی لیں گے۔"

"حیرت ہے کہ اس وقت تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔" ویرا عاجز ہو کر رہ گئی۔

"جب تک میرا بازو بالکل صحت مند نہیں ہو جاتا، میں نے افسانوی خوش فہمیوں سے دور رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ شرارت پر آمادہ ہوا تب بھی میرا نہتا ہونا میرے حق میں جائے گا۔"

"اپنی ترجیحات کو تم خود ہی سمجھ سکتے ہو۔" وہ بے بسی سے شانے اچکا کے رہ گئی۔

اول خان نے اپنی گاڑی میں مجھے ایسی جگہ چھوڑا جہاں خالی ٹیکسی موجود تھی۔ میں اسے الوداع کہہ کر شارعِ فیصل کے آغاز پر واقع کثیرالمنزلہ ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

راستے میں، میں نے ایک مرتبہ پھر اپنی حکمتِ عملی پر غور کیا۔ میرا وہ مشن صلح کل کا تھا۔ دھن راج کے ارادے کچھ بھی ہوتے، میری سلامتی کو کوئی سنگین خطرہ لاحق نہیں ہونا چاہیے تھا۔

اس کے لیے میں کرنل جمال دستی تھا۔ ایس ٹی ایف کا ایک ایسا افسر جو زندگی کی یکسانیت سے اکتا کر ڈینی کی گرفتاری میں مدد دینے اور مقررہ انعام حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کے لیے ساری اہمیت ڈینی کی تھی۔ جمال دستی کو مار کر وہ اس امکان کو ختم نہیں کر سکتا تھا۔

ہوٹل کی بالائی منزل تک گئے ہوئے ڈرائیو وے پر میں نے ٹیکسی چھوڑی اور ہال میں داخل ہو کر انٹر کام کی طرف بڑھ گیا۔ میرے اردگرد ہوٹل کا نکھرا ہوا تر و تازہ ماحول تھا۔

میں نے ٹھیک گیارہ بجے دھن راج کو فون کیا۔ وہ خوش ہوا کہ میں وقت کا پابند تھا۔

میری ہلکی سی دستک کے جواب میں دروازہ کھل گیا۔ اس وقت مجھے دھن راج کے مسکراتے ہوئے چہرے پر کوئی غصہ نظر نہیں آیا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔

پانچویں منزل کا وہ کمرا مختصر سا سوئٹ تھا۔ آگے پانچ نفری نشستوں کی گنجائش کے ساتھ ایک آراستہ ڈرائنگ روم تھا۔ اس کے پیچھے دہری خواب گاہ تھی۔ دھن راج مجھے لے کر خواب گاہ میں بڑھتا چلا گیا۔ وہاں صوفے پر ایک اور شخص براجمان تھا۔

وہ درمیانی عمر کا ایک سنجیدہ رو شخص تھا جس کی آنکھوں سے ذہانت جھلک رہی تھی۔ وہ ہلکے کپڑے کے گہرے سوٹ میں ملبوس تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اپنی نشست چھوڑ دی۔

"کرنل جمال دستی.... اور یہ میرے دوست میجر بخشی ہیں۔" دھن راج نے تعارف کرایا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری کھوپڑی کے عقبی حصے میں یکایک کوئی دھماکا ہوا ہو۔ میرے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میجر بخشی سے یوں اچانک ملاقات ہو جائے گی۔

"سر! مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" اس نے تپاک سے ہاتھ ملاتے ہوئے انگریزی میں جو لب و لہجہ اختیار کیا وہ تم کے بجائے آپ کے زمرے میں شمار ہوتا تھا۔

"تم کہاں، کس یونٹ میں ہوتے ہو؟" میں نے بالکل انجان بنتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"سر! میں انڈین آرمی میں ہوا کرتا تھا۔ وہاں سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تھی....."

میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا "انڈین آرمی! پھر یہ سر، ور کا تکلف چھوڑو۔ ہم سب برابر کے دوست ہیں۔ بے تکلفی سے بات کرو۔"

"سر! رینک، رینک ہوتا ہے۔ آرمی میں ہمیں بس ڈسپلن ہی تو سکھایا جاتا ہے۔ مجھے تو آج بھی وہ دن یاد ہیں جب میں کیڈٹ آفیسر ہوا کرتا تھا اور ڈرل کے دوران میں جونیر کمیشنڈ آفیسر سر، سر کہہ کر اپنی مغلظات سے میرا سینہ چھلنی کر دیا کرتا تھا۔"

اس کے اخلاق نے مجھے متاثر کیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ مجھے پھونک دے کر کسی مقصد کے لیے استعمال کرنے کا ارادہ لیے بیٹھا ہو۔ بہرحال، اس کی باتیں مخاطب کا دل موہ لینے والی تھیں۔

"اب ہم دونوں وردی اتار چکے ہیں، دھن راج کے دوست ہیں، برابری سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں تکلف برداشت نہیں کروں گا۔" بات پوری کر کے میں ہنسنے لگا۔ ان دونوں نے بھی پوری فراخ دلی سے میرا ساتھ دیا اور دیر تک ہنستے رہے۔

"حکم ہے تو میں اس کی تعمیل پر مجبور ہوں۔" میجر بخشی بولا "تم کیا پینا پسند کرو گے؟"

"اس وقت صرف چائے۔" میں نے ان دونوں کے تپائی پر رکھے ہوئے گلاسوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "میں دن میں الکحل سے پرہیز کرتا ہوں۔ یہ میری پرانی عادت ہے۔"

"بھارت میں میرا بھی یہی اصول ہوا کرتا تھا۔ پاکستان میں جب اور جہاں مل جائے، پی لیتا ہوں۔ تمہارے ملک میں یہ پابندی بڑی عجیب سی ہے۔ مسلمان کا پینا حرام اور جرم ہے مگر لاکھوں پیتے ہیں۔"

"غیر ملکیوں اور سفارت کاروں کو قانون سے استثنیٰ ملا ہوا ہے۔ ڈیوٹی ادا کیے بغیر جتنی چاہو، منگوا سکتے ہو پھر اپنا اصول کیوں توڑتے ہو؟"

"مفت کی پینے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ یہاں بہت کم میزبان دھن کی طرح الکحل پیش کرتے ہیں۔" اس نے کہا اور پھر الفاظ ہلکے پھلکے قہقہوں میں گھلتے چلے گئے۔

دھن راج نے روم سروس کو فون پر چائے کا آرڈر دیا۔ چائے آنے تک اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں پھر میجر بخشی نے اچانک ہی پہلو بدل کر ایک سنگین موضوع چھیڑ دیا۔

"مجھے دھن سے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ پاکستان کی ایس ٹی ایف میں تم جیسے باضمیر لوگ بھی موجود ہیں جو قانون سے ماورا اقدامات سے نفرت کرتے ہیں۔" وہ تعریفی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

میں نے اپنی استفسار طلب نگاہیں دھن راج کے چہرے پر مرکوز کردیں "کیا میجر بخشی بھی ہمارے معاملات میں کسی قسم کا دخل رکھتے ہیں؟"

"بالکل، بالکل!" دھن راج نے جلدی سے کہا "میجر بخشی میرے پرانے کرم فرما ہیں۔ اوبرائن سے بھی ان کے گہرے ذاتی مراسم ہیں۔"

"کیا میری دخل اندازی تمہیں ناگوار گزری ہے؟" میجر بخشی نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا "میں اپنے الفاظ واپس لے سکتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے اسی کی طرح پورے اخلاق کے ساتھ اس کے سوال کی تردید کی "یہ بہت نازک معاملات ہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ میں کسی غیر متعلق آدمی کے سامنے تو نہیں ہوں۔"

میجر بخشی نے سگریٹ سلگائی، گلاس سے ایک گھونٹ لیا اور آگے جھکتے ہوئے کہا "کرنل! اب اوبرائن اس معاملے سے بالکل باہر ہے۔ پوری ڈیل ہم تینوں کے درمیان ہوگی۔"

"اوبی سے سارے معاملات طے ہوچکے تھے۔" میں نے حیرت سے کہا "اس نے اس تبدیلی کے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا۔"

"وہ بہت تجربے کار آدمی ہے۔ اسے بھارت سے پاکستانیوں کی عداوت کا خوب اندازہ ہے۔ اس نے سوچا ہوگا کہ تم اپنے سے جونیئر، ایک انڈین آرمی آفیسر کا ذکر سن کر بھڑک نہ جاؤ۔ اس نے اپنے آدمی کے ذریعے تمہیں دھن سے متعارف کرایا اور اب میں سامنے ہوں۔"

"تم یا دھن راج؟" میں نے گمبھیر سنجیدگی سے پوچھا "تم میں بڑا کون ہے؟"

"تمہارا رابطہ دھن راج سے رہے گا۔ ہدایات میری ہوں گی۔ شرائط جوں کی توں ہیں۔ بیس لاکھ ڈالر اور گرین کارڈ تمہارے منتظر ہیں۔" وہ متانت سے بولا۔

"میں کوئی راہ چلتا آدمی نہیں ہوں۔" میں نے متفکرانہ انداز میں کہا "ایک اہم ایجنسی میں ذمے دار عہدے پر فائز ہو... اوبرائن کو مجھے تبدیلیوں کے بارے میں بریف کرنا چاہیے تھا۔"

"اس نکتے پر تمہارا اصرار بجا ہے مگر اس کا اندیشہ بھی بے بنیاد نہیں تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ امریکا کے لیے کام کرنے والا بھارت کے لیے بھی کام کرنے پر آمادہ ہو۔"

"تو کیا بھارت بھی ڈینی کے سر کا خواہاں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"امریکا کے لیے۔" اس نے میری تصحیح کی "اوبرائن سے تمہارے معاملے میں ایک سنگین غلطی ہوئی اور اسے تم سے بالکل الگ ہوجانے کا حکم دے دیا گیا۔ تم ڈینی کے خلاف اس کی سب سے بڑی امید ہو۔ وہ تمہیں اتنی آسانی سے فراموش

نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے ذاتی سطح پر مجھ سے بات کی اور میں نے آمادگی ظاہر کردی۔ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔"

"اس نے میرے خلاف دفترِ خارجہ میں شکایت کرکے میرے ساتھ بہت زیادتی کی۔ بگڑی ہوئی ساکھ بحال کرنے میں مجھے دانتوں پسینہ آجائے گا۔"

"شکایت کرکے سب سے بڑی غلطی کی گئی۔ تمہارے دباؤ پر شکایت کی واپسی دوسری بڑی غلطی تھی۔ اس کے اوپر والے اسے ڈینی جیسے دو ٹکے کے آدمی کے لیے قربان نہیں کرسکتے تھے۔ وہ آج نہیں تو کل مارا جائے گا۔ اوبرائن کا کام کوئی دوسرا آگے نہیں بڑھا سکے گا۔"

"اوبرائن تو کہہ رہا تھا کہ ڈینی کی موت اس کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔" میں نے انجان بن کر حیرت سے کہا۔

"میں بھی یہی کہتا ہوں لیکن اوبرائن کی بتائی ہوئی دوسری باتیں تم بھول رہے ہو۔ ہمالیہ کے جنوب میں ایک عظیم تر ریاست اوبرائن کا بنیادی مشن ہے۔ وہ تم سے مسلسل رابطے میں رہتا تو اس کے ستارے گردش میں آسکتے تھے۔ واشنگٹن والوں نے اسے بچالیا۔ رہا ڈینی تو وہ امریکا جیسی عالمی قوت سے ٹکرا کر کتنے دن پنپ سکے گا؟ وہ ہاتھی کی دُم پر اپنا پورا زور لگاتی ہوئی مکھی سے بھی زیادہ گیا گزرا ہے۔ اس کے لیے ہم تینوں موت کے فرشتے ثابت ہوں گے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم اوبرائن کی کہی ہوئی بات سے واقف ہو۔ اب میں تم سے زیادہ کھل کر بات کرسکوں گا۔" میں نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا "وہ اپنے مشن کی راہ میں ایس ٹی ایف اور ڈینی کو بڑی رکاوٹیں قرار دے رہا تھا۔"

"وہ اس کی ذاتی سوچ ہے۔ واشنگٹن میں بیٹھے ہوئے منصوبہ ساز ان دونوں کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ تم ہمارے ساتھ ہو۔ یہ ایس ٹی ایف اور ڈینی کی بربادی کی ابتدا ہے۔"

"اوبرائن مجھے بتا رہا تھا کہ اکیسویں صدی کے اوائل تک وجود میں آنے والی نئی ایشیائی ریاست کا نام پاکستان بھی ہوسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ اس کے تجربے اور مردم شناسی کی بات رہی ہوگی۔ تم اندر سے بہرحال پاکستانی ہو۔ اس نے تمہیں خوش کرنے کے لیے ایسا کہہ دیا ہوگا۔ ویسے بھی وہ وقت ابھی آٹھ دس برس دور ہے۔" اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"اس کی جگہ تم نے لے لی ہے۔ تم کو معلوم ہوگا کہ ایک نام ریاست ہائے متحدہ ایشیا بھی زیرِ غور ہے۔" میں نے پاکستان اور بھارت کے چکر میں الجھے بغیر اس منصوبے کے مزید خدوخال سے واقف ہونے کی نیت سے ایک عمومی سوال کیا۔

"امریکیوں کے لیے نئی ریاست کا نام غیر اہم ہوگا۔" اس نے اوبرائن کی کہی ہوئی بات دہرائی "نگران کو علاقے کی اکثریت کی نفسیات کو مدِنظر رکھنا ہوگا۔ بھارت کی آبادی علاقے کے دوسرے تمام ملکوں کی مجموعی آبادی سے بھی زیادہ ہے۔ ان کے لیے بھارت ہی بہتر نام ہوگا۔"

"اور یہ بھی ایک اصول ہے۔" دھن راج نے ہماری گفتگو میں پہلی مرتبہ دخل دیا "چھوٹی اکائیاں بڑے وجود میں ضم ہو کر اس کا حصہ بن جاتی ہیں۔ دریائے سندھ میں ملنے والے نہ جانے کتنے دریا پہاڑوں اور میدانوں میں اپنی شناخت کھو بیٹھتے ہیں۔ سب مل کر بھارت یا پھر اکھنڈ بھارت کہلائیں گے۔"

میں دھن راج کی ہرزہ سرائی پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ عمرکوٹ کی وسیع و عریض جاگیروں پر پلنے والا وہ امیرزادہ پاکستان میں رہ کر بھی پاکستانی نہیں تھا۔ اس کے دل و دماغ پر ہندو تعصب کی چھاپ اتنی گہری تھی کہ وہ کراچی میں رہ کر اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھ رہا تھا۔

وہ باتیں ظاہر کرنے والی نہیں تھیں۔ میں نے لاتعلقانہ انداز میں کہا "صحیح فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔ میں نئی ریاست کے نام پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خوں ریز تصادم کی پیش گوئی ضرور کرسکتا ہوں۔"

"تم جیسے 'سنجیدہ' بردبار اور غیر جذباتی مسلمان دوسروں کو قائل کریں گے۔" میجر بخشی نے زور دے کر کہا "نام ہر علاقے اور تہذیب کی تاریخی شناخت ہوتا ہے۔ جب پاکستان کا نام و نشان بھی نہیں تھا تو پورے بھارت پر صدیوں مسلمان حکمران رہے۔ آنے والے وقت میں ایسا کیوں نہیں ہوسکتا؟ آج بنگلہ دیش کی مسلمان آبادی پاکستان سے زیادہ ہے۔ نام پر ان کے دعوے کو کون مسترد کرے گا؟"

"مجھے ان باتوں سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے چائے کی پیالی خالی کرکے اکتاہٹ سے کہا "اس برے وقت سے بہت پہلے میں امریکی شہری بن چکا ہوں گا۔"

"اسے برا وقت مت کہو۔ ہم دل سے اس مبارک گھڑی کے منتظر ہیں جب یہ چھوٹی چھوٹی، لنگڑی لولی اور مفلوک الحال ریاستیں ایک لڑی بن جائیں گی۔ تمہیں علم نہیں کہ جن کشمیریوں کے لیے پاکستان اور بھارت نے کروڑوں انسانوں کے پیٹ پر پتھر باندھ کر انہیں بارود کے

ڈھیر پر بٹھایا ہوا ہے‘ وہ علاقے کی کل آبادی کے ایک فیصد سے بھی بہت کم یعنی اس کا ساتواں حصہ ہیں۔"

مجھے حیرت ہوئی کہ میجر بخشی اپنے دوست اوبرائن کی بولی بول رہا تھا۔ یہ بات ظاہر کررہی تھی کہ امریکا کا وہ منصوبہ بھارت کی رضامندی سے تیار ہوا تھا۔ اس سازش کا ایندھن بننے والے دوسرے ملک اپنے سروں پر منڈلاتے ہوئے تاریک سایوں سے بے خبر تھے۔

"پھر اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" میں نے بخشی کے الفاظ کی تلخی کو پی کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ ہماری آج کی ملاقات کامیاب رہی کیونکہ تم غیر مسلح ہوکر یہاں آئے ہو۔ تمہاری نیت صاف نہ ہوتی تو باتوں کی ابتدا اتنی خوش گوار نہ ہوتی۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں نہتا ہوں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"دھن راج یہاں آتا ہے تو کمرے میں اپنے بگ لگا دیتا ہے۔ آج کے دور میں خلائی آنکھ سے صحرا میں گری ہوئی سوئی دیکھی جاسکتی ہے تو ہتھیاروں کا پتا چلانا کیا مشکل ہے۔"

"تم نے صحیح کہا تھا۔" میں نے دھن راج سے مخاطب ہوکر کہا "میجر بخشی واقعی بہت دلچسپ اور مجلسی آدمی ہے۔ اس کے سامنے تمہیں چپ لگی ہوئی ہے۔"

"میں رواداری اور احترام سے کام لینے کا عادی ہوں۔" وہ ہنس کر بولا "کام کی باتوں میں غیر ضروری دخل اندازی سے ہمیشہ گریز کرتا ہوں۔"

"گفتگو ختم ہوگئی ہو تو میں اجازت چاہوں گا۔" میں نے صوفے کے سرے پر سرک کر کہا۔

میجر بخشی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کی تقلید کی۔

"تم سے براہ راست رابطے کا کوئی ذریعہ ممکن ہوگا؟" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔

"قونصل خانے کے آپریٹر کے ذریعے مجھ سے دفتر میں بات ہوسکتی ہے مگر میں اس سے اجتناب کا مشورہ دوں گا۔ اوبرائن کی غلطی کی وجہ سے شاید اب بھی تم پر نگاہ رکھی جارہی ہو۔ میں کسی اسکینڈل میں ملوث ہونا پسند نہیں کروں گا۔"

وہ دونوں دروازے تک مجھے رخصت کرنے آئے۔ اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر میں نے اپنی رفتار قدرے تیز کردی۔

میرے ذہن میں غم وغصے کی آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ امریکی اور بھارتی حکام اپنی پے در پے ناکامیوں کے باوجود نہایت مستقل مزاجی سے پاکستان کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور ہر بار ان کی کوششوں میں زیادہ شدت پیدا ہوتی جارہی تھی۔

مجھے یقین تھا کہ وہ پاکستان کے خلاف بہت سی سمتوں سے کام کررہے تھے۔ کچھ پہلو ہمارے ہاتھوں بے نقاب ہوچکے تھے لیکن ان کے لگائے ہوئے بعض پودے بددیانت اور خائن ریاستی ملازمین کے ہاتھوں پروان چڑھ رہے تھے۔

میں نے منصوبے کی تکمیل کے بارے میں اندھیرے میں جو تیر چلایا تھا‘ وہ صحیح نشانے پر لگا تھا۔ میجر بخشی نے آٹھ دس سال کا تعین کرکے یہ بات واضح کردی تھی کہ بیسویں صدی کے اختتام سے نئی صدی کے آغاز کے درمیان امریکی حکمراں ایشیا میں نئے جغرافیائی نقشے کے نفاذ کے لیے جانفشانی سے کام کررہے تھے۔ پاکستان میں ان کا کلیدی مہرہ اوبرائن تھا۔

جہاں ہمارے بہت سے راز دشمنوں سے پوشیدہ تھے‘ وہاں بعض باتیں کھل بھی چکی تھیں۔ میں ہوٹل سے سیدھا اسٹیشن فورروانہ ہوگیا۔

وہاں.... سلطان شاہ کا کوئی پتا نہیں تھا۔ تشویش کی بات یہ تھی کہ اس احمق نے رسی تڑا کر بھاگنے کے بعد فون پر بھی کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔

جان اور راڈی نے کھٹول پر قاتلانہ حملے میں جس عجلت کا مظاہرہ کیا تھا‘ وہ اس وقت حیرت ناک محسوس ہوئی تھی لیکن جان نے بتادیا تھا کہ کھٹول نے اوبرائن ڈی ہنٹ کا نام لے کر ایک ناقابل معافی جرم کیا تھا کیونکہ امریکی پاکستان سے اس کی واپسی کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔

اوبرائن کو بچانے کے لیے پہلے کھٹول کے ساتھ چار امریکی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اس بار وقت نے یہ بھی دکھادیا تھا کہ اپنی بچھائی ہوئی بساط پر اوبرائن کو برقرار رکھنے کے لیے امریکیوں نے مجھے ڈینی کی حیثیت میں بھول جانے کا عارضی فیصلہ کرلیا تھا۔

"جب وہ تمہیں تمہارے منہ پر دو ٹکے کا آدمی قرار دے رہے تھے تو تمہیں برا محسوس نہیں ہوا تھا؟" ذیرا نے پوری کتھا سن کر مجھے چڑانے کے لیے سوال کیا۔

"اس کے اپنے بیانات میں تضاد ہے۔" غزالہ نے میری حمایت کی "ایک طرف انہیں دو ٹکے کا آدمی کہہ رہا تھا تو دوسری طرف ان کی گرفتاری کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی آرزو بھی قرار دے رہا تھا۔ میجر بخشی کا پہلا مطالبہ اب بھی

یہی ہے۔"

"اوبرائن پوری سرکاری حمایت سے کام کر رہا تھا۔ میجر بخشی ذاتی سطح پر اس کے لیے میدان میں اترا ہے۔" اول خان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "ان دونوں کے لیے تم مستند طور پر کرنل جمال دستی کا روپ دھار چکے ہو۔ ہم ذہنی کی طرف سے آسانی سے ان کی گردنیں کاٹ سکتے ہیں۔"

"تمہاری طرف سے آج فراہم کیا جانے والا گلاس ان کو مزید گمراہ کردے گا۔" ویرا نے قہقہہ لگایا۔

"میرے لیے اب افراد زیادہ اہم نہیں رہے۔" میں نے اول خان سے کہا "اصل ضرورت یہ ہے کہ اس علاقے میں تبدیلیوں کے بارے میں ان کا ماسٹرپلان اڑایا جائے اور پھر اسی کے مطابق مرحلے وار توڑ کیا جائے ورنہ یہ سیلاب کسی بھی وقت سب کچھ بہالے جائے گا۔"

"ماسٹرپلان تمہارے سامنے ہے۔ تم گیپ کی صورت میں اس سے زیادہ اہم دستاویز حاصل کرچکے ہو۔ اس سے امریکیوں کا کیا بگڑا؟ چور جب سینہ زوری پر اتر آئے تو کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا۔"

گیپ کا نام آتے ہی میرے ذہن میں کچھ تلخیاں تازہ ہوگئیں۔ وہ امریکی صدر کے دستخطوں کے ساتھ تیار کی گئی ایک شرمناک خفیہ دستاویز تھی جسے مسترد کرنے کے لیے امریکیوں نے نہایت بھونڈا طریقہ اختیار کیا تھا اور ہمارے لیے وہ قصہ کھٹائی میں پڑگیا تھا۔

"گیپ کو ہم بھول ہی گئے۔" ویرا نے فوری طور پر کہا۔ "سرکاری سطح پر اس کے لیے کیا بنا؟"

"سرکاری طور پر کچھ بھی نہیں ہوا۔ غیر سرکاری طور پر پاکستانیوں نے متعلقہ دوست ممالک کو اس معاہدے کی نقلیں فراہم کرنے کے ساتھ اصل بھی دکھادی۔ اس کے بعد اپنے اپنے گھر کی خیر خبر لینا ان ملکوں کی ذمے داری تھی۔" اول خان نے بتایا۔

"امریکا سے واپسی کے بعد ہم یہاں ایسے الجھے کہ وہاں والوں کو بھول ہی گئے۔" ویرا متاسفانہ لہجے میں بولی "وہاں راس المیڈا کی باتوں پر توجہ دی جانے لگی تھی۔ پتا نہیں اس کا کیا بنا ہوگا۔"

"جو وقت گزر گیا' اسے بھول جاؤ۔ آگے کی فکر کرو۔" میں نے چڑ کر کہا "وہاں صرف ایک ہی شخصیت قابلِ احترام ہے جس سے تم نفرت کرنے لگی ہو۔"

غیر متوقع طور پر ویرا ہنس پڑی "جینی نے تمہارا گمراہ کن خاکہ بنوا کر واقعی بڑا کام کر دکھایا تھا۔ میری اور اس کی دوستی کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔ وہ باتیں میں نے تمہیں جلانے کے لیے کہی تھیں۔"

غزالہ کے سامنے ویرا سے اس موضوع پر مزید گفتگو خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ میں نے اول خان کو متوجہ کرکے جلدی سے موضوع بدل دیا۔ "اب تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"اوبرائن اور میجر بخشی پر کام کرنا ہوگا۔ دونوں میں سے جو آسان نظر آئے' پہلے اسے ٹھکانے لگایا جائے پھر دوسرے پر توجہ دی جائے۔"

"دھن راج کو تم نے معاف کردیا؟" ویرا نے طنزیہ پیرائے میں پوچھا۔

"دھن راج ایک مسکین مجرم ہے۔ اس کی گردن کسی بھی وقت ناپی جاسکتی ہے۔"

"اسے پکڑنے سے دوسرے بڑے مجرم ہوشیار ہوجائیں گے۔" غزالہ بولی۔

اول خان خوش ہوگیا "اسی لیے میں نے اس کا نام نہیں لیا۔ اوبرائن اور بخشی کیفرِ کردار کو پہنچ جائیں تو دھن راج کو بھی دیکھ لیا جائے گا۔"

"اسے کسی سنگین جرم میں لمبی مدت کے لیے اندر ہونا چاہیے۔ اچانک موت سے ایسے مجرم ہمیشہ کے لیے مظلوم بن جاتے ہیں اور کسی کو ان کے سنگین جرائم کا علم نہیں ہوتا۔" میں نے اول خان پر اپنی خواہش کا اظہار کردیا۔

"بڑی زرعی جاگیروں پر ڈھل' عشر' آبیانے اور بجلی کی چوری جیسے جرائم کا عام طور سے ارتکاب ہوتا رہتا ہے۔" اول خان شہروں کے ساتھ دیہی زندگی سے بھی کسی حد تک واقف تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ایسے ہی کسی جرم میں اسے اندر کرکے بعد میں دوسرے جرائم بھی اگلوا لیے جائیں گے مگر وہ بعد کا کام ہے۔ پہلے اصلی فتنوں کا قلع قمع ہونا چاہیے۔"

اسی گفتگو کے دوران میں سلطان شاہ آپہنچا۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں سے عجیب سی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ وہ آتے ہی ایک کرسی میں گر گیا۔

"کل سے کسی خیر خبر کے بغیر کہاں مرے ہوئے تھے؟" اس کی خاموش مسکراہٹ سے چڑ کر ویرا پھٹ پڑی "میں ابھی تمہارے لیے فاتحہ پڑھوانے والی تھی۔"

"تمہاری کالی زبان میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتی۔" وہ فاتحانہ لہجے میں بولا "آج صبح ہی میں نے ایک کالی..... کتیا کا کام تمام کیا ہے۔ زیادہ بولوگی تو تمہیں بھی اسی کے پاس پہنچا دوں گا۔"

"ہوش میں رہ کر بات کرو۔ اسے کالی کتیا سے ملا رہے

ہو۔‘‘ ویرا کے برہم ہونے سے پہلے اول خان نے اسے ڈانٹ پلا دی۔

ویرا میں اتنی قوت برداشت نہیں تھی کہ اول خان کی طرف داری اس کا دماغ ٹھنڈا کر دیتی۔ وہ غراتی ہوئی سلطان شاہ کے سر پر سوار ہوگئی۔ ’’کالی کتیا تم کسے کہہ رہے ہو؟‘‘

’’ب ب... بتاتا ہوں‘ بتاتا ہوں۔ اپنی جگہ پر جاکر بیٹھو۔‘‘ سلطان شاہ ویرا کے خراب تیور دیکھ کر بری طرح بوکھلا گیا۔

○☆○

وہ اسٹیشن فور سے نکلا تو بہت مایوسی‘ بددلی اور بے بسی میں مبتلا تھا۔ اس کے ذہن میں کوئی واضح پروگرام نہیں تھا۔ وہ اسٹیشن فور کے حصار سے نکل کر شہر کی بھیڑ بھاڑ میں گھل مل کر بے عملی کے بڑھتے ہوئے احساس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔

منی بس میں سوار ہونے کے بعد اسے رہ رہ کر اوبرائن پر غصہ آتا رہا جس نے مجھے پھانس کر سب کو ایک ذہنی عذاب میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ دوسروں کے مشورے کے برعکس وہ کسی طرح اوبرائن کے فلیٹ پر کوئی کارروائی کر کے اسے یوں ہراساں کرے کہ وہ اپنی چوکڑی بھول جائے۔ اس دوران میں وہ اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے بارے میں بھی سوچتا رہا۔

صدر کی بھیڑ بھاڑ میں بھی اس کا دل اچاٹ رہا۔ تنہائی کا احساس اسے کھائے جا رہا تھا۔

جب اسے کسی طرح چین نہیں آیا تو وہ شام کے وقت اپنے دوستوں اور پرانے ڈیرا داروں سے ملاقات کے لیے پٹھان کالونی کی طرف روانہ ہوگیا۔

وہ چھوٹے مکانوں اور تنگ گلیوں پر مشتمل ایک گنجان آبادی تھی۔ ذرا سی دیر میں اس کے دوستوں کو خبر مل گئی کہ وہ ایک طویل وقفے کے بعد وہاں آیا ہوا تھا۔

دوسروں کے ساتھ آنے والوں میں اس کے دو پرانے دوست بھی تھے جو اسے زبردستی اپنے ڈیرے پر لے گئے۔ ان سے بھولی بسری یادوں کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے وہ تیزی سے پرسکون ہوتا چلا گیا اور پھر ان کے اصرار پر کھانے کے بعد وہ رات وہیں بسر کرنے پر آمادہ ہوگیا۔

کسی ہوئی چارپائی پر بچھے ہوئے نرم گدے پر دراز ہونے کے بعد باتوں کا دوسرا دور شروع ہوا تو سلطان شاہ کو پتا چلا کہ وہ دونوں گیس کمپنی میں ملازم تھے۔

وہ بات معلوم ہوتے ہی سلطان شاہ کے ذہن کے کسی گوشے میں سویا ہوا سراغ رساں جاگ اٹھا۔ ’’تم دونوں تو گیس کمپنی میں ہو‘ جہاں چاہو جا سکتے ہو۔‘‘

’’میں شکایت دور کرنے والی گاڑی پر ڈرائیور ہوں۔ سید میر میرے ہی ساتھ میکینک ہے۔ ہم دن بھر شہر میں جگہ جگہ جاتے رہتے ہیں۔‘‘ گل محمد نے جواب دیا۔

’’تمہیں یہ سوال کیوں یاد آیا تھا؟‘‘ سید میر نے سلطان شاہ کو کریدا۔

وہ مخمصے میں پڑ گیا ’’بس یار ایک گورے بدمعاش نے زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔‘‘

’’ہمیں بتاؤ‘ ہم سالے کا دماغ درست کر دیں گے۔‘‘ سید میر نے اس کی حوصلہ افزائی کی ’’کمپنی سے ہم ایک دن کی چھٹی کر لیں گے۔‘‘

’’مشکل یہ ہے کہ وہ کلفٹن میں ایک بلڈنگ کی آٹھویں منزل پر رہتا ہے۔ چوکیدار اس سے پوچھے بغیر کسی کو اس کے فلیٹ کا رخ نہیں کرنے دے گا۔‘‘

’’کسی اور کے بہانے اس کے فلیٹ پر پہنچ جاؤ۔‘‘ گل محمد نے برجستہ تجویز پیش کی۔

سلطان شاہ ہنس پڑا ’’یہی تو مسئلہ ہے۔ جس کا نام لیا جائے گا اس سے پوچھے بغیر اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں ملے گی۔‘‘

’’بس یار‘ ٹھیک ہے۔ ہمیں کون روکے گا؟ گیس کمپنی والے ہیں۔ لیک دیکھنے کے لیے پوری بلڈنگ چھان سکتے ہیں۔‘‘ سید میر بات کی تہ تک پہنچ گیا۔

’’گورے کا معاملہ ہے۔ بات اوپر تک جا سکتی ہے۔‘‘ سلطان شاہ نے ان دونوں کو سمجھایا ’’گاڑی کی نمبر پلیٹ بھی بدلنی پڑے گی۔‘‘

’’اس کی تم فکر نہ کرو۔ نمبر پلیٹ پر کیچڑ مٹی مل دیں گے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کو وہاں کیا کرنا ہے۔‘‘ سید میر اس معاملے میں زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔

’’فلیٹ میں وہ گورا اپنے ایک ملازم اور کتیا کے ساتھ رہتا ہے۔‘‘ سلطان شاہ نے ان دونوں افراد کے قتل کی شدید خواہش کو اپنے سینے میں دبا کر کہا ’’میں آدمیوں سے بعد میں نمٹ لوں گا۔ صبح وہ دونوں کام پر ہوں گے۔ ہم چابی کے سوراخ سے کوئی ایسی گیس اندر چھوڑیں گے کہ کتیا مر جائے۔ اسے دیکھ کر دونوں کے دماغ ٹھکانے پر آ جائیں گے۔‘‘

’’نہیں یار‘ یہ تو بہت خطرناک کام ہے۔‘‘ گل محمد ڈر گیا۔

’’تمہیں کیسے پتا چلے گا کہ اندر کوئی آدمی موجود نہیں ہے۔ بھولے سے بھی کوئی مر گیا تو ہم تینوں کو پھانسی ہو جائے گی۔‘‘

"ادھر جانے سے پہلے ہم فون کرلیں گے۔ کسی نے جواب نہیں دیا تو پتا چل جائے گا کہ میدان صاف ہے۔ جواب ملا تو پروگرام ختم۔"

"نہیں..... یہ کچا کام ہوگا۔ یہاں فون پر غلط نمبر بہت ملتے ہیں۔ ایسا ہوا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔" سید میر نے سوچتے ہوئے اعتراض کیا۔

سلطان شاہ کو اپنی کارگزاری دکھانے کا موقع مل رہا تھا اس لیے اس کا دماغ بھی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس نے فوراً متبادل تجویز پیش کردی "ایسا ہی ہے تو ہم دروازے پر دستک دے لیں گے۔ کسی نے جواب دیا تو کچن میں گیس لائن دیکھ بھال کر لوٹ آئیں گے۔ کوئی نہ ہوا تو کتیا ضرور دروازے کے پیچھے آکر غرائے گی۔ ہم اپنا کام کرلیں گے۔"

وہ حل سید میر اور گل محمد کے لیے قابل قبول تھا۔ دونوں سلطان شاہ کے ساتھ تعاون کے لیے آمادہ ہوگئے۔ پرانی دوستی کے ناتے انہوں نے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ سلطان شاہ کو اس گورے سے کیا دشمنی تھی۔

وہ دونوں گیس کمپنی کے گلشن اقبال والے مرکز میں کام کرتے تھے۔ سلطان شاہ ان کے ساتھ نو بجے وہاں پہنچ گیا۔

صبح ان تینوں کو ذاتی کام درپیش تھا۔ سید میر نے کلرک سے شکایات کی پرچیاں لیں اور وہ تینوں مرکز سے کمپنی کی ایک پک اپ میں چل پڑے۔

مہلک گیسوں کے بارے میں ان تینوں کی معلومات محدود تھیں۔ وہ کسی پر اپنا اصل مدعا ظاہر نہیں کرسکتے تھے۔ امونیا اور ویلڈنگ میں کام آنے والی گیسوں کے سلنڈر بہت بڑے اور وزنی تھے جنہیں لے کر عمارت میں اوپر نیچے گھومنا ممکن نہیں تھا۔ مریضوں کے لیے استعمال ہونے والے ہلکے پھلکے آکسیجن سلنڈر مہلک ہونے کے بجائے حیات آفرین ہوتے ہیں۔ آپس کے مشورے سے انہوں نے ایندھن کے طور پر استعمال ہونے والی مائع گیس کا سلنڈر حاصل کرلیا۔ وہ چھوٹا سلنڈر ایک آدمی آسانی سے اٹھا کر کہیں بھی لے جا سکتا تھا۔

یہ بات وہ تینوں جانتے تھے کہ سردیوں میں شعلہ بجھ جانے یا گیس کھلی رہ جانے کے باعث ملک کے سرد شمالی علاقوں میں قدرتی گیس اکثر انسانی اموات کا سبب بنتی رہتی تھی۔ وہ اپنے سلنڈر کو کتیا پر بے خوف و خطر آزما سکتے تھے۔

راستے میں اپنی ضمنی تیاری مکمل کرکے وہ تینوں ساڑھے دس بجے کلفٹن کے علاقے میں اوبی کا فلیٹ تلاش کر رہے تھے۔

سلطان شاہ کے لیے وہ عمارت دیکھی بھالی نہیں تھی۔ اس نے بس میری زبانی عمارت کا نام اور فلیٹ نمبر سنا ہوا تھا۔

اسپنے طور پر کافی وقت برباد کرنے کے بعد انہوں نے ایک اسٹیٹ ایجنسی سے رجوع کیا اور گیارہ بجنے سے چند منٹ پہلے مطلوبہ عمارت پر پہنچ گئے۔ ان کی شناخت کے لیے گیس کمپنی کی گاڑی کافی تھی۔ چوکیدار نے انہیں عمارت کے مختلف فلورز پر دیکھ بھال کی اجازت دے دی۔

ان کا براہ راست آٹھویں منزل پر پہنچنا مناسب نہیں تھا۔ وہ براہ راست بارھویں منزل پر پہنچے اور چند منٹ وہاں گزارنے کے بعد لفٹ سے دسویں منزل پر آگئے۔ دو منزلیں زینوں سے طے کرنے کے بعد وہ آٹھویں منزل کی ویران راہ داری میں اتر گئے۔

میدان صاف پاکر سید میر نے ہولے سے دروازے پر دستک دی۔ فوراً ہی مقفل دروازے کے پیچھے اوبرائن کی پالتو کتیا کی غراہٹ سنائی دینے لگی۔ سلطان شاہ نے مزید اطمینان کے لیے ڈور بیل کا بٹن دبا دیا۔ اندر گھنٹی کی مختصر سی مترنم آواز گونج کر رہ گئی۔

گل محمد مائع گیس کا سلنڈر زمین پر رکھے پوری طرح تیار تھا۔ صبر آزما انتظار کے طویل لمحات گزرتے رہے۔ سلطان شاہ بے چین ہو رہا تھا مگر اسے سید میر کے مطمئن ہونے کا انتظار تھا۔

اندر سے کتیا کی دبی دبی اور مہذب غراہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ اپنے آقا کے بند دروازے کے باہر ان کی موجودگی کا احساس کرکے وہ پوری فرض شناسی کے ساتھ وہیں جمی ہوئی تھی۔ اندر سے اس کے سوا ہر جواب مفقود تھا۔ سید میر نے سر کی جنبش سے گل محمد کو اشارہ کرکے ربر کی نلکی چابی کے سوراخ سے لگا دی۔

شوں کی ہلکی سی ابتدائی آواز کے ساتھ مائع گیس بہت تیزی سے اوبرائن کے فلیٹ میں داخل ہونے لگی۔ کتیا کی ہلکی آوازیں اس کے حلق میں پھنسنے لگیں۔ دہلیز پر خطرہ سونگھ کر کتیا نے اپنے پنجوں سے چوبی دروازے کو کھرچنا شروع کردیا تھا۔

اونچے قد کی وہ کتیا دروازے کے سامنے جمی ہوئی تھی اس وجہ سے کی ہول کے ذریعے تیزی سے اندر بھرنے والی گیس اس کے پھیپھڑوں میں بھرتی جارہی تھی۔ ذرا سی دیر میں کتیا کی آوازیں کمزور پڑتے پڑتے معدوم ہوگئیں۔ وہ اس قدر تربیت یافتہ تھی کہ جان کنی کے عالم میں بھی اونچی آواز میں نہیں بھونکی تھی۔

وہ تینوں مزید کچھ دیر وہاں رکے رہے لیکن سلنڈر کی گیس ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ گل محمد نے گیس بند کی اور وہ تینوں سرعت سے زینوں کی طرف ہو لیے۔

ساتویں منزل سے وہ دوبارہ لفٹ میں سوار ہوئے اور گیس کمپنی کی وین میں سوار ہو کر وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔

ان تینوں نے مکمل راز داری کے ساتھ ایک اہم کام سرانجام دیا تھا۔ وہ دوپہر تک گاڑی میں ایک ساتھ گھومتے اور اپنے سنسنی خیز تجربے پر تبصرے کرتے رہے۔ سلطان شاہ نے انہیں دوپہر کا کھانا ان کی پسند کے ہوٹل میں کھلایا اور پھر وہیں ان سے رخصت ہو کر اسٹیشن فور کے لیے روانہ ہو گیا تاکہ ہم لوگوں کو اپنی کارگزاری سے باخبر کر سکے۔

○☆○

سلطان شاہ نے اپنی روداد ختم کی تو میں نے اپنے بائیں ہاتھ کو حرکت دیے بغیر اسے والہانہ انداز میں اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس نے بدترین ذہنی اور اعصابی دباؤ میں مبتلا ہونے کے باوجود ایک ناقابلِ فراموش کارنامہ انجام دیا تھا۔

”ایک بے زبان کتیا کو گیس کے ذریعے سسکا سسکا کر مارنا باعثِ شرم ہے۔“ ویرا نے کھل کر اس کی مذمت کی ”پتا نہیں ڈینی کیوں تمہارا دماغ خراب کر رہا ہے۔“

”تمہیں اوبرائن کی کتیا سے ہمدردی ہے‘ ان انسانوں سے کوئی لگاؤ نہیں جو اوبرائن کی سازشوں کا ایندھن بن رہے ہیں!“ سلطان شاہ نے کسی ندامت کے بغیر ڈٹ کر کہا۔

”اس حرکت سے تم نے کیا مقصد حاصل کیا ہے؟ اگر اوبرائن گھر پر موجود ہوتا تو تم پر کوئی برا وقت بھی آ سکتا تھا۔ ایسی جذباتی حماقتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔“

”میں اسے کوئی نقصان پہنچا کر اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کی عزیز کتیا کی موت پر مجھے دلی خوشی ہے۔ وہ تمہاری عزیزہ بھی تو میں تم سے معذرت کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔“

میرے رویّے سے سلطان شاہ کا حوصلہ بہت بڑھا ہوا تھا۔

غزالہ نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ پر مشکل سے قابو پایا مگر وہ ان دونوں کے درمیان مخل نہیں ہوئی۔ اول خان بھی مزے لے رہا تھا۔ مجبوراً مجھے زبان کھولنی پڑ گئی ”یہ واقعہ اوبرائن کے لیے ایک معنی خیز پیغام ہے۔ تم لکھ کر رکھ لو کہ کتیا کی لاش اسے حواس باختہ کر دے گی۔ اس واقعے کو الگ کر کے نہیں‘ واقعات کے تسلسل میں دیکھو۔“

”سلطان شاہ کل سے بھاگا بھاگا ہوا تھا۔ اس کے فرشتوں کو بھی واقعات کی ہوا نہیں لگی۔ اس نے جو کچھ کیا‘ اسے مجنونانہ حرکت ہی کہا جا سکتا ہے۔“

”میرے لیے یہ بات اور بھی حیران کن ہے۔ سلطان شاہ کا ہم سے کوئی رابطہ نہیں تھا‘ اسے بعد کی تبدیلیوں کا علم نہیں تھا پھر بھی اس نے ہماری مدد کی ہے۔“

”پھر اسے یہی کام سونپ دو کہ یہ شہر بھر میں لوگوں کے پالتو کتوں کو مارتا پھرے۔“ سلطان شاہ کے لیے میری طرف داری پر ویرا برہم ہو گئی۔

”شہر کے کتوں اور اوبرائن کی کتیا میں بہت فرق ہے۔“ اول خان بولا۔

”ہاں۔ کیوں کہ وہ میری عزیزہ تھی!“ ویرا کی ذہنی رو بری طرح بہکی ہوئی تھی۔ اس بار ہم میں سے کوئی بھی اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو نہیں پا سکا۔ سلطان شاہ سنجیدہ تھا۔

”دل کھول کر مجھ پر ہنس لو۔“ ویرا میرے اوپر غرائی ”پھر مجھے بتاؤ کہ سلطان شاہ کی احمقانہ مہم جوئی سے ہمیں کیا حاصل ہوا ہے۔ پھر شاید میں بھی تمہاری طرح ہنس سکوں.... تم دونوں سر پھرے یا نیم پاگل ہو۔ بلاوجہ خطروں کو للکارتے رہتے ہو۔“

میں نے ویرا کی برہمی کا رمز پا لیا اور اپنے مؤقف میں ذرا سی تبدیلی لاتے ہوئے کہا ”میں یہ مانتا ہوں کہ سلطان شاہ نے دیدہ و دانستہ ہماری کوئی مدد نہیں کی۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ اس کی حرکت ہمارے لیے غیبی انعام بن گئی۔“

بدنصیب

ایک چھوٹے سے علاقے میں چند دوستوں نے پرانے دنوں کی یاد تازہ کرنے کی خاطر شہر سے بہت دور تفریح کرنے کا پروگرام بنایا۔ اگلے دن پہلے دوست نے دوسرے دوست کو فون کیا اور کہا ”کہو بھئی‘ رات ٹھیک طرح سے گھر پہنچ گئے تھے؟“

دوسرے دوست نے سست لہجے میں کہا ”نہیں یار‘ ٹرین چھوٹ گئی تھی۔ اسٹیشن پر مجھے ایک بینچ پر سردی میں بیٹھے بیٹھے اونگھنا پڑا۔“

یہ سن کر پہلے دوست نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا ”خوش نصیب ہو دوست‘ میں پہلی ہی ٹرین سے گھر پہنچ گیا تھا۔“

سلطان شاہ کے لیے چند تنقیدی الفاظ سنتے ہی ویرا کے تیوروں میں ذرا سی نرمی آگئی اور اس نے کہا "بولتے رہو، میں تمہاری بات دھیان سے سن رہی ہوں۔"

"بخشی نے اوبرائن کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے، اسے ذہن میں تازہ کرو تو وہ اس وقت خائف ہوگا۔ گھر پہنچنے پر کتیا کی لاش اسے دہشت زدہ کردے گی۔ اس کے فلیٹ میں حفاظتی الارم وغیرہ بھی موجود ہوگا۔ اس بندوبست میں خلل ڈالے بغیر کوئی کتیا کو قتل کرسکتا ہے تو اسے بھی مار سکتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ آج کی رات اپنے گھر میں گزارے۔"

"اس طرح تمہاری پوزیشن مخدوش ہوگی۔" ویرا سوچتے ہوئے بولی "واشنگٹن والوں نے اوبی کو تم سے دور ہوجانے کی ہدایت کی تھی۔ اس نے تمہیں دھن راج کے ذریعے میجر بخشی کے حوالے کردیا۔ یہ قتل تم سے یعنی کرنل جمال دستی سے منسوب ہوجائے گا۔"

"کیسے....؟" میں نے سوال کیا "جس وقت کتیا ماری گئی، میں بخشی اور دھن راج کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ دوسرا اتفاق میری پوزیشن صاف کردے گا۔"

"میں جانتی ہوں کہ کتیا کا پوسٹ مارٹم ہوگا۔ اس کی موت کے سبب اور وقت کا تعین کیا جائے گا۔ مگر یہ بعد کی باتیں ہیں۔ فوری شبہ تم پر کیا جائے گا۔ تم خود ان دونوں کے ساتھ تھے۔ تمہارے کسی آدمی نے کتیا کو مار ڈالا۔"

"ان کے لیے جمال دستی ایس ٹی ایف کا تنہا باغی ہے جس پر اس کے ساتھی اعتماد نہیں کررہے۔ وہ ایسا قابلِ اعتماد ساتھی کہاں سے لائے گا؟"

"تمہاری ہر بات مفروضوں پر مبنی ہے۔ ان سب کو درست مان لیا جائے تب بھی وہ ہوشیار ہوجائے گا اور فلیٹ سے کسی محفوظ تر مقام پر منتقل ہوجائے گا۔" ویرا اس وقت میری کہی ہوئی ہر بات پر ناقدانہ تبصرے کرنے کے موڈ میں تھی۔

"یوں تو وہ پاتال میں بھی چھپ سکتا ہے۔" میں نے ترشی سے کہا "یہ نہ بھولو کہ ہر آدمی میں دباؤ برداشت کرنے کی ایک حد ہوتی ہے۔ وہ جان کے خوف سے کب تک یہاں چھپ کر سسکتا رہے گا؟ اس کی ساری کارکردگی تباہ ہوجائے گی۔"

"تمہارا خیال ہے کہ وہ یہاں سے بستر بوریا سمیٹ لے گا؟"

"اگر حالات میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہ ہوئی تو اگلے چند روز میں اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ کل کسی وقت ایک دھمکی آمیز گمنام فون کال اس کے قدم بالکل اکھاڑ دے گی۔ یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہوگی۔"

"اس وقت پاکستان میں ریاست ہائے متحدہ ایشیا کا سب سے بڑا علم بردار وہی ہے۔ وہ چلا گیا تو یہ منصوبہ التوا کا شکار ہوجائے گا۔" غصے کے بھنور سے نکل جانے کے بعد بات دھیرے دھیرے ویرا کی سمجھ میں آتی جارہی تھی۔

"اس وقت ہم صرف یہی کرسکتے ہیں۔ ورنہ امریکا کو اس کی من مانی سے روکنا آج کی دنیا میں ناممکن ہوکر رہ گیا ہے۔"

"تم چاہتے ہو کہ میں محض ان اتفاقات کی بنا پر سلطان شاہ کی حماقتوں پر اپنا سر دھننا شروع کردوں۔" آخرکار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"ہرگز نہیں۔ تعریف کرنا یا نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔ بس اس کا بے رحمانہ مذاق مت اڑاؤ۔ اس نے کچھ ہاتھ پیر ہلائے ہیں تو اتفاقات ہمارے کام آئے ہیں۔ اس کے دماغ میں کوئی ہلچل نہ ہوتی اور شیری نہ ماری جاتی تو ہمیں کوئی فیض حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔"

"شیری!" ویرا نے حیرت سے وہ نام دہرایا "تمہیں اوبی کی کتیا کا نام بھی یاد ہے۔"

"دشمن کے ساتھ اس کے قریبی لواحقین پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے۔"

"واقعی تم نے اچھا کام کیا ہے۔" ویرا نے سلطان شاہ سے مخاطب ہوکر توصیفی لہجے میں کہا "دراصل تم کسی سورما کی طرح فاتحانہ انداز میں یوں سینہ تان کر آئے تھے کہ مجھے خواہ مخواہ تم پر غصہ آگیا تھا۔ میں کھلے دل سے تم سے معذرت خواہ ہوں۔"

ویرا کے اس فراخ دلانہ رویے پر ہم تینوں حیرت سے اس کا منہ تکتے رہ گئے۔

ویرا کی وہ شرافت سلطان شاہ سے ہضم نہیں ہوسکی۔ وہ منہ بنا کر بولا "اس وقت تمہاری رگ اتری ہوئی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنی غلطی مان لی۔ تھوڑی دیر بعد تم پھر اپنی پرانی حرکتوں پر اتر آؤ گی۔"

"بات یہیں ختم کردو۔" اول خان نے جلدی سے کہا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ تم دونوں آپس میں بار بار غلطیاں کرتے اور پھر ایک دوسرے کو مناتے رہو۔ اسی میں زندگی کا مزہ ہے۔"

"یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔" ویرا تنک کر بولی "میں تمہارا کنایہ اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔"

اول خان مسکرا کر سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"شیری کے خلاف یہ کھٹ راگ پھیلاتے ہوئے تمہیں اندازہ تھا کہ تم کتنا بڑا کام کرنے جا رہے ہو۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے ایمان داری سے اعتراف کرلیا "یہ ساری باریکیاں تو میں اب سن رہا ہوں۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کل میرے جانے کے بعد کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ویسے یہ بخشی اور دھن راج کون ہیں؟"

"کرنل جمال دستی کے دو نئے باس!" اول خان کے بولنے سے پہلے میں نے جواب دے ڈالا۔

"دونوں ہی اپنے نام سے بھارتی بلکہ ہندو معلوم ہوتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ایک پاکستانی ہندو ہے اور دوسرا بھارتی قونصل خانے کا ریکارڈ آفیسر۔" دونوں کے اس تعارف کے بعد میں نے اسے گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

ویرا اور غزالہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کیے اور اٹھ کر ہمارے کمرے سے نکل گئیں۔ ان کے لیے سنی سنائی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"مجھے ہاتھ پیر ہلائے کافی دن ہو رہے ہیں۔ کہو تو ہوٹل ہی میں دھن راج کا کام تمام کردوں۔" اس نے پوری کہانی سمجھنے کے بعد تلخی سے کہا۔

"اب تم ہمارے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔" میں نے سختی سے کہا "ہمیں پالیسی بدلنی ہوگی۔ غداروں کو خاموشی سے ٹھکانے لگانے کے بجائے بے نقاب کیا جائے اور دوسروں کے لیے عبرت کا سامان بنا دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

"جن مجرموں کے خلاف کوئی گواہ میسر ہو نہ شہادتیں، ان کا کیا کرو گے؟" وہ ہمارے کام کی بعض ناگزیر مجبوریوں سے پوری طرح واقف تھا۔

"جہاں سب راستے بند ہوں وہاں خون بہانا پڑے گا۔ دھن راج کا کیس ایسا نہیں ہے۔ یہ شخص اپنے پورے خاندان کی روسیاہی کا سبب بن جائے گا۔"

"میجر بخشی کے خلاف تم کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔" اس نے قدرے مسرت سے کہا "اسے ناپسندیدہ قرار دے کر یہاں سے ملک بدر کراؤ گے تو بھارت سے تمہارے دو سفارت کار اسی اعزاز کے ساتھ نکال دیے جائیں گے۔ اسے تو یہیں گھیرنا ہوگا۔"

"اس کے بارے میں دیکھنا ہوگا۔ فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔"

سلطان شاہ خاموش ہوگیا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ معاملہ اس کی توقع سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہو چکا تھا۔

میں رات گئے تک اول خان کے عملے کی طرف سے کسی ہیجان انگیز خبر کا منتظر رہا لیکن وہاں ہر طرف خاموشی تھی۔ اول خان حیران تھا کہ اوبرائن ڈی ہنٹ نے شیری کے پراسرار قتل کے بارے میں کوئی ہنگامہ آرائی کی تھی نہ علاقے کے تھانے سے رجوع کیا تھا۔

ایک اہم سفارتی نمائندے کی محفوظ قیام گاہ میں دن دہاڑے اس کی پالتو کتیا کا قتل معمولی واقعہ نہیں تھا۔ مجھے توقع تھی کہ جوں ہی شیری کی لاش دریافت ہوگی، شہر کی انتظامیہ پر کڑا وقت پڑ جائے گا۔ اوبرائن نہ صرف لا قانونیت اور غنڈا گردی پر واویلا مچائے گا بلکہ اپنی کتیا کے ماہرانہ پوسٹ مارٹم پر بھی اصرار کرے گا۔

یہ ناممکن تھا کہ اس روز اوبرائن یا بلیکی نے پلٹ کر فلیٹ کی خبر ہی نہ لی ہو اور یوں شیری کی لاش بے یار و مددگار پڑی رہی ہو۔ ان کی طرف سے مکمل خاموشی کا مطلب تھا کہ اس واقعے کے محرکات اور نتائج پر غور و خوض کیا جا رہا تھا۔

اگلی صبح کے اخبارات میں بھی اس بارے میں کچھ نہ چھپا تو مجھے خاصی مایوسی ہوئی۔ وہ میرا فطری ردِ عمل تھا۔ اس لمحے مجھے خیال آیا کہ اپنی خاموشی کے ذریعے ان لوگوں نے اپنے نامعلوم حریف کو اسی ذہنی صدمے سے دوچار کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ہو سکتا ہے کہ انہیں یہ نفسیاتی حربہ بھی مطلوب رہا ہو مگر میری رائے اس سے مختلف ہے۔ شیری کے قتل سے وہ لوگ بہت زیادہ خوف زدہ ہوگئے ہیں۔"

"خوف زدہ ہونے کی صورت میں انہیں شور مچانا چاہیے تھا۔ وہ خاموش کیوں ہیں؟"

"پاکستان میں جانی نقصان کے حوالے سے ان کی خاصی جگ ہنسائی ہوئی ہے۔ وہ کسی بھی معاملے میں اپنا دامن آلودہ ہونے سے نہیں بچا سکے۔ اس واقعے کی تشہیر ان کی مزید رسوائی کا سبب بنے گی کہ وہ اپنے پالتو کتوں کی حفاظت تک نہیں کر سکتے۔"

وہ واقعی اعتماد کو مجروح کرنے والی بات تھی۔ شاید اول خان صحیح نتیجے پر پہنچا تھا۔

میں نے اندازہ لگا لینے کے باوجود اوبرائن کے فلیٹ کا نمبر ملایا۔ تین گھنٹیاں بجتے ہی اس کے فون سے منسلک خود کار جوابی مشین چل پڑی۔ اوبرائن کی آواز میں ریکارڈ کیے ہوئے

پیغام کے بعد جوں ہی میرا پیغام ریکارڈ کرنے کے لیے مشین چلی، سی ایس ڈی کے ذریعے لائن کٹ گئی۔ وہ اپنے گھر پر موجود نہیں تھا۔

"وہ دہشت زدہ ہوگیا ہے۔ اسے اپنے سائے سے بھی خوف آرہا ہوگا۔" اول خان نے میری کال کے نتیجے سے واقف ہونے کے بعد کہا۔

"ہماری توقع سے کہیں پہلے اس کے قدم اکھڑ گئے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا "میرا خیال تھا کہ ایشیا کا نیا نقشہ بنانے کا دعوے دار اتنی آسانی سے پسپا نہیں ہوگا۔"

"اس وقت تم نے غیر ارادی طور پر اپنی سگریٹ خود جلائی ہے۔ تمہارے بائیں بازو کی حرکت بڑی حد تک معمول کے مطابق تھی۔" اس نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے میرے زخم کے بارے میں اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔

"زخم کتنا ہی گہرا ہو، وقت کے ساتھ آخر کار بھر ہی جاتا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"پُرامید رہنا بہت اچھی عادت ہے مگر تمہاری یہ توقع درست نہیں کہ اپنی کتیا کی موت سے خوف زدہ ہو کر اوبرائن پسپا ہوگیا ہے۔"

"گھر چھوڑ کر بھاگ جانا بہرحال کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔" میں نے سگریٹ کا دھواں اگل کر کہا۔

"اسے تم روپوشی بھی کہہ سکتے ہو بلکہ یہ کہنا بھی قبل از وقت ہوگا۔ اس وقت دس بج کر چند منٹ ہوئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ رات اپنے فلیٹ میں گزار کر وہ مقررہ وقت پر اپنے دفتر چلا گیا ہو۔ دفتری اوقات کے بعد فون کرکے ہی کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔"

میں خفت آمیز انداز میں سرہلا کر رہ گیا۔ اپنی خوش فہمیوں میں مستغرق ہو کر میں نے وقت پر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ میں نے اول خان سے کہا "اس کے دفتر فون کروں؟"

"اس نے تمہیں رابطہ کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"وہ ممانعت جمال دستی کے لیے ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے ایک گمنام دشمن کی طرف سے دھمکی آمیز پیغام ضرور پہنچا دیا جائے۔"

"وہ سوچے گا کہ گمنام دشمن کو اس کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر کیسے مل گیا۔"

"جو شخص اس کی کتیا تک پہنچ سکتا ہے اس کے لیے ایک فون نمبر حاصل کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ معمولی سی بات اس کے ذہن میں ہونی چاہیے۔"

"تم درست کہہ رہے ہو۔ پھر بھی فون تم ہی کو کرنا پڑے گا۔"

"کیوں؟ کیا تمہیں اس کی طرف سے کوئی خطرہ محسوس ہو رہا ہے؟"

"میں خطروں کو زیادہ خاطر میں نہیں لاتا۔" وہ زندہ دلی سے بولا "بات صرف اتنی سی ہے کہ میں اس کی آواز نہیں پہچان سکوں گا۔"

"میں اسے دیکھتا ہوں۔" اول خان کی بات مناسب تھی۔

"بس مجھے آواز بدلنی پڑے گی۔"

"یہ یاد رکھنا کہ وہ ایک حساس پوزیشن پر کام کر رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری دھمکی ریکارڈ کرنے کی کوشش کرے اور سی ایس ڈی کے ذریعے لائن بند ہو جائے۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ سی ایس ڈی ایسی ڈیوائس تھی جو اوبرائن کو بھی میسر نہیں تھی۔ یہ بات اس کے علم اور تجربے میں تھی کہ ایس ٹی ایف کا کرنل جمال دستی سی ایس ڈی سے مزین فون استعمال کرتا ہے۔ ریکارڈنگ پر فون کٹتے ہی اس کا ذہن میری طرف مبذول ہو سکتا تھا۔

اس وقت تک فون پر خصوصی بندوبست کے تحت آبزرویشن لگوائے بغیر یہ معلوم کرنا ممکن نہیں تھا کہ کسی کو کس نمبر سے فون کیا جارہا ہے۔ آواز بدل لینے کے بعد میں اوبرائن کی شناخت کے خطرے سے بھی بچ سکتا تھا۔ میں نے اول خان کے مشورے سے سی ایس ڈی کو بند کر دیا۔

ہر اعتبار سے وہ ایک اہم فون کال تھی۔ میں نے اوبرائن کا نمبر ملایا۔ دوسری گھنٹی پر اس کی ہیلو سن کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔

"میرا خیال تھا کہ تم ایک بڑے افسر ہو اور دیر سے دفتر جاتے ہوگے مگر تم کسی معمولی کلرک کی طرح شاید بروقت اپنے دفتر پہنچنے پر مجبور ہو۔" میں نے حلق کے بل، بھاری اور چبھتی ہوئی آواز میں کہا "تمہارا فلیٹ آج پھر ویران پڑا ہوا ہے۔"

"ایڈیٹ... تم کون ہو اور کیا بکواس کر رہے ہو؟" اس کی غراہٹ ابھری۔

"میں تمہاری شیری کا خیر خواہ ہوں۔ کل تم اپنے گھر سے کلرکوں کی طرح بروقت نہ نکل گئے ہوتے تو آج شیری کے ساتھ تمہاری بھی تدفین ہو رہی ہوتی۔ آج تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

اس بار مجھے درمیان میں ہی ہلکی سی کلک کی آواز سنائی دی۔ غالباً اوبرائن نے میری گفتگو ریکارڈ کرنی شروع کر دی

تھی۔ مجھے اس تبدیلی کی کوئی پروا نہیں تھی۔
"تم آؤ۔ تمہاری ہڈیاں سرمہ بنا دی جائیں گی۔" اس کی آواز میں ہیجان اور غصے کی ملی جلی کیفیت عود کر آئی تھی "مجھ سے تمہیں کیا دشمنی ہے؟"
"ہوشیار رہنا۔ میں نے تمہاری دعوت قبول کر لی ہے۔ آج، کل... یا پھر کسی بھی وقت اور کہیں بھی تم سے فیصلہ کن ملاقات ہوگی۔"
"سؤر کے بچے... تم لہجہ بدل کر لاکھ کوشش کر لو لیکن میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تم امریکی نہیں ہو۔ کوئی مقامی کتے ہو۔ میں تمہاری کھوپڑی اپنی ٹھوکروں سے اڑا دوں گا۔"
"تمہاری شیری مقامی کتوں کے لیے ترستی ہوئی مرگئی۔ اب وہی کتے تمہیں بھنبھوڑیں گے۔" اپنی بات مکمل کر کے میں نے فون بند کر دیا۔
اول خان نے ہلکی سی تالی بجائی "ویل ڈن... آواز ہی نہیں، تم نے لب و لہجہ تک بدل لیا تھا۔ بالکل امریکی انداز میں انگریزی بول رہے تھے۔"
"غیر ملکی لب و لہجہ اپنانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ آخر میں وہ شرطیہ یہی کہہ رہا تھا کہ میں امریکی نہیں ہوں۔ اسے دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اب وہ میری ریکارڈ کی ہوئی آواز سن رہا ہوگا۔"
"یہ بہت اچھا ہوا کہ سی ایس ڈی آف تھی۔ اب وہ بھول کر بھی تم پر شبہ نہیں کر سکے گا۔"
"مجھے خوشی ہے کہ میں نے اس پر اپنے ترکش کا ایک تیر اور چلا دیا۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ پاکستان سے کب بھاگتا ہے۔ وہ زیادہ مضبوط اعصاب کا مالک نہیں ہے۔"
"اس کے بارے میں تمہارا اگلا پروگرام کیا ہے؟" اول خان نے پوچھا۔
"اس کے نام کی جوتی الٹ دو اور اسے بھول جاؤ۔ وہ اپنے بال نوچ کر خود ہی پاگل ہوتا رہے گا۔"
"ویسے تو دھن راج کی بھی نگرانی ہو رہی ہے مگر میری زیادہ توجہ اب میجر بخشی پر ہے۔ پتا نہیں بھارتی خفیہ ایجنسیوں والوں سے مجھے کیا عناد ہے کہ ان کے بارے میں سوچتے ہوئے میرا خون ابلنے لگتا ہے۔"
"تمہارا خون اپنے دشمنوں کو خوب پہچانتا ہے۔ بھارتی ہی ہمارے سب سے بڑے دشمن ہیں۔"
اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور پوچھا "اوبرائن کے ایشین پلان کے بارے میں جان لینے کے بعد بھی تم اپنی اس رائے پر قائم ہو!"
"یقیناً!" میں نے پورے اعتماد سے کہا "امریکی خدائی فوج دار بن کر اوپر سے اپنے عزائم مسلط نہیں کر سکتے۔ انہیں ہر جگہ کسی نہ کسی مضبوط حمایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بار بھارتی ان کے حامی ہیں۔ چین کے خلاف اس علاقے کی اکلوتی فوجی اور اقتصادی قوت بننا بھارتی حکمرانوں کا دیرینہ خواب ہے۔"
"بھارتی حمایت کے بغیر وہ اپنا پروگرام واقعی آگے نہیں بڑھا سکتے۔" وہ تائیدی انداز میں سرہلاتے ہوئے بولا "پھر تم نے میجر بخشی سے تو بہت کھل کر بات کی ہے۔"
"پروپیگنڈے اور ذہنوں کو مسموم کرنے کے لیے بھارتیوں کا ہوم ورک مکمل ہے۔ ہندوستان پر مسلم اقلیت کی طویل حکمرانی کا حوالہ ایک عام آدمی کو متاثر کرنے کے لیے بہت متاثر کن ہے۔" میں نے کہا۔
میرا وہ دن مسلسل سوچ بچار میں گزر گیا۔ دشمنوں کے چہرے ہمارے سامنے تھے۔ میں ان کے بارے میں ایک ڈھیلی ڈھالی رائے قائم کر چکا تھا مگر کوئی آخری فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔
اوبرائن اور میجر بخشی پاکستانی قوانین کی رسائی سے بالکل باہر تھے۔ اپنی حکومتوں کے لیے وہ قابلِ قدر ہیرو تھے جو ایک سفاک دشمن کے سینے پر مونگ دلنے میں مصروف تھے۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ اوبرائن جیسے موذی کو پاکستان سے زندہ نکل جانے کا موقع دینا دانش مندی کے خلاف ہے۔ نتائج سے بے پروا ہو کر پوری بے خوفی سے اس کا سرکچل دینا چاہیے تھا۔ اس اقدام کے نتائج و عواقب کو بھگتنا ان افسروں کا کام تھا جو بڑی بڑی تنخواہیں لے کر اسلام آباد میں عیش کی زندگی گزار رہے تھے۔
بیورو کریسی کے ان کل پرزوں نے کھٹولی، چوہدری سلام اور پھر اوبرائن کے معاملے میں مجھے بہت زیادہ مایوس کیا تھا۔ اس کا جواب یہی ہو سکتا تھا کہ انہیں بھی کسی امتحان سے دوچار کر دیا جائے۔
جب تک اوبرائن کی تقدیر کے بارے میں فیصلے کے نتائج کی ذمے داری میرے اور اول خان کے سر تھی، میرا رویہ محتاط اور قدرے مدافعانہ تھا۔ اول خان کے باس کو اوپر سے گرین سگنل مل جانے کے بعد اس پر نظرِ ثانی ضروری ہو گئی تھی۔
اس وقت تک کی پوزیشن یہ تھی کہ ہمارے دشمن پاکستانیوں کے بارے میں خوف زدگی کی حد تک احتیاط کر رہے تھے۔ اول خان کے آدمیوں کی کوششیں جاری تھیں

مگر مجھے ان کی کسی بڑی کامیابی کی امید نہیں تھی۔ اوبرائن اور میجر بخشی کی نظروں میں کرنل جمال دستی کی حیثیت سے میں اعتماد کے لائق تھا لیکن وہ دونوں ہی مجھ سے براہِ راست رابطے سے گریز کر رہے تھے۔

لے دے کر ایک دھن راج تھا جس سے میں بات کر سکتا تھا۔ اس کا نام ہماری فہرست کے آخری سرے پر تھا۔ کرنل جمال دستی کے روپ میں اپنا اعتبار قائم رکھنے کے لیے یہ ناگزیر تھا کہ میں اوبرائن اور میجر بخشی کی ہدایت پر سختی سے عمل پیرا رہوں۔ دوسری صورت میں یہ اعتبار مجروح ہو سکتا تھا۔

دھن راج ایک رنگین مزاج امیرزادہ تھا۔ اس سے گفتگو میں محتاط رہ کر میں اس بند گلی سے نکلنے کی کوئی نہ کوئی راہ تلاش کر سکتا تھا۔

شام کو میں نے اسے فون کیا۔ ڈائرکٹ نمبر پر گھنٹی بجتی رہی لیکن جواب نہیں ملا۔ میں نے ہوٹل کے سوئچ بورڈ کا نمبر ملا کر آپریٹر سے دھن راج کے بارے میں جاننا چاہا تو اس نے مشینی تیزی کے ساتھ کچھ کہہ کر لائن کہیں اور منتقل کرنے کی کوشش کی اور سی ایس ڈی نے لائن کاٹ دی۔

میں نے دوسری مرتبہ موبائل فون پر وہی نمبر ملایا۔ کال آپریٹر نے استقبالیہ کاؤنٹر پر منتقل کر دی۔ وہاں سے پتا چلا کہ دھن راج ہوٹل میں ہی مقیم تھا مگر باہر گیا ہوا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے وقفے کے بعد میں نے سات بجے دوبارہ اس کا ڈائرکٹ نمبر ملایا۔ اس بار پہلی گھنٹی پر ہی دھن راج نے ریسیور اٹھا لیا۔

"کہاں غائب تھے؟ میں تین مرتبہ رنگ کر چکا ہوں۔" میں نے شکوہ کیا۔

"اوہ.... کرنل!" میری آواز سن کر وہ خوشی سے تقریباً چیخ پڑا "اس وقت میں کچھ اور مانگتا تو مجھے مل جاتا۔ میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔"

"کیا سوچ رہے تھے؟" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے سوال کیا۔

"ایمرجنسی کے لیے مجھے کوئی نمبر دے دو۔ میں پریشان تھا کہ تم سے کہاں رابطہ کروں۔" وہ خوشامدانہ آواز میں... گڑگڑایا۔

"میری یہ مجبوری ہر ایک کے علم میں ہے۔ یہ دیکھ لو کہ تم نے سچے دل سے مجھے یاد کیا اور میں نے تمہیں خود ہی فون کر لیا۔"

"اچھا' یہ بتاؤ کہ ڈینی کے بارے میں کیا خیر خبر ہے۔" وہ مطلب کی بات پر آ گیا۔

"میں نے کل سے اسے نہیں دیکھا۔" میں نے جھوٹ بولا حالانکہ میں اس دوران میں کئی بار آئینے میں اپنا عکس دیکھتا رہا تھا۔

"تلاش کرو.... سراغ لگاؤ کہ وہ کیا کرتا پھر رہا ہے۔ اب وہ اوبی کے لیے بہت تکلیف دہ ہو گیا ہے۔ وہ بے چارہ سخت ذہنی عذاب سے گزر رہا ہے۔"

"یہ میری بنیادی خواہش ہے۔ تم سب سے زیادہ مجھے اس کی فکر ہے۔" میں نے جان بوجھ کر اوبی کی تکلیف اور ذہنی عذاب کے بارے میں ایک لفظ نہیں پوچھا۔

"اس کے حوصلے بہت بڑھ چکے ہیں۔ کل صبح اس نے اوبی کے گھر پر دھاوا بولا تھا۔"

"اوہ! پتا نہیں میرے دہانے سے کیوں وہ بے ساختہ تحیر زدہ آواز نکل گئی "آج کے اخباروں میں تو اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں آیا۔"

"اس بات کو دبا لیا گیا ہے۔ اوبی اپنے دشمن سے خود ہی نمٹنا چاہ رہا ہے۔"

"تصادم کی کسی خبر کو کیسے دبایا یا چھپایا جا سکتا ہے۔" میں نے حیرت سے کہا "وہ فلیٹ میں رہتا ہے۔ وہاں تو ذرا سی چیخ بھی پڑوسیوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔"

"اوبی گھر پر نہیں تھا۔ گھر کے دروازے اور کھڑکیاں سب محفوظ تھیں۔ ڈینی نے کسی چیز کو چھیڑے بغیر اس کی چہیتی کتیا کو مار ڈالا۔"

دھن راج نے اپنے ہیجان کے باعث اس سادہ سے واقعے کو ایک پُراسرار آسیبی واردات کے روپ میں پیش کیا تھا۔ میں نے پوچھا "یہ کیسے پتا چلا کہ بند دروازوں سے گزرنے والا آسیب ڈینی کا تھا۔"

"اوبی کو پورا یقین ہے کہ پورے شہر میں ڈینی کے سوا کوئی اور اسے کھلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ حرکت اسی ذلیل کی ہے۔"

اپنے لیے اس کے منہ سے نکلی ہوئی گالی کو میں پی گیا "میں نے بلیکی کو ڈینی کے فنگر پرنٹس دے دیے تھے۔ اسے فلیٹ میں ان فنگر پرنٹس کی موجودگی کے بغیر اتنا یقین نہیں ہونا چاہیے۔ کتیا کی گردن پر' دروازے کے دستے پر کہیں نہ کہیں اس کی انگلیوں کے نشان ضرور ملیں گے۔"

"میں بتا رہا ہوں کسی کھڑکی یا دروازے کو نہیں چھیڑا گیا۔" اس نے زور دے کر کہا "شاید کسی سوراخ سے کوئی زہریلی گیس اندر چھوڑی گئی تھی۔"

"اس وقت اوبی یا بلیکی میں سے کوئی اندر نہیں تھا؟"
میں نے اپنی حسرت کو حیرت میں تبدیل کر دیا۔
"وہ دونوں دفتر میں تھے۔ انہیں حیرت ہے کہ بلڈنگ میں چوکی داری کے بہترین نظام کے باوجود وہ اوپر کیسے پہنچا۔ میجر کا خیال ہے کہ وہ دونوں اب اس فلیٹ میں نہیں رہیں گے۔ کل کتیا ماری گئی۔ کسی وقت ڈینی ان دونوں تک بھی پہنچ سکتا ہے۔"
"دیکھو، دھن راج! یہ میری اور تمہاری بات ہے۔ ڈینی کے پاس جادو کی کوئی چھڑی نہیں ہے۔ وہ ہم جیسا ایک عام آدمی ہے۔ اوبی نے بلاوجہ ہی اسے ہوا بنایا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حرکت اس کے کسی اور دشمن نے کی ہو۔ سب کو بھول کر ڈینی کو گالیاں دینے سے مسائل حل نہیں ہوں گے۔"
"ہو سکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہو۔" دھن راج سنبھل گیا "مگر اوبی میرے رابطے میں نہیں ہے۔ میں تمہارا یہ پیغام میجر تک پہنچا دوں گا۔ وہ خود بھی بہت پریشان ہے۔"
"اسے کیا پریشانی لاحق ہے؟" میں نے گہری دلچسپی سے پوچھا۔
"اوبی اس کا دوست ہے۔ پھر ڈینی تو ہم سب کا مشترکہ دشمن ہے۔ جب تک اسے چھوٹ ملی ہوئی ہے، ہم میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ پتا نہیں کب وہ تمہارے سر پر پہنچ جائے۔ ایک نادیدہ دشمن کے خوف کو تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔"
"بس یہی ایک بات ڈینی کے حق میں جاتی ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کے چہرے پہچانتا ہے جب کہ ان کے لیے وہ صرف ایک نام ہے یا پھر امریکیوں کا بنایا ہوا ایک خاکہ۔"
"یہ بتاؤ کہ تمہارے فون پر وہ اینٹی بگ ڈیوائس کام کر رہی ہے نا!" بات کرتے کرتے اس نے چونکی ہوئی آواز میں سوال کیا۔
"میں اس کے بغیر تم سے بات ہی نہیں کرتا۔ تمہیں وہ کیوں یاد آگئی؟"
"اتنی کھلی کھلی باتیں کسی غیر کے کانوں میں پڑ جائیں تو ہم مشکل میں پڑ سکتے ہیں۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ میجر نے مجھے خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ تمہیں اوبی کے نئے مسائل سے جلد از جلد آگاہ کر دوں۔ تمہاری جگہ میں ہوتا تو دور دور سے ڈینی کو دیکھنے کے بجائے اسے گولی مار کر فرار ہوتا اور سیدھا امریکی قونصل خانے میں پناہ لے لیتا۔ وہ خود ہی مجھے حفاظت سے باہر پہنچا دیتے۔"

"کیا تم مجھے ایسا کرنے کا مشورہ دے رہے ہو؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"اپنے معاملات کو تم خود بہتر سمجھتے ہو۔ یہ میری خواہش ضرور ہے۔"

"اسے بس خواہش ہی رہنے دو۔ اسے معلوم ہے کہ وہ کتنے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔ ایک وار میں وہ مرے یا نہ مرے، اس پر وار کرنے والا ضرور مار دیا جائے گا۔ لاشیں فرار ہوتی ہیں نہ کہیں پناہ لے سکتی ہیں۔ مجھے اپنے ایسے انجام سے نفرت ہے۔"

"میں نے میجر بخشی کا پیغام دے دیا ہے۔ اب اس کی ساری توقعات تمہاری ذات سے وابستہ ہیں۔ ڈینی کا جلد ہی کوئی نہ کوئی بندوبست ہونا چاہیے۔"

"اپنے میجر سے پوچھ لو کہ میں اس سے رابطہ کر سکتا ہوں یا نہیں۔"

"کوئی ناگزیر مجبوری ہو تو وہ بُرا نہیں مانے گا۔ اسے اپنے ساتھ تمہاری سلامتی بھی عزیز ہے۔"

"مگر میرے پاس اس کا کوئی فون نمبر نہیں ہے۔ پتا نہیں دفتر کا آپریٹر میری کال کو اہمیت دے گا یا نہیں۔ میں اس سے چند باتیں کرنی چاہتا ہوں۔"

"میں اسے بتا دوں گا، وہ کل صبح اپنی آپریٹر کو ہدایت دے دے گا۔"

"اور یہ بھی بتا دینا کہ میں اسے کسی اور نمبر سے فون کروں گا۔ اینٹی بگ ڈیوائس کے ذریعے بورڈ سے بات نہیں ہو سکتی۔ کال ٹرانسفر بٹن دبتے ہی لائن کٹ جائے گی۔"

"اچھا... تو یہ مجبوری بھی ہے۔" اس کی آواز قدرے پُرتشویش ہو گئی "پھر تم ایسا کرو کہ پندرہ منٹ بعد دوبارہ فون کراو۔ میں اس سے بات کیے لیتا ہوں۔ وہ کوئی نہ کوئی حل بتا دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارا اور اس کا اسی وقت رابطہ ہو جائے۔"

"یہ بہت اچھا ہو گا..... میں پندرہ منٹ بعد دوبارہ فون کرتا ہوں۔"

"یہ خبیث کیا کہہ رہا تھا؟" میرے فارغ ہونے پر اول خان پوچھ بیٹھا۔

"داستانِ غم سنا کر مجھے کوس رہا تھا۔ کتیا کے سوگ میں وہ سب کتوں کی طرح بلبلا رہے ہیں اور اس واقعے کا کریڈٹ سلطان شاہ کے بجائے مجھے دے رہے ہیں۔"

"تمہارا نام پوری ٹیم کی نمائندگی کرتا ہے۔ سلطان شاہ اس میں شامل ہے۔"

"میجر بخشی سے فون پر تم کیا بات کرو گے؟" میری اور دھن راج کی باتوں کا خلاصہ سننے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"سچ پوچھو تو میرا ذہن صاف نہیں ہے" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "کچھ بھڑاس دھن راج نے نکالی ہے۔ بقیہ بات اس سے ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی میں کوئی راہ نکل آئے۔ میرے لیے یہ بات اطمینان بخش ہے کہ ابھی تک انہیں میرے اوپر کوئی شبہ نہیں ہوا۔"

وہ پندرہ منٹ بہت تیزی سے گزر گئے۔ اس دوران میں سب ہی اس کمرے میں یک جا ہو چکے تھے اور ہر ایک میرا ہم نوا تھا۔

دھن راج سے میری مختصر بات ہوئی۔ میجر بخشی اپنے گھر پر میرے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے دھن راج سے نمبر لے کر فون بند کر دیا۔

بخشی زیرک آدمی تھا۔ رابطہ ہونے پر اس نے اپنی طرف سے کوئی بات چھیڑے بغیر یہ جاننا چاہا کہ میں اس سے کیا کہنا چاہتا تھا۔

میں لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ فوری طور پر کوئی اور بات نہ سوجھی تو میں نے کہا "مجھے اڑتی اڑتی سی خبر ملی ہے کہ ڈینی لیاقت آباد کے کسی تنگ علاقے میں رہ رہا ہے..."

میری بات ادھوری رہ گئی۔ وہ چونک کر درمیان میں بولا "یہ کراچی کی وہی آبادی تو نہیں ہے جو پہلے لالو کھیت بھی کہلاتی تھی؟"

"بالکل وہی علاقہ ہے، تم ٹھیک سمجھے ہو۔" میں نے اس کی تائید کی۔

"خطرناک علاقہ ہے۔" ریسیور پر اس کی تیز بڑبڑاہٹ سنائی دی "ذرا دیکھ بھال کر ادھر کا رخ کرنا۔ یہ خبر اوبی کے لیے بہت اہم ثابت ہو گی۔"

"اس خبر کی تصدیق ہونے سے پہلے میں دھن راج کو کچھ نہیں بتانا چاہ رہا تھا۔ اسی وجہ سے تمہاری اجازت کی ضرورت پیش آ گئی۔"

"دھن راج پر تم آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتے ہو۔ یہ خبر اس کے ذریعے بھی مجھ تک پہنچ سکتی تھی مگر تم نے اچھا کیا کہ براہِ راست مجھے بتا دیا۔ اوبی اپنے طور پر ڈینی کی تلاش کی ایک بڑی مہم شروع کرنے والا ہے۔ اس میں آوازیں نشر کرنے والے کئی ہزار مائکروبگ شہر کے مشتبہ علاقوں میں پھیلائے جاتے ہیں۔ اب وہ لیاقت آباد کے علاقے پر خاص توجہ دے گا۔"

"اسے یہ مہم بہت پہلے شروع کرنی چاہیے تھی۔ اس کا ٹھکانا نظروں میں آجائے تو اس پر کسی بھی وقت ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔"

"پہلے اس کی مجبوری تھی۔ اس کے پاس ڈینی کی آواز کا کوئی ریکارڈ یا کیسٹ نہیں تھا۔ آج اس نے ڈینی کی ایک کال ٹیپ کرلی ہے۔ اس کے بعد ہی اس نے یہ منصوبہ بنایا ہے۔ امریکا سے آنے والا حساس ترین صوتی تجزیاتی سسٹم لاکھوں آوازوں میں بھی ڈینی کی آواز پہچان لے گا۔ اب اس کے گرد گھیرا تنگ ہونے لگے گا۔"

"یہ کیسے پتا چلے گا کہ وہ مخصوص آواز کس بگ سے آرہی ہے اور وہ شہر کی کس بستی میں ہے۔"

"مجھے تفصیلات کا علم نہیں لیکن اوبی بہت پر امید ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ساؤنڈ اسکیننگ سسٹم میں لوکیشن فائنڈر بھی ہو۔"

میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ بدلی ہوئی آواز میں کی جانے والی میری دھمکی آمیز فون کال ریکارڈ کرنے کے بعد اوبی کو وہ خیال آیا تھا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ایسے سسٹم آواز بدلنے کے باوجود ہر انسان کے مخصوص صوتی اشاروں کو آسانی سے پہچان سکتے تھے۔

تمام تر احتیاط کے باوجود مجھ سے ایک غلطی سرزد ہوچکی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس غلطی کے بھرپور ازالے کے لیے میں کسی نہ کسی طرح اوبی کے رابطے میں تھا۔

"اب وہ مشکل ہی سے بچے گا" میں نے اپنے دشمن کی امیدوں کی توثیق کی۔

"تمہیں بھی ایک اہم کام کرنا ہے۔" میجر بخشی کی سنجیدہ آواز ابھری۔

"میں اہم اور غیر اہم' ہر کام کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔"

"ایک دو روز میں واشنگٹن سے سب سازو سامان آجائے گا۔ تمہیں کچھ بگ اسٹیشن فور میں بھی پھیلانے ہوں گے۔ شیری کی موت کے بعد اوبی نے ڈینی اور ایس ٹی ایف کے خلاف بھرپور جنگ لڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"میں اس کا ساتھ دوں گا مگر کامیابی کا کریڈٹ مجھے ہی ملے گا" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ ہاں' ایک اور بات یاد رکھنا۔ وہ کسی بھی وقت اسٹیشن فور پر نظر آئے تو فوراً دھن راج کو خبر دے دینا۔ کوشش کی جائے گی کہ واپسی پر اسے راستے میں ہی گھیر کر دبوچ لیا جائے۔ اوبی اس انسانی عجوبے کو زندہ پکڑنے کا خواہش مند ہے۔"

"میں بتادوں گا مگر یہ خیال رکھنا کہ مجھے اس کے آنے اور واپس لوٹنے کے پروگرام کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ وہ کسی چھلاوے کی طرح تھوڑی دیر کے لیے نظر آتا ہے پھر اول خان کے ساتھ کیمپ میں کہیں گم ہوجاتا ہے۔"

"یہ سب اوبی سنبھال لے گا۔ تم اپنے کام سے غافل نہ ہونا۔" اس نے تاکید کی پھر پوچھا "اس وقت تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

اس کا وہ سوال بہت اچانک اور بے ساختہ تھا۔ میں نے اسی روانی سے جواب دیا "اسٹیشن فور پر۔ تمہیں معلوم ہے کہ فون پر سی ایل ڈی کی سہولت صرف یہیں میسر ہے۔"

"تم مجھ سے ملنے کے لیے تھوڑی دیر میں کلب آسکتے ہو؟" اس نے شہر کے ایک قدیم اور مشہور کلب کا نام لے کر دریافت کیا۔

اس وقت میں اپنے دشمنوں کا معاون بنا ہوا تھا۔ ان کی کسی فرمائش کو رد نہیں کرسکتا تھا۔ اپنی تشویش کے باوجود میں نے خوش مزاجی سے کہا "تم کہو گے تو میں کہیں بھی پہنچ سکتا ہوں۔ صرف آنے جانے میں کچھ زحمت اٹھانی پڑے گی۔"

"آنے جانے میں۔؟" اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "تو کیا تم دن رات وہیں رہتے ہو؟"

"یہ فوجی کیمپ کی بڑی کٹھن زندگی ہے۔ چوبیس گھنٹے کی ملازمت سمجھ لو۔"

"تمہیں جلد ہی اس سے نجات مل جائے گی.....بس تم نکلو۔ میں وہاں لان پر تمہارا انتظار کروں گا" یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا اور میں اس ملاقات کا سبب جاننے کی حسرت دل میں لیے رہ گیا۔ اتنی سی بات کے لیے اسے دوبارہ فون کرنا مناسب نہیں تھا۔

ہر بار کچھ نئی باتیں سامنے آرہی تھیں۔ ویسے تو اوبرائن کی طرف سے میری تلاش کی نئی مہم کی تفصیل بھی خاصی دلچسپ تھی لیکن سب کو پریشانی یہ تھی کہ میجر بخشی نے اس وقت مجھے اچانک کلب میں کیوں بلایا تھا۔

بظاہر اس نے وہ خواہش روارودی میں ظاہر کی تھی مگر میں جانتا تھا کہ وہ پہلے سے اس کا فیصلہ کیے بیٹھا تھا اور اس نے جان بوجھ کر آخر میں وہ ذکر چھیڑا تھا۔

ہم پانچوں اس مسئلے پر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ وقت کم تھا اور مجھے روانگی سے پہلے کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچنا ضروری تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

بعد یہ انکشاف ہوا کہ میرے فلیٹ پر ہونے والی فائرنگ میں وہ لوگ بھی کرائے کے بدمعاش کے طور پر موجود تھے۔ کھنومل راجوانی ایک بار پھر اول خان کو چکما دے کر نکل گیا۔ اس نے اسلام آباد پہنچتے ہی ہنگامہ کھڑا کردیا۔ بالآخر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں اس کیس کو دبانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اول خان نے اس صورت حال سے مایوس ہو کر میرے مشورے پر اپنے اسلام آباد کے آدمیوں کو کسی بھی صورت کھنومل پر ہاتھ ڈالنے کی ہدایت کردی۔ اول خان کے مشورے پر میں سلطان شاہ کے ساتھ اسلام آباد چلا آیا۔ یہاں کامیاب منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نے کھنومل کو اس کے پشت پناہ چوہدری سلام کے گھر سے اٹھا کے آزاد قبائلی علاقے میں پہنچا دیا۔ کھنومل کے سلسلے میں اچانک حالات ہمارے موافق ہو گئے۔ کالو کمرانی کے بیان نے اسے مشکوک بنا دیا تھا۔ قانون کے ذریعے اسے کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے اس کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔ کھنومل کا پشت پناہ چوہدری سلام ہیروئن کے کاروبار میں ملوث تھا جس کے نتیجے میں ہماری توجہ اس کی طرف مبذول ہو گئی۔ اسی دوران میں اول خان نے کراچی سے فون کر کے بتایا کہ کالو کمرانی کو نامعلوم حملہ آوروں نے گولیاں ماردیں۔ خوش قسمتی سے کالو کمرانی صرف زخمی ہوا تھا۔ امریکیوں نے کھنومل کی گمشدگی پر خاصا واویلا کیا اور کالو کمرانی کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ کھنومل کو دوبارہ اسلام آباد بلا لیا گیا۔ میں نے انٹروگیشن سیل میں اس سے کڑی باز پرس کی جس کے نتیجے میں اس نے سنسنی خیز انکشافات کیے۔ کھنومل کے آقاؤں نے اس کی رہائی کے لیے دباؤ ڈالنے کے لیے کراچی میں بم دھماکا کیا تو میں فوراً کراچی پہنچ گیا۔ اول خان نے بتایا کہ کھنومل کی کراچی منتقلی کا بندوبست ہو چکا ہے۔ وہ اقبالی بیان دینے کے لیے تیار ہے۔ اپنے خلاف امریکیوں کے بڑے آپریشن کے پیش نظر میں نے غزالہ کو پشاور بھیج دیا اور خود بھی جہانگیر کا گھر چھوڑ دیا۔ اب میرا ٹھکانا نادرہ کا ویران مکان تھا۔ یہاں میں نے امریکی ایجنٹوں سے رابطہ کر کے کھنومل کے متعلق مخبری کردی۔ اس کا نتیجہ میرے حسب منشا نکلا اور کھنومل امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اوبی تھا۔ میں اس کے گھر پہنچا تو خود کو کرنل جمال دستی کی حیثیت سے متعارف کرایا اور اوبی کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ میں گرین کارڈ کے لالچ میں ایس ٹی ایف سے غداری کر رہا ہوں۔ رخصت ہوتے ہوئے میری نظر نادرہ کی بہن پر پڑی جو لفٹ سے نکل رہی تھی۔ نادرہ کا مکان اب میرے لیے مخدوش ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے ایس ڈی اور نیم کی لینے پہنچا تو پولیس نے محاصرہ کر لیا۔ اس دوران میں انہوں نے فائرنگ کردی۔ میرے بازو پر ایک گولی لگی اور میں خون بہہ جانے کے باعث بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو اسٹیشن فوری تھا۔ اول خان نے بتایا کہ اوبی نے دفتر خارجہ میں کرنل جمال دستی کی شکایت کردی ہے۔ میں نے اوبی سے فون پر بات کی تو وہ شکایت واپس لینے پر راضی ہو گیا۔ اس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس ہیں۔ اول خان نے اوبرائن کے متعلق اپنے اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ اب ایک طرف دشمن ہمارے خون کا پیاسا تھا، دوسری طرف اپنے بھی ہمیں ملامت کا ہدف بنا سکتے تھے۔ باہمی مشورے سے ہم نے طے کیا کہ میں اوبرائن کو شیشے میں اتاروں۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا تو اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے دو افسران میجر بخشی اور دھن راج سے رابطہ رکھنے کی ہدایت کی۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ نے اوبی کی کتیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کارروائی نے اوبی کو پریشان کردیا۔ میں نے ڈیٹی کے طور پر اس سے بات کر کے اسے اور ہراساں کردیا تاہم وہ میری آواز ریکارڈ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میجر بخشی سے بات ہوئی تو اس نے ڈیٹی کے متعلق استفسار کیا۔ میں نے اس کے فرضی پتے کے بارے میں اسے آگاہ کردیا۔ اس نے مجھے فوری ملاقات کے لیے ایک کلب میں طلب کر لیا۔ میں جانتا تھا کہ رواروی میں ظاہر کی گئی ملاقات کی اس خواہش کے پیچھے دیرینہ فیصلہ کارفرما تھا۔ ہم اس مسئلے پر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ان دنوں میں تلوار کی تیز دھار پر چل رہا تھا۔ ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ضروری تھا۔ کہیں بھی ذرا سی کوئی لغزش ہوتی تو اس کا شاخسانہ میری موت کی صورت میں ہی رونما ہو سکتا تھا۔ ایسی لغزش کے ازالے کی کوئی دوسری صورت دور دور تک نظر نہیں آرہی تھی۔

ایس ٹی ایف میں اہم خدمات سرانجام دینے والے کرنل جمال دستی کے روپ میں میں اپنے حریفوں کا محبوب اور معتمد بنا ہوا تھا جب کہ وہ سب ڈیٹی کے لہو کے پیاسے تھے۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ اول خان سے لے کر غزالہ تک، ہر فرد کو صورت حال کی اس سنگینی کا پورا پورا ادراک تھا اور یہی وجہ تھی کہ میجر بخشی کی اچانک دعوت نے ان چاروں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات کے مہیب ہیولے پیدا کردیے تھے۔

"تم لوگ جو چاہو سوچتے رہو مجھے پورا یقین ہے کہ اس ملاقات میں ڈیٹی کی جان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔" تھوڑی سی بحث کے بعد سلطان شاہ نے وثوق سے کہا۔

"یہ نہ کہو۔" ویرا نے کسی توقف کے بغیر دوٹوک انداز میں اس کی رائے مسترد کردی۔ "ڈیٹی کی جان کو ان موذیوں سے ہر وقت خطرہ ہے۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ کرنل جمال دستی فی الحال ایسے خطرات سے بڑی حد تک محفوظ ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ اسے کہیں سے سراغ مل گیا ہو کہ کرنل جمال دستی کے روپ میں ڈیٹی ہی چھپا بیٹھا ہے۔"

"تمہارا یہ مفروضہ بے بنیاد ہے۔" سلطان شاہ کی بات پوری ہوتے ہی اول خان بے ساختہ بول پڑا۔ "اسے کہاں سے اور کیسے یہ سراغ مل سکتا ہے؟"

"اوبرائن اور میجر بخشی بے بساط مہرے نہیں ہیں۔ ہمارے مقابلے میں وہ بہتر وسائل سے لیس ہیں۔ دھن راج جیسے غدار مقامی ان کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔"

"کھنومل اور چوہدری سلام بھی اسی صف میں شامل تھے۔" اول خان نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "ان کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ ہم اپنے گھر میں بقا کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اپنے ماحول اور غداروں کے پینتروں سے نمٹنا جانتے ہیں۔ وہ لوگ باہر سے آئے ہوئے ہیں۔ انہیں اتنے مزے سے کامیابیاں حاصل ہو سکتیں تو اب تک ہم پانچوں میں سے ایک کا بھی نام و نشان نہ ملتا۔"

سلطان شاہ نے احتجاجی انداز میں ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے اسے خاموش کردیا۔ "تم بلاوجہ بحث کررہے ہو۔ اس کے ذہن میں کوئی تبدیلی آئی ہوتی تو وہ اپنے طور پر کوئی پیش رفت کر کے مجھے گھیرنے کی کوشش کرتا۔ اس وقت میں نے خود اس سے فون پر رابطہ کیا تھا۔ اس نے مجھے اعتماد میں لے کر اوبرائن کے اگلے پروگرام کے بارے میں بتایا ہے....."

"پھر اس نے تمہیں کلب کے لان پر کیوں بلایا ہے؟" ویرا نے سوال جڑ دیا۔

”کلیدی سوال یہی ہے۔ یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔“
میں نے سگریٹ کا کش لے کر پرخیال لہجے میں جواب دیا۔
”اوبرائن نے مجھے ایمپریس مارکیٹ بلایا۔ وہاں اس کی جگہ بلیکی پہنچا ہوا تھا۔ وہ مجھے دھن راج کے حوالے کرکے غائب ہوگیا۔ دھن راج نے مجھے اپنے ہوٹل کے کمرے میں بلایا تو وہاں میجر بخشی سے اچانک سامنا ہوا۔ اب میجر بخشی نے بلایا ہے تو شاید کوئی اور چہرہ سامنے آجائے۔“
فوری طور پر کوئی کچھ نہ بولا۔ شاید وہ سب ہی میرے جواب کی معقولیت پر غور کررہے تھے۔
”یہ بات آسانی سے ہضم نہیں ہورہی۔“ غزالہ نے اپنی گھنیری پلکیں اٹھا کر دھیرے سے کہا۔ ”میں یہ مانتی ہوں کہ فون اس نے نہیں، آپ نے کیا تھا مگر یہ مجبوری تھی۔ ان میں سے کسی کے پاس آپ کا کوئی فون نمبر نہیں ہے جب کہ آپ نے دھن راج کے ذریعے اجازت لینے کے بعد میجر بخشی کے گھر فون کیا تھا۔ وہ ذہن میں کوئی پلان لئے بیٹھا تھا۔ آپ سے رابطہ ہوتے ہی اس پر عمل کر گزرا۔“
میں غزالہ کو گھور کر بے بسی سے ہنس پڑا۔ ”اب تم بھی بال کی کھال نکالنے لگی ہو!“
”سب کچھ میرے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ ہر بات میری سمجھ میں آتی ہے لیکن مجھے بولنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ میرے دل کی بات کسی نہ کسی کی زبان پر آجاتی ہے۔“
غزالہ نے وہ فقرے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ادا کئے تھے اور اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ مچل رہی تھی۔
میں نے نرمی سے کہا۔ ”کیا تم اس وقت بھی خاموش نہیں رہ سکتی تھیں۔“
”وہ کیوں چپ رہتی؟“ اس کی حمایت میں سلطان شاہ بول پڑا۔ ”اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ تم نے باتوں کے چکر میں سب کو لاجواب کردیا ہے۔“
”جو لوگ سچے دل سے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں انہیں ایک دوسرے کے بارے میں وجدان سا ہوتا رہتا ہے۔“ ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”اب غزالہ نے زبان کھول ہی دی ہے تو تم کو میجر بخشی سے ملاقات کا ارادہ ملتوی کردینا چاہیے۔ پتا نہیں وہ کیا چاہ رہا ہے۔“
”پروگرام طے ہوجانے کے بعد ڈینی کا یوں غائب ہوجانا مناسب نہیں ہوگا۔“ اول خان بولا۔ ”میجر بخشی کو اس پر کوئی شبہ ہوگیا ہے تو وہ پختہ ہوجائے گا۔“
”ڈینی کے پاس اس کے گھر کا فون نمبر ہے۔ یہ بخشی کو فون کرکے بہانہ کرسکتا ہے کہ اس وقت اسے اسٹیشن فورچھوڑنے کی اجازت نہیں مل سکتی۔ بخشی بھی جانتا ہے کہ کرنل جمال دستی یہاں خود مختار نہیں ہے۔ اسے کسی نہ کسی کو جواب دینا پڑتا ہے۔“
ویرا کی وہ جوابی تجویز معقول تھی۔ میں نے چند ثانیوں کے لئے اس پر غور کیا۔ میجر بخشی سے مجوزہ ملاقات کے بارے میں میری چھٹی حس بھی مطمئن نہیں تھی۔ میں نے فون سنبھال لیا۔
تیسری گھنٹی پر میجر بخشی کے رہائشی فون نمبر سے کسی عورت کی آواز سنائی دی۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ میجر بخشی گھر پر موجود نہیں تھا۔
نسوانی آواز مہذب اور پروقار تھی۔ مجھے اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ کون تھی۔ میں نے کہا۔ ”میجر سے اس وقت میری ملاقات طے تھی مگر میں کسی وجہ سے آنے سے قاصر ہوں.....“
”مگر وہ گھر پر نہیں ہیں۔“ وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ ”میں کیا کہہ سکتی ہوں۔“
”میجر کو کلب پہنچنا ہے۔ تم وہاں پیغام دے دو۔ یہ بہت ضروری ہے۔“ میں نے التجا کی۔
”سوری!“ رکھائی سے کہا گیا۔ ”میں یہ سب نہیں کرسکتی۔ میں ان کی خادمہ ہوں۔ تم اپنا نام بتادو۔ ان کا فون آیا تو میں تمہارا پیغام دے دوں گی۔“
مجھے یہ جان کر مایوسی ہوئی کہ میری مخاطب میجر بخشی کی خادمہ تھی۔ ”میں میجر کو کسی بے یقینی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔ تم میری کال کو بھول جاؤ۔“ میں نے ترشی سے یہ کہہ کر فون بند کردیا۔
مجھ سمیت کسی کو بھی یہ امید نہیں تھی کہ میجر بخشی مجھ سے پروگرام طے کرنے کے بعد اتنی عجلت میں گھر سے نکل کھڑا ہوگا۔ اس کی وہ عجلت ہمارے مشترکہ خدشات کو تقویت دے رہی تھی۔
بحث دوبارہ چل پڑی۔ ویرا کی رائے تھی کہ میں کلب فون کرکے میجر بخشی سے بات کرلوں۔ وہ وہاں نہ پہنچا ہو تو استقبالیہ کلرک کو اس کے لئے اپنا پیغام نوٹ کرادوں۔ غزالہ دور کی کوڑی لائی تھی۔ اس کی دانست میں مجھے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ براہِ راست دھن راج کو فون پر اپنی مجبوری سے آگاہ کردیتا۔ وہ خود ہی کلب جاکر میجر بخشی سے بات کرلیتا۔
میرے لئے وہ تجاویز احمقانہ تھیں۔ ہم ان کے خلاف مضبوط ارادوں کے ساتھ میدان میں اترے ہوئے تھے۔ بظاہر میں نے ان کے حلیف کا روپ دھارا ہوا تھا۔ اگر میجر بخشی کے دل میں میری طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہو ہی چکا تھا تو میں زیادہ دیر تک ٹال مٹول سے کام نہیں لے سکتا تھا۔
شترمرغ کی طرح ریت میں گردن دے کر یہ سمجھ لینا کہ طوفان ٹل گیا ہے، میرے بس سے باہر بلکہ اعصاب شکن تھا۔ میں نے اس پراسرار ملاقات کو ٹالنے کی ایک کوشش کرلی تھی۔ اس میں ناکامی ایک طرح سے غیبی اشارہ تھی۔ میں نے روانگی کی تیاری شروع کردی۔

لباس تبدیل کرنے کے بعد میں نے بیم گن جیب میں ڈالی تو ویرا بولے بغیر نہ رہ سکی۔ "پہلے غیر مسلح ہو کر گئے تھے تو اب بیم گن کیوں لے جا رہے ہو؟"

"پچھلی بار میں دھن راج کے ہوٹل بلکہ کمرے میں مدعو کیا گیا تھا۔ میرے اندیشے کے عین مطابق وہاں ہتھیار کی موجودگی کا سراغ لگانے والا آلہ نصب تھا۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آج اس سے کلب کے کھلے لان پر ملنا ہے۔"

میرے طنزیہ لہجے کے جواب میں ویرا کے ہونٹوں پر سلگا دینے والی مسکراہٹ عود کر آئی۔ "ہتھیاروں کی موجودگی کے لئے دستی آلات کا استعمال بھی عام ہو چکا ہے۔"

"وہ ہاتھ میں کچھ تھامے بیٹھا ہو گا تو میں اسے تماشا بنا دوں گا۔" میں نے جل کر کہا۔

میرے رد عمل پر ویرا نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔ غزالہ کے چہرے پر سرخی سی پھیل گئی۔

اول خان کا ایک آدمی چند منٹ میں میرے لئے ایک ٹیکسی لے آیا۔ اس کی دی ہوئی اطلاع سننے پر میری استفہامیہ نظریں اول خان کی طرف اٹھ گئیں۔

"یہ واپسی تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ ہمارے اعتماد کا آدمی ہے۔" اس نے بتایا۔

"بار بار ایک ہی ٹیکسی کا استعمال مناسب نہیں رہے گا۔" میں نے کہا۔

"ٹیکسی اور ڈرائیور، دونوں ہی نئے ہیں۔ تم فکر مت کرو۔" وہ بولا۔

اول خان کو پورا یقین تھا کہ چھاؤنی کی حدود میں آنے جانے والے غریب ٹیکسی ڈرائیور ہر طرح محب وطن اور قابل اعتماد ہوتے ہیں۔ اگر انہیں علم ہو کہ وہ اپنا پورا معاوضہ لے کر کسی فوجی یونٹ کے لئے خدمت سرانجام دے رہے ہیں تو یکایک ان کا مورال بہت بلند ہو جاتا ہے اور وہ ضرورت سے زیادہ فرض شناسی کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔

ایسے عام ڈرائیوروں سے قطع نظر، خفیہ حفاظتی ایجنسیوں کے اہل کار بھی اس حساس علاقے میں مشتبہ افراد کی آمد و رفت پر نگاہ رکھنے کے لئے ٹیکسیاں وغیرہ لئے گھومتے رہتے ہیں۔ عام حالات میں وہ نگرانی کی ذمے داری انجام دیتے ہیں۔ ضرورت پیش آ جائے تو فوری طور پر کسی بھی مشن پر نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے تجربے سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اول خان کا آدمی اس مرتبہ میرے لئے دوسری قسم کی مخصوص ٹیکسی ہی لایا تھا۔

چھاؤنی سے شہر کے مرکزی حصے تک کا سفر طویل ضرور تھا لیکن ٹریفک کی روانی کے باعث اذیت ناک نہیں تھا۔ شارع فیصل کے سرے پر واقع، دھن راج کے ہوٹل سے چند سو میٹر آگے کراچی کا وہ قدیم اور روایتی کلب واقع تھا جس کے لان پر میجر بخشی سے میری ملاقات طے تھی۔

چوڑے پتھریلے ستونوں کے درمیان اونچی چھت سے مزین پرشکوہ پورچ میں میں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ ڈرائیور سے یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ وہ پارکنگ میں میری واپسی کا انتظار کرے گا۔

احاطے میں داخل ہوتے ہی میں نے دیکھ لیا تھا کہ وسیع لان پر محض چند میزیں آباد تھیں۔ ٹیکسی سے اتر کر میں نے عمارت میں داخل ہونے کے بجائے لان کا رخ کیا تو میجر بخشی نے دور سے ہاتھ ہلا کر مجھے خود ہی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ تیز روشنیوں سے قدرے الگ پڑی ہوئی میز پر اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔

"میں بہت مشکل سے اپنے یونٹ سے نکلا ہوں۔" رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے اس سے شکوہ کیا۔ "اس وقت مجھے وہیں رکنا تھا کیونکہ کمانڈر اچانک کہیں نکل گیا تھا۔"

"تم نہ پہنچتے تو مجھے شدید مایوسی ہوتی۔" اس نے میرے شکوے کو نظرانداز کر کے اپنے مطلب کی بات کی۔ "میں کافی دیر سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے اپنے لہجے کی تلخی پیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے دوبارہ تمہارے گھر فون کیا تھا مگر تم وہاں سے نکل چکے تھے۔ مجبوراً مجھے اسٹیشن فوراً سے نکلنا پڑا۔"

"اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔ مجھے تم سے کچھ اہم ذاتی باتیں کرنی تھیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ذاتی باتیں؟" میں نے تحیر زدہ آواز میں دہرایا۔ "ان کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔"

"تم آرمی کے کس یونٹ سے اور کب ریٹائر ہوئے تھے؟" اس نے چند ثانیوں تک خاموشی سے میری بے چین نظروں میں جھانکنے کے بعد پوچھا۔

"سوری میجر۔" میں نے تیوریوں میں بل ڈال کر کہا۔ "یہ قطعی غیر ضروری باتیں ہیں۔"

"برا مت مانو۔ موجودہ حالات میں یہ سوال بہت اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔" اس نے میرے خراب تیور دیکھنے کے باوجود اپنا مفاہمانہ لہجہ برقرار رکھا۔

"میں نے "را" یا "اسپیشل سروسز بیورو" میں ملازمت کی درخواست نہیں دی ہے جو یہ سوالات پوچھے جا رہے ہیں۔ تم میری توہین کر رہے ہو۔"

"اوہ.... ہو!" وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسا اور کہنیوں کے بل میز پر میری طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ پچھلے دنوں میں کراچی کتنے امریکیوں کو نگل چکا ہے۔ اوبی کے محفوظ ترین فلیٹ میں اس کی پالتو کتیا مار دی گئی۔ اس وقت آدمی اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔ دشمن ہمارے بہت ہی

قریب رہ کر سب کچھ دیکھتا ہے اور گھات لگا کر وار کر دیتا ہے۔"

اس کی باتیں سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں۔ مختصر سے وقت میں وہ بہت صحیح نتائج پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اپنی حکمتِ عملی میں ایک فوری تبدیلی لاتے ہوئے برہمی سے پوچھا۔ "اس کا مطلب ہے کہ اب اوبرائن میرے اوپر بھی شبہ کر رہا ہے؟"

"اوبرائن تم پر شبہ کرتا تو تمہیں میرے حوالے کرنے سے پہلے یہ سب جاننے کی کوشش کرتا۔" اس نے میرا دماغ ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں وہ اہم نکتہ اگل دیا۔ "میں نے پہلی ملاقات میں ہی تم پر واضح کر دیا تھا کہ اب اوبی پورے کھیل سے باہر ہے۔ ہرڈیل میرے، تمہارے اور دھن راج کے درمیان ہوگی۔"

"اگر تم کو میرے اوپر شبہ ہے تو معاملات کو یہیں ختم سمجھو۔" میں ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"گرمی دکھانے کی ضرورت نہیں۔" وہ میرا ہاتھ دباتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے تم پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ بس یہ میرا طریقۂ کار ہے۔ میں ابتدا سے ہی ہر منفی امکان پر کام کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہوں۔ اسے یوں سمجھ لو کہ بخار کا مریض ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو وہ اس کے متعدد ٹیسٹ کراتا ہے۔ ملیریا پیراسائٹس، وڈال اور مانٹوز بھی اس میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ سمجھنا حماقت ہے کہ ڈاکٹر کو ٹی بی کا شبہ ہو رہا ہے۔ اس طرح وہ امکانات کی تنسیخ کرتا ہے۔ ٹی بی نہیں ہے، ٹائی فائیڈ نہیں ہے، ملیریا نہیں ہے، کسی معمولی خرابی کی وجہ سے بخار ہو رہا ہے۔ میں بھی یہی کرتا ہوں۔ ایک بار تمہارے سروس ریکارڈ کی تصدیق کر لوں گا تو زندگی بھر تم پر کوئی شبہ نہیں ہوگا۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اوبرائن کے چھپے ہوئے دشمن تم ہی ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے الزام لگایا۔ "اسے اپنے ہمدردوں کی طرف سے بدگمان کر کے اپنے ہاتھوں میں کھلونا بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔" پہلی بار اس کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔ "میرے بارے میں اوبرائن ہر بات جانتا ہے۔ وہ اپنی فارن انٹیلی جنس ایڈوائزری سروس کا عہدیدار ہے، میں اسپیشل سروسز بیورو کا افسر ہوں۔ ہماری پشت پر ان اداروں کی ضمانتیں موجود ہیں۔ یہ ادارے مل کر کام کر رہے ہیں اور ایک دوسرے سے پوری طرح متعارف ہیں۔"

"میری پشت پر ایس ٹی ایف کی ضمانت ہے۔" میں نے جان بوجھ کر کج بحثی کا مظاہرہ کیا۔ "دھن راج سے پہلی ملاقات کے بعد اسٹیشن فور کے نواح تک میرا مسلسل پیچھا کیا گیا تھا۔ ایسی بداعتمادی کی فضا میں دو دن بھی کسی کے ساتھ نہیں چل سکتا۔"

اس کے ہونٹوں پر یکایک منافقانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ایس ٹی ایف ہماری حریف ہے۔ اس کے بارے میں کہیں کوئی ریکارڈ دستیاب ہے نہ وہ لوگ منظرِ عام پر آتے ہیں۔ تصدیق ہو تو کیسے ہو؟ بظاہر تم ان کے باغی ہو۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم ہمیں ڈبل کراس کر رہے ہو۔"

خوف کی ایک سرد لہر میری ریڑھ کی ہڈی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوڑ گئی۔ آخر کار اس کا بدترین اندیشہ اس کی زبان پر آ ہی گیا تھا۔

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "تم واقعی ایک کامیاب سیکرٹ ایجنٹ کی طرح سوچ رہے ہو۔ ایسے لوگ اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے اور کبھی دھوکا نہیں کھاتے۔"

"اب تم خرافات بک رہے ہو۔" وہ یکایک مشتعل ہوگیا۔ "مجھے اپنی ولدیت پر کوئی شبہ نہیں بلکہ فخر ہے۔ تم نے اب کوئی گالی دی تو میں نتائج کی پروا کیے بغیر تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔"

وہ غصے میں آیا تو میں فوری طور پر دھیما پڑ گیا۔ "میری بات کو غلط مت سمجھو۔ میں نے گالی نہیں دی، یہ مثال دی تھی کہ بعض لوگ اپنے باپ کو بھی اپنے رازوں میں شریک نہیں کرتے۔"

"اب ماں باپ کی ایسی کوئی گندی مثال نہ دینا۔" وہ غرایا۔ "اپنا تعاقب ہوتے دیکھ کر تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ہم لوگ یہاں بالکل ہی بے سروسامان نہیں ہیں۔ اپنی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو بے رحمی سے توڑ سکتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "ایسی تیاریوں کے بغیر ڈینی سے نجات نہیں حاصل کی جا سکتی۔"

میں نے دانستہ اس کی دکھتی رگ چھیڑی تھی۔ اپنی قوت کا فرعونی دعویٰ کرتے ہوئے وہ بھول گیا تھا کہ ڈینی کی تلاش میں بھارتی اور امریکی ایک مدت سے خاک چاٹتے پھر رہے تھے۔

"اوبرائن واشنگٹن سے آنے والی ہدایات پر ڈینی کے معاملے سے الگ ہوگیا ہے مگر یہ اس کی انا کا سوال بنا ہوا ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس نے معتدل لہجے میں بولنا شروع کیا۔ "امریکیوں

کے پاس ڈینی کا ایک قلمی خاکہ موجود ہے' اس کے فنگر پرنٹس والا گلاس تم بلیکی کے حوالے کر چکے ہو' ڈینی کی آواز اوبی نے ٹیپ کر لی ہے۔ پورا جال تیار ہے۔ واشنگٹن والے بہت جلد مائیکروبگ کی کھیپ بھیج دیں گے۔ اس بار وہ خبیث شخص ہرگز نہیں بچے گا۔"

"مجھ سے میرے حصے کا کام لیا جا چکا ہے' اسی لئے تم نے مجھ سے اکھڑی اکھڑی باتیں شروع کی ہیں۔" میں نے اس کی پوری بات سن کر تلخی سے کہا۔ "تم خود ہی ڈینی کا کام تمام کر لو گے۔"

"میں اپنا طریقۂ کار نہیں بدل سکتا۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "میرے مشن میں تمہارا کردار بہت اہم ہے۔ تمہیں ایس ٹی ایف کے ٹھکانے پر مائیکروبگ پھیلانے ہیں جو ڈینی کے ساتھ ایس ٹی ایف کی بربادی میں بھی ہماری مدد کریں گے۔"

"تم نے اپنی باتوں سے میری سوئی ہوئی انا کو بھی بیدار کر دیا ہے' تمہارا کوئی مطالبہ تھا تو دھن راج کو پہلے ہی مجھے آگاہ کر دینا چاہیے تھا۔ اب میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

دھن راج صرف رابطے کا آدمی ہے۔ اسے میرے طور طریقوں کا ذرا بھی علم نہیں ہے۔ میں نے شاید تمہیں نہ بتایا ہو۔ تقسیم سے پہلے میرے والدین بھی عمر کوٹ میں رہتے تھے۔ نئی سرحدیں بننے کے برسوں بعد دھن راج عمر کوٹ میں پیدا ہوا' میری جائے پیدائش اودے پور ہے۔ یہاں تعینات ہونے کے بعد میں پرانے حوالوں سے پہلی بار اس سے ملا ہوں۔"

"یہ تمہارے اور اس کے معاملات ہیں ورنہ مجھے اسی سے رابطہ رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔"

"اب بھی وہی طریقۂ برقرار رہے گا۔ میں تم سے براہِ راست زیادہ میل جول رکھ کر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ تم کل تک سوچ سمجھ لو پھر دونوں باتیں اسے بتا دینا۔"

"اسے علم ہے کہ ہم دونوں یہاں ملے ہیں۔" میں نے عارضی طور پر بات ٹل جانے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے' روا روی میں پوچھا۔

"نہیں' تم بھی اس سے ذکر نہ کرنا۔ اسے ملال ہو گا کہ اس کے ہوٹل سے اتنے قریب ہونے کے باوجود میں اس سے ملنے نہیں گیا۔ میں کسی کی بلا وجہ دل آزاری سے ڈرتا ہوں۔"

چند لمحوں پہلے میرے ذہن میں سر ابھارنے والا خیال ایک مرتبہ پھر زور مارنے لگا۔ میری اور میجر بخشی کی وہ ملاقات خفیہ تھی۔ اگر کسی کو اس پروگرام کا علم بھی تھا تو اس کی خادمہ گواہی دے سکتی تھی کہ میں نے میجر بخشی کے نکل جانے کے بعد ملاقات کی منسوخی کے لئے فون کیا تھا۔

بیم گن کے ذریعے میں میجر بخشی کو وہاں بیٹھے بیٹھے' لمحہ بھر میں موت کی گہری نیند سلا سکتا تھا۔ اس کے دل میں ایک ننھا سا سوراخ ہوتا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر اپنی کرسی پر اسی طرح بیٹھا رہ جاتا۔ کسی کو شبہ تک نہ ہوتا کہ اسے قتل کر دیا گیا تھا۔

اس آسان ترین واردات میں سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ بیم گن کا استعمال امریکیوں کی نظر سے پوشیدہ نہ رہتا۔ چھان بین شروع ہو جاتی کہ میجر بخشی کی میز پر اس شام کس وضع قطع کا آدمی دیکھا گیا تھا۔ اس تجسس کے نتیجے میں نیویارک والی جینی کے بنوائے ہوئے اس غلط خاکے کی پوزیشن مشکوک ہو جاتی جس پر اوبرائن اور اس کے چیلے ناز کر رہے تھے۔

بجلی کی سی سرعت سے میرے ذہن میں ایک متبادل خیال بھی کوندا۔ وہ ملاقات ختم کر کے میں کلب کے احاطے سے باہر ٹیکسی میں رک کر اس کی روانگی کا انتظار کرتا اور پھر موقع پا کر اسے راستے سے اغوا کر کے اسٹیشن فور پہنچانے کی کوشش کرتا۔

عملی طور پر سہل نظر آنے والی وہ دونوں صورتیں جتنی تیزی سے میرے دماغ میں ابھری تھیں' اتنی ہی پھرتی سے میں نے انہیں خود مسترد کر دیا۔

مجھے ایک نجی ملاقات پر مدعو کر کے میجر بخشی نے ایک سنگین خطرہ مول لیا تھا اور وہ اپنا مقصد بھی حاصل نہیں کر سکا تھا۔ اگر میں اس کے خلاف کوئی کارروائی کر گزرتا تو وہ ضرور جہنم واصل ہو جاتا مگر میں اپنے دشمنوں سے ہر رابطہ توڑ لیتا۔

میجر بخشی کی پراسرار روپوشی اور بعد ازاں موت پر اوبرائن سے دھن راج تک' ہر شخص کے دماغ میں لامحالہ یہ سوال سر ابھار سکتا تھا کہ ڈینی کے دشمنوں میں سے جو شخص بھی کرنل جمال دستی کے رابطے میں آتا ہے' مارا جاتا ہے یا مصائب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

یہ سوال میری حیثیت پر بری طرح اثرانداز ہو سکتا تھا۔ وہ لوگ ڈینی کو بھول کر فوری طور پر مجھے پکڑنے اور پھر تھرڈ ڈگری کے ذریعے میری اصلیت اگلوانے کے منصوبے کو روبہ کار لا سکتے تھے۔ ان خطرات سے اپنے بچاؤ کے لئے مجھے ایک مرتبہ پھر زیر زمین جانا پڑ جاتا۔

وہ ایک طویل تجزیہ تھا لیکن قدرت نے انسانی ذہن کے نہاں خانوں میں تخیل کی ایسی قوتیں محفوظ کی ہوئی ہیں کہ ماضی' حال اور مستقبل کے برسوں پر مشتمل واقعات یا اندازوں کی ریل چند لمحوں میں سرعت سے چل جاتی ہے اور سب کچھ سامنے آ جاتا ہے۔

میجر بخشی کو اندازہ تک نہیں ہو سکا کہ اس کے نرم دلی کے اعلان نے میرے ذہن میں کوئی ہلچل پیدا کی تھی۔ میں نے بظاہر کسی توقف کے بغیر کہا۔ "دل آزاری اور دل شکنی کرنا سب سے بڑی بربریت ہے لیکن تم نے گفتگو کی ابتدا میں میرے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔"

"تم ابھی تک اسی کو لئے بیٹھے ہو۔" وہ کھوکھلی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "تم نے میرے دو بے ضرر سوالوں کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے تو میں فی الحال انہیں بھول سکتا ہوں۔ کسی نہ کسی وقت تم کو میری بات کی معقولیت کا یقین آ جائے گا۔"

میں نے اس کی مکاری پر کوئی تبصرہ کئے بغیر کہا۔ "چند روز مہلت دینے کے مقابلے میں تمہارا یہ موقف زیادہ بہتر اور میرے لئے باعزت ہوگا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمہارا موڈ بہتر ہوگیا۔ اب مائیکرو بگ آجانے پر تم سے ملاقات ہوگی تو ہم زیادہ خوش گوار ماحول میں گفتگو کر سکیں گے۔"

"پہلے اوبرائن مجھے اپنے ماسٹر پلان کے لئے کوئی کردار دینا چاہ رہا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ اب تمہاری وجہ سے میری سرگرمیاں ڈینی کی سرکوبی تک محدود رہیں گی۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "اس خیال میں نہ رہنا۔ ہمیں مل جل کر ہی اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے جس پر اوبرائن بہت عرق ریزی سے کام کر رہا ہے۔ فرق صرف یہ پڑا ہے کہ اس کی توجہ بڑے مقاصد پر مرکوز رہے گی۔ ہم اس کی راہ صاف کرتے رہیں گے۔"

"چین کے مقابلے میں عظیم ترا ئیشیائی ریاست کے بارے میں ابھی تک کھل کر کوئی بات نہیں ہوئی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم ہی نے کہا تھا کہ وہ پروگرام اوبرائن کے ذمے ڈال دیا گیا ہے۔"

"وہ عارضی بندوبست ہے۔ زخمی درندے کو مارنے کے لئے کبھی کبھی بڑے شکاری کی جان خطرے میں نہیں ڈالی جاتی۔ اسے گھیر گھار کر دوسرے مار لیتے ہیں۔ ڈینی کا پتا صاف ہو جائے تو ہم بھی کھل کر میدان میں آجائیں گے۔ اس کے بعد ایس ٹی ایف کی کمر خود بہ خود ٹوٹ جائے گی۔"

وہ میجر بخشی کا پسندیدہ موضوع تھا۔ وہ دیر تک بولتا ہی چلا گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ چین کے مقابلے میں عظیم ترا ئیشیائی ریاست' اتحاد یا الحاق کے خواب کو اس کے ملک میں اکھنڈ بھارت کے نظریئے کے طور پر پورے زور و شور سے پروان چڑھایا جا رہا تھا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان فنون' کھیل کود' ثقافت اور اخوت کے نام پر بنی ہوئی متعدد انجمنوں کے بڑے بڑے اور رنگا رنگ اجتماعات میں کھل کر شرکا کی برین واشنگ کی جاتی تھی۔ ایسے اجتماع بھارت میں ہی نہیں' پاکستان کے بڑے شہروں میں بھی ہوتے رہتے تھے۔

برصغیر کے نقشوں پر سازشی انگریز کی لگائی ہوئی غیر فطری سرحدوں کے خاتمے کے نتیجے میں سنہرے سپنے دکھائے جا رہے تھے۔ بھارت کی وسیع منڈی پاکستانی اجناس اور مصنوعات کے خیر مقدم کے لئے تیار تھی۔ وہاں کے زرعی' آبی اور برقی وسائل پاکستان کو فیض پہنچانے کے لئے ہر وقت تیار تھے۔ ہندی عوام پاکستانی شاعروں اور اداکاروں کو سننے کے لئے بے چین تھے۔ بھارت میں ان کے اعزاز میں ایسی خواب ناک اور بڑی تقریبات منعقد کی جاتی تھیں جن کا پاکستان میں تصور بھی ممکن نہیں تھا۔

پاکستان سے جانے والے بعض چھچھورے مشاہرین کے معدوں میں جب بھارتی شراب بھر کر حلق تک مرغن غذائیں ٹھونس دی جاتی تھیں تو خوشامدی سامعین کی واہ واہ کے شور میں یہ مشاہرین وہی بولی بولنے لگتے تھے جو ان کے میزبان چاہتے تھے۔ واپسی پر ایسے لوگ پاکستانی عوام میں بھارت کے سفیر اور ڈھنڈورچی بن جاتے تھے۔ کہیں سے کوئی لعنت ملامت ہوتی تو معذرتوں اور وضاحتوں کے سہارے اپنے دامن کے داغ دھونے کی کوشش کرتے تھے۔

کام پورے زور و شور سے ہو رہا تھا مگر اس کی تشہیر نہیں کی جاتی تھی تاکہ مخالف قوتوں کو اس محاذ سے یکسر بے خبر رکھا جا سکے۔

اس تخریبی منصوبے میں این جی اوز یا غیر سرکاری تنظیموں سے بھی بھرپور کام لیا جا رہا تھا۔ بعض اداروں کو امریکا اور بھارت کی سرپرستی حاصل تھی مگر بڑی تعداد ایسی تنظیموں کی تھی جنہیں ان دونوں ممالک کے ایما پر بین الاقوامی اداروں اور حکومتوں سے بھاری امداد مل رہی تھی۔

مجھے اچھی طرح علم تھا کہ چند فعال اور سرگرم تنظیموں کے سوا بقیہ تمام این جی اوز کاغذی وجود کی مالک تھیں۔ بھاری رقوم اعلیٰ عہدیدار ہڑپ کر جاتے تھے۔ کچھ پیسہ عملے کی تنخواہوں اور نام نہاد دفتری انتظام پر خرچ ہوتا تھا اور اگلے برس کے لئے خوبصورت الفاظ اور حروف میں فرضی کارکردگی کی ضخیم مگر بے بنیاد رپورٹیں داخل کر دی جاتی تھیں۔

ملک کے دور دراز' دشوار گزار اور پس ماندہ علاقے ملک دشمن این جی اوز کو مرغوب ترین میدان عمل فراہم کرتے تھے۔ کیونکہ چھوٹے سرکاری اہل کار بھی ان علاقوں کا رخ کرنے کی زحمت نہیں کرتے تھے۔ وہاں کے باسیوں کے احساس محرومی کو بھڑکا کر چھوٹے موٹے امدادی کاموں کے ذریعے ایک خاص سوچ کو پروان چڑھایا جا رہا تھا۔

میجر بخشی کی کہی ہوئی بعض باتیں میرے لئے نئی نہیں تھیں۔ کئی برس پہلے میں نے سندھ کے اندرونی علاقوں میں ملا سرکار کی ہولناک سرگرمیوں کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ اس وقت امریکا کھل کر پاکستان کی مخالفت نہیں کرتا تھا' نہ عظیم ترا ئیشیائی ریاست کا کوئی منصوبہ وجود میں آیا تھا۔ ملا سرکار بے روزگار قوم پرست نوجوانوں کو مہلک ہتھیار فراہم کر کے لوٹ مار اور لاقانونیت پر اکسا رہا تھا۔ ایسے جتھوں کی سرپرستی کر کے وہ حکومت کے وجود کو ایک مذاق بنانے کے لئے کوشاں تھا لیکن ستارے پاکستان پر مہربان تھے۔ وہ ہولناک مقابلوں کے بعد آخر کار سکھر کے قریب' دریائے سندھ میں اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا تھا۔

میجر بخشی کے تیور بھی وہی تھے مگر مقاصد بدلے ہوئے تھے۔ اس کی توجہ دیہی سے زیادہ شہری آبادی پر تھی جو تعلیم یافتہ ہونے کے سبب شورش یا غلغلہ پیدا کرنے کی قوت بھی رکھتی تھی۔

میجر بخشی کی وہ تقریر طویل ہونے کی وجہ سے میں خاصی تاخیر

سے وہاں سے اٹھا۔ وہ ہندو تھا اور مزے سے کلب کے لان پر بیٹھا شراب نوشی کر رہا تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود میں نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ جوس کے دو گلاس خالی کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہوگیا۔

میں نے اس بات پر خاص طور سے نظر رکھی تھی کہ کلب سے واپسی پر اس بار میری ٹیکسی کا تعاقب نہیں کیا گیا۔

اسٹیشن فور پر چاروں بے چینی سے میرے منتظر تھے۔ میری صورت دیکھتے ہی اول خان نے ایک آدمی کو فیلڈ میس روانہ کردیا تاکہ کھانا کمرے میں پہنچا دیا جائے۔

میجر بخشی کے ساتھ میری اچھی خاصی ذہنی آویزش ہوئی تھی۔ اس میں کچھ کٹھن لمحات بھی آئے تھے مگر پوری مشق کا خلاصہ بہت مختصر تھا۔

میرے خلاف وہ سب ہم زبان ہوگئے۔ ان کا خیال تھا کہ بایاں بازو زخمی ہونے کے بعد میرا حوصلہ کچھ پست ہوگیا تھا ورنہ مجھے جارحانہ انداز میں میجر بخشی کو جہنم واصل کردینا چاہیے تھا۔

کھانے کے دوران بھی وہ بحث چلتی رہی۔ ان کا خیال تھا کہ دشمنوں کے تازہ ترین عزائم پوری طرح سامنے آچکے تھے، اہم ترین مہرے ہماری نظروں میں تھے۔ انہیں ہراساں کرنے کے لئے میجر بخشی کی ہلاکت بہت اہم ثابت ہوسکتی تھی۔ انہیں میرے اوپر شبہ ہوتا تو میں دوبارہ غائب ہوجاتا۔ اوبرائن، کرنل جمال دستی کے خلاف اپنی شکایت واپس لینے کے بعد سرکاری سطح پر کوئی کارروائی نہیں کرسکتا تھا۔

میں سر جھکائے کھانے میں مشغول رہا اور خاموشی سے ان کی تنقید سنتا رہا۔

وہ چاروں اس سنگین حقیقت کو نظرانداز کر رہے تھے کہ سرطان کی رسولی کے ساتھ اس کی جڑیں بھی نہ نکالی جائیں تو مرض دوبارہ زیادہ شدت اور تیزی سے نمودار ہوتا ہے۔ اوبرائن ڈی ہنٹ، میجر بخشی اور دھن راج کے دوسرے اہم ساتھیوں کا سراغ لگانا ضروری ہوگیا تھا۔ کسی اوچھے یا قبل از وقت ہونے والے وار سے وہ سب ہوشیار ہوکر اس طرح روپوش ہوتے کہ ان تک پہنچنا ناممکن ہوجاتا۔

"آخر تم کچھ کیوں نہیں بولتے؟" میری طول پکڑتی ہوئی خاموشی سے جھلا کر ویرا میرے اوپر برس پڑی۔ "تم نے کیا سوچ کر اس موذی کو زندہ چھوڑا ہے؟"

"تم چاروں کے عالمانہ اتفاق رائے کے بعد میں دل ہی دل میں اپنی غلطی پر نادم ہو رہا ہوں۔" میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "آئندہ موقع ملا تو میں اپنی اس غلطی کا ازالہ کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔"

"تم جھوٹے اور مکار ہو۔" ویرا کا پارہ چڑھنے لگا۔ "تمہاری مسکراہٹ چغلی کھا رہی ہے کہ تم کوئی اہم بات ہم چاروں سے چھپا رہے ہو۔"

"عجیب مشکل ہے۔" میں نے اپنا سر جھٹک کر بے چارگی سے کہا۔ "کلب میں جو کچھ ہوا، میں نے بلا کم و کاست دہرا دیا۔ تم سب مل کر مجھ پر الزام تراشی کر رہے ہو۔ میں غلطی کا اعتراف کر رہا ہوں تو تم اسے بھی ماننے پر تیار نہیں ہو۔ آخر تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"کھانا کھالو پھر میں تم سے علیحدگی میں کچھ باتیں کروں گی۔" اس نے غرا کر کہا۔

بیک وقت میری اور غزالہ کی نظریں چار ہوئیں۔ ویرا کی دھمکی پر اس کی آنکھوں میں معنی خیز چمک ابھر آئی تھی۔ میں اس کا کوئی مفہوم نہیں سمجھ سکا۔

میں نے ویرا کی دھمکی کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ میرا خیال تھا کہ کھانے کے بعد باتوں میں الجھ کر وہ سب کچھ بھول جائے گی مگر وہ بہت سنجیدہ تھی۔ کھانے سے فارغ ہوکر خاموشی سے منتظر رہی اور جب میں بھی نمٹ گیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آؤ!"

اس کے خشک اور تحکمانہ لہجے پر میں پریشان ہوگیا۔ "تنہائی کی کیا ضرورت ہے؟ جو بات کرنی ہے، یہاں بیٹھ کر کرو۔"

"یہ تمہارے لئے سود مند نہیں ہوگا۔" اس کا لہجہ تلخ ہوگیا۔
"بس یہ سمجھ لو کہ اس وقت میں ویرا لائیڈ نہیں، بلیک کوئن ہوں۔"

میری پیشانی پر ٹھنڈک سی تیر گئی۔ اس نے میرے اور اپنے مراسم کے ابتدائی دور کا حوالہ دیا تھا۔ وہ میری گمراہی اور کج روی کا زمانہ تھا۔ ویرا ہمارے اوپر حاکم تھی اور مجھ کو پسند کر بیٹھی تھی۔

ایسے میں وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ میں فتح مندی کے جذبات کی روانی میں بہہ کر ویرا کے اشاروں کا اسیر ہو گیا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس نے مجھے زیر کرلیا ہے اور مجھے فخر تھا کہ میں نے شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی اکلوتی بیٹی کو اپنی وجاہت سے شکار کرلیا ہے۔

غزالہ گہری دلچسپی سے ہم دونوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ اول خان نے شاید میرے چہرے کی کیفیات سے میری پریشانی کا اندازہ لگا لیا اور بزرگانہ انداز میں مشورہ دیا۔ "ضد مت کرو۔ سن لو کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہے۔ وہ بھی تمہاری خیر خواہ ہے۔"

غیر ارادی طور پر میری اجازت طلب نظریں غزالہ کی طرف مرکوز ہوئیں اور اس نے پھرتی سے اپنا سر جھکا لیا۔ اس کی چشم پوشی سے مجھے گمان ہوا کہ اسے ویرا کا مطالبہ پسند نہیں آیا تھا۔ غزالہ کا وہ رویہ غیر معمولی تھا۔ عام طور پر وہ ویرا کو غیر معمولی ڈھیل دیتی رہتی تھی مگر اس وقت بدلی بدلی اور کچھ بدگمان سی نظر آرہی تھی۔

مجبوری کے عالم میں میں ویرا کے پیچھے ہولیا۔ کمرے سے نکلتے نکلتے ویرا نے مڑ کر کہا۔ "دروازہ بند ہوگا مگر میں اسے بولٹ نہیں کروں گی۔ آج مجھے کچھ فیصلہ کن باتیں کرنی ہیں۔"

میں نے دیکھا کہ غزالہ اسے کسی مجروح شیرنی کی سی غضیلی نظروں سے گھور رہی تھی۔

عورتوں کے لئے مخصوص کئے ہوئے کمرے میں پہنچ کر ویرا نے دروازہ بند کیا۔ وہیں رک کر اضطراری انداز میں سگریٹ سلگائی اور ایک گہرا کش لے کر سپاٹ سی آواز میں مجھ سے بولی۔ "ہونق کی طرح کھڑے کیوں ہو؟ کرسی پر بیٹھ جاؤ!"

مجھے حیرت ہوئی کہ اس کمرے میں پہنچتے ہی ویرا کا غصہ کافور ہوگیا تھا اور وہ کچھ مضطرب نظر آنے لگی تھی۔ میں نے کوئی سوال کرنے کے بجائے اسی کے کھلنے کا انتظار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

اس نے اپنے سینے میں اتارا ہوا کثیف دھواں ناک سے خارج کرتے ہوئے فرش پر داہنی جوتی کی نوک سے ہلکی سی بے مقصد ٹھوکر لگائی پھر پلنگ کے سرہانے آ بیٹھی۔

"سگریٹ پیو گے؟" چند ثانیوں تک خالی خالی نظروں سے میرا چہرہ تکنے کے بعد اس نے پوچھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے اپنی انگلیوں میں دبی ہوئی سگریٹ میری طرف اچھال دی۔ میں نے سلگتی ہوئی سگریٹ ہتھیلی میں لپک کر پھرتی سے انگلیوں میں منتقل کرلی۔

ویرا بے چینی کے عالم میں پلنگ سے اتر گئی اور کھڑے کھڑے پیکٹ سے نکال کر اپنے لئے دوسری سگریٹ سلگانے لگی۔ میں حیران تھا کیونکہ میں نے اس کھلنڈری عورت کو کبھی بھی ایسے گمبھیر اور فکرمندانہ موڈ میں نہیں دیکھا تھا۔ میرے دل میں کئی سوال مچل رہے تھے مگر میں نے اپنے ہونٹ سی لیے تھے۔

"تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت میں تم سے کیا بات کرنے والی ہوں؟" نئی سگریٹ سے کش لے کر، ٹہلتے ہوئے پورا دھواں خارج کر کے اس نے ایک طویل سکوت کے بعد پوچھا۔

"شاید تمہیں میجر بخشی کے زندہ بچنے سے زیادہ صدمہ پہنچا ہے۔"

اس نے حقارت سے ہونٹ سکیڑ کر اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور کہا۔ "اپنے فیصلوں کے بارے میں تم زیادہ بہتر جانتے ہو۔ میں نے وہ موضوع تخلیئے کے بہانے کے لئے چھیڑا تھا۔"

میرے کان کھڑے ہوگئے۔ رگوں میں خون کا دوران یک بیک تیز ہوگیا۔ اپنے کسی انجانے خوف کو دباتے ہوئے میں نے ہلکی سی مصنوعی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "اور تم تخلیئے میں سگریٹ پینا چاہتی تھیں۔"

وہ پلٹ کر میرے روبرو آ کھڑی ہوئی۔ "تمہاری یہی بے رحمی اور سفاکی مجھے مارے جارہی ہے۔"

میں بوکھلا گیا۔ "پتا نہیں آج تمہیں اچانک کیا ہو رہا ہے۔ ایسا مذاق تو ہم ہمیشہ کرتے رہے ہیں۔"

"میں مدت سے سب کچھ بھولی ہوئی تھی مگر اسٹیشن فور کے پر ہول حصار میں ہم سب ہر وقت ایک دوسرے کے سر پر سوار رہتے ہیں۔ تمہارے اور غزالہ کے سوا کسی کو دو لمحے کے تخلیئے کی بھی آزادی نہیں ہے۔ میرے لئے یہ ماحول اعصاب شکن ہے اور آج میرے اندر سوئی ہوئی عورت جاگ اٹھی ہے۔"

"پلنگ پر آرام سے بیٹھ جاؤ اور سکون سے بات کرو۔" اس کی کیفیت کا اندازہ ہونے پر میں نے نرمی سے کہا۔ "شاید آج سلطان شاہ نے تمہاری دل آزاری کی ہے۔ وہ من چلا آدمی ہے۔ تم اس کی باتوں پر اتنی جذباتی کیوں ہو رہی ہو؟"

اس نے بہت خفیف سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ میری پوری بات سنی اور پھر بولی۔ "وہ معصوم آدمی ہے۔ میرا دل تم نے خون کیا ہے....."

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔ "ویرا! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں ہر وقت تمہارا دھیان رکھتا ہوں۔"

"ڈینی! یہ مت بھولو کہ کبھی میں تمہارے دل سے بہت قریب تھی۔" اس کی آواز میں اداسی تیرنے لگی۔ "اور آج تم بھول کر بھی ان گزرے ہوئے دنوں کو یاد نہیں کرتے۔"

"ویرا! ایسی باتیں مت کرو۔" میں نے احتجاج کیا۔ "تم آج بھی مجھے بہت زیادہ عزیز ہو۔ شاید غزالہ بھی یہ بات اچھی طرح جانتی ہے اور ہماری طرف سے چشم پوشی اختیار کئے رہتی ہے۔"

"وہ ہر وقت تم پر اپنا حق جتا کر میرے سینے میں ایک آگ سی بھڑکاتی رہتی ہے۔" ویرا کی آواز سخت اور منتقمانہ ہوگئی۔ "دو روز پہلے کی باتیں شاید تمہیں یاد ہوں۔ میں پی رہی تھی اور میرے مشورے پر تم غزالہ کو ساتھ لے کر تاروں بھرے آسمان کی چھاؤں

میں دیر تک باہر چہل قدمی کرتے رہے تھے۔ میں اپنے کمرے کی روشنیاں گل کر کے بھیگی ہوئی حسرت زدہ آنکھوں سے تم دونوں کے ہیولے دیکھتی رہی۔ تمہاری واپسی پر میں بہت مایوس اور دل گرفتہ تھی......"

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہاری یہ سب باتیں درست ہیں لیکن تمہیں سوچنا چاہیے کہ غزالہ نے کتنے کھلے دل کے ساتھ ہم دونوں کو امریکا جانے کی اجازت دی تھی۔ وہاں کے شب و روز یاد کرتا ہوں تو خود کو غزالہ کے سامنے بونا محسوس کرنے لگتا ہوں۔ وہاں کشت و خون کے درمیانی وقفوں میں میں تمہاری ناز برداریوں کے سوا اور کیا کرتا رہا تھا؟"

"وہاں بھی تم موٹی جینی کے چکر میں پڑے رہے تھے۔" اسے گویا ہربات ازبر تھی۔

"میں کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ جینی کے بارے میں زیادہ مت سوچا کرو۔ تم ایسی تصوراتی دنیا میں کھوئی رہتی ہو جہاں تم از خود اپنی کوئی نہ کوئی حریف تخلیق کرلیتی ہو۔"

"غزالہ میرے وہم کی تخلیق نہیں ہے۔ اسے تم نے خود تلاش کیا تھا۔"

"تمہیں اس کا احترام کرنا چاہیے۔ اب وہ میری بیوی ہے۔" میں نے قدرے سختی سے کہا۔

"سچ بات یہ ہے کہ اسے میں تمہاری خوشی کی خاطر برداشت کرتی ہوں ورنہ اسے بنے سنورے دیکھ کر میرے سینے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔"

"ویرا! تم حد سے تجاوز کر رہی ہو۔ میں اسے تمہارے خلاف بدکلامی کی اجازت نہیں دیتا تو تمہاری زبان سے ایسی نازیبا باتیں کیسے برداشت کر سکتا ہوں؟"

"اس سپاٹ ویرانے میں رہ رہ کر میرا دماغ الٹا جارہا ہے۔ دن رات وردیوں میں ملبوس، ایک جیسے چہرے دیکھ دیکھ کر میری طبیعت اکتا گئی ہے۔ تم نے مجھے جلد ہی یہاں سے نہ نکالا تو میں کسی بھی وقت خاموشی سے اسٹیشن فور چھوڑ دوں گی۔"

"شہر کا رخ کرتے ہی تم اپنے دشمنوں کے ہتھے چڑھ جاؤ گی۔" میں نے اسے خوفزدہ کرنا چاہا۔ "ان کے پاس تمہارا پورا ریکارڈ موجود ہے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ جب میرا دماغ سنک جاتا ہے تو میں بڑے سے بڑے خطرے کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ بعد میں جو ہوگا، دیکھ لیا جائے گا۔"

"یہ بتاؤ کہ تم مجھے بھری محفل سے اٹھا کر اس کمرے میں کیوں لائی تھیں۔"

میرے سوال پر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "میں غزالہ کو دکھانا چاہتی تھی کہ تم پر میرا بھی کچھ حق ہے۔ میں ہر وقت کڑھتی رہتی ہوں، اس وقت وہ سلگ رہی ہوگی۔"

"وہ بہت قناعت پسند اور صابر و شاکر لڑکی ہے۔ تم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔"

"میرے دل میں بہت غبار جمع ہوگیا تھا۔ میں اس وقت تمہارے سامنے اپنی بھڑاس نہ نکالتی تو کسی وقت غزالہ سے لڑ پڑتی اور تم مجھ سے خفا ہوجاتے۔"

میں بعض معاملات میں ویرا کی خود غرضانہ سوچ سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس سے کچھ دیر تک بات کرنے کے بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ اس کی سوچ میں فتور کی داغ بیل اسی رات پڑی تھی جب وہ تنہا بیٹھی مے نوشی کررہی تھی اور میں نے غزالہ کے ایما پر اس کی پیشکش مسترد کردی تھی۔ میرے اس انکار پر ویرا نے شاید استہزائیہ انداز میں مجھے غزالہ کے ساتھ کھلی فضا میں چہل قدمی کرنے کا مشورہ دیا تھا اور میں نے پورے خلوص سے اس کے مشورے پر عمل کر ڈالا۔

ویرا ہمیں دیکھ دیکھ کر اپنی تنہائی پر کڑھتی رہی اور تلخ سیال اپنے معدے میں انڈیلتی رہی۔ نشے کی حالت میں ہر شخص ضرورت سے زیادہ حساس اور جذباتی ہوجاتا ہے۔ وہ تو ویرا تھی۔ غزالہ کے خلاف اس کی ساری حسرتیں گرہیں بن کر اس کی کھوپڑی کے کسی حصے میں پیچ ڈالتی رہیں۔

ہماری واپسی پر اس نے تنہائی میسر آتے ہی میرے ساتھ خاصی تلخ نوائی کی تھی جسے میں نے ویرا کے نشے کی جھونک سمجھ کر ٹال دیا اور غزالہ کو اس کے ساتھ چھوڑ کر اسٹیشن فور کی مردانہ خواب گاہ میں چلا آیا۔

غزالہ نے اگلے دن مجھ سے ویرا کے بارے میں کوئی شکایت نہیں کی لیکن ویرا کے پھٹ پڑنے کے بعد میرے لئے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ میرے چلے جانے کے بعد ویرا نے غزالہ کے ساتھ ضرور زہرافشانی کی ہوگی۔ غزالہ نے اپنے طور پر اس سے نمٹ لیا۔ شاید اس کوشش میں اس نے تلخ و ترش باتیں بھی کی ہوں جو ویرا کے بغض میں اضافے کا سبب بن گئیں۔

وہ رات گزر گئی، ویرا کا نشہ بھی اتر گیا مگر اس کے دل و دماغ پر چھایا ہوا غبار صاف نہیں ہو سکا۔ وہ دو دنوں سے مسلسل اسی بارے میں سوچتی رہی اور آخر کار مجھ سے الجھ بیٹھی۔

یہ غنیمت ہوا کہ میں اس کے مطالبے پر الگ کمرے میں چلا آیا تھا۔ صاف انکار کردیتا تو وہ شاید ماضی کے حوالے سے غزالہ اور دوسروں کے سامنے ایسی باتیں چھیڑ دیتی جو وقت گزر جانے کے بعد میرے لئے کسی بھی طرح قابل فخر نہیں ہوسکتی تھیں۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر ویرا کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "تم آج بھی مجھے عزیز ہو۔ میں تم سے خفا نہیں ہو سکتا۔ تم نے پہلے ہی مجھ سے بات کرلی ہوتی تو دو روز تک جلتی بھنتی نہ رہتیں۔"

"یہاں بات کرنے کا موقع کہاں ملتا ہے؟ ذرا سی دیر کے لئے

تمہیں اس کمرے میں لائی ہوں تو ان تینوں کے کان دیواروں سے لگے ہوئے ہوں گے۔ میں تم سے.....“

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

ویرا نے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ ملامت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا۔ ”دیکھ لیا.... ہماری خلوت کسی کو برداشت نہیں ہے۔“

اس طنز کے بعد ویرا نے اونچی آواز میں کم اِن کہا اور اول خان دروازہ کھول کر اندر آگیا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔

”غنیمت ہے کہ یہاں کا ماحول مصالحانہ ہے۔“ اس نے تعریفی لہجے میں کہا۔ ”میں اپنی بے جا مداخلت کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اسی وقت شہر روانہ ہو رہا ہوں۔ دھن راج کے ہوٹل سے روانہ ہونے والی ایک مشتبہ گاڑی کا تعاقب کرنے والا میرا ایک آدمی اچانک ہی اسٹیشن فور سے کٹ گیا ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔“

اس کے وہ فقرے مبہم تھے۔ میں نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ”جانے سے پہلے اتنا ضرور بتادو کہ اسٹیشن فور سے کٹ جانے کا کیا مطلب ہے۔“

”وہ موٹر سائیکل سوار ہے۔ ٹرانسمیٹر پر ہمارے کنٹرول روم کو مسلسل رپورٹ دے رہا تھا۔ ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ دس منٹ سے یہ رابطہ ٹوٹا ہوا ہے۔ کنٹرول روم والے مسلسل اسے پکار رہے ہیں مگر وہ خاموش ہے۔“

وہ معاملہ سنگین تھا۔ اول خان کی بتائی ہوئی صورتِ حال کا ایک ہی مقصد تھا کہ وہ کسی حادثے کا شکار ہو کر ہلاک یا بے ہوش ہو چکا ہے۔

وہ وحشت ناک خبر سن کر کہ ہم دونوں بھی اول خان کے ساتھ اس کمرے سے نکل آئے۔ اس کی گاڑی وہیں آگئی تھی۔ وہ ہم سے رخصت ہو کر شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔

موٹر سائیکل سوار قربان علی کے بارے میں وہ پُرتشویش خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے اسٹیشن فور میں پھیل گئی تھی اور ہر شخص اپنے ساتھی کی خیریت کے بارے میں فکر مند تھا۔

عملی طور پر ہم لوگ اس ٹھکانے پر موجود ہونے کے باوجود ایس ٹی ایف کے روز مرہ کے کاموں میں ذرا بھی دخیل نہیں ہوتے تھے مگر قربان علی کا معاملہ مجھے کچھ زیادہ ہی سنگین نظر آرہا تھا۔ میں سلطان شاہ کو ساتھ لے کر صورتِ حال جاننے کے لیے کنٹرول روم کی طرف چل دیا۔

راستے میں بچل شاہ ہمیں مل گیا۔ اس سے پتا چلا کہ وہ قصہ واقعی سنگین تھا۔

دھن راج شہر کے ایک مشہور اور بڑے ہوٹل میں رہ رہا تھا۔ وہاں یہ ممکن نہیں تھا کہ چوبیس گھنٹے اس کے کمرے کی نگرانی کی جاسکے۔ پھر بھی قربان علی کو ہوٹل پر مامور کردیا گیا تھا۔ وہ وہاں آنے جانے والے مشتبہ افراد پر نظر رکھتا تھا اور اپنے طور پر یہ سراغ لگاتا تھا کہ وہ ہوٹل کے کس کمرے کے باسی کے مہمان یا ملاقاتی ہیں۔

اپنی حاصل کی ہوئی معلومات وہ لاسلکی ٹرانسمیٹر پر وقفے وقفے سے اسٹیشن فور کے کنٹرول روم کو دیتا رہتا تھا۔ عام طور پر رات کے دس بجے اس کی ڈیوٹی ختم ہوجاتی تھی کیونکہ اس وقت تک دھن راج نشے میں مدہوش ہو کر اپنے کمرے تک محدود ہوجاتا تھا۔

قربان علی کی گزشتہ رپورٹوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ دھن راج سے ملنے کے لیے آنے والوں میں شہر کے بعض اوباش رئیس زادوں کے ساتھ بگڑے ہوئے سرکاری افسران بھی شامل تھے۔ دھن راج کا کمرا دن بھر ان لوگوں کی آماجگاہ بنا رہتا تھا۔ ان کی دل جوئی اور اپنی آمدنی کے لیے شہر کی خوب رو مگر بدنام لڑکیاں بھی دن بھر وہاں آتی جاتی رہتی تھیں۔

ان میں دو لڑکیوں کے نام خاص طور پر نوٹ کیے گئے تھے جو بلا ناغہ ہر شام دھن راج کے کمرے پر پہنچتی تھیں اور قربان علی کی ڈیوٹی ختم ہونے تک بھی ان کی واپسی کے کوئی آثار نہیں ہوتے تھے۔ ان اوقات میں دھن راج تنہا ہوتا تھا یا اس کا ایک اور ہندو دوست موجود ہوتا تھا۔

ان رپورٹوں سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ دھن راج اپنے آقاؤں کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے ان ہی کے آزمودہ حربے استعمال کر رہا تھا۔ شراب و شباب سے سرکاری افسروں کی ضیافت کرکے ان سے اپنے مطلب کی باتیں اگلواتا تھا اور میجر بخشی کو مطلع کردیتا تھا۔

اس شام قربان علی نے پہلی مرتبہ شہر کے دو جرائم پیشہ افراد کو دھن راج کے کمرے میں جاتے دیکھ کر کنٹرول روم کو اطلاع دی تھی۔ وہ دونوں قتل اور منشیات فروشی سے ہتھیاروں کے لین دین تک ہر وہ غیر قانونی کام کرتے تھے جس میں انہیں معقول آمدنی کی توقع ہو۔

وہ بارہا حوالات کی سیر کرتے رہے تھے لیکن نامعلوم وجوہ کی بنا پر ان کے خلاف کبھی کوئی چالان کسی عدالت میں پیش نہیں کیا جاسکا تھا۔ وہ کسی عدالت سے سزایاب ہوئے بغیر بظاہر بے داغ ریکارڈ کے ساتھ اپنی گندی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔

وہ دونوں دھن راج کے کمرے میں تقریباً پون گھنٹا گزار کر واپس چلے گئے۔ رات کے آٹھ بجے وہ دوبارہ ہوٹل کی حدود میں نظر آئے تو ان کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ وہ دونوں محتاط اور چوکنے نظر آرہے تھے۔ ان کے جسموں پر موجود جینز اور ڈھیلی قمیضوں سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کسی مہم پر نکلے ہوئے ہوں۔

وہ خبر ملتے ہی اول خان نے کنٹرول روم کے ذریعے قربان علی کو

پیغام دیا کہ وہ ان دونوں پر کڑی نظر رکھے۔ انہیں ایک لمحے کے لیے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے۔

ان دونوں کی مشتبہ سرگرمیوں کا سراغ لگانے کے لیے اول خان نے عارضی طور پر دھن راج کو نظر انداز کرنے کا بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا۔

دھن راج سے مل کر وہ دونوں جلد ہی واپس آ گئے۔ ان کا رخ ہوٹل کی زیریں منزل پر واقع پارکنگ لاٹ کی طرف تھا۔ قربان علی احتیاط سے ان کے پیچھے ہولیا۔

نیم روشن اور پُراسرار سی پارکنگ لاٹ میں ان دونوں کا تیسرا ساتھی ایک بند جیپ میں بیٹھا ان کی واپسی کا منتظر تھا۔ وہ تینوں جیپ میں فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔

قربان علی کی موٹر سائیکل بھی وہیں موجود تھی۔ چند ثانیوں بعد وہ جیپ کے پیچھے ہولیا۔

سڑک پر پہنچنے تک اس کی تجربے کار نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ جیپ کا پچھلا حصہ کافی جھکا ہوا تھا۔ اس کے دو ہی سبب ہو سکتے تھے۔ جیپ کا پچھلا سسپنشن کمزور تھا یا پھر جیپ میں کوئی وزنی سامان لدا ہوا تھا جس کا تعلق دھن راج سے ضرور تھا۔

اگر وہ لوگ کسی کو قتل کرنے کے لیے جا رہے تھے تو انہیں جیپ میں کوئی توپ لادنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کوئی بھی جدید اور ہلکا پھلکا ہتھیار یہ کام سرانجام دے سکتا تھا۔ جب سے ہیروئن کی وبا پھیلی تھی، منشیات کا دھندا بھی منوں اور ٹنوں سے سمٹ کر محض کلوگراموں تک محدود ہو گیا تھا۔ چند کلو وزنی بریف کیس کے ہیر پھیر میں اتنی رقم کمائی جا سکتی تھی جو چرس وغیرہ کے منوں وزنی تھیلوں کے لین دین میں ہی ممکن تھی۔

اس تجزیے کے نتیجے میں اول خان نے رائے قائم کی تھی کہ وہ را والوں کے اشارے پر غیر قانونی ہتھیاروں کی منتقلی کی کوئی کوشش ہو سکتی تھی جس کا پیچھا کرنا زیادہ ضروری تھا۔

وہ معلومات یک جا کرنے کے بعد میں نے کنٹرول روم کا چکر لگایا۔ اس وقت تک وہاں اول خان کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا تھا مگر مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ رابطہ ختم ہونے سے پہلے قربان علی نے کنٹرول روم والوں کو جیپ کا نمبر اور ان تینوں میں سے ایک کا نام نوٹ کرا دیا تھا۔

دھن راج کے ہوٹل سے روانگی کے بعد مشتبہ جیپ کا رخ ان آبادیوں کی طرف تھا جو ترقیاتی اصطلاح میں ٹرانس لیاری کہلاتی ہیں۔ جیپ نمائش اور سبیل والی مسجد کے چوراہوں سے گزر کر جہانگیر روڈ پر مڑ چکی تھی۔ وہ سڑک تین ہٹی کے پل کو عبور کرتی ہوئی سیدھی لیاقت آباد میں داخل ہو جاتی ہے۔

مجھے یاد آیا کہ میں نے فون پر میجر بخشی سے بات کرتے ہوئے پچھلی بار اس شبہے کا اظہار کیا تھا کہ ڈپٹی لیاقت آباد کے گنجان آباد علاقے میں کہیں روپوش ہے۔ وہ پرانی بات تھی۔ اس شام میری اس سے جھڑپ ہو چکی تھی جس کا اختتام زیادہ ناخوشگوار نہیں تھا۔

قربان علی نے آرمز ڈیلر بھیشم داس اور اس کے دو ساتھیوں کی مشتبہ نقل و حرکت کا جو وقت بتایا تھا وہ میری اور میجر بخشی کی ملاقات کے بعد کا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میجر بخشی نے فوج میں میرے یونٹ اور ریٹائرمنٹ کی تاریخ بتانے سے انکار کا زیادہ اثر نہیں لیا تھا۔

وہ میری فراہم کی ہوئی من گھڑت معلومات پر آنکھیں بند کر کے انحصار کر رہا تھا۔ اس طرح واقعات کی مزید چشم کشا کڑیاں سامنے آ رہی تھیں۔ میں نے اس شام میجر بخشی کو مار ڈالا ہوتا تو بعد کے وہ واقعات ہرگز سامنے نہ آئے ہوتے۔

کنٹرول روم سے اول خان کے دفتر کی طرف جاتے ہوئے مجھے بس یہ قلق تھا کہ اس ساری پیش رفت میں قربان علی کسی ناگہانی مصیبت کا نشانہ بن گیا تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ وہ اپنے فرض پر قربان نہ ہوا ہو۔ کوئی بھی ہلکا یا گہرا زخم وقت کے ساتھ مندمل ہو سکتا تھا۔

زخم کا خیال آتے ہی میں نے اپنے بائیں بازو کو دھیرے سے فضا میں گردش دی۔ ایک خاص زاویے پر میرے بھرتے ہوئے زخم میں تیز ٹیس ابھری مگر مجھے یہ اندازہ لگا کر خوشی ہوئی کہ اس زخم سے پیدا ہونے والی عارضی معذوری سے بڑی حد تک نجات پا چکا تھا۔

اول خان کے دفتر میں پہنچتے ہی مجھے کنٹرول روم سے اطلاع ملی کہ اول خان قربان علی تک پہنچ چکا تھا۔ اس پر سامنے سے فائر کیا گیا تھا۔ گولی بائیں شانے کی ہڈی توڑ کر اندر پیوست ہو گئی تھی۔

قربان علی پر وہ حملہ تعاقب کے دوران ہوا تھا۔ وہ چلتی ہوئی موٹر سائیکل پر قابو نہ رکھ سکا۔ تیز رفتار موٹر سائیکل گرنے کے نتیجے میں اس کے پورے جسم اور چہرے پر شدید خراشیں آئی تھیں اور وہ موقع پر ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔

وہ سرِعام فائرنگ اور بظاہر کامیاب قاتلانہ حملے کی واردات تھی۔ شہر کے ماحول اور بسا اوقات پولیس کے جارحانہ رویے کی وجہ سے عام شہری ایسی وارداتوں کا نشانہ بننے والوں کی مدد کرنے سے عموماً کتراتے ہیں مگر قربان علی کی خوش نصیبی تھی کہ وہ واقعہ دیکھنے والے چند درد مند شہری فوری طور پر اسے ایک مال بردار سوزوکی کے عقبی حصے میں ڈال کر عباسی شہید اسپتال لے گئے جہاں پوری توجہ کے ساتھ اسے بہترین طبی امداد دی جا رہی تھی۔ میری دعا بار آور ہوئی تھی، قربان علی زندہ تھا۔ اس نے دلیرانہ انداز میں مجرموں کا تعاقب کر کے غازیانہ کردار کی ایک قابلِ تعریف مثال قائم کی تھی۔

میں کرسی پر بیٹھا کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ سلطان شاہ نے درمیان میں ٹوکا "اب پچھتانا بے کار ہے۔ تم نے میجر بخشی کا کام تمام کر دیا ہوتا تو یہ سب نہ ہوا ہوتا۔"

"میرا خیال ہے کہ ابھی کچھ بھی نہیں ہوا۔ جو کچھ ہونے والا ہے، اس پر دشمنوں کی روحیں تک لرز کر رہ جائیں گی۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر سنجیدگی سے کہا۔

"قربان علی بری طرح زخمی ہوا ہے۔ پتا نہیں جیپ کے ذریعے لے جائے جانے والے ہتھیار اگلے دنوں میں کتنی جانوں کی بھینٹ لیں گے۔ کیا تمہیں اس بوجھ کا ذرا بھی اندازہ نہیں ہے۔"

"ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ جہانگیر روڈ پر رہنے والوں میں انسانی ہمدردی کا جذبہ ابھی زندہ ہے۔ اگر کچھ لوگوں نے قربان علی کی مدد کی ہے تو دوسروں نے گولی چلانے والوں کی راہ روکنے کی کوشش بھی کی ہو گی۔ تم اتنی مایوسی کیوں دکھا رہے ہو؟"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ ضروری نہیں کہ مظلوم کی مدد کا حوصلہ رکھنے والے اپنی جانوں پر کھیل کر ظالم سے بھی ٹکرا جائیں۔ بارود کی ننھی سی گولی بڑی ظالم شے ہوتی ہے۔ اس کی دہشت سے ہاتھی جیسا وجود رکھنے والے بھی چوہے کے بچے کی طرح کانپنے لگتے ہیں۔"

میں اس کی دی ہوئی مثال پر مسکرا کر رہ گیا۔ اگلے لمحے میں نے فون کا ریسیور اٹھایا تو وہ فوراً بول پڑا "اب کسے فون کرنے کا ارادہ ہے۔"

"دیکھتا ہوں کہ دھن راج کیا کر رہا ہے۔" میں نے کہا "شاید اس سے کچھ معلوم ہو سکے۔"

"بے کار ہے۔ وہ ٹُن پڑا ہو گا۔ ہو سکتا کہ فون اٹھانے والا بھی کوئی اور ہو۔"

"ایک کوشش کر لینے میں کیا ہرج ہے؟" یہ کہہ کر میں نے اس کا راست نمبر ملا ڈالا۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" دھن راج کی آواز لڑکھڑاتی ہوئی تھی مگر وہ مدہوش نہیں تھا۔

"جمال.... کرنل جمال۔" میں نے بلا توقف جواب دیا "میں نے تمہارے رنگ میں بھنگ تو نہیں ڈالا؟"

"نہیں یار۔ تم نے اچھا کیا کہ فون کر لیا۔" اس کی بہکی ہوئی آواز میں گرم جوشی عود کر آئی "آج میں نے سنہرے بالوں اور چاند جیسے مکھڑے والی کامنی کو بلایا ہوا تھا۔ وہ سرور میں آ کر دھیرے دھیرے ناچتی ہے تو سماں باندھ دیتی ہے۔ اسے لوٹا کر میں بہت اداس اور اکیلا ہو گیا ہوں۔"

مجھے اس کی ان خرافات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر میں نے اسباب جاننے کی نیت سے پوچھا "بلایا تھا تو پھر اسے بھگا کیوں دیا؟"

"کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ میرے لیے یہ ساری نحوست تمہارے ڈینی کی وجہ سے نازل ہوئی ہے۔"

"ڈینی میرا نہیں، تمہارا ہے۔ تم ہی اس کے لیے مرے جا رہے ہو۔" اس کے موڈ کا اندازہ لگا کر میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"کیا وہ کامنی کا دعوے دار بن کر وہاں پہنچ گیا تھا؟"

"کاش یہی ہوا ہوتا....!" اس کی حسرت زدہ آواز ابھری۔

"انسان کا سوچا ہوا ہوتا ہی کب ہے؟ وہ نہیں آیا پر اس کا آسیب میرے آس پاس ضرور منڈلا رہا ہے۔"

"تم میرے تجسس کو بھڑکا رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ میرا شکار ہونے والا ہے۔" میں نے خوش دلی سے کہا "تم سرور کے عالم میں باتیں مزے کی کرتے ہو۔"

"سنا گیا ہے کہ وہ لیاقت آباد میں کہیں مرا ہوا ہے۔ میں نے اس علاقے میں اپنے آدمیوں کو کچھ ہتھیار پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ اس میں گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"کیسی گڑبڑ ہوئی ہے؟ کوئی خفیہ بات نہ ہو تو ذرا وضاحت سے بتاؤ کہ کیا ہوا ہے۔"

اس نے فون پر ایک گہرا سانس لیا پھر کہا "میں نے سارا بندوبست کر لیا تھا اور اس کامیابی کا جشن منانے کے لیے کامنی کو بلا لیا تھا۔ وہ بستر پر تھی، میں نے باہر والی بیٹھک میں سارا انتظام طے کر کے پارٹی کو رقم دے دی۔ گاڑی نکلی مگر منزل پر پہنچنے سے پہلے... ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئی۔"

مجھے اپنے دل میں ٹھنڈک سی اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے نرمی سے پوچھا "آدمی تو بچ گئے نا؟ دیر سویر ضرور ہو گی مگر کام پورا کرنے والے زندہ ہونے چاہئیں۔"

"اچھا تھا کہ سالے مر جاتے۔" دھن راج کی بے رحمانہ آواز سے قلق جھلک رہا تھا "راستے میں ان تینوں کو وہم ہو گیا تھا کہ کوئی موٹر سائیکل والا ان کا پیچھا کر رہا ہے۔ انہوں نے گولی مار کر اسے گرایا اور جیپ کی رفتار ایک دم بڑھا دی۔ آگے ایک گلی سے نکلنے والے ٹرک سے ٹکرا کر جیپ الٹ گئی...."

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا۔" میں نے درمیان میں ہی اس سے ہمدردی ظاہر کی۔

"رائفلوں اور میگزین کے کریٹ بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ رفتار کی وجہ سے جیپ نے دور تک قلابازیاں کھائیں تو لکڑی کے سارے کریٹ چکنا چور ہو گئے۔ ہر طرف رائفلیں، میگزین اور گولیاں بکھری دیکھ کر وہ تینوں ایسے حواس باختہ ہوئے کہ اپنے زخموں کی پروا کیے بغیر وہاں سے بھاگ گئے۔"

میں نے سلطان شاہ کو آنکھ ماری اور ماؤتھ پیس میں کہا۔ "تمہاری رقم تو نہیں ڈوبے گی، واپس مل جائے گی نا؟"

"رقم کی واپسی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسے سودوں میں سارا رسک خریدار کا ہوتا ہے۔ دکھ اس بات کا ہے کہ ڈینی کے خلاف ہمارا آپریشن ٹھنڈا پڑ جائے گا۔"

میں نے اس سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ ایک ڈینی کی تلاش کے لیے ان لوگوں کو کتنے مہلک ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔

"تمہیں اس واقعے کی خبر کیسے ملی؟" میں نے اس سے سوال کیا۔
"بھیشم داس ان کا سرغنہ تھا۔ اسی نے فون پر مجھے خبر دی تھی۔ یہ سن کر میرا دل اتنا برا ہوا کہ میں نے کامنی کو فوراً لوٹا دیا۔ اس خبر نے میجر بخشی کو بھی حواس باختہ کردیا ہے۔"
"مجھے تم دونوں سے ہمدردی کے ساتھ دکھ بھی ہے کہ کام نہ ہونے کے باوجود تم ایک بڑی رقم سے بھی محروم ہوگئے۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں اسے ایک اور کچوکا دیا۔
"رقم میری تھی نہ بخشی کی۔ یہ سارا دھن بڑے بڑے بنیوں اور سیٹھوں سے بٹور کر یہاں لایا جاتا ہے۔ رقم اور آجائے گی۔ گیا وقت اور موقع دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا خبریں ہیں۔ وہ تمہاری طرف نظر آیا یا ابھی تک غائب ہے۔"
"نظر آتا تو میں فوراً تمہیں بتا دیتا۔" میں نے پورے خلوص سے اسے یقین دلایا۔
"ہاں' جلدی کچھ کرو۔ ڈپٹی اب اوبی کے اعصاب پر سوار ہوگیا ہے۔ اس کی کتیا مری تو اس نے الزام ڈپٹی پر لگا دیا۔ اب وہ یہی کہے گا کہ جیپ کو ٹکر مار کر الٹنے والا ٹرک ڈپٹی چلا رہا ہوگا۔ ہم سب اس کے لیے مرے جارہے ہیں اور وہ آرام سے بھنگ پیے' لیاقت آباد کے کسی کمرے میں سو رہا ہوگا۔"
وہ باتیں کرنے کے موڈ میں تھا اور بے سروپا باتیں بھی کررہا تھا' میں نے اس کی حوصلہ شکنی نہیں کی۔ مجھے اس دوران میں یہ خیال بار بار ستا رہا تھا کہ اخوت' بھائی چارے اور آپس کے فائدے کے نام پر اکھنڈ بھارت کا پرچار کرنے والے وہ سب انتہا پسند اندر سے کس قدر متعصب اور دوغلے تھے کہ انہوں نے اپنے آس پاس اپنے ہم مذہبوں کی جتھے بندی کی ہوئی تھی۔
بخشی اور دھن راج کی طرح بھیشم داس بھی اپنے نام سے ہندو معلوم ہوتا تھا۔ دھن راج کی محبوبہ کامنی بھی مسلمان یا عیسائی نہیں ہوسکتی۔ وہ لوگ جن مسلمانوں سے کام یا معلومات لیتے تھے' انہیں استنجے کے ڈھیلے کی طرح حسب ضرورت استعمال کرکے دور پھینک دیتے تھے۔
وہ جس پیمانے پر کام کررہے تھے اس میں یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے ہم مذہبوں تک محدود رہتے۔ مجھے دکھ تھا کہ ہندوؤں کے صدیوں پرانے نسلی تعصب کے باوجود بعض اہم پاکستانی ان کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے۔ ان میں چوہدری سلام' سندھ کے چیف سکریٹری اور آئی جی کے نام سرفہرست تھے۔
یہ تینوں وہ لوگ تھے جو گھٹوملی کی وجہ سے میرے سامنے بے نقاب ہوئے تھے۔ دوسرے پردہ نشینوں میں کس کس کا نام شامل تھا' یہ خدا ہی بہتر جانتا تھا۔
اول خان کرب اور بے چارگی کے عالم میں نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھر رہا تھا۔ میں نے اس کے دفتر میں بیٹھے بیٹھے فون پر دھن راج سے چھیڑ چھاڑ کرکے بہت کچھ معلوم کرلیا تھا۔
فون پر دھن راج سے گفتگو ختم ہوتے ہی میں نے کنٹرول روم سے اول خان کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ عباسی شہید اسپتال سے نکل چکا تھا۔ اس سے کنٹرول روم کے ذریعے ریڈیو وائرلیس پر رابطہ کیا جاسکتا تھا۔
ملیر چھاؤنی کے ایک وسیع میدان میں ایس ٹی ایف کے زیر استعمال بیرکس تین سمتوں پر اس طرح بنی ہوئی تھیں کہ بیشتر دفاتر اور کمرے ہر جگہ سے نظر آتے تھے۔ اول خان کے دفتر میں روشنی دیکھ کر دونوں عورتوں نے اندازہ لگالیا کہ ہم وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو بھی اول خان کے آدمی کے بارے میں تشویش تھی۔ وہ ٹہلتی ہوئی وہیں آگئیں۔
مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ دونوں خوشگوار موڈ میں تھیں۔ ویرا میرے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد سارے گلے شکوے بھول چکی تھی۔
"تمہارے اوپر معلومات کا مینہ برس رہا ہے۔" ویرا نے تازہ ترین خبریں سننے کے بعد کہا "اب میجر بخشی یا اوبرائن کو بھی چھیڑ کر دیکھو کہ وہ کیا کہتے ہیں۔"
"یہ اندھے کی لاٹھی نہیں' سوچی سمجھی راہ تھی جو میں نے اختیار کی تھی۔ میں نے دھن راج سے اپنی اور بخشی کی ملاقات کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔ کسی اور کو چھیڑنا بے سود ہوگا۔ وہ رات بھر خود اپنی ہی آگ میں جلتے رہیں گے۔" میں نے اس کا مشورہ ٹال دیا۔
میں اس وقت اول خان سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ ویرا اور غزالہ کی آمد کے بعد باتوں میں الجھ کر وہیں بیٹھا رہ گیا۔ اس دوران میں اول خان کا فون آگیا۔
اسے کنٹرول روم والوں نے بتا دیا تھا کہ میں اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے پیغام ملتے ہی کہیں سے رابطہ قائم کرلیا تھا۔
"قربان علی کا کیا حال ہے؟" اس کی دل جوئی کے لیے میں نے پہلا سوال کیا۔
"وہ بری طرح زخمی ہوا ہے مگر اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔"
"تمہیں علم ہوچکا ہوگا کہ اس کی قربانی رائگاں نہیں گئی ہے۔ وہ جیپ تھوڑی ہی دور نکلنے کے بعد ایک خوف ناک حادثے سے دوچار ہوگئی تھی۔"
ایک گہرے سانس کے بعد اس کی تحیرزدہ آواز سنائی دی "یہ خبر تم تک پہلے ہی پہنچ چکی ہے۔ وہ جیپ چوری کی ہے۔ حیرت ہے کہ دور تک قلابازیاں کھانے کے باوجود اس کے سوار موقع سے فرار ہوگئے۔ ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔"
"انڈر ورلڈ میں بھیشم داس نامی آرمز ڈیلر کو تلاش کرو۔ وہ اپنے دو معاونوں سمیت بری طرح زخمی حالت میں فرار ہوا تھا۔"

میں نے اس کی وہ پریشانی رفع کردی۔
"تم حیران کن کارکردگی دکھاتے ہو۔ بھیشم داس ہمارے لیے نیا نام نہیں ہے۔"
"یہ سہولت بس اسی وقت تک ہے جب تک وہ میرے دہرے روپ پر بھروسا کررہے ہیں۔ جس دن یہ بھید کھلا' ہمارا کام بہت بڑھ جائے گا۔"
"جیپ میں بھاری تعداد میں میگزین اور ہزاروں فاضل راؤنڈز کے علاوہ بیس خود کار رائفلیں بھی تھیں۔ پورے شہر میں زبردست سنسنی پھیل گئی ہے۔ یہ مہلک سازو سامان ابھی تک سڑک پر بکھرا ہوا ہے کیونکہ صوبے کے اعلیٰ افسران ذرائع ابلاغ کے لیے اس حادثے کی یوں ہی فلم بندی کرانا چاہ رہے ہیں۔"
"یہ بہت اچھا ہوگا۔ لوگوں کو پتا چلے گا کہ ملک دشمن دہشت گرد کس پیمانے پر حرکت میں آچکے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ فلمیں چھوٹے موٹے غداروں کے ضمیر جھنجھوڑنے میں کامیاب ہوجائیں۔"
"غداروں کے لیے تم نے چھوٹے اور بڑے کی تفریق کہاں سے نکال لی؟"
"بڑے غداروں کے نام تمہارے سامنے ہیں۔ کھٹومل کو حمایت فراہم کرنے والے چوہدری سلام اور اعلیٰ صوبائی افسران کو تم کس کھاتے میں ڈالو گے؟ شاید کوئی بڑی سے بڑی واردات بھی ان کی آنکھیں نہیں کھول سکے گی۔ یہ ہماری آستینوں میں اسی طرح زہریلے سانپ پالتے رہیں گے۔"
"تمہیں اتنا مایوس نہیں ہونا چاہیے۔" یکایک اس کی آواز قدرے دھیمی ہوگئی "ان برے اہل کاروں کے سروں پر جب تک دو چار فرض شناس لیڈر یا بیورو کریٹ بیٹھے ہیں' ان کی ناپاک سازشیں کامیاب نہیں ہوسکتیں۔"
وہ شاید سانس لینے کے لیے رکا تھا کہ میں بول پڑا "ان کی کامیابیوں کا سفر سست ضرور ہے مگر جاری ہے۔ ان سے کون باز پرس کرسکتا ہے؟"
"تم پوری بات سنے بغیر نتیجہ اخذ کررہے ہو۔ اس وقت صوبے کی اعلیٰ ترین انتظامی شخصیات یہاں جمع ہیں۔ ان کی باہمی گفتگو سے پتا چلا ہے کہ کھٹومل کی سرپرستی کرنے والے آئی جی کو معطل کرکے فرائض سے سنگین غفلت برتنے کے الزام میں خفیہ چارج شیٹ جاری کردی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ضابطے کی کارروائی کے بعد اسے معزول کردیا جائے۔"
"اور چیف سیکریٹری کا کیا بنا؟ وہ اب بھی دوسروں کو گمراہ کررہا ہوگا۔"
"نہیں۔ وہ بہت بڑا عہدے دار ہے مگر اس کا تبادلہ کردیا گیا ہے۔ اب وہ او ایس ڈی یعنی عضو معطل بنا دیا گیا ہے۔ اس وقت جائے واردات پر ایک نیک نام افسر اس کی ذمے داریاں سنبھالے ہوئے ہے۔"
"وہ کتنا ہی بڑا عہدے دار ہو مگر وہ کرپٹ ہے۔ اس نے بھرے اجلاس میں کھٹومل کی مجرمانہ حمایت کی تھی۔ اتنے گواہوں کے ہوتے ہوئے بھی اس کے خلاف کارروائی کیوں نہیں ہوسکتی۔ تبادلے کو سزا قرار دینا ایک سنگین مذاق ہے۔"
"یہ باریکیاں تم نہیں سمجھ سکتے۔ پورے ملک میں صرف ایس ٹی ایف ایسی سروس ہے۔ جس میں کسی بھی طریقۂ کار کے بغیر کھڑے کھڑے ہر شخص کو ملازمت سے برطرف کیا جاسکتا ہے۔ یہی طریقہ تقرر کا ہے کیونکہ فورس قانون سے ماورا ہے۔ دوسری تمام سروسز کو مضبوط قانونی اور آئینی تحفظات حاصل ہیں۔ میں یہ بات تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔"
"غیر اصولی باتوں کا جواز کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو' میرے دماغ میں نہیں سما سکتا۔ جرم سے چشم پوشی بھی برابر کا جرم ہے۔ ہمارے یہاں اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔"
"میں باہر کی خیر خبر لیتا ہوں۔ یہاں سینہ بہ سینہ یہ بات پھیل چکی ہے کہ ہتھیاروں سے لدی ہوئی جیپ ایس ٹی ایف کے اہل کار کے تعاقب کے نتیجے میں تباہی سے دوچار ہوئی ہے۔ ہر آنے والا افسر اس بارے میں مجھ سے بات کرنے کا خواہاں ہے۔"
"اس کا مطلب ہے کہ یہ بات دشمنوں تک بھی پہنچ جائے گی۔"
"تمہیں اس بارے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں علم ہونا چاہیے کہ کچھ آنکھیں چوبیس گھنٹے ان کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتی ہیں۔"
"پھر یہ ایک بہترین موقع ہے۔ بھیشم داس کے حوالے سے یہ خبر اڑادو کہ وہ اوبرائن اور دھن راج کے ایما پر ہتھیاروں کی وہ کھیپ لے جارہا تھا۔"
"اس شوشے سے امریکی سخت دباؤ میں آجائیں گے مگر پہلی شرط یہی ہے کہ بھیشم ہمارے ہاتھ لگ جائے۔ وہ بہت چالاک اور پیشہ ور مجرم ہے۔"
"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ بری طرح زخمی ہے۔ زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔ اسے گھیر لینے کے بعد ابتدائی طور پر تم اس سے ہر بات منسوب کرسکتے ہو۔"
اس کی ہلکی سی ہنسی میں سفاکی ابھر آئی "وہ پولیس والوں کا قیدی ہوگا۔ ان کی تھرڈ ڈگری کے سامنے ہر بات قبول لے گا۔"
"تم نے یہ کام کر دکھایا تو کھیل میں تیزی آجائے گی۔" میں نے اسے مزید شہ دی۔
"میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔ اس واقعے کا پورا پس منظر جاننے کے لیے اب مجھے تمہارے ساتھ مل کر بیٹھنا ہوگا۔ میں کوشش کرکے جلد ہی واپس آؤں گا۔"
"آؤ۔ میں تمہارا منتظر ہوں۔" میں نے یہ کہا اور فون بند

کر دیا۔
"مجھے حالات پر چھایا ہوا جمود ٹوٹتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اوبرائن ڈی ہنٹ کی بساط اب جلد ہی لپیٹ دی جائے۔" ویرا نے پر امید لہجے میں کہا۔
"اوبرائن جس منصوبے پر کام کر رہا ہے' اسے آسانی سے تباہ نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگا کر پر خیال انداز میں کہا "اس منصوبے پر نئی دہلی سے واشنگٹن تک سیکڑوں دماغ پوری عرق ریزی سے شب و روز کام کر رہے ہوں گے۔"
"وہ سب پس پشت ہیں۔ یہاں اوبرائن ہی ماسٹر مائنڈ ہے۔" وہ بولی۔
"ہم اسے مار گرانے کی امید کر سکتے ہیں۔ اس کے ہٹنے سے منصوبے کی رفتار سست ہو جائے گی مگر اس کا خاتمہ ممکن نہیں ہو گا۔"
"ہم وہی کام کر سکتے ہیں جو ہماری بساط میں ہے۔ اس سے بڑھ کر کارگزاری دکھانے کی کوشش میں ہم نقصان بھی اٹھا سکتے ہیں۔" سلطان شاہ نے کہا۔
"سچ پوچھو تو مجھے موجودہ حالات میں اوبرائن کا منصوبہ بہت ناقص نظر آ رہا ہے۔" ویرا نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد ایک نئی بات کہہ کر سب کو چونکا دیا۔
"محرکات' عوامل اور نتائج تمہارے سامنے آنے لگے ہیں اور تم پھر بھی ایسی خوش فہمی کا مظاہرہ کر رہی ہو؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔
"تاریخ کے بعض اصول بہت اٹل ہیں۔" ویرا نے فضا میں انگلی بلند کر کے کہا "ہر خطے میں فکری تبدیلیاں صدیوں کے ارتقائی عمل کے بعد رونما ہوتی ہیں۔ اس...."
"ٹھہرو!" سلطان شاہ نے اسے درمیان میں ٹوک دیا "اپنے یہ نادر فلسفے ذرا آسان سی اردو میں بیان کرو تو میں بھی کچھ سمجھ سکوں گا۔"
غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "یہ مطالبہ کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے۔ تم اہل زبان ہو اور ویرا امریکی ہے۔ اس نے کون سی پیچیدہ بات کی ہے؟"
"مجھے نا اہل زبان ہی رہنے دو۔ ویرا میری بات سمجھ چکی ہے۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔
"میں کہہ رہی تھی کہ اس اصول کا اطلاق اوبرائن کے منصوبے پر بھی ہوتا ہے۔ امریکی ایک جلد باز قوم ہیں۔ وہ صبر کے ساتھ ایسی فکری تبدیلیوں کا انتظار نہیں کریں گے۔"
"تم بات کو گھما پھرا رہی ہو۔ تمہارا مطلب کیا ہے؟" میں نے اسے گھور کر کہا۔
"میرا خیال ہے کہ یہ لوگ اس وقت مقامی ردِ عمل اور مزاحمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جب کچھ کرنے کا ارادہ کریں گے تو ان کی یہاں فوجی موجودگی ناگزیر ہو گی۔"
"تم کیا ہذیان بک رہی ہو؟" سلطان شاہ اضطراری انداز میں ویرا پر برس پڑا "امریکی فوجوں کو یہاں آنے سے پہلے اپنے خون کے سمندر سے گزرنا ہو گا۔ یہ ملک اس لیے نہیں بنا تھا کہ باہر سے آنے والے ہماری تقدیروں کے فیصلے صادر کریں۔"
سلطان شاہ کے جارحانہ تیور دیکھ کر ویرا سٹپٹا گئی اور مدافعانہ انداز میں بولی "مجھے نہیں معلوم کہ ان لوگوں کا اصل منصوبہ کیا ہے۔ میں ایک امکان کا ذکر کر رہی تھی۔ تم بلاوجہ ہی جذباتی ہوئے جا رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ اب میں بھی تمہاری طرح بلکہ شاید تم سے زیادہ پاکستان کو عزیز رکھتی ہوں۔ میں اس ملک کی بدخواہ نہیں ہوں۔"
"ہم یہاں لڑنے کے لیے نہیں' مسائل کا حل سوچنے کے لیے بیٹھے ہیں۔" غزالہ نے ویرا کی حمایت میں سلطان شاہ کو سمجھایا۔ "ویرا کو اپنی بات پوری کر لینے دو۔"
"اب مجھے فوجی موجودگی کے مفہوم کی بھی وضاحت کرنا ہو گی۔" ویرا نے استقامت سے کہا "تم یہ دیکھو کہ عالمی طاقتوں نے پورے اہتمام کے ساتھ دنیا کے ہر اہم خطے میں ایسے نازک معاملات کو زندہ رکھا ہوا ہے جنہیں جواز بنا کر وہ کہیں بھی دخل انداز ہو سکتے ہیں۔"
"کیا تم اب کشمیر کا حوالہ دینے کا ارادہ رکھتی ہو؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔
"بالکل!" ویرا مسکرائی "شاید تم کو یاد ہو گا کہ ڈینی سے اپنی گفتگو میں اوبرائن ڈی ہنٹ نے اعداد و شمار کے ذریعے یہی بات ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ پاکستان نے صرف اٹھارہ لاکھ کشمیری مسلمانوں کی آزادی کے لیے پورے خطے میں بسنے والے ایک ارب تیس کروڑ انسانوں کو ایٹمی دہشت میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ جس کا کوئی جواز نہیں ہے۔"
"مگر ہم ایٹمی طاقت نہیں ہیں۔" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔ "یہ قوت بھی ہمارے حریف بھارت کے پاس ہے۔ اگر ایٹمی دہشت گردی ہو رہی ہے تو بھارت اس کا ذمے دار ہے۔"
"یہ تم کہتے ہو۔ دنیا کو اس پر اعتبار نہیں ہے۔ اسلامی بم کے حوالے سے بنائی جانے والی فلموں میں تمہارے ہم وطنوں کو شرلاک ہومز سے بھی زیادہ چالاک اور عیار دکھایا گیا ہے۔ سب کو یقین ہے کہ پاکستان ایٹمی قوت بن چکا ہے' محدود تجربات ہو چکے ہیں۔ اعلان کے لیے مناسب وقت اور موقع کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ امریکا بھی بار بار یہی کہتا ہے۔"
"تم بار بار ویرا کی بات کاٹ رہے ہو۔" غزالہ نے سلطان شاہ کو ٹوکا۔
"تم یہ نہ سمجھو کہ میں اپنی طرف سے کوئی بات کہہ رہی ہوں۔" ویرا نے کہا "میں وہ باتیں دہرا رہی ہوں جو میری دانست

میں امریکیوں کے دل و دماغ میں رچی بسی ہوئی ہیں۔"

"تم بولتی رہو' میں تمہاری باتیں غور سے سن رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"یہ دیکھو کہ عراق کے ساتھ کیا کیا گیا۔" ویرا نے بات جاری رکھی "ایک واضح عالمی اکثریت کو یقین ہے کہ امریکا کے پروردہ مشیروں نے عراقی قیادت کو یقین دلایا کہ وہ بہ زور قوت کویت سے اپنا علاقہ واپس لے لے' امریکا کے کان پر جوں بھی نہیں رینگے گی مگر پھر کیا ہوا؟؟"

"جو کچھ ہوا' وہ اب تاریخ کی امانت ہے۔ آنے والا وقت ہی اس درندگی اور بہیمیت کا فیصلہ کرے گا۔" سلطان شاہ نے تلخی سے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ امریکا کو اس دور دراز علاقے میں ایسی سازشی مداخلت کی کیا ضرورت تھی۔ ان گنت جانیں اس یک طرفہ جنگ کا ایندھن بن گئیں۔" غزالہ نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"امریکا کی نظر اس علاقے کے تیل کے ذخائر پر تھی۔ آج وہ ان پر قابض ہے۔ اسے اپنے جدید ترین جہازوں اور ہتھیاروں کے لیے ٹسٹ فیلڈ درکار تھی۔ اس کی اسلحہ ساز فیکٹریاں بند پڑی تھیں۔ جنگ کے بعد دنیا بھر میں امریکی ہتھیاروں اور طیاروں کی زبردست مانگ پیدا ہو چکی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لیے' عراقی قیادت کو دانستہ بہکایا گیا تھا۔" سلطان شاہ معترض ہونے کے باوجود ویرا کی باتوں میں دلچسپی لے رہا تھا۔

"کہا یہی جاتا ہے۔ وہ لوگ اپنے دشمن کے اس کھیل کو نہیں سمجھ سکے اور دام میں آگئے۔ یہ ان کا آزمودہ فارمولا بن چکا ہے۔ وہ اسے کہیں اور بھی آزما سکتے ہیں۔"

سب خاموش رہے۔ جب ویرا دوبارہ کچھ نہ بولی تو سلطان شاہ نے اپنی کرسی میں پہلو بدلتے ہوئے بے چینی سے کہا "تم نے بات ادھوری کیوں چھوڑ دی؟ وہ اس فارمولے کو کہاں اور کیسے آزمائیں گے؟ تمہاری یہ باتیں اب کسی حد تک سمجھ میں آرہی ہیں۔"

"اس سے آگے میں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گی۔ تم بھی اپنی عقل پر زور دو۔ میں نے کچھ کہا تو تم پھر مجھ سے لڑنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے۔"

ویرا نے اس منصوبے کے ایک نئے پہلو کا ذکر چھیڑ کر مجھے بھی تشویش میں مبتلا کر دیا۔

روس کی ٹوٹ پھوٹ اس کی افغانستان میں مداخلت کی وجہ سے رہی ہو یا اقتصادی تباہی کے باعث' اس کے بعد طاقت کا عالمی توازن بگڑ چکا تھا۔ امریکا قوموں کے دنگل میں اکلوتا سورما رہ گیا تھا جو ہر طرف بکارتا پھر رہا تھا۔ عالمی ادارے اس کے گھر کی باندی بن کر رہ گئے تھے۔ وہ ان کے ذریعے اپنی من پسند منظوریاں لینے کی

پوزیشن میں تھا۔

دوسری طرف کشمیر میں کنٹرول لائن کے نام سے ایک سلگتی ہوئی بارودی لکیر موجود تھی۔ امریکا بھارت یا پاکستان میں سے جس پر بھی نا مہربان ہوتا' اپنے نمک خواروں کے ذریعے اس کے کسی طالع آزما کو اس لکیر میں اپنی پسند کی تبدیلیاں لانے پر اکسا سکتا تھا۔

دونوں میں سے کسی بھی حریف کو اپنے جال میں پھانس کر بعد میں جارحیت کا نعرہ لگانا خارج از امکان نہیں تھا۔ اسی نعرے کی بنیاد پر امریکا قوموں کی عالمی انجمن کے نام پر علاقے میں اپنی بھرپور فوجی موجودگی کا رسمی جواز فراہم کر سکتا تھا۔

وہ سب بہت دور کی اور بھیانک باتیں تھیں۔ میں ایک... جھرجھری لے کر رہ گیا اور ان پراگندہ خیالات کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرنے لگا۔

ویرا اپنی سوچ کے اعتبار سے شیطان کی خالہ تھی۔ اپنا زورِ بیان جس طرف صرف کرتی تھی' اس بات کو صداقت کی دہلیز تک پہنچا کر ہی دم لیتی تھی۔

میں اول خان کے دفتر سے نکل کر برآمدے میں آگیا۔ وہ عالمی سیاست اور آویزشوں کے قصے تھے جب کہ ہم میں سے کوئی بھی اس شعبے میں مہارت نہیں رکھتا تھا۔ ہماری لڑائی کی ابتدا پاکستان سے ہیروئن کے انسداد سے ہوئی تھی۔ اس جنگ میں دور تک جانے کے بعد ہمیں اندازہ ہوا تھا کہ اس نشے کی غیر قانونی تجارت کا سب سے بڑا مخالف امریکا ہی تھا جو سی آئی اے نامی تنظیم کے ذریعے ہیروئن کی خطیر آمدنی سے استفادہ کر رہا تھا۔

اس دن کے بعد سے ہم پر ہر لمحے امریکا پر حکمرانی کرنے والوں کے نت نئے اور گھناؤنے خدوخال واضح ہوتے جا رہے تھے جن میں بنیادی نکتہ پاکستان سے مخاصمت پر مبنی تھا۔

اس لڑائی میں میں نے انفرادی طور پر امریکی مفادات کو اتنا شدید جانی اور مالی نقصان پہنچایا تھا کہ کچھ عرصے سے ہیروئن کے معاملات پسِ پشت چلے گئے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے امریکا میرے خلاف اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا کر مجھے پیس ڈالنا چاہتا ہو۔

میری اور ویرا کی امریکا سے واپسی کے بعد انفرادی زور آزمائی کا یہ رنگ زیادہ نمایاں ہو گیا تھا۔ میرے خلاف اس جنون کو اوبرائن نے بہت زیادہ ہوا دی تھی اور پھر اسی کی زبان سے ایشیا کے بارے میں امریکا کے نئے اور چونکا دینے والے سیاسی عزائم سامنے آئے تھے۔

اوبرائن پاکستان میں تھا اور پاکستان میرا گھر تھا۔ سرکاری سطح پر کی جانے والی تردیدوں اور بعض مواقع پر میرے خلاف اختیار کیے جانے والے مخاصمانہ رویّے کے باوجود امریکیوں کو یہ یقین تھا کہ ان کے خلاف مجھے پاکستانی حکومت کا پورا پورا تعاون حاصل تھا اور میں بھاری افرادی قوت کے ذریعے ہر اہم موقع پر ان کے

پیچھے لگا رہتا تھا۔
روشن برآمدے میں چہل قدمی کرتے ہوئے میں اس فیصلے پر پہنچ چکا تھا کہ میں ایک مرتبہ پھر سیاسی معاملات سے دوری اختیار کرلوں گا۔ سیاست میں گمنام رہ کر بے لوثی سے کام کرنے والوں کا انجام عام طور پر قابلِ رشک نہیں ہوتا تھا۔
اول خان کے دفتر سے اپنے کمروں کی طرف لوٹتے ہوئے میں نے اپنے اس فیصلے کا اعلان کیا تو ویرا بے ساختہ ہنس پڑی "تمہیں اس فیصلے کا اختیار کس نے دیا ہے؟"
"کیوں؟" میں نے دور سے آنے والی روشنیوں کے دھند لکے میں اسے گھورا "مجھے اپنی ذات کے بارے میں فیصلے کرنے کے لیے کس کی اجازت کی ضرورت ہے؟"
"بھنور میں آئے ہوئے تنکے بالکل بے بس اور بے بساط ہوتے ہیں۔ وہ لہروں کا ساتھ چھوڑ کر اسی گرداب میں گھومتے رہتے ہیں۔ تم بھی حالات کے قیدی ہو۔"
"آپ ویرا کی بات سمجھنے کی کوشش کریں۔" غزالہ نے مجھے سمجھایا "آپ اپنی مرضی سے سیاست کی طرف کب جاتے ہیں؟ مجبوریاں اس طرف دھکیل دیتی ہیں۔"
"جرائم کی تفریق بس نچلی سطحوں پر پائی جاتی ہے۔ کوئی منشیات فروش ہوتا ہے، کوئی قاتل اور کوئی دہشت گرد مگر اوپر کی سطح پر سب کچھ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوجاتا ہے۔" ویرا بولی۔
آپ کے لیے کھٹول اور چوہدری سلام موت کے سوداگر تھے مگر وہ سیاست داں بھی تھے۔ انہیں سیاست کے نام پر معاف یا نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔" غزالہ نے دلیل دی۔
"اوبرائن کیا ہے؟" ویرا نے سوال کیا "تمہارے ملک کا دشمن، تمہارے لہو کا پیاسا! کیا تم اسے صرف اس وجہ سے چھوڑ دو گے کہ وہ ایشیا کے لیے ایک نئے سیاسی منصوبے پر کام کررہا ہے؟"
مجھے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اس گرداب میں کچھ بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں تھا۔ حدِ فاصل لگانے کے چکر میں میں کہیں بھی بے خبری میں مارا جاسکتا تھا۔
بارہ بجے تک ہم ایک ساتھ بیٹھے اول خان کی واپسی کا انتظار کرتے رہے پھر عورتیں اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ سلطان شاہ تھکے ہارے انداز میں اپنے پلنگ پر دراز ہوگیا۔
اول خان دو بجے کے بعد تھکا ہارا ہمارے پاس آیا تو اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔
"بھیشم داس اپنے دونوں زخمی ساتھیوں سمیت سولجر بازار کے ایک اسپتال سے پکڑا گیا ہے۔ بھیشم بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے۔ اس کے دونوں آدمی بے ہوش ہیں۔ ان کے زخموں سے بہت زیادہ خون ضائع ہوچکا ہے۔" اول خان نے انگڑائی لے کر بتایا۔
مجھے بے اختیار اپنے بازو کا مندمل ہوتا ہوا زخم یاد آگیا۔
میرے ساتھ بھی بالکل وہی صورت رونما ہوئی تھی جس سے بھیشم کے دونوں ساتھی دوچار تھے۔
"وہ تینوں کہاں ہیں؟" ان کی حالت کے پیشِ نظر میرا وہ سوال فطری تھا۔
"دونوں بے ہوش اسپتال میں ہی پولیس کے پہرے میں ہیں۔ بھیشم کو میں نے یہاں گارڈ روم میں اسٹاف کے حوالے کردیا ہے۔ صبح تک اس کی طبیعت صاف ہوجائے گی۔"
"اس سے پوچھ گچھ کا کام ہمیں خود سرانجام دینا چاہیے۔" سلطان شاہ نے جوش سے کہا۔
"رہنے دو۔ اس پر بلاوجہ اپنی رات کالی نہ کرو۔ یہاں پہنچنے تک وہ رو رو کر دعوے کررہا تھا کہ اس کا کسی جیپ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ تینوں پیدل چلتے ہوئے حادثے کا شکار ہوئے ہیں۔" اول خان نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "صبح تک اسے ساری بھولی بسری باتیں یاد آجائیں گی۔"
قربان علی کو اسپتال سے کب رخصت کیا جائے گا۔" میں نے پوچھا۔
"بڑی نازک جگہ سے ٹوٹی ہے۔ اسے آرام کے لئے کئی دن وہاں رہنا ہوگا۔" اول خان نے مایوسانہ لہجے میں بتایا۔ "اچھی بات یہ ہے کہ وہ خطرے سے باہر ہے۔"
"ہتھیاروں کی اس کھیپ کے اصل مجرموں کے بارے میں کیا سوچا جارہا ہے؟"
"بھیشم کی زبان سے وہ اصل کہانی جاری کردیں گے مگر اوبرائن کے خلاف قطعی کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ سفارتی مراعات کی وجہ سے ہم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ اسے ناپسندیدہ قرار دے کر نکالا گیا تو دونوں ملکوں کے مراسم میں تلخی آجائے گی۔"
"میجر بخشی کی بھی بالکل وہی پوزیشن ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"نئی دہلی میں ہمارا سفارتی عملہ مختصر اور بالکل صاف ستھرا ہے۔ انفارمیشن نیٹ ورک ان سے بالکل الگ ہوکر اپنا کام کررہا ہے۔ یہاں کچھ ہوا تو وہ ایک آدھ افسر کے انخلا اور احتجاج سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔"
لباس تبدیل کرکے بستر پر دراز ہونے کے بعد بھی اول خان ہتھیاروں کی کھیپ کا راز فاش ہونے کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ مجھے دھن راج سے جو کچھ معلوم ہوا تھا وہ میں نے من و عن اسے بتادیا تاکہ وہ پوری باخبری کے ساتھ اس معاملے کو سنبھال سکے۔

○☆○

بھیشم گہری سیاہ رنگت، پستہ قامت اور بھاری بدن کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ خاصا مکروہ صورت بھی واقع ہوا تھا۔ اس کے چوڑے چہرے اور پھیلے ہوئے جبڑوں پر کئی جگہ سے سیاہ جلد پھوڑوں کی شکل میں پھولی ہوئی تھی۔ رہی سہی کسر زخموں سے بہہ کر

جمنے والے خون نے پوری کردی تھی۔ اسے نظر بھر کر دیکھنا کوئی خوش گوار عمل نہیں تھا۔

گارڈ روم کی سلاخوں والی کھڑکی سے ہم نے اسے ننگے فرش پر پڑا ہوا دیکھا، اس نے ہمیں دیکھ لیا اور دونوں ہتھیلیاں ٹیک کر فریاد کرتا ہوا فرش سے اٹھنے لگا۔

محافظ نے تالا کھول کر پھرتی سے دروازہ کھول دیا۔ میں اول خان کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔

بھیشم اپنے قدموں پر کھڑا ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن داہنی طرف بہت زیادہ جھکا ہوا تھا۔ اول خان مجھے بتا چکا تھا کہ حادثے میں اس کے دونوں ساتھیوں کی کئی ہڈیاں ٹوٹی تھیں۔ مگر معجزانہ طور پر بھیشم کی ساری ہڈیاں سلامت تھیں۔ اسے متعدد ہلکے اور گہرے زخم آئے تھے یا پھر اندرونی چوٹیں تھیں جو نظر نہیں آسکتی تھیں۔

بھیشم کے دماغ پر حادثے کی دہشت یا اپنے ساتھیوں کے بارے میں تشویش مسلط نہ ہوتی تو وہ چیک اپ کے بعد اسپتال سے نکل بھاگا ہوتا مگر اول خان کے ہاتھوں گرفتاری اس کا مقدر بن چکی تھی۔ وہ اس خطرے کو بھول کر وہاں رکا رہا اور پکڑا گیا۔

"مائی باپ! مجھے بخش دو، مجھے معاف کردو۔ میں نے جیب چرائی تھی۔ آگے مجھے کچھ پتا نہیں۔ میرے اوپر اتنا ظلم مت کرو۔ میں بے گناہ ہوں۔"

وہ رک رک کر ٹوٹے پھوٹے فقروں میں ایسی ہی تکرار کیے جارہا تھا۔ اول خان نے قہربار نظروں سے محافظ کی طرف دیکھا اور وہ پریشان ہوگیا۔

"سر! ایک گھنٹے میں ہی یہ بولنے لگا تھا۔ کچھ دیر آرام کرکے اب اس نے پینترا بدل لیا ہے۔ میں اس کا دماغ ابھی درست کرتا ہوں۔"

وہ لپک کر فضا میں اچھلا۔ اس کے دونوں وزنی جوتے پوری قوت سے بھیشم کے سینے پر پڑے۔ وہ کسی زخمی سانڈ کی طرح ڈکراتا ہوا دور جاگرا۔

گارڈ نے دوسری فلائنگ کک کے تیور اختیار کیے ہی تھے کہ بھیشم دہل اٹھا۔ "باپ رے باپ! بس کرو۔ میری پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ میں اپنے جنم میں تھوکوں، میں نے کیوں منہ کالا کیا تھا؟ ہائے رے! وہ ٹرک نہ بیچ میں مرتا تو میرا یہ حال نہ ہوتا۔"

"ابے، یہ بین بند کر اور سیدھی طرح بتا کہ دھن راج نے تجھ سے کیا سودا کیا تھا۔" میں نے بڑھ کر اس کی پشت پر زوردار ٹھوکر رسید کرکے پوچھا۔

وہ بلبلا اٹھا اور پھر کسی دہشت زدہ بلی کی طرح چاروں ہاتھ پیروں پر پیچھے سرکتے ہوئے بولا۔ "تم کو سب معلوم ہے تو مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ وہ سالا....."

"صرف سوال کا جواب دو ورنہ ادھیڑ دیئے جاؤ گے۔" میں نے خونخوار لہجے میں دھمکی دی۔

اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے اٹک اٹک کر کہا۔ "یہ سات لاکھ بیس ہزار کا سودا ہوا تھا۔"

"تم اس سے دو دفعہ ملے تھے۔ اس نے تمہیں رقم کس وقت ادا کی تھی؟"

"چھ لاکھ مال جمع کرنے کے لئے پیشگی لئے تھے۔ مال لے کر ہوٹل پہنچے تو باقی رقم مل گئی تھی۔"

"جیپ میں بھرے ہوئے ہتھیار تمہیں کس کو پہنچانے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"ان..... انگارہ گوٹھ میں۔" اس نے ہکلا کر بہت مختصر سا جواب دیا۔

"پورا پتا بتاؤ کتّے کے بچے!" میں نے گرج کر اسے ایک اور ٹھوکر لگائی۔

"انگارہ گوٹھ۔ لالو کھیت بی ایریا میں ہری چند کی دکان پر۔" ایک بے ساختہ چیخ کے بعد وہ پھنسی ہوئی آواز میں بولتا چلا گیا۔

"یہ پتا پورا نہیں ہے۔ تفصیل بتاؤ۔ ہری چند وہاں کیا بیچتا ہے؟"

"مائی باپ یہ پورا پتا ہے۔ انگارہ گوٹھ بی ایریا کے پیچھے ندی کے کنارے نئی آبادی تک پھیلا ہوا ہے۔ ہری چند وہاں بھوسا، پھٹی، چوکر اور چارہ بیچتا ہے۔"

میں نے استفسار طلب نگاہوں سے اول خان کی طرف دیکھا اور اس نے سر ہلا کر بھیشم کی بات کی تائید کرکے میرا غصہ ٹھنڈا کردیا۔

میجر بخشی، دھن راج اور بھیشم کی طرح ہری چند بھی ہندو تھا۔ اس وقت تک دہشت گردی کی اس کڑی میں کسی مسلمان کا نام نہیں آیا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ رازداری کے ان بنیادی مراحل کے بعد یقینی طور پر ہر مذہب کے ملے جلے کارندوں کو خرید اگیا ہوگا۔

"ہری چند گھاس پھوس میں ان ہتھیاروں سے کیا کام لینے والا تھا؟"

"خدا قسم، یہ ہم کو نہیں پتا۔ ہم پیسہ لے کر اپنے کام سے کام رکھنے والا آدمی ہے۔"

"تم نے پہلے بھی دھن راج کے لئے ایسے کام کئے ہوں گے۔" میں نے سوال کیا۔

"دو تین چھوٹے موٹے دھندے کئے تھے۔ یہ بڑا ڈیل تھا۔" اس نے اقرار کیا۔

"تم ایک مدت سے یہ کام کررہے ہو۔ کئی بار پکڑے بھی گئے ہو اور ہر بار حوالات سے چھوٹ آتے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟" اس بار باز پرس کی ذمے داری اول خان نے سنبھال لی۔

بھیشم کا جواب میرے لئے متوقع تھا۔ "صاب! یہ ہمارا روزی

ہے۔ ہم مل بانٹ کر کھانے والا آدمی ہے۔ پولیس کو بھی حصہ دیتا
ہے۔ ان کو زیادہ مال کی ضرورت ہوتی ہے تو پکڑ کر بند کر دیتے ہیں۔
م بھاؤ بڑھا دیتا ہے تو جان خلاصی ہو جاتی ہے۔"

"تمہارے پاس ایسے خطرناک ہتھیار کہاں سے آتے ہیں؟"
یری دانست میں اول خان کا وہ سوال غیر ضروری اور بچگانہ تھا۔

"لانچ سے آتا ہے۔ امپورٹر لوگ بلیک کرتا ہے۔ وس راستے
ں۔"

"تم نے کبھی اوبرائن ڈی ہنٹ یا اوبی کا نام سنا ہے؟" میں
نے کہنی سے اول خان کے پہلو میں ٹہوکا دے کر اسے خاموش
کرکے پوچھا۔

"نہیں صاب...... ہم نے کبھی کسی ہنٹ شنٹ کا نام نہیں
نا۔"

"مگر اب سن لیا ہے۔" میں نے سفاکانہ غراہٹ کے ساتھ
کہا۔ "تم نے دیکھ لیا ہے کہ ہم پولیس والے نہیں ہیں۔ یہاں تم
بھتہ دے کر اپنی جان نہیں چھڑا سکتے۔"

"جی صاب!" وہ جلدی سے بولا۔

"جب تم اپنے بیان کے آخر میں ان لوگوں کے نام بتاؤ گے
ن کو اب تک ہتھیار سپلائی کرتے رہے ہو تو اس میں اوبی کا نام
ھی ہو گا۔ یاد رکھنا کہ یہ ایک گورا ہے۔"

"مم...... مگر صاب ہم اس کو نہیں جانتا۔" اس نے جھجکتے
وئے کہا۔ "بہت سا خریدار سامنے ہی نہیں آتا۔ ہم کسی خالی گھر یا
کان میں مال پہنچاتا ہے۔ وہیں رقم کا تھیلا مل جاتا ہے۔ سارا ڈیل
ون پر بات چیت سے طے ہوجاتا ہے۔"

"تو جانتے ہو، وہ سب بتاؤ گے اور اوبی کا نام بھی لو گے ورنہ
م تمہیں دوبارہ یہاں لے آئیں گے۔ یہاں دور دور تک کوئی
ہاری مدد کے لئے نہیں آئے گا۔"

عیشم واس ان پختہ کار اور خرانٹ مجرموں کے قبیلے سے
علق رکھتا تھا جو اپنی بساط کے مطابق آخر تک اپنے رازوں کی
فاظت کرتا ہے مگر جب یہ بھانپ لیتا ہے کہ زبان کھولے بغیر جان
ہیں بچ سکے گی تو پھر وہ خود بہ خود سچ بولنے لگتا ہے۔

وہ شخص انتہائی سخت جان اور چرب زبان ہونے کے ساتھ
خری درجے میں خوشامدی بھی ثابت ہو رہا تھا۔ اس کے اقرار پر
ں نے یقین کرلیا کہ ایس ٹی ایف کی تحویل سے نکلنے کے بعد وہ
پنے وعدے سے انحراف نہیں کرے گا۔

"صاب....! ہم بھوکا پیاسا مر رہا ہے۔ ہم کو کچھ چائے کھانا
ھی دے دو۔" ہمارے نکلتے نکلتے اس نے گڑگڑا کر التجا کی۔

ہم تینوں میں سے کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا لیکن
روازہ مقفل ہونے کے بعد اول خان نے گارڈ کو اس کے
ور دنوش کے بارے میں ہدایت دے دی۔

اول خان مجھے اپنی اس دن کی مصروفیات کا ہلکا سا خاکہ بتانے
کے بعد وہیں سے دفتر کی طرف ہولیا۔ میں واپس کمرے میں پہنچا تو
سلطان شاہ گہری نیند سو رہا تھا۔

آسمان کے مشرقی گوشوں پر صبح کی سفیدی تیزی سے بڑھتی
جا رہی تھی۔ خلا میں ہم سے بہت دور سورج شاید زمین کے اس خطے
کی مقابل اپنا سر ابھار چکا تھا مگر میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔ وہ
میری ذاتی رائے نہیں تھی، بس کہیں پڑھی ہوئی یہ سائنسی حقیقت
ذہن کے کسی گوشے میں اٹکی رہ گئی تھی کہ پونے دو لاکھ میل فی سیکنڈ
سے زیادہ رفتار سے سفر کرنے والی روشنی سورج سے زمین تک پہنچنے
میں پورے آٹھ منٹ لیتی ہے۔

صبح کے اولین اجالے میں یہ خیال بہت فکر انگیز تھا کہ ہم
اپنے گرد پھیلے ہوئے آسمان کی وسعتوں میں روشنیوں کی صورت
میں جو کچھ دیکھتے ہیں وہ اس وقت کی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ فاصلوں
کے لحاظ سے چند منٹ، چند گھنٹوں یا چند صدیوں پہلے کا ماضی ہوتا
ہے جو ہمیں بعد میں دکھائی دیتا ہے۔

ہم سب کائنات کے ایسے لامتناہی اور وسیع نظام میں رہ رہے
تھے جس میں زمین تو کیا، شاید سورج کی بھی کوئی زیادہ بڑی حیثیت
نہیں تھی مگر اس زمین پر بسنے والے انسانوں کا یہ عالم تھا کہ اربوں
کی آبادی میں رہنے والے بعض اوبرائن اور عیشم خود کو فرعونِ
وقت تصور کرکے سب کچھ بدل دینے کے خواب دیکھتے رہتے تھے۔

اس رات میں نے بس ذرا سی دیر کے لئے اونگھنے کی کوشش
کی تھی مگر پھر بھی اس وقت نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔
ذہن تھکا ہوا اور سر بھاری تھا میں بستر پر دراز ہونے کے بجائے
غسل خانے کی طرف ہولیا۔

طویل اور فرحت انگیز غسل کے بعد میں واپس لوٹا تو تپائی پر
تازہ اخبارات موجود تھے۔

ہر اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں پچھلی شام کے اسی حادثے
کی خبر تھی جس کے نتیجے میں شہر میں ہتھیاروں کی آزادانہ ریل پیل
سامنے آئی تھی۔

خبروں کے مطابق اس انکشاف سے پورے شہر میں خوف و
ہراس پھیل گیا تھا۔ شہری عدم تحفظ کے احساس کا شکار ہوگئے۔ وہ
اخباری نمائندوں کے اپنے لگے بندھے اندازے ضرور ہوسکتے تھے
مگر حقیقت سے زیادہ قریب نہیں تھے۔

کسی بھی اخبار کے لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ چند گھنٹوں کی
مدت میں شہر کی آبادی کے تمام طبقوں کا سروے کرکے کوئی یقینی
بات لکھ سکے۔ نامہ نگاروں نے اپنی میزوں پر بیٹھ کر سنسنی خیزی کے
لئے جو کچھ لکھا، وہ بیشتر اخباروں نے من و عن چھاپ دیا تھا۔

یہ طے تھا کہ وہ ان دنوں کی شاید سب سے بڑی خبر تھی اور
اس میں دفتری حاشیہ آرائیوں کے ساتھ فیلڈ ورک بھی نمایاں تھا۔

اول خان نے مجھے بتایا تھا کہ عیشم اور اس کے دو زخمی
ساتھیوں کی گرفتاری کی خبر اخبارات سے پوشیدہ رکھی گئی تھی لیکن

کسی وجہ سے وہ خبر پوری صحافی برادری میں پھیل چکی تھی۔ ہتھیاروں کی غیر قانونی ترسیل کے اہم اور بڑے مجرموں کی گرفتاری کی خبر ہر اخبار میں موجود تھی مگر اردو کے ایک ممتاز اخبار نے باوثوق ذرائع کے حوالے سے دو زخمی مجرموں کی تحویل اور ایجنسیوں کے ہاتھوں ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کی خبر چھاپ ڈالی تھی۔

امن و امان کے قیام اور ہتھیاروں کی نقل و حرکت کی نگرانی کے ذمے دار تمام ادارے میدان میں اتر کر سرگرم ہو چکے تھے۔ اگلے چوبیس گھنٹوں میں اہم حقائق کی نشان دہی کی توقعات ظاہر کی گئی تھیں۔

اس واقعے میں ایس ٹی ایف کے قربان علی کا کردار اس قدر اہم اور کلیدی تھا کہ اسے پوشیدہ رکھنا ممکن ہی نہیں تھا مگر اس کی شناخت کے لئے ایس ٹی ایف کے بجائے ایک خفیہ وفاقی ایجنسی کے الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔

شاید وہ پہلا موقع تھا کہ ایس ٹی ایف کے کسی اہل کار کا نام اور کارنامہ اس طرح اخبارات کی زینت بنا تھا ورنہ وہ لوگ پس پردہ رہ کر بڑے بڑے کام سرانجام دیتے تھے اور نہایت خاموشی کے ساتھ اس کا سہرا معروف سرکاری اداروں کے سر پر سجا دیتے تھے۔

ایک ایک کر کے میرے بقیہ ساتھی بھی بیدار ہو گئے۔ اس وقت تک میں اخبار بینی اور ناشتے سے بالکل فارغ ہو چکا تھا۔

یہ جان کر ان تینوں کو مایوسی ہوئی کہ بھیشم داس جیسے خوف ناک مجرم کی آمد اور اس سے باز پرس کے مراحل ان کے بیدار ہونے سے پہلے طے ہو چکے تھے۔

اس وحشی درندے کے دیدار کے لئے اول خان کی تلاش کی گئی تو پتا چلا کہ وہ رات گئے لائے جانے والے مجرم سمیت کہیں جا چکا تھا۔

ویرا کا چہرہ یوں لٹک گیا جیسے اسے اس کے کسی بنیادی حق سے محروم کر دیا گیا ہو۔

”ہماری آنکھ لگ گئی تھی تو اول خان کے آنے پر ہمیں بیدار کیا جا سکتا تھا۔“ ویرا نے احتجاج کیا۔ ”اس سے پہلے بھی ضروری کاموں کے لئے ہماری نیندیں خراب کی جاتی رہی ہیں۔“

”رات کو کوئی اس سے نہیں ملا تھا۔“ سلطان شاہ نے بتایا۔

”اول خان بہت تھکا ہوا تھا۔ وہ اسے گارڈ روم اسٹاف کے حوالے کر آیا تھا۔“

”اگر تم بھی اس سے نہیں مل سکے تو پھر مجھے اپنی محرومی کا کوئی افسوس نہیں ہے۔“

”وہ کوئی وی آئی پی نہیں تھا کہ اس سے ملنا میرے لئے باعثِ فخر ہوتا۔“ سلطان شاہ نے منہ بنا کے کہا۔ ”نہیں ملا تو نہ سہی۔ میرے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ پکڑا گیا۔“

”تم پر رفتہ رفتہ کاہلی غالب آتی جا رہی ہے۔ شاید اب تم تھک گئے ہو۔“

”تم جو چاہے کہتی رہو۔ میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“

”ڈھٹائی اسی کو کہتے ہیں۔ میں ڈینی سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ یہاں کی فضا ہمیں راس نہیں آ رہی۔ ہم چاروں کو جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔“ ویرا نے تیزی سے کہا۔

غزالہ ان دونوں کے درمیان بحث چھڑتے ہی غسل خانے کی طرف ہولی تھی۔ ویرا نے ادھر ادھر نظریں گھما کر اسے غائب پایا اور اخبار لے کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

سلطان شاہ اسے چڑانے کے لئے ہولے ہولے کچھ گنگنانے لگا۔ میں ان دونوں کو کمرے میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ صبح صبح ان کی کسی تکرار میں ملوث ہو کر میں اپنا موڈ برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔

نشے میں مخمور دھن راج کی زبانی میں اس کے ابتدائی ردِعمل سے واقف ہو چکا تھا۔ ہتھیاروں سے بھری ہوئی جیپ کی تباہی پر وہ پریشان اور خوف زدہ تھا۔ اس کے ذریعے دوسروں کا ردِعمل جاننے کے لئے مجھے گیارہ بجے تک انتظار کرنا تھا۔

میں نے میجر بخشی اور دھن راج کے ساتھ اوبرائن کو بھی قائل کیا ہوا تھا کہ میں ایس ٹی ایف میں اپنی اہم ذمے داریوں کی وجہ سے انہیں اپنے رابطے کا کوئی نمبر نہیں دے سکتا تھا۔

اس بندوبست میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ صرف میں ان سے یک طرفہ رابطہ کر سکتا تھا۔ وہ چاہتے تو بھی مجھ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ باہمی رابطوں کی اس خامی کی وجہ سے پچھلی رات دھن راج نے مجھے ہدایت کی تھی کہ جیپ کے حادثے کے بعد طے ہونے والی حکمتِ عملی سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے میں اسے صبح گیارہ بجے فون کروں۔

وہ بات اتنی معمولی سی تھی کہ کسی نے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا نہ میں نے کسی کو اس طے شدہ پروگرام کے بارے میں بتانے کی ضرورت محسوس کی۔ ساڑھے دس بجے میں خاموشی سے اول خان کے دفتر میں جا بیٹھا۔

وہ خود بھیشم داس کو لے کر صبح سویرے نکل چکا تھا۔ اس کا عملہ میرا اتنا احترام کرتا تھا کہ میرے پہنچتے ہی وہ کمرا میرے لئے خالی کر دیا گیا۔

ٹھیک گیارہ بجے میں نے سی ایس ڈی والے فون پر دھن راج کے کمرے کا ڈائریکٹ نمبر ملایا اور انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف دیر تک گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کوئی جواب نہیں آیا تو مجھے تشویش ہونے لگی۔ فون کی اتنی گھنٹیاں اسے گہری نیند سے بیدار کرنے کے لئے کافی سے زیادہ تھیں۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ پچھلی رات وہ خاصا نشے میں تھا اور بھیشم کی ناکامی نے اسے بہت زیادہ مایوس کیا تھا۔ کہیں اس نے مایوسی کے عالم میں خودکشی نہ کر لی ہو۔

ہوٹل میں اس سے رابطے کے لئے دوسرے نمبر ایکس چینج کے تھے۔ میں نے سی ایس ڈی بند کر کے ایک نمبر ملایا۔ آپریٹر نے مجھے کافی دیر ہولڈ کرانے کے بعد آگاہ کیا کہ کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ میری تشویش گہری ہونے لگی۔

آپریٹر دھن راج کے بارے میں کچھ بتانے سے قاصر تھا۔ میرے استفسار پر اس نے میری کال استقبالیہ کاؤنٹر پر منتقل کردی۔ وہاں موجود خاتون نے مجھے بتایا کہ دھن راج نے رات گئے ہوٹل چھوڑ دیا تھا۔

وہ لوگ بڑے کھیل کھیل رہے تھے اور یقینی طور پر حالات سے باخبر رہتے تھے۔ مشن کی ناکامی کے بعد دھن راج کو یقین رہا ہوگا کہ اتنے بڑے واقعے کے بعد پولیس کسی نہ کسی طرح بھیشم تک پہنچ جائے گی اور پھر اس کا نام بھی بے نقاب ہو جائے گا۔

وہ خطرہ بھانپ کر دھن راج ہوٹل سے نکل چکا تھا۔ یہ امکان بھی تھا کہ اس نے ہوٹل کے ساتھ شہر ہی چھوڑ دیا ہو اور پناہ لینے کے لئے اپنے آبائی شہر عمرکوٹ کی طرف روانہ ہو گیا ہو۔

میرے پاس عمرکوٹ کا نمبر نہیں تھا۔ میں دیر تک کریڈل دبائے سوچتا رہا۔ دھن راج کے غائب ہو جانے کے بعد مجھے یہ حق مل گیا تھا کہ میں براہ راست میجر بخشی سے رابطے کی کوشش کروں۔

گھر پر اس کی خادمہ نے فون اٹھایا اور مطلع کیا کہ وہ دفتر گیا ہوا تھا۔ ویسے بھی وہ وقت گھر پر اینڈ نے کا نہیں تھا۔ میں نے آخری امید کے طور پر اس کے دفتر کا نمبر ملا لیا۔

آپریٹر نے میرا نام پوچھا اور انتظار کا مشورہ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس وقت کے سنگین حالات میں میجر بخشی میرا نام سنتے ہی مجھ سے بات کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔

چند ثانیوں بعد آپریٹر نے میری اس خوش فہمی پر پانی پھیر دیا۔ ”سوری سر! وہ مصروف ہیں۔ بات نہیں کر سکتے۔ آپ چھ بجے کے بعد محفوظ فون پر ان سے گھر پر رابطہ کریں۔“

آپریٹر نے میرا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔ میجر بخشی کا وہ رویہ مجھے توہین آمیز محسوس ہوا مگر پھر مجھے خیال آیا کہ بھیشم داس کی ناکامی نے ان لوگوں کو بری طرح خوف زدہ کیا ہوا تھا۔ اس وقت کسی مشن یا کام سے زیادہ اہمیت ان کے اپنے تحفظ کی تھی۔

دھن راج حالات سے ڈر کر میدان سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ میجر بخشی سرکاری ملازم تھا۔ رسّی تڑا کر بھاگنا اس کے بس سے باہر تھا۔ وہ محتاط رہ کر ہی اپنی گردن بچا سکتا تھا۔

اس کے پیغام پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ مجھ سے گریز نہیں کر رہا تھا، بس کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہ رہا تھا۔ چھ بجے محفوظ فون استعمال کرنے کے مشورے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سی ایس ڈی کے بغیر مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کرنا چاہ رہا تھا جب کہ دفتر میں آپریٹر کے ذریعے بات کرنے کے لئے سی ایس ڈی کا استعمال ناممکن تھا۔

وہ سب محتاط تھے اور اپنے اپنے حصار میں رہ کر بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ شام تک واقعات اور حالات کا رخ زیادہ واضح ہونے کی امید تھی۔ ورنہ میجر بخشی چاہتا تو مجھے یہ پیغام بھی دے سکتا تھا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں گھر پہنچے گا۔ میں محفوظ فون پر اس سے رابطہ کروں۔

میجر بخشی کوئی نو آموز سیکرٹ ایجنٹ نہیں تھا جو جوش یا عجلت پسندی میں کوئی غلط فیصلہ کر گزرتا۔ وہ تیل اور تیل کی دھار دیکھ کر فیصلہ کرنے والوں میں سے تھا۔

دھن راج کی طرف سے مکمل مایوسی اور بلیک آؤٹ کے بعد میجر بخشی سے مجھے تھوڑی سی آس بندھی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ پیدا ہونے والے میرے رابطے برقرار رہیں تاکہ میں ان کے ناپاک عزائم سے واقف ہوتا رہوں اور پھر مناسب وقت میں ایک ہی بھرپور وار کر کے ان کے ارادوں کو پیوند خاک کردوں۔

ان گورکھ دھندوں پر سوچ بچار کرتے ہوئے میرا ذہن اچانک اوبرائن کی طرف بھٹک گیا۔ میرے پاس اس کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر موجود تھا۔ گو اس کی آخری ہدایت تھی کہ میں اس سے بالکل دور رہوں اور کوئی رابطہ نہ کروں مگر اس وقت میرے پاس ایک بہترین عذر موجود تھا۔

دھن راج بھاگ چکا تھا، میجر بخشی نے مجھے ٹال دیا تھا۔ میرے پاس اوبرائن سے بات کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہ گیا تھا۔

میں نے کریڈل سے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ خوف کی ایک نئی لہر نے مجھے آدبوچا۔

میں نے ریسیور واپس رکھا ہی تھا کہ سلطان شاہ دفتر میں داخل ہوا اور شوخی سے بولا ”اگر تم نے میری وجہ سے ریسیور واپس رکھا ہے تو میں باہر چلا جاتا ہوں۔ بات کر کے مجھے اندر بلا لینا۔“

”تم گدھے ہو“ میں نے سنجیدگی سے کہا ”خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔“

”یہ بتاؤ کہ مائیکرو بگ اور لوکیشن فائنڈر وغیرہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔“

”اچھی رائے ہے لوکیشن فائنڈر کو تو ہم ذاتی طور پر پہلے بھی بھگت چکے ہیں۔“

”وہ ایک الگ چیز تھی۔ اب لاکھوں میں کوئی ایک آواز پہچاننے کی بات ہو رہی ہے۔“

”یہ دعویٰ بے بنیاد نہیں ہو سکتا۔ وہ سنجیدگی سے اسے استعمال کرنے والے ہیں۔“

”میں ابھی اوبرائن کو فون کرنے والا تھا لیکن اسی خوف سے ارادہ ملتوی کردیا کہ کہیں وہ میری آواز شناخت کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔“

”تمہاری تشویش بجا ہے۔ تم اس کے لیے کرنل جمال دستی

ہو‘ وہی بنے رہو۔“

”میں اس سے اسی حیثیت میں بات کروں گا“ میں نے مشورے کے لیے اسے آگاہ کیا۔

”پھر تمہیں کیا خوف ہے؟ اس روپ میں تم اس سے ملتے بھی رہے ہو۔“

”تم بھول گئے۔ میں نے بدلی ہوئی آواز میں اسے فون پر دھمکیاں دی تھیں۔ اوبرائن نے وہ کال اس یقین کے ساتھ ریکارڈ کرلی تھی کہ اسے دھمکیاں دینے والا ڈینی تھا۔“

”مجھے ہربات یاد ہے۔ اسی بنا پر وہ شہر بھر میں مائیکرو بگ پھیلانے کا پلان بنا رہا ہے۔“

”کوئی مشیر نہ ہو تو آدمی کو دیوار سے ہی مشورہ کرلینا چاہیے۔ بخشی نے کہا تھا کہ مائیکرو بگ سے منسلک سسٹم بدلی ہوئی آواز کو بھی پہچان سکتا ہے کیونکہ ہر شخص کے صوتی آہنگ جدا ہوتے ہیں۔“

”حیرت ہے کہ تم بخشی کی اس احمقانہ بات کو اتنا وزن دے رہے ہو!“

”کیوں نہ دوں؟ کیا آج کے دور میں ایسا ہونا ناممکنات میں سے ہے؟“

”یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ اس نے ڈینی کے روپ میں کہیں سے تمہاری اصلی آواز حاصل کرلی ہو۔ بدلی ہوئی آواز کو کوئی نہیں پکڑ سکتا۔“

مجھے خود بھی یہ بات معلوم تھی کہ سائنسی طور پر انفرادی شناخت صرف فنگر پرنٹس کے ذریعے ہی ممکن تھی کیونکہ اربوں میں کسی دو افراد کے فنگر پرنٹس کبھی یکساں نہیں ہوتے جبکہ صورتوں اور آوازوں میں حیرت انگیز مماثلت کے واقعات جابہ جا سننے میں آتے تھے۔

”خطرات ہر طرف سے بڑھ رہے ہوں تو آدمی کو احتیاط کرنی پڑ جاتی ہے۔“

”یہ کہہ کر تم اپنی کمزوری کا اعتراف کر رہے ہو۔ اول تو تمہارا خدشہ بے بنیاد ہے۔ فرض کرو کہ وہ تمہاری آواز پہچان بھی لے تو تمہارا کیا بگاڑ لے گا؟“

سلطان شاہ کے آخری فقروں سے میرا عزم توانا ہو گیا۔ میں چھاؤنی کے وسیع علاقے کے قلب میں‘ ایس ٹی ایف کے مضبوط حصار میں تھا۔ دشمن ادھر کا رخ کرنے کی جرات بھی نہیں کرسکتا تھا۔

”اچھا ہوا کہ تم بروقت آگئے“ میں نے مسکرا کر کہا ”ورنہ میں اکیلا بیٹھا اپنے ہی وسوسوں کے جال میں الجھا رہتا۔ خوف کیسا بھی ہو‘ انسان کا حوصلہ توڑ کر رکھ دیتا ہے۔“

”تمہاری زبان سے خوف کا لفظ کچھ اجنبی سا معلوم ہو رہا ہے“ اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ”یہ تبدیلی آنے کا سبب کیا ہے؟“

”بیٹھے رہو۔ ابھی سب کچھ سامنے آجائے گا“ میں نے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

پہلی گھنٹی پر کال ریسیو کرنے والا اوبرائن ڈی ہنٹ ہی تھا۔

”میں کرنل....“ میری زبان سے وہ الفاظ ادا ہوتے ہی اوبرائن نے آواز پہچان کر درشت لہجے میں میری بات کاٹ دی ”تمہیں مجھ سے الگ رہنے کی ہدایت دی گئی تھی۔“

”کل رات کے واقعے کے بعد...“ میں نے وضاحت پیش کرنی چاہی لیکن اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں دوبارہ میری بات کاٹ دی۔

”ماضی کو مت کریدو۔ مختصر الفاظ میں آج کی اور اپنی بات کرو۔“

”دھن راج غائب ہے۔ بخشی مجھ سے کترا رہا ہے۔ کیا میں انہیں بھول جاؤں؟“

”دھن راج ٹارگٹ پر آچکا ہے۔ اس کے لیے روپوشی ہی بہتر تھی۔ بخشی سے رابطہ رکھو۔ وہ تم سے نہیں کترائے گا۔ اس وقت اس کی کوئی مجبوری ہو سکتی ہے۔“

”مائکرو بگنز کے لیے دھن راج نے گیارہ بجے کا وقت دیا تھا۔ میجر کو شام چھ بجے سے پہلے فرصت نہیں ہے۔ میں کیا کروں؟ یہ سوال مجھے پریشان کر رہا ہے۔ کیا مجھے اکیلا چھوڑ دیا گیا ہے؟“ گفتگو کا سلسلہ شروع ہو جانے کے بعد میرے لیے بات کو بڑھانا آسان ہو گیا تھا۔

”اکیلے پن کا خوف اپنے دماغ سے نکال دو۔ وہی کرو جو میجر کہہ رہا ہے۔ اب وہ تمہارا باس ہے۔ اس وقت ہر چیز ثانوی ہو گئی ہے۔ ایک درمیانی آدمی کی ذرا سی غفلت اور بے پروائی نے ہمارا بہت کچھ داؤ پر لگا دیا ہے۔ خود کو بچا کر بعد میں بھی بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔“

وہ الو کا پٹھا مجھے اپنے دماغ سے خوف نکالنے کا مشورہ دے رہا تھا مگر خود بری طرح خوف زدہ تھا۔ اپنی فکر میں پڑ کر سب کچھ بھول جانے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اس کا تاثر برقرار رکھنے کے لیے کہا ”تم سے بات کر کے مجھے گہرا سکون ملا ہے۔ کیا میں برے لمحات میں تم کو فون کر سکتا ہوں۔“

”اب کوشش بھی نہ کرنا“ اس نے سختی سے کہا ”میں آج شام کی فلائٹ سے چند روز کے لیے پاکستان سے باہر جا رہا ہوں‘ سرکاری کام ہے۔ مجھے واپسی میں دیر بھی ہو سکتی ہے۔“

خوشی سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ پورے ایشیا میں پھیلے ہوئے ملکوں کو توڑ پھوڑ کر اپنی پسند کی ایک نئی ریاست بنانے کا خواب دیکھنے والا قدرت کی ایک ہلکی سی غیبی سرزنش سے اپنے اوسان کھو کر پاکستان سے فرار ہو رہا تھا۔ میرے لیے ان حالات میں اس سے بڑی کامیابی کا تصور کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ دل ہی دل میں اس کی بربادی کی دعا مانگتے ہوئے میں نے زبان سے

اس کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ تو مجھے اپنی آواز میں ہلکا سا غیرارادی طنز محسوس ہوا۔

غنیمت یہ ہوا کہ وہ ایشیائی لب ولہجے کے اس موہوم سے طنز کو نہ سمجھ سکا۔ میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس نے یقین دلایا کہ روانگی سے پہلے وہ میرے بارے میں میجر بخشی کو مزید ہدایت کردے گا۔

دوسری طرف سے کلک کی آواز سن کر میں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

"دھن راج ہوٹل سے بھاگا ہے۔ آج شام اوبرائن ملک سے ہی ملک فرار ہو رہا ہے" میں نے مسرت کے ساتھ سلطان شاہ کو آگاہ کیا تو حیرت اور بے یقینی سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اس پر کیا افتاد آگئی۔ اس کے بارے میں تو سرکاری ہدایات تک آچکی ہیں۔"

"برا وقت آتا ہے تو دشمنوں کی عقلیں پلٹ جاتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اسے بھیشم داس سے منسوب کیے جانے والے بیان کی بھنک مل گئی ہو۔"

"دھن راج کا دہشت زدہ ہونا قابل فہم ہے۔ اسے بھیشم کے بیان سے کیا خطرہ تھا؟ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا تھا کہ اسے ناپسندیدہ قرار دے دیا جاتا اور وہ بستر بوریا سمیٹ کر یہاں سے امریکا روانہ ہو جاتا۔ اس کے نکلنے کا سبب سمجھ میں نہیں آیا۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں بھی چکرا گیا "سبب کچھ بھی ہو' وہ سرکاری کام کے بہانے آج کراچی سے کسی اور ملک کی طرف نکل جائے گا۔"

"اسے تم ڈینی کا خوف ہی کہہ سکتے ہو۔ وہ ہتھیار ڈینی کے خلاف بھیجے جا رہے تھے۔ دھن راج کے کہنے کے مطابق اوبرائن کے دماغ میں یہی بات گھسی ہوگی کہ تم نے جیپ کے ساتھ کوئی شرارت کرکے اس کا منصوبہ ناکام بنایا ہے۔"

میں بے ساختہ ہنس پڑا۔ مجھے دھن راج کے کہے ہوئے الفاظ یاد آگئے۔ اس نے کہا تھا کہ اوبی یہ سوچے گا کہ جیپ کو ٹکر مارنے والے ٹرک کو ڈینی چلا رہا ہوگا۔

"شاید یہی بات ہو" میں نے سلطان شاہ کی تائید کی "وہ یہاں مسلسل کمزور پڑ رہا تھا۔ اس پر میرا نفسیاتی خوف سوار ہو گیا ہے۔"

"اس کے چلے جانے کے بعد مائیکرو بگز شہر میں پھیلانے کا کام کون کرے گا؟ تم نے اس بارے میں اوبرائن سے براہِ راست ایک سوال کیا تھا۔"

"وہ سب دھرا رہ گیا۔ اوبی کے الفاظ میں اپنے بچاؤ کے سامنے ہر چیز ثانوی ہو گئی ہے۔"

وہ بہت دلچسپ اور مسرت انگیز پوزیشن تھی۔ سلطان شاہ نے دل کھول کر قہقہہ لگایا اور کہا "کسی طرح اسے یہ خبر پہنچادو کہ آج ڈینی ائرپورٹ پر ہی منڈلا رہا ہے۔ یقین کرو کہ وہ سفید چوہا سمندر میں چھلانگ لگا کر تیرتا ہوا کسی طرف بھاگ نکلے گا۔"

"کوئی دشمن اتنا حقیر نہیں ہوتا" میں نے خوشی سے سرشار ہونے کے باوجود سنجیدگی سے جواب دیا "فرار کی ساری راہیں مسدود ہو جائیں تو کمزور ترین دشمن بھی براہِ راست نرخرے پر حملہ آور ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اسے نتائج کی ذرا بھی پروا نہیں ہوتی۔"

"واقعات کا یہ رخ بالکل ناقابل یقین ہے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس بار معاملات آسانی سے ہمارے قابو میں آسکیں گے۔"

"تمہاری دانست میں ان لوگوں کی یہ پسپائی میدان بالکل صاف کردے گی؟"

"میجر بخشی کے سوا اور کون باقی رہ جاتا ہے؟ اسے مار لینے کے بعد ہم ہی فاتح ہوں گے۔"

"یہ تمہاری سنگین بھول ہے۔ ہماری برتری اور ان کی روپوشی عارضی ہے۔ تازہ ترین واقعے کی گرد دب جانے کے بعد وہ دوبارہ صف آرا ہوں گے۔ اس وقت تک اوبرائن شاید نئی دہلی یا کولمبو میں بیٹھ کر اپنا کام کرتا رہے گا۔ یہ ڈور بہت دور تک الجھی ہوئی ہے۔"

"بعد میں جو ہوگا' وہ دیکھ لیا جائے گا۔ اس کا ذکر کرکے میری موجودہ خوشی کا مزہ کرکرا مت کرو۔ ایک بار ہزیمت اٹھانے کے بعد وہ کبھی بھی نہیں جیت سکے۔"

"بھیشم بہت بدصورت آدمی ہے۔ اسے دیکھ کر کراہت آتی ہے۔ اس کا کام اس کے چہرے سے بھی زیادہ بھیانک ہے۔ تم میری بات لکھ لو کہ وہ بھی موت کے سوداگروں کے کسی ریکٹ کا اہم آدمی ہے۔ وہ یہاں سے ہیروئن لے جاتے ہیں اور ہتھیار لاتے ہیں...."

سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر کہا "میں کہتا ہوں کہ وہ شیطان صفت نہیں' خود شیطان ہے لیکن یہ دیکھو کہ اس نے ہمارے لیے کیسا کارنامہ انجام دیا ہے۔"

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ مقدر یاوری کر رہا ہو تو زہر بھی تریاق بن جاتا ہے۔"

"بھیشم کو اس کے کیے کی کافی سزا مل چکی۔ میرا خیال ہے کہ اس کی ناکامی کے نتائج سامنے آنے کے بعد اسے آزادی مل جانی چاہیے" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"تاکہ وہ بے داغ ریکارڈ کے ساتھ ایک مرتبہ پھر اپنی مذموم حرکتیں شروع کرسکے!" میں نے ملامت سے کہا۔ "وہ پہلی بار صحیح گرفت میں آیا ہے۔ اس جیسے زہریلے سانپ کا پھن چھوڑو گے تو وہ پلٹ کر سب سے پہلے تم ہی کو ڈسے گا۔ اس کے لیے موت کی سزا بھی کم ہوگی۔"

"آج وہ دونوں اپنے کمرے میں سر جوڑے بیٹھے ہیں" سلطان شاہ نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا "میں انہیں بھی یہ خبریں سنا کر

آتا ہوں۔"

میں مسکرا کر رہ گیا اور وہ تیزی کے ساتھ دفتر سے باہر نکلتا چلا گیا۔

"اب میں اسلام آباد میں ہوں" اس نے لاہور کا حوالہ دے کر مجھے خود ہی پچھلا جھوٹ یاد دلا دیا تھا ورنہ میں روانی میں سب کچھ بھول چکا ہوتا "تم دونوں بہت یاد آتے ہو۔"

"میری قسمت ایسی کہاں کہ تم مجھے یاد کرو..... تم نے تو مجھ سے بات کیے بغیر ہی ان کے بارے میں پوچھا تھا۔ تمہیں پتا ہوتا کہ وہ دکان پر ہوں گے تو وہیں فون کرتے۔"

"میں اس وقت ہوٹل کی لابی سے فون کر رہا ہوں" اس کے موڈ کا اندازہ کر کے میں نے جلدی سے کہا "مجھے گھر کا نمبر یاد تھا' بس وہی گھما ڈالا۔ فاریسی کا نمبر اوپر بریف کیس میں پڑا ہوگا۔ یہ مت بھولو کہ میری اور جہانگیر کی دوستی تمہاری شادی سے بھی پرانی ہے۔"

"اور اسی لیے تم مجھ سے دور بھاگتے ہو؟" سلمٰی نے سوالیہ انداز میں شکوہ کیا۔

"میرے اردگرد لوگوں کی آمدورفت جاری ہے۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔ اسی کے ساتھ مجھے رشتوں کا احترام بھی عزیز ہے۔"

"رشتوں کا احترام کرتے تو مجھے دکان پر ڈکیتی کی جھوٹی کہانی نہ سناتے" سلمٰی نے کالو مکرانی اور قاسم کے قصے کا حوالہ دے کر مجھے چونکا دیا۔

"مجھے کوئی جھوٹی کہانی سنانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے تیزی سے کہا۔

"یہ ان ہی سے پوچھنا" سلمٰی کی آواز تیکھی ہوگئی "کل رات ہی محبت میں بے قابو ہو کر انہوں نے خود مجھے پوری کہانی بتا ڈالی ہے۔ تم کو معلوم تھا کہ وہ قاسم کی بیوی کو مفت دوائیں بانٹتے ہیں۔ قاسم اسی چکر میں کالو مکرانی کو لے کر ان سے لڑنے کے لیے آیا تھا۔"

میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا اور ترکی بہ ترکی جواب دیا "جہانگیر کے سر پر جوتے لگاؤ اور اس سے پوچھو کہ اس نے ہاتھ پیر جوڑ کر میری خوشامدیں کیوں کی تھیں۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ تم سے بے وفائی نہیں کرے گا۔ صرف اس شرط پر میں نے اس کے جھوٹ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ تمہارے سامنے سچ اگل دے گا۔"

طویل کوفت اور ذہنی تکان کے بعد اس وقت میں خود کو بہت تروتازہ اور ہشاش بشاش محسوس کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں جہانگیر کا خیال آیا اور میں نے غیرارادی طور پر اس کے گھر کا نمبر ملا لیا۔ کئی گھنٹیوں کے بعد سلمٰی نے فون اٹھایا تو میں مزاج پرسی کے بعد جہانگیر کے بارے میں پوچھ بیٹھا۔

"آج کل دکان پر ان کا دل لگتا ہے۔ روز پابندی سے جاتے ہیں اور دیر سے آتے ہیں۔" سلمٰی نے معمول کے مطابق جہانگیر کے بارے میں گلہ کیا "تم ابھی تک لاہور میں ہو یا کراچی لوٹ آئے ہو؟"

"ان کے چکر میں پڑ کر تم یہ بھول جاتے ہو کہ وہ میرے شوہر ہیں اور میں ان کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ جب چاہوں انہیں اپنے سامنے جھکا سکتی ہوں۔"

"یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔"

"تمہاری دوستی میری شادی سے زیادہ پرانی ہے۔ تم کو سمجھنا چاہیے کہ ان کی فطرت کیا ہے۔ یہ ممکن نہ ہو تو تمہیں دعوے کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔"

"جہانگیر کی کمزوریوں کی وجہ سے تمہیں بولنے کا موقع مل رہا ہے" سلمٰی کے طنزیہ رویے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اپنی جان چھڑانے کے لیے ترشی اختیار کر لی "میں کراچی آکر اس کی خبر لوں گا۔"

"آج کل وہ جس اہتمام سے بن سنور کر دکان جاتے ہیں' اس سے مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ان کے گاہکوں میں پھر کوئی فتنہ پرور حسین چہرہ شامل ہو گیا ہے۔"

"فکر مت کرو۔ اس بار اس کی مرمت ہوئی تو میں دور تک نظر نہیں آؤں گا۔ میرا یہ پیغام اس تک ضرور پہنچا دینا تاکہ اس کے ہوش ٹھکانے پر آسکیں۔"

اپنا پیغام مکمل کرتے ہی میں نے فون بند کر دیا۔ سلمٰی سے طویل گفتگو کرتے ہوئے میں ہمیشہ الجھن محسوس کرتا تھا اور وہ جان بوجھ کر بات کو طول دینے کی کوشش کرتی تھی۔

اس بات چیت نے میرا اچھا خاصا موڈ غارت کر دیا۔ میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگالی اور جہانگیر کے خلاف اپنے غصے کو دبانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

پوری سگریٹ پھونکنے تک میں اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا رہا۔ جب مجھ سے برداشت نہ ہو سکا تو میں نے گولڈن فاریسی کا نمبر ملا لیا جو مجھے ازبر تھا۔

"ابے لمڈ مگ..... پیٹ کے ہلکے! تمہیں سب کچھ اپنی والدہ صاحبہ کو بتانا ہی تھا تو مجھے جھوٹ بولنے پر کیوں مجبور کیا تھا؟" میں اس کی آواز سنتے ہی سلام دعا کے بغیر برس پڑا "اس وقت تمہاری بیوی کی نظروں میں میری کیا وقعت رہ گئی ہوگی۔"

ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز آئی "وہ فون کر کے مجھے پوری کتھا سنا چکی ہے۔ تم بھی برا بھلا کہہ کر اپنا دل ہلکا کر لو۔ یہ کسی کی نہیں' میرے نصیب کی خرابی ہے۔"

"خود غلط حرکتیں کرو گے اور پھر کسی بیوہ کی طرح اپنے نصیب کو رونے بیٹھ جاؤ گے۔"

”بھائی! تمہارا غصہ بالکل بجا اور بے جا ہے۔ بجا اس لیے ہے کہ تم نے اپنی بے عزتی محسوس کی ہے اور بے جا اس لیے کہ جیسے کووں کے کوسوں ڈھور نہیں مرا کرتے‘ اسی طرح بیویوں کے کڑکڑانے سے کسی کی بے عزتی نہیں ہوتی۔ ایسا ہونے لگے تو آدھی دنیا کے مرد رسوا ہو جائیں۔“

”وہ میری نہیں‘ تمہاری بیوی ہے۔ میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔“

”میں کب کہتا ہوں کہ برداشت کرو۔ کھری کھری سنا کر اس کی طبیعت صاف کر دو۔“

اس کی یتیمانہ باتوں سے میرا غصہ خود بہ خود دھیما پڑنے لگا پھر بھی میں نے درشتی سے پوچھا ”خاموشی سے سب کچھ نمٹ گیا تھا پھر تمہیں اس کے سامنے منہ کھولنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”اب تو میں اسے شامت ہی کہوں گا۔ کل رات وہ بڑے نخرے دکھا رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس کا دماغ راہ راست پر لانے کے لیے اسے بتا دوں کہ دوسری عورتیں بھی مجھ پر مرتی ہیں۔ اس نے اپنا سلوک نہ بدلا تو میں خاموشی سے کسی سے رسم و راہ بڑھا لوں گا۔“

”اور تمہاری تدبیر کارآمد ثابت ہوئی تھی؟“ میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

”کارآمد... وہ بالکل بھیگی بلی بن گئی تھی“ جہانگیر کی آواز فخریہ ہو گئی۔

”اس کا مطلب ہے کہ وہ اتنی بھولی نہیں ہے جتنی بنتی ہے؟“ جہانگیر کو اپنا ہم نوا پا کر میں بھی غیر ارادی طور پر سلمٰی کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے لگا۔

”ہرگز نہیں‘ اس دھوکے میں بھی نہ رہنا۔ وہ لومڑی کے کان کترتی ہے۔“

”لومڑیوں سے زیادہ وہ تمہارے کان کترتی ہے۔ تمہارا پیٹ پھرنے لگتا ہے تو وہ تمہاری حرکتوں سے سمجھ جاتی ہے کہ تم اس سے کوئی بات چھپا رہے ہو۔ ناز نخرے دکھا کر تم سے ہر بات اگلواتی ہے‘ بعد میں تمہیں طعنے دیتی رہتی ہو گی۔“

لائن پر توقف سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد آواز آئی ”یہ کل کا قصہ ہے۔ اس بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن دوسرے معاملات میں اکثر ایسا ہوتا رہا ہے۔ میں اس کی بدکلامی سے عاجز آ جاتا ہوں۔“

”اپنی بیوی کو سمجھا دینا کہ وہ ہر ایک کو جہانگیر نہ سمجھا کرے۔ کسی دن غصہ آ گیا تو ساری مروت اور پاس داری کو بالائے طاق رکھ دوں گا۔“

”اس نے بہت زہریلے لہجے میں تمہارا پیغام مجھے سنایا تھا۔ اب میں اسے تمہارے نادر خیالات سے بھی آگاہ کر دوں گا۔ وہ تمہارے بل پر اکثر اکڑتی رہتی ہے۔ دھمکی دیتی ہے کہ تم سے میری

نوجوان عورت ایک ماہرِ نفسیات کے پاس شکایت لے کر پہنچی اور کہا کہ اس کا شوہر اب بھی اس سے محبت نہیں کرتا حالانکہ وہ چھ بچوں کی ماں بن چکی ہے۔ یہ سن کر ماہرِ نفسیات بولا ”شکر کرو کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔ ذرا سوچو‘ اگر محبت کرتا تو تمہارے بچوں کی تعداد کیا ہوتی۔“

اقبال عسکری‘ سعودی عرب

شکایت کر دے گی۔“

جہانگیر کسی زمانے میں بہت ذہین ہوا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اسے شی میں اپنی نیابت کے لیے مقرر کیا تھا لیکن شادی کے بعد حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ اسے ہر وقت اپنی جان کے لالے پڑے رہنے لگے۔

اس نے اپنا داغ دار ماضی سلمٰی اور اس کے گھر والوں سے پوشیدہ رکھا تھا۔ سلمٰی اس کی پراسرار سرگرمیوں اور غیر معمولی حفاظتی انتظامات پر اس کی طرف سے شاکی رہنے لگی تو اس نے ایک طویل مدت کے لیے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا۔

دن رات بیوی کے ساتھ گھر میں محصور رہنے کے جو نتائج برآمد ہونے تھے‘ وہی ہوئے۔ آپس کی تلخیاں بڑھیں تو اس کی شراب نوشی میں زیادتی پیدا ہوتی چلی گئی۔ شب و روز کی مے نوشی کی کثرت نے رفتہ رفتہ اس کے ذہن کو اس قدر ماؤف کر دیا تھا کہ وہ نشے کے بغیر بھی اپنی گفتگو سے گھامڑ محسوس ہونے لگا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسی انداز میں باتیں کر رہا تھا۔

”اگلی ملاقات پر سلمٰی نے مجھ سے اپنے رویے پر معذرت نہ کی تو میں تمہارے گھر آنا چھوڑ دوں گا۔“ میں نے اسے جھنجوڑنے کے لیے کہا۔

”اس کی ایسی کی تیسی۔ معذرت کیسی‘ وہ تم سے معافی مانگے گی۔“

”بس اب اسلام آباد سے واپسی پر ملاقات ہو گی“ میں نے اچانک ہی وہ الوداعی فقرہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس سے بات کر کے میرا دماغ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

اول خان چار بجے واپس لوٹ آیا۔ رات کی بے خوابی کے اثرات اس کی آنکھوں میں ہلکے سے ورم کی صورت میں مترشح تھے۔ اپنے خالی دفتر کا جائزہ لے کر وہ ہمارے پاس ہی آ گیا۔

وہ بھیشم داس کو اپنے ساتھ لے کر صبح سویرے اسٹیشن فور سے نکل گیا تھا۔ معاملے کی نزاکت کے پیش نظر سارے انتظامی افسران بھی اپنے مقررہ دفتری اوقات سے پہلے پولیس ہیڈ کوارٹرز

پہنچ گئے تھے۔ وہاں کے سخت حفاظتی انتظامات میں بھیشم داس کو اول خان کی گاڑی سے لاک اپ میں ڈال دیا گیا تھا جہاں فوری طور پر اس سے باز پرس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

اسٹیشن فور کے اعصاب شکن عقوبت کدے میں محض انسانی مہارت کے ذریعے بھیشم داس کو ایسا سبق دیا گیا تھا کہ اس کی ساری مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ اول خان کا درشت چہرہ ہر لمحے اس کے سامنے رہا تھا۔ اس نے وہی کہانی دہرادی جو اسے صبح سویرے بتائی گئی تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ اس کے بیان میں صرف اور صرف حقائق تھے۔ اس میں فرضی اضافہ صرف اوبرائن کے نام کا تھا جو حالات کی رو سے ناموزوں نہیں تھا۔

ضابطے کی کارروائیاں مکمل ہونے کے بعد احاطے میں جمع صحافیوں کو تین ملزمان کی گرفتاری اور ان کے سرغنہ کے اقبالی بیان کی نقلیں دس بجے جاری کردی گئیں۔ شاید اوبرائن نے اسی وقت پاکستان سے نکل جانے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ میری اور اس کی گفتگو ساڑھے گیارہ بجے کے لگ بھگ ہوئی تھی اور اسے اپنا لائحہ عمل طے کرنے کے لیے کافی وقت مل چکا تھا۔

بھیشم کے دونوں معاون ہوش میں آچکے تھے اور بدستور اسپتال میں داخل تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں تھا کہ اس کا کوئی بیان لیا جاسکے۔

دھن راج کی یکایک روپوشی کے بارے میں اول خان کو ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ وہ خبر سن کر اس نے بہت اطمینان سے کہا تھا "وہ عمرکوٹ کے سوا اور کہیں نہیں جائے گا۔ ہم جب چاہیں گے، وہاں جاکر اس کی گردن ناپ لیں گے۔"

"اور اوبرائن کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ویرا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے لیے فی الحال اس کا ہونا یا نہ ہونا بے معنی ہے" اول خان کو اس وقت تک پوری تفصیلات کا علم نہیں ہوسکا تھا۔

"لیکن وہ خوف زدہ ہوکر آج شام پاکستان سے فرار ہورہا ہے۔"

"اوہ!" اول خان حیرت سے اچھل پڑا "یہ خبر کب کی ہے اور تمہیں کہاں سے ملی؟" اس بار اس کا تخاطب براہ راست مجھ سے تھا۔

"صبح ساڑھے گیارہ بجے کے قریب اس نے خود مجھے بتایا تھا" میں نے جواب دیا۔

"اور تم مجھے اب بتارہے ہو!" اس نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" میں نے چونک کر پوچھا "میرا خیال تھا کہ تمہارے لیے یہ اطلاع غیر اہم ہوگی۔"

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ وہ فرار ہورہا ہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا مگر ہم ائرپورٹ پر اس کا سامان اڑانے کی کوشش کرسکتے تھے۔"

"اس سے کیا فائدہ ہوتا؟" اول خان کی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

"وہ یقینی طور پر اہم اور ضروری فائلیں وغیرہ اپنے ساتھ لے جارہا ہوگا۔ اس کا سوٹ کیس غائب کرکے ہم اس کے منصوبے کے بارے میں بہت کچھ جان سکتے تھے۔"

"ایسے کاغذات سوٹ کیس کے بجائے وہ بریف کیس میں اپنی جان سے بھی عزیز رکھے گا۔ اس پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں ہوگا۔"

"ضروری نہیں کہ وہ گیپ کی طرح چند کاغذ ہوں۔ تمہیں سرکاری طریقہ کار کا اندازہ نہیں ہے۔ اعلیٰ سطح پر کوئی بھی منصوبہ بنتا ہے تو منظوری ہونے تک فائلوں کا ایک پلندہ تیار ہوجاتا ہے" اول خان نے اصرار کیا "اس کے سوٹ کیس سے ہمیں کچھ نہ کچھ مل سکتا تھا۔ اس کی فلائٹ کا وقت کیا ہے؟"

"بس اس نے شام کا ذکر کیا تھا۔ مجھے وقت کا اندازہ نہیں ہے۔"

اول خان اپنی تجویز کے بارے میں اتنا پرامید تھا کہ اس نے فیلڈ فون پر فوراً ہی اپنے کنٹرول روم سے رابطہ کرکے ہدایت کی کہ ائرپورٹ سے اوبرائن ڈی ہنٹ کی روانگی کے بارے میں فوری طور پر معلومات حاصل کرکے اسے مطلع کیا جائے۔

واقعات نے جس معجزانہ انداز میں ہمارا ساتھ دینا شروع کیا تھا، حریفوں پر اس کے بداثرات کی تفصیل اول خان کے لیے بھی خوشی کا سبب بنی۔ بھیشم داس والے واقعے کے نتیجے میں ان کی چلتی ہوئی گاڑی اچانک رک گئی تھی۔ اسے دوبارہ اسی رفتار پر لانے کے لیے خاصا وقت درکار ہوتا جبکہ ہمارے لیے ساری اہمیت وقت کی ہی تھی۔

اوبرائن اور دھن راج کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد میرا اور میجر بخشی کا رابطہ اول خان کی مزید امیدوں کا مرکز بن گیا تھا۔ وہ پریقین تھا کہ میں اوبرائن کی طرح اس پر بھی اپنا بھرم برقرار رکھنے میں کامیاب رہوں گا۔ وہ رابطہ آئندہ بھی ہمارے کام آسکتا تھا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ کے پروگرام کا سراغ لگانے کے سلسلے میں اول خان کے آدمیوں نے خاصی حیرت ناک تیزی دکھائی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کوئی عام اور گمنام مسافر نہیں، ایک معروف سفارتی افسر تھا۔ ان کو اطلاع ملی تھی کہ وہ پانچ بجے کی ایک پرواز سے نئی دہلی کے لیے روانہ ہوچکا تھا۔

پچھلی رات سے اول خان مسلسل مصروف تھا اور شب بیداری کا شکار بھی رہا تھا لیکن اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔ اس بھاگ دوڑ سے حاصل ہونے والے عمدہ نتائج نے ساری کلفت دور کردی تھی۔ آرام کرنے کے بجائے وہ منہ ہاتھ دھوکر ہمارے ساتھ چائے میں شریک ہوگیا۔

چھ بجنے سے پہلے ہم سب اول خان کے دفتر میں منتقل ہوچکے

تھے۔ میری فہمائش کے باوجود ہر ایک میری اور میجر بخشی کی گفتگو کا ایک حصہ براہِ راست سننے کا خواہاں تھا۔ ویرا کا خیال تھا کہ اصل بات کے تاثرات ہی الگ ہوتے ہیں۔ وہ میرے یک طرفہ مکالمے سن کر بھی بہت کچھ سمجھ سکتی تھی۔

ٹھیک چھ بجے میں نے میجر بخشی کا نمبر ملایا۔ شاید وہ فون کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ فوراً جواب مل گیا۔ اس کی آواز گمبھیر اور ستی ہوئی تھی۔

"میجر! میں جمال دستی بول رہا ہوں۔" اس کی ہیلو کے جواب میں، میں نے کہا۔

"میں تم سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ تم اپنے اسی خاص فون پر ہونا؟؟"

"میں تم سے اسی پر رابطہ کرتا ہوں۔ دفتر میں ایکسچینج کی وجہ سے مجبوری آڑے آجاتی ہے" میں نے اسے تسلی دلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم تھا کہ میرے دفتر کے لیے تم یہ فون استعمال نہیں کروگے۔ اسی خوف سے میں نے تم سے بات نہیں کی تھی اور تم نے اوبی سے میری شکایت کردی۔"

"وہ شکایت نہیں تھی" میں نے جلدی سے وضاحت کی "رات تک سب ٹھیک ٹھاک تھا۔ صبح ہوتے ہی میرے رابطے کٹ گئے۔ دھن راج غائب تھا، تم نے مجھے شام کے لیے ٹال دیا۔ میں سخت پریشان ہوگیا تھا۔ میں کہاں اور کس سے بات کرتا؟"

"اوہ! میں تمہارا مسئلہ سمجھ رہا ہوں" اس کی تفہیمی آواز سنائی دی "دھن راج تمہیں رات کو ہی جیپ کی تباہی کے بارے میں بتاچکا تھا۔ صبح کے اخباروں نے تمہیں پریشان کردیا ہوگا۔"

"اور اب پتا چلا ہے کہ بھیشم داس نامی ایک آرمز اسمگلر پکڑا گیا ہے۔ اس نے دھن راج اور اوبی کا نام جیپ والے ہتھیاروں سے منسلک کردیا ہے۔"

"تمہارے فون سے پہلے مجھے دفتر میں یہ خبر مل چکی تھی۔ اسی وجہ سے میں ڈرا ہوا تھا۔"

"یہ صبح کی خبر تھی۔ دھن راج رات گئے ہوٹل چھوڑ کر کیوں غائب ہوگیا؟"

"صرف احتیاط..... جیپ کو حادثہ پیش آنے کی وجہ سے کچھ بھی ہوسکتا تھا اور دیکھ لو کہ ایک اسمگلر نے ساری ذمے داری اسی پر ڈال دی۔ ایسے کام کرنے والے اتنے کچے نہیں ہوتے کہ دو چار گھنٹوں کی مار بھی نہ سہ سکیں۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"تمہیں زحمت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اب یہاں کا قانون خود اس سے نمٹ لے گا۔"

"میں قانون کی سست روی سے خوب واقف ہوں۔ وہ فوری سزا کا مستحق ہے۔ پہلے اس نے کام بگاڑا پھر اپنے ساتھیوں سمیت پولیس کے ہاتھ لگ گیا۔ بات یہاں تک رہتی تب بھی زیادہ نقصان نہ ہوتا۔ اس نے دھن راج کا نام لے کر بڑی مشکل کھڑی کردی ہے۔"

"کیا اوبرائن کو اس نے صحیح ملوث کیا ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"یہ بات کسی طرح میری عقل میں نہیں سمارہی۔ اس کے فرشتے بھی اوبرائن کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ دھن راج اتنا احمق نہیں ہے کہ اسے اوبی کے بارے میں بتادیتا۔"

"پھر بھی تم اوبی کے بارے میں زیادہ فکرمند نہیں ہو" میری حیرت میں اضافہ ہوگیا۔

"اول تو اوبی آج شام یہاں سے نکل چکا ہے۔ دوسرے وہ بھی میری طرح سفارت کار ہے۔ اس کا نام قتل میں بھی ملوث ہوجائے تو بین الاقوامی معاہدوں کے تحت مقامی قانون اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دھن راج کو یہیں رہنا سہنا اور کام کرنا ہے۔ وہ کب تک چھپتا پھرے گا؟"

"یہ واقعی تشویش کی بات ہے" میں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی "پھر تو صرف بھیشم ہی نہیں، اس کے دونوں زخمی ساتھی بھی خطرناک ہیں۔ وہ زبان کھولیں گے تو دھن راج کے گرد جال اور مضبوط ہوجائے گا۔ سچ پوچھو تو وہ کھلے دل کا ایک اچھا آدمی ہے۔"

"یہ سب نکتے میری نظر میں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں اسپتال سے سیدھے مردہ گھر چلے جائیں۔ ان کی حالت اچھی نہیں ہے۔ پتا نہیں وہ جہانگیر روڈ سے اسپتال کیسے پہنچ گئے۔"

"یہ سب تم ہی کو دیکھنا ہوگا" میں نے ان جان بن کر کہا "میری فورس شہری پولیس کے معاملات سے بہت دور رہتی ہے۔"

"میں تم پر کوئی بوجھ نہیں ڈال رہا، تم اپنے کام پورے کرلو تو وہی بڑی بات ہوگی۔ ڈینی کے بارے میں تم کیا کررہے ہو؟"

"آج کل وہ ادھر کا رخ نہیں کررہا۔ اس کے لیے تم شہر میں مائیکروبگ پھیلانے والے تھے۔ رات دھن راج نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں بگز کے لیے آج صبح گیارہ بجے اسے ضرور فون کروں لیکن صبح وہ غائب تھا۔ مجھے ساری پریشانی اسی بات کی تھی۔"

"مائیکرو بگز کو فی الحال بھول جاؤ۔ وہ میرے پاس موجود ہیں لیکن سسٹم کے بغیر وہ بے کار سنگریزے ثابت ہوں گے۔ ان کا اینالائزر سسٹم اوبی کے پاس ہے۔ وہی واپس آکر اسے چلائے گا۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ تم سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ تم ایک موبائل فون کیوں نہیں لے لیتے؟؟"

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا "میں ویسے ہی یہاں دن رات کی نوکری پر ہوں۔ ویرانے سے باہر نکلتا ہوں تو ذرا سی آزادی کا احساس ہوتا ہے۔ موبائل فون لے لیا تو کبھی کبھی میسر آنے والی یہ آزادی بھی ختم ہوجائے گی۔ میں اس کے بغیر ہی بھلا ہوں۔"

"پھر روز شام کو چھ بجے مجھ سے اسی نمبر پر بات کرلیا کرو" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس کا جواب آیا۔ "میں نہ ہوا تب بھی خادمہ کے پاس میرا کوئی نہ کوئی پیغام موجود ہوگا۔ حالات سازگار ہونے پر ہم پروگرام کو آگے بڑھاسکیں گے۔"

ابتدا میں اس نے بھی مجھے براہِ راست رابطے سے روکا ہوا تھا۔ حالات کے چنگل میں پھنس کر اس کی عقل خود ہی ٹھکانے پر آگئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ دھن راج کے غائب ہوجانے کے سبب میں جلد ہی اس سے زیادہ قریب ہوسکوں گا۔

”میں فون کرتا رہوں گا۔ یہ یاد رکھنا کہ میں کانٹا لگائے شکار کا منتظر ہوں۔ جوں ہی مچھلی نے کانٹا نگلا‘ مجھے ہدایت اور وعدوں کے ایفا کی ضرورت ہوگی۔ یہ کام تم سنبھال لوگے نا؟“

”اوبی کی موجودگی میں مجھے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ اسی نے تم کو میرے پاس بھیجا تھا۔ اس کے نکل جانے کے بعد پوزیشن واضح نہیں ہے۔ مجھے دیکھنا ہوگا کہ اب اوبی کی ایسی خفیہ ذمے داریاں کس نے سنبھالی ہیں۔ میں تم سے کوئی ہوائی وعدہ نہیں کروں گا۔“

”آزاد ڈینی تم لوگوں کے لیے خطرناک ہے‘ قید میں آیا ہوا ڈینی میرے لیے مہلک ثابت ہوگا۔ میں اسے ضرورت سے زیادہ دیر تک قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ ایسی غلطی کی صورت میں نوکری کے ساتھ میری جان بھی ضائع ہوسکتی ہے۔ مجھے اس کے بدلے فوراً انعامی رقم اور امریکی ویزے کی ضرورت ہوگی۔“

”تمہاری پوزیشن بھی نازک ہے“ اس کی بڑبڑاہٹ سنائی دی ”جب تک ہتھیاروں والے اسکینڈل کی پوری صورت حال واضح نہیں ہوجاتی‘ میں محتاط رہنے پر مجبور ہوں۔ ایسا کرو کہ چند روز کے لیے اپنی بنسی سمیٹ لو.... اس دوران میں تم ایس ٹی ایف کے تمام ٹھکانوں اور نفری کے بارے میں معلومات جمع کرسکتے ہو۔ تمہاری تمام توجہ ایک طرف مرکوز رہے گی۔“

وہ الفاظ کی شطرنج تھی۔ اس کی کمزوری بھانپ کر میں دھیرے دھیرے شہ دے رہا تھا اور وہ مات سے بچنے کے لیے تیزی سے گھر گھاٹ بدلتا جارہا تھا۔ اس کی وہ پسپائی میرے ارادوں کو مزید تقویت دے رہی تھی اور میں اسے پھانسنے کے امکانات پر غور کرنے لگا تھا۔

”تمہارا مطلب ہے کہ میں ڈینی کو بھول جاؤں؟“ میں نے بے ساختگی کی اداکاری کرتے ہوئے تیزی سے کہا ”اب تک جو کچھ کیا ہے‘ اسے اپنے ذہن سے بالکل نکال دوں؟“

”یہ صورتِ حال عارضی ہے۔ محض چند روز بعد ختم ہوجائے گی۔ جوں ہی میں نے خود کو کسی نادیدہ حصار سے آزاد محسوس کیا‘ میں معلومات جمع کرکے فیصلہ کرلوں گا۔“

”مجھے امید ہے کہ ایسا ہی ہوگا اور میری محنت رائیگاں نہیں جائے گی“ میں نے کہا۔

”تمہاری باتوں سے محسوس ہورہا ہے کہ تم میری نیت پر شبہ کررہے ہو“ اس کی آواز میں ہلکی سی ترشی عود کر آئی ”ڈینی کے خلاف تم نے اب تک کیا‘ کیا ہے؟“

”میں نے اپنے طور پر اسے پکڑوانے کے لیے جو جتن کیے ہیں انہیں تو بھول ہی جاؤ۔ ایک بنیادی بات تمہارے سامنے ہے کہ میں نے اس کے فنگر پرنٹس مہیا کیے ہیں جو اس سے پہلے کسی کے ریکارڈ میں موجود نہیں تھے۔ وہ کتنے ہی روپ بدل لے‘ اپنے فنگر پرنٹس نہیں بدل سکتا۔“

”اور ہم محض فنگر پرنٹس کے سہارے اسے لاکھوں کی بھیڑ میں سے ڈھونڈ کر پکڑلیں گے تاکہ تم کو انعامی رقم دینے سے بچ سکیں“ اس کی آواز استہزائیہ ہوگئی۔

”فنگر پرنٹس تو اس کے ڈینی ہونے کی تصدیق کریں گے“ میں نے اس کے رعب میں آئے بغیر کہا ”اس کو پکڑنے کے لیے اس کا خاکہ تمہارے پاس تیار ہے‘ آواز بھی محفوظ ہے۔ یہ باتیں تم نے خود ہی مجھے بتائی تھیں۔ سارا مواد یک جا ہونے کے بعد میری کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟“

”کرنل جمال! پلیز‘ ایسی اوچھی باتیں مت سوچو۔ ہماری مجبوریوں کا احساس کرو۔ میں کسی بدنیتی کی بنا پر تمہیں ڈینی کی تلاش سے نہیں روک رہا۔ یہ کام تم ہی کو کرنا ہے۔ اوبی نے مائیکروبگ سسٹم تمہاری مدد کے لیے منگوایا ہے۔ اندر کے کسی آدمی کی مدد کے بغیر اس خونی بھیڑیے کو پکڑنا محال ہے۔ تم مطمئن رہو‘ میدان صاف ہوتے ہی تم کو گرین سگنل مل جائے گا۔“

”میری اور تمہاری پوزیشن میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تم اپنے وہ فرائض پورے کررہے ہو جن کی تنخواہ لیتے ہو۔ میں اپنے فرائض سے روگردانی کرکے ڈینی کا پیچھا کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی میرے ذہن میں اندیشوں کی آگ بھڑکاسکتی ہے۔“

”میں اپنی جگہ ٹھیک ہوں‘ تم اپنی جگہ درست ہو“ اس نے نرمی سے کہا ”موجودہ خراب حالات میں ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ درگزر کا سلوک کرنا چاہیے۔“

”میں مسلسل افہام و تفہیم سے کام لے رہا ہوں۔ خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو۔ ایک ہوٹل سے غائب ہوگیا‘ دوسرا ملک سے نکل

گیا۔ تم سے رابطہ نہیں ہوا اور ہوا تو تم مجھے اس کام سے روک رہے ہو جس کے لیے میں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے۔ سچ پوچھو تو مجھے یہ شبہ ہوا تھا کہ تم جان بوجھ کر مجھے ہر طرف سے کاٹ کر الگ تھلگ کر دینا چاہ رہے ہو" میں نے کہا۔

"میری وضاحت سے تمہارے ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات دور ہو گئے ہوں گے" اس نے میری صاف گوئی کا برا مانے بغیر پوچھا۔

"میرا ذہن بڑی حد تک صاف ہو چکا ہے۔ اس وقت بھی تم سے بات نہ ہوتی تو میں گھبرا کر کوئی بڑا قدم بھی اٹھا سکتا تھا۔"

"وہ بڑا قدم کیا ہو سکتا تھا؟" اس نے ٹٹولنے والے لہجے میں پوچھا۔

"کچھ بھی" میں نے جواب دیا "وقت پڑنے پر ہی اس کا حل ذہن میں آتا ہے۔"

میری گفتگو کے دوران میں وہ چاروں ہمہ تن گوش بنے رہے تھے۔ میری طرف سے ادا کیے جانے والے فقروں سے انہوں نے بہت کچھ سمجھ لیا تھا۔ جو کسر رہی تھی وہ ان کے سوالات اور میرے جوابوں کے ذریعے پوری ہو گئی۔

"اگر میجر بخشی بھی ایسے سُرالاپ رہا ہے تو ان لوگوں کے حوصلے بالکل دم توڑ چکے ہیں" سلطان شاہ نے خوشی ظاہر کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"ہرگز نہیں" اول خان نے سختی سے اس کی رائے مسترد کر دی "میجر بخشی درست کہہ رہا ہے۔ یہ ان کی عارضی اور مصلحت آمیز پسپائی ہے۔ پچھلی مہم جوئیوں کے خوں ریز نتائج سے انہوں نے بہت کچھ سیکھا ہے اور اب وہ حالات سے سمجھوتا کر کے چل رہے ہیں۔"

"میرا بھی یہی اندازہ ہے۔ اس بار انہوں نے یہ حکمتِ عملی پہلے سے طے کی ہوئی تھی" میں نے اول خان سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "یہی وجہ ہے کہ کل رات کے واقعے کے بعد انہوں نے آج بہت سرعت سے فیصلے کیے ہیں۔"

"پھر بھی یہ طے نہیں کر سکے کہ اوبرائن کے اختیارات کسے منتقل ہوں گے" ویرا نے ٹوکا۔

"شاید جیپ کے حادثے کی وجہ سے حالات نے ان کی توقع سے پہلے ہی خطرناک موڑ لے لیا ہے۔ یہ خلا جلد ہی پر کر لیا جائے گا" اول خان نے کہا "ڈینی کی زندہ یا مردہ گرفتاری کی مہم اوبرائن نے نہیں چلائی تھی۔ یہ امریکا کی سرکاری پالیسی ہے۔ اوبرائن سمیت کسی کے بھی آنے یا چلے جانے سے اس کے تسلسل میں فرق نہیں پڑے گا۔"

"پھر میجر بخشی نے ڈینی کو اس کی اپنی تلاش سے کیوں روکا ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"میجر بخشی امریکی عملے کا آدمی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اوبرائن کے ساتھ مل کر دوسرے منصوبے پر کام کر رہا ہو۔ اوبرائن نے کرنل جمال دستی کو ذاتی طور پر اس کے سپرد کیا تھا۔ بخشی اس سے اجازت لیے بغیر کرنل کو کسی اور کے حوالے نہیں کرے گا۔"

"یعنی اوبرائن ڈینی کی گرفتاری کا سہرا اپنے سر پر سجانے کی کوشش کر رہا ہے؟" سلطان شاہ نے پہلو بدل کر سوال کیا "یہ سرکاری پالیسی سے انحراف نہیں ہے؟"

"اوبرائن انا پرست ہے" میں نے اسے بتایا "اس کے سر پر میرا بھوت سوار ہے۔ وہ اپنے ہاتھ آئے ہوئے ایک کارآمد مخبر کو دوسروں کے حوالے کیوں کرے گا؟"

غزالہ خاموشی سے وہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ میری وضاحت پر ایک میٹھی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی "آپ نے کرنل جمال دستی بن کر اپنا دہرا کردار خوب نبھایا ہوا ہے۔ میجر بخشی کو ابھی تک آپ پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔"

"یہ دہرا کردار زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گا" اول خان نے اپنا فیصلہ سنا دیا "اوبرائن پہلے ہی یہ شبہ ظاہر کر چکا ہے کہ کرنل جمال دستی کے رابطے میں آنے والا ہر شخص مصائب یا موت کا نشانہ کیوں بن جاتا ہے۔ وہ دھن راج والے قصے کو بھی اسی رنگ میں دیکھے گا۔"

"پھر وہ دونوں مجھ پر اعتماد کیوں کر رہے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"واقعہ تازہ ہے۔ ابھی وہ خود کو بچانے کی فکر میں ہیں۔ اوبرائن کو یہ خیال کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔ وہ نئی دہلی سے میجر بخشی سے رابطہ کرے گا اور پہیہ الٹا چل پڑے گا۔"

"پہیہ الٹا چل پڑے گا" سلطان شاہ نے وہ فقرہ دہرایا "یعنی ہمارے لیے مشکلات پیدا ہونی شروع ہو جائیں گی؟"

"ہم سب سے زیادہ مخدوش پوزیشن ڈینی کی ہے۔ باہمی اعتماد کا فائدہ اٹھا کر وہ کسی بھی وقت ڈینی یعنی کرنل جمال دستی پر کوئی مہلک وار کر سکتا ہے۔"

میرے لیے اول خان کے وہ الفاظ کسی وضاحت کے محتاج نہیں تھے۔ میں نے میجر بخشی کو اپنے یونٹ اور ریٹائرمنٹ کی تاریخ کے بارے میں کچھ نہ بتا کر اس کے دماغ میں شک کا پہلا بیج بو دیا تھا۔ اوبرائن کی منطق سے سہارا پا کر وہ بیج تناور درخت کا روپ دھار سکتا تھا۔ ایسی صورت میں میجر بخشی مجھے قید کر کے تشدد کے ذریعے میری اصلیت اگلوانے کی کوشش کر سکتا تھا۔

"تمہارے خدشات بے بنیاد نہیں ہیں۔ اس سے پہلے کہ اسے ہوش آئے، ہمیں اسی اعتماد کا فائدہ اٹھا کر میجر بخشی کو اغوا کر لینا چاہیے" میں نے کہا۔

"واہ!" سلطان شاہ نے میز پر ہاتھ مار کر میری تائید کی "بڑی نادر تجویز ہے۔ اس وقت تم نے میرے دل کی بات کہی ہے۔"

ایسی کارروائی میں بس ایک ہی خطرہ پوشیدہ تھا۔ میجر بخشی کی

قیمت ادا کر کے انہیں یہ یقین ہو جاتا کہ کرنل جمال دستی ان کے حریف ڈینی ہی کا ایک خطرناک روپ تھا۔

میں نے گلاس کے ذریعے جو فنگر پرنٹس اوبرائن تک پہنچائے تھے وہ گمراہ کن قرار دے کر مسترد کر دیے جاتے اور کرنل جمال دستی کے روپ میں لیے ہوئے میرے اصل فنگر پرنٹس امریکی ریکارڈ کا حصہ بن جاتے۔ یوں میری ایک ناقابلِ تردید شناخت ان کی تحویل میں چلی جاتی۔

وہ خاصا بھیانک خطرہ تھا مگر میں اسے زبان پر نہیں لایا۔ وہ مسئلہ اٹھایا جاتا تو میرے تحفظ کی خاطر میجر بخشی کے اغوا کا معاملہ التوا میں پڑ جاتا۔

میرے لیے وہ تاخیر بھی اسی قدر خطرناک تھی۔ میجر بخشی اور اوبرائن کو سوچنے اور آپس میں مشورہ کرنے کی مہلت مل جاتی تو میری بے خبری میں بخشی مجھے یرغمال بنا سکتا تھا۔

اول خان نے ایک خطرناک امکان کی بروقت نشاندہی کی تھی اور وہ امکان غزالہ کے ایک توصیفی فقرے سے ابھر کر یکایک سامنے آیا تھا۔

"میجر بخشی کے خلاف قدم اٹھانا ضروری ہو گیا ہے" ویرا کہہ رہی تھی "ویسے بھی اب صرف وہی میدان میں باقی رہ گیا ہے۔"

"تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے غزالہ سے پوچھا "یہ مسئلہ تم ہی نے کھڑا کیا ہے۔"

غزالہ کے ہونٹوں سے مسکراہٹ رخصت ہو چکی تھی۔ دوسروں کی باتیں سن کر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "میں بھی سب کے ساتھ ہوں لیکن یہ دیکھ لیں کہ آپ کو گزند نہ پہنچے۔ بازو کے زخم کے کچھ اثرات اب بھی باقی ہیں۔"

"کل شام اس سے بات ہو گی تو میں کوشش کروں گا کہ وہ مجھ سے کہیں ملنے پر آمادہ ہو جائے" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "اسے کل ہی یہاں پہنچ جانا چاہیے۔"

چند ثانیوں کے لیے اول خان کے دفتر میں سکوت چھا گیا۔ کسی کو میری طرف سے ایسے عاجلانہ فیصلے کی توقع نہیں تھی۔ وہ میری صورت دیکھتے رہ گئے تھے۔

"اتنی عجلت مت کرو" اول خان نے ناصحانہ لہجے میں سکوت کو توڑا "کل تک سوچ لیتے ہیں۔ طے ہو گیا تو یہ قدم پرسوں اٹھا لیا جائے گا۔"

"اب سے کل تک ہمارے پاس بائیس گھنٹے کی مہلت موجود ہے۔ کسی کے ذہن میں کوئی بات آتی ہے تو اس پر مشورہ کر لیں گے۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اب تک اس خطرناک پہلو پر کیوں دھیان نہیں دیا تھا۔"

"شاید خطرے کی اچانک نشان دہی کی وجہ سے تم ہیجان کا شکار ہو گئے ہو" اس نے کہا۔

بجٹ

شوہر اور بیوی کا بجٹ الگ الگ تھا۔ یعنی بیوی کے استعمال میں آنے والی چیزوں کا خرچہ بیوی کے کھاتے میں اور شوہر کے استعمال والی چیزوں کا شوہر کے کھاتے میں۔

بیوی نے لپ اسٹک خریدی مگر آدھا خرچہ شوہر کے کھاتے میں لکھا۔ شوہر نے کھاتا دیکھ کر احتجاج کیا "لپ اسٹک خالصتاً تمہارے استعمال کی چیز ہے۔ آدھا خرچہ میرے ذمے کیوں...؟"

بیوی نے کہا "ٹھیک ہے، لپ اسٹک لگاتی میں ہوں مگر آدھی تمہارے منہ میں بھی تو جاتی ہے۔"

عبدالہادی ظہیر الحق کی کرم فرمائی مردان سے

"تم جانتے ہو کہ میں بدترین حالات میں بھی پرسکون رہ کر فیصلے کرتا ہوں۔ مشکل یہ ہے کہ میرے اور میجر بخشی کے درمیان اعتماد ہی واحد ہتھیار رہ ہے۔ جس سے ہم ایک دوسرے کو آسانی سے ذبح کر سکتے ہیں۔ میں نے موقع گنوا دیا اور میجر بخشی نے اس ہتھیار کے استعمال میں پہل کر دی تو میں بے دست و پا ہو کر رہ جاؤں گا۔ وہ ایس ایس پی کا آدمی ہے۔ میرے ساتھ ذرا بھی رو رعایت نہیں کرے گا۔"

غزالہ نے اچانک اپنی جگہ چھوڑ دی اور روہانسی آواز میں بولی "میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ جو فیصلہ ہو گا' وہ مجھے بھی منظور ہو گا۔"

سلطان شاہ اسے پکارتا ہوا اس کے پیچھے لپکا لیکن وہ تقریباً دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل کر برآمدے کے زینے اترتی چلی گئی۔

"دیکھا تم نے!" ویرا نے ملامت آمیز لہجے میں مجھ سے کہا "عورت کا دل اتنا چھوٹا ہوتا ہے.... تمہیں اس کے سامنے ایسی بھیانک منظر کشی کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تمہارے چنگل میں آ گیا تو تم اس کے ساتھ کون سی رعایت برتو گے؟"

"انگلینڈ میں چھوٹے دل والی اسی عورت نے تمہارے آدمیوں کو تگنی کا ناچ نچا دیا تھا" میں نے ویرا کو ماضی کے واقعات یاد دلاتے ہوئے کہا "عورت کا دل بہت بڑا ہوتا ہے۔ بس محبت اس میں ذرا گداز پیدا کر دیتی ہے۔"

ان فقروں میں ویرا کے لیے ایک چوٹ بھی پنہاں تھی۔ دوسروں کی موجودگی کی وجہ سے وہ مجھے کوئی جواب نہ دے سکی' بس گھور کر رہ گئی۔

سلطان شاہ غزالہ کے پیچھے ایسا گیا کہ دیر تک واپس نہیں آیا تو اول خان نے ویرا کو بھی اسی طرف بھیج دیا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک عورت ہی کسی جذباتی عورت کو بہتر انداز میں دلاسہ دے سکتی ہے۔

اتفاق سے میسر آجانے والے اس تخلیے کو نعمت سمجھتے ہوئے میں نے اول خان سے نئی مہم کے خدوخال پر اہم تبادلہ خیال شروع کردیا۔

ہم دونوں کافی تاخیر سے دفتر سے نکلے۔ اپنے رہائشی کمروں کی طرف پہنچنے پر یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ ویرا اور سلطان شاہ کی دل جوئی کی وجہ سے غزالہ جذباتی صدمے کے اثرات سے بڑی حد تک نجات حاصل کرچکی تھی۔ بس اس کے چہرے پر تشویش کے سائے سے لہرا رہے تھے۔ میرے ارادوں کے پیش نظر کچھ نہ کچھ فکرمند ہونا اس کا حق تھا۔

کھانے اور میدان میں غزالہ کے ساتھ چہل قدمی کے دوران میں مجھے اس کو مزید سمجھانے کا موقع مل گیا۔ وہ متعدد خوں ریز معرکوں میں میرے شانہ بہ شانہ شریک رہی تھی۔ اس روز ذرا سی بات پر اس کا دل بھر آنے پر مجھے حیرت ہوئی تھی۔

میرے باربار کے استفسار پر بھی غزالہ مجھے کوئی معقول جواب نہیں دے سکی۔ شرمساری سی ہنسی کے ساتھ کبھی میرے بائیں بازو کے تیزی سے مندمل ہوتے ہوئے زخم کا حوالہ دیتی اور کبھی خوں ریزی سے اپنے بڑھتے ہوئے خوف کا ذکر کرتی رہی۔

اس رات وہ خوش تھی کہ اس بہانے اسے میرے ساتھ کچھ دیر تنہائی میں ٹہلنے اور باتیں کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ میں اس پر پوری توجہ دے رہا تھا لیکن میرے ذہن کے کسی گوشے میں ویرا بھی چھپی بیٹھی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ دوبارہ اندھیرے کمرے میں چھپ کر حسرت سے ہماری نگرانی نہ کررہی ہو۔ ہم میدان کا چکر لگا کر واپس لوٹے تو ویرا خوشگوار موڈ میں سلطان شاہ کے ساتھ رمی کھیل رہی تھی۔ اس رات مے نوشی کا موقع نہ ملنے کے سبب وہ بالکل نارمل تھی۔

رات میں نے گہری نیند سو کر پچھلے روز کا حساب برابر کرلیا۔ یہ بات میں پہلے بھی نوٹ کرچکا تھا کہ اسٹیشن فور کے میدانی کمروں میں دریچوں اور کھڑکیوں پر کھنچے ہوئے پردوں سے چھن کر اندر آنے والی سورج کی تیز روشنی کے باعث وہاں دیر تک سوتے رہنا ممکن نہیں تھا۔ ویسے بھی وہاں رہنے والے سحرخیزی کے عادی تھے مگر میں اس روز دیر تک سویا تھا۔

اول خان حسب دستور غائب تھا۔ سلطان شاہ میری نیند میں خلل انداز ہونے کے بجائے ویرا اور غزالہ کے ساتھ جا بیٹھا تھا۔ اپنے معمولات سے فارغ ہوکر میں بھی ان کی محفل میں شریک ہوگیا۔ ان کے درمیان تازہ خبروں پر تبادلۂ خیال ہورہا تھا۔

ناشتے کے دوران میں، میں نے بھی اہم خبریں پڑھ ڈالیں۔ شہر میں ہتھیاروں کی بھاری کھیپ کی ترسیل کے حوالے سے بھیشم داس کے اقبالی بیان اور تصاویر کو خصوصی اہمیت دی گئی تھی۔ سرخیوں میں دھن راج کے نام کے ساتھ اوبرائن کے بجائے ایک غیرملکی سفارتی افسر کے ملوث ہونے کا ذکر موجود تھا۔ وہ تبدیلی شاید بعد میں کسی زیرک افسر کے ایما پر کی گئی تھی مگر میرے لیے یہ بات اطمینان کا باعث تھی کہ اوبرائن کے نام کے ساتھ جاری ہونے والا ابتدائی متن متعلقہ لوگوں تک پہنچ چکا تھا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ امریکی سفارت خانے کے بروقت احتجاج کی وجہ سے اعلامئے کے اصل متن میں سے اوبرائن کا نام حذف کرکے متبادل الفاظ شامل کردیے گئے ہوں۔

بھیشم کے ذریعے پس پردہ کرداروں کے سامنے آجانے سے سب سے زیادہ نقصان دھن راج کے خاندان کو پہنچا تھا۔ کئی اخباروں نے عمرکوٹ میں اس خاندان کے اعزاز واعتبار کے تعریفی حوالوں کے ساتھ دھن راج کو اپنے گھرانے کے لیے کلنک کا ٹیکا قرار دیا تھا۔

گپ شپ کے دوران میں منتظر رہا کہ ان میں سے کوئی میجر بخشی کے مجوزہ اغوا کا ذکر چھیڑے لیکن کسی نے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تو میں نے فرض کرلیا کہ اول خان میرے بیدار ہونے سے پہلے انہیں اس بارے میں بریفنگ دے چکا تھا۔

میں نے اپنی طرف سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ ادھر ادھر کی باتوں میں وقت گزارتا رہا۔ مجھے بہت شدت سے اس شام کا انتظار تھا جو میجر بخشی کے لیے فیصلہ کن ثابت ہونے والی تھی۔ اس سے گفتگو کا خاکہ دھیرے دھیرے میرے ذہن میں ترتیب پا رہا تھا۔

سورج کے نصف النّہار پر پہنچنے سے پہلے ویرا نے کچھ خریداری کے لیے چھاؤنی کے ایک قریبی بازار کی طرف جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو سلطان شاہ اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگیا۔ غزالہ متذبذب تھی۔ میں نے ویرا کو آنکھ سے اشارہ کیا تو وہ زبردستی اسے بھی اپنے ساتھ کھینچ کر لے گئی۔

مجھے ڈر تھا کہ میرے ساتھ تنہائی میسر آتے ہی غزالہ پر جذباتی ابال طاری ہوجائے گا اور میرے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہوجائے گا۔ رات کی چہل قدمی میں اس کے چہرے پر نمودار ہونے والا گہرا سکون صبح کے اجالے میں ایک مرتبہ پھر مفقود ہوچکا تھا۔

اول خان اس روز شاید اسٹیشن فور پر ہی موجود تھا۔ دوپہر کو ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوکر وہ دوبارہ واپس چلا گیا۔

پانچ بجے ہم سب چائے نوشی کے لیے ایک مرتبہ پھر یک جا ہوچکے تھے۔

”سنا ہے کہ تم میجر بخشی کو اٹھانے پر تل گئے ہو۔“ پہاڑ جیسا دن گزر جانے کے بعد ویرا نے اس وقت پہلی بار اس بارے میں زبان کھولی۔

"میں اس کا سبب کل ہی بتا چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بلی تھیلے سے باہر آجائے گی۔"

"فرض کرو کہ وہ تم سے ملاقات پر آمادہ نہ ہوا تو تم کیا کرو گے؟" سلطان شاہ نے چائے کا ایک لمبا گھونٹ لے کر پوچھا۔

"صبر اور مناسب ساعتوں کے انتظار کے سوا کیا کیا جا سکے گا؟" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اس وقت یہ ذکر مت کرو۔" اول خان نے انہیں ٹوک دیا۔ "ڈینی کو یکسوئی کے ساتھ اپنا ذہن بنانے دو۔ اس کی کامیابی اور ناکامی کا بیشتر انحصار چھ بجے والی گفتگو پر ہی ہوگا۔"

ویرا سر جھٹک کر زیر لب کچھ بڑبڑائی۔ الفاظ میرے کانوں تک نہیں پہنچ سکے مگر غزالہ کی خفیف سی مسکراہٹ سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس نے اول خان کی ہدایت پر کوئی نامناسب تبصرہ کیا تھا۔

چھ بجے سب اول خان کے دفتر میں موجود تھے۔ میں نے نمبر ملایا اور دوسری طرف سے میجر بخشی نے دوسری گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا۔

"تم نے آج کے اخبارات تو دیکھ ہی لیے ہوں گے۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ گفتگو کی ابتدا کی۔ "ان میں دل کھول کر سرخیاں لگائی گئی ہیں۔"

"یہ پرانی خبریں ہیں۔ میرے پاس تمہارے لیے ایک تازہ اور اچھی خبر موجود ہے۔" اس نے اپنے معمول سے ہٹ کر ایک نامکمل فقرہ کہا۔

میں خاموشی سے اس کے دوبارہ بولنے کا منتظر رہا۔ چند لمحوں کے سکوت کے بعد وہ پھر بولا۔ "تم خاموش ہو۔ اس اطلاع سے تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

"اچھی اور بری خبریں زندگی کا حصہ ہوتی ہیں۔ میں منتظر تھا کہ تم تمہید کے بعد خبر بھی سنا ڈالو گے۔ مگر آج تم کچھ لمبی گفتگو کے موڈ میں نظر آ رہے ہو۔"

"معاملات صاف ہو گئے ہیں۔ کانٹا لگا دو..... اور ہاں! اگر تم تھوڑی دیر بعد کہیں مل سکو تو یہ گفتگو بہت مختصر بھی ہو سکتی ہے۔"

ستاروں کی یاوری پر میں حیران رہ گیا۔ جو کچھ میرے ذہن میں تھا وہ اس کی زبان پر آگیا تھا۔ میرے لیے اس سے بہتر موقع نہیں آسکتا تھا۔ میں نے بے پروائی سے پوچھا۔ "کب اور کہاں ملنا چاہتے ہو؟"

"وہیں پرانی جگہ پر۔ سات بجے تک کلب کے لان پر مل سکتے ہو؟"

"خالی ٹیکسی مل گئی تو شاید چند منٹ پہلے ہی پہنچ جاؤں۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کہا۔ "ذرا سی تاخیر ہو جائے تو انتظار کر لینا۔"

"آج کی ملاقات بہت اہم اور ضروری ہے۔ میں تمہارا منتظر رہوں گا۔"

فون نمبر

"بھائی، کبھی فون ہی نہیں کیا، کیا وجہ ہے؟"

"یار، میرے پاس آپ کا فون نمبر ہی نہیں ہے....."

"اچھا تو لکھو میرا فون نمبر ساڑھے تین سو پونے چار سو..."

"کیا....؟ یہ کون سا نمبر ہے؟"

"او یار.... 350375 بالکل آسان نمبر ہے...."

"اچھا جی۔"

مردان سے عبدالہادی ظہیر الحق کی شوخی

"ایجنڈا کیا ہوگا؟" میں نے اس کی بات پوری ہوتے ہی سوال داغ دیا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آج کوئی متنازعہ بات نہیں ہوگی۔ مائیکرو بگز وغیرہ کے معاملات ہیں۔" وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "چاہو تو آکر ٹیکسی کو رخصت کر دینا۔ واپسی پر میرا ڈرائیور تمہیں چھوڑ دے گا۔"

"شکریہ میجر! تمہاری یہ مہربانی مجھے مہنگی پڑ سکتی ہے۔ میں تمہاری گاڑی میں یا تمہارے ڈرائیور کے ساتھ کہیں بھی دیکھا جانا پسند نہیں کروں گا اور میری واپسی کی منزل تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ کتنی حساس ہے۔ ہر شخص چونک پڑے گا کہ ٹیکسیوں میں پھرنے والا کرنل جمال دستی آج کس کی گاڑی میں شہر سے واپس آیا ہے۔ بلاوجہ کہانیاں بن جائیں گی۔"

"تم بہت محتاط اور ذمے دار آدمی ہو کرنل!" اس کی ستائشی آواز ابھری۔ "میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ دو چار ڈرنکس لے کر کھانا کھاؤ اور پھر واپس چلے جاؤ۔"

"کیا بات ہے؟ آج تم اتنے مہربان کیوں ہو رہے ہو؟" میں نے سنبھل کر پوچھا۔

"اوہ! آئی ایم سوری کرنل۔" اس کا لہجہ بدل گیا۔ "آؤ گے تو بات ہوگی۔"

اس بار میجر بخشی نے مجھے کوئی سوال کرنے کا موقع دیے بغیر فون بند کر دیا۔

"ہائیں..... وہ خود تم سے ملنا چاہ رہا ہے۔" میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ نے بے اعتباری سے پوچھا۔ "اب اس کے

دن واقعی پورے ہوگئے ہیں۔"
"دھمکانے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے گھور کر کہا۔ "پہلے پوری بات سن لو۔"
اس سے ہونے والی مختصر سی گفتگو سن لینے کے بعد ویرا بولی۔ "سلطان شاہ کو آنکھیں کیوں دکھا رہے تھے۔ وہ ٹھیک تو کہہ رہا ہے کہ مچھلی خود کانٹا نگلنے کے لیے بے چین ہے۔"
"آج کی گفتگو میں آپ نے اس کی ہلکی سی غیر معمولی ہنسی کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ مجھے دال میں کچھ کالا معلوم ہو رہا ہے۔" غزالہ نے پر تشویش لہجے میں کہا۔
"اس میں شبہ نہیں کہ آج کی گفتگو کی بعض باتیں معمول سے ہٹی ہوئی ہیں۔ کھانے' پینے اور گاڑی میں واپس بھجوانے کی پیش کش..... مگر یہ اس کی خوشی کے باعث بھی ہو سکتی ہیں۔" اول خان نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اس کی نیت میں فتور ہوتا تو وہ تمہیں کلب جیسی بارونق جگہ پر ہرگز نہ بلاتا' کسی ویرانے کو ترجیح دیتا۔"
"کوئی کام توقع کے خلاف آسان ہو جائے تو اس میں اسی طرح کیڑے نظر آنے لگتے ہیں۔" ویرا نے برا سا منہ بنا کر تنقید کی۔
"اوبرائن کے چلے جانے کے بعد وہ یہاں اکیلا رہ گیا تھا اور پریشان تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اوبرائن سے بات ہو جانے کے بعد اس کے ذہن سے سارا بوجھ اتر گیا ہو۔" سلطان شاہ نے بھی ویرا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔ "ایسی حالت میں وہ بے فکر ہو سکتا ہے۔"
"سب کی باتیں سن رہے ہو۔" اول خان نے مجھ سے کہا۔
"تم خود کیوں نہیں بولتے۔"
"اس سے براہ راست آپ کی گفتگو ہوتی رہی ہے۔" غزالہ بولی۔ "ہم اس کی باتیں آپ کی زبانی سنتے ہیں۔ اس کے اصل لب و لہجے سے آپ نے کیا اندازہ لگایا ہے۔"
"میں تمہاری رائے سے سو فیصد متفق ہوں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ پھر اول خان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فون پر وہ حاکمانہ لہجے میں صرف مطلب کی بات کرتا ہے مگر آج اس کا انداز بہت دوستانہ تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھے پھسلا کر آج کی ملاقات کو یقینی بنانے کی کوشش کر رہا ہو۔"
"اسے ظاہری طور پر تمہارے اوپر برتری ہے۔ وہ تمہیں کلب کے بجائے کہیں اور بھی بلا سکتا تھا۔ وہ جگہ کسی بھی ناخوش گوار کارروائی کے لیے بہت ناموزوں ہے۔"
"سارا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کا پروگرام کیا ہے۔ وہ ہر قیمت پر میرے اوپر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا یا پھر مفاہمانہ انداز میں اٹھا لے جانے کا فیصلہ کئے بیٹھا ہے۔ یہ باتیں اس سے ملنے کے بعد ہی واضح ہو سکیں گی۔"
"میرے لیے یہ اتفاق تو قابل قبول نہیں ہے کہ یہاں ڈینی اسے اغوا کرنے کا مصمم ارادہ کئے بیٹھا ہے اور وہاں وہ ڈینی کے خلاف ایسا ہی منصوبہ بنا رہا ہے۔" ویرا نے بے زاری سے کہا۔
"ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ایک سرے پر وہ قابض ہے اور دوسرا میرے پاس ہے۔ ہمارے کارڈز ایک دوسرے کے سامنے ہیں۔ اگر اسے مجھ پر کوئی شبہ ہو چکا ہے تو اسے بھی اسی فیصلے پر پہنچنا چاہیے تھا جو میں اس کے خلاف کئے بیٹھا ہوں۔"
اول خان مضطربانہ انداز میں اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "تمہیں اس کے ارادوں پر شبہ ہو گیا تھا تو تمہیں اس سے مزید وقت لے لینا چاہیے تھا۔ تم جانے کا فیصلہ کر چکے ہو تو پھر وقت برباد مت کرو۔ تمہیں نئے چیلنج کے مقابلے کی تیاری بھی کرنی ہے۔"
"تم سب اس کی طرف سے بدگمان ہو چکے ہو تو میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ یہ ملاقات آج کے بجائے کل پر ٹال دو۔" ویرا نے پہلی بار پوری سنجیدگی سے وہ رائے دی۔ "یہ سیدھا سادہ کٹ تھروٹ گیم ہے۔ تم سے کہیں بھی ذرا سی چوک ہو گئی تو وہ بے رحمی سے تمہارے اوپر غالب آ جائے گا۔ تیاری اور بھرپور تیاری کے بغیر ذرا سی دیر کے نوٹس پر اس کا سامنا کر کے تم غلطی کرو گے۔"
میرے ہونٹوں پر ہلکی سی بے ساختہ مسکراہٹ آگئی اور میں نے معنی خیز لہجے میں اس سے کہا۔ "تم کو علم ہے کہ میں آج کل دو کشتیوں کا سوار ہوں۔ یہ فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ آخر کار مجھے کس کشتی میں رہ کر سفر کرنا ہے۔"
وہ میری نجی زندگی پر ویرا کے دباؤ کا ذو معنی اشارہ تھا۔ اس نے مجھے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہاری کشتی ایک ہے اور تم....."
"ڈینی!" اول خان نے تلملائی ہوئی آواز میں ویرا کی بات کاٹ دی۔ "میں کہہ رہا ہوں کہ تیاری کرو اور تم وقت برباد کیے جا رہے ہو۔ یہ وقت تشبیہات اور استعاروں کے استعمال کا نہیں' عمل کا ہے۔ تم حالات کی سنگینی کو کیوں نظر انداز کر رہے ہو۔"
میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "اگر اس کی نیت میں فتور ہے تو وہ دس بجے تک بھی میرا انتظار کرتا رہے گا۔ تم فکر مت کرو۔ میں احتیاطی تدابیر اختیار کئے بغیر یہاں سے قدم باہر نہیں نکالوں گا۔"
"میرے ساتھ آؤ۔" یہ کہہ کر اول خان تیزی سے اپنے دفتر سے نکل گیا۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے ہولیا۔ ان تینوں میں سے کسی نے ہمارے پیچھے آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔
اپنے حریفوں سے طویل اور اعصاب شکن ذہنی لڑائیوں کے بعد مجھے فیصلہ کن گھڑی سامنے نظر آرہی تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس دن میجر بخشی کے ستارے یاور تھے یا قسمت میرا ساتھ دینے والی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

قید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ راس المیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ایک ساتھی جان‘ ویرا کو اغوا کرکے لے گیا اور ویرا کی رہائی کے بدلے راس المیڈا کی رہائی کا طلب گار ہوا۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکیوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں اس کا قصہ جلد پاک ہونا چاہیے۔ ویرا کی رہائی کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں نیلو ہامبے کا دو لفظی خفیہ پیغام سامنے آیا۔ راس المیڈا پر تشدد کے ذریعے اس پیغام کی معنویت معلوم کی گئی۔ اس نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت را کے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے راس المیڈا کو جہنم رسید کرکے اپنے باپ جمی لائیڈ کا انتقام لے لیا۔ اب ہمارے سامنے را کے ایجنٹوں کی تلاش تھی کیونکہ دو بم دھماکوں کے ذریعے وہ اپنی موجودگی کا ثبوت دے چکے تھے۔ ہم نے را کے ایجنٹوں کو پاکستان لانے والے بحری اسمگلر غفور بھٹی اور پھر حاجی دل مراد پر محنت کرکے دونوں ایجنٹوں کا سراغ لگالیا۔ بخشل کے ذریعے میں دونوں ایجنٹوں سے مقامی گینگ لیڈر کے روپ میں ملا اور وہ دونوں میرے جال میں پھنس کر مجھے میری ہی تلاش کا کام سونپ بیٹھے۔ اسی اثنا میں راس المیڈا کے جانشین آئزک بیل نے کوٹ ادو تھرمل پاور اسٹیشن میں بم دھماکا کروایا مگر ملزم پکڑا گیا۔ را کے دونوں ایجنٹوں کے توسط سے میں نے انڈین قونصلیٹ کے ملازم مدن موہن کو گھیر لیا جس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ را کے ایجنٹوں وکرم اور ارجن (جن کے اصل نام بدری ناتھ اور رمیش اگروال تھے) سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں راس المیڈا کی خواہش پر پاکستان آئے تھے اور اب اس کی موت کے بعد انہیں مزید ہدایات امریکی قونصلیٹ کے نک موڈلے سے ملنی تھیں۔ ابتدائی احکامات کے مطابق وہ براہِ راست نک موڈلے سے نہیں مل سکتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ نک موڈلے اور ان کے درمیان رابطے کا کام میں انجام دوں مگر میں اس میں پوشیدہ خطرات کے پیشِ نظر اس کے لیے رضامند نہیں تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ نک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسمیٹر بھجوایا تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی پیشہ ورانہ خلیج تھی‘ بدری کو نک کا تحکمانہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ مجھے امریکا لے جانے کا خواہش مند تھا۔ میرے لیے ڈیوڈ اسٹارز کو ختم کرنے کا یہ نادر موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ بدری سے وہاں کا رابطے کا نمبر لے کر میں ویرا کے ساتھ لندن روانہ ہوگیا۔ دورانِ سفر مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوئی جو شراب وشباب کے بدلے اہم معلومات مدن موہن کو فراہم کرتا تھا۔ اسے میں نے واپس پاکستان بھجوایا جہاں اول خان نے اس سے ملک دشمنی کا حساب بے باق کردیا۔ میں نے بدری کے دیئے ہوئے نمبر کے ذریعے بھارتی ایجنٹ گیتا سے ملاقات کی۔ وہ اپنے ساتھی کی مدد سے مجھ سے میری اصلیت اگلوانے کی خواہش مند تھی مگر ویرا نے ان دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ بدری اور رمیش لندن پہنچے جہاں رمیش ویرا کا شکار ہوگیا۔ پاکستان سے اطلاع ملی کہ سلطان شاہ کو راس المیڈا کے اشارے پر اغوا کرلیا گیا ہے۔ اپنی امریکا منتقلی کے دوران میں سلطان شاہ نے امریکی سی ون تھرٹی کو اغوا کرلیا۔ میں نے راس المیڈا سے طویل گفتگو کی اور اسے سلطان شاہ کو رہا کرنے پر مجبور کردیا۔ اس وقت تک بدری ناتھ امریکا روانہ ہوچکا تھا۔ ہم نے بھی امریکا کا رختِ سفر باندھ لیا۔ سفر میں ویرا نے بین الاقوامی ریکٹ کے شکار خرم نامی ایک نوجوان کی مدد کی جس کی وجہ سے وہ خود ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور راس المیڈا کو ہماری امریکا آمد کا علم ہوگیا۔ امریکا میں ہم نے ویرا کے پرانے مہربان شناسا بلیک ڈیڈ اور آئزک بیل کی رنگس انکارپوریٹڈ میں کام کرنے والی ویرا کی دوست جینی کی مدد سے کراچی ایٹمی بجلی گھر کو ترسیل کیے گئے پرزوں کو کلیئر کیا۔ جینی نے ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کی اصل فائل ہمارے سپرد کی۔ اس فائل کی گمشدگی سے راس المیڈا کی بربادیوں کا آغاز ہوگیا۔ اسے سی آئی اے نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ راس المیڈا کے بعد میں نے بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کا پتا چلا کر بلیک ڈیڈ کی مدد سے انہیں واصلِ جہنم کردیا۔ نک موڈلے بھی امریکا میں اپنی اتفاقی موجودگی کے باعث ہمارا نشانہ بن گیا۔ میری مسلسل کامیابیوں اور کامرانیوں کے بعد بدری نے مجھ پر ذینی ہونے کا شبہ ظاہر کیا چنانچہ میں بدری کے متعلق بھی فیصلے پر پہنچ گیا۔ امریکن سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر میں تین امریکی اہل کاروں کے ہمراہ بدری ناتھ کے انجام کے ساتھ ہی ہم پاکستان واپس روانہ ہوگئے۔ پاکستان میں مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا۔ کھنول راجوانی اپنی سیاسی حیثیت کے باعث ہمارے لیے لقمۂ تر ثابت نہیں ہوا۔ اس نے ہم پر قاتلانہ حملہ کرایا اور اول خان کی گرفت میں آکر بھی نہایت چالاکی سے فرار ہوکر اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ بہت تگ ودو کے بعد وہ وہاں ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس کی پشت پناہی کرنے والا چوہدری سلام بھی ہماری نظروں میں آگیا۔ کراچی میں کھنول کے کرگے کالو مکرانی کے اعترافی بیان نے کھنول کو کراچی واپس لانے پر مجبور کردیا جہاں وہ میری مخبری کے باعث امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اوبرائن ذی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ذینی کی تلاش میں اس کے کام آنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ اوبی کے ذریعے مجھے علم ہوا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اوبی کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے باعث اول خان نے اس کے متعلق اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ باہمی مشورے کے بعد میں نے اوبی سے رابطہ کیا۔ اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی اور دھن راج کے سپرد کردیا۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ نے اس کی پالتو کتیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں نے میجر بخشی سے رابطہ کیا تو اس نے مجھے فوری ملاقات کے لیے کلب میں طلب کرلیا۔ میں جانتا تھا کہ بظاہر رواروی میں دی گئی اس دعوت کے پسِ پردہ مقاصد بھی ضرور ہوں گے۔ اپنے ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ اس نے مجھ سے کرنل جمال دستی کے فوجی ماضی کے بارے میں سوال کیا لیکن میرے جارحانہ رویئے کی بنا پر اسے پسپا ہونا پڑا۔ دھن راج کی نگرانی کرنے والے ایس ٹی ایف کے اہل کار کی کارروائی کے نتیجے میں میری سرکوبی کے لیے بھیجے گئے اسلحے سے بھری ہوئی جیپ جہانگیر روڈ پر حادثے کا شکار ہوگئی۔ جیپ میں سوار تمام ملزمان اپنے سرغنہ بھیشم داس سمیت پکڑے گئے۔ بھیشم داس اگرچہ صرف دھن راج سے واقف تھا مگر ہمارے ایما پر اس نے اپنے اقبالی بیان میں اوبی کو بھی ملوث کردیا۔ جس کے بعد اوبی ہنٹ اور دھن راج نے راہِ فرار اختیار کی۔ اب صرف میجر بخشی ہمارے سامنے تھا۔ میجر بخشی نے ایک مرتبہ پھر مجھے کلب میں ملاقات کی دعوت دی‘ اس بار اس کے تیور جدا تھے۔ میرے ساتھیوں کے مطابق بھرپور تیاری کے بغیر میجر سے میری ملاقات میری زندگی کے لیے خطرناک ہوسکتی تھی۔ اپنے حریفوں سے طویل اور اعصاب شکن ذہنی لڑائیوں کے بعد مجھے فیصلہ کن گھڑی سامنے نظر آرہی تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس دن میجر بخشی کے ستارے یاور تھے یا قسمت میرا ساتھ دینے والی تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

اسٹیشن فور پر ہم چاروں پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں تھی‘ ہم جہاں چاہتے‘ جاسکتے تھے لیکن دوسروں کا تو خیر ذکر ہی کیا‘ میں خود بھی ایس ٹی ایف والوں کے اس عارضی پڑاؤ کو ایک میدان میں بنی ہوئی چند بیرکوں سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

لے دے کر بس ان کا ریڈیو کنٹرول روم ہی ان کا اہم ترین مواصلاتی شعبہ تھا جہاں ان کے شہر بھر میں پھیلے ہوئے کارندوں کی باہمی گفتگو اور خفیہ پیغامات کو مانیٹر کرکے تازہ ترین اندازے قائم کیے جاتے تھے۔ ایک بیرک کے اسی وسیع کمرے میں وہ طاقت ور لاسلکی ٹرانسمیٹر اور ریسیور تھا جس کے ذریعے ایس ٹی ایف کے دوسرے اسٹیشنوں سے رابطہ استوار رہتا تھا۔

وہ مواصلاتی کمرا میرا دیکھا ہوا تھا۔ مجھے کبھی گمان تک نہیں ہوا تھا کہ ان بیرکوں میں کوئی کمرا ریڈیو کنٹرول روم سے زیادہ اہم بھی ہوگا۔

اس شام اول خان نے میری نئی مہم کے سلسلے میں جن کمروں کی سیر کرائی وہ میرے لیے عجوبوں سے کم نہیں تھے۔ وہاں بہت سی ایسی چیزیں موجود تھیں جو ہنگامی صورتِ حال میں بہت زیادہ کار آمد ثابت ہوسکتی تھیں۔

ملیر چھاؤنی کے اس دور افتادہ علاقے کی متروکہ بیرکوں میں مقیم ایس ٹی ایف کے صف شکنوں کو دیکھ کر بارہا میرے ذہن میں وہ مصرع گونجا تھا جس میں سپاہی کے لیے مومن ہونے کی یہ خوبی بیان

کی گئی ہے کہ وقت پڑنے پر اسے کچھ میسر نہ ہو تو وہ بے تیغ بھی لڑتا ہے۔ ان کمروں کو دیکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ ایس ٹی ایف والے اس وقت بھی ایسے بے سروسامان نہیں ہے۔ ان کی زنبیل میں سیکڑوں ایسے شعبدے موجود تھے جو حریف کو متحیر کر سکتے تھے۔

مجھے میجر بخشی سے بات کیے کافی دیر ہو چکی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں چھ کے بعد تیزی کے ساتھ سات بجنے کا اعلان کرنے والے نکتوں کی طرف سفر کر رہی تھیں۔ اول خان مضطرب ہوا جا رہا تھا مگر میں اس کے آدمیوں کے مشورے سے اپنے لیے کام کی چیزیں سمیٹنے میں مصروف تھا۔

"تم بہت وقت لے رہے ہو۔ سات بجے ہرگز وہاں نہیں پہنچ سکو گے۔" اول خان نے پہلو بدلتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"میں بس چند منٹ لوں گا۔ تم اس دوران میں دوسروں کو بریفنگ دے کر میرے لیے ٹیکسی منگواؤ۔ میں یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا۔" میں نے اسے اپنا فیصلہ سنادیا۔

وہ قدرے برہمی کے انداز میں وہاں سے نکل گیا۔ وقت کے ضیاع کے سلسلے میں اختلاف کے باوجود وہ میرے مشورے کی افادیت سے انکار نہیں کر سکا تھا۔

وہ اپنا کام کرنے نکل گیا تھا اور میں تیزی سے اپنے کام نمٹا رہا تھا۔

وقت اور کاموں کی وہ تقسیم کارگر رہی۔ میں اپنی مصروفیات سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو اول خان میری روانگی کا بندوبست مکمل کر چکا تھا۔

کلب میں اہم ترین دفاعی پوزیشن سنبھالنے والی ہر اول پارٹی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو چکی تھی' مجھے لے جانے والی فرسودہ ٹیکسی میں ایس ٹی ایف کا ایک تجربے کار اہل کار ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔

ٹیکسی کے پیچھے ایس ٹی ایف کی سرکاری' نیم سرکاری یا شاید غیر سرکاری جیپ کھڑی ہوئی تھی جس میں ڈرائیور سمیت چھ مسلح افراد سوار تھے۔

"اتنی تیاریاں کس معرکے کے لیے کی جا رہی ہیں؟" میں نے دفاتر سے باہر آنے کے بعد قدرے استہزائیہ انداز میں اول خان سے پوچھا۔

"وہ تمہیں گھیرنے کے چکر میں ہے' تم اس کے فراق میں ہو۔ کچھ نہ کچھ تیاریاں تو ہونی ہی تھیں۔ وہ آسانی سے تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔"

"تم نے ان لوگوں کو ان کا رول سمجھا دیا ہوگا۔" میں نے پوچھا۔

"تم بے فکر رہو۔ ان میں سے کوئی بھی ضرورت پیش آنے سے پہلے تمہارے اور بخشی کے درمیان کوئی دخل اندازی نہیں کرے گا۔"

وقت کی کمی کے باعث وہیں سے میری روانگی کی اطلاع پا کر غزالہ بھی اپنے ساتھیوں سمیت وہیں آگئی تھی۔ اس کے چہرے پر تشویش کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔

"میری بات مانو تو اکیلے نہ جاؤ۔" ویرا نے آخری لمحات پر اصرار کیا۔ "مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ تم آسانی سے مجھے اپنی گرل فرینڈ کے طور پر متعارف کرا سکتے ہو۔"

میں بے ساختہ ہنس پڑا "اگر اسے میرے اوپر شبہ ہو چکا ہے تو سفید فام گرل فرینڈ اسے مزید شبہات میں ڈال دے گی۔ فی الحال تمہارا پردے میں رہنا ہی مناسب رہے گا۔"

"میں روپوشی اور پردے کی زندگی سے اب بے زار ہو چکی ہوں۔"

"مشرق میں عورت صدیوں سے اس مسئلے کا شکار ہے۔" سلطان شاہ نے فوراً ہی اس کی بات اچک لی "یہ امر صرف مرد ہی جانتے ہیں کہ عورتوں کی بے پردگی کیسی کیسی خرابیاں پیدا کرتی ہے۔ تم کو گھر میں محدود رہنا چاہیے۔"

"ہر بات میں اپنی ٹانگ مت اڑایا کرو۔" ویرا بھنّا کر بولی۔ "غصہ آگیا تو میں کسی وقت تمہارا منہ توڑ کے رکھ دوں گی۔"

"ذرا احتیاط سے رکھنا۔ کسی آبگینے کو ٹھیس نہ لگ جائے۔" سلطان شاہ نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

میرے پاس ان خرافات میں الجھنے کا وقت نہیں تھا' میں ان سب کی طرف ہاتھ لہرا کر ٹیکسی کی عقبی نشست پر سوار ہوگیا۔

"تمہارے ہاتھ میں یہ انگوٹھی کیسی ہے؟" ٹیکسی میں بیٹھتے ہی میرے کانوں میں ویرا کی تحیر زدہ آواز آئی "کس نے دی ہے؟"

"نئی منگنی کی نشانی ہے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔

اس وقت میری رسٹ واچ میں سات بجنے والے تھے۔ شاید ٹیکسی ڈرائیور کو بھی وقت کی اہمیت کا اندازہ تھا کیونکہ سڑک پر آتے ہی اس نے ٹیکسی کی رفتار بڑھا دی۔

میں کلب کے پورچ میں ٹیکسی سے اترا تو ساڑھے سات بج چکے تھے۔ میرے ذہن پر میجر بخشی سے طے شدہ ملاقات کے بارے میں ہلکا سا تناؤ طاری تھا۔ وہ میرے عزائم سے باخبر تھا نہ اس نے مجھے اپنے ارادوں کے بارے میں کچھ بتایا تھا جو کچھ بھی سامنے آیا تھا وہ میری قیاس آرائیوں کا نتیجہ تھا اور غالب امکان یہی تھا کہ میری اور بخشی کی ملاقات خاصی ناخوش گوار ثابت ہو سکتی تھی۔ میری دانست میں وہ میرے اغوا کا منصوبہ لیے بیٹھا تھا اور میں اسے گھیر گھار کر اپنے ساتھ لے جانے کا مصمم ارادہ لے کر اس کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچا تھا۔

میں ٹیکسی سے اتر کر جوں ہی لان کی طرف پلٹا تو میجر بخشی مجھے نظر آگیا۔ وہ لان کے نیم روشن گوشے میں اپنی مخصوص میز پر موجود تھا۔ میرے لیے یہ بات حیرت ناک تھی کہ وہ اکیلا نہیں تھا۔ میز پر ایک خوب صورت اور جوان عورت اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

مجھے دیکھ کر میجر بخشی نے اپنی جگہ سے ہاتھ لہرایا اور میں خفیف سی جوابی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف ہولیا۔

میجر بخشی نے اپنی کرسی چھوڑ کر بہت تپاک سے میرا استقبال کیا۔ اس کی دیکھا دیکھی، لڑکی کو بھی اپنی کرسی چھوڑنی پڑی۔

نکھری ہوئی رنگت، دلکش خدوخال اور ترشے ہوئے بالوں والی وہ لڑکی مجموعی طور پر کشش انگیز شخصیت کی مالک تھی۔ وہ چھریرے بدن کی مالک تھی، نہ اس پر مٹاپے کی تہمت لگائی جاسکتی تھی۔ ان دونوں کے درمیان وہ بس صحت مند اور بھرے بھرے جسم والی دراز قد لڑکی تھی جس نے مختصر سے بلاؤز کے ساتھ ہلکی گلابی ساڑی پہنی ہوئی تھی۔

"یہ کرنل جمال دستی ہیں اور یہ موہنی پنڈت.... میری پرانی دوست!" میجر بخشی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہم دونوں کا تعارف کرایا۔ موہنی نے ایک دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ اپنا گداز ہاتھ میری طرف بڑھادیا۔

خواتین سے مصافحے کا یہ عالمی اصول ہے کہ ان کے ساتھ بے جاگرم جوشی کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے کر سب کچھ ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ اس طرف سے جتنا دباؤ کا اظہار ہو، جواب میں اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔

موہنی سے تعارفی مصافحہ کرتے ہوئے میں نے اسی اصول پر عمل کرنا چاہا تھا لیکن اس نے میرے ہاتھ کو اپنی گداز ہتھیلی میں لے کر مخروطی انگلیوں سے یوں دبایا کہ میں چونک پڑا۔ اگر میں نے اپنی ہتھیلی کو فوراً ہی سخت نہ کرلیا ہوتا تو موہنی میرے ہاتھ کو بری طرح دباچکی ہوتی۔

جارحیت کی ابتدا اس کی طرف سے ہوئی تھی، میں نے شائستگی کی حد میں رہتے ہوئے اسے اپنی مردانہ گرفت کا احساس دلایا تو اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

میجر بخشی نے ہم دونوں کے چہروں سے صورتِ حال کا اندازہ لگالیا اور مسکراتے ہوئے بولا "موہنی کو میں نے خاص طور پر تم سے ملوانے کے لیے بلایا ہے۔ آج کل یہ شہر کی سب سے کامیاب ماڈل گرل ہے۔ ہر فیشن شو اور قابلِ ذکر اشتہار میں نمایاں نظر آتی ہے۔"

"مجھے تو اس وقت ماڈلنگ کے بجائے مارشل آرٹ کا تجربہ ہوا ہے۔" میں نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ تبصرہ کیا "ذرا سی چوک ہوتی تو کوئی جوڑ کھسک چکا ہوتا۔"

بخشی نے تحیرزدہ، مستفسرانہ نظروں سے موہنی کی طرف دیکھا اور وہ مترنم ہنسی کے ساتھ وضاحت کرنے لگی "پتاجی کا نیا شوق ہے۔ پچھلے ہفتے سے میں کراٹے سیکھ رہی ہوں۔"

بخشی نے استفہامیہ انداز میں اپنا سرہلایا اور معنی خیز لہجے میں بولا "کہیں وہ کورین لڑکی تو تمہاری ٹریننگ نہیں کرا رہی؟"

"وہی ہے۔" موہنی نے اقرار کیا "میری ٹریننگ کے بہانے اسے گھر میں کافی وقت گزارنے کا موقع مل جاتا ہے۔ پتاجی خوش رہتے ہیں۔"

"پنڈت خاصا مظلوم آدمی ہے۔" میری لاتعلقی کا احساس ہوتے ہی میجر بخشی مجھ سے مخاطب ہو کر بتانے لگا "دس برس پہلے اس کی بیوی مرگئی تھی۔ اس نے موہنی کو باپ کے ساتھ ماں کا پیار بھی دیا ہے۔ اب اگر اس نے دل بہلانے کے لیے کسی کو رکھ لیا ہے تو یہ اس کا حق ہے۔"

"خوب!" میں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہماری اس میٹنگ کا ایجنڈا موہنی اور اس کے گھریلو حالات کے گرد ہی گھومتا رہے گا۔"

"موہنی اجنبی نہیں ہے۔ یہ ہم میں سے ہے اور بہت کچھ جانتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہم یہاں سے اٹھ کر اسی کے گھر جائیں گے۔"

موہنی کے گھر جانے کے ذکر پر میرے کان کھڑے ہو گئے مگر میں نے میجر بخشی کے الفاظ کو زیادہ اہمیت دیے بغیر سرسری انداز میں کہا "اگر موہنی کے باپ کو اعتراض نہ ہوا تو اس کے گھر پر تمہارا وقت بہت اچھا گزرے گا۔ ہم اپنے مذاکرات کل کے لیے ملتوی کرسکتے ہیں۔"

وہ دونوں پہلے سے اسکاچ سے شغل کر رہے تھے۔ بخشی نے مجھ سے بھی اصرار کیا کہ میں الکحل ملا ہوا کوئی مشروب لوں مگر میں نے سختی سے انکار کردیا۔ میرے ذہن پر یہ جھلاہٹ بھی طاری تھی کہ اس نے موہنی کے گھر جانے کا ذکر ادھورا چھوڑ کر پینے پلانے کا موضوع چھیڑ دیا تھا۔

وہ میرے لیے ویٹر کو اسکواش لانے کی ہدایت دے کر فارغ ہوا تو میں نے چڑچڑے انداز میں دوبارہ کہا "اگر آج تم موہنی کے خانگی مسائل میں اتنے الجھے ہوئے تھے تو مجھے اتنی لمبی دوڑ لگوانے کی کیا ضرورت تھی؟ تم نے فون پر اس ملاقات کی اہمیت پر زور کیوں دیا تھا؟"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس نے میز پر آگے جھک کر نرمی سے کہا "موہنی پنڈت میرے لیے نئی نہیں ہے۔ اسے میں نے تم سے ملوانے کے لیے بلوایا ہے۔ یہ....!"

ہم دونوں کی سوالیہ نظروں کا سامنا کرتے ہی وہ خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی "میں ذرا واش روم تک جارہی ہوں۔ دو منٹ میں آتی ہوں۔"

"اچھا ہوا کہ وہ واش روم چلی گئی۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد میجر بخشی نے سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے کہا "اس کی موجودگی میں، میں زیادہ کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔"

"میرا خیال تھا کہ میری اور تمہاری ملاقات میں کوئی تیسرا آدمی موجود نہیں ہوگا۔"

"موہنی بہت کارآمد لڑکی ہے۔" وہ بائیں آنکھ دبا کر بولا "مال دار باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ اچھے لوگوں سے دوستیاں بڑھانے کی

شوقین ہے۔ آسانی سے اسے شیشے میں اتار لو گے۔"

"مجھے ان فضول باتوں میں الجھانے کے بجائے یہ بتاؤ کہ اس ملاقات کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے خشک لہجے میں کہا "وہ لوٹ آئے گی تو بات پھر ادھوری رہ جائے گی۔"

"کام کی باتیں اس کے سامنے بھی ہو سکتی ہیں۔ اس کے سامنے میں کھل کر اس کی فراخ دلانہ خوبیوں کا ذکر نہیں کر سکتا تھا۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم نے موہنی کے گھر جانے کا ذکر کیا تھا۔ اگر اس سے تمہاری گہری دوستی ہے تو میں اس سے دور رہنا پسند کروں گا۔"

"میری اس سے اس قسم کی دوستی نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو' میں....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "پھر بھی مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ذاتی دلچسپیوں کو میں اپنی ذات تک محدود رکھنے کا قائل ہوں۔"

اس نے ایک گہرا سانس لے کر غور سے میری طرف دیکھا پھر بتایا "موہنی کے گھر جانے والی بات کا مفہوم بھی تم نے غلط لیا ہے۔ میں اکیلا اس کے گھر نہیں جاؤں گا۔ تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔"

"میں وہاں جا کر کیا کروں گا؟" میں نے اپنے تجسس کو دبا کر سوال کیا۔

"مائیکرو بگز اس کے گھر پر ہیں۔ میرے فلیٹ کے مقابلے میں پنڈت کا گھر محفوظ اور بڑا ہے۔"

"وہ مائیکرو بگز ہیں۔ ذرا سی تھیلی میں سما سکتے ہوں گے۔ ان کے لیے ایک بڑے گھر کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔" میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

"وہ واقعی ایک کارٹن میں ہیں۔ تمہارے حصے کے بگ ایک تھیلی میں بھی آجائیں گے مگر اس قسم کے کاموں کے لیے بڑے گھر زیادہ محفوظ ہوتے ہیں۔ باہر سے کسی کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ کون کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ فلیٹوں میں اتنی رازداری برقرار نہیں رہتی۔"

"کل تم نے کہا تھا کہ مائیکرو بگز تمہارے پاس ہیں۔ آج وہ پنڈت کے گھر پہنچے ہوئے ہیں۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"میرے پاس سے یہ مراد نہیں تھی کہ میں انہیں جیب میں لیے پھر رہا ہوں۔"

"تم نے یہ بھی کہا تھا کہ اینالائزر سسٹم کے بغیر وہ ناکارہ سنگریزے ثابت ہوں گے۔"

"میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔ دراصل آج اوبی سے فون پر میرا رابطہ ہوا تھا۔ اس نے مجھے پوری صورتِ حال سمجھا دی ہے۔ اینالائزر اس کے دفتر میں موجود ہے۔ اس کا ایک ساتھی پوری مہارت کے ساتھ اسے چلا سکتا ہے۔"

موہنی پنڈت نے شاید پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہم دونوں کو کچھ دیر کے لیے تخلیہ فراہم کیا تھا۔ مقررہ وقت گزار کر وہ دوبارہ میز پر آگئی۔ اس نے آتے ہی اپنے گلاس میں بچی ہوئی اسکاچ اپنے معدے میں انڈیل کر گلاس خالی کر دیا۔

"سب کچھ طے تھا تو تم بگز یہاں بھی میرے حوالے کر سکتے تھے۔" میں نے کہا۔

"وہ چنے کے دانے نہیں ہیں جو پڑیا میں باندھ کر تمہیں دے دیے جائیں۔" میجر بخشی نے چیخ کر جواب دیا "وہ بہت نازک اور حساس آلات ہیں۔ میری وضاحت کے بغیر تم انہیں استعمال نہیں کر سکو گے۔ موہنی کے گھر پر میں آرام سے تمہیں سب کچھ سمجھا سکوں گا۔"

"نہیں میجر....." میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ موہنی کو بھیج کر مائیکرو بگز یہیں منگوالو۔"

بخشی کی آنکھوں میں سختی جھلکنے لگی "ایسا مت کہو۔ تمہیں میرے ساتھ جانا ہوگا۔"

"کیا بات ہے؟ کس مسئلے پر بحث ہو رہی ہے؟" موہنی پنڈت نے پوچھا۔

"کرنل جمال دستی تمہارے حسن وشباب سے متاثر نہیں ہوا۔ اسے تمہارے گھر جانا بھی منظور نہیں ہے۔" میجر بخشی نے وہ الفاظ جس طرح چبا چبا کر ادا کیے، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔ وہ میرے انکار کا کوئی نہ کوئی توڑ سوچ کر وہاں آیا تھا۔

"یہ بہت بری بات ہے کرنل۔" موہنی نے ایک ادا سے میری طرف دیکھ کر کہا "مجھے حیرت ہے کہ مجھ سے مل کر بھی تمہارے دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہیں ہو سکا۔ تم نہ گئے تو میرے گھر پر تمہاری ضیافت کا سارا اہتمام یوں ہی دھرا رہ جائے گا۔"

"تمہارا لب ولہجہ کچھ بدلا بدلا محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے موہنی کی بات سنی ان سنی کر کے سرد لہجے میں میجر بخشی سے کہا۔

"تلخی کی ابتدا تم نے کی ہے۔ تم کو میری ہدایات پر عمل کرنا ہوگا۔"

"اوبرائن نے آخری گفتگو میں ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ تم میرے باس نہیں، صرف مشیر ہو۔ میں تمہارے ساتھ مل کر ڈینی کو گھیرنے کی کوئی مناسب راہ نکالوں گا۔"

"تم جاؤ۔" میجر بخشی نے سختی سے موہنی کو حکم دیا۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ کافور ہوگئی اور وہ اپنا پرس اٹھا کر کچھ کہے سنے بغیر کرسی چھوڑ کر تیز تیز قدموں سے پختہ روش کی طرف چل دی۔

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے کرنل!" اس کے چلے جانے کے بعد بخشی نے نیچی مگر دھمکی آمیز آواز میں مجھ سے کہا "ایس ٹی ایف سے منحرف ہونے کا فیصلہ کرتے ہی تم نے اپنے سارے آپشن کھو دیے تھے۔ پہلے تم کو اوبرائن نے کٹھ پتلی بنایا پھر بلیکی کے ذریعے تمہاری ڈور دھن راج کو تھمادی۔ حالات کے تحت وہ روپوش ہونے پر مجبور ہوگیا ہے اس لیے اب میں تمہارا باس ہوں۔"

"تمہیں یہ دعویٰ ہے تو یہی سہی۔ اس وقت میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔"

"ضد مت کرو۔ اس کا نتیجہ تمہارے حق میں اچھا نہیں نکلے گا۔" اس نے دھمکی دی۔

"یہ تمہارا یا موہنی کا ڈرائنگ روم نہیں، ایک باوقار کلب کا لان ہے۔ تم مجھے میری مرضی کے خلاف یہاں سے کہیں نہیں لے جاسکتے۔"

"بائیں طرف دیکھو!" اس نے تحقیر آمیز لہجے میں حکم دیا۔

"میری گردن غیر ارادی طور پر اسی طرف گھوم گئی۔ ہمارے برابر والی میز پر دو آدمی براجمان تھے جن کی نگاہیں ہماری طرف مرکوز تھیں۔

"یہ دونوں مسلح ہیں۔ میرے ذرا سے اشارے پر آئیں گے اور ہتھیاروں کی نال پر خاموشی سے ہم دونوں کو یہاں سے اٹھا لے جائیں گے۔ تم نے ذرا سی بھی مزاحمت کی تو وہ بے رحمی سے تمہیں گولی مار کر یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔ کل کے اخباروں میں میرے ناکام اغوا کے دوران میں میرے ایک ملاقاتی کی موت کی خبر چھپے گی اور تمہاری کہانی ختم ہو جائے گی۔"

اس کا منصوبہ سن کر مجھے اپنی پیشانی پر سرد پسینہ نمودار ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

اس سے ملاقات کے لیے روانہ ہونے سے پہلے مجھے پورا یقین تھا کہ وہ مجھے پھانسنے کی پوری کوشش کرے گا اور میں نے اس کے لیے جوابی تیاری بھی کرلی تھی۔ مگر مجھے یہ گمان تک نہیں ہوسکا تھا کہ وہ کلب کے لان پر نہایت دیدہ دلیری سے دو مسلح غنڈے لا بٹھائے گا۔

بظاہر اس کا منصوبہ بے داغ تھا۔ مجھے اغوا کرنے میں ناکامی کی صورت میں وہ قتل کرنے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا۔ عینی شاہد بھی یہی دیکھتے کہ برابر والی میز سے دو آدمی آئے اور ہم دونوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے جانے لگے۔ انہیں کانوں کان بھی پتا نہیں چلتا کہ ہم دونوں میں سے درحقیقت کس کو اغوا کیا جارہا تھا۔ میری مزاحمت کی صورت میں جو کچھ ہوتا اس کے بعد میجر بخشی کی کہانی پر کوئی شبہ نہیں کرسکتا تھا۔

میرے ساتھ آنے والے ایس ٹی ایف کے مسلح جوان کسی کی نظروں میں آئے بغیر میرے آس پاس موجود تھے اور یقینی طور پر میری حفاظت کر رہے تھے مگر بخشی کا منصوبہ ایسا تھا کہ میرے اوپر فائر ہونے سے پہلے انہیں کسی قسم کا شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔

غالب امکان یہ تھا کہ میرے اوپر فائر کرنے کے بعد فرار ہونے والے مجرم ایس ٹی ایف کے چھپے ہوئے اہل کاروں کی گولیوں سے چھلنی ہوکر جہنم واصل ہو جاتے اور یوں میجر بخشی کے بیان کی تردید کرنے والا کوئی گواہ زندہ نہیں رہتا۔

وہ قانونی صورت ہوتی لیکن میرے ہر ساتھی کو میرے سنگین مشن کا علم تھا۔ میجر بخشی قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتا تھا مگر مکافات عمل سے نہیں بچ سکتا تھا۔

میرا ذہن بہت تیزی سے حالات کا تجزیہ کر رہا تھا۔ میرے ساتھیوں کو خطرات کا پوری طرح ادراک تھا مگر وہ اس حقیقت سے لاعلم تھے کہ اس کھیل میں میجر بخشی کی طرف سے بالا ہی بالا دو سفاک غنڈے بھی شامل ہو چکے تھے۔ میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ میں انہیں ان دونوں کی موجودگی سے باخبر کرسکتا۔

میں نے جوابی تیاری میں صرف میجر بخشی کو سامنے رکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے لے جانا چاہے گا۔ میرے انکار پر تکرار ہوگی اور میں رسانیت سے اسے بے ہوش کر کے، کوئی دورہ پڑنے کا بہانہ کر کے کلب سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

دونوں غنڈوں نے حالات کا توازن بہت بگاڑ دیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ موہنی کو بخشی نے خود ہی روانہ کردیا تھا ورنہ وہ مزید پیچیدگی پیدا کرسکتی تھی۔

میں نے ضد کو طول دے کر پچویشن خراب کرنے کے بجائے فوراً ہی ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کرلیا۔

"ان آدمیوں کی موجودگی کا مطلب ہے آج تم ہر قیمت پر مجھے اپنے ساتھ لے جانے یا قتل کردینے کا فیصلہ کر کے آئے ہو۔" میں نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"نہیں کرنل!" بخشی نے سرسراتی ہوئی اضطراری آواز سے مجھے بری طرح چونکا دیا "اپنے ہاتھ جیبوں سے دور رکھو۔ اب تم اپنا اعتبار کھو چکے ہو۔"

"رومال کی تلاش میں اضطراری طور پر جیب کی طرف بڑھتا ہوا میرا ہاتھ اس کے ابتدائی الفاظ کے ساتھ ہی رک چکا تھا۔ میں نے سنجیدگی سے کہا "سب کچھ معلوم ہوجانے کے بعد میں خودکشی کی حماقت نہیں کروں گا۔ میں جیب سے رومال نکالنا چاہ رہا تھا۔"

اس نے اپنی جیب سے ٹشو پیپر نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

"تمہیں اس کی ضرورت ہے۔ تمہاری پیشانی عرق آلود ہو رہی ہے۔"

"تمہیں مجھ سے یکایک ہی کیا مخاصمت ہوگئی ہے؟" میں نے کہنیاں میز پر ٹکا کر پوچھا۔

"شبہات پہلے سے پروان چڑھ رہے ہیں۔ یہ اوبی کا مشورہ ہے کہ اب تمہارے بارے میں چھان بین کی جائے۔ وہ ہتھیار لے جانے والی گاڑی کے حادثے کو اتفاق قرار نہیں دے رہا۔"

"لیکن اس واقعے سے میرا کیا تعلق تھا؟" میں نے دبی آواز میں احتجاج کیا۔

"دھن راج تمہارے رابطے میں تھا۔ وہ گاڑی اپنی منزل کے لیے اسی کے ہوٹل سے روانہ ہوئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ گاڑی کا پیچھا کیا جارہا ہو اور اس کے آدمی ہراساں ہوگئے ہوں۔"

"ہونے کو تو بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ اوبرائن قیاس آرائی میں بہت دور نکل گیا ہے۔ مجھے اپنے خوابوں کی تعبیر اب بہت دور نظر آنے لگی ہے۔"

"اگر تم سچے ہو اور ہمیں ڈبل کراس نہیں کررہے ہو تو تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چھان بین کے بعد تمہارے دعوؤں کی تصدیق ہوگئی تو تمہیں آزادی مل جائے گی۔"

"میں نے تو آج تک تم لوگوں کے سامنے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔" میں نے کہا۔

"وہ صرف دو باتوں کی تصدیق چاہتا ہے۔ تم واقعی کرنل جمال دستی ہو اور اپنی فورس کے خلاف باغیانہ سوچ رکھتے ہو۔" اس نے جواب دیا۔

"ریکارڈ تمہارے سامنے ہے۔ تم لوگوں سے ملاقات ہونے سے پہلے اوبرائن ایک خفیہ سرکاری اجلاس سے میرے فنگر پرنٹس حاصل کرچکا تھا۔"

"مگر تم نے مجھے آج تک اپنے آرمی یونٹ اور ریٹائرمنٹ کی تاریخ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ ایک سابقہ فوجی کے لیے یہ دونوں باتیں بہت اہم ہوتی ہیں۔"

"میں کل اپنی سروس بک کی فوٹو کاپی تمہیں لا دوں گا۔" میں نے پیش کش کی۔

"اب وقت گزر گیا۔ سب کام دوسرے طریقے سے پورے کیے جائیں گے۔"

"میں تمہارے ساتھ جانے پر آمادہ ہوں۔ اب اپنے ان دو جلّادوں کو رخصت کردو۔"

وہ عجیب اور پُرغرور انداز میں دھیرے سے ہنسا پھر بولا "یہ دونوں شہر کے معروف مگر سفید پوش قاتل ہیں۔ ہمیں دور دور سے گاڑی تک پہنچا کے رخصت ہوجائیں گے۔ میں جرائم پیشہ لوگوں کے سائے تک سے دور بھاگتا ہوں۔ مجبوری کے تحت صرف حفظِ ماتقدم کے لیے ان کا بندوبست کرنا پڑا۔ مجھے معلوم تھا کہ تم مکار آدمی ہو۔ آسانی سے قابو میں نہیں آؤ گے۔"

میرے سر پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا۔ وہ دونوں سر پر سوار رہتے تو کلب سے اغوا یا روانگی کے بعد بھی میں بازی الٹنے کی کوئی کامیاب کوشش نہیں کرسکتا تھا۔

ایس ٹی ایف کے جو آدمی پوشیدہ رہ کر میری حفاظت کررہے تھے' انہیں علم تھا کہ اس ملاقات میں میرے اغوا کا خطرہ مضمر تھا لیکن میں نے انہیں واضح طور پر ہدایت کی تھی کہ وہ میری طرف سے اشارہ ملے بغیر کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ مجھے خطرے میں گھرا ہوا دیکھ کر وہ ازخود کوئی بھی قدم اٹھا سکتے تھے۔

اس مرحلے پر میں نے ایک مرتبہ پھر فوری مزاحمت کے امکان پر غور کیا۔ میں بغل کھجانے کے بہانے اپنا داہنا ہاتھ سر سے اوپر بلند کرکے اپنے پوشیدہ محافظوں کو مداخلت کی دعوت دے سکتا تھا۔ وہ مختلف سمتوں سے نمودار ہوکر ہمیں گھیرے میں لے سکتے تھے۔

خرابی یہ تھی کہ ان کی ساری توجہ میجر بخشی پر مرکوز ہوتی۔ وہ سب سادہ کپڑوں میں ملبوس تھے۔ انہیں یہ علم نہیں تھا کہ ہمارے ساتھ والی میز پر بخشی کے ساتھ دو مسلح آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی اس غفلت کا فائدہ اٹھا کر وہ دونوں اپنے باس کو نرغے میں لینے والوں پر گولیاں برسا سکتے تھے۔

اس سے پہلے کہ میں ایس ٹی ایف والوں کو ہوشیار کرتا' ہڑبونگ اور افراتفری میں ان سمیت کلب کے لان پر بیٹھے ہوئے کئی گاہک ہلاک اور زخمی ہوسکتے تھے۔

غور کرنے کے بعد میں نے اس مرتبہ بھی مزاحمت کا ارادہ ترک کردیا۔

اپنی دانست میں مجھے زیر کرلینے کے بعد میجر بخشی بہت پُرسکون نظر آرہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ویٹر کو بل لانے کی ہدایت کی اور بل کی رقم فولڈر میں رکھتے ہی کرسی چھوڑ دی۔

میں نے اس کی تقلید کی۔ اس کے لائے ہوئے بدمعاش شاید

پہلے ہی سے فارغ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے آگے بڑھنے کے چند لمحوں بعد وہ بھی اٹھ گئے۔

میجر بخشی نے جس انداز میں جرائم پیشہ افراد سے دور رہنے کی عادت کا ذکر کیا تھا' اس کی بنا پر مجھے کلب کے لان پر ان دونوں بدمعاشوں کی موجودگی پر حیرت تھی۔

یہ بات کم وبیش ہر شخص ہی جانتا تھا کہ محض پیسے کے بل پر ہرا ایرا غیرا شہر کے مشہور کلبوں میں نہیں جاسکتا۔ کلب میں داخلے کے لیے باقاعدہ رکنیت ضروری ہوتی ہے یا پھر کلب کے ارکان اپنے مہمانوں کو کلب میں لاسکتے تھے۔ ان تفریحی مقامات کی رکنیت آسانی سے نہیں ملتی۔ ہر وقت امیدواروں کی ایک معقول تعداد اپنی باری کی منتظر رہتی ہے۔

وہ دونوں جس طرح الگ تھلگ بیٹھے ہوئے تھے اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کلب کے رکن نہیں تھے۔ بخشی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس نے انہیں اپنے مہمانوں کے طور پر وہاں لانے کی حماقت کی ہوگی کیونکہ اس کے منصوبے کے ایک حصے کے مطابق' ضرورت پڑنے پر انہیں فائرنگ کرتے ہوئے وہاں سے فرار ہونا تھا۔ وہ واقعہ رونما ہوجاتا تو بعد میں ان دونوں کو لانے یا بلانے والے میزبان کی حیثیت مشکوک ہوجاتی۔ پتا نہیں وہ دونوں کس کی تائید سے وہاں پہنچے تھے۔

"تم نے ٹیکسی روکی ہوئی ہے یا اسے رخصت کردیا؟" بخشی کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ رات میں یہاں سے چھاؤنی کے لیے مشکل ہی سے کوئی ٹیکسی ڈرائیور رضامند ہوتا ہے میں دوطرفہ کرایہ طے کرکے آتا ہوں۔"

"اوہ ....!" وہ قدرے متفکر ہوگیا "جانے سے پہلے اسے بھی رخصت کرنا ہوگا۔"

میں نے کوئی جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ وہ مسئلہ اس کا پیدا کیا ہوا تھا۔ اس کا حل بھی اسی کو نکالنا چاہیے تھا۔ راستے میں ایک جگہ روک کر اس نے باہر سے میری جیبیں ٹٹول کر اطمینان کرلیا کہ میں مسلح نہیں تھا۔

پارکنگ کے لیے مخصوص' نیم روشن اور کچے میدان میں میجر بخشی کی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر موہنی پنڈت پہلے سے براجمان تھی۔

"آؤ کرنل!" اس نے نیچے اتر کر استہزائیہ لہجے میں میرا استقبال کیا "مجھے معلوم تھا کہ میجر بخشی دھن کا پکا آدمی ہے۔ تم نہ آتے تو وہ تمہیں لے آئے گا۔"

اس دوران میں دونوں مسلح غنڈے ہم میں سے کسی سے کوئی بات کیے بغیر آگے نکل گئے۔

"میں لایا نہیں گیا' خود آیا ہوں۔" میں نے کہا۔ بخشی نے میری تردید نہیں کی۔

اس کی ہدایت پر مجھے موہنی پنڈت کے برابر والی نشست پر بیٹھنا پڑا۔ وہ خود میری پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس طرح وہ مجھ پر نظر رکھ سکتا تھا۔

میں نے اپنی انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کا رخ اوپر سے گھما کر اندر کرلیا۔

موہنی نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے مشاقی سے گاڑی آگے بڑھادی اور دوبارہ بولی "مجھے افسوس ہے کہ تمہیں نہ چاہتے ہوئے بھی میری ضیافت سہنی ہوگی۔"

"موہنی! فضول باتیں مت کرو۔ ڈرائیونگ پر دھیان دو۔ دربان کے پاس ایک لمحے کے لیے گاڑی روک لینا۔" میجر بخشی نے ہلکی سی سرزنش کی۔

پارکنگ ایریا سے چکر لے کر موہنی نے گاڑی کلب کے وردی پوش دربان کے قریب روکی تو میجر بخشی نے پچھلی کھڑکی سے سو سو کے تین نوٹ اس کی طرف بڑھادیے "یہ تم رکھ لو۔"

دربان حیرت سے نوٹوں کو دیکھتا رہ گیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

"آج تم نے یہ غیر معمولی فیاضی کیوں دکھائی ہے؟" میجر بخشی کی اس عجیب حرکت پر موہنی سوال کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"بس' ایک غلطی ہوتے ہوتے رہ گئی.... نوٹ دینے تک میرا خیال تھا کہ دربان کرنل جمال دستی کے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کرکے فارغ کردے گا۔ اسی لمحے مجھے خیال آیا کہ کرنل یا اس کے ڈرائیور کے ساتھ اپنا نام منسلک کرنے کی کیا ضرورت ہے اور وہ

رقم ٹپ میں بدل گئی۔

"ایس ٹی ایف کے بارے میں میرے ذاتی نظریات کچھ بھی ہوں، میری ذات تک محدود ہیں۔ میرے غائب ہونے پر فورس کو تشویش ہوگی۔ تمہاری ہر احتیاط کے باوجود وہ جلد ہی تمہارا سراغ حاصل کرلیں گے۔" میں نے دل ہی دل میں اس کی احتیاط کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

"میرا سراغ حاصل کرنے سے پہلے انہیں یہ معلوم ہو چکا ہوگا کہ تم ان سے باغی ہوکر ہمارے ساتھ کام کررہے تھے۔ یہ نکتہ انہیں اپنے گریبان میں جھانکنے پر مجبور کردے گا۔"

اس وقت میجر بخشی کو میرے اوپر بالادستی حاصل تھی۔ میں اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اس کی وہ خوش فہمی قطعی بے بنیاد تھی۔

کلب سے نکلنے کے بعد گاڑی کا رخ شہر کے مرکزی علاقے کی طرف ہوگیا تھا۔ جب موہنی نے گاڑی شاہین کمرشل کمپلیکس والے چوراہے سے داہنی طوف موڑی تو میں پہلو بدل کر اپنی نشست میں سیدھا ہوگیا۔

میں نے میجر بخشی سے ملاقات کا فیصلہ کرتے ہی یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ کلب کے لاکر میں کسی روایتی ہتھیار سے اسے زیر کرنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔ گولی چلا کر اسے ہلاک کیا جاسکتا تھا لیکن اغوا کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس فیصلے کی وجہ سے مجھے یہ سرخ روئی بھی ملی کہ جب میجر بخشی نے میری جیبیں ٹٹولیں تو ان میں کوئی ہتھیار موجود نہیں تھا۔

میں نے اول خان کے ساتھ اس کے خصوصی کمروں کی سیر کے دوران میں بیم گن لینے کا ارادہ ترک کردیا تھا کیونکہ چند دوسری چیزوں کے ساتھ مجھے اس مال خانے سے وہ نادر انگوٹھی مل گئی تھی جو اس وقت بھی میری انگلی میں موجود تھی۔

بظاہر وہ ایک بڑے اور بھونڈے سے سرخ نگینے والی انگوٹھی تھی۔ کسی منت یا عقیدت کے تحت بہت سے لوگ ایسی انگوٹھیاں پہنتے ہیں اس لیے سرسری نظر میں اس پر کوئی شبہ نہیں ہوتا تھا مگر اس میں نگینے کی جگہ قدرے سخت ربڑ کا کیپسول لگا ہوا تھا جس کے اندر بھرے ہوئے بے ہوشی کے تیز محلول میں ایک باریک سوئی کھڑی ہوئی تھی۔

اول خان نے مجھے بتایا تھا کہ ربر کے کیپسول پر دباؤ پڑنے پر وہ پچکتا ہے اور کھوکھلی سوئی سطح سے باہر آجاتی ہے۔ ربڑ کے دبنے سے پیدا ہونے والے اندرونی دباؤ کے تحت لمحہ بھر میں محلول کی اتنی مقدار کھوکھلی سوئی کے ذریعے باہر آجاتی ہے جو کسی کو بھی بے ہوش کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

اول خان کے ذخیرے میں اس ساخت کی متعدد انگوٹھیاں تھیں جن پر سرخ اور سبز کیپسول جڑے ہوئے تھے۔ سرخ کیپسول عارضی طور پر مفلوج اور بے ہوش کردینے والے محلول سے بھرے ہوئے تھے جب کہ سبز کیپسول مہلک تھے۔ ان میں سریع الاثر زہر بھرا ہوا تھا۔

ان انگوٹھیوں کا کمال یہ تھا کہ ان میں بھرا ہوا محلول کم از کم چار پانچ بار استعمال کیا جاسکتا تھا۔ خالی ہوجانے والے استعمال کیے ہوئے کیپسول سرنج کے ذریعے دوبارہ بھرے جاسکتے تھے۔

موہنی نے گاڑی جس سڑک پر موڑی تھی، وہ زیادہ لمبی نہیں ہے لیکن دونوں طرف دفاتر وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کا ایک حصہ سرشام ہی ویرانی کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔ دفاتر وغیرہ میں چھٹی ہونے کے بعد یہ ویرانی اور گہری ہوجاتی ہے۔

اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے آٹھ بجے کا عمل رہا ہوگا۔ سڑک پر تاریکی اور ویرانی کے امتزاج نے ماحول کو خاصا مہیب بنایا ہوا تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنا ہاتھ بڑھا کر موہنی کی ٹانگ پر رکھ دیا۔ خوف اور وسوسوں کا وہ ایک لمحہ بہت جان لیوا تھا۔

میری اس حرکت پر موہنی ذرا سی کسمسائی لیکن اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ وہ بخشی کی زبانی سن چکی تھی کہ میں نے اس کے حسن وشباب کی ہر کشش کو مسترد کردیا تھا۔ شاید اس کی مجروح انا کو میری اس معیوب حرکت سے کوئی تسکین ملی تھی، شاید اس نے سوچا ہوگا کہ میں نے تاریکی میں پہلا موقع ملتے ہی اس سے اپنے ابتدائی ردعمل پر معذرت کرنے کی عملی کوشش کی تھی۔

سب کچھ بھی رہا ہو۔ اس کی خاموشی کا وہ پہلا لمحہ میرے دل کو شیر کرگیا۔ انگوٹھی میں جڑے ہوئے کیپسول کو میں پہلے ہی اندر کے رخ پر گھما چکا تھا۔ میں نے نرمی سے اس مخصوص انگلی پر دباؤ ڈالا۔ موہنی کے ہونٹوں سے ایک دبی دبی اور ادھوری سی سسکاری نکلی اور اسٹیرنگ وہیل پر ٹکا ہوا اس کا اکلوتا ہاتھ پھسل کر اس کی گود میں آگرا۔

"اوہ...... اسے کیا ہوا؟" گھبرائی ہوئی آواز میں وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میں نے پھرتی سے اسٹیئرنگ تھام لیا ورنہ گاڑی لہرا کر فٹ پاتھ پر چڑھ گئی ہوتی۔

"کیا ہوا؟" میجر بخشی پیچھے سے اچک کر میرے سر پر سوار ہوگیا۔ "تم کیا بدمعاشی کررہے ہو۔ ابھی میں نے موہنی کی ہلکی سی سسکاری سنی تھی۔"

"اسے شاید مرگی وغیرہ کا کوئی دورہ پڑا ہے۔" پُرتشویش لہجے تبصرہ کرتے ہوئے میں نے اچانک ہی ہینڈل بریک کا لیور کھینچ لیا۔ سڑک پر کار کے عقبی ٹائر چرچرائے اور وہ لہراتی ہوئی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ انجن گیر میں تھا اس لیے وہ بھی ہچکی لے کر بند ہوگیا۔

اس کارروائی کے نتیجے میں میجر بخشی کا توازن بگڑ گیا۔ وہ اگلی نشستوں کے درمیان الٹ کر سر کے بل ڈیش بورڈ کے نچلے حصے سے جا ٹکرایا۔

اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان شروع ہوا ہی تھا کہ میں نے اس کی گردن ناپ لی۔ وہ اتنا مشتعل تھا کہ اسے اپنی گردن میں سوئی کی چبھن کا احساس ہی نہ ہوسکا۔ ربڑ کے کیپسول سے خارج ہوکر اس کی گردن میں اترنے والے محلول نے فوراً ہی اس کی زبان بند کردی۔

میجر بخشی سے ہارتی ہوئی بازی میں نے چند ہی لمحوں میں جیت لی تھی۔ میرے سر پر اپنی دھن سوار تھی۔ میں نے کالر سے گھسیٹ کر اس کے ساکت جسم کو پچھلی نشست اور پائیدان پر ڈال دیا۔ موہنی پنڈت کے نرم اور نازک وجود پر وہی عمل دہرا کر میں چند منٹ میں اپنی واپسی کا سفر شروع کر سکتا تھا۔

میں نے موہنی کو ڈرائیونگ سیٹ پر سے ہٹانے کے لیے اسے ہاتھ لگایا ہی تھا کہ برابر میں پُرشور انجن والی ایک فرسودہ سی پک اپ آرکی۔

"اوہو... چلو بچنو! اتر کر گھیر لو سالوں کو۔" پک اپ کے اگلے حصے سے ایک بھاری آواز آئی "گاڑی میں حدود آرڈی ننس کا کیس بن رہا ہے۔"

میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ پولیس کی ناگہانی مداخلت کے بارے میں میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ کئی مسلح اور باوردی سپاہی پک اپ میں سے برآمد ہوئے اور اپنی رائفلیں سیدھی کرتے ہوئے، گاڑی سے نیچے اترنے کا حکم دینے لگے۔

میرے ہاتھ پیر پھول گئے۔ مجھے خوف ہوا کہ میں نے اس گشتی پارٹی کی ہدایت کی تعمیل میں تاخیر کی تو کہیں وہ مجھے باڑھ پر ہی نہ رکھ لیں۔ میں دونوں ہاتھ اٹھا کر گاڑی سے اتر گیا۔

ان کا افسر طاقت ور ٹارچ کی روشنی میں بے ہوش موہنی کا جائزہ لیتے ہوئے بولا "لونڈیا تو بہت زوردار ہے۔ کہاں سے اغوا کر کے لایا ہے؟"

"وہ گاڑی چلاتے چلاتے بے ہوش ہوئی ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر ہے۔" میں نے کمزور مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"اوئے منہ زوری مت کر......" وہ غضب ناک فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ اسی لمحے ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی تیزی سے آگے نکل کر...رکی اور بریکوں کی چیخ کے ساتھ ہی ان کی نفری باہر آگئی۔ اس وقت ان کی تعداد گھٹ کر صرف تین رہ گئی تھی۔

ان تینوں کی عقابی نظروں نے لمحہ بھر میں سچویشن سمجھ لی تھی۔ اس وقت تک میں اپنے جوش و خروش میں انہیں بالکل بھولا ہوا بیٹھا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی میرا حوصلہ بحال ہو گیا۔

"کارِ سرکار کے نام پر اپنی رائفلیں نیچی کرلو۔" ایس ٹی ایف کے سینئر اہل کار نے دور سے ہی تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"تمہارا انچارج ادھر آجائے۔ علیحدگی میں بات کرنی ہے۔"

ایک سب انسپکٹر کچھ بڑبڑاتا ہوا اس کی طرف بڑھ گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس واقعے میں ایک سادہ پوش پارٹی کی مداخلت اسے ناگوار گزری تھی۔

ایس ٹی ایف والے کی آواز میں کچھ ایسا اعتماد اور تحکم تھا کہ میری طرف اٹھی ہوئی رائفلیں جھک چکی تھیں۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے ہاتھ بھی گرا لیے تھے۔ ایس ٹی ایف کے دو آدمی پیش قدمی کر کے میرے اور پولیس والوں کے درمیان حائل ہو چکے تھے۔

"سر! ہم پیچھے رکے ہوئے تھے۔" ان میں سے ایک بتانے لگا "سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ گاڑی رک گئی ہے تو ہم کیا کریں۔ اتنے میں یہ موبائل آگئی۔"

"اچھا ہوا کہ موبائل رکنے سے تم آگئے ورنہ میں تمہاری پارٹی کو بھول چکا تھا۔"

سب انسپکٹر اور ایس ٹی ایف والے کے مذاکرات کے درمیان لمحہ بھر کے لیے ٹارچ روشن ہوئی اور چند ثانیوں بعد وہ دوستانہ انداز میں ہماری طرف آگئے۔

"گاڑی میں بیٹھو۔" سب انسپکٹر نے آتے ہی اپنے سپاہیوں کو حکم دیا "یہ پولیس کا کیس نہیں ہے۔" اتنا کہہ کر وہ ملتجیانہ لہجے میں ایس ٹی ایف والے سے مخاطب ہوا "سر! آپ مجرموں کو اس گاڑی سمیت یہاں سے لے جائیں گے نا؟"

اس نے براہِ راست کوئی جواب دینے کے بجائے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"مرد کو ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ لڑکی گاڑی میں اسی طرح بے ہوش پڑی رہے گی۔" میں نے موبائل کے ہیڈ لیمپس کے انعکاس میں سب انسپکٹر کے چہرے پر اضطراب اُمڈتا دیکھا۔

"سر! یہ آپ کا کیس ہے۔ آپ دونوں مجرموں کو گاڑی سمیت لے جاؤ۔" میری اہمیت کا اندازہ ہو جانے کے بعد سب انسپکٹر براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوا تھا۔

"لڑکی ہمارے لیے بے کار ہے۔ گاڑی کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اس کی پیش کش کا سبب جانے بغیر جواب دیا۔

"پھر ایسا کرو کہ گاڑی کو لڑکی سمیت یہاں سے لے جا کر کہیں اور چھوڑ دینا۔" اس نے چند لمحوں کے بعد متذبذب انداز میں زبان کھولی۔

"یہاں رہنے میں کیا پریشانی ہے؟" میں نے الجھ کر

دریافت کیا۔

"یہ میری بیٹ ہے سر!" وہ کھل گیا۔ "ابھی پہاڑ جیسی رات پڑی ہے۔ مجھے گاڑی اور لڑکی کی برآمدگی دکھانی پڑے گی۔ یہ بڑے گھر کی معلوم ہوتی ہے۔ میں بلاوجہ رگڑے میں آجاؤں گا۔ ایسا نہ ہو کہ میری پیٹی اور پھول اتر جائیں۔"

اس کی بات سمجھ میں آنے والی تھی۔ میرے ساتھی نے اس سے پوچھا "تمہارے تھانے کی حد کہاں ختم ہوتی ہے؟"

وہ اس سوال پر خوش ہوگیا "بیٹ کے ساتھ تھانہ ہی بدل جائے تو کیا بات ہے۔ ایس ایچ او صاحب سے انعام مل جائے گا۔"

وہ اسے اپنے تھانے کی حدود بتانے لگا۔ میں نے ایس ٹی ایف کے دو آدمیوں کو میجر بخشی کی منتقلی پر مامور کردیا۔ سپاہی بھی اس کام میں پیش پیش تھے۔

موبائل ہم سے پہلے ہی آگے روانہ ہوگئی۔ میں ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی میں تھا۔ ایک آدمی موہنی کو گاڑی سمیت لا رہا تھا۔

لکی اسٹار کے قریب موہنی اور اس کی گاڑی کو چھوڑ کر تیسرا آدمی بھی ہمارے پاس آگیا اور ہم تیزی کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔

○☆○

میجر بخشی کے اغوا کی کارروائی پوری رازداری کے ساتھ کی گئی تھی مگر ہم میں کسی کو بھی یہ غلط فہمی نہیں تھی کہ اس کے دوست اور افسران اسے اٹھالے جانے والے نام سے بے خبر رہیں گے۔ اس قصے میں موہنی اور دو مقامی بدمعاش غیر متوقع طور پر ملوث ہوئے تھے۔ وہ تین گواہ نہ ہوتے تب بھی بخشی کے اوپر والے یہ جانتے ہوں گے کہ وہ اس رات غائب ہونے سے پہلے مجھ سے فیصلہ کن ملاقات کے لیے کلب آیا تھا۔

اپنے دشمنوں کے لیے میں ان دنوں کرنل جمال دستی بنا ہوا تھا۔ اسی روپ میں وہ میرے ٹھکانے سے بھی واقف تھے۔ راستے میں بخشی کے ہوش میں آنے کے آثار پیدا ہوئے تو میں نے انگوٹھی کے کیپسول میں بچا ہوا سارا سیال اس کے بدن میں منتقل کردیا اور وہ دوبارہ گہری بے ہوشی کی آغوش میں چلا گیا۔ میں اطمینان سے اپنے اگلے لائحۂ عمل کے بارے میں سوچتا رہا۔

اسٹیشن فور میں اسے بے ہوشی کی حالت میں بے دست وپا کرکے لاک اپ میں ڈال دیا گیا۔ کھانے کی میز پر اس کے مستقبل کا معاملہ ہمارے زیرِ غور تھا۔

بخشی سے اختلافات پیدا ہونے تک میرے اور اس کے مراسم میں خاصی گرم جوشی رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ امید اس کی سرگرمیوں سے پوری واقفیت تھی۔ مزید انکشافات امید میں اسے زندہ رکھ کر بازپرس اور تشدد کا نشانہ بنانا وقت کا زیاں ہوتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ بتا سکتا تھا کہ اس سفارت خانے اور قونصلیٹ آفس میں کون کون جاسوسی سرگرمیوں میں ملوث تھا۔

میرے نزدیک ان ناموں کی کوئی اہمیت نہیں تھی ہمارے خفیہ ادارے ان سے بے خبر نہیں ہوسکتے تھے۔ ایک عام سی بات تھی کہ حریف ممالک ایک دوسرے کے ملک میں متعین کیے جانے والے سفارتی عملے میں ضرورت کے لحاظ سے دو چار ایجنٹ بھی شامل کردیتے ہیں۔

اعلیٰ حکام ایسی تقرریوں سے واقف ہونے کے باوجود اپنی مصلحتوں کے تحت عام حالات میں کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ کشیدگی اور محاذ آرائی کی حالت میں پکڑ دھکڑ، مار دھاڑ اور احتجاج کا سلسلہ چل نکلتا ہے جس میں ہر کارروائی پر جوابی کارروائی ضرور کی جاتی ہے۔

ویرا اور سلطان شاہ کی متفقہ رائے تھی کہ جوتی کے نیچے آئے ہوئے موذی کو ہرگز زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ میجر بخشی کو پہلی فرصت میں ذبح کرکے پیوندِ خاک کردینا چاہیے تھا مگر اول خان فوری طور پر کوئی رائے دینے سے گریز کررہا تھا۔

"یہ پیش گوئی تمہاری ہی تھی کہ ڈینی نے بخشی کو نہ اٹھایا تو بخشی اسے گھیر لے گا۔ آج رات تمہارا یہ خدشہ درست بھی ثابت ہوگیا پھر تم خاموش کیوں ہو؟" ویرا نے اول خان سے پوچھا۔

"یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہے تھے۔ کہیں نہ کہیں اس کا ختم ہونا ضروری تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ آج ڈینی کامیاب واپس آیا ہے۔" وہ بولا۔

"اب سوال اس کے مستقبل کا ہے۔ اس بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"

"میں تم سے متفق ہوں۔" اول خان کے جواب دینے سے پہلے میں بول پڑا "وہ ایک سفارتی افسر ہے۔ اسے مارنا اتنا آسان نہیں ہے۔"

"ہائیں.... یہ تم کہہ رہے ہو؟" ویرا دیدے پھاڑ کر حیرت سے تقریباً چیخ پڑی "کیا اس سے پہلے تم نے سفارتی عہدے داروں پر ہتھیار نہیں اٹھائے تھے۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تمہارا بنیادی اعتراض یہی ہوگا۔"
ں نے اس کی حیرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "ان
قعات میں میری پوزیشن مختلف تھی یا پھر میرے ہاتھوں
رے جانے والوں کو کسی قسم کا سفارتی تحفظ حاصل نہیں تھا۔"

"تمہارا دماغ الٹ گیا ہے یا پھر میرا حافظہ جواب دے
لیا ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی۔

"دونوں باتیں غلط ہیں۔ سفارت کاروں کے قتل پوری
یا میں ہوتے ہیں۔ کوئی حکومت اپنے تمام قانون شکن
ناصر پر قابو پانے کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ ڈیفی کی حیثیت سے
ں کچھ بھی کرتا پھروں، حکومت پر صرف اخلاقی ذمے داری
تی ہے، الزام نہیں آتا۔"

"اس پر معذرت بھی کی جاسکتی ہے۔" اول خان نے
درمیان میں لقمہ دیا۔

"لیکن ایس ٹی ایف کے کرنل جمال دستی کی کارروائی
گلے پڑسکتی ہے۔" میں نے اپنی بات جاری رکھی "اور کچھ ہو
یا نہ ہو، بھارت میں ہمارے سفارت کاروں کے لیے مساوی یا
زیادہ سنگین خطرات پیدا ہوجائیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ
میجر بخشی کی جگہ ہمارے دو بہترین آدمی مار دیے جائیں۔"

"تمہاری زبان سے یہ باتیں عجیب اور ناقابلِ یقین لگ
رہی ہیں۔" وہ بڑبڑائی۔

"اس لیے کہ اس موضوع پر آج کھل کر بات ہوئی ہے
ورنہ پہلے بھی میں نے ان نزاکتوں کا خیال رکھا ہے۔ میرے
بارے میں تم بلاوجہ بدگمان ہورہی ہو۔"

"میں گڑے مردے نہیں اکھاڑنا چاہتی ورنہ واقعات کا
ایک طویل سلسلہ ہے جو تمہارے نئے اصول سے ذرا بھی
میل نہیں کھاتا۔"

"تم کوئی ایک مثال دو۔ میں تمہیں جواب دوں گا۔"
میں نے اسے دعوت دی۔

ویرا پر وقت پڑگیا۔ چند لمحوں تک سوچنے کے بعد بولی۔
"میں شری مان کا نام نہیں لوں گی کیونکہ اسے تم نے نشے کی
حالت میں مار کر سینڈز پٹ میں غرقاب کیا تھا۔ راس المیڈا
اور امریکی میرین کمانڈوز کے بارے میں تم کیا کہو گے۔"

"راس المیڈا ایک مستند مجرم تھا۔ میرین کمانڈوز کے
بارے میں امریکی یہ بتانے سے قاصر رہے تھے کہ ان کا جدید
ترین ہیلی کاپٹر اتنے بڑے مسلح جتھے کو لے کر ساحل سے میلوں
دور سہراب گوٹھ سے ملحق ویرانے میں نیچی پرواز کیوں کر رہا
تھا۔" مجھے ان واقعات کی ہر تفصیل یاد تھی۔

"یہ تمہارا کہنا تھا کہ راس المیڈا قاتل اور دہشت گرد
ہے۔ امریکیوں نے راڈنی آرک کے نام سے اسے سفارتی
مراعات دی ہوئی تھیں۔" ویرا نے اصرار کیا۔

"راس المیڈا کی اصل شناخت ناقابلِ تردید تھی۔"
اس مرحلے پر اول خان نے میری مدد کی "پاکستان سے اس کی
لاش واپس حاصل کرنے کے لیے امریکیوں کو اپنے دعوے
سے دست بردار ہونا پڑا تھا۔ انہوں نے پاکستان سے راس
المیڈا کی لاش کی وصولی کے کاغذات پر دستخط کیے تھے۔
راڈنی آرک نامی سفارت کار کا قصہ ہوا میں تحلیل ہوچکا
تھا۔"

"اگر اسے زندہ چھوڑنا تھا تو اس پر ہاتھ ڈال کر غلطی کی
گئی ہے۔" ویرا نے پینترا بدل لیا۔

"اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا۔" میں نے
سگریٹ سلگا کر بے پروائی سے کہا۔

کھانے کے دوران میں شروع ہونے والا وہ مباحثہ آخر
کار دم توڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ویرا، غزالہ کے ساتھ اپنے
کمرے میں چلی گئی تو میں سلطان شاہ کو سونے کا مشورہ دے کر
اول خان کے ساتھ ہولیا۔

ہم دونوں بہت دیر تک مسائل میں سر کھپاتے رہے۔
بارہ بجے خبر ملی کہ میجر بخشی ہوش میں آچکا تھا اور بری طرح
شور مچا رہا تھا۔ ہم دونوں اس کی مزاج پرسی کے لیے چل
دیے۔

وہ بیرک کے ایک کمرے میں کسی چوپائے کی طرح بندھا
ہوا ننگے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ آنکھوں پر بھی پٹی بندھی ہونے کی
وجہ سے وہ شدید بے بسی کے احساس میں مبتلا تھا اور مسلسل
مغلظات بک رہا تھا۔ دروازے پر آوازیں سنتے ہی اس کی
آواز میں تیزی آگئی تھی۔

"زبان کو لگام دو بخشی!" میں نے اس کے سر پر پہنچ کر
غراتی ہوئی آواز میں کہا "میں اسی وقت چاقو سے تمہاری
زبان کاٹ دوں گا۔"

"تم جو چاہو کرلو۔ میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں
گا۔" وہ حلق کے بل چیخا "تم سور کے بچے اور درندے ہو۔
مجھے معلوم ہے کہ اب تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے۔"

"یہ تمہاری دہشت زدگی کی علامت ہے۔ میرا ایسا کوئی
ارادہ نہیں ہے۔"

"پھر۔۔۔ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے چڑھتے ہوئے
سانسوں کے درمیان پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ تھوڑی سی تفریح کے بعد تمہیں آزاد

کردیں گے۔" میں نے جواب دیا۔
"تم جھوٹے اور سفاک ہو۔ میں تمہاری کسی چال بازی میں نہیں آؤں گا۔"
"یہ کوئی چال بازی نہیں ہے۔ اس کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ تم سے کچھ نہیں پوچھا جائے گا۔"
"میں نہیں مانتا... تم نے مجھے اغوا کیوں کیا ہے؟" اس کی بے اعتباری قابلِ فہم تھی۔
"تم مجھے کیوں اٹھالے جانا چاہ رہے تھے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"کاش... کاش میں کامیاب ہوجاتا تو دیکھتا کہ تم کتنا بول سکتے ہو۔"
"میرے بارے میں تمہارے دماغ پر شیطان سوار ہے۔ تم بلاوجہ میری طرف سے بدظن ہوئے ہو۔" میں نے ایک فوری فیصلے کے تحت قدرے نرمی سے کہا "تمہاری بازی تم پر الٹ کر میں نے ثابت کردیا ہے کہ تم میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے۔"
"میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تم جمال دستی نہیں، ڈینی ہو۔ ہمیں دھوکا دے کر اب تک کامیابیاں حاصل کرتے رہے ہو۔ میری بات لکھ لو کہ اب تمہارا وقت پورا ہوچکا ہے۔"
"تمہاری حالت قابلِ رحم ہے۔ اس وقت تمہیں آئینے میں بھی اپنے عکس کے بجائے ڈینی نظر آئے گا۔ آج کل ہم خود اس کی تلاش میں ہیں اور وہ غائب ہے۔"
"میں زندہ رہا اور آزادی مل گئی تو تمہیں دکھاؤں گا کہ تم کتنے جھوٹے ہو۔"
"تم زندہ رہو گے اور آزادی بھی مل جائے گی مگر اس حالت میں کہ دوسرے تم کو دیکھ کر عبرت سے اپنے کانوں کو ہاتھ لگائیں گے۔" اس کے دماغ سے خناس نکالنے کے لیے میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا "تم خود اس حالت کا تصور نہیں کرسکتے۔"
"میں جانتا ہوں کہ تمہارے شیطانی ذہن میں ایسے ہی خیال آسکتے ہیں۔ یہ نہ بھولنا کہ میرے ساتھ ہونے والے سلوک کا بہت ظالمانہ بدلہ لیا جائے گا۔ تمہارے ہم وطن میرے ملک میں بھی ہیں۔ تمہاری ہر حرکت کا خمیازہ انہیں بھگتنا ہوگا۔"
"میری دلی آرزو ہے کہ رہائی سے پہلے تمہارے اوپر کچھ سرجری کی جائے۔" میں نے اول خان کو آنکھ مار کر ہلکی سی حسرت سے کہا "تمہاری آنکھیں سلامت رہیں لیکن بینائی کی نسیں کاٹ دی جائیں۔ زبان موجود ہو لیکن حلق سے آواز پیدا کرنے والے عضلات نکال لیے جائیں۔ انگوٹھوں اور انگلیوں کو جڑ سے کاٹ دیا جائے تاکہ تم لکھنے کے قابل نہ رہو۔ تم ہر بات سن سکو مگر اپنے دل کی بات کسی تک نہ پہنچا سکو۔"
"تم اپنی اس بکواس سے مجھے خوف زدہ نہیں کرسکتے۔" وہ خوف سے بھنچی ہوئی آواز میں چیخا "تمہیں جو کرنا ہے، کرلو۔ میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا۔"
"گڈ... ابھی میں نے تم کو اپنی آرزوؤں کے بارے میں بتایا... میں تمہارے ساتھ مخلص تھا مگر تم نے مجھے زبردستی اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کرکے میرا دماغ الٹ دیا۔ میں نے جوابی وار کرکے تمہیں زیر کرلیا۔" میں نے کئی ذہنی قلابازیاں کھانے کے بعد اپنی گفتگو کو ایک معین رخ دیتے ہوئے کہا۔ "میری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ میں نے تمہیں وہاں چھوڑا اور نہ قتل کیا بلکہ اسٹیشن فوراً اٹھالایا۔ میرا خیال تھا کہ اول خان خوش ہوگا مگر یہاں مجھے مات ہوگئی۔"
"تم اتنے مکار اور فریبی ہو کہ اب میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کرسکتا۔"
"تمہیں بہت جلد سچ اور جھوٹ کا علم ہوجائے گا۔" میں نے اپنی آواز میں ہلکی سی آزردگی سمولی۔ "تمہاری گرفتاری پر اول خان کو بھی وہی اندیشے ہیں جن کا ذکر تم نے کیا ہے۔ نئی دہلی میں پاکستانی عملے کے بارے میں وہ فکرمند ہے۔ اب تم براہِ راست اس کی تحویل میں ہو۔ عملی طور پر میں معطل ہوں۔ مجھ سے میری غیر ذمے داری کے بارے میں جواب طلب کرلیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ صبح ہونے سے پہلے وہ تمہیں آزاد کردے۔"
پہلی مرتبہ اس کی آواز میں امید کی رمق پیدا ہوگئی اور اس نے نیچی آواز میں بے اعتباری سے پوچھا "کیا تم واقعی سچ کہہ رہے ہو؟ مجھے آج ہی آزادی مل جائے گی۔"
"اس وقت یہی صورت بن رہی ہے۔ آگے تمہاری ستاروں کی چال ہوگی۔"
"مگر تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔
"تم سے شاید یہ میری آخری ملاقات ہو۔ بعد میں دوسرے لوگ آئیں گے۔ تم انہیں ہر کہانی سنا سکتے ہو مگر یہ نہ بتانا کہ میں تمہارے یا اوبی کے لیے کام کررہا تھا۔"
"تم نے دہشت سے میرا خون خشک کردیا ہے لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری سنائی ہوئی خوش خبری سچ ثابت ہوئی تو میں تمہارے راز اپنے سینے میں محفوظ رکھوں گا۔" اس بار

میجر بخشی کی آواز مزید دھیمی بلکہ رازدارانہ ہوگئی۔

"ڈینی نے میرا مستقبل نگل لیا۔" میں نے حسرت سے کہا "شاید میں کبھی بھی انعام کا حق دار نہ بن سکوں۔ اب مجھے فورس سے بھی جانا ہوگا۔ مجھے اشتعال دلا کر ایک غلط قدم اٹھانے پر تم نے مجبور کیا تھا۔ تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا' میرا سب کچھ بگڑ گیا۔"

"تم روزگار کی فکر نہ کرو۔ جب چاہو' میرے پاس آجانا۔ تم جیسے ذہین آدمی بھوکوں نہیں مرسکتے۔" اس کا اشتعال پانی کے بلبلوں کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ "تمہارے بارے میں مجھے اپنے اندازے کی غلطی کا اندازہ اسی وقت ہوگیا تھا جب میں نے تمہاری خالی جیبیں ٹٹولی تھیں... یہ بتاؤ کہ موہنی پنڈت کہاں ہے۔ اس کے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی گئی۔"

"میں مرا ہوا شکار نہیں کھاتا' خود مار کر کھاتا ہوں۔" میں نے اس کے آخری سوال پر ہلکی سی ترشی سے جواب دیا۔ "اسے کار سمیت چھوڑ دیا گیا تھا۔ اب تک وہ ہوش میں آکر اپنے گھر واپس لوٹ چکی ہوگی۔ میں نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔"

"میری بندشیں ڈھیلی کرکے بلائنڈ فولڈ اتار دو میں تمہارا ممنون رہوں گا۔ اس وقت میں بہت اذیت اور بے بسی کے احساس سے گزر رہا ہوں۔" اس نے خوشامد کی۔

"سوری میجر!" میں نے کہا "یہ رعایتیں دوسروں کے ذریعے ملیں تو بہتر ہوگا۔ میں بہت مخدوش پوزیشن میں ہوں۔ کچھ نہیں کرسکتا۔"

میجر بخشی سے وہ ملاقات بہت سودمند رہی مگر وہ فائدہ اول خان کی نظروں سے اوجھل رہا۔ واپسی پر وہ راستے میں سوال کر ہی بیٹھا "تم نے بلاوجہ ہی اس پر وقت برباد کیا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے اپنا مقصد حاصل کرلیا۔ اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی ہے کہ میں کرنل جمال دستی ہوں۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟ کرنل جمال دستی کو اب ویسے بھی غائب ہوجانا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ کرنل جمال دستی کے فنگر پرنٹس امریکیوں کی تحویل میں ہیں۔ بخشی کے ذریعے اوبرائن کو یہ یقین دلانا ضروری تھا کہ ڈینی ایک الگ شخصیت ہے۔ ان فنگر پرنٹس کی صحیح شناخت کے بعد میرے لیے کافی دشواریاں پیدا ہوسکتی تھیں۔"

بات اول خان کی سمجھ میں آگئی۔ اسے یہ اطمینان ہوگیا کہ اس طریقہ کار کے تحت کرنل جمال دستی کا کردار اس کے منطقی انجام تک پہنچایا جاسکتا تھا۔

وہ میجر بخشی کی رہائی کا معاملہ اگلی صبح کے لیے ملتوی کرنا چاہ رہا تھا مگر میں اس پر فوری عمل درآمد کا خواہاں تھا۔ میجر بخشی ایک آزاد طبیعت شخص تھا۔ رات کو اس کی واپسی میں دیر سویر کسی کے لیے فکرمندی کا باعث نہیں ہوسکتی تھی۔ اس رات وہ ویسے بھی موہنی پنڈت کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ زیادہ سوچنے والے اس خوش فہمی میں مبتلا ہوسکتے تھے کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ کہیں رک گیا ہوگا۔

رات گزر جانے کے بعد وہ معاملہ یکایک سنگین رخ اختیار کرسکتا تھا۔ اس کے غائب ہونے کی خبر بھارتی دارالحکومت میں پہنچتی تو وہاں فوری طور پر کسی سنگین جوابی کارروائی کا آغاز بھی ہوسکتا تھا۔ ان خطرات کی بنا پر سورج طلوع ہونے سے پہلے بخشی کی رہائی ضروری تھی۔

میری کہانی میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے اول خان کی میجر بخشی سے ملاقات ضروری تھی۔ اس خانہ پری کے بعد صبح تین بجے بخشی کو آنکھیں کھولے بغیر اسٹیشن فور سے دو افراد کے ساتھ روانہ کردیا گیا تاکہ بخشی کو کسی مناسب مقام پر چھوڑا جاسکے۔

"آج تک ہمیں ان لوگوں کی سرگرمیوں کی خبریں مل رہی تھیں۔ یہ بھی معلوم تھا کہ وہ تمہاری تلاش میں کیا گل کھلانے والے ہیں لیکن اب یہ باب بند ہوگیا۔" اول خان نے چارپائی پر دراز ہوتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"اب ہمیں یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ اسٹیشن فور کا موجودہ محلِ وقوع ہمارے دشمنوں کے علم میں آچکا ہے۔ میری تلاش میں وہ ادھر کا رخ بھی کرسکتے ہیں۔"

"یہ سہراب گوٹھ والا ویرانہ نہیں ہے اور اس علاقے کا رخ کرنے والے اس کے... نتائج جانتے ہیں۔ صرف محلِ وقوع جان لینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"یہ رازداری ہماری ترجیحات میں سرِفہرست تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ ترجیحات اب بے معنی ہیں۔ انہیں ملک بھر میں فورس کے اسٹیشنوں کی تعداد تک معلوم ہے۔ ہم اپنے رازوں کو کب تک پوشیدہ رکھ سکتے ہیں۔ مقاصد کا باہمی تصادم ہمیں تقریباً روبرو لے آیا ہے۔ ہم ان کی معلومات کے وسیع اور جدید ترین وسائل کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔"

"ہم کیا کرسکتے ہیں' یہ بعد میں سوچا جائے گا۔ فی الحال دو نام ہمارے سامنے ہیں۔ دھن راج اور موہنی پنڈت۔ یہ

دونوں ہمارے شہری ہیں....."

"ہمارے شہری ضرور ہیں مگر دونوں ہندو ہیں۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اخبارات مقامی ہندو دمافیا کی مذموم سرگرمیوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ وہ ان کے خلاف اقدام کی خبروں کو اچھالیں گے۔ کشیدگی اور منافرت کے ایسے اندیشے بعض مجرموں کو حساس بنا دیتے ہیں۔"

"اسپیشل ٹاسک فورس کاغذ پر اپنا وجود نہیں رکھتی۔ ان دونوں خاندانوں کے بارے میں خفیہ ادارے کا ریکارڈ مکمل ہونا چاہیے..."

اول خان نے میری بات کاٹ دی "دھن راج کا نام ہر خفیہ لسٹ پر ہے۔ کل موہنی اور اس کے باپ کے بارے میں بھی ابتدائی بریفنگ جاری کر دی جائے گی۔"

ہماری گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہو گیا اور کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

○☆○

اگلی صبح مجھے بیدار ہوتے ہی دو باتیں بیک وقت یاد آئیں۔ پچھلی رات کی افراتفری میں' میں ان دونوں بدمعاشوں کو بھول بیٹھا تھا جو میجر بخشی کی پشت پناہی کے لیے مسلح ہو کر کلب پہنچے ہوئے تھے۔ دوم یہ کہ میری مدد کے لیے کلب جانے والے ایس ٹی ایف کے جوانوں کی نفری زیادہ تھی مگر واپسی پر صرف تین آدمی میرے ساتھ آئے تھے۔ بقیہ کہاں تھے؟

اول خان ہم لوگوں سے پہلے بیدار ہو کر دفتر جا چکا تھا۔ ناشتے کی میز پر ہم لوگ یک جا ہوئے تو پچھلی رات کو ویرا سے کیے جانے والے فیصلوں کے بارے میں متعدد سوالات تیار تھے۔

رات کو ہونے والے تبادلۂ خیال میں سلطان شاہ ویرا کا ہم نوا تھا۔ صبح ویرا اس بارے میں چبھتے ہوئے سوالات کرتی رہی لیکن سلطان شاہ اپنے موقف سے دست بردار ہو چکا تھا۔ اس نے کہا "وہ لایا گیا' رکھا گیا اور پھر چھوڑ دیا گیا۔ بحث بے سود ہے۔"

ہماری بیداری کی خبر پا کر اول خان کچے میدان میں دھول اڑاتا ہوا اپنی جیپ میں آ پہنچا۔

"اوہ' ناشتا ابھی چل ہی رہا ہے۔" اس نے آتے ہی کہا "ایک گرما گرم پیالی ملے تو میرے پاس ایک اچھی خبر ہے۔"

"پہلے اچھی خبر سناؤ پھر چائے ملے گی۔" ویرا نے خوش گوار موڈ میں کہا۔

اول خان نے حمایت طلب نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر رہ گئی "ویرا کا مطالبہ درست اور جائز ہے۔"

"رات موہنی پنڈت کے ہوش میں آنے سے پہلے پولیس اس کی گاڑی تک پہنچ گئی تھی۔" اول خان نے بتایا۔ "ہوش میں آنے پر اس نے خود کو پولیس والوں کے نرغے میں پایا تو سراسیمہ ہو گئی اور پولیس کو کوئی بیان دیے یا شکایت درج کرائے بغیر واپس گھر چلی گئی۔"

"اور پولیس نے اسے آرام سے گھر جانے کی اجازت دے دی؟" غزالہ نے پوچھا۔

"اسے کچھ نہ کچھ خفت تو اٹھانی پڑی ہو گی۔ اس نے کہا کہ وہ نشے کے بڑھتے ہوئے اثرات کی وجہ سے گاڑی روک کر کچھ دیر کے لیے سو گئی تھی۔"

"اس نے شکایت نہیں کی پھر بھی شراب نوشی پر اس کا چالان ضرور ہونا چاہیے تھا۔ وہ آج کل بہت اونچی اڑ رہی ہے۔" ویرا نے حاسدانہ لہجے میں کہا۔

"اقلیتیں امتناعِ شراب کے قانون سے مستثنیٰ ہیں.... اس نے اسی دلیل کا سہارا لیا ہو گا۔ ویسے بھی وہ ایک مشہور ماڈل گرل ہے۔ اس کے ساتھ نرمی برتی گئی ہو گی۔"

"اقلیتوں کو شراب نوشی کی اجازت ہے لیکن نشے میں ڈرائیونگ کرنا ایک الگ جرم ہے جس پر یورپ اور امریکا میں بھی سخت کارروائی کی جاتی ہے۔"

"یہ ٹریفک پولیس کا معاملہ تھا۔" میں نے ہنس کر جواب دیا "ہو سکتا ہے کہ آس پاس کوئی ٹریفک والا دستیاب نہ رہا ہو۔"

"کیا ہم اسے خوش خبری کہہ سکتے ہیں؟" ویرا نے منہ بنا کر مجھ سے پوچھا۔

"اس کی رپورٹ پیچیدگیاں پیدا کر سکتی تھی۔ کیونکہ اس کے بیان میں کرنل جمال دستی اور میجر بخشی کے ناموں کے ساتھ اور بھی بہت کچھ ہوتا۔" میں نے کہا۔

"اس نے کسی پر کوئی احسان نہیں کیا۔" ویرا نے اپنا فیصلہ سنا دیا "اس نے اپنی جان بچانے کے لیے خاموشی اختیار کی۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ تم اس کی خاموشی میں اپنے فائدے کے پہلو تلاش کر رہے ہو۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ موہنی اور میجر بخشی کا تال میل کیسے مل گیا۔" اول خان نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا "وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے سیدھی معلوم ہوتی ہے۔"

"اس کی خاموشی کو سیدھا پن مت سمجھو۔ وہ بہت چالاک لڑکی ہے۔ بوکھلاہٹ میں کوئی غلط قدم اٹھانے کے

بجائے اس نے ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے۔" میں نے اس کی تصحیح کی "پولیس سے جان چھڑا کر اس نے بخشی سے رابطہ کیا ہوگا اور پھر وہی کیا جو بخشی چاہتا تھا کیونکہ وہ بخشی کی آلۂ کار ہے۔ شہر کے نہ جانے کتنے لوگوں کو اس نے رجھا کر بخشی کے دام میں پھنسایا ہوگا۔"

"اگر بخشی نے بھی اسے زبان بند رکھنے کا مشورہ دیا ہے تو وہ زبان کا پکا ثابت ہوا ہے۔ ابھی تک ان لوگوں کی طرف سے ہمارے دفترِ خارجہ میں کسی شکایت کی اطلاع نہیں ملی۔" موہنی کے بعد اول خان نے بخشی کی تعریف شروع کردی۔

"یہ بخشی کا سوچا سمجھا کھیل بھی ہوسکتا ہے۔ وہ خاموش رہ کر کرنل جمال دستی کے دل میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کررہا ہے۔ اسے امید ہے کہ جمال دستی ایس ٹی ایف سے فارغ ہونے کے بعد اس کے لیے ایک کارآمد پرزہ ثابت ہوگا۔"

"سبب کچھ بھی ہو، فوری طور پر حالات میں کچھ ٹھہراؤ سا نظر آنے لگا ہے۔" اول خان پر اس روز پر امیدی کی کیفیت طاری تھی "تم کو بخشی سے رابطہ ضرور کرنا چاہیے۔"

"اور موہنی کے باپ کی خبر بھی لینی چاہیے۔" ویرا نے لقمہ دیا "وہ اپنی بیٹی کے کرتوتوں میں برابر کا شریک ہے۔ اس کی سرکوبی ضروری ہے۔"

"اب تک جو کچھ ہوا، وہ میرے اور بخشی کے درمیان تھا۔ اس میں ایس ٹی ایف کا دخل نہیں تھا بلکہ فورس نے میری آخری کارروائی کو منسوخ کیا ہے۔" میں نے کہا "اسے چھیڑا گیا تو بخشی کا شبہ میری ذات کی طرف جائے گا۔"

"ویسے بھی پنڈت منوہر لال غلے کا آڑھتی اور پرانی وضع کا رئیس ہے۔" اول خان نے اس کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کیا "وہ اپنی دنیا میں مگن رہتا ہوگا۔ بیٹی لکھ پڑھ کر اپنے قدموں پر کھڑی ہوچکی ہے۔ وہ اس کے معاملات میں دخل نہیں دیتا ہوگا۔"

"قیاس آرائیاں کرنے کے بجائے تم بخشی سے بات کیوں نہیں کرتے۔" ویرا نے زور دے کر مجھ سے کہا "تم تو اس سے اپنے ضمیر کا سودا کرچکے ہو۔"

"مرچیں مت چباؤ۔" میں نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ "مذاق ایک حد تک اچھا لگتا ہے۔ کبھی کبھی تم اس حد سے بہت آگے نکل جاتی ہو۔"

"آئی ایم سوری!" ویرا کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔

میں اول خان کے ہمراہ نکلا تو ویرا بھی ہمارے ساتھ ہولی۔ جیپ میں بات کرتے ہوئے ہم ذرا سی دیر میں اول خان کے دفتر کے سامنے پہنچ گئے۔

"میں اب بھی کہتی ہوں کہ تم دونوں نے بخشی کی جان بخشی کرکے ایک غلطی کی ہے۔" ویرا نے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے کہا "دشمن کو جب اور جہاں موقع ملے، پیس کر رکھ دینا چاہیے مگر تمہاری نام نہاد مصلحتیں.....!" ایک گہرا سانس لے کر اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"میں تمہارے فلسفے کا قائل نہیں ہوں۔ دشمن پر اس کے کمزور لمحوں میں وار کرنا چاہیے تاکہ وہ پلٹ کر زیادہ کاری حملہ کرنے کے قابل نہ رہے۔ جب جواب میں زیادہ بڑے نقصان کا احتمال ہو تو اسے نظرانداز کردینا بہتر ہوتا ہے۔"

"دنیا بھر میں ہر طرف ایسی رقابتیں چلتی رہتی ہیں کہ تمہاری منطق عام ہوجائے تو روز بیسیوں سفارت کاروں کا لہو بہنے لگے۔" اول خان نے ویرا سے کہا "نفع نقصان کا حساب کتاب ہی انسان کی جبلت میں پوشیدہ اندھے انتقام کے جذبے کو لگام دیتا ہے۔"

میں اس بحث سے دامن بچا کر اول خان کے دفتر میں موجود اس فون کی طرف متوجہ ہوگیا جس پر سی ایس ڈی لگی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے میرے پاس بخشی کے دفتر کا وہ نمبر تھا جس پر آپریٹر کے ذریعے رابطہ کیا جاسکتا تھا۔ وہ نمبر سی ایس ڈی کے ذریعے استعمال کرنا ممکن نہیں تھا اسی وجہ سے میں اس کے گھر پر فون کرتا رہا تھا مگر پچھلی رات کی مفاہمت کے بعد اس نے مجھے اپنے دفتر کا راست نمبر بھی دے دیا تھا تاکہ میں کسی ہنگامی صورتِ حال میں اس سے رابطہ کرسکوں۔

گھنٹی بجنے کے بعد اس کی طرف سے فوراً ہی جواب ملا تھا۔ میری آواز پہچان کر وہ پراعتماد لہجے میں بولا "مجھے یقین تھا کہ تم ضرور فون کرو گے۔ کہو، تمہارا کیا حال ہے؟ کہاں ہو؟"

"یہ محفوظ فون پر میرا اور تمہارا آخری رابطہ ہے۔" میں نے اپنی آواز پر اداسی طاری کرلی "میں اپنے نئے ساتھی کو چارج دینے کی تیاری کررہا ہوں۔"

"تمہارے بارے میں مجھ سے گھما پھرا کر کئی سوال کیے گئے تھے مگر میں تم سے کیے ہوئے وعدے پر قائم رہا۔ ایس ٹی ایف اس وقت حیرت انگیز طور پر ہم سے تصادم کی حامی نہیں ہے یا کم از کم مجھے یہی تاثر دیا گیا ہے۔ میں نے اپنی شکایت روک لی ہے۔"

"تم مجھے لے جانے کے ارادے سے آئے تھے۔ اس میں ناکامی کا کوئی نہ کوئی جواز تو دیا ہی ہوگا۔"

"اوبرائن کے چلے جانے کے بعد میں تمہارے بارے میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔ ہمارے قونصل خانے کے ریکارڈ کے مطابق کل کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"اتنی رازداری کیسے ممکن ہے۔ تمہارے ساتھ وہ ماڈل گرل بھی تھی۔"

ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس نے جواب دیا "اس کے پیشے کے تقاضے عجیب ہیں۔ وہ کل والے اسکینڈل کے بارے میں ذرا بھی زبان کھولتی تو اس کی ساکھ اور مارکیٹ فوراً تباہ ہوجاتی۔ شہر کے شوقین مزاج شرفا چکر باز لڑکیوں سے دور بھاگتے ہیں۔"

"ہر اوباش مال دار اخباروں میں اپنے نام کی تشہیر سے ڈرتا ہے۔" میں نے تفہیمی انداز میں کہا "بات پولیس تھانے تک پہنچ جائے تو لڑکیوں سے برآمد ہونے والے وزیٹنگ کارڈز بھی عذاب جان بن جاتے ہیں۔ مجھے اس لڑکی کی طرف سے گڑبڑ کا اندیشہ تھا۔"

"تمہارا تبادلہ ہو رہا ہے یا پھر کچھ اور ہونے کا امکان ہے؟" اس نے محتاط لب ولہجے میں پوچھا۔

"یہ کوئی سرکاری ادارہ نہیں ہے جہاں سزا کے طور پر محض تبادلہ کرکے بات ٹال دی جائے۔" میں نے تلخی سے جواب دیا "جو کچھ ہوتا ہے، دو ٹوک اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔"

"برطرفی؟"

"آثار ایسے ہی ہیں۔ مجھ سے ہر بات پوشیدہ رکھی جارہی ہے۔ یہاں کا مردِ اول کسی بھی وقت مجھے جواب دے سکتا ہے۔"

"وہاں سے نکلنے کے بعد تمہارا ٹھکانا کہاں ہوگا؟" وہ متجسس ہونے لگا۔

"فی الحال کوئی ہوٹل دیکھوں گا۔ باقی بندوبست بعد میں دیکھا جائے گا۔"

"میں نے تمہیں پہلے بھی ملازمت کی پیش کش کی تھی۔ اسے اب پھر دہرا رہا ہوں۔"

"کسی نئی مصروفیت سے پہلے میں چند روز آرام کرنا چاہوں گا۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں تم پر کوئی احسان نہیں کر رہا۔" میرے تذبذب کا اندازہ لگاتے ہی اس کا لہجہ بدل گیا "فوری طور پر تمہاری ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ اس خلا کو پر کرکے تم اپنے لیے مستقل جگہ بنا سکتے ہو۔ زندگی بھر عیش کرتے رہو گے۔"

"مجھے بہت کچھ سوچنا ہوگا۔ یہاں سے فراغت کے بعد میں کسی دفتر میں کلرکی یا افسری تو کرسکوں گا، حساس نوعیت کے کاموں پر شاید پابندی ہوگی۔"

"یہ نہ کہنا۔ میں تمہارے بارے میں بہت دور تک سوچ چکا ہوں۔"

اس کی چال بازی پر میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ بخشی کے ذریعے میں نے شاید اوبرائن کے ذہن سے بھی یہ وسوسہ مٹا دیا تھا کہ کرنل جمال دستی اور ڈینی ایک ہی شخص کے دو نام تھے۔ وہ حقیقت فراموش کردینے کے بعد ان دونوں کے ذہنوں میں صرف ایک بات بیٹھی ہوئی تھی کہ کرنل جمال دستی ہی وہ شخص ہے جو ڈینی کو پہچانتا ہے اور اس کا سراغ لگا کر اسے پکڑوا سکتا ہے۔

ایس ٹی ایف میں میرا کردار ختم ہوجانے کی امید پر میجر بخشی میری طرف سے کچھ زیادہ ہی پر امید ہوگیا تھا اور اسی وجہ سے فون پر میری ناز برداریاں کر رہا تھا۔

"یہ میرے کہنے کی بات نہیں ہے میجر!" میں نے زور دے کر جواب دیا "تم خفیہ اداروں اور ایجنسیوں میں ملازمت کے پروٹوکول سے اچھی طرح واقف ہو....."

"میری خفیہ معلومات کے مطابق تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس آئین اور قانون سے ماورا ہے۔ اس کا کوئی تحریری کوڈ آف کنڈکٹ نہیں ہوسکتا۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "تم اپنا مستقبل محفوظ کرنے کے لیے ہر فیصلہ کرسکو گے۔"

"جہاں تحریری ضابطہ کار نہیں ہوتا وہاں روایات کی پاس داری کرنی پڑتی ہے۔ میں خود بھی اس موقع کو نہیں گنواؤں گا مگر مجبوری، مجبوری ہی ہوتی ہے۔"

"تمہاری اس بات سے مجھے پورا اتفاق ہے۔" اس کی آواز میں اطمینان جھلکنے لگا "جہاں کام کرنے کی امنگ موجود ہو وہاں کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آتی ہے۔"

"اب میں کسی نئے ٹھکانے سے تم کو فون کروں گا۔ موجودہ ملازمت سے یہ شاید آخری رابطہ ہو۔" میں نے اپنائیت کے ساتھ کہا۔

بخشی سے میری گفتگو کے دوران ویرا برے برے منہ بنا رہی تھی۔ اس کے دعائیہ کلمات کے بعد میں نے فون بند کیا تو وہ برس پڑی "اُس سے اس ڈرامے بازی کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ ڈرامے بازی نہیں، حقیقت ہے۔" اول خان نے اسے بتایا "فورس سے سبکدوش کیا جانے والا کوئی شخص کسی سیکرٹ مشن پر کام نہیں کرسکتا۔"

"اسے کیا معلوم کہ تمہارے کیا قاعدے ہیں۔" ویرا

نے جل کر کہا۔

"ڈینی کے آپشن اب بھی کھلے ہوئے ہیں۔ یہ ابتدائی مزاحمت بخشی کے اعتماد میں مزید اضافہ کرے گی۔ میں ڈینی کی پالیسی سے پوری طرح متفق ہوں۔"

"تمہیں اس کے ساتھ رابطہ برقرار رکھنا چاہیے۔" ویرا نے مجھے مشورہ دیا "اس طرح تمہیں ان کے عزائم کا علم ہوتا رہے گا۔ دوسری صورت میں تم بے خبری میں مارے جاسکتے ہو۔"

"میجر بخشی کے عزائم ہمارے لیے کبھی بھی نیک نہیں ہوسکتے۔ جب ہم اپنے سفارت کاروں کی زندگی کے خوف سے اسے مار نہیں سکتے تو اس سے رابطہ رکھنا گلے میں ڈھول لٹکا لینے کے مترادف ہوگا۔" میں نے ترشی سے جواب دیا۔

"گلے میں لٹکے ہوئے ڈھول سے نقصان پہنچ سکتا ہے' رابطہ رکھنے میں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"

"مشکل یہ ہے کہ تم اپنی ناک سے آگے کچھ نہیں دیکھ سکتیں۔ اس سے رابطہ رکھنے کا مطلب ہے کہ میں ہر وقت اس کی نظروں میں رہوں گا۔ میرا اصل نام اور کام دھرا رہ جائے گا۔" میں نے وضاحت کی "میری یہ بے عملی انہیں فائدہ پہنچائے گی۔"

"تم یہ بات اتنی بحث کے بغیر بھی بتا سکتے تھے۔" ویرا مجھے گھورنے لگی۔

اول خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تیرنے لگی تھی۔ اس نے ویرا کی ہٹ دھرمی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "ڈینی کو الہام تو نہیں ہوسکتا تھا کہ تمہارے ذہن میں کیا ہے۔"

"کوئی معقول سبب سامنے ہو تو بحث کی نوبت نہیں آتی۔ کیا مجھے الہام ہوا تھا کہ ڈینی ان لوگوں کی طرف سے کیا سوچے بیٹھا ہے؟"

"ان الہامی مسائل میں وقت برباد کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ تمہارے آدمی شہر میں کیا کرتے پھر رہے ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے اول خان سے مطالبہ کیا۔

"ہمارے روٹین کے کچھ کام ہوتے ہیں۔ بنیادی طور پر ان کا تعلق سیکیورٹی سے ہی ہوتا ہے۔ آج تم کو یہ سوال کیوں یاد آرہا ہے؟"

"تمہاری معمول کی سرگرمیوں سے مجھے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ دھن راج کے بارے میں کیا ہورہا ہے۔ پنڈت منوہر لال کے بعد اب وہی ہمارے سامنے ہے۔"

"بھیشم کے بیان کے بعد اس کا نام بڑے ملزم کے طور پر ریکارڈ پر آچکا ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا "اس کی تلاش جاری ہے۔"

"تم نے تو کہا تھا کہ اس کا خاندان عمرکوٹ میں رہتا ہے۔ اس پر ہر وقت وہاں ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔" میں نے قدرے حیرت سے کہا۔

"اس کا خاندان وہیں ہے۔ پہلے میرا اندازہ یہی تھا کہ وہ کراچی سے نکل کر وہیں بھاگا ہوگا مگر اطلاعات ملی ہیں کہ وہ وہاں نہیں ہے۔"

"تمہاری ان اطلاعات کا ذریعہ کیا ہے؟" میں نے روا روی میں پوچھ لیا۔

"دراصل اس علاقے میں ہمارا کوئی یونٹ نہیں ہے۔" اول خان کے اس معذرت خواہانہ انداز سے میں نے سمجھ لیا کہ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا "اس کے بارے میں عمر کوٹ پولیس پر انحصار کیا گیا تھا۔ یہ پیغام وہیں سے ملا ہے۔"

"دیہی علاقے کے چھوٹے شہروں میں پولیس اپنے علاقے کے نام نہاد معززین اور جاگیرداروں کی مرضی پر بے چون و چرا عمل کرتی ہے۔" ویرا کو اول خان کے خلاف نکتہ مل گیا اور وہ چہکنے لگی "دھن راج کوئی کمین ہوتا تو اب تک ہتھکڑی اور بیڑی میں بندھا یہاں پڑا ہوتا۔ وہ ایک بڑے اور بارسوخ گھرانے کا آدمی ہے۔ عمر کوٹ کی پولیس نے اس سے مشورے کے بعد ہی پیغام دیا ہوگا۔"

"مجھے بھی یقین ہے کہ وہ وہیں ہوگا۔ پولیس اس پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کرسکتی۔" میں نے کہا۔

"پولیس والے قلیل تنخواہوں پر اپنے گھر بار چھوڑ کر ان دور افتادہ علاقوں میں کام کرتے ہیں۔" اول خان نے ندامت سے کہا "طاقت ور جاگیرداروں سے ٹکرا کر وہ دو دن بھی وہاں نہیں جم سکتے۔ اپنے سکھ چین اور مالی فائدے کے لیے بیشتر پولیس والے ان کے حمایتی اور مددگار بن جاتے ہیں۔"

"اس حوصلہ شکن پیغام کے بعد کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا ضروری ہوگیا تھا۔" میں نے تبصرہ کیا۔

"جس دن مجھے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے دوسروں کے مشوروں کی ضرورت محسوس ہوئی' میں کنارہ کشی اختیار کرنے کو ترجیح دوں گا۔" اول خان نے پرملال انداز میں کہا۔

"اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے اسے چڑانے کے لیے بات بڑھائی "ڈینی سے تم ہمیشہ ہی مشورے لیتے رہتے ہو اور اس پر فخر کرتے ہو۔"

"پالیسی بنانا اور منصوبہ سازی کرنا ایک الگ بات ہے

میں روز مرّہ فرائض کی بات کر رہا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم عمر کوٹ کی طرف کوئی پارٹی روانہ کر چکے ہو؟" ویرا نے اس کی بات درمیان سے اچک کر سوال کیا۔

"اسپیشل ٹاسک فورس کوئی تفتیشی ایجنسی نہیں ہے۔" اس بار اول خان نے ہلکی سی تلخی کے ساتھ کہا "اسٹرائیکنگ فورس ان بکھیڑوں میں نہیں پڑتی۔"

"پھر یہ کام کون کرے گا؟" ویرا بھی یک بہ یک بہت سنجیدہ ہوگئی۔

میں نے ان دونوں کے درمیان دخل انداز ہونے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اول خان کے ابتدائی فقرے نے میری زبان بند کردی "وہ ایک باضابطہ پولیس کیس ہے۔ ہم ان کی عمل داری میں مداخلت نہیں کرتے۔ وہ اپنے طور پر کام کر رہے ہیں۔ مجھے اس کیس سے دلچسپی ہے اس لیے میں کام کی رفتار سے باخبر رہنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم بلاوجہ میرے سر پر سوار ہوئی جا رہی ہو۔"

ویرا بہت مکار تھی۔ اول خان کے مسکت جواب پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی "بلاوجہ میری ٹانگ نہ کھینچا کرو۔ میں بھی بہت سکون سے دوسروں کی دل آزاری کر سکتی ہوں۔"

"ہنسو نہیں، اب پوری بات سنو!" اول خان کی سنجیدگی میں فرق نہیں آیا۔ میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ بظاہر ویرا سے مخاطب ہونے کے باوجود وہ مجھے بھی باتیں سنا رہا تھا۔

"کراچی پولیس کو عمر کوٹ سے کورا جواب مل چکا ہے۔" وہ قدرے توقف کے بعد جارحانہ لہجے میں کہہ رہا تھا "ان کے لیے یہ بہت بڑا اور اہم کیس ہے۔ یہاں سے پوری رازداری کے ساتھ پولیس اور سی آئی اے کی دو پارٹیاں عمر کوٹ روانہ کردی گئی ہیں۔ اگلے دو تین روز میں وہ دھن راج کو گردن سے پکڑ لائیں گے۔ اس کی گرفتاری پولیس کی ذمے داری ہے۔ یہ کام وہی کریں گے۔"

"دو پارٹیوں کی آمد کی خبر پاتے ہی وہ اپنا آبائی گھر چھوڑ کر کسی بھی طرف نکل جائے گا۔ زیادہ برے وقت میں وہ سرحد بھی عبور کر سکتا ہے۔" ویرا پھر بحث پر تلی ہوئی تھی۔

"اپنے کان کھلے رکھا کرو۔ وہ لوگ بینڈ باجے کے ساتھ سائرن بجاتے ہوئے نہیں جائیں گے۔ میں نے پوری رازداری کا ذکر کیا ہے۔ یہ رازداری کراچی سے عمر کوٹ تک برقرار رہے گی۔" اول خان نے برہمی سے کہا "دھن راج کی گرفتاری ہی نہیں، پورا کیس پولیس ڈیل کرے گی۔"

"اگر ہمیں کسی مرحلے پر اس کی ضرورت پیش آئی تو کوئی دقّت تو نہیں ہوگی؟" میں نے بڑھتے ہوئے تناؤ کو ختم کرنے کے لیے ایک ضمنی سوال کیا۔

"کراچی لائے جانے کے بعد وہ ہر وقت ہماری دست رس میں ہوگا۔ تم دیکھ ہی چکے ہو کہ مقامی پولیس ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کرتی ہے۔"

اس کے وہ الفاظ سنتے ہی میرے ذہن میں میجر بخشی کے اغوا کا منظر تازہ ہوگیا۔ پولیس موبائل کا عملہ خطرناک تیوروں کے ساتھ اس واردات میں دخل انداز ہوا تھا مگر ایس ٹی ایف کے ایک آدمی سے گفتگو کے بعد ان کے سربراہ کا رویہ یکسر تبدیل ہوگیا تھا۔

دھن راج کا بوجھ میرے سر سے اتر گیا مگر دوسرا مسئلہ اپنی جگہ برقرار تھا۔

"رات میں یہاں سے تمہارے کافی آدمی کلب کی طرف گئے تھے مگر واپسی پر مجھے صرف تین ملے تھے۔ وہ کہاں رہ گئے تھے؟"

"وہ ان دونوں کے پیچھے گئے تھے جو بخشی کی پشت پناہی کے لیے کلب آئے تھے۔"

"کیا انہوں نے شروع میں ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ بخشی کے ساتھی ہیں؟"

"وہ اس طرح الگ تھلگ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان پر آخر تک کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا۔" اول خان نے کہا "حیرت ہے کہ تمہیں یہ ذکر اب یاد آیا ہے۔"

"ذہنی الجھنوں میں بات دب گئی تھی مگر میں بھولا نہیں تھا۔" میں نے کہا۔

"میرے آدمیوں کو ان دونوں پر اس وقت شبہ ہوا جب وہ تم تینوں کے پیچھے پیچھے پارکنگ لاٹ میں آئے تھے۔ جب وہ کسی سے کوئی بات کیے بغیر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے تو میرے آدمی دوبارہ تذبذب میں پڑ گئے تھے کہ کہیں وہ بالکل ہی لاتعلق نہ ہوں۔"

"ان کے تعاقب کے نتائج کے بارے میں تم نے کوئی ذکر نہیں کیا۔" میں نے شکوہ کیا۔

"تمہاری کتھا سن لینے کے بعد میں نے ان دونوں کو غیر اہم سمجھ کر نظرانداز کردیا تھا۔ تم کوئی تذکرہ کرتے تو بات خود بہ خود کھلتی چلی جاتی۔"

"میرے لیے ہر وہ شخص بہت اہم ہے جو رزق و روزی اسی دھرتی کے وسائل سے کماتا ہے لیکن کسی لالچ میں پڑ کر پرائی سرحدوں سے آئے ہوئے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلونا

بن جاتا ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ تمہارے آدمیوں نے انہیں نظر انداز نہیں کیا۔"

"نفری زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ احتیاطاً ان دونوں کے پیچھے چلے گئے تھے۔ وہ بغدادی کے پرانے ہسٹری شیٹر ہیں۔ کلب سے نکل کر کینٹ اسٹیشن کے قریب واقع ایک ہوٹل میں گئے تھے۔" اول خان نے مختصر ترین الفاظ میں خلاصہ بیان کردیا۔

"میجر بخشی بہت محتاط آدمی ہے۔ ایسے خطرناک لوگوں سے اس کا رابطہ کیسے ہوا؟"

"یہ دیکھنا پڑے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دھن راج سے ملتے جلتے رہے ہوں۔"

"دھن راج پہلے سے روپوش تھا۔ یہ کوئی اور چکر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "کیا وہ دونوں بھی ہندو ہیں؟"

اول خان کے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے بتایا "ان کے نام موسیٰ اور ملنگ ہیں۔ چاہو گے تو ان کے بارے میں مزید کھوج لگالیا جائے گا۔"

"اپنے ایک دو آدمیوں کو فوراً اس کام پر مامور کردو۔ بخشی کو زندہ چھوڑنے کی خلش اسی صورت میں دور ہوسکتی ہے کہ چند موٹی گردنیں ہمارے ہاتھ میں آجائیں۔"

"تم فکر نہ کرو۔ یہ کام جلد از جلد پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

اس کے اطمینان دلانے پر میں نے اس کا دفتر چھوڑ دیا اور رویرا کے ساتھ واپس ہولیا۔

○☆○

اگلے دو دن انتظار اور باتوں ہی باتوں میں گزر گئے۔

تیسرے دن پہلی خبر یہ ملی کہ کراچی سے عمر کوٹ جانے والی دونوں پارٹیاں بے نیل و مرام واپس آگئی تھیں۔

عمر کوٹ جیسے چھوٹے سے قصبے میں کراچی سے جانے والی نفری فوراً ہی مقامیوں کی نظر میں آگئی تھی پھر وہاں کی پولیس میں موجود کسی کالی بھیڑ نے یہ خبر راج حویلی کے مکینوں تک پہنچا دی کہ کراچی کی پولیس دھن راج کو ڈھونڈتی ہوئی اس کے آبائی شہر تک آپہنچی تھی۔

خبر لیک ہونے کے بعد دھن راج کی گرفتاری ناممکنات میں سے تھی۔ تفتیشی پارٹیوں کو عمر کوٹ میں کئی ایسے عینی شاہد ملے جنہوں نے دھن راج کو اس روز تک شہر میں دیکھا تھا لیکن راج محل والے شروع سے آخر تک اسی ایک بات پر اڑے رہے کہ دھن راج کراچی میں تھا۔ انہوں نے کئی ہفتوں سے اس کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔

عمر کوٹ کی خاک نوردی اور کئی ناکام چھاپوں کے بعد دونوں پارٹیاں واپس آگئی تھیں۔ یوں کاغذی طور پر دھن راج کی جلد از جلد گرفتاری کی ذمے داری اس کے آبائی شہر کی پولیس پر ڈال دی گئی تھی۔ وہ دیہی علاقوں میں قانون کی کمزور عمل داری کی ایک افسوس ناک مثال تھی۔

اس روز دوسری اطلاع کرائے کے بدمعاشوں کے بارے میں ملی۔

موسیٰ اور ملنگ بدنام ہسٹری شیٹر ضرور تھے مگر ان دنوں اپنے طور پر کام نہیں کررہے تھے۔ ان دونوں کا تعلق رستم دادا نامی ایک سفید پوش بدمعاش سے تھا۔

رستم بھاری معاوضہ لے کر اپنے اعتبار کے لوگوں کے لیے مختلف نوعیت کے جرائم کی منصوبہ بندی کرتا تھا۔ اس کے تنخواہ دار آدمی ان منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے تھے۔ کام کے دوران پکڑے جانے یا زخمی ہونے والوں کے لیے وہ بہت فراخ دلی سے قانونی اور مالی اعانت فراہم کرتا تھا۔ مشہور تھا کہ اس کے پاس ملازم ہونے کے بعد شہر کے کسی شورہ پشت کو کسی چالان میں عدالت سے سزا نہیں سنائی گئی تھی۔

اس کے لیے کام کرنے والے قانونی ماہرین' مروج قوانین کی فنی خامیوں کا فائدہ اٹھا کر اس کے پکڑے جانے والے ملازمین کو بچالے جاتے تھے۔

"حیرت کی بات ہے کہ کراچی میں رستم جیسا آدمی موجود ہے اور میں اس سے بے خبر ہوں۔" اول خان سے وہ تفصیل سننے کے بعد میرا اشتیاق جاگ اٹھا۔

"میں نے کئی بار اس کا ذکر سنا ہے لیکن اسے اہمیت نہیں دی۔" اول خان نے کہا۔

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ کہاں رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

اول خان چپ رہا لیکن سلطان شاہ بول پڑا "اگر میں غلطی نہیں کررہا تو رستم ایرانیوں کے بہائی فرقے کا بدمعاش ہے اور پارسی کالونی میں کہیں رہتا ہے۔"

"یہ وہی رستم تو نہیں جو کسی زمانے میں صدر میں ایرانی چائے کا مشہور ہوٹل چلاتا تھا؟" سلطان شاہ کے دیے ہوئے حوالے پر میری یادداشت بھی تازہ ہوگئی۔ وہ پرانی بات تھی لیکن اس وقت بھی لوگ رستم کا سامنا کرنے سے گھبراتے تھے۔

"بالکل وہی ہے۔" اول خان نے میری تائید کی "مجھے یہ

بھی بتایا گیا ہے کہ آج کا رستم دادا کسی زمانے میں چائے خانہ چلاتا تھا۔"

"یہ تحقیر کا ایک انداز ہے ورنہ وہ اس زمانے میں بھی ایک معقول ہوٹل کا مالک تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اس سے ملنا آسان کام نہیں ہے۔" اول خان نے پر خیال انداز میں کہا "وہ اجنبیوں سے کسی قیمت پر نہیں ملتا اور اپنا زیادہ وقت گھر پر ہی گزارتا ہے۔"

"میں اس سے ضرور ملوں گا۔" میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا "ملاقات کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔ وہ برسوں سے یہاں رہ رہا ہے۔ اس کے بہت سے شناسا نکل آئیں گے۔ ان ہی میں سے کسی کے حوالے سے اسے ملنے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔"

"یہ کام میں شاید آسانی سے کرلوں گا۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"تمہیں اس سے ملتے ہوئے یاد رکھنا ہوگا کہ موسیٰ اور ملنگ تم کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔" ویرا نے ہماری گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔

"میں اس کا ٹائپ سمجھ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا "وہ جرائم میں ملوث ہونے والوں کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا ہوگا۔"

"لیکن تمہیں اس سے ملنے کی کیا ضرورت ہے؟" ویرا نے تیزی سے پوچھا۔

"وہ بخشی کے لیے کام کرسکتا ہے تو ہمارے لیے بھی کام کرنے پر آمادہ ہوجائے گا۔"

"میں ویرا سے متفق ہوں۔" اول خان نے اعتراض کیا "پوری ایس ٹی ایف تمہاری پشت پر موجود ہے۔ تم کن کاموں کے لیے اس سے مدد لینا چاہتے ہو؟"

"ابھی تک ہم اصولوں کی صاف ستھری لڑائی لڑ رہے ہیں اس کے باوجود ہمارے لیے دن بہ دن خطرات بڑھتے جارہے ہیں۔ رستم سے کوئی مفاہمت ہوجائے تو ہم الگ تھلگ رہ کر دشمنوں کو بدترین نقصانات پہنچا سکتے ہیں۔"

"تم کیسے نقصانات کے بارے میں سوچ رہے ہو؟" ویرا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہم لوگوں کے لیے نقل و حمل اور سفر میں دشواریاں بہت بڑھ چکی ہیں۔ اگر بخشی تعطیلات پر بھارت میں ہو تو کرائے کا کوئی گمنام قاتل وہاں پہنچ کر آسانی سے اسے ٹھکانے لگا سکتا ہے۔"

"یہ خیالی باتیں ہیں۔ عملی زندگی میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔" ویرا نے منہ بنایا۔

"ممکن کیوں نہیں ہے...؟" میں نے ترکی بہ ترکی کہا "کیا ہم کو آئزک بیل سے نمٹنے کے لیے امریکا تک دوڑ نہیں لگانی پڑی تھی؟ کیا ہم آج بھی اوبرائن کے لہو کے پیاسے نہیں ہیں؟"

"یہ بہت ٹیڑھے کھیل ہوتے ہیں۔ مقصد کی لگن کے بغیر ان میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔" ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا "کرائے کے آدمی سر کے بل کھڑے ہو کر بھی تمہارے متبادل نہیں بن سکتے۔ ان کی چند ناکامیاں ہی تمہارے ارمانوں پر اوس ڈال دیں گی۔"

"پھر بھی میں یہ تجربہ کرنا چاہوں گا۔" میں نے اصرار کیا "کسی پرسکون گھر میں بیٹھ کر یہ خیال بہت راحت دے گا کہ کچھ لوگ پیسہ لے کر ہمارے مقصد کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔"

"اس طرح تم اپنے مقام سے گر کر رستم دادا کے درجے پر آجاؤ گے۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ وہ پیسے کے لیے یہ سب کررہا ہے۔ اس کا مقصد دولت کمانا ہے اور ہم ایک بڑے مقصد کے لیے بے دریغ پیسہ لٹائیں گے۔"

"قارون کا خزانہ بھی کم پڑجائے گا۔ تم بہت چھوٹے ہو۔ تمہارے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تم کوڑی کوڑی کو ترس جاؤ گے۔"

"ڈینی کی یہ بات بالکل درست ہے کہ رستم کو دولت کی بڑی ہوس ہے۔" سلطان شاہ نے گفتگو میں دوبارہ دخیل ہو کر موضوع کو اچانک تبدیل کردیا۔

"تم اس کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کرکے کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟" ویرا پہلو بدل کر اسی پر برس پڑی۔

"یہی کہ رستم دولت کا لالچی کتا ہے۔" سلطان شاہ نے غصے میں کہا۔

"کچھ جانتے ہو تو کھل کر بات کرو تاکہ میرے آدمیوں کا کام آسان ہوسکے۔" اول خان نے اسے شہ دی "رستم جیسے طاقت ور اور بے رحم لوگوں کے ماضی کو کھنگالنا آسان کام نہیں ہوتا۔ جان کے خوف سے ہر ایک اپنی زبان سختی سے بند کیے رکھتا ہے۔"

"ایران میں جب بہائیوں کو مار پڑنی شروع ہوئی تو رستم نے وہاں سے بھاگنے والے کئی مال دار لوگوں سے بھاری رقمیں اس وعدے پر جمع کرلیں کہ اپنا کمیشن کاٹ کر وہ باقی رقم انہیں پاکستان میں ادا کردے گا۔ اس لین دین کی کوئی

رسید تھی نہ معاہدہ۔ یہاں آکر وہ مکر گیا اور اس رقم سے اپنا ہوٹل جمالیا۔" سلطان شاہ بتا رہا تھا "اس کے ہاتھوں لٹنے والوں نے شروع میں اسے پورے شہر میں بدنام کردیا تھا۔ وقت کے ساتھ لوگ یہ قصے بھول گئے اور وہ اپنے جارحانہ مزاج کی وجہ سے دھیرے دھیرے اپنی بدمعاشی کی دھاک بٹھاتا چلا گیا۔"

"تمہیں یہ سب کس نے بتا دیا؟" ویرا نے تنک کر پوچھا "تمہاری عمر اتنی زیادہ تو نہیں ہے کہ پرانے واقعات کے بارے میں تمہاری باتوں پر اعتبار کیا جاسکے۔"

"ڈینی کو معلوم ہے کہ میں نے ٹرانسپورٹ لائن میں کافی دن گزارے ہیں۔ رات کو جب اڈے پر چوپالیں جمتی تھیں تو سن رسیدہ ڈرائیور اور مستری بس شہر کے بدمعاشوں کی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض قاسو، دارا اور کالے ناگ کے ساتھی بھی رہ چکے تھے۔"

"کام کا ہو یا نہ ہو، رستم دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے۔" میں نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "تم کسی کو کام پر لگاؤ۔ میں اس سے ضرور ملوں گا۔"

میرے ان فقروں پر ویرا منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر رہ گئی۔ اپنے نادر مشوروں کی عدم قبولیت پر وہ عام طور سے ایسے ہی ردِعمل کا مظاہرہ کرتی تھی۔

"تمہیں بخشی سے بات کیے ہوئے دو دن ہوگئے ہیں۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا "اس کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔"

"فرصت کے اوقات میں، میں اس موضوع پر بھی غور کرتا رہا ہوں۔ میں نے اس کے چنگل سے ہمیشہ کے لیے نکل جانے کا ایک طریقہ سوچ لیا ہے۔" میں نے کہا۔

"آج کل تم مجھ سے ضد پر اترے ہوئے ہو۔ میں جو کچھ کہوں گی، تم اس کا الٹ ہی کرو گے۔" برہم نظر آنے کے باوجود ویرا مداخلت پر مجبور ہوگئی۔

"پھر کچھ منحوس باتیں کرو تاکہ ڈینی کو کچھ مبارک فیصلے کرنے کا موقع مل سکے۔" سلطان شاہ کے بے ساختہ فقروں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اس نے بھڑک کر کرسی چھوڑ دی۔

"میں تمہاری صورت پر لعنت بھیجتی ہوں۔" اس نے لڑاکا انداز میں سلطان شاہ کو واقعی لعنت دکھا کر کہا "ڈینی نے تمہیں اتنا سر چڑھالیا ہے کہ تم بات کرنے کے قابل بھی نہیں رہے ہو۔"

"میں نے کبھی قابلیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ مشکل سے مڈل پاس ہوں۔" سلطان شاہ نے سلگا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور ویرا پیر پٹختی ہوئی دفتر سے نکل گئی۔

"کبھی کبھی تم اس کے ساتھ بہت بدسلوکی کرتے ہو۔" غزالہ نے سلطان شاہ پر ملامت آمیز نظریں ڈال کر کہا اور جلدی سے ویرا کے پیچھے چل دی۔

ان دونوں عورتوں میں یہ اچھی بات تھی کہ آپس میں حسد و رقابت کے جذبوں کے باوجود آڑے وقت میں ایک دوسری کی دل جوئی کا بہت خیال رکھتی تھیں۔

ان کے مزاج میں وہ لچک نہ ہوتی تو مختلف اوقات میں تقریباً محاصرے جیسے حالات میں گزر اوقات تک مشکل ہوسکتی تھی۔ میں نے سلطان شاہ سے کہا "آج اس کے ساتھ زیادتی ہوگئی۔ ہم تینوں ہی اس کی ہر بات کی تردید پر تلے ہوئے تھے۔"

"ہم میں سے کسی کا قصور نہیں تھا۔" اول خان نے فوراً اعلان کردیا "آج وہ خود ہی ہر ایک سے لڑنے بھڑنے پر تلی ہوئی تھی۔ ایسی تنک مزاجی میں یہی ہوتا ہے۔"

"تم بخشی کے چنگل سے نکلنے کی کسی ترکیب کا ذکر کررہے تھے۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا۔

"بہت آسان ترکیب ہے۔ کرنل جمال دستی کا کردار ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا۔"

"میں بھی وہ ترکیب سننا چاہتا ہوں۔" اول خان نے کہا۔

"کسی ہیر پھیر میں پڑے بغیر میں اسے بتاؤں گا کہ مجھے ایس ٹی ایف سے سبکدوشی کے ساتھ اومان کے ایک ہوٹل میں پرچیز آفیسر کی حیثیت سے تقرری کا پروانہ تھما دیا گیا ہے۔"

اول خان اچھل پڑا "لاجواب بہانہ ہے۔ فورس چھوڑنے کے بعد تم مقامی منظرنامے سے غائب ہوجاؤ گے۔ گزر اوقات کے لیے باہر کی نوکری ہوگی اس لیے تمہیں بخشی یا کسی اور کے لیے کام کرنے کی حاجت بھی نہیں رہے گی۔"

"وہ بہت عیار اور خودغرض ہے۔" سلطان شاہ نے کہا "مطالبہ کرسکتا ہے کہ تم باہر ملازمت کی پیشکش مسترد کردو۔ تم امتحان میں پڑجاؤ گے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں اسے بتاؤں گا کہ ایس ٹی ایف کا ڈسپلن فوج سے زیادہ سخت ہے۔ حکم کی بس تعمیل ہوتی ہے۔ اس میں انتخاب کا کوئی حق نہیں ہوتا اور جو حکم سے سرتابی پر تل جائے، اس کے دل میں نہایت سرد مہری سے ایک گولی اتار دی جاتی ہے۔"

اول خان نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا "سفاکانہ ڈسپلن کی اس سے بہتر تصویر کشی ناممکن ہے۔ تم اسے لاجواب کردو گے۔"

"تم اسے یہ سب کب بتاؤ گے؟" سلطان شاہ نے مطمئن ہوکر سوال کیا۔

"اسے انتظار میں کچھ اور سسکنے دو۔ اس دوران میں میرا شیو کچھ اور بڑھ جائے گا۔ بخشی سے گفتگو کے کچھ عرصے بعد تک میں اپنے پرانے حلیئے میں دیکھا جانا پسند نہیں کروں گا۔"

"تمہاری طویل خاموشی اسے شکوک و شبہات میں ڈال دے گی۔" سلطان شاہ بولا۔

"جواز ملے گا تو وہ مطمئن ہوجائے گا۔ سبکدوشی اور اومان کے لیے روانگی کے دوران میں اسٹیشن فور کا ایسا قیدی ہوں جو ہروقت نادیدہ نگاہوں کی نگرانی میں رہتا ہے...."

"تمہاری تیاری ہر طرح مکمل ہے۔" اول خان نے میری بات کاٹ دی "تم نے اس بارے میں سوچ بچار پر واقعی خاصا وقت لگایا ہے۔ حلیے میں تھوڑی سی تبدیلیوں کے بعد کوئی بھی تمہیں کرنل جمال دستی کے طور پر نہیں پہچان سکے گا۔"

○☆○

رستم دادا کے بارے میں میرا اشتیاق مجھے آخر کار فصیل جیسے احاطے والی اس وسیع عمارت تک لے آیا تھا جس کے ایک ستون پر نصب لکڑی کی تختی پر "بسیرا" لکھا ہوا تھا۔ احاطے کی دیواریں کم از کم بارہ فٹ بلند تھیں۔ اوپر نوک دار آہنی سلاخوں کا جنگلہ لگا ہوا تھا تاکہ کوئی کمند یا سیڑھی کے ذریعے بھی دیوار پھاند کر احاطے میں نہ کود سکے۔

دیوار میں نصب سپاٹ آہنی پھاٹک بالکل سادہ اور مہیب تھا۔ اس کی بلندی دیواروں کے سرے چھو رہی تھی اور دونوں پٹ اتنے چوڑے تھے کہ شاید تین گاڑیاں ایک وقت میں پھاٹک سے گزر سکتی تھیں۔

بسیرا ایک ایکڑ سے بھی زیادہ رقبے پر بنی ہوئی اس پرشکوہ عمارت کا نام تھا جس میں رستم دادا اپنے اہلِ خانہ اور ملازمین کی ایک فوج کے ساتھ رہتا تھا۔ اول خان کے آدمیوں نے رستم پر کافی محنت کی تھی اور پتا چلایا تھا کہ بسیرا کی چار دیواری میں جرائم کی دنیا سے تعلق رکھنے والے کسی آدمی کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ رستم کے سارے خانگی ملازمین خالص پیشہ ورانہ بنیادوں پر رکھے گئے تھے۔

وہ اطلاع میرے اشتیاق کے لیے زبردست محرک ثابت ہوئی تھی کیونکہ بسیرا میں موسیٰ یا ملنگ سے سامنا ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ اپنی شناخت کا کوئی خطرہ مول لیے بغیر میں جرائم کی دنیا کے اس بے تاج بادشاہ سے مل سکتا تھا جو کسی کے ایما پر میجر بخشی کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔

فون پر رستم کے کسی آدمی سے میری بات ہوئی تھی۔ اس کے لیے اشرف علی خان کا حوالہ قابلِ اعتبار ثابت ہوا تھا اور اس نے ہمیں ملاقات کے لیے اگلے دن شام چھ بجے کا وقت دے دیا تھا۔

اشرف کراچی کا ایک متوفی شخص تھا۔ کہا جاتا تھا کہ اس نے ڈکیتی کی ایک مبینہ واردات میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں اپنے لاولد چچا کو مروا کر اس کی بڑی جائداد اور خطیر سرمائے پر وارث کی حیثیت سے قبضہ کیا تھا۔ بعد میں وہ خود بھی اسی طرح ڈکیتی کی ایک واردات میں مکافاتِ عمل کا نشانہ بن گیا تھا۔ اشرف اور رستم کے میل جول کا سراغ بھی ایس ٹی ایف کے ذریعے ملا تھا۔

تقریباً سال بھر پہلے مرے ہوئے شخص کے حوالے سے رستم کی کچھار میں جانا دل گردے کا کام تھا لیکن سلطان شاہ پوری رضا و رغبت سے اس مہم میں میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ ہم چھ بجنے سے چند منٹ پہلے ہی بسیرا کے سامنے موجود تھے۔ میں نے غور سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی تائیدی مسکراہٹ پھیل گئی۔

میں نے آہنی پھاٹک کے سامنے گاڑی روک کر ہارن بجا دیا۔ وسیع و عریض آہنی دروازے کا ایک پٹ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کی طرف کھل گیا۔ میں نے گاڑی آگے بڑھا دی مگر پھاٹک سے آگے بڑھنے کے بعد مجھے دوبارہ بریک لگانے پڑ گئے۔

پختہ فرش میں گڑے ہوئے دو ستونوں کے درمیان جھولتی ہوئی زنجیر نے خم دار روش پر آگے بڑھنے کا راستہ مسدود کردیا تھا۔ وہاں دو باوردی محافظ سب مشین گنیں لیے چاق و چوبند کھڑے ہوئے تھے۔ گاڑی رکتے ہی ان میں سے ایک پھرتی سے میری طرف آیا۔

"ملک ممتاز اور ملک افضل۔" میں نے شیشہ اتار کر اسے بتایا "ہمارا وقت طے ہے۔"

اس نے اپنی پتلون کی بیلٹ سے لگا ہوا واکی ٹاکی نکال کر لمحہ بھر کے لیے کسی سے دھیمی آواز میں بات کی اور سلسلہ ختم کرکے مجھ سے مخاطب ہوا "سر! کوئی ہتھیار ہے تو مجھے دے دیں۔ واپسی پر مل جائے گا۔"

ہمیں ایسے اہتمام کی پہلے سے توقع تھی اور ہم دونوں

مسلح تھے۔ اس کی فرمائش پر اعشاریہ تین دو کے دونوں ریوالور نکال کر اس کے حوالے کر دیے گئے۔

زنجیر سے آگے کشادہ روش داہنی طرف بنی ہوئی طویل دو منزلہ عمارت کے آخری سرے تک چلی گئی تھی جہاں پہلے سے کئی گاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ محافظ نے ریوالور لینے کے بعد اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ اس نے ستونوں کے درمیان جھولتی ہوئی آہنی زنجیر فرش پر گرا دی اور میں نے آہستگی سے گاڑی پختہ راستے پر آگے بڑھا دی۔

روش کے بائیں جانب گھنی اور اونچی باڑھ اُگی ہوئی تھی جو بہت قرینے سے تراشی ہوئی تھی۔ باڑھ کے درمیان جابجا پھل دار درخت نظر آرہے تھے۔ شاید اس کے پیچھے کوئی چھوٹا سا باغ تھا جس کی وجہ سے فضا میں تازگی کا احساس ہو رہا تھا۔

"کوئی ایمرجنسی ہو گئی تو یہاں سے نکلنا دشوار ہو جائے گا۔" سلطان شاہ گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے پر تشویش آواز میں بڑبڑایا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اندر سے یہ مکان قلعے جیسا ہو گا۔"

"بُرے کلمات منہ سے مت نکالو۔" میں نے اسے ہلکی سی سرزنش کی "تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ کراچی جیسے شہر میں ایسے پر فضا مکان آباد ہیں۔"

"اب تو سولی چڑھ ہی گئے ہیں، رام بھلی کرے گا۔" میرا مشورہ اس کی فکر مندی رفع نہ کر سکا۔

طویل روش کے اختتامی سرے سے پہلے ایک اور باوردی شخص کھڑا ہمیں رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ میں نے گاڑی بائیں طرف دباتے ہوئے اس سے چند قدم کے فاصلے پر روک لی۔ وہاں باڑھ کے درمیان ایک راستہ نظر آرہا تھا۔

باوردی ملازم نے سر کی جنبش سے سلام کرتے ہوئے بڑھ کر میرا دروازہ کھول دیا۔ میں انجن بند کر کے نیچے اتر آیا۔ سلطان شاہ نے بھی اپنی نشست چھوڑ دی۔

"سر! صاحب باغ میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے باڑھ میں بنے ہوئے راستے کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہوئے کہا۔

چلتی ہوئی گاڑی کے اترے ہوئے شیشے میں سے محسوس ہونے والا فرحت و تازگی کا احساس یک بیک بڑھ چکا تھا۔ باڑھ میں سے گزرتے ہی پھلوں اور پھولوں کی خوشبوؤں سے مہکتے ہوئے باغ کا منظر ہمارے سامنے تھا۔ باغ کی زمین سبز گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی لیکن درختوں کے سائے میں گھاس جلنے کی وجہ سے سیاہ اور خاکستری دھبے نمایاں نظر آرہے تھے۔

اس روح افزا ماحول میں، باغ کے ایک گوشے میں کرسیاں وغیرہ نظر آرہی تھیں۔ ان کے درمیان ایک جسیم اور قد آور شخص براجمان تھا جو کسی بچے کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

میں نے صرف اس کا نام ہی سنا ہوا تھا، کبھی اس سے سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ان دنوں وہ رستم ایرانی کہلاتا تھا۔ اس کی نشان دہی کر کے محافظ واپس چلا گیا تھا۔ ہم دونوں نے اپنے میزبان کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔

وہ بہت وجیہہ اور بارعب شخصیت کا مالک تھا۔ سرخ و سفید چہرے پر داہنی طرف کسی پرانے زخم کا لمبا سا نشان تھا جو کلین شیو رخسار پر دور ہی سے چمک رہا تھا۔ گھنے اور لمبے بالوں میں سیاہی پر سفیدی غالب تھی اور اس کے جسم پر بھی کلف لگا ہوا سفید لباس تھا۔

اس کے گرد بید کا فرنیچر پھیلا ہوا تھا۔ سامنے میز پر چار لاسلکی مواصلاتی آلات رکھے ہوئے تھے۔ میں نے دور ہی سے بھانپ لیا کہ ان میں سے ایک موبائل فون اور دوسرا واکی ٹاکی تھا۔ بقیہ دو لاسلکی ریسیور تھے جو یقینی طور پر گھر میں موجود عام ٹیلی فون لائنوں سے منسلک تھے۔

ہمارے قریب پہنچنے سے پہلے ہی موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ہم اس کے روبرو پہنچے تو وہ فون کان سے چپکائے کسی سے بات کر رہا تھا۔ اسی حالت میں اس نے اپنی کشادہ نشست سے قدرے اچک کر باری باری ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور ہمیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

سات آٹھ سال کا گورا چٹا بچہ اس کے غیر مصروف کان میں انگلی گھماتے ہوئے شوخ نظروں سے ہم دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

رستم کی آواز میری توقع کے برعکس نرم ثابت ہوئی۔ فارسی میں ہونے والی گفتگو ختم کر کے فون بند کرنے کے بعد وہ ہماری طرف متوجہ ہوا۔ اس کی مسکراتی ہوئی عقابی نظریں چہرے کے پار اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ بچہ ہمیں بھول کر دونوں ہاتھوں سے اس کے کان کھینچنے لگا تو اس نے نرمی سے اسے پچکارا اور اردو میں کہا "بیٹا! آرام سے بیٹھو، مہمان آئے ہیں۔"

بچہ باز نہیں آیا۔ میں نے دھیرے سے کہا "میں ملک ممتاز اور یہ ملک افضل ہے۔"

"خوب!" وہ غصے کے بغیر بچے کو اپنے ہاتھوں سے روکتے ہوئے مسکرایا "کیا پیو گے؟ میں شراب نہیں پیتا مگر

مہمانوں کی تواضع کرنا جانتا ہوں۔ کوئی تکلّف کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"صرف چائے!" میں نے کہا۔ وہ شخص ہر اعتبار سے مجھے متاثر کر رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس جیسا خطرناک آدمی ہر وقت شراب کے نشے میں دھت رہتا ہوگا مگر وہ زاہدِ خشک نکلا تھا۔

"جاؤ، اب تم اندر جاؤ اور بابا سے کہو کہ چائے بھیج دے۔ ہمیں باتیں کرنی ہیں۔" وہ جس تحمل سے بچے کی حرکتیں برداشت کر رہا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اسے بہت عزیز ہے۔

"نہیں، پہلے کان میں ایک بات سنو!" بچے نے ٹھنک کر بڑے لاڈ سے کہا۔

رستم نے ہماری طرف سے نظریں ہٹائے بغیر اپنا چہرہ بچے کے سامنے جھکا دیا۔ بچے نے کان کی لو پکڑ کر اسے اپنے

دہانے کی طرف کھینچا اور ایک زوردار چیخ مار کر ہنستا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔

رستم کان میں انگلی ڈال کر زور زور سے ہلانے لگا "بہت شریر بچہ ہے۔"

"شریر ہی نہیں، بہت پیارا بھی ہے۔" میں نے دل کی گہرائی سے کہا "بیٹا ہے تمہارا؟"

"یہ میرا اکلوتا نواسا ہے۔" اس نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "چائے آنے سے پہلے ہی بات شروع ہوجائے تو کیا ہرج ہے!" اس کی اردو بہت صاف اور شستہ تھی۔

مجھے اس پر رشک آرہا تھا کہ پیسے لے کر لوگوں کے لیے بھیانک جرائم کا ارتکاب کروانے کے باوجود وہ کیسی بھرپور اور پرسکون زندگی گزار رہا تھا۔ بسیرا کی پرفضا چار دیواری میں اس کے طور طریقے ذرا بھی مجرمانہ نہیں تھے۔ وہ ایک خوش قسمت گھریلو آدمی نظر آرہا تھا۔

"ہمیں اشرف علی...." میں نے بات کی براہِ راست ابتدا کرنے کے بجائے تمہید باندھنی چاہی لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کردیا۔

"یہ بات میں اپنے سیکریٹری سے پہلے ہی سن چکا ہوں۔ تم نے کہا اور میں نے مان لیا۔ یہ شرط نہ ہو تو وقت برباد کرنے والے کنجوس شاید یہاں قطاریں لگالیں گے۔ یہ بتاؤ کہ کام کیا ہے۔ قتل، اغوا یا ڈکیتی؟ اس کے بعد آگے بات ہوگی۔"

"ہم دونوں آپس میں کزن ہیں۔ ایک شخص نے ہم دونوں...." رستم کی مداخلت کی وجہ سے میری بات ایک مرتبہ پھر ادھوری رہ گئی۔

"کام کے سلسلے میں، میں ضروری رازداری کا قائل ہوں۔" وہ کہہ رہا تھا "میں جج ہوں نہ وکیل۔ تم کو میرے سامنے اپنی خواہش کا کوئی جواز یا سبب پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم کام بتاؤ، میں دام بتاؤں گا اور پروگرام طے کرلیا جائے گا۔"

اپنے نواسے کو رخصت کردینے کے بعد رستم کے چہرے پر درشتی عود کر آئی تھی مگر اس کی باتیں بہت دوٹوک تھیں۔ وہ خود ہی اس ملاقات کو بہت سہل بنانے کی کوشش کررہا تھا۔ کوئی شناخت، نہ جواز۔ مجھے بس براہِ راست کام بتانا تھا۔

رستم سے ملاقات کے لیے میری ساری تیاری بے سود ثابت ہوئی۔ متوقع سوال وجواب کا امکان دور دور تک باقی نہیں رہا تھا۔ میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا "قتل!"

"تمہارا حریف کس شہر میں رہتا ہے؟" اس نے کسی توقف کے بغیر پوچھا۔

اس نے خود مجھے تفصیل میں جانے سے روک دیا تھا۔ میں نے ابہام کا فائدہ اٹھاتے ہوئے صرف شہر کا نام لینے پر اکتفا کیا "نئی دہلی۔"

اس کے چہرے پر ایک سایہ سا آکر گزر گیا اور اس نے چونک کر سوال کیا "کیا وہ کوئی غیر ملکی ہے؟"

میرا جواب اثبات میں تھا۔ اس بار میں نے صرف سر کو جنبش دی تھی۔

"میں ملک کے اندر رہ کر کام کرتا ہوں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کسی تردّد کے بغیر کہا "یہاں میرے رابطے ہیں، آدمیوں کو اونچ نیچ کا ہر تجربہ ہے۔ ملک سے باہر جانے کے لیے مجھے سوچنا ہوگا۔ سفر اور اخراجات سمیت سات لاکھ سے دس لاکھ تک خرچ ہوسکتے ہیں۔"

"رقم میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" میں اس کی کمزوری سے کھیلنے کے لیے تیار تھا۔

"مگر مجھے دوسرے مسائل کے بارے میں سوچنا اور دیکھنا ہوگا۔ ذرا سی چوک ہوگئی تو میرا آدمی اجنبی دیار میں کسی دادو فریاد کے بغیر مارا جائے گا۔"

رستم مختصر سوال وجواب کا سلسلہ ختم کرکے خود وضاحتوں پر آگیا تھا۔ میں نے بھی اسے شہ دینے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا "بات یہاں کی ہوتی تو ہم خود بھی اسے مار گراتے۔ باہر کی مجبوری ہے اسی لیے تمہارے پاس آئے ہیں۔"

"وہ نئی دہلی میں کب سے رہ رہا ہے؟" رستم نے پرخیال لہجے میں پوچھا۔

"چند روز کی بات ہے۔ اس سے پہلے وہ کراچی میں تھا لیکن خطرہ بھانپ کر یہاں سے نئی دہلی جا بیٹھا ہے۔" میں نے نپے تلے الفاظ میں جواب دیا "حالات سازگار ہونے پر شاید واپس لوٹ آئے۔"

"تم اس کی واپسی کا انتظار کیوں نہیں کرلیتے؟" کام بالکل پکا ہوگا۔ اخراجات میں بھی خاصی کمی ہوجائے گی۔" اس نے تجویز پیش کی۔

"دل کے سکون کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ ہم اندر سے انتقام کی آگ میں سلگ رہے ہیں۔ بات اب برداشت سے باہر ہوگئی ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ یہیں واپس آئے۔ وہاں سے وہ کہیں اور بھی جاسکتا ہے۔ ہم اسے کہاں کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔"

گفتگو کے دوران میں وہ دوسری مرتبہ چونکا اور بولا "بھارتی شہری بھی نہیں ہے؟"

بات آہستہ آہستہ ڈھب پر آگئی تھی۔ میں نے ذرا کھل کر کہا "ہاں، امریکی ہے۔"

"امریکی بہت بزدل اور محتاط ہوتے ہیں۔" اس کے

الفاظ میں تحقیر کی ہلکی سی بُو نمایاں تھی "وہ خطرے سے آگاہ ہے تو ذرا مشکل سے ہی کسی دام میں آئے گا۔"

"یہاں وہ چوکنا رہتا تھا وہاں آرام سے گھیر لیا جائے گا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ کوئی اس کا پیچھا کرتا ہوا نئی دہلی تک پہنچ سکتا ہے۔"

اندر سے چائے کی ٹرے لے کر آنے والا معمر اور باریش مگر تن درست شخص ہمارے قریب آگیا۔ ہم تینوں کی خاموشی کے درمیان اس نے چائے کی پیالیاں تیار کیں اور واپس چلا گیا۔

چائے نوشی کے دوران میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی۔ سلطان شاہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اس کے باغ کی تعریف کی اور وہ انکساری سے ہمیں بعض بیش قیمت پودوں اور درختوں کے بارے میں بتانے لگا جو شہر میں ہی نہیں، ملک بھر میں نایاب تھے۔

چائے کا سلسلہ ختم ہونے پر اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "تم کل شام فون کرلو۔ میں کام کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں بتادوں گا۔"

میں نے مایوسی اور قدرے حیرت سے کہا "کیا تمہاری طرف سے انکار کا امکان بھی ہے؟"

"موہوم سا!" اس نے بے پروائی سے کہا "دس پانچ لاکھ کے لیے میں اپنی اس جنت کو چھوڑ کر میدان میں نہیں نکل سکتا۔ میں دوسروں سے کام لیتا ہوں۔ مجھے ان کے حوصلے کا اندازہ لگانا ہے۔ امید یہی ہے کہ تمہارا کام بن جائے گا۔"

"ہم بہت امیدیں لے کر تمہارے پاس آئے تھے۔ ضرورت ہو تو ہم اپنا فون نمبر چھوڑ دیں۔"

"کام تمہارا ہے، میرا نہیں۔ تمہاری غرض تمہیں یہاں تک لائی ہے۔ تم خود ہی فون کرلینا۔ مجھے تمہارے کسی پتے یا ٹھکانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔

"تم بہت بے خوف اور دلیر آدمی ہو۔" میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"جو آدمی سیدھا اور کھرا کام کرتا ہے، وہ اندر سے اسی طرح مضبوط ہوتا ہے۔"

"پھر بھی اندیشے تو ہوتے ہی ہیں۔ کوئی غلط آدمی بھی یہاں تک آسکتا ہے۔"

"وہ آکر کیا لے گا؟ میں کون سی ہیروئن کی تجارت کرتا ہوں۔ میں منشیات کے دھندے میں ہرگز ہاتھ نہیں ڈالتا۔ یہاں صرف باتیں ہوتی ہیں۔ باہر والوں کو کیا خبر کہ میں یہاں تم سے کیا بات کررہا ہوں۔" اس نے واضح سفاکانہ غرور کے ساتھ کہا "اور اگر کوئی آ ہی جاتا ہے تو پھر یہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکے گا۔ یہاں چپے چپے پر میرے محافظوں کی نگاہیں رہتی ہیں۔"

"اپنے معاملات کو تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو مگر یہ سب باتیں آنے والے کو متحیر اور مرعوب کرتی ہیں۔" میں نے کہا۔

اس نے اٹھ کر خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف ہاتھ بڑھادیا۔

ہمارے لیے وہاں رکنے کی مزید کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ملاقات کے خاتمے کے خاموش اعلان پر ہم نے الوداعی مصافحے کیے اور واپس چل دیے۔ اس وقت تک رستم کے باغ میں کھمبوں پر لگے ہوئے متعدد برقی لیمپ روشن ہوچکے تھے۔ دھندلکا پھیل جانے کے باعث باغ کا منظر کچھ اور خوشنما معلوم ہونے لگا تھا۔

رستم کی طرح اس کے گھر کے سارے ملازم بھی مہذب اور شائستہ تھے۔ باڑھ والے راستے کے باہر موجود محافظ نے ادب سے ہمیں رخصت کیا، پھاٹک پر ہمارے پہنچنے سے پہلے ریوالور تیار تھے جو کسی تاخیر کے بغیر واپس کردیے گئے اور ہم بسیرا سے نکلتے چلے گئے۔

"اس کی شخصیت اپنی شہرت کے برعکس بہت اثر انگیز ہے۔" باہر نکلنے کے بعد سلطان شاہ نے تبصرہ کیا "یہ اگر

کامیاب ہے تو اس کے اسباب میں اس کی ذات کا نمایاں دخل ہے۔"
وہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت تھی۔ اس پوری ملاقات میں صرف ایک بات ہی قابلِ اعتراض تھی کہ رستم نے اپنے خوف ناک پیشے کو سیدھا اور کھرا قرار دیا تھا۔
بسیرا سے ہمیں ہوٹل پہنچنا تھا۔ واپسی پر کسی تعاقب وغیرہ کے اندیشے کے پیشِ نظر وہ بندوبست ضروری سمجھا گیا تھا مگر رستم اپنی دنیا میں مگن رہنے والا' ایک بے فکر انسان ثابت ہوا تھا۔ اس نے ہمیں ضرورت سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی نہ ہمارے بارے میں کسی غیر ضروری تجسس کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کا واضح ثبوت یہ تھا کہ واپسی پر ہمارے پیچھے سڑک دور تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔
ہمارے اس مشن کے بارے میں ویرا بہت زیادہ فکر مند تھی۔ اس کی رائے میں رستم دادا سے چھیڑ چھاڑ ہمیں مہنگی پڑ سکتی تھی۔ اس کی تسلی کے لیے میں نے راستے ہی میں اپنا موبائل فون آن کر کے سلطان شاہ کے حوالے کر دیا۔
اس نے اسٹیشن فور کا نمبر ملا کر چند چٹ پٹی باتیں کیں۔ اس کے انداز سے واضح ہو گیا تھا کہ وہ اول خان سے بات کر رہا تھا پھر اس نے فون مجھے تھما دیا۔
میں نے اسے ملاقات کی کامیابی کے بارے میں بتایا تو وہ کھل اٹھا۔ یہ بات ابتدا سے ہی ہمارے سامنے رہی تھی کہ رستم کی رضامندی کی صورت میں اوبرائن ڈی ہنٹ پر مہلک وار کر کے ہم امریکیوں کو ششدر کر سکتے تھے۔
ہوٹل میں کچھ وقت گزارنے کے بعد رات ڈھلے ہم وہاں سے اسٹیشن فور کے لیے روانہ ہو گئے۔ ان تینوں کو ہوٹل بلانے کا خطرہ مول لینے سے بہتر یہی تھا کہ ہم ان کے پاس چلے جاتے۔
ہماری واپسی کی سب سے زیادہ خوشی غزالہ کو ہوئی تھی۔ ہماری اور رستم کی ملاقات کے بارے میں وہ بھی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھی مگر تفصیلات سن کر وہ بھی خوش ہو گئی۔ صرف سات لاکھ یا اس سے کچھ زائد رقم میں اوبرائن ڈی ہنٹ جیسے موذی سے نجات حاصل کرنے کا سودا ہر اعتبار سے مسرت انگیز تھا۔
"احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ رستم سے کوئی مفاہمت ہونے سے پہلے تم بخشی کے کان کھول دو۔" گفتگو کے دوران میں ویرا نے تجویز پیش کی "اسے یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ تم کل اومان کے لیے روانہ ہو رہے ہو۔"
مجھے اس سے رابطہ کیے کئی دن ہو چکے تھے۔ اول خان اور سلطان شاہ نے بھی ویرا کی تائید کی۔ میں خود بھی یہی محسوس کر رہا تھا کہ میری غیر معمولی خاموشی بخشی کو میری طرف سے کسی جھلاہٹ میں مبتلا کر سکتی تھی۔ اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ کرنل جمال دستی والے کھیل کا اختتام کر دیا جائے۔
وقت کافی ہو چکا تھا مگر ایک فیصلے کے بعد رابطے کی کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ نمبر ملنے پر بخشی ہی نے فون اٹھایا اور میری آواز پہچانتے ہی خفگی سے پھٹ پڑا۔ وہ میری اور اس کی آخری دوستانہ گفتگو تھی۔ میں نے اپنے طے شدہ پروگرام کے تحت اسے اپنی مجبوریوں سے آگاہ کیا اور جب اس کا لب ولہجہ معمول پر آ گیا تو میں نے فورس سے اپنی سبکدوشی اور اومان میں جبری تقرری کا ذکر چھیڑ دیا۔
اس کے لیے وہ خبر ذہنی جھٹکے سے کم نہیں تھی۔ اس نے اومان سے جان چھڑانے کے لیے تجویزیں پیش کرنی شروع کر دیں۔ میں مایوسانہ انداز میں جواب دیتا رہا۔
جب ہر راہ مسدود ہوئی تو اس کی آواز پر ناامیدی کا غلبہ ہو گیا "میں تمہارے لیے سنہرے خواب دیکھ رہا تھا۔ تمہیں وہ سب مل سکتا تھا' جو تم چاہتے ہو.... گرین کارڈ' بیس لاکھ ڈالر کا انعام اور آزادی ... میں نے تمہارا کام آسان کرنے کا پورا بندوبست کر لیا تھا۔ تم اب بھی حوصلہ کر کے فرار ہو جاؤ تو سب ممکن ہے۔ منظرِ عام پر آئے بغیر بھی تم سب کچھ کر سکو گے۔ ایس ٹی ایف کے درندے تمہارے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔"
"سامنے آئے بغیر میں کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔ مجھے افسوس ہے میجر کہ وقت کے سفاک ہاتھوں نے میری ہر آرزو کا گلا گھونٹ دیا ہے۔"
"ڈینی کی تلاش کا کام میں نے کسی اور کو سونپ دیا ہے۔" اس نے مجھے حوصلہ دینے کے لیے انکشاف کیا۔ "اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تمہیں بس اس کی مدد کرنی ہوگی۔ وہ اپنا مقررہ معاوضہ لے گا اور انعام تمہارا ہوگا۔"
معاوضے پر کسی اور کی خدمت کا ذکر آتے ہی میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا "تم کس کی بات کر رہے ہو؟"
"شاید تم اسے نہ جانتے ہو۔ وہ انڈر ورلڈ کا بادشاہ ہے۔ رستم تمہارے ہر خواب میں حقیقت کا رنگ بھرنے کی طاقت اور صلاحیت رکھتا ہے۔"
وہ اس سے آگے بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر اس کی زبان سے رستم کا نام سنتے ہی میرا ذہن سن ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ شاید مجھ سے پہلے رستم سے اپنے معاملات طے کر چکا تھا۔ یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ اس نے ہمیں ایک دوسرے سے بچھڑتے بچھڑتے دوبارہ ایک راہ پر ڈال دیا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

قید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ راس المیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ایک ساتھی جان ویرا کو اغوا کر کے لے گیا اور ویرا کی رہائی کے بدلے راس المیڈا کی رہائی کا طلب گار ہوا۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکیوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں اس کا قصہ جلد پاک ہونا چاہیے۔ ویرا کی رہائی کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں نیلوچاہیے کا دو لفظی خفیہ پیغام سامنے آیا۔ راس المیڈا پر تشدد کے ذریعے اس پیغام کی معنویت معلوم کی گئی۔ اس نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت را کے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے راس المیڈا کو جہنم رسید کر کے اپنے باپ جی لائیڈ کا انتقام لے لیا۔ اب ہمارے سامنے را کے ایجنٹوں کی تلاش تھی کیونکہ دو بم دھماکوں کے ذریعے وہ اپنی موجودگی کا ثبوت دے چکے تھے۔ ہم نے را کے ایجنٹوں کو پاکستان لانے والے بحری اسمگلر غفور بھٹی اور پھر حاجی دل مراد پر محنت کر کے دونوں ایجنٹوں کا سراغ لگالیا۔ بخشل کے ذریعے میں دونوں ایجنٹوں سے مقامی گینگ لیڈر کے روپ میں ملا اور وہ دونوں میرے جال میں پھنس کر مجھے میری ہی تلاش کا کام سونپ بیٹھے۔ اسی اثنا میں راس المیڈا کے جانشین آئزک نیل نے کوٹ ادو تھرمل پاور اسٹیشن میں بم دھماکا کروایا مگر ملزم پکڑا گیا۔ را کے دونوں ایجنٹوں کے توسط سے میں نے انڈین قونصلیٹ کے ملازم مدن موہن کو گھیر لیا جس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ را کے ایجنٹوں وکرم اور ارجن (جن کے اصل نام بدری ناتھ اور رمیش اگروال تھے) سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں راس المیڈا کی خواہش پر پاکستان آئے تھے اور اب اس کی موت کے بعد انہیں مزید ہدایات امریکی قونصلیٹ کے نک موڈلے سے ملنی تھیں۔ ابتدائی احکامات کے مطابق وہ براہِ راست نک موڈلے سے نہیں مل سکتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ نک موڈلے اور ان کے درمیان رابطے کا کام میں انجام دوں مگر میں اس میں پوشیدہ خطرات کے پیش نظر اس کے لیے رضامند نہیں تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ نک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسیٹر بھجوایا تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی پیشہ ورانہ خلیج تھی، بدری کو نک کا تحکمانہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ مجھے امریکا لے جانے کا خواہش مند تھا۔ میرے لیے ڈیوڈ اسٹارز کو ختم کرنے کا یہ نادر موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ بدری سے وہاں کا رابطے کا نمبر لے کر میں ویرا کے ساتھ لندن روانہ ہوگیا۔ دورانِ سفر مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوئی جو شراب و شباب کے بدلے اہم معلومات مدن موہن کو فراہم کرتا تھا۔ اسے میں نے واپس پاکستان بھجوایا جہاں اول خان نے اس سے ملک دشمنی کا حساب بے باق کردیا۔ میں نے بدری کے دیئے ہوئے نمبر کے ذریعے بھارتی ایجنٹ گیتا سے ملاقات کی۔ وہ اپنے ساتھی کی مدد سے مجھ سے میری اصلیت اگلوانے کی خواہش مند تھی مگر ویرا نے ان دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ بدری اور رمیش لندن پہنچے جہاں رمیش ویرا کا شکار ہوگیا۔ پاکستان سے اطلاع ملی کہ سلطان شاہ کو راس المیڈا کے اشارے پر اغوا کرلیا گیا ہے۔ اپنی امریکا منتقلی کے دوران میں سلطان شاہ نے امریکی سی ون تھرٹی کو اغوا کرلیا۔ میں نے راس المیڈا سے طویل گفتگو کی اور اسے سلطان شاہ کو رہا کرنے پر مجبور کردیا۔ اس وقت تک بدری ناتھ امریکا روانہ ہوچکا تھا۔ ہم نے بھی امریکا کا رختِ سفر باندھ لیا۔ سفر میں ویرا نے بین الاقوامی ریکٹ کے شکار خرم نامی ایک نوجوان کی مدد کی جس کی وجہ سے وہ خود ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور راس المیڈا کو ہماری امریکا آمد کا علم ہوگیا۔ امریکا میں ہم نے ویرا کے پرانے مہربان شناسا بلیک ڈیڈ اور آئزک نیل کی رنگس انکارپوریٹڈ میں کام کرنے والی ویرا کی دوست جینی کی مدد سے کراچی ایٹمی بجلی گھر کو ترسیل کیے گئے پرزوں کو کلیئر کیا۔ جینی نے ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کی اصل فائل ہمارے سپرد کی۔ اس فائل کی گمشدگی سے راس المیڈا کی بربادیوں کا آغاز ہوگیا۔ اسے سی آئی اے نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ راس المیڈا کے بعد میں نے بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کا پتا چلا کر بلیک ڈیڈ کی مدد سے انہیں واصلِ جہنم کردیا۔ نک موڈلے بھی امریکا میں اپنی اتفاقی موجودگی کے باعث ہمارا نشانہ بن گیا۔ میری مسلسل کامیابیوں اور کارناموں کے بعد بدری نے مجھ پر ڈینی ہونے کا شبہ ظاہر کیا چنانچہ میں بدری کے متعلق بھی فیصلے پر پہنچ گیا۔ امریکن سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر میں تین امریکی اہل کاروں کے ہمراہ بدری ناتھ کے انجام کے ساتھ ہی ہم پاکستان واپس روانہ ہوگئے۔ پاکستان میں مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا۔ کھنول راجوانی اپنی سیاسی حیثیت کے باعث ہمارے لیے لقمۂ تر ثابت نہیں ہوا۔ اس نے ہم پر قاتلانہ حملہ کرایا اور اول خان کی گرفت میں آکر بھی نہایت چالاکی سے فرار ہوکر اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ بہت تگ و دو کے بعد وہ وہاں ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس کی پشت پناہی کرنے والا چوہدری سلام بھی ہماری نظروں میں آگیا۔ کراچی میں کھنول کے گرگے کالو کمرانی کے اعترافی بیان نے کھنول کو کراچی واپس لانے پر مجبور کردیا جہاں وہ میری مخبری کے باعث امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈینی کی تلاش میں اس کے کام آنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ اوبی کے ذریعے مجھے علم ہوا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اوبی کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے باعث اول خان نے اس کے متعلق اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ باہمی مشورے کے بعد میں نے اوبی سے رابطہ کیا۔ اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی اور دھن راج کے سپرد کردیا۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ نے اس کی پالتو کتیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں نے میجر بخشی سے رابطہ کیا تو اس نے مجھے فوری ملاقات کے لیے کلب میں طلب کرلیا۔ میں جانتا تھا کہ بظاہر رواروی میں دی گئی اس دعوت کے پس پردہ مقاصد بھی ضرور ہوں گے۔ اپنے ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ اس نے مجھ سے کرنل جمال دستی کے فوجی ماضی کے بارے میں سوال کیا لیکن میرے جارحانہ رویئے کی بنا پر اسے پسپا ہونا پڑا۔ دھن راج کی نگرانی کرنے والے ایس ٹی ایف کے اہل کار کی کارروائی کے نتیجے میں میری سرکوبی کے لیے بھیجے گئے اسلحے سے بھری ہوئی جیپ جہانگیر روڈ پر حادثے کا شکار ہوگئی۔ جیپ میں سوار تمام ملزمان اپنے سرغنہ ہیشم داس سمیت پکڑے گئے۔ ہیشم داس اگرچہ صرف دھن راج سے واقف تھا مگر ہمارے ایما پر اس نے اپنے اقبالی بیان میں اوبی کو بھی ملوث کردیا۔ جس کے بعد اوبی ہنٹ اور دھن راج نے راہِ فرار اختیار کی۔ اب صرف میجر بخشی ہمارے سامنے تھا۔ میجر بخشی نے ایک مرتبہ پھر مجھے کلب میں ملاقات کی دعوت دی، میں بھی اس سے اپنے تئیں آخری معرکے کے لیے تیار تھا۔ بھرپور تیاری کے ساتھ میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ حسب توقع میجر بخشی نے موہنی پنڈت نامی ایک کال گرل اور دو پیشہ ور قاتلوں کی مدد سے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی۔ اس کا داؤ الٹ گیا اور میں اسے بے دست و پا کر کے اسٹیشن نور لے آیا۔ اپنے اغوا سے اسے یقین ہوگیا کہ کرنل جمال دستی ڈینی کا ہی ایک روپ ہے۔ اسٹیشن نور پر اس سے گفتگو اور پھر اس کی غیر مشروط رہائی کے باعث میں میجر بخشی کے ذہن سے یہ شک نکالنے میں کامیاب ہوگیا۔ دھن راج کی گرفتاری کے لیے عمر کوٹ جانے والی پولیس پارٹیاں اپنے مشن میں ناکام رہیں۔ میرے اغوا کی ناکام کوشش میں میجر بخشی کا ساتھ دینے والے دونوں پیشہ ور قاتلوں کا تعلق رستم نامی سفید پوش بدمعاش سے تھا جو معاوضے پر مختلف النوع جرائم کراتا تھا۔ رستم کے سامنے آنے سے ہم نے سوچا کہ ہندوستان فرار ہونے والے اوبی ہنٹ کو رستم کے ذریعے شکار کیا جائے۔ میں نے رستم سے ملاقات کی۔ اس نے مجھے اپنے جواب سے آگاہ کرنے کے لیے ایک دن بعد کا وقت دیا۔ کرنل جمال دستی کے کردار کو ختم کرنے کے لیے میں نے اس کی فرضی معطلی اور غیر ملک میں نئی تعیناتی سے میجر بخشی کو آگاہ کیا۔ وہ مجھ سے اب بھی بہت سی امیدیں وابستہ کیے تھا۔ میجر بخشی نے بتایا کہ ڈینی کی تلاش کا کام اب رستم کے سپرد کیا گیا ہے۔ یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ اس نے ہمیں ایک دوسرے سے چھڑتے بچھڑتے دوبارہ ایک راہ پر ڈال دیا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں نے رستم سے نئی دہلی میں اوبرائن ڈی ہنٹ کے قتل کے بارے میں ابتدائی مذاکرات کیے تھے اور وہ اگلے دن مجھے اس بارے میں اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے والا تھا مگر میجر بخشی اس سے پہلے ہی رستم کو میری تلاش پر مامور کرچکا تھا۔

فون پر میجر بخشی کا وہ انکشاف میرے لیے ایک دھماکے سے کم نہیں تھا۔ اس کے الفاظ نے فوری طور پر میرا ذہن ماؤف کر کے رکھ دیا تھا لیکن میرا وہ ابتدائی ردِعمل زیادہ طول نہیں پکڑ سکا۔ وہ موضوع میرے لیے اتنا سنگین تھا کہ میں نے شعوری کوشش کر کے اپنی پوری توجہ اس کی آواز پر مرکوز کردی۔ وہ میری تشویش سے بے خبر اپنی دھن میں بولے جارہا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم نے ذرا سی ہمت کرلی تو رستم دو تین روز میں ہی ڈینی کی گردن میں پھندا ڈال دے گا تمہیں زیادہ وقت نہیں

دینا ہوگا۔" میجر بخشی کہہ رہا تھا۔
"میرے پاس ذرا بھی وقت نہیں ہے۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "یہ بندوبست چند روز پہلے ہوگیا ہوتا تو اب تک سارا قصّہ نمٹ چکا ہوتا۔ مجھے ہر قیمت پر صبح کی پرواز سے اومان کے لیے روانہ ہونا ہے میں اس پروگرام سے انحراف نہیں کرسکتا۔"
"ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔ تمہاری ذرا سی بے خوفی ہم تینوں کی سرخ روئی کی بنیاد بن سکتی ہے۔ اوپی کے سامنے میرا سر اونچا ہوجائے گا' وہ اپنے بدترین دشمن کو زیر کرلے گا اور تمہیں اپنے خوابوں کی تعبیر مل جائے گی۔" اس نے پرامید لہجے میں اصرار کیا۔
"تم سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ایسی باتیں کررہے ہو۔ اسپیشل ٹاسک فورس میں حکم سے سرتابی کا تصور ناپید ہے۔ میں طے شدہ پرواز سے روانہ نہیں ہوا تو وہ مجھے اس دنیا سے ہی رخصت کردیں گے۔ دنیا کی کوئی بھی ترغیب مجھے یہ بھیانک خطرہ مول لینے پر آمادہ نہیں کرسکتی۔"
"اس وقت تمہاری باتیں عجیب اور ناقابلِ فہم ہیں۔" میجر بخشی کی آواز میں جھلاّہٹ ابھر آئی "تم اتنے بزدل ہوتے تو بھول کر بھی ایس ٹی ایف سے بغاوت کا خیال اپنے دل میں نہ لاتے۔"
"تو کیا میں تم سے جھوٹ بول رہا تھا؟" میں نے تنک مزاجی کا مظاہرہ کیا۔
"اگر پہلے سچ بول رہے تھے تو اب جھوٹ بول رہے ہو۔" اس کا لہجہ تلخ ہوگیا "تم نے بار بار اس طرح روپ بدلے ہیں کہ اب پھر مجھے شبہ ہورہا ہے کہ تم کرنل جمال دستی نہیں ہو۔"
"کھل کر کیوں نہیں کہتے کہ تم ڈینی فوبیا کے مریض ہو۔" اس بار میں نے بھی ترشی سے کہا "جب بھی تمہاری مرضی کے خلاف کوئی بات ہوتی ہے تمہیں اپنے اردگرد ڈینی کا آسیب ناچتا ہوا نظر آنے لگتا ہے۔ تمہاری دہشت دور ہوتی ہے تو تم دوبارہ حقیقت کی دنیا میں لوٹ آتے ہو۔"
"بکواس بند کرو۔ میں تمہیں اپنا مضحکہ اڑانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"
"اس کارِ خیر کے لیے مجھے تمہاری کسی اجازت کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اپنی بے سروپا باتوں اور حرکتوں سے تم اپنے آپ کو خود ہی مضحکہ خیز بنالیتے ہو۔"
میرے لب و لہجے پر وہ سنبھل گیا۔ شاید اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ فون پر اس انداز میں مجھ سے الجھ کر وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔
"اگر میں تمہاری مجبوری کو مان لوں تو پھر بھی تمہارے پاس پوری رات پڑی ہوئی ہے۔ تم ڈینی کو پکڑوانا چاہتے ہو تو رات بھر میں بہت کچھ کرسکتے ہو۔"
"مشکل یہ ہے کہ تم اس وقت اشتعال اور غصے میں بالکل بے مغز باتیں کررہے ہو۔ اگر تمہارے پاس کوئی قابلِ عمل تجویز ہے تو میں اس پر غور کرسکتا ہوں۔"
"میں اسی وقت رستم سے بات کرسکتا ہوں۔ اس کا کوئی آدمی صبح ہونے سے پہلے تم سے کہیں بھی مل سکتا ہے۔ تم ڈینی کے بارے میں اپنی معلومات سے اسے آگاہ کردو۔ وہ لوگ تمہارے چلے جانے کے بعد بھی صحیح سمت میں اپنا کام جاری رکھ سکیں گے۔"
"رستم کا نام میرے لیے نیا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تم یہ نام ایک دھمکی' دھونس اور ہتھیار کے طور پر استعمال کررہے ہو۔ سب سے پہلے مجھے اس کا حدود اربعہ معلوم ہونا چاہیے۔ یہ پتا چل جانے کے بعد میں اپنے آپشن دیکھوں گا۔"
"میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ وہ زیرِ زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ ہے۔ خود اپنے محفوظ قلعے میں محصور رہ کر اپنے آدمیوں کی ڈوریں ہلاتا رہتا ہے اور اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرلیتا ہے۔"
"ذرا سے بدلے ہوئے مفہوم کے ساتھ تم یہ خواص ڈینی سے بھی منسوب کرتے رہے ہو۔"
"بس یوں سمجھ لو کہ رستم ڈینی کی ٹکر کا بلکہ اس سے بھی خوفناک آدمی ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے' وہ ہر حال میں رونما ہوکر رہتا ہے۔"
"اور تم اسے اپنے مقصد برآری کے لیے خرید چکے ہو۔" میں نے تائید چاہی۔
"میں یہ بھی بتاچکا ہوں۔ وہ ڈینی کو ایک دلچسپ شکار اور چیلنج سمجھ کر رضامند ہوا ہے۔ تم اومانی مصیبت کو ٹال سکو تو اس بار تمہیں بھی لطف آجائے گا۔"
"میری مجبوری ناگزیر ہے۔ تم اس سے بات کرلو۔ میں اس کے آدمی تک پہنچنے کی پوری کوشش کروں گا۔ تمہیں میری نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہیے۔"
"تم اس کے آدمی سے کہاں مل سکتے ہو؟" مجھے آمادہ پاتے ہی اس نے پوچھا۔
"شہر کا کوئی بھی بارونق علاقہ ہوسکتا ہے جہاں کسی کو ہم دونوں پر شبہ نہ ہو۔"
"تم نے اس سے ملنے کا وعدہ نہیں کیا' اپنی کوشش کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اس سے مجھے کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہیے؟"
"ایس ٹی ایف میں پہلے میری پوزیشن صرف مشکوک تھی مگر اب میرے مستقبل کا فیصلہ کیا جاچکا ہے اور میں کراچی میں صبح تک کا مہمان ہوں۔ اگر یہاں سے نکلنے پر کسی نے میرا تعاقب کرنے کی کوشش کی تو میں رستم کے آدمی کا رخ نہیں کروں گا۔ کچھ دور جاکر واپس اسٹیشن فوراً لوٹ آؤں گا۔"
میرا وہ حیلہ بہت وزنی تھا۔ میجر بخشی اس پر کوئی اعتراض نہیں کرسکا مگر اس نے یہ ضرور کہا کہ میں اس سے پہلے ہمیشہ اپنے وعدے کے مطابق ان لوگوں تک پہنچتا رہا تھا۔
"ہر بار میں احتیاط سے کام لیتا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میرا پیچھا نہیں کیا جاتا تھا۔ آج رات بھی میدان صاف ہوا تو

میں ضرور وہاں پہنچوں گا۔"
"تم پر بار بار غصہ آنے کے باوجود میں نہ جانے کیوں تمہارے بارے میں پُرامید ہوں۔" اس کی آواز سے رہی سہی تلخی بھی کافور ہوگئی "میں اس سے پروگرام طے کرتا ہوں۔ تمہیں اس کے مطابق مقررہ مقام پر پہنچنا ہوگا۔"
میں نے آدھے گھنٹے بعد دوبارہ فون کرنے کا وعدہ کرکے سلسلہ منقطع کردیا۔
"تم اس سے جان چھڑانے کے بجائے اس معاملے کو بلاوجہ طول دے رہے ہو۔ رستم کے آدمی سے مل کر تم کو کیا فائدہ ہوگا؟" ویرا نے برا سا منہ بنا کر کہا۔
"یہ میری نہیں' اس کی تجویز تھی اور وہ اس پر اصرار کررہا تھا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "یک لخت رابطہ ختم کرنا بہت آسان ہوتا ہے مگر مجھے منطقی انداز میں اسے یہ یقین دلانا ہے کہ اب وہ کرنل جمال دستی کو پاکستان میں تلاش نہیں کرسکے گا۔"
"وہ رہ رہ کر ہر مرتبہ تمہارے اوپر شبہ کررہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ رستم کے آدمی سے ملاقات کے بہانے وہ تمہیں پکڑنے کی کوشش کرے۔ اسے اندازہ ہوچکا ہے کہ وہ افہام و تفہیم کے ذریعے تمہیں اومان جانے سے نہیں روک سکے گا۔" سلطان شاہ نے کہا۔
"اول تو میرا رستم کے آدمی سے ملنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ آدھے گھنٹے کے بعد اس کی طرف سے کوئی قابلِ عمل تجویز آئی تو اس پر پورے غور و فکر کے بعد اور پوری تیاری کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔"
"اس بار... آپ کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔" غزالہ بولی "بھرے کلب سے آپ کے اغوا کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اب وہ کوئی بھی کمینگی دکھا سکتا ہے۔"
میں نے مسکرا کر پیار سے اس کے شانے پر تھپکی دی اور کہا "تم فکر مت کرو۔ میں جان بوجھ کر اندھے کنویں میں چھلانگ لگانے والوں میں سے نہیں ہوں۔"
"یہ دوسرا موقع ہے کہ میجر بخشی نے بالکل وہی سوچا ہے جو تم سوچ رہے ہو۔" اول خان نے پُرخیال لہجے میں تبصرہ کیا۔
میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "کلب میں طے ہونے والی آخری ملاقات میں تم اس کے اغوا کا منصوبہ لے کر گئے تھے اور وہ بھی تمہارے بارے میں یہی فیصلہ کیے بیٹھا تھا۔"
"یہ اور بات ہے کہ پہل کرنے کا موقع ملنے کے باوجود وہ کامیاب نہ ہوسکا۔" سلطان شاہ بولا "ہماری سیاسی اور سفارتی مجبوریاں آڑے نہ آئی ہوتیں تو وہ اب سے بہت پہلے نرگباش ہوکر جلتے بھنتے ہوئے گوشت کی بو سے لطف اندوز ہورہا ہوتا۔"
"اور اب رستم کے بارے میں بھی یہی ہوا ہے۔" اول خان کہہ رہا تھا "وہ اسے تمہارے پیچھے لگا چکا ہے اور تم اس سے اوبرائن ڈی ہنٹ کا کام تمام کروانا چاہ رہے ہو۔"
"یہ محض اتفاق نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میجر بخشی کی سوچ ہماری توقع سے زیادہ تیز ہے۔ یہاں دستیاب وسائل اور رابطوں سے وہ پوری طرح باخبر ہے۔"
"اس کی قصیدہ گوئی میں وقت برباد کرنے کے بجائے یہ سوچو کہ اب فون پر اس سے کیا بات کرو گے!" ویرا نے درمیان میں دخل اندازی کی۔
"کچھ بھی نہیں۔" میں نے بے فکری سے جواب دیا "مجھے صرف اس کی بات سننی ہے اور ہمیشہ کے لیے اسے بھول جانا ہے۔ اس کی تجویز سودمند نظر آئی تو کچھ سوچا جائے گا ورنہ وہ سمجھ لے گا کہ میں کسی ناگزیر مجبوری کی وجہ سے وہاں نہیں پہنچ سکا۔"
"تمہاری سوچ بہت معقول اور واضح ہے۔" اول خان نے تعریف کی۔
"یہ بالکل بے مقصد سوچ ہے۔" ویرا نے حسبِ عادت اعتراض کردیا "تمہارے سامنے اب کوئی مقصد باقی نہیں رہا۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے تم بخشی کے اسیر ہوکر رہ گئے ہو۔"
"تم کوئی بامقصد تجویز پیش کرو۔ میں مان لوں گا۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔
"اس وقت بہترین صورت یہی ہے کہ ہم بخشی کو مار دیں اور اس افسانے کو یہیں ختم کردیں۔"
"یہ موضوع پہلے ہی ختم ہوچکا ہے۔ جوابی کارروائیوں میں ہم نہ جانے کیسے کیسے ہیروں سے محروم ہوسکتے ہیں۔ وہ لوگ نئی دہلی میں بخشی کے خون کا بدلہ ضرور لیں گے۔"
اول خان چائے کے لیے پہلے ہی ہدایت دے چکا تھا۔ مزے دار چائے کی چسکیوں کے درمیان وقت بہت تیزی سے گزر گیا اور ان کی یاددہانی پر میں دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔
بخشی اپنے حصے کا کام نمٹانے کے بعد میری کال کا منتظر تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے کہا "میری بات ہوگئی ہے۔ تم دو بجے تک بسیرا میں پہنچ سکتے ہو۔"
"بسیرا کیا بلا ہے؟" اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے' میں نے انجان بن کر پوچھا۔
"تمہارے قائداعظم کے مزار کے سامنے پارسی کالونی آباد ہے جو پھیل کر سولجر بازار تک چلی گئی ہے اسی کے قلب میں بسیرا ایک مشہور محل نما عمارت ہے۔ شاید رستم وہیں رہتا ہے۔ اس کا آدمی وہیں تمہارا انتظار کرے گا۔"
"تم یہ سب جانتے ہو مگر مجھے کیسے پتا چلے گا کہ میں صحیح آدمی تک پہنچا ہوں۔"
"مجھے اس دشواری کا اندازہ تھا۔ رستم فیلڈ میں کام کرنے والوں کو شاید اپنے گھر کا رخ کرنے کی اجازت نہیں دیتا مگر میری درخواست پر اس نے موسیٰ کو بلانے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ اسے تم پہلی ہی نظر میں پہچان لوگے۔"
"میں کسی موسیٰ سے واقف نہیں ہوں۔" میں پھر انجان بن

گیا حالانکہ ایس ٹی ایف کے ذریعے مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ کلب میں اغوا کے دو طرفہ پروگرام کی پشت پناہی کے لیے میجر بخشی نے جن دو مسلح غنڈوں کو کلب کے لان پر بلایا تھا' ان ہی میں سے ایک کا نام موسیٰ تھا۔

"کلب میں موجود مسلح آدمیوں کی صورتیں تمہیں یاد ہوں گی' مونچھوں والے کا نام موسیٰ تھا۔"

"اس وقت اس کی صورت یاد نہیں' دیکھوں گا تو پہچان لوں گا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا پھر پوچھا "مجھے رستم کا سامنا تو نہیں کرنا ہوگا؟"

"وہ بہت با اصول اور پیشہ ور آدمی ہے۔ غیر ضروری طور پر کسی کے سامنے آتا ہے نہ فضول باتوں میں وقت برباد کرتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں موقع محل کا جائزہ لے کر ابھی سے تیاری شروع کرتا ہوں۔"

"یہ یاد رکھنا کہ تمہیں ہر قیمت پر وہاں پہنچنا ہے۔ اس میں کوئی فروگزاشت ہوئی تو میں اومان میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

میں دھیرے سے ہنس پڑا "اچھا ہی ہوا کہ میں نے ابھی تک تمہیں اومان کے اس ہوٹل کا نام نہیں بتایا جس میں میری ملازمت کا بندوبست کیا گیا ہے۔"

"اس خیال میں نہ رہنا کہ وہاں تم روپوش ہو جاؤ گے۔ اومان بہت چھوٹی سی جگہ ہے۔ میرے آدمی ذرا سی دیر میں نام کے سہارے تمہارے کھوج نکال لیں گے۔"

اس بار میں قدرے زور سے ہنسا "یہ دوسرا اتفاق ہے کہ ملازمت کے لیے میرا نام بدل دیا گیا ہے۔ فورس سے نکالے جانے کے بعد مجھے نئے نام اور نئی شناخت کے ساتھ زندگی بسر کرنی ہوگی۔"

میری ایسی باتیں اسے چڑانے کا سبب بن جاتی تھیں۔ فوراً ہی اس کی جھلائی ہوئی آواز ابھری۔ تم جھوٹے ہو۔ دنیا کے سارے منفی اتفاقات تمہارے ساتھ ہی پیش آتے رہتے ہیں۔ میں یہ بات ہرگز قبول نہیں کر سکتا۔"

"اپنا خون نہ سلگاؤ۔" میں نے جلدی سے کہا "یہ سب زمینی حقائق ہیں۔ تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں دو بجے سے پہلے بسیرا میں پہنچ جاؤں گا۔"

"اسی میں ہم سب کی عافیت ہے۔" اس کی آواز میں ہلکی سی خفگی باقی تھی "یہ یاد رکھنا کہ اومان وغیرہ میں ہمارا نیٹ ورک بہت فعال ہے۔ وہاں ایس ٹی ایف کا سرے سے وجود نہیں ہے۔ تم نے مخاصمت کی راہ اختیار کی تو زیادہ دیر تک ہمارا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔"

اس سے بات ختم ہوتے ہی میں اول خان کی طرف متوجہ ہو گیا "موسیٰ اور ملنگ اس وقت کہاں مقیم ہیں؟"

"معلوم ہوتا ہے کہ کینٹ کا ہوٹل ان کا مستقل ٹھکانا ہے۔ وہ وہیں ہیں۔"

"اس سے پہلے کہ موسیٰ بسیرا پہنچے' اسے اٹھوا لو!" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"یہ کام میں خود کروں گی۔" اول خان کے کچھ کہنے سے پہلے ویرا بول پڑی "ایس ٹی ایف والوں پر ضرورت سے زیادہ انحصار کرتے کرتے میرے ہاتھ پیروں کو زنگ لگنے لگا ہے۔"

"جو کام بے خوف و خطر ہو کر سرانجام دیا جا سکتا ہے' اس کے لیے خطرہ مول لینا بے وقوفی ہے۔ یہاں تم جتنی چاہو' اچھل کود کر سکتی ہو۔"

"نہیں!" ویرا اپنی ضد پر اڑ گئی "اپنی بے کاری اب مجھے کھلنے لگی ہے۔"

"ہم دونوں یہ کام آسانی سے کر لیں گے۔" سلطان شاہ نے ویرا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "ہم نے جب سے اسٹیشن فور پر پناہ لی ہے' بستروں سے لگ کر رہ گئے ہیں۔"

"مجبوریوں نے ہمیں پابند کیا ہوا ہے۔ باہر دشمن ہماری گھات میں ہیں اور وہ ویرا کو بہت آسانی سے پہچان سکتے ہیں۔"

"کوئی مجبوری نہیں ہے۔" ویرا نے تیزی سے کہا "مجھے پہچاننے والوں پر برا وقت آیا ہوا ہے۔ اصل دشمن اور برائن ڈی ہنٹ تھا جو میدان چھوڑ کر بھاگا ہوا ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں مجھے کوئی بڑا خطرہ نظر نہیں آتا۔ ویسے بھی میں زندگی بھر خطرات سے کھیلتی رہی ہوں۔"

"ویرا صحیح کہہ رہی ہے۔" سلطان شاہ نے مجھے بولنے کا موقع

دیے بغیر کہا "ہم کب تک خوف زدہ چوہوں کی طرح اسٹیشن فور میں دبکے بیٹھے رہیں گے۔ اب ہمیں میدان میں نکلنا پڑے گا۔"
غزالہ بھی اسٹیشن فور کے یکساں شب و روز سے اکتائی ہوئی تھی۔ اس نے کہا "ہم نے اول خان پر غیر ضروری بوجھ ڈالا ہوا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے لیے کوئی نیا ٹھکانا ڈھونڈیں۔"
وہ سب یک زبان ہوچکے تھے۔ میں نے بحث میں الجھنے کے بجائے ان کی ہم نوائی اختیار کرنے کا فیصلہ کر کے کہا "ٹھیک ہے، ہم تینوں ہی موسیٰ اور ملنگ کی خبرلیں گے۔"
"بسیرا کون جائے گا؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا "تم بخشی سے وعدہ کرچکے ہو۔"
"وہ وعدہ ہی کیا جو وفا بھی ہو۔" میں نے ہنس کر کہا "میرا اس حماقت میں پڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اسی لیے میں نے موسیٰ کو اٹھوانے کا ذکر چھیڑا تھا۔"
"موسیٰ وہاں نہیں پہنچے گا تو تمہارا جانا بھی غیر ضروری ہے۔" اول خان نے تفہیمی انداز میں اپنا سرہلاتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا "موسیٰ کے غائب ہونے سے بخشی الجھ جائے گا۔"
"گڈ!" ویرا خوش ہوگئی "میں بھی یہی کہتی ہوں۔ میجر بخشی کو سفارتی تحفظ حاصل ہے، اس کے خلاف کی جانے والی کسی بھی کارروائی کے انتقام کا خطرہ ہے لیکن دوسروں کو کسی خوشی میں بخشا جائے۔"
"میں تو کہتا ہوں کہ موسیٰ کے ساتھ ملنگ کو بھی اٹھالیا جائے۔" سلطان شاہ بولا۔
"موسیٰ کو لانا ضروری ہے۔ ملنگ بھی ہاتھ آجائے تو وہ بونس ہوگا۔" میں نے کہا۔
"وہ بہت نچلی سطح کے مجرم ہیں۔ ان پر ہاتھ ڈالنے سے کیا فائدہ ہوگا؟" غزالہ نے پوچھا۔
"کئی فائدے تو بالکل واضح ہیں۔ موسیٰ جب بسیرا نہیں پہنچے گا تو میجر بخشی کے ساتھ رستم کو بھی تشویش لاحق ہوجائے گی۔ بظاہر وہ نچلی سطح کے آدمی ضرور معلوم ہوتے ہیں لیکن اتنے اہم ضرور ہیں کہ بخشی کی فرمائش پر رستم ان میں سے ایک کو اپنے گھر بلانے پر آمادہ ہوچکا ہے۔"
"بخشی نے بسیرا میں میری اور موسیٰ کی ملاقات کا پروگرام آج بلکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے طے کیا ہے۔ یہ خبر بھی تازہ ترین معلوم ہوتی ہے کہ بخشی نے میری یعنی ڈینی کی تلاش کا کام رستم کو سونپ دیا ہے۔" میں نے کہا "جب کہ موسیٰ اور ملنگ کے نام کئی روز پہلے ہمارے سامنے آچکے تھے۔"
"اس سے تم کیا نتیجہ اخذ کررہے ہو؟" ویرا نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔
"بخشی اور رستم کے درمیان پہلے سے مفاہمت چلی آرہی ہے...."
ویرا نے میری بات درمیان سے اچک لی "یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ موسیٰ اور ملنگ نے ہی بخشی اور رستم کے درمیان رابطہ کرایا ہو۔"
"میں خود یہی کہنا چاہ رہا تھا لیکن تمہیں پوری بات سنے بغیر درمیان میں اپنی ٹانگ اڑانے کا خبط ہے۔ اصل صورتِ حال کیا ہے۔ اس پر وہ دونوں ہی روشنی ڈال سکتے ہیں۔"
"ان سے یہ بھی معلوم ہوسکے گا کہ وہ کلب میں کس کے ذریعے پہنچے تھے۔" سلطان شاہ نے کہا "میجر بخشی نے اپنی پوزیشن کی وجہ سے خود سامنے آنے کا خطرہ مول نہیں لیا ہوگا۔"
"بہت سے سوالات ہیں۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "ایک بار ان سے پوچھ گچھ کا سلسلہ چل نکلے گا تو ہر بات خود بہ خود کھلتی چلی جائے گی۔"
"اب تم خود اس کام میں ہاتھ ڈالنے پر آمادہ ہو تو ویرا کو رک جانا چاہیے۔" سلطان شاہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے تجویز پیش کی۔
"کیوں؟ میں نے تمہاری کون سی جاگیر ماری ہے جو مجھے روک رہے ہو؟" ویرا تلملا اٹھی۔
"عورتیں چار دیواری ہی میں اچھی لگتی ہیں۔ باہر نکل کر وہ موہنی پنڈت بن کر رہ جاتی ہیں۔" سلطان شاہ نے گہری سنجیدگی سے کہا "خلقِ خدا فساد میں مبتلا ہونے لگتی ہے۔"
"تمہاری ایسی کی تیسی، تھوڑی دیر پہلے میں نے بات چھیڑی تو سب سے پہلے تم خود میرے ساتھ نکلنے پر آمادہ تھے۔ اب مجھے دودھ سے مکھی کی طرح الگ کررہے ہو۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔
"میں نے تمہارے ساتھ جانے کی بات نہیں کی تھی۔ وہ میری اصولی رائے تھی کہ اب ہمیں جمود کو توڑنے کے لیے خود میدان میں اترنا چاہیے۔ یہ کام مردوں کو ہی زیب دیتا ہے۔"
"کیا تم اس کی رائے سے متفق ہو؟" مجھے خاموش پاکر ویرا نے پھاڑ کھانے والے انداز میں مجھ سے پوچھا۔
ویرا کے چہرے پر بے بسی اور جھنجلاہٹ کے آثار اتنے گہرے تھے کہ میں کوشش کے باوجود اپنی بے ساختہ ہنسی روکنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔
جوں ہی ویرا کو یہ اندازہ ہوا کہ وہ سنجیدگی سے کیے جانے والے مذاق میں خود کو تماشا بنا چکی ہے، وہ مُکا تان کر خفت آمیز انداز میں سلطان شاہ کی طرف لپکی اور وہ دوڑ کر دفتر سے نکل گیا۔

○☆○

کینٹ کا وہ ہوٹل اسٹارز کے لحاظ سے کسی قطار و شمار میں نہیں تھا مگر نچلی منزل پر واقع ہوٹل کے صاف ستھرے ریستوران کے خوابیدہ سے ماحول میں قدم رکھتے ہی مجھے ایک خوشگوار ذہنی جھٹکا لگا۔ ریستوران میں تزئین، آرائش، صفائی اور سروس کا معیار بہت بہتر تھا۔

"یہاں تو ساری ہی لمبی چوڑی میمیں بھری ہوئی ہیں۔"
سلطان شاہ بیشتر میزوں پر مغربی لباس میں ملبوس گراں ڈیل، سفید فام عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھ کر میرے کان کے نیچے منمنایا۔
"اچھا ہے۔ ویرا آسانی سے ان روسی عورتوں میں گھل مل جائے گی۔" اسے جواب دیتے ہوئے میں ایک گوشے کی طرف ہولیا جہاں دو میزیں خالی نظر آرہی تھیں۔
ریستوران میں چہل پہل اور رونق کے باوجود متعدد میزیں بالکل ویران پڑی ہوئی تھیں۔ سبب یہ تھا کہ بعض آباد میزوں کے گرد گنجائش سے زیادہ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور ان پر ملے جلے چہرے موجود تھے۔ ہوٹل میں بیشتر مرد مقامی ہی تھے۔ سفید فام مردوں کی تعداد خاصی کم تھی۔
"اس علاقے کے ہوٹل میں اتنی غیر ملکی عورتوں کی موجودگی پر تمہیں حیرت نہیں ہے۔" کرسی سنبھال لینے کے بعد سلطان شاہ نے دوبارہ اپنی حیرت کا اظہار کیا۔
"اگر تم باقاعدگی سے اخبارات پڑھتے رہو تو ایسے مشاہدوں پر تمہیں بھی حیرت نہیں ہوگی۔ یہ سب روسی ریاستوں اور پاکستان کے درمیان پھیرے لگا کر دو طرفہ اسمگلنگ کرنے والیاں ہیں۔" میں نے اسے آگاہ کیا "مال سے بھرے ہوئے سوٹ کیس ان کے کمروں میں ہوں گے۔ یہ یہاں اپنے متوقع گاہکوں سے ابتدائی سودے کررہی ہیں۔"
"معلوم ہوتا ہے کہ سب کی سب اسی ہوٹل میں جمع ہوگئی ہیں۔" اس نے تبصرہ کیا۔
"سیزن میں صدر سے یہاں تک کے سارے متوسط ہوٹل ان ہی بنجاروں اور بنجارنوں سے بھرے رہتے ہیں۔ یہ اپنی ریاستوں سے برقی اور الیکٹرونک سامان کی بڑی بڑی کھیپیں لاکر یہاں بیچتی ہیں اور یہاں سے سستے اونی اور چرمی ملبوسات اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔"
"مرد تو پھر بھی قمیص پتلونوں میں ہیں لیکن عورتوں کے کپڑے بے حیائی کی حد تک ناکافی ہیں۔" سلطان شاہ نے ناک بھوں چڑھا کر کہا "انہیں ایسے کپڑوں میں شرم نہیں آتی؟"
"یورپ اور امریکا والوں کی طرح ان کی معاشرت میں بھی شرم حیا کا گزر نہیں ہے۔ پھر یہ ان کے کاروباری حربے بھی ہیں۔ غور سے دیکھو کہ ان سے مذاکرات کرنے والے پاکستانی خریدار اور دکان دار کیسے ندیدے پن سے انہیں گھور رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ پاکستانی مرد گوری چمڑی پر مرتے ہیں۔"
"ہم دونوں بھی پاکستانی مرد ہیں اور دن رات ویرا جیسی آزاد خیال عورت کے ساتھ رہ رہے ہیں۔" اس نے ملامت بھرے لہجے میں یاد دلایا۔
"میں سب کی نہیں، اوباش فطرت مردوں کی بات کررہا تھا۔" میں نے وضاحت کی۔
"لعنت ہو ان موٹی اور لمبی چوڑی چڑیلوں پر۔ بدن کی نمائش سے دنیا میں کون سا کاروبار ہوتا ہے؟"
"غور کرو تو معلوم ہوگا کہ آج کا سارا کاروبار وجود زن سے ہی چل رہا ہے۔ شیونگ بلیڈ سے لے کر تعمیراتی سریا تک خوب صورت عورتوں والے اشتہاروں کے ذریعے بیچا جارہا ہے۔"
"اشتہاروں کی اور بات ہے۔ یہاں تو یہ خود...." اس نے کچھ کہنا چاہا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔
"اشتہاروں سے ہٹ کر بھی تمہیں جگہ جگہ خوش لباس اور خوب رو سیلز گرلز نظر آئیں گی۔ یورپ میں تو لوگ مردانہ انڈر گارمنٹس بھی ان ہی دکانوں سے خریدنے کو ترجیح دیتے ہیں جہاں کاؤنٹر پر لڑکیاں خریداروں سے ان کی ضروریات معلوم کرتی ہوں۔"
"یہ یورپ کا کوئی شہر نہیں، کراچی ہے۔ یہاں یہ سب عجیب معلوم ہورہا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ یہ اسمگلنگ اور تجارت کے بجائے براہِ راست جسم فروشی ہی شروع کردیں۔"
میں بے اختیار ہنس پڑا "ان میں کچھ پارسا بھی ہوتی ہوں گی مگر ان کی عمومی شہرت یہی ہے کہ خرید و فروخت کے دوران میں انہیں اپنے وقت کا کوئی معقول خریدار مل جائے تو یہ اسے بھی مایوس نہیں کرتیں۔ خوشی سے ایسی اضافی آمدنی کو قبول کرلیتی ہیں۔ ہر قیمت پر پیسہ کمانے کا اصول ان کی خوش حالی کا راز ہے۔"
"لباس کے اعتبار سے تو مجھے ان میں سے ایک بھی پارسا نظر نہیں آتی۔ وہ گھوم پھر کر دوبارہ اپنے پرانے نکتے پر لوٹ آیا جو اسے پریشان کررہا تھا۔
"یہ برفانی علاقوں کی رہنے والیاں ہیں۔ ہمارے قوانین ان کی راہ میں مانع نہ ہوں تو یہ شاید صرف ستر پوشی پر ہی اکتفا کریں۔ ہر علاقے کے لوگوں کی موسمی ضروریات جدا ہوتی ہیں۔ یہاں کے گرم اور مرطوب موسم میں تمہیں ان کو تھوڑی سی رعایت دینی ہی ہوگی۔"
اسی دوران میں ویٹر ہمارے لیے چائے اور سینڈوچز لے آیا اور ہم خاموشی کے ساتھ چائے نوشی میں مصروف ہوگئے۔ سلطان شاہ کی بے چین نگاہیں بار بار گرد و پیش کا طواف کررہی تھیں۔ ہال کی بند فضا میں رچی ہوئی بُو سے مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ ملک میں شراب نوشی و فروشی پر پابندی ہونے کے باوجود غیر ملکیوں کی آڑ میں وہاں شراب نوشی جاری تھی۔ ریستوران میں الکحل کی تیز بُو، بہکی ہوئی مخمور نظروں اور بات بے بات پر بلند ہونے والے اضطراری قہقہوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ مزید کچھ وقت گزرنے کے بعد وہاں کچھ اور حجاب سرک جائیں گے۔
ہم دونوں اس ہوٹل میں کسی خاص پروگرام کے تحت نہیں پہنچے تھے۔ بس ویرا کی ضد تھی کہ وہ موسیٰ اور ملنگ کو اپنے طور پر پھانسے گی۔ وہ ہم سے گاڑی کی چابی لے کر ان دونوں کے ہوٹل میں

چلی گئی تھی۔ ہم وقت گزاری کے لیے برابر والے اس ریستوران میں گھس گئے تھے جہاں عملی طور پر روسی خواتین غالب تھیں۔
ہمیں اس ریستوران میں نصف گھنٹا گزارنا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے ہمیں ہر حال میں گاڑی کے پاس یکجا ہونا تھا۔ ویرا اپنے مشن میں کامیاب ہوتی تو ان دونوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر ہمارا انتظار کرتی۔ ناکامی کی صورت میں اسے بے نیل و مرام واپس لوٹ آنا تھا۔
مقررہ وقت پر ہم دونوں ریستوران سے نکلے تو ویرا خاصی تاریکی میں کھڑی ہوئی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی سگریٹ کا دھواں اُڑا رہی تھی۔ عقبی نشستوں پر کسی کا نام و نشان نہیں تھا۔ ہم دونوں بے خوف ہو کر تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ دروازے کے لیور کی آواز سن کر ویرا نے میری طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تیر گئی جس میں کامیابی کا شائبہ تک نہیں تھا۔
"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ان دونوں کو کسی ٹیکسی سے اسٹیشن فور روانہ کردیا ہے۔" سلطان شاہ نے عقبی نشست میں گھستے ہی طنزیہ لہجے میں کہا۔
"زیادہ چہکنے کی کوشش مت کرو۔" ویرا نے اس کی طرف مڑ کر تیزی سے کہا "میں نے یہ نکتہ فراموش کردیا تھا کہ موسیٰ کو دو بجے سے بہت پہلے بسیرا پہنچنا ہے۔ اس وقت وہ دونوں کسی حور پر بھی توجہ نہیں دے سکیں گے۔"
"ماشاء اللہ!" سلطان شاہ نے پھر گہرا طنز کیا "تو اب تم خود کو حور سمجھنے لگی ہو۔ شاید تمہیں پتا نہیں کہ جہنم میں حوریں نہیں، چڑیلیں ہوتی ہیں....."
ویرا نے اس کی بات سُنی اَن سُنی کرکے مجھ سے کہا "ان کا ہوٹل مشتبہ سرگرمیوں کی آماجگاہ ہے۔ ہوٹل کا عملہ ان حرکتوں میں پوری طرح ملوّث ہے۔ انٹر کام پر موسیٰ سے میری ناکام گفتگو کے بعد ہوٹل کے منیجر نے مجھے دو ہزار روپے کے عوض رات ہوٹل میں بسر کرنے کی پیشکش کی تھی۔"
"اور تم اپنی یہ تذلیل سہہ کر خاموشی سے واپس آگئیں؟" سلطان شاہ کھول اٹھا۔
"میں گھر سے ایک مشن لے کر نکلی ہوں۔ تمہاری طرح جذبات کی رو میں آکر عقل کو خیرباد نہیں کہتی۔" ویرا نے کسی ندامت کے بغیر کہا "گھر سے قدم نکالنے والی عورتوں کو مغرب کے آزاد معاشرے میں بھی کبھی کبھار ایسے تجربات سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایسے مردوں کی عقلوں پر صرف ماتم ہی کیا جاسکتا ہے جو ہر اکیلی عورت کو برائے فروخت تصور کرتے ہیں۔ ہوٹل کے منیجر کو بھی میں نے ایسا معذور سمجھ کر معاف کردیا اور واپس چلی آئی۔"
"اب کیا ارادہ ہے؟" میں نے اس ناخوشگوار موضوع کو یکسر بدل دیا۔
"انتظار۔" ویرا نے کہا "وہ کسی بھی وقت بسیرا کے لیے روانہ ہوسکتا ہے۔ میری ناکامی کے بعد اس پر راستے میں ہی ہاتھ ڈالنا پڑے گا۔"
"تم نے انٹر کام پر موسیٰ سے کیا بات کی تھی؟" سلطان شاہ کا ذہن بدستور ویرا کی توہین میں الجھا ہوا تھا جب کہ ویرا کے لیے اس واقعے کی سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔
"تم ذہنی طور پر ابھی تک ننھے سے جذباتی بچے ہو۔" ویرا قدرے غصے سے بولی "اس قماش کے ہوٹلوں میں رہنے والوں کو اجنبیوں کی طرف سے کال ملنا عام سی بات ہے۔ وقت اور موڈ ہو تو کچھ نہ کچھ طے ہوجاتا ہے ورنہ ہلکی سی معذرت اور کریڈل دبانے سے بات ختم ہوجاتی ہے۔ میں نے بھی یہی ترکیب آزمائی تھی۔"
"تمہیں موسیٰ کے کمرے کا نمبر کیسے معلوم ہوا؟" سلطان شاہ کی تسلی نہیں ہورہی تھی۔
"نام بتا کر کاؤنٹر سے کسی کا بھی کمرا نمبر معلوم کیا جاسکتا ہے۔ حیرت ہے کہ تمہیں اتنی معمولی باتیں بھی معلوم نہیں ہیں۔" ویرا نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔
"اب بات سمجھ میں آرہی ہے۔" سلطان شاہ نے افسوس سے سرہلاتے ہوئے کہا "تم نے اس سے گھٹیا اور بازاری باتیں کی ہوں گی اسی وجہ سے ہوٹل کے منیجر کو ہمت ہوئی کہ دو ہزار روپے میں تمہیں رکھنے کی دعوت دے۔ تم لوگوں کی ذرا ذرا سی بات پر چڑنے لگتی ہو اور اپنی مرضی ہو تو اپنے مقام سے اس قدر گر جاتی ہو اس کے باوجود تمہیں ذلت کا احساس نہیں ہوتا۔"
"اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے کبھی نہیں شرمانا چاہیے۔ عزت اور ذلت دوسروں کے دینے سے نہیں ملتی۔ یہ انسان کا اپنا اندر کا احساس ہوتا ہے جو اسے بلند یا سرنگوں رکھتا ہے۔ یہ سارے فلسفے مجھے میرے مربّی اور اتالیق، ڈان مریانو نے سکھائے تھے۔ کبھی فرصت ہو تو ڈینی سے اس کی کہانی سن لینا۔"
"اس پر راستے میں ہاتھ ڈالنے میں کام بگڑنے کا خطرہ ہے۔" ویرا سے مایوس ہو کر سلطان شاہ مجھ سے مخاطب ہوگیا "موسیٰ تمہیں پہچانتا ہے۔ دیکھتے ہی بدک جائے گا۔"
"فکر نہ کرو۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔" میں نے مسکرا کے کہا "آج وہ حریف نہیں، حلیف ہے۔ وہ مجھ سے ملنے کے لیے ہی بسیرا کی طرف جائے گا۔"
ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اس دوران میں سلطان شاہ کو رہ رہ کر ویرا والا قصّہ یاد آتا رہا۔ وہ کڑھتا رہا اور ویرا بے پروائی سے اسے سلگانے والے جواب دیتی رہی۔
جوں ہی برابر والے ہوٹل کے دروازے سے موسیٰ باہر آیا، میں اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ اکیلا تھا اور سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ کچھ فاصلے پر واقع ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جارہا تھا۔
اس کے پاس اپنی سواری کے ذریعے کا نہ ہونا میرے لیے

تشویش کا باعث تھا۔ اس طرح ہماری کارروائی میں ایک غیر متعلقہ اور غیر ضروری فریق شامل ہوسکتا تھا۔ کسی وجہ سے بات بگڑ جاتی تو ٹیکسی ڈرائیور کی گواہی ہمارے لیے کوئی نہ کوئی دشواری پیدا کرسکتی تھی۔

دیرا کو گاڑی پارکنگ سے نکال کر موسیٰ تک پہنچنے میں دیر لگ سکتی تھی۔ میں نے صورتِ حال بھانپتے ہی دروازہ کھول کر اپنی نشست چھوڑ دی اور موسیٰ کی طرف دوڑ لگا دی۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی تیز آواز سن کر موسیٰ کی چھٹی حس بیدار ہوگئی۔ میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ چونکنے انداز میں تیزی سے پلٹ پڑا۔

اس وقت میں نے اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں دیکھا کہ اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں اس قدر نمایاں تھیں کہ انہیں اس کی اکلوتی شناخت قرار دیا جاسکتا تھا۔ سیاہ مونچھوں تلے اس کے ہونٹ تحیّر زدہ دائرے کی صورت میں سکڑ گئے تھے۔ میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اُس کی آنکھوں میں بھی حیرت اور خوف کے لہریے تیرنے لگے۔ اس کا داہنا ہاتھ بہت تیزی کے ساتھ جیب کی طرف گیا تھا۔

"میں خالی ہاتھ ہوں' موسیٰ!" میں نے دور ہی سے سرزنش کے انداز میں اتنی اونچی آواز میں کہا کہ میرے الفاظ اس کے کانوں تک پہنچ سکیں۔ اس اعلان کے ساتھ میں نے اپنے دونوں خالی ہاتھ تقریباً شانوں کی بلندی تک اٹھالیے تاکہ وہ میرے دعوے کی بچشم خود تصدیق بھی کرسکے۔

وہ چلتے چلتے مڑ کر رک چکا تھا' میں اس کی طرف دوڑ رہا تھا۔ پلک جھپکتے میں ہم دونوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً ختم ہوگیا۔ میری دوڑ زیادہ لمبی نہیں تھی لیکن رفتار بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے میرا سانس پڑھ گیا تھا۔ میں اس کے سامنے رک کر سانس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

"تت.... تم اِس وقت یہاں کیا کررہے ہو؟" اس کا داہنا ہاتھ جیب میں پوشیدہ کسی آتشیں ہتھیار پر جما ہوا تھا مگر پھر بھی خوف سے اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

"مم.... میں.... تم سے مل.... ملنے آیا تھا۔" میں نے ہانپتے ہوئے جواب دیا "مجھے تھوڑی دیر پہلے ہی بتایا گیا تھا کہ اب پروگرام بدل گیا ہے...."

"کیا پروگرام بدلا ہے....؟ مجھے کسی تبدیلی کا علم نہیں ہے۔" اس کی خوف زدہ اور اشتباہ آمیز نگاہیں مسلسل میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"صرف اتنی تبدیلی ہوئی ہے کہ اب تم بسیرا نہیں جاؤ گے۔ ہم یہیں گاڑی میں گھوم پھر کر اپنی باتیں کریں گے پھر تمہیں تمہارے ہوٹل پر چھوڑ دیا جائے گا۔" میں نے جلدی جلدی اپنی بات مکمل کی۔

اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحوں کی

خاموشی کے بعد بولا "مجھے اپنے بڑے کی طرف سے کوئی حکم نہیں ملا۔ میں تمہارے کہنے سے اپنا پروگرام نہیں بدلوں گا۔"

"تم نے مجھے پہچان لیا ہوگا" میں نے پُرامید لہجے میں کہا "مجھے دو بجے تک بسیرا پہنچ کر تم سے ملنا تھا۔"

رفتہ رفتہ اس کا اعتماد بحال ہو چلا تھا۔ اس نے نخوت بھری آواز میں کہا "میں خواب میں دیکھے ہوئے چہرے بھی برسوں نہیں بھولتا۔ تم تو زندہ انسان ہو۔ تمہارا نام کرنل جمال دستی ہے۔"

میرے دوڑ کر اُس تک پہنچنے کی وجہ سے قرب و جوار میں موجود کئی افراد اور راہ گیروں کی توجہ ہماری طرف مبذول ہوئی تھی مگر ہمارے درمیان کوئی تصادم ہونے کے بجائے' پُرسکون مذاکرات کے آغاز پر سب نے ہمیں نظرانداز کر دیا تھا۔ اس وقت کوئی بھی خاص طور سے ہماری طرف متوجہ نہیں تھا۔

"گڈ!" میں نے اس کی یادداشت کی تعریف کی اور اسے مرعوب کرنے کے لیے اس کے بڑے کا نام لیتے ہوئے کہا "میرے باس نے رستم دادا سے بات کر کے چند منٹ پہلے مجھے پروگرام کی تبدیلی سے آگاہ کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ رستم کا فون آنے تک تم اپنا ہوٹل چھوڑ چکے ہو۔ چاہو تو میں اپنے موبائل فون پر رستم سے تمہاری بات کرا سکتا ہوں۔ صرف جگہ کی تبدیلی پر تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ تمہیں معلوم ہے کہ بسیرا پہنچ کر بھی تمہیں مجھ سے ملنا تھا۔ اس وقت میں خود تمہارے روبرو موجود ہوں۔"

"کیا تم باہر رک کر میرے ہوٹل کی نگرانی کر رہے تھے؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"وقت پر آ گیا ہوتا تو ہوٹل ہی میں تم سے مل لیتا۔ بس ابھی ابھی پہنچا ہوں۔ گاڑی سے اترتے ہی تم پر نگاہ پڑی تو میں نے بوکھلا کر دوڑ لگا دی۔"

میرے برجستہ جواب نے اسے مطمئن کر دیا "تمہاری گاڑی کہاں ہے؟"

"اُدھر۔" میں نے ہاتھ سے موہوم سا اشارہ کیا۔ گاڑی کی نشان دہی میں خطرہ تھا کہ وہ ویرا اور سلطان شاہ کی موجودگی کا اندازہ لگاتے ہی بھڑک جاتا۔ کیونکہ اسے صرف مجھ سے ملنا تھا۔ میرے ساتھ کسی کی موجودگی بنیادی پروگرام سے میل نہیں کھاتی تھی۔

"تمہارے باس کا کیا نام ہے؟" اس نے میری بتائی ہوئی سمت میں قدم بڑھاتے بڑھاتے اچانک رک کر سوال کیا۔

"باس صرف باس ہوتا ہے۔" میں نے بائیں آنکھ دبا کر کہا "تم نے اپنے بڑے کا نام نہیں لیا تھا' میں اپنے باس کا نام لینے سے قاصر ہوں۔"

وہ ایک جھٹکے سے میرے ساتھ چل پڑا۔ مجھے یقین تھا کہ خاصی تاریکی میں کھڑی ہوئی گاڑی میں سے وہ دونوں ہمارا جائزہ لے رہے ہوں گے۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ میرے ساتھ موسیٰ کو دیکھ کر وہ موقع کی نزاکت بھانپ لیں اور ہمارے پہنچنے سے پہلے گاڑی چھوڑ دیں۔

ہم اسٹریٹ لائٹس اور بڑے بڑے روشن اشتہاروں کے تیز انعکاس سے گزر کر قدرے تاریکی میں داخل ہوئے تو موسیٰ بولے بغیر نہ رہ سکا "تمہاری گاڑی کتنی دور کھڑی ہوئی ہے؟"

"بس' وہ نظر آ رہی!" میں نے تیزی کے ساتھ دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ اس وقت تک میں نے دیکھ لیا تھا کہ ویرا یا سلطان شاہ نے گاڑی نہیں چھوڑی تھی۔

وہ خاصی نازک سچویشن تھی۔ سلطان شاہ اور ویرا کے لیے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ میں نے اپنے حریف کو کس طرح شیشے میں اتارا ہوگا۔ اسی وجہ سے وہ اطمینان سے اپنی جگہوں پر براجمان تھے۔

میں نے دھیرے سے موسیٰ کو ٹوکا "ہر بات کا یقین کر لینے کے باوجود تمہارا داہنا ہاتھ جیب میں موجود کسی ہتھیار پر جما ہوا ہے۔ اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اپنی ضرورت کو میں زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔ تم گاڑی چلاؤ گے تو میں ہاتھ نکال لوں گا۔"

اس کے جواب کے ایک ایک لفظ سے خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ آخری لمحات تک محتاط رہنے کا پختہ عزم کر چکا تھا اور یہ فرض کر چکا تھا کہ گاڑی میں میرے اور اس کے سوا کوئی تیسرا فرد نہیں ہوگا۔

میں نے انگوٹھے کی مدد سے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلی میں موجود ربر کیپسول والے نگینے کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمانا شروع کر دیا۔ اس کی ہنگامی ضرورت کسی بھی لمحے پیش آ سکتی تھی۔

"تم کہاں لیے جا رہے ہو مجھے؟ تمہاری گاڑی کہاں ہے....؟" مزید کچھ آگے بڑھ جانے کے بعد موسیٰ نے بھڑکے ہوئے اور اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

اس وقت تک ہم خاصی تاریکی میں آ چکے تھے اور گاڑی اتنے قریب تھی کہ میں ویرا کے چہرے پر گہری دلچسپی کی علامات بخوبی دیکھ رہا تھا۔

"بس.... بس.... یہی گاڑی ہے میری۔" موسیٰ کی چبھتی ہوئی مستفسرانہ نظروں کے جواب میں مجھے کہنا پڑا۔

بجلی کی سی سرعت سے موسیٰ کا داہنا ہاتھ جیب سے برآمد ہوا اور پھر فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ میں نے اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے مہیب ریوالور کی ایک جھلک دیکھی اور اگلے ہی لمحے فضا ایک ہولناک بارودی دھماکے سے لرز اٹھی۔

"میں مار دوں گا تم سب کو۔" موسیٰ کے حلق سے ایک وحشیانہ غراہٹ آزاد ہوئی پھر اس کا فضا میں اٹھا ہوا داہنا بازو' بدن سے دور' فضا میں نیچے آنے لگا۔

میری رگوں میں لہو منجمد سا ہونے لگا۔ اس نے گاڑی میں دو

اجنبی چہروں کو دیکھتے ہی سمجھ لیا تھا کہ میں اس کو کوئی فریب دے رہا تھا۔ اس نے پہلا ہوائی فائر شاید اضطراری حالت میں کیا تھا اور اگلا فائر نشانہ لے کر ان میں سے کسی پر کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

واقعات میں یکا یک بہت تیزی آگئی۔ سلطان شاہ غوطہ مار کر عقبی پائیدان میں دبک گیا۔ ویرا دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر کود گئی۔ ہم لوگ اندھیرے میں تھے اس لیے کسی کو اصل واقعے کا علم نہیں ہوسکا تھا مگر دھماکے کی وجہ سے پیدا ہونے والے ہراس اور بھگدڑ کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

موسیٰ کے تنے ہوئے بازو کے سرے پر موجود ریوالور کی نال آسمان سے گاڑی کی سمت آرہی تھی کہ میں نے اچھل کر موسیٰ پر حملہ کردیا۔

نگینے کی صورت کا ربر کیپسول میری ہتھیلی کے رخ پر موجود تھا۔ میرے داہنے ہاتھ کا بھرپور تھپڑ پُرشور آواز کے ساتھ موسیٰ کی گردن پر پڑا۔ تھپڑ کے دباؤ سے کیپسول میں موجود سریع الاثر محلول باریک سوئی کے ذریعے موسیٰ کی گردن میں منتقل ہوا اور اس کا داہنا ہاتھ اچانک ہی بے جان ہو کر اس کے پہلو میں جھول گیا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے کسی بے جان مجسمے کی طرح اسی غیر فطری سی حالت میں اپنے قدموں پر کھڑا رہا پھر کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح گونج دار دھماکے سے زمین پر گر گیا۔

ان چند ثانیوں میں میری پوری توجہ موسیٰ پر مرکوز رہی تھی اس لیے مجھے یہ علم نہیں ہوسکا کہ سلطان شاہ کب گاڑی سے نکل کر دیوانہ وار ہماری طرف لپکا تھا۔ میں نے یہ دیکھا کہ موسیٰ کے زمین پر گرتے ہی اس نے میرے بے ہوش شکار کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر اسے کسی مردہ چوپائے کی طرح گاڑی کی طرف گھسیٹنا شروع کردیا۔ اگلے ہی لمحے میں ویرا بھی اس کا ہاتھ بٹانے پہنچ گئی۔

میں نے زمین پر سے موسیٰ کا ریوالور اٹھایا تو اس کی نال قدرے گرم تھی۔ ریوالور جیب میں ڈال کر میں آگے بڑھا تو وہ دونوں موسیٰ کے بے حس و حرکت وجود کو پچھلے دروازے سے پائیدان میں ڈال رہے تھے۔

وہ دونوں اپنا کام مہارت اور خوبی سے سرانجام دے رہے تھے۔ انہیں میری کسی مدد کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس وقت زیادہ ضروری اور اہم ترین بات یہ تھی کہ جائے واردات سے فوری طور پر فرار کی راہ اختیار کی جائے ورنہ دوسرے مسائل اس کامیابی کو خاک میں ملا سکتے تھے۔

وہ شہر کے قلب سے بہت نزدیک ایک حساس علاقہ تھا۔ رات زیادہ ڈھل جانے کی وجہ سے اسٹیشن جانے اور وہاں سے آنے والے راستوں پر ٹریفک اور مسافروں کی غیر معمولی بھیڑ بھاڑ دم توڑ چکی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ شور کی کمی کی وجہ سے فائر کا شور دور تک سنا گیا ہوگا۔ پولیس کو اس طرف متوجہ ہونے میں دیر لگتی تو قرب وجوار میں واقع فوجی دفاتر یا عسکری اپارٹمنٹس کے آس پاس مامور ملٹری پولیس کسی بھی لمحے وہاں پہنچ کر ہمیں گھیر سکتی تھی۔

میں وقت ضائع کیے بغیر پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ پر سوار ہوا اور اگنیشن میں موجود چابی کی مدد سے انجن اسٹارٹ کردیا۔

"فوراً نکل چلو۔" عقبی دروازہ بند ہونے کی پُرشور آواز کے درمیان ویرا نے تیزی سے کہا اور میں نے اسی لمحے گاڑی آگے بڑھا دی۔ عجلت میں شاید وہ دونوں ہی موسیٰ سمیت پچھلی سیٹ اور اس کے پائیدان میں سما گئے تھے۔ میں نے ویرا کی ہدایت کے بعد گاڑی میں سلطان شاہ کی موجودگی کی تصدیق کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ویرا اس کے بغیر وہاں سے روانگی کا فیصلہ نہیں کرسکتی تھی۔

ہماری گاڑی تقریباً نصف دائرے میں گھوم کر سڑک پر نکلی ہی تھی کہ فضا میں کہیں پولیس سائرن کا شور گونجنے لگا۔ خواہش اور اضطراری کیفیت کے باوجود میں نے گاڑی کی رفتار بڑھانے کی حماقت نہیں کی۔ ہم تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ سامنے سے نیول پولیس کی ایک تیز رفتار جیپ نمودار ہوئی۔ سائرن بند تھا مگر اس کی چھت پر سرخ روشنی تیزی سے گردش کر رہی تھی۔

"گاڑی کی رفتار بڑھا کر جلد از جلد اس علاقے سے نکلنے کی کوشش کرو۔" جیپ کے گزر جانے کے بعد پیچھے سے سلطان شاہ کی سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔

"نہیں!" ویرا نے سختی سے اس کی تجویز مسترد کردی "اسی نارمل رفتار سے چلتے رہو۔ دیکھو! سامنے سے ایک اور گاڑی ایمرجنسی لائٹس جلاتی ہوئی آرہی ہے۔"

مجھے بولنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میں صرف یہ سوچ رہا تھا کہ ہم نے جس کام کو بہت آسان سمجھ کر اسٹیشن فورسے سفر کا آغاز کیا تھا، وہ آخری مراحل پر یکا یک بہت کٹھن ہوگیا تھا۔ مجھ سے چوک یہ ہوئی تھی کہ میں نے موسیٰ کی پھرتی کا اندازہ لگانے میں مار کھائی تھی اور اسے میرے وار سے پہلے ایک ہوائی فائر کرکے معاملات بگاڑنے کا موقع مل گیا تھا۔

کاشف سینٹر اور مہران ہوٹل کے درمیان سے شارع فیصل پر مڑنے تک ہمیں مزید دو سرکاری گاڑیاں نظر آئیں جو تیزی سے کینٹ اسٹیشن کی طرف جارہی تھیں۔ شارع فیصل پر ٹریفک کے دھارے میں شامل ہونے کے بعد میں نے اطمینان کا پہلا گہرا سانس لیا۔ اس سڑک پر نکل آنے کے بعد ہم خطرے کی حدود سے خاصی دور نکل آئے تھے۔

ایک لمبے تعطل کے بعد ہم تینوں ایک ساتھ کسی کارروائی میں شریک ہوئے تھے اس لیے موسیٰ کے اغوا کے اس واقعے میں خاصی سنسنی محسوس ہوئی تھی۔ کچھ دیر تک تینوں ہی خاموشی سے اپنے اپنے خیالات میں کھوئے رہے پھر ویرا نے جمود توڑنے میں پہل کی۔

"اگر ہم دونوں گاڑی سے اتر کر الگ کھڑے ہوگئے ہوتے تو

فائر اور بدمزگی کی نوبت نہ آتی۔"

"تمہیں بروقت یہ خیال آ گیا ہوتا تو کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلتا کہ وہاں کیا ہوا ہے۔ تم دونوں کو دیکھتے ہی اسے خطرے کا احساس ہوا تھا۔" میں نے کہا۔

"یہ اس بھیانک تجربے سے گزرنے کے بعد کا خیال ہے۔" ویرا نے کھلے دل سے اعتراف کیا "اس وقت میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم نے اسے کیسے رام کیا ہوگا۔"

"وہ مجھے پہچانتا تھا۔ یہ بات میرے لیے سود مند بھی ہو سکتی تھی اور خطرناک بھی۔ میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ کسی مجبوری کی وجہ سے مجوزہ ملاقات کا مقام تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس عذر میں تم دونوں کی موجودگی کا کوئی جواز پیدا نہیں ہوتا تھا۔"

"یہ حکمتِ عملی پہلے سے طے ہو جانی چاہیے تھی۔" سلطان شاہ نے زبان کھولی "ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ ہم اندھا دھند کوئی قدم اٹھا لیتے ہیں اور پھر عین وقت پر فیصلے ہوتے ہیں۔"

"اس میں میری غلطی تھی۔" ویرا نے جھٹ ذمے داری قبول کر لی "میرا خیال تھا کہ میں آسانی سے ان دونوں کو ان کے ہوٹل سے نکال لاؤں گی۔"

"ہم دونوں کو اٹھانے کے چکر میں تھے مگر اب ایک پر اکتفا کرنا پڑا ہے۔" سلطان شاہ کی آواز ابھری "پتا نہیں یہ ان دونوں میں سے کون ہے۔"

اس نے براہِ راست سوال کرنے کے بجائے خوب صورت انداز اختیار کیا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا "فکر مت کرو۔ میں پہچان کر صحیح آدمی کو لایا ہوں۔ یہ مونچھوں والا موسیٰ ہے۔"

"ملنگ پھر بھی رہ گیا۔" اس نے ہلکے سے تاسف کے ساتھ تبصرہ کیا۔

"ایک بھی کافی ہونا چاہیے۔" ویرا فوراً بول پڑی "یہ دونوں ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔" بلکہ موسیٰ زیادہ اہم ہے کیونکہ رستم نے اسے اپنے گھر بلایا تھا۔"

"مجھے اس لڑائی کا رخ اب میجر بخشی سے رستم کی طرف ہوتا نظر آ رہا ہے۔" وہ بولا۔

"یہ بھول کر بھی نہ سوچنا۔" میں نے اس کی تصحیح کی "ہم رستم کے ذریعے اوبرائن کا پتہ صاف کرنا چاہ رہے ہیں۔ جب تک یہ کام نہیں ہو جاتا، ہم اس سے کوئی مخاصمت مول نہیں لیں گے۔"

"مخاصمت کی بنیاد تو پڑ ہی گئی ہے۔" ویرا بولی "رستم اس کا آدمی ہے۔ وہ مقررہ وقت تک بسیرا نہ پہنچا تو وہ غصے کے عالم میں چھان بین کی ابتدا کرے گا اور صبح نمودار ہونے سے پہلے اسے یہ علم ہو جائے گا کہ موسیٰ کو ہوٹل سے نکلنے کے بعد اٹھایا جا چکا ہے۔"

"یہ قبل از وقت قیاس آرائی ہے۔ وہاں ایک گولی ضرور چلی تھی مگر اندھیرے کی وجہ سے لوگوں کو شاید یہ معلوم نہیں ہو سکا ہوگا کہ فائر کے بعد کسی کو بے ہوش کر کے اغوا کیا گیا ہے۔" میں نے اپنی سوچ بچار کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے کہا۔ کسی طرح اسے اغوا کا علم ہو بھی جائے تو یہ کسی طرح پتا نہیں چل سکے گا کہ اغوا کرنے والے کون لوگ تھے۔"

"تمہارا آخری نکتہ بہت دور رس ہے۔" ویرا کی پرجوش آواز ابھری "یہ کام ہم لوگوں نے بہت خاموشی سے سرانجام دیا ہے اور فوجی وغیر فوجی پارٹیاں معمول کے مطابق جائے واردات پر پہنچ کر پوری سرگرمی سے فائر کے واقعے کی تفتیش کر رہی ہوں گی اس لیے کوئی بھول کر بھی یہ نہیں سوچ سکے گا کہ اس واقعے میں اسپیشل ٹاسک فورس والوں کا ہاتھ ہے۔"

"ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ.... تمہاری ان دونوں باتوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔" سلطان شاہ کو ویرا کی بات پر اعتراض کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

"ذہن پر ذرا سا زور دو تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ میں نے گھٹنے سے نہیں، مکے سے آنکھ پھوڑنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بات ہمارے موجودہ حریف جانتے ہیں کہ ایس ٹی ایف والوں کو اپنی کسی کارروائی کے لیے چوروں کی طرح قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ سادہ کپڑوں میں آتے ہیں اور اپنا کام کر گزرتے ہیں۔ پولیس یا کوئی ایجنسی ان کی راہ نہیں روکتی۔ وہ موسیٰ کو اس کے ہوٹل بلکہ کمرے سے لے جا سکتے تھے۔"

"شاید تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ تم نے اول خان کو موسیٰ کے اغوا سے الگ تھلگ رکھ کر کسی عقل مندی کا ارتکاب کیا ہے۔" پکڑے جانے کا خوف دور ہونے کے ساتھ سلطان شاہ کا لب و لہجہ بدلنے لگا تھا۔

"ویرا یہ سوچنے میں حق بجانب ہے۔" تکرار روکنے کے لیے میں نے زبان کھولی۔

اسٹیشن فور تک کا سفر ایسی ہی ہلکی پھلکی نوک جھونک اور نکتہ آفرینی میں گزر گیا۔

اول خان اپنے کیمپ کی پہلی چیک پوسٹ پر ہماری واپسی کا منتظر تھا۔ اس نے گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا، طاقت ور ٹارچ کی روشنی میں بے ہوش شکار کا جائزہ لیا اور پھر اسے گاڑی سمیت اپنے آدمیوں کے حوالے کر کے ہمیں اپنی جیپ میں لے کر کمروں کی طرف روانہ ہو گیا۔

"تم نے قیدی کے بارے میں اپنے آدمیوں کو کوئی ہدایت نہیں دی۔" مختصر سے سفر کے اختتام پر ویرا نے کمرے میں جاتے ہوئے اول خان سے پوچھا۔

اول خان نے مسکرا کر بردباری سے جواب دیا "میرے آدمی یہاں لائے جانے والے قیدیوں کے بارے میں اپنی ذمے داریوں سے بخوبی واقف ہیں۔ کسی شریف مجرم کی زبان چل پڑے تو اس کا بیان ریکارڈ کر لیتے ہیں ورنہ دماغ کے کیڑے جھاڑنے کے لیے روایتی حربوں کا آغاز کر دیتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ دن طلوع ہونے تک وہ ہماری بازپرس کے قابل ہو سکے گا۔"

"اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ انگوٹھی کے کیپسول سے محلول کی کتنی مقدار اس کے بدن میں منتقل ہوئی تھی۔ اس کے ہوش میں آنے کے بعد پتا چلے گا کہ وہ کتنے مضبوط اعصاب کا مالک ہے۔"

غزالہ ہمارے مشن کی کامیابی پر بہت خوش تھی کیونکہ ہم نے کافی دنوں بعد اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی مدد کے بغیر کوئی مقابلہ نمٹایا تھا۔

"ہم ایس ٹی ایف پر اتنا زیادہ انحصار نہیں کر رہے۔" سلطان شاہ نے غزالہ کی باتوں کے جواب میں کہا "ابھی چند ہی دنوں میں ڈپٹی نے بہت کچھ کام کیے ہیں۔ کل ہم دونوں کسی بیرونی مدد کے بغیر رستم ایرانی کی کچھار میں جا گھسے تھے۔ اسے ہم پر ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو ہم وہاں سے زندہ نہیں نکل سکتے تھے۔"

"فورس کہیں کہیں مدد ضرور کرتی ہے مگر بڑی کامیابیوں کا سارا کریڈٹ تم لوگوں کو جاتا ہے۔" اول خان نے اس کی دل جوئی کرتے ہوئے کہا "جوڑ توڑ اور منصوبہ بندی کے لیے ہم ہر وقت ڈپٹی کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔"

"نام کسی کا بھی لیا جائے، کامیابیاں ٹیم ورک کے نتیجے میں ملتی ہیں۔" ویرا نے خوش دلی سے کہا "ہم میدان میں نہ اترنے کے باوجود اپنی بساط کے مطابق بہترین مشورے دیتے رہے ہیں۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" سلطان شاہ نے منہ بنا کر کہا "شیخ چلی کے گراں بہا مشورے آج بھی تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ بے چارہ اپنے مشوروں پر خود کبھی عمل نہ کر سکا۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ویرا سلطان شاہ کو تیکھی نظروں سے گھور رہی تھی۔

"تمہیں فون پر میجر بخشی سے تو بات کرنی چاہیے۔ دو بجنے والے ہیں۔ وہ بے چینی سے تمہاری اور موسیٰ کی ملاقات کے نتیجے کا انتظار کر رہا ہوگا۔" اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا۔

"اب اسے نہ چھیڑنا۔" ویرا اپنی برہمی کو بھول کر بے ساختہ بول پڑی "رات کو تم اس سے بات ختم کر چکے ہو۔ تمہارے فون سے اس کے ذہن میں نئے سوالات اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

اس وقت میں دل ہی دل میں ویرا کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

اس نے بے ساختہ بہت دور کی بات سوچی تھی۔ میں فون کرتا تو بخشی یہ ضرور جاننا چاہتا کہ دو بجے کے قریب میں بسیرا میں موجود ہونے کے بجائے اسٹیشن نور میں بیٹھا کیا کر رہا تھا۔ بعد میں اسے پتا چلتا کہ موسیٰ بسیرا پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں کہیں غائب ہو گیا تو وہ میرے ہر عذر کو مسترد کر کے یہی نتیجہ اخذ کرتا کہ میں نے اس سے پروگرام طے کرنے کے بعد موسیٰ پر ہاتھ ڈالا ہوگا۔

اس کے ذہن میں نت نئے شبہات پیدا کرنے سے بہتر تھا کہ میں خاموش بیٹھا رہوں اور وہ یہ فرض کرنے پر مجبور ہو جائے کہ میں ایس ٹی ایف کی طرف سے اپنی کڑی نگرانی کی وجہ سے مقررہ وقت پر بسیرا تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس طرح وہ میری وعدہ خلافی اور موسیٰ کے غیاب کی درمیانی کڑیاں نہیں ملا سکتا تھا۔

کافی دیر بعد ہم اپنے کمرے میں چلے گئے تاکہ دونوں عورتیں بے فکری سے آرام کر سکیں۔

صبح دس بجے اطلاع ملی کہ موسیٰ ہماری توقع سے زیادہ سخت جان ثابت ہوا تھا۔ فورس کے سادہ پوش افراد کی شناخت ممکن نہیں تھی اس لیے پوچھ گچھ کی ابتدا میں وہ یہ سمجھتا رہا کہ وہ اپنے نامعلوم دشمنوں کی قید میں پھنس گیا ہے جن کا کرنل جمال دستی سے کوئی نہ کوئی گہرا تعلق تھا۔

شاید کلب سے میرے اغوا کی کوشش کے موقع پر میجر بخشی نے موسیٰ کو میرے مفروضہ نام کے ساتھ یہ بھی بتا دیا تھا کہ میں فوج سے ریٹائرڈ ہو چکا تھا اس لیے وہ میرے بارے میں انتہائی غلیظ زبان استعمال کر کے دھمکیاں دیتا رہا کہ اسے فوری طور پر آزاد نہ کیا گیا تو اس کے آدمی جمال دستی کے ٹکڑے اڑا دیں گے۔

اس کے جارحانہ تیوروں کو کچلنے کے لیے اس پر تشدد شروع کرنا پڑا مگر وہ بری حالت میں پہنچنے کے باوجود اپنی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ اس کا اصرار تھا کہ اس سے جو کچھ پوچھا گیا، اس نے بتا دیا۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ وہ اطلاعات میرے لیے اہم تھیں۔

مار کھا کھا کر موسیٰ اس حال کو پہنچا ہوا تھا کہ رسی جل گئی تھی مگر اس کے بل نہیں گئے تھے۔ وہ سوالوں کے جواب دینے پر آمادہ تھا۔ از خود کچھ اگلنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اول خان کے آدمیوں کو اس کے پورے پس منظر اور رابطوں سے واقفیت نہیں تھی اس وجہ سے وہ معنی خیز سوالات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ان کی لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر موسیٰ ہٹ دھرمی پر تلا ہوا تھا۔

اول خان کے دل میں غیر ملکی ایجنٹوں کے لیے ہر وقت ایک موہوم سا نرم گوشہ موجود رہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ انہیں دشمن ملکوں کی طرف سے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی۔ اپنے ملک و قوم سے وفاداری کا تقاضا تھا کہ وہ ان فرائض کی بجا آوری کے لیے اپنی جان لڑا دیں۔ وہ اپنی دانست میں پاکستان کے خلاف کام کر کے اپنے ملک اور قوم کا حق نمک ادا کرتے تھے مگر مقاصد کے براہِ راست تصادم کی وجہ سے ہمارے مجرم قرار پاتے تھے ایسے پیشہ ور اور بغیر وردی والے ایجنٹ دشمن کے ہاتھ لگ جائیں تو عبرت ناک انجام سے دو چار ہوتے ہیں، مشن میں کامیاب ہو کر اپنے ملک لوٹنے میں کامیاب ہو جائیں تو عزت و احترام کے مستحق ہیرو کی طرح ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے ہیں۔

اس کے برعکس وہ ایسے ایجنٹوں کے لیے کام کرنے اور دانستہ ان کا آلۂ کار بننے والے مقامیوں کے لہو کا پیاسا تھا۔ اپنے ملک کی زمین اور رزق و روزی سے غداری کرنے والوں کی سزا عبرت ناک موت سے کم نہیں ہونی چاہیے تھی۔ موسیٰ کے بارے میں خبریں ملتے ہی اس نے طیش کے عالم میں ارادہ کرلیا کہ اس کی موت کی پرواہ کیے بغیر اس پر بھیانک ترین تشدد کیا جائے تو وہ موت کی دہشت سے بلبلا کر زبان کھولنے پر مجبور ہو جائے گا۔

میں نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھایا' اپنی نپی تلی رائے سے آگاہ کیا تو رفتہ رفتہ اس کا اشتعال ٹھنڈا ہوگیا اور اس نے مجھے موسیٰ پر آخری کوشش کرنے کی اجازت دے دی۔

میں ان چاروں میں سے کسی کو ساتھ لیے بغیر گارڈ روم میں پہنچ گیا جہاں موسیٰ قید تھا۔

میری صورت دیکھتے ہی اس کے منہ سے مغلظات کا ایک طوفان ابل پڑا۔ میں نے اس پر تحقیر آمیز نظریں ڈالیں اور سگریٹ سلگا کر کمرے میں پڑی ہوئی اکلوتی کرسی پر براجمان ہوگیا۔

اس کا چہرہ ٹوٹ پھوٹ سے عاری اور بالکل صحیح سلامت تھا مگر اس کی قدرے متورم آنکھوں سے وحشت ناک کبیدگی برس رہی تھی۔ وہ ہذیانی انداز میں میرے اوپر گرجتا برستا رہا۔

اس وقت تک موسیٰ کو زندہ رکھنے یا ٹھکانے لگانے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا اس لیے اس پر تشدد میں قدرے احتیاط برتی گئی تھی۔ چہرہ بگاڑنے کے بجائے جسم کے حساس حصوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا جو نظروں سے اوجھل تھے مگر ان کے بارے میں اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

اس کی گالیوں پر' میرے ساتھ آیا ہوا گارڈ مشتعل ہو کر ایک بار اس کی طرف لپکا تھا مگر میں نے سختی سے اسے روک دیا اور جب موسیٰ حلق کے بل چیختے چیختے تھک کر خاموشی سے ہانپنے لگا تو میں نے کرسی چھوڑ دی۔

"تم جو چاہو' کرلو۔ یہاں سے میری مرضی کے بغیر نہیں نکل سکتے۔ ابھی تم نے چند گھنٹوں میں معمولی سی صعوبتیں جھیلی ہیں۔ تم نے زبان نہ کھولی تو میں ایک ایک کرکے تمہاری دونوں آنکھیں ضائع کردوں گا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔

"تم خونی بھیڑیے ہو۔ میں نے کلب میں ہی دیکھ لیا تھا کہ تمہارے سینے میں دل نہیں' پتھر ہے۔ تم نے مجھے بے قصور پکڑا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں نے کیا کیا ہے؟" وہ دیوانہ وار چیخا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ اس رات تم کلب میں کس کا ساتھ دینے آئے تھے؟" میں نے سوال کیا۔

اس نے چند ثانیوں تک مجھے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھا پھر اپنے سر کو نفی میں زور زور سے ہلاتے ہوئے کہا "نہیں' نہیں.... مجھے کچھ نہیں معلوم۔ اس سے میری بات تک نہیں ہوئی' نہ مجھے اس کا نام بتایا گیا تھا۔"

"پھر تمہیں میرا نام کس نے بتایا؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہاری اس بکواس پر یقین کرلوں گا۔"

"خدا رسول کی قسم میں سچ بتا رہا ہوں۔" اس نے چیخ کر کہا "مجھے اس کا حلیہ بتا کر یہ کہا گیا تھا کہ کرنل جمال دستی نامی ایک مہمان اس سے ملنے آئے گا۔ ہمیں یہ دیکھنا تھا کہ تم ہر قیمت پر اس کے ساتھ جاؤ۔ بے بی کے بارے میں مجھے معلوم نہیں تھا۔ اس کی وجہ سے ہمیں اس آدمی کو پہچاننے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔"

"یہ بے بی کون ہے؟" میں نے چونک کر تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"موہنی پنڈت!" اس کا جواب مزید چونکانے والا تھا "اسے گھر میں سب بے بی کہتے ہیں۔"

"اسے تم کیسے جانتے ہو؟" مجھے اس سے کوئی سرا ملنے کی امید ہونے لگی۔

"میں دو سال تک اس کا گارڈ تھا۔ اسے اٹھالے جانے کی دھمکیاں دینے والوں میں سے کوئی اس کے قریب آنے کی ہمت بھی نہیں کرسکا تھا۔" اس نے چیخ کر گویا اعلان کیا۔ ہاتھ پیروں کو حرکت دینے کی وجہ سے اس کی آہنی ہتھکڑیاں اور بیڑی کی کڑیاں جھنجھنا رہی تھیں۔

اس کا جواب ادھورا اور غیر واضح تھا مگر میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ کچھ لوگوں کی طرف سے اغوا وغیرہ کی دھمکیوں کے بعد موسیٰ کو دو سال تک موہنی پنڈت کے محافظ کے فرائض انجام دینے پڑے تھے۔ میرے لیے وہ تفصیلات غیر اہم تھیں۔ ان سے زیادہ ضروری سوال یہ تھا کہ اس رات موسیٰ کو کلب میں بلانے والا کون تھا۔

"تمہیں موہنی پنڈت نے میرے اغوا کے لیے کلب بلایا تھا؟" میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔ وہ بچی ہے.... ہمیں اس کے باپ نے بھیجا تھا۔ کلب میں ہم اس کے مہمان بن کر داخل ہوئے تھے۔ بتایا ہوا حلیہ پہچان کر ہم اپنی ڈیوٹی پر جم گئے۔ بعد میں بے بی بھی وہاں آپہنچی اور پھر تم آگئے۔"

میری دھمکی اور حکمتِ عملی کام دکھا رہی تھی۔ میرے سوالوں کے جواب میں وہ مشینی انداز میں کام کی باتیں اگلتا جا رہا تھا جو میرے لیے حیران کن ہونے کے ساتھ ہی پیچیدہ بھی تھیں۔

"میں نے سنا ہے کہ تم رستم ایرانی کے لیے کام کرتے ہو پھر یہ پنڈت منوہر لال کہاں سے درمیان میں آگیا؟"

"پنڈت میرا پرانا باس ہے۔ میں نے بتایا نا کہ اس نے مجھے دو سال تک بے بی کا گارڈ رکھا تھا۔ خطرہ ٹل گیا تو اسی کی سفارش پر میں رستم کے پاس چلا گیا۔ رستم ایرانی اس کا بہت لحاظ کرتا ہے۔"

"میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تمہیں کلب میں رستم نے بھیجا تھا یا

پنڈت منوہر لال نے۔"
"رستم نے مجھ سے کہا تھا کہ پنڈت جی کو مجھ سے کوئی ذاتی کام ہے۔ میں اس سے مل لوں اور وہ جو کچھ کہے' اس پر عمل کر گزروں۔ مجھے پورا کام پنڈت جی نے خود سمجھایا تھا۔ بعد میں' میں نے رستم کو رپورٹ دے دی تھی۔"
"رستم اور پنڈت میں یہ گٹھ جوڑ کب سے ہے؟" میں نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے پوچھا۔
"پتا نہیں.... میں بس یہ جانتا ہوں کہ پنڈت جی نے مجھے رستم کے پاس کام پر لگوایا تھا۔"
"وہ دونوں آپس میں ملتے بھی رہتے ہیں؟" میں نے سوچتے ہوئے اگلا سوال کیا۔
"معلوم نہیں۔ میں آج تک اپنے بڑے کے گھر نہیں گیا۔ وہ ہم لوگوں سے بس فون پر رابطہ رکھتا ہے۔ کسی کو گھر بلاتا ہے نہ کہیں اور ملتا ہے۔"
موسیٰ میری توقع سے کہیں زیادہ کار آمد ثابت ہوا تھا۔ موہنی پنڈت ایک دلکش اور آزاد خیال ماڈل گرل کے روپ میں یوں میرے سامنے آئی تھی کہ میں نے اسے بے ضرر سمجھ کر بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ اس پر توجہ دی جاتی تو وہ رستم سے اپنے باپ کے مراسم پر زیادہ روشنی ڈال سکتی تھی مگر بات وہی تھی کہ موسیٰ سے پوچھ گچھ کرنے سے پہلے مجھے موہنی یا اس کے باپ کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔
"تم نے بعد میں یہ جاننے کی کوشش تو کی ہوگی کہ کلب میں نظر آنے والا شخص کون تھا؟" میں نے پوچھا۔
ضرورت ہی نہیں تھی۔ ہمارے کچھ کیے بغیر وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میں رستم کو رپورٹ دینے کے بعد اسے بھول بھال گیا تھا۔ دیکھو! میں تمہاری ہر بات کا جواب دے رہا ہوں۔ خدا کے لیے میرے ہاتھ کھلوا دو اور مجھے کچھ دے دو۔ میں رات سے بھوکا پیاسا ہوں۔"
"تمہاری بھوک پیاس کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ پہلے تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس روز بھارتی قونصل خانے کے میجر بخشی نے تمہیں استعمال کیا تھا۔" میں نے ذو معنی لہجے میں کہا۔
میرے الفاظ پر اس کی وحشت زدہ آنکھیں مزید پھیل گئیں
"نہیں.... تم مجھ پر بھارتیوں کے لیے جاسوسی کا الزام نہیں لگا سکتے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ کون ہے۔"
"ہم سرکاری آدمی نہیں ہیں جو کسی پر الزام لگائیں اور پھر اسے ثابت کرتے پھریں۔" اس کی حاضر دماغی پر میں نے فوراً ہی پینترا بدل دیا "ہم جس بات پر...."
اس نے میری بات درمیان سے ہی اچک لی "پھر تم کون ہو اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"
"دشمنی.... تم نے میجر بخشی کے ساتھ مل کر مجھے پھانسا تھا۔ بخشی سے میں وقت آنے پر نمٹ لوں گا۔ تم میرے قبضے میں آچکے ہو۔ یہ حساب یہیں برابر ہوگا۔ اب یہ بتاؤ کہ آج رات تمہیں کس نے بسیرا میں بلایا تھا۔"
"رستم نے!" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر احتیاط سے جواب دیا۔
"اور کام کیا تھا؟" میں نے پلکیں جھپکائے بغیر اگلا سوال کیا۔
"یہ تم کو بھی معلوم ہوگا کہ کیا کام تھا۔ رستم نے دو روز سے مجھے ڈینی کی تلاش پر لگایا ہوا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "تمہیں ڈینی کے بارے میں کچھ اہم باتیں بتانی تھیں اور یہ ملاقات دو بجے سے پہلے بسیرا میں ہونی تھی۔"
"رستم کو یہ کام کس نے سونپا تھا؟"
"یہ اس کے اپنے معاملات ہیں۔ وہ اپنے آدمیوں کو یہ سب نہیں بتاتا۔"
"ڈینی ایک مانوس نام ہے۔ اس کے بارے میں تم پہلے سے کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہوگے۔"
وہ چونک پڑا اور بولا "تمہارے کہنے سے دھیان آرہا ہے کہ شاید ڈینی والا کام رستم کے اپنے ذہن کی پیداوار ہو۔ ڈینی کی گرفتاری میں مدد دینے والے کے لیے کچھ عرصے پہلے امریکا والوں نے بڑے انعام کا اعلان کیا تھا۔ یہ ضرور کوئی بہت بڑا چکر ہے۔"
"مار کھانے کے باوجود تمہارا دماغ صحیح کام کر رہا ہے۔ تمہیں کچھ اندازہ ہو رہا ہے کہ تم بے خبری میں کیسے خطرناک بھنور میں پھنس چکے ہو؟"
"میجر بخشی تمہارا دشمن ہے۔ رستم تمہیں اپنا دوست سمجھ رہا ہے اسی لیے اس نے اپنے گھر پر میری اور تمہاری ملاقات کا بندوبست کیا تھا۔ تم ڈینی کے بارے میں اہم باتیں جانتے ہو اور کسی کے دوست نہیں ہو۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑانے لگا "تم رستم سے بھی نہیں ڈرتے اسی لیے تم نے مجھے راستے سے اٹھا لیا۔ بخشی تمہیں اٹھا لے گیا تھا مگر تم آزاد ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ بخشی کی بازی بھی الٹ گئی تھی۔" اس مرحلے پر اس کی آواز اونچی ہوئی "مجھے تم ہی سب سے زیادہ خطرناک نظر آرہے ہو اور شاید ڈینی والا انعام لینے کے چکر میں ہو۔ میں سچ بتا رہا ہوں کہ میں تمہارے منہ کی روٹی نہیں چھیننی چاہتا۔ میں رستم کا تنخواہ دار آدمی ہوں۔ اپنی اور رستم کی لڑائی میں مجھے بلاوجہ نہ رگیدو۔"
"مالک سے پہلے اس کے تنخواہ دار مارے جاتے ہیں۔" میں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اور تمہارے کئی مالک ہیں ایک سابق' دوسرا موجودہ اور تیسرا وہ جو رستم کے ذریعے ڈینی کو پکڑنے کی فکر میں ہے۔"
"میں وعدہ کرتا ہوں' تمہارے سامنے ناک رگڑنے پر آمادہ

ہوں کہ نوکری چھوڑ دوں گا اور ان چکروں سے بالکل نکل جاؤں گا۔ مجھے معاف کردو۔"

"معافی کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنے تین مالکوں میں سے کسی کی گردن میرے ہاتھ میں دے دو۔ میں اس سے اپنا حساب برابر کرلوں گا۔ تم بچ جاؤ گے۔"

"تمہارے بتائے ہوئے تیسرے مالک کو میں نہیں جانتا۔ پتا نہیں اس کا کوئی وجود بھی ہے یا یہ تمہارا خیال ہے۔ رستم اپنے گھر سے بہت کم باہر نکلتا ہے اور اس کے گھر میں گھسنا ناممکن ہے۔ تم پنڈت جی کو پکڑلو۔ اگر میں نے تمہارے خلاف میجر بخشی کا ساتھ دیا تھا تو پنڈت جی کی بیٹی بھی اس کی شریک تھی۔ تمہیں لے جاتے ہوئے گاڑی وہی چلا رہی تھی۔ مجھ سے پہلے تم کو بے بی یا اس کے باپ کو مارنا چاہیے۔"

"ابھی میں نے کسی کو مارنے کا فیصلہ نہیں کیا۔" میں نے اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "آنکھ مچولی ہورہی ہے۔ آخر میں جس کی گردن ہاتھ میں آئے گی اسی کے بارے میں سوچا جائے گا۔"

"مگر میری گردن چھوڑ دو۔ میں چھوٹی موٹی نوکریاں کرکے روزی کمانے والا مزدور ہوں۔ میری اور تمہاری کوئی ٹکر نہیں ہے۔ تمہیں سب معلوم ہے تو تمہیں سب سے پہلے بخشی کی گردن ناپنی چاہیے۔"

"مزدور!" میں نے اسے قہربار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "رستم بھاری معاوضے لے کر قتل' ڈکیتی' چوری اور اغوا کی وارداتیں کراتا ہے۔ تم اس خونی درندے کے لیے کام کرتے ہو اور خود کو مزدور کہتے ہو۔"

"میں نے بھی یہ سب سنا ہے مگر میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں آٹھ مہینے سے اس کے پاس ہوں۔ اس دوران میں میں نے کوئی قتل نہیں کیا' کسی کا خون نہیں بہایا۔" وہ گڑگڑانے لگا۔

"رستم اپنے آدمیوں سے دور بلکہ الگ تھلگ رہتا ہے۔ تم اس کے دوست کے گھر میں دو برس رہے ہو۔ پنڈت کے کرتوتوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہوگے۔" میں نے اسے راہ دی۔

"پنڈت پرلے درجے کا حرامی ہے۔" صبر کا پیمانہ لبریز ہونے پر وہ پھٹ پڑا "اپنی لڑکی کو رنگ رلیاں منانے کے لیے آزاد چھوڑا ہوا ہے اور خود گھر میں رنگ رلیاں مناتا رہتا ہے۔ وہ ڈرپوک آدمی ہے۔ میری طرح اسے مارو گے تو ذرا سی دیر میں خود ہی اپنی ساری رام کہانی سنانی شروع کردے گا۔"

"تم نے میجر بخشی کو اس کے گھر کبھی نہیں دیکھا تھا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کبھی نہیں.... پنڈت کی پارٹیوں میں بھارت سمیت کئی ملکوں کے بڑے افسر آتے تھے مگر بخشی کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ نیا افسر ہو اور پچھلے چھ آٹھ مہینوں میں آیا ہو۔ میں نے کلب میں بے بی کو اس سے ملتے دیکھا تو حیران رہ گیا تھا کہ دنیا اتنی چھوٹی بھی ہوسکتی ہے۔"

"وہاں کوئی دھن راج بھی آتا تھا؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ دونوں طرف سے ہاتھ رنگتا تھا۔ کیا تم اس بے غیرت لونڈے کو بھی جانتے ہو؟" میری زبان سے دھن راج کا نام سن کر وہ حیران رہ گیا تھا۔

"میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ سوال کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ اس کے بارے میں تمہیں کیا معلوم ہے۔"

"وہ پنڈت کی رنگین محفلوں میں آتا تھا اور دوسری طرف بے بی کو بھی اس نے اپنی لونڈی بنایا ہوا تھا۔ وہ ہفتے میں ایک دو راتیں اس کے ہوٹل میں گزارتی تھی۔ دھن راج کے ملنے جلنے والوں میں سے کئی بے بی کے گھر کے چکر بھی لگاتے رہتے تھے۔ یہ سارا گند میں نے اپنی آنکھوں سے خود دیکھا تھا۔"

"یہ پنڈت اور دھن راج کی نجی زندگی کی بے عزتیاں ہیں۔ مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ایسے لوگ اپنی حرکتوں کو فخریہ بیان کرتے پھرتے ہیں۔ کوئی وقت پڑجائے تو انہیں اپنی آزادروی کے اعتراف میں کوئی باک نہیں ہوتا۔ میں موہنی سے اپنا بدلہ ضرور لوں گا مگر پنڈت تمہارا متبادل ہرگز نہیں ہے۔"

"کیسے نہیں ہے؟" وہ بے بسی سے مغلوب لہجے میں بولا "وہ بھارتی یا یہودی نہیں' میری طرح پاکستانی ہے لیکن جس ملک کا کھاتا ہے' اسی کی جڑیں کاٹتا ہے۔"

"کچھ لوگوں کے آوارہ ہونے سے ملک کی جڑوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔" میں نے اس کی بات کو دانستہ بے وزن کرتے ہوئے جواب دیا۔

"مان لیا کہ آوارگی اس کا ذاتی دھندا ہے مگر میں اس کی غداری کی بات کررہا ہوں۔ اس کی دعوتوں میں یہودی بھی آتے تھے اور پاکستان کے خلاف باتیں ہوتی تھیں۔" اس نے جوش سے دعویٰ کیا۔

"اول تو میں کوئی سرکاری فوجدار نہیں ہوں۔ دوم یہ کہ تمہارے یہ الزام بے بنیاد بھی ہوسکتے ہیں۔ پاکستان میں رہنے والے ہزاروں یہودی میری طرح محب وطن ہوسکتے ہیں۔"

"مسلمان عربی' عجمی' افریقی اور ایشیائی ہوسکتا ہے مگر یہودیوں میں ایک بڑی خرابی یہی ہے کہ یہ قوم دنیا میں کہیں بھی رہتی ہو' اس کے دل میں اسرائیل کا کلمہ ہوتا ہے۔"

"اس کے یہاں آنے والے یہودی کہاں سے تعلق رکھتے تھے؟" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے معلوم ہے کوئی اسرائیلی پاکستان نہیں آسکتا۔" وہ اس موضوع میں میری ظاہری عدم دلچسپی پر چڑ کر بولا "وہ امریکی یا یورپی ہی ہوتے تھے مگر میں نے کئی بار انہیں پنڈت سے [illegible]

اور کیسٹ وغیرہ لیتے ہوئے دیکھا۔ ایسے کام بہت رازداری سے کیے جاتے تھے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ پنڈت یہودیوں کے لیے جاسوسی کرتا ہے؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم یقین نہیں کروگے۔ رستم سب کچھ کرتا ہے۔ بہت سے قتل اس سے منسوب ہیں مگر وہ جاسوسی اور منشیات کے دھندوں سے میلوں دور رہتا ہے۔"

اسے لاجواب کرنے کے لیے مجھے خیال آیا کہ اس سے پوچھوں کہ رستم ڈینی کی تلاش میں کیوں ہے؟ بیس لاکھ ڈالرز کے لالچ میں وہ اسے بیچنے کے درپے کیوں ہے؟ مگر میں نے یہ ارادہ ترک کردیا۔ یہ مفروضہ موسیٰ کا تھا کہ رستم پیسے کے لالچ میں ڈینی کو تلاش کررہا تھا۔ مجھے میجر بخشی نے خود بتایا تھا کہ اس نے وہ کام ایک مقررہ معاوضے پر رستم کو سونپا تھا۔ شاید رستم کو علم ہی نہ ہو کہ پاکستان اور پاکستانیوں کی ایک باخبر اقلیت کس طرح میری ذات کے دفاع میں مصروف تھی۔

میں روکھے پھیکے انداز میں تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتا رہا۔ موسیٰ جوش و خروش سے پنڈت منوہر لال اور اس کی اکلوتی بیٹی کے خلاف زہر اگلتا رہا اور جب میں نے یہ محسوس کیا کہ موسیٰ نے باتوں کو دہرانا شروع کردیا ہے تو میں تیزی کے ساتھ گارڈ روم سے نکل گیا۔

میری اچانک روانگی پر موسیٰ نے چیخ چیخ کر نجات کے لیے دہائی دینی شروع کردی۔ میں نے اسے یکسر نظرانداز کردیا مگر جاتے ہوئے محافظ کو ہدایت دے دی کہ وہ قیدی کے ہاتھ کھول کر اس کی شکم پُری کا بندوبست کردے۔

موسیٰ سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں مجھے پیش قدمی کی ایک نئی راہ نظر آرہی تھی۔ وہ دشمنوں کا ایک ایسا محاذ تھا جو اس وقت تک ہماری نگاہوں سے اوجھل تھا۔

○☆○

اول خان کے چلے جانے کے بعد ان تینوں نے سنجیدگی سے مجھے گھیر لیا۔

اسٹیشن فور میں ہمارا قیام طویل ہوجانے کی وجہ سے وہ سب ہی اکتائے ہوئے تھے۔ میں خود بھی محسوس کررہا تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے بڑھتے ہوئے کردار کی وجہ سے ہمارے دشمنوں کے حوصلے اتنے پست ہوگئے تھے کہ وہ زیرِ زمین چلے گئے تھے۔

ظاہری طور پر ہر طرف سکون اور عافیت کا دور دورہ تھا مگر مجھے اندیشہ تھا کہ اس سکوت کی تہ میں کسی بڑے طوفان کی سازشیں پروان چڑھ رہی ہوں گی۔ میرے ان اندیشوں کی تصدیق موسیٰ نے اپنے بعض فقروں سے کی تھی۔ ان کے سدِّباب کی بہترین صورت یہی تھی کہ پہلے کی طرح ایس ٹی ایف مکمل طور پر پس منظر میں چلی جائے اور ہم دوبارہ شہر میں کہیں اپنا ٹھکانا بنالیں تاکہ دشمن ہمارے اوپر وار کرنے کی کوششوں میں بے نقاب ہوکر سامنے آسکے اور ہم پوری یکسوئی سے اس کی سرکوبی کرسکیں۔

"اصولی طور پر میں تم تینوں کا ہم نوا ہوں۔" ان کے دلائل خاموشی سے سننے کے بعد میں نے پورے سکون سے کہا "لیکن یہ وقت ایسے کسی قدم کے لیے موزوں نہیں ہے۔"

"کیا اس لیے کہ یہ میری خواہش ہے؟" ویرا نے ترش لہجے میں سوال کیا۔

"تم سے مجھے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ رستم والا کام یہیں رہ کر نمٹالیا جائے۔ اس کے بعد ہم شہر میں اپنا ٹھکانا جمالیں گے۔"

"رستم کا معاملہ لمبا چلے گا۔ وہ دو چار روز میں زیر ہونے والی اسامی نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے دبے لفظوں میں احتجاج کیا "کیا اس وقت تک ہم یہیں پڑے رہیں گے؟"

"تم خود بتا چکے ہو کہ وہ گھر سے بہت کم باہر نکلتا ہے اور اس کے گھر میں گھسنا جان جوکھوں کا کام ہے۔" ویرا نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"تم لوگ ایک دم بہت دور چلے جاتے ہو۔" میں نے اکتا کر کہا "میں رستم سے محاذ آرائی کی نہیں، اس کے ذریعے اولی کو ٹھکانے لگانے کی بات کررہا تھا۔"

"ان دونوں کے پھولے ہوئے غباروں سے ہوا نکل گئی اور غزالہ مسکرانے لگی۔

"آج رات اس سے بات ہوگی۔" قدرے توقف کے بعد سلطان شاہ نے بات پھر شروع کی "ایک دو روز میں اس کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔ اس...."

"یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اوبرائن والے کام سے سرے سے انکار کردے۔" ویرا نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے لقمہ دیا "اس کے انتظار میں ہم بلاوجہ وقت برباد کررہے ہیں۔"

"میں کب کہہ رہا ہوں کہ وقت برباد کرو۔ تم دونوں نکل جاؤ اور کسی گھر کا بندوبست کرلو۔ ہم یہاں سے اٹھ کر وہاں چل دیں گے۔ میں ذرا آرام کرنے کے موڈ میں ہوں۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا۔

ویرا کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ عود کر آئی اور اس نے کہا "یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم میجر بخشی کے خوف کی وجہ سے باہر نہیں جانا چاہتے۔ اس کے لیے تم اومان جاچکے ہو۔ وہ تمہیں شہر میں دیکھ لے گا تو تمہارے لیے سنگین مسائل کھڑے کردے گا۔"

میری کھوپڑی بھنا کر رہ گئی "تم میری ہر بات میں منفی پہلو تلاش کرنے میں لگی رہتی ہو۔ آخر تم چاہتی کیا ہو؟"

"میرے ساتھ چلو اور نیا گھر تلاش کرو۔" اس نے ڈھٹائی سے مطالبہ کیا۔

”یہ معمولی سا کام تم سلطان شاہ کے ساتھ مل کر بھی کرسکتی ہو۔“ میں نے جل کر کہا۔
”سلطان شاہ گاؤدی ہے۔ ہوسکتا ہے تمہیں پھر کوئی نادرہ مل جائے اور ہمارا کام آسان ہوجائے۔“ ویرا اس وقت مجھے چڑانے پر تلی ہوئی تھی۔
”شہر میں ہر طرف خالی مکانوں کا ایک جنگل بکھرا ہوا ہے۔ جاؤ اور بات طے کرلو۔“
”اس بار ہمیں کلفٹن اور شہر کے مرکزی علاقوں سے دور نکل جانا چاہیے۔“ غزالہ نے بڑھتی ہوئی تلخی کے پیش نظر گفتگو میں حصہ لینا شروع کردیا ”ہمارے بیشتر دشمن کلفٹن، ڈیفنس اور سوسائیٹیز کے علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہم بھی ان ہی اطراف میں رہتے آئے ہیں۔“
غصے کے باوجود میں غزالہ کی دور اندیشی کو سراہے بغیر نہ رہ سکا ”میں تم سے سو فی صد متفق ہوں۔ علاقے کی تبدیلی اب ناگزیر ہوگئی ہے۔“
”میرا خیال ہے کہ گلشن اقبال کا علاقہ موزوں رہے گا۔“ میری تائید پر سلطان شاہ بولا۔
ویرا نے اپنی زہر افشانی سے جو تلخی پیدا کی تھی وہ ذرا سی دیر میں تحلیل ہوگئی اور غزالہ کی تجویز کے مختلف پہلو زیر بحث آتے چلے گئے۔
میں خود بھی مکان کی تلاش کی مہم میں شریک ہوکر کوئی مناسب جگہ منتخب کرنے کا خواہاں تھا مگر ویرا کی ضد میں، میں نے شرکت سے انکار کردیا تھا۔ ماحول بہتر ہوا تو میں ان تینوں کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوگیا۔
گلشن اقبال کراچی کی ایک بارونق اور متوسط آبادی ہے جہاں شہری سہولتوں کے احوال متمول علاقوں سے بہتر نہیں تو بدتر بھی نہیں ہیں۔ مجھے فکر صرف یہ تھی کہ وہاں کوئی مکمل آراستہ مکان کرائے پر مل سکے تاکہ ہم غیر ضروری خریداریوں سے بچ سکیں۔
اس سے پہلے بھی ہمارے پاس نادرہ کا سجا سجایا اور کشادہ فلیٹ تھا جہاں ہم خانہ بدوشوں کی طرح، صرف اپنا راشن لے کر بیٹھ گئے تھے اور آڑے وقت میں مکان کو مقفل کرکے وہاں سے نکل بھاگے تھے۔ یہ ذمے داری اول خان کی تھی کہ ہمارا چھوڑا ہوا فلیٹ کسی کے ناجائز تصرف میں آئے بغیر نادرہ کی تحویل میں چلا جائے جو ان دنوں ہمارے رابطے میں نہیں تھی۔
ہم ڈرگ روڈ اسٹیشن سے داہنی طرف مڑ کر ذرا سی دیر میں راشد منہاس روڈ پر آگئے۔ وہ گلشن اقبال تک رسائی کا سب سے بہتر اور مختصر راستہ ہے۔
”اگر ہمیں آج ہی کوئی مناسب مکان مل گیا تو کیا ہوگا؟“ راستے میں سلطان شاہ نے پوچھا۔
”ہونا کیا ہے؟ رات کو رستم کو فون کرنے کے بعد سب کچھ سامنے آجائے گا اور صبح ہم اپنے نئے ٹھکانے پر منتقل ہوجائیں گے۔“ ویرا کے پاس جواب تیار تھا۔
پہلی اسٹیٹ ایجنسی پر میں عورتوں کو گاڑی میں چھوڑ کر سلطان شاہ کے ساتھ اندر گیا تو کمرے دفتر میں متعدد میزوں کے پیچھے نمائندے موجود تھے۔ دو میزوں پر خریدار یا کرائے دار نقشوں اور کاغذات میں الجھے ہوئے تھے۔ پہلی میز پر پُرتپاک استقبال کے بعد ہمیں اندرونی حصے میں ایک نوجوان کی میز تک پہنچا دیا گیا۔
وہ نوجوان مہذب اور خوش اخلاق ہونے کے ساتھ چرب زبان بھی تھا۔ ہماری ضروریات کے بارے میں چند اہم سوال کرنے کے بعد اس نے ایک ضخیم رجسٹر کھولا اور اس کی ورق گردانی میں مصروف ہوگیا۔
دفتر ائرکنڈیشنڈ تھا۔ میں نے تمباکو نوشی کی ممانعت کا کوئی اسٹکر دیکھنے کے لیے سر اٹھایا تو کئی افراد سگریٹ نوشی میں مصروف نظر آئے اور میں نے بھی بے تکلفی سے سگریٹ سلگالی۔
رجسٹر کی ورق گردانی میں مصروف نوجوان نے چونک کر میری طرف دیکھا اور اپنی میز کی دراز سے ایش ٹرے نکال کر میرے سامنے رکھ دی۔ ورق پلٹتے وقت وہ کہیں کہیں رک کر مایوسانہ انداز میں سرہلاتا اور آگے بڑھتا جارہا تھا۔ اس کے انہماک کا دورانیہ طویل ہونے لگا تو میں نے اسے ٹوک دیا۔
”اگر فی الحال کوئی مکان دستیاب نہیں تو میں بعد میں فون کرلوں گا۔ میری فیملی باہر موجود ہے۔“
”اوہ!“ وہ خوشامدانہ انداز میں ہنسا ”باہر گرمی ہے۔ فیملی کو بھی اندر بلالیں۔ دراصل فلیٹ اور مکان تو بہت سے ہیں۔ میں آپ کے معیار کا کوئی عمدہ سنگل یونٹ دیکھ رہا ہوں۔“
میں دل ہی دل میں اس کی چرب زبانی پر ہنسا۔ میں نے کسی معیار کا مطالبہ کیے بغیر اس سے تین کمروں کے کسی فرنشڈ مکان کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں نے کہا ”میرے پاس وقت کم ہے....“
”یہ لیجیے!“ اس نے رجسٹر اپنی گود سے اٹھا کر میز پر رکھ دیا ”اتفاق سے یہ دو مکان مل گئے۔“
اس نے رجسٹر میں لکھی ہوئی تفصیل پڑھ کر دہرانی شروع کردی۔
میری توجہ سہولتوں سے زیادہ علاقے پر مرکوز تھی۔ ہمیں سر چھپانے کے لیے ایک ایسی جگہ درکار تھی جو محفوظ اور پُرسکون علاقے میں واقع ہو۔ وہاں سونے کے لیے چند بستر اور روز مرہ ضرورتوں کے لیے چند بنیادی اشیا موجود ہوں۔
میں پہلے بھی مکان کی تلاش کے صبر آزما مراحل سے گزر چکا تھا اور مجھے اندازہ تھا کہ زیادہ چھان بین کی صورت میں وقت کی بربادی اور زحمت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کہیں کرائے دار کو مکان پسند نہیں آتا، اسے مکان پسند آتا ہے تو مالک مکان کو کرائے دار پسند نہیں آتا۔
اس ایجنسی میں بھی اچھی بات یہ تھی کہ اس لڑکے نے صرف میری مطلوبہ ضروریات دریافت کی تھیں، میرے ماضی کو کریدنے کی

کوشش نہیں کی تھی۔ اسٹیٹ ایجنٹ کو معاوضے کے طور پر ایک ماہ کا کرایہ دینے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ مالکِ مکان کے بہت سے ناپسندیدہ سوالات کو ایجنٹ خود سنبھال لیتا ہے۔ کرائے دار کو اپنے پیشے، مکان کی تبدیلی کے اسباب اور ایسے دوسرے نکات کی وضاحت نہیں کرنی پڑتی۔

ان میں سے تین خواب گاہوں کا ایک مکان نیشنل اسٹیڈیم کے عقب میں واقع تھا۔ وہ صاف ستھرا علاقہ میرا دیکھا ہوا تھا۔ میں نے دوسرے مکان کو مسترد کر کے اس پر انگلی رکھ دی۔

نوجوان ایجنٹ نے موٹر سائیکل پر ہماری رہنمائی کا فریضہ سر انجام دیا۔ تھوڑی دیر کے سفر کے بعد ہم مطلوبہ مکان کے سامنے موجود تھے۔ گاڑی سے اترنے سے پہلے ہی سب نے میری پسند کی توثیق کر دی۔

مکان میں موجود قالین، پردے، صوفے اور مسہریاں وغیرہ نئی نہیں تھی مگر بہت بوسیدہ بھی نہیں تھیں۔ ہماری پسندیدگی بھانپ کر ایجنٹ کھلا پڑ رہا تھا اور اس مکان کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔

اس نے مروجہ شرائط کے ساتھ مکان کا کرایہ بتایا۔ ویرا کو گلشن تو کیا کراچی کے کسی بھی علاقے کے کرایوں کا اندازہ نہیں تھا مگر وہ ایک عورت تھی۔ مول تول کرنا اس کا پیدائشی حق تھا۔ اس نے ہم سے انگریزی میں باتیں کرتے کرتے شستہ اردو میں کرایہ زیادہ ہونے کی شکایت کی تو ایجنٹ بھونچکا رہ گیا۔

اس نے گرامر کی ہر پابندی سے آزاد، ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں ایک مرتبہ پھر مکان کی تعریفیں کیں۔ ویرا نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر "ٹو مچ" کے دو لفظ کہے اور ایجنٹ کا دل فوراً پسیج گیا۔

اس نے علاقے میں اونچے کرایوں کا رواج جتاتے ہوئے خاص ویرا کے لیے یک لخت کرائے میں دو ہزار کی کمی کر دی۔ میں حیرت سے ویرا کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

بعد میں پتا چلا کہ چھ سو گز کے رقبے پر بنا ہوا، لاکھوں کی مالیت کا وہ مکان، اسلام آباد میں متعین سولہویں گریڈ کے ایک نان گزیٹڈ افسر کی ملکیت تھا۔ کرائے داری کے جملہ اختیارات کے ساتھ اس نے مکان کی چابیاں اسٹیٹ ایجنسی کے مالک کو سونپی ہوئی تھیں جو اس کا گہرا دوست تھا۔

اس لڑکے نے اپنے مالک کے سامنے کارکردگی دکھانے کے لیے شاید مقررہ کرائے میں دو ہزار کا اضافہ کر دیا تھا جو ویرا کے اکلوتے اعتراض پر واپس لے کر اس نے ہم پر احسان کیا تھا۔

سودا مکان کی خریداری کا ہو یا کرائے داری کا، درمیانی آدمی جہاں بھی موجود ہوتا ہے دونوں فریقوں کو متعدد زحمتوں سے بچانے کے ساتھ ساتھ سودے کی مالیت میں بھرپور اضافے کے لیے کوشاں رہتا ہے تاکہ اس کے کمیشن میں کچھ اضافہ ہو سکے۔ ہمارے معاملے میں اس لڑکے یا اس کے مالک کو ہم سے صرف دو ہزار روپے زیادہ ملتے لیکن اس کی کارگزاری کے نتیجے میں ہمیں ایک لمبی مدت کے لیے دو ہزار روپے ماہانہ کا خسارہ اٹھانا پڑتا۔

اس وقت تک ہمیں ایک خطیر مالی وسیلہ میسر تھا جو گن بوٹ کی فروخت کے نتیجے میں ہمیں ہاتھ لگا تھا۔ اس رقم کا ایک بڑا حصہ ڈالروں کی صورت میں سلمٰی کے پاس بطور امانت محفوظ تھا۔ یہ ہماری خوش نصیبی اور ہمارے ملک کی بدنصیبی تھی کہ روپے کی قدر میں کمی کے ساتھ ہمارے ذاتی خزانے کی مالیت میں کئی بار اضافہ ہو چکا تھا۔

آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو ایک روز قارون کا خزانہ بھی خالی ہو جاتا ہے۔ میں نے جب سے یہ ضرب المثل سنی تھی، لاشعوری طور پر اخراجات کے سلسلے میں تھوڑا سا محتاط ہو گیا تھا۔ اس پس منظر میں دو ہزار ماہانہ کی بچت کے لیے ویرا کی کوشش مجھے پسند آئی تھی۔

وہ مہینے کی آخری تاریخیں تھیں۔ لڑکے نے ہمیں اگلے مہینے کے آغاز سے کرائے داری کے معاہدے کے آغاز کی دعوت دی جو میں نے قبول کر لی۔ اسے اگلے روز کاغذات کی تیاری کی ہدایت دے کر میں نے وہیں پانچ ہزار روپے نقد تھمائے، اس کے بزنس کارڈ کی پشت پر اس سے رسید لکھوائی اور ہم وہیں سے واپس روانہ ہو گئے۔

"بس اتنی سی بات تھی جس کے لیے تم نے تکرار شروع کی تھی۔" واپسی کے سفر میں ویرا نے کہا۔

"تم خوش قسمت ہو کہ یوں لاوارث مکان مل گیا۔ کرائے پر گھر لینا آسان نہیں ہے۔ دھکے کھا کھا کر طبیعت صاف ہو جاتی ہے۔" سلطان شاہ نے بتایا۔

"یہ قدموں کی برکت بھی ہوتی ہے۔ تم اکیلے آئے ہوتے تو شاید وہی ہوتا جو تم کہہ رہے ہو۔"

"مجھے یہ پُر فضا اور شور و غل سے محفوظ علاقہ پسند آیا ہے۔" غزالہ نے مسرت سے کہا "کیا ہم یہ مکان خرید نہیں سکتے؟"

"دس دفعہ خرید سکتے ہیں مگر یہ ہمارے گلے پڑ جائے گا۔" میں نے موڑ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں؟" میری بات غزالہ کی سمجھ میں نہیں آسکی "کراچی میں جائداد سے بہتر سرمایہ کاری شاید کوئی اور نہیں ہے۔ اس کے دام بڑھتے ہی رہتے ہیں۔"

"تمہاری بات درست ہے مگر ہمارے حالات ابھی ایسی سرمایہ کاری کے لیے سازگار نہیں ہیں۔ یہ گھر کسی دشمن کی نظروں میں آگیا تو کیا ہوگا.... گھر کرائے کا ہو تو ہر وقت ٹھکانا بدلنے کی آزادی میسر رہتی ہے ورنہ آدمی ایک کھونٹے سے بندھ کر رہ جاتا ہے۔"

"ڈینی کا معنی خیز مشورہ سن رہے ہو نا؟" ویرا نے سلطان شاہ کا شانہ ہلا کے پوچھا "یہ بات گھر کے ساتھ عورت پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ آدمی شادی کر لے تو زندگی بھر کے لیے اسی کھونٹے سے بندھا رہ جاتا ہے۔ شادی سے پہلے یہ گُر بہت کم لوگوں کو معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھے تمہاری آزادی پر حیرت ہوتی ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی بات اسی پر لوٹا دی "ہمارے یہاں مرد اتنے آزاد نہیں ہوتے جتنی تم ہو۔ اب تمہیں اپنا گھر بسا ہی لینا چاہیے۔"

ویرا کب چوکنے والی تھی۔ فوراً ہی بول پڑی "تم راضی ہو جاؤ تو یہ کام ابھی راستے میں کیے لیتے ہیں۔"

سلطان شاہ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور اس نے مضبوطی سے اپنے ہونٹ بھینچ کر سر جھکا لیا۔ ویرا کی بے باکی اسے یوں ہی چپ کر دیتی تھی۔ غزالہ اس مذاق پر دل کھول کر ہنسی تھی۔

راستے میں محمد علی ہاؤسنگ سوسائٹی کے ایک مشہور فاسٹ فوڈ ریستوران سے لنچ کرتے ہوئے ہم اسٹیشن فور کے لیے روانہ ہوگئے۔ اس دوران میں مجھے بھول کر بھی یہ اندیشہ لاحق نہیں ہوا تھا کہ کوئی مجھے پہچان لے گا اور شاید ویرا بھی ایسی ہر تشویش سے آزاد تھی۔

حالات خواہ کیسے ہی ہوں، انسان ان کا اثر اپنے موڈ اور مزاج کے مطابق لیتا ہے۔ خوف اور قنوطیت طاری ہو تو ذرا سا خطرہ بھی مہلک محسوس ہونے لگتا ہے۔ لااُبالی پن اور خوشی کا موڈ ہو تو انسان جان کے حقیقی خطرے کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔

شاید اول خان نے کیمپ کی چیک پوسٹ کو ہمارے بارے میں ہدایات دی ہوئی تھیں۔ ہم گاڑی سے اتر کر اندر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اول خان آپہنچا۔

"تم لوگ بتائے بغیر کہاں نکل گئے تھے؟" اس نے آتے ہی خشک لہجے میں پوچھا۔ اس کی کشادہ پیشانی پر کئی بل پڑے ہوئے تھے۔

"چھاؤنی کی ڈرائیو پر نکلے تھے مگر باتوں ہی باتوں میں آگے نکلتے چلے گئے۔" ویرا نے سب کی ترجمانی کا فرض اپنے ذمے لے کر جواب دیا "گلشن اقبال ہو کر آئے ہیں۔"

"جانے سے پہلے انٹر کام پر مجھے اطلاع تو دے سکتی تھیں۔ اتنی دیر ہو جانے کی وجہ سے میں فکر مند ہونے لگا تھا۔" اس نے ناگواری سے کہا "آج کل کے حالات میں تمہیں اور ڈینی کو تو شہر کا رخ ہی نہیں کرنا چاہیے۔"

"سوری! مجھ سے غلطی ہوئی مگر یہ ذمے داری ڈینی کی تھی۔ اسے ہم نے اپنا بڑا بنایا ہوا ہے تو اسے تم کو اطلاع دے دینی چاہیے تھی یا پھر اتنی لمبی ڈرائیو پر نہیں جانا چاہیے تھا۔"

"میں ہی نہیں، میرا اسٹاف بھی پریشان تھا۔ مجھے گیٹ سے چیک پوسٹ والوں نے ڈیڑھ گھنٹے بعد بتایا کہ تم سب باہر نکلے ہوئے ہو اور واپس نہیں آئے۔"

"میری معذرت کے بعد یہ ذکر ختم ہو جانا چاہیے۔" ویرا نے اسے مغربی دتیرہ یاد دلایا۔

میں نے محسوس کیا کہ ویرا اسے باتوں میں الجھا کر مکان کی تلاش کا قصہ گول کرنے کے چکر میں تھی۔ اول خان کو بعد میں اس واقعے کا علم ہوتا تو وہ ہم سب سے ناراض ہو سکتا تھا۔ ویسے بھی ہم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں چھپاتے تھے۔ میں نے گلا صاف کر کے دھیرے سے کہا "دراصل ایک بحث شروع ہو گئی تھی۔"

"نہیں ڈینی! یہ کوئی جواز نہیں ہے۔ تم بہت ذمے دار آدمی ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟"

"دونوں عورتوں کا خیال تھا کہ کرائے کا مکان ملنا بہت آسان ہے۔ میں انہیں دکھانا چاہتا تھا کہ مطلب کا گھر ڈھونڈنا بچوں کا کھیل نہیں ہے...."

"اور اس بحث میں تمہیں واپسی کا خیال نہیں رہا۔" اول خان نے خفگی سے میری بات کاٹ دی "میں مانتا ہوں کہ عورتیں یہاں کی سخت زندگی سے بے زار ہیں۔ انہیں چارپائیوں پر سونا پڑ رہا ہے۔ باتھ روم کمروں سے دور ہیں۔ شب و روز میں اکتاہٹ کی حد تک یکسانیت ہے۔ یہ دونوں ایسی بے کیف اور روکھی پھیکی زندگی کی عادی نہیں ہیں مگر تمہاری عقل کو کیا ہو گیا تھا؟"

اول خان کے آخری سوال پر ویرا کی ہنسی چھوٹ گئی اور وہ بے ساختہ دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی۔ غزالہ نے بہت مشکل سے اپنی ہنسی روکی ہوئی تھی۔

"کیا.... یہ کیا ہو رہا ہے؟" اول خان نے فضا میں اپنے دونوں

ہاتھ گھما کے غصے سے کہا "کیا میں نے کوئی لطیفہ سنایا تھا جو ویرا یوں ہنستی ہوئی بھاگی ہے۔"

"آرام سے بیٹھو!" میں نے اس کا بازو کھینچتے ہوئے کہا "غصے سے اس وقت تمہارا چہرہ چقندر ہو رہا ہے۔ آئینہ دیکھ لو تو تم خود قہقہہ لگانے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

وہ بازو چھڑانے کی کوشش کرتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا "تم ضرور کوئی بات مجھ سے چھپا رہے ہو۔ سچ سچ بتاؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔"

"میں وہی بتا رہا تھا لیکن تم مجھے بولنے کا موقع نہیں دے رہے۔ ہماری بحث...."

"مجھے بحث میں الجھانے کی کوشش مت کرو۔ سیدھی طرح اصل بات بتاؤ!"

"یہ اصل بات ہی ہے۔ ہمیں کرائے کا مکان مل گیا۔" کوئی تمہید باندھنے کے بجائے میں نے اس کی بار بار کی قطع کلامی پر جھلا کر بات نہایت مختصر کر دی۔

"ہائیں....؟ مکان مل گیا؟" حیرت سے اس کا منہ کھلا اور پھر کھلا ہی رہ گیا۔

"ہاں!" میں نے تیزی سے کہا "میں ان کا دماغ درست کرنے کے لیے ایک اسٹیٹ ایجنسی پر لے گیا اور اتفاق سے پہلا مکان ہی سب کو پسند آ گیا۔ ہم ایڈوانس دے آئے ہیں۔"

"اوہ! تو تم اتنی دیر سے یہ بات بتانی چاہ رہے تھے۔" اس کے اعصاب ایک دم نرم پڑ گئے۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ بھاری آواز میں بولا "آئی ایم سوری' ڈینی! میرا خیال تھا کہ تم چاروں کو یہاں روکے رکھ کر میں تمہارے ساتھ بھلائی کر رہا ہوں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں نے تم سب کو بے زاری کی ایسی سرحدوں پر پہنچا دیا ہے کہ تم مجھ سے چوری چوری مکان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوگے۔"

اس کا غصہ اداسی میں ڈھلتے ہی میرا دل شیر ہو گیا اور میں نے بے خوفی سے کہا "تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ مکان کے بندوبست کا غلغلہ تمہارے سامنے بھی اٹھ چکا ہے۔"

"باتیں ہوتی تھیں۔" اس نے مجروح اور مضمحل لہجے میں اقرار کیا "مگر میں نے کبھی بھی مسئلے کی شدت کا اندازہ نہیں لگایا تھا۔ تم سب نے یہاں واقعی بہت کڑا وقت گزارا ہے۔"

"اب احمقانہ باتیں مت کرو۔" میں نے شفقت سے اسے ڈانٹا "ہماری دشواریاں اتنی نہیں تھیں۔ سب کو یہ احساس تھا کہ ہماری وجہ سے تم گھن چکر بن کر رہ گئے ہو۔ ہماری فکر میں تمہارے کام کا ہرج ہوتا ہے' تمہارے بیوی بچے پشاور میں پڑے ہوئے ہیں اور تم ہماری وجہ سے زبردستی کی تنہائی جھیل رہے ہو۔ تمہاری غیر حاضری میں ہم یہ باتیں کرتے رہتے تھے۔"

غزالہ نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور میں خود بھی اپنی

نظام الاوقات

افواج کے تمام شعبوں میں بھرتی ہو رہی تھی۔ گراؤنڈ میں گھنٹا گھر کے سامنے امیدوار جمع تھے۔ کمانڈنٹ آفیسر کہنے لگا "میں تم لوگوں کو چند بنیادی باتیں بتانا چاہتا ہوں لیکن کسی گروپ کا دوسرے گروپ سے زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ جو نوجوان آرمی کے خواہش مند ہیں انہیں دو گھنٹے میں فارغ کر دوں گا۔ ائرفورس میں جانے والوں کو چودہ بجے' نیوی والوں کو اس وقت جب چھوٹی سوئی دو پر اور بڑی سوئی بارہ پر ہوگی اور میرین کے خواہش مندوں کو ٹھیک اس وقت جب گھڑیال دوبار گھنٹا بجائے گا۔"

حیلہ جوئیوں پر متعجب رہ گیا۔ اس بارے میں کوئی بات نہ ہونے کے باوجود مجھے ہر وقت خاصے مضبوط بہانے سوجھ رہے تھے۔

"تمہیں ہمیشہ یہاں نہیں رہنا تھا۔ ایک نہ ایک دن جانا ہی تھا۔ اچھا ہوا کہ تم سب نے اپنی پسند کا گھر ڈھونڈ لیا۔ بس مجھے عمر بھر یہ قلق رہے گا کہ اس انتخاب میں میں تمہارے ساتھ شامل نہیں تھا۔" پوری صورتِ حال واضح ہونے کے ساتھ ساتھ اول خان کی اداسی گہری ہوتی جا رہی تھی۔

"تم پھر بے وقوفی کی بات کر رہے ہو۔ میں کہہ رہا ہوں کہ یہ بندوبست مذاق مذاق میں ہوا ہے۔ ویسے بھی کلفٹن والا فلیٹ میں نے خود ڈھونڈا تھا۔ اس وقت تمہیں یہ بات بری نہیں لگی تھی۔" میں نے اس کے سر پر سوار ہو کر ملامت کی۔

"اس وقت تم میرے مہمان نہیں تھے۔ آج تم میرے مہمان تھے۔" اس کی اداسی دور نہ ہو سکی۔

"ٹھیک ہے۔ ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ ابھی ہم نے صرف پانچ ہزار دیے ہیں۔ ہم عمر بھر یہیں رہیں گے۔ ہم مر جائیں تو تم اسی میدان میں ہماری قبریں بنا کر ان کے مجاور بن جانا۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ تمہاری خوشی ہمیں اپنے ہر آرام بلکہ جانوں سے زیادہ عزیز ہے۔"

وہ جذباتی آدمی تھا۔ میرے اس جذباتی وار کو نہ سہہ سکا۔ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اچانک کرسی سے اٹھا اور والہانہ انداز میں مجھے اپنے سینے سے لپٹا لیا۔

"اللہ تمہیں لمبی عمر دے اور مجھے تمہارے لئے [illegible] نصیب کرے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں دعا گو تھا "میں تمہارا بدخواہ نہیں ہوں۔ تم جب چاہو گے' میں خود تمہیں نئے گھر میں پہنچاؤں گا۔"

وہ بہت کٹھن اور نازک مرحلہ تھا جو اپنی تمام تر جذباتیت کے باوجود میری دانست میں آرام سے گزر گیا۔ میں نے اس کی پشت پر چند زوردار تھپکیاں دیں اور طبیعت کا ابال ختم ہونے پر وہ چند لمحوں بعد دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی دونوں آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔

غزالہ جو ذرا سی دیر پہلے اس کی باتوں پر اپنی ہنسی روک رہی تھی، اس منظر کی تاب نہ لاسکی اور دوپٹے میں منہ چھپا کر خاموشی سے کمرے سے باہر چلی گئی۔

"آئندہ اپنے مرنے کی بات منہ سے نہ نکالنا" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے روٹھے روٹھے انداز میں بولا "میرا کلیجہ چھلنی ہو جاتا ہے۔ یہ تمہارے دشمنوں کی بددعائیں ہیں، انہیں اپنی آرزو مت بنایا کرو۔"

"تم بھی اکھڑی اکھڑی باتیں نہ کیا کرو۔ دنیا سے کٹ کر ہم چند ہی تو ایک دوسرے کے ہمدرد رہ گئے ہیں۔ ہم نے آپس میں ایک دوسرے سے لڑنا شروع کردیا تو ہمیں کون پناہ دے گا۔ باہر کی دنیا میں ہر طرف ہمارے دشمن ہی دشمن پھیلے ہوئے ہیں جن کی ایک نشانی تمہارے گارڈ روم میں بند ہے۔"

میری زبان سے موسیٰ کا حوالہ سنتے ہی وہ جیسے ہڑبڑا کر ہوش میں آتے ہوئے بولا "رستم بہت پہنچ والا آدمی ہے۔ پولیس نے بہت اعلیٰ سطح پر یہ چھان بین شروع کردی ہے کہ پچھلی رات کینٹ اسٹیشن کے قریب کس ایجنسی نے کارروائی کی تھی۔ میں نے انہیں کورا جواب دے دیا ہے۔"

"پولیس والے اتنے بااختیار کیسے ہوگئے کہ ایجنسیوں کے خلاف تحقیقات کرسکیں؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"وہ یہ جرات نہیں کرسکتے۔ انہوں نے اسے رسمی چھان بین اور معلومات کے باہمی تبادلے کا نام دیا ہے" کام کی باتیں شروع ہوتے ہی اول خان تیزی سے نارمل ہوتا جارہا تھا۔

"معلومات کے اس تبادلے سے وہ کیا نتائج حاصل کرنا چاہ رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کسی نامعلوم آدمی نے ایک ہوائی فائر کیا اور غائب ہوگیا۔ کوئی زخمی ہوا نہ کسی اور واردات کا کوئی گواہ ملا۔ یہ ایک عام سا واقعہ تھا۔ ایسے واقعات پر پولیس ایسی سرگرمی نہیں دکھاتی۔ ابھی تک کسی نے موسیٰ کی گمشدگی کی ایف آئی آر بھی درج نہیں کروائی۔ یہ چھان بین رستم کے لاڈلے کر رہے ہیں۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ موسیٰ اس وقت کس کی تحویل میں ہوسکتا ہے۔"

"رستم کے ہاتھ واقعی لمبے ہیں۔ جب ہی وہ شہر میں اپنی سنڈیکیٹ چلا رہا ہے۔"

"بہت اچھا ہوا کہ موسیٰ کو تم تینوں نے اٹھایا تھا۔ میرے آدمی یہ کام کرتے تو اسے کمرے سے اٹھا کر لاتے۔ ان کی کارروائی کا کوئی ریکارڈ نہ ہونے کے باوجود پولیس کو ہوٹل کے عملے سے پتا چل جاتا کہ موسیٰ کو لے جانے والے سادے کپڑوں میں دیدہ دلیری سے آئے تھے۔ میں انکار نہیں کرسکتا تھا۔"

"ان حالات میں تم موسیٰ کو کب تک اپنی قید میں رکھ سکو گے؟"

"وہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس کی پوری ہسٹری شیٹ میرے سامنے ہے۔ وہ کم از کم تین مردوں اور ایک عورت کا قاتل ہے۔ اگر قانون اسے سزا نہیں دے سکا تو ہمیں کچھ سوچنا ہوگا۔ اسے زندہ چھوڑا گیا تو کرنل جمال دستی کا نام ایک مرتبہ پھر ہر افسر کی توجہ کا مرکز بن جائے گا۔"

"کرنل بے چارہ تو اس وقت اومان کے کسی ہوٹل میں نوکری پر چڑھ چکا ہوگا" میں نے ہنس کر کہا۔

"ہر ایک کو یہی باور کرایا جانا چاہیے تاکہ یہاں تمہاری تلاش کی مہم زیادہ زور نہ پکڑ سکے" اس نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

موسیٰ کے لیے بدترین بات یہی تھی کہ وہ کرنل جمال دستی کے نام سے ہی واقف نہیں تھا بلکہ تین مرتبہ مجھے دیکھ بھی چکا تھا۔ اس سے میرا پہلا سامنا کلب کے لان پر ہوا تھا۔ دوبارہ میں نے اس کے سامنے آکر اسے بسیرا جانے سے روکا اور تیسری بار اسٹیشن فور کے گارڈ روم میں اس سے پوچھ گچھ کے لیے مجھے اس کے سامنے جانا پڑا۔ وہ اپنی جان بخشی کے لیے ہم سے جتنے بھی وعدے کرلیتا۔ اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا تھا۔

رستم ایرانی ایک خطرناک سفید پوش بدمعاش تھا۔ وہ یہ برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ اس کا کوئی آدمی اس کے حکم سے سرتابی کرے۔ جب تک موسیٰ ہماری خفیہ تحویل میں تھا، رستم کو پوری شدومد سے اس کی تلاش تھی۔ ایک مرتبہ وہ آزاد ہوجاتا تو رستم ہر قیمت پر یہ جاننا چاہتا کہ موسیٰ نے مقررہ وقت پر بسیرا نہ پہنچ کر اس کی حکم عدولی کیوں کی۔

موسیٰ کے لیے اپنے باس کا دباؤ ناقابل برداشت ثابت ہوتا اور وہ ہم سے کئے ہوئے ہر وعدے کو فراموش کرکے پوری کہانی اس کے سامنے اگل دیتا۔ رستم کے ذریعے وہ قصہ میجر بخشی تک پہنچتا تو اس کا یہ شبہ یقین میں بدل جاتا کہ کرنل جمال دستی ڈیبی ہی کا دوسرا روپ ہے۔

وہ میرے لیے خطرناک موڑ ہوتا کیونکہ اوبرائن ڈی ہنٹ نے کرنل جمال دستی کے روپ میں میرے فنگر پرنٹس حاصل کئے ہوئے تھے جو امریکی ریکارڈ کا ایک حصہ بن چکے تھے۔ میرے اصل روپ اور بہروپ کا ابہام یقین میں بدلتے ہی میرے لیے خطرات اور اندیشوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوسکتا تھا جس سے بچنے کے لیے موسیٰ جیسے ہسٹری شیٹر اور قاتل کی بھینٹ دینے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔

اس بارے میں میری تائید حاصل کرنے کے بعد اول خان اپنے دفتر واپس چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی ویرا اپنے کمرے سے لوٹ آئی اور بولی۔

''مکان کا بندوبست کرنے میں اول خان کو نظرانداز کرکے ہم نے سنگین غلطی کی تھی۔ اس کا سامنا ہوتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ اس تذکرے پر بھڑک اٹھے گا۔ میں وہ قصہ سرے سے گول کرنا چاہ رہی تھی۔''

''مگر اس میں قہقہہ لگانے والی کیا بات تھی؟'' میں نے ناخوشگواری سے پوچھا۔

''کم از کم میرے لیے وہ سچویشن ایسی ہی ہوگئی تھی۔ تم نے پوری بات بتانے کے لیے خلوص سے تمہید باندھی اور وہ تم پر ہی چڑھ دوڑا۔''

''وہ بہت بگڑ گیا تھا۔ تمہاری ہنسی نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔''

''غزالہ نے مجھے سب بتادیا ہے'' وہ پھر ہنس پڑی ''تم نے بہت خوب صورتی سے بات سنبھال کر اسے اعتماد میں لیا ہے۔ کم از کم میرے ذہن پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔''

''وہ بہت مخلص انسان ہے۔ اس سے پے در پے جھوٹ بولتے ہوئے میرا دل مجھے ملامت کررہا تھا۔''

''جھوٹ کا سہارا لیے بغیر اسے رام کرنا ممکن نہیں تھا۔ انجام بخیر ہو تو ہر بات جائز ہوجاتی ہے۔ تم نے جھوٹ بول کر اول خان کی دل جوئی کی ہے۔ یہ جھوٹ قابلِ ملامت نہیں' قابلِ احترام تھے۔ غزالہ نے تمہاری زبردست قلابازیوں کے بارے میں مجھے ہر بات بتادی ہے۔''

اس روز میں اپنے ذہن کو بہت ہلکا محسوس کررہا تھا۔ میں نے اول خان سے جو باتیں کہیں، وہ ہمارے درمیان نہیں ہوئی تھیں لیکن میرے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں ضرور اٹکی ہوئی تھیں۔ غبار صاف ہوجانے کے بعد سب کے ذہن خوب کام کررہے تھے۔

شام کو اول خان آیا تو اس کا موڈ بہت بہتر ہوچکا تھا۔ ٹھنڈے دل سے صورتِ حال پر غور کرنے کے بعد شاید اس نے اس حقیقت کو قبول کرلیا تھا کہ جو کچھ ہورہا تھا وہ ہمارے فطری تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ لمبے عرصے تک ہم سب کا یک جا رہنا ایک مثالی خواب تو ہوسکتا تھا لیکن عملی طور پر یہ ممکن نہیں تھا۔

اس کے آدمیوں نے پنڈت منوہر لال اور موہنی پنڈت کے بارے میں خاصی محنت کی تھی۔

پنڈت اور اس کی بیٹی کی نجی زندگیاں بہت گندی اور گھناؤنی تھیں۔ وہ باتیں مجھے موسیٰ سے بھی معلوم ہوچکی تھیں۔ ایس ٹی ایف والوں نے اپنی چھان بین میں ان واقعات کو زیادہ گہرائی تک کریدا تھا۔ یہ بات ہر شک وشبہے سے بالا تھی کہ پنڈت کو اپنی اکلوتی اور خوب صورتی بیٹی سے والہانہ محبت تھی۔ شاید دس سال پہلے بیوی کی رفاقت سے دائمی محرومی سے بیٹی کے لیے اس کی محبت گہری ہوگئی تھی۔

اعتدال انسان کی زندگی کا سب سے سنہرا اور کامیاب اصول ہے۔ اعتدال برقرار نہ رہے تو انسان کو اذیت ناک تجربات کے لیے جہنم کے سفر کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یہی جیتی جاگتی دنیا اس کے لیے جہنم کا نمونہ پیش کرنے لگتی ہے مگر بیٹی کے لیے پنڈت کی پدرانہ محبت میں بے اعتدالی نے ان دونوں میں سے کسی کے لیے کوئی پریشانی پیدا نہیں کی تھی۔ وہ اپنی اپنی جگہ بہت خوش تھے۔

پنڈت رنگین مزاج آدمی تھا۔ اس نے موہنی کے لیے حد سے بڑھی ہوئی محبت میں اسے وہ بے مہار آزادیاں دی ہوئی تھیں جن سے وہ خود فیض یاب ہوتا رہتا تھا۔ دونوں ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کی سرگرمیوں سے دانستہ چشم پوشی کرتے تھے لیکن ان کی صحبتوں سے لطف اندوز ہونے والے بھی خود احتسابی کے نادر لمحات میں پنڈت اور موہنی کو عبرت کا مرقع قرار دیتے تھے۔

ان کے پاس شرم' حیا' عزت اور ساکھ کا کوئی روایتی تصور نہیں تھا۔ رنگا رنگ لوگوں کے ہجوم میں سرمستی کی زندگی بسر کرنا ان کا مشن تھا اور وہ اس میں کامیاب تھے۔ ان کے دوست اور احباب ان کے منہ پر ان کی دریا دلی' احباب نوازی اور آزاد روی کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے۔ پیٹھ پیچھے وہ جو بھی کہتے ہوں' انہیں اس کی پروا نہیں تھی۔

پنڈت بہت سی شہری اور دیہی جائدادوں کا مالک تھا جن کے کرایوں سے ہونے والی خطیر آمدنی کے بعد اسے کسی کام کاج کی ضرورت نہیں تھی مگر وہ پھر بھی کاروباری لین دین کے ذریعے دونوں ہاتھوں سے دولت بٹور کر اسے اپنی من پسند رنگینیوں پر لٹاتا رہتا تھا۔

وہ کاروبار کے بجائے صرف کاروباری لین دین کرتا تھا کیونکہ شہر کے تجارت پیشہ گھرانوں میں تعلیم کا رجحان کم تھا۔ بچے کو ہوش سنبھالتے ہی موروثی کاروبار میں لگادیا جاتا تھا۔ دوسرے کاروباری وہ تھے جو تعلیم کے میدان میں منہ کے بل گرنے کے بعد کوئی نہ کوئی دھندا جمانے میں کامیاب ہوجاتے تھے۔

اس بھیڑ میں پڑھے لکھے کہلانے والے بھی پائے جاتے تھے لیکن ان کی تعلیم بس تعلیمی سند پر لکھی ہوتی تھی۔ عملی طور پر کوئی سند ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ کاروبار میں اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی۔ وہ انکم ٹیکس اور دوسرے سرکاری چکروں کی وجہ سے بینکوں سے لین دین کرنے سے گھبراتے تھے اور بھاری ماہانہ شرحوں پر کھلی منڈی کے مہاجنوں سے بڑی رقمیں لینے کو ترجیح دیتے تھے۔

سوجھ بوجھ رکھنے والے تاجر ایسے مہاجنوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور حقارت سے انہیں سود خور قرار دے کر بینکوں سے کاروبار کو ترجیح دیتے ہیں مگر دوسروں کے لیے پنڈت منوہر لال جیسے لوگ ایک بڑا سہارا تھے۔ بینک کی پندرہ بیس فیصد سالانہ شرح

کے مقابلے میں وہ اپنی دی ہوئی رقموں پر تین چار فیصد ماہانہ سود ضرور لیتے تھے لیکن وہ زبانی لین دین ہوتا تھا جس میں کسی رسید یا کھاتے کا دخل نہیں تھا۔

پنڈت نے اپنی کئی جائدادیں گروی رکھ کر بینکوں سے بڑی بڑی رقمیں کم شرح پر ادھار لی ہوئی تھیں اور بازار میں وہی رقمیں تین گنا سے بھی زائد شرحوں پر سود میں چلا کر بھاری نفع کمارہا تھا۔

جب آمدنی ایسی بے حساب ہو، شوق بے لگام ہوں، مصروفیات رنگین ہوں اور ضمیر سویا ہوا ہو تو وہی ہوتا ہے جو پنڈت کر رہا تھا۔

باپ اپنی بیٹی کے ساتھ مل کر اندھی آمدنی کو ہوس اور خواہشات کے اندھے کنویں میں ڈبو رہا تھا۔ وہ خود خوش تھا، اس سے ملنے والیاں خوش تھیں اور موہنی سے ملنے والے بھی خوش تھے۔

وہ پنڈت منوہر لال کی زندگی کے ایسے پہلو تھے جو بہت سے لوگوں کے علم میں تھے۔ اس کی خفیہ سرگرمیاں جو ہر ایک کی نظروں سے اوجھل تھیں، زیادہ تشویش ناک تھیں۔

دھن راج موہنی کا منظورِ نظر ہونے کے ساتھ پنڈت کا بھی چہیتا تھا۔ دھن راج کی طرح پنڈت بھی اہم اور اعلیٰ عہدوں پر مامور افسران سے گہری دوستیاں رکھتا تھا۔ انہیں اپنی محدود دعوتوں میں بلاکر شراب وشباب سے ان کی مہمان نوازی کرتا تھا، ان مدارات کے صلے میں وہ ان سے کیا حاصل کرتا تھا، یہ کسی کے علم میں نہیں تھا۔ یہ سراغ لگانے کے لیے وقت درکار تھا۔

"وہ خطرناک آدمی ہے" میں نے اول خان کی زبانی وہ ساری باتیں سننے کے بعد رائے دی "اس نے ظاہری طور پر بلے بوائے کا روپ دھارا ہوا ہے مگر اندر ہی اندر کوئی اور گل کھلا رہا ہے۔"

"گل ضرور کھلا رہا ہے۔ ہفتے میں ایک رات وہ چند گھنٹوں کے لیے بسیرا ضرور جاتا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ رستم جیسے جرائم پیشہ شخص سے اس کا کیا مفاد وابستہ ہے جو رات گئے اسے خود گاڑی چلا کر بسیرا جانے پر مجبور کردیتا ہے؟ میرے آدمی اس پر کام کررہے ہیں۔"

"کیا وہ ہمیشہ رات گئے ہی رستم کے پاس جاتا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"فی الحال یہی معلوم ہوا ہے۔ ایک دو روز میں سب واضح ہوجائے گا۔"

"بے فکری کی زندگی گزارنے والا شخص ایسے پراسرار رابطے کیوں رکھتا ہے؟ سرکاری افسر، سفارت کار اور مجرم، یہ سب ہی اس کے دوست ہیں۔ ان کی درمیانی کڑی وہ خود ہے۔"

"ہمیں موسیٰ کی بات پر غور کرنا ہوگا" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ اس نے موساد کے ایجنٹوں سے پنڈت کے میل جول کی کہانی محض جان بچانے کے لیے نہ گھڑی ہو۔"

"غور ضرور کرو مگر یہ نہ بھولو کہ موسیٰ معمولی پڑھا لکھا اور بہت کم رتبے کا آدمی ہے۔ وہ موہنی کا محافظ تھا۔ اسے پنڈت کی پارٹیوں کی اتنی زیادہ تفصیل کیسے معلوم ہوئی؟ موساد والوں کی شناخت ان کی پیشانی پر نہیں لکھی ہوتی کہ ہرا ایرا غیرا، نتھو خیرا انہیں پہچان لے۔"

"تم ہمیشہ گہری جزئیات پر نگاہ رکھتے ہو۔ تمہارے اعتراض میں وزن ہے۔"

"اگر وہ سچا ہے تو ہمیں پنڈت کے گھر سے اس کے کرتوتوں کا کوئی نہ کوئی ثبوت ضرور ملے گا۔"

"وہ اپنی جان بچانے کے لیے بکواس کررہا ہے" میری بات اول خان کے دل میں گھر کرچکی تھی۔

"ہمیں بے لاگ انداز میں ہر بات کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ میری رائے غلط ہو اور وہ سچ بول رہا ہو۔"

"اس کا بہت کم امکان نظر آتا ہے" اس نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"یہ دوسرا پہلو ہے۔ ہم اسے بھی نظرانداز نہیں کرسکتے" میں نے اسے سمجھایا "وہ چوبیس گھنٹے گھر میں رہتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اسے کسی اور ذریعے سے یہ باتیں معلوم ہوئی ہوں۔"

روشن خیال گھرانوں کے مکین اپنے مسکین نظر آنے والے گھریلو ملازمین کو عام طور پر زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور ان کو گونگا، بہرا سمجھتے ہوئے، ان کی موجودگی میں بھی اپنی گفتگو کے تسلسل میں فرق نہیں آنے دیتے۔ شام کو یا رات کو جب کسی مخصوص مقام پر ان خانگی ملازمین کی چوپال جمتی ہے تو بے احتیاطی سے کہی ہوئی بہت سی باتیں سینہ بہ سینہ گھر سے باہر نکل کر دوسروں تک پہنچ جاتی ہیں۔

گھر کے اندر اور باہر کام کرنے والے ملازمین میں بھی قریبی ربط ضبط ہوتا ہے۔ ایک خدمت گار کوئی چونکا دینے والی نئی بات سنتا ہے تو اپنے ساتھیوں میں اپنی برتری اور اہمیت جتانے کے لیے وہ اہم بات ہر طرف پھونک دیتا ہے۔ یہ سلسلہ ہر گھر میں یوں ہی چلتا رہتا ہے۔

ملازمین کی سطح پر گردش کرنے والی ان سرگوشیوں میں بعض اوقات افواہیں بھی شامل ہوجاتی ہیں لیکن مالکوں کو شاذ و نادر ہی علم ہوپاتا ہے کہ ان کے کمروں میں ہونے والی باتیں کہیں اور بھی پھیل رہی ہیں۔

گھریلو ملازمین کی ایک الگ ہی دنیا ہوتی ہے۔ وہ اپنے گھربار، ماں باپ اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر محض روزی کمانے کے لیے دن رات اپنے مالکان کی سیوا کرتے ہیں اور اپنی روزی کے اس سلسلے کو جاری رکھنے کے لیے دن رات ان کی جھڑکیاں اور ڈانٹ ڈپٹ سنتے ہیں۔

ان کی زندگی میں سنسنی اور دلچسپی کا ایک ہی پہلو ہوتا ہے کہ وہ اپنے قابلِ رشک مالکان کے رازوں سے ایک معصومانہ سی باخبری حاصل کرتے رہیں اور پھر اسے بڑھا چڑھا کر اپنی کہانیوں سے دوسروں کو مرعوب کر سکیں۔ مالک ان کے خوابوں کے شہزادے ہوتے ہیں جنہیں ہر وہ آسائش اور سہولت حاصل ہوتی ہے جو ان کے خوابوں میں ناچتی رہتی ہے لیکن عمر بھر وہ اسے نہیں پاسکتے۔ ان کے لیے ایسے شہزادوں کے قریب رہنا اور ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی پُراسرار آرزوؤں میں سلگتے رہنا ہی سب کچھ ہوتا ہے۔

بات کا دوسرا رخ ایک لمبی بحث کے بعد آخر کار اول خان کی سمجھ میں آہی گیا اور وہ قائل ہوگیا کہ موسیٰ کے بیان کی تردید یا تصدیق کے لیے پنڈت منوہر لال کی خانہ تلاشی ضروری تھی۔

"موسیٰ کے چکر میں پڑ کر ہم ملنگ کو بالکل ہی بھول بیٹھے ہیں۔" اس موضوع کے سمٹتے ہی اول خان کو رستم کے دوسرے آدمی کا خیال آگیا۔

"شاید موسیٰ اس سے زیادہ کار آمد ثابت ہوا ہے۔ اچھا ہی ہوا کہ ہم گدھے کے ساتھ بچّے کو بھی نہیں لائے ورنہ ہمیں اس کی ہسٹری شیٹ پر بھی غور کرنا پڑجاتا۔"

"اس وقت صرف وہی ایسا مجرم ہے جو تمہیں کرنل جمال دستی کی حیثیت سے پہچان سکتا ہے" اول خان نے بتایا۔

"تم میجر بخشی کو بھول رہے ہو۔ اس بہروپ کی ابتدا کا ذمے دار وہی ہے۔"

"بخشی ایک محتاط سفارتی افسر ہے۔ شہر میں اس کی نقل و حرکت بہت محدود ہے مگر ملنگ سے کہیں بھی تمہارا سامنا ہوسکتا ہے۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ رستم کا آدمی ہے۔"

"چند روز کی بات ہے۔ میرے چہرے پر گھنی داڑھی اگ آئے گی تو وہ بھی مجھے نہیں پہچان سکے گا۔ اس وقت تک میں ذرا سی احتیاط کرلوں گا۔"

"آج تم رستم کو فون کروگے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں بسیرا کا رخ کرنا پڑجائے۔ ملنگ وہاں موجود ہوا تو تمہیں واپسی کی راہ بھی نہیں مل سکے گی۔"

"رستم اپنے آدمیوں کو اپنے گھر سے دور رکھتا ہے" میں نے اسے یاد دلایا۔

"پھر بھی اس نے موسیٰ کو وہاں بلایا تھا۔ موسیٰ غائب ہے۔ موسیٰ کا اتا پتا لگانے کے لیے ملنگ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔"

"احتیاط اچھی ہوتی ہے۔" میں اس سے متفق ہوگیا "جب تک میرا اور رستم والا قصہ طے نہیں ہوجاتا' ملنگ کی نگرانی شروع کرادو۔"

"نگرانی سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اسے بھی رگڑنا پڑے گا۔" وہ سفاکی سے بولا۔

"وہ آخری علاج ہے۔ فی الحال نگرانی کراتے رہو" میں نے اسے سمجھایا "اس طرح وہ تمہاری نظروں میں رہے گا۔ اگر وہ بسیرا کا رخ کرے تو اس کے خلاف قدم اٹھایا جاسکتا ہے۔"

"یہ ہوسکتا ہے" اول خان نے سرہلایا "مجھے اس کی جان لینے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ وہ تمہارے لیے خطرہ نہ بننے پائے۔ یہ مقصد اس طرح بھی پورا ہوجائے گا۔"

"موسیٰ کہاں ہے؟ اس کے بارے میں تم نے کیا طے کیا ہے؟" مجھے وہ سوال یاد آگیا۔

"آج اس کی آخری رات ہے۔ لاش اس کے پرانے علاقے میں ڈال دی جائے گی۔"

"اسے بھی زندہ رکھو۔ جب تک اس کی لاش نہیں ملتی' رستم اس کی بازیابی کے بارے میں پرامید رہے گا۔ لاش مل گئی تو اس کا موڈ بگڑ جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اوبی والے کام سے انکار کردے۔"

مقررہ وقت سے پہلے سب کچھ طے ہوچکا تھا۔ رستم نے مجھے فون کرنے کے لیے کوئی خاص وقت نہیں دیا تھا۔ بس شام کا ذکر کیا تھا مگر میں نے اس کام کے لیے اپنے طور پر سات بجے کا تعین کرلیا تھا۔

سات بجے میں اول خان کے ساتھ اس کے دفتر میں موجود تھا۔ فون ملنے پر دوسری طرف سے رستم کے کسی آدمی کی آواز سنائی دی۔

"میں ملک ممتاز بول رہا ہوں۔ مجھے رستم سے ضروری کام ہے" میں نے اپنا تعارف کرایا۔

"ہولڈ کرو!" اس آواز کے بعد چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھاگیا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ لائن ملارہا ہوگا مگر ایک لمبے سکوت کے بعد وہی آواز دوبارہ ابھری "ملک ممتاز اور ملک افضل..... تم کل بھی آئے تھے؟"

"ہاں' وہی سلسلہ ہے۔ رستم نے آج فون کرنے کے لیے کہا تھا" مجھے اس کی بازپرس پر غصہ آنے لگا۔

اس مرتبہ ریسیور پر ہلکی سی بلوچی موسیقی سنائی دینے لگی۔ وہ اپنے ایکس چینج کے ذریعے رستم سے لائن ملانے کی کوشش کررہا تھا۔ اچانک موسیقی کی آواز منقطع ہوگئی اور وہی آدمی پھر لائن پر آگیا۔

"سات پیٹی لے کر دو بجے سے پہلے یہاں آجاؤ۔ کام ہوجائے گا" اس نے کہا۔

"یہ سات پیٹی کا کیا مطلب ہے؟ تم رستم سے میری بات کیوں نہیں کراتے؟"

"ایک پیٹی ایک لاکھ' سات پیٹی سات لاکھ" اس نے کاروباری انداز میں وضاحت کی "ان کے پاس مہمان ہیں۔ وہ اس

وقت بات نہیں کرسکتے۔ یہ پیغام ان ہی کی طرف سے ہے۔"
"تو کیا آج ہی دو بجے سے پہلے آنا ضروری ہے؟" میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا "اتنے کم وقت میں اتنی پیٹیوں کا بندوبست کرنے میں دقت ہوسکتی ہے۔"
"جو ہوتا ہے وہ بندوبست کرلو۔ باقی باتیں خود آکر کرلینا.....بولو، کس وقت آؤگے؟"
"گیارہ بجے!" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا "اس میں ذرا سی دیر سویر ہوسکتی ہے۔"
"گیارہ اور بارہ کے بیچ تمہارا وقت ہے۔ آزوباز وخیال کرکے آنا۔ آج کل موسم ذرا خراب ہے۔ پیٹی چور مال کی بو سونگھتے پھرتے ہیں" یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔
"دو بجے!" میرے نمٹتے ہی اول خان نے اپنے نتھنوں سے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے کہا "یہ دو بجے اور گیارہ بجے کا کیا چکر تھا؟"
"معلوم ہوتا ہے رستم ایرانی کسی اُلّو کی اولاد ہے۔ اس نے دو بجے سے پہلے بلایا تھا۔ میں نے گیارہ کا وقت دیا۔ اب گیارہ اور بارہ کے درمیان میرے لیے وقت مقرر ہے۔"
"یہ پیٹیوں کا کوڈ شاید رقم کے لیے تھا؟" اول خان نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔
"تم ایسی مجرمانہ اصطلاحات سے خاصے باخبر ہو۔" میں ہنس کر بولا "رقم آج ہی ادا کرنی ہے۔"
"آج؟" اول خان فکر مند ہوگیا "میں نے سمری بھیجی ہوئی ہے۔ رقم ملنے میں چند روز لگیں گے۔"
"اوہ!" میری حیرت اور خوشی کا ٹھکانا نہ رہا "تو کیا یہ رقم ایس ٹی ایف ادا کرے گی۔"
"بالکل۔ اوبرائن تمہارا نہیں اس ملک کا دشمن ہے۔ اس کے سر کی قیمت یہ ملک ہی ادا کرے گا۔"
"پھر پروا مت کرو۔ میں ابھی جہانگیر کی طرف جاتا ہوں۔ ڈالروں میں نوٹ بہت کم ہوں گے۔ رستم خوش ہوجائے گا۔ میں سلمٰی سے رقم لے کر رستم سے ملنے کے بعد ہی واپس آؤں گا۔ تمہیں فنڈز مل جائیں تو تم سات لاکھ کا ادھار ادا کردینا۔ اس وقت لوہا گرم ہے۔ اوبرائن کے کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔"
میں نے رستم کے آدمی کو بتا دیا تھا کہ پوری رقم کے بندوبست میں دیر ہوسکتی ہے اور اس نے مجھے بسیرا آکر رستم سے بات کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر میں جانتا تھا کہ ایسے کاموں میں پوری رقم کی پیشگی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ رقم دینے میں تاخیر کا مطلب اوبرائن کے فتنے کو زیادہ دیر پالنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔
مجھے معاوضے کے تعین میں رستم کی ایمان داری نے کافی متاثر کیا تھا۔ اس نے مجھے سات سے دس لاکھ تک کا تخمینہ دیا تھا اور میں نے سیر چشمی کے ساتھ اس کی ادائیگی پر اپنی رضامندی ظاہر کردی تھی۔ اس کے باوجود رستم نے اپنے تخمینے کی سب سے کم رقم طلب کی تھی۔ اس مطالبے سے ثابت ہوگیا تھا کہ رستم اپنے گاہک کی جیب دیکھ کر معاوضہ لینے کے بجائے کچھ اصولوں کی پاس داری کرتا تھا اور شاید اسی لیے کامیاب تھا۔
رستم سے ملاقات میں ویرا کے لیے سرے سے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس سے ملنے کا حق صرف ملک ممتاز اور ملک افضل کو تھا مگر جوں ہی اسے یہ پتا چلا کہ میں جہانگیر کے گھر سے رقم لیتا ہوا، سلطان شاہ کے ساتھ بسیرا جاؤں گا تو وہ بھی مچل گئی کہ اسے اور غزالہ کو بھی ساتھ لے لیا جائے۔
دن میں، میں پورے جلوس کے ساتھ کرائے کے مکان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا مگر دونوں عورتوں کو جہانگیر کے گھر چھوڑ کر رستم سے ملاقات کے بعد اپنے ساتھ واپس لانے کی تجویز نہایت احمقانہ تھی۔ مجھے واپسی میں رات کے ڈیڑھ، دو بھی بج سکتے تھے اور ایسے نامناسب وقت پر ہم چاروں کا یک جا ہو کر شہر میں گھومنا کسی طرح موزوں نہیں تھا۔
رات کے کھانے تک ویرا رہ رہ کر مجھ سے الجھتی رہی۔ اس دوران میں اس نے اول خان کے فراہم کیے ہوئے ذخیرے میں سے اسکاچ کی ایک مناسب مقدار اپنے معدے میں اتارلی تھی اس لیے اس کے لب و لہجے میں ضد کا عنصر بھی عود کر آیا تھا۔ وہ ہم میں سے کسی کی کوئی دلیل سننے یا ماننے کے بجائے اپنی بات منوانے پر تلی ہوئی تھی۔
"تم ان دونوں کو جانے دو۔" اول خان کو نہ جانے وہ تجویز کیسے سوجھ گئی "غزالہ کمرے میں آرام کرے گی۔ ہم دونوں موسیٰ پر تھوڑی سی محنت اور کریں گے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابھی کچھ اور بھی اگلے گا۔"
وہ نکتہ ویرا کی خمار زدہ کھوپڑی میں سما گیا۔ وہ رستم اور جہانگیر کو بھول کر مسرت آمیز لہجے میں بولی "رات کا اندھیرا ویسے ہی خوف آور ہوتا ہے اور اندھیرے کا تشدد بڑے بڑے سورماؤں کا حوصلہ توڑ دیتا ہے۔ یہ کھیل زیادہ بہتر رہے گا۔"
میں نے اس کی آمادگی پر تشکر کا کوئی کلمہ ادا کرنے کے بجائے اسی موضوع میں الجھائے رکھنا زیادہ مناسب سمجھا اور کہا "کبھی کبھی تم تشدد سے بہت زیادہ محظوظ ہونے لگتی ہو اور حد سے گزر جاتی ہو۔ اسے مار ہی نہ دینا۔ اس گرم موسم میں اسٹیشن فور پر دو چار روز تک لاشیں محفوظ رکھنے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔"
"فکر مت کرو۔" وہ اپنی ترنگ میں بولی "وہ مرگیا تو اس کی لاش ایدھی کے مردہ گھر میں رکھوادیں گے۔"
"ایدھی والے لاشوں کو چھپانے کا دھندا نہیں کرتے۔ وارثوں کی توجہ کے لیے فوراً ہی تصویری خبر یا اشتہار جاری کردیتے ہیں۔" سلطان شاہ نے منہ بنا کر کہا۔
"تم کو جہاں جانا ہے، چلے جاؤ۔ یہ میرا اور اول خان کا مسئلہ

ہو گا۔ اس سے ہم خود نمٹ لیں گے۔"

"تم نے اپنے کمرے کے دو تین پھیرے اور لگا لیے تو کوئی مسئلہ پیدا کرنے کے قابل ہی نہیں رہو گی۔" سلطان شاہ چڑ کر بڑ بڑایا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

ویرا شاید اس کا تبصرہ نہیں سن سکی تھی۔ اس کی روانگی کو اپنی فتح سمجھ کر ہنس دی۔

کھانے کے بعد سلطان شاہ کو ساتھ لے کر میں اسٹیشن فوراً سے نکل کھڑا ہوا۔ جہانگیر اور سلمیٰ سے میری ملاقات کو کافی دن گزر گئے تھے۔ اس جوڑے کے لیے میں اسلام آباد اور لاہور گیا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں سے آسانی کے ساتھ میری گلو خلاصی نہیں ہو سکے گی۔ انہیں مطمئن کر کے ہی میں اپنی مہم پر روانہ ہو سکتا تھا۔

ملیر چھاؤنی سے کلفٹن تک کا سفر خاصا طویل تھا مگر سلطان شاہ کی متجسس فطرت اور اس کے پے در پے سوالوں کی وجہ سے وہ فاصلہ باتوں ہی باتوں میں کٹ گیا۔

ڈور بیل کے جواب میں ایک کم عمر بچی نے دروازہ کھولا تو میں چونک گیا۔ لمحے بھر کے لیے میرا دل دھک سے رہ گیا کہ کہیں جہانگیر نے کسی مجبوری کی وجہ سے وہ فلیٹ نہ چھوڑ دیا ہو مگر اسی وقت اندر سے آنے والی، سلمیٰ کی آواز نے میرے وجود میں اطمینان کی ایک لہر سی دوڑا دی۔ وہ اس لڑکی کو میرا نام معلوم کرنے کی ہدایت دے رہی تھی۔

"بیٹا! بتا دو کہ ہم آئے ہیں۔" میں نے اونچی آواز میں کہا اور میری آواز پہچان کر سلمیٰ تقریباً دوڑتی ہوئی خود ہی دروازے پر آگئی۔

"ارے، تم غیروں کی طرح یہاں کیوں رک گئے۔ سیدھے اندر چلے آتے۔" ہمیں غیر متوقع طور پر اپنے دروازے پر پا کر اس کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا تھا۔

میں اس دوران میں کم عمر لڑکی کا جائزہ لے چکا تھا۔ وہ معصوم اور خوب صورت بچی تھی۔ اس کے لباس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گھر کے کام کاج کے لیے ملازم رکھی گئی تھی۔ اپنی مالکن کی آواز سنتے ہی اس نے قدرے حیرت سے ہمارے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ سلمیٰ اس قدر جوش میں آئی ہوئی تھی کہ ہمارے داخل ہونے سے پہلے ہی اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔

سلطان شاہ میرے ساتھ سلمیٰ کے تپاک کی وجہ سے جھجکتا ہوا اندر داخل ہوا۔ لڑکی نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں دروازہ بند کر دیا۔

"تم لاہور سے کب آئے؟ وہاں سے پلٹ کر دوبارہ فون بھی نہیں کیا۔ گئے تھے تو میرے میکے والوں کے ساتھ میرے بیٹے کو بھی دیکھ آتے۔ تمہارا خون بالکل سفید ہو گیا ہے۔"

"تم نے ایک ہی سانس میں شکووں کا دفتر کھول دیا۔ ہمیں اندر بیٹھنے تو دو۔" میں نے احتجاج کیا "میں اکیلا نہیں ہوں۔ میرے ساتھ کوئی اور بھی آیا ہے۔"

"سلطان شاہ بھی اپنا ہے، اسے سب معلوم ہے۔ تم اس کے ہمدرد بننے کی کوشش مت کرو۔"

سلطان شاہ کچھ کہے بغیر بے بسی سے دانت نکال کر رہ گیا۔

"سلمیٰ!" خواب گاہ سے جہانگیر کی بوجھل آواز گونجی "کون آیا ہے جو اتنا چہک رہی ہو۔"

"آ رہی ہوں۔ خود دیکھ لینا کہ میرا کوئی نہیں آیا۔ دونوں تمہارے ہی جگری دوست ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم نے یہاں آنے کے لیے غلط وقت کا انتخاب کیا ہے۔" سلطان شاہ نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ معذرت کی "ویسے بھی ہمیں فون کر کے آنا چاہیے تھا۔"

"وہ شام کو بلا ناغہ پیتے ہیں۔" سلمیٰ نے منہ بنا کے کہا "فون کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ پینے کے بعد وہ ایسی ہی جلی کٹی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اندر آ کر خود دیکھ لو کہ کیا ہو رہا ہے۔"

جہانگیر نے اپنی خواب گاہ میں سماں باندھنے کے لیے دھیمی روشنی جلائی ہوئی تھی اور کیسٹ پلیئر پر ہلکی آواز میں جگجیت سنگھ کی کوئی غزل چل رہی تھی۔ وہ خود کنگ سائز بیڈ پر پھیلا ہوا تھا اور کسی موالی کی طرح دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اسکاچ کا گلاس دبائے ہوئے تھا۔

ہمیں پہچاننے کے لیے اسے اپنی آنکھوں پر خاصا زور ڈالنا پڑا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے "ابے تو!" کا نعرہ لگایا اور مسہری پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کھڑے کھڑے اپنے گلاس میں بچی ہوئی اسکاچ غٹاغٹ حلق سے اتاری اور گلاس مسہری پر ڈال کر میری طرف چھلانگ لگا دی۔

سلمیٰ میرے پیچھے تھی۔ میں دانستہ ایک طرف سرک گیا اور جہانگیر کو سنبھلنے کے لیے مجبوراً سلمیٰ کو اپنے بازوؤں میں لینا پڑ گیا۔

"توبہ! دور ہٹیں.... منہ سے ایسی بدبو آ رہی ہے کہ دماغ پھٹا جا رہا ہے۔" سلمیٰ نے ناک منہ چڑھا کر اسے اپنے بدن سے دور دھکیلتے ہوئے کہا۔

"تم خود دور ہٹو.... کیوں میرے راستے میں آئی ہو۔" جہانگیر اس پر غرایا "تمہارے پسینے میں سے اب ظلم کی بدبو آنے لگی ہے۔ تم بہت سفاک اور خود غرض ہو۔"

"میں جیسی بھی ہوں، تم سے اچھی ہوں۔" سلمیٰ لڑاکا انداز میں بولی "کوئی سفاک عورت ملی ہوتی تو اب تک دس دفعہ لات مار کر اپنے گھر بیٹھ چکی ہوتی۔"

"دو دفعہ تو تم بھی بھاگ کر اپنے چہیتے اور لاڈلے بھائیوں کے پاس جا چکی ہو۔ پھر کیوں آ گئیں؟ میرے سینے پر مونگ دلنے!" جہانگیر نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"دیکھ لو... یہ نشے میں ایسی ہی باتیں کرنے لگتے ہیں۔" سلمیٰ روہانسی ہو گئی۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ بے بات کی لڑائی تھی جو ہمارے پہنچتے ہی اچانک شروع ہو گئی تھی۔ میں نے جہانگیر کو مسہری کی طرف لے جاتے ہوئے پچکارا "کیوں بلاوجہ بیوی سے لڑ کر اپنا موڈ اور نشہ غارت کر رہے ہو۔ سلطان شاہ تمہارے بارے میں اپنے دل میں کیا سوچے گا۔"

سلطان شاہ خواب گاہ کا خراب موسم دیکھ کر باہر نکل چکا تھا۔ سلمٰی تیز سرگوشیانہ آواز میں بولی "انہیں اب کسی کی شرم اور پروا نہیں ہے۔ میں نے جب سے گھر کے کام کے لیے ایک بچی رکھی ہے، یہ انگاروں پر لوٹ رہے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے اسی کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔"

"یار، تم خود غور کرو۔ اپنا بچہ لاہور بھیج دیا ہے اور پرائی بچی پر ظلم کر رہی ہے۔ وہ ننھی سی جان جب اپنی بساط سے بڑے بڑے کام کرتی ہے تو میرا دل کٹنے لگتا ہے۔"

"کبھی کہتے ہیں کہ چائلڈ لیبر اقوام متحدہ کے چارٹر کے خلاف ہے، کبھی اسی الزام میں مجھے پولیس سے پکڑوانے کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ میں ہر وقت کے اس عذاب...."

جہانگیر نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی اور مسہری پر پہلو بدل کر مجھ سے بولا "تم خود اس جاہل عورت کو بتاؤ کہ کیا میں غلط کہتا ہوں۔"

میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی سلمٰی ہمارے قریب آکر زہریلے مگر سرگوشیانہ لہجے میں بولی "یہ سب جھوٹ اور فراڈ ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس بچی کو نکال کر کوئی جوان اور خوش شکل لڑکی رکھ لوں تاکہ میری زندگی کا رہا سہا سکون بھی غارت ہو سکے۔ جب وہ بچی سامنے آتی ہے، یہ دانت پیسنے لگتے ہیں۔"

پوری صورتِ حال واضح ہوتے ہی مجھے جہانگیر پر غصہ آگیا۔ میں نے قہربار نظروں سے اسے گھورا تو اس کے چہرے پر غصے کی جگہ یکایک یتیمی برسنے لگی تھی۔

"میں خصم کھاتا ہوں کہ یہ جھوٹی ہے۔ میں نے کبھی جوان اور خوب صورت نوکرانی کے لیے نہیں کہا۔ بس ذرا بڑی ہو.... اتنی بڑی کہ وہ کام کرے تو اس پر رحم نہ آئے۔" اس نے نشے میں قسم کو خصم بنا دیا تھا۔

"یہ فتنہ تم نے خود پالا ہے۔" میں نے سلمٰی کو لتاڑا "چھوٹی نہ بڑی۔ تم دو آدمیوں کا کام کتنا ہوتا ہے۔ تمہیں کسی ملازمہ کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں تو اس کے لیے بھی تیار ہوں مگر یہ اڑے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ متبادل بندوبست کے بغیر یہ بچی نہیں جائے گی۔ انہیں کون سمجھائے گا؟"

"ہمیں ملازمہ کی ضرورت ہے۔" جہانگیر نے پلکیں جھپکاتے ہوئے مجھے سمجھانے کی کوشش کی "وہ گھر کا کام سنبھال لے تو سلمٰی میری دیکھ بھال کے لیے زیادہ وقت دے سکتی ہے، باہر کے کام سکون سے کر سکتی ہے۔ اس سے ہمارے درمیان مخاصمت پیدا ہو سکتی ہے۔"

"مخاصمت نہیں، وہ مفاہمت ہوتی ہے۔" میں نے اسے پھٹکارا "ملازمہ بدل کر تم سلمٰی کے لیے روز باہر کے کام نکالو گے۔ سلمٰی تمہیں ٹھیک سمجھتی ہے۔ نشے میں بھی تمہیں اپنے مطلب کی باتوں کا ہوش رہتا ہے۔ تم پکے بدمعاش ہو۔ اور ہر وقت نئے گل کھلانے کے چکر میں رہتے ہو۔"

سلمٰی نے مجھے اپنا ہم نوا پایا تو کمرے سے چلی گئی۔ اسے معلوم تھا کہ میں جہانگیر کو لعن طعن کرنے کا فریضہ زیادہ بہتر انداز میں سر انجام دے سکتا ہوں۔

"سالی کو جلانے میں بڑا مزا آتا ہے۔" سلمٰی کے چلے جانے کے بعد جہانگیر مجھے آنکھ مار کے مسکرایا "تم ذرا سی دیر میرا ساتھ دیتے تو میں اسے جلا کے راکھ کر دیتا۔"

"ساتھ دینے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ تمہاری ہر بات سے بدنیتی ٹپک رہی تھی۔ گھر کے نوکروں کے لیے تم کو پولیس اور اقوام متحدہ کے قانون یاد آرہے ہیں۔"

"آئیڈیا زبردست ہے۔" اس نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی "گھر ہی میں کوئی مناسب بندوبست ہو جائے تو آدمی کو اِدھر اُدھر بھاگنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ تم سلمٰی کو پٹی پڑھاؤ گے تو وہ مان جائے گی۔ میرے ساتھ ہر بات میں ضد اور بحث پر اتر آتی ہے۔"

"بھول جاؤ.... وہ مر کر بھی تمہاری خواہش پوری نہیں کرے گی۔ اسے تم پر رائی کے برابر بھی بھروسا نہیں ہے۔ وہ اپنا گھر بگاڑنے کی غلطی نہیں کرے گی۔"

"نوکرانیاں کسی ہوشیار عورت کا گھر نہیں بگاڑ سکتیں۔ زیادہ سر چڑھنے سے پہلے ان کی چھٹی ہو جاتی ہے۔ سال چھ مہینے میں ایسی ادل بدل زندگی میں یکسانیت نہیں آنے دیتی۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ میں تیزی سے پلٹا تو کھلے ہوئے دروازے میں سلطان شاہ کھڑا ہوا تھا۔ شاید وہ مجھ سے کوئی ضروری بات کرنے کا خواہاں تھا۔

میں نے دھندلائی ہوئی خواب گاہ میں دو بلب روشن کیے اور اس کی طرف بڑھ گیا۔

"ہم یہاں کے ان کے جھگڑے نمٹانے نہیں آئے۔" قریب پہنچنے پر اس نے میرے کان میں سرگوشی کی "گیارہ بجے ہمیں رقم لے کر رستم کے گھر پہنچنا ہے۔"

حقیقت یہ تھی کہ میں اس وقت تک وہاں آمد کے مقصد کو بھولا ہوا تھا۔ سلطان شاہ کی یاددہانی پر میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور وہ مفاہمانہ انداز میں سر ہلا کر ڈرائنگ روم کی طرف چلا گیا۔

"کیا کہنے آیا تھا۔" جہانگیر نے سامنے رکھے ہوئے دو گلاسوں میں اسکاچ انڈیلتے ہوئے پوچھا۔

"اسے پیشاب آرہا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے دوسرا خالی گلاس سائیڈ ٹیبل سے اٹھا کر نیچے رکھ دیا۔

"یہ کیا بدذوقی ہے؟" جہانگیر نے ناراضی سے پوچھا "کیا تم میرا ساتھ نہیں دو گے؟"

"آج نہیں.... اب تو میں کراچی میں ہوں۔ فرصت کے وقت محفل جمے گی۔"

"تو کیا تمہیں اس وقت فرصت نہیں ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"غزالہ اور ویرا کو ہوٹل میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ رات گئے کسی مرد کے بغیر یوں ہوٹل میں رہنا پریشانی کا سبب بن سکتا ہے۔ بس ذرا جلدی اٹھوں گا۔"

"انہیں ہوٹل میں کیوں چھوڑا؟ کیا یہ گھر موجود نہیں تھا؟" اس نے مجھے گھورا۔

"پہلے ہم یہاں رہ چکے ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا "مگر اب میں تمہارے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ شہر میں ہر وقت میری دشمنیاں چلتی رہتی ہیں۔"

وہ میرے اٹھائے ہوئے گلاس کو بھول گیا اور اپنی اسکاچ میں آئس پاٹ سے یخ بستہ پانی انڈیلنے لگا۔ اسی دوران میں اس نے پوچھا "تمہاری ہوٹل بازی کب تک چلے گی۔"

"ہم کل کراچی پہنچے تھے۔ آج میں نے ایک مکان دیکھ لیا ہے۔" مجھے فوراً ایک شاندار بہانہ سوجھ گیا "اسی کے سلسلے میں تمہارے پاس آیا تھا۔ ہماری امانت تو محفوظ ہے نا؟"

"ہر وقت سلمٰی کے ازاربند میں لٹکی رہتی ہے۔" اس نے اپنے گلاس سے توجہ ہٹائے بغیر بے ساختہ جواب دیا "اس سے زیادہ محفوظ جگہ اور کیا ہو سکتی ہے....."

"عجیب بے ڈھب اور بونگے آدمی ہو۔" مجھے طرارہ آگیا اور میں نے اس کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی "اپنی بیوی کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟"

اس نے سر اٹھا کر مخمور اور تحیّر زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولا "میں نے ایسی کیا بات کہہ دی؟ کیش بکس میری مسہری کے نیچے رہتا ہے اور اس کی چابی سلمٰی کے ازاربند میں بندھی رہتی ہے۔"

"یہی بات ذرا مہذب پیرائے میں بھی کہی جا سکتی تھی۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

"لنگوٹیے دوستوں کے ساتھ بھی تہذیب اور تکلّف کا دھیان رکھنا پڑے تو انسان کو ہیضہ ہو جاتا ہے۔ یہ بناوٹ میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

"سلمٰی کو بلاؤ۔ مجھے اس میں سے سات آٹھ لاکھ روپے نکالنے ہیں۔"

"روپے کہاں؟ وہ تو شاید سب کے سب ڈالر ہیں۔ انہیں مارکیٹ سے کیش کرانا ہوگا۔"

"مجھے معلوم ہے۔ روپوں کو شرح تبادلہ سے تقسیم کر دیا جائے تو جواب ڈالروں میں مل جاتا ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "تم سلمٰی کو بلاؤ۔ اتنا حساب وہ بھی کر لے گی۔"

"آ جائے گی.... وہ بھی آ جائے گی۔ یہ بتاؤ کہ تم اتنی مرچیں کیوں چبا رہے ہو۔"

"میرے پاس وقت ہوتا تو آج میں یہاں رک کر مرچیں تو کیا، تمہاری ہڈیاں چبانے کے بارے میں ضرور سوچتا۔ تم نے اصلی شراب اور خیالی عورتوں کے چکر میں اپنی زندگی برباد کر لی ہے۔"

"مجھے زبان کھولنے پر مجبور نہ کرو ورنہ میں بھی پوچھ سکتا ہوں کہ جب غزالہ تمہاری بیوی ہے تو ویرا کیوں دن رات تمہارے ساتھ چپکی پھرتی ہے۔"

"اس سوال کا جواب تم سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ یاد کرو کہ جب وہ بلیک کوئن کہلاتی تھی اور اس کے نام سے شہر کے سورما کانپ اٹھتے تھے، وہ میری دسترس میں تھی۔"

"اور اب تم اسی پرانی دوستی کو نباہ رہے ہو!" اس نے چوٹ کی۔

"جو چاہو سمجھتے رہو مگر سلمٰی کو فوراً بلا لو۔ تم میرا کافی وقت برباد کر چکے ہو۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے اضطراری لہجے میں کہا۔

غنیمت یہ ہوا کہ جہانگیر نے مخمور ہونے کے باوجود میرے لہجے میں چھپی ہوئی بے چینی کا اندازہ لگا کر سلمٰی کو آواز دی اور وہ فوراً خواب گاہ میں آگئی۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر سلمٰی کو مطلوبہ رقم کی ضرورت سے آگاہ کیا۔ اتنی خطیر رقم کا ذکر سن کر سلمٰی کی پیشانی شکن آلود ہو گئی مگر میں نے چند فقروں میں اسے مطمئن کر دیا۔

مکان کی خریداری کے لیے بڑی رقم کی ضرورت کا بہانہ ہر شک وشبے سے بالا تھا۔ وہ دونوں کسی وقت ہمارے گلشن اقبال والے مکان پر آ بھی جاتے تو انہیں یہ علم نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم نے وہ مکان خرید لیا تھا یا وہاں محض کرائے دار کی حیثیت میں منتقل ہوئے تھے۔ کسی آڑے وقت میں ہمیں وہ گھر چھوڑنا پڑ جاتا تو اس کے لیے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ جہانگیر کے ساتھ سلمٰی کو بھی میرے مسائل کا بڑی حد تک اندازہ تھا۔ اپنے خون آشام دشمنوں کی وجہ سے مجھے ہی نہیں، جہانگیر کو بھی اپنا گھربار چھوڑ کر دوسرے ٹھکانوں کا رخ کرنا پڑا تھا۔

"سلمٰی اپنا کام کر لے گی، اتنی دیر ہم ڈرائنگ روم میں سلطان شاہ کے پاس بیٹھتے ہیں۔" میں نے جہانگیر کو وہاں سے الگ لے جانے کے لیے کہا۔

"اوہو.... میں اب تک اسے بھولا ہوا ہوں۔" وہ اپنا تازہ گلاس لے کر بوکھلائے ہوئے انداز میں مسہری سے اتر پڑا "میرے

بارے میں وہ کیا سوچ رہا ہوگا۔"

ہم خواب گاہ سے لابی میں نکلے تو کمسن ملازمہ شہادت کی انگلی اپنے دانتوں میں دبائے کچن کے دروازے میں کھڑی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ اپنی جگہ کھڑی رہی لیکن جہانگیر پر نظر پڑتے ہی تیزی سے کچن میں روپوش ہوگئی۔ جہانگیر نے اپنے رویے سے اس کو خوف زدہ کیا ہوا تھا۔

"تم کچھ پیتے ہو؟" جہانگیر نے سلطان شاہ کے برابر میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"صرف چائے اور وہ بھی اس وقت نہیں پیوں گا۔ ہم جلدی میں ہیں۔" سلطان شاہ نے خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"ہماری کسی بات کا برا نہ منانا۔" جہانگیر نے بائیں آنکھ دبا کر اس سے کہا "میاں بیوی میں زیادہ چاہت ہو تو ذرا ذرا سی بات کا یوں ہی بتنگڑ بنتا رہتا ہے۔"

"ہاں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ چاہت بہت زیادہ ہو تو دونوں ایک دوسرے کا خون پی جانے پر تلے رہتے ہیں۔ خدا جہانگیر اور سلمٰی کی محبت میں اتنی کمی کردے کہ یہ آپس میں لڑنا بند کردیں۔" میں نے اپنے دل کی گہرائیوں سے دعا مانگی اور سلطان شاہ بے اختیار ہنس پڑا۔

"تم سے میرے حق میں کبھی اچھائی کی امید نہیں کی جاسکتی۔" جہانگیر نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر بھرائی ہوئی آواز میں شکوہ کیا "نوبت یہ آگئی ہے کہ اب منہ پر بددعائیں دے رہے ہو۔"

"اپنی منطق پر غور کرو تو یہ بددعا نہیں، بہت مبارک دعا تھی۔"

"ذرا ایک کاغذ پر اپنے نئے گھر کا پتا لکھ دو۔" جہانگیر نے سلطان شاہ سے فرمائش کی "میں بھی وہاں آکر ڈینی کو ایسی ہی جلی کٹی دعائیں دوں گا۔"

سلطان شاہ نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے کہا "اگر یاد ہے تو اس کا پتا لکھ دو، جس کا ہم نے سودا کیا ہے۔ میں نے اسے پوری بات بتادی ہے۔"

"گھر دکھا سکتا ہوں، پتا یاد نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے معذرت پیش کردی۔

"کوئی بات نہیں، گھر بسانے کے بعد کسی وقت آکر ساتھ لے جانا۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

سلمٰی ایک لفافے میں ڈالروں کی ایک گڈی لے آئی اور میں اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ میں نے اسی وقت گن کر ایک لاکھ روپے کے مساوی ڈالر الگ کیے اور بقیہ رقم اسی لفافے میں ڈال کر جیب میں رکھ لی۔

"باقی رقم بھی گن لو۔ مجھ سے کوئی بھول چوک نہ ہوگئی ہو۔" سلمٰی نے نیچی آواز میں کہا۔

"عورتیں حساب میں کمزور ہوتی ہیں مگر گنتی میں طاق ہوتی ہیں۔" یہ کہہ کر میں صوفے سے اٹھ گیا۔

"کہاں چلے؟ تم دونوں کے لیے چائے تیار ہوگی۔ میں ابھی لاتی ہوں۔" سلمٰی بیٹھتے بیٹھتے دوبارہ کھڑی ہوگئی۔ "میں نے بیلا کو چائے بنانا سکھا دی ہے۔ اسے ان کا ڈر نہ ہوتا تو اب تک وہ پوری ٹرے تمہارے سامنے رکھ چکی ہوتی۔"

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ سلطان شاہ کی بروقت یاددہانی سے ہم اصل کام سے نمٹ چکے تھے اور اس وقت صرف سوا دس بجے تھے۔ ہم چائے پی کر آرام سے رستم کے گھر جاسکتے تھے۔

جہانگیر اپنی ترنگ میں صوفے پر بیٹھا بہت دھیرے دھیرے جھوم رہا تھا۔ اچانک اس کی ذہنی رو بہکی اور جھک کر سلطان شاہ سے مخاطب ہوگیا "تم نے پیشاب تو کرلیا ہوگا؟"

اس ناگہانی سوال پر سلطان شاہ سٹپٹا کر رہ گیا "مم.... مجھے تو ایسی کوئی حاجت نہیں تھی۔"

"بری بات ہے۔" اس نے سلطان شاہ کو ناصحانہ انداز میں سمجھایا "ایسی باتوں میں شرمانا تکلیف دہ ہوجاتا ہے۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے جہاں چاہو پیشاب کرلو۔"

مجھے ہنسی آگئی "تم اپنی زبان بند رکھو تو فائدے میں رہو گے ورنہ یہ فلیٹ کباڑ خانے میں بدل جائے گا اور سلمٰی جوتے لگا کر تمہارا نشہ ہرن کردے گی۔"

"بس، اب ایک لفظ بھی نہ کہنا۔" وہ غصے میں غرایا "تمہاری یہی باتیں اس کا دماغ خراب کرتی ہیں۔ غنیمت ہے کہ اس وقت وہ یہاں نہیں ہے۔"

ڈرائنگ روم میں یک لخت گہری خاموشی چھاگئی۔ تینوں نے اپنی زبانیں بند کرلیں تھیں۔

وہ سکوت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا۔ سلمٰی چائے کی ٹرے لے آئی۔

وہ بھاپ اڑاتی ہوئی چائے کے تین مگ لائی تھی۔ چائے کے ساتھ بھنے ہوئے ہنٹر بیف اور پنیر کے پارچے بھی موجود تھے۔ جہانگیر کی مے نوشی کی وجہ سے گھر میں ان لوازم کی موجودگی ناگزیر تھی۔

"چائے کی خوشبو اشتہا انگیز ہے۔" میں نے پنیر کا ایک پارچہ منہ میں رکھ کر کہا "مزہ آگیا۔"

"تمہیں جانے کی جلدی نہ ہوتی تو میں کچھ اور بھی بناتی۔ آج تم نے شراب نوشی میں ان کا ساتھ نہ دے کر میرا دل خوش کردیا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ انہیں شراب نوشی کا عادی تم نے بنایا ہے۔"

"مجھ سے ٹکرانے سے پہلے یہ پکا شرابی تھا۔ پہلے یہ کچّی اور ٹھرّے پر گزارہ کرتا تھا۔ خوش حالی آنے کے بعد ولایتی شراب پر میں نے اسے ضرور ڈالا تھا۔"

"سلمٰی!" جہانگیر نے اپنی بیوی کو للکارا۔ "بے سروپا الزام

تراشیاں کرکے ہم دونوں کو لڑانے کی کوشش مت کرو۔ میں نے کبھی ڈیئی پر کوئی الزام نہیں لگایا۔"

"شراب نے تمہارے حافظے کا بھی ستیاناس مار دیا ہے۔ نشے میں کی ہوئی باتیں تم اکثر بھول جاتے ہو۔ اب میں تمہاری ساری باتیں ٹیپ کرکے بعد میں تمہیں سنایا کروں گی۔"

"دیکھو! تمہارے آنے سے یہ ہوتا ہے۔" جہانگیر نے مجھ سے شکوہ کیا "ابھی تم نے صرف چائے کی تعریف کی ہے اور اس کا دماغ خراب ہونا شروع ہوگیا....."

"فکر مت کرو۔ آئندہ میں آنے میں احتیاط برتوں گا۔" میں نے رکھائی سے جواب دیا۔

"جب جی چاہے، یہاں آؤ۔ میں دیکھتی ہوں کہ تمہیں کون روکتا ہے۔" سلمیٰ شیر ہو کر بولی۔

اسٹیشن فور کے خشک اور کٹھن ماحول میں مسلسل کئی ہفتے گزارنے کے بعد جہانگیر کے گھر پر ہونے والی نوک جھونک بہت دلچسپ محسوس ہو رہی تھی۔ ذہن فقرے بازیوں کے لیے چاق وچوبند تھا اور گفتگو کے درمیان دل کھول کر ہنسنے کے مواقع بھی میسر آرہے تھے۔ وہ دور چلتا رہا اور ہم دونوں نے چائے کے مگ خالی کرنے سے پہلے نمکین گوشت اور پنیر کی پلیٹیں خالی کردیں۔

اس روز وہاں سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا مگر پونے گیارہ بجے ہم کو اٹھنا پڑا۔ میں ہر قیمت پر سوا گیارہ بجے سے پہلے رستم کے گھر پہنچ جانا چاہتا تھا تاکہ وہ زیادہ انتظار کی کوفت سے محفوظ رہ سکے اور ہمارے مذاکرات خوش گوار فضا میں مکمل ہوسکیں۔

"آج تو مزا ہی آگیا۔ اول خان کے مہمان بن کر ہم شہری زندگی کے لیے ترس گئے ہیں۔" نیچے جاتے ہوئے سلطان شاہ نے مسرت کا اظہار کیا۔

"اس کے سامنے ایسی کوئی احمقانہ بات نہ کہہ دینا۔ وہ زود رنج آدمی ہے، آزردہ ہوجائے گا۔"

"یہ کہنے والی نہیں محسوس کرنے والی بات ہے۔ اس میں اول خان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ بہت خلوص سے ہمیں خوش رکھنے کی کوششوں میں لگا رہتا ہے۔"

"ایس ٹی ایف کے ان کارکنوں کو دیکھو جو گھر والے اور عیال دار ہوکر بھی بے کیف ویرانوں میں پڑے ہیں اور سال چھ مہینے میں چند روز کے لیے گھر جاکر خوش ہوجاتے ہیں۔"

"یہ سب اسی قبیلے کے لوگ ہیں جن کے بارے میں شاعر نے کہا ہے ۔

یہ غازی' یہ تیرے پراسرار بندے جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا' سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی"

گاڑی میں بیٹھنے تک ہم دونوں کے ذہنوں پر سلمیٰ کی پُرجوش تواضع کا سرور چھایا رہا لیکن سفر کی ابتدا ہوتے ہی میرا ذہن رستم اور اس کے ٹھکانے کی طرف چلا گیا۔ سلطان بھی خاموش ہوکر کسی گہری سوچ میں گم ہوچکا تھا۔

"مجھے رہ رہ کر ایک اندیشہ ستا رہا ہے۔" کلفٹن کے پل پر سلطان شاہ نے سکوت توڑا۔

"کہیں رستم ہمیں پکڑ کر چوہے دان میں بند نہ کردے؟" میں نے تمسخر سے پوچھا۔

"کچھ ایسی ہی بات ہے۔ ابھی تک ہمیں ملنگ کے بارے میں کچھ پتا نہیں کہ وہ کہاں ہے۔" سلطان شاہ نے اپنا اندیشہ بیان کر ڈالا۔ "ایسا نہ ہو کہ وہ بسیرا پہنچا ہوا ہو۔"

"یہ ذمے داری اول خان کی ہے۔ تمہیں فکر کیوں لاحق ہورہی ہے؟"

"کیوں نہ ہم موبائل فون پر رابطہ کرکے اس سے معلوم کرلیں۔" اس نے مشورہ دیا۔

"اسے بھی ہمارا موبائل نمبر معلوم ہے۔ کوئی گڑبڑ ہوتی تو وہ خود ہی فون کرکے ہمیں ہوشیار کردیتا۔ اس کی طرف سے خاموشی کا مطلب ہے کہ میدان صاف ہے۔"

"پھر بھی بات کرنے میں کیا حرج ہے۔" اس نے اصرار کیا۔

"ضرور بات کرلو۔ میں تو کہتا ہوں کہ تمہیں کوئی وہم ہورہا ہے تو یہیں اتر کر ٹیکسی سے اسٹیشن فور چلے جاؤ۔ میں خود ہی رستم سے بات کرلوں گا۔"

"اگر تم اسی قدر پُراعتماد ہو تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔" اس نے کسی توقف کے بغیر کہا "میرے ذہن میں ایک شبے نے سر ابھارا تھا۔ میرا فرض تھا کہ تمہیں آگاہ کردوں۔ ہونا وہی ہے جو تم چاہو گے کیونکہ ہماری دو نفری جماعت کے سربراہ تم ہی ہو۔"

"پھر بھی تم اول خان سے بات کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ ملنگ وہاں موجود ہو۔ اول خان کی فرض شناسی کے بارے میں میری ہر خوش فہمی دھری رہ جائے اور تمہیں پھر کبھی اس سے بات کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ راستے صاف ہیں۔ ہم ذرا سی دیر میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھالو۔"

سلطان شاہ فوراً کچھ نہ بولا۔ وہ تذبذب کی حالت میں تھا اور شاید گھٹتی بڑھتی روشنیوں میں میرا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے اندازہ نہیں ہوسکا کہ میں نے وہ باتیں سنجیدگی سے کہی تھیں یا اس کے خوف پر طنز کیا تھا۔

"تم گاڑی بہت تیز چلا رہے ہو۔ ہمیں ٹھیک گیارہ بجے وہاں نہیں پہنچنا۔" خاصے توقف کے بعد وہ بولا "ہمارا وقت گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان مقرر ہے۔"

"تم نے اول خان کو فون نہیں کیا۔ میں نے گاڑی کی رفتار قدرے کم کرلی۔

"ضرورت نہیں ہے۔ میں نے یہ دیکھ لیا ہے کہ ہمارا فون آن ہے۔"

بقیہ سفر خاموشی اور تناؤ کے عالم میں طے ہوا۔ اس کے اپنے

تحفظات تھے، میں اپنے تفکرات کی دنیا میں ڈوبا ہوا تھا۔
گیارہ بج کر سات منٹ پر ہماری گاڑی بسیرا کے آہنی پھاٹک کے سامنے موجود تھی۔
آہنی پھاٹک کا ایک در خاموشی سے اندر کھلا۔ میں نے جوں ہی گاڑی آگے بڑھائی۔ بسیرا کا پُرشکوہ اور ناقابلِ فراموش منظر میرے سامنے تھا۔
عمارت کی تمام کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے جن سے چھن کر روشنی باہر آرہی تھی۔ پختہ روشوں کے اطراف میں پایوں پر لگے ہوئے سارے دودھیا گولے روشن تھے۔ باغ اور لان کے چیدہ چیدہ مقامات پر اس طرح روشنی کا اہتمام کیا گیا تھا کہ ڈھلتی رات کے گھور اندھیرے میں بسیرا میں بنی ہوئی ننھی سی دنیا بہت خوب صورت اور خواب ناک نظر آرہی تھی۔
بسیرا میں وہ ہماری دوسری آمد تھی۔ گاڑی وہی تھی، چہرے وہی تھے، وقت کا دورانیہ طے شدہ تھا اور یہ باتیں شاید ڈیوٹی پر موجود سارے عملے کو معلوم تھیں۔ ہمیں کہیں روکا گیا، نہ ہم سے ہتھیار طلب کئے گئے۔ میں رستم کی بنائی ہوئی اس جنت کے نظاروں سے لطف لیتا اور بہت ہلکی رفتار سے ڈرائیونگ کرتا ہوا پختہ روش پر آگے بڑھتا رہا۔
روش کے اختتام سے کچھ پہلے، پرانی جگہ پر کھڑے ہوئے باوردی شخص نے اشارہ کیا، گاڑی رکی، ادب سے میرا دروازہ کھولا گیا اور ہم نیچے اتر گئے۔
اس وقت بھی رستم وہیں تھا جہاں اس سے ہماری پچھلی ملاقات ہوئی تھی جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا، وہاں کافی روشنی تھی۔ اس کے اردگرد دور دور تک پھولوں کے کنج اور پودوں کے تختے ہلکی روشنی میں اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ ہم ان مناظر سے واضح طور پر مرعوب تھے اور اپنی اس کیفیت پر غالب آنے کی کوشش کئے بغیر اس کے سامنے پہنچ گئے۔
اس نے مسکرا کر ہمارا استقبال کیا۔ اس کی عقابی نظریں ہمارے جسموں میں اتری جارہی تھیں۔ ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اپنی جگہ جم کر سرد اور دھیمی آواز میں پوچھا "تم خالی ہاتھ کیوں آئے ہو، کیا تمہیں کچھ بتایا نہیں گیا تھا؟"
میں نے جلدی سے جیب سے لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کی نظریں لفافے پر پڑیں اور پھر اس کا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔
"یہ کیا مذاق ہے؟" اس کی آواز غصیلی تھی مگر اس کا لہجہ بلند نہیں ہوا تھا "تم سے سات پیٹیاں لانے کے لیے کہا گیا تھا۔ یہ تو پوری ایک پیٹی بھی معلوم نہیں ہوتی۔"
اس کے فطری ردِّعمل کو دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کرنے لگے تھے مگر میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا "یہ پاکستانی روپے نہیں، امریکی ڈالرز ہیں۔ حساب کرو گے تو مال سات پیٹی سے دو چار ہزار اوپر ہی ہو گا۔" اس دوران میں میرا بڑھا ہوا ہاتھ فضا میں معلق رہا تھا۔
اس کے کانوں کی نرم اور لمبی لویں اپنے قدرتی رنگ پر لوٹ آئیں، چہرے کی سرخی کم ہوئی اور اس نے ہاتھ بڑھا کر میرے ہاتھ سے لفافہ لے لیا۔
رقم کے بارے میں اس کی بے تابی کے مدِّنظر میرا خیال تھا کہ وہ لفافہ کھول کر نوٹ گننے یا کم از کم دیکھے بغیر نہیں رہے گا مگر اس نے وہ لفافہ یوں ہی اپنے سامنے ٹیبل پر ڈال دیا۔
"یہ اٹھاؤ اور یہیں بیٹھ کر گن لو۔ سات پیٹی ہونا چاہیے۔" رستم نے ہمارے سروں کے اوپر کسی سے مخاطب ہو کر حکم دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس سے مخاطب تھا کیونکہ ہمارے ساتھ باوردی شخص تک باغیچے میں نہیں آیا تھا۔
غیر ارادی طور پر ہم دونوں کے سر پیچھے گھوم گئے۔ ہمارے پیچھے بڑی بڑی چمک دار آنکھوں اور گنجے سر والا ایک ادھیڑ عمر شخص پیٹ پر دونوں ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ پتا نہیں وہ ہماری بے خبری میں کب اور کہاں سے نمودار ہو کر رازداری سے ہمارے سروں پر مسلط ہو گیا تھا۔
میرے بدن میں خوف سے پھریریاں سی دوڑ گئیں۔ ہماری طرف سے کوئی گڑبڑ ہوئی ہوتی تو رستم کی جنبشِ ابرو پر وہ شخص نہایت اطمینان سے ہماری کھوپڑیاں اڑا سکتا تھا۔ ہمیں پتا بھی نہ چلتا کہ ہمیں نشانہ بنانے والا کون اور کہاں موجود تھا۔
وہ لفافہ لے کر رستم کے قدموں سے ذرا دور دبیز گھاس پر بیٹھ گیا اور لفافہ کھول کر ڈالر گننے لگا۔
"پرسوں شام تک تمہارا کام ہو جائے گا۔" رستم نے اپنے آدمی کی موجودگی کی پروا کیے بغیر مجھ سے کہا "رات کے گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان باقی تین لاکھ بھی یہاں پہنچ جانے چاہئیں۔"
"باقی تین لاکھ!" میرے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی استعجابیہ آواز برآمد ہوئی "تمہارے آدمی نے صرف سات پیٹی کی بات کی تھی۔ یہ دس ہو جاتی ہیں۔"
رستم کے چہرے پر ابھر آنے والی غصے کی سرخی معدوم ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی نرم اور دھیمی آواز میں کہا "اس نے پیشگی کی بات کی تھی۔ میں نے تمہیں کل ہی بتا دیا تھا کہ پردیس کا معاملہ ہے۔ سات سے دس تک خرچ آسکتا ہے۔ اتنا خرچ نہیں کر سکتے تو یہ سات بھی لے جاؤ۔"
میں نے محسوس کیا کہ گفتگو کے دوران میں وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنے مخاطب کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹاتا تھا۔ پلکیں جھپکائے بغیر مسلسل اس کے چہرے کی تحریر پڑھتا رہتا تھا۔
"صاحب! آج کے بھاؤ سے یہ تین ہزار کے لگ بھگ زیادہ ہیں" اس کے آدمی نے نوٹوں کی گنتی کے ساتھ ہی زبانی حساب لگا کر میری بات کی تصدیق کر دی۔

"تین بھی پہنچ جائیں گے" میں نے کمزور آواز میں کہا "تمہارا آدمی بتادیتا تو ہم پورے دس لے آتے۔ اب تم باقی تین لاکھ کے لیے کوئی ضمانت مانگو گے؟"

"لے جاؤ" اس نے اپنے آدمی کی طرف دیکھے بغیر ہاتھ کے اشارے سے حکم دیا پھر مجھ سے کہا "اپنے مال کی سب سے بڑی ضمانت میں خود ہوں۔ یہ جانتا ہوں کہ جو کام ہونے سے پہلے سات دے سکتا ہے' کام ہونے کے بعد خوشی سے تین بھی پہنچادے گا۔ میرا مال دبانے والا آج تک نہیں پنپ سکا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ تمہیں ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی" میں نے پہلو بدل کر وعدہ کیا۔

"تم بے آرام ہو..... مجھ سے نظریں چرا رہے ہو۔ اگر تمہاری نیت میں کوئی کھوٹ ہے تو یہ بتادوں کہ وقت پر رقم نہ ملی تو پھر میں رقم نہیں' انتقام لیتا ہوں۔ تم دونوں کی وڈیو بن چکی ہے۔ یہ باتیں بھی ریکارڈ ہو رہی ہیں۔ تم نے بے ایمانی کی تو یہ چیزیں تین لاکھ میں' مارے جانے والے کے وارثوں کو دے دی جائیں گی۔ میرا حساب پورا ہو جائے گا اور وہ لوگ تمہیں ڈھونڈ کر مار ڈالیں گے۔"

"یہ دونوں ریکارڈنگز ہمیشہ تمہارے پاس رہیں گی؟" میں نے گھبرا کے پوچھا۔

اس نے دھیرے سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور متانت سے بولا "میرا حساب پورا ہوتے ہی انہیں برقی بھٹی میں جلادیا جائے گا۔ یہ باتیں میں ہر ایک کو نہیں بتاتا' ایسے گاہکوں کو ضرور جتاتا ہوں جو تمہاری طرح پریشان خیال اور گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں۔"

میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "میرے بارے میں تمہارے اندازے درست نہیں ہیں۔ تم کام کروادو۔ میں رقم پوری کردوں گا۔"

"پرسوں کا دن یاد رکھنا" اس نے تاکید کی پھر پوچھا "اب اس کا نام پتا بھی بتادو۔"

"اوبرائن ڈی ہنٹ!" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جواب دیا "کراچی میں امریکی قونصل خانے کا ویزا افسر ہے۔ آج کل نئی دہلی میں ہے۔ اس کا پتا مجھے نہیں معلوم۔"

"اوہ!" وہ دونوں ملاقاتوں میں پہلی بار متحیر نظر آیا "تو وہ امریکی سفارتی افسر ہے۔ یہ بات پہلے معلوم ہوگئی ہوتی تو شاید میں انکار کردیتا۔"

"میں کل ہی بتانا چاہ رہا تھا مگر تم نے روک دیا۔ اس میں میرا قصور نہیں ہے۔"

"میں مانتا ہوں۔ میرا پہلا اندازہ تھا کہ تم اپنے کسی دشمن کے قتل کے لیے دس لاکھ نہیں دے سکتے۔ اتنی بڑی رقم کی ادائیگی پر تمہاری تیاری میرے لیے حیران کرنے والی بات تھی۔"

"انا کے لیے آدمی اس سے بڑا جوا بھی کھیل گزرتا ہے" اس

ایک عورت نے اپنی سہیلی سے کہا "تمہارا شوہر بہت عقل مند دکھائی دیتا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے اسے ہر بات کا علم ہے؟"

عورت نے کہا "احمق نہ بنو۔ اسے تو شبہ بھی نہیں ہے۔"

س م شرافت کی رازداری' بھائی پھیرو سے

کی جواب طلب خاموشی میں مجھے بولنا پڑا۔ میں کم سے کم وقت میں وہ ملاقات ختم کرنے کا خواہاں تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ گفتگو کی طوالت میں کہیں اسے پھسل کر اپنے وعدے سے منحرف ہونے کا موقع نہ مل جائے۔

"میں لمبے چکروں سے دور رہتا ہوں۔ تم سے سودا کرلیا ہے تو اسے ضرور پورا کروں گا مگر یہ یاد رکھنا کہ تم اس کا کوئی پتا ٹھکانا بتانے میں ناکام رہے ہو۔"

"اسے کوئی عذر نہیں بننا چاہیے۔ وہ مشہور آدمی ہے۔ اس کا پتا آسانی سے مل جائے گا۔"

میری بات پر لمحہ بھر کے لیے اس کا چہرہ متغیر ہوا مگر وہ فوراً ہی مسکرادیا "میں حیلے اور بہانے نہیں ڈھونڈتا۔ کام کرتا ہوں یا انکار کردیتا ہوں۔ یہ کام ہوگا اور پرسوں تک ضرور ہوگا۔"

اس کے مضبوط اقرار پر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ شاید میں نے اس کی صحیح رگ دبائی تھی۔

"مجھے کیسے پتا چلے گا کہ کام ہوگیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

اس کے گلابی ہونٹوں پر دوبارہ خفیف سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے کہا "وہ مشہور آدمی ہے۔ اس کی موت کی خبر اخباروں میں ضرور آئے گی۔ ویسے تم پرسوں شام سات بجے فون کرلینا۔"

"فون پر تم سے بات کرنا شاید ناممکن ہے۔ تمہارے آدمی کے پاس ہر جواب موجود ہوتا ہے" موقع میسر آتے ہی میں نے شکایت کردی۔

"میں بہت مصروف ہوتا ہوں اور اپنے ہر مہمان کو پوری رازداری فراہم کرتا ہوں۔ آج کے فون کے لیے میں نے تمہیں کوئی وقت نہیں دیا تھا۔ تمہارا فون آیا تو میں مصروف تھا۔ جب میں وقت دیتا ہوں تو خود ہی بات کرتا ہوں۔ اس میں میرے آدمی کا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"ابھی تم نے اوبرائن کی موت کا ذکر کیا تھا۔ ہم اس کے مرنے کا انتظار نہیں کرسکتے۔ ابھی تک جو کچھ طے ہوا ہے اس کے مطابق اوبرائن کو قتل کرنا ہے۔"

"قتل بھی مرگ یا موت کی ایک صورت ہے۔ تم مطمئن رہو'

تمہاری رقم برباد نہیں ہوگی۔"

بارہ بجنے میں دیر تھی مگر ضروری باتیں ہو چکی تھیں۔ میں وہاں سے اٹھنا چاہ رہا تھا مگر کسی تواضع کے بغیر ہمیں یوں رخصت کردینا شاید رستم کی مہمان نوازی کی روایات کے خلاف تھا۔ اس نے ہمیں چائے کے لیے روکا اور میں نے اٹھنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔

گفتگو کے دوران میں وہ ایک بار میری بے چینی محسوس کر کے کھلے لفظوں میں میری نیت پر اپنے شبے کا اظہار کرچکا تھا۔ اگر میں وہاں سے روانہ ہونے میں عجلت دکھاتا تو اس کے دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو مزید تقویت مل سکتی تھی۔

رستم جتنا سیدھا اور کھرا نظر آتا تھا' وہ درحقیقت ویسا نہیں تھا۔ جب اس نے اوبرائن کے قتل کے عوض اچانک ہی مزید تین لاکھ روپے کا مطالبہ کیا تو مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ میں اس کی طرف سے اس خوش گمانی میں مبتلا تھا کہ وہ ایک اصول پسند مجرم ہے۔ اپنے کسی لگے بندھے فارمولے کے تحت کاموں کے معاوضے کا تعین کرتا ہے۔ اس نے ابتدا میں سات سے دس لاکھ کا تخمینہ دیا تھا لیکن شام کو اس کے آدمی نے فون پر صرف سات لاکھ کا ذکر کرکے میرے دل میں رستم کے لیے جگہ پیدا کردی تھی۔

رستم نے اپنے بارے میں میری وہ غلط فہمی زیادہ دیر برقرار نہیں رہنے دی تھی۔ پہلے کم رقم یا صرف پیشگی رقم کا مطالبہ کر کے اس نے یہ دیکھا تھا کہ میں یعنی ملک ممتاز کس مالی حیثیت کا مالک ہوں۔ جب سات لاکھ اس کے ہاتھ میں آگئے تو اس نے کام سے دستبردار ہونے کی دھمکی دے کر مزید تین لاکھ کا مطالبہ پیش کردیا۔

اس پورے معاملے میں صرف ایک ہی بات قابلِ اطمینان تھی کہ سب کچھ طے ہوجانے کے باوجود رستم نے میرے پتے یا ٹھکانے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا تھا۔ جب میں نے خود بقیہ تین لاکھ کی ضمانت کا ذکر چھیڑا تو اس نے وصولی کے ظالمانہ نظام پر روشنی ڈال کر یہ واضح کردیا تھا کہ وہ اپنی بساط کا ماہر کھلاڑی تھا۔ کسی کی مدد یا ضمانت کے بغیر اپنے مہروں کو بڑھانے کے فن سے اچھی طرح واقف تھا۔ میرے کسی رابطے سے بے خبر رہنے کے باوجود اسے اپنی رقم ڈوبنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

چائے آئی تو ٹرے میں تازہ پھلوں کے ساتھ دوسرے لوازم بھی موجود تھے۔ پچھلی شام کے مقابلے میں اس رات ہماری ضیافت کا کچھ زیادہ ہی اہتمام کیا گیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم اسے ایک بڑی رقم دے کر باقاعدہ اس کے گاہک بن چکے تھے۔

"ملک افضل!" اس نے چائے کی پیالی سے پہلا گھونٹ لے کر غور سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور تائید طلب لہجے میں اس کا مفروضہ نام دہرایا۔ سلطان شاہ نے بے ساختہ اثبات میں اپنا سر ہلادیا۔ قدرے توقف کے بعد رستم نے اپنی بات جاری رکھی "کل سے اب تک میں نے سلام دعا کے سوا تمہاری آواز نہیں سنی۔ چہرے سے تم اتنے کم گو معلوم نہیں ہوتے۔"

وہ بلا کا گھاگ اور چہرہ شناس تھا۔ سلطان شاہ کھسیائے ہوئے انداز میں مسکرا کر بولا "جی بڑے ملک صاحب سارے معاملات پر ٹھیک ٹھاک بات کررہے ہیں تو مجھے بیچ میں دخل دینے کی کیا ضرورت تھی۔ ان کے سامنے میں کم ہی بولتا ہوں۔"

"بڑوں کا لحاظ کرنا بہت اچھی عادت ہے مگر اس چکر میں انسان کو اپنی شناخت سے محروم نہیں ہونا چاہیے۔" پتا نہیں وہ کیا سوچ کر سلطان شاہ کے پیچھے پڑ گیا تھا۔

"شناخت کے لیے میرا نام ہی کافی ہے" سلطان شاہ نے اس مرتبہ اعتماد سے جواب دیا "ہم جہاں جاتے ہیں بڑے اور چھوٹے ملک کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔"

"مجھے کوئی خاص ضرورت نہیں ہے لیکن تمہارا کام ٹیڑھا ہے" رستم نے حسبِ عادت سلطان شاہ کے چہرے پر نظریں گاڑ کر دھیمی آواز میں کہا "شاید کوئی مسئلہ نکل ہی آئے۔ مجھے اپنا کوئی فون نمبر بتادو جس پر تم میں سے کسی سے رابطہ ہوسکے۔"

رستم کا وہ مطالبہ سلطان شاہ کے لیے ہی نہیں' میرے لیے بھی غیر متوقع تھا۔ اس کے چہرے پر بدحواسی طاری ہوگئی۔ اس نے بوکھلا کر امداد طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ رستم بدستور اسے گھورے جارہا تھا۔ سلطان شاہ کی بوکھلاہٹ پر اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

"میرا موبائل نمبر لکھ لو" میں نے اونچی آواز میں رستم سے مخاطب ہو کر کہا۔

"مجھے معلوم تھا کہ اس سوال کا جواب تم ہی دوگے" رستم نے سرد آواز میں کہا "سایہ دار اور تناور درخت کے آس پاس کچھ نہیں اگ سکتا۔ وہ ہر کونپل کو جلا کر راکھ کردیتا ہے۔ تم اتنے زبردست آدمی ہو تو سچ سچ بتاؤ کہ اوبرائن کو مروانے کے لیے میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

میرے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ چائے پلا کر اس نے یکایک ہی ایک خطرناک موضوع چھیڑدیا تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس کے ذہن میں دھیرے دھیرے پروان چڑھنے والے شکوک و شبہات اس وقت کوئی واضح روپ دھار چکے تھے۔

وہ ہم دونوں کے لیے کوئی اچھا شگون نہیں تھا۔ بسیرا کی چاردیواری میں ہمارا کوئی معاون یا مددگار نہیں تھا۔ ہم پوری طرح رستم اور اس کے ملازمین کے لشکر کے رحم و کرم پر تھے۔ ہمارے پاس امید کی پہلی اور آخری کرن دو بھرے ہوئے ریوالوروں کی صورت میں نمایاں تھی۔

میں نے آخری معرکے کا ارادہ کرتے ہوئے فیصلہ کن تیوروں کے ساتھ رستم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

قید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ راس المیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ایک ساتھی جان، ویرا کو اغوا کر کے لے گیا اور ویرا کی رہائی کے بدلے راس المیڈا کی رہائی کا طلب گار ہوا۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکیوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں اس کا قصہ جلد پاک ہونا چاہیے۔ ویرا کی رہائی کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں نیلو بیابیہ کا دو لفظی خفیہ پیغام سامنے آیا۔ راس المیڈا پر تشدد کے ذریعے اس پیغام کی معنویت معلوم کی گئی۔ اس نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت را کے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے راس المیڈا کو جہنم رسید کر کے اپنے باپ جی لائیڈ کا انتقام لے لیا۔ اب ہمارے سامنے را کے ایجنٹوں کی تلاش تھی کیونکہ وہ بم دھماکوں کے ذریعے وہ اپنی موجودگی کا ثبوت دے چکے تھے۔ ہم نے را کے ایجنٹوں کو پاکستان لانے والے بحری اسمگلر غفور بھٹی اور پھر حاجی دل مراد پر محنت کر کے دونوں ایجنٹوں کا سراغ لگالیا۔ بخشل کے ذریعے میں دونوں ایجنٹوں سے مقامی گینگ لیڈر کے روپ میں ملا اور وہ دونوں میرے جال میں پھنس کر مجھے میری ہی تلاش کا کام سونپ بیٹھے۔ اسی اثنا میں راس المیڈا کے جانشین آئزک بیل نے کوٹ ادو تھرمل پاور اسٹیشن میں بم دھماکا کردیا مگر ملزم پکڑا گیا۔ را کے دونوں ایجنٹوں کے توسط سے میں نے انڈین قونصلیٹ کے ملازم مدن موہن کو گھیر لیا جس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ را کے ایجنٹوں وکرم اور ارجن (جن کے اصل نام بدری ناتھ اور رمیش اگروال تھے) سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں راس المیڈا کی خواہش پر پاکستان آئے تھے اور اب اس کی موت کے بعد انہیں مزید ہدایات امریکی قونصلیٹ کے نک موڈلے سے ملتی تھیں۔ ابتدائی احکامات کے مطابق وہ براہ راست نک موڈلے سے نہیں مل سکتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ نک موڈلے اور ان کے درمیان رابطے کا کام میں انجام دوں مگر میں اس میں پوشیدہ خطرات کے پیش نظر اس کے لیے رضامند نہیں تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ نک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسمیٹر بھجوایا تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی پیشہ ورانہ خلیج تھی، بدری کو نک کا تحکمانہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ مجھے امریکا لے جانے کا خواہش مند تھا۔ میرے لیے ڈیوڈ اسٹارز کو ختم کرنے کا یہ نادر موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ بدری سے وہاں کا رابطے کا نمبر لے کر میں ویرا کے ساتھ لندن روانہ ہوگیا۔ دورانِ سفر مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوئی جو شراب وشباب کے بدلے اہم معلومات مدن موہن کو فراہم کرتا تھا۔ اسے میں نے واپس پاکستان بھجوایا جہاں اول خان نے اس سے ملک دشمنی کا حساب بے باق کردیا۔ میں نے بدری کے دیئے ہوئے نمبر کے ذریعے بھارتی ایجنٹ گیتا سے ملاقات کی۔ وہ اپنے ساتھی کی مدد سے مجھ سے میری اصلیت اگلوانے کی خواہش مند تھی مگر ویرا نے ان دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ بدری اور رمیش لندن پہنچے جہاں رمیش ویرا کا شکار ہوگیا۔ پاکستان سے اطلاع ملی کہ سلطان شاہ کو راس المیڈا کے اشارے پر اغوا کرلیا گیا ہے۔ اپنی امریکا منتقلی کے دوران میں سلطان شاہ نے امریکی سی ون تھرٹی کو اغوا کرلیا۔ میں نے راس المیڈا سے طویل گفتگو کی اور اسے سلطان شاہ کو رہا کرنے پر مجبور کردیا۔ اس وقت تک بدری ناتھ امریکا روانہ ہوچکا تھا۔ ہم نے بھی امریکا کا رختِ سفر باندھ لیا۔ سفر میں ویرا نے بین الاقوامی ریکٹ کے شکار خرم نامی ایک نوجوان کی مدد کی جس کی وجہ سے وہ خود ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور راس المیڈا کو ہماری امریکا آمد کا علم ہوگیا۔ امریکا میں ہم نے ویرا کے پرانے مہربان شناسا بلیک ڈیڈ اور آئزک بیل کی رنجش انکارپوریٹڈ میں کام کرنے والی ویرا کی دوست جینی کی مدد سے کراچی ایٹمی بجلی گھر کو ترسیل کیے گئے پرزوں کو کلیئر کیا۔ جینی نے ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کی اصل فائل ہمارے سپرد کی۔ اس فائل کی گمشدگی سے راس المیڈا کی کی بربادیوں کا آغاز ہوگیا۔ اسے سی آئی اے نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ راس المیڈا کے بعد میں نے بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کا پتا چلا کر بلیک ڈیڈ کی مدد سے انہیں واصلِ جہنم کردیا۔ نک موڈلے بھی امریکا میں اپنی اتفاقی موجودگی کے باعث ہمارا نشانہ بن گیا۔ میری مسلسل کامیابیوں اور کامرانیوں کے بعد بدری نے مجھ پر ذینی ہونے کا شبہ ظاہر کیا چنانچہ میں بدری کے متعلق بھی فیصلے پر پہنچ گیا۔ امریکن سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر میں تین امریکی اہل کاروں کے ہمراہ بدری ناتھ کے انجام کے ساتھ ہی ہم پاکستان واپس روانہ ہوگئے۔ پاکستان میں مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں، کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا۔ کھنول راجوانی اپنی سیاسی حیثیت کے باعث ہمارے لیے تر نوالہ ثابت نہیں ہوا۔ اس نے ہم پر قاتلانہ حملہ کرایا اور اول خان کی گرفت میں آکر بھی نہایت چالاکی سے فرار ہوکر اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ بہت تگ و دو کے بعد وہ وہاں ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس کی پشت پناہی کرنے والا چوہدری سلام بھی ہماری نظروں میں آگیا۔ کراچی میں کھنول کے کرگے کالو مکرانی کے اعترافی بیان نے کھنول کو کراچی واپس لانے پر مجبور کردیا جہاں وہ میری مخبری کے باعث امریکی ایجنٹوں سمیت مارا گیا۔ اب میرا نشانہ امریکی قونصل خانے کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ذینی کی تلاش میں اس کے کام آنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہوں۔ اوبی کے ذریعے مجھے علم ہوا کہ میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس اس کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اوبی کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے باعث اول خان نے اس کے متعلق اعلیٰ حکام سے بات کی تو انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ باہمی مشورے کے بعد میں نے اوبی سے رابطہ کیا۔ اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی اور دھن راج کے سپرد کردیا۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ نے اس کی پالتو کتیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں نے میجر بخشی سے رابطہ کیا تو اس نے مجھے فوری ملاقات کے لیے کلب میں طلب کرلیا۔ میں جانتا تھا کہ بظاہر رواروی میں دی گئی اس دعوت کے پس پردہ مقاصد بھی ضرور ہوں گے۔ اپنے ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ اس نے مجھ سے کرنل جمال دستی کے فوجی ماضی کے بارے میں سوال کیا لیکن میرے جارحانہ رویئے کی بنا پر اسے پسپا ہونا پڑا۔ دھن راج کی نگرانی کرنے والے ایس ٹی ایف کے اہل کار کی کارروائی کے نتیجے میں میری سرکوبی کے لیے بھیجے گئے اسلحے سے بھری ہوئی جیپ جہانگیر روڈ پر حادثے کا شکار ہوگئی۔ جیپ میں سوار تمام ملزمان اپنے سرغنہ بھیشم داس سمیت پکڑے گئے۔ بھیشم داس اگرچہ صرف دھن راج سے واقف تھا مگر ہمارے ایما پر اس نے اپنے اقبالی بیان میں اوبی کو بھی ملوث کردیا۔ جس کے بعد اوبی ہنٹ اور دھن راج نے راہِ فرار اختیار کی۔ اب صرف میجر بخشی ہمارے سامنے تھا۔ میجر بخشی نے ایک مرتبہ پھر مجھے کلب میں ملاقات کی دعوت دی، میں بھی اس سے اپنے تئیں آخری معرکے کے لیے تیار تھا۔ بھرپور تیاری کے ساتھ میں نے میجر بخشی سے ملاقات کی۔ حسب توقع میجر بخشی نے موہنی پنڈت نامی ایک کال گرل اور دو پیشہ ور قاتلوں کی مدد سے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی۔ اس کا داؤ الٹ گیا اور میں اسے بے دست وپا کر کے اسٹیشن فور لے آیا۔ اپنے اغوا سے اسے یقین ہوگیا کہ کرنل جمال دستی ذینی کا ہی ایک روپ ہے۔ اسٹیشن فور پر اس سے گفتگو اور پھر اس کی غیر مشروط رہائی کے باعث میں میجر بخشی کے ذہن سے یہ شک نکالنے میں کامیاب ہوگیا۔ دھن راج کی گرفتاری کے لیے عمرکوٹ جانے والی پولیس پارٹیاں اپنے مشن میں ناکام رہیں۔ میرے اغوا کی ناکام کوشش میں میجر بخشی کا ساتھ دینے والے دونوں پیشہ ور قاتلوں کا تعلق رستم نامی سفید پوش بدمعاش سے تھا جو معاوضے پر مختلف النوع جرائم کراتا تھا۔ رستم کے سامنے آنے سے ہم نے سوچا کہ ہندوستان فرار ہونے والے اوبی ہنٹ کو رستم کے ذریعے شکار کیا جائے۔ میں نے رستم سے ملاقات کی۔ اس نے مجھے اپنے جواب سے آگاہ کرنے کے لیے ایک دن بعد کا وقت دیا۔ کرنل جمال دستی کے کردار کو ختم کرنے کے لیے میں نے اس کی فرضی معطلی اور غیر ملک میں نئی تعیناتی سے میجر بخشی کو آگاہ کیا۔ وہ مجھ سے اب بھی بہت سی امیدیں وابستہ کیے تھا۔ میجر بخشی نے بتایا کہ ذینی کی تلاش کا کام اب رستم کے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ مصر تھا کہ میں اپنی خدمات اس کے سپرد کروں۔ میں نے اسے شش وپنج میں رکھنے کے لیے اپنی بیان کردہ فرضی مجبوریوں کے باوجود رستم کے آدمیوں سے ملاقات کی ہامی بھرلی۔ موسیٰ وہی بدمعاش تھا جو میرے کلب سے اغوا میں میجر بخشی کا معاون رہا تھا۔ میجر بخشی نے مجھے اس سے ملاقات کرنے کے لیے کہا اور میں ویرا اور سلطان شاہ کی ہمراہی میں اسے اغوا کر کے لے آیا۔ اس نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ موہنی پنڈت کا باپ پنڈت منوہر لال بھی اس گروپ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ہمارے لیے ایک نیا محاذ تھا۔ ویرا، غزالہ اور سلطان شاہ کے اصرار پر ہم نے اسٹیشن فور سے باہر رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اوبی ہنٹ کے قتل کا پیشگی معاوضہ دینے کے لیے رستم سے ملاقات کی۔ ملاقات کے آخر میں مجھے محسوس ہوا کہ اس کے ذہن میں میرے خلاف پروان چڑھنے والے شکوک وشبہات واضح روپ دھار چکے تھے۔ بسیرا کی چار دیواری میں ہم دونوں بری طرح شکار ہوسکتے تھے۔ میں نے آخری معرکے کا ارادہ کرتے ہوئے فیصلہ کن تیوروں کے ساتھ رستم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"میں زبردست آدمی ہوتا تو واقعی اپنا کام خود کرتا، مدد لینے کے لیے تمہارے پاس نہ آتا۔" میں نے پلکیں جھپکائے بغیر رستم کو جواب دیا۔

"زبردست وہ ہوتا ہے جس کے سامنے دوسرے دم بھی نہ مار سکیں۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "میں نے پہلے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ ملک افضل تم سے ڈرتا ہے۔ تمہاری مرضی کے

بغیر میرے کسی ٹیڑھے سوال کا جواب نہیں دے سکے گا۔"
"اسی لیے تم نے اس سے فون نمبر یا پتے کے بارے میں پوچھا تھا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
وہ دھیرے سے ہنسا اور بولا "جو میں نے سوچا تھا' وہی ہوا۔ چھوٹے ملک نے بوکھلا کر تمہاری طرف دیکھا اور تمہیں بولنا پڑ گیا۔ میرا شبہ بے بنیاد نہیں تھا۔"
"تو کیا تم ہم دونوں پر کسی قسم کا شبہ بھی کر رہے ہو؟" میں نے ناگواری سے پوچھا۔
"یہ شبہ ہی تھا کہ تم نے چھوٹے ملک کو بُری طرح دبا کر رکھا ہوا ہے!"
"تم نے اپنے طور پر اس کی تصدیق کر لی۔ کیا اس سے ہماری ڈیل پر کوئی اثر پڑے گا؟" اس بار میں اپنی آواز میں بڑھنے والی تلخی پر قابو نہ رکھ سکا۔
"چائے پیو' ٹھنڈی ہو کر بے مزہ ہو جائے گی۔" اس نے میرے لہجے کی تلخی کو یکسر نظر انداز کر کے نرمی سے کہا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میرے ردِعمل سے محظوظ ہو رہا ہو۔
"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" میں نے چائے کی پیالی اٹھا کر اسے یاد دلایا۔
"رستم اپنے قول سے کبھی نہیں پھرتا۔ جو بات طے ہو گئی' وہ طے ہو گئی۔ تم کالے چور ہو تب بھی وہ کام پورا ہو گا۔ نئی دہلی میں تمہارا دشمن مقررہ وقت کے اندر اندر مار دیا جائے گا۔"
"تم نے میرا موبائل نمبر نہیں لیا!" میں نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔
"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا "میں نے وہ سوال چھیڑنے کے لیے کیا تھا۔ میرا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ لوگ کتابیں پڑھنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ میرے لیے ہر چہرہ ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہوتا ہے اور میں اسے پڑھ کر خوشی محسوس کرتا ہوں۔"
"میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔" میں نے تلخی کو فراموش کر کے سوال کیا۔
"ضدی اور حوصلہ مند آدمی ہو۔ مجھے اب بھی حیرت ہے کہ تم نے اپنا زورِ بازو آزمانے کے بجائے میری مدد لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ قدم تمہارے مزاج سے میل نہیں کھاتا۔"
"وہ یہاں ٹکا رہتا تو شاید میں نے تمہارا رخ نہ کیا ہوتا۔ میرے ہاتھ اتنے لمبے نہیں ہیں کہ میں نئی دہلی میں اس کو مزہ چکھا سکوں۔ یہ کام تم جیسا پیشہ ور ہی کر سکتا ہے۔"
"تمہارا کام اس خوب صورتی سے پورا ہو گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ ایسے ہر منصوبے میں میری کوشش ہوتی ہے کہ جرم ہونے کے باوجود کسی کو جرم کا شبہ نہ ہو۔ اوبرائن کے بارے میں میرے ذہن میں ایک تجویز کا خاکہ تیار ہونا شروع ہو گیا ہے۔"
"مناسب سمجھو تو مجھے بھی اس سے آگاہ کر دو۔ یہ باتیں

"یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں نے ابھی تک تم سے یہ نہیں پوچھا کہ امریکا جیسے بڑے ملک کے ایک اہم سفارتی ملازم سے تمہاری کیا دشمنی ہے اور تم اسے کیوں مروانا چاہتے ہو۔"
"میں بتانے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے اسے پیشکش کی "تم نے خود اس بارے میں دلچسپی نہیں لی۔"
"میں غیر متعلقہ باتوں سے دور رہنے کے اصول پر سختی سے عمل کرتا ہوں۔ تمہاری دشمنی کیوں ہے؟ تم اسے کیوں مروانا چاہتے ہو؟ یہ تمہارے مسائل ہیں۔"
"میرے بارے میں تجسس کا مظاہرہ کر کے تم نے اپنے اصول سے انحراف کیا ہے!"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس نے میرے چہرے سے نظریں ہٹا کر دھیرے سے اعتراف کیا "میرا یہ تجسس بلاوجہ نہیں تھا۔"
"اگر تم اپنے اصولوں کے بارے میں اتنے ہی سخت اور کھرے ہو تو اب تمہیں تجسس کی وجہ بھی بتا دینی چاہیے۔ یہ جاننا میرا حق بنتا ہے۔" موقع پاتے ہی میں نے مطالبہ کر دیا۔
وہ لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑ گیا پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا "تمہیں معلوم ہو گا کہ میں ایرانی نژاد ہوں۔ یہاں کی سیاست کے بکھیڑوں سے مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے جبکہ یہاں کے اخبار سیاست ہی سیاست میں لتھڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں اخبار نہیں پڑھتا۔ اپنا کام کرتا ہوں اور فاضل وقت اپنے بال بچوں میں مگن رہ کر گزارتا ہوں۔ اپنی چار دیواری میں مجھے دنیا کی ساری خوشیاں میسر ہیں۔ مجھے کسی ضرورت کے لیے باہر نہیں جانا پڑتا۔"
وہ چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوا تو میں نے اسے ٹوکا "تمہارا یہ تعارف بہت زیادہ قابلِ رشک ہے مگر اس میں میرے سوال کا جواب کہیں بھی نہیں ہے۔"
"میں اسی طرف آ رہا تھا۔" وہ بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اپنے کان کی لو مسلتے ہوئے بولا "آنے جانے والوں سے مجھے باہر کی خبریں ملتی رہتی ہیں یا پھر ٹیلی وژن کا خبرنامہ اپنی کہانیاں سنا دیتا ہے۔ تم نے اپنے شکار کے طور پر ایک اہم سفارتی افسر کا نام لے کر مجھے چونکا دیا تھا۔ ایسے واقعات عام اور سرسری نہیں ہوتے۔ ان کی بنا پر بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کی زیرِ زمین سیاست میں کچھ تیزی آ رہی ہے اور آنے والے دن اچھے نہیں ہیں۔"
"سیاست تمہارا میدان نہیں ہے تو تمہیں اس بارے میں فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"
"میں نادانستگی میں کسی سیاسی سازش کا ایندھن بننا پسند نہیں کروں گا۔"
"میں اپنے ذاتی عناد کی بنا پر بدلہ لینے کے لیے تمہارے پاس آیا تھا۔ تمہیں سیاست کا اندیشہ کیوں ستانے لگا تھا؟" میں نے اس پر اپنا دباؤ بڑھایا۔
"میرے پاس صرف تم ہی نہیں آئے۔ دوسرے لوگ بھی

ایک بڑا کام میرے سپرد کیا گیا ہے۔ ایک ہفتے کی مختصر سی مدت میں دو بڑے بڑے کام سامنے آجائیں تو ذہن خود ہی کوئی راہ نکالنے لگتا ہے۔"

رستم ایرانی کے وہ الفاظ سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ اپنی گفتگو کے دوران میں انتہائی تسلسل سے رازداری اور غیر معمولی تجسس سے گریز کے اصولوں کے نقارے پیٹنے کے باوجود وہ باتوں کے جال میں پھنس گیا تھا۔ اوبرائن جیسے کسی اور کام کا تذکرہ میرے لیے دلچسپی سے خالی نہیں تھا۔

"کیا وہ بھی کسی سفارت کار کے قتل کا معاملہ ہے؟" میں نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"ضروری نہیں کہ صرف سفارتی افسروں کے قتل کو ہی اہم سمجھا جائے۔ بعض اوقات قتل سے بہت کم تر واقعات اپنے اثرات کی وجہ سے زیادہ اہم بن جاتے ہیں۔"

"میں تمہیں تفصیل بتانے پر مجبور نہیں کروں گا۔ میرے لیے صرف یہی جاننا کافی ہے کہ میرے جیسا کام تم کسی اور کے لیے بھی کر رہے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح تمہیں ایک ہی کام کا دہرا معاوضہ مل رہا ہو۔" بات ہرگز ایسی نہیں ہو سکتی تھی جو میں نے بیان کی تھی مگر اسے چڑانے، اشتعال دلانے اور مزید کچھ اور اگلنے پر مجبور کرنے کے لیے میں نے وہ حکمتِ عملی اختیار کی تھی۔

"اس بھول میں نہ رہنا۔" اس بار وہ واقعی چڑ کر بولا "اوبرائن کو دس لاکھ روپے کے عوض، صرف اور صرف تمہاری خواہش پر مارا جائے گا۔ دوسرا کام ڈینی نامی ایک آدمی کی تلاش کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی ایک اہم آدمی ہے اور امریکا والوں نے اس کی گرفتاری پر بیس لاکھ ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔"

میں نے بیسرا کی پُرشکوہ عمارت پر نگاہ ڈالتے ہوئے حیرت سے کہا "بیس لاکھ ڈالر کی رقم تم جیسے باحیثیت شخص کے لیے بھی بڑی ہے۔ تم دس چھوٹے کاموں...."

"خاموش رہو اور میری بات سنو!" اس نے دھیمی مگر سخت آواز میں مجھے ڈانٹ دیا "میں ایسے انعاموں پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔ مجھے اپنے صاف ستھرے کاموں سے اتنا کچھ مل جاتا ہے کہ مجھے ننگوں بھوکوں کی طرح کسی انعام کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔"

"پھر تمہیں ڈونی کی کیوں تلاش ہے؟" میں نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"ڈونی نہیں، ڈینی۔" اس نے میری تصحیح کی "کسی نے ایک مقررہ معاوضے پر مجھ سے اس کی تلاش کا معاملہ طے کیا ہے۔ تمہارے اور اس معاملے میں بس ایک بات مشترک ہے۔ امریکا والے ڈینی کے دشمن ہیں اور تم ایک امریکی کو مروانا چاہتے ہو۔"

میں نے ہنس کر اس کی بات کو اڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "جب سے امریکا والے عالمی پولیس مین بن بیٹھے ہیں، ہر جگہ ان کا نام آنے لگا ہے۔ میرا عناد ان سب سے نہیں، بس اوبرائن سے ہے۔ میرے معاملے کو تم اتنی گہری نظر سے دیکھنے کی کوشش مت کرو۔"

اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا "بارہ بجنے میں صرف سات منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ تم چاہو تو بارہ بجنے سے پہلے بھی جا سکتے ہو کیونکہ اب ہم اپنے اصل موضوع سے بھٹک کر دوسری غیر متعلقہ باتوں میں الجھنے لگے ہیں۔"

پہلے میں بے آرام تھا۔ اس وقت وہ مضطرب ہونے لگا تھا۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ ہمارے سامنے وہ ایک ایسے موضوع پر زبان کھول چکا تھا جو اس کے پیشہ ورانہ رازوں کے زمرے میں آتا تھا۔ ہم مزید سات منٹ تک اس کے سر پر سوار رہتے تو اس سے کچھ اور بھی اگلوا سکتے تھے۔

اس موڑ پر میں وہاں سے اٹھنے کے موڈ میں نہیں تھا لیکن مجھے رستم ایرانی کی خوشنودی بھی عزیز تھی۔ اسے میرے لیے ایک بڑا کام کرنا تھا۔ میری کسی حرکت کے نتیجے میں وہ ذرا بھی بددل ہو جاتا تو میں امریکیوں کو دہشت زدہ کرنے کے اعزاز سے محروم ہو سکتا تھا۔

"اگر تم ہماری موجودگی سے ناخوش ہو تو ہم اجازت چاہتے ہیں۔" میری تقلید میں سلطان شاہ بھی کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا۔

رستم نے اٹھ کر ہمیں الوداع کہا اور ہم بیسرا کے خواب ناک ماحول سے نکل کر چند منٹ بعد دوبارہ کراچی کی سڑکوں پر آگئے۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ سڑکوں پر ٹریفک کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ میں عقب نما آئینوں میں دور تک جائزہ لیتا رہا مگر اس رات بھی رستم نے کسی کو ہمارے پیچھے بھیجنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

کچھ دیر تک شہر کی سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے کے بعد میں نے گاڑی اسٹیشن فور کی راہ پر ڈال دی۔ وہ سفر خاموشی اور تیز رفتاری سے طے ہوا۔ بیس منٹ بعد ہم ملیر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔

چھاؤنی کی حدود میں چیک پوسٹوں کے سوا ہر طرف ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ دن بھر کی مشقت آمیز سرگرمیوں سے تھکے ہارے فوجیوں کے لیے وہ آرام کا وقت تھا۔ ہمارے کیمپ میں بھی کم و بیش وہی صورت تھی مگر ہمارا ایک کمرا آباد تھا۔

"میں نے جاتے ہوئے دانستہ بدشگونی سے گریز کیا تھا ورنہ میرا دل فکر مند تھا۔" سامنا ہوتے ہی اول خان نے مسرت کا ایک گہرا سانس لے کر کہا "آج کا معرکہ خطرناک تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم دونوں صحیح سلامت لوٹ آئے۔ میں گن گن کر گھڑیاں کاٹ رہا تھا۔"

"میں نے سنا تھا کہ صرف بوڑھی مائیں ہی اپنے جوان بیٹوں کے لیے اس طرح فکر مند رہتی ہیں۔ تم نے ان کو بھی مات کر دیا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا "ویرا کو دیکھو! کتنے سکون کے ساتھ اپنی کرسی میں نیم دراز ہے۔ تمہیں اسی سے کچھ سبق لینا چاہیے۔"

"یہ آپ کو اس وقت ایسی پرسکون نظر آرہی ہے۔" غزالہ نے اپنی سدابہار مسکراہٹ کے ساتھ کہا "آپ کی گاڑی کی آواز سننے سے پہلے ایسے ایسے دور دراز کے اندیشے بیان کر رہی تھی کہ ہم

دونوں پاگل ہو کر رہ گئے تھے۔"

"میرے وسوسے بے بنیاد نہیں تھے۔" ویرا نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر جواب دیا "ان دونوں سے پوچھ لو کہ رستم کوئی آسان حریف نہیں ہے۔ اس کی نگاہیں سینہ چیر کر اپنے مخاطب کے دل کو پڑھ لینے کی طاقت رکھتی ہوں گی۔ وہ اپنی کسی خوبی کی وجہ سے ہی مجرموں کے لشکر پر راج کر رہا ہے۔"

"تم سب ہی اپنی اپنی جگہ سچے ہو۔" میں نے انہیں جنگ بندی پر مجبور کرتے ہوئے کہا "آج اس سے گفتگو کے دوران ایک مرحلہ ایسا بھی آگیا تھا کہ مجھے مقابلے کی فضا نظر آنے لگی تھی۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم ان مراحل سے خیرو خوبی سے گزر آئے۔"

"اس نے رقم قبول کرلی؟" اول خان نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"آج کے لیے اس کے انکار سے بڑی ناکامی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

"یہ تمہارا اپنا خیال ہے؟" میرے جواب پر ویرا نے موشگافی کی "ہو سکتا ہے کہ ایسی ناکامی کا سامنا کرنا پڑ جائے۔ ہم اسی سوگ میں سر جھکائے بیٹھے تھے۔"

میں چونک پڑا "کیوں؟ یہاں کیا ہوا؟" فوری طور پر وہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

"ویرا نے اس کے ساتھ کراٹے کا کھیل شروع کردیا تھا۔ پٹتے پٹتے اسے دل کا شدید دورہ پڑا اور وہ گر کر بے ہوش ہو گیا..." اول خان نے بتانا شروع کیا۔

"وہ کہاں ہے؟ زندہ ہے یا مر گیا؟" میں نے بدحواس ہو کر اول خان کی بات کاٹ دی۔

"اس کی ناوقت موت کے سنگین اور دوررس مضمرات میری نگاہوں میں تھے۔ میں نے کوئی خطرہ مول لیے بغیر ہی کمبائنڈ ملٹری اسپتال سے ایمبولینس منگوا کر اسے وہاں منتقل کردیا۔"

"اس فیصلے پر پہنچنے میں ہمیں بس چند منٹ لگے۔ پہلے مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ مار سے بچنے کے لیے بے ہوش ہونے کی اداکاری کر رہا ہے۔"

"اور تم نے اس پر مزید جوتے برسانے شروع کردیے ہوں گے۔" میں نے اس پر ملامت کی "میں نے جاتے جاتے تاکید کی تھی کہ فی الحال اسے زندہ رکھنا ہماری ضرورت ہے۔"

"بعد میں ویرا نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔" اول خان نے اس کی صفائی پیش کی "ویرا کی تیزی اور پھرتی کی دہشت سے اس پر دل کا دورہ پڑ گیا ورنہ اس کی لگائی ہوئی کوئی ضرب جان لیوا نہیں تھی۔ موسیٰ نے میرے جوانوں کی اس سے زیادہ مار برداشت کی تھی۔"

"چلو، اب سربسجود ہو کر اس کی زندگی کی دعائیں مانگو۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "رستم ٹیڑھے دماغ کا آدمی ہے۔ اس وقت موسیٰ کی لاش اس کے سامنے آئی تو وہ اپنی مرضی کے نتیجے اخذ کرے گا اور ہمارا کام ہوا میں معلق ہو جائے گا۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ وہ بہترین ہاتھوں میں ہے۔ میں نے امراضِ قلب کے شعبے کے نگراں کو معاملے کی نزاکت سے آگاہ کردیا ہے۔ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ہوگا۔"

"خدا کی قدرت ہے۔" سلطان شاہ نے چھت کی طرف نظریں اٹھا کر کہا "دو روز بعد جسے جہنم واصل کرنا ہے، اس کی زندگی کے لیے آج ہم سب پریشان ہیں۔"

"وہ جلد ہی خطرے سے باہر نکال لیا جائے گا۔ اسے چھوڑو اور رستم سے اپنی ملاقات کے بارے میں بتاؤ۔" اول خان نے اسے گھور کر کہا۔

رستم کے گھر پر باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہوا تھا مگر وہ باتیں خاصی الجھی ہوئی اور پیچ دار تھیں۔ اول خان کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ میں نے رستم کی زبان سے میجر بخشی کے دعوے کی تائید کروالی تھی۔ اس توثیق کے بعد موسیٰ بہت اہم ہو گیا تھا۔

بہترین طبی امداد ملنے کے باوجود وہ جاں بر نہ ہوتا تو پھر اس کی لاش کو کسی بے نام قبر میں دفن کر کے ہی ہم سکھ کا سانس لے سکتے تھے۔ موسیٰ زندہ رہ کر ہمارے لیے بے ضرر تھا لیکن اس کی لاش سامنے آنے پر رستم کسی بھی ردِعمل کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔

"اور اب ملنگ بھی اسی قدر اہم ہو گیا ہے۔" ویرا نے اپنی دانست میں ہمیں یاد دلایا۔

"یہ نکتہ میں پہلے ہی سمجھ چکا ہوں۔" اول خان نے اس کی تائید کی "رستم نے اوبرائن اور ڈینی کے معاملات میں ایک یکسانیت کا ذکر کر کے خطرے کی گھنٹی بجادی ہے۔ ڈینی کو اب بہت محتاط رہنا ہوگا۔ رستم کو اس کی بھنک بھی نہیں ملنی چاہیے کہ وہ ڈینی سے ملتا رہا ہے۔"

"اب تم اپنی ساری کشتیاں جلا چکے ہو۔" ویرا نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "بقیہ رقم کی ادائیگی کے لیے پرسوں تمہیں رستم سے ملنا ہی پڑے گا۔"

"یہ ساری احتیاط اسی وقت تک کرنی ہوگی۔ اس کے بعد ہم کوئی نئی راہ تلاش کرلیں گے۔"

"نئی راہ اختیار کرنے سے پہلے پرانے سوراخ بند کرنے کے بارے میں سوچو۔" ویرا نے مربیانہ لہجے میں مشورہ دیا "کل کا دن خالی ہے۔ ہم اطمینان سے گلشن اقبال والے مکان میں منتقل ہوسکتے ہیں۔ اس دوران میں تم ملنگ کو اٹھوالو۔ ڈینی کے خلاف اس وقت وہی اکلوتا گواہ ہے۔"

"اسے راستے سے ہٹا دینے کے بعد میجر بخشی کے علاوہ کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکے گا کہ کرنل جمال دستی کون تھا۔ یہ فتنہ اب ختم ہوجانا چاہیے۔" سلطان شاہ بولا۔

اول خان کا چہرہ اتر گیا "کل تم چاروں یہاں سے جانے کا فیصلہ کرچکے ہو؟"

"پہلے سے کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔" میں نے جلدی سے کہا "ویرا نے ابھی ابھی یہ بات چھیڑی ہے اور میں اس کی رائے سے متفق ہوں۔ کچھ عرصے کے لیے ہمیں ایس ٹی ایف سے دور رہنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" اول خان نے قدرے توقف کے بعد کہا "تم سوچ سمجھ کر فیصلے کرتے ہو۔ میں تمہاری راہ نہیں روکوں گا۔ تم جب چاہوگے، تمہاری روانگی کا بندوبست کردیا جائے گا۔"

"ملنگ کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔" خاموشی سے سگریٹ سلگانے کے بعد میں نے سکوت توڑا۔

"تمہیں اس سے دور رہنا چاہیے۔ میں خود ہی اس کا کوئی بندوبست کروں گا۔ اس بار یہ احتیاط ضروری ہے کہ ملنگ کے قصے میں ایس ٹی ایف کا نام نہ آنے پائے۔"

"موسیٰ یہاں موجود ہے مگر تم ایجنسیوں کے استفسار پر اس کے قصے سے اپنی لاعلمی یا لاتعلقی ظاہر کرچکے ہو۔ اس مرتبہ بھی یہی کچھ کرنا ہوگا۔"

"میں جھوٹ کبھی نہیں بولتا۔ میں نے صرف اتنا کہا ہے کہ موسیٰ کو میرے آدمیوں نے نہیں اٹھایا اور یہ سو فی صد حقیقت ہے۔ اس کے بعد مجھ سے کچھ نہیں پوچھا گیا۔ ملنگ کا معاملہ مختلف ہوگا۔"

"موسیٰ کی موجودگی سے تمہارے عملے کے بہت سے لوگ واقف ہیں۔ اب سی ایم ایچ والے بھی آگاہ ہوگئے ہیں۔ اسے کوئی بھی چیک کرسکتا ہے۔ کئی ایجنسیاں براہِ راست سروسز سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہیں تمہارے تکنیکی جھوٹ کی ہوا لگ گئی تو کیا ہوگا؟" ویرا نے سوال کیا۔

"میرے آدمی صرف مجھے جواب دہ ہیں۔ اسپتال والوں کو صرف اتنا علم ہے کہ وہ ایس ٹی ایف کے بھیجے ہوئے ایک مریض کی دیکھ بھال کررہے ہیں۔ کسی اور ایجنسی کو اس کے بارے میں تردد میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اداروں میں ایسی ہم آہنگی نہ ہو تو ہروقت محاذ آرائیاں ہوتی رہیں۔"

"ان معاملات میں تمہاری صوابدید ہم سے زیادہ بہتر ہے۔" میں نے کہا "تم مطمئن ہو تو ہم بھی مطمئن ہیں۔"

"بس تو پھر کل منتقلی کا پروگرام طے ہے۔" ویرا نے اٹھتے اٹھتے ایک غیر ضروری بات دہرائی۔

"سورج طلوع ہوگا تو کچھ سوچا جائے گا۔ ابھی جاکر آرام کرو۔" میں نے ترشی سے کہا۔

دونوں عورتیں اپنے کمرے میں چلی گئیں تو اول خان بھی اٹھ گیا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "تم کہاں چلے؟ کیا آج کی رات ہمارے ساتھ بسر نہیں کروگے؟"

"میں کچھ کاموں میں الجھا ہوا ہوں۔" اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "جلد نمٹ گیا تو واپس آجاؤں گا ورنہ دفتر ہی میں کمر سیدھی کرلوں گا۔"

وہ واضح طور پر اداسی کا شکار ہوگیا تھا۔ میں جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بن گیا۔ اس وقت اول خان کو چھیڑنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ ایک دفعہ ہم اپنے نئے ٹھکانے پر منتقل ہوجاتے تو وہ دو چار دن میں سب کچھ بھول بھال کر اس عارضی صدمے سے نجات حاصل کرلیتا۔

"کیا ہماری منتقلی کے بارے میں تم اب بھی کسی تذبذب میں پڑے ہوئے ہو؟" چھت میں لگے ہوئے پنکھے کے دھیمے اور یکساں شور میں پہلی بار سلطان شاہ کی آواز ابھری تو میں چونک پڑا۔ اول خان کے چلے جانے کے بعد میرا ذہن کہیں اور الجھ گیا تھا۔

"یہ کام کل ہو ہی جانا چاہیے۔ صبح ساری کاغذی کارروائیاں مکمل کرانے کے بعد تم ہی عورتوں کو وہاں لے جاؤ گے۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"کاغذی کارروائی کیا ہوتی ہے۔ بس اسٹیٹ ایجنٹ کو رقم دے کر کچھ دستخطوں کا تبادلہ کرنا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں ناشتے کے بعد یہاں سے چل دینا چاہیے مگر تم اس کارِ خیر سے خود کو الگ کیوں کررہے ہو۔"

"میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔ موسیٰ کے بیان کی صداقت کو جانچنے کے لیے کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا ہی پڑے گا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر پُرخیال لہجے میں کہا۔

"کیا پنڈت منوہر لال کی خانہ تلاشی کا منصوبہ بنا رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

میں اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا "رستم کو دیا ہوا کام پورا ہونے تک یہ خلش بھی دور ہوجانی چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ موسیٰ نے جھوٹ نہ بولا ہو۔"

”مجھے تو یہ پنڈت منوہر لال‘ جواہر لال کا چھوٹا بھائی معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر اوباش اور رنگین مزاج لیکن اندر سے انتہائی کینہ پرور سازشی۔“ وہ تبصرہ کرتے ہوئے اس کی آواز تحقیر آمیز ہوگئی تھی ”اسے دیکھنا بلکہ کھنگالنا بہت ضروری ہے مگر اس وقت نہیں۔“

”تم بھول رہے ہو کہ رستم ایرانی سے اس کے گہرے مراسم ہیں‘ موسیٰ کو اسی نے اس رستم کے پاس نوکری دلائی تھی اور اب بھی وہ ہفتے میں ایک بار رستم سے ملنے ضرور جاتا ہے۔“

سلطان شاہ کی زبان سے رستم ایرانی کا نام ادا ہوتے ہی میرے ذہن کے بند دریچے وا ہوگئے۔ میں اپنی رو میں بس ایک ہی سمت میں سوچے جارہا تھا۔ سلطان شاہ نے ایک اشارے سے سارے امکانات روشن کردیے تھے۔

جس طرح اوبرائن کی ہلاکت تک موسیٰ کا زندہ یا کم از کم پوشیدہ رہنا ناگزیر تھا اسی طرح پنڈت منوہر لال کا بے فکر رہنا بھی ضروری تھا۔ اس کا کوئی بھی مسئلہ رستم کے سکون کو درہم برہم کرسکتا تھا۔ اس کے تفکرات میں الجھ کر رستم اپنے معمول کے کاموں سے صرفِ نظر کرسکتا تھا۔ ان کاموں میں اوبرائن کی سرکوبی میرے لیے سرِفہرست تھی۔ وہ کام ہر قیمت پر اور بروقت پایۂ تکمیل کو پہنچنا ضروری تھا۔

میں نے اٹھ کر محبت سے سلطان شاہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا ”بعض اوقات تم بہت دور کی کوڑی لاتے ہو۔ اس وقت میں پنڈت کو سب سے الگ تھلگ رکھ کر کچھ منصوبہ بنا رہا تھا۔“

”کاموں کے سلسلے میں ان باریکیوں کا دھیان رکھنے کا تجربہ میں نے تم ہی سے حاصل کیا ہے۔“

”اس میں تمہاری محنت کا دخل بھی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم مشینی روبوٹ کی طرح صرف میری ہدایات پر عمل نہیں کرتے‘ غلطیوں پر ٹوکتے بھی رہتے ہو۔“

”غلطیوں پر تو ویرا بھی ٹوکتی ہے لیکن تم نے اس کے ساتھ ایک مدت سے شفقت کا رویہ نہیں اپنایا۔ شاید غلطیوں کی نشان دہی میں وہ مجھ سے آگے ہے۔“

میں اسے کیا بتاتا کہ ویرا ذرا سی شفقت سے بہلنے والی مخلوق نہیں تھی۔ میری طرف سے ذرا سی نرمی کا اظہار ہوتے ہی بہت سی محبت کی دعوے دار بن سکتی تھی۔ میں نے سلطان شاہ کا وہ نازک سوال خفیف سی مسکراہٹ میں ٹال دیا۔

رات سکون سے بسر ہوگئی۔ صبح بیدار ہوتے ہی غیر ارادی طور پر میری نگاہ تیسری چارپائی کی طرف گئی۔ بستر خالی اور بے شکن تھا۔ اول خان نے اپنی ناراضگی کے بھرپور اظہار کے لیے وہ رات شاید اپنے دفتر ہی میں گزار دی تھی۔

میں اس کے لیے افسردہ ہونے سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اپنی جذباتی طبیعت کے سامنے بے بس تھا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی اس مسئلے کا آسان ترین حل تھا اور میں نے پچھلی رات سے وہی رویہ اپنایا ہوا تھا۔

ناشتے کے وقت وہ آیا تو شب بیداری اور اعصابی تکان کے آثار اس کے چہرے سے عیاں تھے۔

”معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری رات بہت مصروف گزری ہے۔“ میں نے بہت نپے تلے الفاظ منتخب کرکے اس کی مزاج پرسی کا اخلاقی فرض ادا کیا۔

”یہی سمجھ لو۔“ اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا ”تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے کہ موسیٰ کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔ اسے بروقت طبی امداد میسر آگئی تھی۔“

”اس کی موت اگر ہمارے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے تو وہ ایسے دس دورے بھی جھیل جائے گا۔“

”تمہارے نہیں‘ میرے ہاتھوں۔“ اس نے میری تصحیح کی ”تم چاروں تو آج جارہے ہو۔“

میرے دل میں چور تھا۔ میں مصنوعی انداز میں ہنس پڑا۔ ”ہمارے اور تمہارے ہاتھ ایک ہی ہیں۔“

ناشتے کے دوران ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں۔ اسٹیشن فور سے ہمارے کوچ کا معاملہ بھی زیرِ غور آیا مگر وہ ذرا بھی گمبھیر نہیں تھا۔ ہم اپنی جانیں بچانے کے لیے کلفٹن والے فلیٹ سے تن کے کپڑوں کے ساتھ فرار ہوئے تھے بعد میں چند جوڑے اور خریدے گئے جو محض ایک کشادہ بیگ میں سما سکتے تھے۔ ہمارا سب سے قیمتی اثاثہ بیم گن‘ اول خان کے خصوصی نوادر سے حاصل کی ہوئی چند انگوٹھیوں اور سی ایس ڈی پر مشتمل تھا۔ ویرا نے ناشتے سے فارغ ہوتے ہی نہایت خود غرضانہ انداز میں ان اشیا کو یکجا کرنا شروع کردیا۔ اول خان ملول نظروں سے اس کارروائی کا جائزہ لیتا رہا۔

میرا ارادہ تھا کہ اسٹیشن فور سے ہم دو ٹکڑیوں میں بٹ کر روانہ ہوتے۔

میں نے سلمٰی سے آٹھ لاکھ روپے کے مساوی ڈالر لیے تھے۔ رستم کو سات لاکھ دینے کے بعد بقیہ رقم فلیٹ کے کرائے کی ادائی اور گھرداری کی دیگر ضروری اشیا کی خریداری کے لیے کافی تھی۔

ہم نے گلشن اقبال میں جو مکان پسند کیا تھا‘ وہ نادرہ کے فلیٹ کی طرح مکمل آراستہ نہیں تھا۔ اس میں پردے‘ پنکھے‘ قالین اور صرف مسہریاں موجود تھیں۔ بقیہ آرائش کرائے داروں کی مرضی اور جیب پر چھوڑ دی گئی تھی۔ ویرا اور سلطان شاہ اسٹیٹ ایجنٹ کو پیشگی رقم دے کر مکان کا قبضہ لے سکتے تھے اور اپنی نگرانی میں گھر کی ضروری صفائی وغیرہ کروا سکتے تھے جبکہ مجھے رستم ایرانی کو دینے کے لیے مزید رقم کا بندوبست کرنا تھا۔

دن میں جہانگیر اپنی فارمیسی پر ہوتا تھا۔ میں تنہائی میں سلمٰی کا سامنا کرنے سے ہمیشہ گھبراتا تھا کیونکہ ایسے مواقع پر وہ میرے لیے مونالیزا سے بڑھ کر ثابت ہوتی تھی۔ اس ہولناک خلوت کا بہترین

تو ڑ یہ تھا کہ غزالہ بھی میرے ساتھ ہوتی۔ ہم دونوں سلمیٰ سے رقم لے کر براہِ راست گلشن اقبال والے نئے گھر پہنچ سکتے تھے۔ یہ تجویز سن کر اول خان بول پڑا۔

"یہ خیال رکھنا کہ اوبرائن کے سلسلے میں خرچ ہونے والی رقم تمہیں جلد ہی واپس مل جائے گی۔"

میں ہنس دیا "مجھے معلوم ہے کہ تم سات لاکھ روپے کے لیے اوپر بات کر چکے ہو۔ اب اس رقم کو دس لاکھ کرنے سے شبہات پیدا ہو سکتے ہیں....."

"کیسے شبہات!" اول خان میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بھڑک اٹھا "اگر رستم نے پہلے سات لاکھ مانگ کر بعد میں دس لاکھ کا مطالبہ کر دیا ہے تو اس میں شبہ کیا؟ ایس ٹی ایف میں سارے ہی معاملات ایمان داری اور باہمی اعتماد پر چلتے ہیں۔"

"پھر بھی میں یہ نہیں چاہوں گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "اس اہم قومی مقصد کے حصول کے لیے ہم بھی تھوڑی سی سرمایہ کاری کر سکتے ہیں۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم ہمارے کسی مطالبے کے بغیر سات لاکھ روپے کی ادائی کا بندوبست کر چکے ہو۔"

"وہ بات پرانی ہو گئی۔ میں نے آج صبح ہی فون پر اسلام آباد بات کر کے رقم میں اضافہ کر دیا ہے۔ اب دس لاکھ کی پوری رقم آئے گی۔" اس نے کہا۔

"سرخ فیتے یا کسی کاغذی کارروائی کے بغیر اتنی بڑی رقم سیکرٹ فنڈ سے ہی مہیا کی جا سکتی ہے۔" ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ رقم کہاں سے فراہم کی جائے گی۔ بس یہ یقین ہے کہ کام پورا ہونے کی اطلاع ملتے ہی رقم بھیج دی جائے گی۔" اس کے ایک ایک لفظ سے بھرپور اعتماد جھلک رہا تھا۔

"اتنی آسانی سے پورے دس لاکھ واپس مل سکتے ہیں تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ مجھے تو یہ خیال تھا کہ آڈٹ والے ایک ایک پیسے کے خرچ کو شبے کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ تین لاکھ روپے کا اضافہ وہ ہضم نہیں کر سکیں گے۔" میں نے خوش دلی سے اس کی پیشکش قبول کر لی۔

"ایس ٹی ایف کے خرچ کا کوئی آڈٹ نہیں ہوتا۔" اول خان نے میری معلومات میں اضافہ کیا "رستم تم کو دس لاکھ تو کیا' دس روپے کی رسید بھی نہیں دے گا۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ بڑے بڑے غبن رسیدوں اور اندراجات کے ہیر پھیر کے ذریعے ہی ہوتے ہیں۔ جہاں بات ایمان اور اعتماد پر چھوڑ دی جائے' اسکینڈل کم ہی بنتے ہیں کیونکہ ایسے اخراجات کی تصدیق غیر روایتی انداز میں سینہ بہ سینہ کی جاتی ہے جس کی کسی کو بھنک نہیں ملتی۔

گیارہ بجے ہم روانگی کے لیے تیار تھے۔ اول خان نے ہمارے لیے دو الگ الگ گاڑیوں کا بندوبست کر دیا تھا۔ ان میں سے ایک میں ڈرائیور موجود تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ویرا اور سلطان شاہ کو منزلِ مقصود پر پہنچانے کے ساتھ وہ ہمارا نیا ٹھکانا دیکھ لے اور بعد میں اول خان کی راہ نمائی کر سکے۔ میری گاڑی کے لیے اس نے دانستہ کسی شوفر کا بندوبست نہیں کیا تھا۔

وہ اول خان سے ہماری آخری ملاقات نہیں تھی۔ ہم اسی شہر کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں بسنے جا رہے تھے مگر اول خان کے رویے کی وجہ سے ہماری روانگی خاصا جذباتی رنگ اختیار کر گئی۔

ٹیکسی پہلے حرکت میں آئی۔ میں نے بھی گاڑی اس کے پیچھے ڈال دی۔

شارع فیصل پر ڈرگ روڈ ریلوے اسٹیشن تک دونوں گاڑیاں اسی ترتیب سے دوڑتی رہیں۔ وہاں سے ٹیکسی داہنی طرف گھوم گئی۔ ہم سیدھے نکلتے چلے گئے۔

"آج میں خود کو بالکل ہلکا اور تر و تازہ محسوس کر رہی ہوں۔" غزالہ نے کہا۔

"شاید اس لیے کہ آج ہم دونوں ایک طویل مدت کے بعد ایک دوسرے کے ساتھ کہیں باہر نکلے ہیں۔ ایسی تنہائی تو اب خواب و خیال بن کر رہ گئی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا۔

"شکر ہے کہ یہ باتیں آپ کے دل کے نہاں خانوں میں بھی موجود ہیں۔ مجھے کبھی کبھی تو محسوس ہونے لگتا ہے کہ میں ضرورت سے زیادہ سوچنے لگی ہوں۔"

میں نے اس کے نرم و گداز ہاتھوں پر پیار سے تھپکی دے کر کہا "میں بھی تمہاری طرح جوان ہوں۔ میرے دل میں بھی امنگیں اور آرزوئیں انگڑائیاں لیتی ہیں مگر کام کی خاطر مجھے ان خواہشوں کو تھپکیاں دے دے کر سلانا پڑ جاتا ہے۔ یہ وقت سدا یوں ہی نہیں رہے گا۔"

"میں سوچتی ہوں کہ میں نے آپ سے شادی کرنے کا فیصلہ کر کے آپ کو ایک کڑے امتحان میں ڈال دیا ہے۔ میری وجہ سے آپ کھلے ذہن سے کہیں ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔"

"تمہاری دونوں باتیں غلط اور عقل سے خالی ہیں۔ شادی کا فیصلہ ہم میں سے کسی کا نہیں تھا۔ مکاؤ کے ڈون نے ایک چینی مولوی کے ذریعے ہم دونوں کو اس رشتے میں یک جا ہونے پر مجبور کیا تھا۔" میں نے ہنس کر اسے ماضی کا خوش گوار آئینہ دکھایا۔ "اس کے بعد بھی ہم نے بڑے بڑے معرکے سر کیے ہیں۔ جب کوئی خوں خوار حریف سامنے آتا ہے تو میں بھول جاتا ہوں کہ میرا کسی سے کوئی رشتہ ہے یا کسی کو میری صحیح و سلامت واپسی کا انتظار ہو گا۔ تمہارا خیال کبھی میرے قدموں کی زنجیر بنا ہے نہ خیالوں کی لگام۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں ابھی تک آپ کے دل میں

اترنے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہوں۔" اس وقت غزالہ یکایک ہی ایک ننھی سی بچی بن گئی تھی اور میری بات پر روٹھی روٹھی سی لگنے لگی تھی۔

"غزالہ، مائی ڈارلنگ! تم اتنی ناسمجھ تو نہیں ہو۔ شاعری اور تصورات کی دنیا حقیقت سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ جب آدمی کی جان پر بن جاتی ہے تو اسے اپنی کوئی جان یا محبوبہ یا بیوی یاد نہیں آتی، صرف خدا یاد آتا ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے مذہب کے مطابق خدا کو ہی پکارتا ہے اور اپنی جان بچانے کے لیے دشمن پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ جان بچ جائے اور وہ سرخ رو رہے تو پھر اپنی جان کی آغوش میں اس سنگین کہانی میں رنگین لمحے جوڑ کر ایک نیا لطف لیتا ہے۔"

"جان، جان کے چکر میں کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑی "چلیں یہ تو دشمن اور دشمنی کی بات ہوئی۔ چاہنے والے تو ایک دوسرے کے لیے جان بھی دے دیتے ہیں۔"

"وہ بزدل ہوتے ہیں۔ ان میں ہارنے کی ہمت ہوتی ہے، نہ جینے کی امنگ۔ چاہنے کا تعلق جسم اور وجود سے نہیں، جذبوں سے ہوتا ہے۔ میں تمہیں اس وقت سے چاہتا ہوں، جب میں نے تمہیں چھوا بھی نہیں تھا پھر ایسا وقت بھی آیا جب ہمارے درمیان فاصلے پیدا ہوگئے، مجھے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ تم زندہ ہو یا ویرا کے اندھے انتقام کا نشانہ بن چکی ہو۔ اس وقت بھی میری چاہت میں کوئی دراڑ نہیں آئی۔۔۔۔"

"اس وقت میرے ساتھ صرف میری باتیں کریں۔ میں ان باتوں کے لیے ترسی ہوئی ہوں۔ اس وقت ویرا کا نام نہ لیں۔ وہ رفتہ رفتہ میرے اعصاب کے لیے ایک۔۔۔"

"بس! اب اس پر اپنے الفاظ برباد مت کرو۔" میں نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

وہ میری انگلیوں کا ایک نرم سا بوسہ لے کر خاموش ہوگئی اور میں نے اس کے دل میں چھپی ہوئی عورت کو ان چاند ستاروں کی کہانیاں سنانی شروع کردیں جو اس کے حسن کی ذرا سی رمق چرا کر خلا کی بے کراں وسعتوں میں پرنور نکتوں کی طرح دمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ہمارا سفر باتوں کی محویت میں گزر گیا۔ مجھے ہوش اس وقت آیا جب میں گاڑی جہانگیر کے فلیٹ والے بلاک کے قریب روک چکا تھا۔

"کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ جیسا بے جگر آدمی ایسی شاعرانہ باتیں کرسکتا ہے۔" غزالہ نے میرا بازو دبا کر بھاری آواز میں کہا "آپ شاعری شروع کردیں تو ہر طرف دھوم مچادیں گے۔"

"دھوم مچانے والی شاعری کتابوں اور مشاعروں سے چلتی ہے۔ میری کتاب کوئی چھاپنے پر آمادہ نہیں ہوگا کیونکہ ڈیئی انتہائی غیر شاعرانہ تخلص ہے اور مشاعرے میں گیا تو وہاں سی آئی اے والے دھاوا بول کر مجھے اٹھالے جائیں گے۔ امریکیوں کو اردو شعر اور شاعر کے قتل پر ذرا بھی ندامت نہیں ہوگی۔"

غزالہ ہنستی ہوئی گاڑی سے اتر گئی۔

جہانگیر کے دروازے پر ڈور بیل بجتے ہی وہاں کام کرنے والی بچی نے دروازہ کھولا مگر اس کے کسی سوال سے پہلے، سلمیٰ خود اس کے پیچھے آموجود ہوئی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر مسرت کی ایک عجیب سی حیوانی چمک دوڑ گئی۔ اس نے فوراً ہی پورا دروازہ کھول دیا۔

پہلے اس کی نظر غزالہ پر نہیں پڑی تھی۔ پورا دروازہ کھولنے پر جب اس نے غزالہ کو اپنے روبرو پایا تو اس کے والہانہ انداز میں یکایک تبدیلی آگئی اور اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

"اوہ۔۔۔ تو آج تم بھی ساتھ آئی ہو!" سلمیٰ نے خوش خلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھونڈے انداز میں غزالہ کا استقبال کیا "رک کیوں گئے؟ دونوں اندر آجاؤ۔"

"تم دروازے سے ہٹ کر راستہ دوگی تو ضرور اندر آئیں گے۔" میں نے احساس دلایا "ہم دروازے پر مزاج پرسی کرنے کے ارادے سے نہیں آئے ہیں۔"

شرمندہ ہوکر اس نے ہمیں راستہ دے دیا۔ جھینپ مٹانے کے لیے اس نے ملازمہ کا بازو پکڑ کر اسے بھی پیچھے کھینچ لیا "بیچ میں کیا کھڑی ہے۔۔۔ ہٹ کر مہمانوں کو اندر آنے دے۔"

لڑکی کھسیا کر اندر چلی گئی۔ سلمیٰ ہم دونوں کو ڈرائنگ روم میں لے گئی۔

"بیٹھو۔۔۔ کہو، اس وقت کیسے آنا ہوا؟" اس نے رسمی اور پرتکلف لہجے میں غزالہ سے پوچھا۔

"تم نے خود کسی دم دلاسے کے بغیر سوال کرڈالا ہے تو سن لو کہ ہم عجلت میں ہیں۔ مجھے مزید کچھ ڈالر درکار ہیں۔ شاید ہمیں آج ہی مکان کا قبضہ مل جائے گا۔" میں نے کہا۔

"رقم تمہاری امانت ہے۔ چاہو تو سب لے لو۔ یہ مکان تم نے کتنے میں خریدا ہے؟" میرے بے لوچ رویے سے ماؤف بلکہ پریشان ہوکر سلمیٰ ہمیں بٹھانا بھی بھول گئی۔

"اٹھارہ لاکھ کا پڑے گا" میں نے مستقبل کی پیش

بندی کرتے ہوئے کہا "کل آٹھ لیے تھے۔ آج پانچ اور دے دو۔ باقی چند روز بعد درکار ہوں گے۔"

"بیٹھ کر کچھ چائے وغیرہ تو پی لیتے یا یوں ہی واپس جانے کا ارادہ ہے۔"

سلمٰی کے وہ الفاظ بے جان اور خلوص سے عاری تھے۔ مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "پھر کبھی فرصت سے آئیں گے۔ آج مالک مکان سے ملاقات کا وقت طے ہے۔"

"ویسے ہم بیٹھ جاتے ہیں، تم اطمینان سے رقم لے آؤ۔" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے ڈالر بتادو۔ روپوں کا حساب خود کرتے رہنا۔" سلمٰی نے رکھائی سے پوچھا۔

حساب میں نے راستے میں ہی لگالیا تھا۔ میرا جواب سن کروہ ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

"اس وقت سلمٰی کچھ اکھڑی اکھڑی سی نظر آرہی ہے۔ کیا کل کوئی جھڑپ ہوگئی تھی؟" اس کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"کل تو یہ کسی بلبل کی طرح چہک رہی تھی۔ آج شاید اسے جہانگیر سے تگڑا ناشتا ملا ہے۔ میرے حساب سے اسے تم سے لپٹ جانا چاہیے تھا۔" میں نے بات بنائی۔

"مجھ سے یا آپ سے ....؟" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کے شوخی سے پوچھا "آپ کے بارے میں ویرا غلط نہیں کہتی ...."

"تم نے پھر اس کا نام لیا؟" میں نے اسے گھورا "اس کے بارے میں تم ہی نے کچھ کہا تھا۔"

اسی وقت بیلا نامی ملازمہ ایک ٹرے میں ٹھنڈے مشروب کے دو گلاس لے آئی۔ لڑکی پچھلی رات مجھ سے مانوس ہوچکی تھی۔ میں نے پیار کے ساتھ اس کے ہاتھ سے ٹرے لے لی۔

"یہ کون ہے؟" بیلا کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے سوال کیا۔

"سلمٰی کی ملازمہ اور اس کے گھر میں ایک نئے فساد کی جڑ۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میں سمجھی نہیں۔" اس کی آنکھوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ بات اس کے پلّے نہیں پڑی تھی۔

"جہانگیر اس سے دگنی عمر کی ملازمہ کا مطالبہ کررہا ہے، سلمٰی اسی عمر پر بضد ہے۔"

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "مبالغہ آرائی کوئی آپ سے سیکھے۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی گڑبڑ ہونے کے باوجود یہ تنازع اتنا سیدھا نہیں رہا ہوگا۔"

"اب خاموشی سے شربت پیو۔ سلمٰی کو تمہاری سرگوشیوں کی بھنک مل گئی تو وہ سمجھے گی کہ تم اس کی برائیاں کررہی ہو۔ اس وقت وہی ہماری خزانچی ہے۔"

گلاس خالی ہونے سے پہلے سلمٰی سو ڈالر کے نوٹوں کی شکل میں مطلوبہ رقم لے آئی۔ اس نے حسب معمول رقم گننے پر اصرار کیا اور میں نے ہمیشہ کی طرح انکار کرکے وہ پتلی سی گڈی غزالہ کو دے دی۔ ڈالروں کی شکل میں بڑی مالیت کے نوٹوں کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی۔

کام ہوجانے کے بعد ہم زیادہ دیر وہاں نہیں رکے۔ سلمٰی سے اجازت لے کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ جہاں ویرا اور سلطان شاہ کو موجود ہونا چاہیے تھا۔

ان دونوں کے ساتھ اسٹیٹ ایجنسی میں کام کرنے والا لڑکا بھی وہاں موجود تھا اور دو افراد پوری مستعدی سے گھر کی صفائی میں مصروف تھے۔

"شاہ صاحب نے ذرا سی دیر میں سارا کام مکمل کروالیا۔" مجھے دیکھ کر اسٹیٹ ایجنٹ نے خوشامدانہ انداز میں سلطان شاہ کی کارکردگی کی تعریف کی۔

سلطان شاہ نے شناخت کی ناگزیر ضرورت کے تحت وہ معاہدہ اپنے اصل نام یعنی سید محمد سلطان شاہ کے مخفف کے ساتھ کیا تھا جو سمٹ کر صرف ایم ایس شاہ رہ گیا تھا۔ یہ بات ہمارے درمیان طے پاچکی تھی اس لیے غزالہ بھی شاہ صاحب کی اصطلاح کو ہضم کرگئی۔

اسٹیٹ ایجنٹ ہمارے مفروضہ سامان کی منتقلی میں بھی ہمارا ہاتھ بٹانے پر تلا ہوا تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ ہماری کل کائنات صرف ایک بیگ پر مشتمل تھی جو ہمارے ساتھ موجود تھی۔

وہ ایجنسی کا مالک نہیں بلکہ ملازم تھا اور کسی انعام کے لالچ میں ہمارے سروں پر سوار تھا۔ سلطان شاہ یہ رمز نہیں پاسکا تھا۔ اس نے علیحدگی میں مجھے بتایا کہ وہ ہر جتن کرنے کے باوجود اس سے چھٹکارا پانے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔

"اسے دو سو روپے تھماؤ اور پھر دیکھو کہ وہ کتنے سیکنڈ یہاں رکتا ہے۔" میں نے مشورہ دیا۔

"سلطان شاہ سدا کا سعادت مند تھا۔ اس نے مشورے پر فوری عمل کیا۔ اسٹیٹ ایجنٹ نے کرائے کی مد میں یک مشت دو ہزار روپے کی کمی کا حوالہ دے کر انعام کی رقم میں اضافہ چاہا۔ سلطان شاہ نے سو روپے کا مزید ایک نوٹ اسے تھمایا اور وہ ہم چاروں کو جھک جھک کر سلام کرتا ہوا تیزی

سے پھاٹک سے نکلتا چلا گیا۔ انعام کی وہ رقم اس کے لیے بہت زیادہ نہیں تو یومیہ اجرت سے یقیناً زیادہ تھی۔

"مکان چھ سو گز پر ہے مگر اس میں خوبی یہ ہے کہ خواب گاہیں چار ہیں۔" صفائی کرنے والوں کو رخصت کرنے کے بعد ویرا نے ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"چوتھی خواب گاہ میں تمہیں کیا افادیت نظر آرہی ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"اول خان کی مہمان داری کی جاسکتی ہے۔" ویرا نے باری باری ہمارا جائزہ لیتے ہوئے کہا "یا پھر ڈینی اور غزالہ میں فساد ہوجائے تو یہ دونوں الگ الگ کمروں میں سو سکتے ہیں۔"

"خدا کے لیے ویرا!" غزالہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر احتجاج کیا "اپنی زبان سے ایسے منحوس کلمات تو نہ نکالو۔ خدا خدا کرکے ہمیں یہ ٹھکانا نصیب ہوا ہے تو تم نے ابھی سے بدشگونی شروع کردی۔"

"ایک امکان تھا جو میں نے ظاہر کردیا۔" اس نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے کہا "اسے رونما ہونے سے روکنا یا نہ روکنا تمہارے اختیار میں ہے۔"

"ویرا! بدگوئی اچھی عادت نہیں ہوتی۔" سلطان شاہ نے بھی اس پر آنکھیں نکالیں "ان باتوں میں پڑنے کے بجائے مجھے کراکری اور کچن کے سامان کی ایک فہرست بنا کر دو تاکہ میں خریداری کرلاؤں۔ یہاں چائے بنانے تک کے لیے بھی کوئی برتن دستیاب نہیں ہے۔"

"غزالہ کو ساتھ لے جاؤ۔ یہ تمہارا کام آسان کردے گی۔ اجناس کے ساتھ خورونوش کی کچھ سربند چیزیں بھی لے آنا تاکہ فوری گزارہ ہوسکے۔"

ویرا نے دانستہ غزالہ کو ساتھ لے جانے کی پیش کش کی تھی۔ غزالہ نے اس مشورے پر تیوریاں چڑھا کر کہا "میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میرے بجائے تم چلی جاؤ۔"

"میرے باہر نکلنے پر ڈینی نے کڑی پابندیاں لگائی ہوئی ہیں۔" ویرا نے مکاری سے جواب دیا "بھرے بازار میں 'میں ہر ایک کی نظر کا مرکز بن جاؤں گی۔"

میں اس زبانی زور آزمائی میں پنہاں مفہوم کو خوب اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ ویرا میرے ساتھ کچھ دیر کے تخلیے کی خواہاں تھی اور وہ دونوں اسے ایسا کوئی موقع فراہم کرنے پر تیار نہیں تھے۔ میں خود بھی ان دونوں کا طرف دار تھا۔ میں نے ویرا سے کہا "چلو 'فہرست بنا ڈالو!"

"میں اردو لکھنے پر قادر نہیں ہوں۔ انگریزی میں بہت سی چیزوں کے نام اتنے پیچیدہ ہیں کہ سلطان شاہ کی ننھی سی کھوپڑی پر سے گزر جائیں گے۔" اس کے پاس دوسرا عذر تیار تھا۔

"آؤ!" غزالہ کے تیور خراب ہوگئے اور وہ سلطان شاہ کے ساتھ وہاں سے چل دی "فہرست بنانے میں کوئی ہاتھی گھوڑے نہیں لگتے۔" ویرا کو سنانے کے لیے اس نے جاتے جاتے اونچی آواز میں کہا اور ویرا الوفرانہ انداز میں ہونٹ سکیڑ کر سیٹی بجانے لگی۔

میں وہاں سے اٹھا تو اس نے مجھے ٹوک دیا "تم کہاں چلے؟"

"فون تلاش کرنے۔ ایجنٹ نے کہا تھا کہ اس گھر کا فون کام کررہا ہے۔"

"ایسا ہی کوئی ضروری کام ہے تو تم اپنا موبائل فون بھی استعمال کرسکتے ہو۔" اس نے طنز کیا۔

"موبائل فون کے ساتھ سی ایس ڈی کے استعمال سے میں لاعلم ہوں۔" میں نے بھی تلخی سے جواب دیا اور اپنی راہ ہولیا۔ وہ وہاں اکیلی بیٹھی رہ گئی۔

پہلی خواب گاہ میں ہی فون مل گیا جو کام کررہا تھا۔ سلطان شاہ بھی اسی کمرے میں بیٹھا غزالہ کے مشورے سے خریداری کی فہرست تیار کررہا تھا۔ مجھے دیکھ کر دونوں خوش ہوگئے۔

"اچھا کیا کہ آپ بھی اٹھ آئے۔" غزالہ نے مسرت آمیز مگر نیچی آواز میں کہا "کبھی کبھی وہ اپنی حد سے زیادہ تجاوز کرنے لگتی ہے۔"

"زبان بند رکھو۔ اس کے کان بہت لمبے ہیں۔" میں نے تیز سرگوشی میں کہا پھر سلطان شاہ سے مخاطب ہوکر کہا "سامان کے تھیلے میں سے سی ایس ڈی نکال دو۔"

سلطان شاہ فہرست ادھوری چھوڑ کر پھولے ہوئے تھیلے کی طرف بڑھ گیا۔

سی ایس ڈی کے دو تاروں کو فون لائن سے منسلک کرتے ہوئے میرے ذہن میں دو کام موجود تھے۔ پہلے اول خان کو اپنے نئے فون نمبر سے مطلع کرنا اور اس کے بعد امریکی قونصل خانے میں اوبرائن ڈی ہنٹ کے ڈائریکٹ فون پر رابطہ کرکے اس کے جانشین کو اوبی کے عبرت ناک حشر کے بارے میں وارننگ دینا۔

تار جوڑتے ہوئے میں نے سوچا کہ اول خان ایسی چھیڑ چھاڑ کو ہمیشہ غیر ضروری قرار دے کر اس سے گریز پر زور دیتا رہا ہے۔ اسے میرے عزائم کا علم ہوتا تو وہ لامحالہ مجھے وہی مشورہ دیتا جو ہمیشہ سے دیتا چلا آیا تھا جب کہ میرے لیے وہ انا کا مسئلہ تھا۔

اوبرائن ڈی ہنٹ نئی دہلی میں رستم ایرانی کے کسی ہر کارے کے ہاتھوں مارا جاتا تو واقعے کی نوعیت کے لحاظ سے اس کی تفتیش ہوتی رہتی۔ کسی کو گمان بھی نہ ہوتا کہ اس کے جہنم واصل ہونے میں میرا ہاتھ تھا۔ امریکیوں کے دلوں پر اپنی ہیبت برقرار رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں اوبی کے قتل سے پہلے اپنی پیش گوئی ان کے کانوں تک پہنچا دیتا تاکہ بعد میں وہ اسی ایک سمت میں سوچنے پر مجبور ہو جاتے۔

اس نتیجے پر پہنچ کر میں نے ان دونوں کو خاموش رہنے کی ہدایت کی اور فون پر اوبی کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر ملا لیا۔

دوسری گھنٹی پر ایک سلجھی ہوئی باوقار آواز میرے کانوں میں آئی ”ہیلو، کون بول رہا ہے؟“

”یہ کال ریکارڈ کرنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ لائن ڈراپ ہو جائے گی۔“ میں نے انگریزی میں جواب دیا ”میں تم کو اوبرائن کے انجام سے آگاہ کرنا چاہ رہا ہوں....“

”اوہ! تو تم اوبرائن کے قاتل ہو؟“ تحیر اور خوف میں ڈوبی ہوئی وہ آواز میرے کانوں میں کسی نغمے کی طرح گونجی ”تمہاری یہ جرأت کہ تم فون پر اپنے اس گھناؤنے جرم کا اعتراف کر رہے ہو۔“

میری بات مکمل ہونے سے پہلے کیے جانے والے ان فقروں سے صاف ظاہر تھا کہ رستم اپنے قول کا پکا ثابت ہوا تھا۔ اس نے وقت سے پہلے ہی اپنا کام پورا کر لیا تھا۔

”ہاں، اگر یہ کوئی جرم ہے تو میں اس کا اعتراف کرتا ہوں۔ کان کھول کر سن لو کہ اس کی راہ پر چلنے والے ہر شخص کو اسی انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔“

”تم گندے ایشیائی سور.... کالے بدمعاش...“ میرے مخاطب کی زبان سے گالیوں کا ایک بے ساختہ طوفان ابل پڑا اور شاید اسی دوران میں اس نے میری ہدایت کو نظر انداز کر کے کال کسی اور کو سنوانے یا ریکارڈ کرنے کی کوشش کی۔ سی ایس ڈی کے ذریعے فون بند ہو گیا۔

”یا ہو....!“ میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر جذبات سے بے قابو ہو کر نعرہ لگایا اور وہ دونوں اچھل پڑے۔ ویرا بھی بوکھلائے ہوئے انداز میں دوڑتے ہوئے وہاں آ گئی۔

”کیا ہو گیا....؟ تم کس سے بات کر رہے تھے....؟ کس جرم کا اعتراف کیا ہے تم نے....؟“ تینوں نے بہ یک وقت میرے اوپر سوالوں کی یلغار کر دی۔

”میں اوبرائن کے جانشین سے بات کر رہا تھا۔ اس نے انکشاف کیا ہے کہ اوبرائن جہنم واصل ہو چکا ہے۔“ میں نے خوشی سے لرزتی ہوئی آواز میں ان تینوں کو بتایا۔

معقول سوال

پولیس نے جوئے کے شبے میں مکان پر چھاپا مارا تو چار افراد میز کے گرد بیٹھے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں تاش کی گڈی تھی۔ کچھ تاش میز پر تھے۔ کچھ رقم بھی پڑی تھی۔

”تم تاش کے ذریعے جوا کھیل رہے تھے؟“ پولیس نے اصل انداز میں کارروائی شروع کرنے سے پہلے ایک شخص سے پوچھا۔

”میں....؟ ہرگز نہیں... میں تو بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔“ اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

”تم تاش کھیل رہے تھے؟“ دوسرے سے پوچھا گیا۔

”ہرگز نہیں۔ میں تو یہاں اجنبی ہوں۔ راستہ پوچھنے رکا تھا۔“

”تم تاش کھیل رہے تھے؟“ تیسرے سے پوچھا گیا۔

”ہرگز نہیں.... میں تو بیٹھا ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔“ جواب ملا۔

آخر پولیس والے اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے جس کے ہاتھ میں گڈی تھی ”تو تم ضرور تاش کھیل رہے تھے۔“

”لیکن کس کے ساتھ....؟“ اس نے معصومیت سے پوچھا۔

ہم میں سے ہر ایک کے لیے وہ بہت بڑی خبر تھی۔ چند لمحوں کے لیے ان کے چہروں پر حیرت اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیات طاری رہیں پھر وہ تینوں اپنی خوشی کے اظہار کے لیے مجھ سے لپٹ گئے۔

کمرے میں چشم زدن میں جشن کا سا سماں ہو گیا۔ سب اپنے اختلافات بھلا چکے تھے۔ سب کچھ سن لینے کے باوجود ہمیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ بڑی خبر اتنی جلد اور آسانی سے

ہمیں مل جائے گی۔
"یہ مکان ہمارے لیے مبارک ثابت ہوا ہے۔ یہاں قدم رکھتے ہی ہمیں یہ اچھی خبر ملی ہے۔" سلطان شاہ نے مسرت سے سرشار لہجے میں کہا "تمہیں اس وقت اوبرائن کے دفتر فون کرنے کی کیا سوجھی تھی۔"
"خبر میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ میں انہیں دھمکانا چاہ رہا تھا۔"
"وہ کب اور کیسے مارا گیا؟" غزالہ تفصیل جاننے کے لیے بے تاب تھی۔
"تازہ واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ اول خان کیا کہتا ہے۔ اس کے پاس ہمارا فون نمبر بھی نہیں ہے۔" یہ کہہ کر میں نے دوبارہ ریسیور اٹھالیا۔
اول خان کی آواز میں ولولے یا ظفر مندی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ شاید وہ اس وقت بھی ہمارے بچھڑنے کا سوگ منا رہا تھا۔
"تم مایوسی کی کن دلدلوں میں دھنسے ہوئے ہو؟ تمہیں علم نہیں کہ اوبی مارا جاچکا ہے؟" میں نے کسی تمہید کے بغیر اس سے سوال کیے۔
"کیا....؟" وہ گویا گہری نیند سے اچانک جاگ اٹھا "اوبی مارا گیا؟ یہ کب کی خبر ہے؟"
"مجھے مختصر ترین خبر ملی ہے۔ اس کی تصدیق اور تفصیل حاصل کرنے کی ذمّے داری تمہاری ہے۔"
"خبر کا ذریعہ کیا ہے؟" اس کی آواز ہیجان آمیز ہوگئی "کسی نے تم سے مذاق تو نہیں کیا؟"
"یہ اوبی کے جانشین کے الفاظ ہیں۔ سی ایس ڈی لگانے کے بعد میں نے اسے فون کیا تھا۔"
"میں تھوڑی دیر میں موبائل پر تم سے رابطہ کرتا ہوں۔ شاید یہ اسی صبح کا واقعہ ہے۔ اسلام آباد والوں کو اب تک ضرور بھنک مل چکی ہوگی۔"
میں نے اسے اپنا نیا فون نمبر نوٹ کروانے کے بعد فون بند کردیا۔
"تم فوراً بازار جاؤ اور ضروری خریداری کرکے لوٹ آؤ۔ خبر پھیلنے کے ساتھ خطرات بڑھ جائیں گے۔ ہمیں یک جا رہ کر ایک دوسرے کی حفاظت کرنی ہوگی۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا۔
اس وقت صورتِ حال بالکل بدل چکی تھی۔ مذاق یا بحث کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ سلطان شاہ گاڑی لے کر نکل گیا کیونکہ ایس ٹی ایف کا آدمی ان دونوں کو پہنچانے کے بعد ٹیکسی واپس لے جاچکا تھا۔ ہمارے استعمال کے لیے اول خان کی فراہم کی ہوئی اکلوتی کار رہ گئی تھی۔
"اب کل رات تک کا وقت بہت کڑا ہے۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر پُر خیال لہجے میں کہا "رستم نے اپنا وعدہ پورا کردیا ہے۔ اسے بروقت رقم مل جانی چاہیے۔"
"اگلی رات کا انتظار ہم سب کے اعصاب کو بکھیر کر رکھ دے گا۔" میں نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا "اس نے اپنا کام کردیا' ہمیں اپنی ذمّے داری سے سبکدوش ہوجانا چاہیے۔"
"اسی میں دانش مندی ہے۔" غزالہ نے میری تائید کی "وقت گزرنے کے ساتھ رستم کو بھی اندازہ ہوجائے گا کہ اس نے بارود کے ڈھیر میں چنگاری ڈالی ہے۔ تمہارے ساتھ اس کے رویے میں تبدیلی آسکتی ہے۔ ویسے بھی وہ ڈینی کے پیچھے لگا ہوا ہے۔"
"اپنے اصول کے مطابق اس نے بخشی سے پیشگی رقم بھی لے رکھی ہوگی۔" ویرا نے رائے زنی کی "ہم نے یہ دیکھ لیا ہے کہ وہ اپنے گاہکوں سے وعدہ خلافی نہیں کرتا۔"
"اوبرائن کے دفتر سے اس وقت بہت اہم خبر ملی ہے مگر یہ بُرا ہوا کہ اس واقعے کے پیچھے آپ کی کارکردگی کا راز فاش ہوگیا۔" غزالہ نے نرمی سے کہا۔
"غنیمت یہ ہے کہ اس نے بہت کچھ کہا مگر ڈینی کے طور پر میرا نام نہیں لیا۔" میں نے اپنے ذہن میں اس گفتگو کا اعادہ کرتے ہوئے جواب دیا "نہ میں نے اسے اپنا نام بتایا پھر بھی وہ سب جانتے ہیں کہ انہیں اس طرح فون کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔"
کمان سے نکلا ہوا تیر واپس لوٹتا ہے نہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ جو ہونا تھا' وہ ہوچکا تھا۔ انہیں دھمکی دیتے ہوئے مجھے اوبرائن کے قتل کا اندازہ نہیں تھا۔ میرا ابتدائی فقرہ ذو معنی تھا۔ اس کا ردِّعمل سنتے ہی میں نے بات بنالی تھی مگر پھر بھی اس ٹیلی فون کال میں ایک سقم تھا۔
میں نے اوبرائن ڈی ہنٹ کے قتل سے پہلے رابطہ کیا ہوتا تو میری بات کی صداقت پر سو فی صد یقین کرلیا جاتا مگر میں نے واردات کے بعد اس نمبر پر فون کیا تھا۔ فون سننے والے کے اضطراری ردِّعمل کے باوجود یہ امکان باقی تھا کہ میری اس کال کو شیخی قرار دے کر نظرانداز کردیا جاتا۔
ان کی صفوں میں موجود کئی بقراط یہ دعویٰ کرسکتے تھے کہ ڈینی نے اوبرائن ڈی ہنٹ کی موت کی خبر سن کر اس کا سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش کی ہے۔ فون سننے والے نے

دھیان دیا ہوتا تو وہ یہ بتا سکتا تھا کہ میری کال بیرونِ ملک سے نہیں تھی اور یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا کہ کراچی یا پاکستان کے کسی حصے میں بیٹھا ہوا شخص کم وبیش اسی وقت نئی دہلی میں کسی کو قتل کر سکے۔

وہ ہماری خوش فہمیاں تھیں۔ وہ لوگ کس نتیجے پر پہنچتے اور کیا حکمتِ عملی اختیار کرتے‘ اس کا انحصار اوبرائن کی ہلاکت کی تفصیلات پر تھا مگر ایک بات ناگزیر تھی کہ ہمیں جلد از جلد رستم سے اپنا حساب صاف کر لینا چاہیے تھا۔ اس میں تاخیر ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔

اوبرائن کے دفتر میں نے اپنی مرضی سے فون کیا تھا۔ رستم کے بارے میں مجھے ویرا اور غزالہ کا مشورہ بھی حاصل تھا۔ اس کے یہاں ایکسچینج کے ذریعے بات ہوتی تھی اس لیے مجھے رنگ کرنے سے پہلے سی ایس ڈی کو آف کرنا ہوتا تھا۔ میں نے اس کے بٹن پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف اول خان موجود تھا۔ میری آواز سنتے ہی وہ پُرجوش لہجے میں بولنے لگا ”اس کی موت ایک حادثے کے نتیجے میں ہوئی ہے۔ وہ اپنے معمول کے مطابق دفتر جا رہا تھا کہ اچانک غلط سمت سے ایک بڑا ٹریلر نمودار ہوا اور اوبرائن اپنی گاڑی میں ہی پچک کر مر گیا۔۔۔“

”اسے خاصا مضبوط آہنی تابوت نصیب ہوا ہے۔“ وہ تبصرہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں رستم کے الفاظ گونج رہے تھے۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ قتل اس طرح ہو کہ قتل معلوم نہ ہو۔ اس نے اوبرائن کے لیے اپنے اسی قول پر عمل کیا تھا۔

”ٹریلر ڈرائیور فرار ہو گیا۔ افواہیں ہیں کہ وہ ٹریلر چوری کا تھا۔“ اول خان کہہ رہا تھا۔

”جسے مرنا تھا وہ مر گیا۔ اب یہ قصہ مہینوں چلتا رہے گا۔“ میں نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

”ابھی تک موسیٰ کے بارے میں کوئی ایف آئی آر درج نہیں ہوئی لیکن اس کی تلاش میں ایک مرتبہ پھر شدت آگئی ہے۔ تم اشارہ دو گے تو اسے بھیج دیا جائے گا۔“

”اس کے ساتھی کو بھی دیکھو۔ وہ آج ہی تمہارے پاس آجائے تو بہتر ہوگا کیونکہ میں آج رات اپنے میزبان کی طرف جانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔“

”اس سے بات ہوئی ہے تمہاری؟“ اول خان کی آواز میں حیرت تھی۔

”اب ہوگی۔ ملاقات میں اس کا فائدہ ہے۔ وہ وقت

سوال

ایک پارٹی میں ایک دولت مند شخص نے اعلان کیا کہ جو شخص قسم کھا کر یہ دعویٰ کرے کہ وہ اپنی زندگی سے بالکل مطمئن ہے‘ وہ اس کی خدمت میں ایک لاکھ روپے کا نذرانہ پیش کرے گا۔

ایک صاحب اٹھے اور بولے ”میں ایک خوب صورت بیوی کا شوہر ہوں ۔۔۔ تین پیارے پیارے بچے ہیں۔۔۔ کاروبار شاندار رہے ۔۔۔ میں زندگی سے بالکل مطمئن ہوں۔“

ایک نوجوان بولا ”میں غیر شادی شدہ ہوں۔۔۔ شاندار عہدے پر فائز ہوں۔۔۔ نئی گاڑی ہے۔۔۔ اچھا بنگلا ہے۔۔۔ زندگی میں کوئی فکر پریشانی نہیں ۔۔۔ میرا خیال ہے میں زندگی سے بالکل مطمئن ہوں۔“

اس طرح تقریباً ہر شخص نے اپنے آپ کو زندگی سے خوش اور مطمئن قرار دیا۔ تب دولت مند شخص اٹھا اور افسوس زدہ لہجے میں بولا ”میری سمجھ میں نہیں آتا جب آپ سب لوگ زندگی سے اس قدر مطمئن ہیں تو میرا ایک لاکھ روپے کا انعام کیوں حاصل کرنا چاہتے ہیں؟“

دے دے گا۔“ میں نے کہا۔

”کوئی اچھی خبر ہوئی تو میں فون کروں گا۔ تم بھی مجھے اپنے پروگرام سے باخبر کرتے رہنا۔“

”وہ ٹریفک کے حادثے میں بُری طرح مارا گیا ہے۔“ میں نے ان دونوں کو نئی خبر سنائی۔

”یہ اچھا ہوا۔“ غزالہ بے ساختہ بولی ”کون یقین کرے گا کہ آپ کراچی میں بیٹھ کر نئی دہلی کا ٹریفک کنٹرول کر سکتے ہیں وہ آپ کے فون پر توجہ نہیں دیں گے۔“

”مگر یہ بات قابلِ غور ہے کہ رستم نے وہاں کے ٹریفک

کو کیسے بے لگام کردیا۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ نئی دہلی کے کسی مضبوط گروہ بند سے اس کا باقاعدہ رابطہ ہے۔ اس کی رضامندی کے بعد رستم نے میرے کام کی حامی بھری تھی۔" میں نے اوبرائن کے قتل کی سازش کی امکانی نقشہ کشی کرتے ہوئے کہا "اس کے آدمیوں نے اسی وقت سے اوبرائن کے معمولات پر نگاہ رکھی ہوگی۔ رستم کی طرف سے گرین سگنل ملنے پر آج صبح کہیں سے ایک تیز رفتار ٹریلر چرایا گیا اور اس کا پیچھا کرنے والوں نے واکی ٹاکی جیسے کسی نظام کے ذریعے ٹریلر ڈرائیور کی راہ نمائی کرکے طے شدہ مقام پر اوبرائن کو کچل ڈالا۔"

"کیا یہ واقعی سیدھی سی بات ہے؟" ویرا نے خشک لہجے میں غزالہ سے پوچھا۔

"ہر وہ بات جو ان کے ذہن میں آجائے، سیدھی ہی ہوتی ہے۔" غزالہ نے ہنس کر جواب دیا۔

اوبرائن ایک اہم ملک کا اہم ترسفارتی افسر ضرور تھا مگر پاکستان کے لیے وہ اتنا اہم نہیں تھا کہ ٹریفک کے ایک غیر معمولی حادثے میں اس کی موت پر اخباروں کے ضمیمے بازار میں آجاتے۔ عام لوگوں کو اگلے دن کے اخبارات کے ذریعے اس واقعے کا علم ہوسکتا تھا۔ ٹیلی وژن کے خبرنامے میں اس کے بارے میں ایک آدھ سطر آجانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ خبرنامے کو وقفہ تصور کرکے ٹیلی وژن کے بیشتر ناظرین اپنے ضروری کام نمٹانے میں مصروف ہوجاتے تھے۔

ویسے بھی مجھے خبرنامے سے دو گھنٹے پہلے یعنی شام کے سات بجے رستم کو فون کرنا تھا۔ میں اس وقت بھی خود کو نئی دہلی کے حادثے سے بے خبر ظاہر کرکے اپنا مدعا بیان کرسکتا تھا۔

اوبرائن کی موت کی تفصیلات سامنے آنے کے بعد صورتِ حال قدرے واضح ہوچکی تھی۔ میں نے رستم کو فون کرنے کا ارادہ شام تک کے لیے ملتوی کردیا۔ اس وقت تک اول خان کی طرف سے ملنگ کے بارے میں بھی کوئی مثبت خبر آسکتی تھی۔

"آپ ملنگ کی طرف سے اتنے فکرمند ہیں لیکن دو آدمیوں کو سرے سے بھولے ہوئے ہیں۔" ملنگ کے ذکر پر غزالہ نے رسانیت سے کہا۔

"ہر خطرہ میری نگاہوں میں ہے۔ شاید تم دھن راج اور موہنی پنڈت کا ذکر کررہی ہو؟"

اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پوچھا "کیا آپ کو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے؟"

"میرے لیے وہ عملاً بے ضرر ہیں کیونکہ ان سے سامنا ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔"

"یہ مان لیا کہ دھن راج مفرور ہے اور ایک لمبی مدت تک اس کے سامنے آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔" ویرا نے کہا "مگر موہنی پنڈت اسی شہر میں رہتی ہے۔ اس سے تمہارا کہیں بھی سامنا ہوسکتا ہے۔ وہ دیکھتے ہی تم کو کرنل جمال دستی کے طور پر پہچان لے گی۔"

"ماڈلنگ اس کا پیشہ اور فلرٹنگ اس کا مشغلہ ہے۔ وہ جن مقامات اور تفریح گاہوں میں اپنا وقت گزارتی ہے، میں وہاں کا رخ بھی نہیں کرتا۔۔۔"

ویرا نے میری بات کاٹ دی "تم پنڈت کی خانہ تلاشی کے لیے پر تول رہے ہو۔ موہنی اسی چھت کے نیچے رہتی ہے۔ کیا تم اس کی نگاہوں سے محفوظ رہ سکو گے۔"

"خانہ تلاشی اور ملاقات میں باریک سا فرق ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "خانہ تلاشی چوری چھپے ہوتی ہے۔ ملاقات میں ہر فریق روبرو ہوتا ہے۔"

گاڑی کے ہارن نے سلطان شاہ کی واپسی کی اطلاع دی اور وہ گفتگو وہیں ختم ہوگئی۔ بحث میں جیتنے کے لیے میں نے ویرا کو لاجواب ضرور کردیا تھا مگر مجھے اندازہ ہوا کہ میں نے اس وقت تک موہنی کے بارے میں سنجیدگی سے کچھ بھی نہیں سوچا تھا۔ ایک غیر متعلقہ فریق کی طرح اسے نظرانداز کردیا تھا۔

سلطان شاہ کی خریداری میں ہر چیز ہی قابلِ ذکر تھی مگر دو اشیا بہت نمایاں تھیں۔ ان میں ایک ٹیلی وژن اور دوسرا کیسٹ پلیئر تھا۔

انسانوں کے قدم آئے تو اس غیر آباد گھر کی رونق بھی بحال ہونے لگی۔ کچن میں چولہا روشن ہونے کے بعد فضا میں مانوس اور اشتہا انگیز خوشبوئیں چکرانے لگیں۔ سب نے اپنے اپنے کمروں کا انتخاب کیا اور سلطان شاہ کی خریداری سے فیض اٹھاتے ہوئے ان کمروں کو سونے کے قابل بنانے میں مصروف ہوگئے۔

سات بجنے سے پہلے اول خان کا فون آگیا۔ اس کے پاس دو خوش خبریاں موجود تھیں۔ ملنگ ہاتھ آگیا تھا اور کراچی سے گئی ہوئی پولیس پارٹی عمرکوٹ کے ایک مضافاتی کاٹج سے دھن راج کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

دھن راج کو اپنے ملک کی سرحدوں میں ایسے زر خرید اہل کاروں کی حمایت حاصل تھی جو اس کے درباری ہوتے ہوئے بھی اسے کاغذوں پر روپوش اور مفرور قرار دیتے رہے

تھے۔ اسے پاکستان کی سرحد عبور کرکے پڑوسی ملک میں جانے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ اپنے آبائی شہر کے مضافات میں کھیتوں کے درمیان بنے ہوئے کاٹج میں عیش وعشرت کے دن گزار رہا تھا۔

"دھن راج پولیس کی تحویل میں رہے گا یا تمہارے پاس آجائے گا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ سنگین پولیس کیس میں ملوث ہے اور ان ہی کا مجرم ہے۔ اس قضیے میں ایس ٹی ایف کہیں بھی شریک نہیں ہوسکے گی۔ چاہوگے تو اس کا اقبالی بیان مل جائے گا۔"

میں بے اختیار ہنس دیا "میں اقبالی بیان کا کیا کروں گا۔ بس یہ دیکھ لینا کہ وہ پنڈت منوہر لال کی گردن پھنسانے میں کس حد تک کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔"

"وہ خود ہی کہیں نہ کہیں پھنس جائے گا۔ اس کی بیٹی اور دھن راج کے مراسم کے بارے میں آدھا شہر جانتا ہے۔ دھن راج کے کراچی پہنچتے ہی پولیس موہنی پنڈت کو بھی اٹھالے گی۔ اس کا باپ دھن راج والے کیس سے الگ تھلگ نہیں رہ سکے گا۔"

بات سے بات نکل رہی تھی۔ میرے لیے وہ خبر اہم تھی کہ موہنی پنڈت بھی حوالات کی سیر کرے گی۔ اس کے ہٹ جانے سے میری اور پنڈت کی پنجہ آزمائی کے لیے میدان صاف ہوسکتا تھا۔

سات بجے میں نے سی ایس ڈی آف کرکے بسیرا کا نمبر ملایا۔ رابطہ ہوتے ہی مجھے چند ثانیوں بعد رستم سے براہِ راست بات کرنے کا موقع فراہم کردیا گیا۔

"تمہارے مزاج کیسے ہیں؟" رستم نے نرم اور دھیمی آواز میں میری مزاج پرسی کی۔

"ناساز ہیں۔ زمینوں پر کچھ مارکٹائی ہوئی ہے۔ میرا ایک آدمی مرا ہے' تین چار زخمی ہوئے ہیں۔" میں نے اوبرائن کے بارے میں کچھ کہے سنے بغیر اپنی سوچی سمجھی کہانی چھیڑدی "مجھے فوراً واپس جانا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری امانت آج ہی تمہارے حوالے کردوں۔"

"بہت اچھی خواہش ہے۔ تمہیں یہ جان کر خوشی ہوگی کہ آج صبح تمہارا کام ہوچکا ہے۔" اس نے کسی غرور یا تکبر کے بغیر اسی رسانیت سے کہا۔

"یہ بہت اچھی خبر ہے۔ میں کراچی سے بالکل بے فکر ہوکر جاؤں گا۔" میں نے خوشی کا اظہار کیا پھر پوچھا "میں ملاقات کے لیے کس وقت آجاؤں؟"

"آٹھ بجے پہنچ سکتے ہو؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد سوال کیا گیا۔

"آٹھ اور ساڑھے آٹھ کے درمیان ضرور آجاؤں گا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"ٹھیک ہے۔" اس کی فیصلہ کن آواز آئی "میں انتظار کروں گا۔ دیر نہ کرنا۔"

اس سے بات کرنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ اتفاق سے اول خان نے مجھے وہی گاڑی دی تھی جو دونوں مرتبہ رستم کے گھر جانے کے لیے استعمال کی گئی تھی۔ اس رات تیسری بار استعمال کے بعد اس گاڑی کی تبدیلی ضروری ہوگئی تھی۔

گلشن اقبال سے بسیرا کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن میں نے جان بوجھ کر اس سے زیادہ وقت مانگا تھا تاکہ وہ ہماری قیام گاہ کے بارے میں کوئی غیرضروری اندازہ قائم نہ کرسکے۔

یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ انسان کی زندگی میں بعض دن ایسے بُرے ثابت ہوتے ہیں کہ بنتے ہوئے کام بھی حیران کن انداز میں بگڑتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض دن ایسے سعد ہوتے ہیں کہ برسوں اور مہینوں سے اٹکے ہوئے بگڑے کام خود بخود بن جاتے ہیں۔

ہمارے لیے وہ ایسا ہی مبارک دن تھا۔ اس کی ابتدا ہم نے اسٹیشن فور کو خیرباد کہہ کر کی تھی۔ اس کے بعد سے مسلسل اچھی ہی اچھی خبریں مل رہی تھیں۔ ہمارے ہر حریف کو منہ کی کھانی پڑی تھی جس کے نتیجے میں ایک ایک کرکے بیشتر رکاوٹیں دور ہوچکی تھیں۔

فون پر رستم نے اوبرائن کے قتل کے بارے میں کسی لاف و گزاف سے کام لیے بغیر نہایت اختصار کے ساتھ اس کے انجام کی اطلاع دی تھی۔ وہ اس کا خالص پیشہ ورانہ انداز تھا۔ کوئی کام ہوتا ہے یا پھر نہیں ہوتا۔ اور جب کام ہوتا ہے تو نہایت صاف ستھرے اور قابلِ رشک انداز میں ہوتا ہے۔ اس کے بیان کے لیے ایک پیشہ ور کو فالتو لفاظی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

"مجھے یہ حسرت رہے گی کہ رستم سے میری ملاقات نہیں ہو سکی۔" باتوں کے درمیان ویرا نے مایوسی سے کہا "اپنے بُرے یا بھلے اصولوں پر اتنی سختی سے اڑے رہنے والے لوگ کم ہی نظر آتے ہیں۔"

"وجیہہ اور شاندار ہونے کے باوجود وہ ادھیڑ عمر اور عیال دار آدمی ہے۔" سلطان شاہ نے اسے چڑایا "ہم اس کے ایک عدد نواسے سے بھی مل چکے ہیں۔ وہ تمہیں گھاس نہیں ڈالے گا۔"

"تم بہت لفنگے اور کور ذوق ہو۔" ویرا بھنا کر بولی "ہر بات میں کیڑے نکالنے کی عادت تمہیں کسی دن لے ڈوبے گی۔ پتا نہیں میں نے تمہاری کون سی جاگیر ماری ہے۔"

"آج کے خوشگوار دن کو ان تلخ باتوں سے برباد مت کرو۔" میں نے ان دونوں سے التجا کی "وقت کا پہیہ ہمارے حق میں چل رہا ہے۔ اسے یوں ہی گردش میں رہنے دو۔"

چائے کی ایک پیالی پینے کے بعد ہم دونوں نے رستم سے الوداعی ملاقات کی تیاری شروع کر دی۔ پچھلی ملاقات میں ہم سے ہمارے ریوالور نہیں لیے گئے تھے۔ بظاہر وہاں ان کی ضرورت پیش آنے کا کوئی امکان نہیں تھا پھر بھی میں نے مسلح ہونے کو ترجیح دی۔ سلطان شاہ نے دونوں چیمبرز چیک کرنے کے بعد فاضل گولیوں کا ڈبا بھی ساتھ لے لیا۔ اس کی احتیاط غیر ضروری نہیں تھی۔ میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

ٹھیک آٹھ بجے ہم گھر سے روانہ ہو گئے۔ سلطان شاہ نے گولیوں کا ڈبا ڈیش بورڈ میں ڈال دیا۔ اس مرتبہ میں نے تین لاکھ روپے کے مساوی، گنے ہوئے ڈالرز کا لفافہ اسی کے سپرد کر دیا تھا تاکہ رستم کو اس ڈیل میں اس کے مساویانہ کردار کا اندازہ ہو سکے۔

ہم بیس منٹ میں بسیرا کی فصیل کے سائے میں پہنچ گئے۔ اندر سب کچھ وہی تھا۔ روشنیوں میں نہائی ہوئی خوب صورت عمارت کا نظارہ کرتے ہوئے ہم نے مقررہ جگہ پر گاڑی روکی اور محافظ کی نشان دہی پر رستم سے ملنے ' باغ میں داخل ہو گئے۔ اس روز وہ اپنی جگہ بدل چکا تھا۔

رستم نے اپنے روایتی انداز میں ہمارا استقبال کیا۔ چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد اس نے کہا "آج دوپہر' بارہ بجے کے قریب وہ بے چارہ ٹریفک کے ایک حادثے میں مارا گیا۔"

"وقت' سے پہلے تم نے اپنا وعدہ پورا کر کے ہمارا دل موہ لیا ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

اس کے گلابی ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی اور وہ مجھ سے بولا "آج تم نے چھوٹے ملک کو تھوڑی سی ڈھیل دی ہوئی ہے۔"

اس کی نرم آواز کی فروتنی دل میں گھر کرنے والی تھی۔ میں نے اسی کے انداز میں جواب دیا "تناور درخت اپنے سائے میں اگنے والی ہر کونپل کو چاٹ جاتا ہے۔ تمہاری یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی ہے۔ اب میں نے ملک افضل کو بھی آگے بڑھانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"اچھی بات ہے کہ تم مناسب مشوروں کو مان لیتے ہو۔" اس کے جواب کے درمیان سلطان شاہ نے ڈالروں کا لفافہ جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ بھی بڑے ڈالر معلوم ہوتے ہیں۔" اس نے لفافے کی موٹائی سے اندازہ کر کے کہا "تم نے گن لیے ہیں تو پورے ہی ہوں گے۔"

دونوں فقروں کے درمیان سلطان شاہ نے سر ہلا کر اس کے پہلے فقرے کی تائید کر ڈالی تھی۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم نے یہاں بیٹھے بیٹھے نئی دہلی میں ٹریفک کے حادثے کا بندوبست کیسے کر لیا؟" لین دین ختم ہونے کے بعد میں نے نئے سرے سے بات چھیڑی۔

"وہ میرا نہیں' نئی دہلی والے کا منصوبہ تھا۔ چند روز پہلے آگرہ میں چوری کے ٹریلر اور کار کے تصادم میں تین آدمی مر گئے تھے۔ ٹریلر چرانے والا ڈرائیور فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ آج صبح نئی دہلی میں اسی واقعے کو تھوڑی سی تیاری کے ساتھ دہرایا گیا اور تمہارا کام پورا ہو گیا۔"

"شاندار!" میں نے پلکیں جھپکاتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا "ایسی آسان اور کامیاب تدبیر تم اور تمہارے آدمی ہی سوچ سکتے تھے۔"

"جرم کرنا ایک فن ہے۔ کم از کم میں یہی سمجھتا ہوں۔ اسی لیے لوگ دور دور سے میرے پاس آتے ہیں۔" اس مرتبہ اس نے کسرِ نفسی کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

وہ ہماری تواضع پر مصر تھا۔ میں نے اپنی زمینوں کے مسئلے کا ذکر کر کے اس سے معذرت کر لی اور اس نے عزت

کے ساتھ ہمیں واپسی کی اجازت دے دی۔

ہماری گاڑی باہر نکلتے ہی بسیرا کا پھاٹک بند ہو گیا۔ میں نے سگریٹ سلگالی۔

سڑک کا موڑ گھومتے ہوئے مجھے شبہ ہوا کہ رستم کے مکان کی کسی قریبی گلی سے کوئی گاڑی ہیڈ لیمپس روشن کیے بغیر رینگ کر باہر آئی تھی۔ میں آدھے سے زیادہ موڑ کاٹ چکا تھا۔ عقب نما آئینوں کا زاویہ بدل جانے کی وجہ سے تاریک کار کا وہ موہوم سایہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"ہوشیار!" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں سلطان شاہ کو خبردار کیا "ابھی ابھی کوئی گاڑی ہمارے تعاقب میں نکلی ہے۔"

سلطان شاہ نے پھرتی سے اپنی جیب سے بھرا ہوا پستول نکال لیا۔ میں نے گاڑی کو تیزی کے ساتھ بائیں طرف کاٹ کر فٹ پاتھ کے کنارے لگالیا۔

اس وقت میری چھٹی حس بہت تیزی سے کام کر رہی تھی۔ گاڑی روکتے ہی میں نے انجن بند کر کے روشنیاں گل کردیں اور کھڑکی سے نیچے جھک گیا۔ سلطان شاہ نے میری تقلید کی۔ اس وقت ہماری کار سڑک کے کنارے نیم تاریکی میں کھڑی ہوئی تھی۔

روشنی اور انجن کی غراہٹ سے اندازہ ہوا کہ اسی سڑک سے ایک کار برآمد ہو کر تیزی سے مڑی اور اسی سمت میں بڑھتی چلی گئی جدھر ہمارا رخ تھا۔ تاریکی کی وجہ سے انہوں نے ہمیں بالکل نظرانداز کر دیا تھا۔

لمحہ بھر کے بعد ہم سیدھے ہوئے تو وہ تیز رفتار کار کافی دور نکل چکی تھی۔

وہ ایک ناگہانی خطرہ تھا جو نازل ہوتے ہوتے یکایک ٹل گیا تھا۔ ان گزرے ہوئے لمحات کی سنسنی سے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں شبہ ہوا تھا۔" گاڑی کے حرکت میں آنے پر سلطان شاہ بولا "بسیرا کے دروازے پر کوئی بھی رستم کے مہمانوں سے چھیڑ چھاڑ کی ہمت نہیں کر سکتا۔"

انجن اسٹارٹ کر کے میں نے گاڑی آگے بڑھا دی "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ رستم کے آدمی رہے ہوں اور ہمارے باہر آنے کا انتظار کر رہے ہوں۔"

"یہ بات محال نظر آتی ہے۔ ہم اندر تھے۔ وہ چاہتا تو ہم کسی قیمت پر باہر نہیں آسکتے تھے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ اپنی اقامت گاہ کو ہر قسم کے دنگے اور فساد سے الگ تھلگ رکھتا ہے۔ حد یہ ہے کہ وہ اپنے مشتبہ آدمیوں کو بھی ادھر کا رخ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔"

"مگر کیوں؟ اسے ہم سے ایسی کیا پرخاش ہو سکتی ہے۔ اس نے منہ مانگا معاوضہ لے کر ہمارے لیے ایک بڑا کام سر انجام دیا ہے۔ اب وہ ہم سے محاذ آرائی کیوں کرے گا؟"

"ہو سکتا ہے کہ اوبرائن کے قتل کے بعد اسے کہیں سے بھنک ملی ہو کہ وہ لاعلمی کی بنا پر غلط لوگوں کا آلۂ کار بن گیا ہے۔ اس جیسے مجرم کے لیے یہ احساس سخت اشتعال انگیز ثابت ہو سکتا ہے۔"

"ہم سے باتیں کرتے ہوئے وہ ذرا بھی مشتعل نہیں تھا۔ وہ اتنا بڑا اداکار نہیں ہو سکتا کہ اپنی نفرت کو سو فی صد کامیابی سے مفاہمت کے اظہار میں بدلنے پر قادر ہو۔ پچھلی بار تم نے دیکھ ہی لیا تھا کہ نوٹوں کے پیلے لفافے پر نگاہ پڑتے ہی اس کے کانوں کی لویں تپنے لگی تھیں۔"

"وہ میرا وہم نہیں تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ کون لوگ تھے؟ یہ ایک اہم اور بڑا سوالیہ نشان ہے۔" میں نے پُرتشویش آواز میں کہا۔

بڑی بڑی کامیابیوں کے جلو میں گزرنے والا وہ دن اپنے اختتام پر یکایک ہی پُرہول محسوس ہونے لگا تھا۔ مجھے یہ اندیشہ بھی ستا رہا تھا کہ وہ جو لوگ بھی تھے، ہماری گاڑی کی ساخت اور رجسٹریشن نمبروں تک سے واقف تھے جبکہ ہم ان کی گاڑی کا رنگ تک نہیں دیکھ سکے تھے۔ راستے میں وہ کہیں بھی گاڑی پہچان کر ہم پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ اس تشویش نے مجھے مضطرب کر دیا۔

اسی لمحے مجھے ایک نیا خیال سوجھا اور میں نے موبائل فون سلطان شاہ کی طرف بڑھا دیا "رستم کا نمبر ملا کر فون مجھے لوٹا دو۔"

اس نے اندھیرے میں لمحہ بھر توقف کیا پھر موبائل فون پر نمبر ملنے کی آوازیں آنے لگیں۔ دوسری طرف گھنٹی بجتے ہی سلطان شاہ نے فون میرے حوالے کر دیا۔

"میں ملک ممتاز بول رہا ہوں اور ابھی رستم سے مل کر لوٹا ہوں۔ اس سے میری بات کرا دو۔" بسیرا سے کسی کا جواب سن کر میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

ریسیور پر قلیل سے وقفے کے لیے موسیقی بجی اور میری توقع کے بالکل برعکس رستم کی آواز ابھری "ہاں ملک ممتاز! کیا بات ہے؟ میرا آدمی کہہ رہا ہے کہ تم کچھ پریشان ہو۔"

"پریشانی کی بات ہے۔ تمہارے گھر سے نکلنے کے بعد ایک مشتبہ گاڑی میرا پیچھا کر رہی ہے۔"

"میں اپنی چار دیواری سے باہر رونما ہونے والے اس واقعے کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"اپنے مہمانوں کی بحفاظت واپسی تمہاری اخلاقی ذمے داری ہے۔" میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا "وہ لوگ کسی گلی میں چھپ کر ہماری واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔"

"دیکھو ملک، میرے گھر سے تم پوری عزت کے ساتھ باہر گئے ہو۔ اب یہ تمہارے اعمال ہیں جو تمہارا پیچھا کر رہے ہیں۔ ہمت ہے تو اپنی گاڑی روک کر ان سے پوچھو کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔"

میں دانستہ ہذیانی سی ہنسی ہنسا "تم تو مجھے خودکشی کا مشورہ دے رہے ہو۔ ان کے تیور ایسے ہیں کہ وہ ہماری کوئی بات سننے سے پہلے ہی گولیوں کی باڑھ کھول دیں گے۔"

"کوئی تمہارا ایسا دشمن کیوں ہو جائے گا؟ دشمنی ہوتی ہے تو اس کا کوئی سبب بھی ہوتا ہے جو دونوں فریق بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"میری کسی سے دشمنی ہے اور نہ میں نے کسی پر ظلم کیا ہے۔ اس وقت میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں وقت طے کر کے تم سے ملنے کے لیے آ گیا اور مصیبت مول لے لی۔"

"میں کسی کی فالتو باتیں سن کر اپنا وقت اور موڈ برباد نہیں کرتا۔" اس کی آواز میں سختی در آئی "تم سے ذرا سی دیر پہلے ایک ڈیل مکمل ہوئی ہے اس لیے تمہیں وقت بھی دے رہا ہوں۔ آسان الفاظ میں بتاؤ کہ اس وقت تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔"

"میں پیچھا کرنے والوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر انہوں نے اب تک گولی نہیں چلائی تو وہ صرف تمہارا پیچھا کر رہے ہیں، شرافت سے اپنے گھر یا ہوٹل چلے جاؤ۔ تمہارا ٹھکانا دیکھ کر وہ لوٹ جائیں گے۔"

رستم کے اس مشورے میں حکم پوشیدہ تھا۔ اس نے کھل کر اعتراف نہیں کیا لیکن اس مشورے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گاڑی ہماری قیام گاہ کا سراغ لگانے کے لیے ہمارے پیچھے نکلی تھی۔

"وہ فائر کریں یا نہ کریں، میں انہیں ضرور تباہ کر دوں گا۔" میں نے دھمکی دی۔

"کوشش کر کے دیکھ لو۔ تمہاری مشکل آسان بھی ہو سکتی ہے۔" اس کا جواب مبہم تھا۔

میں نے فون بند کر دیا۔ اس کے معاندانہ رویے سے یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ تعاقب کی کوشش اسی کے ایما پر کی گئی تھی۔ اپنے آدمیوں کی بے نیل و مرام واپسی پر ہی اسے پتا چلتا کہ اسے کے آدمیوں نے ہمیں فوراً کھو دیا تھا اور میری فون کال کا مقصد صرف اسے ٹٹولنا تھا۔

فون سے فارغ ہو کر میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ میں اول خان کی دی ہوئی اس کار سے جلد از جلد پیچھا چھڑا لینا چاہتا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اسے ہم پر کیا شبہ ہوا ہے۔" یک طرفہ گفتگو سے اخذ کیے ہوئے مفہوم کی روشنی میں سلطان شاہ نے کہا "کم از کم یہ بات تو طے ہو گئی کہ ہمارے تعاقب کی کوشش کی گئی تھی۔ وہ تمہارا کوئی خوف یا وہم نہیں تھا۔"

فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ہم جلد ہی گھر پہنچ گئے۔ سلطان شاہ نے اتر کر پھاٹک کھلوایا اور میں نے گاڑی اندر پارک کر کے پورچ کی روشنیاں گل کر دیں۔

"کیا بات ہے؟ تم دونوں ہی فکرمند اور خاموش نظر آ رہے ہو۔" روشنی میں ہمارے چہرے پڑھ لینے کے بعد ویرا نے پورچ کے اندھیرے میں سوال کیا۔

"یہ تمہاری اور سلطان شاہ کی کل کل ہے جو رنگ لائی

ہے۔ سب کچھ خوش اسلوبی سے طے ہوگیا تھا کہ واپسی پر رنگ میں بھنگ ہوگیا۔"

سلطان شاہ اسے خاموشی سے ڈرائنگ روم تک لے آیا۔ وہ دونوں عورتوں کو تازہ ترین واقعات سنانے لگا اور میں اول خان کو فون کرنے کے لیے خواب گاہ میں چلا گیا۔

تعاقب کی کوشش کے ذکر پر اول خان پریشان ہوگیا۔ وہ عجیب سا واقعہ تھا جس کا ظاہری طور پر کوئی جواز نہیں تھا کیونکہ رستم سارے چکروں سے الگ تھلگ رہ کر اپنی سینڈیکیٹ چلا رہا تھا۔ اسے یہ فکر تک نہیں ہوتی تھی کہ اس کے پاس آنے والا کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اسے ہمارے بارے میں جستجو کیوں ہوگئی تھی؟

میری دانست میں اس زنجیر کی گمشدہ کڑی پنڈت منوہر لال کی شخصیت میں پوشیدہ ہوسکتی تھی کیونکہ ایک طرف وہ بخشی اور دھن راج کا گہرا دوست تھا تو دوسری طرف رستم سے بھی اس کے بے تکلفانہ مراسم تھے۔ شاید اسی کے ذریعے کوئی بری خبر رستم تک پہنچی تھی۔

قوی امکان یہ تھا کہ اوبرائن کی ہلاکت پر امریکیوں کے شدید ردِعمل کے بارے میں پنڈت نے رستم کو کچھ بتایا ہو اور رستم نے کسی لمبے منصوبے کے بغیر ہمارا سراغ حاصل کرنے کی کوشش کر ڈالی۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ اوبرائن کو مروانے والے کون تھے اور ان کے کیا مقاصد تھے۔ وہ اس مقصد کے حصول میں ناکام ہوگیا تھا اسی کے ساتھ کہانی بھی ختم ہوگئی تھی۔

آخری نتیجہ اول خان نے اخذ کیا تھا۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں تھا۔ رستم نے ہمارے اعتماد کو مجروح کرکے اپنے حق میں کانٹے بو لیے تھے۔ اسے وہ فصل ہر حال میں کاٹنی تھی۔

اول خان سے طویل گفتگو ہوئی۔ اس کا ماحصل صفر تھا۔ بس ایک بات طے ہوئی کہ وہ عارضی طور پر میرے لیے کوئی دوسری گاڑی بھیج کر پرانی کار واپس منگوالے گا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہمارے پورچ میں کھڑی ہوئی گاڑی تبدیل ہوچکی تھی۔

میرے ذہن میں مسلسل ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ میرے سامنے دو نشانے دھیرے دھیرے بالکل واضح ہوگئے تھے۔ پنڈت منوہر لال اور رستم ایرانی۔

پنڈت کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میں اس کے گھر کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ دس بجے میں نے اول خان کو دوبارہ فون کیا۔ اس سے پتا چلا کہ دھن راج کو لانے والی پولیس پارٹی رات میں کسی بھی وقت کراچی پہنچ سکتی تھی۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ اس کے آنے سے پہلے موہنی اپنے گھریلو ملازمین سمیت پولیس کی تحویل میں چلی جائے؟" میں نے اس سے اگلا سوال پوچھا۔

"موہنی کا نام پولیس کی لسٹ پر ہے۔ ملازمین کو بوچھ گچھ کے لیے بلایا جاسکتا ہے لیکن تم یہ ضرورت کیوں محسوس کر رہے ہو؟"

"میں نے صرف معلومات کے لیے پوچھا ہے ورنہ ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے اس خیال کو خود ہی مسترد کردیا۔ پولیس کی کسی بڑی کارروائی کے نتیجے میں پنڈت ہوشیار ہوکر وہ تمام شہادتیں تلف کرسکتا تھا جو اس کے مجرمانہ رابطوں سے متعلق ہوتیں۔ بہتر یہی تھا کہ اس کے خلاف خاموشی اور رازداری سے اچانک کارروائی کی جائے۔

"تمہاری یہ کال بے سبب نہیں ہوسکتی۔ یقیناً تمہارے ذہن میں کوئی نہ کوئی بات رینگ رہی ہے۔"

"ہوسکے تو کچھ ہتھیار لے کر یہاں آجاؤ۔ آج رات پنڈت سے ملاقات کرتے ہیں۔" میں نے نیچی آواز میں کہا "کچھ ہتھیار، فاضل بھی ہونے چاہئیں جو یہاں رکھے جاسکیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آج کی رات تمہاری بے چینی کوئی نہ کوئی رنگ لاکر رہے گی۔" اول خان کا جواب سن کر میں نے دوبارہ فون بند کردیا۔

بڑے مکان میں یہ سہولت تھی کہ چاروں افراد ایک دوسرے کے سر پر سوار نہیں تھے۔ سلطان شاہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ٹی وی دیکھنے میں منہمک تھا۔ ویرا کچن میں سامان جمانے میں غزالہ کا ہاتھ بٹا رہی تھی اور میں نے تخلیے میں اول خان سے اپنی بات مکمل کرلی تھی۔

کچھ دیر بعد اول خان آیا تو سب اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ گھر دیکھ کر وہ خوش ہوگیا۔ اسٹیشن فور سے ہماری روانگی سے پیدا ہونے والی اس کی ناراضی بالکل رفع ہوچکی تھی۔ اس نے کہیں بیٹھنے سے پہلے تحسین آمیز تبصروں کے ساتھ گھر کا جائزہ لیا پھر میں اسے سلطان شاہ کے کمرے میں لے بیٹھا۔

ویرا اور غزالہ نے دوبارہ اپنا کام شروع کردیا۔ وہ گھر کو جلد از جلد سمیٹ لینے کی فکر میں تھیں۔ سلطان شاہ کی نگرانی میں اول خان کے لائے ہوئے ہتھیار الماری میں رکھے جا رہے تھے۔

"تمہاری فرمائش پر میں آگیا ہوں لیکن میں تمہارے ساتھ پنڈت کے گھر نہیں جاؤں گا۔" اس نے نرمی سے کہا "آج کل رستم نے ہر ایک کو ہلایا ہوا ہے۔ میں ان معاملات میں براہِ راست ملوث ہونا پسند نہیں کروں گا۔ پنڈت اپنے خلاف ہونے والی کسی بھی زیادتی پر رستم کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔"

"ایسی بات تھی تو تمہیں اتنی لمبی دوڑ لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے جاسکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میرا خیال تھا کہ تمہیں ہتھیاروں کی بھی ضرورت ہے۔ تم لوگوں کو اپنی ضروریات کے معاملے میں خود کفیل ہونا چاہیے۔ ویسے بھی آج یہاں پہلا دن ہے۔ عورتیں اکیلی ہوتیں۔ تمہاری واپسی تک میں یہیں رکوں گا۔"

سلطان شاہ نے وہ پروگرام سنتے ہی روانگی کی تیاری شروع کردی۔ اول خان مجھے پنڈت کے گھر کا پتا سمجھانے میں مصروف ہوگیا۔ وہ شہر کے ایک معروف اور مہنگے علاقے میں مقیم تھا۔

وہاں ہمارا کشت وخون کا کوئی پروگرام نہیں تھا اس لیے ریوالوروں کے ساتھ صرف فاضل راؤنڈ جیبوں میں بھرلیے۔ اپنی تیاری مکمل کرکے ہم اول خان کے ڈرائیور کے ساتھ روانہ ہوگئے۔

ہم اس پُر سکون اور آسودہ حال علاقے میں پہنچے تو شہر کے دوسرے علاقوں کی طرح وہاں بھی بیشتر اسٹریٹ لیمپس قمقموں سے محروم تھے۔ وہ تاریکی ہمارے لیے سود مند تھی۔ گاڑی میں سست روی کے ساتھ پنڈت کے مکان کا جائزہ لینے کے بعد ہم نے قریبی نکڑ پر گاڑی چھوڑ دی اور تیزی کے ساتھ قریبی دیوار کا سایہ لے کر پنڈت کے مکان کے عقبی حصے کی طرف بڑھنے لگے۔

اس علاقے میں سارے ہی مکان وسیع اور کشادہ تھے۔ مکینوں کی گاڑیاں احاطوں اور گیراجوں میں بند تھیں۔ پھر بھی رات گئے اٹھنے والے ملاقاتیوں کی اِکّا دُکّا گاڑیاں باہر پارک کی ہوئی تھیں۔ ان کی آڑ میں اول خان کے ڈرائیور کے لیے وہاں رک کر ہمارا انتظار کرنا آسان تھا۔

مکانوں کے عقبی احاطے کی دیواروں میں چھوٹے آہنی گیٹ تھے مگر وہ سب مدتوں سے بند اور متروک تھے۔ اس سمت کی پتلی سی گلی میں گہرا اندھیرا تھا۔ مکانوں کی کھڑکیوں وغیرہ سے چھن کر آنے والی روشنی کی وہاں تک کوئی رسائی نہیں تھی۔

"اچھی اور بُری"

اختر نے اپنی شادی کی تصویر مقامی ہفت روزے میں چھپنے کے لیے بھیجی۔ تصویر تو چھپ گئی مگر نیچے عبارت تبدیل ہوگئی۔ اختر اور ان کی بیگم کا نام کسی اور تصویر کے نیچے لگ گیا۔

"بیگم ....!" اختر نے رسالہ بیگم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "میرے پاس تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے اور ایک بری..."

"دونوں سنادیں۔" بیگم نے رسالہ لیتے ہوئے فرمائش کی۔

"اچھی خبر یہ ہے کہ میرے سر پر بال اگ آئے ہیں.... اور بری خبر یہ ہے کہ تم بدصورت ہوگئی ہو۔"

کونے سے تیسرے مکان کی دیوار کے قریب رک کر سلطان شاہ نے ایک پتھر اندر اچھال دیا۔ پتھر ہلکی سی آواز کے ساتھ ترشی ہوئی گھاس یا نرم زمین پر گرا۔ چند ثانیوں تک کوئی ردعمل سامنے نہ آیا تو میں نے اچھل کر دیوار کی نکر پر ہاتھ جمائے اور پورا زور صرف کرکے دیوار پر سے ہوتا ہوا پنجوں کے بل اندر کود گیا۔

وہ مکان میرے لیے اجنبی تھا۔ بس اتنا معلوم تھا کہ اصل مکینوں کی تعداد صرف دو ہے۔ باقی چار پانچ ملازمین کو اس وقت اپنے اپنے کمروں میں محوِ خواب ہونا چاہیے تھا۔

انتظار اور احتیاط کے جملہ مراحل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں نے سلطان شاہ کو بھی اندر بلالیا۔

بغلی دیوار کے ساتھ بنے ہوئے سرونٹ کوارٹرز میں تاریکی کے ساتھ سناٹا تھا۔ اصل عمارت کی صرف دو کھڑکیاں روشن تھیں۔ ہم نے زمین سے لگ کر درمیانی فاصلہ طے کیا اور عمارت کے اس پہلو پر چلے گئے جدھر ملازمین کے متوجہ ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

مکان میں راج کرنے والے سناٹے نے ہماری حوصلہ افزائی کی۔ کھلی ہوئی کھڑکیوں پر مضبوط آہنی گرل نصب تھی جسے اکھاڑنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ لوہے کی ان پٹیوں پر

ایما پر سلطان شاہ کھڑکیوں پر بنے ہوئے چھجّے پر چڑھ گیا۔
چند ثانیوں بعد وہ کچن یا اسٹور کی دیوار میں ایک چوکور خلا دریافت کرنے میں کامیاب ہوگیا جس میں اگزاسٹ فین نصب نہیں تھا۔ اس خلا سے گزر کر ہم مٹی میں اٹی ہوئی دو چھتی سے ایک اسٹور میں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ اسٹور کا دروازہ ذرا سی کوشش سے کھل گیا۔
دروازے کی اوٹ سے سر نکال کر اِدھر اُدھر کا جائزہ لینے کے بعد ہم دونوں تاریک راہداری میں تھے۔
مکان کی تاریک فضا میں ائرکنڈیشنرز کی آواز گونج رہی تھی۔ ان کے سہارے ہم پہلی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ گئے جس کے نچلے خلا میں ہلکی سبز روشنی نظر آرہی تھی۔ دروازے سے کان لگا کر اندر کی سن گن لینے کے بعد میں نے دستے پر دباؤ ڈالا اور اندر سے ٹھنڈی ہوا کے مہکتے ہوئے جھونکے باہر آنے لگے۔ ہلکی روشنی میں موہنی پنڈت اپنے بستر پر بے فکری سے محوِ خواب تھی۔
میں نے دروازہ بند کر کے سلطان شاہ کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور کچھ فاصلے پر موجود دوسری خواب گاہ کے سامنے جا رُکا۔ فرش اور دروازے کے درمیانی خلا کی دھیمی روشنی بتارہی تھی کہ وہ کمرا بھی آباد تھا۔
مجھے اندر پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ کمرا ائرکنڈیشنڈ تھا، کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے، ہلکی روشنی میں سب کچھ واضح طور پر نظر آرہا تھا۔ باہر سے دیکھ لیے جانے کے خطرے سے بے نیاز ہو کر میں نے بستر پر بے سُدھ، اوندھے پڑے ہوئے ادھیڑ عمر شخص کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ نشے میں دھت ہو کر گہری نیند ... سویا ہوا تھا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ دونوں خواب گاہیں اندر سے بولٹ یا مقفل نہیں کی گئی تھیں۔
اس کے رنگے ہوئے بالوں کی جھالر کے وسط میں تانبے جیسی چندیا بتارہی تھی کہ اپنے ایک ایک بال کو رنگ کر جوان بنادینے والا وہی شخص پنڈت منوہر لال ہو سکتا تھا۔ اس کی ابتر حالت دیکھ کر مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ میں نے اسے بیدار کیا تو وہ اپنی مدہوشی میں، کسی خطرے کا ادراک کیے بغیر، غل غپاڑے پر اتر آئے گا۔ میں نے اسے چھیڑے بغیر اس کی خواب گاہ کا جائزہ لینا شروع کردیا۔
شراب کی بوتلوں سے لے کر خواتین کی نازیبا رنگین تصاویر کی البموں تک... وہاں خرافات کا ایک انبار پوشیدہ تھا۔ ہر دراز اور الماری غیر مقفل تھی۔ بے احتیاطی کا یہ عالم تھا کہ کپڑوں کے درمیان کچھ نہ کچھ اُڑسا ہوا تھا۔ مجھے ان تمام چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ آخر کار میری کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ ایک بڑے تصویری فریم کے پیچھے دیوار گیر آہنی تجوری کا دروازہ پوشیدہ اور مقفل تھا۔
میں کئی درازوں میں چابیوں کے گچھے دیکھ چکا تھا۔ تجوری کی تلاش میں اتنا وقت صرف نہیں ہوا، جتنا چابی کی تلاش میں ضائع ہوا۔ یہ پنڈت کی فطری بے پروائی کا نتیجہ کہ مجھے اس سے پوچھے بغیر تجوری کی چابی مل ہی گئی اور میں نے تیسری کوشش میں وہ وزنی دروازہ کھول لیا۔
تجوری، نقدی، زیوارت کے بکسوں اور تمسکات وغیرہ سے بھری ہوئی تھی۔ اندر ہاتھ مارنے پر مجھے کچھ فائلوں کی موجودگی کا احساس ہوا اور میں نے تجوری کے سامنے والا حصہ فرشی قالین پر خالی کرنا شروع کردیا۔ وہ نئی اور پرانی فائلوں اور لفافوں کا ایک موٹا سا ڈھیر تھا جو رقم وغیرہ کے پیچھے سے برآمد ہوا۔
میرے لیے وہاں رک کر ان تمام فائلوں اور لفافوں کا جائزہ لینا ممکن نہیں تھا۔ میں نے پنڈت منوہر لال کی مسہری پر پڑے ہوئے ایک فاضل تکیے کا غلاف اتارا اور اسے الٹ کر وہ پورا ڈھیر اس میں ڈال لیا۔
کمرا چھوڑنے ”سے پہلے میں نے آخری بار تجوری کا جائزہ لیا اور اسے اسی حال میں چھوڑ دیا۔ فرش پر موجود نقدی اور زیورات میرے لیے بے وقعت تھے۔
ہلکی روشنی میں سے نکلتے ہی، میں تاریکی میں سلطان شاہ کا ہیولا نہ دیکھ سکا۔ چند ثانیوں بعد ہم دونوں پھر یک جا ہوگئے۔
مکان کے اندر موجود ہونے کے سبب ہم آسانی سے کوئی بھی دروازہ کھول کر باہر نکل سکتے تھے مگر میں نے کسی نئے راستے کے خطرات مول لینے پر پرانے راستے کو ترجیح دی۔ اس بار سابق تجربہ ہمارے ساتھ تھا۔ ہم کسی دشواری کے بغیر چھجّے پر پہنچ گئے۔
میں چھجّے سے نیچے کود چکا تھا۔ کودنے کے بعد فائلوں کا تھیلا میری گرفت سے نکل کر قدرے اونچی دھمک کے ساتھ زمین پر گرا، میں نے تھیلا فوراً ہی اٹھالیا۔
سلطان شاہ چھجّے سے زمین پر آرہا تھا کہ کوئی نیند بھری آواز میں چیخا ”اوئے! تم کون ہے۔“ اس للکار کے ساتھ ہی ہماری طرف فائر ہوا مگر گولی کافی بلندی پر نکل گئی۔
وہ سچویشن بہت خطرناک تھی۔ ہم احاطے کی عقبی دیوار سے دور تھے۔ وہاں سے ہمیں گاڑی تک بھی پہنچنا تھا۔ فائر کرنے والے نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اندھا دھند دو فائر کر ڈالے۔ ان فائروں

مقصد اپنے مسلح حریف کو خوف زدہ کر کے اپنے سے دور رکھنا تھا۔

فائر کرتے ہی میں نے پنجوں کے بل واپسی کی دوڑ لگادی۔ سلطان شاہ کے لیے وہ صورتِ حال نئی نہیں تھی۔ ایسے مواقع پر اندھا دھند فائرنگ کے فوائد سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے وقفے وقفے سے دو فائر کیے۔ پنڈت کے چوکیدار کی طرف سے کُل تین گولیاں چلائی گئی تھیں۔ ذرا سی دیر میں ہونے والے ان سات فائروں کی وجہ سے کسی بھی ملازم نے ہمارا راستہ کاٹنے کی کوشش نہیں کی۔ عقبی دیوار پھاندنے سے پہلے میں نے پھر ایک گولی چلائی۔ اس کے بعد ہم دونوں پچھلی گلی میں دوڑ رہے تھے۔ رات کے سناٹے میں گاڑی تک پہنچنا ایک کٹھن مرحلہ بن گیا تھا۔

قانون پسند اور معزز شہریوں کی اس آبادی میں ہر گھر امن کا ایک جزیرہ تھا' دوسرے سے بالکل الگ تھلگ اور اپنے ہی گرد پھیلا ہوا۔ آٹھ فائر ہونے کے باوجود کوئی مالک یا ملازم گھر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ اول خان کا ڈرائیور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر گاڑی پتلی گلی کے نکڑ تک لے آیا تھا۔

اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ گولیوں کا تبادلہ شروع ہونے کے بعد ہم مقابلے کے بجائے فرار کو ترجیح دیں گے۔ اس نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ رکھا ہوا تھا۔ دروازے کھول کر ہم جوں ہی اندر بیٹھے اس نے گاڑی تیزی سے آگے دوڑا دی اور ذرا سی دیر میں آبادی سے نکل کر مین روڈ پر پہنچ گیا۔

"صاحب! کھڑکیوں کے شیشے گرادیں۔ جلے ہوئے بارود کی بو ہوا سے اڑ جائے گی۔" اس کا وہ مشورہ تجربے اور گہرے مشاہدے پر مبنی تھا۔ چیمبرز اور نالوں میں بھری ہوئی بارود کی بو ہمارے نتھنوں تک پہنچ رہی تھی۔ اپنا شیشہ وہ پہلے ہی گرا چکا تھا۔ ہم نے بقیہ تین شیشے بھی کھول دیے۔

"صاحب! سب خیر ہے نا؟" سڑک پر نکل آنے کے بعد اس نے ادب سے پوچھا۔

"ہاں، تم بے فکر رہو۔" اتنا کہہ کر سلطان شاہ نے پشتو میں اسے کچھ بتانا شروع کردیا۔

گھر پر تینوں بے چینی سے ہماری واپسی کے منتظر تھے۔ کامیابی شاید ہمارے چہروں سے جھلک رہی تھی اور پھر ثبوت کے طور پر وزن والا ایک تھیلا ہمارے ساتھ تھا۔ کسی سوال کے بغیر انہیں جواب مل گئے۔

میں نے تکیے کے غلاف میں سے ایک کاغذ نکال لیا اور پھر سب ہی ان کے معائنے میں مصروف ہوگئے۔

○☆○

اگلے دن اخبارات میں خبریں ہی خبریں تھیں۔

نئی دہلی میں اوبرائن کی حادثاتی موت کی خبر خاصی نمایاں اور دل دوز تھی۔ اس کی خدمات کے حوالے سے بتایا گیا تھا کہ وہ جنوب مشرقی ایشیا کی فلاح کے لیے ایک انقلابی منصوبے پر شب و روز کام کررہا تھا۔ اس کی ناگہانی موت سے وہ منصوبہ کافی پیچھے رہ جانے کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا۔

دو الگ الگ خبروں میں موسیٰ اور ملنگ نامی ہسٹری شیٹرز کی لاشوں کی برآمدگی کی اطلاعات تھیں۔ وہ اپنے اپنے علاقوں میں مارے گئے تھے۔ عام خیال یہ تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کی شدید پیشہ ورانہ رقابت کا نشانہ بنے تھے۔ یہ دور رس خیال رستم کی ہڈیاں تک سلگا دینے کے لیے کافی تھا۔

ایک خبر عمر کوٹ کے مضافات سے ناجائز ہتھیاروں کی ترسیل اور دہشت گردی کے کیس میں ماخوذ دھن راج کی گرفتاری کے بارے میں تھی۔

پنڈت منوہر لال اور موہنی پنڈت کے بارے میں صبح کے اخبارات میں کچھ شائع نہیں ہوا تھا مگر اول خان نے فون پر بتایا تھا کہ موہنی پنڈت کو صبح پولیس نے اس کی قیام گاہ سے پکڑ لیا تھا۔ اس کے باپ کے کمرے کی تجوری کھلی ہوئی تھی۔ رقم اور زیورات قالین پر تھے اور پنڈت غائب تھا۔

اپنے باپ کے بارے میں موہنی کچھ بھی نہیں بتا سکی تھی۔ پچھلی رات کی فائرنگ کے شور سے بدحواس ہوکر وہ بیدار ہوئی تو پنڈت کا روشن کمرا خالی تھا۔ سب کچھ تجوری سے فرش پر نکالا جاچکا تھا اور اس کا باپ گھر میں موجود نہیں تھا۔ وہ اتنی بدحواس تھی کہ صبح ہونے تک اس بارے میں پولیس کو اطلاع دینے یا خاموشی سے اپنے باپ کی واپسی کا انتظار کرنے کا فیصلہ نہیں کر سکی تھی۔

مجھے حیرت تھی کہ موہنی پنڈت نے ایسا سفید جھوٹ بولا تھا۔ فائرنگ کے تبادلے کے وقت نشے کی زیادتی سے پنڈت کا حال کسی مُردے سے بھی ابتر تھا۔ یہ مانا ہی نہیں جا سکتا کہ دھاکوں سے ہوش میں آتے ہی وہ سر پر پیر رکھ کر اپنے گھر سے بھاگ کھڑا ہوا ہو۔

وہ پولیس کی تحویل میں جا چکی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ موہنی اپنی تمام تر پرکاری اور مکاری کے باوجود زیادہ دیر تک تفتیشی افسران کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گی۔ وہ عورت تھی اور اس سے لیڈی پولیس افسران ہی کو پوچھ گچھ کرنی تھی مگر خواتین کی پولیس فورس بھی اپنے دوسرے ہم عصروں سے کم نہیں تھی۔

"حالات ایک ہی دن میں چھلانگ لگا کر کہیں سے کہیں پہنچ چکے ہیں۔" خبریں پڑھ لینے کے بعد ویرا نے کہا "ہواؤں کا رخ بدل گیا ہے۔ سوچنا یہ ہے کہ اب ہم کن مہروں کو آگے بڑھائیں گے۔"

"ایک بساط لپٹی ہے لیکن دوسری پھیل گئی ہے۔ تم رات والے تین کاغذوں کو کیوں بھول رہی ہو؟" سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا۔

"اتنے موٹے پلندے میں سے برآمد ہونے والے وہ تینوں کاغذات پنڈت منوہر لال کے بغیر ادھورے ہیں۔ ان کو بنیاد بنا کر تم کن دیواروں سے اپنا سر ٹکراؤ گے؟" ویرا نے مجھ سے سوال کیا۔

"تمہارے لیے وہ کاغذات ادھورے ہیں مگر مجھے ایک راہ نظر آ رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پنڈت اپنے گھر سے بھاگ کر رستم کے پاس ہی گیا ہوگا..."

"رستم تمہارے دماغ سے چمٹ کر رہ گیا ہے۔" ویرا نے چڑ کر کہا "تم نے گاہے گاہے اس کی جو تصویر کشی کی ہے اس کی بنا پر مجھے پورا یقین ہے کہ وہ بسیرا کو ایسی کسی سرگرمی میں ملوث نہیں کرے گا کہ قانون کے محافظوں کو اس کے پھاٹک پر دستک دینے کا موقع مل سکے۔"

"رستم اور بسیرا دو الگ چیزیں ہیں۔ بسیرا اس کا گھر ہے۔ بر اوقت آجانے پر اس نے اپنے دوست کو کسی اور ٹھکانے پر بھیج دیا ہوگا۔ اس کا پتا صرف رستم بتائے گا..."

"اور رستم بسیرا میں رہتا ہے لہٰذا تم ایک مرتبہ پھر ادھر جاؤ گے۔" وہ میری بات کاٹ کر غرائی۔

میں اس کے چڑچڑے پن پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا "مجھے رستم کے مکان پر چڑھائی کرنے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ مجرم جہاں بھی ہو' اس کی سرکوبی ضرور ہونی چاہیے۔"

"تم جا کر غزالہ کے ساتھ کھانا تیار کرو۔ یہ مسائل ہم خود طے کرلیں گے۔" سلطان شاہ نے اسے چڑانے کے لیے کہا "یہ کوشش تمہاری آزادی کے لیے کی جا رہی ہے۔ تمہیں اسٹیشن فور سے رہائی مل چکی ہے' اب باہر نقل و حرکت کی اجازت بھی ملنی چاہیے۔"

"میں تم لوگوں کی وجہ سے احتیاط کرتی ہوں کہ کہیں میری وجہ سے مفت میں نہ مارے جاؤ۔ مجھے اپنے دشمنوں کا خوف ہے نہ جان کی پروا۔"

اس نے ہلکی سی خفگی کے انداز میں وہیں بیٹھے بیٹھے ایک سگریٹ ختم کی اور پھر وہاں سے اٹھ گئی۔

"کیا تم واقعی رستم کے خلاف محاذ کھولنے کا فیصلہ کر چکے ہو؟" ویرا کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ اگر وہ پنڈت منوہر لال کی پشت پناہی کر رہا ہے تو اسے اس کا خمیازہ ضرور بھگتنا پڑے گا۔ کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکے گی۔"

"کیسے پتا چلایا جائے گا کہ پنڈت اسی کے پاس پناہ گزیں ہے؟"

"میرے ساتھ آؤ۔ ذرا سی چھیڑ چھاڑ سے وہ کھلنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"تو کیا تم نے دوبارہ اپنے اصل نام سے میدان میں اترنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟"

"ضروری نہیں کہ بس ایک نام ہی چلتا رہے۔ کل ملک ممتاز اور ملک افضل نے بھی اس کے دانت کھٹے کیے ہیں۔ فی الحال وہی سلسلہ مناسب رہے گا۔"

میں اسے ساتھ لے کر بیڈ روم میں پہنچ گیا اور مسہری کے سرہانے بیٹھ کر رستم کا نمبر ملا لیا۔

"ملک ممتاز!" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا "رستم سے میری بات کراؤ۔"

وہ نام شاید بسیرا کے پورے محل میں شہرت پا چکا تھا۔ اس نے کوئی سوال کرنے کے بجائے مجھے لائن ہولڈ کرنے کا

مشورہ دیا اور پھر قدرے تاخیر سے رستم فون پر آگیا۔

"تم اول درجے کے جھوٹے اور مکار ہو۔" ریسیور پر رستم کی دھیمی اور بیانیہ سی آواز ابھری "پچھلی رات تم نے بلاوجہ میرا وقت برباد کیا تھا۔"

"وہ گفتگو بلاوجہ نہیں تھی۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ میرے تعاقب کی کوشش میں خاک چھاننے والے کس کے آدمی تھے اور یہ بات کھل کر سامنے آگئی۔ تم کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہر سیر کو کہیں نہ کہیں سوا سیر ضرور ٹکراتا ہے۔ اب میں ہاتھ دھو کر تمہارے پیچھے لگ گیا ہوں۔"

"تو کیا تم ابھی تک کراچی میں ہو؟" اس کا سوال فوری اور بے ساختہ تھا۔

"تمہارا کبھی کسی ملک سے واسطہ نہیں پڑا۔" میں نے پُرغرور آواز میں کہا "ہم لوگ اپنی آن کے لیے جان بھی گنوا دیتے ہیں۔ تمہاری کسی اندھی تجوری میں پڑے ہوئے دس لاکھ روپے مالیت کے ڈالر اس کا ثبوت ہیں۔ ہماری زمینیں رہیں یا جائیں، آدمی وہاں لڑ کر فتح یاب ہوں یا مارے جائیں، ہمیں اس کی پروا نہیں ہے۔ تمہاری گردن پر پیر رکھنے کے بعد ہی ہم کوئی دوسری بات سوچیں گے۔"

فلمی انداز میں ادا کیے جانے والے ان مکالموں پر سلطان شاہ حیرت سے میرا منہ تک رہا تھا۔

"کل تک میرے سامنے بھیگی بلی بنے ہوئے تھے۔" رستم کی آواز بدستور دھیمی اور پُرسکون تھی۔ "اس وقت کوئی اور ہی زبان بول رہے ہو۔"

"اپنے بل میں چوہا بھی شیر ہوتا ہے۔ کل ہم تمہارے بل میں تھے، آج میدان میں ہیں۔ ہمت ہے تو بسیرا سے باہر نکل کر دکھاؤ، جوتے مار مار کر تمہیں بھی پنڈت منوہر لال بنادیں گے۔"

"پنڈت.... منوہر.... لال...." رستم نے توڑ توڑ کر حیرت سے وہ نام دہرایا۔ "تم یہ نام مجھے کیوں سنا رہے ہو؟"

"مان لو کہ وہ تمہارا دوست ہے۔ اس کے سارے کاغذ ہمارے پاس ہیں۔ تمہاری بدمعاشی کا بدلہ لینے کے لیے ہم نے اسے ذلیل کیا ہے۔ قسمت بھی اس کا ساتھ چھوڑ چکی ہے کیونکہ پولیس اس کی بیٹی کو اٹھالے گئی ہے۔ وہ کب تک تمہارے پاس چھپا رہے گا....."

"اوہ!" رستم کی آواز اس بار بھی تحیر زدہ تھی "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ حرکت تمہاری تھی۔ تم نے پنڈت کو تنگ کرکے پست ہمتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ بہت شریف آدمی ہے۔"

"دست برداری"

نیاز صاحب کی بیگم جو فل ٹائم ملازمت، بچوں کی پرورش اور دیگر گھریلو ذمے داریوں سے ایک ساتھ نبرد آزما رہتی تھیں ایک روز جھلا گئیں اور لڑنے لگیں۔ نیاز صاحب نے ان کی دلجوئی کی "دیکھو بیگم.... تم ایک اچھی بیوی، اچھی ماں اور اچھی لیکچرر ہو لیکن انسان ہر وقت ہر محاذ پر کامیاب نہیں رہ سکتا۔ کبھی کبھی کسی محاذ پر اس سے کوتاہی بھی ہوجاتی ہے۔ اس سے گھبرانا نہیں چاہیے.... عارضی طور پر.... کچھ دیر کے لیے کسی ذمے داری سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔"

مسز نیاز نے کچھ دیر سوچا پھر بولیں "ٹھیک ہے.... میں اچھی بیوی ہونے کی ذمے داری سے دست بردار ہوتی ہوں۔"

"اس شریف آدمی کے کاغذوں کا سارا انبار ہمارے لیے بے کار ہے۔ وہ سامنے آئے تو ہم اسے مفت میں لوٹا دیں گے۔ بس تین کاغذ ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے پوچھو کہ وہ ان کی کیا قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہے؟"

"تم اس سے کوئی سودے بازی کرنا چاہ رہے ہو؟" رستم کی آواز میں دوبارہ اطمینان اتر آیا۔

"کل تک ہم ضرورت مند تھے اور تمہاری شرطیں ماننے پر مجبور تھے۔ آج تم اور پنڈت ہماری جگہ لے چکے ہو۔ ہم کچھ نہیں کہیں گے۔ دام لگاؤ، خود چل کر ہمارے پاس آؤ اور لین دین کرلو۔"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ سارے کاغذات میرے نہیں، پنڈت کے ہیں۔"

"مگر یہ یاد رہے کہ پنڈت تمہارا جگری یار ہے رستم! ملکوں کے منہ مت لگو۔ ایسی مار کھاؤ گے کہ زندگی بھر کے لیے اپاہج ہو جاؤ گے۔"

"تم چل کر میرے در پر آئے تو میں نے تمہیں عزت دی تھی۔ تمہیں تو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔ یہ کراچی ہے۔ یہاں جاگیروں والے قانون نہیں چلتے۔ تمہیں بھی کوئی سوا سیر ٹکرا سکتا ہے۔"

"اگر مہمانوں کو نہتا کر کے ذلیل کرنا اور ان کا پیچھا کرنا عزت میں گنتے ہو تو ہم تمہیں بہت زیادہ عزت دیں گے۔ اتنی عزت کہ تمہیں سنبھالنی دوبھر ہو جائے گی۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

میرے تذلیل آمیز رویے کے باوجود اس نے فون بند نہیں کیا تھا۔ کوئی اقرار نہیں کیا تھا تو میری کسی بات سے انکار بھی نہیں کیا تھا۔ مجھے اپنا وہ داؤ کارگر ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"یہ ضد اور اَنا پرستی چھوڑ دو۔ کسی بھی وقت میرے پاس آؤ۔ مل بیٹھ کر ہر بات طے کرلی جائے گی۔" اس نے رسانیت سے پیش کش کی۔

"اب ہم ادھر نہیں آئیں گے۔ تم میں اپنے نام کی ذرا سی بھی خوبو ہے تو ہمارے پاس آؤ۔ اب ہم بات طے کریں گے..... تم سے بھی اور تمہارے پنڈت سے بھی!"

"آخر تم پنڈت کے دشمن کیوں ہو گئے ہو؟ اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"میرے ساتھ چھوٹے ملک صاحب بھی تھے۔ تم نے دو کی بے عزتی کی ہے۔ پنڈت کے ساتھ مل کر تم بھی دو ہو گئے ہو۔ دو کا حساب ایک سے برابر نہیں ہو سکتا۔"

مجھے جاگیروں کی رسوم و رواج سے ذرا بھی واقفیت نہیں تھی۔ میں نے ملک و قوم کے دشمنوں کو نیچا دکھانے کے لیے اضطراری طور پر اپنے اور سلطان شاہ کے لیے دو نام چنے تھے اور موقع محل کی مناسبت سے رستم ایرانی سے تیور بدل بدل کر بات کر رہا تھا۔ میرا اعظیم تر مقصد صرف ایک تھا کہ کسی طرح پنڈت منوہر لال کو رستم کی تحویل سے نکال کر اپنی گرفت میں لے سکوں۔

اس وقت تک میری حکمتِ عملی کامیاب تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ مکالموں کی وہ جنگ کہاں ختم ہوتی تھی۔

"دیکھو! یہ کھوکھلی دھمکیاں ہم دونوں کا وقت برباد کر رہی ہیں....."

میں نے بپھرے ہوئے لہجے میں رستم کی بات کاٹ دی "تم وقت کی بات کر رہے ہو، ہم دھاوا بھول کر تمہاری حویلی کو برباد کر دیں گے۔ بسیرا کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔"

"مہمان بن کر آنا تو سو بار آؤ لیکن کسی بری نیت سے تم نے ادھر کا رخ کیا تو میرے آدمی تمہیں اور تمہارے حامیوں کو پھاٹک پر ہی ڈھیر کر دیں گے۔ میں تمہارا کوئی کمزور ہاری نہیں، کراچی کا ایک طاقت ور شہری ہوں۔ مجھ سے پنجہ لڑانے والے اپنی انگلیاں تڑوا بیٹھتے ہیں۔"

"وہ کاغذ تمہارے نہیں ہیں، تم اپنے چوہے دان سے باہر نکلنے پر آمادہ نہیں ہو تو تم سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہم تم سے پھر کسی وقت ملاقات کریں گے۔"

"وہ کاغذ کسی کے بھی ہوں، میں ان کے عوض میں تمہیں تمہاری دی ہوئی رقم لوٹا سکتا ہوں۔"

میں نے تحقیر آمیز ہنکارا بھر کر کہا "ہم نے وہ رقم ذرا سی ذاتی رنجش کا بدلہ لینے کے لیے خرچ کی تھی۔ تم کراچی کے کوئی سُورما ہو تو کوئی بڑی بات کرو۔"

"بارہ، پندرہ....." "تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے نرمی سے فیاضی کا مظاہرہ کیا۔

"پیسہ مرد کے ہاتھ کا میل ہوتا ہے۔ پنڈت کو لے آؤ۔ ہم خود اس سے سودا کرلیں گے۔ تم کو بتانا ہوگا کہ تمہارے آدمیوں نے ہمارا پیچھا کیوں کیا تھا اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنی ہوگی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" اس بار رستم کی آواز میں ہلکی سی ترشی تھی "میں نے تمہاری پگڑی نہیں اچھالی کہ تم سے معافی مانگتا پھروں۔ مہمانوں کو خود ہتھیار چھوڑ کر میزبانوں سے ملنا چاہیے۔ رہی پیچھا کرنے کی بات تو دوسری ملاقات میں تمہاری باتوں نے مجھے شبہے میں ڈال دیا تھا۔ اسی وقت میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اگلی بار تمہارا پیچھا کراؤں گا۔ ان باتوں کو یاد کرو گے تو تمہیں میرا فیصلہ درست محسوس ہوگا۔"

"پنڈت کو کب اور کہاں لا رہے ہو؟" میں ایک دم نرم پڑ گیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ پنڈت منوہر لال کے بارے میں کہاں تک سمجھوتا کرنے پر تیار ہے۔

"وہ کہیں نہیں آسکتا۔ تم مجھ سے بات کرو۔ میں ابھی فیصلہ کردوں گا۔"

"سارے کاغذ لو گے یا صرف تین کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اسے سلگانے کا ارادہ کرلیا۔

"تم نے تین کی بات کی ہے۔ باقی اس کے کھاتوں کے حساب اور تمسکات ہیں۔ تم نے وہ سب مفت میں لوٹانے کا وعدہ کیا تھا۔"

"تین کاغذوں کے لیے تین کروڑ کا بندوبست کرلو۔ جگہ ہم بتا دیں گے۔" میں نے رعونت سے کہا۔

"تین کاغذوں کے لیے تین کروڑ؟" اس بار رستم اپنی حیرت پر قابو نہ رکھ سکا۔ میرے مطالبے نے شاید اس کے ہوش اڑا دیے تھے۔

"پنڈت سے پوچھ لینا۔ میں پھر کسی وقت فون کرلوں گا۔

ان کاغذوں کے لیے شاید وہ اپنی زندگی بھی گروی رکھانے پر آمادہ ہوجائے۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

میں فون بند کر کے سلطان شاہ کی طرف مڑا تو ویرا دونوں ہاتھ کمر پر ٹکائے، دروازے کے وسط میں تنی ہوئی کھڑی تھی۔

"کہو، رستم سے گفتگو کا کیا نتیجہ نکلا؟" اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"پنڈت کو اسی نے پناہ دی ہوئی ہے۔ تینوں کاغذ بہت اہم ہیں۔" میں نے مسکرا کر بتایا۔

"کاغذ کے ان پرزوں کے بارے میں کیا اسی نے تمہیں بتایا ہے؟" ویرا نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"میں نے تین کاغذوں کا حوالہ دیا تھا۔ وہ ان کے پندرہ لاکھ دینے پر آمادہ ہے۔"

"چند ہی روز میں تمہاری رقم ڈیڑھ گنا ہو کر واپس مل رہی ہے۔ تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"ہماری رقم تو اول خان لوٹا ہی دے گا۔ اب میرا ہدف صرف پنڈت ہے۔ اسی وجہ سے میں نے تین کروڑ روپے کا مطالبہ کیا ہے۔"

"بظاہر وہ تمہارا مطالبہ تسلیم کرلے گا مگر کاغذ لے کر تمہاری گردن اڑانے کی کوشش کی جائے گی۔" یہ کہتی ہوئی وہ خواب گاہ میں آگئی "تم اس مرتبہ پھر آگ سے کھیل رہے ہو۔ ذرا وہ تینوں کاغذ ایک مرتبہ پھر دکھاؤ۔ مجھے پتا تو چلے کہ ان میں کیا راز پنہاں ہے۔"

میں نے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے وہ تینوں کاغذ نکال کر ویرا کی طرف بڑھا دیے۔ سلطان شاہ بھی تجسس آمیز انداز میں کرسی سرکا کر آگے آگیا۔

ایک کاغذ کاپی کے بوسیدہ سے صفحے پر مشتمل تھا۔ اس کے اوپری گوشے پر پھیکی قلمی تحریر میں MOSAD کا لفظ تحریر تھا اس کے نیچے خط لگا کر چھ ہندسوں پر مشتمل ایک نمبر لکھا ہوا تھا۔ نیچے شاید چیف اور اس کے سیکریٹری کے فون نمبر درج تھے۔ یہ سب میرا قیاس تھا ورنہ ویرا اس صفحے کو یکسر مسترد کر چکی تھی۔ اس کے نزدیک اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا نام بھی اہم نہیں تھا۔

دوسرا کاغذ انگریزی میں چھپا ہوا تھا۔ اس پر کہیں کسی کا نام تھا نہ دستخط اور تاریخ۔ اوپر جیوش انٹرنیشنل سیکرٹ سوسائٹی کا نام اور اس کا مخفف JISS چھپا ہوا تھا۔ متن میں تصدیق کی گئی تھی کہ اس کاغذ کا حامل تمام عملی اور نظریاتی مقاصد کے لیے سوسائٹی کا تاحیات رکن منتخب کرلیا گیا ہے۔ ویرا نے اس کاغذ کو بھی بے معنی اور گمراہ کن قرار دیا تھا۔

تیسرا کاغذ بھی قلمی تھا۔ اس پر ہاتھ سے چار خانے بنا کر کسی ترتیب کے بغیر سات قطاروں میں انگریزی کے حروفِ تہجی لکھے گئے تھے۔ ہر حرف کے سامنے ایک نمبر لکھا ہوا تھا جو دو ہندسوں پر مشتمل تھا۔ وہ تینوں کاغذ پنڈت کی تجوری سے برآمد ہونے والی ایک ہی فائل سے نکلے تھے اور بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی بچے نے حروف تہجی اور ہندسے لکھنے کی مشق کی ہو۔

"ہوسکتا ہے کہ پنڈت اور رستم کے لیے کوئی اور کاغذات اہم ہوں جبکہ تم ان مہمل پرزوں کا حوالہ دے رہے ہو۔" ویرا چند منٹ تک ان کاغذوں میں سر کھپانے کے بعد بولی "مجھے ان میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔ فائلوں کی دوبارہ ورق گردانی کرو گے تو ایسے کئی کاغذ اور بھی مل سکتے ہیں۔"

"سچ بات یہ ہے کہ شروع سے اب تک تمہارا ساتھ دینے کے باوجود میں ابھی تک ان کاغذوں کی اہمیت کا اندازہ نہیں کرسکا۔" سلطان شاہ نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔

"یہ تم دونوں کی اپنی اپنی رائے ہوسکتی ہے۔ میں موسیٰ کے بیان کی روشنی میں ان تینوں کاغذوں کو دیکھ رہا ہوں اس لیے انہیں اہمیت دے رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کوئی کاغذ صرف اس وجہ سے اہم نہیں ہوسکتا کہ اس پر اسرائیلی سیکرٹ سروس یا اس کے دو عام عہدوں کے نام لکھ دیے گئے ہیں۔" ویرا اپنی عادت کے مطابق پھر بحث پر تلی ہوئی تھی "یہ نام اور ان کے بارے میں مضامین معلوماتِ عامہ کی بہت سی کتابوں میں مل جائیں گے۔ انہیں کسی بھی طرح اہم قرار نہیں دیا جاسکتا۔"

میں نے اس سے بحث جاری رکھنے کا ارادہ ترک کردیا "میں تم کو اپنی رائے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ اس وقت رستم سے ہونے والی گفتگو نے میرے اندازے کی تصدیق کی ہے۔"

"وہ سودے پر آمادہ ہو بھی گیا تو تمہیں اس سے مل کر شرمندگی ہوگی۔ وہ ان کاغذوں کو پہلی ہی نظر میں مسترد کردے گا۔" ویرا نے فتویٰ دے دیا۔

میں نے اس کے جواب میں خاموشی ہی بہتر سمجھی۔ بحث کو بڑھانے میں اسے ید طولیٰ حاصل تھا۔

میرے ذہن میں ان واقعات کی بنیاد پر ایک سنگین خاکہ ترتیب پاچکا تھا مگر میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کی روشنی میں کام کو کس طرح آگے بڑھایا جائے۔ رستم کے اثر ورسوخ کی وجہ سے اول خان کی مجبوریاں اور اس کا محتاط

رویہ میرے سامنے تھا مگر مجبوری یہ تھی کہ میرے پاس سرکاری حلقوں تک رسائی کے لیے اول خان کا کوئی متبادل نہیں تھا۔

میں نے اول خان سے رابطہ کیا تو اس کے پاس کوئی خاص کام نہیں تھا۔ میری فرمائش پر وہ فوراً ہی ہمارے پاس آنے کے لیے آمادہ ہوگیا۔

پچھلی رات وہ بھی کافی دیر تک اس پلندے میں سر کھپاتا رہا تھا جو میں پنڈت منوہر لال کی تجوری سے نکال کر لایا تھا لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے ہی وہ واپس چلا گیا تھا۔ اپنے ٹھکانے سے ہماری روانگی کے بعد اسے اپنے گھر کا خیال آگیا تھا۔ بیوی بچوں کو پشاور سے بلانے سے پہلے گھر کی صفائی ستھرائی اور روز مرہ لوازم کی فراہمی کے لیے اسے تھوڑا سا وقت درکار تھا۔

اول خان کے آنے سے پہلے میں نے تین خصوصی کاغذوں سمیت' پورا ریکارڈ فاضل خواب گاہ میں منتقل کردیا۔ کسی ہنگامی ضرورت کے لیے غزالہ نے وہاں اتنا بندوبست کردیا تھا کہ اسے استعمال کیا جاسکتا تھا۔ کھلے ہوئے ڈرائنگ روم کے مقابلے میں' میں وہاں زیادہ سکون سے بات کرسکتا تھا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ اول خان کے ساتھ رازو نیاز کی تیاری ہو رہی ہے۔'' مجھے فائلوں وغیرہ کا ڈھیر منتقل کرتے دیکھ کر ویرا نے طنز کیا۔

''رازو نیاز سے زیادہ یہ تمہاری سہولت کا خیال ہے۔ تم ڈرائنگ روم میں آرام سے بیٹھی ٹیلی وژن پروگرام دیکھتی رہو۔''

''اور اگر میں ٹیلی وژن پروگرام نہ دیکھنا چاہوں؟'' اس نے سوال کرڈالا۔

''پھر تم ہمارے ساتھ شریک ہوسکتی ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تم کھلے ذہن سے شرکت کرو۔ ابھی تک تم مخالفت برائے مخالفت کرتی رہی ہو۔''

''میں خاموش رہوں گی۔'' وہ اٹھلا کر بولی ''دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم اول خان کو کس طرح شیشے میں اتارتے ہو۔ وہ تمہاری باتوں سے بہت جلد متاثر ہوجاتا ہے۔''

''معقول بات تمہارے سوا ہر ایک کو متاثر کرتی ہے۔ بارہا ایسا ہوچکا ہے کہ ایک بات پر اڑ جانے کے بعد تمہیں اپنا مؤقف بدلنا پڑا ہے پھر بھی ڈھٹائی تمہاری فطرت میں شامل ہے۔''

وہ میرے ساتھ ہی خواب گاہ میں چلی آئی اور ایک کرسی پر براجمان ہوگئی ''میں کبھی کبھی تم سے تکرار کے لیے بھی ایسی باتیں کرلیتی ہوں لیکن ایمان داری سے بتا رہی ہوں کہ اس بار میں تم سے ذرا بھی متفق نہیں ہوں۔''

''تم نے پھر وہی موضوع زندہ کرکے میرا دماغ خراب کرنا شروع کردیا!'' میں نے اسے گھور کر سختی سے کہا ''میں اسی لیے اس کمرے میں آیا تھا۔''

ویرا..... اپنے دونوں کانوں کو چھو...کر دل آویز انداز میں مسکرادی۔

اول خان آیا تو وہ بدستور میرے سر پر سوار تھی۔ غنیمت تھا کہ اس دوران میں اس نے اپنے وعدے کی مکمل پاس داری کی تھی۔

''میں خود بھی دفتر میں اکتاہٹ محسوس کررہا تھا۔'' اول خان نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا ''بس یہ سوچ کر بیٹھا رہا کہ تم چاروں مجھ سے پیچھا چھڑا کر بھاگے ہو۔ میں نے روز یہاں کے چکر لگانے شروع کردیے تو تم پھر گھبرا جاؤ گے۔''

''لاحول ولا قوۃ'' میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا ''تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ وہ اکتاہٹ تمہاری ذات سے نہیں' وہاں کے سنگلاخ اور یکساں مردانہ ماحول سے تھی۔ ویرا کو وہاں اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ یہ زیادہ دیر تک ایسے خشک ماحول میں نہیں رہ سکتی۔''

''یہ غزالہ کی شکایت تھی۔ بلاوجہ مجھے بدنام مت کرو۔'' ویرا نے احتجاج کیا۔

''شکایت کسی کو بھی ہو' اس کا وجود ضرور تھا۔'' اول خان بولا ''میری خرابی یہ ہے کہ میں خود کو اپنے ماحول سے الگ نہیں سمجھتا کیونکہ انتھک محنت اور بے لوث کارکردگی کے لیے وہ ماحول میرا اپنا ہی پیدا کیا ہوا ہے۔''

''ظاہر ہے۔'' میں نے اقرار کیا ''کمانڈر اپنی کمان میں موجود ہر خوبی اور خامی کا پوری طرح ذمے دار ہوتا ہے۔ کبھی یہ خیال دل میں نہ لانا کہ ہم میں سے کوئی تمہاری ذات سے فرار کا خواہاں ہے۔ اسٹیشن فور میں ہمارے لیے تم ہی تبدیلیوں کی علامت تھے ورنہ ہمارے لیے وہاں کھانے' اونگھنے اور پھر سوجانے کے علاوہ کیا مصروفیت تھی؟''

''یہ باتیں چلتی رہیں گی۔'' اس نے کرسی میں پہلو بدل کر کہا ''یہ بتاؤ کہ رات کیا نتیجہ نکلا؟''

''تمسکات' بنک اسٹیٹ منٹ اور پرونوٹ۔ یہ اس تھیلے کی کل کائنات تھی۔ اس پلندے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑے پیمانے پر سودی کاروبار چلا رہا ہے۔'' یہ کہتے

ہوئے میں نے الگ نکالے ہوئے تینوں کاغذ اس کے سامنے ڈال دیے۔
اول خان نے غور سے ان کاغذوں کا جائزہ لیا۔ اس کے سپاٹ چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا کی طرح وہ بھی کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔
"کیا یہ کاغذ بھی ان ہی فائلوں میں سے ملے ہیں۔" خاصے طویل اور تفکر آمیز سکوت کے بعد اس نے پوچھا۔
"اس کی کاروباری دستاویزات سے ہٹ کر بس یہی تین کاغذ مختلف تھے۔"
"موساد اور سیکرٹ سوسائٹی کے ناموں کی وجہ سے ان کاغذوں کی کوئی اہمیت ہو تو ہو ورنہ بظاہر یہ بے معنی معلوم ہوتے ہیں۔" اس نے تذبذب سے کہا۔
"میری رائے تم سے سو فی صد متفق ہے۔" ویرا مطابب کی بات سنتے ہی بے ساختہ بول پڑی۔
"غور کرنے والی بات یہ ہے کہ پنڈت منوہر لال کے گھر بظاہر چوری کی واردات ہوتی ہے۔ وہ کچھ دیکھے بھالے یا پولیس سے رجوع کیے بغیر روپوش ہو جاتا ہے۔ اس کا کیا سبب سمجھ میں آتا ہے؟" میں نے بنیادی سوال اس کے سامنے رکھ دیا۔
"میں اس کی روپوشی کو زیادہ اہمیت نہیں دوں گا۔ تم نے خود بتایا ہے کہ وہ نشے میں مدہوش تھا۔ فائرنگ کے شور سے بڑبڑا کر اٹھا اور گھر سے نکل بھاگا۔"
"نشہ اترنے کے بعد اسے اپنے گھر لوٹ آنا چاہیے تھا۔" میں نے اول خان کے استدلال پر اپنی جھلاہٹ کا اظہار کیے بغیر پوچھا۔
"ہو سکتا ہے کہ وہ آیا ہو۔ اس وقت تک پولیس اس کی بیٹی کو لے جانے کے لیے وہاں پہنچ چکی تھی۔ وہ خوف زدہ ہو کر الٹے پاؤں کہیں غائب ہو گیا۔ اسے خوف ہو گا کہ کہیں وہ بھی نہ دھر لیا جائے۔"
اول خان کے منطقی جواب پر ویرا فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگی۔
"مگر میں نے اس طرح نہیں سوچا۔" مجھے اپنا نکتہ نظر بیان کرنا پڑ گیا "تم شراب نہیں پیتے اس لیے یہ بات نہیں سمجھ سکو گے مگر ویرا مجھ سے اتفاق کرے گی کہ عادی شرابی کیسے ہی نشے میں ہو' لاشعوری طور پر اپنے مفادات کے بارے میں ہوشیار رہتا ہے۔ وہ فائرنگ سے بدحواس ہو کر نہیں بھاگا۔ یہ دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے کہ نامعلوم چور نقدی اور زیورات کو چھوڑ کر سارا ریکارڈ لے گئے تھے۔"
"اور تمہارا خیال ہے کہ اسے ریکارڈ سے زیادہ ان تین کاغذوں کی فکر تھی؟" اس نے پوچھا۔
"تم ذہین ہو۔ یہ واقعہ بالکل اسی طرح رونما ہوا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ پنڈت کو رستم ایرانی نے پناہ دی ہوئی ہے۔ میں رستم سے بات کر چکا ہوں۔"
اول خان کی آنکھوں میں عقابی چمک نمودار ہو گئی اور وہ اپنی کرسی میں چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے رستم کے ساتھ ہونے والی گفتگو دہرانی شروع کر دی۔
تفصیلات سامنے آنے کے ساتھ ساتھ اول خان کے چہرے پر جوش و خروش بڑھتا جا رہا تھا۔ باتیں بہت سیدھی اور واضح تھیں اور خود ایک راہ کا تعین کر رہی تھیں۔
"تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔" پوری بات سن لینے کے بعد اول خان بولا "ہو سکتا ہے کہ پنڈت خود موساد کے لیے کام کر رہا ہو۔"
"جیوش انٹرنیشنل سیکرٹ سوسائٹی والا مطبوعہ صداقت نامہ صرف اسی کے لیے ہے۔ چار خانوں میں بنا ہوا الفانیومرک چارٹ ان کے خفیہ پیغامات کا ڈی کوڈر ہو سکتا ہے....."
اول خان نے پُرجوش لہجے میں درمیان سے میری بات اچک لی "یہ بالکل ڈی کوڈر چارٹ ہے۔ اے سے زیڈ تک تمام حروف کے لیے نمبر مقرر کیے گئے ہیں۔ بات میرے ذہن میں چکرا رہی تھی لیکن میں اتنے صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکا تھا۔"
"اگر سیکرٹ سوسائٹی کے ارکان نے اپنے لیے ڈی کوڈر اسی طرح ہاتھ سے نقل کیا ہوا ہے تو سوسائٹی بہت یتیم اور مسکین معلوم ہوتی ہے۔" ویرا نے متفقہ رائے کا بے دردی سے مضحکہ اڑانا شروع کر دیا "جس سوسائٹی کے پیچھے یہودیوں کا ذہن کار فرما ہو' وہ ہرگز اتنی بے سروسامان نہیں ہو سکتی۔ دنیا جانتی ہے کہ یہودی اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے دریا دلی سے پیسہ لٹاتے ہیں....."
"ہو سکتا ہے کہ پنڈت نے کسی مجبوری کی وجہ سے مطبوعہ ڈی کوڈر چارٹ کو نقل کیا ہو۔ یہودی سرگرمیوں کے لیے پاکستان ایک دشوار سرزمین ہے۔" اول خان میرا ہم نوا بن چکا تھا۔
"ڈیوڈ اسٹارز کے تعاقب میں ہم نے امریکا کی خاک چھانی ہے۔" ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "کیپ کے اہم معاہدے کی فائل تم نے خود حاصل کی تھی۔ یہودیوں کی

سرگرمیوں کو قریب سے دیکھنے کے باوجود ہمیں کہیں بھی اس سیکرٹ سوسائٹی کا نام سننے کو نہیں ملا اور تم نے اسے پنڈت کی تجوری سے برآمد کرلیا ہے۔ میری دعا ہے کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو مگر میری رائے ہے کہ اس طرح ہم وقت ضائع کریں گے۔"

میں صبرو سکون سے اس کے خاموش ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ اس نے بات پوری کرلی تو میں نے قدرے درشت لہجے میں کہا "تم نے وعدہ کیا تھا کہ ہماری گفتگو میں ایسی دخل اندازی نہیں کروگی۔ پلیز! اب تم ڈرائنگ روم میں چلی جاؤ تاکہ ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔"

"سوری!" وہ فوراً خوشامد پر اتر آئی "تمہیں معلوم ہے کہ بولنا میری سرشت میں شامل ہے۔ اول خان کو میری رائے سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ میں اب نہیں بولوں گی۔"

"تمہاری بات ادھوری رہ گئی۔" اول خان نے مجھے یاد دلایا "موساد والے کاغذ کے بارے میں تم کچھ بتانے والے تھے کہ میں درمیان میں بول پڑا۔"

"اپنے نام کی طرح "جس" کوئی خفیہ اور محدود سوسائٹی ہوسکتی ہے۔ فری میسنز کے بارے میں ہم بہت کچھ سنتے اور پڑھتے رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ موساد کا چیف براہِ راست "جس" کی سرگرمیوں کا نگراں ہو۔ کاغذ پر چیف اور اس کے سیکریٹری کے ڈائرکٹ فون نمبر بھی ہوسکتے ہیں۔"

"تھیوری مکمل اور بے داغ ہے۔ یہ پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازشوں کی ایک تکون ہے جس میں سی آئی اے، را اور موساد والے ملوث ہیں۔" اول خان بات سمجھ رہا تھا۔

"اوبرائن جو ان سازشوں کا تخلیق کار تھا، رستم کی ایک سازش کے نتیجے میں اپنے انجام سے دوچار ہوچکا ہے۔ میجر بخشی کو ہم نے اپنی سفارتی مصلحتوں اور مجبوریوں کی بنا پر نظر انداز کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اس کی جگہ دھن راج گرفت میں آیا ہوا ہے۔" میں نے وضاحت کی "پنڈت منوہر لال جو ہمارا شہری ہے، بظاہر موساد کا آلۂ کار نظر آرہا ہے اسے ہماری پوری توجہ کی ضرورت ہے۔"

"یعنی اب رستم براہ راست ہمارا مدِمقابل بن چکا ہے۔" اول خان پرخیال آواز میں بڑبڑایا۔

"اگر وہ قلعہ بند مکان میں محصور ہوکر نہ بیٹھا ہوتا تو میں خود ہی اسے نکیل ڈال سکتا تھا۔ مسئلہ یہ ہے کہ وہاں مسلح محافظوں کا ایک لشکر موجود ہے اور اسے اپنے اثر و رسوخ پر بھی گھمنڈ ہے۔ تمہیں کسی نہ کسی دروازے پر دستک دینی پڑے گی۔"

"معاملہ سنگین ہوگیا ہے۔ کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا ورنہ پنڈت ہاتھ سے نکل بھی سکتا ہے۔"

"کل تک تم رستم کے بارے میں اتنے محتاط تھے کہ پنڈت کے گھر جانے سے بھی گریز کیا۔ ایسا نہ ہو کہ اس کوشش میں تم کسی دشواری میں پڑجاؤ۔" ویرا ایک مرتبہ پھر بول پڑی۔ اس بار اس کا لہجہ مصالحانہ تھا اس لیے میں نے اسے مداخلت پر ٹوکنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔

"یہ اچھا ہوا کہ اب تک میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں اور ڈینی نے اپنے یا کرنل جمال دستی کے معروف نام کے بجائے ملک ممتاز کے روپ میں رستم کا سامنا کیا ہے۔ ایک انا پرست جاگیردار سے ذاتی مخاصمت کے خوف کی بنا پر وہ الزام تراشیاں نہیں کرسکے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی خاموشی کی وجہ سے میں کسی نہ کسی کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاؤں۔"

"یہ کام جلد از جلد ہوجانا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ معاملہ پنڈت منوہر لال تک محدود نہ ہو۔ کچھ اور لوگ بھی اس کے لیے کام کررہے ہوں۔ اس کی روپوشی طویل ہونے کی صورت میں وہ زیرِ زمین چلے جائیں گے اور ہمارے لیے مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔" میں نے کہا۔

"تم مجھے ان تینوں کاغذوں کی نقلیں دے دو۔ میں ابھی اس مشن پر نکلتا ہوں۔"

"یہی لے جاؤ، راستے سے فوٹو کاپیاں کروالینا۔" میں نے وہ کاغذ اسے دے دیے۔

وہ اٹھ رہا تھا کہ غزالہ اس کے لیے چائے لے آئی اور اسے مزید کچھ دیر کے لیے بیٹھنا پڑگیا۔

اول خان کے جانے کے بعد میرے ذہن پر ایک عجیب سا اضطراب طاری ہوگیا۔ سامنے بہت کچھ نظر آرہا تھا مگر میں بے بس تھا۔ اگلی کامیابیوں یا ناکامیوں کا دارومدار اول خان کے مشن پر تھا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد سلطان شاہ نئے گھر کے لیے خریداری کے مشن پر نکل گیا۔ اس مرتبہ غزالہ کو مجبوراً اس کے ساتھ جانا پڑا کیونکہ گھرداری کی ضروریات کے بارے میں سلطان شاہ کی معلومات کا خزانہ صفر سے کچھ ہی زیادہ تھا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد گھر میں میرے اور ویرا کے سوا کوئی نہیں رہا تھا۔ امریکا سے واپسی کے بعد اسے ایسا موقع پہلی بار ملا تھا۔ میرے ذہن پر اس کی طرف سے ہلکا سا

خوف سوار ہونے لگا۔

غنیمت یہ ہوا کہ موقع میسر آنے پر وہ میری طرف آنے کے بجائے اپنے کمرے میں جا گھسی اور میں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مصروف رہنے کا ایک حیلہ سوچ لیا۔

جہانگیر دن میں اپنی گولڈن فارمیسی چلاتا تھا۔ میں نے اپنے کمرے سے اس کا نمبر ملا لیا۔

دکان میں دو ملازمین کی موجودگی کی وجہ سے وہ فرصت سے بیٹھا ہوا تھا۔ میری آواز سن کر خوش ہو گیا اور چہکنے لگا ”آج تم ہیٹ ٹرک مکمل کر رہے ہو۔ پچھلے دو دنوں سے گھر آرہے تھے اور اب فون پر موجود ہو۔ مجھ پر یکایک اتنے مہربان کیوں ہو گئے ہو؟“

”مہربانی نہیں، بس ایک اطلاع دینی تھی۔ ہم نئے مکان میں منتقل ہو چکے ہیں۔ چاہو تو یہاں کا فون نمبر لکھ لو۔ ضرورت کے وقت کام آئے گا۔“

”مبارک ہو۔ اب تم دوبارہ صاحب جائداد ہو گئے ہو۔ نمبر بتاؤ۔ اب روز گپ شپ ہوا کرے گی۔“

میں نے اسے نمبر لکھوانے کے بعد کہا ”دن کے اجالے میں تم بہت معقول باتیں کرتے ہو۔ شام کو پینے کے بعد تمہاری عقل پر ایسی خاک پڑتی ہے کہ ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔“

”گھر میں رہ کر عقل استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ یہ کام سلمٰی کرتی ہے۔ اسی وجہ سے میں نے آج تک اسے چکھنے تک کی دعوت نہیں دی۔“

”اوہ! تو تم ایسے امکانات پر بھی غور کرتے رہتے ہو۔“ میں نے ملامت آمیز لہجے میں پوچھا۔

”جب سے ویرا کو پیتے دیکھا ہے، کئی بار یہ خیال آیا ہے۔ لیکن سلمٰی، سلمٰی ہے اور ویرا، ویرا، سلمٰی دو گھونٹ لے کر چغد ہو جائے گی، ویرا ذہین اور حاضر جواب ہو جاتی ہے۔“

”اور شاید تھوڑی سی بے تکلف بھی!“ میں نے طنزیہ لہجے میں لقمہ دیا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑا ”تم بہت گھنے ہو۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی بات تاڑ لیتے ہو۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ گوری ہے۔ دیسی عورتوں کی طرح کسی بے تکلفی کا برا نہیں مناتی۔ جی چاہتا ہے کہ اس کے سامنے آدمی پوری بوتل چڑھا کر ناچنا شروع کر دے۔“

”اب تم دن دیہاڑے بہک رہے ہو۔“ میں نے اسے ڈانٹا ”دکان تمہاری روزی ہے۔ وہاں بیٹھ کر اپنے ملازموں کے سامنے ایسی باتیں کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟“

"اونچی آواز ہو تو اس سے کہیں ہلکی باتیں بھی باعث شرم ہوتی ہیں۔ میری آواز بہت نیچی ہے۔" اس نے مکارانہ لہجے میں کہا "دراصل ویرا دن رات تمہارے ساتھ رہ رہ کر اپنی قدر کھو بیٹھی ہے ورنہ......"

اسی وقت ویرا ہاتھ میں اسکاچ کا ایک گلاس لیے، مٹکتی ہوئی، بہت شوخ انداز میں دروازے سے کمرے میں داخل ہوئی اور میں نے فوراً ہی جہانگیر کی بات کاٹ دی "تم نے اس کا نام لیا اور وہ آگئی۔ کہو تو اسے بلا کر تمہاری بات کروا دوں۔"

"پہلے تم سے باتیں ختم ہو جائیں تو اسے بلا لینا۔ اس سے بات کر کے طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔"

جہانگیر کا جواب سننے کے دوران میں میں نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر فون کال کے بارے میں ویرا کے استفسار کا جواب دیا۔ ویرا جہانگیر کا نام سن کر بستر پر میرے قریب ہی بیٹھ گئی اور میں سمٹ کر ایک طرف ہو گیا۔

"مجھ سے تمہیں اور کیا باتیں کرنی ہیں؟" ویرا کے غیر متوقع نزول نے میرے ذہن کو منتشر کر کے رکھ دیا تھا۔ لنچ کے بعد اس کی وہ مے نوشی میرے لیے خطرے کی گھنٹی تھی۔

"اپنے آس پاس میرے لیے بھی کوئی مکان دیکھ لو۔ فلیٹ میں کچھ مزہ نہیں آتا۔ اس بہانے ہم ایک دوسرے کے قریب بھی ہو جائیں گے۔"

"میرے قرب کے نتائج تم پہلے ہی بھگت چکے ہو۔ اب میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ بہتر یہ ہے کہ جہاں رہ رہے ہو، وہیں دل لگانے کی کوشش کرو۔"

"کس سے دل لگاؤں؟ یہ کام سلمیٰ کے ساتھ تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

"فی الحال فلیٹ سے ہی دل لگاؤ۔ تمہاری بدنیتی کی بنا پر وہ ملازمہ بھی نہیں بدلے گی۔"

"یار انتہا ہے۔ وہ بچی بارہ سو روپے لے رہی ہے۔ بڑی آئے گی تو وہ اتنے ہی پیسوں میں بہت زیادہ کام کرے گی۔ یہ معمولی سی بات تم ہی اس کی کھوپڑی میں ڈال دو تو میں زندگی بھر تمہارا احسان نہیں بھولوں گا۔ میری روکھی پھیکی زندگی میں تھوڑی سی رونق اور بہار آجائے گی۔"

"ویرا سے بات کر لینا۔" میں نے اپنے قریب بیٹھی ہوئی ویرا کو آنکھ مار کر کہا "ہو سکتا ہے کہ وہ دو چار روز کے لیے تمہاری مہمان نوازی قبول کر لے...... میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔"

"کبھی کبھی تم بہت طوطا چشم ہو جاتے ہو۔" اس نے شکوہ کیا۔

اسے فون کر کے میں نے خود کو مصروف کرنا چاہا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر کی ہانکتا رہا۔ جب وہ میرے تیز و تند جوابوں سے اکتا گیا تو میں نے اسی کے کہنے پر ریسیور ویرا کو دے دیا۔

فون پر ہم دونوں میں سے کسی ایک کے مصروف ہونے میں ہی عافیت تھی۔ ویرا کو جہانگیر کے بارے میں بہت کچھ معلوم تھا۔ اس کی خوشامدانہ تعریفوں سے خوش ہونا اور پھر باتوں کو طول دیتے چلے جانا، ہمیشہ ویرا کے پسندیدہ مشاغل رہے تھے۔ ریسیور اسے دیتے ہی میں مسہری سے اتر کر کمرے سے نکل گیا۔

میں خاصی دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھا ٹیلی وژن پروگرام دیکھتا رہا لیکن ویرا میرے کمرے سے برآمد نہیں ہوئی وہ اس وقت جس موڈ میں تھی اس کے لیے جہانگیر ہی اس کے ساتھ موزوں گفتگو کر سکتا تھا۔

ٹیلی وژن پروگرام دیکھتے ہوئے بھی میرے ذہن میں بینڈٹ، موساد اور "جس" کے نام چکرا رہے تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ کاپی کے کاغذ پر موساد کے نام کے ساتھ لکھے ہوئے دو نمبروں پر براہ راست ڈائلنگ کر کے یہ معلوم کیا جا سکتا تھا کہ وہ واقعی اسرائیل کے کسی شہر کے نمبر تھے یا میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔

وہ خیال آتے ہی میں تیزی سے اپنے کمرے کی طرف لپکا۔ ویرا فون کا ریسیور کان سے لگائے میری مسہری پر نیم دراز تھی اور ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ اس کے گلاس کا آدھا سیال اس کے معدے میں اتر چکا تھا۔

لمحے بھر کے لیے مجھے اس کے احمقانہ انہماک پر غصہ آیا مگر میں فوراً ہی وہاں سے ہٹ گیا۔ ویرا کی اس محویت میں میرے لیے امان ہی امان تھی۔

ٹیلی فون کی پرانی ڈائرکٹریاں میں ڈائننگ روم کی ایک دراز میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ میں نے اس کی پہلی جلد نکالی اور اس کے مخصوص صفحات پر موجود اس فہرست کو دیکھا جس میں دنیا بھر کے مختلف ملکوں اور شہروں کے لیے براہ راست ڈائلنگ کے کوڈ موجود تھے۔ ایک بار پھر دوسری بار بھی جائزہ لیا لیکن ایران اور اٹلی کے درمیان تو کیا، پوری فہرست میں کہیں بھی اسرائیل کا نام یا کوڈ موجود نہیں تھا۔

ڈائریکٹری چھوڑ کر میں نے ایک مرتبہ پھر کمرے میں جھانکا تو ویرا اپنے شغل میں مصروف تھی۔ گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر وہ دوبارہ فون پر مخاطب ہو گئی۔

میرے لیے اسے چھیڑنا مناسب تھا نہ میں زیادہ دیر صبر

کر سکتا تھا۔ میں نے کمرے سے موبائل فون اٹھایا اور ٹیلی وژن کی آواز بند کر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔

ٹیلی فون پر انکوائری کا نمبر ملانا، جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔ متعدد کوششوں کے بعد نمبر ملا تو دیر تک گھنٹی بجتی رہی جس کے بعد آپریٹر کی آواز آئی۔

اس سے شکایت بے سود تھی۔ کچھ کہتا تو وہ برہم ہو کر لائن بند بھی کر سکتا تھا۔

میری زبان سے اسرائیل کا نام سنتے ہی آپریٹر نے طنزیہ لہجے میں پوچھا کہ مجھے اسرائیل سے کیا کام پڑ گیا تھا۔

"اسرائیلی ریاست سے کوئی کام نہیں ہے، بس ایک ذاتی معاملہ ہے۔" میں نے تحمل سے جواب دیا۔

"دوبارہ کسی سے یہ دریافت نہ کریں ورنہ فون آبزرویشن میں آجائے گا۔" اس نے ہمدردانہ اور قدرے طنزیہ پیرائے میں جواب دیا "اسرائیل دشمن ملکوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہاں کے لیے ڈائریکٹ ڈائلنگ ممکن ہے نہ کال بک کی جاتی ہے۔" اسی کے ساتھ فون بند ہو گیا۔

ویرا نے گلاس ختم ہونے کی وجہ سے فون بند کیا یا باتیں ختم ہونے کے بعد گلاس خالی کیا، اس بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ وہ کمرے سے برآمد ہوئی تو گلاس خالی تھا۔

"تمہارا دوست بہت دلچسپ آدمی ہے۔" اس نے لابی میں رک کر مجھے سنایا "کاش وہ تمہیں بھی عورتوں سے بات کرنے کا خوب صورت قرینہ سکھا سکے۔"

میرے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ اسے پینے کا جو ناوقت دورہ پڑا ہے، وہ سرور گہرا ہونے سے پہلے ختم نہیں ہو گا۔ وہ ذرا سی دیر میں دوبارہ نمودار ہوئی اور مجھ سے کافی فاصلے پر پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"تمہیں تھوڑی سی حیرت ہو رہی ہو گی کہ آج میں تم سے دور کیوں ہوں۔" اس نے نئے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر پوچھا۔

"تھوڑی نہیں خاصی حیرت ہے۔" میں نے پورے خلوص سے اعتراف کیا "شاید جہانگیر نے تمہیں میرے خلاف ورغلایا ہے۔ عورتوں کے معاملے میں وہ پکا سؤر اور خود غرض ہے۔"

ویرا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "تم نے کوئی بات نہیں سنی۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم اتنے صحیح اندازے کیسے لگا لیتے ہو؟ وہ واقعی مجھے اکسا رہا تھا کہ تم میری ذرا بھی قدر نہیں کرتے۔"

صورتِ حال

نرس:۔ یہ ایمرجنسی آپریشن کس کا ہو رہا ہے؟"

اردلی:۔ ایک غریب آدمی کا ...۔ جو گولف کورس کے قریب سے گزرتے ہوئے جماہی لے رہا تھا۔ سیٹھ صاحب نے ہٹ لگائی اور بال سیدھی اس کے پیٹ میں چلی گئی۔

نرس:۔ اچھا ... وہ صاحب جو آپریشن تھیٹر کے باہر بے چینی سے ٹہل رہے ہیں، شاید اس آدمی کے رشتے دار ہیں؟

اردلی:۔ نہیں ...۔ وہ تو سیٹھ صاحب ہیں۔ انتظار کر رہے ہیں آپریشن مکمل ہو تو وہ بال لے کر کھیل مکمل کریں۔

الزام

سیٹھ صاحب کو مجرمانہ حملے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ الزام ایک مشہور اداکارہ نے لگایا۔ عدالت میں وکیل صفائی نے پوچھا "محترمہ! کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ سیٹھ صاحب نے کب آپ پر مجرمانہ حملہ کیا؟"

"جی ہاں ... گزشتہ سال اپریل، مئی، جون اور جولائی میں۔" اداکارہ نے جواب دیا۔

○☆○

"پہلی بات یہ کہ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ دوسرا اشارہ تم نے خود فراہم کیا ہے۔ اس سے بات کرنے سے پہلے تم بستر پر میرے اتنے قریب آبیٹھی تھیں کہ میں بوکھلا گیا تھا۔ اس کی زہر فشانیاں سن لینے کے بعد تم مجھ سے گزوں دور بیٹھی ہو۔"

ویرا سر جھٹک کر ہنس پڑی "تم واقعی بہت چالاک ہو اور شاید اڑتی چڑیا کے پر بھی گن لیتے ہو۔ اس نے بہت کچھ کہا

ہے مگر میں نے اس کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں لیا۔ بس میرے دل میں اپنی عزت کا احساس جاگ اٹھا ہے۔ تم دنیا کے اکلوتے مرد ہو نہ میں کوئی بد صورت بڑھیا۔ دیکھوں گی کہ گزوں کا یہ فاصلہ طے کرنے میں کون اور کب پہل کرتا ہے۔"

مجھے یوں لگا جیسے میرے وجود کا کوئی حصہ اچانک خالی خالی ہو گیا ہو۔ مجھے ویرا سے کبھی کوئی لگاؤ نہیں رہا تھا۔ میں اسے خوش ادا اور خوش گفتار دوست ہی سمجھتا رہا تھا یا شاید میں نے اس کے بارے میں کبھی اپنا دل ٹٹولنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس نے اچانک فاصلے کا احساس دلا کر مجھے شدید ذہنی جھٹکا دیا تھا۔ میں دل ہی دل میں جہانگیر پر تاؤ کھا کر رہ گیا جس نے باتوں کی روانی میں بہہ کر ویرا کو میری طرف سے بدگمان کیا تھا۔

ویرا روبوٹ نہیں تھی۔ جذبوں اور امنگوں میں گندھی ہوئی ایک جوان عورت تھی۔ وہ برسوں سے سب کچھ سہتی اور حالات میں مگن رہتی چلی آ رہی تھی۔ اس نے کبھی خود کو مجھ سے الگ کر کے نہیں سوچا تھا مگر وقت کی بات تھی کہ جہانگیر کے چند غیر محتاط الفاظ نے اس کے دل کے نازک آئینے میں بال ڈال دیا تھا۔

میں نے سگریٹ سلگا لی۔ ویرا لبوں کو تر کر کے شوخ اور شکایتی نظروں سے میری طرف دیکھ دیکھ کر مسکراتی رہی مگر زبان سے کچھ نہ بولی۔ پہلے وہ بہت بولتی تھی مگر میں اس کی کسی بات پر دھیان نہیں دیتا تھا۔ اس وقت وہ بالکل خاموش تھی لیکن میں اس خاموشی میں ہزاروں شکووں' شکایتوں اور دعوتوں کی بلند آہنگ صدائیں سن رہا تھا۔ دھیرے دھیرے میرے اعصاب میں چنگاریاں سی بھرنے لگیں۔

میرے لیے وہاں بیٹھنا دشوار ہو رہا تھا' اٹھنے میں شکست کا اعتراف پنہاں ہوتا۔ اسی عالم میں گھنٹی کی آواز نے میری مشکل آسان کر دی۔ میں دروازے سے نکل کر گیٹ پر پہنچا تو اول خان لوٹ آیا تھا۔

میں اسے ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا اپنے گلاس سمیت غائب تھی۔ شاید اس نے باہر سے اول خان کی آواز سن کر کمرے میں جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"موساد والے نمبر تل ابیب کے ہی ہیں۔" اول خان نے بیٹھتے ہوئے اعلان کیا۔

"یہ کیسے پتا چلا؟" میں نے اس بارے میں اپنی ناکام کوششوں کا ذکر کیے بغیر سوال کیا۔

"پاکستان' اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتا اس لیے دونوں ملکوں کے درمیان کسی قسم کا مواصلاتی رابطہ نہیں ہے۔ لندن میں ہمارے ملٹری اتاشی نے ان نمبروں پر بات کرنے کے بعد یہ تصدیق کی ہے۔ صرف ان نمبروں کی وجہ سے بات آگے بڑھی ہے۔ رات تک کوئی نہ کوئی بڑا فیصلہ سامنے آجائے گا۔"

"یہ فیصلہ کون کرے گا؟" میں نے خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ پوچھا۔

"یہ سوال نہ پوچھو تو بہتر ہے۔ انتظامیہ کے ذریعے رستم سے پنڈت منوہر لال کے بارے میں بات کی گئی تھی۔ اس نے پنڈت کے ٹھکانے سے مکمل لاعلمی ظاہر کی ہے۔"

"اگر وہ بسیرا میں ہے تو اب وہ اسے وہاں سے نکال دے گا۔" میں نے بے ساختہ کہا۔

"ناممکن!" اول خان کا لہجہ پر یقین تھا۔ "بسیرا سے نکلنے کے چار راستے ہیں اور اس وقت چاروں کی کڑی نگرانی ہو رہی ہے۔ آنے جانے والوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جا رہا۔ پنڈت کو نکالنے کی کوشش کی گئی تو وہاں بڑا تصادم شروع ہو جائے گا۔"

"نکلنے والوں سے پوچھ گچھ نہیں ہو رہی تو اسے چھپا کر لے جایا جا سکتا ہے۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ رستم کی بے خبری میں گلیوں تک کی ناکا بندی کی جا چکی ہے۔ عارضی چوکیوں پر بسیرا سے نکلنے والی ہر گاڑی کی تلاشی لی جا رہی ہے۔"

میرے وجود میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اول خان کی کوششوں سے نتائج سامنے آنے شروع ہو گئے تھے۔ میں نے اضطراری انداز میں نئی سگریٹ سلگانے کے بعد پوچھا "رات تک کیا فیصلہ ہونے کی امید ہے۔"

"رستم کو پنڈت کے بارے میں رات کے بارہ بجے تک مزید دیکھ بھال کا وقت دیا گیا ہے۔ وہ مکمل تباہی سے بچنا چاہتا ہے تو اسے زبان کھولنی پڑے گی ورنہ بکتر بند گاڑیاں بسیرا کے چاروں پھاٹک توڑ کر اندر داخل ہو جائیں گی۔ پاکستان کی سرزمین پر موساد کے کسی کارندے کو پنپنے کی مہلت نہیں دی جائے گی۔"

میرا ذہن اس منظر کی تابناکی کے تصور میں ڈوب گیا۔ اول خان' میری ذہنی محویت سے بے خبر' اپنی بھاگ دوڑ کی تفصیلات سنا رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

"رستم سے پنڈت کے بارے میں کون پوچھ گچھ کررہا ہے؟"
اول خان کے خاموش ہونے پر میں نے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔
"اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہو رہی۔" اول خان نے دو ٹوک لہجے میں کہا "کراچی کے ڈی آئی جی نے فون پر اس سے بات کی تھی۔ رستم نے کورا سا جواب دے دیا کہ وہ پنڈت منوہر لال کے ٹھکانے سے بالکل لاعلم ہے۔ ڈی آئی جی نے اس پر واضح کردیا ہے کہ وہ رات کے بارہ بجے تک منوہر لال سے رابطہ کرکے انتظامیہ کو مطلع کرے ورنہ شہر کی ہر اس عمارت کی تلاشی لی جائے گی جہاں پنڈت منوہر لال کے روپوش ہونے کا شبہ ہوسکتا ہے۔ اب صرف بارہ بجنے کا انتظار کیا جارہا ہے۔"
"یہ کھلی دھمکی اسے بہت گراں گزری ہوگی۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"اس نے تلملا کر فوراً ہی آئی جی سے شکایت کی تھی اور یہ کہا کہ وہ کسی بھی وردی والے کو اپنی رہائش گاہ میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دے گا۔ آئی جی نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اس کی نوبت نہ آنے دے۔ اگر پنڈت منوہر لال ڈیڈ لائن گزرنے سے پہلے خود کو انتظامیہ کے حوالے کردے تو مزید کوئی کارروائی نہیں ہوگی۔ وقت گزر گیا تو قانون کے مطابق قدم اٹھایا جائے گا۔"
رستم سے فون پر ہونے والی وہ گفتگو اتنی سیدھی اور آسان نہیں رہی ہوگی۔ اول خان مجھے اس گفتگو کے اہم نکات ہی بتا سکتا تھا۔ باقی تلخیوں کا اندازہ میں نے خود لگالیا تھا مگر اس بندوبست میں پولیس کی شمولیت میرے ذہن میں شبہات پیدا کررہی تھی۔
"کیا یہ پورا آپریشن پولیس ہی کے ذریعے پایۂ تکمیل کو پہنچے گا؟"
"انتظامی سطح پر یہ کام پولیس ہی کی ذمے داریوں میں شامل ہے۔ پولیس کی وجہ سے رستم کو معاملے کی اہمیت اور سنگینی کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکے گا....."
"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اس وقت ساری اہمیت پنڈت کی ہے۔ میری طرف سے دھمکیوں کے بعد پولیس کے عزائم اس کے سامنے آئے ہیں۔ اس گفتگو کے ذریعے اسے بتا دیا گیا ہے کہ بارہ بجے کے بعد پولیس بسیرا پر دھاوا بول دے گی۔"
"ڈی آئی جی کے پیغام میں یہ مفہوم پنہاں تھا مگر آئی جی نے بہت نرمی اور مصلحت سے کام لیتے ہوئے رستم کو تسلی دی ہے۔ قانونی مجبوریوں کا ذکر کرنے کے ساتھ اس سے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ جب پنڈت منوہر لال بسیرا میں نہیں ہے تو اسے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"
"اس نے یہ بھی جاننا چاہا ہوگا کہ پنڈت کس جرم میں پولیس کو مطلوب ہے؟"
"ہوسکتا ہے کہ ایسی بات ہوئی ہو مگر میں اس سے لاعلم ہوں۔"
"میرے سوال کا جواب نہیں ملا۔ کیا یہ پورا معاملہ پولیس کی تحویل میں دے دیا گیا ہے؟"
"ہم نے انٹیلی جنس بیورو سے رابطہ کیا تھا۔ تل ابیب کے نمبروں کی تصدیق ہوتے ہی وہ معاملے کی تہ تک پہنچ گئے اب یہ ان کا کھیل ہے وہ اسے مقامی پولیس فورس کے ذریعے کھیلنا چاہ رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ پولیس افسران کو یہ نہ بتایا گیا ہو کہ پنڈت کی تجوری سے کچھ مشتبہ کاغذ برآمد ہوئے ہیں۔"
میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا "میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے از خود مقامی پولیس سے کام لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ پولیس کے محکمے میں رستم کے خاصے ہمدرد پائے جاتے ہیں۔"
اول خان مسکراتے ہوئے بولا "میں تمہاری الجھن کو سمجھ رہا تھا۔ تم لوگ خاموشی سے موسیٰ کو اٹھا لائے تھے۔ شہر کے کسی تھانے میں اس کی گمشدگی کی ایف آئی آر درج نہیں ہوئی لیکن پولیس شہر میں اسے تلاش کرتی پھر رہی تھی.... عوام سے بہت قریب رہ کر کام کرنے والے ہر سرکاری ادارے میں ایسی کالی بھیڑیں موجود ہوتی ہیں۔ ان کے باوجود یہ ادارے اپنی کارگزاری دکھاتے رہتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آج کی کارروائی اتنی ذمے داری اور رازداری کے ساتھ کی جائے گی کہ رستم کے کسی ہمدرد کو اپنا کام دکھانے کا موقع نہیں ملے گا۔"
"رستم میں ذرا بھی عقل ہے تو اب وہ پنڈت کو اپنے گھر سے نکال دے گا۔" ویرا نے پورے اعتماد سے کہا۔ وہ چند منٹ قبل ہمارے درمیان خاموشی سے آبیٹھی تھی۔
"یہ نہ بھولو کہ ہم رستم کو نیست و نابود کرنے نہیں جارہے۔ ہمارا اصل ٹارگٹ پنڈت منوہر لال ہے۔" اول خان نے کہا "اگر وہ کسی خون خرابے کے بغیر ہمارے ہاتھ آجاتا ہے تو ہمارا کیا بگڑتا ہے؟"
"یہ تمہاری سوچ ہوسکتی ہے۔ میری نظروں میں تو رستم بھی خطرناک مجرم ہے۔ پنڈت کے ساتھ اس کا صفایا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔" ویرا نے جواب دیا "وہ اپنے کاموں میں بہت ماہر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پنڈت کو کسی ایسی ترکیب سے باہر نکال دے کہ پولیس والوں کو ہوا بھی نہ لگ سکے۔"
"اس امکان کی حتی المقدور پیش بندی کرلی گئی ہے۔" اول خان نے تحمل سے کام لیتے ہوئے اسے سمجھایا "بسیرا سے آنے والے ہر راستے پر پولیس کی چوکیاں قائم کردی گئی ہیں جو ادھر سے آنے والی گاڑیوں کی تلاشی لے رہی ہیں۔ شہر کے بہت سے علاقوں میں عام طور سے ایسی کارروائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ رستم کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر اسے علم ہو بھی جاتا ہے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ پنڈت کو غائب کرنے کا ارادہ ملتوی کردے گا۔"
وہ دونوں اس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ ویرا پورے

خلوص کے ساتھ یہ چاہتی تھی کہ پنڈت کے ساتھ ہی رستم کو بھی کیفر کردار تک پہنچانا ضروری ہے دوسری طرف اول خان رستم کے بارے میں قدرے لچک کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ رستم نے اوبرائن ڈی ہمنٹ کو نئی دہلی میں موت کے گھاٹ اتار کر ہم لوگوں پر احسان کیا تھا جس کے صلے میں وہ تھوڑی سی مہلت کا حق دار ہو چکا تھا۔

میں خود بھی رستم کے اس کارنامے سے مرعوب تھا لیکن اس کا اعمال نامہ اس قدر سیاہ تھا کہ آخر کار اسے بھی جہنم واصل ہونا تھا۔ ہم اس سے ایک بڑا کام لے چکے تھے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ محاذ آرائی کا آغاز ہونے کے بعد وہ ہمارے لیے ایسا ہی کوئی دوسرا اہم کام سرانجام دے سکے۔

''وہ خود پنڈت کو پولیس کے حوالے کرے گا نہ اسے بسیرا سے نکالنے کا خطرہ مول لے گا۔'' میں نے ان کی گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا ''اس سے تصادم ناگزیر نظر آرہا ہے۔''

''میں تو یہ سمجھنے سے بھی قاصر ہوں کہ اسے اتنا وقت کیوں دیا گیا ہے۔'' ویرا نے اعتراض کیا ''وہ کوئی امن پسند اور معزز شہری نہیں ہے جسے ڈھیل دی جائے۔ جو کچھ کرنا ہے' ابھی اور اسی وقت ہونا چاہیے۔''

''اسے کوئی ڈھیل نہیں دی جارہی۔'' اول خان نے فوراً ہی وضاحت کی ''اسے بتا دیا گیا ہے کہ پنڈت منوہر لال کے سلسلے میں اس پر شبہ کیا جارہا ہے۔ وہ ہمارے جال میں ہے۔ جتنی اچھل کود کرے گا' جال میں مزید پھنستا ہی چلا جائے گا۔ اس کا نمک کھا کر اپنے فرائض سے غداری کرنے والوں کو اس سے ہمدردی ہو سکتی ہے۔ بظاہر کوئی بھی اس کا بہی خواہ اور دوست نظر نہیں آرہا۔''

''پھر رات کے بارہ بجے تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کی کیا تک ہے؟''

''یہ ہماری مجبوری ہے۔'' اول خان نے اس بارے میں پہلی مرتبہ زبان کھولی ''آئی بی کے بعض افسران رات کو دس بجے والی فلائٹ سے کراچی آرہے ہیں۔ وہی اس آپریشن کی نگرانی کریں گے۔''

''پھر تو یہ پولیس آپریشن نہ ہوا۔'' ویرا بے ساختہ بول پڑی ''میں ابھی تک یہ بات ہضم نہیں کر پائی تھی کہ اتنے اہم معاملے کو محض شہری پولیس کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔''

اول خان ہنس پڑا ''تکنیکی طور پر یہ پولیس آپریشن ہی کہلائے گا مگر اس کی نگرانی آئی بی والے کریں گے۔ ان کے سوا کسی کو یہ علم نہیں ہے کہ پنڈت منوہر لال کو کیوں تلاش کیا جارہا ہے۔''

''ایسی صورت میں ہم لوگ بھی کارروائی میں شریک ہو سکیں گے؟'' ویرا نے پرامید لہجے میں پوچھا۔

اول خان نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا ''سب لوگ نہیں' صرف دو افراد شریک ہو سکیں گے....''

''ایک ڈینی اور دوسری میں۔'' ویرا نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا۔

''میں کہاں جاؤں گا؟'' اول خان نے پوچھا ''پنڈت منوہر لال کا کیس میں نے ریفر کیا ہے۔ انہوں نے مجھے اپنے ایک آدمی کے ساتھ آپریشن میں شامل ہونے کی باضابطہ دعوت دی ہے۔''

ویرا کا منہ لٹک گیا ''ظاہر ہے کہ تمہارا آدمی ڈینی کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔''

''تم خود اتنی سمجھ دار ہو کہ تم نے اپنے نام سے پہلے ڈینی کا نام لیا تھا۔'' اول خان بولا۔

''تم دونوں کو جانا ہے تو تم ہی سر کھپاؤ۔ میں کیوں اپنا دماغ خالی کروں۔'' وہ اٹھ کر چل دی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ پینے کی مزید طلب محسوس کر رہی تھی۔

''ان کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے لیکن میں دانستہ طور پر ویرا کو ان کی نظروں سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔'' ویرا کے چلے جانے کے چند لمحے بعد اول خان نے بتایا۔

''کیوں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا ''کیا ان سے ویرا کو کوئی خطرہ ہے؟''

''میری اور ایس ٹی ایف کی ترجیحات ہمارے خفیہ اداروں سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں پھر بھی میں ویرا کو غیر ضروری طور پر منظر عام پر لانا نہیں چاہتا۔ امریکی آج بھی اسے پکڑنے کے خواہاں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ آج کے آپریشن میں کسی سفید فام خاتون کی شمولیت کی کوئی خبر بنائی جائے۔''

اس بار میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور اول خان روانگی کے لیے اٹھ گیا۔

اس کے جانے کے بعد میں گھر میں ایک مرتبہ پھر ویرا کے ساتھ تنہا تھا مگر غنیمت یہ تھا کہ وہ اپنی خواب گاہ میں محدود تھی ورنہ اس کی طرف سے فاصلے کے چیلنج کے بعد میرے لیے اس کا سامنا کرنا خاصا دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ مجھے رہ رہ کر جہانگیر پر غصہ آرہا تھا جس نے ویرا کے ساتھ باتیں کرنے کے لیے بے ضرر سے شوق کو پورا کرنے کے لیے میرے بارے میں کچھ ایسی باتیں بھی کہہ ڈالی تھیں جو ویرا کے دل میں نقش ہو گئی تھیں۔

ویرا جب بلیک کوئن ہوا کرتی تھی تو میں نے اسے ہمیشہ سرتاپا سیاہ لباس میں دیکھا تھا۔ اس کے رنگ و روپ کے بارے میں بس سوچا ہی جاسکتا تھا' اسے دیکھنا ممکن نہیں تھا مگر وہ ہمیشہ مجھے دیکھتی رہتی تھی اور اسی دور میں مجھ پر یوں مہربان ہوئی کہ مجھے اپنی قسمت پر رشک آنے لگا۔

برسوں کی رفاقت میں وہ بارہا مجھ سے ناراض بھی رہی تھی مگر مصالحت اور کشیدگی کے کسی بھی دور میں' میں نے اسے اپنی دسترس سے باہر نہیں پایا تھا۔ وہ روٹھی ہوئی تھی تب بھی مجھ سے قریب ہونے کے حیلے بہانے ڈھونڈتی رہتی تھی۔

اس نے از خود دوستی کی ابتدا کر کے مجھے کبھی اپنے دل کو ٹٹولنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ آسانی سے ہاتھ آجانے والی کسی بھی شے کی طرح شاید میں بھی اس کی قدر نہ کرسکا لیکن جہانگیر کے چند فقروں نے اس کے وجود میں انا کی چنگاریاں سلگا کر میرے لیے ایک امتحان پیدا کر دیا تھا۔

غزالہ اور سلطان شاہ کی واپسی تک ویرا دوبارہ میرے سامنے نہیں آئی۔ اپنے کمرے میں گھسی رہی۔

وہ دونوں خاصے سامان سے لدے پھندے گھر آئے۔ ان کی غیر حاضری میں حالات میں نمایاں تبدیلیاں آئی تھیں۔ انہیں خوشی ہوئی کہ امید افزا پیش رفت کے نتیجے میں رات ڈھلنے تک بہت کچھ ہو سکتا تھا۔

غزالہ نے آتے ہی متجسس نگاہوں سے اِدھر اُدھر کا جائزہ لیا تھا۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ اس کی بے چین نگاہیں ویرا کو تلاش کر رہی تھیں مگر میں نے از خود کوئی بات نہیں کی۔ ان دونوں کی آوازیں سن کر بھی ویرا اپنے کمرے سے باہر نہیں آئی۔

گفتگو کے اختتام پر میں اپنے کمرے میں گیا تو غزالہ بھی میرے پیچھے پیچھے اندر پہنچ گئی۔

"کیا ویرا سے آپ کا کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" تخلیے میں پہنچتے ہی اس نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

میں نے مڑ کر حیرت سے اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں جھانکا اور اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے پوچھا "تمہیں یہ خیال کیوں ہوا؟"

"گھر میں غیر فطری سی خاموشی ہے۔ میرے حساب سے ویرا کو آپ کے آس پاس ہی موجود ہونا چاہیے تھا۔" اس نے کسی طنز کے بغیر سادگی سے کہا۔

"ہر وقت ایسا نہیں ہوتا۔" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا "وہ اپنے موڈ کی مالک ہے۔"

وہ میرا ہاتھ تھام کر میرے ساتھ ہی بستر پر بیٹھ گئی اور مٹھاس سے بولی "میں اس کے موڈ کو بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ آپ نے یقیناً اس کے ساتھ زیادتی کی ہوگی۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ کے لیے وہ بہت فراخ دلی کا مظاہرہ کرتی ہے اور آپ کی کسی بات کا برا نہیں مناتی۔ اگر وہ آپ سے ناراض ہو کر اپنے کمرے میں گھسی ہوئی تو اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا۔"

"کبھی تم کو اس سے سنگین شکایتیں پیدا ہونے لگتی ہیں، کبھی اس کے لیے ہمدردی کا جذبہ جاگ اٹھتا ہے۔" میں نے چڑ کر کہا "ایسا ہی شبہ ہو رہا ہے تو جا کر خود اس سے پوچھ لو۔"

وہ دلآویز انداز میں اٹھلا کر ہنس پڑی "اگر جھگڑا نہیں ہوا تو آپ میرے سوال پر چڑ کیوں رہے ہیں؟"

"میں ہرگز نہیں چڑ رہا۔" میں نے اپنی جھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا "میں تو تمہیں دعوت دے رہا ہوں کہ جا کر خود اسی سے تفتیش کرلو۔"

اس کی رکتی ہوئی ہنسی پھر تیز ہوگئی "یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ مر کر بھی میرے سامنے آپ کی شکایت نہیں کرے گی۔"

"ہر وقت میرے خلاف زہر اگلتی رہتی ہے، بات بات پر بحث کرتی ہے اور تمہیں خوش فہمی ہے کہ وہ میری شکایت نہیں کرے گی۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"مذاق کی بات اور ہے۔ میں مانتی ہوں کہ مذاق مذاق میں وہ آپ سے بہت زیادہ الجھتی ہے۔ اس بہانے سے اسے آپ سے زیادہ سے زیادہ باتیں کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ سنجیدگی سے وہ میرے سامنے آپ کے خلاف زبان نہیں کھولے گی۔"

"آخر تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟" میں نے حیرت اور قدرے غصے سے پوچھا۔

"مجھے گھر سے نکلتے ہی غلطی کا اندازہ ہوگیا تھا۔" اس نے مسہری چھوڑ کر قالین پر ٹہلتے ہوئے، دھیمی آواز میں کہا "میں اسے بھی اپنے ساتھ لے جاتی تو شاید کسی بدمزگی کی نوبت نہ آتی۔"

اس کی قیاس آرائی نے مجھے حیران کر دیا مگر میں نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے تیزی سے پوچھا "پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو؟ کھل کر کہو کہ تمہارے ذہن میں کیا اندیشے پروان چڑھ رہے ہیں۔"

ٹہلتے ٹہلتے وہ تیزی سے پلٹی اور میرے قریب بیٹھ کر سپردگی کے انداز میں اپنا سر میرے شانے پر ٹکا دیا "میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں ہے۔ بات بس اتنی سی ہے کہ میں بھی ویرا کی طرح ایک عورت ہوں اور اس کے ذہن کو کھلی کتاب کی طرح پڑھ لیتی ہوں.... خاص طور پر اس وقت جب وہ آپ کے بارے میں سوچ یا بول رہی ہوتی ہے۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔"

وہ ایسے والہانہ انداز میں میرے بدن سے چپک کر بیٹھی تھی کہ میرے ذہن پر چھانے والا چڑچڑاپن فوراً کافور ہوگیا۔ اس کی جگہ، میرے دل میں غزالہ کے لیے نرمی اور ہمدردی کے جذبات جاگ اٹھے اور میں نے ہولے ہولے اس کا سر سہلانا شروع کردیا۔

"وہ غلطی میری تھی۔" وہ خود کلامی کے انداز میں دھیرے دھیرے بولے جا رہی تھی "جہاں انگارے دہک رہے ہوں، وہاں تیل نہیں ڈالا جاتا۔ وہ تنہائی بلکہ اکیلے پن کا شکار ہے۔ مجھے اس کو اپنے ساتھ لے جانا چاہیے تھا۔ آپ کو تنہا پا کر شاید اس نے کسی امتحان میں ڈال دیا ہوگا۔ آپ کے حوصلہ شکن ردِ عمل نے اسے مایوس کردیا۔ اس طرح ٹھکرائے جانے پر ہر شخص اپنی نظروں میں گر جاتا ہے۔ اب وہ ہم سب سے ناراض اور منہ چھپائے اپنے کمرے میں گھسی بیٹھی ہے...."

جب تک وہ بات پوری نہ ہوئی، میں نے غزالہ کی بات کاٹنے کی کوشش نہیں کی لیکن کلام کا متن پورا ہوتے ہی میں نے اسے

خاموش کردیا "اس کے بارے میں اتنا نہ سوچا کرو۔ یہ بھی ویرا کا ایک دیرینہ مرض ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کے اردگرد جو لوگ موجود ہوں وہ ہمیشہ اسی کے بارے میں سوچتے رہے۔ تمہیں تشویش میں مبتلا دیکھ کر اسے ذہنی راحت ملے گی۔"

میں نے غزالہ کی مفروضہ کہانی کی تردید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ موضوع جاری رہتا تو بات سے بات نکلتی رہتی اور مجھ سے کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہو ہی جاتی۔

سلطان شاہ مرد تھا۔ وہ ویرا کی غیر موجودگی کے بارے میں ذرا بھی فکر مند نہیں ہوا تھا لیکن غزالہ کی چھٹی حس نے اسے گڑبڑ کی خبر دے دی تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ گڑبڑ کے بارے میں اس کا اندازہ سراسر غلط تھا۔ اس روز ویرا نے میرے ذہن میں در آنے والے اندیشوں کے بالکل برعکس، یکایک ہی گریز کا رویہ اپنا لیا تھا۔ وہ اپنی فطرت میں بہت عجیب عورت تھی اور مجھے اکثر حیران کرتی رہتی تھی۔

ایک چھت کے نیچے رہ کر ہم دونوں ایک دوسرے کی نگاہوں سے زیادہ دیر تک اوجھل نہیں رہ سکتے تھے۔ بعد میں اس سے سامنا ہوا تو دوسروں کے لیے اس کا رویہ بالکل نارمل تھا وہ مجھ سے ہنس بول بھی رہی تھی مگر اس کے لب و لہجے میں مجھے لاتعلقی سی محسوس ہو رہی تھی۔ ابتدا میں ویرا کا بیگانگی کا وہ رویہ مجھے بہت تکلیف دہ محسوس ہوا مگر پھر میں نے اس تبدیلی کو قبول کر کے خود بھی ذرا سا بے رحمانہ جوابی لہجہ اپنا لیا۔

ویرا نے اس روز دن کے اجالے میں ہی خاصی مے نوشی کر ڈالی تھی جس کا گہرا سرور اس کی آنکھوں میں تیرنے والے سرخ ڈوروں سے جھلک رہا تھا۔ زبان بوجھل تھی اور الفاظ کا توازن قدرے بگڑا ہوا تھا۔ اس نے کچن میں غزالہ کی مدد سے اپنی شکم پری کا اہتمام کیا اور پھر سرشام ہی سوجانے کے ارادے سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سلطان شاہ معنی خیز انداز میں سرہلا کر اسے دیکھتا رہا۔

"آج میم صاحبہ کے تیور کچھ بگڑے بگڑے نظر آ رہے ہیں۔" ویرا کی خواب گاہ کا دروازہ بند ہونے کے بعد سلطان شاہ نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

سلطان شاہ کا وہ ذومعنی سوال سن کر غزالہ کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے سلطان شاہ کے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا "تم نہایت گھامڑ شخص ہو۔ اتنی واضح بات کئی گھنٹوں کے بعد تمہاری سمجھ میں آئی ہے۔"

اس نے بوکھلا کر غزالہ کی طرف دیکھا۔ اس کی خوب رو مسکراہٹ ہنسی میں بدل گئی۔

"دد.... دراصل میں زنانہ نخروں پر زیادہ غور نہیں کرتا۔" اس نے مدافعت کرنے کی کوشش کی "غزالہ عورت ہے۔ اس نے ضرور کوئی اندازہ لگا لیا ہوگا۔"

"یہ موضوع بہت پرانا اور فرسودہ ہو چکا ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "اگر آپ نخروں پر غور و فکر کرنے کا کوئی ارادہ ہو تو غزالہ سے رجوع کر لینا۔ تمہیں خاصا افاقہ ہوگا۔"

سلطان شاہ نے برا سا منہ بنالیا "ویرا کی فکریں، میں کون سا بیمار ہو گیا ہوں جو مجھے افاقہ ہوگا۔ اس کی ساری فکریں تم ہی کو مبارک ہوں۔"

وہ کھسیا کر لاجواب ہو گیا تھا۔ میں نے اس پر مزید کوئی فقرہ کسنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اول خان نے رخصت ہوتے وقت یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کب واپس لوٹے گا اور میں آپریشن میں اس کے ساتھ کیسے شریک ہو سکوں گا۔ رات اتر آئی، کھانے کا وقت ہو گیا مگر اس کی طرف سے کوئی خیر خبر نہیں ملی تو میں نے اسٹیشن فور فون کیا۔ وہ اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔

اس کی مصروفیات کے بارے میں کسی سے کچھ پوچھنا بے سود تھا۔ اپنے پچھلے تجربے کی بنا پر مجھے معلوم تھا کہ جب تک اول خان میرے لیے کوئی خاص پیغام نہ چھوڑے، اس کے آدمی اس کے بارے میں کچھ بتانے سے گریز کرتے ہیں۔ دفتر میں اول خان تھا اور نہ اس کا کوئی پیغام۔

میرے لیے وہ انتظار بہت صبر آزما تھا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ اندیشہ سر ابھار رہا تھا کہ کہیں اول خان کسی گورکھ دھندے میں پھنس کر مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا پروگرام ہی منسوخ نہ کردے۔ اسے کوئی بھی ناگزیر مجبوری پیش آ سکتی تھی۔

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس آپریشن میں اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی فعال کردار نہیں تھا۔ آئی بی والوں کی نگرانی میں سارے مراحل مقامی پولیس کو طے کرنے تھے۔ یہ امکان بھی نظر آ رہا تھا کہ وہ لوگ اپنی حکمت عملی میں کوئی تبدیلی نہ کر لیں۔

میرے ذہن میں اندیشوں اور وسوسوں کے وہ پہاڑ بھیانک صورت اختیار کرتے جا رہے تھے کہ معاً مجھے یہ یاد آیا کہ انٹیلی جنس بیورو والے پوری کارروائی کے نگراں تھے۔ انہیں دس بجے والی پرواز سے کراچی پہنچنا تھا۔ ان کی آمد سے پہلے پروگرام میں کسی ردوبدل کی گنجائش نہیں تھی۔

وال کلاک کی سوئیاں دس سے آگے بڑھ چکی تھیں۔ پرواز میں تاخیر نہ ہونے کی صورت میں آئی بی والوں کو ائرپورٹ پر موجود ہونا چاہیے تھا۔

گیارہ بجے سے ذرا پہلے اول خان آ پہنچا۔ تھکن کے باوجود وہ بہت پرجوش نظر آ رہا تھا اور عجلت میں تھا۔

"ڈیئی شام سے تمہارے انتظار میں پریشان ہو رہا ہے۔" سلطان شاہ نے اسے دیکھتے ہی شکوہ کر ڈالا "دیر ہو رہی تھی تو ہمیں فون ہی کر دیتے۔"

اول خان نے خفگی سے اسے گھورا اور اپنے لہجے پر قابو پا کر

جواب دیا "میں کہیں بیٹھا گپ شپ نہیں لڑا رہا تھا' کاموں میں مصروف تھا۔ ڈینی کو معلوم تھا کہ دس بجے بیرون شہر سے کچھ مہمان آنے تھے۔ ان کی بریفنگ کیے بغیر میں ادھر نہیں آسکتا تھا۔"

اول خان کا پیش کیا ہوا وہ اکلوتا جواز ہی ہر شکایت کا مسکت جواب تھا۔ میں نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہنے کا فیصلہ کرلیا۔

"وقت کم رہ گیا ہے۔" اس نے اضطراری انداز میں اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "ہمیں آپریشن کے آغاز سے پہلے بسیرا کا بیرونی طواف بھی کرنا ہے...."

"کیا ایک پیالی چائے پینے کا وقت بھی نہیں ہے؟" غزالہ نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے پوچھا۔

اول خان لمحہ بھر کے لیے متردد نظر آیا پھر صوفے کے کنارے پر ٹکتے ہوئے بولا "جلدی سے لے آؤ۔ اس وقت چائے کی طلب بھی محسوس ہو رہی ہے۔"

غزالہ لپک کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ میں موقع غنیمت جان کر خواب گاہ میں جا گھسا۔

میں نے بہت تیزی سے کپڑے تبدیل کیے' جوتے پہنے اور بیم گن جیب میں ڈال کر واپس ڈرائنگ روم میں آیا تو غزالہ چائے لا چکی تھی۔

"خوب!" اول خان نے اپنی پیالی سے ایک گھونٹ لے کر توصیفی لہجے میں کہا "چائے کے بہانے تمہیں لباس بدلنے کا موقع مل گیا۔ میں صبح سے ان ہی کپڑوں میں بندھا ہوا ہوں۔"

"میں نے صرف بیم گن لی ہے...." میں نے اسے بتانا چاہا مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔

"کافی ہے.... ویسے اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تیاریاں کچھ زیادہ ہی ہو گئی ہیں۔"

چند منٹ میں چائے کی پیالیاں خالی کر کے ہم دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ باہر اول خان کی جیپ میں موجود تھی جس میں ڈرائیور نہیں تھا۔

"کیا بات ہے' اس وقت ویرا نظر نہیں آئی۔" اول خان نے جیپ کا انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی غیر حاضری ہر ایک محسوس کرلیتا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "آج اس کی طبیعت ناساز ہے۔"

"وہ تو ہونی ہی تھی۔ میں اسے ساتھ لے جانے کا وعدہ کرلیتا تو وہ ہشاش بشاش رہتی۔"

"سڑکیں صاف ہیں۔ ہم ذرا سی دیر میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ یہ بتاؤ کہ ہمیں کرنا کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ہم آبزرور کے طور پر جا رہے ہیں۔ میری جیپ پر ایک شناختی اسٹکر موجود ہے۔ کوئی بھی ہماری نقل و حرکت میں مزاحم نہیں ہوگا۔"

"پھر بسیرا کا طواف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے سوال کیا۔

میں نے تمہیں بتایا تھا کہ بسیرا کے چار پھاٹک ہیں۔ ان میں سے دو چھوٹے اور عملاً متروک ہیں مین گیٹ رستم کے دوستوں اور ملاقاتیوں کی آمدورفت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بہت پرشکوہ ہے۔ شاید تم اسی راستے سے وہاں آتے جاتے رہے ہو۔ چوتھا راستہ رہائشی عمارات سے قریب ہے۔ گھر والے اور ملازمین اسی طرف سے آتے جاتے ہیں۔"

"تم نے وہ عمارت دیکھے بغیر بہت کچھ معلوم کرلیا۔" میں نے اعتراف کیا۔

"اہل خانہ کے استعمال میں رہنے والا راستہ بھی بہت کشادہ ہے اور گاڑیوں کی آمدورفت کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ پولیس فورس کی زیادہ توجہ ان ہی دو راستوں پر مرکوز رہے گی۔ اندر سے مزاحمت کی گئی تو ان پھاٹکوں کو توڑ دیا جائے گا۔"

"وہ متروک راستوں سے بھی فرار ہو سکتا ہے۔" میں نے شبہ ظاہر کیا۔

"ادھر بھی نفری موجود رہے گی۔" اس نے یقین دلایا "آپریشن کو پوری طرح فول پروف بنایا گیا ہے۔ دوسری طرف ایسے کوئی آثار نہیں ہیں کہ رستم نے بھاگ نکلنے کا کوئی منصوبہ بنایا ہو۔ گاڑیوں کی تلاشی کا سلسلہ جاری ہے۔ بسیرا سے کسی غیر معمولی نقل و حرکت کی خبر نہیں ملی ہے۔"

"اگر وہ مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے تو اسے کسی غیر معمولی نقل و حرکت کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنے گھر میں محصور ہو کر کافی دیر تک فورس کو دور رہنے پر مجبور کر سکے گا۔"

"آج رات مجھے ویرا کی خواہش پوری ہوتی نظر آرہی ہے۔" اول خان کو جیپ چلاتے چلاتے ایک مرتبہ پھر ویرا یاد آگئی۔

"وہ تو خواہشوں اور ارمانوں کی شہزادی ہے۔ تم اس کی کس خواہش کا ذکر کر رہے ہو؟"

"پنڈت منوہر لال کے ساتھ رستم کی سزایابی۔ آج وہ بری طرح مار کھائے گا۔"

"مجھے رستم کی اتنی زیادہ پروا نہیں۔ وہ ہمارے سامنے ہے۔ اس پر کسی بھی وقت ہاتھ ڈالا جا سکتا تھا۔ میری بس ایک ہی آرزو ہے کہ اتنی بڑی کارروائی کو ناکام نہیں ہونا چاہیے۔ پنڈت منوہر لال اسی عمارت سے ہاتھ آنا چاہیے۔"

"یہ خیال تم نے پیش کیا تھا۔ اس کے ملنے یا نہ ملنے کا انحصار ہم سب کی قسمتوں پر ہے لیکن اتنا ضرور بتادوں کہ رستم کے اطمینان نے مجھے وسوسے میں ڈال دیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ رستم کی انا کو پاش پاش کرنے کے بعد ہم پنڈت کی گرد بھی نہ پاسکیں۔"

میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ دل ہی دل میں اول خان کے اس اندیشے کے غلط ثابت ہونے کی دعا مانگتا رہا۔ میں نے رستم

سے گفتگو کے بعد جو رائے قائم کی تھی وہ پوری ایمان داری کے ساتھ سب کے سامنے پیش کردی تھی۔ میرے نزدیک یہ بات ہر شک و شبے سے بالاتر تھی کہ رستم پنڈت کا پشت پناہ تھا اور اس کے مسائل سے پوری طرح باخبر تھا۔

ڈرائیونگ کے دوران میں اول خان بار بار اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتا آیا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ جلد از جلد رستم کی رہائش گاہ تک پہنچنے کی فکر میں ہے۔ سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ اول خان نے بار بار گھڑی دیکھنے کے باوجود جیپ کی رفتار تیز نہیں کی تو میں اس سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"ڈیش بورڈ کا نچلا خانہ کھول کر ایرپیس نکال لو۔" اس نے مشورہ دیا "اسے ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے آن کرنا ہے۔ آج کے آپریشن میں حصہ لینے والے تمام یونٹ ایسے ہی ٹرانسمیٹرز پر ایک دوسرے سے رابطے میں رہیں گے۔"

میرے دل میں اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔ میں نے اپنے سامنے والا خانہ کھول کر موبائل فون سے قدرے بڑا ایرپیس نکال لیا اور کہا "میرے ذہن میں ایک بے نام سی خلش تھی۔ ایرپیس دیکھتے ہی مجھے اس خلش کا سبب معلوم ہوگیا ہے۔ دوسروں کے ساتھ ہمارا رابطہ ضروری تھا۔ اس کے بغیر ہم کسی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح خطرناک ماحول میں بھٹکتے رہتے۔"

"آج رات کے لیے میرا پاس ورڈ چارلی ہے۔ ضرورت پیش آنے پر مجھے الفا نامی کسی اتھارٹی سے رابطہ کرنا ہوگا۔" اس نے ہنس کر مجھے آگاہ کیا۔

اس رات درپیش مہم کے بارے میں بیشتر نکات واضح ہوچکے تھے۔ ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے ساڑھے گیارہ بجے سے پہلے ہی بسیرا کے نواح میں پہنچ گئے۔

ہم جس سڑک پر تھے' اس پر پولیس کی کئی بکتر بند گاڑیاں' روشنیاں گل کیے سڑک کے کنارے کھڑی تھیں۔ اول خان نے کسی پوچھ گچھ کے خیال سے جیپ کی رفتار کم کی تھی کہ دیوہیکل آہنی گاڑیوں میں سے ایک ٹارچ چمکی۔ تیز روشنی کا ہالہ ہماری آنکھوں کو چکاچوند کرتا ہوا لمحہ بھر کے لیے ونڈ اسکرین کے بائیں سرے پر رکا پھر روشنی بند ہوگئی۔

"رکنے کی ضرورت نہیں۔ چلے جاؤ!" اندھیرے میں ایک بھاری اور تحکمانہ آواز گونجی۔

اول خان نے فوراً ہی جیپ کی رفتار قدرے تیز کردی۔ اس ذیلی سڑک پر پیش آنے والے تجربے سے میں نے اندازہ لگالیا کہ بسیرا کی طرف جانے والی ہر سڑک اور گلی میں مسلح مشینی دستوں کی بالادستی قائم ہوچکی تھی۔

میں اس سے پہلے بھی اسی راستے سے دو مرتبہ بسیرا آچکا تھا اور دونوں بار میرا سفر رات میں ہی ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اس رات وہ راستہ زیادہ تاریک تھا۔ رستم کے خلاف ایکشن کی رازداری کے لیے اسٹریٹ لائٹس روشن نہیں کی گئی تھیں۔

جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں رستم کی رہائش گاہ کے احاطے کی فصیل جیسی دیوار نظر آنے لگی۔ اس کا پھاٹک بند تھا۔ داہنا موڑ کاٹتے ہوئے ہم دونوں نے ہی محسوس کیا کہ اندر سناٹا تھا۔ کچھ دیر کے لیے گیٹ پر پڑنے والی روشنی کو اندر والوں نے معمول کا ایک حصہ سمجھ کر کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

بسیرا کے احاطے کے ساتھ ساتھ اول خان کی جیپ بائیں طرف ایک شکستہ سڑک پر مڑگئی۔ چند ثانیوں بعد اس عمارت کا ایک چھوٹا اور متروک پھاٹک گزرا۔ جیپ بڑھتی رہی۔ اس عمارت نے علاقے کا ایک بڑا رقبہ گھیرا ہوا تھا اور اس کے چاروں طرف نیم پختہ یا پختہ راستے موجود تھے۔ عقب میں گھریلو استعمال والا راستہ تھا۔ دوسری بغلی دیوار میں چوتھا ویران پھاٹک بند تھا۔

رستم کی وسیع رہائش گاہ کا طواف کرکے ہم دوبارہ مین گیٹ کے سامنے سے گزرے اور اول خان نے تاریکی میں ایک جگہ جیپ روک کر انجن بند کردیا۔

"بظاہر سب انتظامات مکمل ہیں۔" اول خان نے اپنی رسٹ واچ کے روشن ڈائل پر ایک نظر ڈال کر پراطمینان لہجے میں کہا "لیکن وہ سب اصل ہدف سے دور ہیں۔ عمارت کے آس پاس کسی کا سایہ تک نظر نہیں آرہا۔"

"ایرپیس آن ہو تو پتا چلے کہ ادھر کیا ہو رہا ہے۔" میں نے پہلو بدل کر کہا۔

"چاہو تو اسے آن کرلو۔ سسٹم ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے کام شروع کرے گا۔ اس ڈیڈ لائن میں اب ایک منٹ سے قدرے زیادہ وقت رہ گیا ہے۔"

میں نے ایرپیس آن کردیا۔ جیپ کے کیبن میں ہلکا ہلکا ریڈیائی شور گونجنے لگا۔ اس شور میں کوئی بھی انسانی آواز شامل نہیں تھی۔

"سب کچھ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہو رہا ہے۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "وقت کی اتنی کڑی پابندی کا تصور عام شہری اداروں میں مفقود ہے۔"

"ہدف اہم ہو تو وقت کی پابندی ناگزیر ہوجاتی ہے۔ مختلف سمتوں سے پیش قدمی کرنے والوں کو اپنی ٹائمنگ کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"الفا کالنگ فار میٹنٹرز۔" ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے ایرپیس پر ایک پرسکون آواز ابھری "مختصر الفاظ میں نمبروار ہر کمانڈر اپنی رپورٹ دیتا چلا جائے.... اوور!"

پہلی رپورٹ لیڈنگ گروپ کی طرف سے تھی۔ باری باری مختلف آوازوں نے الفا کو پیغامات دیے۔ وہ اپنی اپنی جگہ بالکل تیار اور اگلے حکم کے منتظر تھے۔

ایک موڑ سے آگے پیچھے دو تیز رفتار گاڑیاں نمودار ہوئیں۔ ان کی تمام نشستیں آباد تھیں۔ ان کے اگلے بمپروں پر وائرلیس

انٹینا کے اونچے تار لہرا رہے تھے۔ دونوں گاڑیاں اس خم دار سڑک پر آگے جا کر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔

"نقل و حرکت شروع ہو چکی ہے۔" میں نے خاموشی توڑنے کے لیے تبصرہ کیا۔

"بس کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا ہے۔ پنڈت منوہر لال کو زندہ ہاتھ آنا چاہیے۔"

"آئے گا.... ضرور آئے گا۔" میں نے اضطراب کے عالم میں ہتھیلیاں مسلتے ہوئے کہا "ایریئس پر سناٹا ہے۔ کیوں نہ تم بھی الفا کو اپنی موجودگی کی اطلاع دے ڈالو۔"

"نہیں!" اس نے انکار کر دیا "مجھے صرف ضرورت پیش آنے پر رابطہ کرنا ہے۔ اس وقت ان کے انتظامات میں ٹانگ اڑانے سے کوئی بدمزگی بھی ہو سکتی ہے۔"

میں نے بدمزگی کے سخت لفظ پر کوئی اعتراض کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ میری طرح وہ بھی ذہنی انتشار اور دباؤ میں مبتلا تھا۔ ایسی صورت میں روشن امکانات بھی مخدوش اور منفی نظر آنے لگتے ہیں۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ جیپ میں ہم دونوں ہی خاموش اور اپنے اپنے خیالوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس دوران میں وقفے وقفے سے ایریئس پر پیغامات کا تبادلہ ہوتا رہا۔ جن میں سے بیشتر احکام الفا کی جانب سے تھے یا پھر اس کے آدمی اس کی ہدایت کے مطابق اپنی پوزیشنوں میں ردوبدل کے بارے میں اطلاعات دے رہے تھے۔

بسیرا کے احاطے کی دیواریں اتنی اونچی تھیں کہ باہر سے ان کے درمیان بنی ہوئی کوئی عمارت نظر نہیں آ سکتی تھی لیکن ہمیں رات کی تاریکی میں اس عمارت کی بالائی فضا میں ایک روشن ہالہ نظر آ رہا تھا جس کا سبب اندر جگمگانے والی روشنیاں تھیں۔ باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں وہ ہالہ کاس کچھ زیادہ ہی نمایاں تھا۔

پھر اچانک فضا میں اندھیرا پھیل گیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ آپریشن کی نگرانی کرنے والوں نے بجلی کمپنی کے تعاون سے بسیرا کی روشن فضاؤں پر وار کیا ہے مگر وہ خیال خاصا کمزور تھا۔ ہر مقابلے میں خود تاریکی کی آڑ لے کر روشنی میں نہائے ہوئے دشمن پر وار کرنا زیادہ سہل اور سود مند ثابت ہوتا ہے۔ وہ لوگ ایسی غلطی نہیں کر سکتے تھے کہ بسیرا میں رہنے والوں کو تاریکی کی پناہ فراہم کرتے۔

مجھے اس بارے میں زیادہ دماغ سوزی نہیں کرنی پڑی۔ لمحہ بھر بعد ہی ایریئس پر الفا کی اضطراری آواز ابھری "پورا ٹارگٹ یکایک اندھیرے میں ڈوب گیا ہے۔ شاید دشمن کو شبہ ہو گیا ہے.... کاؤنٹ ڈاؤن ختم.... اصل پلان کے مطابق سب ایڈوانس کرو۔"

رات کی میٹھی آغوش میں سویا ہوا ماحول یکایک متعدد انجنوں کے شور سے گونج اٹھا۔ قرب و جوار کی ہر سمت سے گاڑیاں اسٹارٹ ہونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"میں نے انفرا ریڈ دوربین سے سب دیکھ لیا ہے۔" فضا میں رستم کی مانوس اور نرم آواز گونجی تو میں بری طرح چونک پڑا۔ وہ اپنی آواز پہنچانے کے لیے کوئی طاقت ور میگا فون استعمال کر رہا تھا۔ اس کی بات جاری تھی۔ "میرے گھر کا محاصرہ کیا جا چکا ہے.... میں ایک معزز اور شریف شہری ہوں۔ کسی نے بھی میری چار دیواری کا تقدس پامال کرنے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہو گا۔"

مجاز حکام کی طرف سے بارہ بجے کا وقت مل جانے کے بعد وہ مسلسل خاموش تھا مگر غافل نہیں تھا۔ شاید اس کے آدمی پہلے عام دوربینیں استعمال کر رہے تھے۔ اسے ذرا تاخیر سے خیال آیا کہ انفرا ریڈ دوربین اندھیرے کا توڑ کر سکتی ہے۔ اس نے اندھیرے میں پوشیدہ نفری اور گاڑیوں کو دیکھتے ہی اپنے گھر کا مرکزی برقی نظام معطل کر دیا اور مزاحمت کا فیصلہ کر لیا۔

چار مہیب بکتر بند گاڑیاں رستم کے مکان کے مین گیٹ پر پہنچ گئیں ان کے پیچھے وہ دو گاڑیاں تھیں جو کچھ دیر قبل پر اسرار تیز رفتاری سے متحرک نظر آئی تھیں۔ ان ہی میں سے کسی گاڑی میں الفا اپنی پوری تیاریوں کے ساتھ موجود تھا۔ امکانی مزاحمت کی صورت میں وارننگ دینے کے لیے اس کے پاس بھی میگا فون موجود تھا۔ دروازے پر گاڑیاں رکتے ہی الفا کی سرد، تحکمانہ آواز ہر طرف پھیلنے لگی۔

"رستم! تمہارے فرار کی ساری راہیں مسدود کی جا چکی ہیں۔ اپنی انفرا ریڈ دوربین گھما کر خود یہ سب دیکھ چکے ہو۔ اپنی چار دیواری کا تقدس بچانے کے لیے خود کو قانون کے حوالے کر دو۔"

"میں ہتھیار ڈال دوں!" رستم کی آواز بلند اور استہزائیہ ہو گئی۔ تصادم کا یقین اس کے آہنی اعصاب میں نشتر بن کر اترا تھا۔ یہ کام میں نے نہیں سیکھا۔ تم جیتے جی مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکو گے۔ مجھے اکیلے آدمی کے لیے تم اتنا لشکر لے کر آئے ہو لیکن پھر بھی ناکام رہو گے۔"

ایریئس یا میگا فون پر الفا کی کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ بکتر بند گاڑیوں کے انجنوں کی غراہٹیں تیز ہو گئیں اور فضا اونچے آہنی پھاٹک کی جھنجھناہٹ سے لرز اٹھی۔

پھاٹک کے دونوں ستون بہت مضبوط تھے مگر اندرونی قابلے اور کھٹکے اس حملے کی تاب نہ لا سکے۔ لوہے سے لوہا ٹکرانے اور پھر لوہا چرنے کی آوازیں پیدا ہوئیں، دونوں پھاٹک ایک پر شور جھٹکے کے ساتھ اندر کی طرف کھلتے چلے گئے۔ دو بکتر بند گاڑیاں اچھل کر اس راستے میں داخل ہو گئیں۔

پھاٹک آخری حد تک کھلنے کے بعد تیزی سے واپس ہوئے اور پھر گاڑیوں کے اگلے حصے سے ٹکرا کر رک گئے۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں بسیرا کی پختہ روش ویران نظر آ رہی تھی۔ وہاں کوئی بھی مسلح یا غیر مسلح فرد موجود نہیں تھا۔ نہ ہی اندر سے گولیوں کی کوئی

باڑھ ماری گئی تھی۔

"تم نے میری سلطنت تباہ کردی' میرا پندار توڑ دیا۔" میگا فون پر رستم کی رندھی ہوئی اور کرب آلود آواز ابھری "آج مجھے پتا چلا کہ اب تک میں اپنی آستین کے سانپوں کو دودھ پلا کر پروان چڑھاتا رہا تھا۔ یہ سب نہ ہوا ہوتا تو بہت اچھا تھا.... ہوگیا ہے تو مجھے یقین نہیں آرہا۔ میں اپنی گردن تمہارے ہاتھوں میں نہیں دوں گا۔ اسی بے یقینی کے عالم میں مرجانا پسند کروں گا۔"

میگا فون پر ایک فائر کے ساتھ کسی معصوم بچے کی دل دوز چیخ گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس سفاک درندے نے شاید اپنی انا کی چتا پر اپنے لاڈلے نواسے کی پہلی بھینٹ دی تھی۔ اس کا میگا فون آن تھا۔ دوسری گولی چلی اور اس بار رستم کی دبی دبی کراہ سے فضا لرز اٹھی۔

خودکشی کرتے ہوئے اس انا پرست کو شاید چیخنا پسند نہیں تھا۔ اس نے بہت کامیابی کے ساتھ اپنی چیخ کو آخری کراہ میں سمیٹ دیا تھا۔

جو کچھ ہوا' وہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ ہم دونوں ہی گنگ ہو کر رہ گئے۔

"الفا کالنگ چارلی!" اپرنٹس پر بوجھل اور تحیر زدہ آواز ابھری "یہ کیا ہوا؟ اس نے تو کوئی مقابلہ کیے بغیر خودکشی کرلی۔ وہ پہلی چیخ کس بچے یا عورت کی تھی....؟ اوور!"

"شان و شوکت کے ساتھ جینے والے بڑے مجرم شاید اسی طرح مرتے ہیں... وہ اپنے اکلوتے نواسے کو بہت چاہتا تھا۔ جاتے جاتے شاید اسے بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے اوور!" اول خان' رستم کے اس انجام پر خوش نہیں تھا۔ اس کی آواز افسردہ تھی۔

"رستم نے ہار مان کر خودکشی کرلی ہے۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد میگا فون پر الفا کی آواز ابھری "اندر کی تمام روشنیاں آن کرو اور غیر مسلح ہو کر باہر آجاؤ۔ میں گنتی شروع کررہا ہوں۔ دس کا ہندسہ پورا ہونے کے بعد کسی کو امان نہیں ملے گی۔"

مین گیٹ پوری طرح کھول دیا گیا۔ وہاں کوئی متنفس نہیں تھا۔ چاروں بکتر بند گاڑیوں کے پیچھے کمان کرنے والی دونوں گاڑیاں بھی احاطے میں صرف اس حد تک اندر داخل ہوئی تھیں کہ پیچھے والی گاڑیاں اندر سما سکیں۔ ان سب کی ہیڈ لائٹس آن تھیں۔ ان کی روشنی میں کھڑکیوں اور سوراخوں سے مہلک آتشیں ہتھیاروں کی نالیں باہر جھانکتی نظر آرہی تھیں۔ اول خان نے اپنی جیپ ان کے پیچھے لگا دی۔

الفا نے میگا فون پر رک رک کر گنتی شروع کردی۔ وہ صرف تین تک پہنچا تھا کہ اندھیرے میں ڈوبی ہوئی عمارت یکایک جگمگا اٹھی۔ باغ میں اور روشوں کے اطراف بھی لیمپ پوسٹ روشن ہوگئے۔ ان سب کو یقینی طور پر کسی مرکزی سوئچ کے ذریعے ہی بند کیا گیا تھا۔

وہ زندگی اور موت کا کھیل تھا۔ بسیرا کے باسیوں نے میگا فون پر اپنے کانوں سے اپنے آقا کی آخری کراہ یا ہچکی سنی تھی۔ ان کے حوصلے ٹوٹ چکے تھے۔ رستم نے مایوسی اور بے بسی کے شدید جذبات سے مغلوب ہو کر ایک ایسا قدم اٹھایا تھا جس نے آپریشن فورس کا کام بہت آسان کردیا تھا۔

گنتی پانچ تک پہنچی تو مختلف سمتوں سے متعدد سادہ پوش اور باوردی ملازمین اپنے ہاتھ سروں سے اوپر اٹھائے نمودار ہونے لگے تھے۔

عارضی طور پر گنتی کا سلسلہ موقوف ہوگیا اور الفا اپرنٹس پر آگیا۔ وہ لیڈیز پولیس کی انسپکٹر کو اپنی نفری کے ساتھ بسیرا کے رہائشی حصے میں داخل ہونے کا حکم دے رہا تھا۔ دوسرے گروپوں کو مردوں کی تلاش کے ساتھ یہ ہدف بھی دیا گیا تھا کہ جلد از جلد رستم کی لاش تک پہنچ کر رپورٹ کردیں۔

پانچ کے بعد چھ کی باری اتنی دیر میں آئی کہ عمارت اور احاطے کے مختلف حصوں سے نمودار ہونے والوں کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔

ان کی تعداد کسی طرح چالیس سے کم نہیں تھی۔ وہ سب مغموم اور نڈھال نظر آرہے تھے لیکن ان میں کوئی چہرہ ایسا نہیں تھا جسے رستم کا قریبی عزیز سمجھا جاسکے۔

بکتر بند گاڑیوں سے مسلح افراد نیچے اترے اور انھوں نے ان سب کو چار قطاروں میں صف آرا کرکے ان کی جامہ تلاشی لینی شروع کردی۔ وہ مرحلہ بہت تیزی سے مکمل ہوگیا۔ اس کارروائی کے بعد اگلی دونوں گاڑیوں سے چار افراد اتر کر قیدیوں کی کھیپ کی طرف بڑھے۔

اول خان نے مجھے اشارہ کرکے جیپ چھوڑ دی۔ ہم دونوں کی طرف کئی نگاہیں اٹھیں مگر کوئی معترض نہیں ہوا۔ ہم تماشا دیکھنے کے لیے سب سے آخر میں جا کھڑے ہوئے۔

"تم میں رستم کا وارث کون ہے؟" الفا کو میں نے اس کی آواز سے پہچانا۔ اس نے چند ثانیوں تک صف آرا افراد کا جائزہ لینے کے بعد سوال کیا تھا۔

"اس کی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔" ایک ادھیڑ عمر شخص نے روہانسی آواز میں اس حقیقت کا انکشاف کیا "مردوں میں صرف اس کا نواسہ اس کا وارث تھا جسے وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ اب بسیرا میں سر کوٹ کوٹ کر بین کرنے والی عورتوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔"

رستم کے عبرت ناک انجام کے بعد وہ کہانی بھی لرزہ خیز تھی۔ وہ جرائم کی دنیا میں لمبے سودے کرکے کس کے لیے خزانہ اکٹھا کررہا تھا؟

اسے صرف ہوس کا نام دیا جاسکتا تھا۔ اس کے نواسے کے بہتر مستقبل کے لیے بسیرا جیسی عالی شان رہائش گاہ اور رستم کی کمائی کا عشر عشیر بھی کافی ہوسکتا تھا۔

"پنڈت منوہرلال کے بارے میں تم میں سے کون جانتا ہے؟" الفا کے ساتھ کھڑے ہوئے شخص نے تیکھے اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لٹکے ہوئے اداس چہرے اس اہم نام پر سپاٹ رہے تھے۔

ایک مرتبہ پھر اپریٹس پر آواز آنے لگی۔ لیڈی پولیس انسپکٹر پرجوش آواز میں بتارہی تھی "سر! عورتوں کے ایک کمرے کی مسہری کے نیچے سے ایک معمر اور منحنی سا شخص برآمد ہوا ہے جو بہت زیادہ خوف زدہ ہونے کے باوجود زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے ....اوور!"

"زنانہ حصہ فوراً خالی کردو اور اسے لے کر مین گیٹ کی طرف چلی آؤ۔ اوور اینڈ آل۔" الفا کا وہ فیصلہ بروقت اور صحیح ترین تھا۔ رستم کی پس ماندہ عورتوں سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ان کا مربی اپنے ہاتھوں اپنے برے انجام سے دوچار ہوچکا تھا۔ انہیں اس کی موت کا سوگ منانے کی آزادی ملنی ضروری تھی۔

لیڈی انسپکٹر کے پیغام میں میرے لیے بے پایاں خوشی پنہاں تھی۔ اس نے زنانہ حصے سے برآمد ہونے والے کا جو حلیہ بتایا تھا' وہ پنڈت منوہرلال کے سوا کسی کا نہیں ہوسکتا تھا۔

ویرا کی خواہش پوری ہوچکی تھی۔ پنڈت کی بازیابی کے ساتھ رستم کیفرکردار کو پہنچ چکا تھا۔ مجھے دکھ تھا تو اس معصوم جان کا جسے رستم نے اپنے ہاتھوں سے موت کی نیند سلادیا تھا۔ وہ معصوم' خوب صورت' سرخ وسفید اور شرارتی بچہ اس وقت رہ رہ کر میری نظروں میں گھوم رہا تھا۔

رستم کا المیہ یہ تھا کہ اسے اپنے سوا کسی پر اعتماد نہیں تھا۔ اسے اپنی برتری پر گھمنڈ تھا۔ اسی رو میں بہہ کر اس نے میرے ساتھ اوبرائن ڈی ہنٹ کے قتل کا سودا طے کیا تھا۔ ذاتی معاملات میں بھی اسے دوسروں پر بھروسا نہیں تھا۔

اسے ڈر تھا کہ اس کی موت کے بعد اس کا چہیتا نواسا بھری دنیا میں بالکل اکیلا رہ جائے گا' کوئی اس کی مناسب دیکھ بھال نہیں کرسکے گا اور وہ زمانے کی ٹھوکروں میں رہ کر اپنی زندگی گزارنے پر مجبور ہوجائے گا۔ یہ ایسے ہولناک اندیشے تھے کہ اس نے اپنی زندگی سے پہلے اپنے نواسے کی زندگی کا چراغ گل کیا اور خود بھی اس کے پیچھے روانہ ہوگیا۔

رستم سے ملاقاتوں میں' میں نے رائے قائم کرلی تھی کہ وہ آسانی سے شکست نہ ماننے والا ایک مضبوط آدمی ہے جس سے ٹکرانے والوں کو دانتوں پسینہ آسکتا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو حالات کی ذرا سی خرابی کی بنا پر مایوس اور دل گرفتہ ہوکر اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیتے ہیں۔

اگر اس پر ہلکا ہاتھ ڈالا جاتا تو وہ یقیناً مزاحمت کرتا اور اس انجام سے دوچار نہ ہوتا جو اس کا مقدر بنا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس جیسے بارسوخ شخص کے گھر پر اتنے بڑے پیمانے پر یلغار کی جائے گی۔ یہ آپریشن فورس کی بھرپور طاقت ہی تھی جس کے مشاہدے نے رستم کا حوصلہ توڑ کر رکھ دیا اور اس نے ذرا سی دیر میں خود ہی اپنے خلاف ایک فیصلہ کرلیا۔

آئی جی اور پولیس افسران یک جا ہوکر قطار بند ملازمین کے بارے میں مشورے کررہے تھے اور میرا ذہن سوچ کی اتھاہ وادیوں میں بھٹک رہا تھا کہ سامنے سے مردانہ اور زنانہ پولیس فورس کے جلو میں وہ شخص نظر آیا جس کے لیے وہ سارے پاپڑ بیلے گئے تھے۔

اس کے خضاب میں رنگے ہوئے مختصر سے سیاہ بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں پھٹی پھٹی سی معلوم ہورہی تھیں اور چہرے پر کئی دن کا بے داغ' سفید شیو بڑھا ہوا تھا۔

"یہی پنڈت منوہرلال ہے۔" اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اول خان نے اعلان کردیا۔ الفا نے پیچھے مڑ کر فضا میں ہاتھ کی جنبش سے اول خان کا شکریہ ادا کیا اور پھر آنے والے مہمان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ہماری صفوں میں شامل ہر شخص گہری دلچسپی سے پنڈت کی طرف متوجہ تھا۔

"سنا ہے تم نے اپنی زبان سختی سے بند کی ہوئی ہے۔" الفا نے پنڈت کے سر پر سختی سے ہاتھ جما کر چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

پنڈت نے الفا کے ہاتھ کی گرفت سے نکل جانے کی پوری کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا تو بھرائی ہوئی آواز میں بولا "میرے ساتھ بدتمیزی مت کرو.... میں اپنے وکیل سے مشورے کے بغیر کچھ نہیں کہوں گا۔"

"رستم کو بھی یہی گھمنڈ تھا جو اسے لے ڈوبا۔ زیادہ ضد کروگے تو تمہاری ننھی سی کھوپڑی کو پکے ہوئے خربوزے کی طرح چٹخا دیا جائے گا۔" الفا نے اس کی چندیا پر اپنی انگلیوں کا دباؤ بڑھا دیا۔

"تم سب بہت سفاک ہو۔ رستم ایک ہیرا تھا۔" اس کی آواز رندھ گئی "وہ زندہ رہتا تو تم میری پرچھائیں تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔"

"ہم سب سمیت کوئی بھی ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔ تم نے دیکھ لیا کہ اس کے مرتے ہی تم کتنی آسانی سے ہمارے ہاتھ آگئے۔ اب ذرا اپنی زبان سے اپنا پورا نام بھی دہرا دو۔"

"میں وکیل سے ملے بغیر ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا۔" اس نے رٹا رٹایا جملہ دہرایا۔

"اگر تمہارا نام وکیل کو معلوم ہے تو اپنی ولدیت ہی بتادو۔ یہ نہ کہنا کہ اس بارے میں بھی وکیل ہی روشنی ڈال سکے گا۔" الفا کے ساتھی کے الفاظ میں زہر گھلا ہوا تھا۔

پنڈت منوہرلال کوئی جواب دیے بغیر خالی خالی نظروں سے اس کا منہ تکنے لگا۔

”اسے گاڑی میں ڈال دو۔“ الفا نے اپنے آدمیوں سے کہا پھر رستم کے ملازمین کی طرف متوجہ ہو گیا ”تم میں سے کس کس نے اسے یہاں آتے دیکھا تھا؟“

”یہ سیٹھ کا دوست ہے۔ اکثر یہاں آتا رہتا تھا۔“ رستم کے ادھیڑ عمر اور پرانے خدمت گار نے سب کی ترجمانی کا فرض ادا کرتے ہوئے جواب دیا ”میں اندر رہتا ہوں مگر مجھے بھی پتا نہیں کہ یہ یہاں موجود ہے۔“

”کیا رستم نے تم لوگوں کو یہ نہیں بتایا کہ پولیس اسی پنڈت کی تلاش میں یہاں آنے والی ہے؟“ الفا نے درشت لہجے میں سوال کیا۔

”نہیں صاحب!“ وہ رو دینے والی آواز میں گڑگڑایا ”سیٹھ آج دس بجے سے پریشان ضرور تھا۔ تین آدمیوں کو دوربینیں دے کر چھت پر بھیجا ہوا تھا۔ اس کے لیے ہم سب پریشان تھے مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ سیٹھ کے لیے یہ آخری رات ثابت ہونے والی ہے۔“

”اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا؟“ الفا نے بے اعتباری سے پوچھا۔

”دس بجے سے تمام محافظ مسلح اور تیار تھے۔ یہ سیٹھ کا حکم تھا۔“ وہ باقاعدگی سے زاروقطار رونے لگا ”ساڑھے گیارہ بجے وہ اپنی دوربین لے کر چھت پر گیا۔ پتا نہیں اس نے وہاں کیا دیکھا کہ سب کو نیچے بھیج کر اپنے نواسے کو چھت پر بلوالیا اور سارے محافظوں کو ہتھیار خالی کر کے اپنے کمروں میں جانے کا حکم دے دیا۔ ہم سب بہت فکرمند تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ بسیرا کے پھاٹک پر دو چار ہتھیار بردار دن رات موجود نہ رہے ہوں۔ آج اس نے تمہارے لیے سارے راستے خالی کرا دیے تھے۔“

رستم کے انجام کی کہانی کا ہر باب دل دوز اور افسوس ناک تھا۔ اس کے باوجود یہ ایک اٹل حقیقت تھی کہ وہ اپنے وقت کا ایک سفاک قاتل اور چالاک مجرم تھا جو مکافاتِ عمل کا شکار ہو کر بہت آسانی سے اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔ ہم دونوں کے لیے رستم کی لاش کا دیدار ضروری نہیں تھا۔

پنڈت منوہر لال کی گاڑی میں منتقلی کے بعد مشن پورا ہو چکا تھا۔ ملازمین سے مزید باز پرس کے لیے کچھ نفری کو وہاں چھوڑ کر واپسی کا پروگرام بننے لگا۔ اول خان مجھے ساتھ لے کر خاموشی سے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ بسیرا نے رخصت ہوتے ہوئے اس نے کسی سے ملاقات نہیں کی تھی۔

”مجھے افسوس ہے کہ اس بار ہم صرف تماشائی رہے‘ کام کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔“ راستے میں اول خان نے متاسف لہجے میں کہا ”ایک عرصے کے بعد ایسی بے بسی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔“

میں دھیرے سے ہنس دیا ”یہ بتاؤ کہ آج کس نے کیا کیا ہے۔

تیاریاں بہت کچھ تھیں لیکن رستم نے کسی کو کارکردگی دکھانے کا موقع ہی نہیں دیا۔ پوری بساط خود لپیٹ دی۔“

”یہ بھی تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ بس لیڈیز پولیس فورس نے زنان خانے سے پنڈت کو برآمد کر کے کام دکھایا ہے۔ پتا نہیں رستم نے اس جیسے رنگین مزاج بڈھے کو اپنی عورتوں کے درمیان رہنے کی اجازت کیسے دے دی۔ اس کے عیبوں سے پورا نہیں تو آدھا شہر ضرور واقف ہے۔“

”وہ گھر کے کسی اور حصے میں روپوش رہا ہوگا.... آخری لمحات کی افراتفری میں اپنے ٹھکانے سے نکل کر عورتوں میں جا گھسا ہوگا۔“

”تمہارا نظریہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اصل متن تو اسی وقت کھلے گا جب پنڈت اپنے وکیل سے مشورے کے بغیر بولنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔“

”اگر وہ ہماری تحویل میں ہو تو زیادہ آسانی سے کام آگے بڑھ سکے گا۔“

”مجبوری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی وقت فیڈرل کسٹڈی میں چلا جائے۔“

”اس کے تینوں اصل ’خانہ‘ کہاں ہیں؟“ میں نے چونک کر دریافت کیا۔

”وہ آگے چلے گئے۔ میرے پاس ان کی فوٹو کاپیاں محفوظ ہیں۔“ اس نے اطمینان دلایا۔

واپسی پر اول خان تھوڑی دیر کے لیے ہمارے ساتھ رکا تاکہ غزالہ کے ہاتھ کی چائے اور دیگر لوازم سے لطف اندوز ہو سکے۔ اس وقت تک ویرا نارمل ہو چکی تھی اور ڈرائنگ روم میں بیٹھی ٹیلی وژن پروگرام دیکھ رہی تھی۔ مجھے نظرانداز کر کے اس نے پہلا سوال اول خان سے کیا۔

”آج کل ستارے ہماری یاوری کر رہے ہیں۔“ اول خان نے ہنستے ہوئے جواب دیا ”سب کچھ اسی طرح ہوا ہے جس طرح تم نے آرزو کی تھی۔“

”تو کیا وہ دونوں ہی ہاتھ آگئے۔“ سلطان شاہ نے اپنی جگہ سے اچھل کر پوچھا۔

”ایک ہاتھ آیا‘ دوسرا ہاتھ سے نکل گیا۔“ میں نے اول خان سے پہلے سلطان شاہ کو جواب دیا۔

”کون ہاتھ سے نکل گیا۔“ ویرا نے وہ سوال بھی اول خان سے کیا۔ وہ کائیاں آدمی تھا۔ دنوں میں ویرا کے موڈ کی خرابی کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اس نے بات خوب صورتی سے میری طرف ٹال دی۔

”اپنی باتوں کو ڈینی خود ہی سمجھا سکتا ہے۔ اسی سے پوچھو کہ کیا کہہ رہا ہے۔“

”میری آرزو پوری کرنے کی بات تم نے کی تھی۔“ ویرا اسی

کے گلے پڑ گئی۔
"معلوم ہوتا ہے کہ آج ڈینی سے تمہاری بول چال بند ہے اسی لیے میرے سر ہو رہی ہو۔"
"ہاں، تو تم کیا کہہ رہے تھے۔" اول خان کے اٹھائے ہوئے نکتے کی تردید کے لیے ویرا مجھ سے مخاطب ہو گئی۔
"پنڈت ہاتھ آ گیا، رستم ضائع ہو گیا۔ اس نے اپنے کم سن نواسے کو قتل کر کے خود کشی کر لی۔"
ویرا کا چہرہ کھل اٹھا "اس کا یہی انجام ہونا چاہیے تھا۔ سانپ کا بیٹا سنپولیا ہوتا ہے۔ اس کا نواسا بھی بڑا ہو کر اپنے نانا کے نقشِ قدم پر چلتا۔ اچھا ہوا کہ آنے والے دنوں کا پاپ ابھی مٹ گیا۔"
"یقین نہیں آ رہا کہ رستم نے اس شریر بچے کو بھی مار دیا ہوگا۔" سلطان شاہ نے اسے دیکھا ہوا تھا اس لیے وہ ویرا کے جذبات کی تائید نہیں کر سکا۔
"ہو سکتا ہے کہ وہ بچ گیا ہو۔" اول خان نے پرامیدی کا مظاہرہ کیا "ہم نے میگافون پر فائر اور چیخ کی آوازیں ضرور سنی تھیں لیکن لاشیں دیکھے بغیر وہاں سے لوٹ آئے۔"
"وہ رستم کی چلائی ہوئی گولیاں تھیں۔ دونوں میں سے کوئی نہیں بچا ہوگا۔" میں نے اول خان کی نکتہ آفرینی پر اسے گھورتے ہوئے کہا "بگڑی ہوئی لاشوں کو دیکھنا کوئی خوش گوار فعل نہیں ہوتا۔"
"صبح کے اخباروں میں سب کچھ سامنے آ جائے گا۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔
"سب کچھ بہت تیزی سے رونما ہوا۔ پہلے بات ملک ممتاز اور ملک افضل سے شروع ہوئی تھی پھر انتظامیہ درمیان میں آ گئی اور پولیس ایکشن بھی ہو گیا۔ رستم کو مرتے مرتے یہ گتھی ستاتی رہی ہوگی۔" اول خان بولا۔
سوچنے کے لیے وہ بھی ایک نکتہ تھا۔ رستم کے بدحواس اور مایوس ہونے کی متعدد وجوہ میں ایک وجہ وہ بھی ہو سکتی تھی مگر اس پر سر کھپانا بے سود تھا۔ سب کچھ بھی رہا ہو، اصل اور اہم ترین بات یہ تھی کہ رستم کے خاتمے کا ہدف حاصل کر لیا گیا تھا۔
چائے نوشی کے دوران میں اول خان کے ایریئل پر اشارہ موصول ہوا اور اس نے بٹن دبا کر اسے آن کر دیا۔ اپنی دانست میں آپریشن کی تکمیل کا اندازہ لگا کر اس نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا تھا۔
دوسری طرف سے الفا اسی کے لیے پیغام نشر کر رہا تھا۔ اول خان نے فوری طور پر اسے لائن پر اپنی موجودگی کی اطلاع دے ڈالی۔
"چارلی! تمہیں وہ تینوں کاغذ کس ذریعے سے ملے تھے؟ اوور!" الفا نے سوال کیا۔
"میرے معروف دوست کے ذریعے۔" اول خان نے میرا نام لیے بغیر کہا "میں یہ بات پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ اوور!"
"ملزم کو اسلام آباد منتقل کرنے سے پہلے ہم اس سے جوائنٹ انٹروگیشن کر لیں تو بہت سی باتیں واضح ہو کر سامنے آ جائیں گی۔ کل تم دونوں دستیاب ہو سکتے ہو؟"
وہ ہم دونوں کے دل کی آواز تھی۔ اول خان نے کال اوور ہوتے ہی ہم دونوں کی دستیابی کا عندیہ دے دیا۔
"گڈ!" الفا نے جواب دیا "میں کل صبح تمہیں پروگرام سے آگاہ کروں گا۔ اوور۔"
"میں منتظر رہوں گا.... کیا یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ بسیرا کی چھت سے ملنے والی دو لاشیں کس حال میں تھیں۔ اوور!" اول خان نے موقع ملتے ہی اپنا سوال پیش کر دیا۔
"دونوں فائر کنپٹیوں پر کیے گئے تھے۔ گولیاں کھوپڑیوں کا ایک حصہ ساتھ لے کر دوسری طرف سے نکل گئیں۔ اچھا ہوا کہ تم نے وہ لاشیں نہیں دیکھیں۔ کیا تمہیں اس بارے میں کوئی شبہ تھا۔ اوور!"
"نہیں لیکن تصدیق ضروری تھی۔ اوور!" اول خان کے پاس اس سوال کا جواب تیار تھا۔
الفا نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ کوئی بات جاننے کے لیے ہمیں اخبارات کھنگالنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔
مگر اخبارات شہری زندگی کے لیے ایک لازمے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں کوئی قابلِ ذکر خبر ہو یا نہ ہو، لوگ ناشتے پر اخبار بینی کے عادی ہوتے ہیں۔ سلطان شاہ نے ایک ہاکر کے ذریعے گلشن اقبال کے نئے مکان میں بھی اس روزانہ چاٹ کا بندوبست کر لیا تھا۔
رستم کے گھر پر ہونے والی کارروائی کی خبر اگلی صبح صرف تین کالمی سرخی پر مشتمل تھی۔ اس منصوبے کو ذرائع ابلاغ سے پوشیدہ رکھا گیا تھا اس لیے کسی کو بھی اس ایکشن کی وسعت کا صحیح انداز نہیں ہو سکا تھا۔ بات صرف اتنی رہ گئی تھی کہ ایک پولیس پارٹی کسی تفتیش کے سلسلے میں بسیرا گئی۔ رستم نے ملاقات سے انکار کر دیا اور پولیس کا سامنا کرنے پر خود کشی کو ترجیح دے بیٹھا۔ خبر میں زیادہ اہمیت اس بات کو دی گئی تھی کہ رستم نے اپنی جان لینے سے پہلے اپنے اکلوتے نواسے کو بھی مار دیا تھا۔
خبر میں پنڈت منوہر لال کے بارے میں دور کا بھی کوئی حوالہ نہیں تھا۔ شاید پولیس اہلکاروں نے بسیرا کے بے یار و مددگار ملازمین کو پنڈت کے بارے میں سختی سے اپنی زبانیں بند رکھنے کی ہدایت کی تھی جس کے نتیجے میں اخباری نامہ نگاروں کو بسیرا سے کوئی مواد نہیں مل سکا تھا۔
رستم شہر کے باخبر اور بے خبر حلقوں میں اپنے رسوخ اور مالی استحکام کی بنا پر خاصا معروف تھا۔ اس کے لمبے ہاتھوں کی وجہ سے ہر شخص اس پر تنقید کرنے سے گھبراتا تھا۔ اس کے خلاف کسی

عدالت میں کوئی جرم ثابت نہیں کیا جاسکا تھا اس لیے واقفانِ حال بھی سرگوشیوں سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ اس کی ناگہانی خودکشی پر اخباری رویہ بھی ہر تنقید سے عاری تھا۔

میں ناشتے کے بعد بھی اخبار کے مطالعے میں مصروف رہا۔ مجھے اول خان کی طرف سے الفا کے پروگرام کے بارے میں کسی اطلاع کا بے چینی سے انتظار تھا۔

"اگر اخبار حفظ کرنے کی کوشش کررہے ہو تو وہ کامیاب نہیں ہوگی۔" ویرا کی چبھتی ہوئی آواز نے مجھے چونکنے پر مجبور کردیا۔ اخبار کے انتظار میں اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔

ویرا کی طرف سے فاصلہ برقرار رکھنے کے چیلنج کے سوا ہم دونوں کے درمیان کوئی رنجش نہیں تھی پھر بھی مجھے خوشی ہوئی کہ وہ اپنے مخصوص اور تیکھے انداز میں مجھ سے مخاطب ہوئی تھی۔ میں نے کوئی عذر کیے بغیر خوش دلی سے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے، میں وقت گزاری کے لیے بازار کے بھاؤ دیکھ رہا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم میری بے خبری میں یہاں آبیٹھی ہو۔"

"آئندہ آنے سے پہلے ڈھول بجا کر آگاہ کردیا کروں گی۔" ویرا نے بے رخی سے کہا۔

"مشرقی شرفا یہ کام ڈھول کے بجائے گلے سے لیتے ہیں۔ کھنکارنے سے بھی مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ میں مشرقی نہیں، مغربی لڑکی ہوں اور تمہارے معیار سے شاید شرفا کی صف میں شامل ہونے کی شرائط پوری نہیں کرتی۔" میری نرمی سے فائدہ اٹھا کر وہ کڑوی کسیلی باتیں کرتی رہی۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ گفتگو ختم کرکے اخبار کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی۔

"اخبار دیکھو گی تو تمہیں حیرت ہوگی کہ رستم بھی شرفا میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں تم اس منصب کے لیے زیادہ بہتر امیدوار ہو۔"

میرا وہ مشورہ مضر ثابت ہوا۔ ویرا نے فوراً ہی اپنی گود میں اخبار پھیلا لیا "اب دیکھنا پڑے گا کہ تم لوگوں میں شرافت کا کیا معیار مقرر ہے۔ رستم شریف تھا تو دنیا میں کوئی بھی رذیل نہیں ہوسکتا۔"

"ہماری اس رسم کا خیال رکھنا کہ ہم مرجانے والوں کو برا نہیں کہتے۔ وہ عمل کی قوت سے محروم ہوکر خود ہی مکافاتِ عمل کے گھیرے میں چلے جاتے ہیں۔"

اس نے ترچھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور قدرے بے اعتباری سے پوچھا "کیا بات ہے؟ آج تمہارے لب ولہجے سے عداوت کے بجائے دوستی کا اظہار ہورہا ہے۔"

"تو کیا ہم دوست نہیں ہیں۔" میں نے جمود ختم کرنے کے لیے وہ بے ساختہ سوال زبان پر آنے دیا۔

"دوست بھی اچھے اور برے ہوتے ہیں۔ دیکھنا ہوگا کہ ہم کہاں کھڑے ہوئے ہیں۔"

وہ اخبار پڑھنے میں مصروف ہوگئی۔ میں نے متبادل مشغلے کے طور پر سگریٹ سلگالی۔

گیارہ بجے اول خان کا فون آگیا۔ الفا نے اس کے ساتھ مجھے بھی صدف مینشن میں بلایا تھا جس کی نچلی منزل پر اس کا عارضی فیلڈ آفس قائم تھا۔ اول خان نے اپنی سہولت کے مطابق الفا کو ساڑھے بارہ بجے کا وقت دیا تھا تاکہ مجھے اپنے ساتھ لے کر صدف مینشن پہنچ سکے۔

اول خان نے اسٹیشن فور سے فون کیا تھا۔ اسے ملیر چھاؤنی سے صفورا گوٹھ اور ریس کورس کے راستے ہمارے گھر تک پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لگنا چاہیے تھا۔ میں فوراً ہی تیاری کے ارادے سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہاں غزالہ شاید میری ہی منتظر تھی۔

"کل سے وہ بہت اَپ سیٹ ہے۔" مجھے دیکھتے ہی غزالہ نے کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کردی "ذہنی کرب کی حالت میں اس کی سوچ پر مایوسی مسلّط ہوجاتی ہے...."

میں نے غزالہ کی بات کاٹ دی "وہ اپنی ان ہی حرکتوں سے تمہارے اوپر اپنی مظلومیت کا رعب گانٹھتی ہے۔ دو چار روز میں اس کا دماغ خود بخود درست ہوجائے گا۔ میرا وقت خراب مت کرو۔ اول خان مجھے لینے کے لیے اپنے دفتر سے چل پڑا ہے۔ مجھے تیار رہنا ہے۔"

"میری بات مانیں اور موقع محل دیکھ کر اس سے صلح کرلیں۔ زیادہ بے زار ہوگئی تو وہ کسی بھی دن چپکے سے دنیا کے کسی بے نام گوشے کی طرف نکل جائے گی۔"

مجھے غزالہ کو کوئی موزوں جواب دینے کا موقع نہیں ملا کیونکہ وہ اپنی بات پوری کرتی ہوئی، تیزی کے ساتھ کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ میں نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ اس وقت پوری طرح سنجیدہ تھی۔

غزالہ کی پچھلی گفتگو کے حوالے سے اس کی نئی سفارش میرے لیے بہت اہم تھی۔ میرے من کا چور اپنی جگہ پر تھا مگر یہ بات ایک اعزاز سے کم نہیں تھی کہ غزالہ کے سامنے میرا بھرم قائم تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ مجھے جس راستے پر چلنے کا مشورہ دے رہی تھی وہ کسی وقت خود اسی کے لیے سوہانِ روح بن سکتا تھا۔ یہ میری اپنی محتاط روی تھی کہ میں نے ویرا کی وجہ سے غزالہ کو کبھی بھی نیچا دکھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اسے ہر حال میں وہی درجہ دیا تھا جس کی وہ حق دار تھی۔

تھوڑی دیر بعد اول خان آپہنچا اور مجھے ساتھ لے کر نئی منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔

"صدف مینشن میں دونوں سے ملاقات ہوگی یا صرف الفا

سے سامنا ہوگا؟" راستے میں میں نے پوچھا۔

"وہ میرے لیے نئی جگہ ہے۔ دونوں افراد بھی اجنبی ہیں۔ رات کو میں نے بسیرا میں آواز کی بنا پر الفا کو پہچانا تھا۔ وہاں پہنچ کر ہی پتا چلے گا کہ کون کون ملاقات کے لیے موجود ہے۔"

"ان سے مذاکرات کے لیے کیا پروٹوکول اپنانا ہوگا؟" سرکاری افسروں کے لیے مراتب کا لحاظ ضروری تھا۔

"میری بات مختلف ہے۔ تم میرے دوست ہو۔ جب تک وہ کوئی واضح تخاطب اختیار نہ کریں، انگریزی سے کام چلالینا۔ اس زبان میں آپ اور تم کا فرق پتا ہی نہیں چلتا۔"

اجنبیت اور بے یقینی کے ملے جلے احساسات کے ساتھ ہم مقررہ وقت سے پہلے نشتر روڈ کے عقب میں واقع صدف مینشن تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ پتھروں سے بنی ہوئی اس تین منزلہ پرانی عمارت میں اپنے نازک نام کا کوئی بھی وصف موجود نہیں تھا۔ بادی النظر میں وہ کوئی آسیب زدہ عمارت نظر آتی تھی۔ اس کی اوپری منزلوں تک رسائی کے لیے باہر سے کوئی زینہ نہیں تھا۔ اکلوتا چوبی دروازہ بند تھا جس پر کال بٹن قسم کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

پتھروں سے بنے ہوئے تین زینے چڑھ کر ہم دروازے کے سامنے پہنچے اور اول خان نے کوئی متبادل نہ پاکر لوہے کا وزنی کنڈا بجا کر اپنی آمد کا اعلان کردیا۔ ایک شخص شاید دروازے سے لگا بیٹھا تھا۔ اس نے احتیاط سے ذرا سا دروازہ کھول کر اشتباہ آمیز نظروں سے سراپا ہمارا جائزہ لیا۔

"چارلی.... ہم الفا سے ملنے آئے ہیں۔" اول خان نے نیچی آواز میں کہا۔

پاس ورڈ سنتے ہی دروازہ مزید کھلا اور ہم اندر داخل ہوگئے۔ وہ کراچی کی ایک چمکیلی دوپہر تھی مگر اندر ہلکی سی تاریکی کا راج تھا جس میں سیلن کی بو رچی ہوئی تھی۔ دروازہ بند ہونے پر ہم ایک اونچے مگر قدرے مختصر ہال میں تھے جس میں سے چوبی زینے اوپر کی منزلوں کی طرف جارہے تھے۔

بظاہر یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس عمارت میں ہم تینوں کے سوا کوئی اور موجود نہ ہو۔

"ادھر سیدھے چلے جائیں۔ راستہ ایک دروازے پر ختم ہوگا۔ دستک دے کر اندر چلے جائیں۔" دربان نے مہذب انداز میں ہماری رہنمائی کی اور ہم چوبی زینوں سے متصل راہداری میں مڑ گئے۔ اس راہداری میں اس قدر اندھیرا تھا کہ دن کے وقت بھی رہنمائی کے لیے چھت سے لٹکے ہوئے دو بلب روشن تھے۔

عمارت کے گھسے ہوئے زینوں اور میلی سنگی دیواروں سے ظاہر ہورہا تھا کہ کسی زمانے میں اسے نہایت فراخ دلی سے استعمال کیا گیا ہوگا مگر اس وقت وہاں پر ہول ویرانی کا راج تھا۔ وہاں کا ماحول کسی بھی کمزور دل آدمی کو خوف زدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔

پختہ فرش پر ہمارے قدموں کی آواز خاصی گونج پیدا کررہی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ہمارے میزبان کو ہمارے پہنچنے کا پیشگی علم ہوگیا۔ ہم دستک دیے بغیر کھلے ہوئے دروازے سے اندر پہنچ گئے۔ دروازہ کھولنے والا کوئی خدمت گار تھا جو ہمارے پہنچتے ہی باہر نکل گیا۔

اس کمرے میں دفتر کی کوئی علامت نہیں تھی۔ فرش پر گرد آلود اور بوسیدہ قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں کے ساتھ سات نشستوں کی گنجائش والے صوفے رکھے ہوئے تھے۔ ان ہی کی مناسبت سے پنچی میزیں تھیں۔ شیشے کی ایک الماری میں مختلف ضخامت کی فائلیں قرینے سے سجی ہوئی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کمرے میں کبھی کبھی لکھنے پڑھنے کا کام بھی ہوتا ہوگا۔

صوفوں پر پختہ عمر کے دو صحت مند افراد بیٹھے سگریٹ نوشی میں مصروف تھے۔ ان چہروں کی جھلک میں پچھلی رات دیکھ چکا تھا۔ انہوں نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر کفایت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ہاتھ ہماری طرف بڑھا دیے۔ اس وقت پتا چلا کہ الفا نامی صاحب کا نام جلال اور دوسرے کا رحمان تھا۔ انہوں نے اپنے عہدوں کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

"اچھا ہوا کہ تم چند منٹ پہلے آگئے۔" جلال نے کسی رسمی گفتگو کے بغیر براہِ راست بات شروع کردی "ہم پنڈت کا سامنا کرنے سے پہلے کچھ وضاحتوں کی ضرورت محسوس کررہے ہیں۔"

"اپنی معلومات کے مطابق ہم ہر وضاحت پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔" اول خان نے جواب دیا۔

جلال نے شفاف شیشوں کی عینک ناک پر ذرا نیچے سرکائی اور نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کردیں "تم ذہین ہو۔ ماضی میں تمہارا نام بہت کثرت سے سننے میں آتا رہا ہے۔"

وہ محتاط انداز میں شاید میری ستائش تھی۔ میں سرہلا کر رہ گیا۔

جلال نے اپنی بات جاری رکھی "وہ تین کاغذ تم نے پنڈت کے محفوظ ریکارڈ سے اڑائے تھے۔ کیا تم یہ بتانا پسند کروگے کہ تم پنڈت کی طرف کیوں متوجہ ہوئے تھے جبکہ عیاشیوں کے سوا اس کا ماضی بے داغ ہے۔"

تفتیش کے انداز میں کیا جانے والا وہ سوال بہت ٹیڑھا تھا مگر ان لوگوں نے ملک کے لیے پچھلی رات جو کارنامہ انجام دیا تھا اس کے پیش نظر میں نے بڑی نرمی سے کہا "اس کے ماضی کے سارے سیاہ داغ اس کی عیاشیوں میں ہی پوشیدہ تھے۔ اس کے ملنے جلنے والوں میں مشکوک افراد شامل تھے جو سرکاری اہل کاروں کے ساتھ بے تکلفی پیدا کرکے نادانستگی میں انہیں اپنا آلۂ کار بنالیتے تھے۔ دھن راج جو حال ہی میں پکڑا گیا ہے، نہ صرف اس کا دوست تھا بلکہ اس کی بیٹی موہنی پنڈت کا بھی بوائے فرینڈ ہے۔ وہ خود ان سب باتوں کا اعتراف کرے گا۔"

"موہنی پنڈت شاید مقامی ماڈل گرل ہے۔ انڈین قونصلیٹ

کے میجر بخشی سے گہرے میل جول کی وجہ سے اس کا نام ہماری لسٹ پر موجود ہے۔" اس مرتبہ رحمان نے میری بات کی تائید کی۔

"حیرت ہے کہ موہنی کا باپ ہونے کے باوجود پنڈت منوہر لال ہماری نظروں سے بچا رہا!" جلال نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ اس کے استفسار پر میں نے موسیٰ اور ملنگ کا ذکر کیے بغیر پنڈت کی سرگرمیوں کے بارے میں ہر بات ان کے سامنے اگل دی۔

اس کی مخصوص پارٹیوں میں غیر ملکیوں اور بعض صیہونی ایجنٹوں کی شرکت کا انکشاف ان دونوں کے لیے چشم کشا ثابت ہوا۔ غنیمت یہ ہوا کہ خفیہ اداروں کی مروجہ اخلاقیات کی وجہ سے اس نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میری معلومات کے ذرائع کیا تھے۔

"یہ سب جان لینے کے بعد تم اس کی راہ پر لگ گئے اور اس کے گھر سے کچھ کاغذات اڑا لانے میں کامیاب ہو گئے۔" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا "ان ہی میں وہ تین کاغذ بھی شامل تھے۔"

میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اس دوران میں اول خان سوال کر بیٹھا "ان کاغذوں کے بارے میں پنڈت خود کیا کہتا ہے؟"

"ابھی تک اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوئی۔" جلال نے کہا "پچھلی رات سے اسے بھوکا اور بیدار رکھا گیا ہے۔ اب تک اس کے اعصاب کمزور پڑ چکے ہوں گے۔ ہم تمہارے سامنے اس سے ملیں گے۔"

"وہ ڈھلتی ہوئی عمر کا آدمی ہے۔" اول خان نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "بھوک، پیاس اور بے خوابی کی کیفیات اسے اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیں گی۔"

جلال ایک مرتبہ پھر میری طرف متوجہ ہو گیا "ان تینوں کاغذوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"تل ابیب میں موساد کے فون نمبروں کا معما حل ہو چکا ہے۔" میں نے کہا "دوسرا مطبوعہ سرٹیفکیٹ یہ ثابت کرتا ہے کہ پنڈت جیوش انٹرنیشنل سیکرٹ سوسائٹی کا رکن ہے اور یہ سوسائٹی پاکستان کی ذرا بھی خیر خواہ نہیں ہو سکتی۔ تیسرے کاغذ پر ان لوگوں کا کوئی سائفر کوڈ ہو سکتا ہے۔"

"ظاہری امکانات یہی ہیں مگر الفانومرک سسٹم پر مشتمل وہ کرپٹوگرافی بہت دشوار ہے۔ اس میں انگریزی کے ہر حرف کے دو ہندسے مخصوص ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس زبان میں ایک چار حرفی لفظ آٹھ ہندسوں پر مشتمل ہو گا اور اسے اسی طرح ڈی کوڈ کیا جا سکے گا۔"

"دشوار نہیں، عملی طور پر ناممکن۔" رحمان نے اپنے ساتھی کی بات میں ٹکڑا لگایا۔

ان کا خدمت گار ایک ٹرے میں چائے کی چار پیالیوں کے ساتھ کچھ میٹھے اور نمکین بسکٹ لے آیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ان دونوں افسروں کو کام کے ساتھ مدارات کا بھی خیال ہے۔

چائے کا دور ختم کرتے ہی وہ دونوں اٹھ گئے۔ ہم نے ان کی تقلید کی۔

سیلن زدہ راہداری سے گزرتے ہوئے میں اس عمارت کے بارے میں اپنی رائے کے اظہار سے باز نہ رہ سکا۔ میں نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا "یہ عمارت باہر سے اندر تک خاصی ڈراؤنی اور ویران لگتی ہے...."

رحمان نے ہنس کر میری بات کاٹ دی "ان ہی خوبیوں کی وجہ سے یہ عمارت حاصل کی گئی ہے اور یہاں کا ماحول برقرار رکھا گیا ہے۔ بعض حصوں میں تمہیں چمگادڑیں بھی مل جائیں گی۔ یہاں صرف چار گن مین ہوتے ہیں۔ تمہارے لیے چائے لانے والا بھی گن مین تھا۔ ہم آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"شاید یہ عمارت خطرناک مجرموں سے تفتیش کے لیے مخصوص ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"یہاں لائے جانے والے قیدیوں کا کافی مورال خود بخود ڈاؤن ہو جاتا ہے۔ رات کو اندھیرے کمروں میں چمگادڑیں چیخیں مار کر پھڑپھڑاتی ہیں تو یہ ماحول اور ڈراؤنا ہو جاتا ہے۔"

صدف مینشن ان کے خاص خاص ملزموں سے تفتیش کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس مقصد کے لیے ایک کمرا نچلی منزل پر تھا۔ اوپر کے کمرے کبھی کبھی ہی کام میں لائے جاتے تھے۔

وہ دونوں اسی راہداری کے ایک دروازے پر رکے۔ فوراً ہی وہ دروازہ خشک آہنی قبضوں کی پر شور آواز کے ساتھ کھل گیا۔ اندر جاتے ہوئے ہم اس کمرے کے سامنے سے گزرے تھے تو وہاں ایسا گہرا سکوت چھایا ہوا تھا جیسے اندر کوئی موجود نہ ہو۔ دروازہ کھلتے ہی گن مین نے اپنے افسروں کو سلام کیا اور اپنی جیب سے چابیاں نکال کر اندرونی دروازے کا تالا کھولنے کے لیے بڑھ گیا۔

آہٹوں اور تالا کھلنے کی آوازوں پر اندر سے بڑبڑاہٹیں سنائی دینے لگیں۔ مقفل دروازہ کھلا تو وہ کمرا دو طاقت ور قمقموں کی تیز روشنی سے دمک رہا تھا۔ پنڈت منوہر لال کمرے کے وسط میں ایک چارپائی پر بیٹھا منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

وہ کمرا خاصا بڑا لیکن سامان سے خالی تھا تاکہ قیدی مایوسی کے عالم میں اپنی زندگی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ ایک گوشے میں اینٹوں سے بنی ہوئی کوٹھری تھی جو شاید باتھ روم کے طور پر قیدیوں کے لیے بعد میں بنائی گئی تھی۔

پنڈت نے ہم چاروں کو وحشت زدہ متورم آنکھوں سے دیکھا اور چارپائی سے اتر کر فرش پر کھڑا ہو گیا "تو اب پتا چلا کہ میں یہاں اکیلا نہیں ہوں، درندوں میں گھرا ہوا ہوں۔"

اس کی آواز کمزور تھی لیکن الفاظ بتا رہے تھے کہ اس کا دم خم باقی تھا۔

جلال بڑھ کر اس کے روبرو جا کھڑا ہوا۔ چند ثانیوں تک اسے قہربار نظروں سے گھورنے کے بعد جلال نے اس کے بائیں رخسار پر زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ پنڈت کے حلق سے ایک غراہٹ آزاد

ہوئی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے چلا گیا "ہم درندے نہیں' تم سے بہتر انسان ہیں۔ اگر تم نے اپنی زبان کو لگام نہ دی تو ہم درندگی بھی دکھا سکتے ہیں۔ یہ نہ بھولو کہ اس وقت تم ہمارے قیدی ہو۔"

"میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ تم مجھ سے کچھ نہیں اگلوا سکو گے۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر نفرت بھری آواز میں چیخا "میرے وکیل کو بلا دو۔ پھر دیکھنا کہ میں کیا کرتا ہوں۔"

"تم ٹھہرو۔ اسے میں دیکھتا ہوں۔" میں نے جلال سے کہا اور خود آگے بڑھ گیا۔ اس کے سر پر بالوں کی قلت تھی مگر جو بال تھے وہ خاصے لمبے تھے تاکہ ان کے ذریعے کھوپڑی کے بنجر حصوں کو چھپایا جاسکے۔ میں نے جاتے ہی اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر اس کے جبڑے پر ایک زوردار گھونسا رسید کیا اور اس کے دہانے کے ایک گوشے سے خون کی ہلکی سی لکیر بہہ نکلی۔

پنڈت کے ہاتھ غیر ارادی طور پر ہونٹوں تک گئے۔ چپچپاہٹ محسوس کرکے اس نے اپنی انگلیوں کو دیکھا اور چیخ پڑا "خون.... تم نے مجھے زخمی کیا ہے...."

وہ دیوانہ وار میری طرف لپکا تھا لیکن اسی جبڑے پر پڑنے والے دوسرے گھونسے نے اسے زمین بوس کردیا۔ اس کا وجود مختنی تھا مگر وہ حیرت ناک قوتِ برداشت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"تمہارے تینوں کاغذ ہمارے پاس ہیں۔ بتاؤ! تم ان کی کیا قیمت دے سکتے ہو؟"

میرے وہ فقرے اس کے ذہن پر بجلی بن کر گرے۔ وہ اپنی چوٹوں کو بھول کر میرا چہرہ دیکھنے لگا "اب تم مجھے بلیک میل کرو گے۔ میرے کاغذ میرے ہی ہاتھ بیچو گے۔"

"خریدنا چاہو تو سودا ابھی ہوسکتا ہے ورنہ وہ ریکارڈ کا ایک حصہ بن جائیں گے۔ تمہیں ابھی اور اسی وقت فیصلہ کرنا ہے۔ ہم زیادہ دیر تک تمہیں اپنی تحویل میں نہیں رکھ سکتے۔" اس کی مزاحمت کا ادراک کرتے ہی میں نے گفتگو کا رخ یکسر تبدیل کردیا تھا۔ شاید جلال اور رحمان اس تبدیلی پر بری طرح چونکے ہوں لیکن انہوں نے درمیان میں دخل انداز ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

"کک.... کیا تم یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ میں پولیس کی نہیں' تمہاری ذاتی تحویل میں ہوں؟" اس کی سرخ آنکھوں میں امید کی ایک نئی چمک عود کر آئی۔

"ہم میں سے کوئی اپنی وردی میں نہیں ہے اور تم لاک اپ میں بند نہیں ہو۔"

"اگر میں تم سے کوئی سودا نہ کروں تو تم میرا کیا بگاڑ لو گے؟" اپنی جبلت کے تحت وہ میری باتوں پر یقین کرنا چاہ رہا تھا مگر بے اعتباری میں مبتلا تھا۔

"تمہیں آزادی یا موت میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے۔" میں نے دوٹوک الفاظ میں کہا "تم بسیرا سے پکڑے گئے ہو۔ تمہاری گرفتاری دکھانی پڑے گی۔ تم سودا کرلیتے ہو تو وہ کاغذ تمہیں مل جائیں گے۔ تم سے نرم سلوک کیا جائے گا۔ تمہاری فائل بہت ہلکی بلکہ کمزور ہوجائے گی اور تمہارا وکیل تمہیں جلد ہی رہا کرالے گا۔ تم نے سودے سے انکار کیا تو وہ کاغذ تمہاری فائل میں جائیں گے۔ تم جانتے ہو کہ وہ تمہاری موت کے پروانے ہیں۔ غداری کی سزا ہر عدالت سے ایک ہی ملتی ہے اور وہ ہے سزائے موت!"

"مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔" وہ کراہا "تم نے مار مار کر میرے اوسان خطا کردیے ہیں۔ میرا دماغ کام نہیں کررہا۔ اپنا مطالبہ بتاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔ ایک دو روز میں کوئی فیصلہ کرلوں گا۔"

اس کی مکاری پر میں دل ہی دل میں ہنسا پھر سخت لہجے میں کہا "میں کہہ چکا ہوں کہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ تمہیں اسی وقت فیصلہ کرنا ہے کیونکہ آج شام تک تمہاری گرفتاری دکھانی ہے۔ وہ کاغذ ایک مرتبہ فائل میں چلے گئے تو انہیں واپس نہیں لیا جاسکے گا۔"

اس مکار بڈھے نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پلکیں جھپکائیں' بائیں ہاتھ کی پشت سے دہانے سے رواں خون صاف کیا "مگر وہ کاغذ تمہارے پاس کہاں سے آگئے؟ بسیرا میں میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ تم مجھے چکمہ دے کر لوٹنا چاہ رہے ہو۔"

لمحہ بھر کے لیے میں چکرا کر رہ گیا۔ مار کھانے اور بدحواس ہونے کے باوجود اس کی عقل پوری طرح کام کررہی تھی۔ کاغذ اس کے گھر سے چوری ہوئے تھے پھر وہ پولیس کے پاس کیسے آسکتے تھے۔ میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا اور کہا "رستم ان ہی کاغذوں کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ تمہارے گھر سے وہ سارے کاغذ ملک ممتاز نے اڑائے تھے۔ وہ رستم سے ان کا سودا کررہا تھا مگر ممتاز بھی ٹیڑھا آدمی ہے۔ وہ کاغذوں سمیت ہمارے ہاتھ لگ گیا اور اب تم بھی ہمارے قبضے میں ہو۔"

میری زبان اس وقت مشینی انداز میں چلتی گئی اور کہانی خود بخود موزوں ہوگئی۔

"تم جھوٹے ہو۔ میں کاغذ دیکھے بغیر تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کرسکتا۔" وہ مجھ سے حیلہ سازی کررہا تھا لیکن اس کا ذہن پوری طرح کام کررہا تھا۔ میں اپنے دل میں پشیمان تھا کہ میں نے پنڈت کی صلاحیتوں کا اندازہ لگانے میں اس قدر سنگین غلطی کیسے کی تھی۔

پنڈت کے اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ وہ اول خان کے ذریعے آئی بی والوں کی تحویل میں جاچکے تھے۔ میں نے باری باری رحمان اور جلال کی طرف دیکھا۔ جلال نے اپنی جیب سے ایک خاکی لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

"ذرا ہوشیار رہنا۔" اول خان نے مجھے لقمہ دیا "پنڈت ان کاغذوں کو ضائع کرنے کی کوشش بھی کرسکتا ہے۔"

میں نے لفافہ کھول کر وہ تینوں کاغذ نکالے اور فضا میں لہرا کر

دور سے پنڈت کو دکھائے۔ اول خان کی واضح وارننگ کے باوجود وہ حریصانہ انداز میں میری طرف لپکا اور رحمان نے پل بھر میں اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال کر اس پر تان لیا "رک جاؤ ورنہ گولی ماردوں گا۔"

پنڈت منوہر لال جہاں تھا وہیں رک گیا۔ اس کی نگاہیں کاغذوں پر ہی جمی ہوئی تھیں۔

میں نے چند قدم پیچھے ہٹ کر وہ کاغذ اپنے سامنے کرلیے "موساد کے چیف اور سیکریٹری کے فون نمبر جو تل ابیب کے ہی ہوسکتے ہیں' جس کی تاحیات رکنیت کا تصدیق نامہ اور تمہاری کرپٹو گرافی کا کوڈ چارٹ.... پاکستان میں یہ تین کاغذ تمہاری سزائے موت کے لیے کافی ہوں گے۔"

"تم بہت چالاک ہو۔" اس کی آواز پر پہلی مرتبہ شکست کے آثار غالب ہونے لگے "تمہارا ہوم ورک مکمل ہے۔ بتاؤ' ان کاغذوں کی کیا قیمت مانگتے ہو؟"

میں نے وہ تینوں کاغذ موڑ کر اطمینان سے لفافے میں ڈالے اور لفافہ جلال کو لوٹا دیا۔

"میں کچھ نہیں مانگتا۔ تمہاری بولی وہاں سے شروع ہوگی جہاں ملک ممتاز نے چھوڑی تھی۔ تین کاغذوں کے تین کروڑ سے آگے کی بات کرو۔" ذہنی طور پر اسے پوری طرح زیر کرنے کے بعد میں نے کہا۔

میری زبان سے تین کروڑ کے ذکر نے اسے پوری طرح قائل کردیا ہوگا کہ ملک ممتاز واقعی ہمارے قبضے میں آگیا ہوگا کیونکہ میں نے ملک ممتاز کے روپ میں رستم سے تین کروڑ کا ہی مطالبہ کیا تھا۔

"اتنی تو میری جمع پونجی بھی نہیں ہوگی۔" پنڈت نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

"ملک ممتاز نے تمہاری تجوری دیکھ لینے کے بعد ہی منہ کھولا تھا۔" میں نے جواب دیا "وہ ذرا بھی سیانا ہوتا تو کاغذ چھوڑ کر تمہاری تجوری سے اس سے زیادہ رقم اور زیورات لے جاسکتا تھا۔"

"بس پھر بات تین کروڑ پر ہی ختم کردو۔" پنڈت کسی حیل حجت کے بغیر آمادہ ہوگیا۔

میں اپنے دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈال کر ایک مرتبہ پھر اس کے سامنے پہنچ گیا "تم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ یہ کاغذ تمہارے ہی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"میں اپنے کاغذ خوب پہچانتا ہوں۔" وہ یک بیک پرسکون نظر آنے لگا تھا۔

میری ذرا سی چال بازی کے نتیجے میں وہ سب کچھ نہیں تو بہت کچھ اگل بیٹھا تھا۔ کاغذ اسی کے تھے' بہت اہم تھے اور اس نے ان کے بارے میں میری رائے کو چیلنج نہیں کیا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ جیبوں سے نکالے اور اس کے چہرے کو اچانک مکوں پر رکھ لیا۔ کمرا اس کی چیخوں سے لرزنے لگا۔

وہ کمرے کے فرش پر ایک ہی جگہ کھڑا ہوا' کسی شرابی کی طرح جھومتا اور اپنے چہرے کو میرے طوفانی مکوں سے بچانے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ آخر کار تیورا کر فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

اس کے گرتے تک سب خاموش کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اس کے گرتے ہی جلال قریب آکر محبت آمیز نرمی سے مجھے اپنے پہلو میں لے کر نکاسی کے راستے کی طرف بڑھنے لگا۔

جاتے جاتے میں نے حقارت سے پنڈت پر تھوک دیا "حرام زادہ.... سور کا بچہ.... ہر شخص کو اپنی طرح کوڑیوں کا غلام اور بکاؤ مال سمجھتا ہے۔"

پنڈت کے بدن پر تشنج کی سی کیفیت طاری تھی' اس کے کئی دانت ٹوٹ چکے تھے' چہرہ جگہ جگہ سے کٹ پھٹ گیا تھا۔ اس کا خون آلود چہرہ دیکھ کر میرے دل میں گویا ٹھنڈک سی اترنے لگی۔

"میں حیران رہ گیا تھا کہ ڈینی نے اس کے ساتھ کاغذوں کی سودے بازی کا کیا چکر شروع کردیا ہے۔" پنڈت کے کمرے سے نکلتے ہی رحمان نے ہر تکلف کو بالائے طاق رکھ کر بے تکلفی سے بولنا شروع کردیا "بعد میں متن کھلا کہ اس طرح اس سے اعترافات کروائے گئے ہیں۔"

جلال نے مجھے بدستور اپنے پہلو میں لیا ہوا تھا۔ اس نے میرے بدن پر دباؤ بڑھاتے ہوئے پوچھا "یہ ملک ممتاز کون ہے؟ تم اس کا ذکر نہ کرتے تو پنڈت ہرگز قابو میں نہ آتا۔"

"تم کل رات الفا تھے' آج جلال ہو' کل نہ جانے کیا بن جاؤ۔ اسی طرح کاغذ چراتے ہوئے میں ڈینی تھا اور رستم کے گھر میں پنڈت کی روپوشی کا سراغ لگاتے ہوئے ملک ممتاز بن گیا تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"رستم ان کاغذوں کے تین کروڑ دینے پر آمادہ ہوگیا تھا؟" جلال نے حیرت سے پوچھا۔

"آمادہ نہیں ہوا تھا' مطالبہ سن کر حیران ہوا تھا۔ بات آگے بڑھتی تو آمادہ بھی ہوجاتا۔ تم نے دیکھا کہ پنڈت کتنی آسانی سے اس سودے کے لیے تیار ہوگیا۔"

"اور تم نے وہ موقع ٹھکرا دیا۔" رحمان نے رشک آمیز لہجے میں کہا "کاش! اس ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنے والوں کو یہ معلوم ہوسکے کہ تم جیسے ایک عام پاکستانی نے وطن کی محبت کے لیے کتنی بڑی دولت کو لات ماری ہے۔ صاف اور سچے ضمیر کے بغیر ایسے فیصلے نہیں کیے جاسکتے۔"

پنڈت منوہر لال سے پوچھ گچھ کے دوران میں رونما ہونے والے ڈرامائی موڑ کے نتیجے میں ہمارے اور آئی بی والوں کے درمیان حائل تکلف کی دیوار یکایک ہی گر گئی اور ہمارے درمیان خوشگوار گفتگو کا سلسلہ شروع ہوگیا جس میں وہ دونوں کسی بجلی یا

کفایت کے بغیر ہمارے کردار کو سراہ رہے تھے۔
دفتر کے طور پر استعمال ہونے والے کمرے میں واپس پہنچ کر جلال نے کہا "پنڈت کے بارے میں میرے اندازے بالکل غلط ثابت ہوئے۔ وہ میری توقع سے کہیں زیادہ سخت جان اور ضدی ہے۔"
"گلو خلاصی کے لیے بدحواسی کا عذر پیش کرتا رہا' جوں ہی ڈیزی نے ان کاغذات کے حوالے سے بات گھمائی اور اسے یقین ہوگیا کہ وقت نہیں مل سکے گا تو اس کی حاضر دماغی قابلِ رشک تھی۔"
اول خان نے ہنستے ہوئے کہا "ہمارے پاس کاغذوں کی موجودگی پر شبہ ظاہر کرکے اس نے مجھے حیران کردیا تھا۔"
"اس میں کوئی نہ کوئی وصف ہے جو ایک بین الاقوامی صیہونی تنظیم نے اسے اپنا تاحیات رکن بنایا ہوا ہے۔" میں نے انہیں یاد دلایا "متعصب یہودی اپنی صفوں میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کو کم ہی شامل کرتے ہیں۔"
"آج تم نے ثابت کردیا کہ میں نے تم دونوں کو بلا کر بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا۔" جلال نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "ہمیں ان تینوں کاغذوں کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ تم اندر کی کہانیوں کا حوالہ نہ دیتے تو شاید وہ ان کاغذوں سے اپنا تعلق تسلیم کرنے سے بھی انکار کردیتا۔"
"ابھی ہم نے صرف ایک مرحلہ سر کیا ہے کہ اس سے اس کے گناہوں کا اعتراف کرایا ہے مگر ہم اب بھی ایک بند گلی میں ہیں۔" میں نے کہا "ہمیں اگلوانا ہوگا کہ یہاں اس کے کیا روابط ہیں۔"
"ملک سے باہر بھی وہ معلومات فراہم کرنے کے لیے کسی نہ کسی کو جواب دہ ہوگا۔" رحمان نے کہا۔
"یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے پاس موساد کے چیف اور سیکریٹری کے فون نمبر کیوں تھے۔" جلال نے سگریٹ سلگا کر پرخیال لہجے میں کہا "پاکستان سے وہ نمبر ملائے نہیں جاسکتے۔"
"پنڈت کثرت سے بیرون ملک جاتا آتا رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے خفیہ طور پر' کسی فرضی پاسپورٹ کے سہارے اسرائیل کا سفر بھی کیا ہو۔" اول خان نے شبے کا اظہار کیا۔
"میں ڈیزی کی رائے سے متفق ہوں۔" جلال نے کہا "اس بند گلی سے نکلنے کے لیے ابھی ہم کو پنڈت پر خاصی محنت کرنی پڑے گی۔ یہ کام کراچی میں رہ کر بہتر طور پر آگے بڑھ سکتا ہے۔"
"اسلام آباد میں لوگ پنڈت کے منتظر ہیں۔ ہم اسے کب تک یہاں روک سکیں گے؟" رحمان نے پوچھا۔
جلال نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر دھویں کے دائرے فضا میں بکھیرے اور کہا "میں بات کروں گا۔ اگر ہم اسے یہاں روکے رکھنے میں کامیاب نہ ہوئے تو ان دونوں کو بھی ہیڈ کوارٹرز بلانا پڑے گا۔"

"تمہیں علم ہے کہ میں اپنے ڈسپلن کا پابند ہوں۔" اول خان نے مسکرا کر کہا "اوپر کی اجازت کے بغیر اپنا اسٹیشن نہیں چھوڑ سکوں گا۔"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" جلال نے بے پروائی سے جواب دیا "تمہارے چیف کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ تم اور ڈینی' آئی بی کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہو۔ عام طور پر ہم دوسری ایجنسیوں سے دور اور الگ تھلگ رہ کر اپنے انداز میں کام کرتے ہیں لیکن پنڈت بنیادی طور پر تمہارا کیس ہے۔"

"ہم تمہارا بچہ تم سے چھیننا نہیں چاہتے۔" رحمان کے اس فقرے پر فضا قہقہوں سے گونج اٹھی۔

"پنڈت ہم میں سے کسی کا نہیں' سور کا اور وہ بھی ناجائز بچہ ہے۔" قہقہے تھمنے پر میں نے تلخی سے کہا "اس سے معلومات نچوڑنے کے بعد ہمیں جلد از جلد اسے اس کے انجام کو پہنچا دینا چاہیے۔"

جلال کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آگئی "ہم اس کے مجاز نہیں ہیں۔ ہمارے ملزموں کو عدالتیں ان کے انجام تک پہنچاتی ہیں۔ جو کام چل پڑا ہے' اس میں رکاوٹ نہیں آئے گی۔ اسے بہت جلد قانون کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کارروائی کا انحصار ہماری تفتیش پر ہے۔"

"ہم اعتماد کی فضا میں مل بیٹھ کر قانون کی باتیں کر رہے ہیں تو میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اس وقت ڈینی کی پوزیشن کیا ہے" سکوت کا وقفہ آتے ہی اول خان نے ایک اہم سوال اٹھا دیا۔

"ہمارے ریکارڈ پر ڈینی ایک مفروضہ آسیب کا نام ہے جو کہیں نہیں پایا جاتا۔"

"لیکن کچھ عرصے پہلے آئی بی کو بھی اس کی تلاش رہتی ہے۔" اول خان نے ماضی کا حوالہ دیا۔

"آئی بی ایک آئینی ادارہ ہے۔ کچھ دوستوں کی خوشنودی کے لیے ان کی شکایات پر کوئی نہ کوئی کام کرنا پڑتا ہے۔ اس کی حیثیت ریکارڈ تک محدود رہتی ہے۔ فیلڈ میں کام کیا جاتا تو ان کی اشتہاری مہمات کا کوئی نہ کوئی نتیجہ نکل سکتا تھا جو نہیں نکلا اور تم دونوں یہاں موجود ہو۔" جلال نے جواب دیا۔

"میں سمجھ گیا۔" جلال نے بین السطور جو کچھ کہا' وہ بہت واضح اور اطمینان بخش تھا۔

"لیکن میرا ایک مشورہ ہے۔" جلال نے مجھ سے کہا "وہ جب بھی سرگرم ہوں' تمہیں روپوش ہو جانا چاہیے' وطن دوست قوتوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ یہ پالیسی اپنے نفاذ کی ایک خاص سطح پر جا کر فائلوں میں غائب ہو جاتی ہے۔ پالیسی سب سے نچلی سطح تک نہیں پہنچائی جا سکتی۔ بے خبری' غیر ضروری کارکردگی دکھانے کے شوق یا انعام کے لالچ میں اس سطح کا کوئی بھی اہل کار تمہیں گزند پہنچا سکتا ہے۔"

وہ کھل کر براہِ راست کوئی بات نہیں کہہ رہا تھا لیکن اس کا پیغام جواب میں پنہاں تھا۔ اپنے عہدے کی ذمے داریوں کی بنا پر وہ ایک خاص حد سے تجاوز کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں نے آنکھ سے اشارہ کر کے اول خان کو وہ موضوع وہیں ختم کرنے پر مجبور کر دیا۔

صدف مینشن کے اس کمرے میں چائے کا ایک الوداعی دور چلا اور پھر ہم دونوں اٹھ گئے۔ واپسی پر جلال اور رحمان نے صدر دروازے سے ہمیں رخصت کیا تھا۔

راستے میں مجھے خیال آیا کہ ہم نے ان دونوں کو دھن راج کے بارے میں خصوصی توجہ کا احساس نہیں دلایا تھا۔ وہ ہتھیاروں کی غیر قانونی ترسیل کے چکر میں پکڑا گیا تھا لیکن کئی سازشی حوالوں سے اس کے ہاتھ پیر کافی دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

اول خان کی رائے بہت مختلف تھی۔ اس کی دانست میں جلال اور رحمان آئی بی کے سینئر اور تجربے کار افسران تھے اور سیکڑوں فقروں میں سے کام کی بات چن لینے کی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے پنڈت اور اس کی بیٹی موہنی کے حوالے سے دھن راج کا نام سنتے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ اس معاملے میں کار آمد ثابت ہو سکے گا۔

گھر پر سلطان شاہ بے زاری کے عالم میں چوکی داری کے فرائض انجام دے رہا تھا اور ڈرائنگ روم میں ٹیلی وژن آن کر کے اپنا دل بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس سے پتا چلا کہ دونوں عورتیں قرب وجوار کے بازاروں کا جائزہ لینے کے ارادے سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔

غزالہ پر اس روز دیرا سے ہمدردی کا جو شدید دورہ پڑا ہوا تھا' اس کی بنا پر میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ غزالہ اسے دل بہلانے کے لیے ساتھ لے کر گھر سے نکلی ہوگی۔

"دونوں عورتوں کے بغیر گھر ویران اور خالی خالی سا محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"مگر صدف مینشن سے کم۔" اول خان دھیرے سے ہنسا پھر بولا "یہ مجھ سے پوچھو۔ پچھلی رات میں نے خالی گھر میں گزاری تھی۔ بیوی بچوں کے بغیر در و دیوار کھانے کو آ رہے تھے۔"

ہمیں گھر پہنچے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ وہ دونوں واپس آ گئیں۔

سلطان شاہ پنڈت کے کاغذوں کے بارے میں پہلے ہی میرا ہم خیال ہو چکا تھا۔ اس کے لیے صدف مینشن کی کہانی میں کوئی سنسنی نہیں تھی لیکن جب اول خان نے اس بارے میں دیرا کو بتایا تو وہ متحیر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ وہ ابتدا سے میرے قائم کردہ نظریے سے متفق نہیں تھی۔

"اب آئی بی والے خود ہی اس سے نمٹتے رہیں گے۔" یہ قصہ اب ختم ہی سمجھو۔ وہ بولی۔

"ختم کہاں؟ اصل سلسلہ تو اب شروع ہوگا۔ وہ کن ڈوریوں

کو ہلا رہا تھا۔ ان کے سروں پر کون سے مہرے موجود تھے اور وہ خود کس کے اشاروں پر ناچ رہا تھا؟" اول خان نے کہا۔

"سلسلہ تو ضرور چلے گا مگر اس سے تمہیں کیا لینا ہے۔ ملزم ثبوت سمیت آئی بی والوں کے پاس ہے۔"

"پنڈت بہت سخت جان ہے۔ وہ اس سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکتے تھے۔ ڈینی نے اپنے کرتب سے اسے زبان کھولنے پر مجبور کردیا۔ اب وہ پھنس چکا ہے۔"

"کوئی مجرم کتنا ہی سخت جان کیوں نہ ہو' تھرڈ ڈگری کے سامنے زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ تم دونوں اپنے کرتب نہ دکھاتے تو وہ دو چار دن بعد بولنے پر مجبور ہو جاتا۔" ویرا نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"تم رابن مائر کے بارے میں کیوں نہیں بتا رہیں؟" غزالہ نے اسے ٹوکا۔ اس نے محسوس کرلیا تھا کہ ویرا نے اپنے تبصرے کے ذریعے میری کارکردگی گھٹانے کی کوشش کی تھی۔

وہ ویرا کا ذاتی ردعمل تھا۔ اسے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا پورا حق حاصل تھا۔ میرے لیے اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔

"یہ رابن مائر کا کیا قصہ ہے؟" اول خان نے پوچھا اور ویرا سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگئی۔

"صبح تم بہت باریک بینی سے اخبار چاٹ رہے تھے۔" سگریٹ سلگا کر اس نے طنزیہ لہجے میں مجھ سے پوچھا "اس کا نام تو تمہاری نظروں سے بھی گزرا ہوگا؟"

"میں اس نام کی اہمیت سے لاعلم ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میں نے اسے نظرانداز کردیا ہو۔"

"وہ امریکی وزارتِ خارجہ میں مشرقِ وسطیٰ کے معاملات کا ماہر سمجھا جاتا ہے۔" اس بار وہ اول خان سے مخاطب ہوگئی "کل وہ چند روزہ دورے پر اسلام آباد جانے کے لیے کراچی پہنچا ہے۔"

"ایسے ماہر آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس کے آنے میں کیا خاص بات ہے؟"

"وہ یروشلم کا بہت متعصب یہودی ہے۔ اس کا خاندان دوسری جنگِ عظیم کے بعد امریکا میں آباد ہوگیا تھا۔ وہ آج بھی اسرائیلی مفادات کا بہت بڑا علم بردار سمجھا جاتا ہے۔"

"اس کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔" اول خان نے تعریف کی "اس وقت اس کی کراچی میں موجودگی واقعی معنی خیز ہے۔ براہِ راست اسلام آباد جانے کے بجائے وہ یہاں کیوں رکا ہے؟"

"بس۔" میں یہی نکتہ واضح کرنا چاہ رہی تھی۔ پنڈت منوہر لال کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ اس سے رابطہ ٹوٹ جانے پر موساد اور "جس" والوں کو تشویش ہے۔ حالات کا جائزہ لینے کے لیے کوئی اسرائیلی اہل کار پاکستان کا رخ نہیں کرسکتا۔ یہ ذمے داری شاید رابن نے اپنے سر لے لی ہے۔"

"اس کی سرگرمیوں پر صرف نظر ہی رکھی جاسکتی ہے۔" اول خان نے مایوسی سے کہا "سفارتی مراعات کی آڑ میں کی جانے والی بدمعاشیوں کا کوئی سدباب نہیں کیا جاسکتا۔"

"جب تم میجر بخشی کے کرتوتوں سے واقف ہوتے ہوئے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو رابن ایک بڑی طاقت کا نمائندہ ہے۔ بے بسی سے تماشا دیکھتے رہو۔ میں نے اپنا فرض پورا کردیا ہے۔"

"وہ میجر بخشی کی طرح یہاں ٹکا نہیں رہے گا۔ خاموشی سے حالات کا جائزہ لے کر واپس چلا جائے گا۔" میں ویرا کی سرد مہری پر خاموش نہیں رہ سکا۔ اس سے ہمیں ویسے بھی کوئی سروکار نہ ہونا چاہیے۔ اگر اس کا قیام طول پکڑتا ہے تو پھر ہمیں اس کو دیکھنا پڑے گا۔"

"تم اسے اتنی آسانی سے نہیں دیکھ پاؤ گے۔" ویرا نے مضحکہ اڑایا "امریکا نے اس علاقے کو اپنے شہریوں کے لیے مخدوش قرار دے کر انہیں بہت زیادہ محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ وہ سخت حفاظتی بندوبست کے بغیر کہیں بھی نہیں جائے گا۔"

پھر تو اس کی آمد کا اصل مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔" میں نے اس کی بات پکڑلی "گھر اور دفاتر کی چار دیواروں میں محدود رہ کر وہ کچھ بھی نہیں کرسکے گا۔"

"اس کی یہ مجبوری ہمیں کوئی نہ کوئی موقع فراہم کرسکتی ہے۔" غزالہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ وہ ہمارے معاملات میں بہت کم دخل انداز ہوتی تھی مگر جب بھی بولتی تھی' دور کی کوڑی لاتی تھی۔

سب کی نگاہیں اپنے چہرے پر مرکوز پا کر اس نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی "اگر اس کے عزائم نیک نہیں ہیں تو خفیہ طور پر باہر نکلنا اس کی مجبوری ہے۔ ہماری انتظامیہ اس کے تحفظ کی کوئی ذمے داری ہی نہ لے۔ اپنی حکومت کی ہدایات کے برعکس وہ شہر کی خاک چھانتا ہے اور کسی برے انجام سے دوچار ہوتا ہے تو اس کے لیے کسی کو بھی ذمے دار نہیں ٹھہرایا جاسکے گا۔"

"گڈ! یہ تجویز قابلِ عمل ہے۔" اول خان نے ستائشی لہجے میں کہا "ہمیں اس کی سرگرمیوں کی کڑی نگرانی کرنی ہوگی۔ مقررہ پروگرام یا راستے سے انحراف کرتے ہی وہ ہمارے نشانے پر ہوگا۔"

"اس کے خلاف کسی بھی کامیابی پر مجھے دلی مسرت ہوگی۔ امریکا میں' میں نے اس کی وجہ سے دو راتیں ایک حوالات میں گزاری تھیں۔" ویرا نے تلخ لہجے میں انکشاف کیا۔

"شاید اسی وجہ سے تم اس کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"اس نے تمہیں حوالات میں کیوں پہنچا دیا تھا؟" غزالہ نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

”وہ اس وقت بھی کسی اہم عہدے پر تھا۔ ایک پارٹی میں اس نے مدہوشی کے عالم میں مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی تو میں نے اس کی ٹائی پکڑ کر دو تھپڑوں سے نواز دیا تھا۔ بھری پارٹی میں اپنی اس تذلیل کا بدلہ لینے کے لیے اس نے مجھے بند کرا دیا۔“

”اپنی بے گناہی کے باوجود تم نے خاموشی سے دو دن کی قید سہ لی؟“ سلطان شاہ نے پوچھا۔

”بے گناہ تھی اسی لیے دو دن بعد آزاد ہو گئی۔ اس سے آگے اس کا رسوخ کام نہیں آسکا۔“

”حیرت ہے کہ امریکا میں بھی ذاتی اثر و رسوخ کے سہارے اس طرح شخصی آزادیاں تباہ کی جاتی ہیں۔“ سلطان شاہ اونچی آواز میں بڑبڑایا ”سنا تو یہ ہے کہ امریکا آزادیوں کی جنت ہے۔“

”امریکا میں بھی انسان ہی رہتے ہیں۔ انسان جہاں بھی رہے گا' وہاں خرابیاں ضرور پیدا ہوں گی۔ یہاں یہ خرابیاں بہت زیادہ ہیں' امریکا میں بہت کم۔“ ویرا نے وضاحت کر کے بات وہیں ختم کر دی۔

وہ لوگ اپنی باتیں کرتے رہے اور میرا ذہن واقعات کی کڑیاں ملانے کی کوشش میں الجھا رہا۔ میں ان کی ہر بات سن رہا تھا لیکن ذہنی طور پر ان کے ساتھ نہیں تھا۔

پنڈت منوہر لال' موساد اور رابن مائر۔ وہ ایک خطرناک مثلث تھی جو مسلسل میرے ذہن میں چکرا رہی تھی لیکن کوئی سرا نہیں مل رہا تھا۔ اگر رابن کا پاکستان کا دورہ پنڈت کے بارے میں تھا تو وہ خطرات سے اپنا دامن بچا کر کیا قدم اٹھا سکتا تھا اور کہاں جا سکتا تھا۔

معاً میرے ذہن میں موہنی پنڈت کا نام ایک کوندے کی طرح لپکا۔ رابن کو اسی سے پنڈت کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔ ویرا نے اس کی آمد کی خبر اخبار میں پڑھی تھی جس کا مطلب تھا کہ رابن شہر میں ایک رات گزار چکا تھا اور شاید موہنی سے ابتدائی رابطہ بھی کر چکا ہو۔ بیان قلم بند کرنے کے بعد پولیس نے موہنی کو رہا کر دیا تھا۔

”کیا تم پنڈت کے گھریلو فون پر فوری طور پر آبزرویشن لگوا سکتے ہو؟“ میں نے اول خان سے پوچھا۔

”پنڈت کے پکڑے جانے کے بعد بھی تم اس کی ضرورت محسوس کر رہے ہو؟“ اس نے حیرت سے دریافت کیا۔

”رابن اس کی بیٹی سے رابطہ کر سکتا ہے۔ یہ بہت ضروری ہے۔“

”بندوبست ہو جائے گا لیکن فون کی نگرانی شروع ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔“

”جتنا بھی وقت لگے' یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہیے۔ موہنی پنڈت اور رابن کی نقل و حرکت اور رابطوں پر نگاہ رکھ کر ہم جلد ہی کسی نتیجے پر پہنچ سکیں گے۔“

”پھر مجھے جانا ہو گا۔“ وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ”فون کے مقابلے میں میرا جانا زیادہ موثر رہے گا۔“

”بس جاؤ اور رابطے میں رہنا۔“ میں نے اسے فوراً ہی رخصت کر دیا۔

○☆○

شام تک اول خان اپنے مورچوں پر تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔ رابن مائر نے اسلام آباد روانگی کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا اور اپنے مقامی قونصل خانے کے گیسٹ ہاؤس میں مقیم تھا۔ ایس ٹی ایف کے دو سادہ پوش اہل کار اس کی نگرانی پر مامور کر دیے گئے تھے مگر مشکل یہ تھی کہ ان کے پاس رابن مائر کو شناخت کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اس کا صرف سفید فام ہونا کسی دھوکے کا سبب بھی بن سکتا تھا۔

میں نے اس کے بارے میں ویرا سے استفسار کیا تو وہ بھی رابن کی کوئی خاص شناخت نہیں بتا سکی۔ وہ بہت عام سے چہرے مہرے کا مالک تھا۔ گوروں کی بھیڑ میں اسے الگ پہچاننا مشکل تھا۔ کامیابی کی کوئی امید نہ ہونے کے باوجود اول خان نے اپنا کام پورا کر دیا تھا۔

اسی طرح پنڈت منوہر لال کے گھر پر موجود ٹیلی فون لائنیں نگرانی میں آگئی تھیں۔ اپنے باپ کی طویل روپوشی اور دھن راج کی گرفتاری سے خوف زدہ ہو کر موہنی اپنے گھر میں ہی محصور تھی اور وقفے وقفے سے مختلف لوگوں کو فون کر رہی تھی۔

اول خان نے متعلقہ ٹیلی فون ایکسچینج میں اپنا آدمی بٹھا دیا تھا جو

ریکارڈ ہونے والی کالز کو ساتھ ساتھ مانیٹر...کرتا جارہا تھا۔ اول خان نے اہم نکات کے بارے میں اسے خود بریفنگ دی تھی۔ اسے توقع تھی کہ کسی بھی جانب سے کوئی اہم پیغام ریکارڈ ہوتے ہی اس کا آدمی اسے اطلاع دے دے گا۔

وہ خود اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اس کی دانست میں یہ بات کافی اہم تھی کہ رابن نے اسلام آباد کے لیے اپنی روانگی کو التوا میں ڈال دیا تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس نے کراچی میں رک کر کوئی اہم کام نمٹانے کا ارادہ کرلیا ہو۔

وہ خبریں دینے کے بعد ہی اول خان کا پھر فون آیا۔ میں نے پہلی گھنٹی پر ہی ریسیور اٹھالیا۔

"ابھی اپرٹیس پر جلال نے رابطہ کیا تھا۔ ہم بالکل صحیح ٹریک پر چل رہے ہیں۔" اس کی آواز میں جوش اور ہیجان کی کیفیات نمایاں تھیں۔

"کیا وہ پنڈت سے کچھ اور اگلوانے میں کامیاب ہوگیا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"کاغذوں کے بھید کھل جانے کے بعد اس کا حوصلہ ٹوٹ چکا ہے۔ وہ دونوں دوبارہ اس کے کمرے میں گئے تھے۔ اس نے کسی مزاحمت کے بغیر ہر سوال کا جواب دیا۔ اس باز پرس کا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ وہ اپنی جمع کی ہوئی ساری اطلاعات ہندسوں والے کوڈ میں یک جا کرکے رابن مائر کو فیکس کرتا رہا ہے۔ امریکا سے وہ مواد' تل ابیب منتقل کرنے کی ذمے داری رابن کی ہوتی تھی۔"

"اسے بھی اسی ذریعے سے ہدایات ملتی ہوں گی؟"

"یوں سمجھ لو کہ واشنگٹن میں رابن کا دفتر' پنڈت اور موساد کے درمیان پوسٹ آفس کے طور پر کام کرتا رہا ہے۔ ویرا نے آج بالکل صحیح خبر کی نشان دہی کی تھی۔ غنیمت یہ ہے کہ وہ مردود اسلام آباد جانے کے بجائے یہیں بیٹھا ہوا ہے۔"

"یہ غیبی اشارے ہیں۔" سی ایس ڈی آن ہونے کی وجہ سے میں نے بے فکری سے کہا "ہوسکتا ہے کہ اس کی موت ہی اسے امریکا سے کھینچ کر یہاں لائی ہو۔"

میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ رابن کے بارے میں پنڈت کا وہ بروقت اعتراف اس کی موت کا وارنٹ بننے والا تھا۔ اس کی کوئی بھی لغزش ہمارے لیے کامیابی کا سبب بن سکتی تھی۔

"میں تمہاری اس نیک خواہش کے لیے بس دعا ہی کرسکتا ہوں۔"

"بس وہیں جمے رہو۔ کہیں نہ کہیں سے کوئی اچھی خبر بھی آئے گی۔ پنڈت اس قدر مایوس ہوگیا ہے تو اس نے اپنے مقامی ذرائع کی بھی نشاندہی کردی ہوگی۔"

"صرف تین آدمی اس کے لیے معاوضے پر کام کرتے ہیں۔ بقیہ معلومات وہ گہری دوستیوں کے ذریعے حاصل کرتا رہا ہے۔ اس بارے میں اس کے گھر پر منعقد ہونے والی پرتعیش محفلیں اہم کردار ادا کرتی تھیں۔"

"یہ سب گھر کے معاملات ہیں۔ انہیں بعد میں بھی سلجھایا جاسکتا ہے۔ اس وقت ہمیں اپنی ساری توجہ صرف اور صرف رابن پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ وہ اپنا نامعلوم مشن پورا کرتے ہی یہاں سے بھاگ نکلے گا۔"

"کل رستم کا صفایا ہوا' آج کس کی باری ہے۔" سلطان شاہ نے خواب گاہ کے دروازے پر رک کر پوچھا۔

"وقت کا تعین نہیں کیا جاسکتا لیکن قرائن رابن مائر کی نشان دہی کررہے ہیں۔" فون بند کرنے کے بعد میں نے اسے اندر بلاتے ہوئے کہا "وہ کراچی اور تل ابیب کے درمیان رابطے کا کام سرانجام دیتا تھا۔"

"اب میں گھر پر نہیں رکوں گا۔" اس نے کرسی سنبھال کر شکایتی لہجے میں کہا۔

"ابھی کچھ طے نہیں ہوا۔ یہ ہماری توقعات ہیں۔ ضرورت پڑی تو تم ہی سے کام لیا جائے گا۔"

وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا' میں مسہری پر نیم دراز تھا کہ ویرا بھی کھلے ہوئے دروازے پر آگئی۔ وہ بس لمحے بھر کے لیے وہاں رکی اور کچھ کہے بغیر آگے' اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"یہ کل سے کچھ بھڑکی ہوئی ہے۔" سلطان شاہ نے آگے جھک کر رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو۔ روٹھنا اور خود ہی من جانا اس کی عادت میں شامل ہے۔"

"پھر بھی کچھ تو پتا چلے کہ قصہ کیا ہے۔" ویرا کے بارے میں وہ بھی تجسس میں مبتلا رہتا تھا۔

"اس کے خوش یا ناراض ہونے کے لیے کسی قصے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ بات تم جانتے ہو۔"

وہ سرہلا کر احمقانہ انداز میں ہنسنے لگا۔ ہنستے ہنستے وہ رکا اور پھر سوال کر بیٹھا "رستم کی موت کے بارے میں تمہارے کیا جذبات ہیں؟ کیا وہ واقعی پنڈت کے ساتھ موساد کے لیے کام کررہا تھا؟"

"ایک قاتل اور مجرم کی موت کے بارے میں کسی کے کیا خیالات ہوسکتے ہیں؟" میں نے الٹا اسی سے سوال کرڈالا پھر کہا "موت بھی ایسی جو حرام موت ہو۔ اسے کسی نے نہیں مارا۔ میرا خیال ہے کہ وہ موساد والے چکر میں ملوث نہیں تھا۔ اس نے اپنی آن بچانے اور پنڈت سے دوستی نبھانے کی خاطر ایک غلط فیصلہ کیا۔ وہ گرفتاری دے دیتا تو شاید معاملہ سزا سے آگے نہ بڑھ پاتا۔ اس کے حق میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔"

"میں تم سے متفق نہیں ہوں۔ اگر وہ پنڈت کا ساتھی نہیں تھا تو اس نے تم سے وہ کاغذ حاصل کرنے کی کوشش کیوں کی تھی؟ اسے علم تھا کہ وہ کاغذ کیا اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ ان کی واپسی کے لیے بے چین تھا۔"

"اس کا قصہ ختم ہوگیا۔ اس کا زندہ ہونا ناممکنات میں سے

ہے۔ ویسے تمہاری دلیل وزنی ہے۔ اس بارے میں کسی وقت پنڈت ہی کو ٹٹولنا پڑے گا۔ کس بل نکل جانے کے بعد وہ ہر بات بتاتا جارہا ہے۔"

"اس کا نام شاید اس وجہ سے میرے ذہن سے چپک کر رہ گیا ہے کہ اس کے ساتھ اس کے لاڈلے نواسے کو بھی مرنا پڑا۔ وہ اکیلا مرا ہوتا تو مجھے بھول کر بھی اس کا نام یاد نہ آتا۔"

"اب میں تمہاری زبان سے یہ تذکرہ نہ سنوں۔" میں نے اسے گھور کر کہا۔

"اس نے خاموشی اختیار کرلی مگر وہیں کمرے میں جما رہا۔ اسے بھی اول خان کی طرف سے کسی مثبت اطلاع کا بے چینی سے انتظار تھا۔

ہمارا وہ انتظار طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا لیکن اول خان کی طرف سے کوئی نیا پیغام نہیں ملا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے واقعات برق رفتاری سے آگے بڑھتے بڑھتے اچانک ایک مقام پر ٹھہر گئے ہوں۔

آٹھ بجے کے قریب کال بیل چیخ اٹھی۔ سلطان شاہ کمرے سے نکل کر تقریباً دوڑتا ہوا باہر چلا گیا۔ میں بھی بستر چھوڑ کر تیزی سے باہر نکل آیا۔ گھنٹی کی ناوقت آواز نے مجھے پریشان کردیا تھا کیونکہ وہاں ہمارے کسی ملاقاتی کی آمد متوقع نہیں تھی۔ اس گھر کا فون نمبر جہانگیر کے پاس تھا' پتا اسے بھی معلوم نہیں تھا پھر وہ اس کی فارمیسی بند ہونے کا وقت تھا۔ دکان بند کرکے وہ اتنی جلد گلشن اقبال نہیں پہنچ سکتا تھا۔

وہ بس ذرا سی دیر کی تشویش تھی۔ چند منٹ بعد ہی غیر متوقع طور پر اول خان اندر آگیا۔

"موہنی کی ایک بہت اہم کال ریکارڈ ہوئی ہے۔ میں فون پر پیغام دینے کے بجائے ایکسچینج سے ٹیپ لیتا ہوا سیدھا ادھر ہی چلا آیا۔ ذرا اپنا کیسٹ پلیئر منگوالو۔" اس نے آتے ہی کہا۔

گھنٹی کی آواز پر ویرا اور غزالہ بھی لابی میں آموجود ہوئی تھیں۔ سلطان شاہ لپک کر ویرا کے کمرے میں سے کیسٹ ریکارڈر لے آیا اور ہم پانچوں ڈرائنگ روم میں جمع ہوگئے۔

"کیسٹ کے اے سائیڈ پر محض خرافات ہیں۔ اس کا سائیڈ بی چلاؤ۔" اول خان نے ہدایت کی۔

"کیسٹ بھی چل جائے گا۔ یہ تو بتاؤ کہ اس کال میں کیا بات اتنی اہم ہے کہ تم اسٹیشن فور سے دوڑ لگا کر خود یہاں چلے آئے۔" ویرا نے اول خان کے رویے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

"چاہتا تو یہ ہوں کہ کال سننے سے پہلے تجسس دور نہ ہو لیکن اس پیغام کا خلاصہ بتادینے میں ہرج بھی نہیں ہے۔ شاید آج رات رابن نے موہنی سے ملنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"اس میں شاید والی کیا بات ہے؟ تم نے کال نہیں سنی؟" ویرا نے پوچھا۔

"میں نے جو سنا' وہ بتادیا۔ کیسٹ تمہارے ساتھ سنوں گا۔ میں ایکس چینج میں رک کر چند منٹ ضائع کرنے کے بجائے سیدھا ادھر ہی چلا آیا۔ اس وقت ایک ایک منٹ اہم..."

کیسٹ چل پڑا۔ اول خان سمیت سب نے خاموشی اختیار کرلی۔

گھنٹی بجی اور پھر ایک مترنم نسوانی آواز ابھری "ہیلو! موہنی اسپیکنگ!"

"ہائے موہنی! یار کیا حال ہیں تیرے۔" دوسری نسوانی آواز بھی بہت جان دار اور خوشی سے بھرپور تھی "اخبار میں تیرے ڈیڈی کے بارے میں پڑھ کر بہت افسوس ہوا' وہ آئے یا ابھی بھی غائب ہیں۔"

"رخشی! وہ ابھی تک نہیں لوٹے۔" موہنی کی آواز بھرا گئی۔ "میں تجھے فون کر کرکے تھک گئی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ کیا تیرا فلیٹ بند پڑا ہوا تھا' تو تھی کہاں؟"

"سوری یار! ایک فرینڈ کے ساتھ لمبی ڈیٹ پر تین دن سے مری گئی ہوئی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ائرپورٹ سے آئی ہوں اور آتے ہی پہلا فون تجھے کیا ہے۔"

"تجھے معلوم ہے کہ میں اپنے دل کی بات بس تجھ سے ہی کرسکتی ہوں۔ میں تجھے بہت مس کررہی ہوں۔"

"اب میں آگئی ہوں۔ کل تیرے پاس آؤں گی۔ مجھے اندازہ ہے کہ تو کتنی پریشان ہوگی۔ یہ پولیس والے کہاں جھک مارتے پھر رہے ہیں۔ تیرے ڈیڈی کا پتا کیوں نہیں چلاتے؟"

"میں ان ہی سب باتوں سے پریشان ہوں۔ تجھ سے مشورے

کرنے تھے مگر تو لاٹ صاحب کی بچی ہے۔ کل آئے گی میرے پاس۔ دراصل میں نے ابھی تک ڈیڈی کی ایف آئی آر نہیں لکھوائی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"یہ کیا غضب کیا تو نے۔ ایف آئی آر تو فوراً کٹوانی تھی۔" رخشی تقریباً چیخ پڑی۔

"دراصل ڈیڈی ایک دوست کا بول کر خود گھر سے گئے تھے۔ انہوں نے مجھے ایف آئی آر سے منع کردیا تھا۔"

"وہ خود گئے تھے مگر کیوں؟ ان کا دوست کیا کہتا ہے؟" رخشی نے کئی سوال کرڈالے۔

"لمبی کہانی ہے۔ گھر میں ڈاکو گھس آئے تھے۔ کچھ رقم وغیرہ کے ساتھ اہم کاغذ بھی لے گئے۔ جاتے جاتے گولیاں چلائیں۔ میں اٹھی تو ڈیڈی ڈرنک اور بدحواس تھے۔ انہوں نے کاغذ غائب دیکھے تو نشہ اڑ گیا اور وہ گھر سے چلے گئے۔ کل تک وہ اسی دوست کے پاس تھے۔ رات ادھر پولیس ایکشن ہوگیا..."

"اوہ تو رستم ایرانی کی بات تو نہیں کرتی؟ اس نے تو سوسائیڈ کرلیا۔"

"ہاں رخشی، اور ڈیڈی ابھی تک گھر نہیں لوٹے۔ آج صبح ان کے ایک دوست کا فون آیا تھا۔ وہ امریکا سے آیا ہے اور اکیلے میں مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ ڈیڈی کے سلسلے میں۔"

"اکیلے میں... پھر وہ تیرے پاس ضرور کسی بری نیت سے آئے گا۔ کیا کوئی فارنر ہے؟"

"ہاں، خالص امریکن... تجھے معلوم ہے کہ میں ایسی چھوٹی موٹی باتوں کی پروا نہیں کرتی۔ بری نیت سے آرہا ہے تو میرا تھوڑا سا وقت ہی خراب کرے گا نا؟ آئی نیور مائنڈ۔ میں ڈر رہی ہوں کہ کوئی اور گھپلا نہ ہو جائے۔ وہ بولا ہے کہ گھر میں کوئی نوکر بھی نہ ہو۔ وہ بالکل اکیلے میں ملنا چاہتا ہے۔"

"ڈیڈی غائب، رستم ڈیڈ اور اب یہ ڈیڈی کا نیا دوست!" رخشی کی آواز پُرتشویش ہوگئی "تو اس کو جانتی ہے؟ اور کیا بولتا تھا وہ؟"

"میں اسے نہیں جانتی۔ کوئی سالا رابن تھا۔ وہ یا اس کا آدمی دس بجے کے بعد آئے گا۔ وہ ڈیڈی کے بیڈروم میں ایک دفعہ سارے کاغذ دیکھنا چاہتا ہے۔ پتا نہیں یہ کاغذوں کا کیا چکر ہے۔"

"مائی پور بے بی!" رخشی نے اسے پچکارا "تو واقعی مشکل میں ہے۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں تیرے پاس پہنچتی ہوں۔ ہم مل کر سب ٹھیک کرلیں گے۔"

"وہ تجھے دیکھ کر ناراض ہوجائے گا۔" موہنی کی سہمی ہوئی آواز ابھری "اس نے کئی بار بولا کہ گھر میں کوئی نہ ہو، یہ بہت ضروری ہے۔ کہیں وہ تجھے شوٹ ہی نہ کردے۔"

"ہائے لارڈ!" رخشی کی آواز میں خوف سمٹ آیا "پھر میں نہیں آتی۔ پندرہ پندرہ منٹ بعد تجھے فون کروں گی۔ کوئی گڑبڑ ہوئی اور تو نے جواب نہیں دیا تو پولیس ایمرجنسی کو فون کردوں گی۔"

"پلیز رخشی! فون ضرور کرتی رہنا۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ جی چاہ رہا ہے کہ میں بھی ڈیڈی کی طرح گھر چھوڑ کر کہیں بھاگ جاؤں۔" موہنی کی آواز بھرا گئی۔

"تو فکر مت کر۔ میں ضرور فون کروں گی۔" رخشی نے اسے یقین دلایا اور مادر پدر آزاد معاشرت کی دلدادہ دو لڑکیوں کی وہ گفتگو وہیں ختم ہوگئی۔

"میں نے کیسٹ ریکارڈر آف کردیا "اس وحشت ناک گفتگو میں کام کی بات بس اتنی ہی ہے کہ دس بجے کے بعد رابن یا اس کا کوئی آدمی پنڈت منوہر لال کے گھر پہنچے گا...."

"رابن کو میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا، اس لیے میری وہاں موجودگی ناگزیر ہے۔" ویرا نے خوشی سے کہا۔

میں اس کی خوشی پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ آخر کار اس کے میدان میں اترنے کا حیلہ پیدا ہو ہی گیا تھا۔

"یہ رابن کو گھیرنے کا بہترین موقع ہے۔" سلطان شاہ بولا۔
"تمہاری پیش گوئی پوری ہوتی نظر آرہی ہے۔"

"ضروری نہیں کہ رابن ہی آئے۔" اول خان نے کہا "وہ یا اس کا آدمی آئے گا۔"

"رخشی درمیان میں نہ کودی ہوتی تو معاملہ بہت سہل ہوجاتا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "ملازموں کے ہٹتے ہی ہم موہنی کو بے بس کرکے گھر پر عارضی قبضہ کرلیتے۔ غزالہ اس کی جگہ لے لیتی اور ہم چھپ کر آنے والے کا انتظار کرتے۔ وہ بے خبری میں بہت آسانی سے زیر کیا جاسکتا تھا۔"

"رخشی نے وہاں پہنچنے سے انکار کردیا ہے۔" سلطان شاہ نے بے ساختہ کہا۔

"مگر وہ ہر پندرہ منٹ بعد فون کرتی رہے گی۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "اس کی موہنی سے بات نہ ہوئی تو وہ فوراً پولیس کو پنڈت کے گھر کی طرف دوڑ لگوا دے گی۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم موہنی کے ہمدرد بن کر اسے اعتماد میں لے لیں۔" میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور فوراً اس خیال کو مسترد کردیا۔ موہنی بہت ڈری ہوئی تھی۔ وہ اپنے سائے سے بھی بھڑک سکتی تھی۔ اس سے یہ امید عبث تھی کہ وہ ہمارے اجنبی چہروں پر اعتماد کرکے رخشی کو ہمارے بارے میں آگاہ نہیں کرے گی۔ اس کوشش میں سب سے بڑی خرابی یہ ہوتی کہ میں کارروائی سے بالکل باہر ہوجاتا کیونکہ موہنی مجھے کرنل جمال دستی کے روپ میں میجر بخشی کے ساتھ بہت قریب سے دیکھنے کے بعد ایک تلخ تجربے سے دوچار ہوچکی تھی۔

"کسی لمبی چوڑی سوچ وبچار کی ضرورت نہیں۔" اول خان نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ رابن ماڑ کی قیام گاہ سے محفوظ فاصلے پر منڈلانے والے میرے آدمی اپنے شکار کو پہچاننے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ ہمیں خود پنڈت منوہر لال کے گھر کی نگرانی کرنی چاہیے۔"

"وہ گھر میرا دیکھا ہوا ہے۔" میں نے کہا "اس کے پھاٹک پر اتنی کم روشنی ہوگی کہ دور سے آنے والے کو پہچاننا ممکن نہیں ہوگا۔ رابن کے دھوکے میں ہم اس کے آدمی سے بھڑ گئے تو وہ کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"میری دانست میں ہمارا نشانہ رابن نہیں' اس کا مقصد ہے۔ اگر اس کا آدمی ناکامی سے دوچار ہو کر مارا جاتا ہے تو ہمارا ہدف پورا ہو جاتا ہے" اول خان نے رائے دی۔

"رابن' بھول کر بھی پنڈت کے گھر کا رخ نہیں کرے گا" غزالہ نے اس کی تائید کی۔

"جو بھی آیا' وہ اکیلا نہیں ہوگا۔ شہر کے راستوں سے واقف ایک مقامی ڈرائیور کی ضرورت ناگزیر ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک دو مسلح محافظ بھی ہو سکتے ہیں جو باہر رک کر گاڑی اور اندر جانے والے کی حفاظت کرتے رہیں۔ ہمیں چار پانچ حریفوں کو ذہن میں رکھ کر منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔"

"تم اس بات سے تو متفق ہو نا کہ جو آئے' اسے مار دیا جائے' رابن کا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"تمہارا اور غزالہ کا اتفاقِ رائے ہے' میں کیسے مخالفت کر سکتا ہوں۔"

"ایسی صورت میں ویرا کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی" سلطان شاہ بول پڑا۔ "وہ پانچ بھی ہوئے تو ہم تین کافی رہیں گے۔ ویرا کل کے اخبار میں مقتول کی تصویر دیکھ کر بتا دے گی کہ ہمارے ہاتھوں مرنے والا رابن تھا یا اس کا کوئی اور سفید فام ساتھی؟"

"مُردوں کی شناخت کا یہ کام تم ہی کو مبارک ہو۔ میں ساتھ جاؤں گی" ویرا چڑ کر بولی۔

"میرا جانا بھی ضروری ہے کیونکہ میں نے ڈینی کے ساتھ وہ گھر دیکھا ہوا ہے۔"

"شاید آج رات ہم سب کو ہی جانا پڑے" میں نے رسانیت سے انہیں سمجھایا "آنے والے دروازے کی سمت سے ہی آئیں گے لیکن کسی گڑبڑ کی صورت میں پچھلی گلی سے بھی فرار ہو سکتے ہیں۔ ہمیں دونوں طرف ان کے استقبال کے لیے تیار رہنا ہوگا۔"

میں نے اول خان کو پنڈت کے مکان کا اندرونی نقشہ سمجھا کر منصوبہ بندی کا آغاز کر دیا۔ وہ تینوں آنے والے وقت کی مناسب تیاری کے لیے اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے۔

موہنی اور رخشی کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ٹیپ سننے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ موہنی کو دس بجے تک گھر کے چوکیدار سمیت' ہر ملازم کو گھر سے روانہ کر دینا تھا۔ رابن یا اس کا آدمی اس مقررہ وقت کے بعد کسی بھی لمحے وہاں پہنچ سکتا تھا۔

ہمارے پاس خاصا وقت تھا۔ کھانا تیار تھا۔ طے یہ ہوا کہ روانگی سے پہلے شکم پری کر لی جائے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ رابن دس بجے کے بعد گیارہ یا بارہ بجے تک وہاں پہنچتا اور ہم خالی پیٹ وہاں سوکھتے رہتے۔

موہنی کے گھر کی ویران عقبی گلی کی نگرانی کے لیے سلطان شاہ کو غزالہ کے ساتھ رہنا تھا۔ ویرا میرے اور اول خان کے ساتھ مین گیٹ کی طرف موجود ہوتی۔ پیچھے والوں کو مکان کی چار دیواری سے باہر رہ کر اس امر کو یقینی بنانا تھا کہ ادھر سے کوئی دیوار پھاند کر فرار نہ ہو سکے۔ ہم تینوں کو موقع کی مناسبت سے کارروائی کرنی تھی۔

کچھ ہتھیار گھر میں موجود تھے۔ باقی اول خان کی گاڑی میں رکھے ہوئے تھے۔ ہم فرائض کے لحاظ سے دو گاڑیوں میں بٹ کر ساڑھے نو بجے گھر سے روانہ ہوئے تو اول خان کے ذخیرے سے حاصل کی ہوئی تین زہریلی انگوٹھیاں ہماری انگلیوں میں موجود تھیں۔ دشمن پر قریب سے بے آواز اور مہلک وار کرنے کے لیے وہ انگوٹھیاں بے مثال تھیں۔

مین روڈ پر آنے تک ہماری گاڑیاں ایک دوسرے سے بچھڑ چکی تھیں مگر کسی کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔ موہنی کا گھر میرا اور سلطان شاہ کا دیکھا ہوا تھا۔ راستے میں سست روی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہم ٹھیک دس بجے موہنی والی گلی میں داخل ہو چکے تھے۔ نکڑ سے گزرتے ہوئے ہمیں عقبی گلی کے کونے پر سلطان شاہ کی گاڑی نظر آ گئی۔ اسی وقت یہ اندازہ ہوا کہ ان دونوں کو اپنی گاڑی کھڑی کرنے کے لیے موزوں جگہ مل گئی تھی مگر مین گلی میں ہم جس کے گھر کے سامنے گاڑی روکتے' وہ ہماری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو سکتا تھا۔ میرے ایما پر اول خان نے اپنی گاڑی موہنی اور اس کے پڑوس کے مکان کی دیواروں کے قریب یوں لگا دی کہ کسی کا راستہ رکا اور نہ گاڑی کسی ایک حد میں رہی۔ قرب وجوار کے مکانوں کے پھاٹک بند تھے۔ کسی کو حتیٰ کہ خوش حال گھرانوں کے ملازمین کو بھی باہر بیٹھنے یا آوارہ گردی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے چوکنے انداز میں گاڑی چھوڑ دی۔

میں بظاہر بے پروائی سے چلتا ہوا موہنی کے پھاٹک پر پہنچا۔ رک کر اندر کان لگائے تو وہاں گہرا سناٹا تھا۔ شاید وہ رابن کی ہدایت پر ملازمین کو ہٹا چکی تھی اور خود گھر کے تمام دروازے بند کیے کسی کمرے میں بیٹھی تھی۔ مجھے پھاٹک میں اپنے گزرنے کا راستہ پیدا کرنے کے لیے کسی میکانزم کی

تلاش تھی۔ آخر مجھے چوبی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی پر انگریزی کے حرف یُو جیسا ایک الٹا ہُک لگا ہوا نظر آیا۔ اسے اٹھاتے ہی ذیلی کھڑکی کھل گئی اور میں پنجوں کے بل اندر کچی روش میں داخل ہو گیا۔

مجھے دروازے میں غائب ہوتے دیکھ کر اول خان اور ویرانے سرعت سے کام لیا۔ چند ثانیوں بعد وہ دونوں بھی میرے ساتھ آملے۔ وہ کچی روش اور پورچ پر مشتمل مختصر حصہ تھا جہاں ایک دیوار کے ساتھ چوکی دار کی خالی چارپائی پڑی ہوئی تھی۔ اس حصے میں صرف ایک بلب روشن تھا۔ اس کی روشنی کم ہونے کے باوجود ہم تینوں کے لیے خطرناک تھی۔ ہم تیزی کے ساتھ پام کے اونچے گملوں کی اوٹ میں چلے گئے۔

"تم دونوں یہیں کہیں کمین گاہ تلاش کرلو۔ میں اندر جارہا ہوں" میں نے سرگوشی کی۔

"کیا دروازہ استعمال کروگے؟" میرے فوری ارادے نے اول خان کو پریشان کردیا۔

"اگزاسیٹ فین کا ایک چوکور خلا میری نظروں میں ہے" یہ کہہ کر میں ان دونوں سے الگ ہو گیا۔

کسی ملازم سے سامنا نہ ہونے کا یقین ہونے کے باوجود میں نے پوری احتیاط سے عمارت کے پہلو تک رسائی حاصل کی اور پھر تیزی سے چھجے پر چڑھ گیا۔ وہاں چوکور خلا جوں کا توں موجود تھا۔ وہاں تھا ہی کون جو یہ سوچتا کہ دروازے بند ہونے کے باوجود کوئی پنڈت منوہر لال کی خواب گاہ تک پہنچنے میں کیسے کامیاب ہوا۔

دوچھتی 'اسٹور اور راہداری میں' میں نے ہر طرف کی سن گن لی۔ مکان میں پہلے کی طرح سناٹا تھا اور صرف ایک ائرکنڈیشنر چل رہا تھا۔ موہنی شاید اپنے کمرے میں موجود تھی۔ میں اس دروازے پر رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ آنے والے کو ساری دلچسپی پنڈت کی خواب گاہ سے تھی۔

پچھلی بار وہ دونوں محو خواب تھے مگر ان کے کمروں کے دروازے اندر سے بولٹ نہیں تھے' اس روز پنڈت وہاں نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ موہنی کو اپنے باپ کا کمرا مقفل کرنے کا دھیان نہیں آیا ہوگا۔ میں نے دستے پر قسمت آزمائی کی اور دروازہ کھل گیا اور کمرے میں رچی ہوئی ہلکی سی بساند میرے نتھنوں میں گھسنے لگی۔

ائرکنڈیشنڈ ہونے کی وجہ سے اس کمرے میں تازہ ہوا کے گزر کا ہر راستہ بند تھا۔ پنڈت کے فرار کے بعد ائرکنڈیشنر نہیں چلایا گیا تھا اس وجہ سے وہاں بساند کا پیدا ہونا

کاروباری راز

پہلا پھل فروش:۔ میرے کیلے اتنے کم اور تمہارے اتنے زیادہ کیوں بکتے ہیں۔۔۔ جب کہ دام دونوں کے برابر ہیں؟

دوسرا پھل فروش:۔ بات صرف اتنی ہے کہ تم دس روپے درجن بیچتے ہو جب کہ میں گاہک کو بتاتا ہوں کہ بیس روپے کے درجن ہیں اور ہر درجن کے ساتھ ایک درجن کیلے مفت ملیں گے۔"

لازمی تھا۔ کچھ دیر کے لیے مجھے وہ سب سہنا تھا۔ کمرے میں بیش قیمت چوبی فرنیچر اور الماریوں کی بہتات تھی۔ میں کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھا جہاں سے چشم زدن میں باہر نکل سکوں۔ اس مہم میں محدود روشنی والی ٹارچ میری مدد کررہی تھی۔

ایک الماری کے برابر میں اسی لمبائی کا آئینہ نصب تھا۔ میں نے اس سے چھیڑ چھاڑ کی تو پٹ کی طرح وہ آئینہ باہر کھل گیا۔ وہ کسی کے چھپنے کے لیے بہترین جگہ تھی۔ اس میں کچھ استعمال شدہ مردانہ اور زنانہ کپڑے موجود تھے۔ میں فوراً اس خلا میں داخل ہوا اور شیشے کا پٹ کھینچ کر بند کردیا۔

کھڑے ہوئے تابوت جیسے اس خلا میں پوزیشن لینے کے بعد میں نے چہرے پر اپنا رومال بھی باندھ لیا۔ میں نے گھر میں داخل ہونے کا فیصلہ اچانک کیا تھا اس لیے نقاب کا بندوبست نہیں کیا جاسکا تھا۔ میرے لیے کسی نقاب وغیرہ کے بغیر موہنی کا سامنا کرنا مناسب نہیں تھا۔

گھٹن اور تاریکی میں وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ جب میرے بدن پر کہیں کہیں پسینہ رینگنے لگا تو مجھے احساس ہوا کہ گھر میں داخل ہونے کے بعد میں اپنے تمام ساتھیوں سے کٹ کر رہ گیا تھا۔ میرے باہر نکلنے سے پہلے وہ کوئی اندھا دھند کارروائی کرکے مجھے خطرے میں نہیں ڈال سکتے تھے۔

کافی دیر بعد مکان کے کسی حصے میں ڈور بیل کی آواز گونجی پھر ایک طویل سکوت چھا گیا۔ فرش پر ہر جگہ قالین موجود تھے اس لیے کسی کے قدموں کی چاپ تک نہیں سنائی دے رہی تھی۔

آخر سکوت کا وہ سلسلہ منقطع ہوا اور میرے کانوں میں موہنی کی سہمی ہوئی آواز آئی "یہ ڈیڈی کی خواب گاہ ہے۔ نامعلوم چور نے ان کی دیوار گیر تجوری سے سب کچھ باہر نکال

لیا تھا۔"

"ائرکنڈیشنر چلادو اور کمرے میں موجود تجوری اور درازوں کی چابیاں میرے حوالے کردو" امریکی لب ولہجے میں ایک بھاری اور تحکم آمیز آواز ابھری۔

"تجوری سمیت اب ہر چیز غیر مقفل ہے" بے آواز سوئچوں کے ذریعے کمرے میں پہلے ہی روشنی کی جاچکی تھی۔ موہنی کے جواب کے ساتھ ائرکنڈیشنر بھی چل گیا۔

"تجوری کا بچا ہوا سامان کہاں ہے؟" موہنی کے ساتھ آنے والے مرد نے پوچھا۔

"وہ میں نے دوبارہ الماری میں بھردیا ہے۔ مسٹر رابن! تم یقین کرو کہ وہ کاغذ اب یہاں نہیں ہیں۔ میرے ڈیڈی ان ہی کے لیے پریشان تھے۔"

"مجھے معلوم ہے" اس کی آواز سرد اور سفاکانہ ہوگئی "تمہارا باپ پکا احمق تھا جو ان کاغذوں کی حفاظت نہیں کرسکا۔ پتا نہیں اس نے اپنے کمرے میں بے پروائی سے اور کیا کیا چھوڑا ہوا ہوگا۔"

"وہ... وہ بظاہر بے پروا تھے مگر احتیاط ان کی سرشت میں شامل تھی۔"

اس گفتگو کے درمیان درازیں وغیرہ کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ائرکنڈیشنر چل جانے کے بعد فضا میں رچی ہوئی بساند ٹھنڈک میں ماند پڑتی جارہی تھی۔

"ان کاغذوں کے بارے میں اس نے تمہیں کیا بتایا تھا؟" رابن کی آواز گونجی۔

"اسے تین کاغذوں کی طرف سے تشویش تھی جو موساد کی کسی ذیلی ایجنسی کے بارے میں تھے۔ تجوری سے کاغذوں کا پلندہ غائب ہونے کے بعد ڈیڈی نے صرف اتنا ہی بتایا تھا۔"

"وہ کتیا کی اولاد، جھوٹا بھی ہے۔ اس نے رستم کے گھر سے مجھے فون کیا اور کہا تھا کہ کاغذوں کے بارے میں اس نے کسی کو حتیٰ کہ تم کو بھی کچھ نہیں بتایا.... تم نے یہ کہانی کس کس کو سنائی ہے؟" رابن کی آواز غصیلی اور کرخت ہوچکی تھی۔ اس نے رستم کا نام یوں لیا تھا جیسے اس سے واقف رہا ہو۔

"کسی کو نہیں... میں نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔ مجھے معلوم ہے کہ موساد اس ملک میں شجر ممنوعہ ہے۔"

"تمہارے باپ نے تم سے آخری بار کب بات کی تھی؟"

"کل صبح... اس کے بعد سے کوئی رابطہ نہیں ہوا۔ پتا نہیں میرے ڈیڈی کہاں ہیں؟"

"یہ... یع... کک... کیا..." موہنی کی دہشت زدہ ہکلاہٹیں کمرے میں ابھریں۔ ٹھک کی آہنی آواز کے ساتھ ایک ہچکی ابھری اور کوئی بھاری وجود دھڑ سے نیچے گر گیا۔ فضا میں یکایک جلے ہوئے بارود کی تیز بو در آئی تھی۔ میں بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

"اب اس کباڑ خانے کے ساتھ تم بھی جل کر راکھ ہوجاؤ گی" رابن کی استہزائیہ بڑبڑاہٹ سنائی دی۔

کمرے میں کچھ چیزیں گرنے اور ٹوٹنے کی آوازیں آئیں۔ موہنی کو بے آواز گولی کو نشانہ بنانے کے بعد وہ سفاک درندہ شاید ہر چیز کو ٹھوکروں سے اڑا رہا تھا۔

اس کا ہتھیار خاموش تھا، میرا ریوالور پُرشور تھا۔ بیم گن میں دانستہ ساتھ نہیں لایا تھا کیونکہ اس کا استعمال جائے واردات پر میری موجودگی کا ایک کھلا اعلان بن جاتا تھا۔ توڑ پھوڑ کی آوازوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ مجھ سے دور تھا اور شاید اپنا ہتھیار واپس رکھ چکا تھا۔

میں نے ریوالور تھاما اور ایک جھٹکے سے آئینے والا پٹ باہر کھول دیا۔ پٹ بے آواز کھلا تھا لیکن رابن اپنے جبلی ردِ عمل کے تحت تیزی سے پلٹا تھا۔

"ہینڈز اپ!" میں نے اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ وہ بس لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا پھر اس کے خالی ہاتھ فضا میں بلند ہوتے چلے گئے۔ مجھے دیکھ کر اسے شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا۔

"اباؤٹ ٹرن" میں نے اگلا حکم دیا۔ اس نے زبان کھولنی چاہی۔ میں نے ریوالور والے ہاتھ کو جھٹکا دے کر شدت سے اپنا حکم دہرایا۔ وہ آہستگی سے گھوم گیا۔

میں نے فرش پر پڑی ہوئی موہنی کی لاش پر بس ایک سرسری نظر ڈالی۔ اس کی گوری پیشانی کے وسط میں چھوٹا سا ایک سیاہ داغ تھا اور پھٹی ہوئی آنکھوں میں آخری لمحات کی دہشت اور بے یقینی مجسم ہوکر رہ گئی تھی۔ وہ یقین نہیں کرسکی تھی کہ اس کے باپ کی دوستی کے نام پر آنے والا رابن اس کے لیے موت کا فرشتہ بن جائے گا۔

میں پنجوں کے بل بہت برق رفتاری سے رابن کے سر پر پہنچا۔ پرشور فائر کا خطرہ مول لینے کے بجائے میں نے داہنے ہاتھ سے اس کی گدی پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔ چکیلا اور زہریلا کیپسول اپنی پوزیشن میں تھا۔ تھپڑ کھا کر رابن نے میری طرف گھومنے کی کوشش کی۔ اس وقت تک اس کی رگوں میں اترنے والا زہر اپنا کام شروع کرچکا تھا۔ اس کے گھومنے کی رفتار سست ہوگئی پھر وہ سلوموشن میں قالین پر بیٹھتے

بیٹھتے نیچے ڈھیر ہوگیا۔
مجھے شبہ تھا کہ داخلی دروازے کے باہر رابن کا کوئی نہ کوئی آدمی موجود ہوگا۔ اپنے چہرے سے رومال ہٹا کر میں تیزی سے راہداری میں دوڑ پڑا۔ پرانے راستے سے چھجے پر پہنچتے ہی میں زمین پر کود گیا۔

عمارت کے کونے پر آکر میں نے اوٹ سے جھانکا تو وہاں ایک جسیم سفید فام ستون سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ وہ گیٹ کی نگرانی کررہا تھا اس لیے اس کی پشت میری جانب تھی۔ اس کے بائیں شانے پر اسٹرپ سے لٹکی ہوئی سب مشین گن مجھے صاف نظر آرہی تھی۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس وقت ویرا اور اول خان کہاں تھے مگر یہ نظر آرہا تھا کہ گہری سرمئی وردی میں ملبوس وہ گورا پام کے گملوں سے صرف چند گز کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ میرے اعصاب پر شدید اضطرابی کیفیت طاری ہونے لگی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں ان دونوں کو کس طرح اپنی واپسی سے آگاہ کروں۔

میری وہ مشکل قدرت نے خود ہی آسان کردی۔ ان دونوں کو معلوم تھا کہ میں کدھر سے گیا تھا۔ شاید وہ بار بار ادھر کا جائزہ لے رہے تھے پھر ان میں سے کسی نے مجھے عمارت کی اوٹ سے جھانکتے دیکھ لیا۔ گملوں کی اوٹ سے ٹھک کی آواز کے ساتھ موت کا ایک شعلہ لپکا اور ستون کے سہارے کھڑے ہوئے سفید فام کی گردن میں معدوم ہوگیا۔ وہ دراز قد اور صحت مند جسم کا مالک تھا۔ اس کے گرنے کی آواز خاصی پرشور تھی۔

یقینی طور پر وہاں صرف وہی تھا۔ کوئی اور ہوتا تو اس کا بندوبست ہونے سے پہلے ویرا نے اپنے بے آواز ریوالور سے فائر نہ کیا ہوتا۔ میں نے پوری قوت سے پھاٹک کی طرف دوڑ لگادی۔ ویرا گملوں کی اوٹ سے نکل رہی تھی۔ اول خان دیوار کے ساتھ اگے ہوئے گنجان پودوں میں سے باہر آرہا تھا۔

یہ سارے واقعات بہت سرعت سے اور تقریباً ایک ساتھ ہوئے۔ اسی دوران میں پھاٹک والی کھڑکی کھلی اور سفید وردی میں ملبوس کوئی مقامی چہرہ بھڑکے ہوئے انداز میں اندر جھکا۔ پھر شاید زمین پر پڑے ہوئے سفید فام پر نظر پڑتے ہی غائب ہوگیا۔

میرے پھاٹک تک پہنچنے سے پہلے کسی گاڑی کا انجن بیدار ہوا اور پھر وہ آواز بڑھتی ہوئی غراہٹوں کے ساتھ دور ہوتی چلی گئی۔ ڈرائیور کو گیئر بدلنے کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

"ان کا ڈرائیور گاڑی لے کر بھاگا ہے" قریب پہنچنے پر اول خان نے سرگوشی کی "غنیمت ہے کہ اس نے دہشت زدہ ہوکر چیخ نہیں ماری۔ اب فوراً باہر نکل چلو۔ اندر والا تو شاید کبھی چل کر باہر نہیں آسکے گا۔"

میں نے اثبات میں سرہلا کر کہا "خوف کی شدت سے بعض لوگوں کی گھگھی بندھ جاتی ہے یا آواز ہی حلق میں پھنس کر رہ جاتی ہے۔ وہ ایسے ہی کسی قبیلے کا آدمی رہا ہوگا۔"

ہم تینوں اطمینان سے موہنی کے گھر سے باہر نکلے گاڑی میں سوار ہوئے اور روانہ ہوگئے۔ غزالہ اور سلطان شاہ کو کھیل ختم ہونے کی اطلاع نہیں دی گئی۔ اول خان نے دانستہ گاڑی ان کی طرف سے گزاری اور ہارن بجا کر وہاں سے آگے نکل گیا۔ سیدھے راستے کے اختتام پر وہ اس وقت تک رکا رہا جب تک وہ دونوں روانہ نہیں ہوئے پھر اس نے داہنی طرف والا راستہ لے لیا۔

"موہنی نے تمہیں دیکھتے ہی پہچان لیا ہوگا" واپسی کا آغاز ہونے پر ویرا نے خدشہ ظاہر کیا۔

"میں نے چہرے پر رومال باندھ لیا تھا لیکن اس کا سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ رابن نے اسے گولی ماردی۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا "وہ بہت زیادہ بپھرا ہوا تھا۔"

"باہر فائر کی آواز نہیں آئی۔ شاید اس نے بھی سائلنسر استعمال کیا ہوگا۔ رخشی اگلی بار موہنی کو فون کرے گی تو اسے مایوسی کا سامنا کرنا ہوگا۔ وہی پولیس کو خبر دے دی گی۔"

"ویرا کو خوشی تھی کہ ایک طویل تعطل کے بعد اسے کسی کارروائی میں حصہ لینے اور امریکی قونصل خانے کے ایک مسلح محافظ کو مارنے کا موقع ملا تھا۔ سلطان شاہ اور غزالہ کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ سبب صرف یہ تھا کہ رابن اپنی بالادستی کے زعم میں صرف ایک آدمی کے ساتھ چوہے دان میں آپھنسا تھا۔

رابن مائر جو امریکا کی سرزمین پر بیوروکریسی کی صفوں میں گھس کر صیہونی مفادات کے لیے کام کررہا تھا' پاکستان کی سرزمین پر اپنی دوسری رات بھی نہیں گزار سکا تھا۔

اگلی صبح کے اخبار سنسنی خیز خبروں اور تبصروں سے بھرے ہوئے تھے۔ موضوعِ سخن رابن مائر کی ذات تھی۔

امریکی حکومت اور اس کے مقامی سفارت خانے کی واضح ترین ہدایات کے باوجود اس کی لاش کا پنڈت منوہر لال کے گھر میں پایا جانا ایک بہت بڑا سوالیہ نشان تھا۔ وہ قونصل خانے کے محافظ کے ساتھ وہاں کیا کرنے گیا تھا؟ دوسری سنگین بات یہ تھی کہ موہنی کی پیشانی میں موجود گولی رابن کے

ریوالور سے چلائی گئی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ کی پشت پر جلے ہوئے بارود کے ذرات برآمد ہوئے تھے۔ شہر کی ایک بدنام اور متنازع ماڈل گرل کے ساتھ اس کا کیا تعلق تھا؟

سوالات کا ایک طویل اور شرمناک سلسلہ تھا جو اس واقعے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا تھا اور امریکی سفارتی ملازمین کے پاس مکمل خاموشی کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔

ایک اخباری اطلاع یہ بھی تھی کہ ڈرائیور کے ذریعے کسی ناخوش گوار حادثے کی اطلاع ملتے ہی امریکی کمانڈوز کا ایک دستہ موہنی کے گھر سے سارے شواہد مٹانے کے لیے بہت تیزی سے وہاں پہنچا تھا لیکن ان کے پہنچنے سے بہت پہلے رخشی کی مخبری پر پولیس فورس نے پورے علاقے کو گھیر لیا تھا۔ کمانڈوز کو کسی کارروائی کے بغیر بے نیل و مرام واپس لوٹنا پڑا تھا۔ ان کی دو گاڑیوں کی آمد کے بہت سے عینی شاہد موجود تھے۔

بظاہر وہ پاکستان کی سرزمین پر امریکیوں کی بدقسمتی کا تسلسل نظر آتا تھا لیکن اندر ہی اندر اسرائیل اور اس کی خفیہ ایجنسی بھی اس لڑائی میں شامل ہو چکی تھی۔ ہم لوگ اپنے طور پر جو کچھ کر رہے تھے اس کی کوئی قانونی یا سرکاری حیثیت نہیں تھی لیکن پنڈت منوہر لال کی صورت میں ایک مضبوط اور زندہ ثبوت آئی بی والوں کی تحویل میں موجود تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ سرکاری سطح پر اس بارے میں کیا ہونے والا تھا۔

بارہ بجے اول خان کا فون آ گیا۔ آئی بی والے فوری طور پر ہم سے ملاقات کے خواہاں تھے۔

"کیا پنڈت نے پھر کوئی مسئلہ کھڑا کر دیا ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ اس کے گھر پر پیش آنے والے واقعے کے بارے میں جلال فکر مند تھا۔"

"یہ سمجھ لو کہ وہ اس واقعے کی تفصیل جاننا چاہیں گے۔ ابھی تک کسی کو کچھ پتا نہیں چل سکا کہ یہ سب کیوں اور کیسے ہو گیا۔ انہیں ٹالنے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکے گی۔" "تمہیں اندازہ ہے کہ امریکی ایسے واقعات پر کیسے شدید اور جنونی ردِعمل کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔"

"جلال اور رحمان سے ایک ملاقات میں ہی اتنی بے تکلفی ہو گئی ہے کہ ہمیں تھوڑی سی لچک کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔ ایسے رابطے بعض اوقات عمر بھر کام آتے رہتے ہیں۔"

"پھر تم کیا کہتے ہو؟" اول خان نے پوچھا۔

"جو کچھ ہوا' ابھی تک ہم پانچوں کے درمیان ہے۔ ان سے کوئی بات کی گئی تو وہ فوراً ریکارڈ کا ایک حصہ بن جائے گی۔ میرا تجربہ ہے کہ امریکی ریکارڈ تک کسی نہ کسی طرح رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔"

"جلال اور رحمان سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنی معلومات۔۔۔"

میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی "میں نے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ وہ ریکارڈ اپنی تجوریوں میں نہیں' دفتروں میں رکھتے ہوں گے' نہ جانے وہاں کس کس کا ہاتھ پہنچتا ہو۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پنڈت کے لیے تین تنخواہ دار کام کر رہے تھے۔ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو گا کہ ان کی فراہم کی ہوئی معلومات موساد تک پہنچائی جا رہی ہیں۔"

"بس یہ اونچ نیچ سمجھ لو۔ مجھے ملاقات کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔"

"ان سے اس بارے میں پہلے ہی بات کر لیں گے' میں تمہاری طرف آ رہا ہوں۔"

فون بند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اسے فوراً ہی فکر ہو گئی کہ میں کس سے ملنے جا رہا تھا۔

اول خان کی آمد تک ہم دونوں اسی بارے میں تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ وہ میرے خدشات سے سو فیصد متفق تھا کہ ایس ٹی ایف جیسی غیر دستاویزی تنظیم تک بات ٹھیک تھی۔ قوانین کی حدود میں رہ کر کام کرنے والے اداروں کی مجبوریاں ہمیں راس نہیں آ سکیں گی۔ کبھی کبھی لوگوں کا اپنا لکھا ہوا کوئی نوٹ ہی ان کے گلے کی ہڈی بن جاتا ہے۔ برا وقت آنے پر سب ہاتھ جھاڑ کر الگ ہو جاتے ہیں۔

وہ بات غلط نہیں تھی۔ ہمارے بارے میں اسپیشل ٹاسک فورس کو بھی بسا اوقات ہماری کھلی حمایت سے دستبردار ہونا پڑا تھا۔ میری یادداشت کے مطابق کم از کم دوبار اول خان کی نوکری خطرے میں پڑ چکی تھی۔ یہ اسی کا حوصلہ اور اپنی مٹی سے پیار تھا کہ وہ مسلسل ہمارا ساتھ دیے جا رہا تھا۔

اول خان کے ساتھ سفر کے دوران میں بھی یہی باتیں ہوتی رہیں اور ہم صدف مینشن پہنچ گئے۔

جلال اور رحمان نے اسی مخصوص کمرے میں بہت تپاک سے ہمارا خیر مقدم کیا۔ رسمی کلمات کے تبادلے اور پنڈت سے میرے سوال جواب کی مکرر تعریف کے بعد وہ اصل مطلب کی طرف آ گئے۔

"کل کے واقعے کے بارے میں تم نے اخبارات دیکھ

لیے ہوں گے۔ اسلام آباد میں کھلبلی مچی ہے۔ سب کی نگاہیں آئی بی پر لگی ہوئی ہیں اور ہم گنگ ہیں۔ کسی کو کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں" رحمان نے کہا۔

"یہ سب درست ہے۔ اس بارے میں ہم کیا کرسکتے ہیں؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"پنڈت کو تم ہی لوگوں نے گھیر کر ہم تک پہنچایا ہے' اس کے گھر سے کاغذات نکالے تھے۔ شاید تمہیں کچھ معلوم ہو.... کوئی تفصیل' کوئی سراغ.... رابن مائر وہاں کیا لینے گیا تھا...؟"

"بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ آدمی کو دانستہ چشم پوشی سے کام لینا پڑتا ہے۔ تمہاری بہت سی مجبوریاں ہیں۔ ان کے مدِنظر تمہاری خاموشی اور معذرت ہی سب سے بہتر راہ ہوسکتی ہے۔"

"تم ڈر رہے ہو؟" جلال نے کہا "کہ کہیں تمہارا نام جھنڈے پر نہ چڑھ جائے؟"

"یہ ڈر نہیں' ایک حقیقت ہے۔ بہتیری باتوں کا ریکارڈ سے الگ تھلگ رہنا ہی سب کی سلامتی کے لیے بہتر ہوتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں تمہارا مسئلہ سمجھ رہا ہوں" جلال نے ہی بات جاری رکھی "کل تم نے بہت کچھ کیا اور کہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ہر بات کا من و عن ریکارڈ پر آنا درست نہیں ہوگا۔ میری رپورٹ میں دور دور تک تمہارا نام نہیں ہے۔ سب کچھ ملک ممتاز کے حوالے سے سامنے لایا گیا ہے۔"

"رستم زندہ ہوتا تو بتادیتا کہ ملک ممتاز کس کھیتے کا آدمی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "ہر واقعے کے ساتھ کسی نام یا شناخت کو ریکارڈ پر لانا تمہاری ناگزیر مجبوری ہے۔"

"رستم زندہ ہوتا تو حالات بھی بہت مختلف ہوتے۔ اس وقت ملک ممتاز صرف ایک نام ہے۔ وہ کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ میں اپنی جگہ رہوں یا نہ رہوں' میرا ترتیب دیا ہوا ریکارڈ تمہارے لیے کبھی خطرہ نہیں بنے گا۔ میں اس بات کی پوری ذمے داری سے ضمانت دیتا ہوں۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ کل کا واقعہ کس قدر اہم اور سنگین تھا" جلال کے خاموش ہوتے ہی رحمان نے بولنا شروع کردیا۔ اس کے نتیجے میں بہت سے نکیلے سوال سامنے آئے ہیں۔ حکومت بین الاقوامی سطح پر اس سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔ شاید پنڈت منوہر لال کو امریکی سفیر سے ملوادیا جائے۔ کچھ اور مواد ہو تو پاکستان میں اسرائیلی مداخلت کی شکایت بھی کی جاسکتی ہے۔"

وہ دونوں پورے اعتماد سے بہت روشن امکانات کی باتیں کررہے تھے۔ میرا مدعا واضح ہوچکا تھا۔ ان کا جواب آگیا تھا' اول خان نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "ایس ٹی ایف کے ساتھ کام کرکے ڈینی کی عادتیں خراب ہوگئی ہیں۔ یہ شخص ہمیشہ سامنے آنے سے گریز کرتا رہا ہے۔"

"اسی لیے اب تک اپنے بلکہ ملک کے دشمنوں کے سینے پر مونگ دل رہا ہے" جلال نے کہا۔

"یہ صرف میری نہیں' پوری ٹیم کی پالیسی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک بے نام ہے۔"

"اوہ! تمہاری کسی ٹیم کا ذکر میں آج پہلی بار سن رہا ہوں" جلال نے حیرت سے اعتراف کیا۔

"یہ ڈینی کا انکسار ہے" میرے کچھ کہنے سے پہلے اول خان جلدی سے بول پڑا۔

"تم یہ سمجھ لو کہ میں تمہارے سامنے ملک کے مقتدر طبقے کی نمائندگی کررہا ہوں" جلال چند لمحوں کے توقف کے بعد دوبارہ اپنے موضوع کی طرف آگیا "وہ جاننا چاہتا ہے کہ رابن مائر کا قصہ کتنا پرانا ہے؟"

"کل دوپہر میں ہم تمہارے ساتھ تھے تو ہمیں گمان بھی نہیں تھا کہ دنیا میں کسی شخص کا نام رابن مائر ہوگا۔"

"نہیں ڈینی!" رحمان نے تڑپ کر مجروح لہجے میں احتجاج کیا "ایسی ناقابلِ یقین باتیں مت کرو۔ کچھ چھپانا چاہتے ہو تو صاف کہہ دو۔ ہم تمہیں مجبور نہیں کریں گے.... چند گھنٹوں میں اتنا بڑا اور بے داغ شکار! یہ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"میں ڈینی کے اس دعوے کا گواہ ہوں۔ یہ رابن کے مقدر کی گردش تھی کہ وہ وقت کے گھومتے ہوئے بے رحم پہیے میں اپنی گردن دے بیٹھا۔" اول خان نے میری حمایت کی "ڈینی کی پوری کہانی سنو گے تو تمہیں اس کی ہر بات پر یقین آتا چلا جائے گا۔"

"پھر یہ عقل اور وجدان کا کوئی کرشمہ ہی ہوسکتا ہے" رحمان نے ہتھیار ڈال دیے۔

"رابن مائر پرسوں کراچی پہنچا' کل کے اخبار میں اس کی آمد کی خبر تھی جو میرے لیے بالکل غیر اہم تھی" میں نے اپنی بات شروع کردی "یہاں سے واپسی پر کسی نے مجھے بتایا کہ رابن مائر اسرائیل اور موساد کا کتنا بڑا ہمدرد ہے۔ میرے کان کھڑے ہوگئے اور اس کی آمد کے مقاصد پر غور شروع ہوگیا۔"

"کل کے اخبار میں اگر ایسی کوئی خبر موجود تھی تو میں نے اسے نظرانداز کردیا ہوگا" جلال بولا۔

"اس کے لیے پنڈت اور اس کی روپوشی سے آگاہ ہونے کے بعد موہنی اہم ہوسکتی تھی۔ اس نظریے کے تحت ہم نے سادہ سا ٹریپ تیار کرلیا۔ رابن ہمارے فعال ہونے سے بہت پہلے، صبح کے وقت موہنی سے بات کرچکا تھا مگر ہماری کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔"

میں نے اپنی جیب سے فون کالز کا ٹیپ نکال کر ان کے سامنے ڈال دیا "اس کی سائڈبی پر محفوظ، رخشی اور موہنی کی گفتگو سن لو۔ ہر بات واضح ہوجائے گی۔"

وہ ثبوت، شہادتوں اور ریکارڈ کے رسیا تھے۔ میرا مشورہ قبول کرکے رحمان نے فائلوں والی الماری سے ایک چھوٹا سا کیسٹ پلیئر نکالا اور ٹیپ کا سائڈبی چلادیا۔ دو تین کوششوں کے بعد ٹیپ کا مطلوبہ حصہ چل پڑا۔

وہ دونوں حیرت سے دانتوں میں انگلیاں دیے دونوں لڑکیوں کی گفتگو سنتے رہے۔ کال مکمل ہونے پر جلال نے ٹیپ بند کردیا اور گہرا سانس لے کر بولا "اور سالا رابن ہی اس کی موت کا سبب بن گیا۔"

"تم نے ان دونوں کو وہاں کیسے گھیرا تھا؟" رحمان نے پوچھا۔

"اس گفتگو کی روشنی میں سب کچھ آسان ہوگیا۔ میں پنڈت کی خواب گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ رابن کا ارادہ تھا کہ موہنی کو قتل کرکے وہاں آگ لگائے اور خاموشی سے نکل آئے۔ وہ میرا نشانہ بن گیا۔ محافظ کو کسی اور نے ماردیا۔ یہ بڑا اور بے داغ شکار ہماری توقع سے زیادہ آسان ثابت ہوا۔"

"رابن اور موہنی کے درمیان ہونے والی گفتگو تم کو یاد ہے؟" جلال نے پُرجوش لہجے میں پوچھا۔

"لفظ بہ لفظ نہیں، خلاصہ سناسکتا ہوں" میں نے جواب دیا "چاہو تو تم نوٹس بھی بناسکتے ہو۔"

"یہ گفتگو ریکارڈ پر نہیں لائی جاسکتی کیونکہ یہ صرف قاتل نے سنی ہوگی۔ گفتگو دہرائی گئی تو سوال اٹھے گا کہ رابن کو مارنے اور ہم تک گفتگو پہنچانے والا کون تھا؟" جلال نے صاف گوئی سے کہا۔

میں نے اپنے کانوں سے سنی ہوئی تقریباً ہر اہم بات ان کے سامنے دہرادی۔

"اگر رابن نے رستم کے بارے میں ذرا بھی شناسائی کا اظہار کیا تھا تو پھر رستم بھی ان کا ایجنٹ تھا" جلال نے فوراً وہ نکتہ پکڑلیا "وہ اسی وجہ سے کھل کر پنڈت کی پشت پناہی کررہا تھا۔ اس کی خودکشی کے بعد ہم نے اس پہلو کو بالکل نظرانداز کردیا تھا۔"

"ایک کوشش کے طور پر رستم کے کمرے کی تفصیلی تلاشی لی جاسکتی ہے" میں نے اپنی رائے دی "ایک امکان یہ بھی ہے کہ اس نے خودکشی سے پہلے وہ کاغذ تلف کردیے ہوں۔"

"اس کے بارے میں پنڈت بتادے گا" اول خان بولا "کسی چھان بین کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔"

"اپنی بیٹی کے قتل پر وہ بہت دل برداشتہ ہے" رحمان نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا "تم اس کی رگوں سے اچھی طرح واقف ہو۔ آئے ہو تو اس سے بھی مل لو۔ شاید اس سے کوئی نئی بات معلوم ہوجائے۔ کل صبح کی پرواز سے اسے اسلام آباد بھیج دیا جائے گا۔"

"تمہیں رابن کے بارے میں میری کہانی میں کوئی جھول تو نظر نہیں آیا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"جھول نہیں ہے لیکن تمہاری سوچ کی سمت بہت حیرت ناک ہے" رحمان نے پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا "رابن مائر کے بارے میں وہ سب باتیں سن کر ہم میں سے کسی کو بھی موہنی کا خیال نہیں آسکتا تھا۔"

"ڈینی کو سب سے پہلے اسی کا خیال آیا تھا" اول خان نے بتایا "اس کا کریڈٹ یہی ہے کہ اسے صحیح وقت پر صحیح باتیں سوجھتی رہتی ہیں۔"

"میں ایک بات سمجھنے سے قاصر ہوں" جلال نے کہا "اسے پنڈت کے گھر جانے کا خطرہ مول لینے کی کیا مجبوری تھی؟ اس کام کے لیے وہ اپنے کسی آدمی کو بھی بھیج سکتا تھا۔"

"یہی ایک بات ان تین کاغذوں کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ وہ تینوں کاغذ اکٹھے ہوں تو تھیوری بن جاتے ہیں۔ الگ الگ ہر کاغذ بے وقعت ہے۔ وہ کمرے میں کاغذ تلاش کرنے آیا تھا۔ سازوسامان کا انبار دیکھ کر اس نے تلاشی میں وقت برباد کرنے کے بجائے وہاں آگ لگانے کا فیصلہ کرلیا۔"

"کتنی عجیب بات ہے کہ کل شام پنڈت نے رابن مائر سے اپنے تعلق کا اعتراف کیا اور رات کو وہ مارا گیا" جلال نے رحمان سے کہا "سارے اتفاقات ایک ساتھ رونما ہونے تھے۔"

"جس نامی تنظیم کا نام پہلی بار ہمارے سامنے آیا ہے" رحمان بولا "اس میں رابن کا یقیناً کوئی اہم کردار تھا۔ وہ اپنی تنظیم کا نام دوسرے لوگوں سے بچائے رکھنا چاہتا تھا۔

رازداری برقرار رکھنے کی یہ سرتوڑ کوشش اسے لے ڈوبی۔ رستم کے گھر سے پنڈت کا فون ملنے کے بعد وہ حالات سنبھالنے کے ارادے سے یہاں کے لیے روانہ ہوا لیکن اس کے پہنچنے کے چند گھنٹوں بعد ہی رستم اور پنڈت کا کھیل ختم ہو چکا تھا۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میرا بھی یہی نظریہ ہے" میں نے رحمان کی تائید کی "اسے اسلام آباد میں کوئی سرکاری کام نہیں تھا۔ وہ واشنگٹن سے صرف کراچی کے لیے آیا تھا۔"

ہم چاروں ایک مرتبہ پھر پنڈت منوہر لال سے مشترکہ ملاقات کے لیے چل دیے۔

وہ آرام سے اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ خوراک کی فراہمی کا سلسلہ شروع ہو جانے پر اس کی حالت بہت حد تک سنبھل چکی تھی۔ زخموں پر بھی صفائی اور ڈریسنگ کی گئی تھی۔

اس نے سوجے ہوئے زخمی پپوٹوں کے درمیان بھنچی ہوئی پتلیوں سے ہماری طرف دیکھا اور کمزور آواز میں بولا "تم پھر آگئے...... کل تم نے مجھے بہت بے رحمی سے مارا تھا۔"

"اسی کے بعد تم نے خود کو بہت سی سہولتوں کا اہل ثابت کیا ہے" میں نے کسی ندامت کے بغیر کہا پھر سوال کیا "رستم کو تم نے موساد کی ذیلی تنظیم کی رکنیت دلائی تھی؟"

"الٹی بات کہہ رہے ہو" اس نے لمحہ بھر میں وہ پہیلی حل کر دی "وہ مجھ سے بڑا تھا اسی لیے سارے کام مجھ کو کرنے پڑتے تھے۔ وہ مر کے رسوا ہونے سے بچ گیا اور میں زندگی میں ذلیل و رسوا ہو گیا۔ کل رات رابن نے میری بیٹی کو مار ڈالا۔ وہ مجھے بچانے کا وعدہ کر کے آیا تھا اور میری بچی کا خون پی گیا۔"

"ایسے کام بگڑ جائیں تو یہی انجام ہوتا ہے" میں نے تھوڑی سی ہمدردی جتائی۔

"ذرا سی دیر میں میرے اور رستم کے خاندان برباد ہو گئے۔ اب مجھے زندہ رہنے کی کوئی آرزو نہیں رہی۔ میری ہر امنگ دم توڑ چکی ہے اور میں اپنے انجام کا انتظار کر رہا ہوں" میری طرف سے ہمدردی کے اظہار پر اس کی آواز میں رچی ہوئی مایوسی کچھ اور گہری ہو گئی۔

"مرنے کی خواہش بزدلی ہے۔ انہوں نے تمہارے دو گھر اجاڑے، تم ان کی پوری تنظیم کو فنا کر دو۔ وہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے کیونکہ اب تم اکیلے ہو" میں نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

"میں اپنے ناتواں کندھوں پر اتنی بڑی ذمے داری کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ تم مجھے ورغلانے کی کوشش مت کرو۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ کسی نیک دل نے میری بیٹی کے قاتل کو بھی مار ڈالا اور میرا کلیجا ٹھنڈا کر دیا۔ میرے ساتھ اتنی مہربانی ضرور کرنا کہ اس کی چتا جلانے کے لیے مجھے چھوڑ دینا۔ اس کے بدن کی راکھ اپنی پیشانی پر مل کر میں خود اسی کمرے میں آجاؤں گا۔"

"تمہیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ تم زبان کھولو گے اور ہم ان کے چیتھڑے اڑائیں گے۔"

"ابھی میرا دل زخمی ہے۔ مجھ سے ایسی باتیں مت کرو" وہ فضا میں ہاتھ اٹھا کر بولا۔

اس کی حالت واقعی اچھی نہیں تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں انتقام کا بیج بو دیا تھا جو سوکھ جاتا تو ہمارا کچھ نہ بگڑتا، پھوٹ نکلتا تو بہت کچھ ہو سکتا تھا۔

ہم چاروں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اس کمرے سے نکل آئے۔

"رستم تو اس پنڈت کا باپ نکلا" رحمان نے راہداری میں پہنچ کر کہا "اب سمجھ میں آیا کہ ان دونوں میں اتنی گاڑھی کیوں چھنتی تھی۔"

"باتیں اتنی دور نکل گئی ہیں تو کیوں نہ اوبی کی بات بھی ہو جائے" اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

"رستم نے ہمارے لیے وہی ایک بہترین کام کیا تھا۔ دشمن کے عیبوں کے ساتھ اس کی خوبیوں کا بھی ذکر کرنا چاہیے" میں نے مسکرا کر کہا "آف دی ریکارڈ بتانے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔"

ہم کمرے میں پہنچ چکے تھے۔ جلال نے پوچھا "رستم کے ساتھ اوبی کا ذکر کہاں سے آگیا؟"

"تم اوبی سے واقف ہو؟" اول خان کے چہرے پر حیرت کے آثار ابھر آئے۔

"اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے محکمے میں سفید شیطان کے نام سے مشہور تھا۔"

"مگر وہ تو پچھلے ہفتے نئی دہلی میں ٹریفک کے ایک حادثے میں مارا جا چکا ہے" رحمان نے کہا۔

"میں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ ٹریفک کے اس خونیں حادثے کا اہتمام رستم نے کیا تھا" اول خان کے اس انکشاف پر وہ دونوں ششدر رہ گئے۔

"آج ہمارے لیے حیرتوں کا دن ہے" جلال نے کہا "رستم کو اس سے کیا پرخاش تھی؟"

"رستم کو کسی کی پرخاش نہیں تھی۔ وہ تو صرف کرائے کا

قاتل تھا۔ ملک ممتاز نے اس کام کے لیے رستم کو اپنی جیب سے دس لاکھ روپے ادا کیے تھے۔"

"ملک ممتاز یعنی ڈینی؟" جلال نے میری طرف دیکھا۔ میں نے اپنا سر خم کردیا۔ اس نے فوراً ہی سوال داغ دیا "تمہارے پاس اتنی بڑی رقم موجود تھی؟"

"ملک کے لیے میں اس سے بڑی رقم بھی خرچ کرسکتا ہوں۔ اول خان اس رقم کی واپسی کے لیے کوشش کررہا ہے۔ شاید ایس ٹی ایف وہ رقم ادا کردے" میں نے صورتِ حال واضح کردی۔

"یہ سیکرٹ فنڈز کا وہ کیس تو نہیں تو جس میں پہلے سات لاکھ مانگے گئے تھے بعد میں تین لاکھ کا اضافہ ہوگیا تھا؟" جلال نے تائید طلب لہجے میں اول خان سے پوچھا۔

"ڈہی کیس تھا۔ رستم نے پہلے سات مانگے تھے۔ ڈینی سات لے کر پہنچا تو اس نے مزید تین لاکھ کا مطالبہ کردیا مگر یہ ضرور ہوا کہ کام بہت صفائی سے ہوگیا۔ اس کا ایشین پلان ہمارے لیے تباہ کن تھا۔"

"وہ حادثہ اس قدر مکمل تھا کہ کسی کو ابھی تک سازش کا شبہ نہیں ہوسکا۔ وہ سودا دس کیا' پندرہ لاکھ میں بھی برا نہیں تھا۔ ڈینی اور ایس ٹی ایف کے کرنل جمال دستی کے خلاف اس کی شکایتیں میرے پاس ہی آئی تھیں۔ بعد میں اس نے کرنل والی شکایت واپس لے لی تھی۔"

"اس کی پالتو کتیا کو بند فلیٹ میں زہریلی گیس دے کر تم لوگوں نے ہی مارا تھا" رحمان نے جلال کے بعد اپنی معلومات کا اظہار ضروری سمجھتے ہوئے واقعات کو دہرایا "اس حادثے سے خوف زدہ ہوکر وہ فوراً ہی نئی دہلی بھاگ گیا تھا۔ تم نے وہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔"

"یہ بریفنگ زبانی اوپر تک جائے گی" جلال نے کہا "یہ واقعات اس قدر سنگین ہیں کہ کوئی بھی انہیں قلم بند کرنا پسند نہیں کرے گا۔ اب پتا چلا کہ تمہارے خلاف شکایات کا طوفان کیوں تھما ہوا ہے۔ تم نے ڈینی کو ملک ممتاز کے لبادے میں چھپادیا تھا۔"

"اب وہ لباس اتر چکا ہے۔ مجھے کوئی نیا نام اختیار کرنا پڑے گا" میں نے کہا۔

"اگر تم برا محسوس نہ کرو تو موہنی اور رخشی کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ٹیپ ہم لے لیں۔ اس میں رابن کے خلاف ایک مضبوط شہادت موجود ہے" رحمان نے مجھ سے کہا کیونکہ میں نے کچھ دیر قبل وہ کیسٹ میز سے اٹھا کر دوبارہ اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے پوچھا "میرا تو خیال ہے کہ تم رابن کے قتل کے بارے میں بدستور انجان اور بے خبر بنے رہو۔ زبانی بریفنگ پر اکتفا کرو۔ یہ نازک معاملہ تمہارے ریکارڈ پر آنے سے پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں' ان کا سامنا کرنا دشوار ہوجائے گا۔"

"پیچیدگیاں تو پیدا ہوں گی" وہ سوچتے ہوئے بولا "پہلا سوال یہی اٹھ کھڑا ہوگا کہ موہنی کے فون پر آبزرویشن کیوں لگا ہوا تھا اور جب ان دونوں لڑکیوں کی گفتگو ریکارڈ ہوگئی تھی تو اس ملاقات کے بارے میں ہم نے کیا قدم اٹھایا جو تین افراد کے قتل پر منتج ہوئی۔"

"یہ دونوں سوال سطحی ہیں۔ اپنے گھر پر چوری اور پھر روپوشی کے بعد پنڈت منوہر لال بہت زیادہ مشتبہ ہوچکا تھا۔ مشتبہ افراد کا فون ہر ملک میں سنا اور ٹیپ کیا جاتا ہے۔ یہ گفتگو صرف ٹیپ ہوئی تھی۔ اسے سننے کی ضرورت واردات کے بعد پیش آئی۔ اس وقت تک سب کچھ ہوچکا تھا۔"

"اصل مسئلے تو تم نے خود حل کردیے۔ پھر اب کیا رہ جاتا ہے؟" رحمان ہنس پڑا۔

"کیسٹ تم لے سکتے ہو" وہ میں نے اس کے سامنے ڈال دیا "تمہارے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ رخشی کا بیان سامنے ہے۔ اس نے پولیس کو موہنی کے گھر بھیجا تھا اور خود

بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔ اس معاملے میں تمہاری ذرا سی بھی پیشگی باخبری کے بعد رابن مائر کے قاتل کی نشان دہی بلکہ گرفتاری تمہارا فرض بن جائے گا۔ امریکی ہر قیمت پر یہ جاننا چاہیں گے کہ رابن کا قاتل کون تھا۔"

"وہ ایک مشتبہ شخص کے گھر پر مارا گیا۔ مجاز حکام کو خبر کیے بغیر اس نے ایک مقامی کے گھر جاکر سفارتی آداب پامال کیے۔ ان سب حقائق کے باوجود وہ رابن کے قتل پر احتجاج کریں گے اور اس کے قاتل کو عبرت ناک سزا دینے کا مطالبہ کریں گے۔"

"یہ رسمی باتیں ضرور ہوں گی مگر ان میں کوئی وزن نہیں ہوگا کیونکہ ان کا کوئی جواز نہیں بنتا" میں نے کہا "میرا مشورہ ہے کہ اپنی رپورٹ پنڈت تک ہی محدود رکھو۔ اس کے بیان میں سب کچھ آچکا ہے۔ وہ رابن مائر سے رابطوں کا بھی انکشاف کرچکا ہے۔ رابن کی کہانی کو تاریکی میں ہی رہنے دو۔ فی الحال بریفنگ سے کام چلانے کی کوشش کرو۔ یہ احتیاط بعد میں تمہارے کام آسکتی ہے۔"

"مسئلہ وہی ہے کہ پنڈت مقامی شہری ہے۔ دباؤ کے تحت کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ اس کو ثابت کرنے کے لیے کچھ مضبوط شہادتیں بھی درکار ہیں۔ وہ رابن کیس سے ملتی ہیں۔"

"یہاں تم کو مدافعانہ نہیں' ذرا جارحانہ رویہ اختیار کرنا ہوگا۔ اپنی کارکردگی دکھانے کے بجائے جواب دہی کا بوجھ ان پر ڈالا جائے۔ وہ رستم کے خلاف کارروائی سے پہلے کراچی کیوں پہنچا تھا؟ پنڈت کے گھر وہ کس نیت سے گیا تھا؟ اس نے موہنی کو کیوں قتل کیا؟ سب سے بڑا سوال یہ ہوسکتا ہے کہ کراچی میں اس کے مزید کن لوگوں سے روابط تھے۔ ان ہی میں سے کوئی اس کا قاتل ہوسکتا ہے۔"

"رحمان! یہ لائن زیادہ بہتر رہے گی... ہم تو شروع سے آخر تک بے خبر تھے۔ وہ اپنی مرضی سے یہاں آیا' من مانی کرتا رہا اور اپنے درپردہ معاملات کی بنا پر کسی حریف کے ہاتھوں مارا گیا۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ کراچی میں وہ کن لوگوں سے مل چکا تھا' قاتل کا چہرہ سامنے نہیں آسکے گا۔"

فوراً ہی میرے ذہن میں ایک اہم ترین نکتہ آگیا "تمہارے پاس بعض ناقابل تردید ثبوت ہیں۔ پنڈت اپنی رپورٹیں باقاعدگی سے اسے فیکس کرتا رہا تھا۔ رستم کے گھر سے اسے فون کیا گیا ہوگا۔ ان دونوں کے گھروں پر لگے ہوئے ٹیلی فونوں کے نئے اور پرانے بل نکالے جائیں تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔"

وہ بالکل سامنے کی بات تھی۔ فون بل کے سلسلے میں مقامی نمبر دستیاب نہیں ہوتے لیکن بیرونِ شہر اور بیرونِ ملک کی جانے والی ہر کال کا وقت' دورانیہ اور ملائے جانے والے فون کا نمبر بل کی تفصیلات میں شامل ہوتا ہے۔ میری نشان دہی پر ان دونوں کے چہرے کھل اٹھے۔

"اب کام بہت آسان ہوجائے گا" جلال نے پورے اعتماد سے کہا "وضاحتیں پیش کرنے کے بجائے ہم معلومات طلب کرنے کی پوزیشن میں آجائیں گے۔ واشنگٹن میں رابن کے دفتری اور گھریلو فون بل کی نقول مانگی جاسکتی ہیں۔ ان سے پتا چلے گا کہ وہ پاکستان بلکہ کراچی میں کس کس سے رابطے میں تھا۔"

اول خان کے بشرے پر بھی اطمینان کے تاثرات پھیل گئے۔

وہ لوگ پنڈت کو اسلام آباد میں پیش کرنے کے لیے ایک آخری فیصلے پر پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے تھے اور میرا ذہن اپنی ہی بجھائی ہوئی تجویز میں الجھا ہوا تھا۔

فون بل شہری یا مقامی حدود سے باہر کسی بھی شخص کے نجی اور کاروباری رابطوں کا ایک بھرپور خلاصہ ہوتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ بل کی اس اہمیت پر کسی شخص یا ادارے نے غور نہیں کیا تھا ورنہ ایک بل میں باربار نمودار ہونے والے نمبر کی بنا پر بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا تھا۔

"پہلے میرا ارادہ تھا کہ پنڈت کو کسی پارٹی کی نگرانی میں صبح اسلام آباد بھیج دیا جائے مگر اب زبانی بریفنگ کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔ ہم دونوں کو اس کے ساتھ جانا پڑے گا" باہمی مشاورت کے بعد ان دونوں نے اعلان کیا۔

"یہ خیال رکھنا کہ اسے موہنی کی ارتھی اٹھانے اور چتا جلانے کا موقع ضرور دیا جائے" اول خان نے یاد دلایا۔

"تم کہتے ہو تو اس کی یہ رسوم اسلام آباد میں ہی ادا کرانے کا بندوبست کرنا ہوگا۔ پنڈت کو ہم کراچی میں نہیں روک سکتے" جلال نے پورے احترام سے جواب دیا۔

"وہ مجرم ہونے کے ساتھ ایک باپ بھی ہے ورنہ تم جانتے ہو کہ مجھے پنڈت سے ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے" اول خان کو اس کا جواب سن کر فوراً ہی وضاحت کرنے کی ضرورت پیش آگئی۔

موہنی بے راہ رو اور رنگین مزاج لڑکی تھی۔ وہ شہر کے جرائم پیشہ لوگوں کی آلۂ کار بنی ہوئی تھی مگر پھر بھی اس کا انجام اس کے گناہوں سے زیادہ اندوہناک تھا۔ اس کے ذکر پر میرے دل پر ایک بے نام سا بوجھ سوار ہوگیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

اسلام آباد ملک میں طاقت' اختیار' تمکنت اور ریاستی شوکت وجبروت کا مظہر شہر ہے۔ وہاں بیٹھنے والوں نے پنڈت منوہر لال کو اپنے روبہ رو طلب کیا تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ پنڈت کو کراچی میں روکا جاتا یا اس کی روانگی میں غیر ضروری تاخیر کی جاتی۔

پنڈت منوہر لال جیسے خطرناک سازشی مہرے کے لیے وہ ایک اندھی سرنگ کا ہولناک سفر تھا۔ ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ سفر کے اختتام پر اس کا کیا انجام ہوگا۔ اسے ایک معزز مہمان اور اقبالی گواہ کے طور پر ہاتھوں ہاتھ لے کر امریکیوں کے سامنے پیش کیا جائے گا یا اسے بدترین تشدد کی آخری بھٹی میں جھونک کر کیفرِ کردار کو پہنچا دیا جائے گا۔ اس صورت میں موہنی پنڈت کی لاش آئی بی والوں کے لیے ایک مسئلہ بن گئی تھی۔ پنڈت نے اپنی بیٹی کی ارتھی کو کندھا دینے اور اس کی چتا کی راکھ اپنی پیشانی پر ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ پنڈت کی اس خواہش کا اعادہ کر کے اول خان نے جلال اور رحمان کو مشکل میں ڈال دیا تھا۔

پنڈت کے غیر یقینی مستقبل کی وجہ سے وہ اس کی واپسی کے انتظار میں نہ موہنی کی لاش برف خانے میں رکھ سکتے تھے نہ پنڈت کی روانگی التوا میں ڈال کر جلد از جلد موہنی کی چتا جلانے کا بندوبست کر سکتے تھے۔ ایسے میں موزوں ترین فیصلہ یہی تھا کہ موہنی کی لاش پنڈت کے ساتھ اسلام آباد روانہ کر دی جائے اور وہیں اس کے کریا کرم کا بندوبست ہو جائے۔

اس پورے قصے میں تحریری واقعات کے مقابلے میں زبانی بریفنگ زیادہ وسیع اور اہم تھی جس کی وجہ سے آئی بی کے ان دونوں افسروں کا اسلام آباد جانا ضروری تھا۔ وہ ساتھ ہوتے تو اپنے افسرانِ بالا سے کہہ سن کر پنڈت کی آخری خواہش کی تکمیل کا بندوبست کر سکتے تھے۔

جلال اور رحمان کے ساتھ وہ نکات طے کر کے ہم واپس روانہ ہو گئے۔ موہنی پنڈت کے قتل کا واقعہ تازہ یا نیا نہیں تھا لیکن اس کی موت پر پنڈت منوہر لال کا ردِ عمل ہم دونوں کے لیے ہی غیر متوقع تھا۔ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش تھے کہ راستے میں ایریٹس بول پڑا۔

"چارلی اسپیکنگ... اوور!" اشارہ موصول ہوتے ہی اول خان نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا اور دوسرے ہاتھ میں ایریٹس سنبھال لیا۔

صدف مینشن کی ملاقات میں آئی بی والے یہ بتا چکے تھے کہ رستم کے گھر پر کامیاب آپریشن کے بعد پولیس اور دوسری ایجنسیوں سے وہ ایریٹس واپس لے لیے گئے تھے۔ اس وقت وہ فریکوئنسی صرف ہمارے اور ان کے درمیان رابطے کے لیے استعمال ہو رہی تھی۔

"الفا کالنگ!" ریڈیائی شور میں جلال کی بھرائی ہوئی آواز ابھری "اسلام آباد والے شاید سخت دباؤ میں ہیں۔ ہمیں ایک گھنٹے بعد ائرفورس کے ایک جہاز سے وہاں کے لیے روانہ ہونا ہے... تمہارے جانے کے بعد ہمیں ابھی ابھی یہ پیغام ملا ہے... اوور!"

"پنڈت کے گھر پر مارا جانے والا کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ یہ سب غیر متوقع نہیں ہے... اوور!" اول خان کی آواز تفکر آمیز تھی۔

"رستم کے بارے میں بھی ریکارڈ طلب کیا گیا ہے" جلال کی پُر تشویش آواز ابھری "اس بارے میں ہمارے پاس سرے سے کوئی ریکارڈ ہی نہیں ہے۔ بس تمہاری فراہم کی ہوئی چند اطلاعات تھیں۔ تم سے ملنے والے نل ابیب کے فون نمبر کنفرم ہوتے ہی آپریشن کی داغ بیل ڈال دی گئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ ہم اپنے ساتھ کیا لے کر جائیں گے' اوور۔"

"رستم!" اول خان نے چونک کر دہرایا "اس کے بارے میں اچانک ریکارڈ کی کیا ضرورت پیش آگئی؟ وہ واقعہ تو اب پرانا ہو چکا ہے' اوور!"

"کسی بین الاقوامی ادارے نے کچھ انسانی حقوق کا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے" جلال ایریٹس پر بتا رہا تھا "تمہیں معلوم ہے کہ رستم ایران سے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ کر پاکستان آیا تھا۔ وہ بہائی فرقے سے تعلق رکھتا تھا اور اُن دنوں ایران میں بہائیوں کے لیے کہیں پناہ نہیں تھی... اوور!"

"مگر یہ اتنے پرانے گڑے مردے اکھاڑنے کی اب کیا ضرورت پیش آرہی ہے؟ اوور!" اول خان کی بے اندازہ حیرت میرے لیے تعجب انگیز نہیں تھی۔

"ناک گھما کر پکڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ رستم کی خودکشی کو پاکستان میں اقلیتوں کے عدم تحفظ کا مسئلہ بنایا جا رہا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اس کے گھر پر لشکر کشی کر کے غریب کو اتنا دہشت زدہ کیا گیا کہ اس نے اپنے نواسے سمیت خودکشی کر لی' اوور۔"

"دُم پر پاؤں پڑتا ہے تو یہ سؤر کے بچے ایسی ہی موشگافیاں شروع کر دیتے ہیں" اول خان چراغ پا ہو گیا "اس کے خلاف پنڈت منوہر لال جیتا جاگتا ریکارڈ ہے۔ وہ خود

انہیں بتادے گا کہ رستم بھی یہودیوں کا آلۂ کار تھا اور رابن مائر سے رابطے رکھتا تھا۔۔۔ اوور!"

"اوہ!" اول خان کے جواب نے شاید جلال کو چونکا دیا "بوکھلاہٹ میں، میں بھول ہی گیا تھا کہ پنڈت نے رستم کا بھی پردہ چاک کردیا ہے۔ دونوں کے فون بلوں سے یہ بات ثابت ہوجائے گی کہ وہ واشنگٹن میں رابن مائر سے قریبی رابطے رکھتے تھے۔ ہمارے پاس ریکارڈ سے زیادہ جرم کا ثبوت موجود ہے۔۔۔ اوور!"

"ہوسکتا ہے کہ ابھی تمہیں اس بارے میں تفصیل کا علم نہ ہو لیکن اسلام آباد پہنچنے کے بعد یہ ضرور بتانا کہ رستم کی خودکشی پر انسانی حقوق کا شوشا کس نے کھڑا کیا ہے۔ اوور!"

"معصوم نقابوں میں چھپے ہوئے ایسے سازشی چہروں میں ہم بھی دلچسپی لیتے ہیں۔ میں تمہیں ضرور بتاؤں گا۔ شاید اس وقت ملک ممتاز بھی تمہارے ساتھ ہی ہوگا؟ اوور!" اول خان کے مطالبے کا جواب دے کر جلال نے دریافت کیا اور اول خان نے ایرپیس مجھے تھمادیا۔

"اگلے نام کے انتخاب تک مجھے صرف ملک ہی رہنے دو۔ ملک ممتاز کا نام تمہارے ریکارڈ پر آیا ہوا ہے۔۔۔ اوور!" میں نے ایرپیس لیتے ہی جلال کو یاد دلایا۔

"ٹھیک ہے، میں احتیاط کروں گا مگر یہ سسٹم اتنا فول پروف ہے کہ اس پر ہماری کوئی بات کہیں نہیں سنی جاسکتی۔۔۔ تم ہمارے پروگرام سے متفق ہونا؟ اوور!"

"اس وقت اٹھائے جانے والے ہر نازک سوال کا جواب پنڈت منوہر لال کے پاس موجود ہے مگر اس بارے میں میرے کچھ تحفظات ہیں، اوور۔"

"میں وہی جاننا چاہتا ہوں" جلال کی مضطربانہ آواز ابھری "ہمارے پاس وقت کم ہے۔ ہمیں قیدی کو لے کر شارع فیصل ایربیس بھی پہنچنا ہے۔۔۔ تم کیا سوچ رہے ہو؟ اوور۔"

"پنڈت سے ملنے والی معلومات کو پوری طرح استعمال کرو مگر فی الحال اس کا نام سامنے نہ لاؤ۔ اس وقت وہی ہمارے قابو میں ہے۔ اس کا نام کھول دیا گیا تو ہم اپنا کام آگے نہیں بڑھاسکیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی امریکی یا یہودی ایجنٹ اسے ٹھکانے ہی لگادے۔ اوور۔"

"تم چاہتے ہو کہ اسے اسلام آباد میں امریکیوں کے سامنے پیش نہ کیا جائے؟ اوور۔"

"نہ صرف یہ احتیاط ناگزیر ہے بلکہ اس کا نام بھی۔۔۔ فی الحال صیغۂ راز میں رہنا چاہیے۔ سب جانتے ہیں کہ وہ کئی دن سے مفرور اور روپوش ہے، اوور۔"

"اس کے گھر سے رابن مائر کی لاش برآمد ہونے کے بعد وہ یک بہ یک اہمیت اختیار کرگیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسلام آباد والوں پر اس وقت پنڈت ہی کی تلاش کا دباؤ ہو، اوور۔"

"اسے پیش کرکے ہم اپنے حریفوں کی خواہش پوری کریں گے، اوور۔"

"اس کا نام پردے میں رکھ کر "جس" کے بارے میں ملنے والے تینوں کاغذوں کو منظرِعام پر لانا ممکن نہیں رہے گا۔ ان کاغذوں کی بنیاد پر ہی کارروائی آگے بڑھی تھی، اوور۔"

"جلال! تم ایک تجربے کار سروس آفیسر ہو۔ اپنے حریفوں بلکہ دشمنوں کے سامنے اتنی معصومانہ سچائیاں پیش کرکے ہم سراسر خسارے میں رہیں گے۔ سب کچھ بدل ڈالو، اوور!"

"کیسے۔۔۔ کیسے۔۔؟" ایرپیس پر اس کی آواز مضطربانہ ہوگئی "وقت گزرا چلا جارہا ہے۔ تم صحیح سمت کی نشان دہی کررہے ہو لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اتنی کم مدت میں یہ تبدیلیاں کیسے لائی جاسکتی ہیں۔ تمہارے ذہن میں کوئی خاکہ ہو تو مجھے بتاؤ، اوور۔"

میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں فوری طور پر جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس کے مضطربانہ استفسار پر میرے ذہن کی چرخی چل پڑی اور خود بہ خود رستم کا پُرعزم چہرہ میری نگاہوں کے سامنے مجسم ہوتا چلا گیا۔

میرے انگوٹھے کا دباؤ پیغام نشر کرنے والے بٹن پر تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس دوران میں جلال اپنی آواز ہم تک نہیں پہنچاسکتا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری طویل ہوتی ہوئی خاموشی اس کے لیے اعصاب شکن ثابت ہورہی ہوگی مگر میرے پاس کوئی فوری جواب موجود نہیں تھا۔

چند ثانیوں کے توقف کے بعد جوں ہی نکتہ میرے ذہن میں آیا، میں نے بولنا شروع کردیا "پنڈت کو ابھی روپوش ہی رہنے دو۔ شہر میں عملی طور پر بھی اس کی تلاش جاری رہنی چاہیے۔ تم آسانی سے دعویٰ کرسکتے ہو کہ "جس" والے کاغذ رستم کے گھر سے برآمد ہوئے ہیں، اوور۔"

"ویری گڈ!" جلال کی آواز خوشی سے بھرپور تھی۔ "اب بات بن جائے گی، اوور۔"

"اس کہانی سے رستم کے چہرے سے نقاب ہٹ جائے گی اور اس کے حق میں آواز اٹھانے والے منافق ہوش میں آجائیں گے۔ پنڈت نے خود اعتراف کیا ہے کہ رستم "جس"

کا پرانا رکن تھا۔ اوور!"
"تم نے زبردست راہ دکھائی ہے" جلال کی آواز تشکّر آمیز تھی "میرے ذہن میں سارے نکتے آنے لگے ہیں۔ تم کو اب اسی اپریٹس پر میرا اگلا پیغام ملے گا' اوور!"
"تو کیا اس کی رینج اتنی زیادہ ہے کہ یہ کراچی اور اسلام آباد کے درمیان بھی کام کرتا رہے گا؟ اوور!" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"یہ اتنا طاقتور نہیں ہے مگر میرا کوئی بھی آدمی تمہیں میرے رابطے سے آگاہ کرے گا..... میں قیمتی مشورے کے لیے تمہارا شکرگزار ہوں۔ فی الحال خدا حافظ.... اوور اینڈ آل۔"
اپریٹس خاموش ہوگیا۔ گاڑی ہمارے گھر کے لیے آخری موڑ لے چکی تھی۔ شاید سلطان شاہ کے کان اول خان کی گاڑی کے انجن کی آواز سے مانوس ہوچکے تھے۔ اس نے فوراً ہی پھاٹک کھول دیا اور اول خان نے گاڑی پورچ میں لے جاکر بند کردی۔
"بھاگ دوڑ اور مار دھاڑ کے بعد تم دونوں کی سرگرمیاں اچانک ہی کچھ پُراسرار ہوگئی ہیں" سلطان شاہ نے ہمارا استقبال کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔
"مار دھاڑ کے مقاصد مجرمانہ ہوں تو اس سے زیادہ آسان کام کوئی اور نہیں ہوتا۔ بامقصد کارروائی کے لیے جواز پیش کرنے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے" میں نے کہا۔
گھر میں قدم رکھتے ہی ہمارا ویرا سے سامنا ہوا۔ اس نے دانستہ مجھے نظرانداز کرتے ہوئے اول خان سے مخاطب ہوکر کہا "سنا ہے کہ آئی بی والے تمہارے جوڑوں میں بیٹھتے جارہے ہیں؟"
ویرا کے استہزائیہ لہجے پر اول خان نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور جواب دیا "ہر ادارہ ایس ٹی ایف ہوتا ہے اور نہ ہر اہل کار اول خان۔ آئینی اور قانونی اداروں کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ انہیں دھیان میں نہ رکھا جائے تو انتہائی نیک نیتی سے کام کرنے والوں کو بھی لینے کے دینے پڑجاتے ہیں۔"
"اب تو شاید رابن مائر کا معاملہ چل نکلا ہوگا..... وہ ان کا بہت اہم آدمی تھا" ویرا نے ڈرائنگ روم میں نشست سنبھالتے ہوئے اپنی رائے ظاہر کی۔
"سب ہی کچھ ساتھ ساتھ چل رہا ہے" اول خان نے بے پروائی سے جواب دیا "رابن مائر' پنڈت منوہرلال اور سیٹھ رستم ایرانی۔ ان واقعات سے اڑنے والی دھول رفتہ رفتہ ہی بیٹھے گی۔"
"تو کیا پنڈت منوہرلال کی گرفتاری ریکارڈ پر آگئی ہے؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔
"وہی مجبوریاں درپیش ہیں۔ آئی بی والوں کے دو ریکارڈ ہوتے ہیں۔ ایک افسرانِ بالا کے لیے اور دوسرا باضابطہ۔ بڑے ہی یہ فیصلہ کریں گے کہ پنڈت کی گرفتاری صیغۂ راز میں رکھی جائے یا ظاہر کردی جائے۔ تم اس بارے میں کیوں فکرمند ہو؟"
"فی الحال اسے پردے میں رہنا چاہیے۔" ویرا نے نادانستگی میں میری رائے کی توثیق کی "ابھی اس سے بہت کچھ اگلوانا باقی ہے۔ وہ آسانی سے زبان نہیں کھولے گا۔"
اول خان کی استفہامیہ نظریں میری طرف اٹھ گئیں جیسے وہ ویرا کے کیے ہوئے سوال کا جواب میری زبان سے سننا چاہ رہا ہو۔
"ویرا کے اور تمہارے معاملات میں' میں ٹانگ نہیں اڑاؤں گا" میں نے مسکرا کر کہا۔
"یہ میرا نہیں' ہم سب کا مسئلہ ہے۔" اس مرتبہ ویرا مجھے گھورتے ہوئے بولی۔
"یہ ٹھیک کہہ رہی ہے" سلطان شاہ نے پُرزور لہجے میں لقمہ دیا۔ "پنڈت نے اسے اغوا تو نہیں کیا تھا جو صرف اسی کو اس کے انجام کی فکر ہو' دوسروں کو بھی....."
"اپنی زہرافشانی بند کرو" ویرا نے غرا کر اسے ڈانٹ دیا "اب بولے تو میں ہاتھ مار دوں گی۔"
"کیسی بدقسمتی ہے کہ چوپائے بھی اپنے اگلے پیروں کو ہاتھ سمجھتے ہیں؟" سلطان شاہ کراہا۔
دھیمی آواز میں کہا ہوا وہ فقرہ ویرا کی سمجھ میں نہیں آسکا۔ اس سے پہلے کہ وہ سلطان شاہ پر دوبارہ برستی' میں بول پڑا "رابن مائر کے ہاتھوں اپنی اکلوتی بیٹی کے قتل کی خبر نے پنڈت منوہرلال کو اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے....."
"رابن مائر سے اپنے رابطے کا اعتراف اس نے کل ہماری کارروائی سے پہلے ہی کرلیا تھا" ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا "اس سے پہلے شاید ہم موہنی اور رخشی کی گفتگو کا کیسٹ حاصل کرچکے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ گفتگو پنڈت کے اعتراف کے بعد سنی گئی تھی۔"
"تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر اب پنڈت نے ایک بڑا انکشاف کیا ہے۔ رستم ایرانی بظاہر سیاسی جرائم اور دہشت گردیوں سے دور رہتا تھا مگر وہ خود "ہُجس" کا پرانا رکن تھا۔ اسی نے بعد میں پنڈت منوہرلال کو "ہُجس" کا رکن بنوایا تھا اور سارا کام اسی پر لاد دیا تھا۔"

وہ انکشاف سنتے ہی ویرا اپنی جگہ پر اچھل پڑی "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے کہ پنڈت نے اپنی کھال بچانے یا تم سے کچھ رعایتیں حاصل کرنے کے لیے یہ کہانی گھڑلی ہو۔"

"تم واقعات سے پوری طرح باخبر نہیں ہو اس لیے ایسا سوچ رہی ہو" اول خان نے اس کی تصحیح کی "پنڈت نے یہ انکشاف انتہائی مایوسی اور بے بسی کے عالم میں کیا ہے۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اسے ہماری طرف سے ذرا بھی رعایت نہیں مل سکے گی۔"

"وہ پرلے درجے کا مکّار اور جھوٹا ہے۔ میں مان ہی نہیں سکتی کہ رستم کا موساد یا "رجس" سے کوئی تعلق تھا۔ پنڈت نے تم کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے" ویرا نے پُرزور لہجے میں کہا۔

"اس نے ہمارے سامنے یہ اعتراف کیا ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس نے جھوٹ نہیں بولا" اول خان نے بے بسی سے کہا "پنڈت ان لوگوں میں سے ہے جو اپنی برداشت کی حد تک سب کچھ خاموشی سے سہہ لیتے ہیں لیکن جب ڈوبنے لگتے ہیں تو اپنے ساتھ سب کچھ لے ڈوبتے ہیں۔"

"تمہارے اس دعوے کی بنیاد کیا ہے؟" میں نے ویرا سے سوال کیا۔

"بہت سیدھی اور قابلِ فہم بات ہے۔ اس خطّے میں سی آئی اے، موساد اور را کے بیشتر مفادات یکساں بلکہ مشترک ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رستم کے موساد اور "رجس" سے گہرے رابطے ہوں اور اسے یہ علم نہ ہو کہ اوبرائن ڈی ہنٹ یہاں کس مشن پر کام کر رہا تھا" ویرا نے اعتراض کیا۔

"تمہارا یہ نکتہ بہت وزنی اور اہم ہے" اول خان نے سرہلاتے ہوئے کہا "اوبرائن بہت اہم آدمی تھا۔ اگر ہم پنڈت کی بات کو درست مان لیں تو رستم کے ذریعے اوبرائن کے قتل کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔ وہ آخری لمحات پر بھی کوئی نہ کوئی حیلہ کر کے فرار کی راہ اختیار کر سکتا تھا۔"

"اس کا صرف اور صرف ایک ہی سبب ہو سکتا ہے" میں نے جواب دیا "رستم دوسروں کی طرح موساد اور "رجس" کا ایک عام کارندہ نہیں تھا' اس کی اپنی ایک حیثیت اور شناخت تھی۔ اسے اپنی اس شناخت پر گھمنڈ تھا۔ وہ ہر قیمت پر اپنی اس شناخت کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔"

"کیا اوبرائن ڈی ہنٹ جیسے نادرِ روزگار سازشی کی قیمت پر بھی؟" میری وضاحت پر ویرا کی آنکھیں حیرت سے اس کی پیشانی پر جا چڑھیں۔

"اپنے سامنے وہ اوبرائن سمیت ہر شخص کو حقیر اور کم تر سمجھتا تھا۔"

ویرا نے میری بات درمیان سے کاٹ دی "اپنے اس اقدام پر اسے کسی بازپرس کا خوف بھی نہیں تھا؟"

"تم کہاں کی بازپرس اور کیسا خوف؟" میں نے ہنس کر جواب دیا "وہ تہ در تہ بہروپوں میں چھپا ہوا تھا۔ اوبرائن کو مارنے کے لیے اسے بس ڈوریاں ہلانی پڑیں اور وہ ایک حادثے میں مارا گیا۔ حادثے کا ذمے دار فرار ہو گیا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اوبی کی موت میں رستم کا ہاتھ تھا۔"

"اس نے تمہیں کام ہو جانے کی اطلاع دی تھی۔ تم نے اپنے ہاتھوں سے رستم کو دس لاکھ روپے کی خطیر رقم اس قتل کے معاوضے کے طور پر ادا کی تھی" ویرا نے اضطراب سے کہا۔

"اس نے ڈینی سے کوئی لین دین نہیں کیا۔ پورا سودا رستم اور ملک ممتاز کے درمیان ہوا۔ ایسے سودوں میں کوئی فریق زبان نہیں کھولتا۔ ایک کی نشان دہی ہوتی ہے تو ساری گردنیں خود بہ خود شکنجے میں آتی چلی جاتی ہیں۔" اس بار اول خان نے میرا ساتھ دیا تھا۔

"پھر بھی میں یہ بات من وعن تسلیم نہیں کر سکتی۔ مجرمانہ سازشوں میں مالی مفاد کے ساتھ ساتھ جذباتی وابستگی بھی شامل ہوتی ہے" ویرا مصر رہی "اس نے ہر چیز کو بالائے طاق رکھ کر اوبرائن کے قتل پر آمادگی کیوں ظاہر کر دی۔ اسے تو بھڑک کر تم پر ہاتھ ڈال دینا چاہیے تھا۔"

"یہ سب تم اس لیے کہہ رہی ہو کہ تم رستم کے ساتھ معاملات طے کرنے میں شامل نہیں تھیں" سلطان شاہ گفتگو میں پہلی مرتبہ دخل دیتے ہوئے بولا "اس کے دماغ پر اپنے بنائے ہوئے اصولوں کا خبط بھی سوار تھا۔ اس وجہ سے اسے آخری لمحات پر معلوم ہوا کہ ہم اس کے ذریعے کس شخص کو راستے سے ہٹانے کے خواہاں تھے۔ اوبرائن کے نام پر وہ چونکا تھا لیکن انکار نہیں کر سکا۔"

"وہ آخر تک کہتا رہا کہ ملک سے باہر کسی کو ٹھکانے لگانا مشکل کام ہے" ویرا کو اس بارے میں ہماری بتائی ہوئی ساری جزئیات یاد تھیں "وہ اوبرائن کو نہ مارنا چاہتا تو بعد میں کسی بھی مضبوط عذر کے ساتھ تمہیں سات لاکھ روپے لوٹا کر معاہدہ ختم کر سکتا تھا۔"

ویرا کے ان الفاظ نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ کیا رستم خود بھی کسی وجہ سے اوبرائن کو ناپسند کرتا تھا اور اسے مار دینا چاہتا تھا؟

اس وقت تک میں بس ایک ہی لائن پر سوچ رہا تھا کہ

رستم کو اپنی انفرادیت اور بالادستی عزیز تھی۔ اپنے ایک روپ میں وہ موساد یا جس کا ایجنٹ تھا اور دوسرے روپ میں نقد معاوضہ لے کر بڑے جرائم کی منصوبہ بندی کرنے والا ایک سفید پوش مجرم تھا۔ جس کے جرائم کے بہت سے خاموش گواہ موجود تھے مگر اس پر یا اس کے کسی خاص آدمی پر کبھی کوئی جرم ثابت نہیں کیا جاسکا تھا۔

مجھ سے یعنی ملک ممتاز سے سودا کرتے ہوئے وہ اپنے دوسرے روپ میں تھا۔ وہ ایک ایسے سفاک اور سرد مہر قاتل کا روپ تھا جو بڑے معاوضے پر دنیا بھر میں کسی کو بھی مار ڈالنے کی ذمے داری لے سکتا تھا۔ اس نے اپنی نظروں میں اپنا وہ بھرم برقرار رکھنے کے لیے یا دوسرے الفاظ میں اپنی مجرمانہ انا کی سربلندی کے لیے اوبی کے بے داغ قتل پر آمادگی ظاہر کردی تھی۔

اوبرائن زندہ تھا نہ رستم ایرانی کسی جواب دہی کے لیے دنیا میں موجود تھا۔ ان دونوں کے جہنم واصل ہونے کے بعد اس بارے میں بس قیاس آرائیاں ہی کی جاسکتی تھیں لیکن ویرا نے ایک امکان کی نشان دہی کر کے مجھے نئی راہ سجھادی تھی۔

میں نے پنڈت کو یہ تو بتا دیا تھا کہ اس کی تجوری سے تینوں اہم کاغذات ملک ممتاز نے اڑائے تھے اور وہ ان کے ذریعے رستم کو بلیک میل کر رہا تھا مگر اس سے اوبرائن کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا تھا۔

پنڈت منوہر لال زندہ تھا۔ وہ رستم کا قریبی ساتھی تھا۔ اگر اسے یہ بتایا جاتا کہ نئی دہلی میں اوبرائن ڈی ہنٹ کی موت کے لیے حادثے کا اسٹیج رستم نے سجایا تھا تو وہ ویرا کے چبھتے ہوئے سوال کا کوئی ٹھوس جواب دے سکتا تھا۔

ویرا کی طرف سے اس امکان کی نشان دہی کے بعد بھی میرا اپنا نظریہ کمزور نہیں ہوا تھا۔ رستم نے اپنے ساتھ اپنے چہیتے اور کم سن نواسے کی کنپٹی میں پگھلا ہوا سیسہ اتار کر یہ ثابت کردیا تھا کہ اس کا بالادستی کا گھمنڈ ناقابلِ تسخیر تھا۔

ایسے مجرم خود کو دنیا کی ہر طاقت اور قانون سے ماورا سمجھتے ہیں اور اپنی کفالت میں آئے ہوئے افراد کے تحفظ کے بارے میں ہر وقت پریشان رہتے ہیں۔ انہیں یہ فکر کھائے جاتی ہے کہ ان پر کوئی بُرا وقت آیا تو ان کے سارے پیارے اور دلارے ناقابلِ برداشت مصائب میں گھر جائیں گے۔

جب رستم نے بسیرا میں محصور ہو کر انفرا ریڈ دوربین کی مدد سے قرب وجوار کی گلیوں میں مسلح ہیولوں اور متحرک و تاریک گاڑیوں کو اپنے مسکن کی طرف بڑھتے دیکھا تو سمجھ لیا ہوگا کہ اس کا بُرا وقت آپہنچا ہے۔ وہ ایسی بُری گھڑی تھی کہ شہر کے مقتدر حلقوں میں گہرا اثر و رسوخ رکھنے والے رستم کو کانوں کان بھنک بھی نہیں مل سکی تھی کہ اس کے گھر پر لشکر کشی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

ایسے لمحات میں ہر بڑے اور برے مجرم کو قانون کا آہنی چنگل اپنے حلقوم میں پیوست ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مجرم اکیلا ہو تو آخری سانس تک لڑتا ہے اور لڑتے لڑتے کوئی گولی کھا کر اپنے دردناک انجام کو پہنچ جاتا ہے لیکن جن مجرموں کا کوئی والی وارث ہو' ان کے لیے اس راہ کا انتخاب کٹھن ہوجاتا ہے۔

شاید رستم نے بھی بحران کے ان لمحوں میں یہی سوچا ہوگا کہ آنے والوں کی رسد کی ہر راہ کھلی ہوئی ہے اور وہ بسیرا میں محصور ہے۔ مقابلہ کیا تو چند گھنٹوں یا زیادہ سے زیادہ چند روز تک مزاحمت کرسکے گا اور پھر لڑتے لڑتے بے خبری میں مارا جائے گا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ اس کے بعد اس کے گھر کی عورتوں کا کیا حال ہوتا اور قانون ایک مردہ مجرم کے اکلوتے نواسے کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔

قانون اس معصوم کو معاف کر بھی دیتا تو معاشرہ اسے ہرگز... معاف نہ کرتا۔ رستم نے برسوں تک جرائم کی فصل کی آبیاری کر کے عزت' ثروت اور نیک نامی کی جو ساکھ کمائی تھی' وہ بسیرا پر پہلی گولی چلتے ہی خاک میں مل جاتی۔

شاید اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کے بعد اس کا اکلوتا اور لاڈلا نواسا سر جھکا کر ندامت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوجائے اور ساری عمر اپنے نانا کو کوستا رہے جس نے اسے رسوائیوں کی دلدل میں دھکیل دیا تھا۔ رستم کے لیے اس وقت دو میں سے کسی ایک راہ کا ارادی انتخاب ضروری تھا۔

یقین اور بے یقینی۔ امید اور ناامیدی۔ یقین اور امید کی ہر راہ اسی لمحے مسدود ہوگئی تھی جب اس نے اپنی دوربین سے پہلا منظر دیکھا تھا۔ اس کے سامنے ہر سو بے یقینی اور ناامیدی کے گھور اندھیرے پھیلے ہوئے تھے۔ اس نے سوچا اور پھر بہت سوچ سمجھ کر ایک فیصلہ کرلیا۔

اسے کوئی گولی کھا کر یا پھانسی کے پھندے پر لٹک کر مرنا ہی تھا۔ اپنے بعد وہ اپنی بیٹی کے لختِ جگر کو قانون اور زمانے کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے اپنی عالی شان رہائش گاہ کی اندھیری چھت پر سے شب خون مارنے والوں کو للکارا اور پھر اپنے ہاتھوں سے دونوں زندگیوں کا خاتمہ کرلیا۔

وہ شقاوت اور سنگ دلی کی انتہا تھی کہ وہ جسے سب سے بڑھ کر چاہتا تھا' اسے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنے کا فیصلہ کر

بیٹھا تھا مگر وہ اس کے ذہن میں کار فرما نفسیاتی پیچیدگیوں کا لازمی اور منطقی نتیجہ تھا۔ میں ویرا کی نشان دہی سے پہلے یہی سوچتا رہا کہ ایسے ہی کسی ذہنی پیچاک سے دوچار ہو کر رستم نے اوبرائن ڈی ہنٹ کو مروانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"تمہارے سوال کو ٹالا نہیں جاسکتا۔" میں نے ویرا کے سامنے اعتراف کیا "یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ اگر رستم واقعی موساد یا "جس" کا ایجنٹ تھا تو کوئی ناگزیر مجبوری درپیش نہ ہونے کے باوجود اوبرائن ڈی ہنٹ کو مارنے پر کیوں آمادہ ہوگیا۔"

"تم نے بتایا تھا کہ بسیرا میں رستم کی خودکشی اور وہاں سے پنڈت منوہر لال کی بازیابی کے بعد مزید کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ آپریشن میں حصہ لینے والے وہاں کے ملازمین وغیرہ کو ہدایات دے کر لوٹ آئے تھے۔" سلطان شاہ نے اول خان سے سوال کیا۔

"رستم زندہ گرفتار ہوا ہوتا یا پنڈت منوہر لال ہمارے ہاتھ نہ آتا تو بسیرا کا تنکا تنکا الٹ پلٹ کر رکھ دیا جاتا۔ ان دونوں قصوں کے نمٹ جانے کے بعد وہاں کسی کارروائی کا کیا جواز رہ جاتا تھا؟" اول خان نے جوابی سوال کیا اور پھر کہا "اس وقت ہمیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ "جس" کا رکن ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ ڈائری لکھنے کا عادی رہا ہو۔ اس کے ذاتی ریکارڈ سے بہت کچھ ملنے کی توقع کی جاسکتی تھی۔ کچھ ہاتھ آتا یا نہ آتا، کوشش ضروری تھی۔" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

اول خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا "تم بھول رہے ہو کہ اس آپریشن میں ہمارا کوئی رول نہیں تھا۔ ہم خاموش تماشائی تھے۔"

"آپریشن کی نگرانی تجربے کار افسران کر رہے تھے۔ انہوں نے یہ امکانات کیوں نظرانداز کردیے؟"

"میں ان کا دفاع نہیں کر رہا لیکن سچ پوچھو تو میں ان کی جگہ ہوتا تو میں بھی وہی کچھ کرتا جو انہوں نے کیا۔ پنڈت کو پکڑ کر بسیرا سے لوٹ آتا۔" اول خان نے جواب دیا۔

"مگر کیوں؟ کیا انہیں اس پورے کیس کی اہمیت کا علم نہیں تھا؟" ویرا نے پوچھا۔

"ان کی معلومات بہت محدود تھیں۔ وہ ہمارے بھیجے ہوئے تین کاغذوں اور ان کے مالک کے نام سے آگے کچھ نہیں جانتے تھے۔ تل ابیب کے نمبر کنفرم کرنے کے بعد انہوں نے کسی لمبے چوڑے ہوم ورک کے بغیر محدود مقصد کے لیے کارروائی کی۔ ان کا ہدف رستم نہیں، پنڈت تھا۔ اسے پکڑ کر وہ لوٹ آئے۔"

"رستم نے اپنے ملاقاتیوں کی وڈیو اور آڈیو فلمیں بنانے کا بندوبست بھی کیا ہوا تھا۔" سلطان شاہ نے سوچتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ وہ ان فلموں کو محفوظ رکھتا ہوگا۔ ان میں ہماری فلمیں بھی ہوں گی۔ وہ کسی غلط ہاتھ میں پہنچ گئیں تو مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔"

"اوہ!" اول خان بے فکری سے ہنس پڑا "تم بھی ویرا کی طرح گھما پھرا کر بات کرنے لگے ہو۔ یہ مسئلہ شروع سے میری نظروں میں تھا۔ مواصلاتی ماہرین کی ایک ٹیم نے بسیرا کا وہ پورا سسٹم اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ وہ کئی کیمروں اور ستّر سے زیادہ حسّاس مائیکروفونز پر مشتمل تھا۔ ان میں کوئی فلم نہیں تھی۔ سارے کیسٹ نئے اور کورے تھے..."

"ہوسکتا ہے کہ ریکارڈ کیے ہوئے کیسٹ وہ کسی محفوظ مقام پر پوشیدہ رکھتا ہو۔" سلطان شاہ نے قدرے بے تابانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی "پرانی فلمیں کیمروں یا ریکارڈرز میں نہیں چھوڑی جاسکتیں۔"

"ہوسکتا ہے کہ انہوں نے الیکٹرو میگنیٹک ٹیپ کا سراغ لگانے والے حسّاس آلات استعمال کیے ہوں۔ مجھے یہی بتایا گیا ہے کہ وہاں کوئی مشتبہ کیسٹ نہیں تھا۔ رستم کی خواب گاہ کے پیچھے ایک جدید برقی بھٹی بھی پائی گئی تھی۔ اس کی تہ میں پائے جانے والے فضلے میں پلاسٹک کے بچے کھچے اجزا پائے گئے ہیں۔ شاید وہ اس معاملے میں اپنے اصول کا پابند تھا۔ معاہدہ پورا ہوتے ہی کیسٹ تلف کردیتا تھا۔"

"طے شدہ معاوضہ ادا نہ کرنے والوں کے کیسٹ پھر بھی موجود ہونے چاہئیں تھے۔"

"اس کے گاہکوں میں وعدہ خلافی کرنے والوں کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہوگا۔" میں نے سلطان شاہ کو سمجھایا "طے شدہ معاوضہ ادا نہ کرنے والوں کے کیسٹ وہ ان کے حریفوں کے ہاتھ بیچ کر اپنا خسارہ پورا کرنے کی بات خود ہی بتا چکا تھا۔"

"یہ بات بہت شدت سے میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ میں نے تمہارے سامنے رکھ دی۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے اپنے شانے اچھال کر کہا "اگر تم دونوں مطمئن ہو تو ٹھیک ہے۔"

اول خان کچھ وقت گزار کر واپس چلا گیا۔ اس کا رخ اپنے گھر کی جانب تھا جو گلشن اقبال کے اس علاقے سے زیادہ دور نہیں تھا۔

میں پورچ سے اسے رخصت کرکے واپس آیا تو ویرا

اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی میرا انتظار کر رہی تھی۔ سلطان شاہ شاید ڈرائنگ روم میں ہی ٹیلی وژن کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

میں راہ داری میں ویرا کے سامنے رک گیا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں مگر اس نے زبان سے ایک لفظ تک نہیں کہا۔ بس خاموش اور سپاٹ نگاہوں سے میری آنکھوں میں جھانکتی رہی۔

"دروازے پر کیوں کھڑی ہو؟" آخر کار مجھے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ وہ سکوت توڑنا پڑا۔

"کیوں ...... ؟ کیا یہاں کھڑا ہونا منع ہے؟" اس نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"دروازہ کسی بھی طرف گزر جانے کے لیے بنایا جاتا ہے۔" میں نے اپنی غیر ارادی مسکراہٹ کو چھپائے بغیر ذومعنی لہجے میں کہا "دروازے پر وہی لوگ رکتے ہیں جو اندر جانے یا لوٹنے کے بارے میں تذبذب میں مبتلا ہوں۔ یہ تمہارا اپنا کمرا ہے۔ تمہیں یہ تذبذب کیوں ہے؟"

"روم میں جب جمی لائیڈ میرا اتالیق تھا تو امرا کی محفلوں میں رسائی سے پہلے میں سرِشام یوں ہی دروازے پر آکھڑی ہوتی تھی .... ذرا سی بن سنور کر۔ آج نہ جانے کیوں وہی سنہرے دن یاد آرہے ہیں۔ اندر جاتے جاتے قدم دروازے پر بے اختیار رک گئے۔"

"وہ شاید تمہاری زندگی کا تاریک ترین دور تھا۔ جب تمہیں یہ سکھایا جا رہا تھا کہ ایک خوب رو لڑکی اپنے کن حربوں اور ہتھیاروں سے مردوں کو اپنا غلام بنا سکتی ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ اس کا جواب سن کر میری مسکراہٹ یک بہ یک کافور ہوگئی تھی۔

"وہی تو زندگی کا اصل حسن تھا۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا "جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو بن کر مجھے یہی سکھایا تھا کہ مردوں کی بھیڑ میں تم کسی کو نہ چاہو اور وہ سب ٹوٹ کر تمہاری قربت کو ترستے ہوں تو سمجھ لو کہ تم کامیاب لڑکی یا عورت ہو پھر...."

میں نے غصے کے عالم میں اس کی بات کاٹ دی "تم کیا بے ہودہ اور غلیظ موضوع لے بیٹھیں...."

اس نے بھی مجھے اپنی بات پوری نہیں کرنے دی اور درمیان میں کہا "وہ کہا کرتا تھا کہ پھر تم اس بھیڑ میں سے اپنی مرضی کا کوئی خوش نما کھلونا چن لو' اس سے کھیلو اور اگلے دن بہت بے رخی سے اپنی پسند تبدیل کرلو۔ چہرے اور کھلونے بدلتے رہیں تو زندگی بہت تیز اور ہیجان انگیز رہتی ہے۔"

"تم نے یہ بکواس جاری رکھی...تو میں بہت بری طرح پیش آؤں گا۔" میں نے اپنے بڑھتے ہوئے غصے پر قابو پاکر سرد لہجے میں کہا۔

اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ عود کر آئی "ویسے تم کون سی اچھی طرح پیش آتے ہو جو اب یہ دھمکی دے رہے ہو۔ میرے ساتھ کسی اور کا ذکر سن کر جل بھن رہے ہوتا؟"

دوسروں کی موجودگی میں میرے ساتھ اس کا رویہ خاصا بہتر تھا۔ دو دن سے میں محسوس کر رہا تھا کہ تنہائی میسر آتے ہی وہ میرے ساتھ تلخی آمیز اور کاٹ دار باتیں شروع کر دیتی تھی۔ اسے کوئی سخت جواب دے کر فضا کو مزید خراب کرنے کے بجائے میں ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گیا۔

جاتے جاتے میں نے ڈرائنگ روم میں نگاہ ڈالی تو سلطان شاہ ٹیلی وژن پروگرام دیکھنے میں محو تھا۔ اسے میری آمد کا علم ہی نہ ہوسکا اور میں قالین پر بے آواز قدموں سے چلتا ہوا اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں غزالہ بستر پر دراز کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی۔

مجھے دیکھتے ہی غزالہ رسالہ ایک طرف پھینک کر بستر پر سیدھی ہوگئی۔ اس نے مسکرا کر کچھ کہنا چاہا لیکن میرے چہرے کے بگڑے ہوئے تاثرات دیکھ کر وہ چونک پڑی اور سنجیدگی سے بولی "کیا بات ہے؟ ابھی تو آپ بہت اچھے موڈ میں اول خان کو الوداع کہنے گئے تھے۔ ذرا سی دیر میں موڈ کیوں آف ہوگیا؟"

"کبھی کبھی یہ عورت بالکل ہی ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہے۔" میں نے ترشی سے کہا۔

"کیا کہہ دیا اس نے؟ ابھی وہ بھی اچھے بھلے موڈ میں تھی۔" غزالہ میرے جواب پر حیران رہ گئی۔

"اسے اچانک اپنا ماضی یاد آنے لگا ہے .... غلاظت کا کیڑا گندگی کے ڈھیر میں خوش رہتا ہے۔ اسے صاف ستھری فضا میں لانے کی کوشش کرو تو وہ گھٹن میں مبتلا ہو کر مرجاتا ہے۔" میں نے زہر آلود لہجے میں جواب دیا "میرا دماغ سنک گیا تو میں اس کا سر توڑ دوں گا۔"

غزالہ یوں ہنس پڑی جیسے میں نے کوئی مزاحیہ بات کہہ دی ہو "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنے دعوے کو اتنی سرعت سے عملی جامہ پہنا بیٹھے گی۔ اس کے سامنے ظاہر بھی نہ ہونے دیں کہ اس کی کسی بات نے آپ کو مشتعل کردیا ہے۔"

"میرا خون کھول رہا ہے اور تم ہنس رہی ہو۔ کیا کہہ رہی

تھی وہ؟ کیا دعویٰ ہے اس کا؟" غزالہ کے غیر معمولی ردِعمل پر میری کھوپڑی بھنّا کر رہ گئی۔

"وہ وہی کہہ رہی تھی جو آپ بتا رہے ہیں۔ بعض اوقات وہ مذاق میں بھی حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔ حیرت ہے کہ آپ بھی اس کے دھوکے میں آگئے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کہ وہ میرے بارے میں کیا دعوے کر رہی تھی؟"

"کہہ رہی تھی کہ وہ آپ کے مزاج پر کامل اتھارٹی ہے۔ جب چاہے، چٹکی بجاتے میں آپ کا اچھا خاصا موڈ برباد کر سکتی ہے۔" میرے تیور دیکھ کر بھی غزالہ پوری طرح سنجیدہ نہیں ہو سکی تھی۔

"موڈ برباد کرنے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ایک ڈھکی چھپی گالی بھی کسی شریف آدمی کا ذہن پراگندہ کر سکتی ہے۔ وہ میرے خلاف تم سے ایسی باتیں کیوں کرتی ہے؟"

میرے تیکھے سوال پر غزالہ سنبھلنے پر مجبور ہو گئی اور جلدی سے بولی "وہ کچھ نہیں کہتی، آج میں نے ہی اس سے پوچھ لیا تھا کہ وہ آپ سے کیوں لڑتی رہتی ہے۔"

"اور اس نابکار عورت کو میرے خلاف زہر اگلنے کا موقع مل گیا؟" میں نے آنکھیں نکالیں۔

"بب ۔۔۔ بس ۔۔۔ پھر باتیں چل نکلیں۔" غزالہ نے ہکلاتے ہوئے بتایا "اس کی کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ آپ کی طرف سے اس کے دل میں غبار ہے۔ اس کے برعکس وہ اب بھی آپ کو اپنا بہترین دوست سمجھتی ہے۔۔۔"

"اور اسی وجہ سے میرا موڈ تباہ کرنے کے دعوے کر رہی تھی۔" میں نے غزالہ کی بات کاٹ کر درمیان ہی میں لقمہ دیا۔

"کسی بات پر میں نے ہی کہا تھا کہ آپ بہت خوش مزاج ہیں۔ ہر وقت شگفتہ موڈ میں رہتے ہیں اور دوسروں کی خوشیوں کا خیال رکھتے ہیں۔" غزالہ نے معاملے کی سنگینی بھانپتے ہوئے کہا "اس پر وہ بولی تھی کہ وہ جب چاہے ذرا سی بات پر آپ کو برہم کر سکتی ہے۔"

میں نے بے اختیار غزالہ کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا اور مسکراتے ہوئے کہا "وہ جو کچھ بکتی ہے، اسے بکنے دو۔ اس کی باتوں پر تم کیوں سہمی ہوئی ہو۔"

میرے رویے کی اچانک تبدیلی پر غزالہ کے ہونٹوں سے ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ میں ڈر گئی تھی کہ آج ویرا کے مذاق کی سزا مجھے بھگتنی پڑے گی۔ آپ کو بھڑکا کر وہ مزے سے کہیں پاؤں پسارے بیٹھی ہوگی۔"

"ٹھہرو میں دیکھتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔" میں نے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے بستر چھوڑ دیا "میں اسے احساس دلاؤں گا کہ کسی کا موڈ بگاڑنا کس قدر آسان ہوتا ہے۔"

"پلیز!" غزالہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا "وہ جو کرتی پھرتی ہے، اسے کرنے دیں۔ آپ اسے تنگ نہ کریں۔ وہ آپ کے بارے میں بہت حسّاس ہے۔ ہر بات اپنے دل پر لے لیتی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" غزالہ کے ان فقروں پر میں نے اپنے دل میں تقویت سی محسوس کرتے ہوئے کہا "پھر بھی اسے ہلکا سا سبق سکھانا ضروری ہو گیا ہے۔"

میں غزالہ کو خواب گاہ میں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ دروازہ کھلتے ہی میرے کانوں میں ویرا کی چہکتی ہوئی آواز آئی اور میں چونک پڑا کیونکہ اس وقت وہ ڈرائنگ روم میں موجود تھی۔

"۔۔۔ میں کسی دن ہاتھ پیر باندھ کر پوری بوتل تمہارے حلق میں انڈیل دوں گی۔" ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے ویرا کا وہ آخری فقرہ میرے کانوں میں پڑا۔

سلطان شاہ تپے ہوئے چہرے کے ساتھ اسے کوئی جواب دینے والا تھا کہ اس کی نظر مجھ پر پڑ گئی اور وہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے اپنے صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"خدا کے لیے! اسے کسی باڑے میں بند کر دو۔ یہ ہر وقت تنگ کرنے لگی ہے۔" سلطان شاہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھ سے التجا کی۔

"مسئلہ کیا ہے؟" میں نے کمرے کے وسط میں جگہ سنبھال کر خوش دلی سے پوچھا۔

"یہ پٹھان ہے۔ میں اسے سمجھا رہی تھی کہ اسکاچ کے ایک دو پیگ لینے سے اتنا نشہ بھی نہیں ہوتا جتنا عمدہ چرس سے بھری ہوئی ایک سگریٹ پینے سے ہوتا ہے۔" ویرا اپنے ہاتھ میں موجود گلاس کو فضا میں قدرے آگے لہراتے ہوئے بولی۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ چرس صرف پٹھان پیتے ہیں۔ پٹھانوں سے کہیں زیادہ سندھی، پنجابی اور بلوچ نشہ کرتے ہیں بلکہ باہر نکلو تو یورپ اور امریکا میں مسکن قدرتی پیداوار کے طور پر یہ نشہ بہت زیادہ مقبول ہے۔ ہالینڈ میں اس کی خرید و فروخت کو قانونی تحفظ حاصل ہے۔ ہر ڈچ، پولیس کی

گرفت کے کسی خوف کے بغیر اپنی جیب میں چرس کا ایک تُوا لے کر گھوم سکتا ہے....."

ویرا نے چڑ کر میری طولانی تقریر درمیان ہی سے اچک لی "ہم چرس کے کاروباری امکانات پر غور نہیں کر رہے تھے' بات صرف ایک گلاس اسکاچ پینے کی تھی۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ سلطان شاہ اسے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔ وہ شراب کے گلاس کو پاک کیے بغیر اس میں پانی پینا بھی حرام سمجھتا ہے تو تم اسے کیوں چڑاتی ہو؟" میں نے ویرا سے پوچھا۔

"جب تمہیں میرا جواب معلوم ہے تو بار بار اصرار کرنے سے فائدہ کیا ہے؟" سلطان شاہ نے بھنا کر کہا۔

"پتھر پر بوند بوند پانی گرتا ہے تو وہاں بھی خفیف سا گڑھا پیدا ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی دن تم اپنی ناک چٹکی سے دبا کر پورا گلاس غٹاغٹ چڑھا جاؤ۔" بات پوری کر کے ویرا نے اپنے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لیا اور ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"یہ روم نہیں ہے۔" میں نے ویرا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا "سلطان شاہ کو اتنا نہ ستایا کرو کہ یہ بدک جائے۔ بعض کھلونے اتنے نازک ہوتے ہیں کہ ہاتھ میں آتے ہی ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ یہ اسی قبیلے کا کوئی فرزند معلوم ہوتا ہے۔"

ویرا نیم ہذیانی انداز میں ہنسی پھر بولی "میں یہی بتانا چاہ رہی تھی۔ کھلونوں کا دور روم میں رہ گیا۔ یہاں رہ جانے کے بعد تو میں تمہارے لیے کھلونا بن کر رہ گئی ہوں۔"

"یا مظہرا لعجائب!" سلطان شاہ چھت کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا "یہ بہک کر ہوش کی باتیں کرتی ہے۔ ہوش میں ہوتی ہے تو بہکی بہکی باتیں کرنے لگتی ہے۔"

"یہ تمہاری بھول ہے ویرا۔ تمہیں کسی نے کھلونا بنایا ہے نہ سمجھا ہے۔" میں نے کہا۔

"کھلونے کھیلنے والے کے لیے بے جان ہوتے ہیں۔" وہ مزید ایک گھونٹ لے کر بولنے لگی "وہ ان سے کھیلے یا توڑ کر کوڑے دان میں پھینک دے۔ سب کچھ آسی کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر میں کھلونا نہیں ہوں تو یہاں میری مرضی کیوں نہیں چلتی؟ جو میں چاہتی ہوں' وہ کیوں نہیں ہوتا؟"

"تمہاری مرضی کی ہر جائز بات ہو کر رہتی ہے۔ اب تم خود ہی چاند کو پانے کی آرزو کرنے لگو تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" میں نے تخلیے میں ادھوری رہ جانے والی بات سلطان شاہ کی موجودگی کا فائدہ اٹھا کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تم..... اور سلطان شاہ..... کیا تم دونوں خود کو چاند سمجھتے ہو؟" اس کا سوال ایک تیز ہذیانی سرگوشی کی صورت میں ڈرائنگ روم میں گونجا۔

"یہ سوال کر کے تم اعترافِ جرم کر رہی ہو۔ کیا تم ہم دونوں کو حاصل کر لینا چاہتی ہو؟" میں نے بھی اسی جارحانہ انداز میں ویرا سے سوال کیا۔

"ارے ڈیئی! تم بڑے سنگ دل ہو۔" وہ گہرا سانس لے کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹک گئی "میں بے چاری' ایک بے نام و نشان لڑکی جسے اس کے باپ نے کبھی اپنی بیٹی نہ کہا' تم دونوں سے کیا چاہ سکتی ہوں؟ میرا تثلیثی خدا تمہاری اور غزالہ کی جوڑی کو سدا شاد و آباد رکھے' سلطان شاہ کا گھر آباد کرے۔ تم دونوں مجھے بہت عزیز ہو۔ یہ بات تمہارا دل بھی جانتا ہے۔ میری خواہش بس اتنی سی ہے کہ مجھے تھوڑی سی عزت کی نگاہ سے بھی دیکھ لیا کرو۔ میرے دل کے پار اتر جانے والے کڑوے کسیلے سوالات مت کیا کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم غزالہ کی امانت ہو۔ میں تمہیں پانے کی آرزو کیسے کر سکتی ہوں۔ تمہارے مذہب میں چار شادیوں کی اجازت ہے مگر میں مسیحی ہوں۔ ہم ایک وقت میں ایک بیوی اور ایک شوہر کے فلسفے والے لوگ ہیں۔ یہ بھول جاؤ کہ میں خائن ہوں....."

وہ جذباتی ہونے لگی تھی۔ سلطان شاہ نے بوکھلائی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے ویرا کی بات وہیں سے اچک لی "تم بلاوجہ بات کو بڑھا رہی ہو۔ ہم سب اپنے اپنے دلوں کی گہرائیوں سے تمہاری عزت کرتے ہیں۔ یہ پابندی ضرور ہے کہ یہاں روم والی آزادیاں نہیں ہیں۔"

"ان آزادیوں کو میں ٹھوکر مار چکی ہوں۔" اس نے ہوا میں داہنی ٹھوکر چلا کر کہا "غزالہ کو دیکھ کر میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ یہ بات سمجھ میں آچکی ہے کہ بے مہار آزادی مرد کو ملے یا عورت کو' نقصان سراسر عورت کا ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے میں نے تم سے فاصلے کی بات کی تھی۔ وہ فاصلہ آج بھی جوں کا توں ہے۔ تم نے اس سمت میں ایک قدم بھی نہیں اٹھایا۔"

موسم خوشگوار ہونے کے باوجود میری پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ خلوت میں ہونے والی گفتگو کو ویرا نے محفل میں چھیڑ دیا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا "عملی طور پر تمہاری وہ شکایت بے بنیاد تھی مگر تم جلد ہی تبدیلی محسوس کرو گی۔ یوں ہر ایک سے لڑنے بھڑنے سے ایسی باتیں حل نہیں ہوا کرتیں۔"

میرے لیے ویرا کی شکایت بہت واضح اور کھلی کھلی تھی

مگر اس نے الفاظ کا موزوں انتخاب کیا تھا۔ اس کی پوری بات سلطان شاہ کے پلے پڑی نہ میری بات اس کی سمجھ میں آئی اور اس نے احتجاج کر ڈالا "اب تم دونوں نے ہی بہکی بہکی باتیں شروع کردی ہیں۔ جو میرے سر پر سے گزر رہی ہیں۔"

ویرا نے آخری بڑا گھونٹ لے کر اپنا گلاس خالی کردیا۔ اسی وقت غزالہ ہنستی ہوئی وہاں آگئی "یہاں کیا بہکی بہکی باتیں ہورہی ہیں۔ ذرا میں بھی تو سنوں۔"

"ڈینی سے سنو!" ویرا نے اسے آنکھ مار کر آسودہ لہجے میں کہا "میں اپنا مے خانہ یہیں اٹھالاتی ہوں۔"

"اس وقت وہ چھوئی موئی بنی ہوئی ہے۔" اس کے چلے جانے کے بعد میں نے سرگوشیانہ لہجے میں غزالہ کو ہدایت دی "اس سے زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کرنا۔"

"وہی نہیں‘ اس وقت تم بھی عجیب باتیں....." سلطان شاہ نے اپنی جھوک میں بولنا شروع کیا مگر میری آنکھیں دیکھ کر وہ یکایک خاموش ہوگیا۔

"وہ مجھ سے شکوہ کررہی تھی کہ اب گھر میں پیتے ہوئے وہ خود کو زیادہ ہی اکیلا محسوس کرنے لگتی ہے۔" غزالہ کے لہجے میں ویرا کے لیے وافر ہمدردی موجود تھی "آپ نے مے نوشی بہت کم کردی ہے مگر ترک نہیں کی۔ کبھی کبھار اس بے چاری کا ساتھ بھی دے دیا کریں۔"

"یہ کیا کہہ دیا تم نے!" سلطان شاہ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا "اب یہ دونوں باری باری ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے بہانے بوتل کے گرد بیٹھے نظر آئیں گے۔"

"جس طرح اڑیل سانڈ کو مضبوطی سے باندھ کر بوتل سے کڑوا تیل پلایا جاتا ہے‘ ویرا بالکل اسی طرح سلطان شاہ کو شراب پلانے کا ارادہ رکھتی ہے۔" میں نے مسکرا کر غزالہ کو آگاہ کیا "میں اسے ذرا بھی شہ دے دوں تو یہ شاندار واقعہ کل ہی رونما ہوسکتا ہے۔"

"اول تو وہ مجھے زیر ہی نہیں کرسکتی۔ مارشل آرٹس کے کچھ کرتب دکھا بھی لیے تو ایسی بُری گھڑی آنے سے پہلے وہ جہنم واصل ہوجائے گی۔" سلطان شاہ بوکھلا کر بولا "تم نے اسے ذرا بھی اکسایا تو میں زندگی بھر تمہاری صورت نہیں دیکھوں گا۔"

غزالہ ہنسنے لگی "تم بلاوجہ ڈر گئے۔ یہ آج کل ویسے ہی ویرا سے کھنچے کھنچے رہتے ہیں۔"

"اپنی مصلحتیں یہ دونوں ہی جانتے ہیں۔ پتا نہیں ان کے دماغ میں کب‘ کیا سوار ہوجائے۔" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کے بولا "اسی لیے میں نے اپنا فیصلہ سنادیا ہے۔"

چند منٹ بعد ویرا ٹرے لائی تو اس میں ڈمپل کی صراحی نما خوب صورت بوتل اور آئس پاٹ کے ساتھ ایک خالی گلاس بھی موجود تھا۔

"تمہارا گلاس تو پہلے سے یہاں موجود تھا‘ دوسرا گلاس کس کے لیے لائی ہو؟" غزالہ نے متجسس لہجے میں اس سے پوچھا۔

وہ ہنس کر دھیرے سے بولی "دو گلاس سامنے موجود ہوں تو اکیلے پن کا احساس کم ہوجاتا ہے۔ یہ خوش گمانی رہتی ہے کہ کوئی ابھی ابھی گلاس خالی کرکے واش روم گیا ہے۔"

"تنہائی کا احساس اسی قدر ستاتا ہے تو تم شادی کیوں نہیں کرلیتیں؟" غزالہ نے بے ساختہ پوچھ لیا۔

ویرا اپنے گلاس میں اسکاچ انڈیل رہی تھی۔ اس طرف سے توجہ ہٹائے بغیر بولی "اول خان شادی شدہ ہے‘ ڈینی کو مکاؤ کے ڈون نے تمہارے پلے باندھ دیا‘ سلطان شاہ شادی کے قابل نہیں ہے۔ حالات سازگار ہوں اور اس تکون سے نکل کر لوگوں سے میل جول کا موقع ملے تو کسی نہ کسی کا انتخاب کر ہی لوں گی۔ میرے لیے یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے۔"

اس کے سرسری انداز سے بھی ثابت ہورہا تھا کہ اس نے غزالہ کے سوال کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی مگر اس کا تیکھا جواب سلطان شاہ سے برداشت نہ ہوسکا۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر صوفے سے اٹھا اور پیر پٹختا ہوا‘ ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا۔

"اسے بیٹھے بٹھائے کیا ہوگیا۔" قالین پر سلطان شاہ کے جوتوں کی دھمک نے ویرا کو چونکا دیا۔ ویسے بھی وہ اپنے گلاس میں مقررہ مقدار انڈیل چکی تھی۔

"تمہارا جواب اسے پسند نہیں آیا۔ وہ ناراض ہوکر گیا ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"جو آدمی عورت کے قرب سے بوکھلا کر بُری طرح بدکنے لگتا ہو‘ اس کے بارے میں اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ شادی تو دور کی بات ہے‘ میں اس سے دوستی کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہوسکی۔"

"اگر میں اسے رضامند کرلوں تو کیا تم واقعی اس سے شادی کرلوگی؟" غزالہ نے حیرت اور بے اعتباری کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ ویرا سے سوال کیا۔

"کیا بات کرتی ہو!" ویرا کا منہ بن گیا "پہلے اسے عورتوں کے ساتھ ملنے جلنے کے آداب سکھاؤ۔ اگر وہ میرے

معیار پر پورا اترا تو مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔"
غزالہ کا جوش اسی لمحے ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ ان دونوں کے بارے میں پہلے بھی سوچتی رہی تھی۔
ویرا نے جوں ہی گلاس اٹھایا، میں نے اسے ٹوک دیا "ٹھہرو! پہلے دوسرا گلاس بھی بنالو۔"
"کس کے..... تمہارے لیے!" ویرا کی نیلی آنکھوں میں یکایک دیے سے جل اٹھے۔
میں نے مسکراتے ہوئے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی تو وہ غزالہ کی طرف متوجہ ہوگئی "ڈینی کی اس فرمائش پر تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے؟"
"تم دونوں کے بارے میں، میں اکثر چشم پوشی سے کام لیتی ہوں۔" غزالہ نے بردباری سے جواب دیا "ان کی مرضی کے سامنے میں نے ہمیشہ سر جھکایا ہے۔"
ویرا میرے لیے دوسرا گلاس تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔ غزالہ اٹھ گئی۔
ویرا کو اس کی روانگی کا اندازہ ہوگیا تھا مگر وہ غزالہ کی طرف سے انجان بنی رہی۔
"تمہیں اخلاقاً ہی اس کو روکنا چاہیے تھا۔" میں نے غزالہ کے جانے کے بعد ویرا کو ملامت کی۔
"اگر وہ بیٹھ ہی جاتی تو کیا ہوتا..... سچ بات یہ ہے کہ غزالہ بہت سمجھ دار عورت ہے۔ تمہارا موڈ دیکھ کر خود ہی یہاں سے ٹل گئی۔ تم نے چند لمحوں کا فاصلہ طے کرنے میں کئی دن کا وقت لیا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے میرا مان رکھ لیا۔ عورت بس اسی مان اور اعتبار کو ترستی ہے۔"
میں اسے کیا بتاتا کہ شراب نوشی میں اس کا ساتھ دینے کی خواہش میری نہیں تھی۔ وہ غزالہ کی تجویز تھی جسے میں نے وقت ضائع کیے بغیر پوری خوشی سے قبول کیا تھا۔
"اب میرے رو بہ رو آجاؤ۔" گلاس میں برف کے ڈلے ڈالنے کے بعد اس نے مجھے دعوت دی "آج تم ایک مدت کے بعد مجھے اپنے پرانے روپ میں نظر آئے ہو۔"
"میں نے کبھی اپنا روپ نہیں بدلا۔" میں نے اپنی جگہ تبدیل کرتے ہوئے کہا "یہ سب تمہاری نگاہوں کا کمال ہے۔ کبھی یہ نیاز مندی سے فرشِ راہ ہوئی چلی جاتی ہیں اور کبھی ناز سے پیشانی پر جا چڑھتی ہیں۔"
"اس میں سے کچھ بھی میرا نہیں ہوتا۔ میرے مزاج میں یہ ساری تبدیلیاں تم ہی لاتے ہو۔"
"تمہارا جام صحت!" میں نے اپنا گلاس ٹرے سے اٹھالیا۔ ویرا نے گلاس سنبھالا، مراسم کی تجدید کرتے ہوئے وہ دونوں گلاس دھیمے سے فضا میں ٹکرائے اور ہم دونوں نے اپنے لب تر کرلیے۔
تلخ سیال کا چھوٹا سا پہلا گھونٹ بہت ہیجان انگیز تھا۔ میں نے گلاس رکھ کر سگریٹ سلگالی۔
میں نے لائٹر بجھایا ہی تھا کہ ویرا نے میرے ہونٹوں سے سگریٹ کھینچ لی "تم دوسری سلگالو! تمہارے لبوں سے نکلی ہوئی سگریٹ کے دو کش ہی مجھے آسودہ کردیں گے۔"
وہ مجھ سے روٹھی ہوئی تھی اور آرزو مند تھی کہ میں اسے منانے کے لیے پیش قدمی کروں، اس کی دل جوئی کروں۔ میں نے بس اس کے ساتھ شریک ہونے کا فیصلہ کیا تھا اور وہ میرے اس اقدام سے اتنی خوش ہوگئی تھی کہ سارے شکوے بھول کر دوبارہ اپنے اصلی رنگ میں آگئی تھی۔
"ڈینی! تمہیں پتا ہے کہ تم کیا ہو؟" اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔
"ہر شخص اپنے بارے میں خوش فہمیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم ہی بتادو۔" میں نے سگریٹ کا دھواں اس کے چہرے کی طرف اگل دیا۔
"ایک سنگ دل اور تحکم پسند مرد۔ تم میں کچھ مانگنے کی عادت نہیں ہے۔ اندر ہی اندر سسکتے اور سلگتے رہتے ہو لیکن اپنی آرزو خود بخود پوری ہونے کا انتظار کرتے ہو۔"
میں ہنس دیا "مجھے پتا نہیں کہ تم اسے میری خوبی سمجھتی ہو یا خامی قرار دیتی ہو۔"
"تم میرے تجربے کو نہیں جھٹلا سکتے۔ میں نے اب تک ہزاروں ننگی بھوکی نظروں کا سامنا کیا ہے۔ ہر مرد کی نگاہوں میں میرے لیے خوشامد کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہا ہے۔"
"اور میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔" میں نے گلاس سے دوسرا گھونٹ لے لیا۔
"نہیں تم ان میں سے نہیں ہو۔ شاید تمہاری یہی انفرادیت مجھے لے ڈوبی ہے۔"
"کیسی انفرادیت؟" میں نے پوچھا "میں بھی اکثر تمہاری خوشامدیں کرتا رہا ہوں۔"
"وہ تمہاری مکاری یا شاید نیاز مندی ہوتی ہے۔ خوشامد کرتے ہوئے بھی تمہاری نگاہوں میں پروقار تحکم اور مطالبہ ہوتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ مان لو۔"
"یہ اطلاع میرے لیے بہت نیک ہے۔ مرد کے لیے اس کا وقار ہی سب کچھ ہوتا ہے۔"
"سچ سچ بتاؤ کہ میرے بارے میں تم کیا سوچتے ہو!" اس

کی آنکھوں کی چمک گہری ہو گئی۔
"سوچنے کے لیے رہا ہی کیا ہے؟ شادی شدہ مرد ایک کھونٹے کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ رسی دراز ہو تو یہ دائرہ ذرا پھیل جاتا ہے ورنہ وہی ایک دنیا ہوتی ہے جو اس دائرے میں آتی ہے۔"
"فرض کرو کہ غزالہ تم سے نہ ملی ہوتی تو میرے بارے میں تم کیا سوچتے؟"
"شاید تم سے شادی کر لیتا۔" میں نے بے دھڑک کہہ دیا۔ ایک مفروضہ پیش کر کے اس نے مجھے کچھ بھی کہنے کا کھلا موقع فراہم کر دیا تھا۔
ویرا کا سرخ و سفید چہرہ تمتما اٹھا "میرے ماضی کے باوجود؟" اس نے پوچھا۔
"ہاں!" میں نے پورے وثوق سے کہا "تمہارا ماضی تم پر تھوپا گیا تھا۔ کسی کا ماضی کھنگالنے کا حق اسے ہوتا ہے جس کا دامن خود بے داغ ہو۔ میرا خیال ہے کہ مجھے یہ حق نہیں ہے۔"
"تم بولتے ہو تو تمہاری روشن آنکھیں تمہارے ایک ایک لفظ کا ساتھ دیتی ہیں۔" اس نے گہرا سانس لے کر دھیمی آواز میں کہا "ایسے میں تمہارے الفاظ میرے دل کے زخموں کا مرہم بن جاتے ہیں۔"
"اسی لیے تم بار بار مجھ سے روٹھ جاتی ہو۔ لڑنے کے حیلے بہانے تراشتی رہتی ہو۔"
"یہ سب مایوسی کے عالم میں ہوتا ہے۔ تمہاری بے رخی مجھے مشتعل کر دیتی ہے۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے میں اندر سے بنجر اور کھوکھلی ہو گئی ہوں۔"
میں نے ہنس کر ہولے سے اس کے ہاتھ پر تھپکی دی اور کہا "اداسی کو ختم کرو۔ گزرنے والی یہ شام دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے گی۔ اچھی اچھی باتیں کرو۔"
"میرے لیے یہ سب اچھی باتیں ہیں۔ ایک تم ہی تو ہو جس کے سامنے میں کھل کر ہر اعتراف کر سکتی ہوں۔"
"اعترافات کے لیے تمہارے یہاں ہولی فادرز کو بہت اختیارات حاصل ہیں۔"
"خدا، مسیح اور مریم۔ میرے مسلک میں ان تینوں کے سوا کسی کا کوئی گزر نہیں ہے۔ میں سچ بتا رہی ہوں کہ مغرب میں مذہب اور مسلک کا کردار بہت محدود ہو گیا ہے۔ میں نے کئی بار سوچا ہے کہ نام اور شناخت بدل کر ایک تارک وطن کی طرح امریکا چلی جاؤں مگر تم لوگوں کے ساتھ اتنا وقت گزارنے کے بعد میں اپنے وطن کے لیے بالکل ناموزوں ہو چکی ہوں۔ میری سوچ اور ترجیحات بدل گئی ہیں۔"
"میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ سرور ہلکا سا ہو تب بھی آدمی کو مذہب پر بولنے سے گریز کرنا چاہیے۔ یہ دنیا کا نازک ترین موضوع گفتگو ہے۔"
"مذہب ہی نہیں، میں ہر حوالے سے خود کو مغرب کے لیے ناموزوں سمجھنے لگی ہوں۔ تیزی سے بڑھتی ہوئی شخصی آزادیوں کا بھیانک ثمر بھی آنے والے دنوں میں دل خوش کن نظر نہیں آتا۔"
"رخشی اور موہنی کی گفتگو کا کیسٹ تم نے سنا ہی ہوگا۔ وہ مشرق میں مغرب کی نقالی کا شاہکار تھا۔"
"یہ چلن دولت مند گھرانوں میں سرایت کر رہا ہے۔" ویرا متاسفانہ لہجے میں بولی "رخشی بھی کسی بڑے گھر کی بیٹی ہوگی۔ موہنی کے کیس میں اس کا نام سامنے آچکا ہے۔ پتا نہیں وہ اپنے خاندان کی ناموس کو کہاں تک تباہ کرے گی۔ لڑکیوں کی آزادی بڑے خطرناک گل کھلاتی ہے۔"
وہ رائے میری یا کسی ٹھیٹ مشرقی مرد کی نہیں بلکہ مغرب کے آزاد معاشرے میں پلی بڑھی ہوئی ایک سمجھ دار عورت کی تھی۔ اس کے ذاتی مشاہدات اور تجربوں کی روشنی میں اس رائے کو مسترد کرنا یا جھٹلانا آسان کام نہیں تھا۔
ویرا مسلسل اور تیزی سے پیتی رہی۔ میں رک رک کر اور دھیرے دھیرے اس کا ساتھ دیتا رہا۔ اس کی گفتگو دنیا بھر کے موضوعات سے ہوتی ہوئی آخر میں پھر اپنی ذات پر آگئی۔ اس وقت تک اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے ڈورے تیرنے لگے تھے اور زبان کافی بھاری ہو چکی تھی۔ ڈمپل کی صراحی نما بوتل کی تہ میں سنہرے سیال کی بس ایک پتلی سی لکیر باقی رہ گئی تھی۔
آخر کار بوتل سے گلاس کے راستے وہ آخری قطرے بھی آہستہ آہستہ ویرا کے معدے میں تحلیل ہو گئے۔ وہ خود بلا نوش تھی۔ پیتی تھی تو پھر بہکے بغیر پیتی ہی چلی جاتی تھی لیکن اس شام اس نے دوسری بوتل کو چھیڑنے کا کوئی عندیہ نہیں دیا اور تھوڑی دیر بعد ہم کھانے کی میز پر پہنچ گئے۔

○☆○

اگلی صبح ناشتے کے بعد بھی اول خان کا فون نہیں آیا تو مجھے بے چینی سی محسوس ہونے لگی۔ میں نے اس کے دفتر فون کیا تو وہ وہاں موجود تھا۔
"اپرٹیس پر کوئی پیغام ملا ہے نہ کوئی فون آیا ہے۔ میں اسلام آباد کے بارے میں فکر مند ہوں۔" اس نے رسمی مزاج پرسی کے بعد خود ہی وہ موضوع چھیڑ دیا۔

"تمہارے پاس آئی بی والوں کے اسلام آباد کے فون نمبر موجود ہوں گے۔ ان میں سے کسی نمبر پر رابطہ کرکے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرو۔" میں نے رائے دی۔

"یہ پروٹوکول کے خلاف ہوگا۔" اول خان نے کسی توقف کے بغیر جواب دیا "اس نے خاص طور پر کہا تھا کہ اس کا کوئی آدمی ہمیں ٹرانسمٹر پر اس کے رابطے سے آگاہ کرے گا.... ہوسکتا ہے کہ دونوں اپنے دفاتر میں یا معمول کے نمبروں پر موجود نہ ہوں۔"

"اگر وہ دونوں اسلام آباد جاکر ہمیں فراموش کر بیٹھے ہیں تو ہمیں فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے بھی پنڈت اور رستم کا کیس ان کا ہے۔ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"یہ محکمہ جاتی باتیں ہیں ورنہ ہم شروع سے آخر تک ہر معاملے میں شامل رہے ہیں۔ یہاں کی خبریں بتا رہی ہیں کہ اسلام آباد میں پچھلی رات خاصی سرگرمیاں رہی ہوں گی۔"

"یہاں کی کیا خبریں ہیں؟" میں نے چونک کر سوال کیا "کیا پھر کوئی گڑبڑ ہوئی ہے؟"

"ان تینوں آدمیوں کو پکڑلیا گیا' جو پنڈت منوہر لال سے باقاعدہ تنخواہیں لے کر اسے معلومات فراہم کرتے تھے۔ انہیں ابتدائی طور پر صدف مینشن میں رکھا گیا تھا۔ رات گئے وہ پی آئی اے کی نائٹ کوچ سے اسلام آباد لے جائے گئے ہیں۔ آئی بی کے دو اہل کار ان کے ساتھ گئے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب صدف مینشن میں صرف دو گن مین رہ گئے ہوں گے۔"

اول خان فوراً ہی میری بات سمجھ گیا اور فون پر ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا "صدف مینشن ان کا خاص تفتیشی سیل ہے جہاں وہ زیرِ حراست ملزمان سے بازپرس کرتے ہیں۔ شہر کے مرکزی علاقے میں ان کا باقاعدہ اور مستقل دفتر ہے۔ سرکاری فرائض کی ادائیگی اسی دفتر کے عملے کی ذمے داری ہے۔"

"تو پھر اسی دفتر سے رابطہ کرنا چاہیے" میں نے کہا "ہم صدف مینشن بھی جاسکتے ہیں۔"

"کم از کم میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ خفیہ معاملات میں باہمی رابطوں پر کڑی نگاہ رکھی جاتی ہے۔ جلال نے خود اپنا نمبر دینے والی بات نہ کہی ہوتی تو تمہاری تجاویز پر سوچا جاسکتا تھا۔ فی الحال ہمیں صرف انتظار کرنا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ساری رات ہی مصروف رہے ہوں۔"

"اگر تم ان سے رابطے کے سلسلے میں اتنے محتاط ہو تو

"بلند ہمتی"

ننھا طالب علم کلاس روم میں تکلیف سے تڑپ رہا تھا۔ گلوگیر آواز میں وہ بڑی مشکل سے مس کو بتا رہا تھا "مس! میرا سر' درد سے پھٹ رہا ہے.... مجھے آنکھوں سے کچھ نظر نہیں آرہا .... اور.... اور میری ٹانگوں کی جان نکل چکی ہے .... مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جارہا...."

کئی منٹ تک اس کی حالت دیکھنے اور فریاد سننے کے بعد مس آخرکار متاثر ہوگئیں اور کلاس روم سے باہر جاتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں بولیں "اچھا.. میں تمہارے ابو یا امی کو فون کرتی ہوں کہ وہ آکر تمہیں لے جائیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں مس....!" ننھا طالب علم جلدی سے چلایا "میں بس سے چلا جاؤں گا...."

○☆○

میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ اپنا کھیل ان کے ہاتھ میں دے کر ہم بے کار ہوگئے ہیں۔ سامنے کوئی ہدف ہے نہ دشمن۔ ہم بس انتظار کرسکتے ہیں۔"

"شاید تمہیں اس معاملے کی اہمیت اور نزاکت کا صحیح اندازہ نہیں ہے...."

میں نے اول خان کی بات کاٹ دی "یہ الفاظ میرے لیے نئے نہیں ہیں۔ ان پُرپیچ سرکاری اصطلاحات کو عام آدمی سرخ فیتے کے نام سے جانتا ہے' ان کے نتیجے میں صرف اور صرف تاخیر رونما ہوتی ہے۔ نتائج عام طور پر وہی رہتے ہیں جو عام حالات میں ہونے چاہئیں۔"

"آج تم کچھ الجھے ہوئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ دیرا سے تعلقات میں پیدا ہونے والی کشیدگی اب تمہارے اعصاب پر بھی اثرانداز ہورہی ہے۔"

اول خان کی زبان سے وہ الفاظ سن کر میں چونک پڑا۔ اپنے تمام تر خلوص اور بے تکلفی کے باوجود وہ ہم میں سے

کسی کی نجی زندگی کے بارے میں کوئی غیر محتاط تبصرہ نہیں کرتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے میرے اور ویرا کے بارے میں کس بنا پر وہ ریمارک دے ڈالا تھا۔

"تم سے کس نے کہہ دیا کہ ویرا سے میرے تعلقات خراب چل رہے ہیں؟"

"دو تین دن پہلے میں دن میں تم سے ملنے آیا تھا تو وہ ایک منٹ کے لیے بھی اپنے کمرے سے باہر نہیں آئی تھی مگر میں اپنی رائے ذرا سوچ کر ہی دیتا ہوں۔ غزالہ نے مجھے تم دونوں کے درمیان کسی فساد کی خبر دی تھی۔" ہلکی سی ہنسی کے بعد اول خان کی آواز آئی۔

"اوہ! گھر کا بھیدی ہے لنکا ڈھا رہا ہے" میں نے جوابی خوش دلی کا مظاہرہ کیا "غزالہ کو تم سے ایسی باتیں کرنے کا موقع کب مل جاتا ہے؟"

"یہ رازدارانہ سرگوشیاں ہرگز نہیں ہوتیں" اس نے وضاحت کی "میں تم لوگوں سے ملنے آتا ہوں تو خود کو گھر کا ایک فرد سمجھتا ہوں۔ مجھ سے ہر ایک اپنے دل کی بات کہہ سن لیتا ہے۔"

"پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ کل تمہارے جانے کے بعد ہم دونوں دیر تک ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے خوش گپیاں کرتے رہے ہیں۔ تعلقات کا جمود اب ختم ہو چکا ہے۔"

"یہ خوشی کی بات ہے۔ تمہیں یہ بات ہر وقت یاد رکھنی چاہیے کہ اس نے تم لوگوں کی خاطر سب کچھ، حتیٰ کہ اپنا وطن تک چھوڑ دیا ہے اور یہاں کی دھیمی زندگی کو قبول کر لیا ہے۔"

"یہ نکتہ ہر وقت میرے ذہن میں رہتا ہے اسی لیے اب تک گزارا ہو رہا ہے۔"

"تم لمحہ بھر میں بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہو" ایک گہرے سانس کے بعد ریسیور پر اس کی آواز ابھری "میں بتا رہا تھا کہ رستم اور پنڈت کا معاملہ بہت نازک ہے۔ پاکستان میں صیہونی سازشوں اور خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں اخبارات میں اکثر غلغلہ اٹھتا رہتا ہے۔ کچھ گرفتاریاں بھی ہوتی ہیں۔ بعد میں کسی کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ نتیجہ کیا نکلا۔ ملزم بے گناہ ثابت ہوتے ہیں یا ان کے خلاف مواد نہیں ملتا اور انہیں خاموشی سے رہا کر دیا جاتا ہے۔"

"تم اکثر سسٹم کی خرابیوں کا رونا روتے رہتے ہو۔ ایسے واقعات بھی ان کمزوریوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔"

"مگر اس بار ایسا نہیں ہے۔" اول خان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "پنڈت کے گھر پر رابن مائر کے قتل نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا ہے۔ اس بار ٹھوس شواہد موجود ہیں کہ صیہونی فتنہ موساد اور جس (JISS) کے ذریعے پاکستان میں سرگرم عمل ہے۔"

"شواہد موجود ہیں تو انہیں سامنے آنا چاہیے۔ خاموشی کیوں ہے؟" میں نے کہا۔

"ایسے معاملات میں بہت سی مصلحتیں اور مجبوریاں مانع ہوتی ہیں۔ ان پر قابو پائے بغیر کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ابھی صرف ایک رات گزری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شام تک کوئی خبر مل جائے۔"

"اگر تم کو بھی صرف انتظار کرنا ہے تو یہیں آ جاؤ۔ مل جل کر وقت گزار لیں گے۔"

"میں صرف انتظار نہیں کر رہا۔ میں نے پنڈت اور رستم کے تین ماہ کے سارے فون بلز کی تفصیلات جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ جوں ہی متعلقہ شعبے سے پیغام ملا' میں تفصیلات لیتا ہوا تمہاری طرف آ جاؤں گا۔ یہ بل ان دونوں کی سرگرمیوں کا مضبوط ترین ثبوت ثابت ہوں گے۔"

فون پر گفتگو سے فارغ ہو کر میں نے محسوس کیا کہ گھر میں سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔

کچن کے ساتھ میرا کمرا بھی خالی تھا۔ سلطان شاہ کی خواب گاہ کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ وہیں میرے کانوں میں ویرا کی دبی دبی مترنم ہنسی کی آواز آئی اور میں بند دروازے پر دستک دے کر' جواب کا انتظار کیے بغیر ویرا کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

وہ تینوں ایک میز کے گرد بیٹھے کارڈز کھیل رہے تھے۔ ویرا کسی پیشہ ور جواری کی طرح اپنے کارڈز دیکھ کر' دوسروں کے حوصلے پست کر دینے والے تبصرے کر رہی تھی۔

"یہ بند کمرے میں کیا ہو رہا ہے؟" میں نے پیچھے سے غزالہ کے کارڈز دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کٹ تھروٹ برج کھیل رہے ہیں" ویرا نے سینہ زوری سے کہا "بڈنگ ہو چکی ہے۔ چاہو تو تم ڈمی کی جگہ لے سکتے ہو۔ سلطان شاہ تمہارا پارٹنر ہو گا۔"

میں نے غزالہ کے پتے چھین کر میز پر ڈال دیے اور ویرا تلملا اٹھی "تم نے ہمارا زبردست گیم برباد کر دیا۔ میں دیکھتی کہ سلطان شاہ اپنا کنٹریکٹ کیسے پورا کرتا ہے۔"

"برج پر لعنت بھیجو۔ ہم ٹرمپ کارڈز کھیلیں گے۔" میں نے کسل مندی سے کہا۔

سلطان شاہ شاید پھنسا ہوا تھا۔ اس نے میری بات سنتے

ہی اپنے اور غزالہ کے کارڈز تیزی سے گڈمڈ کردیے۔ ڈمی کے الٹے پتے بھی اس کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے۔

"کوٹ پیس ہی کھیلیں گے۔" سلطان شاہ نے اعلان کیا "برج کا کھیل اچھے خاصے، ہنستے کھیلتے انسان کو ذرا سی دیر میں فلسفی اور قنوطی بنادیتا ہے۔"

"تم لوگ کمرا بند کیے کیوں بیٹھے تھے؟" میں نے ایک کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"تم فون پر مصروف تھے۔ ہم تمہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے تھے۔" سلطان شاہ بولا "یہ ویرا کی تجویز تھی کہ تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ کر اس کے کمرے میں محفل جمالی جائے۔"

"دیکھ لو!" ویرا نے اپنے پتے بھی میز پر پھینک دیے "یہ مرکر بھی سکس ڈائمنڈز نہیں بنا سکتا تھا۔"

میں انہیں کمرے سے نکال کر ڈرائنگ روم میں لے جانا چاہتا تھا لیکن ویرا اپنے کمرے میں ہی بیٹھنے پر مصر رہی۔ کھڑکیوں پر کھنچے ہوئے پردوں اور کم روشنی کی وجہ سے اسے اپنا کمرا زیادہ پسند تھا۔

ہم جس ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے تھے، اس کے مطابق عورتیں ایک طرف تھیں، سلطان شاہ میرے سامنے تھا۔ ویرا کو اس ترتیب میں کوئی تبدیلی منظور نہیں تھی۔ کارڈز اٹھائے گئے اور بانٹنے کی ذمے داری ویرا کے سر آگئی۔ میرے لیے وہ آغاز ایک اچھا شگون تھا۔

وقت گزاری کے لیے وہ ایک اچھا مشغلہ تھا کیونکہ ویرا کبھی ایمان داری سے اپنی ہار تسلیم نہیں کرتی تھی۔ شارپنگ اور دوسری بے ایمانیوں کے ذریعے ہر قیمت پر جیتنے کی کوشش کرتی تھی، بار بار پکڑی جاتی تھی مگر شور و غل اور احتجاج کے باوجود، موقع ملنے پر بے ایمانی کرنے سے باز نہیں آتی تھی۔

وہ سلسلہ دوپہر کے کھانے تک پورے زور و شور سے چلتا رہا۔ غزالہ میز لگانے کے لیے اٹھی تو رمی کا سلسلہ چل پڑا۔ ہم نے کھانے کا آغاز ہی کیا تھا کہ اول خان آپہنچا۔

ہم میں سے کسی کو اسے کھانے پر مدعو کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میز تیار دیکھ کر وہ خوش ہوگیا اور کچن میں ہاتھ دھو کر خود ہی ہمارے ساتھ شامل ہوگیا۔

"دفتر سے سیدھے آرہے ہو یا آئی بی والوں کے ساتھ کہیں مصروف تھے؟" ویرا نے پوچھا۔

اول خان نے قدرے تعجب سے میری طرف دیکھا پھر کہا "وہ لوگ تو کل شام ہی پنڈت کو اپنے ساتھ لے کر اسلام

ایک جج صاحب جن کی دیانت داری اور دیانت پسندی، دونوں کی بڑی شہرت تھی، ایک ہوٹل میں اپنا بٹوا بھول گئے جس میں خاصی بڑی رقم تھی۔ دوسرے روز ایک ویٹر بٹوا واپس کرنے آیا تو وہ بہت خوش ہو کر اسے انعام سے نوازنے کا ارادہ کرتے ہوئے بولے "تمہیں کیسے پتا چلا کہ بٹوا میرا ہی ہے؟"

"صاحب! بٹوا کس کا ہے... یہ تو آپ جانیں... اور آپ کا خدا جانے... مجھے تو اس میں آپ کا شناختی کارڈ رکھا ہوا ملا تھا۔" ویٹر نے سادگی سے جواب دیا۔

آباد چلے گئے تھے۔ کارروائیوں کا مرکز یہاں سے اسلام آباد منتقل ہوچکا ہے۔"

"تم نے اس بارے میں ہمیں ایک لفظ بھی نہیں بتایا" ویرا نے مجھ سے شکایت کی۔

"موقع ملا اور نہ تم نے اس بارے میں کچھ پوچھا۔ اب ہماری نظریں اسلام آباد پر لگی ہوئی ہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ آج کسی وقت وہاں سے کوئی نہ کوئی اچھی خبر ضرور ملے گی۔" اول خان نے میری بات پر گرہ لگائی "بلوں کے بارے میں تمہارا اندازہ درست ثابت ہوا ہے۔"

"کیسے بل؟" اس بار غزالہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی اور میں نے محسوس کیا کہ اس بار ہم میں سے ہر شخص، ہر بات سے باخبر نہیں تھا۔

"فون بل!" اول خان نے اسے بتایا "وہ میں نے ابھی نہیں دیکھے لیکن بل نکالنے والے نے بتایا ہے کہ دو نمبروں سے واشنگٹن کا باقاعدہ رابطہ رہا ہے۔"

"کھانے سے فارغ ہو کر ہم پانچوں، ایک ایک کر کے ڈرائنگ روم میں جمع ہوگئے۔

اول خان نے رستم کی خودکشی کے بعد پیش آنے والے واقعات کا ایک اجمالی خاکہ سب کے سامنے پیش کردیا تاکہ کوئی اپنی بے خبری کا گلہ نہ کرسکے۔

"جب بہت کچھ سامنے آچکا ہے تو پنڈت منوہر لال کی گرفتاری کو صیغۂ راز میں رکھنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟" ویرا نے سب کچھ سن لینے کے بعد پہلا اعتراض

کردیا۔
"یہ ڈینی کا مشورہ تھا۔ وہ لوگ اس پر کہاں تک عمل کرتے ہیں، یہ ان کا فعل ہے۔" اول خان نے کہا۔
ویرا کی استفسار طلب نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔
میرا جواب مختصر تھا "اسے سامنے لانے سے کوئی فائدہ ہوتا ہے تو اسے منظرِعام پر لانے میں کوئی ہرج نہیں۔"
"تم اسے سات پردوں میں چھپالو تب بھی یہ بات رابن مائر کو معلوم تھی کہ پنڈت منوہرلال اپنے گھر ہونے والی چوری کی پُراسرار واردات کے بعد رستم کے پاس پناہ گزین ہے۔.."
"یہ ہم کہہ رہے ہیں، وہ سرکاری سطح پر اس کا اعتراف نہیں کرسکتے۔ وہ پنڈت اور رستم کے ساتھ رابن کے کسی بھی رابطے کا حوالہ نہیں دے سکتے۔" میں نے ویرا کی بات کاٹ دی "رابن مائر یہاں موساد یا "جس" کے ایجنٹ کے روپ میں نہیں آیا تھا۔ امریکی سفارتی افسر کی حیثیت سے آیا تھا۔"
"پنڈت کو روپوش رکھ کر نہ صرف اسے محفوظ رکھا جاسکتا ہے بلکہ امریکی حکام سے پوچھا جاسکتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ رابن ہرسفارتی اور حفاظتی احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر اس کی بیٹی کو قتل کرنے اس کے گھر گیا تو یہ شبہ ہونا فطری امر ہے کہ پنڈت اسی کے خوف سے کہیں روپوش ہے۔"
"میں بحث کو طول نہیں دیتی مگر یہ ضرور بتادوں کہ اس کی آڑ میں تم تل ابیب والوں پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکو گے۔" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔
میں نے حیرت سے پلکیں جھپکا کر اس کی طرف دیکھا "ذرا اس کی وضاحت بھی کردو۔"
"بہت سیدھی سی بات ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا "تمہارے پاس موساد کے چیف اور سکریٹری کے فون یا فیکس نمبر ضرور موجود ہیں مگر پاکستان اور اسرائیل میں کوئی براہِ راست مواصلاتی رابطہ نہیں ہے۔ پنڈت اپنے پیغامات رابن مائر کو واشنگٹن بھیجتا تھا۔ رابن وہ پیغامات وہاں سے تل ابیب فیکس کردیتا تھا۔ رابن مرچکا ہے۔ تم یہ رابطہ کیسے استعمال کروگے؟"
"بظاہر تمہارا یہ نظریہ درست معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا توڑ ہوسکتا ہے۔"
"وہ یقیناً کوئی طویل اور صبر آزما طریقہ ہوگا۔ میں اتنی دور تک کی منصوبہ بندی کی قائل نہیں ہوں۔"
اول خان نے اس دوران میں اپنی جیب سے فون بلوں کا ایک پلندہ نکال لیا۔
اس میں ایک موٹی گڈی بسیرا میں نصب سات نمبروں کے بارے میں تھی۔ دوسری پتلی گڈی میں پنڈت منوہرلال کے گھر کے دو نمبروں کے پچھلے تین ماہ کے بل تھے۔
"ان میں سے ہر بل ہزاروں میں ہے۔" اول خان نے موٹی گڈی کی ورق گردانی کرتے ہوئے حیرت سے کہا "بیرونِ ملک اور شہر سے باہر کی جانے والی کالز کی ہر نمبر پر بھرمار ہے۔"
"ایک ایسا آدمی جو شب و روز اپنے گھر میں محصور رہتا ہو، اپنی بیرونی مصروفیات کے لیے فون پر ہی انحصار کرسکتا ہے۔ اس کے غلیظ کاروبار کا انحصار بھی فون پر تھا۔" میں نے جواب دیا۔
"ان میں بیشتر کالز ایران کی معلوم ہوتی ہیں۔" اول خان نے بلز دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا "امریکا کے کوڈ کے ساتھ دو نمبر بار بار آرہے ہیں۔ ان کا سٹی کوڈ شاید واشنگٹن کا ہے۔"
"رستم کا ایران سے بہت گہرا اور پرانا تعلق تھا۔" میں نے کہا "اپنے رشتے داروں سے اس نے فون پر ہی اپنے رابطے برقرار رکھے ہوں گے۔"
فون بل میرے پاس آئے تو میں نے دیکھا کہ رستم کے بلوں میں ڈبل زیرو نائن ایٹ یعنی ایران کے انٹرنیشنل ڈائلنگ کوڈ والے نمبروں کی خاصی تعداد تھی۔ امریکا کے کئی نمبر تھے لیکن وہ کہیں کہیں نظر آئے، واشنگٹن کے دو نمبر ہر مہینے کئی بار موجود تھے۔
اس کے مقابلے میں واشنگٹن سے پنڈت منوہرلال کے رابطوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ اول خان نے اپنے ذرائع سے وہ تازہ ترین کوائف حاصل کیے تھے۔ ان سے پتا چل رہا تھا کہ منوہرلال کی روپوشی کے بعد رستم کے ایک نمبر سے تقریباً ہر روز واشنگٹن کے نمبروں پر طویل گفتگو ہوتی رہی تھی۔
بظاہر وہ متعدد کاغذوں پر بکھرے ہوئے اعداد و شمار تھے لیکن ان پر غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آرہی تھی کہ رستم نے "جس" کے بارے میں بیشتر مقامی ذمے داریوں کا بوجھ پنڈت منوہرلال پر ڈالا ہوا تھا لیکن رابن مائر سے وہ خود ہی رابطے میں رہنے کو ترجیح دیتا تھا۔ پنڈت کے ایک فون سے کبھی کبھار کی جانے والی کالز کو ناگزیر ضروریات کے زمرے میں شمار کیا جاسکتا تھا۔
وہ بہت دلچسپ اور نیا کھیل تھا۔ ٹیلی فون بلز کی وہ اہمیت اور افادیت سب ہی کے لیے نئی تھی اس لیے ذرا سی دیر میں وہ گڈیاں کھل کر پانچ حصوں میں تقسیم ہوگئیں اور ہر ایک قلم سنبھال کر نمبروں کے ساتھ ملک اور شہر کے نام درج

کرنے میں منہمک ہوگیا۔

تین بجے اول خان کے پاس موجود آئی بی کے اپریٹس پر اشارہ موصول ہونے لگا۔ اس نے ٹرانس سٹر آن کیا تو لائن پر الفا کا پیغام چارلی کے نام آرہا تھا مگر وہ آواز جلال کی نہیں تھی۔

جلال کے کوڈ کے استعمال کا مقصد تھا کہ بولنے والا اسی کا آدمی تھا۔ اول خان سے جواب ملنے پر اس نے اسلام آباد کا ایک نمبر لکھوانے کے بعد کہا کہ وہ اس نمبر پر کسی وقت بات کرلے۔ بات کرتے ہوئے ملک کو اپنے ساتھ رکھے۔

"بہت ناقص اور ادھورا پیغام ہے۔" وہ مختصر سی بات ختم ہوجانے پر ویرا نے کہا "اسلام آباد کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا کہ وہاں کیا ہورہا ہے۔"

"وہاں کے حالات کا علم فون پر ہوگا۔ یہ کال اپنی جگہ مکمل تھی۔"

"اور یہ ملک صاحب کون ہیں؟" ویرا نے اول خان سے سوال کیا۔

"یہ ذات شریف!" اول خان نے مسکرا کر میری طرف اشارہ کیا "رستم سے یہ ملک ممتاز کے نام سے ملے تھے اب عارضی طور پر صرف ملک صاحب ہیں۔"

پیغام میں وقت کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔ میرے ایما پر اول خان نے اسی وقت جلال سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا تاکہ ہمارا اعصاب شکن انتظار ختم ہوسکے۔

اول خان کے فقروں سے اندازہ ہوا کہ اس کا فون جلال نے خود ہی ریسیو کیا تھا۔ اس کی گفتگو بس چند استفہامیہ فقروں تک محدود رہی پھر اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"میں نے اول خان سے معذرت کرلی ہے کہ اس وقت مجھے تم سے بات کرنی تھی۔" میری آواز سن کر جلال نے کہا "مجھے امید ہے کہ اس نے برا نہیں مانا ہوگا۔"

"اس سوال کا جواب اول خان ہی دے سکتا ہے۔ تمہیں میری کیا ضرورت پڑ گئی؟"

"میرا اندازہ ہے کہ وہ عملی مسائل میں بھرپور ساتھ دے سکتا ہے۔ الجھے ہوئے مسائل کے حل کے لیے وہ خود بھی تم پر بہت زیادہ انحصار کرتا ہے۔"

"کیا مسئلہ درپیش ہے؟" میں نے دزدیدہ نظروں سے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کراچی سے اچانک روانگی کے پروگرام نے پنڈت کو کنفیوز کردیا ہے۔" وہ بولا۔

"فون پر یہ گفتگو محفوظ ہے نا؟" میں نے سی ایس ڈی کا ذکر کیے بغیر اس سے اچانک ہی پوچھ لیا۔

"آئی بی کے نمبر پاکستان میں سب سے زیادہ محفوظ ہیں۔ تم اس کی فکر مت کرو۔"

"پنڈت کیوں اپ سیٹ ہے؟" میں نے پوچھا "اس نے تمہارے لیے کوئی پریشانی تو نہیں کھڑی کی؟"

"وہ بہکی بہکی باتیں کررہا ہے، بار بار اپنی بیٹی کے بارے میں سوال کررہا ہے۔ تھوڑا سا تشدد بھی اسے راہ پر نہیں لاسکا۔ مجھے یہاں سخت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"پنڈت کی بیٹی کی لاش اس وقت کہاں ہے؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"وہیں، کراچی کے سرکاری مردہ خانے میں۔ پنڈت کی واپسی تک وہ محفوظ رہے گی۔"

"تمہیں پنڈت کے ساتھ ہی موہنی کی لاش کو بھی لے جانا چاہیے تھا، ہوسکتا ہے کہ وہ بیٹی کی وجہ سے ذہنی صدمے یا سکتے سے دوچار ہوگیا ہو۔ یہ کیفیت اس کے دماغ کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔"

"یار، تمہیں معلوم ہے کہ ہم کتنے مختصر نوٹس پر کراچی سے روانہ ہوئے ہیں۔ موہنی کی لاش کو ساتھ لانا کسی بھی

طرح ممکن نہیں تھا۔"

"تم اسے موہنی پنڈت کے بے جان چہرے کا دیدار کروا سکتے تھے۔ وہ سوچ رہا ہوگا کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے' اب وہ کبھی اپنی بیٹی کی صورت نہیں دیکھ سکے گا۔"

"وہ بیٹی کے سوا کچھ بول ہی نہیں رہا۔ میں نے اصولی طور پر افسرانِ بالا سے تمہاری تجویز کی منظوری لے لی ہے مگر وہ پنڈت کا اعترافی بیان سنے بغیر کوئی قدم اٹھاتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں۔"

"مجھے اس کی زبان کھلوانے کی ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ تم اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کردو۔ اپنی نگرانی میں اسے موقع دو کہ وہ اپنی بیٹی کی آخری رسوم میں شرکت کرسکے۔"

"مجھے معلوم ہوتا کہ یہ مسئلہ اتنا گمبھیر ہوجائے گا تو میں اسے کراچی میں ہی آگ لگوا دیتا۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ یہ کام پنڈی میں ہی ہوجائے پھر بھی تم دونوں کی یہاں موجودگی ضروری ہے۔"

"ہم دونوں وہاں آکر کیا کرسکیں گے؟ ایک بار پنڈت کو اپنے دل کا غبار نکالنے کا موقع مل جائے تو وہ تمہاری ہر بات کا جواب دینے پر آمادہ ہوجائے گا۔"

"وہ صورت سے پاگل بلکہ نیم وحشی نظر آرہا ہے۔ سوجی ہوئی آنکھیں' رنگے ہوئے سیاہ بالوں کی بڑھی ہوئی سفید جڑیں اور پھر اس کی ہذیانی بڑبڑاہٹیں..... مجھے ڈر ہے کہ اس پر زیادہ تشدد کیا گیا تو وہ مرجائے گا۔ مرنے سے پہلے اسے میرے بڑوں کے سامنے اپنا بیان ضرور ریکارڈ کرا دینا چاہیے۔ تم اس کی رگ رگ سے واقف ہو۔ میں بہت شدت سے یہاں تمہاری ضرورت محسوس کررہا ہوں۔"

"میں اول خان سے مشورہ کرکے تھوڑی دیر بعد فون کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اس سے کہہ دینا کہ ہوسکے تو خاموشی سے یہاں چلا آئے۔ کل رات سے پہلے تم دونوں واپس چلے جاؤ گے۔ اس کے یونٹ میں کسی کو پتا نہیں چلے گا کہ وہ اسلام آباد آیا تھا۔"

اس کا آخری مشورہ بالکل احمقانہ اور خودغرضی پر مبنی تھا مگر میں نے اس بارے میں کوئی تکرار کیے بغیر اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور فون بند کردیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت کی زبان پر لگے ہوئے تالے کی چابی تمہارے ہی پاس ہے۔" اول خان نے تمسخر سے کہا "شاید اب تمہیں اسلام آباد طلب کیا جارہا ہے۔"

"مجھے ہی نہیں' تمہیں بھی بلایا گیا ہے۔ تجویز یہ ہے کہ اپنے اوپر والوں کو خبر دیے بغیر یہاں سے کھسک لو۔ جلال کا کام پورا ہونے پر کل واپس لوٹ آنا۔"

"جلال کا کام کیا ہے؟" ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"اپنے افسران کے سامنے پنڈت کو زبان کھولنے پر مجبور کرنا۔" میں نے بتایا۔

"خوب!" ویرا طنزیہ لہجے میں بولی "اسے اپنے افسروں کی خوشنودی کا اتنا خیال ہے اور اول خان کو اپنے افسروں سے مشورہ تک نہ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے۔"

"مصائب میں پھنس کر آدمی اس سے بھی زیادہ کور عقل ہوجاتا ہے۔"

"اس پر کون سی مشکلات آئی ہوئی ہیں؟ پنڈت کے اعتراف کے چار گواہ موجود ہیں۔ جلال اور رحمان کے علاوہ تم اور اول خان بھی وہاں موجود تھے۔ اس کا ریکارڈ سامنے ہے۔ اس کے فون بل تابوت میں آخری کیل ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"تم نہیں سمجھ سکتیں۔" اول خان نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ایسی صورتِ حال میں بڑے افسروں کے سامنے سخت ندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ملزم پر پوری طرح کام کیے بغیر اسے ان کے سامنے پیش کردیا گیا ہے۔"

"پنڈت کو وہ اپنی مرضی سے اسلام آباد نہیں لے گئے' اسے حکم دے کر وہاں طلب کیا گیا ہے۔ اگر کام ادھورا بھی رہ گیا ہے تو اس میں ان دونوں کا کیا قصور ہے؟" سلطان شاہ بولا۔

"تم لوگ جو چاہو' کہتے رہو۔ میری رائے ہے کہ ہمیں اس کی مدد کے لیے اسلام آباد جانا چاہیے۔ مجھے اوپر سے اجازت لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ بس اپنی روانگی کی اطلاع دینی ہوگی۔ ایس ٹی ایف میں ہر ایک اس معاملے کی اہمیت سے واقف ہے۔"

"پھر میں اسے فون کردوں؟" میں نے اول خان سے پوچھا "وہ ہمارے کسی پیغام کا بے چینی سے انتظار کررہا ہوگا۔"

"پہلے میں اپنے کمانڈر سے بات کرلوں پھر تم فون کرلینا۔" اس نے کہا۔

اپنی فورس کے بارے میں اول خان کا اندازہ بالکل درست تھا۔ اس کا ہیڈ کوارٹر اسلام آباد میں تھا۔ اس نے

اپنے کمانڈر سے بہت مختصر بات کی، شاید وہ پہلے بھی اسے بریفنگ دیتا رہا تھا اس لیے ان کی گفتگو چند لمحوں میں ختم ہو گئی۔

"اب تم جلال کو بتا دو۔" اول خان نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"روانگی کا بندوبست تم کو کرنا ہے۔ تم ہی اس سے بات کرلو۔"

جلال کا فون مصروف تھا۔ تیسری کوشش میں رابطہ ہوا۔ اول خان نے اپنا پیغام دیا کچھ دیر تک دوسری طرف کی بات سنتا رہا پھر اختتامی کلمات کے ساتھ فون بند کر دیا۔

"جلال نے تمہاری بات مان لی ہے۔ شام کی پرواز سے موہنی کا تابوت اسلام آباد پہنچ جائے گا۔ وہاں سے اُسے براہِ راست پنڈی کے پرانے شمشان گھاٹ پہنچا دیا جائے گا۔"

"کیوں؟ کیا اسلام آباد میں کوئی شمشان نہیں ہے۔" ویرا نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے کہ نہ ہو۔" میں نے جواب دیا "پورا شہر گھومنے کے باوجود میں شہر میں مسلمانوں کا کوئی قبرستان دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ ہندوؤں کا شمشان کہاں ملے گا۔"

"کیا وہاں رہنے والے زندگی کی اس آخری ضرورت سے بے نیاز ہوتے ہیں؟"

ویرا کے استہزائیہ لہجے پر میں ہنس پڑا "ہو سکتا ہے کہ میں مضافات میں واقع قبرستان تک نہ پہنچ سکا ہوں۔ زندہ آبادیوں کی منصوبہ بندی میں آخری آرام گاہوں کا بندوبست ضرور کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے لیے الگ جگہ شاید نہ ہو کیونکہ وہ بہت صحت کش ماحول میں اپنے مردے جلاتے ہیں۔"

"ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسلام آباد سب شہروں کا شہر ہے۔ وہاں وفات پانے والوں کی تدفین ان کے اپنے شہروں اور قصبوں میں کی جاتی ہوگی۔ غریب غربا کے لیے کہیں کوئی جگہ چھوڑ دی گئی ہوگی۔" سلطان شاہ بھی اس بارے میں قیاس آرائی سے آگے نہ بڑھ سکا۔

"تم میں سے کسی نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ میں نے جلال کو روانگی کا پروگرام دینے کے بجائے پرواز سے قبل ایئرپورٹ سے فون کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ ہم نائٹ کوچ سے نکلیں گے۔" اول خان نے تدفین کے موضوع کو وہیں دفن کرتے ہوئے ہم سب کو آگاہ کیا۔

"نائٹ کوچ سے سفر میں رقم کی کچھ بچت ضرور ہو جاتی ہے لیکن اس کے عوض پوری رات برباد ہو جاتی ہے۔" سلطان شاہ نے تنقید کی "ہم اتنے مفلس نہیں ہیں کہ اتنی چھوٹی بچتوں کے پیچھے بھاگتے پھریں۔"

"بچت نہیں، میں سہولت دیکھ رہا ہوں۔ ہم نے روانگی میں عجلت سے کام لیا تو موہنی کے کریا کرم میں بھی شرکت کرنی پڑے گی۔ اسلام آباد میں نائٹ کوچ کی لینڈنگ سے پہلے وہ سارے ناخوشگوار مراحل طے ہو چکے ہوں گے۔" اول خان نے کہا۔

اول خان کے اس فیصلے سے اختلاف رائے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

اپنی دو روزہ غیر حاضری میں کام کاج کی تقسیم کے ارادے سے اول خان روانہ ہوا تو میں بھی گاڑی لے کر شہر کی سڑکیں ناپنے نکل کھڑا ہوا۔ وہ میرا اپنا شہر تھا مگر مجھے اس کی سیر کیے کافی دن ہو گئے تھے۔

گلشن سے ڈرائیو کرتا ہوا میں خالی الذہنی کے عالم میں قائداعظم کے مزار کی طرف جا نکلا۔ پاکستان کے بانی کے مزار کے گرد بہت کم ترتیب تھی۔ عمارت اور اس تک جانے والے طویل زینوں کے سوا، سڑک سے، ہر طرف مٹی کے ٹیلے اور چٹانیں بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ان کے درمیان

"خواہش"

رمضان صاحب شہر کے ایک اعلیٰ آڈیٹوریم میں میجک شو دیکھنے گئے تو شعبدے باز کا ایک خصوصی شعبدہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"خدا کی پناہ ....!" وہ بے اختیار تحسین آمیز انداز میں چلائے "یہ کام آپ نے کیسے کیا؟ کیا آپ یہ جادو مجھے نہیں سکھا سکتے؟"

"سکھا سکتا ہوں ...." شعبدے باز نے متانت سے جواب دیا "لیکن میرا اصول ہے کہ جسے سکھاتا ہوں اسے چند دن بعد قتل کر دیتا ہوں۔"

رمضان صاحب نے ایک لمحے سوچا پھر بولے "اچھا.... ٹھیک ہے.... تو پھر میری بیوی کو سکھا دو۔"

جا بجا سرسبز درخت استادہ تھے جو شجر کاری کی کسی پرانی مہم کے نتیجے میں بڑھتے چلے گئے تھے۔ مزار کا طواف کرتے ہوئے مجھے قلق ہوا کہ پاکستانیوں نے اپنے قائد کا مزار تعمیر کر کے اس منصوبے کو یکسر بھلا دیا تھا۔ اس کے گرد باغات، لائبریری، میوزیم اور دوسری عمارات کی تعمیر کے منصوبے دیمک کی خوراک بننے کے لیے فائلوں میں چھوڑ دیے گئے تھے۔

وہاں سے نکلنے کے بعد میں تھوڑی دیر میں امریکی قونصل خانے کے سامنے جا پہنچا۔ اس روز آہنی جنگلوں کے پیچھے بنی ہوئی شاندار عمارت تاریک پڑی ہوئی تھی۔ باہر سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اندر کوئی موجود نہ ہو تاریک احاطے میں کچھ ہیولے متحرک نظر آرہے تھے۔ باہر، فٹ پاتھ کے کنارے بنی ہوئی نیم پختہ چوکی میں مسلح پولیس والے عمارت کی حفاظت پر مامور تھے۔

اس عمارت میں کام کرنے اور آنے جانے والے بیشتر سفید فام بظاہر ہمارے دوست تھے لیکن روز اول سے ہمارے بدخواہ تھے۔ کسی خوش نما چہرے پر بڑھ آنے والے بدگوشت کی طرح ہمیں کاٹ کر پھینک دینا چاہتے تھے۔ ان کا آخری سرخیل اوبرائن ڈی ہنٹ تھا جو اسی قونصل خانے کے کسی کمرے میں بیٹھ کر عظیم تر ایشیائی اتحاد کے منصوبوں میں رنگ بھرا کرتا تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اپنے خواب کی کوئی تعبیر دیکھنے سے پہلے ہی وہ مجھ سے ٹکرا گیا اور پھر نئی دہلی میں بہت صفائی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

وہ قونصل خانہ آئے دن پاکستان کے کسی نہ کسی بدترین دشمن کی میزبانی کرتا رہتا تھا۔ ان میں رابن مائر کا نام فہرست کے بالکل آخری سرے پر تھا۔ صیہونی مفادات کا وہ رکھوالا نفیس سفارتی نقاب اوڑھ کر اپنے ایجنٹوں کو کسی برے وقت سے بچانے کا عزم لے کر بہت مستعدی سے کراچی پہنچا تھا۔ اس کی آمد کی پہلی رات رستم کا باپ کاٹا گیا پھر اس درندے کو کراچی میں اپنی دوسری رات گزارنی نصیب نہ ہو سکی۔ اضطرار کے عالم میں وہ وہیں پہنچا جہاں ہم اس کے لیے جال بچھائے بیٹھے تھے۔ وہ موہنی پنڈت کو مارنے میں ضرور کامیاب ہو گیا لیکن پھر اسے وہاں سے زندہ نکلنا نصیب نہ ہو سکا۔

قونصل خانے اور باغ جناح کی درمیانی سڑک سے گزرتے ہوئے وہ اشتعال انگیز خیالات میرے ذہن میں کسی فلم کی طرح چلتے رہے اور پھر میں پل عبور کر کے کلفٹن والی سڑک پر نکل گیا۔

اس راستے میں جہانگیر کا گھر واقع تھا۔ لمحہ بھر کے لیے میں نے ادھر جانے کے بارے میں سوچا مگر پھر ارادہ ترک کر دیا۔ اس وقت جہانگیر گھر پر موجود نہ ہوتا اور سلمٰی موقع غنیمت جان کر میرے لیے مسئلہ بن جاتی۔ میں اس سڑک سے ہوتا ہوا ساحل سمندر کے ایک دور افتادہ حصے پر جا نکلا۔

سمندر کی تھکی تھکی لہریں پتھریلی دیوار کو تقریباً چھوتی ہوئی دم توڑ رہی تھیں۔ میں گاڑی کو کنارے سے لگا کر جوڑی دیوار پر بیٹھ گیا۔ سمندر کی طرف سے آنے والی بھیگی ہوئی اور خنک ہوا، لہروں کے شور میں بہت مزا دے رہی تھی۔ میرے سامنے وسیع اور تاریک سمندر پھیلا ہوا تھا اور پشت پر اسٹریٹ لائٹس کی ہلکی روشنی بڑھتے ہوئے اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

میں خاصی دیر تک وہاں بیٹھا، پُرسکون ساحلی فضا سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ میرے ذہن سے بیشتر تفکرات دور ہو چکے تھے۔

میں وہاں سے واپس روانہ ہوا تو میرے دل میں نیا عزم انگڑائیاں لے رہا تھا۔

گھر پر تینوں میرے منتظر تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ویرا بول پڑی "کسی سے کچھ کہے سنے بغیر کہاں نکل گئے تھے۔ تمہارا انتظار کرتے کرتے اب آنکھیں پتھرانے لگی تھیں۔"

"گھومتا پھرتا ساحل کی طرف نکل گیا تھا۔ وہاں کی تھوڑی سی تازہ ہوا کھا کر لوٹ آیا مگر راستے میں، میں نے دو ایسی عمارتیں دیکھی ہیں جنہوں نے میرے وجود میں آگ سی بھڑکا دی ہے۔"

"کیا اپنے چھوڑے ہوئے گھروں کی طرف جا نکلے تھے؟" ویرا نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

"میرے لیے ان کی ذرا بھی وقعت نہیں ہے۔ آدمی زندگی بھر گھر کو اپنے سینے سے لگائے رکھتا ہے، اسے بناتا، سنوارتا اور سجاتا ہے، اس پر ناز کرتا ہے مگر دم نکلنے کے بعد اسے جوں کا توں چھوڑ جاتا ہے۔ چھوڑے ہوئے گھر اور اثاثے پر کڑھنا بزدلی اور بے وقوفی ہے۔۔۔"

"پھر تم کن عمارتوں کی بات کر رہے ہو؟" سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر پوچھا "مجھے تو اس شہر میں ایسی کوئی عمارت نظر نہیں آتی جو کسی کو اتنا متاثر کر سکے۔"

"بہت سی چیزوں کو دیکھنے کے لیے نگاہ اور سمجھنے کے لیے دل کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم اہل دل ہو نہ اہل بصیرت۔ چپ چاپ بیٹھے رہو۔" ویرا نے اسے خاموش کر دیا۔

"مزار قائد اور امریکی قونصل خانہ" میں نے قدرے

توقف کے بعد تلخی سے کہا۔
"ان دونوں میں آپ نے کیا تعلق دیکھ لیا؟" غزالہ حیرت سے پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔
"ان دونوں کو دیکھ کر اپنی بے بسی کا احساس گہرا ہونے لگتا ہے۔ ہم کتنے بے بس ہیں کہ اپنے عظیم قائد کا مزار بھی آج تک مکمل نہیں کر سکے۔ اس کے اردگرد بے ترتیب سبزے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔"
"اور تم جذباتی ہو رہے ہو" ویرا بولی "کہو تو میں تمہاری قومی بے حسی کی ایسی دسیوں مثالیں گنوا دوں۔ ان کوتاہیوں میں تم امریکیوں کو کیوں قصوروار ٹھہراتے ہو... انہوں نے تمہارے ہاتھ پکڑ کر تمہیں کام کرنے سے تو نہیں روکا۔ ان کے قونصل خانے کا ذکر تم کیوں لے آئے؟"
"وہ ہماری بے بسی کا دوسرا روپ ہے" میں نے پہلو بدل کر جواب دیا "ان کے کرتوت ہمارے سامنے ہیں۔ ان کے مکروہ چہروں سے ہم اچھی طرح واقف ہیں مگر ہم کتنے بے بس ہیں کہ کان پکڑ کر انہیں اپنی سرزمین سے نہیں نکال سکتے۔ وہ یہاں دندناتے پھرتے ہیں اور ہمارے قومی خزانے سے تنخواہیں پانے والے دن رات ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ آخر ہم ہر طرف سے اتنے مجبور اور بے بس کیوں ہیں؟"
"اوہ!" ویرا کے ہونٹوں سے بے اختیار ایک گہرا سانس خارج ہو گیا "تم اندر کی بہت سی کہانیوں اور سازشوں سے واقف ہو اس لیے ہر بات کو ایک خاص زاویے سے دیکھتے ہو۔ تمہارے جذبات کو سمجھنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ یہ سب سسٹم کی خرابی کی بات ہے۔ اول خان بھی اسی سسٹم کے سامنے بے بس ہے' وہ کسی مجرم کی طرح بار بار یہ اعتراف کرتا ہے کہ وہ بھی اس سسٹم کا کل پرزہ ہے۔"
"اس عمارت پر تاریکی اور نحوست کا راج تھا۔ شاید اوبرائن اور رابن مارکی پے درپے اموات نے ان مردودوں کو دہشت زدہ کر دیا ہے اور وہ گوشہ نشین ہو گئے ہیں مگر ہمارے محافظ اس خالی عمارت کی بھی نگہبانی کرنے پر مجبور ہیں... میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں اس نظام کا ایک حصہ نہیں ہوں۔ اس سے باہر رہ کر اس کی بہتری اور بحالی کے لیے جو کچھ کر سکتا ہوں، کر رہا ہوں۔"
"بلاوجہ اپنا خون نہ جلاؤ" ویرا نے ہمدردی سے مجھے پچکارا "کھانے سے پہلے منہ ہاتھ دھو کر سمندری ہواؤں کا کھار اتار لو تاکہ ہم کھانا کھا سکیں۔ تمہیں گیارہ بجے ائرپورٹ بھی پہنچنا ہے۔"
"نائٹ کوچ کی روانگی کا وقت کیا ہے؟" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر پوچھا۔
"بارہ بج کر پانچ منٹ۔ اول خان وہیں تمہارا انتظار کرے گا" ویرا نے کہا۔
ویرا کا مشورہ صائب تھا۔ میں نے سمندر کی تازہ ہوا کا لطف ضرور اٹھا لیا تھا مگر میں اپنی جلد کے کھلے ہوئے حصوں پر سمندری نمکیات کی چپچپاہٹ محسوس کر رہا تھا۔ میں ڈرائنگ روم سے اٹھ کر سیدھا غسل خانے میں جا گھسا۔ اسلام آباد کے سفر سے پہلے میرا تازہ دم ہونا ضروری تھا۔
کھانے کی میز پر ویرا کی کوشش رہی کہ خوش گوار موضوعات پر بات ہوتی رہے۔ میں اپنے ساتھ اس کی طفلانہ ہمدردی کو سمجھتے ہوئے بھی اس کی دل جوئی کے لیے انجان بنا رہا۔ وہ اتنی بری ہرگز نہیں تھی جتنی کبھی کبھی نظر آنے لگتی تھی۔
ڈنر کے بعد چائے کا دور شروع ہوا تو ویرا نے کارڈز نکال لیے مگر وہ دور زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ مجھے اپنی ضروریات کا مختصر سا سامان ایک بیگ میں سمیٹنا تھا۔
میں نے میز چھوڑی تو غزالہ بھی میرے ساتھ ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور ویرا کو فقرے چست کرنے کا بہانہ ہاتھ آگیا۔
"یوں کہو کہ بیگ تیار کرنے کے بہانے' تخلیے میں غزالہ کو الوداع کہنے جا رہے ہو۔"
"ہم لیلیٰ مجنوں والے مرحلوں سے بہت آگے نکل چکے ہیں" میں نے مڑ کر اسے جواب دیا "چاہو تو تم بھی ہمارے ساتھ آ سکتی ہو۔ ہمیں تخلیے کی ضرورت نہیں ہے۔"
"جاؤ' معاف کیا۔ اسلام آباد سے واپسی پر تم سے یہ حساب لیا جائے گا" ویرا نے فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کس سے پالا پڑا ہے؟"
وہ تینوں ہی مجھے ائرپورٹ چھوڑنے کے لیے بے چین تھے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی فکر میں تھے مگر گھر خالی چھوڑ کر ہم چاروں کا رات گئے گھر سے نکلنا مناسب نہیں تھا۔ سلطان شاہ مجھے چھوڑنے جاتا تو عورتیں گھر میں تنہا رہ جاتیں۔ ان میں سے کوئی میرے ساتھ ائرپورٹ جاتی تو رات گئے اسے واپسی کا طویل سفر تنہا طے کرنا پڑتا۔ میں نے سختی سے انہیں روک دیا۔
میں انہیں الوداع کہہ کر اپنے ہلکے پھلکے بیگ کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ سلطان شاہ نے قریبی سڑک سے مجھے ٹیکسی میں سوار کرایا پھر وہ بھی گھر لوٹ گیا۔
ائرپورٹ کے برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے میری

رسٹ واچ پونے گیارہ بجا رہی تھی۔ میں نے قرب و جوار میں نظریں دوڑائیں مگر اول خان کہیں موجود نہیں تھا۔ وقت گزارنے کے لیے میں سگریٹ سلگا کر ایک طرف ہو گیا۔ اس وقت بین الاقوامی روانگی والے حصے میں زیادہ چہل پہل نظر آ رہی تھی۔

وہ وقت مغرب سے کراچی ہو کر مشرقِ بعید کی طرف جانے والی پروازوں کے لیے ہی موزوں تھا اس لیے سامان سے لدے پھندے اور مضطرب مسافروں کی بھیڑ میں مقامیوں سے زیادہ زرد رو اور چپٹی ناکوں والے ایشیائیوں کی تعداد شامل تھی۔

وہاں ایسے ایسے چہرے اور تماشے نظر آ رہے تھے کہ وقت بہت تیزی سے گزر گیا۔ میں وہاں سے واپس ہوا تو ملکی پروازوں کے ڈپارچر لاؤنج سے اول خان برآمد ہوتا ہوا نظر آیا۔ شاید وہ میری غیر موجودگی میں وہاں پہنچ کر سیدھا اندر چلا گیا تھا اور میری تلاش میں دوبارہ باہر آ رہا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی وہ تیر کی طرح میری طرف آیا اور ہاتھ ملاتے ہوئے، میری طرف جھک کر، سرگوشیانہ لہجے میں بولا "تم احمقوں کی طرح کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو۔ ائرپورٹ پر پچھلے کئی گھنٹوں سے کچھ مشتبہ افراد منڈلاتے پھر رہے ہیں۔ میرے ساتھ سیدھے اندر چلے آؤ۔"

"یہ خبر تمہیں کب اور کیسے ملی؟" میں نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"میرے دو آدمی موہنی پنڈت کے تابوت کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں پہنچے تھے۔ اس وقت بھی وہ ائرپورٹ پر موجود ہیں.... تابوت کی روانگی کے ایک آدھ گھنٹے بعد ہی وہ مشتبہ چہرے نظر آئے تھے۔ ان کی ساری توجہ مقامی پروازوں کی روانگی پر مرکوز ہے۔"

"کیا انہیں ہمارے پروگرام کی کوئی سن گن مل گئی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ امکان ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہے۔ میرا خیال ہے کہ ساری گڑبڑ موہنی کے تابوت کی روانگی سے شروع ہوئی ہے۔ دشمنوں کو پتا چل گیا ہے کہ اس کی لاش یہاں سے اسلام آباد لے جائی گئی ہے اور اب وہ کسی سراغ کی تلاش میں یہاں ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔"

"وہ زندہ تھی تو رابن مائر کے لیے انتہائی اہم تھی۔ مر چکی ہے تو ہمارے دشمنوں کی رہنمائی کر رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ سرکاری مردہ خانے پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔"

"اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے" اول خان نے بے بسی سے کہا "وہ ایک بے ضرر سی لاش تھی۔ شاید آئی بی والوں سے اس کی منتقلی میں بے احتیاطی سرزد ہوئی ہے۔"

"جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ دعا کرنی چاہیے کہ ہم یہاں سے خیریت سے نکل سکیں۔ تمہارے آدمیوں نے یہ خبر بہت دیر سے دی ہے۔ اب اس کا کوئی تدارک مشکل نظر آتا ہے۔"

"شاید تھوڑی بہت تاخیر ہوئی ہو مگر زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ انہوں نے الگ الگ ہو کر ان تینوں کو اپنے پیچھے لگا لیا ہے۔ اس وقت وہ پانچوں ریستوران میں ہوں گے۔ ساڑھے گیارہ بجے وہ دونوں ریستوران سے نکل کر شہر روانہ ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تینوں صبح تک یہیں جھک مارتے رہیں۔"

"یہ سب ہو چکا ہے تو پھر فکر کی کیا بات ہے۔ وہ چاہیں تو ان تینوں کو کسی ویران حصے میں لے جا کر گھیر بھی سکتے ہیں۔ یہ کام ساڑھے گیارہ بجے کے بعد ہو سکتا ہے۔"

"بدقسمتی سے وہ تینوں مقامی ہیں۔ وہ مقامی نہ ہوتے تو میں کوئی سخت فیصلہ بھی کر سکتا تھا۔ میرے دونوں آدمی ساڑھے گیارہ بجے نکل جائیں گے۔ تین نئے آدمی ان کی جگہ لے لیں گے۔ وہ ان تینوں میں سے کسی ایک کو پکڑ کر اسٹیشن فور لے جانے کا ٹاسک رکھتے ہیں۔ ایک پکڑا گیا تو بقیہ دونوں بھی ہماری دست رس سے دور نہیں ہوں گے۔"

ہمارے ٹکٹ اظہر خان اور مظہر خان کے ناموں سے تھے۔ اول خان نے چیک ان کاؤنٹر پر ٹکٹ دے کر بورڈنگ کارڈز لیے اور ہم سیکیورٹی کے مرحلے سے گزر کر آگے بڑھتے چلے گئے۔

پرواز کے لیے بورڈنگ شروع ہو چکی تھی۔ ہم کہیں رک کر وقت برباد کیے بغیر طیارے میں سوار ہو گئے۔

"اگر وہ تینوں تمہارے آدمیوں کا تعاقب کر رہے ہیں تو پھر اسلام آباد میں بھی گڑبڑ ہو سکتی ہے" میں نے راستے بھر سوچنے کے بعد طیارے میں اپنی زبان کھولی۔

"مجھے اندازہ ہے کہ ہمارا جہاز اڑ جانے کے بعد بھی ان کے پاس بہت وقت ہو گا۔ ہمیں اسلام آباد ائرپورٹ پر کوئی غیر متوقع صورتِ حال پیش آ سکتی ہے۔ میں اسی لیے تم سے ملے بغیر لاؤنج میں چلا گیا تھا۔ میں نے جلال کو پرواز کا نمبر دینے کے ساتھ نئی سچویشن سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔"

میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ اول خان چاروں کھونٹ چوکس تھا "جلال کیا کہتا ہے؟"

"وہ فوری طور پر کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اسے

یہ جان کر اطمینان ہوا تھا کہ ہم کسی کی نظروں میں نہیں آئے۔ ہمیں لینے کے لیے وہ خود اسلام آباد ائرپورٹ پہنچے گا۔"

بورڈنگ مکمل ہونے کے بعد مقررہ وقت پر جہاز کے دروازے وغیرہ بند ہوئے اور ضروری کارروائیوں کے بعد طیارہ حرکت میں آگیا۔

"مجھے یہ سوچ کر مایوسی ہوتی ہے کہ دشمنوں کو ہمارے ملک میں ہر سطح پر زرخرید مل جاتے ہیں" جہاز فضا میں بلند ہونے کے بعد میں نے اول خان سے کہا۔

"پیسوں کے لیے ہر ملک میں لوگ بک جاتے ہیں" اول خان نے میری تشویش کو زیادہ اہمیت نہیں دی "ان کو یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ کس کے آلۂ کار بن رہے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ کراچی ائرپورٹ پر نظر آنے والے تینوں افراد کا یہی کیس ہوگا۔"

"پہلے پنڈت منوہر لال کے تین تنخواہ دار آئی بی والوں نے پکڑے اب یہ تین نئے چہرے سامنے آگئے۔ پتا نہیں اسلام آباد میں انہوں نے کتنے آدمی خریدے ہوئے ہیں۔"

"زیادہ مت سوچو۔ سوچ سوچ کر تھک جاؤ گے" اس نے مجھے سمجھایا "میں نے تمہارے نکل جانے کے بعد تمہارے گھر فون کیا تھا تو ویرا نے مجھے بتایا کہ قائداعظم کے مزار اور امریکی قونصل خانے کو دیکھ کر تم جذباتی ابال میں مبتلا ہوگئے تھے۔ یہ اچھی علامتیں نہیں ہیں۔"

"تم جانتے ہو کہ سوچنا میری عادت ہے۔ جب تک کوئی نئی بات سامنے نہیں آتی، میرے ذہن میں یہی سب گند ہلچل مچائے رکھے گا۔"

"اسے بھول کر پنڈت کے بارے میں سوچو۔ ہوسکتا ہے کہ جلال ہمیں ائرپورٹ سے سیدھا اسی کے پاس لے جائے۔ وہ بلاوجہ ائرپورٹ پر نہیں آئے گا۔"

دوران پرواز فضائی میزبان مسافروں کو ہلکا ناشتا فراہم کررہے تھے کہ طیارے کے پیجنگ سسٹم پر کپتان کی آواز ابھری "اظہر خان یا مظہر خان نامی مسافروں سے التماس ہے کہ وہ فوری طور پر کیبن کریو سے رجوع کریں شکریہ۔"

کپتان نے اردو میں ہی وہ پیغام ایک بار پھر دہرایا۔ ائرہوسٹس جوں ہی ٹرے لے کر ہمارے قریب سے گزری، میں نے اسے اشارے سے روک لیا۔

وہ مسکراتے ہوئے رکی مگر اس کے انداز سے عجلت کا اظہار ہورہا تھا۔ میں نے کہا "میرا نام مظہر خان ہے اور یہ اظہر خان ہیں۔"

"میں ابھی آئی" یہ کہہ کر وہ آگے گئی۔ ہاتھ کے سامان سے گلوخلاصی حاصل کرکے اور اپنے فرائض کسی اور کو سونپ کر لوٹ آئی۔

"آپ دونوں میں سے ایک صاحب میرے ساتھ آجائیں" اس نے اخلاق سے کہا۔

میں نے اول خان کی طرف دیکھا، اس نے سرہلادیا "تم سرے پر ہو، تم ہی ہو آؤ۔"

میرے اٹھنے سے پہلے ہی ائرہوسٹس طیارے کی ناک کی طرف چل دی۔ میں اس کے پیچھے ہولیا۔

اکانومی کلاس میں ٹرالیوں اور نشستوں کے درمیان جگہ بناتے ہوئے ہم دونوں اسی ترتیب سے فرسٹ کلاس کے کشادہ کیبن سے گزرے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ طیارہ تقریباً بھرا ہوا تھا۔ فضائی کرائے کی رعایت مسافروں کو اپنی رات سے زیادہ عزیز تھی۔

فرسٹ کلاس کیبن کے اختتام پر اس نے کاک پٹ کا دروازہ کھول کر کپتان سے کچھ کہا اور میرے لیے جگہ خالی کردی۔ میں آگے بڑھا تو کاک پٹ کا مرعوب کن منظر میرے سامنے تھا۔

کاک پٹ کے اگلے حصے میں فرش سے دیوار تک ہندسوں اور سوئیوں والے بے شمار ڈائل روشن تھے۔ کپتان اور اس کا معاون پوری وردیوں میں ملبوس، سروں پر ہیڈ فون چڑھائے اپنی نشستوں میں موجود تھے۔ وہ کراچی کی کوئی سڑک نہیں، بے کراں وسعتوں میں پھیلی ہوئی ایک فضائی شاہراہ تھی جس پر ایک وقت میں ایک بلندی پر دو طیاروں کا ایک دوسرے کے آس پاس موجود ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

"سر! امید ہے کہ آپ کا سفر خوش گوار گزر رہا ہوگا" کپتان نے سرگھما کر میری طرف دیکھتے ہوئے اخلاق سے کہا۔

"بہت زیادہ خوش گوار سفر ہے۔ سارا حسن کاک پٹ میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔ اس سے آگے تو گھور اندھیرا ہے" میں نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"کراچی کنٹرول ٹاور سے آپ کے لیے پیغام ہے۔ اسلام آباد ائرپورٹ پر آپ رن وے پر رکیں گے۔ وہاں سے ایک پروٹوکول کار آپ دونوں کو باہر لے جائے گی" اس نے آگاہ کیا۔

"شکریہ!" اس سے کچھ پوچھے بغیر مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ پیغام جلال کا ہوسکتا تھا۔

"زحمت کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ میں یہ پیغام پیجنگ سسٹم پر نشر نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے ہدایت کی گئی تھی

کہ پیغام ذاتی طور پر آپ دونوں میں سے کسی تک پہنچادوں۔"

شاید وہ گفتگو طیارے کے بلیک بکس کے ریکارڈ کا حصہ بن رہی تھی اس لیے کپتان نے ان فقروں کی ادائیگی ضروری سمجھی تھی۔ میں نے ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کیا اور واپسی کے لیے پلٹ گیا۔

مجھے وہاں تک پہنچانے والی ائرہوسٹس پتا نہیں کب واپس جاچکی تھی۔

"کراچی کنٹرول ٹاور کے ذریعے جلال کا پیغام تھا" اپنی نشست پر واپس پہنچ کر میں نے اول خان کو بتایا "وہ ہمیں رن وے سے ہی باہر لے جائے گا۔"

اول خان خوش ہوگیا "مجھے توقع نہیں تھی کہ ہمیں جہاز پر پیغام مل سکے گا۔"

کراچی سے اسلام آباد تک کی مسافت باتوں ہی باتوں میں طے ہوگئی۔ پونے دو بجے لینڈنگ کے بعد ہم مسافروں کی کھیپ کے ساتھ رن وے پر موجود تھے۔

مسافر پی آئی اے کی بسوں کی طرف جارہے تھے۔ جلال نے شاید ہمیں جہاز کی سیڑھیوں پر ہی دیکھ لیا تھا۔ اس نے معانقہ کرکے ہم دونوں کا استقبال کیا اور ہمیں ساتھ لے کر ایک لمبی سی سیاہ کار کی طرف بڑھ گیا جو رن وے پر سفید لکیر سے لگی کھڑی تھی۔ گاڑی پر سبز سرکاری نمبرپلیٹ آویزاں تھی۔ گاڑی کے دونوں پہلوؤں پر دو سادہ پوش گن مین کھڑے ہوئے تھے۔

ہمارے قریب پہنچنے پر ان دونوں نے اپنے ہاتھ پیشانیوں تک لے جاکر سلام کیا' ہمارے ہاتھوں سے مختصر سامان لیا اور ہمارے لیے دونوں عقبی دروازے کھول دیے۔ اول خان گھوم کر دوسرے دروازے سے بیٹھ گیا۔ مجھے جلال کو جگہ دینے کے لیے درمیان میں کھسکنا پڑگیا۔ محافظوں نے پچھلے دروازے بند کرکے اگلی نشستیں سنبھالیں اور ہمارا قافلہ روانہ ہوگیا۔ آئی بی کی گاڑی رن وے کی نشان زدہ حد کے متوازی ٹرمنل سے دور ہوتی جارہی تھی۔

پاکستان میں ہمیشہ آئی بی کا ایک پُراسرار سا دبدبہ رہا ہے۔ بعض سیاست داں اور بڑے افسر اس کے معمولی کارندوں سے خوف زدہ پائے گئے ہیں۔ اس روز ائرپورٹ پر کہیں بھی گاڑی کو روکا گیا' نہ اس کی چیکنگ کی گئی۔ رن وے کا ایک سروس گیٹ کھلا اور گاڑی زن سے باہر نکل گئی۔

"کراچی میں دیکھے جانے والے مشتبہ آدمیوں کا کیا بنا؟" رسمی مزاج پرسی اور معذرت کے بعد جلال نے خود ہی اصل موضوع چھیڑدیا۔

"میرے آدمی ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ میری پرواز کے دوران ان میں کیا ہوا' مجھے معلوم نہیں۔ کراچی فون کروں گا تو رپورٹ مل جائے گی۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی پکڑا گیا ہوگا" اول خان نے جواب دیا۔

"یہاں کی سناؤ' اسلام آباد میں کیا ہورہا ہے؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"میرے آدمی نگرانی کررہے ہیں۔ ابھی تک ائرپورٹ پر کوئی مشتبہ آدمی نظر نہیں آیا" جلال نے بتایا "اسلام آباد ویسے بھی وی وی آئی پی ائرپورٹ ہے۔ یہاں ہمارا سیل چوبیس گھنٹے کام کرتا ہے۔"

"تمہارے قیدی کا کیا حال ہے؟ کچھ بولتا ہے یا ابھی تک اڑا ہوا ہے؟"

"تمہارا اندازہ سوفیصد درست نکلا" اس نے بلا جھجک کہا "وہ موہنی کی لاش سے لپٹ کر کسی یتیم بچے کی طرح ایسی دل دوز آوازوں میں پھوٹ پھوٹ کر رویا ہے کہ سب ہل کر رہ گئے۔ شام ڈھلے اس نے اپنی بیٹی کی چتا کو آگ دکھائی تھی۔ اس کے بعد سے وہ پرسکون مگر گم صم ہے۔"

"اس سے چھیڑچھاڑ تو کی گئی ہوگی" میں نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔

"واجبی سی" اس کا جواب ذومعنی تھا "تم لوگ آہی رہے تھے۔ ہم نے اسے اس کے حال پر چھوڑدیا۔ وقفہ مل جانے کے بعد وہ شاید آسانی سے راہ پر آجائے گا۔"

میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس کی واجبی سی کوششوں کے بارے میں مجھے کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔

"اس وقت ہم اسی سے ملنے جارہے ہیں" تھوڑے سے توقف کے بعد اس نے بتایا "اسے ایک سرکاری ریسٹ ہاؤس میں رکھا گیا ہے۔"

ائرپورٹ سے شاہراہ پر آنے کے بعد گاڑی تیزی سے شہر کی طرف دوڑتی رہی مگر زیرو پوائنٹ پر جلتے بجھتے ہوئے سگنل سے اس کا رخ بائیں طرف ہوگیا۔ وہ راستہ اسلام آباد کو جی ٹی روڈ سے ملاتا تھا۔

سڑک پر ہمارا سفر زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔ چند میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد گاڑی ایک نیم پختہ ذیلی سڑک پر اترگئی جو سبزے اور درختوں کے درمیان بل کھاتی ہوئی اندھیرے میں کہیں گم ہورہی تھی۔ آخر کار وہ پُرپیچ سڑک ایک قدیم طرز کے ریسٹ ہاؤس کے احاطے میں داخل ہوگئی۔

اپنے محلِ وقوع کے اعتبار سے وہ ریسٹ ہاؤس دور افتادہ اور آبادی سے بالکل کٹا ہوا تھا مگر وہاں جنریٹر کے کسی شور کے بغیر بجلی کی سہولت موجود تھی۔ گاڑی کے انجن کی آواز سن کر ریسٹ ہاؤس کا مسلح گارڈ پہلے سے احاطے میں آچکا تھا۔ اس نے جلال والا دروازہ کھول دیا۔

جلال کی جگہ میں ہوتا تو اس محافظ سے قیدی کے بارے میں ضرور کوئی نہ کوئی سوال کرتا۔ لیکن جلال اپنے معاملات کو خود بہتر سمجھتا تھا۔ اس نے ہم دونوں کے اترنے کا انتظار کیا پھر ہمیں ساتھ لے کر ریسٹ ہاؤس کے برآمدے میں چڑھ گیا۔ محافظ لپک کر اس سے آگے نکلا اور سامنے کا دروازہ کھول دیا۔

ریسٹ ہاؤس زیادہ بڑا نہیں تھا۔ بیٹھک نما اس کمرے کے بعد ایک چوڑی راہ داری تھی۔ وہاں بھی جلال کا ایک آدمی موجود تھا۔ اپنے افسر کو دیکھتے ہی اس شخص نے کھٹکا کھول کر ایک دروازہ اندر دھکیل دیا۔

پختہ فرش پر ہمارے قدموں کی آہٹیں سن کر پنڈت منوہر لال پہلے ہی چوکنا ہو چکا تھا اور چارپائی سے اٹھ گیا تھا۔ اس کا چہرہ کئی جگہ سے زخمی اور پھول کر نیلا ہو رہا تھا۔ اس نے پھٹی پھٹی اور ویران نظروں سے ہماری طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔

"تم زبان کھولو گے یا اب بھی کچھ مار سہنے کا حوصلہ ہے؟" جلال نے اسے گھورتے ہوئے سفاکی سے پوچھا "اپنی بیٹی کی چتا جلانے کے بعد تمہیں ہوش آجانا چاہیے۔"

وہ کچھ نہیں بولا۔ ویسی ہی سپاٹ نظروں سے جلال کا چہرہ تکتا رہا۔

"ڈراما کر رہا ہے یہ حرام زادہ.... یہ اب بھی نہ بولا تو میں چاقو سے اس کی زبان کاٹ ڈالوں گا" جلال نے غصے سے تلملا کر کہا "میں نے صرف تمہاری سفارش پر اس بدنام لڑکی کی لاش یہاں منگوائی تھی...."

"ٹھہرو!" میں نے ہاتھ اٹھا کر نرمی سے کہا "شاید تم نے اسے بُری خبر اب تک نہیں سنائی" جلال سے یہ کہہ کر میں پنڈت منوہر لال کی طرف متوجہ ہو گیا "ہم تمہارے لیے ایک بری خبر لائے ہیں 'پنڈت!"

کچھ بھی نہ ہوا۔ اس کی ویران آنکھیں جلال کے چہرے سے ہٹ کر میری طرف مرکوز ہو گئیں۔

"رابن مائر نے موہنی کو گولی مار کر ختم کر دیا لیکن وہ اب بھی زندہ ہے۔"

"نہیں!" پنڈت اتنی قوت سے چیخا کہ اس کی آواز پھٹ گئی "تم جھوٹے ہو.... مجھے اخبار دیا گیا تھا۔ میں نے خود پڑھا تھا کہ موہنی کو گولی لگی اور رابن کسی زہر سے مارا گیا تھا۔ وہ زندہ نہیں ہو سکتا۔"

میرے فرضی انکشاف نے اسے اتنا شدید ذہنی جھٹکا دیا تھا کہ اس کی آنکھوں سے جھلکتی ہوئی لاتعلقی یکایک ختم ہو گئی تھی' اس کی جگہ نفرت کی چنگاریوں نے لے لی تھی۔

"وہ کوئی خاص زہر تھا" میں نے اپنا لہجہ نرم اور دھیما رکھا "وہ چند گھنٹوں کے لیے بے ہوش ہوا تھا۔ اس کی نبض بہت سست ہو گئی تھی۔ چند گھنٹوں بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔"

"یہ.... یہ کب کی بات ہے؟" اس نے تھکی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کل رات موہنی ماری گئی تھی.... آج رابن زندہ ہے"

مجھے یقین تھا کہ جنون اور دیوانگی کے عالم میں پنڈت کو زمان و مکان کا ہوش ہی نہیں رہا ہو گا۔

"وہ بھیڑیا ہے.... بھوک لگتی ہے تو یہ درندے اپنے ہی کسی کمزور ساتھی کو پھاڑ کھاتے ہیں۔ وہ میرا دوست اور ہمدرد تھا.... مجھ پر برا وقت آیا تو اس نے میری ہی بیٹی کو گولی مار دی۔" وہ رک رک کر' غصیلی اور رندھی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

”اسے اس کے انجام تک پہنچانا چاہتے ہو تو تمہیں ایک مرتبہ پھر سب کچھ بتانا ہوگا۔۔۔“
”نہیں، نہیں!“ اس نے میری بات کاٹ دی ”اب مجھ سے کچھ مت پوچھو۔ اسے میرے سامنے لے آؤ۔ میں اپنے دانتوں سے اس کا نرخرا چباؤں گا۔۔۔“
”وہ مرگیا ہوتا تو اور بات تھی۔ اب وہ قانون کی تحویل میں ہے۔ اسے تمہارے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ تم ہماری مدد کرو۔ ہم پھانسی گھاٹ پر اس کی گردن توڑ کر ایک فٹ لمبی کردیں گے۔“
رابن مائر کے خلاف وہ کراہت آمیز الفاظ پنڈت کے لیے آسودگی کا سبب بن گئے۔ اس نے مٹھیاں اور آنکھیں بھینچ کر ایک جھرجھری سی لی پھر آنکھیں کھول کر بولا ”تم نے مجھے موہنی کی چتا جلانے کا موقع دیا۔ تم قول کے پکے ہو۔ تم ضرور اس کی گردن توڑ دو گے۔۔۔ پوچھو کیا پوچھتے ہو۔“
جلال میرے قریب سرک آیا اور تحیر زدہ سرگوشیانہ آواز میں بولا ”کہو تو میں سب کو بلالوں۔ ایسا نہ ہو کہ اس پر دوبارہ خاموشی کا دورہ پڑجائے۔“
”ایسا نہیں ہوگا“ میں نے اسے یقین دلایا ”ذہنی جھٹکا کھا کر یہ صدمے سے نکل گیا ہے۔ اب بولتا رہے گا۔ اس وقت مجھے اس سے دو چار باتیں کرلینے دو۔“
”میں ایک مرتبہ پھر تمہاری یقین دہانی پر بھروسا کررہا ہوں“ اس نے بے بسی سے کہا۔
رابن مائر کی بربادی اور سزایابی کا تصور اس وقت پنڈت منوہر لال کے لیے سب سے زیادہ مرغوب تھا۔ اصل سوالوں کی طرف آنے سے پہلے میں نے چند ثانیوں تک اسی موضوع کو جاری رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا ”رابن مائر جیسے موذی شخص سے تمہاری دوستی کیسے ہوئی؟“
”رستم۔۔۔ رستم!“ اس نے تکرار کی ”اس نے اپنے گھر پر مجھے رابن سے ملوایا تھا۔ رستم ایران کا دشمن تھا کیونکہ وہاں بہائیوں کو قتل اور برباد کیا گیا' میں پاکستان کا دشمن تھا کیونکہ اس کے نام پر لاکھوں ہندو بے گھر اور تاراج ہوئے تھے۔ میں نے رابن سے دوستی کرلی۔“
وہ ایک نیا سراغ تھا۔ رستم کراچی میں بیٹھ کر ایران کے خلاف اپنا عناد نکال رہا تھا۔ اس کے فون نمبروں سے ایران میں کیے جانے والے رابطے یقیناً مذموم مقاصد کے لیے تھے۔ اس کی اصل دشمنی ایران سے تھی۔ اس نے صیہونیوں کی مدد کے لیے وہاں بڑا نیٹ ورک قائم کیا ہوا تھا۔ کراچی میں رہ کر پاکستان کے خلاف براہِ راست کام کرنا اس کی اپنی سلامتی کے لیے خطرناک تھا جبکہ رابن کا ہدف پاکستان بھی تھا۔ رستم نے نہایت مکاری سے کام لیتے ہوئے رابن مائر اور پنڈت منوہر لال کو ملوا دیا۔
”ایران اور پاکستان کے خلاف کام کرنے کے عوض تمہیں رابن سے کیا ملتا تھا؟“
”وہ ملعون یہودی کسی کو کیا دے سکتا تھا۔ بس چند سہولتیں تھیں“ پنڈت نے رک رک کر کہا ”سارا خرچ ہم دونوں اٹھاتے تھے' اپنے اپنے انتقام کے لیے۔“
”کسی ملک سے انتقام لینے کے لیے دو تین آدمی کافی نہیں ہوتے۔“ میں نے رسانیت سے کہا ”تین تنخواہ داروں کے علاوہ اور کون کون تمہارا ساتھ دیتا تھا؟“
وہ ہذیانی انداز میں ہنسا ”میں کس کس کا نام لوں؟ سب میرے دوست ہیں۔ کوئی میری دوستی میں اور کوئی اس ملک کی دشمنی میں' جانے یا ان جانے' میری مدد کرتا رہتا تھا۔“
”کیا ان میں اوبرائن ڈی ہنٹ بھی شامل تھا؟“ میں نے محتاط لہجے میں پوچھا۔
”وہ خود کو نئے ایشیا کا افلاطون کہتا تھا۔ اونچے حلقوں میں بیٹھ کر دوسروں کی کامیابیوں کو اپنے سر منڈھ لینا اس کی قابلِ نفرت عادت تھی۔ وہ مجھے اور رستم کو بھی اپنا تابع بنانا چاہتا تھا۔ رستم کسی سے دبنے یا ڈرنے والا آدمی نہیں تھا۔ وہ اوبرائن سے نفرت کرتا تھا۔“
”تمہیں اوبرائن کے انجام کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟“ میں نے اس سے سوال کیا۔
اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کہا ”اچھے لوگوں کو سب بھول جاتے ہیں مگر بروں پر ہر ایک نظر رکھتا ہے۔ وہ نئی دلی کے کسی حادثے میں کتے کی طرح مارا گیا تھا۔“
”تمہیں رستم کے اصل کاروبار کا بھی علم ہوگا۔ ایسا تو نہیں کہ رستم ہی نے اسے مروا دیا ہو؟“
”مجھے پتا نہیں مگر میں دو باتیں ضرور جانتا ہوں۔“ پنڈت اپنی بگڑی ہوئی حالت پر تیزی سے قابو پارہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ”وہ اونٹ کی طرح پکا کینہ پرور تھا اور اوبرائن کی موت پر اس نے کھل کر اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔ وہ کچھ بھی کرسکتا تھا۔“
رستم اور پنڈت نفرتوں کے سوداگر تھے۔ وہ بھاری مالی خسارہ اٹھانے کے باوجود دو مملکتوں کے خلاف اپنا اپنا بغض نکال رہے تھے۔ رابن مائر مفت میں ان سے فیض حاصل کررہا تھا۔ اس پورے کھیل میں میرے لیے سب سے بڑی

الجھن یہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی کہ جب رستم اور اوبرائن کے مشن یکساں تھے تو رستم نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے، دس لاکھ روپے کے عوض اسے ٹھکانے کیوں لگا دیا تھا۔
پنڈت منوہر لال کی قوت گویائی بحال ہوتے ہی مجھے اس سوال کا مسکت جواب مل گیا تھا۔ اسے اوبرائن سے نفرت ضرور تھی مگر وہ اس کے قتل کے بارے میں نہیں سوچ سکا تھا۔ ملک ممتاز نے اس کام کے لیے اسے اعتماد میں لیا تو اس نے اس سودے کو آم کے آم، گٹھلیوں کے دام سمجھ کر بے چون و چرا قبول کرلیا۔
قتل نئی دہلی میں ہوا اس لیے رستم کی ذات ہر شک و شبہے سے بالا رہی، اس کو ایک دشمن سے نجات مل گئی اور اس کام کے دس لاکھ روپے بھی ڈالروں کی صورت میں مل گئے۔
رستم کو اس سودے میں نفع ہی نفع نظر آیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ملک ممتاز سے دس لاکھ لے کر وہ اس سے اپنی جان کا سودا کر رہا تھا۔
پنڈت سے جو نئی باتیں معلوم ہوئی تھیں وہ اپنے نواسے کے بارے میں رستم کی گہری فکر مندی کے اسباب بھی مہیا کرتی تھیں۔ رستم ایرانی نژاد تھا۔ وہ خود وہاں سے بھاگ آیا تھا لیکن اس کی موت کے بعد پاکستان میں حالات موافق نہ ہوتے تو اس کے خاندان کے باقی ماندہ افراد ایران کی طرف کوچ کرسکتے تھے۔
بے یار و مددگار عورتوں کو شاید ایران میں پناہ مل جاتی لیکن رستم کے اکلوتے وارث کے لیے وہاں کوئی جگہ نہ ہوتی۔ رستم کے دل میں چور تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ بسیرا پر آپریشن کے بعد رفتہ رفتہ ساری حقیقتوں پر سے پردہ اٹھتا چلا جائے گا۔ دنیا کو یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ وہ ایران کے خلاف تعصّب پرست یہودی مفادات کی پاسبانی کرتا رہا تھا۔ اس کے نواسے کو وہاں جگہ مل بھی جاتی تو وہ ذلت، رسوائی اور غداری کے الزامات سے ہمیشہ سرنگوں رہتا۔ کبھی جاہ و حشم کی زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔
کینہ پرور رستم حساب کتاب اور جوڑ توڑ میں بہت طاق تھا۔ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اس نے جو فیصلہ کیا، وہ شاید اس کی زندگی کا بہترین فیصلہ تھا۔
”رستم براہِ راست ایران کے معاملات دیکھتا تھا۔ تم پاکستان کے نگراں تھے مگر تم رستم ہی کو جواب دہ تھے۔ وہ تمھاری اطلاعات اور رپورٹیں رابن مائر کے ذریعے تل ابیب پہنچاتا تھا“ میں نے پوچھا۔
”تم رستم کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو“ پنڈت جھلا کر بولا ”سب کچھ سمجھ لینے کے باوجود مجھ سے اسی کے بارے میں پوچھے جا رہے ہو۔ وہ مرگیا۔ اس کا قصہ اس کے ساتھ ختم ہوگیا۔ مجھ سے رابن کی بات کرو۔ آستین کے اس موذی سانپ کی جو ابھی تک زندہ ہے۔“
”جب تم رستم کو جواب دہ تھے تو رابن کو براہِ راست فون کیوں کرتے تھے؟“
”وہ فون اور فیکس ذاتی کاموں کے لیے ہوتے تھے۔ میں نے تم کو بتایا نا کہ ہمیں اس سے صرف کچھ مراعات ملی ہوئی تھیں۔ اس کے ذریعے ہم کسی کو بھی امریکا کا کوئی ویزا دلوا سکتے تھے۔ وہاں کے تعلیمی اداروں میں داخلے آسانی سے مل جاتے تھے۔ ان احسانوں کے بدلے، میں اس کے لیے معلومات حاصل کیا کرتا تھا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ مجھے اتنی بے رحمی سے استعمال کرنے کے بعد وہ یوں میرا سینہ چھلنی کردے گا۔“

”پابندیٔ وقت“

دفتر کے کام سے طارق بذریعہ جہاز کراچی سے لاہور جانے کے لیے گرتے پڑتے ذرا تاخیر سے ائرپورٹ پہنچے تو فلائٹ روانہ ہو رہی تھی۔ سرنگ نما راستے کا گیٹ بند ہو رہا تھا۔ طارق کاؤنٹر پر بیٹھی خاتون سے لڑنے لگے کہ انہیں بورڈنگ کارڈ دیا جائے اور جہاز رکوایا جائے۔
”فلائٹ کا ٹائم تین بج کر دس منٹ ہے اور میری گھڑی میں ابھی تین بج کر پانچ منٹ ہوئے ہیں۔“ انہوں نے خاتون کو اپنی گھڑی دکھائی۔
ائرلائن کی ملازم خاتون نہایت تحمل اور شائستگی سے بولیں ”وہ تو ٹھیک ہے سر۔ لیکن آپ چونکہ یہاں موجود نہیں تھے اس لیے مجبوراً ہمیں اپنی ہی گھڑی دیکھ کر فلائٹ کو روانہ کرنا پڑا۔“

○☆○

"روپوش ہونے کے بعد بھی تم نے اس سے بات نہیں کی؟" میرے پاس رابن مائر کے بارے میں سوالات کی کوئی کمی نہیں تھی اور وہ سلسلہ معلومات افزا تھا۔

"رستم کے گھر سے میں نے دوبارا اس سے بات کی۔ وہ مجھے تسلیاں دیتا رہا کہ کوئی نقصان ہونے سے پہلے وہ مجھے اور موہنی کو پاکستان سے نکال لے جائے گا۔"

"تم نے پاکستان کے دفاعی راز بھی رابن مائر کو فراہم کیے تھے؟"

اس نے دونوں ہاتھوں سے بے ساختہ اپنے کان پکڑ لیے "بس اسی بات پر وہ ناراض رہتا تھا۔ میں ایسے معاملوں میں ہاتھ ڈالنے والوں کی کئی لرزہ خیز کہانیاں سن چکا تھا۔ میں نے ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ وقت مل جاتا تو شاید میں اس کے دباؤ سے مجبور ہو کر ادھر بھی چل پڑتا.... ابھی تک میرے ہاتھ صاف ہیں۔"

"مجھے ان لوگوں کے نام درکار ہیں جو بڑے سرکاری عہدوں پر ہیں اور ویزوں یا داخلوں کے لیے تمہارے احسان مند ہیں۔ تم نے کچھ نہ بتایا تو ہمیں رستم کے گھر سے ریکارڈ مل جائے گا۔"

"رستم کے گھر سے بے اندازہ دولت کے سوا تم کو کوئی غیر قانونی چیز نہیں ملے گی۔ وہ ہر کاغذ جلا کر تلف کرتا تھا۔ سارے کام اور حساب اس کی یادداشت میں محفوظ رہتے تھے۔"

"رستم کے قصیدے مت سناؤ۔ رابن کو پھانسی کے پھندے پر لٹکانے کے لیے مجھے چند اہم ناموں کی ضرورت ہے۔ ایسے نام جن کے لیے رابن نے کبھی کوئی سفارش کی ہو۔ کل تک یہ نام مل جانے چاہئیں۔"

"ٹھیک ہے.... میں یاد کرنے کی کوشش کروں گا" اس نے بے بسی سے سر جھکا لیا۔

میں واپسی کے لیے پلٹ گیا۔ میرے ساتھ وہ دونوں بھی دروازے کی طرف ہو لیے۔

بیٹھک نما کمرے میں پہنچتے ہی جلال جذبات سے مغلوب ہو کر مجھ سے بغل گیر ہو گیا "تم نے بہت بڑی مشکل آسان کر دی۔ تمہارا چلایا ہوا تیر صحیح نشانے پر لگا ہے۔"

"اس سے آج نئی باتیں ہوئی ہیں۔ کاش کل اسے یہ سب اسی طرح یاد آسکے!" اول خان نے حسرت سے کہا۔

"اس نے از خود کچھ نہیں بتایا" جلال نے کہا "سب ڈینی کے سوالوں کے جواب تھے۔"

"ایسے ضدی مجرموں سے کچھ اگلوانے کے لیے خاص ڈھب کے سوالات ضروری ہوتے ہیں۔ ڈینی نے آج یہ کام بہت خوبی سے انجام دیا ہے" اول خان نے اقرار کیا۔

"مجھے اندازہ تھا کہ ریسٹ ہاؤس میں کسی وقت بھی کوئی کامیابی ہو سکتی ہے۔ اس وقت میرے بڑے یہاں نہیں تھے لیکن گفتگو کا ایک ایک لفظ ریکارڈ ہو چکا ہے۔ کل ہمیں یہ سوال دہرانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"کل نہیں، آج کہو۔ اس وقت صبح کے تین بج رہے ہیں" میں نے انہیں توجہ دلائی اور دونوں ہی ہنس پڑے۔

"تمہیں ایک دم ہی رابن مائر کے مردے کو زندہ کرنے کا خیال کیسے آگیا؟" گاڑی میں واپسی کا سفر شروع ہونے کے بعد جلال کو وہ سوال یاد آگیا۔ اس کی آواز تعجب آمیز تھی۔

"کراچی میں بیٹھ کر میں اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا" میں نے کہا "یہ میرے مشاہدے کا نتیجہ تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ شدید صدماتی کیفیت کا شکار ہے۔ وہ اپنی بیٹی کی لاش دیکھ چکا تھا۔ اسے رابن کے قتل کے بارے میں بھی معلوم تھا مگر لاش اس کی نظروں سے نہیں گزری تھی۔ اسے جھنجوڑنے کی ایک ہی ترکیب ہو سکتی تھی کہ اسے بیٹی کے خون کے انتقام کی ضرورت کا احساس دلایا جائے، یہ حربہ کام کر گیا۔"

"میں آخر تک اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ تم اسے کون سی بُری خبر سنانے والے ہو" جلال بولا "اس کے بے ساختہ ردِ عمل پر میں پل بھر کے لیے ہل کر رہ گیا تھا۔"

"تم نے یہ بھی نوٹ کیا ہو گا کہ اس کے ہاتھوں موہنی کی آخری رسوم کی ادائیگی اس کے ذہن پر نقش تھی۔ اسے قابو میں رکھنے کے لیے یہ اقدام ناگزیر تھا۔" اول خان نے کہا۔

"رحمان اس مشق سے متفق نہیں تھا" جلال نے اپنے ساتھی کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "مگر میں بند گلی میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کی افادیت کا یقین نہ ہونے کے باوجود میں نے محض اس لیے لاش کی فوری منتقلی کا فیصلہ کر لیا کہ یہ تم دونوں کا مشترکہ مشورہ تھا۔"

"بعض اوقات بہت چھوٹی چھوٹی باتیں دور رس نتائج کی حامل ہوتی ہیں" میں نے کہا۔

"پنڈت سے بات کرتے ہوئے تم نے اس کی تازہ ترین فون کالز کا ذکر بھی چھیڑا تھا۔ کیا تم نے محکمے سے اس بارے میں کچھ کوائف حاصل کر لیے ہیں؟" جلال نے جاننا چاہا۔

"پنڈت اور رستم کی تین ماہ کی بلنگ کی مکمل تفصیل موجود ہے" میں نے اسے آگاہ کیا "کراچی سے واشنگٹن ڈی سی کا ڈائلنگ کوڈ ڈبل زیرو ون ٹو زیرو ٹو ہے۔ دونوں کے بلوں

میں اس کوڈ کے ساتھ دو نمبر موجود ہیں۔ یقینی طور پر وہ رابن مائر کے ہی نمبر ہو سکتے ہیں۔"

"اور رستم کے نمبروں سے ایران کے لیے متعدد کالز کی جاتی رہی ہیں۔ ان میں سے بعض کا دورانیہ دس پندرہ منٹ سے بھی زیادہ ہے۔" اول خان نے میرے خاموش ہوتے ہی لقمہ دیا۔

"وہ تفصیلات تم اپنے ساتھ لائے ہو؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"کیوں؟" میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے چبھتا ہوا سوال کیا "کیا تمہیں وہ ریکارڈ نہیں مل سکا؟"

"کل ہی تو بات ہوئی تھی" اس کے لہجے میں ہلکی سی خفت تھی "پی آئی اے سے آنے والی ڈاک ارجنٹ ہونے کے باوجود کبھی کبھی دیر سے ملتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کراچی سے پیکٹ روانہ کردیا گیا ہو اور وہ راستے میں ہو۔ وہ نقلیں مل سکیں تو آج کئی مرحلے سر ہو جائیں گے۔"

"بلوں کا لفافہ میرے بریف کیس میں موجود ہے" اول خان نے اسے دلاسا دیا "اترتے ہوئے میں وہ تمہیں دے دوں گا۔"

"آج بہت سے چشم کشا حقائق سامنے آئے ہیں جو ٹیپ کرلیے گئے ہیں۔ وہ بل ان کی تصدیق کریں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے اوپر آیا ہوا سفارتی دباؤ جلد از جلد ختم ہوجائے۔ ہو سکتا ہے کہ اتنا مواد سامنے آجانے کے بعد ہمارے ڈی جی امریکیوں سے ملاقات کا فیصلہ کریں۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہارے ڈائریکٹر جنرل سمیت کوئی بھی حکومتی عہدے دار براہِ راست غیر ملکی سفارتی افسروں سے نہیں مل سکتا۔ کیا یہ بندوبست آج ہی ہوجائے گا" میں نے پوچھا۔

"ایسے معاملات میں دفتر خارجہ رابطے کا کام کرتا ہے۔ یہ معاملہ اس قدر اہم ہے کہ وہ لوگ کسی تاخیر کے بغیر میٹنگ طے کرلیں گے۔ امریکی بھی ہمارا مؤقف جاننے کے لیے سخت مضطرب ہیں۔"

"ان کا اضطراب قابلِ فہم ہے۔ رابن مائر کی موت نے انہیں بہت نازک امتحان میں ڈال دیا ہے۔ ظاہری شواہد اس کے خلاف ہیں۔ وہ جاننا چاہیں گے کہ ہمارے پاس اور کیا مواد ہے۔"

"پنڈت نے اپنی خاموشی ختم کردی ہے۔ اگر بیان کا دوسرا حصہ سننے سے پہلے اسے کسی بہتر مقام پر منتقل کردیا جائے تو وہ بالکل ہی رام ہو سکتا ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اول خان نے زبان کھولی "جب تک اس کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کرلیا جاتا' وہ ہمارے کام آتا رہے گا۔"

"یہ اندازہ ہوگیا ہے" جلال نے سہلا کر اس کی تائید کی "تمہیں بلانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ پرانی باتیں دہرانے پر آمادہ ہوجائے مگر اس نے نئے عقدے کھولنے شروع کردیے۔ پتا نہیں اس کے ذہن میں اب بھی کیا' کیا محفوظ ہوگا۔"

"وہ کھل کر پاکستان سے اپنی نفرت کا اظہار کرچکا ہے۔" میں نے کہا "اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ کسی اجرت کے بغیر رابن مائر کے لیے کام کررہا تھا۔ ایسے غدار کا صرف ایک ہی انجام ممکن ہے۔ اس کا کام پورا ہونے کے بعد اسے جلد از جلد کیفرِ کردار کو پہنچ جانا چاہیے۔"

وہ صبح تڑکے کا وقت تھا اور پورا اسلام آباد سویا ہوا تھا۔ سیاہ کار دو رویہ شاہراہ کشمیر پر تیزی سے دوڑتی رہی۔ اس سڑک پر دور دور تک کسی گاڑی یا متنفس کا نام ونشان نہیں تھا۔

ویسے پنڈی اور اسلام آباد کو ایک دوسرے کا جڑواں شہر کہا جاتا ہے مگر مزاج میں دونوں شہر ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ پنڈی پر عسکری طرزِ معاشرت کا غلبہ ہے اس لیے وہاں کے باسی سحر خیز ہیں۔ موسم کے سرد و گرم کی پروا کیے بغیر منہ اندھیرے روزی کی تلاش میں نکلنے کی تیاریاں شروع کردیتے ہیں جب کہ اسلام آباد میں زندگی کی چہل پہل ذرا دیر سے ہوتی ہے۔

شاہراہ کشمیر سے ہماری گاڑی میونسپل روڈ پر مڑگئی۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ پوری رات کالی کرنے کے بعد جلال ہم دونوں کو کہاں چھوڑنے والا تھا۔

میونسپل روڈ کچھ دور سیدھی چل کر خود بہ خود داہنی طرف مڑجاتی ہے۔ وہاں ہم مندا سی روشنیوں میں لپٹے ہوئے ویران جنرل پوسٹ آفس کے سامنے سے گزرتے ہوئے مارکیٹ روڈ پر نکل آئے۔ تیز روشنی میں نہائی ہوئی وہ خالی سڑکیں خواب ناک منظر پیش کررہی تھیں۔

مارکیٹ روڈ شالیمار مرکز کے سامنے سہ راہے کی صورت میں آغا خان روڈ پر ختم ہوگئی۔ وہاں سے ہماری گاڑی داہنی طرف گھومی تو میں دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لے کر رہ گیا۔

میری توقع کے عین مطابق آغا خان روڈ پر واقع ہالیڈے ان پر ہمارے سفر کا خاتمہ ہوگیا۔ دنیا کے ہر بڑے ہوٹل کی

طرح وہاں بھی تھکا تھکا عملہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے موجود تھا۔

پورٹر کے اٹھانے کے لیے ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ میں نے اپنا تھیلا کندھے پر لٹکایا' اول خان نے بریف کیس اٹھایا اور ہم جلال کے ساتھ ہوٹل کی روشنیوں میں ڈوبی ہوئی پرشکوہ عمارت میں داخل ہوگئے۔ جلال نے کاؤنٹر پر ہمارے نام بتاکر چابیاں طلب کیں تو معلوم ہوا کہ پانچویں منزل پر دو متصل کمرے ہمارے لیے پہلے سے محفوظ کرا لیے گئے تھے۔

وہ عالی شان ہوٹل آج بھی اسی مقام پر موجود ہے لیکن نئے انتظامات کے تحت وہ ہوٹل میریٹ میں تبدیل ہوچکا ہے۔ اس کی ہر شام بہت رنگین اور دلکش ہوتی ہے۔ شہر بھر کے آسودہ حال بے فکرے اپنی بیشتر شامتیں اسی کے مختلف حصوں میں گزارنا پسند کرتے ہیں۔"

اس وقت جلال پر ہماری احسان مندی اور مہمان داری کا بھوت سوار تھا۔ اول خان نے نیچے ہی فون بلوں والا لفافہ اس کے حوالے کرکے اسے رخصت کرنا چاہا لیکن وہ ہمیں ہمارے کمروں تک پہنچائے بغیر واپس جانے پر آمادہ نہ ہوا۔

سامان نہ ہونے کے باوجود ایک پورٹر سائے کی طرح ہمارے ساتھ تھا۔ اس کا کل بوجھ ہمارے کمروں کی دو چابیوں پر مشتمل تھا۔

پہلے کمرے میں داخل ہوتے ہی میری طبیعت خوش ہوگئی۔ ایسے خوب صورت کمرے میں لمبی نیند لینے کے لیے کراچی سے وہاں تک کا سفر مہنگا نہیں تھا۔

"اب تم دونوں لمبی تان کر آرام کرو" جلال نے مشورہ دیا "تمہارے دروازوں پر نو ڈسٹربنس کے ٹیگ لگا دیے جائیں گے۔ اب بارہ بجے رحمان تمہارے پاس آئے گا۔"

اس یقین دہانی کے بعد جلال فوری طور پر واپس ہوگیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس نے ہمیں ہوٹل کے کمروں تک پہنچا دیا تھا لیکن اس کے لیے بہت سا کام باقی تھا۔

کشادہ اور بے داغ بستر دیکھ کر میری پلکیں بوجھل ہونے لگی تھیں۔ اول خان پہلا کمرا مجھے سونپ کر اپنے بریف کیس سمیت برابر والے کمرے میں چلا گیا۔

میں نے اپنے ٹریول بیگ میں سے شب خوابی کا لباس نکال کر کپڑے تبدیل کیے اور نائٹ لیمپ کے سوا تمام روشنیاں گل کرکے بستر پر ڈھیر ہوگیا۔

اپنی نیند پوری کرکے میں خود ہی بیدار ہوا تھا۔ عقبی کھڑکی پر کھنچے ہوئے دبیز پردے کی وجہ سے کمرے میں سورج کی روشنی کا گزر نہیں تھا۔ رات بلکہ صبح سویرے والا سماں جوں کا توں برقرار تھا لیکن میرے سرہانے رکھی ہوئی رسٹ واچ دس بجنے کا اعلان کررہی تھی۔

نہایت اطمینان سے تروتازہ ہونے اور لباس تبدیل کرنے کے بعد میں نے اول خان عرف اظہر خان کے بارے میں سوچا۔ اگر دس بجے تک میری نیند پوری ہوچکی تھی تو اسے بھی بیدار ہونا چاہیے تھا۔ میں نے انٹرکام پر اس کے کمرے کا نمبر ملایا تو وہ مصروف تھا۔

اپنا کمرا مقفل کرکے میں نے پڑوس والے دروازے پر دستک دی اور اندر سے اول خان کی آواز سن کر دروازہ کھول لیا۔ وہ مجھ سے پہلے تیار بیٹھا تھا اور فون پر اپنے کسی آدمی بات کررہا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر سنگل صوفے میں دھنس گیا۔ شاید میری وجہ سے اس نے جلد ہی گفتگو ختم کردی اور میری طرف متوجہ ہوکر بولا "رات کو میرے آدمیوں نے ان تینوں میں سے ایک کو پکڑ لیا تھا اور اس کو بری طرح مارا ہے۔ پٹنے کے بعد اس نے بتایا ہے کہ وہ تینوں اپنے استاد داؤد کے ساتھ ائرپورٹ پہنچے تھے۔ داؤد ان سے الگ تھلگ رہ کر اشاروں کنایوں سے ان کو ہدایات دے رہا تھا۔ اسی کے ایما پر وہ میرے آدمیوں کے پیچھے ریستوران میں گئے تھے۔ وہ آخر تک وہیں تھا۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ تعاقب کے بعد انہیں کیا کرنا تھا" میں نے پوچھا۔

"یہ سب کراچی پہنچنے کے بعد معلوم ہوگا۔ فی الحال میں نے انہیں داؤد کے پیچھے لگا دیا ہے۔ ہماری واپسی تک اسے بھی اسٹیشن فور پر موجود ہونا چاہیے۔"

"سب کچھ ٹھیک ٹھاک جارہا ہے مگر اس وقت کا اہم ترین مسئلہ ناشتے کا ہے۔"

وہ مسکرا دیا "میں معلوم کرچکا ہوں۔ ناشتے کے لیے ڈائننگ ہال بند ہوچکا ہے۔ ہمیں روم سروس سے رجوع کرنا ہوگا۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا لینا پسند کروگے۔"

"جو چاہو منگوالو اور جلال کو بھی اطلاع دے دو کہ ہم مقررہ وقت سے پہلے بیدار ہوچکے ہیں۔"

اول خان نے روم سروس والوں کو آرڈر دیا اور پھر خود ہی جلال کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

جلال اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔ "ان تک اطلاع پہنچا دو کہ ہوٹل سے اظہر خان کا فون آیا تھا۔ یہ بہت اہم اور ضروری معاملہ ہے" پیغام دے کر اس نے فون بند کردیا۔

ناشتے سے پہلے ہی رحمان ہمارے پاس آ پہنچا۔ ائرپورٹ پر اس سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ اس نے بہت تپاک اور بے تکلفی سے ہمیں اپنے شہر میں خوش آمدید کہا اور بتایا کہ جلال اچانک بہت زیادہ مصروف ہو گیا ہے۔ اس نے اظہر خان اور مظہر خان کے بارے میں اپنے اسٹاف کو بریف کیا ہوا تھا۔ اس کے پی اے نے اول خان کا پیغام فوراً ہی رحمان تک پہنچا دیا۔ اس کا دفتر ہوٹل سے بہت قریب تھا۔ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جانے کے ارادے سے ہوٹل پہنچ گیا۔

اول خان کے بے تکے آرڈر کی وجہ سے دو آدمیوں کے لیے آنے والا ناشتا ضرورت سے بہت زیادہ تھا۔ صرف ایک پیالی کے اضافے سے رحمان بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ صبح چھ بجے سے دفتر پہنچا ہوا تھا۔ اسے بھاگ دوڑ کی وجہ سے چائے کی ایک پیالی تک پینے کا موقع نہیں ملا تھا۔

"آخر اس طرح ہلکان ہونے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟" اول خان نے ناشتے کے دوران میں رحمان سے پوچھا "مجرم تمہارے قبضے میں ہے، تعاون پر آمادہ ہو چکا ہے پھر تم کیوں بھاگتے پھر رہے ہو۔"

"کسی کو امید نہیں تھی کہ پنڈت منوہر لال آسانی سے زبان کھولنے پر آمادہ ہو سکے گا۔ مایوسی کی وجہ سے بہت سی ضروری کارروائیاں ادھوری چھوڑ دی گئی تھیں" رحمان نے بتایا "تمہارے پہنچنے کے بعد ایک دم پانسہ پلٹ گیا ہے۔ سات بجے ہمارے ڈی جی نے خود پنڈت سے ملاقات کی ہے۔ کسی پوچھ گچھ کے ارادے کے بغیر وہ صرف یہ دیکھنے گئے تھے کہ پنڈت اب کس موڈ میں ہے۔"

"میں نے تو سنا تھا کہ تمہارے ڈی جی کو اس کے اعترافات سننے کی فکر ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ بات پرانی ہو گئی۔ حکومت کی ایک ذمے دار شخصیت کے سامنے اس کا بیان لیا جائے گا۔ سب کی متفقہ رائے ہے کہ پنڈت کو بار بار چھیڑا گیا تو وہ بدک جائے گا۔"

"سب کچھ ایک مرتبہ ہو جانا چاہیے" میں نے اس سے اتفاق کیا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ رستم اور پنڈت کے معاملے کو اس قدر طول کیوں دیا جا رہا ہے۔ دو اور دو چار کی طرح ہر بات بالکل سامنے ہے۔ فیصلہ کر کے ذرا سی دیر میں کسی نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے۔"

"بڑے فیصلوں میں ایسی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ ہمارے روٹین کا حصہ ہیں۔"

"شام کی کسی پرواز سے ہماری روانگی کا بندوبست کر دو"

کچھ توقف کے بعد میں نے کہا "اس سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ رستم کے انسانی حقوق کا قضیہ کس نے اٹھایا تھا؟"

"کوئی اکرم الٰہی ہے۔ وہ کراچی میں ہی رہتا ہے لیکن اس کا باقاعدہ دفتر خیابانِ قائداعظم پر بلیو ایریا کی ایک عمارت میں ہے" رحمان نے بتایا۔

"تو وہ کوئی پاکستانی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا "جلال نے تو کسی بین الاقوامی ادارے کا ذکر کیا تھا۔"

"اس کا دفتر انسانی حقوق کی ایک بین الاقوامی تنظیم کا مقامی حصہ ہی ہے۔"

"اکرم الٰہی فریڈم انٹرنیشنل کی پاکستانی شاخ کا چیئرمین ہے۔ فریڈم انٹرنیشنل یہاں این جی او کے طور پر کام کر رہی ہے۔"

"غیر سرکاری تنظیمیں کسی نہ کسی کی امداد سے چلتی ہیں۔ اسے کہاں سے فنڈز ملتے ہیں؟"

"ایسے اداروں کو برائے نام سرکاری امداد ملتی ہے۔ بڑی بڑی رقمیں بیرونی امداد کی صورت میں آتی ہیں۔ اصولی طور پر یہ سرکاری ذرائع سے تقسیم ہونی چاہئیں لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ ہو سکتا ہے کہ اکرم الٰہی کو بھی کہیں سے رقم مل رہی ہو۔"

"شاید تمہیں اس طرف توجہ دینے کا وقت نہیں مل سکا۔ اگر وہ کراچی میں ہے تو پھر ہم اسے وہیں دیکھیں گے۔ رستم جیسے غدار اور سازشی کے حق میں آواز اٹھانے والا نیک نیت نہیں ہو سکتا۔"

"ایسے لوگ مضبوط پشت پناہی کے بغیر زبان نہیں کھولتے۔ احتیاط سے دیکھنا ہو گا کہ اس کے پیچھے کون لوگ ہیں۔ ان کے کیا مقاصد ہیں اور وہ کس سمت میں جا رہے ہیں؟"

"وہ جو کچھ بھی ہو، رستم اور رابن مائر سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو سکتا۔ جب ان دونوں کے گریبان پر ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے تو اکرم کس گنتی میں ہے؟" مجھے ہلکا سا تاؤ آ گیا۔

"رستم اور رابن بے شک مار دیے گئے بلکہ رستم نے تو کھلی خودکشی کی ہے مگر ان واقعات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی پیچیدگیاں فیصلوں میں تاخیر کا سبب بن رہی ہیں۔ ایک وقت میں کئی محاذوں پر لڑنا دانش مندی نہیں ہے۔ موجودہ گرد دب جائے تو اکرم کو ہر وقت دیکھا جا سکتا ہے۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے، کیا ان لوگوں پر غلط ہاتھ ڈالا گیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ بہترین فیصلے تھے" رحمان نے جلدی سے کہا "اسی لیے ہر شخص حالات سنبھالنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔ ہم لوگ کسی حکومت کی مجبوریوں کو نظرانداز کر کے من مانے فیصلے نہیں کرسکتے۔"

اول خان نے مجھے اشارہ کر کے کہا "قانونی اداروں کی بہت سی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ سرد جنگ کے زمانے میں امریکا اور روس کی حکومتیں سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے اپنی سرزمین پر دشمن کے ایجنٹوں کو نظرانداز کرنے پر مجبور تھیں۔ ایسی برداشت کا مظاہرہ نہ کیا جائے تو دو طرفہ خونریزیوں کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ چل پڑتا ہے۔"

اول خان کی وضاحت سے رحمان کو سہارا مل گیا "میرا نکتہ بالکل یہی تھا۔ رابن مائر کی حرکتوں کے باوجود یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ وہ ایک سفارتی مہمان بن کر یہاں آیا تھا اور اس کی حفاظت ہماری ذمے داری تھی۔ اس کے جرائم اور بے اعتدالیوں کی نشان دہی کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں اس کے انجام پر رسمی طور پر اظہارِ افسوس کرنا پڑے گا۔ قانون سے ماورا خوں ریزی پر مذمت کا اظہار بین الاقوامی اخلاقیات کا حصہ ہے۔"

"رابن کے خلاف تمہارے مہیا کیے ہوئے ثبوت جتنے زیادہ مضبوط ہوں گے، تعزیتی بیان اسی قدر ہلکا اور نرم ہوتا چلا جائے گا" میں نے جواب دیا۔

"ہم ان ہی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ سب کی بھاگ دوڑ ان مربوط کوششوں کا ایک حصہ ہے" رحمان نے کہا "ہم اپنی ذمے داری کم سے کم رکھنی چاہتے ہیں۔"

"میں تمہیں کیوبا کے فیڈل کاسترو کی مثال دیتا ہوں۔" اول خان نے کہا "وہ شاید روئے زمین پر امریکیوں کا سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص ہے۔ سی آئی اے اس پر متعدد قاتلانہ حملے کروا چکی ہے جو سب کے سب ناکام رہے۔ اگر وہ آج کسی دہشت گردی کا نشانہ بن جاتا ہے تو میری بات لکھ لو کہ غیر سرکاری طور پر امریکا میں جشن منایا جائے گا مگر امریکی صدر اس کے لیے تعزیتی بیان جاری کرے گا جس میں دہشت گردی کی مذمت پر زور ہوگا۔"

اوّل خان میری الجھن کو سمجھ رہا تھا۔ اسی کے ساتھ اسے یہ فکر بھی تھی کہ میں کہیں رحمان سے الجھ نہ پڑوں۔ ایسی کسی صورت کو ٹالنے کے لیے اس نے نہایت بھونڈے انداز میں کیوبا کے صدر کا ذکر چھیڑا تھا جو میں نے خاموشی سے سن لیا۔ اس پر میرا کوئی تبصرہ لاحاصل تھا۔

اس ہلکی سی تکرار کے بعد ہم نے خاموشی سے ناشتا ختم کرلیا۔

"آؤ! اب دفتر چلتے ہیں" ناشتا کر کے رحمان نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"دفتر میں ہمارا کیا کام ہے؟" میں نے پوری سنجیدگی سے سوال کیا۔

"کام ہے بھی اور نہیں بھی" رحمان مسکرایا "تم ہمارے مہمان بن کر اسلام آباد آہی گئے ہو تو ہمارے ڈی جی تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"جلال نے ہمیں بارہ بجے تک سونے کی آزادی دی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ متوقع ملاقات ایک بجے کے لگ بھگ ہی ہوسکے گی" میں نے مستفسرانہ لہجے میں کہا۔

"شاید اتنا وقت ہوجائے گا" رحمان نے میری تائید کی "گپ شپ میں یہ وقت آرام سے گزر جائے گا۔"

"ہمیں ساتھ لے جاکر تم بندھ جاؤ گے۔ آج تم لوگ ویسے ہی کام کی زیادتی کے شکار ہو۔ ہم ہوٹل میں رہیں گے۔ ڈی جی آجائیں تو تم آکر ہمیں دفتر لے جانا۔"

"یہ نہیں ہوگا" رحمان اڑ گیا "کام روز ہوتا رہتا ہے۔ تم روز یہاں نہیں آؤ گے۔ تمہیں میرے ساتھ دفتر چلنا ہوگا۔ بور ہونے لگو گے تو ہوٹل واپس لے آؤں گا۔"

مزید انکار اس کے دل میں کوئی بدگمانی پیدا کرسکتا تھا۔ میں بھی اٹھ گیا۔

ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں رحمان کی گاڑی موجود تھی۔ ہم آغا خان روڈ سے کانسٹی ٹیوشن ایونیو پر مڑے اور ذرا سی دیر میں کیبنٹ بلاک کے بند آہنی پھاٹک کے سامنے پہنچ گئے۔ دربان نے رحمان کو دیکھ کر سلاخ دار گیٹ کھول دیا اور ایک قریبی حصے میں گاڑی پارک کردی۔

کیبنٹ بلاک کے ابتدائی حصے میں چند کمرے آئی بی کے لیے مخصوص تھے۔ رحمان نے عمارت میں داخل ہوتے ہوئے اشارے سے اپنے سربراہ کے دفتر کی نشان دہی کی اور پھر ایک کمرے میں گھس گیا۔

اس کا کمرا سادہ اور پروقار تھا۔ اس نے بتایا کہ اس بلاک میں آئی بی کے ڈی جی اور چند افسران ہی بیٹھتے تھے۔ دوسرے دفاتر کسی اور بلاک میں واقع تھے۔

رحمان نے اپنی میز سنبھالی ہی تھی کہ اس کے اسٹینو فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے اپنے ماتحت سے کچھ پیغامات سنے، چند نمبر ملانے کی ہدایت کی اور پھر اپنی میز پر رکھا ہوا کمپیوٹر آن کردیا۔

"اس بلاک میں شاید ملک کے حسّاس ترین دفاتر سمٹے

ہوئے ہیں" اول خان نے ستائشی لہجے میں کہا۔
"ہاں... اسے تم حکومت کا اعصابی مرکز بھی کہہ سکتے ہو۔ صدر اور وزیراعظم کی طرف سے تقرریوں اور تبادلوں کے سارے احکام اسی بلاک کے ایک حصے سے جاری ہوتے ہیں۔ ہم لوگ یہاں بیٹھتے ہیں اس لیے تم ہمیں بھی تھوڑی بہت اہمیت دے سکتے ہو۔"
"شاید جلال بھی دفتر میں نہیں ہے" میں نے بے تکلفی سے کہا۔
"جلال اور ڈی جی دونوں غائب ہیں۔ جب تک ان میں سے کوئی واپس نہیں آجاتا، مجھے دفتر میں رہنا ہے۔" رحمان نے مجھے بتایا "دفتر میں ایک نہ ایک ذمے دار آدمی ہر وقت موجود رہتا ہے۔"
"تم ہوٹل میں ہمارے پاس تھے تو یہاں کوئی نہیں تھا جب کہ آج کا دن بہت اہم ہے۔"
اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی اور وہ ہنستے ہوئے بولا "پیغام نوٹ کرلیے گئے تھے۔ اب میں نے وہ کالز لوٹانے کا سلسلہ شروع کردیا ہے۔"
وہی ہوا۔ وہ ریسیور رکھتا تھا اور اس کا ماتحت فوراً ہی دوسرا نمبر ملا دیتا تھا۔ فون پر گفتگو کے دوران میں رحمان نے کئی مرتبہ کی بورڈ کو چھیڑ کر مانیٹر کی اسکرین پڑھ کر کسی کو کچھ بتایا اور اسکرین کو دوبارہ اس کی ابتدائی حالت میں لوٹا دیا۔
ڈیڑھ بجے تک وقفے وقفے سے فون آتے رہے۔ اس دوران میں ہماری باتیں بھی چلتی رہیں۔ رحمان کو باتیں کرنے کا فن آتا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی ہمیں بور نہیں ہونے دیا۔
ہم اس کے دفتر میں چائے کی دوسری پیالی پی رہے تھے کہ جلال وہیں آپہنچا۔
"وہ مرحلہ بہت خوبی سے نمٹ گیا" جلال نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "اس وقت پنڈت منوہر لال موم کی ناک بنا ہوا ہے۔ وہ تم دونوں کو یاد کررہا تھا۔"
"مجھے خوشی ہے کہ ہماری یہاں تک کی دوڑ رائیگاں نہیں گئی" اول خان نے مسرت سے کہا "شام کو یہاں سے واپس جاتے ہوئے ہمارے دل بڑھے ہوئے ہوں گے۔"
میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ وہ دونوں آپس میں بہت بے تکلف تھے مگر جلال ان میں سینئر تھا۔ رحمان اسے دیکھتے ہی اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا تھا۔
"تو کیا تم شام کو واپس جانے کا فیصلہ کرچکے ہو؟" جلال نے حیرت سے پوچھا۔
"جانا بہت ضروری ہے۔ وہاں میرے کچھ ضروری کام ادھورے ہیں جن کی دیکھ بھال کے لیے کراچی میں میری موجودگی ضروری ہے" اول خان نے کہا۔
اسی وقت رحمان کے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور اٹھا کر اس نے بہت مؤدب لہجے میں وقفے سے تین چار بار یس سر، یس سر کہا اور پھر ریسیور رکھ دیا۔
جلال کی نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں "ڈی جی صاحب ان دونوں کو تمہارے ساتھ بلا رہے ہیں۔" رحمان نے کہا "انہیں پتا چل گیا ہے کہ یہ میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔"
"آؤ! اچھا ہے کہ یہ ملاقات اسی وقت ہوجائے۔ تین بجے امریکی سفارت کاروں کے ساتھ اجلاس شروع ہوجائے گا۔ پتا نہیں وہ سلسلہ کب تک جاری رہے۔"
ڈی جی کا دفتر دو کمروں پر مشتمل تھا۔ بیرونی کمرے میں اس کا پی اے اور گن مین بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے گزر کر جلال نے اندھے شیشوں والے پارٹیشن میں موجود دروازے پر انگلی سے دستک دی اور دروازہ کھول دیا۔ اس کے پیچھے ہم نے پیش قدمی کی تھی کہ بڑی سی چوبی میز کے پیچھے سے بھاری جسم اور پختہ عمر کا ایک وجیہہ شخص نکل کر ہمارے استقبال کے لیے آگیا۔
جلال نے ہم تینوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا۔ اس نے اپنے رتبے کو بھلا کر بہت فراخ دلی سے ہمارے لیے توصیفی کلمات ادا کرتے ہوئے تپاک سے ہاتھ ملائے اور ہمیں کرسیاں پیش کرکے دوبارہ اپنی جگہ پر لوٹ گیا۔ اس کی کرسی کے پیچھے، دیوار پر قائداعظم کی بڑی تصویر آویزاں تھی۔
"میں نے کئی میٹنگز میں تم دونوں کا ذکر سنا ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ پاکستان میں آج بھی ایسے بے لوث اور فرض شناس شہری موجود ہیں جو ملک کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔ جلال نے مجھے جو بریفنگ دی ہے وہ حیران کردینے والی ہے۔ مگر ریکارڈ میں تمہارا کوئی ذکر نہیں ہے" اس نے کہا۔
"میں اس عزت افزائی کے لیے آپ کا ممنون ہوں" خواہش کے باوجود میں عقابی آنکھوں اور سفید وسیاہ بالوں والے شخص کے لیے تم کا صیغہ استعمال نہیں کرسکا "آج شام ہم واپس جارہے ہیں۔"
"کیوں؟" ڈائریکٹر جنرل نے جلال سے سوال کیا "انہیں آج ڈنر پر مدعو کیوں نہیں کرتے؟"
"سر! ان کی کچھ مجبوریاں ہیں۔ کراچی میں اپنے کام

ادھورے چھوڑ کر آئے ہیں" جلال نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "آج کے اجلاس کے بعد میرا ڈنر کا ہی پروگرام تھا۔"

اس دوران میں، میں تیزی سے اس دفتر کا جائزہ لے چکا تھا۔ ڈی جی کے پاس بھی کمپیوٹر موجود تھا۔ ایک الماری میں فلا پیز قطار در قطار لگی ہوئی تھیں مگر اسی کے ساتھ فائلوں سے مفر نہیں تھا۔ قالین پر ایک طرف فائلوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ پارٹیشن میں لگا ہوا اندھا شیشہ یک رخ تھا۔ باہر سے اندر کا منظر دیکھنا ممکن نہیں تھا لیکن ڈی جی کے کمرے میں سے باہر کی ہر تفصیل نظر آرہی تھی۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ رابن مائر کے ساتھ کرسٹوفر نامی میرین گارڈ بھی پنڈت کے گھر رہ گیا" اس نے قتل اور موت جیسے الفاظ سے پرہیز کرتے ہوئے کہا "کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ رابن کو اس کی مرضی کے خلاف اغوا کر کے وہاں لے جایا گیا تھا۔"

میں سرہلا کر رہ گیا۔ ڈی جی کے ان فقروں میں ویرا کی کارروائی کا ذکر تھا کیونکہ پورچ میں پہرہ دینے والے گارڈ کو اسی نے اپنے بے آواز ریوالور کا نشانہ بنایا تھا۔

"ہم لوگ آج صبح سے مصروف رہے ہیں" ڈی جی قدرے توقف کے بعد معذرت کر رہا تھا "تمہارا کام ختم ہوتے ہی ہمارا کام شروع ہو گیا تھا جو اب تک جاری ہے۔ میری خواہش تھی کہ کام کے اس دباؤ سے نکل کر ہم کو ایک ساتھ بیٹھنے کا موقع ملے اور ہم ایک دوسرے سے قریب آسکیں۔

"زندگی رہی تو یہ موقع ضرور آئے گا۔۔۔ ہاں، اگر آج کے اجلاس میں ہماری شرکت کی کوئی گنجائش ہو تو اس کے لیے دوسرے کام نظرانداز کیے جاسکتے ہیں۔"

ڈی جی کے بھرے بھرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی "تمہاری شرط سے ظاہر ہو رہا ہے کہ روانگی ملتوی ہو سکتی ہے، ہمیں مل بیٹھنے کی فرصت میسر آسکتی ہے۔"

"نو سر!" اول خان اضطراری انداز میں بول پڑا "پتا نہیں ڈینی نے یہ بات کیوں کہی ہے۔ ہماری واپسی ضروری ہے۔ ڈینی مناسب سمجھتا ہے تو رک جائے۔ میں اجازت چاہوں گا۔"

مسکراہٹ معدوم ہو گئی۔ ڈی جی کے چہرے پر دوبارہ سنگلاخ سنجیدگی طاری ہو گئی "ہمارے اجلاس خفیہ ہوتے ہیں۔ پچھلے نقصانات کی روشنی میں، میں نے یہ اصول وضع کیا ہے کہ ہمارے کسی باضابطہ اجلاس میں باہر کا کوئی آدمی شریک نہیں ہو گا۔ آئی ایم سوری مائی ڈیر ڈینی! میں تمہارے جذبات سے واقف ہوں۔ تم اپنی محنت کا آخری ثمر دیکھنا چاہتے ہو۔ ان کی جھکی ہوئی نظریں، عرق آلود پیشانیاں اور بوکھلائے ہوئے چہرے دیکھنا چاہتے ہو، بے ربط دلیلیں اور بے مغز حیلے سننے چاہتے ہو مگر یہ ممکن نہیں ہے۔"

"مجھے معلوم تھا۔ اسی لیے میں نے یہ شرط تجویز کی تھی۔ میری واپسی بھی ضروری ہے۔"

دفتر کا باوردی اردلی چائے اور اس سے متعلقہ لوازم سے لدی ہوئی ٹرے لے آیا۔ شاید ڈی جی نے پرتکلف چائے کے لیے پہلے ہی کوئی ہدایت جاری کردی تھی۔

"اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی سر! ہم نے تھوڑی دیر پہلے ہی ناشتا کیا ہے۔" اول خان نے سیر چشمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا حالانکہ ہمیں ناشتا کیے کافی دیر ہو چکی تھی۔

"یہ لنچ کا وقت ہے۔" وہ وال کلاک پر نظریں دوڑا کر بولا "مگر مجبوری ہے کہ ہمارے پاس وقت کم ہے۔ تین بجے مجھے دفترِ خارجہ پہنچنا ہے۔ اجلاس کی اہمیت کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتے ہو کہ ان کی ٹیم کی سربراہی قائم مقام سفیر کر رہا ہو گا۔ اجلاس کی میزبانی دفتر خارجہ کے ایڈیشنل سکریٹری کریں گے۔"

"مجھے پہلی بار صحیح اندازہ ہو رہا ہے کہ ایسے واقعات کے نتیجے میں متعلقہ محکموں پر کتنا کڑا وقت آجاتا ہے۔ ایک آدمی کی موت نہ جانے کتنے افراد کے اعصاب ہلا کر رکھ دیتی ہے۔" میں نے کہا۔

"اگر اولی اور رستم کی باہمی چپقلش کی کہانی درست ہے تو خدا کا شکر ادا کرو کہ اولی کے ساتھ وہ حادثہ نئی دہلی میں پیش آیا۔ وہ واقعہ بالکل اسی طرح یہاں رونما ہو جاتا تو نہ جانے کیا کچھ ہو سکتا تھا۔۔۔ دشمنوں کے بارے میں ہم بھی بہت کچھ منصوبہ بندیاں کرتے رہتے ہیں لیکن جب اپنے کسی اقدام کے دور رس نتائج کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں پسپائی اختیار کرنی پڑتی ہے۔" ڈی جی نے کہا۔

"اگر یہ ہمارے لیے کوئی ڈھکی چھپی ہدایت ہے تو میں اس بارے میں کچھ عرض کرنا چاہوں گا۔"

"ہرگز نہیں۔ میں تمہیں حقیقت سے آگاہ کر رہا تھا۔ میرے الفاظ میں تمہارے لیے کوئی پیغام نہیں تھا۔ تم فری لانسر ہو۔ اپنی مرضی سے فیصلے اور کام کرتے ہو۔ تم نے ہمیشہ پوری احتیاط اور ذمے داری سے کام کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ سراب گوٹھ کے نواح میں اپنے جنگی ہیلی کاپٹر اور متعدد تجربے کار کمانڈوز کی مکمل بربادی پر بھی وہ زیادہ واویلا نہیں کر سکے تھے۔ انہیں مدافعانہ لب ولہجہ اختیار کرنا پڑ گیا تھا۔"

"ان کے سی ون تھرٹی کے اغوا کا کیس بھی ایسا ہی تھا۔" جلال نے لقمہ دیا "وہ یہاں سے لاشیں لے کر گئے تھے۔ کیسے الزام لگاتے کہ ان کے جہاز کو ایک پاکستانی نے اغوا کیا ہے۔ وہ تو خود ایک تابوت میں اس پاکستانی کو اغوا کرکے لے جا رہے تھے۔ یہ ان کے نصیب کی خرابی تھی کہ وہ پاکستانی تابوت سے نکل کر جہاز پر قابض ہو گیا۔"

"تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔" میں نے جلال سے کہا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس واقعے کی اتنی باریکیاں تم لوگوں کے علم میں آسکی ہوں گی۔"

"وہ کون تھا جسے انہوں نے برفانی تابوتوں میں بند کرلیا تھا؟" ڈی جی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میرا دست راست سلطان شاہ تھا۔" میں نے کہا "وہ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکے۔ میں بیرونِ ملک تھا۔ انہوں نے سلطان شاہ کو گھر سے اٹھالیا۔"

"میرے دل میں تم لوگوں کی بہت زیادہ قدر و منزلت ہے۔" اس نے خلوص سے کہا "تمہاری ذات سے بہت سے واقعات منسوب ہیں مگر ان میں اہم ترین قصہ گیپ کے اصل کاغذات امریکا سے نکال کر یہاں پہنچانے کا تھا۔ وہ امریکا کے صدر اور مجرموں کے درمیان ایک تحریری معاہدہ تھا جس میں بیخ کنی کے لیے پاکستان، ایران اور افغانستان کے نام لکھے ہوئے تھے۔ ان کاغذوں نے ہمیشہ کے لیے امریکی عزائم بے نقاب کردیے ہیں۔"

میرے دل کا زخم تازہ ہو گیا "ان کاغذوں کے لیے میں نے امریکا میں بہت صعوبتیں جھیلی تھیں۔ کچھ روز غلغلہ رہا۔ پھر پتا ہی نہیں چل سکا کہ گیپ کا قصہ کہاں تحلیل ہو گیا۔"

"ان کاغذوں کی نقل ہمارے پاس موجود ہے۔ امریکیوں نے ان کاغذوں کی اصلیت سے انکار کردیا تھا۔ وہ تجزیے کے بہانے اصل کاغذ حاصل کرکے تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ ایک پاکستانی وفد وہ کاغذ لے کر تہران گیا تھا۔ ایرانیوں نے ان کاغذوں کو اہمیت نہیں دی۔ ان کا کہنا تھا کہ جب امریکی اس دستاویز کو اپنانے سے منکر ہیں تو کس بنیاد پر کوئی احتجاج کیا جائے۔ وہ معاملہ سرد خانے کی نذر ہو گیا۔"

"ہماری ساری محنت برباد ہو گئی۔ میرا خیال تھا کہ گیپ کی تشہیر سے دنیا بھر میں امریکا کے خلاف غم و غصے کی لہر دوڑ جائے گی۔ وہ خوف زدہ ہو کر اپنی حرکتوں سے باز آجائیں گے لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"دنیا بھر میں کہیں سے مثبت جواب نہیں ملا۔ گیپ کے کاغذوں سے پہلے دنیا بھر میں خفیہ امریکی مراسلے پھیل چکے تھے کہ کچھ ناپسندیدہ پاکستانی جعلی کاغذات کے ذریعے امریکا اور اس کے صدر کو بدنام کرنے کی سازشیں کررہے ہیں۔ ہر حکومت نے ان نقول کو شبہے کی نظر سے دیکھا اور ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔"

وہ واقعہ بہت پرانا ہو چکا تھا اور ایک خلش بن کر مجھے ستاتا رہتا تھا۔ اس نے چند فقروں میں اس کا انجام سنا دیا۔ امریکیوں نے پروپیگنڈے کے صیہونی فلسفے کے ذریعے سچ کو جھوٹ میں بدل ڈالا تھا۔

"جھوٹ شدت اور تواتر کے ساتھ بولا جائے تو کچھ عرصے بعد، بولنے والے کو بھی وہ سچ محسوس ہونے لگتا ہے۔" میں نے تلخی سے کہا "آج کے دور میں ایسے جھوٹ کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے۔"

"یہ نہ سمجھو کہ تم ناکام ہو گئے۔" ڈی جی نے پُر زور لہجے میں کہا "ہمیں کسی سے کچھ نہیں لینا تھا۔ وہ فائل حاصل کرکے تم نے امریکا میں گیپ کا نفاذ روک دیا۔ اس معاہدے پر دستخط کرنے والی قوتوں کا گٹھ جوڑ ختم ہو چکا ہے۔ وہ ہمارے مفادات کے لیے بہت خطرناک تھا۔"

ڈی جی کے لیے اس گفتگو میں پیشہ ورانہ دلچسپی کے تمام عناصر موجود تھے۔ چائے ختم ہو گئی مگر وہ از خود گفتگو کو آگے بڑھاتا رہا۔ اچانک میری نظر اپنی رسٹ واچ پر پڑی۔ سوئیاں دو سے آگے نکل چکی تھیں۔

میں نے اپنی کرسی چھوڑ دی "دو بج چکے ہیں۔ آپ کی میٹنگ کا وقت قریب ہے۔ ہم چلتے ہیں۔"

اس مرتبہ وہ ہمارے ساتھ بیرونی کمرے کے دروازے تک آیا اور ہمیں گرم جوشی سے رخصت کردیا۔

میں نے وہاں رکنا مناسب نہ سمجھا۔ جلال سے جہاز کی نشستوں کے بارے میں کہا تو اس نے جواب دیا "تم بے فکر ہو کر ہوٹل میں آرام کرو۔ تمہیں سات بجے والی پرواز سے واپسی کے ٹکٹ مل جائیں گے۔"

"کوئی ضرورت پڑ گئی تو تم سے کہاں رابطہ ہو سکے گا۔" میں نے پوچھا۔

"ابھی میں ڈی جی کے ساتھ اجلاس میں چلا جاؤں گا۔ پتا نہیں وہاں سے کب واپسی ہوتی ہے۔ پانچ بجے دفتری عملہ بھی چلا جائے گا۔ رحمان میرے ساتھ ہوگا.... خیر میں کسی نہ کسی سے کہہ دوں گا۔ وہ ہوٹل میں تم سے خود ہی رابطہ کرلے گا۔"

رحمان ہمیں لے کر کیبنٹ بلاک سے نکلا اور ہوٹل پہنچا دیا۔ اس بار مجھے یا اول خان کو کچھ نہیں کہنا پڑا۔ وہ خود ہی

ہوٹل کے پورچ میں ہم سے مل کر واپس چلا گیا۔
پے در پے چائے کی کئی پیالیاں پینے کی وجہ سے عارضی طور پر اشتہا باقی نہیں رہی تھی لیکن وہ اسلام آباد کی صحت مند فضا کا اثر تھا کہ کمرے میں باتیں کرتے کرتے ہم دونوں کو بھوک کا احساس ستانے لگا۔
روم سروس کو انٹر کام پر کھانے کے لیے ہدایت دے کر میں نے آپریٹر سے کراچی میں اپنے گھر کا نمبر ملوالیا مجھے یقین تھا کہ فون کوئی بھی اٹھائے، جب یہ پتا چلے کہ کال اسلام آباد سے آئی ہے تو ریسیور ویرا لے لے گی۔ آپریٹر نے نمبر ملانے کے بعد کال مجھے منتقل کی تو لائن پر ویرا ہی موجود تھی۔
"غنیمت ہے کہ تمہیں کراچی کا خیال تو آگیا۔" میری آواز سن کر ویرا فون پر چہکی "یہ بتاؤ کہ وہاں کچھ کام ہوا ہے یا ابھی تک ہوٹل میں بڑے اینڈ رہے ہو۔"
"اس سے پہلے کہ آپریٹر کی کسی غلطی سے لائن ڈراپ ہو، ہاتھ بڑھا کر سی ایس ڈی آف کردو۔"
"وہ میں نے آپریٹر کی آواز سنتے ہی آف کردی تھی ورنہ لائن اسی وقت ڈراپ ہوجاتی جب آپریٹر بورڈ سے یہ لائن تم کو منتقل کررہی تھی۔"
"تو کیا تم نے آپریٹر کی آواز سے اندازہ لگایا کہ ہم لوگ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"
"آپریٹر دفتر کے بورڈ کی بھی ہوسکتی تھی۔ اس نے نمبر پوچھنے کے بعد خود بتایا تھا کہ مظہر خان ہالیڈے ان اسلام آباد سے بات کرنی چاہ رہے ہیں.... تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"
"ہم نے یہاں پہنچتے ہی اپنا کام کرلیا تھا۔ اب دوسرے کام ہورہے ہیں۔"
"پھر واپسی کب تک ہورہی ہے۔" ویرا نے عقل مندی کی کہ سی ایس ڈی بند کرنے کے بعد پنڈت کا نام لینے یا اس کے بارے میں زیادہ تفصیل کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی۔
"ہوسکتا ہے کہ آج ہی کی کسی پرواز سے لوٹ آئیں۔ واپسی کا انحصار نشستوں کی دستیابی پر ہے۔"
"ایسی بھی کیا عجلت ہے۔ اگر مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا جارہا ہے تو دو چار دن وہیں رکے رہو۔ اسلام آباد کا موسم کراچی سے ہمیشہ بہتر ہوتا ہے۔"
"ہماری روانگی سے پہلے کراچی میں کچھ کام نکل آیا تھا۔ اسے نمٹانا ضروری ہے۔"
"معلوم ہوتا ہے کہ تم جہاں بھی جاتے ہو، کام تمہارے پیچھے پیچھے ہولیتا ہے۔"
"فون پر یہ خرافات نہ بکو.... دوسروں کو بھی میرے متوقع پروگرام سے آگاہ کردینا۔"
"میرے ساتھیوں کو کسی مظہر خان کے پروگرام سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟"
"دلچسپی ہو یا نہ ہو، تم اپنا فرض پورا کردینا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔
"اوہ....!" میری بات کے جواب میں فون پر اس کی تحیر زدہ سی آواز ابھری "کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ فرضی کام کے بہانے تم اپنی مادہ سے ملنے کے لیے کراچی آرہے ہو.... اگر ایسا ہے تو میں تمہاری دل جوئی کے لیے اسے آج ہی اسلام آباد بھیج سکتی ہوں۔ اس کی بھی آب و ہوا تبدیل ہوجائے گی۔"
"اس بارے میں واپسی پر ہی بات ہوگی۔ تم ہمیں فون کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"
"میں تمہارے ساتھی کا نام بھول رہی ہوں۔ اسے تم کیا کہتے ہو۔" ویرا نے اول خان کے بدلے ہوئے نام کے بارے میں جاننے کی کوشش میں سوال کیا۔
"اظہر خان!" میں نے مختصر سا جواب دیا۔
"خوب۔ وہ بھی تمہارا ہم قافیہ ہے۔ اظہر خان اور مظہر خان کی جوڑی قوالی میں نام پیدا کرسکتی ہے۔"
"تم ڈفر ہو۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔ اس کی زبان میں خارش شروع ہونے کی صورت میں وہ ایسی ہی بے سروپا باتوں میں گھنٹوں مصروف رہ سکتی تھی۔
"شاید تم نے غزالہ سے بات ہونے کی امید میں فون کیا تھا!" اول خان مسکرا کر بولا۔
"ویرا کی موجودگی میں ایسی توقع نہیں کی جاسکتی۔ فون ملوانے سے پہلے مجھے اندازہ تھا کہ کال وہی ریسیو کرے گی۔ ایسے معاملات میں اس کی چھٹی حس بہت تیز ہے۔"
دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے دستک دینے والے کو اندر بلالیا۔
کھانا لذیذ اور تازہ تھا۔ روم سروس کے ویٹر نے میز پر قابیں لگائیں تو کمرا اشتہا انگیز خوشبوؤں سے بھر گیا۔ اس کے جاتے ہی ہم نے اشیائے خورونوش سے پورا پورا انصاف کرنا شروع کردیا۔
شکم سیر ہونے کے بعد اول خان ستانے کے ارادے سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میں سگریٹ سلگا کر باہر نکل گیا۔ میں نے صبح رحمان کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا کہ ہوٹل

میں غیر ملکیوں کی خاصی آمد و رفت تھی۔ ان میں مردوں کے ساتھ خواتین کی بھی کافی تعداد تھی۔ کمرے میں پڑے رہ کر وقت گزارنے سے بہتر تھا کہ ہوٹل کی لابی میں کسی مناسب جگہ پر قبضہ جما کر روز مرہ زندگی کے ان زندہ کرداروں کا مشاہدہ کیا جائے۔

فیشن، دست کاری کے نازک نمونوں اور اشیائے ضرورت سے لدی ہوئی، شاپنگ آرکیڈ کی دکانوں کی سیر کے بعد میں لابی میں بیٹھ گیا۔ میرے ہاتھ میں سگریٹ دیکھ کر فوراً ہی ایک ویٹر چمکتی ہوئی صاف ستھری ایش ٹرے لے کر آیا اور اسے میرے سامنے رکھی ہوئی استعمال شدہ ایش ٹرے سے تبدیل کر کے جانے لگا تو میں نے اسے چائے کا آرڈر دے دیا۔

میں نے اپنے لیے جو گوشہ منتخب کیا۔ وہاں میز کے گرد پانچ آدمیوں کا گروپ بہت آرام سے سما سکتا تھا۔ چار نشستیں خالی تھیں جو زیادہ دیر تک خالی نہیں رہ سکیں۔

میں اپنے لیے چائے بنانے میں مصروف تھا کہ تیز خوشبو کے ایک جھونکے نے مجھے چونکا دیا۔ ایک بنی سنوری اور دلکش لڑکی دوسری خالی جگہوں کو نظر انداز کر کے میرے سامنے آبیٹھی تھی۔

گورے رنگ کی اس دراز قامت لڑکی کی عمر پچیس چھبیس سال رہی ہوگی۔ اس کے چہرے پر پختگی کے بجائے معصومیت رچی ہوئی تھی۔ وہ پرس اپنی گود میں لیے یوں الگ تھلگ بیٹھی ہوئی تھی جیسے کسی کا انتظار کر رہی ہو۔

جب اس نے مجھ سے نگاہیں چار کرنے کی کوشش نہیں کی تو میں نے پوری توجہ اپنی چائے پر مرکوز کردی۔ چائے گرم اور عمدہ بنی ہوئی ہو تو شکم پری کے بعد عجیب ہی مزہ دیتی ہے۔ ذائقے اور لذت میں وہ چائے ہر اعتبار سے بہترین تھی۔

میں چائے پیتے ہوئے بے مقصد اور آوارہ نظروں سے آنے جانے والوں کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ اس لڑکی کی دھیمی اور مخمور سی آواز نے مجھے دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کردیا۔

"سنیے! آپ کی گھڑی میں کیا وقت ہوا ہے؟" اس نے پلکیں جھپکا کر خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"ساڑھے تین۔" اسے وقت بتاتے ہوئے مجھے بے ساختہ خیال آیا کہ جلال کے باس کے اہم ترین اجلاس کا پہلا نصف گھنٹا گزر چکا تھا۔

"شکریہ!" اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ ذرا گہری ہوگئی "کیا آپ اسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

"جی ہاں!" اسے جواب دیتے ہوئے مجھے اپنی حماقت پر غصہ آگیا۔ لمبے اور بے تکے ٹیگ والی، کمرے کی چابی کو کسی بھی جیب میں رکھنا ممکن نہیں تھا۔ ممتاز ہوٹلوں میں یہ اہتمام اس لیے کیا جاتا ہے کہ مہمان باہر جاتے ہوئے اپنے کمرے کی چابی کاؤنٹر پر جمع کرانا نہ بھولیں۔ میں ہوٹل کی حدود سے باہر نہیں گیا تھا اس لیے چابی میرے ساتھ تھی اور میں نے اپنی اقامت کے اس اشتہار کو میز پر رکھا ہوا تھا۔

"اسی ہوٹل میں کوئی دلاور نان جی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ساڑھے تین بجے مجھے یہاں بلایا تھا۔" چند منٹ کے توقف کے بعد لڑکی دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوئی تو میرے کان کھڑے ہوگئے۔

میں بڑے ہوٹلوں کی راہ داریوں اور طعام گاہوں میں بھٹکنے والی ان شکاری لڑکیوں سے بارہا ٹکرا چکا تھا جو پیشہ ور ہونے کے باوجود اتفاقی ملاقات کے بہانے، اپنی پسند کی کسی بھی اسامی سے مل بیٹھتی ہیں اور جاتے ہوئے اسے اچھی خاصی رقم سے محروم کرجاتی ہیں۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ پلکیں جھپکا کر میری آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ میں نے آگے جھک کر دھیمی آواز میں پوچھا "تم دلاور نان جی کو پہلے سے جانتی ہو یا آج پہلی ملاقات ہے؟"

"تم کیسی باتیں کررہے ہو۔" وہ تنک کر بولی "کیا کوئی شریف لڑکی کسی اجنبی کے ایک فون پر یوں دوڑی ہوئی ہوٹل آسکتی ہے؟"

"بہت سی شریف لڑکیاں تو جاننے والوں کے فون پر بھی نہیں آئیں گی۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"وہ میرے دوست ہیں۔ میں ان سے کمرے کا نمبر پوچھنا بھول گئی تھی۔"

"تم یہاں بیٹھی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے کمرے میں اسی بے چینی سے تمہارا انتظار کررہا ہو۔"

"اوہ...... تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ مضطرب نظر آنے لگی "اب میں کیا کروں۔"

میں دلچسپی سے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر کہا "یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ اگر اس ہوٹل میں دلاور نان جی کا کوئی وجود ہے تو استقبالیہ والے ذرا سی دیر میں تمہیں اس کے کمرے کا نمبر بتا دیں۔ اس کے لیے تمہیں مجھ جیسے اجنبیوں سے مشورے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میرے جواب پر اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ وہ حقارت سے میری طرف دیکھتے ہوئے اٹھی اور پھر چمک دار فرش پر ایڑیاں بجاتی شاپنگ آرکیڈ کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ اس کی پریشانی دور کرنے کے لیے میری طرف سے کوئی متبادل پیشکش نہ ہونے پر اس کا موڈ تباہ ہوگیا تھا۔

چائے کا بل ادا کرکے میں لفٹ کی طرف ہولیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ جب تک میں وہاں بیٹھا رہوں گا، وہ لڑکی اپنی کسی دوسری کوشش کے لیے ادھر کا رخ نہیں کرے گی۔

ساڑھے پانچ بجے میں نے اپنا مختصر سا سامان سمیٹ کر بیگ میں ڈال لیا۔ مجھے تشویش ہونے لگی تھی کہ جلال کے کسی آدمی نے ہم سے رابطے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ انٹرکام پر کاؤنٹر سے رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ میری غیر حاضری میں بھی میرے لیے کوئی کال نہیں آئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اول خان بھی دستک دے کر میرے کمرے میں آگیا۔

"سیٹ اور ٹکٹ کا کیا بنا؟" اس نے آتے ہی سوال کرکے میری تشویش میں اضافہ کردیا۔

"ابھی تک کوئی خبر نہیں ہے۔" میں نے مایوسی سے کہا "پانچ بج چکے ہیں۔ ان کا دفتر بھی بند ہوچکا ہوگا۔"

"جلال نے کہا تھا کہ وہ اپنے کسی آدمی کو ہم سے رابطہ کرنے کی ہدایت کردے گا۔"

"آدمی نہیں آیا۔ لابی میں ایک لڑکی نے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی جو ناکام ہوگئی۔" میں نے کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ جواب دیا "میرا خیال ہے کہ جلال اپنا وعدہ بھول گیا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ وہ اتنا غیر ذمے دار نہیں ہوسکتا۔" اول خان نے وثوق سے کہا۔

"میں بھی جانتا ہوں کہ وہ غیر ذمے دار نہیں ہے لیکن آج اس کے سر پر اجلاس کا بھوت سوار تھا۔ افراتفری میں اسے ہمارا پروگرام یاد ہی نہیں رہا ہوگا۔"

"اس سے تو یہ بہتر ہوتا کہ ہم خود ائرپورٹ پہنچ جاتے اور ٹکٹ خرید کر روانہ ہوجاتے۔ اب تو اس کا بھی وقت نہیں رہا۔ آج کی رات یہاں گزارنی پڑی تو مجھے سخت کوفت ہوگی۔"

ہم دونوں بے بسی سے گھڑی کی سوئیوں کو آگے بڑھتے دیکھ کر کڑھتے رہے۔ جب سوا چھ بج گئے تو میں نے روانگی کی آس چھوڑ دی۔

چند لمحوں بعد میرے فون کی گھنٹی بجی تو میں نے بے تابی سے ریسیور اٹھالیا۔

"سر! آپ کے بورڈنگ کارڈز آگئے ہیں۔ میں نیچے آپ

کا انتظار کررہا ہوں۔" انٹر کام پر ایک سخت اور سپاٹ آواز سنائی دی۔

وہ پیغام اتنا عمدہ تھا کہ میں نے اسے کچھ سنانے کا ارادہ ترک کرکے ریسیور رکھ دیا۔

"جلدی نکلو۔ ٹکٹ کے بجائے بورڈنگ کارڈز ہی آگئے ہیں۔ ضرورت سے زیادہ مہمان نوازی کبھی کبھی اسی طرح تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔" میں نے اول خان کو دھکیل کر کہا۔

گراؤنڈ فلور پر ہم لفٹ سے اترے تو قمیص شلوار میں ملبوس ایک منحنی سا ترش رو شخص وہیں ہمارا منتظر تھا اور ہمیں پہچانتا تھا۔ سلام کرکے اس نے ہمارے ہاتھوں سے بیگ اور بریف کیس لے لیے۔

ہوٹل میں شام کی چہل پہل شروع ہوچکی تھی۔ اس بھیڑ میں، میں خاموش ہی رہا لیکن جب پورچ میں ایک کنارے سے کھڑی ہوئی گاڑی میں ہمارے سفر کا آغاز ہوا تو میں خاموش نہ رہ سکا۔

"تم کہاں رہ گئے تھے؟" میں نے تیزی سے پوچھا "ہم چار بجے سے تمہارا انتظار کررہے تھے۔"

"سر! ٹکٹ تو میں نے تین بجے بنوالیے تھے۔ سوچا کہ آپ آرام کررہے ہوں گے۔ ائرپورٹ سے بورڈنگ کارڈز لے کر ہی چلوں گا تاکہ آپ کا زیادہ وقت برباد نہ ہو۔"

"ہمارے آرام کے چکر میں یہ پرواز نکل جاتی تو کیا ہوتا؟" اول خان غرایا۔

"سر! ایسا کیسے ہوسکتا تھا۔" اس کی آواز میں معصومانہ بے چارگی سمٹ آئی "بورڈنگ کارڈز میرے پاس ہیں۔ جب تک آپ سوار نہیں ہوں گے، جہاز نہیں اڑے گا۔" اس نے بائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ چھوڑ کر اپنی رسٹ واچ دیکھی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا "چھ بج کر پچیس منٹ ہوئے ہیں۔ پندرہ منٹ میں ہم ائرپورٹ پر ہوں گے۔ پھر بھی بیس منٹ بعد جہاز چلے گا۔"

ہمارے تفکرات اپنی جگہ تھے، اس کا حساب اپنی جگہ تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس نے وہ حساب پہلے نہیں کیا تھا ورنہ ہمارے پاس پہنچنے میں مزید بیس منٹ کی دیر کردیتا۔

اسلام آباد ائرپورٹ پر اس نے سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی وی آئی پی لاؤنج کے قریب روکی تو اسی کے محکمے کا کوئی آدمی لپک کر ہماری طرف آیا، دروازے کھول کر پورے احترام سے ہمیں اتارا گیا اور نووارد نے سلام کرکے ہمارے دونوں عدد اٹھالیے۔ ہمیں..... لانے والا پیشانی پر کوئی شکن لائے بغیر سلام کرکے اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ جانے سے پہلے اس نے ہمارے ٹکٹوں کے خالی کور اور بورڈنگ کارڈز نووارد کو دے دیے تھے۔

نیچی چھت والے ایرکنڈیشنڈ وی آئی پی لاؤنج میں متعدد اخباری نامہ نگار اور فوٹو گرافر ادھر اُدھر بیٹھے گپ شپ کررہے تھے۔ ہم ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے شیشے کی عقبی دیوار کی طرف گئے۔ باہر ایک کار ہماری منتظر تھی۔ نووارد زمینی میزبان سے کارڈز کے بقیہ حصے لے کر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ہم دونوں اس سے پہلے ہی عقبی نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔

وہ سیڑھیاں طے کرکے ہمیں جہاز کے دروازے تک

وہ حد سے زیادہ ہی تخیل پرست ہے۔

اکیلا ہی سینما ہال میں جا بیٹھتا اور فرض کرلیتا کہ اپنی محبوبہ کے ساتھ آیا ہوا ہے۔ اپنے آپ سے سرگوشیاں کرتا رہتا اور خود ہی جواب بھی دیتا ہے۔ اپنا ہی ہاتھ پکڑ کر سہلاتا رہتا ہے... حتیٰ کہ کبھی حد سے بڑھنے لگے تو خود ہی اپنے منہ پر تھپڑ بھی مارلیتا ہے۔

○☆○

پہلا سیلزمین:۔ تمہیں یقیناً سیلزمین کے طور پر کام کرتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔

دوسرا سیلزمین:۔ آپ نے کیسے اندازہ لگایا؟

پہلا سیلزمین:۔ قیمتیں بتاتے وقت تمہارے ماتھے پر پسینہ آجاتا ہے۔

○☆○

بٹ صاحب کی بیگم نے ایک روز بٹ صاحب سے شکوہ کیا "آپ مجھے گھمانے پھرانے نہیں لے جاتے۔"

"میں شادی شدہ عورتوں کو گھمانے پھرانے کا قائل نہیں ہوں۔" بٹ صاحب نے جواب دیا۔

چھوڑنے آیا۔ ہم جہاز میں سوار ہونے والے آخری مسافر تھے۔ ہمارے انتظار میں جہاز کا عملہ بہت مضطرب تھا۔ ہمارے پہنچنے پر فضائی میزبانوں کے چہروں پر اطمینان نظر آنے لگا۔

ٹریفک کی وجہ سے ہمیں ائرپورٹ پہنچنے میں کچھ زیادہ وقت لگا تھا۔ ہم اپنی جگہوں پر بیٹھے ہی تھے کہ جہاز کے انجن چل پڑے۔

مجھے اس روز پہلی بار تجربہ ہوا کہ وی آئی پی مسافر کیا ہوتا ہے اور اسے سفر سے پہلے کیا کیا رعایتیں حاصل ہوتی ہیں۔ میرے لیے بس اتنا ہی کافی تھا کہ ہماری وجہ سے پرواز کی روانگی میں تاخیر نہیں ہوئی تھی۔

طیارہ جب تک رن وے پر موجود رہا' میرا ذہن اسلام آباد کے معاملات میں الجھا رہا۔ آئی بی والے ذہین' مستعد اور معاملہ فہم لوگ تھے۔ انہیں پیچیدہ ترین معاملات کو نمٹانے کا گہرا تجربہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ رابن مائر کی موت سے جنم لینے والے پہلو دار مسائل آخر کار پُرعزت انداز میں حل ہوجائیں گے۔

طیارہ رن وے چھوڑ کر فضا میں بلند ہوا تو میرا ذہن خود بہ خود کراچی کی طرف بھٹک گیا۔

"خاموش بیٹھے کیا سوچ رہے ہو؟" طویل خاموشی کے بعد اول خان نے مجھے چھیڑا۔

"یہی سوال میں تم سے بھی کرسکتا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ دفترِ خارجہ میں امریکیوں کے ساتھ ہونے والا اجلاس ختم ہوچکا ہوگا۔ نئے شواہد کی روشنی میں امریکی ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے ہوں گے۔"

"میں کراچی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ تمہارے آدمی ایک قیدی پر قناعت کیے بیٹھے ہوں گے یا انہوں نے داؤد پر ہاتھ ڈال دیا ہوگا؟"

"ان کے لیے داؤد پر ہاتھ ڈالنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ایک مرتبہ انہیں اس کا کوئی سراغ مل گیا تو وہ اسے قبر میں سے بھی نکال لائیں گے۔"

"ایسی صورت میں' میں ائرپورٹ سے اسٹیشن فور ہی جاؤں گا۔ ایک مرتبہ گھر چلا گیا تو وہاں سے واپس لمبی دوڑ لگانے کا موڈ نہیں بنے گا۔"

اول خان ہنس دیا "میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اپنے دفتر سے ہوتا ہوا گھر جاؤں گا۔ آج پشاور سے میرے بیوی بچے واپس آنے والے تھے۔ ان میں گھرنے کے بعد دفتر کل پر چلا جائے گا۔"

"تمہارے بچے آرہے تھے اور تم اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے تھے" میں نے حیرت سے کہا "تم اسلام آباد کا پروگرام ایک دن کے لیے ملتوی کرسکتے تھے۔"

"میں آج کا کام کل پر ٹالنے کا قائل نہیں ہوں۔ ہمارے اس سفر کے نتائج دوررس ہوسکتے تھے۔ اسی لیے میں نے التوا مناسب نہیں سمجھا لیکن تم نے دیکھ لیا کہ میں نے اسلام آباد میں مزید قیام کے لیے جلال کے باس کی ہر پیشکش کو رد کردیا۔"

"اب میں سمجھا کہ تم آج ہی کراچی واپسی پر کیوں زور دے رہے تھے۔"

"میری بیوی سمجھ دار ہے۔ ٹیکسی لے کر گھر آگئی ہوگی۔ میری اس سے زیادہ غیر حاضری ان سب کو گراں گزرتی۔ اب میں دونوں جانب سے سرخ روئی محسوس کررہا ہوں۔"

وہ فرض کو عبادت کا درجہ دینے والوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے گھر بار کو کبھی اپنے کاموں پر ترجیح نہیں دی تھی۔ میں اس کے اس عظیم جذبے کو صرف خراجِ تحسین ہی پیش کرسکتا تھا۔

کراچی میں لینڈنگ سے پہلے میں نے ایک عرصے کے بعد اس روشن شہر کا فضائی نظارہ کیا۔ جہاز جوں ہی بادلوں کے پردے چیر کر نیچے آیا' تاحدِ نظر روشنیوں اور روشن غبار کا ایک جال سا بکھرا ہوا نظر آنے لگا۔

ہمارے پاس دستی سامان کے سوا کچھ نہیں تھا۔ طیارہ اترنے کے بعد ہم رکے بغیر باہر نکلتے چلے گئے۔ چند منٹ بعد ایک ٹیکسی ہمیں اسٹیشن فور لیے جارہی تھی۔

رات کے اندھیرے میں اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ والے اول خان کو نہ دیکھ سکے۔ ٹیکسی رکنے پر جوں ہی ایک گارڈ قریب آیا' اول خان نے اونچی آواز میں اس سے کچھ کہا۔

گارڈ نے مستعد ہوکر اسی ناقابلِ فہم لہجے میں کوئی مختصر سی بات کہی اور رکاوٹ ہٹانے چلا گیا۔

"داؤد آچکا ہے!" اول خان نے سرگوشیانہ لہجے میں مجھے آگاہ کیا اور مجھے بے اختیار رویرا کا ایک تازہ فقرہ یاد آگیا۔ اس نے کہا تھا کہ کام میرے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اسلام آباد کے بعد کراچی میں بھی بالکل وہی صورتِ حال تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کے حوالے سے ایک نام نہاد بین الاقوامی تنظیم فریڈم انٹر نیشنل پاکستان میں اقلیتوں کے انسانی حقوق کی پامالی کا واویلا مچا رہی ہے۔ اسلام آباد میں ہمیں کراچی سے خبر ملی کہ ۔۔۔۔ ایئرپورٹ پر مشکوک افراد کا تعلق داؤد سے تھا جو پرائز بانڈ کی پرچیوں کے علاوہ چھوٹے بڑے جرائم بھی کرتا تھا۔ ہماری اسلام آباد سے واپسی تک داؤد کو اسٹیشن لور پہنچایا جا چکا تھا۔ تشدد کے بعد اس نے بتایا کہ اسے ٹیلی فون پر ایک نامعلوم شخص نے پہلے موہنی پنڈت کی لاش اور پھر ایئرپورٹ کی نگرانی کرنے کا کام پچاس ہزار روپے کے عوض سونپا تھا۔ داؤد اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی رہائی سے بہت خوف زدہ تھا' اسے ڈر تھا کہ وہ مار دیا جائے گا۔ اول خان نے بتایا کہ ایجنسیوں نے فریڈم انٹر نیشنل کو کلیرنس دے دی ہے۔ ٹیلی فون ڈپارٹمنٹ میں اول خان کے دوست کے ذریعے ہمیں داؤد کو موصول ہونے والی کالوں کے ریکارڈز سے مائیکرو آٹوز کا علم ہوا۔ اپنے بارے میں داؤد کا خدشہ درست ثابت ہوا اور وہ ہم سے رہائی حاصل کرنے کے ۲۴ گھنٹوں کے اندر مار ڈالا گیا۔ اسی دوران میں انکشاف ہوا کہ مائیکرو آٹوز اور فریڈم انٹر نیشنل ڈیفنس کے علاقے میں ایک ہی عمارت میں واقع ہیں۔ داؤد کے قتل کے بعد اس عمارت پر کارروائی کا فیصلہ کیا گیا۔ منصوبے کے مطابق ہم سب ڈیفنس پہنچے تو اس علاقے میں دھوئیں اور شعلوں کے بادل دور سے نظر آ رہے تھے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

گاڑی آگے بڑھنے کے ساتھ وہاں کی صورتِ حال قدرے واضح ہو گئی۔ بجلی کے تاروں میں کسی خرابی کے باعث کھمبوں پر نصب ایک ٹرانسفارمر جل رہا تھا۔ اس میں بھرے ہوئے تیل کے اخراج کے سبب فضا میں کثیف دھوئیں کے بادل بھرے ہوئے تھے۔ اس خرابی کی بنا پر آس پاس کا علاقہ تاریکی میں ڈوب گیا تھا جس کی وجہ سے منظر کچھ زیادہ ہی گمبھیر نظر آ رہا تھا۔

دور سے وہ سب دیکھتے ہی میرے ذہن میں سب سے پہلے اس اندیشے نے سر ابھارا تھا کہ کہیں ہماری مطلوبہ عمارت آگ کی زد میں نہ آ گئی ہو مگر قدرے قریب پہنچتے ہی وہ اندیشہ رفع ہو گیا۔

بجلی کے کھمبوں پر آہنی سہاروں پر رکھے ہوئے ٹرانسفارمر میں جلنے کے لیے تیل اور موٹے موٹے تاروں پر چڑھے ہوئے پی وی سی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ سب لوہے' المونیم اور تانبے کا ڈھیر تھا۔ وہ برقی آلات کی آگ تھی اس لیے خوف کی وجہ سے کسی نے اسے بجھانے کی کوشش نہیں کی' بس تماشائی دور کھڑے خوف اور حیرت سے سارا منظر دیکھتے رہے اور چند لمحوں بعد ہی شارٹ سرکٹ سے پیدا ہونے والے شعلے' چنگاریوں میں بدل کر معدوم ہوتے چلے گئے۔ فضا میں دھوئیں کے ساتھ جلے ہوئے تاروں کی تیز بدبو باقی رہ گئی۔

سڑک سے جو راستہ سیدھا مائیکرو آٹوز کی طرف جاتا تھا۔ وہ بھیڑ کی وجہ سے مسدود تھا۔ حامد نے بھی تماشا دیکھنے کے انداز میں ٹویوٹا ایک کنارے سے لگا کر روک لی۔

''کیا ارادہ ہے؟'' اندھیرے میں اول خان کا سرگوشیانہ سوال گونجا اور میں چونک پڑا۔ اوور لوڈنگ یا شارٹ سرکٹ کے نتیجے میں رونما ہونے والے واقعے کے نظارے میں محو ہو کر ذرا سی دیر کے لیے میں بالکل بھول بیٹھا تھا کہ ہم لوگ اس وقت اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی تلاش میں وہاں آئے تھے۔

''ادھر بھیڑ ہے..... گاڑی آگے لے جاؤ۔ اندر کی گلیوں سے ہو کر ہم اس عمارت تک پہنچ سکتے ہیں۔'' میں نے عقابی نظروں سے قرب و جوار کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''اندھیرے کی وجہ سے کوئی گڑبڑ ہو سکتی ہے۔'' ویرانے مجھے یاد دلایا۔

''کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی۔ میں اس اندھیرے کو غیبی تائید سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

حامد اس دوران میں گاڑی آگے بڑھا چکا تھا۔ چند میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے جگہ نظر آ گئی اور اس نے اپنی گاڑی بائیں طرف موڑ کر' مین روڈ سے توحید کمرشل کی حدود میں داخل کر دی۔

گاڑی مڑتے ہوئے میں نے گردن گھما کر دیکھا تو سلطان شاہ کی گاڑی کچھ فاصلے سے ہمارے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

چند موڑ کاٹنے کے بعد ہم اندرونی تنگ سڑکوں سے گزرتے ہوئے مائیکرو آٹوز کے قریب پہنچ گئے۔ اس رخ پر پہنچنے کے بعد مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جلا ہوا پول ماؤنٹیڈ ٹرانسفارمر یا پی ایم ٹی مائیکرو آٹوز والی عمارت سے قدرے دور تھا۔ چنگاریاں وغیرہ گرنے کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد بھیڑ ان کھمبوں کے قریب سمٹ چکی تھی۔

حامد نے ایک خالی جگہ دیکھ کر گاڑی پارک کی اور انجن بند کر دیا۔

اس وقت رات کے بارہ بجنے میں کچھ دیر باقی تھی۔ علاقے کی بیشتر دکانیں اور دفاتر وغیرہ بند ہو چکے تھے۔ فاسٹ فوڈ کی دکانوں میں جنریٹروں کے ذریعے روشنی بحال کی جا رہی تھی۔ وہاں جتنی بھی بھیڑ تھی' وہ خورد و نوش کی دکانوں کے گاہکوں یا کمرشل ایریا کی اوپری منزلوں پر رہنے والوں کی تھی۔ کچھ لوگ شاید اس حصے سے بھی دوڑے چلے آئے تھے جہاں برقی رو کی فراہمی کسی خلل کے بغیر جاری تھی۔

ہمارے درمیان پورا پروگرام پہلے سے طے تھا' چاروں نے بہ یک وقت اپنی نشستیں چھوڑ دیں۔ اول خان ہم سب سے آگے مائیکرو آٹوز کی عقبی گلی کی طرف ہو لیا۔

میں دانستہ اس عمارت کے قریب سے ہو کر گزرا۔ بند دروازے میں لگے ہوئے شفاف شیشے کے پیچھے ایک ٹارچ کی روشنی متحرک تھی۔ شاید اس عمارت کا محافظ جنریٹر چلانے کی فکر میں تھا۔

اول خان اندھیرے میں میجر عباسی والی بلڈنگ کے بند دروازے کے سامنے رک گیا۔ اس وقت بجلی کی فراہمی موقوف ہونے کے سبب پہلا مسئلہ سامنے آیا۔ کال بیل یا انٹرکام ناکام ہو چکا تھا۔ اول خان کو مجبوراً آہنی دروازے کا کنڈا بجانا پڑا۔ اندر سے فوری طور پر ایک بھاری اور تحکم آمیز آواز ابھری ''کون ہے؟''

''خان!'' اول خان نے اپنا پورا نام دہرانے سے گریز کرتے

ہوئے کہا۔

زینوں پر اترتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ ساتھ ساتھ اندر کوئی روشن ہالا بھی متحرک تھا۔ اس گھور اندھیرے میں ٹارچ وغیرہ کے استعمال کے بغیر میجر عباسی اپنے مہمانوں کے استقبال کے لیے خیریت سے نیچے نہیں اتر سکتا تھا۔ وہ ایک ذمے دار آدمی تھا اور اول خان سے پروگرام طے کر لینے کے بعد برقی تعطل کی پروا کیے بغیر اس کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے متعارف نہیں تھے لیکن فون پر ایک دوسرے کی آوازیں سن چکے تھے۔ اول خان نے آواز سن کر اسے اور اس نے اول خان کو پہچان لیا تھا۔

میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ دروازہ کھولنے کے بعد میجر عباسی نے ہم میں سے کسی کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالنے کی غلطی نہیں کی تھی۔ شاید اول خان نے اسے اپنے مشن کی اہمیت سے کسی حد تک آگاہ کر دیا تھا۔ اس نے روشنی کا دائرہ پختہ فرش پر مرکوز کر کے کہا "چاروں اندر آجاؤ۔"

چاروں کے اندر پہنچتے ہی اس نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا اور سرگوشیانہ آواز میں پوچھا "کیا اپنے کام کے لیے تمہیں پورے علاقے کو تاریکی میں ڈبونے کی ضرورت تھی؟"

واضح طور پر اس کا وہ سوال اول خان کے لیے تھا۔ اس نے جواب میں ویسی ہی دھیمی آواز میں کہا "یہ ہماری ضرورت نہیں تھی۔ بس ایک اتفاق ہے کہ تمہارا پی ایم ٹی جل گیا۔ اس علاقے کی بجلی کل رات تک بھی بحال ہو جائے تو خدا کا شکر اور کے ای ایس سی کا شکریہ ادا کرنا۔"

میجر عباسی کی بلڈنگ میں ہر فلور پر دو فلیٹ تھے۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے ان گھروں کے مکینوں میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ہم چاروں کو خاموشی سے ساری منازل سے گزار کر کھلی چھت پر لے گیا۔

"چھت کا دروازہ اندر سے بولٹ کر لو۔ کام پورا ہو جائے تو دروازہ کھول کر نکل جانا۔ میں یہاں موجود رہ کر خود کو کسی واقعے کا عینی شاہد نہیں بنانا چاہتا۔" یہ کہہ کر میجر عباسی فوراً ہی واپس چلا گیا۔

اس اثنا میں میری توجہ پڑوس والی چھت کی طرف مبذول ہو چکی تھی۔ دیواروں پر لگی ہوئی اونچی آہنی باڑھ کے پیچھے کھلی ہوئی چھت پر بھیڑیوں جیسے جسیم کتوں کا ایک جوڑا زبانیں باہر لٹکائے اور دُمیں گرائے موجود تھا۔ ہماری آہٹوں پر وہ کتے چونکے ضرور تھے مگر انہوں نے کسی غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

چھت کے ایک گوشے میں لفٹ کے لیے اونچا سا پختہ کمرا بنا ہوا تھا۔ اسی سے ملحق دوسرا کمرا شاید کتوں کے لیے کھلا ہوا تھا۔ ان دونوں کمروں کے سامنے والے کونے میں ایک اور بند کمرا تھا۔

مجھے عمارت کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا تھا اس کی روشنی میں وہ گردشی زینوں والا راستہ ہی ہو سکتا تھا۔

ہم چاروں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے تبادلۂ خیال کیا۔ ہر ایک ضروری سامان اور ہتھیاروں سے لیس اپنی جگہ تیار تھا۔

میں ڈارٹ گن لوڈ کر کے آہنی جنگلے والی اس دیوار کی طرف بڑھ گیا جو دونوں چھتوں کے درمیان حائل تھی۔

تاروں بھرے آسمان اور نیم روشن چاند کی روشنی میں دونوں کتوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ میری پیش قدمی جاری رہی تو وہ دونوں سرسہا کر ہلکی ہلکی غراہٹوں کے ساتھ آگے لپکے۔

اندھیرے میں ان کے کھلے ہوئے جبڑوں میں چمکتے ہوئے سفید دانت اور باہر لٹکتی ہوئی سرخ زبانیں بہت بھیانک نظر آنے لگی تھیں۔ درمیان میں مضبوط رکاوٹ ہونے کے باوجود میں لمحے بھر کے لیے پھریری لے کر رہ گیا۔

میرے اور ان کتوں کے درمیان مشکل سے دو تین قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا تو میں ٹھہر گیا۔ وہ جوڑی دانت نکوسے خوں خوار نظروں سے مجھے گھور کر ہلکی مگر غضب ناک آواز میں غرا رہی تھی۔

میں نے آہنی جنگلے کے درمیان سے ایک کتے کے کھلے ہوئے جبڑے کا نشانہ لے کر ڈارٹ گن چلا دی۔ ڈارٹ ٹھیک اپنے نشانے پر لگا اور ایک کتے کے حلق یا دہانے کے کسی حصے میں غائب ہو گیا۔ کھوکھلی سوئی پیوست ہوتے ہی ڈارٹ میں سے سریع الاثر زہر میرے پہلے شکار کے جسم میں داخل ہوا اور وہ اسی لمحے لڑکھڑا کر چھت پر ڈھیر ہو گیا۔ دوسرے کتے نے بس ایک مرتبہ اسے دیکھا اور پھر اس کے انجام کی پروا کیے بغیر دوبارہ اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہو گیا۔

اس بار وہ اگلے پنجوں پر بار بار لپک کر اپنی تھوتھنی جنگلے سے گزار کر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے صرف اتنی مہلت ملی کہ میں نے جلدی سے دوبارہ ڈارٹ گن لوڈ کی۔ اشتعال کے عالم میں اس کا جبڑا زیادہ کھلا ہوا تھا۔ وہ بھی آسانی سے میرا ہدف بن گیا۔

ادھر میں نے دوسرا ڈارٹ چلایا اور ادھر ویرا فوراً ہی اچھل کر دیوار کے کنارے پر چڑھی اور بہت پھرتی کے ساتھ جنگلے پر سے ہوتے ہوئے پنجوں کے بل برابر والی عمارت کی چھت پر اتر گئی۔ دونوں کتوں کے جہنم واصل ہو جانے کے بارے میں وہ اس قدر پُریقین تھی کہ اس نے ان پر ایک نگاہ ڈالنی بھی گوارا نہیں کی۔

ہم تینوں نے ایک ساتھ ویرا کی تقلید کی۔ آہنی سلاخیں تھام کر دیوار پر پنجے جمائے اور پھر کئی فٹ اونچے خاردار جنگلے کو عبور کر کے فریڈم انٹرنیشنل کی چھت پر پہنچ گئے۔

ویرا بڑھ کر وہ دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی جو بادی النظر میں گردشی زینوں کو چھت سے ملاتا تھا۔ وہ ایک پٹ والا فلش

ڈور تھا۔ اس وقت ویرا کی ماہرانہ حرکتیں قابلِ تحسین تھیں۔ اس نے پٹ کے اوپری اور نچلے حصے پر باری باری دباؤ ڈال کر اندازہ لگایا کہ دوسری طرف سے دروازہ بولٹ نہیں کیا گیا تھا۔ صرف مخصوص قفل کے ذریعے بند پٹ اپنی جگہ رکا ہوا تھا۔

ایسی کسی متوقع رکاوٹ کا سدِباب کرنے کے لیے ویرا کی جیب میں قفل شکنی کے نازک اور پیچیدہ اوزاروں کا ایک ہلکا سا گچھا موجود تھا۔ ہم تینوں کے پہنچنے تک وہ تالا کھولنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

دروازہ کھلنے سے پہلے بھی میں عمارت کے زیریں حصے میں کسی وزنی انجن کے چلنے کا شور اور ارتعاش محسوس کر رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کے بعد وہ آواز نمایاں ہو گئی۔

میں نے دروازے کے عقب میں نمودار ہونے والے تاریک خلا میں ٹارچ کی روشنی ڈالی ہی تھی کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے چہرے پر سرچ لائٹ مرکوز کر دی ہو۔ ہم چاروں ہی بھڑک کر پسپا ہوئے تھے مگر اگلے ہی لمحے ہمیں اصل حقیقت کا اندازہ ہو گیا۔

گراؤنڈ فلور پر مامور گن مین جنریٹر چلا چکا تھا۔ اس نے متبادل سوئچ آن کرکے پوری عمارت کی برقی رو بحال کر دی تھی۔ جس کے نتیجے میں زینے کی چھت میں لگا ہوا بلب یکایک روشن ہو گیا تھا۔

پروگرام کے مطابق اول خان اپنے ماتحت' حامد کے ساتھ چھت پر ہی رک گیا۔ عقبی دروازے کی نگرانی کے لیے سلطان شاہ' نزالہ کے ساتھ موجود تھا۔ تینوں پارٹیوں کے پاس لاسلکی مواصلاتی آلات موجود تھے مگر اس ابتدائی مرحلے پر ہم سلطان شاہ سے رابطہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ میں نے پنجوں کے بل پیش قدمی کرکے زینے پر قدم رکھ دیا۔ اس بار ویرا میرے پیچھے تھی۔

تاریکی میں ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوتا کہ ہم خود کو پوشیدہ رکھ کر محض آہٹوں وغیرہ کے سہارے عمارت میں اپنے حریف کی پوزیشن کا اندازہ لگا کر اسے گھیرنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ روشنی بحال ہو جانے کے بعد ہم وہ سبقت کھو چکے تھے۔ اور کسی بھی لمحے ہمارا دشمن سے سامنا ہو سکتا تھا۔

اول خان نے مائیکرو آنؤز میں خفیہ کیمروں کی مدد سے دیکھ بھال یا نگرانی کے بارے میں جو اظہارِ خیال کیا تھا' وہ میرے ذہن میں جم کر رہ گیا تھا۔ زینے طے کرتے ہوئے میں نے محتاط نظروں سے ہر طرف کا جائزہ لے ڈالا لیکن مجھے چھت پر یا دیواروں میں کہیں کوئی مشتبہ چیز نظر نہیں آئی اور ہم دونوں بے آواز قدموں سے زینے طے کرتے ہوئے عمارت کی تیسری منزل پر پہنچ گئے۔

ایک بند دروازے نے اس فلور کو زینوں سے الگ کیا ہوا تھا۔ لفٹ والا راستہ' دروازے کے پیچھے اور مرکزی عمارت میں واقع تھا جو ہماری نظروں سے اوجھل تھا۔

میں نے سنی سنائی تفصیلات کو اپنے ذہن میں تازہ کیا۔ تیسری منزل مقبول چوہدری کے رہائشی تصرف میں تھی۔ اس سے نیچے والے فلور میں مقبول چوہدری کے ماموں اور فریڈم انٹرنیشنل کے بانی کی رہائش گاہ تھی۔

ویرا نے بہت احتیاط سے دروازے پر مقدر آزمائی کی اور خلافِ توقع دروازے نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔

سامنے روشنی پھیلی ہوئی تھی لیکن ماحول پر گہرا سکوت طاری تھا۔ سامنے ہی لفٹ کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ دروازے کی داہنی جانب' لفٹ بلانے والا بٹن روشن تھا لیکن دروازے کے اوپر لفٹ کی پوزیشن والا مستطیل خانہ تاریک پڑا ہوا تھا۔ پتا نہیں چل رہا تھا کہ اس وقت لفٹ کہاں تھی۔

روشن کال بٹن سے اتنا ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ وہاں موجود جنریٹر لفٹ کا برقی بوجھ اٹھانے کی استطاعت رکھتا تھا۔ عمارت کی خصوصی تعمیر کی وجہ سے وہ بندوبست بڑی حد تک ناگزیر تھا۔

ہم دونوں نے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی تیزی سے

♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦

چوہدری صاحب اپنی بجیرو میں موٹروے پر جا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا' ان کا مزارع دینو اپنے گدھے کی رسی پکڑے پیدل چلا جا رہا تھا۔ انہوں نے ترس کھا کر گاڑی ایک طرف کرکے روکی اور دینو کو بٹھا لیا۔ گدھا دوڑتا ہوا پیچھے پیچھے آنے لگا۔ بجیرو کی رفتار پہلے پچاس ساٹھ کلومیٹر فی گھنٹا ہوئی پھر سو کلومیٹر سے تجاوز کر گئی۔ گدھا بدستور بھاگتا ہوا پیچھے آ رہا تھا۔

آخر رفتار سوا سو کلومیٹر ہوئی تو چوہدری صاحب بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے بولے "دینو! مجھے تمہارے گدھے کے بارے میں فکر ہو رہی ہے... اس کی زبان باہر لٹکی ہوئی ہے۔"

"کس طرف کو لٹکی ہوئی ہے صاحب جی؟" دینو نے پوچھا۔

"دائیں طرف... کو۔"

"بس تو پھر آپ اسی لین میں رکھیں.... وہ آپ کو اوور ٹیک کرنے والا ہے" دینو نے پیچھے دیکھے بغیر اطمینان سے کہا۔

♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠♠

دو مختلف جگہیں سنبھال لیں۔ ویرا کو وہیں رک کر لفٹ کی نگرانی کرنے کی ہدایت دے کر میں محتاط انداز میں اندر بڑھنے لگا۔

ضرورت نہ ہونے کے باوجود فیشن کے مطابق پورا فرش دبیز قالین سے ڈھکا ہوا تھا۔ پورے فلور کی مکانیت دو کشادہ بیڈ رومز، ڈرائنگ، ڈائننگ رومز اور لابی پر مشتمل تھی۔ ہر جگہ بیش قیمت فرنیچر اور دیگر آرائشی اشیا سجی ہوئی تھیں لیکن کہیں بھی کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔

دونوں خواب گاہوں کے بستروں کی بے شکن چادریں بتارہی تھیں کہ ان دنوں وہ کمرے کسی کے زیرِ استعمال نہیں تھے۔ فلور ویران ہونے کی وجہ سے میں نے پورے اطمینان اور باریک بینی سے ہر حصے کا جائزہ لے ڈالا لیکن کہیں بھی کسی کی موجودگی کے آثار ملے اور نہ ہی کوئی اور کار آمد چیز مل سکی۔

اس مہم میں ساری اہمیت ہماری دو نفری ٹیم کی تھی اس لیے کسی نے بھی ٹرانس میٹر استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے ویرا کے پاس واپس پہنچنے کے بعد بہت دھیمی آواز میں اول خان کو تازہ ترین پوزیشن سے آگاہ کردیا۔ یہ بات واضح تھی کہ میری وہ رپورٹ غزالہ اور سلطان شاہ نے بھی سن لی ہوگی۔

"اگر وہ فلور خالی ہے تو ہم نیچے آرہے ہیں۔" میری بات پوری ہونے پر اول خان نے کہا "ہمارے پہنچنے کے بعد تم نیچے اتر جانا۔ اس طرح ہمارے درمیان کم سے کم فاصلہ رہے گا۔"

اس کی تجویز معقول تھی۔ وہ ذرا سی دیر میں ہم سے آملے۔ میں اس دوران میں پُرتشویش نگاہوں سے لفٹ کا جائزہ لیتا رہا۔ ویرا مجھے بتاچکی تھی کہ وہ لفٹ کے دروازے پر طبع آزمائی کرچکی تھی۔ دروازہ مقفل تھا جس کا مطلب تھا کہ لفٹ اس فلور پر موجود نہیں تھی۔ میں اس وقت لفٹ کے ساتھ زیادہ چھیڑ چھاڑ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ کال بٹن دبانے پر جوں ہی لفٹ اپنی جگہ چھوڑ کر تیسری منزل کی طرف روانہ ہوتی، عمارت میں موجود ہمارے حریفوں کو اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرے کا اندازہ ہوسکتا تھا۔

میں نے تلاشی مکمل ہونے تک لفٹ کو بھولے رہنے کا فیصلہ کرلیا۔

اول خان اور حامد کو وہاں چھوڑ کر ہم دونوں زینوں کے ذریعے نچلی منزل کی طرف چل دیے۔

مجھے یقین تھا کہ چھت سے تیسری منزل پر پہنچنے کے بعد وہ دونوں چین سے نہیں بیٹھیں گے، اس فلور کے چپے چپے کی تلاشی لے ڈالیں گے۔ مکمل ذہنی ہم آہنگی کی وجہ سے ہم اس طرح کم از کم وقت میں اپنا کام مکمل کرسکتے تھے۔

چھت پر خوں خوار کتوں کی رکھوالی اور گراؤنڈ فلور پر گن مین کی موجودگی کی وجہ سے اس عمارت کے اندرونی دروازے مقفل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ دوسرے فلور میں ہمیں آسانی سے رسائی مل گئی۔ تعمیر کے اعتبار سے وہ منزل اوپر والے حصے سے مختلف نہیں تھی لیکن اس کی آرائش میں بہتر اور شستہ ذوق کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔

اس فلور کے رکھ رکھاؤ سے مکین کے ذوق کی نفاست اور پختگی کا اظہار ہو رہا تھا جس سے اس امر کی تصدیق ہو رہی تھی کہ وہ منزل مقبول چوہدری کے ماموں کے تصرف میں رہی ہوگی۔

لفٹ اس منزل پر بھی موجود نہیں تھی لیکن ایک خواب گاہ کا شکن آلود اور بے ترتیب بستر اعلان کر رہا تھا کہ وہاں کوئی نہ کوئی رہا تھا۔ سائڈ ٹیبل پر ہاتھی دانت کا بیش قیمت اور منقش لائٹر سگریٹ کے پیکٹ کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ ایش ٹرے میں خاصی راکھ کے ساتھ سگریٹوں کے مسلے ہوئے ٹوٹے موجود تھے۔

کمرے کی بند فضا میں دھوئیں کی تازہ بُو رچی ہوئی تھی۔ میں نے راکھ اڑائے بغیر ایش ٹرے کو سونگھا اور اندازہ لگالیا کہ وہ سب زیادہ پرانا نہیں تھا۔ اوپر سے وہاں تک، سب خواب گاہیں ہوا بند اور ایرکنڈیشنڈ تھیں لیکن موسم کی ہلکی سی خنکی کے سبب کہیں بھی ایرکنڈیشنر نہیں چل رہے تھے اور ہر بو اپنی اصل سمیت برقرار تھی۔

اسی سائڈ ٹیبل کے نچلے خانے میں متعدد دوائیں نظر آئیں۔ وہ سب زخموں وغیرہ کی مرہم پٹی سے متعلق تھیں۔ ان کی موجودگی اس امر کی غماز تھی کہ مقبول چوہدری اپنا فلور چھوڑ کر اپنے ماموں کی خواب گاہ پر قابض تھا۔ ایک خفیہ ایجنسی کے سادہ پوش، احتجاجی مظاہرین کے ہاتھوں تشدد کا شکار ہونے کے بعد وہ اسی کمرے میں پڑا اپنے زخموں کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ اس کے ملازمین کی طرف سے اس کے بیرونِ شہر جانے کی کہانی سراسر بے بنیاد اور لغو تھی۔ وہ یقینی طور پر اسی عمارت میں چھپا ہوا تھا۔

مقبول چوہدری کی موجودگی کی وہ روشن شہادتیں سامنے آتے ہی میرا دورانِ خون تیز ہوگیا۔ ہم اپنے مجروح شکار کے ساتھ ایک ہی عمارت میں موجود تھے لیکن یہ پتا نہیں تھا کہ وہ عمارت کے کس گوشے میں گھسا ہوا تھا۔

لمحے بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ وہ اندھیرا ہونے پر نیچے نہ گیا ہو۔ ایسا ہوا تھا تو جنریٹر کے ذریعے برقی رو کی فراہمی بحال ہونے کے بعد اسے اوپر آجانا چاہیے تھا۔ وہ کسی بھی لمحے، کہیں سے نمودار ہوسکتا تھا۔

دو سو گز کے کمرشل پلاٹوں پر بنی ہوئی دوسری عمارات کی طرح اکرم الٰہی کی وہ بلڈنگ زیادہ پیچیدہ نہیں تھی۔ میں چند منٹ میں تلاشی سے فارغ ہوکر اپنے فیصلے اخذ کرچکا تھا۔

میں نے ایک مرتبہ پھر ایرپیس پر اول خان سے رابطہ کیا اور اسے اپنے مشاہدوں سے آگاہ کیا۔ وہ بات کرتا ہوا، تیزی سے ہمارے پاس پہنچ گیا۔

"اب صرف فریڈم انٹرنیشنل کا دفتر باقی رہ جاتا ہے۔" اول

خان پُرتشویش آواز میں بڑبڑایا "زخمی حالت میں وہ وہاں کیا کر رہا ہوگا؟"

"نہ صرف وہ زخمی ہے بلکہ کچھ دیر پہلے یہاں گھور اندھیرا بھی تھا۔" ویرا الجھن آمیز لہجے میں بولی "فریڈم کے دفتر کے بعد نکاس کا عقبی راستہ ہے جہاں پہنچتے ہی ہمارا گن مین سے تصادم ہو سکتا ہے۔"

"قیاس آرائیوں میں وقت خراب مت کرو۔" میں نے اضطراری لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "اور میرے ساتھ آؤ۔ عمارت میں اس کی موجودگی کا سراغ مل جانے کے بعد ہمیں تلاشی کا عمل جلد از جلد مکمل کرلینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خطرہ بھانپ کر یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوجائے۔"

فریڈم انٹرنیشنل کا دفتر پوری منزل پر محیط تھا۔ قانونی کتب' ریکارڈ کی فائلوں اور کمپیوٹر سے آراستہ وہ دفتر بھی ویران پڑا ہوا تھا۔ وہاں ایجنسی کے سادہ پوش اہلکاروں کی طرف سے کی جانے والی توڑ پھوڑ کے سارے شواہد جوں کے توں موجود تھے۔ مقبول چوہدری کا وہاں بھی کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

اکرم الٰہی کی خواب گاہ میں مقبول چوہدری کے مقیم ہونے کا ثبوت مل جانے کے بعد یہ بات پریشان کن تھی کہ عمارت کی تینوں منزلوں پر اس کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اگر مائیکرو آٹوز کسی خفیہ راستے کے ذریعے بقیہ عمارت سے منسلک تھا تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ وہ اتنی رات گئے وہاں کیا کرنے گیا ہوگا۔

وہ گتھی مقبول کا گن مین ہی سلجھا سکتا تھا لیکن بھڑکے ہوئے اس بھیڑیے کا سامنا کرنا' خودکشی سے کم نہیں تھا۔ عمارت کی حدود میں کسی بھی اجنبی کا سایہ دیکھ کر وہ اندھا دھند فائرنگ شروع کر سکتا تھا۔

پوری عمارت کی چھان بین کے بعد ہم پہلی منزل پر لفٹ کے سامنے جمع ہو چکے تھے۔

"اگر مقبول اس وقت بھی عمارت کے کسی حصے میں موجود ہے تو چوکی دار کو بھڑکانے سے ہمارا کھیل بگڑ جائے گا۔" ویرا نے فکر مندانہ لہجے میں رائے دی۔

"ہم ایک بند گلی کے سرے پر پہنچ چکے ہیں۔" میں نے کہا "اس سے نکلنے کا راستہ وہی بتا سکتا ہے۔ ہمیں خطرہ مول لے کر اس پر قابو پانا پڑے گا ورنہ ہماری یہ مہم ناکام ہوجائے گی۔"

"تم اس کے جسم کے کسی حصے پر بیم گن فائر کرکے خاموشی سے اسے معذور کرسکتے ہو۔"

ویرا کی اس تجویز پر میں نے سختی سے کہا "بیم گن کے استعمال سے میں بچنا چاہ رہا ہوں۔ یہ ہر موقع پر ہماری موجودگی کا اشتہار بنتی رہی ہے....."

"ویسے بھی بیم گن ضرور بے آواز ہے مگر زخمی ہونے کے بعد گن مین آسمان سر پر اٹھالے گا۔" میری بات پوری ہونے سے

پہلے اول خان بول پڑا "ہیم گن کی زد پر لینے کے لیے ہم میں سے کسی کو اس کے سامنے جانا ہوگا۔ اس نے پہلے گولی چلا دی تو تم سمجھ سکتے ہو کہ کیا ہوگا۔"

حامد سعادت مندی کے ساتھ خاموش کھڑا ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے مگر اول خان کے ادب کی وجہ سے خاموش ہے۔ میں نے فوراً ہی اس کا حوصلہ بڑھایا "دکھو.... تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس وقت تم بھی ہمارے مشوروں میں برابر کے شریک ہو۔"

"سر! میرے پاس بلیو ڈارٹس ہیں۔" اس نے اول خان کی طرف متوجہ ہو کر جھجکتے ہوئے زبان کھولی "میں کوئی کھٹکا کر کے اسے اپنی طرف متوجہ کر لوں تو وہ نشانے پر آتے ہی بے ہوش کیا جا سکتا ہے۔"

"یہ بہترین ترکیب ہے۔" اول خان بے ساختہ بول پڑا "دو گھنٹے بعد وہ ہوش میں آجائے گا اور ہم اس کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

مجھے یاد آیا کہ کتوں کو ہلاک کرنے کے لیے میں نے جو ڈارٹ شاٹس استعمال کیے تھے، ان کا رنگ سرخ تھا۔ وہ ڈسپوزیبل سرنج کی طرح شفاف تھیلیوں میں پوری احتیاط سے پیک تھے۔ ان کے برعکس نیلے ڈارٹ شاٹس شاید کسی بھی انسان یا حیوان کو ایک معینہ مدت کے لیے بے ہوش کرنے کے لیے استعمال کیے جا سکتے تھے۔

"یہ کام میں کروں گی۔" ویرا نے رضاکارانہ پیشکش کی "خوں خوار ترین مرد بھی اپنے نشانے پر کسی عورت کو پاتا ہے تو لمحہ بھر کے لیے ہچکچا کر رہ جاتا ہے اور میرے لیے وہی ایک لمحہ کافی ہوگا۔"

میں نے ویرا کی اس پیشکش پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ڈارٹ گن میرے پاس تھی، حامد نے بلیو ڈارٹ شاٹ دیا اور ویرا گن لوڈ کر کے دبے قدموں زینوں کی طرف بڑھ گئی۔

میرے ذہن میں رہ رہ کر ایک بات چبھ رہی تھی۔ عمارت کی اوپری تینوں منزلیں بالکل خالی تھیں مگر ہر فلور پر کم از کم اتنی روشنی موجود تھی کہ مزید روشنی کیے بغیر ہر چھوٹی بڑی چیز آسانی سے دیکھی جا سکتی تھی۔ تمام سوئچ پہلے سے آن تھے اور جنریٹر کا سوئچ آن ہوتے ہی ساری روشنیاں جل اٹھی تھیں۔

وہ حقیقت صرف ایک سبب کی نشان دہی کر رہی تھی کہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے مقبول وہیں کہیں موجود تھا۔ وہ کسی کام یا ضرورت کے تحت عمارت کے کسی نامعلوم حصے میں گیا تو اس نے روشنیاں کھلی چھوڑ دیں۔ بجلی گئی اور جنریٹر کے ذریعے بحال ہو گئی، عمارت تاریکی سے دوبارہ اجالے میں آگئی لیکن مقبول واپس نہیں آیا۔

زینوں کی طرف سے ایک بلی کی بھرائی ہوئی میاؤں سن کر میں چونک پڑا۔ عمارت میں داخلے کا ہر راستہ مسدود تھا۔ ہم نے کہیں کوئی بلی نہیں دیکھی تھی، وہ یقیناً ویرا کی حرکت تھی۔

"شش.... اوئے، گدھے کا بچہ.... تم ادر کیسے آگیا۔" نیچے سے گن مین کی غصیلی آواز ابھری۔

دوسری بار ویرا کی میاؤں زیادہ رسیلی تھی۔ اس مرتبہ اس نے ایک حیرت ناک حرکت کی، پہلی آواز دبتے ہی ایک غراتی ہوئی، جارحانہ میاؤں کی۔ کوئی بھی ناواقف شخص ان دونوں آوازوں کو سن کر یہی سمجھ سکتا تھا کہ سیڑھیوں کے کسی حصے میں بلیوں کا کوئی جوڑا اپنے ازدواجی معاملات پر تبادلۂ خیال میں مصروف ہے۔

ایک کی جگہ دو آوازیں سن کر گن مین کی کھوپڑی سنک گئی۔

"خدائی خوار، گھر کو پلید کرے گا.... پتا نہیں کدر سے آگیا.... صاب امارا بوٹی کھا جائے گا۔" اس کی قریب آتی ہوئی آواز میں حیرت اور غصے کا ملا جلا امتزاج تھا۔

گن مین کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ بلیوں کے دو طرفہ مکالموں کی خالق کوئی لڑکی ہو سکتی ہے۔ وہ غالباً اپنی گن نکالے بغیر بھنا کر زینوں کی طرف بڑھا تھا تاکہ لات مار کر مفروضہ بلیوں کو کسی طرف سے باہر نکال سکے۔

"گڈ! تم بہت اچھے اور بے ضرر بلے ہو۔" ویرا کی طنزیہ سی سرگوشی گونجی۔ شاید اس فقرے کے ذریعے اس نے مقبول کے گن مین کو اپنے نشانے پر لانے کی کوشش کی تھی۔ جنریٹر کے شور میں بھی اس کی آواز واضح تھی۔

زینے میں ڈارٹ گن فائر ہوتے ہی شپ کی ہلکی سی آواز ابھری اور ویرا اندر لوٹ آئی۔ گن مین کے گرنے سے پہلے اس کی ایک سسکی سنائی دی تھی جو جنریٹر کی آواز میں بھی نہیں دب سکی تھی۔

"گن بہت طاقت ور ہے۔ ڈارٹ گردن پر لگتے ہی اس کے بدن میں اتنا محلول سرایت کر گیا کہ وہ کوئی آواز نکالے بغیر قالین پر ڈھیر ہو گیا۔" ویرا نے آتے ہی اطلاع دی۔

عمارت کی تینوں منزلیں خالی تھیں، گراؤنڈ فلور سے بھی خطرہ دور ہو چکا تھا۔ ہم چاروں تیزی سے مگر احتیاط کے ساتھ نیچے پہنچ گئے۔

نیچے پہنچتے ہی میری نگاہ دروازے کے شفاف شیشے پر پڑی اور میں اپنے ساتھیوں کو بائیں بازو سے دھکیلتا ہوا، دیوار سے جا لگا۔ اس وقت پورا علاقہ تاریک تھا جب کہ ہم روشنی میں تھے۔ باہر سے گزرنے والا کوئی بھی شخص ہماری بے خبری میں شیشے میں سے ہماری مشتبہ نقل و حرکت کا جائزہ لے سکتا تھا۔

ہم نے وہیں کھڑے کھڑے بہت پھرتی سے اس مختصر سے مستطیل کمرے کا جائزہ لے ڈالا۔ ایک طرف لفٹ تھی، دوسری طرف چکردار وہ زینہ تھا جس کے ذریعے ہم چھت سے گراؤنڈ فلور تک پہنچے تھے۔ ان دونوں کے درمیان، قالین پر، گن مین کی صاف ستھری سنگل مسہری اور کرسی تھی۔ شاید وہ اپنے کھانے پینے کا

بندوبست فریڈم انٹرنیشنل کے دفتری کچن میں کیا کرتا تھا کیونکہ گراؤنڈ فلور پر ایسی کوئی سہولت نظر نہیں آرہی تھی۔

وہاں جو کچھ تھا' نظروں کے سامنے تھا۔ اس میں کوئی خفیہ چیز نہیں تھی۔

گراؤنڈ فلور پر جنریٹر کا بہت زیادہ شور تھا پھر ہم وہاں محفوظ بھی نہیں تھے۔ میں نے جائزہ لیا تو گن مین کے بدن پر ہولسٹر یا چابیوں کا گچھا موجود نہیں تھا۔ بستر پر اس کی وہ دونوں چیزیں' پستول سمیت' سرہانے رکھی ہوئی تھیں۔

"بستر سے وہ چیزیں اٹھاؤ اور گن مین کو بھی زینوں سے اوپر لے جاؤ۔" میں نے اول خان کے کان کے قریب منہ لاکر کہا "میں اس کارروائی کے لیے روشنیاں گل کیے دیتا ہوں۔"

اندھیرے میں پیش آنے والی دقتوں کا مجھے اندازہ تھا مگر اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ بیرونی دروازے میں لگے ہوئے شفاف اور بلٹ پروف شیشے کی وجہ سے' اُجالے میں خود کو پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں تھا۔

میں زینوں کے نیچے جنریٹر تک پہنچا تو مطلوبہ سوئچ آسانی سے نظر آگیا۔ میں نے سوئچ بند کیا تو جنریٹر کی آواز تبدیل ہوئی اور پوری عمارت اندھیرے میں ڈوب گئی۔

میرے کان آہٹوں وغیرہ پر جمے ہوئے تھے' میں نے بس اتنا وقت لیا کہ وہ بے ہوش گن مین کو اٹھا کر چند زینے عبور کر سکیں۔ اسی وقت اوپر سے ایک سخت اور اشتعال آمیز..... آواز گونجی۔

"ابے' طور خان! بجلی کے ساتھ کیا آنکھ مچولی کر رہا ہے؟" وہ آواز مردانہ تھی اور میرے اندازے کے مطابق دوسرے فلور سے آئی تھی۔

لمحے بھر کے لیے میرے اوسان خطا ہوگئے۔ ہم خود اعتمادی کے چکر میں ایک خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہو چکے تھے۔ ہمارا حریف یا اس کا کوئی معاون ہماری بے خبری میں اوپر پہنچ چکا تھا۔ میرے آدمی بے ہوش گن مین کے ساتھ تاریک زینوں پر تھے۔ اگر میں فوری طور پر روشنی نہ کرتا تو وہ نامعلوم شخص حالات کا جائزہ لینے کے لیے زینوں پر آسکتا تھا۔ شاید میں اس کے نشانے سے بچا رہتا مگر میرے ساتھی پوری طرح اس کی زد میں آسکتے تھے۔

وہ کوئی محفوظ حل نہیں تھا مگر میں نے ذرا سی مہلت لینے کے لیے سوئچ آن کردیا۔ مجھے توقع تھی کہ روشنی بحال ہونے پر وہ شخص عارضی طور پر مطمئن ہوجائے گا اور اس دوران میں وہ تینوں بے ہوش گن مین کو لے کر پہلی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ زینوں کو چھوڑ دینے کے بعد وہ بہتر پوزیشن میں اپنے حریف کا مقابلہ کرسکتے تھے۔

روشنی ہوتے ہی میری نگاہ لفٹ کی طرف گئی۔ اس بار روشن مستطیل میں دو کا انگریزی ہندسہ روشن تھا۔ یعنی میرا اندازہ درست تھا۔ وہ جو بھی تھا' دوسری منزل پر ہی تھا۔

میں سانس روکے اپنی جگہ پر جما رہا۔ وہاں شور کے ساتھ انجن کی حرارت بھی ناقابلِ برداشت تھی مگر ہمارے لیے دو جگہوں پر بٹنا ضروری ہوگیا تھا۔

اوپر سے ابھرنے والی اجنبی آواز اول خان وغیرہ نے بھی سنی تھی۔ شاید انہوں نے اپنی رفتار بڑھالی تھی کیونکہ چند ہی لمحوں بعد زینے پر کوئی سایہ تک باقی نہیں رہا۔

میں اپنی جگہ سے نکلا اور بہت تیزی کے ساتھ' پنجوں کے بل سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔

وہ تینوں بے ہوش گن مین کو دروازے سے اندر لے جانے کے بعد فرش پر ڈال چکے تھے اور کسی تیز کارروائی کے خطرناک عزم کے ساتھ دوبارہ باہر نکلنے کی تیاری کر رہے تھے۔

"وہ دوسری منزل پر ہے۔" ویرا نے لفٹ کی طرف اشارہ کرکے اضطراری لہجے میں کہا۔

"پتا نہیں لفٹ کہاں تھی اور وہ اچانک کہاں سے نمودار ہوا ہے۔ تیاری کے ساتھ میرے پیچھے چلے آؤ۔" میرے ان الفاظ پر اول خان نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر میں اس کی بات سنے بغیر پلٹ کر دوسری منزل کی طرف ہولیا۔

ہم چاروں نے اس بار بھی پوری احتیاط سے کام لیا تھا لیکن ہمارے حریف کی چھٹی حس نے اسے کسی خطرے کا احساس دلا دیا تھا۔ ہم سے بڑی بے احتیاطی سرزد ہوئی تھی کہ ہم نے چھت کا دروازہ بند کردیا تھا لیکن نچلی منزلوں سے گراؤنڈ فلور کی طرف جاتے ہوئے ہم نے زینوں کے دروازے بند نہیں کیے تھے۔ اگر وہ دروازے بند رکھنے کا عادی تھا تو دوسری منزل پر لفٹ سے نکلتے ہی اس نے خطرہ بھانپ لیا ہوگا۔

وہ اندر جاکر بستر پر آرام کرنے یا باہر زینوں پر نکل کر حالات کا اندازہ لگانے کے بجائے اسی مختصر سی مشترکہ راہداری میں جما رہا جہاں لفٹ اور زینے کے دروازے آمنے سامنے کھلتے تھے۔

میں جوں ہی زینے سے کھلے ہوئے دروازے میں گھسا' اس نے اعشاریہ تین آٹھ بور کا مہیب' بے آواز ریوالور میرے اوپر تان لیا۔ اس کے مضروب چہرے اور بائیں کلائی پر بندھی ہوئی پٹی کی بنا پر میں نے فوری طور پر اندازہ لگالیا کہ وہی مقتول چوہدری تھا جو کچھ نام نہاد احتجاجی مظاہرین کے تشدد کا نشانہ بنا تھا۔

وہ دراز قد' وجیہہ اور خوش رو نوجوان تھا مگر اس کی چمکتی ہوئی عقابی آنکھوں اور خم دار پتلے پتلے ہونٹوں سے اس کی رنگین مزاجی جھلک رہی تھی۔

"وہیں رک جاؤ اور ہتھیار پھینک کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو!" اس نے لفٹ کے دروازے کے قریب سے سفاکانہ لہجے میں حکم دیا "ورنہ تمہیں گولی مار کر میں تمہاری لاش کھڑکی سے باہر پھینک دوں گا۔"

میرے پاس اس کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی متبادل راہ نہیں

تھی۔ میں نے اپنے ہاتھ میں موجود پستول نیچے، قالین پر گرا کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھالیے "یہ اتفاق ہے کہ میں اس وقت تمہارے رحم و کرم پر ہوں ورنہ میرے ساتھیوں نے تمہارے فرار کے دونوں راستے مسدود کیے ہوئے ہیں۔"

"تم کون ہو اور میرے گھر میں کیا لینے آئے ہو؟" اس نے اپنی نظریں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا۔

"بہت سے لوگوں کو یہ جان کر خوشی ہوگی تم بیرونِ شہر ہونے کے بجائے اپنے گھر میں ہی روپوش ہو۔ ہم بائیس افراد اسی شبے کی تصدیق کے لیے یہاں آئے تھے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ مقبول کا سامنا ہونے پر میرا ردِعمل دیکھتے ہی میرے تینوں ساتھی زینوں پر رک گئے تھے۔

"بائیس افراد....!" اس نے دہرایا پھر قدرے توقف کے بعد پوچھا "شاید اس علاقے میں اندھیرا تم ہی لوگوں نے کیا ہے۔ تمہارے آدمی کہاں کہاں موجود ہیں؟"

"کچھ نیچے طور خان کے ساتھ ہیں، کچھ چھت پر تمہارے خوں خوار کتوں کی رکھوالی کررہے ہیں۔" میں نے اسے مرعوب کرنے کے لیے قدرے وضاحت سے جواب دیا "ہوسکتا ہے کہ دو چار آدمی فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر کی تلاشی لے رہے ہوں۔ آج تمہارا وقت پورا ہونے والا ہے۔"

اس نے سرکتے ہوئے اپنی جگہ بدلی اور پھر میرے اوپر فائر کرتے ہوئے لفٹ کا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ اس نے عجلت میں نشانہ لیے بغیر گولی چلائی تھی اس لیے وہ چھت میں پیوست ہوگئی۔

بے آواز ریوالور سے پیدا ہونے والے سخت کھٹکے کی آواز نے سب کو مضطرب کردیا۔ میں تیزی سے لفٹ کی طرف لپکا تو بقیہ تینوں افراد بھی اندر گھس آئے مگر ہمارے پہنچنے سے پہلے لفٹ وہ فلور چھوڑ چکی تھی۔

مستطیل چند لمحوں کے لیے تاریک ہوچکا تھا۔ کال بٹن کے نیچے روشن ہوجانے والے تیر سے معلوم ہوا کہ لفٹ نیچے جارہی تھی۔ ویرا اچھل کر زینوں کی طرف دوڑ پڑی مگر میں وہیں رکا رہا۔ میں نے لفٹ کے کال بٹن پر انگلی رکھ کر اسے مسلسل دبالیا تھا تاکہ مقبول چوہدری کو اتارتے ہی لفٹ اوپر آسکے۔

مستطیل میں دو کے بعد ایک کا ہندسہ روشن ہوا اور بجھ گیا۔ لفٹ رکے بغیر نیچے جارہی تھی۔ ایک کے بعد انگریزی کا حرف جی بھی روشن ہو کر بجھ گیا۔ لفٹ گراؤنڈ فلور سے بھی رکے بغیر گزر گئی تھی۔

میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔ اگر لفٹ گراؤنڈ فلور سے بھی نیچے گئی تھی تو اس عمارت میں کوئی خفیہ تہ خانہ بھی تھا۔ کچھ دیر صبر آزما انتظار میں گزری۔ اس دوران میں مستطیل سے کچھ پتا نہ چل سکا کہ لفٹ کہاں رکی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ لفٹ کی آمد ظاہر کرنے والا تیر روشن ہوچکا تھا۔ اسی وقت ویرا ہانپتی ہوئی واپس آگئی۔

اس عمارت کے مکینوں کے سوا، دوسروں کو تہ خانے کے وجود سے بے خبر رکھنے کے لیے لفٹ کی موجودگی کی منازل کی نشان دہی کرنے والے برقی نظام سے تہ خانے یا "بی" کا حرف دانستہ حذف کردیا گیا تھا۔ جب ہم عمارت میں داخل ہوئے تو شاید مقبول تہ خانے میں ہی تھا اور لفٹ بھی وہیں رکی ہوئی تھی۔ جنریٹر چل جانے کے بعد وہ کسی وقت لفٹ سے دوسری منزل پر پہنچا اور مجھ سے ٹکراؤ کے بعد دوبارہ وہیں فرار ہوگیا۔

"تمہارا یہ مجرم ذرا بھی ذہین نہیں ہے۔" لفٹ کی آمد کا اشارہ روشن ہونے پر ویرا نے کہا۔

"تم نے اس سے ملے بغیر یہ اندازہ کیسے لگالیا؟" میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"وہ بوکھلایا ہوا ہے۔ ذرا سی بھی ذہانت استعمال کرتا تو تہ خانے میں لفٹ کے دروازے میں کوئی رکاوٹ اڑا دیتا۔ وہاں کا دروازہ بند نہ ہوتا تو لفٹ قیامت تک اوپر نہیں آسکتی تھی۔"

"یہ بات وہ بھی جانتا ہوگا مگر چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔" اول خان بولا "اپنے بھاگنے کی فکر میں اسے یہ یاد ہی نہیں رہا کہ ہمیں روک کر بھی وہ اپنا مقصد حاصل کرسکتا تھا۔"

مجھے باہر والی پارٹی کا خیال آیا اور میں نے فوراً اپریٹس پر بات شروع کردی "باہر ہوشیار رہو۔ ہمارا مطلوبہ آدمی کسی بھی لمحے باہر نکلنے کی کوشش کرسکتا ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ ہم پوری طرح تیار ہیں۔ وہ اندر سے نکلتے ہی پکڑا جائے گا۔ ضرورت ہوئی تو ہم اس کے خلاف طاقت بھی استعمال کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔" سلطان شاہ کی طرف سے جواب آیا۔

لفٹ آکر رکی اور ہم چاروں دروازہ کھول کر اندر گھس گئے۔ اندر پینل پر لفٹ کی منازل کے تعین کے چھ بٹن تھے۔ گراؤنڈ اور چھت سمیت اوپر کی منازل کے پش بٹنوں پر نمبر یا حروف موجود تھے گراؤنڈ یا جی سے نیچے والا بٹن سادہ تھا۔ دروازہ بند ہونے پر میں نے وہی بٹن دبادیا۔ لفٹ خفیف سے جھٹکے سے نیچے روانہ ہوگئی۔

مقبول چوہدری سے سامنا ہونے کے بعد پورا کھیل کھل کر سامنے آگیا تھا اس لیے ہم نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ دیا۔ وہ مجھ پر فائر کرکے بھاگا تھا، دوبارہ نظر آجاتا تو میں بھی اسے گولی کا نشانہ بنانے کا پورا حق رکھتا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ اپنے ناموں کے قائم کیے ہوئے اداروں کو اس قدر پُراسرار بلکہ مجرمانہ انداز میں کیوں چلا رہا تھا اور اس کی پشت پر کون لوگ تھے۔

لفٹ رکنے پر ہم دروازہ کھول کر باہر نکلے تو خود کو ایک تنگ سی جگہ میں پایا۔ اوپر کے مقابلے میں تہ خانے کی تعمیر کا انداز بہت مختلف تھا۔ ہم چاروں وہاں سے آگے بڑھے تو ایک کمرا نظر آیا۔

میں مقبول چوہدری کے تیور دیکھ چکا تھا اس لیے ٹھٹک کر رک گیا۔

"تم لوگ جو بھی ہو' بے خوف و خطر اندر چلے آؤ۔" کمرے میں سے ایک بھاری مردانہ آواز ابھری "مجھے معلوم ہے کہ مقبول تم سے خوف زدہ ہو کر بھاگا ہے۔ اس نے مجھے مہینوں سے یہاں قید کیا ہوا ہے۔"

اس شخص کے آخری الفاظ معنی خیز تھے۔ میں اپنی پارٹی کا قائد تھا اس لیے سب سے پہلے آگے بڑھ گیا۔

وہ کمرا کسی وقت بہت صاف ستھرا رہا ہو گا مگر اس وقت شدید بے توجہی کا شکار تھا۔ تہ خانے میں ریت کا گزر نہیں تھا مگر ہر چیز میلی نظر آرہی تھی۔ سامان بے ترتیبی سے قالین پر بکھرا ہوا تھا۔ اکلوتی مسہری کی چادر شکن آلود اور اتنی میلی تھی جیسے اسے مہینوں سے نہ بدلا گیا ہو۔

بستر کے قریب ایک وحشت زدہ' ادھیڑ عمر شخص کھڑا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے بہت میلے تھے۔ سر اور داڑھی کے کھچڑی جیسے بال بہت بے ترتیبی سے بڑھے اور بکھرے ہوئے تھے۔ بظاہر وہ آزاد تھا لیکن میں اس کی داہنی پنڈلی میں پڑا ہوا وہ آہنی حلقہ دیکھ چکا تھا جو ایک موٹی زنجیر سے بندھا ہوا تھا۔ زنجیر کا دوسرا سرا ایک مضبوط اور دیوار گیر کنڈے کے ساتھ مقفل تھا۔ زنجیر کی کل لمبائی چھ یا سات فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ مقبول کا وہ قیدی بس اتنی ہی دور تک آزادی سے نقل و حرکت کر سکتا تھا۔

کمرے کی چھت پر کسی انجن کے بیدار ہونے کا ہلکا سا ارتعاش محسوس ہوا تو ادھیڑ عمر قیدی ہذیانی انداز میں بول پڑا "وہ بزدل نکل گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ چور زینے سے بھاگ جائے گا...."

"مجھے راستہ بتاؤ.... وہ کدھر سے فرار ہوا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"اس دروازے کے پیچھے چور زینہ ہے جو گیراج کے دفتر میں نکلتا ہے..... وہ گیراج سے کوئی گاڑی لے گیا۔" وہ دونوں ہاتھ ملتے ہوئے غصے اور بے بسی کے ساتھ بولا۔

وہ مکالمے اس قدر بے ضرر بلکہ حوصلہ افزا تھے کہ بقیہ تینوں بھی اندر گھس آئے اور اول خان نے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی کہ شاید وہ مقبول کو روکنے میں کامیاب ہو سکے۔

میری دانست میں وہ کوشش بے سود تھی۔ میں اس وحشت زدہ قیدی کی طرف متوجہ ہوا جس کے بالوں کی سیاہی میں جا بجا سفیدی جھلک رہی تھی۔

"تم کون ہو؟" میں نے اپنے قیاس کو بھلا کر اس سے پوچھا "مقبول چوہدری سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟"

"دشمنی نہیں' اس سے میری قریبی رشتے داری ہے۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر چیخا "وہ حرام زادہ میرا بھانجا ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ اس قدر لالچی اور بد فطرت ہے۔"

"تم اکرم الٰہی ہو۔" ویرا نے حیرت سے پوچھا "لوگ تو کہتے ہیں کہ تم ملک سے باہر گئے ہوئے ہو۔"

"وہ کتے کا بچہ جو چاہے کہہ سکتا ہے... میں مہینوں سے یہاں سسک سسک کر جی رہا ہوں۔"

"مگر کیوں؟" اکرم الٰہی کی مظلومیت کے انکشاف نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"میرا جرم یہ ہے کہ وہ بے روزگار تھا' میں نے اسے اپنا گیراج سونپ دیا۔ کراچی میں وہ بے گھر تھا' میں نے بہت شوق سے بنائے ہوئے گھر کی پوری ایک منزل اسے دے دی... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں اپنی آستین میں سانپ پال رہا ہوں۔ میرے ٹکڑوں پر پلنے والا میرا سب کچھ چھین لینے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔"

اول خان عقبی دروازے سے واپس آپہنچا۔ ناکامی اس کے بشرے پر کندہ تھی۔ "وہ ایک اکارڈ لے کر نکل گیا۔" اس نے آتے ہی متاسفانہ لہجے میں اعلان کیا۔

"وہ نکل گیا لیکن بچ کر کہاں جائے گا۔" اکرم الٰہی نے مسہری پر بیٹھ کر منتقمانہ انداز میں کہا "تم لوگ مجھے اس قید سے نجات دلا دو تو میں اسے چیونٹی کی طرح پیس کر رکھ دوں گا۔"

"تمہارے کام پر قابض ہو کر اس نے بہت بدنامیاں کمائی ہیں۔" میں نے جواب دیا "اور یہ سارے برے کام تمہارے کھاتے میں جمع ہوتے رہے ہیں۔ ہم کیسے مان لیں کہ تمہارا دامن صاف ہے؟"

"میری حالت میری بے گناہی کا ثبوت ہے۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پورے اعتماد سے کہا "میں اس کے کالے کرتوتوں میں شریک ہوتا تو اس حال کو نہ پہنچا ہوتا۔"

اول خان نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے کہا "میرا خیال ہے کہ اکرم کو زنجیر کی قید سے آزاد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ ہمارے...."

"غور سے میری طرف دیکھو!" اکرم الٰہی نے زہریلی آواز میں دخل اندازی کی "مہینوں سے اُسترا اور قینچی تو دور کی بات ہے' میں نے صابن اور ٹوتھ پیسٹ کی صورت نہیں دیکھی۔ کمرا اور یہ باتھ روم میرا مقدر بنا ہوا ہے۔ میرے کتوں کو عزت سے راتب کھلایا جاتا ہے' مجھے دو وقت کی روٹی بھی بہت ذلت سے دی جاتی ہے۔"

"تمہاری ہر بات درست ہے لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مقبول نے تمہیں زندہ کیوں رکھا ہوا ہے۔" ویرا نے اعتراض کیا "وہ تمہارے کاموں پر قابض ہے' اس عمارت کا مالک بنا ہوا ہے' سب کو معلوم ہے کہ تم باہر گئے ہوئے ہو۔ تمہیں مار کر وہ کہہ سکتا ہے کہ تم امریکا یا آسٹریلیا میں بس گئے ہو۔"

اکرم الٰہی کا ہذیانی قہقہہ بہت خوف ناک تھا۔ ہنسی کا دورہ تھما تو اس نے کہا "یہ ملین ڈالر کا سوال ہے۔ مجھے زندہ رکھنا اس کی مجبوری ہے۔ مجھ سے براہِ راست بات کیے بغیر فورڈ فاؤنڈیشن والے

اسے ایک پیسے کی گرانٹ نہیں دیں گے۔ اندھیرا ہونے سے پہلے وہ مجھے اسی کام پر مجبور کر رہا تھا.... ہر بار یہی ہوتا ہے۔ میں انکار کرتا ہوں' وہ مجھ پر تشدد کرتا ہے' مجھے بھوکا رکھتا ہے اور زندہ رہنے کی خاطر میں جھک جاتا ہوں۔ اس نے میری یہ کمزوری پکڑلی ہے کہ اچھے دنوں کی آس میں' میں ہر قیمت پر زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

فورڈ فاؤنڈیشن ایک بڑا نام تھا جس کی پوری دنیا میں شہرت تھی۔ انسانیت کی فلاح اور تعلیم کے فروغ کے لیے بیش بہا خدمات کے ساتھ لوگ بعض مشتبہ معاملات میں بھی اس کا نام لیتے تھے لیکن امریکا میں قائم اس عالمی فلاحی ادارے کے خلاف کسی کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔

"فورڈ فاؤنڈیشن کے لیے تمہاری کیا اہمیت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پاکستان میں' میں نے ان کے مالی تعاون سے اس وقت فریڈم انٹرنیشنل کی داغ بیل ڈالی جب یہاں کے لوگوں کو شعور تک نہیں تھا کہ این جی اوز معاشرتی بہبود کے لیے کیا کرسکتے ہیں۔ میرے مقاصد نیک تھے۔ وہ میری ہر ضرورت پوری کرتے تھے مگر صرف میرے ذاتی مطالبے پر۔ میری آواز ان کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ کوئی اور اکرم الٰہی بن کر ان سے کوئی مدد نہیں اینٹھ سکتا۔ یہ مقبول کی مجبوری ہے۔ اسی وجہ سے میں زندہ ہوں۔"

"تھوڑی دیر پہلے وہ تم پر کیوں دباؤ ڈال رہا تھا؟" میرے لیے اکرم الٰہی کی گفتگو اچانک دلچسپ ہوگئی تھی۔

"یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ فاؤنڈیشن کے وسیع مالی وسائل کے غلط استعمال کے لیے سی آئی اے کے بہت سے ایجنٹ اس میں گھس گئے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مقبول چوہدری نے میری فریڈم انٹرنیشنل کے عظیم مقاصد کو پس پشت ڈال کر ان ایجنٹوں سے گٹھ جوڑ کرلیا ہے۔ وہ سی آئی اے کے ایجنڈے پر کام کررہا ہے اور میرے ذریعے فاؤنڈیشن سے بڑی بڑی رقمیں لوٹ رہا ہے۔"

"میرا سوال تازہ ترین معاملے کے بارے میں تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ رُستم ایرانی نامی کسی ایرانی مہاجر کے حقوق کا مسئلہ ہے۔" اکرم الٰہی اس معاملے کی سنگینی سے بے خبر تھا۔ وہ روا روی کے انداز میں بولنے لگا "وہ بہائی ہے اور اسے دباؤ ڈال کر مارا گیا ہے۔ اس کیس پر آواز اٹھانے کے لیے مجھے فاؤنڈیشن سے ایک لاکھ ڈالر طلب کرنے ہیں۔"

"اس بارے میں فریڈم انٹرنیشنل ایک بیان جاری کرچکی ہے۔" میں نے اپنی بات آگے بڑھائی "اگر فاؤنڈیشن والے تمہارا مطالبہ پورا نہ کریں تو وہ کیا کرے گا؟"

"وہاں میری شہرت بہت اچھی ہے' اب تک ایسا نہیں ہوا۔ میرا خیال ہے کہ سی آئی اے والے بہت چالاک ہیں۔ مقبول سے جو کام بھی لیتے ہیں' اس کے دہرے مقاصد ہوتے ہیں۔ وہ مجھے اپنے کاموں کے اچھے پہلو بتاتا ہے۔ مذموم خفیہ مقاصد اس کے اور اس کے آقاؤں کے علم میں ہوتے ہیں۔"

"تمہیں قیدی بنانے کے بعد وہ فاؤنڈیشن سے کتنی رقم بٹور چکا ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"اس ساؤنڈ پروف تہ خانے میں سورج کی روشنی کا گزر نہیں ہے۔ مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ اس نے یہاں سے سب گھڑیاں ہٹادی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ پچھلی بار میں نے پانچ لاکھ ڈالر مانگے تھے۔" اس نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"اس کے لیے کیا بہانہ تراشا گیا تھا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ایک پاکستانی بن کر سوچو تو بہت ذلیل اور گھٹیا مقصد تھا۔ گھروں سے آشناؤں کے ساتھ بھاگنے والی لڑکیاں اپنے ماں' باپ اور خاندان کی رو سیاہی کا باعث بنتی ہیں' خاندان اور معاشرے میں ہولناک ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے لیکن مقبول' عورت اور مرد کی انفرادی آزادیوں کے نام پر ایسے بھگوڑے جوڑوں کو قانونی مدد فراہم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا... یہ سب ہمارے ملک اور مذہب کے خلاف سی آئی اے کے منصوبے ہیں۔"

"اور تم نے اسے رقم دلوادی تھی!" میں نے ہلکی سی تلخی کے ساتھ سوال کیا۔

"میں مجبور تھا۔ فاؤنڈیشن کا وائس چیئرمین امریکی ہے۔ امریکا میں یہ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ شادی کے بغیر لاکھوں جوڑے اکٹھے رہتے ہیں' بچے پیدا کرتے ہیں اور پھر اپنی اپنی راہ پر ہولیتے ہیں۔ وہ ہماری طرح عورت اور مرد کے آزادانہ میل جول کو بری نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ وائس چیئرمین میرا پروگرام سن کر خوش ہوا تھا کہ پس ماندہ اور جاہل قوموں میں بھی ایسے اعلیٰ مقاصد کے بارے میں سوچا جانے لگا ہے۔"

"ابھی تک تم خود کو کسی فرشتے کی طرح معصوم اور بے گناہ ثابت کرتے رہے ہو!" ویرا بولی۔

"فرشتوں کے پاس پیٹ کا جہنم نہیں ہوتا۔" اس نے ویرا کے طنز کا جواب اسی لہجے میں دیا "مجھے زندہ رہنے کے لیے اس جہنم کو بھرنا پڑتا ہے۔ اس جہنم کی خوراک مقبول فراہم کرتا ہے۔ میں اپنی برداشت کی آخری حد تک مزاحمت کرتا ہوں۔ جب موت کا خوف ہیولوں کی صورت میں اپنے اردگرد نظر آنے لگتا ہے تو میں فرشتہ نہیں رہتا' آدمی بن جاتا ہوں۔" اس نے رک رک کر ایک گہرا سانس لیا پھر کہا "میرے پاس وقت کا حساب نہیں ہے' میں ایک نیند لیتا ہوں تو سمجھو کہ ایک رات گزر جاتی ہے۔ اس حساب سے چار دن ہوچکے ہیں' میں بھوکا ہوں۔ صرف نل کے پانی پر گزارہ کررہا ہوں۔"

اس کا حساب واقعی بگڑا ہوا تھا۔ شاید وہ اپنا زیادہ وقت بیداری کے عالم میں گزار رہا تھا پھر بھی ویرا اسے ٹوکے بغیر نہ رہ سکی "چار دن کے بھوکے ہو اور بڑی روانی سے بول رہے ہو۔"

ایک لمبی مدت کے بعد کسی ہمدرد کو اپنے سامنے دیکھا ہے..... میری قوتِ برداشت جواب دے چکی ہوتی تو اب تک میں نے کمینے مقبول کے سامنے سر جھکا دیا ہوتا...."

ویرا نے اس کی بات کاٹ دی "تم نے ہمیں اپنا ہمدرد کیسے سمجھ لیا؟"

"وہ تم لوگوں سے ڈر کر یہاں سے بھاگا ہے' اس کے چہرے پر خوف کی نحوست ناچ رہی تھی۔ اس کے ہر دشمن کو اب میں اپنا دوست اور ہمدرد سمجھتا ہوں..... تم میری بیڑی نہیں کھولو گی؟؟"

ویرا نے استفسار طلب نگاہوں سے میری اور اول خان کی طرف دیکھا اور ہماری نظروں میں رضا مندی کے اشارے پا کر وہ اس کی طرف بڑھ گئی۔

ویرا کے پاس قفل شکنی کے جملہ لوازم موجود تھے۔ اس نے بہت آسانی سے اکرم الٰہی کی داہنی پنڈلی کو تنگ آہنی کڑے سے نجات دلا دی۔ اکرم الٰہی نے اٹھ کر دیوانہ وار کمرے میں دوڑنا شروع کر دیا۔

اکرم الٰہی کی وہ حرکت اس قدر اچانک تھی کہ ہم سب ہی بوکھلا گئے۔ حامد نے اسے پکڑنے کے لیے دوڑ لگا دی۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" اکرم الٰہی دوڑتے دوڑتے بولا "میں کہیں نہیں جا رہا۔ تھوڑی دیر کے لیے مجھے اپنی مرضی سے دوڑ کر خوش ہو لینے دو۔ مجھے ایک مدت کے بعد یہ آزادی ملی ہے۔"

سب نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا مگر میں ترحم آمیز لہجے میں بولے بغیر نہ رہ سکا "اپنا یہ شوق اس بدبودار کمرے سے باہر نکل کر بھی پورا کر سکتے ہو۔"

بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ ہانپتے ہوئے ہمارے قریب رک گیا۔ اس کے بدن اور کپڑوں تک سے تیز بساند آ رہی تھی جو نتھنوں سے دماغ میں گھسی جا رہی تھی۔

تہ خانے سے نکلنے کے صرف دو راستے تھے۔ خفیہ زینے سے مائیکرو آٹوز کے راستے باہر نکل جانا یا لفٹ کے ذریعے اوپر کی کسی منزل تک پہنچنا۔ باہر بجلی کے مسئلے کی وجہ سے ویسے ہی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ اگر لوگوں میں یہ خبر پھیل جاتی کہ اکرم الٰہی بیرونِ ملک جانے کے بجائے اپنے تہ خانے میں قید تھا اور وہاں سے رہائی پا چکا ہے تو وہاں ایک جم غفیر لگ سکتا تھا۔ میں نے بہتر سمجھا کہ لفٹ استعمال کی جائے۔

چھوٹی سی لفٹ صرف چار افراد کے لیے کافی تھی لیکن اس میں ہم پانچوں سما گئے۔ اس تنگ جگہ میں' اکرم الٰہی کے وجود سے پھوٹنے والی بدبو ناقابلِ برداشت ہونے لگی تھی۔

دوسری منزل پر لفٹ چھوڑتے ہوئے اکرم الٰہی کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کا غلیظ وجود ہم سب کے لیے سخت ناگوار ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے باہر نکل کر ہم سے غسل خانے میں جانے کی اجازت چاہی۔ اس وقت تک ہم اس کی کہانی پر بڑی حد تک یقین کر چکے تھے۔ میں نے اسے غسل کرنے اور لباس بدلنے کی اجازت دینے کے ساتھ یہ تاکید بھی کر دی کہ وہ سر یا داڑھی مونچھوں کو تراشنے کی کوئی کوشش نہ کرے۔

ہم لوگ اپنے ذہنوں میں اس مہم کے اختتام کا جو خاکہ لے کر آئے تھے وہ یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔ مجرم صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اس کے خلاف سب سے بڑا گواہ ہماری تحویل میں تھا۔

میں اول خان سے باتوں میں مصروف تھا کہ ویرا اٹھ کر کہیں چل دی۔ اول خان نے فون پر اسٹیشن فور سے رابطہ کیا تو وہ غزالہ اور سلطان شاہ کو لیے' واپس لوٹ آئی۔

"یہاں اتنا کچھ ہو گیا اور ہمیں کانوں کان بھنک تک نہیں ملی۔" غزالہ نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہوئے شکوہ کیا "ہم دونوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے گاڑی میں سوکھ رہے تھے۔"

"تمہارے لیے مقبول چوہدری کو باہر بھیجا تھا مگر وہ گدھا غلط راستے سے نکل گیا۔" اول خان نے تمسخر سے کہا "اب مجھے یہاں رک کر اپنے آدمیوں کا انتظار کرنا ہو گا۔ تم لوگ یہاں سے بازیاب ہونے والے قیدی کو اپنے ساتھ لے کر گھر نکل جاؤ۔ وہ چند روز تک تمہارا مہمان رہے گا۔"

"کیوں؟" ویرا نے برا سا منہ بنایا "اسے اسٹیشن فور کیوں نہیں لے جاتے؟"

"حفاظت کے ساتھ اسے تھوڑی سی توجہ کی ضرورت بھی ہے۔" اول خان نے سنجیدگی سے وضاحت کی "یہاں سے ہاتھ آنے والے بقیہ افراد وہیں جائیں گے۔"

"یہاں رہا ہی کون ہے؟ چاہو تو بے ہوش گن مین کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دو۔" ویرا بولی۔

اول خان بے ساختہ ہنس پڑا "گیراج میں بھی دو گن مین ہیں۔ اکرم الٰہی ہمیں بتائے گا کہ ان میں سے کون کون مقبول کا وفادار رہا ہے۔"

"یہ عمارت اکرم ہی کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس سے یہ ضرور پوچھنا کہ اسے یہاں اس قدر حفاظتی انتظامات کی کیا ضرورت تھی۔" ویرا' اکرم الٰہی کے غلیظ و متعفن وجود سے شاید کراہت میں مبتلا ہو چکی تھی "پچھلا دروازہ کسی والٹ کے دروازے کی طرح فولادی ہے۔ اس کا سہ رخی قفل دو چابیوں کے استعمال سے کھلتا اور بند ہوتا ہے۔"

اکرم کو ایک مدت کے بعد غسل کرنے کی آزادی میسر آئی تھی۔ وہ ایک گھنٹے بھی غسل خانے میں گھسا رہتا تو کم تھا لیکن وہ غیر معمولی وقت لیے بغیر نہا دھو کر اور کپڑے تبدیل کر کے اپنی خواب

گاہ سے برآمد ہوا تو بڑی بڑی سنوری ہوئی زلفوں اور سینے تک لہراتی ہوئی داڑھی کی وجہ سے بزرگانہ مردانہ وجاہت کا پیکر نظر آرہا تھا۔
آتے ہی اس نے مسکرا کر ہمارے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے ”خدا کا شکر اور تم لوگوں کا شکریہ کہ آج مجھے یہ مبارک رات نصیب ہوئی جب میں دوبارہ آزاد ہوں۔“
”تمہاری جون ہی بدل گئی ہے۔“ ویرا نے مسکرا کر تبصرہ کیا ”نہا دھو لیے تو اب شکم سیری بھی کرلو تاکہ یہاں سے روانگی کے بارے میں سوچا جاسکے۔“
بھوک اس پر اتنی زیادہ غالب تھی کہ وہ ویرا کی دی ہوئی دعوت کو رد نہ کرسکا اور سیدھا ریفریجریٹر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اپنے لیے چند ڈبے اور برتن لے کر ڈرائنگ روم میں ہی آگیا اور ہماری موجودگی کی پروا کیے بغیر ندیدے پن سے ٹھنڈی خوراک پر ٹوٹ پڑا۔
”خدا کی پناہ!“ خاموشی سے پیٹ میں چند لقمے اتار لینے کے بعد وہ بولا ”وہ اپنے فلور سے زیادہ میرے فلور پر قابض تھا۔ اس نے میرے بیڈروم کا حشر خراب کیا ہوا ہے۔“
”تمہیں اس عمارت میں اتنے زیادہ حفاظتی انتظام کی کیا ضرورت تھی؟“ اول خان نے ویرا کا سوال پوچھا۔
”میں اکیلا رہتا ہوں۔ زندگی گزارنے کے لیے میرا ایک خواب تھا جو میں نے دو سو گز کے اس چھوٹے سے پلاٹ میں سمودیا۔ بجلی بند ہوتے ہی پوری عمارت، تہ خانے اور گیراج سے الگ تھلگ ہوجاتی ہے۔ بجلی آتی رہے تو لفٹ سے تہ خانے میں پہنچ کر زینوں سے گیراج میں پہنچا جاسکتا ہے۔ اس بلڈنگ میں، میں نے اپنے کاروبار، مشغلے اور رہائش کو بہت سوچ سمجھ کر یکجا کیا تھا۔“
”اور پچھلا بلٹ پروف، فولادی دروازہ؟“ ویرا نے خاص طور پر پوچھا۔
”اکیلے آدمی کے لیے یہ سب ضروری ہوتا ہے۔ میری مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی اندر نہیں پھٹک سکتا۔ میں کسی گن مین کے پہرے کے بغیر آزادی سے پیر پھیلا کر سو سکتا ہوں۔“
”لیکن تمہارے اپنے بھتیجے نے تمہارے اس سارے حفاظتی حصار کو چکنا چور کرکے، تمہیں اسی قلعے میں قید کردیا۔“ ویرا نے اس سے کچھ زیادہ ہی الجھنا شروع کردیا۔
وہ اداسی سے مسکرا دیا ”اسے اپنی اس ذلیل حرکت کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ آزادی مل جانے کے بعد میں اس کے لیے ایک ڈراؤنا خواب بن سکتا ہوں۔“
”ہمیں اس کی فکر ہے۔ وہ کہاں پناہ لے سکتا ہے؟“ اول خان نے سوال کیا۔
”اگر اس نے اپنی پسند کو کوئی دھوکا نہیں دیا ہے تو اسے نرگس کے گھر پہنچنا چاہیے۔“ کھانے کے ساتھ ساتھ وہ ہر سوال کا جواب بھی دیتا جارہا تھا۔

اکرم الٰہی کی رائے میں نرگس بہت خوب صورت لڑکی تھی۔ مقبول نے خود ہی نرگس کو اس سے ملایا تھا۔ اکرم الٰہی کو اس کے گھر کا پتا یا فون نمبر معلوم نہیں تھا لیکن وہ یہ جانتا تھا کہ اس کا ناخلف بھانجا اپنے بدترین وقت میں بھی نرگس سے دست بردار نہیں ہوسکتا تھا۔
طور خان کو اکرم الٰہی نے دیکھ بھال کر خود ملازم رکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ طور خان، مقبول چوہدری کا آلۂ کار نہیں بن سکتا تھا۔ اس بے چارے کو علم ہی نہیں ہوسکتا کہ اس کے فرش سے نیچے والی خفیہ منزل میں اس کے اصل مالک کے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا تھا۔
اکرم الٰہی کا خیال تھا کہ مقبول کے دوسرے ملازمین کو بھی اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا کیونکہ مقبول خود ہی لفٹ کے راستے اسے کھانے پینے کی اشیا گاہے گاہے پہنچاتا رہتا تھا۔ اس کی واپسی بھی لفٹ کے ذریعے ہوتی تھی۔ پوری قید کے دوران میں اس نے صرف چند بار اسے زینوں کے راستے گیراج کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ اس کے باوجود تہ خانے میں اکرم الٰہی نے مقبول کے سوا کبھی کسی کی پرچھائیں نہیں دیکھی تھی۔
مقبول چوہدری نے اپنے ماموں کے بارے میں جس رازداری سے کام لیا تھا، اس کے بعد نجی زندگی میں اس کا بے فکر ہونا قرینِ قیاس تھا۔ اول خان پُریقین تھا کہ گیراج کے عملے کے لوگ یا ان میں سے کوئی نہ کوئی نرگس کے گھر کے بارے میں ضرور جانتا ہوگا۔
گیراج وقت کی پابندی سے شام کے پانچ بجے بند ہوجاتا تھا۔ عملے سے پوچھ گچھ کے لیے اگلی صبح کا انتظار کرنا تھا۔ اس کے بعد ہی مقبول کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جاسکتا تھا۔
پیٹ بھر جانے کے بعد اکرم الٰہی کو ہمارے بارے میں کچھ جاننے کا اشتیاق ہونے لگا۔ اس نے یہ فرض کرلیا تھا کہ ہم سب سرکاری اہل کار تھے اور شاید مقبول چوہدری کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے، وہ بس یہ جاننے کے لیے مرا جارہا تھا کہ ہمارا تعلق کس فرض شناس محکمے سے تھا۔
اول خان نے وہ سوالات سختی سے رد کردیے۔ کوئی راہ نکلتی نظر نہ آئی تو اکرم الٰہی نے مجبور ہوکر اپنا مدعا بیان کردیا۔ وہ فریڈم انٹرنیشنل کی نیک نامی بچانے کے لیے ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار تھا، وہ چاہتا تھا کہ اس کے اور مقبول کے قصے میں ان مذموم سرگرمیوں کا ذکر نہ آنے پائے جو مقبول اس ادارے کی آڑ میں پروان چڑھا رہا تھا۔
اکرم الٰہی کی وہ خواہش بہت غیر حقیقی تھی۔ میرا ماتھا ٹھنک گیا۔
مائیکرو آٹوز کو اکرم الٰہی نے پہلے ہی مقبول کے سپرد کیا ہوا تھا۔ ان دونوں کے درمیان اصل جھگڑا فریڈم انٹرنیشنل پر قبضے کا تھا۔ وہ ذکر حذف کرنے کے بعد اس قصے میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا

تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اکرم الٰہی اپنی زندگی کے بھیانک ترین تجربے سے گزرنے کے باوجود وہ معاملہ کیوں دبانا چاہ رہا تھا۔

"حامد! تم اکرم الٰہی کے ساتھ فریڈم انٹرنیشنل کے ریکارڈ کا جائزہ لے ڈالو۔" میں نے اکرم الٰہی کو وہاں سے ٹالنے کے لیے حامد سے کہا "اکرم کی قید کے دوران میں ہونے والی کارروائیوں کی فائلیں ہمیں مدد دیں گی۔"

حامد ہوشیار آدمی تھا۔ اشارہ سمجھ کر فوراً ہی اٹھ گیا اور اکرم الٰہی اس کے ساتھ چل دیا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے ابھی تک اکرم الٰہی کے بارے میں اپنے فیصلے کا اعلان نہیں کیا۔ اب میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ اس نے ہمارے چہرے دیکھ لیے ہیں مگر ہم اسے اپنا گھر نہیں دکھائیں گے۔" میں نے کہا۔

"پھر اس کا کیا کیا جائے؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا "وہ صرف میرا فیصلہ نہیں تھا۔ اس میں تمہاری رائے بھی پوری طرح شامل تھی۔"

"اس لیے میں نے ذمے داری تم پر نہیں ڈالی' اپنا ارادہ بدلنے کی بات کی ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ اس کے بارے میں ویرا کی تجویز پر عمل کرو اور اسے اسٹیشن فور لے چلو۔"

"وہ کہیں بھی لاجواب نہیں ہوا۔ اس کے پاس ہمارے ہر سوال کا سوچا سمجھا جواب موجود تھا۔" ویرا نے گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے کہا "جو اس باختہ اور مار کھایا ہوا آدمی اتنی مدلل اور مفصل باتیں نہیں کرتا۔ برحق ہونے کے باوجود کہیں نہ کہیں بغلیں جھانکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"میں تمہاری اس رائے سے متفق نہیں ہوں۔" اول خان نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "موت کے جبڑوں سے نکلتے ہی' کوئی مکار ترین آدمی بھی اتنی روانی سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ حقیقت بیان کرنے کے لیے آدمی کو سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ سچ زبان سے بہتا چلا جاتا ہے۔"

"ایک صورت اور بھی ہے۔" میں نے رائے دی "فی الحال' اس کی رسی دراز کردو اور اسے یہیں چھوڑ دو۔ چند روز کی کڑی نگرانی سے سب کچھ سامنے آجائے گا۔ اس دوران میں فریڈم انٹرنیشنل کی پرانی کارکردگی کا ریکارڈ بھی چھانا جا سکتا ہے۔ مجھے اکرم کی کہانی پر یکایک ہی کچھ شبہ ہونے لگا ہے۔"

"پھر اسے یہیں چھوڑے دیتے ہیں۔" اول خان نے ہتھیار ڈال دیے "دوسرے آدمیوں سے اسٹیشن فور میں بازپرس کی جائے گی۔ ان کی کہانیاں بھی خاصا مواد فراہم کردیں گی۔"

"یہ اس کا قلعہ ہے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی اس ننھی سی سلطنت میں کس طرح بے خوف و خطر رہتا ہے۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"کتوں کی موت کے بعد اس کا قلعہ غیر محفوظ ہو گیا ہے۔" اول خان کے دل میں اکرم کے لیے نرم گوشہ موجود تھا۔

"اس کا ذکر ہی مت کرو۔ وہ خود بھی اوپر سے نیچے تک کا جائزہ لیے بغیر بستر پر نہیں لیٹے گا۔"

اکرم الٰہی اور حامد میری توقع کے برعکس جلد واپس لوٹ آئے۔ حامد کے ہاتھ میں صرف دو فائلیں تھیں۔

اکرم نے آتے ہی پُرجوش لہجے میں کہا "میں نے آج کی تاریخ دیکھ کر حساب لگایا ہے کہ میں چھتیس دنوں تک مقبول کی قید میں رہا ہوں۔ ان دنوں اسے فورڈ فاؤنڈیشن سے آخری فیلکس جوشم کے بارے میں ملا تھا۔ اس نے وہی پیغام فریڈم انٹرنیشنل کی طرف سے پریس کو جاری کردیا۔"

"اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ مقبول چوہدری اس ادارے کو تمہارے متعین کیے ہوئے اصولوں پر چلاتا رہا ہے۔" میں نے نرم لہجے میں اعتراض کیا۔

"یہ بات تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم فاؤنڈیشن میں گھسی ہوئی کالی بھیڑوں سے واقف نہیں ہو۔" اس نے حامد کے ہاتھ سے ایک فائل لے کر کھولی اور ایک خاص صفحہ الٹ کر فائل میرے سامنے رکھ دی۔

"یہ دیکھو!" اس نے پیغام کے آخر میں چھپے ہوئے نام پر انگلی رکھ کر اپنی بات جاری رکھی "تم بارسوخ آدمی ہو۔ تمہارے ہاتھ بہت لمبے ہوں گے۔ تم اپنے ذرائع سے تصدیق کرسکتے ہو کہ فاؤنڈیشن میں ملازمت کے ساتھ' جان اسمتھ آج بھی فیر فیکس میں سی آئی اے کے پے رول پر ہے۔"

میرے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "سی آئی اے کے ملازمین کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تمہاری قید کے دوران میں جان نے فیر فیکس کو خیرباد کہہ کر فورڈ فاؤنڈیشن کی ملازمت اختیار کرلی ہو؟"

لمحے بھر کے لیے اکرم الٰہی کی آنکھوں میں بوکھلاہٹ تیر گئی۔ میرے چبھتے ہوئے سوال سے اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ جوشِ بیان میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی آگے نکل گیا تھا۔ اس کے چہرے کا بیشتر حصہ خودرو بالوں سے ڈھکا ہوا نہ ہوتا تو اس کی پریشانی کا زیادہ واضح اندازہ ہو سکتا تھا۔

"میں س س.... سی آئی اے کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتا۔" اس نے ہکلاتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی "جان اسمتھ دراصل کراچی میں رہا ہے۔ میری اس سے ذاتی واقفیت تھی۔"

اس بار میں بے رخی سے ہنسے بغیر نہ رہ سکا "اس دلدل میں زیادہ ہاتھ پیر نہ مارو۔ جان اسمتھ نام کے ہزاروں لوگ امریکا میں مل جائیں گے پھر تم اس بات کا کیا جواز دوگے کہ کراچی میں مامور ایک سی آئی اے ایجنٹ سے تمہارے ذاتی مراسم تھے؟ تم تھکے ہوئے ہو' تمہارا ذہن ماؤف ہے اور اسے آرام کی ضرورت ہے۔"

وہ بے بسی سے ہنسنے لگا "میں واقعی بھٹک رہا ہوں مگر مجھے خوشی ہے کہ تم لوگوں کا رویّہ بہت ہمدردانہ ہے۔ تم سب نے موت کے اندھے کنوئیں سے نکال کر مجھ پر احسان کیا ہے۔"

میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ویرا، غزالہ اور سلطان شاہ نے میری تقلید کی۔ حامد اور اول خان سے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے میں نے اکرم الٰہی کو دانستہ نظرانداز کردیا۔ میں اس کے ذہن میں بے نام خوف اور وسوسہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ ایسی کیفیات سے دوچار ہونے کے بعد اس کی طرف سے لغزشوں کا امکان بڑھ جاتا۔

"میں ان لوگوں کے لیے دروازہ کھول دوں۔ چابیاں استعمال کیے بغیر یہ باہر کیسے نکلیں گے؟" اکرم الٰہی نے مسکین لہجے میں اول خان سے پوچھا۔ وہ اکرم کو کوئی جواب دیے بغیر خود ہمارے ساتھ ہولیا۔

"تم دونوں ہم زبان ہوجاتے ہو تو فتنے بیدار ہونے لگتے ہیں۔" اول خان نے لفٹ میں سوار ہوکر ہنستے ہوئے کہا "تم نے اسے خلجان میں مبتلا کردیا ہے۔ وہ بہت مضطرب ہے۔"

"اس کی باتوں پر غور کروگے تو تم بھی شکوک و شبہات میں مبتلا ہوجاؤ گے۔" ویرا نے جواب دیا "وہ اتنا معصوم نہیں ہے، جتنا خود کو ظاہر کررہا ہے۔"

لفٹ گراؤنڈ فلور پر پہنچی تو ہم پانچوں باہر نکل گئے۔ ویرا پچھلا دروازہ کھول کر غزالہ اور سلطان شاہ کو اندر لا چکی تھی۔ اس نے ... گچھے میں سے دو لمبی چابیاں استعمال کرکے وہ عمل دہرایا اور ہم باہر نکل گئے۔

توحید کمرشل کا خاصا بڑا حصہ اس وقت بھی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وقت گزرنے کے باعث وہ واقعہ اپنی اہمیت کھو بیٹھا تھا اور گلیوں میں نظر آنے والی بھیڑ چھٹ چکی تھی۔ سلطان شاہ اپنی کار کو اطمینان سے سڑک پر لیتا ہوا چلا گیا۔ مین روڈ پر پہنچتے ہی سلطان شاہ نے پہلا سوال داغ دیا۔

وہ دونوں عمارت میں ہونے والی پیش رفت میں شریک نہیں تھے اس لیے ان کے پاس سوالات کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ تھا۔ میں، ویرا کے ساتھ مل کر ان دونوں کو جواب دیتا رہا۔ یوں توحید کمرشل سے گلشن اقبال تک کا سفر باتوں ہی باتوں میں کٹ گیا۔

باتوں کے دوران میں ہم میں سے کوئی بھی تعاقب کے امکان سے غافل نہیں تھا مگر شہر کی بعض ویران سڑکوں سے گزرتے ہوئے ہم نے دیکھ لیا کہ ہمارے پیچھے دور دور تک کوئی گاڑی نہیں تھی۔

○☆○

اگلے روز میں کافی دن چڑھے بیدار ہوا۔ اس جبری بیداری میں اول خان کے فون اور غزالہ کی کوششوں کا دخل تھا۔ میں نے آنکھیں ملتے ہوئے ریسیور کان سے لگالیا۔

اول خان نے میری غنودہ آواز سے صحیح اندازہ لگا کر کچھ دیر بعد فون کرنے کی پیش کش کی مگر میں نے اسی وقت بات کرنے پر اصرار کیا تو معلوم ہوا کہ مائیکرو آٹوز میں مقبول کے نوجوان معاو
سے نرگس کا پتا معلوم ہوگیا تھا۔ اس بارے میں وہ ذاتی طور پر کو
کارروائی کرنے سے قاصر تھا کیونکہ اسے اسپیشل ٹاسک فورس ک
اسٹیشن کمانڈروں کے اجلاس میں شرکت کے لیے فوری طور
پشاور طلب کرلیا گیا تھا۔

اس نے نرگس کا پتا نوٹ کرانے کے بعد بتایا کہ اس کے
آدمی اکرم الٰہی کی مسلسل نگرانی پر مامور تھے۔ اس نے حامد ک
ہدایت کردی تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں سے موصول ہونے وا
رپورٹ فون پر مجھ تک پہنچاتا رہے اور مجھے کوئی ضرورت پیش
آجائے تو عملی امداد فراہم کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہ کرے۔

"تم بہت غلط وقت پر پشاور جارہے ہو۔ اسٹیشن کمانڈروں
اجلاس کے بارے میں، میں آج پہلی بار سن رہا ہوں۔" میں
اس کی تمام باتیں سن لینے کے بعد کہا۔

"ایسے اجلاس بہت کم ہوتے ہیں مگر ہوتے رہتے ہیں۔
کوشش کروں گا کہ وہاں سے فارغ ہوتے ہی کراچی لوٹ آؤں
حامد تمہیں کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دے گا۔"

"نرگس کا پتا اکرم الٰہی کے علم میں آگیا ہوگا؟" میں نے سوا
کیا۔

"اسے بھنک بھی نہیں ملی جب سے تم نے اس پر شکو
و شبہات کا اظہار کیا ہے، میں محتاط ہوگیا ہوں۔"

"میں نے اس پر کسی شک و شبے کا اظہار نہیں کیا۔ وہ ویرا
خیالات تھے۔ میں اکرم الٰہی کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ
جب کہ مقبول چوہدری کے جرائم ہمارے سامنے ہیں۔"

"داؤد سے کام لینے اور پھر اسے قتل کرا دینے کے بعد مقبو
کی گردن پھنس چکی ہے۔ اکرم الٰہی کو چھتیس دنوں تک حبس بے
میں رکھ کر اس نے ایک اور جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ کوئی شخص
کیسے ہی سنگین جرم میں کیوں نہ ملوث ہو، ریاستی قانون دوسر
شہریوں کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ اسے اپنی نجی قید میں رکھیں۔"

"مقبول کی طرف سے مجھے بھی خلش ہے۔ وہ ہم سب کو چو
کر نکل گیا۔"

"طور خان سمیت تینوں گن مین اور مقبول کا معاون ہما
تحویل میں ہیں۔ مائیکرو آٹوز کو بند کردیا گیا ہے۔ وہاں صرف ا
مستری بیٹھا ہوا ہے تاکہ وہ گیراج میں موجود چار گاڑیاں ان
مالکان کو واپس کرسکے۔ مقبول جو اکارڈ لے کر فرار ہوا۔ وہ بھی ا
گاہک کی ملکیت ہے۔"

میرے لیے وہ اطلاعات اطمینان بخش تھیں۔ اول خان پچ
رات کافی دیر سے واپس لوٹا تھا۔ قیدیوں کے علاوہ وہ فرنٹ
انٹرنیشنل کا مزید کچھ ریکارڈ اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ صبح نو بجے
مائیکرو آٹوز کے عملے سے پوچھ گچھ کے لیے دوبارہ وہاں پہنچا تو ا
الٰہی اپنے بڑھے ہوئے بالوں کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ ا

کے چہرے کے بالوں میں سر سے بہت زیادہ سفیدی نمایاں تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کلین شیو ہو کر نسبتاً کم عمر بن کر منظرِ عام پر آنے کے بارے میں سوچ رہا ہو۔

میں نے اسے بال ترشوانے سے صرف اس لیے روکا تھا کہ اسے اصل حالت میں متعلقہ حکام تک پہنچایا جا سکے۔ اس بارے میں میرے ذہن میں آئی بی کا ہی نام تھا۔ ایس ٹی ایف والے جن ملک دشمنوں کا حساب خود بے باق نہیں کرتے تھے 'ان کو خاموشی سے متعلقہ محکموں کے حوالے کر دیتے تھے۔ مقبول ان کی لسٹ پر آیا ہوا ایک مستند قاتل تھا جب کہ اکرم الٰہی کے مستقبل کا معاملہ التوا میں چلا گیا تھا۔

تین بجے حامد کا فون آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکرم الٰہی کی ملکیتی بلڈنگ اس علاقے میں اپنے نمبر سے زیادہ مائیکرو سینٹر کے مفروضہ نام سے مشہور تھی۔ وہاں مکمل خاموشی تھی۔ اکرم الٰہی بلڈنگ ہی میں مقیم تھا مگر اس نے منظرِ عام پر آنا پسند نہیں کیا تھا۔ وہ علاقہ بدستور بجلی سے محروم تھا۔ کے ای ایس سی والے جاں فشانی سے جلے ہوئے پی ایم ٹی کی تبدیلی میں مصروف تھے۔ مائیکرو سینٹر کا جنریٹر بند ہو چکا تھا۔ شاید مسلسل استعمال کی وجہ سے اس میں ڈیزل ختم ہو چکا تھا اور وہاں اکرم کی مدد کے لیے کوئی ملازم نہیں تھا جو جنریٹر کا خالی پیٹ بھرنے کا بندوبست کر سکے۔

حامد کو اس عمارت سے نکاس کے دونوں راستوں کا علم تھا۔ مقبول چوہدری نے پچھلی رات اس کی موجودگی میں ہمیں جل دے کر وہاں سے فرار کی خفیہ راہ اختیار کی تھی۔ یہ امکان بہت موہوم تھا کہ اس کے دونوں آدمی کاٹھ کے اُلوؤں کی طرح وہاں ڈیوٹی دیتے رہ گئے ہوں اور اکرم الٰہی ان کی بے خبری میں وہاں سے نکل گیا ہو مگر پھر بھی میں نے اپنا شبہ دور کرنا ضروری سمجھا اور حامد سے بات ختم ہونے کے بعد اکرم الٰہی کا رہائشی فون نمبر ملا لیا۔

تین گھنٹیوں پر اُدھر سے کوئی جواب نہ ملا تو مجھے شبہ ہوا کہ شاید میرا اندیشہ درست تھا مگر چوتھی گھنٹی ختم ہوتے ہی مجھے ریسیور پر اکرم الٰہی کی محتاط آواز سنائی دی۔ اس نے اپنا نام بتائے بغیر صرف ہیلو کہا تھا۔

"تم کہاں تھے؟ کافی دیر سے گھنٹیاں بج رہی تھیں؟" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اوہ! یہ تم ہو۔" ادھر سے اطمینان کے ایک گہرے سانس کے ساتھ کہا گیا "میں تذبذب میں تھا کہ یہ کال سنوں یا نہ سنوں۔ بس اب یہ طے ہو گیا کہ میں چار گھنٹیاں بجنے کے بعد ریسیور اٹھاؤں گا۔ لوگ عام طور پر اتنے لمبے انتظار کی زحمت کیے بغیر فون بند کر دیتے ہیں۔ چوتھی گھنٹی پر میں سمجھ لوں گا کہ تم میں سے کوئی لائن پر ہے .... ہمارے درمیان اتنی مفاہمت ہونے کے باوجود یہ بات بہت عجیب ہے کہ میں تمہارے نام تک سے واقف نہیں ہوں۔"

"تم مجھے مظہر کہہ سکتے ہو۔" اس کی تشفی کے لیے میں نے کہہ دیا پھر پوچھا "تم وہاں سکون سے رہ رہے ہو؟ کسی نے تمہیں پریشان کرنے کی کوشش تو نہیں کی۔"

"ابھی میں اپنی پریشانیوں میں گھرا ہوا ہوں۔ چھت پر کسی نے میرے قیمتی اور بہترین تربیت یافتہ واچ ڈاگز کی جوڑی کو ڈارٹ شاٹس کے ذریعے ہلاک کر دیا ہے۔ مجھے ان پر بہت ناز تھا، میں..."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "جب انسانی سروں پر تلوار لٹک رہی ہو تو کتوں کے لیے رونا حماقت کے زمرے میں آتا ہے۔ انہیں بھول جاؤ۔ وہ زندہ رہتے تو شاید تم قید ہی میں سسک سسک کر مر جاتے۔"

"انہیں تم نے مارا تھا؟" اس کا وہ تحیر زدہ سوال بے ساختہ تھا۔

"کسی نہ کسی نے مارا ہی ہوگا ورنہ وہ زندہ ہوتے۔" میں نے بے اعتنائی سے کہا۔

"کتے مارے گئے' طور خان بھی نہیں ہے۔ میں خود کو پنجرے میں قید ایک وحشی بن مانس سمجھ رہا ہوں۔ کوئی ہرج نہ ہو تو میں اپنا حلیہ درست کر لوں تاکہ گھر سے باہر نکلنے کے قابل ہو سکوں۔"

"جو چاہو' کرتے رہو۔ بس مقبول چوہدری کی طرح غائب نہ ہو جانا۔" میں نے اپنی بات پوری کر کے فون بند کر دیا۔ اس کال کے ذریعے میں نے اسے یہ جتانے کی کوشش بھی کر ڈالی تھی کہ اس کی نگرانی نہیں ہو رہی تھی۔ اپنی نقل و حرکت کے بارے میں وہ پوری طرح آزاد تھا۔

"تم بلاوجہ ان دونوں پر وقت برباد کر رہے ہو۔" ویرا نے وہ گفتگو سن کر رکھائی سے کہا "میری مانو تو مقبول اور اکرم کی گردنیں اتار لو۔ یہ دونوں موذی ہیں اور تمہیں ایذا پہنچائیں گے۔"

"تم بہت سفاک بلکہ خون آشام ہو گئی ہو۔ انسانوں کو یوں چیونٹیوں کی طرح بلاوجہ نہیں مسلا جا سکتا۔"

"مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے ہم اپنی راہ سے بھٹک کر ماموں اور بھانجے کے ذاتی تنازعے میں الجھ گئے ہیں۔" سلطان شاہ نے بالکل ہی مختلف رائے قائم کی ہوئی تھی۔

"وہ ایک ضمنی معاملہ ہے ورنہ فریڈم انٹرنیشنل اور امریکی ایجنٹوں کے درمیان قریبی تعاون کے کھلے ثبوت مل چکے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس بار انہوں نے فورڈ فاؤنڈیشن کی آڑ لی ہوئی ہے۔" ویرا نے اس کی تردید کی۔

"تم امریکی ہو اس لیے کچھ بھی کہہ سکتی ہو ورنہ ہم لوگ کسی ادارے پر الزام تراشی کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ محض اکرم الٰہی جیسے شخص کے بیان اور مقبول کی سرگرمیوں کی بنا پر کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے کہا۔

"تمہاری رائے میں یہ سلسلہ کچھ طول پکڑے گا؟" سلطان شاہ نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے سر کو نفی میں جنبش دے کر کہا "ہم سے کوئی غلطی نہ ہوئی تو یہ کھیل اگلے چند روز میں اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گا اور ہر شخص کا چہرہ بے نقاب ہو جائے گا۔"

"مجھے یہ معاملہ بہت گہرا نظر آرہا ہے۔" غزالہ نے پہلی مرتبہ زبان کھولی "پاکستان میں امریکی ہر محاذ پر بری طرح پٹ رہے ہیں ..... انہیں جان ومال کے خطرے نظر آرہے ہیں۔ رابن مائر والے قصے کے بعد انہیں سفارتی اور اخلاقی محاذ پر ہزیمت اٹھانی پڑی ہے۔ اب وہ خود پسپا ہو کر پاکستانیوں پر سرمایہ کاری کرنے کے موڈ میں آچکے ہیں۔ پتا نہیں فریڈم انٹرنیشنل جیسے کتنے این جی اوز ان کے جال میں پھنسنے والے ہوں....."

"وہ تمہارے گھر کو گھر کے چراغوں سے پھونک دینا چاہتے ہیں۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یہی اصل اندیشہ ہے جو مجھے پریشان کررہا ہے۔" میں نے ان دونوں کی تائید کی "غیر ملکی میدان میں الگ سے پہچانے اور پھر گھیر لیے جاتے ہیں۔ مقامیوں کے خلاف اس طرح کھل کر کارروائیاں نہیں کی جاسکتیں۔ ہم نے اپنے طور پر کام کرنا چاہا تو اول خان کو ہم سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر مجبور کردیا جائے گا۔"

اس کلیدی نکتے پر ہم چاروں دیر تک سر کھپاتے رہے لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔

میں پہلے سے سوچے ہوئے پروگرام کے تحت پانچ بجے گاڑی لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ میرا ارادہ شریف آباد میں نرگس کے گھر کا جائزہ لینے کا تھا اور موقع مل جاتا تو وہاں کچھ کام بھی کیا جاسکتا تھا۔

میری معلومات کے مطابق شریف آباد 'لیاقت آباد سے آگے' داہنے ہاتھ پر آباد 'فیڈرل بی ایریا کی پہلی متوسط آبادی تھی۔ جہاں گنجان آبادی ہونے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے واقف ہونے پر مجبور تھے۔ تھوڑا سا وقت صرف کرکے میں نرگس سے رابطے کا کوئی نہ کوئی بہانہ نکال سکتا تھا۔

میں حسن اسکوائر اور غریب آباد سے ہوتا ہوا ذرا سی دیر میں شریف آباد کی صاف ستھری اور تعلیم یافتہ آبادی میں داخل ہو گیا۔ میں نے ایک جنرل اسٹور والے سے اس پتے کے بارے میں دریافت کیا تو مکان نمبر دیکھتے ہی وہ بولا "آپ نسرین باجی سے ملنے آئے ہیں۔" میرے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ مجھے راستے کے بارے میں بتانے لگا۔

اس کے بتائے ہوئے راستے میں اتنے موڑ تھے کہ کچھ آگے جانے کے بعد مجھے بھٹکنے کا احساس ہوا۔ میں نے گاڑی روک کر ایک دکان دار سے سوال کیا تو وہ بھی پتا دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ میں نسرین باجی کا مہمان تھا اور پھر اس نے مجھے راستہ سمجھا دیا۔ وہاں سے آگے بڑھتے ہوئے میرے ذہن میں نسرین باجی کے بارے میں تجسس پیدا ہو چکا تھا۔ وہ اس علاقے میں دور تک مشہور تھی اور اس کا پتا بیشتر دکان داروں کو ازبر تھا۔

تیسری جگہ میں بلا ضرورت رک گیا۔ اس مرتبہ بھی میرا تجربہ مختلف نہیں رہا۔ اسٹیٹ ایجنسی والے نے ذو معنی انداز میں پتے سے واقفیت ظاہر کرکے نسرین باجی کے گھر کی نشان دہی کی تھی۔

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ ایک خاتون کا اپنے علاقے میں یوں دور دور تک مشہور ہو جانا اچھا نہیں تھا۔ آبادی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب اسے ایک نام سے جانتے تھے۔ ان تینوں میں سے کسی نے اس بات پر حیرت ظاہر نہیں کی تھی کہ ایک اجنبی، نسرین باجی کا گھر کیوں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

مجھے وہ پتا نرگس کے حوالے سے ملا تھا مگر وہاں نسرین نامی کوئی خاتون رہتی تھی۔ پتا نہیں ان دونوں میں کیا تعلق تھا۔ وہ نرگس کی ماں، بہن، بھاوج یا کچھ بھی ہو سکتی تھی۔

میں نے پرُخیال انداز میں سگریٹ سلگا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

اس گلی کے تمام مکانات کی چوڑائی یکساں تھی لیکن قطار کے سرے پر واقع نسرین باجی کے گھر کی چوڑائی دگنی تھی۔ میں نے سست رفتاری کے ساتھ وہاں سے گزرتے ہوئے پھاٹک کی جھری پر نگاہ ڈالی تو اندر اکارڈ تو کیا، کوئی بھی گاڑی نظر نہیں آسکی۔ گلی میں، دیوار کے سہارے ایک سوزوکی خیبر ضرور کھڑی ہوئی تھی۔

اکرم الٰہی نے بہت وثوق سے دعویٰ کیا تھا کہ مقبول چوہدری فرار کے بعد نرگس کے گھر پر ہی پناہ لے گا مگر میں اس دعوے سے متفق نہیں تھا۔ خطرات میں گھر جانے کے بعد کوئی عام آدمی بھی ایسے ٹھکانے کا رخ کرنے کی حماقت نہیں کرتا جہاں اس کے پائے جانے کے امکانات دوسروں اور خاص طور پر کسی دشمن کے علم میں ہوں۔

میں وہاں صرف اس ارادے سے پہنچا تھا کہ نرگس سے مقبول کے بارے میں کوئی خبر نکال سکوں۔ نسرین باجی کی شہرت کی وجہ سے مجھے اپنے ارادے میں کامیابی ہوتی نظر آرہی تھی۔

اس مکان کا جائزہ لینے کے بعد میں نے پوری آبادی کا ایک چکر لگایا اور یوں کچھ وقت گزار کر دوبارہ وہاں پہنچا۔ اس وقت تک دیوار کے ساتھ کھڑی ہوئی خیبر جاچکی تھی۔ میں نے اس خالی جگہ میں اپنی گاڑی کھڑی کردی۔

دل ہی دل میں تیاری کرتے ہوئے میں نے گاڑی لاک کرکے ستون پر لگا ہوا کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ مکان کے اندرونی حصے میں بجنے والی گھنٹی کی مترنم آواز میرے کانوں میں آئی۔ مختصر سے انتظار کے بعد پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھل گیا۔

ایک بنی سنوری اور خوب رو لڑکی کو اپنے روبرو پاکر میں چند لمحوں کے لیے سٹپٹایا مگر پھر میں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا "میں نسرین باجی سے ملنے آیا ہوں۔" میں نے اس کے کسی سوال سے پہلے کہہ ڈالا۔

"اندر آجایئے۔" لڑکی نے ایک طرف ہٹ کر مجھے اندر داخل ہونے کا راستہ دے دیا۔

دہرے پلاٹ پر بنا ہوا وہ مکان کافی کشادہ تھا۔ میرا استقبال کرنے والی لڑکی نے معذرت کی کہ ڈرائنگ روم میں کچھ مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ مجھے ایک چھوٹے اور آراستہ کمرے میں لے گئی۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے مجھے مکان کے اندرونی حصے میں سر سے پیر تک تیار ایک اور لڑکی گزرتی ہوئی نظر آئی۔

مسہری اور مختصر صوفوں سے مزین اس کمرے میں بیٹھنے کے بعد میری میزبان نے دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ زبان کھولی "میرا نام نیا ہے.... آپ کو کس نے بھیجا ہے؟"

اس گھر میں رہنے والی بلکہ نظر آنے والی دونوں لڑکیوں میں مجھے خانہ داری کے جوہر کا شدید قحط محسوس ہوا تھا ورنہ عام گھروں میں لڑکیاں یوں ہر وقت نک سک سے تیار ہو کر نہیں رہتیں۔ اس مشاہدے کی بنا پر نسرین باجی کی شہرت کے بارے میں میرے شبہات راسخ ہو گئے۔

"اس وقت تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آئے ہیں۔" میں نے ہلکی سی اوباشانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "کچھ عرصے پہلے جاوید نے نسرین باجی کا ذکر کیا تھا۔ آج دل گھبرایا تو میں ادھر نکل آیا۔"

"اچھا! نیا نے میرے بہانے کو بلا عذر تسلیم کر لیا "وہی جاوید جو پلازا پر آٹو پارٹس کا کام کرتے ہیں۔"

"شاید وہی ہو۔ میں یار کی یاری سے مطلب رکھتا ہوں۔ اس کے کام دھندے کی پروا نہیں کرتا۔"

"آپ اچھی باتیں کرتے ہیں۔" وہ ایک ادا کے ساتھ مسکرا کے بولی "میرے ساتھ بیٹھیں گے یا کسی اور سے بھی ملنا پسند کریں گے۔ اس وقت میری دو سہیلیاں بھی یہاں موجود ہیں۔"

"ان میں سے کسی کا نام نرگس بھی ہے؟" میں نے نظریں ترچھی کر کے دھیرے سے پوچھا۔

"نرگس گئی ہوئی ہے۔ میرے ساتھ ٹینا اور ماریا موجود ہیں۔ بلاؤں انہیں؟"

"میری میزبانی تم نے کی ہے۔ میں کسی اور کو بلا کر تمہاری دل آزاری نہیں کروں گا۔"

"شکریہ!" وہ پلکیں جھپکا کے بولی "ہمارے ساتھ تو روز یہ ہوتا رہتا ہے۔ باجی کی تربیت یہی ہے کہ ہمیں مہمان کی مرضی، پسند اور خوشی کا خیال رکھنا چاہیے۔"

میں نے اس کی دل جوئی کے لیے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھنا چاہا تو وہ بھڑک کر مجھ سے ذرا دور سرک گئی۔

"نہیں ..... یہ باجی کے اصول کے خلاف ہے۔ پہلے پندرہ سو روپے دے دیں پھر میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی رہوں گی۔ چاہیں گے تو بوتل بھی آجائے گی۔ پندرہ سو اس کے ہوں گے۔"

"یہ ظلم ہے۔" میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا "تمہاری وقعت ایک بوتل سے بہت زیادہ ہے۔"

"یہ آپ کی مرضی ہے۔ جو دیں گے، سلام کر کے قبول کر لوں گی۔" اس کے چہرے پر پہلی نظر پڑنے کے بعد میں تصور بھی نہیں کر سکا تھا کہ وہ اس قدر بے حجابی سے سارے معاملات از خود طے کر لیتی ہو گی۔

میرا خیال تھا کہ میں نے ٹینا اور ماریا کو بلانے سے انکار کر کے نیا کے دل کے کسی گوشے میں ذرا سی جگہ پیدا کر لی تھی۔ اس کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزار کر شاید میں کام کی کوئی بات معلوم کر سکتا تھا۔

میں نے اسے دو ہزار روپے دیتے ہوئے یہ بات جتا دی کہ اس میں پانچ سو روپے صرف اور صرف اس کے تھے۔ اس نے میرے قریب ہو کر مجھے سلام کیا، پانچ سو کا ایک سبز نوٹ اپنے بلاؤز میں اڑسا اور ایک منٹ کی اجازت لے کر کمرے سے نکل گئی۔ میں نے وقت گزارنے کے لیے سگریٹ سلگا لی۔

چند منٹ بعد وہ آئی اور مجھے وہاں سے اٹھا کر ایک اندرونی خواب گاہ میں لے گئی جو پہلے کمرے سے زیادہ کشادہ، آراستہ اور خوشبودار تھی "پانچ سو روپے اس کمرے کے ہوں گے۔" اس نے اٹھلا کر کہا۔

دو ہزار روپے سے محرومی کے بعد نیا کی وہ نئی شرط میرے لیے بہت ناگوار ثابت ہوئی مگر میں اس وقت نرگس کے گھر میں موجود تھا اس لیے اپنے غصے کو پی گیا۔ میں نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اگر میں تمہیں لے کر ڈرائیونگ پر جانا چاہوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔"

"بالکل نہیں۔" وہ خوش ہو کر بولی "یہاں ایسے دلیر مہمان بہت کم آتے ہیں۔ ہمارے ساتھ باہر نکلنے میں ہر ایک کو اپنی عزت کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔"

"بے وقوف ہوتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اس چار دیواری میں قدم رکھتے ہی اپنی عزت گنوا بیٹھتے ہیں۔ آدمی کی اصل عزت وہ ہوتی ہے جو خود اس کے دل میں، اپنے لیے ہوتی ہے۔"

"ایک بات بتا دوں۔ تم رات بھر بھی مجھے شہر میں گھماتے رہو تو مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔" معاملات طے ہوتے ہی وہ آپ جناب سے تم پر آگئی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "آخر میں تمہیں پھر یہیں آنا پڑے گا۔ باجی اپنی لڑکیوں کو کسی ہوٹل میں نہیں جانے دیتیں۔ وہاں آئے دن پولیس کی پکڑ دھکڑ ہوتی رہتی ہے۔"

"فائیو اسٹار ہوٹلوں میں پولیس قدم تک نہیں رکھتی۔" میں نے اسے آزمانے کے لیے کہا۔

"وہ ہنس پڑی "پانچ ہزار کے کمرے میں راتیں گزارنے والے پندرہ سو میں ہمیں نہیں لے جاتے۔ ان کے کام دوسرے ہوتے ہیں۔ تم ان میں سے معلوم نہیں ہوتے..... وہ اپنا بندوبست فون پر

کر لیتے ہیں۔"

میں نے اپنی مرضی سے اسے پانچ سو روپے فاضل ادا کر دیے تھے مگر مجھے بے وقوف بن کر پانچ روپے لٹانا بھی منظور نہیں تھا۔ میں نے اس پر واضح کر دیا کہ کمرے کی ضرورت ہوئی تو واپسی پر کچھ طے کر لیا جائے گا۔

اس نے میری بات سے نہ جانے کیا مفہوم نکالا کہ دونوں ہاتھوں سے منہ دبا کر ہنسنے لگی۔ وہ بے باک ضرور تھی مگر بد تمیز نہیں تھی۔ اپنی ہنسی پر قابو پا کر جلد ہی میرے ساتھ ہولی۔

اس وقت سورج اپنے سفر کی آخری منزل کی طرف رواں تھا، فضا میں ہر طرف اجالا پھیلا ہوا تھا۔ گھر سے باہر نکل کر میں نے پہلی بار غور سے اس کی طرف دیکھا تو میں اس پر ترس کھائے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ خوب صورت اور کم عمر تھی۔ نہ جانے کن مجبوریوں کے تحت گناہوں کی اس بھیانک دلدل میں اتری ہوئی تھی۔

یہ اس پیشے کا عالمی اصول ہے کہ پہلی ملاقات پر لڑکی کا ماضی کریدنے کی فطری کوشش کی جائے تو وہ ہمیشہ اپنی مظلومیت اور بے چارگی کے اظہار کے لیے ایک مخصوص اسلوب اختیار کرتی ہے۔

میں نے گفتگو کی ابتدا اس کے مختصر سے نام سے کی تو اس نے اعتراف کیا کہ وہ اس کا فرضی نام تھا۔ گھر بار کی عزت کے لیے وہ اور اس جیسی ہر لڑکی اپنا اصل نام چھپاتی تھی۔

وہ ایک غریب گھرانے کی سب سے بڑی بیٹی تھی۔ چند برس پہلے، باپ کے انتقال کے بعد ماں، تین چھوٹی بہنوں اور سب سے چھوٹے بھائی کی کفالت کا بوجھ سر پر پڑا تو وہ گھر سے ملازمت کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ وہ خوش رو اور خوش گفتار تھی، انٹر پاس تھی۔ اسے آسانی سے ملازمت مل گئی مگر دوسرے ہی ہفتے اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کا باس اس سے دفتری کاموں کے ساتھ کچھ ذاتی کام بھی لینا چاہتا تھا۔ اپنے شان دار دفتر کی خلوت میں اس نے نیا کو شان دار مستقبل کے خواب دکھا کر اپنے چنگل میں لینا چاہا تو وہ خوف زدہ ہو کر اس کے دفتر سے بھاگ نکلی۔

اس نے وہاں سے اپنے دس پندرہ دن کے واجبات بھی نہیں لیے اور گھر لوٹ کر دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

پہلے بھیانک تجربے کے کئی روز بعد اس نے دوسری کوشش کی۔ تیسری تنخواہ کے ساتھ اسے ملازمت سے جواب مل گیا کیونکہ اس نے اپنے مالک کے سیکریٹری سے عشق لڑانے سے انکار کر دیا تھا۔ ادھیڑ عمر سیکریٹری نے اپنی ناکامی پر جھلا کر نیا کے خلاف، اپنے مالک کے ایسے کان بھرے کہ اس نے اپنے دفتر میں ایک طویل لیکچر دے کر نوکری سے نکال دیا۔

وہ پے در پے کئی ناکام تجربات سے گزری۔ ہر بار اسے یہ سبق ملا کہ اس جیسی لڑکی صرف نوکری کر کے اپنے گھر والوں کا پیٹ نہیں پال سکتی۔ اسے کچھ نہ کچھ گندے سمجھوتے بھی کرنے پڑیں گے۔

اسی دوران میں اس کی نظروں سے ایک بیوٹی پارلر کا اشتہار گزرا۔ وہ انٹرویو کے لیے پہنچی تو نسرین باجی اپنی سہیلی کے بیوٹی پارلر میں موجود تھی۔ اس کے گھریلو حالات کے بارے میں کرید کرید کر سوالات کرنے کے بعد نسرین باجی نے کھل کر اسے بتا دیا کہ چھ ہزار روپے ماہانہ کے عوض کیا کرنا ہوگا۔

نیا کو نسرین باجی کی یہ ادا پسند آئی کہ وہ دوغلی نہیں تھی۔ جو چاہتی تھی، کھل کر بتا رہی تھی۔ دوسرے آجر پکے منافق ثابت ہوئے تھے۔ خشک اور معصوم بلکہ بارعب کاروباری چہروں کے پیچھے، کہیں نہ کہیں ہوس کا جال بچھائے بیٹھے تھے۔ کہتے کچھ تھے، چاہتے کچھ اور تھے۔

نیا نے سوچا کہ گھر والوں کا پیٹ بھرنے کے لیے یہی سب کرنا ہے تو پھر کیوں نہ باجی کے لیے کیا جائے۔ وہ اسے دگنی تنخواہ کی پیشکش کر رہی تھی۔ نیا نے گھر والوں کو بتایا کہ اسے شام سے رات تک کے لیے بیوٹی پارلر میں چھ ہزار کی نوکری مل گئی ہے تو بیوہ ماں کی آنکھیں ممتا کے نور سے چمک اٹھیں۔ اس کے ہاتھ بیٹی کی ترقی کی دعا کے لیے اٹھ گئے۔

واپسی میں دیر سویر کو نیا نے اپنی نئی نوکری کا معمول بتایا تھا۔ سب جانتے تھے کہ دلہنوں اور بیگمات کے میک اپ میں کتنا وقت لگتا ہے۔ شہر میں تقریبات دیر سے ہوتی ہیں، اس لیے "گاہک" دیر سے آتی ہیں اور ان کی تیاری میں نیا کو بھی دیر ہو جاتی ہے۔

تنخواہ کے علاوہ، وہ کبھی کبھار اوپر کی آمدنی کے دو چار سو اپنی ماں کے ہاتھ میں دینے لگی تو کسی کو کوئی فکر اور تشویش ہی نہ رہی۔ سب ان بیگمات اور دلہنوں کے حق میں دعائے خیر کرتے تھے جو نیا کا زیادہ وقت لیتی تھیں تو اسے دل کھول کر انعام بھی دیتی تھیں۔

اس کام میں باجی کی بیوٹی پارلر والی سہیلی بھی کسی نہ کسی حد تک شریک تھی۔ کسی بھی لڑکی کے لیے گھر بار سے فون آتا تو وہ بہانا کر دیتی کہ مطلوبہ لڑکی کہیں خضاب یا مہندی لگانے گئی ہوئی ہے۔ فون پر باجی کے ذریعے لڑکی کو پیغام ملتا تو وہ اپنے گھر فون کر لیتی۔ یوں ہر ایک کا بھرم رہ جاتا تھا۔

میں اس کہانی کے دوران میں نیا سے ہمدردی بھی ظاہر کرتا رہا۔ میں اس کی ذہنی رو کو ایسی راہ پر ڈال رہا تھا کہ وہ اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کو فراموش کر کے مجھے اپنا ہمدرد اور بہی خواہ محسوس کرنے لگے۔

مختلف علاقوں کی سیر کرتے ہوئے ہم شام کو کلفٹن کے ساحل پر پہنچے تو بہت دور، سورج کا قرمزی اور نارنجی گولا دھیرے دھیرے آسمان اور پانی کی چھوتی ہوئی لکیر سے نیچے ڈوب رہا تھا۔

"ساحل پر سورج ڈوبنے کا منظر کس قدر حسین ہوتا ہے!" نیا جذباتی لہجے میں بولی۔

"یہاں سورج واقعی ڈوبتا ہوا نظر آتا ہے۔ شہر میں تو یہ صرف غروب ہوتا ہے۔"

"تم نے میری ساری رام کہانی سن لی۔ اب اپنے بارے میں بھی کچھ بتاؤ نا!" کچھ دیر کے گہرے سکوت کے بعد نیا نے میرا بازو بھینچ کر مجھ سے مطالبہ کیا۔

"مجھے میرے پارٹنر نے کئی لاکھ روپے کی چوٹ دی ہے۔" میں نے اداسی سے کہا "اور اب وہ غائب ہے۔ بس' وہی غم غلط کرنے کے لیے میں آج تمہاری طرف آیا تھا۔ نرگس ہوتی تو وہ میرے زخموں پر کچھ مرہم رکھ سکتی تھی۔"

"نرگس! تم نے دوسری بار اس کا نام لیا ہے۔ کیا وہ تمہیں جانتی ہے؟"

"ہم دونوں ایک دوسرے کو نہیں جانتے مگر مجھے یہ معلوم ہے کہ میرا دغاباز پارٹنر نرگس پر بری طرح مرتا ہے۔"

"کیا نام ہے تمہارے پارٹنر کا؟" نیا چالاک تھی مگر تجربے کار نہیں تھی' تجسس میں مبتلا ہو گئی "تم نے تو بتایا تھا کہ تمہیں جاوید نے باجی کا نام اور پتا دیا تھا۔"

میرا جی چاہا کہ اس کا منہ بند کر دوں۔ نسرین نے باجی جیسے مقدس رشتے کو بری طرح پامال کیا ہوا تھا۔ وہ عورت' باجی نہیں' پاجی کہلانے کی مستحق تھی مگر میں نے ضبط سے کام لیا اور مضمحل سی آواز میں نیا کو بتایا "یہ اتفاق ہے کہ جاوید اور مقبول' دونوں تمہاری باجی کی ڈیوڑھی کے غلام ہیں....."

"اوہو.... تو مقبول نے تمہیں لاکھوں کا دھوکا دیا ہے۔" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑی۔

"تم مقبول کو جانتی ہو؟ اس کا پورا نام مقبول چوہدری ہے۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ آتا رہتا تھا۔ پچھلے ہفتے سے غائب ہے۔" نیا کے لب ولہجے سے نفرت ابلی پڑ رہی تھی "وہ بہت مکار' خود غرض اور گھمنڈی ہے۔ باجی کو پیسے دے کر ہم لوگوں سے اپنا اور نرگس کا بدن دبواتا ہے۔ جب سے اس نے نرگس پر ہاتھ رکھا ہے' اس کمینے کے بھی نخرے ہو گئے ہیں۔ باجی نے اسے کام سے ہٹا دیا ہے اور اس کی جگہ نئی لڑکی رکھ لی ہے۔"

مقبول کے خلاف اس کی نفرت کا اندازہ ہوتے ہی میں اپنی نشست میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا "نرگس کام نہیں کرتی تو آج کہاں گئی ہوئی تھی؟"

"وہ کہیں بھی نہیں گئی۔ میں نے تم سے بہانا کیا تھا۔ وہ پیچھے کے بڑے بیڈ روم میں مقبول کے زخموں کی مرہم پٹی کر رہی تھی۔" نیا کا لہجہ تحقیر آمیز تھا "کسی نے اسے چار چوٹ کی مار ماری ہے۔ وہ کل رات سے باجی کے گھر میں پڑا ہوا ہے۔ اس کی اکارڈ باجی نے خود ایئرپورٹ پر چھوڑی تھی۔"

نیا میرے مطلب کے موضوع پر آئی تو اس نے اپنی معلومات کا خزانہ لٹانا شروع کر دیا۔ اکارڈ کے بارے میں اس کے اچھوتے انکشاف نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

"گاڑی ایئرپورٹ پر کیوں چھوڑی؟ یہ باتیں تم مجھے اب بتا رہی ہو؟"

"وہ باجی کے پاس چھپا ہوا ہے۔ گاڑی وہاں سے ملے گی تو لوگ سوچیں گے کہ وہ جہاز سے کہیں اور چلا گیا ہے۔ باجی گاڑی چھوڑ کر ٹیکسی سے واپس آئی تھیں۔"

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ میں اس دھوکے باز کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"رات کو وہ آیا تو تین لڑکیاں گھر میں مہمانوں کو بھگتا رہی تھیں۔ رات کی باتیں انہوں نے بتائیں اور اس لولے زخمی کو تو ہم خود دیکھ چکے ہیں۔ سب اس کی نوکرانیاں بنی ہوئی ہیں مگر باجی نے سب کو منع کر دیا ہے کہ مقبول کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائیں۔"

"پھر تم یہ باتیں مجھے کیوں بتا رہی ہو؟" میں نے اسے گھورا۔

میرے سوال پر وہ سٹپٹا گئی "تم.... تم ہی نے تو پوچھا تھا۔ تم اس کا نام نہ لیتے تو میں تمہیں ایک لفظ بھی نہ بتاتی۔"

اس کی تشویش رفع کرنے کے لیے میں ہنس پڑا "اس نے تمہاری باجی کو اپنے زخموں کے بارے میں کیا بتایا ہے؟"

"یہ نہیں معلوم.... لڑکیوں سے سنا ہے کہ کسی سے اس کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ وہ ان لوگوں سے چھپنے کے لیے باجی کے گھر آیا ہے۔ زخم بھر جائیں گے تو جا کر اپنے دشمنوں سے بدلہ لے گا۔"

"اسے وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا "وہ کسی ہوٹل میں چلا جاتا۔"

"ہوٹل میں وہ تماشا بن جاتا۔ تم نے نہیں دیکھا کہ اس کا پورا منہ زخمی ہے اور ایک بازو پٹیوں میں بندھا ہوا ہے۔ ہوٹل والے ایسے آدمی کو کمرا کیسے دیتے؟"

"تم نے اپنی باجی کے حکم کی خلاف ورزی کر کے مجھے یہ سب باتیں بتائی ہیں۔ نسرین کو پتا چلے گا تو وہ تمہیں کھڑے کھڑے نوکری سے نکال دے گی۔" میں نے اسے پکا کرنے کے لیے کہا۔

"تم بتاؤ گے تو انہیں پتا چلے گا ورنہ انہیں کیا معلوم کہ ہم کیا باتیں کرتے رہے ہیں۔"

"اگر میں نسرین کو بتا دوں تو کیا ہو گا؟" میں نے گاڑی گھماتے ہوئے پوچھا۔

"وہ مجھے نوکری سے نکالتی ہے تو نکال دے۔ دو برسوں میں' میں نے بہت کام سیکھ لیا ہے۔ میں چل پھر کر اس سے زیادہ پیسے کما سکتی ہوں۔ یہاں بس ایک بھرم ہے کہ میں بیوٹی پارلر میں کام کرتی ہوں۔"

"دیکھو! مقبول نے میرا پیسا کھایا ہوا ہے اور تمہیں موقع بے موقع ذلیل کرتا رہتا ہے۔ تم ذرا سی ہمت کرو تو ہم دونوں مل کر اس سے بدلہ لے سکتے ہیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"ساحل کا منظر اس قدر حسین ہے۔ تم گاڑی کہاں لیے

جا رہے ہو؟" نیا نے میری بات سنی اَن سنی کر کے احتجاج کیا "میں ابھی گھر واپس نہیں جاؤں گی۔"

"میں تمہیں گھر نہیں لے جا رہا۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "تم میری بات کا جواب دو۔"

"میں اس ذلیل آدمی سے بدلہ لے کر کیا کروں گی؟ خدا اسے خود ہی ذلیل اور خوار کر رہا ہے پھر بھی باجی اسے اپنا داماد بنانے کے خواب دیکھ رہی ہے۔ وہ پیسے پر جان دینے والی عورت ہے۔"

"داماد!" میں نے حیرت سے دہرایا "تو کیا نرگس، نسرین کی بیٹی ہے؟"

"نرگس اور ثریا اس کی بیٹیاں ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ باجی گندے بازار سے اٹھ کر شریفوں کی بستی میں آبسی ہے جب ہی اپنی بیٹیوں کو بھی کام پر لگایا ہوا ہے۔ جب سے نرگس نے مقبول پر ڈورے ڈالے ہیں، وہ روز نئے نمونوں کی بد تمیزیاں برداشت کرنے سے بچ گئی ہے۔"

نسرین کے بارے میں نیا کی رائے سے اختلاف کرنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔ اس کی رگوں میں شریف خون دوڑ رہا ہوتا تو وہ خود جو چاہتی، کرتی رہتی لیکن اپنی بیٹیوں کو غلط راستے پر نہ لگاتی۔ نیا اس سے ہزار درجے بہتر اور عظیم تھی کہ اپنے گھر کی عزت کی خاطر نام بدل کر وہ گندی نوکری کر رہی تھی۔ جائز روزی کے حصول کے لیے اس کا ہر تجربہ ناکام ہو چکا تھا اور اس نے مجبوری کے عالم میں، محض اپنے گھر والوں کے لیے، نسرین کی نوکری قبول کی تھی۔

"تمہیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ گھر جا کر نسرین کو ایک بات سمجھانی ہے کہ اب مقبول بالکل کنگال ہو چکا ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی وہ مقبول کو گھر سے نکال دے گی۔"

"وہ یقین ہی نہیں کرے گی۔" نیا نے پورے وثوق سے کہا۔ "وہ ابھی تک تلملا رہی ہے کہ مقبول نے ذرا سے ڈر کی وجہ سے اپنی لاکھوں کی گاڑی بلاوجہ ایرپورٹ بھجوا دی۔ وہ اسے اپنے استعمال کے لیے رکھنا چاہ رہی تھی۔ مقبول نے اسے ڈانٹ کر گاڑی لے جانے پر مجبور کیا تھا۔"

"تم ہمت کرو تو نسرین کیا، مقبول بھی تمہاری بات کو نہیں جھٹلا سکے گا۔" میں نے اصرار کیا "مقبول بالکل قلاش ہے۔ کل تک وہ اپنے ماموں کے مال پر عیش کر رہا تھا، آج ماموں اس کی تلاش میں ہے....."

"کیا....؟" نیا کا منہ حیرت سے کھل گیا "تمہارا مطلب ہے کہ تم مقبول کے ماموں ہو۔"

"نہیں۔" میں نے جھلّا کر کہا "اس کا ماموں کوئی اور ہے۔ میری طرح وہ بھی اس کی تلاش میں ہے اور رات کو وہ چور کی طرح چھپتا چھپاتا جس گاڑی میں وہاں پہنچا تھا، وہ چوری کی تھی۔ کل تک یہ خبر اخباروں میں آجائے گی۔"

"پیسا ماموں کا تھا، گاڑی چوری کی تھی تو پھر اس نے نرگس پر لاکھوں روپے کیسے لٹا دیے....؟"

"وہ اپنے ماموں کے پیسے کو آگ لگا رہا تھا۔ اب اس کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔ وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہو چکا ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اسے سمجھانا چاہا۔

وہ اپنے جسم سے چھ ہزار روپے مہینہ کمانے والی ایک غریب لڑکی تھی، لاکھوں کا وہ ہیر پھیر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا "میں نسرین سے یہ سب کہہ دوں پھر تم اپنا مال واپس لینے کے لیے شریف آباد پر چڑھائی کر دو گے؟" اس نے الجھے الجھے انداز میں سوال کیا۔

"اس کے لیے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم پر کوئی آنچ نہ آئے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری باتیں سن کر مقبول خود وہاں سے بھاگ نکلے گا۔ نسرین کو اس سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں باہر اسے گھیر لوں گا۔ نسرین نے اپنی زبان بند رکھی تو اسے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"میں اسے کیا بتاؤں گی؟ وہ پوچھے گا کہ یہ ساری باتیں مجھے کس نے بتائی ہیں؟" وہ روہانسی ہونے لگی۔

"وہ حواس باختہ ہو جائے گا، اسے تم سے کچھ پوچھنے کا ہوش نہیں رہے گا۔" میں نے اس کا شانہ سہلاتے ہوئے کہا "پوچھے تو کہہ دینا کہ نئے مہمان یا گاہک نے بتائی ہیں۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔ تم نے ابھی تک مجھے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ کیا یہی سب بتانے کے لیے مجھے وہاں سے نکال کر کلفٹن لائے تھے؟" میرے دلاسے سے بھی اس کی تشفی نہیں ہو سکی۔

"اچھا ہوا کہ بے خبری میں ہم وہاں سے نکل آئے۔ نسرین کے گھر میں بیٹھے رہتے اور اچانک اس سے سامنا ہو جاتا تو وہاں بہت خون خرابا ہوتا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو پہچان لیتے اور جھگڑا شروع ہو جاتا۔"

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو....؟ میرے ہاتھ پیروں میں خوف سے اینٹھن ہو رہی ہے۔ رک رک کر شروع سے بتاؤ کہ مجھے کیا کہنا اور کرنا ہے۔" نیا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

میں نے ایک بار پھر اسے اس کا رول سمجھانا شروع کر دیا۔ وہ ہراس کے عالم میں پوری توجہ سے میری بات سن رہی تھی۔

"مجھے اپنے ساتھ کہیں لے چلو۔" پوری بات سن لینے کے بعد وہ پھر پھیل گئی "میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ مقبول کو مجھ پر شبہ ہو گیا تو میں بے موت ماری جاؤں گی۔"

مجھے غصہ آگیا "تم ایسی کی تیسی میں جاؤ۔ میں تمہیں کہیں نہیں لے جا سکتا۔ گھر میں گھس کر اسے ماروں گا اور پھر جو کچھ ہوگا، اس کی ذمّے دار تم ہوگی۔"

اس نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا اور مجھے گاڑی فوراً ہی ڈیفنس کی ایک سنسان گلی میں موڑنی پڑ گئی۔

کچھ دیر تک میں دانت پر دانت جمائے دھیمی رفتار سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ جب اس کے سُر بند نہ ہوئے تو میں نے گاڑی ایک خالی پلاٹ پر پڑے ہوئے کچرے کے ڈھیر پر چڑھا کر روک دی۔

ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سامنے کا منظر دیکھ کر وہ خوف زدہ ہوگئی۔ اس حرکت کا فوری فائدہ یہ ہوا کہ وہ رونا بھول گئی "گاڑی یہاں کیوں روکی ہے؟" اس نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

"اب تمہارے حلق سے رونے کی منحوس آواز برآمد ہوئی تو تمہارا گلا دبا کر تمہیں یہیں پھینک دوں گا۔" میں نے خشک اور غصیلے لہجے میں اسے دھمکی دی۔

"اب تو میں خاموش ہوں۔ گاڑی یہاں سے اتار لو۔ میں وہی کروں گی جو تم کہہ رہے ہو۔"

میں نے ایک جھٹکے سے گاڑی ریورس کی اور دوبارہ سڑک پر آگیا۔

کچھ دیر تک خاموش رہ کر میں نے اپنا غصہ ضبط کیا پھر اسے حکم دیا "اب جلدی جلدی بتاتی چلی جاؤ کہ تمہیں نسرین سے کیا کیا کہنا ہے۔"

کچھ دیر پہلے تک وہ حماقت میں خود کررہا تھا۔ میرے آنکھیں دکھانے پر اس نے اپنا آموختہ' بدلے ہوئے الفاظ میں دہرانا شروع کردیا۔ یہ غنیمت تھا کہ میرا بتایا ہوا اصل متن اس کی ناکارہ کھوپڑی میں جم چکا تھا۔

میں نے چلتی کار میں موبائل فون کی میموری کی مدد سے گھر کا نمبر ملایا۔

فون پر سلطان شاہ موجود تھا۔ میری آواز سنتے ہی چہکنے لگا "شام سے تم کہاں غائب ہو۔ تمہاری طرف سے سب فکر مند ہیں۔ تم نے جاتے ہوئے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"میں اپنے اچھے بُرے کو خوب سمجھتا ہوں۔ کہیں آنے جانے کے لیے مجھے تمہاری یا کسی اور کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے کن انکھیوں سے نیا کا ردِ عمل دیکھتے ہوئے درشت لہجے میں کہا "میں دو ہزار روپے میں اس وقت ایک لڑکی کے ساتھ عیش کررہا ہوں۔ تم نے زیادہ بکواس کی تو میں اس کا منہ توڑ دوں گا۔"

"اوہ.... تم یہ سب کسے سنا رہے ہو؟ کیا واقعی تمہارا معیار اتنا پست ہوگیا ہے کہ بات چوبیس ہزار روپے درجن تک پہنچ گئی ہے؟" سلطان شاہ موقع کی نزاکت کو فوراً بھانپ گیا۔

"ہاں۔ میں اسی کا منہ توڑوں گا کیونکہ اس نے رو رو کر میرا دماغ خراب کردیا ہے۔ مقبول اسی کی نائکہ کے گھر میں چھپا ہوا ہے اور یہ اسے میرے ہاتھوں سے بچانا چاہتی ہے۔"

"مبارک ہو!" سلطان شاہ وہ خبر سنتے ہی شاید خوشی سے اچھل پڑا "یقین نہیں آتا کہ تم نے اتنی آسانی سے اپنے گم شدہ ہدف کو ڈھونڈ نکالا ہے۔ اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟"

"یہ شریف آباد جاکر اسے گھر سے نکالے گی اور میں اسے گھیر لوں گا۔ تم فوراً الاعظم کے نمکو سینٹر یا اسپتال کے پاس پہنچ جاؤ۔ کتوں والی مشین ضرور ساتھ لے آنا۔"

"ڈارٹ گن کے ساتھ شاید بلیو شائٹس کی ضرورت ہوگی۔"

سلطان شاہ کا ذہن پوری طرح کام کررہا تھا "عورتوں کو تو ساتھ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"فی الحال یہی ایک کافی ہے۔ تم پوری بات سمجھ گئے ہو۔"

میں نے فون بند کردیا۔

"برا نہ مانو تو مجھے بھی بتا دو کہ تم کس سے بات کررہے تھے۔" نیا نے ہولے سے کہا۔

"ایک دوست تھا۔ کارپوریشن میں کتے پکڑنے کا کام کرتا ہے۔ مقبول کو وہی پکڑے گا۔" اس بار میں نے نرمی سے جواب دیا۔ زیادہ تلخی کا مظاہرہ کرکے میں اسے بددل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"میں ڈر رہی تھی کہ کہیں تم پولیس کو نہ بلالو۔ نسرین وردی والوں سے بہت ڈرتی ہے۔ اس سے ملنے کے لیے وہ لوگ سادہ کپڑوں میں آتے ہیں۔"

"میں اپنے معاملے خود نمٹاتا ہوں۔ پولیس' تھانے سے کوئی مدد نہیں لیتا۔"

"یہ خیال رکھنا کہ نسرین کے گھر کے پاس کوئی گڑبڑ نہ ہو۔"

کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد نیا نے التجا کی "وہاں ہم پانچ لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ وہ ٹھکانا بند ہوا تو پانچوں گھروں کے چولہے بجھ جائیں گے۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم کہہ رہی تھیں کہ تمہیں اس نوکری کی پروا نہیں ہے۔ تم خود بھی بہت کچھ سیکھ گئی ہو۔"

"شاید میں نے جوش میں کہہ دیا ہوگا۔ آج کل بے عزتی کے کاموں کے لیے بھی عزت دار ٹھکانے کی ضرورت ہوتی ہے پھر ہمارے سروں پر نسرین کا ہاتھ بھی ہے۔ اس سے ہمیں بہت زیادہ حوصلہ رہتا ہے۔"

میں چپ رہا۔ اس کے الفاظ نے میرے ذہن میں ایک طوفان سا برپا کردیا تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی' وہ اس کی زندگی کا سچا تجربہ تھا اس کے سوا سب کچھ جھوٹ تھا۔

"تم دوسرے مردوں کی طرح نہیں ہو۔ مجھے بہت اچھے لگے ہو۔" آخر نیا نے ہی وہ سکوت توڑا "دوسرے تو ہماری بوٹی بوٹی سے اپنی رقم کا معاوضہ وصول کرتے ہیں.... تم چپ کیوں ہوگئے ہو؟"

"مجبور اور بے بس لڑکیوں کے سامنے مجھے ایسی ہی چپ لگتی ہے' چالاک لومڑیوں کا شکار کھیلنے میں لطف آتا ہے۔"

"تم سے بعد میں ملاقات ہوسکتی ہے؟" اس نے اپنے ناخنوں سے کھیلتے ہوئے پوچھا۔

میں نے بوجھل دل کے ساتھ اپنا موبائل فون نمبر بتایا جو اس نے گاڑی میں موجود قلم اور کاغذ کی مدد سے نوٹ کرلیا۔

شریف آباد میں، میں نے نیا کو نسرین کے مکان سے دانستہ کچھ دور اتارا تاکہ اس کے گھر میں گھسنے سے پہلے میں سلطان شاہ کو لے کر وہاں پہنچ سکوں۔

اسے اتار کر میں آگے بڑھا تو اسپتال کی دیوار کے قریب سلطان شاہ میرا منتظر تھا۔ اسے لے کر میں تیزی سے نسرین کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور سلطان شاہ کو بریف کرنا شروع کر دیا۔

میرے لیے دو نکات اہم تھے۔ اپنی گاڑی کو نیا کی نگاہوں سے بچانا اور نسرین کے مکان کے اگلے اور پچھلے راستوں پر بیک وقت نگاہ رکھنا۔ ان دونوں کا حل بہت سادہ تھا۔

نیا کو سامنے کے دروازے سے گھر میں داخل ہونا تھا۔ میں نے سلطان شاہ کو ادھر مامور کر دیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ مقبول وہاں سے بھاگنے کے لیے پیچھے والی تنگ، کچی اور گندی گلی استعمال کرے گا۔ میں نے اپنی گاڑی اس طرح پارک کی کہ وہ نیم تاریک گلی میری نگاہوں میں رہے۔

نسرین کا گھر علاقے میں ویسے ہی بدنام تھا۔ قرب و جوار میں رہنے والوں میں سے کسی نے میری گاڑی اور سلطان شاہ کی مشتبہ موجودگی کو محسوس کر لیا ہو تب بھی کسی نے ہمارے منہ لگنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ننگ اور بدنام لوگوں سے شرفا کی کنارہ کشی نے معاشرتی بگاڑ میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ ہر برے آدمی کو یہ یقین ہوتا تھا کہ وہ کہیں بھی پہنچ کر غنڈا گردی کرے، کوئی اسے روکنے کے لیے پیش قدمی نہیں کرے گا۔ پورا معاملہ اس کے اور متاثرہ فریق کے درمیان ہی طے ہوگا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ میں فاصلے کے لحاظ سے حساب لگاتا رہا کہ نیا کب گھر میں داخل ہوئی ہوگی اور کب اس نے نسرین کو اعتماد میں لیا ہوگا۔

میری توقع سے کہیں زیادہ وقت گزر گیا لیکن وہ انتظار رائیگاں نہیں گیا۔ خاصے طویل وقفے کے بعد نسرین کے مکان کا پچھلا دروازہ کھلا، کسی دراز قامت مرد نے سر نکال کر دائیں بائیں دیکھا اور پھرتی سے گلی میں آکر میری مخالف سمت میں چل دیا۔ اس کی چال، قامت اور جسامت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مقبول چوہدری ہی تھا۔

نسرین کا مکان کونے پر واقع تھا۔ گھر سے نکل کر وہ چند قدم چلتا اور گندی گلی سے باہر آجاتا مگر مقبول نے بالکل مخالف سمت اختیار کی تھی۔ وہ مکانوں کی ایک طویل قطار عبور کر کے ہی دوسری طرف نکل سکتا تھا۔

میں نے تیزی سے گاڑی گھمائی، سلطان شاہ غافل نہیں تھا۔ کسی غیر معمولی سرعت کا مظاہرہ کیے بغیر وہ مجھ سے آملا اور میں نے گاڑی اگلی گلی میں موڑ لی۔

"وہ گندی گلی کے آخری سرے پر نمودار ہوگا۔ ڈارٹ گن تیار کر لو۔" میں نے اسے ہدایت کی۔

"اسے بہت لمبی گلی طے کرنی پڑے گی۔ تم مجھے پہلے سے وہاں اتار دو۔ پیدل رہ کر میں اسے آسانی سے اپنا نشانہ بنا سکوں گا۔ گاڑی میں بیٹھا رہا تو فاصلے اور ہوا کی وجہ سے نشانہ خطا ہو سکتا ہے۔"

سلطان شاہ کی وہ بات تجربے پر مبنی تھی۔ مقبول نے آدھی گلی بھی طے نہیں کی ہوگی کہ میں نے سلطان شاہ کو آخر میں اتار کر گاڑی کو ذرا فاصلے پر کنارے سے لگا دیا۔

سلطان شاہ چہل قدمی کے انداز میں تپلی گلی کے سامنے سے گزرا اور مقبول کی پوزیشن کے مطابق چند قدم دور جا کر واپس ہولیا۔

اس کا اندازہ اس قدر صحیح ثابت ہوا کہ ادھر مقبول لمبے لمبے ڈگ بھرتا، گلی سے نکل کر داہنی طرف مڑا اور ادھر سلطان شاہ اس سے چند قدم پیچھے پہنچا ہوا تھا۔ اردگرد پھیلی ہوئی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر سلطان شاہ نے جیب سے داہنا ہاتھ باہر نکال کر ڈارٹ گن چلائی، مقبول چلتے چلتے لڑکھڑا کر اپنی جگہ پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے جسیم وجود کے گرنے کی آواز اتنی پرشور تھی کہ کچھ فاصلے پر موجود افراد بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ اسے گرتا دیکھ کر وہ تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

اس دوران میں سلطان شاہ کی ڈارٹ گن دوبارہ اس کی جیب میں غائب ہو چکی تھی۔ وہی مقبول چوہدری سے سب سے زیادہ قریب تھا۔ دوڑ کر فوراً اس کے پاس پہنچ گیا۔ دوسروں کو واقعے کے سر پیر کا کچھ علم نہیں تھا جب کہ مجھے ڈارٹ شاٹ کی فکر تھی۔ اندھیرے میں سلطان شاہ کے داہنے ہاتھ کی حرکت سے میں نے اندازہ کر لیا کہ قربت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، اس نے ڈارٹ کو مقبول کے بدن سے نکال کر کہیں اچھال دیا تھا۔

اس کے گرد مجمع لگتے ہی میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے بڑھا کر ایسی جگہ پر لے گیا جہاں سے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی نے مقبول کو نہلا دیا تھا۔

اس پر روشنی پڑتے ہی سب کے دہانوں سے تحیر زدہ آوازیں نکلیں اور انہوں نے اس کے ساکت وجود کو اٹھاتے اٹھاتے زمین پر ڈال دیا۔

"اوہ! یہ تو پہلے سے بہت زیادہ زخمی ہے.... اس کا پورا چہرہ پرانی چوٹوں سے سوجا ہوا ہے۔ شاید ایک ہاتھ بھی ٹوٹا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گر کر مر چکا ہے۔"

بھانت بھانت کے ان تبصروں میں سلطان شاہ کی تحیر زدہ آواز بھی شامل تھی۔ اپنی بناوٹی حیرت کا اظہار کرنے کے بعد اس نے دوسروں کو مخاطب کیا "اٹھاتے اٹھاتے اسے پھینک کیوں دیا؟ یہ زندہ ہے یا مردہ، اس بے چارے کو کسی اسپتال تو پہنچا دو۔ گاڑی بھی کھڑی ہے۔"

میں نے ہیڈ لیمپس بجھائے بغیر انجن بند کیا اور ہینڈ بریک کھینچ

کر تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔
"یار یہ چلتے چلتے گرا تھا۔ اپنی گاڑی میں اسے اسپتال چھوڑ دو گے؟" مقبول کے گرد جمع ہونے والوں میں سے ایک نوجوان نے مجھ سے پوچھا۔
"یار، مجھے جلدی ہے۔ اٹھا کر کسی بھی کلینک پر لے جاؤ۔" میں نے کہا۔
"کوئی نیا آدمی ہے۔ پتا نہیں کہاں سے آیا ہے۔ مجھے تو یہ پولیس کیس لگتا ہے۔" ایک آدمی یہ کہہ کر تیزی سے اپنی راہ ہولیا۔ کسی نے اسے ملامت نہیں کی۔
"بھائی، اسپتال پہنچا کر چلے جانا۔ تمہارا وقت انسانی جان سے زیادہ قیمتی تو نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے پوری سنجیدگی سے میری خوشامد کی "آج کل تو لوگوں کے دل پتھر ہو گئے ہیں۔"
"اچھا!" میں نے نیم دلی سے کہا "پھر جلدی اٹھاؤ اسے۔ وقت خراب مت کرو۔"
وہاں لوگوں کی تعداد بڑھنے لگی تھی۔ چند افراد نے مقبول کو اٹھا کر میری گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈالا۔ سلطان شاہ ہمدردانہ انداز میں اس کا سر گود میں لے کر اندر گھس چکا تھا۔
"ایک دو آدمی اور آجاؤ۔ اسپتال میں اسے اتارنا بھی ہوگا۔" میں نے دعوت دی۔
مجمع میں سے کوئی آگے نہیں آیا۔ کسی نے ہانک لگائی "وقت خراب مت کرو۔ تم دونوں ہی اسے لے جاؤ۔ اسپتال والے خود اتار لیں گے۔"
"لعنت ہو تم لوگوں کی بزدلی پر۔" گاڑی کا انجن بیدار ہونے پر سلطان شاہ کھڑکی میں سے غرایا "کل تم میں سے بھی کسی کو ایسی مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"
میں گاڑی کی رفتار بڑھا چکا تھا۔ ہم مقبول چوہدری کو بھرے مجمع میں سے نکال لانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔
پیچھے ہلکا سا دھماکا ہوا اور پھر سلطان شاہ کی بڑبڑاہٹ سنائی دی "تیرے لیے سیٹ سے زیادہ پائیدان ہی اچھا ہے۔ میرے کپڑے بھی مٹی سے گندے کروا دیے مردود نے۔"
وہ چلتی گاڑی میں بندر کی سی پھرتی سے اچک کر میرے برابر والی نشست پر آگیا۔
"اب بتاؤ کہ تم نے اس کا کھوج کیسے نکال لیا۔" مشن پورا ہو جانے کے بعد سلطان شاہ نے جرح شروع کر دی "مجھے اندازہ نہیں تھا تم اکیلے ہی اس کی تلاش میں نکل جاؤ گے۔"
"ہم دونوں ہوتے تو گھوم گھام کر واپس لوٹ جاتے۔ یہ اس علاقے کے ایک بدنام اڈے میں چھپا ہوا تھا۔" میں نے اس کے بے تکے سوالات سے بچنے کے لیے خود ہی سب کچھ بتانا شروع کر دیا۔
"تو یوں کہو کہ نسرین باجی کی شیطان جیسی شہرت نے تمہیں کوئی فیصلہ کرنے میں مدد دی!" سلطان شاہ نے مختصر سی کہانی سننے کے بعد اطمینان سے کہا۔
"بنیادی بات یہی تھی۔" میں نے اس سے اتفاق کیا "یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں مقبول کا سامنا کیے بغیر، نیا سمیت وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہماری کامیابی میں نیا کا کردار بہت اہم ہے۔ گھر پہنچنے کے بعد وہ اپنا ارادہ بدل لیتی تو ہم ساری رات انتظار ہی میں سوکھتے رہتے۔"
"مجھے حیرت ہے کہ خراب شہرت کے باوجود لوگ اپنے درمیان نسرین جیسی شیطان صفت عورت کا وجود برداشت کر رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہاں جانے والوں کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔" وہ بولا۔
"یہ خرابیاں شرمناک ہیں مگر ہم ان کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے۔ یہ اتفاق بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے جن تین افراد سے پتا معلوم کیا، وہ خود رنگین مزاج رہے ہوں۔ ان میں سے کوئی بھی نیک نفس ہوتا تو بے اعتنائی برت کر اپنی لاعلمی کا اظہار کر سکتا تھا۔"
"اتنے بڑے شہر میں اتنی آسانی سے ایک مطلوب مجرم کا سراغ لگانا آسان کام نہیں تھا۔ اب تم نے اسے پکڑ ہی لیا ہے تو کہاں لے جاؤ گے؟"
"تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے اس کا ذہن ٹٹولنے کی کوشش کی۔
"گھر لے گئے تو یہ شور شرابا یا ہنگامہ کھڑا کر دے گا۔" وہ سوچتے ہوئے بولا "بہتر یہی ہے کہ اسے صدف مینشن پہنچا دو۔ آئی بی والوں نے تمہیں اس عمارت کے استعمال کی اجازت دی ہوئی ہے۔"
"آئی بی والوں کو خوشی ہوگی کہ ہم اپنا قیدی صدف مینشن میں لے جائیں مگر پھر یہ ان کا کیس بن جائے گا۔ وہ ابھی تک پنڈت منوہر لال کے معاملے میں الجھے ہوئے ہیں۔"
"ان سے مل بیٹھنے کے بعد ہمیں ان کے ضابطوں کی پابندی کرنی پڑے گی۔" سلطان شاہ پُرتشویش انداز میں بڑبڑایا "ہم اپنی من مانی نہیں کر سکیں گے۔"
"ہم من مانی ہرگز نہیں کرتے۔" میں نے اس کی تصحیح کی "بس خدائی فوجدار بنے ہوئے ہیں۔ اپنے ضمیر کے مطابق بہترین فیصلے کرتے ہیں اور ان پر عمل کر گزرتے ہیں۔"
"میں یہی کہہ رہا تھا کہ اس معاملے میں ہماری آزادیاں سلب ہو جائیں گی۔"
"تم اسٹیشن فور کو کیوں بھول رہے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"اول خان پشاور گیا ہوا ہے۔" اس نے بے ساختہ جواب دیا۔ "وہ ہوتا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔"
"یہ تمہاری نفسیاتی گرہ ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "حامد

سمیت ایس ٹی ایف کے بیشتر افسران ہم سے واقف ہیں اور ہمارے ساتھ پورا پورا تعاون کرتے ہیں۔ مقبول چوہدری ان ہی کی تحویل میں بہتر رہے گا۔"

سلطان شاہ اپنی بغلیں جھانک کر رہ گیا پھر کھسیائے ہوئے انداز میں بولا "تم میرا امتحان لے رہے تھے؟"

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا رہتا ہے۔ پتا نہیں تم ہر وقت سہاروں کی تلاش میں کیوں رہتے ہو۔"

اس وقت ہم حسن اسکوائر کے چوراہے سے گزرنے والے تھے۔ وہ جلدی سے بول پڑا "گاڑی گھر کی طرف سے نکال لو۔ ان دونوں کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔"

"اس وقت تمہارا دماغ ماؤف معلوم ہو رہا ہے۔ انہیں فکر ہوتی تو اب تک کئی فون آ چکے ہوتے۔"

"وہ فون نہیں کریں گی۔ میں نے انہیں منع کر دیا تھا۔ موبائل فون کی گھنٹی غلط موقع پر بجنے لگے تو مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔" اس کی وضاحت کچھ زیادہ ہی بودی تھی۔ وہ بھول رہا تھا کہ موبائل فون بند کر کے غلط موقع پر کسی کی مداخلت کے خطرے کو میں خود ہی دور کر سکتا تھا۔

"ادھر جانے کی ضرورت نہیں، فون پر انہیں بتا دو۔" میں نے موبائل فون اسے دے دیا۔

حسن اسکوائر سے ہم یونیورسٹی کی طرف گھوم گئے۔ وہ اسٹیشن فور تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ تھا۔

میں ڈرائیونگ میں مصروف رہا۔ سلطان شاہ فون پر ویرا سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔

رات زیادہ گہری نہیں ہوئی تھی۔ سڑک پر ٹریفک کا ایک سیلاب رواں تھا۔ راستے میں دو مقامات پر پولیس کی گاڑیاں نظر آئیں لیکن پُر ہجوم ٹریفک کی.....روانی میں خلل کے خطرے کی وجہ سے پولیس کے جوان گاڑیوں کی دیکھ بھال پر زیادہ دھیان نہیں دے رہے تھے۔ میں ویسے بھی سڑک کے انتہائی داہنے سرے پر گاڑی چلانے کا عادی ہوں اس لیے ہم کسی روک ٹوک کے بغیر سفر طے کرتے چلے گئے لیکن چھاؤنی کی چیک پوسٹ پر ہماری گاڑی روک لی گئی۔

ملٹری پولیس کے سنتری نے عقبی نشست کے پائیدان میں مقبول چوہدری کے ٹھنسے ہوئے وجود کی جھلک دیکھتے ہی اپنے ہولسٹر سے پستول نکال کر ہم پر تان لیا۔ اس کی ہینڈز اَپ کی للکار سنتے ہی چوکی پر کھلبلی مچ گئی۔ سب نے میگزین لوڈ کر کے اپنی گنیں سیدھی کیں اور ہماری گاڑی کو نشانے پر لے لیا۔

ہم دونوں اپنے اپنے دروازے کھول کر' ہاتھ اٹھائے گاڑی سے اتر آئے۔

"ہم اسٹیشن فور جا رہے ہیں۔ ایس ٹی ایف کے لیے کام کرتے ہیں۔" میں نے بتایا۔

کسی نے میری بات پر دھیان نہیں دیا۔ کئی آہنی نالیں بیک وقت ہمارے جسموں سے آ لگیں اور پھر چیک پوسٹ کے انچارج نے ہماری جامہ تلاشی لے کر بھانت بھانت کے کئی ہتھیار اپنی تحویل میں لے لیے۔

"گاڑی کنارے سے لگا کر دفتر میں آؤ۔" افسر نے سلطان شاہ کو ہدایت دی اور مجھے اپنے ساتھ اندر لے گیا۔

"تمہاری شناخت!" دفتر میں پہنچ کر اس نے مطالبہ کیا مگر میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ کرنل جمال دستی کے نام پر بنا ہوا شناختی کارڈ گھر پر ہی محفوظ تھا۔

"ہم سویلین ہیں۔ تم فون پر ایس ٹی ایف کے کسی افسر سے بات کر سکتے ہو۔"

اس نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے گھورا پھر سرد لہجے میں پوچھا "نام کیا ہے تمہارا؟"

میں چند لمحوں کے لیے تذبذب میں پڑ گیا۔ اس وقت ہم بہت خراب پوزیشن میں تھے۔ میں کوئی فرضی نام لیتا تو حامد اس کی تصدیق نہ کرتا۔ چیک پوسٹ والوں کا رویّہ فوراً جارحانہ ہو جاتا۔ وہ لوگ ہمارے خلاف خطرناک کمانڈو ایکشن کر کے چند لمحوں میں مجروح اور بے بس کر سکتے تھے۔

"ڈینی!" میں نے دھیرے سے کہا۔

میرا نام سنتے ہی انچارج کے خشم ناک تیور اعتدال پر آئے اور پھر لمحوں ہی لمحوں میں تحیر زدہ نظر آنے لگے "سر! آپ کرسی پر بیٹھ جائیں۔" اس نے مؤدب لہجے میں کہا۔

ماتحت عملے کے لیے ان الفاظ میں پیغام پوشیدہ تھا۔ میرے بدن سے لگی ہوئی تینوں آہنی نالیں الگ ہو گئیں اور میں نقاہت کے احساس کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"سر! ہم ڈسپلن سے مجبور ہیں۔" انچارج فون پر ایک نمبر ملاتے ہوئے کہہ رہا تھا "ضروری شناخت کے بغیر ہم آپ کو اندر نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ کی گاڑی میں ایک زندہ یا مردہ بندہ بھی ہے۔"

اس کا نمبر مل گیا اور اس نے فوراً ہی میرے بارے میں بات شروع کر دی۔ چند مکالموں کے تبادلے کے بعد اس نے ریسیور میرے حوالے کر دیا۔ دوسری طرف حامد ہی موجود تھا۔

"سوری سر!" اس نے میری آواز پہچاننے کے بعد مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا "اب آپ ریسیور صوبیدار میجر کو دے دیں۔ یہ اپنی ڈیوٹی پوری کر رہے ہیں۔"

فون پر شناخت ہوتے ہی ہمیں اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ صوبیدار میجر نے ہمارے ہتھیار لوٹاتے ہوئے بہت تپاک سے ہم دونوں سے ہاتھ ملایا تھا۔ اس نے میرے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا مگر میں نوٹ کر چکا تھا کہ میرا نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ نام سنتے ہی اس کے تیوروں اور لہجے میں نمایاں تبدیلی آئی تھی۔

چیک پوسٹ سے گزرنے کے بعد ہمارا سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ ایس ٹی ایف کی چیک پوسٹ پر حامد خود ہمارے استقبال کے لیے موجود تھا۔

وہ چوبیس گھنٹوں سے بھی کم مدت میں مقبول چوہدری کو ہماری تحویل میں دیکھ کر بے اعتباری سے سرہلا کر رہ گیا "رات کو یہ ہمارے سامنے بھاگا تھا اور اب اس حال میں ہے۔ ایسی کامیابیوں کے بارے میں بس سوچا جا سکتا ہے۔ ان کی مثالیں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں۔"

"اس کی گاڑی ایرپورٹ کی پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہوئی مل جائے گی۔" میں نے اسے بتایا "اسے آج ہی منگوالو۔ صبح کے اخباروں میں مائیکرو آٹوز سے چوری ہونے والی اس گاڑی کی بازیابی کی خبر ضرور آنی چاہیے۔ میرے انفارمر کے تحفظ کے لیے خبر میں گاڑی کا نمبر ضرور شامل ہونا چاہیے۔"

"سر!" حامد نے اپنی ایڑیاں بجا کر کہا "میں ابھی سنٹرل پولیس کنٹرول سے بات کرلوں گا۔"

"قیدی بہت سخت جان مگر زخمی ہے۔" میں نے اسے مقبول چوہدری کے بارے میں بریف کیا "اسے کل دوپہر تک اس حال کو پہنچا دو کہ یہ جھوٹ نہ بول سکے۔"

"مجھے علم ہے، سر!" وہ بدستور مؤدب تھا "یہ قاتل اور غدار ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اسٹیشن فور کی قید، موت سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ یہ خود بولنے لگے گا۔"

"میں کل فون کرکے خود یہاں آؤں گا۔ اس کے لیے مجھے کارڈ کی ضرورت ہوگی تاکہ ایم پی چیک پوسٹ پر کوئی دقت نہ ہو۔ قیدی نہ ہو تب بھی میں ہر وقت مسلح رہتا ہوں۔"

"سوری سر۔ شناختی کارڈ کے لیے صرف چیف کے پاس اتھارٹی ہے۔ وہ لوگ میرے دستخط نہیں مانیں گے۔ میں فون پر چیف کو آج کا واقعہ بتا دوں گا۔ وہ کوئی ایسا بندوبست کردیں گے کہ ان کی واپسی تک آپ کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ آج کے واقعے پر میں شرمندہ ہوں۔ کل آپ فون کریں گے تو میں خود ملٹری پولیس والوں کے پاس پہنچ کر آپ کے آنے کا انتظار کروں گا۔"

اول خان سے پہلے خود اس نے میرا مسئلہ حل کردیا تھا۔ آمد کا پیغام ملنے پر وہ خود چیک پوسٹ پر پہنچ جانے کا وعدہ کررہا تھا تو مجھے کسی پریشانی کی ضرورت نہیں تھی۔

میرے ایما پر اس کے آدمی مقبول کو میری گاڑی سے نکال کر اس کی جیپ میں منتقل کررہے تو اس نے وہیں کھڑے کھڑے مجھے اکرم الٰہی کے بارے میں رپورٹ دینی شروع کردی۔

اس عمارت میں موجود سات فون بند کیے جا چکے تھے۔ اکرم الٰہی کے زیر استعمال، دوسرے فلور کا فون کام کررہا تھا اور اس پر مسلسل آبزرویشن اور مانیٹرنگ کا بندوبست کیا جا چکا تھا۔ میں نے رسمی طور پر اس کی کارکردگی کی تعریف کی ورنہ موبائل فون کی موجودگی میں اکرم الٰہی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ کسی اہم گفتگو کے لیے ٹی اینڈ ٹی کی لائن استعمال کرنے کا خطرہ مول لے گا۔

حامد ہمیں دفتر تک لے جانے اور ہماری مدارات کرنے پر مصر تھا مگر میں اس کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ مجھے اندازہ تھا کہ مقبول کی بے ہوشی طویل بھی ہوسکتی ہے۔ ہم اسٹیشن فور پر رک کر اپنا وقت برباد کریں گے۔

چیک پوسٹ پر ہی مقبول کو حامد کی تحویل میں دے کر ہم دونوں نے واپسی کا سفر شروع کردیا۔ اس مرتبہ ڈرائیونگ سیٹ سلطان شاہ نے سنبھال لی تھی۔

ہم صفورا چوک سے یونیورسٹی کی طرف بڑھ رہے تھے کہ موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے کال وصول کرنے والا بٹن دبا کر انسٹرومنٹ کان سے لگایا تو ویرا بول رہی تھی "تم لوگ اس وقت کہاں ہو اور کب تک گھر واپس پہنچ رہے ہو؟"

"ہم راستے میں ہی ہیں۔ تمہیں ہماری کیا ضرورت پیش آگئی؟" میں نے پوچھا۔

"میں اپنی ضروریات کے بارے میں خود کفیل ہوں۔ جلال دو مرتبہ تمہارے لیے فون کرچکا ہے۔"

"سلطان شاہ نے فون کیا تھا تو تم نے اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔"

"دونوں کالز اس کے بعد آئی ہیں۔ وہ تم سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اسے تمہارا موبائل نمبر نہیں دیا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے پہنچنے سے پہلے اس کا تیسرا فون بھی آجائے۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کس سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"بتایا ہوتا تو میں سب سے پہلے اسی بات کا ذکر کرتی۔ لوٹ رہے ہو تو بس سیدھے گھر چلے آؤ۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ہم دس منٹ سے پہلے گھر میں موجود ہوں گے۔" میں نے کال منقطع کردی۔

میں نے اپنے ذہن پر خاصا زور دیا مگر یہ یاد نہ آسکا کہ ہمارے اور آئی بی والوں کے درمیان پنڈت منوہر لال کے سوا اور کون سا معاملہ چل رہا تھا۔ اسلام آباد سے میری اور اول خان کی واپسی سے پہلے پنڈت اس حد تک راہِ راست پر آچکا تھا کہ ان کی توقعات سے بڑھ کر ان سے تعاون کررہا تھا۔

سلطان شاہ ان معاملات سے بہت زیادہ باخبر نہیں تھا۔ اسے وہی موٹی موٹی باتیں معلوم تھیں جو میں اسے بتاتا رہا تھا۔ وہ جلال کی تازہ ترین پریشانی کے بارے میں میری مدد کرنے سے قاصر تھا۔ اس موضوع پر اس سے بات کرنے کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اس نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی اور کراچی کے ناخواندہ ٹیکسی ڈرائیوروں کی طرح ہارن کا بے جا استعمال کرتا ہوا ہر گاڑی سے آگے نکلتا

چلا گیا۔

دس منٹ سے پہلے ہم واپس گھر پہنچ چکے تھے۔ ہمیں مزید کوئی کام درپیش نہیں تھا اس لیے سلطان شاہ نے گاڑی پورچ میں لگا کر پھاٹک مقفل کر دیا۔

میرے ذہن پر جلال کی فون کالز سوار تھیں۔ ویرا کو مقبول چوہدری کی کہانی جاننے کی بے چینی تھی۔ ایک غزالہ تھی جو راضی بہ رضا رہنے والی انتہائی صابر اور قانع مخلوق تھی۔ میں ویرا کو سلطان شاہ کے حوالے کر کے ڈرائنگ روم سے ہی جلال کا نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

ویرا نے مجھے یہ بتا کر حیران کر دیا تھا کہ وہ اس وقت بھی گھر کے بجائے اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔

جلال نے بہت تپاک سے میری مزاج پرسی کی۔ چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد وہ فوراً ہی اپنے مقصد کی طرف آ گیا۔ "میں نے تم سے فریڈم انٹرنیشنل کا ذکر کیا تھا۔ اس کے بارے میں کیا ہو رہا ہے۔"

وہ سوال سنتے ہی میں سنبھل گیا "اکرم الٰہی بیرون ملک گیا ہوا ہے۔ یہ معاملہ اس کی واپسی تک ٹال دیا گیا ہے۔" میں نے نپا تلا جواب دیا۔

"میں نے اول خان کو فون کیا تھا مگر وہ شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔ اس کے بعد ہی میں نے تمہاری تلاش شروع کی تھی۔ ایسا تو نہیں ہے کہ اول خان نے ان لوگوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی ہو۔"

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ قیاس یہی ہے کہ ایسا نہیں ہوا ہوگا۔ مشترک مفادات ہوں تو وہ مجھے اعتماد میں ضرور لیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس بار یہ میری خوش فہمی ہی ہو۔ تمہیں اچانک فریڈم والے کیوں یاد آ گئے؟"

"بعض امریکی سفارتی افسران نے ہماری وزارتِ خارجہ کے افسروں کی نیندیں حرام کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے۔ اب انہوں نے شکایت کی ہے کہ پاکستان میں غلط سرکاری کاموں کے خلاف آواز اٹھانے والی این جی اوز کو بے رحمی سے ہراساں کیا جا رہا ہے۔ امریکا ایسے اقدامات کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔"

"کیا انہوں نے اس بارے میں فریڈم انٹرنیشنل کا خاص طور پر نام لیا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" جلال نے اقرار کیا "سارا زور ان ہی پر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پہلے فریڈم انٹرنیشنل کے سربراہ کو بے دردی سے مار پیٹ کر اس کے دفتر میں توڑ پھوڑ کی گئی۔ کل رات کچھ دہشت گردوں نے پورے علاقے کی بجلی اڑا کر دفتر پر دھاوا بول دیا۔ اسے اپنی جان بچانے کے لیے دفتر اور گھر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اب سب کچھ بند پڑا ہوا ہے۔"

"ان سے یہ نہیں پوچھا گیا کہ اس این جی او کا سربراہ ملک سے باہر ہے تو وہ کس کی بات کر رہے ہیں۔"

"انہوں نے اکرم الٰہی کے بھانجے، مقبول چوہدری کا نام لیا ہے جو اپنے ماموں کی غیر حاضری میں فریڈم انٹرنیشنل کے سارے امور کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔"

جلال کی وضاحت نے میرے سامنے پوری پچویشن عیاں کر دی۔ مقبول چوہدری نے نرگس کی آغوش میں پناہ لینے کے بعد یقینی طور پر اپنے کسی امریکی آقا سے رابطہ کر کے اسے ظلم کی داستان سنائی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر اپنے ماموں کا ذکر گول رکھا تھا۔ وہ شکایت ان ہی خطوط پر وزارت خارجہ تک جا پہنچی تھی۔

"اب انہوں نے ساری ذمّے داری ہماری حکومت پر رکھ دی ہے۔" جلال اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "اگر مقبول کو مزید کوئی نقصان پہنچا تو اس کی ذمّے دار ہماری حکومت ہوگی۔"

"انہیں بتا دو کہ فریڈم انٹرنیشنل پوری طرح فعال ہے۔ مقبول اپنی کسی ذاتی مجبوری کی وجہ سے زیر زمین چلا گیا ہے۔ اس سے کسی کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو۔ میں مسلسل ان کے دو نمبر ملانے کی کوشش کر رہا ہوں مگر وہ کٹے ہوئے ہیں۔ وہاں سے کوئی جواب مل گیا ہوتا تو میری آدھی پریشانیاں ختم ہو سکتی تھیں۔"

"ان کا دفتر ایک چار منزلہ عمارت کی پہلی منزل پر ہے۔ تم میرا دیا ہوا نمبر ملاؤ۔ چوتھی گھنٹی بجنے کے بعد تمہیں اندر کی کہانی مل جائے گی۔" میں نے اسے اکرم الٰہی کا ڈائریکٹ نمبر نوٹ کرا دیا۔

"میں یہ نمبر بھی ملا لوں گا مگر تم بھی تو کچھ بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے۔ اگر مقبول چوہدری اس نمبر پر موجود ہے تو امریکی افسر کیوں باؤلے کتوں کی طرح بھونکے جا رہے ہیں۔"

"میں نے مقبول کا نام نہیں لیا۔" میں نے اس کی تصحیح ضروری سمجھی۔ "تمہاری بات فریڈم انٹرنیشنل کے اصل سربراہ، اکرم الٰہی سے ہوگی۔"

"وہ باہر سے کب واپس آیا؟" جلال میری پالیسی کو سمجھ گیا تھا اور بہت محدود مگر ہنگامی نوعیت کے سوالات کر رہا تھا جن کے جواب امریکیوں کو دوبارہ خاک چاٹنے پر مجبور کر سکتے تھے۔

"وہ باہر نہیں تھا۔ چھتیس دنوں تک زیرِ زمین رہنے کے بعد منظرِعام پر آیا ہے۔"

"وہ منظرِعام پر آیا تو مقبول زیرِ زمین چلا گیا۔ کیا یہ ماموں بھانجے اکٹھے نہیں رہ سکتے؟"

"مقبول فی الحال روپوش ہوا ہے۔ انشاءاللہ جلد ہی زیرِ زمین بھی چلا جائے گا۔ تم....."

میری بات کا مطلب سمجھتے ہی جلال نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی "تم جو کچھ کر رہے ہو، کرتے رہو۔ میں تمہیں نہیں روکتا لیکن اپنی رفتار ذرا دھیمی رکھو۔ اسے اتنی مہلت ضرور

دے دو کہ یہاں کی الجھنیں دور ہوسکیں۔ جنگ میں بھی فوجیں دشمن کے علاقے کو رک رک کر، مرحلے وار فتح کرتی ہیں۔ وہ ٹینکوں سے سب کچھ روندتی چلی جائیں تو آگے فتح ہوتی رہتی ہے مگر پیچھے سے آنے والا بدنظمی اور تباہی کا ریلا سب کچھ بہالے جاتا ہے۔ کم از کم اول خان کی آمد کا انتظار کرو۔ وہ سپاہی ہے، میری رائے سے اتفاق کرے گا۔"

"تم امریکیوں کی اس تیز ترین شکایت سے اندازہ لگاسکتے ہو کہ مقبول کی ڈوریاں کون ہلا رہا ہے۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے، سراسر ہمارے خلاف جارہا ہے۔"

"میں تمہاری ہر بات سے متفق ہوں" جلال نے جواب دیا "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کچھ عرصے کے لیے حالات کو جوں کا توں رہنے دو تاکہ میں امریکیوں کا دباؤ ختم کرانے میں کامیاب ہوسکوں۔"

"میں کوشش کروں گا لیکن کوئی وعدہ نہیں کرسکتا" میں نے پورے خلوص سے جواب دیا۔ "جو شخص دونوں ہاتھوں سے، دن رات اپنی قبر کھودنے میں مصروف ہو اسے کوئی کب تک بچاسکتا ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ رات کو کسی کے ہاتھوں زک اٹھانے کے بعد بھی اس نے ہوش کے ناخن نہیں لیے۔ اپنے کسی باپ سے شکایت لگادی۔ وہ اس سے بھی گھٹیا حرکت کرسکتا تھا۔"

"میں تم سے کچھ اگلوانے کی کوشش نہیں کررہا۔" اچانک جلال کا لہجہ بہت نرم اور محتاط ہوگیا "مقبول چوہدری جہاں بھی ہے، تمہاری نظر میں ہے یا تم اب بھی اس کی تلاش میں ہو؟"

میں جلال کے سوال پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا پھر اسے جواب دیا "وہ ہماری نظروں میں ہے بلکہ یوں سمجھ لو کہ ہم جب چاہیں گردن پکڑ کر اس نیولے کو رگڑ سکتے ہیں۔"

"پھر ٹھیک ہے۔" جلال کی آواز میں اطمینان اُمڈ آیا "وہ تمہاری نظروں میں ہے تو اپنے بل میں گھسا رہے گا، کوئی نئی حماقت نہیں کرے گا۔"

"اب تم مجھے کب تک پیش قدمی کی اجازت دے سکو گے؟"

"جلد از جلد، وقت کا تعین میرے بس سے باہر ہے۔ حالات کے تحت ہم انہیں آنکھیں دکھاتے رہتے ہیں لیکن تم جانتے ہو کہ ہمیں آخر کار ان کی خوشنودی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اپنی بہت سی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہم ان کی مدد لینے پر مجبور ہیں۔"

"یہ نازک معاملے میری سمجھ سے باہر ہیں۔ میں تمہارے فون کا منتظر رہوں گا۔"

"میں تمہارے دیے ہوئے نمبر پر اکرم الٰہی سے بات کرکے تمہیں ابھی فون کروں گا۔ میرے لیے یہ خبر حیرت ناک ہے کہ وہ باہر جانے کے بجائے کراچی میں ہی کہیں رہ رہا تھا۔"

میں نے اکرم الٰہی کی روپوشی کے بارے میں جلال کی غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ گفتگو وہیں ختم کرکے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"اس سے پہلے کہ امریکیوں کے دباؤ پر ہمیں مقبول چوہدری کو رہا کرنا پڑے، تمہیں اسے ماردینا چاہیے۔" پوری بات سمجھ میں آتے ہی سلطان شاہ ہتھے سے اکھڑ گیا "وہ غدار اور نمک حرام ہے۔"

"غور کرو تو موجودہ حالات بھی بہت دلچسپ ہیں" ویرا نے سگریٹ کا کش لے کر نتھنوں سے دھواں خارج کرتے ہوئے کہا۔ "امریکی اسے آزاد سمجھ کر اس کے حق میں پورا زور لگارہے ہیں۔ جب انہیں پتا چلے گا کہ وہ اس وقت ہمارے جال میں پھنس کر بے بس ہوچکا ہے تو وہ تلملا اٹھیں گے۔"

"خود مقبول کو اندازہ نہیں ہوگا کہ وہ کسی بھی لمحے پھٹ پڑنے والے آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھا ہوا ہے۔" میں نے محظوظ ہوتے ہوئے ٹکڑا لگایا "نرگس اور نسرین کے گھر میں خود کو بالکل محفوظ و مامون سمجھ کر اس نے کسی امریکی سے رابطہ کیا ہوگا لیکن وہاں زیادہ وقت گزارنے سے پہلے اسے بدحواس ہوکر بھاگنا پڑا..."

"نیا جیسی بھی ہو، ہمارے لیے وہ قابلِ احترام بن چکی ہے" غزالہ نے میری بات پوری ہونے سے پہلے کہا "مقبول کو نسرین کے گھر سے نکال کر ہمارے چنگل میں پھنسانے کا سہرا اسی کے سر جاتا ہے۔"

"میں پہلے ہی اس حقیقت کا اعتراف کرچکا ہوں۔ تم بلاوجہ یہ بات دہرا رہی ہو۔" میں نے کہا۔

غزالہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولی۔ "آپ جانتے ہیں کہ میں بلاوجہ بولنے کی عادی نہیں ہوں۔ میں نے اس لڑکی کو نہیں دیکھا مگر مجھے اس سے ہمدردی ہوگئی ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ بہتر زندگی گزارنے کے لیے اسے سہارا دیں، اس کی مدد کریں۔"

"گڈ لک ڈیئی!" ویرا نے اچھل کر نعرہ لگایا۔ "غزالہ تمہیں اس سے شادی کرنے کی چھوٹ دے رہی ہے۔ تمہاری طرح نیا بھی بہت خوش نصیب معلوم ہوتی ہے۔"

سلطان شاہ زیرِ لب مسکرادیا مگر غزالہ کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔ اس نے ویرا کو مخاطب کرکے سنجیدگی سے کہا "کسی لڑکی کی مدد شادی کے بغیر بھی کی جاسکتی ہے۔ اسے تھوڑا سا سرمایہ مل جائے تو وہ اپنا کوئی باعزت روزگار شروع کرسکتی ہے۔"

"تمہیں مذاق پر اتنا سنجیدہ نہیں ہونا چاہیے" ویرا نے ڈھٹائی سے جواب دیا "میں ڈیئی کو اچھی طرح جانتی ہوں، یہ بھول کر بھی دوسری شادی نہیں کرے گا۔"

سلطان شاہ کو اس پر چوٹ کرنے کا سنہرا موقع مل گیا۔ اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تمہارے فتوے سے ظاہر ہورہا ہے کہ تم چپکے چپکے ایسی کوششیں کرتی رہی ہو۔"

"تم بکواس کروگے تو میں تم پر ہاتھ چھوڑ بیٹھوں گی" ویرا اس

پر غرائی۔

"ارے.... تم بھی مذاق میں سنجیدہ ہونے لگیں" سلطان شاہ نے دور سرکتے ہوئے اس کا مضحکہ اڑایا "ابھی تو تم غزالہ کو اس کے برعکس مشورہ دے رہی تھیں۔"

"ڈیڈی! اسے سمجھالو" ویرا بے بسی سے ہنس کر بولی۔ "یہ مذاق کرنا ہی نہیں جانتا۔ جب بولتا ہے' چٹکیاں لینے کی کوشش کرتا ہے۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی نے نوک جھوک کا وہ سلسلہ وہیں روک دیا۔ میں نے جلدی سے ریسیور اٹھالیا۔

"اس کی کہانی حیرت ناک بلکہ ناقابلِ یقین ہے۔" دوسری طرف سے جلال کسی تمہید کے بغیر بول رہا تھا "بہت اچھا ہوا کہ مجھے تم سے مشورہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اکرم الٰہی نے بہترین مواد فراہم کیا ہے۔ میں امریکیوں کے دانت کھٹے کردوں گا۔ وہ جان بوجھ کر مقبول چوہدری جیسے احسان فراموش درندے کا ساتھ دے رہے ہیں۔"

"اب تمہیں اندازہ ہوگیا ہوگا کہ مقبول کے بارے میں میری باتیں بے وقت کی راگنی نہیں تھیں۔"

"میں تمہاری ہر بات بہت سنجیدگی سے سنتا ہوں۔ ایسا نہ ہوتا تو مجھے اکرم کو فون کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن وہ شخص بالکل احمق ہے۔ اس نے ایک نئی مشکل کھڑی کردی ہے۔"

"کیسی مشکل....؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اس نے چوتھی گھنٹی بجنے کے بعد فون اٹھایا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کسی خطرے کی وجہ سے بہت زیادہ احتیاط سے کام لے رہا ہے۔ اس کی زبان کھلوانے کے لیے میں نے گفتگو کی ابتدا اپنے باضابطہ تعارف سے کی اور وہ بار بار میرے احسان کا ذکر کرکے آخر تک شکریہ ادا کرتا رہا۔ میرے مسلسل انکار کے باوجود یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھ گئی ہے کہ میرے آدمیوں نے اسے مقبول چوہدری کے چنگل سے نجات دلائی تھی۔"

"تمہیں اس سے کیا پریشانی ہے؟ اچھا ہے کہ وہ تمہارا احسان مند رہے گا۔"

"یہ بات کہیں اور پڑے گی۔ اس جھگڑے کے ایک فریق کے طور پر ہمارا نام بھی ملوث ہوا تو امریکیوں کے موقف کو تقویت ملے گی۔ وہ یہی کہہ رہے ہیں کہ فریڈم انٹرنیشنل کو حکومت کے اشارے پر تنگ کیا جارہا ہے۔ حیرت ہے کہ وہ ابھی تک اپنے اصل محسنوں سے بے خبر ہے۔"

"ہم اس پر کوئی احسان کرنے نہیں گئے تھے۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ وہ وہاں قید تھا اور ہماری وجہ سے اسے آزادی مل گئی۔ وہ کوئی باقاعدہ آپریشن نہیں تھا۔"

"اس کی غلط فہمی دور کرو۔ معاملات سدھارنے کے لیے ایسا ہونا بہت ضروری ہے۔"

"فی الحال ہم نے اسے اس کے حال پر چھوڑا ہوا ہے۔ ہماری ساری توجہ اس کے بدمعاش بھانجے پر مرکوز ہے۔ میں اسے فون کرنے کا کوئی بہانہ تراش بھی لوں تو اسے کیا بتاؤں گا؟ تم سے ہونے والی گفتگو کا حوالہ دینے سے اس کی یہ غلط فہمی اور راسخ ہوجائے گی کہ ہم تمہارے ایما پر اس کی مدد کے لیے گئے تھے۔"

"تم اس سے رابطہ کرو۔ ضروری نہیں کہ تمہیں کچھ کہنا پڑے۔ وہ تم پر اعتماد کرتا ہے تو شاید خود ہی میرا ذکر نکال لے اور تمہیں وضاحت پیش کرنے کا موقع مل جائے۔"

"میں ایک کوشش کرلوں گا" اسے اطمینان دلانے کے لیے مجھے وعدہ کرنا پڑ گیا۔

پچھلی رات توحید کمرشل کے علاقے میں جو کچھ ہوا' وہ ہماری توقعات کے بھی برعکس تھا۔ وقتی طور پر اکرم الٰہی ہمارا حلیف بن کر سامنے آیا تھا لیکن میں پوری طرح پرکھے بغیر اس پر اعتماد کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

"تم سے سنگین غلطی ہوئی ہے" جلال سے میری گفتگو ختم ہوتے ہی ویرا نے اعتراض کردیا "جب تک آئی پی والوں سے تمہاری بات نہیں ہوئی تھی' تمہاری ہر احتیاط بجا تھی۔ معاملات کھل جانے کے بعد تمہیں اس سے پوچھنا چاہیے تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل کا ماضی کیا تھا۔"

ویرا کا اعتراض بجا تھا۔ فریڈم انٹرنیشنل پر مقبول چوہدری کا تسلط صرف چھتیس دن رہا تھا۔ اس سے پہلے اکرم الٰہی سفید اور سیاہ کا مالک تھا۔ وہ نکتہ پہلے بھی ہمارے زیرِ غور آچکا تھا مگر عین وقت پر میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔ میں نے جلال سے اسی وقت بات کرنے کے بجائے وہ کام اگلے دن پر ٹال دیا۔

○☆○

وہ صبح کے چار بجے کا عمل تھا اور میں گہری نیند سویا ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور مقررہ وقفوں سے بار بار بجتی ہی رہی۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

میرے برابر میں غزالہ دنیا ومافیہا سے بے خبر' آسودگی کی گہری نیند سو رہی تھی۔ ٹیلی فون کی گھنٹیاں اسے حسین و رنگین ارمانوں کی خوابناک دنیا سے واپس لانے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھیں۔

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے ریسیور اٹھالیا۔

میرا غنودہ ذہن اتنے سویرے فون کرنے والے کے بارے میں سوچتا ہی رہ گیا اور حامد کی آواز میری ان سوچوں کا جواب بن کر میرے کانوں میں اترنے لگی۔

"سوری سر!" میری ہیلو کے جواب میں وہ کہہ رہا تھا "اتنی صبح نیند خراب کرنے پر معافی چاہتا ہوں لیکن بات ایسی تھی کہ میں مجبور ہوگیا..."

اس کی تمہید نے مجھے بوکھلادیا اور میں نے اس کی بات کاٹ

دی "مقبول کہاں ہے؟"

"وہ لاک اپ میں مقررہ پراسس سے گزر رہا ہے لیکن اکرم الٰہی ہاتھوں سے نکلتا ہوا نظر آرہا ہے..."

"حامد! پلیز مجھے اصل بات بتاؤ۔ اس پر ہم بعد میں تبادلۂ خیال کرلیں گے۔"

"سر! اس کے پاس کسی بوب رافیل کا فون آیا تھا۔ وہ اکرم الٰہی سے ملاقات کے لیے صبح کی پرواز سے کراچی آرہا ہے۔" حامد نے ایک ہی سانس میں پوری بات کہہ ڈالی۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے اس کے کہے ہوئے دونوں فقروں کو اپنے ذہن میں گھمایا پھر پوچھا "فون کہاں سے آیا تھا؟ یہ بوب رافیل کون ہے؟"

"فون ابھی تین بج کر دس منٹ پر ریکارڈ کیا گیا ہے۔ کال اسلام آباد سے کی گئی تھی۔ گفتگو کا دورانیہ بہت مختصر تھا۔ ایک منٹ ستائیس سیکنڈ میں بات ختم ہوگئی..."

"اسلام آباد کا نمبر کہاں کا تھا؟" اضطراب کے باعث میں باربار قطع کلامی کیے جارہا تھا۔

"فون امریکی سفارت خانے کے نام ہے' رہائشی بلاک کے ایک فلیٹ میں زیر استعمال ہے۔ بوب رافیل سفارت خانے میں سوشل منسٹر کے عہدے پر کام کرتا ہے۔"

"بوب اور اکرم کے درمیان ہونے والی گفتگو کی تفصیلی ریکارڈنگ کہاں ہے؟"

"ایکس چینج میں۔" حامد نے بلا تاخیر جواب دیا "میں نے فون پر ہی وہ ٹیپ سنا ہے۔ ان کے درمیان چند فقروں کا تبادلہ ہوا جن کا نچوڑ میں بتا چکا ہوں۔ اہم بات یہ ہے کہ بوب رافیل کا نام اکرم کے لیے نیا نہیں تھا۔ نام سننے کے بعد وہ اسے سر کہہ کر مخاطب کررہا تھا۔"

"ان کی ملاقات مائیکرو سینٹر میں ہی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔ اس وقت تک میرے ذہن سے نیند کا خمار کافور ہوچکا تھا اور میں بہت تیزی کے ساتھ اس پیش رفت پر سوچ رہا تھا۔

"وہ گیارہ بجے پی سی کے ریستوران میں ملیں گے!" حامد نے اطلاع دی۔

"غور کرلو... ایسا نہ ہو کہ تم اس ریکارڈنگ کی کوئی بات بھول رہے ہو؟"

"آپ چاہیں تو ایکس چینج فون کرکے صرف میگاٹون فور کا حوالہ دیں۔ آپ کو ٹیپ سنوادیا جائے گا۔ میں ابھی متعلقہ آدمی کو فون پر پیغام دیے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ایکس چینج کا نمبر بتایا جو میں نے لکھ لیا۔

"گیارہ بجے کا مطلب ہے کہ وہ دس بجے یا شاید اس سے بھی پہلے گھر سے نکلے گا؟" میں نے کہا۔

"غالب امکان یہی ہے۔ میں سات بجے چار آدمیوں پر مشتمل' ایک تازہ دم ویجی لنس اسکواڈ وہاں بھیج دوں گا۔ وہ لوگ وائرلیس اپریٹس اور موبائل فون کے ذریعے ہر وقت میرے رابطے میں رہیں گے۔ اکرم الٰہی جوں ہی اپنے گھر سے نکلے گا' ہمیں اطلاع مل جائے گی؟" اس کا لہجہ پُراعتماد تھا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "میں خود دس بجے ہوٹل پر پہنچ جاؤں گا۔ میری بیک اپ سپورٹ کے لیے تم کو صرف دو تین آدمیوں کے ساتھ وہاں آنا پڑے گا۔"

"مجھے ہر حال میں فیلڈ میں رہنا ہے۔ جہاں کے لیے حکم ہوگا' پہنچ جاؤں گا۔"

"مجھے اطلاع دیے بغیر دفتر نہ چھوڑنا۔ کوئی بات ذہن میں آئی تو میں تمہیں فون کرلوں گا۔ اب میں جاگ رہا ہوں۔ تم جب ضرورت محسوس کرو' مجھے موبائل نمبر پر فون کرلینا تاکہ میرے ساتھیوں کی نیند خراب نہ ہو۔ اول خان کی غیر حاضری میں تمہارے کندھوں پر اچانک بہت زیادہ بوجھ آپڑا ہے۔"

"آپ مجھے ہر لمحے مستعد اور تیار پائیں گے۔ میں اسٹیشن پر ضرور موجود ہوں لیکن مجھے دفتر سے نکل کر تیاریوں کا جائزہ لینا ہوگا۔ آپ میرا موبائل فون نمبر لے لیں۔"

اس نے اپنا نمبر دہرایا جو میں نے سادہ پیڈ کے سرے پر نوٹ کرلیا۔

"میں فون بند کررہا ہوں۔ تم ایکس چینج میں پیغام دے دو۔ میں تین منٹ بعد وہاں کال کرکے گفتگو کا ٹیپ سننا چاہوں گا..... ہوسکتا ہے کہ مجھے کوئی اور اشارہ مل سکے۔"

"میگاٹون فور کا حوالہ ضرور دیں' سر!" اس نے تاکید کی۔

میں نے فون بند کرکے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر سے سگریٹ کا پیکٹ' ماچس اور موبائل فون اٹھایا پھر خاموشی کے ساتھ خواب گاہ سے نکل آیا۔ دروازہ بند کرکے میں نے لابی میں لگے ہوئے انسٹرومنٹ پر سے کارڈلیس فون بھی اپنے ساتھ لے لیا اور ان تیاریوں کے ساتھ میں نے ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر جگہ سنبھال لی۔

ٹھیک تین منٹ بعد میں نے ٹیلی فون ایکس چینج کا نمبر ملایا۔ سلسلہ مل جانے پر دعا سلام کا تبادلہ ہوا اور میں نے فوراً میگاٹون فور کے الفاظ دہرادیے۔ میرے مخاطب نے کال کو ٹیپ بجانے والی مشین سے منسلک کرنے کے لیے مجھے انتظار کرنے کی ہدایت کی۔

چند ثانیوں تک لائن پر سکوت چھایا رہا پھر فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے گنتی شروع کردی۔ آٹھویں گھنٹی کے بعد میرے ریسیور میں اکرم الٰہی کی آواز ابھری۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" اس کی آواز میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس نے وہ سوال اردو میں کیا تھا۔

"ایکرم! میں بوب ہوں... بوب رافیل!" خالص امریکی لب ولہجے میں دوسری آواز ابھری۔ اس نے اکرم الٰہی کا سوال سمجھے بغیر

انگریزی میں اپنا تعارف کرایا تھا۔

"اوہ' سر! آپ؟" اکرم الٰہی نے انگریزی میں تحیّر سے کہا۔ "اتنے سویرے!"

"میں تم سے ملنے کے لیے صبح کی پرواز سے آرہا ہوں۔" وہ بوب رافیل کا جواب تھا۔ "تمہیں گیارہ بجے پی سی کے ریستوران میں ملنا ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ بہت ضروری ہو چکا ہے۔"

"او کے سر! میں پہنچ جاؤں گا۔" اکرم الٰہی کی آواز فکر مندانہ سی ہو گئی۔

"بائے!" اس آخری الفاظ کے ساتھ کلک کی آواز آئی اور میرے کان میں ڈائل ٹون گونجنے لگی۔ میں نے ریسیور واپس رکھ دیا اور پُرخیال انداز میں سگریٹ سلگالی۔

حامد نے اس کال کے بارے میں جو کچھ بتایا' وہ من و عن درست تھا۔ وہ یہ نوٹ نہیں کر سکا تھا کہ اکرم الٰہی کو بوب رافیل کا حکم سن کر خوشی نہیں ہوئی تھی' وہ الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔

بوب رافیل اور اکرم الٰہی کی مجوزہ ملاقات بہت زیادہ اہم تھی۔ ان دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر بہت آسانی سے یہ ثابت کیا جا سکتا تھا کہ امریکی سفارت کار فریڈم انٹرنیشنل کے معاملات میں گہری دلچسپی لے رہے تھے۔ اس ثبوت کی ضرورت آئی بی کو تھی لیکن جلال اس بارے میں بہت محتاط تھا۔

وہ دریا میں اترنے کی شدید خواہش کے باوجود اپنا دامن خشک رکھنا چاہتا تھا۔ وہ سامنے آکر بوب رافیل پر ہاتھ ڈالتا تو امریکی ایک نیا الزام عائد کر دیتے کہ ان کے سفارت کاروں کی نگرانی کی جارہی ہے۔ سفارتی مراعات اور تحفظات کی وجہ سے بوب رافیل کا کچھ بھی نہ بگڑتا' ایک نیا تنازعہ اٹھ کھڑا ہوتا۔

میں نے جلال سے رابطہ کرنے کا خیال اپنے دل سے نکال دیا۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا' اپنے طور پر کرنا تھا۔

سات بجے تک حامد سے چار مرتبہ فون پر رابطہ ہوا۔ اس کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ آخری کال اسی کی طرف سے آئی۔ اس نے بتایا کہ وہ اپنے ویگی لنس اسکوڈ کے پیچھے اسٹیشن فور سے نکل رہا تھا۔

میں نے ایک ایک کر کے غزالہ' ویرا اور سلطان شاہ کو بھی بیدار کر دیا۔ آرام وہ بستروں سے یوں صبح سویرے نکالے جانے پر انہوں نے منہ ہاتھ دھو کر ڈرائنگ روم میں مجھے گھیر لیا۔

ان کا ردِعمل میرے لیے غیر متوقع نہیں تھا مگر نئی کہانی خاصی سنسنی خیز تھی۔ امریکیوں سے مقبول چوہدری کے گہرے روابط کے ثبوت سامنے آجانے کے بعد امریکی سفارت خانے کے سوشل منسٹر سے اکرم الٰہی کی ملاقات معنی خیز تھی۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دونوں ماموں بھانجے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر امریکیوں کے وفادار بننے پر تلے ہوئے ہوں۔

"تم خود بتا رہے ہو کہ اکرم الٰہی' بوب کا پروگرام سن کر پریشان ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ بوب' مقبول کا راستہ صاف کرنے کے لیے کراچی آرہا ہو۔" ویرا نے صبح کی پہلی سگریٹ سلگا کر بحث کی ابتدا کی۔ "اکرم نے اس سے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی ہے لیکن وہ عین وقت پر غائب بھی ہو سکتا ہے۔ اب تک اسے یہ اندازہ ہو جانا چاہیے کہ وہ اپنے کن دشمنوں کے نرغے میں آیا ہوا ہے۔ تم اس کے پیچھے کیوں بھاگنا چاہتے ہو؟"

"اگر تمہیں نیند آرہی ہے تو جا کر سو جاؤ۔" سلطان شاہ نے غصے سے کہا "آج گیارہ بجے اکرم الٰہی کے ساتھ بوب رافیل کے چہرے پر سے بھی نقاب اٹھ سکتی ہے۔ وہ اس سے کیوں ملنا چاہ رہا ہے؟"

"سب کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔" غزالہ نے کہا "بوب رافیل کو اکرم کے اکلوتے فون نمبر کا علم صرف اور صرف جلال کے ذریعے ہو سکتا تھا۔ مقبول کے سلسلے میں ہونے والی الزام تراشیوں پر جلال نے شاید اپنی رپورٹ دے دی ہے۔ اس میں اکرم کی واپسی اور اس کے فون نمبر کا ذکر ضرور رہا ہوگا۔ وہ رپورٹ وزارت خارجہ سے ہوتی ہوئی رات میں کسی وقت امریکیوں تک پہنچی اور وہ اکرم کی راہ پر لگ گئے۔"

فرینک نے ڈون سے کہا "میری گھریلو زندگی سخت یکسانیت اور جمود کا شکار ہو چکی ہے۔ اس میں کوئی کشش' کوئی دلچسپی نہیں رہی۔"

"اس کا حل یہ ہے کہ کچھ دن کے لیے کسی سے عشق لڑاؤ۔ معاشقوں کے بعد عموماً میاں بیوی ایک دوسرے کے زیادہ قریب آجاتے ہیں۔"

"لیکن اگر بیوی کو معلوم ہو گیا تو...؟"

"یہ نیا زمانہ ہے... جا کر بیوی کو پہلے ہی بتا دو۔"

چنانچہ فرینک نے اسی شام گھر جا کر بیوی کے سامنے اعلان کیا۔ "ہماری ازدواجی زندگی سخت یکسانیت اور جمود کا شکار ہو چکی ہے۔ اس میں کچھ بہتری لانے کے لیے میں باہر عشق لڑانے جا رہا ہوں۔"

"کسی احمق نے تمہیں یہ مشورہ دیا ہے" بیوی منہ بنا کر بولی "میں پہلے ہی یہ نسخہ آزما چکی ہوں۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔"

✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧✧

غزالہ اس وقت دور کی کوڑی لائی تھی۔ میں اس سمت میں سوچ ہی نہیں سکا تھا۔ رات کو جلال نے اسے فون کیا تھا۔ اس کے بعد صبح سویرے بوب رافیل نے اس سے رابطہ کرلیا۔ ہمیں علم ہی نہیں تھا کہ اکرم ان دونوں کالز کے بارے میں کیا سوچ رہا تھا۔ وہ مجھے اپنا ہمدرد تصور کررہا تھا۔ اسی حوالے سے اس نے جلال کا شکریہ ادا کیا تھا۔ میں نے جلال سے وعدہ کیا تھا کہ اکرم کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے اسے فون کروں گا مگر میں نے فون نہیں کیا۔

عین ممکن تھا کہ اکرم اس وقت کسی سے مشورہ لینے کی شدید ضرورت محسوس کررہا ہو مگر اس کے پاس مجھ سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ واحد صورت یہی رہ جاتی تھی کہ میں خود اس سے رابطہ کرتا۔ اگر اس کا ذہن صاف تھا تو اسے دونوں پیغامات کے بارے میں مجھ سے کھل کر بات کرنی چاہیے تھی۔

ویرا کی آنکھوں سے بے زاری اور بوجھل پن کا احساس ہورہا تھا۔ ایک سگریٹ پی لینے کے باوجود یوں بار بار منہ بنارہی تھی جیسے جمائیاں روکنے کی کوشش کررہی ہو۔ میں نے غور سے اس کا جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ اس نے رات کو اپنے کمرے میں لوٹنے کے بعد شاید زیادہ مے نوشی کی تھی جس کے اثرات نے اس وقت بھی اس کے اعصاب کو جکڑا ہوا تھا۔ ذہنی طور پر وہ ہمارے ساتھ نہیں تھی۔

"تم تھکی ہوئی ہو تو اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو۔" میں نے اسے ہمدردانہ مشورہ دیا "مجھے تمہاری کیفیت کا اندازہ ہوتا تو میں تمہاری نیند میں ہرگز دخل انداز نہ ہوتا۔"

وہ شاید ایسی کسی پیش کش کی منتظر تھی۔ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور دھمکی آمیز لہجے میں بولی "میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں، مگر یہ یاد رکھنا کہ مجھے دوبارہ نیند نہ آئی تو میں تمہارا سارا دن برباد کردوں گی۔"

اس کے جاتے ہی میں نے فون پر اکرم الٰہی کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

رابطہ ہونے پر اس مرتبہ بھی اس نے میری آواز پہچان لی اور بولا "رات سے میں مسلسل تم لوگوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ یہ تصور میرے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے کہ میں اپنے محسنوں کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں جانتا۔ تم لوگوں کا انٹیلی جنس بیورو سے تو تعلق نہیں ہے۔"

میں نے ہنس کر بے پروائی سے کہا "مناسب وقت آنے پر تمہیں خود بہ خود اس سوال کا جواب مل جائے گا۔ تمہیں اچانک آئی بی کا خیال کیسے آگیا۔"

"خالی ذہن میں آنے والے خیالات کو روکنا انسان کے بس سے باہر ہوتا ہے۔"

"میں نے تمہاری خیریت جاننے کے لیے فون کیا تھا۔ اپنا دفتر کب سے کھول رہے ہو؟"

"ابھی میں خود کو سنبھال رہا ہوں۔ یہاں کا نظام ابتر ہے۔ اس ایک نمبر کے سوا سارے فون بند پڑے ہوئے ہیں۔ اگلے ہفتے سے پہلے دفتر کھولنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکوں گا۔" اس کی آواز اس کے ذہنی انتشار کی نشان دہی کررہی تھی۔ لمحے بھر کے توقف کے بعد اس نے اچانک کہا "چھتیس دن کی قید کے بعد میں بالکل اکیلا ہوکر رہ گیا ہوں۔ اپنا کوئی فون نمبر دے دو تو میں پریشانی میں تم سے کچھ مدد لے سکوں گا۔ مقبول کے ظلم نے مجھے اندر سے بالکل توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔"

اس نے جلال یا بوب رافیل کے فون کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ مجھ سے راز داری برتنے کا مطلب یہ تھا کہ میری بلکہ ہم لوگوں کی طرف سے اس کا ذہن صاف نہیں تھا۔

میں نے فون کرکے اسے اپنی پوزیشن صاف کرنے کا سنہرا موقع فراہم کردیا تھا۔ اگر وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا تو وہ اس کی بدنصیبی تھی۔ میں کہا "فکر مت کرو۔ ہم لوگ ضرورت مندوں کو زبردستی مدد فراہم کرنے والوں میں سے ہیں۔ کسی بھی نازک موقع پر تم ہمیں خود سے دور نہیں پاؤ گے۔"

اس طنزیہ پیغام کے ساتھ میں نے فون بند کردیا۔ سلطان شاہ غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میرے فارغ ہونے پر بولا "اکرم الٰہی کی نیت صاف نہیں ہے۔ اسے دیکھنا ہی پڑے گا۔"

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ ہم تینوں کی تیاری کے دوران میں ہی غزالہ نے پھرتی سے ناشتے کی میز لگادی۔ ہم نے چلتے پھرتے ناشتا کیا اور کچھ ضروری ہتھیار لے کر نو بجے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ میں ہوٹل پہنچنے سے پہلے توحید کمرشل کا ایک چکر لگا کر یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ حامد نے وہاں اکرم الٰہی کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے کیا بندوبست کیا تھا۔

ہم راستے میں تھے کہ موبائل فون پر حامد کا پیغام آگیا "سر! نگرانی کا پورا انتظام ہوگیا ہے۔ وہ جیسے ہی گھر سے نکلے گا، ہمیں اطلاع مل جائے گی۔ میں اس وقت ہوٹل کی طرف جارہا ہوں۔"

"ریستوران میں داخلے کے راستے پر کڑی نظر رکھو۔ تھوڑی دیر میں، ہم بھی پہنچ رہے ہیں۔"

ڈرائیونگ کرتے ہوئے میں ہلکا سا اعصابی تناؤ محسوس کررہا تھا۔ شاید نیند پوری ہونے سے پہلے، صبح کے چار بجے بیدار ہونے کی وجہ سے اعصابی کشیدگی سر ابھار رہی تھی پھر میرے ذہن پر ایک فکر اور بھی سوار ہونے لگی تھی کہ جس طرح ہم لوگ اکرم الٰہی کو پہچانتے تھے اسی طرح وہ بھی ہم سب کو اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ آخری مرحلے سے پہلے وہ اپنے آس پاس ہماری جھلک بھی دیکھ لیتا تو آنے والے واقعات کا پانسا پلٹ سکتا تھا۔ اس خطرے کو ٹالنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ہم حالات کا جائزہ لے کر، وقت سے پہلے ریستوران کے گرد اپنی اپنی کمین گاہوں میں جگہ سنبھال لیں۔

توحید کمرشل میں زندگی کے آثار ضرور تھے مگر زیادہ گہما گہمی

نہیں تھی۔ علاقے میں وہی دکانیں کھلی تھیں جن کا تعلق خورونوش اور روز مرہ ضروریات سے تھا۔ وہاں کی کاروباری سرگرمیاں دیر سے شروع ہو کر شاید شام ڈھلے ہی اختتام کو پہنچتی تھی۔

مائیکرو سینٹر سے کافی فاصلے پر سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھ لیا کہ حامد کے آدمی اس عمارت کے دونوں راستوں پر موجود تھے۔ اکرم الٰہی کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ انہیں جل دے کر مائیکرو آٹو زیا عمارت کے عقبی راستے سے کہیں بھی جاسکے۔

ذہن میں ایک نکتہ آنے پر میں ذرا سا مضطرب ہوا۔ حامد نے اکرم الٰہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ اس کے آدمی اپنے مطلوبہ شکار سے واقف نہیں تھے لیکن پھر میں نے خود ہی اس سوال کا جواب تلاش کرلیا۔ اس وقت مائیکرو سینٹر میں اکرم الٰہی کے سوا کوئی دوسرا متنفس موجود نہیں تھا۔ عمارت سے باہر آنے والا اس کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا۔ حامد نے انہیں یہی حکم دیا ہوگا کہ وہ عمارت سے نکلنے والے پر نظر رکھیں اور اسے باخبر کردیں۔

پونے دس بجے سلطان شاہ نے ہوٹل کے پورچ میں میری جگہ سنبھالی اور گاڑی کو پچھلی پارکنگ لاٹ کی طرف لے گیا۔ میں پورچ میں اتر کر تیزی سے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اندر گھسنے کے بعد بائیں ہاتھ پر وہ ریستوران تھا جہاں گیارہ بجے بوب رافیل اور اکرم الٰہی کی ملاقات ہونے والی تھی۔ مجھے حامد کے انتظار میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ٹھٹکنا پڑا۔ وہ لابی کے کسی صوفے میں دھنس کر داخلی راستے کی نگرانی کررہا تھا۔ میری جھلک دیکھتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر تیر کی طرح میری طرف آگیا۔

"لابی میں میرے تین آدمی موجود ہیں" اس نے ہاتھ ملا کر میرے ساتھ چلتے ہوئے رپورٹ دی "وہ ابھی تک گھر پر ہے۔ عمارت سے چڑیا کا بچہ تک باہر نہیں نکلا۔"

وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر اسی صوفے کی طرف بڑھ گیا جس پر اس کا رومال پڑا ہوا تھا۔ میں نے پہلی نظر میں بھانپ لیا کہ اس نے بروقت پہنچ کر لابی کے بہترین ٹھکانے پر قبضہ کیا تھا۔ ہم دونوں وہیں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ گئے اور حامد نے مجھ سے پوچھ کر ایک گزرتی ہوئی ویٹریس کو کافی کا آرڈر دے دیا۔

کچھ دیر بعد سلطان شاہ بھی دوسرے دروازے سے غزالہ کے ساتھ داخل ہو کر لابی کے اسی حصے میں آپہنچا۔ اس نے اچٹتے ہوئے انداز میں ہم دونوں پر نگاہ ڈالی پھر وہ دونوں ایک ایسی جگہ جا بیٹھے جہاں ان کی پشت داخلی دروازے کی طرف تھی مگر وہ براہِ راست ہمارے سامنے تھے۔

کافی آئی، وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ سوا دس بج چکے تھے لیکن مائیکرو سینٹر کی نگرانی کرنے والوں کی طرف سے کوئی اطلاع ملی تھی، نہ ہوٹل میں کوئی شناسا چہرہ دکھائی دیا تھا۔

ساڑھے دس بجے میرے ایما پر حامد نے موبائل فون پر اپنے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اپنی اپنی جگہوں پر پوری مستعدی سے موجود تھے۔ عمارت سے کوئی باہر نہیں نکلا تھا۔

وہ انتہائی غیر معمولی بات تھی۔ مجھے بے چینی ہونے لگی۔ ہماری نگاہوں کے سامنے امریکیوں سمیت، ہر رنگ اور نسل کے لوگ ہوٹل میں آتے جاتے رہے تھے۔ ان میں سے کئی ریستوران کی طرف بھی گئے تھے لیکن ہمارے لیے ان میں سے بوب رافیل کو پہچاننا ممکن نہیں تھا۔ ہم صرف اور صرف اکرم الٰہی کے ذریعے اسے شناخت کرسکتے تھے اور وہ مردود اپنے فلیٹ سے ہلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

سوئی کی گھڑیاں آگے بڑھنے کے باوجود ہر محاذ پر سناٹا چھایا رہا تو میرے تنفس کی رفتار تیز ہونے لگی۔ خون کے بڑھتے ہوئے دباؤ کی وجہ سے مجھے اپنی کنپٹیاں دکھتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔

پونے گیارہ بجے میں نے اضطراب کے عالم میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔ حامد بھی میرے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

معاً میرے ذہن میں ایک خوف ناک خیال نے سر ابھارا، مائیکرو سینٹر سے نکلنے کے تیسرے راستے کو ہم بالکل ہی بھول بیٹھے تھے۔ وہ وہی راستہ تھا جس کے ذریعے ہم نے مقبول اور اکرم تک رسائی حاصل کی تھی۔

اگر اکرم کی نیت میں کوئی کھوٹ تھا تو وہ بھی اپنی چھت سے فرار ہو کر بالا ہی بالا کسی دوسری عمارت سے برآمد ہو کر ہوٹل پہنچ سکتا تھا۔ مائیکرو سینٹر کی نگرانی کرنے والوں کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلتا کہ وہ گھر سے غائب ہوچکا ہے۔ اس کے لیے ہوٹل میں داخل ہونا کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ ہماری نظروں کے سامنے سے گزرا ہو اور ہم اسے نہ پہچان سکے ہوں۔ سبب بہت سیدھا اور منطقی تھا۔ ہم نے اسے اس حال میں دیکھا تھا کہ اس کا پورا چہرہ لمبے لمبے خود رو بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سر کے بالوں کی تراش خراش اور شیو کے بعد شاید ہم میں سے کوئی بھی اسے پہلی نظر میں پہچان لینے کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا۔

میں ان امکانات پر جتنا غور کررہا تھا، مجھے ان میں جان نظر آرہی تھی۔ گیارہ بج کر پانچ منٹ پر حامد نے اپنے آدمیوں سے ایک مرتبہ پھر رابطہ کیا۔ ان کا جواب مایوس کن تھا۔

"میرے پیچھے آؤ" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں اسے ہدایت کی اور لمبے لمبے ڈگ اٹھاتا، ریستوران کی طرف جانے والی کشادہ راہ داری میں ہولیا۔

حلیے میں نمایاں تبدیلی کی وجہ سے ہم ایک نظر میں اسے نہیں پہچان سکتے تھے مگر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دور سے ایک جھلک دیکھ کر بھی ہمیں شناخت کرلے گا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

ہوگیا۔ پنڈت منوہر لال کو اسلام آباد منتقل کر دیا گیا۔ اس کی خواہش کے احترام میں موہنی پنڈت کی آخری رسومات وہیں پنڈت کی موجودگی میں ادا کی گئیں۔ وہ کچھ بولنے پر آمادہ نہیں تھا اس لیے مجھے اور اول خان کو اسلام آباد طلب کیا گیا۔ ایرپورٹ پر اطلاع ملی کہ موہنی پنڈت کی لاش کی اسلام آباد روانگی کے بعد سے ائرپورٹ پر چند مشکوک افراد کراچی سے جانے والے مسافروں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ میں رابن مائر کے زندہ بچ جانے اور اس سے بھیانک انتقام کے فرضی وعدے پر پنڈت کی زبان پر لگے قفل کو کھلوانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے انکشاف کیا کہ رستم پاکستان میں رہ کر دیگر جرائم کے علاوہ ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف تھا۔ اسی اثنا میں ہمارے علم میں آیا کہ رستم کی خودکشی کے حوالے سے ایک نام نہاد بین الاقوامی تنظیم فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں اقلیتوں کے انسانی حقوق کی پامالی کا واویلا مچا رہی ہے۔ اسلام آباد میں ہمیں کراچی سے خبر ملی کہ .....ایرپورٹ پر مشکوک افراد کا تعلق داؤد سے تھا جو پرائز بانڈ کی پرچیوں کے علاوہ چھوٹے بڑے جرائم بھی کرتا تھا۔ ہماری اسلام آباد سے واپسی تک داؤد کو اسٹیشن نور پہنچایا جا چکا تھا۔ تشدد کے بعد اس نے بتایا کہ اسے ٹیلی فون پر ایک نامعلوم شخص نے پہلے موہنی پنڈت کی لاش اور پھر ایرپورٹ کی نگرانی کرنے کا کام پچاس ہزار روپے کے عوض سونپا تھا۔ داؤد اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی رہائی سے بہت خوف زدہ تھا' اسے ڈر تھا کہ وہ مار دیا جائے گا۔ اول خان نے بتایا کہ ایجنسیوں نے فریڈم انٹرنیشنل کو کلیرنس دے دی ہے۔ ٹیلی فون ڈپارٹمنٹ میں اول خان کے دوست کے ذریعے ہمیں داؤد کو موصول ہونے والی کالوں کے ریکارڈز سے مائیکرو آٹوز کا علم ہوا۔ اپنے بارے میں داؤد کا خدشہ درست ثابت ہوا اور وہ ہم سے رہائی حاصل کرنے کے ۲۴ گھنٹوں کے اندر مار ڈالا گیا۔ اسی دوران میں انکشاف ہوا کہ مائیکرو آٹوز اور فریڈم انٹرنیشنل ڈیفنس کے علاقے میں ایک ہی عمارت میں واقع ہیں۔ داؤد کے قتل کے بعد اس عمارت پر کامیاب کارروائی کی گئی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر پہنچ گیا۔ عمارت سے ہمیں اس کا ماموں اکرم الٰہی ہاتھ آگیا۔ وہ اپنے بھانجے سے سخت نالاں تھا۔ میں اپنی ایک کوشش کے ذریعے مقبول چوہدری کو اس کے بل سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن نور منتقل کر دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگائی جا چکی تھی جس کے ذریعے ہمیں علم ہوا کہ مقبول چوہدری پر پڑنے والی افتاد کے بعد ایک امریکی سفارت کار اس سے ملاقات کرنے اسلام آباد سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی جاری تھی۔ ہم اسے اس امریکی سفارت کار کے ساتھ قابو کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لیے ہوٹل میں مورچہ لگائے بیٹھے تھے۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ ہم غلطی کر چکے ہیں۔ حلیے میں نمایاں تبدیلی کی وجہ سے ہم اسے نہیں پہچان سکتے تھے جب کہ وہ ہمیں دور سے بھی شناخت کر سکتا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں تیزی سے ریستوران کی طرف جا رہا تھا۔ حامد' سلطان شاہ اور غزالہ میرے پیچھے پیچھے تھے۔

اس وقت ریستوران میں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ بڑے ہوٹلوں میں قیام کرنے والے مسافروں کو ناشتا فراہم کرنے کی ذمے داری ہوٹل کی انتظامیہ کی ہوتی ہے۔ یہ دیگر بات ہے کہ ناشتے کی ہوش ربا قیمت کمروں کے کرائے میں شامل ہوتی ہے۔ شرط یہ ہوتی ہے کہ مسافروں کو مقررہ اوقات میں ہوٹل کے مخصوص ہال میں پہنچ کر اس خدمت سے استفادہ کرنا ہوتا ہے۔

ناشتے کا وقت شاید بہت دیر پہلے گزر چکا تھا۔ ریستوران میں آباد چند میزوں پر وہی لوگ نظر آ رہے تھے جو کاروباری یا کسی اور مصروفیت کی بنا پر مل بیٹھنے کے لیے موجود تھے۔ ان ہی میں بوب رافیل اور اکرم الٰہی بھی شامل تھے۔

بوب رافیل ہمارے لیے یکسر اجنبی تھا۔ ہم میں سے کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ بس رات گئے اچانک ہی اس کا نام سننے میں آیا تھا۔ اس کے نام کے آخری حصے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ یہودی رہا ہوگا لیکن امریکیوں کے بارے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی تھی۔ وہ مذہبی اقدار سے مکمل طور پر آزاد' بے فکر لوگوں کی قوم تھی۔ اس کا ہر فرد اپنی خوشی کے لیے زندہ رہنے کو ترجیح دیتا تھا۔ ان کے لیے نام کی اہمیت ذاتی یا پھر زیادہ سے زیادہ خاندانی شناخت تک محدود تھی۔ وہاں مذہب اور عقیدے کے پُرپیچ بکھیڑوں میں پڑ کر نام تجویز کرنے کی روایات بہت مضبوط نہیں تھیں۔

اکرم الٰہی کو ہم میں سے تین نے دیکھا ہوا تھا مگر ایسے حلیے میں کہ اس کے سر اور چہرے پر ایک ماہ سے زیادہ پرانے بالوں کا ایک گھنا جنگل اگا ہوا تھا جسے داڑھی یا زلفوں جیسے کسی شائستہ نام سے معنون نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مجھے سو فی صد یقین تھا کہ اگر اکرم الٰہی ہوٹل کے ریستوران میں موجود تھا تو وہ چہرے کے بال صاف کرنے کے ساتھ' اپنے سر کے بالوں کو بھی سلیقے سے ترشوا چکا ہوگا۔ ایسی صورت میں ہم میں سے کوئی بھی اسے نہیں پہچان سکتا تھا۔

ان دونوں کے درمیان ریستوران میں گیارہ بجے ملاقات کا وقت طے تھا۔ ہمارے پاس اس بات کی کوئی شہادت نہیں تھی کہ ان میں سے کوئی ہوٹل پہنچ چکا تھا۔ اس کے برعکس' اکرم الٰہی کے بارے میں مصدقہ اطلاعات تھیں کہ وہ مائیکرو سینٹر کے کسی راستے سے باہر نکلتا ہوا نہیں دیکھا گیا تھا۔

یہ محض میرا قیاس تھا کہ اکرم الٰہی ہمارے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ ہماری مدد کے نتیجے میں اس نے پورے چھتیس دن کی ہولناک قید تنہائی سے نجات حاصل کی تھی مگر پھر بھی وہ ہم پر اعتماد کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ اسے ہماری شناخت کا علم نہیں تھا۔ ہم اس کے بارے میں اندازے لگا رہے تھے' وہ ہمارے بارے میں اندازوں پر چل رہا تھا۔

ہمارے طور طریقوں سے اس کے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ ہم عام جرائم پیشہ افراد کی صفوں سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ہم نے جس بے نیازی کے ساتھ مقبول چوہدری کو مائیکرو سینٹر سے بے دخل کر کے اکرم الٰہی کو اس کی جائداد اور کاروبار کا قبضہ دلوایا تھا' اس کی بنا پر اکرم الٰہی یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوتا کہ ہمارا تعلق آئی بی سے نہ سہی' کسی نہ کسی خفیہ سرکاری ادارے سے ضرور ہوگا۔

خفیہ سرکاری اہل کار اگر کسی کی راہ پر لگ جاتے ہیں تو آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اس کلیے کی روشنی میں اکرم الٰہی کو یہ سمجھنا قرین قیاس تھا کہ ہم لوگوں نے اسے' اس کے سفاک اور خود غرض بھانجے کے چنگل سے نجات دلا کر بظاہر بالکل آزاد کر دیا تھا مگر پس پردہ اس کی نگرانی ضرور کرا رہے ہوں گے تاکہ مقبول چوہدری کے خلاف کی جانے والی کارروائی کو اس کے منطقی انجام تک پہنچا سکیں۔

یہ تجزیہ صرف ایک نتیجے کی نشان دہی کرتا تھا۔ اکرم الٰہی کے

لیے بوب رافیل سے ملنا ناگزیر تھا' اسے اپنی نگرانی کا اندیشہ تھا اس وجہ سے اس نے مائیکرو سینٹر کا کوئی راستہ اختیار کرنے کے بجائے چھت سے گزر کر کسی اور عمارت سے برآمد ہو کر ہوٹل پہنچنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس نے سوچا ہو گا کہ اس طرح وہ نگرانی کرنے والوں کو غچا دے کر خاموشی سے بوب رافیل سے مجوزہ ملاقات کرے گا۔ اس سے نمٹنے کے بعد دوبارہ دوسری عمارت کے راستے' مائیکرو سینٹر سے ہوتا ہوا اپنے گھر پہنچ جائے گا۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکے گا کہ وہ مائیکرو سینٹر سے باہر گیا تھا۔

وہ میری تھیوری تھی۔ اس کی بنیاد پر میں ریستوران میں داخل ہوا تو میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی ایک ادھیڑ عمر اور دراز قد آدمی نے بوکھلا کر اپنی کرسی چھوڑ دی۔

میری بے چین' عقابی نگاہیں اسی پر مرکوز ہو گئیں اور میں اسی کی طرف ہولیا۔

میں نے چند ساعتوں میں مشاہدہ کرلیا تھا کہ وہ ایک بارلیش سفید فام کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سفید فام آدھی آستینوں والی بش شرٹ اور پتلون میں ملبوس تھا۔ اس کے پورے چہرے پر حلق تک' ترشی ہوئی اور ہموار داڑھی تھی جو یہودیوں کا خاصہ ہے۔ ہمیں دیکھ کر بوکھلانے والا ادھیڑ عمر شخص مقامی تھا۔ اس کے بدن پر گہرے رنگ کا بے داغ سوٹ موجود تھا۔ میری یا شاید ہماری طرف دیکھتے ہی وہ کرسی سے اٹھا' لمحہ بھر کے لیے جھجکا اور پھر اس نے یکایک دوڑ لگا دی۔ وہ اپنے راستے میں حائل ہونے والی خالی کرسیوں کو گراتا ہوا اس راستے کی طرف جا رہا تھا جو سوئمنگ پول کی طرف نکلتا تھا۔

ایک خوش پوش اور معزز نظر آنے والے شخص کے یوں اچانک بھاگ نکلنے سے ریستوران میں سنسنی پھیل گئی۔ اونچی' تحیر زدہ آوازوں کے ساتھ متعدد افراد نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ گھبراہٹ میں' کھولتی ہوئی چائے یا کافی چھلکنے کی وجہ سے' ہال میں کئی خوف زدہ نسوانی چیخیں بھی گونجیں۔

میں نے آخری منظر یہ دیکھا کہ بھاگنے والے کا سفید فام ساتھی فضا میں ہاتھ لمبا کر کے اونچی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا۔

دو اور دو چار کی طرح سب کچھ سامنے آچکا تھا۔ ہم میں سے کوئی اکرم الٰہی کو نہیں پہچان سکا تھا لیکن اس نے ہمیں شناخت کرتے ہی' اپنے ردِ عمل سے خود کو بے نقاب کر دیا تھا۔

میں نے پوری قوت سے اکرم الٰہی کے پیچھے دوڑ لگا دی تاکہ اس کی گردن دبوچ سکوں

وہ ادھیڑ عمر تھا' اسے اپنے بھانجے کی ظالمانہ قید سے رہائی حاصل کیے ہوئے پورے چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے مگر اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس کی گرائی ہوئی کرسیاں میری راہ میں حائل تھیں۔ میں ان سے بچتا اور انہیں پھلانگتا ہوا تھوڑی ہی دور پہنچا تھا کہ وہ دربان کو ہکا بکا چھوڑ کر ریستوران سے سوئمنگ پول کی طرف نکل گیا۔

اس وقت میرے حواس پوری طرح بیدار اور متحرک تھے۔ مجھے اپنے پیچھے دھینگا مشتی کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ آوازیں بھگدڑ کی وجہ سے ہو سکتی تھیں یا پھر میرے ساتھیوں کے خلاف اکرم الٰہی کا سفید فام ملاقاتی مزاحمت پر اتر آیا تھا۔ میرے لیے وہ وقت پیچھے مڑنے کا نہیں تھا۔ میری پوری کوشش یہ تھی کہ اکرم الٰہی کے ریستوران سے فرار کی کوشش ناکام بنا کر اسے ہوٹل کی حدود میں ہی بے دست و پا کرلوں تاکہ اس کے یا بوب رافیل کے دفاع کی ہر راہ مسدود ہو سکے۔

میں ریستوران سے باہر نکلا تو اکرم الٰہی مجھ سے کافی دور نکل چکا تھا۔ وہ سوئمنگ پول کے گرد پھیلے ہوئے وسیع لان کے ایک سرسبز حصے پر پوری قوت سے دوڑتا ہوا' چار دیواری کے اس حصے کی طرف جا رہا تھا جہاں سے وہ ہوٹل کے پُرشکوہ ڈرائیو وے سے ہوتا ہوا سڑک پر نکل سکتا تھا۔ راستے میں کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں نے اپنی ساری توانائیاں مجتمع کر کے اپنی رفتار تیز کر دی۔ میں اکرم الٰہی کو شکار کرنے کے لیے خم دار ڈرائیو وے کی فٹ پاتھ پر دوڑ لگا رہا تھا اور میرا شکار اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تو مائیکرو سینٹر سے اپنی خفیہ روانگی کے دفاع میں کچھ بھی نہ کہہ سکے گا۔

اس کے ستارے یاور تھے یا میرے مقدر کی گردش تھی کہ میں اس تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکا اور وہ دوڑتا ہوا' ہوٹل کے داخلی ڈرائیو وے سے نکل کر مین روڈ پر پہنچ گیا۔

میرے مین روڈ پر پہنچنے سے پہلے اکرم الٰہی ایک خالی ٹیکسی میں سوار ہو کر آگے روانہ ہو چکا تھا۔

میں مین روڈ پر پہنچا تو اگلے چوراہے کا سبز سگنل میرا منہ چڑا رہا تھا۔ ادھر جانے والا ٹریفک پوری تیزی سے رواں تھا۔ اکرم الٰہی کی ٹیکسی چوراہا عبور کر کے کافی آگے نکل چکی تھی۔

اس سڑک پر آگے جانے کے بعد وہ کوئی بھی راستہ اختیار کر سکتا تھا۔ کلفٹن' کینٹ اسٹیشن اور صدر کے ذریعے' اس کے سامنے کراچی کی بے کراں اور گنجان آباد وسعتیں بکھری ہوئی تھیں جبکہ مجھے اپنے لیے دور دور تک کوئی خالی سواری نظر نہیں آرہی تھی۔

○☆○

"اکرم!" اس کے دوڑتے ہی بوب رافیل فضا میں ہاتھ بلند کر کے تحکمانہ لہجے میں دھاڑا تھا "رک جاؤ۔ میں ان سب بدمعاشوں کو دیکھ لوں گا۔"

اکرم نے اس کی ایک نہ سنی کیونکہ میں اس کے پیچھے لپک چکا تھا۔ اس کی دوڑ جاری رہی۔

آخر بوب رافیل نے بھی تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر ریستوران سے کھسکنا چاہا مگر اس سے پہلے میرے تینوں ساتھی اس کے سر پر پہنچ چکے تھے۔

"جہاں ہو، وہیں رک جاؤ!" حامد نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر اسے للکارا "تم نے فرار ہونے کی کوشش کی تو تم خود اپنے نقصان کے ذمّے دار ہوگے۔"

ریستوران میں پہلے ہی سنسنی اور افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں موجود گاہکوں کی نظروں کے سامنے دو خوش پوش اور باوقار افراد آگے پیچھے دوڑتے ہوئے اندھا دھند سوئمنگ پول کی طرف نکل چکے تھے۔ اب ایک تیسرا شخص مہیب ریوالور کی زد پر ایک سفید فام کو للکار رہا تھا۔ لوگوں نے اندازہ لگالیا کہ وہاں کسی بھی لمحے کشت و خون کا آغاز ہو سکتا ہے۔ وہ سب بہت تیزی سے نکاسی کے قریب ترین راستوں کی طرف کھسکنے لگے۔

ریستوران میں یکایک پیدا ہونے والے شوروغل اور اس کے درمیان ابھرنے والی چند بے ساختہ سریلی چیخوں نے وہاں کی انتظامیہ کو بدحواس کردیا تھا۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مہذب اور معزز شہریوں میں یکایک پیدا ہونے والی افراتفری پر کس طرح قابو پایا جائے۔

بے یقینی کے ان چند لمحات کے بعد جب تک ہوٹل کے مسلح محافظ نمودار ہوتے، متعدد افراد ریستوران سے نکل چکے تھے اور بقیہ بھیڑ کی صورت میں ایک دوسرے کو دھکیل کر جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہ رہے تھے۔

"خبردار! میرے قریب آنے کی کوشش بھی مت کرنا۔" باریش سفید فام نے حامد کی دھمکی کے جواب میں تحقیر آمیز لہجے میں کہا "میرا نام بوب رافیل ہے اور میں ایک سفارت کار ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے!" حامد نے اپنے ریوالور کی نال کو جنبش دیتے ہوئے گمبھیر سنجیدگی سے کہا "تم امریکی سفارت خانے میں سوشل منسٹر ہو.... میں جاننا چاہتا ہوں کہ اکرم الٰہی کے ساتھ تم یہاں کیا سازش کر رہے تھے؟"

حامد کے وہ الفاظ بوب رافیل کے لیے پریشان کن ثابت ہوئے۔ اس کی آنکھوں میں سراسیمگی لہرائی پھر اس نے فوراً ہی سنبھالا لے کر جواب دیا "میں تم کو جواب دہ نہیں ہوں۔ مجھے ویانا کنونشن کے تحت سفارتی مراعات حاصل ہیں۔ میں کسی اکرم الٰہی کو نہیں جانتا۔"

"جھوٹ مت بولو!" حامد نے اسے تنبیہہ کی "وہ تمہاری میز سے اٹھ کر بھاگا تو تم نے نام لے کر اسے روکنا چاہا تھا۔ یہاں بیٹھے ہوئے بہت سے لوگوں نے تمہارے الفاظ سنے ہوں گے۔"

بوب رافیل تضحیک آمیز انداز میں ہنس پڑا پھر بولا "تم کن لوگوں کی بات کر رہے ہو۔ بہت سے بھاگ چکے ہیں۔ جو باقی رہ گئے ہیں، وہ نکل بھاگنے کے چکر میں ہیں پورے ہال میں عملاً ہم چاروں کے سوا کوئی نہیں ہے۔"

حامد نے اس کی قلابازی پر سٹپٹائے ہوئے انداز میں اپنے گردوپیش پر نگاہ ڈالی اور گہرا سانس لے کر جواب دیا "یہ بات ہے تو یوں ہی سہی۔ تمہیں اپنی شناخت ثابت کرنی ہوگی۔ جب تک اس کی تصدیق نہیں ہوجاتی، تم ہماری تحویل میں رہو گے۔ اس وقت تمہاری پوزیشن نازک ہے۔"

اسی لمحے ہوٹل کے دو مسلح محافظ لپکتے ہوئے ان چاروں کی طرف بڑھے۔ ان میں سے ایک نے دور سے ہی کہا "ہتھیار پھینک دو۔ یہاں کیا تماشا ہو رہا ہے؟"

ان باوردی محافظوں کو دیکھتے ہی بوب رافیل شیر ہوگیا اور چبھتی ہوئی اونچی آواز میں حامد سے بولا "مجھے کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ابھی تم خود اعتراف کرچکے ہو کہ تم نہ صرف میرے نام سے واقف ہو بلکہ میرے عہدے تک سے آگاہ ہو۔ تم بلاوجہ مجھے ہراساں کرنے کی کوشش کررہے ہو۔"

"بکواس بند کرو!" حامد ہوٹل کے محافظوں کو قریب پاکر بوب رافیل پر غرایا "میں نے سرے سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ تم بدحواسی کے عالم میں کوئی سہانا خواب دیکھ رہے ہو یا پھر تمہارے کان بج رہے ہیں۔"

حامد کی اس جوابی قلابازی نے بوب رافیل کو پریشان کردیا۔ اس نے اضطراری انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا پھر اپنی نظریں غزالہ کے چہرے پر گاڑ دیں "مادام! تم نے ضرور سنا ہوگا کہ ابھی چند لمحوں پہلے یہ مسلح شخص میرے بارے میں مکمل واقفیت کا اظہار کررہا تھا۔" اس نے ہوٹل کے محافظوں کو سنانے کے لیے غزالہ سے پوچھا۔

"نہیں!" غزالہ نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی "اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ تم نے فرار ہونے والے مشتبہ آدمی کو،

اس کا نام لے کر روکنے کی کوشش ضرور کی تھی...."

"تم سب ایک تھیلے کے چٹے بٹے ہو جب ہی ایک ساتھ میرے گرد موجود ہو۔" اس نے غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچ کر دانت پیسے "مجھے پہلے ہی اندازہ کرلینا چاہیے تھا کہ مجھے ایک منظم سازش کے تحت یہاں گھیرا گیا ہے۔" خود کلامی کے انداز میں بات کرتے کرتے وہ یکایک ہوٹل کے محافظوں سے مخاطب ہوگیا "تم دیکھ رہے ہو کہ یہ مسلح دہشت گرد ریوالور کی نوک پر مجھ جیسے نہتے سفارتی افسر کو خوف زدہ کررہا ہے۔ میرا نام بوب رافیل ہے اور میں امریکی سفارتی مشن میں سوشل منسٹر ہوں۔ براہِ مہربانی جلد از جلد اسے غیر مسلح کرکے اپنے قابو میں کرلو...."

وہ دونوں سفید چمڑی والے کی تقریر سے متاثر ہوتے نظر آرہے تھے کہ سلطان شاہ بوب رافیل کی بات کاٹ کر اردو میں ان دونوں سے مخاطب ہوگیا "بھول کر بھی اس بہروپیے کی باتوں میں نہ آنا۔ یہ بہت اونچا چکر ہے اور اس میں کئی ایجنسیاں ملوث ہیں۔ خود کو اس معاملے سے الگ تھلگ رکھو۔"

"تم بے فکر رہو۔ اس گورے لفنگے نے آتش بازی کا مظاہرہ نہیں کیا تو ہم کوئی گولی چلائے بغیر اسے یہاں سے لے جائیں گے۔" غزالہ نے ان کے اطمینان کے لیے لقمہ دیا۔

وہ دونوں محافظ صحت مند اور قد آور ہی نہیں، تعلیم یافتہ بھی تھے۔ ان تینوں کو حیرت ہوئی جب ان میں سے ایک باوردی محافظ شستہ انگریزی میں بوب رافیل سے مخاطب ہوا "سوری سر! ہم نے اپنے کانوں سے تمہاری اور مادام کی جو گفتگو سنی ہے، وہ تمہارے حق میں نہیں ہے۔ تمہیں ہمارے ساتھ ہمارے دفتر تک چلنا ہوگا۔"

"اس.... اس.... کالے اور ڈراؤنے ریوالور کے سائے میں!" بوب رافیل نے ہکلا کر احتجاج کیا۔

"تم آمادگی ظاہر کرو تو یہ ریوالور ابھی اپنی جگہ غائب ہوجائے گا۔" حامد نے پورے سکون سے اسے یقین دلایا "ہمیں تم سے زیادہ اس ہوٹل کی ساکھ عزیز ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ تم نے اکرم کی طرح بھاگنے کی کوشش کی تو میرا نشانہ بے خطا ہوتا ہے۔ میری چلائی ہوئی گولی تمہاری ریڑھ کی ہڈی میں اترے گی اور تم زندہ رہنے کے باوجود کبھی بھی اپنی مرضی سے نقل و حرکت کرنے کے قابل نہ رہ سکو گے۔"

"ہاں...." اسی محافظ نے حامد کی یقین دہانی کی تائید کی "تم چاروں میں سے کوئی نہیں بھاگے گا۔ ہمارے دفتر میں یہ معاملہ قانون کے تقاضوں کے عین مطابق طے ہوجائے گا۔"

"آمادگی کے اظہار سے پہلے میں ایک گارنٹی چاہتا ہوں جو میرا حق ہے۔"

سلطان شاہ کی زبان سے ایجنسیوں کا ذکر سننے کے بعد دونوں پڑھے لکھے محافظ بہت محتاط نظر آرہے تھے۔ ان میں سے کسی نے بوب رافیل کے مطالبے کا کوئی جواب نہیں دیا۔

چند ثانیوں تک خاموشی کے ساتھ، جواب طلب نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بوب رافیل خود ہی اپنی بات مکمل کرنے پر مجبور ہوگیا "ان تینوں سے پہلے مجھے فون تک رسائی ملنی چاہیے۔ میں کراچی میں اپنے قونصل خانے کو اس ناگہانی مصیبت کی اطلاع دینا چاہوں گا۔"

ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ صورتِ حال مخدوش ہوتی جارہی تھی۔ کسی بھی لمحے ہوٹل کا مزید عملہ پولیس کی نفری کے ساتھ وہاں پہنچ سکتا تھا۔ دونوں محافظوں کی پوزیشن نازک تھی۔ ان کے تذبذب کا اندازہ لگا کر دوبارہ حامد کو دخل انداز ہونا پڑ

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ پہلا فون تم کرلینا۔"

حامد کی پیشکش پر بوب رافیل کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہراتے نظر آئے۔ اس کے پاس حالات سے سمجھوتا کر حامد کی بات پر اعتبار کرنے کے سوا کوئی متبادل راستہ نہیں تھا۔

ریستوران کے وسیع و عریض مگر اجڑے ہوئے ہال میں الفا کے مہرے لٹا لڑا کر وہ پرُ پیچ شطرنج کھیلی جارہی تھی جس سے میں اس وقت قطعی بے خبر تھا۔ میرا خیال تھا کہ ان تینوں نے بہت آسانی کے ساتھ بوب رافیل کو نروس حالت میں اپنی تحویل میں لے لیا ہوگا۔

بعد میں غزالہ اور سلطان شاہ کی زبانی معلوم ہوا کہ حامد کی سربراہی میں، ان کے لیے وہ کام اتنا آسان ثابت نہیں ہوا تھا حامد بہت ذہین اور حاضر دماغ افسر سہی مگر بوب رافیل بھی گرگ باراں دیدہ تھا۔ اس نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہوئی تھیں جو آسانی سے اپنی گردن ان کے چنگل میں دے دیتا۔

بہرحال، اکرم الٰہی کو کھو دینے کے بعد ریستوران میں وا کے لیے میں نے وہی راستہ اختیار کیا جسے اکرم الٰہی نے اپنے ف کے لیے منتخب کیا تھا۔ راستے میں، بوب رافیل کے پکڑے جا کے پورے یقین کے باوجود مجھے اکرم الٰہی کے پھسل کر نکل جا سخت افسوس تھا۔

اول خان شہر سے باہر تھا، حامد بذاتِ خود میدان میں اترا تھا۔ اس کے آدمیوں کو شاید کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکا تھا اندر سے باہر تک کیا کچھ ہوگیا تھا۔

ہماری منصوبہ بندی میں بنیادی نکتہ یہ تھا کہ اکرم الٰہی ا بوب رافیل کو ہوٹل میں مل بیٹھنے کا کھلا موقع دیا جائے اور ان دور سے نگاہ رکھی جائے۔ جب وہ واپسی کا قصد کریں تو ان کی روک لی جائے۔ اسی بنا پر حامد نے اپنے آدمیوں کو ہوٹل عمارت سے نکلنے والے راستوں پر مامور کیا تھا جب کہ اکرم ا نے اپنے فرار کے لیے جو راستہ اختیار کیا، وہ گاڑیوں سے ہو کے پورچ اور پھر بڑے داخلی دروازے تک رسائی کے لیے استع کیا جاتا تھا۔ جانے والے اسی ڈرائیو وے کا وہ سیدھا حصہ استع

کرتے تھے جو دوسری سڑک پر نکلتا تھا۔

میرے ذہن پر بس ایک ہی خیال بوجھ بن کر سوار تھا کہ اکرم الٰہی کے فرار کے بعد بوب رائفل پر زیادہ دباؤ برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اسے چند گھنٹوں سے زیادہ کسی طرح نہیں روکا جا سکتا تھا۔

میرے ذہن میں اچانک ہی جلال کا نام کوندے کی طرح لپکا۔

گو ہم نے اسے فریڈم انٹرنیشنل کے معاملات سے حتیٰ الامکان الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن مقبول چوہدری نے نسرین باجی نامی طوائف کے گھر میں اپنی مختصر سی روپوشی کے دوران اپنے جن امریکی آقاؤں کو اپنی درد بھری کہانی سنائی تھی، وہ کمر کس کے فوری طور پر میدان میں کود پڑے تھے۔ انہوں نے سرکاری پالیسیوں کے خلاف آواز اٹھانے والی این جی اوز کو طاقت کے زور پر کچلنے کا غلغلہ اٹھا کے وزارت داخلہ اور خارجہ کو پریشان کر دیا تھا۔

فریڈم انٹرنیشنل کا نام آئی بی والوں کے ذریعے ہمارے کانوں تک پہنچا تھا اس لیے جب امریکیوں نے مقبول چوہدری کی حمایت میں آنکھیں دکھانی شروع کیں تو منطقی طور پر جلال کا ذہن ہماری طرف مرکوز ہو گیا۔ پچھلی رات کی گفتگو میں، میں نے بڑی حد تک اسے یہ اشارے دے دیے تھے کہ ہم مقبول چوہدری اور اکرم الٰہی کی راہ پر لگ چکے تھے۔

مقبول چوہدری اپنی غداری کے جرم میں آخر کار ایس ٹی ایف کے زنداں میں پہنچایا جا چکا تھا تاہم میرے دیے ہوئے فون نمبر پر جلال خود اکرم الٰہی سے بات کر کے یقین کر چکا تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل میں صرف چہرے بدلے تھے ورنہ اس این جی او کا وجود برقرار تھا۔ اس کے لیے وہ بہت بڑی خبر تھی۔

اس وقت سرکاری محاذ پر جلال ہی پس پردہ رہ کر امریکیوں سے لڑ رہا تھا۔ اختیارات اور ضابطوں نے اس کے ہاتھ باندھے ہوئے تھے مگر وہ وسیع تر قومی مفادات کی خاطر ہماری سرگرمیوں سے چشم پوشی اختیار کیے ہوئے تھا۔ یہ اور بات تھی کہ امریکیوں کی سرکوبی کے لیے بیشتر مواد اسے ہم سے ہی مل رہا تھا۔

ریستوران کی طرف واپس لوٹتے ہوئے میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ آخر کار میں نے جلال کو پوری طرح اعتماد میں لینے کا فیصلہ کر کے موبائل فون نکال لیا۔

اس وقت تک ریستوران میں ہونے والی بھگدڑ کی خبر شاید باہر بھی پھیل چکی تھی کیونکہ سوئمنگ پول والے راستے کا محافظ اپنی جگہ سے غائب تھا۔ میں اندر داخل ہو کر لان کے احاطے کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے پودوں کے قریب رکا اور موبائل پر جلال کا نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

خوش قسمتی سے جلال اپنے دفتر میں ہی موجود تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے پچھلی رات کی سرخ روئی کی کہانی چھیڑ دی۔ فریڈم انٹرنیشنل کے ایک فون نمبر پر اکرم الٰہی سے بات کرنے کے

بعد اس نے اپنے افسران بالا کو جو رپورٹ دی تھی وہ ہر امریکی الزام کی تردید کے لیے کافی تھی۔

معمولی ردوبدل کے بعد وہ رپورٹ افسر مجاز کے دستخطوں کے ساتھ، رات ہی امریکی سفارت خانے کو فیکس کردی گئی تھی۔ یہ بات میں پہلے ہی سمجھ چکا تھا۔ وہ فیکس ملنے کے بعد بوب رافیل نے رات یا صبح کے تین بج کر دس منٹ پر اسی فون نمبر پر اکرم الٰہی سے مختصر بات کرکے، اس سے صبح گیارہ بجے ملاقات کا وقت اور مقام طے کیا تھا۔

اس قصے کی جزئیات خاصی طویل تھیں اور جلال وہ سب مجھے سنانے کے موڈ میں تھا مگر میں بار بار اسے اپنی بات مختصر کرنے کی تاکید کرتا رہا اور جوں ہی اس نے میرے بنیادی خدشات کی تصدیق مکمل کی، میں نے اسے اکرم الٰہی اور بوب رافیل کے بارے میں تازہ ترین حالات کے نچوڑ سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

جلال کے لیے میری رپورٹ دھماکا خیز تھی۔ اس نے پہلے ہی سانس میں کئی سوالات کر ڈالے مگر میں نے اضطراری لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ پتا نہیں اندر کیا ہو رہا ہے۔ بوب رافیل کی گرفتاری کو طول دینے کے لیے کچھ کرسکتے ہو تو فوری طور پر کرو ورنہ اکرم الٰہی کے بعد وہ بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"اسے اپنی سفارتی شناخت استعمال کرنے کا موقع نہ دو!" اس نے پُرجوش آواز میں بے ساختہ مشورہ دیا "اس سے پہلے ہم اسے دل کھول کر رگڑ سکتے ہیں۔"

"اگر گنجائش ہوئی تو میں ضرور کوشش کروں گا مگر مجھے پورا یقین ہے کہ اس نے خطرہ بھانپتے ہی سفارتی مراعات کی دہائی دینی شروع کردی ہوگی۔ میں نے اس کی ایک جھلک ہی دیکھی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہے۔ لفاظی اور مکّاری سے کام لے کر اپنی جان بچانے کی کوشش کرے گا۔"

"تم اندر کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد دوبارہ فون کرو۔ میں اس دوران میں اپنے کراچی آفس سے کسی کو ہوٹل بھیجتا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ ایسے مواقع پر کیا حکمتِ عملی ہونی چاہیے" اس کے لہجے میں جوش و خروش نمایاں تھا۔

"ہوٹل والوں نے پولیس سے مدد طلب کرلی ہوگی۔ وہ پہنچ گئے تو کھیل بگڑ جائے گا۔" میں نے لان پر اضطراری انداز میں پیش قدمی شروع کردی۔ میں جلد از جلد ریستوران میں پہنچنے کے لیے بے چین تھا مگر اس نئے چکر کے بارے میں جلال کو پوری طرح باخبر رکھنا بھی ضروری تھا۔

"پہلے تم اندر کی خیر خبر لو۔ میں جانتا ہوں کہ تمہاری موقع پر موجودگی بہت سے مسائل کے خاتمے کا سبب بن جائے گی۔ قدرت نے مختصر سی مدت میں ہمیں امریکیوں کو نیچا دکھانے کا یہ دوسرا موقع فراہم کیا ہے۔ چند روز پہلے رابن مائر اپنے ایک میرین کمانڈو کے ساتھ موہنی پنڈت کے گھر مارا گیا اور اب بوب رافیل چوہے دان میں بری طرح پھنسا ہوا ہے...."

وہ پھر غیر ضروری اور جذباتی باتوں کی طرف بہک رہا تھا۔ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "میں نے پوری تصویر تمہارے سامنے رکھ دی ہے۔ میں اپنی سرتوڑ کوششیں کر رہا ہوں۔ تم جو کچھ کرسکتے ہو، فوراً کر گزرو۔ شاید ہمیں تیسرا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ جو ہونا ہے، آج ہی ہو جانا چاہیے۔"

میں نے فون بند کرکے جیب میں ڈالا اور لان پر دوڑ لگا دی۔

میں سوئمنگ پول کے رخ سے ریستوران میں داخل ہوا تو وہاں سب کچھ طے ہو چکا تھا۔ میرے تینوں ساتھی بوب رافیل اور دو باوردی محافظوں کے ساتھ ریستوران کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ویران ریستوران کے بکھرے ہوئے فرنیچر کی وجہ سے ہال میں دوڑ لگانی ممکن نہیں تھی مگر پھر بھی میری رفتار بہت تیز تھی۔ فرشی قالین پر میرے قدموں کی دھمک محسوس کرکے دونوں محافظ بہت تیزی سے پلٹے تھے۔ ان کا وہ ردِعمل اس قدر بے ساختہ تھا کہ بقیہ چاروں افراد کی گردنیں بھی پیچھے گھوم گئیں۔

شاید ہوٹل کے دونوں مسلح محافظ مجھے تیزی سے اپنی طرف آتا دیکھ کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہو کر کوئی ناخوش گوار قدم اٹھاتے مگر حامد فوراً ہی کچھ بول پڑا۔ ان دونوں کے ہاتھ بیلٹ ہولسٹرز تک جاتے جاتے رک گئے تھے۔

میرے انتظار میں وہ سب رک گئے تھے۔ میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں چند لمحوں میں درمیانی فاصلہ طے کرکے ان کے ساتھ جا ملا۔

"وہ بھگوڑا کہاں رہ گیا؟" حامد نے میری توقع کے عین مطابق سوال کر ڈالا۔

اس نے اردو میں سوال کیا تھا اور اس کا جواب نہایت مایوس کن تھا۔ میں نے بوب رافیل پر ایک نظر ڈالی۔ اس کی نگاہوں میں گہرا تجسس تیر رہا تھا۔

"وہ ایک آوارہ کتے کی طرح دھر لیا گیا" میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد انگریزی میں جواب دیا اور پھر بوب رافیل کی اعصاب شکنی کے لیے بھاری بھرکم اصطلاحات کا سہارا لیتے ہوئے بات جاری رکھی "اسے وِیجی لینس اسکواڈ والے اپنی آرمرڈ گاڑی میں ڈال کر اسپیشل انٹروگیشن سیل لے گئے ہیں۔ وہاں وہ کھایا پیا تک اگلنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

میں نے محسوس کیا کہ میرا بیان سن کر بوب رافیل کے شانے قدرے ڈھلک گئے اور اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی "تم لوگ بہت سفّاک ہو" وہ خوف اور حقارت کے ملے جلے لہجے میں کہہ رہا تھا "تیسری دنیا کے نیم وحشی ملکوں کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ تم لوگ اختلاف رائے برداشت نہیں کرتے۔ اپنے معززین پر

کیچڑ اچھالتے ہو، ان پر الزام تراشیاں کرتے ہو اور ان کے ساتھ عادی مجرموں جیسا سلوک کرتے ہو۔"

"تمہارا یہ ہمدردانہ تبصرہ کس کے لیے ہے؟" سلطان شاہ نے نرمی سے پوچھا۔

"اس وقت ایکرم ایلائی سے زیادہ بدنصیب اور ہمدردی کا مستحق شخص اور کون ہو سکتا ہے؟" بوب رافیل نے جلوس کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن چند منٹ پہلے تو تم اس سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کر رہے تھے" حامد نے اسے یاد دلایا۔

بوب رافیل نے اسے قہر بار نظروں سے گھورا اور کہا "اپنی گندی زبان بند رکھو..... وہ بچ نکلتا تو میں تمہیں بتاتا کہ کون کس کو جانتا ہے۔ مکبول کے بعد ایکرم ایلائی کے خلاف تمہاری کارروائی سے صاف ظاہر ہے کہ تمہاری حکومت فریڈم انٹرنیشنل کو ہر قیمت پر کچلنے پر تل گئی ہے۔"

"خفا ہونے کی ضرورت نہیں، امریکی سی آئی اے تو اپنی سرحدوں سے باہر بھی ہر اس فرد اور ادارے کا سر کچلتی رہی ہے جو امریکا کے مفادات کے خلاف کام کر رہا ہو۔" غزالہ نے اس پر طنز کیا۔

"تمہاری ننھی ننھی کھوپڑیوں میں سی آئی اے کے خلاف زہر بھرا ہوا ہے۔ امریکا بہت بڑی جمہوریت ہے۔ وہاں تمہیں، تیسری دنیا کے مکّاروں کو، سی آئی اے کے سوا اور کچھ کیوں نظر نہیں آتا؟"

"اس لیے کہ ہر معاملے کی جڑیں فیر فیکس اور لینگلے کے سی آئی اے سینٹر میں اتری ہوئی ہیں۔ امریکا میں صدر اور حکومتیں آتی جاتی رہتی ہیں، سی آئی اے عشروں سے پروان چڑھ رہی ہے۔ تمہاری اصل حکومتیں اس رسوائے زمانہ ایجنسی کی تائید کی محتاج ہوتی ہیں۔ جان ایف کینیڈی کو بھرے جلوس میں سی آئی اے نے ہی مروایا تھا کیونکہ اس نے بعض معاملات میں اس کے سربراہ کے مشوروں کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔" میں نے کہا۔

وہ نوک جھوک چلتی رہی اور ہم ہراساں تماشائیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے سیکیورٹی چیف کے دفتر میں پہنچ گئے۔ بعد میں پتا چلا کہ ہمارے ساتھ موجود دو محافظوں میں سے ایک، خود سیکیورٹی چیف تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس بڑے عہدے پر فائز ہوتے ہوئے بھی وہ خود عام محافظوں کی طرح وردی میں ملبوس تھا۔

دفتر میں پہنچتے ہی بوب رافیل نے فون استعمال کرنے کا مطالبہ پیش کر دیا۔

"شٹ اپ!" میں نے اسے بری طرح جھڑک دیا "کوئی بھی بات کرنے سے پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہارے دعوے کا کیا دستاویزی ثبوت موجود ہے؟"

"میں بوب رافیل ہوں۔ یہ میرا وزیٹنگ کارڈ ہے" اس نے اپنی جیب سے کارڈ نکال کر سیکیورٹی چیف کے سامنے رکھ دیا۔ "میرے ایک فون پر میرے دعوے کے متعدد گواہ یہاں پہنچ جائیں گے..."

"وہ تمہیں ہماری تحویل سے نکال لے جانے والے غنڈے بھی ہو سکتے ہیں۔" میں نے اس کی دلیل مسترد کر دی "تم جس نام سے چاہو، وزیٹنگ کارڈ چھپوا سکتے ہو۔ یہ کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

"تم درمیان میں مت بولو!" بوب رافیل نے طیش سے کہا۔ "میں چیف سے بات کر رہا ہوں۔ یہاں آنے سے پہلے ہمارے درمیان کچھ طے ہو چکا تھا۔ اس پر پوری طرح عمل ہونا چاہیے۔"

"آپ لوگ کون ہیں اور یہ کیا چکر ہے؟" چیف نے الجھن آمیز لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"یہ شخص فراڈ ہے۔ اس کا بھاگنے والا ساتھی ایک مجرم تھا۔ ہم غیر سرکاری شخصیات کے سامنے اپنی شناخت ظاہر کرنے سے معذور ہیں۔ کسی بھی لمحے بااختیار افراد یہاں آئیں گے اور اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے" میں نے کہا۔

"میں فراڈ نہیں ہوں" بوب رافیل نے پرزور احتجاج کیا "تم ایک سفارت کار کی توہین کر رہے ہو۔"

"بوب رافیل کی پوسٹنگ اسلام آباد میں ہے جب کہ تم کراچی میں جھک مار رہے ہو۔ بوب آج صبح تک اسلام آباد میں تھا۔ تم جھوٹے اور پکے بہروپیے ہو" میں نے اسے اشتعال دلایا۔

"میں صبح کی پرواز سے کراچی آیا ہوں....." میری توقع کے عین مطابق اس نے دعویٰ کیا اور میں نے اس کی بات درمیان میں سے ہی اچک لی۔

"اپنے ٹکٹ کا بچا ہوا حصہ دکھا دو۔ تمہیں فون کرنے کی اجازت مل جائے گی۔"

اس نے مجھے خون آشام نظروں سے گھورا پھر کہا "وہ یک طرفہ ٹکٹ تھا۔ بورڈنگ کے بعد میں نے اسے ضائع کر دیا۔"

"سرکاری سفر یک طرفہ ٹکٹ پر اسی صورت میں ہوتے ہیں جب کسی کا تبادلہ ہو جائے۔ اگر تم نے ٹکٹ ضائع کر دیا تو اب چند گھنٹے بھی ضائع کرو۔ ائرلائن کے ریکارڈ سے تمہاری شناخت ہو جائے گی" میں سوچے سمجھے انداز میں اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ سے تنگ تر کرتا جا رہا تھا۔

"میں اس وقت تک تمہارا قیدی نہیں رہ سکتا، مجھے میرا حق ملنا چاہیے۔"

"کسی تصدیق کے بغیر تمہیں کوئی حق نہیں دیا جا سکتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ تیسری دنیا کے ملکوں میں کیا ہوتا ہے۔ ملزم سے ٹھیک ٹھاک باز پرس کے بعد ہی اس کی گرفتاری ظاہر کی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج شام سے پہلے تم خود سب کچھ بتانے پر آمادہ ہو جاؤ۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ تمہارے جسم پر تشدد کا کوئی نشان نظر نہیں آئے گا۔"

بوب رافیل کے حلق پر اگے ہوئے گھنے بالوں میں ہڈی اوپر نیچے حرکت کرتی ہوئی نظر آئی۔ شاید وہ تھوک نگلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چند ثانیوں تک وہ مجھے خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو؟"

"تم جو نتیجہ چاہو' اخذ کر سکتے ہو۔ میں نے حقائق بیان کیے ہیں۔ کیا یہ بات حیرت ناک نہیں ہے کہ ایک سفارت خانے کا سوشل منسٹر اسلام آباد سے کراچی آتا ہے اور کراچی میں اس کے قونصل خانے والے اسے یتیمی کے عالم میں بالکل بے سروسامان چھوڑ دیتے ہیں۔ تمہیں کوئی پروٹوکول کیوں نہیں دیا گیا؟"

"کراچی والوں کو علم نہیں ہے کہ میں یہاں موجود ہوں۔ فون پر میں ان ہی سے بات کروں گا۔ تم یقین کرو کہ میں بوب رافیل ہوں۔ وہ لوگ میرے بیان کی تصدیق کریں گے۔ میں ائرپورٹ سے سیدھا ہوٹل آیا تھا۔"

"تم بوب رافیل ہو یا بوب ہوپ۔ ائرلائن کے ریکارڈ سے اس کی تصدیق ناگزیر ہے۔"

"اور اگر کسی نے نام بدل کر سفر کیا ہو؟" چند لمحوں کی تشویش آمیز خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔

"تم نے کس نام سے یہ سفر کیا تھا؟" میں نے بہت تحمل اور نرمی سے پوچھا "نام بتادو گے تو تصدیق کا کام آسان ہو جائے گا ورنہ ہر کمپیوٹر بوب رافیل کی تلاش میں بھٹک کر ناکامی کا اعلان کرتا رہے گا۔"

"تم میرے خلاف کوئی نئی فرد جرم عائد کردو گے" وہ باتوں کے جال میں پھنستا جا رہا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ تم پر قتل کا ناقابلِ تردید الزام ہو تب بھی ہم تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اگر تم واقعی بوب رافیل ہو تو جلد یا بدیر رہا ہو جاؤ گے۔ اسلام آباد والے تمہاری گمشدگی پر خاموش نہیں رہیں گے۔"

"اسٹیفن کوائے...." بوجھل سے سکوت کے بعد اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "میں نے اسٹیفن کوائے کے نام سے سفر کیا تھا۔ واپسی کا کوپن اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ اسے دیکھ لینے کے بعد تمہیں ائرلائن سے رابطے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ ٹکٹ میرے بیان کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔"

اس نے اپنی پتلون کی عقبی جیب سے تہ کیا ہوا ٹکٹ نکال کر میرے سامنے ڈال دیا۔

ہم دونوں کی گفتگو پر ہوٹل کا سیکیورٹی چیف حیران تھا۔ عام لوگ اس نکتے پر توجہ نہیں دیتے لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ نام بدل کر سفر اور خاص طور پر فضائی سفر کرنا سنگین اور قابل تعزیر جرم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اندرون ملک پروازوں کے ٹکٹ فروخت کرنے والی کمپنیاں محض نفع اندوزی کے لیے مسافروں کی شناخت کا کوئی مطالبہ نہیں کرتیں اور ایکس کے نام پر وائی سفر کے سارے مراحل طے کرلیتا ہے۔ نام کی تبدیلی کا تنازع اس وقت رنگ لاتا ہے جب دورانِ پرواز طیارے کو خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آجائے یا طیارہ اغوا ہو جائے۔

پہلی صورت میں جائز ورثا معقول زرتلافی سے محروم رہ جاتے ہیں' دوسری صورت میں اصل مسافر سنگین مسائل کا شکار ہو جاتا ہے۔ میرے لیے یہ بات ناقابل یقین سی تھی کہ بوب رافیل نے اسٹیفن کوائے کے نام سے سفر کیا تھا۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر بوب رافیل کا وہ ٹکٹ اپنے قبضے میں لے لیا اور کہا "ہاں' تو مسٹر اسٹیفن کوائے! یہ بتاؤ کہ اب تمہاری کس بات کا اعتبار کیا جائے؟ اگر تم بوب رافیل ہو تو تمہیں یہ بتانا پڑے گا' تمہیں ایسی کون سی مجرمانہ مجبوری درپیش تھی کہ تمہیں نام بدل کر' چوروں کی سی رازداری کے ساتھ اسلام آباد سے کراچی آنا پڑا؟ اکرم الٰہی سے تمہارا کیا گٹھ جوڑ ہے؟ اگر تم اسٹیفن کوائے ہو تو تمہارا جرم ثابت ہے تم نے جعلی سفارتی افسر بن کر ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔"

"تم بدعہدی کر رہے ہو!" احتجاج آمیز لہجے میں وہ چیخ پڑا "میں تمہیں دیکھ لوں گا۔"

"ضرور دیکھنا بلکہ مائیکرو اسکوپ سے دیکھنا۔ میں نے تم سے کوئی عہد نہیں کیا تھا۔ میرے ساتھیوں نے کچھ کہا تو صرف اس لیے کہ انہیں میری کامیابی یا ناکامی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ یہ میری واپسی تک تمہیں بہلائے پھسلائے رکھنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔"

"کراچی والوں کو میرے بارے میں کوئی پیشگی اطلاع نہیں ہے لیکن اسلام آباد میں میرا سفارت خانہ پوری طرح فعال ہے۔ میں نے ایک بجے تک ان سے رابطہ کر کے رپورٹ نہ دی تو ہر طرف ہلچل مچ جائے گی..."

"یہ تمہاری خوش گمانی ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "وہ اپنا سر پیٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ تم لوگوں کے لیے پاکستان ہائی رسک کنٹری ہے۔ یہاں سفارت کار تو کجا' تمہارے عام شہریوں کو بھی محدود اور محتاط نقل وحرکت کا مشورہ دیا گیا ہے۔ وہ کیا کہیں گے کہ تم کسے مطلع کر کے فرضی نام سے کراچی آئے ہو؟"

اس تمام گفتگو سے ہوٹل کے سیکیورٹی چیف کو اندازہ ہو گیا کہ بوب رافیل غلط وکٹ پر کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے ماتحت کو ہمارے ساتھ چھوڑ کر چلا گیا تاکہ ریستوران میں ہونے والے ہنگامے کے بارے میں اپنے انتظامی افسران کو باخبر کر سکے۔ اس کے لیے ہوٹل کے کاروبار کی پرسکون انداز میں بحالی ہر کارروائی پر مقدم تھی۔

بوب رافیل بری طرح پھنس چکا تھا مگر میں اسے ہاتھ بھی نہ لگا سکا۔ آئی بی والوں کو اعتماد میں لینے کے بعد محتاط رہنا ضروری تھا

کہ کہیں بعد میں ان کے لیے دشواریاں پیدا نہ ہوجائیں۔
میں اسے باتوں میں الجھائے رہا لیکن میری نظریں بار بار اپنی رسٹ واچ پر جارہی تھیں۔ بوب رافیل کی زبان سے ایک بجے کا ذکر سننے کے بعد میری خواہش تھی کہ ہم آئی بی والوں کے ساتھ جلد از جلد ہوٹل سے نکل جائیں۔
اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے امریکی یہ شکایت نہیں کرسکتے تھے کہ ان کا سوشل منسٹر کراچی کے ہوٹل سے غائب ہوگیا البتہ وہ اپنے مقامی قونصل خانے میں مامور ایجنٹوں کو صورتِ حال کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے ہوٹل بھیج سکتے تھے۔ وہ واقعہ ہوٹل کے بھرے ریستوران میں پیش آیا تھا جہاں وقوعے کے وقت گاہکوں کی تعداد کم ہونے کے باوجود' ریستوران کا پورا عملہ موجود تھا۔ ہوٹل کی انتظامیہ کے لیے اس واقعے کو چھپانا یا دبانا ممکن ہی نہیں تھا۔
قونصل خانے کے ایجنٹ ایک بار یہ پتا چلا لیتے کہ اکرم الٰہی کے بھاگنے کے بعد بوب رافیل کو گھیرلیا گیا تھا تو وہ کوئی نئی حکمت عملی طے کرکے بوب رافیل کی بازیابی کا مطالبہ کرسکتے تھے۔
اس دوران میں' میں نے اردو میں اپنے ساتھیوں کو یہ جتا دیا تھا کہ میں اکرم الٰہی کا پیچھا کرکے بے نیل و مرام واپس آیا تھا۔ بوب رافیل کو سنائی جانے والی کہانی قطعی بے سروپا اور فرضی تھی۔
ہم لوگ انتظار کی صبر آزما کیفیت سے گزر رہے تھے اس لیے ایک ایک پل گزارنا دوبھر ہو رہا تھا مگر حقیقت میں اتنی دیر نہیں ہوئی تھی۔ سارا کھیل گیارہ بجے تک اکرم الٰہی کے نظر نہ آنے کے بعد شروع ہوا تھا اور پھر سب کچھ بہت تیزی کے ساتھ ہوتا چلا گیا۔
واقعات پے در پے ظہور پذیر ہوتے چلے گئے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہمیں ان اعصاب شکن حالات سے لڑتے لڑتے گھنٹوں گزر گئے ہوں مگر میری رسٹ واچ کی سوئیاں پورے نصف گھنٹے بعد بارہ بجانے والی تھیں۔
دو سادہ پوش اور تیز و طرار مقامی' ہوٹل کے ایک گارڈ کے ساتھ وہاں پہنچے تو میں نے انہیں ان کے تیوروں سے ہی پہچان لیا اور مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ جلال نے اسلام آباد سے ڈوریاں ہلانے میں لحہ بھر کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔
آنے والوں نے ہم سب سے پرتپاک انداز میں ہاتھ ملائے' بوب رافیل کو خشمناک نگاہوں سے گھورا اور سیکیورٹی چیف کے ماتحت کو اس کی میز سے اٹھا کر دفتر کے ایک گوشے میں لے گئے۔
پوری رازداری کے ساتھ شناخت کا مرحلہ طے ہوتے ہی ہمیں بوب رافیل کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی۔ وہ اعلان سنتے ہی بوب رافیل کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس کے ہونٹ سوکھ گئے۔
"میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا" اس نے دہشت سے ہکلاتے ہوئے کہا "تم میں سے کسی نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو میں چیخ چیخ کر پورے ہوٹل کو سر پر اٹھا لوں گا۔"

میری انگلی میں ربر کے رنگین کیپسول والی وہ انگوٹھی موجود تھی جس کے کھوکھلے نگینے میں بے ہوش کرنے والا سریع الاثر محلول بھرا ہوا تھا۔ میں نگینہ گھما کر اس کی گردن یا پشت پر ہلکی سی چپت بھی جڑ دیتا تو وہ بیٹھے بیٹھے بے ہوشی کی گہری آغوش میں پہنچ سکتا تھا۔ میرا ارادہ بھانپ کر غزالہ فوراً بول پڑی۔
"نہیں.... یہ حسّاس مجرم ہے۔ طبّی رپورٹ اسے دیے جانے والے ہر محلول کو ظاہر کردے گی.... میں ابھی اس خبیث کا قدرتی علاج کرتی ہوں" اردو میں یہ کہہ کر ویرا نے اپنی کرسی چھوڑ دی اور بے پروایانہ انداز میں ہمارے پیچھے ٹہلنے لگی۔
بوب رافیل نے بھڑک کر اس کی طرف دیکھا اور کچھ دیر تک خوف زدہ نظروں سے دیکھتا ہی رہا۔ غزالہ کو ایک دیوار گیر تصویر میں مکمل طور پر منہمک پاکر وہ اطمینان سے سیدھا ہوگیا۔
مجھے یاد آیا کہ ویرا نے مارشل آرٹس میں باقاعدہ تربیت لی ہوئی تھی اور وہ کئی مردوں کے نرغے میں بھی خود کو محفوظ رکھنے کے فن میں طاق تھی لیکن غزالہ نے بھی اپنے طور پر بہت کچھ سیکھا ہوا تھا۔
بوب رافیل کو اپنی طرف سے غافل پاکر وہ تیزی سے مڑی اور پنجوں کے بل چلتی ہوئی اس کے سر پر پہنچ گئی اور پھر اچانک ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بوب رافیل کی گردن اور شانوں کی جڑوں میں پیوست کرنی شروع کردیں۔ نہ جانے غزالہ نے اس کی کن رگوں پر ہاتھ ڈالا تھا کہ دردناک سسکاریاں لینے کے باوجود وہ کرسی سے نہ ہل سکا۔

○☆○

صبح سویرے سلطان شاہ سے ہلکی سی جھڑپ کے بعد ویرا اپنے کمرے میں گئی تو اس نے خود محسوس کیا کہ اس کے اعصاب پر رات کی مے نوشی کا خمار طاری تھا۔ وہ دوبارہ بستر پر گر گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ دوبارہ سوگئی۔
اس کی نیند کا وہ دورانیہ طویل اور گہرا رہا۔ اس کی آنکھ کھلی تو نیند پوری ہونے کے نتیجے میں ساری کسل مندی کافور ہوچکی تھی۔ اس نے انگڑائی لے کر بستر چھوڑ دیا۔
وہ کمرے سے باہر نکلی تو پورا گھر خالی پڑا ہوا تھا۔ اس وقت وال کلاک صبح کے دس بجا رہا تھا۔
منہ ہاتھ دھوکر اس نے برقی کیتلی کا سوئچ آن کیا اور پانی کھولنے کے انتظار میں اخبار کی ورق گردانی کرنے لگی۔ اخبار کے آخری صفحے پر اسے وہ خبر نظر آگئی جو نیا کے بچاؤ کے لیے ضروری تھی۔
ائرپورٹ کی پارکنگ لاٹ سے علاقہ پولیس نے وہ مروقہ اکارڈ برآمد کرلی تھی جو مائیکرو آٹوز سے مقبول چوہدری لے اڑا تھا۔ وہ گاڑی مقبول چوہدری کی ملکیت نہیں تھی بلکہ اس کے گراج میں معمولی مرمت کے لیے آئی ہوئی تھی۔ بند گیراج میں دافید

اکارڈ سب سے آگے کھڑی ہوئی تھی۔ مقبول چوہدری نے خود کو عمارت میں محصور پایا تو تہ خانے کے راستے گیراج میں نمودار ہو کر وہی گاڑی لے بھاگا اور سیدھا شریف آباد میں نسرین کے اڈے پر پہنچ گیا۔

وہ اندر کی باتیں تھیں۔ پولیس ریکارڈ کے مطابق اکارڈ کے مالک کو جب یہ علم ہوا کہ اس کی گاڑی مائیکرو سینٹر سے غائب ہے تو اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر اس کی چوری کی ایف آئی آر کٹوادی۔

یہ کراچی پولیس کی شاندار کارکردگی تھی کہ مسروقہ کار چوبیس گھنٹوں میں برآمد کرلی گئی تھی۔ خبر میں خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ کار چرانے والا شاید گھبراہٹ میں کسی پرواز سے دوسرے شہر کی طرف نکل گیا تھا۔

ویرا کو معلوم تھا کہ میرے ایما پر حامد نے اپنے رسوخ سے کام لے کر کار کی بازیابی اور اس خبر کی اشاعت کا بندوبست کرایا تھا تاکہ نسرین باجی کے گناہ پرور ٹھکانے میں پھنسی ہوئی نیا کسی عقاب سے محفوظ رہ سکے۔

ناشتے کے دوران میں ویرا کے اعصاب پر اضطراب طاری ہونے لگا۔ وہ مسلسل ہمارے اس مشن کے بارے میں سوچ جارہی تھی جو اکرم الٰہی اور بوب رائفل کو گھیرنے کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ پچھلی رات جلال سے بات ہونے کے بعد اکرم الٰہی مائیکرو سینٹر سے باہر نکلنے کی ہمت کرسکے گا۔ ہماری طرح وہ بھی چھت کے خفیہ راستے کو بھولی ہوئی تھی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ اپنے چہرے کے بال مونڈ دینے کے بعد اکرم الٰہی ہمارے لیے ناقابلِ شناخت ثابت ہوسکتا تھا۔

پھر بھی اسے یہ موہوم سا امکان ستا رہا تھا کہ ہوٹل میں گیارہ بجے کوئی ہنگامہ کھڑا ہوہی گیا تو اسے بہت قلق ہوگا کہ وہ اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے ہمارے ساتھ شریک نہیں ہوسکی۔

رفتہ رفتہ یہ ذہنی دباؤ اتنا شدید ہوگیا کہ ویرا نے بہت تیزی کے ساتھ ناشتا ختم کیا اور پھرتی کے ساتھ روانگی کی تیاری شروع کردی۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے سرعت سے کام لیا تو وہ گیارہ بجے سے پہلے ہوٹل پہنچ کر ہم لوگوں کے ساتھ شامل ہونے میں کامیاب ہوجائے گی۔

گاڑی ہمارے استعمال میں تھی۔ ویرا گھر کو مقفل کرکے پیدل ہی نکل کھڑی ہوئی اور قریبی موڑ سے خالی ٹیکسی لے کر ہوٹل کی طرف روانہ ہوگئی۔ اس کے وینٹی بیگ میں ایک ریوالور اور بے ہوش کرنے والی انگوٹھی کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

اس وقت سڑکوں پر ٹریفک کی بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ تھی۔ ٹیکسی گاڑیوں کے ہجوم میں رک رک کر بہت سست رفتار سے آگے بڑھتی رہی۔ یہ تاخیر ویرا پر اعصابی دباؤ کی صورت میں اثر انداز ہورہی تھی۔

ویرا کے لیے وقت کا عنصر بہت اہم تھا۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو پیشکش کی کہ وہ اسے گیارہ بجے تک منزل مقصود پر پہنچادے تو وہ اسے دگنا کرایہ ادا کرے گی۔

پیٹرول کی ہوش ربا گرانی کے ستائے ہوئے ڈرائیور کے لیے وہ پیشکش بہت پرکشش تھی۔ اس نے فوراً ہی بریک اور اسٹیرنگ پر اپنے ماہرانہ کنٹرول کے معجزانہ مظاہرے شروع کردیے اور سفر کی اوسط رفتار خاصی تیز ہوگئی۔ ٹیکسی اپنی قطار بدلتی دوسری گاڑیوں کو دباتی آگے بڑھتی رہی مگر پھر بھی ڈرائیور گیارہ بجے اپنی منزل سے قدرے دور تھا۔

اس نے مایوسی سے ایک گہرا سانس لے کر اپنی ٹیکسی کی رفتار توڑی ہی تھی کہ ویرا بول پڑی "شاباش! گاڑی اسی طرح دوڑاتے رہو، تم نے اپنی سرتوڑ کوشش کی ہے۔ تمہیں دگنا کرایہ ہی ملے گا۔"

ٹیکسی کی رفتار بڑھ گئی۔ ہوٹل کی کثیرالمنزلہ عمارت نظر آنے لگتی تھی۔ چند منٹ کی بات تھی اور پھر ٹیکسی اسے ہوٹل کے پورچ میں پہنچادیتی۔ اس خیال سے ویرا کے دل ودماغ میں ہیجان برپا ہونے لگا۔

ٹیکسی اپنی منزل سے قریب تر ہوتی جارہی تھی۔ ذرا سی دیر میں اسے ٹریفک سگنل سے پہلے بائیں طرف گھوم کر ہوٹل کے ڈرائیو وے میں داخل ہوجانا تھا مگر عین اسی وقت ایک خالی ٹیکسی اس کی راہ کی رکاوٹ بن گئی۔ وہ ڈرائیور کسی مسافر کی تلاش میں سست روی سے کچھ اس طرح ڈرائیونگ کررہا تھا کہ اسے بائیں طرف سے اوورٹیک کرنا ممکن نہیں تھا۔ ویرا کا ڈرائیور داہنی طرف سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا تو اس کے لیے آخری موڑ کاٹنے میں کوئی بھی غیر متوقع رکاوٹ پیدا ہوسکتی تھی۔

اس نے راستہ لینے کے لیے ہارن بجانا شروع کردیا مگریوں معلوم ہورہا تھا جیسے اگلی ٹیکسی کا ڈرائیور بالکل اندھا اور بہرا ہو۔ اسے عقب نما آئینے میں کچھ نظر آرہا ہو نہ ہارن سنائی دے رہا ہو۔

ویرا کا ٹیکسی ڈرائیور اسٹیرنگ وہیل پر ہتھیلیاں مار مار کر غصے میں اس کے پیچھے چلتا رہا اور جب ہوٹل کے ڈرائیو وے میں مڑنے کا آخری مرحلہ آیا تو اسے پوری قوت سے بریک لگانے پڑ گئے۔ ویرا اپنی نشست سے اچک کر رہ گئی۔

ڈرائیو وے سے ایک خوش پوش شخص بدحواسی کے عالم میں دوڑتا اور فضا میں ہاتھ لہراتا ہوا برآمد ہوا۔ اگلی خالی ٹیکسی اس کے لیے رک گئی۔

ویرا کا دورانِ خون اچانک تیز ہوگیا۔ اجنبی نے اپنے چہرے کے بال بالکل صاف کردیے تھے مگر آنکھوں اور خدوخال کو بدلنا اس کے بس سے باہر تھا۔ ویرا نے پہلی ہی نظر میں اکرم الٰہی کو پہچان لیا تھا۔

"اب ہوٹل میں جانے کی ضرورت نہیں... اگلی ٹیکسی کے

پیچھے چلو۔" ویرا نے اپنے ڈرائیور کو ہدایت کی "میں تمہیں انعام دے کر خوش کردوں گی۔ میں اسی مردود کے لیے یہاں آئی تھی۔"

اکرم الٰہی کے سوار ہوتے ہی وہ ٹیکسی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ مسافر مل جانے کے بعد ڈرائیور کی سستی دور ہوگئی تھی۔ ڈرائیوے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ویرا نے مجھے ڈرائیوے کی فٹ پاتھ پر دوڑ لگاتے دیکھا لیکن وہ میرے انتظار میں رک کر اکرم الٰہی کو کھونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اس کی ٹیکسی زن سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

"میم صاحب! برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں؟" ویرا کے ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔

"ضرور پوچھو لیکن یہ سمجھ لینا کہ میں کوئی غلط عورت نہیں ہوں۔ کئی مرد میرے ہاتھوں سے پٹ چکے ہیں۔"

"توبہ توبہ!" ڈرائیور نے لمحے بھر کے لیے اسٹیرنگ چھوڑ کر اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "میں اپنی پسنجروں کے لیے کبھی کوئی غلط بات نہیں سوچتا۔ یہ ٹیکسی میری روزی ہے۔ ڈرپوک عورتیں تو ویسے بھی ٹیکسی میں سفر کرنے سے گھبراتی ہیں۔ چار ہوں تب بھی رکشا ہی پکڑتی ہیں۔ مجھے اپنی گاڑی کی عزت بہت پیاری ہے۔"

"باتیں نہ بناؤ۔ اگلی ٹیکسی پر نظر رکھو اور جلدی پوچھو، کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"تم انگریز ہو لیکن اردو بہت اچھی بولتی ہو۔ ہم سے بھی اچھی۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد ٹیکسی ڈرائیور نے ستائشی لہجے میں کہا "یہ تم نے کیسے سیکھ لی؟"

اس وقت ویرا کو اس سے کام لینا تھا۔ اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا "تم بدھو ہو، ہر سفید چمڑی والا انگریز نہیں ہوتا۔ امریکا، آسٹریلیا اور یورپ والے بھی گورے ہوتے ہیں۔"

"ہم لوگوں کے لیے ایک ہی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آگے والا تمہارا آدمی ہے۔"

"اتنی لمبی دوڑ نہ لگاؤ۔" ویرا نے نرمی سے اس کی بات کاٹی "وہ میرا آدمی نہیں، تمہارے ملک کا ایک نمبر کا غدار ہے۔ اگر وہ ہاتھ آگیا تو تم دیکھنا کہ میں اس کا کیا حشر کرتی ہوں۔ اردو میں نے خود ہی سیکھی ہے۔"

ویرا کا انکشاف سن کر وہ اردو کو بالکل بھول گیا اور تحیرزدہ لہجے میں بولا "غدار ہے۔ تو پھر اس کا پیچھا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم کہو تو کہیں بھی ٹکر مار کر اس کی ٹیکسی روک لیتے ہیں۔ پیچ کس پیٹ میں ڈال کر اس کی ساری انتڑیاں باہر نکال دوں گا۔ غداروں کا یہی انجام ہونا چاہیے۔"

ویرا ٹیکسی ڈرائیور کی حب الوطنی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس کا وہ جذبہ قابلِ قدر تھا اور ویرا اسے مزید ابھار کر اکرم الٰہی کے خلاف کوئی ٹھوس قدم اٹھا سکتی تھی۔ اس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس کے پاس اپنی سواری نہیں تھی۔ وہ اکرم الٰہی سے ٹکرا جاتی تو اسے زیر کرنے کے بعد کہیں بھی نہیں لے جاسکتی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے غداروں کے خلاف اپنے اعتماد کا اظہار کر کے ویرا کا وہ مسئلہ حل کردیا تھا۔

"ابھی اسے چھیڑنے یا ہوشیار کرنے کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے اسے سمجھایا "مجھے دیکھنا ہے کہ یہ ہوٹل سے بھاگ کر کہاں کا رخ کرتا ہے۔ تم کو سارا دن بھی سڑکیں ناپنی پڑیں تو میں اپنا وعدہ پورا کروں گی۔ کرایہ...."

"بس میم صاحب!" ٹیکسی ڈرائیور نے بگڑ کر ویرا کی بات کاٹ دی "اپنا کرایہ اور انعام اپنے پاس رکھو۔ یہ ہمارے ملک کا غدار ہے تو اسے پکڑنے کے لیے دس پانچ گیلن پٹرول تو کیا، میں اپنا خون بھی دے سکتا ہوں۔"

ویرا سکتے کی سی حالت میں گنگ ہو کر رہ گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ حب الوطنی کے معاملے میں وہ غریب آدمی اس قدر فیاض بلکہ شاہ خرچ ثابت ہوگا۔

پاکستان میں ویرا غریب اور متوسط طبقے سے دور رہی تھی۔ اس کا جن مجرموں اور سازشیوں سے واسطہ پڑا، وہ سب مالی طور پر آسودہ حال تھے۔ ان کی خود غرضیاں دیکھ دیکھ کر ویرا اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ پاکستان کے خوش حال شہریوں کو اپنے ملک کی بقا اور سلامتی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر مال بٹورنے کی دوڑ میں لگا ہوا تھا۔ یہ دوڑ دور سے ایسی خطرناک نظر آتی تھی کہ اس میں جائز اور ناجائز کی تمیز دشوار تھی۔

غنیمت تھا کہ اس روز ویرا اکیلی اور بے سروسامان تھی۔ کراچی کے ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور نے اس کی مہم کے لیے مالی اور عملی مدد کی پیش کش کر کے ویرا کا دل جیت لیا تھا۔

بعد میں اپنے اس تجربے کا ذکر کرتے ہوئے ویرا نے کہا تھا۔ "اس کی بات سن کر میرا سینہ غرور سے پھول گیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میں ایک ایسی قوم کے لیے جدوجہد کر رہی ہوں جس میں تمہارے اور اول خان کے علاوہ مجید جیسے بے مایہ مگر پرجوش آدمی بھی موجود ہیں۔"

مجید اس ٹیکسی ڈرائیور کا نام تھا۔ کچھ دیر خاموشی سے تعاقب کا سلسلہ جاری رہا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ نادم اور خاموش تھے۔ ویرا کو افسوس تھا کہ اس نے مجید کے جذبے کو پیسوں میں تولنے کی مذموم کوشش کی تھی اور مجید کو شاید اس بات پر دکھ تھا کہ اس نے اپنی قوم سے ہمدردی جتانے والی ایک میم کو بے دردی سے جھڑک دیا تھا۔

جب تک اگلی ٹیکسی پل عبور کر کے کلفٹن اور ڈیفنس کے علاقے میں سفر کرتی رہی، دونوں خاموش رہے۔ سفر کا سلسلہ ایک سمت میں آگے ہی آگے جارہا تھا لیکن جب اکرم الٰہی کی ٹیکسی ڈیفنس میں توحید کمرشل کے راستے پر جانے کے بجائے سیدھا

ساحل سمندر کی طرف بڑھتی رہی تو ویرا چونک پڑی۔
"یہ اپنا گھر چھوڑ کر سمندر کی طرف کیوں جارہا ہے؟" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔
"ڈوب مرنے کے لیے جارہا ہوگا۔" مجید نے بے ساختہ کہا۔ "ہر بے غیرت آدمی کو کبھی نہ کبھی غیرت آہی جاتی ہے۔"
"اس کا وقت پورا ہوچکا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے زندہ نہیں بچاسکتی۔ ہمارے لیے بہتر یہ ہوگا کہ ہمارا شکار زندہ حالت میں ہمارے ہاتھ آجائے...."
"میں اتنی بات سمجھتا ہوں۔ یہ مرگیا تو اس کی کہانی اسی کے ساتھ قبر میں دفن ہوجائے گی۔ اس کے سارے ساتھی بچ جائیں گے۔ ان کو بھی اپنے حصے کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔"
"تم تو اچھے خاصے جاسوس معلوم ہوتے ہو۔" رہی سہی تلخی ختم کرنے کے لیے ویرا ہنس پڑی۔
"میں نے ابن صفی کے سارے ناول پڑھے ہوئے ہیں۔" مجید نے سنجیدگی سے انکشاف کیا "انہیں پڑھ کر آدمی کو اچھے اور برے کی تمیز ہوجاتی ہے۔ وہ لوگ عقل سے پیدل ہیں جو جاسوسی ناولوں اور کہانیوں پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں لیکن اپنے سرہانے ہروقت ایسی دو چار کتابیں ضرور رکھتے ہیں۔"
اگلی ٹیکسی ساحل سے ذرا پہلے داہنی طرف مڑگئی۔ اگر اکرم الٰہی کے دماغ میں کوئی فتور نہیں آیا تھا تو وہ کیسینو کے نام سے شہرت پانے والی عمارت سے ہوکر کہیں پہنچنا چاہ رہا تھا۔
اچانک ویرا کے ذہن کا ایک دریچہ کھل گیا اور بات کسی حد تک اس کی سمجھ میں آنے لگی۔ اکرم الٰہی ٹیکسی سے براہِ راست مائیکرو سینٹر جانے کے بجائے ساحل پر آگیا تھا۔ وہاں سے توحید کمرشل کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کرکے وہ شاید پیدل چل کر اپنے گھر کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔
مجھے اکرم الٰہی کے پیچھے بھاگتے دیکھ کر ویرا کو یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ ہوٹل میں گڑبڑ ہوچکی تھی۔ اکرم الٰہی اور بوب رافیل کی ملاقات مکمل ہوسکی تھی اور نہ اکرم الٰہی پکڑا گیا تھا۔ ہوٹل میں جو کچھ ہوتا تھا اس کے لیے وہاں بہت سے لوگ موجود تھے لیکن وہاں سے بھاگ نکلنے والا اکرم الٰہی صرف اسی کے رحم وکرم پر تھا۔
"مجید! ایک بات سمجھ لو۔" ویرا نے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر کہا۔ "یہ آدمی مجھے پہچانتا ہے۔ میں اس کے قریب گئی تو یہ بھاگ کھڑا ہوگا۔"
"فکر نہ کرو۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم یہ خیال رکھنا کہ وہ میری ٹیکسی لے کر بھاگنے نہ پائے۔"
"میری خواہش ہے کہ میں اسے زیر کروں۔" ویرا نے اپنی آرزو ظاہر کی۔
"اس پر پہلا حق تمہارا ہے۔ تم اس کے لیے گلشن اقبال سے دوڑی چلی آرہی ہو۔ پہلے یہ دیکھنا پڑے گا کہ وہ کہاں اترتا ہے پھر تم ہی کوشش کرلینا۔ اگر تم کوئی بہت خطرناک عورت نہیں ہو تو وہ تمہیں دیکھ کر نہیں بھاگے گا۔ پاکستانی مرد ایک عورت کو بس عورت سمجھتے ہیں۔ اس سے ڈر کر بھاگنا مردانگی کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ وہ بھاگا تو میں اسے ٹیکسی کی ٹکر مار کر کہیں بھی گرادوں گا۔ بس آس پاس کھلا میدان ہونا چاہیے۔"
اگلی ٹیکسی ویران عمارت کے پہلو سے گزری اور پھر ایک جگہ رک گئی۔ مجید نے اپنی ٹیکسی موڑ پر ہی روک لی مگر انجن بند نہیں کیا۔ وہ خوش تھا کہ دشمن نے اترنے کے لیے صحیح جگہ کا انتخاب کیا تھا۔
ویرا نے اپنے وینٹی بیگ سے کھوکھلے نگینے والی انگوٹھی نکال کر اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں پہن لی۔ انگوٹھی ڈھیلی تھی لیکن ویرا کچھ دیر کے لیے اسے سنبھال سکتی تھی۔
اکرم الٰہی کرایہ ادا کرکے ٹیکسی سے اترا اور خالی ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔
ساحل کی ریت پر دور دور تک تیز دھوپ چمک رہی تھی۔ سورج نصف النّہار پر پہنچنے والا تھا۔ اکرم الٰہی نے وہیں کھڑے کھڑے آسمان کی طرف دیکھا پھر جیب سے پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔
مجید نے ویرا کا اشارہ پاکر اپنی ٹیکسی تیزی سے آگے بڑھادی۔ اکرم الٰہی ہوٹل سے بدحواسی کے عالم میں فرار ہوا تھا اور وہ خود ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ پر نہیں تھا اس لیے اسے اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ ایک دوسری ٹیکسی نے محفوظ فاصلے سے اس کا تعاقب کیا تھا۔ اس نے انجن کی آواز پر کوئی دھیان نہیں دیا اور ساحل کی طرف منہ کیے سگریٹ کا دھواں اڑاتا رہا۔
ساحل کے اس حصے میں کافی ویرانی تھی مگر کہیں کہیں اِکّادُکّا افراد نظر آتے تھے۔ مجید کے لیے وہ سنہرا موقع تھا کہ وہ ٹیکسی کے اگلے حصے کی ہلکی سی ٹکر سے اکرم الٰہی کو تپتی ہوئی ریت پھانکنے پر مجبور کردے مگر ویرا نے سختی سے اسے منع کردیا "دانستہ ٹکر کو حادثہ سمجھ کر لوگ اس کی مدد کے لیے دوڑے چلے آئیں گے۔ بس تم گاڑی اس کے قریب روک لینا۔ میں پل بھر میں اسے ٹیکسی میں گھسیٹ لوں گی۔"
مجید نے اس کی ہدایت پر پوری طرح عمل کیا۔ ٹیکسی رکتے ہی اکرم الٰہی بری طرح چونک کر پلٹا۔ اسی لمحے ویرا دروازہ کھول کر عقبی نشست سے نیچے اتری اور اس نے چٹاخ کی آواز کے ساتھ اس کے داہنے رخسار پر اپنے بائیں ہاتھ کا طمانچہ جڑدیا۔ وہ کھڑے کھڑے لہرا گیا۔
اسپیشل ٹاسک فورس کے ماہرین کا دریافت کیا ہوا سریع الاثر محلول' انگوٹھی میں جڑے ہوئے رنگین ربر کے کھوکھلے نگینے سے نکل کر اکرم الٰہی کے داہنے رخسار کی جلد میں سرایت کرچکا تھا۔ اس نے مزاحمت کے لیے ہاتھ بلند کرنا چاہا جو پوری طرح اٹھنے

سے پہلے بے جان ہو کر پہلوؤں میں جھول گئے۔
ویرا نے اس کے گلے میں جھولتی ہوئی ٹائی سے لگام کا کام لیا اور وہ منہ کے بل نشست سے ٹکرا کر اس طرح عقبی پائیدان میں گرا کہ اس کا آدھا دھڑ ریت پر لٹک رہا تھا۔
اندر سے مجید نے بے رحمی سے اکرم الٰہی کو بالوں سے پکڑ کر کھینچا اور پیچھے سے ویرا نے دھکیلا۔ چند ہی لمحوں میں اس کا پورا وجود ٹیکسی میں سما گیا۔ ویرا پچھلا دروازہ بند کر کے پھرتی سے مجید کے برابر والی نشست پر بیٹھ گئی اور ٹیکسی چل پڑی۔
شروع سے اس وقت تک جو کچھ ہوا' غیر متوقع طور پر ہوا۔ گھر سے چلتے ہوئے یہ بات ویرا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ تن تنہا اتنا بڑا معرکہ سر کر ڈالے گی۔ اکرم الٰہی کو پہچانتے ہی اس کے سر پر ایک دھن سوار ہوئی تھی کہ اسے ہر قیمت پر پکڑنا ہے۔ اس ادھیڑ بن میں وہ اس سے آگے سوچ ہی نہیں سکی تھی۔
اسے نہایت آسانی سے زیر کرتے ہی وہ شش و پنج میں مبتلا ہوگئی کہ اسے کہاں لے جائے۔
اس کے ذہن میں پہلا خیال اسٹیشن فور کا آیا مگر وہ پچھلی رات میری زبان سن چکی تھی کہ مجھے اور سلطان شاہ کو مقبول چوہدری کو وہاں پہنچانے میں کیا دشواری پیش آئی تھی۔ ہمارا مسئلہ حامد نے حل کردیا تھا مگر ویرا جانتی تھی کہ اس وقت حامد بھی ہمارے ساتھ ہوٹل میں الجھا ہوا تھا۔ حامد کی واپسی کے انتظار میں اسے کسی چیک پوسٹ پر قیدی کی طرح وقت گزارنا گوارا نہیں تھا۔ اس نے وہ امکان یکسر مسترد کردیا۔
آئی بی والوں سے اشتراک عمل کی وجہ سے صفدر مینشن دوسرا محفوظ ٹھکانا تھا۔ ویرا کو صرف اتنا معلوم تھا کہ آئی بی والوں کی وہ عمارت نشتر روڈ پر کہیں واقع تھی۔ وہ اس طویل سڑک سے متصل' اس کے صحیح محل وقوع سے واقف نہیں تھی۔ ٹیکسی میں ایک بے ہوش قیدی کو لے کر اس گنجان آباد علاقے میں صدف مینشن کو تلاش کرنے میں سنگین خطرات مضمر تھے۔ آخر میں گلوخلاصی کا پورا یقین ہونے کے باوجود وہ اپنے ساتھ مجید کو کسی سنگین درمیانی تجربے کی بھینٹ چڑھانے پر آمادہ نہیں تھی۔
رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے مجرموں پر پولیس کے ناروا تشدد کے بارے میں وہ اخبارات میں کئی لرزہ خیز کہانیاں پڑھ چکی تھی۔ اسے حیرت تھی کہ پولیس کے بارے میں ایسی کہانیاں عام ہونے کے باوجود جرائم پیشہ عناصر کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا بلکہ جرائم کی ہر نئی رو پرانی لہر سے زیادہ سنگین ثابت ہوتی تھی۔
"مادام!" گاڑی ایک سڑک پر موڑتے ہوئے مجید نے ویرا کو مخاطب کیا "غدار کا پارسل تو تیار ہوگیا ہے۔ اسے پہنچانا کہاں ہے؟"
اس کا لہجہ مزاحیہ تھا۔ وہ ویرا کے ذہن میں ہونے والی اکھاڑ پچھاڑ سے بے خبر شاید یہ سوچ کر نہال ہوا جارہا تھا کہ اس نے ایک غدار کی سرکوبی میں کسی سرکاری عورت کا ساتھ دے کر بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔
ویرا کے پاس مجید کے اس اہم سوال کا کوئی ٹھوس جواب نہیں تھا۔ اس نے نیم دلی سے کہا "وہیں لے چلو' جہاں سے تم نے مجھے اپنی ٹیکسی میں بٹھایا تھا۔"
"معاملہ خطرناک نہ ہوتا تو وہاں جانے سے پہلے میں اپنے گھر ضرور جاتا تاکہ میری بیوی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی کہ آج میں نے اپنے ملک کے لیے کتنا بڑا کام کیا ہے۔ اسے میرا ٹیکسی چلانا پسند نہیں ہے۔ ہر وقت کہتی رہتی ہے کہ یہ کام چھوڑ کر کوئی اور دھندا کرلوں۔ اس میں عزت نہیں ہے۔ دیکھو خدا نے آج کیسی عزت دی ہے۔ اصل عزت وہ ہوتی ہے جو انسان کے اپنے دل کے اندر ہوتی ہے۔ رشتے داروں اور دوسروں کے کہنے سننے سے کچھ نہیں ہوتا۔"
ویرا نے اس کی بات پوری توجہ سے سنی مگر جواب میں کچھ نہ بولی۔ اثبات میں سرہلا کر رہ گئی۔
کہنے کو اس نے کہہ دیا تھا مگر اکرم الٰہی کے بارے میں اپنے فیصلے پر مطمئن نہیں تھی۔ وہ مجھ سے رابطہ کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔
موبائل فون کو ہماری تحویل میں آئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے اس لیے کسی کو بھی اس کی عادت نہیں پڑ سکی تھی۔ جوں ہی ویرا کو میرے موبائل فون کا دھیان آیا' وہ فوراً بول پڑی۔ "راستے میں کوئی فون بوتھ نظر آئے تو گاڑی روک لینا۔ مجھے ایک اہم فون کال کرنی ہے۔"
"ضرور' ضرور!" مجید خوش ہو کر بولا "بس ٹیکسی ذرا پرانی ہے ورنہ اس وقت کسی زبردست انگریزی فلم کا مزہ آرہا ہے۔ تم شاید کسی بڑے کو بتاؤ گی کہ تم نے اپنا کام کرلیا ہے۔"
"ہاں' حقیقی زندگی کبھی کبھی فلموں سے بھی زیادہ حسین اور دلچسپ ہوجاتی ہے۔"
"میں ٹیکسی نہ چلا رہا ہوتا تو آج کی اتنی بڑی خوشی سے محروم رہ جاتا۔" وہ بہت مسرور تھا۔
پہلا پبلک فون نظر آتے ہی مجید نے ٹیکسی احتیاط سے ایسی جگہ روک دی جہاں پچھلے پائیدان میں پڑا ہوا قیدی کسی راہ گیر کی نظروں میں نہ آسکے۔ ویرا ٹیکسی سے اتر کر تیزی سے بوتھ میں گھس گئی۔
کسی بھی ایمرجنسی کے لیے ہم لوگ ہر وقت فون کارڈ ضرور ساتھ رکھتے تھے۔ ویرا نے سلاٹ میں کارڈ ڈال کر میرا نمبر ملایا اور بزی ٹون سن کر اس کا چہرہ لٹک گیا۔
ریسیور کریڈل کے ہک سے لٹکا کر وہ مضطربانہ انداز میں اپنے ناخنوں کا جائزہ لینے لگی۔

○☆○

میں نے جلال سے مختصر سی بات کر کے فون بند ہی کیا تھا کہ گھنٹی بجنے لگی۔

میں چونک پڑا۔ اس وقت مجھے کون فون کر سکتا تھا۔ میں نے بٹن دبانے کے بعد موبائل فون کان سے لگایا تو دوسری طرف سے ویرا کی آواز سن کر حیران رہ گیا۔

"میں نے اکرم الٰہی کو پکڑلیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کہاں لے جاؤں۔"

"تم تو گھر پر پڑی سو رہی تھیں۔ اکرم تم سے کہاں ٹکرا گیا؟" میں اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکا۔

"وہ ہوٹل سے بھاگ رہا تھا کہ میں پہنچ گئی۔ یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ وہ ایک ٹیکسی میں پڑا ہوا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں کہاں جاؤں؟ گھر شاید محفوظ نہیں رہے گا۔" ویرا بہت عجلت اور گھبراہٹ کے عالم میں بول رہی تھی۔

"میں بوب رافیل کو لے کر نکل چکا ہوں۔ تم اس وقت کہاں ہو؟"

"بس یوں سمجھ لو کہ کلفٹن بیچ سے تھوڑی دور نکلے ہیں۔" ویرا کی آواز ابھری۔

"ہم لوگ اسٹیشن فور جا رہے ہیں۔ تم فنانس اینڈ ٹریڈ سینٹر کے ٹھیک سامنے گورا قبرستان کے بس اسٹاپ پر پہنچو۔ ہم تمہارا انتظار کریں گے۔ اول خان کی لینڈ روور تم پہچانتی ہو۔"

ویرا نے مزید کچھ کہنے سنے بغیر فون بند کر دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ویرا کسی ٹیکسی ڈرائیور کو اعتماد میں لے کر اتنی بڑی کامیابی حاصل کر گزرے گی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے اکرم الٰہی کو پکڑ کر میرے اس جھوٹ کی لاج رکھ لی تھی جو میں نے اس بارے میں بوب رافیل سے بولا تھا۔

"کون تھا؟ اکرم کہاں ہے؟" میرے فارغ ہوتے ہی اسٹیئرنگ وہیل پر موجود حامد سوال کر بیٹھا۔

"وہ بھی پکڑلیا گیا۔" میں نے مسرت سے اسے آگاہ کیا "ویرا اسے لا رہی ہے۔"

"گڈ!" حامد کے دل کی گہرائیوں سے آواز نکلی "اس کے نکل جانے پر مجھے یہ مشن ادھورا بلکہ ناکام نظر آ رہا تھا۔ شاید ہم بوب رافیل کو زیادہ سبق نہ دے سکیں لیکن اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی کھوپڑیاں ضرور توڑ سکتے ہیں۔"

یہ بات سب جانتے تھے کہ بوب رافیل ایسا قیدی نہیں تھا جسے مکافاتِ عمل کے طور پر ہمیشہ کے لیے غائب کیا جا سکے۔ اسے کسی نہ کسی مرحلے پر رہا کرنا ناگزیر تھا۔ اس وجہ سے اس کی گرفتاری میں اسپیشل ٹاسک فورس کا نام سرے سے نہیں تھا۔ اس کی گرفتاری اور پھر رہائی کے سلسلے میں ضابطے کی کارروائیاں پوری کرنے کے لیے ابتدا سے آخر تک اس کیس کی ہر ذمے داری انٹیلی جنس بیورو کو اپنے ذمے لینی تھی۔

اس اعتبار سے بوب رافیل کو ہوٹل سے براہِ راست صدف مینشن ہی منتقل کیا جانا چاہیے تھا مگر اس بارے میں آئی بی والوں کی مجبوری بھی وہی تھی جو ویرا کی تھی۔

صدف مینشن کی مہیب اور اجاڑ عمارت کے گردونواح میں رہنے یا کاروبار کرنے والوں کے لیے کوئی بات بہت زیادہ ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ عمارت پر کہیں کوئی نمایاں سائن بورڈ نہ ہونے کے باوجود سب جانتے تھے کہ صدف مینشن کسی ایجنسی کے تصرف میں ہے اور لوگ عام طور پر اس سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں خوف سے کہیں زیادہ رازداری کا عنصر تھا۔

لوگوں کی اس خود اختیاری احتیاط کے باوجود آئی بی والوں نے خود کو کبھی اپنے پڑوسیوں پر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ خاموشی سے وہاں آتے جاتے تھے اور کسی سے کوئی تعرض نہیں کرتے تھے مگر اس عمارت میں ایک بنیادی خرابی یہ تھی کہ وہ بس ایک عمارت تھی۔ اس کا کوئی احاطہ تھا نہ وہاں صحن پایا جا سکتا تھا اس لیے گاڑیاں فٹ پاتھ کے کنارے کھڑی کی جاتی تھیں۔ وہاں سے عمارت کے داخلی دروازے تک ایک کھلا راستہ تھا جو سب کی نگاہوں میں تھا۔

اس خرابی کی وجہ سے آئی بی والے' دن کی روشنی میں اپنے قیدی شہر کی کسی بھی حوالات میں رکھتے تھے اور رات کا اندھیرا گہرا ہونے کے بعد انہیں خاموشی سے صدف مینشن میں منتقل کر دیتے تھے تاکہ آس پاس کی آبادی میں غیر ضروری خوف و ہراس پیدا نہ ہو۔

مگر بوب رافیل کوئی عام قیدی نہیں تھا۔ وہ شہر کے کسی لاک اپ میں بھی بھیجا جاتا' بات پھیل جاتی۔ دن کے اجالے میں اسے براہ راست صدف مینشن لے جانا ہر اعتبار سے عقل و احتیاط کے خلاف ہوتا۔ اس مجبوری کی بنا پر یہ طے ہوا تھا کہ اسے عارضی طور پر ایس ٹی ایف کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کی منتقلی کے لیے آئی بی والوں نے ایمبولینس اور اسٹریچر کے استعمال کی تجویز بھی رد کر دی تھی۔

آئی بی کے افسران نے اپنی نگرانی میں بوب رافیل کو لینڈ روور میں پہنچایا اور چلے گئے۔ میں نے غزالہ اور سلطان شاہ کو گاڑی میں گھر بھیج دیا اور خود لینڈ روور میں حامد کے ساتھ ہولیا۔

راستے میں موبائل فون پر ویرا سے بات ہونے سے پیشتر میں نے جلال کو ان انتظامات کے بارے میں بریف کرنا چاہا تو وہ پہلے سے باخبر تھا۔ اسے خوشی ہوئی تھی کہ بوب رافیل اپنی تعیناتی کے مقام سے سینکڑوں میل دور پکڑلیا گیا تھا۔

جو کچھ ہوا' وہ سو فی صد ہمارے حق میں تھا لیکن میں ویرا اور اس کے ساتھی ڈرائیور کے بارے میں سوچ سوچ کر حیران ہوا جا رہا تھا۔ ہم لوگ گھر سے روانہ ہوئے تو ہمیں پورا یقین تھا کہ وہ گہری پینک میں سوئی ہوئی تھی۔ وہ ہماری مہم میں حصہ لینے کے قابل تھی اور نہ اسے اس مہم سے کوئی دلچسپی تھی۔

میرے لیے یہ بات حیرت انگیز تھی کہ وہ سوتے سوتے اٹھی' اس نے ہمارے ساتھ آ ملنے کا ارادہ کیا' اسے ایک ایسا ٹیکسی ڈرائیور مل گیا جو اس کا ہم خیال اور ہم نوا تھا' وہ ایسے وقت پر ہوٹل کے قریب پہنچی کہ اکرم الٰہی وہاں سے فرار ہو رہا تھا' ویرا نے سب کچھ بھول بھال کر اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا اور آخر کار اسے پکڑ لینے میں کامیاب ہو گئی۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ زندگی کی کوئی ٹھوس حقیقت نہ ہو' کسی ڈراما نگار کا لکھا ہوا ڈراما ہو جس میں سب کچھ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح ڈراما نگار نے لکھا ہو یا ہدایت کار چاہتا ہو۔

ویرا کو سب کچھ سجا سجایا ملا تھا اور وہ ناقابلِ یقین مگر پے در پے اتفاقات کے سہارے ایک بڑی کامیابی حاصل کر چکی تھی۔ اس کا کمال یہ تھا کہ اس نے ایک اجنبی ڈرائیور کو اس طرح شیشے میں اتارا تھا کہ وہ اپنی سلامتی کو بھول کر اندھا دھند ویرا کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا۔

میرے دل میں شدت سے یہ خواہش مچلی کہ کاش میں بھی ویرا کے ساتھ ہوتا اور یہ دیکھتا کہ وہ ایک اجنبی شخص کے ذہن میں کس طرح اترتی چلی جاتی ہے۔

ایف ٹی سی یا فنانس اینڈ ٹریڈ سینٹر کراچی کی ایک مشہور عمارت ہے جس کی مسجد اپنی ساخت میں انفرادیت رکھتی ہے۔ ہم اس کے سامنے مقررہ بس اسٹاپ پر پہنچ کر رک گئے۔

ہمارے لیے وہ فاصلہ کم تھا لیکن ویرا کو وہاں تک پہنچنے کے لیے نسبتاً زیادہ فاصلہ طے کرنا تھا۔ میں نے اپنی سمت کی کھڑکی کا شیشہ اتار کر سگریٹ سلگا لی۔

"سر!" حامد نے مودب لہجے میں مجھے مخاطب کیا "جب سے آپ کو فون پر یہ اطلاع ملی ہے کہ اکرم الٰہی پکڑا گیا ہے' آپ خاموش اور کچھ پریشان پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

"پریشان نہیں' میں اندر سے بہت خوش ہوں۔" میں نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مگر مجھے یقین نہیں آ رہا کہ کبھی اتنے اتفاقات بھی یکجا ہو سکتے ہیں۔"

اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے لب پھڑکے اور پھر ساکت رہ گئے۔

"کہو کہو..... کیا کہنا چاہ رہے تھے؟" میں نے متجسس انداز میں اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"آپ ہی کی مثال ذہن میں آ رہی تھی۔ ڈر رہا ہوں کہ آپ برا نہ مان جائیں۔"

"محاذ پر شانہ بشانہ لڑنے والے آپس میں گہرے دوست بن جاتے ہیں' ایک دوسرے کی بات کا برا نہیں مناتے۔ میرا خوف اپنے ذہن سے بالکل جھٹک دو۔"

"ہم لوگ بھی آپ کے کاموں کے بارے میں وہی سوچتے ہیں جو اس وقت آپ کے ذہن میں ہے۔"

"اتنے اتفاقات میں نے آج تک یکجا ہوتے نہیں دیکھے۔" میں نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"آپ واقعات کا ایک اہم کردار ہوتے ہیں۔ آپ کے ذہن میں جو کچھ آتا ہے' کرتے چلے جاتے ہیں۔ نتیجے میں جو کچھ سامنے آتا ہے' دوسروں کے لیے محیر العقول ہوتا ہے۔" وہ بولا۔

"مگر میں نے آج تک ایسا محسوس نہیں کیا۔" میں نے پوری ایمان داری سے کہا۔

"میں یہی نکتہ واضح کرنا چاہ رہا ہوں۔ آپ واقعات کا حصہ ہوتے ہیں اس لیے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کرتے۔ لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی صورتِ حال کے مطابق فیصلے کرتے چلے جاتے ہیں اور مطلوبہ مقاصد یا نتائج حاصل کر لیتے ہیں۔ دور سے تماشا دیکھنے والوں یا نتائج سننے والوں کو یقین نہیں آتا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" مجھے اس سے اتفاق کرنا پڑا "ویرا بر وقت اور صحیح فیصلے کرنے پر قادر ہے۔ وہ ذہین نہ ہوتی تو آج میرے قریبی ساتھیوں میں شامل نہ ہوتی۔"

"میں نے مادام کی بہت تعریف سنی ہے۔ انہوں نے اپنے ڈرائیور کی نفسیات سے کوئی فائدہ اٹھایا ہوگا ورنہ وہ اکرم الٰہی کی ٹیکسی کا پیچھا کرنے کے بجائے مادام کو کسی پولیس اسٹیشن میں بھی پہنچا سکتا تھا۔"

"بہرحال مجھے خوشی ہے کہ ویرا نے میری بات کی لاج رکھ لی۔ وہ ہمارا قیدی ہے۔"

وہ سر ہلاتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرایا پھر بولا "اب یہی دیکھ لیں کہ بوب رافیل ہمارے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ آپ نے اس پر ایک نفسیاتی وار کر کے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔"

میری مستفسرانہ نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ مجھے کوئی خاص بات یاد نہیں آ سکی تھی۔

"آپ اپنی دانست میں ناکام لوٹے تھے مگر آپ نے اسے یہ بتایا تھا کہ اکرم الٰہی پکڑا گیا۔ اس کے بعد ہی اس کا حوصلہ ٹوٹ سکا تھا ورنہ وہ ہم لوگوں کے سامنے ضد پر اڑا ہوا تھا۔"

"وہ اس وقت کی ضرورت تھی۔" میں نے ہنس کر کہا "اب اس کے سامنے بھول کر بھی اکرم الٰہی کا ذکر نہ کرنا۔"

"کیوں؟" اس نے بے ساختہ پوچھا "اسے بے دست و پا دیکھ کر بوب کا رہا سہا دم خم بھی ختم ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی اپنی کہانی سناتا چلا جائے۔"

"نہیں حامد' بات اتنی سیدھی نہیں ہے۔" میں نے گہری

سنجیدگی سے کہا "تم بھول رہے ہو کہ بوب رافیل کو بھرے پُرے ہوٹل سے پکڑا گیا ہے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ ہمیں اس کو رہا کرنا پڑے گا۔"

"سر! میں معذرت خواہ ہوں۔ بات میری سمجھ میں نہیں آئی!۔۔وہ بولا "اس کی رہائی اور اکرم الٰہی کو پوشیدہ رکھنے میں کیا تعلق ہے؟ ہماری کوشش تو یہی ہوگی ناکہ رہا کرنے سے پہلے ہم بوب رافیل سے جو کچھ اگلوا سکتے ہیں، اگلوالیں۔ وہ مواد بعد میں ہمارے کام آئے گا۔"

"تمہاری آخری بات بالکل صحیح ہے لیکن سوال میں گہرائی نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا "رہائی پانے کے بعد وہ اپنے والدین کو بتائے گا کہ اس کے ساتھ اکرم الٰہی بھی قید تھا۔ ایک نیا ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوگا۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑا "مجرموں کی سرپرستی کرنے والے واقعی ان کے والدین ہوتے ہیں۔ بوب رفیل اب بھی ان کو یہی بتائے گا کہ اکرم الٰہی ہمارا قیدی ہے کیونکہ آپ نے اس کو یہ تاثر دیا ہے۔"

"وہ سنی سنائی بات ہوگی۔ بہت سے لوگوں نے اکرم الٰہی کو ٹیکسی میں بیٹھ کر فرار ہوتے دیکھا ہوگا۔ ضرورت پڑی تو ہوٹل کے عملے میں سے ہی ایسے گواہوں کو سامنے لایا جاسکے گا جو بوب رافیل کے دعوے کی تردید کریں گے۔ وہ اکرم الٰہی کی قید کا چشم دید گواہ بن گیا تو اسے جھٹلانا آسان نہیں ہوگا۔ ہمارے لیے پیچیدگی پیدا ہوجائے گی۔"

وہ پُرخیال انداز میں اپنا سر ہلانے لگا۔ بات ذرا دیر سے اس کی سمجھ میں آئی تھی۔

اچھا ہوا کہ حامد نے وہ ذکر نکال لیا تھا۔ اسٹیشن فور پہنچنے اور قیدیوں کے ہوش میں آنے سے پہلے ان نکات کا صاف ہوجانا ضروری تھا ورنہ ہم خود اپنی دو عملی سے کوئی نقصان اٹھا سکتے تھے۔

وہ سارا ابہام صرف اس وجہ سے پیدا ہوا کہ اکرم الٰہی نے ہماری توقع سے کہیں زیادہ مکّاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ مائیکرو سینٹر سے اس کے خفیہ فرار کی وجہ سے ہمارا سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔

ہم اس کی باقاعدہ روانگی اور پھر ہوٹل آمد کے انتظار میں مزید کچھ وقت گنوا دیتے تو وہ بوب رافیل سے مل کر، ہماری آنکھوں میں دھول جھونکتا ہوا واپس چلا جاتا۔ غنیمت ہوا کہ آخری لمحات پر ہمیں ہوش آگیا اور ہم نے اچانک ہوٹل کے ریستوران پر دھاوا بول کر اکرم الٰہی کو سامنے آنے پر مجبور کردیا۔

شروع سے اس وقت تک ہمیں آپس میں مشورہ کرنے اور نئی حکمت عملی طے کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ بس ایک موٹی سی بات طے ہوسکی تھی کہ بوب رافیل کو آئی بی۔ کے کھاتے میں قید ہونا تھا۔

"ابھی وقت ہے۔" میں نے سگریٹ کا آخری کش لے کر حامد سے کہا "کوئی اور نکتہ ذہن میں موجود ہو تو اس پر بھی تبادلہ خیال کرلو۔۔۔"

"نو سر!" اس نے اپنے داہنے کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "وقت کے ساتھ مسائل اور نکات سر ابھارتے رہتے ہیں۔ ان سے نمٹنے کا کام آپ ہی کریں گے۔ ویسے بھی ڈسپلن کے تحت ہر مشن کا ایک چیف ہوتا ہے۔ میں احکام کی تعمیل کرتا رہوں گا۔ صرف اتنا بتادوں کہ میں نے اپنے تین آدمیوں کو ہوٹل کی نگرانی پر مامور کردیا ہے۔"

"ویری گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "یہ کام بھی بہت ضروری تھا۔ وہ کم از کم ایک بجے تک عیش کرتے رہیں گے۔ پھر اسلام آباد والوں کے ایما پر ان کے مقامی قونصل خانے سے کوئی نہ کوئی ہوٹل کا رخ ضرور کرے گا۔"

اپنی گفتگو کے دوران میں ہم بار بار اس ٹریفک کا جائزہ لے رہے تھے جو سگنل کھلنے کے دوران ڈیفنس اور کورنگی کی سمت سے آکر بڑے ریلوں کی صورت میں شارع فیصل پر آرہا تھا۔ ہم دونوں کا اندازہ تھا کہ ویرا اسی سمت سے نمودار ہوکر سگنل سے داہنی طرف آئے گی۔

آخر کار ہمیں ایک سیاہ اور پیلی ٹیکسی نظر آئی جو مڑنے والے ٹریفک کی بھیڑ سے بائیں طرف کٹ کر تیزی سے الگ ہورہی تھی۔ ٹیکسی کا بایاں انڈی کیٹر بھی تیزی سے جل بجھ رہا تھا۔

دن کی چمکتی ہوئی تیز دھوپ میں دور دور تک ہر چیز روشن اور صاف نظر آرہی تھی۔ میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ اس ٹیکسی میں ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر ویرا براجمان تھی۔

اسی لمحے حامد نے لینڈروور کا انجن اسٹارٹ کرلیا۔ شاید اس نے بھی ویرا کو پہچان لیا تھا۔

"چل پڑو!" اسے ہدایت دے کر میں نے اپنی سمت کی کھڑکی سے سر نکالا اور ہاتھ لہرا کر ویرا کو اشارہ کیا۔ ویرا نے ہاتھ ہلا کر جوابی اشارہ دیا اور دونوں گاڑیاں دھیرے دھیرے ٹریفک کے بہاؤ میں شامل ہوتی چلی گئیں۔

"ٹیکسی ڈرائیور بہت دلیر اور ایمان دار آدمی ہے۔" حامد نے عقب نما آئینے میں پیچھے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "میں ڈر رہا تھا کہ کہیں راستے میں اس کی نیت نہ بدل جائے۔"

"وہ کتنا ہی بے جگر اور مخلص کیوں نہ ہو، ہم اسے اپنا گھر نہیں دکھا سکتے۔ ہمیں راستے میں کہیں نہ کہیں رکنا پڑے گا تاکہ ویرا اور اکرم الٰہی کو اپنے ساتھ لے کر ڈرائیور کو رخصت کرسکیں۔"

"یہاں سے ملیر ہالٹ کے موڑ تک سڑک اسی طرح مصروف ملے گی۔ ٹریفک کی اس بھیڑ بھاڑ میں ہم کہیں رک کر اپنا کام پورا کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"پھر اسے کہاں تک ساتھ لے جاؤ گے؟" میں نے پُرتشویش

لہجے میں پوچھا۔

"چھاؤنی کی حدود کے آغاز سے پہلے اسے فارغ کردیں گے۔"

اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اس علاقے میں واپس جاتے ہوئے اسے بھی اطمینان رہے گا کہ اس نے صحیح فریق کی حمایت کی ہے۔"

میں نے چپ سادھ لی۔ سفر خاموشی اور تیزی کے ساتھ جاری رہا۔

ملیرہالٹ ریلوے اسٹیشن سے ہم بائیں طرف مڑ گئے۔ ٹیکسی ہمارے پیچھے پیچھے تھی۔ دونوں طرف عمارتوں اور سایہ دار درختوں کا سلسلہ جلد ہی ختم ہوگیا اس سے آگے داہنی طرف شہری آبادی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ بائیں طرف خاردار تاروں کی باڑھ کے پیچھے ائرپورٹ کی زمین تھی۔

شہری آبادی کا سلسلہ ختم ہوتے ہی فوجی عمارات نظر آنے لگیں۔ چھاؤنی کا اصل علاقہ ان انتظامی عمارات سے کچھ دور شروع ہوتا تھا جہاں ملٹری پولیس کی چیک پوسٹ قائم تھی۔

حامد نے ایک قدرے سنسان علاقے میں لینڈروور سڑک سے اتار کر کنارے پر روک لی۔ ذرا سی دیر کے لیے ویرا کی ٹیکسی دھول کے بادل میں چھپ گئی۔ لینڈروور رکنے کے بعد غبار چھٹا تو ٹیکسی بھی پیچھے رک چکی تھی۔

"یہ مجید ہے!" ویرا نے ہماری طرف جھپٹتے ہوئے مسرت آمیز لہجے میں ٹیکسی ڈرائیور کا تعارف کرایا "یہ میرا ساتھ نہ دیتا تو میں... بروقت ہوٹل پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔ راستے کے ٹریفک میں اس نے کسی بازی گر کی طرح اپنی ڈرائیونگ کے کمالات دکھا کر مجھے حیران کردیا۔"

میرے بعد حامد نے بھی بہت تپاک سے مجید سے ہاتھ ملائے۔ وہ ایسی بے یقینی سے باری باری ہم لوگوں کو دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔

میں نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے بہت فراخ دلی سے شاباش دی تو وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "بس صاحب! پہلے میم صاحب کی اردو نے دل جیتا پھر پاکستان سے ان کی محبت نے میری غیرت کو جگا دیا اور میں ان کا غلام ہوگیا۔ غدار میری ٹیکسی میں ہے۔ جب اسے سولی چڑھاؤ تو رسی میں ایک ڈور میرے نام کی بھی باندھ دینا۔"

میں نے اپنی جیب سے ہزار ہزار کے دس تہ کیے ہوئے نوٹ نکال کر زبردستی اس کی جیب میں اڑس دیے "یہ رکھ لو۔ یہ ہماری طرف سے تمہارے بال بچوں کے لیے حقیر سا نذرانہ ہے...."

"نہیں صاحب...." اس نے اپنی جیب سے وہ نوٹ نکال کر میری طرف بڑھا دیے "اتنی بے دردی سے میری قیمت نہ لگاؤ۔ میں میم صاحب سے وعدہ کرچکا ہوں کہ ایک پیسا نہیں لوں گا۔ کرائے کا نہ انعام کا۔"

"یہ قیمت ہے نہ کرایہ، نہ انعام" میں نے محبت آمیز لہجے میں اسے ڈانٹا "یہ نذرانہ ہے۔ تمہاری عظمت اور حب الوطنی کے نام!"

"ہم غریب لوگوں کا کیا ہے صاحب!" وہ رندھی ہوئی آواز میں پیسے واپس کرنے پر مصر رہا "شہر میں روز دو چار گاڑیوں کے نیچے کچلے جاتے ہیں اور کوئی پلٹ کر نہیں پوچھتا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اس سے پہلے کہ کوئی ٹرک یا ٹینکر میری ٹیکسی کے ساتھ مجھے بھی پیس ڈالے، مجھے غدار سے لڑنا چاہیے۔ میں اپنے سینے پر اس کی گولی کھالیتا تب بھی مجھے کوئی غم نہیں ہوتا۔ مجھے یقین تھا کہ میم صاحب میرے گھر والوں کی دیکھ بھال کرلیں گی مگر اب میں زندہ ہوں، کمانے کے قابل ہوں۔ یہ پیسے رکھ لو۔ اس پیارے پاک وطن کی تھوڑی سی خدمت کا حق ہم غریبوں کو بھی دے دو۔ یہ پیسے واپس رکھ لو!"

فرط جذبات میں وہ بولتا ہی چلا گیا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبانے لگی تھیں۔

میں آنسوؤں سے دھندلائی ہوئی، ان نم آنکھوں کا سامنا نہیں کرسکا۔ مجید کے سامنے میں خود کو بہت حقیر محسوس کررہا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے پہاڑ تلے آیا ہوا اونٹ خود کو محسوس کرتا ہے۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر وہ نوٹ خاموشی سے واپس لے لیے جو میں نے دوران سفر بڑی احتیاط سے گن کر مجید کے لیے الگ رکھے تھے۔ لمحہ بھر کے لیے میں سکتے کی حالت میں چلا گیا پھر میں نے بے اختیار مجید کو اپنے سینے کے ساتھ بھینچ کر اس بے مایہ مزدور کی پُرنور پیشانی چوم لی جو کروڑ پتی لٹیروں کے برعکس اپنی دھرتی کے لیے اپنا خون بھی دینے کے لیے تیار تھا۔

اسے دیکھ کر میرا یہ یقین راسخ ہوگیا کہ پاکستان میں جب تک ایک بھی مجید موجود ہے، کوئی اس ملک کا بال بیکا کرسکتا ہے، نہ اسے اپنے مذموم عزائم کی آماجگاہ بنا سکتا ہے۔

میرے بازوؤں کی مضبوط گرفت میں مجید کے وجود نے ایک شدید جھٹکا لیا اور شاید اس کے دل کا غبار اس کی آنکھوں سے بہہ نکلا۔ پھر وہ پرسکون ہوگیا۔

میں نے ویرا کو ہدایت کی کہ وہ مجید سے اس کے گھر کا پتا لے لے اور خود حامد کے ساتھ اکرم الٰہی کے ساکت اور گندے وجود کی طرف متوجہ ہوگیا۔

مجید اور اکرم الٰہی۔ پاکستانیوں کی دو مثالی انتہائیں تھیں جنہیں قدرت کی ستم ظریفی نے ملیر چھاؤنی کی چوکھٹ پر یک جا کردیا تھا....!

وہ کارروائی بہت تیزی سے مکمل ہوئی۔ اکرم الٰہی کو لینڈروور کے عقبی حصے میں بوب رائفل کے ساتھ ڈالنے کے بعد ہم نے اپنے نئے دوست کو گرم جوشی سے الوداع کہا اور لینڈروور غراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ مجید اپنی ٹیکسی کے پاس کھڑا، حسرت بھری نظروں سے ہمیں روانہ ہوتے دیکھتا رہا۔

"واقعی مجید ایک عظیم، سچا اور بے لوث پاکستانی ہے۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"یہ تمہیں کہاں مل گیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا "اس کے بغیر تم کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔"

"تم لوگ مجھے نکما سمجھ کر چھوڑ آئے تھے۔ دیکھ لو' مقدر نے کیسا وسیلہ فراہم کیا۔"

ویرا کے جواب میں طنز تھا۔ میں نے پلٹ کر اسے گھورا اور اس کی زبان فوراً بند ہوگئی۔ اس نے سمجھ لیا کہ میں حامد کے سامنے ایسی آزادانہ گفتگو کے حق میں نہیں تھا۔

چیک پوسٹ والوں کے لیے گاڑی اور اس کے ڈرائیور میں سے کوئی بھی اجنبی نہیں تھا۔ بس اسپیڈ بریکر اور رکاوٹ کی وجہ سے رفتار ضرور سست ہوئی مگر لینڈ روور کسی تلاشی کے بغیر ملٹری ایریا میں داخل ہوگئی۔

حامد کے استفسار پر ویرا نے اکرم الٰہی کو پکڑنے کی کہانی سنانی شروع کردی۔

وہ سب ہماری ایک ہی مہم کا تسلسل تھا۔ تین نادر الوجود مجرم ہماری تحویل میں آچکے تھے اور تینوں ہی الگ الگ ہتھکنڈوں کا شکار ہو کر اس انجام کو پہنچے تھے۔

مقبول چوہدری کو سلطان شاہ نے ڈارٹ گن سے بلیو شاٹ چلا کر بے ہوش کیا تھا' بوب رافیل کی حساس رگوں کو غزالہ کی نرم و نازک انگلیوں نے مسل کے رکھ دیا تھا اور ویرا کے پاس انگوٹھی کے جعلی نگینے کی کہانی تھی۔

اسٹیشن فور پر تینوں قیدیوں کو الگ الگ کمروں میں پہنچانے کی کارروائیاں جاری تھیں کہ میرا موبائل فون بول اٹھا۔

دوسری طرف جلال تھا۔ اس کی آواز زندگی سے بھرپور تھی۔

"اس وقت کہاں ہو؟ کیا کر رہے ہو؟"

"قیدیوں کو ڈھونے کی بے گار میں جتے ہوئے ہیں۔" میں ٹہلتا ہوا ایس ٹی ایف والوں سے الگ ہولیا۔

"یہ سعادت مقدر والوں کو ملتی ہے۔" ہلکے سے قہقہے کے بعد اس کی آواز آئی "مجھے تم پر رشک آنے لگا ہے۔ جہاں ہاتھ ڈالتے ہو' کامیابی کی دیوی دونوں ہاتھ باندھ کر سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔"

"تم اتنی پھونک دے رہے ہو تو تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ اکرم الٰہی بھی پکڑا گیا...."

"کب....؟ کیسے....؟ کہاں سے....؟" وہ میری بات کاٹ کر تحیر زدہ آواز میں تقریباً چیخ پڑا "تم نے تو بتایا تھا کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ٹیکسی پکڑ کر فرار ہوگیا اور تم ہاتھ ملتے رہ گئے۔"

"یہی ہوا تھا۔ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ حرکت میں برکت ہوتی ہے۔ اسے ایک ساتھن نے پکڑا ہے۔"

"ساتھن....؟ یہ کیا بلا ہے؟ میں یہ لفظ پہلی بار سن رہا ہوں۔"

وہ حیران رہ گیا۔

"موڈ میں آکر میں نے بھی یہ لفظ پہلی بار استعمال کیا ہے۔ اگر لغت میں یہ لفظ کہیں موجود ہو تو اس کے معنی ساتھی کی مادہ کے ہونے چاہئیں۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"اوہ.... تو یوں کہو کہ تمہاری کسی ساتھی عورت نے اسے پکڑا ہے۔ کہاں ہے وہ؟"

"بوب رافیل کے ساتھ ہی ہے۔ تم نے غور نہیں کیا کہ میں نے قیدی کے بجائے قیدیوں کو ڈھونے کا ذکر کیا تھا۔ دونوں بے ہوش ہیں۔ انہیں الگ الگ کوٹھڑیوں میں ڈالا جارہا ہے۔"

"یہ غضب کی خبر سنائی ہے تم نے۔ بس اسی لیے مجھے تم پر رشک آتا ہے۔ اکرم الٰہی کے پائے کا مجرم ایک مرتبہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوجائے تو مشکل سے ہی ہاتھ آجاتا ہے۔"

"پیروں فقیروں کی دعا ہے کہ اپنی ہر مشکل خود بخود آسان ہوتی چلی جاتی ہے۔"

وہ ہنسا پھر بولا "ٹھیک کہہ رہے ہو۔ غالب نے شاید تمہارے لیے ہی کہا تھا کہ تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا۔"

"اس کام سے میں تائب ہوچکا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ کب کی اطلاع ہے؟" اس کے لہجے سے بے اعتباری مترشح تھی "ابھی تو تم موڈ میں آکر اردو لغت میں نئے الفاظ کا اضافہ کررہے تھے۔ یہ موڈ کیسے بنا ہوا ہے تمہارا؟"

"تمہیں دیکھ کر رنگ پکڑ رہا ہوں۔ مسلسل سنجیدگی سے میں اکتایا ہوا تھا۔"

"چھوڑو یار۔ چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔ مجھے چکر نہ دو۔ میں تم سے بہت دور' اسلام آباد میں بیٹھا ہوا ہوں۔ یہاں سے ہاتھ بڑھا کر تمہارا گلاس نہیں چھین سکتا۔"

"یہ واقعہ چند منٹ پہلے کا ہے جب میں مجید نامی ایک ٹیکسی ڈرائیور سے ملا تھا۔ وہ ایک چھلا چھلایا' خالص پاکستانی ہے۔ اندر سے باہر تک بالکل ایک جیسا۔ اس سے مل کر بہت شرم آئی اور پہلی بار احساس ہوا کہ ملک و قوم کے غم میں گھلنے کے لیے الکحل بہت ضروری نہیں ہے۔"

"آج تم عجیب باتیں کر رہے ہو۔ میں یقین نہیں کر سکتا کہ اس وقت تمہارا معدہ خشک ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں کیوں ہری ہری سوجھ رہی ہے؟"

"ہری ہری سوجھ رہی ہے!" اس نے مستفسرانہ انداز میں میرے الفاظ دہرائے "اس کا کیا مطلب ہے؟"

"تمہاری اردو بہت کمزور بلکہ ناقص ہے۔ یہ ساتھن سے بہت مختلف اور سادہ سا جملہ ہے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آئی بی کے تم جیسے ذمے دار افسر پر اچانک شاعری کا دورہ کیوں پڑا ہوا ہے۔"

"یار، کام کے دباؤ اور مسلسل پریشانیوں میں اچانک بوب رافیل جیسی کوئی سرخ روئی حاصل ہو جائے تو تم یقین کرو کہ گنگنا کر رمبا ناچنے کو جی چاہتا ہے مگر سالا اسٹیٹس آڑے آجاتا ہے۔"

"اسٹیٹس آڑے آنے لگے تو پشتو میں غیبت شروع کر دیا کرو۔" میں روانی میں کہہ گیا۔

"دیکھو، تم پھر کوئی الجھی ہوئی اور ناقابلِ فہم بات کہہ گئے۔" اس نے احتجاج کیا۔

"غیبت سے اسٹیٹس سمیت ہر چیز پس پشت چلی جاتی ہے۔ آدمی کا ذہن ہلکا ہو جاتا ہے۔ پیٹ کا ابھار بھی دور ہو جاتا ہے۔ ناپسندیدہ لوگوں کے خلاف اپنے دل کا بغض نکالنے کا موقع مفت میں ہاتھ آتا ہے۔"

"میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ آج تم واقعی موڈ میں ہو۔ بہت روانی سے فضول گوئی کر رہے ہو۔"

"ابھی تک تم موج میں آکر مجھے دو مصرعے سنا چکے ہو۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "میں بھی اپنے ذہن کی دھول جھاڑ رہا تھا۔ بوب رافیل کا ہاتھ آنا ہمارے لیے کسی خوشی کے بجائے نئی دشواریوں کا نکتہ آغاز بن سکتا ہے۔"

"اس بار ایسا نہیں ہو سکتا۔" اس کی آواز سے پختہ عزم کا اظہار ہو رہا تھا۔

"کیا میں تمہاری اس خوش گمانی کا کوئی معقول سبب جان سکتا ہوں؟"

"یوں چبا چبا کے سوال نہ کرو۔ میرے سر کے آدھے بال سفید ہیں میری خوشی بے سبب نہیں ہے۔"

"دھوپ سے میرے بھی دو چار بال سفید ہو چکے ہوں گے۔ تم میرے سوال کا جواب دو۔"

"اس بار میری تجویز پر جارحانہ رویّہ اپنایا گیا ہے اور ان کی بازی ان پر ہی الٹ دی گئی ہے۔"

"اب مجھے ایک مصرعہ سنانا پڑے گا۔ ایک معمّا ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔" میں نے کہا۔

"اس سے پہلے کہ وہ ہم سے بوب رافیل کے بارے میں کوئی استفسار کریں، ہماری وزارتِ خارجہ ان سے بوب رافیل کی نقل و حرکت کے بارے میں باضابطہ سوال کر چکی ہے۔"

"کیا انہیں کسی بین الاقوامی قانون کی رو سے ایسا اختیار حاصل ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یقیناً۔" اس نے پورے وثوق سے کہا "سفارتی مراعات کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ کسی رانڈ کے سانڈ کی طرح پورے ملک میں دندناتے پھریں۔ یہ معاملہ امریکا کا ہے اس لیے براہِ راست سوال نہیں کیا گیا۔ بات گھما کر پوچھی گئی ہے۔"

"تم بلاوجہ مجھے کیوں گھما رہے ہو؟ میں وہی سب جاننا چاہ رہا ہوں۔"

"انہیں بتایا گیا ہے کہ کراچی میں ایک مشتبہ غیر ملکی پکڑا گیا ہے۔ جس کے پاس سے اسٹیفن کوائے کے نام کا ٹکٹ برآمد ہوا ہے۔ وہ کبھی خود کو اسٹیفن کوائے کہتا ہے اور کبھی امریکی سفارت خانے کا بوب رافیل نامی سوشل منسٹر بن جاتا ہے۔ وہ تصدیق کریں کہ بوب رافیل اسلام آباد میں ہی موجود ہے تاکہ مشتبہ شخص سے سختی سے باز پرس کی جاسکے۔ اس کے پاس کوئی شناختی دستاویز نہیں ہے۔"

"واہ!" اس نکتہ آفرینی پر میرے ہونٹوں سے بے ساختہ داد نکلی "یہ بہت موزوں طریقہ ہے۔"

"ہمیں معلوم ہے کہ وہ ہر حال میں ایک بجے تک بوب رافیل کی طرف سے کسی رابطے کا انتظار کریں گے اس لیے یہ خط سوا بارہ بجے امریکی سفارت خانے میں دیا جا چکا تھا۔ اس سے پندرہ منٹ پہلے ایک پروٹوکول آفیسر نے فون پر اپنے امریکی ہم منصب سے بات بھی کی تھی۔ وہ فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکے۔"

"اس وقت ساڑھے بارہ بجے ہیں۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا "یہاں کا امریکی قونصل خانہ ہوٹل سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان پندرہ منٹ میں کوئی نہ کوئی جانچ پڑتال کے لیے ہوٹل پہنچ چکا ہوگا۔"

"ایک بجے تک وہ تذبذب میں رہیں گے۔" جلال کا لہجہ فاتحانہ ہو گیا "ان کی طرف سے بوب رافیل کے غائب ہونے کی تصدیق ہونے تک تم اس کی ہلکی پھلکی مرمت کر سکتے ہو۔"

"تمہاری ساری گفتگو کا نچوڑ آخری جملے میں ہے۔ وہ خبیث ابھی تک ہم سب کے لیے شجرِ ممنوعہ بنا ہوا تھا۔ اب میں اسے ایسی گھنی چوٹیں لگاؤں گا کہ وہ کسی کو دکھا بھی نہ سکے گا۔"

"اس بھول میں نہ رہنا۔" وہ میرے دعوے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہنسا "یہ لوگ بہت ڈھیٹ اور بے حیا ہوتے ہیں۔ ضرورت ہوئی تو بھری پریس کانفرنس میں وہ اپنے سارے کپڑے اتار دے گا۔"

"پاکستان اور بھارت آئے دن ایک دوسرے سے اپنے سفارت کاروں پر تشدّد کی شکایات کرتے رہتے ہیں۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ کسی بھی شخص نے اپنی شکایت کے ثبوت میں کپڑے اتارے ہوں۔"

"ہمارا کلچر مختلف ہے۔ یہاں صرف زخموں اور زخمیوں کی تصویروں کے اجرا پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ وہ کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔ آگے تمہاری مرضی ہے۔ جو چاہو کرو، ہم معاملہ سنبھال لیں گے۔"

میں نے مڑ کر دیکھا تو باتوں ہی باتوں میں، میں حامد وغیرہ سے بہت دور نکل آیا تھا۔ میں فوراً ہی واپسی کے لیے مڑ گیا اور فون پر جلال سے پوچھا "تم نے تالاب میں پہلا پتھر پھینک ہی دیا ہے تو ہمیں تیزی دکھانی پڑے گی...."

"ہاں! تمہارے پاس بس وہی وقت ہے جو وہ تذبذب میں گزار رہے ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا' وہ بہت سرعت اور شدّت سے ہوگا۔ حقیقتِ حال کو تسلیم کرتے ہی وہ بلبلانا شروع کردیں گے۔"

"کیا اسے کسی وقت صدف مینشن بھی منتقل کیا جاسکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا امکان نہیں ہے۔ سورج ڈھلنے سے پہلے شاید یہ قصہ نمٹ جائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم ذہنی طور پر اسے رہا کرنے کے لیے بالکل تیار رہو؟"

"اس معاملے میں' میں بالکل بے بساط ہوں۔ یہ اوپر کا فیصلہ ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"اس کی رہائی کراچی میں ہی عمل میں آئے گی یا اسے اسلام آباد لے جایا جائے گا؟"

"انہیں اچھی طرح ذلیل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کراچی میں رہا کیا جائے۔ یہ سب سوالات قبل از وقت ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہوگا وہ کس انداز میں اور کتنی شدت سے اس کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔"

"بوب رافیل کا ذکر شروع ہوتے ہی تمہارے لہجے سے تازگی جاتی رہی ہے۔" میں نے ہلکا سا طنز کیا۔

"یہ شب و روز کا معمول ہو کر رہ گیا ہے۔ اسی لیے جب کوئی برانہ ہاتھ آتا ہے تو دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے۔ تم موبائل فون پر رابطے میں رہنا۔ کوئی تبدیلی رونما ہوتے ہی میں تم سے بات کروں گا۔"

میں واپس پہنچا تو حامد اور ویرا کا پتا نہیں تھا۔ ایس ٹی ایف کے دو جوان تپتی دھوپ میں میرا انتظار کررہے تھے۔

ان کی نشان دہی پر میں ایک بیرک کے کمرے میں گیا تو بوب رافیل سیمنٹ کے ننگے فرش پر بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ اس کے قریب پانی سے بھری ہوئی دو بالٹیاں رکھی ہوئی تھیں اور ویرا ڈونگے بھر بھر کر اس کے چہرے پر پانی ڈال رہی تھی۔

"یہ کیا ہورہا ہے؟" میں نے کمرے میں قدم رکھتے ہی بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔

"وقت بچا رہی ہوں۔" ویرا نے اپنا کام روکے بغیر جواب دیا۔ "یہ مہمان مجرم ہے۔ پتا نہیں کب چلا جائے۔ اس لیے پہلے اسی کو ہوش میں لا رہی ہوں۔ سنا ہے غزالہ نے اس کے شانوں کی رگیں دبائی تھیں۔"

"میں جلال سے بات کررہا تھا۔ اس نے بوب کو کوٹنے کی آزادی دے دی ہے۔" میں نے بتایا۔

ویرا اپنے کام میں لگی رہی اور میں انہیں اسلام آباد کے ان واقعات سے آگاہ کرنے لگا جو جلال کے ذریعے میرے علم میں آئے تھے۔ انہیں دہراتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ امریکیوں کا ردِّعمل واقعی مدافعانہ اور پُراسرار سا تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ اس کی جیبوں میں رقم کے سوا کوئی شناختی کاغذ نہیں تھا۔" حامد نے بتایا "اپنے اصل نام کا ایک وزیٹنگ کارڈ اور اسٹیفن کوائے کے نام پر بنا ہوا ٹکٹ وہ خود حامد کے حوالے کرچکا تھا۔ ان دو متضاد چیزوں کے سوا اس کے پاس شناخت کے نام پر کوئی تیسری چیز نہیں تھی۔"

جب تک ویرا اس کے چہرے پر سادہ پانی انڈیلتی رہی' بوب رافیل نے اپنی پلکیں تک نہیں جھپکائیں لیکن جب فیلڈ میس سے یخ پانی لایا گیا تو دوسرا ڈونگا خالی ہونے سے پہلے اس نے جھرجھریاں لے کر اپنے پپوٹے پھڑکانے شروع کردیے۔ ویرا نے پورے استقلال سے اپنا کام جاری رکھا۔

تیسرا ڈونگا شروع ہوا تو بوب رافیل نے حلق سے خوف زدہ آوازیں نکالتے ہوئے آنکھیں جھپکائیں۔ ویرا نے ہاتھ روک لیا۔ بوب نے فرش پر ہاتھ مارے اور وہاں پھیلے ہوئے پانی کے چھپاکوں سے متوحش ہو کر ہوا میں یوں ہاتھ چلانے لگا جیسے ڈوبنے سے بچنے کی کوششیں کررہا ہو۔

ویرا نے اس کے پیٹ میں ایک ٹھوکر رسید کی اور غرائی۔ "ہوش میں آؤ ورنہ میں تمہارا چہرہ ادھیڑ دوں گی۔"

بوب رافیل چیخ مار کر تکلیف سے دہرا ہوگیا مگر اس کی یادداشت تیزی سے بحال ہورہی تھی۔ سر پر منڈلاتے ہوئے سنگین خطرے کا ادراک کرکے وہ فوراً ہی فرش پر بیٹھ گیا۔

ویرا نے اس کے گیلے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر اسے اپنے قدموں پر کھڑا ہونے پر مجبور کردیا۔

اس کے بھیگے ہوئے بال کھوپڑی پر اسی طرف چپکے ہوئے تھے جس طرف کی کروٹ سے وہ فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کا لباس شرابور ہو کر بدن سے چپکا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے وہ کسی تالاب یا دریا کی تہ میں سوتے سوتے اچانک باہر نکل آیا ہو۔

"تم لوگ کون ہو؟ میں کہاں ہوں؟" اس نے سہمی سہمی نظروں سے اپنے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے' خوف زدہ لہجے میں زبان کھولی "تم میرے ساتھ ایسا وحشیانہ سلوک کیوں کررہے ہو؟"

ویرا ہونٹ بھینچے اس کی بات سنتی رہی۔ جوں ہی وہ خاموش ہوا' ویرا نے اس کے پیٹ میں الٹا ہاتھ رسید کیا اور وہ اوغ کی آواز نکال کر آگے جھکتا چلا گیا۔ ویرا نے ماہرانہ انداز میں اپنی بائیں کلائی اس کی ٹھوڑی کے نیچے پھنسا کر' اوپر کی طرف زوردار جھٹکا دیا اور وہ جھکتے جھکتے' کراہ کر پھر سیدھا ہونے پر مجبور ہوگیا۔

"کتیا کے بچے! سچ سچ بتاؤ کہ تم اکرم الٰہی سے کیوں ملنے آئے تھے؟" پے در پے کئی جھٹکے دینے کے بعد ویرا نے اپنا پہلا سوال کیا۔

"اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"میں کسی ایکرم ایلائی کو نہیں جانتا۔" اس نے بھرائی ہوئی

آواز میں ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا۔

ویرا نے پہلی بار اس پر اپنی پوری طاقت استعمال کی اور کمرا طمانچے کی آواز سے گونج اٹھا۔

بوب رافیل اپنے قدموں پر لڑکھڑا کر رہ گیا اور اس کی زبان سے مغلظات کا ایک طوفان امڈ پڑا۔

وہ جس انداز میں ویرا کے ہاتھوں پٹ رہا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کتنا ہی مکّار اور چالاک کیوں نہ ہو، لڑاکا ہرگز نہیں تھا اور کوئی بے پروایانہ ضرب اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتی تھی۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی، گھڑی کی سوئیاں دھیرے دھیرے ایک بجانے کے سفر میں مصروف تھیں۔ میں اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔

وہ آدھی آستینوں کی جس بش شرٹ اور پتلون میں تھا، وہ پانی میں شرابور ہو رہی تھیں۔ انہیں سکھانے کے لیے کافی وقت درکار تھا۔ اگر جلال ہنگامی طور پر اس کی طلبی کا کوئی پیغام دے بیٹھتا تو اسے اس حلیے میں واپس لے جانا قرین مصلحت نہیں تھا۔ کوئی قابلِ ذکر تشدد ہونے سے پہلے ہی اس کی حالت قابلِ رحم نظر آ رہی تھی۔

"ویرا! تم دفتر میں جاؤ۔ اسے ہم دیکھ لیں گے۔" میں نے ایک نتیجے پر پہنچنے کے بعد اردو میں کہا۔

"یہ پٹنے کے معاملے میں بالکل اناڑی ہے۔ میں بہت نزاکت سے اس کا جوڑ جوڑ ہلا دوں گی۔"

"میں نے پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا۔" حامد نے تعریفی لہجے میں اس کی حوصلہ افزائی کی "مادام کے ہاتھ پیروں میں بجلی کی سی پھرتی ہے۔ مارشل آرٹس کے ایسے ماہر میں نے کم ہی دیکھے ہیں۔"

میں نے لمحہ بھر کے لیے حامد کو گھورا اور وہ سٹپٹا گیا پھر میں تلخ لہجے میں ویرا سے مخاطب ہو گیا "بے جا ضد نہ کیا کرو۔ اس وقت یہ کوئی مظلوم آبی مخلوق نظر آ رہا ہے۔ ہمیں اس کے کپڑے سکھانے کی ضرورت ہے۔"

ویرا نے برا سا منہ بنایا اور کچھ کہے بغیر اس کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

کپڑے اتارنے کے حکم پر وہ مچل گیا۔ حامد نے فوراً ہی اپنے آدمیوں کو طلب کر لیا۔ انہوں نے بوب رافیل کو گیلے کمرے سے برآمدے میں لے جا کر اس کی بش شرٹ اور پتلون اتار لی۔ وہ بنیان اور انڈرویر میں کھڑا رہ گیا۔

"اس کے کپڑے نچوڑ کر استری سے سکھا لاؤ اور اسے دھوپ میں کھڑا کر دو۔" میں نے حامد کے آدمیوں کو ہدایت دی۔ ایک شخص بوب کے گیلے کپڑے لے کر چلا گیا۔ دوسرے اسے کھلے میدان میں ہانک لے گئے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا!" حامد نے مایوسی سے کہا "دو چار تھپڑوں سے اس کا کیا بھلا ہوا ہوگا؟"

"اسے مار کر اپنا دل ٹھنڈا کر لو۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ زبان نہیں کھولے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"میں آپ سے بالکل متفق ہوں لیکن اسے سبق تو ملنا ہی چاہیے۔"

"ٹوٹ پھوٹ، نیل اور زخم کا خیال رکھنا۔ اس کے سوا تمہیں کھلی چھوٹ ہے۔"

"تھینک یو سر! ڈمی پریکٹس کے بجائے زندہ دشمن پر ہاتھ پیر چلانے کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ دیکھنے سے آپ کو بالکل پتا نہیں چلے گا کہ اس کی رگڑائی کی گئی ہے۔" اس نے ممنونیت سے کہا اور برآمدے سے اترنے لگا۔

میں پلٹ کر اول خان کے دفتر کی طرف چل دیا جو اس وقت حامد کے تصرف میں تھا۔

دفتر میں ویرا جلی بھنی بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی "سکھا دیے اس کے کپڑے؟"

"تم ہمارے ساتھ شریک نہیں تھیں اس لیے بہت سی باتوں سے بے خبر ہو۔" میں نے مصالحانہ لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے پھر بولنے لگی۔

"اب اس کے بال سنوار کر تازہ شیو بھی کر ڈالو۔ یہی ناز برداریاں کرنی تھیں تو اسے یہاں کیوں لائے تھے؟ ہوٹل میں ہی کسی وی آئی پی کمرے میں بند کر دیا ہوتا۔"

وہ غیر ضروری طور پر تنک مزاجی کا مظاہرہ کر رہی تھی جسے میں خندہ پیشانی سے برداشت کرتا رہا۔ اس نے بالکل غیر متوقع طور پر اکرم الٰہی کو پکڑ کر ایک ایسا کارنامہ انجام دیا تھا کہ اس کے انعام میں ویرا کے سونخرے بھی نظرانداز کیے جا سکتے تھے۔ تھوڑی دیر کی تکرار کے بعد اس کا جوش خود بخود ٹھنڈا ہو گیا۔

شاید اس کے سکون کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ میدان کی طرف سے بوب رافیل کی بے ساختہ اور دردناک چیخیں سنائی دینے لگی تھیں۔ اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ نہ سہی تو کوئی اور اکرم الٰہی کو تختۂ مشق بنائے ہوئے تھا۔

ڈیڑھ بجے تک کہیں سے کوئی اطلاع نہیں آئی تو مجھے تشویش ہونے لگی۔

ہوٹل کی نگرانی پر مامور، ایس ٹی ایف کے تین آدمیوں کی خاموشی اس اعتبار سے قابلِ فہم تھی کہ وہ ایک مصروف ہوٹل پر تعینات کیے گئے تھے جہاں آنے جانے والے گاہکوں میں ہر خطے کے سفید فاموں کی بھاری تعداد شامل ہوتی تھی۔ اس بھیڑ میں ان کے لیے یہ سراغ لگانا کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ وہاں کون کس نیت سے آیا تھا۔

وہ کوئی کھلی لڑائی نہیں تھی جس میں دوست، دشمن سب سامنے ہوتے ہیں۔ عین ممکن تھا کہ قونصل خانے سے چند ایجنٹ

چائے یا کافی پینے کے بہانے ہوٹل کے ریستوران میں پہنچے ہوں اور بالا ہی بالا وہاں سے مطلوبہ معلومات سمیٹ کر خاموشی سے واپس چلے گئے ہوں۔

اگر پس پردہ ایسی کوئی کارروائی کی گئی تھی تو ہمارے بے خبر رہنے کے باوجود کہیں نہ کہیں سے اس کا ردِّعمل ضرور ظاہر ہونا چاہیے تھا۔ کم از کم اسلام آباد میں ہی کوئی ہلچل ہونی چاہیے تھی۔ امریکیوں کو اعتراف کرلینا چاہیے تھا کہ بوب رافیل غائب تھا۔ اسی کے ساتھ ان کی طرف سے اسٹیفن کوائے سے ملاقات کا مطالبہ سامنے آجانا چاہیے تھا۔

بوب رافیل نے اپنے آدمیوں کو ایک بجے کی ڈیڈ لائن دی تھی۔ اسٹیفن کوائے اور بوب رافیل کی دہری شناخت رکھنے والے مشتبہ سفید فام کی گرفتاری کی خبر مل جانے اور ایک بجے کا مقررہ وقت گزر جانے کے بعد ان کی خاموشی حیرت انگیز تھی۔ جلال کا یہ اندازہ کہ ایک بجے کے بعد واقعات میں سرعت اور شدت پیدا ہوجائے گی' غلط ثابت ہورہا تھا۔

کچھ دیر بعد حامد بھی لوٹ آیا "وہ واقعی بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے۔ اس نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ اپنے سفارت خانے سے رابطہ کیے بغیر زبان نہیں کھولے گا۔"

"اب اسے دوبارہ کسی کمرے میں بند کرادو تو بہتر رہے گا۔" میں نے کہا۔

"وہ کمرے میں پہنچا دیا گیا ہے۔ ہم نے اسے اتنا موقع نہیں دیا کہ وہ یہاں کا جائزہ لے کر کوئی بات ذہن نشین کرسکے۔ اس کی رہائی کے بعد بھی یہ بات پوشیدہ رہنی ضروری ہے کہ وہ کہاں قید تھا۔"

میں بے اختیار مسکرا دیا۔ میرے ذہن میں بھی وہی ایک بات چکرا رہی تھی۔

"اس کے کپڑے سوکھنے کے کس مرحلے سے گزر رہے ہیں؟" ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"دھلنے اور سوکھنے کے بعد اس کے بدن پر واپس پہنچ چکے ہیں۔ اس کی بش شرٹ پر بہت داغ دھبے آگئے تھے۔ وہ دھلے بغیر پہننے کے قابل نہیں رہی تھی۔" حامد نے ادب سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اب میں اس سے مل سکتی ہوں!" ویرا کی جواب طلب نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

"بالکل۔" میں نے کھلے دل سے کہا "بس اس پر ہلکا ہاتھ رکھنا۔ یہ خیال رہے کہ حامد پہلے ہی اس کی اچھی خاصی خاطر تواضع کرچکا ہے۔"

"میں مرے ہوئے کو مارنے کی قائل نہیں ہوں۔" اجازت ملتے ہی اس کے پتلے پتلے لبوں پر ساحرانہ مسکراہٹ کھیلنے لگی "میں اس سے کچھ مذاکرات کرنے جارہی ہوں۔"

میں نے اس کا پیچھا نہیں کیا۔ خود کو اس پر مسلط کرکے بدمزگی کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا۔

دو بجے فون کی گھنٹی بجی۔ حامد نے ریسیور اٹھایا۔ سلام دعا کے بعد وہ دوسری طرف کی بات سنتا اور وقفے وقفے سے یس سر' یس سر کہتا رہا پھر اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

وہ اول خان کی کال تھی۔ میری آواز سنتے ہی وہ تحیرزدہ آواز میں بولنے لگا "کل شام کو حامد سے میری بات ہوئی تھی تو سب کچھ وہی تھا جو میں چھوڑ کر آیا تھا' آج میں اسلام آباد میں ہوں۔ یہاں پتا چلا ہے کہ کراچی میں بساط بالکل ہی بدل گئی ہے۔ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

"جو ہونا تھا وہ ہوچکا۔ اب تو صرف انتظار ہورہا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری واپسی کب ہورہی ہے۔"

"کیوں؟" میرے سوال پر اس کی آواز تیز ہوگئی "کیا حامد سے تمہیں پورا تعاون نہیں مل رہا؟"

"حامد نے حق ادا کردیا۔" میں نے کسی مبالغے کے بغیر جواب دیا "یہ ساتھ نہ دیتا تو ہم ذرا سی بھی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ اس وقت ہم تین قیدیوں کے ساتھ یہاں موجود ہیں۔"

"یہ میں سن چکا ہوں۔ وہ لوگ بوب رافیل کے معاملے میں کیوں خاموش ہیں؟"

"اس کا جواب وہی دے سکتے ہیں۔ مجھے شبہ سا ہورہا ہے کہ کہیں انہوں نے اپنی ساکھ بچانے کے لیے بوب رافیل کو قربانی کا بکرا بنانے کا فیصلہ نہ کرلیا ہو۔"

"ان معاملات میں ایسا نہیں ہوتا۔" اول خان کا لہجہ بے اعتباری لیے ہوئے تھا "ایک شخص کو بیچ منجدھار میں یوں بے یارو مددگار چھوڑ دیا جائے تو پوری سروس میں بددلی پھیل سکتی ہے۔"

"وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی خاموشی پراسرار ہوتی جارہی ہے۔ جلال ہی اس معاملے پر کوئی روشنی ڈال سکتا ہے۔ چاہو تو اس سے پتا کرکے مجھے بھی کچھ بتاؤ۔ ہم یہاں بالکل بے خبر بیٹھے ہیں۔"

"یہاں بھی ہر طرف حیرت اور خاموشی کا راج ہے۔ جب سے مجھے کراچی کے بارے میں اطلاعات ملی ہیں' میں جلال سے رابطے میں ہوں۔ اپنے کام کے ساتھ اسے بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"تو کیا تمہارے چیف کو اس بارے میں کچھ علم نہیں تھا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ہر حساس معاملے سے باخبر رہتا ہے لیکن اس بارے میں میری اس سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ کسی اور معاملے میں بُری طرح الجھا ہوا ہے۔"

"امریکی شاید خاموش بیٹھے ہماری طرف سے کسی غلطی کے ارتکاب کا انتظار کررہے ہیں۔" میں نے پرخیال لہجے میں کہا "یہ غلطی جو بھی ہو' اس کا نقصان بوب رافیل کو براہ راست پہنچے گا...."

"ہماری غلطی سے انہیں کوئی فائدہ کیسے پہنچ سکتا ہے۔" اول

خان نے اعتراض کیا۔
"فرض کرو کہ بوب رافیل ہمارے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔" میں نے کہا "اس وقت سارا زور اس کی موت پر آجائے گا۔ یہ بات دب جائے گی کہ وہ کہاں سے اور کن حالات میں پکڑا گیا تھا۔"
"تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔ اس وقت وہ بہت خراب پوزیشن میں ہیں۔ اسے قربانی کا بکرا بنا کر وہ واقعی بہتر پوزیشن میں آجائیں گے۔ ہمیں ایسی کسی غلطی سے بچنا چاہیے۔"
"ہم بہت محتاط ہیں۔ ان کو جواب کی یاددہانی کرا کے یہ جتانا ضروری ہوگیا ہے کہ ہم ان کے جال میں پھنسنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ ان سے بارہ بجے رافیل کی موجودگی کے بارے میں پوچھا گیا تھا۔"
"یاددہانی ہی سب سے بہتر رہے گی۔" اس نے اتفاق رائے ظاہر کیا "انہیں معلوم ہوجائے گا کہ بوب رافیل پر تھرڈ ڈگری آزمانے سے پہلے ہم ان کے جواب کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

وہ عجیب پُر پیچ صورتِ حال تھی۔ مجرم ہٹ دھرمی پر اتر آیا تھا' اس کے مربیوں نے چپ سادھ لی تھی' ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ جمود کیسے ختم ہوگا۔
اول خان سے گفتگو ختم ہونے کے بعد پھر انتظار کا سلسلہ شروع ہوگیا۔
کچھ دیر بعد ویرا واپس آگئی۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کامیاب لوٹی ہے۔ شاید حامد نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس کی موجودگی میں ویرا میرے ساتھ محتاط رہ کر گفتگو کر رہی تھی۔ اس نے دروازے میں ویرا کی جھلک دیکھتے ہی اپنی کرسی چھوڑی اور دفتر سے نکلتا چلا گیا۔
"معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تیر مار کر آئی ہو۔" میں نے ٹانگیں پسار کر کہا۔
"اپنی دانست میں وہ اپنی ضد پر اڑا رہا ہے لیکن میں نے اکرم الٰہی کے حوالے سے اسے چرکے دے دے کر کچھ نہ کچھ اگلوا لیا ہے۔ میں شرط لگاسکتی ہوں کہ بوب رافیل' اکرم الٰہی کے خلاف کوئی خطرناک ارادہ لے کر کراچی کے دورے پر آیا تھا۔ اس کے ایک ایک لفظ سے بغض و عناد کی بو آرہی تھی۔"
"سلطان شاہ یہی شکایت کرتا ہے کہ تم اپنے مخاطب کو بلاوجہ سلگانے کے فن میں طاق ہو۔"
"سلطان شاہ... ایک بگڑا ہوا نابالغ بچہ ہے۔ میں اس کی پروا نہیں کرتی...."
"یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔" میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی "یہ بتاؤ کہ تم بوب رافیل کو سلگا کر کیا کچھ اگلوا سکی ہو۔ وہ اکرم الٰہی سے کیوں ملنے آیا تھا۔"
"میں نے اسے بتایا کہ اکرم نے اس کی ساری پول کھول دی ہے۔ میرا یہ جھوٹ کارگر رہا اور اس کی زبان چل پڑی۔ وہ اکرم الٰہی کو پکا بلیک میلر قرار دے رہا تھا۔"
"یہ اس کی رائے ہوسکتی ہے جس سے ہمارا متفق ہونا بالکل بھی ضروری نہیں۔ اصل حقیقت کا اندازہ اسی وقت ہوسکے گا جب ہم اکرم الٰہی کی کہانی بھی سن لیں گے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔
"اکرم' فورڈ فاؤنڈیشن اور دوسرے امریکی اداروں سے لمبی لمبی رقمیں وصول کرتا رہا ہے اور یہ بھاری رقوم مطلوبہ مقاصد پر صرف کرنے کے بجائے ذاتی استعمال میں لاتا رہا ہے۔ فاؤنڈیشن کے وائس چیئرمین نے جب بھی اس کا کوئی مطالبہ پورا کرنے سے انکار کیا' اس نے فورڈ فاؤنڈیشن کی خفیہ سرگرمیوں کی فائل مشتہر کرنے کی دھمکی دے کر اپنا مطالبہ منوالیا۔"
"اس کا مطلب یہ ہوا کہ فاؤنڈیشن کچھ ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہے جن کی تشہیر سے اس کی ساکھ اور نیک نامی کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور اکرم الٰہی اس حقیقت سے فائدہ اٹھاتا رہا ہے۔"
"ہر ادارے کی کچھ نہ کچھ خفیہ سرگرمیاں ہوتی ہیں۔ اکرم الٰہی کو فیکس اور ٹیلکس پر جو بھی ہدایات دی جاتی تھیں' وہ ہدایات کے مطابق انہیں ضائع کرنے کے بجائے محفوظ کرلیتا تھا۔ وائس چیئرمین کو اس کی مجرمانہ ذہنیت کا اندازہ ہوا تو دیر ہوچکی تھی۔ اس کے بعد دو احتیاطی تدابیر اختیار کی گئیں۔ پہلی یہ کہ اکرم الٰہی کی آواز محفوظ کرلی گئی تاکہ اس کے نام سے کوئی اور فاؤنڈیشن سے فراڈ نہ کرسکے۔ اسی وجہ سے مقبول چوہدری اسے زندہ رکھنے پر مجبور تھا۔" میں سمجھ گیا کہ مقبول چوہدری کے بارے میں کہا گیا فقرہ ویرا کی ذاتی رائے پر مبنی تھا بوب رافیل ایسی کوئی بات کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔
"دوسری احتیاط یہ کی گئی کہ اکرم یا فریڈم انٹرنیشنل سے مراسلت کا سلسلہ ختم کردیا گیا۔" ویرا نے اپنی بات جاری رکھی۔ "اسے ہر پیغام فون پر دیا جانے لگا مگر پھر بھی فورڈ فاؤنڈیشن والے پچھلے ریکارڈ کی وجہ سے اکرم الٰہی کے مطالبات پورے کرنے پر مجبور تھے۔ ان کے لیے ساکھ کی قیمت چند لاکھ ڈالرز سے بہت زیادہ ہے۔"
"ساکھ!" میں تحقیر آمیز انداز میں ہنسا "ان کی ساکھ اب کوئی راز کی بات نہیں ہے۔ وہ جب چاہتے اکرم الٰہی کی بلیک میلنگ سے چھٹکارا حاصل کرسکتے۔ اس کے لیے صرف ایک گولی کافی ہوتی۔"
"وہ شاید یہ بھی کر گزرتے لیکن بوب رافیل کے کہنے کے مطابق اکرم الٰہی بہت عیار ہے۔ اس نے وہ فائل کسی خفیہ مقام پر رکھی تھی اور فاؤنڈیشن کے وائس چیئرمین کو یہ بتادیا تھا کہ اس کی موت غیر فطری انداز میں ہوئی تو اس کا سارا نقصان فاؤنڈیشن کو پہنچے گا۔ اکرم الٰہی کی ناگہانی موت پر' اس کے ہمدرد خفیہ مشتہر ختم کردیتے۔"
"حیرت ہے کہ بوب رافیل نے یہ سب اتنی تفصیل سے اگل

دیا!" میں نے کہا۔
"وہ جھلا کر مختصر جواب دے رہا تھا۔ اس کے ہر جواب میں اکرم الٰہی کی کوئی نہ کوئی خامی پنہاں تھی۔ ان جوابات کو ترتیب اور تفصیل سے میں نے خود جوڑا ہے۔"
اگر وہ سب درست تھا تو اکرم الٰہی کو بے بس بلکہ قید کر لینے کے بعد وہ فائل مقبول چوہدری کے قبضے میں ہونی چاہیے تھی۔ فائل کی تشہیر یا فاؤنڈیشن کو واپسی خود مقبول چوہدری کے حق میں نہ ہوتی کیونکہ وہ پیسے کا لالچی تھا۔ بلیک میلنگ کا سبب ختم ہو تا تو شاید فورڈ فاؤنڈیشن اور فریڈم انٹرنیشنل کے مراسم ہی منقطع ہو جاتے۔ بھاری آمدنی کے اس ذریعے کو مقبول اپنے ہاتھوں سے ختم نہیں کر سکتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ایسی کوئی فائل تھی تو مقبول ہی کے قبضے میں تھی۔
"مجھے خوشی ہے کہ تم نے بوب سے اتنی باتیں اگلوالیں۔ وہ اور بھی بہت کچھ جانتا ہوگا۔"
"یہ ایک پہلو تھا۔ دوسری کہانی بھی چونکا دینے والی ہے۔" ویرا مسکرا کے بولی۔
"اوہ! تو کچھ اور بھی باقی ہے۔" میں اپنی کرسی میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔
"جی ہاں!" ویرا نے اپنی گردن ہلائی "فریڈم انٹرنیشنل کی آڑ میں اکرم الٰہی ہیروئن کا ریکٹ بھی چلا رہا تھا۔"
"نہیں!" میں نے بے اعتباری سے کہا "اس قصّے میں ہیروئن کہاں سے آگئی۔"
"اسے امریکا کی ایک سوسائٹی سے اس مقصد کے لیے سرمایہ فراہم کیا جا رہا تھا کہ وہ پاکستان کے راستے امریکا کو ہیروئن کی ترسیل کو روکے۔ اس نے ادھر کا رخ کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ ہیروئن کی اسمگلنگ میں بے اندازہ دولت ہے۔ اپنے مقصد کو بھول کر وہ خود اس کاروبار میں ملوث ہوتا چلا گیا۔"
"یہ بوب کے ذہن کی اختراع معلوم ہوتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔
"اس کے الزام میں جان ہے۔ تم شی کو کیوں بھول رہے ہو۔ وہ بھی ایک سوسائٹی ہی تھی جو ہیروئن کے انسداد کے لیے قائم کی گئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں سے شی کے قدم اکھڑنے کے بعد وہی کام کچھ این جی اوز کو سونپ دیا گیا ہو۔" ویرا کے پاس مدلل جواب موجود تھا۔
"یعنی امریکا میں ہیروئن کی اسمگلنگ روکنے کے لیے یہاں اس کی کھپت پیدا کی جائے؟"
"بالکل۔ شی کا مشن یہی تھا۔" ویرا نے زور دے کر کہا۔ "پاکستان میں شی ختم ہو چکی ہے لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں ہیروئن کا استعمال بہت تیزی کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔"
"یہاں ہیروئن کے استعمال میں اضافے کی شرح واقعی بھیانک ہو چکی ہے لیکن اس بارے میں تم جو کچھ کہہ رہی ہو، اس میں کھلا تضاد موجود ہے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔
"تم امریکیوں کو نہیں جانتے۔" ویرا نے اصرار کیا "میرے بیان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ یہ لوگ تیسری دنیا کے ملکوں میں حکومتوں اور عوام کی مدد کے نام پر این جی اوز کی سرپرستی کر کے ایک مفاد پرست طبقے کی پرورش کر رہے ہیں جو دولت حاصل کرنے کے لیے کسی بھی جائز یا ناجائز مقصد کے لیے کام کرنے پر تلا رہتا ہے۔ اگر تم زیادہ گہرائی میں جاؤ تو اندازہ ہوگا کہ یہ طبقہ اپنے مفادات کی وجہ سے امریکا کا سب سے بڑا وفادار ثابت ہوگا۔"
"یہ سب درست ہے لیکن تم کہہ رہی ہو کہ اکرم الٰہی اپنے مقصد کو بھول کر خود ہیروئن کی اسمگلنگ میں شریک ہو گیا تو پھر یہاں ہیروئن کا استعمال کیوں بڑھ رہا ہے؟"
"یہ بات میں نے نہیں، بوب رافیل نے کہی ہے۔" ویرا نے لحہ بھر توقف کے بعد کہا "اچھائی کو فروغ دینے کے لیے بہت سخت محنت کی ضرورت پڑتی ہے مگر بدی اور بد عادتوں کے لیے صرف تخم ریزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ برائی کا بیج بو دو۔ اس میں سے جو کچھ پھوٹتا ہے اکاس بیل کی طرح تیزی سے پھیلتا چلا جاتا ہے۔"
"ہیروئن خود بخود نہیں پھیل رہی، اسے وہ لوگ پھیلا رہے ہیں جو دولت کی جھنکار سننے کے لیے موت کی سوداگری پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کی گردنیں اتار لو، ہیروئن کا فروغ تھم جائے گا۔"
"بوب رافیل از خود کچھ اگلنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس کے جلے کٹے تبصروں سے میں نے جو نتائج اخذ کیے، تمہارے سامنے رکھ دیے۔ اکرم الٰہی کے اصل کرتوتوں پر سے مقبول پردہ اٹھائے گا۔"
"وہ گھر کے قیدی ہیں۔ بوب کا قضیہ نمٹے تو ان دونوں سے پرسکون طریقے سے باز پرس کی جائے گی۔"
"یہ کام میں اس وقت بھی شروع کر سکتی ہوں۔ میرے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ہے۔"
میں نے اسے گھورا اور اسی لمحے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔
اس بار جلال نے فون کیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ہمارے سارے اندازے دھرے رہ گئے .... یہ معاملہ بہت اونچی سطح تک گیا ہے۔ اب بوب رافیل کو ہاتھ بھی نہ لگانا!"
"کہو تو اس سے پچھلے سلوک بلکہ بدسلوکیوں کی معافی بھی مانگ لیں!"
"اب تک جو کچھ ہوا ہے، اسے بھول جاؤ۔ آئندہ کے لیے احتیاط سے کام لو۔ ابھی تک کسی خبر کی تصدیق نہیں ہوئی لیکن زبردست افواہیں گردش میں ہیں۔ مجھے اوپر سے صرف اتنا حکم ملا ہے کہ بوب کی رہائی کی تیاری کر لی جائے۔"
"دفترِ خارجہ کے خط کا کیا جواب ملا ہے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔ مقامی سطح پر انہوں نے مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ سنا ہے کہ واشنگٹن میں امریکی صدر کو صبح چار بجے نیند سے بیدار کرکے بوب رافیل والے معاملے سے آگاہ کیا گیا تھا۔"

"اگر میری یادداشت درست ہے تو واشنگٹن کا وقت ہم سے دس گھنٹے پیچھے ہے یعنی یہ واقعہ ہمارے وقت کے مطابق ابھی دوپہر کے دو بجے پیش آیا ہوگا۔ کیا تمہیں یہ خبر واشنگٹن سے ملی ہے؟"

میرے لہجے میں موجود ہلکا سا طنز اس سے پوشیدہ نہ رہ سکا اور اس کی خفت آمیز آواز آئی "میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اسلام آباد میں ہوش ربا افواہیں پھیلی ہوئی ہیں۔"

"تو کیا واشنگٹن والی خبر بھی ان افواہوں کا حصہ ہے؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"میں امریکی صدر کی خواب گاہ میں نہیں تھا اس لیے سنی سنائی باتیں ہی تم تک پہنچا سکتا ہوں۔"

"تلخی تھوک دو۔ مذاق کا برا نہیں مناتے۔ ہر افواہ کے پیچھے کوئی نہ کوئی خبر ضرور ہوتی ہے۔"

"کہا جارہا ہے کہ امریکی صدر نے معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اسی وقت اپنے مشیروں کو طلب کیا اور غور و خوص کے بعد ہمارے وزیراعظم سے فون پر براہِ راست بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔"

"اوہ!" میں اس انکشاف پر حیرانی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔ "ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ واشنگٹن کے لیے بوب رافیل کی ذات اتنی اہم ہوسکتی ہے۔"

"وہ انتہائی بد ذات ہے۔ یہ معاملہ اس کی ذات سے زیادہ امریکا کی پوزیشن کا ہے۔ رابن مائروالے معاملے کے بعد وہ مزید سبکی سے بچنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے پسپائی کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"مگر یہ خاموش پسپائی کس طرح ممکن ہوسکی؟" میرا ذہن جلال کے کیے ہوئے انکشافات کے گہرے جھٹکے سے فوری طور پر سنبھلنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔

"بس قیاس ہی کیا جاسکتا ہے۔ اعلیٰ ترین سطح پر اگر ہلکی سی معذرت بھی کرلی جائے تو بڑی سے بڑی بات پل بھر میں ختم ہوسکتی ہے۔ کچھ ایسا ہی ہوا ہوگا۔ امریکی صدر معذرت کیے بغیر بوب رافیل کی گلو خلاصی کی درخواست نہیں کرسکتا تھا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "ایسی صورت میں درخواست کو رد کرنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔ کیا وزیراعظم کو شروع سے اس معاملے سے باخبر رکھا گیا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ غیر ملکی سفارت کاروں سے تعلق رکھنے والے ہر قابلِ ذکر واقعے کی سب سے پہلی بریفنگ پرائم منسٹر ہاؤس ہی بھیجی جاتی ہے۔"

"کیا اس کی رہائی کا حکم وہیں سے جاری کیا گیا ہے؟" میرا تجسس دور نہیں ہورہا تھا۔

"افواہوں کی شدت میں کہیں سے صحیح خبر نہیں مل رہی۔ مجھے چند منٹ پہلے اپنے ڈائریکٹر جنرل کا زبانی حکم ملا ہے۔ یہ تازہ ترین واقعہ ہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد ہی حقائق سامنے آسکیں گے۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جب ویانا کنونشن کے مطابق بوب رافیل کو ہر حال میں رہائی مل ہی جانی تھی تو امریکی صدر کو حرکت میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا تمہیں یہ بات غیر معمولی محسوس نہیں ہوتی؟"

"ابھی صرف افواہیں ہیں۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "اگر ان کی تصدیق ہوجاتی ہے تو جواز ہمارے سامنے موجود ہے۔ وہ محض اپنے سفارتی استحقاق کی بنا پر رہا ہوتا تو پریس اس معاملے کو اچھالتا' سب کچھ ریکارڈ پر آجاتا۔ دونوں حکومتوں کے درمیان سفارتی سرد مہری پیدا ہوسکتی تھی۔ امریکا کی عالمی رسوائی الگ ہوتی۔ ہوسکتا ہے کہ ان تمام تلخ اثرات سے بچنے کے لیے بالائی سطح پر چند منٹ کی ایک فون کال کو ترجیح دی گئی ہو۔"

"تو کیا اب اس کی رہائی خاموشی سے عمل میں آئے گی؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔

"یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ افواہیں درست ہیں تو یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ پریس میں اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں آنے پائے گا۔" اس کا لب و لہجہ بہت محتاط تھا۔

"کیا یہ غنڈا گردی بلکہ دادا گیری نہیں ہے؟" میری آواز میں مایوسانہ تلخی اتر آئی "علاقے کے دادا گیر بھی یہی کرتے ہیں۔ کسی کو دھمکانا ہو تو اپنے کارندوں کو بھیجنے کے بجائے خود موقع پر پہنچ کر اپنا فیصلہ سنا دیتے ہیں۔ یہ کرسی یہاں سے ہٹالو۔ ان کا مخاطب جانتا ہے کہ اس نے کرسی نہ ہٹائی تو اس کا انجام کیا ہوگا...."

"تم بہت دور چلے گئے۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ایسا ہوتا رہتا ہے۔ تم یقین کرو کہ افواہیں درست ثابت ہوئیں تو مجھے خوشی ہوگی۔ اس میں ہماری بہت بڑی اخلاقی فتح ہوگی۔ ہم نے اپنی کاوشوں سے انہیں پاکستان میں اس حال کو پہنچا دیا کہ امریکا کی عزت بچانے کے لیے وہاں کے صدر کو ہمارے سربراہ سے رجوع کرنا پڑا۔"

"شاید میری کھوپڑی ہی الٹی ہے جو میں تصویر کو دوسرے رخ سے دیکھتا ہوں!"

"میں تم سے زیادہ حساس طبیعت کا مالک ہوں لیکن میں ذرا بھی مایوس یا افسردہ نہیں ہوں۔ دراصل تم امریکیوں سے اس قدر نالاں ہو کہ تمہیں ان کی ہر حرکت میں سازش اور مکاری کی بو آتی ہے۔"

"تو کیا حقیقت میں ایسا نہیں ہے؟" میں نے مجروح لہجے میں سوال کیا۔

"مان لو کہ کم از کم اس بار ایسا نہیں ہے۔ یہ معاملہ بہت

باعزت انداز میں طے ہونے جا رہا ہے۔"
"تم کہتے ہو تو میں مانے لیتا ہوں۔" میں نے بے چارگی سے کہا۔
"یہ بتاؤ کہ اب محترم و معظم بوب رافیل صاحب کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہیں کہاں پہنچایا جائے؟"
"کہیں نہیں۔ میرے دونوں افسر اسٹیشن فور کے لیے نکل چکے ہیں۔ وہ تمہارے پاس رکیں گے۔ میں پوزیشن واضح ہوتے ہی تم لوگوں کو بتاؤں گا کہ بوب رافیل کی رہائی کہاں اور کس طریقہ کار سے عمل میں آئے گی۔"
"کیا اول خان کو اس تازہ ترین تبدیلی کا علم ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"وہ میرے رابطے میں ہے مگر ابھی یہ بات اس کے علم میں نہیں ہے۔ ہدایات ملنے کے بعد میں نے سب سے پہلے تمہیں فون کیا ہے کیونکہ اس وقت تم ہی بوب رافیل کے نگران اعلیٰ ہو۔"
"اور کچھ ہو یا نہ ہو، کم از کم ایک پیش گوئی پوری ہوگئی کہ بوب کا معاملہ آج سورج غروب ہونے سے پہلے نمٹ جائے گا۔ اس میں عزت ملتی ہے یا ندامت ہاتھ آتی ہے، یہ تم جانو اور تمہارا کام جانے۔"
"ہاں، یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ زیادہ سوچ سوچ کر اپنا خون نہ سلگاؤ۔ میں ایک مدت سے سرکاری ملازمت کر رہا ہوں۔ جب اپنی مرضی کے خلاف فیصلوں پر عمل کرنا پڑتا ہے تو آدمی ایسے ہی ڈپریشن سے دوچار ہوتا ہے مگر میں اس وقت مطمئن ہوں۔ تم بلاوجہ سوچ سوچ کر بال کی کھال نکالے جا رہے ہو۔ میرے اگلے فون کا انتظار کرو۔ شاید میں تمہاری مزید تسلی کرا سکوں۔"
جلال نے میری دل جوئی کے لیے ایک چھوٹی سی تقریر صادر کر کے فون بند کر دیا۔
"وہ صحیح کہہ رہا ہے!" سوال و جواب کے معمول سے فارغ ہو کر ویرا نے جلال کے موقف کی تائید کی۔
"کہہ رہا ہوگا مگر میں اس فیصلے سے ذرا بھی متفق نہیں ہوں۔ چور رنگے ہاتھوں پکڑا جائے تو اسے سرِعام جوتے مار کر اس کا منہ کالا کرنا چاہیے۔ ہم اپنے چور کو خاموشی سے چھوڑنے جا رہے ہیں۔"
"یہ تم نے فرض کر لیا ہے۔ ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا کہ وہ کیسے چھوڑا جائے گا۔"
"تم میری بات لکھ لو کہ میرا مفروضہ بالکل صحیح ثابت ہوگا۔ سمجھوتوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔"
"ایسا ہو بھی جائے تو تمہیں اور حامد کو ذاتی طور پر خوش ہونا چاہیے۔ تم دونوں نے چند گھنٹوں کی محنت سے امریکا کے صدر کو اپنے سامنے سرنگوں کر لیا ہے۔ انا کا گھاؤ جسمانی زخم سے کہیں زیادہ کاری ہوتا ہے۔"
"ہوگا.... تھوڑی دیر کے لیے زبان بند کر لو۔ میں خاموشی سے سگریٹ نوشی میں مصروف رہنا چاہتا ہوں۔" میری وہ فرمائش سن کر ویرا نے مسکراتے ہوئے اپنی کرسی چھوڑ دی۔
"میرے لیے یہاں بیٹھ کر خاموش رہنا شاید ممکن نہیں ہوگا۔ میں حامد کو تلاش کرتی ہوں۔"
وہ اپنی مخصوص چال میں دروازے سے نکل رہی تھی تو عقب سے اسے دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ وہ منافق نہیں تھی۔ کچھ کہہ رہی تھی تو اپنے ضمیر کے مطابق درست ہی کہہ رہی ہوگی۔
میں نے سر جھٹک کر پیکٹ سے سگریٹ نکالی اور اسے سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

○☆○

کمیٹی روم میں اضطراب کے عالم میں ٹہلتے ہوئے امریکیوں نے میری آہٹ پر چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور ان کے چہروں پر چھائی ہوئی سنجیدگی کچھ اور گہری ہوگئی۔
بوب رافیل میرے پیچھے تھا۔ اس کے عقب میں انٹیلی جنس بیورو کے مقامی دفتر کے وہ دونوں افسران تھے جنھوں نے ہوٹل کے حفاظتی عملے سے مل کر ہمیں شناخت کے مشکل مرحلے سے بچایا تھا۔ وہاں سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ حامد کسی عام شہری کے سامنے اپنے ایس ٹی ایف کے شناختی کارڈ کی نمائش کر کے فورس کی رازداری کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا اور ہوٹل والے ہماری باضابطہ شناخت کے بغیر ہمیں بوب رافیل کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں تھے۔
ان پر نظر پڑتے ہی بوب رافیل "جان" کہہ کر تیزی سے ان دونوں کی طرف لپکا تھا مگر ان میں سے زیادہ لمبے اور معنک امریکی نے خشک لہجے میں اسے محتاط رہنے کا مشورہ دیا۔
"جان! کس قدر تذلیل و جان لیوا انتظار کے بعد اپنوں کی صورت نظر آئی ہے اور تم کیا کہہ رہے ہو؟" بوب رافیل نے نہایت دکھ بھرے لہجے میں شکایت کی۔
"ہاں بوب!" اسی امریکی نے گمبھیر آواز میں کہا "یہ زندگی کا ایک حصہ ہے۔ ابھی تمہاری منتقلی عمل میں نہیں آئی۔ تم ہمارے معزز دوستوں کی تحویل میں ہو۔ تمہیں ان کی ہدایات سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔"
اس اثنا میں، میں لمبی میز کے سرے پر ان دونوں تک پہنچ چکا تھا۔ ان دونوں نے پُرتپاک مصافحوں کے ساتھ اپنا تعارف کرایا۔ عینک والے کا نام جان اسمتھ تھا اور اس کا ساتھی راجر بروک تھا۔
انہوں نے آئی بی کے افسران سے بھی اسی تپاک سے ہاتھ ملائے لیکن بوب رافیل کے ساتھ ان کا رویہ بدستور سرد مہرانہ تھا۔
ہمیں کمیٹی روم کے دروازے تک پہنچانے والا سیکیورٹی افسر دروازے سے ہی واپس جا چکا تھا۔
ہم مستطیل میز کے سرے کو چھوڑ کر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ آئی بی کے افسران میرے ساتھ تھے۔ بوب رافیل اپنے ہم قوموں

کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے خشک رویّے کی وجہ سے بوب کے چہرے پر پھٹکار برس رہی تھی۔

"رسمی گفتگو کے آغاز سے پہلے میں تمہاری اجازت سے ایک سرکاری حکم بوب کو سنانا چاہتا ہوں۔" جان نے کہا۔ اس نے براہِ راست مجھے مخاطب کیا تھا۔

لمحہ بھر کے لیے میں حیران ہوا کہ اس نے مجھے آئی بی والوں پر کیوں ترجیح دی تھی لیکن مجھے فوراً ہی اپنے ذہن کے کسی نہاں خانے سے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ میں سب سے پہلے کمیٹی روم میں داخل ہوا تھا۔ اس سے انہوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ ٹیم میں میری پوزیشن قائدانہ تھی۔ وہ بہت معمولی سا نکتہ تھا مگر تجربے کار سفارتی افسران کے لیے کسی کے آگے، پیچھے، دائیں یا بائیں ہونے کی اہمیت مسلمہ تھی۔ پروٹوکول کے ان روایتی قاعدوں کی روشنی میں وہ مہمانوں کے استقبال میں تقدیم و تاخیر کے اصولوں پر عمل کرتے تھے۔

"ضرور، ضرور!" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

جلال کے اصرار پر میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس اجلاس میں شریک ہونے پر آمادہ ہوا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ آنے والوں میں سے کوئی مجھے ڈینی کی حیثیت سے نہ پہچان لے۔

ان دنوں امریکی ایجنٹ خارش زدہ کتوں کی طرح ہر طرف سے عتاب میں آئے ہوئے تھے مگر میں جانتا تھا کہ وہ اس عالم میں بھی میری تلاش سے غافل نہیں تھے۔ میں نے ان سے اپنا تعارف مظہر خان کے نام سے کرایا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ دیکھ کر ان دونوں میں سے کسی نے کسی غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

"بوب رافیل!" جان نے اسے یوں مخاطب کیا جیسے کسی تحریری فرمان کے ابتدائی الفاظ پڑھ رہا ہو۔

بوب نے چونک کر پھٹی پھٹی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے لیے یہ بات غیر معمولی تھی کہ جان نے رواج کے برعکس اسے اس کے پورے نام سے مخاطب کیا تھا۔ جان کے چہرے پر چھائی ہوئی اجنبیت دیکھ کر بوب کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئیں اور اس کا بایاں ہاتھ بے ساختہ اپنی پیشانی پر پہنچ گیا۔

وہ آنکھیں پھاڑے بدستور جان اسمتھ کی طرف دیکھے جارہا تھا۔

ذرا سے توقف کے بعد جان نے اسی انداز میں اپنی بات جاری رکھی "تم پاکستان میں اپنی تعیناتی کے دوران میں آج اپنے فرائض سے غفلت اور اختیارات سے تجاوز کے مرتکب ہوئے ہو جس کی بنا پر ریاست ہائے متحدہ امریکا کو اپنے دوست ملک، پاکستان کے سامنے شرمندگی سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اس بنا پر ایک صدارتی فرمان کے تحت تمہیں فوری طور پر ملازمت سے برطرف کردیا گیا ہے اور تم ہر سفارتی رعایت سے محروم ہوچکے ہو....."

"نہیں جان....!" بوب نے تقریباً رو دینے والی آواز میں اس کی بات کاٹ دی "تمہیں سب کچھ معلوم ہونا چاہیے۔ یہ تم مجھے کیا خبر سنا رہے ہو؟"

"افسوس کہ سب کچھ یوں ہی ہے۔ برطرفی کے بعد تم اسلام آباد نہیں جاؤ گے۔ کراچی سے میسر پہلی پرواز سے تمہیں واپس امریکا جانا ہے۔" جان نے سپاٹ لہجے میں اپنی بات پوری کرڈالی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سلگتے ہوئے وجود میں ایک ٹھنڈی سی، سکون کی لہر سرایت کرتی جارہی ہو۔ میرا دل چاہا کہ میں چوڑی میز پھاند کر جان کا منہ چوم لوں مگر ہم وہاں ذاتی خوشیوں کے اظہار کے لیے نہیں، بوب رافیل جیسے سفارتی آوارہ گرد کو اس کے اصل مالکان کے حوالے کرنے کے لیے آئے تھے۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔

"یہ ظلم ہے جان، یہ ظلم ہے۔" بوب رافیل نے انتہائی مایوسی کے عالم میں احتجاج کیا "تمہیں سب کچھ معلوم ہے۔ میں ان تینوں کے سامنے کچھ بھی نہیں دہرا سکتا۔ میرے وہم و گمان میں بھی...."

"بوب! پلیز شٹ اپ!" جان کی آواز سخت اور درشت ہوگئی "مجھے تمہارے جذباتی صدمے کا اندازہ ہے۔ مگر میں اپنے منصب کی ذمّے داریوں سے مجبور ہوں۔"

"میں ابھی اور اسی وقت سفیر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" بوب نے ہذیانی انداز میں کہا۔

"میری طرح وہ بھی ریاست کے ملازم ہیں۔ یہ حکم نامہ ان ہی کی وساطت سے مجھ تک پہنچا ہے۔ یہاں کوئی تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے، واشنگٹن جا کر کہنا۔ اب خاموش رہو۔"

بوب نے میز کی سطح پر کہنیاں ٹکا کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ امریکیوں نے بوب رافیل کی ڈرامائی برطرفی کا وہ کھیل محض ہماری دل جوئی کے لیے رچایا تھا۔ امریکا پہنچتے ہی بوب رافیل کو ملازمت سمیت تمام مراعات واپس مل جاتی تھیں لیکن بوب چونکہ خود متاثر ہوا تھا اس لیے وہ یہ بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ اپنی برطرفی کو حقیقت سمجھ کر منہ لٹکا کر بیٹھ گیا تھا۔

امریکا پہنچنے کے بعد بوب کو جو بھی انعام ملتا وہ بعد کی بات تھی۔ وقتی طور پر یہی کافی تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل کے معاملے میں دم کے بل ناچنے والے امریکیوں کے صدر کی خفت اور شرمندگی ایک فرمان کی صورت اختیار کرچکی تھی۔

"صدارتی فرمان کا نچوڑ تم نے سن لیا۔" جان نے کہا "میں سمجھتا ہوں کہ یہاں سے جاتے ہوئے ہمیں بوب کو اپنے ساتھ لے جانے میں کسی رکاوٹ یا دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"وہ اس کمرے میں قدم رکھتے ہی تمہاری تحویل میں آچکا

تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ہمیں کسی دستاویز کا تبادلہ نہیں کرنا تھا پھر بھی ہم رسم نبھانے کے لیے میز کے گرد بیٹھے ہیں۔"

"شکریہ!" جان نے میز پر سے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ میز اتنی چوڑی تھی کہ ہم دونوں کو اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ کر ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا پڑا۔

"ہمیں امید ہے کہ صدر کی اس تادیبی کارروائی کے بعد ایسے کسی ناخوشگوار واقعے کا اعادہ نہیں ہوگا۔" میں نے پرجوش انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے چبھتا ہوا تبصرہ کیا۔

"شاید یہ اپنی نوعیت کا پہلا اور آخری واقعہ ہوگا۔ دوسروں کو اس سے عبرت حاصل ہوگی۔" وہ منافقانہ انداز میں مسکرایا تو اس کے سفید دانتوں کی قطاریں کسی بھیڑیے کے دانتوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

"کیا بوب کی برطرفی کا صدارتی فرمان پریس کو بھی جاری کیا جائے گا؟" میرے ساتھ بیٹھے ہوئے آئی بی کے ایک افسر نے پوچھا۔

"نہیں۔ انتظامی تقرریاں، تبادلے اور معزولیاں اندرونی معاملات ہوتے ہیں پھر بھی پریس والے اپنی دلچسپی کی خبریں تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ فی الحال یہ فرمان ہماری داخلی دستاویز ہے۔"

"ہمارے ذریعے بھی یہ خبر نکل سکتی ہے۔" میں نے پوچھا۔ "ہمیں اپنی رپورٹ دینی ہوگی۔"

"کیوں راجر؟" جان نے اپنے ماتحت سے پوچھا "یہ اچھا احتیاطی سوال ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟"

"نہیں جان! ایسا نہیں ہونا چاہیے۔" راجر نے اپنے افسر کے رتبے کا لحاظ کیے بغیر بے خوفی سے کہا "جب تک بوب امریکا پہنچ نہیں جاتا، یہ فرمان خفیہ رہنا چاہیے۔"

"ذرا اپنی بات کی وضاحت کرو۔" جان نے ناک پر اپنی عینک نیچے سرکا کر کہا۔

"اس فرمان کے ذریعے بوب کو فوری طور پر ہر سفارتی تحفظ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ پتا نہیں پروازوں کی کیا پوزیشن ہے، اسے کتنے گھنٹے کراچی کے مرکزی علاقے میں گزارنے پڑیں۔ خبر پھیلنے کے بعد کسی بنیاد پرست نے اسے مار دیا تو کیا ہوگا۔"

اپنی سلامتی کے بارے میں اس اندیشے کو سن کر بوب نے اپنا چہرہ ہتھیلیوں سے نکالا اور تشویش سے ہم تینوں کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ واقعی خوف زدہ اور پریشان تھا، اداکاری نہیں کر رہا تھا۔

"بہت اہم بات اٹھائی ہے تم نے!" جان نے مضبوطی سے اپنی شہادت کی انگلی فضا میں لہرا کر کہا پھر فیصلہ کن لہجے میں مجھ سے بولا "تم اپنے افسرانِ بالا کو دی جانے والی رپورٹ میں اس کا ذکر کرو مگر یہ رپورٹ کانفیڈنشل ہو۔ انسانی تحفظ کے معاملات پر راجر گہری نظر رکھتا ہے۔ میں کبھی بھی اس کی رائے کو نظرانداز کرنے کی غلطی نہیں کرتا۔"

راجر کی زبان سے بنیاد پرست کا لفظ سنتے ہی مجھے غصہ آیا مگر میں اپنی باری آنے تک خاموش رہا۔ جان نے اپنی بات پوری کر لی تو میں نے کہا "بوب جیسے غیر ذمے دار آدمی کو کوئی بنیاد پرست کیوں مارے گا؟ ہاں، کوئی سرپھرا محب وطن ضرور اس کی جان کے درپے ہو سکتا ہے۔ قاتل کوئی بھی ہو، وہ صرف قاتل ہوتا ہے، اسے کسی اور حوالے سے نام دینا زیادتی ہے۔"

"سوری مازر۔" جان نے جلدی سے کہا "بنیاد پرست کی اصطلاح ہم مذہبی انتہا پسندوں کے لیے استعمال کرتے ہیں...."

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر ہلکی سی ترشی سے کہا "اسی لیے میں اصلاح ضروری سمجھتا ہوں۔ پاکستانی تمہارے مخصوص مفہوم میں بنیاد پرست نہیں ہوتے وہ اعتدال پسند ہیں۔"

"اگر تمہیں اس لفظ پر ایسا ہی اعتراض ہے تو میں اسے واپس لیتا ہوں۔" راجر نے بدمزگی کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے جلدی سے کہا "میں پاکستانیوں کی بہت عزت کرتا ہوں مگر قرب و جوار کی مسلح تحریکوں کی وجہ سے یہاں ایک ایسا عنصر ضرور درآمد ہوا ہے جو ہماری تعریف پر پورا اترتا ہے۔ میں اس کی نشان دہی کر رہا تھا۔"

"جب تم نے اپنے بیان میں ترمیم کر لی ہے تو یہ وضاحت غیر ضروری ہے۔" جان نے راجر سے کہا پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "اگر کوئی بات رہ نہ گئی ہو تو ہم یہ اجلاس ختم کر لیں۔"

میں نے استفسار طلب نگاہوں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اپنے سروں کو اثبات میں خفیف سی جنبش دی اور سب نے تقریباً ایک ساتھ ہی کرسیاں چھوڑ دیں۔

جلال نے جب فون پر مجھے یہ بتایا کہ ہمیں شام کے سات بجے بوب رافیل کو اپنے ساتھ لے کر اس عمارت میں پہنچنا ہے اور اسے وہاں آنے والوں دو امریکیوں کے سپرد کر کے لوٹ آنا ہے تو خود اسے بھی صحیح طرح علم نہیں تھا کہ اس ملاقات میں مزید کیا کچھ ہو سکتا ہے۔

بس اسے ایک بات کا پورا یقین تھا کہ امریکیوں کے ریکارڈ میں میری کوئی تصویر نہ ہونے اور میری ظاہری ہیئت میں ہونے والی بعض اختیاری تبدیلیوں کی وجہ سے اس بات کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا کہ آنے والوں میں سے کوئی مجھے ڈپٹی کی حیثیت سے پہچان سکے۔

ہم تینوں بوب کو لے کر مقررہ وقت پر وہاں پہنچے تو احاطے میں امریکا کے سفارتی نمبروں والی مخصوص رجسٹریشن پلیٹ کے ساتھ ایک جیپ پہلے سے موجود تھی جس میں دو مسلح محافظ نظر آ رہے تھے۔

وہاں سے گزر کر کانفرنس روم میں داخل ہونے تک مجھے یہی

دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں کسی وجہ سے مجھے پہچان نہ لیا جائے مگر غنیمت ہوا کہ تعارف کا مرحلہ خیرو خوبی سے گزر گیا۔
اس کے بعد مختصر سے اس اجلاس میں جو کچھ ہوا' میرے لیے وہ غیر متوقع ہونے کے ساتھ ساتھ دل خوش کن بھی تھا۔ ہم امریکیوں پر اپنا دباؤ آخری حد تک بڑھانے میں کامیاب ہو گئے تھے اور وہ مرحلہ وار پسپا ہوتے ہوتے' آخر کار دیوار سے جا لگے تھے۔
اپنی خفت مٹانے کے لیے انہوں نے صدارتی فرمان کا جو ڈھکوسلا پیش کیا تھا' میرے لیے وہ ذرا بھی قابلِ اطمینان نہیں تھا۔ ہمارے لیے یہ معلوم کرنا ناممکنات میں سے تھا کہ بوب کو امریکا پہنچنے کے بعد بلکہ کمیٹی روم سے نکال لے جانے کے بعد کن نوازشات کا مژدہ سنایا جائے گا۔
بوب کی معافی اور حوصلہ افزائی کے خدشوں کے باوجود وہ پیش رفت میری توقع سے زیادہ اطمینان بخش تھی۔ ایک مرتبہ وہ مردود اپنے وطن پہنچ جاتا تو اس کے معاملے کی تشہیر کر کے پاکستان سیاسی سطح پر خاصی سرخ روئی حاصل کر سکتا تھا کیونکہ برطرفی کے فرمان میں امریکی صدر کی ڈھکی چھپی معذرت غیر معمولی بات تھی۔
میں ان خیالات میں الجھا رہا۔ آئی بی کے دونوں افسران بھی میرے اخذ کیے ہوئے نتائج سے متفق تھے۔ ان میں سے ایک نے مجھے یہ بتا کر حیران کر دیا کہ جان اسمتھ کراچی کے قونصل خانے میں سی آئی اے مشن کا مقامی چیف تھا اور غالباً اسی کے ایما پر بوب نے اکرم الٰہی سے ملنے کے لیے اسلام آباد سے کراچی تک دوڑ لگائی تھی۔
میرے لیے اس انکشاف پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ خود بوب نے بھی حیرت کا اظہار کیا تھا کہ جان سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے اسے اس کی برطرفی کا فرمان سنا رہا تھا۔
اس مختصر اور کامیاب اجلاس کے بعد اسٹیشن فور میں میرے لیے فوری نوعیت کا کوئی کام نہیں رہا تھا۔ ویسے بھی پچھلی رات سے اس وقت تک میں مسلسل بیداری اور بھاگ دوڑ سے دو چار رہا تھا اور آخری مرحلے سے نمٹ جانے کے بعد تکان نے پوری شدت سے میرے اعصاب پر حملہ کر دیا تھا۔ میرے ایما پر ان دونوں نے گاڑی کا رخ گلشن اقبال کی طرف کر لیا جہاں وہ تینوں میری واپسی کے منتظر تھے۔
راستے میں' میں نے جلال کو فون پر اپنی رپورٹ دی تو اس نے غیر معمولی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ جتانا ضروری سمجھا کہ بوب رافیل کی رہائی کے سمجھوتے کے بارے میں میری مایوسی اور ناامیدی غیر ضروری تھی۔
"اس وقت جو کچھ ہوا ہے اس پر تمہاری خوشی قابلِ فہم ہے۔" میں نے خوش دلی سے کہا "میں تمہارے اندازوں کی داد دیتا ہوں۔"
"تمہارے الفاظ سے کسی تحفظ کا اندازہ ہو رہا ہے۔" اس نے کہا۔
"تم جانتے ہو کہ ہمارے موجودہ حریف اونٹ کی طرح کینہ پرور ہیں۔ ضرورت پڑنے پر گدھے کو بھی اپنا باپ بنا لیتے ہیں ورنہ ہر ایک کو آنکھیں دکھاتے پھرتے ہیں۔"
"گدھے کا نام عزت سے لو۔" جلال نے ہلکے سے قہقہے کے بعد کہا "گدھا ان کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی کے انتخابی نشان کی حیثیت رکھتا ہے۔"
"یہ اپنی شکست کھلے دل سے قبول نہیں کرتے۔ اس وقت جھکے ہیں تو جلد ہی کہیں نہ کہیں اس کا بدلہ لینے کی کوشش کریں گے۔" میں نے اپنے شبے کا اظہار کر دیا "ہمیں اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"
"یہ لڑائیاں چلتی رہتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔"
"فی الحال صرف اور صرف آرام۔" میں نے کسل مندی سے کہا "فریڈم انٹرنیشنل والے دونوں بدمعاش اب ہر حمایت سے محروم ہو چکے ہیں۔ ان پر کل کچھ کام کیا جائے گا۔"
"میں بھی ان ہی کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا کیونکہ بوب رافیل ان کی حمایت کرتے ہوئے مارا گیا ہے۔"
"یہ سب دکھاوا ہے۔ انہوں نے اسے بتا دیا ہوگا کہ اس کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔"
"وہ اسے کہیں بھی کھپا لیں لیکن اب وہ فارن سروس کیڈر میں نہیں آسکے گا۔ ایک بار بدنامی یا ناکامی کا گہرا داغ لگ جانے کے بعد وہ دنیا کے کسی بھی ملک کے لیے قابلِ قبول نہیں رہے گا۔"
"اول خان کو بھی بتا دینا کہ اب تک یہاں کیا ہو چکا ہے۔ وہ فکر مند تھا۔"
"ہر ایک کی نظریں کراچی پر مرکوز تھیں۔ مجھے کئی اہم افراد کو یہ خبریں پہنچانی ہوں گی۔"
"اس پوری مشق میں مجھے ایک ذاتی فائدہ حاصل ہوا ہے۔ اگر سی آئی اے کا جان اسمتھ مجھے نہیں پہچان سکا تو غالباً اب کوئی بھی مجھے نہیں پہچان سکے گا۔"
"تمہیں سب سے زیادہ خطرہ شاید اوبرائن ڈی ہنٹ سے تھا۔ تمہارے خلاف اس نے منظم انداز میں کام کیا تھا۔" جلال نے اپنی معلومات کی روشنی میں رائے ظاہر کی "عملی طور پر تم اس فکر سے اسی وقت آزاد ہو گئے تھے جب وہ شیری کے قتل پر خوف زدہ ہو کر یہاں سے دہلی بھاگا تھا۔"
شیری کے نام پر میں ذرا سی دیر کے لیے سوچتا رہا پھر مجھے یاد آ گیا کہ وہ اوبرائن کی کتیا کا نام تھا جسے سلطان شاہ نے زہریلی گیس دے کر اوبرائن کے مقفل فلیٹ میں ہلاک کیا تھا۔
"اب اوبرائن بھی جہنم واصل ہو چکا ہے جہاں سے اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اب صرف ایک آدمی ہے جو میرے

لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ کسی وقت اسے بھی دیکھا جائے گا۔"
"وہ کون ہے؟"
"بھارتی قونصلیٹ کا میجر بخشی۔" میں نے اسے بتایا "میں کرنل جمال دستی کے نام سے اس سے روبہ رو مل چکا ہوں۔ بعد میں اسے شبہ ہوگیا تھا کہ کرنل جمال دستی اور ڈینی ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔"
"اچھا ہوا کہ تم نے بتادیا۔ اب مشتبہ سفارت کاروں کی فہرست میں اس کا نام سب سے اوپر آجائے گا۔ بھارت نے نئی دہلی سے ہمارے کسی بھی سفارتی ملازم کو نکالا تو جوابی کارروائی کے طور پر سب سے پہلے میجر بخشی کو یہاں سے روانہ کیا جائے گا۔ آج کل ایسی کارروائیوں میں ذرا سی شدت آئی ہوئی ہے۔"
"فوری طور پر وہ میرے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسے خوش فہمی ہے کہ کرنل جمال دستی پاکستان چھوڑ کر آج کل مسقط کے کسی ہوٹل میں بیروں کی فوج سے کام لے رہا ہے۔"
"پھر بھی تمہارا اور اس کا آمنا سامنا ہوا تو اس کے اندیشے بیدار ہوجائیں گے۔" جلال اس وقت مجھ پر مہربان تھا "ہمارے لیے تمہاری سلامتی بہت اہم ہے۔ میں اس خطرے کو ذہن میں رکھوں گا۔"
وہ اپنے بڑوں سے رابطہ کرکے انہیں تازہ خبر سنانے کے لیے بے چین تھا اس لیے اس سے گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا۔
تھوڑی دیر میں آئی بی والوں نے مجھے گھر پہنچا دیا۔ میرے بارے میں انہیں کچھ ایسی بریفنگ دی گئی تھی کہ میرے دوستانہ رویّے کے باوجود وہ ادب و احترام کی ایک حد سے تجاوز نہیں کررہے تھے۔ میرے اصرار کے باوجود انہوں نے چائے نوشی سے معذرت کی اور واپس روانہ ہوگئے۔
میں گھر میں داخل ہوا تو ہر طرف اندھیرے کی چادر گہری ہوچکی تھی اور روشنیاں جل رہی تھیں۔
میرے لیے دروازہ کھولنے کا فرض سلطان شاہ نے انجام دیا تھا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے مجھ سے پہلا سوال ہی کیا تھا کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔
"تم میری آواز پہچان گئے نا؟ میں نینا بول رہی ہوں۔" دوسری طرف سے گفتگو کا آغاز عجیب انداز میں کیا گیا۔ اس کا لہجہ دبا دبا اور پُرجوش تھا۔
"پہچان گیا، تم کیسی ہو؟" میں نے راہ داری میں داخل ہوتے ہوئے رواروی میں پوچھا۔
غزالہ اور ویرا شاید بے چینی سے میری واپسی کی منتظر تھیں۔ میرے کان سے موبائل فون لگا دیکھ کر ویرا کا منہ بن گیا۔ میں ان دونوں کو ہاتھ سے اشارہ کرتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
"کل رات تمہاری وجہ سے مجھے اتنی مار کھانی پڑی کہ ابھی تک میری بوٹی بوٹی دکھ رہی ہے۔" میرے کانوں میں نینا کی میٹھی اور شکایتی آواز گونجی "مگر دیکھ لو کہ میں پھر بھی تمہیں فون کررہی ہوں؟"
"کس نے مارا تمہیں؟" میں نے چونک کر حیرت سے پوچھا۔ "اس وقت تم کہاں ہو؟"
میرے دوسرے سوال کو نظرانداز کرکے وہ بتانے لگی "مقبول کے بھاگنے کے بعد باجی نے اپنی دونوں بیٹیوں اور نوکر کے ساتھ مل کر گھونسوں اور لاتوں سے میرا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا۔"
"مگر کیوں؟ تمہارا قصور کیا تھا؟" مجھے وہ خبر سن کر نینا سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔
"میں نے تمہاری کہی ہوئی باتیں باجی کے سامنے مقبول کو بتادی تھیں۔ تم نے ٹھیک کہا تھا' وہ اس بری طرح گھبرایا کہ اسی وقت گھر سے چلا گیا اور باجی کو مجھ پر غصہ آگیا۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "ان کا خیال تھا کہ میں نے اپنی بے وقوفی سے ان کی ایک موٹی اسامی کو بھگادیا..... یوں سمجھو کہ میں خدا کے گھر سے واپس لوٹی ہوں۔"
"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ نسرین ایسی بدمعاش عورت ہوگی ورنہ میں تمہیں کوئی اور ترکیب بتادیتا۔"
"باجی کہہ رہی تھیں کہ مجھے وہ باتیں مقبول کے سامنے نہیں بتانی چاہیے تھیں۔ انہیں الگ بٹھا کر پوری کہانی سنادیتی اور پھر وہ خود مقبول سے نمٹ لیتیں۔ رات کو غصے میں انہوں نے مجھے نوکری سے بھی نکال دیا۔"
"اچھا ہوا کہ تم گند سے نکل گئیں۔ گزارے کے لیے میں تمہیں کچھ رقم دے دوں گا۔ کوشش کرو کہ تمہیں کوئی دوسری نوکری مل جائے۔ بعض اوقات تکلیف کے پردے میں راحت اور عزت بھی پوشیدہ ہوتی ہے۔"
"مجھے پیسوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آج کے اخبار میں مقبول والی اکارڈ کی خبر پڑھ کر باجی کا سارا غصہ اتر گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ مقبول چوری کی کار چلا رہا ہوگا۔"
"وہ خبر پڑھ کر تمہیں میرا بھی یقین آگیا ہوگا کہ میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔"
"میں نے تو تم پر آنکھیں بند کرکے بھروسا کرلیا تھا.... یقین نہ ہوتا تو تمہارے کہنے پر کیوں چلتی؟"
"مجھے بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ غلط راستوں پر پڑجانے کے باوجود تم اندر سے ایک اچھی لڑکی ہو اسی لیے میں نے تم سے اپنے دل کی کچھ باتیں کرلی تھیں۔"
"اخبار پڑھ کر باجی دوپہر کو میرے گھر آئی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے معافی مانگ لی اور میں کسی ناغے کے بغیر آج پھر ڈیوٹی پر ہوں مگر باجی کے گھر پر آرام کررہی ہوں۔ فرصت تھی تو تمہیں فون کرلیا۔"
"خدا کا خوف کرو نینا۔ کسی نے سن لیا تو وہ مار مار کر تم سے میرا

فون نمبر اگلوالیں گے۔"
"میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں۔ لڑکیاں اپنے اپنے کمروں میں ہیں۔ باجی نرگس کے ساتھ کسی گجراتی سیٹھ کی دعوت میں گئی ہوئی ہیں۔ میں بالکل اکیلی ہوں۔ ہماری باتیں کوئی نہیں سن سکتا۔"
"میری وجہ سے تمہیں مار کھانا پڑی۔ تم نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے مجھے فون کرلیا۔ آئندہ کسی شدید ضرورت کے بغیر مجھے فون نہ کرنا۔ میرے ساتھ تم بھی مشکل میں پڑجاؤ گی۔"
فون پر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر اس نے کہا۔
"تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ تم مجھ سے شادی کرکے میرا دامن خوشیوں سے بھردو۔"
مجھے یوں محسوس ہوا جیسے نیما نے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ میں نے بوکھلا کر کہا "ہوش کی باتیں کرو نیما۔ میں پہلے سے شادی شدہ ہوں۔ تمہارے دماغ میں یہ فتور کیوں پیدا ہورہا ہے۔"
"یہ فتور نہیں' دل کی مجبوری ہے ڈارلنگ۔" نیما جذباتی ہونے لگی "کل پٹتے ہوئے میں تمہارے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ رات کو تم خوابوں میں مجھے اپنے ساتھ لیے نہ جانے کہاں کہاں گھومتے رہے۔ مجھے لگ رہا تھا کہ تم شادی شدہ ہو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم چار شادیاں کرسکتے ہو۔ میں دل کھول کر تمہاری پہلی بیوی کی خدمت کروں گی؟"
"تم پاگل ہوگئی ہو۔ تمہاری شادی کے بعد تمہاری ماں' تین بہنوں اور چھوٹے بھائی کا کیا بنے گا۔ تمہاری روزی کا سہارا ختم ہوتے ہی وہ دربدر ہوجائیں گے۔"
"تم ان فکروں میں نہ پڑو۔ میں نے سب سوچ لیا ہے۔" اس نے اپنی رو میں میری بات کاٹ دی "میں باجی کی الماری سے مقبول کی ساری دولت چرا کر اپنی ماں کے قدموں میں ڈال دوں گی۔ تم میرا ساتھ دو گے تو باجی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ میرا گھر آباد ہوجائے گا اور میری ماں بھی زندگی کی بہت سی خوشیاں دیکھ لے گی۔"
"مقبول کی دولت باجی کے پاس کہاں سے آگئی؟" میں نے حیرت سے کہا۔
"اس نے کافی دنوں سے ایک بند بریف کیس باجی کے پاس رکھوایا ہوا ہے۔ شاید اس میں وہی رقم ہے جو اس نے تم سے اور دوسروں سے ٹھگ لی تھی۔ باجی آج ہی کہہ رہی تھیں کہ وہ بس ہفتے عشرے تک مقبول کنگلے کا انتظار کریں گی پھر بریف کیس کا تالا توڑ کر اس کے سارے مال پر قبضہ کرلیں گی کیونکہ اس نے دھوکا دے کر ان کی بیٹی نرگس کا دل توڑا ہے۔ تم ہاں کردو تو میں الماری سے وہ بریف کیس ہی اڑالوں گی۔"
"اتنی لمبی باتیں کس سے ہورہی ہیں؟ کب فرصت ملے گی تمہیں؟" دروازے کی طرف سے ویرا کی اونچی آواز آئی۔
میں نے پلٹ کر اسے آنکھیں دکھائیں اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو وہ بھی آنکھیں نکال کر اِتراتی ہوئی میری خواب گاہ میں گھس آئی۔
"یہ کس عورت کی آواز آئی تھی ابھی؟" نیما فون پر پوچھ رہی تھی "بہت تیز معلوم ہوتی ہے۔"
"بیوی تھی میری۔" میں نے اتنی آہستگی سے کہا کہ میرے الفاظ ویرا کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں پھر بات جاری رکھی "بہت بدمزاج اور تندخو عورت ہے۔ میری زندگی حرام کی ہوئی ہے۔"
"تم بالکل پروا نہ کرو۔" میرے الفاظ نے نیما کو ذرا بھی پریشان نہیں کیا۔ وہ اطمینان سے کہہ رہی تھی "تحمل اور اخلاق سے کام لے کر میں اس کا دل موم کرلوں گی۔ تمہاری پریشانیاں بھی دور ہوجائیں گی۔"
"وہ کسی بھی وقت ادھر نکل آئے گی۔ تم مجھے اپنی باجی کا نمبر دے دو۔ میں پھر کسی وقت تم سے بات کروں گا۔"
"نہیں!" اس نے فوراً انکار کردیا "تم یہاں فون نہ کرنا۔ باجی شک میں پڑجائیں گی۔ میں کل بھی بدن میں درد کا بہانہ بنا کر دھندے پر نہیں بیٹھوں گی۔ رات کو موقع دیکھ کر تمہیں فون کروں گی۔"
وہ عجیب خود سر لڑکی تھی۔ اپنے خوابوں کا گناہ میرے سر لادنے پر تلی ہوئی تھی۔ میرا دل چاہا کہ اسے سختی سے ڈانٹ کر اس کے سر سے شادی کا بھوت اتار دوں لیکن اس نے مقبول کی دولت کا ذکر کرکے میرے دل میں ایک شبہ پیدا کردیا تھا۔ اس کی تائید یا تردید ہونے تک میں نیما سے رابطہ برقرار رکھنے کا ہنگامی فیصلہ کرچکا تھا۔
"ٹھیک ہے۔" میں نے ہتھیار ڈال دیے "موقع ملے تو تم ہی فون کرلینا۔"
"موبائل فون اپنے پاس ہی رکھنا۔ تمہاری بیوی نے بات کی تو میں بولے بغیر فون بند کردوں گی۔" اس نے مجھے مشورہ دیا "تم سمجھ لینا کہ میں نے تمہیں فون کیا تھا۔"
"تمہیں اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے دلاسا دیا "کام کے سلسلے میں میرے پاس فون آتے رہتے ہیں۔ میرے بعض دوست شان جتانے کے لیے اپنی آپریٹر سے نمبر ملواتے ہیں۔ میری بیوی مجھے بلادے گی۔"
"نہیں' میں اس سے بات نہیں کروں گی۔" نیما مصر تھی "تم ان بیویوں کو نہیں جانتے۔ بات چیت تو دور کی بات ہے۔ ہوباں غیر عورت کے سانسوں سے ہی سب کچھ پڑھ لیتی ہیں۔ تمہاری بیوی کو وقت سے پہلے کسی گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا تو وہ مجھے اس قابل ہی نہیں رہنے دے گی کہ میں تم سے شادی کرسکوں۔"
"اچھا بابا' جو تمہاری سمجھ میں آئے وہ کرنا مگر مجھ سے بات ضرور کرلینا۔"
میرے اصرار پر وہ خوش ہوگئی۔ "تم اتنے پیارے ہو... اتنے

پیارے ہو کہ بس۔"

میں نے بٹن دبا کر وہ کال منقطع کر دی۔

ویرا میرے پہلو میں کسی فوج دار کی طرح تنی کھڑی تھی۔ کال ختم ہوتے ہی اس نے آنکھیں نکال کر ترش لہجے میں سوال کیا "یہ کس سے اتنے لمبے راز و نیاز ہو رہے تھے؟"

"دنیا تمہاری ذات پر ختم نہیں ہو جاتی۔ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔"

"غزالہ کو یہ سن کر ذرا بھی خوشی نہیں ہوگی۔" اس نے مجھے دھمکی دی۔

"کوشش کر کے دیکھ لو۔ وہ میری خوشی میں خوش رہنے والی ایک معصوم اور فرماں بردار بیوی ہے۔ تمہاری باتوں میں نہیں آئے گی۔ اس نے آج تک تم سے کوئی شکوہ نہیں کیا تو کسی اور سے کیا کہے گی۔"

"یہ مت کہو" وہ بہت گھنّی ہے۔ باتوں ہی باتوں میں بارہا زہریلے اشارے کنائے کر چکی ہے مگر میں ہمیشہ انجان بن کر اسے ٹال جاتی ہوں تاکہ گھر میں کوئی فساد کھڑا نہ ہو۔"

اسی وقت سلطان شاہ وہاں آ پہنچا اور سہلاتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولا "یہاں ویرا کے ساتھ خوش گپیاں ہو رہی ہیں اور ہم اس انتظار میں بیٹھے سوکھ رہے ہیں کہ تم فون پر اپنی بات ختم کرتے ہی ہمارے پاس آؤ گے۔ شرفا دوسروں کے ساتھ بدسلوکی نہیں کیا کرتے۔"

"شرط یہ ہے کہ دوسرے بھی شرفا ہوں، تم جیسے نہ ہوں۔" ویرا بول پڑی۔

"تو کیا ہم لچے لفنگے اور بدمعاش ہیں؟" سلطان شاہ نے جل کر پوچھا۔

"یہ فیصلہ تم خود کر سکتے ہو کہ تم کیا ہو۔ میں نے ایسی کوئی ناروا بات نہیں کہی۔" ویرا اطمینان سے بولی۔

ان دونوں کی بحث کا فائدہ اٹھا کر میں خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ ڈرائنگ روم میں غزالہ اطمینان سے بیٹھی ٹیلی وژن پروگرام دیکھ رہی تھی۔ اسے میرے پاس آنے والی فون کال کی کوئی فکر تھی، نہ کمرے میں ویرا کے پہنچنے کا کوئی اندیشہ۔ اس کی بے نیازی پر میرا دل چاہا کہ اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں مگر ویرا اور سلطان شاہ کی قریب آتی ہوئی آوازوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لڑتے ہوئے باہر آ رہے تھے۔

"کل سے آپ مسلسل مصروف ہیں، تھک گئے ہوں گے۔" غزالہ نے میری طرف محبت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا "جلدی سے نہا دھو کر کھانا کھا لیں پھر آرام کی تیاری کریں۔"

میری حالت دیکھ کر اس نے اپنے تجسس کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ اپنی آمد کے بعد کے واقعات کے بارے میں کچھ پوچھنے کے بجائے اسے میرے آرام کی فکر ہو گئی تھی۔

"تم اسٹیشن فور سے بوب رافیل کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے تھے۔ اتنی کہانی ہم نے ویرا سے سن لی ہے۔ یہ بتاؤ کہ آگے کیا ہوا؟" سلطان شاہ نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہونا کیا تھا؟" پروگرام کے مطابق دو امریکی افسر وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ بوب کو ان کے حوالے کر کے ہم تینوں واپس چلے آئے۔ یہ سب ویرا کی موجودگی میں طے ہو چکا تھا۔"

"اس کے سوا کچھ نہیں ہوا؟" ویرا نے حیرت اور مایوسی سے سوال کیا۔

"کچھ اور ہونے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ تم خود بتاؤ کہ وہاں اور کیا ہو سکتا تھا۔"

"تم خود کو اوّل درجے کا باتونی اور باریک بین سمجھتے ہو۔ تمہاری اور ران کی باتیں بھی ہوئی ہوں گی۔ ان میں کوئی کام کی بات بھی سامنے آ سکتی تھی۔"

"وہ دونوں اناڑی نہیں تھے۔ اپنا آدمی واپس لینے کے لیے امریکیوں نے اپنے خرانٹ افسر بھیجے تھے۔ وہ ضرورت سے زیادہ بات کرنے سے گریز کر رہے تھے اس لیے ہم واپس آ گئے۔"

"میں نہیں مان سکتی۔" ویرا نے اپنی گردن جھٹک کر کہا "تم کوئی بات چھپا رہے ہو؟"

میں کچھ دیر تک۔۔۔ ان دونوں کو زچ کرتا رہا پھر انہیں پوری

بات بتادی۔ میں خود بھی تھکا ہوا تھا۔ ان دونوں کی تفتیش سے فارغ ہو کر جلد از جلد غزالہ کے مشوروں پر عمل کرنا چاہتا تھا۔
بوب رائفل کی برطرفی کی خبر میری طرح ان کے لیے بھی اطمینان بخش تھی۔ اس بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتی تھیں کہ جو کچھ ہوا' وہ بہت آبرومندانہ انداز میں ہوا تھا۔
"تم نے ابھی تک نہیں بتایا کہ فون پر تم کس سے باتیں کر رہے تھے؟" وہ موضوع سمٹتے ہی ویرا نے ایک مرتبہ پھر موبائل فون پر آنے والی نیما کی کال کا ذکر نکال دیا۔
غزالہ کو شاید ویرا کا تحکمانہ لہجہ پسند نہیں آیا۔ اس نے سنجیدگی سے کہا "چھوڑو ویرا۔ یہ نہیں بتانا چاہتے تو تم کیوں اصرار کر رہی ہو۔ ایک ساتھ رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ایک دوسرے پر مسلط رہیں۔"
"الفاظ میری سمجھ میں نہیں آئے مگر نسوانی آواز میں نے اپنے کانوں سے سنی ہے۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر کہا "کیا اب بھی تم اپنی رائے پر قائم رہو گی؟"
ویرا کے انکشاف پر غزالہ کے چہرے کے تاثرات میں سرِمو فرق نہیں آیا۔ وہ سکون سے بولی "ہو سکتا ہے کہ نیما نے فون کیا ہو۔ یہ کل اسے اپنا فون نمبر دے آئے تھے۔ یہ بات تم بھی جانتی ہو۔"
"اسی کا فون تھا۔" میں نے فاتحانہ لہجے میں کہا اور ویرا اپنی جگہ پر بل کھا کر رہ گئی "وہ کام کی لڑکی ہے اس لیے میں اسے وقت دے رہا ہوں۔ وہ کسی وقت ہمارے کام آسکتی ہے۔"
"اپنی بات کرو۔ سب کو نہ لپیٹو۔" ویرا نے کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچنے کی کوشش کی "ایسی آوارہ اور پیشہ ور لڑکی تمہارے ہی کام آسکتی ہے۔ ہم میں سے کسی کو اس سے دلچسپی نہیں ہے۔"
"آج کے دن کی کامیابیوں کو تلخی سے برباد نہ کرو۔" غزالہ کا بگڑتا ہوا موڈ دیکھ کر سلطان شاہ نے اعلان کیا "جب تک ڈینی نہا دھو کر نکلے' کھانے کی میز تیار ہو جانی چاہیے۔"
غزالہ فوراً ہی اٹھ کر کچن کی طرف چل دی۔ معمول کے برعکس ویرا نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔
"تم بیٹھی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ کچن میں جا کر غزالہ کا ہاتھ بٹاؤ۔" سلطان شاہ نے اسے شرم دلائی۔ میں نے اٹھنے کا ارادہ چند ثانیوں کے لیے ملتوی کر دیا تاکہ نئی بحث کا انجام دیکھ سکوں۔
"کبھی کبھی تم بھی گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹایا کرو۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "ہم سے زیادہ کھاتے ہو تو اتنا کام بھی کیا کرو۔ عورتیں تمہاری زرخرید غلام نہیں ہیں۔"
"عورتوں کے کام عورتوں کو ہی زیب دیتے ہیں۔ چلو شاباش' جلدی سے کچن میں جاؤ۔"
"تم بہت حرام خور ہو گئے ہو۔" ویرا ملامت بھرے لہجے میں بولی "تم جیسے مردوں کو کسی مال بردار جہاز کے کارگو ہولڈ میں ٹھونس کر دو چار مہینوں کے لیے یورپ یا امریکا کے کسی شہر میں ڈال دیا جائے تو اپنے کام کر کر کے دماغ پر چڑھی ہوئی ساری چربی پگھل جائے گی۔ وہاں ہر شخص اپنا کام خود کرتا ہے۔"
"کبھی کبھی میں اپنا ہی نہیں' تمہارا کام بھی کر دیتا ہوں۔"
سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا "یہ جلے کٹے طعنے تم ڈینی کو سناؤ۔ اس شخص نے آج تک پانی کا گلاس بھی خود سے نہیں لیا۔"
سلطان شاہ نے اپنی بلا میرے سر ٹالنے کی کوشش کی تھی جو رائیگاں گئی۔
ویرا منہ بنا کے کہہ رہی تھی "پانی کے گلاس تم کو ہی مبارک ہوں۔ ہم اسکاچ والے لوگ ہیں۔ اپنا گلاس لبریز ہو تو اتنی احتیاط سے اٹھاتے ہیں کہ ایک بوند بھی نہیں چھلکنے پاتی۔"
"لاحول ولا قوۃ" سلطان شاہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ گیا "مجھے معلوم تھا کہ کھانے سے پہلے تم کسی نہ کسی بہانے سے ایک دو گلاس ضرور چڑھاؤ گی۔ اسٹیشن فور سے یہاں آتے ہی تمہاری پرانی عادتیں دوبارہ ابھر رہی ہیں۔"
ویرا نے مزید جلانے کے لیے اسے آنکھ ماری اور مسکراتے ہوئے بولی "وہ سنگلاخ ویرانہ تھا' یہ گلشن ہے۔ یہاں عربی' عجمی اور افریقی طالب علموں کی سہولت کے لیے بہت سی دکانوں سے شراب مل جاتی ہے تو میں اس سہولت سے فیض کیوں نہ اٹھاؤں؟ میں تمہاری طرح کفرانِ نعمت نہیں کرتی۔"
سلطان شاہ اسے کوئی جواب دیے بغیر ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا۔
"تم جلدی سے نہا کر آجاؤ۔ میں تمہارے لیے بھی ایک تگڑا گلاس بنا کر لا رہی ہوں۔ تمہاری ساری تکان اتر جائے گی۔" ویرا نے مجھ سے کہا "کل تم نے نیما پر محنت کی اور آج بھی سارا دن مصروف رہے ہو۔ تھک گئے ہو گے۔"
میری تکان کا خیال اسے بھی آیا مگر دیر سے آیا۔ شاید اس لیے کہ وہ میری بیوی نہیں تھی!
وہ مے نوشی کے ارادے سے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔
میں نہانے کے لیے اپنی خواب گاہ سے ملحق باتھ روم میں گھس گیا۔ نیم گرم اور پھر ٹھنڈے پانی کے تیز شاور نے ذرا سی دیر میں میری طبیعت تازہ کر دی۔ بدن پر پانی پڑا تو اشتہا کی خواہش جاگ اٹھی۔ مجھے یاد آیا کہ ہم نے وہ سارا دن محض چائے وغیرہ پر گزارہ تھا۔ اسٹیشن فور پر سارا دن کچھ ایسے حالات رہے کہ ہم میں سے کسی کو دوپہر کے کھانے کا دھیان تک نہیں آیا تھا۔
میں غسل مختصر کر کے باہر نکل آیا۔ کمرے سے نکل کر میں نے کچن میں جھانکا تو غزالہ روٹیاں پکا رہی تھی۔ سلطان شاہ مقدور بھر اس کی مدد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
ویرا نے اس وقت کچن میں جانے سے انکار کر دیا تھا اس لیے غزالہ پر کام کا بوجھ بڑھ گیا تھا اور کھانا لگنے میں تاخیر ہونے کے روشن امکانات نظر آرہے تھے۔
میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا صوفے پر نیم دراز' سگریٹ کا کش لے رہی تھی۔ اس کے سامنے میز پر موجود دونوں شفاف

گلاسوں میں موجود سیال کا رنگ خطرناک حد تک گہرا تھا۔
ایک گلاس لبریز تھا' دوسرا نصف رہ گیا تھا۔ ویرا نے خاصی بے صبری سے مے نوشی کی ابتدا کی تھی۔
"کیا نیٹ ہی بھر لائی ہو؟" میں نے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
"ففٹی ففٹی' یعنی نیا نیم ہے۔" وہ میری آنکھوں میں جھانک کر مسکرائی "اسکاچ میں برابر کا ٹھنڈا یخ پانی ملایا ہے۔ تیزی سے پیو گے تو نیا والا سرور تازہ ہو جائے گا۔"
"اب وہ مجبور لڑکی نہ جانے کب تک تمہارے ذہن پر سوار رہے گی۔" میں نے ترحم آمیز لہجے میں کہا۔
"دیکھو ڈینی! تم میرے شوہر نہیں' دوست ہو۔ سمجھے؟" اس نے آگے جھک کر تیز لہجے میں سرگوشی کی "میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں... تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ میرے سامنے تمہارے جھوٹ نہیں چل سکتے۔ سچ سچ بتاؤ کہ کل اسے اس کے اڈے سے نکال کر کہاں لے گئے تھے؟"
"صرف ساحلِ سمندر تک۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا "ہم کہیں بھی گاڑی سے نہیں اترے۔ نسرین کے گھر سے ساحل اور پھر واپس۔"
ویرا کچھ کہے بغیر چند ثانیوں تک میری آنکھوں میں جھانکتی رہی پھر اس نے اپنا گلاس اٹھا لیا "گلاس اٹھاؤ... یہ پہلا لمبا جام تمہاری نیا کے نام ہوگا۔"
"میں نے شراب نوشی ترک کر دی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے آگاہ کیا۔
"ہائیں!" ویرا کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئیں۔ "کیا میں تمہارے دعوے پر اعتبار کر لوں؟"
"گلاس سامنے ہے اور میں تمہیں پیتے ہوئے دیکھوں گا۔ میرے دعوے کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا؟"
"مگر کیوں؟ تم نے اتنا بڑا فیصلہ اتنی خاموشی سے کب اور کیسے کر لیا۔"
"بڑے فیصلے خاموشی سے اور اچانک ہی کیے جاتے ہیں۔" میں نے اسے سنجیدگی سے جواب دیا "اپنا گلاس ختم کر کے میرا گلاس بھی تم ہی پی لینا۔ اپنے کمرے کا ایک چکر لگانے سے بچ جاؤ گی۔"
میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ میرے اس فیصلے کا محرک کیا تھا۔
میرے انکار پر ویرا اپنے گلاس کو لبوں تک لے جانا بھول بیٹھی تھی۔ اس نے پوچھا "ایسا تو نہیں کہ تم نے میرے ساتھ بیٹھ کر پینے سے توبہ کی ہو۔ غزالہ ہماری ایسی بیٹھکوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتی۔"
"میرے اس فیصلے کا غزالہ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔ کہیں بھی میرے ہاتھ میں شراب دیکھ لو

الجھن

پوچھا ایک کسان کے بیٹے نے دوسرے کسان کے بیٹے سے "تمہارے ابا آج کل بڑی الجھن میں دکھائی دیتے ہیں۔ بات کیا ہے؟"
دراصل ان کے پاس پچیس ہزار روپے ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ ان سے بھینس خریدیں یا سیکنڈ ہینڈ اسکوٹر۔ ان پیسوں میں صرف ایک ہی چیز آسکتی ہے۔"
"بھئی اسکوٹر خرید لیں تو بہتر ہے۔ اگر وہ بھینس پر بیٹھ کر سفر کریں گے تو لوگ ہنسیں گے۔"
"وہ تو ٹھیک ہے... لیکن انہوں نے اسکوٹر سے دودھ دوہنے کی کوشش کی تو لوگ اس سے بھی زیادہ ہنسیں گے۔"

تو تم میرا ہاتھ توڑ دینا۔ نہیں پئی تو پھر کہیں بھی نہیں پیئی۔"
"شاید تمہیں اپنے اوپر اعتماد نہیں رہا۔ ڈرتے ہو کہ کہیں زیادہ پی کر بہک نہ جاؤ۔" اس نے ٹٹولنے والے انداز میں کہا۔
"تم جو چاہو' سمجھ سکتی ہو۔ میں کوئی صفائی پیش نہیں کروں گا۔" بات کہتے کہتے میری نظر اس کے گلاس پر پڑی اور میں نے بے ساختہ اسے ٹوک دیا "دیکھو' تمہارا گلاس ٹیڑھا ہو رہا ہے۔ اسکاچ گرنے والی ہے۔"
اس نے چونک کر اپنا ہاتھ سیدھا کیا۔ گلاس اوپر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر ہونٹوں سے لگا لیا۔
تیز اسکاچ کا بقیہ نصف گلاس ایک ہی سانس میں خالی کر کے اس نے میز پر رکھا تو اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیرنے لگی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ تیز اسکاچ کا لمبا گھونٹ لیا جائے تو حلق سے معدے تک آگ کی ایک لکیر سی تیرتی چلی جاتی ہے اور اس لذت انگیز سوزش سے آنکھوں میں خود بہ خود آنسو آجاتے ہیں۔
ویرا چند ثانیوں تک خاموشی سے سگریٹ کے کش لیتی رہی پھر دوبارہ بھولے ہوئے موضوع پر آگئی "تو تم نیا کو صرف ساحل سمندر تک لے گئے تھے۔"
"تم بلاوجہ اس بات پر اپنا سر کھپا رہی ہو۔ میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟"
"پھر آج اس نے تمہیں کیوں فون کیا تھا؟" ویرا نے دوسرا' بھرا ہوا گلاس اپنے سامنے سرکا لیا۔
"اس وقت کافی الکحل تمہارے معدے میں اتر چکی ہے اس لیے مجھے زبان کھولنی ہی پڑے گی۔" میں نے پہلو بدل کر کہا "کل وہ

مقبول کو خوف زدہ کرکے بھگانے پر تلی تھی۔ آج مسروقہ اکارڈ کی خبر اخبار میں پڑھنے کے بعد اس کی مالکن یا نائکا نے اسے معاف کردیا۔ یہ باتیں وہ میرے علم میں لانا چاہتی تھی۔"

"تمہاری گفتگو اس سے جان چھڑانے والی نہیں تھی۔ تم فون کرنے کے لیے اس کی حوصلہ افزائی کررہے تھے بلکہ اپنا نمبر لے کر خود اس سے رابطہ برقرار رکھنے کے خواہاں تھے۔ تم اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟"

میں ویرا کو اس کے سوال کا مسکت جواب دے سکتا تھا مگر میں اس موضوع پر زبان کھولنے سے گریز کررہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "وہ بھی جان چھڑانے کی کوشش تھی۔ کیا تم مجھے اتنا ہی گیا گزرا سمجھتی ہو کہ جو عورت چند سکوں کے مول ہر وقت حاصل کی جاسکتی ہے، اس کے لیے میں اپنا وقت برباد کرتا پھروں گا۔"

"اس وقت میں تمہارے بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ شراب تمہارے خون میں رچی ہوئی تھی۔ آج تم نے اچانک اسے ترک کردیا۔ راجر بروک کی زبان سے بنیاد پرست کا لفظ سن کر تم یکایک بھڑک اٹھے تھے۔ میرے لیے یہ باتیں کسی خاص سمت کی نشان دہی کررہی ہیں۔ ایسی حالت میں تم کوئی بھی فیصلہ کرسکتے ہو۔"

"حالت!" میں بے ساختہ ہنس پڑا "تم کس حالت کی بات کررہی ہو؟ کیا تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میرا دماغ چل گیا ہے، میں پاگل ہوگیا ہوں۔"

"جہاں بات ہورہی ہے، اسے وہیں رہنے دو۔" اس نے دوسرے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر کہا "اسے اتنا آگے مت لے جاؤ۔ مجھے تم اس وقت کسی خاص رو کے زیر اثر آئے ہوئے نظر آرہے ہو۔"

میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر ویرا کی طرف دیکھا۔ وہ پوری طرح سنجیدہ تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، میرے لیے دلچسپ لیکن ذرا غیر واضح تھا۔ میں نے کہا "تم فکر نہ کرو۔ میں پوری طرح ہوش و حواس میں ہوں۔ تمہیں سینگ نہیں ماروں گا۔ تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو، ذرا کھل کر کہو۔"

اسی وقت سلطان شاہ نے ڈائننگ ٹیبل پر چمچے سے ایک پلیٹ کو بجانا شروع کردیا۔ وہ اس کی طرف سے میز تیار ہونے کا اعلان تھا۔

"اپنی یہ بے تکی موسیقی بند کرو۔" ویرا نے گلاس سے مزید ایک گھونٹ لے کر کہا "ہم بہرے نہیں ہیں۔ ایک منٹ میں میز پر آرہے ہیں۔"

"آجاؤ۔" وہ اپنا گلاس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی "اچھا ہے کہ اس گفتگو میں سب شامل ہوجائیں ورنہ بعد میں ہر ایک کو الگ الگ پوری بات بتانے میں میرا دماغ خالی ہوجائے گا۔"

"تمہاری باتوں سے ظاہر ہورہا ہے کہ وہ پہلے ہی خالی ہوچکا ہے۔" میں نے اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی "مگر پھر بھی میں تمہارے نادر خیالات سے آگاہ ہونا چاہتا ہوں۔"

کچن کے معاملات میں اس وقت ویرا کے عدم تعاون کے اثرات زائل کرنے کے لیے سلطان شاہ نے پوری طرح غزالہ کا ہاتھ بٹایا تھا۔ وہ دونوں میز لگائے ہمارے منتظر تھے۔ ویرا نے وہاں پہنچتے ہی تعریفی نظروں سے میز کا جائزہ لیا اور سلطان شاہ کی پشت پر تھپکی دیتے ہوئے بولی "شاباش! اسی طرح غزالہ کا ہاتھ بٹاتے رہا کرو تاکہ مجھے سکھ کا سانس لینے کا موقع مل سکے۔ چند دنوں میں خاصے سگھڑ ہوجاؤ گے۔"

"اس خیال میں نہ رہنا۔ مجھے وقت پر ناشتا اور کھانا تیار نہیں ملا تو میں بلا تکلف ہوٹل بازی شروع کردوں گا۔"

"ہونہہ!" ویرا نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا اور کہا "اس وقت کڑوی باتیں مت کرو۔ تمہیں جشن منانا چاہیے کہ ڈینی نے شراب نوشی ترک کردی ہے۔"

ان دونوں کے لیے وہ واقعی بڑی خبر تھی۔ ان کی تحیر زدہ نگاہیں میری طرف اٹھیں۔ ویرا کے برعکس میرے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ غزالہ کی آنکھوں میں محبت، اپنائیت اور فخر سے ملی جلی چمک تیرنے لگی۔

"کیا ویرا واقعی سچ کہہ رہی ہے؟" سلطان شاہ نے تحیر زدہ لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"ہاں!" مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی "مگر یہ اتنی زیادہ خوشی کی بات نہیں ہے۔ راجر بروک نے بنیاد پرستی کا طعنہ دے کر ڈینی کے ذہن میں دبی ہوئی کسی چنگاری کو ہوا دے دی ہے۔ اس کے نتیجے میں ڈینی نے شراب چھوڑ دی اور اب شاید گندے بازار کی دلدل میں پھنسی ہوئی ایک بے سہارا لڑکی کو سہارا دے کر ایک اور نیکی کمانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ نینا کو اپنا گھر اور اپنا شوہر مل جائے گا، ڈینی کا ضمیر مطمئن بلکہ کچھ زیادہ ہی مطمئن ہوجائے گا...."

اس وقت ویرا اسکاچ کے زیر اثر کچھ زیادہ ہی بول رہی تھی۔ اس نے کئی باتوں کو غیر ضروری طور پر یک جا کرکے اپنے طور پر ایک کہانی بنالی تھی، جس کی تردید ضروری ہوگئی تھی۔

میں نے درمیان سے ہی اس کی بات کاٹ دی اور کہا "نینا تمہارے اعصاب پر چھائی ہوئی ہے حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے خلاف بنائی ہوئی، اکرم الہٰی کی فائل تک ہماری رہنمائی کرسکتی ہے۔"

ویرا حیرت سے منہ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی جیسے یکایک میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گی۔ غیر متوقع طور پر ہمارا یہ مشن نہایت آسان ثابت ہوا۔ رستم نے بسیرا کے محاصرے کے بعد اپنے نواسے سمیت خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ تفتیش کے دوران میں اس نے انکشاف کیا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ اسی اثنا میں مجھے اخبار کے ذریعے اطلاع ملی کہ رابن نامی امریکی یہودی موہنی پنڈت سے ملنے اس کے گھر آرہا ہے۔ رابن 'پنڈت اور رستم پر بہت برہم تھا۔ اس نے منوہر لال کی خواب گاہ میں موہنی پنڈت کو گولی مار کر ہلاک کردیا مگر خود میرے ہاتھوں جہنم واصل

ہوگیا۔ پنڈت منوہر لال کو اسلام آباد منتقل کردیا گیا۔ اس کی خواہش کے احترام میں موہنی پنڈت کی آخری رسومات وہیں پنڈت کی موجودگی میں ادا کی گئیں۔ وہ کچھ بولنے پر آمادہ نہیں تھا اس لیے مجھے اور اول خان کو اسلام آباد طلب کیا گیا۔ ایرپورٹ پر اطلاع ملی کہ موہنی پنڈت کی لاش کی اسلام آباد روانگی کے بعد سے ایرپورٹ پر چند مشکوک افراد کراچی سے جانے والے مسافروں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ میں رابن مائر کے زندہ بچ جانے اور اس سے بھیانک انتقام کے فرضی وعدے پر پنڈت کی زبان پر لگے قفل کو کھلوانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے انکشاف کیا کہ رستم پاکستان میں رہ کر دیگر جرائم کے علاوہ ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف تھا۔ اسی اثنا میں ہمارے علم میں آیا کہ رستم کی خودکشی کے حوالے سے ایک نام نہاد بین الاقوامی تنظیم فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں اقلیتوں کے انسانی حقوق کی پامالی کا واویلا مچارہی ہے۔ اسلام آباد میں ہمیں کراچی سے خبر ملی کہ

......ایرپورٹ پر مشکوک افراد کا تعلق داؤد سے تھا جو [illegible] رہاند کی پرچیوں کے علاوہ چھوٹے بڑے جرائم بھی کرتا تھا۔ ہماری اسلام آباد سے واپسی تک داؤد کو اسٹیشن فور پہنچایا جاچکا تھا۔ تشدد کے بعد اس نے بتایا کہ اسے ٹیلی فون پر ایک نامعلوم شخص نے پہلے موہنی پنڈت کی لاش اور پھر ایرپورٹ کی نگرانی کرنے کا کام پچاس ہزار روپے کے عوض سونپا تھا۔ داؤد اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی رہائی سے بہت خوف زدہ تھا' اسے ڈر تھا کہ وہ مار دیا جائے گا۔ اول خان نے بتایا کہ ایجنسیوں نے فریڈم انٹرنیشنل کو کلیرنس دے دی ہے۔ ٹیلی فون ڈپارٹمنٹ میں اول خان کے دوست کے ذریعے ہمیں داؤد کو موصول ہونے والی کالوں کے ریکارڈ سے مائیکرو آنوز کا علم ہوا۔ اپنے بارے میں داؤد کا خدشہ درست ثابت ہوا اور وہ ہم سے رہائی حاصل کرنے کے ۲۴ گھنٹوں کے اندر مار ڈالا گیا۔ اسی دوران میں انکشاف ہوا کہ مائیکرو آنوز اور فریڈم انٹرنیشنل

ڈیفنس کے علاقے میں ایک ہی عمارت میں واقع ہیں۔ داؤد کے قتل کے بعد اس عمارت پر کامیاب کارروائی کی گئی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر پہنچ گیا۔ عمارت سے ہمیں اس کا ماموں اکرم الٰہی ہاتھ آگیا۔ وہ اپنے بھانجے سے سخت نالاں تھا۔ میں اپنی ایک کوشش کے ذریعے مقبول چوہدری کو اس کے بل سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور منتقل کردیا گیا۔ اکرم الٰہی کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگائی جاچکی تھی جس کے ذریعے ہمیں علم ہوا کہ مقبول چوہدری پر پڑنے والی افتاد کے بعد ایک امریکی سفارت کار اس سے ملاقات کرنے اسلام آباد سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی جاری تھی۔ ہم اسے اس امریکی سفارت کار کے ساتھ قابو کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لیے ہوٹل میں مورچہ لگائے بیٹھے تھے۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ ہم غلطی کرچکے ہیں۔ حلیے میں نمایاں تبدیلی کی وجہ سے ہم اسے

نہیں پہچان سکتے تھے جبکہ وہ ہمیں دور سے شناخت کرسکتا تھا۔ حسب توقع وہ ریستوران میں بوب رافیل کے ساتھ موجود تھا۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی۔ مگر ویرا کی بروقت آمد کی وجہ سے وہ ہمارے قابو میں آگیا۔ ہوٹل میں بوب رافیل نے سفارتی حیثیت کا حوالہ دے کر جان چھڑانا چاہی مگر ناکام ہوا۔ ہم نے آئی بی والوں سے رابطہ کیا' اسلام آباد میں ان کی کارروائیوں کے باعث امریکیوں کو اس معاملے میں خفت سے دوچار ہونا پڑا اور بوب رافیل صدر امریکا کے ایک حکم کے تحت اپنے عہدے سے برطرف ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرم الٰہی سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس نے بتایا کہ وہ بظاہر انسداد ہیروئن کے لیے قائم کی گئی امریکی ایجنسی فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کی خفیہ سرگرمیوں کے حوالے سے بلیک میل کرکے خطیر رقوم حاصل کرتا رہا ہے۔ فورڈ فاؤنڈیشن کی ان سرگرمیوں کی فائل اس کے قبضے میں تھی جسے مقبول چوہدری نے اس سے حاصل کرلیا تھا۔ ہمارے لیے اس فائل کا حصول بہت ضروری تھا۔ مجھے نیما نے بتایا کہ مقبول چوہدری نے اپنی منظور نظر طوائف کے گھر میں ایک بریف کیس رکھوایا تھا اور اس کی حفاظت کی تاکید کی تھی میں نے یہ بتا کر کہ نیما اکرم الٰہی کی مرتب کردہ فائل تک ہماری رہنمائی کرسکتی ہے سب کو حیران کردیا۔ ویرا حیرت سے منہ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی جیسے یکایک میرے سر پر سینگ اگ آئے ہوں۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"اکرم الٰہی کی فائل سے نیما کا کیا تعلق نکل آیا؟" ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھے اس سے بلاوجہ باتیں کرنے کا شوق نہیں تھا۔" میں نے ہلکے سے طنز سے کہا "وہ لاعلمی میں کچھ کارآمد باتوں کی نشاندہی کر بیٹھی تھی۔ میں اس سے ہونے والی گفتگو کو طول دینے پر مجبور ہوگیا تھا۔"

"پھر تم نے بات ادھوری کیوں چھوڑ دی؟" ویرا نے سوال کیا "ہوسکتا ہے کہ کل اسے تم سے بات کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ اس وقت وہ روانی میں تمہیں بہت کچھ بتاسکتی تھی۔"

"وہ ضرور بتاتی اور میرا ارادہ بھی یہی تھا کہ اس سے ہر بات اُگلوالوں مگر تم ایک مصیبت بن کر میرے سر پر مسلط ہوچکی تھیں۔ تمہاری کسی بے جا مداخلت سے وہ بھڑک جاتی تو اسے سنبھالنا مشکل ہوجاتا۔ اس الجھن سے بچنے کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ میں اس سے گفتگو مختصر کردوں۔"

"تمہاری باتوں سے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے تم اس سے رومانس لڑا رہے ہو۔" ویرا نے اشتیاق آمیز لہجے میں کہا "اپنے لب و لہجے سے تم اس پر فدا ہوئے جارہے تھے۔"

میں نے بے بسی سے غزالہ کی طرف دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا اور مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "اگر یہ کسی لڑکی سے عشق لڑا رہے تھے تو مجھے فکر مند ہونا چاہیے۔ تمہیں کیا پریشانی تھی؟"

"اگر تم نے ڈینی کو بالکل ہی بے لگام چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے تو مجھے ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت ہے۔ ڈینی پورے شہر میں عشق لڑاتا پھرے' میں اسے بالکل نہیں روکوں گی۔"

"حالات کی ستائی ہوئی لڑکیاں باہر سے بہت خود غرض اور شاید سنگ دل نظر آتی ہیں۔" میں نے اونچی آواز میں مداخلت کرکے ان دونوں کو خاموش کردیا۔ "لیکن اندر سے وہ بہت حساس ہوتی ہیں۔ کسی پر ذرا بھی بھروسا ہوجائے تو اس کو اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھتی ہیں۔ یہی حال نیما کا بھی ہے...."

"یعنی وہ تمہیں اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھی ہے؟" ویرا نے میری بات کاٹ کر تائید طلب لہجے میں استفسار کیا۔

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی "تم شروع ہی

سے میری اور اس کی ملاقات کے بارے میں بدگمانیوں میں مبتلا تھیں لیکن یقین کرو کہ ہم گاڑی میں ساحل تک گئے اور واپس آئے تھے۔ میں نے نسرین کو پوری رقم ادا کی تھی مگر نیما کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اسی بات نے اس کا دل موہ لیا تھا۔"

"اور تم نے اس کی توقعات پر پورا اترنے کی کوششیں شروع کردیں۔" ویرا نے لقمہ دیا۔

"بار بار دخل اندازی مت کرو۔" میں نے ناگواری سے کہا۔ "ایک مرتبہ پوری بات سن لو پھر جو کچھ کہنا چاہتی ہو' اطمینان سے کہتی چلی جانا' میں بالکل نہیں بولوں گا۔"

"اس بارے میں تمہارا اعتراف ہی زیادہ مناسب رہے گا۔ کہہ ڈالو' میں سن رہی ہوں۔"

"یہ اعتراف نہیں' حقیقت ہے کہ وہ مجھ سے کچھ عجیب سی توقعات وابستہ کر بیٹھی ہے جن کا پورا ہونا ناممکنات میں سے ہے۔" میں نے بات شروع کی "مگر اس نے ایک ایسے بریف کیس کا ذکر کرکے مجھے چونکا دیا جو مقبول چوہدری نے کچھ دن پہلے نسرین کے پاس رکھوایا تھا۔"

"اس بریف کیس میں کیا ہے؟" میرا فقرہ مکمل ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا۔

میں مسکرا کر رہ گیا "وہی بتانے جارہا ہوں۔ نیما کا خیال ہے کہ اس بریف کیس میں مقبول کی بھاری دولت ہوگی۔ مجھے شبہ ہے کہ اس میں وہی کاغذات ہیں جو اکرم الٰہی نے فورڈ فاؤنڈیشن کی مشتبہ سرگرمیوں کے بارے میں یکجا کیے تھے۔ اپنے ماموں کو قیدی بنانے کے ساتھ ہی مقبول نے ان کاغذوں پر بھی قبضہ کرلیا ہوگا۔"

"اور تم اس بریف کیس پر قبضہ کرنے کے لیے نیما کو استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"مجھے نیما کی ذات میں اس سے زیادہ کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے اقرار کیا۔

"شرم کی بات ہے۔" ویرا نے یکایک ہی اپنی کینچلی بدل لی "تم اس کے جذبات سے کھیل کر اپنا آلۂ کار بنانا چاہ رہے ہو۔ تمہارا ضمیر اس فعل پر تمہیں ملامت نہیں کرے گا؟"

"میں اپنی کسی ذاتی غرض کے حصول کے لیے اسے دھوکا دیتا تو میرا ضمیر مجھے ضرور ملامت کرتا۔ وہ ایک پیشہ ور لڑکی ہے۔ نسرین کے ایما پر اب تک نہ جانے کتنے مردوں کو فریب دے چکی ہے۔ اگر میں ایک عظیم تر اور قومی مقصد کے لیے اسے استعمال کرلوں گا تو مجھے ذرا بھی ملال نہیں ہوگا۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وقت نے تمہیں اتنا سفاک بنادیا ہوگا۔" ویرا منہ بنا کے بولی۔

"اپنے اندازے کی غلطی پر ڈینی کو الزام نہ دو۔" سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تمہارا خیال تھا ک
ڈینی اس لڑکی سے سادی کے لیے پر تول رہا ہے۔۔۔"

"تم خود سن چکے ہو۔" ویرا نے ترشی سے اس کی با
کاٹ دی "ڈینی کی نیت جو بھی رہی ہو' یہ نیما سے فون پر بہت والہانہ انداز میں باتیں کررہا تھا۔"

"اور کچھ نہیں' یہ ذہنیت کا فتور ہے۔" سلطان شاہ۔
غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا "آدمی کے اپنے دماغ میں گند بھ
ہوا ہو تو وہ دوسرے کو بھی گندہ سمجھتا ہے۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گ

"اس بات کو اب یہیں ختم کردو۔"

"ابھی تو بات ڈالی ہی نہیں گئی تھی۔ ویرا چاہے تو میں زبان بند کیے لیتا ہوں۔"

"میں آج پیش گوئی کررہی ہوں کہ تمہارا حشر بیا
کوّے جیسا ہوگا۔" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے جواب د
"تم چاہو یا نہ چاہو' تمہارے پلّے نیما جیسی کوئی آوارہ لڑکی
پڑے گی۔"

"دوسروں کے بارے میں رائے زنی کرنے سے پہ
آدمی کو اپنے گریبان میں جھانک لینا چاہیے۔" سلطان ش
نے بے پروائی سے کہا "آج کل کی آزادیوں میں سب کچھ
چوپٹ ہو کر رہ گیا ہے۔"

سلطان شاہ کا وہ وار خاصا برمحل اور کاری ثابت ہوا
ویرا اس کے جواب میں فوری طور پر ایک لفظ بھی نہ کہہ س
اور غزالہ کو وہ ناخوش گوار موضوع تبدیل کرنے کا سنہرا مو
ہاتھ آگیا۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مقبول کے بریف کیس میں
اکرم الٰہی کے کاغذات ہوں گے؟"

"یہ میرا اندازہ ہے جو غلط بھی ثابت ہوسکتا ہے۔" میں
نے بحث سے بچنے کی کوشش کی۔

"غزالہ کا سوال معقول ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی
تائید کی "اگر وہ بریف کیس کئی دن پہلے نسرین کے پاس
رکھوایا گیا تھا تو اس میں کاغذات کی موجودگی کا امکان نظ
نہیں آتا۔"

"تمہاری یہ منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔" ویرا
خفت مٹانے کے لیے زبان کھولی۔

"چند روز پہلے حالات پوری طرح مقبول چوہدری ک
کنٹرول میں تھے۔" سلطان شاہ اسی سے مخاطب ہوکر ب
"اکرم الٰہی اس کی قید میں پوری طرح بے بس تھا۔ مائ
سینٹر کی پوری عمارت پر اس کا مکمل تسلط تھا۔ اسے
کاغذات نسرین کے پاس رکھوانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حالات یوں اچانک پلٹا کھا جائیں گے۔ آئی بی والوں کے بھیجے ہوئے' سادہ پوش احتجاجی وفد کی جارحانہ کارروائیوں سے پہلے مائیکرو سینٹر اس کا ناقابلِ تسخیر قلعہ تھا۔" غزالہ نے دلائل میں اضافہ کیا۔

"یہ سب درست ہے مگر یہ نہ بھولو کہ ہم منظّم جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ فورڈ فاؤنڈیشن یا اس میں گھسے ہوئے سی آئی اے کے ایجنٹوں کے لیے اکرم الٰہی کو مروانا کوئی بڑا کام نہیں تھا مگر وہ ان کاغذات کی وجہ سے اسے زندہ رکھنے پر مجبور تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اکرم مارا گیا اور وہ فائل غلط ہاتھوں میں چلی گئی تو فورڈ فاؤنڈیشن کو عالمی سطح پر روسیاہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اکرم سے فائل واپس لیے بغیر وہ اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔"

"میں خاک نہیں سمجھ سکا کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"اسٹیشن فور پر ویرا نے اپنے طور پر رافیل سے بازپُرس کی تھی۔" میں نے ان دونوں کو آگاہ کیا "اکرم الٰہی کی فائل میں فورڈ فاؤنڈیشن کی خفیہ اور مذموم سرگرمیوں کا ناقابلِ تردید ریکارڈ موجود ہے۔ بوب رافیل نے بتایا کہ وہ اسی ریکارڈ کی بنا پر فاؤنڈیشن کو بلیک میل کر کے لمبی لمبی رقمیں بٹور رہا تھا اور وہ مجبور تھے۔"

"اور یہ بات مقبول چوہدری بھی جانتا تھا۔" ویرا نے موقع پاتے ہی میری بات آگے بڑھائی۔

"اکرم الٰہی انہیں بلیک میل کر رہا تھا' مقبول چوہدری ان کا دوست تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی ان کاغذات کی تلاش کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ امریکی سفارت کاروں نے فریڈم انٹرنیشنل سے زیادہ مقبول چوہدری کی حمایت میں احتجاج کیا تھا۔ جوں ہی انہیں پتا چلا کہ مقبول چوہدری کا تختہ الٹ دیا گیا ہے اور اکرم دوبارہ میدان میں آ گیا ہے تو ان پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی اور اسی بوکھلاہٹ میں بوب رافیل' اسلام آباد سے کراچی دوڑا چلا آیا۔"

"بریف کیس کی بات اب بھی واضح نہیں ہو سکی۔" غزالہ نے مجھے ٹوک دیا۔

"حیرت ہے کہ تم پر بھی سلطان شاہ کا سایہ پڑنے لگا ہے۔" اس مرتبہ بھی ویرا نے میرا ساتھ دیا "سیدھی سی بات ہے۔ مال کمانے کے لیے مقبول چوہدری بھی ان کاغذات سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس نے اپنے آقاؤں کو تاثر دیا ہوگا کہ وہ اکرم الٰہی کے سازوسامان میں ان کاغذات یا کسی فائل کی تلاش میں لگا ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ اسے یہ اندیشہ بھی رہا ہوگا کہ فائل یا کاغذوں کی تلاش کے لیے فورڈ

فاؤنڈیشن والے اپنے آدمی مائیکرو سینٹر نہ بھیج دیں۔ اس نے فوری طور پر سارے کاغذات بریف کیس میں مقفل کر کے نرگس یا نسرین کے گھر پر حفاظت سے رکھوا دیے۔ فورڈ فاؤنڈیشن والے سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے راز ایک قحبہ خانے میں پہنچ چکے ہوں گے۔" وہ اپنے ذہن سے نشے کے اثرات جھٹکنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

"ویری گڈ!" سلطان شاہ نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "اب پوری طرح صورتِ حال واضح ہوگئی۔ اس کا مطلب ہے کہ نیا کے بارے میں تمہیں ڈینی کے نیک عزائم کا بھی اندازہ ہو چکا ہوگا۔"

"میرے سامنے اب اس کمینی کا نام نہ لینا۔" ویرا غصیلے لہجے میں بولی "مجھے ایسی لڑکیوں سے سخت نفرت ہے جو زبردستی ہر مرد کے گلے کا ہار بننے کی کوشش کرتی ہیں۔"

"نادرہ سے بھی تمہیں اسی لیے نفرت تھی۔" سلطان شاہ نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تمہیں ہر اس عورت یا لڑکی سے نفرت ہو جاتی ہے جو کسی بھی وجہ سے ڈینی سے مراسم استوار کرنے لگے۔"

مجھے ڈر تھا کہ سلطان شاہ کے اس الزام پر ویرا بھڑک اٹھے گی لیکن میری توقع کے برعکس، وہ مسکراتے ہوئے بولی "ڈینی کو میں اپنا دوست سمجھتی ہوں اور دوست ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ غزالہ اور ڈینی کے درمیان تیسرے درجے کی کسی عورت کی وجہ سے کوئی تلخی پیدا ہو۔"

ایسی چھوٹی موٹی تلخیوں کے لیے ویرا کا وجود ہی کافی تھا اس کے لیے مزید کسی اور کی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا پھر ویرا سے کہا "تم واقعی ایک عظیم اور راست باز عورت ہو۔"

"عورت نہیں، لڑکی کہو۔" ویرا نے شگفتہ انداز میں فوراً میری تصحیح کرنی ضروری سمجھی۔ "روایتی طور پر ہر غیر شادی شدہ خاتون لڑکی ہوتی ہے بلکہ بعض عورتیں خاصے باوقار شوہروں اور کئی بچوں کی مالک ہونے کے باوجود خود کو مس یا لڑکی کہلوانا پسند کرتی ہیں۔ دانستہ اپنے نام کے ساتھ مسز نہیں لگاتیں تاکہ انہیں عمر بھر شک کا فائدہ ملتا رہے۔"

"ایسا مغرب میں ہوتا ہوگا۔ یہاں شک کی صورت میں نقصان ہی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔" سلطان شاہ بولا "خاص طور پر عورت پر ذرا بھی شک ہو جائے تو اس کی عمر بھر کی نیک نامی خاک میں مل جاتی ہے۔"

ویرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر سلطان شاہ کی نکتہ آفرینی کو خراجِ تحسین پیش کیا پھر بولی "یہاں تک ہم چاروں کے درمیان اتفاق رائے ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب اس بریف کیس کا کیا کیا جائے۔"

"تم نے گڑبڑ کردی ورنہ ڈینی نے شاید آج ہی نیا کو شیشے میں اتار لیا ہوتا۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"اب وہ کل رات تمہیں فون کرے گی؟" ویرا نے مجھ سے استفسار کیا۔

"ہاں، اس شرط پر کہ اسے موقع مل سکا ورنہ انتظار طول پکڑ سکتا ہے۔"

"تم نے اس پر کافی زور دیا تھا۔ وہ ہر قیمت پر تمہیں فون کرے گی۔" ویرا نے پُریقین لہجے میں کہا۔

"اتنے واضح نتیجے پر پہنچنے کے بعد کل رات تک کون انتظار کرے گا؟" سلطان شاہ بولا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے جواب دیا "میں اسے فون نہیں کر سکتا۔ نسرین کے اڈّے پر اس کی پوزیشن مخدوش ہو جائے گی۔"

"تم پورے حالات سے باخبر ہو، اس لیے تمہارا قیاس بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔ ہم بے خبری میں اس فائل کی نوعیت پر شکوک و شبہات کا اظہار کر رہے تھے۔" سلطان شاہ نے مفاہمانہ لہجے میں کہا "اب ہمیں وقت ضائع کیے بغیر اس فائل کو اپنی تحویل میں لے لینا چاہیے۔"

"لے سکتے ہو تو لے لو۔ تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔" ویرا نے بے پروائی سے فرمان جاری کر دیا۔

سلطان شاہ نے غصیلی نگاہوں سے اسے گھورا لیکن کوئی کڑوا کسیلا تبصرہ کرنے کے بجائے قدرے توقف اختیار کیا پھر بولا "آج کل شہر میں ڈکیتیوں کا زور ہے۔ ہم بھی نسرین کے گھر ڈاکا ڈال سکتے ہیں۔"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ صرف نسرین کا گھر نہیں بلکہ بے راہ روی کا ایک باقاعدہ اڈّا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا "اس کے زیرِ سایہ کام کرنے والی لڑکیاں گاہکوں کے ساتھ اس کی چار دیواری میں بنے ہوئے کمروں میں محصور رہتی ہیں۔ کسی بھی گڑبڑ کی صورت میں بہکے ہوئے گاہکوں میں سے کسی نے آتشیں اسلحے کا استعمال شروع کر دیا تو تم کسی بدنصیب غنچے کی طرح بن کھلے مرجھا جاؤ گے۔ یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔"

"پھر کیا کیا جائے؟" سلطان شاہ نے میری تاویل قبول کرتے ہوئے سوال کیا۔

”انتظار اور صرف انتظار۔“ میں نے پورے سکون سے جواب دیا ”اب نئے سرے سے دوبارہ بات ہونے کے بعد ہی کوئی لائحہ عمل طے کیا جاسکے گا۔“

کھانے کی میز تیار تھی۔ ہم چاروں نے اپنی اپنی کرسیاں سنبھال لیں تو سلطان شاہ نے قدرے حیرت سے کہا ”باتوں میں الجھ کر ہم سب سے اہم نکتہ بالکل ہی فراموش کر بیٹھے۔ کیا یہ درست ہے کہ تم شراب نوشی ترک کرچکے ہو؟؟“

”اب یہ ایک حقیقت ہے۔ تمہیں اس پر شبہ نہیں ہونا چاہیے۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔

”یقین نہیں آتا کہ تم جیسا پرانا پاپی اتنی آسانی سے تائب ہو سکتا ہے۔“

”اب بلاوجہ حجت مت کرو۔“ غزالہ نے منہ بنا کر سلطان شاہ سے کہا ”اچھے فیصلے اسی طرح اچانک کیے جاتے ہیں۔ تمہیں اس پر اتنی حیرت کیوں ہے؟؟“

”مچھلی اگر سمندر چھوڑ کر ساحل کی ریت پر زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلے تو حیرت ضرور ہوگی۔“ سلطان شاہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا ”دیکھنا ہے کہ ڈینی کا یہ فیصلہ کتنے دن چلتا ہے۔“

”یہ تم نے میرے دل کی بات کی ہے۔“ ویرا نے کھلے دل سے اس کی حوصلہ افزائی کی ”بسیار نوشی کی انتہا کے بعد میں بھی ماضی میں کئی بار ایسے جذباتی فیصلے کرچکی ہوں لیکن ان پر کبھی بھی زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکی۔ ہفتے عشرے کے بعد ایسا ہر فیصلہ خود بہ خود ٹوٹ جاتا ہے۔“

”مجھے یقین ہے کہ ان کے ساتھ ایسا نہیں ہوگا“ غزالہ نے پورے اعتماد سے کہا ”یہ جب بھی کوئی فیصلہ کرتے ہیں، سوچ سمجھ کر کرتے ہیں اور پھر اس پر قائم رہتے ہیں۔“

وہ تینوں اس بارے میں اپنے اپنے انداز میں رائے زنی کرتے رہے۔ میں سر جھکائے، خاموشی سے کھانے میں مصروف رہا۔ مجھے یقین تھا کہ میں غزالہ کے پندار کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔

کھانے سے فارغ ہوکر میں ڈرائنگ روم میں ٹیلی وژن کے سامنے آبیٹھا۔ سلطان شاہ نے میری تقلید کی۔ چند منٹ بعد ویرا بھی ہمارے ساتھ آملی۔ غزالہ کچن سمیٹنے میں مصروف تھی۔

”آج سب کچھ بہت تیزی سے ہوتا چلا گیا۔“ کچھ دیر کے توقف کے بعد سلطان شاہ بولا ”لیکن اب مجھے یہ بات عجیب سی لگ رہی ہے کہ ایک اجنبی اور مقامی ٹیکسی ڈرائیور، ویرا پر کوئی شبہ کیے بغیر آسانی کے ساتھ اس کی ہر ہدایت پر عمل کرتا چلا گیا۔ کیا تمہیں یہ بات غیر فطری محسوس نہیں ہورہی؟؟“

”واقعات سے الگ تھلگ ہوکر سوچو گے تو یہ واقعی عجیب واقعہ محسوس ہوگا مگر ویرا نے اس کی حب الوطنی سے فائدہ اٹھایا اور اس سے کام لیتی چلی گئی۔ بعد میں مجید کو خود بھی اندازہ ہوگیا کہ وہ کسی غلط عورت کا آلہ کار نہیں بنا ہے۔“

”بعد میں تو سب کچھ سامنے آگیا۔ مجھے الجھن یہ ہے کہ اس نے ویرا کی باتوں پر من وعن یقین کیسے کرلیا جب کہ اکرم الٰہی ایک مقامی تھا اور ویرا ایک مستند سفید فام ہے۔“

”ویرا سفید فام ضرور ہے لیکن اس کی زبان سے صاف ستھری اردو سن کر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ ایک مدت سے یہاں رہ رہی ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ غیر ملکیوں کو اپنی زبان بولتے دیکھ کر عام لوگوں کو کیسی حیرت اور خوشی ہوتی ہے۔ ایسے غیر ملکیوں کے لیے ہر ایک اپنائیت محسوس کرنے لگتا ہے۔“

”ابتدا میں وہ میری اردو سے ہی مرعوب ہوا تھا۔ اس کی باتوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ مجھے کسی پاکستانی مرد کی غیر ملکی بیوی سمجھ رہا تھا“ ویرا نے ہنستے ہوئے کہا۔

”عورتوں کے لیے ہر دل میں نرم گوشہ موجود ہوتا ہے پھر ویرا غیر ملکی اور خوب رو ہے۔ وہ اردو داں ہے۔ اردو اتنی بڑی زبان نہیں ہے کہ غیر ملکیوں میں اس کا استعمال عام ہو“ میں نے وضاحت کی ”مجید کی ساری فطری حمایت اور ہمدردی ویرا کے ساتھ تھی پھر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اکرم الٰہی مشتبہ انداز میں دوڑ لگاتا ہوا ہوٹل سے نکلا اور اپنے سامنے آنے والی پہلی خالی ٹیکسی میں سوار ہوکر وہاں سے فرار ہوگیا۔ وہ ایک سادہ لوح اور محب وطن آدمی تھا۔ اس کے پاس ویرا کی کہانی پر یقین کرنے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔“

”ویرا کی سچائی کا ثبوت سامنے آنے سے پہلے اس کے ذہن میں یہ خوف بھی رہا ہوگا کہ اگر ویرا کوئی مجرمانہ مقصد لے کر اپنے گھر سے نکلی تھی تو ڈرائیور کے عدم تعاون کی صورت میں اس پر ہتھیار بھی نکال سکتی تھی“ سلطان شاہ نے تفہیمی لہجے میں گویا خود کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”منطق کی حد تک تم یہ دلیل دے سکتے ہو“ ویرا بولی ”لیکن ہم دونوں کے درمیان ابتدا سے آخر تک شک و شبہے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ واقعات کے ڈھب اور اس کی

ذہنی کیفیت کا اندازہ تم اسی ایک بات سے لگا سکتے ہو کہ گلشن اقبال میں اس نے دگنے کرائے کے لالچ میں تیز رفتاری کے جوہر دکھانے شروع کیے تھے لیکن آخر میں جب اس پر یہ عقدہ کھلا کہ وہ اپنے ملک کے ایک غدار کے خلاف مہم سر کر رہا ہے تو اس نے کرائے کی مد میں یا اپنی خدمات کے عوض ایک پیسا بھی لینے سے انکار کردیا۔ سب کچھ اچانک نہیں ہوا۔ گرہیں یکے بعد دیگرے کھلی تھیں۔"

"ویرا نے گیارہ بجے اپنی منزل پر پہنچنے کے بارے میں فکرمندی ظاہر کی تھی" میں نے سلطان شاہ کی ذہنی کیفیت کا ادراک کرتے ہوئے آخری نکتہ پیش کیا" وہ ڈرائیونگ کے سارے کمالات دکھانے کے باوجود چند منٹ کی تاخیر سے وہاں پہنچا تو اکرم الٰہی فرار ہورہا تھا۔ اسے قلق ہوا ہوگا کہ وہ چند منٹ پہلے وہاں نہیں پہنچ سکا۔ وہ ذہین اور حساس آدمی تھا۔ غبی ہوتا تب بھی سمجھ لیتا کہ وقت کتنا اہم تھا۔ ویرا چند منٹ پہلے ہوٹل پہنچ جاتی تو شاید اکرم الٰہی کو وہاں سے فرار ہونے کا موقع نہ ملتا۔"

"ہونہہ!" سلطان شاہ نے تضحیک کے انداز میں کہا "ویرا چند منٹ پہلے پہنچ گئی ہوتی تو کون سا تیر مار لیتی۔ کسی کو کچھ پتا نہیں تھا کہ وہاں کیا ہورہا ہے۔ تم نے آخری لمحات میں ریستوران پر چڑھائی کرکے اسے بدکنے پر مجبور کردیا ورنہ تمہیں بھی معلوم ہے کہ ایس ٹی ایف کے مسلح اور ذہین کارندے آخر تک ہوٹل میں داخل ہونے کے راستوں کی کڑی نگرانی کرتے رہے۔ انہیں آخر تک بھنک نہیں مل سکی کہ اکرم الٰہی بدلے ہوئے حلیے میں ان کی ناکوں کے نیچے سے گزر چکا تھا۔ وہ اس کی آمد کا انتظار کررہے تھے اور وہ وہاں پہنچنے کے بعد، خطرہ بھانپتے ہی، سوئمنگ پول کی سمت سے فرار ہوچکا تھا۔"

"تم نرے بدھو ہو" میں ہنس پڑا "میں حقائق کی نہیں، مجید کی سوچ کی بات کررہا تھا۔"

"ہاں، اس کے نزدیک تو ویرا ہی اس واقعے کی ہیرو بلکہ ہیروئن تھی اور تم جانتے ہو کہ ہیروئن کتنی بھیانک شے ہے۔ تمہارا پیدا کیا ہوا فساد فی سبیل اللہ نہیں ہے۔ تمہاری اصل لڑائی ہیروئن سے ہے۔"

"تم حقائق کو دھندلا سکتے ہو، جھٹلا نہیں سکتے" ویرا تلملا کے بولی "میں نے تن تنہا اکرم الٰہی کو فرار کے بعد پکڑا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے ڈینی کی حاشیہ برداری کرنے کے سوا کیا تیر مارا۔"

"میں اکیلا نہیں تھا، غزالہ بھی میرے ساتھ تھی"

سلطان شاہ نے غزالہ کو ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے د کر مدافعانہ لہجے میں کہا "یہ بتائے گی کہ ہم وہاں کیا کر ر تھے۔"

"کیا بات ہے؟" غزالہ نے اپنا نام سن کر حیرت س پوچھا "میرے بارے میں کیا بحث ہورہی ہے؟"

"ویرا جاننا چاہتی ہے کہ بوب رائفل اور اکرم الٰہی سلسلے میں تم نے کیا کارکردگی دکھائی ہے" سلطان شاہ اپنے سر آیا ہوا سوال بہت خوش اسلوبی سے غزالہ کے س ڈال دیا۔

"میں کیا کرسکتی تھی؟" غزالہ نے شانے اچکا کے بسی سے کہا "ہمیں کو جو ذمے داری سونپی گئی تھی، ہم نے پوری کی۔ اکرم الٰہی ہماری طرف سے ہوٹل میں داخل نہیں ہوا تھا۔"

"یہ بلاوجہ تمہیں مجھ سے لڑوانے کی کوشش کرر ہے۔" ویرا نے صفائی پیش کی "میں نے تمہاری کارکردگی بارے میں کوئی سوال نہیں اٹھایا تھا۔ یہ سلطان شاہ ک شرارت ہے۔"

"اپنی بات تبدیل مت کرو۔ ابھی تم دعویٰ کررہی تھیں کہ تم نے اکرم الٰہی کو پکڑا مگر میں نے اور غزالہ نے یک ہونے کے باوجود کوئی تیر نہیں مارا۔ ہم دونوں بس ڈینی کی حاشیہ برداری کرتے رہے۔"

"وہ میری اور تمہاری بات تھی۔ میں نے غزالہ کا نا نہیں لیا تھا" ویرا غرائی۔

"ہم دونوں ایک ساتھ تھے" غزالہ نے بات کی نوعیت سمجھے بغیر وضاحت کی "ہمارے سامنے کچھ بھی نہیں تھا پھر ہم کیا کرتے؟ طویل انتظار کے بعد جوں ہی گڑبڑ کا پیغام ملا، اند پہنچ گئے۔ ہوٹل کے اگلے اور پچھلے حصے کے درمیان ات فاصلہ حائل ہے کہ ایک طرف کچھ بھی ہوتا رہے، دوسری طرف کانوں کان پتا نہیں چلتا۔"

غزالہ کی آمد سے ان کی بحث نے پھر طول پکڑ لیا تھا مگر میں ان کی موشگافیوں سے زیادہ محظوظ نہیں ہوسکا کیونکہ اسی وقت میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنی شروع ہوگئی۔

میں نے کال ریسیو کی تو دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا۔

"یہاں کیا ہورہا ہے؟" سلام دعا کے بعد اس نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا "اسلام آباد میں عجیب ہلچل مچی ہوئی ہے اور افواہوں کے طوفان میں کچھ پتا نہیں چل رہا کہ تم کیا کرگزرے ہو۔"

"میں کچھ بھی نہیں کر رہا۔ کھانا کھانے کے بعد ٹیلی وژن پروگرام دیکھ رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" اس کی اضطراری آواز ابھری "تمہیں جو کچھ کرنا تھا، کر گزرے ہو اور اب چین کی بانسری بجا رہے ہو لیکن میں اسلام آباد سے ابھی ابھی اسٹیشن فور پہنچا ہوں۔ دارالحکومت کی فضاؤں میں بس دو نام سرگوشیوں کی طرح گونج رہے ہیں۔ امریکی صدر اور پاکستان کا ڈینی ۔۔۔ حامد کی کہانی بھی حیران کن ہے۔ تم نے بوب رافیل پر کیسے ہاتھ ڈال دیا؟ امریکی سفارت خانے میں سوشل منسٹر کا عہدہ بہت اہم ہوتا ہے۔"

"ہوتا ہوگا۔" میں نے دل ہی دل میں اس کے اضطراب سے محظوظ ہوتے ہوئے بے پروائی سے کہا "ہمارا نشانہ بوب رافیل نہیں تھا بلکہ ایک مشتبہ امریکی تھا جس نے اسٹیفن کوائے کے نام سے اسلام آباد سے کراچی کا سفر کیا تھا۔"

"اوہ!" اول خان کی تحیر زدہ آواز میرے کانوں میں گونجی "اس کا مطلب ہے کہ وہ محض کسی اتفاق کی بنا پر اپنی گردن تمہارے ہاتھوں میں دے بیٹھا اور امریکی صدر کی جان کا روگ بن گیا۔"

"یہ حقیقت نہیں بلکہ وہ موقف ہے جو آئی بی والوں نے اختیار کیا ہے۔"

"حامد نے مجھے بتایا ہے کہ اسٹیشن فور پر اس کا بہت برا حشر کیا گیا تھا۔"

"بُرے اور بھلے کے بارے میں تو بوب رافیل ہی کچھ کہہ سکتا ہے۔ پہلے میں نے اس پر کچھ تجربہ کیا اور پھر ویرا نے اپنے داؤ آزمائے اور وہ خاصی باتیں اگلتا چلا گیا۔"

"گویا ۔۔۔ یعنی تمہیں معلوم تھا کہ تم نے بوب رافیل کو اپنی گرفت میں لیا ہے؟" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"اکرم الٰہی سے اس کی گفتگو ریکارڈ کی گئی تھی۔ وہ کسی خاص مشن پر صبح کی فلائٹ سے کراچی اور پھر مقررہ ہوٹل کے ریستوران میں پہنچا تھا۔ وہ ہمارے ہاتھوں سے نکل جاتا تو شاید میں اپنا منہ پیٹنے پر مجبور ہو جاتا۔"

"سنا ہے کہ وقت کے فرق کو نظر انداز کر کے منہ اندھیرے امریکی صدر کو گہری نیند سے جگایا گیا تھا۔"

"ابتدائی افواہوں سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔ بعد کے واقعات نے اس افواہ کی تائید کر دی۔ میں نے جس وقت بوب رافیل کو اس کے ہم وطنوں کے حوالے کیا' امریکا میں دفتری اوقات کار کا آغاز ہی ہوا ہوگا۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ سارے فیصلے نہایت سرعت سے کیے گئے تھے۔"

"اگر امریکی صدر نے اپنا تھوکا ہوا چاٹا ہے تو بوب رافیل کی واپسی ایک انعام سے کم نہیں تھی۔ تم مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ وہ کس طرح تمہارے ہاتھ لگا۔ اسٹیفن کوائے اور بوب رافیل کا کیا چکر تھا؟"

ہم بوب رافیل ہی کی راہ پر لگے ہوئے تھے۔ اس کی احتیاط اور رازداری اپنی جگہ پر تھی مگر اکرم الٰہی نے اسے بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ ایس ٹی ایف والے مائیکرو سینٹر کی نگرانی کرتے رہے ۔۔۔

"کہانی کا یہ حصہ مجھے معلوم ہے۔" اول خان نے اضطراری انداز میں میری بات کاٹتے ہوئے کہا "حامد سے میری تفصیلی بات ہوئی ہے۔ اس نے اسٹیفن کوائے کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔"

"ہم نے اسے بوب رافیل کی حیثیت میں پکڑا تھا۔ بعد میں اس کی زبان سے یہ حقیقت اگلوائی کہ اس نے اسلام آباد سے کراچی تک کا سفر اسٹیفن کوائے کے نام سے کیا تھا۔ باتوں کے چکر میں آ کر اس نے اپنے بیان کی تصدیق کے لیے خود ہی اپنے ٹکٹ کا بقیہ حصہ ہمارے حوالے کیا تھا۔ وہیں سے اس کی بدبختی کا آغاز ہو گیا۔"

"صاف ظاہر ہے کہ تم نے اسے بوب رافیل تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہوگا اور اسٹیفن کوائے کی مشتبہ حیثیت میں تم اس کے ساتھ ہر من مانا سلوک کر سکتے تھے۔" اول خان فوراً ہی پوری بات سمجھ گیا۔ اس نے فون پر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "حیرت ہے کہ حامد نے اس اہم ترین واقعے کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ اس نکتے کی اہمیت نہ سمجھ سکا ہو۔ اسے علم نہیں تھا کہ میری اور جلال کی کیا گفتگو ہو چکی تھی۔ یہ جلال کا مشورہ تھا کہ میں بوب رافیل کو اس کی سفارتی شناخت استعمال کرنے کا موقع نہ دوں۔ میں نے اپنی گفتگو اسی ڈھب پر جاری رکھی اور وہ نہایت بے بسی سے میرے ٹریپ میں پھنستا چلا گیا۔"

"اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ یہاں کیا کچھ نہ ہوا ہوگا۔ اپنے دہرے نام کا اعتراف کر کے اس نے اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مار لی تھی۔ نام کے بارے میں ثبوت حاصل ہو جانے کے بعد تم اس کی چمڑی بھی ادھیڑ سکتے تھے۔"

"ہمیں معلوم تھا کہ وہ بوب رافیل ہی ہے اور ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود اسے جلد ہی سفارتی مراعات کے

ویانا کنونشن کے تحت رہا کرنا پڑ جائے گا مگر ہم نے اسے اسٹیفن کوائے قرار دیا۔"

"تمہیں اس کا پورا اختیار تھا۔" اس نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے تائید کی "تمہارے سامنے دو ہی باتیں تھیں۔ ایک اس کا دعویٰ اور دوسرا اس کا اعتراف جس کا ثبوت بھی موجود تھا۔ تمہیں پورا حق حاصل تھا کہ ان دو میں سے کسی ایک کو مسترد کردو۔"

"اس بارے میں حامد کو کوئی لیکچر دینے نہ بیٹھ جانا۔" میں نے اسے تاکید کی "جلال سے میرا براہِ راست رابطہ رہا۔ حامد کو ذرا بھی علم نہیں کہ میرے اور اس کے درمیان کیا باتیں ہوتی رہیں۔ اسے اندازہ نہیں ہوسکا ہوگا کہ میں نے بوب رافیل کو دانستہ ایک ایسی راہ پر ڈالا تھا کہ وہ اپنے خفیہ سفر کے حوالے سے کوئی بات چھیڑے۔"

"جو کچھ بھی ہوا ہے، یہ طے ہے کہ اس بار تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ آئی بی والے اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سب کچھ اتنی سرعت سے رونما ہوا کہ خبروں اور افواہوں کے ساتھ تمہارا نام سینہ بہ سینہ پھیلتا چلا گیا۔ یہ بات ہر ایک کے لیے حیران کن تھی کہ امریکا جیسے طاقت ور ملک کے سفارت خانے میں مامور ایک سوشل منسٹر پر کس بنیاد پر ہاتھ ڈالا گیا ہوگا۔"

"واقعات اسی طرح رونما ہوتے ہیں مگر ان کا ذکر چلتا رہتا ہے۔" یہ بتاؤ کہ تم اپنے مشن سے فارغ ہوکر آئے ہو یا دوبارہ شہر سے باہر جانے کا کوئی پروگرام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں تو اپنی دانست میں فارغ ہوکر ہی آیا ہوں۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس کا جواب آیا "لیکن ایسی ملازمت میں ہر وقت پابہ رکاب رہنا پڑتا ہے۔ پتا نہیں کب کیا حکم آجائے۔"

وہ ایک انتہائی خفیہ ادارے بلکہ تنظیم سے وابستہ تھا جو ذہنوں میں بستی تھی اور پاکستان کی سرزمین پر پوری طرح فعال تھی مگر دستیاب کاغذات پر کہیں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔ اس بنا پر میں نے اس کے مشن کے بارے میں کوئی سوال نہیں پوچھا۔ ویسے مجھے یہ خلش ضرور تھی کہ جب اسپیشل ٹاسک فورس کے اسٹیشن ملک بھر کے شہروں میں پھیلے ہوئے تھے تو شمال میں کسی کام کے لیے وہاں کے کسی مقامی اسٹیشن کے سربراہ سے کام لینے کے بجائے اول خان کو کیوں طلب کیا گیا تھا۔

"اچھا ہوا کہ تم لوٹ آئے۔ حامد نے کاموں کے سلسلے میں تمہاری کمی کا احساس نہیں ہونے دیا لیکن اس سے وہ دوستی اور بے تکلفی نہیں ہے جو تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارے نہ ہونے کی وجہ سے میں چھاؤنی کی چیک پوسٹ پر ایک بار پھنس گیا تھا۔"

"فون پر حامد نے مجھے بتایا تھا۔ اب تم جس وقت بھی آؤ گے، تمہارا شناختی کارڈ بن جائے گا۔"

"تو کیا کرنل جمال دستی کا کارڈ تلف کردوں؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"وہ نام اب بہت مخدوش ہے۔ اسے تلف ہی کردو۔ وہ کسی بھی وقت تمہاری جان کا جنجال بن سکتا ہے۔ بظاہر بوب رافیل کا معاملہ نمٹ گیا ہے مگر جان اسمتھ کے آدمی اس وقت بھی ہوٹل کے عملے اور گاہکوں سے ذاتی رابطے کرکے یہ جاننے کی کوششیں کررہے ہیں کہ اس کی گرفتاری کن حالات میں ہوئی تھی اور اس میں کون سی ایجنسیاں ملوث تھیں۔"

"تو کیا یہ خبر درست ہے کہ جان اسمتھ کراچی میں سی آئی اے کا مقامی چیف ہے؟"

"چند روز پہلے تک مجھے بھی یہی غلط فہمی تھی۔ جان اسمتھ صرف کراچی کے لیے نہیں بلکہ ایک بڑے خطے کے لیے کام کررہا ہے۔ وہ پورے پاکستان کے ساتھ ایران اور افغانستان میں بھی سی آئی اے کو کنٹرول کرتا ہے۔ میں اسی کے پیدا کیے ہوئے ایک فتنے کے سدِباب کے لیے کراچی سے باہر گیا ہوا تھا۔"

"شدید خواہش کے باوجود میں نے اس بارے میں تم سے کوئی سوال نہیں پوچھا!"

"اچھا کیا۔ اب بھی خاموش رہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ مجھے اصل خوشی اس بات کی ہے بوب رافیل کو بری طرح رگڑنے کے ساتھ تم نے ایک اور زیادہ بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔"

"جب مناسب سمجھو تو مجھے اس سے آگاہ کردینا.... فی الحال تم نے مجھے نئی الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"تمہیں خود اندازہ ہوجانا چاہیے۔ تم آئی بی کے دو مقامی افسران کے ساتھ براہِ راست سی آئی اے کے ایک بڑے عہدے دار سے ملے ہو اور اسے شبہ بھی نہیں ہوا کہ تم ڈمی ہوسکتے ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ درمیانی خراب دور گزر چکا ہے اور اب تم ماضی کی طرح ایک بار پھر امریکیوں کے لیے محض ایک نام بن کر رہ گئے ہو۔"

"واقعی، تم نے بالکل صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے۔" میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا "شروع سے اب تک میرا ذہن اس

نکتے کی طرف مبذول نہیں ہو سکا تھا۔ ایسی صورت میں کرنل جمال دستی والا مفروضہ واقعی دفن ہو جانا چاہیے۔"
"اب اپنی الجھن کے بارے میں بتا ڈالو۔ میرا خیال ہے کہ میں نے تم سے سیدھی سیدھی باتیں کی ہیں۔"
"اگر جان اسمتھ تین اہم ملکوں میں سی آئی اے کی سرگرمیوں کا نگران ہے تو وہ کراچی میں کیا کر رہا ہے؟ اس کی تعیناتی کا بہتر مقام اسلام آباد ہونا چاہیے۔ وہاں وہ زیادہ باخبر رہ سکتا ہے۔"
"اسلام آباد ہمارے ملک کا حساس ترین شہر ہے۔ وہاں ہماری ایجنسیوں کا نیٹ ورک اور حفاظتی حصار بہت مضبوط ہے۔ ہر مشتبہ شخص پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ ہمارے دشمنوں نے اپنے تلخ تجربات کی بنا پر آئی بی اور آئی ایس آئی کو بھی افسانوی درجے پر فائز کیا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی بنا پر اسے کراچی میں رکھا گیا ہو۔"
"آئی بی والے یہاں بھی ہیں بلکہ یہاں تو ان کے پاس صدف مینشن جیسی خوف آور عمارت بھی ہے۔"
"ادارہ ایک ہی ہوتا ہے مگر مقام کی اہمیت کے اعتبار سے اس کی عمومی کارکردگی مختلف ہوتی ہے۔ اسلام آباد میں ان کے بہترین اور تجربے کار آدمی یک جا ہیں اور اب تو تم بھی آدھے آئی بی والے ہوگئے ہو۔"
اس نے آخری فقرہ ہنسی کے دوران میں ادا کیا تھا مگر میں نے سنجیدگی سے کہا "وقتی طور پر کسی سے بھی مل بیٹھوں، ایس ٹی ایف سے میری وابستگی کمزور نہیں ہو سکتی کیونکہ تم لوگ میرے طریقوں کے مطابق کام کرتے ہو۔"
"اسلام آباد میں فون پر جلال سے دو مرتبہ بات ہوئی تو میں نے اندازہ لگایا کہ وہ تمہارے ساتھ بہت بے تکلف ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں اپنے پاس بلانے کی کوشش کرے۔"
"یہ ٹھیک ہے کہ ہماری بے تکلفی میں اضافہ ہوا ہے۔ خشک، نازک اور اعصاب شکن فرائض کی مسلسل ادائیگی سے اکتا کر اس نے مجھ سے کچھ بے سروپا باتیں بھی کی ہیں جنہیں میں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ترقی ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے لوگ اپنے بڑے عہدوں کے حصار میں گھرتے چلے جاتے ہیں۔ اپنے ماتحتوں سے کھل کر بات نہیں کر سکتے، جاننے والوں سے سوچ سوچ کر ہر لفظ بولتے ہیں۔ انہیں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کے کسی قول یا فعل سے کوئی اہم سرکاری راز افشا نہ ہو جائے۔ یہ بوجھ حد سے تجاوز کرنے لگتا ہے تو انسان کسی قریبی دوست کے ساتھ فضول گوئی کر کے دل کی بھڑاس نکال لیتا ہے۔ اور بس!"
"تمہارا تجزیہ قابلِ قدر ہے۔ اسلام آباد کو ویسے بھی گریڈوں کا شہر کہا جاتا ہے۔ میل جول اور سماجی زندگی میں بھی لوگ ایک دوسرے کے گریڈ کا دھیان رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جلال اسی تصنع سے اکتایا ہوا ہو۔" اول خان کو مجھ سے فرصت سے بات کرنے کا موقع ملا تھا تو وہ ہر ہر موضوع کے ساتھ مکمل انصاف کرنے پر تلا ہوا تھا۔
مجھے اپنے شانے پر ہلکے سے دباؤ کا احساس ہو رہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "اب ہمیں ان دو قیدیوں کو دیکھنا ہے جو تمہارے اسٹیشن فور میں بند ہیں۔ کل صبح وہیں ملاقات ہوگی۔"
"ابھی کیوں نہیں آجاتے؟" اول خان نے جھٹ سے سوال کر دیا "وہ دونوں بُرے حال میں ہیں اور ان کی زبانیں چل پڑی ہیں لیکن حامد اس صورتِ حال سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسے نہیں معلوم کہ تم ان سے اپنے کن سوالوں کے جواب حاصل کرنا چاہتے ہو۔ ابھی آجاؤ تو صبح دیر تک نیند پوری کر سکتے ہو۔ میں بھی اپنا وزن ہلکا کرلوں گا۔"
"تمہیں اپنا کون سا وزن ہلکا کرنا ہے؟" میں نے حیرت زدہ آواز میں پوچھا۔
"فنڈز آگئے ہیں۔ تمہارا وہ ادھار ادا کرنا ہے جو اوبرائن ڈی ہنٹ کے قتل کے لیے تم نے رستم ایرانی کو ادا کیا تھا۔" اس نے یاد دلایا "ایس ٹی ایف کافی دن تمہاری مقروض رہی ہے۔"
"تمہیں معلوم ہے کہ مجھے رقم کی اتنی زیادہ حاجت نہیں ہے۔ رستم کو وہ رقم ادا کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں گمان بھی نہیں تھا کہ میں وہ رقم تم سے وصول کروں گا۔ ویسے تم اصرار کر رہے ہو تو میں آجاؤں گا۔"
اس مرحلے پر میں نے ذرا بھی اشارہ نہیں کیا کہ اکرم الٰہی کی خفیہ فائل کے بارے میں حالات نے یکایک کیا قلابازی کھائی تھی۔ اسے نیا والے معاملات کی بھنک بھی مل جاتی تو وہ گفتگو زیادہ طول پکڑ سکتی تھی۔
"تم جانتے ہو کہ اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی کھوپڑیوں میں کیا کچھ موجود ہے اور اس میں سے کیا کچھ اگلوا کر ہم اپنے کام کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ اعصاب ٹوٹ پھوٹ جائیں تو مجرموں کے لیے رات کی ہیبت بہت زیادہ ڈراؤنی ہو جاتی ہے۔ دن کے اجالے کے مقابلے میں وہ اندھیرے میں زیادہ آسانی سے سچ بولنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"
"ٹھیک ہے۔ میں چند منٹ میں یہاں سے نکل رہا

ہوں۔“ میں نے گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا اور فون بند کردیا۔
ویرا نے کچھ ہی دیر پہلے خاصی مے نوشی کی تھی مگر مباحثے میں الجھ جانے کے باعث اس کا خاصا خمار اتر چکا تھا۔ پھر بھی وہ اس وقت باہر جانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ معمول کے برعکس اس وقت سلطان شاہ نے بھی میرے ساتھ جانے کے لیے ضد نہیں کی۔ میرے لیے گھر سے اسٹیشن فور تک کا فاصلہ زیادہ طویل نہیں تھا لیکن پھر بھی میں ان میں سے کسی کی پیش کش کا منتظر تھا۔
”آپ چاہیں تو میں ساتھ چلوں؟“ غزالہ نے شاید میری آنکھوں سے میری وہ خواہش پڑھ لی۔
”نہیں، نہیں۔“ سلطان شاہ جلدی سے بول پڑا ”تم جاکر کیا کرو گی۔“
میں جلدی سے اپنے کمرے میں گھس گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ غزالہ میری خواہش کے سامنے کسی کے مشورے کو وقعت نہیں دے گی۔
سلطان شاہ کے لہجے کی بوکھلاہٹ سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ویرا کے ساتھ ایک لمبی مدت گزار لینے کے باوجود اس نفسیاتی خوف سے نجات نہیں پاسکا تھا جو اسے ویرا کی طرف سے تنہائی میں لاحق رہتا تھا۔
ویرا بظاہر سلطان شاہ سے ہر وقت کسی نہ کسی مسئلے پر الجھتی رہتی تھی مگر میں جانتا تھا کہ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں سلطان شاہ کے لیے پسندیدگی کے جراثیم پرورش پارہے تھے۔ سلطان شاہ سے ہر وقت مخالفت کے اظہار پر کمر بستہ رہنے کے جواب وہ اس سے نفرت نہیں کرتی تھی۔ بس اپنی پیش رفت کے جواب میں منفی ردِعمل کا سامنا کرنے کی وجہ سے چڑچڑے پن کا شکار رہتی تھی اور وہی اس کی کمزوری تھی۔
مجھے غزالہ کی روانگی پر سلطان شاہ کی تشویش کا سبب معلوم تھا مگر مجھے یقین تھا کہ ہم دونوں کی غیر حاضری میں ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان کچھ خوش گوار سی جھڑپیں ضرور ہوسکتی تھیں، کسی بڑے فساد کا امکان نہیں تھا کیونکہ ویرا اپنے تمام تر جارحانہ تیوروں کے باوجود کچھ اخلاقی حدود سے بہت زیادہ تجاوز نہیں کرتی تھی۔
غزالہ میرے ساتھ چلی تو سلطان شاہ نے ایک بار پھر اسے روکنے کی کوشش کی مگر غزالہ نے بات ہنسی میں اڑادی۔
”تمہیں ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں، تمہارے ساتھ ویرا بھی گھر میں رہے گی۔“
”یہی تو میری پریشانی کی جڑ ہے۔“ سلطان شاہ کراہا ”یہ پی کر بہکے گی اور میرے لیے مسائل کھڑے ہونے شروع ہوجائیں گے۔ اس کے ساتھ سے بہتر ہے کہ میں اکیلا عیش کرتا رہوں۔ تم اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔“
میں نے اس کی سنی ان سنی کردی اور غزالہ کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔
گو رات ہوگئی تھی مگر زیادہ گہری نہیں ہوئی تھی۔ گلشن اقبال کی سڑکوں پر ٹریفک کے ہجوم میں قدرے کمی ضرور آئی تھی مگر پھر بھی یونیورسٹی روڈ پر بھرپور ٹریفک کی روانی بہار دکھا رہی تھی۔
ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے تھوڑی ہی دیر میں اسٹیشن فور پہنچ گئے۔
اول خان نے بہت تپاک سے ہمارا استقبال کیا۔ حامد بھی پورے ادب و احترام کے ساتھ وہاں موجود تھا۔
اس وقت پاکستان میں بے شمار این جی اوز کام کررہی تھیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں بعض اپنی سماجی اور معاشرتی سرگرمیوں کے بارے میں مخلص رہی ہوں مگر ہمارے تجربے نے ثابت کردیا تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل اس نقاب کی آڑ لے کر خود غرضی، مفاد پرستی اور اس سے بھی بڑھ کر، ملک سے غداری کی راہ پر گامزن تھی۔
وہ زہریلا پودا اکرم الٰہی کا لگایا ہوا تھا جو وقت کے ساتھ بار آور ہوکر پاکستان کی جڑوں میں زہر پھیلا رہا تھا اور اس کے بدترین دشمنوں کو اپنا سایہ فراہم کررہا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اکرم الٰہی کے برعکس، اس کا بھانجا مقبول چوہدری زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ اس نے اپنے ماموں کو منظر سے ہٹاتے ہی اپنے مذموم عزائم کے حصول کی کارروائیاں بہت تیز کردی تھیں مگر مقبول کی ان حرکتوں سے اکرم الٰہی کے جرم کی سنگینی کم نہیں ہوتی تھی۔
مقبول چوہدری کی گرفتاری میں نرگس کے نام کا گہرا دخل تھا۔ اکرم الٰہی نے اول خان کی موجودگی میں اس شبہے کا اظہار کیا تھا کہ اس کے بھانجے نے مائیکرو سینٹر سے فرار ہوکر اپنی دوست، نرگس کے گھر پناہ لی ہوگی۔
میں نے نرگس اور پھر اسی کے حوالے سے اس کی ماں نسرین کے بارے میں پوری کہانی اول خان کو سنادی۔ نیما کا نام میں نے دانستہ گول کردیا۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی کہ مقبول چوہدری کا ایک مشتبہ بریف کیس نسرین کی تحویل میں تھا۔ دونوں مجرموں سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس کا ذکر خود بہ خود سامنے آجاتا۔
ہم نے اکرم الٰہی کے بارے میں اس وقت کوئی فیصلہ

نہیں کیا تھا کہ اسے زندہ رکھ کر چھوڑ دینا تھا یا اس کے جرائم کی پاداش میں خاموشی سے کیفرِ کردار کو پہنچا دینا تھا۔ اس بے یقینی کی وجہ سے حامد نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ اس کا کوئی آدمی غیر ضروری طور پر اکرم الٰہی کی نظروں میں نہ آنے پائے۔

اس احتیاط کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں نے غزالہ کو اول خان کے دفتر میں چھوڑا اور خود حامد کے ساتھ اس کمرے کی طرف چل دیا جس میں اکرم الٰہی قید کی صعوبتیں جھیل رہا تھا۔

وہاں موجود محافظ نے ہم دونوں کو پوری مستعدی سے تعظیم دی۔ حامد باہر ہی رک گیا اور میں دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

سپاٹ فرش، ننگی دیواروں اور بند دروازوں اور کھڑکیوں کے سوا اس کمرے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اونچی چھت سے لٹکا ہوا ایک بلب کمرے میں اجالا کر رہا تھا۔ اس اجالے میں اکرم الٰہی کسی گٹھڑی کی صورت میں سمٹا ہوا فرش پر پڑا.... کراہ رہا تھا۔

میرے قدموں کی چاپ سن کر اس نے فرش سے سر اٹھایا اور پھٹی پھٹی، دہشت زدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر بولا "اوہ.... تو آخر کار تم بھی اپنے اصل روپ میں سامنے آ ہی گئے۔" اس کے حلق سے رک رک کر اور پھنسی پھنسی آواز برآمد ہو رہی تھی۔

"جب تم نے اپنا اصلی چہرہ بے نقاب کر دیا ہے تو یہ سب ہونا ہی تھا۔" میں نے درشت لہجے میں کہا "میرا اندازہ تھا کہ تم مظلوم ہو اور تمہارا بھانجا تمہاری بے خبری میں فریڈم انٹرنیشنل کو گندا کر رہا ہے مگر...."

"خدا کی قسم، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ میری بات کاٹ کر درمیان میں ہی بول پڑا "سارا قصور مقبول چوہدری کا ہے۔ وہ پکا نمک حرام ہے۔ اس نے بڑھاپے میں میرا منہ کالا کر دیا۔ میں بے قصور ہوں۔"

"شٹ اَپ!" میں نے سرد لہجے میں جھاڑ دیا "اب یہ اداکاری نہیں چلے گی۔ بوب رائفل سے ملاقات کے لیے مائیکرو سینٹر سے فرار ہو کر تم نے اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھود لی ہے۔"

"میں مجبور تھا۔" وہ بے بسی سے کراہا "مجھے اس سے ملنے میں ہمیشہ ہی ایسی احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ وہ اپنی غیر سفارتی سرگرمیوں کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ مجھ سے ذرا بھی بے احتیاطی سرزد ہوتی تو وہ مجھے مروا دیتا۔"

وہ سراسر جھوٹ بول رہا تھا۔ بوب رائفل کو یہ ضرور معلوم تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل میں گڑبڑ ہوئی ہے لیکن اسے صحیح اندازہ نہیں تھا کہ اکرم الٰہی کن حالات سے دوچار تھا۔ اس نے اکرم سے فون پر بھی بہت مختصر گفتگو کی تھی۔ اس سے ملنے کے لیے اکرم الٰہی نے جو پراسرار اور رازدارانہ طریقہ اختیار کیا، وہ اس کے اپنے ذہن کی پیداوار تھا۔

"وہ تم سے کیوں ملنے آیا تھا؟" میں نے اس بحث میں الجھے بغیر پوچھا۔

"وہ کافی عرصے سے میرے چکر میں ہے۔ دھوکا دے کر مجھے ٹھکانے لگانا چاہتا ہے۔ وہ سوچ کر آیا تھا کہ میں اس وقت مقبول کے عذاب سے تازہ تازہ آزاد ہوا ہوں، اس کے دباؤ میں آکر کاغذات اس کے حوالے کر دوں گا۔"

اس کے اعصاب واقعی جواب دے چکے تھے۔ اس نے میری کسی محنت کے بغیر از خود وہ اہم ترین اعتراف کر لیا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ اپنی بات جاری رکھے گا مگر وہ درمیان ہی خاموش ہو کر ہانپنے لگا۔

میں چند ثانیوں تک اسے گھورتا اور سوچتا رہا پھر میں نے آگے بڑھ کر اس کی پشت کے نچلے حصے پر زور سے ٹھوکر لگائی اور وہ چیخ کر فرش پر تڑپتا رہ گیا۔ غالباً وہ اس وقت اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

"میں کچھ پوچھوں تو جواب مکمل ہونے تک رکے بغیر بولتے رہو ورنہ ٹھوکروں سے تمہاری پشت لہولہان کر کے رکھ دوں گا۔"

"مم.... میری اس سے زیادہ بات نہیں ہوئی۔ ہماری ملاقات مشکل سے چند منٹ جاری رہی پھر تم نمودار ہو گئے۔" وہ چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان جلدی جلدی بولنے لگا "وہ مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میری اور مقبول کی لڑائی نے حالات بگاڑ دیے ہیں۔ کوئی ایجنسی، فریڈم انٹرنیشنل کے پیچھے لگ گئی تو وہ کاغذات کسی بھی لمحے میری تحویل سے نکل جائیں گے۔"

"بولتے رہو!" اس کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی میں نے اسے ٹوکا "خاموش ہوئے تو میری ٹھوکر ایک نیا زخم پیدا کر دے گی۔"

"مجھے معلوم ہے کہ یہ بہت برے لوگ ہیں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر دوبارہ بولنا شروع کر دیا "محض اپنے کاغذوں کی وجہ سے مجھے برداشت کر رہے ہیں۔ یہ ایک بار جس کے خلاف ہو جائیں، اسے کبھی معاف نہیں کرتے۔ کاغذات واپس لیتے ہی مجھے اپنے راستے سے ہٹا کر مقبول کو

سامنے لے آئیں گے۔ ان کی شہ پر مقبول مجھے معزول کر ہی چکا تھا مگر تم نے دخل دے کر مجھے آزاد کرا دیا۔ یہ لوگ ہر وقت باخبر رہتے ہیں۔ بوب کو پتا نہیں کہاں سے پتا چل گیا کہ میں مقبول کی قید سے نکل کر دوبارہ آزاد ہو گیا ہوں۔ اس نے کل بہت رات گئے مجھے فون کر کے آج صبح ہوٹل کے ریستوران میں ملنے کا حکم دیا تھا مگر تم نے آکر پوری بازی الٹ دی۔"

"انسانی حقوق کے بارے میں جاری کیا جانے والا پیغام کس کا بنایا ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میں اس وقت قیدی بنایا جا چکا تھا۔ مجھے مقبول کی زبانی پتا چلا کہ اسے وہ پیغام فورڈ فاؤنڈیشن سے ہی ملا تھا۔ اس نے ہدایت کے مطابق فریڈم انٹرنیشنل کی طرف سے وہ متن اخباروں کو جاری کر دیا۔ وہ اسی سلسلے میں میرے ذریعے فورڈ فاؤنڈیشن کے وائس چیئرمین سے رقم کا مطالبہ کرنا چاہ رہا تھا۔"

ایک پرانا سوال میرے ذہن سے صاف ہو گیا۔ میں نے دوبارہ تازہ موضوع کی طرف آتے ہوئے پوچھا "تمہارے جمع کیے ہوئے وہ کاغذات اب کہاں ہیں؟"

"مقبول چوہدری میری آستین کا سانپ ثابت ہوا ہے۔" وہ پشیمان آواز میں بولا "اسے شروع سے آخر تک ہر بات کا علم تھا۔ وہ میرا بھانجا ہے۔ میں نے کبھی اس سے کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ جب تک وہ کاغذ میرے قبضے میں ہیں، ہم محفوظ رہیں گے اور ہمیں فورڈ فاؤنڈیشن سے امدادی رقوم ملتی رہیں گی۔"

"میں نے پوچھا تھا کہ وہ کاغذات اب کہاں ہیں!" میں نے سختی سے اسے یاد دلایا۔

"وہ مقبول چوہدری کے پاس ہوں گے۔" اس نے بلا توقف کہا "اس کی قید سے رہائی پانے کے بعد میں نے کل رات ہی اپنی تجوری اور الماریوں کا جائزہ لیا تھا۔ وہاں سے فائل اور بھاری نقدی غائب ہے۔"

"نقدی غائب ہے؟" میں نے چونک کر کہا "جب مقبول ہر چیز پر قابض ہو چکا تھا تو اسے رقم چرانے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارے ہٹ جانے کے بعد سب کچھ اس کا ہو چکا تھا۔"

اکرم الٰہی نے اپنی اٹھی ہوئی گردن فرش پر ڈال دی اور مایوسانہ آواز میں کہا "وہ صورت حرام ثابت ہوا۔ میں شروع ہی سے اس کے لچھن نہیں سمجھ سکا۔ وہ بگڑا ہوا تھا۔ اس کے ٹھاٹ باٹ شاہانہ تھے۔ وہ یقیناً لمبی رقموں کا مقروض رہا ہو گا۔ میری دولت پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے پہلی فرصت میں اپنے پرانے قرضے چکائے ہوں گے۔ اس نے تجوری سے اپنی ضرورت کی رقم نکال لی۔ باقی رقم اور پونڈز وغیرہ جوں کے توں رکھے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں نہیں چھیڑا۔"

"اور فائل کہاں تحلیل ہو گئی۔" میں ہر بات اس کی زبان سے سننے کا خواہاں تھا۔

میں نے فائل اسے بتا کر تجوری میں رکھی تھی۔ میرے ساتھ کوئی برا واقعہ پیش آنے پر اسے وہ فائل پریس کو جاری کرنی تھی۔ جب اس نے میرا تختہ الٹا تو اس کے لیے بھی وہ فائل اتنی ہی اہم تھی۔ اس نے اسے کہیں اور پہنچا دیا۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ اس نے وہ فائل کسی کو واپس نہیں کی تھی۔ ایسا ہو چکا ہوتا تو بوب رافیل اسلام آباد سے کراچی نہ آتا۔"

"اسے اس کے ستاروں کی گردش کراچی لائی تھی۔ اب وہ ساری زندگی کراچی کے نام سے ڈرتا رہے گا۔"

"وہ کہاں ہے؟ میں تو ہوٹل سے بھاگ گیا تھا مگر تم نے اسے وہیں گھیر لیا تھا۔" اس نے پوچھا۔

وہ اکرم الٰہی کا پہلا سوال تھا۔ میں نے اس کا گول مول جواب دینا ضروری سمجھا۔ اس کی کہانی بھی وہی ہے جو ابھی تم نے سنائی ہے۔ اگر تم نے کہیں بھی جھوٹ بولا ہوتا تو میں اسی وقت ٹھوکریں مار مار کر تمہارا بھیجا بہا دیتا۔"

"مگر وہ اب ہے کہاں؟" اکرم الٰہی نے خوف زدہ لہجے میں اپنے سوال کا پہلا حصہ دہرایا۔

"وہ کسی کتے کی طرح پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اگر وہ سفارتی افسر نہ ہوتا تو اس وقت تم سے بھی بُرے حال میں ہوتا۔ اب وہ رہا ہو کر اپنے ریوڑ میں جا چکا ہے۔" میں نے بات کھول دی۔

میرا جواب سن کر اس کی بے نور آنکھوں میں امید کی چمک سی کوندی گئی اور اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "اگر تمہیں قاعدے قانون کا اتنا پاس ہے تو تم یقیناً کسی ذمے دار سرکاری ایجنسی کے آدمی ہو۔ تمہارا تعلق آئی بی سے ہے نا؟"

"اپنے ذہن سے اس بات کو جھٹک دو۔ ہم جو بھی ہیں، مظلوموں کی مدد کرتے ہیں۔ ظالموں اور غداروں کی کلائی توڑ ڈالتے ہیں۔ جب تک تم مظلوم نظر آتے رہے، ہم نے مدد کر کے تمہیں آزادی دلائی لیکن تمہارے اصل کرتوت سامنے آجانے کے بعد اب ہم تمہارے سب سے بڑے

دشمن ہیں۔ جلد ہی تم اپنے انجام کو پہنچ جاؤ گے۔"
میرے ان الفاظ نے اسے دہلا دیا۔ وہ گھگیا کر رو پڑا اور فرش پر اس کے جسم کے گرد نمی کا ایک دائرہ سا پھیلتا چلا گیا۔
"خدا کے لیے، مجھے نہ مارنا۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں بے گناہ ہوں..... سارا قصور مقبول کا ہے....."
اس وقت وہ اپنی ہی بکھیری ہوئی آبی غلاظت میں پڑا ہوا تھا۔ مجھے اس کے قرب سے گھن آنے لگی۔ میں نے بلند آواز میں اسے لتاڑا اور واپسی کے لیے دروازے کی طرف مڑ گیا۔
باہر حامد میرے انتظار میں برآمدے میں کھڑا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ تیزی سے آگے بڑھ آیا۔
اکرم الٰہی کے ہاتھ پیر کھلے ہوئے تھے اس وجہ سے میرے نکلتے ہی مسلح محافظ نے اس کے کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر سے بولٹ کر دیا۔ اکرم الٰہی تو پھر بھی بہت صحت مند اور بہتر حالت میں تھا۔ اس سے بھی گئے گزرے بلکہ قریب المرگ مجرموں کو جب اپنے آس پاس موت کے بھیانک سائے رقص کرتے نظر آتے ہیں تو وہ اپنی ساری توانائیاں یک جا کر کے نکل بھاگنے کی دیوانہ وار کوشش کر ڈالتے ہیں۔ ایسے کسی خطرے کے تدارک کے لیے اس کے کمرے کا بند رہنا ہی بہتر تھا۔
وہاں سے نکل کر میں ایک اور قریبی کمرے میں پہنچا۔ وہاں مقبول الٰہی اپنے ماموں سے زیادہ ابتر حالت میں تھا۔ بے احتیاطی اور دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے اس کے پرانے زخم بھی خراب ہو رہے تھے۔
وہ شروع ہی سے جارحانہ عزائم کا اظہار کرتا رہا تھا۔ اس وقت بھی اس نے میری موجودگی کا ادراک کرتے ہی اپنے مقدر کو غلیظ گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ مسلح محافظ بھی بوکھلا کر اندر آ گیا۔
اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا مگر میرے لیے اس کا وہ رویہ توہین آمیز تھا۔ دشمن سے ویسے بھی اخلاق و شائستگی کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کی زبان بند کرانے کے لیے میں نے مسلح محافظ کو اشارہ کیا اور اس نے مقبول کے چہرے پر چند ہی مکے لگائے تھے کہ اس کا سارا کس بل نکل گیا اور وہ گڑگڑانے پر اتر آیا۔
اکرم الٰہی نے سارے الزام اس پر عائد کیے تھے۔ مقبول چوہدری نے اپنے ماموں کے خلاف شکایتوں کا دفتر کھول دیا۔
اس کا کہنا تھا کہ اس کا ماموں بلا کا شراب نوش اور عورتوں کا رسیا تھا۔ ان عیبوں کی وجہ سے اس کی شادی ناکام رہی تھی اور پھر وہ شان و شوکت سے تجرد کی آزادانہ زندگی کا عادی ہوتا چلا گیا۔
اس نے اپنے کاموں میں مدد کے لیے مقبول کو اپنے ساتھ شریک کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں مقبول کو اپنی آمدنی کے بڑے ذرائع کا علم ہو گیا۔ اس نے اپنی بنیاد فورڈ فاؤنڈیشن کے پیسے سے بنائی پھر اپنے مراسم کے سہارے ہیروئن کی اسمگلنگ کرنے والوں کے ساتھ سرمایہ کاری شروع کر کے لمبی رقمیں بٹورنے لگا۔
کچھ دنوں میں مقبول کو اندازہ ہوا کہ اس کے ماموں کی بیشتر آمدنی اس کی ذاتی محنت کا ثمر ہے۔ وہ خود عیش و عشرت میں پڑا رہتا اور مقبول کو احکام جاری کرتا رہتا۔ اپنے اخراجات کے معاملے میں وہ پوری فیاضی سے کام لیتا لیکن مقبول کو سسکا سسکا کر رقم دیتا تھا۔ اخراجات کی اس تنگی نے مقبول کے دل و دماغ میں بغاوت کا بیج بو دیا۔
پہلے اس نے فورڈ فاؤنڈیشن کے کچھ عہدے داروں سے قریبی مراسم استوار کیے پھر ان سے امریکی شہریت حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے ماموں کو خاموشی سے ٹھکانے لگا کر ساری جمع پونجی سمیت امریکا منتقل ہو جائے گا مگر فورڈ فاؤنڈیشن میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے کے ایجنٹوں کو پاکستان میں اپنے کام کی تکمیل کے لیے اکرم الٰہی کے متبادل کی ضرورت تھی۔ انہوں نے امریکی شہریت کے حصول کے لیے مقبول کی حوصلہ شکنی کی مگر اکرم الٰہی کے خلاف اسے اکساتے رہے۔
مقبول کو اندازہ تھا کہ اس کھیل میں اصل اہمیت اس کی نہیں بلکہ اس کے ماموں کی بنائی ہوئی فائل کی تھی۔ فورڈ فاؤنڈیشن والے مقبول کے ذریعے وہ کاغذات حاصل کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔
ایک مناسب موقع پر مقبول نے چالاکی سے کام لے کر اکرم الٰہی کو مائیکرو سینٹر کے تہ خانے میں قید کر کے خود فریڈم انٹرنیشنل کی باگ ڈور سنبھال لی۔ اس سے پہلے اکرم الٰہی نے اسے کوئی رقم دینے سے صاف انکار کر کے اسے بتا دیا تھا کہ وہ اپنے اخراجات کے لیے صرف مائیکرو موٹرز سے ہونے والی آمدنی کا چوتھائی حصہ لیتا رہے۔
مائیکرو موٹرز سے ہونے والی یافت کا دوسرا چوتھائی حصہ، اکرم الٰہی اپنی بہن یعنی مقبول چوہدری کی ماں کو لاہور بھجوا دیتا تھا جہاں وہ بیوگی کے عالم میں سات بچوں کے ساتھ رہ رہی تھی۔ مقبول اس کی آٹھ اولادوں میں سب سے بڑا

تھا۔

اس نے اپنے ماموں پر ہاتھ ڈالتے ہی یہ مشہور کردیا کہ وہ بیرون ملک چلا گیا ہے اور خود پورے نظم ونسق پر اپنا اختیار مضبوط کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس نے ہیروئن کے ان سوداگروں سے بالکل قطع تعلق کرلیا جو اس کے ماموں کے چہیتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ دوسرے ذرائع سے ہونے والی آمدنی ہی اس کے لیے کافی تھی۔

ماموں کو زندہ رکھنا اس کی ایک مجبوری تھی۔ فورڈ فاؤنڈیشن میں موجود افراد مقبول سے کام ضرور لیتے تھے لیکن فاؤنڈیشن کے بھاری فنڈز ان کی دسترس سے باہر تھے۔

ہر سازشی تنظیم کی طرح فورڈ فاؤنڈیشن سے ایشیائی ہمدردوں کے لیے رقوم کی فراہمی کا اختیار صرف اور صرف فاؤنڈیشن کے امریکی نژاد وائس چیئرمین کو تھا۔ جب سے اکرم الٰہی نے اپنے مطالبات کی تکمیل کے لیے اسے آنکھیں دکھائی تھیں، اس نے فنڈز کے اجرا کا روایتی طریقہ اچانک ترک کردیا تھا اور رقوم صرف اکرم الٰہی سے براہِ راست بات کرنے کے بعد جاری کرتا تھا۔

"اکرم الٰہی کی وہ فائل کہاں ہے جسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا؟" اس کی کتھا پوری ہوجانے کے بعد میں نے سختی کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"فائل؟" اس نے بھڑک کر میری طرف دیکھا پھر ہذیانی لہجے میں بولا "میں کسی فائل سے واقف نہیں۔ مجھے تم بھی ان لوگوں کے گرگے معلوم ہوتے ہو جو کبھی کبھی میرے ماموں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔"

وہ اندیشہ شروع سے اس کے ذہن میں پرورش پا رہا تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن والے دوستی اور ہمدردی کی آڑ میں اس سے کاغذات واپس لینے کی کوشش کریں گے۔ میں نے فوری طور پر مقبول چوہدری کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا "شاید تم نہیں جانتے کہ ہم لوگ جو چیز حاصل کرنے کا ارادہ کرلیں، اس تک پہنچے بغیر دم نہیں لیتے۔ تم نے سیدھی طرح تعاون نہ کیا تو ہم ایک ایک کرکے تمہاری ساری ہڈیاں توڑ دیں گے۔"

"تم جو بھی ہو، پاکستانی ہو۔" میرے ان الفاظ پر اس کا لب ولہجہ ایک دم تبدیل ہوگیا "تمہیں نہیں معلوم کہ تم کن لوگوں کے جال میں پھنس گئے ہو۔ بیچ میں مت آؤ۔ میں ان لوگوں کو خود دیکھ لوں گا۔"

"بکواس مت کرو۔" میں نے اس کے زخمی اور متورم چہرے پر تھپڑ مار کر کہا "تم ایک مدت سے ان کا مال کھا رہے تھے۔ اب ہماری باری آئی ہے تو تمہیں پاکستان یاد آ رہا ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ فرش پر خون تھوکتے ہوئے بولا "دم خم ہے تو وہ فائل خود ڈھونڈ لو۔"

"ہم نرگس کو بھی یہیں اٹھا لائیں گے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں اسے دھمکی دی "اس کی ماں کو یہ جان کر افسوس ہوگا کہ تم کوئی کروڑ پتی نہیں، بالکل کنگال آدمی ہو۔"

"تم اسے ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔" وہ تڑپ کر بولا "مرد ہو تو مجھ سے لڑو۔ عورت کو بیچ میں کیوں لاتے ہو؟"

"وہ تمہاری عورت نہیں، محفلوں کی جان ہے۔ تمہارا سوگ منانے کے بجائے وہ آج شام ایک گجراتی سیٹھ کے مجرے میں گئی ہوئی ہے۔ ایسی عورتیں صرف پیسے کی یار ہوتی ہیں۔" میں نے اسے غیرت دلائی۔

"تم مجھے اس کے خلاف نہیں بہکا سکتے۔ وہ گندے ماحول میں ضرور رہتی ہے مگر بہت اچھی لڑکی ہے، کیچڑ میں کھلے ہوئے خوب صورت کنول کی طرح... خدا کے لیے اس کا ذکر ایسی بے دردی سے نہ کرو۔"

"تم سے یہ ساری پوچھ گچھ رسمی سی ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "تم نے زبان نہ کھولی تو بھاری خسارے میں رہو گے۔"

"میں نے تمہیں ہر بات بتا دی ہے۔ وہ فائل میری ہے۔ اس کے بارے میں، میں کسی کو ہوا نہیں لگنے دوں گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اکرم الٰہی اکیلا نہیں تھا۔ تمہاری آپس کی لڑائیاں دکھاوے کی تھیں ورنہ اس فائل کے بارے میں تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہو۔"

"تم یہ سمجھتے ہو تو سمجھتے رہو۔ اب اکرم الٰہی مر کر بھی ان کاغذوں تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"مگر میری یہ بات لکھ لو کہ ان کاغذات کے ساتھ تم بھی بے موت مارے جاؤ گے۔"

"مفلسی کی زندگی سے بہتر ہے کہ آدمی اپنے اثاثوں کے لیے جان دے دے۔"

وہ کسی وجہ سے دوبارہ حوصلہ پکڑ رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر عمل بھی کر گزرے گا۔ میں نے چوہے اور بلی کا وہ کھیل وہیں ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"اگر تم فائل کے بارے میں زبان نہیں کھول رہے تو پھر یہ بتاؤ کہ نسرین کے پاس رکھوائے ہوئے بریف کیس میں کیا ہے۔ وہ تمہارا شجرۂ نسب تو ہو نہیں سکتا ورنہ تم اسے

ایسے گند خانے میں نہ پہنچاتے۔"

نسرین اور پھر بریف کیس کے ذکر پر اسے شدید ذہنی جھٹکے لگے۔ اس کے زخم خوردہ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ "وہ اس بریف کیس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھے گی۔ تم اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔"

اس نے سارا پس و پیش ختم کرکے خوش امیدی کا سہارا لینا شروع کردیا تھا۔ میرے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی "تم نے سچ بولنے کا موقع کھو دیا ہے۔ تمہیں یہاں لانے کے بعد ہم سو نہیں گئے تھے۔ تمہارے اور نرگس کے تعلق کے بارے میں مسلسل کام ہوتا رہا ہے۔ وہ بریف کیس کسی بھی وقت ہمارے قبضے میں آجائے گا۔"

وہ انکشاف سن کر مقبول چوہدری کا ذہن پٹری سے اتر گیا۔ "نسرین باجی اس بریف کیس کی قدرو قیمت سے اچھی طرح واقف ہے۔ اگر میں نے تین مسلسل راتیں وہاں بسر نہ کیں یا نرگس کو ساتھ نہ لے گیا تو وہ بریف کیس نسرین کا ہوجائے گا۔ اس میں رکھی ہوئی رقم اس کی ہوگی اور وہ فائل والا لفافہ کسی پولیس افسر کو پہنچا دے گی۔" وہ ہذیانی انداز میں زور زور سے چیخ رہا تھا "میں ایک رات یہاں گزار چکا ہوں۔ دوسری شروع ہوچکی ہے اور تیسری گزرتے ہی کھیل ختم ہوجائے گا۔"

"اس سے پہلے وہ بریف کیس ہمارے پاس آچکا ہوگا۔ ہمارے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

وہ حلق پھاڑ کے ہنسا "ہاتھ لمبے ہیں تو پھر مجھے کہانیاں کیوں سنا رہے ہو...؟ وہ بریف کیس اب تک تمہارے قبضے میں کیوں نہیں آیا...؟ نرگس اور نسرین باجی تمہیں اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دیں گی۔"

اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ ہمارے ساتھ چل کر نسرین سے اپنا بریف کیس واپس لے کر ہمارے حوالے کردے گا۔ اس نے میرے اس شبے کی تصدیق کردی تھی کہ اکرم الٰہی کی فائل اسی بریف کیس میں تھی لیکن میرا یہ خیال باطل ثابت ہوا تھا کہ اس بریف کیس میں صرف فائل ہی تھی۔

اس نے اپنے کسی برے انجام کے پیش نظر اکرم الٰہی اور فورڈ فاؤنڈیشن کی ساکھ کی تباہی کا پورا پورا بندوبست کیا ہوا تھا۔ نسرین ایک حریص اور بدکردار عورت تھی۔ نیا کے مطابق وہ پہلے ہی مقبول چوہدری کے بریف کیس پر دانت لگائے بیٹھی تھی۔

یہ پتا نہیں تھا کہ مقبول نے رقم اور فائل کے بارے میں نسرین کو زبانی کچھ بتایا تھا یا پھر اس بارے میں بریف کیس ہی میں کوئی ہدایت نامہ رکھا ہوا تھا۔ اس بارے میں اس نے میرے ہر سوال کا جواب دینے سے انکار کردیا۔

دونوں میں سے کوئی بھی صورت ہوتی، وہ حریص عورت بریف کیس ضرور کھولتی اور پھر رقم اپنی تحویل میں لے کر شاید وہی کر گزرتی جو مقبول چوہدری چاہتا تھا۔ وہ مرحلہ آنے سے پہلے بریف کیس حاصل کرنا ضروری ہوگیا تھا۔

○☆○

اکرم الٰہی اور مقبول، دونوں ہی ملک و قوم کے کھلے غدار تھے اور انہیں اس سرزمین پر زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا جس سے وہ نمک حرامی کررہے تھے۔ میں نے اسٹیشن فور سے روانہ ہونے سے پہلے ہی اول خان اور غزالہ سے اس بارے

♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣♣

کسٹمز کی پریشانی

امریکا سے واپسی پر اقلیم صاحب کا سامان کچھ زیادہ ہوگیا اور انہیں ایک فاضل سوٹ کیس کی ضرورت پڑگئی۔ بازار جانے کا وقت نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے امریکی میزبان سے ایک سوٹ کیس مستعار لے لیا۔

ائرپورٹ پر چیکنگ کے دوران میں نہ جانے کیوں ایک کسٹم آفیسر کو وہی سوٹ کیس کچھ مشکوک لگا۔ اس نے نہ صرف تفصیلی تلاشی لی بلکہ ایک تربیت یافتہ کتا بھی منگالیا۔ کتا آتے ہی سیدھا اس سوٹ کیس کی طرف گیا اور پاگلوں کی طرح اس کے گرد چکر کاٹتے ہوئے بری طرح بھونکنے لگا۔ کسٹم والوں نے ایک بار پھر بہت اچھی طرح چیک کیا مگر کوئی قابلِ اعتراض چیز برآمد نہ ہوئی۔

پاکستان پہنچ کر اقلیم صاحب نے اپنے امریکی میزبان کو فون کرکے تمام صورتِ حال بتاتے ہوئے کہا "تمہارے سوٹ کیس نے تو بہت شرمندہ کرایا۔ آخر کتا اسے سونگھ سونگھ کر پاگل کیوں ہوا جارہا تھا؟"

"اوہ...!" امریکی نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "ہم آپ کو بتانا بھول ہی گئے تھے کہ اس سوٹ کیس میں ہماری بلی سوتی تھی۔"

←←←←←←←←←←←←←←←←←←←←←←←←

میں مشورہ کیا تھا اور وہ دونوں میرے ہم خیال تھے۔
ان دونوں کو جہنم واصل کرنے کا کام ایس ٹی ایف کا کوئی گارڈ بھی آسانی سے انجام دے سکتا تھا۔ وہ ذتے داری اول خان کے سر ڈال کر میں غزالہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گیا اور اول خان بھی ہمارے پیچھے پیچھے اپنے گھر کے لیے نکل کھڑا ہوا۔
میں بریف کیس کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ نیما ایک جلد باز اور جذباتی لڑکی تھی۔ میں آسانی سے اپنی باتوں کا جادو چلا کر اس کے ذریعے بریف کیس نکلوا سکتا تھا لیکن یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اناڑی لڑکی اپنی ذات کو ہر شک و شبے سے دور رکھنے میں کامیاب ہو جاتی۔
جوں ہی نسرین پر بریف کیس غائب ہونے کا انکشاف ہوتا' اس چار دیواری میں اپنا وقت گزارنے والی لڑکیاں عتاب میں آجاتیں۔ نسرین ایک پورے گروہ کی سربراہ تھی۔ اس کے سامنے نیما زیادہ دیر تک نہیں ٹک سکتی تھی۔ وہ بریف کیس میرے حوالے کرنے کے بعد ان کا سامنا کرتی تو تشدّد کے نتیجے میں سب کچھ اگل دیتی اور اگر بریف کیس کے ساتھ خود بھی غائب ہو جاتی تو نسرین کو کسی سے پوچھ گچھ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ فوری طور پر نیما کی تلاش شروع کر دی جاتی۔
معاملہ صرف نیما کی ذات کا ہوتا تو اسے کوئی معقول رقم دے کر کسی دوسرے شہر کی طرف روانہ کیا جا سکتا تھا جہاں وہ نسرین اور اس کے غنڈوں کی دست برد سے محفوظ رہتی لیکن اس کے ساتھ اس کے ماں' بھائی اور بہنوں کا بھی مسئلہ تھا۔ نیما کا سراغ نہ ملنے کی صورت میں نسرین اپنے آدمیوں یا شناسا افسروں کے ذریعے ان سب کا جینا حرام کر دیتی۔
میں سارے راستے اس مسئلے میں الجھا رہا۔ نیما گھر کی بھیدی ہوتے ہوئے بھی میرے لیے کار آمد نہیں تھی۔ اسے استعمال کرنے کے نتیجے میں جو حالات رونما ہوتے' وہ مجھے زندگی بھر ضمیر کی ملامت میں مبتلا رکھنے کے لیے کافی ہوتے۔
ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر میں اس فیصلے پر پہنچ چکا تھا کہ وہ کام ایس ٹی ایف کے جوانوں کے ڈنکے کی چوٹ پر کرنا چاہیے۔
نسرین کے گھر کے بارے میں یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہاں کی تمام تر رونق اور رنگینی اندھیرا ہونے کے بعد پروان چڑھتی ہوگی دن کے اجالے میں وہ سب اپنے بے روپ چہرے چادروں میں لپیٹ کر اپنے اپنے کونوں کھدروں میں پڑی سوتی رہتی ہوں گی۔
نیما نے مجھ سے کسی اور کا ذکر نہیں کیا تھا مگر نسرین اور اس کی دو بیٹیوں کے بارے میں یہ ضرور بتایا تھا کہ وہ تینوں اسی گھر میں رہتی تھیں۔ اپنے گھروں میں کہیں نہ کہیں ملازمت کا بہانہ کر کے نسرین کے اشاروں پر ناچنے والی دوسری لڑکیاں شام کے مقررہ اوقات میں وہاں آتی تھیں اور وقت گزار کر رات گئے یا منہ اندھیرے گھروں کو لوٹ جاتی تھیں۔
ان کلیدی نکات کی روشنی میں نسرین کے گھر دھاوا بولنے کے لیے صبح کا وقت ہی بہترین تھا۔ نو بجے کے بعد اس علاقے کے بیشتر مرد اپنی ملازمتوں یا کاروبار کے سلسلے میں گھروں سے نکل چکے ہوتے۔ چند اجنبی نسرین کے گھر پہنچتے تو محلّے میں کسی کو شبہ نہ ہوتا کیونکہ اس گھر میں اجنبیوں کی آمدورفت ایک معمول کا درجہ رکھتی تھی۔
اسپیشل ٹاسک فورس کے اراکین ایسی مہمات میں عام طور پر سادہ' شہری لباس ہی استعمال کرتے تھے لیکن ان میں سے بیشتر کی وضع قطع ایسی تھی کہ مسلح حالت میں ان پر فوجیوں کا گمان ہوتا تھا۔
حسن اسکوائر سے ذرا پہلے تک ہمارا اور اول خان کا راستہ ایک ہی تھا۔ میں یونیورسٹی روڈ پر غزالہ سے باتیں کرتا ہوا آگے گاڑی دوڑا رہا تھا۔ اول خان میرے پیچھے آرہا تھا۔ صبح کی کارروائی کے بارے میں ایک نتیجے پر پہنچتے ہی میں نے انڈی کیٹر اور ہاتھ کا اشارہ دے کر اول خان کو اپنے پیچھے' سڑک کے کنارے رکنے کا اشارہ دیا اور بتدریج گاڑی روک دی۔
اول خان کو شبہ ہوا کہ ہماری گاڑی میں کوئی خرابی ہو گئی ہے۔ وہ انجن بند کرتے ہی فکر مندانہ انداز میں ہماری طرف لپکا تھا مگر میں اسی اثنا میں اپنی گاڑی سے اتر چکا تھا۔
"کیا ہوا..؟ خیریت تو ہے؟" اس نے اسٹریٹ لیمپس کی ملگجی روشنی میں میرے لبوں کی مسکراہٹ دیکھے بغیر سوال کیا۔
"سب ٹھیک ہے۔ تم نے میری تھوڑی سی رات کالی کی ہے تو میں نے سوچا کہ میں کیوں نہ تمہارا دن خراب کروں۔ بریف کیس کے لیے ہمیں صبح ہی کارروائی کی تیاری کرنی پڑے گی۔"
"تم جس وقت اور جہاں چاہو' ملاقات ہو سکتی ہے۔" اس نے کسی عذر کے بغیر کہا۔
"یہ کام تمہارے آدمی ہی کر سکتے ہیں۔ میرے یا تمہارے جانے کی ضرورت نہیں پھر بھی میں نے تمہارے

تین آدمیوں کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ سبب یہ ہے کہ وہ گھر کسی حد تک میرا دیکھا بھالا ہے۔ تلاشی میں ذرا سی سہولت رہے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے نیما کے فون کا انتظار کرنے کا ارادہ ترک کردیا ہے۔"

میں نے سرہلا کر اس کے اندازے کی تائید کی اور پھر اختصار سے اسے اپنے فیصلے کی وجوہ سے آگاہ کرنے لگا۔

ایک پروگرام طے کرکے ہم دوبارہ چل پڑے۔ میں نے گاڑی بائیں جانب موڑ لی۔ اول خان جمشید روڈ پر واقع اپنے گھر کے لیے یونیورسٹی روڈ پر سیدھا نکلتا چلا گیا۔

گھر پہنچ کر میں نے اس بات پر اطمینان کا سانس لیا کہ فضا خوشگوار تھی۔ ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان دور دور تک تکدر کے ذرا بھی آثار نہیں تھے۔ وہ دونوں ٹیلی وژن کھولے، ہمارے انتظار میں پروگرام دیکھ رہے تھے۔

اسٹیشن فور پر جو کچھ ہوا، وہ کسی کے لیے بھی غیر متوقع نہیں تھا۔ میری طرح ان دونوں کو بھی اس بات پر حیرت تھی کہ بے بسی کے احساس میں پوری طرح گھر جانے کے باوجود مقبول چوہدری نے فائل کے بارے میں اپنی زبان کیوں نہیں کھولی۔

ڈھانچے اور ساخت میں بنیادی مماثلت کے باوجود ہر انسان اپنے مزاج اور ذہنی ساخت میں دوسروں سے اتنا مختلف ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں حتمی طور پر کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ وہ کسی بھی لمحے اپنے مقابل کو چونکانے یا متحیر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مقبول چوہدری نے اپنے رویے سے اس اصول کی توثیق کی تھی جبکہ اکرم الٰہی اس کے برعکس ثابت ہوا تھا۔

اگلی صبح نو بجے اول خان کے تین آدمی اس کی لینڈ روور میں ہمارے دروازے پر آپہنچے۔ اس مہم میں وقت کی بہت زیادہ اہمیت نہیں تھی اس لیے میں تھوڑی دیر بعد تیار ہو کر ان کے ساتھ ہولیا۔

اول خان نے اپنے تینوں آدمیوں کا انتخاب بہت احتیاط سے کیا تھا۔ ان کے جثے اور چہرے مہرے واقعی مرعوب کن تھے۔ ان پر پہلی نگاہ پڑنے کے بعد یہ پوچھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی کہ وہ کس ادارے سے تعلق رکھتے تھے۔

لینڈ روور کی نمبر پلیٹ بھی بدلی ہوئی تھی۔ اصلی نمبر پلیٹ کی جگہ نیا شہری نمبر نظر آرہا تھا۔ نمبر پلیٹ کے اوپری حصے پر غلاف چڑھا ہوا تھا۔ میں نے فوجی نمبر پلیٹ والی گاڑیوں پر ایسے ڈھکے ہوئے حصے دیکھے تھے جن پر شاید ستارے بنے

آپ میری مجبوری کو سمجھ نہیں رہے ہیں

گونگے بہروں کے اسکول میں اشاروں کی زبان سکھانے والی ایک ٹیچر قدرے عجلت اور گھبراہٹ کے عالم میں تیز تیز چلتی ہوئی اسکول میں داخل ہوئیں۔ وہ لیٹ ہوچکی تھیں۔ ان کے دونوں بازوؤں پر بہت سی موٹی موٹی کتابیں لدی ہوئی تھیں۔

پرنسپل نے دور سے اشاروں کی زبان میں ان سے پوچھا "آج آپ بہت لیٹ آئی ہیں۔"

وہ بہ آواز بلند بولیں "میں اس وقت آپ کو جواب نہیں دے سکتی۔ میرے دونوں بازوؤں پر کتابیں ہیں۔"

****

ہوتے ہیں اور ان کی تعداد سے یہ ظاہر ہوتا ہے اس گاڑی میں کس رتبے کا حاضر سروس جرنیل سفر کررہا ہے۔

عام سی شہری نمبر پلیٹ کے ساتھ وہ غلافی حصہ نامانوس ہونے کے باوجود مرعوب کن تھا۔

میں نے ڈرائیور کے ساتھ والی نشست سنبھال لی اور گاڑی برق رفتاری کے ساتھ نئی مہم پر روانہ ہوگئی۔

غریب آباد کی طرف سے موڑ کاٹ کر شریف آباد میں نسرین کے مکان تک پہنچنے کے لیے خاصی گنجان آبادی سے گزرنا پڑتا تھا جبکہ دوسری طرف سے اتنی زیادہ آبادی نہیں پڑتی تھی۔ میں نے دانستہ پہلا راستہ لیا اور آبادی والے علاقوں میں ہلکی سی ویرانی دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ میں نے اس کام کے لیے مناسب وقت کا انتخاب کیا تھا۔

نہ صرف مرد روزگار کے سلسلے میں نکلے ہوئے تھے بلکہ بچے بچیاں بھی اسکولوں اور کالجوں کی طرف روانہ ہوچکے تھے۔ ایسے میں نسرین کے محلے داروں یا پڑوسیوں کی طرف سے کسی مداخلت کا امکان نہیں تھا۔

لینڈ روور سبک رفتاری سے سفر طے کرتی ہوئی نسرین کے گھر کے سامنے رکی اور ہم چاروں پھرتی سے اپنے اپنے دروازے کھول کر نیچے اتر گئے۔ گھنٹی بجانے سے پہلے ہی کسی نے آہنی دروازے میں ہلکی سی جھری پیدا کرکے باہر جھانکا اور دروازہ فوراً بند کرلیا۔ میں چاہتا تو اسی لمحے پھاٹک کا وہ ذیلی پٹ دھکیل کر اندر گھس سکتا تھا مگر میں نے کال بیل بجانے کو ترجیح دی۔

اس وقت تک ہم چاروں کے ہاتھ خالی تھے لیکن پوشیدہ ہولسٹرز میں بھرے ہوئے آتشیں ہتھیار بالکل تیار تھے۔

بے روپ چہرے اور اڑی اڑی سی رنگت والی ایک ادھیڑ عمر عورت نے دروازہ کھولا۔ ہم چاروں اور ہمارے عقب میں کھڑی ہوئی لینڈ روور پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں اور ہونٹ خشک ہوگئے۔

میں اس گھر میں صرف نیما سے ملا تھا' نسرین سے تعارف نہیں ہوا تھا۔ میں نے نیما کی زبانی اس کا نام سنا تھا۔ میں نے اندازہ لگاتے ہوئے اس سے کہا "ہمیں نسرین سے ملنا ہے۔"

"مم... میں... ہی... نس... نسرین ہوں۔" اپنے چپکتے ہوئے ہونٹوں کی وجہ سے وہ بمشکل کہہ سکی۔

"اندر چلو۔ ہمیں تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔" اس نے اسی طرح ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔ وہ بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔

"ہمیں معلوم ہے۔" میں نے اطمینان سے کہا "ہمیں شکایتیں ملی ہیں کہ سرشام سے اس گھر میں اجنبی مردوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے جو رات گئے تک جاری رہتا ہے۔"

میری زبان سے وہ دو ٹوک الفاظ سن کر اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں راستہ چھوڑ دیا۔

وہ کتنی بھی گئی گزری تھی مگر اسے یہ پسند نہیں تھا کہ اس کے سیاہ کرتوتوں کے بارے میں گلی میں کھڑے ہو کر تبادلہ خیال کیا جائے۔ اپنے گھر کی بات وہ گھر کی حدود میں ہی طے کرنا چاہتی تھی۔

وہ سیدھی اپنے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ میں نے آنکھ کے اشارے سے اپنے تینوں ساتھیوں کو باہر' احاطے میں ہی رکے رہنے کی ہدایت کی اور نسرین کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوگیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ محلے والے تم سے کتنے بدظن ہیں" میں نے ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہی بات چھیڑ دی "تھانے میں تمہاری شکایتیں آتی ہیں اور دبادی جاتی ہیں۔ شرفا اپنی عزت کی وجہ سے کھل کر تمہارے سامنے نہیں آتے مگراب بات بگڑ گئی ہے۔"

"محلے والے بلاوجہ ہمارے دشمن ہیں صاحب!" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر' ہکلاتے ہوئے خوشامد پر اتر آئی "کئی بدمعاش میری بیٹیوں پر بری نظر رکھتے ہیں۔ ہم ماں بیٹیوں کو بدنام کرنے کے لیے وہ ایسی گھٹیا حرکتیں کرتے رہتے ہوں گے... آپ تھانے والوں سے پوچھ لیں۔ انہیں ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ ہم تو ہر افسر کی عزت اور خدمت کرتے ہیں۔"

میں نے اس کے آخری اور ذومعنی فقرے کی گرفت کرنے کے لیے کہا "مقبول چوہدری نے تمہیں اس سے بھی بڑے چکر میں پھنسادیا ہے۔ اگر اپنی خیریت چاہتی ہو تو اس کا رکھوایا ہوا بریف کیس لے آؤ۔ ہم خاموشی سے واپس لوٹ جائیں گے۔"

"وہ... وہ تو اس کی امانت ہے" اس نے مزاحمت کی مگر وہ بریف کیس کی موجودگی سے انکار نہیں کرسکی۔

"لالچ میں مت پڑو" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "بریف کیس میں تھوڑی سی رقم کے ساتھ صرف کاغذ بھرے ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی خزانہ نہیں ہے جو تمہاری زندگی بدل سکے۔"

"کاغذ ہیں!" اس کے چہرے پر مایوسی کی لکیریں پھیل گئیں "وہ تو اس بریف کیس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز بتا رہا تھا۔"

"ان کاغذوں کی اہمیت ہمارے لیے ہے یا اس کے لیے تھی۔ وہ غدار اور جاسوس ہے۔ تم نے میرے حکم پر عمل نہیں کیا تو ہم اس گھر کی تلاشی لے کر وہ بریف کیس ڈھونڈ لیں گے اور تم اندر ہوجاؤ گی۔"

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ غداری اور جاسوسی کے الزامات نے اس پر براہِ راست اور گہرا اثر کیا تھا۔

"آپ یہیں بیٹھیں۔ میں بریف کیس لے کر آتی ہوں" اس نے خوف زدہ آواز میں کہا اور اندر چلی گئی۔

مجھے اطمینان تھا کہ میرے ساتھیوں نے اس دوران میں گھر سے نکاسی کا ہر راستہ مسدود کردیا ہوگا۔ اگر نسرین بریف کیس لے کر بھاگنے کی کوشش کرتی تو ایس ٹی ایف والے اسے ناکام بنادیتے۔

میں نے وقت گزارنے کے لیے سگریٹ سلگالی لیکن نسرین میری توقع سے پہلے ہی لوٹ آئی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں قیمتی برانڈ کا سیاہ بریف کیس جھول رہا تھا۔

نسرین نے بریف کیس کے بارے میں میری باتیں سن لی تھیں پھر بھی اس کی جان اسی میں اٹکی ہوئی تھی۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے بریف کیس میرے سامنے رکھ دیا اور بولی۔ "مقبول آیا تو میں اس سے کیا کہوں گی۔"

"وہ اب ہمارا مہمان ہے۔ زندگی بھر تمہارا رخ نہیں کرسکے گا" میں نے اسے یقین دلایا۔

نسرین نے بریف کیس میرے حوالے کردیا تھا مگر حسرت

بھری حریصانہ نظروں سے اسی کی طرف دیکھے جارہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس سے محرومی کے بعد وہ ہر ایک سے روتی گاتی رہے گی کہ کچھ افسروں نے اسے ایک بھرے خزانے سے محروم کردیا۔ اس سے ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچتا لیکن ہماری غیر حقیقی فوجی شناخت کے حوالے سے ایک بے بنیاد کہانی پھیل سکتی تھی۔

میں نے بریف کیس نسرین کے سامنے کھولنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ اس طرح آگے بڑھ آئی کہ بریف کیس کھلتے ہی اس کا اندرونی جائزہ لے سکے۔

بریف کیس مقفل تھا۔ میں نے اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکالا تو نسرین سہم گئی۔ میں نے احتیاط سے چیمبر خالی کرکے گولیاں اپنی جیب میں ڈالیں اور خالی ریوالور کے آہنی دستے کی ضربات سے یکے بعد دیگرے دونوں تالے توڑ دیے۔

سب سے اوپر ایک کاغذ پر نسرین کے لیے من وعن وہی ہدایات درج تھیں جو مقبول چوہدری مجھے بتا چکا تھا۔ میں نے جلی حروف میں لکھا ہوا' وہ کھلا ورق تہ کرکے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

اس کے نیچے ہزار روپے کے نئے نوٹوں کی ایک گڈی اور پانچ سو کی دو گڈیاں موجود تھیں۔ اگر ان تینوں گڈیوں میں نوٹ پورے تھے تو وہ کل رقم دولاکھ روپے بنتی تھی۔

گڈیوں کے نیچے بڑے سائز کا ایک لفافہ تھا جس میں ہماری مطلوبہ فائل موجود تھی۔ فائل میں فورڈ فاؤنڈیشن کے متعدد لیٹر ہیڈز اور ان پر مطبوعہ پیغامات موجود تھے۔ کئی لمبے ٹیلیکس پیغام بھی تھے۔ میں نے فائل دوبارہ لفافے میں رکھ لی۔

"اس میں تو کاغذوں کے ساتھ دولاکھ روپے بھی ہیں" نسرین نے اپنی ہتھیلیاں ملتے ہوئے کہا "آپ کو کاغذوں کی تلاش تھی۔ مجھے اپنی بچیوں کے لیے رقم کی ضرورت تھی۔ آپ مجھ پر رحم کریں تو ہم دونوں کی ضرورت پوری ہوسکتی ہے۔"

میں نے خفگی سے اسے گھورا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ میں نے پانچ سو کے نوٹوں کی ایک گڈی اس کی طرف اچھال کر کہا "یہ رکھ لو اور اب بھول جانا کہ مقبول نے تمہیں کوئی بریف کیس دیا تھا۔"

بقیہ دونوں گڈیاں بھی میں نے فائل والے لفافے میں ڈالیں اور شکستہ بریف کیس وہیں چھوڑ کر اٹھ گیا۔

مفت میں پچاس ہزار روپے ہاتھ آجانے پر نسرین بہت خوش تھی۔ ہماری آمد پر اسے جس خوف اور دہشت سے گزرنا پڑا تھا' وہ سرے سے غائب ہوچکی تھی۔

اس نے دروازے پر ہمیں ایسے تپاک سے رخصت
جیسے اپنے قریبی رشتے داروں کو الوداع کہہ رہی ہو۔

○☆○

اس فائل میں کل چھتیس کاغذ تھے جو تاریخوں
حساب سے ترتیب وار لگے ہوئے تھے۔ آخری کاغذ کی تا
تقریباً چھ ماہ پرانی تھی اور وہ ساری پیغام رسانی کم وبیش
سال کے عرصے پر محیط تھی۔

ایس ئی ایف والوں نے واپسی پر مجھے گھر پر اتارا تو
خان کی دوسری گاڑی باہر موجود تھی۔ وہ اپنے دفتر جانے
بجائے میری کارگزاری کا جائزہ لینے کے لیے وہاں آگیا تھا۔

ان کاغذوں کو پنسل سے ترتیب وار نمبر ڈال کر ہم
آپس میں بانٹ لیا۔

اکرم الٰہی نے اپنے مذموم مقاصد کے لیے جو مواد اکٹھ
تھا۔ وہ ہمارے لیے چشم کشا ثابت ہوا۔ فورڈ فاؤنڈیشن
والے خود پس پردہ رہ کر فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے پاکس
کے قومی مسائل میں کھل کر مداخلت کررہے تھے۔ ان
بھیجے ہوئے پیغامات میں کام اور موضوعات کی نشان دہی
ساتھ ساتھ ان افراد کے نام بھی موجود تھے جن کو مقامی
حمایت اور پشت پناہی فراہم کی جاتی تو وہ سنگین مسا
کھڑے کرسکتے تھے۔ ان میں سے بعض نام اخباری سرخی
کی زینت بن چکے تھے۔

وہ چھتیس فیکس اور ٹیلیکس پیغامات یہ ثابت کرنے
لیے کافی سے زیادہ تھے کہ عالمی سطح پر انسانی حقوق' آزا
اظہار اور باہمی رواداری جیسے دل خوش کن نعرے لگا
والی فورڈ فاؤنڈیشن پاکستان میں علاقائی اور لسانی عصبیتو
پروان چڑھانے کی سازشیں کررہی تھی۔ بات یہیں پر
نہیں ہوجاتی تھی بلکہ تین مختلف پیغامات میں ایک ایسا
مشترک تھا جس سے تعاون پر گہرا زور دیا گیا تھا۔

وہ نام مراد ظریف کا تھا۔ اپنی لفظی ترکیب سے وہ
مقامی مسلمان کا نام معلوم ہوتا تھا۔ پیغامات میں کہیں اس
کوئی پتا یا فون نمبر موجود نہیں تھا۔ بس پہلے پیغام میں یہ
تھا کہ باقی تفصیلات فون پر بتادی جائیں گی جب کہ ان چھت
کاغذوں میں گاہے گاہے نظر آنے والے ناموں کے بار
میں ایسی رازداری سے کام نہیں لیا گیا تھا۔

ہر نام کے ساتھ اس سے رابطے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ
رابطے کا مقصد بھی درج تھا لیکن مراد ظریف بس ایک
تھا۔ سراغ کے علاوہ یہ تذکرہ بھی نہیں تھا کہ وہ فو

فاؤنڈیشن والوں کے لیے کام کیا کر رہا تھا۔ تین پیغامات میں اس کے نام کی تکرار سے یہ ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شخص فورڈ فاؤنڈیشن کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا تھا۔ ان تین میں سے آخری پیغام اس فائل کا بھی آخری پیغام تھا جو چھ ماہ پرانا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ جب فورڈ فاؤنڈیشن والوں کو اکرم الٰہی کی نیت پر شبہ ہوا اور اس نے انہیں بلیک میل کرنا شروع کیا تو مراد ظریف، اکرم الٰہی سے سرگرم اور گہرے رابطے میں آچکا تھا۔

خدا خدا کرکے اکرم الٰہی کی فائل کا صبر آزما مسئلہ حل ہوا تو مراد ظریف کا نام ایک بڑا سوالیہ نشان بن کر سامنے آچکا تھا۔

اکرم الٰہی نے جو کچھ کیا، بہت قرینے سے کیا تھا۔ فورڈ فاؤنڈیشن کی مشتبہ سرگرمیوں پر اچھا خاصا قرطاس ابیض تیار کرکے رکھ دیا تھا۔ اس سے ایک طرف فاؤنڈیشن کے عزائم بے نقاب ہوئے تھے تو دوسری طرف یہ بات سامنے آئی تھی کہ مقامی این جی اوز کس طرح اور کس حد تک غیر ملکی مفادات سے وابستہ ہو کر پاکستان کے خلاف کام کر رہے تھے۔

"فورڈ فاؤنڈیشن امریکا میں قائم ایک بین الاقوامی این جی او یا غیر سرکاری ادارہ ہے۔ ہم اس فائل سے اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟" سلطان شاہ نے کافی دیر تک کاغذوں پر مغز ماری کے بعد پوچھا۔

"تم دیکھتے جاؤ کہ کیا ہوتا ہے۔ میں ان کاغذوں کی ایک نقل اسلام آباد بھیجوں گا اور پھر یہ دستاویزات مغربی پریس کو جاری کی جائیں گی۔ ان لوگوں کو ذرا سا بھی سراغ مل جائے تو وہ اندر تک بخیے ادھیڑ ڈالتے ہیں" اول خان نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا "تازہ واقعات کے بعد فاؤنڈیشن والوں کا اسکینڈل امریکیوں کے لیے مزید شرمندگی کا باعث بنے گا۔"

"انہیں کتنی شرم دلاؤ گے" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں کہا "امریکی بہت بے شرم ہوتے ہیں، تمہاری طرح نہیں ہوتے کہ ذرا ذرا سی بات پر شرم سے لال گلابی ہو کر زمین میں گڑ جائیں۔"

"اوہ.... میرے خدا؟" اول نے اچانک ہی میز پر سے موبائل فون اٹھایا اور نمبر ملانے لگا۔

"کیا ہوا؟ تم ایک دم کیوں پریشان ہو گئے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اکرم اور مقبول" اول خان نے نمبر ملاتے ہوئے عجلت میں جواب دیا "میں نے حامد کو ان کے ڈسپوزل کے لیے کہہ دیا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس نے اپنا کام پورا کر لیا ہو۔"

مختصر مختصر

● اس کی بھویں مصنوعی ہیں، پلکیں مصنوعی ہیں، ناک کا تیکھا پن سرجری کا مرہون منت ہے.... صرف جھریاں اس کی اپنی ہیں۔

● ایک امریکی کا مطالبہ۔
"خطرناک سائنسی تجربات میں آئندہ چوہوں کی جگہ سیاست دانوں کو استعمال کیا جائے۔"

● ایک صاحب بیک وقت جانوروں کے ڈاکٹر بھی تھے اور جانوروں کی کھال میں بھس بھر کر انہیں محفوظ کرنے کا کام بھی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے بورڈ پر لکھا ہوا تھا۔
"دونوں صورتوں میں آپ کا جانور آپ کو واپس مل جائے گا۔"

● ایک گاڑی کے پیچھے ایک اسٹکر لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا۔
"اگر آپ یہ پڑھ سکتے ہیں تو پھر آپ یقیناً بس ڈرائیور نہیں ہیں۔"

● فوج میں جا کر مجھے معلوم ہوا کہ "یہ کام ابھی کرنا ہے" کا مطلب کیا ہوتا ہے۔

○☆○

● "میں فیصلہ نہیں کر پا رہی کہ مجھے یہ مضمون لکھنا چاہیے یا نہیں۔ اخبار والے مجھ سے یہ مضمون لکھوانے کے لیے اصرار کر رہے ہیں۔"
"مضمون کا عنوان کیا ہے؟"
"اپنی قوت فیصلہ بڑھائیے۔"

○☆○

● مچھلی کا شکار بہت عمدہ مشغلہ ہے.... لیکن بس یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مچھلی پکڑی کیسے جائے۔

● "اپنا رپورٹ کارڈ دکھاؤ۔"
"وہ تو میرا دوست مانگ کر لے گیا ہے۔ وہ اپنے ڈیڈی کو ڈرانا چاہتا ہے۔"

اول خان کو اپنا مطلوبہ نمبر مل گیا۔ اس نے لائن پر آنے والے کو ہدایت کی کہ وہ حامد کو بلادے۔

"انہیں اوّل و آخر مرنا ہی تھا!" ویرا نے اس دوران میں حیرت سے کہا "اول خان کو یکایک ان کی زندگی کی فکر کیوں لاحق ہو گئی؟"

"وہ کل رات کا فیصلہ تھا۔ تم بھول رہی ہو کہ اس وقت ایک نئی بات سامنے آئی ہے" غزالہ بولی۔

"ایک نہیں، کئی نئی باتیں سامنے آئی ہیں" ویرا نے سرہلا کر غزالہ کی تائید کی پھر پوچھا "ان باتوں کا اکرم اور مقبول سے کیا تعلق ہے؟"

دوسری طرف حامد لائن پر آگیا تھا اور اول خان اس سے بات کررہا تھا۔

غزالہ بولی "اس وقت مراد ظریف کا نام ہمارے سامنے ہے۔ اس پر وہ دونوں ہی مزید روشنی ڈال سکتے ہیں۔"

میرے کان بیک وقت دونوں طرف لگے ہوئے تھے۔ اول خان کی متاسفانہ آواز سنتے ہی میں نے سمجھ لیا کہ حامد نے اپنے فرض کی ادائیگی میں تاخیر کیے بغیر اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

"صرف چند منٹ کی دیر ہوئی ہے" اول خان فون بند کرکے افسوس سے بولا "میں نے وہ مسئلہ سامنے آتے ہی فون کرلیا ہوتا تو دونوں بچ سکتے تھے۔ حامد انہیں شوٹ کرکے میری کال سننے آیا تھا۔"

"ان کی زندگی اتنی ہی تھی، اب انہیں بھول جاؤ" ویرا بولی "جب کسی کا وقت پورا ہوجاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کی زندگی کو طول نہیں دے سکتی۔ ہوسکتا ہے کہ ذرا سی مہلت ملنے پر وہ کوئی اور فساد کھڑا کردیتے۔"

"نام سے کیا اندازہ ہوتا ہے؟" اول خان نے سوچتے ہوئے سوال کیا "مراد ظریف جیسے نام کس علاقے میں پائے جاتے ہیں؟"

"نام سے علاقے کے تعین کی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی" میں نے مایوسی سے کہا "پورے پاکستان کے شہری علاقوں میں نام ایک جیسے ہوتے ہیں۔ صرف سرحد کا معاملہ ذرا مختلف ہوسکتا ہے مگر وہاں بھی ملے جلے نام ہوتے ہیں۔ جھنڈا خان اور تازہ گل کے ساتھ مراد ظریف اور انور کمال بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ معاملہ ذرا محنت طلب نظر آتا ہے۔"

"تم اپنی نگرانی میں احتیاط سے ان کاغذوں کی فوٹو کاپیوں کے دو سیٹ بنوالاؤ" اول خان نے کاغذوں کا وہ پلندا فائل میں سمیٹ کر سلطان شاہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہم نئی پہیلی پر کچھ مغزماری کرتے ہیں۔"

سلطان شاہ نے فائل اس کے ہاتھ سے لے لی اور اٹھتے ہوئے کہا "بند کمرے میں اگر دروازہ چھوڑ کر دیواروں پر زور آزمائی کی جائے تو نکاس کی راہ پیدا ہونے کے بجائے آدمی خود ہلکان ہوجاتا ہے۔"

"اوہ...!" ویرا نے اوہ کو طول دے کر حیرت سے آنکھیں پھاڑیں "تم نے تو اچھی خاصی افلاطونی بات کہہ ڈالی۔ حیرت ہے کہ تمہاری یہ صلاحیت ابھی تک کسی خفیہ اور پوشیدہ مرض کی طرح ہماری نظروں سے اوجھل تھی۔"

"تمہیں اس بند کمرے میں کون سا دروازہ نظر آرہا ہے؟" میں نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"اگر مراد ظریف کی کوئی اہمیت تھی تو تمہیں مائیکرو سینٹر جانا چاہیے..."

ویرا نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے اچک لی اور مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولی "ہوسکتا ہے کہ مراد ظریف کسی کونے کھدرے میں دبکا ہوا تمہارا انتظار کررہا ہو۔"

سلطان شاہ کے چہرے پر جھلاّہٹ کی علامات عود کر آئیں۔ میری استفسار طلب نظریں اسی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"اس کا پتا یا کم از کم فون نمبر ان دونوں میں سے کسی نہ کسی کی ڈائری میں درج ہونا چاہیے" آخر کار سلطان شاہ کو اپنا جواب مکمل کرنے کا موقع مل ہی گیا۔

وہ بالکل سامنے کی بات تھی۔ اس نے بالکل صحیح نشان دہی کی تھی۔ یوں ہوتا ہے کہ بعض اوقات آدمی کسی مسئلے میں الجھ کر نہایت پیچیدہ اور دوراز کار جہتوں میں سوچنا شروع کردیتا ہے اور بالکل سامنے کی بات کو نظرانداز کردیتا ہے۔ اس وقت ہمارے ساتھ یہی ہورہا تھا مگر سلطان شاہ نے سب کو دوبارہ پٹڑی پر لا ڈالا تھا۔

سلطان شاہ فوٹو کاپیاں کرانے چلا گیا۔ اس کی بات اول خان کے دل کو ایسی لگی کہ وہ اسی وقت مائیکرو سینٹر روانہ ہونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کا ساتھ دینے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"کبھی کبھی میں بھیڑ میں بیٹھ کر بات کرتے ہوئے الجھ جاتا ہوں" اپنی گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اول خان نے آسودہ لہجے میں "مگر دیکھ لو کہ آپس کے مشورے کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔"

"تم نے یہ بھی نوٹ کیا ہوگا کہ سلطان شاہ سنجیدہ تھا مگر

ویرا اس کی ٹانگ کھینچنے پر تلی ہوئی تھی۔"

"جہاں چار آدمی یک جا ہوں وہاں یہ سب ہوتا رہتا ہے۔ ویرا اپنی فطرت سے مجبور ہے۔ خوش اور چاق و چوبند رہنے کے لیے اسے اپنے سامنے ہر وقت ایک ٹارگٹ کی ضرورت ہوتی ہے" اس نے ہنس کر جواب دیا۔

مائیکرو سینٹر سے اکرم الٰہی کے خفیہ فرار اور پھر ویرا کے ہاتھوں دوبارہ گرفتاری کے بعد وہ عمارت ویران ہوگئی تھی۔ اس میں باہر سے داخلے کا کوئی راستہ غیر مقفل نہیں تھا لیکن چھت کے راستے اندر اترا جاسکتا تھا۔ حامد نے اسی راستے سے اپنے آدمی اندر اتار کر مائیکرو سینٹر میں بٹھادیے تھے۔ ان کی موجودگی کی وجہ سے ہم آسانی سے عمارت میں داخل ہوسکتے تھے۔

اول خان نے اپنی گاڑی عمارت سے کچھ دور چھوڑدی۔ ہم دونوں درمیانی فاصلہ طے کرکے عمارت کی پشت پر پہنچے تو بلٹ پروف شیشے کے پیچھے اول خان کا ایک آدمی کرسی پر براجمان تھا مگر اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

ہم دونوں کی صورت دیکھتے ہی اس نے وزنی آہنی دروازہ کھول کر اول خان کو تعظیم پیش کی مگر اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی گھبراہٹ میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"کیا بات ہے دلیر خان!" اول خان نے نرمی سے سوال کرکے اس کا حوصلہ بڑھایا "تم پریشان نظر آرہے ہو؟"

"صاب! بوت پریشانی کا بات ہے" دلیر خان نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "ام بیس دفعہ نیچے اوپر گیا مگر اکبر علی غائب ہے۔ آدھے گھنٹے سے ام پریشان ہے۔"

اول خان کے ساتھ میں بھی چکرا کر رہ گیا "چھت کا دروازہ بند ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"سب بالکل بند ہے۔ ام نیچے آیا تو وہ آرام کرنے کا واسطے اوپر گیا پھر غائب ہوگیا" دلیر خان کی بے چارگی قابلِ رحم تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ام نیچے اوپر سب دیکھا' آواز دیا.... مالوم نئیں پڑتا وہ کدر گیا؟"

"وہ کہاں جاسکتا ہے؟" اول خان خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا اور خود ہی بول پڑا "اوہ.... وہ لفٹ سے آنے کے چکر میں تہ خانے میں نہ پہنچ گیا ہو.... مگر آدھے گھنٹے سے وہ وہاں کیا کررہا ہے؟"

اسی دوران میں میری بے چین نظریں اپنا جائزہ مکمل کرچکی تھیں۔ لفٹ کی روشنیوں سمیت ہر چیز گل تھی۔ حد یہ تھی کہ قدرے گرمی ہونے کے باوجود پنکھا تک نہیں چل

✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱

سوالاً جواباً

✧ "اب جبکہ تم دولت مند ہوچکے ہو.... تمہیں غربت کے زمانے کے دوست پریشان تو نہیں کرتے؟"

"جب میں غریب تھا تو میرا کوئی دوست ہی نہیں تھا۔"

✧ "یہ پرانا گراموفون ہمارے گھر میں کہاں سے آگیا؟"

"یہ گراموفون نہیں پاپا! یہ تو ممی نے آپ کی سالگرہ کے لیے کیک تیار کیا ہے۔"

✧ "اس اسامی کے لیے ہمیں ایک مضبوط اور طاقتور آدمی کی ضرورت ہے۔ کیا آپ خود کو مضبوط اور طاقتور سمجھتے ہیں؟"

"سر! باہر دوسرے جو دس امیدوار انٹرویو کے لیے آئے ہوئے تھے انہیں میں نے ہی اٹھا کر باہر پھینکا ہے۔ میرے مضبوط اور طاقتور ہونے کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا؟"

○☆○

☆ .... "بیٹا! تم نہانے میں ایک گھنٹا لگادیتے ہو.... کھانے میں ایک گھنٹا لگادیتے ہو.... اسکول ایک گھنٹے میں پہنچتے ہو۔ کوئی ایسا کام بھی ہے جس میں تمہیں صرف پانچ منٹ لگتے ہوں؟"

☆ .... "جی ہاں.... پڑھائی۔"

○☆○

☆ .... "کاہلی کا علاج کیا ہے؟"

☆ .... "بہت آسان.... ذرا میری چھڑی پکڑانا...."

○☆○

☆ .... "اگر میرے پاس یہ ساری دولت نہ رہے.... کیا تب بھی تم مجھ سے محبت کرتی رہوگی؟"

☆ .... "ہاں.... اور میں تمہیں یاد بھی کیا کروں گی۔"

○☆○

✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱

رہا تھا۔ میں نے دلیر خان سے پوچھا "بجلی کب سے گئی ہوئی ہے؟"

"یہ پہلے سے گیا ہوا ہے۔ اور گرمی تھا۔ ام اکبر علی سے نسوار لینے اوپر گیا، وہ غائب تھا۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" میں نے اول خان کو دلاسا دیا "میرا خیال ہے کہ وہ نیچے پھنسا ہوا ہے۔ یہ اتفاق ہے کہ ادھر وہ نیچے گیا اور ادھر بجلی چلی گئی۔ جنریٹر چلا کر ابھی دیکھے لیتے ہیں۔"

سسٹم میرے لیے اجنبی نہیں تھا مگر اسے سمجھنے میں مجھے ذرا سا وقت صرف ہوا۔ جنریٹر چل جانے کے بعد جوں ہی بجلی بحال ہوئی، چند ثانیوں بعد لفٹ اندھے تہ خانے سے گراؤنڈ فلور پر آگئی۔ دروازہ کھلا اور اکبر علی نے باہر آتے ہی اول خان کو دیکھا اور تپاک سے سیلوٹ پیش کر دیا۔ وہ دلیر خان کی طرح زیادہ پریشان نہیں تھا۔

"تم تہ خانے میں کیوں گئے تھے؟" اول خان نے ناراضی سے سوال کیا۔

"صاب! غلطی سے آخری بٹن دبا دیا تھا۔ دروازہ کھلا تو وہ نئی جگہ تھی۔ پھر ہر طرف اندھیرا ہو گیا۔ میں نے ایک ایک کر کے سارے بٹن دبائے لیکن لفٹ ٹس سے مس نہ ہوئی" اکبر علی نے معصومیت سے بتایا۔

وہ پہاڑوں اور ویرانوں میں بسیرا کر کے بے جگری سے دشمن کے سر اتار لینے والے بے لوث سپاہی تھے، شہری زندگی کے جھمیلوں سے زیادہ واقف نہیں تھے۔ اول خان نے اسے مزید کوئی سرزنش نہیں کی کیونکہ وہ سراسر بے قصور تھا۔ دلیر خان اپنے ساتھی کو صحیح سلامت دیکھ کر خوش نظر آنے لگا تھا۔

ہم دونوں لفٹ سے دوسری منزل کی طرف روانہ ہو گئے جہاں اکرم الٰہی کی خواب گاہ تھی۔ اسے معزول کرنے کے بعد مقبول نے بھی اپنا فلور چھوڑ کر اسی کمرے پر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔

کمرے میں ٹیلی فون کی دو ڈائریاں تھیں۔ ایک زیادہ پرانی تھی جس میں نمبروں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ دوسری نسبتاً نئی معلوم ہو رہی تھی۔ ہمارے پاس ان دونوں کے انداز تحریر کا کوئی موازنہ نہیں تھا جس کی بنا پر ڈائریوں کی ملکیت کا تعین کیا جا سکتا۔ ہم نے مشورے سے فیصلہ کیا کہ پرانی ڈائری اکرم الٰہی کی ہونی چاہیے تھی۔

اس ڈائری میں ہمیں مراد ظریف کے نام کے سامنے چار فون نمبرز مل گئے جو مختلف شہروں کے تھے۔ دوسری ڈائری میں مراد ظریف کے صرف دو نمبر تھے۔ ان میں سے ایک مشترک تھا۔ دوسرا نمبر نیا مگر حیدر آباد کا تھا۔

سلطان شاہ کے مشورے کے نتیجے میں ہمیں کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ مراد ظریف جو ہمارے لیے صرف ایک نام تھا، اس کا ابتدائی سراغ مل چکا تھا۔ میں نے شہروں کے کوڈ سمیت، وہ پانچوں فون نمبرز ایک الگ کاغذ پر نوٹ کر لیے۔

اگلا مرحلہ ٹیلی فون ڈائریکٹری کی تلاش کا تھا کیونکہ حیدر آباد کے سوا باقی شہروں کے کوڈ ہمارے لیے نئے تھے مگر پھر مقبول کی ڈائری کی ابتدا میں ہی ہمیں پاکستان بھر کے شہروں کے کوڈ نمبروں کی فہرست مل گئی۔

دونوں ڈائریوں کا مشترک نمبر نواب شاہ کا تھا۔ بقیہ چاروں نمبر حیدر آباد، شہداد پور، عمرکوٹ اور میرپور خاص کے تھے۔

"مراد ظریف سیلانی آدمی معلوم ہوتا ہے" اول خان نے وہ کام مکمل ہونے پر تبصرہ کیا۔

"غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس کا سیر سپاٹا سندھ کے مخصوص علاقے تک محدود ہے۔ عمرکوٹ سے شہداد پور تک کی پوری پٹی تھر کے صحرائی علاقے سے بہت قریب بلکہ متصل ہے اور وہاں رسل و رسائل کی مناسب سہولتیں نہ ہونے کے باوجود بہت سی این جی اوز خاموشی سے کام کر رہی ہیں" میں نے اس کی توجہ دلائی۔

"تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو، ممکن ہے کہ مراد ظریف بھی کسی این جی او کا سربراہ ہو" اس نے اعتماد سے کہا "اب ہم جلد ہی اس کا سراغ لگا کر اس تک پہنچ جائیں گے۔"

میں کام میں تاخیر کا قائل نہیں تھا۔ مائیکرو سینٹر کے تمام ٹیلی فون کاٹے جا چکے تھے لیکن اس کمرے میں اکرم الٰہی کے زیر استعمال ایک نمبر ہم نے دانستہ کھلا رکھا تھا۔ اس نمبر پر اکرم الٰہی سے بات کرنے کے بعد ہی بوب رافیل ہمارے ہتھے چڑھا تھا۔

میں نے چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد سب سے پہلے نواب شاہ کا نمبر ملانے کا فیصلہ کیا کیونکہ وہ نمبر دونوں ڈائریوں میں مندرج تھا اور اس پر مراد ظریف کے ملنے کے زیادہ امکانات تھے۔

دوسری گھنٹی پر کسی مرد نے نرمی سے ہیلو کہا تھا۔ جوں ہی میں نے مراد ظریف سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی، اس کا لب و لہجہ ایک دم تبدیل ہو گیا۔ اس نے غراتی ہوئی آواز

میں کہا ”یہاں کوئی مراد، نامراد نہیں رہتا۔ آئندہ تم نے اس کے لیے یہاں فون کیا تو ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا“ یہ کہہ کر میری مزید کوئی بات سنے بغیر فون بند کردیا گیا۔

میری مایوسی پر اول خان نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے تسلی دی ”بہت اچھی ابتدا ہے۔ نواب شاہ والے کے غصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسے جانتا ہے اور کسی وجہ سے اس کا دشمن ہے۔ ایسے معاملوں میں دوستوں سے زیادہ اچھی مخبری دشمن کرتے ہیں۔“

اس کی بات معقول تھی۔ اگر کہیں اور سے اس کا کوئی پتا نہ ملتا تو نواب شاہ والوں پر محنت کی جاسکتی تھی۔

میں نے بقیہ نمبروں پر قسمت آزمائی شروع کردی۔ میری دلی خواہش تھی کہ ہم مائیکرو سینٹر سے نکلنے سے پہلے اپنے نئے حریف کا کوئی پتا یا ٹھکانا دریافت کرلیں تاکہ اگلی کارروائی کا فیصلہ کیا جاسکے۔

شہدادپور اور میرپور خاص کے نمبر ایسے ہوٹلوں کے تھے جہاں قرب و جوار کے دیہات اور منڈیوں سے آنے والے بیوپاری ایک دو روز کے لیے چھوٹے چھوٹے کمروں میں قیام کرتے اور چلے جاتے تھے۔ ایسے چھوٹے ہوٹلوں میں سب کچھ مالکان کی یادداشت اور صوابدید پر چلتا ہے اس لیے آنے جانے والوں کا کوئی باضابطہ ریکارڈ نہیں رکھا جاتا۔ مراد ظریف کے بارے میں ان ہوٹلوں سے کوئی مدد نہیں ملی۔

عمرکوٹ کے فون نمبر میں کوئی خرابی تھی کہ وقفے وقفے سے کی جانے والی کئی کوششوں کے باوجود وہ نمبر مصروف ملتا رہا۔ آخر کار میں نے حیدر آباد کا نمبر ملا ڈالا۔ پہلی بار وہ نمبر بھی مصروف تھا مگر دوسری کوشش میں مل گیا۔

نواب شاہ والوں کی طرح وہ شخص مراد ظریف کا بدخواہ نہیں تھا۔ اس کا نام سن کر وہ بولا ”بابا، ذرا صبر کرو۔ نیچے بات کراتے ہیں“ یہ کہہ کر فون کا ریسیور نیچے رکھ دیا گیا۔ پس منظر میں بچوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

صبر کا وہ سلسلہ خاصا طویل ثابت ہوا پھر کسی نے دوسرا ریسیور اٹھالیا۔

”کون ہے؟ کس سے بات کرنا چاہتے ہو؟“ مجھ سے محتاط لب و لہجے میں پوچھا گیا۔

”میں اللہ بخش بول رہا ہوں۔ مراد سے میری بات کرادو“ میں نے نرمی سے التجا کی۔

”کون اللہ بخش؟ تم کہاں سے بول رہے ہو؟“ اس نے مراد کے بارے میں میری بات سنی ان سنی کردی۔ اس دوران میں بچوں کی آوازیں غائب ہوچکی تھیں۔ شاید اوپر کا ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔

”میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں کون اللہ بخش ہوں؟“ میں نے بے بسی سے کہا ”مراد ہوتا تو وہ میری آواز سے پہچان لیتا کہ میں میرپور خاص والا اللہ بخش ہوں۔ آلو اور پیاز کا بیوپاری۔“

”وہ تو ادھر ایک مہینے سے نہیں آیا۔ کوئی کام ہو تو بتادو۔ اسے پیغام پہنچادیں گے۔“

”مجھے اس سے ملنا ہے۔ وہ کہاں ملے گا؟“ میں نے زور دے کر کہا ”تمہارے پاس اب کب آئے گا؟“

”بابا! مراد سائیں میرا یا تمہارا نوکر نہیں ہے۔ وہ ہر جگہ اپنی مرضی سے آتا جاتا ہے۔ مجھے کیا پتا کہ وہ کدھر ہوگا“ میرا مخاطب میرے اصرار پر چڑ کر بولا ”میں کوئی اس کا اردلی یا چپڑاسی نہیں ہوں۔“

”وہ ملے تو اسے میرا پیغام ضرور پہنچادینا“ میں نے تاکید کی اور فون بند کردیا۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن جیسے شہرہ آفاق ادارے کی نظروں میں آیا ہوا کوئی شخص اتنا غیر معروف اور خانہ بدوش بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے پانچ فون نمبروں میں سے ایک پر بھی نہ ملے۔

وہ جو کوئی بھی تھا، اتنا غیر معروف نہیں تھا۔ بس اپنی نقل و حرکت کے بارے میں ضرورت سے زیادہ محتاط تھا۔ کسی مخصوص حوالے یا شناخت کے بغیر اس سے براہِ راست رابطہ کرنا ممکن نہیں تھا۔

ہم نے وہ دونوں ٹیلی فون ڈائریاں اپنے ساتھ لیں، اول خان نے نیچے آکر اپنے دونوں آدمیوں کو مائیکرو سینٹر کے گورکھ دھندوں کے بارے میں بریفنگ دی، میں نے جنریٹر بند کیا اور ہم وہاں سے واپس روانہ ہوگئے۔

راستے میں اول خان کو یاد آیا کہ وہ حیدر آباد میں ایک ایسے شخص سے واقف تھا۔ جو کچھ عرصے پہلے خفیہ ایجنسیوں کے انفارمر کے طور پر خاصا نام کما چکا تھا ”خود شہر در شہر بھٹکنے سے بہتر ہوگا کہ تمام فون نمبر دے کر ہم جی آر کو اس کام پر مامور کردیں“ وہ خیال آنے پر اول خان نے کہا ”وہ ایک دو روز میں خود ہی مراد ظریف کی پوری ہسٹری کھود نکالے گا۔“

”جی آر؟“ میں نے حیرت سے دہرایا ”کیا یہ اس کا کوئی خفیہ پاس ورڈ ہے؟“

اول خان نے دھیمی سی ہنسی کے ساتھ کہا ”پاس ورڈ نہیں، اس کا خط ہے۔ پورا نام غلام رسول بھمرد ہے مگر وہ خود کو جی آر بھمرو لکھتا ہے تاکہ لوگ مخفف کو چھوڑ کر اسے

صرف بھمرو صاحب کہا کریں۔"

"یہ بھنبھور کا کوئی باسی معلوم ہوتا ہے" میں نے ازراہِ مذاق کہا "ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے نام کے بجائے اپنے گاؤں کی تشہیر کا رسیا ہو۔ بعض لوگوں کو اپنی مٹی سے اسی قدر پیار ہوتا ہے۔"

"مجھے یا تمہیں اس کی کارکردگی سے دلچسپی ہوسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہمارے لیے کارآمد ثابت ہوگا۔"

اول خان کو اس کا فون نمبر زبانی یاد نہیں تھا۔ وہ نمبر اس کے دفتر سے مل سکتا تھا۔ اس کے ایما پر میں نے اسٹیشن فور کا نمبر ملا کر موبائل فون اسے تھما دیا۔ اس نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے جی آر کا نمبر پوچھا اور چند ثانیوں بعد موبائل فون میری طرف بڑھاتے ہوئے جی آر کا نمبر دہرایا جو میں نے اس کی ہدایت کے مطابق موبائل فون کی میموری پر محفوظ کرلیا۔

گھر پہنچتے ہی اول خان نے موبائل کی اسکرین سے دیکھ کر جی آر کا نمبر ملالیا۔ اول خان اور جی آر کے درمیان بے تکلفانہ اور گہرے مراسم کا اظہار اول خان کے یکطرفہ مکالموں سے ہورہا تھا۔ اِدھر اُدھر کی گپ شپ کے بعد اول خان نے مراد ظریف کے پانچوں فون نمبر اسے دے دیے تاکہ وہ اس کا کھوج لگاسکے۔

جی آر کے لیے مراد ظریف کا نام اجنبی نہیں تھا لیکن وہ فوری طور پر یہ یاد کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا کہ اس نے مراد کا نام کہاں سنا تھا۔ بہرحال اس نے وعدہ کرلیا کہ وہ جلد از جلد اپنی معلومات سے آگاہ کردے گا۔

اول خان ہمارے گھر سے اکرم الٰہی کی تیار کی ہوئی فائل کی دو نقلیں لے کر چلا گیا۔

مراد کا معاملہ اس وقت بالکل ٹھپ ہوکر رہ گیا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اول خان ان نقلوں کے ذریعے کس کس کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ اس وقت کوئی ہدف سامنے نہیں رہا تھا اور ہمارے پاس انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

رات کو موبائل پر نیما کا فون آیا تو وہ اپنی ہی دھن میں مگن تھی۔ میرے لیے پسندیدگی کے اظہار کے ساتھ وہ نسرین کی الماری سے مقبول کا بریف کیس اڑانے پر تلی بیٹھی ہوئی تھی۔

نیما کی بے خبری سے مترشح ہورہا تھا کہ مقبول چوہدری کے بریف کیس سے دیے ہوئے پچاس ہزار روپے نسرین کے لبوں کا قفل بن گئے تھے۔ اس نے میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کسی کو بریف کیس کے سامان سے محرومی کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔

نیما نے مجھے مقبول چوہدری کے بریف کیس کے بارے میں اشارہ دے کر بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ نیما کی اس خدمت کے صلے میں' میں نے اس کے ساتھ سخت رویہ اختیار نہیں کیا۔ اس سے پہلے اسی نے نسرین کے گھر میں مقبول کی موجودگی کا بھانڈا پھوڑ کر اس کی مکمل تباہی کی بنیاد رکھی تھی اور میرے دل میں اپنے لیے جگہ بنالی تھی۔

اس کی خدمات کی وہ پسندیدگی اس قسم کی نہیں تھی جس کا وہ اظہار کررہی تھی۔ میں نرمی سے اسے ٹالتا اور سمجھاتا رہا۔ میری ہر دلیل کا محور ایک ہی نکتہ تھا کہ میری بیوی بہت حاسد اور زبان دراز عورت تھی۔ اسے شک بھی ہوجاتا کہ نیما میری ذات میں دلچسپی لے رہی تھی تو وہ نسرین کے گھر پہنچ کر نیما کو لہولہان کردیتی۔

کبھی کبھی فون پر مجھ سے بات کرنے اور پھر ملنے جلنے کی اجازت لے کر اس نے میری جان چھوڑ دی۔

اگلے دن کے اخبارات بہت صاف ستھرے تھے۔ بوب رافیل کے اسکینڈل کے بارے میں ایک لفظ بھی پریس میں نہیں آیا تھا۔ دوسری طرف امریکیوں نے فریڈم انٹرنیشنل' اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی حمایت میں اپنے یومیہ بیان سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی۔ وہ دونوں مارے جاچکے تھے لیکن ان کے انجام کے بارے میں بھی کہیں کوئی ذکر نہیں تھا۔

راوی ہر طرف چین ہی چین لکھتا تھا مگر مجھے اس خاموشی سے سخت وحشت ہورہی تھی۔

رات کو ذرا دیر سے اول خان نے اطلاع دی کہ جی آر نے کافی محنت کے بعد مراد کا کھوج نکال لیا تھا۔ ان دنوں اس نے میرپور خاص کو اپنا گڑھ بنایا ہوا تھا۔ وہاں سے وہ حیدر آباد اور کبھی کبھی کراچی کے چکر بھی لگا رہا تھا۔

"یہ اندازے تو ہم بھی لگا سکتے تھے کہ وہ ان ہی شہروں میں منڈلا رہا ہوگا۔ جی آر نے کیا کھوج نکالا ہے؟" میں نے کہا۔

"وہ ہیر آباد کے علاقے میں تین سو روپے ماہوار کرائے کی ایک پھٹیچر سی کوٹھری میں اپنا دفتر چلایا کرتا تھا جہاں فون تک نہیں تھا۔ تم نے اسی پتے پر اس کے لیے فون کیا تھا۔ وہ فون مالکِ جائیداد کے پاس ہے۔ وہ چاہتا ہے تو مراد کے دفتر والوں کو لائن دے دیتا ہے ورنہ وہاں رکھا ہوا نمائشی فون ہر وقت بے جان رہتا ہے" اول خان نے بات آگے بڑھائی۔

"تم نے ہر جگہ ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ آج کل کی صورت کیا ہے؟"
"اب وہ پجیرو جیپ میں گھومتا ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں موبائل فون اور دوسرے میں گولڈ لیف کا پیکٹ دبا ہوا ہوتا ہے۔ سب حیران ہیں کہ برسوں کے بعد اس کی یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی ہے۔"
"جی آر بھی اس کے حالات میں تبدیلی کا سبب معلوم نہیں کرسکا؟"
"اسے وقت ہی کتنا ہوا ہے۔ اس کے بتائے بغیر بھی تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ سب فورڈ فاؤنڈیشن کی عنایات کا لازمی نتیجہ ہے۔ وہ جس پر مہربان ہوں' اس کے دن پھر جاتے ہیں۔"
"اگر اس پر بڑی سرمایہ کاری کی گئی ہے تو وہ کوئی بڑا کام ہی کررہا ہوگا" میں نے کہا "پجیرو' میں گھومتے ہوئے وہ خود کو میرپور خاص کا شہنشاہ ضرور سمجھتا ہوگا۔"
"میرپور خاص چھوٹا سا زرعی شہر ہے مگر تم اسے بے مایہ نہ سمجھو۔ فصل کٹنے کے بعد دھول اور کیچڑ سے اٹے ہوئے کچے راستوں پر زمینداروں کے بچے نئے ماڈل کی پجیرو اور دوسری گاڑیاں دوڑاتے پھرتے ہیں۔"
"اور پھر اگلی فصل کی تیاری اور کٹائی سے پہلے ہی قلاش ہوکر ان گاڑیوں کو اونے پونے میں بیچ ڈالتے ہیں" میں نے اس کی بات کاٹ کر ایک سنی سنائی حقیقت بیان کردی۔
"زراعت کے شعبے میں ہاری سے زمیندار تک کا یہی حال ہے۔ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سب ہر سال اس گردش سے گزرتے ہیں۔ بُرے دنوں میں بنائے ہوئے اچھے منصوبے اور نیک ارادے نئی فصل کے ریلے میں خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں" اول خان دردمندی سے بتارہا تھا۔ "یہ ہماری معیشت کی سب سے زیادہ سفاک حقیقتیں ہیں۔"
"ہم مصلح نہیں ہیں" میں نے اسے ٹوکا "اس وقت ہمارا مسئلہ مراد ظریف ہے۔"
"مراد کا حیدر آباد کا دفتر ابھی تک برقرار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے ابھی سے سوچ لیا ہو کہ بھلے دن خواب کی طرح گزر گئے اور دوبارہ غربت نے ڈیرے ڈالے تو وہ اپنے حیدر آباد والے دفتر میں تو بیٹھ سکے گا۔"
"اس دفتر میں وہ کرتا کیا ہے؟" میں نے الجھ کر سوال کیا۔ "اس کا ذریعۂ معاش کیا ہے؟"
"بدمعاشی!" اول خان کی طرف سے بے ساختہ جواب آیا "اس نے صحرا کے نام سے ایک کاغذی این جی او بنائی ہوئی ہے جو رجسٹرڈ ہے۔ وہ سرکاری گرانٹ پر ہی گزارہ کرتا تھا جو صحرا میں پہنچنے سے پہلے اس کے مصرف میں آجاتی تھی۔"
"جی آر نے خاصے کم وقت میں بہت سی کارآمد باتیں معلوم کرلی ہیں" میں نے اعتراف کیا۔
"سب سے زیادہ کارآمد بات یہ ہے کہ اس نے مراد کی کار یعنی پجیرو کا نمبر بھی بتادیا ہے۔ وہ حیدر آباد کے رجسٹریشن پر چل رہی ہے۔ میں نے کراچی میں داخلے کے ناکوں پر یہ نمبر بھجوانے کا بندوبست کرلیا ہے۔ جوں ہی وہ کراچی کی حدود کے آس پاس نظر آیا' ہمیں اطلاع مل جائے گی اور اس کا ہانکا شروع ہوجائے گا۔"
"اس کا موبائل نمبر مل جاتا تو اس سے براہِ راست کچھ چھیڑ چھاڑ کی جاسکتی تھی۔"
"وہ خود ہر ایک کو فون کرتا رہتا ہے لیکن اس کا نمبر بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ جی آر نے اس سلسلے میں کوشش کی تھی مگر اسے کامیابی نصیب نہیں ہوسکی۔ وہ اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔"
"جی آر' ایک کامیاب مخبر ہے تو کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ مراد کو اس کے گھر میں پکڑوا دے؟"
"مگر کس جرم میں...؟" اول خان نے پوچھا "ابھی تک اس کے خلاف کوئی شہادت نہیں ہے۔"
"وہ اپنے وسائل سے کہیں اونچا معیار زندگی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہ پیسا کہاں سے آرہا ہے۔"
اول خان تلخ انداز میں ہنس پڑا "ہمارے یہاں وسائل سے بڑھ کر رہنا سہنا روایت بن چکا ہے۔ چنگی کلرک لاکھوں کی ذاتی جائیداد میں رہتے ہیں اور ہر ایک ان کی عزت کرتا ہے' ان سے ڈرتا ہے۔ ہمارا قانون وسائل سے باہر' شاہانہ زندگی گزارنے والوں سے ڈرتا ہے۔ جی آر کی شکایت پر کوئی مراد کو ہاتھ تک نہیں لگائے گا۔"
"مگر اس کا تو کوئی باقاعدہ روزگار ہی نہیں ہے" میں نے اصرار کیا۔
"بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ تم اسی ملک میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے ہو" اول خان کی آواز میں ہلکی سی خفگی عود کر آئی "ہمارے یہاں یہ ساری خرابیاں نہ ہوتیں تو تمہیں میدان میں اترنا پڑتا' نہ ایس ٹی ایف کی ضرورت پیش آتی۔"
ٹیلی فون بند ہوگیا مگر میرا ذہن اول خان کی کہی ہوئی باتوں میں الجھا رہا۔ مراد ایک پاکستانی تھا لیکن اس نے آسودہ

زندگی گزارنے کے لیے کسی خلش کے بغیر خود کو فورڈ فاؤنڈیشن والوں کے ہاتھ فروخت کردیا تھا۔
اکرم الٰہی کے یک جا کیے ہوئے کاغذات کی بنا پر یہ فرض کیا جاسکتا تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن والے اس معاملے میں کھل کر مراد کے سامنے نہ آئے ہوں۔ اسے جال میں پھانسنے کا فریضہ فریڈم انٹرنیشنل اور اکرم الٰہی نے انجام دیا ہو۔ پھر بھی مراد کو یہ ضرور سوچنا چاہیے تھا کہ اسے کس کام کے لیے خطیر معاوضہ دیا جارہا تھا۔
مجھے کامل یقین تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن کے ایما پر دیا جانے والا کام نیک نہیں ہوسکتا تھا اور اگر مراد نے جانتے بوجھتے ہوئے ایک غلط کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے ذمّے داری قبول کی تھی تو اس کی گردن ماردی جانی چاہیے تھی۔
فورڈ فاؤنڈیشن، فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا.... یہ ایک بے تکی مثلث کے تین اضلاع تھے جن میں آپس کی کوئی نسبت نہیں تھی۔ بس ایک بات مشترک تھی کہ تینوں این جی اوز تھیں۔ ایک بہت بڑی بین الاقوامی تنظیم تھی، دوسری پاکستان کی حدود میں انسانی حقوق پر کام کرنے والی مقامی یک نفری تحریک تھی اور تیسری محض ایک علاقائی انجمن تھی جو تین سو روپے ماہانہ کرائے والے ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک آدمی نے اپنی آتشِ شکم سرد کرنے کے لیے بنائی ہوئی تھی۔
ان تینوں کا باہمی گٹھ جوڑ بالکل غیر منطقی اور غیر حقیقی تھا۔ مجھے شبہ سا ہوا کہ کہیں نام کی یکسانیت کی وجہ سے ہم مراد ظریف نام کے کسی غلط آدمی کے پیچھے نہ لگ گئے ہوں۔
مجھے فوراً ہی اپنی اس بدگمانی کو ذہن سے جھٹک دینا پڑا۔ مراد، صحرا کا بلا شرکت غیرے مالک تھا اور اس کے مالی حالات میں اچانک ہی حیران کن بہتری پیدا ہوئی تھی جو کسی دریا دل اَن داتا کی سرپرستی کے بغیر ممکن نہیں تھی۔
اگلی صبح مراد کے موبائل فون کا نمبر اول خان کو مل چکا تھا۔ جی آر کو جو کام دیا گیا تھا، وہ دل وجان سے اس کی تکمیل میں لگا ہوا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ صبح سویرے مراد کی تجیرو حیدر آباد میں قاسم آباد کے علاقے میں دیکھی گئی تھی۔
اول خان کے لیے سہولت یہ تھی کہ ہماری جائے پناہ اس کے گھر اور اسٹیشن فور کے درمیان ایسی جگہ پر واقع تھی کہ وہ اپنے راستے سے چند منٹ کے لیے ہٹ کر ہم تک پہنچ سکتا تھا۔ اسے جی آر کی طرف سے دیا ہوا فون نمبر گھر پر ملا تھا۔ نمبر ملنے کے بعد وہ جوش میں سیدھا ہماری طرف چلا آیا۔
”گاڑی کے بعد اب فون نمبر بھی مل گیا۔ تم اس سے کیا چھیڑ چھاڑ کرنا چاہتے ہو؟“ اس نے آتے ہی مراد کے فون نمبر والا رقعہ میرے حوالے کرکے سوال کیا ”جی آر ہماری اس سے زیادہ مدد نہیں کرسکے گا۔“
”ہمیں اس کے دوسرے روابط کا کوئی علم نہیں.... بس اتنا معلوم ہے کہ وہ اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کے رابطے میں تھا۔ اس سے اسی حوالے سے بات شروع کی جاسکتی ہے“ میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔
”لیکن تم کیا بات کروگے؟“ اول خان ڈسپلن کا آدمی تھا، پہلے سے سب کچھ جاننا چاہتا تھا۔
”اس کا تعین اس کا ردِ عمل جاننے کے بعد ہی ہوسکے گا۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ مجھے فریڈم انٹرنیشنل والوں کا آدمی سمجھتا ہے یا اس دعوے پر اعتبار کرنے سے انکار کردیتا ہے؟“
”فرض کرو کہ وہ تمہاری بات تسلیم نہیں کرتا پھر تم کیا کروگے؟“ ویرا نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”وہ اس کا کوئی سبب بتائے گا اور اسی سبب سے کوئی راہ نکلے گی۔“
”پھر بھی تمہارے ذہن میں پہلے سے کوئی نہ کوئی خاکہ تو موجود ہونا چاہیے۔“
”تم میرے ساتھ کسی وکیل کی سی جرح کررہی ہو“ میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا ”ایسے موقعوں پر سوچی سمجھی باتیں دھری رہ جاتی ہیں۔ جو وقت پر سوجھ جائے، وہی بات سب سے بہتر رہتی ہے۔“
”اپنے معاملات کو تم بہتر سمجھتے ہو“ سلطان شاہ نے گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہا ”سب جانتے ہیں کہ آڑا وقت آنے پر تم فوری فیصلے کرتے ہو جو اکثر درست ثابت ہوتے ہیں۔ یہ پھر بھی تم سے کچھ اگلوانے کی کوششیں کررہے ہیں۔“
”ڈینی کوئی سازش نہیں کررہا جو میں اس سے کچھ اگلوانے کی کوشش کروں“ ویرا چیخ کر بولی ”ہوسکتا ہے کہ ہم مل جل کر کوئی بہتر فیصلہ کرسکیں۔ مراد کو شبہ ہوگیا تو ہمارا کام بہت لمبا ہوجائے گا۔“
”یہ خطرہ موجود ہے اور ہمیں مول لینا پڑے گا“ میں نے اقرار کیا۔
بات طے ہوگئی اور میں نے گھر کے سی ایل ڈی والے فون پر مراد کا نمبر ملالیا تاکہ اس سے بے خوف و خطر ہوکر ہر موضوع پر کھلی کھلی گفتگو کی جاسکے۔
دوسری گھنٹی پر موبائل فون آن ہوا اور ایک مضبوط

مردانہ ہیلو سنائی دی۔
"مجھے مراد ظریف سے بات کرنی ہے" میں نے پورے سکون سے کہا "میں کراچی سے بول رہا ہوں۔"
"تم کون ہو؟ کیا مراد تم کو جانتا ہے؟" سرد لہجے میں سوال کیا گیا۔
"جانتا ہے" میں نے قدرے ناگواری اور تحکم سے جواب دیا "اسے بتاؤ کہ میں مقبول چوہدری کا آدمی ہوں۔"
"مقبول چوہدری خود کہاں غائب ہے؟" اس بار بولنے والے کی آواز میں خفیف سا تجسس تھا۔
"جرح مت کرو" اس بار میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ' درشت لہجے میں کہا "فون مراد کو دو ورنہ میں لائن بند کردوں گا۔ میرے پاس تمہارے سوال جواب کے لیے فالتو وقت نہیں ہے۔"
"میں مراد ہی بول رہا ہوں۔ میرا یہ نمبر تمہیں کس نے دیا؟" وہ جواب سن کر میرے وجود میں سکون کی لہر سرایت کر گئی۔
"مقبول چوہدری نے نمبر دیا ہے۔ وہ آج شام تم سے ملنا چاہتا ہے" میں نے روانی سے کہہ ڈالا۔
"میں نے یہ کنکشن تین چار دن پہلے لیا ہے۔ اسے یہ نمبر معلوم ہی نہیں تھا تو اس نے تمہیں کیسے دے دیا؟"
"یہ وہی بتائے گا۔ وہ فریڈم انٹرنیشنل چلا رہا ہے۔ اس کے اپنے بھی ذرائع ہیں۔"
"وہ خود کہاں ہے؟ میں کئی روز سے اس کی تلاش میں ہوں۔ اس کے سب فون بند پڑے ہیں۔"
مجھے یاد آیا کہ مشتعل مظاہرین کے ہاتھوں مقبول کے زخمی ہونے کی خبر اخباروں میں چھپ چکی تھی۔ میں نے فوری فیصلے کے تحت کہا "وہ زخمی ہو گیا تھا' اسپتال میں ہے مگر آج شام اسے چھٹی مل جائے گی۔ وہ وقت ضائع کیے بغیر تم سے ملنا چاہتا ہے۔"
"میں نے اخبار میں پڑھا تھا۔ اسے کچھ لوگوں نے دفتر میں گھس کر مارا تھا اور توڑ پھوڑ بھی کی تھی۔"
"پڑھ چکے تھے تو کیا میرا امتحان لے رہے تھے؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔ اس کے دبے دبے رویئے کی وجہ سے میرا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ میرے جال سے نہیں نکل سکے گا۔
"تم کہاں سے فون کر رہے ہو؟" مراد کی متجسس آواز ابھری۔ وہ چاروں سانس روکے حیرت اور دلچسپی کے ساتھ اسپیکر فون کے ذریعے ہونے والی وہ دو طرفہ گفتگو سن رہے تھے۔
"میں اسپتال کے قریب ایک بوتھ سے بول رہا ہوں۔ کیا تمہیں اب بھی مجھ پر شبہ ہے؟"
"شبہ نہیں ہے۔ مگر بوتھ محفوظ نہیں ہوتا۔۔۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہارے سب فون کیوں بند ہیں۔"
"فسادی' آدمی کو چھوڑتے ہیں نہ تاروں کو دیکھتے ہیں۔ ہمارا صرف ایک نمبر کام کر رہا ہے۔"
"فون بند کر کے میں تھوڑی دیر بعد اسی نمبر پر رنگ کروں گا۔ مجھے نمبر دے دو۔ اس وقت میں ٹریفک کی بھیڑ میں ہوں۔ مجھے ڈرائیونگ میں مشکل ہو رہی ہے۔"
سب کچھ قابو میں تھا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے فون نمبر پر مجھ سے بات کر کے اس کا اطمینان ہو جاتا کہ وہ غلط آدمی کے چکر میں نہیں پھنس رہا۔ شاید وہ خود ہی مجھ پر کسی شبے کا اظہار کیے بغیر وہی اطمینان حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے فریڈم انٹرنیشنل کے اکلوتے فون کا نمبر بتا دیا اور کہا۔ "مجھے بیس منٹ بعد فون کرنا تاکہ میں وہاں پہنچ سکوں۔"
"یہ نمبر میرے پاس تھا مگر یہ مقبول کے گھر کا ہے۔" میرا پھینکا ہوا ہر پانسا سیدھا پڑ رہا تھا۔ "اس نے مجھے تاکید کی ہوئی ہے کہ ایمرجنسی کے سوا اسے اس نمبر پر فون نہ کروں۔"
"اب ایمرجنسی ہی ہے۔ وہ گھر پر نہیں ہے۔ تمہاری کال میں وصول کروں گا۔"
"تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔ تم فریڈم انٹرنیشنل میں کیا کرتے ہو؟"
"اکاؤنٹنٹ ہوں اور میرا نام اسلم ہے۔ باقی سوال بعد میں کرلینا" یہ کہہ کر میں نے کسی سلام دعا کے بغیر فون بند کر دیا۔ اپنی اس بے اعتنائی سے میں اسے یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں اس سے زیادہ اہم اور بالاتر تھا۔
"ویری گڈ!" ویرا نے میری پشت پر زور سے ہاتھ رسید کر کے کہا "وہ تمہارے لہجے اور تیوروں سے ہی مرعوب ہو گیا۔ تم جھوٹ اتنے اعتماد سے بولتے ہو کہ وہ سچ محسوس ہونے لگتا ہے۔"
"اس نے کم از کم دو مرتبہ ڈینی کو پھانسنے کی کوشش کی تھی" سلطان شاہ نے اپنے مشاہدے کا اظہار ضروری سمجھا "لیکن ڈینی اپنے صحیح ترین جوابات کی وجہ سے صاف بچ نکلا۔"
"وہ اب بھی سو فیصد مطمئن نہیں تھا۔ اسی وجہ سے اس نے دفتر کا نمبر لیا ہے۔ وہ سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ فون پر ٹریفک کے غیر معمولی شور کا نام و نشان تک نہیں تھا۔"

"چلو! پھر جلدی کرو" اول خان عجلت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ "ہمیں وہاں تک پہنچنے میں بیس منٹ سے زیادہ ہی لگ جائیں گے۔"

"مجید والے جذبے سے ڈرائیونگ کرو گے تو بروقت پہنچادو گے!" میں نے ہنس کر کہا۔

مراد کا خشک اور مایوس کن معاملہ یکایک بہت دلچسپ مرحلے میں داخل ہوگیا تھا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس مرحلے میں شریک رہے۔ میں نے کسی کی مخالفت نہیں کی۔ مراد سے اتنی گفتگو ہونے کے بعد میں نے جو نقشہ بنایا تھا، اس کے مطابق ہمیں مراد کی آمد تک مائیکرو سینٹر میں ہی رکنا تھا تاکہ اسے آسانی سے چوہے دان میں بند کیا جاسکے۔

اول خان سمیت ہم پانچ نفوس تھے۔ ایس ٹی ایف کے دو آدمی مائیکرو سینٹر پر قابض تھے۔ میری دانست میں مراد کو بے دست و پا کرنے کے لیے ہمیں مزید نفری کی ضرورت نہیں تھی۔

"سنا ہے کہ سانپ اپنی زد میں آئے ہوئے شکار کو اپنی آنکھوں کی مقناطیسی قوت سے بے بس کرکے مار لیتا ہے۔" ویرا نے گھر سے نکلتے ہوئے کہا "ڈینی، یہ کام اپنی زبان کی قوت سے لیتا ہے۔ تابڑتوڑ جھوٹ اور سچ ملا کر ایسی کہانی بناتا ہے کہ سامنے والے کو سوچنے یا سنبھلنے کی مہلت نہیں ملتی۔ وہ بے موت مارا جاتا ہے۔"

"ہری اپ!" اول خان نے ہانک لگائی "ہم تین منٹ یہیں گنوا چکے ہیں۔"

گھر کا بیرونی دروازہ مقفل کرکے ہم پانچوں تیزی سے مائیکرو سینٹر کی طرف روانہ ہوگئے۔ اول خان نے ڈرائیونگ سیٹ سلطان شاہ کے حوالے کردی تھی اور خود موبائل فون لے کر اس کے برابر میں بیٹھ گیا تھا۔

مجھے پہلے سے علم تھا کہ مائیکرو سینٹر میں دلیر خان اور اکبر علی کو ضرورت کے تحت یکجا رکھا گیا تھا۔ ان میں سے ایک نیچے بیٹھ کر چوکیداری کرتا تھا، دوسرا اکرم الٰہی کی خواب گاہ میں فون کے قریب موجود رہتا تھا تاکہ اسٹیشن فور کو کسی بھی وقت ان دونوں سے رابطے میں دشواری نہ ہو۔ اپنی سہولت کے مطابق وہ ڈیوٹیاں بدلنے کے مجاز تھے۔

اول خان نے راستے سے وہاں کا نمبر ملایا تو دلیر خان سیکنڈ فلور کی خواب گاہ میں ڈیوٹی انجام دے رہا تھا۔ اول خان نے اسے بھی نیچے پہنچنے کی ہدایت کی تاکہ ہم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے مراد کی متوقع فون کال وصول کرنے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ اس سے بجلی اور دوسرے معاملات کے بارے میں رپورٹ لے کر اول خان نے فون بند کردیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم ڈینی سے دوستی کرنے سے پہلے شہر میں منی بس چلاتے رہے ہو" ٹریفک کے بہاؤ میں سلطان شاہ کی رف اور تیز رفتار ڈرائیونگ دیکھ کر ویرا بولے بغیر نہ رہ سکی۔

"میں ٹرانسپورٹ لائن سے ہی وابستہ تھا" سلطان شاہ نے کسی شرمندگی کے بغیر اعتراف کیا "اس چکر میں کئی بار بیمار ڈرائیوروں کی جگہ ٹرک اور بسیں بھی چلانی پڑیں مگر اس وقت وہ تجربہ نہیں، تمہارے ٹیکسی ڈرائیور مجید کا جذبہ کام آرہا ہے۔ ڈینی نے اس کا حوالہ دے کر وقت کو میرے لیے چیلنج بنادیا ہے۔"

"ڈینی کی بات اپنے دل پر نہ لو۔ سڑک سے براہِ راست عالم بالا کی طرف روانگی سے بہتر ہے کہ ہم چند منٹ کی تاخیر سے اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔ تم کئی جگہ حادثوں سے بال بال بچ چکے ہو۔"

"فکر نہ کرو۔ گاڑی کے بریک عمدہ ہوں تو حادثے خود بہ خود ٹلتے چلے جاتے ہیں۔"

سلطان شاہ نے ہمیں مقررہ وقت کے اندر اندر منزل پر پہنچادیا اور کار مائیکر آٹوز کی دیوار کے سائے میں پارک کردی۔ ہم پانچوں کار سے نکل کر تیزی سے عمارت کے پچھلے حصے کی طرف چل دیے۔

گراؤنڈ فلور پر دونوں محافظ موجود تھے۔ لفٹ بھی وہیں تھی۔ عمارت میں گھستے ہی ہم پانچوں لفٹ میں سوار ہوگئے۔

دوسری منزل پر میں لفٹ کے دروازے سے نکلا تو اندر سے فون کی گھنٹی بجنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں دبیز فرشی قالین پر تقریباً دوڑتا ہوا اندر پہنچا اور ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو! کیا یہ فریڈم انٹرنیشنل کا دفتر ہے؟" دوسری طرف سے مراد کی شناسا آواز آئی۔

"ہاں۔ وہی ہے اور میں اسلم بول رہا ہوں" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"خدا کا شکر ہے" مراد کی بے ساختہ آواز میرے کان میں آئی "اب مجھے اطمینان ہوا کہ تم صحیح آدمی ہو۔ اس وقت تمہاری طرف سے میرا دل مطمئن نہیں تھا۔"

"میں عقل سے عاری نہیں ہوں۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ تم بلاوجہ ڈرائیونگ میں پریشانی کی بات کررہے تھے۔ فون پر تمہاری گاڑی کے انجن کے شور کے سوا کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔"

"تم مقبول جیسے گریٹ آدمی کے لیے کام کرتے ہو۔

تمہیں اتنا چالاک ہونا چاہیے۔"

"یہ بتاؤ کہ تم آج شام کس وقت یہاں آرہے ہو۔ مجھے مقبول کو تمہارے جواب سے آگاہ کرنا ہے۔"

"مجھے مقبول کے بارے میں تشویش ہے۔ پچھلے دنوں اس کے بارے میں اخبارات میں زیادہ خبریں نہیں آئیں لیکن اس کے گیراج سے چوری ہونے والی ایک اکارڈ کے ایئرپورٹ سے ملنے کی خبر چھپی تھی۔ مجھے شبہ تھا کہ کراچی میں کچھ گڑبڑ ہورہی ہے۔ پھر فون بھی کٹے ہوئے تھے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ مقبول کسی خطرے کی وجہ سے زیر زمین چلا گیا ہے۔"

میں نے زیادہ شدت سے اس کی بات کی تردید کرنے میں خطرہ محسوس کیا اور کہا "تمہارا اندازہ بالکل صحیح ہے۔ مقبول اس حد تک انڈرگراؤنڈ ہے کہ ایک نجی اسپتال میں خاموشی سے علاج کرارہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ دنوں تک وہ منظرعام پر آنے سے گریز کرتا رہے۔ اسی لیے وہ آج تم سے مل کر کچھ اہم معاملات طے کرنا چاہتا ہے۔"

"شاید تم کو علم نہ ہو مگر میں نے آج تک اکرم یا مقبول سے ملاقات نہیں کی۔ یہ احتیاط عام حالات میں بھی ہمیشہ ضروری سمجھی گئی۔ اب حالات مخدوش ہیں تو مقبول مجھ سے ملنے پر کیوں مصر ہے؟"

"دیکھو مراد! میں اس کا ماتحت ہوں۔ وہ ہمیں ہمارے کام کی بات بتاتا ہے۔ تمہارے سوال کا تفصیلی جواب وہی دے سکتا ہے۔ مجھے تم صرف اتنا بتادو کہ تم آنا چاہتے ہو یا نہیں اور آؤگے تو کس وقت آؤگے۔"

"تم نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا ہے۔ تمہارا کیا مشورہ ہے؟" اس کی آواز پُرتشویش تھی۔

"تم ہر طرح اپنا اطمینان کرچکے ہو کہ تمہارا رابطہ غلط آدمی سے نہیں ہوا۔ پھر بھی تم ڈر رہے ہو تو ہرگز مت آؤ۔ میں مقبول کو بتادوں گا" میں نے سرد اور روکھے لہجے میں جواب دیا "تم نہ آئے تو مجھے جلد چھٹی مل جائے گی۔"

"میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ مقبول کو میرا موبائل نمبر کیسے ملا۔ ابھی تک میں نے اپنے چند دوستوں کے سوا کسی کو یہ نمبر نہیں دیا" وہ میری بے رخی کو نظرانداز کرکے اپنی تشویش کا اظہار کرتا رہا۔

"تمہارے دل و دماغ میں شکوک و شبہات کے زہریلے بچھو رینگ رہے ہیں۔ میں مقبول سے کہے دیتا ہوں کہ تم آج نہیں آرہے۔ تمہارے پاس یہ فون نمبر موجود ہے۔ جب کوئی فیصلہ کرلو تو فون کرلینا۔ میں موجود ہوا تو بات کرلوں گا۔"

"نہیں... اتنی جلدی کوئی فیصلہ مت کرو۔ مجھے بھی مقبول کی تلاش تھی۔ میں بھی مسائل کا شکار ہوں۔ ان حل صرف مقبول کے پاس ہے۔ میں آج آؤں گا۔ میری کوشش ہوگی کہ سات بجے وہاں پہنچ جاؤں۔"

"سات بجے!" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔ میر کوشش تھی کہ میں اپنی لاتعلقی برقرار رکھ سکوں۔

"ہاں... میں سات بجے مائیکروسینٹر پہنچوں گا۔ میں پہ بار وہاں آرہا ہوں۔ تم باہر میرا انتظار کرسکو تو بہت مہربا ہوگی۔"

"پہلی بار آرہے ہو تو پہنچنے میں کوئی دقت تو نہیں ہوگی میں تمہیں باہر مل جاؤں گا۔"

"میں اندر نہیں آیا لیکن باہر سے مائیکروسینٹر دیکھ چ ہوں۔ شاندار عمارت ہے۔ اسی سے میری روزی وابس ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری پہچان کیا ہوگی۔ میں کسی دھوکے سے ہر قیمت پر بچنا چاہتا ہوں۔"

"سات بجے اندھیرا پھیل رہا ہوگا۔ کہو تو سر پر ایک آد بلب جلالوں" میں نے جل کر کہا۔

اس کی خفت آمیز ہنسی کے بعد آواز آئی "تم ناراض ہوگئے۔ دراصل تمہیں میری پوزیشن کا اندازہ نہیں ہے۔"

"بس اب بار بار ایک ہی ریکارڈ نہ سناؤ" میں نے اس کی بات کاٹ دی "میرے بدن پر سفید لباس ہوگا۔"

"میں سات بجے تم سے آملوں گا" اس کا جواب سنتے ہی میں نے ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بات تھی؟ اس سے بہت اکھڑی اکھڑی باتیں کررہے تھے" ویرا نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی چھٹی حس کام کررہی ہے۔ وہ آنا چاہتا ہے مگر خوف زدہ ہے۔ بھانت بھانت کے اندیشے اسے ستارہے ہیں" میں نے انہیں بتایا "مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ آخری لمحات پر اپنا ارادہ نہ بدل دے۔"

"اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ ہمیں آخری نتیجے انتظار تو کرنا ہی ہوگا" سلطان شاہ بولا "ہم صرف دعا کرسکتے ہیں کہ وہ اپنا ارادہ نہ بدلے اور مقررہ وقت پر یہاں پہنچ جائے۔"

میں خاموشی سے اپنی سوچ میں کھویا رہا۔ میری توقعات اور دعائیں ان سے مختلف نہیں تھیں مگر میں نے براہِ راست اس سے مذاکرات کیے تھے۔ اس کے لب و لہجے میں پوشیدہ بے اطمینانی نے مجھے فکر و تشویش میں ڈال دیا تھا۔

مائیکروسینٹر کا اقامتی حصہ ہر طرح کی رہائشی سہولتوں

سے آراستہ تھا۔ دوسری منزل کا ریفریجریٹر تازہ اور جمی ہوئی اشیائے خورونوش سے اتنا بھرا ہوا تھا کہ ہم پانچوں باہر سے کچھ خریدے بغیر کئی دن تک اس رسد پر آسانی سے گزارہ کرسکتے تھے۔ اول خان کی فرمائش پر غزالہ ہم سب کے لیے چائے بنانے کچن میں چلی گئی۔

ہم لوگ کافی دیر تک مراد سے ہونے والی گفتگو پر مغز سوزی کرتے رہے لیکن کوئی نیا نتیجہ اخذ نہیں کرسکے۔ ہر شخص میری قائم کی ہوئی رائے سے متفق تھا۔

"اس کے بارے میں اتنی بے یقینی کی صورت حال ہے تو پھر تمہیں سات بجے باہر نہیں نکلنا چاہیے" اول خان نے کچھ دیر کے بعد رائے دی "اگر اس کی نیت میں کوئی فتور ہے تو کھلی فضا تمہارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔ اندھیرے میں کہیں سے بھی آنے والی ایک گولی تمہارے لیے مہلک بن سکتی ہے۔"

"وہ بنیادی طور پر کسی دیہی علاقے سے تعلق رکھتا ہے۔ کراچی کے اس بارونق بازار میں اتنی دیدہ دلیری نہیں دکھاسکے گا" ویرا نے اس سے اختلاف رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا "ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ وہ مقررہ وقت پر آئے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ نہیں آئے گا۔ مجھے کسی تیسری صورت کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔"

"ہم سات نفوس مائیکرو سینٹر کے اندر ہیں۔ کیوں نہ ایس ٹی ایف کی کچھ نفری باہر بھی مامور کردی جائے" سلطان شاہ نے تجویز پیش کی "وہ پوشیدہ ٹھکانوں میں رہ کر مراد کی کسی امکانی شرارت کا سدباب کرسکیں گے۔ انہیں متحرک ہونے کی ضرورت پیش نہ آئی تو وہ ہمارے اشارے پر واپس لوٹ جائیں گے۔"

"تم گیدڑ کے شکار کے لیے وہ بندوبست تجویز کررہے ہو جو کسی آدم خور شیر کے شکار کے لیے ضروری ہوتا ہے" ویرا نے منہ بناکر اس کی تجویز پر اعتراض کیا "جو چاہو کرلو' بعد میں تم کو نادم ہونا پڑے گا۔"

"احتیاط اچھی چیز ہے۔" اول خان نے سلطان شاہ کی رائے سے اتفاق کیا "ہمارے پاس افرادی قوت کی کمی نہیں ہے۔ اس سے فائدہ نہ اٹھانا دانش مندی کے منافی ہوگا۔"

اس بندوبست میں عملی طور پر کوئی اضافی خطرہ پنہاں نہیں تھا بلکہ امکانی خطرے کے سدباب کی صورت ہی پیدا ہورہی تھی۔ ویرا سے تھوڑی سی بحث کے بعد یہ طے ہوگیا کہ اول خان کے چار آدمی حامد کی معیت میں توحید کمرشل کے ایسے مقامات پر مامور رہیں گے کہ مائیکرو سینٹر کی طرف آنے والی ہر گاڑی ان کی نظروں میں رہے۔

"سات بجے والی تجویز کے بارے میں میری بات ادھوری رہ گئی تھی" چائے پیتے ہوئے اول خان کو خیال آگیا۔

"اگر وہ آجاتا ہے تو مائیکرو سینٹر کے باہر کسی سفید پوش کی تلاش میں بھٹکتا رہے گا" میں نے اسے یاد دلایا "یہ خطرہ ہمیں مول لینا ہی پڑے گا۔"

"وہ تمہیں نہیں پہچانتا۔ تمہاری جگہ اکبر علی یا دلیر خان یہاں کی کسی وارڈ روب سے سفید قمیص شلوار پہن کر باہر چلے جائیں گے۔ ان دونوں میں اتنی صلاحیت ہے کہ اسے اندر لے آئیں۔"

"یہ سراسر خود غرضی ہوگی۔" میں نے احتجاج کیا "میں اپنی جگہ اکبر علی کو قربانی کا بکرا نہیں بنا سکتا۔"

"اسے قربانی کا بکرا نہیں کہتے۔ یہ جنگی حکمتِ عملی کا بنیادی اصول ہے' اہم تر آدمی کو خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے دوسروں کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو ہر اگلے محاذ پر فوجی جرنیلوں کو جانا پڑے اور دوسرا ہر کام ادھورا رہ جائے۔ کامیاب لڑائی کے لیے منصوبہ بندی کرنے والوں کی پیچھے موجودگی ناگزیر ہوتی ہے۔"

اس بار تینوں اولِ خان کے ہم خیال تھے۔ طے ہوگیا کہ

میری جگہ اکبر علی سفید کپڑے پہن کر مراد کا انتظار کرے گا۔ دلیر خان کو اس کی بگڑی ہوئی اردو کی وجہ سے زیرِ غور نہیں لایا گیا۔

"یہ سب تیاریاں کرلو لیکن مجھے شبہ ہورہا ہے کہ تم لوگ مراد کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو۔" سب کچھ طے ہوجانے کے بعد ویرا نے ہلکی سی اکتاہٹ کے ساتھ کہا "اول خان نے اس کی پجیرو کا نمبر شہر کے ناکوں کو دیا ہوا ہے۔ وہ شہر میں داخل ہوگا اور اول خان کو علم ہوجائے گا۔ ایک بار وہ نظروں میں آگیا تو اس کے گرد جال مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا۔ وہ کوئی بڑی کارروائی کیے بغیر بے بس کرلیا جائے گا۔"

مائیکرو سینٹر کی وہ منزل اتنی کشادہ تھی کہ ویرا نے سلطان شاہ اور غزالہ کو ساتھ لے کر برج کی بازی جمالی۔ میں اول خان کے ساتھ درازوں اور الماریوں کی تلاشی لینے میں مصروف ہوگیا۔ اکرم الٰہی کی تجوری میں نقد رقوم اور تمسکات کی بڑی مالیت موجود تھی۔ حامد نے اس کی دیکھ بھال کے بعد تجوری کی چابی دفتر میں محفوظ کردی تھی۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد اول خان نے فون پر حامد سے رابطہ کیا اور اسے مائیکرو سینٹر کی طرف آنے والے راستوں کی نگرانی اور حفاظت کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

پانچ بجے تک ہم سب پُرسکون رہے۔ کھانے کے بعد سب ہی کچھ دیر سستا بھی لیے تھے لیکن اس کے بعد میرے اعصاب پر ہلکا سا اضطراب سا طاری ہونے لگا۔

اگر مراد میری طرف سے شبہات میں مبتلا تھا تو اسے قبل از وقت کراچی پہنچ جانا چاہیے تھا مگر اس کے بارے میں کہیں سے کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ مجھے بے چینی سے ایسی کسی اطلاع کا انتظار تھا جس سے پتا چل سکے کہ مراد کی پجیرو کسی مخصوص راستے سے کراچی کی حدود میں داخل ہوچکی ہے۔

میرے ایما پر اول خان نے پولیس ہیڈ کوارٹرز کے سینٹرل کنٹرول سے رابطہ کیا۔ وہاں سے تصدیق کی گئی کہ مطلوبہ پجیرو کا نمبر ہر داخلی چیک پوسٹ پر پہنچا دیا گیا تھا مگر اس وقت تک پجیرو کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ دن کے اجالے کو شام کا دھندلکا نگلتا جارہا تھا۔ فلیٹ کے اندرونی حصوں میں روشنیاں جلا دی گئی تھیں پھر سورج غروب ہوگیا۔ ہم نے خواب گاہ بھی روشن کرلی۔ میں نے ایک کھڑکی کا پٹ سرکا کر باہر جھانکا تو عمارت کے بیرونی حصے پر لگی ہوئی گلیزنگ کے اس

پار اسٹریٹ لیمپس بھی جل اٹھے تھے۔

ساڑھے چھ بجے تک مراد کی پجیرو کے بارے میں اطلاع نہیں آئی۔ وقت سر پر چلا آرہا تھا۔ اول خان ... بند ہو کر نیچے چل دیا تاکہ اکبر علی کو سات بجے باہر جانے ... لیے تیار کرسکے۔

"اوپر اب کتوں کا خطرہ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے ... ویرا کو ساتھ لے کر چھت پر چلے جاؤ۔" میں نے سلطان شاہ ... مشورہ دیا۔ وہاں سے تم دور تک نگاہ رکھ سکو گے۔"

"غزالہ کے ساتھ تخلیہ چاہ رہے ہو تو سیدھی بات ... کرو۔" ویرا بولی اور پھر میرا جواب سنے بغیر، اٹھتے ہوئے ... سلطان شاہ سے بولی "ان دونوں کو یہاں چھوڑ دو۔ ہم ... آسمان کے نیچے، تاروں کی چھاؤں میں باتیں کریں گے۔ ... آجائے گا تو یہ لوگ ہمیں خود ہی اوپر سے بلالیں گے۔"

"ہم دونوں بھی نیچے جارہے ہیں۔" میں نے اونچی آ... میں اسے آگاہ کیا "اسے آنا ہے تو وہ گلیزنگ توڑ کر سیکنڈ فلو... نہیں آئے گا۔ اس سے گراؤنڈ فلور پر ہی سامنا ہوگا۔"

"ویرا ہر وقت کچھ نہ کچھ بولتی رہتی ہے۔" غزالہ ... ہوئے بولی "یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس نے کچھ دیر ا... بند رکھی تو وہ بیمار ہوجائے گی۔"

معاً فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا ... دوسری طرف سے حامد بول رہا تھا۔

"ہم پانچ بجے سے اس علاقے میں موجود ہیں۔" ... رپورٹ دے رہا تھا "ابھی تک اس علاقے میں حیدر آباد ... رجسٹریشن پلیٹ والی کوئی پجیرو نہیں نظر آئی مگر ابھی ابھی ... ایک سفید کرولا دوسری بار نظر آئی ہے۔"

"اس پر نظر رکھو۔ اس میں کتنے آدمی سوار ہیں؟" میں ... نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

"بھری ہوئی ہے۔" "پورے پانچ آدمی سوار ہیں۔ ا... لگ رہا تھا جیسے وہ یہاں بے مقصد گھوم رہے ہوں۔"

"پجیرو کا کچھ پتا نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں ... گاڑی تبدیل کرلی ہو۔ مشتبہ گاڑی کا پیچھا کرو کہ وہ اس ... علاقے میں کیا کرتے پھر رہے ہیں۔" میں نے تیزی ... جواب دیا۔

"اوکے سر! میں ایک آدمی کو فوراً گاڑی میں روانہ کر... ہوں۔ وہ کار ابھی داہنی طرف گئی ہے۔"

"اب ضرورت پیش آئے تو موبائل پر رابطہ کرنا۔ میں ... نیچے جارہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

میں لفٹ کی طرف جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ فون ...

گھنٹی دوبارہ بجنے لگی۔

میں نے بیزاری اور بے دلی کے ساتھ ریسیور اٹھایا اور مراد کی آواز سن کر چونک پڑا۔

"میں نے تیسری بار کوشش کی ہے۔ تمہارا فون مصروف تھا۔" اس کی پُرسکون آواز میں شکوہ تھا۔

"تم کہاں ہو؟ تمہارا کیا پروگرام ہے۔" میں نے اس کی شکایت کو نظرانداز کرکے پوچھا۔ اس کی آواز نے مجھے ہیجان میں مبتلا کردیا تھا۔ میں بمشکل اس جھٹکے پر قابو پاسکا تھا۔

"بس میں تمہاری طرف آرہا ہوں۔" اس کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی۔ وہ فکرو تشویش ذرا بھی نہیں تھی جو صبح اس کے لہجے پر بری طرح حاوی تھی۔

"آجاؤ۔ میں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔" میں نے روانی میں کہا۔

"تم کیوں انتظار کررہے ہو؟ اس وقت تو مقبول چوہدری کو میرا انتظار کرنا چاہیے تھا۔" اس کی آواز میں ہلکی سی کاٹ پیدا ہوگئی "وہ کہاں ہے؟ ذرا اس سے میری بات کرا دو۔"

"وہ باتھ روم میں ہے.... میرا مطلب تھا کہ میں سات بجے مائیکرو سینٹر کے باہر تمہارا انتظار کروں گا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میرے جواب سے محظوظ ہو کر دھیرے سے ہنسا ہو پھر اس کی آواز آئی "تم نے سفید کپڑے پہن لیے ہوں گے۔ خیال رکھنا کہ کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے ورنہ میں باہر سے ہی لوٹ جاؤں گا۔"

"تم بے خوف و خطر ہو کر چلے آؤ۔ یہاں کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

فون بند ہوگیا۔ میں نے کریڈل کئی مرتبہ دبانے کے بعد ریسیور کریڈل کے بجائے تپائی پر رکھ دیا۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ مقبول کی تلاش میں دوبارہ فون کرے گا۔ گھنٹیاں مسلسل بجتی رہتیں تو وہ شک میں مبتلا ہوسکتا تھا۔ فون مسلسل مصروف ملنے پر اس کا جھنجلانا فطری ہوتا لیکن اسے کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔

میری رسٹ واچ کی سوئیاں دھیرے دھیرے سات بجے کی طرف سرک رہی تھیں۔ میں غزالہ کے ساتھ لفٹ کے ذریعے گراؤنڈ فلور پر پہنچ گیا۔

دلیر خان کسی فرض شناس محافظ کی طرح بند دروازے کے پاس تنا ہوا کھڑا تھا۔ اکبر علی موجود نہیں تھا۔ شاید اول خان اسے میری جگہ باہر بھیج چکا تھا اور خود کرسی پر بیٹھا ایک خودکار رائفل کا جائزہ لے رہا تھا۔

وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ میں نے جلدی جلدی اسے حامد اور پھر مراد سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کردیا۔

"پجیرو کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کسی اور گاڑی میں حیدرآباد سے کراچی آیا ہے" اول خان پُرتشویش لہجے میں بولا "حامد تجربے کار افسر ہے۔ اس کی نگاہیں بہت کم دھوکا کھاتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ سفید کرولا میں مراد ہی اپنے ساتھیوں سمیت ہمارے آس پاس منڈلا رہا ہے۔"

"اس کے فون کا مطلب ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی فیصلہ کرکے آیا ہے اور چھیڑ چھاڑ کے موڈ میں ہے۔"

"آنے دو۔ اسے آنے دو۔ اس نے چھیڑ چھاڑ کی کوشش کی تو حامد اور اس کے آدمی اسے باڑھ پر رکھ لیں گے۔"

"لیکن ہم اندر پھنسے ہوئے ہیں۔ کچھ بھی نہیں کرسکیں گے" میں نے بے چینی سے کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمیں نتیجے پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ وہ نتیجہ کون حاصل کرتا ہے؟ اس وقت یہ بات قطعی غیرضروری ہے۔ تم پرسکون رہنے کی کوشش کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ضرورت سے زیادہ ہیجان میں مبتلا ہو۔"

گھڑی کی سوئیاں سات پر پہنچیں اور پھر وہیں اٹک کر رہ گئیں۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے ہر طرف مہیب سناٹا چھا گیا ہو۔ میرے دل کی دھڑکنیں خود بہ خود تیز ہونے لگیں۔

اچانک باہر کی فضا ایک فائر کے ہولناک دھماکے سے لرز اٹھی۔ اسی دھماکے کے جلو میں ایک بھیانک انسانی چیخ سنائی دی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا اور پیشانی پر تیزی سے پسینے کی ٹھنڈک پھیلنے لگی۔ میرے کانوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا وہ چیخ اکبر علی کی تھی جو میری جگہ مراد کا استقبال کرنے کے لیے باہر کھڑا ہوا تھا۔

اکلوتے فائر کے بعد بس لحہ بھر کے لیے خاموشی ہوئی اور پھر باہر کی فضا زبردست فائرنگ کے شور سے لرزنے لگی۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے کسی بڑے گروہ نے بہ یک وقت اپنے خودکار آتشیں ہتھیاروں کے دہانے کھول دیے ہوں۔

اول خان نے دروازہ کھولا اور رائفل لے کر دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ میں بھی ریوالور تان کر اس کے پیچھے ہولیا۔

اس وقت میں مراد کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔ میرے لیے اکبر علی کی جان دنیا کی ہر شے پر مقدم تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں ــ ٌمر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر' داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم ٹی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کرکے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کردیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ ٹی کے سربراہ جی لائیڈ کی۔ ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے ٹی سے بغاوت پر مجبور کردیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردی کی کارروائیوں کو نشانہ بنانا شروع کردیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کرتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں راس المیڈا نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثرورسوخ کی بنا پر ٹی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہوکر انہیں ڈیوڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھادیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد راس المیڈا اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہوکر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنٹول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیبی کو تلاش کرکے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہورہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑدیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہوچکا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکریٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل کے پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچارہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک وشبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑدیا گیا۔ میں نینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچادیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رانفل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رانفل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رانفل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رانفل نے سفارتی حیثیت کا حوالہ دے کر جان چھڑانا چاہی مگر ناکام ہوا۔ ہم نے آئی بی والوں سے رابطہ کیا' اسلام آباد میں ان کی کارروائیوں کے باعث امریکیوں کو اس معاملے میں خفت سے دوچار ہونا پڑا اور بوب رانفل صدر امریکا کے ایک حکم کے تحت اپنے عہدے سے برطرف ہوکر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرم الٰہی سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس نے بتایا کہ وہ بظاہر انسداد ہیروئن کے لیے قائم کی گئی امریکی ایجنسی فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کی خفیہ سرگرمیوں کے حوالے سے بلیک میل کرکے خطیر رقم حاصل کرتا رہا ہے۔ فورڈ فاؤنڈیشن کی ان سرگرمیوں کی فائل اس کے قبضے میں تھی جسے مقبول چوہدری نے اس سے حاصل کرلیا تھا۔ ہمارے لیے اس فائل کا حصول بہت ضروری تھا۔

مجھے نینا نے فون پر بتایا کہ مقبول چوہدری نے اپنی منظور نظر طوائف کے گھر میں ایک بریف کیس حفاظت کی تاکید کے ساتھ رکھوایا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ وہی ہمارا مطلوبہ بریف کیس ہے۔ مجھے اس بریف کیس کے حصول میں کوئی دشواری نہیں ہوئی اور میں نرگس سے قانون کے نام پر وہ بریف کیس لے آیا۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی ہمارے لیے زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوئے اس لیے ان سے چھٹکارے کا فیصلہ کرلیا گیا اور وہ دونوں اپنے انجام کو پہنچے۔ مقبول الٰہی کے بریف کیس سے ملنے والے کاغذات کی چھان بین سے مراد ظریف کا نام سامنے آیا۔ اس نے غیر معمولی طور پر بہت کم عرصے میں ترقی کا سفر طے کیا تھا اور اندرون سندھ ... ایک این جی او چلا رہا تھا۔ وہ مقبول اور اکرام الٰہی سے غائبانہ واقف تھا۔ میں نے اسے مقبول چوہدری کا حوالہ دے کر ملاقات کے لیے مائیکرو سینٹر بلایا۔ وہ مائیکرو سینٹر کے اطراف میں تھا جب وہاں کی فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس کے استقبال کے لیے بھیجے گئے ایس ٹی ایف کے کارکن اکبر علی کی چیخ فضا میں بلند ہوئی ہو۔ میں دیوانہ وار باہر کی طرف دوڑا۔ اس وقت میں مراد کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا' میرے لیے اکبر علی کی جان دنیا کی ہر شے پر مقدم تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ہم سب مائیکرو سینٹر میں محصور تھے۔ ہمیں کوئی اندازہ نہیں تھا کہ مراد ظریف اور اس کے حواری کس سمت سے نمودار ہوئے تھے۔ میں جوں ہی مائیکرو سینٹر سے نکلا' ایک گولی میرے چہرے سے اتنے قریب سے گزری کہ اس کی حرارت مجھے اپنے بائیں رخسار پر

محسوس ہوئی اور میں اپنے تحفظ کی حیوانی جبلت کے تحت بے اختیار دیوار سے چپک گیا۔

اس دن علاقے میں گھور اندھیرا نہیں تھا' شام کے محض سات ہی بجے تھے لیکن دفاتر اور دکانوں وغیرہ کی متعدد روشنیوں کے ساتھ اسٹریٹ لیمپس بھی جل اٹھے تھے اور قرب وجوار کے مناظر صاف نظر آرہے تھے۔

باہر خاصے تواتر سے فائرنگ ہورہی تھی۔ یہ ایک یقینی بات تھی کہ اس تصادم کی ابتدا' مراد ظریف یا اس کے کسی آدمی نے اکبر علی پر گولی چلاکر کی تھی۔ حامد اور اس کے ساتھیوں کے لیے اس واقعے پر خاموش رہنا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔ فضا میں اکبر کی چیخ بلند ہوتے ہی ان لوگوں کا پوری قوت سے حرکت میں آنا قطعی فطری تھا۔

پھر فائرنگ کے شور میں مختلف ساخت کے ہتھیاروں کی ملی جلی آوازوں سے یہ اندازہ بھی ہورہا تھا کہ وہ فائرنگ یک طرفہ نہیں تھی۔ دونوں طرف سے باقاعدہ جم کر فائرنگ کی جارہی تھی۔ اگر حامد اپنے مجرموں کو زیر کرنے کے لیے کوشاں تھا تو مراد ظریف کے آدمی انہیں دہشت زدہ کرکے بھاگ نکلنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

مائیکرو سینٹر کی عقبی گلی میں' میرے چہرے سے ذرا سے فاصلے سے گزرنے والی گولی اس امر کی غمازی کررہی تھی کہ وہ گلی.... مخدوش تھی۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ کون کس رخ پر تھا اور میں کس کی گولی سے بچا تھا۔ ایک بار بال بال بچ جانے کے بعد میں دوبارہ وہ خطرہ مول لینے کی حماقت نہیں کرسکتا تھا۔

اول خان رائفل سنبھال کر مجھ سے پہلے مائیکرو سینٹر کے عقبی دروازے سے نکلا تھا۔ اس کی پوزیشن بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ خطرہ بھانپتے ہی وہ سینے کے بل سخت اور کھردری زمین پر لیٹ گیا تھا اور پیٹ کے بل رینگ کر عمارت کے کونے تک پہنچنے کی کوشش کررہا تھا تاکہ وہاں سے بہتر طور پر حالات کا جائزہ لے کر کوئی فیصلہ کرسکے۔

میرے لیے سب سے زیادہ اطمینان کی بات یہ تھی کہ پہلے فائر کے ساتھ گونجنے والی' اکبر علی کی بے ساختہ چیخ کے بعد اس کی کوئی دوسری درد آمیز آواز نہیں سنائی دی تھی اور وہ مجھے کوڑے کے ایک ڈرم کی اوٹ میں بیٹھا ہوا نظر آرہا تھا۔

مراد ظریف سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مجھے سات بجے' سفید کپڑوں میں ملبوس ہوکر اس کا انتظار کرنا تھا۔ اول خان نے اپنے طور پر میری جگہ اکبر علی کو وہ کام سونپ دیا تھا۔ اپنے مکمل سفید لباس کی وجہ سے وہ دور ہی سے نمایاں نظر آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول موجود تھا مگر اس کی شلوار کا داہنا پائنچا خون سے سرخ ہورہا تھا۔

شاید مراد ظریف نشانے کا کچا تھا۔ اس کی چلائی ہوئی گولی اکبر علی کے سینے میں پیوست ہونے کے بجائے اس کی پنڈلی کو زخمی کرگئی تھی۔ میرے دل اور ضمیر کے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اکبر علی زندہ تھا اور بادی النظر میں اس کا زخم مہلک نظر نہیں آرہا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنی اصل جگہ چھوڑ کر کوڑے کے ڈرم کی اوٹ میں پہنچنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوپاتا۔ اپنے سفید کپڑوں اور کم رینج کے ہتھیار کی وجہ سے وہ خطرے کی زد سے باہر نہیں تھا۔

جس طرح اکبر علی کوئی زیادہ مہلک ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لے جاسکا تھا۔ اسی طرح میں بھی عجلت میں محض ایک ریوالور لے کر باہر نکل کھڑا ہوا تھا۔ ہم دونوں کے ہتھیار کسی بھی قابل ذکر فاصلے پر موجود حریف کو نشانہ بنانے کے لیے ناکافی تھے جبکہ اول خان کو یہ برتری حاصل تھی کہ اس کے پاس لمبی رینج کی جدید اور خودکار رائفل موجود تھی۔ اسے دوسرا فائدہ یہ تھا کہ وہ اپنے عملے کے ہر فرد کو اچھی طرح پہچانتا تھا اور محض ایک جھلک دیکھ کر دوست اور دشمن میں تمیز کرسکتا تھا۔ اس نے خود کو خطرے سے بچاتے ہی ان مثبت نکات سے فائدہ اٹھانا شروع کردیا تھا۔

اس نے کافی فاصلے پر بھاگتے ہوئے ایک شخص پر یکے بعد دیگرے دو فائر کیے پھر لحہ بھر کے توقف کے بعد رائفل کے میکانزم کو تبدیل کرتے ہی اس پر برسٹ کھول دیا۔

اس کا شکار دوڑتے دوڑتے فضا میں یوں اچھلا جیسے اس کے جوتوں کے نیچے اسپرنگ نکل آئے ہوں پھر وہ ایک کریہہ چیخ کے ساتھ منہ کے بل زمین پر جارہا۔

یکایک فائرنگ کا زور ٹوٹنے لگا۔ ذرا سی دیر میں صرف ایک جیسے ہتھیاروں کی آوازیں فضا میں گونجتی رہ گئیں۔ اس وقت تک اول خان مائیکرو سینٹر کے کونے تک پہنچ کر دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوچکا تھا۔

”الفا! زمین پر رینگتے ہوئے واپس لوٹ آؤ!“ فضا میں اول خان کی اضطراری آواز گونجی۔

اس کا وہ حکم واضح طور پر اکبر علی کے لیے تھا جس کے نام کا پہلا حرف اے تھا اور ہنگامی ضروریات میں اے کے واضح اظہار کے لیے الفا اور بی کے لیے براوو استعمال کیا جاتا تھا۔

اکبر علی نے زمین پر لیٹ کر کہنیوں کے بل تیزی سے ہماری طرف رینگنا شروع کیا تو میں دیوار کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا' اول خان کے قریب پہنچ چکا تھا۔

اسی وقت میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بٹن دباکر ایئرپیس فوراً کان سے لگالیا۔

”سر! وہ لوگ شاید گاڑی چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں...“ میرے

کان میں حامد کی شناسا سا آواز گونجی۔
"پھر یہ اتنی فائرنگ کیوں ہو رہی ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔
"یہ صرف میرے آدمیوں کا فائر ہے' سر!" دوسری طرف سے جواب آیا۔
"بلاوجہ اپنا میگزین برباد مت کرو۔ شاید اول خان نے ان کا ایک آدمی مار لیا ہے۔"
"میں نے دیکھا ہے سر! وہ بھاگتے ہوئے گولیوں کی زد میں آیا تھا" حامد کی آواز آئی پھر وہ شاید ٹرانسیٹر پر اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو گیا "فائر بند کردو!" اس کی وہ آواز فون پر بھی سنائی دی تھی۔
یک لخت فضا میں گونجتا ہوا فائرنگ کا شور تھم گیا۔ دھواں دھار فائرنگ کے بعد وہ سناٹا بہت غیر فطری اور مہیب سا محسوس ہو رہا تھا۔
حامد نے اپنے آدمیوں کو فائرنگ روکنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کے نتیجے میں فضا پر جو سکوت طاری ہوا تھا' اس سے صاف ظاہر تھا کہ مراد ظریف اپنے آدمیوں سمیت میدان چھوڑ کر پہلے ہی فرار ہو چکا تھا۔
"وہ بھاگ گئے!" میں نے اونچی آواز میں اکبر علی سے کہا "اگر تم اپنے قدموں پر چل سکتے ہو تو اب پیٹ کے بل زمین پر رینگنے کی ضرورت نہیں۔"
یہ دیکھ کر مجھے بے اندازہ خوشی ہوئی کہ اکبر علی زخمی ہونے کے باوجود اپنے قدموں پر چلنے کے قابل تھا۔ وہ زمین سے اٹھا اور لنگڑاتا ہوا ہماری طرف آنے لگا۔
میدان صاف ہونے کا یقین ہونے کے بعد حامد اپنی مختصر سی نفری کے ساتھ ہم سے آملا۔
اس سے پتا چلا کہ اکبر علی کے اوپر وار ہوتے ہی ان لوگوں کی جوابی فائرنگ سے مجرموں کی سفید کرولا کا پچھلا حصہ بری طرح چھلنی ہو گیا تھا۔ دونوں ٹائر ناکارہ ہونے کی وجہ سے ان کی گاڑی چلنے کے قابل نہیں رہی تھی لہٰذا انہوں نے زبردست فائرنگ کرتے ہوئے گاڑی سڑک پر ہی چھوڑ دی تھی۔
وہ کچھ دیر تک رکاوٹوں کی آڑ لے کر فائرنگ کرتے رہے مگر جلد ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ اپنے حریفوں سے مقابلے میں گھر کر وہ مارے یا پکڑے جائیں گے' فرار کی تمام راہیں مسدود ہو جائیں گی۔ اس کا احساس ہوتے ہی وہ فائرنگ کی آڑ لے کر یکے بعد دیگرے وہاں سے غائب ہوتے چلے گئے۔
سفید کرولا میں سوار ہو کر توحید کمرشل کے علاقے میں چکر لگانے والوں کو' ان میں سے کسی نے اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا کہ دوبارہ سامنا ہونے پر انہیں پہچان سکیں لیکن پھر بھی حامد نے امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اپنے چاروں آدمیوں کو دو گاڑیوں میں پورے علاقے کی چھان بین کے لیے روانہ کر دیا۔
بھاگنے والوں کے حق میں دو نکات سخت نقصان دہ تھے۔ اول یہ کہ وہ شہر کے اس صاف ستھرے کاروباری علاقے میں اجنبی تھے۔ دوئم یہ کہ وہ حالت فرار میں تھے۔ ان کا حد سے بڑھا ہوا اضطراب اور چوکنا پن ان کے لیے کہیں بھی عذاب بن سکتا تھا اور حامد شاید ان ہی امکانات کی طرف سے پرامید تھا۔
وہ سب بہت تیزی کے ساتھ ہوتا چلا گیا۔ حامد کے آدمی علاقے کی ریکی پر روانہ ہوئے اور میں اول خان کے ساتھ دور پڑے ہوئے اس شخص کی طرف بڑھ گیا جو اول خان کی رائفل کی گولیاں کھا کر ڈھیر ہوا تھا۔ دلیر خان نے باہر آکر اکبر علی کو سنبھال لیا تھا۔ غزالہ اکیلی اس تباہ حال کرولا کی طرف بڑھ گئی تھی جو مجرم چھوڑ کر بھاگے تھے۔
وہ گہرے رنگ کی قمیص اور شلوار میں ملبوس ایک درشت رو نوجوان تھا جس کے چہرے پر گھنے اور سخت بال بے ترتیبی سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس کی پیشانی پر کسی پرانے زخم کا ایک لمبا سا نشان اس امر کی چغلی کھا رہا تھا کہ اس کا ماضی بے داغ نہیں رہا ہوگا۔ اپنے چہرے مہرے سے ہی وہ لڑنے مرنے والا نظر آرہا تھا۔
مراد ظریف کسی مذموم منصوبے کے تحت اسے چھوٹے سے آہنی دستے والی خودکار رائفل سے لیس کر کے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس کی وہ رائفل دھول میں پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس کا میگزین چیک کیا تو وہ نصف سے زیادہ بھرا ہوا تھا۔ قضا کے سفاک ہاتھوں نے اسے اتنی مہلت نہیں دی تھی کہ وہ اپنا میگزین خالی کر سکے۔
اس کی پشت پر تین گولیاں لگی تھیں۔ دو اس کے جسم میں پیوست ہو کر رہ گئی تھیں۔ تیسری سینہ چیر کر پار نکل گئی تھی اور شاید وہی اس کے لیے مہلک ثابت ہوئی تھی۔
اچانک ہونے والی فائرنگ کی وجہ سے پورے علاقے میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ جو دکانیں وغیرہ کھلی ہوئی تھیں وہ بھی تیزی سے بند ہونے لگی تھیں۔ ہر شخص اس واقعے کی گواہی میں ملوث ہونے سے جان بچانے کی فکر میں مبتلا تھا۔ وہ لوگ چند روز پہلے وہاں ہونے والے واقعات کو نہیں بھولے تھے جن میں کوئی ہلاک نہیں ہوا تھا مگر زبردست افراتفری دیکھنے میں آئی تھی۔
حامد کے آدمیوں کی واپسی تک ہم وہیں رکے رہے۔ قریب آئے بغیر لوگ جان چکے تھے کہ اس مقابلے میں کم از کم ایک شخص مارا گیا تھا اور دوسرا زخمی ہوا تھا۔
ہم میں سے کسی کے جسم پر کوئی وردی تھی نہ کسی گاڑی پر کوئی سرکاری نشان تھا پھر بھی ہمارے حد سے بڑھے ہوئے اعتماد کی وجہ سے لوگوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ ہم قانون کے محافظوں میں سے تھے۔ وہ ہمارے قریب آنے سے گریزاں تھے اس لیے ان کی طرف سے کسی بھی تعرض کا اندیشہ خارج از امکان تھا۔
اول خان وہاں سے ہٹنے سے پہلے حامد کو بریفنگ دے رہا تھا

کہ سائرن بجاتی ہوئی دو پولیس موبائلیں تیز رفتاری کے ساتھ نمودار ہوئیں اور ہمارے قریب رک گئیں۔

ان دونوں گاڑیوں کے پچھلے حصوں سے باوردی سپاہی اپنے ہتھیار سیدھے کرتے ہوئے بہت تیزی سے نیچے آئے۔ اگلی پولیس موبائل میں ڈرائیور کے برابر والی نشست سے انسپکٹر کے عہدے کا ایک صحت مند افسر نیچے اترا۔ تمام سپاہی مشینی انداز میں اس کے پیچھے صف آرا ہو گئے۔ ان کے ہتھیار ہماری طرف اٹھے ہوئے تھے۔

”آرمز ڈاؤن!“ اول خان نے سرد اور تحکم آمیز آواز میں کہا ”ہم دشمن نہیں، دوست ہیں۔ ہمارا آپریشن ختم ہو چکا ہے۔ یہ لاش تم ہی کو لے جانی ہے۔“

انسپکٹر نے مڑے بغیر اپنے بائیں ہاتھ کا اشارہ کیا اور پولیس والوں کے ہتھیاروں کی نالیں جھکتی چلی گئیں۔ انسپکٹر کا داہنا ہاتھ بھی جھک گیا جس میں سروس پسٹل دبا ہوا تھا۔

”ہمیں اس علاقے میں کسی آپریشن کی کوئی اطلاع نہیں ہے“ انسپکٹر نے ہماری طرف پیش قدمی کرتے ہوئے مہذب اور دبے لہجے میں احتجاج کیا ”ہم ایک گمنام فون پر یہاں آئے ہیں۔“

”ہر شخص ہر بات سے باخبر نہیں ہوتا“ اول خان نے سنجیدگی سے جواب دے کر حامد کو اشارہ کیا اور وہ اپنی جیب سے کچھ نکالتا ہوا انسپکٹر کی طرف بڑھ گیا۔

حامد کی پشت میری جانب تھی۔ میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ اس نے اپنی جیب سے کیا چیز نکال کر پولیس انسپکٹر کو دکھائی تھی مگر اس کا نتیجہ اسی لمحے سامنے آ گیا۔ انسپکٹر نے فوراً ہی سیلوٹ کیا تھا۔

وہ سیلوٹ واضح طور پر حامد کے لیے نہیں تھا بلکہ اس بیج یا شناخت نامے کے لیے تھا جو حامد نے انسپکٹر کو دکھایا تھا۔ مجھے بے اختیار جمی لائیڈ کے زمانے میں شی کے بڑوں کی باہمی شناخت کے لیے استعمال ہونے والی طلسماتی سلور آئی یاد آ گئی جس نے متعدد اہم مواقع پر مجھے مہلک خطرات سے بچایا تھا۔

وہ شی کے عروج کے زمانے کی کہانی تھی جب ہر طرف جمی لائیڈ کے نام کا طوطی بولتا تھا اور میں صرف ایک آئی مین کو ہلاک کر کے اس کی سلور آئی پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا تھا لیکن جب پے در پے کئی سلور آئیز ان لوگوں کی تحویل سے نکل گئیں تو سنگین دھوکوں سے بچنے کے لیے باہمی شناخت کے ان ذرائع کو یکسر ختم کر دیا گیا۔

گاڑی سے اترتے وقت انسپکٹر کا انداز قدرے تحکمانہ تھا لیکن وہ فضا چند لمحوں سے زیادہ برقرار نہیں رہ سکی۔ اس نے پروقار انداز میں آگے بڑھ کر ہم سب سے ہاتھ ملایا اور اول خان حامد کو وہاں چھوڑ کر واپس چل دیا۔

میرے لیے وہاں رکنا بے سود تھا۔ راستے میں غزالہ ہم دونوں کے ساتھ شامل ہو گئی۔ پولیس پارٹی کی آمد پر اس نے خود پر قابو پائے رکھا تھا اور ان تک پہنچنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

”کچھ بھی نہیں ہوا“ تیزی سے رونما ہوتے ہوئے واقعات کے گرداب سے باہر نکلتے ہی میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا ”اپنی دانست میں وہ مجھے مار کر یا زخمی کر کے نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔“

”یہ ان کی کامیابی نہیں، بدترین ناکامی ہے“ اول خان نے زور دے کر کہا ”تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوا، اکبر علی کو معمولی سا زخم آیا ہے جو چند روز میں مندمل ہو جائے گا۔ ان کا ایک ساتھی کتے کی سی موت مارا گیا ہے۔ مراد ظریف اپنی اس احمقانہ مہم جوئی پر مدتوں پچھتاتا رہے گا۔ یہ اس کا...“

”اوہ! تو کیا وہ مر گیا؟“ غزالہ نے چونک کر پوچھا ”زندہ ہمارے ہاتھ آ جاتا تو اس سے بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا تھا۔“

”میرے نزدیک یہ ہماری ناکامی ہے“ میں نے بدمزگی سے کہا ”ہماری ساری تیاریاں دھری کی دھری رہ گئیں، وہ آئے اور گولیوں کی برسات کے سائے میں بھاگ گئے۔ مرنے والا ہمارے کس کام آئے گا؟“

اول خان نے میری بددلی بھانپ لی اور خاموش ہو گیا۔ چند ثانیوں بعد ہم دوبارہ مائیکرو سینٹر پہنچ چکے تھے۔

دلیر خان پورے حوصلے کے ساتھ اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔ اس کی زبانی پتا چلا کہ ویرا نیچے آئی تھی اور اکبر علی کے زخم کا معائنہ کرنے کے بعد اسے ڈریسنگ کے لیے اوپر لے گئی تھی۔

لفٹ میں اوپر جاتے ہوئے بھی یہ خیال مجھے پریشان کرتا رہا کہ مراد ظریف میرے جال میں کیوں نہ پھنس سکا۔

اوپر اطلاع ملی کہ اکبر علی کا زخم واقعی معمولی تھا۔ اس کی پنڈلی کی ہڈی محفوظ تھی۔ گولی اس کی جلد اور گوشت کا کچھ حصہ پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ چند روز کی مرہم پٹی اور آرام کے نتیجے میں زخم بھرنے کی امید تھی۔

جب تک ویرا کسی پیشہ ور نرس کے انداز میں اکبر علی کی مرہم پٹی کرتی رہی، سب اپنی اپنی جگہ خاموش اور غور و فکر میں غلطاں رہے۔ ویرا، اکبر علی کو دوسرے کمرے میں پہنچا کر واپس آئی تو اس کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں ”معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی تمہارے ہاتھ نہیں آ سکا؟“

”ایک ہاتھ آیا ہے مگر وہ مارا جا چکا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا گڑبڑ ہوئی ہے“ مجھ سے پہلے ہی غزالہ بول پڑی۔

”گڑبڑ کچھ نہیں ہوئی“ سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر اپنی رائے دی ”ویرا کا بڑا بول سامنے آیا ہے۔ اسی کا خیال تھا کہ ہم گیدڑ کے لیے آدم خور شیر کے شکار جیسی تیاریاں کر رہے ہیں۔“

”میں غلط نہیں کہہ رہی تھی“ ویرا چڑچڑے لہجے میں بولی ”تم لوگوں کی تیاریاں فول پروف تھیں۔ شرم کی بات ہے کہ پھر بھی ان میں سے کوئی زندہ تمہارے ہاتھ نہ آ سکا۔“

"لڑنے کی ضرورت نہیں" اول خان نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا "اصل غلطی یہ ہوئی کہ ہم میں سے کوئی بھی مراد کی چالاکی اور ذہنی سطح کا اندازہ نہیں لگا سکا۔ اس کے بارے میں ہمارا ہر اندازہ غلط ثابت ہوا۔"

"تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا؟" میری توقع کے برعکس' ویرا نے سنجیدگی اور دلچسپی سے پوچھا۔

ویرا کی سنجیدگی نے ماحول ہی بدل ڈالا۔ اول خان کہہ رہا تھا "ہمارا خیال تھا کہ وہ قلاش آدمی تھا۔ اچانک مال ہاتھ آجانے کے بعد اس کا دماغ عرش پر پہنچا ہوا ہوگا مگر تجربے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ وہ اپنے ذہن سے پوری طرح کام لے رہا ہے اور متوقع خطرات سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کررہا ہے۔"

"یہ سب تم اپنے کس تجربے کی بنا پر کہہ رہے ہو۔ ابھی تو اس سے ہمارا سامنا ہی نہیں ہوا۔ اس نے یہاں آکر مار دھاڑ کی اور کسی چور کی طرح بھاگ گیا" ویرا کی آواز سے ہلکی سی الجھن مترشح ہونے لگی۔

"ہمارا اندازہ تھا کہ وہ شان وشوکت کے ساتھ پجیرو میں سوار ہوکر حیدر آباد سے کراچی کے لیے روانہ ہوگا تاکہ مقبول چوہدری سے برابری کی سطح پر ملاقات کرسکے۔ اس نے اپنی پجیرو کے بجائے ایک عام سی گاڑی کو ترجیح دی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اسے ابتدا سے ہی ڈینی کی کہانی پر شبہ ہوگیا تھا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"بالکل!" اول خان نے پرزور انداز میں اس کی تائید کی "اسے حیرت تھی کہ اس نے محض چند روز پہلے موبائل فون کا کنکشن لیا ہے اور اپنے چند مخصوص دوستوں کے سوا کسی کو اس کا نمبر نہیں دیا پھر مقبول چوہدری یا اس کے کسی معتمد کو اس کا فون نمبر کیسے مل گیا۔ ہم نے مراد کے اس سوال کو نظرانداز کرکے غلطی کی تھی۔"

"ڈینی نے اسے مطمئن کردیا تھا۔ اس نے اپنے سوال پر زیادہ زور نہیں دیا تھا" ویرا بولی۔

"یہ تمہاری رائے ہے۔ اس کے ذہن میں ایک شبہ سر ابھار چکا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے منصوبے کے ہر مرحلے پر احتیاط سے کام لیا۔ پجیرو کے بجائے کرولا میں کراچی آنا اسی احتیاط کا ایک حصہ تھا" اول خان نے کہا۔

"اس کی چھٹی حس اسے خطرے کا احساس دلا رہی تھی اس لیے وہ اکیلا کراچی نہیں آیا' اپنے ساتھ چار مسلح محافظوں کو بھی لیتا آیا تاکہ برے وقت میں وہ اس کا ساتھ دے سکیں" غزالہ نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"تم صحیح سمت میں سوچ رہی ہو۔ اس کے اور مقبول چوہدری کے درمیان اس قدر گہرا اور پراسرار تعلق تھا کہ وہ ڈینی کے پیغام کو نظرانداز نہیں کرسکتا تھا" اول خان نے جواب دیا "اسے ہر حال میں یہ دیکھنا تھا کہ مقبول چوہدری کے نام کی آڑ لے کر کون اس کے پیچھے لگا ہے۔ اس کی مقبول سے ملاقات ہوجاتی تو وہ مطمئن ہوکر لوٹ جاتا ورنہ تصادم ناگزیر تھا جو ہوکر رہا۔"

"اس نے وہ مرحلہ آنے سے پہلے ہی ہتھیار اٹھالیے" ویرا بولی "اسے سفید کپڑوں میں ملبوس شخص تک پہنچ کر یہ دیکھنا چاہیے تھا کہ وہ کیا کہتا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے؟"

"آرام دہ کرسی میں بیٹھ کر یہ سب کہنا بہت آسان ہے" میں نے کافی سوچ بچار کے بعد ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "خود کو اس کی جگہ رکھ کر سوچو گی تو ہر سوال کا جواب ملتا چلا جائے گا۔"

"اگر میری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں تو تم ہی میرے سوال کا جواب دو" ویرا نے مطالبہ کیا۔

"حامد کے آدمیوں نے سات بجے کے مقررہ وقت سے پہلے ان کی مشتبہ گاڑی کو اس علاقے میں گھومتے دیکھ لیا تھا۔ نہ جانے وہ کب سے توحید کمرشل میں موجود تھے۔ انہوں نے مائیکرو سینٹر کا رخ کرنے سے پہلے فریڈم انٹرنیشنل پر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں چھان بین کی ہوگی۔ پچھلے چند روز میں یہاں جو کچھ ہوا' وہ پوری تفصیل سے اخباروں میں نہیں چھاپا گیا لیکن علاقے کے مکینوں کو بہت کچھ معلوم ہے کہ مقبول چوہدری روپوش ہوگیا۔ اکرم الٰہی بحال ہوا اور پھر غائب ہوگیا..."

"اور اسی بنیاد پر اس نے بھڑ جانے کا فیصلہ کرلیا؟" ویرا نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

"مراد کا دماغ الجھ گیا ہوگا۔ یہ نہ بھولو کہ امریکا کی فورڈ فاؤنڈیشن کی ہدایت پر فریڈم انٹرنیشنل والے مراد کی پشت پناہی کررہے تھے۔ یہ بہت اونچا کھیل ہے۔ اس کے سارے مہرے مضبوط تھے۔ مراد کو اپنی سلامتی اور خوش حالی داؤ پر لگی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اس نے سات بجنے سے چند منٹ پہلے فریڈم انٹرنیشنل کے نمبر پر فون کیا اور مجھ سے بات کی۔ وہ مقبول چوہدری سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اگر پروگرام میں کہیں گڑبڑ نہیں تھی تو مقبول چوہدری کو اس وقت موجود ہونا چاہیے تھا..."

"بس' یہی فیصلہ کن موڑ تھا" ہیجان کے باعث اول خان میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول پڑا "ڈینی نے مقبول چوہدری کے باتھ روم میں ہونے کا عذر پیش کیا اور فون بند ہونے کے بعد ریسیور کریڈل سے نیچے رکھ کر فون لائن کو مصروف کردیا۔ مراد نے یقیناً آخری لمحے تک فون پر مقبول چوہدری سے بات کرنے کی کوشش کی ہوگی پھر اس نے اکبر علی سے ملنے کے بجائے اس پر فائر کردیا.... ہوسکتا ہے کہ اس کے اس فیصلے میں ارادے سے زیادہ اضطرار اور بے چینی کا دخل رہا ہو۔"

"بات سمجھ میں آرہی ہے" سلطان شاہ نے سرہلا کر اعتراف کیا "وہ منصوبہ بندی کے ساتھ حملہ کرتا تو اتنی آسانی سے اس کے پاؤں اکھڑنے ممکن نہیں تھے۔ اسے آخر تک پتا نہیں تھا کہ اسے

کیا کرنا ہے۔"

"وقت سر پر آچکا تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ اس کی ملاقات مقبول سے ہوگی یا کوئی اور اس پر ہتھیار تان لے گا" ویرا تفہیمی انداز میں بولی "اس کا سب کچھ داؤ پر لگا ہوا تھا۔ اس کے اعصاب چیخ رہے ہوں گے۔"

"اس وقت دونوں فریقوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے" غزالہ نے سکوت توڑتے ہوئے کہا "ہم اسے کھو کر پشیمان ہیں اور اسے کچھ نہیں معلوم کہ کون اس کی راہ پر لگا ہوا ہے۔"

"تم لوگ بڑی بڑی باتوں کے چکر میں چھوٹے نکتوں کو نظرانداز کررہے ہو" اول خان نے پہلو بدل کر قدرے درشتی سے کہا "اس کے نکل جانے کے باوجود ہم ناکام نہیں ہوئے۔ ہماری کامیابی کا تمغا ہمارے پاس موجود ہے۔"

ویرا دھیمے سے ہنس کر بولی "اکبر علی کی پنڈلی کا زخم واقعی تمغا ہے مگر چند روز میں ہم اس سے محروم ہوجائیں گے۔ کوشش کی جانی چاہیے کہ ایسی ہی کسی اور کامیابی تک اس کا زخم ہرا رہے۔"

"ویرا!" اول خان نے برہم نظروں سے اسے گھورا "بعض اوقات تم حد سے تجاوز کرجاتی ہو۔ مراد کے ساتھی کی لاش کو تم کیوں بھول رہی ہو۔ اس کی ہسٹری سے پتا چلے گا کہ فریڈم انٹرنیشنل والے مراد سے کیا کام لے رہے تھے؟"

ویرا کے چہرے پر ندامت کی سرخی پھیل گئی۔ زبان سے معذرت طلبی اس کے مسلک سے باہر تھی۔ شرمندہ ہوکر وہ بس خاموشی سے اپنی پسپائی تسلیم کرلیتی تھی اور ہم لوگ اسی کو کافی تصور کرتے تھے۔

"لاش کو مقامی پولیس کے حوالے کردینے کے بعد ہم اس کیس سے دستبردار نہیں ہوگئے؟" سلطان شاہ نے اول خان سے پوچھا "وہ اپنے روایتی انداز میں کئی روز بعد کسی نتیجے تک پہنچیں گے۔"

"پولیس کی کارکردگی کے بارے میں تم تعصب کا شکار معلوم ہوتے ہو" اول خان نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "وہ لوگ بھی ہمارے معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں' ان سے بھی کوتاہیاں ہوتی ہوں گی لیکن انہیں بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ قتل اور ڈکیتی کی وارداتوں سے لے کر ٹریفک کی معمولی خلاف ورزیوں تک' ہر روز ہزاروں افراد کا ہر سطح کے پولیس افسروں سے واسطہ پڑتا ہے اور ہر شخص کا تجربہ مختلف ہوتا ہے۔ اچھے تجربات فرائض منصبی قرار دے کر بھلادیے جاتے ہیں۔ لوگ اپنے تلخ تجربات کی کہانیاں بنالیتے ہیں جو سینہ بہ سینہ پروان چڑھتی رہتی ہیں۔ ہماری پولیس اتنی خراب نہیں ہے۔"

"تم نے پولیس والوں کی حمایت میں اچھی خاصی تقریر کرڈالی" سلطان شاہ کے ہونٹوں پر جوابی مسکراہٹ تیرنے لگی "میں صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ مرنے والے کے بارے میں معلومات کون حاصل کرے گا؟"

"مقامی پولیس!" اول خان نے کسی تاخیر کے بغیر جواب دیا "کوئی نتیجہ سامنے آنے تک حامد ان کے ساتھ رہے گا۔"

"تم نے بھی ان پر ایک چوکیدار مسلط کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے؟" سلطان شاہ کھل کر ہنس پڑا۔

اول خان جھنجلا گیا "حامد چوکیداری نہیں کرے گا۔ وہاں پہنچنے والی اطلاعات کو بلاتاخیر مجھ تک پہنچاتا رہے گا۔ علاقے کا تھانے دار اپنے ڈی ایس پی اور ایس پی کو جواب دہ ہوتا ہے۔ باقاعدہ چینل سے معلومات حاصل کرنے میں تاخیر ہوسکتی ہے۔"

"ابھی تک ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ مرنے والے کا تعلق حیدرآباد سے ہے یا میرپور خاص سے!" ویرا نے لب کشائی کی "ہم نے اپنے طور پر فرض کرلیا ہے کہ مراد حیدرآباد سے کراچی آیا ہوگا۔"

"وہ دونوں چھوٹے اور قریبی شہر ہیں۔ میرپور خاص سے سڑک کے ذریعے کراچی پہنچنے کے لیے وہ حیدرآباد سے ضرور گزرا ہوگا" اول خان بڑھتی ہوئی جرح سے بےزار ہونے لگا تھا۔

"ابھی وہ کراچی کی ہی حدود میں ہوگا" میں نے چونکتے ہوئے کہا "موبائل فون پر اسے چھیڑ کر دیکھا جائے کہ وہ کیا کہتا ہے۔ اس وقت اس کا ردعمل ہمارے لیے راہ نما ثابت ہوسکتا ہے۔"

"مگر اس کا موبائل فون تو حیدرآباد یا میرپور خاص کے لیے ہوگا۔" سلطان شاہ نے اعتراض کیا۔

وہ موبائل فون کی آمد کا ابتدائی دور تھا۔ اسے ایک حیرت انگیز ایجاد اور فیشن کا درجہ حاصل تھا مگر عام لوگ اس کی کارکردگی اور دائرہ کار کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتے تھے۔

"موبائل فون کے لیے کراچی سے حیدرآباد اور اس کے مضافات تک کے لیے ایک ہی زون ہے" اول خان نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا "تم اسے فون کرو۔ کام کی کوئی نہ کوئی بات مل ہی جائے گی۔"

مراد ظریف کا موبائل فون کنکشن دوسری کمپنی کا تھا۔ میں نے اپنے موبائل پر اس کا کوڈ اور نمبر ملایا تو دوسری گھنٹی پر ہی سلسلہ مل گیا۔ "ہیلو! کون بول رہا ہے؟" مراد کی آواز سے خوف اور گھبراہٹ کا اظہار ہورہا تھا۔

"مقبول چوہدری کا خاص آدمی بول رہا ہوں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم نے اپنا ایک آدمی مفت میں چھوڑ دیا۔ اس کی لاش حیدرآباد پہنچانے کا کرایہ کون دے گا؟"

دوسری طرف سے سندھی زبان میں بےساختہ جو کچھ کہا گیا وہ صوتی اعتبار سے میرے لیے ناقابل فہم تھا مگر میرے لیے یہ جاننا مشکل نہیں تھا کہ مراد کے جواب کا وہ حصہ غلیظ ترین گالیوں پر مشتمل رہا ہوگا۔ اپنے غیر ارادی ردعمل کے اظہار کے بعد وہ بولا "تم جھوٹے' بدمعاش' کتے اور کمینے ہو۔ تم دیکھنا میں تمہارا کیا حشر

کرتا ہوں...“
”تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے مراد؟“ میں نے غضب ناک غراہٹ کے ساتھ اس کی بات کاٹ دی ”مقبول تم پر بہت برہم ہے۔ وہ تمہیں کوڑی کوڑی کو محتاج کرکے دوبارہ فٹ پاتھ پہ پہنچادے گا۔“

”وہ میرا سائیں اور میں اس کا غلام ہوں“ مراد ظریف کا لب ولہجہ یکایک تبدیل ہوگیا ”تم سچے ہو تو اب بھی سائیں مقبول چوہدری سے میری بات کرادو۔ میں اس کے قدموں میں گر کر اس سے معافی مانگ لوں گا“ میری پراعتماد دھمکی نے مراد کو تذبذب میں ڈال دیا تھا مگر اس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے مفاہمت کے لیے ایک کڑی شرط رکھ دی تھی۔

میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا ”چند سیکنڈ توقف کرو۔ میں مقبول چوہدری سے تمہاری بات کراتا ہوں۔“

ان چاروں کی متجسس نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میرے پاس مشق کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ میں نے قدرے توقف کے بعد فون اپنے کان سے لگایا اور اپنی دانست میں مقبول چوہدری کی آواز کی نقل کرتے ہوئے مجروح آواز میں کہا ”مراد۔ آج تم نے میرا مان توڑدیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم یہاں آکر گولیاں برساؤ گے۔“

مجھے پتا نہیں تھا کہ میری وہ کوشش کہاں تک کامیاب تھی۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنے مخاطب کے ردعمل کا منتظر تھا۔ اس نے کسی سکوت یا وقفے کے بغیر سپاٹ آواز میں کہا ”اگر تم سائیں مقبول چوہدری ہی ہو تو میں ہاتھ جوڑ کر اور تمہارے پاؤں چھو کر معافی چاہتا ہوں۔ میں تم سے ملنے آیا تھا لیکن تمہارے آدمی نے مجھے شک و شبے میں ڈال دیا...“

”تم اب بھی شک و شبے والی بات کررہے ہو“ میں نے ہلکی سی خفگی کا مظاہرہ کیا ”کیا مجھ سے براہ راست بات کرنے کے باوجود تمہیں میرے اوپر یقین نہیں ہے؟“ مجھے خوشی ہوئی کہ اسے میری بدلی ہوئی آواز پر شبہ نہیں ہوا تھا۔

”سائیں!“ فون پر اس کی لجلجائی ہوئی آواز ابھری ”تم خود بتاؤ کہ اندھے وسوسوں میں گھرا ہوا آدمی کسی پر کیسے بھروسا کرسکتا ہے؟ آج تک تم نے مجھے ملنے کی عزت نہیں دی۔ میں گولی چلانے سے پہلے تک تم کو فون کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن تمہارا فون انگیج تھا۔ میں کیا کرتا؟ اب تم نے مجھ سے بات کی ہے تو میرا نام لے کر مجھے مخاطب کیا ہے.... بھلا میں شبے میں کیوں نہ پڑوں؟ تم تو اتنے محتاط آدمی ہو کہ مجھے فون پر ہمیشہ مجھے میرے کوڈ سے پکارتے ہو۔“

میرے ذہن پر لمحہ بھر کے لیے سناٹا سا چھاگیا پھر مجھے یاد آیا کہ نسرین کے گھر سے برآمد ہونے والی فورڈ فاؤنڈیشن کی فائل میں جہاں جہاں مراد ظریف کا نام آیا تھا وہیں بریکٹ میں ایم زیڈ کے الفاظ بھی لکھے ہوئے تھے۔ روایتی تلفظ کے مطابق وہ ایم زیڈ ہی تھے‘ جدید رجحان کے تحت اسے ایم زی بھی پڑھا جاسکتا تھا۔

وہ ایک سخت مرحلہ تھا‘ میرے پاس سوچنے کے لیے ذرا بھی مہلت نہیں تھی۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر بے پروایانہ انداز میں کہا ”وہ سب عام حالات کی احتیاطیں تھیں‘ انہیں بھول جاؤ۔ ایم زیڈ‘ ایم زی یا مراد ظریف سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا اسی لیے میں نے تم کو بلایا تھا مگر تم نے میرے سارے منصوبے پر پانی پھیردیا۔“

میں نے بات چالاکی سے گھمائی تھی۔ ان الفاظ میں مراد ظریف کا صحیح کوڈ بھی شامل تھا کیونکہ اس نے اس بارے میں کوئی نیا سوال کیے بغیر تشویش آمیز آواز میں پوچھا ”تو کیا اب حالات بدل گئے ہیں؟“

”بہت زیادہ بدل گئے ہیں۔ ہمارے دشمن ہماری سن گن حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں“ میں نے دھیمی اور ڈرامائی آواز میں رک رک کر کہا ”ان سے بچنے کے لیے ہمارا مل بیٹھنا ضروری ہوگیا ہے۔“

”مگر کیوں؟“ میرے انکشاف پر اس کی آواز میں گہرا خوف سمٹ آیا تھا ”دشمن پیچھے لگا ہوا ہو تو سب کو الگ الگ راستوں پر بھاگنا چاہیے تاکہ دشمن کی طاقت بھی بکھر جائے۔ تم مجھے کیوں بلارہے ہو....؟ تم ان کی نظروں میں آئے ہوئے ہو۔ تمہیں مارا پیٹا گیا ہے۔ میں تمہاری طرف آیا تو خود بھی ان کی نظروں میں آجاؤں گا۔“

”یہ سب باتیں فون پر نہیں بتائی جاسکتیں۔ تم فوراً لوٹ آؤ!“ میں نے سختی سے کہا۔ مقبول چوہدری کی آواز کی کامیاب نقل پر میرے اعتماد میں بہت زیادہ اضافہ ہوچکا تھا۔

”یہ عام فون نہیں‘ موبائل فون ہے۔ اس کی بات کہیں نہیں سنی جاسکتی۔ تم مجھے کچھ تو بتاؤ کہ کیا چکر ہے۔“

”تم دس منٹ میں لوٹ آؤ‘ میں تمہیں ہر بات بتادوں گا“ میرے اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا۔

”نہیں سائیں‘ مجھے ایسا حکم مت دو“ اس کی آواز سے عاجزی کے ساتھ مزاحمت بھی جھلک رہی تھی ”ابھی وہاں سیکڑوں گولیاں چلی ہیں۔ میرے آدمیوں نے میگزین خالی کیے ہیں‘ تمہارے آدمیوں نے بے حساب راؤنڈز فائر کیے ہیں۔ میری گاڑی کھڑی ہے‘ دھنی رام کی لاش وہاں پڑی ہوئی ہے۔ تم تک پہنچنے سے پہلے پولیس مجھے دھرلے گی۔“

دھنی رام....وہ نام میرے ذہن کے کمپیوٹر میں فوراً ہی محفوظ ہوگیا۔ باتوں کے جال پیچ میں مجھے پہلی کارآمد بات معلوم ہوچکی تھی کہ مراد کے مرنے والے ساتھی کا نام دھنی رام تھا۔ وہ نام میرے لیے بالکل ہی نامانوس نہیں تھا لیکن اس وقت مجھے فوری طور پر یاد نہیں آسکا کہ میں نے وہ نام کہاں اور کس حوالے سے سنا تھا۔

میں نے مراد سے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا "تم احمق ہو..... ان خطرات سے میں خود بھی واقف ہوں۔ میں تمہیں مائیکرو سینٹر نہیں بلا رہا۔ تم مجھے اپنی لوکیشن بتاؤ، میں ملاقات کے لیے کوئی محفوظ جگہ تجویز کروں گا دس منٹ کے اندر اندر ہم دونوں وہاں مل سکیں گے۔"

دوسری طرف چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھا گئی پھر مراد کی آواز ابھری "نہیں سائیں، تمہارا ایم زی اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ اپنی گردن خود کٹوا لے۔ خطرہ تم کو ہے۔ وہ تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہوں گے۔ اس وقت ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے درشت آواز میں کہا "تمہیں اپنے انکار کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔"

"سائیں ایسا ظلم مت کرو" اس کی التجا آمیز آواز ابھری "یہ ساری عقل اور احتیاط تم نے ہی مجھے سکھائی ہے کہ ماں کے دامن کو آگ لگی ہوئی ہو تو سگی اولاد کو بھی اس سے دور رہنا چاہیے ورنہ وہ بھی ماں کے ساتھ جل مرے گی۔"

"میرا سکھایا ہوا سبق مجھے نہ سناؤ" میں نے غرا کر اسے ڈانٹ دیا "جو کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کرو۔"

"یہ مشکل ہے" وہ اپنی بات پر اڑا رہا "ابھی میں نے دھنی رام کو تمہارے حکم پر قربان کیا ہے۔ مجھ میں اپنی گردن کٹوانے کا حوصلہ نہیں ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں تم نے مجھے ہی اپنے راستے سے ہٹانے کا ارادہ نہ کر لیا ہو۔"

"اب تم میری نیت پر بھی شبہ کر رہے ہو! میں تم سے جھوٹ بول رہا ہوں؟"

"نہیں سائیں۔ میں تمہارا غلام ہوں" وہ گھگھیانے لگا۔ عدم تحفظ کے احساس نے اس کی ذہنی حالت ابتر کی ہوئی تھی "میں خود کئی دن سے تمہاری تلاش میں تھا۔ ایک بڑے آدمی کو خریدنے کے لیے مجھے مدد درکار تھی۔ اس کی دعوتوں کے لیے تین چار لاکھ روپے مل جائیں تو ہمارا کام بہت تیز ہو جائے گا۔ وہ ولایتی شراب اور دیسی لڑکیوں کا رسیا ہے..."

"اسے جہنم میں ڈالو۔ مجھے تمہاری باتوں سے بغاوت اور لالچ کی بو آ رہی ہے۔ میں اپنے قریب ایسے کسی سازشی آدمی کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتا" میں نے برہمی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"ابھی تم غصے میں ہو۔ باہر کے حالات بھی خراب ہیں۔ میں کل تم کو فون کروں گا" ایک گہرے سانس کے بعد آواز آئی۔

میں نے جواب میں مزید کچھ کہے بغیر فون بند کر دیا۔ وہ اپنی راگنی الاپے جا رہا تھا۔ اسے فوری طور پر گھیرنا ناممکن نظر آ رہا تھا۔ اصولی طور پر مجھے شدید غصے کا اظہار کرتے ہوئے اسے ہر قسم کے رابطے سے روک دینا چاہیے تھا مگر میں وہ راستہ مسدود نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنی دانست میں بہتر راہ اختیار کی تھی۔ کچھ نہ کہہ کر میں نے اپنا بھرم رکھ لیا تھا۔

"تم بلا کے اداکار تو ہو ہی، آج تمہاری صداکاری بھی سن لی" گفتگو کا سلسلہ ختم ہوتے ہی ویرا نے کہا "تمہاری بدلی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا تھا۔"

"معلوم ہو رہا تھا کہ مقبول چوہدری دوبارہ زندہ ہو گیا ہے" اول خان نے ہنس کر کہا۔

"اس وقت وہ بری طرح دہشت زدہ ہے۔ یہ داؤ چل گیا تو وہ جلد ہی ہماری گرفت میں آ جائے گا" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے جواب دیا۔ "اس کی زبانی مرنے والے کا نام معلوم ہو گیا ہے۔ اسے دھنی رام کہتے تھے۔"

"دھنی رام!" سلطان شاہ نے بے ساختہ حیرت سے دہرایا "وہ تو بدنام سندھی دہشت گرد تھا۔"

"شاید اس نے چند ماہ پہلے نواب شاہ کے ایک وڈیرے کے گھر میں گھس کر خاندان کے سات افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا" اول خان نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے کہا "اور گھر سے ہر قیمتی شے لوٹ کر لے گیا تھا۔"

"دھنی رام کو سندھی مت کہو" میں نے ملائمت سے سلطان شاہ کو سمجھایا "ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کی کوئی زبان ہوتی ہے نہ کلچر۔ وہ صرف ڈاکو اور دہشت گرد ہوتے ہیں اور کسی سے رو رعایت نہیں کرتے۔"

"مگر وہ سندھی ہی تھا" سلطان شاہ نے اپنی بات پر اصرار کیا "اخبارات نے یہی لکھا تھا۔"

"بعض اخبارات ناقابل اعتبار، دو پیسے کے چیتھڑے ہوتے ہیں۔ اخبار بیچنے کے لیے لوگوں میں سنسنی، ہیجان اور تعصبات کو ابھارتے ہیں۔ دھنی رام کو تم صرف اس وقت سندھی دہشت گرد کہہ سکتے تھے جب وہ سندھیوں کے سوا دوسروں کو مارتا۔ اس نے تو ایک ہی واردات میں نواب شاہ کے ایک گھرانے کے سات چراغ گل کر دیے۔ دوسرے واقعات میں اس نے نہ جانے کتنے سندھی مارے ہوں گے۔ اس جیسے قابل نفرت آدمی کو اس کی قومیت کے حوالے سے پکارنا گھناؤنا فعل ہے جو شرانگیزی کے زمرے میں آتا ہے" میں نے اپنی سوچی سمجھی اور نپی تلی رائے ان چاروں کے سامنے پیش کر دی۔

"سوال یہ ہے کہ دھنی رام جیسا مجرم مراد اور اس کی این جی او کے لیے کیا کار خیر سرانجام دے رہا تھا۔" ویرا نے اس ضمنی موضوع کو فوراً ہی صحیح رخ پر ڈال دیا۔

"اکرام الٰہی اور مقبول چوہدری کے کیفر کردار کو پہنچنے کے بعد یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بہت سی این جی اوز غیر ملکی سرمائے کے بل بوتے پر یہاں شورش، افراتفری اور عدم استحکام پھیلانے کے لیے کام کر رہی ہیں" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا "مراد کی بنائی ہوئی صحرا نامی تنظیم بھی کسی بھاری غیر ملکی امداد کی آس میں اپنا

جال بچھائے بیٹھی تھی۔ ان کا انتظار رنگ لایا۔ فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے ان پر اپنی تجوری کا منہ کھول دیا۔"

"صحرا والے تھر کے بھوکے پیاسے خانہ بدوشوں کے نام پر ایک تہمت ہیں۔ اس فراڈ میں دھنی رام جیسے مستند مجرم ہی مراد کا ساتھ دے سکتے تھے" اول خان نے میری بات آگے بڑھائی "اس کے دوسرے ساتھی بھی چور، ڈاکو اور قاتل ہی ہوں گے۔"

"ہمیں پہلی فرصت میں ہیر آباد کے علاقے میں صحرا کا دفتر تباہ کردینا چاہیے" سلطان شاہ نے تجویز پیش کی۔

میں بے اختیار ہنس پڑا "تم اس دفتر کی یتیمی کا احوال سن ہی چکے ہو۔ وہ کرائے کی ایک کوٹھری میں قائم ہے، وہاں رکھا ہوا بے جان فون محض نمائش کے لیے ہے۔ وہاں ایک آدمی دن بھر بیٹھا، مکھیاں مارتا رہتا ہے۔"

"دفتر کی تباہی سے سارا نقصان مالک دکان کا ہوگا۔ صحرا کا ملازم اپنا دامن جھاڑ کر گھر چل دے گا" ویرا بولی۔

"وہ مجرموں کا ٹھکانا ہے۔ وہاں کچھ نہ کچھ ہوتا ہی ہوگا۔ اس کا ختم کیا جانا ضروری ہے" سلطان شاہ نے ضد کی۔

"جرم دفاتر میں بیٹھ کر کیے جاتے ہیں نہ ان کا کوئی ریکارڈ ہوتا ہے" اول خان نے گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "جرم کا بیج مجرموں کے ذہن میں پھوٹتا ہے اور وہ اپنے ہاتھ پیروں سے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ صحرا کے دفتر سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ انہوں نے اپنا وہ دفتر محض آڑ کے لیے قائم کیا ہوا ہے۔"

"یہی بات ہے تو ڈینی کو اکرم الٰہی کی بنائی ہوئی فائل کی جستجو کیوں تھی؟ اسی فائل نے مراد ظریف کی نشاندہی کی تھی۔ آج اس نشان دہی کے نتائج ہم سب کے سامنے ہیں" سلطان شاہ کے پاس نیا سوال موجود تھا۔

"جس طرح کاروبار کی دو اقسام ہیں۔ افرادی اور کارپوریٹ۔ اسی طرح جرائم بھی انفرادی اور منظم درجوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔ صحرا اور فریڈم انٹرنیشنل والے چلتے پھرتے مقامی مجرم ہیں جو ہر جرم کی کلید اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔" میں نے اس کی بے اطمینانی دور کرنے کے لیے جواب دیا "اس کے برعکس ٹی، ڈیوڈ اسٹارز اور فورڈ فاؤنڈیشن منظم جرائم کے گویا کارپوریٹ ادارے ہیں۔ ان کی اپنی عالمی مجبوریاں ہوتی ہیں اس لیے کچھ نہ کچھ ریکارڈ پر آجاتا ہے۔"

"جب سے فورڈ فاؤنڈیشن والوں کو اکرم الٰہی کی بدنیتی کا اندازہ ہوا، ریکارڈ غائب ہوگیا اور سارے کام زبانی طے پانے لگے" اول خان نے میری بات پوری کرتے ہوئے کہا "ہمارے لیے ریکارڈ اور ثبوت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بس مجرموں کے عزائم کا ٹریک ملنا چاہیے پھر ہم ان کی نیتوں کی بنیاد پر اپنا کام آگے بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ مراد مجھ سے کل تک ضرور رابطہ کرے گا اور میں اسے گھیرنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال لوں گا۔" میں نے اپنی پُرامیدی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "وہ خوف زدہ ضرور ہے مگر مجھے مقبول سمجھ رہا ہے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ تم کبھی بھی اور کہیں بھی مقبول نہیں رہے" ویرا نے ٹکڑا لگایا اور سب ہنس پڑے۔

"کل تک انتظار میں بیٹھے رہنے سے بہتر ہوگا کہ حیدر آباد میں صحرا کے دفتر کو اجاڑ دیا جائے" سلطان شاہ کے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ پھنسی ہوئی تھی "وہ بُری طرح بوکھلا جائے گا۔"

"بوکھلا نہیں جائے گا، ہوشیار ہوجائے گا کہ کوئی اس کے پیچھے لگ چکا ہے۔ ڈینی سے رابطہ ہونے تک اسے یہ اطمینان رہنا چاہیے کہ وہ ہر طرح سے محفوظ ہے" ویرا نے بھرپور دلیل کے ساتھ سلطان شاہ کو خاموش ہونے پر مجبور کردیا۔

بدلے ہوئے حالات کے تحت مائیکرو سینٹر کا آباد رہنا بلکہ میرا وہاں موجود رہنا ضروری تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ مراد کب مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر بیٹھتا۔ اس کے وعدے کی تکمیل کے انتظار میں مجھے کم از کم اگلے چوبیس گھنٹے اسی عمارت میں بسر کرنے تھے۔ ویسے بھی گلشن اقبال والے گھر میں میرے لیے کوئی کام نہیں تھا۔ مائیکرو سینٹر میں رہائش اور خورونوش کا پورا بندوبست تھا۔ میں کسی بھی زحمت سے دوچار ہوئے بغیر مطلوبہ وقت وہاں گزار سکتا تھا۔

میرے ارادے سے واقف ہوتے ہی ان تینوں نے بھی میرا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ مائیکرو سینٹر کی رہائشی سہولت میں ان کے لیے ضرورت سے کہیں زیادہ گنجائش موجود تھی۔

اول خان کا مسئلہ ذرا مختلف تھا۔ اس کی بیوی چند روز قبل ہی میکے سے واپس آئی تھی اور اس کے آتے ہی اول خان کو اہم کام سے پشاور جانا پڑ گیا۔ اسے اپنی بیوی بچوں کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ اس نے ہمارے ساتھ رکنے میں دلچسپی ظاہر کی نہ کسی نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ سوا نو بجے وہ ہم سے رخصت ہوگیا۔

اس کے روانہ ہونے تک دھنی رام کے بارے میں حامد کی طرف سے کوئی خبر نہیں ملی تھی۔

○☆○

مائیکرو سینٹر کی عمارت ویرا کے لیے جنتِ ارضی ثابت ہوئی کیونکہ وہاں ہر منزل پر بیش قیمت اور پرانی شرابوں کے بھاری ذخائر موجود تھے۔ اس نے اول خان کے جاتے ہی عمارت کی تلاشی لینے کا قصد کیا تھا، دونوں رہائشی منزلوں کے علاوہ فریڈم انٹرنیشنل والے فرسٹ فلور پر بھی ایسی الماریاں دریافت کرلی تھیں جن میں وہسکی، وائن، رم، جن، واڈکا اور شمپین کی متعدد اقسام قطار در قطار سجی

ہوئی تھیں۔ دفتر میں موجود ریفریجریٹر کا ایک پورا خانہ ولایتی بیئر کے ڈبوں سے بھرا ہوا تھا۔

ویرا کو بہت زیادہ نفیس اور پرانی وہسکی سے زیادہ رغبت نہیں تھی۔ اس کی منطق تھی کہ پرانی اسکاچ دیر سے اثر دکھاتی ہے اور پھر اس کے اثرات بھی زیادہ دیر تک اعصاب پر قائم رہتے ہیں۔ وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے عجلت پسند تھی اس لیے ہمیشہ ڈی لکس کے بجائے اسٹینڈرڈ اسکاچ کو ترجیح دیتی تھی۔

اس روز وہ نہ جانے کس موڈ میں تھی کہ اس نے الماری سے رائل سیلیوٹ کا چمکتا دمکتا ہوا ڈبا نکال لیا۔ ویرا کے کہنے کے مطابق اکرم الٰہی اور مقبول کے ذخیرے کی خوبی یہ تھی کہ الماریوں میں ہر بوتل اپنی اصل پیکنگ میں موجود تھی۔

ویرا نے میز پر لوازم جمع کرنے کے بعد جب بلور کے دو پیالے نکالے تو سلطان شاہ چونک پڑا "یہ دوسرا پیالہ کس کے لیے ہے؟"

"چاہو تو تم میرا ساتھ دے سکتے ہو" ویرا نے اسے آنکھ مار کر کہا "یہ دنیا کی بہترین اسکاچ ہے۔"

"ہوگی۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا "میرے لیے تو یہ ناپاک پانی سے زیادہ نہیں ہے۔"

ویرا نے ڈبا کھول کر سرخ مخمل کی تھیلی میں ملفوف بوتل باہر نکالی اور جواب دیا "ایک دفعہ چند گھونٹ لے کر دیکھو، دنیا کا رنگ ہی بدلا ہوا نظر نہ آئے تو میرا نام بدل دینا۔"

"اسے پینے والوں پر خدا کی لعنت ہوتی ہے" سلطان شاہ اس کی تذلیل پر تلا ہوا تھا۔

"ہوا کرے" ویرا مسکراتے ہوئے بولی "رحمت ہو یا لعنت، بندہ اپنے خالق سے براہِ راست رابطے میں تو رہتا ہے۔ تمہاری طرح بیچ میں معلق نہیں رہتا۔ خدا اور وصالِ صنم، دونوں سے یکسر محروم!"

"یہ وصالِ صنم کا کیا تذکرہ ہے؟" غزالہ نے باہر سے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اسے سمجھاؤ کہ شراب نوشی حرام ہے۔ یہ اس سے توبہ کرلے" سلطان شاہ نے غزالہ سے سفارش کی۔

"تمہارے لیے حرام ہوگی مگر بہت سے مسلمان اسے عزیز رکھتے ہیں اور میں تو عیسائی ہوں" ویرا نے اسے چڑایا۔

"نشہ دنیا کے ہر مذہب میں حرام ہے۔ عیسائیت میں بھی اس کی ممانعت ہے" سلطان شاہ نے بھنا کر کہا۔

"خبردار!" ویرا نے اسے گھورا "میرے مذہب میں دخل مت دو۔ اپنے مذہب پر میں خود اتھارٹی ہوں۔"

"مگر میز پر یہ دو گلاس کس کس کے لیے ہیں؟" غزالہ نے حیرت اور دلچسپی سے پوچھا۔

"ایک میرے لیے اور دوسرا میرے اس مرحوم دوست کے لیے ہے جو اب شراب سے تائب ہو چکا ہے" ویرا نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے شوخی سے جواب دیا "اب میں دونوں گلاسوں سے باری باری گھونٹ لیتی رہوں گی۔"

اس وقت تک میں بظاہر ان سرگرمیوں سے لاتعلقی اختیار کیے، ان کاغذوں کے مطالعے میں مصروف تھا جو نسرین کے گھر سے حاصل کی جانے والی فائل میں لگے ہوئے تھے۔ ویرا کے جواب پر مجھے بولنا پڑ گیا "تم مرحوم کسے کہہ رہی ہو؟"

"تمہارے سوا اور کس کو کہہ سکتی ہوں؟ رائل سیلیوٹ لوگے؟" اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"میں مرا نہیں، ابھی زندہ ہوں" میں نے اس کے آخری سوال کو نظرانداز کرکے تلخی سے کہا۔

"میں نے کب کہا کہ تم زندہ نہیں ہو؟" ویرا کے چہرے پر معصومانہ حیرت ابھر آئی۔

"پھر مرحوم کسے کہتے ہیں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"تمہاری اردو بہت ناقص ہے" وہ بے ساختہ ہنس پڑی "میں تمہیں مرحوم و مغفور بھی کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم پر جیتے جی رحمت ہو اور تمہاری مغفرت ہو جائے۔ شراب تم کچھ عرصے سے ... چھوڑ ہی چکے ہو۔ یہ دونوں درجے بھی مل جائیں تو کسی فرشتے کی طرح پاک صاف ہو جاؤ گے۔"

"اپنی اردو دانی اپنے ناریل تک محدود رکھو اور مجھے ڈسٹرب نہ کرو ورنہ سر توڑ دوں گا۔"

"ڈسٹرب ہو رہے ہو تو کسی اور کمرے میں چلے جاؤ۔ اسی فلور پر کئی کمرے ہیں۔ یہاں یہی ہوتا رہے گا کیونکہ اس فلور کی وائن کیبنٹ بدقسمتی سے اسی کمرے میں موجود ہے۔"

"ویرا! پلیز شٹ اپ اینڈ گیٹ آؤٹ" میں نے سنجیدگی سے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ میں فون کی وجہ سے اس کمرے میں رہنے پر مجبور ہوں۔ آنے والی ہر کال میں خود ریسیو کرنا چاہتا ہوں۔"

ویرا نے مجروح نظروں سے لمحہ بھر کے لیے میری طرف دیکھا۔ اور پھر بوتل لے کر کمرے سے نکل گئی۔

"اس کا ساز و سامان بھی اس کے پاس پہنچا دو" میں نے رواروی میں غزالہ سے کہا۔

"میں اس کی نوکرانی نہیں ہوں" غزالہ نے دبی آواز میں کہا۔ "ضرورت ہوگی تو خود لے جائے گی، کچن میں ہر چیز موجود ہے۔"

"واہ!" سلطان شاہ سینے پر ہاتھ مار کر بازاری انداز میں اچھلا۔ "آج تم نے میرا جی خوش کردیا۔"

"اچھل کود کرنے کے بجائے خاموشی سے بیٹھو ورنہ میں تمہیں بھی باہر نکال دوں گا۔" میں نے اسے ڈانٹا۔

وقتی طور پر سکون ہوگیا اور میں نے اپنی توجہ دوبارہ فائل پر مرکوز کردی۔ اس میں موجود دوسرے مقامیوں کے نام اور فون نمبر نوٹ کرتے ہوئے میں مسلسل یہ سوچ رہا تھا کہ فائل میں موجود

آخری کاغذ کی تاریخ تقریباً چھ ماہ پرانی تھی جبکہ رستم ایرانی کے بارے میں فریڈم انٹرنیشنل کے اخباری بیان کو مشکل سے دو ہفتے بھی نہیں ہوئے تھے۔ اکرم الٰہی نے بتایا تھا کہ اس بیان کا متن فورڈ فاؤنڈیشن سے فیکس پر موصول ہوا تھا جو مقبول چوہدری نے اپنی تنظیم کی طرف سے جاری کردیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ وہ فیکس کہاں تھا!

میرے ذہن میں یہ نکتہ محفوظ تھا کہ اکرم الٰہی کی طرف سے ریکارڈ کے ذریعے بلیک میلنگ کا علم ہوتے ہی فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے اس سے تحریری پیغامات کے تبادلے کا سلسلہ موقوف کردیا تھا تو رستم ایرانی کے لیے فیکس کیوں بھیجا؟ اس سوال کا جواب دینے والے دونوں افراد جہنم واصل ہو چکے تھے اور وہ فیکس غائب تھا۔

میں نے فرض کرلیا کہ غیر اہم پیغامات کے لیے شاید فیکس اور ٹیلکس وغیرہ استعمال کیا جاتا رہا ہو یا پھر اکرم الٰہی کی جگہ مقبول چوہدری کے آنے کے بعد فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے اپنی پالیسی کچھ نرم کرلی ہو۔ صورت جو بھی رہی ہو، وہ فیکس مقبول چوہدری کو موصول ہوا تھا اور اس نے اپنا کام پورا کرنے کے بعد اس پیغام کو ضائع کردیا۔

اس ذہنی مشقت سے فارغ ہو کر میں نے سر اٹھایا تو کمرے میں میرے سوا کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ کسی اندرونی کمرے سے ویرا کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ بے اختیار میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

ویرا کی عادات اور حرکات سے بے زاری کے مسلسل اظہار کے باوجود غزالہ اور سلطان شاہ کے لیے زیادہ دیر تک اس سے الگ تھلگ رہنا ممکن نہیں تھا۔ وہ اپنی نوک جھوک سے کسی کو بھی ذہنی اضمحلال کا شکار نہیں ہونے دیتی تھی۔ اپنی اس خوبی کی بنا پر ویرا کی شخصیت میں ایسی مقناطیسی کشش پیدا ہوگئی تھی کہ اس سے ملنے والے ہمیشہ کے لیے اس کے گرویدہ ہوجاتے تھے۔

ویرا کی مے نوشی کے اختتام پر ہم کھانے کی میز کے گرد جمع ہوئے، کسی کے چہرے پر تلخی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ویرا اپنے دھیمے اور مخمور لہجے میں سب سے باتیں کررہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی غلافی آنکھوں کی چمک گہری ہو چکی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں لقمہ پلیٹ میں چھوڑ کر تیزی سے کمرے کی طرف دوڑا اور ریسیور اٹھالیا۔

"مرنے والا ایک بدنام دہشت گرد اور ڈکیت تھا" دوسری طرف سے حامد اطلاع دے رہا تھا "اس کی گرفتاری پر پانچ لاکھ روپے کا انعام مقرر تھا۔ یہ واقعہ مقامی پولیس کے کھاتے میں گیا ہے۔"

"اس کی موجودہ سرگرمیوں کے بارے میں کیا خیر خبر ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"نواب شاہ میں قتل اور ڈکیتی کی ایک بڑی واردات کے بعد

وہ روپوش تھا۔ فی الحال مفرور مجرموں کی فہرست سے اس کی شناخت ہوئی ہے۔ یہاں ایک جشن کی سی کیفیت ہے۔ تفصیلات بعد میں مل سکیں گی۔"

"تم نے ابھی تک اس کا نام نہیں بتایا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"وہ نام بدل بدل کر وارداتیں کرتا تھا۔ اکبر ملاح، دھنی رام اور کھیرو مل جیسے کئی نام ریکارڈ پر ہیں۔"

"اس کا اصل نام دھنی رام ہے!" میں نے اس کی تصحیح کی۔

"اب تم جاکر آرام کرو۔"

فون بند کرنے کے بعد مجھے ندامت محسوس ہوئی کہ اپنے چکروں میں پڑ کر میں حامد کو بھول ہی گیا تھا اور وہ بے چارہ ایک بے مصرف بات معلوم کرنے کے لیے اس وقت تک تھانے میں بندھا بیٹھا تھا۔

دھنی رام کا قصہ تازہ ہوا تو سلطان شاہ کو پھر صحرا کا دفتر یاد آگیا۔ "میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ان بدمعاشوں کی سرکوبی کے لیے ہمیں حیدر آباد ہی کا رخ کرنا پڑے گا۔ پتا نہیں تم لوگ مجھے کیوں روک رہے ہو؟"

"میں تمہیں سمجھا چکی ہوں کہ اس وقت اسے چھیڑنا مناسب نہیں ہے۔" ویرا نے خفگی سے کہا۔

"اس وقت رات کے گیارہ بج چکے ہیں۔ دفتر بند ہو چکا ہوگا" سلطان شاہ نے مصالحانہ لہجے میں کہا "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جس وقت تم مراد ظریف کو قابو کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو میں حیدر آباد میں موجود رہوں۔ تم فون پر مجھے ایک اشارہ دو گے اور میں صحرا کے دفتر کا کریا کرم کردوں گا۔"

دوسروں نے سلطان شاہ کی اس تجویز پر کان نہیں دھرا مگر میرے لیے وہ مشورہ قابلِ غور تھا۔ میں نے قدرے توقف کے بعد کہا "ٹھیک ہے.... تم غزالہ کو ساتھ لے کر گاڑی سے حیدر آباد نکل جاؤ۔ وہاں جس ہوٹل میں ٹھہرو، فون پر ہمیں بتا دینا تاکہ ضرورت پیش آنے پر تم سے رابطہ کیا جا سکے۔ یہ خیال رکھنا کہ صحرا کے دفتر میں بیٹھنے والا کوئی تنخواہ دار نادار آدمی بھی ہو سکتا ہے۔"

"اس کے رنگ ڈھنگ سے ہی پتا چل جائے گا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔" سلطان شاہ نے خوش ہو کر کہا "تمہیں میری طرف سے شکایت کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔"

ویرا کے لیے میرا وہ اعلان غیر متوقع تھا۔ اس نے تیوریوں پر بل ڈال کر کہا "جانا ضروری ہے تو پھر غزالہ کو یہیں روک لو۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ حیدر آباد چلی جاتی ہوں، اس بہانے میری آب و ہوا بھی تبدیل ہو جائے گی۔"

سلطان شاہ کے چہرے کے نقوش پر فریاد سی ابھر آئی مگر اس کے زبان کھولنے سے پہلے میں بول پڑا "نہیں، تم نہیں جاؤ گی۔ تمہاری وجہ سے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں" غزالہ مسکراتی ہوئی میز سے اٹھ گئی۔

میرا فیصلہ سن کر سلطان شاہ کی آنکھوں میں تشکر کے جذبات سمٹ آئے اور ویرا چڑچڑے لہجے میں احتجاج کرنے لگی "مجھ میں ایسی کون سی خرابی ہے کہ میں سلطان شاہ کے لیے مسائل کھڑے کردوں گی؟"

"خرابی یہ ہے کہ تم ہر وقت جلنے بھننے کے باوجود اب بھی سفید فام ہو۔ حیدر آباد چھوٹا سا، قدامت پرست شہر ہے۔ تم جہاں سے گزرو گی، ہر شخص کی توجہ کا مرکز بن جاؤ گی۔ اس معاملے میں بے جا ضد نہ کرو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب مجھے اپنا منہ کالا کرنا ہی پڑے گا" ویرا بڑبڑا کر رہ گئی۔

"ڈان مرسیانو کی نگرانی میں تم یہ کام کرتی رہی ہو۔ اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔" گلوخلاصی کا یقین ہوتے ہی سلطان شاہ کی شگفتہ مزاجی دوبارہ عود کر آئی "مم.... میرا مطلب میک اپ وغیرہ سے ہے۔"

ویرا کے بپھرے ہوئے تیور دیکھ کر اسے فوراً ہی اپنے طنز کی وضاحت کرنی پڑ گئی۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس وقت غزالہ میز پر موجود نہیں تھی۔ ویرا اس کی موجودگی میں شاید سلطان شاہ کا گہرا مذاق بلکہ طنز ذرا بھی ہضم نہ کر پاتی۔ ویرا نے غزالہ کی خالی کرسی پر ایک نگاہ ڈالی اور ترشی سے کہا۔ "تم نے اب کبھی میرے سامنے ڈان مرسیانو کا نام لیا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔"

"بہت بہتر!" سلطان شاہ نے سر جھکا کر سعادت مندی سے کہا۔ "مگر تم نے ڈیڈی کا یہ فیصلہ ضرور سن لیا ہوگا کہ تمہارے حیدر آباد جانے سے میرے لیے کیسے سنگین مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔"

"تم جاؤ، مگر یہ یاد رکھنا کہ میری دعائیں نہیں، بددعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔"

"کوّوں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے" سلطان شاہ نے بے پروائی سے اس کی بات اڑا دی۔

"ویرا! تم اس کے ساتھ زیادتی کر رہی ہو" میں نے اسے ٹوکا۔ "دعا نہیں دے سکتیں تو خاموش ہی رہو۔"

ویرا نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور کھانا ختم کر کے ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی، میز سے اٹھ گئی۔

"بعض اوقات تم بہت بونگی بات کہہ جاتے ہو" ویرا کے چلے جانے کے بعد میں نے دھیمی آواز میں سلطان شاہ کو نصیحت کی "مذاق کو مذاق کی حد تک رہنا چاہیے۔ ذاتیات پر حملہ کرنے سے رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں۔"

"بس وہ بات میری زبان سے پھسل ہی گئی ورنہ میں نے کبھی بھی اس کے ماضی کو نشانہ نہیں بنایا۔"

یہ ایک اچھی علامت تھی کہ خود اسے بھی اپنی غلطی کا

احساس ہو چکا تھا۔

ایک بجے کے قریب وہ دونوں گاڑی سے حیدر آباد کے لیے روانہ ہو گئے۔ انہیں رخصت کر کے میں ویرا کے ساتھ پہلی منزل پر گیا تو اکبر علی، ویرا کی دی ہوئی مسکن دوا کے زیر اثر گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر ہم دوسری منزل پر اکرم الٰہی کے کمرے میں آ گئے۔

میرے دل میں رہ رہ کر ویرا کی دعا اور بددعا والی بات چبھ رہی تھی۔ میں نے سلطان شاہ کو چلتے چلتے تاکید کر دی تھی کہ وہ حیدر آباد کے کسی ہوٹل میں ڈیرا ڈالتے ہی مجھے فون کرنا نہ بھولے۔

ویرا کمرے میں پہنچنے کے بعد میرے روبرو کرسی پر بیٹھ کر غور سے میری طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی "سچ سچ بتانا کہ غزالہ جانے سے پہلے تمہیں میرے بارے میں کیا ہدایت دے کر گئی ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ہم ایک دوسرے کے بارے میں فضول باتیں نہیں سوچتے" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

"کیا اسے اندازہ ہے کہ میرے اور تمہارے مراسم میں اب بھی کبھی کبھی بہت قرب پیدا ہو جاتا ہے؟"

"وہ دودھ پیتی بچی نہیں، سمجھ دار اور شادی شدہ عورت ہے۔ میرے اور تمہارے مراسم سے خوب واقف ہے۔ وہ اس بارے میں مجھ سے کبھی بات تک نہیں کرتی، خوش ہے کہ اسے اس کا جائز مقام ملا ہوا ہے۔"

"امریکا سے ہماری واپسی کے بعد بھی اس نے کچھ نہیں پوچھا؟" ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھ سے کچھ پوچھا، نہ تمہارے ساتھ رویہ تبدیل کیا، تم نے کوئی تبدیلی محسوس کی ہو تو خود ہی بتا دو!"

"مجھے حیرت ہے کہ تمہاری بیوی ہوتے ہوئے وہ یہ سب کیسے برداشت کر لیتی ہے۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی کہ کوئی بیوی اتنی چشم پوشی سے کام لے سکتی ہے۔ یہ سب انسانی سرشت کے خلاف ہے۔"

"ہم دونوں کے شب و روز تمہارے سامنے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے حال میں مگن رہتی ہے۔"

"وہ اپنی مجبوریوں کو سمجھتی ہے" ویرا نے اٹھ کر اپنے لیے پھر ایک گلاس بناتے ہوئے کہا "جانتی ہے کہ تم سے بگاڑ کر کہاں جائے گی۔ اس کے خاندان میں اب کوئی بھی نہیں ہے، اس کا سفینہ جل چکا ہے۔"

وہ مجھے ورغلانے اور اکسانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تم فضولیات میں الجھ رہی ہو۔ بدترین مجبوریاں بھی انسان کی فطرت کو نہیں بدل سکتیں۔ ہماری جبری شادی سے پہلے اسے معلوم تھا کہ تم نے اسے کیوں اغوا کرایا تھا۔ تمہاری فطرت میں رقابت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے، وہ درگزر کی قائل ہے۔"

"لو! یہ تمہارے لیے ہے" ویرا نے اپنا بنایا ہوا گلاس میری طرف بڑھا دیا "یہ نہ کہنا کہ تم نے شراب چھوڑ دی ہے۔ اس وقت کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ رات لمبی ہے جو ہمیں مل جل کر گزارنی ہے۔"

میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی چمکتی ہوئی مخمور آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور ہونٹوں پر دعوت انگیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اس کے ارادے کسی بھی طرح نیک نظر نہیں آ رہے تھے۔

میں نے نرمی سے اس کا ہاتھ پرے دھکیل دیا "میں نے غزالہ یا سلطان شاہ کے دباؤ سے نہیں، از خود شراب چھوڑی ہے۔ یہ تم ہی کو مبارک ہو بلکہ گلاس سمیت دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔ مجھے تم سے خوف آ رہا ہے۔"

"خوف!" وہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "تم بولنے پر آتے ہو تو الفاظ کے معنی تک بدل ڈالتے ہو۔ تمہارے چہرے پر آئی ہوئی غیر معمولی سرخی اس خوف کی چغلی کھا رہی ہے جو تم مجھ سے محسوس کر رہے ہو" یہ کہتے ہوئے وہ میرے برابر میں ہی مختصر سے صوفے پر براجمان ہو گئی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے میرا بازو تھام

لیا تھا۔

"تم یقین کرو کہ مجھے نیند آرہی ہے۔ شاید بلڈ پریشر بھی بڑھا ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے میرا چہرہ تمتما رہا ہوگا" میں نے بہت نرمی سے کہا "تم اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو اور مجھے بھی سونے دو۔"

اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لیا پھر میرے کان کی لو کو ہولے سے کھینچ کے بولی "میں آتش نہیں مگر آتش صفت ضرور ہوں۔ تم جانتے ہو کہ جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو بن کر مجھے خود شناسی کی کیسی کیسی بھٹیوں سے گزارا تھا..."

میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی "میں سلطان شاہ کے بے ہودہ مذاق پر شرمندہ ہوں۔ میں نے اس کی گوشمالی بھی کی ہے۔ اب تم ڈان مرسیانو کا نام لے کر مجھے مزید شرمندہ مت کرو۔"

اس نے میری پوری بات سکون سے سنی پھر کہا "میں نے اس کے مذاق کا ذرا بھی برا نہیں منایا۔ میں نے اسے سخت جواب صرف اس لیے دیا تھا کہ کہیں وہ غزالہ کے سامنے بھی ایسی کوئی بات نہ کہہ بیٹھے۔ غزالہ کے سامنے میں سربلند رہنا چاہتی ہوں"

اس نے رک کر رائل سیلیوٹ کا مزید ایک لمبا گھونٹ لیا اور اپنی بات جاری رکھی "ہاں، تو میں کہہ رہی تھی کہ من آنم کہ من دانم۔ میرے قرب سے روم کے بڈھے امرا اور جاگیرداروں تک کے چہرے تمتما اٹھتے تھے۔ تم تو ابھی نوجوان بلکہ بہت کم سن ہو۔"

"آخر تم کیا چاہتی ہو؟ مجھے کیوں تنگ کر رہی ہو؟" میں نے بے بسی سے کہا۔

"مجھ سے یہ جھوٹ مت بولو کہ تمہیں نیند آرہی ہے۔ تمہیں سلطان شاہ کے فون کے انتظار میں جاگنا ہے۔ وہ ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے حیدر آباد نہیں پہنچے گا۔ یہ وقت عیش میں گزار لو۔ تمہیں معلوم ہے کہ گیا ہوا شباب اور گزرا ہوا وقت کبھی واپس نہیں آتا۔"

ویرا نے میرا جواب سنے بغیر، اچک کر دیوار گیر سوئچ آف کر دیا اور کمرے میں اندھیرا پھیل گیا۔

"ہائیں ہائیں!" میں بوکھلا گیا کیونکہ ویرا کے گلاس سے کچھ اسکاچ چھلک کر میرے چہرے پر آرہی تھی "روشنی کرو۔ کسی بھی وقت مرادیا سلطان شاہ کا فون آسکتا ہے۔"

اندھیرے میں اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی کی آواز ابھری پھر اس نے میرے کان میں سرگوشی کی "فکر نہ کرو۔ فون کی گھنٹی کی آواز اندھیرے میں بھی بالکل صاف سنائی دیتی ہے۔"

○☆○

آدھا دن گزر گیا لیکن کہیں سے کوئی خبر نہیں ملی۔ انتظار کرتے کرتے طبیعت پر اکتاہٹ طاری ہونے لگی۔ رات گئے سلطان شاہ کے حیدر آباد پہنچنے کی تصدیق ہو چکی تھی۔ وہ بھی وہاں بیٹھا انتظار میں سوکھ رہا تھا لیکن شکایت کی کوئی گنجائش نہیں تھی کیونکہ وہ خود اپنی مرضی سے بلکہ اصرار کر کے حیدر آباد گیا تھا۔

دن میں اس سے دو مرتبہ میری بات ہو چکی تھی۔ اس دوران میں وہ ہیر آباد میں واقع صحرا نامی این جی او کے دفتر کا جائزہ بھی لے آیا تھا۔ وہ واقعی ایک اجاڑ اور خستہ حال کمرا تھا جسے ایک میز، دو کرسیوں اور ایک ناکارہ ٹیلی فون کے سہارے غیر سرکاری تنظیم کے دفتر کا نام دے دیا گیا تھا۔ وہاں بیٹھنے والا بھی دفتر کی طرح ایک مسکین سالڑکا تھا۔

جی آر کے ذریعے اول خان وہ معلومات پہلے ہی حاصل کر چکا تھا۔ سلطان شاہ کی چشم دید گواہی کے بعد میں ایک مرتبہ پھر یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ صحرا جیسی بے یارومددگار بلکہ کاغذی تنظیم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے تھے جو فورڈ فاؤنڈیشن والوں کو اس کی سرپرستی اور بھاری مالی اعانت کرنی پڑ گئی تھی۔

وہ واضح طور پر بے زرو بے گھر مگر محنتی کارکنوں کی خدمات کی خرید و فروخت کا پراسرار معاملہ تھا۔ جس میں ساری اہمیت صرف اور صرف مراد ظریف کی تھی جو اپنی نان گورنمنٹ آرگنائزیشن یا این جی او کے ذریعے آخر کار اپنے خوابوں کی مالی تعبیر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اس خبیث نے مجھ سے اگلے روز رابطہ کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر غائب تھا۔

دو بجے اول خان بھی اپنی دفتری ذمے داریوں سے فارغ ہو کر مائیکرو سینٹر آپہنچا۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے سلطان شاہ اور غزالہ کو حیدر آباد کی طرف دوڑ لگانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کی دانست میں وہ وقت کے ضیاع کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ہم حیدر آباد میں ان دونوں کی موجودگی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔

تین بجے پہلی خبر آئی جو ہم سب کے دلوں کو اداس کر گئی۔ حامد نے اسٹیشن فور سے، اول خان کو فون پر اطلاع دی کہ حیدر آباد میں نامعلوم کار سواروں نے جی آر یا غلام رسول بھمرو کو دوران سفر گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔

واقعے کی تفصیلات بہت لرزہ خیز تھیں۔ جی آر اپنی موٹر سائیکل پر لطیف آباد سے ٹھنڈی سڑک کے راستے رانی باغ کی طرف جارہا تھا کہ خاموشی سے اس کا پیچھا کرنے والی کار اس کے برابر میں آئی۔ گاڑی سے اس کی کھوپڑی پر دو فائر کیے گئے اور وہ کار برق رفتاری سے کوٹری جانے والے اسی راستے پر فرار ہو گئی۔

جی آر موٹر سائیکل سمیت سڑک پر دور تک گھسٹتا چلا گیا۔ اس واقعے کے عینی شاہدین دوڑتے ہوئے اس کی مدد کو پہنچے تو وہ ہر دیکھ بھال کی ضرورت سے بے نیاز ہو کر خالق حقیقی سے جاملا تھا۔

"جی آر کے مارے جانے سے مجھے ذاتی طور پر گہرا صدمہ پہنچا ہے۔" اول خان نے وہ تفصیل سنانے کے بعد کہا "میں نے اسے مراد ظریف کے پیچھے لگایا تھا۔ ابھی اسے اس کی خدمات کا معاوضہ بھی ادا نہیں کیا گیا تھا کہ اس کا خون ہو گیا۔"

”یہ مراد کا کام معلوم ہوتا ہے“ ویرا نے اطمینان سے کہا۔
”اس نے ابھی تک ڈینی سے رابطہ نہیں کیا۔ شاید وہ کل رات ہی حیدر آباد لوٹ گیا۔ اسے قلق تھی کہ اس کے موبائل کا نمبر ہم تک کیسے پہنچا۔ چھان بین کے بعد اسے پتا چل گیا ہوگا کہ جی آر شہر میں اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھر رہا تھا...“

”یہ سو فیصد اس کا یا اس کے آدمیوں کا کام ہے“ اول خان نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اپنا فیصلہ سنا دیا پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا ”ذرا سلطان شاہ سے کہو کہ صحرا کے دفتر کا جائزہ لے ڈالے۔ ہو سکتا ہے کہ مراد وہاں پہنچا ہو۔“

”وہ خود بے کار بیٹھے بیٹھے بے زار ہو گیا ہے۔ ایک مرتبہ وہاں کا چکر لگا چکا ہے۔ میں اسے دوبارہ وہاں بھیجتا ہوں۔ وہ بہت شوق سے جائے گا“ یہ کہہ کر میں نے بلا توقف فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

”وہ ایک دفعہ اُدھر جا چکا ہے تو اسے دوبارہ نہ بھیجو۔ وہ خطرناک لوگ ہیں۔ سلطان شاہ ان کی نظروں میں آگیا تو مشکل ہو جائے گی۔ جی آر جیسا زیرک آدمی ان سے نہیں بچ سکا تھا۔ سلطان شاہ کو خطرے میں نہ ڈالو۔“

اول خان بھی سلطان شاہ کی عزت کرتا تھا لیکن اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے سلطان شاہ کو جی آر سے کم تر تصور کیا تھا۔ میں خاموش رہا لیکن ویرا بھڑک کر بول پڑی ”خطروں سے لڑ کر زندہ رہنا ہی مردانگی ہے۔ سلطان شاہ ایسا گیا گزرا بھی نہیں ہے کہ آسانی سے مار لیا جائے، اسے وہاں ضرور بھیجو۔“

پچھلی رات ویرا نے مجھے ہلکان کیے رکھا تھا۔ وہ نشے کی ترنگ میں اور دیر تک جاگنے کے موڈ میں تھی۔ طرح طرح کے حیلوں، طریقوں اور اپنائیت سے مجھے تنگ کرتی رہی پھر آسودہ ہو کر گہری نیند سو گئی۔ اس وقت وہ سلطان شاہ کا یوں دفاع کر رہی تھی جیسے وہ اس کا مرد ہو اور اس کی مردانگی ویرا کے لیے عزت کا معاملہ ہو۔ وہ کسی کی سمجھ میں نہ آنے والی ایک پہیلی تھی۔

وہ ہوٹل کا فون تھا۔ لائن پر آپریٹر کی موجودگی کی وجہ سے میں اس سے کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ نمبر ملاتے ملاتے مجھے خیال آیا کہ میں دو مختلف آپریٹروں کے ذریعے سلطان شاہ سے بات کر چکا تھا اور لب و لہجے سے دونوں سندھی معلوم ہوئے تھے۔ وہ اردو اور انگریزی ضرور بول سکتے تھے لیکن پشتو زبان کو سمجھنا ان کے بس سے باہر تھا۔

میں نے جلدی سے ریسیور اول خان کو تھما دیا اور کہا ”اسے پشتو میں پوری بات سمجھا دینا۔“

اول خان ذہین آدمی تھا۔ فوراً بات کی تہ تک پہنچ گیا۔ لائن ملنے پر اس نے آپریٹر سے سلطان شاہ کا کمرا مانگا اور پھر پشتو میں بولنا شروع کر دیا۔ میری طرح ویرا پشتو سے نابلد نہیں تھی۔ ہیروئن کی خرید و فروخت کے لیے پاکستان کے شمالی علاقوں کے بار بار کے سفر

نقصان

آفاقی صاحب لندن کے ایک ہوٹل میں ٹھہرے تو ایک شام ہوٹل کا مالک گپ شپ کرتے ہوئے خاصے غمزدہ لہجے میں انہیں بتانے لگا ”کاروبار بہت مندا جا رہا ہے.... میں تو اس ہوٹل کی طرف سے فکرمند ہو چلا ہوں۔“

”لیکن مجھے تو ہمیشہ آپ کے ہاں ایڈوانس بکنگ کرانی پڑتی ہے اور . . میں آتا ہوں تو باہر ”نو ویکنسی“ کا بورڈ لگا رہتا ہے“ آفاقی صاحب نے قدرے حیرت سے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے....“ مالک ٹھنڈی سانس لے کر بولا ”لیکن پہلے ہمارے ہاں سے روزانہ کم از کم چالیس پچاس افراد کمرا نہ ملنے پر مایوس واپس جایا کرتے تھے۔ اب صرف پندرہ بیس واپس جاتے ہیں۔“

میں اس نے اس زبان پر خاصی قدرت حاصل کر لی تھی جو اس کے کام آتی تھی۔

اول خان کی گفتگو زیادہ طویل نہیں تھی لیکن ریسیور رکھتے ہوئے وہ مطمئن تھا کہ اس نے سلطان شاہ کو متوقع خطرات سے پوری طرح آگاہ کر دیا تھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ ٹھنڈی سڑک پر ایک موٹر سائیکل سوار کے قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل چکی تھی مگر سلطان شاہ کو یہ علم نہیں تھا کہ مارا جانے والا اول خان کا مخبر جی آر تھا۔

ہم اس نئے اقدام کے بارے میں گفتگو کر ہی رہے تھے کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

”بوب رافیل کے کیریئر کی بربادی کے بعد سے تم کہاں غائب ہو؟“ دوسری طرف سے کسی تمہید کے بغیر سوال کیا گیا اور آئی بی کے جلال کی آواز پہچان کر میرا دل خوش ہو گیا۔ مراد ظریف کے بارے میں وہ ہماری کوئی نہ کوئی مدد کر سکتا تھا۔

”وہ پرسوں کی بات ہے۔ ہمارے رابطے کو اتنے زیادہ دن تو نہیں ہوئے!“

”یہاں اب تک تمہارے چرچوں کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ طبیعت خوش ہوتی ہے کہ تم میرے ذاتی دوست ہو۔“

”ڈپلومیسی چھوڑ کر یہ بتاؤ کہ اس وقت کیسے یاد کیا ہے؟“ میں نے ہنس کر کہا۔

”مراد ظریف نام کا ایک آدمی میرے اسٹاف کی نظروں میں آیا مگر پھر جل دے کر نکل گیا۔ میں اس کے بارے میں بہت فکرمند

ہوں۔ اگر ہو سکے تو تم اس بارے میں کوئی خیر خبر نکالنے کی کوشش کرو" جلال فوراً مطلب کی بات پر آگیا۔

میں اس اتفاق پر دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ میں اس سے امید باندھے بیٹھا تھا اور وہ مراد کے بارے میں مجھ سے مدد کا خواہاں تھا۔ میں نے سرسری لہجے میں پوچھا۔ "یہ پاکستان کے کس شہر کا قصہ ہے؟"

"تم کراچی میں بیٹھے ہوئے ہو۔ میں وہاں کے علاوہ کس شہر کی بات کر سکتا ہوں۔"

"شاید تم بہت اختصار سے کام لے رہے ہو۔ میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہوں گا کہ تمہیں اپنے مطلوبہ شخص کے نام کا علم کیسے ہوا؟ ایسا تو نہیں کہ تمہیں کوئی دھوکا ہوا ہو؟"

"ذرا لمبی لیکن دلچسپ کہانی ہے۔ بوب رائفل کا قصہ نمٹنے کے بعد ہم نے کراچی میں جان اسمتھ کی سخت نگرانی شروع کردی تھی" دوسری طرف سے جلال بتانے لگا "وہ پورے جنوب مشرقی ایشیا کے ساتھ ایران اور افغانستان میں جاری سی آئی اے آپریشنز کا نگراں ہے اور اسلام آباد کے بجائے نہایت خاموشی سے کراچی میں دبکا ہوا بیٹھا ہے۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ وہ پاکستان اور خاص طور پر کراچی میں اتنی گہری دلچسپی کیوں لے رہا ہے اور اس کے عزائم کیا ہیں؟"

"اول خان کا خیال ہے کہ اسلام آباد میں آئی بی اور آئی ایس آئی کا نیٹ ورک بہت مضبوط اور فعال ہے۔ جان اسمتھ کو ان دونوں اداروں کے عقابوں سے بچانے کے لیے کراچی میں مامور کیا گیا ہے۔"

"صرف یہ سبب نہیں ہو سکتا۔ پوری بات سن کر تم بھی مجھ سے متفق ہو جاؤ گے۔"

"میرا سوال رہ گیا۔ اس وقت میرے لیے مراد ظریف ہر شخص سے زیادہ اہم ہے۔"

"میں اسی طرف آرہا ہوں۔ یہاں کے حالات کی وجہ سے امریکی سفارت کاروں کی نقل و حرکت بہت محدود کردی گئی ہے۔ انہیں اجنبی مقامیوں سے ہر قیمت پر دور رہنے کی ہدایت دی گئی ہے لیکن کل رات، دفتری اوقات کے بعد ایک پاکستانی، امریکی قونصل خانے پہنچا تھا۔ اس وقت جان اسمتھ اپنے دفتر میں مصروف تھا۔ وہ پاکستانی جان اسمتھ سے ملنے کے بعد ٹیکسی سے واپس روانہ ہوا تو میرے آدمی نے اس کا پیچھا کیا۔ صدر کی بھیڑ بھاڑ سے گزرنے کے بعد ایم اے جناح روڈ پر میرا آدمی ٹیکسی کے قریب پہنچا تو وہ خالی تھی۔"

میں دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا "وہ راستے میں دروازہ کھول کر کہیں اتر گیا ہوگا؟"

"ہاں! ڈرائیور نے بتایا کہ محبوب کلاتھ مارکیٹ والے سرخ سگنل پر وہ ڈرائیور کو سو روپے کا نوٹ تھما کر اچانک ہی رکے ہوئے ٹریفک میں اتر گیا۔ ڈرائیور نئے مسافر کی تلاش میں آگے نکلتا چلا گیا۔"

"یہ کیسے پتا چلا کہ اس پاکستانی کا نام مراد ظریف تھا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"قونصل خانے کے سیکیورٹی رجسٹر میں اس کے نام کا اندراج ہے۔ وہ صرف اٹھارہ منٹ بعد وہاں سے نکل آیا تھا۔ ان کے سیکیورٹی اسٹاف میں ہمارے آدمی بھی موجود ہیں۔ ہر سفارتی عمارت میں سرکاری طور پر ہمارے کچھ نہ کچھ آدمی ضرور شامل ہوتے ہیں۔ عام طور پر انہیں ریکارڈ وغیرہ سے دور اور الگ تھلگ رکھنے کی کوششیں کی جاتی ہیں لیکن گیٹ پوسٹ پر موجود سیکیورٹی رجسٹر کو کہیں بھی زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ پتا نہیں مراد کون تھا اور وہاں کیوں گیا تھا؟"

"مراد، صحرا نامی ایک این جی او کا سربراہ بلکہ مالک ہے جو کچھ عرصے پہلے تک کوچہ نوردی کرتا تھا۔ اب اچانک مالا مال ہو گیا ہے۔ میں خود بھی کل سے اسی کے چکر میں ہوں۔"

میرا وہ انکشاف جلال کے لیے ناقابلِ یقین حد تک حیرت انگیز ثابت ہوا۔ وہ یہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا کہ اس کے ایک پیچیدہ ترین سوال کا جواب میرے پاس پہلے سے تیار تھا۔ میں نے اسے اپنی جملہ معلومات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

"وہ واقعی بہت مخلص اور محنتی انفار مر تھا" جی آر کے قتل کی خبر سن کر جلال نے اسے کھلے دل سے خراجِ تحسین پیش کیا "وہ کئی بار ہمارے لیے بھی کام کر چکا تھا۔ اس کی کارکردگی ہمیشہ قابلِ رشک ہوا کرتی تھی۔"

"اب مراد کی گردن پر ایک خون بھی ہے۔ میں اس کا منتظر ہوں لیکن تمہاری کہانی سننے کے بعد مجھے پورا یقین ہے کہ اب وہ بھول کر بھی مجھ سے رابطہ نہیں کرے گا۔ اس کی اصل ڈور جان اسمتھ کے ہاتھ میں آگئی ہے۔"

"تمہارے دام میں آتے آتے وہ پھسل کر اِدھر کیسے نکل گیا؟" جلال متحیر تھا۔

"بظاہر مجھ پر اعتبار کرنے کے باوجود وہ میری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے کسی ناپاک منصوبے پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس دور تک کی متبادل ہدایات موجود رہی ہوں گی۔ مقبول چوہدری سے رابطہ مشکوک ہونے یا ٹوٹ جانے کی صورت میں جان اسمتھ اس کا نگراں مقرر کیا گیا ہوگا۔ اس نے وہاں پہنچ کر میری اور اپنی گفتگو دہرائی، جان نے اسے خاموشی سے لوٹ جانے کی ہدایت دی اور وہ حیدر آباد چلا گیا۔"

"میرے فون سے تمہیں یہ فائدہ تو ہوا کہ اب تمہیں اس مردود کا انتظار نہیں رہے گا۔ تم نے اس کے خلاف کافی مواد فراہم کردیا ہے۔ تم اپنا کام کرتے رہو۔ ہم اپنے طریقے سے اسے گھیرتے

ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے اسے کیا کام سونپا ہے اور مراد کو اس میں کتنی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

وہ جلال کا پیشہ ورانہ اخلاق تھا کہ اس نے مجھ سے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ہمیں صحرا اور فورڈ فاؤنڈیشن یا فریڈم انٹرنیشنل کے رابطوں کا سراغ کیسے ملا؟

"ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے اب ہماری لڑائی صرف این جی اوز کے خلاف رہ گئی ہو" میں نے کہا "فریڈم انٹرنیشنل کے بعد اب صحرا کا نام سامنے آیا ہے۔ پتا نہیں ابھی ایسے کتنے ادارے نقابوں میں چھپے ہوئے ہیں۔"

"سب کچھ کل ہی سامنے آگیا ہوتا۔ بدقسمتی آڑے نہ آتی تو اسے جان اسمتھ سے ملنے کی مہلت ہی نہیں ملتی اور وہ اس وقت تمہارا قیدی بنا ہوا ہوتا۔ تم نے اسے بہت خوبصورتی سے گھیر کر مائیکرو سینٹر تک بلالیا تھا۔ وہاں اپنا ایک آدمی کھو دینے کے بعد وہ آج دوبارہ اُدھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔"

میں نے اسے جزئیات نہیں بتائی تھیں، موٹے موٹے واقعات سنا دیے تھے۔ ان کو جانے بغیر وہ اندازہ ہی نہیں لگا سکتا تھا کہ مراد ظریف کیسے نازک حالات میں نکل بھاگا تھا۔ اگر مجھے پہلی بار صحیح اندازہ ہو گیا ہوتا کہ وہ مقبول چوہدری کی عمارت میں موجودگی کا یقین کیے بغیر مائیکرو سینٹر میں قدم نہیں رکھے گا اور میں اسی وقت آواز بدل کر اسے مطمئن کر دیتا تو بہت کچھ ٹالا جا سکتا تھا لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ وہ میری غلطی نہیں تھی بلکہ حالات کے شدید دباؤ کا منطقی نتیجہ تھا۔

گنتی کے اعتبار سے عمارت کے اندر سات افراد موجود تھے، حامد اپنے چار آدمیوں کو لیے باہر تیار تھا مگر فیصلہ کرنے کی ساری ذمّے داری صرف میری تھی۔ سات بجنے سے چند منٹ پہلے تک مجھے پورا یقین تھا کہ مراد میرے جال میں پھنسنے والا تھا۔ مجھ سے اس کی ذہانت کا اندازہ کرنے کی غلطی ضرور سرزد ہوئی تھی۔ وہ اس قدر مکار تھا کہ اس نے اپنے مسکن سے کراچی کی راہ اختیار کرنے سے پہلے ہی اپنی معروف پیجیرو کو خیرباد کہہ کر دوسری گاڑی سنبھال لی تھی۔ آخری لمحات سر پر آنے سے پہلے یہ معلوم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ اس کے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی تھی اور وہ کن تیوروں کے ساتھ ہمارے مقابل آنے والا تھا۔

ایک دوسرے کو تازہ ترین تبدیلیوں سے بروقت باخبر رکھنے کے وعدوں کے ساتھ وہ گفتگو ختم ہو گئی۔

"اس وقت صرف جان اسمتھ ہمارے سامنے ہے" میں نے فون بند کرنے کے بعد خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"اسے ہرگز نہ چھیڑنا" اول خان میری خود کلامی پر چونک کر بول پڑا "درونِ خانہ سازشیں ہر وقت چلتی رہتی ہیں۔ جب تک امریکی، رابن مائریا بوب رافیل کے کیس کی طرح کھل کر سامنے نہیں آتے، ہمیں ان سے دور رہنا ہوگا۔ یہ اسپیشل ٹاسک فورس کی موجودہ پالیسی ہے اور اس پر سختی سے عمل کیا جائے گا۔"

"جب ایس ٹی ایف کے ہاتھ باندھ دیے گئے ہیں تو تم دوسروں کے بارے میں خود اندازہ لگا سکتے ہو" اس بار وریا بولی تھی۔ "جان اسمتھ کی نگرانی ہوتی رہے گی۔ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو سکے گی۔"

"میں ایک حقیقت دہرا رہا تھا۔ میں خود بھی جانتا ہوں کہ امریکی افسروں کو اتنے تسلسل سے نشانہ بنانے کے لیے کتنے سنگین مضمرات ہو سکتے ہیں۔ اس وقت مسائل میں اضافہ کرنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"بس اپنی پوری توجہ مراد ظریف پر مرکوز کر دو۔ وہ بہت سفاک اور خونی دشمن ہے۔ اس نے چوبیس گھنٹے پورے ہونے سے پہلے جی آر کو قتل کر کے دھنی رام کا بدلہ لے لیا ہے۔ اب اس کی رسّی دراز نہیں ہونی چاہیے" اول خان نے کہا۔

"سوا چار بج رہے ہیں" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے تشویش ظاہر کی "ابھی تک سلطان شاہ کی طرف سے کوئی فون نہیں آیا۔ اسے گئے ہوئے خاصی دیر ہو چکی ہوگی۔"

"کیا اس کا ہوٹل ہیر آباد سے قریب ہے؟" اول خان نے نرم آواز میں پوچھا۔

"ہاں، رسالہ روڈ پر کینٹ کے علاقے میں ہے۔ اسے اب تک لوٹ آنا چاہیے تھا۔"

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور میری تشویش میں اضافہ ہوتا رہا۔ میں نے کئی مرتبہ سوچا کہ حیدر آباد فون کروں مگر پھر یہ سوچ کر ارادہ ملتوی کر دیا کہ میرے فون سے غزالہ کی پریشانی بڑھ جائے گی۔ سلطان شاہ کے نکل جانے کے بعد وہ کمرے میں اکیلی رہ گئی ہوگی۔ میری ذرا سی فکرمندی اسے سنگین اندیشوں میں مبتلا کر دے گی۔

ساڑھے چار سے ذرا پہلے فون کی گھنٹی بول اٹھی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے براہِ راست غزالہ کی رندھی ہوئی آواز آئی "سلطان شاہ کو گئے ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت ہو گیا ہے۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ اسے کہاں تلاش کروں؟"

"تم اس وقت کہاں ہو؟" میں نے ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے، رسانیت سے پوچھا۔

"ہوٹل کے کمرے سے کھل کر بات نہیں کر سکتی تھی اس لیے لابی کے کارڈ فون پر ہوں" میری آواز سن کر اس کے الفاظ بکھرنے لگے۔

"خود پر قابو رکھو اور کمرے میں جانے کے بجائے خاموشی سے ہوٹل چھوڑ دو" میں نے اسے حوصلہ دلانے کے لیے سختی سے کہا۔ "جیل روڈ پر پہنچ کر کوئی بس پکڑو اور سیدھی کراچی آ جاؤ!"

"اور سلطان شاہ؟" اس کی آواز میں گھبراہٹ اور اضطراب

س تھا۔
''فی الحال اسے بھول جاؤ اور خود کو بچانے کی کوشش کرو۔
ید وہ کہیں پھنس گیا ہے۔''
''صبح وہ گیا تھا تو آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت میں جائزہ لے کر
یا تھا۔''
''اسے دیکھ لیا جائے گا۔ تم وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔
راز جلد کراچی پہنچنے کی کوشش کرو تاکہ ہم یک جا ہو کر سلطان شاہ
لیے کچھ کر سکیں۔ اس کے لیے ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔''
''اگر وہ دیر سے آیا تو مجھے نہ پا کر پریشان ہو جائے گا'' غزالہ
طان شاہ کی فکر میں گھلی جا رہی تھی۔
''وہ سمجھ دار آدمی ہے۔ فوراً کراچی فون کرے گا اور اس کی
س ہو جائے گی مگر تم وقت برباد مت کرو۔ یہ سمجھ لو کہ وہ کہیں
س چکا ہے۔ تو اس پر کیا گزر رہی ہوگی۔'' میں نے ایک ایک لفظ
ور دے کر کہا۔
''ٹھیک ہے' میں آپ کی ہدایت پر عمل کرنے جا رہی ہوں۔
رے....'' باقی الفاظ غزالہ کے حلق میں گھٹ کر رہ گئے اور فون کا
سلہ یکایک منقطع ہو گیا۔
''صبح سلطان شاہ آدھے گھنٹے میں لوٹ آیا تھا' اب غائب
۔ میں نے غزالہ کو بس سے کراچی بلا لیا ہے'' میں نے جذبات
ے عاری لہجے میں اعلان کیا ''خدا کرے کہ وہ صحیح سلامت ہو۔''
''ذرا سی دیر میں یہ تیسری بُری خبر ہے'' اول خان نے اپنی
یاں مروڑتے ہوئے کہا ''پہلے جی آر کے قتل کی خبر آئی پھر جلال
بتایا کہ پچھلی رات مراد دوبارہ جل دے کر نکلنے میں کامیاب
یا' اب سلطان شاہ غائب ہے۔ یہ میرا قصور ہے۔ میرے کہنے پر
نے اسے صحرا کے دفتر کی مزید دیکھ بھال کے لیے بھیجا تھا۔''
''تمہارا نہیں' یہ میرا قصور ہے'' ویرا کا چہرہ بھی مایوسی سے
گیا ''تم نے منع کر دیا تھا مگر میں نے ڈینی سے اصرار کیا تھا۔ پھر
ت کو بھی میں نے جانے سے پہلے اسے دعا نہیں دی تھی۔ مجھے
پتا تھا کہ یہ ہو جائے گا۔''
''ہمیں بعد میں بھی اپنے گریبانوں میں جھانکنے کا موقع ملتا
ہے گا'' میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے اپنی جیب سے ایک کاغذ
ا اور اول خان کی طرف بڑھا دیا ''یہ چار نام اور فون نمبر ہیں۔
میں سے ایک کراچی میں ہے۔ مجھے جلد از جلد اس کا پتا درکار
۔''
اول خان نے اس کاغذ پر سرسری نظر دوڑائی اور مجھ سے کچھ
چھے بغیر فون کی طرف بڑھ گیا۔
وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے وجود میں انتقام کا جوالا
ی زور پکڑتا جا رہا تھا اور میری طبیعت چاہ رہی تھی کہ اپنے
منے آنے والی ہر رکاوٹ کو اپنی مٹھیوں میں پیس کر ریزہ ریزہ
دوں مگر میں برداشت سے کام لیتا اور سگریٹیں پھونک کر
کمرے میں چہل قدمی کرتا رہا۔ مجھے امید تھی کہ غزالہ خیریت کے ساتھ کراچی پہنچ جائے گی مگر سلطان شاہ کی طرف سے میرا ذہن مایوسی کا شکار تھا۔

اول خان کو دیے جانے والے چاروں نام پہلے سے میرے پاس موجود تھے۔ وہ نام اور فون نمبر میں نے اکرم الٰہی کی بنائی ہوئی فائل سے حاصل کیے تھے۔ فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے ان چاروں کو مراد کا طاقت ور حامی اور سرپرست قرار دیا تھا۔

جب تک مراد کے ہاتھ آنے کی امید باقی تھی' میں نے ان چاروں میں سے کسی کو نہیں چھیڑا تھا کہ کہیں وہ مراد کو ہوشیار نہ کر دیں لیکن سلطان شاہ کے غائب ہو جانے کے بعد اگر اور مگر کی وہ تمام رکاوٹیں دور ہو چکی تھیں۔ میں نے پوری طاقت کے ساتھ ان میں سے پہلے آدمی کی گردن ناپنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی تو میری پُرامید نظر اس کی طرف اٹھی کہ کہیں وہ سلطان شاہ کی کال نہ ہو۔ اول خان نے فون پر بات کی تو میری اس امید پر اوس پڑ گئی۔ وہ کسی سے پتا لے رہا تھا۔

وہ ناظم آباد کا پتا تھا۔ چمن علی نامی وہ شخص ناظم آباد کے بلاک نمبر چار میں رہتا تھا۔

پتا لینے کے بعد میں سوچ میں پڑ گیا۔ شام کے پانچ بجے کسی بھی ملازمت پیشہ یا کاروباری شخص کا اپنے گھر پر موجود ہونا غیر یقینی تھا جب کہ میں اپنے شکار کی موجودگی کا پورا یقین کر لینے کے بعد ہی اس کی کمین گاہ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

کراچی میں رات کے بارہ بجے کے بعد ہی یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ لوگ اپنے گھروں میں ہوں گے۔ میرے لیے وہ طویل انتظار ممکن نہیں تھا۔ اگر سلطان شاہ زندہ تھا اور مراد کی قید میں تھا تو اس کے لیے ہر گزرتا ہوا لمحہ ایک عذاب سے کم نہیں تھا۔

میں سوچتا رہا اور میرے ذہن میں وسوسے سر ابھارتے رہے۔ چمن علی' عیال دار بھی ہو سکتا تھا۔ وہ کتنا ہی بدکردار اور سازشی ہو' اس کے اہلِ خانہ کے ساتھ بدسلوکی میرے لیے قابلِ قبول نہیں تھی۔ ان سب کی موجودگی میں چمن سے زیادہ پرتشدد بازپرس بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ بس ایک ہی صورت تھی کہ اسے گھر سے اٹھا لیا جاتا۔

''تم خاموشی سے مسلسل کیا سوچے جا رہے ہو؟'' اول خان نے مجرمانہ احساس کے ساتھ سوال کیا۔

''اس وقت سلطان شاہ کی بازیابی کے سوا اور کیا سوچا جا سکتا ہے؟''

''چمن علی کا نام تم نے اکرم الٰہی کی فائل سے نوٹ کیا ہے؟''

''پرچے پر لکھے ہوئے چاروں نام اسی فائل سے لیے گئے ہیں۔ میں وقت ضائع کیے بغیر اس پر ہاتھ ڈالنا چاہتا ہوں۔ ضروری نہیں کہ وہ اس وقت اپنے گھر پر موجود ہو۔ اسے کیسے تلاش کیا جائے؟''

"صدمے سے تمہارا ذہن ماؤف ہو رہا ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔"

اول خان نے وہی کیا جو میرے ذہن کے کسی گوشے میں کلبلا رہا تھا مگر ابھر کر سامنے نہیں آرہا تھا۔ اس نے چمن علی کے لاہور سے آئے ہوئے دوست کے فرضی نام سے اس کے گھر فون کیا تو پتا چلا کہ علالت کی وجہ سے وہ اس روز اپنے گھر پر ہی موجود تھا۔ فون اٹھانے والی خاتون نے چمن سے بات کرانے کی پیشکش کی مگر اول خان نے اگلے روز رابطہ کرنے کا وعدہ کر کے فون بند کردیا۔

"زیادہ بھیڑ بھاڑ کی ضرورت نہیں، بس دو آدمی کافی رہیں گے" میں نے اول خان سے کہا "ویرا گھر پر رک کر غزالہ کی واپسی کا انتظار کرے گی۔ وہ سات بجے کے بعد کسی بھی وقت مائیکرو سینٹر پہنچ سکتی ہے۔"

اول خان نے بتایا کہ اکبر علی کے زخم کی حالت بہتر تھی اور وہ تھوڑا بہت چلنے پھرنے کے قابل تھا۔ اس کی رائے تھی کہ احتیاطاً ہم دونوں دلیر خان کو بھی اپنے ساتھ لے لیں تو بہتر رہے گا۔ میں نے اس کی وہ تجویز قبول کرلی اور ہم تینوں اول خان کی گاڑی میں فوری طور پر ناظم آباد کی طرف روانہ ہوگئے۔

چمن کو اس کے گھر سے لانے کے لیے ہمارے ذہن میں کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ بس یہ طے تھا کہ اسے ہر قیمت پر وہاں سے نکال لے جانا ہے۔ طریقہ کار اس سے ملنے کے بعد طے کیا جاتا۔ یہ بات ہم دونوں ہی سمجھ رہے تھے کہ وہ جس مزاج کا مالک ہو، آسانی سے اپنا گھر چھوڑ کر ہمارے ساتھ جانے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ فورڈ فاؤنڈیشن کے نامزد کیے ہوئے مراد کی سخت جانی اور فطینی کا مظاہرہ ہم دیکھ چکے تھے۔ بقیہ چاروں کے بارے میں بھی میں نے اسی قسم کا اندازہ قائم کیا تھا۔

ناظم آباد کے بلاک نمبر چار میں بیشتر مکان بڑے رقبے پر آباد ہیں مگر وہاں چھوٹے مکان بھی موجود ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ چمن کا گھر ایک چھوٹے پلاٹ کی زیریں منزل پر تھا۔ دلیر اور اول خان کو گاڑی میں چھوڑ کر میں نے ہی نیچے اتر کر ڈور بیل بجائی تھی۔ جواب میں بھاری بدن کی ایک متوسط عمر والی خاتون نے دروازہ کھولا اور استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔

"میجر اسد!" میں نے خشک لہجے میں کہا "ہم چمن علی سے ملنے آئے ہیں۔"

عورت کے چہرے پر پریشانی کے آثار ابھر آئے اور اس نے کہا "آپ ٹھہریں، میں انہیں بتاتی ہوں۔"

"بتانے کی ضرورت نہیں۔ آپ راستہ دے دیں۔ ہم خود انہیں بتادیں گے، معاملہ کچھ سنگین ہے۔" میں نے نہایت بے رخی سے کہا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر سلطان شاہ کا اذیت میں ڈوبا ہوا چہرہ ناچ رہا تھا۔

"یہ گھر ہے۔ یہاں فیملی رہتی ہے۔ کیا چمن کوئی مجرم ہیں آپ اس طرح پیش آرہے ہیں۔"

میرے جواب دینے سے پہلے اندر سے ایک بھاری مردا آواز ابھری "کون ہے؟ کیا بات ہے؟"

"کوئی میجر اسد ہیں۔ گھر میں آنا چاہتے ہیں" عورت نے پلٹ کر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اسی اثنا میں کرتے شلوار میں ملبو ایک صحت مند شخص عورت کو ہٹا کر میرے سامنے آگیا۔ چہر مہرے سے وہ تعلیم یافتہ معلوم ہو رہا تھا۔

"تم چمن علی ہو؟" میں نے سوال کیا۔ اس کا سر اثبات میں ہلتے ہی میں نے اپنی بات پھر شروع کردی "تمہیں پوچھ گچھ کے لیے ہمارے ساتھ چلنا ہے۔ کوئی ہنگامہ کیے بغیر خاموشی سے گاڑی میں آجاؤ۔"

"ہائے میرے خدا!" میری وہ ہدایت سنتے ہی چمن کے پیچھے کھڑی ہوئی عورت تقریباً چیخ پڑی۔

"بیگم! تماشا مت بناؤ" چمن نے پلٹ کر غصے اور بوکھلاہٹ میں اپنی بیوی کو ڈانٹا "مجھے بات کرنے دو..."

"بات یہاں نہیں، ہمارے دفتر میں ہوگی۔ یہاں تم واقعی تماشا بن جاؤ گے۔"

موسم خوشگوار ہونے کے باوجود چمن کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئیں "سس.... سر! آپ کچھ تو بتائیں کہ میرا قصور کیا ہے؟ مجھے کس سلسلے میں لے جانے کی ضرورت پیش آرہی ہے؟" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"فورڈ فاؤنڈیشن سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"ان کے اسکالرشپ پر میں نے ورجینیا سے ایم بی اے کیا تھا۔ یہ برسوں پرانی بات ہے۔"

میرے ذہن میں کڑیاں مل گئیں۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کا پرانا نمک خوار تھا۔ ورجینیا میں سی آئی اے کا ہیڈ کوارٹر موجود تھا۔ شاید دوران تعلیم ہی اس کے رجحانات دیکھ بھال کر اسے فاؤنڈیشن کی لسٹ پر لے لیا گیا تھا۔ میں نے اسے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر تیزی سے اگلا سوال کیا "مراد ظریف کو جانتے ہو؟"

مراد کا نام سنتے ہی اس کا چہرہ تاریک پڑ گیا "اندر آجائیں۔ میں آپ کے ہر سوال کا جواب دینے کو تیار ہوں۔"

بس لمحہ بھر کے لیے مجھے اس پر رحم آیا پھر میرا دل سخت ہوگیا۔ سفید پوش طبقے کے بہت سے لوگ عبرت ناک امکانات کے بارے میں سوچے سمجھے بغیر کسی چھوٹی موٹی خود غرضی کے لیے جرائم کی دلدل میں اتر جاتے ہیں اور بظاہر موج کرتے رہتے ہیں لیکن جب ان کے اعمال کا نتیجہ سامنے آتا ہے تو عزت کو خاک میں ملتا دیکھ کر ان کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔"

میں نے اول خان کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں تیار بیٹھے ہوئے

ے۔ فوراً ہی گاڑی لاک کر کے آ گئے۔

چمن کی بیوی دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ تھامے پھٹی پھٹی نکھوں سے ہمیں دیکھتی رہی اور ہم تینوں، چمن کے پیچھے اس کے رائنگ روم میں داخل ہو گئے جو مختصر لیکن گھر کی طرح صاف ستھرا ر قرینے سے آراستہ تھا۔ دلیر خان، اول خان کے اشارے پر باہر س گیا اور حاضر باش کی حالت میں ڈرائنگ روم کے داخلی روازے کے باہر کھڑا ہو گیا۔ ہم دونوں اندر صوفوں پر بیٹھ گئے۔

"مزید گفتگو ہونے سے پہلے میں اپنا اجمالی تعارف کرا دوں" ن نے اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کرتے ہوئے پرتشویش اور عذرت خواہانہ لہجے میں کہا "میں شریف اور عزت دار پاکستانی ں اور ایک غیر ملکی بینک میں اچھے عہدے پر ملازم ہوں..."

"تمہاری شرافت اور عزت کی شہرت ہی ہمیں تمہاری دہلیز پر ئی ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کے درشتی سے کہا "ان زیروں کے بجائے اصل معاملے کی طرف آؤ۔ ہمارا وقت برباد ت کرو۔"

اس نے رحم طلب اور قدرے نم ناک آنکھوں سے میری رف دیکھا اور بولنے لگا "سب کچھ میری نیک نیتی سے شروع ہوا مگر اب مجھے علم ہوا کہ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ مراد عاملات کو بہت غلط اور خطرناک رخ پر لے جا رہا ہے۔"

"رکے بغیر تفصیلات بتاتے چلے جاؤ ورنہ ہم تمہیں اٹھا لے ئیں گے" میں نے اسے ٹوکا۔

"میں امریکا میں تعلیم کے دوران میں فورڈ فاؤنڈیشن کی ہیومن ئٹس کمیٹی کا سرگرم رکن تھا۔ گریجویشن، ماسٹر اور پھر دو سالہ زمت سمیت میں نے امریکا میں عزت اور خوش حالی کے چھ سال ارے پھر پاکستان آ گیا۔ یہاں فورڈ فاؤنڈیشن کی سفارش پر مجھے یڈم انٹرنیشنل کی اعزازی رکنیت مل گئی۔ میں کبھی کبھی ان کے لاسوں میں شریک ہوتا اور چندہ بھی دیتا رہا۔ انہوں نے مجھے یت تحریر و تقریر کے شعبے کا نگراں مقرر کر دیا۔ یہ میرا پسندیدہ ضوع تھا۔ اب سے کوئی آٹھ ماہ پہلے اکرم الٰہی نے مراد ظریف ے میرا تعارف کرایا۔ وہ پڑھا لکھا اور پرجوش نوجوان ہے۔ جو رکے بھوکے، پیاسے اور پس ماندہ باشندوں کے لیے بہت کچھ ر گزرنا چاہتا ہے۔ میں اسے اَن پڑھ لوگوں کے لیے آسان اردو ں اسکرپٹ لکھ کر دیتا رہا تاکہ ان میں بیداری کی لہر پیدا ہو۔ مجھے ھ ہی عرصے پہلے پتا چلا ہے کہ مراد نے ان اسکرپٹس کو پس منظر نٹری بنا کر ایسی فلمیں بنا ڈالیں جو دیہاتیوں میں شہری بالادستی کے اف نفرت پیدا کرتی ہیں۔ تھر میں پانی کی بوند بوند کو ترستے ہوئے ب جب اسکرین پر کراچی کے بڑے بڑے بنگلوں کے لان کی رابی اور قیمتی گاڑیاں دھلنے کے مناظر دیکھتے ہیں تو ان سے نفرت سوس کرتے ہیں۔ وہ اس طرح تھر میں بغاوت کی فضا پیدا کرنے ر توڑ کوششوں میں لگا ہوا ہے۔ اب میں مجبور ہو کر اس کے مطالبوں کے مطابق اسکرپٹ لکھتا ہوں۔ نادانی میں کی جانے والی غلطی اب میری مجبوری بن چکی ہے۔"

"مراد حیدر آباد میں کہاں مل سکتا ہے؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "مجھے صحیح علم نہیں ہے۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کتنے بڑے چکر میں پھنس چکے ہو۔ یہ واقعی ریاست سے بغاوت کا کیس ہے۔ تم نے زبان نہ کھولی تو تمہاری ساری عزت اور خوش حالی خاک میں مل جائے گی" اول خان نے اسے سمجھایا۔

"وہ بہت سفّاک آدمی ہے۔ ہر وقت خون اور غارت گری کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ وہ میرا گھر اجاڑ دے گا۔"

"تم اپنی زبان بند رکھو گے اور اسے ہمارے بارے میں نہیں بتاؤ گے تو محفوظ رہو گے!"

اچانک اندرونی دروازے سے اس کی بیوی ڈرائنگ روم میں آ گئی اور اپنا دوپٹا پھیلا کر چمن کے سامنے گڑگڑائی "تم سب کچھ بتا کیوں نہیں دیتے؟ ان شریف افسروں نے تم پر احسان کیا ہے تو ہر بات بتا دو۔ مجھے کیا پتا تھا کہ اتنا پڑھ لکھ کر بھی تم ایسی حرکتیں کرتے پھر رہے ہو۔ تم تو اپنے ساتھ ہم سب کو لے ڈوبو گے۔" اس نے باقاعدہ بین کرنا شروع کر دیا۔

وہ فضا مکدّر کر رہی تھی لیکن میں نے اسے نہیں روکا۔ چمن کے لیے بیوی کے آنسو اور فریادی فقرے زیادہ اثر انگیز ہو سکتے تھے۔ چمن نے گھبرا کر اسے خاموش کرانا چاہا لیکن اس نے اپنے شوہر کو گریبان سے جھنجوڑ ڈالا۔

"وہ آج کل حیدر آباد میں ہوتا ہے تو ہیر آباد میں گوپال چند کے گھر پر رہتا ہے" آخر کار چمن نے زبان کھول ہی دی۔

گوپال چند کا نام بھی اکرم الٰہی کے جمع کیے ہوئے کاغذوں میں موجود تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ چمن نے ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ ناگہانی افتاد کے سامنے حوصلہ ہار بیٹھا تھا اور وہی ہماری کامیابی تھی۔

اسے گوپال چند کے گھر کا پتا معلوم نہیں تھا مگر وہ گھر اس کا دیکھا ہوا تھا۔ اس نے نشانیوں کے ذریعے اتنی رہنمائی کر دی کہ ذرا سی کوشش کے بعد ہم اس کے گھر پہنچ سکتے تھے۔

"یہ یاد رکھنا کہ مراد کو ہماری اس ملاقات کی بھنک بھی ملی تو تمہاری خیریت نہیں ہو گی" اول خان نے چلتے چلتے چمن اور اس کی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ہم وعدہ خلافی ذرا بھی برداشت نہیں کرتے۔"

اسی لمحے مجھے ایک اور سوال یاد آ گیا جو میں نے فوراً پوچھ ڈالا۔

"تم گوپال چند سے کیسے واقف ہو؟"

"میری اور اس کی ملاقات فریڈم انٹرنیشنل کے ایک اجلاس

میں ہوئی تھی۔ تعلقات بڑھے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی امریکا میں رہ چکا ہے اور فورڈ فاؤنڈیشن کا تاحیات رکن ہے۔" چمن نے بتایا۔

وہ مماثلت قابلِ غور تھی۔ فورڈ فاؤنڈیشن میں گھسے ہوئے سی آئی اے کے ایجنٹ اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے صرف ان ہی لوگوں پر اعتماد کرتے تھے جو امریکا میں ایک لمبی مدت تک ان کے قریبی مشاہدے میں رہے ہوں۔ کردار اور شخصیت کے مکمل تجزیے کے بعد ہی کسی کو فاؤنڈیشن کی رکنیت اور دیگر ذمّے داریوں کا اہل تصور کیا جا رہا تھا۔

وہ عالمی بساط پر اپنے مفادات حاصل کرنے کے جدید امریکی طریقے تھے۔ باہر سے اپنے چیدہ چیدہ نگراں مسلط کرنے کے ساتھ وہ عملی میدان میں مقامیوں سے کام لینے کی پالیسی پر عمل پیرا تھے جس کے نفاذ کے لیے منظم اور لمبی مدت کے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے تھے جبکہ ان کے آلہ کار بننے والوں کو ابتدا میں شبہ تک نہیں ہوتا ہوگا کہ انہیں کسی سازش میں ملوث کیا جا رہا ہے۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن جیسے عالمی شہرت یافتہ ادارے یا اس کی کسی کمیٹی کی رکنیت کو اپنے لیے اعزاز سمجھ کر قبول کر لیتے ہوں گے۔

چمن علی کے بارے میں ہمارے تمام اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے تھے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے وہ سلجھے ہوئے ذہن کا مالک تھا۔ اس نے کسی مزاحمت کے بغیر حالات سے مکمل سمجھوتا کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے تھے اور یوں سلطان شاہ کی تلاش کا ابتدائی مرحلہ کسی الجھن یا تصادم کے بغیر طے ہو گیا تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ ہمارے حیدرآباد پہنچنے تک مراد کو گوپال چند کے مکان سے کہیں اور نکل جانے کا موقع نہ مل سکے۔ ایسی صورت میں ہمیں اس کا نیا سراغ حاصل کرنے میں دانتوں پسینہ آسکتا تھا۔

"تم نے یہ نوٹ کیا کہ مراد کے ساتھیوں میں ہندوؤں کی خاصی تعداد شامل ہے۔" ناظم آباد سے واپسی کے سفر میں اول خان نے گاڑی چلاتے ہوئے تبصرہ کیا "دھنی رام کے بعد اب گوپال چند کا نام سامنے آیا ہے۔"

"یہ صرف دو نام ہیں جب کہ مراد سمیت دوسرے مشتبہ افراد اپنے ناموں سے مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ سلطان شاہ بازیاب ہو جائے تو شاید یہ رخ بھی خود بخود سامنے آجائے گا۔"

"چمن سے ملاقات کے بعد کم از کم یہ پتا چل گیا ہے کہ مراد کس سمت میں جا رہا ہے۔"

"چمن سے اس کی استعداد کے مطابق ایک خاص کام لیا جا رہا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "جن لوگوں کو پینے کے لیے صاف پانی کے دو چلّو اور کھانے کے لیے اناج کی ایک مٹھی تک دستیاب نہ ہو وہ ایسی فلموں میں کیا دلچسپی لیں گے۔ یہ ایک نظریاتی طریقہ تو ہو سکتا ہے مگر اس کی عملی افادیت مشتبہ ہے۔"

"بغاوت کے لیے فلم سازی کا نظریہ مجھے بھی احمقانہ لگتا ہے۔ میں مقصد کی بات کر رہا تھا۔ مراد، مملکت اور اس کے مفادات کے خلاف کام کر رہا ہے۔ پاکستان کے دشمن آج بھی اسے توڑنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"دشمنوں نے ہمیں کھلے دل سے تسلیم ہی نہیں کیا تو ان سے یہ شکوہ بے کار ہے۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ ہمارے درمیان مراد ظریف، کرم الٰہی اور مقبول چوہدری جیسے سانڈ پل رہے ہیں جو ہماری اپنی فصلوں کو روندتے پھرتے ہیں۔"

"شاید یہ لوگ ملّا سرکار والا منصوبہ ابھی تک لیے بیٹھے ہیں۔ اس کی موت کے کافی عرصے بعد ہم پر اس سمت سے وار ہوا ہے۔" اول خان نے وہ ذکر چھیڑ کر میرے پرانے زخم ہرے کر دیے۔

"وہ بھی ہماری اپنی کمزوری تھی کہ ایک غیر مسلم ہماری آبادیوں میں روحانی پیشوا کے روپ میں اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب ہمارے اپنے آدمی کم و بیش اسی منصوبے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ امریکی اتنے تسلسل کے ساتھ کیوں ہماری شکست وریخت کے درپے ہیں؟ ہم نے ان کا کیا بگاڑا ہے؟"

کہنے کو میں نے اول خان سے وہ بات کہہ دی تھی مگر میں خود اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ امریکا نے ابتدا سے ہمیں ایک زیر دست دوست کے روپ میں دیکھنا چاہا تھا۔ اس پر انحصار کرنے والے پاکستان سے اسے کوئی پرخاش نہیں تھی کیونکہ وہ ایشیا میں چین کی بڑھتی ہوئی طاقت کے مقابلے میں بھارت کو کھڑا کرنا چاہ رہا تھا۔ جب تک پاکستان اس منصوبے میں رکاوٹ نہیں بنا، سکھ چین سے رہا۔ جس روز سے ملک میں ایٹمی اور معاشی خود کفالت کا ڈنکا بجنا شروع ہوا، مصائب اور مسائل کا آغاز ہو گیا۔

وہ سب سیاست کے بکھیڑے تھے جن میں، میں نے کبھی بھی دلچسپی نہیں لی تھی۔ میرے سامنے ہمیشہ ملک و قوم کا مفاد رہا تھا۔ ہیروئن کے انسداد کے نام پر پاکستان کے گلی کوچوں کی رگ رگ میں ہیروئن پھیلانے والی "شی" کے اصل مقاصد سے آگاہ ہو کر میں نے اس سے بغاوت کی تھی اور پھر اپنی ایک الگ راہ متعین کر لی تھی۔ وہ میرے لیے ایک نئی زندگی کی ابتدا تھی۔ میں استقامت کے ساتھ اپنی اس راہ پر آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ حالات کی کھلی ستم ظریفی تھی کہ میرے راستے میں بعض سیاسی سنگ ہائے گراں بھی آتے رہے تھے۔ میں انہیں چوم کر چھوڑ سکتا تھا نہ انہیں عبور کر کے آگے نکل جانے کی قدرت رکھتا تھا۔

ان سے ٹکرا کر انہیں پاش پاش کر دینے یا اسی کوشش میں خود ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے کے سوا میرے سامنے کوئی تیسری راہ کبھی بھی نہیں رہی تھی اور اس وقت بھی کچھ یہی صورت تھی کہ مراد ظریف ایک منظم تخریب کار کے روپ میں میرے سامنے تھا، سلطان شاہ اس کی تحویل میں تھا۔ میں چاہتا تب بھی اسے نظر

ندازنہیں کرسکتا تھا۔
سلطان شاہ کے بارے میں سوچتے ہوئے ہر بار میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ جی آر کی موت کی صورت میں مراد کی سفاکی کا یک کھلا ثبوت سامنے آچکا تھا۔ مجھے بدترین خوف یہ تھا کہ کہیں مراد نے سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے کے بجائے ہلاک نہ کردیا ہو۔ ایک بات شدّت سے میرے اس خوف کی نفی کررہی تھی کہ مراد کو اس وقت تک یہ علم نہیں تھا کہ اس کے خلاف کون سی قوت میدانِ عمل میں اتری ہوئی ہے۔ اپنے دشمنوں کے اصل چہروں سے واقفیت کے تجسّس کا تقاضا تھا کہ وہ سلطان شاہ کو اس وقت تک زندہ رکھتا جب تک وہ اپنے اور ہمارے بارے میں سب کچھ اگلنے پر آمادہ نہ ہوجاتا۔

مائیکرو سینٹر اور چمن علی کا گھر ایک دوسرے سے بہت دور تھے۔ ہم اپنی مہم سے فارغ ہو کر مائیکرو سینٹر پہنچے تو وہاں ویرا تنہا اور اداس بیٹھی ہوئی تھی۔ ہماری غیر حاضری میں فون بھی مسلسل خاموش رہا تھا۔ جلال سے بات ہوجانے کے بعد مجھے ذرا بھی امید نہیں رہی تھی کہ مراد مجھے فون کرنے کی کوئی کوشش کرے گا۔

حیدر آباد کے لیے ہمیں زیادہ نفری اور تیاریوں کی ضرورت تھی۔ میں اول خان کے ساتھ وہ بندوبست طے کرنے میں مصروف ہوگیا اس طرح میں غزالہ اور سلطان شاہ کے بارے میں پیدا ہونے والے تفکرات کو بھی اپنے ذہن سے دور رکھ سکتا تھا۔ ہم افراد اور ہتھیاروں کی تعداد اور ترتیب کے بارے میں تقریباً ہر بات طے کرچکے تھے کہ غزالہ واپس آپہنچی۔

اس کی آنکھیں متورم اور سرخ ہورہی تھیں۔ شاید وہ دورانِ سفر شال میں منہ چھپا کر روتی رہی تھی۔

وہ جذبات سے اس قدر مغلوب ہورہی تھی کہ اول خان اور ویرا کی موجودگی کی پروا کیے بغیر، اندر آتے ہی مجھ سے لپٹ گئی۔ وہ گھٹ کر اندر ہی اندر رو رہی تھی، ہونٹوں سے سسکیوں کے سوا کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"وہ ہنستا ہوا گیا تھا کہ آدھے گھنٹے میں لوٹ آؤں گا۔" دل کا غبار ہلکا کرکے وہ ہچکیوں کے درمیان بتانے لگی "پتا نہیں وہ کہاں اور کس حال میں ہوگا۔ اس نے آج دوپہر میں ایک آدمی کو مار ڈالا۔ سلطان شاہ نے جانے سے پہلے بتایا کہ وہ غلام رسول تھا۔ کاش! اس نے حیدر آباد جانے کی ضد نہ کی ہوتی.....!"

"اب یہ سب باتیں دہرا کر ہمیں اداس مت کرو۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر دلاسا دیا "ہمیں بس تمہارا انتظار تھا۔ تھوڑی دیر میں ہم اس کی تلاش میں روانہ ہوجائیں گے۔ وہ جلد ہی واپس لوٹ آئے گا۔"

"حیدر آباد کافی بڑا اور گنجان شہر ہے۔ ہم اسے کہاں کہاں ڈھونڈیں گے؟"

"ہم یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے تھے۔ مراد کے ایک ٹھکانے کا سراغ ملا ہے۔" اول خان نے غزالہ کو سمجھایا "ذرا اندھیرا ہوجانے پر ہم اسی گھر پر دھاوا بولیں گے۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ وہ زندہ ہوگا۔"

"اسے کچھ ہوا تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کروں گی۔" غزالہ پچھتاوے کے ساتھ بولی "میں اس کے ساتھ گئی ہوتی تو شاید یہ برا وقت نہ دیکھنا پڑتا۔ ہم کسی نہ کسی طرح نکل ہی آتے۔"

میں نے دخل اندازی نہیں کی۔ میری دانست میں یہ بہت اچھا ہوا کہ غزالہ اس کے ساتھ نہیں تھی۔ اگر وہ دونوں ایک ساتھ دھر لیے گئے ہوتے تو غزالہ کی خاطر سلطان شاہ ان کے سامنے ذرا بھی مزاحمت نہیں کرسکتا تھا۔ درندہ صفت دشمن صرف عورت کو مغلوب کرلینا ہی اپنی سب سے بڑی کامیابی سمجھتا ہے۔ غزالہ کو بے دست و پا کرکے مراد، سلطان شاہ کو اپنی انگلیوں پر نچا سکتا تھا۔

اول خان نے حامد کو فون پر تیاریاں مکمل کرنے کی ہدایات دے دی تھیں۔ اسٹیشن فور پر ہتھیاروں اور نفری کے ساتھ ایک ٹرک اور جیپ تیار تھی۔ ہم چاروں کو وہیں سے حیدر آباد کے لیے روانہ ہونا تھا۔

دوسروں کی طرح میری توقعات بھی بہترین تھیں لیکن میرا ذہن گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں خود کو بدترین حالات کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار کررہا تھا۔ اس کی دو صورتیں ممکن تھیں۔ نصیب دشمناں، سلطان شاہ زندہ نہ ہوتا تو ہمارا سوگوار قافلہ اس کی لاش لے کر کراچی لوٹ آتا اور پھر بھرپور طاقت کے ساتھ مراد سے انتقام لینے کی تیاری شروع کردی جاتی۔ دوسرا امکان یہ بھی تھا کہ سلطان شاہ، گوپال چند کے مکان پر موجود نہ ہوتا۔ آپریشن کی کامیابی کے باوجود ہم سلطان شاہ تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوتے۔ ایسی صورت میں مجھے حیدر آباد میں ہی رکنا پڑتا۔ اس قیام کی طوالت کا انحصار نتائج کے حصول پر ہوتا۔ اس کے لیے اسی وقت کچھ تیاری ضروری تھی۔

ہم اپنا مختصر سامان سمیٹ کر وہاں سے روانگی کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ویرا فون سے قریب تھی۔ اس نے غیر ارادی طور پر ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر میں نے چیخ کر اسے روک دیا۔ میں مراد سے رابطے کا کوئی موہوم ترین موقع بھی ضائع کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے تیزی سے لپک کر فون کا ریسیور اٹھالیا۔

وہ وہی موہوم ترین متوقع موقع تھا۔ دوسری طرف سے مراد بول رہا تھا۔ میں نے پرسکون رہ کر مقبول چوہدری جیسی، بدلی ہوئی آواز میں کہا "ایم زی! تم نے میرا آج کا پورا دن برباد کرادیا۔ فون کرکے کم از کم یہی بتادیتے کہ تم نہیں آرہے تو میں یہاں بندھا ہوا نہ بیٹھا رہتا۔"

"معاف کرنا، مجھے اب بھی تم پر شبہ ہے۔" مراد کی آواز بھی

نرم تھی "کئی باتوں میں فرق کی وجہ سے میں متبادل راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اگر تم واقعی سائیں مقبول چوہدری ہو تو تمہیں علم ہوگا کہ متبادل راستہ کیا تھا۔"

میں نے ایک گہرا سانس لیا پھر کہا "اس کا مطلب ہے کہ تم نے جان سے ہدایات لی ہوں گی۔"

قیاس کے سہارے اندھیرے میں چلایا ہوا میرا وہ تیر نشانے پر لگا اور اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "تم سب کچھ جانتے ہو۔ میں حیران ہوں کہ یہ کیا کھیل ہو رہا ہے۔ تم سے غلطیاں کیوں ہوتی رہیں....؟ جان نے مجھے تم سے دور رہنے کا حکم دیا ہے....؟ اس نے بتایا تھا کہ مائیکرو سینٹر پر کسی ایجنسی کا قبضہ ہے، تمہارا سایہ بھی وہاں نہیں پھٹک سکتا مگر تم وہیں ہو اور مجھ سے بات کر رہے ہو۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس وقت تم سے بات ہو سکے گی۔"

میں بے چینی محسوس کرنے لگا۔ اس نے سلطان شاہ کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں دیا تھا، میں اس بارے میں اس سے کچھ پوچھنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ میں نے تیزی سے سوچتے ہوئے کہا۔ "تم نے ان ہی غلط فہمیوں کے چکر میں میرے ایک خاص آدمی کو زخمی کیا، اپنے ایک آدمی کو مروایا اور ابھی تک تم بے یقینی میں مبتلا ہو۔ تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟"

"اگر تم مقبول چوہدری ہو اور شاید ہو تو میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ ساری گڑ بڑ تمہارے خاص آدمی نے کی تھی۔ اس نے مجھے شک میں ڈالا اور اسے اس کی سزا مل گئی۔ اب میں جان کے حکم کا پابند ہوں، تم سے نہیں مل سکتا لیکن یہ ضرور بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری طرح میرے ستارے بھی گردش میں آئے ہوئے ہیں مگر قسمت میرا ساتھ دے رہی ہے۔"

"تمہارے ساتھ کیا گڑ بڑ ہو رہی ہے؟" میں نے حیرت اور دلچسپی ظاہر کی۔ میں اس کی زبان سے سلطان شاہ کے بارے میں جلد از جلد کوئی خبر سننے کے لیے مضطرب تھا۔

"ایک سرکاری افسر میرے بارے میں معلومات جمع کرتا پھر رہا تھا۔ میں نے اسے مروا دیا پھر آج ہی ایک مشتبہ آدمی صحرا کے دفتر کے پاس نظر آیا۔ اسے میں نے پکڑوا لیا۔ دیکھتا ہوں کہ وہ کیا بولتا ہے۔"

میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ سلطان شاہ زندہ تھا۔ میرا دل چاہا کہ مراد سے اس کی رہائی کے لیے کوئی سودے بازی کروں مگر وہ میری جذباتی سوچ تھی۔ میرا کہا ہوا کوئی بھی فقرہ سلطان شاہ کے لیے نت نئے عذابوں کا پیغام بن سکتا تھا۔

"غیر ضروری خوں ریزی سے بچو۔ یہ کبھی کبھی مصیبت بن جاتی ہے۔" میں اس سے سلطان شاہ کو زندہ رکھنے کی التجا نہیں کر سکتا تھا اس لیے ڈھکے چھپے الفاظ میں ایک عام سا مشورہ دے دیا۔

"مشورے کا شکریہ۔ وقت اور حالات نے اجازت دی تو جلد ہی حاضری دوں گا۔" اس کی آواز میں طنز کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"اب میں مائیکرو سینٹر چھوڑ دوں گا۔ تمہاری فائرنگ کے بعد یہ ٹھکانا میرے لیے خطرناک ہوگیا ہے۔"

"وقت آنے پر میں خود تمہیں تلاش کرلوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

مجھے حیرت تھی کہ اس بار مراد نے اپنی مالی ضروریات کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ شاید جان نے اس کا وہ مطالبہ پورا کر دیا تھا۔

سلطان شاہ کی زندگی کی نوید سن کر ان تینوں کے چہروں پر مسرت کی سرخی دوڑ گئی۔ کسی کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان آخری لمحات پر مراد خود ہی فون کر کے ہمیں وہ خوش خبری سنائے گا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے ذہن سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ اگر مقدر کی یاوری سے وہ اس وقت تک زندہ تھا تو اس کی رہائی کی کوئی سبیل بھی پیدا ہو سکتی تھی۔

اس کے زندہ ہونے کی خبر نے ہمارے درمیان مسرت و شادمانی کی ایسی لہر دوڑائی کہ ویرا وائن کیبنٹ کی طرف جھپٹی اور اس میں سے وائٹ ہارس اسکاچ کی لیٹر والی دو بوتلیں نکال کر اپنے ساتھ لے لیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" غزالہ کی آواز بوجھل تھی، آنکھیں سوجی ہوئی تھیں لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک عجیب سی کیفیت رقصاں تھی "سلطان شاہ کی آزادی تک تم اس نابکار شے کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گی۔"

"یہ دونوں بوتلیں اس کی آزادی کا جشن منانے کے لیے لی ہیں۔" ویرا نے حجم کم کرنے کے لیے بوتلوں کو پیکنگ سے نکالتے ہوئے کہا "حیدر آباد تک یہ اسی طرح جائیں گی۔"

ہم نے عجلت میں مائیکرو سینٹر کو خیرباد کہا۔ اکبر علی نیچے دلیر خان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ دونوں ادب سے کھڑے ہوگئے۔ اول خان نے انہیں عمارت کے بارے میں کچھ ہدایات دیں اور ہمارے پیچھے باہر آگیا۔

ہماری گاڑی سلطان شاہ کے ساتھ ہاتھوں سے نکل چکی تھی۔ ہم تینوں اول خان کے ساتھ ہی وہاں سے روانہ ہوگئے۔

"مراد پر رہ رہ کر ذہنی دورے پڑ رہے ہیں۔" راستے میں غزالہ نے کہا "کبھی وہ عقل و شعور سے اتنا عاری ہو جاتا ہے کہ انہیں مقبول چوہدری ماننے لگتا ہے اور کبھی بدک کر خوں ریزی پر تل جاتا ہے۔ دعا کرو کہ ہمارے حیدر آباد پہنچنے تک وہ کوئی نیا فیصلہ نہ کر پائے۔"

میں زیر لب آمین کہہ کر رہ گیا۔ اول خان نے اپنی پوری توجہ تیز رفتار ڈرائیونگ پر مرکوز کی ہوئی تھی۔

حسن اسکوائر سے آگے نکل جانے پر مجھے یاد آیا کہ سی ایس ڈی ہمارے گھر پر بیکار پڑی ہوئی تھی۔ اسے ساتھ لے کر ہم حیدر آباد میں استعمال کر سکتے تھے مگر چوراہا گزر جانے کے بعد گھر تک رسائی اور پھر واپسی میں خاصا وقت صرف ہو جاتا۔ میں

خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اس وقت ہمارے اور سلطان شاہ کے لیے وقت ہر شے سے زیادہ اہم اور قیمتی تھا۔

اول خان کو حیدر آباد میں پولیس کے سوا کہیں اور سے فوری کمک ملنے کی امید نہیں تھی۔ میں اس معاملے میں پولیس کی شمولیت کے خلاف تھا کیونکہ قانون نافذ کرنے والے اس نیم شہری ادارے سے اس رازداری کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی جو ہم چاہتے تھے۔ چھاؤنی سے فوری درخواست پر کوئی فوجی دستہ ملنا محال تھا۔ اس کے لیے پیشگی بندوبست ضروری تھا۔

اس مسئلے کی وجہ سے اول خان نے ٹرک میں حامد کی نگرانی میں ڈرائیور کے علاوہ دس جوانوں کو تیار رہنے کا حکم دیا۔ انہیں شہر سے بہت دور بلکہ دوسرے شہر میں مہم درپیش تھی اس لیے وہ کیل کانٹے سے پوری طرح لیس تھے۔ محدود رینج کے وائرلیس سیٹ سے لے کر رائفل، میگزین، فاضل راؤنڈز اور دوربین تک ہر فرد کے پاس موجود تھی۔ اس مہم کے لیے چھ ڈارٹ گنز بھی ساتھ لے لی گئی تھیں کیونکہ دشمن کو بے خبری میں خاموشی سے ہلاک یا بے ہوش کرنے کے لیے ایسی ہر گن لاثانی تھی۔

اول خان کو حامد پر پورا اعتماد تھا۔ وہ ذمّے دار افسر تھا اور موقع محل کی مناسبت سے ضروریات کا تعین کرسکتا تھا۔ اول خان نے اپنے اسکواڈ کا رسمی جائزہ لیا اور پھر ہم تینوں کے ساتھ اپنی جیپ میں سوار ہوگیا۔

ہماری جیپ اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ سے باہر نکلی تو الیس ٹی ایف کا ٹرک بھی ہمارے پیچھے تھا۔

چھاؤنی کی حدود اور شہر کے مضافاتی علاقوں کو پیچھے چھوڑ کر ہمارا قافلہ جلد ہی سپرہائی وے پر نکل آیا۔

سپرہائی وے دو رویہ اور بہت کشادہ تھی لیکن تھوڑی ہی دیر میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس پر رات کا سفر آرام دہ نہیں۔ ناتجربے کار اور بے پروا ڈرائیوروں نے اپنے ہیڈ لیمپس کا بے جا استعمال کرکے وہ دشواری پیدا کی تھی جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔ مخالف سمت سے براہ راست ڈرائیور کی آنکھوں پر پڑنے والی ہائی بیم نگاہوں کو اتنا خیرہ کردیتی تھی کہ وہ بیم گزر جانے کے بعد بھی چند ثانیوں تک سامنے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

سفر کے آغاز میں چاروں ہی خوب بولتے رہے لیکن ٹول پلازا سے تیس چالیس کلو میٹر دور نکل جانے کے بعد سب کا جوش و خروش ٹھنڈا ہوگیا۔ سڑک کے اطراف میں دور دور تک رونق اور آبادی نہ ہونے کی وجہ سے وہ سفر اکتا دینے کی حد تک طویل اور صبر آزما معلوم ہورہا تھا۔ دورانِ سفر بدلتے ہوئے مناظر کی دلچسپی اور رنگینی میں نے صرف پنجاب اور سرحد میں ہی دیکھی تھی ورنہ پورے سندھ کے بڑے زمینی راستے اسی طرح اجاڑ اور بے کیف نظر آتے تھے۔

دس بجنے سے پہلے ہم نے حیدر آباد ٹول پلازا عبور کرلیا۔

سڑک کا خم شروع ہونے سے پہلے اول خان نے اشارہ دے کر اپنی جیپ سڑک سے اتار کر کنارے پر روک لی۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق غزالہ جیپ سے اتر کر ٹرک کے ڈرائیور کیبن میں چلی گئی، حامد ہمارے ساتھ آملا۔

پروگرام یہ تھا کہ اصل کارروائی جیپ والی چار نفری پارٹی انجام دے گی۔ ٹرک اور اس میں سوار مسلح نفری کمک کے طور پر جیل روڈ کے کسی مناسب مقام پر منتظر رہے گی۔ ہماری طرف سے پیغام ملتے ہی وہ لوگ بھی ہمارے ساتھ مل جائیں گے۔

جیل روڈ سے شہر کی طرف مڑتے ہی ٹرک ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اول خان نے پہلی ذیلی سڑک پر جیپ بائیں طرف موڑی اور سیدھا ہیر آباد کے علاقے میں داخل ہوتا چلا گیا۔

اِکا دُکا دکانوں کے استثنیٰ کے ساتھ وہ شہر کا خالص رہائشی علاقہ تھا۔ اس میں گھستے ہی رونق اور گہما گہمی میں کمی سے اندازہ ہوا کہ وقت کافی ہوچکا تھا۔ دو موڑ گھومنے کے بعد اول خان نے جیپ کا انجن بند کردیا کیونکہ فیروزی دروازوں اور کھڑکیوں کے ساتھ سفید رنگ کا وسیع مکان ہمارے سامنے آچکا تھا۔

جیپ اپنے زور میں کچھ دور تک رینگتی رہی پھر اول خان نے اسے کنارے سے لگا کر ہینڈ بریک کھینچ لیا۔ میں فوراً اپنی جگہ چھوڑ کر نیچے اتر گیا۔ میری نگاہیں گوپال چند کے دو منزلہ مکان پر جمی ہوئی تھیں۔

میں نارمل انداز میں چلتا ہوا اس مکان کے سامنے سے گزرا اور میں نے بھانپ لیا کہ لوگوں کی نگاہوں میں آئے بغیر اس سمت سے گھر میں داخل ہونا ممکن نہیں تھا۔ میں ایک لمبا چکر کاٹ کر مکان کی تنگ سی عقبی گلی میں گھس گیا۔ گلی کے تقریباً سب دروازے بند تھے مگر آثار سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہاں رہنے والے اپنی معمول کی آمدورفت کے لیے اسی عقبی راستے کو ترجیح دیتے تھے۔

مکانوں کی گنتی کے حساب سے گوپال چند کے گھر کے پچھلے دروازے کا جائزہ لے کر میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ دوسرے رخ سے سڑک پر نکلنے کے بعد میں دھیرے دھیرے چلتا ہوا اندھیرے میں کھڑی ہوئی جیپ تک پہنچا۔ وہ تینوں میرے انتظار میں تنے بیٹھے تھے۔

"کوئی دروازہ توڑے بغیر اندر داخل ہونا مشکل نظر آرہا ہے۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"اس طرف کچھ اجالا ہے۔ پچھلی گلی کا کیا حال ہے؟" اول خان نے نیچی آواز میں پوچھا۔

"اُدھر بہت اندھیرا ہے۔ صرف ایک دو گھروں کے باہر بلب جل رہے ہیں۔" اول خان کے سوال پر میرے ذہن میں روشنی کی ایک کرن ابھری "ہم اُدھر سے کامیاب ہوسکتے ہیں۔"

"تم نے اتنی جلدی رائے بدل دی۔" ویرا کی سرگوشی میں

برت تھی "اب کیا کرو گے۔"

"ایک کنکر اور ڈارٹ گن۔" میں نے اختصار سے جواب دیا۔ "تم میرے ساتھ آجاؤ۔ یہ دونوں تھوڑے سے وقفے کے بعد پچھلی گلی کے مخالف سروں سے ہماری طرف آئیں گے۔ جلدی آجاؤ۔"

ویرا بے چون وچرا جیپ سے باہر آگئی اور میں دوبارہ پچھلی گلی کی طرف چل دیا۔

ہر مکان کی چوکی گلی کی سطح سے کچھ نہ کچھ اونچی ضرور تھی۔ گھروں میں رسائی کے لیے دروازوں کی سطح پر گلی میں جا بجا پختہ چبوترے بنے ہوئے تھے۔ گھر میں داخلے کے لیے گلی سے دو تین سیڑھیاں طے کرکے اس چبوترے پر پہنچنا ضروری تھا۔ ان نکات کو اپنے ذہن میں گھماتے ہوئے میں نے راستے سے ایک قدرے بڑا کنکر اٹھایا اور ویرا کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔

گوپال چند کے گھر کا پچھلا دروازہ گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں گلی میں پھیلے ہوئے سناٹے سے خوش تھا کہ اچانک ایک دروازہ کھلا۔ تاریک گلی میں کھلے ہوئے دروازے کا روشن مستطیل بننے لگا۔ میں نے بے اختیار اپنی رفتار سست کردی۔ گلی کی زمین پر بننے والے روشن مستطیل میں کسی عورت کا متحرک سایہ نظر آیا۔ چند ثانیوں بعد وہ عورت گھر سے نکلی اور دروازہ بند کرکے اِدھر اُدھر دیکھے بغیر تیزی سے ہماری مخالف سمت بڑھتی چلی گئی۔

اس سے پہلے کہ کہیں سے کوئی اور نمودار ہوتا، میں اپنی رفتار بڑھا کر گوپال چند کے دروازے کی چوکی تک پہنچا اور تین زینے چڑھ کر پھرتی سے کنکر اندر اچھال دیا۔ ذرا سے سکوت کے بعد اُس کنکر کے پختہ فرش پر گرنے کی پرشور آواز آئی۔ میں سانس روک کر دیوار سے چپک گیا۔ میں نے بائیں بازو سے ویرا کو بھی دھکیل کر دیوار سے لگا دیا۔ وہ دروازے کے اطراف میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے چوکی یا چبوترے سے ایک سیڑھی نیچے کھڑی ہوئی تھی اور اس کے سانسوں کا زیروبم بہت تیز ہوچکا تھا۔

کنکر کی آواز پر اندر سے ایک مردانہ آواز آئی "کون ہے؟" اسی کے ساتھ پختہ فرش پر قدموں کی دھیمی آہٹیں محسوس ہوئیں جو رفتہ رفتہ دروازے کے قریب آتی جارہی تھیں۔

میں دروازے سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوسکتا تھا۔ دروازہ میرے داہنے ہاتھ پر تھا۔ میں نے دیکھا کہ گلی کے اس سرے سے ایک ہیولا اندر بڑھا چلا آرہا تھا اور وہ چال ڈھال کے اعتبار سے اول خان تھا۔

اندر کنڈی اور پھر بولٹ کھلنے کی آواز آئی، دروازہ کھلا اور اس خلا میں سے ایک انسانی کھوپڑی برآمد ہوئی۔ میں نے پلک جھپکتے میں اس کے چہرے پر ڈارٹ فائر کردیا۔ زن کی ہلکی سی آواز کے ساتھ بلیو ڈارٹ اس کے چہرے کے کسی حصے میں پیوست ہوگیا۔ اگر میں فوراً ہی قدموں پر گھوم کر اسے اپنے ہاتھوں پر نہ سنبھال لیتا تو وہ منہ کے بل پختہ چبوترے کو چاٹتا ہوا گلی میں جا گرتا۔ قدرے بلندی سے اس کے گرنے کی وجہ سے جو آواز پیدا ہوتی، وہ دوسروں کو متوجہ کرسکتی تھی۔

اس وقت میرے ذہن سے ہر خوف مٹ گیا تھا۔ میں بے ہوش ہونے والے کو اپنے دونوں ہاتھوں پر سنبھالتا اور اسے دھکیلتا ہوا دروازے میں سے ہوکر اندر گھس گیا۔ ویرا نے اندر سے کسی اور کی مداخلت کے امکان کا توڑ کرنے کے لیے بہت تیزی سے پیش قدمی کی تھی اور میرے ساتھ ہی اندر چلی آئی تھی۔

میں نے بے ہوش شکار کو سرعت سے دیوار کے سہارے، فرش پر لٹا دیا۔

ہم اس وقت قدیم طرز پر بنے ہوئے مکان کے صحن کے آخری سرے پر کھڑے ہوئے تھے۔ صحن سے آگے دالان تھا جس میں دو کمروں کے دروازے کھل رہے تھے۔ صحن اور کمروں میں تاریکی تھی۔ بس دالان میں جلتا ہوا اکلوتا بلب اس اندھیرے سے لڑنے کی کوشش کررہا تھا۔ دالان کی اوپری منزل پر خاصی روشنی تھی جو براہِ راست ہم تک پہنچ رہی تھی۔

میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ ہماری مداخلت پر کہیں سے کوئی مزاحمت نہیں ہوئی تھی۔ نچلی منزل پر شاید ہمارا شکار اکیلا ہی تھا۔ دوسرے اہل خانہ اوپر کی منزل پر تھے۔

اس وقت ہماری پوزیشن بہت مخدوش تھی۔ اوپر سے کوئی بھی ہمیں دیکھ کر باڑھ پر رکھ سکتا تھا۔ میں نے آہستگی سے دروازہ بند کیا اور اسے بولٹ کیے بغیر پنجوں کے بل دالان کی طرف دوڑ لگا دی۔ ویرا سائے کی طرح میرے ساتھ ساتھ تھی۔

دالان میں پڑے ہوئے ایک پردے کے پیچھے ہمیں وہ چارپائی بھی نظر آگئی جس کا شکن آلود بستر بتا رہا تھا کہ کچھ دیر پہلے تک اس پر کوئی موجود تھا۔ شاید کنکر کی آواز پر دروازہ کھولنے والا گوپال کا کوئی گھریلو نوکر تھا اور چارپائی پر موجود بستر اسی کا معلوم ہورہا تھا۔ ہم خود دوسروں کی نگاہوں میں آنے سے بچ گئے تھے لیکن بے ہوش ملازم کی صحن میں موجودگی بھی خطرناک تھی کیونکہ اسے اوپر سے دیکھا جاسکتا تھا جبکہ اوپر والوں کی بے خبری ہمارے لیے کامیابی کی کلید تھی۔

میں بے ہوش ملازم کو اٹھانے کے لیے بڑھا ہی تھا کہ دروازہ کھلا پھر اول خان اور حامد اندر آگئے۔ میرے ایک اشارے سے انہوں نے میرا مدعا بھانپ لیا۔ دروازہ بند کرکے اسے چاروں ہاتھ پیروں سے اٹھایا اور ہماری طرف لے آئے۔ میں راستے سے ہی الٹے قدموں، دالان کے سائے میں لوٹ گیا تھا۔ میرے اشارے پر ان دونوں نے نوجوان ملازم کو اس کے بستر پر ڈالا اور اس کے رخسار کی جڑ میں اتری ہوئی ڈارٹ کھینچ کر ایک طرف اچھال دی۔

ہم چاروں بس ذرا سی دیر کے لیے یکجا رہے پھر پہلے کی طرح دو ٹولیوں میں بٹ کر دالان میں کھلنے والے دونوں دروازوں کی طرف متوجہ ہوگئے۔ وہ دونوں خواب گاہیں تھیں جن میں زیادہ سازو

سامان نہیں تھا لیکن منقش اور رنگین پایوں والی قدیم سندھی طرز کی چارپائیاں ضرور موجود تھیں۔ ان کمروں کے پیچھے بھی دو کمرے تھے۔ بڑا کمرا ڈرائنگ روم کے انداز میں سجایا گیا تھا۔ چھوٹے کمرے کو برآمدے کی حیثیت دی گئی تھی۔ اس کمرے کا سائز زینے کی وجہ سے خاصا چھوٹا رہ گیا تھا۔ اس کے بعد ایک دیوار گیر طاق میں کسی دیوی کا مجسمہ نقش تھا۔

وہ گھر ضرور تھا مگر اسے دیکھتے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ اس کی تزئین اور دیکھ بھال میں کسی عورت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ ہم نے چمن سے مراد اور گوپال کے بارے میں پوچھ گچھ کی تھی لیکن گوپال کے اہل خانہ کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا تھا جب کہ اس گھر میں گھسنے سے پہلے ہمارے لیے وہ سب جاننا بہت ضروری تھا۔

زینوں کے قریب اوپر سے دبی دبی آوازیں آرہی تھیں۔ ہم چاروں کان لگا کر وہیں رک گئے۔ وہ ایک مرد اور عورت کی آوازیں تھیں۔ عورت بار بار ہنسے جارہی تھی۔ ہم دبے قدموں دوبارہ دالان میں آگئے۔

پورے گھر کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ہمارے مشوروں کے لیے دالان سب سے زیادہ محفوظ تھا۔ وہاں سے ہماری سرگوشیانہ آوازیں اوپر نہیں جاسکتی تھیں۔ میں اشارے سے ان تینوں کو وہیں لے گیا۔

"حیرت ہے۔ سلطان شاہ کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں سرگوشی کی۔

"اوپر بھی اتنے ہی کمرے ہوں گے۔ وہ وہیں کہیں ہو سکتا ہے۔" ویرا نے رائے دی۔

"تم نیچے رکو!" میں نے ویرا سے کہا "ہم تینوں اوپر دیکھتے ہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"اوپر سے آنے والی آوازوں سے تم نے کیا اندازہ لگایا ہے؟" اول خان نے پوچھا "وہ نشے میں معلوم ہوتے ہیں۔"

"میں اسی وجہ سے ویرا کو نیچے روک رہا ہوں۔ پتا نہیں اوپر کیا حالات ہوں۔"

ہم چاروں ایک مرتبہ پھر اندر چل دیے۔ نچلی منزل پر دالان کے ایک بلب کے سوا سب روشنیاں گل تھیں۔ اس اکلوتے بلب کی روشنی اندر والے کمروں تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے بھی کہیں اجالا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اچانک انعکاس بڑھ جانے سے بھی اوپر والے چونک سکتے تھے۔

ہم پہلے کمرے سے گزر کر چھوٹے کمرے میں گھسے ہی تھے کہ اچانک فضا کسی دھاتی چیز کی جھنکار سے گونج اٹھی اور ہم سب اچھل پڑے۔ اندھیرے میں ویرا بوکھلا کر فرش پر جھکی ہوئی کچھ اٹھا رہی تھی۔ دھات سے بنی ہوئی چیز کی کھوکھلی جھنکار سے میں نے اندازہ لگایا کہ اندھیرے کی وجہ سے ویرا کسی گلدان وغیرہ سے ٹکرا گئی تھی۔

"کیا ہے؟ یہ شور کیوں ہو رہا ہے؟" اوپر سے کوئی غصے میں دہاڑا۔ وہ آواز سن کر میں چونک پڑا۔

"میاؤں!" ویرا کے حلق سے مسکین سی آواز نکلی جو بلی کی آواز سے سو فی صد مشابہ تھی۔

"اب گھر میں بلیاں لوٹ لگائیں گی!" اوپر سے وہی جھلائی ہوئی بلند آہنگ آواز گونجی پھر اس نے کسی کو پکارا "راجو! ابے او راجو....! تو کہاں مرا ہوا ہے؟" وہ آسان شہری سندھی میں اپنے غیظ و غضب کا اظہار کر رہا تھا جس میں اردو کی آمیزش کی وجہ سے اس کی ہر بات کم از کم میری سمجھ میں آرہی تھی۔

راجو شاید اسی ملازم کا نام تھا جو میرے ہاتھوں ڈارٹ کا نشانہ بن کر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

"چھوڑ مراد! کیوں غصہ کرتا ہے۔" اس بار نسوانی آواز بلند' مخمور اور ناز آفریں تھی "اپنی طرح بلیوں کو بھی آزاد پھرنے دے۔ بلاوجہ گوپال کی نیند بھی خراب ہو گی۔"

"راجو حرام خور ہو گیا ہے۔" قدموں کی وزنی چاپ کے درمیان مراد ظریف کی آواز ابھری "اس نے کوئی دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہو گا۔ بلیاں کمروں کو گندا کر دیتی ہیں۔"

قدموں کی آواز قریب آتی جارہی تھی۔ ہم چاروں تیزی سے اوٹ میں ہو گئے۔

چٹ کی آواز کے ساتھ زینوں کا کوئی بلب روشن ہوا اور چھوٹا کمرا یکایک روشنی سے بھر گیا۔ ہمیں سرعت سے وہ کمرا چھوڑنا پڑ گیا۔ وہاں کہیں بھی ایسی کوئی آڑ نہیں تھی کہ اجالے میں ہم اس کی نظروں سے محفوظ رہ سکتے۔"

"سالا' حرام کا پلّا...." مراد کے قدموں کی چاپ زینوں پر منتقل ہو چکی تھی "پتا نہیں کیا پی کر سویا ہے کہ سنتا ہی نہیں ہے۔ ابھی دو ہاتھ ماروں گا تو ساری نیند کافور ہو جائے گی۔"

وہ راجو پر برستا ہوا نیچے آرہا تھا۔ ہم چھوٹے کمرے کے ساتھ والی خواب گاہ میں دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ راجو کی چارپائی تک پہنچنے سے پہلے اسے اس کمرے سے ضرور گزرنا پڑتا۔ ویرا کی ایک غیر ارادی غلطی مراد کے لیے اچھا خاصا جال بن گئی تھی اور وہ اپنے قدموں سے چل کر اس جال میں پھنسنے کے لیے آرہا تھا۔

مراد کو ناز نخرے دکھانے والی عورت اس کے پیچھے پیچھے نہیں آئی تھی' نہ ہی اس نے دوبارہ مراد کو آواز دی تھی۔ اس کے بلند آواز میں کہے ہوئے فقروں سے یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ گوپال بھی اوپر سو رہا تھا۔

مراد وقفے وقفے سے راجو کو آوازیں دیتا اور پھر گندی گندی گالیاں بکتا سیڑھیوں سے نیچے آیا۔ وہ چھوٹے کمرے سے گزر کر جوں ہی سونے کے کمرے میں داخل ہوا' میں نے پوری قوت سے اس کے جبڑے پر ایک مکّا رسید کیا۔ اس کے لیے وہ وار غیر متوقع

لکی سی چیخ اور غراہٹ کے ساتھ لڑکھڑاتا ہوا ایک طرف چلا

شاید ہم سب نے ہی دیکھ لیا تھا کہ مراد کے ہاتھ میں کوئی نہیں تھا۔ وہ راجو اور ہلی سے اپنا حساب چکانے کے لیے عشرت کدے سے باہر آیا اور ہمارے نرغے میں پھنس گیا۔
”اب کوئی اسے ہاتھ نہیں لگائے گا۔“ ویرا یہ کہہ کر اچھلی راد کے سامنے فرش پر جا ٹکی۔
وہ خوف ناک اور غیر یقینی مہم اچانک یک طرفہ رخ اختیار تھی۔ میں نے دروازے کے قریب سوئچ بورڈ سے اس کمرے ں روشنی کردی۔ حامد اپنے لباس میں پوشیدہ رائفل نکال کر کمرے کے درمیانی دروازے پر جم گیا تاکہ اوپر سے آنے کسی نئے دشمن کو بروقت اپنے نشانے پر لے سکے۔
یسرے زوردار مکے کے اثرات سے سنبھل کر مراد سیدھا ہوا ویرا کسی ماہر لڑاکا کی طرح اپنے بائیں پنجے پر گھومی اور اس کی لات مراد کے منہ پر اتنی زور سے پڑی کہ وہ بلبلاتا ہوا عقبی سے جا ٹکرایا۔ اس مرحلے پر میں نے دیکھا کہ اس کے بائیں ر وہ پیدائشی سیاہ مسّا موجود تھا جو اس کی شناخت قرار دیا جاتا

مراد پھر سنبھل کر اٹھا' اس بار ویرا نے اسے فلائنگ کک ی۔ اس کے دونوں جوتے پوری قوت سے مراد کے سینے پر ر وہ کسی اندھے کی طرح اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہراتا ہوا گیا۔ ویرا کسی ماہر بازی گر کی طرح اپنی ہتھیلیوں کو فرش پر ر فضا میں کھڑی قلابازی لیتی ہوئی اگلے وار کے لیے تیار

شاید اس کی گھٹی گھٹی چیخوں اور دھما چوکڑی کی آوازوں نے ل کا نشہ ہرن کردیا تھا اور اس نے بوکھلا کر گوپال کو نیند سے کردیا تھا۔ اس نے نشے میں چور آواز میں اوپر سے بنکارنا کردیا تھا۔
مراد کے سر اور دہانے سے خون بہنا شروع ہوگیا تھا۔ میرے گھونسے کے بعد ویرا نے اپنے تابڑتوڑ حملوں سے اسے اتنا بد کردیا تھا کہ وہ صحیح طریقے سے اپنا دفاع کرنے کے قابل بھی ہا تھا۔
”میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔ سب کو فنا کردوں گا۔“ اوپر سری مردانہ آواز آرہی تھی۔
یں مراد کو ویرا کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اسی لمحے حامد کے برابر ا کھڑا ہوا اور دھیمی آواز میں ہدایت کی ”فائر مت کرنا۔ کی آواز دور دور تک سنی جائے گی۔ ایسا نہ ہو کہ باہر بھیڑ جمع ئے۔“
”اگر اس نے پہل کی تو کیا ہوگا؟“ حامد نے سنجیدگی سے

→→→→→→→→→→→→→→→→→

نفسیات کا ایک طالب علم پاگل خانے کا دورہ کرنے آیا تو اس نے دیکھا کچھ پاگلوں سے مزدوروں کے طور پر کام لیا جارہا تھا۔ اسے ایک پاگل نظر آیا جو اپنی ایک پہیے والی گاڑی کو الٹی کرکے دھکیلتا ہوا لے جارہا تھا۔

”اس گاڑی کو اس طرح نہیں.... اس طرح چلاتے ہیں۔“ طالب علم نے اسے گاڑی سیدھی کرکے دکھاتے ہوئے کہا۔

”پہلے میں اسی طرح چلا رہا تھا....“ پاگل نے متانت سے کہا پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا ”لیکن وہاں ایک پاگل کھڑا ہے وہ ہر چکر میں اس میں اینٹیں بھر دیتا تھا۔“

←←←←←←←←←←←←←←←←←

”اس کی ٹانگیں چھلنی کردینا۔“ اول خان نے ہم دونوں کے مذاکرات سن کے سفاکانہ لہجے میں سرگوشی کی ”یہ پورا ٹولہ کسی بھی ہمدردی یا رحم کا مستحق نہیں ہے۔“
حامد سے بات پوری کرکے وہ میری طرف متوجہ ہوگیا ”تم فکر مت کرو۔ فائرنگ کی آواز سن کر باہر بیٹھے ہوئے لوگ بھی بھاگ کر اپنے گھروں میں چھپ جائیں گے۔ میدان صاف ہونے کا یقین ہونے تک کوئی باہر نہیں آئے گا۔“
دوسرا شخص نشے میں تھا مگر مسلح تھا۔ اس کے قدموں کی چاپ واضح نہیں تھی۔ وہ فرش پر پیر گھسیٹ گھسیٹ کر چل رہا تھا۔ اس نے زینوں کے سرے پر آتے ہی نیچے کی طرف فائر کیا جو قطعی بے مقصد تھا۔
ٹھک کی آواز کے ساتھ فائر ہوا اور گولی کنکریٹ کی دیوار میں کہیں پیوست ہوگئی۔ اس کا ریوالور سائلنسر سے لیس تھا۔
حامد نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا۔ ”وہی کرو جو اول خان کہہ رہا ہے۔“
”جلدی بتاؤ کہ آج کا قیدی کہاں ہے۔“ ویرا ہانپتی ہوئی' مراد کے سر پر سوار تھا۔
مراد نے حقارت سے فرش پر تھوک دیا مگر تھوک کہاں۔ وہ خون ہی خون تھا۔ ویرا کے ہاتھ چلنے لگے۔
گوپال اپنے بے آواز ریوالور کے زعم میں مبتلا تھا۔ وہ کسی خطرے کی پروا کیے بغیر لہراتا ہوا سیڑھیاں طے کررہا تھا۔ گہری نیند اور نشے کا خمار اس پر غالب تھا۔ میں نے حامد کے ہاتھ سے اس کی خودکار رائفل لے کر نال سیدھی کی اور سیڑھیوں کی ریلنگ کے درمیان سے گوپال کی ٹانگوں پر ایک ہلکا سا برسٹ مار دیا۔
وہ چیخ مار کر وہیں گرا اور پھر سیڑھیوں پر سے بری طرح لڑھکتا ہوا نیچے آیا۔ فرش پر تھمنے تک اس کا ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور وہ خود بے حس و حرکت تھا۔

اس کے بدن پر صرف پاجامہ تھا جس کے نچلے حصے پر صرف خون نظر آرہا تھا مگر اس کی بے ہوشی سیڑھیوں کے کناروں سے سر کے کسی نازک حصے پر آنے والی ضرب ہی ہو سکتی تھی۔

میں اپنا پستول لے کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ اوپر سناٹا تھا۔ نشے میں مخمور عورت بھی شاید دہشت سے کسی کونے میں جا چھپی تھی کیونکہ وہاں کہیں سے کوئی آواز نہیں تھی۔

"اندر جو بھی ہے، ہاتھ اٹھا کر باہر آجائے، اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔" میں نے ایک ستون کی اوٹ لے کر کہا۔

میرے کانوں میں مبہم سی سرگوشیوں کی آواز آئی۔ وہاں وہ عورت اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا جس سے وہ مشورے کر رہی تھی۔ میں نے انہیں دوبارہ باہر آنے کی وارننگ دی۔ اس بار میں نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ انہوں نے میرے حکم پر عمل نہ کیا تو کمروں میں گھس کر ہر ایک کو قیدی بنا لیا جائے گا۔

نیچے کی لڑائی سمٹی ہوئی تھی۔ ویرا بہت بے رحمی سے مراد سے باز پرس کر رہی تھی۔ اول خان بھی میرے پیچھے آکھڑا ہوا۔ نیچے ویرا کے ساتھ صرف حامد رہ گیا تھا۔ ہم دونوں چند ثانیوں تک منتظر رہے پھر ایک دروازے سے دو عورتیں عجیب حلیے میں برآمد ہوئیں۔ ان کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے تیر رہے تھے۔ کاجل پھیلا ہوا تھا۔ غازہ و سرخی ایک دوسرے میں خلط ملط ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان کے بنے سنورے بال بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے حلیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پیشہ ور عورتیں تھیں جو ہمارے پہنچنے سے بہت پہلے سے گوپال اور مراد کے ساتھ موجود تھیں۔

"اندر اور کون ہے؟" اول خان نے درشت لہجے میں ان سے سوال کیا "یہاں ایک آدمی کو قید کیا گیا تھا۔"

دونوں نے بیک وقت رونا شروع کر دیا۔ ان میں سے نسبتاً معمر عورت نے بین کرنے کے انداز میں بتایا کہ وہ دونوں بازار والیاں ہیں۔ انہیں تھوڑی دیر کے لیے وہاں بلایا گیا تھا لیکن دونوں مردوں نے زیادہ نشہ کر کے انہیں زبردستی وہاں روک رکھا تھا اور ان کے ساتھ دراز دستی کی کوششیں کر رہے تھے۔ گھر میں ان کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

مکاری ان دونوں کے خمیر میں شامل تھی۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ کوئی بھی بڑے سے بڑا جھوٹ بول سکتی تھیں۔ اپنے دونوں پرستاروں کا پلڑا ہلکا پڑتا دیکھ کر انہوں نے ان سے منہ پھیر لیا تھا۔

"ادھر دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑی ہو جاؤ۔" میں نے پستول کی نال سے اشارہ کر کے انہیں حکم دیا۔

دونوں سہمتی لرزتی ہوئی دیوار سے جا لگیں۔ ان کے چہرے میری طرف تھے۔ انہیں خوف تھا کہ انہوں نے منہ پھیرا تو پشت سے انہیں گولیاں مار دی جائیں گی۔ ان کی ذہنی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے میں نے اپنی ہدایت پر مزید اصرار نہیں کیا۔ انہیں اول خان کی نگرانی میں چھوڑ کر میں کمروں کی طرف بڑھ گیا۔

اس منزل پر دو خواب گاہیں تھیں ایک کمرا بیٹھک معلوم ہو رہا تھا۔ خواب گاہوں کی بے ترتیبی زبانِ حال سے گزرے ہوئے وقت کی کہانی سنا رہی تھی لیکن وہاں کوئی ذی نفس موجود نہیں تھا۔ اوپر کا دالان بھی خالی پڑا ہوا تھا۔

"دونوں اندر جاؤ اور ایک گھنٹے سے پہلے کمرے سے باہر نہ نکلنا۔" میں نے انہیں مژدہ سنایا "اس کے بعد تمہاری مرضی ہوگی کہ یہیں سوتی رہو یا خاموشی سے فرار ہو جاؤ۔"

انہوں نے میرے فیصلے پر عمل کرنے میں بالکل تاخیر نہیں کی۔ تقریباً دوڑتی ہوئی اسی کمرے میں جا گھسیں جس سے وہ برآمد ہوئی تھیں۔ اندر جاتے ہی انہوں نے دروازہ بند کر لیا تھا۔

اوپر کی تلاشی لینے کے بعد میرے ذہن پر مایوسی طاری ہونے لگی۔ ہم نے سلطان شاہ کی تلاش میں وہ دوڑ لگائی تھی لیکن اس کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ اول خان بھی اس ناکامی پر آزردہ تھا۔ ہم دونوں نیچے پہنچے تو مراد بھی ویرا کے ہاتھوں پٹتے پٹتے بے ہوش ہو چکا تھا۔ ویرا ایک کرسی پر بیٹھی اپنے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔ اس کی خاموشی اس بات کی غماز تھی کہ وہ اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود مراد ظریف سے کچھ نہیں اگلوا سکی تھی۔

ہم نے بہت غور سے اس قدیم مکان کے چپے چپے کا جائزہ لے ڈالا، فرش کو ٹھونک بجا کر دیکھا لیکن کہیں کسی تہ خانے کی موجودگی دریافت نہیں کر سکے۔ ہر طرف سے ناکام ہو کر ہم مراد کے قریب یک جا ہو گئے۔

"یہ کتنا ہی سخت جان کیوں نہ ہو، کہیں نہ کہیں اس کی قوتِ برداشت جواب دے جائے گی۔" اول خان نے وثوق سے کہا۔ "اب ہمیں یہاں وقت ضائع کرنے کے بجائے مراد کو ساتھ لے کر جلد از جلد نکل جانا چاہیے۔"

"سلطان شاہ کو اس کی قسمت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے؟" ویرا نے پوچھا۔

"تم بتاؤ کہ اس کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے؟ ہم تمہارے ہر مشورے پر عمل کریں گے۔"

ویرا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا "کیا تم مراد کو کراچی لے جانا چاہ رہے ہو؟"

"فی الحال یہاں سے نکلو۔ یہ فیصلے بعد میں ہوتے رہیں گے۔" میں نے کہا۔

حامد نے عقبی دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا تھا۔ اول خان نے گوپال کے گھر کا اگلا دروازہ کھولا تو قرب و جوار کے بعض مکانوں کی کھڑکیوں میں متجسس انسانی چہرے موجود تھے۔ اول خان نے اپنی رائفل کی نال آسمان کی طرف کر کے یکے بعد دیگرے دو فائر کیے۔ نظر آنے والے سارے چہرے یکا یک روپوش ہو گئے۔ اس اثنا میں حامد جیپ لینے کے لیے دوڑ لگا چکا تھا۔

جیپ اگلے دروازے پر رکی۔ خون میں لتھڑے ہوئے، خستہ
ل مراد کو چاروں نے احتیاط سے جیپ کے عقبی حصے میں ڈالا اور
ر ہم مناسب رفتار سے وہاں سے روانہ ہوگئے۔
"ایگل کالنگ!" اول خان نے اپنے ایریٹس پر پیغام نشر کیا۔
ہم باہر جیل روڈ پر آرہے ہیں۔ واپسی کے لیے رخ موڑ لو اور
پ پر نگاہ رکھو۔ تمہیں ہمارے پیچھے پیچھے آنا ہے۔ اوور!"
"لیس سر! ہم اباؤٹ ٹرن ہو رہے ہیں۔ اوور... ار... یہ بیگم
احب کچھ کہنا چاہ رہی ہیں سر! اوور۔"
"بے بی۔ آئی ایم سوری۔" اول خان نے غزالہ کے لیے
یام دیا "وہ نہیں ملا مگر مراد ہمارے قبضے میں ہے۔ باقی باتیں بعد
ں ہوں گی۔ ابھی ہمیں شہر سے نکلنے کی فکر ہے۔ اوور اینڈ آل۔"
"تم نے اچھا کیا کہ غزالہ کو بات کرنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ
تی ہے۔ زیادہ جذباتی ہو جاتی۔" میں نے اول خان کی حکمتِ عملی
ی تائید کی "وہ آملے گی تو اچھی طرح اپنے دل کی بھڑاس نکال لے
ی۔"

"سب اچھا ہوا مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ گوپال جیسے
ر آستین کو زندہ کیوں چھوڑ دیا گیا۔" ویرا بول پڑی "اس کا پورا
ن اس کی پنڈلیوں کی طرح چھلنی کر دینا چاہیے تھا۔"
"وہ مائیکرو سرجری اور خطیر خرچ کے باوجود ایک لمبے عرصے
ک بستر سے نہیں اٹھ سکے گا۔" میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔
وہ بستر سے اٹھے گا، تب بھی شاید لنگڑائے بغیر چلنے کے قابل نہیں
سکے گا۔ آسان موت کے مقابلے میں ایسی سسکتی ہوئی زندگی
یادہ عذاب ہوتی ہے۔ وہ جب تک زندہ رہے گا، اپنے اور
سروں کے لیے عبرت کا مرقع بنا رہے گا۔"
"اس کا انجام چمن علی کی روح تک کو لرزا کر رکھ دے گا۔"
ل خان نے خیال انگیز آواز میں کہا "جلد ہی بقیہ دونوں افراد کو
ی پتا چل جائے گا کہ گوپال چند کو اپنے کن اعمال کا خمیازہ
گتنا پڑا ہے۔"
جیپ جیل روڈ پر آکر بائیں طرف مڑ گئی۔ کچھ دور کھڑا ہوا
ک بھی اپنی جگہ سے رینگ کر سڑک پر آگیا۔
جیپ نے رفتار پکڑ لی۔ جیل روڈ کے چوراہے پر اول خان کے
یما پر حامد نے کراچی کی راہ لینے کے بجائے، سڑک کا عجیب سا
اویہ طے کرکے گاڑی حیدر آباد چھاؤنی جانے والی بائیں سڑک پر
وڑ دی۔ کچھ دور جانے کے بعد جیپ داہنی طرف گھوم گئی۔
وی ہیکل ٹرک مستقل فاصلے سے ہمارے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔
چھاؤنی کی چیک پوسٹ پر موجود گارڈ، ایس ٹی ایف کی
صطلاح کو نہیں سمجھ سکا اور اول خان کو جیپ سے اتر کر ڈیوٹی
ارجنٹ کے کیبن تک جانا پڑا۔ وہاں سے اسے بلا توقف پیش
می کا پروانہ مل گیا۔
فوجیوں کی زندگی میں وقت اور ڈسپلن کی کیا قدر و قیمت ہوتی

ہے، اس کا صحیح اندازہ کسی فوجی چھاؤنی میں جا کر ہی ہوتا ہے۔ منہ
اندھیرے اپنے اپنے کام پر حاضر ہونے والوں کے لیے اس وقت
رات کا ایک لمبا وقفہ گزر چکا تھا۔ ہر طرف روح کی گہرائیوں میں
اتر جانے والا عجیب سا سکون محیط تھا۔ ہماری گاڑیوں کے انجنوں کا
شور اس سکون و سکوت کو بہت بے رحمی سے مجروح کر رہا تھا۔
اول خان کو دونوں گاڑیوں کے سواروں میں ردّوبدل کے لیے
کسی پارکنگ لاٹ کی تلاش تھی۔ اس وقت سی ایس ڈی اور اس
سے ملحقہ دکانیں بند تھیں، حامد نے جیپ وہیں اتار دی اور اسے
آگے لے جا کر انجن بند کرتے ہی نیچے اتر کر ٹرک ڈرائیور کو ہاتھ
کے اشارے سے سگنل دینے لگا۔
فوراً ہی ٹرک کا رخ تبدیل ہوا اور چند ثانیوں بعد وہ اپنا رخ
بدل کر اس طرح جیپ کے پیچھے آلگا کہ دونوں گاڑیوں کے عقبی
حصوں میں صرف چند فٹ کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔
دونوں گاڑیوں کے سوار انجن بند ہونے کے بعد نیچے اتر
آئے۔ ٹرک سواروں کو کراچی سے روانگی کے بعد پہلی بار نیچے آکر
اپنی پشت اور ٹانگیں سیدھی کرنے کا موقع ملا تھا اور وہ اس سے
فیض یاب ہو رہے تھے۔
اس علاقے میں گشت پر مامور، ملٹری پولیس کے ایک باوردی
سپاہی نے بند اسٹورز کے پاس سادہ لباس والوں کی غیر معمولی بھیڑ
دیکھی تو کھوجی نگاہوں سے ہر چیز کا جائزہ لیتا ہوا اس طرف آگیا۔
مختصر سی گفتگو میں حامد نے اسے مطمئن کر دیا اور وہ سڑک پر جا کر
دوبارہ اپنے گشت میں مصروف ہو گیا۔
اسی اثنا میں غزالہ میرے پاس آپہنچی تھی اور تفکر آمیز لہجے
میں پوچھ رہی تھی "جب مراد ہاتھ آگیا تو سلطان شاہ کہاں ہے؟
اسے بھی گوپال چند کے گھر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔"
"ہم سب کا یہی خیال تھا مگر ایسا نہیں ہے۔ ویرا نے مراد کا
جوڑ جوڑ ہلا دیا ہے مگر وہ بہت سخت جان ہے۔ جب تک وہ زبان
نہیں کھولے گا، ہم سلطان شاہ کے بارے میں کچھ نہیں جان سکیں
گے۔ اس کا بولنا ضروری ہے۔"
"ویرا اسے مارتی رہے گی اور اس کے آدمی سلطان شاہ کو
ادھیڑتے رہیں گے۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟"
"میں صرف ایک بات جانتا ہوں کہ سلطان شاہ اگر اب تک
زندہ ہے تو اب وہ اپنی آزادی تک زندہ رہے گا۔ اس کے آدمیوں
کو معلوم ہو جائے گا کہ اب وہ مراد کے خسارے میں ہیں۔ مراد کی
آزادی کے لیے انہیں سلطان شاہ کو لوٹانا ہوگا۔"
اول خان کے آدمیوں نے مراد کو جیپ سے اتار کر ٹرک کے
پچھلے حصے میں منتقل کر دیا تھا۔ حامد کو اسی حصے میں سفر کرتے ہوئے
مراد پر اپنے حربے آزمانے تھے۔ غزالہ کو دوبارہ جیپ میں بلا لیا
گیا۔ ایس ٹی ایف کے چند کارکن آزادی سے سگریٹ وغیرہ پینے
کے لیے اپنے افسران سے دور نکل گئے تھے۔ ان کے لوٹتے ہی چھاؤنی

سے روانگی ہوگئی۔
اس بار جیپ کے ڈرائیونگ وہیل پر اول خان خود موجود تھا۔ چھاؤنی کی حدود سے نکل کر اس نے کراچی سے جانے والی راہ اختیار کرلی۔ میں کچھ دیر تک خاموش رہا پھر منزل کے بارے میں اس سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔
"تمہارا کیا خیال ہے؟ میں سلطان شاہ کے معاملے کو معلق چھوڑ کر کراچی واپس جانے کے بارے میں سوچ سکتا ہوں؟"
"تم اپنے ساتھ حامد کو بھی لے آئے ہو۔ اسٹیشن فور پر تم دونوں میں سے ایک کا موجود رہنا ضروری ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم واپسی کے بارے میں سوچ رہے ہو۔" میں نے اپنے ذہن میں موجود شبہ اس کے سامنے رکھ دیا۔
"ہنگامی ضروریات اور فیصلوں کے لیے ہماری ضرورت پڑتی ہے ورنہ درمیانے درجے کے افسران کو سب معلوم ہوتا ہے کہ کسے کیا کرنا ہے۔ اس وقت سلطان شاہ کی بازیابی ایس ٹی ایف کی سب سے بڑی ایمرجنسی ہے۔"
"لیکن ہم اسے کب تک سڑکوں پر لیے گھومتے رہیں گے؟" ویرا نے احتجاج کیا "میں نے اس پر جو بے رحمانہ تشدد کیا ہے' وہ قبر کے مردے کو بھی بولنے پر مجبور کردیتا ہے۔ وہ بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے۔"
"ابتدا میں ہر مجرم ایسا ہی نظر آتا ہے مگر پھر بول پڑتا ہے۔ تشدد چار چوٹ کی مار کا نہیں' مجرم کی ذہنی توڑ پھوڑ کا نام ہے۔ یہ ایک باقاعدہ فن ہے جس میں جسمانی تشدد کے ساتھ نفسیاتی حربے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ وہ ہوش میں آجائے پھر ہمیں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ہی اندازہ ہوجائے گا کہ ہمیں کدھر کا رخ کرنا چاہیے۔"
"دو تین گھنٹے گزارنے کے بعد تم نے کراچی جانے کا فیصلہ کیا تو مجھے سخت کوفت ہوگی۔ اتنی دیر میں ہم دو مرتبہ کراچی تک جاسکتے ہیں۔" ویرا نے اول خان کی باتوں کو اہمیت دیے بغیر کہا۔
اس نے ویرا کی بات خندہ پیشانی سے سن لی لیکن زبان سے کچھ نہ بولا۔
جام شورو سے کراچی کی طرف مڑنے کے بجائے اول خان سیدھا کوٹری کی طرف جانے والے راستے پر نکل گیا۔ وہ ویسے ہی سست رفتاری سے جیپ چلا رہا تھا۔ اس خراب سڑک کا آغاز ہوا تو رفتار مزید کم ہوگئی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس راستے سے کوٹری کا پورا صنعتی علاقہ عبور کرکے وہ دوسری طرف سے حیدر آباد پہنچا تو آسانی سے ایک گھنٹا گزر جائے گا۔
ناہموار اور جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی سنسان سڑک پر ہمارا سفر جاری رہا۔ سڑک کے دونوں طرف موجود ریت کے اونچے اونچے ٹیلے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دھرتی کے پھوڑوں کی طرح نظر آرہے تھے۔
"برڈ کالنگ ایگل... اوور!" ویرا نے کہا... سفر ختم ہونے سے پہلے حامد کا پیغام آیا۔
"کہے جاؤ' میں سن رہا ہوں۔ اوور!" اول خان نے بائیں ہاتھ سے اپنے اپریٹس کا بٹن دبا کر کہا۔
"زخموں پر بیٹری کے پانی کے استعمال سے وہ ہوش میں آگیا ہے مگر بہک رہا ہے۔ آپ کا اندازہ ہے کہ اب اس کے ساتھ جو کچھ ہوگا' اس کے نتیجے میں یہ چیخیں مارنے لگے گا... اوور۔"
"سامنے روشنیاں نظر آرہی ہیں۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دو تاکہ اس کی چیخیں نہ نکل سکیں۔ ہمیں جلد از جلد نتیجے کی ضرورت ہے تاکہ ہم کوئی فیصلہ کرسکیں۔ آدھے گھنٹے بعد ہم اسے ریلوے لائن سے باندھ کر کسی ٹرین کی آمد کا انتظار کریں گے اور اس کے ٹکڑے ہوتے ہی واپس کراچی لوٹ جائیں گے... اوور۔"
"اوکے سر! اب میں آدھے گھنٹے بعد رپورٹ دوں گا۔ اوور۔" حامد کا جواب آیا۔
"اوور اینڈ آل۔" اول خان نے گفتگو ختم کردی مگر اس کا اپریٹس بدستور آن تھا۔
"تم واقعی اسے ٹرین کے نیچے کٹوا دو گے یا اسے دہشت زدہ کرنے کے لیے یہ سب سنا رہے تھے؟" ویرا نے پوچھا۔
"ہم اسے کٹوا سکتے ہیں مگر سلطان شاہ کی آزادی کے بعد۔ اس وقت ساری گفتگو اسے سنانے کے لیے کی گئی ہے۔ اسے یہ احساس دلانا ضروری تھا کہ ہم اسے سلطان شاہ کی واپسی تک پالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔"
جیپ میں خاموشی چھاگئی۔ اس وقت ہم لیول کراسنگ عبور کرنے کے بعد صنعتی علاقے میں داخل ہوچکے تھے۔
صرف پندرہ منٹ گزرے تھے کہ حامد پھر لائن پر آگیا۔ اس کی دی ہوئی اطلاع سن کر ویرا حیرت سے اپنی نشست پر اچھل پڑی۔ چیرا لگنے کے بعد مراد نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اس نے سلطان شاہ پر گوپال کے مکان میں کچھ تشدد کے بعد اسے میرپور خاص روانہ کردیا تھا۔ حیدر آباد میں اپنے ہاتھ صاف رکھنے کے لیے اس نے میرپور خاص کو اپنا گڑھ بنایا ہوا تھا۔
"آگے دور تک آباد علاقہ ہے۔ میں جیپ واپس گھما رہا ہوں۔" اول خان نے اس کی پوری بات سننے کے بعد کہا "سنسان سڑک پر رک کر میں خود اس سے بات کروں گا۔ اس سے میرپور خاص کا پتا اور فون نمبر حاصل کرو۔ اوور۔"
"پتا مل چکا ہے۔ وہاں فون نہیں ہے اوور!" حامد نے جواب دیا۔
"کیا پورے میرپور خاص میں فون نہیں ہے؟" اول خان محض مراد کو مرعوب کرنے کے لیے غرایا "اسے اپنے کسی دوست کا نمبر یاد ہوگا۔ یہ وہاں آپریٹ کرتا ہے اور وہاں سے اتنا کٹا ہوا ہے۔ یہ جھوٹ ناقابل یقین ہے۔ اوور اینڈ آل۔"
"حامد کمال کا آدمی ہے۔" ویرا کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑ رہی

تھی۔ "اس کے بدن کے کس حصے پر چیرا لگایا گیا ہے؟"

میں ہنس پڑا "تم بعض اوقات بالکل احمق ہو کر رہ جاتی ہو۔ یہ نشتر زنی والا نہیں، دوسرا چیرا ہے۔ شکار کی ٹانگیں پھیلا کر سر پر اچانک وزن گرایا جاتا ہے اور ٹانگیں اپنے جوڑ سے چر جاتی ہیں۔ پتا نہیں حامد نے چلتے ٹرک میں یہ کام کیسے کیا ہوگا۔ مجھے اس سے یہ طریقہ ضرور معلوم کرنا ہوگا۔"

"ہمارے ٹرک آہنی باڈی والے ہوتے ہیں جن پر پیر خود پھسلتے ہیں۔ ڈرائیور کے کیبن کی پشت والی دیوار پر تیل لگا کر مجرم کو ٹرک کے فرش پر لٹا دیا جائے، ہاتھ باندھ دیے جائیں، ٹانگیں پہلے سے کھلی ہوئی ہوں اور تیزی سے دوڑتے ہوئے ٹرک کو اچانک بریک لگا دیے جائیں تو چیرا خود بہ خود وجود میں آجاتا ہے۔" اول خان نے بتایا "دوسرا طریقہ دو آدمیوں کے استعمال کا ہے۔"

"اوہ۔ یہ تو بہت سفاکانہ عمل ہے۔" ویرا شاید پھریری لے کر بولی تھی "آدمی زندگی بھر کے لیے معذور ہو سکتا ہے۔"

"معذور اور ناکارہ ہو جاتا ہے۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "لیکن یہ دیکھ لو کہ اس کے بعد مراد جیسے سخت جان مجرم سرعت سے راہِ راست پر آکر سچ اگلنا شروع کر دیتے ہیں۔"

"بعض مجرموں کے لیے بہیمانہ سزائیں ضروری ہوتی ہیں۔" اس نے مجھ سے اتفاق ظاہر کرتے ہوئے کہا "ان کو ہر ایک پر نہیں آزمایا جا سکتا۔ اگر یہ احتیاط برتی جائے تو پھر کہیں کوئی شکایت پیدا نہیں ہو سکتی۔"

اول خان جیپ کو واپس اسی سمت میں لے جا رہا تھا۔ جدھر سے آیا تھا۔ میرے لیے ایس ٹی ایف والوں کا سفری تفتیش کا وہ تجربہ بالکل نیا تھا۔ ویران سڑک کے تقریباً وسط میں اول خان نے اپنی جیپ روک لی۔ اس کے ساتھ میں بھی جیپ سے اتر گیا۔ اپنے اعلیٰ افسر کے احترام میں حامد کے ماتحت ایک ایک کر کے ٹرک سے نیچے کود رہے تھے۔

ٹرک کا پچھلا حصہ خالی ہونے کے بعد ہم دونوں اچک کر ٹرک پر سوار ہو گئے۔ اندر ہلکی سبز روشنی کا ایک بلب روشن تھا جو گھور اندھیرے میں بہت غنیمت نظر آرہا تھا۔ مراد کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے، وہ بدستور ٹرک کے آہنی فرش پر پڑا ہوا تھا۔ چیرا لگنے کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہا تھا کہ اپنے نچلے دھڑ پر ذرا بھی زور ڈال سکے۔

ہم دونوں ٹرک میں نصب بینچوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ کسی کے کچھ بولنے سے پہلے مراد نے کراہتے ہوئے بولنا شروع کر دیا۔ "مجھے جو معلوم تھا، وہ میں بتا چکا ہوں۔ اب میرے اوپر ظلم مت کرو۔ تم نے مجھے تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔"

اول خان نے حامد کی طرف دیکھا اور وہ بول پڑا "اس نے اپنے ایک دوست کا نمبر دیا ہے۔ باقی نمبر زبانی یاد نہیں ہیں، ڈائری میں درج ہیں جو گوپال کے گھر پر رہ گئی ہے۔"

"تم اپنے دوست سے بات کرو اور اس سے کہو کہ وہ تمہارے ٹھکانے سے قیدی کے بارے میں پتا کرے۔ ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس وقت تمہارا قیدی کہاں اور کس حال میں ہے۔"

"مجھے گوپال کے گھر لے چلو، میں مولا داد سے بات کر لوں گا۔" اس کی آواز سے تذبذب کی کیفیت جھلک رہی تھی۔

"وہاں جانے کی ضرورت نہیں، ہمارے پاس موبائل فون موجود ہے۔" میں نے جیب سے اپنا فون نکال لیا۔

ہم تینوں میں سے کسی کو سندھی زبان پر مکمل عبور نہیں تھا۔ وہ مولا داد سے گفتگو کے دوران میں کوئی معنی خیز پیغام بھی دے سکتا تھا۔ اس کے ازالے کے لیے اول خان نے بخشل کو ٹرک میں بلا لیا۔ وہ پیدائشی سندھی تھا اور فورس کے بہتری کارکنوں میں شمار ہوتا تھا۔ اول خان کا مدعا جانتے ہی اس نے مراد کو سندھی میں ڈانٹنا شروع کر دیا۔ وہ اسے دھمکا رہا تھا کہ اس نے فون پر کوئی بدمعاشی کرنے کی کوشش کی تو اسے الٹا چیرا لگا کر موت کے منہ میں پہنچا دیا جائے گا۔ میرے لیے الٹے چیرے کی اصطلاح بالکل نئی تھی مگر اس وقت میں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ فون آن کر کے حامد کا بتایا ہوا نمبر ملانے لگا۔ بخشل نے مراد کے ہاتھ کھول دیے۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ ٹیلی فون لائنیں مصروف نہیں تھیں اس لیے پہلی کوشش میں نمبر مل گیا۔ تین گھنٹیوں کے بعد دوسری طرف سے نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سن کر میں نے اسے بتایا کہ مراد اس سے بات کرے گا پھر فون مراد کو دے دیا۔

ان دونوں کے درمیان قدرے طویل بات ہوئی۔ مراد نے اپنے ڈیرے سے حسن نامی کسی شخص کو بلوانے کی فرمائش کی تھی پھر مولا داد کو یہ سمجھاتا رہا کہ رات ضرور زیادہ ہو گئی تھی مگر وہ اہم معاملہ تھا۔ حسن سے اس کی بات ہونی ضروری تھی۔

گفتگو ختم کر کے اس نے بتایا کہ مولا داد اس کے آدمی کو پندرہ منٹ بعد اپنے گھر لے آئے گا۔ اس وقت وہ دوبارہ اسی نمبر پر حسن سے بات کر کے کچھ بتا سکے گا۔

"اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کے بعد اب جان اسمتھ تم سے کیا کام لے رہا ہے؟" میں نے سگریٹ سلگا کر اس سے پوچھا۔

اس وقت تک مراد سے اس کی سرگرمیوں کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہیں کی گئی تھی۔ سارا زور سلطان شاہ والے معاملے پر تھا۔ میرے سوال پر اس کے دہانے سے ایک گہرا سانس خارج ہوا اور اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا "میں اب سمجھا کہ تم سب فوجی ہو مگر سادہ کپڑوں میں آئے ہو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ سارا مال کسی اور کو جا رہا ہے، میں بیچ کا آدمی ہوں۔"

"ہم اسے بھی دیکھ لیں گے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس مال کے بدلے کیا کام ہو رہا ہے۔"

"وہ نیا چھور کے قریب جنگل میں لڑکوں کو ہتھیاروں کے

استعمال کی ٹریننگ دیتا ہے۔ اس کی گاڑیاں تھریوں میں اناج بانٹتی ہیں۔ ان کو خاص خاص فلمیں دکھاتی ہیں۔ میں کچھ بھی نہیں کرتا' بیچ کا آدمی ہوں۔" اس کے سارے کس بل نکل چکے تھے اور وہ بری طرح خوف زدہ تھا۔ شاید اسے اپنا انجام قریب نظر آنے لگا تھا۔

"وہ کون ہے .... ہمیں اس کے بارے میں بتاؤ تاکہ تمہاری جان بچ سکے۔ ابھی تک تم ہی ہمارے سامنے ہو اور سارا پیسا تمہاری این جی او کو دیا جارہا ہے۔" میں نے اسے دلاسا دیا۔

"وہ کھوکھرا پار کا کرشن کمار ہے جو آزادی سے سرحد کے دونوں طرف آتا جاتا رہتا ہے۔ وہ بڑے شہروں کا رخ کرنے سے ڈرتا ہے لیکن صحرا کا بادشاہ ہے۔ وہ میری این جی او کا نام استعمال کرنے کے لیے اچھا کمیشن دیتا ہے۔"

"وہ خود اپنی این جی او کیوں نہیں بنالیتا؟ اسے تمہاری کیا ضرورت ہے؟"

"رجسٹریشن کراچی میں ملتا ہے۔ بہت دھکے کھانے پڑتے ہیں' ریکارڈ رکھنا پڑتا ہے۔ پیسا خرچ ہوتا ہے تب کام بنتا ہے اور وہ شہروں سے ڈرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ نفرت کرتا ہو۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ لوگوں کو ہتھیاروں کے استعمال کی تربیت دینا کتنا بڑا جرم ہے؟"

"میں پڑھا لکھا ہوں۔ جانتا ہوں کہ یہ بغاوت ہے مگر میں باغی نہیں ہوں' بیچ کا آدمی ہوں۔" اس نے آخر میں پھر گرہ لگادی۔

"تم نے فورڈ فاؤنڈیشن کا نام سنا ہے؟" میں نے دھیرے سے سوال کیا۔

"میں چار برس سے انہیں خط لکھ لکھ کر تھک گیا ہوں۔" اس کی آواز میں حسرت امڈ آئی۔ سارا ریکارڈ بھیجتا ہوں' سالانہ رپورٹ بھیجتا ہوں مگر وہ جواب ہی نہیں دیتے۔ وہ میری صحرا کا ہاتھ تھام لیتے تو آج میں یوں ذلیل نہ ہوتا۔ وہ جس کی مدد کرتے ہیں' اس کے وارے نیارے ہوجاتے ہیں۔ اسے دوسروں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں رہتی۔"

اس وقت تک اس نے شاید وہی ایک بات سچ کہی تھی اور اس کا سرا مل رہا تھا۔ اس کی خط وکتابت فورڈ فاؤنڈیشن کے ریکارڈ پر تھی۔ وہ اندازہ لگا چکے تھے کہ مراد ان کے ذریعے بھاری مالی فائدہ اٹھانے کے چکر میں ہے۔ انہوں نے آخر کار اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا مگر اس کے عوض وہ مراد سے جو کام لینا چاہتے تھے' اس میں نیک نامی نہیں تھی۔ انہوں نے براہ راست خود سامنے آنے کے بجائے فریڈم انٹرنیشنل کے اکرم الٰہی کو اس کی امداد پر مامور کردیا۔ ساتھ ہی ان چار افراد کے ناموں کی نشاندہی کردی جو فورڈ فاؤنڈیشن کے مطلوب مقاصد کو آگے بڑھانے میں مراد کا ہاتھ بٹاسکیں۔

مراد دولت کمانے کی ہوس میں مرا جارہا تھا۔ وہ بہت آسانی سے اکرم الٰہی کے چنگل میں پھنس گیا۔ وہ سارا اس کا اپنا کھیل تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں کرشن کمار کا بھی کوئی اہم کردار رہا ہو مگر وہ اصل آدمی نہیں تھا۔ اصل آدمی مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر اپنا عذاب کرشن کمار کے سرلاد رہا تھا۔ بیچ کے آدمی کا سہ لفظی فقرہ وہ ٹیپ کے بند کے طور پر استعمال کررہا تھا۔

اس کی سنائی ہوئی کہانی پر وہ یقین کرتا جس نے اکرم الٰہی کی فائل میں موجود فورڈ فاؤنڈیشن کے پیغامات نہ دیکھے ہوتے۔ میں نے اس وقت تک دانستہ چمن علی کا نام نہیں لیا تھا۔ میری زبان سے وہ نام سنتے ہی مراد کی ہر آس ٹوٹ جاتی' وہ سمجھ لیتا کہ اس کا کھیل ختم ہوچکا ہے۔ اس کی مایوسی کے نتیجے میں سلطان شاہ کی رہائی کا معاملہ خطرے میں پڑسکتا تھا۔

یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ حیدر آباد میں اس سازش کے دو مہرے ہمارے سامنے آئے اور دونوں ہی کم وبیش یکساں انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ گوپال چند کی ٹانگیں میری فائرنگ کے نتیجے میں ٹوٹ گئیں تھیں۔ اس کی پنڈلیوں کی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا دوبارہ صحیح حالت میں جڑجانا' میرے نزدیک ناممکنات میں سے تھا اور مراد پر حامد نے چیرا آزمایا تھا۔ اس کا نچلا دھڑ ایسی شکست وریخت کا شکار ہوا تھا کہ اس کی مکمل صحت یابی کی امید کم ہی تھی۔

میں نے مراد سے کہا "یہ نصیب کی باتیں ہوتی ہیں۔ بعض لوگ ساری زندگی کسی سراب کا پیچھا کرتے کرتے خاک میں مل جاتے ہیں' کچھ ایسے ہوتے ہیں جنہیں راہ چلتے اپنے خوابوں کی تعبیر مل جاتی ہے۔ تمہیں وہ نہیں' ان جیسے سرپرست مل گئے۔"

"وہ مجھے نہیں ملے۔ تم میری بات سن نہیں رہے یا سن رہے ہو تو سمجھ نہیں رہے کہ کرشن کمار شہروں کے انسانی جنگل سے ڈرتا ہے۔ میرے ذریعے یہ سب اسی کو ملا ہے۔ میرا کیا تھا؟ بس تھوڑا سا کمیشن۔ میرے خواب تو ابھی تک ادھورے ہیں۔"

"گوپال کے گھر کے باہر تمہاری پیجیرو نظر نہیں آئی؟" میں نے لطیف کنائے میں اسے اس کے فوائد یاد دلائے۔

"وہ گاڑی ضرور میری ہے اور میں اسے احتیاط سے ایک بند گیراج میں رکھتا ہوں۔ نہ جانے اب میں کتنے دنوں تک اسے نہیں چلا سکوں گا۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہیں فورڈ فاؤنڈیشن اچانک کیوں یاد آگئی تھی۔"

"تمہارا دوست گوپال فورڈ فاؤنڈیشن کا آدمی ہے۔" موقع ملنے پر میں نے چار میں سے ایک نام اس پر کھول دیا پھر بھی چمن علی کا کوئی حوالہ نہیں دیا "جب تم پٹ رہے تھے تو وہ نشے میں دہاڑ رہا تھا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کا معزز رکن ہے۔"

"وہ کہہ رہا تھا تو پھر ٹھیک ہی ہوگا۔ میری اس سے دوستی ضرور ہے مگر اس بارے میں اس سے کبھی میری بات نہیں ہوئی۔" میں اس کی زبان سے وہ سفید جھوٹ سن کر حیران رہ گیا۔ وہ ذہنی اور جسمانی طور پر بکھر جانے کے باوجود آخری بڑی بازی جیتنے کے لیے

سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھا اور بڑے تسلسل کے ساتھ اپنا دامن بچائے رکھنے کی کوششیں کر رہا تھا۔

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے میری آواز نہیں پہچانی تھی یا پھر یہ اصل آواز اور موبائل فون پر گونجتی ہوئی آواز کا فرق تھا کہ وہ دھوکا کھا رہا تھا اور مجھ پر مقبول چوہدری کا خاص آدمی ہونے کا الزام نہیں لگا سکا تھا۔

"سر! مولا داد سے بات ہوئے سولہ منٹ ہو چکے ہیں۔" حامد نے ادب سے یاد دلایا۔

میں نے پہلے ملایا ہوا نمبر ری ڈائل کرتے ہی فون مراد کو دے دیا اور جلدی سے کہا "حسن کو بتا دینا کہ تم کس حال میں ہو۔"

اس کی گفتگو شروع ہوگئی۔ ہم تینوں اس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ سن ہی رہے تھے۔ بخشل بھی پوری توجہ اور فرض شناسی کے ساتھ اس کے سر پر سوار تھا۔ مجھے خیال آیا کہ وہ اپنے ایک ملازم یا کارکن سے بات کر رہا تھا۔ حسن کیا کہہ رہا تھا' یہ ہمارے علم میں نہیں تھا۔ ہم صرف وہ سن رہے تھے جو مراد کہہ رہا تھا۔

اس نے سارے کھیل میں اپنے کردار کے بارے میں جس تواتر سے جھوٹ بولے تھے' ان کے پیش نظر اس سے کوئی بات بعید از قیاس نہیں تھی اس کا جسم بری طرح مجروح تھا لیکن اس کا دماغ کام کر رہا تھا یا پھر وہ خود کو ابتدائی صدمے سے بہت جلد سنبھالنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ میرے لیے وہ قابل اعتبار نہیں تھا۔

فون پر اس کی باتوں سے یوں ظاہر ہو رہا تھا جیسے مطلوب قیدی میرپور خاص میں نہ ہو اور کرشن کمار اسے کہیں آگے لے گیا ہو۔ اس نے حسن کو اپنی پوزیشن بتا دی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اسے شاید قیدی کے بدلے ہی فوجیوں کی تحویل سے نجات ملے گی۔ قیدی کو کچھ ہوا تو خود اس کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ کرشن کمار کو یہ بات معلوم ہو جانی چاہیے تھی۔

عین ممکن تھا کہ وہ اپنے یک طرفہ مکالموں سے حسن کو سمجھا رہا ہو کہ وہ ہمیں کس راہ پر لے جانا چاہ رہا تھا۔ ایسی صورت میں حسن سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ بھی وہی راگ الاپتا جو مراد سنا رہا تھا۔

حسن سے بھی اس کی گفتگو ختم ہوگئی۔ اس نے فون مجھے لوٹاتے ہوئے مایوسانہ آواز میں کہا "قیدی ٹھیک ٹھاک ہے لیکن کرشن کمار اسے میرپور خاص سے کہیں آگے نکال لے گیا ہے۔ قیدی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا مگر وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ میں نے اپنی پوری کوشش کی ہے کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

"تم نے ایک بے گناہ شہری کو پکڑا ہے۔ ہماری کوشش تھی کہ اسے چھڑا لیں۔ اگر وہ تمہارے بس سے باہر ہے تو پھر مجبوری ہے۔ ہم کرشن کمار کو ڈھونڈیں گے۔ تمہاری گلو خلاصی نہیں ہوگی۔"

"میں نے تمہارے سامنے کہا ہے کہ قیدی کے بدلے تم مجھے

چھوڑ دو گے....“

میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی ”یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ قیدی ہمارے لیے اتنا اہم تھا.... اور نہ ہے۔“

”تمہارے آدمی کا سارا زور اسی پر تھا۔ اس کا پتا معلوم کرنے کے لیے میرا حشر خراب کر دیا گیا۔“

”ایک آدمی کو بچانے کے لیے ہم جو کچھ کر سکتے تھے، وہ کر لیا۔ ہم نے تمہارے لیے آدھے گھنٹے کا وقت رکھا تھا۔ تم زبان نہ کھولتے تو تمہیں کسی ٹرین کے نیچے دے دیا جاتا۔ تم نے زبان کھولی ہے اس لیے ہم تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔“

وہ خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس لینے لگا جیسے اس کی تکلیف میں ایک دم اضافہ ہو گیا ہو۔ میں نے اول خان کو اشارہ کیا اور ہم دونوں خاموشی کے ساتھ ٹرک کے عقبی حصے سے نیچے اتر گئے۔

”اس نے تو سب کچھ الجھا دیا ہے۔“ ٹرک سے قدرے دور ہٹتے ہی اول خان پر تشویش آواز میں بولا۔

”سب اس کی بدمعاشی ہے۔ اس کا دم خم آہستہ آہستہ واپس لوٹ رہا ہے۔“

”کمال ہے۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ تم اس کی باتوں سے متفق ہو۔“

”سلطان شاہ کی زندگی کی خاطر میں اسے یہ تاثر دے رہا تھا ورنہ میں نے اس کی نیت کا کھوٹ بھانپ لیا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے اس سے چمن کا کوئی ذکر نہیں کیا۔“

اول خان کو ٹرک میں موجود ناکافی سبز روشنی کی وجہ سے میرے چہرے کے تاثرات دیکھنے کا موقع ملا، نہ ہم دونوں کے درمیان براہِ راست بات چیت کی نوبت آئی تھی۔ اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں مراد کے بارے میں کس نہج پر سوچ رہا تھا۔ میں نے مراد کے بیان کے تضادات کی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی تو وہ فوراً میرا ہم خیال ہو گیا۔

”ہم ایک بند گلی کے سرے پر پہنچ چکے ہیں۔“ اول خان نے تفکر آمیز لہجے میں کہا ”اگر مراد جھوٹ بول رہا ہے تو سلطان شاہ کہاں ہے۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

”مجھے شبہ ہے کہ سلطان شاہ ابھی تک میرپور خاص میں ہے۔ مراد اور حسن کی بات ہونے کے بعد اسے وہاں سے ہٹا دیا جائے تو اور بات ہے۔ دوسری طرف نیا چھور کے تربیتی کیمپ کا معاملہ بھی سنگین ہے۔ ہمیں تیزی کے ساتھ وہاں پہنچنا ہو گا۔ زیادہ وقت گزر گیا تو سلطان شاہ کے ساتھ مراد کے اہم ساتھی بھی غائب ہو جائیں گے۔“

”اگر تم اس فیصلے پر پہنچ چکے ہو تو ہم اسی وقت میرپور خاص کے لیے روانہ ہو سکتے ہیں۔“

”اس طرح بات نہیں بن سکے گی۔ وہ پہلے ہی ہم سے بہت آگے ہیں۔ ہم میرپور خاص پہنچیں گے تو وہ کسی سرحدی گاؤں میں ہوں گے۔ خطرے کو اپنے سر پر منڈلاتا ہوا دیکھ کر وہ سرحد پار نکل گئے تو قصّہ طول پکڑ جائے گا۔“

اول خان چکرا کر رہ گیا ”پھر تمہاری تجویز کیا ہے۔ میرا تو ذہن کام نہیں کر رہا۔“

”اگر ہمیں ایک ہیلی کاپٹر مل سکے تو ہم بہت تیزی سے ان کے سروں پر پہنچ سکیں گے۔ وہ جہاں بھی ہوئے، ہم انہیں جالیں گے۔ ان کو سرحد پار کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔“

”ہیلی کاپٹر ملنا مشکل ہے۔“ وہ سوچتے ہوئے بولا ”کسی طرح آرمی والوں سے کوئی ہیلی کاپٹر مل بھی گیا تو ہمیں اس کو سرحد سے بارہ پندرہ میل دور رکھنا ہو گا۔ کوئی فوجی ہوا باز اس ضابطے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔“

”سرحد سے اتنی دور رہ کر سرحدوں کی نگرانی کیسے ممکن ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”فضائی حدود کی یہ پابندی دونوں فریقوں کے لیے ہے۔ ان حدوں سے آگے ساری ذمّے داری زمینی دستوں کی ہوتی ہے۔ ہیلی کاپٹر میں ہمیں ہر حال میں سرحد سے دور رہنا ہو گا۔“

میں سوچ میں پڑ گیا۔ مجھے خاموش پا کر اول خان پھر بولا ”اس کی زبان سے کرشن کمار اور اس کے تربیتی کیمپ کا ذکر سنتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ چکر سرحد پار تک پھیلا ہوا ہے۔“

”اس کے انکشاف پر مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ حالات کے رخ سے پتا چل رہا تھا کہ ان معاملات میں سرحد پار والے ضرور ملوث ہیں۔ دھنی رام، گوپال چند اور اب کرشن کمار کی موجودگی کے بعد کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اس وقت سلطان شاہ کا معاملہ درپیش نہ ہوتا تو ہمیں کوئی پریشانی نہ ہوتی۔ ان سے آرام سے نمٹ لیا جاتا۔“

”کیوں نہ ہم تبادلے کے بارے میں مراد کی تجویز قبول کر لیں۔“ اول خان نے یوں کہا جیسے اسے کوئی انوکھی بات سوجھی ہو۔

میں تلخی سے ہنس پڑا ”بعض اوقات تم بہت سی اہم باتیں نظر انداز کر دیتے ہو۔ کیا تمہیں اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس کی یہ پیشکش ایک چال سے زیادہ نہیں ہے۔“

”تمہیں معلوم ہے کہ میں سیدھے اور صاف ذہن کا آدمی ہوں۔ چال پیچ کی باتیں کرتا ہوں نہ ایسی باتیں آسانی سے میری سمجھ میں آتی ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ بھی ہنسا پھر بولا ”ایسے معاملات میں ہمیشہ تم میری مدد کرتے ہو۔“

”ایک طرف وہ یہ کہہ رہا ہے کہ کرشن کمار نے سلطان شاہ کو میرپور خاص سے آگے بڑھا دیا ہے اور دوسری طرف وہ اپنے اور سلطان شاہ کے تبادلے کی بات کر رہا ہے۔ کیا یہ دونوں متضاد باتیں نہیں ہیں؟“

”بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔“ اس نے اعتراف کیا۔
”ہوسکتا ہے کہ اس کے پاس کوئی متبادل راہ ہو۔“
”کوئی راہ نہیں ہے۔“ میں نے وثوق سے کہا ”چیرا لگنے کے بعد وہ اتنا خستہ حال ہے کہ جسمانی طور پر فرار کی کوئی کوشش نہیں کرسکتا۔ وہ ہمیں گھیر گھار کر اپنے گڑھ میں لے جانا چاہتا ہے تاکہ اس کے آدمی اسے ہمارے قبضے سے نکال سکیں۔“
”وہ ہمیں فوجی سمجھ رہا ہے!“ اول خان نے حیرت سے کہا۔
”کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی مجرم فوج سے اس قدر کھلا تصادم مول لینے کے بعد عافیت کے ساتھ یہاں رہنے کا تصور کرسکے؟“
”سرحد پار اس کے ہمدرد موجود ہیں تو اسے یہاں رہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ ایک بار رتی ترانے میں کامیاب ہوجائے تو پل بھر کے لیے بھی اس سرزمین پر نہیں رکے گا۔ وہ ہر قیمت پر اپنی آزادی کا خواہاں ہے۔ دوسری صورت میں اسے نوشتۂ دیوار صاف نظر آرہا ہوگا۔“ اسی وقت ویرا اور غزالہ بھی ہمارے پاس آموجود ہوئیں۔
”آزادی یا موت۔ اس کے سامنے ان دو کے سوا تیسرا راستہ نہیں ہے۔“
”پھر بھی میں تمہاری تسلی کے لیے اس سے تبادلے کے موضوع پر بات کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ میں نے اپنی آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا ”دیکھتے ہیں کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔“
”تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ تمہاری وضاحتوں کے بعد اس مشق کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔“ اول خان نے پورے خلوص کے ساتھ اپنے مؤقف سے پسپائی اختیار کرلی۔
”اس سے بات کرنے میں کیا حرج ہے؟“ غزالہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا ”اس وقت وہ ہمارا قیدی ہے۔ ہماری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ سلطان شاہ کے لیے ہمیں ہر امکان پر کام کرنا چاہیے۔“
”پہلے میرا بھی یہی خیال تھا۔“ اول خان نے اسے بتایا ”تم یہ بات اس لیے کہہ رہی ہو کہ ابھی ابھی اِدھر آئی ہو۔ تم نے ڈینی کا تجزیہ نہیں سنا۔ اس کی نگاہیں بہت دور تک کام کرتی ہیں....“
غزالہ نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا ”میں یہ نہیں کہہ رہی کہ وہ جو کچھ کہے، اس پر آنکھیں بند کرکے عمل کرنا شروع کردو۔ وہ واقعی بہت مکّار اور جھوٹا آدمی ہے مگر ایک کوشش کرلینے میں کیا حرج ہے؟“
ویرا نے بھی غزالہ کی تائید کی اور میں چڑ گیا۔ میرے دماغ میں اتنا دم نہیں تھا کہ ساری باتیں ان کے سامنے دہرا کر انہیں اپنی رائے تبدیل کرنے کا مشورہ دیتا۔ میرے انکار کے بعد اگر خدانخواستہ سلطان شاہ کے ساتھ کوئی سانحہ رونما ہوجاتا تو غزالہ اور ویرا کے دلوں میں عمر بھر کے لیے، میری طرف سے بدگمانی جڑ پکڑلیتی۔
”میں اس سے بات کیے لیتا ہوں۔ تم دونوں بھی ٹرک میں آجاؤ۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔
”شاید ہمارا اس کے سامنے جانا مناسب نہ ہو۔“ غزالہ نے کہا ”آپ ہی اول خان کے ساتھ ہو آئیں۔“
”ٹرک میں بہت کم روشنی ہے۔ وہ پلٹ کر تمہیں نہیں دیکھ سکے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں ساری گفتگو اپنے کانوں سے سن لو تاکہ بعد میں کوئی دلیل یا حجت باقی نہ رہ جائے۔ ایک مرتبہ یہ قصہ ختم ہوجانا چاہیے۔“
”شاید ہمارا مشورہ تمہیں ناگوار گزرا ہے۔“ ویرا نے بے لاگ انداز میں اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔
”ہرگز نہیں۔“ میں نے صفائی سے اس کا صحیح اندازہ مسترد کردیا ”ہم میں سے کوئی بھی سلطان شاہ کا بدخواہ نہیں ہے۔ کچھ نہ کرنے کے مقابلے میں کچھ کر گزرنا ہی زیادہ بہتر رہے گا۔ بعض اوقات عقل اور دلیل دھری کی دھری رہ جاتی ہے، محض مقدر کی یاوری کی بنا پر کوئی معجزہ رونما ہوجاتا ہے۔ شاید اس بار بھی ایسا ہوجائے۔“
حامد ٹرک سے اتر آیا تھا۔ ٹرک میں ہتھیاروں کے ساتھ فاضل گولیوں وغیرہ کی بھاری مقدار بھی موجود تھی اس لیے بخشل کو مراد کی نگرانی کے لیے ٹرک میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ ہم چاروں وہاں

پہنچے تو خواتین کی سہولت کے لیے کلیمپ کھول کر ٹرک کی پچھلی دیوار نیچے گرادی گئی۔ وہ دونوں اچھل کود میں خاصی مہارت رکھتی تھیں۔ کسی سہارے کے بغیر ٹرک میں سوار ہو کر خاموشی سے بینچ کے آخری سرے پر بیٹھ گئیں۔ بخشل فوراً نیچے آگیا اور ہم دونوں پھر سے مراد کے سر پر سوار ہو گئے۔

ٹرک میں ہونے والی ہلچل نے مراد کو مضطرب کیا ہوا تھا۔ ہلکی روشنی میں اس نے ہمارے چہرے دیکھے تو اس کی آنکھوں میں حیرت سی ابھر آئی اور اس نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا "ٹرک بہت دیر سے رکا ہوا ہے۔ تم سفر شروع کیوں نہیں کرتے!"

"ٹرک اپنے وقت پر چلے گا۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"ہلنے جلنے سے معذور، ایک بے بس قیدی ہوں۔ میں اپنے مستقبل کے سوا کیا سوچ سکتا ہوں؟"

"تم آج پکڑے جانے والے آدمی کے ساتھ اپنے تبادلے کی بات کر رہے تھے۔ وہ کب تک حیدر آباد آسکتا ہے؟"

"وہ کرشن کمار کے قبضے میں ہے۔ اس کا حیدر آباد آنا مشکل ہے۔ تمہیں میرپور خاص جانا ہوگا۔"

اول خان نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا مگر منہ سے کچھ نہ بولا۔ میں بدستور مراد سے بات کرتا رہا "قیدی میرپور خاص میں نہیں ہے تو ہم وہاں جا کر کیا کریں گے؟"

"مجھے اب پھر حسن سے بات کرنی پڑے گی۔ کرشن کمار کے پیچھے آدمی دوڑانا پڑے گا۔ وہ بڑا آدمی ضرور ہے مگر میری عزت کرتا ہے۔ جب اسے معلوم ہوگا کہ قیدی کے بدلے میری جان بچ سکتی ہے تو وہ اسے میرپور خاص لے آئے گا۔"

"اور اگر ایسا نہ ہوا تو....." میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ میرا مان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کرشن کمار میرا مان نہیں توڑے گا۔ اسے شہروں میں بھاگ دوڑ کرنے والے ایک پڑھے لکھے آدمی کی ضرورت ہے۔ وہ میری بات نہیں ٹالے گا۔"

"تم نے ہمارے ساتھ کوئی دھوکا کیا تو تمہارا حشر بہت خراب ہوگا۔" اول خان خاموش نہ رہ سکا۔

"تم فوجی ہو۔ یہ بات میں بھی جانتا ہوں کہ تمہیں دھوکا دے کر میں کہیں نہیں بچ سکوں گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کرشن کمار میرا مان نہ رکھے، آنے سے انکار کردے۔ تم لوٹ آنا۔ میں بھی خود کو اپنے نصیب کے حوالے کردوں گا۔"

اول خان نے پہلو بدل کر بے چینی سے میری طرف دیکھا۔ میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ بادی النظر میں مراد ظریف کی تجویز بہت سیدھی اور قابل عمل نظر آرہی تھی۔ اس میں اس کے من میں چھپے ہوئے اس کھوٹ کا نام ونشان تک نہیں تھا جو میری آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ میرے لیے وہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ سلطان شاہ سے ویرا اور غزالہ کی گہری جذباتی وابستگی کی وجہ سے میں اس نازک موڑ پر اپنا فیصلہ مسلط نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں نے موبائل فون نکال کر ری ڈائل بٹن دبایا اور ایک مرتبہ پھر فون مراد کو دے دیا۔ اس بار اس کی گفتگو کا مکمل مفہوم سمجھنے کے لیے میں نے بخشل کو بلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

میرا اندازہ تھا کہ ایک مرتبہ پھر وہی چکر چلے گا۔ مراد، مولا داد کو پیغام دے گا۔ وہ حسن کو بلانے جائے گا تب کہیں مراد اور حسن کی بات ہوسکے گی مگر مراد کے ابتدائی جملوں سے واضح ہوگیا کہ حسن اپنے ٹھکانے پر لوٹنے کے بجائے اس وقت تک مولا داد کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

مراد نے اسے اپنے تبادلے کی خوش خبری سنا کر تاکید کی کہ وہ اسی وقت میرپور خاص سے نیا چھور تک سارے ٹھکانوں پر کرشن کمار کو تلاش کرے اور اسے سب کچھ بتا کر قیدی کے ساتھ میرپور خاص لے آئے۔

"اب ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ کرشن کمار میرپور خاص پہنچ گیا ہے؟" اول خان نے خالی الذہنی کے عالم میں پوچھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ ہمیں حیدر آباد میں رک کر اس امر کی تصدیق کرنے کے بجائے میرپور خاص کے لیے روانہ ہونا تھا۔ وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوتا کہ کرشن کمار کون ہے اور کس حد تک مراد کی توقعات پر پورا اترتا ہے۔

"یہاں رک کر انتظار کرو تو تین چار گھنٹوں تک پتا چل جائے گا۔" مراد نے اپنی پچھلی بات دہرانے کے بجائے تحمل سے جواب دیا "وقت بچانے کے لیے بہتر ہوگا کہ ہم میرپور خاص چل دیں۔ تمہیں وہاں زیادہ نہیں رکنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے!" اول خان نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم چاروں ٹرک سے نیچے اتر آئے۔

ویرا اور غزالہ اس گفتگو سے بہت خوش تھیں، اول خان مضطرب تھا اور میں دل ہی دل میں صرف بہتری کی دعا کررہا تھا۔

ایس ٹی ایف والوں کے لیے یہ خبر خاصی سنسنی خیز ثابت ہوئی کہ سفر کی منزل بدل گئی تھی اور قافلے کو کراچی کے بجائے میرپور خاص کی طرف جانا تھا۔

ایک فیصلہ ہونے کے بعد سب چند منٹ میں اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ گئے۔ رات کے سناٹے میں جیپ اور ٹرک کے انجنوں کی تیز غراہٹیں گونجیں اور ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نئے سفر کا آغاز ہوگیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیپال انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنٹول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ذیبی کو تلاش کرکے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھمن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ذیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظورِ نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبہ سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائفل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رائفل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائفل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہِ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محبِ وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رائفل نے سفارتی حیثیت کا حوالہ دے کر جان چھڑانا چاہی مگر ناکام ہوا۔ ہم نے آئی بی والوں سے رابطہ کیا' اسلام آباد میں ان کی کارروائیوں کے باعث امریکیوں کو اس معاملے میں خفت سے دوچار ہونا پڑا اور بوب رائفل صدر امریکا کے ایک حکم کے تحت اپنے عہدے سے برطرف ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرم الٰہی سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس نے بتایا کہ وہ بظاہر انسداد ہیروئن کے لیے قائم کی گئی امریکی ایجنسی فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کی خفیہ سرگرمیوں کے حوالے سے بلیک میل کرکے خطیر رقوم حاصل کرتا رہا ہے۔ اس نے فورڈ فاؤنڈیشن کی غیر قانونی سرگرمیوں کی فائل مرتب کی تھی جسے مقبول چوہدری نے اس سے حاصل کرکے اپنی منظور نظر طوائف کے گھر میں رکھوا دیا تھا۔ ہم نے وہ فائل بہ آسانی حاصل کرلی۔ جس کے بعد مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی سے چھٹکارے کا فیصلہ کرلیا گیا اور وہ اپنے انجام کو پہنچے۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے مراد ظریف کا نام ہمارے سامنے آیا۔ وہ اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا اور غیر معمولی ترقی کر رہا تھا۔ میں نے مقبول چوہدری کے حوالے سے اسے مائیکرو سینٹر بلایا مگر وہ کوڈ کے بجائے نام سے پکارے جانے کے سبب بدک گیا اور اس نے مائیکرو سینٹر پر چڑھائی کردی۔ ایس ٹی ایف کے ایک جوان کو زخمی کرکے اور اپنا ایک آدمی گنوانے کے بعد اسے پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ میں نے اس سے مقبول چوہدری بن کر بات کی اور وہ حیران رہ گیا مگر اس نے بتایا کہ غیر معمولی حالات کے باعث وہ امریکن قونصلیٹ کے جان اسمتھ سے رابطہ قائم کرچکا ہے اور اس کی ہدایت کے بہ موجب مجھ سے ملنے نہیں آسکتا۔ جلال نے اسلام آباد سے بتایا کہ مراد ظریف ان کے بھی ہاتھ آتے آتے پھسل گیا تھا۔ سلطان شاہ اور نزالہ نے باہمی طور پر حیدر آباد جانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ مراد ظریف کو تلاش کرسکیں۔ مراد ظریف بہت تیز جا رہا تھا' اس نے حکومتی اداروں کے لیے کام کرنے والے مخبر کو سرعام گولی مار کر ہلاک کردیا اور سلطان شاہ پر قابو پانے میں کامیاب ہوگیا۔ ہم نے اکرام الٰہی کی فائل میں سے ایک شخص چمن علی کا سراغ نکالا' اس نے بازپرس کے دوران میں مراد ظریف کے حیدر آباد میں ٹھکانے کی نشاندہی کردی۔ ایس ٹی ایف اور ہماری مشترکہ کارروائی کے بعد مراد ظریف ہمارے پاس تھا مگر وہ سلطان شاہ کو میرپور خاص بھجوا چکا تھا اور اپنی گلوخلاصی کی قیمت پر سلطان شاہ کو واپس کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے اس کے ساتھ میرپور خاص جانے کا فیصلہ کیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

سفر کی ابتدا خاموشی سے ہوئی پھر اس سکوت کو اول خان کی آواز نے توڑا۔

''اس سے ہونے والی آخری گفتگو کے بعد تمہاری کیا رائے ہے...؟ پہلے فیصلے پر قائم ہو یا اس میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟'' اس کی آواز گمبھیر اور پُرتشویش تھی۔

''ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہمارے تشدد کے نتیجے میں وہ خاصی جسمانی توڑپھوڑ کا شکار ہوا ہے مگر اس کا ذہن اب بھی کام کررہا ہے۔'' میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد جواب دیا۔ ''ہمیں بہترین توقعات کے ساتھ بدترین حالات کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ حیدر آباد سے میرپور خاص کے درمیان سفر کے دوران میں بھی وہ کچھ نہ کچھ سوچتا رہے گا...''

''بدترین حالات کا حوالہ دے کر تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' ویرا نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

''ضروری نہیں کہ میرپور خاص میں ہمیں دوستانہ ماحول ملے۔ وہاں کوئی نیا فساد کھڑا ہوسکتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ سلطان شاہ کی سلامتی بلکہ زندگی کے لیے بھی خطرات پیدا ہوسکتے ہیں؟''

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا ''مراد کے آدمی سلطان شاہ کو بلاوجہ اپنے ساتھ لیے نہیں پھر رہے۔ وہ اسے مارنا چاہتے تو جی آر کی طرح حیدر آباد میں ہی ٹھکانے لگا سکتے تھے۔ ان کی سفاکی اور سرد مہری کا ایک ثبوت ہمارے سامنے

آچکا ہے...“
”میں تم سے متفق ہوں“ اول خان نے رائے دی ”انہوں نے کسی مقصد کے لیے اسے زندہ رکھا ہوا ہے۔ سلطان شاہ بہت مضبوط آدمی ہے۔ ابھی تک اس نے تشدد سہ کر اپنی زبان بند رکھی ہوئی ہے۔ اسی لیے زندہ ہے۔ وہ لوگ جاننا چاہ رہے ہوں گے کہ اسے صحرا کے لاوارث دفتر سے کیا دلچسپی تھی اور اب تو مراد نے خود ہی اپنے آدمیوں کو یہ پیغام پہنچادیا ہے کہ وہ خود مصیبت میں گھرا ہوا ہے اور اسے سلطان شاہ کے بدلے ہی آزادی مل سکتی ہے۔“

”اسے ان لوگوں کے قبضے میں گئے ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے۔“ غزالہ کی آواز سے پریشانی مترشح تھی۔ ”انہوں نے اب تک اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہوگا۔“

”ایسے کاموں میں یہ سب ہوتا رہتا ہے“ دیرا کی آواز ابھری ”لڑائی میں آدمی پر برا وقت آتا ہے تو چھٹی کا دودھ تک یاد آنے لگتا ہے۔ یہی دیکھ لو کہ ذرا سی دیر میں ہم نے مراد ظریف کو کس حال میں پہنچادیا ہے۔ غنیمت یہ ہے کہ سلطان شاہ ابھی تک زندہ ہے اور مراد ظریف کا پیغام پہنچنے کے بعد اس کی زندگی کو لاحق مزید خطرات ٹل گئے ہیں۔“

”اس نے بتایا ہے کہ سلطان شاہ میرپور خاص میں نہیں ہے۔ کرشن کمار اسے کہیں آگے لے گیا ہے۔“ غزالہ کے ذہن میں وسوسے مسلسل سرابھار رہے تھے ”ہمارے پہنچنے تک بھی کرشن کمار نہ مل سکا یا واپس نہ آیا تو کیا ہوگا۔“

”یہ سوال قبل از وقت ہے۔ میرپور خاص پہنچنے کے بعد ہی اس کا کوئی جواب تلاش کیا جاسکے گا۔“

جیپ میں ایک مرتبہ پھر خاموشی چھاگئی۔ رات کے سناٹے میں بس انجنوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

اس وقت تک جو شواہد ہمارے سامنے آئے تھے ان کی روشنی میں مراد ظریف ہی سب سے اہم مجرم نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنی صحرا نامی این جی او کی کارکردگی کے بارے میں رپورٹیں وغیرہ بھیج بھیج کر امریکا میں بیٹھے ہوئے، فورڈ فاؤنڈیشن کے اہم لوگوں کی نظروں میں اپنا ایک مقام پیدا کرلیا تھا۔ امریکیوں سے مدد اور تعاون کی حد سے بڑھی ہوئی خواہشات کی وجہ سے مراد ظریف، فاؤنڈیشن میں بیٹھے ہوئے ان ایجنٹوں کے لیے کام کا آدمی تھا جو پاکستان میں اپنی سازشوں کی آبیاری کے لیے ہر وقت وفادار مہروں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اس کی یکطرفہ خط وکتابت کا کوئی جواب نہ دے کر وہ اس کی آتشِ شوق کو بھڑکاتے رہے اور جب انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ پاکستان کے خصوصی حالات میں سفید فام امریکی ایجنٹ بذاتِ خود کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکتے اور ایسی کوششوں میں منہ کی کھا کر جہنم واصل ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے امریکی سفارت کاروں کو بھی خفت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو انہوں نے اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے وہ مشن مراد ظریف کو سونپنے کا فیصلہ کرلیا۔

مراد ظریف ان کا کلیدی مہرہ تھا۔ فورڈ فاؤنڈیشن والے خود پس منظر میں رہے اور انہوں نے فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے مراد ظریف پر اپنی مالی نوازشات کی بارش کردی۔

اسے اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری مالی وسائل مہیا کررہے تھے، فکری مواد کی فراہمی کے لیے فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے عقل وفہم سے عاری ان چار پاکستانیوں کو مراد ظریف کی مدد پر مامور کردیا جو تعلیم یا ملازمت کے سلسلے میں برسوں امریکا میں رہے تھے اور شاید امریکی خفیہ اداروں نے کڑی جانچ پڑتال کے بعد ہزاروں کی بھیڑ میں سے ان کا انتخاب کیا تھا۔

توقع یہ تھی کہ چمن علی اور گوپال چند کی طرح بقیہ دونوں افراد بھی نام نہاد تعلیم یافتہ ہوں گے جو عالمی برادری، مکمل آزادی اور بقائے باہمی کے بلند بانگ امریکی نعروں سے مرعوب ہوکر اپنی جڑوں کو فراموش کرچکے ہوں گے۔ ایسے لوگ کسی بھی بدنیتی یا بے ایمانی کے بغیر، پورے خلوص سے یہ یقین رکھتے ہیں کہ اس کرۂ ارض پر نسلِ انسانی کی بہبود بلکہ بقا کا تمام تر دارومدار اس ایک نکتے میں پنہاں ہے کہ امریکیوں کے فلسفۂ حیات کو نہ صرف اپنایا جائے بلکہ اس کے فروغ کے لیے بھی کام کیا جائے۔

اس دو طرفہ اعانت کے بعد مراد ظریف اس قابل تھا کہ اکرم الٰہی کے ذریعے ملنے والے مشن کو پورے زور وشور سے آگے بڑھاسکے۔ اس کے عزائم کی جھلک تضادات میں ملتی تھی۔ ایک طرف وہ چمن علی جیسے روشن خیال اور آسودہ حال شہری کی تحریروں سے فیض اٹھا رہا تھا اور کم وبیش اسی قابلیت والے گوپال چند کے مکان میں عیش کررہا تھا تو دوسری طرف دھنی رام جیسا مسلّمہ دہشت گرد اس کے آدمیوں میں شامل تھا۔

مائیکرو سینٹر کے باہر ہونے والے تصادم میں جب دھنی رام، اول خان کی رائفل سے نکلی ہوئی گولیوں کا نشانہ بنا تو مجھے قلق ہوا تھا کہ ایک جیتا جاگتا انسان یوں بے دردی سے

مارا گیا مگر جب حامد نے مرنے والے کے بارے میں کھوج نکالا تو پتا چلا کہ دھنی رام اس سے بھی زیادہ عبرت ناک موت کا مستحق تھا۔

چمن علی اور گوپال چند کے برعکس وہ ایک پیشہ ور قاتل اور ڈکیت تھا جو نواب شاہ کے ایک وڈیرے کی حویلی میں ڈکیتی اور سات افراد کے قتل کی لرزہ خیز واردات میں پولیس کو مطلوب تھا اور اس کی گرفتاری پر پانچ لاکھ روپے کا انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ وہ اور اس جیسے نہ جانے کتنے مجرم مراد ظریف کے لیے کام کرتے تھے۔

مراد ظریف خود بھی مجھے ذہین نظر آیا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو آسانی سے دوسروں کی بالادستی قبول کرلیتے ہیں۔ وہ اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری سے ضرور مرعوب تھا کیونکہ بظاہر وہی دونوں اس کے ان داتا تھے۔ ان کی توجہ سے مراد کے دن پھرے تھے لیکن وہ کسی اور کو خاطر میں لانے والا نہیں تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ میرپورخاص میں بھی صحرا کے کارکنوں اور ان کی کارروائیوں پر مراد کا مکمل کنٹرول تھا۔ اول تو کرشن کمار کا وجود ہی مشتبہ تھا اور اگر وہ واقعی کوئی شورہ پشت تھا تو مراد کا تنخواہ دار، وفادار اور ماتحت تھا جو اس کے حکم کے بغیر سلطان شاہ کو میرپورخاص سے نکال کر کہیں نہیں لے جا سکتا تھا۔

وہ مراد ظریف کی مکمل ہسٹری شیٹ تھی جو دورانِ سفر کسی فلم کی طرح میرے ذہن کے پردے پر چلتی رہی اور میں سگریٹ کے کش لگاتا، خاموشی سے اس کے ایک ایک حصے پر غور کرتا رہا۔

ابتدائی طور پر میں نے ویرا اور غزالہ کا دل رکھنے کے لیے میرپورخاص جانے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ میرا پہلا نظریہ یہ تھا کہ مراد ظریف ہم لوگوں کو ہر قیمت پر اپنے مضبوط گڑھ میں لے جانا چاہتا ہے تاکہ وہاں اپنے آدمیوں کی طاقت کے بل پر ہمارے چنگل سے نکلنے کی کوشش کرسکے لیکن اس کی ہسٹری شیٹ پر غور کرنے کے بعد میں نے اپنی رائے تبدیل کرلی تھی۔

کراچی سے نکلتے ہوئے ہم میں سے کسی نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ہمیں سلطان شاہ کی بازیابی کے لیے حیدرآباد سے بھی آگے کا سفر اختیار کرنا ہوگا مگر پھر بھی اول خان نے احتیاطاً اپنے ساتھ دس افراد کی مسلح اور تربیت یافتہ نفری لے لی تھی جو مجرموں سے کسی بڑے سے بڑے مقابلے کے لیے بھی کافی تھی۔

میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ مراد نے میرپورخاص پہنچنے کے بعد کوئی گندی چال چلنے کی کوشش کی تو کسی کمک کے بغیر ایس ٹی ایف کی نفری کو استعمال کرکے صحرا کے دفتر کو تاخت و تاراج کردیا جائے گا۔

میں اپنی سوچوں میں گم تھا۔ میرے ہم سفر بھی اپنے اپنے خیالوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ سفر بہت طویل نہیں تھا مگر میرا خیال تھا کہ سڑک کی خستہ حالی کی وجہ سے ہماری رفتار خاصی سست تھی۔

اتنی رات گئے اس سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ سڑک کے اطراف میں کہیں کہیں دھندلائی ہوئی روشنیوں کے جھنڈ چھوٹی چھوٹی آبادیوں کی موجودگی کا اعلان کررہے تھے۔ روشنی کی سہولت سے محروم نہ جانے کتنے ہی تیرہ و تار گاؤں رات کے گہرے اندھیرے میں یوں چھپ کر رہ گئے تھے کہ ہمیں ان کے وجود کا احساس تک نہ ہوسکا۔

حیدرآباد سے تقریباً ایک گھنٹے یا اس سے کچھ کم مسافت پر پہلی بڑی آبادی کے روشن مگر خوابیدہ آثار نظر آئے۔ میں نے ان اطراف میں سفر نہیں کیا تھا۔ اول خان نے بتایا کہ وہ ٹنڈوالہ یار کی آبادی تھی۔ وہاں رہنے والے اسے چھوٹے سے شہر کا درجہ دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت وہ کسی شہر سے بہت چھوٹا اور گاؤں سے بڑا علاقہ ہے جہاں روزگار کے بیشتر ذرائع زراعت اور گلہ بانی سے وابستہ ہیں۔ چونکہ وہاں خاصی آبادی ہے اس لیے آبادی کی ضروریات پورا کرنے والے دوسرے کاروبار بھی دیہی انداز میں چلائے جاتے ہیں۔

"شاید ہم اپنی منزل کا آدھا سفر طے کرچکے ہیں" پچھلی نشست سے ویرا کی اکتائی ہوئی آواز آئی۔

"تمہارا اندازہ درست ہے" اول خان نے اس کی تائید کی "ہم خاصی رات گئے وہاں پہنچیں گے۔"

"رات تو گزر ہی گئی۔ یہ کہو کہ صبح سویرے پہنچیں گے۔" ویرا خاموشی سے اکتائی ہوئی تھی۔

"انگریزی حساب سے تو رات کے بارہ بجے کے بعد ہی صبح ہوجاتی ہے۔" اول خان نے اس کی بات کا جواب دینا ضروری سمجھا "مشرق میں صبح کا آغاز طلوعِ آفتاب سے ہی ہوتا ہے۔"

"مغرب میں بھی یہ تصور صرف وقت کی پیمائش تک محدود ہے۔ عملاً وہاں بھی دن، سورج نظر آنے کے بعد شروع ہوتا ہے" ویرا نے وضاحت کی "رات کے دو بجے ہر معقول شخص گہری نیند سوتا ہوا ملے گا۔"

"پتا نہیں سلطان شاہ کس حال میں ہوگا؟" غزالہ
ئی "مجھے اس کی فکر کھائے جا رہی ہے۔"
"میرا دل کہہ رہا ہے کہ میرپور خاص میں سلطان شاہ
یا نہ ملے' اس کا سراغ ضرور مل جائے گا۔"
"یہ کیسے کلمات منہ سے نکال رہی ہو" غزالہ نے ویرا
رائے زنی پر احتجاج کیا "اس کے لیے اور کچھ نہیں
سکتیں تو کم از کم توقعات تو اچھی رکھو۔"
"میں اس بے چارے کے لیے تم سے زیادہ فکر مند ہوں
ن ہم حقائق سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ شتر مرغ کی طرح
ت میں گردن دے کر طوفان کو نہیں ٹالا جا سکتا۔"
"تو کیا تمہیں مراد کی کہانی پر پورا یقین ہے؟" غزالہ کی
فسرانہ آواز سے صدمہ جھلک رہا تھا۔
"اس پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ وہ بہت
ی طرح ہمارے چنگل میں پھنسا ہوا ہے اور جانتا ہے کہ ہم
رہ رکھ کر اس کا جوڑ جوڑ کھول سکتے ہیں۔ ڈینی بلاوجہ اس کی
ف سے بدگمان ہے۔"
"تم میری بات لکھ لو کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ کرشن کمار
روپ میں اس نے اپنے بچاؤ کے لیے قربانی کا ایک بکرا
ر لیا ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ اس طرح وہ اپنی گردن بچانے
ں کامیاب ہو جائے گا۔"
"یہ تم کوئی نئی بات کہہ رہے ہو" اول خان نے چونک کر
۔
"وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی باتوں کی گتھیاں
جھتی جا رہی ہیں....
"میں وہی جاننا چاہتا ہوں کہ اب تم کیا سوچ رہے ہو؟"
ل خان نے میری بات کاٹ دی۔
"اس نے ہمیں یہ تاثر دیا ہے کہ کرشن کمار اس کا آدمی
یں ہے بلکہ اپنی مرضی سے کام کرتا ہے۔ دوسری طرف یہ
لتہ ذہن میں رکھو کہ وہ ہمیں فوجی سمجھ رہا ہے۔ بات خود
کھل جاتی ہے۔"
"تمہارے لیے کھل گئی ہوگی' میری سمجھ میں خاک بھی
یں آیا۔" ویرا بولی۔
"اس نے خود اعتراف کیا تھا کہ نیا چھور میں کرشن کمار
غیوں کی تربیت کے لیے نیم جنگی کیمپ چلا رہا ہے۔ اگر ہم
جی ہیں تو معاملہ سلطان شاہ کی بازیابی پر ختم نہیں ہوگا۔ بات
یا چھور تک جائے گی۔ مراد سارا بوجھ بار کرشن کمار کے
کندھوں پر ڈال کر ابھی سے خود کو الگ تھلگ رکھنے کا ارادہ
کر چکا ہے۔"

"یہ بات سمجھ میں آتی ہے" اول خان کی پُرخیال آواز
ابھری۔
"پہلے کے مقابلے میں اب تمہاری بات قرینِ قیاس نظر
آرہی ہے" ویرا نے کہا "وہ واقعی بہت مکّار ہے۔ اپنے لیے
ہر راستہ کھلا رکھنا چاہ رہا ہے۔ کرشن کمار کو پھنسوا کر خود بچ گیا
تو مزے میں رہے گا۔ یہ داؤ کارآمد ثابت نہ ہوا تو سرحد
پار بھاگ جائے گا۔ بس اسے ایک موقع ملنے کی دیر ہے۔"
"ہماری مجبوری یہ ہے کہ سلطان شاہ کی آزادی تک ہم
اس کی کسی بات کو چیلنج نہیں کر سکتے۔ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے'
مانتے چلے آرہے ہیں۔ ہمارے پاس اس کی باتوں کی تصدیق
کا کوئی متبادل ذریعہ نہیں ہے۔"
"میں اس بارے میں سوچ چکا ہوں۔ میرپور خاص کی
حدود میں داخل ہونے سے پہلے ہم کچھ نہ کچھ معلوم کر چکے
ہوں گے۔ مراد کو آزادی سے اپنا کھیل کھیلنے کا موقع نہیں دیا
جائے گا۔"
"اپنے اس فیصلے میں تم ہم میں سے کسی کو شریک نہیں
کرو گے؟" اول خان نے پوچھا۔
"ہم سب ہی اس میں شریک ہوں گے۔ اہم ترین کردار
بخشل ادا کرے گا۔"

"اوہ!" اول خان چونک پڑا "کیا اس لیے کہ وہ سندھی ہے؟"

"ہماری ساری نفری سادہ لباس میں ہے۔ تمہارے آدمی ہتھیار الگ رکھ دیں تو کوئی ان پر کسی قسم کا شبہ نہیں کرسکتا۔ بخشل پیدائشی سندھی ہے۔ مقامی زبان اور رسوم و رواج سے مکمل واقفیت رکھتا ہے۔ ہم براہِ راست شہر میں داخل نہیں ہوں گے۔ باہر پڑاؤ کریں گے۔ بخشل ایک آدمی کو ساتھ لے کر شہر میں جائے گا۔ ہم مراد سے صحرا کے دفتر اور اس کے آدمیوں کے پتے حاصل کریں گے۔ بخشل آسانی سے سراغ لگالے گا کہ کرشن کمار اور سلطان شاہ کے بارے میں مراد کی بنائی ہوئی کہانی میں کتنی صداقت ہے۔ اس کی حاصل کی ہوئی معلومات کی روشنی میں ہم پیش قدمی کریں گے۔"

"تم سارے راستے خاموش بیٹھے ہوئے تھے" ویرا کی طنز بھری آواز گونجی "مجھے اندازہ تھا کہ تمہاری کھوپڑی میں ضرور کوئی نہ کوئی کھچڑی پک رہی ہوگی اور آخر میں تم کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلاؤ گے۔"

اول خان بے ساختہ ہنسی کے دوران میں بولا "خود غور و خوض سے گھبراتی ہو۔ ڈینی سب کی بھلائی کے لیے یہ نیک کام کرتا ہے۔ تو تم بلاوجہ اس پر غرانے لگتی ہو یا آنکھیں دکھانے لگتی ہو۔"

"مجھے اس کے سوچنے پر نہیں، گھنے پن پر غصہ آتا ہے۔ کسی کو اعتماد میں لیے بغیر بس خاموشی سے سوچنا شروع کردیتا ہے...."

اداس اور بوجھل ماحول کے باوجود اول خان اپنا قہقہہ نہ روک سکا۔ ویرا کی بات ادھوری رہ گئی۔ وہ کہہ رہا تھا "یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ بلند آواز میں بھی سوچا جاتا ہے۔"

"میری بات مت پکڑو" مضحکہ اڑائے جانے پر ویرا چڑ گئی "ڈینی کے دماغ میں کوئی نکتہ آتا ہے تو یہ خاموشی سے اسے اپنے ہی ذہن میں گھماتا اور نتیجے اخذ کرنا شروع کردیتا ہے۔ معقول راستہ اختیار نہیں کرتا۔"

"معقول راستہ تم کسے کہتی ہو؟" غزالہ بھی اس بحث میں شامل ہوگئی۔

"آدمی کے ذہن میں کوئی نئی بات آتی ہے تو وہ دوسروں سے اس کا ذکر کرتا ہے، خیالات کا تبادلہ ہوتا ہے اور آخرِ کار سب ایک نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں۔ کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔"

"اکثر یہی ہوتا ہے" میں نے اصرار کیا "کبھی کبھی بعض باتیں اچانک سوجھتی ہیں۔ ان پر تبادلۂ خیال کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ مجھے ایک دم ہی خیال آیا کہ بخشل کے لیے یہ علاقہ اجنبی نہیں ہے، وہ ہمارے کام آسکتا ہے۔"

"بخشل کی ریکی کارآمد ثابت ہوگی۔" اول خان نے سنجیدگی سے کہا "بخشل ذہین اور محنتی آدمی ہے۔ وہ کسی کو شبے کا موقع دیے بغیر بہت کچھ معلوم کرلے گا۔ اس طرح ہمیں مراد کے سچ اور جھوٹ کا بھی پتا چل جائے گا۔"

میں نے لمحہ بھر توقف کیا پھر بطورِ خاص ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "ذہن پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ اب میرے ذہن میں ایک نیا خطرہ سر ابھار رہا ہے۔ مراد اپنے آدمیوں کو میرپور خاص پہنچنے کی اطلاع دے چکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ ہتھیاروں سے لیس ہو کر حیدر آباد سے میرپور خاص میں داخلے کے راستے کی نگرانی کررہے ہوں..."

"اس اندیشے میں جان ہے" ویرا نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی "اندھیرے میں سڑک کے دونوں اطراف میں چھپے ہوئے لوگوں نے ہم پر اچانک فائر کھول دیا تو ہم مشکل میں پڑجائیں گے۔"

"ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو۔ ڈینی نے صرف ایک خدشہ ظاہر کیا ہے" اول خان بولا۔

"میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ ڈینی کی زبان کالی ہے۔ یہ جو کچھ کہہ دیتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے" ویرا نے تیزی سے کہا۔ "کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارے دشمن ڈینی سے مشورہ کرکے اپنی منصوبہ بندی کرتے ہوں۔"

"کبھی کبھی تم ڈینی کی طرف سے بہت بدگمان ہوجاتی ہو" اول خان ہنس کر رہ گیا۔

"آپ ایک شوشا چھوڑ کر خاموش کیوں ہوگئے؟" غزالہ نے اضطراب کے ساتھ مجھے ٹوکا۔

"معقول راستہ اختیار کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ دیکھو، ویرا کیا کہتی ہے۔"

"میں تم سے سو فیصد متفق ہوں۔ ہم بے خبری میں مارے جاسکتے ہیں" ویرا بولی۔

"اب تم بے خبری کا عذر پیش نہیں کرسکتیں۔ میں نے اپنا اندیشہ ظاہر کردیا ہے۔"

"اس کے آدمی نگرانی ضرور کرسکتے ہیں مگر ہم سے اندھادھند تصادم کا خطرہ مول نہیں لیں گے" اول خان نے پُرخیال لہجے میں کہا "ہماری طرف سے کسی انتہائی جوابی کارروائی کا خوف انہیں ایسے اقدام سے روکے رکھے گا۔"

"مایوس دشمن سب کچھ کرگزرتا ہے۔ میں خوں ریزی

کی بُو سونگھ رہی ہوں۔"

"اپنی ناک کا علاج کراؤ" میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ "تمہاری عقل پر ضرورت سے زیادہ بال اُگے ہوئے ہیں اس لیے تم عجلت سے فیصلے کرگزرتی ہو۔ اول خان صحیح سمت میں سوچ رہا ہے۔"

"تم کون سی انتہائی کارروائی کرسکتے ہو؟ ان کی گولیوں کا جواب گولیوں سے ہی دو گے نا! بمباری تو نہیں کرسکتے؟"

"وقت گزارنے کے لیے باتوں میں مصروف رہنا بہترین شغل تھا اور ویسے بھی اس وقت ویرا کو ستانے میں لطف آرہا تھا۔ میں نے کہا "تمہیں علم ہونا چاہیے کہ اول خان پوری تیاری کے ساتھ اسٹیشن فور سے نکلا ہے۔ ٹرک کے پچھلے حصے میں دستی بموں سے بھرا ہوا کریٹ موجود ہے۔ ہم ضرورت پڑنے پر ان کے استعمال سے بھی گریز نہیں کریں گے۔"

"جب تم اس حد تک جانے پر تلے ہوئے ہو تو پھر کچھ سوچنا سمجھنا بے سود ہے۔ وہ ذرا سی دیر بھی تمہارا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ حریف کو واضح برتری حاصل ہو تو بڑے بڑے سورماؤں کے پیر اکھڑ جاتے ہیں۔"

"تم اُلٹا کر فرار کی راہ اختیار کررہی ہو۔ مسائل اتنی آسانی سے حل نہیں ہوا کرتے۔"

اول خان کو ویرا کی بے چارگی پر رحم آگیا اور اس نے کہا "میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہ ہمارا راستہ کاٹنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ انہیں معلوم ہے کہ مراد ہماری قید میں ہے۔ ان کی طرف سے ذرا بھی گڑبڑ ہوئی تو ہم اسے ماردیں گے۔"

"ان کے پاس سلطان شاہ ہے۔ جواب میں وہ اسے ماردیں گے۔" ویرا بولی۔

"وہ اسے مار سکتے ہیں لیکن اس کے بدلے میں مراد کو زندہ نہیں کرسکتے۔ یہ خوف انہیں خاموش رکھے گا۔"

"تم اتنے پر یقین ہو تو تم نے تصادم کا سوال ہی کیوں اٹھایا تھا؟" ویرا نے چڑ کر پوچھا۔

"اس وقت وہ ایک اہم ترین سوال بلکہ جیتا جاگتا خطرہ تھا۔ باہمی مشاورت نے یہ ثابت کیا ہے کہ میں غیر حقیقی خطوط پر سوچ رہا تھا۔ زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں۔"

"سایوں سے لڑنا تمہارا شوق ہے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ ان فضولیات میں سر کھپاتی رہوں۔۔۔"

"ہم سب یوں مطمئن نظر آرہے ہیں جیسے سلطان شاہ کو گھر پر سوتا ہوا چھوڑ کر آئے ہوں" غزالہ نے اس کی بات کاٹ کر تفکر آمیز آواز میں کہا "پتا نہیں وہ کیسی اذیت سے گزر رہا ہوگا۔"

"ہم نے یہ سفر اسی کے لیے اختیار کیا ہے" اول خان نے نرمی سے اسے دلاسا دیا "سڑک خراب ہے۔ زیادہ تیز رفتاری کے جوہر دکھائے تو جیپ الٹ بھی سکتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد سب کچھ سامنے آنا شروع ہوجائے گا۔"

"اس کے لیے سب سے زیادہ فکر مجھ کو ہے" ویرا اُداس کلامی کے انداز میں بولی "کاش! میں نے حیدرآباد روانہ ہونے سے پہلے اسے کچھ دعائیں دی ہوتیں۔۔۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ مذاق میں کہے ہوئے الفاظ بددعا بن کر واقعی اسے مصیبت میں پھنسادیں گے۔ میں نے اس کے ساتھ بدشگونی کی تھی اور اب میں اس پر شرمندہ ہوں۔"

"اس کے پیچھے یہ سب کہہ رہی ہو۔ وہ آجائے گا تو پھر اس سے لڑنے مرنے پر تیار ہوجاؤ گی۔"

"یہ میرا نہیں، اس کے مزاج کا قصور ہے۔ وہ خود ہی چھیڑچھاڑ پر اکساتا رہتا ہے" ویرا کی آواز بوجھل ہوگئی۔

فوری طور پر ہم میں سے کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ مجھے اپنے حلق میں ایک گولا سا پھنستا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

باقی راستہ وجود کو چاٹ جانے والی گمبھیر خاموشی میں طے ہوگیا اور پھر میرپور خاص کی مضافاتی روشنیاں نظر آنی شروع ہوگئیں۔ اول خان نے اشارہ دے کر جیپ سڑک سے نیچے اتاری اور انجن بند کردیا۔

سفر کے تسلسل سے سب ہی اس بُری طرح اُکتائے ہوئے تھے کہ انجن بند ہوتے ہی جیپ اور ٹرک سے اتر پڑے۔

حامد نے بتایا کہ سفر کے دوبارہ آغاز کے چند منٹ بعد ہی مراد ظریف دوبارہ بے ہوش ہوگیا تھا۔ اس پر عجیب سی غنودگی طاری تھی وہ وقفے وقفے سے کراہ کر آنکھیں کھولتا تھا اور کچھ بڑبڑانے کے بعد دوبارہ غافل ہوجاتا تھا۔

اول خان کے ایما پر حامد اسے ایک مرتبہ پھر ہوش میں لانے کی کوششوں میں مصروف ہوگیا۔ ہم دونوں بخش اور اس کے ایک ساتھی کو نئے کام کی جزئیات سے آگاہ کرنے لگے۔

مراد خاصی دیر کے بعد ہوش میں آکر اس قابل ہوسکا کہ اس سے کوئی بامقصد بازپرس کی جاسکے۔ اس دوران میں ہم بخش اور اس کے ساتھ جانے والے کو یہ بتا چکے تھے کہ انہیں میرپور خاص میں داخل ہوکر کیا کام سرانجام دینا ہے۔ حامد کا پیغام ملتے ہی میں اول خان کے ساتھ ٹرک میں پہنچ گیا۔

بے ہوشی کی وجہ سے مراد کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ہم نے کتنا وقت سفر میں گزارا تھا اور اس وقت کہاں تھے۔ وہ حامد سے بھی اس بارے میں استفسار کرتا رہا لیکن کسی نے اسے ان سوالوں کے جوابات نہیں دیے۔ میرا خیال تھا کہ اس بارے میں اس کی بے خبری ہمارے مقاصد کے لیے سودمند ثابت ہو سکتی تھی۔

"انجنوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ہم نے درمیان میں پڑاؤ کیا ہے۔" میں نے اس کی تشفی کے لیے مبہم سا جواب دیا "یہ بتاؤ کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد ہمیں کہاں جانا ہوگا۔ صحرا کا دفتر کہاں ہے؟ مولاداد، حسن اور کرشن کمار سے کہاں رابطہ ہوگا؟"

ٹرک کے پچھلے حصے میں پھیلی ہوئی دھیمی روشنی میں مراد کے مجروح اور متورم چہرے پر تشویش کے آثار نظر آئے پھر اس نے کمزور آواز میں کہا "صحرا کا دفتر شاہی بازار میں ہے۔ وہ صرف ایک دفتر ہے۔ اس وقت وہاں کوئی نہیں ملے گا۔"

"وقت ضائع مت کرو۔ ہمیں دوسرے سوالوں کے جواب چاہئیں۔" اسے خاموش پا کر میں نے ترشی سے کہا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ کرشن کمار قیدی کو لے کر میرپور خاص سے کہیں نکل گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ میرے آدمیوں نے اسے تلاش کر لیا ہو۔ اس کے بارے میں میرپور خاص پہنچ کر ہی کچھ پتا چل سکے گا۔"

"ہم یہی جاننا چاہ رہے ہیں کہ اس کے بارے میں کہاں سے پتا چلے گا۔"

"میری ٹیلی فون ڈائری گوپال کے گھر رہ گئی۔ مجھے مولاداد سے ہی رابطہ کرنا پڑے گا۔"

وہ گول مول جواب دے کر ہمیں الجھا رہا تھا۔ مجھے اس پر سخت تاؤ آنے لگا مگر میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے تحمل سے بازپرس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اگر وہ اس وقت بھڑک کر تعاون سے انکار کر دیتا تو ہمارا کام طول پکڑ سکتا تھا۔ ہم اسے یہ اندازہ لگانے کا موقع نہیں دینا چاہ رہے تھے کہ ہم اسے الگ تھلگ رکھ کر بالا ہی بالا کوئی قدم اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

وہ ٹرک میں ایسی زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا کہ شہر کے راستوں کے بارے میں ہمیں کوئی مدد نہیں دے سکتا تھا۔ ہم جیپ میں رہنمائی کر رہے تھے۔ یہ بات آسانی سے اس کی سمجھ میں آ گئی کہ ہم اسے مولاداد کو فون کرنے کا موقع فراہم کیے بغیر براہِ راست اس ٹھکانے پر پہنچنا چاہتے ہیں جہاں بیٹھ کر مراد اپنے رابطوں کو بروئے کار لا سکے۔

حسن اس کا خاص آدمی تھا اور میرپور خاص میں مراد کے بیشتر کام وہی انجام دیتا تھا۔ مراد نے شہر کے راستوں کے حوالے سے اس مکان کا پتا بتانا شروع کر دیا جو وہاں صحرا کی سرگرمیوں کا اصل مرکز تھا۔ حسن دن رات اسی مکان میں رہتا تھا۔

○☆○

رات اندھیری تھی۔ شہر کی بیشتر سڑکیں روشنی سے محروم تھیں۔ کہیں کہیں اِکاّ دُکاّ اسٹریٹ لیمپس روشن تھے تو وولٹیج کی کمی یا پھر گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے یرقان زدہ نظر آ رہے تھے۔ شہر کی سڑکوں پر اور گلیوں میں آوارہ کتوں کا راج تھا جو غول در غول منڈلاتے پھر رہے تھے۔ بخشل اور میر محمد کو کئی جگہ پتھراؤ کر کے یا بھاگ کر ان کتوں سے جان بچانی پڑی جو ان کی آہٹوں پر اپنی تمام مصروفیات کو فراموش کر کے ان پر لپکنے لگے تھے۔

میرپور خاص، بخشل کا دیکھا بھالا شہر نہ ہوتا تو وہ ان بدحواسیوں میں راستہ بھٹک چکا ہوتا۔ میر محمد کے لیے شہر اجنبی تھا۔ اسے ایک مددگار کے طور پر شروع سے آخر تک بخشل کی پیروی کرنی تھی۔ وہ دونوں آخری موڑ گھوم کر گلی میں داخل ہوئے تو بخشل نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ پیلی دیواروں والا مطلوبہ مکان ان کے سامنے تھا۔

"حیرت ہے کہ سارے راستے کسی پولیس والے سے ہمارا سامنا نہیں ہوا" میر محمد نے منزل سامنے آ جانے پر بخشل سے کہا۔

"وہ بھی بے چارے بندے بشر ہیں" بخشل نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں کہا "بے چارے کہیں سوئے پڑے ہوں گے۔ چھوٹے شہروں میں تو چور چکار بھی تھک ہار کے سو جاتے ہیں، پولیس والے جاگ کر کیا کریں گے۔"

"ڈیوٹی، ڈیوٹی ہوتی ہے" میر محمد نے اعتراض کیا۔ "چوری، ڈکیتی ہو یا نہ ہو، پولیس والوں کو اپنی ڈیوٹی ایمان داری سے کرنی چاہیے مجرم کبھی بھی وقت دیکھ کر یا اعلان کر کے واردات نہیں کرتے۔"

"اب یہ سب باتیں بھول جاؤ۔ تمہیں سب یاد ہے نا کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟"

"بالکل فکر نہ کرو" میر محمد نے بخشل کو یقین دلایا "آج بہت دنوں بعد ایسا کام ملا ہے۔ صاحب لوگوں کا دل خوش ہو جائے گا.... بے چارے اپنے دن رات کے آرام کو بھول کر ہمارے ساتھ کہاں کہاں کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں۔"

بخشل کچھ نہ بولا۔ وہ خود بھی اکثر یہ سوچ سوچ کر حیران ہوتا رہتا تھا کہ اول خان اور اس کے چاروں دوست کس مٹی کے بنے ہوئے تھے کہ کام کے سامنے کسی چیز کو خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے۔

گلی میں اندھیرا تھا۔ وہ دونوں آگے بڑھے تو اچانک ہی انہیں وہ نوجوان نظر آیا جو پیلی دیواروں والے مکان کے دروازے کے ساتھ بنے ہوئے چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔

"اوئے! تم دونوں یہاں کہاں گھوم رہے ہو؟" بخشل کے کچھ سوچنے سمجھنے سے پہلے اس نوجوان نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا "تمہیں پتا ہے کہ اب کیا وقت ہو رہا ہے؟"

اس دوران میں وہ دونوں پیش قدمی کر کے اتنے آگے بڑھ چکے تھے کہ انہیں نوجوان کی گود میں رکھا ہوا ریوالور صاف نظر آ گیا تھا۔ وہ شخص اپنے ہتھیار کو کسی بھی لمحے استعمال کرنے کے لیے تیار تھا۔

"بابا! ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم پردیسی ہیں' حیدر آباد سے آئے ہیں" بخشل نے کسی توقف کے بغیر بولنا شروع کر دیا "ہمیں حسن سائیں سے ملنا ہے۔ شاید یہ دروازہ اسی کا ہے۔"

نوجوان ریوالور داہنے ہاتھ میں تھام کر چبوترے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی تیز اور چمکیلی نگاہیں باری باری بخشل اور میر محمد کے چہروں کا بے تابانہ طواف کر رہی تھیں۔ اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی "تم کون ہو؟"

"ہم ثریا بائی کے ڈیرے سے آئے ہیں" بخشل نے رٹا رٹایا جواب دہرایا "ہمیں سائیں گوپال چند نے بھیجا ہے۔ وہ ہمارے ڈیرے کے بہت قدردان ہیں۔ آج رات بھی ڈیرے کی دو لڑکیاں ان کے گھر گئی ہوئی تھیں۔"

"گلو! کون ہے؟ تو کس سے باتیں کر رہا ہے؟" بند دروازے کے پیچھے سے ایک سخت مردانہ آواز گونجی۔

گلو نے جواب دینے کے بجائے دروازے کے پٹ کھول دیے جو اندر سے بولٹ نہیں تھے "آ جاؤ!" اس نے بخشل اور میر محمد سے کہا پھر اندر والے سے مخاطب ہو کر قدرے اونچی آواز میں بولا "حیدر آباد سے مہمان آئے ہیں۔"

بخشل اور میر محمد دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ ان کی کہانی مضبوط تھی مگر دونوں کے دلوں میں چور موجود تھا۔ ایک بار گھر میں داخل ہو جانے کے بعد ان کی پوزیشن بہت مخدوش ہو گئی تھی۔

"اندر والا چھریرے بدن کا دراز قامت شخص تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی بڑی نوکیلی مونچھیں جھول رہی تھیں۔ انہیں بعد میں پتا چلا کہ اسی کا نام حسن تھا۔ ایک اہم کردار ان کے سامنے تھا۔ دوسرے کا پتا نہیں تھا۔

وہ قدیم وضع کا گھر تھا جس میں کئی کمرے ایک دوسرے سے ملحق تھے۔ صحن میں دو چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ گھر کی بے سروسامانی چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھی کہ اس چاردیواری کی دیکھ بھال میں کسی عورت کا دور دور تک دخل نہیں تھا۔

رات تقریباً گزر چکی تھی یا آخری سانسوں پر تھی مگر وہاں بستر کے آثار تھے نہ دونوں مکینوں کی آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔ ان کی حالتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مسلسل بیداری اور اضطراب کی حالت سے دوچار تھے۔

"یہ حسن ہے" گلو نے مونچھوں والے کا تعارف کراتے ہوئے ان دونوں کو چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"وقت تنگ ہے" حسن نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کہا "روٹی پانی کے تکلف سے پہلے یہ بتا ڈالو کہ کس کام سے آئے ہو اور تمہیں کس نے بھیجا ہے۔"

"یہ سرے گھاٹ کی کسی ڈیرے دارنی کے آدمی ہیں۔ انہیں سیٹھ گوپال چند نے بھیجا ہے" بخشل یا میر محمد سے پہلے ہی گلو نے زبان کھول کر مسئلہ حل کر دیا۔

حسن نے اسے خشمناک نظروں سے گھورا پھر تحکم سے کہا "تو باہر تھڑے پر بیٹھ۔ ان سے میں خود بات کر لوں گا۔ یہ آ پہنچے ہیں تو کوئی اور بھی آنے والا ہو گا۔"

بخشل نے حسن کے مزاج کی تیزی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ گلو کے باہر جاتے ہی اس نے خود بخود بولنا شروع کر دیا "آج رات ڈیرے کی دو لڑکیاں سائیں گوپال چند کے گھر پر تھیں۔ نشے پانی کے بعد سب آرام کر رہے تھے کہ کچھ آدمی اندر گھس آئے۔ لڑکیوں کو ڈانٹا پھٹکارا' سائیں گوپال کو زخمی کیا اور سائیں مراد کو اپنے ساتھ لے گئے۔ سائیں گوپال نے لڑکیوں سے ثریا بائی کو بلوایا تھا۔ اس نے ہمیں بھیجا ہے۔ وہ لوگ کسی آدمی کی تلاش میں تھے جو شاید یہاں ہے۔"

"حیدر آباد سے تم پیدل آئے ہو" حسن نے چند ثانیوں تک ان دونوں کو گھورتے رہنے کے بعد پوچھا "اس وقت وہاں سے کون سی گاڑی یہاں آتی ہے؟"

"ہم کار سے آئے ہیں۔ ہماری گاڑی شہر کے شروع میں خراب ہو گئی۔ جب وہ کسی طرح چل کر نہ دی تو ہم اس کے دروازے لاک کر کے پیدل ہی چل پڑے۔ سائیں گوپال کی تاکید تھی کہ پیغام بہت ضروری ہے۔"

"کسی نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ وہاں آنے والے فوجی تھے؟" حسن نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں!" بخشل نے معصومیت سے نفی میں سرہلا دیا "ثریا بائی کہہ رہی تھی کہ وہ سادہ کپڑوں والے تھے.... آج کل تو سب کچھ ہونے لگا ہے۔ پولیس والے بھی بغیر وردی پہنے ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔"

"تم مجھے صرف یہی بتانے کے لیے حیدر آباد سے دوڑے چلے آرہے ہو؟"

"ہاں۔ سائیں گوپال کی دونوں ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ وہ اسپتال میں ہیں مگر انہیں سائیں مراد کی فکر تھی۔ اب تمہیں خبر مل گئی ہے تو تم انہیں بچانے کے لیے کچھ کر سکتے ہو۔"

"وہ فوج والے تھے" حسن کو بخشل کی کہانی پر شاید یقین آگیا اور اس نے سگریٹ سلگا کر اپنے یقین کا اظہار کر ڈالا "تمہاری مہربانی کہ تم خبر لے کر یہاں تک آئے مگر یہ باتیں مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکی تھیں۔"

اس دوران میں بخشل نے اندازہ لگانا چاہا کہ اس وقت وہاں گلو اور حسن کے علاوہ اور کتنے افراد موجود ہیں مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ گھر میں ہر طرف گہرے سکوت کا راج تھا۔ بظاہر وہاں کسی اور کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔

"وہ قیدی کون ہے جس کے لیے یہ سب بکھیڑا پھیلا ہے؟" بخشل نے ہمت کر کے وہ سوال پوچھ ہی لیا۔

"اس چکر میں نہ پڑو!" حسن معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا "ہمارے لیے وہ قیدی اب بالکل بے کار بلکہ بے گار بن کر رہ گیا ہے۔ ہمیں صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ کن لوگوں کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس نے زبان بند رکھی ہوئی تھی۔ اب بات کھل گئی ہے کہ وہ فوج کا آدمی ہے۔ اسپتال جا کر گوپال چند کو یہ بات بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے" بخشل نے اپنی جگہ چھوڑ دی "اگر تمہارے پاس کوئی آدمی ہے تو ہمیں ہماری گاڑی تک بھجوا دو۔ ہم اجالا ہونے سے پہلے حیدر آباد واپس پہنچ جائیں گے۔"

"تم تو کہہ رہے تھے کہ تمہاری گاڑی خراب ہے۔ اب وہ کیسے ٹھیک ہو جائے گی؟" حسن نے چونک کر پوچھا۔

"اس کا انجن زیادہ گرم ہو جانے کے بعد اسی طرح جام ہو جاتا ہے۔ اب تک وہ ٹھنڈا ہو گیا ہوگا۔ گاڑی اسٹارٹ نہ ہوئی تو ہم تمہارے آدمی کے ساتھ واپس آجائیں گے۔ صبح کوئی مکینک اسے دیکھ لے گا۔"

بخشل کے بے پروائی سے کہے ہوئے ان فقروں نے حسن کو مطمئن کر دیا مگر ساتھ ہی اسے دوسری فکر لاحق ہو گئی

"آدمی کا مسئلہ ہے۔ ہم دونوں بھی یہاں کسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ پتا نہیں کب مولاداد کا پیغام آجائے۔"

بخشل کو پوری بریفنگ دی گئی تھی۔ مولاداد کا نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اسے خوشی ہوئی کہ اس کی محنت رائیگاں نہیں گئی تھی۔ بات دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی۔

"تم دونوں نہیں جا سکتے تو فون کر کے کسی کو بلا دو" بخشل نے فرمائش کی "ہمارے لیے اتنی دور پیدل واپس جانا مشکل ہے۔ گاڑی ضروری نہیں۔ موٹر سائیکل پر ہم تین آدمی چلے جائیں گے۔"

"دراصل تم غلط موقع پر یہاں آئے ہو" حسن نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد جھجکتے ہوئے کہا "اس گھر میں فون نہیں ہے۔ فون پر لوگ بے احتیاطی سے باتیں کرتے ہیں جو کوئی اور بھی سن سکتا ہے۔ مولاداد کا پیغام آگیا تو مجھے فون سننے کے لیے اس کے گھر جانا ہوگا۔ یہاں صرف گلو رہ جائے گا۔ یہاں کم از کم ایک آدمی کا ہونا ضروری ہے۔ ہم قیدی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔"

حسن کا آخری فقرہ سن کر بخشل کے پورے وجود میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں مگر اس نے خود پر قابو رکھتے ہوئے بے پروائی سے پوچھا "تو کیا قیدی بھی یہیں موجود ہے۔"

بخشل کے سوال پر حسن جھنجلا گیا "میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس چکر میں نہ پڑو۔ جلدی یہاں سے نکل جاؤ۔ یہاں کوئی چکر چل پڑا تو تم زندگی بھر حیدر آباد پہنچنے کے لیے ترستے رہو گے۔"

"اوہ!" بخشل نے خوف زدہ ہونے کی اداکاری کی، قدم بدل کر اپنی پوزیشن درست کی اور اچھل کر حسن پر حملہ کر دیا۔

اس وقت تک یہ بات حسن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ کسی جال میں پھنستا جا رہا تھا۔ بخشل نے وحشیانہ جوش کے ساتھ بے خبری میں اس کی گردن دبوچ لی۔

میر محمد بھی ہوشیار آدمی تھا۔ اس وقت تک اس نے گفتگو میں کوئی سرگرم حصہ نہیں لیا تھا لیکن وہ ان دونوں کے درمیان ہونے والے مذاکرات کا ایک ایک لفظ پوری توجہ سے سن رہا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ حسن نے گھر میں قیدی کی موجودگی کا اشارہ دے کر اپنی موت کے پروانے پر دستخط کیے ہیں۔ اس نے حسن کو بخشل کے زورِ بازو پر چھوڑنا مناسب نہ سمجھا اور اپنی جیب سے ڈارٹ گن نکال کر، بجلی کی سی

سرعت سے حسن کے بائیں پہلو پر مہلک ڈارٹ فائر کردیا۔
شپ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ڈارٹ حسن کے پہلو میں پیوست ہوا اور اس کا زہریلا سیال بدن میں سرایت ہوتے ہی حسن کا جسم ایک ناگوار بوجھ کی طرح بخشل کے ہاتھوں میں آرہا۔
بخشل اور میر محمد کا وہ مشن بہت جاں گسل اور خوفناک تھا۔ اس کے لیے تیاری کرتے ہوئے ہم نے کسی قسم کا کوئی خطرہ مول لینے کی گنجائش نہیں رکھی تھی۔ ڈارٹ گن کے ساتھ ان دونوں کو صرف وہی ڈارٹ دیے گئے تھے جو جسم میں اترتے ہی شکار کو جہنم واصل کردینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ بے ہوش کرنے والے ڈارٹس کی اس مشن پر گنجائش ہی نہیں تھی۔
بخشل نے حسن کی بے جان لاش کو سہارا دے کر ایک چارپائی پر ڈال دیا۔ میر محمد اپنا ایک کام مکمل کرکے تیزی سے دروازے کی طرف لپکا۔ دروازے کے پٹ بند تھے مگر پہلے کی طرح کنڈی سے آزاد تھے۔
"جلدی اندر آؤ!" اس نے دروازہ کھولتے ہی گھبرائی ہوئی آواز میں گلو سے کہا "حسن کی طبیعت خراب ہے۔"
گلو کے لیے وہ انکشاف اس قدر ناگہانی ثابت ہوا کہ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر، بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر آیا۔ ریوالور اس نے اپنی جیب میں اڑس لیا تھا۔ اس کے اندر آتے ہی میر محمد نے اس پر ڈارٹ گن تانی اور دروازہ بند کرکے اندر سے کنڈی لگادی۔
"ہاتھ اٹھالو ورنہ مارے جاؤ گے" میر محمد نے دبی دبی ہذیانی آواز میں اسے حکم دیا۔
میر محمد پہل کا فائدہ اٹھا چکا تھا۔ گلو کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔ اس نے بے چون وچرا ہاتھ اٹھالیے۔
"قیدی کہاں ہے؟" میر محمد نے اس کی پشت پر اپنے داہنے گھٹنے سے زوردار ضرب لگا کر پوچھا۔
میر محمد حلق سے دبی دبی غراہٹ کے ساتھ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم آگے نکل گیا۔ میر محمد لپک کر اس کے پیچھے ہولیا۔
"جلدی بولو!" بخشل نے دانت پیس کر گلو سے کہا۔ وہ اس قدر بدحواس ہو چکا تھا کہ اپنے سر پر منڈلاتا ہوا موت کا سایہ نہ دیکھ سکا۔ اس نے زبان کھولنے میں تاخیر کی اور بخشل نے اس کے سینے میں بھی ڈارٹ اتار دیا۔
گلو تیورا کر ہلکے سے دھماکے کے ساتھ فرش پر گر گیا۔ دونوں میں سے کسی نے اسے سہارا دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بخشل اور میر محمد اس وقت خوں خوار درندوں کے مسکن میں گھسے ہوئے تھے۔ اپنی کارروائی کا آغاز کرتے ہی انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ انہوں نے موقع پا کر ہماری ہدایات سے تجاوز کیا تھا۔ اگر وہ اپنی کارروائی مکمل کرکے وہاں سے نکلنے میں ذرا بھی تاخیر کرتے تو بہت برے انجام سے دوچار ہوسکتے تھے۔
ان دونوں کو اتنا کام سونپا گیا تھا کہ وہ اس مکان میں موجود نفری کا اندازہ لگانے کے ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ سلطان شاہ وہاں موجود تھا یا نہیں اور پھر وہاں سے نکل کر ایریٹس کی مدد سے اپنی معلومات ہم تک پہنچادیں تاکہ ہم مراد کے ساتھیوں کے خلاف اگلا قدم اٹھانے کا فیصلہ کرسکیں۔
لیکن وہاں حالات کا رخ ہی کچھ اور نکلا۔ بخشل کو غیر متوقع طور پر علم ہوا کہ قیدی اسی گھر میں موجود تھا اور گھر کی چار دیواری میں دشمن کا صرف ایک آدمی موجود تھا جبکہ دوسرا دروازے سے باہر چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔
وہ صورتِ حال اس قدر ولولہ انگیز اور حوصلہ افزا تھی کہ بخشل ایک لمحے کے لیے بھی خود پر قابو نہ پاسکا اور اس نے اچانک ہی حسن پر حملہ کردیا پھر میر محمد دوسرے کو بھی اندر گھیر لایا۔
دو دشمنوں کی سرد لاشوں کے ساتھ وہ اس چاردیواری میں محصور تھے۔ دونوں ہی سلطان شاہ کی تلاش میں دیوانہ وار اندرونی کمروں کی طرف لپکے لیکن اس دوران میں بخشل اپنی ذمے داری سے غافل نہیں تھا۔ اس نے اپنا ایریٹس آن کرکے بے تابی کے ساتھ 'اول خان کے لیے اپنی رپورٹ نشر کرنی شروع کردی تھی۔

○☆○

ہمارے کارواں میں شامل ایس ٹی ایف کے ہر کارکن کے پاس ایریٹس موجود تھا اس لیے اول خان اور بخشل کے درمیان ہونے والی گفتگو سب ہی نے سنی اور ہر چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔
قیدی کی بازیابی کی ابتدائی خبر سنتے ہی ویرا نے بے اختیاری کے عالم میں غزالہ کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا "مل گیا.... خدا کا شکر ہے کہ وہ یہیں مل گیا" ویرا مسرت سے مغلوب آواز میں بولی۔
"ملا نہیں، ابھی صرف امید بندھی ہے۔ بخشل اور میر محمد اسے تلاش کررہے ہیں" میں نے کہا۔
"وہ دونوں اتنے احمق نہیں ہیں کہ کسی جھوٹی امید پر اتنا بڑا قدم اٹھالیتے" ویرا بدستور پُرامید تھی۔

"... سر! مجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنی حد سے تجاوز کیا ہے" ایرئیس پر بخشل کی آواز آرہی تھی "ڈسپلن کی خلاف ورزی کی ہے۔ میں ہر سزا قبول کرلوں گا مگر یہاں سب کچھ اتنی تیزی سے بدلا کہ میں جذبات سے مغلوب ہوگیا۔ مکار دشمن ہتھیار خالی ہونے کے بعد ٹھوکر کھاکر گر پڑا ہو تو لڑنے والا سپاہی اس کی گردن اتارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بس دعا کریں کہ ہم کسی کے آنے سے پہلے قیدی کو تلاش کرلیں اور اسے لے کر یہاں سے نکل جائیں.... اوور!"

"تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے اور سزا کا بھی اندازہ ہے" اول خان اس کی رپورٹ سننے کے بعد کہہ رہا تھا "جو کچھ کرگزرے ہو، اب اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرو، اوور!"

"ہم دو کمرے دیکھ چکے ہیں، سر! ابھی تک کوئی ذی روح نظر نہیں آیا۔ میر محمد اس کا نام بھی پکار رہا ہے مگر کہیں سے کوئی جواب نہیں مل رہا.... مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں حسن نے مجھ سے جھوٹ نہ بولا ہو.... اوور!"

"کاش! تمہارا یہ خیال غلط ہو" اول خان کا لہجہ خشک ہوگیا "تم نے ان دونوں کو مار کر سنگین غلطی کی ہے۔ قیدی کی بازیابی تک ان میں سے ایک کا زندہ رہنا بہت ضروری تھا.... ہم ادھر آرہے ہیں۔ اوور اینڈ آل!"

کوچ شروع ہوچکا تھا۔ شہر سب ہی کے لیے اجنبی تھا اس لیے میں احتیاط سے ڈرائیونگ کررہا تھا۔ اس بار اول خان نے میرے برابر والی نشست سنبھالی ہوئی تھی اور راستوں کے بارے میں میری رہنمائی کررہا تھا۔

ہم چاروں میں سے کسی نے بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ بخشل سے ملنے والی اطلاعات پر مراد کا کیا ردِّعمل تھا۔ وہ سلطان شاہ کے ساتھ اپنے تبادلے کی آس لگائے بیٹھا تھا۔ نئی خبر نے اسے مایوسی کے گہرے سمندر میں ڈبو دیا ہوگا۔

"اپنے اسٹاف کے ایرئیس بند کرادو" میں نے چند ثانیوں بعد اول خان کو مشورہ دیا "ٹرک والوں کے ایرئیس کے ذریعے مراد تمہارے آدمیوں کی ہر رپورٹ سنتا رہے گا۔ اس کی یہ باخبری نقصان دہ ہوسکتی ہے۔"

بات اول خان کی سمجھ میں آگئی اور اس نے اس بارے میں فوراً ہی ہدایت جاری کردی۔

چند منٹ بعد بخشل پھر لائن پر آگیا۔ اس کی آواز سے سراسیمگی جھلک رہی تھی "ہم نے ساتوں کمروں سمیت اس گھر کا چپّا چپّا دیکھ ڈالا ہے سر! ہمارے مطلوبہ آدمی کا کہیں کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ اوور!"

"صحن میں پڑی ہوئی لاشوں میں سے کسی ایک کو زندہ کرو ورنہ تم مشکل میں پڑجاؤ گے۔ اوور اینڈ آل!" اول خان نے خفگی سے مختصر سا جواب دے کر سلسلہ منقطع کردیا۔

"اس نے جو کچھ کیا، نیک نیتی اور خلوص سے کیا ہے۔ تم اس کے ساتھ زیادتی کررہے ہو" ویرا نے احتجاج کیا۔

"ایس ٹی ایف میں نیت اور خلوص سے زیادہ ڈسپلن کی اہمیت ہے۔ میں اپنے آدمیوں کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ اس بارے میں تمہاری دخل اندازی کی ضرورت نہیں" اول خان نے نرمی سے کہا۔

"ڈسپلن پر اتنا زیادہ زور نہ دو۔ اس کی جگہ ہم میں سے کوئی ہوتا تو وہی کرتا جو اس نے کیا ہے۔ حسن یا گلو میں سے کوئی بھی زندہ ہوتا تو شور مچاکر ان دونوں کو عذاب میں ڈال دیتا، ان کا مرجانا ہی بہتر تھا۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلطان شاہ کہاں ہے؟" غزالہ نے ان کی بحث ختم کرنے کے لیے سوال داغ دیا "حسن کو بخشل سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی...؟"

"وہاں حسن تھا، کرشن کمار نہیں تھا اور مراد بتاچکا ہے کہ سلطان شاہ، کرشن کمار کے ساتھ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ابھی تک کرشن کمار اور سلطان شاہ تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوئے ہوں" ویرا نے رائے دی۔

"میں یہی پوچھ رہی ہوں" غزالہ نے زور دے کر کہا "ان دونوں سے رابطہ نہیں ہوا تھا تو حسن نے جھوٹ کیوں بولا؟ اس وقت تک اسے بخشل کی کہانی پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔"

میں ذہن میں کچھ اور ہی حساب لگا رہا تھا۔ بخشل کے بیان کے مطابق حسن کو آخر تک مولاداد کے کسی پیغام کا انتظار تھا۔ وہ پیغام یہی ہوسکتا تھا کہ حسن فوری طور پر مولاداد کے گھر پہنچ کر مراد سے بات کرے۔ خود مراد بھی کہہ چکا تھا کہ وہ میرپور خاص پہنچنے کے بعد فون پر رابطہ کرکے معلوم کرسکے گا کہ کرشن کمار، سلطان شاہ سمیت کہاں تھا۔

ہم نے میرپور خاص میں داخل ہونے سے پہلے اپنا کھیل بدل دیا تھا۔ مراد کو فون کرنے کا موقع دینے کے بجائے بخشل اور میر محمد کو اس کے ٹھکانے پر بھیج دیا تھا۔ اس تبدیلی کے بعد یہ خطرہ ٹل چکا تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے مولاداد کا کوئی آدمی حسن کے ٹھکانے پر پہنچ کر ایس ٹی ایف کے دونوں آدمیوں کے لیے خطرہ بنے۔

وہ دونوں پریشان ضرور تھے مگر محفوظ تھے۔ جب تک

مراد کو مولاداد کو فون کرنے کا موقع نہ ملتا' وہاں سے کوئی حسن کے گھر... کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔ ہم وہاں پہنچ جاتے تو پھر بے فکری کے ساتھ مکان میں کسی خفیہ تہ خانے وغیرہ کی تلاش شروع کی جاسکتی تھی۔

شہر میں سفر کے آخری مرحلے پر ہم نے حامد کی نفری کو ٹرک سمیت گلیوں سے باہر ہی روک دیا۔ ان تنگ گلیوں میں ٹرک کا راستہ کہیں بھی مسدود ہو سکتا تھا۔ ضرورت پڑتی تو اریٹیس پر پیغام دے کر ان لوگوں کو ذرا سی دیر میں موقع پر طلب کیا جاسکتا تھا۔

میں نے جیپ گلی میں گھمائی تو اول خان اریٹیس پر بخشل سے بات کر رہا تھا۔

اول خان کے لہجے میں ہلکی سی خفگی برقرار تھی مگر بخشل نے اس پر کوئی شکوہ نہیں کیا۔ وہ امید افزا لہجے میں بتا رہا تھا کہ وہ غسل خانے کی ایک مشتبہ دیوار پر زور آزمائی کر رہے تھے جو غیر معمولی طور پر سپاٹ تھی۔

اول خان نے اپنے پہنچنے کی اطلاع دے کر اریٹیس بند کر دیا۔ میں نے اول خان کے ایما پر آخری موڑ کاٹا تو جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں پیلی دیواروں والے مکان کے باہر بخشل اور میر محمد موجود تھے۔

فضا پر اس وقت بھی گہرے اندھیرے کی چادر مسلط تھی مگر قرائن بتا رہے تھے کہ وہ اندھیرا بس کچھ ہی دیر کا مہمان تھا پھر صبح صادق کا ملگجا اجالا ان اندھیروں کو نگلنے والا تھا۔

ہم چاروں جیپ سے اترے اور بخشل کی رہنمائی میں مکان کے اندر گھستے چلے گئے۔ میر محمد جیپ کی نگرانی کے لیے باہر ہی رک گیا۔

حسن اور گلو کی لاشیں اس اجڑے اجڑے مکان میں عبرت کا سماں باندھ رہی تھیں۔ جو لوگ کچھ دیر پہلے تک بہت کچھ تھے' اس وقت کچھ بھی نہیں رہے تھے۔ وہ انسان کی بے بسی کی انتہا ہوتی ہے جب وہ گور و کفن کے لیے بھی دوسروں کا محتاج ہو کر رہ جاتا ہے۔ سب کچھ رکھتے ہوئے بھی اپنی آخری منزل کے از خود ایک دمڑی تک خرچ نہیں کر سکتا۔

گھر میں ہم نے سب سے پہلے وہ غسل خانہ دیکھا جس کی ایک دیوار پر بخشل کو شبہ تھا۔ ہم نے خوب ٹھونک بجا کر دیوار کا جائزہ لیا۔ وہ ٹھوس اور سپاٹ تھی۔ بخشل کا اندازہ غلط تھا مگر وہ صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔ ہم سب مختلف کمروں میں پھیل گئے۔ وہ قدیم ہندووانی طرز پر بنا ہوا مکان تھا۔ دیوار گیر طاق' طاقچوں اور مورتیوں کی کثرت' اس امر کی غمازی کر رہی تھی کہ اس پرانے گھر میں کہیں نہ کہیں کوئی خفیہ کمرا یا تہ خانہ ضرور ہوگا۔

آخر کار غزالہ نے ایک قد آدم آئینے کے پیچھے چھپے ہوئے آہنی دروازے کا سراغ لگا ہی لیا۔ اس دیوار پر لگے ہوئے ایک شمع دان پر زور ڈالتے ہی وہ آئینہ اپنے فریم سمیت' قبضوں پر گھوم کر دیوار سے الگ ہو گیا تھا۔ اس کے پیچھے دیوار گیر آہنی دروازہ تھا۔ جس کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ استعمال ہوتا رہا تھا۔

دروازہ بہت مضبوط اور وزنی تھا۔ اصل چابیوں کے بغیر اسے حرکت دینا ممکن نہیں تھا۔ سب وہیں جمع ہو گئے تھے۔ وہ دروازہ ہمارے لیے امید کی آخری کرن تھا۔ سلطان شاہ اگر اسی چاردیواری میں تھا تو وہ دیوار کے موٹے آثاروں میں چھپی ہوئی اس اونچی تجوری ہی میں ہو سکتا تھا۔ حبس اور گھٹن کی وجہ سے وہ تجوری اس کے لیے خطرناک تھی۔

آخر کار ویرا نے تجوری کا دروازہ کھولنے کے لیے بیم گن استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس پر عمل کرنے سے پہلے ہم نے آہنی دروازے کو زور زور سے بجا کر سلطان شاہ کو آوازیں دیں لیکن اندر سکوت چھایا رہا۔ وہ اگر موجود تھا تو ہوش میں نہیں تھا۔ ویرا نے مہارت کے ساتھ وقفے وقفے سے بیم گن کی باریک نیلگوں دھار سے قفل کے اردگرد کا فولاد کاٹنا شروع کر دیا۔

وہ کام بہت صبر آزما ثابت ہوا۔ تین جلہ کٹائی کے بعد دروازہ کھل گیا اور یہ دیکھ کر مسرت سے ویرا کی بے ساختہ چیخ نکل گئی کہ اس تجوری کے فرش پر سلطان شاہ بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ تجوری ہوا بند نہیں تھی۔ اس کی اندرونی ساخت میں کچھ ایسا اہتمام رکھا گیا تھا کہ اندر گھٹن نہیں تھی۔ سلطان شاہ کا سانس معمول کے مطابق چل رہا تھا۔

ہم نے احتیاط کے ساتھ اسے باہر نکال لیا۔ اس کے بدن پر کہیں ٹوٹ پھوٹ کی کوئی علامت تھی نہ لباس پر خون کا نشان تھا مگر چہرے پر چھائے ہوئے ورم سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ہلکے پھلکے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اسے دیکھ کر بخشل کے لٹکے ہوئے چہرے پر عجیب سی رونق آگئی تھی جو قابلِ فہم تھی۔

سلطان شاہ کی بازیابی ہماری اس لمبی دوڑ کا مقصد تھی۔ اس کے زندہ و سلامت مل جانے کے بعد ہمارے لیے وہاں رکنا بے سود تھا۔ بخشل نے مجھے روک کر سلطان شاہ کو اپنے کندھے پر لادا اور ہم ایک ایک کر کے اس گھر سے نکل گئے۔

ویرانے آخر میں باہر آنے کے بعد دروازے کو کنڈی لگا دی۔

بخشل اور میر محمد نے سلطان شاہ کو جیپ کی پچھلی نشست پر لٹا دیا مگر میری توجہ ان چند افراد پر مرکوز ہو چکی تھی جو گلی کے نکڑ پر کھڑے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ ہوا کے دوش پر ان کی دبی دبی سرگوشیوں کی کچھ بھنبھناہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔

"سر! یہ آس پاس کے مکانوں سے نکلے تھے" میر محمد ہمیں بتانے لگا "سب حیرت سے جیپ کو دیکھ رہے تھے مگر کوئی بھی قریب آنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ بس یہ وہاں جمع ہو کر نیچی آواز میں باتیں کر رہے ہیں۔"

وہ ایک چھوٹے شہر کا رہائشی علاقہ تھا۔ وہاں کسی گاڑی کے انجن کی آواز سے لوگ مانوس نہیں رہے ہوں گے۔ ہمارے وہاں پہنچنے پر جیپ کے انجن کی تیز غراہٹ کچی نیند سونے والوں کی بیداری کا سبب بن گئی اور وہ صورتِ حال جاننے کے لیے اپنے گھروں سے نکل کر باہر جمع ہو گئے۔

میں نے ان کی موجودگی سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور ان کی طرف چل دیا۔

مجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر ان میں کچھ بے چینی کے آثار نمودار ہوئے مگر کسی نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ میں نے قریب جا کر ان کو ادب سے سلام کیا اور خاص طور پر کسی کو مخاطب کیے بغیر پوچھا "پیلی دیواروں والا مکان کس کا ہے؟"

کسی نے فوراً جواب نہیں دیا۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ آخر ایک معمر شخص نے ہمت کر ڈالی "یہ گھر تو کرشن کمار کا ہے مگر وہ یہاں کم ہی نظر آتا ہے۔ دوسرے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"شریفوں کے محلے میں کوئی اس پر اعتراض نہیں کرتا؟ یہاں غلط کام ہوتے رہتے ہیں۔"

"بس جی! کون کسی کے منہ لگے۔ سب کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے" اسی شخص نے جواب دیا۔ میرے تیکھے سوال پر دوسروں کے چہروں پر خوف و ہراس اُمڈ آیا تھا۔

"مولاداد کہاں رہتا ہے؟" اس بار میں نے براہِ راست اسی معمر شخص سے پوچھا۔

"پچھلی گلی میں آگے، کبوتروں کی چھتری والا مکان ہے۔ وہ بھی ان ہی کا ساتھی ہے۔"

"پولیس کے آنے تک کوئی اس گھر میں نہ جائے۔ اندر دو لاشیں پڑی ہوئی ہیں" میں نے انہیں آگاہ کیا۔ سب کے دہانوں سے لاشوں کے بارے میں تحیر زدہ، سرسراتی ہوئی آوازیں برآمد ہوئیں اور ادھیڑ عمر سمیت ہر شخص نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ سب تیزی سے اپنے اپنے گھروں کی طرف لپکے جا رہے تھے۔

میں نے کسی کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ لاشوں کی موجودگی کے انکشاف پر ان لوگوں کا ردِّعمل قطعی فطری تھا۔ ہر شخص ایسی بھیانک واردات میں کسی گواہی وغیرہ میں ملوث ہونے سے گھبراتا اور پھر وہ کرشن کمار اور اس کے ساتھیوں کا معاملہ تھا۔ مجھے پہلے ہی اندازہ ہو چکا تھا کہ اہلِ محلہ ان کی سرگرمیوں سے نالاں بلکہ خائف تھے اور ان کی مخالفت میں زبان کھولنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

بخشل اور میر محمد نے اپنے ہاتھ لگنے والے دونوں افراد کو ٹھکانے لگا کر اپنا کام ضرور آسان کرنا چاہا تھا لیکن اس کے نتیجے میں ہم ہر گواہ سے محروم ہو چکے تھے۔ ان دونوں کے مارے جانے کے بعد، ہمارے لیے میرپور خاص میں کام آگے بڑھانا مشکل ہو گیا تھا۔ ان میں سے کوئی زندہ ہوتا تو اس سے مراد، کرشن کمار اور ان کے حواریوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔

بازپرس کے معاملے میں مراد ہماری توقع سے زیادہ سخت جان ثابت ہو رہا تھا، کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ تازہ ترین واقعات پر وہ کس ردِّعمل کا مظاہرہ کرتا۔ اس کا حوصلہ تباہ کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ہمارے ساتھ سلطان شاہ کے علاوہ ایک دو زندہ قیدی بھی ہوتے۔ ان کے اعترافات مراد کو زبان کھولنے پر مجبور کر سکتے تھے۔

میں واپس آیا تو اول خان ایریٹس پر حامد سے بات کر رہا تھا۔ وہ لوگ اس محلے کی قدرے تنگ گلیوں سے باہر، مین روڈ پر رکے ہوئے تھے مگر ہمارے اور ان کے درمیان لاسلکی رابطہ برقرار تھا جس سے فائدہ اٹھا کر اول خان شاید اسے سلطان شاہ کی زندہ و سلامت بازیابی کی اہم ترین خبر سنا رہا تھا۔

ویرا اور غزالہ جیپ میں گھسی ہوئی تھیں اور اندر کی بتی جلا کر سلطان شاہ کو ہوش میں لانے کی ناکام کوششیں کر رہی تھیں۔ میں نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگا لیا تھا کہ سلطان شاہ کی بے ہوشی نقاہت یا ضربات کا نتیجہ نہیں تھی۔ اس کو مسکن ادویہ کے زیرِ اثر دانستہ بے ہوش رکھا گیا تھا۔ دواؤں کا اثر ختم ہونے سے پہلے اسے ہوش میں لانا ممکن نہیں تھا۔

جیپ کے سواروں کی تعداد میں اضافہ ہو چکا تھا مگر اس کشادہ گاڑی میں اتنی گنجائش تھی کہ سلطان شاہ کو بے آرام کیے بغیر سب لوگ اس میں سما گئے اور میں نے جیپ کو ادھیڑ

عمر شخص کے بتائے ہوئے راستے پر ڈال دیا۔ اس وقت ہمارے سامنے صرف مولا داد رہ گیا تھا اور میں اسے کراچی کی سیر کرانے کا مصمم ارادہ کرچکا تھا۔

مولا داد کا گھر وہاں سے خاصے فاصلے پر تھا۔ کبوتروں والی چھتری اس کے مکان کی ایسی واضح شناخت تھی کہ اسے نظر انداز کرنا ممکن ہی نہیں تھا مضبوط بانسوں پر بندھی ہوئی کشادہ چھتری کے نیچے سبز رنگ کا ایک بلب روشن تھا جو دور ہی سے توجہ اپنی طرف مبذول کرا رہا تھا۔ چھتری پر نظر پڑتے ہی میں نے اپنی نگاہیں گلی میں مرکوز کردیں۔

اس مکان کے سامنے ایک شخص کھڑا ہوا تھا۔ اتنی رات گئے گھر سے باہر کسی کی یوں موجودگی غیر معمولی تھی۔ جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی دور تک جا رہی تھی اسی طرح طاقت ور انجن کی آواز نے بھی شاید اس شخص کو چونکایا تھا۔ اس نے مڑکر بھڑکے ہوئے انداز میں جیپ کی طرف دیکھا۔ پتلی اور ناہموار گلی کی وجہ سے میں ڈرائیونگ میں محتاط تھا۔ ہمارا درمیانی فاصلہ بتدریج کم ہوتا جا رہا تھا۔

وہ شخص چند ثانیوں تک یوں ہی ہماری طرف دیکھتا رہا پھر کسی نتیجے پر پہنچ کر بہت تیزی سے پلٹا اور گھر کے دروازے میں غائب ہوگیا۔ شاید اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ ہم اسی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

چند لمحوں میں ہم مولا داد کے گھر کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ میں ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر دروازے پر پہنچا تو مجھے اندر کچھ بڑبونگ اور بھگدڑ کی سی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے زور سے دروازے کی کنڈی بجا ڈالی۔

"ٹھہرو.... ابھی آتے ہیں!" اندر سے ایک اونچی آواز آئی۔ میرے لیے وہ جواب غیر متوقع تھا۔ اندر والے نے اتنی رات گئے ہونے والی دستک پر کسی پوچھ گچھ کے بغیر یوں جواب دیا تھا جیسے وہ پہلے سے کسی کی آمد کی توقع کیے بیٹھا ہو۔

اندر سے آنے والی آوازوں میں یکایک کمی واقع ہوگئی۔ وقت دھیرے دھیرے رینگتا رہا اور میں کھڑا انتظار کرتا رہا۔ جب وہ انتظار کچھ زیادہ ہی طویل ہوگیا تو میں نے بے چینی سے دوبارہ کنڈی کھڑکا دی۔

اس بار ایک ادھیڑ عمر عورت نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا جیسے وہ اندر' پٹ سے لگی' دوسری دستک کا انتظار کرتی رہی ہو۔

"کون ہو تم....؟ کس سے ملنا ہے؟" عورت نے سہمی ہوئی نظروں سے میرا اور پھر جیپ کا جائزہ لیتے ہوئے دقت سے پوچھا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ دہشت سے اس کا حلق سوکھ رہا تھا۔

ہماری لڑائی ملک اور قوم کے غداروں سے تھی۔ جن کے لیے میرے دل کے کسی گوشے میں ہمدردی کی کوئی رمق موجود نہیں تھی مگر وہ ان کے گھر کی ایک عورت تھی۔ اس کے لیے میرے پاس ادب و احترام کے سوا کچھ نہیں تھا۔

غزالہ کو میرے مزاج کی اس کمزوری کا اندازہ تھا۔ میرا تذبذب ختم ہونے سے پہلے ہی وہ جیپ سے اتر کر نیچے آگئی۔ اندر سے برآمد ہونے والی عورت کسی درشت اور کھردرے سوال کے انتظار میں' خوف سے اپنے ہونٹوں پر بار بار زبان پھیر رہی تھی۔

"مولا داد کہاں ہے۔ اسے باہر بلاؤ!" غزالہ نے وہاں پہنچتے ہی عورت سے مطالبہ کیا۔

"وہ گھر پر نہیں ہے۔ پتا نہیں کب واپس آئے گا۔" اس نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"تم اندر جاؤ اور کسی مرد کو باہر بھیج دو۔ ہمیں ضروری بات کرنی ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔ عورتیں ہیں یا بچے ہیں جو سب سو رہے ہیں۔"

"ابھی اندر سے کسی مرد نے جواب دیا تھا۔ وہ کہاں ہے؟" اس بار میں سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"وہ مولا داد تھا۔" جواب دیتے ہوئے عورت کی آنکھیں دھندلا گئیں "تمہیں انتظار کرنے کا کہہ کر وہ چلا گیا۔"

"کہاں چلا گیا....؟" غزالہ نے حیرت اور بے اعتباری سے پوچھا "دروازے پر تو ہم کھڑے ہوئے ہیں۔"

"بس چلا گیا۔ وہ پیچھے سے بھاگا ہے۔ تم سے ڈر گیا تھا۔"

غزالہ نے شکست خوردہ نظروں سے میری طرف دیکھا پھر اس سے پوچھا "اس کے ساتھ اور کون تھا؟"

"پانچ آدمی تھے۔" عورت نے معاملے کی سنگینی کا اندازہ لگاتے ہوئے خود ہی سچ بولنا شروع کردیا تھا "رات سے وہ سب کسی فون کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تمہارے آتے ہی پچھلے دروازے سے بھاگ گئے۔"

میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ ایک مرتبہ پھر چوٹ ہوگئی تھی۔

"یہاں سے بھاگ کر وہ کہاں گئے ہوں گے؟" غزالہ نے کس قدر تیزی سے سوال کیا۔

"پتا نہیں!" غزالہ کے لہجے پر وہ عورت روہانسی آواز

میں بولی "سب بگڑے ہوئے لڑکے ہیں۔ کرشن نے اپنے ساتھ ان سب کو بھی خراب کردیا ہے۔ منہ پھٹ ہیں۔ بات بات پر ہتھیاروں کی دھمکی دیتے ہیں۔ وہ اسی کے پاس گئے ہوں گے۔"

صاف ظاہر تھا کہ وہ اسی گھر کا ذکر کررہی تھی جہاں سے ہم وہاں پہنچے تھے۔ اس گھر کو ہمارے لیے چوہے دان بنا کر وہ ٹولی مولا داد کے پاس بیٹھی ہوئی تھی تاکہ مراد کی طرف سے اشارہ ملتے ہی کوئی کارروائی کرسکے مگر مراد کا فون نہ آنے کی وجہ سے ان کا سارا کھیل بگڑ کر رہ گیا تھا اور انہیں افراتفری کی حالت میں فرار ہونا پڑ گیا تھا۔

وہ عورت خود بھی مولا داد اور اس کے ساتھیوں کی سرگرمیوں سے بدظن تھی۔ اس پر زیادہ دباؤ ڈالنا بے سود تھا۔ وہ انہیں برا بھلا کہتی اور ہمارے سوالوں کے جواب دیتی رہی۔ آخر کار ہم نے وہاں سے لوٹ جانے کا فیصلہ کرلیا۔

وہاں سے لوٹتے ہوئے ہم بہت محتاط تھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے مگر پھر بھی ایک موہوم سا خطرہ تھا کہ کہیں مولا داد اور اس کے پانچ مسلح ساتھی پلٹ کر ہم پر حملہ نہ کردیں۔ ان کے لیے مراد ظریف کی آزادی اسی قدر اہم اور ضروری تھی جتنی ہمارے لیے سلطان شاہ کی رہائی تھی۔

ہم گلیوں سے نکل کر آخر کار سڑک پر آگئے۔ اس دوران میں اول خان نے واپسی کے پروگرام کے پیش نظر، حامد کو اپنے ٹرانسمٹر پر سمجھا دیا تھا کہ اسے میرپور خاص میں ہی رکنا تھا تاکہ وہ دونوں لاشوں کے بارے میں ضابطے کی کارروائیاں مکمل کرا کے وہ قصہ مقامی کوتوالی کے سربراہ کے حوالے کرسکے۔

اپنے اس مختصر قیام میں اسے اس گروہ کے کسی سرگرم کارندے کو بھی تلاش کرنا تھا جو اس الجھی ہوئی کہانی کے پوشیدہ گوشوں سے نقاب ہٹا کر پیش رفت کی کوئی راہ فراہم کرسکے۔

"سر! اب مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ ہم نے ان دونوں کو مار کر کتنی بڑی غلطی کی ہے۔" جیپ میں خاموشی ہونے پر بخشل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "ان میں سے کسی ایک کا زندہ رہنا بہت ضروری تھا۔"

"غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے مگر جان بوجھ کر کی جانے والی غلطی بھول کی غلطی سے زیادہ سنگین ہوتی ہے۔" اول خان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا "اب یہ بات بھول جاؤ۔ اس پر اسٹیشن فور میں بات ہوگی۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ اول خان کے ان الفاظ میں بخشل کے لیے تادیب کا پیغام پوشیدہ تھا۔ ایس ٹی ایف کے کارکنوں کے تمام تر اخلاص کے باوجود اس تنظیم کا جزا اور سزا کا ایک اپنا نظام تھا جس سے کسی کو مفر نہیں تھا۔

مین روڈ پر پہنچنے کے بعد بخشل اور میر محمد ٹرک میں سوار ہوگئے اور ہمارا قافلہ واپسی کے لیے چل پڑا۔

شہر چھوڑنے سے پہلے ہمیں حامد کو مقامی تھانے پر اتارنا تھا۔ ہمیں تھانے کا محل وقوع معلوم نہیں تھا، ویران سڑکوں پر کہیں کوئی سپاہی نظر نہیں آرہا تھا جس سے مدد لی جاسکے۔ میں اندازے سے کشادہ تر راستوں پر جیپ چلاتا رہا اور ہم جلد ہی تھانے کے سامنے پہنچ گئے۔

اول خان نے خود افسران سے ملنا قرین مصلحت نہیں سمجھا۔ گاڑی میں سلطان شاہ بے ہوش تھا۔ مراد ٹرک کے فرش پر سخت زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اسے یہ جان کر سخت صدمہ ہوا تھا کہ اس سے کوئی کام لیے بغیر ہم لوگوں نے سلطان شاہ کو رہا کرالیا تھا۔ وہ رہ رہ کر اونچی آواز میں مغلظات بک رہا تھا۔ سینیئر پولیس افسران لازمی طور پر اس کی طرف متوجہ ہوجاتے اور اول خان کے لیے اخلاقی طور پر لازم ہوتا کہ ان کے ہر سوال کا جواب دے اور یوں ایک نئی کہانی شروع ہوجاتی۔

حامد کو خاموشی سے تھانے کے باہر چھوڑ کر ہم تیزی سے آگے نکلتے چلے گئے۔

○☆○

سلطان شاہ کی کہانی زیادہ پُرپیچ نہیں تھی۔ اس نے پہلی بار ہیرآباد کے علاقے میں واقع صحرا کے دفتر کا طواف کیا تو یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ کچھ نادیدہ نگاہوں نے صحرا میں اس کی دلچسپی کا اندازہ لگالیا ہے۔ جب وہ مراد ظریف کی موجودگی کا کھوج لگانے کے لیے دوبارہ اس علاقے میں پہنچا تو اس کی گاڑی پہچان لی گئی۔

اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوسکا کہ صحرا کا کوئی آدمی اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ وہ ہیرآباد کے علاقے سے نکل کر اپنے ہوٹل کی طرف جارہا تھا کہ پیچھے سے ایک تیز رفتار موٹر سائیکل نے اسے اوورٹیک کیا اور سائیڈ دبا کر اسے گاڑی روکنے پر مجبور کردیا۔

موٹر سائیکل پر دو صحت مند اور لڑاکا قسم کے لڑکے سوار تھے۔ انہوں نے سلطان شاہ کی کار کے عین سامنے موٹر سائیکل روکی اور جارحانہ تیوروں کے ساتھ قریب آکر اس پر الزام لگایا کہ اس نے ان کی موٹر سائیکل کو سائیڈ ماری تھی۔

وہ الزام سراسر بے بنیاد تھا۔ سلطان شاہ مشتعل ہو گیا لیکن اسے اپنی نشست چھوڑ کر نیچے اترنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ایک لڑکے نے بہت نپے تلے انداز میں اس کی داہنی کنپٹی پر زوردار مکا رسید کیا اور وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بے ہوشی کی گہری دلدل میں اترتا چلا گیا۔ وہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ راہ گیروں میں سے کسی کو کچھ سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔ کوئی کچھ سمجھ لیتا شاید تب بھی سلطان شاہ کا ساتھ دینے کی ہمت نہ کرپاتا کیونکہ دونوں لڑکے شکل صورت سے ہی بدمعاش معلوم ہو رہے تھے۔

سلطان شاہ کو دوبارہ ہوش آیا تو وہ کسی کمرے میں بند تھا۔ تھوڑی دیر بعد دو آدمی اس کے سر پر مسلّط ہو گئے۔ اس وقت تک اسے علم نہیں تھا کہ وہ کون تھے لیکن کراچی پہنچنے اور ہوش میں آنے کے بعد اس نے مراد کو شناخت کر لیا تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی گوپال چند ہی ہو سکتا تھا۔ وہ دونوں اس سے یہ جاننا چاہ رہے تھے کہ وہ کن لوگوں میں سے تھا اور بار بار صحرا کے دفتر کے گرد کیوں دیکھا جا رہا تھا۔

سلطان شاہ کو اس معاملے کی سنگینی کا پورا ادراک تھا۔ وہ ان دونوں کا تشدد سہ کر بھی اڑا رہا کہ وہ صحرا کے وجود تک سے ناواقف ہے اور اس کا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ کراچی کا ایک ٹرانسپورٹر ہے جو کسی سے ادھار کی رقم وصول کرنے کے لیے حیدر آباد آیا ہوا ہے۔ مراد نے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اس کا مقروض تھا۔ سلطان شاہ کے پاس اس جھوٹ کو نبھانے کے لیے کوئی نام اور پتا نہیں تھا۔ اس پر مکوں اور تھپڑوں کی برسات شروع ہو گئی۔

اسے حیدر آباد سے میرپور خاص منتقلی کے بارے میں علم نہیں تھا۔ اس نے یہ ضرور بتایا کہ اگلی بار وہ ایک مختلف کمرے میں تھا جہاں ایک خوش رو اور دراز قامت شخص اس کے مقابل تھا۔ وہ بھی سلطان شاہ سے گھما پھرا کر مختلف سوال کرتا رہا لیکن اس نے سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ اس کے واپس نہ لوٹنے پر غزالہ ہوٹل سے ہی ہم لوگوں سے رابطہ کرے گی اور ہم اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔ اس خوش فہمی میں وہ آسانی سے دو چار روز گزار سکتا ہے۔

اس کی وہ توقع جلد ہی پوری ہو گئی۔ قید کے دوران میں اس نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی کہ ہر باز پرس کے بعد وہ لوگ اسے کھانے پینے میں کوئی ایسی دوا دے دیتے تھے جس کے زیر اثر وہ طویل بے ہوشی کا شکار ہو جاتا تھا۔ اس طرح اسے اپنے دشمنوں کے بارے میں کچھ جاننے کا موقع نہیں مل سکا مگر اس سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ زیادہ تشدد سے محفوظ رہا۔

"تم خوش نصیب ہو کہ انہوں نے تمہارے ہاتھ پیر نہیں توڑے۔" سلطان شاہ کی باتیں سن کر ویرا نے برجستہ کہا "انہوں نے تمہیں بہت احتیاط سے ایک دیوار گیر تجوری میں بند کیا ہوا تھا۔ ہم نے تمہیں وہیں سے برآمد کیا تھا۔"

"تجوری میں!" سلطان شاہ بے ساختہ ہنس پڑا "حیرت ہے کہ ان لوگوں کے پاس کوئی تجوری بھی ہے۔ حیدر آباد میں صحرا کے دفتر سے ایسی بے سروسامانی ٹپکتی ہے کہ اس این جی او پر رحم آتا ہے۔"

"وہ ان کا ڈراما ہے ورنہ مراد کو بہت زیادہ مالی وسائل دستیاب ہیں۔" غزالہ نے کہا "آج کل وہ چاہے تو فریڈم انٹرنیشنل سے زیادہ شاندار دفتر بنا سکتا ہے۔"

"اب تو اس کے چاہنے یا نہ چاہنے کا قصہ ہی ختم ہو چکا ہے۔" وہ بولا "وہ تمہارا قیدی ہے۔ مجھے حسرت ہے کہ اس کے پیچھے حیدر آباد جانے کے باوجود میں اس پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اسے کہاں رکھا گیا ہے؟"

"وہ یہیں مائیکرو سینٹر کے تہ خانے میں ہے جہاں مقبول چوہدری نے اکرم الٰہی کو قید کیا ہوا تھا۔" میں نے بتایا۔

"اب تک اس کے سارے کس بل نکل چکے ہوں گے۔ اپنی سرگرمیوں کے بارے میں وہ کیا کہتا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ تم سے زیادہ ڈھیٹ ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "انہوں نے تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑا لیکن اس کا حال ابتر ہے۔ کراچی آنے کے بعد اس پر مایوسی غالب آ رہی ہے پھر بھی وہ خاموش ہے۔"

"اس نے میرے اوپر ہاتھ اٹھایا تھا۔ اب میں دل کھول کر اس کی خبر لوں گا۔" سلطان شاہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

"ابھی اس کو بالکل نہ چھیڑنا۔" میں نے جلدی سے کہا "کراچی واپس آنے تک اسے یہ غلط فہمی تھی کہ ہم لوگوں کا تعلق فوج سے ہے۔ وہ حیران ہے کہ ابھی تک کوئی باوردی فوجی اس کے سامنے نہیں آیا۔ تذبذب اور خلش کے باعث وہ جلد ہی بکھر کر رہ جائے گا۔"

"میرا خیال تم سے مختلف ہے۔ اس وقت وہ زخمی ہے۔ گرم لوہے پر چوٹ پڑتی ہے تو زیادہ اثر کرتی ہے۔"

"یہ سب بعد میں دیکھ لیا جائے گا۔ فی الحال تم آرام کرو۔ اب وہ کہیں نہیں جا سکتا۔"

میرپور خاص سے ہم لوگ صبح نو بجے کے بعد ہی کراچی پہنچ گئے تھے۔ دورانِ سفر سلطان شاہ مسلسل بے ہوش رہا

تھا۔ وہ لوگ اسے بے ہوشی کے ایسے لمبے ڈوز دیتے رہے تھے
کہ وہ بار بار ہوش میں آکر انہیں پریشان نہ کرسکے۔

یہ مشورہ اول خان کا تھا کہ مراد ظریف کو اسٹیشن فور
کے بجائے مائیکرو سینٹر کے تہ خانے میں رکھا جائے۔ جب
سے امریکیوں کے بارے میں ایس ٹی ایف کی پالیسی میں یہ
تبدیلی آئی تھی کہ جب تک وہ کھل کر سامنے نہ آئیں' ان
سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے' اول خان کچھ محتاط ہوگیا تھا۔
وہ اپنے بڑوں کے سامنے یہ جواز تو پیش کرسکتا تھا کہ سلطان
شاہ کے اچانک غائب ہوجانے کے باعث اسے اپنی قابل ذکر
نفری کے ساتھ حیدرآباد اور پھر میرپور خاص تک جانا پڑ گیا
لیکن وہ کراچی میں مامور' سی آئی اے کے چیف' جان اسمتھ
کے منظور نظر کو خود سے دور رکھنا چاہتا تھا۔

وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا اندرونی معاملہ تھا۔ اسے
اول خان ہی بہتر سمجھتا تھا۔ میں نے اس بارے میں کوئی تبصرہ
نہیں کیا اور اول خان' مراد ظریف کو ہمارے ساتھ مائیکرو
سینٹر چھوڑ کر چلا گیا۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم طویل سفر کی تکان
اتارنے کے لیے کمروں میں جا گھسے۔ یہ سلسلہ سلطان شاہ کی
بے ہوشی کا دورانیہ ختم ہونے پر منقطع ہوا اور تینوں اسے
گھیر کر بیٹھ گئے۔

سلطان شاہ پر اپنی ناکامی کی خفت طاری تھی یا وہ مراد
ظریف کے خلاف کچھ زیادہ ہی مشتعل تھا کہ وہ اسی وقت تہ
خانے میں جانے پر مصر رہا۔ غزالہ ایک خانہ دار خاتون کی
طرح کچن سنبھالنے کے لیے چل دی۔ میں ویرا اور سلطان
شاہ کے ساتھ تہ خانے کی طرف ہولیا۔

نیچے جاتے ہوئے ہم پہلی منزل پر اکبر علی کی مزاج پرسی
کے لیے رکے۔ اس کا زخم بہتر ہو رہا تھا۔ اسے خوشی ہوئی کہ
اس سے کام لینے کے ساتھ ساتھ ہمیں اس کی فکر بھی تھی۔

تہ خانے میں مراد مسہری پر اپنی دونوں ٹانگیں پھیلائے
کسی معذور آدمی کی طرح پڑا ہوا تھا۔

"پھر آگئے؟" ہمیں دیکھتے ہی اس نے زہریلے لہجے میں
کہا "تم لوگ بہت سفاک ہو......"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "ہم ہر شخص سے وہی
سلوک کرتے ہیں جس کا وہ حق دار ہوتا ہے۔"

"تم جھوٹے ہو...... میں اب تک تمہیں غلط سمجھ رہا تھا۔
فوج سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"ہم نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ ویسے تم نے اتنی
باریک بات کیسے سمجھ لی؟" ویرا نے مضحکہ اڑاتے ہوئے
پوچھا۔

"تم سب سادہ کپڑوں میں تھے۔ یہاں بھی کوئی وردی
والا نہیں ہے۔ تم فراڈ ہو۔"

سلطان شاہ نے اس کے بائیں پیر کو جھٹکا دیا اور درد کی لہر
سے مراد اچانک چیخ پڑا۔ سلطان شاہ نے کہا "خدا کا شکر ادا
کرو کہ تم وردی والوں کی قید میں نہیں ہو۔ وہ اب تک
تمہاری کھال میں بھس بھروا چکے ہوتے۔"

"میں سب سمجھ رہا ہوں۔" وہ کراہتے ہوئے بولا "تم
لوگ کچھ بھی نہیں' پکے حریص اور لٹیرے ہو۔ مقبول
چوہدری کو ہٹا کر فریڈم انٹرنیشنل پر قبضہ کرنا چاہتے ہو اسی لیے
میں تمہاری آنکھوں میں کھٹک رہا ہوں۔"

"کیونکہ تم خود بھی یہی خواب دیکھ رہے تھے۔" میں نے
زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا "صحرا کے نام پر فریڈم والوں سے
مال لوٹ کر اپنی جیبیں بھرنا چاہ رہے تھے مگر اب تمہارا یہ
خواب بکھر کر رہ گیا ہے۔"

"کل تک مقبول چوہدری یہاں' مائیکرو سینٹر میں موجود
تھا۔ آج یہاں تمہارا راج ہے۔ یاد رکھنا کہ تمہارا یہ ذلیل
منصوبہ کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ میری اور مقبول چوہدری کی
پشت پر بہت مضبوط ہاتھ ہے۔ وہ تمہارے حلق سے سب کچھ
نکال لے گا۔"

"کہاں کی ہانک رہے ہو؟ تمہیں کس مضبوط ہاتھ پر
گھمنڈ ہے؟" سلطان شاہ نے مسہری کے سرہانے جاکر مراد
ظریف کے مجروح اور متورم چہرے پر سختی سے ایک ہاتھ جڑ
دیا اور وہ بلبلا اٹھا۔

"مقبول کل یہاں بیٹھا ہوا تھا مگر بتانے والے نے مجھے
بتا دیا تھا کہ مائیکرو سینٹر پر کوئی قبضہ کرچکا ہے۔ میں اسی لیے
اندر نہیں آیا تھا۔ تمہارے لیے فضا میں بارود کی بو چھوڑ کر
چلا گیا تھا۔"

"اس کے ساتھ دھنی رام کی بے یارو مددگار لاش بھی
چھوڑ بھاگے تھے۔" ویرا نے لقمہ دیا۔

"لڑائی میں یہ ہوتا رہتا ہے۔ شاید تم نے مقبول چوہدری
کو زیر کرلیا ہو مگر میں اس کی طرح آسان چارہ ثابت نہیں
ہوں گا۔ تم دیکھ لینا کہ تمہارا حشر بہت برا ہوگا۔ تم موت مانگو
گے مگر موت خود تم سے پناہ مانگے گی۔"

اس کے دماغ میں جان اسمتھ کی حمایت کا غرور گھسا ہوا
تھا۔ جس کا زائل ہونا ضروری تھا۔ میں نے درشت لہجے میں
کہا "سنو ایم زی! مجھے معلوم ہے کہ تم کئی باپوں کی اولاد ہو۔
تمہارا پہلا باپ وہ تھا جو شاید تمہارے پیدا ہوتے ہی شرم اور

صدمے سے مرگیا ہوگا۔ دوسرا اکرم الٰہی تھا جس نے تمہیں دولت مندی کی راہ دکھائی، تیسرا مقبول چوہدری تھا جس نے تمہیں گود لیا اور چوتھا وہ گورا ہے جس نے اب تمہارے سر پر ہاتھ رکھا ہے۔ تمہاری پوری ہسٹری ہمارے سامنے ہے۔ تمہیں اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں رہنی چاہیے۔"

میری زبان سے ترتیب وار وہ سب سن کر مراد سکتے کی سی حالت میں رہ گیا پھر اس کے دہانے سے کمزور سی آواز برآمد ہوئی "ایم زی....! اس کا مطلب ہے مجھ سے تم نے بات کی تھی۔ تم پہلے مقبول چوہدری کے خاص آدمی بن کر مجھے بہلاتے رہے اور جب میں تمہارے جال میں نہیں آیا تو تم خود آواز بدل کر مقبول چوہدری بن گئے۔ تم مسلسل میرا پیچھا کررہے ہو....."

"غیر ملکی ٹکڑوں پر پلنے والوں کا پیچھا کرنا ہماری ہابی ہے اور تم تو بالکل آوارہ کتے ہو۔ جانتے بوجھتے ہوئے جان اسمتھ کے پاس گئے تھے کہ تاکہ اس ملک کی بیخ کنی کے لیے اس سے تازہ ہدایات لے سکو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

سلطان شاہ نے پھر بے رحمی سے اس کی ٹانگ ہلائی اور وہ اذیت سے دہرا ہوگیا۔ سلطان شاہ دانت پیستے ہوئے بولا "یہ تمہارے کرتوت ہیں۔ تم باہر کے پیسے پر پلنے والے غدار ہو جس کی سزا موت سے بھی کچھ زیادہ ہونی چاہیے۔"

"یہ غلط ہے، جھوٹ ہے۔ میں نے باہر سے کوئی رقم نہیں لی۔ فریڈم انٹرنیشنل والے صحرا کی مدد کررہے تھے۔"

"وہ بھی اسی غلیظ جوہڑ سے سیراب ہورہے تھے جس میں تم ڈبکیاں لگا رہے ہو۔"

"میں قسم کھا رہا ہوں۔ میں نے جان بوجھ کر باہر سے کوئی مدد نہیں لی۔" اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔

"تم اعتراف کرچکے ہو کہ تم بیچ کے آدمی تھے۔" میں نے سفاکی سے کہا "اکرم اور مقبول سے رقم لیتے تھے اور اپنا کمیشن کاٹ کر کرشن کو بڑھا دیتے تھے۔ یہ سفید جھوٹ ہے۔ اگر اسے سچ مان لیا جائے تب بھی تم سازشی ہو۔ تمہیں معلوم تھا کہ کرشن اس پیسے سے نیا چھور میں ایک مفت تربیتی کیمپ چلا رہا ہے۔ ہتھیاروں کے استعمال اور دہشت گردی کی تربیت دینے والا وہ کیمپ ملک کے دوستوں کا نہیں ہوسکتا۔"

"وہاں ظلم اور زیادتی کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی تعلیم دی جاتی ہے، ظلم کرنے کا سبق نہیں دیا جاتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔ چمن علی کی تحریروں سے تم کیا کام لے رہے ہو؟" آخر کار میں نے وہ نام بھی لے ڈالا۔ مراد کی آنکھوں میں دہشت سمٹ آئی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی

"گوپال چند تمہارا ساتھ کیوں دے رہا ہے؟ دھنی رام جیسا قاتل اور ڈاکو تمہارا وفادار کیوں تھا؟ مولا داد کے گھر پر بیٹھے ہوئے پانچ مسلح آدمی کل رات بھر کیا کر رہے تھے؟"

مسہری پر پڑے ہوئے مراد کی پیشانی پر پسینے کی موٹی موٹی بوندیں ابھر آئیں "تم بہت کچھ معلوم کر چکے ہو۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ پانی میرے سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ میں غدار اور نمک حرام نہیں ہوں۔ میں دولت کے لالچ میں اندھا ہو گیا تھا۔ زندگی بھر کی محرومیوں نے میری آنکھوں پر پردے ڈال دیے تھے۔ میری اس بھول کو معاف کر دو!"

"معافی!" سلطان شاہ یک بیک بپھر گیا۔ اس نے مراد کی ایک ٹانگ پکڑ کر اسے مسہری سے نیچے گھسیٹ لیا۔ تہ خانے کی محدود فضا مراد کی دل دوز چیخوں سے لرز اٹھی۔ اس کا سر خاصی زور سے فرش سے ٹکرایا تھا۔

"میرا بس چلے تو تمہیں اسی طرح گھوڑے کے سم سے باندھ کر سڑکوں پر گھسیٹا جائے۔" سلطان شاہ نے آخری جھٹکا دے کر اس کی ٹانگ چھوڑ دی۔ اس سے سوکھتے ہوئے زخموں سے دوبارہ تازہ خون جاری ہو گیا۔

"ایسی زندگی سے بہتر ہے کہ تم مجھے گولی ہی مار دو!" وہ روتے اور کراہتے ہوئے بولا۔

"اتنی آسان موت تمہیں نہیں مل سکتی۔" سلطان شاہ غرایا "سب کچھ اگل دو تو کچھ سوچا جا سکتا ہے۔"

"میں نے تمہیں ہر بات بتا دی ہے۔ کچھ اور پوچھنا چاہتے ہو تو وہ بھی پوچھ لو۔"

"اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری نے تمہیں کیا کام سونپا ہوا تھا؟" میں نے سگریٹ سلگا کر سوال کیا۔

اس کے چہرے پر اذیت کے آثار عود کر آئے کیونکہ وہی اس کی سب سے کمزور رگ تھی۔

"سوچ کر جواب دو گے تو جھوٹ بولو گے۔" سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا "بس فی البدیہہ بولنا شروع کر دو۔"

"وہ ایک پرائیویٹ یوتھ فورس قائم کرانا چاہتے تھے۔" وہ تھوک نگل کر بولا۔

"پوری بات بتاؤ!" ویرا تجسس آمیز لہجے میں گرجی "کوئی فرضی کہانی سوچنے کی کوشش مت کرو۔"

"میں نے ان سے کبھی نہیں پوچھا کہ وہ اس فورس سے کیا کام لینا چاہتے ہیں مگر میں جانتا تھا کہ وہ کوئی نیک اور اچھا کام نہیں ہو گا۔ ان کے ذہنوں میں کوئی بڑا منصوبہ پرورش پا رہا تھا۔" اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"تم جھوٹے ہو۔ کسی مقصد کو سامنے رکھے بغیر ایسی تربیت کا آغاز کیسے کیا جا سکتا ہے؟"

"میں نے بتایا نا کہ تربیت لینے والوں کو ہر ظلم اور زیادتی کے خلاف ہتھیار اٹھانے اور گوریلا کارروائیوں کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔"

"دوسری طرف تم دور افتادہ اور پس ماندہ دیہی علاقوں میں دستاویزی فلموں کے ذریعے ظلم اور زیادتیوں کو اجاگر کرتے پھر رہے تھے۔ صحرا کے ذریعے انہیں بتا رہے تھے کہ شہروں میں بسنے والے کس طرح ان کا استحصال کر رہے ہیں۔"

"پھر بھی تم اتنے معصوم ہو کہ ان کا پورا منصوبہ نہیں سمجھ سکے۔" ویرا نے میری بات آگے بڑھائی۔

"میں سب کچھ سمجھ رہا تھا مگر اس بارے میں ان سے کبھی کچھ نہیں پوچھا۔"

"تم الّو کے پٹھے ہو!" سلطان شاہ نے غرا کر اس کی پسلیوں میں ٹھوکر رسید کی "ہمیں الفاظ کے گورکھ دھندے میں الجھانے کی کوشش مت کرو۔ ہم ہر قیمت پر تمہاری زبان سے سچ اگلوانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے پسلیاں دبا کر کراہتے ہوئے کہا "صحرا کو میں نے بہت محنت سے قائم کیا تھا۔ وہ میری ذاتی این جی او تھی۔ لوگ ستار ایدھی کو تھیلے بھر بھر کر بے حساب رقمیں دیتے ہیں، مجھے کہیں سے کوئی مدد نہیں مل سکی۔ جب اکرم سے مدد ملی تو اس کے ساتھ کلنک کے داغ لگے ہوئے تھے۔ میں نے جانتے بوجھتے ہوئے سب کچھ قبول کر لیا۔ کرشن' یوتھ فورس بنانے میں مصروف ہو گیا۔ یوتھ فورس اندرونی علاقوں میں شورش کے لیے قائم کی جا رہی تھی اس کے لیے احتجاج اور بے چینی کی فضا تیار کرنے کا کام میری صحرا کر رہی تھی۔ صحرا کے تنخواہ دار آدمی دور دراز علاقوں میں جا کر تھوڑی سی امداد کے ساتھ لوگوں کے ذہنوں میں بہت سا زہر انڈیل آتے تھے۔"

"گڈ!" سلطان شاہ نے استہزائیہ انداز میں کہا "اب تم راہِ راست پر آئے ہو۔"

"اس کے لیے تم نے ڈاکوؤں اور قاتلوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا؟" ویرا نے پوچھا۔

"مجبوری تھی۔ برے کاموں کے لیے برے لوگوں سے ہی ابتدا کرنی پڑتی ہے۔ بعد میں دوسرے لوگ بھی آنے لگے۔"

"اچھے لوگوں کو تم اپنی راہ سے ہٹاتے رہتے؟" سلطان

شاہ نے پہلو بدل کر سوال کیا۔

”بلاوجہ میں نے کسی کی نکسیر تک نہیں پھوڑی کیونکہ میں نے خود وقت کی بہت مار کھائی ہوئی ہے۔“

”غلام رسول کو کس نے مارا تھا؟“ سلطان شاہ نے پوچھا

”میں جی آر بھمرو کی بات کر رہا ہوں۔“

”میں نے وجہ کے بغیر کسی کی نکسیر تک نہیں پھوڑی۔“ اس نے اپنی پچھلی بات دہراتے ہوئے کہا ”اور اپنا راستہ کاٹنے والے کو معاف نہیں کیا۔ میرا موبائل فون نمبر گنے چنے دوستوں کے پاس تھا۔ جب اس پر تم میں سے کسی نے مقبول چوہدری کا پیغام دیا تو میں نے چھان بین شروع کر دی کہ میرا نمبر باہر کیسے نکلا۔ مجھے پتا چل گیا کہ جی آر میرے بارے میں چھان بین کرتا پھر رہا ہے۔ وہ انفارمر تھا۔ میں نے اسے مروا دیا۔“

اس نے خاموش ہو کر فرشی قالین پر اپنی پوزیشن قدرے تبدیل کی پھر اپنی بات جاری رکھی ”میں ٹرک میں بھی تم کو بتا چکا ہوں کہ میں پڑھا لکھا ہوں۔ بغاوت، قتل اور غداری جیسے جرائم کی سزا جانتا ہوں مگر خوش حال زندگی گزارنے کے لیے میرے سامنے کوئی راہ نہیں رہی تھی۔ میں نے اپنی پینتیس سالہ زندگی میں کئی کئی وقت فاقوں سے کاٹے ہیں۔ میں اس زندگی سے اکتا گیا تھا۔ برسوں میں نے دو کے سوا تیسرے جوڑے کی صورت نہیں دیکھی، پورے حیدر آباد کی خاک پیدل چھانی ہے، رکشے اور ٹیکسی کا سفر میرے لیے ایک خواب تھا کیونکہ میری جیبیں ہمیشہ خالی ہوتی تھیں۔ اکرم کی پیشکش پر میں نے آنکھیں بند کر کے خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا۔ آج میری جیبیں بھری ہوئی ہیں اور میں بیکیرد کا مالک ہوں۔“

”اور تمہارا ضمیر تمہیں کبھی ملامت نہیں کرتا۔“ سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

وہ یکایک بہت زیادہ جذباتی ہو گیا ”سائیں! تم کس ضمیر کی بات کرتے ہو۔ پیٹ چار دن تک خالی رہے تو سب سے پہلے بھوکے کا ضمیر مرجاتا ہے، وہ خود نہیں مرتا..... ڈھیٹ بن کر زندہ رہتا ہے۔ میں نے بھی اسی طرح زندہ رہنا سیکھا ہے۔“

”اور ابھی مزید زندہ رہنا چاہتے ہو!“ ویرا نے طنز سے کہا۔

”ہاں۔ اور میں اس کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر تیار ہوں۔ اپنا سب کچھ دے دوں گا۔“

”خالی ہاتھ زندہ رہ کر تم کیا کرو گے۔ پھر وہی دو جوڑے شہر کی خاک اور کئی دنوں کی بھوک تمہارا مقدر بن جائے گی۔“

”زندگی رہی تو پھر کوئی موقع مل جائے گا۔ اب میں نے زندگی کے دونوں روپ دیکھ اور پرکھ لیے ہیں۔“

”اپنی زندگی کی یہ قیمت تم کسے ادا کرنا چاہتے ہو؟“ ویرا نے تمسخر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

”تم کو!“ اس بار اس نے بلا تردد جواب دیا ”میں تمہارے رحم و کرم پر ہوں، تمہارا قیدی ہوں۔ مجھے پتا چل چکا ہے کہ تم فوجی نہیں ہو۔ میں آزادی کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہوں۔“

”شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ ہم تمہاری طرح دولت کے بھوکے یا ضرورت مند نہیں ہیں۔“

”مجھے معلوم ہے کہ تم مقبول چوہدری کی این جی او پر قبضہ کر کے مالا مال ہو چکے ہو لیکن دنیا میں دولت ایسی شے ہے جس کی طلب کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ پرائی دولت تھوڑی ہو تو بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اپنا مال کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو جائے، ہمیشہ کم لگتا ہے۔ میں تم سے ہاتھ جوڑ کر التجا کرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی سودا کر لو۔“

قدر و قیمت

پبلک لائبریری میں میاں بیوی بیٹھے الگ الگ کتابیں پڑھ رہے تھے۔ بیوی اپنی کتاب لیے اٹھ کر لائبریرین کے پاس پہنچی اور بولی ”میں اس کتاب میں سے یہ آرٹیکل فوٹو اسٹیٹ کرا کے تھوڑی دیر میں واپس لا رہی ہوں۔“

”اس کے لیے آپ ضمانت کے طور پر اپنا شناختی کارڈ یا پانچ سو روپے رکھوا جائیں۔“ لائبریرین نے کہا۔

”اس کیا کیا ضرورت ہے... وہ سامنے میرے شوہر بیٹھے کتاب پڑھ رہے ہیں۔“ خاتون نے اشارے سے بتایا۔

”وہ تو ٹھیک ہے۔“ لائبریرین نے شائستگی سے کہا ”لیکن ہم چاہتے ہیں کتاب باہر لے کر جانے والا ہی فرد کوئی ایسی چیز چھوڑ کر جائے جس کے لیے وہ لازماً واپس آئے۔ یہ لائبریری کا اصول ہے۔“

اس نے ہم تینوں کے سامنے واقعی ہاتھ جوڑ دیے اور ویرا کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔
"دنیا میں ہر ایک دولت کے لیے نہیں جیتا۔" ویرا نے میری اور سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "کچھ لوگ ان جیسے بھی ہیں جو دولت کو ہر وقت جوتی کی نوک پر رکھتے ہیں اور پھر بھی سدا خوش رہتے ہیں۔"
بات کسی اور رخ پر نکلتی جارہی تھی۔ میں نے دخل انداز ہوتے ہوئے مراد سے کہا "یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ زیادہ ہندو کیوں ہیں؟"
"ہندوؤں سے زیادہ مسلمان ساتھ ہیں۔ بس اتفاق ہے کہ وہ تم کو زیادہ نظر آتے ہیں۔"
"کرشن کمار اور گوپال کے علاوہ دھنی رام بھی تم سے بہت قریب تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"پاکستان میں ایک سے ایک محب وطن ہندو رہتا ہے مگر ان میں خوبی یہ ہے کہ وہ اس بارے میں کبھی جذباتی نہیں ہوتے۔ ہر بات بہت صبر اور سکون سے سنتے ہیں اس لیے ان سے بات کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ جب وہ پوری بات سن لیتے ہیں تو ذرا آسانی سے قابو میں آجاتے ہیں۔ گوپال چند سے میں اپنے دل کی ہر بات کرلیتا ہوں مگر چمن علی سے نہیں کرسکتا۔"

"حالانکہ دونوں امریکا کے پڑھے ہوئے اور آزاد خیال ہیں۔" ویرا نے پھر ٹانگ اڑا دی۔
"تمہیں جو منصوبہ دیا گیا تھا اس کا ٹارگٹ اور ٹائم شیڈول کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔
"میں تمہاری بات نہیں سمجھا۔" اس نے اپنی پسلیاں سہلاتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔
"جان اسمتھ بھی تمہیں عمر بھر مفت وظیفہ نہیں دے سکتا۔ ہر منصوبے کا کوئی وقت اور ہدف ہوتا ہے' کارکردگی کا معیار ہوتا ہے۔ تمہاری ان سب تیاریوں کے بعد وہ کب تک اور کیا کرنا چاہتے ہیں؟"
"ہمارے ٹارگٹ کا انحصار کرشن پر ہے۔ وہ نیا چھور کے جنگلوں میں چھوٹا سا کیمپ چلا رہا ہے۔ ابھی تک ڈیڑھ سو لڑکے تیار ہوئے ہیں۔ جس دن ہماری یوتھ فورس کے تین ہزار آدمی تیار ہوں گے' سب کو پتا چل جائے گا یوتھ فورس میدان میں آچکی ہے۔"
"ہتھیار اٹھا کر میدان میں اتر آنے کو بغاوت کہا جاتا ہے۔ کیا تم اسی کی تیاریاں کررہے ہو؟"
"تم اسے جو نام چاہو' دے لو۔ جان اسمتھ لوگوں کو ظلم اور ناانصافی کے خلاف منظم کرنا چاہتا ہے۔"
"جان اسمتھ دوسرے ملک اور براعظم کا باشندہ ہے۔ اسے یہاں کے مظلوموں سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟ کیا اسے امریکا کے مظلوم اور پسے ہوئے لوگ نظر نہیں آتے جو کڑکتے ہوئے جاڑوں کی سرد راتیں گتے کے ڈبوں میں بند ہو کر گزارتے ہیں اور طوفانی بارشوں سے بچنے کے لیے عظیم الشان فلائی اوورز کے نیچے پناہ لیتے ہیں۔" اس بار ویرا نے بہت مناسب مثالیں دیں۔
"وہ مجبوراً میدان میں آیا ہے۔ اس سے پہلے اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری یہی کام کررہے تھے۔"
"کیا یہ موٹی سی بات اب بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئی کہ ان دونوں کا اپنا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے سرمائے پر پل رہے تھے اور اسی میں سے تم کو تمہارا حصہ دے رہے تھے۔"
"اس وقت بہت سی باتیں سمجھ میں آرہی ہیں۔ یہ میں وہ سب بتا رہا ہوں جو پہلے میں سمجھتا تھا۔ اس وقت میں نے جان بوجھ کر کسی بات کی گہرائی میں جانے کی کوشش نہیں کی۔ شاید مجھے معلوم تھا کہ ہر گہرائی میں گندہی گند ملے گا۔"
"تم بیچ میں سے نکل گئے تو کرشن کبھی بھی یوتھ فورس کا منصوبہ مکمل نہیں کرسکے گا....."

مراد نے میری بات کاٹ دی اور فضا میں ہاتھ اٹھا کر کہا "تم تینوں نے باتیں کرکے مجھے تھکا دیا ہے' میرے دماغ کی چولیں تک ہل گئی ہیں۔ تم مجھ سے اعتراف در اعتراف کرائے جارہے ہو' میری بات کا کوئی جواب نہیں دیتے۔"
"تمہیں اپنی بات کا جواب بھی مل جائے گا۔ ہمیں تمہاری پیشکش پر مشورہ کرنا پڑے گا۔ بس کرشن کے بارے میں ہمارے چند سوالوں کے جواب اور دے دو پھر تمہیں آرام کا وقفہ مل جائے گا۔"
"مجھے تم سے کسی بھلائی کی امید نہیں ہے۔" اس کی آواز میں مایوسی در آئی "مگر میں پھر بھی تمہاری زبان سے تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے تم اپنی خواہش پوری کرلو۔ کرشن میرے ساتھ مل کر تیزی سے کام کررہا تھا' میرے بغیر اس کی رفتار سست ہوجائے گی مگر وہ کام کرتا رہے گا کیونکہ یہ اس کا مشن بھی ہے۔"
"کیا وہ جان اسمتھ کو جانتا ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا "یہ اس کا مشن کیسے ہوگیا؟"
"جان اسے پہچاننے سے بھی انکار کردے گا۔ وہ لوگ روٹین سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کرتے۔ کرشن بھارتی ایجنٹ

ہے۔ اسے یہاں لائن مل گئی ہے۔ رقم اور ہتھیاروں کے لالچ میں لڑکے اس کی طرف جارہے ہیں۔ وہ اپنے فنڈز سے کام کرتا رہے گا۔"

مراد کے انکشاف پر میں نے بہت مشکل سے اپنا غصہ ضبط کیا اور پوچھا "تم یہ بات پہلے سے جانتے تھے؟"

"نہ جانتا ہوتا تو شاید اکرم الٰہی کی دی ہوئی ذمّے داریوں کو آسانی سے قبول نہ کرتا۔"

میں خاموشی سے واپسی کے لیے مڑا ہی تھا کہ اس نے احتجاج کرنا شروع کردیا "تم وعدہ خلافی کررہے ہو۔ مجھے اپنا فیصلہ سناؤ اور نیچے سے اٹھا کر مسہری پر لٹاؤ۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں از خود اٹھنے بیٹھنے کے قابل نہیں ہوں۔"

اس کا دوسرا مطالبہ جائز تھا۔ سلطان شاہ نے بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے اٹھانے کی کوشش کی تھی کہ اس نے اذیت سے چیخنا شروع کردیا۔ جھٹکے سے اسے نیچے کھینچ لینے کی بات اور تھی لیکن احتیاط سے اسے ہلانا جلانا بھی دشوار تھا۔ سلطان شاہ نے اسے دوبارہ فرشی قالین پر ڈال دیا اور ہاتھ جھاڑتا ہوا الگ ہوگیا۔

"تم نے اپنی جو رام کہانی سنائی ہے اس پر خود غور کرلینا۔" میں نے نکاس کے راستے پر رک کر اس سے کہا "تمہیں اندازہ ہوجائے گا کہ تمہارے لیے ہم کیا فیصلہ کرسکتے ہیں۔"

"مجھے سب اندازہ ہے۔ میں تمہارا ارادہ جاننا چاہتا ہوں....." وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ہم تینوں ہی وہاں سے نکل گئے۔

"یہ میری توقع سے زیادہ بے ضمیر آدمی ثابت ہوا ہے۔" لفٹ میں سلطان شاہ نے کہا۔

"غنیمت ہے کہ ایسے لوگوں کی رسی زیادہ دراز نہیں ہونے پاتی۔ وہ جلد ہی مکافاتِ عمل سے دوچار ہوجاتے ہیں۔" میں نے دھیرے سے کہا "یہ بھی اب ہمارے رحم و کرم پر ہے۔ جب چاہو اس کا کام تمام کرسکتے ہو۔"

"تم نے ایک فیصلہ کرلیا ہے تو پھر اسے پالنے سے کیا فائدہ؟ ابھی اس کا قصہ ختم کردیا ہوتا۔" ویرا بولی۔

"اول خان ہمارا مخلص ساتھی ہے۔ اس کے مشورے کے بغیر میں ایسا قدم نہیں اٹھا سکتا۔"

اتنی دیر میں لفٹ دوسری منزل پر پہنچ کر رک چکی تھی۔ ہم تینوں نکل کر اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے۔

○☆○

شام ہوئی اور ویرا نے محدود پیمانے پر اپنے شغل کا آغاز کردیا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس نے سارا ساز و سامان میز پر سجانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کیبنٹ میں سے ایک گلاس لے کر خاموشی سے کرسی پر آبیٹھی تھی۔

مجھے اندازہ تھا کہ مے نوشی کی عادت پختہ ہو اور آدمی کی قوتِ ارادی ذرا بھی کمزور ہو تو خون میں الکحل کی سطح گرتے ہی جسم اور ذہن کا ایک ایک حصہ اسے ساغر و مینا کے تعاقب پر اکسانے لگتا ہے اور ویرا اسی کمزوری میں مبتلا تھی۔ اسے حیرت تھی کہ میں مے نوشی ترک کرنے کا فیصلہ کرکے اس پر کیسے قائم تھا۔

"مائیکرو سینٹر میں قیام میں جہاں بہت سے فائدے ہیں وہاں ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ مقبول نے یہاں شراب کا وافر ذخیرہ جمع کیا ہوا ہے جو تمہیں ہر وقت پینے کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔" میں نے ویرا کے چہرے پر نظریں جما کر سنجیدگی سے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ میں یہاں سے جو سربند بوتلیں اپنے ساتھ حیدر آباد لے گئی تھی، وہ اسی حالت میں واپس آگئی ہیں۔ ذخیرہ ہونے یا نہ ہونے سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔" اس نے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر کہا۔

"وہاں ہم جن حالات سے گزر رہے تھے ان میں تم بوتل کو ہاتھ لگانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھیں۔ ہم سب کے

مکرر

کامل اپنے بچوں کے لیے ہانگ کانگ کا بنا ہوا ایک کھلونا طوطا لائے۔ اس کے سامنے جو کچھ بولا جاتا تھا، وہ پر پھڑپھڑاتے ہوئے اسے دہراتا تھا۔ ابھی بچے آزمائشی طور پر ہی اس کے سامنے دو چار جملے بول کر اسے بولتے سن رہے تھے کہ وہ میز سے گر پڑا۔ بظاہر تو وہ ٹھیک ہی لگ رہا تھا لیکن اس نے پھڑپھڑانے بند کردیے۔ کامل کی بیوی نے اسے دوبارہ ڈبے میں پیک کرتے ہوئے کہا "آپ یہ دکان دار کو واپس کرآئیں۔ اس سے کہیے گا کہ اس نے خراب پیس دیا ہے۔ اسے یہ مت بتائیے گا کہ یہ میز سے گر گیا تھا۔"

دوسرے ہی لمحے ڈبے میں سے آواز آنے لگی "میز سے گر گیا تھا.... میز سے گر گیا تھا۔"

اعصاب پر سلطان شاہ کی واپسی کا مسئلہ چھایا ہوا تھا۔ تم بھی اس سے محفوظ نہیں تھیں۔"

"سلطان شاہ کے بارے میں، میں اب بھی فکر مند ہوں۔" وہ بولی "اس نے اپنے اوپر ہونے والے تشدد کو چھپایا ہے۔ اس کی چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ تو تم نے بھی نوٹ کی ہوگی۔"

"اس کی چوٹیں اس سے زیادہ ہیں جو نظر آرہی ہیں۔" میں نے اس کی تائید کی "تم ہی اس کی مزاج پرسی اور دیکھ بھال کرسکتی ہو۔ وہ مجھے یا غزالہ کو کچھ بھی نہیں بتائے گا، خاموشی سے تکلیف برداشت کرتا رہے گا۔"

"میں ایک کوشش کرچکی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا "مشکل یہ ہے کہ وہ میری نیت پر شبہ کرتا ہے۔ وہی کیا، اب تو تم بھی ہر وقت مجھ سے دور بھاگنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہو۔"

ہماری وہ گفتگو جاری تھی کہ اول خان آپہنچا۔ وہ خاصا بشاش نظر آرہا تھا۔ اس نے آتے ہی اطلاع دی کہ حامد نہ صرف میرپور خاص سے لوٹ آیا تھا بلکہ اپنے ساتھ کرشن کمار کی کچھ تصاویر بھی لے آیا تھا جن کی مدد سے اسے گھیرنے کی کوشش کی جاسکتی تھی۔

"مولاداد اور اس کے پانچ مسلح ساتھیوں کا سراغ نہیں ملا؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔

"وہ سب خوف زدہ ہو کر روپوش ہوچکے ہیں۔ حسن اور گلو کی موت نے پورے شہر میں خوف و ہراس پھیلا دیا ہے۔"

"خوف و ہراس کیوں ہے؟ ہمارا تو اندازہ تھا کہ لوگ ان سے خوش نہیں تھے۔"

"لوگ کسی سے کتنے ہی ناخوش بلکہ خوف زدہ کیوں نہ ہوں، اس کی موت پر خوش نہیں ہوتے۔ ہر زبان پر ایک ہی سوال ہے کہ کن لوگوں نے ان جیسے شورہ پشتوں کو اتنی آسانی اور خاموشی سے ٹھکانے لگایا ہے۔"

"پولیس نے اس واقعے کو کس انداز میں ریکارڈ پر لیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہاں مراد اور کرشن کمار کا بہت اثر و رسوخ ہے۔ حامد کے مطالبے کے باوجود پولیس نے ان دونوں کے قتل کا سہرا اپنے سر لینے سے انکار کردیا۔ وہ واقعہ نامعلوم افراد کے کھاتے میں ڈالا گیا ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ خوف کی وجہ سے وہ لوگ بھی اپنی زبانیں بند رکھیں گے جنھوں نے ہمیں جائے واردات سے باہر آتے ہوئے دیکھا تھا؟"

"یہ بہت افسوس ناک بات ہے کہ کہیں کہیں مجرم قانون کے محافظوں کے لیے بھی ہوا بن جاتے ہیں۔"

"لیکن اس پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جاسکتی۔ حامد کو سیدھا سا جواب ملا کہ جب پولیس والوں نے سرے سے کوئی کارروائی نہیں کی تو انہیں اس قصے میں کیوں ملوث کیا جائے۔ وہ لاجواب ہوگیا۔" اول خان نے بتایا۔

"یہی غنیمت ہے کہ انھوں نے حامد کی بات سن لی۔" ویرا نے ہنس کر کہا "وہ تفتیش کے لیے اسے روکنے کا اختیار رکھتے تھے۔"

"کوئی قانونی موشگافیوں پر اتر آئے تو بے شمار مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔ دراصل کسی بھی صورتِ حال کا انحصار تھانے دار کے مزاج اور حوصلے پر ہوتا ہے۔ حامد وہاں سے ناخوش لوٹا ہے۔"

"اچھا ہوا کہ ہم اپنے بندوبست کے ساتھ وہاں گئے تھے۔ آڑے وقت میں وہاں کسی مدد کی ضرورت پیش جاتی تو ہمیں تارے نظر آسکتے تھے۔" ویرا نے کہا "بہرحال اب تو اس معاملے کو داخل دفتر ہی سمجھنا چاہیے۔ مراد ہمارے قبضے میں ہے۔ اس کے تمام ساتھی زیرِ زمین جاچکے ہیں۔ حسن اور گلو کے لیے کوئی بھی پیروی کرنے نہیں آئے گا۔"

"تم شاید اس وقت اسی بات کا جشن منارہی ہو!" اول خان اس کے گلاس کی طرف اشارہ کرکے بولا۔

"یہ مائیکرو سینٹر کی خرابی ہے۔" ویرا سے پہلے میں نے جواب دیا "ابھی تک ہم یہاں مراد کے چکر میں رکے ہوئے تھے کہ وہ نجانے کب فریڈم انٹرنیشنل کے فون پر مقبول چوہدری سے رابطہ قائم کر بیٹھے۔ اب وہ کھیل ختم ہوچکا ہے۔ صبح ہم اپنے گھر چلے جائیں گے۔"

"گھر کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ چاہو تو اسی وقت گلشن اقبال چلے جاؤ مگر جانے سے پہلے مجھے اپنے ساتھ مراد سے ملوا دو۔ وہ کس حال میں ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔" اول خان نے بے تکلفانہ خوش دلی سے کہا۔

"بُرے حال میں اور مایوس ہے۔ اس کی ساری تیزی و طراری کافور ہوچکی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا "اس نے شروع سے آخر تک سارے اعترافات کرلیے ہیں جن میں کرشن کا بھارتی ایجنٹ ہونا بھی شامل ہے۔"

میں اسے مراد کے بارے میں بتاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اول خان کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ حامد کے جگر خراش تشدد کے بعد مراد نے مزید کسی محنت کے بغیر سب کچھ اگل دیا تھا۔ اس کے بیان کی روشنی میں صحرا کے رہے سہے اثرات کو ختم کیا جاسکتا تھا۔

ہم دونوں لفٹ کے ذریعے تہ خانے میں پہنچے تو دل کو شدید دھچکا لگا۔ وہاں ایک عبرت ناک منظر ہمارا منتظر تھا۔ تہ خانے کا پورا قالین خون کے لوتھڑوں میں چھپا ہوا تھا اور اس خونی تالاب کے وسط میں مراد کی بے نور لاش پڑی ہوئی تھی۔ ہلدی کی طرح زرد چہرے پر اس کی پھٹی ہوئی آنکھوں میں آخری لمحوں کی ایسی دردناک اذیت ثبت ہو کر رہ گئی تھی کہ زیادہ دیر تک ان آنکھوں میں دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

اس زیر زمین کمرے کا ایک بڑا آئینہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس کا ایک تیز دھار ٹکڑا خون کے لوتھڑوں کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ مراد نے وہ آئینہ توڑ کر اس کے ایک ٹکڑے سے اپنی بائیں کلائی اور گردن کی کئی رگیں کاٹ لی تھیں جن سے اس کے جسم کا سارا خون بہہ کر قالین پر پھیل گیا تھا۔ اس نے اپنی خودکشی کے لیے بہت سست اور اذیت ناک طریقہ اختیار کیا تھا۔

"خس کم جہاں پاک!" اول خان دھیرے سے بڑبڑایا "اس نے خود اپنے لیے سزا کا انتخاب کرلیا۔ ہم اسے ایسی سزا دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ہم زیادہ سے زیادہ اس کے سینے میں ایک دو گولیاں اتار دیتے۔"

"اس کی باتوں سے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کی زندگی کی ہر آس ٹوٹ چکی ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "مگر میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ مراد اتنی خاموشی سے اپنی جان لے لے گا۔"

"وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو چکا تھا ورنہ اس بے سرو سامان تہ خانے میں بھی اسے آسان تر خودکشی کا کوئی ذریعہ مل سکتا تھا۔ یہ انسان کے اپنے اعمال ہوتے ہیں جو اس کو کسی بہتر یا بدتر انجام کی طرف دھکیلتے رہتے ہیں اور پھر اسے قبر میں پہنچا دیتے ہیں۔"

"چند دنوں میں جہنمی روحوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "اور وہ سب ہی مراد ظریف کی شناسا تھیں۔ اکرم الٰہی، مقبول چوہدری، دھنی رام، حسن اور گلو، سب اسی کی وجہ سے مارے گئے ہیں۔"

وہ ایک حقیقت تھی جسے دہراتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ کوئی ایک شخص غلط راستے پر چل رہا ہو تو وہ اپنے ساتھ کتنے لوگوں کو لے ڈوبتا ہے۔ اول خان نے جھک کر اس کے زرد بلکہ تاریک چہرے پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں کے پپوٹے بند کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ پتھرائی ہوئی آنکھوں کے پپوٹے اپنی جگہ منجمد ہوگئے تھے۔ اس کے خون کے جمے ہوئے لوتھڑوں سے بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے خودکشی کیے کافی دیر ہو چکی تھی جس کی وجہ سے لاش کے سارے عضلات سرد ہو چکے تھے۔

ہم دونوں خاموشی کے ساتھ نیچے رکی ہوئی لفٹ کی طرف چل دیے۔

کسی کے لیے بھی مراد کی موت کی خبر متوقع نہیں تھی مگر اس کے لیے ان تینوں کے جذبات نفرت آمیز تھے۔ سلطان شاہ اس کے ہاتھوں مار کھا چکا تھا۔ ویرا اور غزالہ سلطان شاہ کی وجہ سے اس سے متنفر تھیں۔ وہ تینوں ہی مراد کی لاش دیکھنے کے لیے چل دیے۔ ویرا جاتے ہوئے اپنا اسکاچ کا گلاس بھی ساتھ لیتی چلی گئی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے تمہارے مشورے پر عمل کرنا پڑے گا۔ مراد کی ڈراؤنی لاش کے ساتھ مائیکرو سینٹر میں رات بسر کرنے سے بہتر ہے کہ ہم اسی وقت اپنے گھر روانہ ہو جائیں۔" میں نے کہا "ویرا پینے کے بعد بے سدھ ہو کر سو جائے گی مگر غزالہ رات بھر چونکتی رہے گی۔ اس کا دل بہت گداز ہے۔ وہ دشمن کے لیے بھی ایسا انجام نہیں سوچ سکتی۔"

"بالکل چلے جاؤ۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں مگر یہ بتادوں کہ اس کی لاش رات بھر یہاں نہیں پڑی رہے گی۔ لاش کو اسی وقت مردہ خانے بھیج کر تہ خانہ صاف نہ کروایا گیا تو وہاں خون کی بُو رچ جائے گی۔"

مراد کی خودکشی کا واقعہ اتنا سنگین تھا کہ ہم ان تینوں کی واپسی تک اسی کے بارے میں بات کرتے رہے۔ جائے واردات کا منظر دیکھ کر ان کی طبیعتیں بھی مکدر ہوگئی تھیں مگر وہ موضوع زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ میرے موبائل فون کی گھنٹی نے سب کو خاموش کردیا۔ میں نے کال وصول کی تو دوسری طرف انٹیلی جنس بیورو والا جلال بول رہا تھا۔

"تم کہاں غائب ہو؟ میں تین مرتبہ تمہارے گھر فون کرچکا ہوں۔ گھنٹیاں بج رہی ہیں مگر کوئی جواب نہیں مل رہا۔" میری آواز سنتے ہی جلال نے اپنائیت بھرے لہجے میں شکوہ کیا "اب گھر آیا ہوں تو نوٹ بک سے نمبر لے کر موبائل پر کوشش کی ہے۔"

"میں شاید تمہیں بتانا بھول گیا تھا۔ دو راتوں سے ہم اپنے گھر پر نہیں ہیں....."

"کیوں؟ خیریت تو ہے؟ کیا وہاں کسی قسم کا خطرہ محسوس کر رہے ہو؟" اس نے میری بات کاٹ کر ایک سانس میں تین سوال کر ڈالے۔

میں ہنس پڑا "کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بس ذرا مراد ظریف

والے چکر میں الجھے ہوئے تھے۔"

"میں خود بھی اس کی طرف سے فکر مند ہوں۔ اس کی جان امتحنہ سے ملاقات ریکارڈ پر ہے۔ اب ہر شخص اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ جاننا چاہتا ہے۔ میرے پاس صرف اتنی اطلاع ہے کہ وہ حیدر آباد میں کہیں روپوش ہے۔ اس کے کئی رابطے بھی نظروں میں آچکے ہیں مگر مراد کے سامنے آنے سے پہلے ان کو چھیڑنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔"

"وہ کل رات سے ہمارے قبضے میں تھا اور اب سے تھوڑی دیر پہلے اپنی دو شہ رگیں کاٹ کر خودکشی کر چکا ہے۔"

"خودکشی کر چکا ہے؟" اس نے بے یقینی سے دہرایا "جلدی سے تفصیلات سنا ڈالو۔"

میں نے چمن علی کے ذریعے مراد کے ٹھکانے کی نشاندہی سے اس کی خودکشی تک کے واقعات کا خلاصہ اسے سنا ڈالا۔

"تم بہت تیزی سے کام کررہے ہو۔ یہ بات ذرا ناقابلِ یقین سی ہے کہ تم سے ٹکرانے والا ہر شخص کسی نہ کسی طرح موت کے منہ میں پہنچ جاتا ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ مراد ظریف نے خودکشی کی ہے۔"

"تمہارے آدمی صبح سرکاری مردہ خانے میں اس کی لاش دیکھ سکتے ہیں۔ چاہو تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی بھیجی جاسکتی ہے۔"

"اوہ۔ شاید تم بُرا مان گئے۔ میں حیران ہوں کہ اتنی جلدی اس کا قصہ ختم ہوگیا۔"

"مجھے تو حیران ہونے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ میں اس سے ملنے گیا تو وہ خودکشی کر چکا تھا۔"

"ہائیں۔ تو کیا تمہیں اس سے پوچھ گچھ کرنے کا موقع بھی نہیں مل سکا؟"

"پوچھ گچھ ہو چکی تھی۔ اس سے وہ دل برداشتہ تھا۔ میں اول خان کو اس سے ملوانے کے لیے لے گیا تو وہ مر چکا تھا۔"

"وہ فورڈ فاؤنڈیشن والوں کے لیے کیا کام کررہا تھا؟" جلال کی آواز سے بے صبری عیاں تھی۔

"مسلح شورش کی تیاری۔ اس میں تین ہزار تربیت یافتہ دہشت گردوں کی تیاری بھی شامل ہے۔"

وہ مراد ظریف کی کہانی کا دوسرا حصہ تھا۔ جلال کے لیے وہ حصہ بہت اہم تھا۔ میں نے اس سازش کے بارے میں حاصل ہونے والی تمام معلومات تسلسل کے ساتھ دہرانی شروع کردیں۔

"وہ تین ہزار کی نفری کے ساتھ ریاست سے ٹکرا جانے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ تو ان کی تربیت کا معیار بھی بہت اونچا ہوگا۔ یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے کہ ہماری سرحد کے قریب ایسے ڈیڑھ سو لڑکے تیار ہو چکے ہیں۔" پوری بات سن کر وہ تشویش میں مبتلا ہوگیا۔

"میں تم سے پوری طرح متفق ہوں۔ ایسی تربیت مکمل کرنے والے آخری سگنل کے انتظار میں خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ اپنے گزارے بلکہ عیاشیوں کے لیے کچھ نہ کچھ غیر قانونی کام کرتے رہیں گے۔ میں امن و امان کے سنگین مسائل کو سر ابھارتا دیکھ رہا ہوں۔"

"تربیت کے بعد ان دہشت گرد لڑکوں کو کہاں رکھا جاتا ہے؟" جلال کی آواز قدرے سکوت کے بعد ابھری تھی۔

"یہ معلوم ہوتا تو میں اس وقت وہیں ہوتا۔ میرا اندازہ ہے کہ انہیں آزاد اور بے لگام چھوڑ دیا جاتا ہوگا۔ یہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں بہت سے شہروں میں پھیلے ہوئے ہو سکتے ہیں۔"

"یہ ڈیڑھ سو تو وقت کے ساتھ خود بہ خود ختم ہو جائیں گے۔" جلال کی پُرامید آواز ابھری "مراد کی خودکشی کے بعد تربیت کا سلسلہ ٹوٹ جائے گا۔ ہم بھی ان علاقوں پر اپنی توجہ زیادہ مرکوز رکھیں گے۔"

"مراد کی موت کے بعد بہت سے سلسلے دم توڑ جائیں گے مگر دہشت گردوں کی تربیت کا سلسلہ جاری رہے گا کیونکہ یہ کام ایک خطرناک آدمی نے سنبھالا ہوا ہے اور وہ بھارتی ایجنٹ ہے۔" میں نے اس کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے کہا۔

"بھارتی ایجنٹ!" اس کی آواز سے اندازہ ہوا کہ ان الفاظ نے اسے چونکا دیا تھا "یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"اس وقت ہر بات اس کے اعترافات یا حقائق کے حوالے سے کررہا ہوں۔ اس نے خود بتایا تھا کہ کرشن کمار نامی ایک بھارتی ایجنٹ یوتھ فورس بنانے کا کام کررہا ہے۔"

"اور اس کا مرکز نیا چھور میں ہے؟" جلال کا لہجہ تائید طلب تھا۔

"تربیتی مرکز نیا چھور میں ہے لیکن کرشن کمار کا ایک مکان میرپور خاص میں بھی ہے۔ وہ خود وہاں نہیں رہتا۔ وہ گھر مراد اور اس کے ساتھیوں کے استعمال میں رہتا تھا۔" میں نے کہا "وہ خود کھوکھراپار میں رہتا ہے۔"

"یہ سب ہمارے اپنے علاقے ہیں۔ ہم چند روز میں انہیں چھان ڈالیں گے۔"

"کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا ورنہ مراد کے لگائے ہوئے زخم رفتہ رفتہ ناسور بن جائیں گے۔"

"کرشن کمار کا نام میں نے ذہن نشین کرلیا ہے۔ وہ زیادہ

دیر تک آزاد نہیں رہ سکے گا۔"
"بس یہ خیال رکھنا کہ وہ پیشہ ور آدمی ہے۔ اس نے مراد جیسے لوگوں سے دوستیاں پیدا کر کے اپنا ایک نیٹ ورک بنایا ہوا ہے۔ اسے خطرے کی بھنک بھی مل گئی تو وہ سرحد پار نکل جائے گا۔"
"وہ بھارتی ایجنٹ ہے تو سرحد پار کرتا رہتا ہوگا۔ اسے صرف مکاری سے ہی پکڑا جا سکتا ہے۔"
"کل سے رہ رہ کر میرے ذہن میں خیال آرہا ہے کہ جارحیت ہی بہترین دفاع کی ضامن ہوتی ہے۔ ہمیں اپنے گھر کو بچانے کے ساتھ دشمن کے گھر کو پھونکنے کی کوششیں بھی کرنی چاہئیں۔"
"اگر تم سرحد پار جا کر کام کرنے کا ارادہ کر رہے ہو تو میں تمہیں بہت سی سہولتیں دلا سکتا ہوں۔ اس نے فوراً ہی پیش کش کر ڈالی "ہمارے بعض بہترین آدمی پہلے سے وہاں کام کر رہے ہیں۔ وہ پوری طرح تمہارا ساتھ دیں گے۔"
میں بے ساختہ ہنس پڑا "میں اتنا عجلت پسند نہیں ہوں۔ ابھی میں نے سوچنا شروع کیا ہے۔ کوئی فیصلہ کر لیا تو تمہیں ضرور آگاہ کروں گا۔ اس وقت میرے سامنے کچھ اور کام بھی پھیلے ہوئے ہیں۔"
"اگر مناسب سمجھو تو ان کاموں کے بارے میں بھی کچھ بتاتے چلو!"
"فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے چار افراد کو مراد ظریف کی مدد پر مامور کیا تھا۔ ابھی ان میں سے دو باقی ہیں۔ کوئی اور کام کرنے سے پہلے میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ دونوں مراد کے کاموں میں کہاں تک ملوث تھے اور اب کیا کر رہے ہیں۔"
"باقی دو کا انجام کیا ہوا؟" جلال کی آواز میں دلچسپی عود کر آئی۔
"چمن علی اور گوپال چند کے بارے میں، میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ ایک شریف آدمی ہے۔ گوشہ نشین ہوجائے گا۔ دوسرے کی ٹانگیں چھلنی کی جا چکی ہیں۔ وہ شاید زندگی بھر اپنی معذوری پر کڑھتا رہے گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
"میں ہمیشہ کی طرح تمہاری اور اول خان کی کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔ تم دونوں مل کر دن رات اس قوم کی جو خدمت کر رہے ہو، اس پر ہم سب کے سر فخر سے بلند ہیں۔" جلال کا لہجہ ممنونیت سے لبریز تھا۔
جلال سے میری بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا "اب تم دو چار دن آرام بھی کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ سپرمین بننے کی کوشش میں لمبے ہی پڑ جاؤ۔ ان دونوں سے چند روز بعد بھی نمٹا جا سکتا ہے۔"
"فکر مت کرو۔ تمہارے چہرے سے سوجن کے خاتمے تک میں آرام ہی کروں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ابھی تو اول خان نے مجھے ان دونوں کے پتے بھی فراہم نہیں کیے ہیں۔"
"چمن علی سے ملاقات کے بعد مجھے وقت ہی نہیں مل سکا مگر میں نے وہ پرچا اپنے ایک آدمی کو دے دیا تھا۔ اب تک وہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کر چکا ہوگا۔ میں ابھی فون پر اس سے معلوم کیے لیتا ہوں۔"
"اتنی پھرتی نہ دکھاؤ۔" ویرا نے اسے ٹوک دیا "پتے ملتے ہی ڈینی کے پیروں پر سفر سوار ہوجائے گا۔ ان چاروں میں سے صرف چمن علی ہی کراچی میں رہتا ہے۔ باقی تینوں فون نمبر کراچی سے باہر کے تھے۔ ہمیں ایک دو راتیں اپنے گھر میں بھی گزارنے دو۔"
میری یاددہانی پر اول خان کا تجسس بیدار ہو چکا تھا۔ ان دونوں کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جاتا یا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا، یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ وہ کون تھے، ان کا پس منظر کیا تھا اور ان دنوں وہ کیا کر رہے تھے۔
اول خان نے فوراً ہی اسٹیشن فور میں کسی سے بات کی اور کاغذ پر کچھ لکھنے میں مصروف ہوگیا۔ چند ثانیوں بعد اس کی تحیر زدہ آوازوں نے سب کی توجہ مبذول کرالی۔ وہ نواب شاہ کے بارے میں اپنے آدمی سے باربار حیرت کا اظہار کر رہا تھا۔
چند منٹ کی گفتگو کے بعد اس نے فون بند کیا اور ہمیں بتایا کہ ان دونوں میں سے ایک نام نواب شاہ کے اسی وڈیرے کے لڑکے کا تھا جس کے گھر میں دھنی رام نے ڈکیتی کی واردات کی تھی اور اس دوران میں گھر کے کئی افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا۔ دھنی رام کے ڈاکے میں مرنے والوں میں وہ لڑکا بھی شامل تھا جس کا نام اکرم الٰہی کی بتائی ہوئی فائل میں موجود تھا۔
وہ چونکا دینے والی اطلاع تھی اس لیے اول خان نے پہلے اسی کا ذکر کیا اور سب اس بارے میں بحث میں الجھ گئے۔
یہ بات قابلِ توجہ تھی کہ فورڈ فاؤنڈیشن کے خطوط میں اس رئیس زادے کو مراد کا طاقت ور حریف اور حامی قرار دیا گیا تھا جب کہ اس کو قتل کرنے والا مراد کا دستِ راست تھا۔
"ہوسکتا ہے کہ ناموں کی یہ مشابہت اتفاقیہ ہو۔ وہ دونوں الگ الگ شخصیات ہوں۔" ویرا نے کہا۔

"تم تیسرا گلاس خالی کرنے والی ہو، اس لیے تمہیں سات خون معاف ہیں۔" سلطان شاہ نے تیزی سے جواب دیا "نام یکساں ہو سکتے ہیں۔ فون نمبر ایک نہیں ہو سکتے۔ یہاں معاملہ فون نمبر سے شروع ہوا تھا۔ مغالطے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"لیکن دھنی رام کو اپنے آقا کے ایک حامی کو ٹھکانے لگانے کی کیا ضرورت تھی؟" ویرا نے سوال کیا۔

"وہ قصہ قدرے پرانا ہے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے جواب دیا "ضروری نہیں کہ فورڈ فاؤنڈیشن یا سی آئی اے والوں کا ہر تجزیہ درست ہو۔ اس نے مراد کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیا ہو..."

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ مراد نے اس کے انکار کا بدلا لینے کے لیے دھنی رام کو اس پر چڑھائی کے لیے بھیج دیا۔" سلطان شاہ نے اس کی بات درمیان سے اچک کر تحیر زدہ لہجے میں کہا "دھنی رام نے وہاں ڈاکا ڈالا۔ خون ریزی کی اور اس گھرانے کو انکار کا مزہ چکھا کر فرار ہو گیا؟"

"واقعات سے یہی ثابت ہو رہا ہے۔ چمن علی نے بھی بتایا تھا کہ مراد بات بات پر دھمکی آمیز رویہ اختیار کر لیتا تھا۔" میں نے ان دونوں کی تائید کی "اس سے کوئی بات بعید نہیں تھی۔"

"ایک آدمی کو سزا دینے کے لیے اس کے گھرانے کے سات آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا کھلی بربریت ہے۔" غزالہ جھرجھری لے کر بولی "کوئی صحیح الدماغ آدمی یوں بلا وجہ خون کی ہولی نہیں کھیل سکتا۔"

"مراد اور دھنی رام کے لیے سب کچھ ممکن تھا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "حقائق تمہارے سامنے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ دھنی رام کو اپنے اصل شکار تک پہنچنے کے لیے چھ خون کرنے پڑے ہوں۔ تب وہ ساتویں کو گرانے میں کامیاب ہوا ہو یا پھر اس نے سامنے آنے والی پوری بھیڑ کو ہی اندھادھند گولیاں چلا کر بھون ڈالا ہو۔"

"کوئی واقعہ دوسرے واقعے سے الگ نہیں ہوتا۔" سلطان شاہ گہرا سانس لے کر بولا "سب کڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ یوں جڑی ہوئی ہوتی ہیں کہ کسی ایک کڑی کو بھی الگ نہیں کیا جا سکتا۔ دھنی رام اپنی اسی واردات کے بعد مفرور قرار دیا گیا تھا اور وہی اس کی شناخت بن گئی تھی۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ وہ ہم سے پہلے مقابلے میں ہی مارا گیا تھا۔"

"اندھادھند گولیاں چلتی ہیں تو گناہ گار اور بے گناہ کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتیں۔ یہ قدرت کا اپنا نظام ہے کہ ظالم اور سفاک درندے ہمیشہ عبرت ناک انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "ہم بارہا گولیوں کی برسات سے بچے ہیں۔ دھنی رام بھاگتے ہوئے اول خان کی گولیوں کی زد میں آ کر مارا گیا۔ مراد کا تازہ ترین انجام تمہارے سامنے ہے۔"

"چلو، مان لیا کہ تم سب ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ویرا نے طویل خاموشی کے بعد زبان کھولی "اب کتنی دیر تک ان کے نوحے پڑھتے رہو گے؟ فہرست کے تیسرے آدمی کا انجام سامنے آ گیا۔ اب چوتھے کے بارے میں بھی کچھ بتا دو۔"

"چوتھا قادر خان ہے۔" اول خان نے کہا "فائل میں اس کے آبائی گھر کا نمبر ہے جو ٹنڈو باگو میں واقع ہے لیکن وہ کراچی میں رہتا ہے اور تیل کی ایک بڑی کمپنی میں کام کرتا ہے۔ اس کے کراچی کے نمبر پر ابھی تک رابطہ نہیں کیا گیا۔"

"یہ اچھی خبر ہے کہ وہ کراچی میں رہتا ہے۔" ویرا نے خوشی کا اظہار کیا "ورنہ میرپور خاص کے بعد ٹنڈو باگو کی طرف دوڑ لگانی پڑتی۔"

"اس کا نمبر مجھے دے دو۔ اس سے ابھی رابطہ ہو جائے تو بہتر رہے گا۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔" سلطان شاہ نے احتجاج کیا "یہ طے ہو چکا ہے کہ دو دنوں تک صرف آرام کیا جائے گا۔"

"یہ طے کرتے ہوئے تم بھول گئے تھے کہ مراد کی گمشدگی اور پھر خودکشی کی خبر پھیلنے کے بعد ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔" میں نے اسے سمجھایا "یہ وقت نکل گیا تو قادر خان اپنا دامن بچانے کے لیے ہر بات سے منکر ہو جائے گا۔"

"تم ہمیشہ من مانی کرتے ہو اور اس کے لیے ایسے نکتے لاتے ہو کہ خاموش ہونا پڑتا ہے۔"

"یہ من مانی کی بات نہیں ہے۔ ڈیئی درست کہہ رہا ہے۔ مراد کی خودکشی کی خبر کو زیادہ دیر تک نہیں چھپایا جا سکے گا۔ گوپال چند سے مولا داد تک سب کو علم ہے کہ مراد کسی مشکل سے دوچار ہو چکا ہے۔" اول خان نے میرا ساتھ دیا۔

"ہونے والا کام جتنی جلدی کر لیا جائے، اچھا ہوتا ہے۔" غزالہ نے بھی اپنا وزن میرے پلڑے میں ڈال دیا۔

اول خان نے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔ قادر خان کے نام کے سامنے جمشید روڈ کے کسی مکان کا پتا اور فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ میں نے حیرت سے اول خان کی طرف دیکھا اور کہا "یہ تو تمہارا پڑوسی ہے۔ تم نے یہ اہم بات نہیں بتائی۔"

"اول خان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم جمشید روڈ کا نام دیکھ کر چونکو گے مگر یہ پتا میرے لیے نامانوس ہے۔"

"ابھی کا کوئی پروگرام نہ بنالینا۔" میرا باہر جانے کا موڈ نہیں ہے۔" ویرا نے ہانک لگائی۔

اس وقت تک میں ان چاروں میں چمن علی اور گوپال سے ملا تھا۔ وہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے' اس کے بارے میں اتنے حساس تھے کہ چمن علی جیسے شریف آدمی نے بھی دھمکیوں کے بغیر اس کا اعتراف نہیں کیا تھا۔ گوپال سے اس بارے میں کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ قادر خان بھی آسانی سے راہِ راست پر نہیں آئے گا۔

اس نشیب و فراز پر چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد میں نے قادر خان کا فون نمبر ملالیا۔

اُدھر سے دوسری گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔ بھاری اور تحکم آمیز ہیلو کے جواب میں' میں نے قادر خان سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو بولنے والے کا لب و لہجہ واضح ہو گیا "تم کون بول رہے ہو؟" وہ خاصا درشت مزاج معلوم ہو رہا تھا۔

"میں ابرار بول رہا ہوں۔ مجھے ان سے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے فوراً جواب دیا۔

"کون ابرار؟" دوسری طرف سے خشک اور تیز آواز میں سوال کیا گیا۔

"تم انہیں بلا دو۔ میں ان کو بتادوں گا۔" میں نے اپنے لہجے کی نرمی کو برقرار رکھا۔

"میں قادر خان بول رہا ہوں۔" تعارف کراتے ہوئے اس نے اپنا پورا نام بتانا ضروری سمجھا "میں کسی ابرار کو نہیں جانتا۔ اب بتاؤ کہ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ میرے پاس فضول باتوں کے لیے وقت نہیں ہے۔"

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔" میں نے براہِ راست کہہ دیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے۔ میں اپنے فائدے نقصان کی پروا نہیں کرتا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کو میرا نمبر کس نے دیا۔"

"تم مراد ظریف کو ضرور جانتے ہو گے؟" میں نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا۔

"پتا نہیں، تم کیا بکے جا رہے ہو۔" اس بار بہت مختصر سے وقفے کے بعد جواب دیا گیا "دوسروں کے بجائے اپنی بات کرو۔"

اس کے تیوروں کا اندازہ لگا کر میں نے فوراً ہی اپنی بات کا رخ بدل دیا اور کہا "میں میرپور خاص سے یہاں آیا ہوں۔ مراد کو کچھ لوگوں نے پکڑلیا ہے۔ اس نے فون پر کہا تھا کہ یہ خبر تم کو پہنچادی جائے۔"

"یہ خبر تم فون پر بھی دے سکتے تھے۔ وہاں سے کراچی آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"فون پر بات نہیں ہو سکتی۔ آپس کی باتیں دشمن بھی سن سکتے ہیں۔"

"پھر اب فون پر یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟ کیا اس وقت سب مرے ہوئے ہیں۔" وہ کسی بات سے مرعوب نہیں ہو رہا تھا۔

"تم نے مجبور کیا ہے تو بتا رہا ہوں کہ میں زبانی بتانا چاہ رہا تھا۔ میرپور خاص میں بھی آفت آئی ہوئی ہے۔"

"تم نے اپنا وقت برباد کیا ہے۔ مجھے پہلے ہی پتا چل چکا ہے کہ مراد کو حیدر آباد سے اٹھالیا گیا ہے۔"

وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے چار چہیتوں میں سے ایک تھا۔ اسے وہ خبر گوپال سے ہی مل سکتی تھی۔ میں نے کہا "وہ اسے گوپال چند کے گھر سے لے گئے تھے۔ گوپال بھی گولیوں سے زخمی ہوا ہے۔"

"اسے لے جانے والوں نے اسے فون بھی کرنے دیا ...؟" پہلی بار اس کی آواز میں حیرت کی آویزش محسوس ہوئی "کیا انہوں نے اس کے لیے کوئی تاوان مانگا ہے؟"

"ایک قیدی اور پچاس لاکھ روپے نقد۔" قیدی کا ذکر یوں ضروری تھا کہ اسے وہ خبر کہیں اور سے بھی مل سکتی تھی۔ پچاس لاکھ کی رقم میں نے اپنی طرف سے بڑھادی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ وہ مراد کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔

"مراد نے کہا تھا کہ یہ خبر مجھے پہنچادو؟" مزید کوئی بات کرنے سے پہلے اس نے تصدیق چاہی۔

"ہاں۔ یہ اسی کا حکم تھا۔ اس کے بعد سب یتیم ہو چکے ہیں۔ میرپور خاص میں دو آدمی مارے گئے ہیں۔ اب ہماری آس امید تم ہی سے ہے۔ تم نے منہ پھیرلیا تو پتا نہیں کیا قیامت..."

"اس نے غرا کر میری بات کاٹ دی "فون پر زیادہ بک بک مت کرو۔ گھر آجاؤ۔ میں خود تاوان کی رقم لے کر چلوں گا۔ اسے چھڑانے کے لیے ایک بار یہ رقم دینی ہوگی۔ بعد میں وہ ہاتھ جوڑ کر دگنی رقم واپس کریں گے۔"

اپنی بات پوری کرکے اس نے فون بند کردیا۔ میں نے اسپیکر فون کا بٹن آف کردیا۔ لائن منقطع ہو گئی۔

ویرا نے اچانک ہی کھانسنا شروع کردیا۔ گلا صاف

ہونے کے بعد وہ بولی ”کبھی کبھی اسپیکرفون عذاب بن جاتا ہے۔ کھانسی روک روک کے میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ تمہاری باتیں ذرا سی دیر اور جاری رہتیں تو میرے لیے کھانسی روکنا مشکل ہوجاتا۔“

”تم اٹھ کر دبے قدموں کہیں اور بھی جاسکتی تھیں۔“ سلطان شاہ نے کہا ”مگر تمہاری عقل پر تو شراب طاری ہے۔“

”چلی جاتی تو پوری بات نہیں سن سکتی تھی۔“ ویرا نے ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے کہا۔

”تم نے اس سے سب کچھ طے کرلیا۔ اب تاوان کسے دلواؤ گے اور قیدی کہاں سے لاؤ گے؟“ اول خان نے پوچھا۔

”وہ سب فرضی باتیں تھیں۔ ان سے قادر خان بے نقاب ہوگیا ہے۔ اس نے مراد کے لیے پچاس لاکھ جیسی خطیر رقم کی ادائیگی پر اپنی آمادگی ظاہر کرکے یہ اعتراف کرلیا ہے کہ وہ مراد کے کاموں میں پوری طرح شریک ہے۔“

”تم کیا کروگے؟ کیا اسے بھی مراد کے پیچھے روانہ کرنے کا ارادہ ہے؟“ سلطان شاہ نے سوال کیا۔

”ضروری نہیں کہ اسے مار دیا جائے۔“ اس جیسے مغرور، متکبر اور باحیثیت لوگوں کے لیے چھوٹی چھوٹی سزائیں بھی سوہانِ روح بن جاتی ہیں۔ اسے کوئی سبق ضرور دیا جائے گا۔“ میں نے ایمانداری سے اپنی رائے پیش کردی۔

”مراد اپنے انجام سے دوچار ہوچکا ہے۔ قادر کا پیچھا کرکے تم کیا حاصل کروگے؟“

”یہ محفوظ رہا تو اپنے آقاؤں کے اشارے پر پھر کسی سازش میں شریک ہوجائے گا۔ مناسب سزا مل گئی تو وہ آئندہ کوئی غلط بات سوچتے ہوئے بھی گھبرائے گا۔“

قادر سے جو گفتگو ہوئی وہ اسی وقت کے لیے تھی۔ بعد میں اس تک رسائی بہت مشکل نظر آرہی تھی۔ اول خان کی رائے بھی یہی تھی کہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانا تھا تو اس کے لیے وہی وقت مناسب تھا۔ بعد میں کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ ایک بار اسے یہ اندازہ ہوجاتا کہ کسی نے ابرار کے نام سے فراڈ کیا تھا تو وہ مزید محتاط ہوجاتا اور اس کے قریب پھٹکنا بھی ممکن نہ رہتا۔

اس وقت تک حیدر آباد سے ہماری وہ گاڑی واپس نہیں پہنچی تھی جو سلطان شاہ کے اغوا کے وقت چھینی گئی تھی اور چند گھنٹوں پہلے ایک ویران میدان میں لاوارث کھڑی ہوئی مل گئی تھی۔ ہم نے اس مہم کے لیے بھی اول خان کی گاڑی استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اول خان نے روانگی سے پہلے اپنے آدمیوں کو فون پر مراد کی لاش کے بارے میں ہدایات دیں اور تیار ہوگیا۔

ویرا اور غزالہ کو گھر پر چھوڑ دیا گیا۔ اکبر علی اور دلیر خان کی موجودگی میں ان دونوں کو مائیکرو سینٹر میں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوسکتا تھا۔ ہلکی پھلکی تیاریوں کے ساتھ ہم تینوں افراد قادر کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔

وہ پتا تلاش کرنے کے لیے ہمیں زیادہ دیر تک نہیں بھٹکنا پڑا۔ وہ ایک نیم تاریک اور سنسان سڑک کا پتا تھا۔ قادر کا مکان سڑک کے آخری سرے پر واقع تھا۔ اس سے آگے کھیل کا وسیع میدان پھیلا ہوا تھا۔ ہم نے وہاں کا چکر لگا کر اندازہ لگایا کہ اس گھر کے احاطے کی دیواریں زیادہ بلند نہیں تھیں۔ کسی ہنگامی ضرورت کے وقت انہیں آسانی سے استعمال کیا جاسکتا تھا۔

دوسرے چکر میں اول خان نے اپنی گاڑی قادر کے مکان سے کچھ فاصلے پر روک کر مجھے اتار دیا۔ میری جیب میں ڈارٹ گن اور ایک ریوالور موجود تھا۔ مجھے آدھے گھنٹے کے اندر اس عمارت سے واپس لوٹ آنا تھا۔ میری آمد میں تاخیر کی صورت میں وہ دونوں بھی میدان میں آجاتے اور پھر حالات کے مطابق فیصلہ کرکے اس مہم کو انجام تک پہنچادیتے۔

میں تنہا گھر میں جارہا تھا اس لیے میری سلامتی کا دارومدار میری حاضر دماغی اور پھرتی پر تھا۔ وہ دونوں میری اس رائے سے متفق تھے کہ قادر کو میری کہانی پر یقین آچکا تھا اور گھر میں داخل ہونے پر میری جان کو کوئی فوری خطرہ درپیش نہیں ہوسکتا تھا۔

میں نے قادر کے مکان کے پھاٹک پر گھنٹی بجائی اور چوکیدار نے فوراً ہی ایک پٹ قدرے وا کردیا۔ میرا نام سنتے ہی اس نے مجھے اندر بلایا اور دروازہ بولٹ کرکے عمارت کے داخلی دروازے کی طرف ہولیا۔ میں خاموشی سے اس کی تقلید کرتا رہا۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ مجھے وہاں بٹھا کر چوکیدار نے انتظار کرنے کی ہدایت کی اور خود گیٹ کی طرف لوٹ گیا۔

مکان میں چھائی ہوئی خاموشی اس قدر مکمل تھی کہ ذرا سی دیر میں مجھے وحشت سی ہونے لگی پھر کسی اندرونی حصے سے قدموں کی چاپ سنائی دی اور صوفے میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد قمیص اور پتلون میں ملبوس گندمی رنگ کا ایک صحت مند مگر ترش رو نوجوان میرے سامنے موجود تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی اور پیشانی پر چند پیدائشی شکنیں

نظر آ رہی تھیں۔

میں اسے دیکھتے ہی مودب ہو کر صوفے سے اٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے ہاتھ ملانے کی زحمت کیے بغیر مجھے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا "ہوں .... اب بتاؤ کہ وہ قیدی کیا کیا معاملہ تھا۔" اس نے بیٹھتے ہی سوال کیا جیسے اس نے میری گفتگو کا وہ اہم ترین نکتہ پہلے سے اپنے دماغ کے کسی خانے میں محفوظ کیا ہوا ہو۔

وہ مجھے اپنے اور گوپال کے رابطے کے بارے میں فون پر بتا چکا تھا۔ میں نے حیدر آباد میں صحرا کے دفتر کے قریب سے سلطان شاہ کے اغوا اور پھر اس کی میر پور خاص منتقلی کا واقعہ من و عن سنا دیا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں گوپال سے یہ سب سن چکا ہوں۔ ساری گڑبڑ اسی قیدی سے شروع ہوئی۔ اسے نہ پکڑا جاتا تو شاید مراد بھی اغوا نہ ہوتا۔ مگر یہ بتاؤ کہ حیدر آباد میں ہونے والے اس قصے کے بارے میں تمہیں کس نے بتایا؟ اغوا کرنے والوں نے مراد کو اتنی دیر تک بات کرنے کی اجازت دی ہوگی' نہ اسے یہ سب بتانے کا ہوش ہوگا۔" بولتے بولتے وہ درمیان میں چونکا تھا۔

مجھ سے پہلی غلطی سرزد ہو چکی تھی۔ اسے اپنے اعتماد میں لینے کے چکر میں' میں نے اس واقعے کو کچھ زیادہ ہی تفصیل سے دہرا دیا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا "وہ قیدی میر پور خاص میں ہی ہے۔ اسے وہاں مار لگائی گئی تھی۔ اس نے خود ہی بتایا کہ وہ بے قصور تھا۔ اسے صحرا کے دفتر کے پاس سے گزرنے کے جرم میں بلاوجہ پکڑ لیا گیا تھا۔"

"قیدی اور تاوان کی رقم کس کو دو گے؟" اس نے ساہوکارانہ انداز میں مجھ سے پوچھا۔

میں نے اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ "یہ سب مولا داد کو معلوم ہوگا۔ مجھے حکم ملا تھا کہ تم کو پیغام پہنچا دوں۔ میں تو اتنی بڑی رقم کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"میر پور خاص میں کیا آفت آئی ہے؟ وہاں کون کون مرا ہے؟" اس نے پھر پوچھا۔

وہ کرید کرید کر سوال کرتا رہا۔ میں سنبھل کر جواب دیتا رہا۔ آخر اس نے مطمئن ہو کر کہا "تم یہیں لیٹ کر سو جاؤ۔ صبح بینک کھلے گا تو رقم لے کر میر پور خاص چلیں گے۔ کھانے پینے کی ضرورت ہو تو ملازم آئے گا' اس کو بتا دینا۔"

وہ اٹھ گیا' میں بھی اٹھا۔ اس مرتبہ اس کی نظر میری جیب پر جم گئی۔ "تمہاری جیب اتنی بھاری کیوں ہے؟"

میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ میں نے جیب سے

ریوالور نکال کر اسے دکھایا۔ "میرا ہتھیار ہے۔ اسے ہوٹل میں چھوڑنے کے بجائے ساتھ لے آیا۔ چھوٹے ہوٹلوں میں ہتھیار اور رقم کی چوری ضرور ہوتی ہے۔"

"لاؤ' یہ مجھے دے دو۔ صبح واپس مل جائے گا۔" اس نے تحکمانہ انداز میں ہاتھ پھیلا دیا۔

"میں ہوٹل سے صبح سویرے یہاں آجاؤں گا۔ وہاں میرا تھیلا پڑا ہوا ہے۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ اس وقت ریوالور کا دستہ میری گرفت میں تھا اور اس کی نال فرش کی طرف جھکی ہوئی تھی۔

اس وقت تک ہر بات بالکل صحیح تھی۔ میرے جواب پر قادر کے ذہن میں نہ جانے کس وسوسے نے سر ابھارا کہ اس نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر' میری توقع کے خلاف اچانک میری طرف جست لگادی۔ اس کا ہاتھ میرے ریوالور پر پڑا۔ ریوالور کے ٹریگر پر میری انگلی کا دباؤ خود بہ خود بڑھتا گیا۔ وہ مجھ سے ریوالور چھیننے کی پوری سی کوشش بھی نہ کر پایا تھا کہ پُرشور دھماکے سے گولی چل گئی۔

وہ ایک ناگہانی حادثہ تھا۔ گولی اس کے بائیں پہلو میں پیوست ہوئی۔ وہ چیخ مار کر منہ کے بل نیچے آرہا۔ اس وقت یہ دیکھ کر میری آنکھیں پھیل گئیں کہ گولی اس کی پشت میں بڑا سا شگاف ڈالتی ہوئی باہر نکل گئی تھی اور زخم سے خون کا فوارہ ابل پڑا تھا۔

گھر کے اندرونی حصوں سے کئی ملی جلی مردانہ اور زنانہ چیخیں ابھریں۔ باہر چوکیدار نے للکارتے ہوئے' پے در پے دو ہوائی فائر کر ڈالے۔ میں اچانک ایک ہولناک مشکل سے دوچار ہوگیا تھا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' پوری قوت سے ڈرائنگ روم سے باہر دوڑ لگادی۔

مجھے دیکھ کر چوکیدار لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا' میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے ایک ہوائی فائر کر ڈالا۔ چوکیدار کھلے میدان میں تھا جو پورچ کا ڈرائیو وے تھا۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ سینے کے بل زمین پر لیٹ گیا۔ میرے پاس وقت نہیں تھا۔ مہلت کسی بھی لمحے ختم ہوسکتی تھی۔ جب کہ میرے اور پھاٹک کے درمیان مسلح چوکیدار حائل تھا۔ میں نے اپنا رخ احاطے کی بغلی دیوار کی طرف کرلیا۔

چوکیدار نے میرا ارادہ بھانپ کر پھر دو گولیاں چلائیں لیکن بدحواسی کی وجہ سے وہ نشانہ نہیں لے سکا۔ وہ خود متحرک تھا اور میں بھی زاویے بدل کر بہت تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ عمارت میں سے ابھرنے والی چیخ و پکار کی آوازیں باہر آچکی تھیں لیکن ان میں سے شاید کسی کے پاس ہتھیار نہیں تھا۔ میں دیوار تک پہنچا ہی تھا کہ چوکیدار نے پھر دو فائر کیے۔ اس نے تیسرا فائر بھی کرنا چاہا لیکن فضا میں صرف گھوڑے کی کھٹاک گونج کر رہ گئی۔ چھ مرتبہ آگ اگلنے کے بعد اس کے ریوالور کا چیمبر خالی ہوچکا تھا۔

میں بہت تیزی کے ساتھ دیوار سے ہوتا ہوا باہر کودا تو اول خان گاڑی وہاں لاچکا تھا۔ فائرنگ کے پُرہول دھماکوں سے اس نے اندر ہونے والی گڑبڑ کا اندازہ لگا کر بہت صحیح اور بروقت فیصلہ کیا تھا۔ سلطان شاہ نے میرے لیے عقبی دروازہ کھولا اور میرے سوار ہوتے ہی گاڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

"کیا ہوا؟ کیا اندر کوئی گڑبڑ ہوگئی تھی؟" گاڑی کو تیز رفتاری کے ساتھ سڑک پر لے آنے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"اس کے مقدر میں موت لکھ دی گئی تھی جو آکر رہی۔ میرا آخر تک فائر کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

پوری روداد سن کر اول خان نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "اچھا ہوا کہ تمہارے ارادے کے بغیر گولی چل گئی اور تم وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ وہ تم پر غالب آجاتا تو مشکل کھڑی ہوجاتی۔"

"یہ عجیب واقعہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے ارادوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو ہونا ہے' وہ ہوکر رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس کے جرائم سنگین رہے ہوں۔ قدرت نے اسے تمہارے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچادیا۔" سلطان شاہ نے کہا۔ وہ اس واقعے سے بہت زیادہ متاثر معلوم ہورہا تھا۔

قادر خان کے جرائم کے بارے میں ہمیں زیادہ تفصیلات کا علم نہیں تھا لیکن وہ جس آسانی اور فکرمندی کے ساتھ مراد کی رہائی کے لیے تاوان کی خطیر رقم کا بندوبست کرنے پر آمادہ ہوا تھا' اس سے مراد کی سازشوں میں اس کا بھرپور کردار پوری طرح سامنے آگیا تھا اور میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں تھا کہ میری گولی سے کوئی بے گناہ مارا گیا ہو۔

ہماری واپسی پر ویرا اور غزالہ حیران رہ گئیں۔ انہیں امید نہیں تھی کہ ہم قادر خان سے نمٹ کر اتنی جلدی واپس لوٹ آئیں گے۔ غزالہ رات کے کھانے کی تیاری کرچکی تھی اور ویرا اپنے شغل سے بظاہر سیر ہوچکی تھی۔ ہم نے ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھ کر ان دونوں کو نئے واقعے سے آگاہ کیا۔ ایک مرتبہ پھر تبصروں کا مختصر سا دور چلا اور پھر ہم نے مائیکرو سینٹر سے روانگی کی تیاری کرلی۔

اس دوران میں انٹرکام پر اطلاع ملی کہ مراد کی لاش کی

مستقلی اور خون آلودہ خانے کی صفائی کے لیے اول خان کی نفری مائیکرو سینٹر پہنچ چکی تھی۔

○☆○

فورڈ فاؤنڈیشن کے اہم عہدوں پر قابض سی آئی اے کے ایجنٹوں نے دو پاکستانی این جی اوز کے ذریعے جو سازش تیار کی تھی' اس کا تانا بانا بری طرح تباہ ہو چکا تھا۔ اس منصوبے کے بیشتر شرکا کو ان کے حصے کی عبرت ناک سزائیں مل چکی تھیں۔ بس ایک کردار آزاد تھا اور میرا ذہن اسی میں الجھا ہوا تھا۔

اول خان ہمیں مائیکرو سینٹر سے گھر پہنچا کر واپس جا چکا تھا۔ میں اپنی خواب گاہ میں آرام کر رہا تھا۔ سلطان شاہ دونوں عورتوں کے ساتھ کارڈز وغیرہ کھیلنے میں مصروف تھا۔

کرشن کمار سے قطع نظر' مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا کے خلاف ہمارا کام پورا ہو چکا تھا۔ قادر خان کا رہا سہا قصہ بھی تیزی سے نمٹ گیا تھا۔ اس سے آگے بے کاری نظر آ رہی تھی۔

وہ میری خوش فہمی تھی جو زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ گیارہ بجے گھر کے فون پر جلال کی کال آ گئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس نے چند گھنٹوں کے وقفے سے وہ دوسری کال بلاوجہ نہیں کی تھی۔ وہ مجھ سے ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا پھر خود ہی کرشن کمار کے موضوع پر آ گیا۔

''مجھے وہ نام سنتے ہی جھٹکا سا لگا تھا مگر میں نے تم سے کوئی ذکر نہیں کیا۔'' وہ کہہ رہا تھا' کرشن کمار کا نام ہمارے ریکارڈ پر موجود ہے۔ وہ بہت سی مذموم سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے باوجود کبھی ہماری باضابطہ گرفت میں نہیں آ سکا۔''

''ایسے مجرموں کے خلاف ضابطے رکاوٹ بن جاتے ہیں کیونکہ وہ دامن بچا کر کام کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔''

''اسی لیے تمہاری کامیابیوں کی رفتار تیز بلکہ قابلِ رشک ہوتی ہے۔'' ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی ''تم لوگ ضابطوں سے آزاد رہ کر اپنی صوابدید کے مطابق ہر فیصلہ کر گزرتے ہو۔''

''کرشن کمار کے بارے میں تمہارا ریکارڈ کیا کہتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ بھارتی فوج میں کمانڈو رہ چکا ہے۔ وہاں سے اس کی خدمات سیکرٹ سروس کو دے دی گئیں۔ وہ پچھلے پانچ سالوں سے تھر اور راجستھان کے علاقوں میں دیکھا جاتا رہا ہے۔''

''راجستھان کے بارے میں تم کو کیسے علم ہوا؟'' میں نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

طریقۂ مرمت

شاہد کے نئے جوتے میں کتے نے دانت گاڑ دیے۔ جوتا مہنگا تھا۔ شاہد نے سوچا' مرمت کرا لیا جائے۔ اس نے جوتا موچی کے حوالے کرتے ہوئے کہا ''اسے ٹھیک کر دو.... اس پر کتے نے دانت مار دیے ہیں۔''

موچی نے جوتے کو الٹ پلٹ کر دیکھا پھر نفی میں سرہلاتے ہوئے بولا ''اس کی مرمت تو نہیں ہو سکتی... بہتر ہے کہ آپ دوسرا جوتا بھی کتے کو چبانے کے لیے دے دیں۔ دونوں جوتے ایک جیسے ہو جائیں گے۔ لوگ سمجھیں گے نیا ڈیزائن ہے۔''

''طویل' بے ترتیب اور دشوار گزار سرحد کے چپے چپے کی نگرانی ان کے لیے ممکن ہے نہ ہمارے لیے آسان ہے۔ تخریب کار اور اسمگلر سرحد کے ایسے حصوں کو بے خوفی سے استعمال کرتے ہیں' جس طرح کرشن یہاں آتا جاتا رہتا ہے۔ ہمارے آدمی بھی ضرورت کے تحت خاموشی سے سرحد پار کرتے رہتے ہیں اور اُدھر کی خبریں جمع کر کے لوٹ آتے ہیں۔''

''وہ بھارتی شہری ہے۔ غیر قانونی طور پر یہاں آتا ہے اور دیکھ لیا جاتا ہے تو پھر وہ اب تک آزاد کیوں ہے؟''

''وہ ایک جگہ نہیں ٹکتا۔ چھلاوے کی طرح اپنے ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ میرپور خاص میں اس کا گھر موجود ہے۔ مگر وہ شاذونادر ہی وہاں دیکھا جاتا ہے۔''

''کوشش کی جائے تو وہ کہیں نہ کہیں ہاتھ آ سکتا ہے۔'' میں نے رسانیت سے کہا۔

''یہ ممکن ہے لیکن اس پر آج تک زیادہ دھیان نہیں دیا گیا۔ دونوں فریق اپنی اپنی مصلحتوں کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں۔ ہم اس پر ہاتھ ڈالیں گے۔ وہ اپنے کسی شہر میں ہمارے ایک دو آدمیوں کو پکڑ لیں گے۔ یہ جاسوسی اور جوابی جاسوسی کا ایسا سلسلہ ہے جسے مخصوص حدود میں نظر انداز کرنا دونوں کے لیے ناگزیر ہے۔''

''اور وہ اسی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ نیا چھور میں اس کی سرگرمیاں ان مخصوص حدود سے بہت زیادہ متجاوز ہوں گی۔

اس کی سرکوبی اب ناگزیر ہو چکی ہے۔"
"میں بھی یہی کہنا چاہ رہا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ بہت سے حکام نیا چھور کے کیمپ سے ابھی تک بے خبر ہیں۔ تمہارے ذرائع سے یہ خبر نہ ملی ہوتی تو یہ سلسلہ خاموشی سے یوں ہی چلتا رہتا۔ مراد کے یکایک ہٹ جانے سے ان کی سرگرمیوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے' اس سے فائدہ اٹھا کر ہم ان پر کاری ضرب لگا رہے ہیں۔"

"پھر کرشن کمار بھی ہاتھ آجانا چاہیے۔" میں نے توقع ظاہر کی۔

"وہ بہت چالاک اور مکّار ہے۔ تازہ ترین خبر یہ ہے کہ وہ اونٹ پر سوار ہو کر موناباؤ کی طرف نکل چکا ہے لیکن اب نیا چھور میں وہ لوگ پھٹک بھی نہیں سکیں گے۔ اس علاقے میں مسلح دستوں کی پٹرولنگ میں اضافہ کردیا گیا ہے۔"

"اسے یہ خبریں مل جائیں گی اور وہ کچھ عرصے کے لیے پاکستان کا رخ نہیں کرے گا۔"

"اسے اس کی سرزمین پر ہی کچلا جائے گا۔ وہ ادھر ہاتھ پیر پھیلا سکتا ہے تو ہمارے آدمی بھی وہاں کام کرسکتے ہیں۔ بے خبری کی بات اور ہوتی ہے مگر ہم بے بس نہیں ہیں۔"

جلال کے آخری فقرے میرے لیے دلی اطمینان کا سبب بنے۔ یہ بڑی بات تھی کہ اپنی ناگزیر مجبوریوں کے باوجود وہ بے بسی کے احساس کا شکار نہیں ہوا تھا۔ اس کا حوصلہ بلند تھا۔ میں نے کہا "تم ہمارے لیے دعائیں کرتے رہتے ہو۔ میں تمہارے آدمیوں کی کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔ امید ہے کہ ہمیں جلد ہی وہاں سے کوئی خوش خبری ملے گی۔"

"شام کو تم نے جارحیت کے ذریعے دفاع کی بات کی تھی۔ اس بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟"

میں ہنس دیا "دل میں ایسے ولولہ انگیز خیالات اکثر سر ابھارتے رہتے ہیں۔ ابھی اس بارے میں سوچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ایسے بڑے فیصلے بہت سوچ سمجھ کر اور کسی خاص مقصد کے تحت کیے جاتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم اس وقت فورڈ فاؤنڈیشن والوں کے مسئلے میں..."

میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی اور اسے بتایا کہ بظاہر پیچیدہ محسوس ہونے والا وہ مسئلہ بہت سرعت اور آسانی کے ساتھ نمٹ گیا تھا۔

"مراد نے اپنے ایک اشارے پر سات آدمی مروا دیے۔" اس موضوع پر باتوں کے درمیان اس نے کہا "کرشن کمار' اس سے زیادہ خطرناک مجرم ہے۔ اس کی ساری سرگرمیوں کا مرکز تھر کی صحرائی آبادیوں تک محدود ہے۔ وہ شہروں سے دور بھاگتا ہے۔ صحرا میں بسنے والے سادہ لوح لوگ اسے صحرا کا شیر اور اپنا مسیحا سمجھتے ہیں۔ مراد کو تم نے زیر کیا' اسے ہمارے آدمی ٹھکانے لگائیں گے اور اس کا قائم کیا ہوا سحر ٹوٹ جائے گا۔"

جلال اچانک ہی دوبارہ کرشن کمار کا ذکر نکال بیٹھا تھا۔ اس کی وہ باتیں کچھ بے ربط تھیں۔ مجھے شبہ ہوا کہ کرشن کمار کے بارے میں اس نے اپنے ریکارڈ میں جو کچھ پڑھا تھا' اس کی بنا پر وہ جلال کے ذہن پر مسلّط ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ کرشن کو یہ مقولہ یاد ہے' اپنی کھال بچانے کے لیے وہ شہروں سے دور رہتا ہے۔"

"دور ہی نہیں بلکہ بہت دور رہتا ہے۔ میرپور خاص سے پتا چلا کہ وہ وہاں بہت کم آتا ہے۔ زیادہ تر کھوکھراپار ہی رہتا ہے اور اب تو وہ سرحد ہی پار کرچکا ہے۔ اس کے گھر سے دو لاشیں ملنے کے بعد میرپور خاص میں اس کی ہوا خیزی ہوئی ہے۔ اس کے واپس لوٹنے یا مارے جانے سے پہلے اس کو علاقے میں یوں بے نقاب کردیا جائے گا کہ وہ سب کی ہمدردیاں کھو دے گا۔"

"ہر مجرم کا یہی انجام ہوتا ہے۔ جلد یا بدیر' وہ بے نقاب ہو کر رہتا ہے۔"

وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر کہہ نہیں پا رہا تھا۔ وہ باتوں کی بھول بھلیوں میں اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا اور میں حفظِ مراتب کی وجہ سے اس سے یہ نہ کہہ سکا کہ وہ جو کچھ چاہتا ہے' کھل کر کہہ ڈالے۔ آخر کار اس کی وہ گفتگو یوں ہی تشنہ سی رہ گئی اور اس نے فون بند کردیا۔ اس بار اس نے کرشن کمار کے کردار کی تصویر کشی کے سوا کوئی نئی بات نہیں کی تھی۔

رات گئے اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک ڈرائیور ہماری گاڑی پہنچا گیا۔ حیدرآباد میں ضابطے کی کارروائیاں مکمل ہونے کے بعد گاڑی چھوڑ دی گئی تھی۔ اول خان نے کسی تاخیر کے بغیر اسے کراچی منگوا لیا تھا۔

وہ رات ہم نے اپنی چھت کے سائے میں گہری نیند سو کر گزاری۔ خاص طور پر میرے ذہن میں کوئی پریشانی یا آئندہ کی فکر سوار نہیں تھی۔ صبح میں اپنے معمول کے مطابق ان تینوں سے پہلے بیدار ہو گیا۔ غزالہ بستر کے ایک گوشے میں موم کے کسی نازک اور معصوم پیکر کی طرح سکڑی سمٹی سو رہی تھی۔ میرا جی چاہا کہ اسے یوں ہی اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں

مگر اس کی نیند خراب ہونے کے خیال سے میں نے اپنے دل پر جبر کیا اور سر جھٹک کر خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔
باہر اخبارات آچکے تھے۔ میں نے دروازہ کھول کر لپٹے ہوئے اخبارات اٹھالیے۔
قادر خان کے قتل کی خبر ہر اخبار کے پہلے صفحے پر موجود تھی۔ ہر اخبار کا مضمون الگ تھا لیکن خلاصہ ایک ہی تھا کہ میرپور خاص سے آنے والا ابرار نامی شخص قادر خان کو اس کے ڈرائنگ روم میں ہلاک کر کے فرار ہو گیا۔
شاید قادر خان نے مجھ سے فون پر بات کرنے کے بعد اپنے اہل خانہ کو بتادیا تھا کہ ابرار نامی ایک شخص اس سے ملاقات کے لیے پہنچنے والا تھا۔ گھر والوں نے وہی بات پولیس اور اخبار والوں کے سامنے دہرا دی تھی۔ کسی کو کچھ علم نہیں تھا کہ ابرار اور قادر کی ملاقات کا پس منظر کیا تھا اور ڈرائنگ روم میں وہ کن حالات میں موت سے دوچار ہوا تھا۔

وہ ایک معزز اور باحیثیت گھرانے کا چشم و چراغ تھا اس لیے خبر کو بھرپور اہمیت دی گئی تھی۔ ٹنڈو باگو جو قادر خان کا آبائی گاؤں تھا، تھر کے علاقے میں بدین سے کچھ آگے واقع تھا۔ اس وقت تک مجھے خود علم نہیں تھا کہ وہ گاؤں کہاں واقع تھا۔ اخبارات میں قادر خان کے گاؤں کا محل وقوع پڑھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خود بھی تھری تھا اور اسی وجہ سے مراد سے زیادہ قریب تھا کیونکہ مراد اور کرشن کمار کی ساری گرمیوں کا محور اور مرکز تھرپارکر کا وسیع علاقہ ہی تھا۔
قادر خان کے قتل کو جتنی اہمیت دی گئی تھی، مراد ظریف کی خودکشی کو اسی قدر نظرانداز کیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں کسی اخبار میں ایک سطر تک نہیں چھپی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اول خان نے کسی مصلحت کی بنا پر اس خبر کو سختی سے دبا دیا تھا۔ فریڈم انٹرنیشنل والوں کے خلاف کارروائی کے چند ہی روز بعد صحرا کے سربراہ کی خودکشی کی خبر لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات کو جنم دے سکتی تھی کہ سرکاری ادارے کھل کر این جی اوز کے خلاف میدان میں آگئے تھے۔

بوب رافیل کے زیر دام آنے تک امریکیوں نے پاکستان میں این جی اوز کی آزادیوں کو کچلنے اور ان کا کردار مسخ کرنے کے بارے میں ایک سوچا سمجھا احتجاجی سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سے رائے عامہ کے کسی نہ کسی حصے کا متاثر ہونا فطری امر تھا۔ ایسے لوگوں کے لیے اکرم الٰہی، مقبول چوہدری اور مراد ظریف جیسے نام نہاد، سماجی اور

اصل مقصد

امیرالدین کے اٹھارہ سالہ لڑکے نے امریکی فیشن کی تقلید میں "پنک" بننے کے لیے سر پر دائیں بائیں استرا پھروالیا۔ بیچ میں بالوں کی ایک پٹی سی رہنے دی اور اس میں جیل لگوا کر ان بالوں کو باڑھ کی طرح کھڑا کرلیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے ان کا رنگ بھی نیلا کروالیا۔

باپ نے دیکھا تو بڑی مشکل سے غصہ ضبط کیا اور اس خیال سے بُرا بھلا نہیں کہا کہ بیٹا زیادہ سرکش نہ ہوجائے۔ اس نے صرف اتنا تبصرہ کیا "تم کچھ مختلف سے لگ رہے ہو۔"

دوسرے دن کالج میں لڑکے کے دوستوں نے پوچھا "تمہارے ڈیڈی نے تمہارا ہیراسٹائل دیکھ کر کیا کہا؟"

"کچھ نہیں.... وہ بالکل پرسکون رہے۔" لڑکے نے بتایا۔

"پھر تو تم نے خوامخواہ ہی اتنا تردد کیا۔" ایک دوست مایوسی سے بولا۔

معاشرتی رہنماؤں کے انجام سے بے خبر رہنا بہتر تھا۔
میرپور خاص میں حسن اور گلو کے قتل اور حیدرآباد میں گوپال چند کے بری طرح زخمی ہونے کی خبریں اخباروں کے اندرونی صفحات میں جگہ پا سکی تھیں۔ میرپور خاص پولیس کے موقف کے مطابق دہرے قتل کو نامعلوم قاتلوں کے سر ڈالا گیا تھا۔ مرنے والوں کے جسموں سے خالی ڈارٹس نکال لی گئی تھیں جس کی وجہ سے پولیس کا کام مشکل ہو گیا تھا۔ بادی النظر میں وہ زہرخورانی کی وارداتیں معلوم ہوئی تھیں جن پر تفتیش کا دائرہ پھیلا کر اس مکان کے مالک کی تلاش شروع کردی گئی تھی۔
گوپال چند جب گولیوں کی بوچھاڑ سے لہولہان ہوا تو گہرے نشے میں تھا۔ اس کے فرشتوں کو بھی یاد نہیں تھا کہ اس کی پنڈلیاں زخمی ہونے سے پہلے وہاں کیا ہوتا رہا تھا۔ اپنی بدنامی کے خوف سے اس نے بازار حسن سے بلائی ہوئی طوائفوں کا ذکر گول کردیا تھا اس لیے کسی کو کہانی کا وہ حصہ

معلوم نہیں ہوسکا تھا جو وہ دونوں عورتیں جانتی تھیں۔
میں نے گھر میں آنے والے سب اخبار غور سے دیکھ ڈالے لیکن کہیں ایسی کوئی خبر نظر نہیں آسکی جو میرے لیے پریشان کن ثابت ہوتی۔ حد یہ تھی کہ جان اسمتھ اندر کی کہانیوں سے بڑی حد تک واقف تھا اور اسی نے مراد ظریف کو مائیکرو سینٹر سے دور رہنے کی ہدایت کی تھی مگر امریکیوں نے بوب رائفیل کی گلو خلاصی کے بدلے کیے ہوئے وعدے کے عین مطابق فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا کی مظلومیت کے حق میں کوئی پریس ریلیز جاری نہیں کیا تھا۔ انہیں یاد تھا کہ پاکستان میں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے ایک بدمعاش سفارت کار کی رہائی کے لیے صبح سویرے واشنگٹن میں ایوان صدر کے فون کھڑکانے پڑگئے تھے اور پھر امریکی صدر کی یقین دہانیوں پر وہ معاملہ رفع دفع ہوسکا تھا۔
وہ لوگ ان یقین دہانیوں سے انحراف کر کے این جی اوز کے بارے میں لب کشائی کرتے تو دوبارہ محاذ آرائی کی فضا پیدا ہوسکتی تھی جس سے امریکیوں کے مفادات کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔
امریکی خاموش تھے' بھارتی کمانڈو خوف زدہ ہو کر سرحد پار بھاگ چکا تھا۔ بیشتر بڑے مجرموں کا صفایا ہوچکا تھا اور راوی عیش ہی عیش لکھتا تھا۔ میں اخبارات ایک طرف اچھال کر سیدھا اپنے باتھ روم میں گھس گیا۔
میں ٹھنڈے پانی کی تیز دھاروں میں طویل غسل لے کر باتھ روم سے نکلا تو گھر میں بیداری کی لہر دوڑ چکی تھی۔ غزالہ کا بستر خالی تھا اور ڈرائنگ روم سے ٹیلی وژن کی آواز آرہی تھی۔ میں قمیص کے بٹن لگاتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔
"اخبار پڑھنے کا شوق ہے تو کم از کم صفحات کو یک جا تو رہنے دیا کرو۔" ویرا مجھے دیکھتے ہی منہ بنا کے بولی۔ وہ وہاں بیٹھی بکھرے ہوئے صفحات کو سمیٹنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔
"جس چھت کے نیچے دو جوان جہان عورتیں موجود ہوں وہاں رہنے والے مردوں کو ایسے کام زیب نہیں دیتے۔" میں نے چٹکی بجا کر شوخی سے کہا "ہر وقت اینڈ اینڈ کر تم نے اپنے وزن میں خاصا اضافہ کرلیا ہے۔"
"تم کون سا مجھے اپنی بانہوں میں اٹھاتے ہو جو تمہیں میرا وزن بڑھنے کی فکر ہے۔" اس نے میرے چہرے پر تیکھی نظریں ڈال کر دھیمی آواز میں کہا "مجھ پر ذرا سوچ سمجھ کر تنقید کیا کرو۔"
"اگر تم اسی طرح کام چوری اور کاہلی کی طرف مائل رہیں تو کچھ ہی دنوں میں بھونڈی ہوجاؤ گی۔" میں نے جواب دیا "تم نے اب کچن میں غزالہ کا ہاتھ بٹانا بھی چھوڑ دیا ہے۔"
"سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے کہ بیوی پر ترس آرہا ہے۔" ویرا تیزی سے بولی "یہ میرا اور غزالہ کا معاملہ ہے۔ تمہیں بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں۔ اسے معلوم ہے کہ میں اس کا کتنا ہاتھ بٹاتی ہوں۔ پتا نہیں تمہیں میرا کام کیوں نظر نہیں آتا۔"
سلطان شاہ اس کی بات سنتا ہوا آیا تھا۔ اس نے ویرا کے خاموش ہوتے ہی سوال کر ڈالا "پھر تم موٹی کیوں ہورہی ہو؟"
"یہ مٹاپا نہیں ہے۔ میرا بدن ذرا گداز ہورہا ہے۔ تم مجھے دیکھ دیکھ کر کیوں جلتے ہو؟" ویرا نے اسے آنکھیں دکھائیں "ابھی ڈیڈی بھی یہی کہہ رہا تھا جیسے یہ دن رات مجھے اپنے کندھوں پر لیے پھرتا ہو۔"
سلطان شاہ نے خوش ہو کر میری طرف ہاتھ بڑھایا پھر گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا "واہ! کیا نظریں ہیں ہم دونوں کی.... میں نے تمہاری بات نہیں سنی تھی مگر ان دل گداز خانم کی باتیں سن کر اندازہ ہوگیا تھا کہ ان کی حرام خوری پر بات ہورہی ہے۔"
"تم نے پھر حرام خوری کا طعنہ دیا؟" ویرا اسے گھورتے ہوئے غرائی۔
"تم پھر حلال خوری کا دعویٰ کر ڈالو۔ بات برابر ہوجائے گی۔" سلطان شاہ نے قہقہہ لگایا۔
"یہ خاصی تشویش کی بات ہے کہ آج ہم سب ناشتے سے پہلے ہی اتنے چاق و چوبند نظر آرہے ہیں۔" میں نے کہا۔
"جب اونٹ کے کوہان کی طرح جسم میں فاضل چربی جمع ہوجائے تو ہلکے پھلکے ناشتے کی زیادہ اہمیت نہیں رہتی۔" سلطان شاہ نے برجستہ کہا "اس وقت سب سے اچھا موڈ ویرا کا ہے۔"
"ناشتا تیار ہے اور ٹھنڈا ہورہا ہے۔" غزالہ کی آواز آئی "میں بعد میں کوئی چیز گرم نہیں کروں گی۔"
میز پر ناشتے کے دوران میں ویرا کو اچانک چمن علی یاد آگیا "وہ سب سے سستا چھوٹا ہے۔ تمہیں چمن کی گوشمالی ضرور کرنی چاہیے۔"
"یہ اسی کا دم تھا کہ ہم بروقت گوپال کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اور سلطان شاہ اس وقت ہمارے درمیان موجود ہے۔" غزالہ نے کہا "تمہیں اس سے کیا پرخاش

ہو گئی۔"

"وہ چاروں ایک دوسرے سے واقف تھے۔" ویرا نے ہاتھ روک کر کہا "اسے معلوم تھا کہ مراد کا ساتھ دینے سے انکار کے نتیجے میں منور اپنے گھر کے چھ افراد کے ساتھ مارا جا چکا ہے مگر اس نے تمہیں اس بارے میں ایک لفظ نہیں بتایا۔"

منور، نواب شاہ کے اس گھرانے کا فرد تھا جو دھنی رام کی بربریت کا نشانہ بنا تھا۔ اس کے بارے میں ویرا کے اعتراض میں وزن تھا مگر میں نے چمن کی وکالت کرتے ہوئے کہا "اسے منور کا انجام معلوم تھا اسی لیے وہ مراد سے دہشت زدہ تھا۔ وہ آخر تک زبان کھولنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اسے اپنا انجام سامنے نظر آرہا ہوگا۔ اگر اس کی بیوی دخل نہ دیتی تو ہمیں ناکام لوٹنا پڑتا۔"

"چمن علی کو کوئی سزا نہیں دی گئی۔ بازپرس کی تھوڑی سی سختی اس کے لیے ناکافی ہے۔ میری دانست میں اسے بھی کچھ نہ کچھ سزا ملنی چاہیے۔ گوپال ہمیشہ کے لیے معذور ہوا ہے تو اسے بھی کم از کم چند روز صاحب فراش رہنا چاہیے۔"

"وہ شریف اور ملازمت پیشہ آدمی ہے۔" میں نے کہا "اس کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، اسے وہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔"

"قادر بھی شریف اور ملازمت پیشہ تھا مگر اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔" ویرا نے طنز سے کہا۔

"وہ اپنی حماقت سے مرا تھا۔ میرا اسے مارنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" میں نے صفائی پیش کی۔

"نہ چاہتے ہوئے بھی تم نے اسے مار دیا۔" ویرا نے کہا "یہ غیبی اشارے ہیں۔ تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ان میں سے کوئی بھی زندہ رہنے کا حق دار نہیں ہے۔ تم اسے لنگڑا لولا کرکے زندہ چھوڑ دو تب بھی یہ تمہارا احسان ہوگا۔"

میں انکار کرتا رہا مگر ویرا اپنے موقف پر اڑی رہی۔ ناشتا ختم ہونے کے بعد بھی وہ بحث جاری رہی تو بادل ناخواستہ مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے "میں فون کرکے دیکھتا ہوں کہ وہ کس حال میں ہے۔"

"اس کا حال اچھا نہیں ہو سکتا۔ آج کے اخباروں میں گوپال اور قادر کے بارے میں تفصیلات پڑھ کر وہ ڈر گیا ہوگا۔" ویرا نے پریقین لہجے میں کہا "تم فون کرو گے تو وہ گڑگڑانے لگے گا۔"

میں نے کاغذ سے دیکھ کر چمن کا نمبر ملالیا۔ تین گھنٹیوں کے بعد ریسیور اٹھایا گیا تو میرے کانوں میں آہوں اور سسکیوں کے ساتھ بین کی آوازیں آئیں اور ایک گلوگیر مردانہ آواز نے ہیلو کہا۔

"میں چمن علی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے محتاط لہجے میں اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔" بولنے والے کی آواز رندھ گئی "بھائی صاحب ہائی بلڈ پریشر کے مریض تھے۔ اخبار بینی کے دوران میں تھوڑی دیر پہلے ان کے دماغ کی ایک شریان پھٹ گئی۔ ابھی ابھی اسپتال سے خبر ملی ہے کہ وہ چل بسے ہیں۔"

مجھے وہ خبر سناتے سناتے وہ بلک کر رو پڑا۔ وہ چمن علی کا کوئی قریبی عزیز ہی ہو سکتا تھا۔

"اناللہ وانا الیہ راجعون۔" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ وہ خبر سن کر میں سکتے میں رہ گیا تھا۔

اس شخص سے کہنے سننے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ انسان کے بدن میں سانس کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو ساری اکڑفوں، دوستی اور دشمنی چلتی رہتی ہے اور جب یہ لڑی ٹوٹ جاتی ہے تو سارے جھگڑے خود بخود ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ مرنے والا اپنے نامۂ اعمال کے ساتھ حساب کتاب کی تیاری کر رہا ہوتا ہے۔

میں نے خاموشی سے فون بند کر دیا۔ میری زبان سے قرآنی کلمات سن کر ان تینوں کو صحیح صورتِ حال کا اندازہ ہو گیا تھا۔ فوری طور پر کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ ہنستے مسکراتے ماحول پر یوں بوجھل سکوت طاری ہو گیا تھا جیسے ہمارے حریف کے بجائے کوئی ساتھی دنیا سے گزر گیا ہو۔

"وہی ہوا جو میں کہہ رہی تھی۔" چند ثانیوں بعد ویرا کہہ رہی تھی "میرا وجدان بتا رہا تھا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ اسے کیا ہوا؟ شاید دل کا دورہ پڑا ہوگا!"

"اخبار بینی کے دوران میں بلڈ پریشر بڑھنے سے دماغ کی شریان پھٹی تھی۔" میں نے اس کی تصحیح کی۔

"تم اس کی حمایت کر رہے تھے اور قدرت میرے ساتھ تھی۔" ویرا بولی "اس کے خلاف بڑی عدالت سے فیصلہ صادر ہو چکا تھا۔"

"یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ تم کالی زبان ہو۔" سلطان شاہ نے چڑ کر کہا "ڈینی کو فون کرنے پر مجبور کرکے تم نے سارا موڈ غارت کر دیا۔ اب پورے دن کا اللہ ہی حافظ ہے۔ پتا نہیں تم اتنا کیوں بولتی ہو۔"

"اس کی موت کی خبر اخباروں میں نہیں آئے گی۔"

ویرا نے موڈ بحال کرنے کی کوشش میں اسے چڑایا "فون کرنے کے نتیجے میں تمہیں پتا تو چل گیا کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"وہ واقعی شریف اور غیرت مند انسان تھا۔ اس کا احساسِ جرم اسے لے ڈوبا۔" غزالہ نے کہا۔

"تم تینوں کو اس کی موت کا اسی قدر صدمہ ہے تو اس کے جنازے میں شرکت کے لیے چلے جاؤ۔ شام تک فارغ ہو کر لوٹ آؤ گے۔ میں تمہارے لٹکے ہوئے' اداس چہرے دیکھنے سے بچ جاؤں گی۔"

"اس بار واقعی عجیب اور حیرت ناک واقعات پیش آئے ہیں۔" میں نے ہلکی سی پھریری لے کر کہا "یہ وہ مقام ہے جہاں انسان کی عقل اور ہر دلیل ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ اسے کسی برتر قوت کے وجود کا قائل ہونا پڑتا ہے۔"

"چور' ڈاکو' قاتل اور دہشت گرد لڑتے بھڑتے ہوئے کہیں نہ کہیں کتے کی سی موت مارے جاتے ہیں۔" ویرا کہنے لگی "سفید پوش مجرموں کا عام طور پر ایسا ہی انجام ہوتا ہے۔ اس پر دل گرفتہ ہونا حماقت ہے۔"

"وقت اور قسمت' دونوں اس وقت ہمارے ساتھ ہیں۔ ہمارا کام خود بخود آسان اور ہلکا ہوتا جارہا ہے۔" سلطان شاہ نے یہ کہہ کر انگڑائی لیتے ہوئے کرسی چھوڑ دی۔

چمن علی کی موت کی خبر کے اثرات میرے اعصاب پر سے جلد ہی زائل ہوگئے۔ ہم میں سے کسی کو اس سے ہمدردی نہیں تھی کیونکہ وہ بہرحال ایک مجرم اور مراد کا مددگار تھا۔ گھر کا ماحول دوبارہ خوشگوار ہوتا چلا گیا۔ ابتدائی نوک جھوک کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ویرا کسی سے کچھ کہے بغیر خاموشی سے کچن میں جا گھسی اور غزالہ کو میرے ساتھ وقت گزارنے کا موقع مل گیا۔

اس وقت ہمارے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ غزالہ نے بہت لاڈ کے ساتھ ساحل کی سیر کی خواہش ظاہر کی اور میں سنجیدگی سے اس فکر میں مصروف ہوگیا کہ ویرا اور سلطان شاہ کو کس ترکیب سے گھر پر چھوڑا جائے۔ دن رات کی مصروفیت کی وجہ سے وہ دونوں بھی ہر وقت تفریح کے لیے ترستے رہتے تھے۔ انہیں ہمارے اصل پروگرام کی بھنک مل جاتی تو انہیں گھر پر چھوڑنا دشوار ہوجاتا۔

اسی دوران میں' میں نے اول خان کو فون کرکے چمن علی کے المناک انجام سے آگاہ کردیا۔ وہ اپنے لگے بندھے اصولوں پر چلنے والا آدمی تھا۔ اسے وہ خبر سن کر ذرا بھی قلق نہیں ہوا بلکہ اس کا ردِعمل حیرت انگیز طور پر وہی تھا جو ویرا کا تھا۔

دوپہر کے کھانے پر غزالہ نے میری ہدایت کے مطابق کپڑوں کی خریداری کی فرمائش کرڈالی جو میں نے قدرے چوں و چرا کے بعد منظور کرلی۔ اس کام میں سلطان شاہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ غزالہ نے رسماً ویرا سے ساتھ چلنے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ بس غزالہ کو یہ تاکید کردی کہ وہ اپنی ہی پسند اور ناپ کے چند فاضل جوڑے بھی لیتی آئے جو اس کے کام آسکتے تھے۔

میں نے ویرا کے فرمان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تو کچھ دیر کے انتظار کے بعد وہ خود ہی بول پڑی "میرا اور غزالہ کا قد اور بدن یکساں ہے۔ ہم آسانی سے ایک دوسرے کے کپڑے پہن لیتے ہیں۔ اگر میں بھاری ہو رہی ہوں تو تمہیں ماننا پڑے گا کہ غزالہ بھی موٹی ہوگئی ہے۔"

"ارے' وہ مذاق کی بات تھی۔" میں نے ہنس کر اسے ٹال دیا "تم بلاوجہ اسے اپنے دل پر لے بیٹھیں۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے۔ غزالہ پر تنقید تم برداشت نہیں کرسکتے۔ حسن اور نزاکت کو اس پر ختم سمجھتے ہو۔"

"یہ میں نے تم سے کب کہہ دیا؟" میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"بہت سی باتیں کہے بغیر سمجھ لی جاتی ہیں۔ تم بلاوجہ ہی اپنی لیلیٰ کے مجنوں نہیں بنے ہوئے ہو۔"

"قد اور بدن تک تمہاری بات ٹھیک ہے مگر ہماری پسند یکساں نہیں ہے۔" غزالہ نے ہنس کر کہا "تم شوخ اور بڑے پرنٹس پسند کرتی ہو۔ مجھے ہلکے پھلکے رنگ اور ڈیزائن اچھے لگتے ہیں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بنیادی طور پر ہماری پسند بھی ایک ہی ہے۔" ویرا نے معنی خیز لہجے میں بے باکی سے کہہ ڈالا "یقین نہ آئے تو اپنے ڈیڈی سے پوچھ لو۔"

میں بوکھلا گیا مگر غزالہ کی تیوریوں پر بل تک نہ آیا۔ اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا "پسند اتنی یکساں ہو تو کہیں کہیں ٹکراؤ بھی ہوجاتا ہے مگر ہمارے درمیان آج تک ایسی نوبت نہیں آئی۔"

غزالہ کے اس ذو معنی جواب پر میری طبیعت خوش ہوگئی۔ ویرا خفت آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی "کبھی میں خاموشی سے اپنی ہار مان لیتی ہوں اور کبھی تم فراخ دل ہوجاتی ہو۔ ایسا نہ ہوتا تو شاید اب تک ہمارا ساتھ چھوٹ چکا ہوتا۔"

باتیں چلتی رہیں مگر یہ طے ہوچکا تھا کہ ہم دونوں کے ساتھ کوئی اور نہیں جائے گا۔
تین بجے ہم دونوں گاڑی لے کر گھر سے روانہ ہوگئے۔ غزالہ اپنی فرمائش پوری ہونے پر بہت خوش تھی اور بات بات پر کھلی پڑ رہی تھی۔
اپنا جھوٹ نبھانے کے لیے ہم نے صدر کی ایک مشہور دکان سے عجلت میں چند زنانہ سوٹ خریدے اور پھر ٹاور کے راستے ہاکس بے کی طرف روانہ ہوگئے۔ کلفٹن کے مقابلے میں کراچی کا وہ پرسکون اور رومان پرور ساحل ہمیشہ سے مجھے پسند رہا ہے۔
وہ چھٹی کا دن نہیں تھا۔ ہاکس بے کے صاف ستھرے ساحل پر خال خال ہی لوگ نظر آرہے تھے۔ جنھوں نے شہر کے شوروغل اور کثافتوں سے اکتا کر اپنی گاڑیوں میں اس پُرفضا ساحل کا رخ کیا تھا۔
میں نے ایسے مقام پر گاڑی روک دی جہاں سمندر کی جھاگ اڑاتی اور دم توڑتی ہوئی موجوں کی طلسماتی گونج اور بحری پرندوں کی آوازوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے جوتیاں گاڑی میں لاک کیں اور غزالہ کا ہاتھ تھام کر ڈھلوان ساحل کی سرمئی ریت پر تقریباً دوڑتا ہوا گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چلا گیا۔
وہ میری زندگی کا ایک حیات پرور اور یادگار دورانیہ تھا۔ مجھے زندگی میں یکایک نیاپن محسوس ہونے لگا تھا۔ ہم پیروں کے نیچے سے نکلتی ہوئی ریت پر دیر تک ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے اور پانی اڑاتے رہے۔ کھلے سمندر کی انجان گہرائیوں سے جنم لینے والی طوفانی لہریں ہمارے قدموں کو چھوتے ہوئے ساحل پر دور تک جھاگ پھیلا رہی تھیں۔ ہر نئی لہر کے ساتھ مجھے سرشاری کا عجیب احساس ہو رہا تھا۔
موسم اور ساتھ ایسا تھا کہ پانی سے باہر نکلنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا مگر زندگی میں کچھ بھی امر نہیں ہوتا۔ انسان سمیت سب کچھ گزر جانے کے لیے وجود میں آتا ہے۔ غزالہ کے نازک ہونٹوں پر سردی کی ہلکی سی نیلاہٹ دیکھ کر میں نے واپسی کی راہ اختیار کرلی۔
بھیگے ہوئے کپڑوں کو ساحل کی دھوپ اور ہوا میں خشک کرنے کے لیے ہم دیر تک پانی سے ذرا دور چہل قدمی اور باتیں کرتے رہے۔ مسلسل باتیں کرتے رہنے کے باوجود بات میں سے بات نکلتی چلی آرہی تھی۔ پتا نہیں غزالہ کب سے وہ خوش گوار یادیں اور باتیں دل میں لیے بیٹھی تھی۔
جب سورج کی اکلوتی آنکھ زمین اور سمندر کو قہربار انداز میں گھورتی ہوئی سمندر اور آسمان کی ملتی ہوئی لکیر سے قریب ہونے لگی تو ہم گاڑی کی طرف ہولیے۔ چند منٹ بعد ہم فسوں خیز ساحل کو چھوڑ کر شہر کی دھواں اگلتی چمنیوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔
ماری پور کے علاقے سے گزرتے ہوئے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا اور شریف آباد والی نسرین کے پاس کام کرنے والی نیما کی آواز سن کر فون جلدی سے غزالہ کو تھما دیا۔
وہ ہیلو ہیلو کرتی رہ گئی، مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے فون بند کردیا اور پوچھا "کس کی کال تھی؟"
"وہی پاگل نیما تھی۔" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔
مجھے اندیشہ تھا کہ نیما کا فون آجانے پر غزالہ میری اور اس کی کلفٹن کی سیر کا ذکر ضرور چھیڑے گی لیکن اس نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ ویرا کے قول کے مطابق غزالہ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ فراخ دل تھی اور ہر ضروری موقع پر چشم پوشی سے کام لیتی تھی۔
فاصلہ گھٹنے کے ساتھ ساتھ راستے پر ٹریفک کی بھیڑ بڑھنے لگی۔ ہماری رفتار کم ہوگئی۔
شہر بھر کی روشنیاں جل جانے کے بعد ہم گھر پہنچے تو ہماری حالت ہماری آوارہ گردی کی کہانی سنا رہی تھی۔ بالوں سے لے کر چہرے، لباس، پیروں اور گاڑی کے پائیدان تک میں سنہری سمندری ریت چمک رہی تھی۔
جب تک ہم سمندر کے پانی میں تھے، سب کچھ مزہ دے رہا تھا لیکن گھر پہنچتے ہی کھارے پانی کی چپچپاہٹ اور ریت کی چبھن ناقابلِ برداشت ہونے لگی۔ میں اپنے کمرے کے باتھ روم میں چلا گیا۔ غزالہ، ویرا کے باتھ روم میں جا گھسی۔
میں نہا کر نکلا تو بھوک چمکی ہوئی تھی۔ باتھ روم سے

انتہائے شکرگزاری

وکیل صاحب نے سخت محنت کے بعد ایک موکل کا مقدمہ جیتا تو اس نے انھیں شکریے کا خط لکھتے ہوئے ایک جگہ لکھا:
"میں آپ کا اتنا احسان مند ہوں کہ آپ کو وکیل کے بجائے ایک دوست کے طور پر یاد رکھوں گا۔"

غزالہ کی واپسی تک مجھے ویرا اور سلطان شاہ کے کاٹ دار سوالوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں یہ یقین دلانا دشوار ہو رہا تھا کہ شاپنگ سے جلد فارغ ہونے کی وجہ سے ہم ساحل کی طرف نکل گئے تھے۔ وہ دونوں سمجھ چکے تھے کہ ہم تفریح کے لیے ان سے شاپنگ کا بہانہ کر کے گھر سے نکلے تھے۔

اس روز ویرا نے رضاکارانہ طور پر کچن کا سارا انتظام خود سنبھالا تھا اس لیے کھانے وغیرہ کی تیاری میں اپنے سگھڑ پن کے سارے جوہر یک جا کر دیے تھے۔ غزالہ نے غسل سے فارغ ہوتے ہی اس کے ساتھ مل کر میز لگائی اور معمول کے وقت سے پہلے ہی ہمارے لذیذ ڈنر کا آغاز ہو گیا۔

تکان اور پھر شکم سیر ہونے کا خمار جلد ہی اپنا رنگ دکھانے لگا۔ میں ڈرائنگ روم میں زیادہ دیر تک ان لوگوں کی مجلس کا ساتھ نہ دے سکا اور دو سگریٹیں ختم کرنے کے بعد سونے کے لیے اپنے کمرے میں چل دیا۔

میں نے کمرے کی روشنیاں گل کر کے اپنے سرہانے رکھا ہوا ٹیبل لیمپ روشن کیا اور پڑھنے کے لیے ایک کتاب اٹھالی۔ نیند کا غلبہ اتنا شدید تھا کہ میں چند صفحات سے زیادہ نہ پڑھ سکا اور میرے پپوٹے نیند سے بوجھل ہوتے چلے گئے۔

مجھے کچھ علم نہیں کہ ان تینوں نے کب ڈرائنگ روم چھوڑا اور غزالہ کمرے میں آئی۔ گہری نیند سے میری آنکھ کسی آواز کی وجہ سے کھلی۔ میں بیدار ہو کر کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بستر پر بے حس و حرکت پڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔ فضا پر رات کا گہرا سکوت چھایا ہوا تھا، کہیں سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ سکوت برقرار رہا اور میری پلکیں ایک مرتبہ پھر نیند کے خمار سے بوجھل ہونے لگیں۔

ایک لمبا وقفہ گزرنے کے بعد پھر چرچراہٹ کی تیز آواز آئی اور تھم گئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے سوکھی ہوئی پختہ لکڑی میں سے کچھ نکالنے کی کوشش کی گئی ہو۔

پہلی آواز کو میں نے نیند کا دھوکا سمجھ کر نظرانداز کر دیا تھا مگر دوسری بار میرے کانوں نے اس آواز کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی تھی۔ میں نے پلٹ کر غزالہ کی طرف دیکھا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے اپنے تکیے کے نیچے سے بھرا ہوا ریوالور نکالا اور نہایت خاموشی سے بستر چھوڑ دیا۔

میں دبیز قالین پر ننگے پاؤں چلتا ہوا دروازے تک پہنچا، بہت احتیاط سے ہینڈل گھما کر دروازے قدرے وا کیا اور سرعت سے باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں رینگ گیا۔

اس بار وقفہ زیادہ طویل نہیں رہا۔ آوازیں پھر آئیں۔ صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ قریب ہی کوئی کچھ اکھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ آواز ڈرائنگ روم کی طرف سے آئی تھی۔ میں ریوالور تانے اندھیرے میں آگے بڑھا اور پھر اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔

ڈرائنگ روم میں مکمل اور گہری تاریکی تھی۔ اس کے مقابلے میں باہر تاروں بھرے آسمان تلے قدرے اجالا تھا جو شاید کہیں جلتے ہوئے کسی بلب کی روشنی کے انعکاس کا نتیجہ تھا۔ اس دھندلی روشنی میں ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے پیچھے تین انسانی سر اور دھڑ نظر آ رہے تھے۔ ان تینوں کے چہروں پر کپڑے لپٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے کسی اوزار کی مدد سے کھڑکی میں لگی ہوئی مضبوط آہنی گرل کو چوکھٹ سے اکھاڑ لیا تھا اور اس وقت گرل کو چوکھٹ سے الگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میرے وجود پر اضطراب طاری ہونے لگا۔ تین چہرے نظر آ رہے تھے۔ ان نامعلوم لوگوں کے دوسرے ساتھی احاطے میں پھیلے ہوئے ہو سکتے تھے۔ ان کی تعداد تشویش ناک حد تک زیادہ تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ ان آوازوں نے ویرا، غزالہ اور سلطان شاہ کی گہری نیند میں کوئی خلل نہیں ڈالا تھا۔

گھر میں گھسنے کی کوشش کرنے والے ان دیدہ دلیر اور نامعلوم لوگوں کو للکارنے کے لیے مجھے کسی کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے تشویش یہ تھی کہ وہ لوگ اپنی تعداد میں برتری کی وجہ سے کسی طرح گھر میں گھسنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ تینوں گہری نیند سے ہڑبڑا کر بیدار ہونے کی وجہ سے کچھ بھی نہیں سمجھ سکیں گے اور بوکھلاہٹ کی وجہ سے مارے جائیں گے۔

اس وقت تک کھڑکی کی گرل اپنی جگہ چھوڑ کر لکڑی میں پھنسے ہوئے کچھ لمبے پیچوں کے سہارے الجھ گئی۔ ان میں سے ایک نے جوں ہی شیشے کا پٹ ایک طرف سرکا کر راستہ بنانے کی کوشش کی، میں نے آہستگی سے ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔

فریم سے اکھاڑی جانے والی گرل نے اتنی جگہ پیدا کر دی تھی کہ انسان تو درکنار، نوجوان مگر سبک اندام سانڈ بھی آسانی سے وہاں سے گزر کر گھر میں آ سکتا تھا۔

میں نے ہاتھ سیدھا کر کے کھڑکی کا پٹ سرکانے والے کی کھوپڑی کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیشنل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنٹرول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیبی کو تلاش کرکے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اس کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظورِ نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک وشبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائفل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رائفل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائفل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رائفل نے اپنی گلوخلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ نورز فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہو چکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارتی علاقے مونا باؤ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی بی کے جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ ہمیں ذرا سا سکون میسر آیا تھا کہ اسی شب نامعلوم مجرموں کی ایک پارٹی نے ہماری رہائش گاہ تک رسائی حاصل کی۔ انہوں نے ایک کھڑکی کی گرل کاٹ لی تھی۔ میں نے کھڑکی کا پٹ سرکانے والے شخص کی کھوپڑی کا نشانہ لیا اور فائر کردیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

فائر کرتے ہی میں خود حیرت سے اُچھل پڑا۔ بیک وقت دو گولیاں چلنے کے دھماکے ہوئے تھے۔ دونوں کا نشانہ شاید ایک ہی تھا کیونکہ فائروں کے جواب میں اکھڑی ہوئی کھڑکی سے باہر ایک بھیانک چیخ سنائی دی تھی۔ اس ناگہانی چیخ میں اس بلا کا درد پنہاں تھا کہ اس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ گولیاں کھانے کے بعد زندہ رہا ہوگا۔

زخمی کا وجود زمین پر گرنے کی دھمک بہت واضح تھی۔ اس کے ساتھ ہی باہر سے مزید کچھ آہٹیں سنائی دیں اور اکھڑتی ہوئی کھڑکی کے پس منظر میں نظر آنے والے تینوں چہرے یک لخت معدوم ہوگئے۔

مجھے حیرت تھی کہ میرے شکار پر دوسری گولی کس نے چلائی تھی مگر میں نے کن انکھیوں سے یہ دیکھ لیا تھا کہ دوسرا فائر میری داہنی جانب سے کیا گیا تھا اور دونوں ہی گولیاں نشانے پر لگی تھیں۔

"کون ہے؟" جلے ہوئے بارود سے بھرتی ہوئی خاموش فضا کے تسلسل میں' میں نے اضطراری لہجے میں للکارا "جواب دو ورنہ بے دریغ گولی مار دوں گا۔"

"احتیاط سے مارنا۔" اندھیرے میں سلطان شاہ کی دبی دبی آواز ابھری "میں شاید تم سے پہلے یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا مگر سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان کا کیا کروں۔"

سلطان شاہ کی آواز سنتے ہی میرا دل شیر ہوگیا "تم یہیں رکو' میں اسی اکھڑی ہوئی کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوں۔ پتا نہیں یہ کون لوگ ہیں اور یہاں کیا لینے آئے ہیں۔"

رات کے گہرے سکوت میں میری وہ آواز اتنی بلند تھی کہ شاید باہر بھی سن لی گئی اور جونہی میں کھڑکی کے نزدیک پہنچا' باہر سے کلاشنکوف کا ایک فائر ہوا۔ اگر میں فوراً ہی قالین پر نہ گر گیا ہوتا تو بوکھلاہٹ کے عالم میں چلائی ہوئی وہ گولی میرے بدن کے کسی بھی نازک حصے کو چاٹ سکتی تھی۔

میں چند ثانیوں تک یوں ہی قالین پر سانس روکے پڑا رہا۔ اس دوران میں مجھے باہر سے ایسی آوازیں آرہی تھیں جیسے وہ لوگ اپنے زخمی یا مردہ ساتھی کو وہاں سے اٹھا لے جانے کی کوششیں کررہے ہوں۔

اس وقت تک میں ان کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کرپایا تھا۔ ہم نے بظاہر اپنے تمام دشمنوں کو زیر کرلیا تھا اور چمن علی پر بلڈ پریشر کا جان لیوا دورہ پڑنے کے بعد میدان بالکل ہی خالی رہ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ تینوں کون تھے اور کس نیت سے ہمارے گھر میں گھسنے کی کوشش کررہے تھے۔

یہ بات تسلی بخش تھی کہ ہم نے بروقت مداخلت کرکے ان کی کوشش ناکام بنادی تھی مگر پھر بھی ان میں سے کسی نہ کسی کا ہاتھ آنا بہت ضروری تھا کہ ان کی اصلیت اور ارادوں کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکے۔

لمحہ بھر کے لیے میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ شاید وہ تینوں پیشہ ور چور یا اچکے رہے ہوں او اندھیرے میں اپنی قسمت آزمانے کے لیے ہمارے گھر کا رخ کربیٹھے ہوں مگر وہ خیال زیادہ جان دار نہیں تھا۔ کسی پیشگی منصوبے کے بغیر، اندھیری راتوں میں گلیوں میں پھرنے والے چور اور اچکے پولیس کی کڑی بازپرس کے خوف سے ایسا کوئی ہتھیار ساتھ لے کر نہیں نکلتے جس سے ان کے مذموم عزائم کی نشان دہی ہوسکے۔ جب کہ ہمارے گھر میں آنے والے آہنی گرل تک اکھاڑنے کے لوازم سے لیس تھے۔

"کیا ہوا... یہاں کیا ہورہا ہے؟" میرے کانوں میں غزالہ کی سرسراتی ہوئی آواز آئی۔ فائرنگ کے شور نے اس کی نیند خراب کردی تھی مگروریا اس وقت بھی گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔

"جہاں ہو، وہیں رکی ہو۔" میں نے قالین چھوڑے بغیر کہا "کچھ لوگ احاطے میں گھس آئے ہیں۔"

"یہ گرل بھی شاید انہوں نے ہی اکھاڑی ہے!" غزالہ کی آواز سے تشویش مترشح تھی۔

میں نے اس کی خود کلامی کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے سلطان شاہ کی فکر لاحق ہوگئی تھی۔ کافی دیر سے اس کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا تو وہ اپنی جگہ پر نہیں تھا۔

پھر اسی لمحے احاطے سے اس کی للکارتی ہوئی آواز سنائی دی "اپنے اپنے ہتھیار پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھالو ورنہ بدن چھلنی کردوں گا۔ تم دونوں میرے نشانے پر ہو۔"

وہ غالباً میری لاعلمی میں داخلی دروازہ کھول کر گھر سے باہر نکل گیا تھا۔ میں نے پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑی اور اکھڑی ہوئی گرل میں سے ہوتا ہوا مکان کی بغلی گلی میں کود گیا۔

اس طرف مکان اور احاطے کی دیوار کے درمیان مختصر سی پختہ گلی تھی جو مکان کے آخری سرے تک چلی گئی تھی۔ وہاں احاطے کی دیوار کی جڑ میں پھول دار پودے لگے ہوئے تھے جن کے درمیان بہت سے خود رو پودے بھی اُگ آئے تھے۔ میرے اندازے کے عین مطابق وہ تین ہی تھے۔ انہوں نے اپنے زخمی ساتھی کو فرش پر کافی دور تک گھسیٹ لے جانے کے بعد کندھے پر لاد لیا تھا اور فرار کی تیاری کررہے تھے کہ سلطان شاہ نے اس گلیارے کے ایک سرے پر پہنچ کر ان کے فرار کی راہ مسدود کردی۔

اس لمبے راستے کے ایک سرے پر سلطان شاہ موجود تھا، دوسرے سرے پر ہمارے تینوں مجرم تھے اور میں درمیان میں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ تینوں سلطان شاہ کی للکار پر اپنی جگہ پر رُک ضرور گئے تھے مگر ان میں سے کوئی بھی اس کی ہدایت پر عمل کرنے کے موڈ میں نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ اس وقت محض فطری ہچکچاہٹ میں مبتلا تھے اور اپنے عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے سرعت سے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

میں انہیں کسی بھی قیمت پر کوئی موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بظاہر وہ تینوں مسلح تھے لیکن زخمی ہونے والا عملی طور پر ناکارہ ہوکر رہ چکا تھا۔ دوسرے نے اسے اپنے کندھے پر لاد لیا تھا اس وجہ سے وہ اپنی کلاشنکوف سے کوئی مؤثر مدد نہیں لے سکتا تھا۔ ان تینوں میں.... سے اس وقت صرف وہی شخص زیادہ خطرناک تھا جو آزادی کے ساتھ اپنے ہتھیار کے استعمال پر قادر تھا۔ کلاشنکوف اس کے دونوں ہاتھوں میں دبی ہوئی تھی مگر اس کی نال کا رخ زمین کی طرف تھا۔

وہ سلطان شاہ کے پستول کی رینج سے باہر تھا اسی لیے تذبذب میں تھا مگر میں اس کے قریب نمودار ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی تیسرے فرد نے اپنی کلاشنکوف سیدھی کرنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے اسے کوئی مہلت دیے بغیر فوراً ہی اس کے داہنے بازو پر گولی چلادی۔ اس کا ردِ عمل ریوالور سے نکلی ہوئی گولی کی رفتار سے زیادہ تیز نہیں تھا۔ گولی کھاتے ہی کلاشنکوف اس کے ہاتھ سے نکل گئی اور میں نے پوری قوت سے اس کی طرف دوڑ لگادی۔

وہ صورتِ حال ان لوگوں کے لیے ہولناک تھی۔ اپنے ساتھی کا حشر دیکھتے ہی، دوسرے نے اپنے کندھے پر لدے

ہوئے تیسرے بے حس و حرکت شخص کو پھرتی سے نیچے گرا دیا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کی کلاشنکوف کا مضبوط اسٹریپ زخمی یا مردہ شخص کی ٹانگ میں پھنس گیا۔
وہ بلند آہنگ غراہٹوں کے ساتھ پھنسا ہوا اسٹریپ نکالنے کی کوششیں کرنے لگا۔ اسے یہ ہوش نہ آسکا کہ وہ اپنے پھنسے ہوئے ہتھیار کو بھول کر زمین پر پڑی ہوئی کلاشنکوف سنبھال لے۔
اس کے کامیاب ہونے سے پہلے میں اس پر جا پڑا۔ میں نے اپنے ریوالور کی نال تھام کر پوری قوت سے اس کے دہانے پر آہنی دستے کی ضرب لگائی اور اس کا منہ لہولہان ہوگیا۔ اس کے ہونٹ وغیرہ پھٹنے کے ساتھ اس کے کئی دانت بھی ٹوٹ کر شاید حلق میں جا پھنسے تھے کیونکہ اسے کھانسی کا بھیانک پھندا لگ گیا۔
فوری طور پر اس کے سنبھلنے کی کوئی امید نہیں تھی، اسے اوسان باختہ کرکے میں زخمی بازو والے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ سب کچھ بھول بھال کر دیوار پر چڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے پشت سے اس کی ٹانگوں کے درمیان ہاتھ ڈالا اور بہت بے رحمی کے ساتھ اسے نیچے گھسیٹ لیا۔
اس کے حلق سے برآمد ہونے والی پہلی چیخ میری وحشیانہ گرفت کا نتیجہ تھی، اس کے بعد وہ چیختا ہی چلا گیا۔ اس کا چہرہ اور پورا بدن کھردری دیوار سے رگڑ کھاتا ہوا نیچے آیا تھا اور وہ اوندھے منہ کیاری میں ڈھیر ہوگیا۔
اسی اثنا میں سلطان شاہ بھی میرے پاس آ پہنچا تھا۔ غزالہ میری تقلید میں، اکھڑی ہوئی کھڑکی کے راستے باہر نکل آئی تھی۔ اپنے سروں پر یکایک تین نفوس کو سوار دیکھ کر نامعلوم افراد کے ہاتھ پیر پھول چکے تھے۔
میں نے ان دونوں پر کچھ تشدد کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی تھی لیکن سلطان شاہ کے دل میں غبار بھرا ہوا تھا۔ اس نے ان دونوں پر باری باری مکوں اور لاتوں کی برسات کردی۔
"یہ تینوں کون ہیں اور یہاں کیا کررہے تھے؟" غزالہ نے الجھی ہوئی آواز میں پوچھا۔
"ابھی تو ان کی خاطر تواضع کی جارہی ہے۔ بازپرس کی نوبت آئے گی تو یہ کچھ اگلیں گے... یہ ہمارے ساتھ پنگ پانگ کھیلنے نہیں آئے تھے، ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے راستے اندر داخل ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔"
"الو کے پٹھے!" سلطان شاہ کا تھپڑ کھا کر اپنے قدموں کے قریب گرنے والے کی پسلیوں پر ٹھوکر مار کر میں نے حقارت سے کہا "تم لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ گھروں میں کھڑکیوں سے نہیں، دروازوں سے داخل ہوا جاتا ہے۔"
"رحم... خدا کے لیے ہم پر رحم کرو۔ ہمیں بہت مار پڑ چکی ہے۔" وہی شخص ہانپتے ہوئے کراہا۔
مجھے حیرت تھی کہ اتنی رات گئے ہمارے گھر کی حدود میں کم از کم چار فائر ہوچکے تھے مگر قرب و جوار سے کہیں بھی کسی نے کوئی آواز بلند نہیں کی تھی، یہ بات ناممکن تھی کہ فائرنگ کے دھماکے علاقے کے مکینوں نے نہ سنے ہوں۔ بہت سے لوگ یقیناً جاگ اٹھے تھے اور فکرمندی مگر خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں محصور تھے۔
اس معزز اور تعلیم یافتہ آبادی میں سے کوئی بھی اپنی جان کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار تھا، نہ کسی خونی واردات کا عینی شاہد بن کر طویل عدالتی کارروائیوں میں اپنا وقت برباد کرنے کے لیے تیار تھا۔
وہ ہمارے معاشرے کی نچلی سطح کی دو اہم ترین برائیاں تھیں جن کی وجہ سے ہر قسم کے جرائم پوری آزادی سے پھل پھول رہے تھے۔ سب سے پہلے لوگ پولیس والوں کے غیر دوستانہ بلکہ درشت رویّے سے ڈرتے تھے کیونکہ قانون کے نفاذ کی بنیادی ذمّے داری ان ہی کی تھی۔ وہ اگر چاہتے تو خفا ہوکر کسی بھی شریف شہری پر کوئی سنگین فردِ جرم عائد کرکے فوری طور پر اسے پسِ زندان پہنچا سکتے تھے۔ یہ اور بات کہ ایسے شریف شہری اپنی بے گناہی ثابت کرکے یا کہیں کوئی مک مکا کرکے جلد ہی سلاخوں سے باہر آجاتے مگر ان کے ان دنوں کا کون ذمے دار ٹھہرایا جاتا جو وہ قید میں گزارتے۔
شہریوں کے ساتھ پولیس والوں کے عام سلوک کے بعد دوسرا مرحلہ سست قانونی کارروائی کا تھا۔ عدالتی عملے کی کمی اور کام کے بے تحاشا دباؤ کی وجہ سے سماعت کا مرحلہ ہی بہت دیر سے شروع ہوتا تھا اور پھر یوں بھی ہوتا تھا کہ دونوں فریقوں کے وکیل مل جل کر، اپنی کسی سہولت کے لیے خود ہی تاریخ بڑھوا لیتے۔ یوں اذیت کے دن کچھ اور طول پکڑ جاتے تھے۔
سلطان شاہ نے اپنا پستول غزالہ کو تھما کر دونوں زخمی قیدیوں کی نگرانی پر مامور کردیا اور خود تیسرے کا جائزہ لینے لگا۔
"یہ مرچکا ہے۔" اسے ہلانے جلانے اور اچھی طرح دیکھنے کے بعد سلطان شاہ نے اعلان کیا "ایک گولی گردن میں اور دوسری شاید سینے میں لگی ہے۔"
"اسے یہیں پڑا رہنے دو۔ بقیہ دونوں کو اندر لے چلو

تاکہ ان سے کچھ مذاکرات ہوسکیں۔" میں نے کہا۔ اسی وقت میرے کانوں میں دور سے ابھرنے والے پولیس سائرن کی آواز آئی جو دھیرے دھیرے واضح ہوتی جا رہی تھی۔

وہ تینوں کلاشنکوف سے مسلح تھے۔ میں نے ان کے ہتھیار سمیٹے اور چند دھکے کھانے کے بعد دونوں زخمی سلطان شاہ کے اشارے پر باہر چل دیے۔ غزالہ سب سے آگے ان کی رہنمائی کر رہی تھی۔

رات کے سکوت میں پولیس کے سائرن کی آواز نمایاں ہو چلی تھی۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ بظاہر سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں خاموش اور محصور بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر ان ہی میں سے کسی نے خوف اور اضطراب کے عالم میں گم نام فون کال کے ذریعے پولیس کو علاقے میں فائرنگ کی اطلاع دے دی تھی۔

"پولیس شاید ادھر ہی اسی طرف آ رہی ہے!" سلطان شاہ نے اپنی رفتار دھیمی کر کے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"آنے دو... اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ محاذ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد کسی کو اندازہ بھی نہیں ہو سکے گا کہ فائرنگ ہمارے گھر میں ہوئی ہوگی۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

وہ دونوں خاصی بری طرح زخمی ہوئے تھے۔ ان کے چہرے لہولہان تھے مگر غنیمت تھا کہ ان کے جسم کے کسی حصے سے خون نہیں بہہ رہا تھا۔ میرے ایما پر انہیں ڈرائنگ روم کے باہر لابی کے فرش پر بٹھا دیا گیا۔

"اب بتاؤ کہ تم کون ہو، تمہیں کس نے یہاں بھیجا ہے اور تمہیں کس کی تلاش تھی؟" میں نے ان کے سامنے کرسی سنبھالتے ہوئے درشت لہجے میں بیک وقت کئی سوال کر ڈالے۔

"ہمیں کسی نے یہاں نہیں بھیجا، ہم خود آئے ہیں۔" تھوڑی سی رد و قدح کے بعد ایک نے زبان کھولی۔

"یہاں تمہارا باپ رہتا ہے جو کھڑکی توڑ کر اندر گھس رہے تھے؟" سلطان شاہ کو غصہ آ گیا۔

وہ سہم گیا "ہم گاڑی کے پیچھے کراچی آئے تھے۔ گاڑی گھر میں کھڑی کر دی گئی تو ہم جائزہ لے کر چلے گئے۔"

میرے ذہن میں فوراً ہی روشنی کا ایک کوندا سا لپکا، اپنی کارروائیوں کے سلسلے میں ہم ابتدا سے آخر تک بہت محتاط رہے تھے مگر ہم نے اس گاڑی کو نظرانداز کر دیا تھا جو حیدرآباد میں سلطان شاہ سے چھینی گئی تھی۔ سلطان شاہ کے اغوا کے بعد وہ کار لاوارث چھوڑ دی گئی تھی جہاں سے پولیس نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا اور پھر اول خان نے اپنے اثر رسوخ کی بنا پر وہ گاڑی واپس کراچی منگوالی تھی۔ ہماری وہ گاڑی اس وقت بھی پورچ میں موجود تھی۔

"تم کس گاڑی کی بات کر رہے ہو؟" سلطان شاہ کچھ نہ سمجھنے کے باعث اس پر غرا رہا تھا۔

"وہی گاڑی جو باہر کھڑی ہے۔ تمہیں بے ہوش کرنے کے بعد ہم نے گاڑی لاوارث چھوڑ دی تھی۔"

"خوب!" سلطان شاہ کی ٹانگ چل گئی "تو مجھے اغوا کرنے والے تم تھے اور میرے آزاد ہو جانے کے بعد بھی میری گاڑی کی نگرانی کر رہے تھے!"

"میں اپنی نہیں، ہم سب کی بات کر رہا تھا۔" وہ کراہتے ہوئے بولا "ہم بہت سے آدمی ہیں جو مراد ظریف کے لیے کام کرتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ تمہیں اٹھانے والوں میں ہم تینوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔"

"گاڑی کی نگرانی کے لیے مراد ظریف نے تمہیں کب حکم دیا تھا؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

میرے سوال نے اسے پریشان کردیا۔ وہ چند ثانیوں تک خاموش رہ کر تھوک نگلنے کی کوشش کرتا رہا پھر دھیمی آواز میں بولا "وہ مراد ظریف نہیں، کوئی اور تھا۔۔۔ مراد کا کہیں کوئی پتا نہیں ہے۔۔۔"

"مراد کا پتا نہیں ہے، تمہیں ہدایت دینے والا کوئی اور ہے اور تم سب مراد کے لیے کام کرتے ہو۔" سلطان شاہ نے اس کی کھوپڑی پر مکا رسید کرکے تیز لہجے میں پوچھا "جال پیچ کے بجائے ہر بات کا سیدھا سیدھا جواب دو۔ مجھ سے یہ بکواس نہیں چلے گی۔"

"گوپال چند کی اوطاق سے کوئی مراد سائیں کو اٹھا لے گیا" پٹنے والے سے پہلے اس کے کم عمر ساتھی نے بولنا شروع کردیا "سب کو اس کی تلاش ہے۔ ہمیں کرشن کمار نے اس کام پر لگایا تھا۔"

اس کے جواب کے آخری حصے پر میں چونک پڑا "کیا تم کرشن کمار کو اچھی طرح پہچانتے ہو؟"

اس نے پورے اعتماد سے اثبات میں جواب دیا تو مجھے پوچھنا پڑ گیا "اس نے بذاتِ خود تم کو کام بتایا تھا؟"

"ہاں سائیں!" اس نے اپنا مجروح ہاتھ سینے پر رکھ کر پورے یقین سے کہا "مراد سائیں کے لیے ہم سب سے زیادہ وہی غمگین ہے۔ ہمیں تو تمہارے گھر میں نقب لگا کر جائزہ لینا تھا اور لوٹ جانا تھا آگے کا کام اس نے نہیں بتایا تھا۔"

"وہ حیدر آباد میں تمہارا انتظار کر رہا ہوگا؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"کچھ پتا نہیں وہ کہاں آجائے۔ اس نے ہمیں حیدر آباد میں صحرا کے دفتر میں کام بتایا تھا۔ اب وہ جہاں چاہے گا، ہمارے پاس آجائے گا۔ اسی لیے ہم سب اسے چھلاوا کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں کسی کو کچھ پتا نہیں ہوتا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی گہرے کنوئیں کی تہ سے بول رہا ہوں۔ ایک طرف جلال کی فراہم کی ہوئی یہ اطلاع تھی کہ کرشن کمار حالات مخدوش ہوتے ہی کھوکھراپار سے اونٹ کے ذریعے فرار ہو چکا تھا جبکہ نیا قیدی کرشن کمار کی حیدر آباد میں موجودگی کی کہانی سنا رہا تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ ایک ہی آدمی بیک وقت دو دور افتادہ مقامات پر موجود ہو۔

"تم نے کبھی کرشن کو دیکھا بھی ہے یا محض سنی سنائی اڑا رہے ہو؟" سچ اگلوانے کے لیے میں نے اس کا مضحکہ اڑایا "ہمارے سامنے ذرا بھی جھوٹ بولا تو وہیں پہنچا دیے جاؤ گے جہاں تمہارا تیسرا ساتھی پہلے ہی پہنچا ہوا ہے۔"

"سائیں، قسم لے لو جو ذرا بھی جھوٹ بولا ہو۔ وہ لمبے قد والا خوب صورت اور گورا چٹا آدمی ہے۔ اس سے آنکھ ملانا بہت مشکل کام ہے۔ پلکیں جھپکائے بغیر جب اپنی چمکیلی آنکھیں کسی کے چہرے پر گاڑتا ہے تو اس کا دم پھولنے لگتا ہے۔"

اس نے کرشن کمار کی صحیح تصویر کشی کی تھی۔ میں تذبذب میں پڑ گیا۔

اس دوران میں پولیس کی کوئی گشتی گاڑی تیز سائرن بجاتی ہوئی ہمارے گھر کے قریب سے گزری' کانوں کے پردے تک ہل کر رہ گئے۔ گاڑی آگے چلی گئی مگر میرے کانوں میں وہ گونج بسی رہی۔ کچھ دور جانے کے بعد سائرن بند کردیا گیا۔

"تم گاڑی کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے' تمہیں نقب لگا کر اندر کا جائزہ لینا تھا اور پھر واپس لوٹ جانا تھا۔ یہ جو ایک لاش باہر پڑی ہوئی ہے' اس کا کیا کرتے؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔

"اتنے سویرے شہروں کے لوگ گہری نیند سوتے ہیں۔ ہمیں اندیشہ بھی نہیں تھا کہ کوئی اٹھ گیا تو ایسا ہو جائے گا۔ کیا وہ واقعی مر گیا ہے؟" میں نے اس کے بشرے اور لب و لہجے سے اندازہ لگایا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

"وہ مر گیا ہے اور میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم دونوں کا کیا کیا جائے!" میں نے غصے سے کہا۔

اس وقت تک ویرا بھی بیدار ہو کر ہم لوگوں میں آ رہی تھی اور سرگوشیوں میں دوسروں سے معلومات حاصل کرنے کی کوششیں کر رہی تھی۔ وہ خود حیران تھی کہ اتنی گھن گرج کے باوجود اس کی نیند کیسے برقرار رہی۔

"باہر پولیس موبائل آچکی ہے۔ انہیں پولیس کے حوالے کردو۔۔۔" ویرا نے پہلی بار زبان کھولی۔

"خدا کے لیے ایسا نہ کرنا۔" دونوں قیدیوں نے یک زبان ہو کر ویرا کی بات کاٹ دی "تم ہمارے ساتھ جو سلوک چاہو کرلو مگر ہمیں پولیس کے حوالے نہ کرنا۔"

"ابے! تو نے ہمیں سمجھا کیا ہے۔" سلطان شاہ نے ادھیڑ عمر شخص کی گردن پر ہاتھ رسید کرکے کہا "ہم تیرے

ساتھ کیا کریں گے؟ پولیس لاک اَپ میں جائے گا تو تیری ہر آرزو خود بخود پوری ہو جائے گی۔"

"نہیں، نہیں.... یہ نہ کرنا۔" دونوں ہاتھ جوڑ کر وہ رو دینے والی آواز میں بولا پھر اچانک ہی سلطان شاہ کے قدموں میں سجدے میں گر گیا "تم نے ہمارے ایک آدمی کو مار ڈالا' ہمیں لہولہان کر دیا مگر یہ سب ہماری غلطی کی سزائیں ہیں۔ ہم نے تم سے ذرا شکایت نہیں کی مگر پولیس کا نام نہ لو۔ وہ ہمارے پیٹ چاک کر کے سب کچھ اُگلوا لیں گے۔"

"وہی سب ہم بھی اُگلوانا چاہ رہے ہیں۔ بولتے چلے جاؤ ورنہ ہم پولیس کو بلاتے ہیں۔"

وہ دھمکی کارگر رہی اور اس نے فوراً ہی بولنا شروع کر دیا۔ اس کے انکشافات ہم میں سے کسی کے لیے بھی دلچسپ نہیں تھے۔ وہ اندرونِ سندھ آباد بھیل قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ قبیلے والوں کے کچے جھونپڑوں اور گھروں میں مسلسل چھوٹی موٹی چوریاں کرنے اور بار بار تادیب کے باوجود باز نہ آنے پر انہیں قبیلہ بدر کر دیا گیا تھا۔

ابتدا میں وہ چار گہرے دوست تھے جو ہاتھ لگ جانے والے ہر نشے سے شغل کرنے کے عادی تھے۔ جب تک وہ بھیلوں میں رہے' ان کی رسائی بھنگ' چرس' گانجے اور زیادہ سے زیادہ تاڑی تک رہی۔ قبیلہ چھوڑنے کے بعد شراب اور پھر ہیروئن نے انہیں اپنے سحر میں لے لیا۔ کسی کو کہیں ایک آدھ روز کی مزدوری مل گئی تو مل گئی ورنہ پھر وہی بیکاری۔ اس بیکاری میں پیٹ بھی زیادہ غذا مانگتا تھا اور نشے کی طلب تو اپنی جگہ رہتی ہی رہتی تھی۔

انہوں نے میرپور خاص میں چوری کی پہلی واردات کا منصوبہ بنایا۔ انہوں نے اپنی دانست میں بہت اچھی اور مشہور اسامی تاڑی تھی۔ وہ فجر سے ذرا پہلے اونچی دیواریں پھلانگ کر خاموشی سے گھر میں اترے۔ کام کی جگہوں کا جائزہ لے کر بھاری مالیت کے زیورات کے ساتھ نقدی بھی سمیٹی اور اسے ایک رومال میں باندھ کر روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔

وہ ان کے لیے نحوست کی گھڑی تھی۔ عین اسی وقت صاحب خانہ کو پیشاب کی حاجت ہوئی اور اس نے گہری نیند کو خیرباد کہہ کر اچانک ہی بستر چھوڑ دیا۔

وہ کرشن کمار تھا۔ ان چاروں کو اپنے بند مکان میں پا کر وہ بہت چراغ پا ہوا۔ اس وقت تک وہ چاروں کرشن کمار سے بہت زیادہ مرعوب نہیں ہوئے تھے۔ چاہتے تو چاروں مل کر آسانی سے اسے زیر کر سکتے تھے مگر وہ نیچی ذات کے گبرو جوان تھے۔ ان کے بازوؤں میں قوت کی بجلیاں بھری ہوئی تھیں مگر ان کے دل حوصلے سے بالکل خالی تھے۔

ویسے بھی چور تھے' ڈکیت نہیں تھے۔ کرشن کمار نے ان کی جامہ تلاشی لی اور انہیں ایک کمرے میں بند کر کے پیشاب کرنے چل دیا۔ واپسی پر وہ ان چاروں کی سرپرستی کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اس نے اپنا مال واپس لے کے انہیں چوریاں جاری رکھنے کی کھلی چھوٹ دے دی تھی مگر سختی سے یہ ہدایت کر دی تھی کہ مال ہاتھ آئے یا نہ آئے' کبھی کسی کا خون نہ بہانا۔

اس وقت کرشن کمار نے زیادہ کل پرزے نہیں نکالے تھے۔ وہ چاروں اس کی ہدایت پلے سے باندھ کر منہ اندھیرے وہاں سے نکل آئے۔ راستے میں انہوں نے گلی میں سوئے ہوئے ایک لالہ جی کے بدن اور دھوتی کے درمیان لاتعلقی دیکھی تو خاموشی سے دھوتی اٹھا کر آگے کھسک گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ اور کچھ ہو یا نہ ہو' بنیے اپنی انٹی میں ہر وقت ایک معقول رقم ضرور رکھتے ہیں۔

یہی ہوا۔ انٹی کی تہوں میں دو سو چالیس روپے موجود تھے۔ دھوتی نالے میں پھینک کر انہوں نے آدھی رقم آپس میں بانٹی اور بقیہ آدھی رقم دن چڑھے کرشن کمار کو پہنچا دی۔

یہ ان کا اصول تھا کہ اپنی ہر چوری کا آدھا مال پوری ایمانداری سے کرشن کمار کو دیتے تھے۔ وہ بڑا آدمی ہو گیا تو وہی حصہ مولا داد اور پھر مراد ظریف کو دیا جانے لگا۔

وہ چاروں اپنے فن میں اتنے طاق تھے کہ تھوڑے ہی دنوں میں میرپور خاص کے ہر مال دار گھرانے میں کئی کئی چوریاں ہو گئیں مگر چور ہاتھ نہ آ سکے۔ پھر شہر کے ساہوکاروں نے ان بدمعاش چوروں کو پکڑنے کے لیے سر جوڑ کر مشورے کرنے شروع کیے تو انہیں دھیان آیا کہ ان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے میرپور خاص چھوٹا شہر تھا۔

وہ چاروں حیدر آباد آ گئے۔ انہیں وہ ہدایت کرشن کمار نے ہی دی تھی۔

ان چاروں بھیلوں نے حیدر آباد دیکھا تو حیرت سے ان کے دیدے پھیل گئے۔ مضبوط اور پرانے گھر خالی خالی نظر آتے تھے۔ بنگلوں میں رہنے کے شوق میں لوگوں نے گھروں کو بہت چھوٹا اور غیر محفوظ بنا لیا تھا۔ حیدر آباد میں ان کا حصہ دار مراد ظریف تھا۔ وہ بہت برا وقت گزار رہا تھا۔

ان چاروں سے اسے جو رقم ملتی' اس سے وہ اپنے صحرا نامی دفتر کا خرچ پورا کرتا' اپنے لیے تھوڑی سی رقم بچا لیتا اور باقی حصہ کرشن کمار کو بھجوا دیتا۔

وقت کے ساتھ ان چاروں کے حوصلے بھی بڑھتے چلے گئے۔ انہوں نے خون کی کوئی بوند بہائے بغیر کراچی میں بھی چوری کی کئی بڑی وارداتیں کیں اور ایسی ہی ایک واردات میں اپنے چوتھے ساتھی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے۔ اس کا اصل اور پیدائشی نام بدلو بھیل تھا۔

کراچی میں چوری کی ایک واردات میں اس نے ایک نو عمر اور خوب رو لڑکی کو اپنے ٹھنڈے کمرے میں بے پروائی سے سوتے دیکھا اور اس پر وہیں فریفتہ ہو گیا۔ اس نے سوتی ہوئی لڑکی کو نہیں چھیڑا مگر اپنے ساتھیوں کے لاکھ سمجھانے کے باوجود اس کا گھر بھی نہیں چھوڑا۔

بدلو بھیل کی آنکھوں پر اس لڑکی کے حسن و جمال نے پردے ڈال دیے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ رات بھر اسی ٹھنڈے کمرے میں کھڑا حسن کی اس دیوی کو دیکھتا رہے گا اور جب وہ بھرپور انگڑائی لے کر گہری نیند سے جاگے گی تو وہ اس کے قدموں میں سر رکھ کر اس سے بس اتنی اجازت مانگے گا کہ وہ حسن کی دیوی اسے ہر وقت اپنے قریب رہنے دے اور بدلو بھیل دور دور سے اس کو دیکھ کر سیراب ہوتا رہے۔

وہ احمقانہ خواہش تھی۔ تینوں نے زبردستی اسے کمرے سے باہر لا کر سمجھانے کی کوشش کی لیکن بدلو بھیل کی عقل پر پردے پڑے ہوئے تھے یا پھر اس کا برا وقت قریب ہی آگیا تھا۔

وہ تینوں اسے وہیں چھوڑ کر، چوری کے مال سمیت گھر سے نکلے اور اُجالا پھیلنے کے بعد حیدر آباد جانے والی بس میں بیٹھ گئے۔ بدلو بھیل کے لیے ان تینوں کے دل اداس تھے۔

وہ تینوں بلکہ چاروں ان پڑھ تھے۔ مراد ظریف اخباروں میں چھپنے والی، ان کے کارناموں کی خبریں مزے لے لے کر سناتا تھا۔ کئی دن ہو گئے مگر ان کی نئی واردات کے بارے میں کوئی خبر نہیں چھپی۔

یہ بات سب سمجھ رہے تھے کہ بدلو بھیل کی بے عقلی کی وجہ سے لڑکی کے گھر والوں کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ان کے گھر میں بدلو کے ساتھیوں نے چوری کی ہے۔ اگر وہ معاملہ پولیس تک لے جاتے تو مجرموں کی نشان دہی ہونے کے ساتھ یہ بات بھی کھل جاتی کہ بدلو بھیل چوری کے لیے ان کے گھر میں گھسا اور پھر دل ہار گیا۔

چوری کی خبر کہیں چھپی، نہ بدلو بھیل کی کوئی خیر خبر ملی۔ سب کا اندازہ تھا کہ لڑکی کے بڑوں نے بدلو بھیل کو زمین میں پاٹ دیا ہو گا یا پھر بھاری پتھر سے باندھ کر گہرے سمندر میں غرق کر دیا ہو گا۔ اس جیسے بے وقوف اور جذباتی آدمی کا انجام کچھ اسی قسم کا ہو سکتا تھا۔

ان تینوں کو ڈر تھا کہ وہ ایک مرتبہ پولیس کے ہاتھ لگ گئے تو وہ ان سے اگلی پچھلی ساری وارداتوں کے احوال اُگلوالیں گے اور ان کے بچنے کی ہر راہ مسدود ہو جائے گی۔ بات بڑھتے بڑھتے بھیل قبیلے کے سربراہ تک پہنچتی تو ان تینوں کے ساتھ بدلو بھیل کا نام بھی سامنے آتا اور وہ شریف گھرانا انگشت نمائی کا نشانہ بن جاتا جس نے اپنی عزت کی خاطر چوری کا بھاری نقصان خاموشی سے سہہ لیا تھا اور ساتھ ہی بدلو بھیل کو بھی کہیں غائب کر دیا تھا۔

علاقے میں فائرنگ ہوئی تھی مگر اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ شاید اسی بنا پر پولیس پارٹی نے اپنی گاڑی چھوڑ کر علاقے کا پیدل گشت شروع کر دیا تھا کیونکہ سناٹے میں ہوا کے دوش پر بہت سے افراد کے زور زور سے بولنے کی گھٹتی بڑھتی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید پولیس والوں کی آمد سے حوصلہ پا کر محلے والے بھی اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔

"ہمیں تمہاری اس کہانی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے چھوٹے بڑے وقفوں کے درمیان اس کی پوری بات سن کر کہا "اگر تمہیں پولیس والوں کا اتنا ہی خوف ہے تو پھر کرشن کمار کے ٹھکانے کے بارے میں بتاؤ۔"

"رام قسم! میں نے جو بتایا ہے، اس سے ذرا بھی زیادہ جانتا ہوں تو میں اندھا اور کوڑھی ہو جاؤں۔"

"یہ ماننے والی بات نہیں ہے کہ وہ چھلاوا ہے۔" میں نے اس کی بات سختی سے مسترد کر دی "اس کا تم سے واسطہ ہے۔ مراد ظریف کے ذریعے تم اسے اپنی چوریوں کا حصہ بھجواتے ہو۔ وہ دس بار تم سے ملتا ہے تو ایک مرتبہ تمہیں بھی کہیں نہ کہیں بلاتا ہو گا۔ مجھے اس ٹھکانے کا نشان اور پتا چاہیے۔"

"ہمیں اس کے میرپور خاص والے گھر کا پتا ہے جہاں ہم نے پہلی ناکام چوری کی تھی۔" اس نے گھگھیاتے ہوئے جواب دیا "جب سے حالات پلٹے ہیں، اس نے وہاں رہنا بلکہ ادھر آنا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

"تم کن حالات کی بات کر رہے ہو؟ کون سے حالات پلٹے ہیں؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"پہلے مراد ظریف بھی ہماری طرح کنگلا تھا۔ بھوکا رہتا تھا یا پھر ہماری چوریوں کے مال پر عیش مستی کرتا تھا۔۔۔ دس بارہ مہینے سے اس کے حالات بدلے ہیں۔ سب کے پاس پیسا آ رہا ہے۔ ہمیں آخری چوری کیے شاید چھ ماہ سے زیادہ دن

ہوگئے ہیں۔ وہ ہم سے دوسرے مختلف کام لے رہا ہے۔ پہلے وہ چوری کے مال میں ہمارا ساجھے دار تھا۔ اب مفت میں ہمیں روپیا، شراب اور ہیروئن دیتا ہے۔" بولتے بولتے اچانک اس کی ذہنی رو بہک گئی اور اس نے رونا شروع کردیا۔

"جب تک ہم چوریاں کرتے تھے، ہم نے کبھی خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہایا۔ خالی ہتھیار بس سیٹھوں اور ساہوکاروں کو ڈرانے کے لیے ہمارے ساتھ ہوتے تھے۔" وہ روتے روتے کہہ رہا تھا "اب چوریاں چھوڑ چکے ہیں تو آج ہم بس دو ہی رہ گئے۔ ساہو بھیل کو تم نے مار دیا اور باہر پولیس گھوم رہی ہے۔"

"خاموش!" سلطان شاہ نے اس کے رخسار پر بے تکلفی سے تھپڑ جڑ دیا کیونکہ اس کے چہرے کے زخموں سے رسنے والا خون پپڑیوں کی شکل میں خشک ہوچکا تھا "یہ عورتوں کی طرح رونے اور بین کرنے کی ضرورت نہیں۔"

ان دونوں سے جو کچھ معلوم ہوسکتا تھا وہ معلوم کیا جاچکا تھا۔ کرشن کمار حالات سے خوف زدہ ہوکر راجستھان کی طرف فرار نہیں ہوا تھا، لوگوں کو دکھانے کے لیے اونٹ پر سوار ہوکر موناباؤ کی طرف روانہ ہوا اور بھارتی علاقے میں کچھ اندر تک جانے کے بعد کسی اور خفیہ راستے سے پاکستان میں لوٹ آیا۔

میری دانست میں جلال جیسے ذمّے دار اہلکار کی فراہم کی ہوئی اطلاع غلط ہوسکتی تھی، نہ ان دونوں بھیلوں کے ذاتی تجربے کو جھٹلایا جاسکتا تھا۔ میری ذہنی رو ایک مرتبہ پھر کرشن کمار کی طرف بھٹک گئی اور میں نے باری باری ان دونوں کو گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا "تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ کرشن کمار تم سے کہاں ملا تھا۔"

"پتا نہیں تم ہماری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے۔ وہ کسی ایک جگہ نہیں ملتا۔ کہیں بھی پہنچ جاتا ہے یا اچانک کسی کو کہیں بلوالیتا ہے۔ تمہیں کوئی بھی اس کے پتے ٹھکانے کے بارے میں کچھ نہیں بتاسکے گا۔"

"میں ہمیشہ کی نہیں، آخری ملاقات کی بات کررہا ہوں۔" میں نے جھلّا کر کہا "تمہیں گاڑی کے پیچھے کراچی آنے کی ہدایت اس نے کہاں اور کیسے دی تھی؟"

"اوہ!" وہ تشویش سے ایک گہرا سانس لے کر بولا "سب مراد ظریف کی فکر میں صحرا کے دفتر میں بیٹھے تھے کہ وہ اچانک ہیر آباد آنکلا۔ اس نے ہمیں سب سے الگ، وہیں تھڑے پر بٹھا کر پورا کام سمجھایا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ ہیر آباد میں صحرا کے دفتر آتا رہتا ہے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"وہ کبھی کبھی وہاں آتا ضرور ہے مگر اس کے آنے جانے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔"

اسی وقت ڈور بیل بجی۔ میں نے بہت تیزی سے سوچا۔ عورتوں کا دروازے پر جانا مناسب نہیں تھا، سلطان شاہ کے چہرے پر اُن ضربات کے نشان باقی تھے جو اسے گوپال چند کے مکان اور پھر حیدرآباد میں لگائی گئی تھیں۔ میں ان تینوں کو وہیں روک کر تیزی سے دروازے کی طرف چل دیا۔

"میرے دروازے تک پہنچنے سے پہلے دوبارہ گھنٹی بج اٹھی۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے آنے والا عجلت میں ہو یا اس قدر جاہ پرست ہو کہ اسے اپنے کسی حکم کی تعمیل میں ذرا سی بھی تاخیر برداشت نہ ہو۔

گھر کا مقفل دروازہ کھول کر میں نے پھاٹک کی کھڑکی کھولی تو ایک ادھیڑ عمر اے ایس آئی چار مسلح اور باوردی سپاہیوں کے ساتھ میرے روبہ رو موجود تھا۔

"آپ سو رہے تھے؟" اس نے میرے سراپا پر ناقدانہ نظریں ڈالتے ہوئے ہلکے سے طنز سے پوچھا۔

"سو رہا ہوتا تو مجھے دروازے پر بلانے کے لیے آپ کو شاید دس گھنٹیاں بجانی پڑتیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں کہا "میں دوسری ہی گھنٹی پر حاضر ہوگیا۔"

"آپ کے ساتھ اس گھر میں اور لوگ بھی رہتے ہوں گے۔ کیا ان میں سے کسی نے فائرنگ کی آواز سنی ہے؟"

"دراصل فائرنگ کی آوازیں ہی ہماری نیند میں خلل انداز ہوئی تھیں۔ کیا کہیں کوئی واردات ہوئی ہے؟" میں نے انجان بن کر اسی سے سوال کرڈالا "آج کل تو ہر وقت کہیں نہ کہیں، کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔"

"ہم بیس منٹ سے اس علاقے میں جھک مار رہے ہیں۔" اے ایس آئی کا لہجہ تلخ ہوگیا "فائرنگ اور چیخوں کی آوازیں بہت سے لوگوں نے سنی ہیں لیکن یہ پتا نہیں چل رہا کہ فائرنگ کہاں ہوئی تھی۔"

"آوازیں قریب کی معلوم ہورہی تھیں۔" اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے لقمہ دیا۔

"پولیس کے آنے کے بعد ہر گھر اور فلیٹ سے کوئی نہ کوئی مرد باہر آچکا ہے مگر آپ ابھی تک اندر چھپے ہوئے ہیں۔ کیا میں اس کی وجہ جان سکتا ہوں؟" پولیس افسر گفتگو کو غیر ضروری طول دے رہا تھا۔ محلے داروں کی بھیڑ بھی دھیرے

دھیرے کھسک کر اس کے پیچھے جمع ہو رہی تھی تاکہ مذاکرات براہِ راست سنے جاسکیں۔

"باہر مسلح غنڈے دندناتے پھر رہے ہوں تو گھر کی چار دیواری ہی زیادہ اچھی لگتی ہے۔"

"آپ نے ہماری موبائل کا سائرن سنا ہوگا۔ پولیس آتی ہے تو بڑے بڑے مجرم اور دہشت گرد دُم دبا کر بھاگ جاتے ہیں۔" اس نے اپنے پیچھے لگے ہوئے مجمع کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ سب شریف اور معزز شہری پولیس پر اعتماد کرتے ہیں اسی لیے ہمیں دیکھ کر اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے ہیں۔۔۔"

"میں نے آپ کو دیکھ لیا ہے۔ اب میں بھی باہر آجاؤں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"آپ کی گاڑی اندر کھڑی ہوئی ہے پھر دھول میں اٹی ہوئی یہ کار کس کی ہے؟"

اس کے اشارے پر میں نے چونک کر پہلی بار اس کار کو دیکھا جو ہمارے احاطے کی دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ اس کی نمبر پلیٹ حیدر آباد کی تھی اور یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گاڑی طویل کچے پکے راستوں پر دھول اڑاتی وہاں تک پہنچی ہو۔

میں سٹپٹا گیا "رات تک یہ گاڑی یہاں نہیں تھی۔ پتا نہیں کب کھڑی کی گئی ہے۔"

ایک سپاہی نے مستعدی اور فرض شناسی کا مظاہرہ کیا۔ لپک کر گاڑی کے بونٹ پر ہاتھ رکھا اور وہیں سے اعلان کر دیا "سر! بونٹ گرم ہے۔ گاڑی تھوڑی دیر پہلے تک چلتی رہی ہے۔"

"اس مشتبہ کار کے بارے میں آپ کا کیا جواب ہے؟" اے ایس آئی نے تلخی سے پوچھا۔

"پتا نہیں یہ کار کون یہاں چھوڑ گیا۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جواب دیا "ویسے بھی میں اپنی چار دیواری سے باہر موجود کسی چیز کے بارے میں جواب دہ نہیں ہوں۔ میں گھر میں ہوتا ہوں۔ باہر لوگ نہ جانے.... کیا کیا کرتے پھرتے ہیں۔"

اے ایس آئی کی آنکھوں میں عجیب سی چمک عود کر آئی "اور سنا ہے کہ آپ علاقے میں نئے کرائے دار ہیں۔ پاس پڑوس والوں سے آپ کا کوئی میل جول نہیں ہے۔"

مجھے اپنا دل ڈوبتا سا محسوس ہوا۔ میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا "اتفاق سے دونوں باتیں درست ہیں۔"

"آپ نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔ مجھے طاہر کہتے ہیں۔ میرا نام میری وردی کی جیب پر آویزاں ہے۔"

"اظہر خان!" اس بار میں نے بے خوفی سے کہہ ڈالا۔

طاہر بات بڑھانے پر تُلا ہوا تھا۔ اسے آسانی سے ٹالنا کسی بھی طرح ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔

"اظہر صاحب! میں آپ کی اجازت سے گھر کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔" اس نے اچانک ہی وہ غیر متوقع ارادہ ظاہر کیا اور میری اجازت کا انتظار کیے بغیر قدم آگے بڑھا دیا۔

میں اس کی راہ میں حائل تھا۔ میں نے پردے کے حوالے سے احتجاج کرنا چاہا تو اس نے سختی سے مجھے ایک طرف دھکیل دیا۔ اس کا داہنا ہاتھ بیلٹ ہولسٹر میں لگے ہوئے سروس آٹومیٹک کے دستے پر جم چکا تھا۔

آثار اچھے نہیں تھے۔ میں نے بڑبڑاتے ہوئے راستہ چھوڑ دیا۔ طاہر کے پیچھے چاروں مسلح سپاہی بھی اندر آگئے۔ چوتھے سپاہی نے اندر پہنچتے ہی ذیلی کھڑکی بولٹ کی اور رائفل ہاتھ میں لے کر وہیں کھڑا ہو گیا تاکہ متجسس تماشائی گھر میں داخل ہونے کی کوشش نہ کر سکیں۔ طاہر اپنے عملے کے ساتھ چند قدم آگے بڑھنے کے بعد ڈرامائی انداز میں رک گیا تھا۔

"کوئی بات رہ گئی ہو تو اب بھی بتا دو۔" اس نے میری طرف جھک کر دھیمی اور دھمکی آمیز آواز میں کہا۔ وہ اچانک

آپ سے تم پر آگیا تھا "ایک دفعہ ہم اندر چلے گئے تو تم کچھ بھی نہیں کرسکو گے۔"

"کیا اندر جانے سے رکنے کے لیے تمہاری کوئی شرط ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"قانون کے قدم اٹھتے ہیں تو پھر بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ یہ قدم اپنا کام پورا کرکے ہی رکتے ہیں۔" اس نے سخت مگر نیچی آواز میں کہا "جو کچھ تم اپنی زبان سے بتادو گے وہ تمہارے حق میں جائے گا۔ تم نے کچھ چھپایا اور ہم نے اس کا پتا چلالیا تو یہ تمہارے حق میں بہت برا ہوگا۔"

اس پولیس پارٹی کی مداخلت کی وجہ سے میرے سر پر ایک بوجھ سوار تھا۔ وہ اندر گھسنے پر تلا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اندر ایک لاش اور دو زخمی قیدیوں کو دیکھنے کے بعد طاہر ہم لوگوں کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کرے گا۔ اپنی وردی کی وجہ سے اسے اتنے اختیارات حاصل تھے "عراق سے تریاق کی آمد تک وہ ہمارے خلاف اپنے دل کی ہر بھڑاس نکال سکتا تھا۔

میں نے ایک گہرا سانس لیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے پورچ کے ایک الگ تھلگ حصے کی طرف لے گیا۔ اس نے میرے بدلے ہوئے تخاطب پر کسی ناگواری کا اظہار کیا تھا نہ اس بے تکلفی کا برا منایا۔ کسی اہم انکشاف کی جائز امید میں وہ خاموشی سے میرے ساتھ ہولیا۔

"اپنے حساب سے تم نے صحیح دروازے پر دستک دی ہے مگر ہم بھی تمہاری طرح سرکاری آدمی ہیں۔" سپاہیوں سے چند قدم دور آجانے کے بعد میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

"ہر سرکاری آدمی کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی چھوٹ نہیں ہوتی۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سختی سے کہا "ایسا ہوجائے تو ہر سرکاری مویشی خانے کا منشی شہر میں گولیاں برساتا پھرے۔"

"تم نے اسپیشل ٹاسک فورس کا نام سنا ہوگا۔ ہمارا تعلق اسی فورس سے ہے۔"

"یہ تو کوئی نیا نام معلوم ہوتا ہے۔" وہ دھیرے سے... بڑبڑایا "یہ کون سی فورس ہے؟"

"بس فیڈرل فورس سمجھ لو!" میں نے اس کے ردِ عمل سے حوصلہ پاکر کہا۔

وہ فوراً ہی شیر ہوگیا "سمجھ لو کا مطلب ہے کہ اصل میں ایسا نہیں ہے۔ معاملہ گڑبڑ ہے... چکر دینے کے بجائے یہ بتاؤ کہ یہاں کیا واردات ہوئی ہے۔ موقع پر استعمال ہونے والے ہتھیار کہاں ہیں؟"

میری واپسی میں لمبی تاخیر سے پریشان ہوکر اسی وقت سلطان شاہ وہاں آپہنچا۔ اسے دیکھتے ہی طاہر بھڑک اٹھا "اوئے۔ اندر کتنے آدمی چھپے ہوئے ہیں؟ تم بھی صورت سے مجرم لگتے ہو۔"

"حوالدار صاحب؟ یہ مجرم نہیں، میرا ساتھی ہے۔ مجرم میں ابھی دکھاتا ہوں۔" اسے یہ جواب دے کر میں سلطان شاہ سے مخاطب ہوگیا "تم باہر کیوں آگئے؟ مجرم لڑکیوں پر حملہ کردیں گے۔ تم اندر ہی رکو اور اول خان کو بلالو۔ میں حوالدار صاحب کو لاش دکھا کر ابھی اندر آتا ہوں۔ ہمارے آنے تک تم وہاں سے نہ ہلنا۔"

شاید وہ میری ان ہدایات پر اعتراض کرتا اور سلطان شاہ کو اندر واپس نہ جانے دیتا مگر میری زبان سے مجرموں کے ساتھ لاش کا ذکر سن کر وہ سب کچھ بھول گیا "لاش... لاش کہاں ہے؟"

میں اسے اپنے ساتھ لے کر اس بغلی راستے کی طرف ہولیا جس پر ساہو بھیل کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ تین سپاہی ہمارے پیچھے تھے، چوتھا مستعدی سے بند پھاٹک پر کھڑا ہوا تھا۔ وہ پولیس افسران تھے اور ان کا دن رات ہر قسم کے مجرموں سے لے کر لاشوں تک سے واسطہ پڑتا رہتا تھا پھر بھی وہ ساہو بھیل کی لاش دیکھ کر چونکے بغیر نہ رہ سکے۔

پلی ہوئی مونچھوں اور درشت چہرے والے ساہو بھیل کے گہرے گندمی چہرے پر موت کی بے رونقی کا راج تھا۔ اس کے چہرے سے پٹی ہوئی چادر گر کر اس کے سینے اور بغلوں میں پھنسی ہوئی تھی۔ کپڑوں سے چادر تک، ہر چیز کا رنگ گہرا تھا اس لیے کہیں بھی خون کا کوئی واضح داغ نظر نہیں آرہا تھا۔

"یہ کیسے مرا؟" چند ثانیوں تک لاش کا جائزہ لینے کے بعد اے ایس آئی طاہر نے روایتی لہجے میں پوچھا۔

میرا جی چاہا کہ کہہ دوں کہ گولیاں لگیں اور مرگیا مگر میں نے وہ ارادہ ملتوی کردیا۔ اس وقت اسے زیادہ چڑانا نقصان دہ ثابت ہوسکتا تھا۔ ایک سپاہی پُر تشویش انداز میں کھڑکی کے فریم سے اکھڑی ہوئی آہنی گرل کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے طاہر کو ابتدا سے آخر تک کے واقعات بلا کسی کم و کاست کے سنادیے۔

"تم اسے جانتے ہو؟ کوئی پرانی دشمنی تھی تمہاری اور اس کی؟" طاہر نے پوچھا۔

"یہ اکیلا نہیں ہے۔ اندر اس کے دو زخمی ساتھی بھی موجود ہیں۔" میں نے وضاحت سے بتایا "ان تینوں کے چہرے ہمارے لیے اجنبی ہیں مگر یہ معلوم ہوچکا ہے کہ ان کا

تعلق ایس ٹی ایف کے دشمنوں سے ہے۔"

"ایس ٹی ایف؟ وہی اسپیشل ٹاسک فورس؟" اس نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں!" میں نے نیچے لہجے میں کہا "اس کے بارے میں یوں اونچی آواز میں بات نہ کرو۔ ہم رازداری کی وجہ سے آس پاس رہنے والوں سے ملنے جلنے سے گریز کرتے ہیں۔"

وہ چاروں ہمارے ساتھ اندر پہنچے تو وہاں دونوں قیدیوں کا نام و نشان نہیں تھا۔ ان تینوں نے قیدیوں کی داد و فریاد سے متاثر ہو کر انہیں ویرا کے کمرے کے باتھ روم میں پہنچا دیا تھا۔

میرے اشارے پر پولیس والے ہی انہیں کالروں سے پکڑ کر وہاں سے لابی میں گھسیٹ لائے۔

طاہر اے ایس آئی تھا۔ اس نے چند منٹ میں اندازہ لگالیا کہ وہ کیس اس کی سطح کا نہیں تھا۔ اس نے ہمارے فون پر اپنے تھانے کو رپورٹ دی۔ گفتگو ختم کرنے کے بعد اس نے بتایا کہ ایس ایچ او علاقے کے ڈی ایس پی کے ساتھ وہاں آرہا تھا۔

حالات پوری طرح قابو میں تھے۔ پولیس والوں کی وردیاں دیکھتے ہی دونوں قیدیوں کا خون خشک ہوگیا تھا۔ وہ یوں خاموش اور سہمے ہوئے فرش پر اکڑوں بیٹھے تھے جیسے طاہر انہیں کسی بھی لمحے سزائے موت سنانے والا ہو۔

پولیس کی نفری کے ہمارے گھر میں آجانے کی وجہ سے باہر جمع ہونے والے محلے داروں میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ ہر شخص نے اپنے طور پر صحیح اندازہ لگالیا تھا کہ پولیس کو گوہر مقصود ہاتھ آگیا تھا اور فائرنگ کا مرکز ہمارا ہی گھر تھا۔ ان قیاس آرائیوں کے نتیجے میں باہر بلند آہنگ تبادلۂ خیال کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا جو چہ میگوئیوں کی ایک ہیجان آمیز صورت تھی۔

مجھے فکر تھی کہ ہمارے دروازے پر جمع ہونے والی وہ بھیڑ ہمارے لیے سُود مند نہیں تھی۔ ہم ایک مرتبہ محلے داروں کے شکوک و شبہات کی زد میں آجاتے تو ہمارا وہاں رہنا محال ہوسکتا تھا۔

طاہر میرے اس اندیشے سے متفق تھا۔ اس نے تینوں سپاہیوں کو باہر بھیج دیا۔ لوگوں کو رخصت کرنے کے لیے ان کے پاس یہ جواز کافی تھا کہ ہماری دیوار کے ساتھ ایک مشتبہ کار کھڑی ہوئی پائی گئی تھی اس لیے پولیس پارٹی ہمارے گھر میں بیٹھ کر اپنا کام آگے بڑھانے کا فیصلہ کرچکی تھی۔ غیر ضروری بھیڑ بھاڑ ان کے کام میں حارج ہورہی تھی۔

سپاہیوں کی روانگی کے بعد طاہر میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں آبیٹھا۔ لاش اور قیدیوں کو دیکھ لینے کے بعد اس کا رویہ دوستانہ ہوگیا تھا۔

شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ پولیس والوں کو ایسے پکے پکائے کیس شاذونادر ہی ملتے ہیں۔ معمولی سے معمولی کیس میں بھی انہیں مجرم تک پہنچنے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔ وہاں حالات یہ تھے کہ بہ یک وقت تین مجرم اس کے منتظر تھے۔ اس کے اعلیٰ افسران اس واقعے کا کتنا ہی کریڈٹ لے لیتے۔ اس کی سرخروئی پر اثرانداز نہیں ہوسکتے تھے۔

ڈی ایس پی اور ایس ایچ او کی آمد کے فوراً بعد اول خان بھی وہاں آن پہنچا۔ اس نے سلطان شاہ کا پیغام ملنے کے بعد شاید روانگی میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔ اس طرح ہم بار بار واقعات دہرانے سے بچ گئے۔

ایس ایچ او اپنی وردی میں تھا جب کہ ڈی ایس پی سادہ لباس میں آیا تھا۔ صاف ظاہر ہورہا تھا کہ اسے گہری نیند سے بیدار کرکے پورے واقعے سے آگاہ کیا گیا تھا' رسمی تعارف ہوتے ہی اول خان ڈی ایس پی کو الگ لے گیا۔ ان دونوں میں بس چند ثانیوں تک بات ہوئی۔ واپسی پر ڈی ایس پی کا رویہ مودبانہ تھا۔

میں نے طاہر کو جو کہانی سنائی تھی' اس نے وہی اپنے

افسرانِ بالا کے سامنے دہرا دی۔
"معاملہ ذرا سنگین ہے۔" ایس ایچ او نے اپنے ڈی ایس پی کی طرف دیکھ کر خوشامدانہ لہجے میں کہا "معاملہ صرف قیدیوں کا نہیں ہے۔ یہاں ایک مقتول بھی واردات میں ملوث ہے۔"
"کوئی دقت ہے تو آپ لوگ اس معاملے کو بھول کر واپس چلے جائیں۔" اول خان کو ایس ایچ او کی مداخلت ناگوار گزری اور اس نے بے رخی سے کہہ دیا "ہم لوگ یہ معاملہ اپنے طور پر سنبھال لیں گے۔"
ڈی ایس پی نے اپنے ماتحت کو غصیلی نظروں سے گھورا پھر جلدی سے اول خان سے گویا ہوا "نہیں سر، آپ کوئی فکر ہی نہ کریں.... ہم اس قصے میں سے آپ کے آدمیوں کا نام نکال کر کچھ اور ڈال دیں گے... اور بس!"
وہ پولیس کے دو افسران کی دو مختلف آرا تھیں۔ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے ڈی ایس پی سے پوچھا "ان تینوں کے بارے میں آپ کیا کریں گے؟ یہ تو یہیں پکڑے اور مارے گئے ہیں۔"
"سب ہو جاتا ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا "ہماری گشتی گاڑی کے عملے نے ایک مشتبہ کار کو روکا۔ وہ لوگ رکنے کے بجائے فائرنگ کرتے ہوئے بھاگنے لگے، مقابلہ ہوا، ایک مارا گیا، دو پکڑ لیے گئے۔"
"شاندار!" میری زبان سے بے ساختہ نکلا "یہ کہانی بالکل بے داغ رہے گی۔"
"ہاں جی!" ایس ایچ او بولے بغیر نہ رہ سکا "ان کی گاڑی پر دور سے دس پانچ گولیاں مار دیں گے۔ کوئی چیلنج نہیں کر سکے گا کہ پولیس مقابلہ نہیں ہوا تھا۔"
ان دونوں کے بیان میں بھی اس گھر کا کوئی ذکر نہیں آنا چاہیے۔" میں نے کہا۔
"اس کی گنجائش ہی نہیں ہے۔" ایس ایچ او نے فیصلہ صادر کر دیا "زیادہ ضرورت پڑی تو ان میں سے ایک کو وعدہ معاف گواہ بنالیں گے۔ آپ کو فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ بس یہ پتا چل جائے کہ ان تینوں کی لائن کیا ہے۔"
"تینوں بھیل ہیں اور پیدائشی چور ہیں۔" میں نے بتایا "اپنا پرانا پیشہ چھوڑ کر دوسرے دھندے میں ہاتھ ڈالا اور پھنس گئے۔ ان کو سزا دلانے کے لیے ان کی چوریوں کا ریکارڈ ہی کافی ہوگا۔ ان کی مار میرپور خاص سے کراچی تک رہی ہے۔"
"بس بس...!" ڈی ایس پی اس اطلاع پر خوش ہو گیا "اتنا ہی کافی ہے۔ وہ چور ہیں اور اس علاقے میں چوری کی نیت سے گھوم رہے تھے کہ ہماری پارٹی سے ٹکراؤ ہو گیا۔"
"سر جی! چوری کے بجائے ڈکیتی بہتر رہے گی۔ تینوں مسلح بھی تھے۔" ایس ایچ او نے ٹانگ اڑائی۔
اس معاملے کی ابتدا بہت پریشان کن انداز میں ہوئی تھی لیکن اول خان اور ڈی ایس پی کے مختصر سے مذاکرات کے بعد سب کچھ یوں سمٹ گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ مجھے خوشی ہوئی کہ پولیس کے محکمے میں ایس ٹی ایف کی ساکھ اور دھاک قابلِ رشک تھی۔ نام و نمود سے دور رہ کر اپنی زمین اور قوم کے لیے شب و روز کام کرنے والوں کی بھرپور رفاقت کی وجہ سے ہمیں بھی اہم مواقع پر ایسے فائدے حاصل ہوتے رہتے تھے جو کسی دوسری صورت میں گمان میں بھی نہیں آسکتے تھے۔
پولیس والوں کی کوششوں کی وجہ سے ہمارے دروازے کے سامنے لگی ہوئی بھیڑ چھٹ چکی تھی مگر پھر بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لوگوں کی متعدد ٹکڑیاں موجود تھیں جو شاید اس ڈرامے کا اختتام جاننے کے لیے مضطرب تھیں۔
ڈی ایس پی اور ایس ایچ او کی گاڑی کے علاوہ مجرموں کی گاڑی بھی موجود تھی۔ اس کے علاوہ موبائل کے پچھلے حصے میں بھی کافی گنجائش تھی۔ ساہو بھیل کی لاش سمیت وہ پورا کارواں ایک ساتھ ہی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اول خان کے ایما پر ڈی ایس پی نے اپنے عملے میں سے ایک سپاہی کو ہمارے گھر پر چھوڑ دیا تھا تاکہ پرسشِ احوال کے لیے آنے والے بعد میں ہمیں تنگ نہ کر سکیں۔
اس وقت تک ہم میں سے کسی کو اول خان سے تخلیے میں بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ لاش اور قیدیوں کے ساتھ پولیس پارٹی کی روانگی کے بعد جوں ہی موقع ملا، اول خان نے سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔
"سب باتیں بے کار ہیں۔ اس وقت اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ کرشن کمار پاکستان میں موجود ہے اور اسی نے ان تینوں کو ہماری کار کے پیچھے حیدر آباد سے یہاں بھیجا تھا۔" میں نے اس کے سوالات سن کر کہا۔
"اوہو۔ تو یہ لوگ تمہاری کار کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے تھے؟" اول خان کے لیے وہ انکشاف حیران کن ثابت ہوا "کرشن کمار نے بہت دور کی بات سوچی۔ ہم نے اس خطرے کو نظر انداز کر دیا تھا۔"
"اگر مجھے شبہ ہوتا کہ وہ گاڑی کے ذریعے ہم تک پہنچنے کی کوشش کریں گے تو میں یقیناً گاڑی کو بھول جانے کا مشورہ دیتی۔" ویرا نے ہلکی سی پھریری لے کر اپنے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔
"تم سے ہمیشہ ایسے ہی احمقانہ مشوروں کی توقع کی جا سکتی ہے۔ عقل سے تمہیں بیر ہو گیا ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

ویرا نے پھاڑ کھانے والے انداز میں اسے گھورا اور پوچھا "کیا گاڑی ہم سب کی جانوں سے قیمتی ہے؟"

"اور میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا کرشن کمار سے ہم سب اسی قدر دہشت زدہ ہیں؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"کم از کم مجھے اس سے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ تمہارے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔"

"پھر گاڑی کو بھول جانے کا مشورہ دینے کی کیا تُک تھی؟" سلطان شاہ نے تلخی سے پوچھا۔

"ذرا ڈرائنگ روم کی گرل دیکھو۔ وہ اندر گھسنے میں تقریباً کامیاب ہوگئے تھے اور ہم چاروں دنیا ومافیہا سے بے خبر اپنے کمروں میں گہری نیند سو رہے تھے۔ یہ گولی ہمارے کان پر سے گزری ہے۔"

"عورتیں سو رہی تھیں بلکہ تم تو آخر تک سو رہی تھیں، مرد جاگ رہے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہم دونوں میں سے پہلے کون بیدار ہوا مگر گرل اکھڑنے سے پہلے ہم دونوں فائر کرنے کے لیے تیار تھے۔"

"گاڑی ایک نعمت ثابت ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے یہ تینوں یہاں تک نہ پہنچتے تو ہمیں معلوم ہی نہ ہوپاتا کہ کرشن کمار اب بھی حیدر آباد میں دندناتا پھر رہا ہے۔" میں نے پوری نیک نیتی سے کہا۔

"اسی وقت قریب کی کسی مسجد سے فجر کی اذان شروع ہوئی اور ہم چاروں خاموش ہوگئے۔

"مجھے شبہ ہے کہ وہ حیدر آباد سے کراچی آچکا ہے۔" غزالہ نے اذان ختم ہونے کے بعد زبان کھولی "ان دونوں نے بتایا تھا کہ انہیں ہمارے گھر میں کسی غیر ضروری کشت وخون کی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔ انہیں اندر کا جائزہ لے کر خاموشی سے واپس لوٹ جانا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ فائرنگ کے وقت وہ آس پاس ہی منڈلا رہا ہو۔"

"مگر کیوں؟" میں نے ویرا سے پوچھا "اسے ایسا کون سا کام تھا جو وہ اپنے آدمیوں کے سپرد نہیں کرسکتا تھا۔"

غزالہ کے پاس میرے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ کرشن کمار ہم لوگوں سے کسی غیر ضروری چھیڑ چھاڑ میں ملوث ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اسے صرف اور صرف مراد ظریف کی تلاش تھی۔ شاید اسے شبہ تھا کہ اس کا قریبی ساتھی ہم لوگوں کی تحویل میں تھا اور وہ اپنی کسی کارروائی کے ذریعے اسے رہائی دلوا سکتا تھا۔

جہاں تک اپنے قبیلے سے نکالے ہوئے بھیلوں کا تعلق تھا، وہ چوری اور نقب زنی کے فن میں یکتا تھے۔ ان کی اسی صلاحیت کی وجہ سے کرشن کمار نے انہیں ہمارے گھر کا جائزہ لینے پر مامور کیا تھا۔ ان میں اس سے زیادہ کوئی صلاحیت نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ساہو بھیل کی موت کے بعد تیزی سے فرار کی راہ اختیار کرنے کے بجائے، وہ اس کی لاش اٹھا لے جانے کے چکر میں مارے گئے اور اپنے پچھلے گناہوں کا حساب چکانے کے لیے پولیس کی تحویل میں جاچکے تھے۔

مراد ظریف نے کرشن کمار کی جو تصویر کشی کی تھی، اس کے مطابق وہ شہروں سے دور، ویرانوں اور صحرا میں رہنے کا عادی تھا۔ شہری الجھنوں اور بکھیڑوں سے وہ دور بھاگتا تھا اسی لیے اس نے تھرپارکر کو اپنا مسکن بنایا ہوا تھا اور اپنی کوئی این جی او بنانے کے بجائے مراد ظریف کی غیر سرکاری تنظیم 'صحرا' سے استفادہ کررہا تھا۔

وہ کہانی کا ایک رخ تھا۔ اس کا دوسرا رخ اپنی جزئیات میں پہلے رخ سے بہت مختلف تھا مگر پھر بھی آئی بی کے جلال نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ کرشن کمار شہروں کا رخ نہیں کرتا۔ سندھ کے اندرونی اور سرحدی علاقوں میں رہ کر اپنا سارا کام چلاتا ہے۔

دو مختلف ذرائع سے ملنے والی اس یکساں خبر کے برعکس بھیلوں نے بتایا تھا کہ کرشن کمار پچھلے روز حیدر آباد میں موجود تھا اور ہم سب کی رائے تھی کہ ہمارے گھر پر ہونے والی کارروائی کے وقت وہ کراچی میں بلکہ ہمارے گھر کے آس پاس موجود تھا۔ مراد سے اس کی گہری مفاہمت اور ہم آہنگی تھی۔ وہ اپنے لگے بندھے اصولوں سے انحراف کرکے اسے رہا کرانے کے لیے کراچی آگیا تھا۔

وہ مراد کے عبرتناک انجام سے بالکل بے خبر تھا۔ ہم اس کے رابطے یا ٹھکانے سے بالکل بے خبر تھے۔ اس کا کوئی بھی سراغ مل جاتا تو ہم مراد کے نام کو چارہ بنا کر اسے اپنے چنگل میں لے سکتے تھے۔

کرشن کمار سابقہ بھارتی کمانڈو تھا جو ان دنوں را کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس حوالے سے میرے ذہن میں کراچی میں واقع بھارتی قونصل خانے کے افسر، میجر بخشی کا نام ابھرا مگر میں نے اسے خود ہی مسترد کردیا۔ ان دنوں بہت کچھ ہوتا رہا تھا۔ انگریزی محاورے کے مطابق پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا تھا۔ صحرا اور فریڈم انٹرنیشنل کے چکر میں امریکی قونصل خانے کے جان اسمتھ تک کا نام سامنے آیا تھا لیکن ان تمام سرگرمیوں میں میجر بخشی کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

وہ ان لوگوں کی کوئی نئی حکمتِ عملی بھی ہوسکتی تھی۔ اپنے سفارتی عملے کو ہر محاذ آرائی سے الگ تھلگ رکھ کر وہ را اور سی آئی اے کے تعاون سے علاقے میں کوئی بھیانک کارروائی کر گزرنا چاہتے تھے۔ اس شبہے کی تصدیق اس بات سے ہوتی تھی کہ کراچی میں مامور جان اسمتھ وسیع ایشیائی خطے میں سی آئی اے کی سرگرمیوں کا روحِ رواں تھا اور اس نے مراد ظریف سے ملاقات کی تھی۔

باہر کی فضا میں طیور چہچہانے لگے تھے، اجالا بھی تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ اول خان کی بروقت مداخلت کی وجہ سے ہمارے سروں سے ایک سنگین خطرہ ٹل چکا تھا۔ جس کے بعد سب ہی نیند کا خمار محسوس کر رہے تھے۔ اول خان سوچ بچار کے لیے بہت سا مواد لے کر ہم سے رخصت ہوگیا۔

ہمارے ڈرائنگ روم کی کھڑکی کی گرل توڑی نہیں گئی تھی بلکہ لمبی آہنی سلاخ کے ذریعے اکھاڑ کر موڑ دی گئی تھی۔ میں نے سلطان شاہ کے ساتھ مل کر گرل کو جیسے تیسے واپس اس کی جگہ پھنسایا اور پھر ہم اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیے۔

○☆○

ہماری اگلی صبح دیر سے ہوئی اور میں ناشتے کے بعد، ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت، سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر شہر کی ایک لمبی سیر کے لیے نکل گیا۔ ویرا اور غزالہ کو بہت تجسس تھا کہ میں سلطان شاہ کو ساتھ لے کر کس مہم پر جا رہا تھا مگر اس بارے میں خود میرا ذہن بھی صاف نہیں تھا۔ جو کچھ تھا، ایک خیال یا منصوبے کی صورت میں ذہن میں محفوظ تھا۔ اس کے روبہ عمل آنے کا انحصار صرف اور صرف حالات پر تھا۔ میں روانگی سے پہلے ان دونوں کو کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

گھر سے نکلنے سے پہلے ویرا نے اصرار کیا تھا کہ میں اسلام آباد میں جلال نے فون پر رابطہ کروں اور اسے بتاؤں کہ کرشن کمار تھرپارکر سے موناباؤ کی طرف فرار نہیں ہوا تھا بلکہ بالکل مخالف سمت میں حیدر آباد یا کراچی میں بیٹھا ہوا تھا اور میں نے اس مشورے کو رد کردیا۔

جلال اپنے پیشے سے مخلص، ایک جفاکش اور ذہین افسر تھا۔ میری دانست میں، اسے وہ سب بتانا شائستگی کے خلاف ہوتا۔ ہر ذمے دار افسر کی طرح اسے بھی جابجا اپنے ماتحتوں کی فراہم کی ہوئی معلومات پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ ان میں سے کسی ایک کی کوتاہی پر جلال کو شرمندہ کرنا موزوں نہیں تھا۔

گھر سے نکلتے ہوئے سلطان شاہ خاموش تھا لیکن گاڑی ٹریفک کے دھارے میں شامل ہونے پر وہ خاموش نہ رہ سکا "ان دونوں کو تم گھر چھوڑ آئے ہو مگر میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھے کچھ تو بتادو کہ تمہارا کیا پروگرام ہے تاکہ میں بھی کچھ ذہنی تیاری کرسکوں۔ ایسا نہ ہو کہ میں اپنی بے خبری کے باعث، عین وقت پر تمہارا کوئی بنتا ہوا کام بگاڑ دوں۔"

میں بے اختیار مسکرا دیا۔ اس نے اپنے سوال کے لیے بہت معقول اور مضبوط جواز تلاش کیا تھا۔

"کرشن کمار کو ہماری اس گاڑی کا نمبر معلوم ہے۔ اگر وہ کراچی میں ہے تو اس نے یقیناً ہمارے گھر اور اس کار پر ضرور نگاہ رکھی ہوگی۔" میں نے دھیان سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے کہنا شروع کیا "اگر وہ ہمارے بارے میں بہت زیادہ سنجیدہ ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس وقت وہ ہمارے پیچھے آنے والی کسی گاڑی میں موجود ہو۔ ہمارے ساتھ دور دور سے آنکھ مچولی کھیل کر اسے کچھ حاصل نہ ہوسکے گا۔ وہ کہیں نہ کہیں ہمارا راستہ کاٹنے کی کوشش کرے گا۔"

"اس امید پر تم شہر کی سڑکیں ناپنے نکلے ہو؟" اس نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

"ہوسکتا ہے کہ اس سے براہِ راست ہمارا کوئی ٹکراؤ نہ ہو۔" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا "اس کا اصل ہدف ہم

نہیں ہیں۔ وہ مراد کی رہائی کا خواہاں ہے۔ میں یہ امید ضرور کر رہا ہوں کہ وہ ہماری نظروں میں آجائے گا۔"

"امکان ہے مگر ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو۔ اسے اپنے ان آدمیوں کا انجام معلوم ہوچکا ہوگا جنہیں اس نے صبح سویرے ہمارے گھر میں گھسنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس کے بعد وہ جلد بازی سے کام نہیں لے گا۔"

"دانستہ کوئی غلطی نہیں کرتا۔ غلطی اسی وقت ہوتی ہے جب آدمی ہوشیاری سے کام لینے کی کوشش کرتا ہے مگر کوئی نہ کوئی پہلو اس کی نظروں میں آنے سے رہ جاتا ہے اور کچھ نہیں تو ہم شہر کی سیر کرکے لوٹ جائیں گے۔"

"تم کل ہی غزالہ کے ساتھ شہر کی سیر کر چکے ہو۔" اس نے شریر لہجے میں کہا "اس سے پہلے نیا کو کلفٹن لے گئے تھے۔ آج ویرا کو علم ہوگا کہ تم نے مجھے شہر کی سیر کرائی ہے تو وہ تمہاری جان کے لیے عذاب بن جائے گی۔"

"ویرا!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "وہ واقعی ایک عجیب لڑکی ہے۔ دوسروں کو ہر وقت اپنے ردِّ عمل سے متحیر کردینے کی بے پناہ صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کے بارے میں پہلے سے کچھ کہنا ناممکن ہے۔"

"مگر یہ بات طے ہے کہ وہ تمہیں بہت زیادہ پسند کرتی ہے۔" سلطان شاہ کا لہجہ معنی خیز ہوگیا۔

"یہی بات تمہارے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔" میں نے اس موضوع کو جلدی سے ٹالتے ہوئے کہا "کبھی کبھی تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اسے تمہارے لیے ہی اتارا گیا ہے۔"

سلطان شاہ ہنسنے لگا "وہ دل پھینک لڑکی ہے جس کی طرف متوجہ ہوجائے، اسے طرح طرح کی خوش فہمیوں اور بدگمانیوں میں مبتلا کردیتی ہے۔ میں اسے لگام نہ دوں تو وہ کسی بھی وقت تمہارے اور غزالہ کے درمیان فساد کھڑا کرسکتی ہے۔"

میں نے جیل روڈ کے چوراہے سے گاڑی بائیں طرف، شہید ملت روڈ پر گھمالی۔ میں نے سلطان شاہ کے جواب میں دانستہ کچھ نہیں کہا کیونکہ ہماری گفتگو یکایک ہی نازک ذاتی حدود کو چھونے لگی تھی۔

"کراچی بہت بڑا شہر ہے۔" کچھ دیر کے سکوت کے بعد سلطان شاہ بولا "یہاں کسی کو اتنی آسانی سے تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔ تم اپنے ذہن میں کتنی دیر کا پروگرام لے کر گھر سے نکلے ہو؟"

"سارا دن اپنا ہے۔ اکتا جائیں گے تو واپس چل دیں گے۔ میرے ذہن میں ایک خیال جاگزیں ہے۔ اسے ہماری بلکہ ہمارے ذریعے مراد کی تلاش ہے اور ہم اس کی تلاش میں ہیں۔ جب دو فریق ایک دوسرے کی تلاش میں ہوں تو بڑے بڑے شہروں کی وسعتیں بھی حیرت ناک حد تک سکڑ جاتی ہیں۔ مجھے تو اس وقت بھی پیچھے والی سبز کار مشتبہ معلوم ہورہی ہے۔"

ہم شہید ملت روڈ سے شارع فیصل پر مڑے تھے کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میرا خیال تھا کہ وہ ویرا ہوگی مگر دوسری طرف جلال بول رہا تھا۔

رسمی علیک سلیک اور مزاج پرسی کے بعد وہ فوراً ہی کرشن کمار کی طرف آگیا "میں نے پرسوں شام تمہیں بتایا تھا کہ وہ یہاں سے نکل کر موناباؤ کی طرف جاچکا ہے مگر وہ اس کا فراڈ تھا۔ گھوم پھر کر وہ کسی چور راستے سے دوبارہ پاکستان آگیا ہے۔"

جلال کی زبان سے وہ خبر سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سینے پر سے کوئی بھاری بوجھ ہٹ گیا ہو۔ اسے کوئی غلط فہمی ہوسکتی تھی مگر وہ دشمن کی طرف سے غافل یا بے خبر نہیں تھا۔ پچھلی شام کے برعکس اس کے لب و لہجے میں اعتماد جھلک رہا تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اس کے ذہن کی دھند بالکل صاف ہوچکی ہو۔

"یہ ایک اچھی خبر ہے کہ وہ ہماری سرحد میں لوٹ آیا ہے۔ ہم زیادہ آزادی سے اس کا مقابلہ کرسکیں گے۔" میں نے اسے یہ باور کرانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ خبر پہلے سے میرے علم میں تھی۔ "اس وقت وہ کہاں ہے؟"

"نچلے عملے نے غلطی سے اس کے معاملے کو روٹین میں لیا۔" وہ بتارہا تھا "اس رویے کی وجہ سے خبروں کی ترسیل میں کچھ دیر ہوگئی۔ پرسوں شام جب میں تمہیں اس کے سرحد پار فرار ہونے کی خبر دے رہا تھا، وہ حیدرآباد میں آچکا تھا۔ اس بے پروائی پر دو آدمی معطل کردیے گئے ہیں اور میرا پورا اسٹاف ہائی الرٹ پر ہے۔"

"کل اس نے حیدرآباد میں تین آدمی ہماری گاڑی کی نگرانی پر مامور کیے تھے۔" میں نے روا روی میں بات کھول دی "رات گئے اول خان کا ایک آدمی حیدرآباد سے گاڑی ہمارے گھر لایا تو وہ تینوں پیچھے پیچھے یہاں آگئے...."

"اوہ.... تو!" موبائل فون پر جلال کی آواز تحیر زدہ تھی "کیا واقعات اتنی تیزی سے آگے بڑھے ہیں؟"

"رات وہ ہمارا گھر دیکھ کر واپس لوٹ گئے۔ آج فجر سے

پہلے ان کی مہمان داری کرنی پڑی۔ دو حوالات میں ہیں، تیسرا بھیل مردہ خانے میں ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" میں نے چند فقروں میں پوری کہانی بیان کر دی۔

"کل شام وہ ہیر آباد میں صحرا کے دفتر پر دیکھا گیا تھا۔ اس کے بعد سے وہ پھر غائب ہے۔ مجھے شبہ تھا کہ اس نے کراچی کا رخ کیا ہوگا۔ میرے آدمی پورے شہر میں اس کی بُو سونگھتے پھر رہے ہیں۔"

"میں بھی اس کی بدبو سونگھنے کے لیے اپنی گاڑی لے کر سڑکوں پر نکلا ہوا ہوں..."

"ویری گڈ!" جلال نے پرجوش لہجے میں میری بات کاٹ دی "میرا ایک اپرنٹس تمہارے پاس ہوگا۔ اس پر تم پارٹی کے پاس ورڈ کے ذریعے میرے آدمیوں سے براہِ راست رابطہ کر سکو گے۔ وہ تمہیں اپنی رپورٹ دیتے رہیں گے۔"

"وہ اپرنٹس گھر پر ہے۔ اب واپسی پر ہی تمہارے کسی آدمی سے بات ہو سکے گی۔"

"ہر آدمی سے نہیں، تم صرف کے ون سے بات کرو گے۔ وہ آپریشن کے کے ہنٹ کا سربراہ ہے۔"

اس نے کرشن کمار کی تلاش کو کے کے ہنٹ کا نام دیا تھا۔ میں نے اس بارے میں کوئی سوال کیے بغیر کہا "مجھے کراچی میں اس کے کسی رابطے کی تلاش ہے۔ وہ شہروں میں اپنی شناخت سے خوف زدہ رہتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ ہوٹل کے بجائے اپنے کسی دوست یا ہمدرد کے پاس رہ رہا ہوگا۔"

"کراچی میں اس کے دو ہی قریب ترین دوست یا ہمدرد ہو سکتے ہیں اور وہ دونوں جہنم واصل ہو چکے ہیں۔"

"کن دونوں کی بات کر رہے ہو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ کہاں پہنچا ہوا تھا۔

"ٹنڈو باگو کا زمین دار قادر خان اور کراچی کا بینک افسر چمن علی۔ ایک کو تم نے مار دیا۔ بلڈ پریشر کی زیادتی سے دوسرے کے دماغ کی شریان پھٹ گئی۔ اب وہ کراچی میں کس کے پاس جائے گا؟"

چمن علی کے بارے میں اس کا تبصرہ سن کر میں حیران رہ گیا۔ جلال سے میری آخری گفتگو دو دن پہلے ہوئی تھی۔ میں نے اسے قادر خان کے قتل کے بارے میں بتا دیا تھا۔ پچھلے دن کے اسلام آباد کے اخبارات نے شاید اس خبر کو اہمیت نہ دی ہو مگر کراچی میں وہ خبر شائع ہوئی تھی اور اس کی اشاعت کے بعد ہی چمن علی پر بلڈ پریشر کا حملہ ہوا تھا۔ وہ خبر اخباروں میں آئی بھی نہ اس وقت تک میری اور جلال کی بات ہوئی تھی۔ میں حیران تھا کہ اسے وہ خبر کہاں سے مل گئی۔

"موبائل نمبر ملانے سے پہلے میں نے تمہارے گھر فون کیا تھا؟" میرے استفسار پر اس نے بتایا "میری ویرا سے بات ہوئی۔ بہت خوش آواز اور خوش گفتار لڑکی ہے۔ چمن علی کے انجام کے بارے میں اسی نے بتایا ہے۔"

"دیکھا جائے تو اکرام الٰہی اور مقبول چوہدری بھی اس کے ہمدردوں میں سے تھے۔ سب ہی ایک ایک کر کے اٹھ چکے ہیں۔ اب پوری کھیپ میں سے صرف جان اسمتھ رہ گیا ہے..."

"اس کو ہاتھ بھی نہ لگانا۔" میری بات پوری ہونے سے پہلے جلال بول پڑا "آج کل دونوں فریق اس اعلیٰ سطحی مفاہمت پر پوری طرح عمل کر رہے ہیں جو بوب رافیل والے معاملے کے بعد ہوئی تھی۔ ہم نے ان کے کسی آدمی کو چھیڑا تو وہ پوری طاقت سے ہمارے خلاف سرد جنگ کا محاذ کھول دیں گے اور انہیں اس ہزیمت کا داغ دھونے کا موقع مل جائے گا جو امریکی صدر کی مداخلت کی وجہ سے لگا تھا۔" وہ اس بارے میں وہی کچھ کہہ رہا تھا جو اول خان مجھے پہلے بتا چکا تھا۔

"ہاتھ تو کیا، میں اسے پیر تک نہیں لگاؤں گا۔ وہ خود بھی اپنی ساکھ بچانے کے لیے کرشن کمار کو اپنے قریب نہیں آنے دے گا۔ پتا نہیں، اس نے کس مجبوری کے تحت مراد کو چند منٹ کا وقت دے دیا تھا!"

"مگر یہ دیکھ لو کہ اس کی ہمدردی میں اب تک کسی طرف سے کوئی آواز نہیں اٹھائی گئی۔" یہ کہہ کر اس نے اچانک ہی پٹڑی بدل لی "ویرا وسیع رابطوں اور ذرائع کی مالک ہے۔ ان سرگرمیوں کے بارے میں وہ کیا کہتی ہے؟"

میں دل ہی دل میں جلال کی جمال پرستی پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ ویرا ذرا سی دیر کی گفتگو میں اسے رجھانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ میں نے کسی طنز کے بغیر سنجیدگی سے کہا "جب سے اس نے کھل کر ہمارا ساتھ دینا شروع کیا ہے، اس کے سارے رابطے اور ذرائع ختم ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب وہ ہم سے زیادہ بے خبر اور بے بس ہے۔"

"کچھ بھی ہو مگر بہت ذہین لڑکی ہے۔" جلال اپنی رو میں اس کی تعریف پر مصر تھا۔

"اس میں بے شمار خوبیاں ہیں مگر ایک بہت بڑی خامی ہے۔ پہلے وہ مردوں کو لبھا کر اپنی طرف متوجہ کرتی ہے پھر انہیں چڑا کر محظوظ ہوتی ہے۔ میں پسند نہیں کروں گا کہ تم اس کے ایسے کسی توہین آمیز رویّے کا شکار بنو۔"

میرے دو ٹوک مشورے پر وہ سٹپٹا گیا جیسے اس کی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔ "میں اب اسے منہ بھی نہیں لگاؤں گا۔

تم نے یہ اندازہ تو لگالیا ہوگا کہ ایسی خرافات میرے مزاج میں شامل ہیں، نہ میرے پاس اتنا وقت ہے۔"

مختصر سے عرصے میں میرے اور اس کے درمیان کافی بے تکلفی ہوگئی تھی لیکن وہ حدود اتنی وسیع نہیں ہوئی تھیں کہ ہم ایسی ذاتی سرگرمیوں کے بارے میں کھل کر بات کرسکیں۔ وہ بہرحال ایک اعلیٰ اور ذمّے دار سرکاری اہل کار تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ میں اسے آخری مشورہ دے کر اپنی حد سے قدرے متجاوز ہوگیا تھا۔ اس کا ازالہ کرنے کے لیے میں نے جلدی سے کہا "میں اپنے الفاظ پر معذرت خواہ ہوں۔ اب یہ بتاؤ کہ کرشن کمار کے حوالے سے تمہارے ذہن میں کس کا نام آتا ہے؟"

ایک پرانا اور دوراز کار حوالہ ہے۔ موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ۔ یہ ولایتی شراب کے انڈینٹر اور امپورٹر ہیں۔ پابندی کے بعد سفارتی عملے اور غیر مسلموں کے لیے شراب درآمد کرتے ہیں۔ اس کے مینجنگ ڈائریکٹر بلکہ پوری فیملی کا تعلق میرپور خاص سے ہے۔ یہ لوگ شروع سے کراچی میں کاروبار کرتے ہیں مگر میرپور خاص میں اپنے آبائی گھر بھی جاتے رہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کا کرشن کمار سے کوئی نہ کوئی رابطہ ہو۔" جلال نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد جواب دیا۔

"میرپور خاص کے باحیثیت لوگوں سے یقیناً اس کے قریبی مراسم ہوں گے۔" جلال کے جواب نے میرا دل خوش کردیا "موہن فیملی ہندو معلوم ہوتی ہے۔ اس مذہبی رشتے سے وہ لوگ کرشن کمار سے کافی قریب ہوں گے۔"

ڈرگ روڈ ریلوے اسٹیشن کے سامنے سے میں نے گاڑی بائیں طرف موڑلی۔

"یہ ایک مفروضہ ہے جو غلط بھی ہوسکتا ہے۔" جلال کی طرف سے محتاط جواب آیا "سول سروس میں بہت سے ہندو اعلیٰ عہدوں پر پوری ذمے داری سے کام کررہے ہیں۔"

میں نے اس نکتے پر جلال سے بحث نہیں کی مگر میں جانتا تھا کہ سرحد کے دونوں طرف بہت سے کاموں میں مصلحتیں کارفرما ہوتی تھیں۔ اقلیتی کوٹے، مذہبی رواداری، انسانی مساوات اور ایسے ہی دلکش دعووں میں رنگ بھرنے کے لیے ہر مذہب کے لوگوں کو آگے بڑھنے کے یکساں مواقع دستیاب تھے لیکن حقیقی ضروریات کے پیش نظر یہ ترقیاں ایک خاص مقام پر آکر غیر تحریری پابندیوں کے شکنجے میں جکڑ جاتی تھیں۔ اسی طرح پاکستان میں رہنے والے ہندو اپنی مجبوریوں کے تحت پاکستان کے گن گاتے تھے مگر ان کے دل ان ہی لوگوں کے ساتھ دھڑکتے تھے جو مٹی پر کھینچی ہوئی لکیروں کو مٹا کر ہمیشہ سے اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھتے چلے آرہے تھے۔

جلال کے اس فون کا مقصد یہ بتانا تھا کہ کرشن کمار بھارت کے بجائے حیدرآباد یا کراچی میں موجود تھا جب کہ مجھے اس کی تلاش کے لیے موہن گھرانے کا نام مل گیا تھا۔

"اب تم بے فکر رہنا۔ وہ اس بار بھاگ کر سرحد پار نہیں جاسکے گا۔" جلال کہہ رہا تھا۔

"تم خود بتاچکے ہو کہ لمبی اور دشوار گزار سرحد کی نگرانی بہت مشکل کام ہے۔"

"مگر اب یہ مشکل کام بھی کرلیا گیا ہے۔ سرچ لائٹس اور واچ ٹاورز کے ذریعے سرحد سیل کردی گئی ہے۔ بس افسوس اس بات کا ہے کہ ان تیاریوں کی وجہ سے غداروں کو ہوشیار ہونے کا موقع مل گیا۔ ان میں سے کوئی نیا چھوکرا تربیتی کیمپ کی طرف نہیں آیا۔ یوں ڈیڑھ دو سو سرکش لڑکوں کو سبق سکھانے کا موقع ہاتھ سے نکل گیا۔"

"کچھ روز بے سروسامان پھرنے کے بعد انہیں خود ہی عقل آجائے گی۔ اب دعا کرو کہ کرشن کمار سے بچ کر نہ نکل سکے۔ اس پر ہم اب تک خاصا وقت صرف کرچکے ہیں۔"

"اس پر تم نے اب اصل کام شروع کیا ہے۔ اس سے پہلے تم سلطان شاہ کی بازیابی کے لیے کام کررہے تھے جس میں تمہیں مکمل سرخروئی حاصل ہوئی ہے۔ اب اس کا کیا حال ہے؟"

"بہتر ہے۔ وہ میرے ساتھ ہی موجود ہے۔" میں نے کن انکھیوں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اسے میرا سلام کہہ دینا۔ کوئی خاص واقعہ رونما ہو تو مجھے فوراً اطلاع دینا۔"

"خدا کا شکر ہے۔" میرے کان سے فون ہٹتے ہی سلطان شاہ دونوں ہاتھ اٹھاکر بولا "میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب یہ مذاکرات رات تک اسی طرح چلتے رہیں گے۔"

"جلال تھا، تمہیں سلام کہہ رہا تھا۔" میں نے ہنس کر موبائل فون اس کی گود میں ڈال دیا۔

"صرف سلام کہنے میں اس نے اتنا وقت لے لیا تو پوری بات کہنے میں تو کئی دن گزر جاتے۔"

"زیادہ نہ بولو اور کچھ دیر کے لیے مجھے سوچنے دو۔ جلال نے کرشن کمار تک رسائی کی ایک نئی راہ سجھائی ہے۔

"میرا خیال ہے کہ ہم اس کی تلاش میں بلاوجہ ہی اپنا وقت برباد کرتے پھر رہے ہیں۔ وہ یہاں ہر ایک سے سینگ لڑانے کے لیے نہیں آیا جو بلاوجہ ہمارے سامنے آنے کا خطرہ

مول لے گا۔"
"اسے مراد کی تلاش ہے۔ وہ کوئی منتر پڑھ کر اسے دریافت نہیں کر سکتا۔" میں نے سختی سے کہا "اس مقصد کے حصول کے لیے اسے کہیں نہ کہیں سامنے آنا ہی پڑے گا اور ہم اس موقع کی تلاش میں ہیں۔"
"سوال یہ ہے کہ ہمیں اس کی تلاش کیوں ہے؟ مراد اس کا ایک مضبوط حلیف تھا۔ وہ دونوں مل کر ایک سازش پروان چڑھا رہے تھے۔ تم نے مراد کی خودکشی کی خبر بلاوجہ ہی دبائی ہوئی ہے۔ خبر جاری کردو۔ کرشن کمار مایوس ہو کر خود ہی غائب ہو جائے گا۔ ہمیں اس کی تلاش میں دھکے نہیں کھانے پڑیں گے۔"
"یہ وہی غلطی ہے جو وبرا کر رہی تھی۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا "ہماری کار کی وجہ سے تین افراد ہمارے گھر پر چڑھ آئے اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ کرشن کمار کراچی یا حیدر آباد میں ہے جب تک اسے مراد کی زندگی کی آس ہے' وہ یہیں منڈلاتا رہے گا اور ہم اسے گھیر کر مار دیں گے۔ وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہم اسے نکلنے کا موقع نہیں دینا چاہتے اس لیے مراد کی خودکشی کی خبر کا پوشیدہ رہنا ضروری ہے۔"
"آخر تم اسے مار کر کیا حاصل کر لو گے۔" سلطان شاہ پر اس وقت قنوطیت طاری ہو چلی تھی "انڈین سیکرٹ سروس والے اس کی جگہ کسی اور کو یہاں بھیج دیں گے۔"
"اس طرح سوچو گے تو پھر اوبرائن ڈی ہنٹ' اکرام الٰہی اور مقبول چوہدری سے بھڑنے میں بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔"
"ان کی بات مختلف تھی۔ انہوں نے ایک مقام بنا لیا تھا' بہت کچھ کر چکے تھے۔ وہ اب اپنی اپنی ذات میں ایک ادارہ تھے۔ کرشن کمار کیا ہے؟ ایک بھگوڑا جاسوس جو پکڑے جانے کے ڈر سے شہروں سے دور رہتا ہے۔"
"یہ سب پروپیگنڈا ہے تاکہ تم جیسے عجلت پسند لوگ اسے نظر انداز کرتے رہیں۔ مصروف اور تعلیم یافتہ شہری آبادی سے اسے کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔ دیہی آبادی اس کا اصل نشانہ ہے اور وہ وہاں بہت کچھ کام کرتا رہا ہے۔ وہ لوگ اسے صحرا کا بادشاہ اور تھر کا مسیحا کہتے ہیں۔ وہ اپنے مقاصد کو لے کر تیزی سے آگے جا رہا ہے۔"
"تم سے بحث میں جیتنا ممکن نہیں۔" سلطان شاہ نے خلافِ توقع جلد ہی ہتھیار ڈال دیے "یہ بتاؤ کہ تمہاری مشتبہ سبز گاڑی اب کہاں ہے؟"
"وہ تو چند منٹ بعد ہی کہیں اور مڑ گئی تھی۔" میں نے مسکرا کر کہا اور سلطان شاہ سلگ اٹھا۔
ہم راشد منہاس روڈ سے ہو کر دوبارہ یونیورسٹی روڈ پر آئے اور اس بار سیدھے صدر کی طرف نکلتے چلے گئے۔ ہم چاہتے تو حسن اسکوائر پر اپنے گھر کی طرف بھی جا سکتے تھے مگر میرے ذہن پر اس وقت آوارہ گردی کی دھن طاری تھی۔ میں نے سلطان شاہ کے احتجاج کی بھی پروا نہیں کی اور گھر والے موڑ کو چھوڑ کر آگے نکل گیا۔
بارہ بجے کے بعد موبائل فون پر اول خان کی کال آئی "اس نے بتایا کہ ہمارے گھر پر حملہ آور ہونے والے بھیلوں کے زیر استعمال کار موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کے نام پر رجسٹرڈ تھی۔"
"یہ کیسے ممکن ہے؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا "یہ فرم تو کراچی میں ہے۔ اس کے نام پر حیدر آباد میں گاڑی کا رجسٹریشن کیسے ہو گیا؟ اس پر حیدر آباد کی نمبر پلیٹ تھی۔"
"مجھے پتا نہیں کہ یہ کیا چکر ہے۔ میری خصوصی درخواست پر پولیس کے محکمے نے بہت تیزی سے چھان بین کی ہے۔ نمبر پلیٹ سے لے کر گاڑی کے انجن اور چیسز نمبر تک ہر چیز اصلی ہے۔ تم کہہ رہے ہو تو معلوم کروں گا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ دو پرائیویٹ لمیٹڈ فرموں کا نام ایک ہی ہو۔"
"ہو سکتا ہے کہ حیدر آباد میں ان کا کوئی ذیلی دفتر ہو۔ اس ادارے کے مالکان کا تعلق میرپور خاص سے ہے۔ اس بارے میں جتنی زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں' بہتر رہے گا۔"
"یہ نام تمہیں کہاں سے معلوم ہوا؟" اول خان کی آواز تحیر زدہ تھی۔
"تھوڑی دیر پہلے جلال نے اپنی یادداشت کے سہارے بتایا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس علاقے میں رہنے والے... باحیثیت ہندوؤں میں کرشن کمار کو خاصی اہمیت حاصل ہو گی۔ اب مجھے اپنا یہ شبہ درست ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔"
"تم شہر میں کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟"
"بس' اب بھٹکنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس وقت میں گارڈن روڈ پر ہوں۔ اگلے سگنل سے گاڑی گھر کی طرف گھما رہا ہوں۔ چاہو تو تم بھی وہیں آ جاؤ۔ ہمیں موہن اینڈ موہن کو فوری طور پر دیکھنا پڑے گا۔"
میں نے فون بند کر دیا۔ اگلا سگنل سبز تھا۔ میں نے گاڑی بائیں طرف گھمالی۔
"اب تمہیں اندازہ ہوا کہ تمہاری یہ ساری بھاگ دوڑ بے سود تھی۔" سلطان شاہ کو طنز کرنے کا موقع مل گیا۔

"حرکت میں برکت ہے۔ میرے لیے گھر میں ٹک کر بیٹھے رہنا مشکل ہو رہا تھا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "اب مجھے خیال آرہا ہے کہ کرشن کمار کے جنون میں، میں نے اپنے گھر کو فراموش کردیا تھا۔ اسے ہماری گاڑی کے نمبر وغیرہ کے ساتھ گھر کا پتا بھی معلوم ہے۔"

"اب بات اتنی دور تک نہ لے جاؤ۔" سلطان شاہ نے اضطرار کے عالم میں میری بات کاٹ دی "آج صبح سویرے ہی اس کے تین آدمیوں نے ہمارے گھر پر منہ کی کھائی ہے۔ وہ اتنی جلدی دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ سرکاری وردی کا خوف برا ہوتا ہے۔ ہمارے دروازے پر ایک مسلح سپاہی بھی پہرے پر مامور ہے۔"

"ویرا نے اسے واپس تھانے بھیج دیا ہوگا۔ اسے سپاہی کی بے چارگی پر رحم آرہا تھا۔"

"پھر تو ہم نے واقعی اپنے گھر کو نظر انداز کردیا۔" سلطان شاہ نے اپنی نشست میں بے چینی سے پہلو بدل کر کہا "وہ دونوں عورتیں ہیں۔ ایک مرد کو گھر پر ضرور رہنا چاہیے تھا۔" اس نے موبائل فون اٹھا کر بٹن دبانے شروع کردیے۔

میرے اعصاب پر یکایک ایک بے نام سی بے چینی طاری ہونے لگی تھی۔ سلطان شاہ نے نمبر مکمل کرکے جوں ہی کال کا بٹن دبایا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھین کر اپنے کان سے لگالیا۔

پہلی، دوسری اور پھر تیسری گھنٹی بھی بجتی چلی گئی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ میرے ہاتھوں اور پیروں میں شدید اینٹھن ہونے لگی۔ ستاروں کی چال بدل گئی تھی۔ حالات صحیح رخ پر چلتے چلتے شاید اچانک بگڑ گئے تھے۔

چوتھی گھنٹی شروع ہوتے ہی ریسیور اٹھالیا گیا اور میرے کانوں میں کسی کے تیز سانسوں کی آواز آئی۔

"کیا بات ہے ویرا؟ وہاں کیا ہو رہا ہے؟" میں نے سانسوں کے زیر و بم کو پہچان کر سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے اول خان۔ میں کچھ دیر کے لیے باہر جارہی ہوں۔ واپس آکر فون کروں گی۔"

"غزالہ کہاں ہے؟" میری آواز یک بہ یک بہت کمزور ہوگئی۔ دوسری طرف سے کوئی جواب دیے بغیر فون بند کردیا گیا۔

ہم میلوں دور تھے اور گھر پر کوئی بھیانک کھیل شروع ہوچکا تھا۔ کرشن کمار نے کار کو بھول کر اپنی ساری توجہ ہمارے گھر پر مرکوز کردی تھی۔

ویسے تو ویرا کی آواز ہی بہت کچھ بتارہی تھی لیکن میری

پسند ناپسند

"حمیدہ کو بھی وہی فلمیں پسند تھیں جو مجھے پسند تھیں۔ اسے بھی وہی کھانے اچھے لگتے تھے جو مجھے اچھے لگتے تھے۔ اسے بھی وہی گانے اچھے لگتے تھے جو مجھے اچھے لگتے تھے۔ اسے بھی وہی کتابیں پسند تھیں جو مجھے پسند تھیں۔"

"پھر تم نے اس سے شادی کیوں نہیں کی؟"

"ہم ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے تھے۔"

آواز سن لینے کے باوجود مجھے اول خان کہہ کر اس نے یہ جتادیا تھا کہ اپنی ساری تیزی اور طراری کے باوجود وہ اس وقت حالات کے جنگل میں قطعی بے بس ہوچکی تھی۔

میرا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر سلطان شاہ کو کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ میرے ہاتھ سے فون لے کر مشینی انداز میں اول خان کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔ اس کا نمبر مصروف تھا۔

اس بار بھی وہ غلطی میری ہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے خود ہی اسے ایک کام بتایا تھا۔

سلطان شاہ نے بس چند ثانیوں کے توقف کے بعد نمبر ملالیا۔ اس بار سلسلہ مل گیا۔

"گھر پر کوئی زبردست گڑبڑ ہوئی ہے۔ خود پہنچو اور تھانے کو بھی فون کردو۔ وہاں صرف دونوں عورتیں ہیں۔" اس نے اپنا پیغام مکمل کرتے ہی رابطہ منقطع کردیا تاکہ اول خان فوری طور پر کوئی اقدام اٹھا سکے۔

ٹریفک کی بھیڑ میں میں نے اپنی گاڑی کی رفتار یک لخت تیز کردی۔ اس وقت مجھے ایک ایک لمحہ گراں گزر رہا تھا۔

"گھر کا نمبر ملاؤ!" میں نے غصے اور بے بسی سے اپنے جبڑے بھینچ کر سلطان شاہ کو ہدایت دی۔

"بے سود ہے... اب کوئی فون نہیں اٹھائے گا۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔

"ملاؤ!" میں درندگی سے غرایا "گھنٹیاں بجنے دو۔ وہ دونوں مرگئیں تو کوئی نہ کوئی سب سے پہلے وہاں پہنچ کر فون اٹھالے گا۔"

سلطان شاہ سہم کر فوراً ہی نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔ دوسری طرف گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔

اس وقت تک میں ایک سرخ سگنل کی خلاف ورزی کر کے آگے نکل چکا تھا۔
"چھ گھنٹیوں کے بعد لائن ڈراپ ہو گئی۔" سلطان شاہ نے منہ لٹکا کے مجھے اطلاع دی۔
"دوبارہ ملاؤ۔" میں دبی دبی ہذیانی آواز میں تقریباً چیخ پڑا "جب تک وہاں سے کوئی جواب نہ ملے' بار بار نمبر ملاتے رہو۔ ہم سے پہلے کوئی نہ کوئی وہاں ضرور پہنچے گا۔"
سلطان شاہ موبائل فون کان سے لگائے گھنٹیاں سنتا رہا اور میں کہیں بھی نہ رکنے کا عزم کر کے تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتا رہا۔ میں نے راستے میں ... دو سرخ سگنل توڑے۔ متعدد مقامات پر خطرناک حادثوں سے بال بال بچا اور اسی طرح ہم نمائش کے چوراہے تک پہنچ گئے۔ دوسری طرف مسلسل گھنٹیاں بج رہی تھیں مگر کوئی جواب نہیں تھا۔
میری آنکھیں جل رہی تھیں' دل پتھر ہو گیا تھا۔ گھر سے فون کا کوئی جواب نہ ملنے کا مطلب تھا کہ وہاں کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ سب کچھ خاک ہو چکا تھا۔ میرے دل کی گہرائیوں میں بہت شدت سے آرزو امڈی کہ کاش ویرا اور غزالہ اغوا نہ ہوئی ہوں' انہوں نے اپنی چار دیواری میں لڑتے ہوئے عزت کی موت کو گلے لگالیا ہو۔
شاہراہ قائدین اور پھر مزار قائد کے عقب سے ہوتے ہوئے ہم سبزی منڈی کے پھیلے ہوئے اور پر ہجوم ٹریفک تک پہنچ گئے۔ میں نے گاڑی کی ایمرجنسی لائٹس آن کر دی تھیں' ایک ہاتھ ہارن پر تھا' داہنا پیر بہت بے دردی سے بریک اور ایکسیلریٹر پیڈل کے درمیان حرکت کر رہا تھا۔ سلطان شاہ میرے برابر والی نشست پر کسی مفلوج مجسمے کی طرح ساکت بیٹھا ٹیلی فون کی گھنٹیاں سنے جا رہا تھا۔
میرا خون کھولنے لگا۔ سب نہ جانے کہاں مر گئے تھے' اول خان کہاں رہ گیا تھا۔ ہم آدھے شہر کی مسافت طے کر کے گھر کے قریب پہنچنے والے تھے لیکن اول خان اسٹیشن فور سے ایک سیدھی سڑک طے کر کے ہمارے گھر تک نہیں پہنچ سکا تھا۔

ہمیں راستہ ملتا رہا' گاڑی کی رفتار اور وحشیانہ ہارن سے دوسرے ڈرائیور بوکھلا کر راہ دیتے رہے۔ ہم حسن اسکوائر تک پہنچ گئے لیکن سلطان شاہ کے لبوں میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ اس کے کان میں گونجنے والی گھنٹیوں کی آواز میرے کانوں تک بھی پہنچنے لگی تھی۔ میں نے سخت بد دلی اور مایوسی کے عالم میں حسن اسکوائر سے گاڑی داہنی طرف موڑلی۔
اپنی گلی میں گھستے ہی میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہمارے گھر کے سامنے اول خان کی گاڑی اور ایک پولیس جیپ موجود تھی مگر سلطان شاہ کے موبائل فون پر ہر جواب مفقود تھا۔
وہ منظر دیکھتے ہی سلطان شاہ نے موبائل بند کر دیا۔ گاڑی نے سڑک پر دھول اڑاتے ہوئے آخری جست لگائی اور میں نے اپنے دروازے کے سامنے پوری قوت سے بریک لگا کر اپنی نشست چھوڑ دی۔ گیئر میں ہونے کی وجہ سے گاڑی کا انجن ایک جھٹکا لے کر خود بخود بند ہو گیا اور میں پھاٹک پر کھڑے ہوئے سپاہی کو دھکیلتا ہوا اندر دوڑتا چلا گیا۔
اندر لابی میں مجھے صرف تین نفوس نظر آئے۔ اے ایس آئی طاہر ایک باوردی سپاہی کے ساتھ تھا اور اول خان اکیلا تھا۔ ان تینوں کے لٹکے ہوئے افسردہ چہرے دیکھ کر میرا دل ڈوبنے لگا۔ اول خان نے شاید میرے چہرے سے میری کیفیات کو بھانپ لیا اور ہاتھ ہلا کر ویرا کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔
قدم مڑنے سے پہلے میری گردن گھوم گئی اور پھر میری جلتی ہوئی آنکھوں کے گوشے تشکر کے جذبے سے بے اختیار نم ناک ہوتے چلے گئے۔ اندر وہ دونوں موجود تھیں۔ غزالہ مسہری پر آنکھیں بند کیے بے حس و حرکت لیٹی ہوئی تھی۔ ویرا اس کے سرہانے افسردگی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ میں دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا اور میں نے بیک وقت ان دونوں کو اپنے داہنے اور بائیں بازو میں سمیٹ لیا۔
غزالہ بے ہوش تھی۔ وہ میری اس والہانہ وارفتگی کا کوئی جواب دینے سے قاصر تھی مگر ویرا پھوٹ کر رو پڑی "ڈینی..... !وہ حرام زادہ سفید نیولا یہاں گھس آیا تھا۔" اس نے ہچکیوں کے درمیان بتایا۔
وہ دونوں میری نگاہوں کے سامنے اور بالکل محفوظ تھیں۔ مجھے لمحہ بھر میں اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں رہی تھی کہ وہاں کون آیا تھا۔ وہ جو بھی تھا' یہ بڑی بات تھی کہ بے نیل مرام واپس لوٹا تھا۔
میں نے غزالہ کے چہرے اور پیشانی پر بوسوں کی بھرمار کر دی۔ میں اپنی واپسی کے سفر میں جس ہولناک کرب سے گزرا تھا' اس کے بعد میں جو کچھ دیکھ رہا تھا' اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ جذباتی ابال کچھ ٹھنڈا ہوا تو میں نے خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سلطان شاہ ہماری طرف پشت کیے دروازے سے باہر کھڑا تھا۔
میں رومال سے اپنی آنکھیں خشک کرتا ہوا کمرے سے باہر آیا تو لابی میں اول خان اکیلا کھڑا تھا۔ اس نے میرے

لیے اپنے بازو کھول دیے اور میں اس کی کشادہ چھاتی سے لپٹ کر ایک بار پھر پھٹ پڑا۔
وہ میرا دوست ہونے کے ساتھ ساتھ میرا غمگسار اور ہمدرد بھی تھا۔ ہر آڑے وقت میں مجھ سے آگے سینہ سپر ہونے کے لیے تیار رہتا تھا۔ ہم دونوں دیر تک ایک دوسرے سے یوں ہی لپٹے رہے۔ میری آنکھوں میں دہکتی ہوئی آگ آنسوؤں کی شبنم میں ڈھل کر دھیرے دھیرے سرد ہوتی رہی۔ اول خان مربیانہ انداز میں میری پیٹھ پر تھپکیاں دیتا رہا۔
اس سے الگ ہونے کے بعد میں بولنے کے قابل ہوا تو سب سے پہلے میں نے شکوہ ہی کیا "تم یہاں آگئے تھے تو تم نے میرے فون کا جواب کیوں نہیں دیا۔ میں یہاں کے بارے میں سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا تھا۔"
"فون!" اس نے حیرت سے دہرایا "غلط نمبر ملا ہوگا۔ یہاں کوئی گھنٹی نہیں بجی۔ میں اپنے موبائل پر کوشش کر رہا تھا تو تمہارا فون مسلسل مصروف تھا۔ شاید تم نے غلطی سے کوئی غلط بٹن دبا دیا تھا۔"
میں فوراً لابی میں رکھے ہوئے فون کی طرف بڑھا جہاں سے سب لائنیں آپس میں جڑی ہوئی تھیں۔ ریسیور اٹھایا تو وہ بالکل بے جان تھا۔ پیچھے جھانکا تو کسی نے سارے تار نوچ کر الگ پھینکے ہوئے تھے۔ پوری بات فوراً ہی واضح ہوگئی۔ سلطان شاہ کو گھر کے فون پر گھنٹیاں بجتی سنائی دے رہی تھیں جبکہ وہاں تار الگ تھے۔ ہمارا فون واقعی مسلسل مصروف تھا اس وجہ سے اول خان ہم سے بات کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ ہر رابطہ مفقود ہونے کی وجہ سے میں خود ہی اپنے خیالوں کے آسیب بنا کر ان کے ہیولوں سے وحشت میں مبتلا ہوتا رہا جبکہ اول خان نے نہ کوئی کوتاہی کی تھی، نہ پولیس والوں نے بے پروائی سے کام لیا تھا۔
"طاہر اور اس کے سپاہی کہاں ہیں؟" پولیس کا خیال آتے ہی میں نے بے ساختہ پوچھا۔
"میں نے شکریہ کے ساتھ اسے رخصت کردیا۔ میرے اور اس کے پہنچنے سے پہلے یہاں میدان صاف ہوچکا تھا۔"
"یہاں ہوا کیا تھا؟ ویرا کس سفید نیولے کا ذکر کر رہی ہے؟" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔
"تفصیل کا مجھے خود علم نہیں، مجھے اس نے بتایا کہ کرشن کمار کسی گداگر کے ساتھ گھر میں گھس آیا تھا۔"
"کرشن کمار!" میں نے دانت پیس کر دہرایا "تجھ پر اب میرا بھاری قرض واجب ہوچکا ہے۔"
سلطان شاہ بھی عورتوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر ہمارے ساتھ آملا تھا۔ اس نے بتایا "وہ ویرا کو پہچان گیا تھا اور غزالہ کو بے ہوش کرکے ویرا کو لے جانے ہی والا تھا کہ ویرا کا داؤ چل گیا۔"
"اور کیا بتا رہی ہے وہ؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔
"ابھی اتنا ہی بتایا ہے۔ سنبھلے گی تو کچھ اور بھی بتائے گی۔ کرشن کمار تو حد سے زیادہ مکار اور دیدہ دلیر ثابت ہوا ہے۔" سلطان شاہ بولا "ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ چند گھنٹوں بعد ایسا کوئی خطرناک وار کر گزرے گا۔"
"یہ انسانی نفسیات ہے۔ اس نے ہماری اسی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔" اول خان نے کہا۔
"گاڑی کھلی ہوئی ہے۔ چابی بھی اگنیشن میں ہے۔ اسے لاک کر آؤ۔" خیال آنے پر میں نے سلطان شاہ کو ہدایت دی اور وہ باہر چلا گیا۔
میں خود کو ابتدائی صدمے سے سنبھال چکا تھا۔ دوبارہ ویرا کی خواب گاہ میں گیا تو اس سے پتا چلا کہ غزالہ کو کنپٹی پر ضرب لگا کر بے ہوش کیا گیا تھا۔ اسے کوئی اور چوٹ نہیں آئی تھی۔ ایسی صورت میں غزالہ کے سرہانے بیٹھنا بے سود تھا۔ ضرب کے اعصابی اثرات ختم ہونے سے پہلے اس کا ہوش میں آنا ممکن نہیں تھا۔ اس کے لیے آرام اور وقفہ ضروری تھا۔
میں ویرا کو سمجھا بجھا کر اس کے کمرے سے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ کھلی فضا میں ہمارے ساتھ بیٹھ کر وہ زیادہ آسانی سے اپنی ذہنی پراگندگی پر قابو پاسکتی تھی۔ اس کی کہانی سننے کے لیے اس کا جلد از جلد معمول پر آنا ضروری تھا۔
ویرا ڈرائنگ روم میں آئی اور آتے ہی شکستہ لہجے میں بولنے لگی "اف میرے خدا....! وہ ایک ڈراؤنا خواب تھا۔ وہ دونوں بہت سفاک نظر آرہے تھے اور انہوں نے ماؤزر کی نال غزالہ کی کنپٹی سے لگائی ہوئی تھی۔ انہیں دیکھ کر میں سناٹے میں آگئی تھی۔ وہ میری زندگی کا بدترین تجربہ تھا جسے میں زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔"
"اپنے چڑھے ہوئے سانس درست کرو۔" میں نے نرم لہجے میں اسے تسلی دی "وہ برا وقت تھا گزر چکا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم دونوں صحیح و سلامت ہو۔ تمہارے اوسان درست ہوں گے تو تمہاری کہانی بھی سن لیں گے۔"
سلطان شاہ کو موقع کی نزاکت اور وقت کی اہمیت کا احساس تھا۔ وہ ویرا کی باتیں سننے کے بجائے از خود ٹیلی فون کے تار جوڑنے چلا گیا تھا۔ چند منٹ بعد اس نے واپس آکر

اسپیکر فون آن کیا تو اس کی ڈائل ٹون بحال ہو چکی تھی۔ ٹیلی فون کی طرف توجہ مبذول ہوتے ہی اول خان کو پولیس ہیڈ آفس کا وہ آدمی یاد آگیا جسے اس نے موہن اینڈ موہن کے حیدر آباد آفس کے بارے میں معلومات کے حصول کے لیے کہا ہوا تھا۔

اس نے اسے مطلع کیا کہ وہ اپنے دفتر کے بجائے ہمارے فون نمبر پر موجود تھا لہٰذا اس سے وہیں رابطہ کیا جائے۔ دوسری طرف سے اسے بتایا گیا کہ کام شروع کیا جا چکا تھا اور کسی بھی لمحے معلومات ملنے والی تھیں۔

حالات بدترین نہج پر جاتے جاتے یکایک سنبھل گئے تھے۔ میں نے ذہنی یکسوئی کے لیے سگریٹ سلگا لی۔ ویرا اعصاب زدہ ہو رہی تھی اور رہ رہ کر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ اس کی فرمائش پر میں نے اس کے لیے بھی ایک سگریٹ سلگا دی۔ اس نے کسی اناڑی سگریٹ نوش کی طرح پے در پے چند گہرے کش لے کر سارا زہریلا دھواں اپنے پھیپڑوں میں جذب کر لیا۔ میں نے دانستہ اپنی توجہ اس کی طرف سے ہٹالی۔

ڈرائنگ روم میں ہم چار نفوس موجود تھے اور چاروں ہی خاموش تھے۔ وہ خاموشی خاصی مہیب اور غیر فطری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سکوت اول خان نے توڑا۔ وہ ہم سے ہمارے گھر سے نکلنے کا سبب پوچھ رہا تھا۔

وہ بے سود آوارہ گردی میری ذہنی اپج کا نتیجہ تھی اس لیے میں خاموش رہا۔ سلطان شاہ، اول خان کو پورے انہماک سے اس مہم جوئی کے رموز و نکات سمجھانے میں مصروف ہو گیا۔

اسے کھلی چھوٹ دینے کے لیے میں ڈرائنگ روم سے اٹھ کر لابی میں آگیا۔ جلال اپنے مقاصد کے تحت ہمارے مسائل میں جتنی گہری دلچسپی لے رہا تھا، اس کا تقاضا تھا کہ اسے بھی تازہ ترین حالات سے آگاہ کر دیا جائے۔ میں نے لابی سے اس کے دفتر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف وہ خود موجود تھا۔

ہماری طرح اس کے لیے بھی یہ خبر نا قابلِ یقین تھی کہ اپنے تین آدمیوں سے ہاتھ دھونے کے محض چند گھنٹوں بعد کرشن کمار نے کسی زہریلے ناگ کی طرح اچانک پلٹ کر دوسرا وار کر ڈالا تھا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ اس بار بھی اس کا وار خالی گیا تھا۔ جلال مجھ سے اس واقعے کی تفصیلات جاننا چاہ رہا تھا لیکن اس وقت تک میں خود بے خبر تھا۔ اسے سنانے کے لیے میرے پاس کوئی تفصیل نہیں تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے بات کرنے کے بعد تمہیں مزید کچھ کرنے کا موقع نہیں مل سکا اور تم ہنگامی حالات میں گھر واپس لوٹ آئے!" ریسیور پر اس کی پر اشتیاق آواز ابھری۔

"مجبوری تھی۔ گھر سے رابطہ ختم ہو جانے کی وجہ سے میرے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ ویسے بھی ویرا سے ادھوری بات ہونے کے بعد میں ذہنی طور پر کچھ سوچنے یا سمجھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ گھر پر میری زیادہ ضرورت تھی۔"

"وہ اب تک ہمیں پیچھے دھکیلتا چلا آرہا ہے۔" اس نے خود کو بھی ہمارے ساتھ شمار کرتے ہوئے پر خلوص لہجے میں کہا "اب اس کی گردن نہ توڑی گئی تو وہ واقعی کوئی نقصان پہنچا بیٹھے گا..."

وہ تھوڑا سا مبالغہ کر رہا تھا۔ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اس نے سلطان شاہ کو اغوا کیا اور ہم اسے صاف نکال لائے۔ اس کی دوسری کوشش سراسر ناکام ثابت ہوئی ہے۔ اس دوران میں وہ اپنے کتنے ہی آدمیوں سے محروم ہو چکا ہے۔"

"اس کے لیے کام کرتے ہوئے جو لوگ مارے یا پکڑے گئے، اسے ان سے ذرا بھی ہمدردی یا دلچسپی نہیں ہو گی۔ ایسے خود غرض لوگ اندر سے بہت سفّاک ہوتے ہیں۔ وہ بھارتی ہے اور اس کے مذموم مقاصد کے لیے اپنی گردنیں کٹوانے والے سارے احمق مقامی تھے۔ وہ جانی نقصان کی پروا کیے بغیر سودے بازی کی بہتر پوزیشن میں آنا چاہتا ہے۔ ویرا کو اپنے قبضے میں لینے کے بعد وہ مراد کی واپسی کے لیے مطالبہ کر سکتا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا ہے اس لیے اس کی طرف سے جلد ہی کوئی تیسری کوشش بھی ہو سکتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر بار ہی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ ہمیں حقائق کی دنیا میں رہ کر کچھ سوچنا ہو گا۔"

"اس کے بارے میں سوچتے سوچتے میرا دماغ دکھنے لگا ہے۔" میں نے اس کی باتیں غور سے سننے کے بعد کہا "ابھی تک وہ ایک سایہ ہے سائے کو کون پکڑ سکتا ہے؟ تم بتاؤ کہ میں کیا کروں۔"

"اپنی توجہ موہن اینڈ موہن پر مرکوز کرو۔ میرے آدمی سے رابطہ کرو۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔"

میرے ذہن سے جیسے یکایک برف پگھل گئی۔ میں نے چونک کر کہا "ان کا نام دوسری طرف سے بھی سامنے آیا ہے۔"

اس اطلاع پر جلال کی آواز پرجوش ہو گئی۔ میں نے اسے اول خان کی ابتدائی رپورٹ سے آگاہ کیا اور اس کا

ذہن فوری طور پر ایک نئے امکان کی طرف مبذول ہو گیا "اگر حیدر آباد جیسے چھوٹے شہر میں ان کا کوئی دفتر ہے تو اسلام آباد میں بھی ہونا چاہیے۔ حیدر آباد میں گنتی کے غیر ملکی ہوں گے۔ یہاں شہر کی چوتھائی سے کچھ کم آبادی ان پر مشتمل ہے۔"

"ان کے خلاف پہلا ثبوت سامنے آچکا ہے۔ تم اسلام آباد میں ان پر دھاوا بولو۔ ہم کراچی میں انہیں گھیرتے ہیں۔ ان کے کرشن کمار سے گہرے مراسم ہیں جب ہی ان کی گاڑی بھیلوں نے استعمال کی تھی۔"

"وہ کرشن کے ہمدرد اور ذات کے شاید بنیے ہیں۔ ان سے اسلام آباد میں چھیڑ چھاڑ میں پہل کی گئی تو وہ ہوشیار ہو جائیں گے۔ پہلے انہیں کراچی میں ہی گھیرو۔ تمہارا سگنل ملے گا تو ہم یہاں انہیں پیس ڈالیں گے۔"

"تمہیں اب احساس ہو رہا ہو گا کہ ہندو پاکستان کے لیے کیا سوچ رکھتے ہیں۔" میں نے اسے اس کی کہی ہوئی بات یاد دلائی "یہاں کی زمین سے اگنے والے اناج پر پلنے والے بھیل اور بنیے' سب کرشن کمار کے ساتھی ہیں۔"

"یہ زندگی کی وہ تلخ حقیقتیں ہیں جن سے ٹکرا کر ہر اچھے سے اچھا نظریہ پاش پاش ہو جاتا ہے۔ میں جس منصب پر فائز ہوں' وہاں بیٹھ کر کوئی متعصبانہ بات سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"تم نہ سوچو لیکن دوسروں کو سوچنے سے نہ روکو۔ ہر ایک کو اپنے طور پر سوچنے کی مکمل آزادی ہے۔"

ہلکی سی ہنسی کے بعد اس کی آواز آئی "سوچتے رہو لیکن میرے آدمی سے رابطے میں رہو۔ تم نے مجھے ویرا کے مزاج کے بارے میں آگاہ کر کے اس سے تھوڑا سا بد دل کر دیا ہے پھر بھی میری نیک خواہشات اس تک پہنچا دینا۔ وہ ایک بہت بڑے سانحے سے بال بال بچی ہے۔ ایسے معاملات میں عورت کی حیثیت بہت نازک ہو جاتی ہے۔"

میں اس سے گفتگو ختم کر کے واپس ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا ایک گلاس سے شفاف سیال کا چھوٹا سا گھونٹ لے رہی تھی۔ فضا میں رچی ہوئی مانوس بو سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ اپنے اعصاب کو سہارا دینے کے لیے وہ جن کا گلاس بنا لائی تھی۔ اس وقت اسے الکحل کی شدید ضرورت تھی۔

میں نے ان لوگوں کو اپنی اور جلال کی گفتگو سے آگاہ کیا۔ اس دوران میں ویرا جن اور ٹانک واٹر پر مشتمل گلاس کی بڑی مقدار اپنے معدے میں منتقل کر چکی تھی۔ میری بات مکمل ہوتے ہی اس نے اپنی کہانی چھیڑ دی۔

○☆○

اس وقت تقریباً ساڑھے بارہ بجے کا عمل رہا ہو گا۔ ڈور بیل بجی تو ویرا باتھ روم میں تھی۔

ہمارے چلے جانے کے بعد اس نے گھر کے پہرے پر مامور سپاہی کو بھرپور طریقے سے شکم سیر کرانے کے بعد واپس تھانے بھیج دیا تھا اور گھنٹی کا جواب دینے کے لیے گھر میں غزالہ کے سوا کوئی نہیں تھا۔ وہ فکر مند ہو گئی۔

ہم لوگ اس گھر میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہمارے ملاقاتیوں کی فہرست اول خان سے شروع ہو کر اسی کے نام پر ختم ہو جاتی تھی اور وہ عام طور پر فون کر کے ہی ہمارے گھر آتا تھا۔ ویرا کو توقع تھی کہ آنے والا وہ نہیں ہو گا۔ وہ عجلت میں باتھ روم سے نکلی اور کمرے سے باہر آئی تو یہ دیکھ کر اس کے فرشتے کوچ کر گئے کہ غزالہ دو آدمیوں کے ساتھ پورچ سے گھر میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں اور چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

غزالہ کے ساتھ آنے والوں میں سے ایک شخص گداگروں جیسے میلے اور خستہ لباس میں تھا۔ اس کے بکھرے ہوئے بالوں اور مدقوق چہرے پر عجیب سی پھٹکار برس رہی تھی۔ دوسرا شخص چھریرے بدن کا مالک اور دراز قامت تھا۔ اپنی خوش روئی اور گوری رنگت کے باوجود وہ مردانہ وجاہت اور کشش سے محروم تھا مگر اس کی چمکتی ہوئی تیز نگاہوں میں سفّاکی تیر رہی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ماؤزر موجود تھا۔ جس کی نال غزالہ کی کنپٹی سے لگی ہوئی تھی۔

ویرا نے حلیے اور شکل و شباہت کی بنا پر اس خوش لباس شخص کو پہلی نظر میں پہچان لیا۔ وہ کرشن کمار کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ ویرا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ صبح سویرے ساہو بھیل کی موت اور دو آدمیوں کی گرفتاری کے بعد وہ یوں دندناتا ہوا ہمارے گھر میں گھس آئے گا۔ وہ راہداری میں اپنی جگہ جم کر رہ گئی۔

دوسری طرف کرشن نے بھی پہلی نظر میں ویرا کو پہچان لیا اور اس پر نگاہ پڑتے ہی تحیر زدہ آواز میں بولا "اوہ! ویرا لائیڈ! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم یوں بونس میں ہاتھ آجاؤ گی۔ تم پر مقرر کیا ہوا بیس لاکھ ڈالر کا انعام میری زندگی بدل دے گا۔"

ویرا کو غزالہ کی صلاحیتوں کا اندازہ تھا۔ غزالہ کو اپنے دفاع کا ذرا بھی موقع ملا ہوتا تو وہ ان دونوں کو خاصا زچ کر سکتی تھی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ اسے دھوکے سے بے بس کیا گیا

تھا۔ پھاٹک کی کھڑکی کھلتے ہی کرشن اسے گن پوائنٹ پر لے کر اندر آگیا تھا۔ وہ دونوں غزالہ کے ساتھ دھیرے دھیرے آگے بڑھتے رہے اور ویرا الٹے قدموں پیچھے سرکتی رہی۔

اس کا ذہن مفلوک الحال گداگر میں الجھا ہوا تھا۔ وہ بظاہر غیر مسلح تھا اور اپنی وضع قطع سے پیشہ ور نظر آرہا تھا۔

"خیریت چاہتے ہو تو غزالہ کو چھوڑ دو اور فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔" ویرا نے تیز سرگوشیانہ آواز میں کہا "کسی بھی لمحے ہمارے دونوں ساتھی واپس آئیں گے اور تمہارا خون پی جائیں گے!"

"نو ڈارلنگ!" کرشن کمار کے ہونٹوں پر مکارانہ مسکراہٹ پھیل گئی "نریش بھکاری کے روپ میں کئی گھنٹوں سے یہاں جھک نہیں مار رہا تھا۔ اس نے پل پل کی خبر رکھی ہے۔ وہ دونوں تیار ہو کر کسی لمبے سفر پر گئے ہیں۔ ویسے میں خود بھی عجلت میں ہوں۔ تم میرا خوب صورت انعام ہو۔ میں تمہیں لے کر جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔"

ویرا مارشل آرٹس میں ماہر تھی۔ پلک جھپکتے میں اپنے پیروں سے کرشن کمار کا جبڑا توڑ سکتی تھی مگر اس وقت وہ مجبور تھی۔ کرشن کمار کے ماؤزر کی نال غزالہ کی کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی۔ وقت یا اندازے کی ذرا سی بھی غلطی ہوتی تو غزالہ چشم زدن میں اپنی زندگی سے محروم ہو سکتی تھی۔ ویرا کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا مگر وہ کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھی۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی اور کرشن کی پیشانی پر پرتشویش شکنیں ابھر آئیں۔

دوسری گھنٹی بجتے ہی اس نے کسی سانپ کی طرح پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا "مختصر ترین بات کر کے فون بند کر دو۔ تم نے کوئی غلط لفظ بولا یا کوئی اشارہ دینے کی کوشش کی تو غزالہ کی کنپٹی میں سوراخ ہو جائے گا۔۔۔ تمہیں ہر حال میں میرے ساتھ جانا ہے۔"

اس دوران میں تین گھنٹیاں بج چکی تھیں۔ چوتھی گھنٹی شروع ہوتے ہی ویرا نے مجھ سے مختصربات کی اور خوف سے فون بند کر دیا۔ اسے ڈر تھا کہ اس کے کسی لفظ پر مشتعل ہو کر وہ سفید نیولا غزالہ کو گولی نہ مار دے۔

ویرا کو اپنے اغوا کے بارے میں زیادہ فکر نہیں تھی۔ نریش نامی بہروپیا نہتا تھا۔ ویرا کو سارا خطرہ صرف کرشن کی طرف سے تھا۔ وہ خود کو بدترین حالات کے لیے تیار کر چکی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ غزالہ کو سفید نیولے کے چنگل سے نجات دلا کر اس کے ساتھ چل دے۔ گھر سے نکلنے کے بعد وہ کسی بھی مرحلے پر موقع پا کر اسے زیر کرنے کی کوشش کر سکتی تھی۔

"غزالہ کو چھوڑ دو!" اس نے آخر کار پھنسی پھنسی آواز میں کہا "میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔"

کرشن کمار نے ماؤزر کی نال سے ہی غزالہ کو نریش کی طرف دھکیلا۔ اس وقت وہ تینوں ویرا کے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ نریش نے اپنے آقا کا اشارہ سمجھ کر غزالہ کی کنپٹی پر ایک زوردار گھونسا رسید کیا اور وہ کراہ کر نریش کے بازو پر سے ہوتی ہوئی ویرا کے کمرے کی چوکھٹ میں جا گری۔

نریش کا مکا اس قدر نپا تلا تھا کہ گرنے کے بعد غزالہ کا جسم ساکت ہو گیا۔

کرشن کمار کی آنکھوں میں حریصانہ چمک عود کر آئی۔ وہ ویرا پر ماؤزر تانے' تیزی سے اس کے قریب پہنچا پھر اس نے بائیں ہاتھ سے ویرا کے نرم بال جکڑ کر ماؤزر کی نال اس کی پسلیوں سے لگا دی۔

وہ دراز قامت تھا۔ اس کی گرسنہ نگاہیں ویرا کے دہشت زدہ چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ اس پر جھکتے ہوئے سرگوشیانہ آواز میں بولا "تم واقعی بے حد حسین ہو۔۔۔ اس قدر حسین کہ دنیا کے کسی بھی مرد کے لیے ایک خواب اور حسرت بن سکتی ہو۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ویرا کو اس سفید نیولے سے گھن آرہی تھی۔ وفور جوش میں وہ ویرا سے بہت قریب آگیا تھا۔ ویرا نے اپنی آنکھیں بند کر کے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔ وہ پوری قوت سے اسے دور دھکیل دینا چاہتی تھی مگر مجبور تھی۔ اپنی پسلیوں میں ماؤزر کی بے رحم آہنی نال کی چبھن اسے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کے لیے مجبور کر رہی تھی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی آسیبی آواز میں چیختی جا رہی تھی۔ کرشن کمار بے وقوف نہیں تھا لیکن وہ ویرا کو وہاں سے نکال لے جانے سے پہلے اس کے وجود کے لمس کو کچھ بہتر انداز میں محسوس کرنے کے شیطانی جذبے سے مغلوب ہو گیا تھا۔ اسے فون کی گھنٹی کی کرخت آواز کی مداخلت سخت ناگوار گزری۔ اس نے جھلائے ہوئے انداز میں جھک کر دیکھا' ویرا کو اپنی پسلیوں پر سے ماؤزر کی نال کا دباؤ ختم ہونے کا خوشگوار احساس ہوا تو اس نے اچانک آنکھیں کھول دیں۔

ویرا کے بال بدستور کرشن کمار کی بائیں مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے اور وہ فون کے پیچھے جھک کر ٹیلی فون کے تار نوچنے میں مصروف تھا۔ ٹیلی فون کی گھنٹیوں کا سلسلہ

موقوف ہوچکا تھا مگر کرشن کمار کی بدقسمتی کا گجر بج اٹھا تھا۔
ویرا کا داہنا گھٹنا پوری قوت سے اٹھا اور ایسی جگہ پڑا کہ کرشن کمار چیخ مار کر فرش سے کئی انچ اوپر اچھل گیا۔ اپنے جسم کے مضروب حصے کو بچانے کی ناکام غیر ارادی کوشش میں اس کے دونوں ہاتھ حرکت میں آئے جس کے نتیجے میں ماؤزر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فون کے نیچے ہوئے تاروں پر جا گرا' ویرا کے بال بھی اس کی وحشیانہ گرفت سے آزاد ہوگئے۔
مکمل آزادی میسر آتے ہی ویرا کے وجود میں بجلی سی سرایت کرگئی۔ اس نے سفید نیولے کے جبڑے پر کھڑی ہتھیلی کا زوردار وار کیا۔ وہ اچھل کر کئی فٹ دور جا گرا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو وہ قالین پر لوٹ کر الگ ہوگیا۔ اس بار ویرا خود اپنے وار کا شکار ہوگئی۔ اس کی بائیں کہنی کرشن کمار کے گداز سینے کے بجائے فرشی قالین پر پڑی تھی جس کے نیچے کنکریٹ کا سخت فرش تھا۔
وہ ویرا کے لیے زندگی اور موت کا جاں گسل معرکہ تھا۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں بھینچ کر بہت مشکل سے اپنی بے ساختہ چیخ ضبط کی اور اچھل کر فرشی قالین سے کھڑی ہوگئی۔
کرشن کمار بھی قالین پر ایک لمبی لوٹ لگا کر اپنے قدموں پر کھڑا ہوچکا تھا لیکن ماؤزر اس کی دسترس سے بہت دور تھا۔ ویرا اس کے اور ماؤزر کے درمیان ایک للکارتی ہوئی دیوار بنی ہوئی تھی۔
اس کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ آگے بڑھ کر ویرا سے بھڑ جاتا یا پھر پلٹ کر کھلے ہوئے دروازے سے نکل بھاگتا۔
حالات کا رخ بگڑتا دیکھ کر نریش کے اوسان خطا ہوچکے تھے۔ وہ کہیں بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید وہ پہلے ہی دروازے سے باہر فرار ہوچکا تھا۔
وہ دونوں بس چند ثانیوں تک ایک دوسرے سے کئی فٹ کے فاصلے پر کھڑے رہے۔ ویرا اسے نفرت اور حقارت سے گھور رہی تھی۔ وہ بوکھلائی ہوئی نظروں سے آس پاس ایسی کوئی چیز تلاش کررہا تھا جسے ویرا کے خلاف موثر ہتھیار کے طور پر استعمال کرسکے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ ٹانگوں کے درمیان دبیے ہوئے تھے۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ سخت اذیت میں مبتلا تھا۔
اس کے قدم اکھڑ چکے تھے۔ ویرا اسے سنبھلنے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس کی بائیں کہنی میں درد کی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں پھر بھی اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر پیش قدمی کی۔ اس نے اپنے بگڑے ہوئے تیوروں میں کوئی نرمی نہیں آنے دی تھی۔ اس وقت تک سفید نیولے کو اچھی طرح اندازہ ہوچکا تھا کہ ویرا کا حسین و نازک سراپا حسرتوں کے ساتھ صرف خواب میں دیکھنے کے لیے تھا۔ اس جیسے بدطینت مرد اسے چھو کر اس کے قہر اور عتاب سے نہیں بچ سکتے تھے۔
وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں پلٹ کر دروازے کی طرف بھاگا اور پھر بھاگتا ہی چلا گیا۔
ویرا گھر کے دروازے تک پہنچی تو باہر سے کسی کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور تیزی کے ساتھ دور ہوتی چلی گئی۔
پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ ویرا میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ باہر جا کر اسے بند کرتی' اس نے گھر کا دروازہ بند کرکے اوپر اور نیچے کے بولٹ لگائے' واپس آئی اور بے ہوش غزالہ کے سینے پر گر کر بے ساختہ رو پڑی۔
کرشن کمار کے فرار کے چند منٹ بعد پولیس پارٹی گھر کے دروازے پر موجود تھی۔

○☆○

وہ شخص جو ہر خطرے کو بالائے طاق رکھ کر بہت دیدہ دلیری سے ہمارے گھر میں گھسا تھا' ویرا کی حاضر دماغی اور حوصلہ مندی کے سبب' منہ کی کھا کر فرار ہوا تھا۔
ویرا اپنی چوٹ کی تکلیف پر غالب آچکی تھی مگر ہم تینوں نے اس کی بائیں کہنی کا جائزہ لیا۔ کہنی پر ہلکا سا ورم تھا اور ویرا دقت سے اسے ہلا پا رہی تھی۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ کہنی کی پیچیدہ ہڈیاں کسی توڑ پھوڑ کا شکار نہیں ہوئی تھیں۔ بے طرح ضرب آنے سے کوئی جوڑ ہل گیا تھا جو کریپ بینڈیج کے استعمال اور قدرے آرام کے بعد معمول پر آسکتا تھا۔
اس وقت غزالہ بھی ہوش میں آچکی تھی۔ اس کو بھی کنپٹی پر گہری چوٹ لگی تھی اور ہوش میں آنے کے باوجود اسے چکر آرہے تھے۔ کسی لمبے بکھیڑے میں پڑنے کے بجائے اسے مسکن دوا دے کر اپنی خواب گاہ میں دوبارہ سلا دیا گیا۔ توقع تھی کہ طویل اور گہری نیند کے بعد' چوٹ میں درد کے سوا اس کی دوسری شکایات دور ہوجائیں گی۔ اس طرح وہ پورا قصہ خود ساختہ گھریلو علاج سے نمٹ گیا تھا۔
کرشن کمار' ویرا کے ساتھ کوئی بڑی بے ہودگی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا مگر اس کے سلوک کی وجہ سے ویرا

توہین کے احساس میں مبتلا تھی اور آرام کرنے کے بجائے اس کے خلاف منصوبہ بندی میں سرگرم حصہ لینے پر مصر تھی۔ اس نے ہم تینوں کے سامنے اعتراف کیا کہ مغربی معاشرت کی عادی ہونے کی وجہ سے وہ مردوں سے آزادانہ میل جول کی عادی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں کسی مرد کے جسم یا ہاتھوں کے لمس سے اتنی کراہت محسوس نہیں کی تھی جو سفید نیولے کے ساتھ تجربے میں آئی تھی۔

اس کے جسم کا ہر حصہ سرد، لجلجا اور ایسا چپچپاہٹ آمیز تھا کہ جسم پر سمندری کچھوؤں کے رینگنے کا گھناؤنا احساس ہو رہا تھا۔ ویرا نے اپنی کھڑی ہتھیلی کا وار کر کے اس کا جبڑا تو توڑ ہی دیا تھا' اس کے ہاتھ توڑ کر وہ اپنا انتقام مکمل کرنا چاہتی تھی۔ سفید نیولے کی سیدھی سادی موت اس کا غصہ سرد نہیں کر سکتی تھی۔

"یہ نہ سمجھنا کہ اسے تم نے زیر کیا ہے۔" جن کے زیر اثر ویرا کا موڈ بحال ہونے کے کافی دیر بعد سلطان شاہ نے پہلی چٹکی لی "سفید نیولے کو تم سے دور رکھنے میں ہم دونوں نے پوری طرح حصہ لیا ہے۔"

"اگر تم دونوں کہیں کوئی منتر پڑھ رہے تھے تو میں ایسی خرافات کی قائل نہیں ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ کسی مرد کی موجودگی کے بغیر میں نے کامیابی سے اپنا اور غزالہ کا دفاع کر لیا۔ میں خود کو اس کے سپرد کرنے پر آمادہ نہ ہوتی تو وہ شاید غزالہ کو گولی ہی مار دیتا۔ وہ بہت سرد اور منتقم مزاج نظر آ رہا تھا۔"

"دشمن ایک دوسرے کے لیے ایسے ہی ہوتے ہیں۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا "ہم منتر نہیں پڑھ رہے تھے' مسلسل گھر کا فون ملائے بیٹھے تھے ہماری بجائی جانے والی گھنٹیوں سے مشتعل ہو کر وہ ذرا سا غافل ہوا اور تمہیں موقع مل گیا۔"

"مسلسل فون ملانا بے سود تھا۔ دوسری بار چھ سات گھنٹیوں کے بعد ہی اس نے تار نوچ دیے تھے۔"

"وہ بھی میرا ہی فون تھا۔ ڈیڈی کا حکم تھا کہ نمبر ملایا جائے۔ چھ گھنٹیوں کے بعد لائن ڈراپ ہو گئی تھی۔ شاید اس کی کھینچا تانی میں تاروں کے سرے شارٹ ہوئے تھے۔ ہمیں یہاں ہونے والے واقعات کا علم نہیں تھا اس لیے بعد میں مسلسل نمبر ملائے بیٹھے رہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ گھر سے دور رہ کر بھی تم دونوں نے غیر ارادی طور پر ویرا کی بہت مدد کی ہے۔" اول خان نے سلطان شاہ کی تائید کی "بار بار کوشش کرنے کے بعد میں حیران تھا کہ تم کس سے اتنی لمبی بات کر رہے ہو۔"

"وہ فون میرے لیے نجات کا پیغام ثابت ہوا تھا۔" ویرا نے کھلے دل سے اقرار کیا "تذلیل اور پھر اس کے ہاتھوں اغوا کا تصور ہی میرے لیے سوہان روح تھا پھر بھی میں ذہنی طور پر اس سانحے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔"

"کچھوؤں کی بہار آجاتی۔" سلطان شاہ بے ساختہ بول اٹھا "ہر طرف کچھوے ہی کچھوے رینگ رہے ہوتے۔"

"ہر وقت کی شوخی اچھی نہیں ہوتی۔" میں نے سلطان شاہ کو گھور کر تنبیہہ کی "اور کچھ نہیں تو ویرا کی مجروح کہنی کا ہی خیال کر لو۔ وہ تمہیں مناسب سبق دینے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔"

"سفید نیولا!" سلطان شاہ نے ہنس کر کہا "پتا نہیں' ویرا نے اسے یہ انوکھا نام کیوں دیا ہے۔"

"تم بھی اسے دیکھو گے تو بے اختیار یہی کہہ اٹھو گے ....." ٹیلی فون بجنے لگا تھا ویرا کی بات ادھوری رہ گئی۔

اس وقت اول خان کال کا منتظر تھا۔ اس نے بٹن دبا کر اسپیکر فون ہی آن کر دیا۔

دوسری طرف سے اس کا شناسا پولیس افسر بتا رہا تھا کہ موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کے بارے میں تصدیق ہو گئی تھی۔ حیدر آباد اور اس کے مضافات میں مختلف منصوبوں پر مامور غیر ملکیوں کو شراب کی فراہمی کے لیے ان کا ایک دفتر قائم تھا جہاں کا عملہ صرف دو نفوس پر مشتمل تھا۔ منیجر اور اس کے مددگار کے سوا وہاں تیسرے آدمی کی ضرورت نہیں تھی۔

کار کا رجسٹریشن فرم کے نام پر تھا مگر وہ گاڑی باضابطہ طور پر منیجر کے استعمال میں تھی۔ منیجر کا نام ہری چند تھا۔ اگر ہری چند اپنے مالکان کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ وہ خود بھی کرشن کمار کا مددگار تھا ورنہ اس کی گاڑی حیدر آباد سے کراچی نہ لائی گئی ہوتی۔ پولیس افسر کا خیال تھا کہ ہری چند کو اعانت جرم کے الزام میں فوری طور پر حراست میں لے لیا جائے۔

"ابھی اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔" میرے اشارے پر اول خان کو جلال کا مشورہ یاد آگیا۔ "اسے چھیڑا تو اصل مجرم ہوشیار ہو جائیں گے۔ ہمیں اپنے کام کی ابتدا کراچی سے کرنی ہوگی۔"

"کراچی میں ہر قسم کا تعاون ملے گا۔ فوری طور پر تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"ابھی میں اپنے طور پر دیکھوں گا کہ موہن اینڈ موہن

والے کیا کررہے ہیں۔ بعد میں تمہیں کچھ بتاؤں گا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حیدر آباد میں کل کتنے غیر ملکی ہوں گے جن کے لیے انہوں نے دو افراد کو تنخواہ اور کار دے کر وہاں رکھا ہوا ہے۔ حیدر آباد میں کام کرنے والے بھی کراچی کو ترجیح دیتے ہیں۔ صبح شام کی آمدورفت کے مقابلے میں انہیں حیدر آباد کے ہوٹلوں کی ناقص رہائشی سہولتیں زیادہ گراں گزرتی ہیں۔ یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔"

میرا بھی یہی خیال ہے۔ اول خان اس کی رائے سے متفق تھا۔ "ہر جرم کے لیے کسی نہ کسی آڑ کی ضرورت ہوتی ہے۔" انہوں نے اپنا دفتر کھولا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے اسے کراچی اور تھر کے درمیان محض ایک رابطے کے لیے استعمال کیا جاتا ہو۔"

"یہ چکر کیا ہے؟ گلشن اقبال سے پکڑے جانے والے دونوں بھیلوں نے اپنی بے شمار چوریوں کے ساتھ کسی کرشن کمار کا بھی ذکر کیا ہے جس نے انہیں حیدر آباد سے کراچی بھیجا تھا۔ وہ کون بندہ ہے؟"

"وہی سارے فساد کی جڑ ہے۔ ہم اس تک پہنچنے کی کوشش کررہے ہیں۔ وہ ہاتھ آئے تو معلوم ہو کہ وہ کیا چاہتا ہے۔" اول خان نے گول مول سا جواب دے کر اسے ٹال دیا۔

ان دونوں کے مراسم میں بہت زیادہ گرم جوشی یا گہرائی نہیں تھی لیکن ان کے تعلقات پرانے محسوس ہوتے تھے۔ وہ مزید کچھ باتیں کرتے رہے پھر اول خان نے اس کا شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا۔

"اب بات ہر شک و شبے سے بالا ہو گئی۔" میں نے اول خان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "تمہارے کیا ارادے ہیں؟"

"نیپیئر روڈ پر ان کا دفتر اور گودام ہے۔ وہ اس وقت بھی کھلا ہوا ہو گا۔ کچھ نفری لے کر ادھر ہی چلتے ہیں۔"

"وہاں کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ میرا خیال ہے کہ شام ہو لینے دو۔ پرائیویٹ لمیٹڈ ادارے عام طور پر فیملی بزنس کے طور پر چلائے جاتے ہیں۔ اس کے مالکان کہیں ایک ہی جگہ رہتے ہوں گے۔ شام ڈھلے وہاں کا گھیراؤ کیا جائے۔"

"تمہاری تجویز زیادہ مناسب ہے۔" ویرا نے کہا "اندھیرا ہونے کے بعد میں بھی تمہارے ساتھ چل سکوں گی۔ اندر نہیں جاؤں گی۔ باہر ہی کسی گاڑی میں بیٹھی رہوں گی۔ جب تک کہنی ٹھیک نہیں ہو جاتی۔ میں زیادہ کام نہیں کر سکتی۔"

"کم اور زیادہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم گھر پر آرام کرو گی۔" میں نے کہا "سلطان شاہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ ابھی چند روز تک تمہیں اور غزالہ کو خاصی احتیاط اور دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔"

"میں بھی گھر پر رہوں گا؟" سلطان شاہ کا منہ لٹک گیا

"اس کی کیا ضرورت ہے۔ وہ دوسری بار جس ہزیمت سے دوچار ہوا ہے، اس کے بعد تیسری مرتبہ ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔"

"ہر بات میں بحث نہیں کیا کرتے۔" اول خان نے اسے سمجھایا "جب تک ہم کرشن کمار کا قضیہ ختم نہیں کر لیتے، ہمیں محتاط رہنا ہو گا۔"

سلطان شاہ منہ پھلا کر وہاں سے اٹھ گیا۔ اسے توقع رہی ہو گی کہ ہم میں سے کوئی اسے روکنے کی کوشش کرے گا مگر سب خاموش رہے۔ ویرا کے ہونٹوں پر شوخ سی مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ سلطان شاہ کو بے بس یا برہم دیکھ کر وہ ہمیشہ خوش نظر آتی تھی۔

موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ اور اس کے مالکان کے بارے میں تھوڑی دیر میں کافی مواد مہیا ہو چکا تھا۔

اس کمپنی کے اصل مالکان دو بھائی تھے جنہوں نے قانونی تقاضے پورے کرنے کے لیے اپنے تین بیٹوں کو فرم میں ڈائریکٹر بنایا ہوا تھا مگر ان تینوں میں سے کوئی بھی کمپنی کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ اصل کاروبار جگدیش، موہن اور روی موہن چلاتے تھے۔ تینوں لڑکے اپنے بڑوں کے کنٹرول سے دور اور آزاد رہنے کے لیے میرپور خاص کی آبائی حویلی میں رہتے تھے۔ جگدیش اور روی اولڈ کلفٹن کے علاقے میں وسیع رقبے میں بنے ہوئے موہن ہاؤس میں رہتے تھے۔ جگدیش بڑا تھا اور وہی فرم کا مینیجنگ ڈائریکٹر تھا۔

ان دونوں بھائیوں سے ملاقات کے لیے ہمارا ایجنڈا بہت وسیع تھا۔ وہ کاروبار میں کیا ہیر پھیر کررہے تھے، اس سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہمیں ان کے ذریعے کرشن کمار اور اس کے رابطوں کا سراغ نکالنا تھا۔

شام کو سات بجے واپسی کا وعدہ کر کے اول خان چلا گیا کیونکہ اسے اپنے کچھ دفتری امور نمٹانے تھے۔

ادھر غزالہ اور ویرا کے مجروح ہو جانے کے باعث ہمارے گھر کے معمولات میں اچانک ہی تعطل آ گیا تھا۔ تین بجے سلطان شاہ احتجاج کرتا ہوا اپنے کمرے سے باہر آیا۔ بھوک کی شدت نے اس کی ناراضی کو خاموشی سے نگل لیا تھا۔

قہر درویش برجانِ درویش کے مصداق چاروں کی شکم پری کے بندوبست کے لیے سلطان شاہ کو ہی بازار جانا پڑا۔ ہمارے آس پاس کا علاقہ ایسی ہنگامی ضروریات کے بارے میں بہت زرخیز تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں سلطان شاہ گرم گرم اور اشتہا انگیز کھانوں کے ڈبے لے کر آموجود ہوا۔ غزالہ دوا کے زیر اثر گہری نیند میں سو رہی تھی۔ اس کا حصہ الگ کر کے ہم کھانے میں مصروف ہو گئے۔

شکم سیر ہونے کے بعد سلطان شاہ قیلولے کے لیے دوبارہ اپنے کمرے میں جا گھسا' ویرا اپنے ڈرائنگ روم میں آگئی۔ اس کے معدے میں الکحل کی خاصی مقدار پر غذا اتر جانے کے بعد اس کا سرور کچھ گہرا ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک خاموشی سے سگریٹ نوشی میں مصروف رہنے کے بعد اس نے مجھے مخاطب کیا اور کہا "تمہیں اس سفید نیولے کے خلاف اپنے دل میں کوئی ذاتی بغض و عناد محسوس ہو رہا ہے؟"

"اس سے میری کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے پھر بھی میں اس کے لہو کا پیاسا ہوں۔"

"اس نے میرے ساتھ جو دست درازی کی' اس پر تمہیں کوئی غصہ نہیں ہے؟" اس نے شکوہ کیا۔

"اگر تم نے جھوٹ نہیں بولا تو تم نے اس کے خلاف بہت کامیاب مزاحمت کی تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا "اب اس کے دن گنے جا چکے ہیں پھر بھی وہ جب تک زندہ رہے گا' یہ نہیں بھول سکے گا کہ اپنے وقت کی ایک حسین ترین لڑکی سے تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کے جذبے سے مغلوب ہو کر اس نے اپنی ایک شاندار کامیابی کو بدترین ناکامی میں تبدیل کر لیا۔"

اس کے چہرے پر سرخی سی آگئی "کیا تم یہ بات پورے خلوص سے کہہ رہے ہو؟"

"اس میں کیا شبہ ہے؟" میں نے پورے اعتماد سے کہا "اگر وہ غزالہ کو بے ہوش کرنے کے بعد فوراً ہی تمہیں لے کر گھر سے روانہ ہو جاتا تو حالات ہی کچھ اور ہوتے مگر اس کی شامت آچکی تھی۔ وہ بہک گیا۔"

"اس پر لعنت بھیجو!" میرے جواب پر ویرا جھلا گئی "میں اس کے نہیں' اپنے بارے میں پوچھ رہی تھی۔"

"کیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا "تمہارا کیا ذکر ہو رہا تھا؟"

"کیا تم پوری ایمان داری سے مجھے اپنے وقت کی حسین ترین لڑکی سمجھتے ہو؟" اس کا لہجہ جذباتی ہو رہا تھا۔

میں سٹپٹا کر رہ گیا "دریں چہ شک... دریں چہ شک۔ تمہاری خوب صورتی سے کوئی کور چشم ہی انکار کر سکتا ہے۔"

"خوب صورتی اور اپنے وقت کی حسین ترین لڑکی میں بہت فرق ہے۔" اس نے اٹھلا کر کہا۔

"شاید تمہیں حسین ترین ہی کہنا زیادہ مناسب ہے۔ میں نے غزالہ سے شادی نہ کر لی ہوتی تو یقیناً آج تمہارا ہی اسیر ہوتا۔ تمہاری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ میں نے تمہیں تمہاری خامیوں سمیت ہمیشہ پسند کیا ہے۔"

اس نے ایک گہرا سانس لے کر بے ساختہ اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں کے سرے چومے اور وہ ہاتھ فضا میں میری طرف اچھال دیا پھر رک رک کر بولی "اس بے شدید ترین نفرت کے باوجود میں سفید نیولے کی احسان مند ہوں۔"

"ہائیں... تو وہ جاتے جاتے تم پر کوئی احسان بھی کر گیا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کی وجہ سے آج مجھے دو بچی خوشیاں نصیب ہوئی ہیں۔" اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر کہا۔

"ایک تو یہی ہو سکتی ہے کہ میں نے تمہیں اپنے وقت کی حسین ترین دوشیزہ کا خطاب دے دیا۔ اپنی دوسری خوشی پر تم خود ہی کچھ روشنی ڈال سکتی ہو۔"

"وہ دوسری نہیں' میری پہلی خوشی تھی۔ تم نے گھر واپس آتے ہی جس والہانہ انداز میں اور اپنائیت سے مجھے اپنی بانہوں میں لیا' میرا دماغ اپنی اذیت کو بھول کر آسمانوں میں پرواز کرنے لگا تھا۔ تمہارے ساتھ ایک مدت گزارنے کے بعد مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ تم مجھے غزالہ کے ساتھ ساتھ کتنا عزیز رکھتے ہو۔"

"غزالہ کے سامنے یہ سب نہ کہہ دینا۔" میں نے بوکھلا کر اس کی بات کاٹ دی "اس وقت جو کچھ ہوا' بے ساختگی میں ہو گیا۔"

"انسان بہت دوغلا اور منافق ہے ڈیئر!" اس نے ناخنوں میں دیکھتے ہوئے کہا "محبت اور چاہت کے اظہار میں لیے دیے رہتا ہے۔ جو سوچ رہا ہوتا ہے اسے زبان پر نہیں لاتا اور جو کہہ رہا ہوتا ہے' وہ اس کے من میں نہیں ہوتا۔ یہ بے ساختگی ہوتی ہے جو اچانک اندر کے آدمی کو اور اس کی سوچ کو باہر لا کھڑا کرتی ہے۔ وہ ہوش میں آتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ بھرے بازار میں اس کے کپڑے اتر گئے ہیں۔ کم از کم تم تو ایسا نہیں کرو۔ یقین کرو کہ میں تمہیں اپنی زندگی کا عظیم ترین مرد سمجھتی ہوں۔"

"تم سب کچھ جانتی ہو اور سمجھتی ہو تو وہی سب میری

زبان سے کیوں سننا چاہتی ہو؟"

"ہر عورت کا ایک پندار ہوتا ہے' مان ہوتا ہے۔ اس کی سوچ اور سمجھ اپنی جگہ ہوتی ہے لیکن کسی کے کیے ہوئے پیار اور تحسین کے چند بول اسے اپنی سوچ سے بھی بہت آگے ایک ایسی جنت میں لے جاتے ہیں جس کا تصور ہی محال ہے۔ آج میں سفید نیولے سے جس قدر برہم ہوں' اسی قدر اس کی احسان مند بھی ہوں کہ اس کی وجہ سے آج میرے ڈیڈی نے مجھے اپنا دل چیر کر دکھا دیا۔"

میں نے پُرتشویش نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ جذبات سے مغلوب ہوتی چلی جا رہی تھی۔ غزالہ بے خبر سو رہی تھی' سلطان شاہ قیلولہ فرما رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی سوال کر ڈالا "تم بار بار اسے سفید نیولا کیوں کہہ رہی ہو؟"

وہ ہنسی پھر بولی "میں اس سوال کا جواب پہلے بھی دے چکی ہوں مگر وہ صحیح نہیں تھا۔"

"اب میں صحیح جواب سننا چاہتا ہوں۔" میں اس کی سوچ کا دھارا موڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"چھوڑو' سن کر کیا کرو گے۔ بلاوجہ مجھے خفت ہوگی۔ وہ واقعی پکا نیولا ہے۔"

"میں تمہارا دوست ہی نہیں' پوپ بھی ہوں۔ میرے سامنے تم بہت سے اعترافات کر چکی ہو۔ کچھ نہیں بتاؤ گی تو میرا ذہن دور دور تک بھٹکتا رہے گا۔ ایسا رویہ بدگمانیوں کو جنم دیتا ہے۔"

وہ کچھ سوچتے ہوئے خفت آمیز انداز میں ہنسی اور پھر بولی "وہ جب میرا منہ چوم لینے کی کوشش میں اپنا پورا زور صرف کر کے میرے اوپر ٹوٹا پڑ رہا تھا تو ہوا میں ایسے برے برے منہ بنا رہا تھا کہ میرے ذہن میں بے ساختہ ایسے نیولے کا خیال در آیا جو کسی سانپ کا پھن پکڑنے کے لیے کوشاں ہو۔ ہمارے مقامی معیار سے اس کا رنگ گورا ہے اس لیے سفید نیولا میرے ذہن سے چپک کر رہ گیا ہے۔"

میں ہنسی میں اس کے ساتھ شریک ہو گیا پھر اسے مصروف رکھنے کے لیے چائے کی فرمائش کر ڈالی۔

"اب یہ سوانگ چھوڑ دو۔ شام ہو رہی ہے۔ کہو تو اسکاچ کے پیگ بنا لاؤں۔"

میں نے ملامت آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا "میں اداکاری نہیں کر رہا۔ تم کو یقین کیوں نہیں آتا کہ مجھے شراب چھوڑے ہوئے کافی دن ہو چکے ہیں۔ اب میں عمر بھر اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

"مجھ سے بیزار ہو گئے ہو تو میں چولہا جھونکنے جا رہی ہوں۔" وہ تنک کر اٹھ گئی۔

میں صوفے پر پاؤں پھیلا کر نیم دراز ہو گیا۔ آئی بی والوں کا ایریٹس میرے قریب موجود تھا۔ میں نے اسے آن کیا ہوا تھا مگر جلال کے آدمی کے ون سے رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ اسے کرشن کے بارے میں کوئی خبر ملی تو وہ جلال کی ہدایت کے مطابق فوراً ہی مجھ کو مطلع کرنے کی کوشش کرے گا۔

چائے نوشی کے دوران میں مجھے خیال آیا کہ جلال نے کرشن کے سلسلے میں موہن اینڈ موہن کی نشان دہی کی تھی تو اس نے اپنے آدمیوں کو بھی ان کے ٹھکانوں پر نظر رکھنے کے لیے کہا ہوگا۔ کے ون کی خاموشی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انہیں موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کی نگرانی سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکا تھا۔

شام ڈھلے ہمارا ادھر جانے کا پروگرام تھا۔ میں نے سوچا کہ اس سے پہلے ایک بار کے ون کو ٹٹول لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

میں نے ہارٹی کے نام سے اس کے لیے پہلا پیغام ہی نشر کیا تھا کہ اس کی طرف سے فوراً جواب آ گیا۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ اس کے آدمی اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود کرشن کا کوئی سراغ نہیں لگا سکے تھے۔

جلال نے اسے بتا دیا تھا کہ کرشن نے چند گھنٹے قبل ہمارے گھر میں گھس کر ایک عورت کو اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ کے ون شرمندہ تھا کہ کرشن کے شہر میں موجود ہونے کے باوجود اس کے آدمی دشمن تک پہنچنے میں ناکام رہے تھے۔

موہن اینڈ موہن کے بارے میں اس نے کوئی ذکر کیا' نہ میں نے کوئی خاص سوال کیا۔ گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"اس بار آئی بی والے کچھ سست معلوم ہو رہے ہیں۔" ویرا نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"وہ سست نہیں ہیں۔ کرشن کمار تمہارے ہاتھوں مار کھانے کے بعد زیادہ محتاط ہو گیا ہے۔ وہ کہیں محصور ہو کر بیٹھ جائے تو ڈھونڈنے والے اسے کہاں ڈھونڈیں گے۔"

سلطان شاہ کا قیلولہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ چائے نوشی میں شریک ہو گیا۔ اس وقت تک غزالہ بدستور گہری نیند سو رہی تھی اور میں نے ویرا کو اسے بیدار کرنے سے روک دیا تھا۔

تقریباً چھ بجے اچانک ہی جہانگیر کا فون آ گیا۔ اس سے طویل عرصے سے میرا رابطہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس کی آواز سن کر مجھے خوشی ہوئی اور وہ بھی میری جوابی آواز سن کر چہکنے لگا "اتنے دن سے کہاں غائب ہو؟ میں کئی بار فون کر چکا ہوں۔ گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں مگر کوئی جواب نہیں ملتا۔ تم بالکل

خیریت سے ہونا؟" وہ ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔
اس سے اسپیکر فون پر بات کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہ کسی بھی لمحے بہک کر کوئی بونگی بات کہہ سکتا تھا۔ میں نے جلدی سے ریسیور اٹھا کر اسپیکر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔ وہ شاید ان پچھلے دنوں کی بات کررہا تھا جب ہم مائیکرو سینٹر میں الجھے ہوئے تھے اور پھر سلطان شاہ کی تلاش میں میرپور خاص کی طرف نکل گئے تھے۔
"خیریت ہے۔ ہم ذرا دو چار دن کے لیے شہر سے باہر چلے گئے تھے۔" میں نے بات شروع کی تھی مگر اس نے درمیان ہی سے سلسلہ منقطع کردیا۔
"یہ بتاؤ کہ آج کل تمہاری ویرا بیگم کے کیا حال چال ہیں۔ تم دونوں خوب پی پلا رہے ہوگے!" اسے ہم سب سے زیادہ ویرا کی فکر تھی۔ اس کے وہی فقرے اسپیکر فون پر نشر ہوتے تو میں ویرا کے سامنے شرمندہ ہو کر رہ جاتا۔
"سب کا مطلب سب ہی ہوتا ہے۔" میں نے ویرا کا نام لیے بغیر کہا "اس وقت میں ویرا اور سلطان شاہ کے ساتھ چائے پی رہا ہوں۔" میں نے باتوں باتوں میں اسے اپنی مجبوری سے آگاہ کردیا۔
"تم چائے کب سے پینے لگے؟ تمہیں تو ہر وقت خبیثوں کی اماں جان کی طلب رہتی تھی۔"
"تم بھول رہے ہو۔ مجھے شراب چھوڑے ایک مدت ہو چکی ہے۔" میں نے کہا۔
"سلمیٰ خانم کی فرمائش پر میں بھی کئی بار چھوڑ چکا ہوں۔" اس نے مجھے آگاہ کیا "اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑنا بہت مشکل کام ہے۔"
"میں یہ کام کرچکا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری چماری کا کیا حال ہے؟" میں نے طنز سے پوچھا۔
"سلمیٰ کے بارے میں پوچھ رہے ہو یا بنجارن کے بارے میں؟" اس کے نزدیک سلمیٰ چماری کہلانے کی مستحق تھی۔
"تمہیں معلوم ہے کہ میں سلمیٰ کی بہت عزت کرتا ہوں۔ اسے چماری کیسے کہہ سکتا ہوں؟"
"زیادہ عزت اسے راس نہیں آتی۔" جہانگیر کی آواز تلخ ہوگئی "کئی دن سے اس کی ناز برداریاں کررہا تھا۔ آج زیادہ لاڈ میں آکر اس نے میری نئی بوتل کموڈ میں بہادی۔ میں نے بھی اس کی ایسی عزت افزائی کی ہے کہ اب کمرے میں پڑی ٹسوے بہا رہی ہوگی۔"
"تم بہت واہیات آدمی ہو۔ شریف آدمی اپنی بیویوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔"
"اسے بھی سمجھاؤ کہ شریف بیویاں اپنے شوہروں کی شراب نالی میں نہیں بہاتیں۔"
"تم دونوں کے یہ جھگڑے عمر بھر چلتے رہیں گے۔ اور پھر ایک روز وہ ہمیشہ کے لیے اپنے میکے جاکر بیٹھ جائے گی۔"
"بس اس کی اسی دھمکی سے ڈر لگتا ہے۔ وہ جاتی ہے تو مہینوں سے پہلے واپس نہیں آتی۔"
"اس سے بیزار ہو تو اس کے بھاگ جانے سے کیوں ڈرتے ہو؟ اچھا ہے کہ ایک ہی دفعہ پاپ کٹ جائے۔"
"وہ چلی جائے گی تو پھر میں دھونس کس پر جماؤں گا۔ میں نے اس سے اپنی خدمت کرانے کے لیے شادی کی تھی، میکے میں اس کے بھائیوں کے پاس چھوڑنے کے لیے نہیں۔ اب تو انہوں نے میرے بیٹے پر بھی قبضہ کرلیا ہے۔"
"بیٹے کو حفاظت کے خیال سے تم نے خود ہی ان کے پاس بھیجا تھا۔ اب انہیں الزام نہ دو۔"
"اس وقت وہ چھوٹا تھا۔ بے وقت کی کائیں کائیں سے پریشان کرتا رہتا تھا۔ اسے بھیج کر میں مہینوں کے بعد سکھ کی نیند سویا تھا مگر اب وہ بڑا ہوچکا ہے۔ اسے ہمارے پاس لوٹ آنا چاہیے۔"
"واہ بیٹا! وہ کیا تمہارے غلام تھے جو تمہارے شیر خوار کو پالتے رہتے۔ تم بہت خود غرض آدمی ہو۔"
"میں تو پہلے سے ایسا ہی تھا۔" اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا "انہیں دیکھ بھال کر شادی کرنی چاہیے تھی۔"
"تم نے ابھی تک اپنی چماری یا بنجارن کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"چھوڑو یار، وہ سالی بھی صورت حرام نکلی!" اس کی آواز سے بے کیفی مترشح تھی "یہ گھر گھر یا نگر نگر پھرنے والیاں بھروسے کے قابل نہیں ہوتیں۔ ذرا دل میں جگہ بنائی اور حیلوں بہانوں سے مال اینٹھنا شروع کردیا۔ اُلّو کی پٹھی سے صرف بدن دبوا تا تھا یا سلمیٰ کی نظر بچا کر دل لگی کرلیتا تھا۔ ایک دن کھڑی ہوگئی کہ میری وجہ سے اسے پیٹ ہوگیا ہے۔"
"بعض لوگ اتنے ہی زرخیز ہوتے ہیں کہ بیوی کے پلنگ کے قریب سے گزر جائیں تو صاحب اولاد ہوجاتے ہیں۔" میں نے اپنی بے ساختہ ہنسی روک کر بیچ میں لقمہ دیا۔
"میری جان نکل گئی۔" وہ اپنی رو میں بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "وہ خطرناک قصہ سلمیٰ کے کانوں تک پہنچ جاتا تو میں مر کر بھی اسے اپنی بے گناہی کا یقین نہیں دلا سکتا تھا۔ وہ ہمیشہ مجھ پر شبہ کرتی رہتی ہے۔ میں نے پانچ ہزار روپے چپکے سے حوالے کرکے بہت مشکل سے اسے آمادہ کیا کہ وہ ہمارے گھر کی نوکری چھوڑ کر کہیں اور چلی جائے۔"

"تم نے خود ہی پیسے دے دے کر اس کو یہ راہ دکھائی ہوگی۔" میں نے رعب سے کہا۔

"یار، ذرا سی دل لگی کے لیے دو چار سو کسی کو بھاری نہیں لگتے۔ اچھا ہے کہ اسی بہانے کسی غریب کی مدد ہو جاتی ہے مگر اس کے تو تیور ہی بدل گئے تھے۔ بعد میں سلمیٰ نے بتایا کہ وہ شادی شدہ تھی اور اس کا آدمی کسی کارخانے میں چوکیدار تھا۔"

سلطان شاہ اور ویرا نے فون پر ہونے والی گفتگو کا رنگ بھانپ کر پہلے ہی مجھے تخلیہ فراہم کر دیا تھا۔ میں نے بے خوفی سے کہا "دل چاہتا ہے کہ تمہاری اس حماقت پر تمہاری کھوپڑی پر دس جوتے مارے جائیں۔"

"دس کیا، مجھ جیسے بدنصیب کے لیے تو سو بھی کم ہوں گے۔" اس کی آواز میں آزردگی اتر آئی "بیوی ہر وقت لڑنے مرنے پر تلی رہتی ہے۔ نوکرانیاں اسی کی طرف دار ہوتی ہیں۔ یہ آئی تھی تو سالی پکی بلیک میلر نکلی۔"

"سلمیٰ گھر میں ہے تو تم اتنی بے فکری سے بات کیسے کر رہے ہو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"میں نے اس کے فون کا پلگ نکال دیا ہے۔ ایسے معاملوں میں بالکل گدھی ہے۔ سمجھے گی کہ فون خراب ہو گیا ہے۔"

"اب سچ سچ بتا دو کہ مجھ سے بات کرنے کے لیے تم نے اتنا اہتمام کیوں کیا ہے۔"

"اس نے میری اکلوتی بوتل نالی میں بہا کر میری شام برباد کر دی ہے۔ میں نے اسے مارا ہے۔ تم اسے سمجھاؤ کہ وہ مجھ سے صلح کر لے۔"

"شراب پیے بغیر بھی تمہاری کھوپڑی میں برف جمی ہوئی ہے۔" میں نے غصے سے کہا "اس سے مصالحت کی اتنی ہی جلدی تھی تو پھر اس پر ہاتھ کیوں اٹھایا تھا؟ وہ تمہاری بیوی ہے، میری بات کیوں سنے گی؟"

"پینے کو کچھ نہ ہو اور بیوی بھی روٹھ جائے تو زندگی بے کیف ہو جاتی ہے۔ وہ تمہیں اپنا بہت کچھ سمجھتی ہے۔ تم کوئی چکر چلاؤ گے تو وہ خود ہی میرے کمرے میں آ جائے گی۔ مجھے معلوم ہے کہ غصہ اترے گا تو وہ بھی صلح کرنے کے بہانے ڈھونڈے گی۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ میں اپنے سارے کام چھوڑ کر تمہارے گھریلو جھگڑے نمٹاتا رہوں؟" میں غرایا "میں اس وقت تمہاری طرف نہیں آ سکتا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے ایک کام سے باہر جانا ہے۔"

"ہائے میری جان! تم سے آنے کو کون کمبخت کہہ رہا ہے۔ میں بات ختم کر کے اس کا پلگ لگا دوں گا، اپنا نکال دوں گا۔ تم فون کرو گے تو وہی اٹھائے گی اور اپنے دکھڑے سنانا شروع کر دے گی۔ تمہارے دس پانچ منٹ برباد ہوں گے، میرے گھر کا ماحول سدھر جائے گا۔"

اس کے آخری فقرے میں ایسی دردناک التجا پنہاں تھی کہ میں اسے کورا جواب نہ دے سکا "تم اپنے سور پن سے باز نہ آنا۔ ہمیشہ میرے لیے مسائل پیدا کرتے رہنا۔ جو کچھ کرنا ہے، جلدی کر ڈالو۔ میں دو منٹ بعد فون کروں گا۔"

"اللہ تمہیں اس ہمدردی کا اجر دے گا۔ تمہارا بھلا ہوگا..." اس نے ممنونیت کے جذبے میں ڈوب کر کسی پیشہ ور گداگر کی طرح دعائیں دینے کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا اور میں نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

میرے لیے ان دونوں کی بے جوڑ شادی ابتدا ہی سے ایک معما بنی رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ان کی گاڑی زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت سامنے آ رہی تھی کہ وہ دونوں بہ یک وقت ایک دوسرے سے برہم بھی رہتے تھے اور ایک دوسرے کے بغیر رہ بھی نہیں سکتے تھے۔

جہانگیر ہر وقت اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارنے کی کوششیں کرتا رہتا تھا اور سلمیٰ کے پوشیدہ عزائم کا میں خود شاہد تھا۔

دو منٹ گزرنے کے بعد میں نے جہانگیر کا نمبر ملایا۔ کئی گھنٹیاں بجنے کے بعد سلمیٰ نے جواب دیا۔ اس کی رندھی ہوئی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کافی دیر سے رو رہی تھی۔ میری آواز سن کر وہ گلوگیر آواز میں بولی "ذینی! تم فوراً یہاں آؤ اور مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں تمہارے گھر میں باندی بن کر رہ لوں گی مگر اس شخص کے ساتھ میرا گزارہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں؟ کیا آج پھر اس نے زیادہ چڑھا لی ہے؟" میں نے انجان بن کر سوال کیا۔

"جب سے نئی ملازمہ گئی ہے، ہر وقت چڑچڑے رہتے ہیں۔ آج بھی بلاوجہ مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔" اپنی مظلومیت کا ذکر کرتے ہوئے سلمیٰ کی آواز رندھ گئی۔ اس نے بہت صفائی سے اپنے کارنامے کا ذکر گول کر کے سارا الزام جہانگیر کے سر ڈال دیا تھا۔

"وہ اتنا پاگل نہیں ہے۔ ہاتھ اٹھانے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور رہی ہوگی۔"

"وہ اس بات پر برہم ہیں کہ آج ان کے پاس پینے کے

لیے شراب نہیں ہے۔" سلمیٰ نے آدھی بات اگل دی۔ اس بار اس نے اپنی حرکت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

"شراب اس شہر میں ایسی نایاب نہیں ہے۔ بوتل بازار سے آسکتی ہے اور پھر اسے بسیار نوشی سے روکنے کے لیے تم بھی اس کی بوتلیں چراتی رہتی ہو۔ بات بگڑ رہی تھی تو اسے اسی ذخیرے میں سے ایک آدھ بوتل دے دیتیں۔"

"تم ان کے دوست ہو' ان ہی کے حق میں بولو گے۔ میرا دل کبھی نہیں رکھو گے۔" اس نے شکوہ کیا اور کہا "اس وقت تم مجھے مجبور نہ کرو۔ میں انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر تمہارے پاس آنا چاہ رہی تھی مگر فون خراب پڑا ہوا تھا۔ ابھی تمہاری کال سے اس میں جان پڑی ہے۔"

"تم شوق سے آؤ مگر میں چاہتا ہوں کہ عزت کے ساتھ آؤ۔" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "تمہیں معلوم ہے کہ میں پہلے ہی چکی کے دو پاٹوں میں پس رہا ہوں۔ غزالہ میری بیوی ہے اور ویرا ایک آزاد خیال لڑکی ہے۔ مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے۔ اس گھر میں کسی تیسری عورت کی گنجائش نہیں ہے۔ غزالہ شک میں پڑ جائے گی کہ تم جہانگیر سے لڑ کر میرے پاس کیوں آئی ہو۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم مجھے پسند کرتے ہو نہ میرا آنا پسند کرتے ہو۔" اس کی آواز بجھ گئی۔

"میں تمہیں پسند کرتا ہوں' بہت پسند کرتا ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا "مگر مجھے اپنی اور تمہاری عزت عزیز ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ ویرا اور غزالہ میں سے کوئی تمہیں تحقیر یا شک و شبے کی نظر سے دیکھے۔"

"میں خود بھی جانتی ہوں کہ میری عزت ان کے دم سے ہے۔" میری وضاحت پر سلمیٰ کے لہجے میں بشاشت آگئی "میں انہیں چھوڑنا نہیں چاہتی مگر سبق دینے کے لیے اس وقت انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر کہیں نکل جانا چاہتی ہوں۔"

"بھول کر بھی ایسا نہ کرنا۔" میں نے اسے ڈرایا "بیوی کی محبت سے مایوس شوہر سے زیادہ خطرناک درندہ اور کوئی نہیں ہوتا۔ تم اسے چاہو یا نہ چاہو مگر یہ یقین ضرور دلاتی رہو کہ تم اسے دل و جان سے چاہتی ہو۔"

"میں اپنا ہر جتن کر چکی ہوں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔" وہ اپنی داستانِ الم بھول کر میری تجویز کے اسرار و رموز میں الجھ گئی۔ "تم نے آج تک میری چاہت کا جواب چاہت سے نہیں دیا مگر تم جانتے ہو کہ میں تمہیں ان سے ہزار گنا زیادہ چاہتی ہوں۔ اس دنیا میں' میں تمہیں اپنا سب سے بڑا ہمدرد سمجھتی ہوں۔ تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔"

میں پوری طرح مطمئن تھا کہ جہانگیر اپنی ایکس ٹینشن کا پلگ نکال چکا ہوگا۔ میں نے کہا "میں تمہارے اس اعتراف کی قدر کرتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم دونوں آپس میں لڑ بیٹھے ہو۔ میں نے محض مزاج پرسی کے لیے فون کیا تھا۔ اگر اس نے تمہیں مارا ہے تو تم خاموشی سے اسے شراب فراہم کردو۔ وہ زبان سے کچھ کہے نہ کہے' دل میں شرمندہ ہو کر رہ جائے گا۔"

"تم کہو گے تو میں یہ بھی کرلوں گی مگر وہ شرمندہ ہونے والی مخلوق نہیں ہیں۔ کل کا سورج طلوع ہوگا تو وہ آج رات کی کہانی کو یکسر بھول چکے ہوں گے۔ وہ چڑچڑے اور احسان فراموش مرد ہیں۔ ایک تم ہو کہ ہر وقت غزالہ کی خوشنودی کا خیال رکھتے ہو۔"

"وہ میرا خیال رکھتی ہے۔ میرا ہی نہیں' ویرا کا بھی خیال رکھتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اس وقت تم پہل کرو اور دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔ میں ایک آدھ روز میں خود تمہاری طرف آؤں گا اور اس کے دماغ کے کیڑے جھاڑ دوں گا۔"

"تم بھی وعدہ کر کے بھول جاتے ہو۔" سلمیٰ کی آواز میں نرمی اور حلاوت تھی "مجھ سے پکا وعدہ کرو کہ کل یا پرسوں اِدھر ضرور آؤ گے۔"

"تم بھی وعدہ کرو کہ میرے مشورے پر عمل کرو گی۔ تمہاری طرح جہانگیر بھی تنہا ہے۔ اسے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔"

"میں تم سے بات کرنے کے بعد دیکھتی ہوں۔ انہوں نے بدکلامی کی تو میں لوٹ آؤں گی' میری پہل کی قدر کی تو میں انہیں ایک بوتل ضرور دے دوں گی۔ میری الماری میں ان کی چھ سات بوتلیں جمع ہو چکی ہیں۔"

"اور یہ سارا خرچ گولڈ فارمیسی پر پڑ رہا ہوگا۔" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"ہاں' ان کی دکان چل نکلی ہے۔ اب ہمیں ذاتی اکاؤنٹ سے پیسے نکلوانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان کے شراب سمیت سارے اخراجات دکان کی آمدنی سے پورے ہو رہے ہیں۔"

"مجھے یہ اندازہ آج ہی ہوا کہ تم صرف چور نہیں' اعلیٰ پائے کی چور ہو۔"

"وقت اور حالات مجبور کر دیتے ہیں۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ وہ پیتے ہیں تو بس پیتے ہی چلے جاتے ہیں۔ انہیں کچھ ہوش نہیں رہتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس حال میں ہیں۔ ایسے موقع پر میں خاموشی سے بوتل غائب کر دیتی ہوں۔ سلمیٰ

کی آواز میں ایک گھریلو عورت کا درد پنہاں تھا۔ میں نے اس سے اِدھر اُدھر کی چند باتیں کر کے فون بند کر دیا۔

"آج ان سے تمہاری باتیں کچھ زیادہ ہی لمبی ہو گئیں۔" سلطان شاہ میرے عقب سے یہ کہتا ہوا ڈرائنگ روم میں آگیا "میں تیسری بار آیا ہوں۔ غزالہ ہوش میں آچکی ہے اور تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

"میں سلطان شاہ کے ساتھ ہولیا۔ غزالہ بستر پر دراز تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"چاہو تو ہم دونوں باہر جاسکتے ہیں۔" ویرا نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر پیش کش کی۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "غزالہ ایک مرتبہ ہوش میں آنے کے بعد دوا لے کر سوئی تھی۔"

"سنا ہے کہ آپ اول خان کے ساتھ کہیں جا رہے ہیں۔" غزالہ نے قدرے کمزور آواز میں پوچھا۔

"اسی کی تلاش میں جا رہا ہوں جس نے تمہیں اور ویرا کو اس حال میں پہنچایا ہے۔"

"اپنا خیال رکھیے گا۔ یہ لوگ بہت چالاک اور ان کے حوصلے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔"

"مجھے سب معلوم ہے۔ تم بے فکر رہو اور آرام کرو۔ تمہاری کنپٹی کا اب کیا حال ہے؟" میں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"بہتر ہے.... اس دبلے پتلے فقیر کے ہاتھوں میں بہت طاقت تھی۔ آپ کے جانے کے بعد پھاٹک بند کرتے ہوئے میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ سامنے والے درخت کے سائے میں بیٹھا ہوا تھا.... اس وقت مجھے شبہ بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ ہمارے گھر کی نگرانی کر رہا ہوگا۔ یہ لوگ یہاں ہماری توقع سے زیادہ منظم ہیں۔"

"جو ہونا تھا' وہ ہوگیا۔ اب یہ سوچ کر تم اپنے ذہن پر زور نہ دو۔ میں جلد ہی لوٹ آؤں گا۔" میں بستر پر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

ہم وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ غزالہ کو بے ہوشی اور مسکّن دوا کے اثرات کی وجہ سے کچھ بتانے یا جاننے کا زیادہ موقع نہیں مل سکا تھا اس لیے ہماری گفتگو کرشن کی آمد کے واقعے کے گرد ہی گھومتی رہی۔

اپنے وعدے کے مطابق اول خان ٹھیک سات بجے آپہنچا۔ اس نے آتے ہی مجھے بتایا کہ وہ ایک جیپ میں اپنے .... چھ آدمی موہن ہاؤس کی طرف روانہ کرچکا ہے۔ ان لوگوں کو وہاں پہنچ کر فون کے تار کاٹنے تھے اور ہماری آمد کا انتظار کرنا تھا۔

"فون کے تار کاٹنے سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔" ویرا نے کہا "یہ موبائل فون کا دور ہے۔"

"یہ ایک روایتی اقدام ہے۔ رفتہ رفتہ ہی یہ عادت ختم ہوگی۔" اول خان نے خوش دلی سے کہا۔

وہ گفتگو ڈرائنگ روم میں ہوئی تھی۔ وہ مجھ سے اجازت لے کر غزالہ کی عیادت کے لیے ہمارے کمرے کی طرف گیا تو ویرا نے دبی دبی آواز میں پوچھا "چھ سات آدمیوں کے ساتھ جانے کا مطلب ہے کہ اول خان کے ارادے خطرناک ہیں۔"

"ارادے تو میرے بھی خطرناک ہیں۔ کرشن کمار کا ذرا بھی سراغ مل گیا تو اس پر ہاتھ ڈالنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی مگر اختیار کے اظہار کے لیے اکثر اوقات طاقت کا مظاہرہ ناگزیر ہوتا ہے۔ دو آدمیوں کی آمد کی خبر پاکر جگدیش ملاقات سے انکار کرسکتا ہے مگر اپنے دروازے پر بھاری نفری کی موجودگی اسے پریشان کردے گی۔"

"انشاء اللہ غزالہ دو تین روز میں ٹھیک ہوجائے گی۔" اول خان نے واپس آکر رائے دی "مگر ویرا کا معاملہ طول پکڑ سکتا ہے۔ یہ اپنی مجروح کہنی کے ساتھ مسلسل چلتی پھرتی نظر آرہی ہے۔"

"اب میں بھی غزالہ کے ساتھ لیٹوں گی۔" اس نے ہنس کر کہا "ڈریسنگ سے کہنی کے درد میں بہت افاقہ ہوا ہے۔"

ہم دونوں نے گھر والوں کو الوداع کیا' سلطان شاہ کو ہوشیار رہنے کی ہدایت دی اور گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اول خان کے ایما پر میں نے آئی بی والوں کا اپریٹس اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

"موبائل فون عام ہوجانے کے بعد وائرلیس ٹرانسمٹرز کی افادیت بھی تیزی سے ختم ہوجائے گی۔" گھر سے روانگی کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

"ٹرانسمٹرز کی اہمیت ختم نہیں ہوسکتی۔ اس پر ہم ایک فری کوئنسی پر ہر وقت متعدد آدمیوں سے رابطے میں رہتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں' براہِ راست بات کرلیتے ہیں۔ موبائل فون لاسلکی ضرور ہے لیکن اس سے ایک وقت میں نمبر ملا کر صرف ایک شخص سے بات کی جاسکتی ہے۔ کسی اور سے بات کرنے کی ضرورت ہو تو پہلا رابطہ ختم کرنا پڑتا

ہے۔" اول خان نے وضاحت سے بتایا۔
وہ بالکل سامنے کی بات تھی جو اول خان کے بتائے بغیر میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔ موبائل فون کی افادیت انفرادی تھی جب کہ فوج اور پولیس سے لے کر شہری نظم ونسق اور سہولتوں کو برقرار رکھنے والے اداروں تک کے لیے لاسلکی ٹرانسمیٹرز کی اہمیت ناگزیر تھی۔
ہم دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے نصف گھنٹے میں اولڈ کلفٹن کے مطلوبہ رہائشی علاقے میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک ذیلی سڑک کے کنارے اول خان کی جیپ کھڑی ہوئی تھی۔ قریب پہنچنے پر میں نے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دیکھا کہ اس کے عقبی حصے میں متعدد افراد سوار تھے۔
اول خان کی گاڑی کے قریب پہنچتے ہی جیپ حرکت میں آگئی اور اول خان نے گاڑی اس کے پیچھے ڈال دی۔
اسی گلی کے ایک مکان کے سامنے جیپ کنارے سے لگ گئی۔ اول خان نے اپنی گاڑی گھما کر پھاٹک کے سامنے روکی اور ہارن بجادیا۔ پھاٹک فوراً ہی کھل گیا۔ وہ مکان بہت بڑا نہیں تھا۔ تقریباً ہزار گز کے رقبے پر بنی ہوئی دو منزلہ عمارت کے کشادہ ڈرائیووے میں چار گاڑیاں اس طرح کھڑی ہوئی تھیں کہ پانچویں گاڑی کا اندر داخل ہونا ممکن نہیں ہوتا۔
ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں اندر کا جائزہ لینے کا عمل مکمل ہونے پر اول خان نے ہیڈ لیمپس بجھادیے۔ ادھیڑ عمر چوکیدار باہر آگیا۔ اول خان نے اس سے جگدیش کے بارے میں پوچھا۔
"صاحب! میں اندر معلوم کرتا ہوں۔ وہاں جگہ نہیں ہے۔ آپ گاڑیاں ادھر لگالیں۔" اس نے جیپ کے پیچھے اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس دوران میں وہ دزدیدہ نگاہوں سے جیپ کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ جس میں دو چاق وچوبند لیکن سادہ لباس افراد باہر آچکے تھے اور غور سے موہن ہاؤس کی طرف دیکھ رہے تھے۔
"آپ کا نام کیا ہے صاحب؟" چوکیدار نے جانے سے پہلے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔
"اظہر خان اور مظہر خان!" اول خان نے سوچے سمجھے پروگرام کے مطابق جواب دیا۔
چوکیدار کو کسی کذب بیانی سے روکنے کے لیے ہم دونوں نے انجن بند کیے بغیر گاڑی چھوڑ دی۔ ایس ٹی ایف کا ایک آدمی پارکنگ کے لیے تیزی سے قریب آگیا اور ہم دونوں چوکیدار کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہوگئے۔
چوکیدار نے انٹرکام پر کسی سے بات کی۔ ہم نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا کہ دو گاڑیوں میں بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے جن میں سے دو کے نام اظہر خان اور مظہر خان تھے۔
وہ تفصیل خاصی مرعوب کن تھی۔ اندر والے کی طرف سے فوراً ہی اذانِ باریابی مل گیا۔
پختہ روش پر خاصا فاصلہ طے کرکے چوکیدار نے ہمیں ایک کشادہ ڈرائنگ روم میں پہنچادیا جو خوب صورت ضرور تھا مگر اس کی آرائش میں غیرضروری اصراف کا مظاہرہ نہیں کیا گیا تھا، ہمیں بٹھا کر چوکیدار واپس چلا گیا۔
"یہاں ان کی موروثی ثقافت کی جھلکیاں نظر آرہی ہیں۔" اول خان نے کمرے کا جائزہ لے کر کہا "مجھے اس کا جواب دینے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ اسی وقت اندر سے ایک ادھیڑ عمر اور بھاری بھرکم شخص گجراتی لب ولہجے میں سلام کرتا ہوا ڈرائنگ روم میں آگیا۔ اس کے بدن پر سفید کرتہ پاجامہ نظر آرہا تھا۔ اپنے وجود کے مٹاپے کی وجہ سے اسے چلنے میں دقت ہو رہی تھی۔
ہم دونوں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ہاتھ ملایا۔ پتا چلا کہ وہی جگدیش تھا۔
"آپ کے نام معلوم ہوگئے۔ پتا نہیں چلا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ اس نے قدرے پُرتشویش لہجے میں کہا "شاید ہم نے پہلے کبھی ایک دوسرے کو نہیں دیکھا۔"
"ہمارا تعلق ایک ایجنسی سے ہے اور ہم کوئی خاص مقصد لے کر تمہارے پاس آئے ہیں۔" اول خان نے اس پر اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے آپ کے بجائے تم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہا "شراب کے علاوہ تمہارا اور کیا بیوپار ہے؟"
"کچھ نہیں۔ اسی سے اتنی آمدنی ہوجاتی ہے کہ کچھ اور سوچنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔" وہ دمے کا مریض تھا یا ہماری آمد سے گھبرا گیا تھا کہ وہ مختصر سا جواب دینے میں ہی اس کا سانس پھول گیا۔
"یہ دھندا صاف ستھرا ہے یا...!" اول خان نے سوال شروع کیا ہی تھا کہ جگدیش بیچ میں بول پڑا۔
"یہ کام صاف ستھرا نہیں ہے جو یہ کہتا ہے، جھوٹ بولتا ہے۔ حکومت جس چیز پر پابندی لگادے، اس کی ڈیمانڈ ختم ہونے کے بجائے بڑھ جاتی ہے اور بلیک میں چلی جاتی ہے۔ ہم لوگ بھی پرمٹ اور کوٹے خریدتے ہیں اور سارا مال بلیک میں ہاتھوں ہاتھ نکل جاتا ہے۔ ہمارا ریکارڈ صاف ہے ہر پارٹی کو مانگے بغیر، وقت پر اس کا بھتّا دے دیتے ہیں۔"

"جب مال کی اتنی مانگ ہے تو تم نے حیدر آباد میں اپنا دفتر کیوں کھولا ہوا ہے؟"

"وہاں سے مال کی سپلائی بہت ہے اور ریٹ بھی بہت اچھا ملتا ہے۔" اس نے باقاعدہ ہانپتے ہوئے جواب دیا "گاؤں گوٹھوں کے بہت سے زمین دار اور وڈیرے فیشن میں ولایتی شراب پیتے ہیں۔ تنگی ہو جائے تب بھی دیسی شراب ولایتی بوتلوں میں ڈال کر اپنے مہمانوں کو پلاتے ہیں۔ اس پورے علاقے کی مارکیٹ صرف ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

"ہری چند وہاں تمہارا منیجر ہے۔ اس پر تم کو کتنا بھروسا ہے؟" میں غور سے جگدیش کی طرف دیکھ رہا تھا۔

منیجر ہے اور رشتے دار بھی۔" وہ صوفے پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولا "کل رات بے چارے کی کار چوری ہو گئی۔"

بھونڈے انداز میں ہری چند کی کار کا ذکر کر کے وہ خود ہی جال میں پھنس گیا۔ اس بارے میں اول خان کا ہوم ورک مکمل تھا۔ اس نے کہا "ہری چند نے کار کی چوری کی ایف آئی آر آج صبح گیارہ بجے کٹوائی ہے جب کہ اس کی گاڑی آج صبح تین بجے کراچی میں ایک واردات میں پکڑی گئی تھی۔ رپورٹ اس نے اس وقت لکھوائی جب اسے پتا چل گیا کہ گاڑی پکڑی جا چکی ہے۔"

"گاڑی سڑک پر کھڑی ہوتی ہے۔ رات میں کوئی اسے لے گیا تو ہری چند کو کیا پتا ..... صبح وہ دیر سے اٹھا تو گاڑی غائب تھی۔ اس نے پرچا کٹوا دیا۔ میری اس سے فون پر بات ہوئی ہے۔ اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہے۔"

"جگدیش!" اول خان نیچی مگر سخت آواز میں غرایا "یہ بھتے والا چکر نہیں ہے۔ تم نے جھوٹ بولا تو تمہارا حشر بہت خراب ہوگا۔ ہری چند کی کار بہت خطرناک واردات میں استعمال ہوئی ہے۔"

اسی وقت اس کا ملازم لدی پھندی ٹرالی دھکیلتا ہوا آ پہنچا اور گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ ٹرالی پر بہت سے لوازم کے ساتھ کولڈ ڈرنکس اور تین اقسام کی اسکاچ کی کھلی ہوئی بوتلیں بھی سجی ہوئی تھیں۔

جگدیش نے اپنے ملازم کو ہاتھ کے اشارے سے واپس بھیج دیا اور ہم سے کہا "لو، دارو پانی کچھ لو۔ یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔"

اول خان نے ملازم کے نکل جانے کے بعد زبان کھولی "ہم یہ سب نہیں پیتے..."

"وہسکی نہیں تو کولڈ ڈرنک لے لو۔" جگدیش نے خوشامدانہ انداز میں ایک مرتبہ پھر اول خان کی بات کاٹ دی "ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ گھر آیا مہمان کچھ کھائے پیئے بغیر واپس چلا جائے۔"

"ہری چند نے اپنی گاڑی کس کو دی تھی؟" اول خان نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے درشت لہجے میں پوچھا۔

اس بار جگدیش، اول خان کا لہجہ برداشت نہ کر سکا اور بڑے ضبط و تحمل سے بولا "دیکھو! مجھ سے اس طرح بات مت کرو۔ میں حکومت کو بھاری انکم ٹیکس دیتا ہوں۔ شراب کا کاروبار کرتا ہوں مگر شریف اور معزز شہری ہوں..."

"پورا انکم ٹیکس دیتے ہو تو پھر بھتے کس بات کے دیتے ہو؟ بلیک کی شراب کا نفع کس کھاتے میں دکھاتے ہو؟ ہم سے یہ سب باتیں نہ کرو۔ بات وہیں رہنے دو جہاں ہو رہی ہے۔"

اول خان اسی لہجے میں غرایا "تم سیدھی طرح راہِ راست پر نہ آئے تو ابھی تمہیں اٹھا کر لے جائیں گے... باہر ہمارے چھ آدمی بالکل تیار ہیں۔ وہ اپنے مہمان خانے میں تمہاری تواضع کریں گے تو ذرا سی دیر میں تمہارے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔"

"تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا

وہ میں نے بتا دیا۔ اگر ہری چند نے کوئی گڑ بڑ کی ہے تو اس بارے میں اسی سے پوچھ گچھ ہونی چاہیے اس کی حرکتوں کی ذمّے داری میرے سر نہیں ڈالی جاسکتی۔

"اس کی باری بعد میں آئے گی۔ تم اپنی فرم کے چیف ہو' وہ گاڑی فرم کے نام پر ہے۔ تمہیں بتانا ہوگا کہ وہ گاڑی حیدر آباد سے نکل کر کراچی کیسے پہنچی اور اسے لانے والے کون لوگ تھے۔"

"جب مجھے کچھ معلوم ہی نہیں تو میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" اس کے چہرے پر بے چارگی پھیل گئی۔

میں ابتدا سے ہی جگدیش کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

"تمہیں ہری چند کی گاڑی کے بارے میں کیا بتایا گیا ہے؟" میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اول خان کو خاموش رہنے کا اشارہ کرکے جگدیش سے پوچھا۔ اسے اپنی معلومات سے خوف زدہ کرنے کے بجائے میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس پورے قصّے میں اس کی معلومات کہاں تک ہیں اور وہ ہم سے کیا کچھ چھپا رہا ہے۔

"مجھے صبح روی نے اتنا بتایا تھا کہ ہری چند کی گاڑی چوری ہوگئی ہے۔ میں نے فون پر ہری چند سے بات کی تو اس نے بھی یہی بتایا۔ گاڑی کی پوری انشورنس ہے۔ اس نے ایف آئی آر لکھوا دی۔"

"اس وقت تک تمہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ تمہاری کمپنی کی گاڑی کسی چکر میں پکڑی گئی ہے؟"

"اس وقت کیا' مجھے تو ابھی تک پتا نہیں تھا کہ وہ گاڑی کہاں ہے۔ اب تم سے سنا ہے کہ وہ گاڑی کسی واردات میں پکڑی گئی ہے۔ ہم سیدھے سادے کاروباری لوگ ہیں۔ دو اور دو کو جوڑ کر چار کرنا جانتے ہیں۔ کسی جرم سے اپنا کیا واسطہ۔ یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔ تم کو کوئی دوسرا گھر دیکھنا ہوگا۔" اس نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے اس کے جوابات کو اپنے ذہن میں گھمایا پھر اس سے پوچھا "تمہیں روی نے کار کے بارے میں بتایا تھا؟"

"ہاں!" اس نے بے ساختہ جواب دیا "ہری چند اسی کا سسرالی رشتے دار ہے۔ اس نے میرے بجائے روی کو فون کیا تھا۔ بعد میں نے خود اس سے بات کی تھی۔ پتا نہیں اس نے کیا چکر چلایا ہوا ہے۔"

"روی اس وقت گھر پر موجود ہے؟" میں نے کسی تجسس کا مظاہرہ کیے بغیر' سرسری لہجے میں پوچھا۔

"ہاں' اوپر بیٹھا اپنی بیوی کے ساتھ رمی کھیل رہا ہوگا۔" روی کے بارے میں اس کا ذہن صاف تھا۔

"پھر اسے بھی بلالو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ہمیں کوئی کام کی بات بتاسکے۔"

اول خان کے درشت اور تحکمانہ لب ولہجے کے مقابلے میں میری مصلحت آمیز نرمی نے جگدیش کے موڈ پر خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ اس نے اپنے داہنے ہاتھ پر تار کے سرے کے ساتھ جھولتا ہوا سفید بٹن دبایا' عمارت کے کسی اندرونی حصے میں گھنٹی بجنے کی آواز ابھری اور چند ثانیوں بعد' ٹرالی لانے والا ملازم تقریباً دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم میں آ پہنچا۔

"اوپر سے روی بابو کو بلاؤ۔" جگدیش نے اسے ہدایت دی "بتا دینا کہ کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔"

ملازم اندر جانے کے بجائے تیزی سے ڈرائنگ روم سے نکاس کے راستے کی طرف دوڑا تو جگدیش برہم ہوکر اس پر برس پڑا "ابے سور کے بچے! اوپر سے روی کو بلانے کے لیے کہا ہے۔ تو باہر کہاں جارہا ہے۔"

"سرکار! روی بابو باہر جانے کے لیے تیار ہوکر ابھی ابھی تیزی سے نیچے اترے ہیں۔ ان ہی کو روکنے جارہا ہوں۔" ملازم نے رک کر گڑگڑاتے ہوئے جواب دیا۔

"دفع ہو' جلدی کر! وہ نکل نہ جائیں۔" جگدیش نے جلدی سے کہا۔ اسی وقت باہر پورچ میں کسی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے اور فوراً ہی روانہ ہونے کی آواز آئی۔

باہر ملازم اونچی آواز میں روی بابو' روی بابو چلّاتا رہ گیا۔ اس کی آوازیں ڈرائنگ روم میں بھی سنی جارہی تھیں لیکن وہ کارگر ثابت نہ ہوسکیں۔ کار کی آواز تیزی سے دور ہوتی چلی گئی۔

"بیٹھے بیٹھے یہ اچانک کہاں نکل کھڑا ہوا!" جگدیش خود کلامی کے انداز میں تشویش سے بڑبڑانے لگا۔

اس وقت میرا ذہن روی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ مکان کی اوپری منزل پر رہتا تھا۔ اپنے پھاٹک پر گاڑیوں کے رکنے کی آواز سن کر اس نے یقیناً کسی اگلے حصے میں آکر باہر کا جائزہ لیا ہوگا۔ باہر دو گاڑیوں کے ساتھ ایس ٹی ایف کے چھ کڑیل جوان موجود تھے۔ وہ سادہ کپڑوں میں تھے لیکن اپنی وضع قطع سے دور سے ہی نیم فوجی لگتے تھے۔ اگر روی کسی چکر میں ملوث تھا تو انہیں دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکنا ضروری تھا۔

وہ گھر میں رکا رہتا تو گفتگو کے کسی مرحلے پر اس کی طلبی کا واضح امکان موجود تھا۔ اس کے دل میں چور تھا۔ وہ اپنے گھر آنے والوں کا سامنا کرنے سے بچنا چاہتا تھا' اس نے اپنی

ساری مصروفیات ترک کر کے پھرتی سے کپڑے تبدیل کیے اور گھر سے نکل بھاگا۔

ملازم کی بلند آوازوں اور جانے والی کار کے انجن کی بدلتی ہوئی آوازوں میں جو قلیل وقفے آئے تھے ان کی بنا پر یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ روی نے اپنے ملازم کی آوازیں نہ سنی ہوں۔ وہ گھر سے بھاگنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے ہر سنی ان سنی کردی اور سب کو چکما دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

وہ تجزیہ بظاہر طویل تھا لیکن آدمی کا ذہن پوری طرح بیدار ہو تو اس سے کہیں زیادہ طویل تجزیے چشم زدن میں مکمل ہوجاتے ہیں۔ میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد اول خان سے کہا "اپنے دو آدمیوں کو گاڑی میں اس کے پیچھے روانہ کردو۔ وہ اسے گھیر کر ہر قیمت پر واپس یہاں لے آئیں۔"

اول خان میری بات شروع ہوتے ہی میرا مدعا سمجھ چکا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے ایس ٹی ایف کا اپریٹس نکالا اور حامد کو فوراً ہی جیپ میں روی کا پیچھا کر کے روکنے اور گھر واپس لانے کی ہدایات دے دیں۔

"وہ بہت عجلت اور تیزی میں یہاں سے نکلا ہے۔ میں اس کے پیچھے جارہا ہوں۔" حامد کی طرف سے جواب آیا۔

اول خان نے اپریٹس دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لیا۔ بدلی ہوئی صورتِ حال پر اس کے چہرے سے اندرونی جوش و خروش کا اظہار ہونے لگا تھا۔ ملازم نے اندر آکر روی موہن کی روانگی کی رسمی اطلاع دی اور دوبارہ اندر غائب ہوگیا۔

ہم ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو کر گھر سے نکلے تھے مگر جگدیش کے لیے وہ واقعہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ وہ ذہنی پراگندگی میں مبتلا ہوگیا تھا۔ ذرا سی دیر میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی تھی کہ ہری چند اور کرشن کمار کے کسی بھی خفیہ گٹھ جوڑ کے سلسلے میں جگدیش کا دامن صاف تھا۔ جو کچھ ہورہا تھا اس میں صرف روی ملوث تھا اور وہی ہماری گرفت میں آنے سے پہلے بھاگ گیا تھا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے انٹر کام پر اس سے میری بات ہوئی تھی۔" جگدیش پُر تشویش لہجے میں کہہ رہا تھا "وہ رمی میں اپنی بیوی سے جیتنے پر خوش تھا۔ کچھ کہے سنے بغیر گھر سے نکل کر اس نے مجھے پریشان کردیا ہے۔"

"شاید وہ ہمارے سوالات کے جواب دے سکتا تھا۔" میں سگریٹ سلگا کر کہا "اسی لیے وہ چلا گیا۔"

"تم لوگ ٹرالی سے کچھ تو لو۔" اس نے اصرار کیا "مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ ہم اتنی دیر سے خالی بیٹھے ہیں۔"

اندازہ

"ڈاکٹر صاحب! مجھے بیماری کیا ہے؟" معائنے کے بعد مریض نے جاننا چاہا۔

"یہ تو میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تمہیں کیا مرض لاحق ہے۔" ڈاکٹر نے سر کھجاتے ہوئے کہا "لیکن ایک بات طے ہے کہ اگر تم بلڈنگ ہوتے تو اب تک تمہیں مخدوش قرار دے دیا جاتا۔"

میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے پلیٹ سے نمکین مونگ پھلی کے چند دانے اٹھا کر منہ میں ڈال لیے۔ اول خان نے اپنی جگہ سے کوئی جنبش نہیں کی۔ اپنے اصولوں کے معاملے میں وہ بہت سخت تھا اور دشمن کے گھر کا پانی پینا بھی برا سمجھتا تھا۔

جگدیش کچھ دیر اپنی جگہ بیٹھا بے چینی سے پہلو بدلتا رہا پھر جھجکتے ہوئے بولا "اس لڑکے نے مجھے تمہارے سامنے شرمندہ کردیا ہے۔ اگر تم مجھ پر بھروسا کرو تو میں ذرا اندر کا چکر لگالوں۔ کچھ پتا تو چلے کہ وہ کہاں گیا ہے۔"

"تم بھی اسی کی طرح نکل جانا۔" اول خان اپنی تلخ نوائی سے باز نہ رہ سکا۔

اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ہمارے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور گھگیایا "میں کوئی چور اچکا نہیں ہوں جو بھاگ جاؤں گا۔ بیوی بچے اور بھرا گھر ہے۔ میرا جینا مرنا بھی یہیں ہوگا۔ میں بھاگ کر کہاں جاؤں گا۔ روی بے وقوف ہے۔۔۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "اندر ہو آؤ۔ اس کی بیوی سے پتا چلے گا کہ وہ کیا کہہ کر گیا ہے۔"

اس نے اپنے جڑے ہوئے ہاتھ پیشانی تک لے جاکر میرا شکریہ ادا کیا اور تقریباً لڑھکنے والے انداز میں چلتا ہوا گھر کے اندر کھلنے والے دروازے کے پیچھے چلا گیا۔

"ہم صحیح جگہ آئے ہیں لیکن غلط آدمی سے ٹکرائے ہیں" اول خان نے کہا۔

"شکر ہے کہ تمہاری رائے تبدیل ہوئی ہے ورنہ جگدیش کے ساتھ ابھی تک تمہارا روّیہ بہت سخت ہے۔"

"مجھے اس موٹے پر غصہ آرہا ہے۔ اسے پہلے ہی بتادینا چاہیے تھا کہ ہری چند اس کے بھائی کا سسرالی عزیز ہے۔"

میں ہنس پڑا "پوری بات سمجھے بغیر وہ کیسے سمجھ سکتا تھا کہ ہم کیا چاہ رہے ہیں۔ میرے حساب سے اس نے ہری چند کی

کار کی چوری کا ذکر بھی بہت بے تکے انداز میں کیا تھا۔ ہر بات کہنے کے لیے کوئی موقع محل ضروری ہوتا ہے۔"
وقت بہت دھیرے دھیرے رینگتا رہا۔ اول خان نے مضطرب ہو کر ایریٹس پر حامد سے رابطہ کر لیا۔
"سر! میرا خیال ہے کہ ہم نے اس کی گاڑی دیکھ لی ہے" اول خان کے پوچھنے پر حامد نے دوسری طرف سے جواب دیا "وہ بہت تیز رفتاری سے جا رہا ہے۔ ٹریفک کی وجہ سے ہمیں اس کے قریب پہنچنے میں دشواری ہو رہی ہے۔ اوور!"
"وہ نظروں میں آیا ہوا ہے تو اسے اوجھل نہ ہونے دینا۔ وہ ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ اوور!"
"آپ فکر نہ کریں سر' اسے کسی بھی سگنل پر رکنا پڑا تو ہم اسے جا لیں گے' اوور۔"
"ہم کلفٹن کے پل پر ہیں۔ وہ اگلے سگنل سے بائیں طرف مڑ رہا ہے۔ سگنل سرخ ہو گیا ہے۔ اسے رک جانا چاہیے مگر وہ نہیں رکا اور تیزی سے مڑ چکا ہے۔ اوور!" حامد نے بدلتی ہوئی صورتِ حال پر پوری کمنٹری دے ڈالی۔
"اس کا مطلب ہے کہ وہ پی سی ہوٹل نہیں جا رہا۔ وہاں پہنچنے کے لیے اسے میٹروپول والے سگنل سے مڑنا چاہیے تھا۔ اپنی رفتار بڑھا دو اور تم بھی سگنل کی پروا مت کرو۔ اس کا ہاتھ آنا بہت ضروری ہے' اوور اینڈ آل۔"
"تم نے بہت جلدی بات ختم کر دی۔" میں نے حیرت سے کہا "چند لمحے اور بات ہوتی تو اس کی سمت کا صحیح اندازہ ہو جاتا۔"
"ایریٹس پر بات کرتے ہوئے وہ اسٹیئرنگ پر دونوں ہاتھوں کی گرفت نہیں رکھ سکتا" اول خان کے ذہن میں بہت باریک نکتہ موجود تھا۔ "اگلے سگنل سے اسے بائیں طرف مڑنا ہے۔ اس کے لیے اس کے دونوں ہاتھ خالی ہونے ضروری تھے۔"
"تم اپنے آدمیوں کی کارکردگی کی تمام جزئیات پر گہری نظر رکھتے ہو" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "تیز رفتار ڈرائیونگ کی یہ مجبوری میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔"
"اس کے بعد پھر ایک موڑ ہے" اول خان کے ذہن میں اس راستے کا پورا نقشہ جما ہوا تھا "موقع ملتے ہی وہ خود تازہ ترین پوزیشن کے بارے میں اطلاع دے گا۔ دعا کرو کہ وہ کسی غلط گاڑی کا پیچھا نہ کر رہا ہو۔"
حامد نے ابتدا میں جو کچھ کہا تھا اس کی روشنی میں غلطی کا امکان موجود تھا۔ قریب پہنچنے پر وہ کوئی اور کار ثابت ہوتی تو وہ ساری بھاگ دوڑ بے مقصد ثابت ہو سکتی تھی۔ میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔
ہم دونوں ذہنی تناؤ اور فکرمندی کے عالم میں خاموش بیٹھے تھے کہ جگدیش کی اونچی بڑبڑاہٹیں سنائی دیں اور پھر وہ ہانپتا ہوا ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ساڑی اور بلاؤز میں ملبوس ایک خوبصورت اور جوان عورت تھی جس کے اجلے چہرے پر بڑی بڑی سیاہ آنکھیں بہت پرکشش نظر آ رہی تھیں۔ اس کے لمبے لمبے سیاہ بال ایک موٹی چوٹی کی صورت میں اس کی پشت کے بجائے سینے سے نیچے تک لہرا رہے تھے۔ پریشانی میں شاید اسے خیال ہی نہیں آیا تھا کہ اس کے بال کہاں تھے۔
"میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا" جگدیش ہانپتا ہوا صوفے پر گر گیا "یہ میری بھاوج اور روی کی بیوی ہے۔ میں اسے ہی ساتھ لے آیا ہوں۔ تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے' اس سے پوچھ لو۔ عمر بھر روی کے سر میں درد نہیں ہوا۔ تم دونوں آئے ہو تو ایک دم اس کو اپنڈکس کا درد شروع ہو گیا۔ پتا نہیں یہ لڑکا کہاں میرا منہ کالا کروائے گا۔"
آنے والی دونوں ہاتھ جوڑ کر ہمارے سامنے قدرے جھکی اور پھر سب سے الگ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے اور غلافی آنکھوں سے خوف و ہراس جھلک رہا تھا۔
"بتاؤ! انہیں بتاؤ کہ روی گھر میں بیٹھے بیٹھے ایک دم کہاں چلا گیا۔" ہمارے کچھ پوچھنے سے پہلے جگدیش اپنی بھاوج پر برس پڑا۔ پریشانی کی وجہ سے وہ اس وقت اعصاب زدہ ہو رہا تھا۔
"وہ ڈاکٹر کے پاس گئے ہیں۔" کمرے کی فضا میں روی کی بیوی کی سہمی سہمی آواز گونجی۔
اسی لمحے اول خان کے ایریٹس پر اشارہ موصول ہونے لگا۔ اس نے فوراً ہی ایریٹس نکال کر حامد سے بات شروع کر دی۔ روی موہن کی بیوی کی بات جہاں تک پہنچی تھی' وہیں رہ گئی۔
دوسری طرف سے حامد شرمندگی کے ساتھ میرے بدترین خدشے کی تصدیق کر رہا تھا۔ وہ دونوں مشتبہ گاڑی تک پہنچ چکے تھے۔ گاڑی کا ماڈل وہی تھا جو روی کی کار کا تھا لیکن اس کار کا رنگ سیاہ کے بجائے سرمئی تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسے کوئی خاتون چلا رہی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم ٹی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مشرقی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کرکے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کردیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ ٹی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے ٹی سے بغاوت پر مجبور کردیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردی کی کارروائیوں کو نشانہ بنانا شروع کردیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کردیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آمزک بیبل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر ٹی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہوکر انہیں زیوڈ اسٹار نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھادیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آمزک بیبل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہوکر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ زیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے، یہاں مدن موہن کے نیپال انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنول راجوانی کا نام سامنے آیا، اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈینی کو تلاش کرکے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہورہا تھا، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہوچکا تھا، اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈینی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکریٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبہ سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نیا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچادیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رائیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رائیل نے اپنی گلوخلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہوکر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہوچکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگادیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدرآباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدرآباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارتی علاقے مونا باؤ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی جی کے جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ اس دوران میں کرشن کمار کے آدمیوں نے حیدرآباد میں موجود ہماری کار کا تعاقب کیا اور ہمارے گھر تک رسائی حاصل کرلی۔ ایک رات انہوں نے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیا مگر اپنی بدقسمتی سے حیدرآباد کے رجسٹریشن والی کار سمیت ایک مردہ اور دو زندہ شکاروں کی صورت میں ہمارے ہاتھ آگئے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کرشن کمار انڈیا نہیں گیا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ دیکھ چکا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کردیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے ٹھکانے سے واقف ہونے کے بعد ہم سے ضرور ٹکرائے گا۔ اسی امید کے تحت میں اور سلطان شاہ گھر سے باہر سڑکوں پر سرگشتی کررہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور ویرا کو یرغمال بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ اسے اغوا کرکے بیس لاکھ ڈالر انعام حاصل کرنے کا خواہش مند تھا مگر ویرا کی حاضر دماغی کے باعث اسے اپنی کوشش میں ناکامی ہوئی اور اسے راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ ہمارے گھر پر شب خون کی کارروائی کے دوران میں استعمال ہونے والی کار کا رجسٹریشن شراب فروخت کرنے والی ایک کمپنی موہن اینڈ موہن کے نام پر تھا۔ کمپنی کا مالک جگدیش کراچی میں رہائش پذیر تھا۔ میں اور اول خان ایس ٹی ایف کی نفری کے ہمراہ اس کے گھر پہنچ گئے۔ وہ سیدھا سادہ حقیقی بنیا تھا اس کے خیال میں کار کے حوالے سے اس کے بھائی روی سے پوچھ کچھ معلومات افزا ہوسکتی تھی، ہم روی سے ملنا چاہتے تھے مگر وہ اسی وقت اپنی کار میں بیٹھ کر جگدیش کے گھر سے روانہ ہوگیا۔ ایس ٹی ایف کے جوان اس کے تعاقب میں گئے مگر وہ ان کے ہاتھ نہ آسکا۔

ایس ٹی ایف فرض شناس اور ذمے دار اہل کاروں پر مشتمل ایک ایسی مضبوط تنظیم تھی جس کے کسی رکن کے بارے میں بھول کر بھی یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس نے جان بوجھ کر اپنے فرائض سے غفلت برتی ہوگی۔

ہمارا واسطہ اپنے جیسے جیتے جاگتے اور چالاک انسانوں سے پڑا ہوا تھا۔ ہم ان کی راہ پر لگے ہوئے تھے اور وہ خطرہ بھانپ کر اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہے تھے۔ ان حالات میں یہ ضروری نہیں تھا کہ ہمیں ہر بار کامیابی حاصل ہوتی۔ اس کشمکش میں کسی بھی وقت کسی فریق کو ناکامی ہوسکتی تھی اور میں ایسے امکانات کے لیے ذہنی طور پر ہر وقت تیار رہتا تھا لیکن اول خان، حامد کی رپورٹ سنتے ہی یوں مشتعل ہوگیا جیسے اس نے دیدہ ودانستہ اپنے فرائض سے کوئی چشم پوشی کی ہو۔

مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ اول خان اپنے ماتحتوں میں حامد کو بہت زیادہ قابلِ اعتماد سمجھتا تھا اور اہم معاملات میں کافی عرصے سے اسے آگے رکھتا تھا لیکن اس وقت اول خان کے اضطراری لب ولہجے سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ روی موہن کا سراغ کھودینے کی خبر سن کر وہ مایوسی اور بددلی کا شکار ہوگیا تھا۔

کرشن کمار کو ابتدا میں ہم نے بہت زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ مراد ظریف کے ایک کارندے کے روپ میں ابھر کر ہمارے سامنے آیا تھا اور شاید وہی ہمارے اندازے کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ حقیقت میں معاملہ بالکل الٹ تھا۔ صحرا کے پلیٹ فارم سے کی جانے والی سازش کا اصل سرغنہ کرشن کمار تھا اور مراد ظریف سمیت، سب لوگ اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیاں بنے ہوئے تھے۔

جب سے وہ قصہ شروع ہوا تھا، کئی بار ایسا ہوچکا تھا کہ کرشن کمار ہماری دسترس میں آتے آتے رہ گیا تھا۔ ہم اس کے پیچھے جہاں بھی پہنچے، وہ پہلے ہی وہاں سے نکل چکا تھا۔

جگدیش کے گھر پیش آنے والا تازہ ترین واقعہ شاید اول خان کے لیے زیادہ مایوسی کا سبب بنا تھا۔ ہم خاصی محنت سے ہری چند اور موہن اینڈ موہن کا سراغ حاصل کرکے اپنی راہ متعین کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے۔ وہاں سب کچھ موجود تھا۔ کڑیاں ملنے کا سلسلہ شروع ہوا تو روی موہن ہمارے سامنے آئے بغیر سب کو جل دے کر گھر سے ہی بھاگ نکلا تھا۔

اول خان کچھ دیر تک حامد پر برستا رہا۔ اسے قلق تھا کہ روی موہن کی گاڑی کے پیچھے لگ جانے کے بعد کسی مرحلے پر دھوکا کھا گیا اور اس کا سراغ گنوا بیٹھا۔ پھر اسے خود ہی اپنی زیادتی کا احساس ہوگیا۔ دھیمے اور ناصحانہ لہجے میں چند فقرے ادا کرنے کے بعد اس نے بات ختم کردی۔

"تمہارے بھائی کے ہاتھ صاف نہیں ہیں۔" حامد سے گفتگو ختم کرنے کے بعد اول خان نے جگدیش کو قہربار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "وہ یہاں سے اس طرح دیوانہ وار فرار ہوا ہے کہ میرے آدمی پوری کوشش کے باوجود اس تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکے..."

"انہوں نے کچھ نہیں کیا... وہ شریف آدمی ہیں۔" جگدیش سے پہلے اس کی بھاوج سہمی ہوئی آواز میں بول پڑی "میں نے خود دیکھا تھا۔ وہ بالکونی سے آئے تو ان کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا، انہیں بہت درد ہورہا تھا..."

"وہ جھوٹا اور فریبی ہے۔" اول خان اس کی بات کاٹ کر برس پڑا "اپنے پھاٹک پر ہمارے آدمیوں کو دیکھ کر اس کے پیٹ میں درد اٹھا ہوگا۔ وہ اپنڈکس کا نہیں، خوف اور دہشت کا درد تھا کہ اب وہ پکڑا جائے گا۔"

"وہ کیوں پکڑے جاتے!" روی کی بیوی نے کمزور آواز میں احتجاج کیا "انہوں نے کوئی جرم تو نہیں کیا..."

"کیوں مردوں کے منہ لگ رہی ہو؟" اس بار جگدیش نے اپنی کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے اسے ڈانٹ دیا "تجھے کیا پتا کہ تیرے میکے والے میرے بھائی کی آڑ میں کیا گل کھلا رہے ہیں... میرا زیادہ منہ نہ کھلوا۔"

اس کے شانے ڈھلک گئے اور آنکھوں میں خوف کی سفیدی گہری ہوگئی۔ اس نے اپنے سینے پر آئی ہوئی سیاہ چوٹی کو پشت پر ڈالا اور یوں پشت گاہ سے ٹک گئی جیسے اسے چکر آگئے ہوں۔

"اپنڈکس کا درد اٹھتا ہے تو آدمی گاڑی چلانے کے قابل نہیں رہتا۔" میں نے اس سے مخاطب ہوکر نرمی سے کہا۔ "روی گاڑی کو تیز رفتاری سے بھگا کر لے گیا ہے۔ اس نے تم سے بہانہ کیا ہوگا۔"

"وہ اچھے خاصے میرے ساتھ بیٹھے رمی کھیل رہے تھے اور بہت خوش تھے۔" میری نرمی کا سہارا پاکر وہ روہانسی آواز میں بتانے لگی "کسی بات پر چونک کر بالکونی تک گئے، واپس آئے تو چہرہ فق تھا۔ میں گھبرا گئی۔ پوچھا تو کہنے لگے کہ انہیں اپنڈکس کا درد اٹھا ہے۔ پھر وہ جلدی جلدی کپڑے بدل کر گھر سے نکل گئے۔ وہ ڈاکٹر کے پاس ہی گئے ہوں گے۔"

"ڈاکٹر رام دیال ہمارا فیملی فزیشین ہے۔" جگدیش ہانپتے ہوئے بولا "غصے اور ذہنی تناؤ کی شدت سے اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر ابلتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں "روی کو

یوں سر پر پیر رکھ کر کہیں بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ رام دیال کو ایک فون کرتا تو وہ سر کے بل یہاں دوڑا چلا آتا۔ میں اسے ہر مہینے کس بات کے چار ہزار روپے دیتا ہوں؟"

"میں نے بھی ان سے یہی کہا تھا" روی کی بیوی کی آواز تقریباً رو دینے والی ہوگئی "وہ کہہ رہے تھے کہ ڈاکٹر رام دیال فزیشین ہے۔ ان کا معاملہ کوئی بہترین سرجن ہی حل کر سکتا ہے۔"

"اُلو کا پٹھا ہے وہ!" جگدیش اپنی بھاوج کی پیش کی ہوئی وضاحت پر چڑ گیا "رام دیال ہم سب کا معالج ہی نہیں، دوست اور خیر خواہ بھی ہے۔ وہ سرجن کے پاس جانے کے لیے بھی کوئی اچھا مشورہ دے سکتا تھا، کوئی نام بتا سکتا تھا۔ اب روی پورے شہر میں کس کس سرجن کے مطب پر دستک دے گا۔ اچھے سرجن مصروف ہوتے ہیں۔ کوئی بھی اسے مہینوں سے پہلے کی تاریخ نہیں دے گا۔"

جگدیش اپنے غصے کی رو میں ایک بات کہہ گیا تھا مگر وہ میرے ذہن سے چپک کر رہ گئی۔ منہ مانگی فیس کی پیشگی ادائیگی کے باوجود شہر کے نامور اور ماہر معالجین سے فوری ملاقات کا وقت لینا واقعی ایک سنگین مسئلہ بن چکا تھا۔ مریض کا مسئلہ کتنا ہی سنگین اور فوری نوعیت کا ہو، معالج کی بروقت دستیابی ممکن نہیں تھی۔ ایسی حالت میں مطب کا نچلا عملہ مریض کے لواحقین کو یہی مشورہ دیتا تھا کہ وہ مریض کی جان بچانے کے لیے اسے فوری طور پر کسی اچھے اسپتال میں لے جائیں۔ شہر کے بیشتر بڑے اسپتالوں میں ہر شعبے کے ماہرین قدرے آسانی سے رابطے میں آجاتے ہیں لیکن ان اسپتالوں کے بارے میں سینہ بہ سینہ پھیلنے والی کہانیاں، موت سے خائف مریضوں کے قدموں کی زنجیر بن جاتی ہیں۔

"بھگوان کرے کہ انہیں اپینڈکس کی تکلیف نہ ہوئی ہو، انہوں نے مجھ سے بہانہ کیا ہو۔"

وہ رندھی ہوئی آواز میں اپنے شوہر کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کر رہی تھی مگر جگدیش معاملے کی سنگینی کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اس نے کھردرے لہجے میں اپنی بھاوج کو ڈانٹ دیا "ماروتی! اب میرے کان مت کھا۔ روی کو کہیں کوئی درد نہیں تھا۔ یہ سب سرکاری آدمی ہیں۔ دروازے پر ان کی بھیڑ دیکھ کر وہ یہاں سے بھاگا ہے۔ اس کے دل میں چور ہے۔"

"بھایا جی! تم تو ان پر الزام تراشی نہ کرو!" ماروتی نے اپنی بھیگتی ہوئی متوحش نگاہیں اپنے جیٹھ کے چہرے پر مرکوز کردیں۔ وہ اپنے شوہر کی مدافعت کے لیے اس وقت کسی زخمی شیرنی کی طرح غرائی تھی "ابھی تم میرے میکے والوں کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ اب ان کو چور بنا رہے ہو۔ انہوں نے کیا چرایا ہے تمہارا؟"

"عزت!" جگدیش نے دونوں ہاتھ اپنی کھوپڑی پر رکھ کر کہا "اس نے یہاں سے بھاگ کر میری عزت چرائی ہے، میرے ماتھے پر کالک لگائی ہے۔ بتا، اب میں ان دونوں کو کیا جواب دوں؟"

"تم سے ان کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو تم اندر جاکر آرام کرو۔ میں خود ان کے ہر سوال کا جواب دے لوں گی۔ دیکھتی ہوں کہ یہ روی کو کیسے ہاتھ لگاتے ہیں۔"

میں ماروتی کے تیزی سے بدلتے ہوئے تیوروں کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ ہمارے مقابلے میں اپنے جیٹھ کی پسپائی اور بے بسی کو محسوس کرتے ہی اس کا خون کھول اٹھا تھا اور اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی خوف کی زردی، حیات آفریں سرخی میں تحلیل ہونے لگی تھی۔

اپنی بھاوج کا جواب سن کر جگدیش دہاڑتا ہوا اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا "ماروتی!" وہ غضیلی آواز میں دہاڑا "یہ نہ بھول کہ تو راجپوت خاندان کی بہو ہے۔ ہم اپنی بہو بیٹیوں کو یوں اجنبیوں کے ساتھ اکیلا چھوڑنے سے پہلے سب کو مار دیتے ہیں یا خود مرجاتے ہیں۔ تو عورت ہے اور عورت ہی رہ۔ تیرا آدمی بھاگ گیا مگر میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اپنی آن اور عزت کے لیے ان لوگوں سے آخری سانس تک قانونی لڑائی لڑوں گا۔ تجھے زیادہ ہوشیاری دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"تم اپنے لیے لڑوگے، روی کی گردن پھنسوا دوگے۔ تمہاری باتوں سے لگ رہا ہے کہ اب اس سے تمہارا دل بھر گیا ہے۔ اسے راستے سے ہٹا کر تم کاروبار پر قبضہ جمانے کی سوچ رہے ہو" ماروتی ایک دم بھڑک اٹھی۔

اول خان نے ان دونوں کے گھریلو جھگڑے میں دخل انداز ہونے کی کوشش کی مگر میں نے اس کا پیر دبا کر اسے وہیں خاموش کردیا۔ ان دونوں کی آرا کا وہ سنگین تصادم ہمارے حق میں تھا۔ اندر کی کچھ ایسی گرہیں کھل کر سامنے آسکتی تھیں جن کی بنا پر ہمارا کام آسان ہو سکتا تھا۔

جگدیش اس کا وہ الزام سن کر سکتے میں آگیا۔ اس کے چہرے سے گہرے صدمے کے آثار نمایاں تھے۔ چند ثانیوں تک وہ ملامت بھری نظروں سے ماروتی کو گھورتا رہا پھر ذرا نیچی آواز میں بولا "تو راجپوت خاندان میں ضرور آگئی ہے لیکن تیری گندی سوچ ابھی تک نہیں بدلی۔ تو نے میرے مان

کا خون کر دیا' ماروتی! میں تجھے بات سلجھانے کے لیے یہاں لایا تھا مگر تو نے سب کچھ الجھا کر رکھ دیا ہے۔ اپنے گھر اور سوچ کا سارا گند پیچ چوراہے پر لے آئی ہو۔"

"یہاں سے بھاگنے والا میرا پتی ہے تو تمہارا بھی چھوٹا بھائی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے میرے میکے کا نام کیوں لیا؟ میرے میکے والوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" ماروتی باقاعدہ محاذ آرائی پر تل گئی تھی۔ غصے میں آنے کے بعد اس کے سوگوار چہرے پر حسن کا ایک عجیب سا نکھار اتر آیا تھا۔

"حیدر آباد والا ہری چند تمہارا بھائی ہے کہ نہیں؟" جگدیش نے دو ٹوک انداز میں پوچھا۔

"ہے.... مگر سگا نہیں خالہ زاد بھائی ہے۔" ماروتی نے محتاط الفاظ میں اعتراف کیا۔

"اسی کے لچھنوں کی وجہ سے یہ سرکاری نفری ہماری دہلیز پر آئی ہے۔"

"کان کھول کر سن لو' بھایا جی! ہری چند نے تم سے نوکری مانگی تھی نہ میں نے تم سے اس کی سفارش کی تھی۔" ماروتی کی زبان سے الفاظ تیروں کی طرح نکل رہے تھے "تم کو حیدر آباد کے لیے بھروسے کے ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ تم وہاں گھر کا آدمی رکھنا چاہتے تھے لیکن تمہارے خاندان میں سب ٹیڑھے ہیں۔ راجپوت دوسروں کی غلامی کر لیتے ہیں لیکن کسی اور راجپوت کی نوکری پسند نہیں کرتے۔ اس سے ان کی باولی عزت پر حرف آتا ہے...."

"ہمیں چھوڑ.... اپنی بات کر۔" جگدیش نے اسے ڈانٹا "ہر اونچے اور بڑے خاندان میں کوئی نہ کوئی ٹیڑھ ہوتی ہے اور یہی اس کی پکی شناخت ہوتی ہے۔ جاٹ' جولاہے' تیلی اور کمہار مر کر بھی ہماری برابری نہیں کر سکتے۔"

"تم نے اپنی غرض سے اسے بلایا تھا" ماروتی اس بار فضا میں ہاتھ نچا کر تیزی سے بولی۔ اس میں چھپی ہوئی عورت رفتہ رفتہ باہر آتی جا رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی "ہری چند لگی لگائی نوکری چھوڑ کر تمہارے پاس آیا تھا۔"

"کیوں نہ آتا؟ ہم نے اسے دگنی تنخواہ دی تھی۔ یہ سب روی کی تجویز تھی اور میں نے اسے مان لیا تھا مگر اس نمک حرام نے ہمارے احسان کا یہ بدلہ دیا ہے کہ ہم مشکل میں پڑ چکے ہیں۔"

"قصور ہری چند کا ہے تو یہ تمہارے گھر کیوں آئے ہیں؟ جا کر اس کی گردن ناپیں۔"

"مجھے نظر آ رہا ہے کہ وہ بھی نہیں بچے گا۔ ہمارا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ ہمارا ملازم ہے۔ روی یہاں آ کر ان شریف آدمیوں سے دو منٹ بات کر لیتا تو ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا۔"

ماروتی کی بڑی بڑی آنکھیں حرکت کرتی ہوئی' پہلی بار میرے چہرے پر مرکوز ہوئیں اور میرے بدن میں سنسنی کی لہر سی دوڑ گئی۔ ایسی جان دار اور طلب گار نگاہیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ ان آنکھوں میں سوال کے ساتھ مفاہمت کا ایک عجیب سا پیغام بھی پوشیدہ تھا جسے صرف محسوس کیا جا سکتا تھا' ضبطِ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا تھا۔

ماروتی کی بڑی بڑی' سیاہ غلافی آنکھوں کی کشش نے مجھے ایسا' سحور کیا کہ میں اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی بے ساختہ بول پڑا "جگدیش ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس وقت کی صورت یہی ہے کہ اصل مجرم ہری چند ہے لیکن روی موہن نے ہمیں دیکھ کر یہاں سے فرار ہونے کے نتیجے میں خود کو مشکوک بنا لیا ہے۔"

"اگر وہ آ کر تم سے مل لیں تو یہ قصہ یہیں نمٹ جائے گا؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں!" بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا مگر میں نے فوراً ہی اپنی غلطی کا ادراک کرتے ہوئے اپنے یک لفظی جواب کی وضاحت کی "مگر یہ کہنا مشکل ہے کہ نتیجہ کیا ہوگا۔ روی اپنے سالے کے جرم میں شریک ہے تو وہ بھی پھنسے گا۔"

"روی ایسے نہیں ہیں۔ میں انہیں تلاش کرتی ہوں۔ انہوں نے مجھ سے بہانہ کیا تھا تو انہیں واپس تمہارے سامنے آنا ہوگا۔ وہ کسی اسپتال میں داخل ہو گئے ہیں تو تم وہاں جا کر ان سے مل سکتے ہو۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تم اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گی؟"

"لگن کے ساتھ کوشش کی جائے تو بھگوان بھی مل جاتا ہے' روی تو میرے شوہر ہیں" اس کے نرم و نازک لبوں پر پہلی بار ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔ اس کی وہ مسکراہٹ بہت پُرکشش بلکہ دل فریب تھی۔ شاید اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ میں اس کے حسن سے کسی حد تک متاثر ہو چکا تھا اور وہ جگدیش کی موجودگی کو نظر انداز کر کے مجھے اپنے جال میں گھیرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

میرے ذہن میں کہیں سے سفید نیولا در آیا۔ اس نے ہمارے گھر میں گھس کر ویرا کو اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ اس کی ناکامی کا سبب یہ تھا کہ واردات کے دوران میں ہی اس کے دماغ پر شیطان سوار ہو گیا اور وہ ویرا کو اٹھالے

جانے سے پہلے اس کی تذلیل پر تل گیا۔ وہ اپنی اس کوشش میں بھی ناکام رہا مگر اس دوران میں اس نے ویرا کے ساتھ جو سلوک کیا' وہ اشتعال انگیز تھا۔ ویرا نے بہت نفرت اور کراہت سے وہ لمحے گزارے تھے۔

ہم کرشن کماریا سفید نیولے تک نہیں پہنچ سکتے تھے مگر اس کے ایک ہمدرد گھرانے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس گھر کی بہو میرے روبہ رو تھی۔ چند فطری اور لمحاتی دلچسپیوں سے قطع نظر' مجھے اس خاتون سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن اگر وہ خود ہی پیش رفت کر کے مجھے ویرا کا انتقام لینے پر آمادہ کرنا چاہ رہی تھی تو وہ اس کی خوشی تھی' میں اسے نہیں روک سکتا تھا۔

میری ساری دلچسپی صرف اور صرف کرشن کمار کی ذات تک محدود تھی۔

جگدیش جہاں دیدہ آدمی تھا۔ جب تک بات الفاظ کے ذریعے ہوتی رہی' وہ خاموشی اور غور سے سب کچھ سنتا رہا لیکن جب ماروتی کے ہونٹوں پر اکسانے والی مسکراہٹ نمودار ہوئی تو اسے خطرے کا اندازہ ہو گیا۔

ماروتی نے بہت چالاکی کے ساتھ اسے سارے معاملات سے الگ تھلگ کر کے مذاکرات کی باگ ڈور خود سنبھال لی تھی اور حسن اور ذہانت کے مشترک استعمال کے ذریعے' آئی ہوئی بلا کو ٹالنے کا ارادہ کر چکی تھی۔

"ماروتی! روی تیری یہ ہنسی دیکھ لیتا تو ابھی ناک چوٹی کاٹ دیتا۔ اسے تلاش کر سکتی ہے تو اوپر اپنے کمرے میں جا۔ ہر جگہ فون کر۔ وہ اپنے کسی نہ کسی دوست کے گھر پہنچا ہو گا۔"

"فون پر روی کے دوست مجھے ٹال سکتے ہیں" ماروتی نے جگدیش کو نظر انداز کر کے مجھ سے کہا "میں سوچ رہی ہوں کہ تمہارے ساتھ اس مہم پر نکلوں۔ وہ کہیں نہ کہیں مل جائیں گے۔ یہ ان کی مرضی ہو گی کہ وہ میری ناک چوٹی کاٹ لیں یا اپنے لالچی بھائی کی کھوپڑی میں بھرا ہوا بھس باہر نکال پھینکیں" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس مرتبہ بات جگدیش کی برداشت کی حد سے تجاوز کر چکی تھی۔ وہ جھپٹ کر ماروتی پر ٹوٹ پڑا۔ ماروتی چیخ چیخ کر اسے بُرا بھلا کہنے لگی مگر وہ اسے دھکے دے دے کر کسی نہ کسی طرح اندر پہنچانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

اسے گھر والوں کے حوالے کر کے وہ واپس آیا تو بری طرح ہانپ رہا تھا اور اس کا پورا بدن پسینوں میں شرابور تھا۔ ڈرائنگ روم میں آتے ہی وہ کرسی پر گرا اور اسکاچ کی ایک بوتل سے منہ لگا کر غٹاغٹ دو گھونٹ اپنے معدے میں اتار لے گیا۔

وہ غیر مسلم تھا' شراب کا پرانا بیوپاری تھا اس لیے اس کا عادی شرابی ہونا قرین قیاس تھا مگر یہ بات بھی یقینی تھی کہ مہذب عادی شرابیوں کی طرح وہ بھی کچھ ملائے بغیر' نیٹ پینے کا عادی نہیں رہا ہو گا۔ اس وقت جگدیش نے بوتل سے منہ لگا کر جو حرکت کی تھی اور اس نے جیسے بُرے بُرے منہ بنائے تھے' اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ شدید ذہنی دباؤ سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہ اضطراری طور پر وہ حرکت کر گزرا تھا ورنہ وہ اس کا معمول نہیں تھا۔

اندر سے دھینگا مشتی اور کئی عورتوں کے زور زور سے بولنے بلکہ چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان میں ماروتی کی آواز سب سے نمایاں تھی۔ جگدیش نے اسے اندر ضرور پہنچا دیا تھا مگر وہاں بھی مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ جگدیش سے ہونے والی لڑائی نے پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

"تمہاری بھاوج بہت منہ زور اور گستاخ عورت ہے" اول خان نے ہمدردی سے کہا۔

"آج اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ میرے سامنے یوں زبان کھولی ہے" جگدیش نے اپنی توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تھکی ہاری آواز میں جواب دیا "ہم برسوں سے ایک ساتھ رہ رہے ہیں مگر آج ماروتی نے مجھے گہرا صدمہ پہنچایا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کسی وقت یوں بازاری عورتوں جیسی حرکتوں پر اتر آئے گی۔"

"تم کو ہمارا ہم خیال پاتے ہی اسے جھٹکا لگا ہے اور وہ خود کو اچانک اکیلا سمجھنے لگی" اول خان نے بات ذرا آگے بڑھائی "اس نے اپنے شوہر کو بچانے کے لیے خود ہی سب کچھ کر گزرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ کوئی بھی خانہ دار عورت اتنی آسانی سے یہ حقیقت قبول نہیں کر سکتی کہ اس کا شوہر کسی سنگین جرم میں ملوث ہے۔"

"ہم عزت دار لوگ ہیں" وہ گہرے گہرے سانس لیتا ہوا بولا "آج روی اور اس کی بیوی نے ہمارے خاندان کے نام اور ساکھ کو تباہ کر دیا۔۔۔ مجھے بتاؤ کہ روی کیا کرتا پھر رہا ہے۔۔۔ وہ میرا بھائی اور میرا خون ہے مگر میں تمہارا پورا پورا ساتھ دوں گا۔ اگر اس نے کوئی جرم کیا ہے تو اسے اس کی سزا ملنی چاہیے۔"

"کچھ پکے بدمعاش اور مجرم ہوتے ہیں جن کا پیشہ ہی جرم کے ذریعے روزی کمانا ہوتا ہے۔" میں نے ان دونوں کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "وہ جیل اور حوالات میں بند

رہیں یا اپنے گھر میں، انہیں اور ان کے گھر والوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان کے مقابلے میں سفید پوش مجرم بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ وہ معاشرے میں اپنی عزت اور ساکھ سے فائدہ اٹھا کر بہت کچھ کرتے ہیں اور کسی کو کانوں کان کچھ پتا نہیں چلتا۔ جوں ہی ان کے چہرے سے نقاب اترتا ہے، ان کا سب کچھ یکایک تباہ ہو جاتا ہے۔ گھر بار سے لے کر عزت آبرو، ساکھ اور کاروبار تک ہر چیز تباہ ہو جاتی ہے۔ روی نے گھر سے بھاگ کر اپنے جرائم کا آدھا اعتراف کر لیا ہے۔"

"ماروتی ذرا نیچی ذات کی عورت ہے۔ روی نے اسے اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اپنے گھر میں ڈال لیا تھا۔ وہ ایک ہی جھٹکے میں اپنی اصلیت پر آگئی۔ اگر تم لوگوں نے روی کے بارے میں کچھ ثابت کر دیا تو سب سے زیادہ صدمہ اسی کو ہوگا۔ ہمارے خاندان میں آنے کے بعد اس نے ہمیں کبھی کسی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ آج پہلی بار میرے سامنے تن کر کھڑی ہوئی ہے۔"

"اس وقت وہ تمہیں اپنا اور روی کا دشمن سمجھ رہی ہے۔ اس کی یہ غلط فہمی جلد ہی دور ہو جائے گی" میں نے کہا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں، روی کی گھٹیا اور بزدلانہ حرکت میرے سامنے ہے مگر پھر بھی بھگوان سے میری دعا ہے کہ میرا دیکھا اور سنا ہوا، سب غلط ہو اور روی آخر میں بالکل بے گناہ نکلے پھر بھی میرا رویّہ شریفانہ ہے۔"

امید پر ہی دنیا قائم ہے اور ہر انسان امیدوں کے سہارے ہی جیتا ہے۔ جگدیش کو اپنی آرزو کے اظہار کا پورا پورا حق حاصل تھا۔ مجھے خود بھی اس کے بھائی سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ میں نے اس کی بات پر کوئی اعتراض کیے بغیر کہا "ہو سکتا ہے کہ اسے بھی اپنے رویے میں کوئی برائی محسوس نہ ہو رہی ہو۔ ایک اچھی بیوی کی طرح وہ اپنے شوہر کو ہر شک سے بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"مگر کس قیمت پر؟" اس نے برجستہ کہا "وہ جس طرح سینہ تان کر، آنکھیں جھپکا جھپکا کر اور مسکرا کر تم سے باتیں کر رہی تھی، وہ کسی اچھی بیوی کو زیب دیتا ہے؟ وہ تم پر دوسرے ہتھکنڈے آزمانے کے چکر میں ہے۔"

"تم اس کے بڑے ہو۔ ہم تمہارے لیے غیر بلکہ شاید دشمن ہیں اس لیے تم ٹھیک سوچ رہے ہو" میں نے سگریٹ کا کش لے کر سنجیدگی سے کہا "ایک آدھ بار مجھے بھی محسوس ہوا تھا کہ وہ ہمیں رجھانے کی کوشش کر رہی ہے مگر ہمارے نزدیک فرض ہر شے پر مقدم ہے۔ ہمارے نزدیک ماروتی کے حسن کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ ساری اہمیت اس بات کی ہے

کہ وہ روی کی بیوی ہے اور اس کے ایسے دوستوں کے بارے میں جانتی ہے جن کے پاس وہ پناہ لے سکتا ہے۔"

جگدیش نے چونک کر میری بات کاٹ دی "ابھی تک تم نے صرف ایک واردات کا ذکر کیا ہے جس میں ہری چندی کی گاڑی پکڑی گئی ہے۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ واردات کیا تھی اور روی کا جرم کیا ہے۔"

اس کا سوال جائز تھا۔ اسے وہ خیال بہت دیر سے آیا تھا۔ میں نے اسے بتایا "جرم نہیں بلکہ جرائم کا ایک سلسلہ ہے جس میں روی ملوث ہو سکتا ہے۔ قتل، اغوا سے لے کر ملک کے خلاف سازش جیسے معاملات ہمیں تمہارے گھر تک لائے ہیں۔"

بے اعتباری سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ خوف زدہ آواز میں بولا "روی جیسا بھی ہو، اتنا برا نہیں ہو سکتا۔ قتل تو کیا، وہ کسی کو زخمی بھی نہیں کر سکتا۔ وہ یہاں عزت سے رہ رہا ہے۔ کھا کما رہا ہے۔ وہ اس ملک کے خلاف سازش کیوں کرے گا؟"

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا "تم کرشن کمار کو جانتے ہو؟"

جگدیش کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور کہا "تم کس کرشن کمار کی بات کر رہے ہو؟ یہ بہت عام سا نام ہے۔ دو کرشن میرے دفتر میں کام کرتے ہیں۔ تیسرا..."

"اب تم ماروتی بننے کی کوشش کر رہے ہو" میں نے اس کی نگاہوں میں پوشیدہ خوف کو بھانپتے ہوئے سختی سے اس کی بات کاٹ دی "تم کو معلوم ہے کہ میں کس کرشن کمار کی بات کر رہا ہوں۔"

"وہ کھوکھراپار والا کرشن کمار ہی ہو سکتا ہے۔ بچوں سے ملنے کے لیے میں میرپور خاص جاتا رہتا ہوں۔ وہیں دو تین بار اس سے ملاقات ہوئی ہے۔ وہ بہت دردمند دل کا مالک ہے اور تھر کے دور افتادہ علاقوں کے غریب لوگوں کے لیے بڑا کام کر رہا ہے۔"

"تو کیا تمہارے بچے اتنے بڑے ہیں کہ کرشن کمار ان کا دوست ہو سکتا ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"بڑے کیا، بھگوان کی مہربانی سے تینوں جوان ہیں، دو بیٹے میرے ہیں، تیسرا روی کا ہے۔ ہم لوگ کم عمری میں شادی کر لیتے ہیں اس لیے ہمارے بچے ہمارے بڑھاپے سے پہلے جوان ہو کر سہارا بن جاتے ہیں مگر یہ تینوں عجیب ہیں، کراچی میں ان کا دل نہیں لگتا۔ اپنے آبائی گھر اور ماحول میں

بہت خوش رہتے ہیں۔"

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا" میں نے اسے یاد دلایا "کرشن کمار ان میں سے کس کا دوست ہے؟"

"ان سے ملتا جلتا رہتا ہے مگر اس کی دوستی روی سے ہے۔ روی اکثر میرپور خاص جاتا رہتا ہے۔ پہلے کرشن کمار بھی وہیں رہتا تھا۔ بعد میں وہ کھوکھراپار چلا گیا مگر میرپور خاص میں اس کا گھر اب بھی ہے۔"

"تمہیں پتا چلا ہوگا کہ اس گھر میں کیا دھندے ہوتے تھے؟" میں نے پوچھا۔

وہ لمحہ بھر کے لیے ہچکچایا پھر بولا "مجھے یہ سب نہیں معلوم لیکن چند روز پہلے وہاں خوں ریزی ہوئی تھی۔ کچھ لوگ مارے گئے۔ میرپور خاص میں ابھی تک خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے۔ پولیس پکڑ دھکڑ کر رہی ہے مگر کسی کو نہیں معلوم کہ اس رات کرشن کمار کے گھر میں کیا ہوا تھا؟"

"تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔ تم اپنے آبائی شہر کے حالات سے باخبر رہتے ہو۔ یہ ایک اچھی عادت ہے" میں نے اس کے کھلے رویّے کو سراہتے ہوئے کہا "کرشن کمار کے آدمیوں سے میرپور خاص میں شروع ہونے والی لڑائی اب کراچی تک آپہنچی ہے۔ کرشن کمار آخری بار یہاں کب آیا تھا؟" میں نے آخری سوال اچانک ہی پوچھا تھا۔

"وہ تھر کا سوشل ورکر ہے۔ روی اسے چندے بھی دیتا رہتا تھا مگر وہ یہاں کبھی نہیں آیا۔ دراصل وہ نظر کا خراب آدمی ہے۔ ہم بال بچوں والے ہیں، چھڑے دوستوں کو گھر میں بلانا معیوب سمجھتے ہیں۔"

"ہری چند کی گاڑی میں اس نے چار ابنار کر تین بھیلوں کو کراچی روانہ کیا تھا۔ ان کے پیچھے پیچھے وہ خود بھی یہاں آیا ہوا ہے اور اب ہمیں اسی کی تلاش ہے۔ وہ کہاں مل سکے گا؟"

"مجھے نہیں معلوم" اس نے بے بسی سے کہا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ کراچی میں میری اور اس کی کبھی کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ کبھی روی نے بھی اس کے آنے کا ذکر نہیں کیا۔ مجھے یہ سب بہت زیادہ الجھا ہوا نظر آرہا ہے۔"

"میرے ذہن سے سوچو گے تو تمہاری ہر الجھن رفع ہو جائے گی۔ ہمارے یہاں آتے ہی روی نے گھر سے فرار ہو کر بات صاف کر دی ہے۔ وہ یہاں رکا رہتا تو ہمارے لیے الجھنیں پیدا ہو سکتی تھیں۔ تم دو اور دو چار کرنے والے ہو۔ ذرا سی عقل لڑاؤ گے تو تم بھی اس نتیجے پر پہنچو گے کہ کرشن کمار اور روی موہن میں گہرا گٹھ جوڑ ہے۔"

جگدیش کے چہرے پر خوف کی جگہ تشویش کے سائے لہرانے لگے اور وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا "اگر رام نہ کرے، تمہاری باتیں درست ہیں تو روی موت کے راستے پر بھاگ رہا ہے۔ ہم ہندو ہیں، ہمیں لوگ ویسے ہی شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کوئی انیس بیس ہو گئی تو ذرا سی دیر میں رائی کا پہاڑ بنا دیا جائے گا۔"

"ہم یہاں کافی وقت گزار چکے ہیں۔" اول خان نے اکتائے ہوئے انداز میں زبان کھولی "اب چلنا چاہیے۔"

"جانے سے پہلے ہمیں روی کے قریبی دوستوں کا نام، پتے اور فون نمبر درکار ہیں" میں نے جگدیش کو آگاہ کیا۔

"وہ مجھ سے سات برس چھوٹا ہے۔ میری گود کا کھیلا ہوا ہے۔ رشتے داریوں کی بات الگ ہے ورنہ ہم دونوں کے ملنے جلنے والوں کے حلقے الگ الگ ہیں۔ کسی کسی سے بس سرسری دعا سلام ہے۔ میں اس بارے میں کچھ مدد نہیں کر سکتا۔"

"ماروتی باخبر معلوم ہوتی ہے۔ وہ ہمارے ساتھ روی کی تلاش میں نکلنے پر آمادہ تھی" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"مہاراج!" جگدیش نے التجائیہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے "اس وقت اسے نہ چھیڑنا، وہ بہت بپھری ہوئی ہے۔ تمہارے ساتھ نکل کھڑی ہوئی تو ہماری ناک کٹ جائے گی۔ شریف گھرانوں کی بہو بیٹیوں کا یہ دستور نہیں ہوتا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ روی کے بارے میں کوئی ذرا سا بھی سراغ ملا تو میں تم کو خبر کر دوں گا۔"

میں طنزیہ انداز میں ہنس پڑا "وہ کرشن کمار کی طرح لنڈورا نہیں ہے۔ ماروتی جیسی خوبصورت بیوی کا شوہر ہے۔ گھر بار کو وہ کب تک بھولا رہے گا؟ ہمارے آدمی تمہارے گھر اور دفتر کی نگرانی کریں گے۔ وہ جہاں بھی آیا، چوہے کی طرح پکڑا جائے گا۔"

جگدیش اپنے بے ہنگم وجود اور اس میں سمائی ہوئی پیچیدگیوں کے باعث کسی بھی طرح ایک عام آدمی قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ ہماری آمد کے بعد پیش آنے والے واقعات نے اس کی رہی سہی ہمت بھی ختم کر دی تھی۔ وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر ہانپتا ہوا، مشکل سے ہمارے ساتھ برآمدے تک آیا۔ اس کی پتلی حالت کے پیشِ نظر ہم نے اس سے وہیں ہاتھ ملائے اور آگے بڑھ گئے۔

ہم برآمدے سے اترے ہی تھے کہ کوئی چیز میرے شانے سے ٹکرا کر پختہ فرش پر لڑھک گئی۔ میں نے چونک کر فرش کی طرف دیکھا تو لائن دار کاغذ کی ایک وزنی سی گولی نظر آئی۔ اسے اٹھاتے ہوئے غیر ارادی طور پر میری گردن پیچھے گھوم

گئی۔

برآمدہ خالی تھا۔ جگدیش ہم سے گلوخلاصی حاصل کرتے ہی اندر جاچکا تھا اور اوپری منزل کی ایک بالکونی میں ماروتی کھڑی ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی وہ مسکرائی اور اس نے دھیرے سے ہاتھ ہلایا۔

اپنے چہرے سے وہ بہت پرجوش نظر آرہی تھی مگر اس کے اظہار سے مجبور تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اوپر کی بالکونی میں کھڑے ہونے کی وجہ سے وہ پھاٹک سے باہر تک، ہر ایک کی نگاہوں کی زد میں تھی۔ ان میں ایس ٹی ایف کے آدمی اس کے لیے بے ضرر تھے لیکن موہن ہاؤس کا چوکیدار اس کے بارے میں جگدیش سے کوئی مخبری کرسکتا تھا۔

کاغذ کی گولی اٹھاتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ صرف کاغذ نہیں تھا۔ ماروتی نے اسے اپنے نشانے تک پہنچانے کے لیے کنکریا کسی اور بھاری چیز کے گرد لپیٹا تھا تاکہ ہوا سے اس کا رخ تبدیل نہ ہوسکے۔

وہ یقیناً ماروتی کی طرف سے کوئی پیغام تھا۔ اس کاغذ کو وہیں کھول کر پڑھنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے وہ گولی اسی طرح اپنی جیب میں ڈالی اور اول خان کے ساتھ پھاٹک کی طرف بڑھتا رہا۔

جگدیش سے رخصت ہونے کے بعد جو کچھ ہوا وہ اول خان کی نظروں میں آچکا تھا۔ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد وہ سوال کیے بغیر نہ رہ سکا "ماروتی نے تمہیں کوئی خاص پیغام دیا ہے۔ ویرا ٹھیک کہتی ہے کہ عورتیں بہت جلد تمہاری طرف مائل ہوجاتی ہیں۔"

میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی "ویرا کی بہت سی باتیں بے سروپا ہوتی ہیں۔ میں ان پر دھیان نہیں دیتا۔ حیرت ہے کہ تم نے اس کی کہی ہوئی ایک مہمل سی بات یاد رکھی ہے۔"

"ہم دونوں شروع سے اب تک ساتھ ساتھ ہیں۔ وہ میری طرف متوجہ کیوں نہیں ہوئی؟؟"

"رشک یا حسد کرنے کی ضرورت نہیں، یہ پیغام تم لے لو۔ ابھی میں نے اسے پڑھا بھی نہیں ہے" میں نے ہنس کر پیش کش کی۔

"بات مذاق میں مت ٹالو۔ یہ ایک اہم سوال ہے، تمہاری کامیابی میں کئی بار ایسی من چلی عورتوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔"

"اس میں کبھی بھی میرا کوئی قصور نہیں رہا، جو کچھ ہوتا ہے، بس ہوتا چلا جاتا ہے۔"

"ہمیں اس نئی راہ پر ڈالنے کا سہرا بھی نیما کے سر ہے"

اول خان نے کہا "وہ نسرین کے گھر میں مقبول چوہدری کی روپوشی اور اس کے کسی اہم بریف کیس کی موجودگی کے بارے میں مخبری نہ کرتی تو ہم فورڈ فاؤنڈیشن کے خلاف اکرم الٰہی کی بنائی ہوئی فائل تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ہمیں آگے بڑھنے کی راہ ان ہی کاغذوں سے ملی ہے۔"

ہم گیٹ تک پہنچ چکے تھے۔ گفتگو کا وہ سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا اور ہم موہن ہاؤس سے نکل گئے۔

باہر اول خان کی پوری نفری موجود تھی۔ حامد قصوروار نہ ہونے کے باوجود سرجھکا کر اس کے پاس آیا "سوری سر! ابتدا سے ہی ہمارے اور اس کے درمیان کافی فاصلہ تھا اور اندھیرے کی وجہ سے ہم غلط گاڑی کے پیچھے لگ گئے تھے..."

"اوکے... اوکے!" اول خان نے اس کی بات کاٹ دی "جو ہوا، اسے بھول جاؤ اور اسٹیشن فور پہنچ کر اگلی ہدایات کا انتظار کرو۔ تمہاری زبان سے ناکامی کی ابتدائی خبر سن کر شاید میں ضرورت سے زیادہ مشتعل ہوگیا تھا۔"

حامد کی بڑائی یہ تھی کہ اس نے اول خان سے بہت کچھ سن کر بھی اپنے افسر کے سامنے سر نہیں اٹھایا تھا اور اول خان کے کردار کی عظمت یہ تھی کہ اپنی غلطی کا احساس ہوجانے کے بعد وہ اپنے ماتحت سے معذرت کا اعادہ کررہا تھا۔

اولڈ کلفٹن سے ایس ٹی ایف کی جیپ میٹروپول ہوٹل کے گرد گھومتی ہوئی شاہراہ فیصل کی طرف نکل گئی۔ ہم سیدھے صدر کے قلب کی طرف ہولیے۔ اول خان نے ایک مرتبہ پھر ماروتی کا ذکر چھیڑ دیا "تم ماروتی کے پیغام کو بھولے بیٹھے ہو۔"

وہ پیغام واقعی بہت اہم تھا۔ اول خان کی باتیں سن کر میرا ذہن نہ جانے کن بھول بھلیوں میں بھٹک گیا تھا کہ میں ماروتی کی پھینکی ہوئی، کاغذ کی گولی کو بالکل بھلا بیٹھا تھا۔ میں نے جیب سے وہ گولی نکال کر عجلت میں کاغذ کو کھولا۔ اندر سے لوڈو کا ایک بھاری دانہ نکل کر میری گود میں گر گیا۔ میں نے نیون سائنز کی تیز روشنیوں کے انعکاس میں دیکھا کہ وہ کسی کاپی سے پھاڑا ہوا صفحہ تھا۔

تحریر پڑھنے کے لیے مجھے کیبن لائٹ روشن کرنی پڑی۔ اس پر انگریزی میں مختصر سا پیغام لکھا ہوا تھا "مجھے فون ضرور کرنا، میں انتظار کروں گی۔" ان دو سطور کے نیچے فون نمبر بھی لکھا ہوا تھا۔ وہ نمبر جگدیش سے ملنے والے تین نمبروں میں بھی شامل تھا۔

"وہ میرے فون کا انتظار کرے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ روی کی تلاش میں گھر سے کہیں جانے کا ارادہ ترک کرچکی ہے۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"یہ نیک فال ہے۔" اول خان نے سنجیدگی سے کہا "مگر سوال وہی ہے کہ ماروتی ذرا سی دیر کی ملاقات میں تمہاری اتنی گرویدہ کیسے ہوگئی کہ اس نے پورے اعتماد سے تم سے رابطہ قائم کرڈالا؟"

"تمہارے اسی سوال نے مجھے سوچوں میں گم کردیا تھا۔ میرا واسطہ ایسی عورتوں سے بھی پڑتا رہا ہے جنہوں نے مجھے ذرا بھی اہمیت نہیں دی۔ بعض نے تو شاید دوبارہ میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ صرف ایسی عورتیں یا لڑکیاں میری طرف متوجہ ہوتی رہی ہیں جو کج روی کے کسی نہ کسی درجے پر تھیں یا یوں کہہ لو کہ رنگین مزاج تھیں۔"

"ایسی عورتوں کو تم میں کیا خاص بات نظر آتی ہے؟ ماروتی تمہاری طرف اس طرح متوجہ ہوئی تھی جیسے لوہا مقناطیس کی طرف لپکتا ہے۔ وجیہہ اور خوب رو ہونے کے باوجود تمہارے چہرے پر اوباشی کی کوئی علامت نہیں ہے۔ پھر ان اتفاقات کا کیا سبب ہے؟"

"محض میری بدقسمتی!" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"غنیمت ہے کہ تم نے خود ہی مان لیا کہ میرے چہرے پر اوباشی کی کوئی نشانی نہیں ہے۔ موقع ملا تو میں ماروتی سے ضرور پوچھوں گا کہ اس کی نظریں تمہارے بجائے میرے اوپر کیوں ٹھہری تھیں؟"

"بدقسمتی نہیں، یہ تمہاری خوش قسمتی ہے۔ اس خوبی کی وجہ سے بعض اوقات تمہارا کام آسان ہوجاتا ہے۔"

میرے اور اول خان کے درمیان بہت زیادہ بے تکلفی پیدا ہوچکی تھی لیکن اس نے کبھی بھی مجھ سے کسی ممنوعہ موضوع پر بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ خرابی ویرا کے مزاج میں تھی کہ وہ کرید کرید کر ہمیشہ نہایت نازک اور ذاتی نوعیت کے سوال کرتی رہتی تھی مگر اول خان بھی کوئی مشینی روبوٹ نہیں، ایک ذہین انسان تھا۔ کھلی آنکھوں سے ہر طرف نظر رکھتا تھا۔ ماروتی کے رویے نے آخر کار اسے بھی زبان کھولنے پر مجبور کردیا۔

اپنے سوال کا جواب مل جانے کے بعد اول خان نے موضوع بدل دیا اور ہم دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے گھر واپس پہنچ گئے۔

گھر پر ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ کسی باقاعدہ معالج سے رجوع کیے بغیر ہم لوگوں نے ذاتی تجربات کی روشنی میں ویرا اور غزالہ کے لیے جو علاج تجویز کیے تھے، وہ کارگر رہے تھے۔ غزالہ کی کنپٹی کا درد بہت کم ہوچکا تھا، ویرا کی کہنی کے درد میں بھی افاقہ ہوا تھا۔

ہم میں سے ہر ایک اس خیال سے متفق تھا کہ ماروتی کو فون کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا اور مجھے یہ نیک کام جلد از جلد کرلینا چاہیے تھا۔ ایک خاص بات یہ سامنے آئی کہ ماروتی نے صرف ایک فون نمبر لکھا تھا اس لیے یہ امکان تھا کہ وہ نمبر موہن ہاؤس کی دوسری منزل پر صرف روی موہن اور اس کے اہل خانہ کے استعمال میں ہو مگر مجھے یہ استدلال کمزور نظر آرہا تھا۔ اگر وہ نمبر ماروتی کا تھا تو جگدیش کو صرف دو نمبر بتانے پر اکتفا کرنا چاہیے تھا۔ ایک طرف وہ ماروتی کو ہم سے دور رکھنے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا تو دوسری طرف ہمیں اس سے براہِ راست رابطے کی آزادی کیسے دے سکتا تھا؟

گھر پہنچ کر چائے کی ایک پیالی معدے میں اتارنے کے بعد میں نے ماروتی کا دیا ہوا نمبر ملالیا۔

پہلی گھنٹی بجنے پر ہیلو کی سپاٹ سی آواز آئی اور میں نے پہچان لیا کہ بولنے والی ماروتی تھی۔

"لوڈو کے دانے پر لپٹے ہوئے کاغذ کی گولی کا شکار بول رہا ہوں۔" میں نے ماروتی کو راہ دینے کے لیے مزاحیہ انداز میں کہا۔

"اوہ، مظہر!" اس کی آواز میں تجسس امڈ آیا "میں ہر گھنٹی پر تمہاری آواز سننے کی امید کررہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ تم میری التجا کو نہیں ٹھکراؤ گے۔ تم اپنے چہرے سے رحم دل اور نرم خو معلوم ہوتے ہو۔"

"میرے ساتھی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" موقع ملتے ہی میں نے سوال کرڈالا۔

"اس سے ڈر لگ رہا تھا۔ وہ خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" ماروتی نے بلاتردد اپنی رائے دے دی "میں سوچ سمجھ کر تم سے مخاطب ہوئی تھی اور مجھے خوشی ہے کہ میرا فیصلہ غلط نہیں تھا۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کسی ہوٹل میں مل سکتے ہو؟"

"ہوٹل میں؟" میں اس کے غیر متوقع سوال پر بوکھلا گیا۔ "فون پر رابطہ ہوگیا ہے تو ہوٹل میں ملنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہے!" اس کی آواز میں دعوت آمیز اصرار تھا "تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں جو فون پر نہیں کی جاسکتیں۔"

"پہلے وہ باتیں ختم کرلو جو فون پر کی جاسکتی ہیں۔ اس

دوران میں، میں کچھ سوچ لوں گا۔" میں نے اسے ٹالا۔
"مجھے ایمان داری سے بتاؤ کہ تمہیں روی کی تلاش کیوں ہے؟" قدرے توقف کے بعد ماروتی کی آواز آئی۔
"وہ مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہے اور کچھ بدنام لوگوں کی پشت پناہی کر رہا ہے۔"
"مجھ سے کھل کر بات کرو۔ ان لوگوں کے نام بتاؤ۔ میں اپنے روی کے بہت سے رازوں سے واقف ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری مدد کر سکوں۔" اس کی نرم اور کھنک دار آواز یک بہ یک قدرے دھیمی اور رازدارانہ ہو گئی۔
میں نے اول خان کی طرف دیکھا، لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر جواب دیا "شاید تم نے کرشن کمار کا نام سنا ہو۔"
"اوہ... وہ کمینہ!" ماروتی کی آواز میں حقارت امڈ آئی "جب بھی آتا ہے، روی کی نظریں بچا کر ایسی بھوکی نگاہوں سے مجھے گھورتا ہے کہ اس سے گھن آنے لگتی ہے۔ صورت سے ہی نیولا معلوم ہوتا ہے جو سانپ کے شکار کے لیے تیار بیٹھا ہو۔"
ماروتی کے الفاظ سن کر میں دنگ رہ گیا۔ کرشن کمار کے مشاہدے کے بارے میں اس کے اور ویرا کے الفاظ میں حیرت ناک یکسانیت تھی۔ دونوں عورتوں کے لیے وہ گھناؤنا اور کراہت آمیز ملاقاتی تھا جو کسی نیولے سے مشابہ تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ویرا نے کرشن کمار کو سفید نیولے کا خطاب دیا تھا اور ماروتی اسے صرف نیولا کہہ رہی تھی۔
ماروتی نے اس کی آمد اور اس سے اپنا سامنا ہونے کا ذکر کر کے مجھے چونکا دیا تھا۔ میں نے تیزی سے پوچھا "کیا وہ تمہارے گھر آتا رہتا ہے؟"
"یہاں کبھی نہیں آیا۔ ہم میرپور خاص میں ہوتے ہیں تو وہ اکثر روی کے پاس آتا رہتا ہے۔"
"تمہیں علم ہے کہ وہ کم از کم کل سے کراچی میں موجود ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"ہوگا... مجھے نہیں معلوم" ماروتی کی آواز سے بیزاری مترشح تھی۔ "اس سے ہمارا میل جول بس میرپور خاص تک ہے۔ روی نے کبھی اس کی کراچی آمد کا ذکر نہیں کیا۔"
"وہ یہاں ہے۔ ہم اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں" میں نے زور دے کر کہا "وہ ایک خطرناک مجرم ہے۔"
"تم اسی کا سراغ حاصل کرنے کے لیے ہمارے گھر تک پہنچے تھے؟" ماروتی کی آواز میں حیرت تھی۔
"ہاں، ہمارے پاس ثبوت تھے کہ ہری چند اور کرشن کمار نے مل کر ایک سازش کی تھی۔"

"اگر وہ کراچی میں ہے اور روی اس کے بارے میں جانتے ہیں تو تم یقین کرو کہ میں اسے پکڑوا سکتی ہوں۔"
ماروتی کے لہجے کے اعتماد نے مجھے حیرت میں ڈال دیا "شاید تم کو علم نہیں کہ وہ کس پائے کا مجرم ہے۔"
"وہ کیسا ہی چالاک اور مکار کیوں نہ ہو۔ میں اسے پکڑوا سکتی ہوں مگر اس کے لیے میری دو شرائط ہیں۔"
گفتگو اسپیکر فون پر ہو رہی تھی۔ سب ہی وہ مکالمے سن رہے تھے۔ اول خان نے جلدی سے ہاتھ ہلا کر اشارہ کیا کہ میں ماروتی کی شرائط مان لوں۔ وہ ایک بڑا اور ناقابلِ یقین وعدہ کر رہی تھی۔ میں نے کہا "پھر ہم سے غلطی ہوئی کہ تمہارے گھر سے خالی ہاتھ لوٹ آئے۔ کرشن کمار اور روی کی شریک کار ہونے کے جرم میں ہم تمہیں اپنی تحویل میں لے سکتے تھے۔"
"مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ ابھی تک مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ تم میری شرائط قبول کرو گے تو میں تمہارے لیے کام شروع کروں گی۔ مجھے یقین ہے کہ ایک دو روز میں وہ تمہارے ہاتھ آ جائے گا۔"
"تمہاری شرائط کیا ہیں؟" میں نے دانستہ کچھ توقف اختیار کرنے کے بعد پوچھا۔
"میری پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ تم روی کو معاف کر دو گے۔ بالکل بھول جاؤ گے کہ اس معاملے میں ان کا کوئی ہاتھ رہا ہے۔ میرا گھر آباد رہنے کے لیے یہ بہت ضروری بلکہ ناگزیر ہے۔"
"یہ ناممکن ہے" میں نے سخت لہجے میں کہا "شاید جگدیش نے تمہیں نہیں بتایا کہ روی کس چکر میں پھنس چکا ہے۔"
"بھایا جی، مکار اور دوغلا ہے۔ تمہارے سامنے وہ سب کچھ روی کے سر پر ڈال کر خود تمہارا ہم نوا بن گیا تھا۔ تمہارے چلے جانے کے بعد اسی نے مجھے بتایا ہے کہ اب روی کا بچنا مشکل ہے۔"
"اپنی گردن بچانے کے لیے وہ بھی روی کا ساتھ نہیں دے گا۔ وہ گھر آیا تو نہیں خبر مل جائے گی۔"
"جگدیش نے مجھے بتا دیا ہے کہ تمہارے آدمی ہمارے گھر اور دفتر کی نگرانی کریں گے۔ تمہارے سامنے وہ مجھے گھر سے باہر جانے سے روک رہا تھا۔ اب وہ خود کہہ رہا ہے کہ میں گھر سے نکلوں اور روی تک پہنچنے کی کوشش کروں۔"
"کیوں؟ وہ تمہارے ذریعے روی تک کیا پیغام پہنچانے

کی کوشش کررہا ہے؟"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ دونوں ایک باپ کی اولاد ہیں' آپس میں سگے بھائی ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ روی خطرہ ٹلنے تک گھروں کا رخ نہ کریں۔ ان کے لیے کراچی اور میرپور خاص خطرناک ہو چکے ہیں۔ وہ خاموشی سے سرحد پار نکل جائیں ورنہ مارے جائیں گے۔" ماروتی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر زہریلے لہجے میں کہا۔

"اگر میں نے تمہاری شرائط نہ مانیں تو تم اس کے مشورے پر عمل کروگی؟" میں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں" ماروتی کی آواز سے اس کا مضبوط ارادہ جھلک رہا تھا "تم میری شرائط مانو گے۔ میں تمہیں مجبور کردوں گی۔ تمہارے لیے روی نہیں' کرشن کمار اہم ہے۔ تم نے روی کو معاف نہ کیا تو کرشن کمار بھی کبھی تمہارے ہاتھ نہیں آسکے گا۔ جگدیش شیطانی ذہن کا مالک ہے۔ وہ میرے ساتھ دہرا کھیل' کھیل رہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ کسی بھی ملک میں ایجنسیاں کسی کے پیچھے لگ جائیں تو اس کا انجام عبرت ناک ہوتا ہے۔ روی سرحد پار کرتے ہی اشتہاری مجرم بن جائیں گے۔ وہ کبھی یہاں لوٹ کر نہیں آسکیں گے اور آبائی کاروبار جگدیش کے قبضے میں آجائے گا۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ میں گھربار' اثاثے اور میکے کو چھوڑ کر' سرحد عبور کرکے روی کے پاس چلی جاؤں۔ میرا گھر اجڑے گا تو میں سب کچھ پھونک کر رکھ دوں گی۔ میں بہت خود پرست عورت ہوں۔ کچھ پتا نہیں کہ میرے سینے میں بھڑکنے والی آگ مستقبل میں مجھے کیا بنادے.... مجھے یقین ہے کہ اس بربادی کو ٹالنے کے لیے تم میری شرائط مان لوگے۔ تمہیں تمہارا مجرم مل جائے گا' میرا گھر آباد رہے گا اور جگدیش کی ناپاک حسرتیں کبھی پوری نہیں ہوسکیں گی۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ موہن ہاؤس سے ہماری واپسی کے بعد بہت سی تبدیلیاں رونما ہوچکی تھیں۔ ماروتی کو ان تبدیلیوں پر غور کرکے اپنی راہ متعین کرنے کا موقع مل گیا تھا جب کہ ہماری پیش رفت صفر تھی۔

ماروتی تصورات کی دنیا میں رہنے والی کوئی خوش فہم عورت نہیں تھی۔ اس نے جگدیش کی تجویز اور اپنے منصوبے کے ہر پہلو کا جائزہ لے لیا تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی' حقائق سے بہت قریب تھا۔ اس کے پاس ہم سے سمجھوتا کرنے یا پھر ہر ایک سے کھلی جنگ شروع کرنے کے سوا کوئی تیسرا راستہ نہیں تھا۔ اس کی تقریر نے میرے چاروں ساتھیوں کو بھی حیران کردیا تھا۔ خاص طور پر اول خان تو شاید سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ ماروتی جیسی حسین اور خانہ دار عورت اپنے گھر کو خطرے میں دیکھ کر اتنی دور جاسکتی ہے۔

"ٹھیک ہے۔ تمہاری یہ شرط مجھے منظور ہے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اگر کرشن کمار زندہ حالت میں ہمارے ہاتھ آجاتا ہے تو ہم روی کو بالکل بھول جائیں گے.... تمہارا گھر...."

ماروتی نے میری بات درمیان سے ہی کاٹ دی "مجھ سے یہ گول مول باتیں نہ کرو۔ اس کی زندگی یا موت پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ مقابلے میں تم اسے مار سکتے ہو۔ سارے راستے بند پاکر وہ خودکشی کرسکتا ہے۔ کچھ بھی ہوسکتا ہے' وہ زندہ رہے یا مرجائے' تمہارے ہاتھ آجائے گا اور تم روی کو ذرا بھی تنگ نہیں کروگے۔"

"چلو' یہ طے ہوگیا" میں نے ماروتی کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈال دیے "اتنی دیر سے ہم تمہاری پہلی شرط میں ہی الجھے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں تمہاری دوسری شرط کیا ہے؟"

"وہ بہت آسان ہے۔ کل رات میں کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ایک لگژری روم بک کراؤں گی اور تم وہاں آؤ گے" وہ گھوم پھر کر دوبارہ اسی نکتے پر آگئی جس سے میری اور اس کی گفتگو کا آغاز ہوا تھا۔ غزالہ اپنی چھٹی حس کے کسی اشارے کے تحت اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

"فون پر ساری باتیں ہوگئی ہیں۔ اب ہوٹل میں ملنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی ہے۔" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اول خان اور رویرا کی طرف دیکھتے ہوئے ماروتی سے فون پر کہا۔

اس مرحلے پر اول خان معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا اٹھا اور ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا۔

"تم اس ضرورت کا اندازہ نہیں کرسکتے" ماروتی کے گہرے سانس کے بعد وہ فقرہ سنتے ہی میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی اور میں نے پھرتی سے ریسیور اٹھا کر اپنے کان سے لگا لیا۔ اسپیکر فون کا سلسلہ خود بہ خود موقوف ہوگیا۔

"بہت سی باتیں صرف آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کی جاسکتی ہیں" ماروتی کی بات جاری تھی "تم پہلی نظر میں ہی مجھے اچھے لگے تھے اور تم سے بات کرنے کی خواہش میرے دل میں جاگ اٹھی تھی۔ بھایا جی نے لعن طعن کرکے میری اس معصوم سی خواہش کو بہت توانا کردیا۔ اب میں چار من کے

اس منحوس اُلّو کے منہ پر تھوک دینا چاہتی ہوں۔"
سلطان شاہ بھی جا چکا تھا مگر ویرا پوری ڈھٹائی سے اپنی جگہ پر بیٹھی شک آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔
میں نے کن انکھیوں سے ویرا کا جائزہ لیا پھر ماؤتھ پیس میں کہا "منہ پر تھوکو یا اس کی پشت پر لات جماؤ مگر اس چکر میں مجھے نہ گھسیٹو۔ ہم لوگ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں، کسی کے ذاتی معاملات میں نہیں الجھتے۔"
"شاید تم جگدیش بھایا کی کہی ہوئی بات بھول گئے" زہریلی ہنسی کے ساتھ ماروتی کی آواز ابھری "میں ایک اونچے خاندان کی بہو ہوں۔ جو بات میرے دماغ میں سما جائے، وہ ہر قیمت پر کر گزرتی ہوں۔ تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارنے کی آرزو اتنی شدید ہو چکی ہے کہ میں اس کے سامنے بے بس ہوں۔ یہ میری دوسری نہیں، پہلی شرط ہے۔ کرشن کمار پر ہاتھ ڈالنے کے لیے تمہیں میرا مان رکھنا ہوگا۔"
"خدا کا خوف کرو ماروتی، جگدیش کو تمہارے ان ارادوں کی بھنک بھی مل گئی تو وہ تمہیں گولی مار دے گا۔"
"گرجنے والے بادل برسا نہیں کرتے۔ اس کے فرشتوں کو بھی کچھ معلوم نہیں ہوگا۔ وہ یہی سمجھے گا کہ میں روی کی تلاش میں جا رہی ہوں۔ سچ پوچھو تو میری اور تمہاری ملاقات ان ہی کی زندگی کے لیے ہوگی۔ روی کے فرار سے پہلے میں نے تمہیں دیکھا بھی نہیں تھا" اپنے جیٹھ کے لیے ماروتی کے کہے ہوئے ہر لفظ سے زہر ٹپک رہا تھا۔ اس وقت ماروتی اپنا اصل روپ بھول چکی تھی۔ وہ خود کو صرف اور صرف جگدیش کے خاندان کی بہو تصور کر رہی تھی جس کی پامالی کے بعد وہ جگدیش کے خاندانی غرور کے خلاف اپنے یعنی ماروتی کے دل میں ٹھنڈک محسوس کر سکتی تھی۔
"تم جگدیش کی بھاوج نہیں، اپنے جوان بیٹے کی ماں بھی ہو....." میں نے اسے یاد دلانا چاہا مگر اس نے بے اعتنائی سے میری بات کاٹ دی۔
"وہ اتنا جوان بھی نہیں ہے، صرف چودہ برس کا ہے۔ وہ اپنے باپ اور تاؤ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ابھی سے شراب پیتا ہے۔ میرے ساتھ کھڑا ہو جائے تو میرا بھائی یا دیور معلوم ہوتا ہے۔ کم سنی کی شادی کے نتیجے میں اولاد اتنی تیزی سے بڑی ہو جائے تو ماں اس رفتار سے بوڑھی نہیں ہو سکتی۔ میں تین برس کے بعد تیس کی ہو جاؤں گی۔ تم میرے ہم سن ہی معلوم ہوتے ہو۔ مجھ سے ایسی باتیں مت کرو۔"
"اس وقت تمہارے ذہن پر ضد سوار ہے۔ میں نے تمہاری ایک بات مان لی، ایک بات تم مان لو۔"

ویرا کی موجودگی کی وجہ سے میں الفاظ کے انتخاب میں بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ کوئی ایسی بات میری زبان پر نہیں آئی تھی کہ ویرا کو موضوع سخن کی اصل سنگینی کا اندازہ ہوتا۔ وہ بات جاننے کے لیے بے چین تھی اور ہاتھ ہلا ہلا کر مجھ سے کچھ دریافت کر رہی تھی۔ میں فون پر مصروف ہونے کی وجہ سے اسے کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔
"پتا نہیں تم کیسے مسلمان ہو؟" ماروتی میرے کانوں میں پگھلا ہوا سیسا انڈیلنے لگی "اونچی ذات کی ایک خوبصورت ہندو عورت تمہاری باندی بننے کے لیے تیار ہے اور تم بھاگ رہے ہو۔ میں نے تو سنا ہے کہ پچھلے مسلمان مال دار قوموں سے لڑتے تھے اور فتح پانے کے بعد دشمن کی دولت اور خوبصورت عورتوں کو آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ تم مجھے کرشن سے ہونے والی لڑائی میں اپنا انعام کیوں نہیں سمجھ لیتے؟"
وہ اپنے سفلی جذبوں سے مغلوب ہو کر تاریخ کو مسخ کر رہی تھی۔ جگدیش کے خلاف اس کی نفرت نے ایک عجیب ہی روپ دھار لیا تھا۔ میں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے، میں کل تمہیں فون کروں گا۔"
"کل میں تمہیں اس گھر میں نہیں ملوں گی۔ مجھے اپنے روی کے لیے ہر حال میں کچھ نہ کچھ کرنا ہے۔ تمہارے لیے صرف آج کی رات ہے۔ میں بھایا جی کی باتوں کو یاد کر کر کے انگاروں پر لوٹ رہی ہوں۔ میں رات بھر نہیں سو سکوں گی۔ تمہارا ارادہ بدل جائے تو رات میں کسی بھی وقت مجھے فون کر لینا۔ صبح کا اجالا پھیل گیا تو تم مجھے اور کرشن کمار کو کھو چکے ہو گے۔"
"تمہیں روی سے اپنی وفا کا بھی کوئی پاس نہیں ہے!" میں نے ویرا کو بھول کر اسے ملامت کی۔
"میں اسی کے لیے یہ سب کر رہی ہوں۔" ماروتی ہٹ دھرمی پر تلی ہوئی تھی "ہم زندگی بھر کے لیے ایک مضبوط بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔ وہ دوسری عورتوں سے ملتا ہے تو یہ بندھن ٹوٹتا ہے نہ میری اور تمہاری ملاقات سے ٹوٹے گا۔ روی میرے ہیں اور میں ان کی رہوں گی۔"
ماروتی کا وہ عجیب و غریب فلسفہ سن کر میری کھوپڑی گھوم گئی۔ کسی عورت کی طرف سے ایسی پر فریب وفاداری کا اظہار میرے لیے انوکھا تجربہ تھا۔ اس کی باتیں سن سن کر میرے وجود میں سنسنی کی لہریں دوڑ رہی تھیں اور دماغ میں خیالات کے چھوٹے چھوٹے آتش فشاں پھٹ رہے تھے۔ اپنی دوسری شرط منوائے بغیر وہ کسی تعاون پر آمادہ نہیں تھی۔
"تم مصر ہو تو میں تمہاری دوسری شرط بھی مانے لیتا

ہوں" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔
ریسیور پر اس کی ہلکی سی، پرغرور ہنسی کی آواز سنائی دی پھر اس کی آسودہ آواز ابھری "کل شام سات بجے میں ہوٹل شیراٹن کی لابی میں تمہارا انتظار کروں گی، وقت کا خیال رکھنا۔"
"او کے... بائے!" یہ کہہ کر میں نے ریسیور کریڈل پر واپس ڈال دیا اور نئی سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔
"اس سے تمہارا کیا سمجھوتا ہوا؟ اس کی دوسری شرط کیا تھی؟" ویرا نے فون بند ہوتے ہی ایک سانس میں بہ یک وقت دو سوال کر ڈالے۔
میں ماروتی سے ہونے والی جبری مفاہمت پر اندر سے بہت مضطرب اور خالی خالی سا تھا مگر میں نے اپنی کیفیت ویرا سے چھپانے کے لیے اطمینان سے سگریٹ سلگائی، ایک گہرا کش لینے کے بعد نتھنوں سے دھواں خارج کیا پھر سکون سے کہا "کچھ نہیں، اس کی وہی احمقانہ ضد تھی کہ میں اس سے ملوں۔"
"تو تم کل رات اس حرام زادی سے ملنے جا رہے ہو؟" ویرا مجھے گھورتے ہوئے غرائی۔
"مجبوری ہے" میں نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے جواب دیا "اس کی ساری باتیں تم سن چکی ہو۔ وہ ضدی بلکہ ہٹ دھرم عورت ہے۔ اپنی بات منوائے بغیر ٹس سے مس ہونے پر آمادہ نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ مل لینے میں کیا حرج ہے۔"
"تم اتنے معصوم یا احمق نہیں ہو کہ فائیو اسٹار ہوٹل کے لگژری روم میں اس سے ملاقات کے مضمرات کو نہ سمجھتے ہو۔ وہ بہت کمینی عورت ہے۔ تمہارے ساتھ مل کر اپنے جیٹھ کی عزت خاک میں ملانا چاہتی ہے۔"
"احمقانہ باتیں مت کرو" میں نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا "جب تک کسی واقعے کی تشہیر نہ ہو، اس سے کسی کی نیک نامی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ اتنی بے وقوف نہیں ہے کہ وہ یہ بات نہ جانتی ہو۔"
"وہ خود اقرار کر چکی ہے کہ وہ انا پرست عورت ہے۔ وہ تمہیں گھیر کر..."
"فرض کرو کہ تمہارے خدشات درست ہیں" میں نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی "پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟ مجھے کوئی متبادل بتاؤ۔"
"تم اس سے ملنے سے انکار کر سکتے تھے" ویرا نے کمزور لہجے میں کہا۔
"میں مقررہ وقت اور مقام پر نہ پہنچوں تو یہ مقصد خود بہ خود حاصل ہو جائے گا مگر یہ یاد رکھنا کہ پھر وہ کرشن کمار کے خلاف ہماری مدد کرنے کے بجائے اس کا ساتھ دے گی۔ ہمیں اپنی بساط از سرنو جمانی ہو گی۔"
میرے اور ویرا کے مباحثے کی آوازیں سن کر اول خان بھی ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ ویرا کہہ رہی تھی "ملاقات کا وعدہ کر کے تم وقت حاصل کر چکے ہو۔ اس دوران میں ہمیں اسے اٹھا لینا چاہیے۔ وہ کیسی ہی ضدی اور اڑیل ہو، میں چند گھنٹوں میں اسے زبان کھولنے پر مجبور کر دوں گی۔ بس تم اسے موہن ہاؤس سے نکال کر میرے حوالے کر دو، باقی کام میں خود دیکھ لوں گی۔"
ویرا کے وہ فقرے اتنے جامع تھے کہ اول خان پوری صورت حال سمجھ گیا۔ اس نے کسی توقف کے بغیر کہا "نہیں، یہ نہیں ہو گا۔ ماروتی کوئی لڑاکا یا گروہ بند عورت نہیں ہے۔ ہم دشمن کی ایک خانہ دار عورت پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔"
"میں بھی عورت ہی ہوں لیکن ڈینی نے پوری طاقت کے ساتھ میرے خلاف محاذ کھولا ہوا تھا" ویرا نے جل کر گڑے مردے اکھیڑنے شروع کر دیے۔ وہ اس دور کی بات کر رہی تھی جب میں شی کا باغی تھا اور وہ جمی لائیڈ کی وفادار ہوا کرتی تھی۔
اول خان نے مسکراتے ہوئے، بہت نرمی سے جواب دیا "تم عورت ضرور تھیں مگر خانہ دار نہیں تھیں۔ تم دونوں ہی ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہوا کرتے تھے۔ اس کی بہت سی سزا غزالہ نے بھی بھگتی تھی۔"
"عورت ہونے کی وجہ سے وہ کسی رورعایت کی حق دار نہیں ہے۔" ویرا لاجواب ہونے والی نہیں تھی۔
"پھر ایک بات اس سے بھی زیادہ اہم ہے" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "ماروتی نے یہ نہیں کہا کہ وہ کرشن کمار کے بارے میں کچھ جانتی ہے۔ وہ ہماری مدد کرنے کا وعدہ کر رہی ہے۔ جب وہ خود اندھیرے میں ہے تو اسے اٹھانا بے سود ہو گا۔ تم اسے لب گور پہنچا کر بھی کچھ نہیں اگلوا سکو گی۔ خالی کیسٹ کو دنیا کے بہترین ساؤنڈ سسٹم پر چلا کر بھی کچھ نہیں سنا جا سکتا۔"
ویرا کی آنکھیں سوچنے کے انداز میں قدرے سکڑ گئیں۔ چند ثانیوں بعد وہ بولی "تمہاری اس بات میں تھوڑا بہت وزن معلوم ہوتا ہے۔ اب تک جو کچھ ہوا، اس میں ماروتی کے ارادوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ جو کچھ ہوا، پچھلے ڈیڑھ دو گھنٹوں میں ہوا ہے۔ اس کا سارا ردِعمل

اضطراری اور جذباتی رہا ہے۔ پتا نہیں وہ کس بل بوتے پر کرشن کمار کو پکڑوانے کا دعویٰ کررہی ہے اور تم کیوں اس پر اعتبار کررہے ہو۔"

"ہاں! یہ سوچنا پڑے گا کہ وہ کس حد تک اپنی بات پوری کرنے کی اہل ہے" اول خان سرہلا کر بولا۔

"اس کے حق میں صرف ایک بات جاتی ہے" میں نے کہا "وہ روی کے تمام دوستوں اور ٹھکانوں سے واقف ہے۔ اس کا فون ٹیپ کیا جائے اور اگر وہ اپنے گھر سے باہر نکلے تو اس کا پیچھا کیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح ہم ماروتی کی کسی مدد کے بغیر کرشن کمار کے ٹھکانے تک پہنچ جائیں۔ ایسی صورت میں، میں اس سے ملنے کی کوفت سے بچ جاؤں گا۔"

ویرا میرے تبصرے پر خوش ہوگئی "بس، میں بھی یہی چاہ رہی تھی۔ ماروتی سے تمہاری ملاقات ناگزیر نہیں ہے۔ اگر ہم اپنے ہاتھ پیر ہلاتے رہیں تو کامیابی کی کوئی نہ کوئی راہ نکل سکتی ہے۔"

ماحول میں در آنے والی کشیدگی اور تلخی چند لمحوں میں کافور ہوچکی تھی۔

"ان چکروں میں الجھ کر شاید ہم میں سے کسی نے یہ نہیں سوچا کہ کرشن کمار کے بارے میں تمہارا اور ماروتی کا تجربہ اور مشاہدہ بالکل یکساں ہے۔" تناؤ ختم ہونے کے بعد میں نے ویرا سے کہا۔

"وہ کیسے؟" ویرا کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں اور پھر اسے خود ہی ماروتی کے الفاظ یاد آگئے اور وہ بے ساختہ ہنس پڑی "میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ اسے دیکھتے ہی ذہن میں نیولے کا تصور ابھر آتا ہے۔"

ویرا کی ہنسی سے غزالہ اور سلطان شاہ کو بھی پیغام مل گیا کہ ماحول کی کشیدگی دور ہوچکی تھی۔ وہ دونوں بھی پھرتی سے واپس لوٹ کر ہمارے ساتھ شامل ہوگئے۔

باتوں کے دوران میں اول خان کو یاد آیا کہ موہن ہاؤس کی نگرانی کرنے والوں کو نئی حکمتِ عملی سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔ انہیں گھر میں روی کی آمد کے ساتھ، وہاں سے ماروتی کی کہیں روانگی پر بھی نگاہ رکھنی تھی۔ وہ اپنا اپریٹس لے کر کھانے کے کمرے میں چلا گیا۔ میری دانست میں وہ بندوبست بے سود تھا کیونکہ جگدیش اور ماروتی، دونوں کو علم تھا کہ ہمارے آدمی موہن ہاؤس اور موہن اینڈ موہن کی نگرانی کررہے تھے۔ وہ دونوں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے کہ ان کی کوئی خفیہ سرگرمی ہمارے آدمیوں کی نظروں میں آجائے۔ وہ میری اپنی رائے تھی مگر میں نے اس بارے میں اپنی زبان بند ہی رکھی۔ وہ معاملہ اس قدر الجھ گیا تھا کہ کہیں سے کامیابی کے کسی موہوم امکان کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

دوسری طرف سلطان شاہ کے دل میں جگدیش کے خلاف غبار بھر گیا تھا۔ وہ جگدیش کے دوغلے پن پر برہم تھا۔ اس نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ روی کو ہمارے حوالے کرنے میں پورا پورا تعاون کرے گا مگر ہماری واپسی کے بعد ہی اس نے ماروتی کو شہ دی تھی کہ وہ کسی بھی طرح روی سے رابطہ کرکے اسے پاکستان سے نکل جانے پر آمادہ کرلے۔

وہ ان لوگوں کی گھریلو سیاست تھی کہ ماروتی کو جگدیش کا مشورہ پسند نہیں آیا تھا۔ اسے گمان ہوا تھا کہ جگدیش اپنے بھائی کو پاکستان سے بھگا کر سب کچھ خود ہڑپ کر جانا چاہتا تھا جبکہ حالات کے پیشِ نظر اس کا مشورہ بہت مناسب تھا۔ اگر ماروتی مجھ سے کیے ہوئے وعدے کے مطابق کرشن کمار کو چند روز میں گھیرنے میں کامیاب نہ ہوتی تو روی کا مستقبل بہت تاریک ہوسکتا تھا۔

ہم دیر تک ان ہی نکات پر سر کھپاتے اور کرشن کمار کے بارے میں تبادلۂ خیال کرتے رہے پھر اول خان روانگی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ جانے سے پہلے اس نے کسی سے ماروتی کا فون ٹیپ کرنے کے بارے میں بات کی تھی۔ اسے وہاں سے خلاف توقع کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا تھا۔ اولڈ کلفٹن کے اس رہائشی علاقے کا ٹیلی فون ایکسچینج وی آئی پی تصور کیا جاتا تھا کیونکہ وہاں بہت سے اہم سیاسی اور سفارتی افراد مقیم تھے۔ علاقے کی اہمیت کے پیشِ نظر وہاں آبزرویشن مشینیں ہر وقت مصروف رہتی تھیں جس کے سبب ماروتی کے فون کی فوری نگرانی محال تھی۔

ماروتی کی مدد کے بغیر کرشن کمار تک رسائی کے لیے جو دو راستے نکالے گئے تھے، ان میں سے ایک میرے اپنے تجزیے کے نتیجے میں ناقص ثابت ہوا تھا اور دوسرے طریقے پر فوری عمل کرنا ممکن نہیں تھا۔

بارہ بجے سے پہلے ہی ہم چاروں الگ ہوکر اپنے کمروں میں آگئے۔ غزالہ پر مسکن دواؤں کے اثرات شاید باقی تھے۔ وہ بستر پر دراز ہونے کے چند منٹ بعد ہی سوگئی مگر میں خواب گاہ میں پھیلی ہوئی مدھم روشنی میں بستر پر بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ پچھلی رات کی کم خوابی کے باوجود نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

میں نے بستر چھوڑ کر کمرے میں ہی ٹہلنا شروع کردیا۔ میں سگریٹیں پھونکتا اور کمرے میں ٹہلتا رہا اور وقت بہت

سست رفتاری کے ساتھ گزرتا رہا۔ دو بجے کے بعد اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ غزالہ کی گہری نیند اچٹ جانے کے اندیشے سے میں نے پہلی ہی گھنٹی پر لپک کر فون اٹھایا اور بٹن دبا کر، آنے والی کال ریسیو کرلی۔

دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا ”مجھے امید تھی کہ میری طرح تم بھی جاگ رہے ہوگے۔ دوسروں کی نیند میں مخل نہ ہونے کے خیال سے میں نے تمہارے موبائل پر رابطہ کیا ہے۔“

”تم صرف بے خوابی کی وجہ سے فون نہیں کرسکتے۔ خیریت تو ہے نا؟“ میں نے پوچھا۔

”میں نے ابھی موہن ہاؤس فون کیا تھا۔ ماروتی گھر سے غائب ہوچکی ہے۔“ اس نے انکشاف کیا۔

”یہ اطلاع تمہیں اپنے آدمیوں سے ملی ہوگی۔“ میں نے قیاس ظاہر کیا ”وہ اس وقت کہاں ہے؟“

”میرے آدمی اپنی جگہ پر مستعد ہیں۔ انہوں نے گیٹ سے کسی کو نکلتے ہوئے نہیں دیکھا پھر بھی ماروتی گھر پر نہیں ہے۔“

وہ خبر چونکا دینے والی تھی۔ میرے استفسار پر اول خان نے جو کچھ بتایا، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اس نے کسی اندرونی تحریک کی بنا پر رات گئے ماروتی کو مزید کریدنے کے لیے اس کے فون نمبر پر رابطہ کیا تو دیر تک گھنٹیاں بجنے کے باوجود کوئی جواب نہیں ملا۔ رانگ نمبر مل جانے کے خیال سے اس نے فون بند کرکے کئی بار وہ نمبر ملایا لیکن ہر بار نتیجہ وہی رہا۔

ماروتی سے رابطے میں ناکامی پر اول خان نے وائرلیس ٹرانسسٹر پر اپنے آدمیوں سے رابطہ کیا تو وہ مستعد تھے۔ انہوں نے بتایا کہ موہن ہاؤس کے پھاٹک سے کوئی گاڑی باہر نکلی تھی نہ کوئی ذی روح وہاں سے برآمد ہوا تھا۔ اپنے آدمیوں کی اس اطلاع پر اول خان تشویش کا شکار ہوگیا۔ خاصی سوچ بچار کے بعد اس نے جگدیش کے دیے ہوئے دوسرے نمبر پر رابطہ کیا۔ اپنے خاندان پر ناگہانی آفت کے نزول کے باعث وہ بھی جاگ رہا تھا اور آواز سے خاصا پریشان معلوم ہورہا تھا۔

اس نے از خود اول خان کو ماروتی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا لیکن اس کے خصوصی سوال پر جگدیش نے اعتراف کیا کہ ماروتی گھر پر موجود نہیں تھی۔ وہ رات کے ایک بجے روی کی تلاش کا عزم لے کر گھر سے نکل گئی تھی۔ موہن ہاؤس کی نگرانی کرنے والوں کی نگاہوں سے بچنے اس نے گھر سے گاڑی لی تھی، نہ مین گیٹ کی راہ اختیار کی تھی۔ وہ احاطے کی پچھلی دیوار پھاند کر ایک خالی پلاٹ پر اتری تھی اور پھر رات کے اندھیرے میں کہیں غائب ہوگئی تھی۔ جگدیش کو اس کے ارادوں اور منزل کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔

”یہ عورت ہمارے اندازوں سے کہیں زیادہ تیز و طرار ثابت ہورہی ہے۔“ وہ تفصیل سننے کے بعد میں نے فکرمندی سے کہا ”اس جیسی عورتیں چھپکلی جیسی چیز سے دہشت زدہ ہوجاتی ہیں مگر وہ بے خوفی سے اتنی رات گئے دیوار کود کر نکل گئی۔ مجھے شبہ ہے کہ اب وہ کل شام سات بجے ہوٹل ہی میں نظر آئے گی۔ اس کا کہیں اور سراغ نہیں مل سکے گا۔“

”میرے لیے بھی ماروتی کی یہ حرکت حیران کن ہے اسی لیے میں نے تمہیں اپنی تشویش میں شامل کیا ہے۔ وہ صاحب حیثیت لوگوں کا رہائشی علاقہ ہے جو رات کو سنسان ہوجاتا ہے۔ اسے کوئی سواری حاصل کرنے میں خاصی دشواری ہوئی ہوگی۔“

”اس کے سامنے ایک مشن ہے۔ وہ کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لائے گی۔ مجھے افسوس ہورہا ہے کہ وہ ہم سب کو جل دے کر نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔ کسی کو خیال تک نہیں آیا کہ ہنومان کی وہ پجارن بندریا کی طرح دیواریں بھی

پھلانگ سکتی ہے۔"
اول خان کی بے ساختہ ہنسی کی آواز آئی پھر اس نے کہا۔
"جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر اپنا خون مت جلاؤ۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ وہ اپنے وعدے کے مطابق شام کو تم سے ملنے ضرور آئے گی۔"
ماروتی کتنی ہی دلیر اور بے خوف عورت رہی ہو' وہ کسی واضح منزل کا تعین کیے بغیر گھر سے نہیں نکل سکتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ مجھ سے سب کچھ طے کرلینے سے پہلے ہی اس نے شہر میں روی کی تلاش کے لیے فون پر اس کے دوستوں سے رابطوں کا سلسلہ شروع کردیا ہوگا اور گھر چھوڑنے سے پہلے کوئی نہ کوئی اہم بات معلوم کرنے میں کامیاب ہوگئی ہوگی۔
ایک امکان یہ بھی تھا کہ رات گہری ہونے کے بعد خود روی نے ہی اپنی کمین گاہ سے ماروتی سے فون پر رابطہ کیا ہوا اور آپس میں تبادلہ خیال کے بعد روی نے ماروتی کو پوری احتیاط اور رازداری کے ساتھ اپنی طرف آنے کا مشورہ دیا ہو۔ واقعات کا تسلسل جو بھی رہا ہو' یہ بات یقینی تھی کہ ماروتی کا وہ پُراسرار سفر بہت اہم تھا۔ اس پر نگاہ رکھ کر ہم کوئی بڑی کامیابی حاصل کرسکتے تھے۔
میں نے اول خان کو مشورہ دیا کہ جگدیش پر دباؤ برقرار رکھنے کے لیے وہ وقفے وقفے سے اسے فون کرتا رہے اور احتیاطاً اسے اپنا یا میرا فون نمبر بھی دے دے تاکہ ماروتی کی واپسی یا کوئی اور اہم واقعہ رونما ہونے کی صورت میں وہ فوری طور پر ہمیں اطلاع دے سکے۔ اس وقت تک جگدیش کے پاس ہم سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

○☆○

اگلا دن ہمارے لیے صبر آزما انتظار کا دن تھا۔ ماروتی میری توقعات پر پوری اتری تھی۔ اس کے بارے میں کہیں سے کوئی خبر نہیں آئی۔ اس کے نکل جانے کے بعد موہن ہاؤس کی نگرانی' سانپ نکل جانے کے بعد لکیر کو پیٹنے کے مترادف تھی۔ میرے مشورے پر اول خان نے اپنے آدمیوں کو اس بیگار سے ہٹالیا اور اپنے روز مرہ کے کاموں سے فارغ ہوکر ہمارے پاس آبیٹھا۔
دوپہر ہوئی اور پھر سہ پہر میں ڈھلنے لگے۔ تین بجے میں نے فون کی گھنٹی بجنے پر جوں ہی ریسیور اٹھایا' میرے کمرے سے سی ایس ڈی کا بزر بجنے کی آواز آئی اور لائن فوراً ہی کٹ گئی۔ انڈین سیکرٹ ایجنٹ بدری ناتھ سے حاصل کی ہوئی وہ حساس ڈیوائس ایک طویل عرصے کے بعد حرکت میں آئی تھی۔ اس کی آواز سنے اتنا عرصہ گزر چکا تھا کہ سب نے اسے تقریباً فراموش کردیا تھا۔ اس کے بزر کی آواز نے سب کو چونکا دیا۔
"سی ایس ڈی آپریٹ ہونے کا مطلب ہے کہ یہ کوئی اہم کال آرہی ہے۔" ویرا نے پُرجوش لہجے میں کہا۔
اسی اثنا میں دوبارہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس بار میں نے تیسری گھنٹی کی آواز کا انتظار کیا اور پھر ریسیور اٹھالیا۔ اس بار پھر وہی ہوا۔ میرے کمرے میں فون کی مین لائن سے جڑے ہوئے حسّاس آلے نے احتجاجی آواز کے ساتھ دوبارہ لائن کاٹ دی۔
"دوڑ کر سی ایس ڈی آف کردو۔" میں نے ریسیور واپس رکھتے ہوئے سلطان شاہ کو ہدایت کی "پتا تو چلے کہ یہ کال کس کی ہے۔"
اس دہرے تجربے نے جمود توڑ دیا تھا۔ سلطان شاہ نے فوراً ہمارے کمرے کی طرف دوڑ لگادی۔
وہ جو کوئی بھی تھا' بہت مستقل مزاج تھا اور ہم سے رابطہ قائم کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس بار قدرے طویل وقفے کے بعد فون کی گھنٹی بجی اور رابطہ برقرار رہا۔ میں نے ریسیور اٹھانے کے بجائے اس مرتبہ اسپیکر فون آن کیا تھا۔
میری ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے ایک سرد اور بھنچی بھنچی سی آواز ابھری "ڈینی یا ویرا کو فون پر بلا دو۔"
اس آواز میں بلا کا اعتماد تھا جیسے اسے پورا یقین ہو کہ اس کی فرمائش پوری کردی جائے گی۔ میری استفسار طلب نظریں بے اختیار ویرا کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ پہلے ہی اضطراری انداز میں اپنے ہونٹوں کو چونچ کی صورت میں سکیڑ چکی تھی۔ میرے لیے وہ اشارہ کافی تھا۔
"ڈینی گھر پر نہیں ہے اور ویرا باتھ روم میں ہے۔ تم کون بول رہے ہو؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔
"کرشن کمار۔" بولنے والے کی آواز سے بے خوفی مترشح تھی "مجھے ان دونوں میں سے کسی ایک سے بہت اہم بات کرنی ہے۔ میں پانچ منٹ بعد دوبارہ فون کروں گا۔ باتھ روم کے دروازے پر دستک دے کر ویرا کو میرا پیغام دے دو۔"
میرا جواب سنے بغیر کرشن کمار نے فون بند کردیا۔ میری آواز اس کے لیے اجنبی ثابت ہوئی تھی۔
"اسے یہاں کا فون نمبر کیسے معلوم ہوگیا۔ یہ نمبر تو ابھی پرانے نام پر ہی چل رہا ہے۔" سلطان شاہ نے بے ساختہ کہا۔
اس کی حیرت بجا تھی مگر وہ کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں تھا۔ میں نے رات گئے جب اول خان کو مشورہ دیا کہ وہ

جگدیش کو کسی بھی ہنگامی ضرورت یا رابطے کے لیے اپنا یا ہمارا فون نمبر دے دے تو میرے ذہن میں یہ امکان موجود تھا کہ جگدیش کے ذریعے ہمارا دیا ہوا فون نمبر کہیں اور بھی پہنچ سکتا ہے۔ کرشن کمار کی کال نے ثابت کردیا تھا کہ ماروتی نہ صرف جگدیش سے رابطے میں تھی بلکہ کرشن کمار تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ جگدیش سے ماروتی کے ذریعے وہ فون نمبر کرشن کمار تک پہنچا تھا۔ اس کے سوا کوئی اور ذریعہ ہوتا تو کرشن کمار ہمارے گھر پر دھاوا بولنے سے پہلے ہم سے فون پر بات کرنے کی کوشش کرچکا ہوتا۔

میں نے اسے فون پر جو جواب دیا' وہ اس کے غیر ضروری اعتماد بلکہ تحکم کا فطری ردِّعمل تھا۔ اس نے کچھ نہیں کہا تھا مگر ہمیں معلوم تھا کہ اس رابطے کے لیے کرشن کمار نے ذرا سی دیر میں تین بار ہمارا نمبر ملانے کی کوشش کی تھی۔ پانچ منٹ بعد اس کی چوتھی کال آنی ناگزیر تھی۔ ہمیں اس بارے میں سوچنے کے لیے قلیل سی مہلت مل گئی تھی۔

یہ متفقہ فیصلہ تھا کہ کرشن کمار سے اسپیکر فون پر ہی بات ہونی چاہیے تھی تاکہ ہم میں سے ہر ایک اس کے الفاظ اور لب ولہجے کو اپنے کانوں سے سن سکے۔

ویرا نے کرشن کمار کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس سے اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ بہت کم ظرف اور بے ہودہ شخص تھا۔ اگر اسپیکر فون پر ویرا اس سے بات کرتی تو وہ ویرا سے ایسی بدکلامی کرسکتا تھا جو اس کے لیے خجالت کا سبب بن جاتی۔ میں اس سے بات کرچکا تھا پھر بھی میں نے فیصلہ کیا کہ میں اپنی آواز بدل کر اس سے ڈینی کی حیثیت سے خود بات کروں گا۔

کرشن کمار کی کال نے جہاں ماروتی کے رابطوں کی تصدیق کردی تھی۔ وہیں اس عورت کے بارے میں مجھے مخمصے میں ڈال دیا تھا۔ ایک طرف وہ مجھ سے وعدہ کرچکی تھی کہ کرشن کمار کو ہمارے ہاتھوں پکڑوا دے گی' دوسری طرف اس نے جگدیش سے ملنے والا' ہمارا فون نمبر کرشن کمار کے حوالے کردیا تھا۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا دہرا کھیل کھیل رہی تھی اور کس کے ساتھ مخلص تھی۔

ٹھیک پانچ منٹ بعد کرشن کمار کا فون آگیا اور اس نے مطالبہ کیا کہ میں ویرا کو فون پر بلا دوں۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے کیا تمہیں شرم آرہی ہے؟"

"اچھا ہوا کہ تم لوٹ آئے۔ میری بات تم بہتر طور پر سمجھ سکتے ہو۔ میرا آدمی کہاں ہے؟"

مختصر مختصر

- جو شخص اشتہاروں کے دوران میں ٹی وی کے سامنے جما بیٹھا رہتا ہے اور پروگرام کے دوران میں واش روم جاتا ہے اسے اسپانسر کہتے ہیں۔
- ہالی وڈ میں دو آدمی سرِراہ ملتے ہیں تو ان کے درمیان عموماً یہ مکالمہ ہوتا ہے:

"ہیلو.... کیا حال ہے؟ اور سناؤ.... میری بیوی آج کل کیسی ہے؟"

"وہ ٹھیک ہے ... تم سناؤ ... میری بیوی کا کیا حال ہے؟"

"وہ جہاں بھی ہے' عافیت سے ہے۔ اس کے بارے میں تمہیں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں نے تمہارا ٹھکانا دیکھ لیا ہے' اب تمہارا فون نمبر بھی مل گیا ہے۔ اگر میرے دماغ پر ذرا سی رنگینی نہ چھاگئی ہوتی تو اس وقت ویرا میرے قبضے میں ہوتی اور تم خود میرا آدمی لوٹانے کے لیے مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہوتے۔"

"وہ سب ماضی کی باتیں ہیں۔ میں آنے والے وقت پر نگاہ رکھتا ہوں۔ وہ تمہارے لیے بہت بُرا ثابت ہوگا۔"

"یہ سب چلتا رہے گا۔ مراد ظریف سے میری بات کرا دو!" وہ میرے جواب کی تلخی کو خاموشی سے پی گیا۔

"تم یہاں سے پٹ کر جاچکے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ یہاں نہیں ہے۔" میں نے مبہم سا جواب دیا۔ مراد کی زندگی کے بارے میں اس کی خوش فہمی کا برقرار رہنا ہمارے حق میں مفید تھا۔

"ابھی تک تمہارے اور ویرا کے بارے میں صرف میں جانتا ہوں۔ مراد کو آزاد کردو گے تو تم دونوں محفوظ و مامون رہو گے۔ میں بلی اور چوہے کا یہ کھیل زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتا۔ تم نے میری پیشکش قبول نہیں کی تو میں امریکیوں سے اپنی معلومات کی پوری قیمت وصول کرلوں گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ آج بھی تمہاری تلاش میں ہیں اور تم دونوں کے خون کے پیاسے ہیں۔"

"ہم بھی اسی شہر میں ہیں اور امریکی بھی۔ وہ سوچے سمجھے بغیر ہم پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔ مراد کے بجائے تم کو اپنی فکر کرنی چاہیے۔ ہم تمہاری دھمکی میں آئے بغیر اب تمہاری سرکوبی کا فیصلہ کرچکے ہیں۔"

"تم میرے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکو گے۔ تم جہاں بھی پہنچے ہو وہاں تمہیں میرے نشان ملے ہیں۔ میں برا وقت

آنے سے پہلے ہر رکاوٹ سے گزر چکا ہوتا ہوں۔ میری یہی خوش قسمتی تمہیں مجھ سے دور رکھے گی۔"

"تم آگ سے کھیل رہے ہو۔ یہ شعلے کسی بھی وقت تمہارے دامن کو چاٹ لیں گے۔ تم ایک ایک کرکے اپنے ساتھیوں اور ہمدردوں کو کھوتے جارہے ہو۔ ان کے انجام سے تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اس مٹی میں را کا پودا کبھی نہیں پنپ سکے گا۔"

"را صرف میرا نام نہیں ہے۔" کرشن کمار کا لہجہ تضحیک آمیز ہوگیا "یہاں را کی جڑیں بہت باریک اور گہری ہیں۔ انہیں تم کبھی بھی ختم نہیں کرسکو گے۔ ایک نام تمہارے سامنے آتا ہے اور تم اس کے پیچھے لگ جاتے ہو' اسے مار کر بغلیں بجاتے ہو۔ یہ تمہاری خود فریبی ہے۔ تمہاری ان کارروائیوں سے ہمارے سسٹم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایک آدمی کے ہٹنے سے پہلے اس کے چار متبادل وجود میں آچکے ہوتے ہیں۔"

"ضرور آتے ہوں گے۔ صحرا جیسی نام نہاد این جی اوز کے ذریعے تم نے بہت سے لوگوں کو ورغلایا ہے' ان کی برین واشنگ کی ہے مگر اب صحرا ہمیشہ کے لیے تھر کے ریگستان میں دفن ہوگئی ہے۔ تمہیں اس کا متبادل تیار کرنے میں دانتوں پسینہ آجائے گا۔ تم کو تو شاید اس کی مہلت بھی نہ ملے۔ ہم کسی بھی لمحے تمہاری شہ رگ پر کاری وار کرسکتے ہیں۔"

"تمہاری حد سے بڑھی ہوئی خون ریزیاں تمہارے لوگوں کو تمہارے خلاف بدگمان کررہی ہیں۔ تم حماقت اور نادانی میں ہمارا کام آسان کررہے ہو۔ اب بھی وقت ہے کہ میری بات مان لو اور مراد کو چھوڑ کر میرے راستے سے ہٹ جاؤ ورنہ منہ کی کھاؤ گے۔"

"تمہارا اپنا چھور کا تربیتی کیمپ بند ہوگیا' صحرا ختم ہوگئی' فریڈم انٹرنیشنل میں آج اُلّو بول رہے ہیں' فورڈ فاؤنڈیشن کے چاروں وظیفہ خوار اپنے اپنے انجام سے دوچار ہوچکے ہیں اور تم باؤلے کتے کی طرح مونا باؤ سے کراچی تک بھاگتے پھر رہے ہو۔ حیرت ہے کہ اس کے باوجود تمہاری ہرزہ سرائیاں جاری ہیں۔ اگر روی موہن عین وقت پر بھاگ نہ گیا ہوتا تو اب تک تمہارے گلے میں طوق پڑچکا ہوتا۔"

"تم دیکھ لو کہ تمہارے ہم وطن کس طرح میرا ساتھ دے رہے ہیں۔ روی نے میری خاطر ہر چیز کو لات ماری ہے۔"

"وہ میرے ہم وطن سے زیادہ تمہارے ہم مذہب ہیں۔ تمہارے اصل ساتھی وہی ہیں جو اپنے تراشے ہوئے خداؤں کے پجاری ہیں...."

"مذہب کو بیچ میں مت لاؤ۔" میری بات مکمل ہونے سے پہلے اس کی غراہٹ ابھری "اگر تم سودے بازی کے لیے تیار نہیں ہو تو سمجھ لو کہ تمہارا وقت پورا ہوچکا ہے۔ امریکی اہلکار تمہیں زمین کے آخری پرت سے بھی کھود نکالیں گے۔"

"تمہارا سارا دم خم انہی کے بل پر ہے۔ میجر بخشی بھی اوبرائن ڈی ہنٹ کے اشاروں پر ناچتا تھا۔ وہ مرا تو آج بخشی گوشہ نشین ہوچکا ہے۔ صحرا کو پالنے والے بھی امریکی تھے جو نیویارک میں فورڈ فاؤنڈیشن کا نظام چلاتے ہیں۔"

"تم جو چاہو' سوچتے اور کرتے رہو۔ ہونا وہی ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ ہمالا کی فلک بوس اونچائیوں سے سمندر کی گہرائیوں تک' یہ زمین ایک ہے اور یہ ایک ہو کر رہے گی لیکن افسوس کہ اکھنڈ بھارت کے خواب کی تکمیل دیکھنے کے لیے تم زندہ نہیں رہو گے۔ اس سے بہت پہلے اپنے برے انجام سے دوچار ہوچکے ہوگے۔" اس نے اسی کے ساتھ فون بند کردیا۔

"اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ ہمارا فون نمبر ماروتی نے روی اور کرشن کمار تک پہنچایا ہے۔" ویرا نے کہا "اس نے خود کہا ہے کہ ہمارا فون نمبر اسے اب ملا ہے۔"

"ماروتی بہت خطرناک عورت ثابت ہوئی ہے۔" غزالہ نے اس معاملے پر پہلی مرتبہ رائے زنی کی "آپ کو اس سے ملنے کا ارادہ ترک کردینا چاہیے وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے کچھ بھی کرگزرے گی۔"

"ہوسکتا ہے کہ شام کے سات بجے تم اس سے ملنے جاؤ تو ماروتی کے آس پاس ہی کرشن کمار یا اس کا کوئی آدمی تمہاری گھات میں ہو۔ دشمن کے زندہ ہاتھ آنے کا یقین نہ ہو تو ہم بھی اسے مار ڈالتے ہیں۔" ویرا نے اپنے خدشات کا اظہار کیا "ہم سب کے لیے تمہاری زندگی بہت قیمتی ہے۔ اسے اتنے سستے داؤ پر نہیں لگایا جاسکتا۔"

"یہ پہلا کام ہے۔" سلطان شاہ بولا "دوسرا اہم ترین کام یہ ہے کہ اب ہمیں جگدیش کو بے رحمی سے مسل دینا چاہیے۔ اس نے ہمارا فون نمبر ماروتی کو دیا ہے اور ابھی تک ہمیں یہ نہیں بتایا کہ اس کا اپنی بھاوج سے کوئی رابطہ ہوا ہے۔ وہ مظلوم اور بے خبر بن کر ہماری آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہے۔ اسے اس کے بدترین جھوٹ کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔"

"تم کیا کہتے ہو؟" میں نے اول خان کو خاموش پاکر ٹوکا۔

"تمہاری رائے بھی سامنے آنی چاہیے۔"
"سچ بات یہ ہے کہ میں متذبذب ہوں۔ اس نے جس حریصانہ انداز میں تم دونوں پر مقرر کیے ہوئے انعام کا ذکر کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عجلت سے کام نہیں لے گا۔ خود کوئی قدم اٹھانے سے پہلے امریکیوں سے تمہارا سودا کرنے کی کوشش کرے گا۔"
"میرا بھی یہی خیال ہے۔ مجھے خطرہ مول لینا پڑے گا۔" میں نے کہا "وہ بھرے پرے ہوٹل میں کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔ ماروتی اس سے مل گئی ہے تو وہ اس کے ذریعے مجھے کسی محفوظ مقام پر گھیرنے کی کوشش کرسکتا ہے۔"
"میں بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہا ہوں۔" اول خان نے میری تائید کی "میرے کچھ آدمی پہلے سے ہوٹل پہنچ کر ماروتی اور لابی کے ماحول کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ ان کی رپورٹ کے بعد تم وہاں جاسکتے ہو۔"
موضوع متنازعہ تھا۔ ہماری رائے تقسیم ہوگئی تھی۔ خاصے بحث مباحثے کے بعد ان تینوں کو میری اور اول خان کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا کیونکہ اس وقت کرشن کمار کے خلاف ہمارے پاس صرف ایک کارڈ تھا اور اس پر ماروتی کا نام نقش تھا۔
سلطان شاہ مسلسل جگدیش کے محاسبے پر اڑا ہوا تھا۔ اس کا نظریہ بالکل بے جان نہیں تھا۔ یہ بھی طے ہوگیا کہ ماروتی کا معاملہ صاف ہوتے ہی جگدیش کی گردن ناپ لی جائے گی۔ اس سے پہلے اسے چھیڑنے میں معاملات بگڑنے کا اندیشہ تھا۔
ہم میں سے کسی نے زبان نہیں کھولی تھی لیکن اول خان کو شدید احساس تھا کہ موہن ہاؤس کی نگرانی کے معاملے میں ایس ٹی ایف کے عملے کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ میری اور ماروتی کی مجوزہ ملاقات کے بارے میں ایسا کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس مہم کے لیے وہ اسی وقت گھر سے نکل گیا۔ سلطان شاہ اس کے ساتھ جانے پر مصر تھا مگر اول خان نے سختی سے انکار کردیا۔ کرشن کمار سے ہونے والی تازہ ترین گفتگو کے بعد اس کا تیسرا وار کسی بھی وقت متوقع تھا۔
پانچ بجے آئی بی والوں کے اپریٹس پر پہلی بار کال سگنل آیا اور میں فوراً اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔
دوسری طرف سے جلال کا آدمی مجھے تلاش کررہا تھا۔
"کے ون کالنگ فار ہارٹی۔۔۔ اوور!"
"ہارٹی اسپیکنگ۔۔۔ اوور!" میں نے پیغام مکمل ہوتے ہی جواب دیا۔
"سوری سر! ہمیں کے ہنٹ میں خاصی تاخیر ہوگئی لیکن آج اس کا سراغ ملا ہے۔ وہ شہر میں نہیں ہے اسی وجہ سے اب تک ہم اپنی تلاش میں ناکام رہے تھے۔ وہ شاید میمن گوٹھ کے علاقے میں چھپا ہوا ہے۔۔۔ اوور!"
"میمن گوٹھ!" میں نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے دہرایا "یہ وہی گاؤں تو نہیں جو سپرہائی وے پر کراچی سے پچیس تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ پیچھے کچھ فارم اور زرعی زمینیں بھی ہیں۔۔۔ اوور!"
"یس سر!" وہ گفتگو میں بہت مودب تھا "وہاں کئی مصروف ہوٹل بھی ہیں جہاں ٹرک والے پڑاؤ کرتے ہیں۔ اس کے باوجود کسی اجنبی کا آبادی میں داخل ہونا بہت مشکل ہے۔ کمرشل پٹی عبور کرتے ہی آدمی گاؤں کے باسیوں کی نظروں میں آجاتا ہے۔ محض اسی خوبی یا خرابی کی وجہ سے پتا چلا ہے کہ دو روز پہلے کرشن کمار کے حلیے کا ایک آدمی کسی کے ساتھ گاڑی میں آبادی سے گزرا تھا اور باغات کی طرف جانے والی سڑک پر چلا گیا تھا۔ وہ ایک باغ میں ٹھہرا ہوا ہے۔ وہاں یکایک پراسرار گاڑیوں اور افراد کی آمدورفت بھی شروع ہوگئی ہے۔۔۔ اوور۔"
"ابھی تک یہ صرف اطلاعات ہیں یا ان کی تصدیق ہوچکی ہے؟ اوور!" میں نے پوچھا۔
"ہمیں بتایا گیا ہے کہ حریف بہت چالاک ہے۔ اسے کوئی سن گن ملی تو وہ فرار ہوجائے گا۔ میرے تین آدمی وہاں ہوٹلوں کے آس پاس موجود ہیں۔ انہوں نے باغوں میں کام کرنے والے مقامیوں سے ان اطلاعات کی تصدیق کرلی ہے۔ کرشن کمار کے وہاں پہنچنے کے بعد تین گن مین بھی اس فارم پر پہنچے ہیں جو دن رات کانیج کے گرد چارپائیوں پر بیٹھے رہتے ہیں۔۔۔ اوور!"
"گڈ۔۔۔ وہ شہر سے اتنی دور ہے تو اس کا سراغ لگا کر تم نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ اوور۔"
"اب ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ وہاں آپریشن کے لیے ہمیں کراچی سے مزید نفری لے جانی ہوگی۔ اس کے لیے چند گھنٹوں کا وقت درکار ہوگا۔ اوور۔"
"فی الحال اس سے دور رہ کر نگرانی کرتے رہو۔ وہ نکل جانے کی کوشش کرے تو پوری قوت سے اسے روک کر پکڑلیا جائے۔ دوسری صورت میں اس سے کسی چھیڑ چھاڑ کی ضرورت نہیں۔ میں جلد ہی اگلا لائحہ عمل بتاؤں گا۔۔۔ اوور اینڈ آل۔"

"فون پر لمبی لمبی ہانک رہا تھا اور اتنا بزدل ہے کہ کراچی سے میلوں دور جا کر ویرانے میں چھپا ہوا ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"یہ بزدلی نہیں' اس کی احتیاط ہے۔ آئی بی والے اسے شہر میں ڈھونڈتے پھر رہے تھے اور وہ میمن گوٹھ میں چھپا بیٹھا تھا۔" میں نے اس کی تصحیح کی "اتنے زیادہ محتاط لوگ اسی قدر خطرناک بھی ہوتے ہیں۔"

"یہ تمہاری منطق ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے بارے میں سنی جانے والی یہ افواہیں درست ہیں کہ وہ شہروں کا رخ کرنے سے گھبراتا ہے اور ویرانوں میں خوش رہتا ہے۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ اس کا پہلا سراغ ہے۔ اب دیکھو کہ ماروتی کیا خبریں سناتی ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

وہ آپس میں فقرے بازی کرتے رہے۔ میری اور ماروتی کی ملاقات کے حوالے سے ویرا مجھ پر چوٹیں بھی کرتی رہی لیکن میں اس کی ہر بات سنی ان سنی کرتا رہا۔

ساڑھے پانچ بجے اول خان کا فون آگیا۔ اس نے حیرت سے بتایا کہ ہوٹل کے ریکارڈ کے مطابق ماروتی اپنے اصل نام سے اسی ہوٹل کے ایک کمرے میں اکیلی مقیم تھی۔ وہ صبح سویرے کسی سامان کے بغیر ہوٹل پہنچی تھی۔

کسی سازو سامان کے بغیر' مختصر مدت کے لیے ہوٹلوں میں تنہا قیام کرنے کے ارادے سے آنے والی خواتین میں ہوٹلوں کا عملہ خصوصی دلچسپی لیتا ہے۔ بظاہر نیچے سے اوپر تک کا سارا عملہ نئے گاہک کے ساتھ عزت اور احترام سے پیش آتا ہے' سر جھکائے اپنے اپنے کام میں مصروف رہتا ہے لیکن مہمان کی کمرے کی طرف روانگی کے بعد کچھ دیر کے لیے ہیجان آمیز چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

ایسی خواتین کی جملہ مصروفیات پر عملے کی نگاہیں رہتی ہیں مگر انہیں بھنک تک نہیں مل پاتی کہ انہیں کسی غیر ضروری توجہ کا مرکز بنایا جا رہا ہے۔ ماروتی کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ عملے کے افراد اس کے بارے میں پوری طرح باخبر تھے۔

اول خان نے ہوٹل کے عملے کو اپنے اعتماد میں لے کر چھان بین کی تو اسے معلوم ہوا کہ ہوٹل پہنچنے کے بعد سے ماروتی اس وقت تک مسلسل اپنے کمرے میں گھسی رہی تھی اور شاید دیر تک سوتی رہی تھی کیونکہ اس نے ڈھائی بجے کے قریب کمرے میں ہی کھانا منگوایا تھا۔ اس دوران میں اس کے پاس کوئی ملاقاتی نہیں آیا تھا۔ اس نے کسی کو فون کیا' نہ

اس کے پاس کوئی کال آئی تھی۔
اول خان کو ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر کہیں کوئی ایسا مشتبہ آدمی نظر نہیں آیا تھا جو میرے لیے کوئی خطرہ ثابت ہوتا۔

میرے لیے وہ تمام باتیں حیران کن تھیں۔ جگدیش کے بیان کے مطابق ماروتی رات کے ایک بجے اپنے گھر سے خفیہ طور پر باہر نکلی تھی۔ اس وقت سے صبح سویرے تک کہاں رہی اور کیا کرتی رہی، اس بارے میں اول خان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ یہ ممکن تھا کہ اس دوران میں وہ روی کی تلاش میں شہر کے مختلف حصوں میں دھکے کھاتی پھر رہی ہو۔

روی سے ملاقات اور مشورے کے بعد شاید ماروتی نے گھر واپسی کا ارادہ ملتوی کردیا۔ اسے شام کو مجھ سے ملنا تھا۔ اس ملاقات کے لیے اسے ایک مرتبہ پھر گھر سے نکلنا پڑتا اور جگدیش سے کوئی بہانہ کرنا پڑتا۔ اس کے پاس روی کی تلاش کا معقول عذر موجود تھا۔ اس نے اپنی اکلوتی غیر حاضری کو مجھ سے ملاقات تک طول دینے کا فیصلہ کرکے ہوٹل میں کمرا لے لیا۔

اول خان نے جگدیش کو رات گئے میرا فون نمبر دے دیا تھا۔ ماروتی وہ نمبر روی کو بتا دینے کے بعد ہر ذمے داری سے سبکدوش ہوچکی تھی۔ اسے وہ نمبر جگدیش سے رابطہ کرنے کے بعد ہی مل سکتا تھا۔ اس نے وہ رابطہ روی کی کمین گاہ سے کیا ہوگا اس وجہ سے ہوٹل پہنچنے کے بعد اسے کسی کو فون کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

ہوٹل میں رہ کر وہ جو کچھ کرنا چاہ رہی تھی، وہ اس کا اور جگدیش کا معاملہ تھا جس میں، میں بھی ملوث ہوگیا تھا۔

اول خان سے بات ہونے کے بعد میرے ذہن میں ماروتی کے خلاف جڑ پکڑنے والے خیالات کمزور پڑنے لگے لیکن یہ احساس بھی ستانے لگا کہ ہوٹل والے ماروتی کی ذات میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہے تھے۔ ہوٹل پہنچنے کے بعد میں ان کی نگاہوں کا نشانہ بننے سے نہیں بچ سکوں گا۔

ہر طرح سے مطمئن ہونے کے باوجود اول خان اپنے چار آدمیوں کے ساتھ ہوٹل میں موجود تھا۔ اس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ ماروتی سے مذاکرات کے خاتمے اور میری واپسی تک وہ پانچوں بہت قریب رہیں گے۔

وقت گزرتا رہا مگر روانگی کی تیاری کے لیے میرے قدم نہیں اٹھ سکے۔ ماروتی کی مجھ سے اصل گفتگو فون کے ریسیور کے ذریعے ہوئی تھی لیکن اس نے اسپیکر فون پر جو کچھ کہا تھا، وہ اس کے عزائم کی عکاسی کے لیے بہت کافی تھا۔ میں اپنے دل پر ان باتوں کا بوجھ محسوس کررہا تھا۔ مجھے کسی اور کی فکر نہیں تھی بس غزالہ کے مجروح جذبات کا پاس تھا جو میں اس سے نظریں چار کرتے ہوئے کتراتا رہا تھا۔ وہ خود بھی میرے سامنے بیٹھنے کے بجائے بلاوجہ گھر میں اِدھر اُدھر ٹلتی پھر رہی تھی۔

"کیا بات ہے، کیا ماروتی روی موہن سے ملاقات کا ارادہ نہیں ہے؟" ساڑھے چھ بجے ویرا نے دھیمی آواز میں چٹکی لی۔

میں اسے گھورتے ہوئے بولا "وہاں جانے کے لیے مجھے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔ اٹھوں گا اور نکل جاؤں گا۔"

"جانا ہے تو وقت پر جاؤ ورنہ مت جاؤ۔" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

مجھے بھی بہانہ درکار تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

میرے بدن پر موجود لباس صاف ستھرا لیکن کچھ شکن آلود تھا۔ میں نے اس کی پروا کیے بغیر بال سنوارے، جوتے پہنے اور گاڑی کی چابی لے کر گھر سے سیدھا نکلتا چلا گیا۔ مجھے ماروتی سے مل کر لوٹ آنا تھا۔ کسی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اول خان اپنے چار مسلح آدمیوں سمیت ہوٹل میں موجود تھا۔ میں نے کوئی ہتھیار اپنے ساتھ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

سلطان شاہ کے ساتھ ویرا بھی مجھے رخصت کرنے کے لیے پورچ میں نکل آئی۔ میں گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرنے کے بعد چند ثانیوں کے لیے رکا رہا لیکن غزالہ کی جھلک بھی نظر نہیں آئی۔ میں نے بوجھل دل کے ساتھ گاڑی پھاٹک سے نکال لی۔

ماروتی نے مجھے وقت کی پابندی کے لیے تاکید کی تھی۔ میں قدرے تیز رفتاری مگر احتیاط سے ڈرائیونگ کرتا ہوا مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں پہنچ گیا۔ اس وقت بھی ملاقات کے بارے میں میرے دل و دماغ میں کشمکش جاری تھی۔ اس نے وقت پر پہنچنے کی تاکید کی تھی تو میں بھی وقت سے ذرا پہلے وہاں پہنچنے میں اپنی ہتک محسوس کررہا تھا۔ گاڑی ایک مناسب جگہ پارک کرکے میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگائی اور نیچے اترتے وقت دروازہ لاک کردیا۔

اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ جب میں نے موہن ہاؤس میں ماروتی کی پہلی جھلک دیکھی تو میرے دل میں اس

سے مخاطب ہونے کی ایک بے ساختہ خواہش جاگ اٹھی تھی۔ اگر وہ اپنے مقام سے گر کر عامیانہ انداز میں مجھے ترغیب دینے کی کوشش نہ کرتی تو شاید میری وہ خواہش اور بڑھ جاتی لیکن ماروتی نے جگدیش سے مشتعل ہو کر جس طرح اپنے نسوانی وقار کو ٹھیس پہنچائی تھی' اس نے مجھے ماروتی سے بددل کر دیا تھا۔

میں نے رسٹ واچ دیکھ کر ٹھیک سات بجے ہوٹل میں قدم رکھا اور کچھ آگے جاتے ہی مجھے لابی کے ایک صوفے پر ماروتی نظر آ گئی۔ ہلکے سے میک اپ اور بڑے بڑے سفید پھولوں والے گلابی لباس میں وہ شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے دل آویز انداز میں مسکراتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس کے قریب پہنچنے تک میری متجسس نگاہیں یہ جائزہ لے چکی تھیں کہ ایس ٹی ایف کے کم از کم دو شناسا چہرے ماروتی کے آس پاس موجود تھے۔ ان دونوں نے قمیص اور پتلونیں پہنی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے وہ دوسرے لوگوں جیسے ہی نظر آ رہے تھے۔

''تم وقت کے بہت پابند ہو۔'' ماروتی گرم جوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولی ''ٹھیک سات بجے پہنچے ہو۔''

''تم رات کو گھر سے ان ہی کپڑوں میں نکلی تھیں؟'' میں نے اس کے سراپا پر ناقدانہ نظریں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''اوہ۔ میری احتیاط کے باوجود یہ خبر تم تک پہنچ گئی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم میری اتنی خبر رکھو گے۔''

''اتنا محظوظ ہونے کی ضرورت نہیں' میں نے تم سے کوئی سوال کیا تھا۔''

''یہ جوڑا میں نے ابھی چھ بجے ایلیفی سے خریدا ہے۔ گھر سے میں سرمئی سوٹ میں نکلی تھی۔'' وہ مجھے اپنے ہمراہ لفٹ کی طرف لے جاتے ہوئے بولی ''اتنی رات کو میں ایسے کپڑوں میں آزادی سے گھوم پھر سکتی تھی۔''

''تم اس قدر خاموش اور سنجیدہ کیوں ہو؟ کیا میں ان کپڑوں میں بُری لگ رہی ہوں؟'' لفٹ حرکت میں آنے کے بعد اس نے اٹھلا کر پوچھا۔ لفٹ میں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

''اس بارے میں صحیح رائے دینے کا حق صرف روی کو حاصل ہے' میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی ''انہیں تو میرے بدن پر ہر لباس برا لگتا ہے۔ تمہیں پتا ہے کہ رات میں نے انہیں ڈھونڈ نکالا؟''

''یہ معلوم ہے کہ تم پہاڑ جیسی رات کہیں گزارنے کے بعد صبح سویرے اس ہوٹل میں آئی تھیں۔''

لفٹ رک گئی۔ دروازہ کھول کر ہم باہر نکلے اور راہداری کے سرے کی طرف بڑھنے لگے۔ راستے میں روم سروس کے دو ویٹرز نے ہمیں بہت ادب سے سلام کیا تھا۔ ماروتی بہت مسرور اور مگن تھی مگر میں اندر ہی اندر کٹا جا رہا تھا۔ راہداری کے سرے پر واقع' ماروتی کا دہرا کمرا واقعی بہت شاندار اور کشادہ تھا۔ بہت خوب صورتی سے سجی ہوئی خنک نشست گاہ کے اندرونی دروازے سے گزر کر ہم پُرشکوہ خواب گاہ میں پہنچ گئے۔ ماروتی نے بے تکلفی سے مجھے دھکیل کر ایک نرم جہازی سائز کے صوفے پر دھکیل دیا اور ہنس پڑی۔

تازہ پھلوں سے لدی ہوئی فروٹ باسکٹ میرے سامنے رکھ کر اس نے پوچھا ''کیا پینا پسند کرو گے؟''

''کھولتی ہوئی تازہ چائے۔'' میں نے بے تکلفی سے کہا۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی میرے موڈ میں ہلکی سی تبدیلی آ گئی تھی۔

''میں نے یہ کمرا اپنے اصل نام پر بک کرایا ہے۔ میں غیر مسلم ہوں' مجھے کمرے میں ہارڈ ڈرنکس بھی مل سکتے ہیں۔''

''میں ہارڈ ڈرنکس نہیں پیتا۔ تم چاہو تو اپنے لیے کچھ بھی منگوا سکتی ہو۔''

''تھینک یو۔'' وہ ایک ادا سے مسکرائی ''میں بلانوش نہیں ہوں۔ اسکاچ کا ایک لارج پیگ لوں گی۔ تھوڑا سا سرور آ جاتا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ انٹرکام کی طرف متوجہ ہو گئی۔ روم سروس کو آرڈر دے کر وہ ایک الگ صوفے پر آ بیٹھی۔

''ہاں' تم پچھلی رات کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔'' اسے لفٹ میں ادھوری رہ جانے والی بات یاد تھی ''میں ٹیکسی میں سیدھی انیل کے گھر گئی تھی۔ وہ وہاں نہیں تھا۔ انیل نے ٹیکسی کو فارغ کر کے اپنی گاڑی نکال لی۔ چار گھروں سے ناکام لوٹنے کے بعد صبح چار بجے ہم ملیر میں کسی کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچے۔ وہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ روی وہیں موجود تھے۔ ان سے بات کر کے ہم لوٹ آئے۔ انیل مجھے ہوٹل کے پورچ میں اتار کر چلا گیا۔ رات بھر کی نیند ضائع ہونے سے اس کا حال برا ہو رہا تھا۔''

''جگدیش کو معلوم ہے کہ تم روی کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو چکی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''اسے بتا دیتی تو مجھے گھر لوٹ جانا پڑتا۔ روی سے ملنے کے بعد میں نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔''

"پھر اس نے ہمارا فون نمبر تمہیں کب دیا تھا؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اتنی دور تک میرا پیچھا کیا جائے گا۔ میں نے ملیر جاتے ہوئے انیل کے موبائل سے بھایا جی کو فون پر بتایا تھا کہ میں روی کی تلاش میں شہر کی خاک چھانتی پھر رہی ہوں۔ اسی وقت اس نے مجھے تمہارا نمبر بتایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ روی اس نمبر کے ذریعے اپنے پیچھے لگے ہوئے لوگوں کو شناخت کر سکتے ہیں۔"

ہوٹل کی روم سروس بہت مستعد تھی۔ دروازے پر دستک دے کر باوردی ویٹر آرڈر کی ہوئی اشیا لے آیا۔ ٹرے سے سب کچھ میز پر سجانے کے بعد اس نے سفید لفافے میں بلیک ڈاگ کے نپ نکال کر ماروتی کے لیے گلاس بنانا چاہا مگر ماروتی نے اسے رخصت کر دیا۔

میرے لیے چائے بنانے کے بعد اپنے گلاس میں سوڈا ڈالتے ہوئے وہ میری طرف دیکھے بغیر بولی "تمہاری صورت نظر آنے تک میں بے یقینی میں مبتلا تھی۔ مجھے بار بار وسوسہ ہو رہا تھا کہ تم نہیں آؤ گے۔ تم نے میری بات مان کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب روی آزادی اور بے فکری کے ساتھ گھر لوٹ سکیں گے۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔"

اپنا گلاس بنا کر اس نے فضا میں لہرایا اور پھر ہونٹوں سے لگا لیا۔ میں نے اپنی چائے کی پیالی اٹھالی۔

وہاں سے باتوں کا رخ تبدیل ہو گیا۔ ماروتی نے بیرونی دروازہ اندر سے لاک کر دیا اور اپنا گلاس لے کر بڑے صوفے پر میرے قریب آ بیٹھی۔ اس کے لباس اور بدن سے پھوٹنے والی کسی قیمتی پرفیوم کی مسحور کن خوشبو میرے نتھنوں میں گھسی چلی آ رہی تھی۔

"مجھے مسلمان مرد ہمیشہ سے اچھے لگتے ہیں۔" اپنے گلاس سے چند گھونٹ لینے کے بعد ماروتی کی آواز میں سرور جھلکنے لگا تھا "پتا نہیں تم سے پہلے میری ملاقات کیوں نہیں ہوئی۔"

وقت کی رفتار ہمیشہ یکساں نہیں رہتی ہے لیکن اس رفتار کو ہر انسان اپنے موڈ کے تحت محسوس کرتا ہے۔ کبھی وقت پر لگا کر اڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ گھنٹے، دن، مہینے اور سال بس تیزی سے گزرتے چلے جاتے ہیں اور کبھی ایک ایک پل گزارنا دوبھر ہو جاتا۔ اس شام بھی کچھ یہی ہوا۔ ساڑھے سات بجے تک میں بار بار اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال رہا تھا، اس کے بعد دیکھا تو سوئیاں نو بجے سے بھی آگے گزر چکی تھیں۔

"یہ یاد رکھنا کہ روی کے مستقبل کا دارومدار صرف میری مرضی پر نہیں ہے۔" میں نے روانگی کا ارادہ کرتے ہوئے، نرمی سے ماروتی کو یاد دہانی کرائی "اس میں آخری فیصلہ دوسرے کریں گے۔ وہ کرشن کمار کی گرفتاری سے کم پر روی کو معاف نہیں کریں گے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" ماروتی نیم مخمور لہجے میں بولی "تمہاری طرح میں بھی اپنے وعدے کا پاس کرتی ہوں۔ تم نے اس کے بارے میں کچھ پوچھا ہی نہیں ورنہ تمہیں یہ جان کر خوشی ہوتی کہ میں نے کرشن کمار کا بندوبست بھی کر لیا ہے۔"

"اور یہ بات تم اب بتا رہی ہو۔" میں نے تیزی سے اس کی طرف پلٹ کر پوچھا۔

"وہ میمن گوٹھ میں روی کے ایک دوست کے فارم پر ٹھہرا ہوا ہے۔ یہ بندوبست روی کا ہے اسی لیے وہ گھر سے چلے گئے تھے۔"

وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ آئی بی والوں کی اطلاع بھی وہی تھی۔ میں نے کہا "مجھے تم اس کا پتا بتا رہی ہو اور روی نے اسے ہمارا فون نمبر بتا دیا۔ تم دونوں مل کر ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیل رہے ہو؟"

"ہم کوئی کھیل نہیں کھیل سکتے۔" اس نے ہلکی سی انگڑائی لے کر کہا "روی ہر وقت تمہارے رحم و کرم پر ہوں گے۔ تم جب چاہو، کوئی بھی الزام عائد کر کے انہیں بند کر سکتے ہو۔" "اس بارے میں تمہیں کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے۔"

"غلط فہمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" اس نے فون کر کے مجھ سے بات کی ہے۔" میں نے زور دے کر کہا "... وہ نمبر روی سے ملا ہوگا۔"

"روی کو معلوم ہے کہ میں ان کے لیے تم سے کرشن کمار کا سودا کر رہی ہوں۔ وہ یہاں سے نکل ... پتا ... تھا۔ ہو سکتا ہے کہ روی نے اسے روکنے اور الجھانے ... لیے تمہارا فون نمبر دے دیا ہو۔ تم سے بات کرنے کے بعد وہ ضرور میمن گوٹھ میں رکا رہے گا۔ روی بتا رہے تھے کہ ... لوگوں نے اس کے کسی خاص آدمی کو پکڑا ہوا ہے اور وہ اسے چھڑوانے کے لیے بے چین ہے۔"

ماروتی کی زبان میں ہلکی سی لکنت تھی، لہجے میں سرور مگر اس کا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔ اپنی ناکافی معلومات کے باوجود اس نے روی کی حمایت میں صحیح کڑیاں ملا...

تھیں۔

"میمن گوٹھ میں وہ کسی نہ کسی حفاظتی بندوبست کے ساتھ رہ رہا ہوگا۔ وہاں گھس کر اس پر ہاتھ ڈالنا اور اسے زندہ گرفتار کرنا آسان نہیں ہوگا۔ اس کا پتا بتا کر تم اپنی جان نہیں بچا سکتیں۔"

"میں نے سب کچھ تمہارے سامنے رکھ دیا ہے۔ تم جو چاہو، میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آج سے میں نے اپنا سب کچھ تمہیں سونپ دیا ہے۔ تم کہو گے تو میں آنکھیں بند کر کے کسی گڑھے میں بھی چھلانگ لگا دوں گی۔"

"ہوٹل میں تم کب تک مقیم ہو؟" چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد میں نے پوچھا۔

اس نے نشیلے انداز میں آنکھ مار کر کہا "میرا ہوٹل میں رکنے کا مقصد پورا ہو گیا۔ ہم نے کچھ اچھا وقت گزار لیا۔ مناسب سمجھو تو واپسی پر تم ہی مجھے مین روڈ پر اتار دینا۔ میں ٹہلتے ہوئے گھر پہنچ جاؤں گی۔"

میرے لیے ماروتی کو اس کے گھر کے دروازے تک پہنچانا قرین مصلحت نہیں تھا اس لیے میں نے اس کی تجویز قبول کر لی۔ ہوٹل میں وہ اپنا پرس جھلاتی ہوئی آئی تھی۔ اس میں صرف ایک تھیلے کا اضافہ ہوا جس میں اس کا خریدا ہوا گلابی سوٹ موجود تھا۔ میرے والہانہ استقبال کے بعد وہ دوبارہ اپنا سرمئی سوٹ پہن چکی تھی جو وہ گھر سے پہن کر نکلی تھی۔

وہ اپنا بل ادا کرنے کے لیے کاؤنٹر کی طرف گئی اور میں تیزی سے اول خان کے ایک آدمی کے پاس پہنچ گیا۔

مجھے اچانک اپنے سر پر مسلط پا کر وہ بوکھلا گیا مگر میں نے دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا "اول خان کو بتا دینا کہ سب کچھ ٹھیک جا رہا ہے۔ میں اس عورت کو اولڈ کلفٹن اتارتا ہوا گھر پہنچ رہا ہوں۔"

"کیا ہم لوگوں کو آپ کے پیچھے پیچھے آنا ہے۔" اس نے دبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں یہی بتا رہا ہوں کہ پیچھے آنے کی ضرورت نہیں۔ عورت قابو میں آ چکی ہے۔"

میں اس شخص سے فارغ ہو کر ماروتی کے پاس پہنچا تو اس کا بل تیار ہو رہا تھا۔ حساب سامنے آیا تو اس کی پیشگی ادا کی ہوئی رقم میں سے پچاس روپے باقی تھے۔ ویرا نے پچاس کا نوٹ کاؤنٹر پر چھوڑا اور میرے ساتھ ہولی۔

ہوٹل سے نکل کر ہم سڑک پر آئے تو ماروتی اپنی نشست کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر بولی "آج کا دن میں زندگی بھر نہیں بھول سکوں گی... اگر تم چاہو تو ہماری دوستی آئندہ بھی جاری رہ سکتی ہے۔"

"جب تک کرشن کمار کا قصہ نہیں نمٹ جاتا، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں کئی بار مجھے شبہ ہوا ہے کہ تم مجھے فریب دے رہی ہو۔" میں نے سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

وہ ہنس پڑی "میں تمہارے لیے ہر ایک کو فریب دے سکتی ہوں مگر تمہیں کبھی دغا نہیں دوں گی۔"

"تمہارے اس دعوے کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا۔ آج تم اپنی فتح کے نشے میں ڈوبی ہوئی ہو۔ ایک دو روز میں تمہارا یہ خمار اترے گا تو تم کوئی صحیح فیصلہ کرنے کے قابل ہو سکو گی۔"

"عورت کبھی فاتح نہیں ہوتی، مظہر ڈارلنگ۔" وہ میرے بائیں شانے پر ہاتھ مار کر بولی "مرد سے جیت کر بھی اپنا سب کچھ ہار جاتی ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ تم میرے بارے میں سب کچھ جان چکے ہو، میں تمہارے نام کے سوا کچھ نہیں جانتی۔"

میں دل ہی دل میں اس کی چالاکی پر ہنس کر رہ گیا۔ اس نے اپنا مدعا بہت خوب صورتی سے بیان کر دیا تھا۔ میں نے سنجیدگی سے جواب دیا "سب باتیں ایک دم کھل کر سامنے نہیں آتیں۔ وقت کے ساتھ دھیرے دھیرے سب کچھ کھل جاتا ہے۔ ابھی تم کو یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ میرا تعلق کسی ایجنسی سے ہے ورنہ یہ بات بھی تم سے ہوتے ہوئے کرشن کمار تک پہنچ جائے گی۔"

"تم نے اس بات کو پکڑ لیا ہے۔ اگر روی کی غلطی سے تمہیں دکھ پہنچا ہے تو میں پورے خلوص سے اس کی معافی چاہتی ہوں۔ آئندہ میں تمہاری اجازت کے بغیر کوئی بات روی تک نہیں پہنچاؤں گی۔"

"کمان سے نکلا ہوا تیر اور زبان سے نکلی ہوئی بات، دونوں میں سے کوئی چیز واپس نہیں آتی۔ کرشن کمار کو ہمارا فون نمبر ملنے سے جو نقصان ہونا تھا، وہ ہو چکا۔ اب ہم اس کی کچھار کی طرف جائیں گے تو وہ زیادہ چوکنا ہوگا۔ مجھ سے بات کرنے کے بعد اس نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ہم اس کی طرف سے غافل نہیں ہیں۔"

"میں وہاں جانے کے لیے تیار ہوں۔ وہاں کام کرنے والے مجھے پہچانتے ہیں۔ کوئی مجھے نہیں روکے گا۔ تم میرے ساتھ چلو اور اگر کرشن کمار تمہیں پہچانتا ہے تو اپنا کوئی ہوشیار آدمی میرے ساتھ کر دو۔ وہ میرے ساتھ وہاں پہنچے اور کرشن کمار کی کنپٹی پر گن رکھ کر اسے اپنے ساتھ لے

آئے۔ اس کی بے خبری میں یہ سب اس قدر اچانک ہونا چاہیے کہ وہ بھونچکا رہ جائے۔"

"وہ موم یا مٹی کا بنا ہوا کوئی پتلا نہیں ہے' ایک چالاک آدمی ہے۔ پتا نہیں روبی نے اسے کیا کہانی سنائی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اگر اسے یہ معلوم ہے کہ وہ نمبر تم نے روبی کو دیا تھا تو اسے یہ اندازہ بھی ہوگیا ہوگا کہ تم ہمارے رابطے میں ہو یا شہر میں ہمارے بارے میں کچھ کرتی پھر رہی ہو۔ وہ آسانی سے تمہارے دام میں نہیں آئے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میری بات سن کر وہ فکرمند ہوگئی۔ "مشکل یہ ہے کہ روبی' ملیر کے ایک دور افتادہ دیہی علاقے میں ہیں۔ وہاں فون ہے نہ فی الحال موبائل فون کی سہولت ہے۔ اسی وجہ سے وہ وہاں سے مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتا سکے تھے اور مجھے ان تک پہنچنے کے لیے شہر میں کافی بھٹکنا پڑا۔ فون ہوتا تو میں ابھی ان سے بات کرلیتی۔"

"تم ایک غلطی کر گزری ہو تو اب مزید کسی حماقت کی ضرورت نہیں۔ کرشن کمار کو ہم خود ہی دیکھ لیں گے۔"

وہ راستے بھر ایک منٹ کے لیے بھی خاموش نہیں رہی۔ ہلکی سی لکنت کے ساتھ وہ مسلسل بولتی رہی اور میں اسی ہوں' ہاں میں جواب دیتا رہا۔ میرا ذہن کرشن کمار میں الجھا ہوا تھا۔

اولڈ کلفٹن میں ماروتی کو مین روڈ پر اتار کر میں آگے نکلتا چلا گیا۔ اگلے موڑ سے گاڑی واپس گھما کر میں گلشن اقبال کی طرف روانہ ہوگیا۔ میری رسٹ واچ اس وقت ساڑھے نو بجا رہی تھی۔ میں نے گاڑی کی رفتار بڑھادی۔

ماروتی سے میری وہ ملاقات میری توقع کے برعکس' جلد ہی ختم ہوگئی تھی۔ میں گھر سے اپنی غیر حاضری کے دورانیے کو کم سے کم کرکے وہاں پہنچنا چاہ رہا تھا تاکہ وقت کے حوالے سے میں اپنا مناسب دفاع کرسکوں۔ مجھے اندازہ تھا کہ گھر واپسی پر کوئی اور اپنی زبان کھولے یا نہ کھولے' ویرا ضرور میری ٹانگ کھینچنے کی کوشش کرے گی۔

میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ اول خان کی گاڑی ہمارے گھر کے باہر موجود تھی۔ وہ اپنے آدمیوں کو اسٹیشن فور تک پہنچانے کے بجائے شاید راستے میں ہی اتار کر وہاں پہنچ گیا تھا۔

میرے لیے پھاٹک سلطان شاہ نے کھولا۔ میرے اترتے ہی اس نے بتایا کہ اندر میرے بارے میں گرما گرم قیاس

آرائیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ میں نے راستے میں اپنا ذہن بنالیا تھا۔ سلطان شاہ کے لہجے کی شوخی پر میں نے گمبھیر انداز میں صرف سرہلایا اور سنجیدہ چہرہ لیے گھر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا جو سلطان شاہ نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

گھر سے جاتے ہوئے غزالہ نے ابتدا سے آخر تک میرا سامنا کرنے سے گریز کیا تھا اور یوں میری روانگی کا مرحلہ آسان کردیا تھا مگر اس وقت وہی سب سے زیادہ تجسس آمیز انداز میں میری واپسی کی منتظر تھی۔

غزالہ سراپا سوال بنی ہوئی تھی مگر اس کی زبان بند تھی۔ میرے چہرے پر چھائی ہوئی گہری سنجیدگی دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر بس ایک ہلکی سی مگر آسودہ مسکراہٹ پھیل کر رہ گئی مگر ویرا کہاں خاموش رہنے والی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے بولنا شروع کردیا "اپنی چہیتی ماروتی سے مل کر آرہے ہو، پھر بھی تمہارے چہرے پر اداسی ناچ رہی ہے۔ خیریت تو ہے نا؟"

"تم سے میری بات ہونے کے بعد وہ چھ بجے ہوٹل سے نکل کر زیب النسا اسٹریٹ کی چند دکانوں میں گئی تھی۔" ویرا کے خاموش ہوتے ہی اول خان نے درمیانی تفصیل دہرانی شروع کردی "وہاں سے اس نے کچھ خریداری کی اور ہوٹل لوٹ آئی۔"

میرے ذہن میں ماروتی کے گلابی اور سرمئی سوٹ لہرانے لگے جنہیں میں نے فوراً اپنے ذہن سے جھٹک دیا اور کہا "ہم اس کی طرف سے بلاوجہ بدگمان ہورہے تھے۔ وہ آزاد خیال ضرور ہے مگر خطرناک نہیں ہے۔"

"میں حیران ہوں کہ تم اتنی جلدی واپس لوٹ آئے۔ میرے حساب سے تو تمہاری آج کی رات اسی کے ساتھ مذاکرات میں گزرنی تھی۔" ویرا نے شوخ لہجے میں دخل اندازی کی "معلوم ہوتا ہے کہ آج تم اسے زیادہ متاثر نہیں کرسکے۔"

ویرا نے اپنی دانست میں میرا مذاق اڑانے کی کوشش کی تھی مگر مجھے خوشی ہوئی کہ میری اداکاری کامیاب رہی تھی۔ وہ وہی کچھ سمجھی تھی جو میں اپنے طرزِ عمل سے اسے سمجھانا چاہ رہا تھا۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے ترشی سے کہا۔ "میں اسے متاثر کرنے کے لیے نہیں گیا تھا۔ تم اپنے نادر خیالات اپنی ذات تک محدود رکھو تو تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہوگا۔"

"آپس میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔" بدمزگی کے خوف سے اول خان میری بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا "یہ سب فضولیات ہیں۔ تم جس کام سے گئے تھے اس کا کیا رہا؟ کرشن کمار کے بارے میں وہ کیا کہتی ہے؟"

"وہ آئی بی والوں کی ابتدائی اطلاعات کی تصدیق کررہی ہے۔" میں نے اسے بتایا "کرشن کمار میمن گوٹھ میں ہے۔"

ماروتی کی بات جہاں تک پہنچی تھی، وہیں ختم ہوگئی۔ ویرا کا شیطانی ذہن بھی اسے بھول کر، کرشن کمار کے بارے میں ہمارے اگلے قدم کے بارے میں سوچنے میں مشغول ہوگیا۔

اول خان راست گو اور کھرا آدمی تھا۔ اس کی رائے تھی کہ انٹیلی جنس بیورو والوں نے کرشن کمار کا کھوج لگالیا تھا تو اس کو پکڑنے کا پہلا حق بھی ان ہی کو حاصل ہونا چاہیے۔ کرشن کمار پر صرف الزامات نہیں تھے بلکہ وہ مجرم ثابت ہوچکا تھا۔ سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ تھی کہ وہ بھارتی سیکرٹ سروس کا ایجنٹ تھا اور غیر قانونی طور پر پاکستان میں داخل ہوا تھا۔ اس کے خلاف کارروائی میں آئی بی والوں کو کوئی سیاسی یا سفارتی مجبوری درپیش نہیں تھی۔ وہ کھل کر اس کے خلاف کارروائی کرسکتے تھے۔

مجھے اس سے اختلاف تھا۔ آئی بی والے ایک ضابطے کے تحت ہر کام کرتے تھے۔ کرشن کمار ایک بار ان کے قبضے میں چلا جاتا تو ہم اس سے اپنے طریقوں سے کوئی بازپرس نہیں کرسکتے تھے۔ اس کے خلاف اسپیشل ٹاسک فورس ہی بھرپور انداز میں کام کرسکتی تھی۔ آئی بی کے جلال رحمان سے ہمارے مراسم میں گہرائی پیدا ہوچکی تھی لیکن ہمیں ان کی کسی ٹیم کے ساتھ کام کرنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔ ہمارے اور ان کے درمیان مفاہمت اور ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے نتائج مختلف ہوسکتے تھے جبکہ اول خان کی ٹیم کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ ہم پہلے بھی متعدد مہمات سر کرتے رہے تھے۔

ہمارے درمیان یہ تبادلہ خیال جاری تھا کہ آئی بی والے ایریئس پر پھر کال آنے لگی اور سب کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ کئی دن سے وہ لوگ خاموش تھے تو سرے سے کوئی رابطہ ہی نہیں ہوا تھا لیکن کرشن کمار کا سراغ پالینے کے بعد گزشتہ چند گھنٹوں میں وہ کے دن کی طرف سے دوسرا رابطہ تھا۔

اس کے پاس ایک نئی اور سنسنی خیز خبر تھی جو اسے میمن گوٹھ کی نگرانی کرنے والوں سے ملی تھی۔

میمن گوٹھ کی آبادی لب سڑک واقع تھی اور وہاں تک رسائی کا راستہ بھی سیدھا تھا۔ دونوں اطراف سے وہ آبادی ویران کچے علاقے سے گھری ہوئی تھی۔

اپنے محل وقوع کی وجہ سے میمن گوٹھ کے باسیوں کو باہر سے آنے والوں پر نظر رکھنے میں کئی آسانیاں حاصل تھیں جن سے آئی بی والے بھی فائدہ اٹھا رہے تھے۔

براہ راست آبادی میں داخل ہونے والوں کی نگرانی اور دیکھ بھال ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھی۔ سیدھے راستے کو چھوڑ کر اطراف سے اندر گھسنے کی کوشش کرنے والے بھی ان کی نظروں سے نہیں بچ سکتے تھے۔ دن کے اجالے میں کچے راستوں پر اڑنے والا دھول کا غبار انہیں فوراً آگاہ کردیتا تھا کہ کسی سمت سے کوئی آبادی کے عقب میں واقع زرعی زمینوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسی طرح رات کے گھور اندھیرے میں ان راستوں پر ہیڈ لیمپس کی روشنیوں کا انعکاس دور دور تک پھیل کر کسی گاڑی کے سفر کی نشان دہی کردیتا تھا۔

کے دن کے آدمیوں نے اطلاع دی تھی کہ کراچی سے آنے والی ایک گاڑی میمن گوٹھ سے آگے نکل کر اچانک کچے راستے پر مڑی تھی۔ گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی کے تیزی سے بدلتے ہوئے زاویوں سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ لوگ ناہموار راستوں کی پروا کیے بغیر تیز رفتاری سے اندر گئے تھے اور گاڑی کے اچھلنے کی وجہ سے روشنیوں کا رخ بار بار اوپر کی طرف ہو رہا تھا۔

اس گاڑی کے بارے میں آئی بی والے فکر مند تھے مگر میمن گوٹھ والے اپنی حفاظت کے بارے میں سب سے زیادہ حساس تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں آبادی میں یہ خبر پھیل چکی تھی کہ ایک بڑی سی سیاہ گاڑی میں دو گورے' اپنے پاکستانی ڈرائیور کے ساتھ گرین فارم پر پہنچے ہوئے تھے جہاں کرشن کمار پہلے سے مقیم تھا۔

"تمہارے آدمی نہیں دیکھ سکے کہ اس گاڑی میں کون وہاں پہنچا ہے؟"

"رات کے اندھیرے میں یہ دیکھنا ناممکن تھا لیکن گاؤں والوں کی اطلاع پر بھروسا کیا جا سکتا ہے۔ کچھ لوگ پیدل یا سائیکلوں پر فارم تک جا کر وہ خبریں لائے ہیں۔ یہ کام سونپتے ہوئے ہمیں ہدایت کی گئی تھی کہ کرشن کمار کی تلاش میں ہم سفید فاموں اور خاص طور پر امریکیوں سے الجھنے کی کوشش نہ کریں۔ کسی ٹکراؤ کا خطرہ ہو تو خاموشی سے پسپائی اختیار کرلیں۔"

وہ وہی بات بتا رہا تھا جو جلال براہ راست مجھے بھی بتا چکا تھا۔ میں نے کہا "ان سے تصادم کا کوئی خطرہ مول لیے بغیر کیا یہ ممکن ہے کہ تمہارا کوئی آدمی اس فارم تک پہنچ سکے؟"

"گاڑی میں سفر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہتا۔ پیدل چل کر کوئی بھی خاموشی سے کہیں پہنچ سکتا ہے۔"

"پھر اپنا ایک آدمی اُدھر روانہ کردو۔ ہمیں پتا چلنا چاہیے کہ وہ کون لوگ ہیں اور وہاں کیا کر رہے ہیں۔"

"میں نے آدمی کو روانہ کردیا ہے۔" اس نے مجھے مطلع کیا "مگر میں نے اسے ہدایت کی ہے کہ کوئی موہوم ترین خطرہ بھی نظر آئے تو اسے راستے سے واپس لوٹ آنا چاہیے۔ اپنی حدود میں رہ کر میں صرف اتنا ہی کر سکتا تھا۔"

"وری گڈ!" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا "میں بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا۔"

"وہاں سے کوئی بھی خبر ملی تو میں آپ سے فوری رابطہ کروں گا۔" اس نے یقین دلایا۔

"یہ اپریٹس کتنی رینج میں کام کرتا ہے؟ کیا یہ میمن گوٹھ میں بھی اسی طرح کام کرتا رہے گا؟" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے متوقع نقشے کے پیش نظر اس سے پوچھا۔

"یہ سو کلومیٹر کے دائرے میں اسی طرح کام کرتا رہے گا۔ اپنے آدمیوں سے اسی سسٹم پر میرا رابطہ ہے۔"

"لیکن تم لوگوں کی آپس کی باتوں کے بارے میں مجھے کوئی سگنل نہیں ملتا۔" میں نے چونک کر پوچھا۔

"دراصل یہ ڈبل فری کوئنسی اپریٹس ہے۔ ہماری آپس کی اور آپ کی فری کوئنسی مختلف ہے۔ اگر آپ اپریٹس کے پیچھے لگا ہوا سبز بٹن نیچے سرکا دیں تو پھر آپ بھی ہمارے ساتھ آن لائن آجائیں گے اور ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو براہ راست سن سکیں گے۔" اس نے وہ خوش خبری سنا کر میرا دل خوش کردیا۔

"ایسا نہ ہو کہ میرے اور تمہارے درمیان ہونے والی گفتگو تمہارے آدمیوں کو پریشان کردے۔"

"نو سر!" اس نے پورے وثوق سے کہا "انہیں علم ہے کہ آپریشن کے ہنٹ میں چیف آپریٹنگ آفیسر کا کوڈ ہارٹ ہے۔ آپ چاہیں تو اپنا کوڈ استعمال کر کے انہیں براہِ راست ہدایات دے سکتے ہیں۔"

"اوکے! میں تم سے بات ختم ہونے کے بعد اسی فری کوئنسی پر چلا جاؤں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

بات پوری کر کے میں نے اپریٹس کو پلٹا اور اس کا سبز بٹن نیچے دبا دیا۔ ہفتوں سے میرے پاس بے مقصد پڑا ہوا وہ اپریٹس یکایک ہی بھرپور افادیت کا حامل ہوگیا تھا۔

"اس پیغام نے تو نقشہ ہی الٹ کر رکھ دیا!" سلطان شاہ نے حیرت سے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ دونوں امریکی ہوں گے۔" ویرا پُر اعتماد لہجے میں بولی "ان کے میدان میں آنے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کرشن کمار نے بہت عجلت سے کام لیا۔ شاید اس نے میرے اور ڈینی کے بارے میں انہیں اہم معلومات فراہم کرنے کی پیشکش کر ڈالی ہے۔ یہ لوگ رات کے وقت میمن گوٹھ جیسے دور افتادہ اور غیر محفوظ مقامات کا بھول کر بھی رخ نہیں کرتے۔"

"یہ بات ابھی تک میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔" اول خان نے فراخ دلی سے ویرا کے پیش کیے ہوئے نکتے کی افادیت کو تسلیم کر لیا "میرا ذہن تو صرف ایک بات میں الجھا ہوا تھا کہ امریکیوں کے ملوث ہونے کے بعد آئی بی والوں کو محتاط ہونا پڑے گا اور مجبوراً اہم لوگوں کو یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لینا پڑے گا۔"

"ڈینی نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ کام تمہیں سنبھالنا چاہیے۔" سلطان شاہ نے یاد دلایا۔

"میرا نکتہ کچھ اور تھا۔" میں نے اس کی تصحیح کی "مگر اب ایس ٹی ایف کے فعال ہونے کا جواز پیدا ہو گیا ہے۔ پہلے آئی بی والوں کو ہماری براہ راست دخل اندازی شاید گراں گزرتی' اب انہیں خوشی ہوگی کہ کوئی نہ کوئی ان معاملات کو دیکھ رہا ہے۔"

"امریکی ساری رات وہاں نہیں بیٹھے رہیں گے۔" ویرا نے حسب معمول استہزائیہ انداز میں اپنی زبان کھولی "جب ماروتی جیسی مرد مار خاتون ڈینی کو ڈیڑھ دو گھنٹوں میں فارغ کر سکتی ہے تو کرشن کمار سے مذاکرات میں وہ دونوں اپنا زیادہ وقت برباد نہیں کریں گے۔ بات چیت ختم کرتے ہی وہاں سے واپس چل پڑیں گے۔"

ویرا کی وہ بات سو فی صد درست تھی۔ اول خان نے اسی لمحے اپنی جگہ چھوڑ دی "یہ امریکیوں کو ایک اور گہری زک پہنچانے کا بہترین موقع ہے۔ یہ ہاتھ سے نکل گیا تو مجھے زندگی بھر اس کا قلق رہے گا۔"

"تو تم اکیلے کہاں چلے؟ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔" میرے ان الفاظ پر سب ہی نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔

"تم اور ویرا۔ اس معاملے سے بالکل الگ تھلگ رہو گے۔" اول خان نے سخت اور تحکم آمیز لہجے میں اپنا فیصلہ سنا دیا "واقعات کا رخ بتا رہا ہے کہ اس بار ہمارے حریفوں کے گٹھ جوڑ کا محور تم دونوں ہو۔ تمہیں اس مہم جوئی سے بہت دور رہنا ہوگا ورنہ کسی بھی گڑبڑ کی صورت میں ہمارا سارا کھیل تباہ ہو جائے گا۔"

وہ عجلت میں تھا' اس کے لہجے میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ میں اس کی مخالفت میں کچھ نہ کہہ سکا۔ میری خاموشی سے ویرا کا حوصلہ بھی پست ہو گیا اور وہ کمزور لہجے میں بڑبڑانے لگی "یہ کوئی بات نہ ہوئی کہ تم نے ایک نادر شاہی حکم صادر کر دیا۔ گڑبڑ کی صورت میں جو کچھ ہمارے ساتھ ہو سکتا ہے وہی تمہارے ساتھ بھی ہوگا۔ تم کوئی انوکھی مخلوق تو نہیں ہو۔"

"باقی سب لوگ اس اعتبار سے انوکھے ہیں کہ ان پر بڑا کیا' کوئی چھوٹا انعام بھی مقرر نہیں ہے اور نہ امریکی خاص طور پر ان میں سے کسی کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔"

"مجھ پر بھی کوئی انعام مقرر نہیں کیا گیا۔" اول خان کی دلیل پر سلطان شاہ بول پڑا "اس کا مطلب ہے کہ میں اس مہم میں تمہارے ساتھ شریک ہو سکتا ہوں۔"

"تمہاری شمولیت پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" اول خان نے سلطان شاہ کی بات بلا تامل مان لی "تکنیکی اعتبار سے غزالہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو سکتی ہے لیکن وہ عورت ذات ہے' اس کا گھر پر رہنا بہتر ہے۔ ہم ایس ٹی ایف کی نفری لے کر اسٹیشن فور سے سیدھے سپرہائی وے کی طرف نکل جائیں گے تاکہ جلد از جلد میمن گوٹھ پہنچ سکیں۔"

اس کے دماغ پر عجلت سوار ہو گئی تھی۔ ہم میں سے کسی نے بات بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ سلطان شاہ نے نظروں ہی نظروں میں مجھ سے اجازت طلب کی اور میرا اشارہ پاتے ہی اندر کی طرف لپکا تھا کہ اول خان نے اسے پکار لیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟ کیا میرے ساتھ چلنے کا ارادہ نہیں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کپڑے بدل کر کوئی ہتھیار ساتھ لے لوں۔" اس نے مڑ کر جواب دیا۔

"وقت نہیں ہے۔ ان ہی کپڑوں میں چلے چلو۔" اول خان یہ کہہ کر نکاس کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

○☆○

اول خان نے اپنے ساتھ سلطان شاہ کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ اسے سونپ دی اور گاڑی کے حرکت میں آتے ہی اپنے موبائل فون پر اسٹیشن فور سے رابطہ کر کے حامد کو فوری طور پر ایک مضبوط اسکواڈ کی تیاری کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

سلطان شاہ کی نگاہیں سڑک پر مرکوز تھیں مگر کان اول خان کی گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔ وہ رک رک کر اور سوچ سوچ کر' جس طرح حامد کو ہدایات دے رہا تھا اس سے ظاہر

ہو رہا تھا کہ ذہنی طور پر وہ خود کو اس وقت میمن گوٹھ کے پیچھے پھیلے ہوئے اس فارم کے قرب و جوار کے آس پاس محسوس کر رہا تھا جہاں کرشن کمار موجود تھا۔

یونیورسٹی روڈ پر نیپا چورنگی عبور کرنے سے پہلے اول خان کی ہدایات مکمل ہو چکی تھیں۔ اول کی اس فون کال کا یہ فائدہ ہوا کہ جب وہ دونوں صفورا گوٹھ اور ریس کورس گراؤنڈ سے ہوتے ہوئے اسٹیشن فور پہنچے تو ایس ٹی ایف کا کارواں منزل مقصود کی طرف روانگی کے لیے پورے کیل کانٹے سے لیس ہو کر چیک پوسٹ پر ان کا انتظار کر رہا تھا۔

اول خان کی ہدایت کے مطابق وہ کارواں دو لینڈ روور جیپوں پر مشتمل تھا۔ ایک جیپ میں حامد کو اپنے پانچ ماتحتوں کے ساتھ سفر کرنا تھا۔ دوسری گاڑی کے لیے چار مسلح افراد تیار تھے۔ اس کی چھت پر عارضی طور پر ایک میگا فون نصب کر دیا گیا تھا جس کا اضافی مائیکرو فون تار کے ذریعے جیپ کی پسنجر سیٹ کے سامنے ڈیش بورڈ سے لٹک رہا تھا۔

پروگرام راستے میں ہی طے ہو چکا تھا۔ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی سے اترتے ہی دوسری جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اول خان اس کے برابر میں بیٹھا، چار افراد اچھل کر عقبی نشستوں پر بیٹھے اور سلطان شاہ نے لینڈ روور آگے بڑھا دی۔ اس کے پیچھے حامد کی گاڑی بھی حرکت میں آ چکی تھی۔ اس دوران میں چیک پوسٹ کے عملے کا ایک آدمی اول خان اور سلطان شاہ کی چھوڑی ہوئی گاڑی کو راستے سے ہٹا چکا تھا۔

اول خان نے اپنی حکمتِ عملی سے پہلے مرحلے پر ہی کافی وقت بچا لیا تھا۔

دونوں گاڑیوں کے انجن بڑے اور جاندار تھے۔ ویسے بھی وہ گاڑیاں کچے اور ناہموار راستوں پر تیز رفتاری سے سفر کرنے کے لیے خاص شہرت رکھتی تھیں۔ چھاؤنی سے سپرہائی وے تک کی روایتی سڑک پر بھی ان کی رفتار خاصی تیز رہی۔ سپرہائی وے کی کشادہ اور ہموار سڑک پر آتے ہی دونوں گاڑیاں ہوا سے باتیں کرنے لگیں۔

ڈرائیونگ لڑکپن ہی سے سلطان شاہ کا شوق تھا۔ اس روز اسے مدتوں بعد ایسا موقع ملا کہ اپنی مرضی کی گاڑی اس کے قبضے میں تھی، سڑک شاندار تھی اور اسے تیز رفتاری کی کھلی چھوٹ ملی ہوئی تھی۔ اس نے ہارن اور ہیڈ لائٹس کی دونوں بیمز کو بے دردی سے استعمال کرتے ہوئے آگے جانے والی گاڑیوں کو تیزی سے اوورٹیک کرنا شروع کر دیا۔

ان کوششوں کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے گھر سے روانگی کے آدھے گھنٹے میں وہ میمن گوٹھ پہنچ چکے تھے۔

مطلوبہ فارم تک رسائی کے راستوں کے بارے میں وہ کے ون کی بریفنگ اپنے کانوں سے سن چکے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ سفید فاموں کی گاڑی گوٹھ سے آگے نکلنے کے بعد داہنی طرف مڑی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ ان کی واپسی بھی اسی راہ سے ہوگی۔ انہوں نے بھی وہی راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا تاکہ کچے راستے میں مشتبہ گاڑی سامنے سے آتی ہوئی نظر آ جائے تو اسے وہیں روک لیا جائے وہ کسی بھی قیمت پر انہیں نکلنے کا کوئی موقع دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس ناکامی کا بس ایک ہی امکان تھا کہ سفید فام ان کے میمن گوٹھ پہنچنے سے پہلے کراچی واپس روانہ ہو گئے ہوں اور انہوں نے راستے میں ہی خاموشی سے انہیں کراس کر لیا ہو۔

دو رویہ سڑک کے وسط میں، کچی زمین پر بنے ہوئے ٹائروں کے نشانات نے سلطان شاہ کی رہنمائی کی اور وہ لوگ اپنے سفر کے آخری مرحلے میں داخل ہو گئے۔ سلطان شاہ نے گوٹھ والوں کو بے خبر رکھنے کے لیے فوری طور پر ہیڈ لیمپس گل کر کے صرف پارکنگ لائٹس کے سہارے سفر جاری رکھنا چاہا لیکن چند ثانیوں میں لگنے والی کئی شدید اور غیر متوقع ضربوں نے اسے احساس دلا دیا کہ وہ روشنی لینڈ روور کی رفتار کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ اسٹیئرنگ وہیل کسی بھی جھٹکے پر اس کے ہاتھوں سے نکل کر انہیں حادثے سے دوچار کر سکتا تھا۔ اس نے دوبارہ ہیڈ لیمپس روشن کر لیے۔ حامد اس کی تقلید کر رہا تھا۔

چند کلومیٹر پر محیط اس سفر میں وہ گاڑیاں ایک خشک برساتی نالے سے بھی گزریں۔ ٹائروں کے پرانے نشانات کے سہارے وہ جلد ہی باغات تک پہنچ گئے پھر انہیں گرین فارم کا بورڈ بھی نظر آ گیا جو سبز باڑھ کے درمیان کھلے ہوئے راستے پر اونچے محرابی انداز میں نصب تھا۔

وہ فارمنگ کی مقبولیت کا زمانہ تھا۔ زراعت پیشہ لوگوں کے علاوہ کراچی کے بہت سے روسا نے بھی خطیر سرمایہ کاری کر کے شہر کے دور دراز مضافاتی اور نیم دیہی مقامات پر مختلف ناموں سے فروٹ فارمز قائم کیے تھے اور ہر فارم کو کوئی نہ کوئی نام دینے کا رواج بھی چلا ہوا تھا۔ اگر انہیں وہ بورڈ نظر نہ آتا تو گرین فارم کی تلاش میں خاصا وقت برباد ہو سکتا تھا۔

"گاڑی فارم میں لیتے چلے جاؤ!" اول خان نے سرد لہجے میں اسے ہدایت کی۔

سلطان شاہ اس وقت روبوٹ بنا ہوا تھا۔ ہیڈ لیمپس کی

تیز روشنی نیم دائرے کی صورت میں چکرائی اور فارم میں داخل ہوتی چلی گئی۔ حامد اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس گل کر کے باہر ہی رک گیا تھا۔

وہ حکمت عملی پہلے سے طے شدہ تھی۔ اول خان کی طرف سے سگنل فائر ہونے تک اسے اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ رکھ کر باہر رکنا تھا۔ جوں ہی ان کی لینڈ روور فارم میں کچے لیکن ہموار راستے پر گھومی' اندر سے کسی نے اونچی اور کرخت آواز میں کچھ کہا جو انجن کی غراہٹوں میں ان کے پلے نہیں پڑسکا۔ ساتھ ہی وہ تاریک ویرانہ پہلے فائر کی بھیانک آواز سے لرز اٹھا۔

سلطان شاہ نے بریک لگا دیے' وہ رائفل کا فائر تھا۔ فاصلے میں مزید کمی کی صورت میں وہ لوگ رائفل والے کی زد میں آسکتے تھے۔ اس اثنا میں انہیں اس راستے کے اختتام پر بنے ہوئے مختصر سے کاٹیج کے سامنے وہ بڑی سی سیاہ گاڑی بھی نظر آگئی جس کا ذکر وہ کے ون کی رپورٹ میں سن چکے تھے۔

اول خان نے اپنی گود میں رکھی ہوئی گن کی نال کھڑکی سے باہر نکال کر بیک وقت تین فائر کیے۔ وہ حامد کے لیے حرکت میں آنے کا سگنل تھا۔ سلطان شاہ کے عقب میں یکایک ہیڈ لیمپس کا اجالا پھیل گیا۔ حامد کی گاڑی فارم میں آنے کے بجائے تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ پروگرام کے مطابق اسے گرین فارم کا طواف کر کے اس سے نکاس کے کسی دوسرے راستے کو بلاک کرنا تھا۔ کوئی اور راستہ نہ ملنے کی صورت میں اسے آخری پہلو پر کسی بھی جگہ پوزیشن لینی تھی۔

"اپنی فارمیشن بنالو!" اول خان نے مڑے بغیر اپنے آدمیوں کو ہدایت دی اور وہ چاروں لینڈ روور کے عقبی دروازے سے یکے بعد دیگرے باہر نکل گئے۔ اپنی گاڑی کی پچھلی سرخ روشنی میں سلطان شاہ کو عقب نما آئینے میں صرف اتنا نظر آیا کہ ان چاروں نے اپنی اپنی پشت پر قدرے وزنی تھیلے کسے ہوئے تھے۔

اول خان کے داہنے ہاتھ میں گن تھی۔ اس نے بائیں ہاتھ سے مائیکرو فون اٹھا کر اس کا بٹن دبایا اور اگلے ہی لمحے اس کی آواز میگا فون پر گونجنے لگی "تم سب محاصرے میں ہو۔ ہتھیار پھینک کر ہاتھ اٹھاؤ اور کالی گاڑی سے آگے قطار بنالو۔ اس حکم پر عمل نہیں ہوا تو چند منٹ بعد یہ علاقہ جہنم بنا دیا جائے گا۔"

اول خان نے وہ اعلان انگریزی میں کیا تھا۔ جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کرشن کمار کے پاس آئے ہوئے سفید فام اپنے کانوں سے اور اپنی مادری زبان میں وہ پیغام سن لیں تاکہ کرشن کمار کو انہیں کوئی فریب دینے کا موقع نہ مل سکے۔

اس بار دوسری طرف سے دو رائفلیں چلیں۔ وہ مقابلے کا پیغام تھا۔

حامد کی گاڑی کی روشنیاں درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان منعکس ہوتے ہوئے تیزی کے ساتھ سفر کر رہی تھیں۔

اول خان نے مائیکرو فون چھوڑ کر اپنا اپریٹس اٹھالیا اور سکون سے کہا "گنرز فائر کرو۔"

حامد والی گاڑی سے چند ثانیوں بعد ہی تڑاتڑ کی آوازوں کے ساتھ چھ مشین گنیں آگ اگلنے لگیں۔ انہوں نے چلتی گاڑی سے اپنی گنوں کے ہلکے برسٹ چلائے تھے۔ ان کا کوئی نشانہ نہیں تھا۔ مقصد دشمن کو مرعوب اور خوف زدہ کرنا تھا۔

"سر! ابھی تک گھنے درختوں کے درمیان کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔ اس وقت ہم آپ کی مخالف سمت سے گزر رہے ہیں۔" فضا میں غیر فطری سکوت چھا جانے کے بعد حامد نے رپورٹ دی۔

"اگلے دو منٹ تک اسی طرح وقفوں سے برسٹ فائر کرتے رہو۔ میرے آدمی کسی بھی لمحے گراؤنڈ فارمیشن لے کر اب ٹارگٹ شوٹنگ کریں گے۔ شاید ان کے فائر کیے ہوئے راؤنڈز کاٹیج پہنچ سکیں۔"

"آل رائٹ سر! ابھی تک ہمیں دوسرا راستہ نہیں ملا ہے۔"

"ڈیڑ مارو!" اول خان نے سلطان شاہ کو ہدایت کی۔ لینڈ روور کی اگلی روشنیاں بہت تیز ہو کر نارمل ہو گئیں۔

ان کی گاڑی کی دونوں سمتوں سے ہلکی مشین گنیں چلنے لگیں۔ وہ چار الگ آوازیں تھیں۔ سلطان شاہ کو یہ سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی کہ اس کے چاروں ہم سفر لینڈ روور سے اتر کر باغ میں گھس چکے تھے۔

وسیع و عریض فروٹ فارم کی معلق ہوئی فضا میں جلے ہوئے بارود کی بو رچنے لگی تھی۔ حریفوں کی طرف سے صرف تین فائر ہوئے تھے مگر ایس ٹی ایف والوں نے ان پر گولیوں کی برسات کر دی تھی۔

کاٹیج کی چند کھڑکیاں جو اس وقت تک روشن تھیں' اچانک تاریک ہو گئیں مگر لینڈ روور کی روشنی میں سب کچھ اندھیرے میں نہ ڈوب سکا۔ حامد کے آدمیوں کے ہتھیار ایک مرتبہ پھر گنگنا اٹھے تھے۔

وہ سب بہت تیزی سے ہوتا چلا جا رہا تھا مگر سلطان شاہ کو

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت کی رفتار یکایک سست ہوگئی ہو۔ اوپر تاروں بھرا آسمان تھا۔ نیچے گرین فارم کا مسحور کردینے والا ماحول مگر کرشن کمار کی وجہ سے اس وقت سب کچھ نہایت بھیانک ہوچلا تھا۔ آثار بتارہے تھے کہ اندر والوں نے ہتھیار نہ ڈالے تو زمین انسانی خون سے ضرور رنگی جائے گی۔

اندر سے یکے بعد دیگرے تین رائفلیں چلیں اور شعلے مختلف سمتوں میں اڑ کر معدوم ہوتے چلے گئے۔ ایس ٹی ایف کی طرف سے طاقت کے بے رحمانہ اظہار نے انہیں حواس باختہ کردیا تھا۔ وہ اپنے محدود میگزین کا خیال کیے بغیر بے مقصد فائرنگ پر اتر آئے تھے۔ وہ کچھ دیر تک اسی طرح اپنے کارتوس ضائع کرتے رہتے تو ان کی رائفلیں محض آہنی لاٹھیوں میں تبدیل ہوکر رہ جاتیں۔

"وہ لوگ بھی کاٹیج سے نکل کر باغ میں گھس گئے تو گھور اندھیرے میں انہیں تلاش کرنا مشکل ہوجائے گا۔" سلطان شاہ تشویش سے بولا۔

"شاید وہ سب مسلح نہیں ہیں۔ ابھی تک صرف تین رائفلیں چلی ہیں اور کرشن کمار کے گارڈ بھی تین ہی ہیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ یہاں کوئی ایسا بھاری حملہ ہوسکتا ہے۔ اپنے پچیس پچاس کارتوس ضائع کرنے کے بعد وہ نہتے رہ جائیں گے۔ ان حالات میں وہ باغ میں گھسنے اور پھیلنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے، یک جا رہ کر مزاحمت کریں گے۔" اول خان نے وضاحت کی۔ "میری کوشش یہ ہے کہ وہ مشتعل ہوکر دھیرے دھیرے اپنا میگزین پھونک ڈالیں۔"

سلطان شاہ کھیل کو سمجھنے لگا تھا۔ اس کا ہاتھ غیرارادی طور پر ڈیرے سے اٹھ گیا۔ یکساں روشنی میں تبدیلیاں ہوئیں اور باغ کی فارمیشن والوں نے فائرنگ شروع کردی۔ اسی لمحے حامد کے آدمیوں نے برسٹ فائر کرنے شروع کردیے۔

سلطان شاہ نے لینڈ روور کو زاویے سے قدرے آگے بڑھایا اور ترچھا کرکے اس طرح روک دیا کہ پورا کاٹیج ہیڈ لیمپس کی زد میں آگیا۔ وہ اندازہ لگا رہا تھا کہ باغ میں گھسنے والے چاروں آدمی پیش قدمی کرتے ہوئے گاڑی سے کافی آگے نکل چکے تھے۔

ایس ٹی ایف کی دھواں دھار فائرنگ میں دشمنوں نے پھر اپنے تین کارتوس ضائع کیے۔ سلطان شاہ ان کے کیے ہوئے ہر فائر کو گن رہا تھا۔ وہ لوگ اس وقت تک نو فائر کرچکے تھے۔

"ہم رک چکے ہیں سر۔" آپریٹس پر حامد کی آواز آئی "دو منٹ پورے ہوچکے ہیں۔ اب کیا حکم ہے۔"

"اپنے آدمیوں کو پھیلا کر اندر گھسو۔ جب تک کوئی شکار نشانے پر نہ آجائے، فائر نہ کرو۔ ہماری خاموشی سے وحشت زدہ ہوکر وہ اپنا میگزین برباد کرنے پر مجبور ہوجائیں گے... سب کو بریف کردو کہ گوروں پر ڈائریکٹ فائر نہیں ہوگا۔"

"ان میں کوئی سامنے آجائے یا مقابلے پر تل جائے تو کیا کرنا ہوگا؟"

"مجبوری میں ہر دفاعی قدم اٹھانے کی آزادی ہے۔ میں یہاں زیادہ خوں ریزی نہیں چاہتا۔ مجرموں کے ساتھ کئی بے گناہ مزدور اور مالی بھی یہاں رہ رہے ہوں گے۔ ان میں سے کسی کو گزند نہیں پہنچنا چاہیے۔"

اول خان نے جوں ہی اپنی بات ختم کی، سلطان شاہ اس سے مخاطب ہوگیا "تم بالکل صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔ باغ بہت بڑا ہے۔ یہاں کافی مزدور رہتے ہوں گے اور ان میں سے کوئی تمہارا اعلان نہیں سمجھ سکا ہوگا۔ یہاں کرشن کمار اور دونوں امریکیوں کے سوا شاید ہی کوئی انگریزی سے واقف ہو۔ تمہیں اپنا اعلان اردو میں بھی دہرانا چاہیے۔"

وہ نکتہ اول خان کی کھوپڑی میں سما گیا۔ بھیانک موت کے تصور سے سہمے ہوئے مزدوروں کو امان کا یقین دلا کر تین مسلح محافظوں کے خلاف بغاوت پر اکسایا جاسکتا تھا۔ سلطان شاہ کی تجویز اگر سود مند نہ ہوتی تب بھی بے ضرر ضرور تھی۔

اول خان نے مائیکرو فون اٹھا لیا اور میگا فون پر بولنا شروع کردیا "ہمیں معلوم ہے کہ اندر بہت سے معصوم اور بے گناہ مزدور اور مالی پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہم اپنی پوری طاقت استعمال کرنے سے گریز کررہے ہیں۔ اگر تینوں گارڈ اپنی رائفلیں پھینک دیں اور سب لوگ ہاتھ اوپر اٹھا کر باہر نکل آئیں تو ہم فائرنگ روک دیں گے۔ ہمارا اصل معاملہ کرشن کمار سے ہے جس کی حفاظت کے لیے یہاں تین گارڈ بٹھائے گئے ہیں۔ یہ اعلان پہلے انگریزی میں کیا گیا تھا۔ اب اردو میں بتایا جارہا ہے۔ یہ مہلت اگلے پانچ منٹ میں ختم ہوجائے گی اور ہمارے دشمن کے ساتھ بے گناہ بھی مفت میں مارے جائیں گے۔"

گاڑی کے ہیڈ لیمپس جلتے ہوئے چھوڑ کر انجن بند کردیا گیا۔ سلطان شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے سے خود کار رائفل اور اس کے چھ بھرے ہوئے میگزین کا پیکٹ لیا اور اول خان کے ساتھ گاڑی سے اتر گیا۔

ایس ٹی ایف والوں کی طرف سے فائرنگ کا سلسلہ

موقوف ہوچکا تھا‘ گاڑی کا انجن بھی خاموش ہوگیا تھا۔ اس سناٹے میں کاٹیج کی طرف سے شوروغل کی کچھ آوازیں سنائی دیں‘ ایک رائفل چلی‘ اسی کے ساتھ فضا ایک کربناک انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔ اس کے فوراً بعد مگر آگے پیچھے دو اور فائر ہوئے۔ مزید کوئی چیخ نہیں ابھری مگر شور تیز ہوگیا۔

سلطان شاہ اور اول خان گاڑی سے اتر کر درختوں اور پودوں کی آڑ لیتے ہوئے اور ہیڈ۔لیمپس کی روشنی کی زد سے بچتے ہوئے بہت تیزی سے کاٹیج کی طرف بڑھ رہے تھے۔

چند ثانیوں بعد اسی شوروغل کے درمیان ماؤزر کے دو راؤنڈ فائر ہوئے۔ کرشن کمار ہمارے گھر میں دیر اسے کراٹے کا ہاتھ کھانے کے بعد ماؤزہی چھوڑ کر بھاگا تھا۔ شاید وہ اس کا پسندیدہ ہتھیار تھا۔ ان دونوں کا شبہ بس لمحے بھر کے لیے برقرار رہا پھر اس کی تصدیق ہوگئی۔ کوئی شخص شور مچانے والوں پر حلق کے بل اونچی آواز میں برس رہا تھا۔ اس کی آواز بھنچی بھنچی سی تھی۔

کرشن کمار کی وہ آواز انہوں نے اسپیکر فون پر سنی ہوئی تھی۔ اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ اس کی آواز اچانک چیخ میں تبدیل ہوگئی۔ سلطان شاہ نے اندازہ لگایا کہ کوئی مشتعل مزدور اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔

بہت سے لوگ ایک ہجوم کی صورت میں کاٹیج کے ایک پہلو سے نمودار ہوئے۔ اس وقت تک وہ دونوں بہت قریب پہنچ چکے تھے اور درختوں کے تنوں کی اوٹ میں بالکل تیار کھڑے ہوئے تھے۔

سامنے آنے پر پتا چلا کہ مقامی مزدوروں نے ٹولیوں کی صورت میں کچھ لوگوں کو اٹھایا ہوا تھا۔ وہ سامنے آکر اپنے اپنے لائے ہوئے آدمی کو زمین پر ڈال کر ہاتھ اوپر اٹھاتے رہے۔

صورتِ حال واضح ہوچکی تھی۔ اول خان نے اشارہ کیا اور وہ دونوں درختوں کے تنوں کے پیچھے سے نکل کر بہت تیزی سے لینڈ روور سے پڑنے والی روشنی کی سیدھ میں آگئے تاکہ ایس ٹی ایف والوں کو انہیں شناخت کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ انہیں احساس تھا کہ اس مرحلے پر ان سے ذرا بھی چوک ہوئی تو وہ اپنوں کی گولیوں کا نشانہ بن جائیں گے۔ غنیمت ہوا کہ ان کی پھرتی ان کے کام آئی اور ان ڈرامائی لمحات میں کوئی المناک سانحہ رونما نہ ہوا۔

ان کو دیکھتے اور پھر پہچانتے ہی اسپیشل ٹاسک فورس کے کمانڈوز بہت سرعت کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے نمودار ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہلکے اور درمیانی درجے کے دس خود کار آتشیں ہتھیاروں کی نالیں خوف زدہ مزدوروں پر تن گئیں۔ اماں پانے کے بجائے خود کو ہتھیاروں کی زد پا کر ان سب کے چہروں کے رنگ اڑ گئے تھے۔

”کسی کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔“ اول خان نے معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے‘ آگے بڑھ کر انہیں یقین دہانی کرائی۔ ”ہم اپنا اطمینان کرلیں پھر سب بے گناہوں کو آزادی مل جائے گی۔“

گرین فارم میں رہنے والے مزدور پانچ افراد کو ڈنڈا ڈولی کرکے لائے تھے۔ ان میں سے دو شدید زخمی اور بے ہوش تھے۔ تین کے چہروں وغیرہ پر معمولی خراشیں تھیں مگر وہ ہوش میں تھے اور سب الگ الگ پہچانے جارہے تھے۔

قدرے چست وردی میں ملبوس شہری سیاہ کار کا شوفر تھا۔ دو گارڈز بے ہوش تھے‘ تیسرا ہوش میں تھا۔ پانچواں کرشن کمار تھا جس کے ہونٹوں کے بائیں گوشے پھٹے ہوئے تھے جن سے خون رس رہا تھا۔ اول خان نے بڑھ کر اپنی گن کی نال کرشن کمار کی کھوپڑی پر رکھ دی اور پلٹ کر اپنے آدمیوں سے بولا ”گنز ڈاؤن۔“

ہتھیاروں کی تنی ہوئی نالیں بہ یک وقت اس زمین کی طرف جھک گئیں جس کی سلامتی اور تحفظ کے لیے وہ سب اپنی راتوں کی نیندیں حرام کرکے صحراؤں اور ویرانوں کی سختیاں جھیلتے پھرتے تھے۔

کرشن کمار کی گوری رنگت دہشت سے زرد پڑی ہوئی تھی‘ موت کے خوف سے آنکھوں کے ڈھیلے کشادہ ہوگئے تھے۔ مزدوروں کی ڈنڈا ڈولی سے چھٹکارا پانے کے بعد اسے اتنی مہلت نہیں مل سکی تھی کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوپاتا۔ اول خان کی معاملہ فہمی اور پھرتی کی وجہ سے وہ جہاں تھا‘ وہیں پڑا رہ گیا تھا۔

”مم۔۔۔ مجھے گولی نہ مارنا۔“ اپنی کھوپڑی پر آہنی نال کا ٹھنڈا لمس اور دباؤ محسوس کرتے ہی کرشن کمار کسی نیولے کی طرح بلبلا اٹھا۔ ”تم مجھ سے جو پوچھو گے‘ اس کا جواب مل جائے گا۔“

اول خان نے اس کی بات سنی ان سنی کردی اور کھڑے ہوئے افراد کی بھیڑ پر نظر دوڑائیں۔ وہ سب معصوم اور بے خطا چہرہ تھے۔ ان میں دونوں گوروں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

”تم سب آزاد ہو مگر ہمارے جانے تک مہربانی کرکے یہیں رکو گے۔“ اول خان نے بہت حلاوت سے کہا ”ابھی ہمیں دو گوروں کی تلاش ہے جو اس گاڑی میں یہاں آئے

تھے۔"

"مجھے معاف کردو!" ہلکی نیلی وردی والا گڑگڑایا "میں گوروں کی گاڑی کا شوفر ہوں۔ غریب اور بال بچوں والا آدمی ہوں۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ جہاں کہتے ہیں' جانا پڑتا ہے۔"

مزدوروں میں سے ایک محنتی سا آدمی ہمت کرکے آگے بڑھ آیا اور ڈرائیور سے مخاطب ہو کر بولا "غریب آدمی ہے تو بابا ہم غریبوں سے کیوں لڑتا تھا؟ کیوں بولتا تھا کہ ہار مت مانو' لڑائی کرکے مرو۔ ہار مانی تو دشمن پھر بھی مار ڈالے گا۔"

"توبہ' توبہ ... میری توبہ!" ڈرائیور خوف زدہ اور ہذیانی انداز میں اپنی زبان سے کچی زمین چاٹ چاٹ کر کہنے لگا "مجھے پتا نہیں تھا کہ یہ اتنے شریف لوگ ہیں کہ اپنی بات پر قائم رہیں گے۔ مجھے مروا دیا... ان حرامی گوروں نے مروا دیا۔" بولتے بولتے اس نے قدر کریہہ آواز میں رونا شروع کر دیا کہ سلطان شاہ اس پر برس پڑا۔

وہ سہم کر فوراً ہی خاموش ہو گیا مگر اس کی پھٹی پھٹی اور رحم طلب نگاہیں سلطان شاہ کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

"دو آدمی اندر جا کر گوروں کو تلاش کریں۔" اول خان نے سب کو سنانے کے لیے اونچی آواز میں کہا "ان کے ہاتھ آئے بغیر ہمارا کام ادھورا رہے گا۔"

"اندر اندھیرا کیوں ہے؟ یہاں کے سوئچ کہاں ہیں؟" سلطان شاہ نے کسی خاص شخص سے مخاطب ہوئے بغیر پوچھا۔

"ادھر بجلی نہیں ہے۔" اسی محنتی مزدور نے جواب دیا "مٹی چاٹنے والے نے پیچھے کا جنریٹر بند کر دیا تھا۔ ٹھہرو! میں اسے چلا کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ایک اور آدمی کو ساتھ لیا اور کسی سے اجازت لینے کی ضرورت محسوس کیے بغیر پورے اعتماد اور بردباری سے پیچھے چلا گیا۔

اس اثنا میں حامد اپنے ایک ماتحت کے ساتھ کاٹیج کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"وہ... وہ دونوں بڑے کمرے میں پلنگ کے نیچے گھسے ہوئے ہیں۔" شوفر نے ہکلاتے ہوئے' پھنسی پھنسی آواز میں انکشاف کیا "میں نے ان ہی کے کہنے پر جنریٹر بند کیا تھا۔"

سلطان شاہ اس پر تاؤ کھا کر رہ گیا۔ اسے وہ شخص بہت گھناؤنے کردار کا مالک نظر آ رہا تھا۔

گوروں کے سوا سب آدمی سامنے آ چکے تھے مگر کوئی ہتھیار برآمد نہیں ہوا تھا۔ جنریٹر چلانے والے کے پیچھے ایس ٹی ایف کا ایک آدمی کاٹیج کے پچھلے حصے کی طرف گیا تھا۔ تھوڑے انتظار کے بعد کمزور آواز والا ایک انجن چلنے کا شور سنائی دیا اور کاٹیج کی کئی کھڑکیاں روشن ہو گئیں۔ جنریٹر چلانے کے بعد وہ تینوں ایک ساتھ واپس آئے تو ان کے ساتھ وہ ہتھیار بھی تھے جن کی سب کو تلاش تھی۔

زمین پر پڑے ہوئے قیدیوں کی طرح ان کی تعداد بھی پانچ تھی۔ تین یکساں ساخت کی رائفلیں یقینی طور پر گارڈز کی تھیں۔ ماؤزر کرشن کمار کے سوا کسی اور کا نہیں تھا۔ پستول کا جائزہ لینے کے بعد سلطان شاہ نے شوفر کو گھورتے ہوئے پوچھا "اس کا میگزین پورا ہے۔ یہ پستول کس کا ہے؟" اپنا سوال پوچھ کر وہ پستول کی نال سونگھنے لگا جس میں بارود کی بو نہیں تھی۔

"یہ میرا ہے۔" شوفر کے پاس اعتراف کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا "یہ گوروں نے دیا ہوا ہے۔ میرے پاس ان کا اتھارٹی لیٹر بھی ہے۔ تم چاہو تو میں گاڑی میں سے نکال کر دکھا سکتا ہوں۔"

"گورے تم پر بہت مہربان معلوم ہوتے ہیں۔" سلطان شاہ نے زہریلے لہجے میں کہا اور ذرا ان کے نام بھی بتا ڈالو۔ تم ان کے پرانے اور پکے نمک خوار معلوم ہوتے ہو۔"

وہ سلطان شاہ کے طنز کو نہ سمجھ سکا اور اپنی رو میں بولا۔ "ہاں جی' میں سات سال سے امریکیوں کی ڈیوٹی کر رہا ہوں۔ ڈیوڈ صاحب تو کہتا ہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ رہ رہ کر آدھا امریکی ہو گیا ہوں۔ دوسرے کا نام جمی ہے۔"

اسی وقت کاٹیج سے مزاحمت اور چیخ و پکار کی آواز آنے لگیں۔ غالباً حامد نے اندر جاتے جاتے شوفر کے الفاظ سن لیے تھے اور اندر روشنی ہو جانے کے سبب فوراً ہی پلنگ کے نیچے چھپے ہوئے امریکیوں تک پہنچ گیا تھا۔

سب کی نگاہیں کاٹیج کے دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ اندرونی حصے سے وہ شور داد و فریاد اور گالیوں کا طوفان دھیرے دھیرے قریب آتا چلا گیا حتیٰ کہ پہلے ایک امریکی کسی سے دھکا کھا کر باہر آیا۔ پھر دوسرے کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا۔ دھکے کے زور میں وہ جہاں تک آئے' آ گئے اور اڑیل ٹٹوؤں کی طرح وہیں جم کر کھڑے ہو گئے۔ وہ گردن گھما کر اپنے پیچھے آنے والے حامد اور اس کے ساتھی کو اونچی آوازوں میں مادر زاد گالیاں اور دھمکیاں دے رہے تھے۔

حامد نے گنجے سر والے کا بازو پکڑ کر اسے مزید آگے دھکا دیا۔ دوسرے کو بھی اسی طرح دھکیلنا پڑا۔ کشاں کشاں ان دونوں کو اول خان کے روبہ رو پہنچا دیا گیا۔ اس وقت انہوں نے پہلی مرتبہ باہر کے منظر کا جائزہ لیا اور مسلح افراد کا گھیراؤ دیکھ کر ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑانے لگیں۔ وہ بار بار ادھر

اُدھر دیکھ رہے تھے۔

گنجے امریکی نے جب زمین پر پڑے ہوئے شوفر کو دیکھا تو اس کی زبان سے بے ساختہ چل پڑی "سر۔۔۔! کوئی مسئلہ نہیں۔ یہ شریف اور خاندانی لوگ ہیں۔ اپنا وعدہ پورا کرتے ہیں۔۔۔ یہ سارے مزدور ناکارہ اور بلاڈی ایڈیٹ ہیں۔ میں نے بہت کوشش کی کہ یہ مقابلہ ہونے دیں لیکن انہوں نے کسی کی ایک نہیں سنی۔ باری باری ہم پر ٹوٹ پڑے۔" شوفر نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اپنا مافی الضمیر ان دونوں پر واضح کر دیا۔

وہ انتہائی خبیث شخص تھا۔ ایک ہی سانس میں متضاد باتیں کر رہا تھا۔ ایک طرف اول خان اور اس کے آدمیوں کی تعریف تھی تو دوسری طرف وہ اپنی مزاحمانہ کارکردگی بیان کر کے ان سے گویا داد کا خواہاں تھا۔

"ہمیں غیر ملکی سمجھ کر تم ظلم نہیں کر سکتے۔" بھورے بالوں والا دراز قامت امریکی گرجنے لگا "ہم ذمے دار سرکاری اہلکار ہیں۔ ہمیں سفارتی مراعات حاصل ہیں۔ ہم تم سب کی ایسی کی تیسی کرا دیں گے۔۔۔"

"ہوش میں رہو!" اول خان نے اسے لتاڑا "تم پر ہاتھ نہیں اٹھایا گیا تو آپے سے باہر ہونے کی کوشش مت کرو۔۔۔۔"

"یہ بتاؤ کہ تم میں سے ڈینی کون ہے!" گنجے نے اول خان کی بات کاٹ کر بے چینی سے سوال کیا۔

"حیرت ہے کہ تم اپنی روحوں پر سوار آسیب کو نہیں پہچانتے۔ ہمیں تم سے کوئی غرض نہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہارا ڈرائیور کیا آدمی ہے۔" اول خان نے کوئی بات ذہن میں آتے ہی یکایک پینترا بدل لیا۔

"ہم سے غرض نہیں تو ہمارے ساتھ یہ بدسلوکی کیوں ہو رہی ہے؟" گنجے نے حیرت اور ناگواری سے کہا۔

"صرف اس لیے کہ تم کرشن کمار کی پناہ گاہ سے برآمد ہوئے ہو اور یہ خبیث آدمی تمہارا ڈرائیور ہے۔"

وہ دونوں چکرا کر رہ گئے۔ فوری طور پر ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور پھر دراز قامت امریکی نے کہا "ہم یہاں اجنبی ہیں۔ شوفر ہی تفریح کے لیے ہمیں یہاں لایا تھا۔ یہ ہمارا خاص آدمی ہے اور ہم اس پر پورا اعتماد کرتے ہیں۔ اگر تم کو اس سے کوئی پرخاش ہے تو تم بے شک اسے روک لو۔ ہم مقامیوں کے کسی جھگڑے میں فریق بننا پسند نہیں کرتے۔ ہمیں واپس جانے دو۔"

شوفر وہ ساری گفتگو بہت غور اور سراسیمگی سے سن رہا تھا۔ الفاظ اور فقرے شاید اس کے پلّے نہ پڑ رہے ہوں مگر وہ گفتگو کا پورا پورا مفہوم ضرور سمجھ رہا تھا کیونکہ باتوں کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات بھی تیزی سے بدل رہے تھے۔ اپنے بارے میں دراز قامت کا خود غرضانہ فیصلہ سنتے ہی وہ احتجاجی آواز میں چیخ پڑا "مسٹر ڈیوڈ! تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ میں ان لوگوں کے سامنے تمہاری ساری پول کھول دوں گا۔"

"شٹ اَپ، یُو بلیک ڈرٹی سوائن!" ڈیوڈ دانت پیس کر اس پر حقارت سے غرایا "یہاں تمہارے جھوٹ پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔"

"جھوٹ؟" شوفر کی آواز روہانسی ہو گئی "آج تم مجھے جھوٹا کہہ رہے ہو۔ یہاں آنے تک میں تمہارا سب سے چہیتا پاکستانی تھا جسے تم امریکا بلا کر انعام میں ایک بیوک کار دینا چاہتے تھے۔ میں نے تمہارے اشارے پر دو خون کیے۔ اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے تمہارا جائز اور ناجائز حکم مانا اور اب تم بیچ منجدھار میں مجھے اپنی کشتی سے دھکا دے رہے ہو۔"

"تم بولتے رہو، یہاں تمہاری بات کوئی نہیں سنے گا۔" گنجے جمی نے بے پروائی سے کہا۔

اول خان وہاں مزید رکنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ شدید فائرنگ کی آوازوں کے نتیجے میں گوٹھ کی آبادی میں اضطراب پھیلنا فطری تھا۔ باغوں میں ان کے دوست اور رشتے دار کام کرتے تھے۔ ان کے تحفظ کے لیے وہ جتھوں کی صورت میں باغات کا رخ کر سکتے تھے۔ ایسا وقت آنے سے پہلے وہ اس

****

خود کار

اسٹاک ایکس چینج میں نیا خود کار نظام نصب کیا گیا تھا جس پر فون کر کے کسی بھی کمپنی کے شیئرز کی تازہ ترین قیمت معلوم کی جا سکتی تھی۔ ایک صاحب نے اس سسٹم کا نمبر ڈائل کیا تو فوراً ہی ایک ریکارڈ شدہ آواز سنائی دی "آپ کس کمپنی کے شیئرز کی قیمت معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

جواب دینے سے پہلے ان صاحب کو چھینک آ گئی۔ فوراً ہی ریکارڈ شدہ آواز ابھری "ڈسپرین بنانے والی کمپنی کے شیئرز کی قیمت چھ پیسے بڑھ گئی ہے۔"

****

علاقے سے بہت دور نکل جانا چاہتے تھے۔ اصل مشن مکمل ہوتے ہی اسے دوسری فکروں نے آن گھیرا تھا۔
شوفر کے بارے میں اس کی محنت بار آور ثابت ہوئی تھی۔ اس بدنصیب نے اپنی زبان سے دو افراد کے قتل کا اعتراف کرلیا تھا' ڈیوڈ اور جمی کے لیے اول خان کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں تھا۔ اس کی نظروں میں وہ تینوں یکساں سلوک کے حق دار تھے۔ گوروں کے انجام کے بارے میں اس نے اسی وقت فیصلہ کرلیا جب اس نے حامد کو انہیں زخمی نہ کرنے کی ہدایت کی تھی۔
اس نے سلطان شاہ اور حامد کو قریب بلا کر اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ اول خان کی تجویز میں کوئی خامی نہیں تھی۔ اس پر عمل درآمد کا فیصلہ ہوتے ہی مزدوروں کو فوری طور پر باغ چھوڑ کر اگلی صبح تک لیے اپنے اپنے گھروں کو جانے اجازت دے دی گئی۔ انہیں امان مل گئی تھی لیکن وہاں جو خوفناک فائرنگ ہوئی تھی' اس کی دہشت مزدوروں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اجازت ملتے ہی سب تیزی سے اپنے اپنے راستے پر ہولیے۔
اس کھیل کے دوران میں اول خان کا عملہ اپنے دوسرے کاموں سے غافل نہیں رہا تھا۔ دور کھڑی ہوئی گاڑیاں کا نیج تک لائی جاچکی تھیں۔ میدان صاف ہوتے ہی حامد نے کسرتی جسم والے ایک شخص کے ساتھ مل کر اپنا کام شروع کردیا۔
گرین فارم میں بلاشبہ گولیوں کے بے شمار راؤنڈ فائر کیے گئے تھے لیکن کمال کی بات یہ تھی کہ اس میں صرف ایک مزدور کا بازو زخمی ہوا تھا۔ آپس کے تصادم میں گارڈ کے فائر سے زخمی ہونے والے کی دلدوز چیخ محض اس کے خوف کا نتیجہ تھی ورنہ جلد کو چیرتا ہوا زخم کاری نہیں تھا۔
جو کام ایس ٹی ایف کے اہلکاروں کی دھواں دھار فائرنگ سے نہیں ہوسکا تھا' اسے حامد اور اس کے ساتھی اپنے دست وبازو کی قوت سے انجام دے رہا تھا۔ پہلے مرحلے میں ان دونوں نے تیسرے گارڈ اور دونوں امریکیوں کو چشم زدن میں کراٹے کے ہاتھ دکھا کر بے ہوش کردیا۔ گارڈز ہمارے لیے بے مصرف تھے۔ انہیں وہیں چھوڑ دیا گیا۔ شوفر سمجھا کہ اگلی باری اس کی ہوگی۔ وہ کسی ذبح ہونے والے بکرے کی طرح شور مچانے لگا۔
سلطان شاہ نے اس کی کمر پر لات رسید کی اور کہا "ڈکرانے کی ضرورت نہیں۔ ابھی تم کو اپنے آقاؤں کو واپس لے جانا ہے۔"
وہ نوید سن کر شوفر کی جان میں جان آئی۔ حامد ڈیوڈ کو سیاہ کار کی پسنجر سیٹ پر اور اس کا ساتھی بے ہوش جمی کو عقبی نشست پر ڈال رہا تھا۔ اس کار کو درمیان میں لے کر ہمارا کارواں تیزی سے گرین فارم سے نکلتا چلا گیا۔ گاڑیاں وہاں سے جانے والے مزدوروں کے قریب سے گزریں تو انہوں نے پُرجوش انداز میں ہاتھ لہرا لہرا کر' اونچی آوازوں کے ساتھ انہیں الوداع کیا۔ ذرا سی دیر میں باغات پیچھے رہ گئے۔ کچے کا سفر شروع ہوگیا۔
اول خان نے اپنے فیصلے کے نفاذ کے لیے خشک برساتی نالے کے قریب ایک ڈھلان کا انتخاب کیا ہوا تھا۔ اس کے آثار نظر آتے ہی اول خان نے سلطان شاہ کو اشارہ کیا اور اس نے لینڈ روور کی رفتار کم کردی۔
ڈھلان سے مناسب فاصلے پر سلطان شاہ نے جیپ روک دی۔ اس راستے کے بائیں جانب ایک گہرا خطرناک کھڈ تھا۔ اگلی گاڑی سے اول خان نیچے اترا' آخری گاڑی سے حامد اپنے ساتھی کے ہمراہ برآمد ہوا اور وہ تینوں لپک کر سیاہ کار کے قریب پہنچ گئے۔ شوفر راستے کی گرد سے بچنے کے لیے اپنی کھڑکی کا شیشہ چڑھائے بیٹھا تھا۔ گاڑیاں رک چکی تھیں مگر ٹائروں کا اڑایا ہوا گردوغبار کا بادل فضا میں منڈلا رہا تھا۔ حامد نے شوفر کے قریب پہنچتے ہی اس کا دراوزہ ایک جھٹکے سے کھول دیا۔
"پائیدان سے پیکٹ اٹھادو۔" حامد نے پوری سنجیدگی کے ساتھ ڈرائیور سے کہا۔
وہ اپنے قدموں میں پیکٹ ٹٹولنے کے لیے بے ساختہ اسٹیئرنگ پر جھکتا چلا گیا۔ حامد نے اس کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ ہیڈ ریسٹ اور کھوپڑی کے درمیان مناسب فاصلہ پیدا ہوتے ہی اس نے ڈرائیور کی گدی پر کھڑی ہتھیلی کا ایک نپا تلا وار کیا۔ چٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ قاتل شوفر کی گردن کا کوئی منکا ٹوٹا' اس نے پورے وجود کی جھرجھری کے ساتھ ایک ہلکی سی ہچکی لی اور اس کا سر بے جان ہوکر اسٹیئرنگ وہیل سے جا ٹکا' دونوں ہاتھ پائیدان پر جھولتے رہ گئے۔ حامد نے دوبارہ دروازہ بند کردیا۔
ڈرائیور پوری طرح ہوش میں تھا اس لیے سب سے پہلے اسے ٹھکانے لگایا گیا۔ دونوں امریکی بے ہوش تھے۔ ان کے سر آگے جھکا کر خاموشی اور سرد مہری کے ساتھ ان کی گردنیں بھی اسی طرح توڑ دی گئیں۔ اس اہتمام کے نتیجے میں میڈیکل رپورٹ ایک ہی کہانی سناسکتی تھی کہ اچانک بریک لگانے یا سامنے سے آنے والی کسی گاڑی سے تصادم

کے نتیجے میں ان تینوں کی گردنیں ٹوٹیں اور وہ اسی لمحے واصل جہنم ہوگئے۔

اول خان نے سیاہ کار کا ہینڈ بریک چھوڑا اور اگنیشن میں لگی ہوئی چابی گھما کر انجن اسٹارٹ کردیا۔ وہ گاڑی ڈھلان سے ذرا پہلے کھائی کے قریب رکی تھی پھر بھی حامد نے احتیاطاً اس کے اگلے ٹائروں کے آگے پتھر لگادیے تاکہ گاڑی آگے نہ لڑھک سکے پھر وہ الگ ہوگیا۔

اول خان کے اشاروں پر عمل کرتے ہوئے سلطان شاہ تیسری کوشش میں لینڈ روور کو مطلوبہ پوزیشن میں لانے میں کامیاب ہوگیا۔ اول خان نے آخری بار اسے ریورس میں بلا کر آخری مرحلے پر روک دیا۔ سلطان شاہ گاڑی کو دوبارہ آگے لے گیا۔ اس دوران میں پچھلی لینڈ روور کو سیاہ کار سے الگ اول خان کی گاڑی سے بھی آگے نکال لیا گیا تاکہ وہ کسی ناگہانی حادثے کا شکار نہ ہوسکے۔

پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد اول خان لپک کر محفوظ فاصلے پر جاچکا تھا۔ اس بار سلطان شاہ کی لدی ہوئی لینڈ روور بہت تیزی سے غراتی ہوئی پیچھے کی طرف آئی۔ اس کا بایاں بمپر پُرشور آواز کے ساتھ سیاہ کار کے داہنے ہیڈ لیمپ اور گرل سے ٹکرایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سیاہ کار تین لاشوں کے ساتھ مہیب دھماکے پیدا کرتے ہوئے گہرے کھڈ میں جاگری۔

سیاہ کار کی پیٹرول کی ٹنکی پھٹتے ہی بھن کی ایک آواز آئی اور چٹانی پتھروں پر آہنی باڈی کی رگڑ سے پیدا ہونے والی چنگاری نے شعلوں میں تبدیل ہوکر کھائی کے ساتھ قرب وجوار کے علاقے کو بھی روشن کردیا۔

اس وقت صرف اول خان باہر تھا۔ وہ دوڑتا ہوا آیا اور سلطان شاہ کے برابر میں بیٹھ گیا۔

اول خان کی جیپ آگے نکلتے ہی حامد والی گاڑی بھی برق رفتاری سے سپرہائی وے کی طرف دوڑنے لگی۔

دو انتہائی موذی دشمنوں کے ساتھ ایک مقامی قاتل کو کامیابی سے ٹھکانے لگایا جاچکا تھا۔ کرشن کمار بے ہوشی کی حالت میں اول خان کی گاڑی کے پچھلے حصے میں پڑا ہوا تھا۔ آئی بی والوں کی پوزیشن مخدوش کیے بغیر اسٹیشن فور کے سربراہ نے اپنے مقاصد حاصل کرلیے تھے۔

○☆○

گرین فارم کی حدود میں رائفل کا پہلا فائر ہوتے ہی مجھے آئی بی والوں کے ٹرانسمٹر پر ہونے والی گفتگو سے علم ہوگیا تھا کہ اول خان کی پارٹی منزل مقصود پر پہنچ کر اپنا آپریشن کرچکی تھی۔ مہم جوئی کا آغاز ہوتے ہی کے ون کے آدمی نے گرین فارم سے واپس دوڑ لگادی تھی۔ میں نے وقت کی کمی کی وجہ سے اس مہم کے بارے میں براہِ راست جلال سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی لیکن کے ون کی ہر بات اس قدر واضح تھی کہ ہمیں فیصلہ کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

آئی بی والوں کی پالیسی کے مطابق ان کے کسی بھی آدمی کا گرین فارم کے قریب وجوار میں پایا جانا قرین مصلحت نہیں تھا۔ کے ون کا آدمی مقابلے میں حصہ نہیں لے سکتا تھا۔ دو لینڈ روورز کو دیکھتے ہی اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہاں کوئی بڑی کارروائی ہونے والی ہے۔ ایسے میں وہ کسی بھی فریق کی بھٹکی ہوئی گولی کا نشانہ بن کر زخمی ہوجاتا تو اس کے لیے اپنے دوسرے ساتھیوں تک پہنچنا بھی دشوار ہوجاتا۔

وہ لوگ گرین فارم سے بہت دور تھے اور ان کا تیسرا ساتھی بھی وہاں سے لوٹ رہا تھا۔ وہ لوگ وقفے وقفے سے جو رپورٹیں دے رہے تھے، ان سے مجھے صحیح اندازہ نہیں ہوپا رہا تھا کہ مقابلے میں کس فریق کا پلہ بھاری تھا۔ ویرانے میں ہونے والی زبردست فائرنگ کی گونج، رات سناٹے میں گونج تک سنائی دے رہی تھی اور کے ون کے ساتھی اپنے تجربے کی بنا پر اسے بتارہے تھے کہ مقابلے میں کس کس نوعیت کے ہتھیار استعمال ہورہے تھے۔

پھر یہ خبر بھی مل گئی کہ دونوں گاڑیاں تیزی سے ساتھ کراچی لوٹ رہی تھیں۔ میں نے کئی بار اول خان کے موبائل فون پر رابطہ کرنا چاہا لیکن ہر بار ناکامی ہوئی۔ ہر بار ریکارڈنگ سنائی دے رہی تھی کہ مطلوبہ فون بند تھا۔ تھک ہار کر میں نے اپنی کوششیں ترک کردیں۔

آدھی رات کے بعد مجھے اول خان کا پہلا پیغام وصول ہوا۔ وہ کرشن کمار کو لے کر کامیابی سے اسٹیشن فور پہنچ چکا تھا اور مجھے وہاں بلا رہا تھا۔

کرشن کمار کا خطرہ جڑ سے ختم ہوچکا تھا۔ دونوں عورتیں گھر کو چھوڑ کر میرے جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی لیکن ان کے خلاف غزالہ اور رویرا کی نفرت اس قدر گہری تھی کہ وہ دونوں پہلی فرصت میں اسے اس کی جسارتوں کا مزا چکھانے پر تلی ہوئی تھیں۔ ان کے اصرار کے پیش نظر مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے اور ذرا سی دیر میں تیار ہوکر ہم تینوں اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے اڈہن قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اس کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظورِ نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک وشبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ مینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچادیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رافیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رافیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رافیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہِ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محبِ وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرام الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رافیل نے اپنی گلوخلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہوکر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورز فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہوچکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگادیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارتی علاقے موناباؤ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی بی کے جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ اس دوران میں کرشن کمار کے آدمیوں نے حیدر آباد میں موجود ہماری کار کا تعاقب کیا اور ہمارے گھر تک رسائی حاصل کرلی۔ ایک رات انہوں نے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیا مگر اپنی بدقسمتی سے حیدر آباد کے رجسٹریشن والی کار سمیت ایک مردہ اور دو زندہ شکاروں کی صورت میں ہمارے ہاتھ آگئے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کرشن کمار انڈیا نہیں گیا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ دیکھ چکا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کردیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے ٹھکانے سے واقف ہونے کے بعد ہم سے ضرور ٹکرائے گا۔ اسی امید کے تحت میں اور سلطان شاہ گھر سے باہر سڑکوں پر گشت کررہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور ویرا کو یرغمال بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ اسے اغوا کرکے بیس لاکھ ڈالر انعام حاصل کرنے کا خواہش مند تھا مگر ویرا کی حاضر دماغی کے باعث اسے اپنی کوشش میں ناکامی ہوئی اور راہِ فرار اختیار [illegible] ہم نے شب خون کی کارروائی کے دوران میں استعمال ہونے والی کار کا رجسٹریشن شراب فروخت کرنے والی ایک کمپنی موہن اینڈ موہن کے نام پر تھا۔ کمپنی کا پروپرائٹر جگدیش کراچی میں رہائش پذیر تھا۔ ہم اس کے گھر پہنچے' اس نے بتایا کہ وہ خود اپنی کمپنی کی کار کی گمشدگی سے پریشان ہے تاہم اس نے یہ بھی کہا کہ اس معاملے میں اس کا بھائی روی زیادہ بہتر طور پر معلومات فراہم کرسکتا ہے۔ ہم روی سے ملنا چاہتے تھے مگر وہ اپنے گھر کے سامنے ایس ٹی ایف کی گاڑی کو دیکھ کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ ہم ایک مرتبہ پھر اندھیرے میں تھے۔ اس وقت اس کی جواں سال اور خوب رو بیوی مارویٰ نے اپنی انا کی بلندی کی خاطر مجھ سے روی کی زندگی اور اپنے ساتھ چند خوش گوار لمحات گزارنے کے عوض ہمیں کرشن کمار کا ٹھکانا بتانے کی پیشکش کی۔ تھوڑے سے پس وپیش کے بعد مجھے یہ سودا کرنا پڑا۔ اس نے بتایا کہ کرشن کمار کراچی کے مضافاتی علاقے میمن گوٹھ کے گرین فارم میں موجود ہے۔ اس کی تصدیق آئی بی والوں نے بھی کردی۔ فارم میں دو امریکیوں کی آمد کی اطلاع ملتے ہی ہم نے وہاں کارروائی کا فیصلہ کیا اور فارم میں کام کرنے والے محنت کشوں کی مدد سے ایک مختصر مقابلے کے بعد وہ سب ہمارے ہاتھ آگئے۔ دونوں امریکیوں اور ان کے ڈرائیور کو موقع پر ہی جہنم واصل کردیا گیا اور کرشن کمار کو تحویل میں لے کر اسٹیشن فور منتقل کردیا گیا۔ اس خبر نے ویرا اور غزالہ کو بے چین کردیا۔ وہ اس سے مل کر اسے اس کی جسارتوں کی سزا دینا چاہتی تھیں۔ ہم اسٹیشن فور روانہ ہوگئے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

کرشن کمار ہوش میں آچکا تھا۔ اس وقت اس کے گورے چٹے چہرے پر یرقان کی سی زردی چھائی ہوئی تھی۔ گرین فارم سے اسے پکڑنے میں طاقت کے استعمال کی نوبت نہیں آئی۔ بس اس کی ایک رگ پر نپا تلا وار کرکے اس کے دماغ کو اندھیروں کی دھند میں دھکیل دیا گیا تھا۔ اس بے ہوشی کا دورانیہ ختم ہونے کے بعد اس نے خود کو بالکل مختلف صورتِ حال سے دوچار پایا تھا۔ اس تبدیلی پر اس کے پورے وجود سے تشویش اور پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں کے پھٹے ہوئے گوشوں پر خون کی پپڑیاں جم چکی تھیں۔

وہ ایک تیز روشن کمرے کے وسط میں آہنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی باچھوں پر جمے ہوئے خون پر پہلی نگاہ پڑتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ کسی نیولے کا انسانی روپ رہا ہو اور تھوڑی ہی دیر پہلے کسی ناگ کا پھن چبا کر بیٹھا ہو۔

وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے آگے جھکا ہوا بیٹھا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی اس کی نظریں ہمارے چہرے پر مرکوز ہوگئیں اور آپس میں پھنسی ہوئی انگلیاں مضطربانہ انداز میں ہلنے لگیں۔

اول خان سب سے آگے تھا' اس کے پیچھے غزالہ اور ویرا تھیں۔ آخر میں' میں سلطان شاہ کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ان دونوں عورتوں پر نگاہ پڑتے ہی کرشن کمار کی آنکھوں میں خوف کے سائے منڈلانے لگے۔

"سفید نیولے!" ویرا کے ہونٹوں سے قہر میں ڈوبی ہوئی تیز آواز ابھری "تیری رسّی بہت دراز رہی۔ آخر کار آج تو ہمارے جال میں آ ہی گیا۔ اب دیکھتے ہیں کہ یہاں تجھے بچانے کے لیے کون آتا ہے!"

"نہیں' تم میرے قریب نہیں آؤ گی۔" ویرا کے خطرناک تیور بھانپ کر کرشن کمار نے بہت پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑی۔ اس کا اندازہ تھا کہ ویرا ہوا میں اڑتی ہوئی اپنے جوتوں سے اس کے چہرے پر کاری ضرب لگائے گی۔ اس نے جگہ چھوڑنے کے ساتھ' نیچے جھک کر اپنے چہرے کو ویرا کی زد سے بچانے کی اضطراری کوشش کی مگر ویرا ان فنون میں پوری طرح طاق تھی۔ اس نے کرشن کمار کے قدموں کی حرکت دیکھتے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ کدھر جائے گا اور کس طرح جھکائی دے کر اس کے وار کو ناکام بنانے کی کوشش کرے گا۔

اس وقت ویرا سے اندازے کی ذرا سی بھی غلطی ہوئی ہوتی تو نہ صرف اس کا وار خالی جاتا بلکہ وہ فضا میں کئی فٹ کی بلندی سے' پشت کے بل فرش پر گرتی اور اپنی کوئی نہ کوئی نازک ہڈی تڑوا بیٹھتی۔ اس نے فضا میں اڑتے ہوئے' اپنے لچکیلے بدن کو جنبش دی اور پھر اس کی دونوں لاتیں پوری قوت سے' کرشن کمار کے جھکے ہوئے چہرے سے جا ٹکرائیں۔

کرشن کمار ایک بے ساختہ چیخ مار کر کئی فٹ دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ ویرا نے اپنی ہتھیلیاں فرش پر ٹیک کر فضا میں الٹی قلابازی کھائی اور اگلے ہی لمحے وہ دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑی ہو چکی تھی۔

ویرا کے چرمی جوتوں کی ایڑیاں زیادہ اونچی نہیں تھیں مگر وہ بہرحال زنانہ جوتے تھے۔ پہلے ہی وار میں کرشن کمار کا پورا چہرہ خون اگلتی ہوئی لکیروں سے داغ دار ہو گیا۔

وہ خاصے توقف کے بعد خاموشی سے اٹھا ہی تھا کہ غزالہ نے بڑھ کر اس کے گھٹنوں کے پیچھے پوری قوت سے لات رسید کی۔ اس کے گھٹنے دہرے ہو گئے اور پشت کے نچلے حصے کے بل اچانک فرش پر آ رہا اور پھر ماہیٔ بے آب کی طرح' فرش پر ہی تڑپتا رہا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر جمے ہوئے تھے۔ اس کے خون آلود چہرے پر نظر آنے والی کرب ناک علامتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے لیے غزالہ کا وار زیادہ خطرناک ثابت ہوا تھا۔ شاید اس کی ریڑھ کی ہڈی کے کسی مہرے نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔

"ہمالا کی بلندیوں سے بحیرہ عرب کی گہرائیوں تک اکھنڈ بھارت بنے گا اور وہ دن دیکھنے کے لیے ہم زندہ نہیں رہیں گے!" ویرا نے سفید نیولے کی نقل اتارتے ہوئے زہریلے لہجے میں اس کے کہے ہوئے الفاظ دہرائے۔

"چہروں کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" کرشن کمار نے فرش پر پہلو بدلتے ہوئے' اذیت زدہ لہجے میں جواب دیا۔ "تم رہو یا نہ رہو' میں رہوں یا نہ رہوں' وقت اور تاریخ کا بے رحم پہیہ اپنا سفر اپنی رفتار سے جاری رکھے گا۔ اس کے راستے میں آنے والے پیوندِ خاک ہوتے چلے جائیں گے۔ تم میری بات اپنے ذہنوں میں یا کہیں اور لکھ کر رکھ لو۔"

وہ چند لمحوں میں بری طرح پٹ چکا تھا۔ اس کے اوسان خطا ہو چکے تھے لیکن اپنے مشن کے بارے میں اس گرگ باراں دیدہ کا ذہن خطرناک حد تک صاف تھا۔ وہ اس حالت میں بھی اپنے عزائم کے اظہار سے باز نہیں رہ سکا تھا۔

اول خان کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے اور وہ غرایا "کتے کے بچے! گرین فارم پر اور پھر یہاں بھی تو اپنی زندگی کی امان چاہ رہا تھا۔ ہمارے ہر سوال کا جواب دینے پر آمادہ تھا۔ اب چار آدمیوں کے سامنے آنکھیں دکھا رہا ہے۔"

کرشن کمار نے اپنے دونوں ہاتھوں اور کہنیوں کا سہارا دے کر اپنی پشت کے مضروب حصے کو فرش سے قدرے اوپر اٹھایا پھر اس کے خون میں بھیگے ہوئے ہونٹوں پر ایک کرب آلود مگر طنزیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی "اس وقت تک مجھے اپنی قسمت کے بارے میں تھوڑی سی خوش فہمی تھی۔ اب میں تم سب کو پہچان چکا ہوں....."

"تم زندگی کے طلب گار ہو' ہم معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" سلطان شاہ نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی "اپنی زبان کھول کر تم اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہو۔ تمہیں ہر طرح سے امان دی جائے گی۔"

"مجھے معلوم ہے کہ میرا انجام کیا ہو گا۔ میں بولوں یا خاموش رہوں' اس میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔"

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تبدیلی آ جائے گی!"

سلطان شاہ اس کے قریب پہنچ گیا۔

"تم جھوٹے ہو۔ میں تمہاری بات پر اسی وقت اعتبار کروں گا جب تم ڈیوڈ اور جمی کو میرے سامنے لے آؤ گے۔ میری طرح وہ بھی تمہاری جان کے دشمن تھے اگر وہ زندہ ہیں

توشاید میں بھی زندہ رہ سکوں۔"

"ہمیں ان سے جو کچھ اگلوانا تھا' وہ گرین فارم میں اگلوالیا تھا۔" اول خان نے سلطان شاہ کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "وہ دونوں ایف بی آئی کے ایجنٹ تھے۔ ہم اس وقت دو محاذوں پر لڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ان کو اسی ویرانے میں چھوڑ دیا گیا۔"

"میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کرسکتا' ڈینی اور ویرا کے اصل دشمن وہی تھے۔ میں تو انعام کی رقم لے کر ان کا انفارمر بننا چاہ رہا تھا۔ اب تک تم بھی جان چکے ہوگے کہ وہ سارے معاملات طے کرنے کے لیے میرے پاس آئے تھے۔"

"ان سے تم موبائل فون پر سب معاملات طے کرسکتے تھے۔ اس کے لیے انہیں میمن گوٹھ جانے کی کیا ضرورت تھی؟" اس بار سلطان شاہ اس سے بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

"وہ را کے ایجنٹ سے نہیں' ایک انفارمر سے ملنے آئے تھے۔" اذیت میں مبتلا ہونے کے باوجود وہ فخر کے اظہار کے جذبے پر قابو نہ پاسکا۔ "پیشگی رقم لے کر ایک انفارمر سے مذاکرات کرنے آئے تھے۔ رقم فون کے ریسیور سے باہر نہیں آسکتی تھی اس لیے مجھے ان کو گرین فارم بلانا پڑا اور تم لوگ ان کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں تک پہنچ گئے۔"

"وہ دونوں ہماری تحویل میں نہیں ہیں۔" میں نے فرش پر پڑے ہوئے سفید نیولے کو گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "تمہارے پاس ہماری کہی ہوئی ہر بات پر یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔"

"وہ نہیں ہیں تو مراد ظریف ہی کو لے آؤ۔ اسے تم لوگوں نے اغوا کیا تھا۔" اس نے مطالبہ کیا۔

"تم اپنی اور صرف اپنی بات کرو۔" میں نے درشتی سے کہا۔ "ہارا ہوا دشمن زندگی کی بھیک مانگ سکتا ہے۔ اس کے سوا اسے کوئی اور حق حاصل نہیں ہوتا۔ تم کھیل کا یہ اصول نہیں جانتے تو بدترین موت کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

"ہر بات چھپانے پر تلے ہوئے ہو تو مجھے صرف ایک بات بتادو۔ صرف ایک بات!" وہ قدرے توقف کے بعد گڑگڑایا۔

"جلدی پوچھ ڈالو مگر ضروری نہیں کہ تمہیں اس کا جواب بھی دیا جائے۔" میں نے کہا۔

"تم گرین فارم میری تلاش میں آئے تھے یا امریکیوں کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے؟"

"ہمیں صرف اور صرف تمہاری تلاش تھی۔ آج کل امریکیوں سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔"

"تمہیں میمن گوٹھ کا سراغ کیسے ملا؟" اس نے کراہتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ تمہارا دوسرا سوال ہے۔" سلطان شاہ بول پڑا "تمہیں صرف ایک سوال کی اجازت دی گئی تھی۔"

"نہیں۔۔۔ تمہیں اس سوال کا جواب بھی ملنا چاہیے۔ تمہارے ٹھکانے کی نشان دہی ایک ایسی ہندو عورت نے کی تھی جسے مسلمان مرد بہت پسند ہیں۔" میں نے اس کے وجود میں بغض و حسد کی آگ بھڑکانے کی نیت سے کہا۔

وہ کتنا ہی گھاگ' مضبوط اور اپنے مشن سے مخلص رہا ہو مگر آخر کار ایک انسان بلکہ جنونی ہندو تھا۔ میرے الفاظ سنتے ہی اس کی آنکھوں میں خون سا اتر آیا اور وہ اپنی بے ساختہ کراہوں کو ضبط کرکے غصے اور بے بسی سے بولا "یہ وہی کنجری ماروتی ہوگی' اسی کو مسلمان مرد بہت مرغوب ہیں۔ اس نے اپنی ضرورت کی حد تک روی کو بھی مسلمان بنایا ہوا ہے۔ روی پر اعتماد کرتے ہوئے میں یہ نکتہ بالکل بھول گیا تھا کہ وہ ماروتی کا زن مرید شوہر ہے اور راز کی ہر بات اسے ضرور بتا دیتا ہے۔"

"مگر ماروتی اتنی شوہر پرست نہیں ہے۔" ویرا نے اپنی دانست میں اسے ایک اور چرکا لگایا "وہ اپنے رازوں میں روی کو شریک نہیں کرتی۔" ویرا نے لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوکر مجھے آنکھ ماری اور پھر اپنی بات جاری رکھی "ڈینی نے اسے اچھی طرح پرکھا اور برتا ہے۔ تم چاہو تو اس سے ماروتی کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرسکتے ہو۔ تم اس کے گرویدہ نیولے ہو اور وہ تم سے نفرت کرتی ہے۔"

"میں قسم کھاتا ہوں کہ تم لوگوں کے ہاتھوں سے بچ گیا تو اسے ایسی موت ماروں گا کہ آئندہ ہماری کوئی عورت کسی مسلمان مرد کو نظر بھر کر دیکھتے ہوئے کانپ اٹھے گی۔" وہ غصے اور جنون میں چند لمحوں کے لیے اپنی تکلیف کو بھول گیا۔

"ایسی ناممکن باتیں سوچ کر اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ۔ تمہارا وقت پورا ہونے والا ہے۔" ویرا بولی۔

"جو بات مجھے پہلے سے معلوم ہے اسے بار بار دہرا کر مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش مت کرو۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ تم مجھے مار دو' میں دوسرے جنم میں اگر تم سے انتقام لوں گا۔"

"دوسرا جنم!" ویرا نے استہزائیہ قہقہہ لگایا "آواگون کے نظریے میں ذرا سی بھی جان ہے تو تم اپنے دوسرے جنم میں ٹچکاریاں مارتی ہوئی چھچھوندر یا نیولے کے روپ میں

ا ہو گئے۔ تمہیں دم سے پھرا کر فرش پر مار دیا جائے گا۔"
"مجھے ایک گلاس پانی دے دو۔" کرشن کمار نے فرش
سے اٹھنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد فریاد کی۔
"اس کے حلق میں اس سمندر کا کھارا پانی اتارنا
چاہیے جہاں اس کے اکھنڈ بھارت کی دوسری سرحد ختم ہوتی
ہے۔" ویرا نے یکایک گہری سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے تجویز
پیش کی پھر کہا "اب تم سب باہر چلے جاؤ۔"
"کہاں؟" سلطان شاہ ویرا کی اس انوکھی ہدایت پر
حیران ہو کر بولا۔
"کہیں بھی۔" ویرا نے کہا "کچھ دیر کے لیے تم چاروں
کہیں بھی چلے جاؤ۔ میں تخلیے میں اس سفید نیولے سے اپنا
حساب بے باق کرنا چاہتی ہوں۔"
"اس کے لیے ہمیں کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے؟"
سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔
"میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، اس پر عمل کرو۔" ویرا براہِ
راست اسی سے مخاطب ہو کر سختی سے بولی "یہ ہندو ہے اور
میں لبرل کرسچین۔ یہ میرا مجرم ہے۔ اس نے میرے گھر میں
گھس کر میری توہین کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں اس سے جو
انتقام لوں گی، وہ شاید تمہاری طبیعتوں کو مکدر کر دے۔ تم
چاروں مسلمان ہو، خاموشی سے باہر چلے جاؤ۔"
پتا نہیں وہ کیا کہنا اور کر گزرنا چاہ رہی تھی۔ اس کا لب
ولہجہ یکایک اتنا تند ہو گیا تھا کہ میں مذاہب کے حوالے سے
اس سے کوئی سوال نہیں کر سکا۔ اس کا کوئی ٹیڑھا جواب
ہمارے درمیان بدمزگی پیدا کر سکتا تھا۔
"کچھ معلوم تو ہو کہ تم اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہ
رہی ہو!" اول خان نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔
"واپس آؤ گے تو تمہیں خود علم ہو جائے گا۔" ویرا نے
ترشی سے کہا "اب وقت برباد نہ کرو۔"
ویرا کے ذہن میں یقیناً کوئی شیطانی خیال سما چکا تھا۔
اول خان کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے کی طرف
اٹھیں۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے باہر نکل جانے
کا اشارہ کیا اور پھر ہم چاروں سر جھکا کر وہاں سے نکل گئے مگر
اس گارڈ روم سے زیادہ دور نہیں گئے۔
"اس وقت وہ زخمی اور بے بس ہے، اس کے پاس کوئی
ہتھیار نہیں ہے۔ وہ ویرا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"
اول خان نے قدرے بلند آواز میں خود کلامی کرتے ہوئے
اپنے آپ کو سمجھایا۔
اچانک کمرے سے ایسی آوازیں ابھرنے لگیں جیسے
کرشن کمار کے پیٹ میں شدید ضربات
اسے زور سے ابکائی آ رہی ہو۔
"میں اپنے دشمن کو کبھی پیاسا نہیں مارتی۔" وہ ویرا کی
غراتی ہوئی، وحشیانہ سرگوشی تھی۔ شاید جوشِ انتقام میں اسے
اندازہ نہیں رہا تھا کہ اس کی آواز ہمارے کانوں تک پہنچ
رہی تھی۔
پھر اندر سے اٹھا پٹخ اور ہڑبونگ کی آوازیں آئیں جو
کرشن کمار کی ایک بے ساختہ اور لرزہ خیز چیخ میں بدل گئی۔
چند ثانیوں بعد ویرا کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس کے
دونوں ہاتھ خون آلود تھے، داہنے ہاتھ میں خون سے لتھڑا ہوا
چاقو تھا۔ وہ اپنے دوپٹے سے ہاتھ اور چاقو کا پھل یوں صاف
کرتی ہوئی برآمد ہوئی تھی جیسے وہ بہت گندا خون ہو۔
کرشن کمار کی گالیاں اور چیخیں فضا میں گونج رہی تھیں۔
فرش پر اس کے بدن کے اچھلنے اور گرنے کی آوازوں سے
اندازہ ہو رہا تھا کہ ویرا کی دی ہوئی نئی سزا نے اسے ٹوٹی ہوئی
کمر کا درد بھول جانے پر مجبور کر دیا تھا۔
"اب وہ تڑپ تڑپ کر تھوڑی دیر میں خود ہی ٹھنڈا
ہو جائے گا۔" ویرا نے سرد اور سپاٹ آواز میں اعلان کیا۔
رات کے گھور اندھیرے اور گہرے سناٹے میں دور دور
تک گونجتی ہوئی ان چیخوں میں چند منٹ بعد ہی نقاہت غالب

آنے لگی۔ ہم پانچوں گارڈ روم کے کھلے ہوئے دروازے سے آنے والی روشنی کے انعکاس میں، تاروں بھرے آسمان کے نیچے کھڑے رہے۔ ویرا نے اپنے ہاتھ اچھی طرح صاف کرکے چاقو بند کیا اور اپنے بیگ کی اگلی جیب میں ڈال لیا۔ خون آلود دوپٹا اس نے ایک طرف پھینک دیا تھا۔

میں آہستگی سے گارڈ روم کی طرف بڑھا تو ویرا نے کوئی تعرض نہیں کیا۔

کمرے کے فرش پر کرشن کمار کسی گٹھڑی کی طرح سمٹا ہوا پڑا تھا۔ اس کے گھٹنے پیٹ سے لگے ہوئے تھے، ہاتھ ان کے درمیان تھے اور چہرہ گھٹنوں میں گھسا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر تشنج کی سی کیفیت طاری تھی، حلق سے خودکار انداز میں نقاہت زدہ کراہیں آزاد ہو رہی تھیں اور اس کے جسم کے گرد، دور تک خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔

اس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جسم سے بہت تیزی کے ساتھ خون بہنے کی وجہ سے وہ کسی بھی لمحے زندگی کی ہر کشمکش اور باز پرس کے جھمیلوں سے آزاد ہونے والا تھا۔ اس کے بدن کی مڑی تڑی ہوئی حالت دیکھنے کے بعد میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ ویرا نے اپنے تیز دھار چاقو سے اس کے جسم کے کس حصے کو نشانہ بنایا ہوگا۔

ویرا نے کرشن کمار کو موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے درندگی کی انتہا کر دی تھی۔ وہ یہ بھول گئی تھی کہ مرجانے کے بعد ہر شخص محض ایک لاش ہوتا ہے اور کوئی لاش دوسروں کو اپنے آخری لمحوں کی کہانی سنانے کے قابل نہیں رہتی جسے سن کر دوسرے عبرت حاصل کرسکیں۔

فورڈ فاؤنڈیشن کے چار چہیتوں کے علاوہ کرشن کمار کے بقیہ ساتھی ایک ایک کرکے منظرِ عام سے ہمیشہ کے لیے غائب ہوتے چلے آئے تھے۔ ان میں اکرام الٰہی اور مقبول چوہدری کے بعد تیسرا اہم شکار مراد ظریف تھا لیکن کرشن کمار کی موت کا منظرِ عام پر آنا ضروری تھا۔

وہ مستند طور پر را کے کمانڈو گروپ سے وابستہ تھا۔ صحرائے تھر کی ریگستانی بستیوں میں شاید اس نے کچھ نیک نامی کمائی ہو ورنہ اس کی تخریبی سرگرمیاں کھلے راز کی طرح تھیں۔ سرحدی علاقے میں مسلح جتھوں کے لیے تربیتی کیمپ کا معاملہ علاقے کے باسیوں سے کسی طرح پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ میجر بخشی اور اس کے ساتھیوں کی طرح کسی سفارتی آڑ یا تحفظ کے ساتھ پاکستان کی سرزمین پر موجود نہیں تھا۔ وہ دہشت گردی، تخریب کاری اور سازشی مقاصد کے لیے خفیہ طور پر پاکستان آیا تھا۔

اس کی لاش کی تشہیر پر را والے محض انگاروں پر لوٹ کر رہ جاتے۔ ان کی حکومت سرکاری سطح پر احتجاج کا ایک لفظ بھی بلند نہیں کرسکتی تھی۔

"وہ مرنے میں کتنا وقت لے گا۔" میرے قریب پہنچنے پر سلطان شاہ نے بے رحمی سے پوچھا۔

"اسے مرا ہوا ہی سمجھو۔ اس کا انجام یہی ہونا تھا لیکن ویرا نے اس کام میں کچھ زیادہ ہی تیزی دکھائی ہے۔" میں نے کہا "وہ اپنی ہٹ دھرمی کے باوجود باتوں ہی باتوں میں بہت کچھ اگلتا جا رہا تھا۔"

"یہاں تک جو کچھ ہونا تھا، ہوتا چلا گیا۔" اول خان نے زبان کھولی "اس کے مرنے کے بعد جو دشواریاں کھڑی ہوں گی، ان کو سنبھالنا میرے بس سے باہر ہوگا۔"

"کرشن کی موت سے کوئی الجھن پیدا نہیں ہوگی۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "اصل معاملہ ڈیوڈ اور جمی کا ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ ان کی موت پر امریکی کس ردِعمل کا اظہار کرتے ہیں۔"

"ہمیں سر جوڑ کر ان پہلوؤں پر غور کرلینا چاہیے۔" اول خان نے قدرے تشویش سے رائے دی "میرا خیال ہے کہ کرشن کمار کے بارے میں اپنے اسٹاف کو بریف کیے دیتا ہوں تاکہ ہم دفتر میں بیٹھ کر سارے پہلوؤں کا جائزہ لے سکیں۔"

"دفتر نہیں، اب گھر چلنا چاہیے۔" ویرا نے کہا۔ "میرے ہاتھ ابھی تک اس کے خون میں رنگے ہوئے ہیں۔ میں جب تک گھر جا کر اس گند سے نجات حاصل نہیں کرلوں گی، مجھے سکون نہیں ملے گا۔"

"اسٹیشن فور پر غسل خانوں کی سہولت موجود ہے۔ تم کئی دن یہاں رہ چکی ہو۔" اول خان نے اسے یاد دلایا۔

"مجبوری ہو تو بہت کچھ چل جاتا ہے، اس وقت گھر جانا ہی زیادہ مناسب ہوگا۔"

"کرشن کمار تمہارا اکلوتا قیدی تھا۔" میں نے ویرا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "اس کے مرجانے کے بعد یہاں ایسا کون سا اہم کام باقی رہ جائے گا جس کے لیے تمہاری موجودگی ضروری ہو؟"

اول خان لاجواب ہوگیا۔ اپنا کام پورا کرلینے کے بعد اسے بھی اپنے گھر جانا تھا۔ بہتر یہ تھا کہ ہم راستے میں تبادلہ خیال کرتے ہوئے اپنے گھر چلتے اور اول خان تھوڑی دیر وہاں رکنے کے بعد اپنے گھر چلا جاتا۔

ہم اپنی گاڑی سے وہاں پہنچے تھے۔ اول خان کو اپنی سرکاری لینڈرووور سے گھر لوٹنا تھا۔ میمن گوٹھ کی مہم میں اس نے سلطان شاہ کو اپنے ساتھ رکھا تھا۔ یوں وہ دونوں ہی ان واقعات کے عینی شاہد تھے۔ طے یہ ہوا کہ سلطان شاہ ہماری گاڑی میں دونوں عورتوں کو لے جائے گا' میں اول خان کے ساتھ وہ سفر طے کروں گا۔

حامد اپنے چند آدمیوں کے ساتھ قریب ہی موجود تھا۔ اول خان نے اسے بلا کر کرشن کمار کے بارے میں مختصر سی ہدایات دیں۔ ان لوگوں کو اس کی موت کے بعد ہماری آخری ہدایات کا انتظار کرنا تھا اور پھر ان ہی کے مطابق اس کی لاش کو ٹھکانے لگانا تھا۔ مجھے درمیان کی بہت سی باتوں کا علم نہیں تھا مگر پھر بھی میں اپنا ذہن بنا چکا تھا کہ کرشن کمار کی لاش کا میجر بخشی کے گھر کے آس پاس پایا جانا ہمارے وسیع تر مفاد میں ہو سکتا تھا۔ وہ لاش بھارتی قونصل خانے میں موجود را کے ایجنٹوں کے لیے موثر پیغام ثابت ہو سکتی تھی۔

واپسی کے سفر میں اول خان نے اپنی کہانی چھیڑ دی۔ اس کی بے جا ضد کی وجہ سے میں اس مہم میں شریک نہیں ہو سکا تھا اس لیے اس کی کہی ہوئی ہر بات کو ذہن نشین کرتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو میرے ذہن میں سوالات جمع ہو چکے تھے۔

"کیا تمہیں کرشن کمار کی اس بات پر یقین آ گیا ہے کہ جمی اور ڈیوڈ اس کی اصلیت سے واقف نہیں تھے۔ وہ اپنی دانست میں ایک خفیہ مخبر سے ملاقات کے لیے میمن گوٹھ پہنچے تھے؟" میں نے پہلا سوال کیا۔

"مجبوری ہے۔" وہ ذہنی طور پر میرے اس سوال کے لیے تیار تھا "اگر کرشن کمار کے اس موقف کو رد کر دیں تو پھر سوال یہ پیدا ہو گا کہ ان دونوں نے اتنی رات گئے کراچی سے نکل کر میمن گوٹھ جانے کا خطرہ کیوں مول لیا؟ انہیں علم ہوتا کہ وہ را کے ایجنٹ سے کوئی سودے بازی کر رہے ہیں تو وہ کسی بھی طرح دباؤ ڈال کر اسے اپنے کسی ٹھکانے پر آنے پر مجبور کر دیتے۔"

"کیا تمہیں یہ بات عجیب محسوس نہیں ہوتی کہ وہ ایک اجنبی مخبر کی فون کال پر اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر میمن گوٹھ کی طرف دوڑ پڑے؟ آج بھی انہیں سرکاری طور پر بہت محتاط نقل و حرکت کی ہدایات ملی ہوئی ہیں۔"

"بات عجیب ضرور ہے مگر ناقابل فہم نہیں ہے۔" اول خان نے جواب دیا "تمہارے پہنچنے سے پہلے بھی ہم کرشن کمار سے پوچھ گچھ کرتے رہے تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ تمہاری اور رویرا کی ذات میں امریکیوں کی گہری دلچسپی کا کمال تھا کہ وہ ہر خطرے کو بالائے طاق رکھ کر وہاں پہنچ گئے۔ پے در پے منہ کی کھانے کے بعد اگر وہ بہت خاموشی اور رازداری کے ساتھ تم دونوں کو یا تم میں سے کسی ایک کو پکڑ کر پاکستان سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو جاتے تو اندازہ لگاؤ کہ کیا پوزیشن ہوتی! بس یہی خوش گمانی انہیں لے ڈوبی۔"

"کراچی کی حدود سے نکل کر وہ سیدھے گرین فارم کیسے پہنچ گئے؟" میں صورت حال سے مطمئن نہیں تھا۔

"یہ کارنامہ ان کے خبیث شوفر کا تھا جو بعد میں دو افراد کے قتل کا اقبالی مجرم ثابت ہوا۔ وہ کراچی کے مضافاتی علاقوں سے بڑی حد تک واقف تھا۔ فون پر ڈیوڈ سے بات ہونے کے بعد کرشن کمار نے شوفر کو گرین فارم پہنچنے کا راستہ سمجھایا تھا۔"

"ڈیوڈ سے پہلے' کرشن کمار نے ہمیں بھی فون کیا تھا۔ وہ موبائل فون استعمال کر رہا ہو گا۔"

"ہاں' اور ان دونوں کے پاس بھی اپنے اپنے موبائل فون تھے۔" اول خان بتانے لگا "اپنی دانست میں وہ پوری تیاری کے ساتھ گرین فارم پہنچے تھے وہاں پہلا فائر ہوتے ہی انہوں نے کراچی میں اپنے بڑوں کو حالات بگڑنے کی خبر دے دی تھی۔ میرے ذہن میں یہ خطرہ شروع سے موجود تھا۔ ان دونوں کے پاس فون نہ ہوتا تب بھی مجھے معلوم تھا کہ کرشن کمار کے پاس فون کی سہولت موجود ہے۔ میں نے ابتدا سے ہی طے کر لیا تھا کہ تصادم کا آغاز ہونے کے بعد جلد از جلد بساط لپیٹنے کی کوشش کی جائے گی اور ہم اس میں کامیاب بھی رہے۔"

اول خان اپنی کامیابی پر کسی حد تک نازاں تھا مگر اس بات نے مجھے فکر مند کر دیا کہ ڈیوڈ اور جمی اپنے بڑوں کو گڑ بڑ سے باخبر کر چکے تھے۔ دونوں امریکیوں میں سے کسی نے اس امر کا اظہار نہیں کیا تھا کہ وہ کراچی میں کسی سے رابطہ کر چکے تھے مگر کرشن کمار نے اسٹیشن فور کے گارڈ روم میں پہنچنے کے بعد دھمکی دینے والے انداز میں انکشاف کیا تھا کہ امریکی اپنے افسرانِ بالا کو اعتماد میں لے چکے تھے اور ان کے حمایتی پولیس فورس کی مدد سے کسی بھی لمحے حالات کا پانسا اپنے حق میں پلٹ سکتے تھے۔

وہ خبر باہر نکل ہی گئی تھی تو امریکیوں کی حادثے میں ہلاکت کا ڈراما بہت کمزور ہو سکتا تھا۔ فارم کے ملازمین بہت آسانی سے اگل دیتے کہ وہاں کیا واقعات رونما ہوئے تھے۔ امریکیوں سے ساری گفتگو انگریزی میں ہوئی ہو گی اس لیے

اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں بتا سکتا تھا۔ تینوں گارڈز سے بھی اس بارے میں کسی اہم انکشاف کی توقع نہیں تھی۔

اول خان کو یہ یاد نہیں تھا کہ تیسرے گارڈ کو پہلے بے ہوش کیا گیا تھا یا اس سے پہلے امریکیوں کی باری آئی تھی۔ اگر اس اہم نکتے کو نظر انداز کردیا جاتا تھا تو کہانی میں جان پڑسکتی تھی۔

ان تمام واقعات میں دو باتیں بہت بہتر ہوئی تھیں۔ امریکیوں کو ایسے تشدد کا نشانہ نہیں بنایا گیا تھا کہ ان کے جسموں پر تشدد کی کوئی علامت نظر آتی اور دوسری بات یہ تھی کہ دور دور سے فائرنگ کا تبادلہ ہونے کے سبب کوئی گولی کاٹیج کے باہر کھڑی ہوئی امریکیوں کی گاڑی میں پیوست نہیں ہوئی تھی۔ ان کے ماہرین بھی جلی ہوئی کار کے ڈھانچے کا معائنہ کرکے گولی کا کوئی سوراخ دریافت نہیں کرسکتے تھے۔

اگر وہ تینوں نکتے درست تھے تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ نامعلوم افراد سے تصادم شروع ہونے کے بعد، کوئی نقصان اٹھانے سے پہلے، امریکیوں کو گرین فارم سے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ کچا راستہ ڈرائیور کے لیے اجنبی تھا۔ اپنے آقاؤں کو اصل خطرے سے بچالے جانے کے بعد وہ دہشت اور گھبراہٹ کے باعث اپنی گاڑی پر قابو نہیں رکھ سکا اور کچے راستے پر سامنے آنے والی کسی گاڑی سے تصادم کے نتیجے میں امریکیوں کی گاڑی اپنے تینوں مسافروں سمیت کھائی میں گر کر جل اٹھی۔

تصادم کے بارے میں ایس ٹی ایف سمیت کسی ایجنسی کو کوئی ذمّے داری لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ زرعی زمینوں اور فارموں پر پرانی رنجشوں کی بنا پر ایسے جھگڑے ہوتے ہی رہتے تھے۔ اس "افسوس ناک" واقعے کو بھی ایسی ہی کسی شرپسندی کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا تھا۔

یوں محسوس ہورہا تھا جیسے کراچی کے گردونواح میں ان دنوں بدقسمتی نے امریکیوں کا گھر دیکھ لیا ہو۔ بوب رافیل کے واقعے کی گرد پوری طرح بیٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ گرین فارم کا قضیہ سامنے آگیا تھا۔

امریکیوں کے لیے یہ وضاحت کسی بھی طرح آسان ثابت نہ ہوتی کہ سخت احتیاطی ہدایات کے باوجود دو امریکی اہلکار رات کی تاریکی میں اس ویرانے میں کیا کرتے پھر رہے تھے۔

بوب رافیل خوش نصیب تھا کہ کراچی کے ایک بھرے پرے ہوٹل میں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے باوجود مناسب سزا سے بچ گیا تھا اور اعلیٰ ترین امریکی سطح سے صدارتی معذرت یا مداخلت کے بعد رہا ہو کر اپنے ملک واپس بھیج دیا گیا تھا جبکہ ڈیوڈ اور جمی کو کوئی چھتری میسر نہیں آسکی تھی۔ وہ دونوں پکڑے گئے اور ذرا سی دیر میں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچادیے گئے۔

پیشگی اطلاع دیے بغیر ایسے ویرانوں میں پراسرار سرگرمیوں کے لیے بھٹکنے والے سفارتی ملازمین کے تحفظ کے بارے میں کسی بھی پیمانے سے مقامی حکومت کو ذمّے دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا تھا۔

گھر پہنچنے تک، گرین فارم پر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں میرا ذہن بالکل صاف ہوچکا تھا۔ مجھ سے تبادلہ خیال کرنے کے بعد اول خان خود کو ہلکا اور پراعتماد محسوس کررہا تھا۔ ایسی باتوں کے اعتراف میں وہ ہمیشہ سے فراخ دل رہا تھا۔

دونوں گاڑیاں آگے پیچھے گھر پہنچیں تو علم ہوا کہ راستے میں تبادلہ خیال کے دوران میں ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان باقاعدہ جھڑپ کا آغاز ہوچکا تھا۔ غزالہ کی تمام تر مصالحانہ کوششوں کے باوجود ان دونوں کے منہ پھولے ہوئے تھے۔

ایک دوسرے سے ناراض بلکہ برہم نظر آنے کے باوجود ان دونوں میں سے کسی نے اپنے کمرے کا رخ نہیں کیا۔ ہم پانچوں ہی ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے اور اول خان نے حسب معمول فوراً چائے کی فرمائش کردی۔ ویرا نے اپنے ہاتھ اتنے صاف کرلیے تھے کہ اسے ہاتھ دھونے بھی یاد نہیں رہے تھے۔

"تمہیں معلوم ہے کہ سب کو صرف تمہاری بنائی ہوئی چائے پسند آتی ہے۔" ویرا نے مسکرا کر غزالہ سے کہا "یہ فرض تم ہی کو انجام دینا ہوگا۔" غزالہ کوئی اعتراض کیے بغیر اپنی جگہ سے اٹھی اور کچن کی طرف چل دی۔

"اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ان دونوں کا مقدر یاور رہا اور ان کی پوری مہم بہت کامیاب رہی۔" ویرا سگریٹ سلگانے کے بعد بولی "لیکن یہ فیصلہ بہت غلط تھا کہ ہم میں سے صرف سلطان شاہ کو اول خان کے ساتھ بھیجا گیا۔"

"صرف اس لیے کہ تم بلاوجہ مجھ سے حسد کرتی ہو۔" سلطان شاہ نے فوراً ہی لقمہ دیا۔

"کیا بات ہے؟ تم دونوں کے درمیان موسم کچھ ناساز نظر آرہا ہے۔" اول خان نے مسکرا کر پوچھا۔

"تمہاری کامیابی سے سلطان شاہ کا دماغ خراب ہوچکا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ سب کچھ اسی نے کیا ہے۔" ویرا برا

سامنہ بنا کر بولی "تم اور تمہارے آدمی گرین فارم پر جھک مارتے رہے تھے۔۔۔۔"

"یہ بالکل غلط ہے' میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے احتجاج کیا "تم چاہو تو غزالہ کو بلا کر اس سے تصدیق کر سکتے ہو کہ ویرا غلط بیانی سے کام لے رہی ہے۔"

"تم نے یہ الفاظ نہیں کہے لیکن تمہارا رویّہ یہی ظاہر کر رہا تھا۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

"اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم دونوں نے ہر قدم باہمی مشورے سے اٹھایا تھا۔" اول خان نے ان کی بحث میں دخل انداز ہونے کی کوشش کی "وہاں ہر شخص اپنا اپنا کام کر رہا تھا۔ اگر سلطان شاہ اپنی کارکردگی پر خوش ہے تو اسے اس کا حق حاصل ہے۔"

"تمہیں بھی خوش ہونا چاہیے' کرشن کمار کو تم نے اپنے ہاتھوں سے مارا ہے۔" میں نے کہا۔

"بالکل' بالکل۔" سلطان شاہ نے پر زور انداز میں سرہلا کر میری تائید کی "وہ قریب المرگ قیدی ہی سہی مگر اس پر آخری کاری وار ویرا نے کیا ہے۔ مرے ہوئے شیر کی گردن پر پاؤں رکھ کر تصویر بنوانے کا حق اسی کا بنتا ہے۔"

ویرا نے چند ثانیوں کے لیے اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورا پھر بے بسی سے مجھ سے بولی "یہ مسلسل اس قسم کی بکواس کر کے میرا خون سلگا رہا ہے۔ اس سے کہو کہ شرافت سے بات کرے ورنہ اپنے کمرے میں چلا جائے۔"

"کمرے میں جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اپنا خون سلگوانے کے لیے تم وہاں بھی پہنچ جاؤ گی۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ آدھی رات کے بعد کس کی کال آ گئی تھی۔ اول خان بھی اس بے وقت کال پر حیران نظر آ رہا تھا۔ میں نے دوسری گھنٹی پر اسپیکر فون آن کر دیا۔

فون پر جلال کی آواز سن کر مجھے خیال آیا کہ اپنی مصروفیات میں الجھ کر ہم اسے بالکل ہی بھول بیٹھے تھے۔ حد یہ تھی کہ گرین فارم پر خاموشی سے چڑھائی کرنے کے سلسلے میں' میں نے صرف کے ون سے مشورے پر اکتفا کیا تھا۔ جلال سے اس کی توثیق کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ وقت کی کمی کے سبب مجھے وہ فیصلہ کرنا پڑا تھا مگر میں چاہتا تو بعد میں اسے اعتماد میں لے سکتا تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی میرے ذہن میں پچھلے چند گھنٹوں کی مختصر سی فلم چلنے لگی اور میں اس کے کسی متوقع شکوے کا جواب سوچتا ہوا فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"سنا ہے کہ تم نے اپنے شکار پر کامیابی سے ہاتھ ڈال دیا ہے؟" میری آواز سنتے ہی جلال کی طرف سے سوال کیا گیا۔

"یہ کارنامہ اول خان اور سلطان شاہ نے سرانجام دیا ہے۔ اس بارے میں میرا کے ون سے رابطہ رہا تھا۔۔۔۔"

"مجھے رپورٹ مل گئی تھی۔" اس نے میری بات درمیان سے ہی کاٹ دی "میرے آدمی اس معاملے سے دور رہنے پر مجبور تھے' ہم کسی واضح پالیسی کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔ تم نے بروقت اور صحیح فیصلہ کیا۔ اگر کسی وجہ سے وہ دونوں وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتے تو مجھے بڑا قلق ہوتا۔ ان لوگوں کی سرکوبی ان ہی کے ہتھکنڈوں سے کی جا سکتی ہے۔"

"تمہارے تینوں آدمی اب کہاں ہیں؟ ان کی اطلاعات کیا ہیں؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔

"وہ میمن گوٹھ میں ہیں۔ گرین فارم میں ہونے والے تصادم کے بعد ایک کھائی سے بھڑکنے والے بلند شعلوں نے انہیں وہاں رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس ویرانے میں آگ بجھانے کا کوئی بندوبست نہیں ہے اس لیے ابھی تک کوئی کار کے قریب نہیں جا سکا تھا۔ ہیلی کاپٹر سے وہاں پہنچنے والی امدادی ٹیم کسی حادثے کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ بھی بے بس ہیں۔۔۔۔"

"امدادی ٹیم؟" میں نے چونک کر اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ وہاں کیسے پہنچ گئی؟"

"کراچی میں مقیم امریکی قونصل جنرل نے پروٹوکول سے ہٹ کر براہ راست کور کے گیریژن کمانڈر سے رابطہ کیا تھا کہ دو امریکی افسران راستہ بھٹک کر میمن گوٹھ کی طرف نکل گئے ہیں اور وہاں غنڈوں کے نرغے میں پھنس گئے ہیں۔ ان کے لیے فوری مدد کی درخواست کی گئی تھی۔"

"اور وہاں سے امدادی ٹیم روانہ کر دی گئی؟" میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"صورت حال ہی کچھ ایسی تھی۔ ایک چھوٹے ہیلی کاپٹر میں تین مسلح آرمی کمانڈوز کے ساتھ قونصل خانے کا ایک سینیئر افسر بھی وہاں گیا ہے۔ دراصل وہ کوئی امدادی ٹیم نہیں ہے۔ وہ لوگ کسی مسلح مقابلے کی تیاری کے ساتھ گئے ہیں۔"

میں لمحہ بھر کے لیے اندر ہی اندر کانپ اٹھا۔ امریکی اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ہر حربہ آزمانے میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ اگر ہیلی کاپٹر سے جانے والی ٹیم کچھ پہلے

ان اطراف میں پہنچ جاتی تو زمین پر مصروفِ کار، اسپیشل ٹاسک فورس والوں پر مکمل بے خبری میں آسمان سے موت کی برسات ہوسکتی تھی۔ یہ بہت غنیمت ہوا کہ ہیلی کاپٹر پہنچنے سے پہلے وہ لوگ سپرہائی وے پر کافی دور نکل چکے تھے۔

"آگ کے شعلے میلوں دور سے نظر آرہے تھے۔" جلال بتا رہا تھا "گرین فارم کی تلاش سے پہلے ان کی توجہ اسی طرف مرکوز ہوگئی اور پھر ہیلی کاپٹر پر کمانڈوز کے ساتھ موجود امریکی افسر نے کھائی میں جلتی ہوئی سیاہ کار پہچان لی۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں کے ساتھ ہیلی کاپٹر کی طاقتور سرچ لائٹس نے پورا علاقہ منور کردیا تھا۔ وہ وہیں لینڈ کر گئے اور اب تک وہاں آگ سرد ہونے کے منتظر ہیں۔"

"تمہیں یہ سب اطلاعات کہاں سے ملی ہیں؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"وہ آگ دور تک دیکھی گئی تھی۔ میرے تینوں آدمی، مقامیوں میں مل کر جائے حادثہ پر موجود ہیں اور وقفے وقفے سے مجھے رپورٹ دے رہے ہیں۔ میری یہ چوتھی فون کال ہے۔ اسٹیشن فور سے معلوم ہوا کہ تم لوگ گھر کے لیے نکل چکے ہو۔ یہاں سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ رابطے میں مسلسل ناکامی پر مجھے تشویش ہونے لگی تھی۔"

"گھر پر کوئی نہیں تھا۔ ہم چند منٹ پہلے یہاں پہنچے ہیں۔" وضاحت کرکے میں نے اس سے پوچھا "کیا کے ون کا اپریٹس اتنا طاقتور ہے کہ وہ اس پر تم سے اسلام آباد میں بھی رابطہ برقرار رکھے ہوئے ہے؟"

"اپریٹس کی اتنی رینج نہیں ہے۔ کے ون موبائل فون استعمال کررہا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ ان کی گاڑی کو حادثہ کیسے پیش آیا۔"

"ان سے گلو خلاصی کا کوئی دوسرا محفوظ راستہ نہیں تھا۔ ان کو زندہ گرفتار کرنا بے سود تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ ان لوگوں نے حادثے کے روپ میں اپنے دشمنوں سے چھٹکارا حاصل کرلیا۔"

"گاڑی میں کتنے افراد موجود تھے؟" جلال اس واقعے کی تفصیلات جاننے کے لیے بے چین تھا۔

"صرف تین! دونوں امریکی اور ان کا مقامی ڈرائیور۔ دعا کرو کہ گرتی ہوئی کار ان تینوں کی چتا بن گئی ہو۔"

"ہاں!" اس کی آواز پُر تشویش ہوگئی "دھماکوں اور جھٹکوں سے دروازہ کھلنے کے باعث کوئی دور گر کر زندہ رہ گیا تو خاصی مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں امریکی اس واقعے کی تفتیش میں بال کی کھال نکالیں گے۔"

"بے فکر رہو۔ کار کھائی میں گرانے سے پہلے تینوں کی گردنیں توڑ دی گئی تھیں۔ ہر کام صاف ستھرے طریقے سے ہوا ہے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ تصادم کے جھٹکے سے ان کی گردنیں ٹوٹنے کی کہانی سنائے گی۔ کار کی باڈی بھی شاید بالکل بے داغ نکلے گی۔"

"مجھے بتایا گیا ہے کہ وہاں فائرنگ کا زبردست تبادلہ ہوا تھا۔" جلال کی آواز میں حیرت تھی۔

گرین فارم اور اس کے آس پاس پیش آنے والے واقعات کی کڑیوں سے وہ یکسر بے خبر تھا جبکہ اس علاقے میں ہونے والی تازہ ترین کارروائیوں کے بارے میں اس کے پاس بھرپور معلومات تھیں۔ ہماری وہ گفتگو دیر تک چلتی رہی۔ اس دوران میں غزالہ چائے تیار کرکے لے آئی۔ ایک مرحلہ ایسا آیا کہ اسے براہِ راست اول خان سے بات کرنے کی ضرورت پیش آگئی۔ اس وقت تک اسے یہ علم نہیں ہوسکا تھا کہ اول خان میرے ساتھ بیٹھا ہوا ساری گفتگو سن رہا تھا۔

"ہاں جلال! میں بول رہا ہوں۔" میرے اشارے پر اول خان نے دھیرے سے کہا۔

"یہ پورا آپریشن تمہارا تھا۔ اس بارے میں تمہاری رپورٹ کیا ہوگی؟" دوسری طرف سے جلال کی آواز آئی۔

"جو کچھ ہوا، وہ رپورٹ کردیا جائے گا۔ تم جانتے ہو کہ ایس ٹی ایف کی صرف ایک پالیسی ہے۔ دشمن کو تلاش کرکے ہر قیمت پر تہس نہس کرنا۔ پالیسی کی عارضی تبدیلیوں سے ہمارے اس مشن پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"تم اپنی جگہ ٹھیک ہو لیکن ہماری کچھ مجبوریاں ہیں جن کے بارے میں ڈینی نے تمہیں بتادیا ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ میمن گوٹھ اور گرین فارم کی نشان دہی کے سلسلے میں میرے آدمیوں کا ذکر آئے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" اول خان نے بے فکری سے کہا۔ "یہ نشان دہی صرف تمہارے آدمیوں نے نہیں کی تھی۔ ڈینی نے ایک زنانہ ذریعہ بھی استعمال کیا تھا۔ دہری تصدیق کے بعد ہی ہم نے تیزی سے کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"زنانہ ذریعہ؟" وہ نئی اصطلاح جلال کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

"ہاں، ڈینی ایک خاتون پر کام کررہا تھا۔ اسی نے گرین فارم کے بارے میں بتایا تھا۔"

"بس تو تم اسی پر اکتفا کرنا۔" جلال کی آواز سے اطمینان مترشح تھا "میں سمجھ رہا تھا کہ یہ سارا کام تمہارا تھا۔

اب اندازہ ہو رہا ہے کہ ڈینی نے بھی پس پردہ رہ کر بہت کچھ کیا ہے۔"

"ہم نے صرف ایکشن کیا ورنہ ساری محنت ڈینی کی ہے۔ اس نے خاصے پاپڑ بیلے ہیں۔"

"سراغ تم ہی سے ملا تھا۔" میں نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اسپیکر فون پر جلال سے کہا "تم نے میرپور خاص کے رہنے والے ہندوؤں کی فرم موہن اینڈ موہن کا ذکر کیا تھا۔ کرشن کمار ان کے پاس نہیں تھا لیکن ان ہی کی مدد سے گرین فارم پہنچا تھا۔"

"میں ان لوگوں کو بھول گیا تھا۔ میرے آدمیوں نے موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کے دفتر، گودام اور گھر کو چیک کرنے کے بعد کلیئر کردیا تھا۔ میں نے نوٹ کیا ہے کہ تم کام کے ہر اس نکتے کو پکڑ لیتے ہو جسے دوسرے نظرانداز کردیتے ہیں۔"

"ہماری اصل لڑائی کرشن کمار سے تھی۔ اس کے چکر میں ڈیوڈ اور جمی مفت میں مارے گئے۔" میں نے رسماً کہا۔

"مجھے ان دونوں کے ڈرائیور کے بارے میں افسوس ہے۔ وہ بے چارہ بلاوجہ مارا گیا۔"

"اول خان میں ایک بڑی خوبی یہی ہے کہ یہ بے گناہوں کا بے دریغ خون نہیں بہاتا۔ اس کے مقدر کا فیصلہ کرنے سے پہلے اس نے ڈرائیور سے اگلوا لیا تھا کہ وہ اپنے گورے آقاؤں کے اشارے پر دو افراد کو قتل کرچکا تھا۔"

"تم نے میرے ذہن سے بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا۔ اب میرے دل میں کوئی خلش نہیں ہے۔"

"الجھن کو پی جانے کے بجائے اس پر گفتگو ہمیشہ مفید رہتی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اب یہ خیال رکھنا کہ کرشن کمار اور امریکیوں کے درمیان کوئی تعلق سامنے نہ آسکے بلکہ کرشن کمار کی لاش غائب ہی ہوجائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ وہ ویسے بھی یہاں لاوارث تھا۔ ساری فکرمندی کے باوجود بھارتی اس کے لیے آواز نہیں اٹھاسکیں گے۔"

"اسی لیے اس کی لاش کا منظرِ عام پر آنا ضروری ہے۔ را والے صرف تشدد اور خون ریزی کی زبان سمجھتے ہیں۔"

میں نے اسے کرشن کمار کی لاش کے بارے میں اپنی تجویز سے آگاہ کیا تو وہ خوش ہوگیا۔ اس نے صحیح اندازہ لگایا تھا کہ میجر بخشی کے گھر کے قرب و جوار سے را کے ایک سینیر کمانڈو کی لاش ملنے کے بعد اور کچھ ہو یا نہ ہو، بخشی کی آدھی جان ضرور نکل جائے گی۔

"کرشن کی دور رس سرگرمیوں کا جال سامنے آجانے کے بعد اب یہ بات کھل چکی ہے کہ را والوں نے یہاں اپنی سرکاری سرگرمیاں بہت کم کردی ہیں وہ جانتے ہیں کہ مختلف عہدوں کی آڑ میں ان کے سفارتی دفاتر میں کام کرنے والے ایجنٹ ہماری ایجنسیوں کی نگاہ میں ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا "اب وہ براہِ راست، کرشن کمار جیسے آدمی یہاں بھیج رہے ہیں۔ تم موہن اینڈ موہن والوں پر اپنا کام جاری رکھو۔ ان کے ذریعے کچھ اور نام بھی سامنے آسکتے ہیں۔ کیا ان کے خاندان کی کوئی عورت کرشن کمار کے لیے کام کررہی تھی؟"

"کرشن کمار اس پر ڈورے ڈالنے کی کوششیں کرتا رہا لیکن وہ اس سے متنفر تھی۔" میں نے تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے جواب دیا "یوں سمجھو کہ وہ اپنے گھر والوں کے سلوک کی وجہ سے خود ہی پکے ہوئے پھل کی طرح ہمارے دامن میں آگری۔ میں دیکھوں گا کہ وہ ہمارے لیے مزید کیا کچھ کرسکتی ہے۔ کرشن کمار کی نشان دہی کے صلے میں، میں اسے اور اس کے شوہر کو معافی دے چکا ہوں۔"

"تمہیں کوئی اخلاقی مجبوری درپیش ہے تو مجھے بریف کردو۔ میں اپنے آدمیوں کو اس کے پیچھے لگادوں گا۔ کسی کے خلاف کھلے شواہد سامنے آجائیں تو میرے آدمی اس کے لیے بہت سفاک ثابت ہوتے ہیں۔"

"ابھی یہ باتیں قبل از وقت ہیں۔ پہلے میں خود اسے ٹٹولنے کی کوشش کروں گا۔"

مزید چند منٹ کی گفتگو کے بعد فون کا وہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

"ماروتی نے ڈینی کو نہیں چھوڑا تو جلال کے آدمی کس گنتی میں ہیں۔" فون بند ہوتے ہی ویرا نے اپنی زبان پر رکا ہوا زہریلا فقرہ ادا کر ڈالا "چند ہی دنوں میں وہ اس مسلمان پسند عورت کے گن گاتے ہوئے نظر آئیں گے۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہوٹل میں میرے اور اس کے درمیان گفتگو ایک حد سے آگے نہیں بڑھی تھی۔" میں نے سختی سے کہا۔

"تمہیں بار بار یہ صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنی کہانی سنا چکے ہو، میری اپنی ایک رائے ہے۔ حد کو چھوڑو اور یہ سوچو کہ اس نے تمہیں ملنے کے لیے ہوٹل آنے پر مجبور کردیا تھا۔ اب تم اپنی مرضی سے اس سے ملنے جاؤ گے تو اسے بہت خوشی ہوگی۔"

"میری رائے ہے کہ آپ ماروتی کو آئی بی والوں کے حوالے کردیں۔" غزالہ نے سنجیدگی سے کہا "کچھ ہو یا نہ ہو،

ایسی آزاد خیال عورتوں کے اسکینڈل بہت تیزی سے شہرت پاتے ہیں۔ نہ جانے روی کیسا آدمی ہے کہ اپنی بیوی کو بالکل آزاد چھوڑا ہوا ہے۔"

غزالہ کو اپنا ہم خیال پاکر ویرا کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ شوخی سے بولی "وہ خود روی ہے اس لیے اس نے سراپا بے راہ روی سے شادی کی ہوئی ہے۔ غزالہ نے اس کی صحیح تصویر کشی کی ہے۔"

"تم لوگ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے ہو۔ دماغوں کے ساتھ ساتھ تمہاری زبانیں بھی چل پڑی ہیں۔ مجھے اپنے گھر چلنا چاہیے۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے مربیانہ انداز میں کہا اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"کرشن کمار کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" اس کے اٹھتے اٹھتے میں نے سوال کیا۔

"جب فیصلہ ہو ہی چکا ہے تو اس پر جلد از جلد عمل ہو جانا چاہیے۔" اس نے کہا۔

"آج کل موسم خاصا خوشگوار ہے۔ کیوں نہ اسے ایک دو دن کے لیے محفوظ کرلیا جائے؟"

"بے سود ہوگا۔ اس کی لاش دس دن بعد بھی دستیاب ہوگی تو پوسٹ مارٹم رپورٹ اس کے موت کے صحیح وقت کا تعین کردے گی۔ اس وقت ہمارے دشمنوں کو یہ سوچنے کا موقع مل جائے گا کہ کرشن کمار کی لاش کو اتنی مدت تک کیوں چھپایا گیا۔"

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "حامد کو ہدایات دے دو۔ زیادہ دیر ہوگئی تو یہ خبر صبح کے اخبارات میں جگہ نہیں پاسکے گی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں گھر جاتے ہی اس سے بات کرلوں گا۔ ذرا سی دیر میں پولیس لاش تک پہنچ جائے گی۔"

سلطان شاہ ہمارے ساتھ تھا' باہر سے اول خان کو رخصت کرکے ہم دونوں اندر لوٹ آئے۔

ویرا اور غزالہ دبی دبی آوازوں میں کسی پرجوش بحث میں مصروف تھیں۔ ہمارے قدموں کی آہٹ سنتے ہی انہوں نے خاموشی اختیار کرلی۔ مجھے اندازہ تھا کہ ماروتی ہی ان کا موضوع سخن ہوسکتی تھی مگر میں اس بارے میں کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر' اپنی خواب گاہ کی طرف ہولیا۔ میرے لباس تبدیل کرنے کے دوران ہی غزالہ بھی کمرے میں آگئی۔ اندر آتے ہی اس نے دروازہ بولٹ کرلیا تھا۔

میں بے پروائی سے بستر پر دراز ہوا تو وہ سنجیدگی سے میرے قریب آبیٹھی۔ میں نے اس کا نرم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو اس نے بہت آسودہ انداز میں اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے اس کی مہکتی ہوئی دراز زلفوں کو تھام کر اسے خود سے اور قریب کرلیا۔

"سچ سچ بتائیں کہ ویرا کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے!" غزالہ نے دھیمی آواز میں بہت نرمی سے پوچھا۔

"آج برسوں بعد تمہیں یہ خیال کیسے آگیا؟" میں نے حیرت سے سوال کرڈالا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ وہ مجھے اکثر اپنے بارے میں سوچنے پر مجبور کردیتی ہے۔"

"ہمارے حساب سے تو وہ بالکل ہی گئی گزری لڑکی ہے لیکن مغربی تہذیب کے مطابق اسے صرف آزاد خیال اور بے پروا قرار دیا جاسکتا ہے۔" میں نے بہت محتاط الفاظ میں اپنی رائے دے دی۔

غزالہ نے میرے سینے سے سر اٹھائے بغیر خفگی سے میری طرف دیکھا اور گھنیری پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی "اس کے بارے میں آپ مجھے اتنا بتا چکے ہیں کہ میں اب کچھ اور جاننے کی خواہش نہیں رکھتی۔ میرا سوال صرف اتنا تھا کہ وہ ہم دونوں کے لیے کیا جذبات رکھتی ہے۔"

"ہمارے ساتھ وہ مخلص ہے۔ میری اور تمہاری شادی کو تسلیم کرچکی ہے ورنہ اس چھت کے نیچے گزارہ نہ کرپاتی۔"

"میں بھی اکثر یہی محسوس کرتی ہوں لیکن کبھی کبھی مجھے شبہ ہوتا ہے کہ مجھے آپ کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کرتی ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ میں نے ہولے سے اس کے گال پر چپت لگائی اور کہا "یہ اس کی شرارتیں ہوتی ہیں۔ اس کے مزاج میں اتنا تلون ہے کہ وہ کبھی چین سے نہیں بیٹھ سکتی' ہر لمحے کوئی نہ کوئی تبدیلی چاہتی ہے۔ وہ ہمارے درمیان چھوٹی موٹی غلط فہمیاں پھیلا کر ہماری جھڑپوں سے لطف اندوز ہونا چاہتی ہے مگر اسے کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔"

"شاید اس وقت بھی وہ یہی چاہ رہی تھی۔" غزالہ بھی میری ہنسی میں شامل ہوگئی۔

"کیا کہہ رہی تھی وہ؟" میں نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔ "صبح میں اس کی خبر لوں گا۔"

"آپ اس سے کوئی بات نہ کریں۔ بے چاری مایوس ہوکر اپنی اس تفریح کا سلسلہ ترک کردے گی۔ اس وقت وہ ماروتی کے بارے میں میرے کان بھر رہی تھی۔ وہ بولنا شروع کرتی ہے تو اس کی ہر بات سچ معلوم ہوتی ہے۔"

"یہ ہر جھوٹے کی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے جھوٹ کو عارضی طور پر سچ بنا دیتا ہے مگر پھر یہ ملمع اتر جاتا ہے۔" میں نے ماروتی کا نام لیے بغیر ایک عام سی بات کہہ کر وہ موضوع وہیں ختم کرنا چاہا مگر غزالہ بہلاوے میں نہ آسکی۔

"یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ اس نے صرف چند باتیں طے کرنے کے لیے آپ کو ہوٹل کے پرتعیش کمرے میں بلایا تھا!"

"خوب! تو اب تم بھی ویرا کی زبان بول رہی ہو!" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ اس سے پہلے ہی میری نرم گرفت سے پھسل کر نکل گئی اور سیدھی غسل خانے میں جا گھسی۔

○☆○

اگلی صبح کے اخبارات میں زیادہ تفصیلات نہیں آسکی تھیں مگر دونوں خبریں بہت واضح تھیں۔

کرشن کمار کی لاش عضو بریدہ تھی۔ اسٹیشن فور پر اس کی جامہ تلاشی میں کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی تھی جس سے اس کی شناخت ہوتی مگر حامد نے اس کی ایک جیب میں اس کے نام کا ایک کاغذ ڈال دیا تھا جس کے نتیجے میں اسے کرشن کمار سمجھ لیا گیا تھا۔ اخبار میں تصویر کی اشاعت کے ساتھ، لوگوں سے اس کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی استدعا کی گئی تھی۔

پولیس نے اس قتل کو ابتدائی طور پر رقابت اور انتقام کا شاخسانہ قرار دیا تھا۔ لاش کی ادھڑی ہوئی حالت کے پیش نظر صرف وہی کہانی قرین قیاس ہوسکتی تھی۔ مقتول کے بارے میں مزید معلومات کے حصول کے لیے تفتیش جاری تھی۔

میمن گوٹھ والے واقعے کی خبریں قدرے تفصیلی، دلچسپ اور سنسنی خیز تھیں۔

کرشن کمار کی تلاش کی مہم میں وہ دونوں امریکی اچانک ہی راستے کے پتھروں کی طرح سامنے آئے تھے اور کسی تفصیلی چھان بین کے بغیر مار دیے گئے تھے۔ ان کے بارے میں اول خان نے کرشن کمار کے سامنے صرف اتنی قیاس آرائی کی تھی کہ اور وہ امریکا کی فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن کے کارندے تھے۔ حقیقت بھی وہی نکلی تھی۔ جمی ایف بی آئی کا سینیئر کلرک تھا، بھورے بالوں والا دراز قامت ڈیوڈ اس کا مددگار تھا۔ ان دونوں کے عہدوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان کا تعلق فیلڈ اسٹاف کے بجائے دفتری عملے سے تھا مگر وہ امریکا کا معاملہ تھا۔ وہاں عہدوں وغیرہ کی تقسیم کا کام بھی دنیا سے نرالا تھا۔ وہ دونوں جو کچھ بھی تھے، ایف بی آئی کے اہلکار ضرور تھے اور آنجہانی ہوچکے تھے۔

کار کھڈ میں گرنے کی وجہ سے تینوں جلے ہوئے ڈھانچے میں کافی ٹوٹ پھوٹ پائی گئی تھی۔ گاڑی میں لگنے والی آگ اس قدر ہولناک تھی کہ لاشیں بری طرح مسخ ہوکر رہ گئی تھیں۔ فوری طور پر یہ علم نہیں ہوسکا تھا کہ وہ تینوں گاڑی کے آگ پکڑنے سے پہلے مرچکے تھے یا زندہ ہی جل گئے تھے۔

امریکی ذرائع نے اپنے معمول کے مطابق الزام تراشی کی بنیاد رکھتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ ایف بی آئی والوں نے اپنے آخری پیغام میں بتایا تھا کہ وہ کسی دور افتادہ، میمن گوٹھ نامی مقام پر فائرنگ میں گھرے ہوئے تھے۔ ان کی موت کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ انہیں ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت گھیر کر مارا گیا تھا۔

ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا کہ پاکستان میں امریکیوں کی جان و مال کو لاحق، مفروضہ خطرات کی روشنی میں امریکی حکومت نے اپنے تمام ملازمین اور شہریوں کو اپنی آمدورفت لازمی ضروریات تک محدود رکھنے کی جو سخت ہدایات جاری کی ہوئی تھیں، ان کے ہوتے ہوئے ڈیوڈ اور جمی میمن گوٹھ میں کیا کررہے تھے؟ کیا انہوں نے اپنے افسرانِ بالا سے اس سفر کی اجازت لی تھی؟ وہ بھٹک کر اس علاقے میں پہنچے تھے تو ان کا اصل مقصد کہاں کا تھا؟ انہیں اس ویرانے میں کیسے پتا چلا کہ وہ میمن گوٹھ پہنچ چکے تھے؟

پچھلے واقعات کے مقابلے میں اس بار صرف ایک بات غنیمت تھی کہ ایف بی آئی والوں کی ہلاکت کے سلسلے میں مقامی حکومت یا اہلکاروں پر براہِ راست کوئی الزام نہیں لگایا گیا تھا۔

گیارہ بجے اول خان کا فون آیا۔ اس کے پاس کچھ تازہ ترین خبریں تھیں۔

لاشیں بری طرح جل جانے کی وجہ سے ان تینوں کی موت کے اسباب کے تعین میں دشواری ہورہی تھی۔ دوسری طرف امریکیوں نے اپنے تین افسروں کو سایوں کی طرح تفتیشی ٹیم کے ساتھ لگایا ہوا تھا۔ ان میں سے دو امریکی نژاد تھے جو بظاہر پاکستان میں امریکی سفارت خانے کے ملازم تھے لیکن اپنے طور طریقوں سے منجھے ہوئے سراغ رساں معلوم ہورہے تھے۔ ان کا تیسرا ساتھی پاکستانی نژاد امریکی تھا جو ان کے لیے ترجمان کا کام کررہا تھا۔ ان تینوں نے پچھلی رات ہی گرین فارم میں اپنا کیمپ لگالیا تھا۔

گرین فارم میں جو کچھ ہوا، اسے چھپانا ممکن نہیں تھا۔ وہاں کام کرنے والے مزدور اس بات کے عینی شاہد تھے کہ وہاں چھپے ہوئے شخص سے ملنے کے لیے دو امریکی فارم پر آئے تھے۔ اس کے بعد ہی کچھ لوگوں نے فارم کو گھیر کر اندر گھسنے کی کوشش کی جسے ناکام بنانے کے لیے گارڈز نے فائرنگ کی ابتدا کی اور پھر فضا بارود کی بو سے بھرتی چلی گئی۔

واقعات بہت بے رحمی سے کریدے جا رہے تھے اور آدھا دن گزرنے سے پہلے تفتیشی جماعت اور اس کے ساتھ لگے ہوئے امریکیوں کو بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ بس کرشن کمار کا نام پردے میں تھا۔ وہ گرین فارم کے مالک کا ذاتی دوست نہیں تھا' روی موہن کی سفارش پر وہاں پناہ لینے آیا تھا۔ اپنی شناخت پوشیدہ رکھنے کے لیے اس نے شیرو کا نام اختیار کیا تھا۔ فارم کے مالک نے انہیں وہی نام بتایا تھا۔

"حالات بہت تیزی سے کروٹ بدل رہے ہیں۔ اس رفتار پر مجھے تشویش ہو رہی ہے۔" اول خان سب کچھ بتانے کے بعد کہہ رہا تھا۔

"مجھے حیرت ہے۔" میں نے کہا "پوشیدہ باتوں سے پردے اٹھنے کے ساتھ امریکی دلدل میں پھنستے چلے جائیں گے۔"

"تم ہمیشہ دور کی باتیں سوچتے ہو' میں سامنے کی باتوں سے پریشان ہو رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم تو ہو کہ تم کس وجہ سے پریشان ہو رہے ہو۔ مجھے ایسی تیزی کی توقع نہیں تھی مگر یہ تیزی بھی پریشان کن نہیں ہے۔ مجھے اس میں ایک سنہری موقع نظر آ رہا ہے۔ تم یہ سمجھو کہ...."

"شیرو یعنی کرشن کمار کا نام کھل چکا ہے۔" اس نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی "اخباروں میں اس کی لاش کے کلوز اپ چھپ چکے ہیں۔ فارم کے مزدوروں نے تفتیشی افسروں کو کرشن کمار کا حلیہ بتایا ہوگا۔"

"سب کچھ درست ہے مگر اخبار کی تصویروں میں اس کا چہرہ لہولہان ہے۔ اس تصویر کو آسانی سے شیرو کے طور پر نہیں پہچانا جا سکے گا۔ اسٹیشن فور پر ویرا نے اس کا چہرہ مسخ کر دیا تھا۔"

"یہ مفروضے کاغذ کی ناؤ ثابت ہوں گے۔ اب روی موہن کا نام ریکارڈ پر آ گیا ہے۔ کسی بھی لمحے اس پر ہاتھ ڈال دیا جائے گا۔ وہ اس ابہام کی درمیانی کڑی ہے۔ اس کے ہاتھ آتے ہی سب کچھ واضح ہو جائے گا۔ اس نے تو پہلی نظر میں کرشن کمار کی لاش کو شناخت کر لیا ہوگا۔ اس وقت میں اپنی

خواہش کے باوجود روی کو گرفتاری سے نہ بچا سکوں گا۔ تم نے اسے معافی دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ پولیس اس کے دروازے پر پہنچے گی تو ماروتی اودھم مچا دے گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہم لوگوں سے ملاقات کا کچا چٹھا کھول دے۔"

"ماروتی کے کردار سے ہم لوگ واقف ہیں۔ جگدیش موہن اسے دوسروں کے سامنے نہیں لائے گا۔ روی بھی اتنا احمق نہیں ہو سکتا کہ اخباروں میں کرشن کمار کے قتل کی خبر پڑھتے ہی خوشی سے ناچتا ہوا اپنے گھر لوٹ آئے۔ وہ آسانی سے ان کے ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"امریکیوں کی موت کے حوالے سے روی اہمیت اختیار کر جائے گا۔ محکمہ اس کی گرفتاری کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دے گا۔ اس کے ہاتھ آتے ہی ہر بات کھل جائے گی۔"

"ابھی تک تم معاملے کے ایک رخ پر سوچ رہے ہو۔ یہ غور کرو کہ کرشن کمار کا نام کھلنے کے بعد امریکیوں اور بھارتیوں کے درمیان کیسی کشیدگی پیدا ہوگی۔ اس نے کسی فرضی نام سے یا شاید شیرو بن کر ڈیوڈ اور جمی کو گرین فارم پر بلایا تھا۔ وہ ان سے سودے بازی کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کی دغا بازی کی وجہ سے وہ دونوں مارے گئے۔ را والوں کے لیے جواب دہی مشکل ہو جائے گی۔"

"وہ ان کا اور امریکیوں کا معاملہ ہے۔ ہمارے لیے نئی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔ سب سے پہلے انہیں یہ بتانا ہوگا کہ پاکستان میں غیر قانونی طور پر چھپے ہوئے 'را کے ایک دہشت گرد سے ڈیوڈ اور جمی کے کیا روابط تھے۔ وہ اس کے ساتھ مل کر کن سازشوں میں مصروف تھے۔"

اول خان کی طرف سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا۔ لائن پر خاموشی چھائی رہی۔ خاصے طویل سکوت کے بعد اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری "خدا کرے کہ ویسا ہی ہو جو تم سوچ رہے ہو۔ میں نے تمہیں اپنے خدشات سے آگاہ کر دیا ہے۔"

"یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ ماروتی ہمیں چہروں سے پہچانتی ہے۔ وہ یا اس کا بھایا جی ہمارے نام اور پتوں سے واقف نہیں ہے۔ روی سے ہمارا سامنا تک نہیں ہوا۔ ان کی کہی ہوئی باتوں کو کون ثابت کرے گا؟ تم ایس ٹی ایف کے ایک ذمے دار افسر ہو۔ کون سوچ سکتا ہے کہ اس مہم میں تم شریک تھے؟ کسی کا دھیان ادھر چلا بھی جائے تو کون تم سے پوچھنے کی ہمت کر سکے گا؟"

"جلال کے کم از کم تین آدمی بہت کچھ جانتے ہیں۔ انہیں مخدوش حالات کا علم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ دیدہ و دانستہ ایک لفظ بھی نہیں اگلیں گے لیکن وہ انسان ہیں۔ ان سے کوئی لغزش ہو سکتی ہے۔"

"تم نے اپنے خدشات بیان کر دیے' اب تم بے فکر رہو۔ کوئی نئی بات سامنے آئے تو مجھے ضرور آگاہ کر دینا۔"

"کیا تمہیں اچانک کوئی بات یاد آ گئی ہے؟ کچھ عجلت میں معلوم ہو رہے ہو۔" اول خان نے پوچھا۔

"ہاں' ماروتی کو ذرا فون پر ہوشیار کر دوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراسم برقرار رہ سکیں۔" میں نے آس پاس میدان صاف دیکھ کر بے تکلفی سے کہہ ڈالا "جلال نے اس کے بارے میں صحیح مشورہ دیا تھا۔"

اول خان اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر چکا تھا۔ اس نے فوراً ہی فون بند کر دیا۔

میں نے وقت ضائع کیے بغیر ماروتی کا ڈائریکٹ نمبر ملا لیا۔ فون پر وہ خود موجود تھی اور اس کی آواز کچھ مخمور سی تھی۔

"میں مظہر بول رہا ہوں۔ کیا بات ہے؟ تمہاری آواز کچھ بھاری بھاری سی لگ رہی ہے۔"

"اوہ! مظہر ڈارلنگ!" میری آواز سن کر وہ خوش ہو گئی "میں ابھی ابھی سو کر اٹھی ہوں۔ تم یقین کرو کہ تمہارے ساتھ گزارہ ہوا وقت رات بھر مجھے خواب میں نظر آتا رہا۔ شاید تم بھی اسی کیفیت سے گزرے ہو۔"

"مجھے کاموں سے اتنی فرصت نہیں ملی کہ میں ان رنگین لمحوں کے بارے میں زیادہ سوچ سکوں۔"

"رات بھر کیا کام کرتے رہے؟" میری بات کاٹ کر اس نے میٹھی آواز میں پوچھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آج کا کوئی اخبار نہیں دیکھا ورنہ مجھ سے یہ سوال نہ کرتیں۔"

"میں اخبار نہیں دیکھتی۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے بتایا "اس میں ڈکیتیوں' لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے سوا ہوتا ہی کیا ہے؟ سیاست سے مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نیچے سے اخبار منگوا کر دیکھ لوں گی۔ اپنے کام کے بارے میں کچھ تم ہی بتا دو۔"

"رات کو ہم نے سفید نیولے کو شکار کر لیا۔" میں نے دانستہ جمع متکلم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"مبارک ہو۔ وہ تمہارے لیے بہت اہم تھا۔ اب یہ نہ ہو کہ تم مجھے بھول جاؤ۔"

"تم بھولنے والی شے نہیں ہو لیکن ابھی ستارے گردش

میں ہیں۔ روی کو گھر سے دور ہی رکھنا۔"
"کیوں؟ تم نے تو انہیں معاف کرنے کا وعدہ کیا تھا۔"
میری توقع کے مطابق اس نے احتجاج کیا۔

میں نے اسے بتایا کہ کرشن کمار کے پاس دو امریکی بھی پہنچے ہوئے تھے۔ ہم نے انہیں بھگا کر کرشن کمار کو مار ڈالا۔ اس کی لاش کے ساتھ لوٹتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ امریکیوں کی کار ایک کھڈ میں پڑی جل رہی تھی۔ پولیس ان دونوں واقعات کو ایک دوسرے سے ملا رہی تھی اور فارم کے مالک کے بیان پر کسی بھی وقت روی کی تلاش میں اس کے گھر پہنچ سکتی تھی۔

"تو کیا اب پولیس والے ایجنسیوں سے بھی زیادہ طاقت ور ہوگئے ہیں؟" اس کی آواز میں طنز اور تشویش کا امتزاج تھا۔

"مرنے والے امریکی سفارتی افسر تھے۔ اس وجہ سے بات ہمارے ہاتھوں سے نکل گئی ہے۔"

"وہ حرام زادے کرشن کمار کے پاس کیا کرنے گئے تھے؟" ماروتی کی بے ساختہ آواز ابھری۔

"پتا نہیں۔" میں نے سادگی سے کہا "روی کو مزید چند روز گھر سے دور رہنا چاہیے۔"

"میں انہیں ابھی گھر آنے سے منع کیے دیتی ہوں۔ ویسے بھی وہ مجھے فون کیے بغیر واپس نہیں آئیں گے۔"

"تم تو کہہ رہی تھیں کہ ملیر میں روی کے پاس فون نہیں ہے۔"

"وہ بات پرانی ہوگئی۔ کل شام ان کے دوست نے موبائل فون اور کنکشن لے لیا ہے۔" میری توقع کے برعکس، ماروتی کا ردِعمل زیادہ شدید نہیں رہا تھا۔ وہ ابتدائی جھٹکے سے بہت تیزی کے ساتھ سنبھل گئی تھی۔

"تم لوگ سادہ کپڑوں میں خاصی شرافت سے ہمارے گھر آئے تھے۔ پاس پڑوس والوں کو شبہ تک نہ ہوا ہوگا کہ ہمارے گھر میں کوئی گڑبڑ ہوئی ہے مگر پولیس والے وردیوں میں دندناتے ہوئے آئیں گے۔ سب کو علم ہوجائے گا کہ پولیس، روی کو ڈھونڈ رہی ہے۔ بھایا جی گوشت کا ایک ناکارہ تودا ہے وہ پھر مجھے ان کے سامنے کردے گا۔ ایسی بے عزتی سے بہتر ہے کہ میں بھی گھر سے نکل جاؤں۔"

اگر جگدیش موہن اس قدر بے غیرت تھا تو پھر ماروتی کی فکر مندی بے جا نہیں تھی۔ میں نے اپنے دل کے کسی گوشے میں اس کے لیے ہمدردی کی ہلکی سی رمق محسوس کی اور نرمی سے پوچھا۔ "گھر چھوڑ کر تم کہاں جاؤ گی؟"

”تم پناہ دینے پر آمادہ ہو تو چند روز کے لیے تمہارے پاس چلی آؤں گی ورنہ روی کے ساتھ رہوں گی۔“

اس کے بے باکانہ جواب پر میں حیران رہ گیا۔ وہ ان معنوں میں واقعی ایک عورت تھی کہ اسے سمجھنا مشکل کام تھا۔

اس نے اپنے بھایا جی کی انا کو کاری ضرب لگانے کے لیے اپنا سب کچھ مجھے سونپنے کا یک طرفہ فیصلہ کیا تھا۔ کراچی کے ایک اعلیٰ ہوٹل میں سپردگی کے اس تجربے سے گزرنے کے بعد وہ میری ہر خطا کو درگزر کرنے پر آمادہ تھی۔ حد یہ تھی کہ اپنے شوہر، روی موہن کی معافی میں ناکامی کے بارے میں میرے پیش کیے ہوئے عذر کو بے چوں وچرا تسلیم کر چکی تھی۔

”تمہیں پناہ دینے کی آرزو ہی بعض لوگوں کے لیے زندگی بھر کا سرمایہ ہو سکتی ہے۔ مجھ سے تم خود سوال کر رہی ہو۔ مجبوری یہ ہے کہ میں تن تنہا ایک ہاسٹل میں رہتا ہوں جہاں میرے بہت سے ہم پیشہ بھی رہتے ہیں۔ ہم سب متجسس اور کھوجی طبیعتوں کے مالک ہیں۔ اس بھیڑ میں، میں تمہیں کس کس کی نظروں سے پوشیدہ رکھ سکوں گا؟“

”بہتی گنگا میں سب ہاتھ پیر دھوتے بلکہ نہاتے ہیں مگر کوئی اس کے دھارے کا رخ اپنے گھر کی طرف نہیں موڑتا۔ میں خود جانتی ہوں کہ میرا محفوظ ترین ٹھکانا روی کے سائے میں ہے۔ میں پولیس کے آنے سے پہلے وہاں چلی جاؤں گی۔“

”یہ بس چند روز کی بات ہے پھر حالات اعتدال پر آجائیں گے اور تم دونوں اپنے گھر لوٹ سکو گے۔“ میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا ”بس اخبارات دیکھتی رہنا۔ ان ہی میں کسی دن یہ خبر آجائے گی کہ روی کی تلاش ترک کر دی گئی ہے۔“

”اخبارات میں دیکھتی رہوں گی مگر مجھے تم پر بھروسا ہے۔ عورت جب کسی کو اپنا تن من سونپ دیتی ہے تو اس سے کبھی منہ نہیں پھیرتی۔ تم روی کا موبائل فون نمبر لکھ لو۔ جب چاہو، مجھ سے یا روی سے بات کر سکتے ہو۔ روی کو معلوم ہے کہ میں نے کرشن کمار کے چکر سے گلو خلاصی کے لیے تم سے کوئی سودے بازی کی ہے۔ وہ تمہارے فون کا برا نہیں منائے گا۔“

”بتاؤ، میں لکھ رہا ہوں۔“ اس بار میں ماروتی کی فراخ دلی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اس نے مجھے فون نمبر لکھوایا اور مجھ سے اجازت لے کر فون بند کر دیا۔ وہ کال میری تھی۔ میں نے تھکے ہوئے انداز میں ریسیور واپس رکھ دیا۔ ماروتی عجلت میں تھی۔ مجھ سے بات ہو جانے کے بعد وہ جلد از جلد گھر سے نکل جانا چاہتی تھی۔

جمی اور ڈیوڈ کی ہلاکت کے بعد واقعات واقعی بہت تیز رفتاری سے رونما ہو رہے تھے اور صورت حال بدلتی جا رہی تھی۔ کراچی میں مقیم امریکی اہلکار اپنے مزید دو ساتھیوں کی جانوں کے اتلاف کے بعد پوری طرح سرگرم تھے مگر میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ اس وقت تک جان اسمتھ کا نام سامنے نہیں آیا تھا۔

جان اسمتھ ہی وہ شخص تھا جس سے ملاقات کے بعد مراد ظریف نے خود کو بے رحمانہ موت کا حق دار بنا لیا تھا۔ وہ کراچی کے قونصل خانے میں مامور تھا اور جلال کی فراہم کی ہوئی اطلاعات کے مطابق جنوبی ایشیا سے لے کر مشرق وسطیٰ تک میں امریکی سی آئی اے کے جملہ آپریشنز کا نگراں تھا۔ جمی اور ڈیوڈ کا تعلق سی آئی اے سے نہیں تھا لیکن اندر کے معاملات سے واقف ہر شخص جانتا تھا کہ امریکا سے باہر ہونے والی تمام کارروائیوں میں سی آئی اے اور ایف بی آئی شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔ ویسے بھی خطے میں موجود امریکیوں کے تحفظ کی تمام تر ذمے داری جان اسمتھ کے سر جاتی تھی۔ ان حالات میں جان اسمتھ کا سامنے نہ آنا میرے لیے فکر انگیز تھا۔

شاید وہ بوب رافیل کے بعد اپنے مزید دو ساتھیوں سے ہاتھ دھونے کے بعد خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ وہ منظر عام پر آیا تو پاکستان کے مفادات کی نگرانی کرنے والے نامعلوم لوگ اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اس اندیشے کی وجہ سے وہ خود پس پردہ رہ کر اپنے دوسرے ساتھیوں سے کام لے رہا تھا۔ اس کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

امریکی صفوں میں جو حیثیت جان اسمتھ کو حاصل تھی، پاکستان کی حد تک را کے ایجنٹوں میں کم و بیش وہی درجہ میجر بخشی کو حاصل تھا۔ وہ اوبرائن ڈی ہنٹ کی موت کے بعد اس طرح گوشہ نشین ہوا تھا کہ اس کا نام ہی سننے میں نہیں آرہا تھا۔ کرشن کمار کی لاش طے شدہ پروگرام کے مطابق اسی کے گھر کے قریب پھینکی گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس واقعے نے میجر بخشی کے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔

میں اس وقت فارغ تھا۔ سوچنے اور ان ہی سوچوں میں وقت گزارنے کے سوا میرے پاس کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ میں نے بے اختیار اپنی ٹیلی ڈائری کے صفحات کھنگالنے شروع کر دیے۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد مجھے اس کا نام مل گیا۔

جن دنوں میں ایس ٹی ایف سے منحرف کرنل جمال دستی کے روپ میں اس سے پینگیں بڑھا رہا تھا' اس نے خود ہی مجھے اپنے گھر اور دفتر کے فون نمبر دیے تھے جن پر میں براہِ راست اس سے گفتگو کرسکتا تھا۔ میں نے اپنے فون کی لائن سے منسلک سی ایل ڈی کو آن کیا اور ڈرائنگ روم کے بجائے اپنے کمرے سے ہی اس کے دفتر کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

یکے بعد دیگرے تین گھنٹیاں بجیں۔ میں نے مایوس ہو کر فون بند کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک خلیق' نسوانی آواز میرے پردۂ سماعت سے ٹکرائی۔ اس نے بہت رواں انگریزی میں مجھ سے میرا مدعا دریافت کیا تھا۔

"میں میجر بخشی سے بات کرنے کا خواہاں ہوں۔ وہ کہاں ہے؟" میں نے انگریزی میں بے تکلفی سے کہا۔

"آج ان کی طبیعت ناساز ہے۔ کیا میں تمہارا نام جان سکتی ہوں؟"

اس خاتون سے ملنے والی اطلاع سے مجھے دلی مسرت ہوئی۔ کرشن کمار کی لاش کے بارے میں خبر پڑھ کر اس کی طبیعت کو ناساز ہونا ہی تھا۔ میں نے کوئی جواب دیے بغیر فون بند کردیا۔

میں نے اطمینان سے سگریٹ سلگالی اور اس کے کش لگاتے ہوئے یہ سوچ کر محظوظ ہوتا رہا کہ میجر بخشی نے اپنے خوف کو چھپانے کے لیے بیماری کا بہانہ کیا تھا۔ وہ ڈر کر اپنے گھر میں محصور ہوگیا تھا۔

آدھی سگریٹ پھونکنے کے بعد میں نے اس کے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ سلسلہ ملتے ہی میں نے اس کی آواز پہچان لی۔

"تم کیسے میجر ہو بخشی جی' کہ کرشن کمار کے مرتے ہی دبک کر اپنے گھر میں بیٹھ گئے... ہم..." میں نے اپنی آواز بدل کر تضحیک آمیز لہجے میں اپنی بات شروع ہی کی تھی کہ میری توقع کے مطابق وہ بھڑک گیا اور اس نے میری بات درمیان سے کاٹ دی۔

"یہ کیا بکواس کررہے ہو؟ کون ہو تم؟" وہ غصے سے غرا کر بولا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ فوج میں تم ٹٹوؤں اور خچروں کے دستوں کی کمان کرتے رہے' جبھی تم کو ہم جیسے انسانوں کا خیال نہیں ہے جو تمہارے آسرے پر اپنی زندگیاں داؤ پر لگا کر دن رات کام میں جٹے رہتے ہیں..."

"بدتمیز آدمی!" غصے کی شدت سے اس کی آواز بھرّا گئی "تم نے اپنا نام نہ بتایا تو میں اسی وقت فون بند کردوں گا۔"

"میرا نام ہری چند ہے۔" میں نے برجستہ کہا "شاید تم سے کرشن کمار نے میرا ذکر کیا ہوگا۔ میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"میں نے کبھی تمہارا نام نہیں سنا اور نہ میں کسی کرشن کمار کو جانتا ہوں۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" میں نے اپنی آواز میں حیرت اور مایوسی سمیٹتے ہوئے بے ساختہ کہا "اس نے بتایا تھا کہ اس کے ساتھ کبھی کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو برے وقت میں تم ہی میری مدد کرو گے۔ پولیس میرے پیچھے لگی ہوئی ہے' میری جان پر بنی ہوئی ہے' میں صبح سویرے سے مارا مارا پھر رہا ہوں اور تم کہہ رہے ہو کہ تم کسی کو نہیں جانتے تو پھر میں کہاں جاؤں؟"

اس بار اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیا اور میرے خاموش ہونے پر سختی سے بولا "تمہاری کوئی بات میرے پلے نہیں پڑ رہی۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں میرے گھر کا نمبر کس مردود نے دیا ہے۔"

"نمبر کون دیتا؟ کرشن نے ہی تمہارے دونوں نمبر دیے تھے۔ پہلے میں نے تمہارے دفتر فون کیا تو کسی عورت نے بتایا کہ تم بیماری کی چھٹی پر ہو۔ گھر پر تم مجھے آنکھیں دکھا رہے ہو۔ میں حیدر آباد سے بھاگ کر صرف اس لیے کراچی آیا تھا کہ یہاں تم میری مدد کرو گے اور مجھے بتاؤ گے کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ تم نے تو اپنی آنکھیں ہی ماتھے پر رکھ لی ہیں۔"

"تمہیں مجھ سے بدتمیزی کرنے کا مشورہ بھی کرشن کمار نے دیا ہوگا۔" میجر بخشی کی زہریلی آواز آئی "میں ٹٹوؤں کی کمان کرتا تھا تو تم جیسے الّو کے پٹھوں کے لیے کیا کرسکتا ہوں۔ تم کو منہ کھولنے سے پہلے یہ سوچنا چاہیے تھا۔"

میں نے میجر بخشی کے گھر کا فون نمبر ملایا تو اس وقت تک میرے ذہن میں کوئی خاکہ نہیں تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ میں کوئی بھی فرضی نام اختیار کرکے اسے کرشن کمار کے انجام کے حوالے سے مزید کچھ خوف زدہ کروں گا اور اس کی زبان سے کچھ اگلوانے کی کوشش کروں گا۔ جب اس نے میرا نام جاننے پر اصرار کیا تو مجھے اچانک ہی ہری چند کا نام یاد آیا اور میں نے بے ساختہ وہی نام دہرا دیا۔

ہری چند موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کی حیدر آباد برانچ کا منیجر تھا جس کی گاڑی میں کرشن کمار کے بھیجے ہوئے تین بھیل ہمارے گھر پہنچے تھے۔ ہم پر شب خون مارنے کی وہ کوشش ناکام ثابت ہوئی تھی۔ ان بھیلوں کی گاڑی کے نمبروں کے حوالے سے ہری چند کا نام سامنے آیا تھا۔ بعد میں جگدیش موہن کی زبانی معلوم ہوا کہ ہری چند' ماروتی کا رشتے

کا بھائی تھا۔

اول خان اسے فوری طور پر گرفتار کروانا چاہتا تھا مگر میں نے موہن اینڈ موہن کے مالکان کے ہوشیار ہونے کے خدشے کے تحت اسے روک دیا تھا۔ بعد میں واقعات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ ہم ہری چند کا نام ہی بھول بیٹھے۔ میجر بخشی سے فون پر بات کرتے ہوئے اس کا نام اچانک ہی میرے ذہن میں ابھرا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اپنے ابتدائی فقروں کا کیسے ازالہ کروں۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ میری ابتدائی تلخ نوائی کے باوجود، ہری چند کا نام سننے کے بعد، میجر بخشی کا رویہ خاصی معقولیت پر مبنی تھا۔ میں اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوجاتا تو اس سے میری گفتگو آگے بڑھ سکتی تھی۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم میری باتوں کا برا مان جاؤ گے۔ آدمی کو جب ہر طرف موت ہی موت نظر آنے لگتی ہے تو اس کا دماغ الٹ جاتا ہے اور وہ اول فول بکنے لگتا ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس وقت میں کتنا پریشان ہوں۔" ذہنی طور پر ایک فیصلہ کرلینے کے بعد میری زبان روانی سے خود بخود چل پڑی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تم بڑے آدمی ہو۔ بڑے آدمیوں کے دل بھی بڑے ہوتے ہیں۔ میری خطا معاف کردو اور مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں۔"

"تمہارا دماغ الٹ چکا ہے تو پھر تمہیں میرا نام اور نمبر کیسے یاد رہا؟ سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو۔"

"سرکار! میں کرشن کمار کا نمک خوار ہری چند ہوں۔" میں نے رو دینے والی آواز میں اسے یقین دلانا چاہا۔

"تم کان کھول کر سن لو کہ میرا کسی کرشن کمار سے کوئی واسطہ نہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ کسی شخص نے تمہیں میرے گھر اور دفتر کے فون نمبر دے کر کیوں بہکایا ہے اور ہاں، تم بتا رہے تھے کہ کرشن کمار بھی مرچکا ہے۔"

"پولیس میرے گھر پہنچی تو مجھے کچھ معلوم نہیں تھا، میں بس یہ جانتا تھا کہ میں کرشن کمار کے لیے بہت خطرناک کام کررہا ہوں۔ پولیس کے نام سے میرا دم نکل گیا اور صبح سویرے کے ملگجے اندھیرے میں اپنے گھر کی پچھلی دیوار پھاند کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مجھے بس اسٹینڈ پر اخباروں سے معلوم ہوا کہ وہ مارا جاچکا ہے۔ اس کا فوٹو بگڑا ہوا ہے، چہرہ خون میں لتھڑا ہوا ہے مگر میں نے اسے پہچان لیا۔ تم اخبار دیکھو گے تو اسے پہچان لو گے۔"

دوسری طرف خاموشی چھاگئی۔ شاید وہ میری باتوں پر غور کررہا تھا اور اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ میں کس حد تک سچ بول رہا تھا۔ قدرے توقف کے بعد اس کی آواز آئی "نام سے تم بھی ہندو لگتے ہو، یوں تم میرے بھائی ہو۔ اس ملک میں ہم کسی امتیاز کے بغیر اپنے سب بھائیوں کی خدمت کرتے ہیں مگر تم یقین کرو کہ کرشن کمار سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ تمہیں کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"میں تمہارا نام جانتا ہوں، میرے پاس تمہارے دونوں فون نمبر ہیں۔ یہ غلط فہمی کیسے ہوسکتی ہے؟ کرشن نے مجھے بتایا تھا کہ ہم سب مل کر یہاں اپنے دھرم اور ملک کی بہت بڑی خدمت کررہے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھی اور ساجھی ہیں۔ اب مجھ پر برا وقت آن پڑا ہے تو تم مجھ سے اپنا دامن بچا رہے ہو، مجھے جھوٹا کہہ رہے ہو۔ شاید یہاں کی پولیس سے مار کھا کر مرنا ہی میرا مقدر ہے۔"

"تمہیں آزردہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "کرشن سے میرا کوئی تعارف نہیں تھا، نہ اس سے میرا کوئی گٹھ جوڑ تھا مگر پھر بھی مجھے معلوم ہے کہ وہ اور اس کے ساتھی یہاں رہ کر اپنے دھرم اور دھرتی کے لیے بہت بڑا کام کررہے تھے۔ اخبار میں اس کے انجام کے بارے میں پڑھ کر مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے میرا کوئی قریبی عزیز مارا گیا ہو۔ نہ جانے اس نے تمہیں میرے فون نمبر کیوں دیے تھے۔ تم پولیس والوں سے چھپ کر آج کا دن گزار لو۔ میں سوچتا ہوں کہ تمہارے لیے کیا کیا جاسکتا ہے۔ تم کل اسی وقت مجھے دوبارہ فون کرلینا۔"

مجھے اپنی گفتگو آگے بڑھانے کے لیے اس کے جوابوں سے سہارا مل رہا تھا۔ مجھے دہری خوشی ہوئی کہ اسے مجھ پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا اور وہ میری باتوں کے جال میں پھنس رہا تھا۔ بڑی بات یہ تھی کہ اس وقت تک سی ایس ڈی خاموش تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ میجر بخشی نے میری کال ریکارڈ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ محض نام اور مذہب کے دھوکے میں میری صداکاری پر بھروسا کررہا تھا۔

"کل تک نہ جانے کیا ہوجائے۔" میں نے گہری مایوسی سے کہا "پولیس والوں سے اپنی ہڈیاں پسلیاں تڑوا کر قسطوں میں سچ اگلنے اور پھر سسک سسک کر مرنے سے بہتر ہے کہ میں خود کو مار لوں۔"

"نہیں نہیں۔ بھول کر بھی اپنے اوپر ایسا ظلم نہ کرنا۔ یہاں پولیس اور ایجنسیوں والے پہلے ہی ہمارے خون کے پیاسے ہیں۔ ہم نے خود بھی اپنے آپ کو مارنا شروع کردیا تو ہماری تعداد بہت تیزی سے گھٹتی چلی جائے گی۔ یہ بھاری

نقصان ہم برداشت نہیں کر سکتے۔"

"مجھے اپنے اوپر یہ زمین تنگ ہوتی نظر آرہی ہے۔ مجھ پر ایک ایک پل بھاری گزر رہا ہے۔" وہ میری ہمدردی میں جوں جوں نرمی اختیار کرتا جارہا تھا' میں نے اپنی بڑھتی ہوئی مایوسی کے حوالے سے پھیلنا شروع کردیا تھا۔

"تم نے بہت ہمت اور حوصلے سے آدھا دن گزار ہی لیا ہے۔ صبح تک میں کوئی نہ کوئی راستہ نکال لوں گا۔"

میں نے کسی فوری خیال کے تحت چونکنے کی صداکاری کرتے ہوئے کہا "کیوں نہ میں تمہارے گھر آجاؤں۔ پولیس کے فرشتوں کو بھی شبہ نہیں ہوسکے گا کہ میں تمہارے گھر میں چھپا ہوا ہوں۔"

میری تجویز پر وہ بری طرح بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا....

"ہرگز نہیں.... بھول کر بھی میری طرف آنے کی غلطی نہ کرنا۔ جب تک کوئی مضبوط وجہ نہ ہو' پولیس تم جیسے عام شہریوں کے پیچھے نہیں لگتی لیکن ہم ہر وقت مشکل میں رہتے ہیں۔ چوبیس گھنٹے ہماری کڑی نگرانی ہوتی رہتی ہے۔ تم پولیس کی نظروں میں آئے ہوئے ہو۔ ادھر آئے تو تمہاری وجہ سے میں بھی مارا جاؤں گا۔ میرے اور تمہارے لیے یہی سب سے بہتر ہے کہ تم کبھی بھول کر بھی مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔ انتہائی سخت ضرورت کے وقت فون پر بات چیت کافی رہے گی۔"

اس کی بوکھلاہٹ پر میں دل ہی دل میں محظوظ ہو کر رہ گیا۔ نادانستگی میں وہ میرے لیے ایک مستقل راہ کھول رہا تھا۔ میں ہری چند بن کر اسے اعتماد میں لینے میں کامیاب ہوگیا تھا' وہ خود مجھ سے ملنے سے گریزاں تھا۔ میرے لیے شناخت کرلیے جانے کا کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ میں جب چاہتا' ہری چند کی آواز میں اس سے راز و نیاز کی باتیں کرکے معلومات حاصل کرسکتا تھا۔

"تو کیا ہم کبھی بھی ایک دوسرے سے نہیں مل سکیں گے؟" میں نے اپنی خوشی کے بجائے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"موجودہ حالات میں شاید کبھی نہیں۔" اس کی آواز میں تفکر آمیز گہرائی پیدا ہوگئی "ہاں' جس دن کرشن کمار کا خون رنگ لایا اور اس کا خواب پورا ہوگیا تو ہم پوری آزادی کے ساتھ مل جل کر یہاں اپنی کامیابی کا جشن منائیں گے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ اب اکھنڈ بھارت بننے کا وقت قریب آگیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"شش!" فون پر اس کی تادیبی آواز ابھری "اب لیا ہے' دوبارہ یہ نام نہ لینا۔ یہاں یہ نام لینے والوں کی گردنیں بہت بے رحمی سے کاٹ دی جاتی ہیں۔ بے چارے کرشن کا انجام تمہارے سامنے ہے۔"

"ہم اسی طرح ڈرتے رہے تو کرشن کمار کا خواب شاید کبھی پورا نہیں ہوسکے گا۔"

"اسے ڈر نہیں' ہماری زبان میں مصلحت کہتے ہیں۔ چھری بغل میں چھپا کر رکھو اور منہ سے رام کے نام کی مالا جپتے رہو۔ دشمن تمہیں گیان دھیان میں مصروف دیکھ کر غافل ہوجائے تو پھرتی اور خاموشی سے چھری کا تیز دھار پھل اس کے دل میں اتار دو۔ اس وقت ہمیں' تمہیں اور ہمارے سب ساتھیوں کو یہی کرنا ہے۔ جو اس راستے سے ہٹا' وہ مارا جائے گا۔"

"تم مجھے ڈرا رہے ہو۔ اتنی احتیاط تو کرشن نے بھی نہیں بتائی تھی۔ اس طرح میرا دم گھٹنے لگے گا۔"

"کرشن نے وقت کے مطابق احتیاط نہیں کی اور مارا گیا۔ میں محتاط ہوں اور زندہ ہوں۔ تم سے بہت باتیں ہوگئیں۔ اپنی پناہ گاہ میں چھپ کر ان پر غور و فکر کرو گے تو تمہیں میری باتوں میں تجربے کا ٹھہراؤ نظر آئے گا۔ اب تم سے کل بات ہوگی۔"

میجر بخشی ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اس کی کہی ہوئی بہت سی باتیں بے انتہا اہمیت کی حامل تھیں۔ اکھنڈ بھارت کا دیومالائی کھیل پورے زور و شور سے جاری تھا۔ اس کے جنم واصل ہوجانے والے کردار آواگون کے نظریے کے تحت روپ' جسم اور چہرے بدل بدل کر سامنے آرہے تھے۔ کوئی چھپ کر اور کوئی برسرِعام مصروفِ کار تھا۔ اہم بات یہ تھی کہ میجر بخشی نے ہمارے قائم کیے ہوئے اس نظریے کی تصدیق کردی تھی کہ کرشن کمار نئی دہلی میں بیٹھے ہوئے منصوبہ سازوں کے اشارے پر براہِ راست کام کررہا تھا۔ اس کا سفارتی عملے میں چھپے ہوئے را کے اہل کاروں سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔

وہ سب سوچتے ہوئے میں اپنے کمرے میں مسہری پر نیم دراز رہا۔ غزالہ اپنے معمول کے مطابق کچن میں مصروف تھی۔ میری محویت کا سلسلہ ویرا کی مداخلت سے ختم ہوا۔ وہ مجھے ڈھونڈتی ہوئی' بے دھڑک کمرے میں گھس آئی تھی۔

"سنا ہے کہ آج تم مسلسل فون پر مصروف ہو۔ یہاں چھپ کر کس سے باتیں کررہے تھے؟" اس نے آتے ہی کہا۔

"میمن گوٹھ کے گرد و نواح میں واقعات کو ایک خاص رنگ دینے کے لیے جو محنت کی گئی تھی' وہ مطلوبہ نتائج سامنے نہیں لاسکی۔ امریکی تفتیش میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں اور اصل واقعات کی تہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے نظر آرہے

ہیں۔“
ویرا بے تکلفی سے مسہری کے سرے پر آبیٹھی تھی۔ میں فوراً ہی کنارے سے دور سرک کر نیم دراز ہوگیا۔
”حصہ کیا لے رہے ہوں گے‘ وہ تفتیشی افسران کے سروں پر سوار ہوں گے۔ چھوٹے ملکوں میں مامور ہر امریکی سفارتی افسر خود کو اعلیٰ ترین مقامی حکام سے بھی برتر سمجھتا ہے اور ہر معاملے میں ٹانگ اڑانا اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے۔“
”وہاں بھی شاید یہی ہو رہا ہے۔“ میں نے اعتراف کیا ”اصل خرابی یہ ہے کہ ایس ٹی ایف والے اپنا کام مکمل کر کے میمن گوٹھ سے بالکل الگ تھلگ ہو چکے ہیں اور وہ پولیس کیس بن چکا ہے۔ پولیس والوں کو ان واقعات کے پس منظر اور پیش منظر کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ وہ روایتی انداز میں کام آگے بڑھا رہے ہیں۔ امریکیوں کی شمولیت کی وجہ سے آئی بی یا ایس ٹی ایف والے دخل اندازی نہیں کر سکتے۔“
”اب تک کے نتائج کیا ہیں؟“ ویرا نے سگریٹ سلگانے کے بعد سنجیدگی سے پوچھا۔
”وہاں ہونے والے واقعات ان کے سامنے آچکے ہیں۔ صرف کرشن کمار کی تلاش جاری ہے۔ وہ وہاں شیرو کے نام سے روپوش تھا۔ اول خان نے بتایا ہے کہ پولیس پارٹی روی کی تلاش میں کسی بھی وقت موہن ہاؤس پر دستک دے سکتی ہے۔“
”تمہیں فوری طور پر ماروتی کو ہوشیار کر دینا چاہیے۔“ اس نے بے ساختہ تجویز پیش کی۔
”یہ کارِ خیر میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔“ میں نے اسے آگاہ کیا ”ابھی وہ شیرو کی تلاش میں ہیں۔ روی ہاتھ آگیا تو کرشن کمار کا نام کھل جائے گا‘ شیرو کی تلاش ختم کر دی جائے گی۔ وہ ہاتھ نہ آیا تب بھی دیر سویر کے بعد کرشن کمار اور شیرو کا معمّا حل ہو جائے گا۔“
اس بارے میں ویرا پوری طرح میری ہم خیال تھی۔ کرشن کمار اور شیرو کے نام سے امریکیوں کی کمزور پوزیشن میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ جمی اور ڈیوڈ کی ہلاکتوں پر کسی قسم کا احتجاج کرنے سے پہلے انہیں اس بنیادی سوال کا جواب فراہم کرنا تھا کہ وہ دونوں شیرو یا کرشن کمار سے کیوں ملنے گئے تھے۔ اس نے اول خان کے تمام اندیشوں کو خود ساختہ اور چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق قرار دے کر مسترد کر دیا تھا۔

ویرا کی دوسری اور سوچی سمجھی رائے تھی کہ روی موہن اپنی روپوشی کو طول دے کر بلاوجہ اپنے خلاف شکوک و شبہات کو ہوا دیتا۔ اسے روپوشی ترک کر کے پولیس کے سامنے اپنا بیان قلم بند کرا دینا چاہیے تھا تاکہ الجھنیں ختم ہو سکیں۔ اس نکتے پر میں اس سے متفق نہیں تھا۔ کرشن کمار کے بارے میں یہ بات زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی کہ وہ غیر قانونی طور پر پاکستان میں مقیم تھا اور تھر کے علاقے میں انتہائی مشکوک سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ اس کا گہرا دوست ہونے کی وجہ سے روی سنگین مشکلات میں پڑ سکتا تھا۔
ہماری گفتگو کے دوران میں ڈور بیل بجی۔ چند منٹ بعد سلطان شاہ نے کمرے کے دروازے پر آکر اول خان کی آمد کی اطلاع دی۔ ہم دونوں اس کے ساتھ فوراً ہی ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ اول خان تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر نیم دراز تھا۔
رسمی مزاج پرسی کے بعد ویرا نے اس سے متجسس لہجے میں پوچھا ”میمن گوٹھ کی کیا خبریں ہیں؟“
”صوبائی ہیڈ کوارٹرز میں بریفنگ کے بعد اعلیٰ پولیس افسران نے فوری طور پر سارے معاملات اپنی نگرانی میں لے لیے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ شام تک ہر بات بالکل واضح ہو جائے۔“
”میمن گوٹھ سے شیرو نامی ایک ملزم غائب ہے اور کراچی میں کرشن کمار نامی کسی شخص کی لاوارث لاش ملی ہے۔“ میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ”پولیس والے ان دونوں واقعات کو یکجا کریں تو انہیں روی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔“
”یہی کیا جا رہا ہے۔“ اس نے سر ہلا کر کہا ”لاش کی کئی زاویوں سے لی گئی رنگین تصاویر گرین فارم کے مزدوروں اور گارڈز کو دکھانے کے لیے تیار کی جا رہی ہیں۔ اخبارات میں چھپنے والی اکلوتی تصویر سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا۔ روی کی تلاش میں جانے والی پولیس پارٹی بھی ناکام لوٹی ہے۔“
”وہی نہیں‘ اب تک ماروتی بھی اپنے گھر سے غائب ہو چکی ہوگی۔“ میں نے ہنس کر بتایا۔
”امید ہے کہ کل تک وہاں کے حالات قابو میں آجائیں گے۔ امریکیوں کے جارحانہ تیور دم توڑ رہے ہیں۔ حقائق سامنے آنے کے ساتھ ساتھ وہ مدافعانہ پوزیشن میں پسپا ہو رہے ہیں۔ آئی جی اور ڈی آئی جی کی دخل اندازی سے بہت فرق پڑا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کل تک روی کی گرفتاری

کے وارنٹ واپس لے لیے جائیں۔ مجھے اس کے بارے میں فکر ہے۔"

"کیوں؟ تمہیں اس سے کیا ہمدردی ہوگئی؟" ویرا نے بھویں چڑھا کر استہزائیہ انداز میں پوچھا "ماروتی سے بند کمرے کے تخلیے میں ڈینی کی ملاقات ہوئی تھی اور ساری فکر مندی تمہارے سر پر سوار ہے۔"

"احمقانہ باتیں مت کیا کرو۔" اول خان نے برا سا منہ بنا کر خشک لہجے میں کہا "حیدر آباد سے ہری چند غائب ہوچکا ہے۔ روی یا ماروتی سے ہی اس کے بارے میں صحیح معلومات حاصل ہوسکیں گی۔"

"اوہ! اسے تو ہم بھول ہی بیٹھے تھے۔" سلطان شاہ بولا۔ "روی کے بعد ہمیں اس کا رخ کرنا چاہیے تھا۔"

"زیادہ نہیں، بس تھوڑی سی تاخیر ہوئی اور وہ نکل گیا۔ شاید اسے معلوم ہوگیا تھا کہ ہم لوگ روی کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔" اول خان نے وضاحت کی "اب کرشن کمار کے قریبی ساتھیوں میں سے وہی ہمارے سامنے رہ گیا ہے۔ دوسروں کے بارے میں روی سے معلومات حاصل ہونے کی امید ہے۔ اسی وجہ سے میں اس کے بارے میں فکر مند ہوں۔"

"تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔" میں نے اس کی تائید کی "میرے پاس روی اور ماروتی کا موبائل فون نمبر موجود ہے مگر ان سے کیا ہوا پہلا وعدہ وفا کیے بغیر میں ان سے کوئی توقع وابستہ نہیں کرسکتا۔"

"تمہارے پاس اس کا فون نمبر کہاں سے آگیا؟ روی کے پاس تو فون نہیں تھا۔" سلطان شاہ نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے میری ماروتی سے بات ہوئی تھی۔ آدمی کی جیب میں پیسے اور شناختی کاغذات موجود ہوں تو موبائل فون کنکشن ذرا سی دیر میں مل جاتا ہے۔ ماروتی ابھی تک مجھ سے بدظن نہیں ہوئی ہے۔"

"عورت جب خود کسی کو پسند کرتی ہے تو اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کرپاتی۔" ویرا کو اپنا فلسفہ بگھارنے کا موقع مل گیا "اپنی انا کی تسکین کے لیے یہ خود فریبی اس کی ضرورت اور کبھی کبھی مجبوری بن جاتی ہے۔"

"تم نے اول خان کے الفاظ پر غور نہیں کیا۔ ہم بند گلی کے سرے کے بہت قریب ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا "اس سے آگے نکلنے کے لیے ہمیں روی اور ماروتی کے تعاون کی ضرورت ہوگی۔ کرشن کمار کے ساتھیوں کے بارے میں ہگدیش کچھ نہیں جانتا۔"

"ابھی ہمارے سامنے ہری چند کا نام بھی ہے۔ اس سے بہت کچھ معلوم ہوسکتا ہے۔" ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تھوڑی دیر پہلے میں خود ہری چند بنا ہوا تھا۔" موضوع بدلنے کے لیے میں نے ہنس کر کہا "میں میجر بخشی سے بات کررہا تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ میں بخشی کو ہری چند کے بارے میں جو مفروضہ باتیں بتا رہا تھا، اول خان نے انہیں حقیقت کے طور پر بیان کیا ہے۔"

"میرا اندازہ یہی تھا کہ تم نے ایک سے زیادہ فون کیے ہیں۔" ویرا بول اٹھی "وہ کیا کہہ رہا تھا؟"

"آج کل وہ فعال نہیں ہے لیکن کرشن کمار کی سرگرمیوں سے باخبر تھا۔ دوسرے انتہاپسند بھارتیوں کی طرح وہ بھی اکھنڈ بھارت کے بارے میں بہت پرامید ہے۔ اس نے مجھے ہری چند سمجھ کر چند قیمتی مشوروں سے بھی نوازا ہے۔"

"آج کل وہ پرسکون ہے اور اس کے سر سے تمہارا اور ویرا کا بھوت اترا ہوا ہے۔" میجر بخشی سے ہونے والی گفتگو سن کر اول خان نے کہا۔

"تم یہ بھول رہے ہو کہ وہ اس وقت ڈینی سے نہیں، ہری چند سے بات کررہا تھا۔" ویرا نے ٹوکا "وہ سابق فوجی ہونے کے باوجود ناقابلِ یقین حد تک ڈرپوک ہے۔ اسے علم ہوجاتا کہ وہ ڈینی سے بات کررہا ہے تو شاید اس کے ہاتھ سے ریسیور ہی نکل جاتا۔"

"اس کا کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔" سلطان شاہ نے سوچتے ہوئے کہا "وہ بہت دنوں سے یہاں پل رہا ہے۔"

"جب تک کرشن کمار کی باقیات کا صفایا نہیں ہوجاتا، ہم کوئی نیا محاذ نہیں کھولیں گے۔" ویرا نے اس سے اختلاف کیا۔

گفتگو کا وہ سلسلہ وہیں موقوف ہوگیا۔ غزالہ نے سب کو اپنی مدد آپ کے اصول کے تحت کھانا تیار ہونے کی اطلاع دی تھی۔

آدمی کسی کام میں ہمہ تن مصروف ہو تو وقتی طور پر اپنی بھوک پیاس کو بالکل بھولا رہتا ہے۔ فرصت اور فراغت میسر ہو تو اسے اس کی ذاتی ضروریات وقفے وقفے سے ستاتی رہتی ہیں۔ میں نے میز پر کھانے کا آغاز ہونے کے بعد محسوس کیا کہ غزالہ کے سوا سب ہی کی بھوک چمکی ہوئی تھی۔ غزالہ کے تیار کیے ہوئے تازہ کھانوں کی تیز خوشبوؤں نے اس اشتہا میں اضافہ کردیا تھا۔

کھانے کے دوران میں میرا ذہن ماضی قریب کے واقعات کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا۔
ہمارے حصے میں جہاں بہت سی کامیابیاں آتی رہیں وہاں کچھ ناکامیوں کے داغ بھی موجود تھے۔ عارضی طور پر ان ناکامیوں پر ہمیں صدمہ ہوتا تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ان کے اسباب خود بخود سمجھ میں آجاتے تھے۔ دشمنوں سے ہونے والی خوں ریز لڑائیوں میں لغزش اور بے خبری کی کوئی معافی نہیں تھی۔ ہر چُوک کے نتیجے میں کوئی نہ کوئی شکست ہمارے سامنے آئی تھی۔ ہم نے جسمانی نقصانات بھی اٹھائے تھے مگر یہ غنیمت تھا کہ اپنی محدود تعداد کے باوجود ہم جانی نقصان سے ہمیشہ محفوظ رہے تھے اور خدا کی نصرت و تائید سے ہماری نفری برقرار تھی۔
کرشن کمار سے ہونے والی لڑائی کے بارے میں غور کرتے ہوئے ایک نکتے پر میرا ذہن الجھ گیا۔
کرشن کمار نے مجھ سے پہلی اور آخری مرتبہ فون پر بات کرتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ ہم نے مراد ظریف کو آزاد کیا اس کے حوالے نہ کیا تو وہ امریکیوں سے ہمارا سودا کرلے گا۔ گرین فارم پر جمی اور ڈیوڈ کی موجودگی یہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھی کہ کرشن کمار نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کی ٹھوس کارروائی شروع کردی تھی اور گرین فارم پر آپریشن شروع ہونے سے پہلے اسے امریکیوں سے مذاکرات کے لیے کافی وقت مل چکا تھا۔
کرشن کمار حیدر آباد سے واپس آنے والی ہماری گاڑی کے تعاقب کے نتیجے میں ہمارے پتے سے واقف ہوچکا تھا۔ اپنے تین آدمیوں کا مشن ناکام ہونے کے بعد وہ خود اسلحے کے بل پر ہمارے گھر میں گھس آیا تھا۔ پھر اول خان کے ذریعے جگدیش، ماروتی اور روی سے ہوتا ہوا، ہمارا فون نمبر بھی اس تک پہنچ چکا تھا۔ نہیں معلوم کہ اس نے امریکیوں سے کیا مذاکرات کیے تھے اور انہیں ان معلومات میں کس حد تک شریک کیا تھا۔
اگر کرشن کمار نے مرنے سے پہلے امریکیوں کو ہمارے پتے یا فون نمبر سے آگاہ کردیا تھا تو ہم اس گھر میں ایک لمحے کے لیے بھی محفوظ نہیں تھے۔ امریکیوں کو سراغ رسانی اور تباہ کاری پھیلانے کے سلسلے میں ابتدا سے ہی ایسے جدید ترین وسائل دستیاب رہے تھے جن کا توڑ کرنا ناممکن تھا۔
کرشن کمار اور امریکیوں کے مذاکرات کہاں تک پہنچے تھے اور اس نے ہمارے بارے میں انہیں کیا بتایا تھا۔ اس وقت ان دو سوالوں بلکہ عملی طور پر ایک سوال کا جواب ہماری بقا کے لیے اہم تھا۔ صحیح جواب اور صحیح فیصلہ ہماری زندگیوں کا ضامن تھا۔ فیصلے کی ذرا سی بھی غلطی ہم چاروں کے لیے ہولناک پیغام اجل ثابت ہوسکتی تھی۔ میں اس بارے میں جتنا سوچتا رہا، وہ نکتہ اسی قدر گمبھیر ہوتا چلا گیا۔
کھانے سے فارغ ہوکر ہم ایک مرتبہ پھر ڈرائنگ روم میں جمع ہوگئے۔ اس بار غزالہ بھی ہمارے درمیان موجود تھی۔
جب اول خان نے بند کھول کر اپنے جوتے اتارنے شروع کیے تو ویرا بولے بغیر نہ رہ سکی "معلوم ہوتا ہے کہ تم میمن گوٹھ کے معاملات سے بالکل ہی بے فکر یا فارغ ہوگئے ہو۔ اب تمہارے لیے وہاں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی۔"
"اگر تمہیں میری موجودگی گراں گزر رہی ہے تو میں ابھی یہاں سے چلا جاتا ہوں۔" اس نے ہنس کر کہا۔
"سوال تمہاری موجودگی کا نہیں، وہاں ہونے والے واقعات سے باخبر رہنے کا ہے۔"
"کرشن کمار کو لانے کے بعد میں نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ آئی بی والوں کی طرح میرے آدمی بھی موجود ہیں۔ وہ مجھے یہیں رپورٹ دیں گے۔ دراصل مسئلہ یہ ہے کہ بیشتر محکموں کے اعلیٰ حکام مجھ سے واقف ہیں۔ کراچی میں میری طویل پوسٹنگ کی وجہ سے ہر جگہ کوئی نہ کوئی مجھے پہچان لیتا ہے۔ ہم نے اپنے طور پر ایک بڑی کارروائی کرڈالی ہے مگر میں نہیں چاہتا کہ اس معاملے میں غیر ضروری طور پر ایس ٹی ایف کا نام لیا جائے....."
"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے اس سے اتفاق ظاہر کرتے ہوئے کہا "یہ واقعات نامعلوم لوگوں سے منسوب رہیں تو بہتر ہوگا۔ تمہیں ہدف سے غرض تھی جو حاصل کرلیا گیا۔"
"اب اجازت ہو تو دوسرا جوتا بھی اتار دوں۔" اول خان نے ویرا سے پوچھا۔
ویرا ایک ڈھیٹ لڑکی تھی مگر اس وقت شرمندہ ہوگئی "میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ تم نے میری بات کا غلط مطلب لیا ہے۔" اس کے بعد اپنی طرف سے سب کی توجہ ہٹانے کے لیے فوراً ہی میری طرف متوجہ ہوگئی "تم کیوں بقراط بنے بیٹھے ہو؟"
"ہاں، میز پر بھی تم بالکل خاموش تھے۔" اول خان، ویرا کے جھانسے میں آکر مجھ سے پوچھ بیٹھا۔
"ایک سنگین مسئلہ ذہن سے چپکا ہوا ہے۔" میں نے انہیں اپنی تشویش میں شامل کرتے ہوئے کہا "کرشن کمار

ہمارے پتے اور فون نمبر سے واقف تھا۔ اس نے جی اور ڈیوڈ کو ہمارے بارے میں کیا کچھ بتادیا تھا؟"
"جو کچھ بھی بتایا ہو' وہ ان کے ساتھ' ان کے سینوں میں جہنم واصل ہوگیا۔" ویرا نے جواب دیا۔
"تم بھول رہی ہو کہ مرنے سے پہلے انہوں نے موبائل فون پر اپنے بڑے افسران سے رابطہ کرکے گڑ بڑ کی خبر دی تھی۔ ہمارے بارے میں انہیں کچھ معلوم ہوا ہوگا تو انہوں نے فون پر معلومات بھی آگے بڑھادی ہوں گی۔"
"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اول خان کی آنکھوں سے الجھن جھانکنے لگی۔
"امریکی ہماری اس کمین گاہ سے واقف ہوچکے ہیں تو ہم یہاں ہرگز محفوظ نہیں ہیں۔"
"کرشن کمار انعام کی خطیر رقم حاصل کرنے کے لیے ایک مخبر کے روپ میں ان سے ملا تھا۔ ان سے سودا ہوئے اور رقم وصول کیے بغیر وہ یہ باتیں بتا کر اپنے ہاتھ پیر نہیں کٹوا سکتا تھا۔" غزالہ نے سوچتے ہوئے کہا۔
"وہ ابتدائی ملاقات تھی۔" سلطان شاہ نے اپنی رائے دی "وہ خالی ہاتھ آئے ہوں گے۔ انہوں نے اتنی بڑی رقم کرشن کمار کو دی ہوتی تو وہ اس کے قبضے سے یا کاٹیج سے برآمد ہوتی۔ رقم لیے بغیر وہ انہیں کچھ بتانے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہاں کوئی رقم نہیں پائی گئی۔"
"اس کے پاس کچھ نہیں تھا' کاٹیج کی تلاشی لینے کی نوبت نہیں آئی تھی۔" اول خان نے اس کی تصحیح کی۔
"ہم سب عجلت میں بولے جارہے ہیں۔ ڈینی کا یہ سوال زیادہ توجہ کا طلب گار ہے۔" ویرا کو بھی معاملے کی نزاکت کا احساس ہوگیا۔
"اس نے انہیں کچھ بتایا ہوتا تو وہ پوچھ گچھ کے دوران میں اس حوالے سے کچھ نہ کچھ ضرور کہتا۔" اول خان نے سوچتے ہوئے کہا "وہ ہمیں بددعائیں ضرور دے رہا تھا مگر اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔"
"وہ احمق نہیں بہت چالاک تھا۔" ویرا نے موقف بدل لیا "اسے اپنا انجام سامنے نظر آرہا تھا۔ کچھ بتا دیتا تو ہم ہوشیار ہوکر اپنا ٹھکانا بدل لیتے۔ اس نے سوچا ہوگا کہ اچھا ہے' ہم بے خبری میں مارے یا پکڑے جائیں۔"
"امریکیوں کو اگر رات کو کچھ معلوم ہوگیا تھا تو وہ اب تک ہاتھ پر ہاتھ کیوں دھرے بیٹھے ہیں؟" اول خان نے پوچھا۔
"ابھی وہ میمن گوٹھ میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہاں سے نمٹ کر ہمارے بارے میں سوچیں گے۔" ویرا نے ترکی بہ ترکی کہا۔
"وہاں ان کے صرف تین آدمی ہیں۔ اس وقت ان کا سب سے بڑا مسئلہ تم دونوں ہو۔ انہیں کوئی بھنک بھی مل گئی ہوتی تو وہ پوری طاقت سے تمہارے خلاف حرکت میں آچکے ہوتے۔"
"کچھ بھی ہو۔ اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔" ویرا نے جواب دیا۔
"ایسا ہے تو تم چاروں مائیکرو سینٹر منتقل ہوجاؤ۔ وہاں ساری آسائشیں موجود ہیں۔" اول خان نے تجویز پیش کی۔
مجھے اس تجویز سے شدید اختلاف تھا۔ وہ جگہ فریڈم انٹرنیشنل اور مقبول چوہدری کی وجہ ابتدا سے ہی فساد کا گڑھ بنی رہی تھی۔ مراد ظریف نے وہاں فائرنگ کی تھی۔ وہ جاتے ہوئے امریکی سی آئی اے کے مقامی چیف سے ملا تھا اور شاید اسی ملاقات کی وجہ سے یہ شبہات ظاہر کیے گئے تھے کہ مائیکرو سینٹر سے فریڈم انٹرنیشنل کے اہم ترین عہدے داروں کو اغوا کرنے کے بعد کسی ایجنسی کے اہلکار اس عمارت پر قابض ہوچکے تھے۔
امریکیوں کو کچھ بتایا گیا ہوتا یا نہ بتایا گیا ہوتا' وہ عمارت ہر حال میں مخدوش تھی۔
"پھر تمہارے پاس فوری طور پر صرف اسٹیشن فور رہ جاتا ہے۔" اول خان نے میری پوری بات سننے کے بعد کہا۔
"اس وقت ہم ایک فی صد خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے۔ یہ وہم تمہارے ذہن میں آیا ہے' ویرا تم سے متفق ہے۔ اسی وقت یہاں سے چل دو۔"
"تم چھت پر چلے جاؤ اور آس پاس نگاہ رکھو۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا "ہمیں بوکھلانے کی ضرورت نہیں۔ بس ذہنی طور پر ہر خطرے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ وہ سڑک کے راستے ہی آئیں گے اور مزہ چکھ لیں گے۔"
"خطرے کا احساس ہوجانے کے باوجود تم یہاں رکے رہنے پر مصر ہو؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔ سلطان شاہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ڈرائنگ روم سے نکل چکا تھا۔
"یہ گنجان آبادی ہے۔ یہاں وہ کوئی بڑی کارروائی نہیں کرسکتے۔ آئیں گے اور چوروں کی طرح گھر میں گھسنے کی کوشش کریں گے یا پھر وہ دو چار دستی بم پھینک کر بھاگ نکلیں گے۔ ہم ان کے استقبال کے لیے اب تیار ہیں۔ رات کے لیے تم اپنے دو آدمی بھیج دینا۔"

"دو نہیں، میں دس آدمی بھیج دوں گا لیکن یہ کوئی دانش مندانہ فیصلہ نہیں ہے۔"

"اب ان سے براہِ راست دو دو ہاتھ کرنے کا موقع آگیا ہے۔ ان کے خوف سے ہم کب تک ٹھکانے بدلتے رہیں گے۔"

"کبھی کبھی تم میرے لیے بالکل ناقابلِ فہم ہو جاتے ہو۔" اول خان اپنا سر جھٹک کر بولا۔

وہ موضوع اس قدر سنگین تھا کہ دیر تک اسی کے مختلف پہلوؤں پر بات ہوتی رہی۔ غزالہ مصر تھی کہ اس کی رائے درست تھی۔ ویرا کو خطرہ سر پر منڈلاتا ہوا نظر آرہا تھا اور میں بدستور اپنے فیصلے پر قائم تھا۔

پانچ بجے اول خان کے ایک آدمی کا فون آیا۔ اس نے اطلاع دی کہ کراچی میں ملنے والی، کرشن کمار کی لاش کی رنگین تصاویر کو شناخت کرلیا گیا تھا۔ شاید امریکیوں کو کرشن کمار کے اصل کردار کا علم تھا۔ شناخت کے بعد ان کے حوصلے پست ہوگئے تھے جسے دن بھر کی شدید تکان کا نام دے کر وہ میمن گوٹھ سے واپس کراچی کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔

"اب کل تک روی کے حق میں کوئی فیصلہ جاری ہو جائے گا۔" اول خان نے اپنے آدمی کی رپورٹ سے مطلع کرتے ہوئے کہا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ سب ہی کے لیے انتظار کے لمحات صبر آزما تھے۔

اندھیرا پھیلنے سے پہلے اول خان کے طلب کیے ہوئے دونوں آدمی اپنی پوری تیاری کے ساتھ آگئے۔ وہ اندھیرے میں دور تک دیکھنے والی انفرا ریڈ دوربینوں، رائفلوں، مہلک دستی بموں اور دوسرے ضروری سامان سے لیس تھے۔

میں نے اول خان کے ساتھ چھت پر جاکر ان دونوں کو متوقع خطرات اور ان کی ذمّے داریوں کے بارے میں بریف کیا پھر اپنی حفاظت کا ذمّہ ان دونوں پر چھوڑ کر ہم تینوں نیچے آگئے۔

اول خان نے ہمارے ساتھ کافی وقت گزار لیا تھا۔ اسے جس فون کا انتظار تھا، وہ آچکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی رخصت ہوگیا۔

"اب بھی وقت ہے۔" اول خان کو رخصت کرنے کے بعد ویرا نے کہا "اسٹیشن فور چل دو۔ جیسے جیسے رات گہری ہوتی چلی جائے گی، ان کی طرف سے حملے کے امکانات بڑھتے چلے جائیں گے۔ ہم میں سے کسی کو زخم بھی آیا تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔"

"سب کی نہیں، صرف اپنی بات کرو۔" سلطان شاہ چڑ کر بولا "میں ڈینی کے ایک اشارے پر اپنی جان قربان کرسکتا ہوں۔"

"میں نے بھی کبھی پشت نہیں دکھائی۔ اس وقت حالات مختلف ہیں۔ تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے!؟"

"وہ غیر ملکی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دو چار آدمی آئیں گے، کوئی لشکر دھاوا نہیں بولے گا۔ تمہارا دم کیوں نکلا جارہا ہے۔ اس وقت ہم چھ افراد ہیں۔ کیا ہم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے؟"

"بھاڑ میں جاؤ اور میری بات لکھ لو۔" وہ بھنّا کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی "آج رات کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ پے در پے ناکامیوں کے بعد وہ کوئی قدم ضرور اٹھائیں گے۔ میری رگوں میں امریکی خون دوڑ رہا ہے۔ میں انہیں تم سے زیادہ جانتی ہوں۔"

"یہ تمہاری رگوں میں دوڑتے ہوئے امریکی خون کی خرابی ہے کہ تم پر خوف سوار ہو رہا ہے۔"

"اب مجھے ڈسٹرب نہ کرنا، میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔" اس نے مڑ کر ہم تینوں سے کہا "جب بھوک لگے گی، خود کچن سے کھانا لے کر کھالوں گی۔ میں یہاں بیٹھ کر اپنی شام برباد نہیں کرسکتی۔"

"تمہارے ہم وطن آگئے تو ہم انہیں تمہارے کمرے میں ہی بھیج دیں گے۔" سلطان شاہ نے ہانک لگائی۔

اس بار ویرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ غزالہ اس نوک جھوک پر زیرلب مسکرا رہی تھی۔

ہم نے وقت گزاری کے لیے ٹیلی ویژن کھول لیا۔ اس رنگین ڈبے پر نظر آنے والے پروگراموں سے ہم میں سے کسی کو رغبت نہیں تھی۔ بس مشینی انداز میں کبھی کبھار اسے دیکھ لیا جاتا تھا۔ کچھ پروگراموں کے بعد خبرنامہ شروع ہوا تو اس میں چوتھی خبر میمن گوٹھ میں ہونے والے پراسرار حادثے کے بارے میں تھی۔ ابتدائی تین خبریں درجہ بدرجہ عمائدین سلطنت کی مصروفیات اور پیغامات پر مشتمل تھیں۔

شاید اوپر کی ہدایات پر نشریات کی وزارت نے میمن گوٹھ کے واقعات کو زیادہ اہمیت دی تھی۔ اس خبر میں سب کچھ وہی تھا جو ہمیں اول خان سے معلوم ہوچکا تھا۔ اضافی بات یہ تھی کہ حکام نے پاکستان میں کرشن کمار کی غیر قانونی موجودگی کو بہت سرعت سے بے نقاب کردیا تھا۔ خبر کے آخر میں یہ واضح کردیا گیا تھا کہ ساری توجہ اس مجبوری پر مرکوز کردی گئی تھی جو مرنے والے امریکیوں کو ایک غیر قانونی

تارک وطن کے درپے لے گئی تھی۔
امریکیوں کے تازہ زخم پر نمک پاشی کے لیے وہ آخری اعلان بہت ضروری تھا۔
کھانے کے بعد ہم خاموشی سے اپنے کمرے میں آگئے۔ مجھے اندازہ تھا کہ ویرا اپنے کمرے میں بیٹھی غزلوں کی ریلے پر اسکاچ سے شغل کر رہی ہوگی۔ اس وقت اس سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ مناسب نہیں تھی۔
بستر پر پہنچنے کے نصف گھنٹے بعد غزالہ گہری نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھی۔ وہ دن بھر گھر کے کام کاج میں مصروف رہنے کی وجہ سے تھکی ہاری تھی پھر اس کا ذہن بالکل صاف تھا۔ اس نے خطرے کے ہر امکان کو یکسر مسترد کر دیا تھا اس لیے اس کی نیند میں کوئی چیز حارج نہیں ہو سکی۔ میری کیفیت اس سے بالکل مختلف تھی۔ ذہنی اور اعصابی تکان کے باوجود نیند کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تھا۔
دیر تک بستر پر کروٹیں بدلنے اور کئی سگریٹیں ختم کرنے کے باوجود جب نیند کے آثار نمودار نہ ہوئے تو میں نے خاموشی سے بستر چھوڑا اور سلیپر پہن کر دبے قدموں کمرے سے باہر نکل آیا۔
راہداری میں رک کر میں نے ویرا کے بند دروازے کے پیچھے کی سن گن لینے کی کوشش کی مگر وہاں رات کے گہرے سناٹے کا راج تھا۔ کیسٹ پلیئر بند ہو چکا تھا اور ویرا اپنا کوٹہ پورا کرنے کے بعد گہری نیند سو چکی تھی۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ دو بجا رہی تھی۔
میں زینوں کی طرف ہو لیا۔ میری آہٹ پر وہ دونوں ہی بھڑکے تھے۔ اس وقت ایک بوتل سے منہ لگا کر پانی پی رہا تھا۔ دوسرا ٹرائی پوڈ پر لگی ہوئی دوربین پر جھکا گلی کا جائزہ لے رہا تھا۔ میری آہٹ پر وہ دونوں اپنی رائفلیں سنبھال کر جھٹکے سے سیدھے ہوئے تھے پھر مجھے پہچان کر ان کے تنے ہوئے بدن ڈھیلے پڑ گئے۔ انہوں نے مجھے سلام کیا اور دوربین والا دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔
وہ دونوں پوری ذمے داری سے اپنے فرض کی ادائیگی میں منہمک تھے۔ اس وقت تک انہیں سڑک پر کوئی غیر معمولی نقل و حرکت نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے کچھ دیر ان کے پاس رک کر ایک سگریٹ ختم کی، سگریٹ کے دھوئیں کے ساتھ کچھ تازہ ہوا اپنے پھیپھڑوں میں جذب کی اور وہاں سے لوٹ آیا۔
میری وہ بے نام بے چینی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ میں بستر پر کروٹیں بدلے جا رہا تھا اور نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری بے چینی اور اعصابی کشیدگی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔
رات کے تین بجے، گھر کے گہرے سناٹے میں ٹیلی فون کی گھنٹی کسی آسیبی چیخ کی طرح گونجی اور میں بری طرح چونک گیا۔ دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے میں ریسیور اٹھا کر کان سے لگا چکا تھا۔
"مجھے اندازہ تھا کہ تم جاگ رہے ہوگے۔" دوسری طرف سے اول خان کی آواز گمبھیر اور نیند کے خمار سے عاری تھی۔
"کیا تم نے صرف یہی جاننے کے لیے اس وقت فون کیا تھا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"تمہاری چھٹی حس بلاوجہ خطرے کی گھنٹی نہیں بجا رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے انہوں نے مائیکرو سینٹر کو دھماکوں سے اڑا دیا۔" اول خان کے انکشاف نے لمحے بھر کے لیے مجھے ہلا دیا۔
باہمی مشوروں کے نتیجے میں اگر ہم خوف زدہ ہو کر مائیکرو سینٹر منتقل ہو گئے ہوتے تو ہماری لاشیں اسی عمارت کے ملبے میں دفن ہو کر رہ جاتیں۔ وہ کہہ رہا تھا "میرا آدمی اس حادثے میں موت کے منہ سے بال بال بچا ہے۔"
"ہوا کیا تھا؟ کیا وہاں کوئی ٹائم بم پھٹا ہے؟" میں نے اس سے اگلا سوال کیا۔
"وہ دو نقاب پوش تھے۔ سر سے پیر تک، ان کے جسم کا ہر حصہ ڈھکا ہوا تھا۔ ہاتھوں پر دستانے تھے۔ وہ ایک جیپ میں توحید کمرشل پہنچے اور انہوں نے موٹے بیرل والی چھوٹی چھوٹی گنیں اپنے شانوں سے ٹکا کر گیراج والے نچلے حصے پر دو بم فائر کیے۔ بموں نے بنیادوں اور نچلے ستونوں کو توڑا اور پوری عمارت مہیب آوازوں کے ساتھ نیچے آتی چلی گئی۔"
"اور وہ دونوں بھاگ گئے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر بے تابی سے پوچھا۔
"جیپ کا انجن اسٹارٹ تھا۔ وہ ایک منٹ کے لیے بھی مشکل سے رکے۔ دونوں نے ایک ایک فائر کیا اور فرار ہو گئے۔"
"میں پہلی بار ایسی کسی گن کے بارے میں سن رہا ہوں۔" "وہ یقیناً کوئی جنگی ہتھیار رہا ہوگا۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ گوریلا لڑائیوں میں امریکی فوجی کم فاصلے پر تباہی پھیلانے والے چھوٹے گولے فائر کرنے کے لیے ایسی گنیں استعمال کرتے رہے ہیں۔ وہ دونوں بھی امریکی

رہے ہوں گے۔ ایسے ہتھیار عام دسترس میں نہیں ہیں۔"
"تم شاید اپنے گھر سے بول رہے ہو۔ تمہیں یہ اطلاعات کیسے ملیں؟" میں نے سوال کیا۔
"مائیکرو سینٹر کی چوکیداری پر مامور، ایس ٹی ایف کا سپاہی نسوار کھانے کی عادت میں مبتلا ہے۔ اس کی ڈبیا خالی ہوگئی تھی اور اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ حملے سے چند منٹ پہلے وہ دروازہ مقفل کرکے اپنے کسی دوست سے نسوار لینے نکلا تھا۔ اس کی واپسی سے پہلے مائیکرو سینٹر ملبے میں تبدیل ہوچکا تھا۔ نسوار کھانے کی بری عادت نے آج اس کی زندگی بچالی ہے۔"
"دیکھو تم نے سچ کہا، کبھی بری عادتیں بھی انسان کے کام آجاتی ہیں۔ تمہارا آدمی بچ گیا ہے۔ کوئی اور تو ہلاک یا زخمی نہیں ہوا؟" میں اول خان کی زبان سے زیادہ سے زیادہ تفصیلات جاننے کے لیے بے چین تھا۔
"امکان نہیں ہے۔ انہوں نے گراؤنڈ فلور کو نشانہ بنایا اس لیے آس پاس کی عمارتوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ہوگا۔ صحیح صورت حال کچھ دیر بعد واضح ہوسکے گی۔ تم نے پچھلی شام کو ہی مائیکرو سینٹر کو سب سے زیادہ غیر محفوظ قرار دیا تھا اور اب یہ خبر آگئی۔"
"اس خبر سے ہمیں اپنے سوال کا جواب بھی مل گیا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"تم کس کا حوالہ دے رہے ہو؟" اول خان نے بے ساختہ سوال کیا۔
"کرشن کمار نے انہیں ہمارے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اس بارے میں غزالہ کا اندازہ سو فیصد درست تھا۔"
"تم نے یہ اندازہ کیسے لگالیا۔ مجھے تو دونوں باتوں میں کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔"
"جانی نقصان اور ناکامیوں کا بدلہ لینے کے لیے انہیں کوئی مضبوط ترین ہدف درکار تھا۔ انہیں ہمارا پتا معلوم ہوتا تو وہ ادھر کا رخ کرتے۔ جان اسمتھ کو معلوم تھا کہ مقبول چوہدری کے غائب ہونے کے بعد کوئی ایجنسی مائیکرو سینٹر پر قابض ہے اور وہ ہمیں ایجنسی کا آدمی سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اندازہ لگایا ہوگا کہ ہم وہیں مقیم ہیں اور کرشن کمار یہ بتانے کے لیے انعامی رقم مانگ رہا تھا۔ انہوں نے وہیں حملہ کردیا۔"
"یعنی یہ حملہ مائیکرو سینٹر پر نہیں، تمہاری اور ویرا کی پناہ گاہ پر کیا گیا ہے!"
"ہاں اور اب میں وہاں کی تباہی کا منظر اپنی نگاہوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"
"بلاوجہ اپنا وقت برباد کرو گے۔ اس عمارت سے ہماری کیا وابستگی ہے۔ اکرام الٰہی نے حرام کے پیسے سے بنوائی تھی۔ وہ اسی طرح ملبے کا ڈھیر بن گئی۔ مال حرام بود، بہ جائے حرام رفت۔ ہمیں اس سے کیا لینا!"
"تمہارا آدمی وہاں ہے۔ اس کا سامان ملبے میں رہ گیا ہوگا۔" میں نے اسے آمادہ کرنے کے لیے کہا۔
"سپاہی کا سامان ہی کیا ہوتا ہے۔ ایک جوڑا اور ہتھیار۔ اس کا ہتھیار اس کے ساتھ تھا۔ ایک جوڑا میں اسے لے دوں گا۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ خاموشی سے اسٹیشن فورا واپس چلا جائے۔"
"انہیں جب علم ہوگا کہ عمارت میں کوئی ذی روح نہیں تھا تو وہ اپنا سر پیٹ لیں گے۔"
"اب بھائی، کر سونے کی کوشش کرو۔ اب تمہاری بے چینی دور ہوجانی چاہیے۔ ہاں یہ بھی سن لو کہ روی کے وارنٹ واپس لے لیے گئے ہیں۔ کرشن کمار کے بارے میں بہت تیزی سے ہر بات معلوم کرلی گئی ہے۔"
"یہ تفصیل میں نے خبرنامے میں سن لی تھی۔ روی کی خوش خبری تم سنا رہے ہو۔"
"تمہارے ساتھ کوئی اور بھی جاگ رہا ہے یا سب سوئے ہیں؟"
"سب سو رہے ہیں۔ میں ابھی تمہارے آدمیوں کے پاس سے ہوکر آرہا ہوں۔ صبح انہیں واپس بھیج دوں گا۔ اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔ یہاں رہ کر بے چارے بلاوجہ بے آرام ہوتے رہیں گے۔"
"ابھی ایسی غلطی نہ کرنا۔ دو چار دن تک احتیاط ضروری ہے۔ زخمی ناگ پلٹ پلٹ کر وار کرتا ہے۔" اس نے مجھے خبردار کرتے ہوئے کہا "صبح میں ان کو بلاکر، ان کی جگہ نئے آدمی بھیج دوں گا۔ چند دنوں تک دن اور رات میں ڈیوٹیاں بدلتی رہیں گی۔"
"تمہاری مرضی۔" میں بے بسی سے ہنس پڑا "بعض اوقات تم ہمیں ضرورت سے زیادہ نازک سمجھنے لگتے ہو۔"
"تمہاری سکون کی نیند کے لیے میں پورا دستہ بھی بھیج سکتا ہوں۔ مجھ سے ان معاملات پر بحث مت کیا کرو۔"
"فی الحال میرا سونے کا ارادہ نہیں ہے۔ میں جان اسمتھ کی خبر لینا چاہتا ہوں۔"
"اس وقت تم کیا کرو گے؟ وہ کہاں ملے گا؟" اول خان کی آواز تحیر زدہ تھی۔

”فون پر ملے گا۔ اسے کچھ ایسی خوراک دوں گا کہ اس کی نیندیں حرام ہو جائیں گی۔“ میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔

”اس کا فون نمبر تمہیں کہاں سے ملے گا؟“ اول خان کی حیرت برقرار تھی۔

”وہ اوبرائن کی جگہ آیا ہے۔ اسی کے فلیٹ میں رہ رہا ہوگا۔ وہاں کا فون نمبر میرے پاس محفوظ ہے۔“

”سی ایس ڈی ضرور آن کرلینا۔“ اس کی آواز سے اندازہ ہوا کہ وہ میری تجویز سے محظوظ ہوا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا ”اس کے بعد تم سکھ کی نیند سوؤ گے۔ اور وہ کسی پاگل کی طرح رات بھر جاگتا رہے گا۔“

ہم دونوں نے جان اسمتھ کی شان میں چند بے تکلفانہ فقروں کا تبادلہ کیا اور بات ختم کردی۔

اول خان سے بات ہونے کے بعد میری بے چینی حیرت انگیز طور پر دور ہو چکی تھی۔ وہ شاید میری چھٹی حس کا کرشمہ تھا کہ میں نے وقت سے پہلے خطرے کی بو محسوس کرلی تھی۔ بے چینی ختم ہونے کے باوجود مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ میں نے گہری نیند سوئی ہوئی غزالہ کے خواب انگیز سراپا پر ایک نظر ڈالی اور پھر اس کی نیند میں خلل پڑنے کے اندیشے کی وجہ سے خواب گاہ سے نکل کر ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔

اول خان ایک ذمّے دار آدمی تھا۔ کبھی کوئی کچی بات منہ سے نہیں نکالتا تھا۔ میں نے ہمیشہ اس کی کہی ہوئی بیشتر باتوں کو سند کے طور پر لیا تھا اور مجھے کبھی شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے ہر طرف سے تصدیق کیے بغیر روی والی بات نہیں کہی ہوگی۔

میں نے جان اسمتھ سے پہلے وہ خوش خبری ماروتی تک پہنچانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ خبر اتنی بڑی تھی کہ میں اس وقت بھی روی اور ماروتی کی نیند خراب کرسکتا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم سے فون ملایا تو دوسری گھنٹی پر ایک غنودہ مردانہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

”میں مظہر بول رہا ہوں۔ ماروتی یا روی سے بات کرادو۔“ میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

”ماروتی بے خبر سو رہی ہے۔ میں روی بول رہا ہوں۔ چاہو تو مجھ سے بات کرلو ورنہ میں اسے جگادوں۔“ اس کی آواز سے نیند کا نشہ بہت حد تک کافور ہوگیا۔ مجھے ماننا پڑا کہ وہ اپنی بیوی کی آزادیوں کے بارے میں غیر معمولی حد تک فراخ دل تھا۔

”تمہارے لیے اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ صبح تم بے فکر ہو کر اپنے گھر جاسکتے ہو۔ اب وہاں کوئی نہیں آئے گا۔“

”اوہ .... گریٹ...!“ ریسیور پر روی کی مسرت آمیز آوازیں ابھریں۔ ”ماروتی نے تمہارے بارے میں سچ کہا تھا۔ تم واقعی کمال کے آدمی ہو۔“

”شکریہ اب تم آرام کرو۔ پھر کسی بھلے وقت پر تم سے ملاقات ہوگی۔“

”اس سے زیادہ بھلا وقت اور کیا ہوگا۔ کل شام تم ہمارے ساتھ چائے پیو گے۔ ہم تمہارا انتظار کریں گے۔“

میں دل سے اس ملاقات کا خواہاں تھا مگر میں نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر کہا ”میں کوشش کروں گا۔“

”کوشش نہیں، وعدہ کرو میرے دوست!“ اس نے اصرار کیا ”ماروتی نے مجھے بتایا ہے کہ تمہاری مسلمانی بہت مضبوط ہے اور تم شراب نہیں پیتے اس لیے تمہیں چائے پر مدعو کررہا ہوں ورنہ ہم تینوں مل کر کاک ٹیل پارٹی اڑاتے۔“

”میں ایک شرط پر وعدہ کرسکتا ہوں کہ تمہارے بڑے بھائی ہماری محفل میں شامل نہ ہوں۔“

”ارے! تم بھایا جی کی فکر نہ کرو۔ وہ مجھ سے اور میرے دوستوں سے دور رہتے ہیں۔ ان پر ہر وقت بزرگی سوار رہتی ہے۔“ اس کی آواز سے ایسی بشاشت مترشح تھی جیسے وہ سرے سے سویا ہی نہ ہو۔

میں نے اس سے وعدہ کرلیا اور بات ختم ہوجانے کے بعد کئی منٹ تک سوچتا رہا کہ اس نے شراب نوشی سے پرہیز کا ذکر کرتے ہوئے جو کچھ کہا تھا، وہ اس کی طبیعت کے لاابالی پن کا نتیجہ تھا یا اس نے لطیف پیرائے میں مجھے یہ جتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ ہر بات سے باخبر تھا۔

کسی نتیجے پر نہ پہنچنے کے بعد میں نے اس الجھن کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اس کا پیغام کچھ بھی رہا ہو، یہ بات طے تھی کہ اس نے مجھے اگلی شام چائے پر مدعو کرلیا تھا جہاں میں اس سے کھل کر بہت سی باتیں کرسکتا تھا۔

وقت بہت خاموشی سے گزرتا چلا گیا تھا۔ میں نے اوبرائن ڈی ہنٹ کی سابقہ قیام گاہ کا نمبر ملایا تو وہاں راوی نے عیش و آرام کی ہر تحریر پر قلم پھیرا ہوا تھا۔ پہلی گھنٹی بجنے کے بعد ہی کسی کٹ کھنے سے امریکی کی غراہٹ نے میری طبیعت مکدر کردی۔

”اگر تم ہی جان اسمتھ ہو تو تم سے فون پر زیادہ دیر بات کرنی ممکن نہیں ہے۔ میرے کان کا پردہ پھٹ جائے گا۔“

”یو سن آف اے گن!“ میرے کانوں میں غصیلی آواز گونجی ”میں ہی جان ہوں۔ تم کون ہو؟“

"میں تمہاری جان کا روگ ہوں جسے لوگ ڈینی کے نام سے جانتے ہیں۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"اوہ۔۔۔ یُو۔۔۔!" اس طرف سے یک بیک مغلظات کا ایک سلسلہ شروع ہوا پھر اچانک ہی لائن ڈراپ ہوگئی۔ کمرے سے سی ایس ڈی کا بزر سنائی دیا تھا۔ میں نے کریڈل دبا کر فوراً ہی جان کا نمبر دوبارہ ملالیا۔

"اب تم نے کال ریکارڈ کرنے کی کوشش کی تو میں تیسری بار تمہارا نمبر نہیں ملاؤں گا۔" میں نے سلسلہ ملتے ہی کہا۔

"تمہارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا اور میں کال ریکارڈ کرلوں گا۔ مجھ سے ہوائی باتیں مت کرو۔"

"ابھی لائن بلاوجہ ڈراپ نہیں ہوئی تھی۔ میرے فون سے کال سینسنگ ڈیوائس منسلک ہے۔ تم اپنے ریسیور کے ساتھ کسی بھی دوسرے آلے کو چھیڑو گے اور لائن خود بہ خود بند ہوجائے گی۔ یہ کوئی ہوائی بات نہیں ہے۔"

"نہیں ہوگی۔" اس نے بے پروائی ظاہر کرتے ہوئے کہا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ سی ایس ڈی جیسی حسّاس چیزیں زرد جاپانیوں نے تم کالوں تک پہنچادی ہوں گی۔ تم بولو میں سن رہا ہوں۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"ابھی تمہارے پاس کچھ وقت ہے۔ تم نے مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا تو تمہارا وقت ضرور پورا ہوجائے گا۔"

"ہذیان بکنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم نے کیوں فون کیا ہے۔" اس کی آواز میں تجسّس تھا۔

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میری طرح تم بھی جاگ رہے ہو۔ تم نے مائیکرو سینٹر کو تباہ کرکے اچھا نہیں کیا۔ میری فون کال اس بات کا ثبوت ہے کہ میں تمہارے ٹھکانے سے واقف ہوں اور مائیکرو سینٹر میں ہونے والی دس اموات کے بدلے تمہیں موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں۔"

"اوہ! وہاں دس آدمی مرے ہیں۔" اس کی آواز سے خوشی مترشح تھی "اب تمہارا دماغ کچھ ٹھکانے پر آگیا ہوگا۔"

"آدمی نہیں، صرف چوہے مرے ہیں!" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "خالی عمارتوں میں صرف چوہے پروان چڑھتے ہیں۔ ان کے لیے ادارۂ تحفظ حیوانات تم سے جواب طلب کرے گا۔ میں ان کا بدلہ تمہارے خون سے لوں گا۔"

"اب یہاں او برائن جیسا فلفی نہیں' میں رہتا ہوں۔ تم اس عمارت کے قریب بھی پھٹکے تو تمہارے چیتھڑے اڑا دیے جائیں گے۔ ہمیں اپنے تحفظ کے لیے ہر قسم کی آزادی میسر ہے۔ تمہارے خلاف اس آزادی کو بے رحمی سے استعمال کیا جائے گا۔"

"یہ آزادی جمی اور ڈیوڈ کو بھی حاصل تھی۔ ان کا انجام تمہارے سامنے ہے۔"

"مجھے شبہ تھا کہ اس واقعے میں تم ہی ملوث ہوسکتے ہو۔ تمہارے خلاف فردِ جرم روز بروز سنگین ہوتی جارہی ہے۔"

"وہ اپنی بدحواسی کی وجہ سے کھڈ میں گر کر مرے ہیں۔ انہیں کرشن کمار سے اپنا سودا طے کرنے کی مہلت نہیں مل سکی۔ اس سے پہلے میرے آدمی وہاں پہنچ گئے۔ وہ بھاگے اور خود ہی شرم سے ایک کھائی میں جا گرے۔ میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔"

"ان کی باقیات کا پوسٹ مارٹم ہونے تک ہم خاموش ہیں۔ امریکی ماہروں کا معائنہ مکمل ہونے کے بعد ہر بات سامنے آجائے گی پھر تم دیکھنا کہ تمہیں کون امان دیتا ہے۔ تم پر تمہاری اپنی زمین تنگ کردی جائے گی۔"

"وہ اب بھی بہت تنگ ہے۔ میں چھوٹے سے مکان میں رہتا ہوں پھر بھی تمہاری دسترس سے باہر ہوں۔"

"تمہارے لیے صرف چھ فٹ زیرِ زمین جگہ ہونی چاہیے۔ تم اس سے زیادہ کے حق دار نہیں ہو۔"

"اتنی جگہ اب تک تمہارے آدمیوں کو راس آتی رہی ہے۔ اپنے لیے بھی کہیں بندوبست کرلو۔"

"جمی اور ڈیوڈ کامیاب ہوجاتے تو اس وقت تم ان بڑے بولوں کے لیے آزاد نہ ہوتے۔"

"وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے تھے کیونکہ کرشن کمار نے بنیاد ہی بدنیتی پر رکھی تھی۔ کیا اس بات سے تمہاری آنکھیں نہیں کھلیں کہ تم لوگوں سے اپنی مخبری کے عوض انعام کا سودا کرنے والا کوئی اور نہیں' را کا ایک منجھا ہوا ایجنٹ تھا۔"

"یہ ہمارا اور ان کا معاملہ ہے۔" جان کی آواز میں مزید تلخی گھل گئی "ہم ان سے اپنے معاملات طے کرنا جانتے ہیں۔ اس بارے میں تمہیں کوئی مشورہ دینے کی ضرورت نہیں مجھ سے تم اپنی بات کرو۔"

"تم وہ لوگ ہو جن پر ان کے دوست اعتماد نہیں کرتے' مجھے تو تم اپنا دشمن شمار کرتے ہو۔ میں تم سے عداوت کے سوا اور کیا کرسکتا ہوں۔"

"تم نے اس وقت فون کیوں کیا ہے؟" جان نے ترشی سے پوچھا۔

"وہ مقصد میں حاصل کرچکا ہوں۔ تمہیں معلوم ہوچکا ہے کہ مائیکرو سینٹر تباہ کرکے تم نے کچھ حاصل نہیں کیا اور مجھے تمہارا ٹھکانا معلوم ہے۔"

"میں اس کثیرالمنزلہ عمارت میں رہ کر خوف زدہ نہیں ہوں۔ اوبرائن کا چھوڑا ہوا فلیٹ آباد کرتے ہوئے مجھے اطمینان تھا کہ یہاں میں محفوظ ہوں۔ میرے خلاف اندھا دھند کارروائی کرکے کوئی پاگل ہی سیکڑوں پاکستانیوں کے خون کی ہولی کھیلے گا۔"

"تم ہر وقت فلیٹ میں نہیں رہتے۔ یہاں آتے جاتے بھی ہو۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"میں اپنے دفتر سے بھی روز آتا جاتا ہوں۔ ہم لوگ اتنے بودے نہیں ہیں جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔"

"میرے سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اب تمہیں یہاں ایف بی آئی کی کمک کی ضرورت بھی پیش آگئی ہے۔"

"تم اپنی ذات میں ایک کیڑے سے بھی زیادہ حقیر ہو۔ تمہاری اصل قوت پوری انتظامیہ میں مضمر ہے جو پس... کر تمہاری مدد کرتی ہے اور اندر کی خبر... تم تک پہنچاتی ہے۔ یہ حقیقت تم خود بھی جانتے ہو۔"

"یہ مسئلہ ہر ایک کے ساتھ ہے۔ تمہیں آج سی آئی اے، ایف بی آئی اور امریکی حکومت کی سرپرستی حاصل نہ رہے تو تم خود کو صفر سے بھی بہت نیچے پاؤ گے۔ ہر شخص کو اصل طاقت اس کی ٹیم مہیا کرتی ہے۔ موازنہ کروگے تو میری ٹیم کو بہت مضبوط پاؤ گے۔"

"میرا اور تمہارا کوئی موازنہ نہیں ہوسکتا۔ مجھے اور میرے اختیار کو پاکستان سے امریکا تک تسلیم کیا جاتا ہے۔ تمہیں کوئی اپنانے کے لیے تیار نہیں۔ پاکستان کے ریکارڈ میں تمہارا اندراج ایک مجرم کی حیثیت سے ہے۔ یوں سمجھو کہ قانون کا کوئی محافظ اپنے فرائض کی انجام دہی میں دس خون بھی کردے تو اس سے کوئی بازپرس نہیں کی جاتی۔ قاتل ایک قتل کردے تو سولی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ بیوروکریسی نے تمہیں اپنا آلۂ کار بلکہ کھلونا بنایا ہوا ہے۔ تم سے کام لینے والے اپنی ٹوپیوں میں کلغیاں سجاتے ہیں، تمہیں کچھ نہیں ملتا۔ جب تم بوڑھے ہوجاؤ گے اور ان کے کسی کام کے نہیں رہو گے تو اندھیرے میں سے آنے والی کوئی بے نام ونشان گولی تمہاری زندگی کا چراغ گل کردے گی۔"

اس کی تقریر بہت لمبی ہوتی جارہی تھی۔ میں نے بات درمیان میں کاٹ دی "یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟"

"شاید تمہیں عقل آجائے اور یہ باتیں تمہیں بھی نظر آنے لگیں۔"

"اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا۔ تم لوگ اپنے فائدے کے بغیر کسی کو ٹھوکر بھی نہیں مارتے۔"

"تم دہشت گردی کی زندگی سے تائب ہوکر باعزت زندگی کی راہ اختیار کرلو تو ہمارا کام آسان ہوجائے گا۔"

"میرے تائب ہونے سے تمہیں کیا آسانیاں میسر آسکتی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"تمہاری وجہ سے ہم اپنے کئی اچھے دماغوں سے محروم ہوچکے ہیں۔ تم راستے سے ہٹ جاؤ تاکہ ہم اپنی توانائیاں دوسرے تعمیری کاموں پر صرف کرسکیں اور ہمیں مزید نقصانات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اس کی باتوں میں دلچسپی لے رہا تھا۔ میں نے اسے چارہ ڈالتے ہوئے کہا "تمہا... ہے؟"

"اگر تم... ڈوریاں ہلانے والے اجازت دیں تو گوشہ نشینی اختیار کرلو۔"

"اس سلسلے میں تم میری کیا مدد کروگے؟"

اس بار میرے کانوں میں اس کا نیم وحشیانہ قہقہہ گونجا پھر اس نے کہا "کچھ بھی نہیں، ہماری کتابوں میں تمہارا نام ہمیشہ کے لیے قاتل اور دہشت گرد کے طور پر درج ہوچکا ہے۔ میں اوبرائن نہیں ہوں جو تمہارے اس جال میں پھنس جاؤں۔"

"اوبرائن سے میری کبھی ایسی بات نہیں ہوئی تھی۔" میں نے انجان بن کر کہا۔

"کہا جاتا ہے کہ کرنل جمال دستی تمہارا ایک بہروپ تھا۔ میں اس بحث میں اپنا وقت برباد نہیں کروں گا۔"

"میرا وقت بھی اتنا بے وقعت نہیں ہے کہ میں تمہاری بے مغز باتیں سنتا رہوں۔" میں نے فون بند کردیا۔

اس سے بات کرکے میں نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی تھی اور اپنا بین السطور پیغام اس تک پہنچا دیا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ ایک ناکامی کے بعد اس نے دوبارہ گفتگو ریکارڈ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ سلسلہ کسی خلل کے بغیر جاری رہا تھا۔

واقعات کی جو لہر آکر گزر چکی تھی۔ میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوچکا تھا اور میں یکایک آرام دہ بستر کی خواہش محسوس کرنے لگا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم میں جلتا ہوا اکلوتا بلب گل کیا اور اپنے کمرے میں لوٹ گیا۔

○☆○

میں باہر کی فضا میں ملگجا سا اجالا پھیلنے کے بعد سویا تھا اس لیے دیر تک سوتا رہا۔ کسی نے میری نیند میں خلل ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ گیارہ بجے میں نے بستر چھوڑ کر باتھ روم

کا رخ کیا اور تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تو تینوں میرے منتظر تھے۔

"خیریت ہے۔" میں نے ناشتے کا آغاز کرتے ہوئے پوچھا "آج تینوں کے تیور یکساں نظر آرہے ہیں۔"

"تمہارے لیے ماروتی کا فون آیا تھا۔" ویرا نے اپنی نظریں میرے چہرے پر گاڑ کر کہا "وہ تمہارے جوابی فون کا انتظار کررہی ہوگی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فون کرنا تم کو ناگوار گزرا ہے۔" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"وہ تمہارے سوا کسی سے بات کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ بس اپنا پیغام دے کر فون بند کردیا۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا "میں ریسیور پر مظہر کا نام سن کر لمحہ بھر کے لیے چکرا گئی تھی پھریاد آیا کہ اس سے تم اسی نام سے ملے تھے۔"

"اس کی جگہ تم ہوتیں تو تم بھی یہی کرتیں۔ وہ کہاں سے بول رہی تھی۔"

"میرا اندازہ ہے کہ منہ سے بول رہی تھی۔" ویرا کے بے ہودہ جواب پر وہ تینوں ہنس پڑے۔

"سنا ہے کہ تم رات بھر جاگتے رہے۔" سلطان شاہ نے میرا موڈ خراب ہوتا دیکھ کر کہا "اول خان نے تین بجے تمہیں فون کیا تھا۔ اس وقت تک تمہاری کسی سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی مگر ماروتی تمہاری کسی کال کا حوالہ دے رہی تھی۔"

وہ شریفانہ سوال تھا۔ میں نے اسے اپنی اور روی کی گفتگو کے بارے میں بتا دیا۔

"آپ ویرا کی باتوں پر بلاوجہ ناراض ہوتے ہیں۔ یہ ہنسنے ہنسانے کے لیے بھی الٹی سیدھی باتیں کرجاتی ہیں۔" غزالہ بولی۔

"یہ بات یاد رکھنا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "آئندہ تمہیں ویرا کی کوئی بات بری لگی تو میں یہ مشورہ یاد دلا دوں گا۔"

ہنسنے بولنے کے باوجود ہمارے درمیان کچھ دیر تک تناؤ کی کیفیت موجود رہی۔ اس کا واحد سبب ماروتی کی فون کال تھی۔ میرے ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد وہ تناؤ دور ہوا تو میری رات کی مصروفیات زیر بحث آگئیں۔ میرے بیدار ہونے سے پہلے اول خان کا فون آچکا تھا۔ اس کی زبانی انہیں معلوم ہوچکا تھا کہ پچھلی رات مائیکرو سینٹر کو تباہ کردیا گیا تھا۔

اول خان کو ہری چند کے بارے میں تشویش تھی۔ گھر سے غائب ہونے کے بعد پورے حیدر آباد میں اس کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ میں جلد از جلد ماروتی سے رابطہ کرکے اسے روی کی مکمل گلوخلاصی کی نوید سناؤں اور پھر اس سے ہری چند کے بارے میں بات کروں تاکہ کرشن کمار کا وہ ساتھی بھی گرفت میں آسکے۔ اسے ڈر تھا کہ تاخیر کی صورت میں کہیں وہ سرحد پار نہ نکل جائے۔

اول خان کی فکر مندی میں ماروتی کی فون کال کا جواز موجود تھا۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ اسی نظریے کے تحت میں نے رات کو روی سے بات کی تھی اور شام کے لیے اس کی دعوت بھی قبول کرلی تھی۔

میری اور جان اسمتھ کی گفتگو میرے نزدیک بے مقصد تھی مگر ان کے لیے وہ دلچسپی کا سبب بن گئی اور اس پر دیر تک سوال اور جواب کا سلسلہ چلتا رہا۔ میری مصروفیات کے بارے میں ان کی بریفنگ مکمل ہوچکی تھی۔ وہ آپس میں تبادلہ خیال کرنے میں مصروف ہوگئے۔ میں نے ڈرائنگ روم میں جاکر تازہ اخبار سنبھال لیا جس میں پچھلے واقعات کی بازگشت کے ساتھ نیا مواد بھی شامل تھا۔

پچھلے روز کرشن کمار کی شناخت کے سلسلے میں روی موہن کا نام بہت اچھالا گیا تھا لیکن گرین فارم پر اس کی تصاویر کی شناخت اور پھر میرپور خاص سے شواہد مل جانے کے بعد روی موہن کا نام اچانک خبروں سے غائب ہوگیا تھا۔ وہ ایک اچھی علامت تھی کیونکہ اس وقت پورے شہر میں صرف روی اور ماروتی ہی ہمارے لیے کوئی مسئلہ پیدا کرسکتے تھے۔

اول خان کی عجلت کی وجہ سے ہمارے گھر کا فون نمبر جگدیش، روی اور ماروتی تک پہنچا ہوا تھا۔ جگدیش سے رسمی باتیں ہوئی تھیں اس لیے وہ اس نمبر کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر تھا مگر روی اور ماروتی کو پوری طرح علم تھا کہ میں نے کرشن کمار کا سراغ حاصل کرنے کے لیے ان سے روی کی معافی کا سودا کیا تھا اور اسی رات کرشن کمار کو ماردیا گیا تھا۔ وہ آسانی سے سمجھ گئے ہوں گے کہ کرشن کمار ہمارا شکار بنا تھا۔

ماروتی کے لیے میں صرف ایک چہرہ تھا کیونکہ وہ میرے اصل نام سے بے خبر تھی۔ روی کے لیے میں صرف ایک آواز تھا۔ ان کے پاس میرا کوئی حقیقی سراغ تھا تو وہ فون نمبر تھا۔ اس پر تھوڑی سی محنت کرکے کوئی بھی ہمارے گھر تک پہنچ سکتا تھا۔

میرے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دونوں میاں بیوی ہمارے رازدار بن گئے تھے۔ ان کی خوشنودی کی اہمیت میرے اور

اول خان کے سوا کوئی نہیں سمجھ رہا تھا وہ کرشن کمار کے قتل کے موضوع پر زبان کھول کر دشواریاں بھی پیدا کر سکتے تھے۔

بارہ بجے اسلام آباد سے جلال کا فون آگیا۔ اس نے رسمی علیک سلیک اور مزاج پرسی کے بعد بتایا کہ امریکی حکومت نے جمی اور ڈیوڈ کی موت پر کوئی احتجاج نہیں کیا تھا مگر وزارت خارجہ کو وائٹ ہاؤس سے ایک سخت نوٹ بھیجا گیا تھا جس میں زور دے کر کہا گیا تھا کہ جمی اور ڈیوڈ نے واضح ہدایات کی خلاف ورزی کی قیمت ایک جان لیوا ظاہری حادثے کی صورت میں ادا کی جو پاکستان کی سرزمین پر ایک معمول بن چکی ہے۔

حدود اور ہدایات سے بہت سے لوگ تجاوز کرتے رہتے ہیں جن میں پاکستانیوں کے ساتھ بہت سے غیر ملکی بھی شامل ہیں لیکن یہ بات حیرت اور صدمے کے ساتھ نوٹ کی گئی ہے کہ بعض پراسرار اور نادیدہ قوتیں ہروقت امریکی اہلکاروں کا پیچھا کرتی رہتی ہیں اور جوں ہی ان میں سے کوئی مقررہ حدود سے تجاوز کرتا ہے اسے بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے یا سرِعام تذلیل کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں رابن مائر اس کے ساتھی کمانڈو، بوب رافیل، جمی جونز اور ڈیوڈ رسل کے خصوصی حوالے دیے گئے تھے۔

مہذب سفارتی زبان استعمال کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ وائٹ ہاؤس کو یقین ہے کہ حقیقت یہ نہیں ہے مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بعض عناصر کو پاکستانی حکومت کی جانب سے کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے کہ وہ جب اور جہاں بھی مناسب سمجھیں، کسی امریکی اہلکار کو مار ڈالیں۔ ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ ضرورت پیش آئی تو انہیں سرکاری تحفظ بھی فراہم کیا جائے گا۔

وائٹ ہاؤس اس خطرناک تاثر کا فوری خاتمہ چاہتا ہے۔ وہ حالات برقرار رہے تو امریکی ملازمین پاکستان میں اپنی تعیناتی قبول کرنے سے انکار کردیں گے۔ ممکن ہے کہ سارے سفارتی دفاتر بند کرنے کی نوبت آجائے۔ ایسا ہوا تو یہ پاکستان اور امریکا کے تعلقات کے لیے بدترین دھچکا ہوگا جس سے بچنے کے لیے پاکستانی حکومت کو پوری سنجیدگی اور طاقت سے کارروائی کرنی چاہیے جو نظر بھی آسکے۔

شاید اس نوٹ کی نقل جلال کے پاس موجود تھی۔ اس نے اس کے منتخب حصے مجھے پڑھ کر انگریزی میں ہی سنائے تھے۔

"یہ توہین آمیز نوٹ ہے۔ اسے قبول کرنے سے انکار کردینا چاہیے تھا۔" میں نے سب کچھ سننے کے بعد کہا۔

"یہ سفارتی سرد مہری کا آخری مرحلہ ہوتا ہے۔ فی الحال ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔" جلال نے مجھے سمجھایا۔

"اس کا کیا جواب دیا جائے گا؟" میں نے غصے اور بے بسی سے پوچھا "حقیقت یہ نہیں ہے، کہنے کے بعد سارے الزامات ہمارے سر تھوپ دیے گئے ہیں۔ اس طرح وائٹ ہاؤس والے اپنے ملازمین کے جرائم کی پردہ پوشی کے مرتکب ہوئے ہیں۔"

"انہوں نے بوب رافیل والے معاملے میں امریکی صدر کی معذرت کی خفت پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ مراسلہ بھیجا ہے۔ ماہرین سرجوڑ کر، حقائق کی روشنی میں اس کا جواب تیار کر رہے ہیں۔ اسے پڑھ کر امریکیوں کی طبیعت جھک ہوجائے گی۔"

"ایسا ہو تو لطف آجائے گا۔ راستہ انہوں نے خود سمجھایا ہے۔ حقیقت یہ نہیں ہے مگر۔۔۔ اس کے بعد الزامات کی ایک طویل فہرست گنوائی جاسکتی ہے۔ شاید اسلام آباد اور کراچی کے دفاتر میں اس مراسلے کی نقلیں فیکس پر آچکی ہیں۔ جب ہی جان اسمتھ مجھے دھمکیاں دے رہا تھا کہ اب مجھ پر میرے اپنے ملک کی زمین تنگ کردی جائے گی۔" میں نے خیال آتے ہی اسے وہ نکتہ بھی بتا دیا۔

"جان سے تمہارا ٹکراؤ کیسے ہوگیا؟" میرے انکشاف نے جلال کو بری طرح چونکا دیا۔

"ٹکراؤ نہیں ہوا، آج صبح چار بجے میں نے اسے فون کیا تھا۔ رات انہوں نے فریڈم انٹرنیشنل والی پوری عمارت کو بموں کے دھماکے سے اڑا دیا۔"

"مائیکرو سینٹر کے بارے میں مجھے معلوم ہے۔ وہ دو نامعلوم نقاب پوش تھے مگر یہ شناخت نہیں ہوسکی کہ ان کی قومیت کیا تھی۔ وہ جو چاہے کرتے رہیں، تم ان کے منہ مت لگو۔ خاموشی سے اپنا کام کرتے رہو اور ان کی نظروں میں آنے سے بچو۔"

"اس سے بات کرنے کے بعد ہی یقین ہوا ہے کہ مائیکرو سینٹر اڑانے والے امریکی تھے۔"

"یہ تحقیق کرنے کی کیا ضرورت تھی ڈینی؟" جلال کی آواز التجا آمیز ہوگئی "ہمارے اپنے طور طریقے ہیں۔ کچھ وقت ضرور لگتا ہے لیکن سب کچھ سامنے آجاتا ہے۔ یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ اجلاسوں میں تمہارا نام ہماری کمزوری بن جاتا ہے۔ ہم ان کی باتیں سننے پر مجبور ہوتے ہیں مگر تمہاری مدافعت میں ایک لفظ نہیں بول سکتے۔ وہ فوراً تمہاری سرپرستی کا الزام لگانے پر اتر آتے ہیں۔"

میں اس کی پریشانی اور آزردگی کے اسباب پوری طرح سمجھتا تھا مگر اس کے مشورے نے مجھے افسردہ کردیا۔ میں نے بجھی ہوئی آواز میں کہا "وہ ہمارے درمیان ایسی ہی تلخیوں اور غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کی امید پر بلند بانگ دعوے کررہا تھا۔ میں کوشش کروں گا کہ آئندہ تمہیں کوئی شکایت نہ ہو۔ اب ان کے کسی معاملے میں میرا نام نہیں آئے گا۔ میں کے ون کی مجبوری کی وجہ سے جمی اور ڈیوڈ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔"

"تمہارے لہجے سے ظاہر ہورہا ہے کہ تم ناراض ہوگئے ہو۔ میں نے تمہیں اپنا دوست کہا ہے۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ مگر ... کے ساتھ توڑنے سے نہیں روکتا لیکن خود کو جان بوجھ کر سامنے مت لاؤ۔ ... سنجیدہ طور پر سوچنے دو۔"

"میں نے میجر بخشی کو بھی چھیڑا تھا... شاید وہ بھی غلط قدم تھا۔" میں نے اس کی بات سنی ان سنی کرکے کہا۔

"میں صرف امریکیوں کی بات کررہا تھا۔ بھارتی ہمارے سامنے مردار خور گدھ ہیں جو ہر زندہ وجود سے خوف کھاتے ہیں۔ ان کے ساتھ تم من مانیاں کرتے رہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ہر فیصلے کے پیچھے دماغ سوزی کار فرما ہوتی ہے۔"

"میں سوچتا اور سلگتا ہوں، کسی فیصلے پر پہنچتا ہوں اور اس پر عمل کر گزرتا ہوں۔ میرے لیے مصلحتوں کا تابع رہنا دشوار ہوجاتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ میں امریکیوں کو بھول جاؤں..."

وہ سنجیدہ اور بردبار افسر تھا مگر اس وقت یکایک جذباتی ہوگیا۔ اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس کا مخلصانہ مشورہ مجھے پسند نہیں آیا تھا۔ وہ دیر تک فون پر میری دل جوئی کرتا رہا اور چند دو طرفہ وعدوں کے بعد وہ گفتگو ختم ہوگئی۔

دن ڈھلے اول خان سے میری تفصیلی بات چیت ہوئی۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں اسی شام ماروتی کے گھر مدعو تھا۔ جان اسمتھ کے ساتھ ہونے والی باتوں پر اس کا ردِّعمل جلال سے بالکل مختلف تھا۔ دونوں میں فرق صرف اتنا تھا کہ جلال ضابطوں کا اسیر اور اپنے بڑوں کو جواب دہ تھا جبکہ ایس ٹی ایف کا ہر اسٹیشن کمانڈر اپنی جگہ پر ایک مضبوط اکائی تھا۔ اپنے عمل اور فیصلوں کے لیے سب سے پہلے وہ اپنے ضمیر کے سامنے جواب دہ تھا۔ اس کے بعد اس کا صرف ایک چیف تھا جو اپنی پیشگی ہدایات کی حدود میں اپنے کمانڈروں کے ہر فیصلے کو من و عن قبول کرلیتا تھا۔

ویرا دن بھر میرے آس پاس ہی منڈلاتی رہی۔ وہ کسی ضرورت کے لیے اپنے کمرے میں گئی تو جلد ہی واپس آگئی۔ میں نے دانستہ ماروتی کو فون نہیں کیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ بہت بے چینی سے میری کال کا انتظار کررہی ہوگی مگر میں ویرا کو بولنے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

چار بجے میں نے کسی غیر معمولی اہتمام کے بغیر کپڑے تبدیل کیے تو سلطان شاہ میرے پاس آپہنچا اور رازدارانہ لہجے میں بولا "تم چائے کی دعوت پر جارہے ہو تو تمہیں ایک ڈرائیور کی ضرورت بھی ہوگی۔"

"میں غیر ضروری طور پر کسی کا ان کی نظروں میں آنا پسند نہیں کرتا۔ تم ان سے تعلق کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کرو تو اندازہ ہوگا کہ تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "جہاں ضرورت ہوتی ہے میں خود کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔"

میری سنجیدگی کی وجہ سے اسے کوئی دوسرا سوال کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔

غزالہ کو مجھے جوتوں کی تلاش کے بہانے سے خود کمرے میں بلانا پڑا۔ وہ دروازہ بند کرکے جوں ہی پلٹی تو میں نے سختی سے اسے دونوں بازوؤں سے تھام لیا۔ وہ کسمسا کر بازو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی تو میں نے کہا "روی اور ماروتی کے گھر جانے کی اجازت ہے؟"

"میں نے تو آپ کو کبھی نہیں روکا۔ آپ ضرور جائیں، شوق سے جائیں۔" غزالہ نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"میں وہاں اپنے شوق سے نہیں، مجبوریوں کے تحت جارہا ہوں۔ تفصیل اول خان سے پوچھ لینا۔"

"مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، آپ پر پورا اعتماد ہے۔ آپ کہیں بھی چلے جائیں، لوٹ کر گھر ہی آتے ہیں۔"

غزالہ کے ان الفاظ میں خلوص و محبت کے ساتھ موہوم سا شکوہ بھی پنہاں تھا جو اپنی جگہ درست اور جائز تھا۔ میں اس کے سامنے ہمیشہ بہت محتاط رہتا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ وہ میرے اور ویرا کے باہمی تعلق کے بارے میں بہت کچھ جان لینے کے باوجود انجان بنی رہتی تھی اور کبھی اپنی فطرت کے تقاضوں سے مجبور ہوکر زبان کھولنے پر مجبور ہوجاتی تھی تو کوئی ایسی بات نہیں کرتی تھی جس سے میرے جذبات مجروح ہوں یا الزام تراشی کی کوئی صورت پیدا ہوتی ہو۔

میں نے اس کی پیشانی چوم کر اس کے بازو چھوڑے اور

جوتے پہننے میں مصروف ہو گیا۔

وہ مسہری کے کونے پر ٹک کر میری طرف دیکھتی رہی۔ میں جوتے پہن کر تپائی سے اٹھا تو وہ بولی "آپ نے عام سے کپڑے پہنے ہیں۔ آج کے لیے تو کوئی اچھا جوڑا پہن لیتے۔ آپ کی الماری میں ایک سے ایک جوڑا تیار ہے۔"

"میں نے زیادہ اہتمام کیا تو ماروتی کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے گی۔" میں نے ہنس کر کہا "میں کام کو کام تک رکھنا چاہتا ہوں۔ تم نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ وہ بہت آزاد خیال عورت ہے۔ اس کا شوہر بھی اسی جیسا ہے۔"

"میاں بیوی ایک جیسے ہوں تو اچھا گزارہ ہوتا ہے۔" میرے ساتھ وہ بھی ہنس دی۔

میں دروازہ کھول کر باہر نکلا، تینوں کو الوداع کہا اور گاڑی کی چابیاں لے کر گھر سے نکل گیا۔ موبائل فون پہلے ہی میری تحویل میں تھا۔

گھر سے کچھ دور نکلنے کے بعد میں نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ وہیل سنبھال کر، دوسرے سے موبائل فون پر روی کا نمبر ملایا۔ گھر کے نمبر سے فوراً ہی ماروتی کی آواز سنائی دی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں گھر سے نکل کر اسی کی طرف آرہا تھا۔ اس نے مزید کچھ کہنے سننے کے لیے بات آگے بڑھانی چاہی لیکن میں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میں ٹریفک کے ہجوم میں تھا۔ زیادہ دیر تک موبائل پر بات نہیں کر سکتا تھا۔

اسے اپنی آمد کی اطلاع دینے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

مزے مزے سے گاڑی چلاتا ہوا میں پونے پانچ بجے اولڈ کلفٹن کے علاقے میں موہن ہاؤس کے پھاٹک پر پہنچ چکا تھا۔ پچھلی بار میں نے دیکھ لیا تھا کہ گھر کے ڈرائیو وے میں چار گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں پھر بھی ان سے آگے جگہ موجود تھی لیکن پہلے سے کھڑی ہوئی گاڑیوں پر سے گزر کر وہاں تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ اس وقت میں اطلاع دے کر، پروگرام کے مطابق پہنچا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ میری کار کے لیے اندر جگہ ہو گی۔

میں نے پھاٹک کے سامنے ہارن بجایا۔ فوراً ہی پھاٹک کھول دیا گیا۔ میں گاڑی اندر بڑھا لے گیا۔ اس وقت وہاں صرف دو گاڑیاں موجود تھیں۔

میں گاڑی کا انجن بند کر کے نیچے اترا ہی تھا کہ ڈرائنگ روم کے برابر والا دروازہ کھلا۔ وہاں سے قمیص پتلون میں ملبوس ایک صحت مند اور خوش لباس نوجوان تقریباً دوڑتا ہوا نکلا اور تیر کی طرح میری طرف آیا۔

"آؤ مظہر جی، آؤ! تم نے میرا مان رکھ کر میرا دل خوش کر دیا۔" اس کی زندگی سے بھرپور اور گرم جوش آواز سن کر میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ روی موہن تھا اور اپنی شخصیت یا وضع قطع سے کسی بھی طرح جگدیش موہن کا چھوٹا بھائی نہیں لگتا تھا۔

کرتے پاجامے میں ملبوس موٹے اور بدصورت جگدیش کے برعکس روی وجیہہ اور خوش رو آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر معصومیت کے بجائے تجربے کی پختگی پھیلی ہوئی تھی جو اس کی عمر کی غماز تھی۔

وہ قریب آتے ہی ایسی گرم جوشی کے ساتھ مجھ سے بغل گیر ہوا جیسے برسوں کا شناسا ہو۔

"تم آج بہت زیادہ خوش ہوئے یا ہمیشہ ایسے ہی خوش و خرم رہتے ہو؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"آج میں تمہاری وجہ سے بہت... بہت ہی خوش ہوں۔ ویسے بھی میں سدا خوش رہنے کا عادی ہوں۔"

میرے سینے سے الگ ہوتے ہوئے وہ بولا تو اس کے سانس میں الکحل کی ہلکی سی بو موجود تھی۔ اس نے میرے پہنچنے سے پہلے شراب پی تھی اور اسی وجہ سے اس کی خوشی دوبالا ہوئی جا رہی تھی۔

وہ میرے آگے بچھا جا رہا تھا۔ مجھے ڈرائنگ روم میں لے جانے کے بجائے وہ اسی دروازے میں لے گیا جس سے خود برآمد ہوا تھا۔ وہ ایک وسیع لابی تھی جہاں دیواروں کے ساتھ منقش سندھی صوفے پڑے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ بان سے بنی ہوئی، نیچے پیروں والی رنگا رنگ کرسیاں تھیں۔ دیواروں اور تپائیوں پر تھر کی دستکاریوں کے بہت سے دلکش شاہکار سجے ہوئے تھے جن میں کئی رلیاں، تنکوں سے بنی ہوئی نفیس اور نازک ٹوکریاں، سرکنڈوں کے چھلکوں سے بنی ہوئی بڑی بڑی دیوار گیر تصویریں اور مور کے پروں کے دائرے شامل تھے۔

وہ لابی جگدیش کے ڈرائنگ روم سے زیادہ آراستہ، کشادہ اور تاثر انگیز تھی۔ میرا خیال تھا کہ روی مجھے وہیں بٹھائے گا مگر وہ مجھے ساتھ لے کر ان اندرونی زینوں کی طرف لے گیا جو بہت کشادہ گولائی میں اوپر جا رہے تھے۔

زینوں سے نیا قالین شروع ہو گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی مجھے محسوس ہوا کہ پورے گھر میں الکحل کی ہلکی سی بو رچی ہوئی تھی۔ اپنے کاروبار کی وجہ سے شاید وہ لوگ گھر کے کسی حصے میں شراب کا ذخیرہ رکھتے تھے۔

چند زینے طے کرتے ہی مجھے ماروتی نظر آگئی جو گلابی

ساڑی میں ملبوس، سیڑھیوں کے اختتام پر ہماری منتظر تھی۔
"مظہر جی! یہ ہے میرا گھر اور اوپر کھڑی ہے میری بیوی، ماروتی۔" روی کہہ رہا تھا۔
میری نگاہیں پوری طرح اوپر اٹھ گئیں۔ اس نے ساڑی بہت قرینے سے باندھی ہوئی تھی۔ بلاؤز کی تیاری میں پوری احتیاط کی گئی تھی کہ ضرورت سے زیادہ سوت زائد بھی کپڑا موجود نہ ہو۔ نیچے گلے والا وہ بلاؤز پیٹ کا حصہ شروع ہوتے ہی ختم ہوگیا تھا۔ پہلو سے نظر آنے والے آثار بتا رہے تھے کہ پشت پر وہ بلاؤز محض پٹیوں تک محدود ہوگیا ہوگا۔
ساڑی کے سمٹے ہوئے پلو سے جسم کے کسی کھلے ہوئے حصے کو دانستہ چھپانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ہلکے میک اپ میں اپنے ماتھے کی بندیا کے ساتھ اس وقت ماروتی ایک بالکل نئی عورت نظر آ رہی تھی۔
"ہیلو مظہر ڈارلنگ!" اوپر پہنچتے ہی ماروتی میرے استقبال کے لیے آگے بڑھی۔ اس نے اپنا گداز اور مخروطی ہاتھ آگے بڑھایا ہوا تھا۔ میں نے ذرا سختی سے اس کا ہاتھ تھام لیا، اس کا چہرہ بے اختیار میری طرف جھکتا چلا آیا۔ مجھے اس کے تنفس کی حرارت اپنے کھلے ہوئے گریبان سے جلد میں گھلتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے جسم سے پرفیوم کی اور سانسوں سے الکحل کی بو آ رہی تھی۔
چند ثانیوں کے لیے میں بوکھلا کر رہ گیا۔ میں نے کن انکھیوں سے روی کی طرف دیکھا تو وہ خوش اور بے پروا نظر آ رہا تھا۔ تب مجھے خیال آیا اور میں نے اپنی خوش جمال میزبان کی پیشانی پر ایک نرم سا بوسہ لیا، اس نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
سیڑھیوں سے چند قدم آگے ان کے ڈرائنگ روم کا دروازہ تھا۔ وہاں ہر چیز نئی اور چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ آرائش کا سارا انداز مغربی تھا۔ وہاں گھر کی تہذیب اور ثقافت کا کوئی نمونہ نہیں تھا۔ روی نے مجھے ادب سے دہرے صوفے پر بٹھایا، ماروتی میرے برابر میں بیٹھ گئی۔ آخر میں روی نے ہم دونوں کے سامنے والی نشست سنبھال لی۔ درمیان میں موٹے شیشے کی گول سینٹر ٹیبل تھی جس پر ڈرائی فروٹ کی بھری ہوئی ٹرے موجود تھی۔
"ماروتی تمہاری بہت تعریفیں کرتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے اس دن گھر سے بھاگ کر برا کیا۔" روی نے فروٹ ٹرے میری طرف سرکا کر کہا "مجھے معلوم ہوتا کہ تم جیسا بھلا آدمی میرے گھر آیا ہے تو میں ہرگز کہیں نہیں جاتا۔"
"اس روز ہمارے تیور خراب تھے۔ ماروتی بیچ میں نہ آتی تو تمہارا بچنا مشکل تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ کرشن کمار..."
"بس بس!" روی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کردیا "مظہر جی! میں جانتا تھا کہ وہ کسی دن مجھے بھی لے ڈوبے گا۔ اس نے میرے گرد دھیرے دھیرے جال ڈالا تھا۔ اب اس کا ذکر کرکے اپنا موڈ خراب نہ کرو۔"
"یہ بھنے ہوئے کاجو لو۔" ماروتی نے مٹھی بھر کاجو مجھے تھما دیے "بہت خستہ اور لذیذ ہیں۔"
میں نے نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی چمکتی ہوئی شوخ آنکھوں میں شرارت تھی۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ میں نے اپنی مٹھی ٹرے میں ہلکی کی اور بچے ہوئے چند کاجو منہ میں ڈال لیے۔
ہمیں بیٹھے ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ ایک ادھیڑ عمر خادمہ لدی پھندی ٹرالی پر چائے اور دیگر لوازم لے آئی۔ میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ ٹی کوزی کے ساتھ ٹرے پر تین پیالیاں موجود تھیں۔ ماروتی نے اٹھ کر ٹرالی خود سنبھالی اور ملازمہ کو لوٹا دیا۔
"کیا تم دونوں بھی میرے ساتھ صرف چائے پر گزارہ کرو گے؟" میں نے روی سے پوچھا۔
"اور نہیں تو کیا۔ میں نے تمہیں ٹی پارٹی پر بلایا ہے۔ چاہو تو ابھی یہ کاک ٹیل پارٹی بن سکتی ہے۔"
"میں صرف چائے لوں گا۔ میری وجہ سے تم دونوں اپنی شام برباد نہ کرو۔ تم بلا تکلف اپنی پسند کے ڈرنکس لے سکتے ہو۔"
"ارے نہیں، مظہر جی! ہم اتنے برے میزبان نہیں ہیں۔ ایسی بدتمیزی اور وہ بھی تمہارے ساتھ کیسے کرسکتے ہیں۔"
انہیں اپنی راہ پر لانے کے لیے شراب نوشی پر اکسانا ضروری تھا۔ میں نے کہا "میں تمہیں اس بدتمیزی کا حکم دوں تو تم کیا کرو گے؟"
"تعمیل!" روی سے پہلے ماروتی بول پڑی "ہم تمہیں ناراض نہیں کرسکتے۔"
"بس، تو پھر اسے میرا حکم ہی سمجھو!" میں نے ماروتی سے کہا۔ اس نے آنکھ سے روی کو اشارہ کیا۔ وہ اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں چوم کر اٹھا اور دوڑتا ہوا اندرونی دروازے سے گزر کر غائب ہوگیا۔
ماروتی نے دھیرے سے میری ٹانگ پر ہاتھ مارا۔ میں

نے اس کی طرف دیکھا تو وہ آنکھ مار کر مسکرائی اور بولی "تم نے دیکھا کہ روی کیسے ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے پر اندھا اعتماد کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی عزتِ نفس کی مجروح نہیں کرتے۔ دیکھ لو ہم کتنے خوش ہیں۔"

روی دروازے سے دوبارہ برآمد ہوا تو اس نے اپنی بانہوں اور پیٹ کے درمیان رائل سیلوٹ کی ایک بوتل، دو گلاس اور ٹھنڈے پانی کی ایک بوتل اٹھائی ہوئی تھی۔ وہ قریب آیا تو ماروتی نے وہ چیزیں میز پر منتقل کرنے میں اس کی مدد کی۔ روی ایک گہرا سانس لے کر تھکے ہوئے انداز میں اپنی نشست پر گر گیا۔ "مظہر جی! تم واقعی گریٹ ہو۔ آج میں پہلی بار کسی دوست کی چائے کی پیالی سے اپنا گلاس ٹکراؤں گا۔"

ماروتی نے اٹھ کر میرے لیے چائے تیار کی اور ٹرالی سے بسکٹ، پیسٹریز اور کئی اشیا پلیٹ میں ڈال کر میرے سامنے رکھ دیں۔ میرے لیے چائے بن جانے کے بعد روی نے بوتل کو ہاتھ لگایا۔ وہ میزبانی کے بہت بنیادی آداب تھے۔ میں باریک بینی سے دیکھ رہا تھا کہ روی اس فن میں طاق تھا۔ اس نے ماروتی کے لیے بہت ہلکا گلاس بنایا، اس کے اپنے گلاس کا رنگ گہرا تھا۔

بوتل بند کر کے روی نے اپنے گلاس اٹھایا، میں نے چائے کی پیالی تھام لی۔ چیئرز کی تین آوازوں کے ساتھ دو گلاس ایک پیالی سے ٹکرائے۔ انہوں نے اپنے اپنے گلاسوں سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیے میں نے بھی گرم چائے سے لب تر کر کے پیالی واپس پرچ میں رکھ دی۔

روی سے اصل موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اس کا گلاس آدھے سے زیادہ خالی ہو جائے۔ اسے مصروف رکھنے کے لیے میں نے جگدیش کا ذکر چھیڑ دیا۔ "تمہارے بڑے بھائی کہاں ہیں۔ آج وہ نظر ہی نہیں آئے!"

"بھایا جی!" اس نے اپنا گلاس سے ایک بڑا گھونٹ لے کر استہزائیہ انداز میں کہا "اپنی بیوی کے ساتھ سمندر کی سیر کو گئے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے سارے دوست شرابی کبابی ہیں۔ وہ ہوتے تو میں انہیں دکھاتا کہ تم صرف چائے پیتے ہو۔"

"ان کو اپنی ذات اور عزت کا بڑا گھمنڈ ہے۔" ماروتی بولی "ہر ایک کی تحقیر کر کے وہ اندر سے خوش ہوتے ہیں۔"

"یہ بری عادت ہے ان کی۔" روی نے اعتراف کیا "میں جب سے گھر آیا ہوں، ان کی سامنے نہیں گیا۔ نہ جانے کیا کچھ کہہ ڈالیں گے۔ میں دن بھر ہر گھنٹی اور ہارن پر ہول رہا تھا کہ کہیں پھر پولیس نہ آ گئی ہو۔ بھایا جی مجھے گردن سے پکڑ کر ان کے سامنے ڈال دیتے اور میری ایک نہ سنتے۔"

"گھمنڈ کسی چیز کا بھی ہو، برا ہوتا ہے۔ ایک نہ ایک روز آدمی اسی چیز سے محروم ہو جاتا ہے۔" میں نے لقمہ دیا۔

"جب بھی گئی، بھایا جی کی عزت ہی جائے گی۔" ماروتی بولی "وہ ہر وقت اسی کا رونا روتے رہتے ہیں۔"

"ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو۔" روی نے نرمی سے اپنی بیوی کو ٹوکا "وہ صحیح روتے ہیں۔ کوئی اپنے دروازے پر ایک پولیس والے کا نام آنا پسند نہیں کرتا کہ لوگ نہ جانے کیا سوچیں۔ یہاں وہ تین گاڑیوں میں لد کر آئے تھے۔ اب مظہر جی ہمارے مہمان ہیں تو مجھے یقین آیا ہے کہ ہمیں ستانے کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ اس سے پہلے میری جان سولی پر ٹنگی ہوئی تھی۔"

"تمہارے لیے بہت پاپڑ بیلے گئے ہیں ورنہ پولیس اور ایجنسیوں کو اب بھی کرشن کمار کے ساتھیوں کی تلاش ہے۔"

روی نے عجلت میں اپنے گلاس سے ایک کافی لمبا گھونٹ لیا اور اسے آدھا کر دیا۔ "مجھے معلوم ہے، اس کے ساتھیوں کا انجام بھی اس سے کم نہیں ہوگا۔ ایک بار کسی کا وارنٹ نکل جائے تو پھر عدالت سے ہی اس کی ضمانت ہوتی ہے۔ وارنٹ کا واپس لیا جانا بہت بڑی بات ہے۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں بھاگ گیا تو نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی۔"

"بھایا جی تو تمہیں ہمیشہ کے لیے یہاں سے بھگا رہے تھے تاکہ سب کچھ ان کے قبضے میں چلا جائے۔" یہ کہتے ہوئے ماروتی نے کسمسا کر اپنی جگہ پہلو بدلا اور صوفے میں یوں ڈھلک کر بیٹھ گئی کہ میرے اور اس کے جسم کا فاصلہ تقریباً ختم ہو گیا۔ پلو اور آستین سے محروم اس کے شانے کا کچھ وزن میرے بازو پر منتقل ہو گیا۔ میرے سرے پر پسپائی کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔

"اب ان باتوں کو دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یوں سمجھو کہ مظہر جی کی مہربانی سے مجھے بلکہ ہم دونوں کو نئی زندگی ملی ہے۔ اس کے لیے ہم ان کی جتنی بھی خدمت کریں، وہ کم ہے۔"

"تمہارا دامن بچ گیا مگر ہمیں آدمی درکار ہے۔" میں نے موقع غنیمت جان کر بات چھیڑ دی "اپنے ساتھ دوسروں کو بچانے کی کوشش مت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی وجہ سے تم لوگ دوبارہ کسی مصیبت میں گھر جاؤ اور میں بھی تمہارے لیے کچھ نہ کر سکوں۔"

"ہم کسی کو بچانے کی کوشش نہیں کر رہے۔" روی نے حیرانی سے کہا "تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"بہت سے ہیں۔ کرشن کمار کے سارے ہی قریبی ساتھی ان میں شامل ہیں۔"

"تم نام بتاؤ، مجھے ان کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے، وہ میں بتاؤں گا۔" روی نے خلوص سے کہا۔

"میں صرف ایک نام لے سکتا ہوں۔ باقی نام تم خود بتاؤ گے۔" میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے دیکھا کہ روی بہت تیزی سے پی رہا تھا جب کہ ماروتی بس اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ اس کے گلاس کی سطح ایک انچ بھی نہیں گری تھی۔"

"ماروتی! مظہر جی کس کا ذکر کر رہے ہیں؟" روی نے گلاس اٹھا کر خوف زدہ آواز میں پوچھا۔

"تم ہری چند کی بات کر رہے ہو؟" ماروتی نے [illegible] جواب دینے کے بجائے مجھ سے سوال کیا۔

میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا "اسے تم نے کوئی خبر پہنچائی تھی؟" بات خود بہ خود آگے بڑھ رہی تھی۔

اس نے بہت آہستگی سے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا پھر روی سے مخاطب ہو کر بولی "تمہارے بھاگ جانے کے بعد میں نے ہری چند کو فون کیا تھا اور اسے بتا دیا تھا کہ ایجنسی والے تمہاری تلاش میں تھے۔ تمہارے بعد ہری چند کی باری آسکتی تھی۔ میں نے سوچا کہ اسے وقت سے پہلے ہوشیار کر دوں۔"

"یہ تم نے بہت برا کیا۔" روی نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "میری طرح وہ بھی نکل گیا ہوگا۔"

"اس وقت میں بہت پریشان تھی۔ ڈری ہوئی تھی کہ کہیں ہری چند تمہارے ٹھکانوں کا پتا بتا کر تم کو بھی نہ پکڑوا دے۔"

"ایسا کر کے تم نے مظہر جی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔" ماروتی کا جواب سنتے ہوئے روی نے کچھ اور اسکاچ اپنے معدے میں اتار لی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خمار کے ہلکے سے ڈورے تیرنے لگے تھے۔ وہ کسی بھی لمحے اپنا تگڑا گلاس خالی کر سکتا تھا۔

ماروتی نے مجروح اور شکایتی نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولی "کیا روی ٹھیک کہہ رہے ہیں؟"

"آپس کے معاملات تم دونوں ہی طے کر لو تو زیادہ بہتر رہے گا۔ میں نے سب کارڈ تمہارے سامنے رکھ دیے ہیں۔"

"اس وقت تک مظہر جی سے میری کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ جو کچھ ہوا، سب کے سامنے ہوا تھا، بھایا جی نے ان کے سامنے مجھے مارنا اور دھکیلنا شروع کر دیا پھر اندر لے جا کر مجھے تمہاری بھاوج اور بہنوں کے حوالے کر دیا۔" اپنی بپتا سناتے ہوئے ماروتی کی آواز رندھ گئی۔

"یہ مت کہو ماروتی!" میں نے نرمی سے اس کی تصحیح کی "تمہارے بھایا جی کو غصہ اسی لیے آیا تھا کہ اس کے سامنے ہمارے درمیان بہت سی باتیں ہوئی تھیں اور تم روی کی تلاش میں ہمارے ساتھ گھر سے نکلنے پر آمادہ ہو گئی تھیں۔"

"بھایا جی نے ان سب کوششوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ ہمارے درمیان کچھ بھی طے نہیں ہوا تھا۔" [illegible] ہوئی مظلومانہ [illegible] کافی بوجھ میرے اوپر آ چکا تھا۔ [illegible] گلاس اٹھا کر اس کے سامنے کر دیا۔ آواز [illegible] طرح میں اپنے بازو کو بوجھ سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوا۔ سہارا ختم ہوتے ہی وہ چونک کر سنبھلی اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

میں نے گزرے ہوئے واقعات کو اپنے ذہن میں دہرایا۔ مجھے یاد آیا کہ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس سے میری اصل مفاہمت اس وقت ہوئی تھی، جب میں نے گھر پہنچ کر اس کے تحریری پیغام کے جواب میں اس سے فون پر رابطہ کیا تھا۔

"اگر تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ تم نے ہماری واپسی اور میرے فون کرنے کے درمیان ہری چند کو فون کیا تھا تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے کہا "اصل بات یہ ہے کہ وہ نکل گیا اور اب تک اس کا سراغ نہیں مل سکا۔"

اسکاچ کا ایک چھوٹا سا گھونٹ لینے کے بعد ماروتی کی ہچکیاں اور سسکیاں رک گئی تھیں۔ اس نے بڑی بڑی نم آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"شکریہ کہ تم کو میرے بات پر یقین آگیا۔ مجھے دنیا میں روی سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔ تم سے بات ہو جانے کے بعد میں نے کسی سے کوئی غلط رابطہ نہیں کیا۔ بس روی کی تلاش میں شہر بھر کی خاک چھانتی رہی۔"

"کرشن کمار، ہری چند کا پرانا دوست تھا یا تمہارا؟" میں نے روی سے پوچھا۔ میں اپنے اگلے سوال سے پہلے ماروتی کو اپنے اوسان بحال کرنے کے لیے کچھ وقت دینا چاہ رہا تھا کہ وہ دوبارہ رونا دھونا شروع نہ کر سکے۔

"کرشن کمار نچلے اور درمیانی طبقے میں اٹھنے بیٹھنے والا آدمی تھا۔ وہ ان سے کام لیتا تھا اور ان ہی کے کام آتا تھا۔ اس کی ہری چند سے بہت پرانی دوستی تھی۔ اس نے پرانی جگہ چھوڑ کر ہمارے پاس نوکری کرنے کے بعد کرشن کمار کو مجھ سے

ملوایا تھا۔" روی نے بتایا۔
"اس نے اپنی دفتری کار تمہاری اجازت سے کرشن کمار یا اس کے آدمیوں کو دی تھی؟"
"میرے فرشتوں کو بھی اس کی اس حرکت کا علم نہیں ہے۔ کار کا کیا قصہ تھا؟"
"کرشن کمار کے آدمیوں نے ہری چند کی گاڑی میں کراچی آکر ایک بڑی واردات کی تھی اور وہ گاڑی رنگے ہاتھوں پکڑی گئی۔" میں نے ماروتی کو سنانے کے لیے دو فقروں میں وہ تفصیل سنا ڈالی۔
"وہیں سے تم میرے پیچھے لگے ہو گے۔" اس نے کھوئی کھوئی آواز میں حیرت سے کہا "وہ نمک حرام میری آستین کا سانپ نکلا۔ یہ کہہ کر وہ ماروتی کی طرف متوجہ ہو گیا "ماروتی! تم نے سنا کہ مظہر جی کیا بتا رہے ہیں۔"
"میں سب سن رہی ہوں۔" یہ کہہ کر ماروتی نے میرے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور گڑگڑانے لگی "روی میری زندگی ہیں۔ ان پر کوئی آنچ آتی ہو تو ہری چند کو پھانسی لگوا دو لیکن ایسی کوئی بات نہ ہو تو اسے بچالو۔ وہ میرا اکلوتا ماموں زاد بھائی ہے۔"
میں نے ماروتی کو کوئی جواب دینے کے بجائے بدمزگی سے روی کی طرف دیکھا اور کہا "میں نے یہ بات بہت دیر پہلے بتادی تھی کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بچانے کی کوشش نہ کرو ورنہ تم ایسی مصیبت میں پڑو گے کہ میں بھی کچھ نہ کرسکوں گا۔"
اس وقت تک روی کے چہرے سے ساری شوخی اور بے پروائی کافور ہو چکی تھی۔ دنیا کی سب سے مہنگی وہسکی کے نشے اور پھر موضوع کی سنگینی کی وجہ سے اس کا چہرہ بہت گمبھیر ہو چکا تھا۔ اس نے عجلت میں اپنے لیے نیا گلاس تیار کیا جس میں شراب اور پانی کی مقدار یکساں تھی۔ اس نے وحشت کے عالم میں نئے گلاس سے تلخ سیال کا ایک قدرے چھوٹا سا گھونٹ لیا پھر ماروتی کی طرف متوجہ ہو گیا۔
"اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو پھانسی کے پھندے پر لٹکنا ہو گا۔ وہ تمہارا بہت چہیتا اور منہ چڑھا بھائی ہے۔ اس نے تمہیں ضرور بتایا ہو گا کہ وہ کہاں چھپے گا۔ مظہر جی کو اب اس کا پتا بتا دو!"
ماروتی کے جڑے ہوئے ہاتھ مایوسی اور بے بسی سے اس کی گود میں گر گئے۔ اس نے روی سے کہا "ہری چند نے اپنا ٹھکانا صرف اس لیے بتایا تھا کہ تمہیں کوئی ضرورت پیش آجائے تو اس تک پہنچا جاسکے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ آج میرے شوہر کی زندگی کے لیے ماموں زاد بھائی کے خون کی ضرورت ہے۔ روی! میں تمہارے لیے یہ قربانی بھی دے ڈالوں گی۔ ہری چند ہالا میں ملے گا۔"
"ہالا ایک خاصا بڑا شہر ہے۔ اسے کہاں کہاں ڈھونڈا جائے گا؟" روی نے رسانیت سے پوچھا۔
"وہ بھٹ شاہ میں کسی ملنگ کے روپ میں چھپا ہوا ہو گا۔" ماروتی نے آخری کلید بھی سامنے رکھ دی۔
"ہم اسے نہیں پہچانتے۔ خطرہ بھانپ کر وہ فقیروں کی بھیڑ میں کہیں غائب ہو سکتا ہے۔" میں نے روی سے کہا۔ "اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے تمہیں ہمارے ساتھ ہالا تک چلنا ہو گا۔ اس کے بغیر کام نہیں بنے گا۔"
"میں اسی وقت چلنے کے لیے تیار ہوں۔ تین گھنٹے میں ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔"
"میں بھایا جی کے ساتھ اکیلی یہاں نہیں رہوں گی۔ وہ کچوکے دے دے کر میری زندگی دوبھر کردیں گے۔" ماروتی بولی۔
روی کی مستفسرانہ نگاہیں میری چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ اس سفر کے بارے میں غزالہ، ویرا اور سلطان شاہ کے ردعمل کا اندازہ لگایا پھر روی کو منع کردیا "ماروتی کا وہاں جانا مناسب نہیں ہو گا۔"
"اب میں ایک منٹ کے لیے بھایا جی کی بدزبانی برداشت نہیں کرسکتی۔" ماروتی نے احتجاج کیا۔
"تمہیں اس کے لیے مجبور نہیں کیا جا رہا۔" میں نے جواب دیا "آج کی رات تم کسی ہوٹل کے پرتعیش کمرے میں گزار لو۔ کل واپسی پر روی تمہیں ہوٹل سے گھر لے آئے گا۔ یہ تمہارے مسئلے کا سب سے آسان حل ہے۔"
مظہر کی تجویز بہت مناسب ہے۔" روی نے اپنا فیصلہ صادر کردیا۔ "ایک بھائی کی گرفتاری پر بہن کا جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ نہ جانے وہاں کیا حالات ہوں۔ اگر وہ مزاحمت کرتا ہوا مارا گیا تو تم کچھ بھی کرسکتی ہو۔ ویسے بھی یہ لمبا سفر بہت تھکا دینے والا ہو گا۔ تم حال سے بے حال ہو جاؤ گی۔ آج کی رات تم پی سی یا شیراٹن میں گزار لو۔ صبح سے پہلے ہم لوٹ آئیں گے۔"
"تم کہتے ہو تو یہی ٹھیک ہے۔" ماروتی نے کسی بحث کے بغیر اس کی بات مان لی۔
ان دونوں کے درمیان مفاہمت کی بنیادی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے پر حکم مسلط کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ دلیل کے ساتھ بات سمجھاتے تھے جسے دوسرا فریق مان لیتا تھا۔
اس مرحلے پر اچانک مجھے یاد آیا کہ اس کھیل کے ایک

اہم کردار کو سب نے بالکل بھلا دیا۔

کرشن ہمارے گھر میں گھسا تو اس کے ساتھ بھکاری کے روپ میں ایک اور آدمی تھا جسے اس نے نریش کہا تھا۔ اس نے ہمارا گھر دیکھا ہوا تھا۔ اسے تلاش کرنے کی کوشش کی گئی تھی نہ ہی اس کا کوئی ذکر آیا تھا۔

"تم نریش نامی کسی شخص سے بھی واقف ہو؟" وہ خیال آتے ہی میں نے روی سے پوچھا۔

اس نے اپنے ذہن پر زور دینے کی کوشش کرتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔ "میرے لیے یہ نام نیا ہے۔ شاید ہری چند جانتا ہو۔ اس کے ملنے جلنے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔"

"کیا تم چھانٹ چھانٹ کر صرف ہندوؤں کو تلاش کر رہے ہو؟" ماروتی نے غیر متوقع طور پر سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔

"ان کے کرتوت تمہارے سامنے ہیں۔ تم سے زیادہ روی ان کے بارے میں جانتا ہوگا۔ تم کرشن کمار کے کسی مسلمان ساتھی کا نام بتاؤ پھر دیکھو کہ اس کا کیا حشر ہوتا ہے۔ اس کے چکر میں اب تک بہت سے مسلمان بھی مارے گئے ہیں۔"

"یہ بدقسمتی کی بات ہے ماروتی!" روی نے حسب عادت اسے سمجھایا "کرشن کمار نے یہاں اکھنڈ بھارت کو چکر چلایا ہوا تھا۔ ہندو ہی اس نعرے کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ یہاں رہنے والے مسلمانوں کے لیے یہ ملک ہی سب کچھ ہے۔"

"لیکن روی! تم نے تو کبھی اکھنڈ بھارت کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔" ماروتی نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"کام کبھی نہیں کیا لیکن کرشن کمار کو بڑی رقمیں دیتا رہا ہوں۔ وہ نگر کے ننگے بھوکے ہندوؤں کے لیے اکثر مجھ سے چندے لیتا رہتا تھا۔"

"شاید اسی لیے تمہاری جان بچ گئی ہے۔ کرشن کمار کے چند قریبی ساتھیوں کی نشان دہی کر کے تم اپنا بوجھ ہلکا کر سکتے ہو۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔" اس نے سادگی سے کہا پھر پوچھا "ہمیں ہالا کس وقت روانہ ہونا ہے؟"

"تم اپنا گلاس ختم کرو۔ میں دیکھتا ہوں۔ اتنی نہ پی لینا کہ ہالا پہنچنے تک تم گہری نیند سو رہے ہو۔" یہ کہہ کر میں نے اپنی جگہ چھوڑی اور ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں جا کر اول خان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ اپنے دفتر سے نکل چکا تھا۔ اسے میری چائے کی دعوت کا شدت سے انتظار تھا۔ مجھے توقع تھی کہ مجھ سے براہِ راست گفتگو کے ارادے سے وہ ہمارے گھر پہنچا ہوا ہوگا۔ میں نے گھر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے ویرا کی آواز سنائی دی۔

میں نے اس سے اول خان کے بارے میں پوچھا تو وہ چہکنے لگی "کیا تمہاری ٹی پارٹی رات تک چلتی رہے گی؟"

"میں وہیں ہوں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "تم ذرا اول خان کو دے دو۔"

وقت ہالا روانہ ہونا تھا۔ بے لگام ضرور رہتی تھی مگر موقع کی نزاکت کو سمجھتی تھی۔ اس نے مزید کسی تاخیر کے بغیر ریسیور اول خان کے حوالے کر دیا۔

"ہری چند ہالا میں ہے۔ تم تیار رہو۔ ہمیں اسی وقت وہاں جانا ہوگا۔" میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

"کیا ماروتی بھی ہمارے ساتھ جا رہی ہے؟" اس کے سوال نے میری طبیعت بے مزہ کر دی۔

"ہم پکنک پر نہیں' ایک مشن پر جا رہے ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ جا کر کیا بھاڑ جھونکے گی۔"

"پھر اسے کون پہچانے گا' ہم دونوں میں سے کسی نے اسے نہیں دیکھا۔" اس کی پریشانی بجا تھی۔

"سب کو بتا دو کہ ماروتی کراچی میں رہے گی۔ ہری چند کی شناخت کے لیے روی موہن ہمارے ساتھ جائے گا۔ وہ میرے ساتھ ہر طرح تعاون کر رہا ہے۔ ہم تینوں کے سوا کسی چوتھے کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔" میں اسے اپنا گھر نہیں دکھانا چاہتا۔ تم سلطان شاہ کو اپنی گاڑی میں لے کر عثمانیہ ریستوران کے پاس آ جاؤ۔ وہاں سے ہم تمہاری گاڑی میں سفر کریں گے۔ سلطان شاہ میری گاڑی گھر لے جائے گا۔"

"وہاں کے لیے کسی خاص تیاری کی ضرورت ہو تو وہ بھی بتا دو۔" اول خان حالات سے پوری طرح واقف ہونے کے بعد پرجوش ہو گیا تھا۔

میں نے کن انکھیوں سے جائزہ لیا تو وہ دونوں میاں بیوی اپنی اپنی جگہ بیٹھے دبی آوازوں میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے اطمینان سے اپنی بات شروع کر دی "وہ بھٹ شاہ میں کسی ملنگ یا فقیر کے روپ میں موجود ہے۔ اس کے بدلے ہوئے حلیے کی وجہ سے روی اسے پہچانے یا نہ پہچانے' وہ روی

مشورہ

طبی معائنہ ختم ہونے پر سلیم نے پرامید لہجے میں پوچھا "کیا خیال ہے ڈاکٹر صاحب.... میں زندہ رہوں گا نا؟"

"ہاں۔" ڈاکٹر نے جواب دیا "لیکن میں تمہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

کو پہچان لے گا اور دیکھتے ہی تیر کی طرح اس کی طرف آئے گا۔ ہم روی سے دور رہیں گے۔ ہری چند جوں ہی اس کے قریب آئے گا، ہم اسے دبوچ لیں گے۔ سب کچھ اسی طرح ہوا تو کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ویسے تمہاری گاڑی میں دو چار ہتھیار اور ان کے فاضل راؤنڈ ہروقت موجود رہتے ہیں۔"

"بس میں ابھی پہنچتا ہوں۔ ہوٹل کے پاس تم مجھے اپنا منتظر پاؤ گے۔" ہری چند کے بارے میں اول خان شروع سے ہی سرگرم تھا۔

"آرام سے پہنچو۔ مجھے اولڈ کلفٹن سے پی سی کے راستے وہاں پہنچنے میں خاصا وقت صرف ہوگا۔"

"میں آدھے گھنٹے بعد گھر سے نکلوں گا۔" اس نے کہا اور پروگرام طے ہوتے ہی میں نے فون بند کردیا۔

میں واپس لوٹا تو ان دونوں کے گلاس خالی ہونے کے قریب تھے۔ ان کی سوالیہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

"بس اب فوراً نکلنا ہے تاکہ ہماری واپسی میں زیادہ دیر نہ ہو۔" میں نے کھڑے کھڑے کہا۔

"پانچ منٹ بیٹھو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" ماروتی نے اپنا گلاس اٹھایا اور اندر چل دی۔

اپنے وعدے کے مطابق وہ پانچ منٹ میں ساڑی کے بجائے قمیص شلوار کا نفیس سوٹ زیب تن کرکے واپس آگئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سفری بیگ بھی تھا جس میں اس کا شب خوابی لباس وغیرہ موجود تھا۔

روی نے اپنے گلاس میں باقی ماندہ سیال اپنے معدے میں انڈیلا اور ہم دونوں نے بھی اپنی نشستیں چھوڑ دیں۔ ماروتی نے اپنی ملازمہ کو بلا کر میز سمیٹنے اور گھر کی دیکھ بھال کے بارے میں کچھ ہدایات دیں اور تینوں وہاں سے چل دیے۔

شراب نوشی کے اثرات کے بارے میں وقت اور مقدار کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ میرے حساب سے روی نے اعصابی دباؤ کے باعث تھوڑی سی دیر میں رائل سیلوٹ کی کافی زیادہ مقدار لی تھی لیکن پھر بھی وہ حیرت انگیز طور پر بالکل نارمل نظر آرہا تھا۔ صرف آنکھوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کسی قدر نشے میں ہے ورنہ اس کی بول چال اور چال ڈھال میں سرِمو فرق نہیں آیا تھا۔ وہ یقینی طور پر بلانوش تھا۔

گاڑی میں اس نے ماروتی کو میرے ساتھ اگلی نشست پر بٹھا کر ایک مرتبہ پھر اپنی رواداری کا فراخ دلانہ مظاہرہ کیا اور خود پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس کے مقابلے میں ماروتی نے نرا پانی ہی پیا تھا۔ اس کے گلاس میں وہسکی کی مقدار نہ ہونے کے برابر تھی مگر پھر بھی وہ سرور میں تھی اور تھوڑی دیر پہلے ہونے والی ناخوش گوار گفتگو کے اثرات سے نجات حاصل کرچکی تھی۔

میں نے اول خان سے پی سی کا نام لیا تھا مگر ماروتی کو شیراٹن پسند تھا۔ دونوں ہوٹل ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں۔ میں نے اولڈ کلفٹن سے نکل کر مین روڈ پکڑی اور تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا، پل عبور کرکے ہوٹل میٹروپول کے چوراہے سے بائیں طرف مڑ گیا۔ اس سڑک کے اگلے سرے پر شہر کے دونوں مشہور ہوٹل ایک دوسرے کے سامنے واقع ہیں۔

ٹریفک کی بھیڑ سے کٹ کر، میں اگلے چوراہے سے پہلے ہوٹل کے پورچ میں داخل ہوا اور ماروتی کو وہیں اتار دیا۔ روی نے نیچے اتر کر اپنی بیوی کی پیشانی پر الوداعی بوسہ ثبت کیا اور اگلی نشست سنبھال لی۔ اگلے ہی لمحے ہم ہوٹل سے باہر جانے والے راستے پر بڑھ رہے تھے۔

ہم ٹریفک کی بھیڑ میں راستہ بناتے ہوئے گلشن اقبال میں مقررہ مقام پر پہنچے تو ہمیں خاصی تاخیر ہوچکی تھی۔ اول خان اپنی گاڑی کے باہر کھڑا بے چینی سے ہمارا منتظر تھا۔ سلطان شاہ اس سے کچھ دور کھڑا ہوا تھا۔

میں نے اپنی گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر انجن بند کردیا اور روی کو اشارہ کرتا ہوا نیچے اتر گیا۔ روی کے لیے اول خان کا نام اظہر تھا۔ ان دونوں کے رسمی تعارف کے بعد ہم اول خان کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اس مرتبہ روی پھر پیچھے بیٹھا تھا۔

"تمہاری گاڑی کا کیا ہوگا۔" ہماری روانگی کے بعد روی نے اپنی فکرمندی کا اظہار کیا۔

"فکر مت کرو۔ کوئی نہ کوئی وہ گاڑی لے جائے گا۔" میں نے کہا۔

اول خان خاموشی سے ڈرائیونگ کررہا تھا۔ اس کے چہرے سے کچھ فکرمندی جھلک رہی تھی جس نے مجھے بھی مضطرب کردیا تھا مگر روی کی موجودگی میں، میں اس سے کوئی سوال کرنے سے گریز کررہا تھا۔ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو سے ہمارے بارے میں روی کا اعتماد متزلزل ہوسکتا تھا۔ میں کام پورا ہونے تک اسے اپنی کسی کمزوری کا کوئی تاثر نہیں دینا چاہتا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

ہری چند مجرموں کا ایک قریبی معاون اور ساتھی تھا۔ اس کا سزا یاب ہونا بہت ضروری تھا مگر اس وقت مجھے اچانک ہی خیال آگیا تھا کہ اول خان نے غیر متوقع طور پر اس کی ذات میں گہری دلچسپی لینی شروع کردی تھی۔ وہ ایک ایسا نکتہ تھا جس پر اول خان سے سرے سے کوئی تبادلہ خیال ہی نہیں ہوسکتا تھا اور اس وقت ہم دونوں کے ساتھ روی موہن گاڑی میں موجود تھا۔

روی کو میں نے شروع سے ہی یہ تاثر دیا تھا کہ ہری چند بہت بڑا مجرم تھا۔ اسے کسی برے انجام سے بچانے کی کوشش میں وہ خود ناقابلِ تصور مشکلات میں گھر سکتا تھا۔ اگر میں اس کے سامنے اول خان سے ہری چند کی اہمیت کے موضوع پر کوئی بات چھیڑتا تو روی کے کان کھڑے ہوسکتے تھے۔ اس کے دل میں ہماری طرف سے ایک بار کوئی شبہ پیدا ہوجاتا تو ہمارے اور اس کے درمیان موجود اعتماد کی فضا مجروح ہوسکتی تھی۔

ہمیشہ کی طرح کراچی کی وہ شام بھی خوشگوار تھی۔ اول خان نے اپنی گاڑی کا ایر کنڈیشنر چلانے کے بجائے کھڑکیوں کے شیشے اتارے ہوئے تھے جن سے ہوا کے جھونکے آرہے تھے۔ مجھے امید تھی کہ وہ ہوائیں، ہری چند کے معدے میں اتری ہوئی رائل سیلوٹ کا نشہ تیزی سے گہرا کریں گی اور وہ دورانِ سفر ہی کسی مقام پر انٹا غفیل ہوجائے گا۔

میرے ذہن میں ابھرنے والا سوال اپنی جگہ برقرار تھا۔ اس سے پہلے میں اول خان کے چہرے پر چھائی ہوئی تشویش کے سائے دیکھ چکا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ بھی تازہ مہم کے بارے میں مجھ سے کچھ گفتگو کرنے کے لیے بے چین تھا مگر روی کی وجہ سے خاموش رہنے پر مجبور تھا۔ ہم دونوں کے دلوں کی بھڑاس نکلنے کے لیے ضروری تھا کہ روی جلد از جلد نشے سے مغلوب ہو کر مدہوش ہوجائے۔

"گاڑی ذرا تیز چلاؤ۔" میں نے اپنی سیٹ میں پہلو بدل کر اول خان سے کہا۔

"بے کار ہے۔" اول خان سے پہلے روی بول پڑا "ہم رفتار کتنی ہی بڑھالیں، رات گہری ہونے سے پہلے بھٹ شاہ نہیں پہنچ سکیں گے۔"

روی کے لہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس کی وہ دخل اندازی بالکل بے ساختہ تھی مگر اس کی زبان سے رات گہری ہونے کا ذکر سنتے ہی میری نگاہوں میں ایک نہایت مایوس کن تصویر گھوم گئی۔

میں سندھ کے اندرونی علاقوں سے بہت زیادہ واقف نہیں تھا مگر اتنا ضرور جانتا تھا کہ حیدر آباد کے مضافات سے آگے اور سندھ کے سرحدی قصبے اباڑو تک میں بود و باش کا دیہی انداز بہت زیادہ غالب تھا۔ شہروں اور دیہاتوں میں صبح کی سرگرمیوں کا آغاز طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی ہوجاتا ہے اور سورج ڈھلنے کے ساتھ ساری چہل پہل ماند پڑنے لگتی ہے اور رات کا اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے ہی بیشتر لوگ اپنے اپنے گھروں اور ٹھکانوں میں پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ زیادہ رات گئے گھر سے باہر نظر آنے والوں کو ہر شخص شک و شبے کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

ایسے وقت میں کوئی من چلا کہیں کوچہ نوردی کرتے ہوئے پولیس والوں کی نگاہوں میں آجائے تو اسے بسا اوقات سرسری پوچھ گچھ کے بعد کم از کم وہ رات متعلقہ تھانے کی حوالات میں گزارنی پڑتی ہے۔

روی اور ماروتی کے ساتھ ہری چند کی تلاش کا پروگرام طے کرتے ہوئے میں وقت کے پہلو کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ رات دس بجے کے لگ بھگ بھٹ شاہ میں خاموشی اور تاریکی کا راج ہوتا۔ ایسے میں ہری چند کی تلاش کا مرحلہ مکمل ہونا ممکن نہیں تھا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" اول خان نے اس کی تائید کرتے ہوئے مجھ سے کہا "دیہی علاقوں میں رات بہت جلد شروع ہوجاتی ہے۔"

"مگر بھٹ شاہ قومی شاہراہ کے قریب واقع ہے۔" میں نے اپنی بھولی بسری یادداشت تازہ کرتے ہوئے کہا "وہاں سے دن رات ٹرک اور لاریاں وغیرہ گزرتی رہتی ہیں۔ سڑکوں کے کنارے کی آبادیوں میں تھوڑی بہت رونق رہتی ہے۔ شاید بھٹ شاہ میں بھی ایسا ہی ہو۔ رات گئے وہاں کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر برابر ہیں۔" میں نے اپنے دل میں موجود خدشات کے برعکس بات جاری رکھنے کے لیے کہا۔

"ساری رونق بھٹ شاہ والے موڑ سے آگے چوک کے بس اسٹینڈ تک محدود ہوتی ہے۔" پچھلی نشست سے روی نے وضاحت کی "ٹرکوں والے بھی اس ٹکڑے میں موجود ہوٹلوں اور مستریوں کی دکانوں پر ہوتے ہیں۔ اس سے آگے پیچھے سناٹا ہوتا ہے۔ میرا مشورہ مانو تو گاڑی واپس موڑ لو۔ ہم تینوں، شہر کے کسی اچھے ہوٹل میں نیند پوری کرکے صبح منہ اندھیرے نکل جائیں گے۔"

"ہری چند کے لیے ایسی کئی راتیں برباد کی جاسکتی ہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "مجھے معلوم تھا کہ تمہارے معدے میں اتری ہوئی اسکاچ تمہیں بستر کی طلب پر مجبور

کردے گی۔"

"ارے مظہر جی!" اس نے دبے لہجے میں احتجاج کیا "یہ کیا کہہ دیا تم نے؟ بھایا جی تو میرے منہ پر کہتے ہیں کہ میری رگوں میں خون کے بجائے الکحل گردش کرتی ہے جس دن وہ کم ہوئی، میں زندہ نہیں رہوں گا۔ میں پی کر سونے والوں میں سے نہیں ہوں، پی لیتا ہوں تو میرے بدن میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ جاتی ہے اور دل میں ولولہ جاگ اٹھتا ہے۔"

"تم کم بولو تو تمہارے لیے زیادہ بہتر رہے گا۔" اول خان نے اس کی شیخی پر تلخی سے کہا۔

"تم میرے محسن ہو، جیسا کہو گے، کرتا رہوں گا۔" روی نے برا منائے بغیر جواب دیا "میں چپ رہا تو مظہر جی کی بات صحیح ثابت ہو جائے گی۔ تازہ اور کھلی ہوا کے جھونکے مجھے نیند کی آغوش میں پہنچا دیں گے۔ بولتا رہا تو جاگتا رہوں گا۔"

"ڈھنگ کی باتیں کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ بس اپنی بلا نوشی کے بارے میں ڈینگیں نہ مارو۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ مصالحانہ لہجے میں بولا "تمہیں ہری چند کے بارے میں تشویش ہے۔ اب ہم اسی کے بارے میں بات کریں گے کیونکہ مجھے بھی اس کے بارے میں بہت زیادہ تشویش ہے۔"

"تمہیں کیا تشویش ہے اس کے بارے میں؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"تم سے بہت مختلف ہے۔ تم اسے پکڑ کر سولی چڑھانا چاہتے ہو، میں اس کے انجام سے خائف ہوں۔"

"اسی لیے تم ہمیں رات کراچی میں گزارنے کا مشورہ دے رہے تھے؟" اول خان کے لہجے کی تلخی بدستور برقرار تھی "یہ بات یاد رکھو کہ تم نے ہمارا ساتھ نہ دیا تب بھی وہ اپنے برے انجام کو نہیں ٹال سکے گا۔"

"اظہر جی! تم نے میری بات پکڑلی۔ تمہاری کہی ہوئی بات بہت پہلے میرے ذہن میں جم چکی ہے۔ مظہر جی نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ اسے بچانے کی کوشش میں، میں خود کسی بڑی مشکل میں پڑ سکتا ہوں۔ بات صرف اتنی ہے کہ وہ ماروتی کا بھائی ہے۔"

"وہ... وہ تمہارا سالا ہے؟" اس انکشاف پر اول خان اپنی حیرت کا بے ساختہ اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے یہ معلوم تھا کہ ماروتی اور ہری چند میں کوئی رشتے داری تھی مگر مجھے اتنا موقع نہیں مل سکا تھا کہ میں اسے ان کے حقیقی رشتے سے آگاہ کرسکتا۔

"سالا ہے۔ اسی لیے میں نے اس پر آنکھ بند کر کے اعتبار کرلیا اور بھایا جی سے کہہ کر اسے حیدرآباد کا منیجر لگوا دیا۔" روی کہہ رہا تھا "آدمی اپنوں سے دھوکا کھاتا ہے، دوسروں پر بھروسا کرتا ہے، نہ ان سے مار کھاتا ہے۔"

"وہ ماروتی کا ماموں زاد بھائی ہے۔" میں نے اول خان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر کہا۔

"وہ ماروتی کا اکلوتا کزن ہے۔ تم نے دیکھا تھا کہ وہ اس کے لیے کیسے گڑگڑا رہی تھی۔" روی بولا۔

چند ثانیوں کے لیے گاڑی میں خاموشی چھاگئی پھر اول خان کی آواز ابھری "تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

وہ سوال میرے لیے تھا۔ میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر جواب دیا "چل پڑے ہو تو بس چلتے رہو۔ وہاں جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔"

"میں ہری چند کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ تم دونوں مجھ پر تھوڑا سا بھروسا کرو تو میں اس تک پہنچنے کے سلسلے میں تمہاری کافی مدد کرسکتا ہوں۔" اس بار قدرے طویل خاموشی کے بعد روی نے پیشکش کی۔

"اسے شناخت کرنے کے سوا تم ہماری کیا مدد کرسکتے ہو؟" اول خان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ تم لوگوں کے خوف سے بھاگا ہوا ہے یا پولیس والوں کے ڈر سے روپوش ہوا ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟" سفر جاری رکھنے کا فیصلہ ہوجانے کے بعد اول خان کا موڈ تبدیل ہوچکا تھا۔

"وہ لوگ وردی والے ہوتے ہیں، تم بغیر وردی والے ہو۔ وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ پولیس والے کہیں بھی اچانک دھاوا بول کر اسے پکڑ سکتے ہیں۔ دوسرے دشمنوں کو وہ غچا دے کر نکل سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ بھٹ شاہ کے علاوہ کہیں اور بھی ہوسکتا ہے؟"

"اس کا اصل ٹھکانا بھٹ شاہ ہی ہے مگر وہ رنگین مزاج ہے۔ دن رات ملنگوں اور فقیروں میں نہیں پڑا رہے گا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ رنگین مزاجی تم سب میں مشترک ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

روی بھی ہنس دیا "بات دراصل یہ ہے مظہر جی کہ ناچ گانا ہمارے مذہب کا ایک حصہ ہے۔ پوجا پاٹھ بھی ان کے بغیر ادھوری رہتی ہے۔ کمسن اور خوب صورت عورتوں کے اس ناچ گانے میں پنڈتوں اور پجاریوں کے صبر کا امتحان ہوتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ بھی انسان ہوتے ہیں اور انسان

خطا کا پتلا ہوتا ہے سو وہ پی کر پوجا منڈل میں آتے ہیں‘ مندروں میں بھی ان کی پیشانی پر تلک اور نظروں میں شراب کی مستی ہوتی ہے۔ انہیں دیکھ دیکھ کر ہم جیسے عام آدمی بھی بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ اب تو یہ سب چل پڑا ہے۔ گھر سے مندر تک ہم سب سیکھے سکھائے ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہمیں پرمٹ سے سرکاری داموں پر ملتی ہے۔ بے چارے مسلمانوں کو بلیک سے خریدنی پڑتی ہے۔“

”یہ نہ بھولو کہ تمہاری اصل آمدنی اسی بلیک سے ہوتی ہے۔“ اول خان نے اپنی دانست میں طنز کیا۔

”میں نے کب اس سے انکار کیا؟“ روی نے جھٹ سے جواب دیا ”مسلمان یہ گن ہم سے سیکھتے ہیں۔ آج سارے مسلمان تمہارے جیسے ہو جائیں تو ہماری دولت زیادہ دن ہمارا ساتھ نہیں دے گی۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ اکھنڈ بھارت بکواس ہے۔ حمام کے بیچ میں کھڑی دیوار گرا دی گئی تو پھر کسی کو کسی کی شرم نہیں رہے گی۔ یہ دھندا ختم ہو جائے گا۔ ہم بھوکوں مر جائیں گے۔“

”مجھے یہ سن کر دکھ ہوا۔“ میں نے کہا ”تمہاری سوچ بہت محدود اور چھوٹی ہے....“

”ارے مظہر جی! میں بھی بڑی بڑی باتیں بنا سکتا ہوں مگر تمہیں اپنا کہا ہے تو اس لیے دل کی بات بتا رہا ہوں۔ ہر انسان کے لیے پیسا دنیا کی سب سے اٹل حقیقت ہے۔ دنیا میں لوگ دو پیسے کے روزگار کے لیے گھربار‘ بال بچوں اور ماں باپ تک کو چھوڑ کر سمندر پار چلے جاتے ہیں۔ ہم تو گھر کے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور بس دعا کرتے ہیں کہ خدا ہمارے روزگار کو پاکستان کے صدقے قائم و دائم رکھے۔“

اس کے وہ الفاظ طنزیہ بھی ہو سکتے تھے لیکن اس کا لب و لہجہ طنز و استہزا سے یکسر عاری تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اول خان اس کے حقیقی مفہوم کو سمجھے بغیر بھڑک نہ اٹھے میں فوراً ہی بول پڑا ”تم خدا کو کب سے ماننے لگے؟“

”اوہو....!“ میرے ٹوکنے پر اس نے سنبھل کر کہا ”یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں‘ اس لیے خدا کا نام لے رہا ہوں۔ دراصل یہ ماحول کا اثر ہے۔ ہم سلام کرتے ہیں‘ مسلمان اس کا جواب دیتے ہیں۔ ایسے بھلے لوگوں سے میل جول میں ہم خدا کا نام لینے لگے ہیں مگر جب بھی ہم خدا کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں بھگوان کا تصور ہوتا ہے۔ بھایا جی بہت کٹر ہیں۔ وہ رام اور بھگوان کے سوا کچھ اور نہیں بولتے۔“

”یہ منافقت ہے کہ تم زبان سے کچھ اور کہتے ہو‘ دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ تم سے تو تمہارا بھایا جی اچھا ہے کہ دل کی بات ہی زبان پر لاتا ہے۔ تمہاری طرح کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔“ اول خان اس کی طرف سے پھر کچھ بدک گیا۔

”یہ منافقت نہیں‘ یقین کی بات ہے‘ اظہر جی!“ اس نے زور دے کر کہا ”جو بھی اسے پکارتا ہے‘ اس یقین سے پکارتا ہے کہ وہی سب کچھ بنانے اور بگاڑنے والا ہے۔ اس کے سامنے سب چیونٹی سے زیادہ بے بس ہیں۔ اسے گاڈ‘ خدا‘ اللہ‘ رام یا بھگوان کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بھایا جی تو جنونی آدمی ہیں۔ جو بات ان کی موٹی عقل میں سما جائے‘ وہ سب سے زیادہ صحیح ہوتی ہے۔“

”اس بارے میں اپنی زبان بند رکھو!“ اول خان اس کی ملحدانہ تاویل سن کر سختی سے بولا ”اپنی منطق اپنے پاس رکھو۔ ہمارے یہاں اللہ کا تصور بہت صاف ستھرا اور کھرا ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ایسا اکیلا ہے کہ اس جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس کا کوئی بیٹا بیٹی ہے اور نہ شریک!“

”یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری ہر بات کی تان بھایا جی پر آکر کیوں ٹوٹتی ہے۔“ اول خان کے خاموش ہوتے ہی میں نے موضوع بدل دیا ”تم جگدیش کو برا بھلا کہتے ہو اور ہر بات میں اس کی مثال بھی لے آتے ہو جیسے وہ تمہارے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہو۔“

”بھایا جی سنکی اور جھکی ہیں مگر گھر کے بڑے ہیں۔ باپ کے مرنے کے بعد مجھے تو پالا بھی انہوں نے ہی ہے۔ میں ان کا نام کھرچ کر کیسے نکال سکتا ہوں۔ ان سے میرا اصل اختلاف ماروتی کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ اسے پسند نہیں کرتے۔“

”جگدیش کو تم پر اپنی پسند مسلّط کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ شاید وہ تمہیں آج بھی بچہ سمجھتا ہے۔“

”یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ ان کی بیوی یعنی بھابی ان سے دگنی موٹی اور بدشکل ہے۔ شاید وہ ماروتی کی وجہ سے احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گئے ہیں اور کھسیانی بلی کی طرح ہر وقت کھمبا نوچتے رہتے ہیں۔“

”ماروتی کا انتخاب کرتے ہوئے تمہیں خیال رکھنا چاہیے تھا کہ جگدیش کے دل پر کیا گزرے گی۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”تم جانتے ہو کہ ماروتی کتنی ملنسار اور خوش مزاج ہے۔ جو ایک بار اس سے مل لیتا ہے‘ اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اس نے بھایا جی کو عزت دینے کی بہت کوششیں کیں مگر انہیں گھر کی عزت راس نہیں آئی۔“

"وہ واقعی بہت اچھی اور پیاری عورت ہے مگر میں ایک بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کے بارے میں تم بہت کھلا ذہن رکھتے ہو ورنہ اسے یوں ہوٹل میں اکیلا چھوڑ کر نہ آتے۔ ہوٹلوں میں ہر رنگ کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"گھر کی پچھلی دیوار پھاند کر بھاگنے کے بعد بھی وہ رات بھر اسی ہوٹل میں ٹھہری تھی اور وہیں تم سے ملی تھی۔ تم خود بتاؤ کہ اس نے تمہیں کیا تکلیف پہنچائی؟ کیا تمہیں اس سے کوئی شکایت ہے؟"

اس کا وہ سوال اس قدر دلیرانہ اور براہِ راست تھا کہ میں ماروتی سے ہونے والی اس ملاقات کا تصور کر کے چند لمحوں کے لیے سٹپٹا گیا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ ماروتی نے اپنے شوہر کو اس حد تک بتا دیا ہوگا۔

"مجھے اس بے چاری سے کیا شکایت ہوگی۔ وہ تو ہر قیمت پر تمہیں معافی دلوانے کے لیے بے چین تھی۔" وہ جواب دیتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ روی موہن کو ماروتی پر واقعی اندھا اعتماد تھا یا پھر وہ ایک بے حس اور بے غیرت شوہر تھا۔

"اس سے کسی کو شکایت نہیں ہوتی۔ وہ بہت حوصلے اور دل والی عورت ہے۔ جب تک وہ خود نہ چاہے، کوئی غیر مرد اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ اسی بھروسے پر میں نے اسے آج پھر ہوٹل میں چھوڑ دیا۔ عورت اور قسمت۔ ان دو چیزوں کو آدمی زبردستی اپنے قابو میں نہیں کر سکتا۔ یہ مقدر والوں پر خود مہربان ہوتی ہیں اور جب روٹھ جائیں تو انہیں منانا ناممکن ہوتا ہے۔"

اس کی کھلی کھلی باتوں سے مجھے حوصلہ مل رہا تھا۔ میں نے کہا "میں ماروتی کی بات نہیں کر رہا۔ میں ایک عام سی بات کر رہا ہوں کہ عورت کو آزادی مل جائے اور اسے رازداری کا یقین ہو تو پھر اسے بہکنے میں دیر نہیں لگتی۔"

"تم نے عام سی بات کی ہے مگر میں ماروتی کے بارے میں کہتا ہوں کہ اگر وہ مجھ سے خوش نہیں ہے اور بہکنا چاہتی ہے تو پھر بہک جائے۔ میں اس کا پیچھا نہیں کروں گا۔ تمہاری بات الگ ہے مگر مرد عام طور پر ہرجائی ہوتے ہیں۔ خود میری کئی لڑکیوں سے دوستیاں ہیں۔ میں اس بارے میں زیادہ سوچنے کا قائل نہیں ہوں۔ ماروتی کے دل میں میرے لیے پیار ہی پیار ہے۔ جس دن اس میں کمی آئی، مجھے خود علم ہو جائے گا۔ مجھے سارا ڈر بھایا جی کی زبان کی طرف سے رہتا ہے۔ وہ غصے میں آپے سے باہر ہو کر ماروتی کو ایسی ایسی گالیاں دیتے ہیں کہ میں لرز جاتا ہوں۔ ان کی ضد میں آ
ماروتی نے کوئی انتقامی قدم اٹھا لیا تو میں زندگی بھر بھایا جی ک
معاف نہیں کروں گا۔ وہ میرے بڑے بھائی ضرور ہیں مگ
انہیں میری زندگی سے کھیلنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

وہ نرا احمق تھا اور اپنے تصورات کی دنیا میں کھویا ہو
تھا۔ اسے یہ علم ہی نہیں تھا کہ وہ جس گھڑی سے ڈر رہا تھا،
آ کر گزر چکی تھی۔ ماروتی نے اپنے جیٹھ کی ضد میں چپکے سے
اپنے گھرانے کی عزت کو ڈس لیا تھا۔ وہ جگدیش سے ماروتی
انتقام تھا اس لیے روی اپنے گھر کو لگ جانے والی اس آگ
کی تپش کو بالکل محسوس نہیں کر سکا تھا مگر شاید ماروتی نے
جگدیش کو کسی طرح جتا دیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا کچھ ہو چ
تھا۔

روی کی سوچ واضح تھی مگر اس کا تردد میرے لیے
ناقابلِ فہم تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "تمہارے دل میں
ایسے بھیانک اندیشے پل رہے ہیں تو تم کوئی قدم کیوں نہیں
اٹھاتے؟ تمہیں کس گھڑی کا انتظار ہے؟"

"بھایا جی ماروتی پر گرجتے برستے ہیں تو پہلے اس کی
آنکھیں نم ہوتی ہیں پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دی
ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کی آنکھوں سے بہنے وال
آنسوؤں میں اس کے دل کی ساری کدورت دھل جاتی ہے۔
جس دن اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں آئے اور اس نے
بھوکی شیرنی کی طرح بھایا جی کو گھورنا اور جواب دینا شرو
کر دیا، میں اپنی زبان بندی ختم کر کے بھایا جی کی طبیعت صاف
کر دوں گا۔"

مجھے یاد آیا کہ جب بھایا جی نے میرے اور اول خان کے
سامنے ماروتی کی تذلیل کی تھی تو وہ بھوکی شیرنی کی طرح اس
سے مقابلے پر تل گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ذرا بھی نمی
نہیں آئی تھی اور جگدیش اسے بمشکل اندر لے جا سکا تھا۔

اپنی بیوی کے بارے میں روی موہن کے سارے
اندازے سو فی صد درست تھے۔ خرابی یہ ہوئی تھی کہ اپنی
زندگی کے ایک فیصلہ کن موڑ پر وہ خود موجود نہیں تھا بلکہ خود
کو قانون کی آہنی گرفت سے بچانے کے لیے شہر کے کسی
گمنام گوشے میں دبکا ہوا تھا۔

روی کے جواب پر گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ میری
طرح اول خان بھی موہنوں کے خاندان پر خاموشی سے نازل
ہونے والی تباہی کے بنیادی سبب سے واقف ہو چکا تھا اور
ہونٹ بھینچے، ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔

میں خود اس کہانی کا ایک کردار بننے پر مجبور کر دیا گیا تھا

اس لیے میں نے گہری دلچسپی کے ساتھ روی موہن کو کریدا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ روی اپنی بیوی کے بارے میں بہت زیادہ پر اعتماد اور آزاد خیال تھا مگر پھر بھی ماروتی نے براہ راست اسے دغا نہیں دی تھی۔

اس گھر کو گھر ہی کے سب سے بڑے اور شاید سب سے روشن چراغ سے آگ لگی تھی۔

اول خان نے اس بارے میں میرے تجسّس کو بھانپتے ہوئے درمیان میں دخل اندازی نہیں کی تھی لیکن روی کی گفتگو سے سامنے آنے والے حقائق کے جھٹکے سے سنبھلتے ہی اسے ہری چند یاد آگیا۔

"تم نے بلاوجہ ہمیں اپنی گھریلو باتوں میں الجھالیا۔ ہری چند کی بات اس کی رنگین مزاجی تک آکر رہ گئی۔" اول خان نے گردن کو قدرے موڑ کر کہا۔ اس وقت بھی اس کی پوری توجہ سڑک پر مرکوز تھی۔

"ہاں میں کہہ رہا تھا کہ وہ پولیس کے ڈر سے بھاگا ہے تو پھر ملنگ بن کر بھٹ شاہ میں ہی چھپا رہے گا۔" روی کو فوراً ہی اپنی بھولی ہوئی بات یاد آگئی "اور اگر وہ تمہارے ڈر سے روپوش ہوا ہے تو دن میں مزار کے آس پاس پڑا رہتا ہوگا اور راتیں ہالا کی کسی بدنام عورت کے گھر گزارتا ہوگا۔ ہالا شہر کے مخصوص، پچھلے حصے میں ذرا سی محنت کرکے اسے تلاش کیا جاسکتا ہے۔"

"حیرت ہے کہ یہ بات تم کہہ رہے ہو حالانکہ تم ہمارے خوف سے اپنے گھر سے نکل کر اس طرح فرار ہوئے تھے جیسے موت تمہارا پیچھا کررہی ہو۔ آج کی پوزیشن کو بھول کر اس وقت کے بارے میں سوچو اور اندازہ لگالو کہ ہری چند کا کیا حال ہوگا۔" میں نے کہا۔

"میرے اوسان خطا ہوگئے تھے۔" روی نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "مجھے معلوم ہوچکا تھا کہ ہری چند نے کرشن کمار کی ہدایت پر اپنی گاڑی کچھ اجنبی غنڈوں کو دی تھی اور وہ گاڑی کراچی میں پکڑی جاچکی تھی۔ اس خبر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ جوں ہی مجھے تم لوگوں کی آمد کا علم ہوا تو مجھے اپنے سامنے موت کھڑی نظر آنے لگی اور میں کچھ سوچے سمجھے بغیر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ جب تک ماروتی نے مجھے اطمینان نہیں دلایا، ہر آہٹ پر میری جان نکلی جاتی رہی تھی۔ مجھے خوف تھا کہ مجھے ڈھونڈنے والے کسی بھی وقت میری پناہ گاہ تک پہنچ جائیں گے۔"

"ہری چند ان چکروں میں براہ راست ملوث ہے۔ ماروتی سے یہ سن کر وہ دہشت زدہ ہوگیا ہوگا کہ کسی ایجنسی کے آدمی تمہاری تلاش میں تمہارے گھر پہنچے ہیں۔ یہ دہشت اسے عیاشی کی طرف مائل نہیں ہونے دے گی۔ وہ جہاں ہے، وہیں چھپا رہے گا۔"

"یہ میری رائے تھی جو غلط بھی ہوسکتی ہے۔"

ٹول پلازا سے آگے، میمن گوٹھ کے قریب سے گزرتے ہوئے میری نظریں غیرارادی طور پر دائیں طرف اٹھ گئیں۔ اسی آبادی کے قرب جوار میں کہیں ڈیوڈ اور جمی کی لاشیں ان کی کار کی آہنی چتا میں جلی تھیں۔

اس وقت تک جو کچھ روی کے علم میں آچکا تھا، وہی کافی تھا۔ اسے ہمارے اصل نام معلوم نہیں تھے مگر وہ ہمیں پہچانتا تھا۔ اسے ہمارے گھر کا علم نہیں تھا لیکن وہاں کا فون نمبر وہ جان چکا تھا۔ اس سے آگے اس پر اعتماد کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس وقت وہ ہمارے دباؤ میں آیا ہوا تھا اور ہمارے لیے کام کررہا تھا۔ اپنی جان بچانے کے لیے اسے ہر حال میں ہمارا ساتھ دینا تھا مگر ہم دونوں میں سے کوئی اس امکان سے غافل نہیں تھا کہ آنے والے دنوں میں کرشن کمار یا ہری چند جیسے ملک دشمن عناصر ایک مرتبہ پھر اس کی ہمدردیاں حاصل کرسکتے تھے۔ ایسی صورت میں اس کی نازک مسائل سے آگاہی ہمارے لیے مشکلات کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی تھی۔

میمن گوٹھ کے عقب میں واقع "گرین فارم" پر پیش آنے والے واقعات ہمارے لیے ناقابلِ فراموش تھے۔ وہاں اول خان اور سلطان شاہ نے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ ایک طرف کرشن کمار کو زندہ پکڑا گیا تھا تو دوسری طرف ایف بی آئی کے دو امریکی اہلکاروں کو ایسے حالات میں موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا کہ کسی کی جانب سے کسی جائز احتجاج کی گنجائش نہیں رہی تھی مگر ہم دونوں میں سے کسی نے میمن گوٹھ کے آس پاس پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔ گاڑی تیزی کے ساتھ آبادی سے آگے گزرتی رہی۔

میمن گوٹھ کی روشنیاں ختم ہونے سے پہلے روی موہن اچانک بول پڑا "کرشن کمار یہیں چھپا ہوا تھا۔"

"وہ یہاں سے نہیں، کراچی میں داخل ہوتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔" میں نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

"کمال ہے۔" اس کی آواز تحیر زدہ تھی "میں نے ماروتی کو بتایا تھا کہ وہ یہیں گرین فارم میں چھپا ہوا تھا، اخباروں میں بہت کچھ آیا ہے۔ فارم سے کچھ دور دو امریکی بھی کسی حادثے کا شکار ہوئے تھے۔ کیا ان واقعات کا کرشن کمار سے کوئی تعلق نہیں تھا؟"

”تعلق ہوتا تو اخباروں میں اس کا ذکر بھی ساتھ آتا۔ وہ ایک الگ واقعہ تھا۔ وہ پکڑا گیا اور مار دیا گیا۔“
”اخبار میں اس کی تصویر دیکھ کر مجھے جھرجھری آگئی تھی۔ اس کی لاش کراچی کے ہی کسی علاقے سے ملی تھی۔“
اس نے اپنے موقف پر اصرار کرنے کے بجائے وہی بات دہرا دی جو اخباروں تک پہنچائی گئی تھی پھر بے ساختہ پوچھا ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں اس کے بارے میں ماروتی سے جو اطلاع ملی، وہ بے سود ثابت ہوئی ہوگی۔ تمہیں بلاوجہ یہاں تک دوڑ لگانی پڑی۔“
”ہمیں یہاں تک آنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔“
اس کا سوال سنتے ہی میرا ذہن چل پڑا تھا اور تیزی کے ساتھ ایک کہانی کا تانا بانا تیار ہونے لگا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ”ہمیں ماروتی نے دیر سے کرشن کمار کی کمین گاہ کے پتے سے آگاہ کیا۔ تھوڑی سی تیاری میں مزید وقت ضائع ہوا۔ جب ہم میمن گوٹھ کے لیے روانہ ہوئے تو یہاں کھیل ختم ہو چکا تھا....“
”تمہارا مطلب ہے کہ تم سے پہلے کسی اور نے اسے ٹھکانے لگا دیا؟“ اس نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔
”اتنی لمبی چھلانگیں نہ لگاؤ۔ تحمل سے پوری بات سن لو۔“ میں نے خوشگوار لہجے میں کہا ”اسے کسی نے نہیں مارا تھا مگر گرین فارم پر کچھ نہ کچھ ہو چکا تھا۔ دونوں امریکی ایک پراسرار حادثے کا شکار ہو کر چل بسے تھے اور کرشن کمار یہاں سے بھاگ نکلا تھا۔“
”اس نے تمہارے ساتھ امریکیوں سے بھی کوئی مخاصمت مول لی ہوئی ہوگی!“
”تینوں مر چکے ہیں اس لیے اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہم صرف قیاس آرائی کر سکتے ہیں۔ ہم کراچی سے نکل رہے تھے اور ٹول پلازا سے پہلے والی چیک پوسٹ پر ایک پولیس پارٹی نے کرشن کمار کو روکا ہوا تھا۔“
”اس کا رنگ اور چہرہ اتنا غیر معمولی ہے کہ تم نے اسے دور ہی سے پہچان لیا ہوگا۔“ وہ قیاس آرائی کیے جا رہا تھا۔
”بس، اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے کہ اظہر نے اسے دیکھا اور پہچان لیا۔“
”ہمارے پاس اس سے زیادہ پوچھ گچھ کا وقت نہیں تھا۔ ہمیں اس کے جرائم کا علم تھا۔ اس نے ڈھٹائی سے کام لینا چاہا اور یوں تشدد سہتے سہتے مر گیا۔ تم اس کے بارے میں اتنے فکر مند کیوں ہو۔“
”گرین فارم کا مالک میرا گہرا دوست ہے۔ اس نے میری سفارش پر کرشن کمار کو پناہ دی تھی۔ اس بے چارے کو کرشن کمار کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ اگر وہ کرشن کمار کی وجہ سے کسی مشکل میں پڑ گیا تو میں اس کا سامنا کرنے کے قابل نہیں رہوں گا۔“
”ان پیچیدگیوں کی وجہ سے تمہیں اپنی روپوشی کو تھوڑا سا طول دینا پڑا۔ پولیس کو اس شخص کی تلاش تھی جس کے ایما پر کرشن کمار کو گرین فارم میں پناہ دی گئی تھی۔ فارم کے مالک نے اپنی چمڑی بچانے کے لیے سب کچھ اگل دیا تھا۔“
”مگر اسے کرشن کمار کے اصل نام کی بھنک بھی نہیں ملی تھی۔ وہ شیرو کے نام سے وہاں پہنچا تھا۔“
”شیرو اور کرشن کمار کا ڈراما زیادہ دیر تک نہیں چل سکا تھا۔ امریکیوں کی موت کی وجہ سے اس معاملے نے بہت اہمیت اختیار کر لی تھی۔ فارم کے مزدوروں نے کرشن کمار کی لاش کی تصویریں دیکھتے ہی پہچان لیا کہ وہی شخص شیرو کے نام سے فارم پر مقیم تھا۔“
”پھر تو وہ بے چارہ ضرور مشکل میں پھنس گیا ہوگا!“ روی پر تشویش اور اونچی آواز میں بڑبڑایا۔
”وہ پولیس کا معاملہ ہے۔ میمن گوٹھ میں جو کچھ ہوا یا اب ہو رہا ہوگا، اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔“
”تم میرے دوست کے لیے کچھ کر سکتے ہو؟“ روی نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔
”تم پھر بہک رہے ہو!“ میں نے اسے تنبیہہ کی ”میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ اس چکر سے اپنی گردن بچانے کی فکر کرو۔ دوسروں کے لیے زیادہ ہمدردی دکھائی تو تم خود بھی کسی المناک انجام سے دوچار ہو جاؤ گے۔“
”مظہر جی! میں شرمندہ ہوں۔“ اسے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ وہ کہہ رہا تھا ”جو بات میں ہری چند کے حوالے سے ماروتی کو سمجھا رہا تھا، وہی بات اس وقت میرے ذہن سے نکل گئی۔“
”ہماری طرف سے تمہیں کلیرنس مل چکی ہے۔ ہم قول کے پکے ہیں، جو وعدہ کرتے ہیں اسے آخر تک نبھانے کی کوشش کرتے ہیں۔“ میں نے اپنی بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے ہوئے، زور دے کر کہا ”مگر یہ ہم ہی جانتے ہیں کہ پولیس فورس کو تم سے دور رکھنے کے لیے ہمیں کیا پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔ آج بھی امریکی ہر اس شخص کی گرفتاری کا مطالبہ کر رہے ہیں جس کا سایہ بھی گرین فارم کے قریب سے گزرا ہو۔“
”تمہارے بتانے سے پہلے یہ بات میری سمجھ میں آگئی

تھی کہ اپنی ایجنسی کے سوا تم کسی کی ذمے داری نہیں لے سکتے۔"

"پولیس کی طرف سے درپیش خطرہ کسی بھی وقت سر ابھار سکتا ہے۔ اس امکان کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلو گے تو تم سے کہیں کوئی لغزش نہیں ہوگی۔ ابھی ہری چند کا نام ہمارے سامنے ہے۔ نہ جانے کل کس کی باری آجائے۔"

"گھر پر ماروتی تم سے کہہ رہی تھی کہ تم چھانٹ چھانٹ کر ہندوؤں کو اپنا نشانہ بنا رہے ہو۔ اس وقت مجھے دھیان نہیں آیا تھا۔ تمہیں معلوم ہوچکا ہوگا کہ گرین فارم ایک مسلمان کی ملکیت ہے اور وہ میرا گہرا دوست ہے۔"

"یہ بات ماروتی کو ضرور بتا دینا تاکہ اس کی غلط فہمی دور ہوسکے۔ تمہارا وہ دوست مسلمان ہونے کے باوجود مکافاتِ عمل سے گزر رہا ہوگا۔ اپنی زمین سے غداری کرنے والوں کے لیے قانون نافذ کرنے والے سارے باوردی اور سادہ پوش ادارے سفاک ثابت ہوتے ہیں۔"

اس دوران میں میمن گوٹھ کی آبادی بہت پیچھے رہ گئی۔ میں نے گردن گھما کر پیچھے نگاہ ڈالی تو آنے اور جانے والی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں بس سپرہائی وے کی بل کھاتی ہوئی، سیاہ دہری پٹیاں چمک رہی تھیں۔ سڑک کے اطراف میں ہر طرف تاریکی کا راج تھا۔

میرے حساب سے روی موہن نے شراب کی وافر مقدار لی ہوئی تھی لیکن اس کے اعصاب نشے کے گہرے اثرات سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔ اس کا ذہن کام کررہا تھا اور زبان کسی لکنت کے بغیر اس کے خیالات کا پورا پورا ساتھ دے رہی تھی۔

میں نے بس اتنا محسوس کیا کہ اسے بڑھتی ہوئی خاموشی سے وحشت ہورہی تھی۔ جب بھی سکوت کے لمحات کچھ طول پکڑتے، وہ نیند بھگانے کی کوشش میں کوئی نہ کوئی نئی بات چھیڑ دیتا تھا اور خاموشی ٹوٹ جاتی تھی۔

حیدر آباد تک کا سفر کافی تیز رفتاری سے طے ہوا۔ باتوں ہی باتوں میں ہم حیدر آباد کی حدود میں داخل ہوگئے۔

ہم تینوں کراچی سے روانہ ہوئے تو کھانے کا وقت نہیں ہوا تھا۔ حیدر آباد سے آگے کا سفر کیسا رہتا اور بھٹ شاہ میں کیا حالات پیش آتے، اس کے بارے میں کوئی پیشگی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ ایسے میں کھانے کے لیے حیدر آباد ہی سب سے بہتر تھا۔ اول خان بھی رات بھر بھوکا رہنے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے قاسم چوک سے بائیں طرف مڑنے کے بعد ایک ہوٹل کے پاس گاڑی پارک کردی۔

ہم ہوٹل میں داخل ہوئے تو ایک گوشے میں بنے ہوئے صاف ستھرے کاؤنٹر کے عقب میں بیٹھے ہوئے شخص نے فضا میں ہاتھ لہرایا۔ اس کی مسکراتی ہوئی استقبالیہ نگاہوں کے تعاقب میں، میں نے روی کی طرف دیکھا تو وہ بھی جواب میں مسکرا کر ہاتھ ہلا رہا تھا۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ ہوٹل والے سے روی کی وہ شناسائی ہمیں مہنگی پڑسکتی تھی۔

اسی اثنا میں کاؤنٹر والے کے اشارے پر ایک ویٹر ہماری طرف لپکا چلا آیا تھا۔ اس نے ایک میز کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ ہم نے کرسیاں سنبھال لیں تو اس نے میز کی سطح پر کپڑا پھیر کر اسے غیر ضروری طور پر صاف کیا، قریبی میز سے تین گلاس اور ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا ایک جگ ہماری میز پر منتقل کیا اور پھر ہمیں سوچنے کا موقع دے کر ہمارے پاس سے دوبارہ کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

میز پر رکھے ہوئے شفاف شیشے کے نیچے ہوٹل کے دو مینو اس طرح دبے ہوئے تھے کہ میز کے گرد بیٹھا ہوا ہر شخص ان کا مطالعہ کرکے اپنی پسند کے کھانوں کا انتخاب کرسکتا تھا۔ ہم تینوں میں سے کوئی اس طرف متوجہ نہیں تھا۔ ویٹر کی آمد کی وجہ سے میرا چبھتا ہوا سوال ہونٹوں تک آکر رہ گیا تھا۔

روی نے میرے تیور بھانپ لیے تھے اور اندازہ لگا چکا تھا کہ میں اس سے کوئی کڑوی کسیلی بات کرنے والا تھا۔

"ہوٹل میں گھستے ہی تم کچھ پریشان ہوگئے ہو!" روی نے جھجکتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ اظہر نے جس ہوٹل کا انتخاب کیا ہے اس کا مالک یا کوئی ذمّے دار ملازم تمہارا شناسا ہے!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قدرے ترشی سے پوچھا۔

وہ مسکرایا پھر بولا "غنیمت ہے کہ میں نے اس ہوٹل میں آنے کا مشورہ نہیں دیا ورنہ تم زیادہ ہی بدگمان ہوجاتے۔ اس ہوٹل میں صرف کھانے کا نہیں بلکہ پینے کا سامان بھی چلتا ہے۔" اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں بند کرکے انگوٹھا دہانے کی طرف لے جاتے ہوئے اشارہ کیا "یہاں ہمارا پرانا لین دین ہے۔ ہم بالکل بے خوف و خطر ہوکر یہاں اپنی شکم پری کرسکتے ہیں۔"

"ان لوگوں سے یہ لین دین ہری چند ہی کرتا ہوگا؟" میں نے نیچی آواز میں سوال کیا۔

"وہ حیدر آباد میں منیجر ہے، لین دین اسی کا کام ہے مگر ہم

لوگ بھی کراچی اور میرپور خاص کے درمیان سفر کرتے ہوئے یہاں رکتے ہیں بھایا جی نے بچپن سے مجھے سکھایا ہے کہ اچھے کاروبار کے لیے ضروری ہے کہ مالک اپنے مستقل گاہکوں سے رابطہ رکھے....“

”تمہیں پھر بھایا جی یاد آ گیا!“ اول خان اس پر آنکھیں نکال کر غرایا ”اب تم نے اپنے اس مردود بھائی کا نام لیا تو میں تم پر ہاتھ چھوڑ دوں گا۔ اس کا نام سن سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔“

روی خفّت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا ”اچھا ہوا کہ تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے وارننگ دے دی۔ اب میں محتاط رہوں گا۔ میری زندگی پر ان کی چھاپ اتنی گہری ہے کہ انہیں ناپسند کرنے کے باوجود میں بھولنے سے قاصر ہوں۔“

”یہ یاد رکھنا کہ اظہر کا ہاتھ کراٹے کا ہوگا۔“ میں نے اسے یاد دلایا۔

موہن خاندان کا آبائی شہر میرپور خاص تھا جبکہ وہ لوگ کراچی میں رہتے تھے۔ دونوں شہروں کے درمیان سفر کرتے ہوئے اس ہوٹل کے مالک اور ملازمین سے ان کا میل جول قابلِ فہم تھا۔ میرے ذہن میں رینگنے والے خدشات کچھ کمزور ہوگئے۔

مینو کا تعین ہوجانے کے بعد اول خان نے روی سے باتھ روم کے بارے میں پوچھا اور اس کی نشان دہی پر اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف چل دیا۔ باتھ روم اسی سمت میں واقع تھا۔ اول خان ہاتھ دھو کر لوٹا تو روی اٹھ کر اسی طرف ہولیا۔

ہم دونوں کی نگاہیں اس کا تعاقب کررہی تھیں۔ راستے میں وہ کاؤنٹر پر رکا تو میرا اندازہ تھا کہ وہ چند ثانیوں کی رسمی مزاج پرسی کے بعد وہاں سے آگے بڑھ جائے گا مگر ایسا نہ ہوسکا۔ وہ کہنیاں ٹیک کر کاؤنٹر پر جھکا، وہاں موجود شخص سے باتیں کررہا تھا۔

”دونوں میں راز و نیاز شروع ہوگئے ہیں۔“ اول خان نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”اس نے ہوٹل والے سے مل کر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو منہ کی کھائے گا۔“

وہ بے یقینی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکی۔ اس گوشے میں ہلچل سی نظر آئی پھر روی باتھ روم کی طرف جانے کے بجائے بہت تیزی کے ساتھ ہماری طرف واپس آتا ہوا نظر آیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ کاؤنٹر والا اپنی جگہ چھوڑ کر باہر نکلا اور عجلت میں مخالف سمت میں چل دیا۔ چند قدم چلنے کے بعد وہ ایک دروازے کے پیچھے غائب ہوگیا۔ اس دوران میں روی ہمارے پاس واپس آچکا تھا۔

”گڑبڑ ہوگئی۔“ وہ آتے ہی کسی تمہید کے بغیر بولا ”ہم آئے تو ہری چند یہیں موجود تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ دوسری سمت سے باہر نکل گیا۔“

میں غیر ارادی طور پر اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا ”وہ یہاں کیا کررہا تھا؟“

”وہ کئی دنوں سے روپوش تھا۔ شاید پیسے ختم ہوگئے ہوں گے۔ یہاں سے حساب لینے آیا تھا۔“

”مگر تم نے تو کہا تھا کہ وہ بھٹ شاہ میں ملنگ بن کر چھپا ہوا ہے!“ میں نے کہا۔

”آدمی کوئی بھی سوانگ رچالے، گزارے کے لیے رقم ضروری ہوتی ہے۔ وہ پیسے لینے کے بعد ملکانی سے باتیں کررہا تھا۔ جوں ہی ہم اندر داخل ہوئے، وہ ملکانی سے سلام دعا کیے بغیر یہاں سے نکل گیا۔“

”حیرت ہے کہ یہ بات تمہیں اتنی دیر سے بتائی گئی۔“ اول خان نے غصیلے انداز میں اس کی بات کاٹ کر کہا ”ہمیں ہوٹل میں آئے ہوئے کافی دیر ہوچکی ہے۔ اب تک وہ بہت دور نکل گیا ہوگا۔“

”شاید ہوٹل والے بھی اس سے ملے ہوئے ہیں۔“ میں نے تلخ لہجے میں لقمہ دیا ”یہ بات تو کوئی اُلّو کا پٹھا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اپنے مالک کو دیکھ کر رقم سمیت بھاگنے والا ملازم بھی کسی کا وفادار نہیں ہوسکتا۔ انہیں تم کو آتے ہی ہری چند کے بارے میں بتانا چاہیے تھا۔“

”میں اکیلا ہوتا تو شاید وہ یوں حواس باختہ ہوکر نہ بھاگتا۔“ روی نے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا ”میرے ساتھ تم دونوں کو دیکھتے ہی اس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ پیسے اس کی جیب میں جاچکے تھے، وہ بھاگ گیا۔“

وہ بھاگ گیا اور ہم یہاں بیٹھے تمہارے ساتھ جھک مار رہے ہیں۔ اول خان کا پارہ بتدریج چڑھنے لگا تھا ”معلوم کرو کہ وہ کدھر گیا ہے؟“

”ملکانی کاؤنٹر چھوڑ کر اپنے آدمیوں سے یہی معلوم کرنے گیا ہے کہ ہری چند کی گاڑی کدھر گئی ہے“ روی نے سہم کر جواب دیا ”جو کچھ تم دونوں کہہ رہے ہو، میں ملکانی کو وہ سب سنا چکا ہوں۔ اسے علم نہیں تھا کہ ہری چند مفرور ہے۔“

کاؤنٹر والا اسی دروازے سے برآمد ہوا جس میں وہ غائب ہوا تھا۔ اس بار اس کی رفتار اتنی غیر معمولی تھی کہ ہوٹل میں موجود کئی گاہک چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ وہ میزوں کے درمیان سے ہوتا ہوا، سیدھا ہمارے پاس آرکا۔

"وہ ہائی وے پر منیاری کی طرف گیا ہے' گاڑی میں اکیلا تھا" آنے والے نے بتایا۔
"وہ ہاتھ نہ آیا تو واپسی پر ہم تمہیں دیکھ لیں گے" اول خان اس پر غرایا۔
میں ملکانی کا پیغام سنتے ہی دروازے کی طرف بڑھ چکا تھا۔ دونوں نے میری تقلید کی۔ چند قدم آگے بڑھنے کے بعد مجھے خیال آیا اور میں پھر ملکانی کی طرف پلٹ پڑا جو اپنا سر جھٹک کر کچھ بڑبڑاتا ہوا کاؤنٹر کی طرف جا رہا تھا۔
"وہ کس گاڑی میں ہے۔ اس کا..." میرا سوال مکمل ہونے سے پہلے ملکانی نے بولنا شروع کردیا۔
"کالی مزدا میں ہے!" میں نے بس اتنا سنا اور دروازے کی طرف ہولیا۔
میرے سوار ہونے تک اول خان لینڈ روور کا انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ وہ دیوہیکل گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھی' اول خان نے پورا اسٹیئرنگ گھما کر گاڑی کو واپس موڑا اور پھر برق رفتاری کے ساتھ مین روڈ پر آگیا۔
"وہ مجھے تم دونوں کے ساتھ دیکھ کر شبے میں پڑا ہے تو اب بھٹ شاہ کا رخ نہیں کرے گا" روی بولا۔
اس کی بات صحیح تھی۔ ہم تینوں کو یکجا دیکھ کر وہ اسی ایک نتیجے پر پہنچ سکتا تھا کہ روی اپنے نامعلوم دشمنوں کی گرفت میں آگیا ہے اور دو اجنبی روی کو ساتھ لے کر اس کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ ہم اس ہوٹل میں اتفاقاً جا گھسے تھے مگر ہری چند کو شبہ ہوسکتا تھا کہ روی نے بھٹ شاہ جانے سے پہلے دانستہ اس ہوٹل کا رخ کیا ہو تاکہ وہاں سے اس کے بارے میں کوئی تازہ ترین سن گن مل سکے۔
شاید ہری چند نے بھٹ شاہ کو اپنا محفوظ ترین ٹھکانا سمجھ کر وہاں پناہ لی ہوئی تھی۔ اس بارے میں اس نے خود ہی ماروتی کو بتایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ روی کسی وجہ سے زیر ہوچکا تھا تو ماروتی کے علم میں آئی ہوئی ہر بات روی کے ذریعے اس کے دشمنوں تک پہنچ چکی ہوگی۔ وہ اکیلا تھا۔ پرانی کمین گاہ سے ایک بار نکل آنے کے بعد ضروری نہیں تھا کہ وہ دوبارہ ادھر کا رخ کرے۔ گاڑی اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ قومی شاہراہ سے نکلنے والے کسی بھی راستے پر مڑ کر ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرسکتا تھا۔
یہ غنیمت تھا کہ میں نے چلتے چلتے ملکانی سے ہری چند کی گاڑی کے بارے میں پوچھ لیا تھا ورنہ عملی طور پر ہمارے پاس اس کا کوئی سراغ نہ ہوتا۔ حیدرآباد سے میلوں دور نکل جانے کے بعد ہمیں اندازہ ہوتا کہ ہم ایک بے نام ونشان کار کا پیچھا کررہے تھے جسے تلاش کرنا ناممکنات میں سے تھا۔
"تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔ تمہاری دانست میں وہ اور کہاں جاسکتا ہے؟"
"یہ سڑک شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہے اور اس کے دونوں اطراف میں بے شمار آبادیاں ہی آبادیاں ہیں۔ وہ اپنا گھر چھوڑ چکا ہے۔ کہیں بھی چلا جائے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کی رشتے' کنبے داری صرف حیدرآباد اور میرپور خاص میں ہے یا کراچی میں ہم رہتے ہیں۔"
"اظہر خان! ہم اسے کہاں تک تلاش کریں گے؟" چند ثانیوں بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔
"مظہر خان! میں محسوس کررہا ہوں کہ تم روی کی باتوں سے متاثر ہورہے ہو۔ یہ نہ بھولو کہ ہری چند اس کا سالا ہے اور یہ موقع پاتے ہی اسے بچانے کی سرتوڑ کوششیں کرے گا۔ تمہیں اس کی باتوں پر مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"
"توبہ' توبہ!" پچھلی نشست سے روی کے گال پیٹنے کی آوازیں آئیں "مجھے دکھ ہے کہ تمہیں ابھی تک مجھ پر بھروسا نہیں ہوسکا۔ وہ میرا نہیں' ماروتی کا ماموں زاد بھائی ہے۔ مجھے اس سے ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے۔"
"پھر تم ہمیں لوٹ جانے پر کیوں اکسا رہے ہو؟" اول خان نے طنز سے پوچھا۔
"میں تمہیں کیوں اکساؤں گا؟ میں تو مظہر جی کی بات کا جواب دے رہا تھا" اس کی افسردہ آواز ابھری "تم اس کی تلاش میں پشاور تک جانا چاہو تو میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ مجھے اس سے زیادہ اپنی زندگی اور آزادی عزیز ہے۔"
اول خان ٹریفک کے بہاؤ کے پیش نظر لینڈ روور کی رفتار کنٹرول کررہا تھا۔ حیدرآباد کے شہری ٹریفک سے نکل کر اس نے رفتار بہت تیز کردی۔ وہ آگے جانے والی ہر گاڑی اور ٹرک کو اوورٹیک کرتا ہوا' لینڈ روور کو یوں اڑا رہا تھا جیسے اسے ہری چند تک پہنچنے کا پورا یقین ہو جبکہ میں پُرامید نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ہری چند سیدھا جانے کے بجائے راستے سے ہی کہیں مڑ گیا ہوگا۔
قومی شاہراہ پر ہمارا وہ برق رفتار سفر زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکا۔ حیدرآباد سے بیس پچیس کلومیٹر دور نکلنے کے بعد ہمیں اپنے آگے سرخ روشنیوں کی ایک طویل قطار ٹھہری ہوئی نظر آنے لگی۔ مخالف سمت سے آنے والا ٹریفک بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔
"شاید آگے سڑک خراب ہے یا کسی کام کی وجہ سے راستہ بند ہے" اول خان رفتار کم کرتے ہوئے بڑبڑایا۔

خم دار سڑک پر رکی ہوئی گاڑیوں کی بکھری ہوئی سہ ردیہ قطار کافی دور تک نظر آرہی تھی۔ اول خان نے جیپ سڑک کے انتہائی بائیں سرے پر لاکر کچے میں اتاردی اور ہلکی ہلکی دھول اڑاتا کافی آگے نکل گیا مگر اس سے زیادہ ہوشیار ڈرائیوروں نے بائیں طرف کھدے ہوئے ایک نالے تک پھیل کر راستہ اس طرح مسدود کردیا تھا کہ اول خان کو پورے بریک استعمال کرنے پڑ گئے۔

"برے پھنسے" پیچھے سے روی بول پڑا "اگر وہ سیدھا آیا ہے تو ہمارا راستہ صاف ہونے سے پہلے بہت دور نکل جائے گا۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ ہماری طرح اس جام میں پھنسا ہوا ہو" میں نے تیزی سے کہا "تم اتر کر میرے ساتھ آؤ۔ ہم آگے چل کر دیکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ قسمت ہمارا ساتھ دے اور وہ نظر آجائے۔"

"اس بھیڑ میں میں تمہیں کہاں تلاش کروں گا؟" اول خان بولا "ایک بار ٹریفک چل پڑا تو میرے لیے رکنا مشکل ہوجائے گا۔ پیچھے والے ہارن بجابجاکر قیامت کھڑی کردیں گے۔ دونوں گاڑی میں ہی بیٹھے رہو۔"

اسی وقت میرے کانوں میں کسی کی آواز آئی۔ وہ اونچی آواز میں کسی کو بتارہا تھا کہ آگے کوئی خطرناک حادثہ ہوگیا تھا جس کی وجہ سے سارا ٹریفک معطل ہوکے رہ گیا تھا۔

"تم بائیں طرف سے آگے آنے کی کوشش کرتے رہو۔ ہم ہری چند کے ساتھ تمہارا بھی خیال رکھیں گے۔" یہ کہہ کر میں گاڑی سے اتر گیا۔

وہ ٹریفک جام ایک کھلے ویرانے میں ہوا تھا مگر گاڑیوں کے چلتے ہوئے انجنوں سے خارج ہونے والے دھوئیں کی وجہ سے فضا بوجھل اور آلودہ ہوگئی تھی۔ میں نے نیچے اتر کر فضا کو مزید آلودہ کرنے کے لیے سگریٹ سلگائی اور ہری چند کے ساتھ آگے چل دیا۔

رکے ہوئے ٹریفک میں ٹرکوں، ٹینکروں اور گاڑیوں کے ساتھ کئی مسافر بسیں بھی پھنسی ہوئی تھیں۔ متعدد من چلے مسافر بسوں سے نیچے اترے ہوئے تھے اور شاید سب ہی کو معلوم ہوچکا تھا کہ آگے کوئی حادثہ ہوچکا تھا۔ جس کی وجہ سے ٹریفک رک رک کر، ایک قطار میں گزر رہا تھا۔ وہ بات پھیل جانے کی وجہ سے کوئی ڈرائیور غیر ضروری عجلت دکھا رہا تھا نہ ہارن بجارہا تھا۔

ہم ٹریفک میں پھنسی ہوئی گاڑیوں میں کسی سیاہ مزدا کار کو تلاش کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ ٹریفک کے سرکنے کی رفتار ہم سے زیادہ سست تھی۔

"ہم وقت برباد کررہے ہیں" روی نے تیز سانسوں کے درمیان کہا "وہ ادھر نہیں آیا ہوگا۔"

"وقت کبھی برباد نہیں ہوتا۔ وہ ملے یا نہ ملے، اب ہم بھٹ شاہ تک ضرور جائیں گے۔"

"تم اظہر جی کا بہت لحاظ کرتے ہو اور کرنا بھی چاہیے، کیونکہ ان کا غصہ تیز ہے۔"

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہماری پیش قدمی جاری رہی پھر مجھے حادثے کی پہلی جھلک نظر آئی۔ میرے لیے وہ منظر ناقابلِ یقین اور سنسنی خیز تھا۔ کالے رنگ کی ایک مزدا کار اپنی تیز رفتاری اور شاید ڈرائیور کی بدحواسی کی وجہ سے سامان سے لدے ہوئے ایک ٹرک کے پچھلے حصے میں جا گھسی تھی۔ میں نے اس طرف دوڑ لگادی۔ روی نے میرا ساتھ دیا۔

ٹرک کے نیچے کار کا انجن والا پورا حصہ گھستا چلا گیا تھا اور ونڈ شیلڈ ریزہ ریزہ ہوگئی تھی۔ پیچھے سے آنے والی گاڑیوں کی روشنی میں مزدا بالکل خالی نظر آرہی تھی۔ اس سے بائیں طرف، کچی زمین پر مضطرب اور پرجوش تماشائیوں کا ایک گھیرا سا بنا ہوا تھا۔

"کک.... کک.... کالی مزدا.... مظہر جی! کک.... کہیں یہ ہری کی گاڑی تو نہیں ہے؟" روی کے ہونٹوں سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔

"اسی کی معلوم ہوتی ہے" میں نے سکون سے کہا "مرنے والے کو دیکھ کر مزید تصدیق ہوجائے گی۔"

میں بھیڑ میں گھس گیا۔ اس حادثے میں کار کے اگلے حصے کا جو حشر ہوا تھا، اس کی بنا پر ڈرائیور کے بچنے کی امید ہی عبث تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ روی فوری طور پر رقت کے جذبات سے مغلوب ہوکر ہری.... ہائے میرا ہری چلانے لگا۔

وہاں موجود افراد غیر جانب دار تماشائی تھے۔ روی موہن کی دردناک صدائیں سن کر ہر ایک چونک پڑا۔ بھیڑ میں ہمارے لیے خود بہ خود راستہ پیدا ہونے لگا۔ میرے لیے ہری چند صرف ایک نام تھا۔ میں اسے پہچاننے سے قاصر تھا مگر روی نے جب وہاں جلتی ہوئی کئی ٹارچوں کی روشنی میں، خون میں نہائے ہوئے ایک انسانی وجود کو زرد، خودرو گھاس پر پڑے دیکھا تو دہاڑیں مارتا ہوا اس پر جا پڑا۔

"صبر، صبر کرو.... ابھی یہ زندہ ہے.... اسے کسی ٹرک میں ڈلوادو اور حیدرآباد لے جاؤ" مجمع میں سے کسی نے روی موہن کو دلاسا دیا۔

میں تیزی سے اس صورت حال کا تجزیہ کرنے میں
مصروف تھا۔ ہمیں محسوس ہوا تھا کہ وہ ہمیں جل دے کر
حیدر آباد کے ہوٹل سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا
لیکن قدرت کا نادیدہ آہنی ہاتھ حرکت میں آچکا تھا۔ اس کی
شامت اسے بھٹ شاہ سے ہانک کر حیدر آباد لائی اور وہ ہم
سے کوئی مقابلہ کیے بغیر لہولہان ہو کر زرد گھاس اور خشک مٹی
پر پڑا ہوا تھا۔

وہ سب بہت تیزی سے رونما ہوا تھا۔ حادثہ ہوئے زیادہ
دیر نہیں گزری تھی۔ ونڈ شیلڈ کی کرچیں ہری چند کے چہرے،
آنکھوں اور شاید سارے اوپری دھڑ میں پیوست تھیں۔ اس
کی داہنی آنکھ کا پپوٹا کھلا ہوا تھا، ڈھیلے میں تیز دھار شیشہ
پیوست ہو گیا تھا۔ بائیں آنکھ کے بند پپوٹے کو کئی کرچیوں نے
اسی حالت میں سی دیا تھا۔ چہرے کے زخموں کے گرد ہلکا ہلکا
ورم آنے لگا تھا مگر اس کے سینے کے زیروبم سے ظاہر تھا کہ
قدرت نے ہمارا کام آسان بنانے کے لیے اس کی زندگی کی
ڈور کو تھوڑی سی ڈھیل دے دی تھی۔

پورے ہجوم میں روی موہن ہی اس کا حقیقی وارث تھا
اور بری طرح رو رہا تھا۔ میرے دل میں ہری چند کے لیے کوئی
ہمدردی نہیں تھی مگر میں بھی اسے لاوارث چھوڑنے پر آمادہ
نہیں تھا۔ میری دانست میں اس کے صحیح ترین وارث ایس ٹی
ایف والے تھے۔

"پیچھے ہماری گاڑی پھنسی ہوئی ہے۔ اسے وہاں تک
پہنچا دو۔ ہم خود اسے اسپتال لے جائیں گے" میں نے بطور
خاص کسی کو مخاطب کیے بغیر اعلان کیا "یہ ہمارا آدمی ہے اور
غلطی اسی کی معلوم ہوتی ہے۔"

"اوئے خوچہ! غلطی کو غرق کرو۔ یہ مر جائے گی" ایک
تنومند اور سرخ و سفید پٹھان نے ترشی سے کہا "تمہارا گاڑی
کدر ہے؟"

"ادھر!" میرے بجائے روی نے روتے روتے ہاتھ سے
اشارہ کیا "یہاں سے کافی دور ہے۔"

"دلاور خانا!" اسی تنومند پٹھان نے کسی کو پکارا۔ دلاور
خانا نہ جانے کہاں تھا۔ اس سے پہلے ہی کئی پٹھان ڈرائیور
آگے بڑھے اور ان کی مدد سے تنومند پٹھان نے ہری چند کے
بے ہوش وجود کو اپنی پیٹھ پر لاد لیا۔

میں چلا تو وہ میرے پیچھے چل دیا۔ اس کی مدد کرنے
والے کئی افراد اس کے دائیں بائیں ہو لیے۔

ان میں سے کوئی ہری چند کے سیاہ کرتوتوں سے واقف
نہیں تھا۔ وہ سب خلوص اور انسانی ہمدردی کے بے کراں
جذبوں سے سرشار تھے۔ ان ہی جذبوں کے تحت وہ سازش
کی گٹھڑی کو ہماری گاڑی تک لے جا رہے تھے۔ میں ان
لیے اپنے دل میں محبت اور احترام محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا
سڑک سے کچے تک میں اتری ہوئی آڑی ترچھی
گاڑیوں کے روشن ہیڈ لیمپس نے علاقے کو اتنا منور کیا
تھا کہ ناہموار زمین پر راستہ طے کرنے میں کوئی قابل ذ
دشواری پیش نہیں آئی۔ راستے میں ہر ایک حیرت، تجسس
افسوس اور ہمدردی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ہمار
کارواں کو دیکھ رہا تھا۔ ٹریفک بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ
تھا جس کے نتیجے میں ہماری لینڈ روور قدرے قریب آچ
تھی۔

اول خان ہمیں دیکھتے ہی اپنی نشست سے نیچے اتر آیا
میری رہنمائی اور روی کی ابتر حالت کو دیکھتے ہی وہ سمجھ گیا
تنومند پٹھان کی پشت پر اس کا شکار لدا ہوا تھا۔ ہمارے پہنچ
سے پہلے اس نے گاڑی کا عقبی دروازہ کھول دیا۔

گاڑیاں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں مگر ارد گر
سے اچانک کئی رضاکار نمودار ہوئے، سب گاڑیاں قدر
آگے پیچھے سرکیں اور حیرت ناک طور پر اتنی گنجائش پید
ہو گئی کہ لینڈ روور کو واپس گھمایا جا سکے۔

ایک قریب المرگ زخمی کی روانگی کے لیے ہر ڈرائیو
حتی الامکان گنجائش پیدا کر رہا تھا۔ رہی سہی کسر لینڈ روور
طاقت ور انجن اور اس کی فور وہیل ڈرائیو نے پوری کردی
دس منٹ کی قلیل سی مدت میں ہماری گاڑی بے ترتیب
ٹریفک جام سے نکل کر کھلی سڑک پر آچکی تھی اور حیدر آباد
طرف دوڑ رہی تھی۔ اول خان نے گاڑی ایمرجنسی لائٹس
روشن کر دی تھیں۔

میں اول خان کے برابر والی سیٹ پر براجمان تھا۔ روی
موہن اپنے بے ہوش سالے کو سنبھالے پچھلی سیٹ پر بیٹھا
اور رہ رہ کر دبی دبی سسکیوں کے ساتھ رو رہا تھا۔ اس کی و
کریہہ آوازیں مجھے گراں گزر رہی تھیں مگر میں انہیں
برداشت کرنے پر مجبور تھا۔

جب کافی دیر بعد بھی وہ سلسلہ موقوف نہ ہوا تو مجبوراً
مجھے زبان کھولنی پڑی "ایسی آوازیں نہ نکالو جیسے ہری چند
تمہیں بیوہ کر گیا ہو۔ مرد بنو اور ہمت سے کام لو۔ ابھی وہ مرا
نہیں، زندہ ہے۔"

"ایسی زندگی کس کام کی؟" روی کی روہانسی آواز ابھری
"تم نے دیکھا نہیں کہ اس کی دونوں آنکھوں کا کیا حال ہوا
ہے۔ یہ زندہ بچ گیا تب بھی کبھی کچھ نہیں دیکھ سکے گا۔ ایسی

بے نور زندگی بڑے کرب سے گزرتی ہے۔"
"یہ سب اس کا اپنا کیا دھرا ہے۔ یہ حیدر آباد میں ہی ہمارے ہاتھ آگیا ہوتا تو کم از کم اندھا نہ ہوا ہوتا۔"
"اب تم اس کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟" روی نے رونا اور سسکنا بھول کر پوچھا۔
"تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے یکایک سرد لہجہ اختیار کر لیا "کیا تمہارا ذہن پھر بہک رہا ہے؟"
"یہ بات نہیں ہے" وہ گڑبڑا کر جلدی سے بولا "تم نے دیکھ لیا کہ بھگوان نے اسے کیسی سزا دی ہے۔ آدمی پیدائشی اندھا ہو تو اسے صبر آجاتا ہے کہ اس نے کبھی کچھ نہیں دیکھا۔ آنکھوں والا اندھا ہو جائے تو اس کی زندگی میں حسرتوں اور پچھتاووں کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ ایسی زندگی موت سے زیادہ کٹھن ہوتی ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں اس کی سفارش کر رہا ہوں' یہ بس میرا خیال ہے۔"
"تمہاری بات ادھوری ہے۔ ذرا یہ بھی تو سوچو کہ جسے قدرت نے ایسی سزا دی ہے' اسے انسان موت کے سوا کیا سزا دے سکتا ہے۔ اب تو اسے آنکھیں پھوڑنے کی دھمکی دے کر بھی نہیں ڈرایا جا سکتا" میں نے بے رحمی سے جواب دیا۔
"میں نے اسے جوان اور صحت مند دیکھا تھا۔ اس حال میں دیکھ کر میں اپنے بے ساختہ صدمے پر قابو نہیں رکھ سکا۔ ایک بار یہ تمہارے قبضے میں چلا جائے گا تو تم جانو اور یہ جانے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہوگی۔ دنیا میں روز لاکھوں نہیں تو ہزاروں آدمی مرتے رہتے ہیں۔ ان میں ایک ہری بھی شامل ہو گیا تو کسی کو کیا فرق پڑے گا؟ جو رونے والے ہیں' وہ اپنے عمر بھر روتے رہیں گے۔"
"انہیں رونے دو مگر اب تم نہ رونا" اول خان نے سختی سے کہا "روتے ہوئے مرد مجھے زہر لگتے ہیں۔"
"یہ بہت برا ہے' بدمعاش ہے' پاپی ہے مگر میرا رشتے دار ہے۔ اس کے برے انجام پر میرا دل روتا رہے گا مگر تم میری کوئی آواز نہیں سنو گے۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ مظہر جی جانتے ہیں کہ میں اپنا قول نبھانے والا آدمی ہوں۔"
میں اس کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا تھا کہ وہ ماروتی جیسی خوب رو اور دلکش خاتون کا مزاج داں شوہر تھا جو باہمی اعتماد کے نام پر اپنی بیوی کی ہر بے راہ روی سے نظریں چرا لینے کا عادی تھا۔ اس نے گفتگو کی روانی میں میرا نام لے دیا اور میں چپ رہا کیونکہ وہ ایک بے ضرر سی بات تھی۔ اپنی زبان بند رکھنے میں میرا کوئی نقصان نہیں تھا۔

لینڈ روور فراٹے بھرتی ہوئی حیدر آباد کی حدود میں داخل ہوئی تو سڑک پر رکشا' گاڑی اور ٹرک کے ساتھ ہی بھانت بھانت کی ہاتھ گاڑیاں اور بیل گاڑیاں بھی رینگ رہی تھیں۔ اول خان نے ایک بٹن دبا کر سائرن آن کر دیا۔
ہم کراچی سے یہ سوچ کر نکلے تھے کہ ہمیں حیدر آباد سے کافی آگے' بھٹ شاہ تک جانا تھا جہاں رات کی تاریکی کی وجہ سے ہری چند تک پہنچنا مشکل تھا۔ ہم تینوں اس مہم پر اپنی رات برباد کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھے مگر وہ معاملہ بھٹ شاہ سے بہت پہلے حیدر آباد کے مضافات ہی میں طے ہو گیا تھا۔ ہم حیدر آباد اور جام شورو سے ہوتے ہوئے باہر نکلے تو میری رسٹ واچ کی سوئیاں رات کے دس بجے سے بھی ذرا پیچھے تھیں۔
ساڑھے گیارہ بجے ہم گلشن اقبال پہنچ چکے تھے' روی اطمینان سے ہری چند کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی اطلاع کے مطابق ہری چند کا سانس چل رہا تھا مگر اس پر گہری بے ہوشی طاری تھی۔
اول خان نے نیپا کا چوراہا گھوم کر گاڑی فٹ پاتھ سے لگا کر روک دی اور کہا "روی! یہاں سے ہمارا اور تمہارا راستہ جدا ہو جاتا ہے۔ ٹیکسی پکڑو اور گھر لوٹ جاؤ۔ ماروتی تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔"
"اپنے بڑے بھائی کی بدمزاجی اور زبان کی خرابی کی وجہ سے اس نے ماروتی کو ہوٹل میں چھوڑ دیا تھا" موقع آنے پر میں نے اول خان کو آگاہ کیا "وہ اس کا انتظار کرنے کے بجائے ہوٹل میں آرام کر رہی ہوگی۔"
"اوہ! تم ان دونوں کے گھر سے اسی لیے پی سی ہوتے ہوئے آئے تھے۔۔"
میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی "ارادہ یہی تھا مگر وہ شیرٹن میں ہوگی۔"
میں نے محسوس کیا کہ روی موہن گاڑی سے اترنے میں تردد کر رہا تھا۔ اول خان کے کسی کڑوے کسیلے تبصرے سے پہلے میں نے اس سے کہا "جلدی اترو۔ ہم بے ہوش ہری کے ساتھ زیادہ دیر تک یہاں نہیں رک سکتے۔"
"مجھ سے یہ نہ کہو۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ پولیس والوں نے ہری کو دیکھ کر بھی تم سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا" اس نے کھسیانی آواز میں کہا "تم مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہو تو میں جا رہا ہوں۔"
"پیدل نہ جانا' یہاں سے ٹیکسی لے لینا" اول خان نے طنزیہ لہجے میں اسے تاکید کی۔

”بہت بہتر... گڈبائی!“ اس نے طنز کو سمجھے بغیر سعادت مندی سے کہا اور گاڑی سے اتر گیا۔

”اسٹیشن فور جانے کے لیے تمہیں ادھر آنے کی کیا ضرورت تھی“ گاڑی حرکت میں آنے کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا ”تم ٹول پلازا کے بعد ہی مڑ کر سیدھے ملیر چھاؤنی پہنچ سکتے تھے۔“

”وہاں سے تمہارے روی کو سواری حاصل کرنے میں وقت ہوتی۔ اس کی وجہ سے ادھر نکل آیا“ اس نے مسکرا کے کہا۔

”حیدر آباد سے آنے والی بسیں ٹول پلازا سے سوار ہونے والوں کو دس روپے میں شہر کے کسی بھی حصے میں پہنچادیتی ہیں۔ تم نے بلاوجہ اتنی زحمت مول لی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم اسے گھر لے جانے کا فیصلہ کرچکے ہو۔“

”یہ گھر کے قابل نہیں ہے۔ اس کی طویل بے ہوشی نے مجھے فکر مند کردیا ہے۔ اسے فوری طور پر طبی امداد نہ ملی تو یہ کچھ بتانے سے پہلے جہنم واصل ہوجائے گا۔“

○☆○

”میں تم سے تیسری اور آخری بار کہہ رہا ہوں“ اول خان نے کرسی آگے سرکا کر غراتے ہوئے کہا ”تم نے زبان نہ کھولی تو تمہارے زخموں پر نمک اور مرچوں کا پانی ڈالنا شروع کردیا جائے گا اور تم تڑپ تڑپ کر مرجاؤ گے۔ یہاں کوئی تمہاری چیخیں نہیں سنے گا۔“

”تم اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتے تو مجھے سوچنے کے لیے ذرا سی مہلت دے دو“ ہری چند کے زخمی اور متورم ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی ”میری آنکھیں ناکارہ ہوچکی ہیں۔ میرا پورا بدن سن ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا ہے۔ میں زندہ بھی ہوں یا مرچکا ہوں۔“

میں نے اول خان کو ہاتھ کے اشارے سے خاموش رکھا اور کہا ”ہم منکر نکیر نہیں ہیں۔ ابھی تم زندہ ہو مگر زخمی ہو۔“

”کیا روی موہن بھی تمہارے ساتھ ہے؟“ اس کی آواز کسی جذباتی اتار چڑھاؤ سے عاری تھی۔

”وہ واپس جاچکا ہے۔ تمہارا پتا ماروتی نے دیا تھا اور تمہاری پہچان کے لیے روی ہمارے ساتھ تھا۔ اپنا کام پورا کرکے وہ چلا گیا۔“

اس نے بستر پر پڑے پڑے، اپنے سر کو متاسفانہ انداز میں دائیں بائیں جنبش دی اور کہا ”میں تمہیں دیکھ نہیں سکتا مگر تم اپنی آواز سے نرم دل اور مہربان معلوم ہوتے ہو۔ اتنا بتایا ہے تو یہ بھی بتادو کہ یہ کون سا شہر ہے؟ میں کہاں ہوں؟ وقت کیا ہوا ہے؟“

”تم حیدر آباد کے ایک اسپتال میں ہو اور اس وقت رات کے دس بجے ہیں“ میں نے اسے حیدر آباد میں موجودگی کا یقین دلانے کے لیے وقت میں ان دو گھنٹوں کی کمی کردی جو اسے حیدر آباد سے کراچی لانے اور پھر ہوش میں لانے میں صرف ہوئے تھے۔

”یہ اسپتال ہے تو پھر یہاں کوئی میری چیخیں کیوں نہیں سنے گا؟“

رات گہری ہونے دو۔ یہاں تمہیں دوسرے مریضوں کی چیخیں بھی سنائی دیں گی۔ اسپتال کا عملہ ایسی آوازوں کا عادی ہے۔ وہ تمہاری چیخوں کو ذرا بھی اہمیت نہیں دیں گے۔ تم نے یہاں زبان نہیں کھولی تو ہم تمہارا علاج ترک کرکے کہیں اور لے جائیں گے۔“

”کیا تم واقعی میرا علاج کرارہے ہو؟“ اس بار اس کی آواز میں امید کی ایک تڑپ نمایاں تھی ”میری آنکھیں ٹھیک ہوجائیں گی؟“

”تمہارے بدن اور چہرے میں شیشے کے ٹکڑے پیوست تھے۔ تمہارا داہنا ہاتھ ٹوٹا ہوا ہے۔ تمہارا علاج نہ کیا گیا ہوتا تو اس وقت تم درد اور اذیت سے بری طرح تڑپ رہے ہوتے۔ ہم تمہارے نرم دل حریف ہیں۔ سفاک ہوتے تو اس وقت تمہارا حال کچھ اور ہوتا۔“

”تم کچھ اور باتیں کررہے ہو۔ تمہارا ساتھی واقعی سفاک ہے“ اس نے کہا۔

”وہ جو کچھ پوچھ رہا ہے، شرافت سے بتادو۔ وہ من مانی پر تل گیا تو میں اسے نہیں روک سکوں گا۔“

”کیا وہ یہاں نہیں ہے جو تم اس کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو؟“

”ہاں، وہ کسی کام سے باہر گیا ہوا ہے۔ اب تم زیادہ وقت برباد مت کرو۔“

”وہ کیسے چلا گیا؟“ اس نے میری بات سنی ان سنی کرکے پوچھا ”میں نے اس کے قدموں کی آہٹ تک نہیں سنی۔“

اس کی جرح پر میں دانت پیس کر رہ گیا ”تم پیدائشی اندھے نہیں ہو کہ ذرا سی دیر میں اتنی ہلکی آوازوں کو محسوس کرسکو۔ اگر تم اس کی زبان سمجھنے پر مصر ہو تو پھر میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ اللہ ہی تم پر رحم کرے گا۔“

میں نے اس سے کسی غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ ویسے تو ایس ٹی ایف کا پورا عملہ ہی ابتدائی طبی امداد کے

سارے اصولوں سے واقف تھا لیکن عملے میں کئی باقاعدہ تربیت یافتہ ڈسپنسر بھی موجود تھے جنہوں نے ہمارے اسٹیشن فور پہنچتے ہی ہری چند کے زخموں سے شیشوں کی کرچیں نکالنی شروع کردی تھیں مگر اس کی آنکھوں کو وہ ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں کرسکے تھے۔

اس اثنا میں اول خان نے ایک قریبی فوجی یونٹ سے دو ڈاکٹروں کی خدمات مستعار لے لی تھیں۔ انہوں نے ہری چند کے ٹوٹے ہوئے بازو اور زخموں کا معائنہ کرکے بتایا تھا کہ جلد میں دیر تک شیشے پیوست رہنے کی وجہ سے زخموں کے گرد خون جم چکا تھا۔ اس وجہ سے زخمی کا زیادہ خون ضائع نہیں ہوا تھا مگر اس کے بعض زخم زہریلے اور خطرناک ہوگئے تھے جو جان لیوا بھی ثابت ہوسکتے تھے۔

زخموں کی مکمل صفائی اور مرہم پٹی کے بعد ہری چند کے جسم کے تمام کھلے ہوئے حصے ڈریسنگ کی پٹیوں اور ٹیپ میں چھپ گئے تھے۔ امکان یہ تھا کہ وہ ہوش میں آتے ہی درد کی اذیت سے چیخنا چلانا شروع کردے گا۔ وہ دونوں پیشہ ور ڈاکٹر تھے اور اسپیشل ٹاسک فورس کے طریقہ کار سے واقف نہیں تھے۔ انہیں اپنے پروگرام سے آگاہ کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ اول خان نے ان کو صرف اتنی تجویز پیش کی کہ زخمی کو انجکشن وغیرہ کے ذریعے کچھ ایسی دوائیں دے دی جائیں جن کے اثرات سے متاثرہ حصے چند گھنٹوں کے لیے سن ہوجائیں اور وہ ہوش میں آنے کے بعد زیادہ شور شرابا نہ کرسکے۔

بظاہر وہ انسانی ہمدردی پر مبنی تجویز تھی جس میں اول خان کی اپنی حکمتِ عملی بھی مضمر تھی۔ ڈاکٹروں نے باہمی مشورے کے بعد ہری چند کے جسم کے مختلف حصوں میں کئی انجکشن لگائے اور ہوش میں آنے پر اس کے پرسکون رہنے کی یقین دہانی کرا کے رخصت ہوگئے۔

ہم دونوں کے دل ہروقت نرمی اور انسانی ہمدردی سے لبریز رہتے تھے لیکن اپنے ملک کے غداروں کے ساتھ ہم ذرا سی بھی نرمی کے قائل نہیں تھے۔ ڈاکٹروں نے ہری چند پر جو توجہ دی وہ ان کے پیشے کے تقاضوں کے عین مطابق تھی مگر اول خان کو صرف ہری چند کی کہانی سے دلچسپی تھی۔ اسے خلش تھی کہ کرشن کمار سے بازپرس ادھوری رہ گئی تھی۔ وہ اس کمی کو ہری چند کے بیان سے پورا کرنے کا خواہاں تھا۔ جبکہ مجھے اس سے کوئی نئی بات معلوم ہونے کی امید نہیں تھی۔

یہ طے ہوچکا تھا کہ اطمینان سے پوچھ گچھ مکمل ہونے کے بعد ہری چند کو ہمیشہ کی نیند سلادیا جائے گا۔ وہ روپی موہن کے مقابلے میں کرشن کمار کا بہت زیادہ قریبی ساتھی تھا اور جلد از جلد اپنے دوست تک پہنچنے کا حق دار تھا۔ اس کام میں تاخیر مناسب نہیں تھی۔

"جو کچھ وہ پوچھ رہا ہے' اس کے جواب اسے معلوم ہیں" ہری چند نے خاموشی کے دوران میں چند گہرے گہرے سانس لینے کے بعد کہا "کرشن کمار میرا گہرا دوست تھا اور وہ یہاں جو کچھ کررہا تھا اس میں اسے کافی حد تک میری مدد اور حمایت حاصل تھی۔ پھر اب میں کیا بتاؤں؟"

"تمہارے یہاں کن لوگوں سے رابطے تھے؟ کرشن کمار کو کہاں سے ہدایات ملتی تھیں؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں کا سارا کام کرشن کمار نے سنبھالا ہوا تھا" اس نے بتایا "میرپور خاص اور حیدرآباد میں اس کی ایک ٹیم تھی جو اس کی ہدایات پر عمل کرتی تھی۔ باقی رابطے ضرورت کے مطابق بدلتے رہتے تھے۔"

"حیدرآباد تمہارا شہر ہے۔ یہاں اس کی ٹیم میں کون لوگ شامل تھے؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"اس کا اپنا گروہ نہیں تھا۔ اس کی زیادہ تر امیدیں صحرا سے وابستہ تھیں۔ وہ بہت فراخ دلی سے مراد ظریف کی سرپرستی کرتا تھا اور اس کی این جی او کرشن کے مقاصد کو آگے بڑھا رہی تھی۔ مراد کے غائب ہونے پر وہ بہت پریشان تھا۔"

ہری چند نے کرشن کمار کی پریشانی کی بالکل صحیح نشان دہی کی تھی۔ جب تک مراد ظریف آزاد اور زندہ تھا' کرشن کمار تھر کے صحرا کی وسعتوں میں پوری آزادی کے ساتھ اپنی سازشوں کے جال پھیلانے میں مصروف تھا اور جوں ہی مراد منظرِ عام سے غائب ہوا' کرشن کمار اپنے سارے کاموں کو بھول بھال کر اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور پھر اسی کے نتیجے میں مارا گیا۔

"تم اس کے لیے کیا کام کرتے تھے؟" اس بار میرا سوال زیادہ چبھتا ہوا تھا۔

"میں بتا چکا ہوں کہ ہم دونوں کی دوستی بہت پرانی اور گہری تھی۔ وہ ہر کام میں مجھ سے مشورہ ضرور کرتا تھا اور پھر جو کام چاہتا' مجھے سونپ دیتا تھا۔"

"وہ یہاں جو کچھ کررہا تھا' اس کے لیے کس کو جواب دہ تھا؟"

"وہ کسی کو نہیں۔ یہاں وہ اپنی مرضی کا مالک اور صحرا کا بادشاہ تھا۔ جو چاہتا تھا' کرگزرتا تھا۔"

میری نرمی کے نتیجے میں وہ راہِ راست پر آگیا تھا اور کسی مزاحمت کے بغیر میرے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ اول خان ستائشی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے سوالات کا تسلسل برقرار رکھتے ہوئے پوچھا "اکھنڈ بھارت کا منصوبہ ایسا نہیں تھا کہ کرشن جیسا آدمی اپنی مرضی سے اس پر کام شروع کردیتا۔ اسے پیسے کی ضرورت تھی۔ وہ نیا چھور میں فوجی تربیتی کیمپ چلا رہا تھا۔ وہاں کے لیے ہتھیار اور میگزین کی ضرورت تھی۔ یہ سب کہاں سے آتا تھا؟"

"وہ آزادی سے سرحد پار آتا جاتا رہتا تھا۔ اسے وسائل وہیں سے مہیا کیے جاتے تھے۔ کبھی کبھی وہ نئی دہلی میں کسی انل بسواس سے بات بھی کرتا تھا۔ تم یہ بتاؤ کہ میری زخمی آنکھوں کے بارے میں تمہارے ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟"

اسے شاید اپنی زندگی کی آس بندھ گئی تھی اسی لیے اس کے دماغ پر اپنے اندھے پن کا خوف سوار ہوگیا تھا۔ میں نے نرمی سے جواب دیا "ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ تمہاری آنکھوں کے زخم بھرجائیں تو پھر کچھ بتایا جاسکے گا۔ ابھی اس بارے میں کچھ نہیں....."

"تم لوگوں نے مجھے برباد کردیا۔" اس پر یکایک مایوسی نے غلبہ پالیا اور وہ میری بات کاٹ کر اونچی آواز میں بولنے لگا "مجھے اس حال کو پہنچانے والے تم دونوں ہو۔ ابھی تمہارا وقت ہے۔ جو چاہو کرلو۔ مجھے زندگی نے مہلت دی' تو میں یہ حساب ضرور بے باق کروں گا۔"

اول خان کی بے چین نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ میں خود بھی ہری چند کی زبان سے انل بسواس کا نام سن کر چونکا تھا مگر ہری چند نے مجھے اس نئے نام کے بارے میں مزید کوئی سوال کرنے کا موقع ہی نہیں دیا اور پٹڑی سے اتر گیا۔

اس وقت ہری چند کو قابو میں رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ اس سے اپنی بات کرنے کے بجائے اس کی بات سنی جائے' اسے تسلی دی جائے۔ اسے ٹھنڈا کرلینے کے بعد میں دوبارہ سوالوں کا سلسلہ شروع کرسکتا تھا۔

"شش!" میں نے ہونٹوں سے دھیمی آواز نکال کر اسے تادیب کی "ایسی باغیانہ باتیں زبان سے مت نکالو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم ڈپریشن میں مبتلا ہو کر یہ سب کہہ رہے ہو ورنہ تم جانتے ہو کہ ہم نے تمہیں انگلی تک نہیں لگائی۔ حادثہ تمہاری غلطی سے ہوا ہے۔"

"سب قصور میرا ہے۔ میں موت کے منہ سے بال بال بچا' میری آنکھیں ہمیشہ کے لیے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور یہ غلطی بھی میری تھی کہ میں نے اپنی گاڑی سے آگے جاتے ہوئے ٹرک کو بروقت کیوں نہیں دیکھا۔ تم دونوں روی کے ساتھ ملک الموت بن کر حیدر آباد کے ہوٹل میں آئے تھے۔ میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ موت کے فرشتوں کو اپنے سامنے دیکھ لینے کے بعد بڑے بڑے سورماؤں کے پیشاب خطا ہوجاتے ہیں....."

"تمہارا ذہن ہماری طرف الجھا ہوا تھا' تمہیں آگے جانے والا ٹرک نظر نہیں آیا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "یہ ہونے والی باتیں تھیں جن پر کسی کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ وہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو اس وقت تم ہمارے ساتھ نہ ہوتے۔ ہاں! تم انل بسواس کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟"

"کون انل بسواس؟ میں کسی انل کو نہیں جانتا۔ میں نے اس کا نام تک نہیں لیا۔"

اس کے وہ فقرے بالکل بے ساختہ تھے۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ اپنی آنکھوں کی تشویش اور غائب دماغی کی حالت میں وہ نام اس کی زبان سے پھسل گیا تھا۔ وہ دانستہ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ ہری چند کے جواب نے انل بسواس کی اہمیت میں اچانک اضافہ کردیا۔

"تم کہہ کر بھول گئے ہو تو اور بات ہے۔ مجھے الہام نہیں ہوسکتا تھا کہ انل بسواس دہلی میں ہوتا ہے۔"

وہ دیکھنے سے قاصر تھا۔ تکیے پر اس کا سر ہل کر رہ گیا۔ اس نے کہا "میری زبان سے کوئی بات نکل گئی ہے تو بس اتنا ہی کافی ہے۔ تم یقین کرو کہ میں کسی انل کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

وہ ایک ہی سانس میں دو متضاد باتیں کررہا تھا۔ صحیح رخ پر چلتے چلتے وہ اچانک بدمعاشی پر تل گیا تھا۔ میں نے بڑھ کر اس کے پلستر میں لپٹے ہوئے داہنے ہاتھ کو انگلیوں سے پکڑ کر فضا میں کچھ اوپر اٹھایا اور اچانک چھوڑ دیا۔ پلستر گیلا تھا۔ اس کا بازو اپنے زور میں بستر پر گرا تو اذیت سے اس کی چیخیں نکل گئیں۔

"تم سب ذلیل اور بے رحم ہو۔ ایک زخمی کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کررہے ہو۔ تم مرو گے اور سسک سسک کر....."

میں نے گرج کر اس کی بات کاٹ دی "ایسی موت اب تیرا مقدر بنے گی۔ اگر تو انل کے بارے میں نہیں جانتا تو میں تجھے نہیں جانتا تو آدمی کا نہیں' کسی شیطان کا بچہ ہے۔ اب تیرے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔"

اس نے اپنی قوت کو مجتمع کیا اور اچانک بستر سے اٹھ گیا۔ اس کے ٹوٹے ہوئے بازو میں درد کی ٹیس اٹھی۔ اس کے حلق سے دبی دبی ایک چیخ نکلی اور اس کا بایاں ہاتھ بے اختیار داہنے بازو پر چلا گیا۔ اگلے لمحے وہ بستر سے اتر کر اپنے قدموں پر کھڑا ہو چکا تھا۔ اپنے ڈریسنگ میں چھپے ہوئے چہرے اور آنکھوں کی وجہ سے وہ کوئی ڈراؤنا عفریت نظر آ رہا تھا۔

"میں زندہ ہوں۔" وہ بایاں ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے ہذیانی لہجے میں بولا "میں اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا ہوں۔ اگر میری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں تو میں پھر پہلے جیسا ہو سکتا ہوں۔ یہ بات سب جانتے ہیں، تم بھی جانتے ہو۔ تم مجھے نہیں مار سکتے۔"

میں نے اس کے ایک ٹخنے پر ٹھوکر سے ضرب لگائی۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور سنبھلنے کی ناکام کوشش میں اپنے شکستہ بازو کو ہلاتا اور چیختا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے لیے وہ اذیت اتنی شدید تھی کہ وہ جس حالت میں گرا تھا، اسی طرح پڑا رہا۔

"انل کو جانتا ہے یا نہیں؟" اول خان نے اپنی کرسی چھوڑے بغیر سرد لہجے میں پوچھا۔

ہری چند نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کمرے میں اس کے چڑھے ہوئے سانسوں کی آواز گونج رہی تھی۔

"اس کے بازو کا پلستر اتار کر اس کا داہنا بازو وہاں سے کاٹ دو جہاں سے ہڈی ٹوٹی ہوئی ہے۔" اول خان نے مجھے آنکھ مار کر کہا۔

میں مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور ہری چند کے پہلو پر گرا ہوا، اس کا مجروح ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔

وہ بائیں ہاتھ سے مزاحمت کرتے ہوئے چیخا "ٹھہرو۔ ٹھہر جاؤ، مجھے کسی جانور کی طرح مت کاٹو۔ مارنا ہے تو میرے دل میں گولی مار دو یا دماغ میں پگھلا ہوا سیسہ اتار دو۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم لوگ درندوں سے زیادہ ظالم ہو گے۔"

"ایسے کھیلوں میں یہی ہوتا ہے۔ پہلے تم بھیڑیے بنے ہوئے تھے۔ اب بھیڑ بننے کی کوشش مت کرو۔" اول خان نے درشت آواز میں کہا "اپنے انجام کے بارے میں تمہیں اس وقت سوچنا چاہیے تھا جب تم نے کرشن کمار کے لیے کام کرنا شروع کیا تھا۔"

"میں اس کا ملازم نہیں تھا۔" وہ حلق کے بل چیخا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس سے میری دوستی تھی جو کچھ ہوا، دوستی میں ہوا۔ وہ کہتا رہا، میں کام کرتا رہا۔ میں نے جان بوجھ کر کوئی جرم نہیں کیا۔"

"جرم دانستہ کیا جائے یا نادانستہ۔ اس کی سزا ایک ہوتی ہے جو تم کو مل کر رہے گی کیونکہ تم انل بسواس کو جاننے سے انکاری ہو۔" میں نے پسپائی اختیار کر لی تھی اور وہ گفتگو اول خان ہی آگے بڑھا رہا تھا۔

"انل بسواس!" وہ کراہنے کے انداز میں بولا "کچھ تو بتاؤ کہ میں نے اس کے بارے میں کیا کہا تھا۔"

"بتانے کی ضرورت نہیں، جو کچھ جانتے ہو، بتاتے چلے جاؤ۔ تمہاری نجات کی یہی ایک صورت ہو سکتی ہے۔"

"مجھے اس کے بارے میں زیادہ باتیں معلوم نہیں ہیں۔ بس یہ معلوم ہے کہ کرشن کمار میرے دفتر سے کبھی کبھی اسے فون کرتا تھا اور پھر کسی عجیب سی زبان میں اس سے مختصری بات کرتا تھا۔"

"وہ تمہارا دوست تھا۔ اس نے تمہیں کبھی نہیں بتایا کہ وہ انل بسواس سے کیا باتیں کرتا ہے؟"

"باتیں بتانے والی ہوتیں تو وہ میرے سامنے نامانوس زبان نہ بولتا۔" ہری چند نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہارے پاس انل بسواس کا نمبر ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"نہیں۔" ہری چند نے کسی توقف کے بغیر جواب دیا۔ "میرے پاس نمبر نہیں ہے۔"

میں نے دیکھا کہ ہری چند کے جواب پر اول خان نے کسی غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ مجھے مجبوراً دخل انداز ہونا پڑا "تم جھوٹے ہو۔ تمہارے ریکارڈ میں اس کا فون نمبر محفوظ ہو گا۔"

"میں کہہ رہا ہوں کہ نہیں ہے۔ تم میری ہر بات کو جھوٹ کیوں سمجھ رہے ہو؟" اس کی آواز میں بے بسی اتر آئی۔

"شہر اور ملک سے باہر کی جانے والی ہر کال کی تفصیل بل میں موجود ہوتی ہے۔"

"بل یہاں حیدر آباد میں نہیں رہتے۔" اسے یہ یقین ہو چکا تھا کہ وہ حیدر آباد ہی میں موجود تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "دفتر کے خرچ اور آمدنی کے حساب کے ساتھ میں ہر مہینے کے بل روی کو بھجوا دیتا ہوں۔ وہ اس کے پاس ہوں گے۔ وہ پکا دغا باز ہے۔ اس نے اور ماروتی نے مجھے مروایا ہے۔ میں زندہ رہا تو تم دیکھنا کہ میں جلد ہی ان دونوں سے کیا انتقام لوں گا۔" روی کا نام لیتے ہی اس کی ذہنی رو بھٹک گئی۔

"تم نے کبھی چیونٹی بھی نہیں ماری ہو گی۔ تم کیا انتقام لو گے۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

"میں خود کسی سے نہیں الجھتا لیکن مجھ سے الجھنے والوں نے ہمیشہ خاک چاٹی ہے۔ میرا ایک رقیب میرے ہاتھوں جہنم کی آگ میں پہنچ چکا ہے اور مجھ سے بے وفائی کرنے والی میری پہلی محبوبہ آج بھی اپنے تیزاب سے جھلسے ہوئے ڈراؤنے چہرے کے ساتھ کنواری بیٹھی ہے۔ مجھ جیسا ٹھنڈا آدمی جب کسی سے بدلہ لینے پر تل جاتا ہے تو اس کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"یہ تمہارا اور ماروتی کا گھریلو معاملہ ہے۔ جس طرح چاہو، نمٹا لینا۔ اب جلدی سے یہ بھی بتاتے چلو کہ کرشن کمار سرحد پار سے آنے والا اسلحہ اور میگزین کہاں ذخیرہ کرتا تھا۔" میرے ذہن میں وہ آخری اہم سوال تھا جس کا جواب ہری سے مل سکتا تھا۔

"دکھو کھرا پار میں اس نے فرضی نام سے ایک دکان کرائے پر لی ہوئی تھی۔ میگزین اور ہتھیاروں کے چوبی کریٹ رات کے اندھیرے میں وہاں رکھے جاتے تھے اور پھر ضرورت کے مطابق وہاں سے تھوڑا تھوڑا سا سامان نکلتا رہتا تھا۔"

"وہ دکان کھوکھرا پار کے کس علاقے میں ہے؟" یہ سوال اول خان نے کیا تھا۔

"میں کبھی وہاں نہیں گیا۔ مجھے نہیں معلوم۔ کاغذ پر نام کسی اور کا ہے مگر شہر میں سب کو معلوم ہے کہ وہ دکان کرشن کے استعمال میں تھی۔ تم آسانی سے وہاں تک پہنچ جاؤ گے۔" تھوڑے سے تشدد کے بعد وہ راہ راست پر آچکا تھا۔

وہ بستر سے نیچے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ ہم اسے اسی حال میں چھوڑ کر خاموشی سے باہر نکل آئے۔ وہ شدید زخمی اور اندھا ضرور ہو چکا تھا مگر اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل تھا۔ بائیں ہاتھ سے ٹٹول کر وہ دوبارہ بستر پر جا سکتا تھا۔

ہمارے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ وہ فرش پر پڑا ہوا تھا یا بستر پر تھا۔ اس کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ وہ اسٹیشن فور پر ہی نہیں بلکہ دنیا میں اس کی آخری رات تھی پھر وہ ہر شکوے شکایت کے جھنجٹ سے آزاد ہو جاتا۔

اسٹیشن فور سے گھر جاتے ہوئے میرے ذہن میں رہ رہ کر انل بسواس کا نام چکرا رہا تھا۔ اول خان نے ہری چند تک پہنچنے کے لیے جس بے تابی کا مظاہرہ کیا تھا، اس کا ثمر بس وہی ایک نام تھا۔ اس کی اہمیت یہ تھی کہ وہ نئی دہلی میں بیٹھا ہوا ڈوریاں ہلا رہا تھا۔ کرشن کمار کے عمل کا دائرہ تھر اور راجستھان کے علاقوں تک محدود تھا۔ اس کی ساری ضروریات بھی ان علاقوں کی مشترکہ سرحدوں سے پوری ہو جاتی تھیں مگر پھر بھی وہ انل بسواس سے رابطہ کرنے پر مجبور تھا تو اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشوں میں وہ کوئی اہم مہرہ تھا۔

رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ سڑکیں سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ اول خان کی لینڈ روور ہمارے دروازے پر رکی تو ہمارے ڈور بیل بجانے سے پہلے ہی ایس ٹی ایف کے ایک آدمی نے دروازہ کھول دیا۔ اس وقت میں یہ بات بالکل فراموش کر بیٹھا تھا کہ امریکیوں کی طرف سے کسی ممکنہ کارروائی کا موثر مقابلہ کرنے کے لیے اول خان نے ہماری چھت پر چوبیس گھنٹے دو آدمیوں کی پہرے داری کا بندوبست کیا ہوا تھا۔

اول خان مجھے باہر ہی سے خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔ میں گھر میں گھسا تو وہاں ہر طرف رات کے سکوت اور سناٹے کا راج تھا۔ روشنیاں گل تھیں اور وہ تینوں اپنی اپنی خواب گاہوں میں اتنے بے خبر سو رہے تھے کہ دروازے پر لینڈ روور کے رکنے اور پھر روانہ ہونے کی آوازیں بھی ان کی نیند پر اثر انداز نہیں ہو سکی تھیں۔ میں گھر میں اتنی احتیاط سے داخل ہوا تھا کہ سرے سے کوئی آہٹ پیدا نہیں ہوئی تھی۔

شاید ان لوگوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہم اپنی پوری رات برباد کر کے صبح واپس لوٹیں گے۔ اس اطمینان کی وجہ سے وہ سب گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔ میں اپنے کمرے کا بند دروازہ کھول کر دبے پاؤں اندر داخل ہوا تو نائٹ لیمپ کی دھیمی سبز روشنی میں مسہری پر غزالہ نظر آئی۔ وہ یوں سو رہی تھی کہ مجھے اس پر ترس آنے لگا لیکن اسے اٹھانا ناگزیر تھا۔ بھوک کی وجہ سے میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ ہری چند نے حیدر آباد میں اچانک نمودار ہو کر ہمارے سارے پروگرام پر پانی پھیر دیا تھا اور ہمیں کھانا کھائے بغیر ہوٹل سے روانہ ہونا پڑا تھا۔ اس وقت میں بھوکا رہ لیتا تب بھی غزالہ کی نیند میں خلل پڑنا ناگزیر تھا۔ میرے بستر پر بیٹھتے ہی اس کی آنکھ کھل جاتی۔

میں نے بہت نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کی نیند اچٹ گئی۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں۔ میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر خواب ناک مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس کی غزالی آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔

اس نے سمٹ کر بستر سے اٹھتے اٹھتے وال کلاک پر نظر ڈالی پھر خوشگوار حیرت سے بولی "آپ بہت جلد واپس

آ گئے۔"

"میں منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل رہا ہوں۔ تم کھانا گرم کرلو۔ شام سے بس چائے پر گزارہ ہے۔"

کچن کے معاملات میں غزالہ ہمیشہ بہت مستعد رہتی تھی۔ وہ کچھ کہے بغیر باورچی خانے کی طرف چل دی۔

غزالہ کی احتیاط کے سبب سارے مراحل خاموشی سے طے ہو گئے۔ میرا ساتھ دینے کے لیے وہ بھی میرے ساتھ شریک ہو گئی۔ خواب گاہ میں کھانا شروع کرنے سے پہلے میرا ارادہ تھا کہ اسی وقت میجر بخشی کی نیند خراب کر کے اسے تنگ کروں۔ میں نے پچھلی بار ہری چند بن کر اسے فون کیا تھا تو اس نے مجھے اگلے دن فون پر رابطہ کرنے کے لیے کہا تھا مگر مجھے وقت ہی نہیں مل سکا تھا۔

میرے پاس اس غیر حاضری کے لیے نادیدہ خطرات کا مضبوط عذر موجود تھا۔

ہری چند ہمارے قبضے میں تھا۔ یہ طے ہو چکا تھا کہ صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے اسے ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔ ٹریفک کے خوفناک حادثے کا شکار ہونے کے نتیجے میں اس کا چہرہ اتنی بری طرح مسخ ہوا تھا کہ چہرے سے اس کی شناخت ہونی ممکن نہیں تھی۔ ایک دو روز میں پولیس یہ کڑیاں ملا لیتی کہ حیدر آباد سے آگے سڑک اور کار کے حادثے کے بعد پُراسرار طور پر غائب ہونے والا زخمی کار ڈرائیور ہی کراچی کے کسی علاقے میں مردہ پایا گیا ہے۔ اس وقت تک میں اطمینان سے ہری چند بن کر بخشی کے اعصاب پر سوار رہ سکتا تھا۔

شکم سیر ہوتے ہی میری طبیعت پر کسل مندی سوار ہونے لگی۔ آرام کی خواہش سے مغلوب ہو کر میں نے بستر کا رخ کیا اور میجر بخشی کو فون کرنے کا ارادہ اگلے دن تک کے لیے ملتوی کر دیا۔ غزالہ بستر پر آئی تو میں اسے ہری چند کے بارے میں بتاتے بتاتے سو گیا۔

اگلی صبح میں شاید دیر تک سوتا رہتا مگر ویرا نے مجھے جھنجوڑ کر جگا دیا۔ اس وقت گیارہ بج چکے تھے۔

"کل شام سے تم ماروتی کے چکر میں نہ جانے کہاں کہاں مارے مارے پھرتے رہے ہو۔ اب یہاں پڑے نیستی پھیلا رہے ہو۔ کھڑے ہو جاؤ۔" آنکھیں کھولتے ہی میرے کانوں میں ویرا کی تیز آواز آئی۔ وہ شاید رات کو خواب میں بھی ماروتی کو دیکھتی رہی تھی۔

"بعض اوقات تم شائستگی کی ساری حدیں پار کر جاتی ہو۔" میں نے منمنا کر ناخوشگوار لہجے میں کہا "یہ میرا کمرا ہے۔ تم کس سے اجازت لے کر یہاں آئی ہو؟"

"مجھے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ غزالہ کچن میں ہو تو میں دستک دیے بغیر یہاں آسکتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم سلیپنگ سوٹ پہن کر قرینے سے سوتے ہو۔ اب بستر چھوڑ دو۔ آج کے اخبار میں تمہارے مطلب کی ایک خبر موجود ہے۔"

"کیسی خبر؟" میں انگڑائی لیتے ہوئے بستر سے نیچے اتر آیا۔ وہ ٹلنے والی نہیں تھی۔

"صاف ستھرے اور تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلو اور خود دیکھ لو۔"

"تو کیا میں اس وقت تمہیں گندا نظر آ رہا ہوں؟" مجھے اس پر واقعی غصہ آ گیا۔

"میں کیا جانوں! یہ بات تم خود جانتے ہو یا پھر غزالہ کچھ بتا سکے گی۔" اس نے بے نیازی سے جواب دیا "میں تم دونوں کے نجی تعلقات کے بارے میں اتنی زیادہ باخبر نہیں رہتی۔"

وہ مجھے بستر سے اٹھانے میں کامیاب ہو گئی تھی اس لیے وہ یہ تبصرہ کرتی ہوئی میرے کمرے سے نکل گئی۔

ناشتا کرتے ہوئے میں نے اخبار کے صفحات پر نظر دوڑائی تو پہلی نگاہ میں مجھے تین خبریں دلچسپ نظر آئیں۔

پہلی خبر قومی شاہراہ پر ٹرک اور بس کے حادثے کے بارے میں تھی جس میں کار کا ڈرائیور شدید مجروح ہوا تھا۔ ٹریفک پولیس نے حیدر آباد بلکہ حیدر آباد ڈویژن کے سارے

اسپتال چھان مارے تھے مگر زخمی ڈرائیور کا کہیں سراغ نہیں مل سکا تھا۔ پولیس کو تشویش تھی کہ وہ ڈرائیور کہاں گیا اور اسے جائے حادثہ سے اپنا عزیز قرار دے کر لے جانے والے کون تھے۔

دوسری خبر کا تعلق ان امریکی ماہرین سے تھا جو جمی اور ڈیوڈ کی لاشوں کا معائنہ کر کے ان کی موت کے اصل اسباب کا کھوج لگانے کے لیے کراچی پہنچے ہوئے تھے۔ انہیں مرنے والوں کی گردنوں کی ہڈیاں ٹوٹنے کے علاوہ موت کا کوئی اور سبب معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ انہوں نے اپنی رپورٹ مقامی حکام کو دیتے ہوئے یہ بخ لگا دی تھی کہ وہ اپنی ختمی رپورٹ دونوں لاشوں کے امریکا میں مزید معائنے کے بعد جاری کریں گے۔

تیسری خبر میں براہِ راست میرا نام ملوث تھا۔ کیا ڈینی پاکستان میں ہے۔ یہ سرخی جما کر امریکی سفارتی ذرائع کے حوالے سے شکایت کی گئی تھی کہ میں نے فون پر ان کے ایک اہم سفارتی افسر کو سنگین دھمکیاں دی تھیں۔ جان اسمتھ کا نام ظاہر کیے بغیر، انہوں نے دفترِ خارجہ سے شکایت کی تھی کہ ان کا ایک مطلوب اور مفرور مجرم مزے سے پاکستان میں عیش کر رہا تھا اور پاکستانی حکام اسے پکڑ کر امریکا کے حوالے کرنے کے بجائے اس کی طرف سے مکمل چشم پوشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ خبر کے ساتھ اخبار نے اپنے ریکارڈ کے حوالے سے میرا تعارف شائع کرتے ہوئے اس انعام کا بھی ذکر کیا تھا جو امریکیوں نے میری گرفتاری میں مدد دینے والوں کے لیے رکھا ہوا تھا۔ اس حوالے سے میرے ساتھ ویرا کا ذکر ناگزیر تھا۔

اخبار والوں کے لیے وہ اس نکتہ نظر سے اہم تھی کہ وہ ایک خوب رو اور نوجوان امریکی لڑکی تھی جو اپنے ہم وطنوں سے بغاوت کر کے پوری طرح میرا ساتھ دیتی چلی آ رہی تھی اور امریکی حکام اس تک پہنچنے میں بری طرح ناکام تھے۔

ان میں سے کوئی خبر میرے لیے غیر متوقع نہیں تھی۔ امریکی سفارت کار ہر طرف سے ہزیمت اٹھانے کے بعد میرے ٹیلی فون کی شکایت جیسے چھچھورے حربے پر اتر آئے تھے۔ اخبار میں خبر ضرور آ گئی تھی مگر وہ سفارتی حلقوں میں ان کی اپنی تضحیک کے مترادف تھی۔

چوتھی خبر کا تعلق امریکیوں سے نہیں، بھارتیوں سے تھا۔ ان کا معاملہ امریکیوں سے مختلف نہیں تھا۔

کرشن کمار کے را سے تعلق کے بارے میں اس کا اعتراف ہمارے سامنے تھا۔ وہ اپنی تنظیم کا ایک مایہ ناز کمانڈو تھا۔ وہ غیر قانونی طور پر پاکستان میں مقیم تھا اس لیے اس کے قتل پر بھارتی کسی قسم کا کوئی احتجاج نہیں کر سکتے تھے مگر بھارتی اخبارات نے اس کی بڑی بڑی تصویریں چھاپ کر اس کی ذات کو پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ سفاکانہ مظالم کا موضوع بنا لیا تھا۔ کراچی جیسے تعلیم یافتہ شہر میں ایک ہندو شہری کے بے رحمانہ قتل کی اس کہانی میں کرشن کمار کی شہری حیثیت اور خراب شہرت کا ذکر گول کر دیا گیا تھا۔

ناشتا ختم کرتے ہوئے میں نے اخبار ایک طرف ڈال دیا اور میز چھوڑ دی۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔" ویرا نے مجھے دیکھتے ہی سوال داغ دیا۔ وہ ڈرائنگ روم میں میری منتظر تھی۔

"فی الحال کوئی نیا کام سامنے نہیں ہے اس لیے آرام کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے۔" میں نے صوفے پر بیٹھ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "تم کہو تو شام کو ماروتی سے ایک اور ملاقات کی جا سکتی ہے۔"

"تم اس سے ہری چند کی تعزیت کے سوا کوئی اور بات نہیں کر سکو گے۔"

"ٹھیک ہے، پھر آرام ہی زیادہ مناسب رہے گا۔ ابھی تک ہمارا یہ ٹھکانا امریکیوں کی نظروں سے بچا ہوا ہے۔"

"میں انل بسواس کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔" ویرا نے تنک کر کہا "اس کے لیے تم نے کیا سوچا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ بھارت میں اس جیسے ہزاروں دشمن موجود ہیں۔ تم کس کس کا پیچھا کرو گی؟"

"ویرا کی بات درست ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی حمایت کی "ایک نام سامنے آیا ہے تو ہمیں ہر پہلو سے اس پر غور کر لینا چاہیے۔ دوسرے لوگوں کے برعکس انل بسواس یہاں کام کرنے والوں کو ہدایات دے رہا تھا۔"

میں سنبھل کر اپنی نشست میں سیدھا ہو گیا۔ میرے ذہن میں جلال کے الفاظ گونج اٹھے تھے۔ اس نے مجھے اپنے آدمیوں کے درپردہ تعاون کا یقین دلاتے ہوئے بھارتی سرزمین پر کچھ جارحانہ کارروائیاں کر گزرنے کا مشورہ دیا تھا۔

"کیا بات ہے؟ آج تم نے کافی مدت کے بعد ویرا کی ایک بات کی حمایت کی ہے۔" غزالہ نے سلطان شاہ پر چوٹ کی۔

"بس!" میں نے ان دونوں میں شروع ہونے والی کسی متوقع بحث کو وہیں ختم کر کے ویرا سے پوچھا "کیا تم مجھے نئی دہلی میں انل بسواس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا مشورہ دے رہی ہو؟"

"تم کچھ کر گزرنے پر آمادہ ہو تو تمہیں ماروتی سے ایک مرتبہ پھر مل بیٹھنے کا موقع مل سکتا ہے۔"

"معنی خیز باتیں کرنے کے بجائے سیدھی طرح بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔"

"شاید رات کو تم نے غزالہ سے ذکر کیا تھا کہ انل بسواس کا فون نمبر روی سے مل سکتا ہے۔"

"صرف فون نمبر سے کیا ہوگا۔ اگر وہ واقعی کوئی اہم افسر ہے تو جلال بھی اس کا نمبر دے سکتا ہے۔"

"جلال آپ کو بار بار اپنی مجبوریوں سے آگاہ کرتا رہا ہے۔" اس بار غزالہ نے زبان کھولی تھی "وہ از خود کسی کام میں دلچسپی لیتا ہے تو اور بات ہے۔ آپ کو اپنے طور پر اس سے زیادہ توقعات نہیں رکھنی چاہئیں۔"

"وہ صرف امریکیوں کے بارے میں محتاط ہے۔ ان سے دور رہنا چاہتا ہے۔ بھارتی ایجنٹوں کے خلاف خود اس نے مجھے کوئی جارحانہ منصوبہ بنانے کی پیشکش کی تھی۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میں اس کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔"

"ویسے تو تم بخشی سے بھی ابتدا کرسکتے ہو۔ تمہارے پاس بس آج کا دن ہے۔ کل تک ہری چند کی لاش کی گتھی سلجھ جائے گی اور تم اس کا نام استعمال کرکے بخشی سے کوئی بات نہیں کرسکو گے۔ اس پیشے میں ڈرپوک نظر آنے والے بھی اندر سے بہت کائیاں اور تیز ہوتے ہیں۔ وہ دوبارہ اتنی آسانی سے تمہارے کسی جال میں نہیں پھنسے گا۔ اس موقع سے آج ہی فائدہ اٹھالو۔"

میں نے وہ فیصلہ رات ہی کو کرلیا تھا مگر اپنی کاہلی کی وجہ سے اسے صبح تک کے لیے ملتوی کردیا۔ جب ویرا نے بھی وہی تجویز دہرائی تو میں نے اس پر اسی وقت عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا اور وہاں سے اٹھ گیا۔

"ہمارے سامنے بات کرلو۔ کوئی تم سے ریسیور نہیں چھینے گا۔" ویرا نے مجھ پر طنز کیا۔

"تمہارا کوئی بھروسا نہیں ہے۔ ویسے میں سی ایس ڈی دیکھ کر واپس یہیں آرہا ہوں۔"

سی ایس ڈی آف تھی۔ میں نے اس کا سوئچ آن کیا اور ڈرائنگ روم میں لوٹ آیا۔ وہ دفتری اوقات تھے۔ میرا خیال تھا کہ میجر بخشی نے ایک آدھ روز میں ہی کرشن کمار کی لاش کی ہیبت سے نجات حاصل کرلی ہوگی اور دفتر جانا شروع کردیا ہوگا۔ میں نے اس کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر ملایا۔ دوسری گھنٹی بجنے پر اس نے خود ہی ریسیور اٹھایا تھا۔

ترکیب استعمال

امریکا کے دیہی علاقے میں پیدل چلتے ہوئے ایک مسافر نے ایک دیہاتی کی بگھی میں لفٹ لی۔ راستے میں دیہاتی نے پوچھا "پیو گے؟"

"ضرور" مسافر نے جواب دیا۔ دیہاتی نے جیب سے ایک بوتل نکال کر اسے تھمادی۔ مسافر نے دیکھا وہ دیہات کی بنی ہوئی ایک ایسی شراب تھی جو بہت ہی تلخ و تند اور بدمزہ ہوتی تھی۔ اس نے معذرت کے ساتھ بوتل واپس کرتے ہوئے کہا "نہیں نہ ہی پیوں تو بہتر ہے۔ میرا گلا خراب ہے۔"

اس پر دیہاتی نے چاقو نکال لیا اور نوک اس کی پسلیوں پر رکھتے ہوئے حکم دیا "پیو..."

مسافر نے بڑی مشکل سے چند گھونٹ حلق سے اتارے اور کھانستے کھانستے ہانپنے لگا۔ تب دیہاتی نے چاقو اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا "اب تم اس کی نوک میری پسلیوں پر رکھو۔ میں بھی تھوڑی سی پیئوں گا۔"

پچھلی بار میں نے اس سے تلخ بلکہ جارحانہ لب ولہجے میں بات شروع کی تھی۔ بعد میں اس کے ازالے کے لیے معافی مانگنے کی نوبت آگئی تھی۔ میں نے اس کی آواز سنتے ہی ادب و احترام سے کہا "بخشی جی! میں ہری چند بول رہا ہوں۔"

"دو روز سے تم کہاں تھے۔ میں تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا۔" اس کی آواز سے خفگی مترشح تھی۔

"بس، جب موت سائے کی طرح آدمی کے پیچھے لگی ہوئی ہو تو وقت اس کے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔ وہ چاہتا کچھ ہے، ہوتا کچھ اور ہی ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا جیسے کرشن کمار کے بعد انہوں نے مجھے ہر قیمت پر پکڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ یہ زمین مجھ پر ہر لمحے تنگ ہوتی جارہی ہے یہاں رہ کر میں خلجان کا مریض ہوجاؤں گا۔"

"تم اس روز بھی بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ خود کو مار لینے کی باتیں کر رہے تھے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم کچھ دن کے لیے سرحد پار نکل جاؤ۔ ہفتہ دس دن اپنے دیش میں رہو

گے تو تمہارے دل سے سارا ڈر اور خوف نکل جائے گا۔ اس وقت تک تمہاری تلاش کا قصہ بھی دب جائے گا۔ تم خاموشی سے لوٹ آنا۔ میں تمہیں بتا دوں گا کہ کرشن کی جگہ کون آیا ہے۔"

"میں اپنی پناہ گاہ سے نکلتے ہوئے ڈر رہا ہوں' تم مجھے سرحد پار نکل جانے کا مشورہ دے رہے ہو۔ سنا ہے کہ نیا چھور والا فوجی کیمپ پکڑنے کے بعد انہوں نے سرحدوں پر بھی سخت نگرانی شروع کر دی ہے۔ ایسا نہ کہ سرحد پر ہی ان کی چلائی ہوئی کوئی گولی مجھے چاٹ لے۔"

"کرشن کمار آج ہم میں نہیں ہے لیکن اس کے آدمی حیدر آباد سے کھوکھرا پار تک میں موجود ہیں۔" ایک گہرے سانس کے بعد بخشی کی آواز آئی "تم اس کے کیسے ساتھی ہو کہ ان میں سے کسی کو نہیں جانتے وہ تمہیں مخمل میں رکھے ہوئے نگینے کی طرح اس پار پہنچا سکتے ہیں۔"

"میں ان آدمیوں کو بھی جانتا ہوں اور یہ سب باتیں بھی مجھے معلوم ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ میں ان تک کیسے پہنچوں؟"

میری طرف سے بے بسی کا وہ اظہار اسے زچ کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس نے جواب دیا "جب تک تم اپنے لیے ہاتھ پیر نہیں مارو گے' کوئی تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکے گا۔ یہ امید نہ رکھنا کہ میں تمہیں اپنے کندھے یا گاڑی پر لاد کر کہیں پہنچا دوں گا۔"

"کرشن کمار نے مجھے دو نمبر تمہارے گھر اور دفتر کے دیے تھے۔ تیسرا نمبر کسی انل بسواس کا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ انل چٹکی بجاتے میں میرا ہر مسئلہ حل کر دے گا۔" میں نے سادہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے یا پھر اس وقت کرشن کمار نشے میں ہوگا۔" بخشی کی آواز میں حیرت اور بے یقینی عود کر آئی "تمہیں معلوم ہے کہ انل کون ہے اور تم کتنی بے تکلفی سے اس کا نام لے رہے ہو؟ وہ مجھ سے بہت بڑا افسر ہے۔"

"کرشن کہتا تھا کہ بڑا وہ ہے جو بڑے کام کر کے دکھائے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ انل بابو کوئی بڑے افسر ہیں۔"

"افسری عقل اور تعلیم سے ملتی ہے۔" میری وضاحت پر وہ شاید قدرے طیش میں آگیا "ورنہ ہم سے کہیں زیادہ محنت کا کام تو وہ مزدور کرتے ہیں جو تپتی ہوئی دھوپ میں صبح سے شام تک زمین کھودتے ہیں اور مشکل سے چند روپے کماتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میرے لیے دعا کرنا۔ میں آج رات یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"کرشن نے تم کو انل کا کیا نمبر دیا تھا۔۔۔؟" انل اور اس کے فون نمبر والی بات ہتھوڑے کی طرح اس کے دماغ پر لگی تھی "مجھے نمبر بتاؤ۔"

"مشکل یہ ہے کہ اس کا نمبر گھر پر رہ گیا۔ وہاں پولیس میری تاک میں بیٹھی ہوگی۔"

"کرشن کا دیا ہوا اتنا اہم فون نمبر تم اتنی غیر ذمے داری سے گھر چھوڑ آئے۔" اس بار بخشی باقاعدہ غرایا تھا۔ اسپیکر فون پر اس کی غراہٹ سن کر ویرا اور سلطان شاہ کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ تیر گئی۔

"جان بوجھ کر نہیں چھوڑا۔ گھبراہٹ میں گھر بھول آیا۔" میں نے سلطان شاہ کو آنکھ مار کر معصومیت سے کہا۔

"بس آج یہاں سے نکل ہی جانا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کرشن تم جیسے سادہ لوح آدمی سے کیا کام لے رہا تھا۔"

کلک کی آواز کے ساتھ دوسری طرف سے لائن بند کر دی گئی۔ میں نے بھی اسپیکر فون بند کر دیا۔

ویرا نے ایک زوردار قہقہہ لگایا "ڈینی اور سادہ لوح آدمی! کیسی عجیب بات کہہ رہا تھا بخشی بے چارہ۔"

"آپ نے بہت خوب صورتی سے انل بسواس کا ذکر نکالا۔" غزالہ بولی "اسے ذرا بھی شبہ نہیں ہوا۔"

"دراصل ڈینی کو جھوٹ سے جھوٹ ملانے کی اتنی پختہ عادت ہو گئی ہے کہ اسے پکڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔" ویرا نے غزالہ کی تعریف سن کر خرابی کا ایک پہلو نکال لیا "یہ خوبی یا خرابی خداداد ہوتی ہے۔ روانی سے جھوٹ کو نبھاتے چلے جانا ہر ایک کے بس سے باہر ہوتا ہے۔"

"فہرست سے اس کا نام نکل گیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "مگر یہ تصدیق ہو گئی کہ ہری چند نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ انل بسواس واقعی نئی دہلی میں کوئی اہم افسر ہے۔ بخشی احترام سے اس کا نام لے رہا تھا۔"

"میں نے تم سے بلاوجہ تمہارا پروگرام نہیں پوچھا تھا۔" ویرا نے سنجیدگی سے کہا "یہ خاصی پختہ عمر کا آدمی ہوگا۔ یہ ایف بی آئی سے تربیت لینے امریکا گیا تو اس کے امریکی افسر اتنے متاثر ہوئے کہ اسے وائٹ ہاؤس کے سیکیورٹی چیف کا اعزازی نائب مقرر کر دیا۔ یہ اعزاز اب تک بہت کم لوگوں کو ملا ہے۔ پاکستان کے خلاف سازشوں میں اسی کا دماغ کارفرما ہے۔ تم نے اسے راستے سے ہٹا دیا تو برسوں کے لیے سکون ہو جائے گا۔"

"غنیمت ہے کہ انل بسواس سے تمہارا کوئی ذاتی قصہ

وابستہ نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی بات مکمل ہوجانے پر کہا "ورنہ تم ہر نام کے ساتھ کوئی نہ کوئی کہانی ضرور سناتی ہو جس میں تمہاری خوب صورتی کا قصیدہ لازماً شامل ہوتا ہے۔"

"تم ایڈیٹ ہو۔" ویرا ہنستے ہوئے بولی "مغرب کی مخلوط پارٹیوں میں یہی سب ہوتا ہے۔ سب دل کھول کر شراب پیتے اور پرائی عورتوں کے ساتھ ناچتے ہیں۔ انہیں یہ فکر نہیں ہوتی کہ ان کی بیوی یا بیٹی کہاں اور کس کی بانہوں میں ناچ رہی ہے۔ ایسی آزادی سے صرف اور صرف اسکینڈل جنم لیتے ہیں۔ اندر کے قصے لوگ اندر ہی بھول جاتے ہیں۔ بہت کم کہانیاں باہر آتی ہیں۔"

"اور باہر آنے والی ہر کہانی میں تم کہیں نہ کہیں موجود ہوتی ہو۔" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا۔

"میں تمہیں آپ بیتیاں سناتی ہوں جن میں میری موجودگی ضروری ہوتی ہے۔ دوسروں میں کیڑے نہیں نکالتی۔"

"حالانکہ کیڑے محض کیڑے ہوتے ہیں۔ وہ جہاں بھی نظر آئیں انہیں نکال دینا چاہیے۔" سلطان شاہ نے بزرگانہ لہجے میں کہا۔

"اچھا' اب تم جاؤ یہاں سے۔" ویرا نے اسے صوفے سے دھکیل دیا "کمرے میں جاکر اپنے پوشیدہ کیڑے نکالو۔"

سلطان شاہ ڈھٹائی سے پھر صوفے پر جم گیا۔ غزالہ ہنستی ہوئی چلی گئی۔ اسے اندازہ تھا کہ ان دونوں کا ایسا جارحانہ مذاق عام طور پر کسی ایک فریق کی بدکلامی پر ختم ہوتا تھا۔

میں بھی باتھ روم کا عذر کرکے وہاں سے نکل گیا۔ گھر کے اس پرسکون گوشے میں مکمل تنہائی کے چند منٹ گزار کر میں واپس لوٹا تو ویرا' سلطان شاہ سے چھٹکارا حاصل کرکے اکیلی ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنی تنہائی کا احساس دور کرنے کے لیے اس نے ٹیلی ویژن کھول لیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسرت آمیز لہجے میں بولی "میں نے فون کرکے اول خان کو بلالیا ہے۔"

"اس وقت اسے بلانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے اسے گھور کر پوچھا۔

"کورم پورا نہیں تھا اس لیے بلالیا۔ وہ بھی شاید فارغ بیٹھا ہوا تھا۔ فوراً رضامند ہوگیا۔"

"اس کے سامنے کوئی بدمزگی پیدا نہ کرنا۔ وہ بردبار آدمی ہے۔ تمہاری شوخیاں پسند نہیں کرتا۔"

"مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔ میری ساری عمر

مردوں میں ہی گزری ہے۔ میں اس کا ٹائپ خوب سمجھتی ہوں۔" وہ منہ بنا کے بولی "مرد کو ہر شوخ عورت اچھی لگتی ہے۔ کچھ اپنی خوشی کا برملا اظہار کرتے ہیں، کچھ کے من ہی من میں لڈو پھوٹتے ہیں مگر وہ اس کا اظہار نہیں کرتے۔ تیسری اور بدترین قسم وہ ہوتی ہے جو اپنی پسند کو چھپا کر صرف بھرم رکھنے کے لیے ناک بھوں چڑھاتی ہے۔"

"تمہیں تین اقسام کا تجربہ ہوا ہے۔ اول خان مردوں کی چوتھی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔"

"غلط۔ ایسی کسی قسم کا سرے سے وجود نہیں ہے۔ یہ سب تیسری قسم کے مرد ہوتے ہیں۔ ویسے تمہیں یہ علم نہیں کہ اول خان نے آج تک میری کسی حرکت پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ وہ میرا ساتھ دیتا ہے یا پھر خاموش رہتا ہے۔"

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ ویرا سے بحث بے سود تھی۔ وہ ہر بات کو اس کی انتہا تک پہنچانے کی عادی تھی۔ ویسے بھی اس کا یہ دعویٰ درست تھا کہ اول خان نے کبھی اس پر کھل کر تنقید نہیں کی تھی۔ میری دانست میں اس کا اکلوتا سبب یہ تھا کہ وہ امریکی نژاد ہونے کے باوجود پاکستان سے اتنی زیادہ محبت کرتی تھی کہ بہت سے پاکستانی اس سے حب وطن کا سبق سیکھ سکتے تھے۔

ہماری نئی قیام گاہ اس اعتبار سے اچھی تھی کہ وہاں سے اسٹیشن فور کا فاصلہ بہت کم تھا۔ اول خان تھوڑی ہی دیر میں آپہنچا۔

"ہاں! تو کیا پروگرام طے کیا ہے تم لوگوں نے؟" اس نے علیک سلیک کے بعد پوچھا۔

سلطان شاہ نے اس کے لیے پھاٹک اور دروازہ کھولا تھا، غزالہ بھی اس کا بلند آہنگ سلام سن کر آگئی تھی۔ ہم تینوں نے اول خان کے سوال پر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ تینوں کے چہرے سپاٹ تھے مگر ویرا کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"ابھی کوئی پروگرام طے نہیں ہوا، یہ صرف تجویز تھی میری!" ویرا نے لب کشائی کی اور مجھے فکر لاحق ہوگئی نہ جانے وہ اول خان سے کیا کہہ بیٹھی تھی۔

"یہ صرف تجویز تھی تو اس پر بعد میں بات ہوگی..... فی الحال میرے پاس ایک بری خبر ہے۔"

اول خان اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔ سب کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ اول خان روشن ٹیلی ویژن اسکرین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد

اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "شاید ابھی تک باقاعدہ خبر جاری نہیں کی گئی مگر اب سے تقریباً دو گھنٹے پہلے اسلام آباد کے ایک بازار میں طاقت ور بم کا دھماکا ہوا ہے جس میں تین شہری شہید اور سات زخمی ہوگئے۔"

"اوہ!" تقریباً سب ہی کا ردِعمل یکساں اور صدمے سے بھرپور تھا۔ میں نے پوچھا "تمہیں یہ خبر کب ملی؟"

"یہاں آتے آتے اطلاع ملی تھی۔ ابتدائی خبر یہ ہے کہ بم غیر ملکی ساخت کا تھا جسے ریموٹ کنٹرول سے اڑایا گیا ہے۔"

"یہ جمی اور ڈیوڈ کی موت کا شاخسانہ بھی ہوسکتا ہے۔" ویرا سوچتے ہوئے بڑبڑائی۔

"ہر بات کو ایک دوسرے میں گڈمڈ مت کرو۔ وہ لوگ ایسا قدم نہیں اٹھا سکتے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"اسلام آباد میں حفاظتی انتظامات بہت سخت ہیں۔ مشتبہ بھارتیوں کی نقل و حرکت کی ہر لمحے نگرانی کی جاتی ہے۔" اول خان بتانے لگا "اس واقعے میں ان کا ہاتھ نہیں ہوسکتا۔ یہ حرکت کسی امریکی ایجنٹ کی بھی ہوسکتی ہے۔"

"میں امریکیوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔" ویرا نفرت آمیز لہجے میں بولی "یہ بہت انا پرست اور منتقم مزاج ہوتے ہیں۔ اپنی تسکین کے لیے یہ اس سے بڑا قدم بھی اٹھا سکتے ہیں۔ یہ ان کی طرف سے حکومت کے لیے ایک پیغام بھی ہوسکتا ہے۔"

"حکومت نے ان کا کیا بگاڑا ہے جو امریکی اس کے لیے مسائل پیدا کریں گے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"پاکستان کی سرزمین پر جو کچھ ہوتا ہے اس کی ساری ذمے داری حکومت پر آتی ہے۔" "تم اس مراسلے کا متن بھول رہے ہو جو جلال نے ڈینی کو سنایا تھا۔ اس کا زہریلا متن بہت شرانگیز تھا۔ مراسلے کے بعد یہ بم دھماکا بہت دور رس نتائج کا حامل ہوسکتا ہے۔"

"امریکیوں کے موڈ کا اندازہ لگانے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ پرسوں انہوں نے مائیکرو سینٹر کو دو دھماکوں سے ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کردیا تھا۔" میں نے ان کو یاد دلایا "اگر یہ کہا جائے کہ وہ اپنے آدمیوں کی موت کا بدلہ دہشت گردی کے ذریعے لے رہے ہیں تو سب کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ حرکت کسی امریکی ایجنٹ کی ہی ہوسکتی ہے۔"

"ابھی اتنے یقین سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ بس امکانات کو نظر میں رکھنا ہوگا ورنہ ایسے واقعات کا اعادہ بھی

ہو سکتا ہے۔" اول خان نے کہا۔
"اس بارے میں صحیح رپورٹ جلال سے مل سکتی ہے۔" غزالہ نے ہمیں یاد دلایا۔
"میں کوشش کر چکا ہوں۔ وہ غائب ہے۔ اس وقت سب سے زیادہ دباؤ اسی کے محکمے پر ہوگا کیونکہ اسلام آباد کی سیکیورٹی کی بعض ذمے داریاں براہ راست ان کے سپرد ہیں۔ اسلام آباد میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ کوئی اہم افسر اپنے دفتر میں نہیں ہے۔"
"ان کے رویے میں یہ سفاکانہ سختی بوب رافیل والے واقعے کے بعد آئی ہے۔" ویرا کی نیلی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں "ان کے صدر نے اپنے وقار کو داؤ پر لگا کر اسے رہا تو کرالیا لیکن امریکی اپنی اس تذلیل کو ابھی تک فراموش نہیں کر سکے۔ جب یہاں کوئی نیا واقعہ رونما ہوتا ہے' ان کا پرانا زخم پھر ہرا ہو جاتا ہے اور وہ کسی بدتر کارروائی پر تل جاتے ہیں۔"
"اگر بھارتیوں کو بالکل الگ کر دیا جاتا ہے تو اس کے سوا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔" میں نے کہا۔ میرا ذہن اس امکان کی تصدیق یا تردید حاصل کرنے کے طریقوں میں الجھ گیا تھا۔ ایک بات اس قدر واضح ہو کر سامنے آرہی تھی تو اس پر کام کرنا ضروری ہو گیا تھا۔
"یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ دھماکا انہوں نے کرایا ہے تو اس کا بہترین جواب یہ ہوگا کہ اگلا دھماکا ان کے سفارتی عملے کی دفتر سے روانگی کے وقت ہو تاکہ انہیں بھی دال آٹے کا بھاؤ معلوم ہو سکے۔" سلطان شاہ نے غصیلے لہجے میں اپنی رائے دی۔
"ایسے معاملات بہت نازک اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔" اول خان نے تحمل سے اسے سمجھایا "ایک فریق دیوانگی پر تل جائے تو دوسرے کو درگزر سے کام لینا پڑتا ہے۔ دونوں ایک سطح پر آجائیں تو معاملات بہت تیزی سے کنٹرول سے باہر ہوتے چلے جاتے ہیں۔"
"کیا یہ ضروری ہے کہ صرف ہم درگزر سے کام لیتے رہیں؟" سلطان شاہ نے تلخی سے پوچھا۔
"وہ دیوانگی کا مظاہرہ کر چکے ہیں اس لیے ہمیں برداشت سے کام لینا ہوگا۔ اس کا مزہ کسی اور وقت چکھایا جا سکتا ہے۔"
"بالکل اسی طرح جیسے بوب رافیل کے پکڑے جانے پر انہوں نے چالاکی سے کام لے کر اسے چھڑا لیا اور اب ہمیں اس جسارت کا مزہ چکھا رہے ہیں۔" ویرا نے زہریلی ہنسی کے ساتھ دخل اندازی کی "یہ ہماری مجبوری ہے۔"
"میں ذرا سی دیر کے لیے خاموشی چاہتا ہوں۔" میں نے فون کا ریسیور اٹھا کر کہا۔
"کسے فون کر رہے ہو؟" اول خان نے اپنی پر تشویش نظریں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا۔
"جان اسمتھ سے بات کروں گا۔ وہ بڑ بولا ہے۔ ذرا سی دیر میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"
"سوچ لو۔ کہیں یہ رابطہ الٹا گلے نہ پڑ جائے۔" اس نے محتاط لہجے میں کہا۔
"تم فکر مت کرو۔ میں کافی دیر سے اسی بارے میں مغز زنی کر رہا تھا۔ وہ اتنے پاگل نہیں ہو سکتے کہ میری دوسری کال کے جواب میں کوئی دوسرا دھماکا کرنے کا احمقانہ فیصلہ کر لیں۔"
سب خاموش ہو گئے کیونکہ اس وقت ہمارے پاس کوئی متبادل راہ نہیں تھی۔
میرے پاس بخشی کی طرح اوبرائن ڈی ہنٹ کے دیے ہوئے دونوں نمبر موجود تھے۔ مجھے امید تھی کہ اگر اوبی کا گھر جان کے استعمال میں تھا تو اس کا دفتر بھی اسی کے تصرف میں ہوگا۔ میں نے نمبر ملایا' گھنٹی بجی اور پھر میں نے بولنے والے کی آواز پہچان لی۔
"جان! میں ڈینی بول رہا ہوں۔" میں نے سرد اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔
ریسیور میں اس کا گھن گرج والا قہقہہ گونجا "کیا بات ہے؟ اس وقت تمہاری آواز بہت نڈھال ہے۔"
"میں دوسروں کے زخم اپنے جسم اور سینے پر محسوس کرتا ہوں۔" میں نے اسی لہجے میں کہا۔
"آج تم کس کس کے زخموں کی کسک محسوس کر رہے ہو؟" جان کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔
"میں ان تینوں کی بات کر رہا ہوں جو تمہارا نشانہ بنے ہیں۔ وہ سب مقابلے سے باہر کے آدمی تھے مگر انہیں کسی امتیاز کے بغیر' بے رحمی سے نشانہ بنا دیا گیا۔ ان کا قصور کیا تھا؟ وہ کیوں مار دیے گئے؟"
"اگر تم جمی اور ڈیوڈ کے قصور بتا دو تو میں بھی ان تینوں کی غلطیاں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔"
"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس معاملے میں میرے ہاتھ بالکل صاف تھے۔ اب تمہارے ماہروں کی رپورٹ بھی آگئی ہے۔ وہ حادثے میں گردنیں ٹوٹنے کی کہانی سنا رہی ہے۔ کیا تم لوگوں کو اپنے آدمیوں کی لکھی ہوئی باتوں پر بھی اعتبار نہیں

رہا ہے؟"

"یہ کہیں نہیں لکھا کہ گردنیں حادثے میں ٹوٹی ہیں۔ انہیں گردنیں توڑ کر بھی کار سمیت پھینکا جا سکتا تھا اور ہاں، یہ سن لو کہ تمہاری طرح میرے ہاتھ بھی بالکل صاف ہیں میں کراچی میں ہوں۔ آدمی نہ جانے کہاں مارے گئے ہیں۔" اس نے براہِ راست کسی بات کا اقرار نہیں کیا تھا لیکن ڈھکے چھپے الفاظ میں اس نے مجھے جتا دیا تھا کہ بم کا دھماکا جمی اور ڈیوڈ کے قتل کے بدلے میں کیا گیا تھا۔

"کیا میں یہ سمجھوں کہ دھماکے کا فیصلہ میری فون کال کے ردِ عمل میں کیا گیا تھا؟"

"اتنے بڑے فیصلوں کے لیے تم بہت کم تر اہمیت رکھتے ہو۔ تمہارے لیے دس چوہوں والا کام کافی تھا۔" اس نے دس چوہوں کا ذکر کر کے واضح کر دیا تھا کہ اس کا اشارہ مائیکرو سینٹر کی طرف تھا۔ اس کی بات جاری تھی "بڑے فیصلے بڑے لوگوں کے لیے کیے جاتے ہیں۔ تمہارے بڑے وہ ہیں جو اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اب ہر امریکی کے لہو کا بدلہ لیا جائے گا۔"

"تمہیں کسی جواب کا خوف نہیں ہے؟ جانتے ہو کہ یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے گا؟"

"سب معلوم ہے۔" جان اسمتھ کا لہجہ پُر غرور تھا "چیونٹی ہاتھی سے لڑے گی تو خود مسلی جائے گی۔ ہاتھی کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔"

"پیغام رسانی کا یہ طریقہ باعزت نہیں ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہ ہو مگر پیغام اس سے زیادہ واضح نہیں ہو سکتا تھا۔" اس پر میرا لہجہ بے اثر رہا۔

"اب تم اپنے طریقوں پر عمل کرو۔ ہم اپنے طریقے سے جواب دیں گے۔" میں نے سخت آواز میں کہا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس سے نرم اور مصالحانہ گفتگو بے سود تھی۔ ویرا کے بقول وہ ہر امریکی کی طرح اندر سے بزدل تھا اور صرف طاقت کی زبان سمجھ سکتا تھا۔

"ابھی تک میں نے تمہاری گفتگو ریکارڈ کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی ہے۔ آئندہ تم نے مجھے فون کیا تو تمہاری سی ایس ڈی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ میں پوری بات چیت کا ٹیپ اخبارات والوں کو جاری کرا دوں گا اور پھر تمہاری آواز تمہاری موت بن جائے گی۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا ہو چکی تھی کہ اسلام آباد میں ہونے والی مہلک دہشت گردی کی پوری پوری ذمے داری ان لوگوں پر عائد ہوتی تھی۔ اول خان کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا کہ وہ دیوانگی کے مظاہرے پر تل چکے تھے۔

"اور کچھ ہو یا نہ ہو، جان اسمتھ کو یہاں سے زندہ نہیں لوٹنا چاہیے۔" سلطان شاہ نے پوری گفتگو سننے کے بعد غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی ہو جائے گا لیکن اس کے لیے ہمیں اپنی حکمتِ عملی تبدیل کرنی پڑے گی۔"

"اس تبدیلی میں خوف یا بزدلی کا عنصر نہیں ہونا چاہیے۔" ویرا نے شرط عائد کر دی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تمہاری تجویز کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" اول خان نے کہا۔

"تمہاری تجویز کا ذکر میں دوسری بار سن رہا ہوں۔ تم نے اول خان سے کیا بات کی تھی۔" میں نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں تھی میرا خیال تھا کہ ہمیں اب بھارت کا رخ کرنا چاہیے۔ وہاں انل بسواس تمہارے لیے بہترین نشانہ ثابت ہوگا۔ ابھی تک ہم یہاں رہ کر دفاع کر رہے تھے۔ اب بڑھ کر دشمن پر ضرب لگانے کا وقت آگیا ہے۔" ویرا نے جواب دیا۔

"ویرا کی اس تجویز کا جان اسمتھ سے کیا تعلق نکل آیا؟" میں نے اول خان کی طرف دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"اس وقت جان اسمتھ ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم ہے پہلے اس کی سرکوبی ضروری ہے۔"

"میں ایک پنتھ دو کاج کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" اول خان نے مبہم سا جواب دیا "شاید اس بارے میں اس کا ذہن صاف نہیں تھا۔

"انل بسواس کے علاوہ دوسرا کاج کس کو بنانا چاہ رہے ہو؟" ویرا نے تجسّس سے سوال کیا۔

"جان اسمتھ!" اول خان کے جواب نے سب کو چونکا دیا "وہ ایک بڑے ایشیائی خطے میں سی آئی اے کے آپریشنز کا سربراہ ہے۔ اس نے پاکستان اور خاص طور پر کراچی کو اپنا مرکز بنایا ہوا ہے مگر وہ اکثر دوسرے ایشیائی ملکوں کے دورے پر جاتا رہتا ہے۔ اسے نئی دہلی کے کسی دورے پر زیادہ آسانی سے نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس طرح ہم اس الزام سے بچ جائیں گے کہ پاکستان میں امریکیوں کا خون ارزاں ہو گیا ہے۔"

اول خان کی پوری بات میری سمجھ میں آگئی۔ پاکستان کے بارے میں اس کے دشمنوں کے رویّے میں سختی اور تندی

آگئی تھی۔ ان کے کسی انتہائی اقدام سے بچنے کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ ہم فوری طور پر ملک اور ٹھکانا تبدیل کرلیں۔ پاکستان سے باہر رہ کر ہم زیادہ بے خوفی سے اپنا کام سرانجام دے سکتے تھے۔ مقامی مسائل کے تدارک کے لیے ایس ٹی ایف سمیت دوسرے ادارے ہمہ وقت فعال تھے۔

"تم اپنے ساتھ کس کس کو بھارت لے جانے کا ارادہ رکھتی ہو؟" میں نے ویرا سے پوچھا۔

"خدا کا خوف کرو ڈینی!" وہ فوراً ہی بول پڑی "میری یہ تجویز تمہارے لیے تھی۔ تم بتاؤ گے کہ کون کون تمہارے ساتھ جائے گا۔ اس فہرست میں میرا نام سب سے اوپر ہونا چاہیے۔ میں تمہارے لیے ہمیشہ بہترین مددگار ثابت ہوئی ہوں۔"

"ملک سے باہر کے مشن پر زیادہ بھیڑ بھاڑ خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا "دو نفری ٹیم سب سے بہتر رہے گی۔ ایک کے ساتھ کوئی ناگہانی واقعہ پیش آجائے تو دوسرا اس کی خبر کے ساتھ گھر واپس آسکتا ہے۔"

"امریکا ہم دونوں گئے تھے۔ بھارت کے لیے بھی میں تمہارا ساتھ دینے پر تلی بیٹھی ہوں۔" ویرا بولی۔

"بھارت کے لیے اول خان میرا بہترین ساتھی ثابت ہوگا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر مجبوری ہے۔" اول خان نے سوگوار مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ایس ٹی ایف کا ہر رکن پاکستان کی حدود میں رہ کر کام کرنے کا پابند ہے۔ یہاں ہمیں ہر طرح کا تحفظ حاصل ہے۔ پاکستان کی سرحدوں سے قدم نکالتے ہی ہماری کوئی حیثیت نہیں رہتی' سارے تحفظات خود بخود ختم ہوجاتے ہیں۔"

"بس' پھر میں ہی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" اول خان کے انکار پر ویرا خوش ہوگئی۔

"تم امریکا جاچکی ہو۔ وہاں کے ماحول میں گھل مل گئی تھیں۔ بھارت میں ایسا نہیں ہوگا۔" اس موقع پر سلطان شاہ بھلا کیوں کر خاموش رہ سکتا تھا "اپنے رنگ و روپ اور خدو خال کی وجہ سے تم ہر جگہ نگاہوں کا مرکز بنی رہوگی اور ڈینی کے لیے مسائل کھڑے ہوتے رہیں گے۔ اس بار میں ڈینی کے ساتھ جاؤں گا۔"

غزالہ خاموش بیٹھی تھی اور گفتگو میں پوری دلچسپی لے رہی تھی مگر میں کن انکھیوں سے جائزہ لے چکا تھا کہ وہ بار بار پُرامید نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر نرمی سے کہا "تم دونوں خ... غرض ہو اور شاید یہ بھول چکے ہو کہ غزالہ میری بیوی ہے... میں بار بار اس کی حق تلفیاں نہیں کرسکتا۔ اگر میں بھار... گیا تو غزالہ میرے ساتھ جائے گی۔"

میرا وہ فیصلہ اس قدر بھرپور اور صائب تھا کہ سار... بحث وہیں ختم ہوگئی۔ ویرا اور سلطان شاہ کے لیے کچھ بو... کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

"اگر مگر کی گنجائش نہیں ہے۔" اول خان نے میر... طرف متوجہ ہو کر کہا "جان اسمتھ سے ہونے والی گفتگو... روشنی میں اب یہ فیصلہ ناگزیر ہوچکا ہے ایسا نہ ہوتا تو می... اس وقت یہ بات ہی نہ چھیڑتا۔ تم دونوں کو یہاں سے جلد... جلد نکل جانا چاہیے۔"

"کاغذات وغیرہ کی تیاری میں کچھ نہ کچھ وقت تو ضرو... صرف ہوگا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اگر کل مجھے کوئی کام نہ ہوا تو تمہارے سفری کاغذا... کل ہی مکمل ہوجائیں گے" اول خان نے جواب دیا "تم ذہ... طور پر اپنی تیاری کرلو اور سفر کے لیے بازار سے کچھ خریدا... کرنی ہے تو وہ بھی کرلو۔ مجھے پروگرام بتادو تاکہ اس ک... مطابق نشستیں بک کرائی جاسکیں۔"

"کیوں نہ جہاز کے بجائے ٹرین سے سفر کیا جائے؟... غزالہ نے اپنے حق میں فیصلہ سننے کے بعد پہلی بار زبا... کھولی۔

"میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ ٹرین سے ایسے لوگ... کثرت سے آتے جاتے ہیں جو دونوں طرف سے بھار... مقدار میں تجارتی سامان اپنے ساتھ لاتے اور لے جا... ہیں۔ ہر پھیرے میں وہ معقول رقم کماتے ہیں اور یہی ان... روزگار بھی بن گیا ہے۔ یہ لوگ کسٹم والوں کو بھاری رقمیں... دے کر سامان نکلواتے ہیں۔ ان کی وجہ سے سرحدی عملے میں... بہت سی خرابیاں پھیل گئی ہیں جن کی وجہ سے عام مسافروں ک... بھی شدید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے" اول خان بھار... کے لیے ٹرین سے سفر کے بارے میں اپنی معلومات کا در... بہائے چلا گیا۔

"ٹرین میں آدمی کسی کی نظروں میں آئے بغیر' بھیڑ میں... مل جل کر گزر جاتا ہے۔ جہازوں میں مسافروں کی تعداد محدو... ہوتی ہے اس لیے شناخت کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ ورنہ سفر جہا... کا ہی بہتر ہے" غزالہ نے اپنی فرمائش کا سبب بھی واضح... کردیا۔

"تم روانگی کے بارے میں بلاوجہ اتنی سنجیدہ ہو رہی ہو...

سلطان شاہ بولا ”آج یہ تجویز پیش کی گئی ہے۔ اگلے کسی اجلاس میں اس بارے میں کوئی آخری فیصلہ کیا جائے گا۔ اس وقت سفر کا ذریعہ بھی طے کر لینا۔“

سلطان شاہ اتنا سنجیدہ تھا کہ غزالہ کی استفسار طلب نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

”اس کے مذاق ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تم اس کی باتوں پر دھیان نہ دو“ اول خان نے غزالہ کو تسلی دی۔

اچانک ٹیلی ویژن اسکرین پر نظر آنے والا پروگرام غائب ہو گیا اور اسکرین پر اسپیشل بلیٹن کی سلائڈ نظر آنے لگی۔

”شاید اسلام آباد میں ہونے والے دھماکے کے بارے میں کوئی خبر آنے والی ہے“ ویرا نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر اپنا خیال ظاہر کیا ”سب لوگ اپنی گفتگو بھول کر ٹیلی ویژن اسکرین کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

پس منظر موسیقی کے ساتھ وہ سلائڈ کچھ دیر تک نظر آتی رہی پھر اسکرین صاف ہوئی اور خبروں کے پس منظر کے ساتھ مرد اناؤنسر اسکرین پر نظر آنے لگا۔ اس نے مختصر انداز میں بتایا کہ صبح دس بجے اسلام آباد کے ایک مصروف علاقے میں غیر ملکی ساخت کا ایک ریموٹ کنٹرولڈ بم پھٹنے سے تین افراد دھماکے میں ہلاک اور سات زخمی ہو گئے۔ پولیس نے تفتیش کے لیے متعدد مشتبہ افراد کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔

اس خبر میں ہمارے لیے صرف ایک بات نئی تھی کہ جان اسمتھ کے کسی گرگے کی دہشت گردی کی تفتیش کے لیے متعدد مشتبہ افراد پولیس کے عتاب میں آ چکے تھے۔ یہ بات یقینی تھی کہ وہ تمام مشتبہ افراد مقامی رہے ہوں گے۔

”پولیس چاہے تو مار مار کر کسی ہاتھی سے یہ اعتراف کرا سکتی ہے کہ وہ چوہے کا بچہ ہے۔ مقامی افراد بلاوجہ اس مصیبت میں آئے ہیں۔ کیا تم ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟“ وہ خبر سننے کے بعد میں نے دردمندی کے ساتھ اول خان سے پوچھا۔

”یہ بڑی واردات ہے۔ اعلیٰ پولیس افسران خود ساری تفتیش کر رہے ہوں گے۔ اس سطح پر عام طور پر تشدد نہیں کیا جاتا۔ ہاں، کسی کے جرم کا ہلکا سا سراغ بھی ہاتھ آ جائے تو اس کی شامت آ جاتی ہے۔ تم فکر نہ کرو، میں بات بھی کر لوں گا۔“

اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کس سے بات کرے گا مگر میں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنے باس سے براہِ راست بات کرے گا۔ وہی پولیس کے اعلیٰ افسران کو سمجھا سکتا تھا کہ اسلام آباد کی واردات میں کون سے عناصر ملوث تھے۔

”تمہیں ڈینی کے ساتھ بھارت جانے کی خوش خبری مل گئی ہے۔ جانے سے پہلے دو چار دن اپنے بنائے ہوئے کھانے کھلاتی رہو تاکہ ہم تمہارے حق میں دعائے خیر کرتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم آج ہی باورچی خانے کی چھٹی کر دو۔“ ویرا نے غزالہ سے کہا۔

”تو کیا تم کھانے کھائے بغیر دعائے خیر نہیں کرو گی؟“ غزالہ نے تیوریوں پر ہلکا سا بل ڈال کر پوچھا۔

”مجھ پر اول خان جیسے بزرگوں کا سایہ ہے۔ پیٹ بھرتا ہے تو دل سے دعا نکلتی ہے۔“

غزالہ ہنستی ہوئی اٹھی اور کچن کی طرف چل دی۔ اس کے جانے کے بعد سلطان شاہ بولا ”یہ مزے زیادہ سے زیادہ کل تک کے ہیں۔ کچن میں ویرا کا راج ہوگا تو فاقے ہوں گے

یا ہوٹل بازی پر گزارہ کرنا پڑے گا۔"
"یہ سمجھ لینا کہ ڈینی اور غزالہ کے جانے کے بعد تم میرے رحم و کرم پر رہ جاؤ گے۔ ان کی واپسی تک میں..... گن گن کر سارے بدلے چکاؤں گی" ویرا نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا "کھانا میں بناؤں گی' برتن تم دھوؤ گے۔"
"پاسپورٹ اور ویزا کے لیے مجھے اپنی تصویریں اور شناختی کارڈ دے دینا۔ کل نہیں تو پرسوں تک ہر چیز تیار ہو جائے گی۔" اول خان نے ان دونوں کی بحث کو نظرانداز کر کے مجھ سے کہا "اس بار پرانا نام ہی استعمال کرنے کا ارادہ ہے؟"
"اب مظہر خان چل پڑا ہے تو یہی رہنے دو۔ شناختی کارڈ بھی نیا بنوالو' پرانا کارڈ میں تلف کردوں گا۔"
"بس تو پھر تم تصویریں دے دینا۔ تم دونوں کے دستخط اتنے سادہ ہوں گے کہ تم آسانی سے نقل کرلو گے۔"
"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی کہ تم کل یا پرسوں تک ہر کام کیسے مکمل کرلو گے؟" میں نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔
"دو پاسپورٹوں پر صرف تصویریں بدل کر سب کام ہو جائے گا" اول خان نے اطمینان سے کہا۔
"پھر مرضی کا نام پوچھنا بے کار ہے۔ جو کچھ پاسپورٹ پر لکھا ہوگا' وہی قبول کرنا پڑے گا۔"
اول خان مسکرادیا "تم ہر بات پر اتنی باریکی سے غور کرتے ہو کہ کمزوری فوراً تمہاری نگاہوں میں آجاتی ہے۔ مجھے تمہارا پسندیدہ نام پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی' یہ میری غلطی تھی۔"
"ایک اور نکتہ بھی اپنے ذہن میں رکھنا" میں نے اسے یاد دلایا "پاکستان اور بھارت والے ایک دوسرے کے شہریوں کو زیادہ لمبا اور آزاد ویزا نہیں دیتے۔ ہر سفر کے لیے نیا ویزا حاصل کرنا پڑتا ہے۔"
"یہ بات میرے علم میں نہیں تھی" اول خان نے اعتراف کیا "ایسا ہوا تب بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ اسلام آباد سے ایک دن میں تم دونوں کا ویزا لگوالیا جائے گا۔ یہ باتیں تم مجھ پر چھوڑ دو۔"
"سفر شروع کرنے سے پہلے میں کاغذات کی طرف سے اپنا پورا اطمینان کرنا چاہوں گا۔ یہ معاملہ بھارت کے سفر کا ہے۔ کہیں بھی کوئی خامی رہ گئی تو ہم دونوں کو ائرپورٹ پر اترتے ہی پاکستانی جاسوس قرار دے کر دھر لیا جائے گا۔"
"ویزا حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ جعلی یا پھر اصلی۔ میں کسی بھی جعلی کاغذ کے حق میں نہیں ہوں۔ ہمارا کوئی بھی آدمی انڈین ہائی کمیشن سے ویزے لگوالے گا۔ تمہیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔"
"یہ فیکس' کمپیوٹر اور ای میل کا دور ہے۔ وہ روزانہ جاری کیے جانے والے ویزوں کی فہرست بھارت بھیجتے ہوں گے اور سفارشی ویزوں کی نشان دہی کرتے ہوں گے۔ شاید ایسے مسافروں کو زیادہ کڑی جانچ پڑتال کا سامنا کرنا پڑتا ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے ناموں سے ایسا کوئی پہلو وابستہ ہو۔ یہ عام طریقے سے حاصل کیے ہوئے ویزے ہونے چاہئیں۔"
اول خان فکرمند ہوگیا۔ "تمہاری ہر بات درست ہے لیکن ویزا حاصل کرنے کا عام طریقہ بہت دشوار ہے۔ روز سویرے لائنیں لگتی ہیں اور بعض اوقات وہاں کئی کئی دن خوار ہونا پڑتا ہے۔ تم دونوں کو ان تمام مراحل سے گزرنا پڑے گا اور پھر وقت بھی لگے گا۔"
"میں یہی کہہ رہا تھا۔ ہم ایک دو روز میں بھارت کے سفر پر روانہ نہیں ہوسکتے" میں نے زور دے کر کہا۔
"اپنے تحفظات کے پیش نظر تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو مگر میری خواہش ہے کہ پاکستان میں مامور بھارتی سفارتی عملے سے تمہارا سامنا نہ ہو۔ یہ ایک بے سبب اور معصوم سی خواہش ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اس کے لیے کیا کیا جاسکتا ہے۔"
"ویری گڈ!" سلطان شاہ خوش ہو کر بولا "اس کا مطلب ہے کہ ایک دو روز میں تمہاری روانگی کا کوئی امکان نہیں ہے۔"
"بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے" اول خان نے پوری سنجیدگی سے اس کی تائید کی۔
دوپہر کے کھانے کے بعد بھی ہماری محفل جمی رہی۔ بھارت کے سفر کے امکان نے ہمارے درمیان تجسس اور سرگرمی کی ایک نئی لہر دوڑا دی تھی۔
چار بجے میرے موبائل فون پر جلال کی کال آئی "تم نے ٹیلی ویژن پر آج کی بدترین خبر سن لی ہوگی!" اس نے اداس اور تھکی تھکی آواز میں پوچھا "اس حادثے کا ایک اور زخمی چل بسا ہے۔ مرنے والوں کی تعداد اب چار ہوگئی ہے۔"
"پرانی خبر اول خان سے مل گئی تھی۔ مرنے والوں کی تعداد میں اضافے کی اطلاع نئی ہے۔"
"صبح سے میں تھک کر چور ہوگیا ہوں اور ابھی تک کوئی سرا ہاتھ نہیں آیا" وہ کہہ رہا تھا "پکڑے جانے والوں میں تین افغان بھی ہیں لیکن جس ساخت کا بم پھٹا ہے' وہ اب

تک افغانوں کی دسترس میں نہیں ہے۔"
میں نے اس کی بات کاٹ دی "ہوسکے تو سارے مشتبہ افراد کو رہا کردو۔ صبح کا دھماکا امریکی ایجنٹوں کی طرف سے ہمارے لیے ایک دھمکی آمیز پیغام تھا۔ اس میں شاید کوئی مقامی یا افغانی باشندہ ملوث نہیں ہے۔"
"تم یہ بات کس بنیاد پر کہہ رہے ہو؟" اس کی آواز کی اداسی یکایک دور ہوگئی۔
"میں نے دوپہر کو جان اسمتھ سے براہِ راست فون پر بات کی تھی۔ میں اسی کی کہی ہوئی باتیں دہرا رہا ہوں۔"
"کاش! میں کسی طرح یہ بات ریکارڈ پر لا سکتا" اس کی آواز سے غصے اور بے بسی کا اظہار ہو رہا تھا "میں پچھلے کئی ہفتوں سے ایسے کسی سانحے کی بو سونگھ رہا تھا۔ اسی لیے تمہیں امریکیوں سے دور رہنے کے مشورے دے رہا تھا۔ آخری گفتگو میں تم نے میرے مشورے کا بہت برا بھی منایا تھا اس وقت بھی یہی امکان میرے سامنے تھا۔ دشمنی میں یہ کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔"
"ہمارے درمیان آخری گفتگو میمن گوٹھ کے واقعے کے بعد ہوئی تھی۔ تم نے کھل کر اس کی توثیق کی تھی۔"
اس نے میری بات کاٹ دی "مجھے یاد ہے۔ میں اس کارروائی پر خوش ہوا تھا۔ اس خوشی میں اسلام آباد کے بہت سے لوگ میرے شریک تھے مگر آج ان سب کے چہرے اداس اور اترے ہوئے تھے۔ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے کہ آج کی دہشت گردی اسی واقعے کی بازگشت تھی۔"
"تم سے میرا اختلاف جان کے بارے میں تھا۔ تم نے مجھے روکا تھا اور میں اس سے فون پر بات کر بیٹھا تھا۔ اگر ہم نے اس موذی کی گردن کچل دی ہوتی تو آج کا سانحہ رونما نہ ہوا ہوتا۔ یہ ساری منصوبہ بندی اسی کی تھی۔"
"میں اب بھی اس رائے پر قائم ہوں کہ یہ تمہارا گمان تھا۔ تمہارا نام ان کے لیے مادر زاد گالی بنا ہوا ہے۔ اگر تمہارا نام پردے میں رہتا تو شاید وہ اتنے مشتعل نہ ہوئے ہوتے مگر جو ہونا تھا، ہوگیا۔ اسے بھول جاؤ۔ یہ میری نپی تلی رائے ہے کہ جان کو کچھ ہوا تو ان کا ردِعمل آج سے کہیں زیادہ شدید ہوگا۔ تم نے دیکھ لیا کہ جان نے اسکول کے کسی بچے جیسی حرکت کی ہے۔ تمہارے فون کی شکایت دفترِ خارجہ سے کی گئی ہے اور خط کی نقول براہِ راست اخباروں کو جاری کردی گئیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے آج کے فون پر بھی ایسی ہی کوئی کارروائی کر گزرے۔"
"آج اس سے بالکل مختلف موڈ میں باتیں ہوئی ہیں۔ تم سے ہونے والی گفتگو میرے ذہن میں محفوظ تھی۔ اگر دھماکے کے بارے میں ابہام نہ ہوتا تو میں ہرگز اسے فون نہ کرتا۔ آج اس کے پاس شکایت کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔"
"جان دشمن کے خلاف اعصابی اور نفسیاتی سرد جنگ کا خصوصی ماہر ہے۔ مقامی رائے عامہ کے سامنے خود کو مظلوم اور بے بس ظاہر کرنے کے لیے وہ کوئی نکتہ نکال سکتا ہے۔ اس سے اسے دہرا فائدہ ہوگا۔ تمہاری ایک اور شکایت ریکارڈ پر آجائے گی اور دھماکے کے بارے میں کوئی بھی اس پر شبہ نہیں کرسکے گا۔ اس نے تم سے جو کچھ کہا ہے، اس کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"
"کیا تمہیں میرے بیان پر شبہ ہے؟" میں نے چونک کر جلال سے پوچھا۔
"کیسی باتیں کررہے ہو ڈیئی!" اس کی آواز آئی "مجھے پورا یقین ہے۔ میں دوسروں کی بات کررہا ہوں۔ تم سے منسوب کوئی بھی ایسی بات منظرِ عام پر آئی تو اسے تمہاری بے بنیاد الزام تراشی قرار دے کر مسترد کردیا جائے گا۔"
"بہرحال، اب میں نے اس سے بہت دور چلے جانے کا فیصلہ کرلیا ہے" میں نے اسے آگاہ کیا۔
اس بار اس کے چونکنے کی باری تھی "کیوں؟ کیا تم کسی لمبے سفر پر جارہے ہو؟"
"سفر زیادہ لمبا نہیں ہے مگر ملک ضرور بدل جائے گا۔ پچھلے دنوں تم نے بھی مشورہ دیا تھا کہ میں بھارت چلا جاؤں۔"
"وہ بھارت جانے کی بات نہیں تھی۔ میں چاہتا تھا کہ تم وہاں جاکر کچھ کام کرو" اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے کہا۔
"اب میں جانے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔ موجودہ الجھن سے نجات ملنے کے بعد کام کے بارے میں بھی بریف کردینا۔"
"لیکن تم وہاں کس مقصد سے جارہے ہو؟" میرے جواب سے وہ تجسس میں مبتلا ہوگیا تھا۔
"انل بسواس نامی ایک بھارتی سے ملاقات کا ارادہ ہے!" میں نے دھیرے سے کہا۔
میری زبان سے وہ نام سنتے ہی وہ پھڑک اٹھا "اس خبیث کا نام تمہیں کہاں سے مل گیا۔ بھارتی صفوں میں اس وقت وہی ہمارے لیے سب سے بڑا دردِ سر بنا ہوا ہے۔ تمہارے لیے میں نے اس کا نام سرفہرست رکھا ہوا تھا۔"
"یہ نام کرشن کمار کے ایک ساتھی نے اگلا ہے۔ وہ

سب انل بسواس سے ہدایات لیتے رہے ہیں۔"
"وہ را کے پاکستان ونگ کا سربراہ ہے۔ اسے پاکستان کے خلاف ہروقت ریشہ دوانیوں میں مصروف رہنے کے عوض بھاری تنخواہ اور مراعات دی جارہی ہیں۔ تم نے اس کا قصہ پاک کردیا تو یہاں کئی برسوں کے لیے سکھ چین ہوجائے گا" اس کا لہجہ ممنونیت سے لبریز تھا "میرے جو آدمی وہاں درپردہ کام کررہے ہیں، وہ پوری طرح تمہارا ساتھ دیں گے۔ ضرورت کے وقت وہ تمہیں فنڈز بھی فراہم کرسکیں گے۔"
"ابھی تک میں اپنی گرہ سے رقم خرچ کررہا ہوں۔ ضرورت ہوئی تو ان سے لے لوں گا۔ میرے پاس جو کچھ ہے، اسی ملک کے طفیل ہے۔ اگر اس کی کوڑی کوڑی بھی ملک کے کام آجائے تو مجھے ذرا بھی قلق نہیں ہوگا۔"
"تمہارے بارے میں یہ کہانیاں میں سن چکا ہوں۔ میں تمہاری عظمت کو سلام کرتا ہوں۔"
"اور اب یہ بھی نوٹ کرلو کہ کھوکھراپار میں کرشن کمار نے ایک دکان کسی فرضی نام سے کرائے پر لی ہوئی تھی۔ وہاں چھاپا مارا جائے تو میگزین اور ہتھیاروں کی بھاری تعداد برآمد ہوگی۔ یہ ہتھیار سندھ میں بے چینی پھیلانے کے مذموم ارادے سے جمع کیے گئے ہیں۔"
"تم سے بات کرکے میرے دل کے کئی بوجھ ہلکے ہوگئے ہیں۔ میں ابھی اس علاقے کے ایریا کمانڈر کو دکان کے بارے میں مطلع کردوں گا۔ مسلح دستے آج بھی وہاں تربیت یافتہ لڑکوں اور ہتھیاروں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔"
"بم دھماکے میں پکڑے جانے والے مشتبہ لوگوں کی گلوخلاصی کے بارے میں ضرور سوچنا" میں نے اسے تاکید کی اور الوداعی فقروں کے رسمی تبادلے کے بعد فون کا بٹن آف کردیا۔
پچھلی بار اس سے تلخی ہوجانے کے بعد میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اس سے رابطہ کرنے میں پہل نہیں کروں گا۔ اس نے بات کرنے میں پہل کرکے میرے دل کا سارا غبار صاف کردیا تھا۔ یہ شاید ہماری صاف نیتوں کا کمال تھا کہ ہم بروقت ایک دوسرے سے رابطے کرتے تھے اور اپنی اپنی معلومات کے سہارے کوئی نہ کوئی پیچیدہ مسئلہ حل کرلیتے تھے۔ یہی صورت حریفوں کے بارے میں تھی۔ کہیں سے اچانک ایک نام سامنے آتا تھا اور پھر دوسرے ذرائع اس کی اہمیت کی تصدیق کرتے چلے جاتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ کوئی اطلاع مسترد کی گئی ہو۔

"یہ بات واقعی حیران کن ہے" جلال سے ہونے والی گفتگو پر تبادلہ خیال کے دوران میں اول خان نے حیرت سے کہا "وہ انل بسواس کا نام کسی مناسب وقت کے لیے اپنے دل میں لیے بیٹھا تھا اور ہری چند نے وہی نام ہمارے سامنے اگل دیا۔"
"جلال آدمی کام کا ہے۔ بروقت ہماری مدد کرتا رہا ہے" میں نے وہ اعتراف ضروری سمجھا۔ "ہم کرشن کمار کا ہر سراغ کھو بیٹھے تھے کہ اس نے موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کی نشان دہی کی اور آخرکار وہ پکڑا گیا۔ امریکیوں کے میمن گوٹھ پہنچنے کی خبر بھی کے ون سے ملی تھی جسے جلال نے مامور کیا ہوا تھا اور اب انل بسواس کا قصہ ہے۔ اس کی معلومات کے ذرائع بہت موثر ہیں لیکن کسی نہ کسی وجہ سے اس کے آدمی سست رفتار ہیں۔"
"تم اس کے آدمیوں کو قصوروار نہیں ٹھہراسکتے۔ اصل خرابی طریقہ کار کی ہے" ویرا نے کہا۔
"مجھے تو اس کے طریقہ کار میں ابھی تک کوئی خرابی نظر نہیں آئی۔ بس وہ اپنے ضابطوں کی پابندی کرتا ہے۔"
"اکثر اوقات ضابطے ہی کام کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ ان کی وجہ سے فیصلہ کرنے میں تاخیر ہوتی ہے" ویرا نے زور دے کر کہا "صحیح فیصلہ صحیح وقت پر نہ کیا جائے تو اس سے کچھ حاصل نہیں۔ تاخیر کی وجہ سے حالات بدل جاتے ہیں اور وہی فیصلہ ناقص ہوجاتا ہے۔"
وہ کسی حد تک ٹھیک کہہ رہی تھی۔ جلال بھی ان نکات سے واقف تھا اسی لیے ہمارے ساتھ مل کر کام کرنے کا خواہاں تھا۔
اس بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ ہر ایک کی اپنی رائے تھی مگر ہم میں سے کوئی بھی جلال کو مشورہ دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ اپنے ضابطوں اور طور طریقوں کو ہم سے زیادہ جانتا تھا اور ان کی حدود میں رہنے کا عادی تھا۔
گفتگو سمٹی تو اول خان چل دیا۔ اسے رخصت کرنے کے بعد ویرا آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں جا گھسی۔ میں غزالہ اور سلطان شاہ کو ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر بستر پر آلیٹا۔ بھارت کے سفر کا فیصلہ ہوچکا تھا۔ مجھے اس سفر کی ضروریات کا اندازہ لگا کر ان معاملات کو نمٹانا تھا جو کراچی میں بکھرے ہوئے تھے۔
میں بستر پر لیٹا ہوا ان ہی خیالات میں گم تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔
ہمارے گھر کا فون نمبر قابلِ اعتماد اور گنے چنے لوگوں کے

پاس تھا۔ ان کے سوا کوئی ہمیں فون نہیں کر سکتا تھا۔ ان میں سے اول خان کچھ دیر پہلے تک ہمارے ساتھ موجود تھا، جلال موبائل فون پر بات کر چکا تھا۔ میں تردد میں پڑ گیا کہ وہ کس کی کال ہو سکتی تھی۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ اول خان کی ذرا سی غلطی کی وجہ سے وہ نمبر ماروتی، روی اور جگدیش تک بھی پہنچ چکا تھا۔ ان میں سے ماروتی ہی اس نمبر پر فون کر سکتی تھی۔ اس دوران میں دوسری گھنٹی بجی اور ڈرائنگ روم میں کسی نے ریسیور اٹھالیا۔ چند ثانیوں بعد ہی سلطان شاہ نے کمرے میں آکر مجھے اطلاع دی کہ فون پر روی موجود تھا اور مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

"مظہر اسپیکنگ!" میں نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"مظہر جی! میں روی بول رہا ہوں" اس کی آواز دبی دبی اور سرگوشیانہ سی تھی "ماروتی نہانے کے لیے گئی ہے تو میں اس سے چھپ کر تم کو فون کر رہا ہوں۔ دراصل میں نے ہری چند کے بارے میں اس سے تھوڑا سا جھوٹ بولا ہے۔"

"شاید تم چاہتے ہو کہ میں ماروتی سے تمہارے اس جھوٹ کی تردید نہ کروں؟" میں نے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے پوچھا۔

"بالکل، بالکل یہی بات ہے.... مظہر جی! تم تو فون پر بھی دل کی بات پڑھ لیتے ہو" میری صحیح قیاس آرائی پر وہ خوش ہو گیا کیونکہ اس طرح اس کا سمجھانے کا کام بہت آسان ہو گیا تھا۔

"اب وقت ضائع مت کرو اور اپنا جھوٹ بتا ڈالو.... میں کسی سفید جھوٹ کا ساتھ نہیں دوں گا۔"

"بات کچھ یوں ہے کہ تم تو اسے مارنے کا ارادہ کر ہی چکے تھے۔ میں تو اسے دیکھتے ہی دھوکا کھا گیا تھا کہ وہ سرگباش ہو چکا ہے۔ اسی لیے میرا دل پھٹنے لگا تھا۔" اس نے اپنی تمہید کو ضرورت سے زیادہ طول دے دیا تھا جسے میں خاموشی سے برداشت کرتا رہا۔ وہ کہہ رہا تھا "تم نے بھی دیکھا تھا کہ وہ بالکل مُردے جیسا نظر آرہا تھا۔ میں نے ماروتی سے کہا ہے کہ زخمی ہونے کے بعد اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ ہم لوگ اسے اسپتال لے جانے کے لیے واپس چلے مگر حیدر آباد پہنچنے سے پہلے ہی اس کا دم نکل گیا۔ ہم لوگ یعنی کہ تم حیدر آباد میں رک کر وقت برباد کرنے کے بجائے اس کی لاش کو کراچی لے آئے۔ تم سے کوئی سزا ملنے سے پہلے وہ مر چکا تھا۔ میں نے اس کی معافی کے لیے تم سے کوئی بات نہیں کی اور خاموشی سے لوٹ آیا۔"

"تمہیں اپنی بیوی سے یہ جھوٹ بولنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"اس نے کہا تھا کہ میں موقع نکال کر تمہاری خوشامد کروں اور کسی بھی طرح ہری کو معافی دلوادوں مگر میں پاگل نہیں ہوں۔ تم نے مجھے بتا دیا تھا کہ میں نے ایسی کوئی بات کی تو کیا ہوگا۔ گاڑیوں کی ٹکر میں جو ہوا، میں نے سوچا اس سے فائدہ اٹھالوں۔ اس میں تمہارا تو کوئی نقصان نہیں ہے نا؟"

وہ بہت سوچ سوچ کر اور جملے جوڑ جوڑ کر بول رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اس کی ٹنکی الکحل سے بھری ہوئی تھی۔

"اتنا جھوٹ چل جائے گا۔ اس طرح ماروتی سے میرا میل جول بھی برقرار رہ سکے گا۔"

"بالکل بالکل!" میری رضامندی پر اس کی مسرت سے بھرپور مگر سرگوشیانہ آواز ابھری "اسے میری نہیں، اپنی ہی بی.... وی.... مطلب یہ کہ دوست ہی سمجھو۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوتی ہے" بے ساختگی میں بیوی کہتے کہتے اسے بروقت اپنی حماقت کا احساس ہو گیا اور اس نے رشتہ بدل دیا۔

"بس اب فون بند کردو۔ وہ نہا کر نکل آئی تو ضرور پوچھے گی کہ تم کسے فون کر رہے ہو؟"

"شکریہ.... بہت بہت شکریہ مظہر جی!" یہ کہہ کر اس نے فون فوراً ہی بند کردیا۔

ماروتی اور روی۔ میرے لیے وہ عجیب و غریب اور دلچسپ جوڑا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہتے تھے، دونوں بدترین بے راہ روی کا شکار تھے اور شاید اس سے باخبر بھی تھے لیکن ہر وقت بے خبر بنے خوش و خرم رہتے تھے۔ میں حیران تھا کہ وہ دونوں انسان ہوتے ہوئے، حسد و رقابت کے انسانی جذبوں سے یکسر عاری تھے۔

تھوڑی دیر بعد غزالہ کمرے میں آئی تو اسی تجسس میں مبتلا تھی کہ ماروتی کے بجائے روی نے کیوں فون کیا تھا؟ اس وقت بھی میں اسی جوڑے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے غزالہ کو روی کے مدعا سے آگاہ کردیا۔

"حیرت ہے کہ بعض مرد اپنی بیویوں سے اتنا ڈرتے ہیں" پوری بات سن کر اس نے ہنستے ہوئے کہا "آپ تو مجھ سے ذرا بھی نہیں ڈرتے!"

"شوہروں کو ڈرانے والی بیویاں اور ہی ہوتی ہیں۔ تم میں ایسی کوئی خامی تو نہیں ہے" میں نے ہاتھ پکڑ کر اسے بستر پر اپنے قریب ہی بٹھالیا۔

"ہاتھ چھوڑیں" اس نے نیم دلانہ سی فرمائش کی "دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ابھی سلطان شاہ آکر کھڑا ہو جائے گا تو کیا سوچے گا؟"

"یہی سوچے گا کہ اب اسے بھی جلد از جلد اپنا گھر بسالینا چاہیے۔ وہ اس بارے میں بات تک نہیں کرتا۔"

"یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ نے مجھے اپنے ساتھ بھارت لے جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ وہ دونوں یکجا رہیں گے تو انہیں اندازہ ہوگا کہ انہیں ایک دوسرے کے سہارے کی کتنی ضرورت ہے" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیں واپسی پر ان میں سے کوئی ایک نظر آئے۔ دوسرا گھر چھوڑ کر کہیں بہت دور جا چکا ہے۔"

"ویرا گھر چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہے۔ ان میں کوئی اَن بن ہوگئی تو وہ سلطان شاہ کو گھر سے بھاگنے پر مجبور کردے گی۔"

"اس بارے میں تمہارا مشاہدہ مجھ سے بہتر ہوگا۔ یہ سب واپسی پر دیکھا جائے گا۔ آج کے لیے یہ یاد رکھنا کہ ہمیں آٹھ بجے جہانگیر کے گھر جانا ہے۔ اس سے ملے بہت دن ہوگئے ہیں۔ بھارت جانے سے پہلے یہ کام آج ہی نمٹ جائے تو بہتر ہے۔"

"کیا آپ نے اس سے کوئی پروگرام طے کرلیا ہے؟" غزالہ نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"بس، بغیر اطلاع دیے ان کے سروں پر سوار ہوجائیں گے۔ سلمٰی خوش ہوجائے گی۔"

"آپ ہر ایک کی خوشنودی کا اتنا خیال رکھتے ہیں کہ کبھی کبھی آپ پر رشک آنے لگتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم سلمٰی کو خوش کرنے کے لیے وہاں پہنچیں اور وہ دونوں کسی دورے پر نکلے ہوئے ہوں" غزالہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے اس کے ابتدائی فقرے میں پوشیدہ لطیف سے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے بے پروائی سے کہا "جب سے وہ گولڈن فارمیسی کے چکر میں الجھا ہے، شام کو بلکہ رات کو گھر سے کہیں نہیں جاتا۔ بوتل کھولے بیٹھا رہتا ہے۔ سلمٰی زیادہ سے زیادہ سودا سلف لینے کے لیے باہر نکلتی ہے تو تھوڑی دیر میں لوٹ آتی ہے۔ آج رات کا کھانا ہم ان ہی کے ساتھ کھائیں گے۔"

"ویرا ضرور ہمارے ساتھ چپکے گی۔" غزالہ کے ہونٹوں پر مسلسل مسکراہٹ رقصاں تھی "وہ کئی بار کہہ چکی ہے کہ آپ کے تائب ہونے کے بعد پینے میں کوئی مزہ نہیں رہا۔ وہ جہانگیر کے ساتھ بیٹھ کر پینے کا یہ موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گی۔"

"ویرا چلی جائے گی تو سلطان شاہ یہاں اکیلا رہ کر کیا کرے گا؟" میں نے اعتراض کیا۔

"اسے بھی ساتھ لینا پڑے گا۔ ہم تو چار کا ٹولہ بن کر رہ گئے ہیں۔ معلوم نہیں یہ دونوں ہماری خواب گاہ کی خلوت کیسے برداشت کرتے ہیں۔ کبھی کبھی تو میں ڈرتی ہوں کہ کہیں یہ دونوں دروازہ توڑ کر اندر نہ گھس آئیں۔"

غزالہ کے اس عجیب اندیشے پر میں اپنی بے ساختہ ہنسی نہ روک سکا۔ وہ خود بھی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ان دونوں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہم جہانگیر کی طرف جارہے ہیں" ہنسی تھمنے پر میں نے سنجیدگی سے کہا "ہم ہوا خوری کے بہانے نکلیں گے اور ان سے مل آئیں گے۔ اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے۔"

وہ میری اس تجویز سے متفق ہوگئی۔ وہ بالکل صحیح کہہ رہی تھی کہ ہم چار کا ٹولہ بن گئے تھے۔ جہاں جاتے تھے، چاروں جاتے تھے۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ سیر و تفریح کی کوئی آزادی میسر نہیں تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے پاس صرف ایک ہی گاڑی تھی جو اکثر میرے استعمال میں رہتی تھی۔ کبھی کوئی پروگرام بنتا تھا تو وہ دونوں ہم سے پہلے چلنے کے لیے تیار ہوتے تھے۔

وقت اپنی رفتار سے گزرتا رہا۔ اس دوران میں ٹیلی ویژن سے اسلام آباد میں چوتھے شخص کی ہلاکت کی خبر نشر ہوچکی تھی۔ اس کے سوا سب حالات جوں کے توں تھے۔ کہیں سے کسی تبدیلی کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔

ٹھیک آٹھ بجے ہم دونوں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ویرا اور سلطان شاہ کو بھی احساس تھا کہ ان کے ساتھ ہم دونوں کتنی پابند اور لگی بندھی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان میں سے کسی نے ہماری ہوا خوری میں شامل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ آپ سے میری ملاقات نہ ہوئی ہوتی تو اب میں کہاں ہوتی؟" گھر سے روانہ ہونے کے بعد غزالہ کے ذہن پر ایک ہلکا سا رومان سوار ہونے لگا۔ "آپ کے بغیر میں زندگی کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔"

"تمہارے ذہن میں ایسے خیالات کیوں آتے ہیں؟ میرے بغیر زندگی کے تصور کا مطلب ہے کہ تمہیں میری قبل ازوقت موت کے اندیشے ستاتے رہتے ہیں۔"

اس نے آس پاس سے گزرتے ہوئے ٹریفک کی پروا کیے

بغیر بے ساختہ میرے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا "خدانخواستہ! میری دعا یہی ہوتی ہے کہ میری عمر بھی آپ کو لگ جائے لیکن جب آپ پُرخطر مہمات پر نکل کھڑے ہوتے ہیں تو میرا رواں رواں لرز جاتا ہے۔"

"تم بے وقوف ہو۔ موت کی جو گھڑی لکھ دی گئی ہے' وہ اٹل ہے۔ جب آدمی کا وقت پورا ہوتا ہے تو اسے ٹالا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح وقت سے پہلے موت کبھی کسی کو نہیں گھیرتی۔ یہ یقین مضبوط ہو تو انسان کی زندگی بہت آسان ہوجاتی ہے۔"

"سچ سچ بتائیں کہ آپ مجھے کتنا چاہتے ہیں؟" اس نے ذرا سے توقف کے بعد پوچھا۔

"اتنا یا پھر اتنا" میں نے اسٹیئرنگ چھوڑ کر دونوں ہتھیلیاں ملائیں پھر انہیں ایک دوسرے سے بہت دور لے گیا "یا پھر شاید ففٹی ففٹی!" میں نے پچھلی گاڑی کو راستہ دینے کے لیے جلدی سے اسٹیئرنگ تھام کر کہا اور وہ ہنس پڑی۔

"ہم روز تھوڑی دیر کے لیے اسی طرح باہر نکل آیا کریں تو کتنا اچھا ہو؟" اس نے خواہش ظاہر کی۔

"بھارت پہنچ کر اس پر ضرور عمل کریں گے" میں نے پوری سنجیدگی سے اسے یقین دلایا۔

اسی طرح ہنسی مذاق اور باتیں کرتے ہوئے ہم نو بجے سے پہلے جہانگیر کے فلیٹ پر پہنچ گئے۔ ڈور بیل کے جواب میں سلمٰی نے دروازہ کھولا اور غیر متوقع طور پر ہمیں اپنے سامنے دیکھ کر خوشی سے گلنار ہوگئی پھر اس نے غزالہ کو اپنے سینے سے لگالیا۔

"اندر بلاؤ گی یا یہیں سے مل ملا کر رخصت کرنے کا ارادہ ہے؟" میں نے معانقہ طویل ہوجانے پر سلمٰی کو ٹوکا۔

"اوہ! آجاؤ" اس نے فوراً ہی راستہ چھوڑ دیا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولی "تم دونوں بہت بروقت آئے ہو۔ وہ ابھی فارمیسی سے آئے ہیں اور اپنے کام میں مصروف ہونے سے پہلے غسل فرمارہے ہیں۔"

"اس سے کہو کہ سارے کام دکان پر پورے کر کے آیا کرے۔ گھر آکر کون سا کام پھیلا لیتا ہے؟" میں نے کہا۔

"گھر میں وہ پینے کے علاوہ کیا کام کریں گے۔ بازار سے تنکا تک لا کر نہیں دیتے۔ سارا بوجھ میرے اوپر ہے" یہ کہہ کر اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی آواز دھیمی کرلی "تم تو چھوڑ چکے ہو۔ آج انہیں بھی نہ پینے دو تو میں تمہیں مان جاؤں گی۔"

"وہ مجھے بددعائیں دے گا اور آئندہ گھر میں بھی نہیں گھسنے دے گا" میں نے ہنس کر کہا۔

"واہ بھئی واہ! آج تو اس گھر میں ڈینی کی آواز سنائی دے رہی ہے" خواب گاہ کی طرف سے جہانگیر کی مسرت آمیز چہکار سنائی دی۔

"کپڑے پہن کر آنا۔ غزالہ بھی میرے ساتھ آئی ہے" میں نے اونچی آواز میں کہا۔ دونوں عورتیں منہ دبا کر ہنسنے لگیں۔

اسے ہدایت دینے کا نقصان یہ ہوا کہ وہ پوری طرح بن سنور کر خاصی دیر میں اپنے کمرے سے برآمد ہوا اور غزالہ کو سلام کرنے کے بعد مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ اس کے بدن سے کلون کی بھینی بھینی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

"تم نے دل خوش کردیا آج" وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا "بس اسی طرح کبھی کبھی چلے آیا کرو۔ کراچی میں ہم ایسی اپنائیت کو ترسے ہوئے ہیں۔ روز رات کو ایک دوسرے کو دیکھتے دیکھتے ہماری آنکھیں تھک گئی ہیں۔"

"اسی لیے تم دونوں بلے بلیوں کی طرح آپس میں لڑتے رہتے ہو" مجھے ان کا پچھلا جھگڑا یاد آگیا جو شراب کی ایک بوتل کے بہانے پر ہوا تھا۔

"چھوڑو ان فضول باتوں کو" وہ کھسیانی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا "یہ بتاؤ کہ کیا پیو گے۔ کھانا ہم دیر سے کھائیں گے۔"

"ہم دونوں صرف چائے پئیں گے۔ سلمٰی بھی ہمارا ساتھ دے گی۔ تم کیا پیو گے؟" میں نے الٹا اس سے پوچھ لیا۔

"کوک!" اس نے سوکھا سا منہ بنا کے کہا "میں رات کو چائے یا کافی نہیں پیتا۔ اس سے بھوک مرجاتی ہے۔"

"اپنی کوک تم خود لے آنا' میں چائے بنانے جارہی ہوں" سلمٰی نے ناک چڑھا کر کہا۔ غزالہ بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔

ان کے جاتے ہی جہانگیر مجھ سے مخاطب ہوگیا "یار! سلمٰی کو یہ نہ بتادینا کہ اس دن میں نے صلح صفائی کرانے کے لیے تمہیں فون کیا تھا۔ سلمٰی سمجھ رہی ہے کہ میں نے اس پر ترس کھا کر غصہ تھوکا تھا۔ پول کھل گئی تو وہ پھر شیر ہوجائے گی۔ اس دن وہ کموڈ میں بہائی ہوئی بوتل کے بدلے' نہ جانے کہاں سے ایک سربند بوتل نکال کر' آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ آئی تھی۔ میں نے فوراً بوتل لے کر اسے گلے سے لگالیا تھا۔"

"مجھے تمہارے ان جھگڑوں کو دہرانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ کھانا کھانے آیا ہوں۔ سلمٰی

سے کچھ پیسے لوں گا اور چلا جاؤں گا۔"

"تم نے بلاوجہ اتنا بڑا بوجھ ہم پر ڈالا ہوا ہے۔ سلمٰی کب تک تمہاری وہ امانت سنبھالتی رہے گی؟"

"اسے کچھ سنبھالنے کی ضرورت نہیں۔ تھیلے کو کپڑوں کے پیچھے پڑا رہنے دو اور بھول جاؤ۔ تجوری میں رقم کو خطرہ ہوسکتا ہے، کپڑوں کی الماری میں کوئی اسے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔ بس یہ خیال رہے کہ کپڑے زنانہ نہیں، مردانہ ہوں۔"

"میں اپنے لیے کوک لے کر آتا ہوں" اس نے بھونڈے انداز سے دائیں آنکھ دبا کر کہا "دو چار چسکیاں مارنی ہوں تو تم بھی آجاؤ۔"

"کہو تو میں تمہیں اسٹامپ پیپر پر لکھ کر دے دوں کہ میں نے شراب چھوڑ دی ہے" میں نے اسے ڈانٹا۔

"پھر تم بیٹھو، میں ابھی آیا" وہ لپک کر ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔ اسے روکنے کی کوشش بے سود تھی۔ میں نے سگریٹ سلگالی۔

سلمٰی نے خاصی پھرتی دکھائی۔ جہانگیر کی واپسی سے پہلے ٹرے میں چائے سجا کر لے آئی "جہانگیر کہاں گئے؟" مجھے تنہا دیکھ کر اس نے سوال کیا۔

"اپنے لیے کوک بنانے گیا ہے" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"تو کیا کوک گھر میں بھی بنائی جاسکتی ہے؟" غزالہ نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے سوال کیا۔

جہانگیر شاید اس کی بات سنتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں بھرا ہوا گلاس اور دوسرے میں کوک کی بوتل تھی۔ اس نے جلدی سے وضاحت کی "دراصل کوک میں گیس زیادہ ہوتی ہے، میں اس میں پانی ملا کر پیتا ہوں۔"

"کوک میں پانی، میں پہلی بار سن رہی ہوں" غزالہ نے معصومانہ حیرت سے کہا۔

جہانگیر نے بوتل تپائی پر رکھی، گلاس سے کھڑے کھڑے ایک بڑا گھونٹ لیا پھر بیٹھتے ہوئے گلاس بھی بوتل کے سامنے رکھ دیا پھر اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں غزالہ سے کہا "دراصل یہ ترکیب مجھے ایک حکیم نے بتائی تھی۔ اس طرح عرق النساء کبھی نہیں ستاتا۔"

"تمہارا گلاس بھرا ہوا ہے۔ بوتل بھی آدھی سے زیادہ ہے لیکن پانی کہیں نظر نہیں آرہا" غزالہ سنجیدہ رہ کر اس سے تفریح لے رہی تھی۔

جہانگیر نے بے بسی سے میری طرف دیکھا، میں نے اپنی توجہ پنکھے پر مرکوز کردی۔ اس نے بائیں ہاتھ کی پشت سے اپنی پیشانی صاف کی اور بولا "میں پہلے گلاس میں زیادہ پانی ملا لیتا ہوں۔ جیسے جیسے یہ خالی ہوگا، اسی میں تھوڑی تھوڑی کوک ملاتا جاؤں گا۔ کبھی تم بھی ٹرائی کرنا۔ اس طرح کوک کا لطف دوبالا ہوجاتا ہے۔"

"اور عرق النساء کی بیماری کا خطرہ بھی ٹل جاتا ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"بالکل!" غزالہ کے بے ساختہ سوال کے جواب میں وہ بے چارگی سے سر ہلا کر رہ گیا۔

غزالہ کے چبھتے ہوئے معصومانہ سوالات اور جہانگیر کے بے تکے جوابات سنتے سنتے سلمٰی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ وہ یہ برداشت نہیں کرسکی کہ اس کا شوہر غزالہ سے اپنی درگت بنواتا رہے۔ اس نے تنک کر جہانگیر سے کہا "بلاوجہ ایک جھوٹ کو نبھانے کے لیے مسلسل بے تکے جھوٹ بولے جارہے ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تم کوک میں اسکاچ ملا کر پی رہے ہو۔ غزالہ کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہے۔ وہ ڈیڈی اور ویرا کو ایک مدت سے شراب پیتے دیکھتی چلی آرہی ہے۔ اس کے لیے شراب نوشی کوئی انوکھی عادت نہیں ہے۔"

جہانگیر کے ہونٹوں پر خفت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے قدرے آہستگی سے کہا "ہر بات ہر ایک کو نہیں بتائی جاتی۔ لحاظ اور مروت بھی کوئی چیز ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم غزالہ کو اپنے کمرے میں ہی لے جاؤ۔ ٹھیک دس بجے کھانا لگا لینا۔"

سلمٰی فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے اور غزالہ نے اپنی چائے کی پیالیاں اٹھائیں اور دونوں ڈرائنگ روم سے چلی گئیں۔

"دیکھ لیا تم نے؟" جہانگیر نے اپنے گلاس سے اگلا گھونٹ لے کر کہا۔ یہ خاتون آج کل میری احسان مند ہے تو یہ حال ہے۔ ابھی تم اسے مصالحت کا اصل واقعہ بتا دو تو اس کا دماغ آسمان پر چڑھ جائے گا۔"

"وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ غزالہ کو معلوم ہے کہ تم شراب نوشی کرتے ہو پھر اس سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا "غزالہ تم کو موقع دے رہی تھی اور تم جھوٹ بولے جارہے تھے۔"

"چھوڑو اس قصے کو۔ اب تو میں ایسی ٹکل ٹکل کا عادی ہوگیا ہوں۔ تم اس کی حمایت کر کے کیوں میرا لطف غارت

بیوروکریسی

ایک عقل مند عورت اپنے میاں کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھانے گئی۔ دونوں نے ابھی کھانا شروع ہی کیا تھا کہ ایک بہت ہی خوب صورت عورت آئی اور اس کے میاں سے لپٹ گئی۔ شوہر نے بھی محبت کا جواب محبت سے دیا۔ جب وہ عورت چلی گئی تو بیوی نے غصے سے غرا کر اپنے میاں سے پوچھا۔ "کون تھی... مشٹنڈی۔"

میاں نے صاف گوئی سے جواب دیا "یہ میری دوست تھی۔"

بیوی کو بہت غصہ آیا اس نے کھانے کی پلیٹ پٹخ دی اور کہا کہ اسے فوری طور پر طلاق چاہیے۔

میاں نے کہا "ٹھیک ہے، تم طلاق لے لو مگر پھر تمہیں اس پر تعیش زندگی، محل نما گھر، قیمتی گاڑیوں، مہنگے زیورات ملبوسات سمیت ہر چیز سے محروم ہونا پڑے گا۔"

"بیوروکریٹ" نما عقل مند بیوی نے چند لمحے غور کیا تو اسے طلاق والی بات گھاٹے کا سودا لگی اس لیے اس نے غصہ تھوک کر کھانا شروع کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد میاں کا دوست ایک عورت کے ساتھ اسی ہوٹل میں داخل ہوا تو عورت نے اسے پہچان کر اپنے شوہر سے پوچھا۔ "تمہارے دوست کے ساتھ یہ عورت کون ہے؟"

میاں نے پھر صاف گوئی سے جواب دیا "یہ میرے دوست کی سہیلی ہے۔"

اب کی بار "بیوروکریسی" بولی "لو، ہمارے والی تو اس سے لاکھ درجے خوب صورت ہے۔"

محمد محمود احمد آکاش کا چٹکلہ، صادق آباد سے

کر رہے ہو۔"

"تمہارا مزاج بالکل شترمرغ جیسا ہے۔ حقیقت کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہو۔ ریت میں منہ دے کر یہ سمجھ لیتے ہو کہ طوفان گزر گیا ہے۔" میں نے اسے پھٹکار کر اپنی چائے کی پیالی اٹھالی۔ سلمیٰ نے مزے دار چائے بنائی تھی۔

"مجھے جب یہ خیال آتا ہے کہ تم شراب نوشی سے تائب ہو چکے ہو، افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنا ایک اچھا ساتھی گنوا دیا۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد وہ پھر ڈھٹائی سے بولنے لگا "نئے آدمی کے لیے اسے منہ لگانا مشکل ہے اور پرانے عادی کے لیے چھوڑنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ کیا تمہیں اپنی زندگی روکھی پھیکی اور بے کیف محسوس نہیں ہوتی؟"

"شروع میں بہت کچھ ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ میں اس کے بغیر رہنے کا عادی ہو گیا۔ کوشش کرو تو تم بھی اسے چھوڑ سکتے ہو۔"

"مجھے غزالہ جیسی بیوی اور ویرا جیسی خوش اخلاق دوست ملی ہوئی ہوتی تو میں کب کا چھوڑ چکا ہوتا۔ اب مل رہی ہے تو کیوں چھوڑوں؟ اس لیے کہ سلمیٰ ہر وقت میرے کان کھاتی رہے؟"

اگر وہ سچ بول رہا تھا تو اس کا اصل مسئلہ اس کی بیوی تھی۔ شریکِ سفر اچھا نہ ہو تو زندگی اس سے زیادہ کٹھن ہو جاتی ہے۔ میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اس بار اس کی سوئی ویرا کی ذات پر اٹک کر رہ جائے گی۔

میری وہ خاموشی بے سود ثابت ہوئی تھی۔ جہانگیر کچھ دیر تک میرے جواب کا منتظر رہا پھر پوچھ بیٹھا "آج تم ویرا کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے؟ وہ ہوتی تو ماحول ہی بدل کر رہ جاتا ہے۔ وہ کم از کم میرا ساتھ تو دے رہی ہوتی۔"

"تم چاہو تو میں اسے مستقل طور پر تمہارے ساتھ رہنے کا مشورہ دے سکتا ہوں۔"

"ایک میان میں دو تلواریں رہ سکتی ہیں، سلمیٰ کے ساتھ کوئی اور عورت یہاں نہیں رہ سکتی۔ وہ گھر کے کام کاج

کے لیے کسی خوش شکل عورت کا وجود برداشت نہیں کرتی تو ویرا کو چین سے یہاں کب رہنے دے گی!" اس کی آواز میں حسرت امڈ آئی۔

"یہاں شی کے عروج کے دنوں میں جب وہ بلیک کوئن ہوا کرتی تھی تو اس کے نام سے سب کی جان نکلتی تھی۔" میں نے ماضی میں جھانکتے ہوئے کہا "سب کو یہ معلوم تھا کہ وہ کوئی لڑکی ہے لیکن اس کا سبک سراپا سر سے پیر تک چست سیاہ لباس میں پوشیدہ ہوا کرتا تھا۔ تم اس کے سامنے بولنا تک بھول جاتے تھے اور آج اس کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ کرنے پر قادر ہو۔"

"یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے اور وقت سدا ایکساں نہیں رہتا۔ اب تو وہ خود بھی بھول چکی ہوگی کہ ایک زمانے میں اس کا کیا دبدبہ ہوا کرتا تھا۔ آج وہ ایک عام سی لڑکی ہو کر رہ گئی ہے۔"

"اس تبدیلی کے باوجود اس کی انفرادیت برقرار ہے۔ کوئی اسے آسانی سے نظرانداز نہیں کر سکتا۔"

"کسی دن تمہارا گھر دیکھنا پڑے گا" جہانگیر نے معنی خیز لہجے میں کہا "جب ویرا سے ملنے کو دل چاہا' تھوڑی دیر کے لیے وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"فی الحال اس پروگرام پر عمل نہ کرنا۔ دو تین دن میں' میں شہر سے باہر چلا جاؤں گا۔ واپسی پر میں تمہیں فون کر کے بتادوں گا۔ اس کے بعد تم جب چاہو' اس سے ملنے کے لیے ہمارے گھر آسکو گے۔ میرے پیچھے وہ تمہیں نچا کر رکھ دے گی۔"

"ارے یار! ایسی نچانے والیاں بھی قسمت سے ملتی ہیں" وہ مسکرا کے بولا "تمہاری غیر حاضری میں وہ زیادہ آسانی سے بے تکلف ہوجائے گی۔ میں نے نوٹ کیا ہے کہ وہ تمہارا بہت زیادہ لحاظ کرتی ہے۔ تمہارے سامنے ایک خاص حد سے تجاوز نہیں کرتی۔ تم شادی شدہ آدمی ہو اور وہ بہتی گنگا ہے۔ مجھے اس میں ہاتھ دھونے سے کیوں روک رہے ہو؟"

"اگر میں شادی شدہ ہوں تو تم بھی کنوارے یا رنڈوے نہیں ہو" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "تمہاری بیوی زندہ ہے۔ میں تمہیں تمہاری بھلائی کے لیے مشورہ دے رہا تھا۔ اگر تم اس کے باوجود ویرا سے پینگیں بڑھانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ میرے چلے جانے کے بعد بھی وہ دونوں تم کو ہر وقت خوش آمدید کہیں گے۔ بس تم بعد میں مجھ سے کوئی شکوہ شکایت نہ کرنا۔"

"میں نے آج تک تم سے کوئی شکوہ نہیں کیا۔ ہمیشہ تمہارا ممنون رہا ہوں۔ یہ تو بتاؤ کہ گھر پر اس کے ساتھ کون رہے گا؟"

"غزالہ میرے ساتھ جائے گی۔ ویرا اور سلطان شاہ گھر پر رہیں گے۔ تم سلمیٰ سے لڑ جھگڑ کر دو چار راتیں وہاں بسر کرنا چاہو تب بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ تمہارے لیے میرا بیڈ روم کھول دیں گے۔"

وہ خوشی سے اچھل پڑا اور میرے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا "سلمیٰ سے لڑائی جھگڑے کا ذکر کر کے تم نے مجھے بالکل نئی راہ سجھائی ہے۔ میں نے اسے مشورہ سمجھ کر گرہ سے باندھ لیا ہے۔ دوست ہو تو بس تمہارے جیسا ہو ورنہ نہ ہو۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو" میں نے اس پر آنکھیں نکالیں "میں نے تمہیں کوئی مشورہ نہیں دیا۔ تمہارے اور سلمیٰ کے معمولات کا ذکر کیا ہے۔"

"دراصل ہوٹلوں میں رہنے سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ کئی بار اس سے کئی کئی دن بول چال بند رہی ہے مگر میں اس کے ساتھ اسی چھت کے نیچے رہنے پر مجبور تھا کیونکہ میرے ذہن میں گھر کا کوئی متبادل نہیں تھا۔ اب تمہارا گھر موجود ہے۔ میں ہر وقت وہاں جا سکتا ہوں۔ ویرا وہاں ہو یا نہ ہو' کم از کم سلمیٰ تو نہیں ہوگی۔ اسے بھی معلوم ہو جائے گا کہ شہر میں میرا کوئی اور ٹھکانا موجود ہے۔"

مجھے افسوس ہوا کہ میں نے اسے اپنے گھر پر رہنے کی دعوت کیوں دی؟ میں نے وہ بات صرف اور صرف ویرا کے حوالے سے کہی تھی۔ اس نے مفہوم ہی بدل ڈالا تھا۔ وہ کبھی کبھی ایسی ذہنی کج روی کا شکار ہوتا تھا کہ ہر بات کے منفی پہلو پر فوری چھلانگ لگا دیتا تھا۔

وہ جس انداز میں اپنا گلاس اور کوک کی بوتل لے کر آیا تھا' اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک تگڑے گلاس کو دھیرے دھیرے ختم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر دونوں عورتوں کے چلے جانے کے بعد اس کے پینے کی رفتار یکایک تیز ہوگئی تھی۔

اس نے کسی ندیدے کی طرح اپنا گلاس خالی کیا اور اٹھ کر اندر غائب ہوگیا۔ اس بار وہ گلاس میں صرف اسکاچ انڈیل کر لوٹ آیا۔ بوتل میں بچی ہوئی کوک ملا کر اس نے اپنا گلاس پورا کیا اور پھر آسودہ انداز میں میری طرف متوجہ ہوگیا "اب میں کھانے میں پوری طرح تمہارا ساتھ دے سکوں گا۔ پہلے گلاس کے بعد میری بھوک کبھی نہیں کھلتی۔"

"تم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اپنی بسیار نوشی کی

وجہ سے تم گوشہ نشین ہو کر رہ گئے ہو۔ شاید پورے شہر میں میرے سوا تمہارا کوئی ملاقاتی نہیں ہے۔ اپنے ساتھ تم نے سلمٰی کو بھی اس چار دیواری کا قیدی بنا دیا ہے۔"

"خدا کے لیے یہ بات اس کے سامنے نہ کہہ دینا" وہ بوکھلا کر بولا "وہ ہمیشہ یہی رونا روتی رہتی ہے۔ تمہاری زبان سے اپنے دل کی بات سنے گی تو میری زندگی اجیرن کر دے گی۔ تم خود بتاؤ کہ میں اسے کہاں اور کس سے ملوانے لے جاؤں۔ جس عمر میں پکی دوستیاں ہوتی ہیں، وہ ہم نے پوری دنیا سے کٹ کر ہیروئن بیچنے میں گزار دی۔ اب الگ تھلگ رہنے کی عادت اتنی پختہ ہو چکی ہے کہ کسی سے ملنے ملانے کو دل نہیں چاہتا۔"

"تم دکان پر جا کر وقت کا بڑا حصہ گزار لیتے ہو۔ ملازموں اور گاہکوں سے باتوں میں تمہارا وقت کٹ جاتا ہے۔ کبھی تم نے سوچا کہ سلمٰی پہاڑ جیسے دن کیسے کاٹتی ہوگی۔ ایسی ہی بہت سی باتوں نے اسے چڑچڑا اور بدمزاج بنا دیا ہے۔"

"اس کی حمایت نہ کرو" اس نے ہلکی سی ترنگ میں کہا "اس پر دنیا کی کوئی چیز اثر نہیں کرتی۔ وہ پیدائشی بدمزاج ہے۔ یہ بلڈنگ بہت بڑی ہے۔ وہ چاہے تو یہاں رہنے والوں سے میل جول بڑھا سکتی ہے مگر اس کی کسی سے نہیں بنتی۔ اس سے جس پڑوسی کے بارے میں ذکر کرتا ہوں، وہ اس کی دس خرابیاں گنوانے بیٹھ جاتی ہے۔ دوسروں کی عیب جوئی اس کے مزاج کا حصہ ہے۔"

اگر وہ سلمٰی کے بارے میں کوئی مبالغہ نہیں کر رہا تھا تو اس کی بات درست تھی۔ جہانگیر گوشہ نشین تھا تو سلمٰی پاس پڑوس سے تعلقات اچھے رکھ کر بہتر وقت گزار سکتی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ میرے سوا کسی سے بھی خوش اخلاقی سے ملنا نہیں جانتی تھی۔

جہانگیر کی ساری دنیا اس کی دکان اور گھر تک محدود تھی۔ اس سے جب بھی ملاقات ہوتی تھی، ہمارا بیشتر وقت اس کے ذاتی مسائل پر تبادلہ خیال کی نذر ہو جاتا تھا۔ اس دن بھی وہ مے نوشی کے دوران میں اسی گول دائرے میں چکراتا رہا۔

جب اس کا دوسرا گلاس بھی نصف رہ گیا تو میں سلمٰی کو آواز دیتا ہوا اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں صوفے پر ایک دوسرے سے جڑی بیٹھی تھیں۔ ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گفتگو کے دوران میں کوئی تلخ مرحلہ نہیں آیا تھا۔

"آج کچھ پیسوں کی ضرورت ہے" میں نے مسکرا کر سلمٰی سے کہا اور اس نے فوراً اپنی جگہ چھوڑ دی۔

وہ غزالہ کو اپنی خواب گاہ میں لیے بیٹھی تھی۔ اسے وہیں چھوڑ کر وہ میرے ساتھ جہانگیر کے کمرے کی طرف چل دی۔ جہاں میرے ڈالروں کا تھیلا محفوظ تھا۔

"تم نے بہت اچھا کیا کہ غزالہ کو ساتھ لے آئے لیکن کبھی کبھی اکیلے بھی آتے رہا کرو" دوسرے کمرے میں داخل ہوتے ہی سلمٰی نے میرے بدن سے لگ کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا "ہمیشہ وعدہ کرتے ہو لیکن فوراً اسے بھول جاتے ہو۔"

میں گھبرا کر اس سے الگ ہٹ گیا "آؤں گا... آؤں گا۔ اس وقت تو ذرا محتاط رہو۔ بہت ممکن ہے کہ جہانگیر ہی تیسرا گلاس بنانے کے لیے اس کمرے میں گھس آئے۔ دوسروں کی موجودگی میں تمہیں بہت محتاط رہنا چاہیے۔"

"تم مجھ سے یوں دور بھاگتے ہو کہ مجھے اپنے اوپر غصہ آنے لگتا ہے" اس نے جھلّا کر کہا اور تالا کھول کر الگ کھڑی ہو گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ رقم کا تھیلا سب سے نیچے والے خانے میں موجود تھا۔

حمایت

ایک امریکی رپورٹر ایک سروے کر رہا تھا۔ ایک صاحب کو روک کر اس نے پوچھا "مغرب کے نوجوان غیر شادی شدہ جوڑوں میں بغیر شادی کے رہنے کا جو رواج زور پکڑ چکا ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

وہ صاحب نہایت جذباتی انداز میں بولنے لگے "یہ بہت بے ہودہ رواج ہے۔ اسے ختم ہونا چاہیے۔ قانونی شادی، تہذیب، شائستگی اور شرافت کی بنیاد ہے۔ جب ایک گھر، ایک کنبے کی بنیاد رکھی جاتی ہے تبھی ملک اور قوم کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے۔ اگر شادی کرنے کا رواج اسی طرح کم ہوتا رہا تو معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔"

وہ خاموش ہوئے تو رپورٹر نے مرعوب لہجے میں پوچھا "کیا آپ باقاعدہ مقرر ہیں؟"

"نہیں... میں وکیل ہوں اور صرف طلاقوں کے کیس لیتا ہوں۔" ان صاحب نے جواب دیا۔

میں تھیلے کی طرف متوجہ ہوا تو سلمیٰ نے میرے شانے پر اتنی زور سے چٹکی لی کہ بے اختیار میری سسکی نکل گئی۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر مجھے قہربار نظروں سے گھورا اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے لوٹ گئی۔ چابیوں کا گچھا اس نے تالے میں ہی لگا چھوڑ دیا تھا۔

میں نے ڈالروں کی گڈیوں سے بھرے ہوئے تھیلے کا سرسری جائزہ لے کر سو ڈالر کی دو گڈیاں نکالیں اور تھیلے کا منہ باندھ کر اسے دوبارہ اسی خانے میں ڈال دیا۔ میں تالا بند کر کے کمرے سے باہر نکلا تو دونوں عورتیں باورچی خانے میں موجود تھیں۔ شاید جہانگیر نے کھانا لگانے کا فرمان جاری کردیا تھا۔ میں نے چابیوں کا گچھا سلمیٰ کو لوٹاتے ہوئے دیکھا کہ وہ ڈیپ فریزر سے کھانے کی کئی تھیلیاں نکال چکی تھی۔

میں انہیں دیکھ کر جہانگیر کے پاس لوٹ آیا۔ اس کی کوک کی بوتل خالی ہو چکی تھی' گلاس میں صرف ایک دو گھونٹ باقی رہ گئے تھے اور اس کا موڈ پوری طرح بحال ہو چکا تھا۔

"آج تم نے میرا ساتھ نہیں دیا لیکن تمہاری موجودگی میں پینے سے مزہ آگیا" یہ کہہ کر اس نے مجھے آنکھ ماری اور پھر نیچی آواز میں پوچھا "یہ بتاؤ کہ سلمیٰ کے ساتھ تمہارا حساب کتاب کیسا چل رہا ہے؟"

اس کے سوال پر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی مخمور نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ مجھے شبہ ہوا کہ اس نے سلمیٰ کو میرے ساتھ بے تکلف ہوتے دیکھ لیا تھا۔ میں نے تیزی سے پوچھا "کس حساب کتاب کی بات کررہے ہو؟"

"وہی جو ڈالروں کے سلسلے میں چل رہا ہے۔ سنا ہے ابھی بھی وہ بہت بڑی رقم ہے" اس کا جواب سن کر میری جان میں جان آئی۔

"رقم جوں کی توں پڑی رہتی ہے جو ضرورت ہوتی ہے' لے لیتا ہوں۔ باقی کی امانت دار سلمیٰ ہے۔ سب ٹھیک چل رہا ہے۔"

چند منٹ میں گھر کی فضا کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہکنے لگی۔ جہانگیر نے اپنی جگہ چھوڑ دی "اب بھوک پوری طرح چمک اٹھی ہے۔ آؤ' میز پر ہی چلتے ہیں۔ فضا میں خوشبوئیں چکرانے لگیں تو میز لگنے میں دیر نہیں لگتی۔"

اور میز واقعی تیار ہونے والی تھی۔ تین اقسام کے سالن اور گرما گرم بریانی دیکھ کر میں حیرت زدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا "تم کمال کی عورت ہو۔ اتنی تیزی کے ساتھ اتنی چیزیں بنا ڈالیں۔ یہ تو اچھی خاصی ضیافت معلوم ہو رہی ہے۔"

"یہ سب چیزیں بنی بنائی رکھی تھیں" سلمیٰ نے اپنی تعریف پر خوش ہو کر کہا "ہم دو آدمیوں کا کھانا ہی کیا ہوتا ہے۔ ہفتے میں دو دن پکاتی ہوں اور تھیلیوں میں جما کر رکھ دیتی ہوں۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے' اسے مائیکرو ویو اوون میں گرم کرکے پھر تازہ کرلیتی ہوں۔"

"ان سہولتوں نے عورتوں کے لیے بہت آسانیاں پیدا کردی ہیں" میں نے بریانی کی ایک کھولتی ہوئی بوٹی منہ میں ڈال کر کہا۔

"سلمیٰ میں کتنی بھی برائیاں ہوں' ایک اچھائی ضرور ہے" جہانگیر نے اپنی پلیٹ بھرتے ہوئے کہا "یہ کھانے بہت لذیذ بناتی ہے۔"

"کیا خرابیاں ہیں مجھ میں؟" سلمیٰ نے مصنوعی غصے کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

اس وقت انہیں بھول جاؤ" جہانگیر نے کسی کا انتظار کیے بغیر کھانے کا آغاز کردیا۔ لقمہ چباتے ہوئے اس نے اپنی بات جاری رکھی "یہ دیکھو کہ میں دل کھول کر تمہارے کھانے پکانے کے ہنر کی تعریف کررہا ہوں۔"

کھانے کی باقاعدہ ابتدا ہوئے چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ میری جیب میں رکھے ہوئے موبائل فون کی گھنٹی آسیبی انداز میں چیخنے لگی۔

میں نے کھانا ادھورا چھوڑ کر اپنی جیب سے فون نکالا۔ ان دنوں موبائل فون پر سی ایل آئی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ میں نے لائن آن کی تو دوسری طرف سے سلطان شاہ بول رہا تھا "ابھی ابھی روی کا فون آیا تھا۔ وہ بہت بوکھلایا ہوا بلکہ دہشت زدہ تھا اور صرف تم سے بات کرنے پر مصر تھا۔ یہ کوئی اہم معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ ذرا دیکھ لو کہ وہ کس مصیبت میں ہے" سلطان شاہ نے ایک ہی سانس میں اپنی بات پوری کر ڈالی۔

"ٹھیک ہے' میں دیکھتا ہوں" مختصر سا جواب دے کر میں نے لائن منقطع کردی۔ سلطان شاہ کے پیغام نے مجھے فکرمند کردیا تھا۔

میں کرسی چھوڑ کر میز سے دور گیا اور موبائل فون پر روی کے گھر کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اشارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیٹورل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیلی کو تلاش کر کے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کر لیے۔ اس کی بڑھتی ادئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کر دیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرا دیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہو گیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیلی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکریٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کر لی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرا لیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل کے پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبہے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نیما نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رانیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رانیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رانیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رانیل نے اپنی گلوخلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہو چکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارتی علاقے موناباؤ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی بی کے جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ اس دوران میں کرشن کمار کے آدمیوں نے حیدر آباد میں موجود ہماری کار کا تعاقب کیا اور ہمارے گھر تک رسائی حاصل کرلی۔ ایک رات انہوں نے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیا مگر اپنی بدقسمتی سے حیدر آباد کے رجسٹریشن والی کار سمیت ایک مردہ اور دو زندہ شکاروں کی صورت میں ہمارے ہاتھ آگئے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کرشن کمار انڈیا نہیں گیا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ دیکھ چکا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کر دیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے ٹھکانے سے واقف ہونے کے بعد ہم سے ضرور ٹکرائے گا۔ اسی امید کے تحت میں اور سلطان شاہ گھر سے باہر سڑکوں پر گشت کر رہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور ویرا کو یرغمال بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ اسے اغوا کر کے بیس لاکھ ڈالر انعام حاصل کرنے کا خواہش مند تھا مگر ویرا کی حاضر دماغی کے باعث اسے اپنی کوشش میں ناکامی ہوئی اور اسے راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ ہمارے گھر پر شب خون کی کارروائی کے دوران میں استعمال ہونے والی کار کا رجسٹریشن شراب فروخت کرنے والی ایک کمپنی موہن اینڈ موہن کے نام پر تھا۔ کمپنی کا مالک جگدیش کراچی میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے اس کے گھر پر اس سے ملاقات کی۔ اس نے بتایا کہ حیدر آباد سے متعلق کاروباری معاملات اس کا بھائی روی دیکھتا ہے۔ ہم روی سے ملنا چاہتے تھے مگر وہ ہمیں جل دے کر وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ تاہم ہمارے تیور دیکھ کر روی کی خوب صورت بیوی ماروتی نے مجھے روی کی سلامتی اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے عوض کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار کراچی کے مضافاتی علاقے میمن گوٹھ میں مقیم تھا۔ اس کی تصدیق آئی بی نے بھی کی۔ وہاں کامیاب آپریشن کیا گیا اور کرشن کمار ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ اس کے ساتھ دو امریکی سفارت کار بھی تھے جنہیں موقع پر ہی جہنم واصل کر دیا گیا۔ کرشن کمار ہمارے لیے بے کار ثابت ہوا اور ہمیں کوئی نئی بات معلوم نہ ہو سکی۔ اسے ویرا نے دردناک موت کے گھاٹ اتار دیا۔ امریکی اپنے دو سفارت کاروں کی پراسرار ہلاکت پر بہت بلبلائے مگر کچھ ثابت نہ کر سکے' تاہم اس کے بدلے میں انہوں نے پہلے مائیکرو سینٹر کو تباہ کیا اور پھر اسلام آباد میں بم کا دھماکا کرایا۔ اب ہری چند کا شکار باقی تھا۔ وہ بھی کرشن کمار کے لیے کام انجام دیتا رہا تھا۔ ماروتی کے مطابق وہ بھٹ شاہ کے علاقے میں تھا۔ اول خان اور میں' روی کی ہمراہی میں بھٹ شاہ کے لیے روانہ ہوئے مگر وہ ہمیں حیدر آباد میں ٹکرا گیا۔ اسے اپنی موت سامنے نظر آرہی تھی لہٰذا ہم سے بچ نکلنے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں بری طرح زخمی ہوا۔ ہم اسے اسٹیشن فور لے آئے۔ اس نے بتایا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود کسی انل بسواس نامی افسر سے ہدایات وصول کرتا تھا۔ جلال نے بتایا کہ انل بسواس انڈین سیکرٹ ایجنسی ریسرچ اینڈ اینالسز ونگ "را" کے پاکستانی ونگ کا سربراہ ہے۔ اس کی سرکوبی کے لیے بھارت جانا ضروری ہو گیا تھا۔ میں اسی سفر کی تیاریوں کے سلسلے میں رقم لینے جہانگیر کے گھر پر تھا جب سلطان شاہ نے مجھے فون پر بتایا کہ روی مجھ سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی بے چینی مجھے الجھن میں ڈال رہی تھی۔ میں نے روی کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

روی موہن یار باش اور رنگین مزاج آدمی تھا جس کی بیشتر شامیں محفل آرائیوں میں گزرتی تھیں لیکن جب سے ہم کرشن کمار کی تلاش کے سلسلے میں اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے' اس کے سارے معمولات درہم برہم ہو کر رہ گئے تھے۔ گھر سے فرار اور ہم لوگوں کے خوف سے روپوشی کے دوران میں وہ بالکل اکیلا ہو کر رہ گیا تھا۔

ان واقعات کی دھند صاف ہوئی اور ہماری طرف سے اشارہ ملنے کے بعد وہ گھر آیا تو کرشن کمار کا قصہ پاک ہوچکا تھا لیکن اول خان کے سر پر ہری چند کی تلاش کا بھوت سوار ہوگیا تھا۔ اس کی نشان دہی روی اور ماروتی ہی کرسکتے تھے۔ یوں روی کو فرصت کی چند گھڑیاں ملنے سے پہلے ہی ایک نیا چکر شروع ہوگیا اور اسے ہمارے ساتھ ایک سفر پر روانہ ہونا پڑا۔

ہری چند کی زندگی کی ڈور ہمارے ہی ہاتھوں منقطع ہوئی مگر وہ اس سے پہلے مکافاتِ عمل کا شکار ہوکر ایک خوف ناک حادثے سے دوچار ہوگیا۔ وہ ماروتی کا اکلوتا ماموں زاد بھائی تھا اور اسے بہت عزیز تھا۔ روی اپنی حسین اور چہیتی بیوی کی نظروں میں برا نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس نے حیدر آباد کے مضافات سے واپسی پر ماروتی کو ایک الگ ہی کہانی سنائی اور اسے بتایا کہ ہری چند ایک ٹریفک حادثے میں اس بری طرح مجروح ہوا تھا کہ حیدر آباد میں کسی قسم کی طبّی امداد ملنے سے پہلے چل بسا۔

اس نے اپنے گھر سے فون کرکے مجھے اپنے اس جھوٹ سے آگاہ کیا۔ وہ ماروتی کے سامنے اپنی سرخ روئی کے لیے مجھ سے صرف اتنے تعاون کا طلب گار تھا کہ میں ماروتی سے اگلی ملاقات میں روی کے جھوٹ کی تائید کروں۔ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست تھی کہ ہری چند ایک حادثے میں بری طرح زخمی ہوا اور پھر جہنم واصل ہوگیا۔ اس درمیان میں اس کے ساتھ کیا کچھ ہوا، مجھے اس کے بارے میں اپنی زبان بند رکھنی تھی۔ میں نے روی کی کہانی کی تصدیق کرنے کا وعدہ کرلیا۔

وہ روی کے ذہن پر آخری بوجھ تھا۔ اس سے نجات ملتے ہی اسے یک بہ یک احساس ہوا کہ اس کی گزشتہ شامیں روکھی پھیکی اور بے جان گزر رہی تھیں۔ اس نے چند دوستوں کو فون کیے اور آزردہ خاطر ماروتی کو اپنے مرے ہوئے ماموں زاد بھائی کا سوگ منانے کے لیے گھر میں چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا۔ وہ جلد از جلد اور ہر قیمت پر اپنے بے فکرے دوستوں کے ساتھ مل بیٹھنے کے لیے بے چین تھا۔

روی اور اس کے سارے دوست بے راہ روی میں مبتلا تھے۔ ان کی محفلوں میں شراب کے دور چلتے تھے، شہر کی دل ربا اور بدنام لڑکیاں ان محفلوں کے مخمور شرکا کو اپنے نازو انداز سے مسحور کرکے ان کی جیبیں خالی کراتی تھیں۔ شہر کے بگڑے ہوئے رئیس زادے نہ صرف ان پر پیسا لٹاتے تھے بلکہ جوئے میں بھی دل کھول کر حصہ لیتے تھے۔

روی نے اس شام دل کھول کر اپنی چند روز کی محرومیوں کا حساب چکایا اور رات کا اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے وہ اس شام کی ساری رنگینیاں اپنے دامن میں سمیٹ کر آسودہ ہوچکا تھا۔

اس کے معدے میں الکحل کی خاصی مقدار پہنچ چکی تھی مگر وہ بلانوش تھا۔ چڑھتے ہوئے خون کی گرمی، شراب کے تیز نشے کو اس کے حواس پر اثر انداز نہیں ہونے دیتی تھی۔ اپنی تشنہ آرزوؤں کی تکمیل کے بعد اسے دھیان آیا کہ اس شام اس کی بیوی اپنے ماموں زاد کی موت پر سوگوار بیٹھی تھی اور اسے اس کی دل جوئی کے لیے جلد ہی گھر کا رخ کرنا چاہیے تھا۔

وہ اپنے معمول کے برعکس، اس محفل سے جلد ہی اٹھ گیا۔

روی اس شام کی حسین یادوں کے بارے میں سوچتا ہوا، اولڈ کلفٹن کے رہائشی علاقے میں واقع اپنے گھر پہنچا تو پھاٹک سے گاڑی اندر لے جاتے ہوئے ہی اسے اندازہ ہوگیا کہ گھر کا ماحول سازگار نہیں تھا۔

روشن برآمدے میں اس کا بڑا بھائی خراب تیوروں کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔ وہ شاید روی کی گاڑی کا ہارن سن کر برآمدے میں آیا تھا اور دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھے، اس کا منتظر تھا۔ اس کی تیزی سے پھولتی اور پچکتی ہوئی توند سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ غصے کی شدت سے ہانپ رہا تھا۔ روی کا ماتھا ٹھنک گیا۔ اس نے جگدیش کو اتنے بگڑے ہوئے موڈ میں کم ہی دیکھا تھا۔

وہ سعادت مندانہ انداز میں سر جھکا کر اپنی گاڑی سے اترا اور ڈرائنگ روم کے سامنے، برآمدے میں کھڑے ہوئے جگدیش کو نظر انداز کرکے بغلی راستے کی طرف بڑھا لیکن جگدیش کی قہربار آواز نے اسے اپنا رخ بدلنے پر مجبور کردیا۔

''جی، بھایا جی!'' اس نے پلٹ کر ادب اور خلوص سے کہا اور اپنے بڑے بھائی کی طرف ہولیا۔

جگدیش نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کے قریب پہنچنے کا انتظار کیے بغیر مڑ کر ڈرائنگ روم کے کھلے ہوئے دروازے کی طرف چل دیا۔ اس وقت اس کی چال ڈھال تک سے برہمی کا اظہار ہو رہا تھا۔

روی موہن اپنے بڑے بھائی کے رویّے سے ڈرا سہما، اس کے پیچھے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کی موٹی اور بدشکل بھاوج پہلے سے ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔

روی نے وہ منظر دیکھا تو اس کا سارا نشہ ہرن ہوگیا۔ دوستوں کے ساتھ گزارے ہوئے پرتعیش وقت کا احساس ذہن کے کسی بعید ترین گوشے میں تہ نشین ہوگیا۔ اس کے دماغ پر صرف بھایا جی اور اس کی بیوی کا تسلط باقی رہ گیا۔

"بھا... بھایا جی! کیا ہو گیا؟ خیریت تو ہے؟" روی نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔

جگدیش بڑھتے بڑھتے' اچانک رک کر روی کی طرف پلٹ پڑا۔ روی رکتے رکتے بھی اپنے بڑے بھائی کے روبہ رو جا پہنچا۔

"پوچھتا ہے کیا ہوا؟" جگدیش آنکھیں نکال کر دبی دبی آواز میں غرایا "یہ پوچھ کہ آج کیا نہیں ہوا۔"

روی کچھ نہ سمجھ سکا۔ اس کی استفسار طلب نگاہیں اپنی بے ڈول بھاوج کے ہراساں چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں خوف' تشویش اور بے یقینی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ روی کے وجود میں اترتی ہوئی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں وہ بے بسی سے نفی میں اپنا سر ہلا کر رہ گئی۔ روی کو یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دشواری پیش نہ آئی کہ وہ بے چاری اپنے شوہر کی برہمی پر خود پریشان تھی۔ گھر میں پائی جانے والی کشیدگی کا جو بھی سبب تھا' وہ صرف اور صرف بھایا جی کے علم میں تھا۔ وہ روی کے ساتھ جس انداز میں پیش آیا تھا' اس سے یہ ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ اس گڑبڑ میں کہیں نہ کہیں اور کچھ نہ کچھ ماروتی کا بھی حصہ تھا۔ وہ بھایا جی کی کھوپڑی میں بھرے ہوئے بھس میں چنگاری ڈال کر خود کہیں غائب تھی۔

"بھایا جی! میں ابھی ابھی' تمہارے سامنے باہر سے آیا ہوں۔" روی نے لجاجت بھری آواز میں کہا "مجھے کیسے علم ہو سکتا ہے کہ یہاں کیا ہوا ہے... تم بتاؤ گے تو معلوم ہوگا کہ یہاں کیا ہوا ہے۔"

بھایا جی نے غصے میں اس کے سینے پر دو ہتڑ مار کر اسے پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کر دیا اور دبی دبی' غراتی ہوئی آواز میں بولا "مجھ سے دور رہ کر بات کر۔ تیرے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہے۔ ہر وقت نشے میں دھت رہتا ہے۔ تو جانتا ہے کہ تیری بیوی کے کیا کرتوت ہیں؟"

روی کو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کا اندیشہ درست ثابت ہو رہا تھا۔ بھایا جی کی زبان پر آخر کار ماروتی کا نام آ ہی گیا۔ اس نے نیم مردہ آواز میں پوچھا "کیا آج پھر ماروتی نے کسی کے ساتھ بدتمیزی کی ہے؟"

"بدتمیزی!" جگدیش کی آواز غصیلی اور تحقیر آمیز مگر نیچی تھی "تیری جورو نے ہم سب کے منہ کالے کر دیے۔ ہمارے پرکھوں کی ہڈیوں پر پیشاب کر دیا اور تو اس کی بدتمیزی کے بارے میں پوچھ رہا ہے..."

اس بار بھایا جی کے عائد کیے ہوئے الزامات سنگین تھے' اس کے الفاظ ہتک آمیز تھے۔ روی سے نہ رہا گیا۔ اس نے اپنے بڑے بھائی کی بات کاٹ کر درمیان میں پوچھا "کچھ بتاؤ گے یا یوں ہی پہیلیاں بجھواتے رہو گے۔"

"ہماری عزت خاک میں مل گئی' ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔" فرط جذبات سے بھایا جی کی آواز رندھنے لگی "میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے' میں انگاروں پر لوٹ رہا ہوں۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ میں اپنی ذلت اور رسوائی کی کہانی خود دہرا سکوں.... لے پڑھ لے۔ اس میں جو کچھ لکھا ہے' جا کر ماروتی سے پوچھ کہ اس میں کوئی بات جھوٹ تو نہیں ہے... اس نے یہ باتیں خود مجھے بتائی ہیں۔ وہ تجھ سے بھی انکار نہیں کرے گی۔ اگر تو موہن رام کا نطفہ ہے' تجھے اپنے بڑوں کی عزت کا ذرا سا بھی پاس ہے تو جا اور جا کر اس گشتی کو گولی مار دے۔"

وہ اندر سے واقعی کھول رہا تھا۔ بولتے ہوئے اس کے دہانے کے گوشے پر ہلکا سا کف آ گیا۔ اس نے اپنی جیب سے تہ کیا ہوا ایک کاغذ نکال کر' ایک جھٹکے سے روی کی طرف بڑھا دیا۔

جگدیش کی باتیں مبہم تھیں لیکن ان میں پوشیدہ مفہوم بہت واضح تھا۔ روی نے اپنے بڑے بھائی کے ہاتھ سے تہ کیا ہوا کاغذ لیا تو خود اپنے ہاتھوں کی لرزش پر قابو نہ رکھ سکا۔

اس کاغذ پر جگدیش کی شکستہ تحریر میں ماروتی کے انتقام کی ہوش ربا کہانی نقش تھی۔ اس نے اپنے جیٹھ کی بدزبانی کا عملی انتقام تو اسی وقت لے لیا تھا جب اس نے کرشن کمار کی نشان دہی کے بدلے میں مجھے ایک ہوٹل کے خلوت میں خود سے ملنے پر مجبور کر دیا تھا مگر اس کا وہ انتقام ادھورا تھا۔ جگدیش کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا تھا کہ حسین و جمیل ماروتی' رات کے اندھیرے میں اپنے گھر سے فرار ہو کر کہاں گئی تھی اور کس کو اپنی دریا دلی سے فیض یاب کرنے کے بعد واپس لوٹی تھی۔

اس نے روی کے گھر سے چلے جانے کے بعد انٹرکام پر جگدیش کو وہ سب سنا کر اپنا انتقام مکمل کر لیا تھا۔ جگدیش واقعی انگاروں پر لوٹ رہا تھا اور ماروتی شاید بے فکری سے اوپر والی منزل پر آرام کر رہی تھی۔

جگدیش کی تحریر میں سب کچھ وہی تھا جو ماروتی کے طے کیے ہوئے منصوبے کے تحت رونما ہوا تھا۔ بس اس میں کسی کا نام نہیں تھا۔ ماروتی نے اپنے بھایا جی سے صرف ایک مسلمان کا ذکر کیا تھا۔

روی کو وہ سب پڑھتے ہوئے' اپنی نگاہوں کے سامنے گھٹتے بڑھتے ہوئے دائرے چکراتے ہوئے نظر آنے لگے۔ اسے یقین نہیں تھا کہ جگدیش نے ماروتی کی سنائی ہوئی کہانی قلم بند کی تھی۔ ماروتی اتنی بگڑی ہوئی نہیں تھی' وہ ایسی ہو ہی نہیں سکتی تھی!

روی نے تحریر پڑھنے کے بعد کاغذ کو پرزوں میں تبدیل

کرنا شروع کردیا۔ اس کی بھاوج نے مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔
اس وقت تک بھایا جی کی بیوی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس کے شوہر کے اشتعال کا کیا سبب ہے۔ جگدیش نے جن تعارفی کلمات کے ساتھ 'اپنا لکھا ہوا پرچہ روی کو دیا تھا ان کی بنا پر اس کے دل میں تجسس پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ وہ ایک عورت تھی اور یہ جاننا چاہتی تھی کہ اس کے شوہر نے ماروتی کے بارے میں کیا کچھ لکھا تھا۔
"روی... روی!" وہ فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے بولی "یہ کیا کررہے ہو... کاغذ مت پھاڑو!"
"بھابی! یہ کاغذ نہیں 'گندی گالی ہے جو بھایا جی نے ماروتی کو دی ہے۔" روی کی آواز میں یک لخت تلخی عود کر آئی۔ شاید اس لیے کہ اس بار وہ اپنے آمر بھائی سے نہیں بلکہ اس کی بیوی سے مخاطب تھا۔
"گندی گالی!" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ لہجے میں تجسس بڑھ گیا۔
"یہ گالی نہیں، سچ اور صرف سچ ہے۔" جگدیش نے درشت مگر دھیمی آواز میں کہا "میری بات کا یقین نہ ہو تو اوپر جا اور اپنی چہیتی سے پوچھ۔ اس بے غیرت نے مزے لے لے کر ساری باتیں مجھے بتائی ہیں۔"
روی نے اپنے پھاڑے ہوئے کاغذ کے پرزے قالین یا فرش پر بکھیرنے کے بجائے اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے جواب دیا "میں جب تک ماروتی سے بات نہ کرلوں، میں کسی بات پر یقین نہیں کرسکتا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایک گھر اور ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہوئے ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کیسی کیسی کدورتیں پروان چڑھ رہی ہیں۔"
وہ تینوں آپس میں الجھ رہے تھے۔ الزام تراشیاں کررہے تھے اور بحث کررہے تھے مگر ان کی آوازیں دھیمی تھیں۔ تینوں کو احساس تھا کہ معاملہ ان کے گھرانے کی عزت کا تھا۔ بات نکل کر ملازموں کے کانوں میں پڑجاتی تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے..... قابل نہ رہتے۔
"روی! تو دو ٹکے کی عورت کے لیے میرے منہ آرہا ہے ...." جگدیش کا وہ فقرہ ادھورا رہ گیا۔
روی نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی "وہ دو ٹکے کی عورت نہیں، میری بیوی ہے 'بھایا جی!"
"میرے منہ نہ لگ۔" جگدیش اپنی مٹھیاں بھینچ کر اور دانت پیس کر نیچی مگر تیز آواز میں بولا "جا کر اس سے پوچھ لے کہ میں نے کتنا جھوٹ لکھا ہے۔ پندرہ منٹ میں تو نے اسے گولی نہ ماری تو پھر وہ ہوگا جو تیرے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔"
"میں بلاوجہ اس کا خون اپنے سر نہیں لوں گا۔" روی کا لہجہ فیصلہ کن ہوگیا "اول تو یہ سب جھوٹ ہے۔ اگر یہ سچ ہے تب بھی ہری چند کی طرح ماروتی کا انجام اس کا پیچھا کرے گا۔ میں نے پچھلے دن بہت خوف اور دہشت میں گزارے ہیں۔ مجھے آزادی کی زندگی کی قدروقیمت کا صحیح اندازہ ہوچکا ہے۔ میں جذبات کے ریلے میں آکر کوئی غلطی نہیں کروں گا۔"
"مجھے بھی تو کچھ بتاؤ کہ اس چڑیل نے کیا کیا ہے۔"
جگدیش کی بیوی نے قریب آکر اپنے شوہر کا بازو جھنجوڑتے ہوئے فریاد کی "میں اپنے ہاتھ سے اس کی ناک چوٹی کاٹ لوں گی۔"
"الگ ہٹ!" جگدیش نے حقارت سے اپنی بیوی کو جھڑک کر دور دھکیل دیا "ماروتی کی باتوں نے عورت ذات پر سے میرا اعتبار تہس نہس کرکے رکھ دیا ہے۔ تو کہیں کی چوہدرانی نہیں ہے...."
"بھایا جی!" روی نے زندگی میں پہلی بار اپنے بھائی کو کڑی نظروں سے گھورا اور خوف ناک لہجے میں کہا "تم نے میرے کلیجے پر ہاتھ ڈالا ہے۔ آج اس گھر میں کچھ نہ کچھ ہوکر رہے گا۔"
"مجھے دھمکانے کی ضرورت نہیں۔" جگدیش نے اس پر آنکھیں نکالیں "میں تیری طرح بزدل نہیں ہوں۔ گھڑی دیکھ لے 'اگر پندرہ منٹ میں اوپر سے گولی چلنے کی آواز نہ آئی تو تو زندگی بھر سر پکڑ کر روئے گا۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔"
روی نے خوں خوار نظروں سے بھایا جی کی طرف دیکھا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔
وہ اوپر پہنچا تو ماروتی حریری لباس پہنے، مسہری پر دراز تھی۔ اس کے غمگین چہرے اور قدرے متورم آنکھوں پر نگاہ پڑتے ہی روی کے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ اپنے اکلوتے ماموں زاد بھائی کی ناگہانی موت کے صدمے سے نڈھال تھی اور بھایا جی اس پر الزام تراشی کررہے تھے۔
وہ جو کچھ سوچتا ہوا اوپر گیا تھا' وہ سب اس کے ذہن سے نکل گیا۔
ماروتی کوئی اناڑی لڑکی نہیں' ایک جہاں دیدہ عورت تھی۔ روی کی بدحواسی اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی اور وہ پھرتی سے اٹھ کر بیٹھ گئی "کیا بات ہے روی؟ تم کچھ الجھے الجھے اور پریشان نظر آرہے ہو۔"
"کک.... کچھ نہیں.... دراصل بھایا جی کے دماغ پر کچھ سنک سوار ہے۔" ماروتی کی معصومانہ ہمدردی نے روی کو اندر سے بالکل پگھلا کر رکھ دیا۔ اس بوکھلاہٹ میں اسے بھایا جی کے رقعے میں لکھا ہوا بس ایک فقرہ ہی یاد رہ سکا اور اس

نے سنبھل کر ماروتی سے پوچھا "بھایا جی سے مسلمانوں کی چار شادیوں کے بارے میں تمہاری کیا بات ہوئی تھی؟"

ماروتی کے ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ تیر گئی۔ مجھے پوری بات یاد نہیں۔ شاید بھایا جی نے کچھ پوچھا تھا۔ میں نے کہہ دیا کہ مسلمان چار عورتوں کو خوش رکھ سکتے ہیں اس لیے چار شادیاں کرتے ہیں۔ دنیا کے بہتیرے مرد تو ایک ہی بیوی کا بوجھ ڈھو ڈھو کر گدھے کی طرح ہانپنے لگتے ہیں۔ کیا انہیں میری یہ بات بری لگ گئی؟ میں نے انہیں تو کچھ نہیں کہا تھا۔"

روی اس کے ساتھ ہی مسہری پر بیٹھ گیا اور ناصحانہ لہجے میں بولا "تمہیں معلوم ہے کہ بھایا جی تم سے جلتے ہیں.... اپنے اوپر بڑا پن سوار کرکے وہ کچھ جھکی بھی ہو گئے ہیں۔ ان سے ذرا سوچ سمجھ کر بات کیا کرو۔ نہ جانے انہیں کب کیا بات بری لگ جائے۔"

"آئندہ میں اور زیادہ احتیاط کروں گی۔" ماروتی نے پیار سے اپنی بانہیں روی کے گلے میں ڈال دیں۔

وہ نچلی منزل پر اپنے بھائی کے سامنے تھا تو اسے وہاں نفرت اور حقارت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ماروتی کے پاس اس کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ اس کے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ بھایا جی کے الزامات کے بارے میں ماروتی پر کوئی جرح کرکے اس کے تازہ زخم پر نمک پاشی کرے۔ وہ اپنے بڑے بھائی کی فطرت سے واقف تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ بک جھک کر خود ٹھنڈا پڑ جائے گا۔

جگدیش کے جارحانہ تیوروں نے روی کے پیٹ میں پڑی ہوئی شراب کے اثرات کو وقتی طور پر معطل کر دیا تھا۔ ماروتی کے پیار نے اسے تحریک دی اور روی نے بھایا جی کو بھول جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

روی کو ذرا بھی احساس نہیں ہوا کہ اس شام بھایا جی کی انا صرف مجروح نہیں ہوئی تھی، لہولہان ہو کر رہ گئی تھی۔ خاندانی عزت، شرف اور وقار پر اس کا گھمنڈ ٹوٹ گیا تھا۔ ماروتی اس کی لگائی ہوئی ہر چوٹ کو سنار کی چوٹ سمجھ کر ایک مدت سے سہہ رہی تھی۔ موقع ملتے ہی اس نے بھایا جی پر لوہار والی ایک زبردست ضرب لگائی تھی جس نے اسے اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

وقت بہت دھیمے اور غیر محسوس انداز میں سرکتا رہا۔ روی اپنی ماروتی کے ساتھ ہنستا کھیلتا رہا پھر اچانک زیریں منزل سے گولی چلنے کا ہولناک دھماکا سنائی دیا۔ اسی کے ساتھ ایک کربناک چیخ گونجی۔

وہ اس گھر کے لیے عجیب رات تھی۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ روی کی نظریں بے اختیار دیوار گیر گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ اسے یاد آیا کہ وہ ٹھیک پندرہ منٹ پہلے اوپر آیا تھا۔

اس کے ذہن میں آندھی کا سا ایک بگولا اٹھا، پیٹ میں اینٹھن ہونے لگی۔ اس کی نگاہوں میں بھایا جی کا مشتعل چہرہ مجسم ہونے لگا۔ وہ ماروتی کو چھوڑ کر اندھا دھند زینوں کی طرف بھاگا۔

نیچے سے اس کی بھاوج کے بین کی کریہہ آوازوں نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ وہ کئی کئی زینے پھلانگتا ہوا، بدحواسی کے عالم میں نیچے پہنچا تو بھایا جی کی لاش قالین پر چت پڑی ہوئی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں پستول تھا۔ اس نے اپنی کنپٹی میں گولی مار کر خودکشی کر لی تھی۔

جگدیش کی بیوی جنون کے عالم میں کبھی اپنے آپ کو اور کبھی اپنے شوہر کے بدن کو نوچ رہی تھی اور سینہ پیٹ پیٹ کر روتی اور چیختی جا رہی تھی۔ وہ دل کھول کر روی اور ماروتی کو کوس رہی تھی۔

وہ اوپر گیا تو وہ موٹی اور بھدی عورت بھایا جی کی بیوی تھی۔ پندرہ منٹ بعد نیچے آیا تو وہ بیوہ ہو چکی تھی۔ روی نے اسے نظرانداز کرکے اپنے بھائی کی نبض ٹٹولی، دل کی دھڑکن دیکھی اور مایوس ہو کر اٹھ گیا۔

بھایا جی کی آخری چیخ ایسی بھیانک اور دل دوز تھی کہ گھر میں موجود ہر فرد وہاں پہنچ چکا تھا۔ ان ہی کے درمیان ماروتی بھی تھی جو اپنے چہرے سے سب سے زیادہ سوگوار اور غمگین نظر آ رہی تھی۔ اس نے اپنے باریک لباس پر ایک بڑی سی چادر اوڑھ لی تھی۔

روی کے نزدیک اس بے چاری کا غم دہرا تھا۔ پچھلی رات وہ اپنے ماموں زاد بھائی کی موت کا صدمہ جھیل چکی تھی اور دن پورا ہونے سے پہلے اس کا جیٹھ اپنی زندگی کا خاتمہ کر چکا تھا۔ ایک دن میں اپنے دو پیاروں سے محرومی کسی کے لیے بھی جاں گسل ہو سکتی تھی۔

گھر میں گولی چلی تھی اور بھایا جی نے واضح طور پر خودکشی کی تھی۔ روی کی نظروں میں پولیس والوں کی وردیاں اور ہتھکڑیاں گھومنے لگیں۔ اسے خوف تھا کہ واقعے کی تفتیش کے لیے پولیس موہن ہاؤس پہنچے گی تو وہ ضرور کسی نئی مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا۔

فرار کا نتیجہ وہ پچھلے چند دنوں میں بھگت چکا تھا۔ پناہ کے لیے اس کے پاس ہمارے سوا کوئی راہ نہیں تھی۔ وہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر بہت تیزی سے اوپر گیا اور پھر اس نے ہمارے گھر کا نمبر ملایا۔

وہ اظہر یا مظہر سے بات کرنے کا خواہاں تھا مگر وہاں صرف سلطان شاہ تھا۔ اس نے سلطان شاہ کو کچھ بتانے سے

صاف انکار کردیا۔ سلطان شاہ کی طرف سے پیغام ملنے کے بعد میں نے اس سے رابطہ کیا تو وہ پھٹ پڑا اور رکے بغیر بہت کچھ بتاتا چلا گیا۔ جو رہ گیا تھا، وہ میں نے موہن ہاؤس پہنچنے کے بعد اس کی زبان سے سن لیا۔ وہ مجھ سے لان پر باتیں کرتا رہا۔ اول خان پہنچا تو وہ ہم دونوں کو اپنے ساتھ اوپر والی منزل پر لے گیا۔

روی اس وقت بھی مصر تھا کہ اس کے بھائی کی الزام تراشی کے بارے میں ماروتی سے کوئی بات نہ کی جائے۔

"مظہر جی! تم خود گواہ ہو کہ اس روز ماروتی میری معافی کے بارے میں تم سے ملنے اور باتیں طے کرنے کے لیے ہوٹل گئی تھی۔" روی بہت جذباتی انداز میں مجھ سے کہہ رہا تھا "بھایا جی کو سر پیر کا کچھ علم نہیں تھا۔ بس انہوں نے ماروتی پر الزام لگا دیا۔"

"تم بتا رہے ہو کہ بھایا جی نے لکھا تھا کہ وہ باتیں ماروتی نے خود اسے انٹرکام پر بتائی تھیں۔" اول خان نے کمزور لہجے میں نشان دہی کی۔ میری فون کال کے نتیجے میں وہ پولیس کی آمد سے پہلے موہن ہاؤس پہنچ چکا تھا۔ میں نے روی کے گھر سے ذرا دور اتر کر غزالہ کو گاڑی سمیت گھر کی طرف روانہ کر دیا کیونکہ اس کا غیر ضروری طور پر کسی کی نظروں میں آنا مناسب نہیں تھا۔

"میں ماروتی کو یہ سب بتانا بھی شرمناک سمجھتا ہوں۔" روی نے زور دے کر کہا "بھایا جی کو میری اور اس کی شادی پسند نہیں تھی۔ وہ اس سے جلتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میں سرحد پار بھاگنے کے بجائے ان کے سینے پر مونگ دلنے کے لیے دوبارہ گھر میں آگیا ہوں تو انہوں نے مایوس ہو کر ہم دونوں میں پھوٹ ڈلوانے کے لیے ایک نیا سوانگ تیار کر لیا۔۔۔"

"اپنے سگے بھائی کی موت کو تم سوانگ قرار دے رہے ہو؟" اول خان بے ساختہ بولا۔

"ان کی موت تو ایک اٹل حقیقت ہے۔ سوانگ الزام تراشی کا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ میں اوپر جا کر غصے میں ماروتی کو شوٹ کر دوں گا اور پھر اس کے قتل کے الزام میں سولی پر چڑھ جاؤں گا۔ ان میں سے کچھ بھی نہ ہوا۔ بس، میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ بھایا جی سٹھیا گئے تھے۔ ان کا آخری حربہ ناکام ہوا تو ان کی عقل ماؤف ہو گئی۔ ہم دونوں سے اپنی جان نہ چھوٹتے دیکھ کر انہوں نے مایوسی میں خود کو مار لیا جو گڑھا وہ میرے لیے کھود رہے تھے، اس میں خود ہی جا گرے۔ اب یہ بات تم ہی پولیس والوں کو سمجھا سکو گے۔"

یہ اندازہ مجھے بھی ہو چکا تھا کہ جگدیش کی خودکشی کا معاملہ پولیس کیس تھا۔ مقامی پولیس کی بے رحمانہ تفتیش سے نمٹنا میرے بس سے باہر تھا کیونکہ میرے پاس کوئی ایسی شناخت نہیں تھی جس کی بنا پر میں ان کی کسی کارروائی پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا۔ وہ شعبدہ اول خان یا اس کا کوئی ماتحت دکھا سکتا تھا۔ میں نے وہ سب بھانپتے ہوئے اسے جلد از جلد موہن ہاؤس پہنچنے کے لیے کہا تھا اور وہ میری توقع سے پہلے وہاں آگیا۔

"معاملہ ذرا سنگین ہے۔" اول خان نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم مرتے تو جگدیش مشکوک قرار پاتا۔ اس کی خودکشی کے بعد سب کچھ تمہارا ہو جائے گا اس لیے اب تم پر شبہ کیا جائے گا۔ خطرناک بات یہ ہے کہ تمہاری بھاوج، جگدیش کے لکھے ہوئے پرچے کی بات اچھالے گی۔"

"وہ کچھ نہیں جانتی کہ اس میں کیا لکھا ہوا تھا۔" روی نے جلدی سے وضاحت کی "اظہر جی! میں نے وہ خطرناک کاغذ، پڑھتے ہی پھاڑ ڈالا تھا۔ میں کہہ دوں گا کہ میں نے اسے کموڈ میں بہا دیا۔ ہم دونوں بھائیوں کی ساری باتیں اشاروں کنایوں میں ہوئی تھیں۔"

"میں نے تمہاری بھاوج کو دیکھا ہے۔" میں نے زبان کھولی "وہ اتنی سیدھی نہیں ہے کہ عزت اور موت کے حوالوں کے باوجود بات نہ سمجھی ہو۔۔۔"

"نہیں، نہیں۔۔۔ مظہر بھائی! اس کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ اس کا آدمی حرام موت مرا ہے۔ وہ کسی نہ کسی پر تو الزام ڈالے گی۔ وہ جو کچھ بکتی ہے، بکتی رہے۔ ثبوت کہاں سے لائے گی؟ تم کہو تو میں کاغذ سے ہی مکر جاؤں گا۔ کیسا کاغذ؟ کہاں کا کاغذ؟ اس کے پرزے میری جیب میں ہیں۔ وہ میں ابھی چولہے میں ڈال کر ذرا سی دیر میں جلائے دیتا ہوں۔" وہ اپنی مدافعت کے لیے سب کچھ کر گزرنے پر تلا ہوا تھا۔

"اگر ماروتی کے منہ سے کوئی ہلکی بھاری بات نکل گئی تو کیا بنے گا؟" اول خان نے پوچھا۔

"وہ بے چاری تو اپنے کمرے میں لیٹی، ہری چند کو رو رہی تھی۔" روی نے اپنی بیوی کی طرف داری کرتے ہوئے کہا "اس کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم کہ نیچے کیا ہو رہا تھا۔ وہ کوئی غلط بات کہہ ہی نہیں سکتی۔ ہم ایک گھر میں اوپر نیچے رہتے ہیں۔ دن بھر میں بیسیوں دفعہ انٹرکام پر بات ہوتی ہے۔ بولنے اور سننے والے کے سوا تیسرے کو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کیا باتیں ہوئی ہیں۔ جب کہ تم دونوں میرے ساتھ ہو، میری بھاوج کی باتوں پر کوئی کان نہیں دھرے گا۔"

"ہم دونوں تمہارے ساتھ ہیں۔" اول خان نے نرمی سے کہا "لیکن یہ ساتھ ہر جگہ کام نہیں آسکتا۔ ہم نے جس معاملے میں تمہارے پورے تحفظ کا یقین دلایا تھا، اس بارے میں کوئی تمہیں ملوث نہیں کرے گا۔ تمہارے سنئے اور گھریلو

مسائل اس یقین دہانی میں شامل نہیں تھے۔"
"اوہ، اظہر جی! یہ کیا کہہ دیا تم نے؟" روی نے فوراً ہی اعتراض جڑ دیا۔ "میں نے تمہیں کرشن کمار کے بارے میں بتادیا تھا۔ وہاں ماروتی کا وعدہ پورا ہوگیا اور میں آزاد ہوگیا پھر بھی میں نے ہری چند کو پکڑوانے میں تمہارا پورا پورا ساتھ دیا۔ تم کو بھی میرا ساتھ دینا چاہیے۔ آڑے وقت میں مجھے یوں اکیلا نہ چھوڑو۔ حیدر آباد سے واپسی کے سفر میں، میں دیکھ چکا ہوں کہ پولیس والے تمہارا کیسا لحاظ کرتے ہیں۔"
اول خان نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے جواب دیا "ہم تمہیں تنہا نہیں چھوڑ رہے۔ اب بھی تمہارا ساتھ دیں گے لیکن کہیں نہ کہیں ہمیں بھی کوئی مجبوری پیش آسکتی ہے۔"
"مطلب یہ ہے کہ اب یہ دیکھ لو کہ میرے گھر میں جو کچھ ہوا، وہ میری وجہ سے نہیں ہوا۔" روی نے اپنی جگہ پہلو بدلتے ہوئے کہا "بھایا جی کو ماروتی پر الزام تراشی کا موقع یوں ملا کہ وہ تم سے ملنے گئی تھی۔ نہ جاتی تو کچھ بھی نہ ہوا ہوتا۔"
"ابھی تم نے کہا تھا کہ بھایا جی اپنے ہی کھودے ہوئے گڑھے میں جاگرا۔" مجھے خاموش پاکر اول خان نے بات جاری رکھی "اس نے خودکشی نہ کی ہوتی تو وہ کہیں نہ کہیں تمہیں پھنسوا دیتا۔ اس دشمنی کا ماروتی کے جانے یا نہ جانے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"
اس دوران میں میری توجہ کسی اور طرف مبذول ہوچکی تھی۔ گھر کے نچلے حصے میں کہرام برپا تھا۔ سب لوگ اوپر والی منزل کو بھولے ہوئے تھے مگر میری چھٹی حس نے اچانک ہی مجھے خبردار کیا تھا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ کوئی کمرے کے باہر چھپ کر ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔
میرا وہ احساس چند ہی لمحوں میں اس قدر توانا ہوگیا کہ میں اول خان کی بات مکمل ہوتے ہی، اپنی جگہ چھوڑے بغیر اس نادیدہ شخص کو للکار بیٹھا "باہر کون ہے؟ سامنے آؤ۔"
میری کرخت آواز پر وہ دونوں بھی بھڑک اٹھے اور اسی لمحے فرش پر کسی کے ننگے پاؤں دوڑنے کی دھمک سنائی دی۔
میرا شبہ درست ثابت ہوا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، میری آواز سنتے ہی بھاگ نکلا تھا۔
ہم تینوں نے بہ یک وقت دروازے کی طرف چھلانگیں لگائیں مگر ہمیں تاخیر ہوچکی تھی۔ ننگے پاؤں بھاگنے والا ہم سب کی توقع سے کہیں زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا تھا اور چشم زدن میں کسی چھلاوے کی طرح غائب ہوچکا تھا۔ اس منزل کے کسی دور افتادہ حصے میں ننگے پاؤں دوڑنے کی دھمک بس مزید ایک لمحے کے لیے برقرار رہی اور پھر یکایک معدوم ہوگئی۔
ہم دونوں مکان کی ساخت سے بے خبر تھے۔ اس لیے پیشوائی روی کے ذمے آگئی تھی۔ اس نے مکان کے ایک مخصوص حصے کی طرف دوڑ لگائی اور ہم اس کے پیچھے ہولیے۔ آگے وہ راستہ مسدود ہوگیا۔ وہاں دور دور تک کسی کا نام ونشان نہیں تھا۔ وہ واقعہ اس قدر انوکھا اور سنسنی خیز تھا کہ ہم تینوں پریشان ہوگئے۔ وہ جو کوئی بھی تھا، اس نے ہمارے درمیان ہونے والی بہت اہم باتیں سن لی تھیں۔
ہم تینوں نے ایک دوسرے سے الگ ہوکر پورا فلور چھان مارا مگر کہیں کوئی ذی روح نہیں مل سکا۔
یہ بات یقینی تھی کہ بھاگنے والے نے زینوں کی راہ اختیار نہیں کی تھی۔ غالب امکان یہ تھا کہ وہ مکان کے پچھلے حصے کی طرف گیا تھا اور وہاں واقع اسٹور کی کھلی ہوئی دو کھڑکیوں میں سے کسی کے ذریعے کھمبے پر کود کر نیچے پہنچ گیا تھا۔
مجھے اور اول خان کو وقت کی اہمیت کا پورا احساس تھا۔ فرار ہونے والا نامعلوم شخص نیچے موجود سوگواروں کی بھیڑ میں مل کر بھی فوری طور پر اپنے چڑھے ہوئے سانسوں پر قابو نہیں پاسکتا تھا۔ ہم دونوں تیزی سے زینے اترتے چلے گئے۔ اس بار روی ہمارے پیچھے تھا مگر وہ زینے ختم ہونے سے پہلے ہم سے آملا۔
"نیچے اسے کیسے تلاش کرو گے؟" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔
"اس کا سانس چڑھا ہوا ہوگا۔ میری آواز پر وہ پوری رفتار سے بھاگا تھا۔" میں نے کہا۔
"حیرت ہے کہ کسی آہٹ کے بغیر تمہیں شبہ ہوگیا۔۔ میں دیکھتا ہوں۔" روی بڑبڑایا اور آگے بڑھ گیا۔
جگدیش کے لواحقین اور ملازم ڈرائنگ روم میں اس کی لاش کے گرد جمع تھے۔ روی ان کا جائزہ لے کر ناکام لوٹ آیا مگر اس بار وہ عجلت میں تھا۔ اس نے بہت بے تابی سے نچلی منزل کا جائزہ لیا۔ دو تین ملازموں سے پوچھ گچھ کی پھر شکست خوردہ انداز میں واپس آگیا۔ "شیام غائب ہے۔ تھوڑی دیر پہلے وہ یہیں موجود تھا۔ میں نے اوپر جاتے ہوئے خود اسے دیکھا تھا۔"
"وہ موجود تھا تو اب کہاں گیا؟" اول خان نے زینوں کا رخ کرتے ہوئے پوچھا۔
"سب باتھ روم کھلے ہوئے ہیں۔ راموبتا رہا ہے کہ وہ اگلے حصے سے باہر نہیں آیا۔ معلوم نہیں کہاں مرا ہوا ہے۔" روی اس واقعے سے خوف زدہ نظر آرہا تھا۔
"ماروتی نے رات گئے گھر سے نکلنے کے لیے ایک نیا راستہ دریافت کیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا "ہوسکتا ہے کہ شیام نے بھی بھاگنے کے لیے وہی راہ اختیار کی ہو۔ اس میں

اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ للکارے جانے کے بعد گھر میں رکا رہتا۔"

اس بار ہم تینوں اوپری منزل کی لابی میں رک گئے۔ جہاں کسی کے چھپنے یا سن گن لینے کی کوئی گنجائش نہیں تھی مگر ہماری وہ احتیاط بعد از وقت اور قطعی بے سود تھی۔ ہمارا مجرم اپنا کام پورا کر کے فرار ہو چکا تھا۔

"اسے کرشن کمار نے بھیجا تھا۔" روی خود کلامی کے انداز میں بولا "صورت سے بہت مسکین اور ضرورت مند نظر آتا تھا مگر پکا نمک حرام نکلا۔ ہر ملازم بتا رہا ہے کہ وہ تھوڑی دیر پہلے نیچے منڈلا رہا تھا۔ اب غائب ہے۔"

روی کے انکشاف پر ہم دونوں چونک پڑے۔ کرشن کمار جہنم واصل ہو چکا تھا مگر اس کا آسیب ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔ شیام اس کا بھیجا ہوا آدمی تھا تو یقیناً اسی کا مخبر تھا جسے کرشن کمار نے جگدیش اور روی کی گھریلو سرگرمیوں کی نگرانی کے لیے، ملازم کے روپ میں وہاں بھیجا تھا۔ وہ خود کراچی سے بہت دور، تھر کے ریگستانی علاقوں میں رہتا تھا۔ امکان یہ تھا کہ شیام اپنی اطلاعات کسی مقامی شخص کو پہنچاتا رہا ہوگا جو چیدہ چیدہ نکات کرشن کمار تک بڑھا دیتا ہوگا۔

اس وقت تک ایسا کوئی درمیانی شخص ہماری نظروں میں نہیں آیا تھا۔ وہ جہاں بھی تھا، بالکل محفوظ اور شیام کے ساتھ اس کا خفیہ رابطہ بدستور استوار تھا۔ جگدیش کی خودکشی کے بعد شیام نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا، وہ اس نامعلوم شخص کے علم میں آنا ناگزیر ہو چکا تھا۔

دیکھے بھالے اور پہچانے ہوئے دشمن سے کوئی بھی سنگین نقصان نہیں اٹھاتا۔ پہلے سے کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جاتا ہے کہ دشمن کس کمزور پہلو پر وار کرے گا۔ اس سے دفاع میں خاصی مدد مل جاتی ہے لیکن ان دیکھے دشمن کا وار ہمیشہ خطرناک اور کاری ہوتا ہے۔

اس وقت نیچے سے خبر ملی کہ پولیس پارٹی موہن ہاؤس کا پھاٹک کھلوا کر اندر آ چکی ہے۔

"تم میری گاڑی لے کر نکل جاؤ۔" اول خان نے روی کو نیچے بھیج کر مجھے مشورہ دیا "یہاں مجھے اچھے آثار نظر نہیں آ رہے۔ ہو سکتا ہے کہ شیام کے علاوہ بھی کوئی ملازم کسی کا زرخرید ہو۔ تمہارا زیادہ دیر تک یہاں رہنا مخدوش ہو سکتا ہے۔"

میں نے اس سے بحث نہیں کی اور سنجیدگی سے کہا۔ "ہو سکے تو پولیس پارٹی کو شیام کی راہ پر ڈال دینا۔"

"یہی کرنا ہوگا۔ اب تم میرے پیچھے پیچھے آؤ اور کسی سے الجھے بغیر باہر نکلتے چلے جاؤ۔ مجھے یہاں کسی نئی سازش کی بو آ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ روی اپنی بیوی کو چارہ بنا کر تمہیں شکار کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہو۔" اول خان یکا یک بہت زیادہ فکر مند نظر آنے لگا تھا۔

اس کا آخری اندیشہ بعید از امکان تھا مگر میں نے خاموشی اختیار کر لی اور اس کے پیچھے ہو لیا۔

باوردی سپاہیوں اور افسروں کی بھاری نفری گھر میں داخل ہو کر، ہر شخص کو جگدیش کی لاش سے دور ہٹا چکی تھی۔ اس وقت لاش ان ہی لوگوں کے گھیرے میں تھی۔ انسپکٹر کے عہدے کا ایک افسر بہت غور سے لاش کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایک سب انسپکٹر گمبھیر تیوروں کے ساتھ روی سے بات کر رہا تھا۔ صوفے پر سرکاری فوٹو گرافر اپنے بیگ سے کیمرا اور اس کے لوازم نکال کر تاروں کو آپس میں جوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ پیشہ ور فوٹو گرافر تھا اور محکمے سے صرف تصویر کشی کا معاوضہ لیتا تھا مگر پھر بھی اس کا کیمرا تیار نہیں تھا۔

اول خان نے انسپکٹر کو مخاطب کر کے نپی تلی آواز میں کوئی بات کی۔ وہ لاش کے قریب قالین پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ اول خان کی بات سنتے ہی وہ تیزی سے اٹھا اور اس سے ہاتھ ملانے لگا۔ اول خان نے اپنے سر کی ہلکی سی جنبش سے مجھے اشارہ کیا اور میں کسی سے کچھ کہے سنے بغیر نکاس کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ انسپکٹر کی ہدایت پر اس کا ایک ماتحت میرے پیچھے آیا تھا تاکہ باہر پہرے پر مامور عملے کو میری طرف سے چشم پوشی کا حکم دے سکے۔

میں موہن ہاؤس سے نکلا اور اول خان کی گاڑی میں گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

روی موہن کے تازہ ترین مسئلے کی اہم تفصیلات مجھ سے پہلے گھر تک پہنچ چکی تھی۔ وہ واقعہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع طور پر پیش آیا تھا کہ غزالہ اپنے ہیجان پر قابو نہیں پا سکی۔ جو کچھ اسے معلوم تھا، وہ اس نے ویرا اور سلطان شاہ کے سامنے اگل دیا۔

میں گھر پہنچا تو وہ تینوں باہمی تبادلہ خیال سے تھک ہار کر میرے منتظر تھے۔

میں نے راستے میں غور و فکر کرنے کے بعد یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ماروتی کے بارے میں جگدیش کے لکھے ہوئے پرچے کا ذکر بالکل گول کر دیا جائے۔ اس کے مندرجات کی بنا پر میری اور ماروتی کی ملاقات ایک مرتبہ پھر موضوع سخن بن جاتی۔ یہ نکتہ میرے حق میں تھا کہ روی موہن نے بھی اپنا دامن صاف رکھنے کے لیے بھایا جی کی اس تحریر کو اپنے بیان سے حذف کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"جگدیش نے خودکشی کرنے کے لیے بہت ناموزوں وقت کا انتخاب کیا۔" میرے گھر پہنچتے ہی ویرا نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

”جرائم چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں مگر یہ حقیقت حیران کن ہے کہ دن دیہاڑے ہونے والے جرائم کی شرح ہمیشہ سے کم رہی ہے۔“ سلطان شاہ نے اس کی بات پر سنجیدگی سے گرہ لگائی۔ ”دنیا بھر میں جرائم..... سورج ڈھلنے کے بعد یا رات کے اندھیرے میں کیے جاتے ہیں۔ اگر جگدیش موہن نے خود کشی کے لیے رات کا وقت منتخب کیا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔“

”تمہیں وقت کی موزونیت پر کیا اعتراض ہے؟“ میں نے سگریٹ سلگا کر ویرا سے پوچھا۔

”اسے افسوس ہے کہ ہم دونوں سلمیٰ کے تیار کیے ہوئے لذیذ کھانوں سے لطف اندوز نہیں ہوسکے۔ ویرا کے بولنے سے پہلے غزالہ نے میری بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ”کھانا شروع ہوتے ہی ہمیں وہاں سے عجلت میں نکلنا پڑا۔“

”سلمیٰ نے تمہارے لیے ضرور بہت اہتمام کیا ہوگا۔“ ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر بولی ”تمہاری دل جوئی کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتی ہے۔“

”خرافات کو چھوڑو!“ سلطان شاہ نے اسے گھور کر کہا۔ اور مجھ سے پوچھا ”جگدیش کو خودکشی کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟“

”میں سر کھپا کر لوٹ آیا۔ اب پولیس والے یہی دریافت کرنے کی کوششیں کررہے ہوں گے۔“ میں نے خوش دلی سے جواب دیا ”بظاہر وہ کسی گھریلو تنازعے کا سنگین انجام نظر آتا ہے۔ وہ روی اور ماروتی کے لچھنوں سے خوش نہیں تھا۔“

”اسے خوش ہونا بھی نہیں چاہیے تھا۔“ ویرا نے برجستہ کہا ”رات کے دو بجے گھر کی دیواریں پھاند کر بھاگنے والی عورت کو کوئی شریف آدمی خوشی سے برداشت نہیں کرسکتا۔ نہ معلوم اس نے روی کو کتنے الوّؤں کا گوشت کھلایا ہوا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کی بے راہ روی کی طرف سے اپنی آنکھیں بالکل بند کی ہوئی ہیں۔ ماروتی کسی عزت دار گھرانے کی بہو بننے کے قابل نہیں ہے۔“

”تم دونوں یہاں سے ہوا خوری کے ارادے سے گئے تھے۔“ سلطان شاہ کو اچانک خیال آگیا ”پھر تم جہانگیر کے گھر کیسے پہنچ گئے؟“

”بس، ساحل کی طرف جاتے جاتے، راستے میں رک گئے۔“ غزالہ نے ہنس کر کہا ”انہیں کچھ ڈالر بھی لینے تھے۔“

”ڈالر لینے کا مطلب ہے کہ تمہارے ذہن پر سفر سوار ہورہا ہے!“ ویرا نے سر کو جنبش دیتے ہوئے رائے زنی کی۔

”سفر ناگزیر ہوچکا ہے۔“ میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ”کرشن کمار مارا جاچکا ہے لیکن اس کا خفیہ نیٹ ورک اب بھی کام کررہا ہے۔ یہاں ایک ایک کی تلاش اور سرکوبی کے بجائے ہمیں نئی دہلی میں کام کرنا پڑے گا۔“

”اس کا خفیہ نیٹ ورک تمہیں کہاں نظر آگیا؟“ ویرا نے چونک کر پوچھا۔

میں نے موہن ہاؤس میں پیش آنے والا تازہ ترین واقعہ انہیں سنادیا۔ غزالہ بھی میرے اس تجربے سے لاعلم تھی۔ تینوں کے لیے یہ بات حیران کن ثابت ہوئی کہ موہن ہاؤس میں کرشن کمار کا کوئی مخبر موجود تھا۔ ان کے لیے جگدیش کی خودکشی میں زیادہ دلچسپی کی گنجائش نہیں تھی لیکن شیام کا قصہ سامنے آتے ہی گفتگو میں دلچسپی کا ایک نیا عنصر پیدا ہوگیا۔

وہ تینوں آپس میں باتیں کرتے رہے اور میں شیام کے بارے میں سوچتا رہا۔ یہ بات ہر شک و شبہے سے بالاتر تھی کہ اس نے چھپ کر ہماری گفتگو سننے کی کوشش کی تھی اور پھر پکڑے جانے کے خوف سے موہن ہاؤس سے ہی فرار ہوگیا تھا۔ یہ عام گھریلو ملازمین کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ بظاہر سر جھکا کر اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن فطری تجسّس کے تحت اپنے مالکان کی نجی گفتگو پر کان لگائے رہتے ہیں۔ جب وہ کام سے فارغ ہوکر فرصت سے بیٹھتے ہیں تو گھروں میں ہونے والی باہمی نوک جھوک اور فقرے بازیوں کو دہرا کر اپنی معلومات کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں۔ شیام کی حرکت اس زمرے سے خارج تھی۔ اس نے روا روی میں سن گن لینے کے بجائے سازشی انداز میں باتیں سننے کی کوشش کی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس سازش میں کون اس کی پشت پناہی کررہا تھا۔

کرشن کمار نے اسے موہن ہاؤس میں ملازمت ضرور دلوائی تھی اور شاید اسے مخبری کی براہِ راست ہدایت بھی دی ہو لیکن کرشن کمار کے لیے براہِ راست شیام سے رابطہ برقرار رکھنا اس کے لیے ناممکن تھا۔ شیام یقینی طور پر کسی اور سے رابطے میں تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ کرشن کمار کی موت سے بے خبر رہا ہو۔ اس کے بارے میں اخبارات میں اتنا کچھ چھاپا گیا تھا کہ اس کی بازگشت ان پڑھ لوگوں میں بھی پہنچنی چاہیے تھی۔ اس کے مرجانے کے بعد شیام کی مجرمانہ سرگرمیوں کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا تھا۔ وہ موہن ہاؤس میں اپنے کام پر مستعد تھا مگر سوال وہی تھا کہ وہ کس کے لیے کام کررہا تھا۔

کرشن کمار کی سرکوبی کی مہم پر کام کرتے ہوئے ہمارے سامنے دو این جی اوز کے نام آئے تھے۔ فریڈم انٹرنیشنل امریکا کی رسوائے زمانہ فورڈ فاؤنڈیشن کی پروردہ غیر سرکاری تنظیم تھی۔ مراد ظریف کی صحرا نامی تنظیم مقبول چوہدری کی زرخرید تھی۔ وہ سب اپنے حواریوں سمیت انجام کو پہنچ چکے

تھے۔ ان کے سوا کوئی بھی بھارتی سفارتی اہل کار ہمیں اس محاذ پر سرگرم نظر نہیں آیا تھا۔
اس سے پہلے رونما ہونے والے واقعات کے سلسلے میں میجر بخشی کا نام میرے سامنے تھا۔ میں خود ہری چند کے نام سے دو مرتبہ اس سے فون پر بات کر چکا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ میجر بخشی کو کرشن کمار اور اس کے مشن کے بارے میں بنیادی تفصیلات کا پوری طرح علم تھا' اس کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں لیکن وہ عملی طور پر ان کے مشن میں شامل نہیں تھا۔
میجر بخشی سے ہونے والی آخری گفتگو اس اعتبار سے اہم تھی کہ اس نے مجھے ہری چند سمجھتے ہوئے' سرحد پار فرار ہوجانے کا مشورہ دیا تھا۔ را اور اس کے مفادات سے ہمدردی رکھنے والوں کی ہلاکتوں میں تسلسل پیدا ہوجانے کے بعد میجر بخشی نے اندازہ لگالیا تھا کہ پاکستان میں ان لوگوں کے لیے حالات مخدوش ہو چکے تھے۔ وقت کا تقاضا تھا کہ وہ لوگ عارضی طور پر اپنی سرگرمیاں موقوف کر کے سرحد پار کر جائیں تاکہ ان کی جانیں محفوظ رہ سکیں۔ حالات بہتر ہوجانے پر وہ دوبارہ پاکستان آکر اپنی کارروائیوں کا آغاز کر سکتے تھے۔
وہ میجر بخشی کا مشورہ تھا۔ وہ کوئی ہدایت دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ لے دے کر بس اسی کا نام میرے ذہن میں چکراتا رہا۔ اپنی سرکاری حیثیت میں وہ اتنا باخبر ضرور تھا کہ میری زبان سے انل بسواس کا نام سنتے ہی چونک پڑا تھا۔ نادانستگی میں اس نے یہ اگل دیا تھا کہ انل بسواس ایک بڑے عہدے پر فائز تھا۔ میجر بخشی کو اس کے بارے میں میرا لب ولہجہ پسند نہیں آیا تھا۔
ایک طرف مجھے اس سے کوئی سراغ ملنے کی امید نہیں تھی' دوسری طرف میں اس سے مزید ایک اور رابطے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مجھے یہ اندیشہ روک رہا تھا کہ اس وقت تک ہری چند کی موت کا راز فاش ہو چکا ہوگا۔
کراچی کے کسی حصے میں پائی جانے والی ہری چند کی لاش کی حالت سے پہلی ہی نظر میں یہ نشان دہی ہو سکتی تھی کہ وہ کسی حادثے کا شکار ہوا ہوگا۔ لاش ملنے کے چند گھنٹوں بعد ہی معلوم ہوجانا چاہیے تھا کہ وہی قومی شاہراہ کے حادثے کا گم شدہ زخمی تھا جسے کسی لاوارث کی طرح پھینک دیا گیا تھا۔
''ہم مسلسل بول رہے ہیں اور تم اداس بیٹھے ہو۔ کیا سوچ رہے ہو؟'' ویرا نے وہ سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔
''شیام کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ میں اسے للکارنے کی غلطی نہ کرتا تو وہ کسی دبکے ہوئے چوہے کی طرح ہمارے ہاتھ آگیا ہوتا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ اب کہاں گیا ہوگا!''
''ایک مرتبہ پھر میجر بخشی کی دم مروڑو۔ وہ کچھ نہ کچھ اگل دے گا۔'' ویرا نے خلوص سے مشورہ دیا۔
''اب تک ہری چند کی موت کا راز کھل چکا ہوگا۔ وہ بہت کائیاں آدمی ہے۔ میں نے کسی اور نام سے اسے فون کیا تو وہ اپنے خول سے ذرا بھی باہر نہیں آئے گا۔ اسے چھیڑنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا.....''
''بخشی ویسے بھی کرشن کمار کے نیٹ ورک میں شامل نہیں تھا۔'' سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر کہا۔
''وہ نیٹ میں ہو یا نہ ہو' ایک ذمے دار افسر ضرور ہے۔ خاموشی سے ان سب کی سرگرمیاں مانیٹر کرتا رہتا ہوگا۔'' ویرا اپنی بات پر اڑی رہی ''ایسا نہ ہوتا تو وہ کرشن کمار کے بارے میں زیادہ باخبر نہیں ہو سکتا تھا۔''
''سب سے الگ تھلگ رہ کر وہ ان کی سرگرمیوں پر نظر نہیں رکھ سکتا۔'' غزالہ بولی۔
''یہ جدید مواصلاتی سہولتوں کا دور ہے۔'' ویرا نے استہزائیہ انداز میں کہا ''فون اور موبائل سے زیادہ وائرلیس اپریٹس استعمال ہوتے ہیں۔ ایسے کاموں میں ہر وقت اور ہر جگہ رابطے کی سہولت کی فراہمی ناگزیر ہوتی ہے۔ بخشی ایک اپریٹس آن رکھ کر ان کی زیادہ تر باتیں سننے کی پوزیشن میں ہے۔ ان کے مذاکرات میں دخل انداز ہوئے بغیر وہ پل پل کی خبر رکھ سکتا ہے۔''
وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ میں اس پہلو کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔ اگر شیام' را کا کوئی تجربے کار ایجنٹ تھا تو وہ ایک حساس مگر ننھے سے لاسلکی آلے کے ذریعے کسی کو بھی اپنی رپورٹ دے سکتا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ اس کا کراچی ہی میں کسی سے رابطہ ہو۔
''پھر بھی میں اسے چھیڑنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد فیصلہ کن لہجے میں کہا ''شیام بہت کچھ سن لینے کے بعد فرار ہوا تھا۔ اگر وہ لوگ کرشن کمار کی موت کے بعد بھی فعال ہیں تو شیام کے فرار کا نتیجہ کہیں نہ کہیں سامنے ضرور آئے گا۔''
''تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ نتیجہ زیادہ خوش گوار نہیں ہوگا۔'' ویرا نے مجھے یاد دلایا۔
''سب سے پہلے روی کی شامت آئے گی۔'' میرے دل میں جنم لینے والا اندیشہ سلطان شاہ کی زبان پر آگیا ''تم بتا چکے ہو کہ گفتگو کے آخری موڑ پر وہ کرشن کمار اور ہری چند کے انجام کے بارے میں اپنی خدمات گنوا رہا تھا۔''
''ہاں۔'' میں نے اقرار کیا ''شیام نے گفتگو کا وہ آخری حصہ ضرور سنا ہوگا۔ اب روی کو محتاط رہنا پڑے گا۔''

ہم دونوں جہانگیر کے گھر سے خالی پیٹ لوٹے تھے۔ غزالہ نے کھانا لگایا۔ ویرا اور سلطان شاہ پہلے ہی اپنی شکم سیری کر چکے تھے۔ ہمارا ساتھ دینے کے لیے میز پر آبیٹھے۔ آپس کی باتیں ایک دائرے میں گھومتی رہیں۔ اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا کہ شیام کہاں گیا ہوگا۔

اول خان رات بارہ بجے کے بعد ٹیکسی کے ذریعے گھر پہنچا۔ وہ خاصا تھکا ہوا تھا اور مضمحل نظر آرہا تھا۔ اگر اس کی گاڑی میرے پاس نہ ہوتی تو شاید وہ موہن ہاؤس کے معاملات نمٹانے کے بعد سیدھا اپنے گھر روانہ ہوگیا ہوتا۔ روی نے اسے اپنی گاڑی میں واپس بھجوانے کی پیش کش کی تھی جسے اول خان نے نرمی سے مسترد کر دیا۔ وہ ہمارے فون نمبر سے پہلے ہی واقف تھا' اول خان اسے گھر دکھا کر مزید کوئی الجھن مول لینے پر آمادہ نہیں تھا۔

موہن ہاؤس پہنچنے والی پولیس پارٹی کا سربراہ سمجھ دار اور نرم خو آدمی تھا۔ اول خان کو اسے یہ سمجھانے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی کہ جگدیش کی خودکشی ایک خالص گھریلو معاملہ تھا اور وہ گھرانا اپنی بعض مذموم سرگرمیوں کی وجہ سے اسپیشل ٹاسک فورس کی نظروں میں آیا ہوا تھا۔ ایسی صورت میں پولیس کو زیادہ گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔

جگدیش نے جن حالات میں خودکشی کی تھی ان کی بنا پر ماروتی اور جگدیش کی بیوہ کے درمیان خاصی تلخی تھی جو ایک مرحلے پر ہاتھا پائی تک پہنچ گئی مگر روی نے خاصی بردباری سے کام لیا۔ پولیس افسر رسمی کارروائی اور خانہ پری کے بعد آسانی سے اس پر آمادہ ہوگیا کہ مرنے والے کے پس ماندگان کی خواہش پر لاش کا پوسٹ مارٹم نہ کیا جائے۔

پولیس پارٹی کو گھر سے رخصت کرنے کے بعد اول خان روانہ ہوا تھا۔ روی اس کی مدد کے لیے تہ دل سے اس کا ممنون تھا۔

اول خان کو بھی شیام کے نکل جانے کا قلق تھا۔ اس نے انسپکٹر کے ساتھ دوسرے ملازمین سے خاصی بازپرس کی تھی جس کے نتائج میں اس سے زیادہ کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی کہ اوپر والی منزل کے ایک حصے سے شیام کی چپلیں مل گئی تھیں لیکن اس کا دور دور تک کوئی سراغ نہیں تھا۔ افراد خانہ اور ملازمین' شیام کی کسی غیر معمولی حرکت پر روشنی نہیں ڈال سکے تھے۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ وہ اپنے مالکوں اور ساتھیوں کے لیے ہمیشہ نہایت ہمدردانہ اور فرماں بردار ثابت ہوا تھا۔ اس کے اچانک غائب ہوجانے پر سب حیران تھے۔

اول خان زیادہ دیر تک رکنے کے موڈ میں نہیں تھا لیکن جب اسے شیام کے بارے میں ہمارے قائم کیے ہوئے نظریات کا علم ہوا تو اس نے پریقین لہجے میں کہا "تم یہ سب باتیں کرتے ہوئے ہری چند کے اقبالی بیان کو بھول رہے ہو۔ اس نے صاف اور واضح الفاظ میں کہا تھا کہ اندرون سندھ کرشن کمار کا اپنا کوئی گروہ نہیں تھا۔ وہ اپنا ہر کام مراد ظریف کی 'صحرا' نامی این جی او سے لیتا تھا۔ یہ سب کے تجربے کی بات ہے کہ کرشن کمار ہر قیمت پر مراد ظریف کو آزاد کرانے کے لیے بلبلایا ہوا تھا اور وہ اپنی اسی کوشش میں کیفر کردار تک پہنچا تھا۔"

اول خان نے ہری چند کے کہے ہوئے الفاظ دہرا کر پورا منظر نامہ بدل کر رکھ دیا۔ اس بیان کی روشنی میں شیام کی روپوشی کسی بڑے خطرے کا پیش خیمہ بننے کے بجائے ایک مدافعانہ اقدام میں بدل کر رہ گئی تھی۔

"پھر بھی اس کا تلاش کیا جانا ضروری ہے۔ کرشن کمار کا ہمدرد ہمارا دوست نہیں ہوسکتا۔" میں نے کہا۔

"اس سے مجھے ذرا بھی اختلاف نہیں۔ اسے زندہ نکلنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" اول خان بولا۔

"جاتے ہوئے اپنے دونوں تحفوں کو واپس لیتے جانا۔" اول خان کو واپسی کے لیے پر تولتے دیکھ کر ویرا نے ہانک لگائی۔

"تحفے؟" اول خان نے حیرت سے دہرایا "میں نے تمہیں تحفے کب دیے تھے؟"

"میں ان دونوں کی بات کر رہی ہوں جو چھت پر مقیم ہیں۔ وہ اپنی زبان سے پانی تک نہیں مانگتے۔ ہر وقت ان کی ضروریات کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔" ویرا نے اپنے مذاق کی وضاحت کرتے ہوئے جواب دیا "کسی بھی وقت ذہن چوک گیا تو وہ بھوکے پیاسے رہ جائیں گے۔ ویسے بھی اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔ مائیکرو سینٹر کی تباہی سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ امریکی ہمارے اس ٹھکانے سے بے خبر ہیں۔"

اول خان کی استفہامیہ نظریں میری طرف اٹھ گئیں "آج رات انہیں رہنے دو۔ کل میں انہیں واپس بلالوں گا۔"

"ان کی واپسی کی تجویز میری نہیں' ویرا کی تھی۔ میرے لیے ان کی موجودگی اطمینان کا باعث ہے۔" میں نے دل کی بات کہہ دی۔

"بس تو پھر وہ یہیں ٹھیک ہیں۔ ان کے بارے میں بعد میں سوچا جائے گا۔" اول خان نے یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اول خان واپس چلا گیا۔ رات گہری ہوچکی تھی۔ میں ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں بیٹھا چھوڑ کر اپنی خواب گاہ میں آگیا۔ غزالہ میرا موڈ سمجھتی تھی۔ اس نے خاموشی سے

میری تقلید کی اور سیدھی غسل خانے میں جا گھسی۔
شب خوابی کے لباسوں میں بستر پر دراز ہو کر ہم دونوں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر میری آنکھ لگ گئی۔
رات کے گہرے سناٹے میں کھٹاک کی ایک غیر معمولی آہنی آواز پر میری آنکھ کھل گئی اور میں ہڑبڑا کر بستر سے اتر گیا۔ میرے حواس پر نیند پوری طرح غالب تھی۔ کوئی بات واضح طور پر میری سمجھ میں نہیں آسکی مگر مجھے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ میری آنکھ بلا سبب نہیں کھلی تھی۔ مجھے بستر سے اترے لمحہ بھر ہی گزرا تھا کہ پھر وہی آواز سنائی دی۔ اس بار مجھے باہر کی پر سکوت فضا میں کسی گاڑی کے انجن کی دور ہوتی ہوئی آواز بھی آئی۔
اس مرتبہ مجھ سے اندازے کی کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ کھٹکے کی وہ آواز بے آواز رائفل سے ہونے والے فائر کا منطقی نتیجہ تھی۔
ہمیں اس نئے گھر میں آباد ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ اس دوران میں یکے بعد دیگر چند ایسے واقعات رونما ہو چکے تھے کہ ہم اپنے پڑوسیوں کی نگاہوں میں آگئے تھے۔ کرشن کمار کے براہ راست حملے اور پھر اس کے بھیجے ہوئے بھیلوں سے تصادم کے نتائج ایسے نہیں تھے جنہیں کسی گنجان آبادی میں معمول قرار دے کر نظر انداز کیا جا سکے۔ اس وجہ سے اول خان نے اپنے آدمیوں کو ایسی رائفلوں کے ساتھ بھیجا تھا جن کی نالوں پر سائلنسر چڑھے ہوئے تھے۔ سائلنسر دھماکے کا شور جذب کر لیتے ہیں مگر مشینی کھٹکے کی کرخت آواز کو تحلیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ وہ دونوں آوازیں یقینی طور پر بے آواز رائفلوں کے فائر کی تھیں۔ دونوں فائروں کے درمیان بہت قلیل سا وقفہ تھا۔
میں مضطرب ہو کر خواب گاہ سے باہر نکل آیا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ چھت پر کھلی فضا تھی مگر اس میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو محسوس ہو رہی تھی۔ ہوا کے ٹھہراؤ کی وجہ سے بوجھل بارودی دھواں بہت دھیرے دھیرے تحلیل ہو رہا تھا۔ ایس ٹی ایف کے دونوں آدمی اپنی رائفلیں سنبھالے دیوار کی اوٹ میں جھکے ہوئے تھے۔ ان کی عقابی نظریں باہر کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔
میری آہٹ پا کر وہ دونوں چونکے' انہوں نے مجھے سلام کیا پھر ایک شخص میرے قریب آیا۔ "سوری سر!" اس نے دھیمی اور معذرت خواہانہ آواز میں کہا "ابھی ایک مشتبہ گاڑی کی رفتار کم ہوئی تھی۔ ہمیں دو فائر کرنا پڑے۔ ہم نے آدمیوں کے بجائے کار کی باڈی کو نشانہ بنایا تھا۔"
"کیا وہ گاڑی ہماری گھر کے سامنے رکتی نظر آرہی تھی؟" میں نے پر تشوش لہجے میں پوچھا۔
"یس سر! آثار کچھ ایسے ہی تھے۔ اسٹریٹ لیمپس کی دھندلائی روشنی میں' اس میں دو مسافر نظر آئے تھے۔
"کیا یہ مناسب نہ ہوتا کہ اس گاڑی کے رکنے کا انتظار کر لیا جاتا...؟ ہمیں علم ہونا چاہیے تھا کہ وہ کون ہیں اور کس ارادے سے اس طرف آئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بے ضرر شہری ہوں اور گاڑی میں کسی خرابی کی وجہ سے رکنے پر مجبور ہوئے ہوں۔ فائرنگ سے خوف زدہ ہو کر وہ بھاگ گئے۔ اب ہمیں علم نہیں ہے کہ حقیقت کیا تھی۔" میں نے کسی ترشی کے بغیر سنجیدگی سے کہا۔
"گاڑی کی بریک لائٹس جلی تھیں۔" اس نے کسی ندامت کے بغیر جواب دیا "وہ یہاں رکنے کی دانستہ کوشش کر رہے تھے۔ ہم دونوں نے سب سے پہلے یہی بات نوٹ کی تھی۔ گاڑی خراب ہوئی ہوتی تو وہ رکنے پر مجبور ہو جاتے' بھاگنے والی حرکت نہ کرتے۔"
ان دونوں نے گھبراہٹ میں غیر ارادی طور پر رائفلیں نہیں چلائی تھیں' سوچ سمجھ کر ایک قدم اٹھایا تھا مگر میں ان کے خیال سے متفق نہیں تھا۔ انہیں کچھ توقف کر کے یہ دیکھنا چاہیے تھا کہ آنے والوں کے کیا عزائم تھے۔"
"فائر کر کے انہیں بھگانے کے بجائے پکڑنے کی کوشش کی جاتی تو تمہیں زیادہ کامیابی حاصل ہو سکتی تھی۔"
"نہیں۔" اپنی کارروائی کے بارے میں اس کا ذہن بالکل صاف تھا "ہمیں چیف کی طرف سے ریڈ الرٹ کا حکم ملا ہوا ہے۔ مقابلے کا خطرہ مول لینے کے بجائے ہمیں ہر مشتبہ آدمی اور گاڑی کو آپ کے گھر سے دور رکھنا ہے۔ کوئی رینگتی ہوئی کار سے گھر پر دستی بم بھی پھینک سکتا ہے۔ ہمارے لیے کسی کی گرفتاری سے زیادہ اہم یہ بات ہے کہ آپ لوگوں اور آپ کے گھر کو ہر خطرے سے بچایا جائے۔"
"اوہ! مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ چیف نے تمہیں ایسی ہدایات دی ہوئی ہیں۔" مجھے اس کا پیش کیا ہوا جواز تسلیم کرنا پڑا "چیف کے حکم کی روشنی میں تمہارا فیصلہ بالکل درست اور بروقت تھا۔"
"شکریہ سر۔" اس نے مشینی لہجے میں کہا "ہم نے وہ گاڑی پہچان لی ہے۔ وہ لوگ دوبارہ ادھر نظر آئے تو ہم براہِ راست گاڑی پر فائر کریں گے اور انہیں زندہ یا مردہ حالت میں پکڑ لیں گے۔ آپ لوگ بالکل بے فکر ہو کر آرام کریں۔"
میرا چھت پر رکنا بے سود تھا۔ میری موجودگی کی وجہ سے دیکھ بھال کا بوجھ ایک آدمی پر آگیا تھا۔ دوسرا مجھ سے باتوں میں مصروف تھا اور مجھے نظر انداز کر کے اپنے کام پر دھیان نہیں دے سکتا تھا۔ میں خاموشی سے واپس لوٹ آیا۔ اس

واقعے نے میرے ذہن میں ایک مرتبہ پھر الجھن پیدا کردی تھی۔ ہمارے امریکی دشمن بہت طاقت ور اور جدید ہتھیاروں سے لیس تھے۔ وہ گزوں دور سے دستی لانچرز کے ذریعے راکٹ یا بم فائر کرکے مائیکرو سینٹر کو اڑا سکتے تھے تو ان کے لیے ہمارے گھر کو ملبے کے ڈھیر میں بدلنا بھی دشوار نہیں تھا۔ وہ نامعلوم کاران کی نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ کسی برے ارادے سے آئے ہوتے تو دو گولیاں چلنے سے میدان چھوڑ کر نہ بھاگتے۔ ذرا سا خطرہ مول لے کر اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرتے۔

منزل کے اس قدر قریب آکر بزدلی سے فرار ہونے والے ان سے کہیں کم تر لوگ تھے جب کہ ہم اپنے ایسے کسی دشمن کے وجود سے لاعلم تھے۔ ہم ایک ایک کرکے اپنے کئی دشمنوں کا صفایا کرچکے تھے۔ ان میں سے صرف شیام ہماری گرفت سے بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہوا تھا لیکن وہ ہمارے گھر سے واقف نہیں تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ اس نے چند گھنٹوں میں ہمارے بارے میں بہت کچھ معلوم کرلیا ہو۔

وہ واقعہ میرے ذہن پر اس بری طرح مسلط ہوا کہ میں بستر پر دراز ہونے کے باوجود دوبارہ سونے کی کوششوں میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ کچھ دیر تک بستر پر کروٹیں بدلنے کے بعد میں نے مسہری چھوڑ دی تاکہ میری بے چینی کی وجہ سے غزالہ کی نیند خراب نہ ہو۔ میری وہ کوشش زیادہ دیر تک کامیاب نہیں ہوسکی۔ وال کلاک کی سوئیاں صبح کے چار بجے سے آگے بڑھی ہی تھیں کہ اچانک فون کی گھنٹی چیخنے لگی۔

میں نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ گھنٹی کا شور اس وقت تک غزالہ کی نیند میں خلل انداز ہوچکا تھا۔ وہ بوکھلا کر بیدار ہوئی۔ خواب گاہ میں پھیلی ہوئی دھیمی روشنی میں اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ میں نے فون کا ریسیور اٹھالیا تھا۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" دوسری طرف سے ایک سرد آواز میرے کانوں میں آئی اور میرے وجود میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وہ آواز میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ میں میجر بخشی کی آواز ہزاروں میں الگ سے پہچان سکتا تھا۔ میرے ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح کوندا کہ ہمارے گھر کا فون نمبر میجر بخشی تک کیسے پہنچا۔ وہ نمبر ہم لوگوں کے سوا صرف روی اور ماروتی کے علم میں تھا۔

اس نے خود ہمارا نمبر ملایا تھا اور یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ اس کی بات کون سن رہا تھا۔ اگر اسے نمبر کے ساتھ ہمارے بارے میں علم ہوتا تو اس کی گفتگو کا انداز خاصا مختلف ہوتا۔ میں نے فوری طور پر آواز بدل کر بولنے کا فیصلہ کیا اور پوچھا "تم کون بول رہے ہو اور کس سے بات کرنا چاہ رہے ہو؟ شاید تمہیں فون کرنے کے آداب سے زیادہ واقفیت نہیں ہے۔"

"مجھے اخلاق سکھانے کی کوشش مت کرو۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا۔ میں جاننا چاہ رہا تھا کہ الّو کی طرح شب بیداری کے عادی شخص کا نام کیا ہوسکتا ہے۔" اس کے لہجے کی سرد مہری برقرار تھی "مجھے اظہر یا مظہر سے کچھ گفتگو کرنی ہے۔"

ہمارے گھر کے فون نمبر سے واقفیت کے اظہار کے بعد اس نے وہ دونوں نام لے کر واضح نشان دہی کردی تھی کہ اس کی اطلاعات کس کی مرہون منت تھیں۔ ہمارے وہ فرضی نام اس وقت صرف روی اور ماروتی کو معلوم تھے۔ ماروتی جیسی بھی تھی، مجھے یقین تھا کہ میجر بخشی کی مخبر نہیں ہوسکتی تھی۔ ہمارے خلاف روی نے ہی میجر بخشی کو اکسایا تھا۔

روی موہن کے بارے میں اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد سب کچھ بہت پیچیدہ محسوس ہونے لگا۔ ایک طرف وہ مقامی قانون اور پولیس سے تحفظ کے لیے میری اور اول خان کی مدد کا خواہاں تھا اور دوسری طرف میجر بخشی جیسے سازشی سفارت کار کی کاسہ لیسی کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جگدیش کی خودکشی نے اس کے دماغ کی سلامتی کو براہِ راست متاثر کیا تھا۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

"میں مظہر بول رہا ہوں۔" میں نے پھبتے ہوئے لہجے میں کہا "تم شاید روی کے کوئی گماشتے ہو!"

"روی!" میرے طنز پر اس کی آواز یکایک زہریلی ہوگئی "اس کا حشر بہت جلد تمہارے سامنے آجائے گا۔ غداری کرنے والے کو سزا ملنی یوں بھی ضروری ہوتی ہے کہ اس سے دوسروں کو عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اسے اپنے کیے کی سزا بھگتنی ہوگی مگر اس سے پہلے شاید تمہاری باری آنے والی ہے۔ میرا ہاتھ کسی بھی وقت تمہارے گریبانوں تک پہنچ سکتا ہے۔"

میں نے اسے اپنی بات مکمل کرنے کا پورا موقع دیا۔ روی کے بارے میں اس کے لب و لہجے نے مجھے حیران کردیا۔ میں نے جو کچھ کہا، روی کو اس کا ہمدرد اور ساتھی سمجھ کر کہا تھا مگر وہ میرے طنز کا الٹا مفہوم سمجھا تھا اور میری کہی ہوئی بات پر زیادہ غور کیے بغیر، روی کے خلاف، اپنی نفرت کا بے ساختہ اظہار کر بیٹھا تھا۔ اگر وہ روی سے اسی قدر ناخوش تھا تو پھر اسے ہمارا فون نمبر کیسے ملا۔ میرے ذہن میں وہ بڑا سوالیہ نشان ابھر آیا۔

"کیا صبح کے چار بجے تم نے یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔

"تم دونوں شہر میں جو کچھ کرتے پھر رہے ہو، اس کا انجام بتائے بغیر تمہاری سمجھ میں آجانا چاہیے۔" میجر بخشی اسی زہریلے لہجے میں بول رہا تھا "چند روز پہلے تم روی کے

دشمن تھے۔ وہ تمہارے خوف سے گھر سے نکل بھاگا تھا۔ آج وہ تمہارا سب سے زیادہ چہیتا ہے۔ دشمنی سے دوستی تک کا سفر طے کرنے کے لیے وہ تمہیں دو انسانی جانوں کی بھینٹ پیش کرچکا ہے۔ اب اس کی اور تمہاری باری ہے۔"

میرے ذہن میں خیالات کے بگولے مسلسل رقصاں تھے۔ اگر بخشی کو روی نے معلومات فراہم نہیں کی تھیں تو پھر وہ کام شیام کا ہو سکتا تھا۔ بخشی جو کچھ کہہ رہا تھا' وہ روی کے گھر میں چھپا ہوا کوئی مخبر ہی جان سکتا تھا۔ شیام نے اپنے کانوں سے روی کے اعترافات سنے تھے' وہ ہماری اور جگدیش کی پہلی ملاقات کا شاید چشم دید گواہ تھا' اسے معلوم تھا کہ اس روز روی اپنے گھر سے بھاگ گیا تھا پھر اس نے یہ بھی دیکھا کہ روی لوٹ آیا اور اس مرتبہ ہم نے دوستانہ ماحول میں اس سے ملاقات کی۔ وہ سب ناقابل فہم تھا۔ شیام گھر کا بھیدی ہونے کی وجہ سے بہت کچھ جانتا تھا لیکن اسے ہمارے گھر کا نمبر معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ بخشی کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ روی سے بہت دور تھا۔ روی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

"ہماری باریاں طے کرنے کے ساتھ اپنا تعارف کرادو تو تمہیں فوری طور پر کوئی مناسب جواب دیا جاسکتا ہے۔" میں نے اپنے ذہنی تحفظات کو گفتگو کے تسلسل میں حارج نہیں ہونے دیا اور اس سے اپنی بات جاری رکھی "یہ تمہاری بزدلی کا کھلا ثبوت ہے کہ تم فون پر کھوکھلی دھمکیاں دے رہے ہو۔ ہماری دسترس سے دور ہو مگر پھر بھی اپنی شناخت چھپا رہے ہو۔"

"تمہیں مجھ کو پہچاننے کا موقع ضرور ملے گا مگر وہ تمہارا آخری وقت ہوگا۔ اس کے بعد تم زندہ نہیں رہوگے۔"

"تمہارا ایک طواف بری طرح ناکام ہوچکا ہے۔" میں نے تھوڑی دیر پہلے نظر آنے والی مشتبہ کار کے حوالے سے ایک گول مول سی بات کہی "ہمت تھی تو بس ذرا سی دیر کے لیے رک جاتے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجاتا۔"

"میں طواف کا قائل نہیں ہوں۔ پانی سر سے اونچا ہوجاتا ہے تو بڑھ کر دشمن پر صرف ایک ہی وار کرتا ہوں جو کاری ہوتا ہے۔"

وہ میرے سوال کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکا تھا لیکن اس کے جواب نے میرے شبہے کی تردید کردی۔ اسے صرف ہمارے نام ملے تھے یا گھر کا فون نمبر۔ وہ اس کال کے ذریعے یہ تصدیق کرنا چاہ رہا تھا کہ وہ فون نمبر ہمارا ہی تھا۔

فون نمبر کے ذریعے پتا معلوم کرنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ شاید میجر بخشی کا یہی منصوبہ تھا۔ اس نے اپنا آخری فقرہ مکمل کرکے فون بند کردیا۔

پاکستان میں را کے ایجنٹوں کی مسلسل ناکامیوں نے ان کے ہر ہمدرد کو پریشان کیا ہوا تھا۔ ان سے بالکل الگ تھلگ ہونے کے باوجود میجر بخشی حالات سے خود کو لاتعلق نہیں رکھ سکتا تھا۔ ہم لوگوں کے باہمی تبادلہ خیال میں پیش کیا جانے والا یہ نظریہ کہ میجر بخشی کا کرشن کمار کے نیٹ ورک سے کوئی تعلق نہیں تھا' بالکل غلط ثابت ہوچکا تھا۔ وہ اپنی جگہ مضطرب اور پریشان تھا۔ ایک ایک کرکے' زنجیر کی ساری کڑیاں ٹوٹتی جارہی تھیں۔ اسے جوں ہی یہ سراغ ملا کہ کرشن کمار کو اس کے انجام تک پہنچانے والوں تک رسائی ممکن ہے' وہ خود میدان میں کود پڑا۔

اس نے اپنی معلومات کی تصدیق کے لیے بہت بھونڈا اور روایتی طریقہ استعمال کیا تھا۔ شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ وہ حالات سے بہت زیادہ پراگندہ خاطر ہوچکا تھا اور اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بڑی حد تک ماؤف ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے ذہن پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح کرشن کمار کے قاتل یا قاتلوں کو مار کر اس کے خون کا بدلہ لے لیا جائے۔

اس وقت تک غزالہ نیند کے اثرات سے پوری طرح آزاد ہوچکی تھی۔ جب میں نے اسے بتایا کہ وہ فون کال میجر بخشی کی تھی تو کئی ثانیوں تک وہ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں اپنی پلکیں جھپکاتی رہی۔ میری طرح اس کے لیے بھی وہ سوال پریشان کن تھا کہ بخشی کو ہمارا فون نمبر کس ذریعے سے ملا۔

ہم دونوں نے ایک مرتبہ پھر غور کیا۔ ایک دوسرے سے سوالات کیے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ باہر کے لوگوں میں صرف روی اور ماروتی ہی ہمارے فون نمبر سے باخبر تھے۔ وہ نمبر جگدیش کے علم میں بھی تھا مگر وہ دنیا سے کوچ کرچکا تھا۔

ہماری نیندیں اچاٹ ہوچکی تھیں۔ میجر بخشی کا فون آنے کے بعد یہ معلوم کرنا بے حد ضروری بلکہ ناگزیر ہوچکا تھا کہ اسے ہماری راہ پر کس نے ڈالا تھا۔ اگر وہ روی نہیں تھا تب بھی اسی سے اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب مل سکتا تھا۔

اس رات موہن ہاؤس کے مکین اپنی چھت کے نیچے جگدیش کی لاش لیے بیٹھے تھے۔ اس کی ارتھی اٹھنے اور پھر چتا جلائے جانے تک روی کا سونا ممکن نہیں تھا۔ میں نے وقت کی پروا کیے بغیر موہن ہاؤس کا وہ فون نمبر ملالیا جس پر ماروتی سے میرا رابطہ ہوتا رہا تھا۔

فون روی نے اٹھایا۔ اس کی آواز تھکی تھکی اور پژمردہ تھی۔ مجھے احساس تھا کہ جگدیش کی خودکشی پر اس گھرانے میں اٹھنے والے طوفان پر قابو پانا خاصا اعصاب شکن کام

تھا۔ روی جیسے خوش باش اور بے فکرے شخص کے لیے ان مسائل پر قابو پانا آسان نہیں تھا۔

"اچھا ہوا تم جاگ رہے ہو۔ مجھے اس وقت شدت سے تمہاری ضرورت تھی۔" میں نے اس کی آواز سن کر کہا۔

"میں نے ابھی خواب آور دوا دے کر ماروتی کو سلایا ہے تاکہ وہ بے چاری کچھ آرام کرلے ورنہ اگلے کئی دن بڑی بے آرامی میں گزریں گے۔" اس کی آواز میں تازگی اور شگفتگی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ وہ بے زاری کے عالم میں کہہ رہا تھا "ہمارے خاندان میں موت بھی شادی بیاہ سے کم نہیں ہوتی۔ میرپور خاص، عمر کوٹ، حیدر آباد اور دوسرے شہروں میں دوستوں اور رشتے داروں کو فون کرتے کرتے تھک چکا ہوں۔ میرپور خاص سے بچے کراچی آجائیں تو میرا بوجھ ذرا کم ہوگا۔"

"یہ آخری پریشانی ہے جو تمہیں برداشت کرنی ہوگی" میں نے اسے دلاسا دیا "اس کے بعد تم سکھ چین کی زندگی گزار سکو گے۔"

"مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بھایا جی ایک دن یوں اچانک رخصت ہوجائیں گے۔ وہ زندگی بھر مجھے حیران کرتے رہے۔ مرتے مرتے بھی انہوں نے اپنی یہ ریت برقرار رکھی.... یہ سب زندگی کا حصہ ہے۔ تم بتاؤ کہ تمہیں میری کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"اظہر نے ہمارا فون نمبر جگدیش کو دیا تھا۔ اس کے ذریعے یہ خاص نمبر تمہیں اور ماروتی کو معلوم ہوا تھا۔ ابھی ابھی انکشاف ہوا ہے کہ ہمارا فون نمبر ایک خطرناک دشمن تک بھی پہنچ چکا ہے۔ سچ سچ بتانا کہ ہمارا نمبر تم نے اور کس کو بتایا تھا۔"

"کسی کو نہیں۔ ہمیں تمہارا فون نمبر کسی اور کو بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا تمہارے دشمن نے تمہیں فون کیا ہے؟"

"دس پندرہ منٹ پہلے اس نے بہت سی دھمکیاں دی ہیں۔ میں ان سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ اسے فون نمبر کے ساتھ میرے اور اظہر کے نام بتائے گئے ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تم نے شنکر اور ہری چند کو مروانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔"

"ارے باپ رے!" ریسیور پر روی کی بے ساختہ آواز ابھری "وہ تمہارا دشمن ہے تو پھر مجھے نہیں چھوڑے گا۔ یہ مجھے اسی نمک حرام، شیام کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ کچھ باتیں وہ جانتا تھا۔ باقی اس نے چھپ کر سن لی ہوں گی۔"

"میں ہر بات مان سکتا ہوں۔ میرا ذہن بھی بار بار اسی کی طرف بھٹک رہا ہے۔ اسے ہر بات معلوم ہوسکتی ہے لیکن ہمارا فون نمبر اس تک کیسے پہنچا؟ یہ غلطی تم ہی کرسکتے تھے۔ تم اس سے انکار کررہے ہو۔ یہ ایک بات صاف ہوجائے تو گتھی سلجھ جاتی ہے۔"

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اسے یا کسی اور کو تمہارا فون نمبر نہیں دیا تھا۔ اگر وہ ہمارے گھر کی جاسوسی کررہا تھا اور میرے پیچھے لگا ہوا تھا تو اسے بہت کچھ معلوم ہوچکا ہوگا۔ وہ چند ٹکوں کی خاطر یہ سب کچھ کسی اور بتاتا ہوگا اور اب میرے گھر سے بھاگ کر اسی کے پاس گیا ہوگا۔"

"مجھے اور کسی بات کی پروا نہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس نے ہمارا فون نمبر کیسے معلوم کیا ہوگا" میں نے کہا۔

"بھایا جی کی ہتیا کے بعد میں نے اوپر آکر تمہارے گھر فون کیا تھا" لمحہ بھر کے توقف کے بعد روی فون پر بتارہا تھا "تم وہاں نہیں تھے۔ میں پیغام دے کر دوبارہ نیچے چلا گیا۔ اگر وہ حرامی کہیں آس پاس چھپا ہوا تھا تو اس نے میرے جانے کے بعد فون کا ایک بٹن دبایا ہوگا اور اسے معلوم ہوگیا ہوگا کہ میں نے کس نمبر پر بات کی تھی۔ دراصل میرے فون پر میموری موجود ہے۔ خاص بٹن دباتے ہی ملایا ہوا آخری نمبر اسکرین پر آجاتا ہے۔"

"پھر یہی ہوا ہے" میں اضطراری انداز میں بول پڑا۔ روی نے ایک مشکل ترین سوال کا جواب نہایت آسانی سے فراہم کردیا تھا۔

"شیام نے جو گھٹیا حرکت کی ہے اس کی وجہ سے اب تم خطرے میں پڑ گئے ہو۔ شاید میں بھی محفوظ نہیں ہوں۔"

"ہم دونوں سے زیادہ خطرہ تم کو ہے" میں نے کسی مبالغے کے بغیر اسے آگاہ کیا "تمہیں جگدیش کی ارتھی کے ساتھ اپنے شمشان تک جانا ہوگا۔ اس جلوس میں بہت سے لوگ ہوں گے۔ ضروری نہیں کہ تم ہر ایک کو پہچانتے ہو۔ اس بھیڑ میں شامل ہوکر کوئی بھی تم کو مار سکتا ہے۔"

"یہ خطرہ سب سے سنگین ہے" اس نے میری تائید کی "اس کا مطلب ہے کہ بھایا جی کے پیچھے پیچھے میری روانگی بھی ہوسکتی ہے" وہ زندگی سے محبت کرنے والا اور زندہ رہنے کی آرزوؤں کو پروان چڑھانے والا آدمی تھا۔ خطرے کا ذکر آتے ہی گھبرا گیا۔

"شیام کا معاملہ صاف ہوجانے کے بعد ہم کوئی نہ کوئی پیش قدمی کریں گے۔ ہوسکتا کہ خطرہ ٹل ہی جائے" میں نے اسے دلاسا دیا "پھر بھی یہ ضروری ہے کہ تم چوکنا رہو۔ تمہیں ہر طرف سے ہوشیار رہنا ہوگا۔"

"تم جتنی تیزی سے بات کی تہ تک پہنچتے ہو، میں اسی تیزی سے اپنے بچاؤ کے بارے میں سوچتا ہوں۔ بھایا جی تو مر

گئے۔ میرے شمشان جانے سے وہ زندہ نہیں ہوسکتے۔ ان کے چکر میں، میں مارا جاسکتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں ان کی ارتھی سے دور ہی رہوں تو میرے حق میں اچھا رہے گا۔"

"شاید وہ تمہارا اکلوتا بھائی تھا" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "تم ساتھ نہ گئے تو سب تم پر لعن طعن کریں گے۔"

"میں سب کے منہ بند کرنے جانتا ہوں" اس کی آواز میں بہت موہوم سی مکارانہ شوخی عود کر آئی "بس میرپور خاص سے تینوں لڑکے گھر آجائیں، میں ڈراما کر کے گھر سے سیدھا اسپتال پہنچ جاؤں گا۔ سب سمجھیں گے کہ بھائی کی موت کے صدمے نے رنگ دکھایا ہے۔ کوئی کچھ نہیں کہہ سکے گا۔"

اس کی تجویز لاجواب تھی۔ میں داد دیے بغیر نہ رہ سکا "تم بہت دور کی کوڑی لائے ہو۔ اسپتال والوں نے دیکھ بھال کرنے کے بعد تمہیں واپس روانہ نہ کردیا تو تم بہت بڑے خطرے سے محفوظ ہوجاؤ گے اور اپنی آنکھوں سے اپنے دشمن کا انجام دیکھ سکو گے۔"

"تم اس کی فکر ہی نہ کرو۔ شہر میں کئی ایسے اسپتال ہیں جو ہٹے کٹے آدمیوں کو بھی مایوس نہیں لوٹاتے۔ اپنے خالی کمروں کو آباد رکھنے کے لیے ہر ایک کو دو چار روز کے لیے اسپتال میں ڈال لیتے ہیں۔ یہ بھایا جی کی بدنصیبی ہے کہ انہیں اکیلے شمشان جانا ہوگا۔ جب ان کا بڑا لڑکا ان کی چتا کو آگ لگائے گا تو میں اسے تسلی دینے کے لیے وہاں موجود نہیں ہوں گا۔ یہ سب مقدر کے فیصلے ہوتے ہیں جن پر ہمارا کوئی بس نہیں ہوتا۔"

"تم نے اپنے بچاؤ کی راہ سوچ لی۔ اب ہم یک سو ہوکر اپنے دشمن کے خلاف کوئی قدم اٹھاسکیں گے۔"

"یہ تو بتاؤ کہ میرا اور تمہارا اپنا دشمن کون ہے۔ تم نے تو کہا تھا کہ ہری چند کے بعد میدان صاف ہوجائے گا۔"

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ روی ابتدا سے ہی قابلِ اعتماد ثابت ہوا تھا۔ آپس میں مفاہمت ہوجانے کے بعد اس نے کسی بھی مرحلے پر ہمیں دغا دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس پر اعتبار کیا جاسکتا تھا۔ میں نے کہا "اس کا نام میجر بخشی ہے اور وہ......"

"بس، بس۔ میں سمجھ گیا" اس نے میری بات درمیان سے ہی کاٹ دی "وہ بہت رنگیلا بڈھا ہے۔ بھایا جی سے اس کی پرانی دوستی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی ارتھی اٹھائے جانے پر وہ بھی ہمارے گھر آئے۔ تم اسے بہت آسانی سے گھیر لو گے۔"

روی کے اس انکشاف پر میرے وجود میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس سے ہونے والی گفتگو ذرا طویل ضرور ہوگئی تھی مگر وہ میرے لیے توقع سے کہیں زیادہ سود مند ثابت ہورہی تھی۔ ایک طرف اس نے شیام کے کردار کے بارے میں ایک بڑا ابہام دور کردیا تھا۔ دوسری طرف وہ میجر بخشی کو گھیرنے کے ایک نادر موقع کی نشاندہی کررہا تھا۔ میں نے اپنی خوشی کو چھپانے کی کوشش کیے بغیر کہا "تمہیں اسپتال میں ہی بخشی کے بارے میں کوئی اچھی خبر ملے گی۔ شاید تمہیں پنڈت منوہر لال اور اس کی بیٹی، موہنی پنڈت کے بارے میں معلوم ہوگا۔ بخشی نے پنڈت سے دوستی گانٹھی ہوئی تھی اور موہنی کے ساتھ عشق کررہا تھا......"

"ارے مظہر جی! رہنے دو۔ کیوں پرانے زخموں کو کریدتے ہو" روی نے ایک گہری سانس لے کر ایک مرتبہ پھر میری بات کاٹ دی "اونچے طبقے کے سارے ہندو گھرانوں میں بہت گہرا میل جول ہے۔ پنڈت منوہر لال کا نصیب خراب تھا کہ وہ رستم ایرانی کے چکر میں پڑ گیا ورنہ وہ آج کہیں اور ہوتا۔ اس نے اپنی بیٹی کو بہت چالاکی سے اپنی کامیابی کا زینہ بنایا ہوا تھا۔ شہر کے آدھے رئیس زادے موہنی کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے مگر وہ بہت بے لوث لڑکی تھی۔ میں نے کبھی اسے کوئی مہنگا تحفہ نہیں دیا پھر بھی وہ مہینے میں ایک دو دن میرے ساتھ ضرور گزارتی تھی۔"

ماضی کی یادیں زندہ ہوتے ہی روی کا لب و لہجہ بدل گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے موہنی پنڈت کا نام سنتے ہی وہ اپنے بھایا جی کی خودکشی کو فراموش کر بیٹھا ہو۔ میں نے اس سے کام کی باتیں اگلوالی تھیں۔ خرافات سننے کے لیے میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں نے نئے دشمن کے خلاف تیاری کا بہانہ کرتے ہوئے فون بند کردیا۔

ذات پات اور برادری کے کڑے بندھنوں میں بندھے ہوئے باحیثیت گھرانوں کے باہمی مراسم کے بارے میں روی کا انکشاف زیادہ حیران کن نہیں تھا۔ کسی کے بتائے بغیر بھی وہ سب بہت واضح تھا۔ وہ آپس میں ملتے تھے، ایک دوسرے گہری دوستیاں جتاتے تھے اور موقع پاکر جڑیں کاٹنے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ میجر بخشی ان تضادات کی سب سے زیادہ گھناؤنی مثال بن کر ابھرا تھا۔

پنڈت منوہر لال اور موہنی پنڈت والے قصے میں، میں نے میجر بخشی کو انفرادی کج روی کی رعایت دے کر نظرانداز کردیا تھا۔ موہنی پنڈت ایک آزاد خیال ماڈل گرل تھی۔ اس کے باپ نے اپنی رنگ رلیوں کی وجہ سے اسے کھلی چھوٹ دی ہوئی تھی۔ ایسے میں بخشی جیسے عمر رسیدہ شخص کا رال ٹپکانا کسی حد تک قابلِ فہم تھا مگر موہن برادران کے معاملے میں وہ بڑی حد تک ناقابلِ معافی نظر آرہا تھا۔

جگدیش موہن ایک روکھا پھیکا اور خشک مزاج آدمی تھا۔ بخشی سے اس کی دوستی تھی۔ بخشی کو یہ علم بھی رہا ہوگا کہ کرشن کمار، ہری چند کے ذریعے موہن برادران کے وسائل اور مراسم سے فیض اٹھا رہا ہے پھر بھی وہ شیام کے ذریعے اس گھرانے کی نگرانی کراتا رہا۔ میجر بخشی کے فون اور روی موہن کے انکشافات کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آچکی تھی کہ شیام کو کرشن کمار نے موہن ہاؤس میں ملازمت دلوائی تھی۔ شیام خدمت کی آڑ میں موہنوں کی جاسوسی کرتا تھا اور اپنی جمع کی ہوئی معلومات میجر بخشی کو فراہم کرتا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو شیام موہن ہاؤس سے فرار ہونے کے بعد میجر بخشی سے رجوع نہ کرتا۔

جب تک وہ کھیل حسب منشا چلتا رہا، میجر بخشی پس منظر میں دبکا، اپنا کام کرتا رہا۔ جوں ہی بازی الٹی اور را کی بچھائی ہوئی بساط کے مہرے ایک ایک کرکے پٹتے چلے گئے، بخشی اپنے خم ٹھونک کر میدان میں اتر آیا۔ اس کی خبر لینی ضروری ہوگئی تھی۔

میری اور غزالہ کی نیند ضرور خراب ہوئی تھی مگر اس کے صلے میں مجھے بڑی کامیابی حاصل ہوچکی تھی۔ گو صبح کے آثار نمودار ہونے والے تھے مگر باہر اس وقت بھی اندھیرے کا راج تھا اور ہواؤں میں مسحور کن تازگی رچی ہوئی تھی۔ شدید ذہنی اور اعصابی دباؤ سے نجات پانے کے بعد جب میں دوبارہ بستر پر دراز ہوا تو کسی کوشش کے بغیر ہی نیند کی دیوی نے ذرا سی دیر میں مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

شاید میں دیر تک سوتا رہتا مگر دس بجے غزالہ نے مجھے نرمی سے بیدار کردیا۔ میرے چہرے پر کسل مندی اور نگاہوں میں ناپسندیدگی کی علامات دیکھ کر اس نے مجھے بتایا کہ اول خان خاصی دیر سے ڈرائنگ روم میں بیٹھا میرا انتظار کررہا تھا۔ میرے لیے بستر چھوڑنے کے سوا کوئی راہ نہیں تھی۔

غسل خانے میں پانی کی تیز دھاروں میں نہاتے ہوئے میرے سر پر میجر بخشی کی فکر سوار ہوگئی۔ وہ بہت ڈرپوک اور محتاط آدمی تھا۔ اس کے دفتری اوقات میں اس تک رسائی ناممکنات میں سے تھی۔ گھر پر بھی ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں تھا۔ اسے زیر کرنے کی بہترین راہ وہی تھی جو صبح سویرے روی موہن نے بجھائی تھی لیکن ضرورت کے مطابق اس میں کچھ ردوبدل ضروری تھا۔

بخشی نے مجھ سے فون پر بات کرتے ہوئے دوٹوک لہجے میں یہ جتادیا تھا کہ وہ میرے اور راظہر کے ساتھ روی کو بھی دوسروں کے لیے نشانِ عبرت بنانے کا تہیہ کرچکا تھا۔ اسے یہ خوش فہمی تھی کہ وہ اپنی شناخت کو پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہوگیا تھا جب کہ میں نے اس کی آواز پہچاننے کے بعد اپنے پروگرام کی داغ بیل ڈالی تھی۔ ایک بار وہ ہماری گرفت میں آجاتا تو شیام تک پہنچنا مشکل نہ ہوتا۔

میرے ذہن میں نقشہ کچھ یوں بن رہا تھا کہ میجر بخشی روایات کی پاسداری میں جگدیش موہن کی آخری رسوم میں بس واجبی سی شرکت کرے گا۔ اس کی بہترین صورت یہ ہوتی کہ وہ ارتھی روانہ ہونے سے پہلے ہی موہن ہاؤس پہنچتا اور منافقانہ انداز میں جگدیش کے پس ماندگان سے تعزیت کرکے لوٹ جاتا۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ روی نے خود کو بچانے کے لیے اسپتال میں پناہ لینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اسے یہ بات اس وقت معلوم ہوتی جب وہ موہن ہاؤس پہنچ چکا ہوتا اور اہل خانہ میں روی موہن کو موجود نہ پاتا۔

وہ ارتھی کے ساتھ موہن ہاؤس سے شمشان تک جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس لمبے دوراستے میں اس کے ساتھ کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آسکتا تھا۔ وہ اور روی، دونوں ہی اپنی اپنی جگہ خطرات بھانپ رہے تھے۔ روی کو بخشی سے براہ راست خطرہ تھا جب کہ بخشی اپنی محتاط طبیعت کا اسیر تھا۔ اگر وہ جلوس کے دوران میں روی کو مروانے کا ارادہ کرچکا تھا اس کے اسپتال پہنچنے کی خبر پانے کے بعد اسے وہ ارادہ ملتوی کرنا پڑجاتا۔ روی کو مہلت مل جاتی مگر میرے لیے وقت بہت کم رہ جاتا ہمیں میجر بخشی کے خلاف جو کچھ کرنا تھا، اس کے لوٹنے تک کرنا تھا۔

میں کپڑے تبدیل کرکے ڈرائنگ روم میں پہنچا تو اول خان کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی طاری تھی۔ رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد اس نے مجھ سے رات والے واقعے کے بارے میں سوال کیا۔ اس بارے میں میری معلومات ناقص اور محدود تھیں۔ جو کچھ ہوا، اس کے عینی شاہد ایس ٹی ایف والے تھے۔ میں اوپر پہنچا تو دونوں رائفلیں خاموش تھیں اور مشتبہ کار کا دور دور تک کہیں کوئی نشان نہ تھا۔ مجھے صرف ایک بات معلوم ہوسکی تھی کہ شیام یا میجر بخشی نے ہمارے گھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ اس وقت وہی ایسے دشمن تھے جو فون نمبر کے سہارے ہمارے گھر تک پہنچ سکتے تھے۔ ویرا کے ساتھ سلطان شاہ بھی حیرت اور خاموشی سے وہ سب سن رہا تھا۔

"شیام کے ساتھ بخشی کا نام کیسے آگیا؟" میرا جواب سن کر اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"رات اس نے فون کیا تھا" میں نے اسے آگاہ کیا اور وہ سنبھل کر اپنی جگہ پر سیدھا ہوگیا۔ وہ بات صرف اتنی ہی نہیں تھی۔ اس سے بہت سے سوالات وابستہ تھے۔ اول خان پوچھتا رہا اور میں اسے بتاتا چلا گیا کہ میں نے کن معلومات اور اندازوں کی بنا پر ایک رائے قائم کی تھی۔

جب اول خان کو اس کے ہر سوال کا جواب مل گیا تو آخر میں پھر اپنے پہلے سوال پر آگیا "یہ سب اپنی جگہ درست ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ مشتبہ کار کس کی تھی؟ وہ کون لوگ تھے جو اس طرف آئے تھے؟"

"وہ کار الجھاوے پیدا کر رہی ہے" میں نے ایمانداری سے کہا "فی الحال ہمیں اس کو بھول جانا چاہیے۔ وہ تمہارے آدمیوں کی مخلصانہ غلط فہمی بھی ہوسکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فون کرنے تک میجر بخشی کو یہ یقین نہیں تھا کہ شیام نے اسے کوئی اہم فون نمبر دیا ہے۔ فون کرنے کے بعد اسے صحیح اندازہ ہوسکا تھا جب کہ مشتبہ کار اس کا فون آنے سے پہلے دیکھی گئی تھی۔"

"میں کار کے بارے میں فکر مند تھا اور اسی وجہ سے یہاں آیا تھا۔ تم ایک بالکل نئی کہانی لیے بیٹھے ہو" وہ بولا "ویرا اور سلطان شاہ ان باتوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ کیا رات کو تم تنہا ہی جاگ رہے تھے؟"

"غزالہ بھی جاگ گئی تھی۔ ہم نے اس بارے میں تبادلہ خیال بھی کیا تھا" میں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"مگر اس نے مجھے ایک لفظ نہیں بتایا۔ سب بے خبر معلوم ہو رہے ہیں" اول خان نے شکوہ کیا۔

"اس بے چاری کو باورچی خانے سے کب فرصت ملتی ہے" ویرا نے غزالہ کے لیے کلمہ حق بلند کیا "وہ اس وقت بھی ہم سب کے لیے ناشتا تیار کرنے میں مصروف ہے۔ فارغ ہوتی تو تمہیں کچھ بتاتی۔"

"حیرت ہے کہ رات کو یہ سب ہوگیا اور ہمیں بھنک تک نہیں ملی" سلطان شاہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔

"رات نہیں، وہ صبح کا اول وقت تھا۔ اصل اور گہری نیند کا غلبہ اسی وقت ہوتا ہے۔ تم دونوں گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے" میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا "تم دونوں کو ہر وقت دیکھ بھال کی ضرورت رہتی ہے۔"

"اب تم اس کار کو نظر انداز کر کے میجر بخشی سے بھڑ جانے کا فیصلہ کیے بیٹھے ہو؟" اول خان نے پوچھا۔

"یہ میرا فیصلہ نہیں، مجبوری ہے۔ اب سارا کھیل پہل کرنے پر منحصر ہے۔ اسے وقت مل گیا تو وہ فون نمبر کے سہارے یہاں کا پتا معلوم کر کے کوئی بھی مہم جوئی کر گزرے گا۔ پہلے بھی ہم ایسے تلخ تجربات میں نقصان اٹھا چکے ہیں" میں نے جواب دیا۔

"ایک طرف تم بھارت جانے کا قصد کیے بیٹھے ہو۔ دوسری طرف میجر بخشی سر اٹھا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت تمہیں بھارتیوں سے بہت دور اور الگ تھلگ رہنا چاہیے۔ اس وقت کی آویزش بھارت میں تمہارے لیے مشکلات پیدا کرسکتی ہے" اول خان نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"تم پھر وہی بات دہرا رہے ہو۔ صبح سویرے بخشی نے مجھے فون کیا تھا۔ میں نے اسے نہیں چھیڑا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم اسے اور اس کی دھمکی کو نظر انداز کردو" ویرا بے ساختہ بولی "اول خان کی تشویش بالکل بجا ہے۔"

"بالکل نظر انداز کردو یہ یاد رکھنا کہ رات تک کرائے کے غنڈے یہاں یلغار کر کے سب کچھ تہس نہس کردیں گے" میں نے تلخ لہجے میں جواب دیا "میجر بخشی بزدل آدمی ہے۔ وہ خود سامنے نہیں آئے گا۔ دوسروں کے بل پر اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنائے گا۔"

"وہ آئے تو ہم انہیں خاک اور خون میں نہلا دیں گے" ویرا نے پرجوش لہجے میں کہا "ہم نہتے نہیں ہیں۔"

"محلے والے ہماری وجہ سے مزید کوئی خوں ریزی برداشت نہیں کریں گے" اس بار میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا "آنے والوں کو خون میں نہلانے کے بعد ہمیں بھی یہاں سے کوچ کرنا پڑے گا۔ یہ شرفا کی آبادی ہے، غنڈوں اور لڑاکوں کی بستی نہیں ہے۔"

اول خان توجہ اور خاموشی سے وہ بحث سن رہا تھا۔ اس نے دھیمے لہجے میں لب کشائی کی "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ دونوں طرف سے بات ٹل گئی ہے۔ جب تک بخشی کو لگام نہیں دی جاتی، خوں ریز تصادم کا خطرہ ہمارے سروں پر منڈلاتا رہے گا۔"

"تم اسے کس طرح لگام دو گے؟" ویرا اسی سے الجھ گئی "کیا اسے جان سے مار دو گے؟"

"یہ سوچنا پڑے گا" میں نے قدرے تشویش سے کہا "وہ سفارتی افسر ہے۔ پاکستان اور بھارت میں روز اول سے رقابت اور دشمنی چلی آرہی ہے۔ وہ لوگ کسی دلیل یا شہادت کو نہیں مانیں گے۔ جو کچھ بخشی کے ساتھ ہوگا وہی نئی دہلی میں کسی پاکستانی سفارت کار کے ساتھ ہوسکتا ہے۔"

"میرے ذہن میں بھی یہی سب اندیشے ہیں" اول خان نے میری تائید کی "میجر بخشی کے خوف سے ہم گھر چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتے۔"

"اس اعتبار سے امریکی بہت بہتر ہیں" سلطان شاہ نے زبان کھولی "یہاں ان کے متعدد آدمی مارے اور ذلیل کیے گئے ہیں لیکن اس کے جواب میں واشنگٹن یا نیویارک میں ہمارے کسی سفارتی افسر کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی گئی۔"

"امریکی اپنے ملک کا امن و امان برباد نہیں کرتے" ویرا

نے جلے کٹے لہجے میں جواب دیا "وہ اسی سرزمین پر انتقام لیتے ہیں جہاں واردات ہوتی ہے۔ کیا تم مائیکرو سینٹر کی تباہی اور اسلام آباد میں ہونے والے بم دھماکے میں چار افراد کی ہلاکت کو بھول گئے؟"

سلطان شاہ چیں بہ جبیں ہو کر رہ گیا۔ ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "اس طرح امریکیوں کی رواداری اور عظمت کا پرچم بلند رہتا ہے اور بدلہ بھی لے لیا جاتا ہے۔ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کے جو آدمی مارے یا پکڑے جاتے ہیں وہ کھلے سفارتی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں پھر بھی غنڈا گردی ہوتی ہے' بدلے لیے جاتے ہیں' دہشت گردی کر کے بے گناہ شہری مارے اور معذور کیے جاتے ہیں۔"

"پھر تم نے کیا سوچ کر میجر بخشی کے خلاف پہل کرنے کی تجویز پیش کی تھی؟" اول خان نے پوچھا۔

"اسے پکڑ کر ذہنی طور پر مفلوج کیا جائے اور پھر چھوڑ دیا جائے" میں نے سفاکانہ انداز میں کہا "اس کا دماغ شیطانی کارخانہ ہے۔ اس کی تباہی ضروری ہے۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ ان کی جوابی کارروائی ہمارے کسی آدمی پر معمولی جسمانی تشدد تک محدود رہے گی۔"

"اسے کسی مسکن دوا کا ضرورت سے زیادہ ڈوز دینا چاہتے ہو؟" اول خان نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"کیمیائی تجزیے میں ایسی دوا پکڑی جائے گی۔ دماغ کے کسی نازک حصے پر ضرب ہی سب سے بہتر رہے گی۔"

"کیوں نہ اس بارے میں فون پر جلال سے مشورہ کر لیا جائے؟" اول خان نے دھیرے سے تجویز پیش کی۔

میرے دل میں جلال کے لیے بہت عزت تھی مگر اول خان کی تجویز پر میں چڑ کر برہمی سے بولا "وہ ہمارا اتالیق نہیں ہے کہ ہر بات میں اس سے مشورہ کیا جائے۔ تم کچھ نہیں کرنا چاہتے تو اس سے مشورہ کیے بغیر بھی انکار کر سکتے ہو۔ میں تمہاری بات مان لوں گا۔"

اول خان چند ثانیوں کے لیے گنگ ہو کر رہ گیا پھر بولا "کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم بتاؤ' کیا کرنا چاہتے ہو' تم جس طرح چاہو گے' اسی طرح کیا جائے گا۔ میں نے آج تک تمہارے بتائے ہوئے کسی کام سے منہ نہیں موڑا۔"

اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ میں طیش میں آکر اس کے ساتھ زیادتی کر گزرا تھا۔ میں نے اسے منانے کے لیے مفاہمانہ لہجے میں کہا "تم جانتے ہو کہ جلال کس ایجنسی کے لیے کام کرتا ہے۔ ان لوگوں کے اپنے ضابطے اور مجبوریاں ہیں۔ وہ ہمیں قانون کے دائرے سے باہر کوئی کام کرنے کا مشورہ نہیں دے گا۔ ہم نے اسے چھیڑا تو اخلاقی طور پر ہم اس کے مشورے کے پابند ہو کر رہ جائیں گے۔"

"کسی سے مشورہ لیا جائے تو پھر اس کا احترام کرنا لازم ہو جاتا ہے۔" ویرا نے سرہلاتے ہوئے میرا ساتھ دیا "وہ ہمارا قابلِ احترام دوست ہے۔ سب کچھ کر گزرنے کے بعد اسے بتا دیا جائے کہ کیا کچھ ہوا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی شکوہ کر لے گا مگر ہمیں روک نہیں سکے گا۔"

"میں امریکیوں کے چکر میں ایک مرتبہ تبادلے کی سزا بھگت چکا ہوں۔" اول خان نے ماضی کو یاد کرتے ہوئے ہلکی سی تلخی سے جواب دیا "وہ بحری جہاز سے ممنوعہ ہتھیاروں کی ایک بھاری کھیپ ملک میں اسمگل کرنے کا کھلا کیس تھا۔ اس معاملے میں میرے باس پر اتنا شدید دباؤ ڈالا گیا کہ وہ میرے اقدام کو حق بہ جانب سمجھنے کے باوجود میرا تبادلہ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔"

"وہ واقعہ مجھے آج بھی یاد ہے مگر وہ حکومت کمزور تھی۔ امریکا سے گورے کلرک تک آکر یہاں کے بڑے بڑے عہدے داروں کو ڈانٹ پھٹکار کر چلے جاتے تھے اور کسی میں دم مارنے کی جرائت نہیں ہوتی تھی۔ آج وہ حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔" میں نے بہت تحمل سے کہا۔

"اور ہمارے سامنے امریکی نہیں' بھارتی ہیں۔ ان کا کوئی اثر و رسوخ ہے نہ حمایت۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

"بھارتیوں کے بارے میں یہ تمہاری بھول ہے۔" ویرا نے ٹانگ اڑائی "بھارتی براہِ راست بے بس ہیں لیکن درپردہ انہیں امریکا کی بھرپور تائید اور حمایت حاصل ہے۔ امریکی ان کی ہر بات پوری توجہ اور پسندیدگی کے ساتھ سنتے ہیں۔ اس کے باوجود ہمیں اپنے مفاد کے تحفظ کا پورا حق حاصل ہے۔"

غزالہ موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے ٹرالی پر ناشتا سجا کر ڈرائنگ روم میں لے آئی تھی۔ اول خان نے ناشتے کا آغاز کرتے ہوئے مجھے ایک مرتبہ پھر ٹوکا اور میں نے اسے میجر بخشی کے بارے میں اپنے پروگرام سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

○☆○

موہن ہاؤس کے باہر بھانت بھانت کے ماڈلز کی گاڑیوں کا ہجوم دیکھ کر مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ موہن برادران کا میل جول کا حلقہ کتنا وسیع تھا۔ احاطے میں نصب پر شکوہ پھاٹک کا ایک در کھلا ہوا تھا۔ پورچ میں پڑی ہوئی کرسیوں پر لوگوں کی خاصی تعداد براجمان تھی۔ بہت سے افراد باہر ٹولیوں کی شکل میں کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ بہت سی گاڑیوں میں ڈرائیور وغیرہ بھی موجود تھے۔

اول خان نے پھاٹک سے آگے نکل کر گاڑی گھمائی اور ایسی جگہ پارک کردی کہ موہن ہاؤس کے پھاٹک سے باہر نکلنے والے ہمیں نظر آتے رہیں۔ ہم دونوں کسی فکر کے بغیر اپنی گاڑی میں ہی بیٹھے رہے۔ وہاں جو ماحول تھا' اس کی روشنی میں ہمیں کسی کی توجہ کا مرکز بننے کا اندیشہ نہیں تھا۔

اس مہم پر ہم دونوں کے آنے کا سبب یہ تھا کہ ہم ہی میجر بخشی کو بہت اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اول خان اپنے پیشے کی ذمے داریوں کی بنا پر مشتبہ سفارت کاروں کی ذاتی طور پر دیکھ بھال کرتا تھا۔ میں کرنل جمال دستی کے روپ میں براہ راست میجر بخشی سے ملتا رہا تھا۔ ان دنوں وہ مجھے ایس ٹی ایف سے منحرف سمجھ کر مجھ پر ڈورے ڈالنے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا۔ وہ سلسلہ اس قدر طول پکڑ گیا تھا کہ اس سے گلوخلاصی کے لیے آخری ایام میں مجھے یہ کہانی تراشنی پڑی کہ مجھے ایس ٹی ایف میں مشتبہ قرار دے کر فارغ کردیا گیا تھا اور جبری طور پر مسقط روانہ ہونے کا حکم دے دیا گیا تھا۔

اس دوران میں' میں نے دانستہ طور پر اپنے حلیے میں ایسی تبدیلیاں کرلی تھیں کہ میجر بخشی پہلی نظر میں مجھے کرنل جمال دستی کے طور پر ہرگز نہیں پہچان سکتا تھا۔ ہاں' میرے یاد دلانے پر وہ آواز' چال ڈھال اور انداز گفتگو سے فوراً سمجھ لیتا کہ اس کا کس سے پالا پڑا ہے۔

ہم نے گھر سے نکلنے سے پہلے یہ اطمینان کرلیا تھا کہ میجر بخشی ''کسی کام'' سے نکلا ہوا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس روز بخشی کے لیے جگدیش موہن کی خودکشی پر اس کے پس ماندگان سے تعزیت سے زیادہ اہم کوئی کام نہیں تھا۔ میں نے اس کے گھر فون کیا تو وہاں گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کے دفتر فون کیا تو کسی خاتون نے جواب دیا۔ وہ خود فون پر نہیں تھا۔

میجر بخشی کے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے اس خاتون نے میرا تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے بتایا کہ میرا نام تلک رام تھا۔ میجر بخشی نے پچھلی رات یہ طے کیا تھا کہ وہ میرے ساتھ مل کر جگدیش موہن کے گھر جائے گا۔ اس اجنبی خاتون کے لیے میرا نام اور تعارف متاثر کن تھا۔ اس نے کسی وسوسے میں پڑے بغیر بتادیا کہ میجر بخشی اپنے گھر سے نکل کر سیدھا موہن ہاؤس گیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر اسے اپنے دفتر آنا تھا۔

وہ اطلاع ملتے ہی ہم دونوں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ہمیں ڈر تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے میجر بخشی وہاں سے روانہ ہوگیا تو وہ سنہری موقع ضائع ہوجائے گا۔ ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ اس وقت میجر بخشی کہاں موجود تھا۔

ہم دونوں اس کے انتظار میں موہن ہاؤس کے باہر اپنی گاڑی میں بیٹھے رہے۔ میں عجلت میں روانگی کے سبب صبح کا اخبار نہیں دیکھ سکا تھا لیکن راستے میں باتوں کے دوران میں اول خان نے میرے استفسار پر دو نکات واضح کردیے تھے۔

گھریلو اسباب کی بنا پر جگدیش موہن کی خودکشی کی خبر اخبار کے پہلے صفحے پر نمایاں انداز میں شائع کی گئی تھی اور پچھلے روز مقامی پولیس دن کے گیارہ بجے سے پہلے ہری چند کی اس مسخ شدہ لاش تک پہنچ گئی تھی جسے اول خان کے آدمیوں نے صبح سویرے شہر کے ایک غیر آباد ساحلی علاقے میں ڈال دیا تھا۔

پچھلی شام میں نے ہری چند بن کر میجر بخشی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہوتی تو اس کا بھڑکنا یقینی تھا۔ وہ ایک فعال اور متحرک سفارت کار تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے مفادات سے تعلق رکھنے والی ایسی تمام خبروں اور افواہوں سے باخبر رہتا ہوگا جو شہر میں جنم لیتی رہتی تھیں۔

''یہاں بیٹھ کر انتظار کرنا خاصا صبر طلب کام ہے۔'' میں نے اپنی آنکھوں پر جمے ہوئے دھوپ کے چشمے کو درست کرتے ہوئے کہا ''ہم دونوں میں سے کسی نے بھی اندر قدم رکھا تو موہن ہاؤس کے ملازمین ہمیں پہچان لیں گے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کیا جائے۔''

''اس وقت انتظار کرنا ہی ہمارے حق میں بہتر رہے گا۔ میں تمہیں کوئی خطرہ مول لینے کا مشورہ نہیں دوں گا۔'' اول خان نے فکرمندانہ لہجے میں کہا ''یہاں پہنچنے کے بعد مجھے محسوس ہورہا ہے کہ میجر بخشی کے بارے میں ہمارا منصوبہ خاصا مشکل اور بے لچک ہے۔''

''کیوں؟ تمہیں اس کے اغوا میں کیا دشواری حائل ہوتی نظر آرہی ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''ہمارے پاس بہت کم وقت ہوگا۔ پروگرام طے کرتے ہوئے ہم یہ بھول گئے کہ موہن ہاؤس سے بھارتی قونصلیٹ کا تقریباً سارا راستہ بہت پرہجوم اور بارونق ہے۔ کسی بھری پری سڑک سے ہم اسے نہیں لے جاسکیں گے۔''

اول خان کا وہ اندیشہ درست تھا۔ اولڈ کلفٹن کا وہ محدود رہائشی علاقہ ہی کچھ پرسکون اور ویران ویران سا تھا۔ میجر بخشی وہاں سے نکل کر مین کلفٹن روڈ پر پہنچ جاتا تو وہاں سے فاطمہ جناح روڈ تک' کہیں کوئی ایسا سنسان مقام نہیں آتا تھا جہاں اسے گھیرا جاسکے۔

''ہمارے پاس کوئی متبادل نہیں ہے۔'' میں نے چند ثانیوں تک اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد کہا ''وہ ایک مرتبہ اپنے دفتر میں جاگھسا تو اس پر ہاتھ ڈالنے کا موقع ملنا مشکل ہے۔ کسی بزدل حریف کو گھیرنا آسان نہیں ہوتا۔''

''دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔'' اول خان نے بے یقینی سے

کہا ”ابھی تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ گاڑی خود چلا رہا ہے یا ڈرائیور کے ساتھ یہاں آیا ہوا ہے۔ اگر وہ ڈرائیور کے ساتھ ہے تو پھر ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔ کوئی بھی چوک ہوئی تو ڈرائیور گاڑی نکال لے جائے گا۔“

میں نے اپنا اعتماد متزلزل ہوتا محسوس کیا اور ہلکی سی کھوکھلی ہنسی کے ساتھ کہا ”وہ عام طور پر خود ہی ڈرائیونگ کرتا ہے۔“

”بڑے افسران اپنے دفاتر میں آمدورفت کے لیے شوفر کی موجودگی ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سے شان وشوکت کا اظہار ہوتا ہے۔“

ہم باتوں میں وقت گزارتے رہے۔ تقریباً بیس منٹ بعد موہن ہاؤس کے پھاٹک سے ہمیں میجر بخشی نکلتا ہوا نظر آیا۔ اس کے شانے ڈھلکے ہوئے تھے اور وہ آنے والی بدنصیبی سے بالکل بے خبر، اطمینان سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا ہماری طرف آرہا تھا۔ وہ دن کا وقت تھا۔ سورج کی تیز روشنی میں دور ہی سے دیکھا جاسکتا تھا کہ اپنے ایک قریبی دوست کی خودکشی پر میجر بخشی کے چہرے پر کوئی حزن وملال نہیں تھا۔

تھوڑی سی پیش قدمی کے بعد وہ سڑک کے دوسرے پہلو پر پارک کی ہوئی ایک گاڑی کے پاس رک گیا۔

یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ وہ رک کر چابی سے ڈرائیونگ سیٹ کے دروازے کا قفل کھول رہا تھا۔ اس کے آس پاس کسی ڈرائیور کا سایہ تک نہیں تھا۔ اول خان کے ایک حوصلہ شکن اندیشے کی تردید ہوچکی تھی۔ میری دانست میں وہ ہمارے لیے نیک شگون تھا۔

میجر بخشی کی گاڑی کے حرکت میں آنے سے پہلے اول خان اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ جوں ہی بخشی کی کار قطار سے نکل کر آگے بڑھی، اول خان کی گاڑی بھی حرکت میں آگئی۔ بس گلی کے اختتام تک وہ ترتیب برقرار رہی۔ بخشی نے اپنی کار واپس گھمانے کے بجائے موڑ کاٹ کر دوسری سڑک سے واپس جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنے فیصلے کے نتیجے میں وہ آبادی کے اندرونی اور قدرے سنسان حصے میں آنکلا تھا۔ اول خان نے وہ سب پہلے ہی سوچا ہوا تھا۔ اس نے یکایک اپنی گاڑی کی رفتار بڑھادی اور موڑ پر بخشی کے برابر سے ہوتا ہوا آگے نکلتا چلا گیا۔

اس کی وہ حرکت بڑی حد تک اضطراری اور بے حد خطرناک تھی۔ اس وقت موڑ پر مخالف سمت سے کوئی گاڑی آنکلی ہوتی تو اس سے ہمارا آمنے سامنے کا زوردار تصادم ہونا یقینی تھا مگر وہ راستہ خالی تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے ابتدائی فکر اور تشویش کے بعد ہمارے کام خود بہ خود آسان ہوتا جارہا ہو۔

وہ موڑ گھومنے کے بعد دل خوش کردینے والا منظر ہمارے سامنے تھا۔ داہنی طرف ایک چھوٹا سا خالی میدان تھا۔ بائیں طرف وسیع رقبے پر بنے ہوئے مکانوں کے احاطے کی دیواریں کھڑی ہوئی تھیں۔ بڑے مکانات پر مشتمل بیشتر آبادیوں کی طرح وہاں بھی سناٹے کا راج تھا جسے اس ماحول کے عادی شہری سکون کا نام دیتے ہیں۔ اول خان نے میدان صاف پاکر اپنی گاڑی کو اتنی تیزی سے بائیں طرف دبایا کہ میجر بخشی اپنی تمام تر کوشش کے باوجود ایک ہلکے سے تصادم کو نہ ٹال سکا۔

اس کی کار کا بمپر کا داہنا حصہ ہماری گاڑی سے ٹکرایا تھا۔ اول خان نے بریک لگادیے۔ میجر بخشی اپنی کار کا انجن بند کرکے ہم دونوں کے ساتھ ہی اپنی کار سے نیچے آیا تھا۔ اس کی بھویں تنی ہوئی تھیں اور چہرے پر شدید برہمی کے آثار تھے۔

”تم بہت رف ڈرائیونگ کررہے تھے۔“ وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے انگریزی میں بولا ”میں بروقت بریک نہ لگاتا تو یہ حادثہ سنگین ہوسکتا تھا۔“

اس کے مقابلے میں اول خان کی شخصیت مرعوب کن تھی اس لیے میجر بخشی اپنے غصے کا پوری طرح اظہار نہ کرسکا۔ اول خان نے اپنی گاڑی کا جائزہ لیا اور بولا ”نقصان ہم دونوں کا ہوا ہے۔ غلطی میری نہیں، تمہاری ہے۔ تم نے پیچھے سے کار لڑائی ہے۔“

میجر بخشی کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمودار ہوئے مگر اس کے بولنے سے پہلے میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے اپنے داہنے ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی میں نگینے کی جگہ لگے ہوئے کیپسول کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمایا تھا۔ میں نے بخشی کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر کہا ”بڑے میاں! زیادہ مت پھیلو۔ ہمارا نقصان پورا کرو ورنہ تھانے چلنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔“ میں نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے داہنے ہاتھ کی انگلیوں پر ہلکا سا زور ڈالا۔

کیپسول میں بھرا ہوا سریع الاثر سیال باریک سوئی کے ذریعے میجر بخشی کے جسم میں اتر گیا۔ اس نے غصیلی نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن اسے جواب دینے کی مہلت نہ مل سکی۔ وہ کھڑے کھڑے تیورا گیا۔ میں نے پھرتی سے اسے اپنے بازوؤں پر سنبھال لیا۔ اول خان نے دوسری طرف سے بخشی کی بغل میں ہاتھ دیا اور ہم نے آناً فاناً میں اس کے بے ہوش وجود کو اول خان کی گاڑی کی عقبی نشست پر پہنچادیا۔

میں نے یہ بات پہلے نوٹ کرلی تھی کہ میجر بخشی کی کار کوئی سفارتی نمبر پلیٹ نہیں تھی۔ وہ پرائیویٹ نمبر والی کا

استعمال کر رہا تھا۔

"تم اس کی کار لے کر میرے پیچھے چلے آؤ۔" اول خان نے اپنی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے مجھے ہدایت دی۔

جب تک ہم انتظار کے تکلیف دہ مراحل سے گزر رہے تھے، وہ سب بہت مشکل نظر آرہا تھا۔ جب کارروائی کرنے کا وقت آیا تو سب کچھ اتنی سرعت اور روانی سے ہوتا چلا گیا جیسے وہ کسی ڈرامے کا پہلے سے لکھا ہوا منظر ہو اور ہر اداکار کو معلوم ہو کہ اسے کیا کرنا ہے۔ میجر بخشی کو کسی بھی قسم کی مزاحمت کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ہماری دوسری خوش نصیبی یہ تھی کہ دور دور تک کوئی متنفس موجود نہیں تھا جو ہماری اس کارروائی میں مخل ہوتا یا عینی شاہد بنتا۔

میں نے میجر بخشی کی کار کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، انجن اسٹارٹ کیا اور اول خان کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

ہم دونوں گھر سے روانہ ہوئے تو سب ہمارے بارے میں فکر مند تھے۔ سوچنے کی حد تک بخشی کا اغوا بہت مشکل کام نظر آرہا تھا۔ میں نے گاڑی چلاتے ہوئے بائیں ہاتھ کی مدد سے موبائل فون پر گھر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے فوراً ہی ویرا لائن پر آگئی۔

"تم کہاں اور کس حال میں ہو؟" میری آواز سنتے ہی ویرا نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"حال نہ پوچھو، بس یہ سمجھ لو کہ مرغا جال میں ہے اور اب ہم واپسی کا سفر طے کر رہے ہیں۔"

"واپسی میں دیر ہو تو فون پر رابطہ کرتے رہنا۔" ویرا نے تاکید کی پھر بتایا "تھوڑی دیر پہلے تمہارے لیے جلال کا فون آیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ موبائل پر تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔"

"اس وقت میں اس سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" میں نے تیزی سے کہا "جب تک بخشی کا قصہ نہیں نمٹ جاتا، اس سے کوئی بات نہیں ہوگی۔ اس کا دوبارہ فون آئے تو تم میری طرف سے بے خبری ظاہر کرنا۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں کہاں مل سکوں گا۔"

"وہ تم سے بات کرنے کے لیے خاصا مضطرب تھا۔ تم سے رابطہ نہ ہوا تو وہ اول خان کو پکڑ لے گا۔" ویرا نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"اس کی فکر نہ کرو۔ اسے میں سمجھا دوں گا بلکہ وہ خود بھی الگ تھلگ رہے تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم جلال کی طرف سے اچانک اتنے بھڑک گئے ہو۔ تم نے ایک قدم اٹھالیا ہے۔ اب وہ تمہیں کیا مشورہ دے سکتا ہے؟"

"اسے بھڑکنا نہیں کہتے۔ میں احتیاط سے کام لے رہا ہوں۔ بخشی سے نجات حاصل کرنے کے بعد میں خود اس سے بات کرلوں گا۔"

ہم اولڈ کلفٹن سے نکل کر مصروف تر سڑکوں پر پہنچ رہے تھے۔ میں نے گفتگو مختصر کرکے فون بند کیا اور پھر اس کا سوئچ ہی آف کردیا کہ باہر سے آنے والی کوئی بھی فون کال میرے ایرئیس تک نہ پہنچ سکے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ جلال سے بات ہوئی تو وہ میجر بخشی کے بارے میں ہمارے فیصلے سے اختلاف کرے گا۔

اول خان نے شہر کے وسط سے گزرنے کے بجائے ڈیفنس کا راستہ اختیار کیا تھا۔ میں اس کے پیچھے تھا اور دل ہی دل میں اس کی حاضر دماغی کو سراہ رہا تھا۔ اس سفر میں میجر بخشی کی کار میرے استعمال میں تھی۔ شہر کے قلب سے گزرنے میں یہ خطرہ تھا کہ بخشی کا کوئی دوست یا ساتھی اس کی گاڑی میں ایک اجنبی چہرہ دیکھ کر خطرے کی بو سونگھ لیتا اور شہر میں قبل از وقت ہی وہ خبر پھیل جاتی۔ ایسی صورت میں ہم بخشی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اپنی مرضی کی راہ اختیار نہیں کرسکتے تھے۔ اس واقعے کی سنگینی کو کم کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ بخشی اور اس کی کار ایک ہی مقام سے بازیاب ہو تاکہ اس کے اغوا کی کسی کہانی میں جان نہ پڑ سکے۔

ڈیفنس، گورا قبرستان اور پھر شارع فیصل سے ہوتے ہوئے ہم تھوڑی دیر بعد ملیر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہوگئے۔ اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ سے گزرنے کے بعد اول خان اپنی گاڑی کو اس بلاک کی طرف لیتا چلا گیا جس میں اس کا دفتر واقع تھا۔ وہاں حامد اور اس کے چند ماتحتوں نے ہمارا استقبال کیا۔ اول خان نے ان کو بخشی کے بارے میں چند ہدایات دیں اور مجھے ساتھ لے کر اپنے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔

دفتر میں پہنچ کر میں نے اسے بتایا کہ جلال میری تلاش میں تھا مگر میں نے اس سے بچنے کے لیے اپنا موبائل فون بند کردیا تھا۔

"اب ہم بخشی پر ہاتھ ڈال چکے ہیں۔ وہ ہم سے یہ توقع نہیں کرسکتا کہ ہم اپنا کام ادھورا چھوڑ کر اسے آزاد کردیں گے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے کہا "تمہیں دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اپنی مجبوریوں کے ساتھ وہ تمہارے طریقہ کار سے بھی اچھی طرح واقف ہے۔"

"بخشی ہوش میں آجائے اور ہم اس کے تیوروں کا اندازہ لگالیں پھر میں جلال سے بھی بات کرلوں گا۔" میں نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا "اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک نام باقی تھا۔ بخشی کے ذریعے ہمیں شیام کا سراغ لگانا تھا۔ اسے ختم کرنے کے بعد کہانی کا وہ باب مکمل طور پر ختم

ہو جاتا۔

اول خان کے نوادرات کے ذخیرے سے دستیاب ہونے والی انگوٹھیوں کی کارکردگی میرے لیے آزمودہ تھی۔ ہم لوگ چائے نوشی سے فارغ ہوئے تھے کہ حامد نے دفتر میں آکر بخشی کے ہوش میں آنے کی اطلاع دی۔ اول خان نے اٹھ کر دراز بند کی اور ہم اس کے دفتر سے باہر نکل گیا۔

میرا خیال تھا کہ بھارتی فوج کے ریٹائرڈ میجر بخشی کو ایس ٹی ایف کی روایات کے مطابق کسی خالی کوٹھری میں بند کیا گیا ہوگا لیکن میں اندر داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ کوئی دفتر تھا۔ میز کے پیچھے پڑی ہوئی بڑی سی کرسی خالی تھی۔ میجر بخشی ملاقاتیوں والی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سر پر ایس ٹی ایف کے دو سیاہ پوش اہل کار مسلّط تھے جن سے وہ نالاں نظر آرہا تھا۔

اس نے ہمیں بہت غور سے دیکھا۔ اس کی پھیلی ہوئی آنکھوں میں خوف اور تشویش کے سائے لرزاں تھے۔

اول خان اس پر کوئی خاص توجہ دیے بغیر گھومنے والی کرسی پر جا بیٹھا۔ میں نے پہلو میں پڑی ہوئی کرسی سنبھال لی تاکہ کسی حد تک بخشی کے چہرے کا جائزہ لیتا رہوں۔ وہ میز کے ایک سرے پر اول خان کے روبہ رو موجود تھا۔ حامد دونوں ماتحتوں کے ساتھ دیوار کے قریب کھڑا ہوا تھا۔

"تم لوگ کون ہو اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد بخشی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کچھ ضروری مذاکرات کرنے تھے۔" اول خان نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر خشک لہجے میں کہا "تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میجر بخشی نے بے بسی سے اپنے اردگرد نظریں دوڑائیں پھر کہا "یہ کوئی سرکاری دفتر معلوم ہوتا ہے۔ شاید تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ میں تمہارے ملک میں مہمان سفارت کار ہوں۔ مجھے ویانا کونشن کے تحت یہاں بہت سے تحفظات اور سہولتیں حاصل ہیں۔ تم مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ مجھ سے کوئی شکایت ہے تو میرے سفارت خانے سے رجوع کرو اور مجھے ناپسندیدہ قرار دے کر یہاں سے نکال دو۔ اس سے آگے تمہاری ہر حرکت غیر قانونی ہوگی۔"

"تمہیں قانون پڑھانے کے لیے نہیں لایا گیا۔" اول خان کا اشارہ پا کر میں نے سخت لہجے میں کہا "تمہیں اگر قانون کی ابجد سے بھی واقفیت ہے تو تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ شرفا کو فون پر قتل و خوں ریزی کی دھمکیاں دینا کس قدر سنگین جرم ہے۔"

"میں نے کسی کو کوئی دھمکی نہیں دی۔" اس نے ہڑبڑاتے ہوئے، مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"میرا نام مظہر ہے۔" میرے وہ الفاظ اس کے اعصاب کے لیے بم ثابت ہوئے۔ وہ کرسی میں یوں اچھلا جیسے اچانک کسی بچھو نے اسے ڈنک مار دیا ہو۔ میں نے اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "آج صبح سویرے تم نے مجھے دھمکیاں دی تھیں۔ ان کے جواب میں تم اس وقت یہاں نظر آرہے ہو۔ یہ اظہر ہیں۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر اول خان کی طرف اشارہ کیا "چاہو گے تو روی بھی یہاں آجائے گا۔"

"پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔" اس نے اپنے نچلے ہونٹ پر زبان پھیرتے ہوئے کہا "میں کسی اظہر یا مظہر کو نہیں جانتا۔ روی میرے مرنے والے دوست کا بھائی ہے مگر مجھے اس سے بھی کوئی پرخاش نہیں ہے۔ میں کسی کو فون پر کیوں دھمکیاں دوں گا؟"

"تم نے اپنا نام نہیں بتایا تھا مگر تمہاری آواز پہچان لی گئی تھی۔" یہ کہہ کر میں نے اپنی کرسی چھوڑ دی اور ٹہلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے بوکھلا کر اپنی کرسی چھوڑ دی۔ گفتگو شروع ہونے کے بعد اس کا خوف دھیرے دھیرے دہشت میں تبدیل ہو رہا تھا۔

میں اس کے سامنے کھڑا، چند ثانیوں تک اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر یکایک میرا داہنا ہاتھ گردش میں آیا۔ تڑاخ کی آواز کے ساتھ بھرپور طمانچہ اس کے بائیں رخسار پر پڑا اور وہ اپنا توازن کھو کر کرسی سمیت فرش پر گر گیا۔

طمانچہ کھا کر اس کے منہ سے چند مہمل آوازیں نکلی تھیں پھر وہ پھٹ پڑا "یہ ظلم اور زیادتی ہے۔ تم مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔۔"

"شٹ اپ!" میں نے دہاڑ کر اسے ڈانٹا پھر اس کی قمیص کا کالر کھینچ کر اسے فرش سے اٹھنے میں مدد دی۔ پہلی مار کھا کر اس کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔ وہ اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہ سکا اور کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔

"تت ... تم ... مظہر نہیں ہو۔" وہ خوف زدہ آواز میں ہکلایا "تمہاری آواز بدلی ہوئی اور کچھ جانی پہچانی سی ہے۔"

"ہاں!" میں نے درشت لہجے میں اس کی بات کاٹی "اب تمہارا دماغ صحیح سمت میں چل رہا ہے۔ صبح میں نے تمہاری آواز پہچان کر اپنی آواز بدل لی تھی۔ ذہن پر تھوڑا سا زور دو گے تو تمہیں ریٹائرڈ کرنل جمال دستی یاد آجائے گا۔ تمہیں آخر دنوں میں اس پر شبہ ہونے لگا تھا کہ وہ ڈپنی ہے۔ تم اور اوبرائن اسے گھیرنا چاہ رہے تھے۔ وہ تم سے کھیل رہا تھا۔ وہ سب میرے ہی روپ تھے۔"

میری باتیں سن کر، اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی چلی گئیں۔ میرے خاموش ہونے پر اس کے ہونٹوں سے پھنسی پھنسی، سرگوشیانہ آواز برآمد ہوئی "تم ڈینی ہو؟ اس کا مطلب ہے کہ میرے شبہات روزِ اول ہی سے درست تھے۔"

"اب تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ تم کہاں ہو۔ یہ کوئی سرکاری دفتر نہیں ہے۔ یہ کمرا تمہارا مقبرہ بھی بن سکتا ہے۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے ایک لمبا اور گہرا سانس لینے کے بعد تھکی تھکی آواز میں پوچھا۔

"تھوڑا سا تعاون!" میں نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ہمیں معلوم ہے کہ تم بڈھے ہو۔ آوارگیوں کی وجہ سے تمہاری ہڈیوں کا گودا بہت کم رہ گیا ہے۔ ہم تم پر تشدد نہیں کرنا چاہتے۔ بولتے رہو گے تو اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ اڑنے یا مکاری دکھانے کی کوشش کی تو تمہارا حشر کرشن کمار اور ہری چند سے بھی زیادہ خراب ہوگا۔ ہم تمہیں سسکا سسکا کر مار ڈالیں گے۔"

"تمہارے تیور خراب ہیں۔" وہ اپنے بائیں رخسار کو سہلاتے ہوئے بولا "تم نے مجھے بتایا ہے کہ تم ہی ڈینی ہو۔ یہ تمہاری نیت کی خرابی کی نشانیاں ہیں۔ مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم مجھے مارنے کا فیصلہ کر چکے ہو۔ میں کچھ بھی کر لوں، تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے۔"

میں نے اسے پوری بات کہہ لینے کا موقع دیا پھر زبان کھولی "ایسا نہیں ہوگا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم نے ہٹ دھرمی نہ دکھائی تو تم زندہ رہو گے۔ تمہارا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ ہم خاموشی سے تمہیں آزاد کر دیں گے۔"

"میں کیسے مان لوں؟ تم آج تک صرف اس وجہ سے زندہ ہو کہ تمہاری کوئی تصویر ریکارڈ پر نہیں ہے۔ کوئی تمہیں دیکھ کر ڈینی کی حیثیت سے نہیں پہچان سکتا۔ تم ایسے آدمی کو کیوں زندہ چھوڑو گے جو تمہیں پہچاننے کے قابل ہو چکا ہو۔"

"یہ پرامن بقائے باہمی کا سودا ہوگا۔" اس کے اٹھائے ہوئے مضبوط نکتے پر چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد میں نے زبان کھولی "تم مجھے بھولے رہو گے، میں تمہیں نظرانداز کرتا رہوں گا۔ جس دن تم نے میرے خلاف زبان کھولی، موت کہیں نہ کہیں سے تم پر ٹوٹ پڑے گی۔"

"تمہارے لیے میں دشمن ہوں... دشمنوں میں بھی شاید ایک نمبر دشمن۔ میں تمہارے قبضے میں آیا ہوا ہوں۔ تمہیں میری زندگی سے کیا محبت ہو سکتی ہے۔ تم مجھے کیوں زندہ رہنے دو گے؟ تم کیوں مجھے فریب دینے کی کوشش کر رہے ہو؟"

وہ بدکا ہوا تھا۔ اسے راہِ راست پر لانے کے لیے یہ یقین دلانا ضروری ہو گیا تھا کہ میں اسے زندہ رکھنے کے بارے میں کوئی جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ یکایک میرے ذہن میں جلال کے فلسفے نے سر ابھارا اور میری زبان خود بہ خود چل پڑی۔

"تم ہمارے گلے کی ہڈی ہو۔" میں نے کہا "تمہیں نگلا جا سکتا ہے نہ اگلا جا سکتا ہے۔"

وہ خاموش اور سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا جیسے میری طرف سے مزید وضاحت کا منتظر ہو۔ میں نے دل ہی دل میں اس خبیث کو ایک بھاری سی گالی دے کر اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھا "اس بات کو یوں سمجھ لو کہ تم کتنے ہی بدمعاش اور موذی سہی، یہاں اپنے ملک کے ایک اہم سفارتی افسر ہو۔ تمہیں مار دیا گیا تو نئی دہلی میں اس کا ردِعمل ہوگا۔ تمہاری برادری کے لوگ تمہارے رتبے کے کسی پاکستانی افسر کو مار ڈالیں گے۔ یہ سودا بہت مہنگا ہوگا۔ یہ خطرہ ہم مول لے سکتے ہیں اور نہ نئی دہلی والے ایسی کوئی حماقت کریں گے۔ آپس کی دیرینہ دشمنی کے باوجود یہ خوف دونوں کے سفارتی عملے میں چھپے ہوئے سرکاری جاسوسوں اور مخبروں کی زندگی کا ضامن ہے۔ اب تمہیں یقین آ جانا چاہیے کہ تم زندہ رہو گے۔"

"تم بہت خوں خوار اور درندہ صفت دشمن ہو۔ تمہاری شہرت خراب ہے۔ دشمن ہاتھ آ جائے تو تم اسے بے رحمی سے ادھیڑ ڈالتے ہو۔ تمہاری زبان سے زندگی کی یہ سب یقین دہانیاں عجیب محسوس ہو رہی ہیں۔" وہ میری طرف سے شدید بے اعتمادی میں مبتلا تھا۔

"میں اتنا سفّاک نہیں ہوں۔ تمہیں مارنا ہوتا تو میں اسی وقت تمہارا خاتمہ کر دیتا جب میں جمال دستی بن کر تمہارے بہت قریب ہو گیا تھا۔ جس خوف نے اس وقت مجھے تمہارے خون سے دور رکھا وہی اندیشہ اب بھی تمہاری زندگی کا ضامن ہے۔"

اس کا دہانہ خشک ہو رہا تھا اس نے تھوک نگل کر بولنے کی کوشش کی تو اس کے الفاظ کا تلفظ بگڑا ہوا تھا "تم پر اعتبار کرنا مشکل ہے پھر بھی تم پوچھ لو۔ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"مجھے آدمی کے بدلے آدمی چاہیے۔ شیام کہاں چھپا ہوا ہے؟" میں نے براہِ راست سوال کیا۔

"تو کیا تم میرے بجائے اسے مارنے کا ارادہ کیے بیٹھے ہو؟" اس نے میرے سوال پر چونک کر پوچھا۔

"تمہیں اپنی زندگی کے سوا کسی اور چیز سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔" میں نے سرد مہری سے کہا "شیام یہاں کوئی سفارتی افسر نہیں ہے۔ وہ یہاں کا شہری ہے۔ اس نے

کوئی غداری کی ہے تو اس کو سزا ملنی ضروری ہے۔ یہ بتاؤ کہ وہ کہاں ملے گا۔"

"اس نے کسی سے غداری نہیں کی۔ وہ سب آپس کی باتیں تھیں۔ کرشن کو ہمیشہ سے دھڑکا رہتا ہے کہ روی کسی بھی وقت اس کی پیٹھ میں خنجر گھونپ سکتا ہے۔ اس ڈر کی وجہ سے اس نے شیام کو موہن ہاؤس میں ڈالا ہوا تھا۔ کرشن کمار کا وہ ڈر بالکل صحیح تھا۔ شیام نے خبر دی ہے کہ اسے روی نے ہی تمہارے ہاتھوں مروایا تھا۔ اس نے کرشن کمار کے ساتھ اپنے سالے سے بھی بے وفائی کی..."

"آپس کی ان باتوں سے تمہارا کیا تعلق تھا؟ وہ ایسی ذاتی باتیں تم تک کیوں پہنچاتا تھا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ماروتی کے لچھن اچھے نہیں ہیں مگر وہ کرشن کمار کو منہ نہیں لگاتی تھی۔ میں نے جب بھی اس سے قریب ہونے کی کوشش کی، اس نے مجھے انکل کہہ کر میرے ارمانوں پر اوس ڈال دی۔ اس خوب صورت ناگن کی وجہ سے میں نے کرشن کمار کو مشورہ دیا تھا کہ وہ کسی کو اس گھر کی نگرانی پر لگا دے۔ اس نے شیام کو وہاں بھیج دیا۔ وہ اپنی خبریں مجھے دیتا تھا۔ میں کرشن کمار سے بات کر لیا کرتا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے اور کرشن کمار کے درمیان گہرے مراسم تھے؟" میں نے طنز سے سوال کیا۔

"تم جانتے ہو کہ جب سیکرٹ ایجنٹ اپنے ملک سے باہر رہ کر ایک ساتھ کام کرتے ہیں تو ان کے درمیان کیسی گہری دوستیاں ہو جاتی ہیں۔" اس نے اس مرتبہ کھلے دل سے جواب دیا "یہ دوستیاں عمر بھر کام آتی ہیں۔ کبھی کبھی لے ڈوبتی ہیں۔" کرشن کمار یہاں اپنا کام کر رہا تھا۔ اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ہمارا تعلق ماروتی اور شیام سے آگے کچھ نہیں تھا۔"

"تم کرشن کمار سے لاتعلق تھے تو وہ یہاں کس کی ہدایات پر کام کر رہا تھا؟"

"اس سوال کا جواب وہی دے سکتا تھا۔ میں نے کبھی اس کی ٹوہ لینے کی کوشش نہیں کی۔" بخشی کا بایاں ہاتھ غیر ارادی طور پر ایک مرتبہ پھر وہ رخسار سہلانے میں مصروف ہو گیا جو طمانچے کی زد میں آیا تھا۔

"تم انل بسواس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" میں نے توقف کے درمیان سگریٹ سلگانے کے بعد اچانک پوچھ لیا۔

اس نے بے ساختہ سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی تیر رہی تھی "تمہارے دشمن تم سے بلاوجہ خائف نہیں رہتے۔ تم بہت باخبر معلوم ہوتے ہو۔ وہ انڈین سیکرٹ سروس کا ایک سینئیر افسر ہے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔"

"کیا تمہیں بھی معلوم نہیں کہ کرشن کمار اسی کے لیے کام کر رہا تھا؟" میرا لہجہ غیر ارادی طور پر ترش ہو گیا۔

"مجھے انل بسواس کی صحیح پوسٹنگ کا علم نہیں ہے۔ اگر وہ را کے پاکستان ونگ کا سربراہ ہے تو پھر کرشن کمار اسی کو جواب دہ ہوگا۔" وہ وہی بات کہہ رہا تھا جو جلال نے مجھے پورے وثوق سے بتائی تھی۔

انل بسواس کے بارے میں بخشی کے آخری جواب سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس کی مزاحمتی قوت دم توڑ چکی تھی۔ بس وہ اپنی پیشہ ورانہ فطرت سے مجبور ہو کر ہر جواب میں آڑ موڑ سے کام لے رہا تھا۔ اسے اپنی زندگی کی سب سے زیادہ آس اس نکتے سے بندھی تھی کہ میں نے جمال دستی کے روپ میں اس سے بہت قریب ہوتے ہوئے اس کی جان لینے کی کوشش نہیں کی تھی تو اصل روپ میں سامنے آنے کے بعد بھی میں اس کی جان کے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اپنی زندگی کی وہ ضمانت مل جانے کے بعد بخشی مجھ سے پوری طرح تعاون کر رہا تھا۔

بخشی جن دنوں کراچی میں پیش آنے والے واقعات میں پوری طرح ملوث تھا، میں نے اس وقت اس کی طرف سے چشم پوشی اختیار کر لی تھی۔ اس کے مقابلے میں وہ ان دنوں تقریباً گوشہ نشین تھا۔ وہ اپنی کسی نئی سرگرمی کے نتیجے میں سزا کا مستحق نہیں تھا۔ میں اس سے پوچھ گچھ کر کے اسے چھوڑ دیتا تو میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہ ہوتا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ میری قید میں رہتے ہوئے جو وعدے کرتا، آزادی مل جانے کے بعد انہیں سرے سے فراموش کر دیتا اور اپنے تجربات کو را کے ریکارڈ کا ایک حصہ بنوا دیتا۔ اس کی ایسی کوئی حرکت مستقبل میں ہمارے لیے مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔

"باتوں کے جال میں تم نے میرے ایک سوال کو ابھی تک الجھایا ہوا ہے۔" میں نے اس سے ہونے والی ساری گفتگو کو اپنے ذہن میں دہراتے ہوئے خشک لہجے میں کہا "میرے ہر سوال کا جواب دیے بغیر تم آزادی حاصل نہیں کر سکو گے۔"

"اب کچھ بھی نہیں رہا۔ میں نے تمہیں ہر بات بتا دی ہے۔ کرشن کمار کے مشن کے بارے میں مجھے تفصیل کا علم نہیں ہے۔"

"مشن خفیہ ہوتے ہیں۔" کرشن کمار کا ذکر نکل آنے پر میں نے وہی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "لیکن قریبی لوگ بھانپ لیتے ہیں کہ کون کیا کر رہا ہے۔ تم نے اس کی سرگرمیوں کے بارے میں اپنی کوئی رائے ضرور قائم کی ہوگی۔"

"بھارت میں آباد ہندو ہی نہیں، مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی اب اس نتیجے پر پہنچ چکی ہے کہ دو قومی نظریہ غلط تھا۔ اس کی بنیاد پر خون کے دریا بہا کر برصغیر کو تقسیم کرنا اس سے بھی بڑی غلطی تھی۔ یہ زمین ہمیشہ سے ایک تھی اور اسے ایک ہی رہنا چاہیے۔ یہاں بھیجے جانے والے ہر خفیہ مشن کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے۔ مقصد حاصل کرنے کے طریقے حکومتوں کے آنے جانے سے بدلتے رہتے ہیں۔" اس نے رک رک کر کہا۔

"یہ اکھنڈ بھارت کا پرانا نعرہ ہے۔ اس کے ذریعے ہندو پورے علاقے پر اپنا راج قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔" اول خان نے کہا۔

"برصغیر ہمیشہ سے غیر مسلم اکثریت کا علاقہ رہا ہے۔" اس نے اپنے الفاظ کی حمایت میں وہ زہریلا مواد اگلنا شروع کردیا جو نہ جانے کب سے اس کے ذہن میں پک رہا تھا "چھوٹے موٹے رجواڑوں کو چھوڑ کر محمود غزنوی سے بہادر شاہ ظفر تک، مسلمانوں نے اس خطے پر راج کیا۔ یہ راج اکثریت کے بل پر نہیں ملا تھا۔ آج بھی وہی حکومت کرتا ہے جو طاقت ور ہوتا ہے۔ طاقت کی پوجا برصغیر کے رہنے والوں کے خمیر اور مزاج میں شامل ہے۔ بھارت ایک تھا، اسے ایک ہی رہنا چاہیے۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ اس پر کون حکومت کرتا ہے۔ جس میں طاقت اور صلاحیت ہوگی، وہی اکھنڈ بھارت کو چلائے گا۔ جب باہر سے آنے والے مٹھی بھر مسلمان صدیوں حکومت کرگئے تو اکھنڈ بھارت میں بسنے والے کروڑوں مسلمان دوبارہ اپنے بزرگوں کے وارث کیوں نہیں بن سکتے؟"

"تم اکھنڈ بھارت بنا کر خاموشی سے مسلمانوں کی بالادستی قبول کرلوگے؟" اول خان نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"تم برا نہ مناؤ تو مجھے کہنے دو کہ تم جیسے تنگ نظر سب کچھ گڈمڈ کردیتے ہیں۔ اکھنڈ بھارت کو اسلام اور مسلمانوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اسلام اسی خطے کا مذہب ہے۔ یہ باہر سے آیا اور پھر یہاں پھیلتا چلا گیا مگر یہاں بسنے والے سارے مسلمان بغداد اور مدینے سے نہیں آئے۔ وہ پرانے زمانوں سے یہاں بسے ہوئے آریاؤں، دراوڑوں اور دوسری قوموں کی اولادیں ہیں جنہوں نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا اور بڑوں کے مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہوگئے۔ یہ سلسلہ دس بیس پشتوں سے یوں ہی چلا آرہا ہے۔ کبھی کسی نے مذہب کی بنا پر زمین کی تقسیم کا نعرہ نہیں لگایا تھا....."

"اپنی یہ بکواس بند کرو" اول خان نے غصے میں اس کی بات کاٹ دی "تمہاری یہ رٹی رٹائی تقریر سادہ لوح دیہاتیوں کو گمراہ کرسکتی ہے۔ ہم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ تم لوگوں نے حقائق کو اسی طرح مسخ کیا ہوا ہے۔"

"تم نے چھیڑا ہے تو پھر مجھے اپنی بات پوری کرنے دو" میجر بخشی نے ڈھٹائی سے اصرار کیا اور اپنی بات جاری رکھی "ہماری اصل لڑائی صرف پاکستان سے ہے۔ جب امریکا میں مسلمان رہتے ہیں، چین میں رہتے ہیں تو اکھنڈ بھارت میں بھی رہ سکتے ہیں۔"

"دو قومیں اور دو ملک" اول خان نے اپنے داہنے ہاتھ کی دو انگلیوں کو پوری طاقت سے فضا میں لہرا کر کہا۔

"یہ غلط ہے۔ ملک قوموں سے نہیں بنا کرتے۔ مسلمان ایک قوم ہیں تو پھر بنگلہ دیش کیوں بنا؟ تم ایران، افغانستان اور عراق سے کیوں نہیں مل جاتے۔ یہاں سے ترکی اور پھر افریقہ کے ساحل تک سب ہی مسلمان ہیں۔ انہیں ملا کر ایک ملک کیوں نہیں بنا دیتے؟"

"اب تم نے اس بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو میں تمہارا جبڑا توڑ دوں گا" اول خان کا پارہ چڑھ گیا اور اس نے مکا تان کر اپنی کرسی چھوڑ دی۔

"ایک جبڑا ڈینی نے ہلایا ہے، دوسرا تم توڑ دو۔ میں بھارتی ہوں۔ تم میری آواز کو کچل سکتے ہو۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ ہر ایک یہی سوال کرتا نظر آئے گا۔ تم کس کس کے جبڑے توڑو گے؟ مخالف کی بات سننے اور دلیل کا جواب دلیل سے دینے کا حوصلہ پیدا کیے بغیر تم کچھ نہیں کرسکتے۔"

"اسکالر بننے کی کوشش مت کرو" میں نے بخشی کو ڈانٹا "ہم تمہارے نظریات سننے کے لیے تمہیں یہاں نہیں لائے۔ تم سے جو پوچھا جارہا ہے، اس کا جواب دو۔ زیادہ بڑھ بڑھ کر بولوگے تو میں بھی تم پر ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہوجاؤں گا۔"

"شاید تمہاری پوچھ گچھ ختم ہوچکی ہے۔ اب مجھے جانے کی اجازت دے دو۔ میں نے یہاں آتے ہوئے دیکھا ہے کہ میری گاڑی باہر موجود ہے۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ شیام کہاں روپوش ہے" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئے ہو" میجر بخشی نے ایک گہری سانس لے کر کہا "اس کا قصور اتنا زیادہ نہیں ہے۔ وہ تمہیں لی مارکیٹ کے گلزار ہوٹل میں مل جائے گا۔ روی کے گھر سے بھاگ کر وہ سیدھا وہیں پہنچا تھا۔ وہ ہوٹل میں اپنے اصل نام سے ہی ٹھہرا ہوا ہے۔"

"ہوٹل کا پتا اور فون نمبر کیا ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے اگلا سوال کیا۔

"اس سے آگے مجھے کچھ معلوم نہیں۔ اس نے خود مجھے فون کیا تھا۔ میرے لیے وہ کبھی بھی اتنا اہم نہیں رہا کہ میں

اس کی نقل و حرکت سے ہر وقت باخبر رہنے کی کوشش کروں۔ وہ کوئی سستا، رہائشی ہوٹل ہوگا۔ آسانی سے مل جائے گا۔"

"اب شاید بخشی کا کام پورا ہو چکا ہے۔ اسے بخش دینا چاہئے!" میں نے اول خان سے کہا۔

"کسی احتیاط کی ضرورت نہیں" اول خان دیوار کے قریب کھڑے ہوئے حامد سے مخاطب ہو کر بولا "بلکہ بہت احتیاط سے بخشی کو یوں سلا دو کہ اسے ہمیشہ کے لیے یادِ ماضی سے نجات مل جائے۔ وہ اب اس کے لیے عذاب بنی ہوئی ہے۔"

"کک... کیا کہہ رہے ہو تم؟" میجر بخشی بوکھلا کر مدافعانہ انداز میں اپنی کرسی سے اٹھ گیا "تم مجھے نہیں مار سکتے۔ ڈیزی نے مجھ سے معافی کا وعدہ کیا تھا۔"

"خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "یہ تمہیں بے ہوش کر کے کہیں پہنچادیں گے۔"

"اب بے ہوش کرنے کی کیا ضرورت ہے!" وہ گھبرایا ہوا تھا "مجھے معلوم ہے کہ میں اسپیشل ٹاسک فورس کے کسی اڈے پر ہوں۔ میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ خاموشی سے اپنی گاڑی میں گھر لوٹ جاؤں گا۔"

"یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا" اول خان نے بے رخی سے کہا "ایس ٹی ایف کے اس اڈے کا محلِ وقوع بہت اہم ہے۔"

اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ حامد اور اس کے دو ساتھیوں نے میجر بخشی کو ہاتھ ہی لگایا تھا کہ اس نے وحشت زدہ آوازوں میں چیخنا چلانا اور مچلنا شروع کر دیا۔ اس کا مقابلہ تین صحت مند اور توانا جوانوں سے تھا۔ اس کی ایک نہ چل سکی اور وہ تینوں اسے اٹھا کر اس کمرے سے نکل گئے۔ اول خان نے بھی کرسی چھوڑ دی اور ہم دونوں وہاں سے نکل کر اس کے دفتر میں آ گئے۔

"تم نے حامد کو سمجھا دیا تھا کہ بخشی کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے؟" میں نے اول خان سے تصدیق چاہی۔

"اسے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ اب یادِ ماضی کا کوڈ استعمال کر کے اسے یاد دہانی کرا دی ہے۔ وہ مارشل آرٹس میں مہارت رکھتا ہے۔ تربیت کے دوران میں انہیں بتایا جاتا ہے کہ کھیل میں اپنے حریف کے سر کے کن حصوں پر ضرب لگانے سے گریز کرنا چاہیے۔ ایسی ضرب سے یادداشت ختم ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔"

"یہ کوئی یقینی طریقہ نہیں ہے" میں نے اپنی بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "اندازے کی ذرا سی بھی غلطی ہوئی تو مشق بے سود ثابت ہوگی۔"

"میں اس امکان سے غافل نہیں ہوں" اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا "اس کی بے ہوشی زیادہ طویل نہیں ہوگی۔ پندرہ بیس منٹ بعد وہ ہوش میں آئے گا تو اندازہ ہو جائے گا کہ ضرب کس حد تک کارگر رہی ہے۔ اطمینان کیے بغیر ہم اسے آزاد نہیں کریں گے۔"

"یہ دیکھنا تمہارا کام ہے۔ ہمارے پورے منصوبے میں یہ کارروائی سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔"

اپنی بات مکمل کر کے میں نے فون اپنی طرف سرکا لیا اور گولڈن فارمیسی کا نمبر ملایا۔ اس وقت دوپہر ہونے والی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ جہانگیر اپنی دکان پر پہنچ چکا ہوگا۔ اس نے دوسری گھنٹی بجنے پر ریسیور اٹھا لیا۔

"تمہاری آواز بہت تر و تازہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صبح ٹھنڈے پانی سے نہا کر دکان پر آئے ہو؟" میں نے مزاحیہ لہجے میں کہا۔

"اوہ... بہت اچھا ہوا کہ تم نے فون کر لیا۔ میں پریشان تھا کہ اب تم سے کیسے رابطہ ہوگا؟"

"کیوں؟ کیا سلمیٰ نے تمہارے فون کرنے پر کوئی پابندی لگا دی ہے؟" میں نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"وہ بے چاری کیا پابندی لگائے گی، دراصل ہماری فون نمبروں والی ڈائری گم ہو گئی ہے، اسی وجہ سے میں رات کو فون نہیں کر سکا۔ یوں سمجھ لو کہ ہم تمہارے گھر سے بہت مشکل سے زندہ بچ کر لوٹے ہیں۔ میری گاڑی میں دو سوراخ ہو چکے ہیں۔ وہ گولیاں ہمارے سروں میں بھی پیوست ہو سکتی تھیں۔"

جہانگیر کے اس انکشاف نے مجھے حیران کر دیا "اتنی رات گئے تم ہمارے گھر کے پاس کیا کرنے آئے تھے؟"

"یوں سمجھ لو کہ شامت نے دھکا دیا تھا۔ تم دونوں کھانا چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔ سلمیٰ نے بار بار افسوس کیا تو میری کھوپڑی سنک گئی۔ تھوڑی سی ترنگ بھی تھی۔ ہم دونوں کھانا لے کر تمہارے گھر پہنچے تھے مگر وہاں رکنے سے پہلے ہی ہماری گاڑی پر دو بے آواز فائر ہوئے اور ہم بوکھلا کر بھاگ نکلے۔"

"اوہ! تو وہ تمہاری گاڑی تھی" میں نے دانت پیس کر کہا "ہم سب پریشان ہیں کہ ہمارے گھر کے پاس مشتبہ گاڑی کیا کر رہی تھی۔ وہ کسی شریف آدمی کے گھر کھانا پہنچانے کا کون سا وقت تھا...؟ کیا تم یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم دونوں کو رات فاقے سے گزارنی پڑی ہوگی۔"

"بس نشے کی جھونک میں کچھ زیادہ ہی ہمدردی ابھر آئی تھی" وہ میرے غصے کا برا منائے بغیر بولا "سلمیٰ نے بھی مجھے روکنے کی کوشش کی تھی مگر مجھے معلوم تھا کہ میں ہر وقت

تمہارے دروازے پر دستک دے سکتا ہوں۔ میں چل پڑا‘ یہ بتاؤ کہ وہ فائر کس نے کیے تھے؟“

”آئندہ بھول کر بھی ایسی حماقت نہ کرنا۔ آج کل ہماری چھت پر دو بے خطا نشانہ لگانے والے پہرے داری کرتے ہیں۔ انہوں نے گاڑی کا ہی نشانہ لیا تھا۔ تم کو زد میں لے لیتے تو ذرا سوچو کہ کیا ہوا ہوتا؟“

”چھوڑو یار! میرے تو رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں۔ اب کان پکڑتا ہوں کہ رات میں کبھی تمہاری طرف نہیں آؤں گا۔“

اول خان حیرت سے منہ پھاڑے میری یک طرفہ گفتگو سن رہا تھا۔ میں نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر اسے بتایا کہ رات گئے بلکہ صبح سویرے نظر آنے والی مشتبہ کار میں جہانگیر ہمارے لیے کھانا لے کر آیا تھا۔ وہ بات سن کر اول خان نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ یہ غنیمت ہوا تھا کہ اس کے مامور کیے ہوئے پہرے داروں کے نشانے سچے تھے۔ ان سے اندازے کی ذرا سی بھی غلطی ہوئی ہوتی تو ایک المناک سانحہ رونما ہو سکتا تھا۔

”اب زیادہ ڈھنڈورا نہ پیٹو اور پہلے اپنا نمبر لکھوا دو“ ریسیور میں جہانگیر کی خفت آمیز آواز ابھری۔

میں نے اپنے گھر کا نمبر دہراتے ہوئے کہا ”نمبر نوٹ کر لو مگر میں اس وقت گھر پر نہیں ہوں۔ کہیں اور سے بول رہا ہوں۔ میں نے ایک ضروری کام سے تمہیں فون کیا تھا۔ پتا نہیں تم وہ کام کر بھی سکو گے یا رہ جاؤ گے۔ اب تم کو کوئی ذمے داری سونپنے سے پہلے کئی بار سوچنا پڑے گا۔“

”رات کی اور بات ہوتی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ نشہ زیادہ ہو جائے تو عقل چوپٹ ہو کر رہ جاتی ہے۔ دن میں‘ میں بوتل کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ مجھ سے زیادہ نخرے نہ کرو اور کام بتاؤ۔ کوئی ڈھنگ کا کام ہوا تو میں اسی وقت کر گزروں گا“ وہ جوش میں آ کر رکے بغیر بولتا چلا گیا۔

”تھوڑی دیر کے لیے تمہیں اپنی دکان سے اٹھ کر جانا ہو گا“ میں نے اس پر واضح کیا۔

”پہیلیاں نہ بجھواؤ‘ کام بتاؤ۔ ضرورت ہوئی تو میں تھوڑی دیر کے لیے دکان پر تالا بھی ڈال سکتا ہوں۔ دونوں ملازموں کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔“

”اپنے ساتھ جلوس لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں“ میں نے اسے ڈانٹ دیا ”لی مارکیٹ تمہاری دکان سے زیادہ دور نہیں ہے۔ وہاں گلزار ہوٹل پہنچ کر تمہیں صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ وہاں شیام نامی شخص کس کمرے میں مقیم ہے۔“

”یہ تو کوئی کام ہی نہ ہوا۔ میں دس منٹ میں دیکھ آتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ گلزار ہوٹل میرا دیکھا ہوا ہے۔“

”شیام کو معلوم نہ ہو سکے کہ تم اس کے بارے میں کچھ پوچھنے آئے تھے“ میں نے اسے تاکید کی۔

فون پر جہانگیر کے ہنسنے کی آواز ابھری ”میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اسی سے پوچھنے پہنچ جاؤں۔ چھوٹے ہوٹل کے کسی بیرے کے لیے پچاس روپے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ مجھے اس کا کھایا پیا تک معلوم ہو جائے گا۔“ اس نے مجھے یقین دلایا۔

”بس پھر ابھی نکل جاؤ۔ میں پندرہ منٹ بعد تمہیں فون کروں گا۔ ہوٹل تمہاری دکان کے آس پاس ہی ہونا چاہیے۔“

میں نے فون بند ہی کیا تھا کہ اول خان بول پڑا ”تم نے جہانگیر کو بلاوجہ ہی ملوث کر لیا۔ مجھے اس پر بھروسا نہیں ہے۔“

”تم اس کے ماضی سے لاعلم ہو اس لیے ایسا کہہ رہے ہو۔ ایسے معاملات میں وہ ویرا اور سلطان شاہ کے کان کتر سکتا ہے۔“

”وہ لی مارکیٹ میں ہی بیٹھا ہوا ہے۔ شیام کا پتا چلا لے گا اور وقت بچ جائے گا۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکے گا۔ وہ اپنے کمرے میں موجود ہے تو میں ابھی کسی کو وہاں روانہ کیے دیتا ہوں۔ اسے ہوٹل سے نکال کر خاموشی سے یہاں پہنچا دیا جائے گا۔“

”پھر جہانگیر کی تصدیق کا انتظار نہ کرو۔ کسی کو بھیج دو“ میں نے اضطراری لہجے میں کہا ”وہ کمرے میں نہ ہوا تو کسی نہ کسی وقت وہیں لوٹے گا۔ تمہارا آدمی ہوٹل کے آس پاس رک کر اس کا انتظار کر سکتا ہے۔ ہمیں وقت برباد نہیں کرنا چاہیے۔“

حامد مصروف تھا۔ میجر بخشی کے قصہ نمٹے بغیر اسے کسی اور کام میں الجھانا مناسب نہیں تھا۔ اول خان نے گھنٹی بجا کر اپنے اردلی کو طلب کیا اور اس کے ذریعے ستار نامی کسی ماتحت کو دفتر میں بلوا لیا۔ ایس ٹی ایف کے بیشتر اہل کاروں کی طرح ستار بھی مضبوط بدن کا مالک تھا۔ اس کی کنپٹیوں پر نمودار ہونے والی‘ بالوں کی سفیدی اس کی ڈھلتی ہوئی عمر کی چغلی کھا رہی تھی ورنہ وہ اپنی صحت کے اعتبار سے جوان نظر آ رہا تھا۔ اس نے دروازے سے اندر گھستے ہی اول خان کو فوجی انداز میں سلیوٹ کیا اور پھر اس کی میز کے سامنے پہنچ کر مودب انداز میں رک گیا۔

”لی مارکیٹ کے گلزار ہوٹل میں شیام نامی ایک شخص مقیم ہے“ اول خان نے مختصر اور نپے تلے الفاظ میں اسے بتایا ”خاموشی سے اسے اٹھا کر یہاں لانا ہے۔ ایم ٹی سیکشن والوں سے ڈرائیور سمیت گاڑی لے کر ابھی روانہ ہو جاؤ۔“

”یس سر!“ اس نے ایڑیاں بجا کر کہا پھر پوچھا ”سر! مار پیٹ، ٹوٹ پھوٹ کے لیے کوئی حکم؟“

”ضرورت کے تحت سب جائز ہوگا۔ ایریس ساتھ لے لینا تاکہ دیر ہونے کی صورت میں ریڈیو روم کو اطلاع دے سکو۔“

وہ ایڑیاں بجا کر پلٹا اور اول خان کے دفتر سے نکلتا چلا گیا۔ میری نگاہیں دروازے تک اس کا پیچھا کرتی رہیں۔ اسپیشل ٹاسک فورس والوں کی زندگی بھی بہت عجیب اور قابلِ رشک تھی۔ وہ ویرانوں میں زندگی گزارتے تھے۔ گھربار اور بال بچوں سے دور رہ کر دن رات خطرات سے کھیلتے رہتے تھے۔ ان کے نزدیک فرض ہی زندگی تھی اور فرض ہی تفریح۔ کرنے کو کچھ نہ ہو تو ان کے لیے ڈیوٹی کے اوقات مقرر تھے جن میں وہ اپنے اردگرد پھیلے ہوئے کیمپ کی مختصر سی دنیا کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے کوشاں رہتے تھے اور کام نکل آتا تھا تو دن، رات یا موسم کی پروا کیے بغیر وہ ہر وقت تیار رہتے تھے۔

”جہانگیر کا گلزار ہوٹل جانا ضروری نہیں تھا لیکن اس بہانے اس سے تمہاری بات ہوگئی“ اول خان کہہ رہا تھا۔

”اس احمق نے بہت بڑا عقدہ حل کردیا۔ وہ مشتبہ کار رہ رہ کر میرے ذہن میں چبھ رہی تھی“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اس وقت تم اسے فون نہ کرتے تو شاید یہ الجھن کئی دنوں تک برقرار رہتی۔ پتا نہیں اس کی گم شدہ فون ڈائری کب ملتی ہے۔ خوف کی وجہ سے وہ تمہارے گھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔ رات کے اندھیرے میں خاموشی سے تیر کر آنے والی گولیاں بڑے بڑے سورما کا پتّا پانی کرسکتی ہیں۔“

”نشے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ آدمی کے ذہن پر جو دھن سوار ہوجائے وہ اسے پورا کرکے رہتا ہے۔ سلمٰی نے اسے خیال دلایا کہ ہم اس کے گھر سے بھوکے واپس گئے ہیں اور وہ وقت کی پروا کیے بغیر دو بھوکوں کو کھانا پہنچانے پر تل گیا۔“

”بھوکے!“ اول خان ہنس دیا ”وہ سمجھ رہا ہوگا کہ روئے زمین پر تم دونوں کا اس رات کا رزق اسی کے گھر میں اتارا گیا ہے۔ شراب کی ان خوبیوں اور خامیوں پر تم ہی روشنی ڈال سکتے ہو۔ میں نے کبھی چکھی اور نہ میں نشے کے اثرات سے واقف ہوں۔“

”بس یہ سمجھ لو کہ نشہ بھنگی کو بادشاہ اور بادشاہ کو بھنگی بنا سکتا ہے۔ اس سے بچنا ہی سب سے بہتر ہے۔“

وقت بہت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ اول خان کا اردلی اس کی عادات سے واقف تھا۔ اپنے افسر کو فرصت میں دیکھ کر وہ دوبارہ چائے لے آیا تھا۔ چائے پیتے ہوئے اول خان کو جلال کا خیال آگیا۔ ہماری توقعات کے برعکس اس نے اول خان سے رابطہ نہیں کیا تھا۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد حامد نے دفتر میں آکر اطلاع دی کہ میجر بخشی کے سر کے عقبی حصے پر لگائی جانے والی ضرب کارگر ثابت ہوئی تھی۔ اس کی یادداشت ماؤف ہوکر رہ گئی تھی۔ اول خان نے اپنا دفتر چھوڑنے کے بجائے بخشی کو حامد کے ساتھ وہیں بلوالیا۔

”بعض اوقات یادداشت عارضی طور پر ناکارہ ہوتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ بحال ہوجاتی ہے۔ میں نے ان دونوں کے پہنچنے سے پہلے اندیشہ ظاہر کیا ”دیکھنا ہوگا کہ حامد کا وار کتنا کامیاب رہا ہے۔“

میجر بخشی دفتر میں داخل ہوا تو اس کے چہرے سے ساری بشاشت رخصت ہوچکی تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا، آنکھیں بالکل ویران نظر آرہی تھیں۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں لاتعلقانہ انداز میں یوں حرکت کررہی تھیں جیسے اجنبی چیزوں کو دیکھ رہی ہوں۔

”میجر بخشی!“ اول خان نے آزمانے کے لیے اسے پکارا۔ وہ چونک کر اول خان کی طرف متوجہ ہوا اور بڑھتا چلا آیا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ اول خان نے اسے ہدایت دی ”اور یہ بتاؤ کہ تم اپنے دفتر کے بجائے یہاں کیا کررہے ہو؟“

”مجھے نہیں پتا۔ کچھ یاد نہیں آرہا کہ دفتر کہاں ہے اور میں کہاں ہوں، تم کون ہو؟“ اس نے الجھے الجھے لہجے میں کہا۔

”تمہیں اپنا نام معلوم ہے؟“ اول خان نے اس کی باتوں کو نظرانداز کرکے نرمی سے پوچھا۔

”ہاں۔ مگر کچھ اور یاد نہیں آرہا“ اس کی آنکھوں میں زندگی کی ہلکی سی رمق نظر آئی۔ وہ اپنی بھوؤں پر زور دے کر تیوریوں میں بل ڈال ڈال کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کی وہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ وہ تھک کر جھنجلا گیا۔ اس کی آنکھیں بے رونق ہوگئیں اور اس نے دونوں ہاتھوں سے بے اختیار اپنی کنپٹیاں بھینچ لیں ”ا بھگوان! ہر طرف اندھیرا اور سناٹا ہے۔ کچھ یاد نہیں آتا میرا سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے، اسے توڑ دو۔“

وہ کسی گہری اذیت میں مبتلا تھا۔ اس کے اوپری ہونٹ کی جلد اور پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئیں۔

”تم روی، جگدیش، انل بسواس، کرشن کمار، ہری چ اور شیام میں سے کس کس کو جانتے ہو؟“ اول خان کی آو گونجی۔

”چپ رہو۔۔۔۔ اب چپ رہو۔ اجنبی نام میرے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہے ہیں، مجھے تنہا چھوڑ دو۔“

اول خان کی نگاہوں میں، اس کے لیے رحم کا جذبہ عود کر آیا ”اسے لے جاؤ“ اس نے حامد کی طرف متوجہ ہو کر کہا ”اور بے ہوش کرکے اس کی گاڑی سمیت کسی پتھریلے ساحل پر چھوڑ آؤ۔ گاڑی دور ہو اور یہ پتھروں پر پڑا ہوا ہو۔ سمجھنے والے سب کچھ سمجھ لیں گے مگر دوسروں کو یہ معلوم ہوگا کہ ویران ساحل کی سیر کرتے ہوئے بخشی پتھروں پر گرا اور سر پر چوٹ آنے سے بے ہوش ہو گیا۔“

”او کے سر!“ حامد نے کہا اور بخشی کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے کرسی سے اٹھا لیا۔ اس کے لب خاموش تھے مگر اس کی آنکھیں کربناک انداز میں نیم وا تھیں۔ حامد اسے دھیرے دھیرے باہر لے گیا۔

”بظاہر حامد کامیاب رہا ہے“ میں نے خوش ہو کر کہا ”اب یہ کسی کو کچھ نہیں بتا سکے گا۔“

”اس کا قصہ نمٹ گیا۔ تم جلال سے کب بات کرو گے؟“ اول خان نے میری بات کا کوئی جواب دیے بغیر پوچھا۔

میں نے جیب سے موبائل فون نکال کر اس کا پاور سوئچ آن کر دیا اور کہا ”اس کا فون نہ آیا تو میں گھر سے بات کروں گا۔“ میرے ذہن میں یہ بات چبھ رہی تھی کہ جلال نے اس وقت تک اول خان سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اول خان کی لاعلمی میں مجھ سے کسی موضوع پر بات کرنے کا خواہاں تھا۔ ایسی صورت میں اسٹیشن فور سے اسے فون کرنا مناسب نہیں تھا۔

اول خان اپنے کاموں سے فارغ ہو چکا تھا۔ میجر بخشی کو حامد کے حوالے کیا جا چکا تھا۔ ستار، شیام کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ وہ دفتر سے اٹھ گیا۔ اسی لمحے مجھے یاد آیا کہ جہانگیر ہوٹل سے مطلوبہ معلومات حاصل کرنے کے بعد میری کال کا انتظار کر رہا ہوگا۔ میں نے چلتے چلتے، اول خان کے فون پر اس کا نمبر ملا لیا۔

وہ اپنی دکان پر موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ ہوٹل پہنچنے کے بعد شیام اپنے ضروری کاموں کے لیے صرف دو تین بار تھوڑی دیر کے لیے ہوٹل سے نکلا تھا ورنہ مسلسل اپنے کمرے میں پڑا ہوا تھا۔ ناشتا اور کھانا بھی اس نے کمرے میں ہی منگوایا تھا۔

میں نے اسے بہت معمولی سا کام سونپا تھا جسے اس نے خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا تھا۔ برسوں پر محیط، ایک طویل وقفے کے بعد ایسا کام کرنے میں جہانگیر کو ایسا لطف آیا تھا، وہ شیام کے بارے میں مزید بہت کچھ کر گزرنے پر آمادہ تھا۔

میں چند فقروں میں اسے ٹال کر اول خان کے ساتھ دفتر سے نکل آیا۔ باہر میجر بخشی کی گاڑی کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ حامد چند منٹ کے اندر ہی اسے لے کر اسٹیشن فور سے روانہ ہو چکا تھا۔ ان لوگوں میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے میں کسی قدر تاخیر ہو سکتی تھی۔ فیصلوں پر عمل درآمد کے سلسلے میں پوری فورس بہت زیادہ مستعد تھی۔ چند ثانیوں بعد ہم بھی واپسی کا سفر طے کر رہے تھے۔

ہماری گاڑی اسٹیشن فور اور چھاؤنی کی حدود سے کچھ ہی دور نکلی تھی کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنی شروع ہو گئی۔ میں نے بٹن دبا کر کال ریسیو کی تو لائن پر جلال موجود تھا ”تم کہاں غائب ہو؟“ اس نے میری آواز سنتے ہی شکوہ کیا ”اپنے گھر پر موجود نہیں ہو اور موبائل شاید بند کیا ہوا تھا۔ یہ میری پانچویں کال ہے۔ ہر بار ریکارڈنگ سنائی دے رہی تھی۔“

”بس، ایک چکر میں پھنسا ہوا تھا۔ موبائل واقعی بند تھا۔ تمہاری طرف خیریت تو ہے نا؟“ میں نے پوچھا۔

”خیریت ہی ہے۔ میں اپنی بات بعد میں سناؤں گا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ کس چکر میں مصروف تھے۔“

”میجر بخشی ہمارے گلے پڑ گیا تھا۔ اس کا قصہ نمٹا رہا تھا۔“ میں نے بے پروائی سے جواب دیا تھا۔ مجھے جواب دیتے ہوئے یہ اندازہ تھا کہ جلال میری زبان سے میجر بخشی کا نام سنتے ہی اچھل پڑے گا۔

”وہ کیسے گلے پڑ گیا؟“ جلال کی آواز سے پریشانی جھلک رہی تھی ”میں نے تمہیں اس سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔“

”ہم اسے بھولے ہوئے تھے مگر اس نے آج صبح فون کرکے مجھے دھمکیاں دی تھیں۔“

”میری مس ویرا لائیڈ سے بات ہوئی تھی۔ اس نے اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا“ اس کا لہجہ اشتباہ آمیز تھا۔

”تم نے بخشی کا ذکر کیا ہوتا تو وہ کچھ بتاتی۔ تم نے میرے بارے میں دریافت کرکے فون بند کر دیا تھا۔ اگر تمہیں میرے بیان پر یقین نہیں ہے تو تم اول خان سے اس کی تصدیق کر سکتے ہو۔ وہ پورے واقعات سے باخبر ہے۔“

”مجھے تمہاری ہر بات پر یقین ہے۔ میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ ہم جدھر سے اپنا دامن بچانا چاہتے ہیں، وہیں پھنس جاتے ہیں“ اس کی آواز میں بے چارگی جھلکنے لگی ”مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ میں اپنے آدمیوں کے تحفظ کے لیے ایسے ہر تصادم سے بچتا ہوں۔ تم نے بخشی سے زیادہ چھیڑ چھاڑ تو نہیں کی؟“

”ہم چپ سادھ لیتے تو وہ ہمارے سروں پر چڑھ آتا۔ ہم

اس کی یادداشت صاف کر کے آرہے ہیں۔"

"اوہ...... یہ برا ہوا۔ اب دیکھ لینا، نئی دہلی سے جلد ہی ایسی کوئی خبر آجائے گی۔"

وہ اس واقعے کا پورا پس منظر جانے بغیر نتائج پر چھلانگیں لگا رہا تھا۔ میں نے اسے تحمل سے پوری تفصیل سننے کا مشورہ دے کر اپنی کہانی شروع کردی۔ وہ درمیان میں ضمنی سوالات بھی کرتا رہا۔ جن کے نتیجے میں وہ موضوع خاصا طول پکڑ گیا۔ جب میں اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوا تو وہ اس بات سے متفق ہو چکا تھا کہ ان حالات میں اس سے بہتر فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔

"یہ ناگزیر خطرہ تھا جو تمہیں مول لینا پڑا۔ اب میری آرزو ہے کہ بخشی کو کچھ بھی یاد نہ آسکے اور اس کے بڑے اس کے سر میں آنے والی چوٹ کو ساحل کی تفریح کے دوران میں پیش آنے والے حادثے کا نتیجہ سمجھتے رہیں ورنہ پھر کوئی بے گناہ پاکستانی افسر عتاب میں آجائے گا۔"

"میرے ساتھ اول خان نے بھی یہی کوشش کی ہے مگر یہ بات کوئی ہضم نہیں کر سکے گا کہ بخشی موہن ہاؤس والوں سے تعزیت کرنے کے بعد دفتر لوٹنے کے بجائے ویران ساحل پر بکھرے ہوئے پتھروں پر ٹہلنے پہنچ گیا۔"

"یہ اندیشہ اپنی جگہ برقرار ہے" اس نے اعتراف کیا "وہ دفتر میں کسی نہ کسی کو اپنی سرگرمیوں سے ضرور باخبر رکھتا ہوگا۔ اس شخص کو معلوم ہوگا کہ بخشی کو صبح سویرے شیام کے ذریعے پیغام ملا اور بخشی نے اظہر اور مظہر کو چیلنج دے ڈالا۔"

"مجھے کسی اور کا خدشہ نہیں ہے۔ اس نے صبح چار بجے کے قریب اپنے گھر سے مجھے فون کیا تھا۔ پھر وہ گھر سے ہی موہن ہاؤس روانہ ہوگیا۔ وہاں سے واپسی پر وہ دھر لیا گیا۔ اسے دفتر میں اپنے کسی افسر یا ماتحت سے ملنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ فون پر کسی کو اپنی کارگزاریوں کی تفصیل سنانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ فوری طور پر شاید کسی کو کچھ معلوم نہ ہوسکے کہ بخشی کے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

"اگر تم نے پہلے سے یہ سب سوچا ہوا تھا تو پھر میں بھی پرامید رہوں گا کہ تمہاری کارروائی کا کوئی جواب نہیں آئے گا۔"

"ساری باتیں پہلے سے طے شدہ نہیں تھیں۔ واقعات رونما ہونے کے ساتھ ساتھ فیصلے ہوتے رہے۔ اسے ساحل پر ڈلوانے کا فیصلہ اول خان نے مشورے کے بغیر اچانک کیا تھا۔ یہ بات مجھے ابھی ابھی سوجھی ہے کہ بخشی کو کسی سے تفصیلی بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ مزید کچھ اچھے پہلو خود بہ خود سامنے آتے چلے جائیں۔"

"اسلام آباد خبروں کا گڑھ سمجھا جاتا ہے مگر یہاں سناٹا ہے۔ تم کراچی میں بیٹھ کر خبروں کو جنم دے رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ بخشی کے دفتر میں ابھی تک کسی کو علم نہیں ہوا کہ اس پر کوئی افتاد آپڑی ہے۔ انہیں پتا چل جاتا تو انڈین ہائی کمشنر کے دفاتر میں کھلبلی مچ جاتی۔"

"وہ جگدیش موہن کی تعزیت کے لیے گیا تھا۔ اس کی ارتھی شام کو اٹھائی جائے گی" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "انڈین قونصلیٹ والے سمجھ رہے ہوں گے کہ اس نے اپنے ذاتی مراسم کی بنا پر آخری رسوم کی ادائیگی تک رکنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"پھر تو انہیں رات گئے ہی ہوش آئے گا۔ اس سے پہلے وہ اطمینان سے بیٹھے رہیں گے۔"

"میرا اندازہ ہے کہ اس سے پہلے پولیس بخشی تک پہنچ جائے گی۔ تم کو انڈین ہائی کمیشن کے ابتدائی ردعمل پر نگاہ رکھنی ہوگی۔ اس سے پتا چلے گا کہ وہ معاملات کو کس رخ پر لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"چھیڑ چھاڑ میں پہل بخشی نے کی مگر ایسے تصادم کے لیے یہ وقت بہت ناموزوں ہے۔ تم بھارت جانے کا قصد کیے بیٹھے ہو۔ میری خواہش ہے کہ تم جلد از جلد وہاں پہنچ جاؤ۔ دونوں ملکوں کے تعلقات میں کوئی تلخی یا کشیدگی پیدا ہوئی تو تمہیں روانگی کا ارادہ ملتوی کرنا ہوگا۔"

"اب بخشی کو رونا بے سود ہے۔ اسے بھول جاؤ اور نئے واقعات کا انتظار کرو۔ تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تمہیں میری تلاش کیوں تھی۔"

"میں تمہیں جگدیش موہن کی خودکشی سے آگاہ کرنا چاہ رہا تھا۔ تم پہلے ہی اس واقعے سے باخبر ہو۔"

"وہ ایک الگ کہانی ہے۔ جگدیش نے ماروتی کی کج روی سے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کی ہے اور روی موہن اپنی جان بچانے کے لیے کسی اچانک بیماری کا بہانہ کر کے شہر کے کسی اسپتال میں پناہ گزین ہے۔ بخشی اس سے بھی بہت بدظن تھا۔" جگدیش کا ذکر آنے پر مجھے چند فقروں میں اصل کہانی دہرانی پڑی۔ جلال کے لیے وہ ایک نیا موضوع تھا۔ اس پر نت نئے واقعات منکشف ہو رہے تھے۔ اس نے سوالوں کا سلسلہ شروع کردیا۔

بات سے بات نکلتی رہی اور مجھے شیام کا ذکر بھی کرنا پڑا۔ بخشی والی گڑبڑ میں کلیدی کردار اسی نمک حرام کا تھا۔

"اس کے بارے میں زیادہ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں" جلال نے غصیلی آواز میں مشورہ دیا "بعض اوقات دو ٹکے کے آدمی اپنے ذرا سے لالچ کے لیے کوئی قیامت برپا

کر دیتے ہیں۔ بخشی کو شیام نے ورغلایا تھا۔ اپنے مالک کو دغا دینے والے کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہونا چاہیے۔"

"آج میں تمہاری زبان سے پہلی بار کوئی سخت فیصلہ سن رہا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ اول خان چھوٹے گناہ گاروں کا خون بہانے سے ڈرتا ہے۔ شیام نے خود اپنے کسی بڑے جرم کا اعتراف نہ کیا تو اول خان اسے مارنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔"

"اسے سمجھاؤ کہ جب کسی گلتے ہوئے عضو کی وجہ سے انسان کی جان پر بن آئے تو ایسے عضو کی پرورش نہیں کی جاتی۔ بے رحمی سے عضو کو کاٹ کر الگ پھینک دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں سوچا جاتا کہ آدمی لنگڑا یا لولا ہو جائے گا۔"

"اس وقت وہ ڈرائیونگ میں مصروف ہے۔ تم کسی وقت فون کرکے اسے خود ہی یہ بات سمجھا دینا۔ میری نظروں میں شیام بھی کرشن کمار کا ساتھی ہے۔ اسے مارنے کے لیے اس کا یہی ایک جرم کافی ہے۔ کرشن کمار اپنا الّو سیدھا کرنے کے لیے ہمیشہ عیب داروں کے سر پر ہاتھ رکھتا تھا۔"

"میری ایک اور بات گرہ سے باندھ لینا" گفتگو کے دوران میں شاید جلال کو کوئی نئی بات یاد آگئی "بھول کر بھی امیگریشن کے ذریعے بھارتی سرحد عبور نہ کرنا۔ بھارت جانے کے لیے کھلی سرحد کا تھوڑا سا خطرناک حصہ ہی بہتر رہے گا۔"

"اول خان بلاوجہ ہی ہمارے پاسپورٹ اور ویزا کے لیے پریشان ہو رہا ہے" میں نے کہا۔

"صرف شناختی کارڈ اور پاسپورٹ بنوالو۔ ان کا ریکارڈ یہیں رہتا ہے۔ تمہیں ویزا لینے کی بھی ضرورت نہیں۔ میں اول خان کو بتا دوں گا۔ ایسے کام دو نمبر ہوں گے اور ایسے بے داغ ہوں گے کہ ان پر کسی کو شبہ نہیں ہوگا۔"

"میں ایک بار ان کی سرزمین پر پہنچ جاؤں تو مجھے پاسپورٹ اور ویزا کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ بھارت میں پاکستانی کے بجائے بھارتی بن کر رہنا بہت آسان ثابت ہوگا۔ پاسپورٹ ہوا تو مسائل پیدا کرتا رہے گا" میں نے کہا۔

"کسی دوسرے ملک میں غیر قانونی طور پر رہنا اتنا آسان نہیں ہے" میرے کانوں میں اس کی ناصحانہ آواز آئی "دسیوں ایسے مسائل پیدا ہوں گے کہ تم پریشان ہو جاؤ گے۔ کہیں قانون کی گرفت میں آگئے تو تمہاری کوئی داد و فریاد تک نہیں سنی جائے گی۔"

"جب پاسپورٹ بنوانا ہے تو پھر قانونی طریقے سے سرحد کیوں نہ پار کی جائے؟"

"ویزا لینے اور سرحد عبور کرنے کے لیے تمہیں تصویروں کے ساتھ اپنے سارے کوائف دینے ہوں گے جو انڈین ریکارڈ کا ایک حصہ بن جائیں گے۔ میں تمہیں ریکارڈ سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔ کسی ریکارڈ کے بغیر اصل جیسا ویزا لگے گا۔ امیگریشن کی مہریں لگی ہوں گی۔ امرتسر پہنچنے کے بعد تم ڈنکے کی چوٹ پر خود کو پاکستان کہہ سکو گے کوئی تمہاری سفری دستاویزات پر شبہ نہیں کرسکے گا۔"

"ابھی وہ مرحلہ دور نظر آرہا ہے" میں نے ہنس کر جواب دیا "وقت آئے گا تو دیکھ لیا جائے گا۔"

"پاسپورٹ تم بنوالو۔ باقی کام چند گھنٹوں میں ہو جائیں گے" اس نے اصرار کیا "یہاں رہ کر تم سنپولیوں کا سر کچلتے کچلتے تھک جاؤ گے۔ نئی دہلی جاکر انل بسواس کو ہمیشہ کی نیند سلا دو۔ برسوں کے لیے چین ہو جائے گا۔"

میں نے دل میں سوچا کہ اوبرائن ڈی ہنٹ کے متعلق بھی ایسی ہی خوش فہمیاں تھیں۔ اس کو کراچی میں اس بری طرح خوف زدہ کیا گیا کہ ملک چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے بھی نئی دہلی میں پناہ لی تھی۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ میں ان ہی دنوں رستم ایرانی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر بھاری معاوضہ دے کر رستم کے آدمیوں کے ذریعے اوبرائن کو نئی دہلی میں مروا دیا۔

اوبرائن نئی دہلی میں بظاہر ایک حادثے کا شکار ہو کر مرا تھا۔ وہ رستم کے آدمیوں کی منصوبہ بندی تھی مگر کسی کام نہ آسکی۔ اوبرائن کی موت کے بعد امریکیوں کی سرگرمیاں ماند ضرور پڑیں تھیں مگر ان کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ پھر اوبرائن کی جگہ جان اسمتھ آگیا اور امریکیوں نے ایک مرتبہ پھر سر اٹھانا شروع کر دیا۔

جلال انل بسواس کے بارے میں ایسی ہی خوش فہمیوں کا اظہار کر رہا تھا مگر میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ خاموشی سے اس کی بات سن لی۔ میری طرف سے کوئی جواب نہ پاکر جلال نے ذرا سے توقف کے بعد کہا "اگر تم گھر جا رہے ہو تو وہاں پہنچ کر مجھے فون کر لینا۔ میں تمہیں اور اول خان کو تفصیل سے ہر بات سمجھا دوں گا۔ تم جب چاہو گے، بے فکری سے بھارت کے سفر پر روانہ ہو جاؤ گے۔"

"ابھی میں گھر کا رخ نہیں کروں گا" میں نے اسے ٹالنے کی نیت سے کہا "جب بھی وقت ملا، تم سے بات ہو جائے گی۔"

اول خان راستے میں مجھے اتار کر اپنے گھر جانے کا ارادہ کرکے اسٹیشن فور سے نکلا تھا مگر گلشن اقبال پہنچ کر اس کے دل میں نہ جانے کیا آئی کہ وہ انجن بند کرکے میرے ساتھ ہی اتر گیا۔ گھر میں سب ہی بے چینی کے ساتھ ہمارے منتظر تھے۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ فون کرکے ہمیں کچھ نہ کچھ

بتاتے رہنا لیکن تم اپنا موبائل ہی بند کر کے بیٹھ گئے" مجھ سے سامنا ہوتے ہی ویرا نے لڑاکا انداز میں کہا "تمہاری ان ہی حرکتوں کی وجہ سے میں تمہارے ساتھ جانے پر اصرار کرتی ہوں۔"

"دل کھول کر لڑ لینا مگر ڈینی کو گھر کے اندر تو پہنچنے دو" اول خان نے محظوظ ہوتے ہوئے میری سفارش کی۔

"تم ہر وقت ڈینی کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہو" ویرا مجھے بھول کر اول خان کی طرف متوجہ ہو گئی" یہ تمہارے ساتھ مل کر ہمیں بالکل فراموش کر دیتا ہے۔ اسے احساس نہیں ہوتا کہ ہم سب اس کی طرف سے کتنے فکر مند رہتے ہیں۔"

"فکر مند ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر رمی کھیلنا فکر مندی کی نشانی ہے تو اس میں' میں بھی تمہارا شریک تھا" سلطان شاہ نے انکشاف کیا۔

"خدا کا خوف کرو ویرا!" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "رمی کھیل کر فکر مندی کا احسان جتا رہی ہو۔"

"وقت گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔ تاش کا پیکٹ سلطان شاہ نے نکالا تھا" ویرا نے کھسیا کر کہا۔

"یہ باتیں چلتی رہتی ہیں۔ یہ بتائیں کہ آپ کے دشمن کا کیا بنا!" ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد غزالہ نے پوچھا۔

"وہی ہوا جو ہم نے پہلے سے طے کر لیا تھا۔ وہ ہوش و حواس میں ہے مگر اپنی یادداشت سے محروم ہو چکا ہے" غزالہ ہماری باتوں میں بہت کم دخل انداز ہوتی تھی۔ میں نے اس کا صبر آزمانے کے بجائے فوراً ہی جواب دے ڈالا۔

"یہ کیسے ممکن ہوا؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا "سر کے کسی حصے پر ایسی نپی تلی ضرب لگانا بہت مشکل کام ہے۔"

"اسٹیشن فور پر اس فن کا ایک ماہر موجود ہے" اول خان نے جواب دیا "یہ کام اسی نے کیا ہے۔"

"اس کی یادداشت متاثر ہوئی ہے تو وہ شہر میں بھٹکتا پھرے گا۔ اسے کہاں چھوڑا گیا ہے" وہ سوال بھی ویرا نے کیا تھا۔

"وہ بہت کچھ بھول چکا ہے مگر اپنا نام جانتا ہے" مجھے خاموش پا کر اول خان نے ہی بتایا "ہم نے اس پر زیادہ وقت برباد نہیں کیا۔ یہ اندازہ اس کے ساتھی لگا سکیں گے کہ اسے کیا کچھ یاد رہا ہے۔ وہ بیشتر باتیں فراموش کر چکا ہے۔"

"دیکھنا ہو گا کہ جلال اس واقعے پر کس ردِ عمل کا مظاہرہ کرتا ہے" سلطان شاہ نے کہا۔

"اس سے بات ہو گئی ہے۔ وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ بخشی کی دھمکی کے بعد کوئی محدود جوابی کارروائی ضروری ہو گئی تھی" میں نے جواب دیا "بخشی پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس سے بات کی جاتی تو شاید اس کا مشورہ کچھ اور ہوتا۔"

"روبی اسپتال میں ہے یا اس نے ارادہ ملتوی کر دیا؟" غزالہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس کے بارے میں صحیح علم نہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اس نے ارادہ ملتوی نہیں کیا ہو گا۔ بخشی کی دھمکی سے وہ بہت زیادہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔"

جو لوگ اس مہم میں ہمارے ساتھ شریک نہیں تھے ان کے ذہنوں میں بے شمار سوالات کلبلا رہے تھے جن کے جواب دینے کی ذمے داری اول خان نے سنبھال لی تھی اس دوران میں جب جہانگیر کا لطیفہ سامنے آیا تو سب ہی ششدر رہ گئے۔ یہ بات کسی کے سان و گمان میں بھی نہیں تھی کہ صبح سویرے ایس ٹی ایف کے پہرے داروں کی فائرنگ کی زد میں آنے والی کار جہانگیر کی ہو سکتی تھی۔

"وہ دیوانہ ہے" ویرا اضطراری انداز میں بولی "سلمٰی نے اس کی بسیار نوشی پر قابو نہ پایا تو وہ کسی دن شہر میں آوارہ گردی کرتا ہوا مارا جائے گا اور وہ بیٹھے بٹھائے بیوہ ہو جائے گی۔"

ویرا کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ میں غصے کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ میں نے سنجیدگی سے کہا "پی لینے کے بعد وہ خود گھر میں محصور ہو جاتا ہے۔ کسی قیمت پر باہر نہیں نکلتا۔ رات کو اس کی ذہنی رو ہم دو بھوکوں کی طرف بھٹک گئی تھی اور وہ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔"

"پھر بھی اسے کم پینی چاہیے۔ وہ روز ہی آپے سے باہر ہو جاتا ہو گا" ویرا نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

"خوب! یہ تم کہہ رہی ہو" سلطان شاہ نے موقع سے فائدہ اٹھا لیا "وہ بے چارہ تم سے بہت پیچھے ہے۔ تمہارا تو خون بھی اب سرخ کے بجائے سنہرا ہو چکا ہو گا۔ جس کو دیا جائے گا' وہ جھوم جھوم کر اپنی جان دے دے گا۔"

"مجھے اس سے مت ملاؤ" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "میں جو کچھ کرتی ہوں اپنی حد میں رہ کر کرتی ہوں۔ تم میں سے کسی نے آج تک مجھے بہکتے ہوئے نہیں دیکھا ہو گا۔ پی کر سرور میں آنے اور دھت ہو جانے میں بہت فرق ہے۔"

"تمہاری بتائی ہوئی ان باریکیوں سے ہم میں سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچے گا" سلطان شاہ نے کہا "ڈینی تمہاری برادری سے نکل چکا ہے۔ یہ باتیں کسی وقت جہانگیر کو بتانا۔ وہ تمہاری بے تکی باتیں بھی بہت دھیان سے سنتا ہے۔"

ویرا نے جھلا کر اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا ہلکا پھلکا گیس لائٹر سلطان شاہ پر پھینک مارا۔ وہ ویرا کے ایسے کسی جواب کے لیے تیار تھا۔ اس نے لائٹر لپک کر احترام سے میری

طرف بڑھادیا۔ میں نے بے پروائی سے اسے سینٹر ٹیبل پر ڈال دیا۔

ہمارے گھر پہنچنے کے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد حامد کا فون آیا۔ وہ اپنی رپورٹ دینے کے لیے اول خان کی تلاش میں تھا جب کہ اول خان اس کا فون آنے سے چند ہی منٹ پہلے ہمارے پاس سے اپنے گھر کے لیے روانہ ہوا تھا۔ میں نے اس سے میجر بخشی کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ ساحل کے مطلوبہ علاقے تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کا ٹکراؤ ایک پولیس پارٹی سے ہوگیا جس کی سربراہی کوئی نیا اے ایس آئی کررہا تھا۔

حامد نے اسے ایس ٹی ایف کا حوالہ دیا اور اپنا شناختی کارڈ بھی دکھایا لیکن وہ اسسٹنٹ سب انسپکٹر محکمے میں نیا ہونے کے باعث ایس ٹی ایف کے وجود' افادیت اور اہمیت سے بالکل بے خبر تھا۔ اس نے بخشی کے بے ہوش وجود کو اس کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر دیکھ کر حامد کو اپنی ساتھ پولیس اسٹیشن چلنے پر مجبور کیا۔ وہ حامد کے لیے نیا تجربہ تھا۔ وہ بھی اڑ گیا اور تکرار بڑھنے لگی۔

حامد کے ساتھ واپسی کے لیے فورس کی ایک گاڑی اور تین مسلح آدمی بھی تھے۔ وہ سب سادہ لباس میں تھے۔ بات زیادہ بڑھ جانے پر حامد کو دونوں گاڑیوں سمیت تھانے جانا پڑا۔ وہاں پہنچتے ہی مسئلہ حل ہوگیا۔ ایس ایچ او نے خود اپنے دفتر سے باہر آکر حامد سے اپنے ماتحت کی بے خبری پر معذرت کی اور اسے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ خاموشی اور رازداری کے ساتھ اپنا کام پورا کرنے کے ارادے سے گیا تھا۔ اس ناخوش گوار واقعے کے نتیجے میں بات کھل چکی تھی۔ حامد نے ساحل کی طرف واپسی کا ارادہ ملتوی کرکے بخشی کو براہ راست پولیس کی تحویل میں دینے کا ارادہ کرلیا۔ ایس ایچ او اس بات پر راضی تھا کہ وہ بخشی اور اس کی کار کی برآمدگی ایس ٹی ایف والوں کے طے کردہ مقام سے دکھائے گا۔ اس گفتگو میں حامد نے بخشی کی کوئی شناخت ظاہر نہیں کی تھی۔

حامد نے اپنے ارادے کی توثیق کے لیے اسٹیشن فور فون کیا تو اول خان وہاں سے نکل چکا تھا۔ اس نے میرے موبائل نمبر پر رابطہ کرنا چاہا تو وہ دیر تک مصروف ملتا رہا۔ شاید اس وقت میری اور جلال کی بات ہورہی تھی۔ حامد نے تبدیلی کا فیصلہ منسوخ کردیا۔

وہ میجر بخشی کو کار سمیت اس ویران ساحل پر لے گیا جہاں دیوار بنانے کے لیے ریت پر پتھروں کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ اس کی دونوں گاڑیوں کے پیچھے تھانے کا ایس ایچ او ایک موبائل میں نفری لے کر آیا تھا۔ حامد نے رسمی کارروائی کے طور پر جوں ہی بخشی کو پتھروں پر منتقل کیا' پولیس

کے عملے نے اپنی کارروائی شروع کردی۔ حامد انہیں مصروف چھوڑ کر ایس ٹی ایف کی گاڑی میں لوٹ آیا۔

ایک بے خبر اور نئے پولیس افسر کی بے جا مداخلت کے سوا سب کچھ طے شدہ پروگرام کے تحت ہوا تھا۔ میں نے حامد سے وہ تفصیلات سننے کے بعد اول خان کو باخبر کرنے کی ذمّے داری اپنے سر لیتے ہوئے فون بند کردیا۔

"میں ایسے کسی ناخوش گوار واقعے کے بارے میں کئی بار سوچ چکا تھا۔" سلطان شاہ نے حامد کے تجربے کی روداد سن کر کہا "ضروری نہیں کہ ہر چھوٹا بڑا پولیس اہل کار ایس ٹی ایف کے وجود سے باخبر ہو یا اس کے شناخت ناموں سے مرعوب ہوجائے۔"

"یہ واقعہ دوبارہ بھی رونما ہوسکتا ہے۔" ویرا نے اس کی تائید کی "پولیس کی بہت سی گشتی پارٹیوں میں کوئی پڑھا لکھا افسر نہیں ہوتا۔ نیم خواندہ عملہ اپنی وردی کی اہمیت جتانے پر تل جائے تو کسی وقت خون خرابے کی نوبت بھی آسکتی ہے۔ ایک تجربہ ہوجانے کے بعد اس کا اعادہ روکنے کے لیے کچھ نہ کچھ ہونا ضروری ہے۔ تمہیں کھل کر اول خان کو اس خطرے سے آگاہ کردینا چاہیے۔"

"تم دونوں ایک بات سنتے ہو اور عجلت میں فیصلے صادر کرنا شروع کردیتے ہو۔" میں نے ہلکی سی خفگی سے کہا "آج جو کچھ ہوا، وہ کوئی اتفاق نہیں تھا۔ اس بارے میں اول خان مجھے بتا چکا ہے کہ ایس ٹی ایف کی رازداری برقرار رکھنے کے لیے پولیس کانسٹیبل کی سطح تک اس کی تشہیر نہیں کی جاسکتی۔ ایس ٹی ایف کے ہر اہل کار کو یہ حکم ہے کہ کسی بھی سرکاری ایجنسی کا کوئی فرد انہیں رعایت دینے پر آمادہ نہ ہو تو وہ رضاکارانہ طور پر اس کے افسر تک جانے کی پیش کش کردیں۔ افسروں کو انفرادی طور پر ان اداروں کے بارے میں بتادیا جاتا ہے جنہیں وردی کے بغیر خاموشی سے اپنا کام کرنے کی آزادی ہے۔"

"پھر حامد نے بات کیوں بڑھائی؟ اسے پہلے ہی تھانے چلا جانا چاہیے تھا۔ یہ اس کی غلطی تھی۔" ویرا نے نیا فیصلہ جاری کردیا۔

"حامد بھی ذمّے دار آدمی ہے۔ اسے غلطی نہیں، عادت کی خرابی کہہ سکتی ہو۔ آج تک کسی نے اس کے شناخت نامے کو مسترد نہیں کیا ہوگا۔ نیا تجربہ اسے گراں گزرا۔ ایس ٹی ایف والے بھی ہم جیسے جذباتی انسان ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حامد نے نوجوان اے ایس آئی کا حکم ماننے میں سبکی محسوس کی ہو۔ وہ اسٹیشن فور پر اول خان کی نیابت کرتا ہے۔ اس کا درجہ اے ایس آئی سے بہت اوپر ہوگا۔"

"فورس میں سب ہی برابر معلوم ہوتے ہیں۔ حکم دینے یا ماننے کی نوبت آئے تو چھوٹے بڑے کا پتا چلتا ہے۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا۔

"ہمارے گھر سے جمشید روڈ کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ دس منٹ بعد میں نے اول خان کے گھر فون کیا تو پتا چلا کہ وہ گھر پہنچتے ہی اسٹیشن فور سے رابطہ کرکے رپورٹ لے چکا ہے۔ حامد نے اسے اپنی اور میری گفتگو کے بارے میں بھی بتادیا تھا۔

"میں نے حامد کو تنبیہہ کی ہے۔" اول خان فون پر کہہ رہا تھا "اسے خاموشی سے تھانے چل دینا چاہیے تھا۔ پولیس والوں کی اتفاقی مداخلت سے یہ فائدہ ہوا کہ وقت برباد نہیں ہوا۔ بخشی کا قصہ فوراً ریکارڈ پر آگیا۔ اب تو قونصل خانے کو خبر مل چکی ہوگی۔"

"حامد تو کہہ رہا تھا کہ اس نے پولیس والوں کو بخشی کی شناخت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا!" میں نے حیرت سے کہا۔

"وہ تمہیں یہ بتانا بھول گیا کہ بخشی کی جیبوں میں ایسا مواد موجود تھا جس سے اس کی شناخت ہوجاتی۔"

"شیام کے لیے جانے والی پارٹی کی طرف سے کیا خیر خبر ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ بھی راستے میں ہیں۔ شیام ان کے ساتھ ہے۔ آج اس کی تواضع ہوتی رہے گی۔ کل اسے دیکھا جائے گا۔"

"اسے اچھی طرح دیکھ لو تو مجھے نتیجے سے آگاہ کرنا نہ بھولنا" میرے ساتھ وہ بھی ہنسنے لگا۔

اول خان سے گفتگو ہوجانے کے بعد میرے سر سے ایک ذمّے داری کا بوجھ اتر گیا۔ دن طلوع ہونے سے پہلے واقعات نے جس بے ہنگم انداز میں پھیلاؤ اختیار کرنا شروع کیا تھا۔ وہ قابو میں آچکا تھا۔ ایک ایک کرکے تقریباً سب ہی گتھیاں سلجھ چکی تھیں۔ صرف ایک مسئلہ اٹکا ہوا تھا کہ مجھے وعدے کے مطابق جلال سے فون پر بات کرنی تھی۔ اس کے بعد اس دن کا پُرسکون اختتام ہوتا نظر آرہا تھا۔

"موہن ہاؤس فون تو کرو" ویرا نے بیٹھے بیٹھے اچانک تجویز پیش کی "کچھ پتا تو چلے کہ روی مکاری کرکے کس اسپتال میں پہنچا ہوا ہے اور کب تک گھر واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

"یہ وقت مناسب نہیں ہے" میں نے رسٹ واچ پر نظر ڈال کر جواب دیا "جگدیش کی آخری رسوم ادا ہونے تک وہاں افراتفری کا راج رہے گا۔ کوئی بھی فون پر صحیح بات نہیں بتاسکے گا۔ روی کے چلے جانے سے سب کچھ درہم برہم

ہو کر رہ گیا ہوگا۔"

"روی اور جگدیش کے بچوں نے میرپور خاص سے آکر نظام سنبھال لیا ہوگا" ویرا نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے مجھے یاد دلایا "تم ہی نے بتایا تھا کہ اس گھر کی اوپر والی منزل نچلی منزل سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ روی کی مکاری کے بعد ماروتی بھی اوپر پڑی اینڈ رہی ہو۔ اس سے تمہاری بات ہوگئی تو وہ تمہیں گھر کے ساتھ ساتھ اپنے دل کا احوال بھی سنادے گی۔"

میں نے تیز نظروں سے ویرا کو گھورا لیکن اس کی ذومعنی مسکراہٹ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس موقع پر سلطان شاہ بھی اس کا ہم نوا بن گیا" ان کے اوپر والے نمبر پر ایک کوشش کرنے میں کیا مضایقہ؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کسی سے بات نہیں ہوگی۔"

میں نے سلطان شاہ کی بات سنی اَن سنی کردی۔ جگدیش کی خودکشی کے بعد وہ ماروتی سے میری پہلی گفتگو ہوتی۔ اسے روی نے جگدیش کی آخری تحریر کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن اس گھرانے میں پائی جانے والی کشیدگی کی بنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ دوسری عورتوں نے ماروتی کو ذلیل کرنے کے لیے جگدیش اور روی کے درمیان ہونے والی گفتگو، اپنی مرضی کی ترامیم اور اضافوں کے ساتھ اسے سنادی ہوگی۔ ان مکالموں میں جگدیش کے عائد کیے ہوئے الزامات کی واضح جھلکیاں موجود تھیں۔

مجھے ڈر تھا کہ مجھ سے بات کرتے ہوئے ماروتی اپنا دفاع کرتے ہوئے جذباتی نہ ہوجائے۔ پچھلے دنوں میں اس کے ساتھ جس نوعیت کے مراسم استوار ہوتے چلے گئے تھے ان کی روشنی میں، میں اس سے بے رخی اختیار کرکے فون بند نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی دل جوئی کے لیے مجھے جو کچھ کہنا پڑتا وہ ایسا ہرگز نہ ہوتا کہ میں اسے ان تینوں کی موجودگی میں بے فکری سے کہتا چلا جاتا۔

"ماروتی سے زیادہ اہم جلال ہے" اس نازک موڑ پر غزالہ نے میرے دل کی بات پڑھتے ہوئے یاد دلایا "یہ بری بات ہے کہ آپ آج سارا دن اسے ٹالتے رہے ہیں۔ وہ بہت بے چینی سے آپ کے فون کا انتظار کررہا ہوگا۔"

میں نے ویرا اور سلطان شاہ کے منہ بند رکھنے کے لیے فوراً ہی فون کا ریسیور اٹھالیا۔

دفتری اوقات ختم نہیں ہوئے تھے۔ جلال ویسے بھی دیر تک اپنے دفتر میں کام کرنے کا عادی تھا۔ میں نے نمبر ملایا تو وہ براہِ راست لائن پر موجود تھا۔

"میں سمجھ رہا تھا کہ تم اپنا وعدہ بھول گئے۔ مجھے بہت شدت سے تمہارے فون کا انتظار تھا" میری آواز سنتے ہی اس کی طرف سے جواب آیا "بخشی کے بارے میں اسلام آباد میں افواہیں گردش میں آگئی ہیں۔ ہائی کمیشن کا ذمے دار عملہ فون پر آنے سے گریز کررہا ہے۔ اس خبر نے ان سب کو اضطراب میں مبتلا کردیا ہے۔"

"افواہیں کیا ہیں؟ تمہیں خیال رکھنا ہے کہ ان لوگوں کی سوچ کس سمت میں ہے۔"

"وہ بہت محتاط ہیں۔ بس یہ کہا جارہا ہے کہ کراچی میں ان کے عملے کے ایک رکن کے ساتھ کوئی سنگین واقعہ رونما ہوا ہے۔"

"واقعہ؟" میں نے حیرت سے دہرایا "اگر ان کی نیت صاف ہوتی تو وہ ابتدائی طور پر اسے حادثہ قرار دیتے۔ حادثے اور واقعے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ وہ لوگ واقعی بہت کینہ پرور ہیں۔ پوری تفصیل جانے بغیر محاذ آرائی کی داغ بیل ڈال رہے ہیں۔"

"مجھے کراچی سے اطلاع ملی ہے کہ اسے پولیس کی تحویل سے نکال کر جناح اسپتال کے نیورو سرجیکل وارڈ میں پہنچادیا گیا ہے جہاں اس کے تفصیلی ٹیسٹ کیے جائیں گے۔ دوسری طرف اسے جلد از جلد پاکستان سے نکالے جانے کی تیاری کی جارہی ہے۔"

"یہ سب اسی طرح ہونا تھا" میں نے اس کی بات سن کر کہا "اس بارے میں مجھے یا تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ابھی میں بھی فکرمند نہیں ہوں۔ تمہیں یہاں کی تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کررہا تھا۔ ادھر وہ لوگ میجر بخشی کے قصے میں الجھ گئے ہیں۔ دوسری طرف دفتر خارجہ والوں نے ڈیوڈ اور جمی کی موت کے بعد ملنے والے امریکی مراسلے کا منہ توڑ جواب امریکی سفیر کے حوالے کردیا ہے۔ اس نے مراسلے کو توہین آمیز اور امریکی وقار کے منافی قرار دے کر وصول کرنے سے انکار کرنا چاہا تھا لیکن اسے امریکی مراسلے کی سفارتی زبان کے حوالے سے یہ سمجھادیا گیا کہ امریکیوں کی نیک نیتی کے بارے میں پورے اعتماد کا اظہار کرنے کے بعد مراسلے میں وہ باتیں بیان کی گئی ہیں جو حقیقت نہ ہونے کے باوجود' عام آدمی کو حقائق سے قریب نظر آتی ہیں۔ لاجواب ہونے کے بعد اسے مراسلہ وصول کرنا پڑا۔"

"مشکل یہ ہے کہ پچھلے چند دنوں میں یہاں واقعات میں اتنی تیزی آئی ہے کہ اب ہمیں کچھ روز کے لیے خاموشی اختیار کرنی ہوگی" میں نے جلال سے ملنے والی اطلاع پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا "یہ لوگ اپنے مسائل میں گھرے رہیں تو ان کی پیش قدمی بالکل رک جاتی ہے۔"

"اسی لیے میری خواہش ہے کہ تم جلد از جلد نئی دہلی روانہ ہونے کے بارے میں سوچو۔ اس سلسلے میں' میں پوری طرح تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"ابھی وقت ہے۔ میں آج تصویروں کا بندوبست کرتا ہوں۔ اول خان کل پاسپورٹ بنوادے گا۔"

"پاسپورٹ ہاتھ میں آتے ہی تم لاہور پہنچ جاؤ" مجھے سفر پر آمادہ پاکر وہ خوش ہوگیا "میں بھی اسلام آباد سے وہیں آجاؤں گا۔ چٹکی بجانے میں تمہارے سارے مسائل حل کردیے جائیں گے۔"

"وہاں مجھے کن لوگوں سے مدد مل سکے گی؟" میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"نئی دہلی میں ہمارے تین آدمی ہیں۔ میں ان کے بارے میں معلومات یکجا کرکے لاہور میں تمہارے حوالے کردوں گا۔ وہاں پہنچنے کے بعد تمہیں اپنے کام کے آغاز کے لیے زیادہ تگ و دو نہیں کرنی پڑے گی۔ وہ تمہارے لیے ہراول کا کام سرانجام دیں گے۔"

"تم اپنا کام شروع کردو۔ میں اپنی تیاری کرتا ہوں۔ ممکن ہوا تو میں میجر بخشی کے پیچھے پیچھے نئی دہلی پہنچ جاؤں گا۔ اس کے سنبھلنے کے آثار نظر آئے تو لگے ہاتھوں اس کا بھی کریا کرم ہوجائے گا۔"

"جاتے ہوئے اور کچھ اپنے ساتھ لو یا نہ لو' سی ایس ڈی ضرور لے جانا" اسے اچانک وہ حساس آلہ یاد آگیا جو میں نے نیویارک میں را کے ایک پرانے ایجنٹ سے یارانے کے نتیجے میں حاصل کیا تھا۔ بدری ناتھ اسی پرائی سرزمین پر میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا مگر اس کی یادگار مسلسل میرے کام آرہی تھی۔

"آپس کے رابطے کے لیے ملاقاتیں خطرناک ہوتی ہیں۔ شاید تمہیں کوئی لاسلکی اپریٹس مل جائے" وہ کہہ رہا تھا "اگر سی ایس ڈی کے ذریعے فون پر ہونے والی گفتگو کو ناپسندیدہ مداخلت سے محفوظ بنایا جاسکے تو دشمن کی سرزمین پر تمہارا کام بہت آسان ہوجائے گا۔"

"اگر ہمیں ہوٹل میں رہنا پڑا تو سی ایس ڈی سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آپریٹر کے ذریعے کوئی بھی کال ہمارے کمرے تک منتقل نہیں ہوسکے گی۔ اس کی ساری افادیت براہِ راست فون لائن تک ہے۔"

"وہ لوگ اس کا بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کردیں گے۔ اچھا ہوا کہ تم نے یہ نکتہ بتادیا۔ شروع سے ہی اس کا خیال رکھا جائے گا" بات ختم کرتے کرتے اس نے چونکی ہوئی آواز میں پوچھا "ابھی تم نے جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا تھا۔ کیا تم کسی اور کو بھی اپنے ساتھ لے جارہے ہو؟"

"میری بیوی میرے ساتھ ہوگی" میں نے اس کی حیرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جواب دیا "پردیس کے سفر میں ایک سے دو بہتر ہوتے ہیں۔ ایک پر کوئی برا وقت آجائے تو دوسرا اس کے لیے کچھ نہ کچھ کرسکتا ہے۔ اور کچھ نہیں تو خیر خواہوں کو خبر ہی پہنچا سکتا ہے۔"

"اپنے معاملات کو تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو" اس نے محتاط لب و لہجے میں کہا "میری دانست میں بیوی کو اس سفر پر اپنے ساتھ لے جانا مناسب نہیں ہوگا۔ یہ مردانہ لڑائی ہے جس میں گردنیں کٹنے کی نوبت آجاتی ہے۔ بیوی کے ساتھ تم ہر وقت ذہنی دباؤ میں رہو گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میری بیوی ایسے معاملات میں مردمار ثابت ہوتی ہے" میں نے ویرا کو آنکھ مار کر ماؤتھ پیس میں کہا "اس کے سامنے ایسی کوئی بات نہ کہنا وہ تمہارا مشورہ پسند نہیں کرے گی۔"

"یہ صرف مشورہ ہی تھا" وہ جلدی سے بولا "میں تمہیں اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔"

اس سے گفتگو ختم کرکے میں نے ایک مرتبہ پھر اول خان کے گھر کا فون نمبر ملانا شروع کردیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن نے نیچرل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈینی کو تلاش کرکے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہورہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہوچکا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈینی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکریٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچارہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظورِ نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبہے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نیا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچادیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائفل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رائفل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائفل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہِ فرار اختیار کی مگر میرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رائفل نے اپنی گلوخلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہوکر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہوچکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگادیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدرآباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدرآباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار ننگر پارکر چھور کے علاقے میں مسلح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارتی علاقے موناباؤ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی بی کے جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ اس دوران میں کرشن کمار کے آدمیوں نے حیدرآباد میں موجود ہماری کار کا تعاقب کیا اور ہمارے گھر تک رسائی حاصل کرلی۔ ایک رات انہوں نے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیا مگر اپنی بدقسمتی سے حیدرآباد کے رجسٹریشن والی کار سمیت ایک مردہ اور دو زندہ شکاروں کی صورت میں ہمارے ہاتھ آگئے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کرشن کمار انڈیا نہیں گیا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ دیکھ چکا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کردیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے ٹھکانے سے واقف ہونے کے بعد ہم سے ضرور ٹکرائے گا۔ اسی امید کے تحت میں اور سلطان شاہ گھر سے باہر سڑکوں پر سرگشتی کررہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور میرا کو یرغمال بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ اسے اغوا کرکے بیس لاکھ ڈالر انعام حاصل کرنے کا خواہش مند تھا مگر میرا کی حاضر دماغی کے باعث اسے اپنی کوشش میں ناکامی ہوئی اور اسے راہ فرار اختیار [illegible] ہمارے [illegible] کارروائی کے دوران میں استعمال ہونے والی کار کا رجسٹریشن شراب فروخت کرنے والی ایک کمپنی موہن اینڈ موہن کے نام پر تھا۔ کمپنی کا مالک مستقل کراچی میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے اس کے گھر پر اس سے ملاقات کی۔ اس نے بتایا کہ حیدرآباد سے متعلق کاروباری معاملات اس کا بھائی روی دیکھتا ہے۔ ہم روی سے ملنا چاہتے تھے مگر وہ ہمیں جل دے کر وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔ تاہم ہمارے تیور دیکھ کر روی کی خوب صورت بیوی ماروتی نے مجھے روی کی سلامتی اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے عوض کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ اس کی نشان دہی پر میمن گوٹھ پر کامیاب آپریشن کیا گیا اور کرشن کمار مع دو امریکی سفارت کاروں کے ہمارے ہاتھ آگیا۔ سفارت کاروں کو ان کے مقامی ڈرائیور سمیت موقع پر ہی واصل جہنم کردیا گیا۔ بعد میں کرشن کمار بھی اسی انجام کو پہنچا۔ امریکیوں نے اپنے سفارت کاروں کی ہلاکت کا انتقام لینے کے لیے پہلے مائیکرو سینٹر کو تباہ کیا اور پھر اسلام آباد میں بم دھماکا کرایا۔ کرشن کمار کے ساتھیوں میں صرف ہری چند باقی تھا میں اس کی تلاش میں روی موہن کے ہمراہ بھٹ شاہ روانہ ہوا مگر وہ ہمیں حیدرآباد میں ہی ٹکرا گیا اپنے بھیانک انجام سے بچنے کے لیے اس نے راہِ فرار اختیار کی مگر ٹریفک کے ایک بھیانک حادثے کا شکار ہوکر وہ ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ اس سے معلوم ہوا کرشن کمار دہلی میں موجود کسی بھارتی افسر انل بسواس سے ہدایات لیتا تھا۔ جلال نے بتایا کہ انل بسواس انڈین سیکرٹ ایجنسی "را" کے پاکستان ونگ کا سربراہ ہے۔ اس دوران میں میجر بخشی کا کردار بھی میرے سامنے رہا تھا۔ میری خواہش تھی کہ مجھے بھارت جانا چاہیے جلال میرا ہم نوا تھا۔ ادھر ماروتی نے اپنے جیٹھ سے انتقام لینے کے لیے میرے اور اس کے درمیان گزارے گئے رنگین لمحوں کی داستان اپنے جیٹھ کو سنادی وہ غصے سے دیوانہ ہوگیا اور شدید جذباتی ہیجان کے عالم میں خودکشی کر بیٹھا۔ روی کو ڈر تھا کہ اب پولیس اسے اس معاملے میں بھی گھسیٹے گی مگر ہماری مدد سے اسے اس سلسلے سے بہ آسانی گلو خلاصی نصیب ہوگئی۔ روی کے گھر کے ایک ملازم شیام کے ذریعے میرا اور اول خان کا فرضی نام اور ٹیلی فون نمبر میجر بخشی تک پہنچا اور اس نے فون پر مجھے دھمکی دی چنانچہ اسے اس جسارت کا مزہ چکھنا پڑا اور وہ اپنی یادداشت گنوا کر بھارتیوں کے لیے بے مصرف ہوگیا۔ میں اب بھارت جانے کے لیے مکمل طور پر تیار ہوچکا تھا۔ چنانچہ جلال سے مشورے کے بعد میں نے اول خان کے گھر کا فون نمبر ملانا شروع کردیا۔

قسط ایک سو بانوے

اول خان کو اپنی اور جلال کی گفتگو سے آگاہ کرنے کے بعد میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگائی تو میرا بہت غور سے اور مسلسل میری طرف دیکھے جارہی تھی۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی نہ کوئی کھچڑی پک رہی ہوگی اس لیے

میں نے اسے چھیڑنے کے بجائے نظرانداز کرنے کا فیصلہ کرلیا اور سگریٹ کے پہلے کش کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"کہاں جارہے ہو؟" میرے اٹھتے ہی ویرا نے اونچی آواز میں مجھے ٹوک دیا۔

میں چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے اس کی طرف پلٹا اور قدرے حیرت سے پوچھا "کیا اب گھر میں چلنے پھرنے کے لیے مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت ہے؟"

"مجھے معلوم ہے کہ تم میری پروا نہیں کرتے۔ تمہیں میری کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس کی آواز میں رچی ہوئی افسردگی تشویش ناک تھی۔ میں نے درمیان سے ہی اس کی بات اڑا دی "پھر مجھے ٹوکنے کی کیا بات ہے؟"

"مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کرو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں سینگ نہیں ماروں گی۔"

"یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔" سلطان شاہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بول پڑا "مجھے روز اول ہی سے شبہ تھا کہ تمہارا ذہنی فتور اسی طرح جاری رہا تو کسی نہ کسی دن تمہارے سینگ بھی نکل آئیں گے۔"

میری اور جلال کی گفتگو کے دوران میں ہی وہ غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکل گیا تھا۔ جب میں اول خان سے فون پر بات کررہا تھا تو کمرے میں میرے علاوہ صرف ویرا موجود تھی لیکن اس کی آواز سن کر سلطان شاہ اچانک ہی نمودار ہوگیا تھا۔

"میں تم سے مخاطب نہیں تھی۔" ویرا نے ترشی سے کہا "مجھے ڈینی سے کچھ بات کرنے دو!"

"یہ بات غزالہ نے کہی ہوتی تو میں سر جھکا کر باہر چلا جاتا" سلطان شاہ کے سر پر شوخی کا بھوت سوار تھا۔ "وہ ڈینی کی زوجہ ہے جب کہ تم ہم دونوں کے لیے نامحرم ہو۔ تم کو بات چیت اور میل جول میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔"

ویرا کے پتلے پتلے، گلابی ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تمہیں یہ بات جتانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم میں سے کسی کے ساتھ، میرا کوئی مضبوط رشتہ نہیں ہے پھر بھی تم کو۔۔۔"

ویرا اس کی بات پر یک بہ یک جذباتی ہونے لگی تھی۔ سلطان شاہ کی مذاق میں کہی ہوئی بات اس وقت ویرا کے لیے ایک سنگین طعنہ ثابت ہوئی تھی۔ میں نے بات بڑھنے سے پہلے ہی سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے کہا "تم جاؤ، مجھے ویرا سے بات کرنے دو۔"

میرے سخت لہجے پر سلطان شاہ نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ میں نے ویرا کی نظریں بچا کر اسے آنکھ ماری اور وہ جس طرح ٹہلتا ہوا نمودار ہوا تھا، اسی انداز میں خاموشی سے ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

"شکریہ!" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا نے عجیب سے لہجے میں سکوت توڑتے ہوئے مجھ سے کہا "وہ شیطان کی طرح آیا تھا مگر بہت پتے کی بات کہہ کر گیا ہے۔ اکثر میں خود بھی یہی سب سوچنے لگی ہوں۔"

"کیا سوچنے لگی ہو؟" میں نے نرمی اور دل جوئی کے انداز میں اس سے پوچھا۔

"یہی کہ ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے۔" اس نے اداسی کے ساتھ جواب دیا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ تم بہکی بہکی باتیں کررہی ہو!" میں نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہ بتاؤ کہ میرے اور تمہارے درمیان کیا رشتہ ہے؟ کبھی کبھی میں یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتی ہوں کہ میں یہاں کیوں پڑی ہوئی ہوں اور کیا کررہی ہوں۔ یہ بات سلطان شاہ نے محرم اور نامحرم کا ذکر چھیڑ کر بہت زیادہ واضح کردی ہے۔"

"وہ احمق ہے۔ تمہیں اس کی کہی ہوئی خرافات پر اتنا دھیان نہیں دینا چاہیے۔"

"وہ احمق نہیں، بہت چالاک ہے۔ گاہے گاہے مجھے میری اوقات یاد دلاتا رہتا ہے۔"

"اوہ!" میں نے مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی "اب شاید تم پٹڑی سے اتر رہی ہو۔"

"ڈینی! مائی ڈارلنگ!" اس نے بہت دھیمی آواز میں کہا "تم جانتے ہو کہ میں آزاد مغربی بلکہ امریکی معاشرے میں پلی بڑھی ہوں۔ جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو کے روپ میں میری تربیت کی، میں نے اٹلی کے اوباش روسا کی محفلوں میں بہت سا قیمتی وقت گزار کر یہ سیکھا کہ عورت کسی مرد کی ماں، بہن، بیٹی یا بیوی نہ ہو تو کیا ہوتی ہے۔ میرے ساتھ تو بدقسمتی یہ ہے کہ مجھے میرے باپ نے بھی کبھی سرعام اپنی بیٹی تسلیم نہیں کیا۔ میں ان چاروں رشتوں کی لذت سے بالکل ناآشنا ہوں۔ میں ہمیشہ سے پانچویں تجربے سے گزرتی رہی ہوں۔ میرے لیے۔۔۔"

ویرا کی اس سنجیدہ گفتگو نے مجھے بے آرام کردیا۔ میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا "تم اتنی لمبی تمہید کس لیے باندھ رہی ہو؟"

"مجھے اس تمہید کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔" ویرا نے اسی لہجے میں اپنا سلسلہ کلام جوڑا "سلطان شاہ نے میرے لیے نامحرم کا لفظ استعمال کرکے مجھے ان وضاحتوں پر مجبور کردیا۔ یہ ایک لفظ ہے مگر بہت جامع اور مجھ پر پورا اترتا

ہے۔"

"یہ بہت پرانی بات ہے۔ اس وقت تمہیں یہ سب کیوں یاد آرہا ہے؟"

"تم صرف غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر نئی دہلی جانے کا فیصلہ کرچکے ہو؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"تمہارے ساتھ امریکا کا ایک طویل سفر کرچکا ہوں' اس بار اسے لے جانا ضروری ہے۔"

"میں تمہیں نہیں روکتی۔ وہ تمہاری بیوی ہے۔ ہر وقت تمہارے ساتھ رہنا اس کا حق ہے۔" وہ خاموش ہوگئی۔

"اس کے میرے ساتھ جانے پر تمہیں اعتراض نہیں ہے تو پھر ایسی گمبھیر سنجیدگی کیوں اختیار کی ہے؟"

"وہ تمہارے ساتھ جائے گی' میں بھی بھارت جانے کا ارادہ کرچکی ہوں۔" اس نے سکون سے انکشاف کیا۔

میں تنک اٹھا "یہ نہیں ہوسکتا۔ تم دونوں کو اپنے ساتھ لے جانا میرے بس سے باہر ہے۔ وہ امریکا نہیں' بھارت ہے۔ وہاں ہمیں قدم قدم پر خطرات کا سامنا کرنا ہوگا۔ یہ بات پہلے واضح کی جاچکی ہے کہ وہاں تم آسانی سے پہچان لی جاؤ گی۔"

"اتنا بھڑکنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے ہاتھ اٹھاکر مجھے خاموش کردیا "میں کوئی بے زبان جانور نہیں ہوں کہ تم میری گردن میں زنجیر باندھ کر مجھے سلطان شاہ کی رکھوالی میں چھوڑ جاؤ۔ میں خود مختار ہوں۔ اپنے فیصلے آپ کرسکتی ہوں۔ تم نے تعاون نہ کیا تو دونوں محرموں کی روانگی کے بعد میں خود اپنے طور پر اس سفر کے لیے نکل کھڑی ہوں گی۔ کوئی مجھے نہیں روک سکے گا۔"

"پھر سلطان شاہ اکیلا یہاں رہ کر کیا کرے گا؟" میں نے غصے اور بے چارگی سے پوچھا۔

"یہ اس کا مسئلہ ہے۔" ویرا نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے کہا "میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم وہاں جاکر کیا کروں گی۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"وہی جو تم دونوں کرو گے۔" اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا "میرے لیے یہ مشکل ہے کہ میں یہاں بے کار بیٹھی' تمہاری واپسی کا انتظار کرتی رہوں۔ بے کاری اور بے زاری طول پکڑ گئی تو میں مالیخولیا میں مبتلا ہوجاؤں گی۔"

"ہمارے چلے جانے کے بعد یہاں سے مسائل کا خاتمہ نہیں ہوجائے گا۔ کوئی نہ کوئی فتنہ سر اٹھاتا رہے گا۔ اول خان تم سے رابطے میں رہے گا۔ تم زیادہ آزادانہ انداز میں اس کی مدد کرسکو گی۔ وہ تمہاری بہت عزت کرتا ہے۔"

"عزت!" ویرا نے استہزائیہ انداز میں دہرایا اور ہنس پڑی "میں عزت اور ذلت کی بحث میں نہیں پڑتی۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی مگر میرا جانا طے ہے۔ میں تم پر کوئی بوجھ ڈالوں گی نہ تم پر میرے تحفظ کی ذمّے داری ہوگی۔ میں تم دونوں سے الگ تھلگ اور شاید دور دور رہ کر یہ دیکھوں گی کہ میں را والوں کے خلاف کیا کچھ کرسکتی ہوں۔"

"کہیں بھی کوئی لغزش ہوئی تو وہ تمہیں چیر ڈالیں گے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"مجھے پروا نہیں۔ تم تنہائی کے اس ہولناک تجربے سے نہیں گزرے جس میں' میں نے ساری عمر گزاری ہے۔ میں زندہ رہوں یا نہ رہوں' اس سے کسی کو کیا فرق پڑے گا؟ تم بھی دس پانچ روز رو دھو کر صبر کرلو گے کیونکہ تم سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ناجائز رشتے کو میرے باپ نے عمر بھر نہیں مانا تو تم کیسے مان لو گے؟ میں سلطان شاہ کی تاویل کے مطابق نامحرم ہوں اور ہر مرد کے لیے نامحرم ہی رہوں گی۔"

"چار رشتے تم نے گنوائے ہیں۔" میں نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا "ان میں تین رشتے پیدائشی ہوتے ہیں جن پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا لیکن چوتھا رشتہ شاید ان تینوں سے زیادہ مضبوط مگر اختیاری ہوتا ہے۔ اسے مذہب' اخلاق اور قانون کا ہر تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ تم نے بلاوجہ اپنے اوپر تنہائی مسلط کی ہوئی ہے۔ عورت کا اصل روپ شادی کے بعد ہی نکھرتا ہے۔ وہ اس راہ پر چل پڑتی ہے جو اسے ماں کے مقدس مرتبے پر پہنچا دیتا ہے۔"

وہ طنزیہ انداز میں ہنسی اور بولی "ڈینی! تم بھی دوسرے مشرقی مردوں کی طرح دقیانوسی خیالات کے حامل ہو۔ مجھے بتاؤ کہ میں کہاں سے آگئی۔ میری ماں نے بھی لائیڈ سے شادی نہیں کی' وہ کسی کی بیوی نہیں تھی مگر میری ماں تھی۔ مغرب میں یہ چلن عام ہے۔ وہاں ایسی لاکھوں مائیں موجود ہیں۔ ماں کا درجہ حاصل کرنے کے لیے شادی کبھی بھی ضروری نہیں رہی۔"

"تم بہک رہی ہو۔ ہم مغربی معاشرت یا اخلاقیات پر بات نہیں کررہے۔ میں صرف یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے تسلیم کیے ہوئے چار میں سے ایک رشتے کو اپنا کر تم تنہائی کے عفریت سے نجات حاصل کرسکتی ہو۔ تمہیں یہ ڈھکوسلا اب ختم کردینا چاہیے۔"

وہ ہنس پڑی۔ اس بار یہ محسوس کرکے مجھے اطمینان ہوا کہ اس کی ہنسی میں بیگانگی اور مایوسی نہیں تھی' وہ زندگی سے بھرپور ہنسی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی "مجھے خوشی ہے کہ تم میرے

بارے میں اتنی دردمندی سے سوچتے ہو۔ اپنے آس پاس کسی ہمدرد کی موجودگی سے بھی انسان کو بہت سکون ملتا ہے۔ مجھ پر کبھی کبھی قنوطیت طاری ہونے لگتی ہے۔ ایسے دوروں کے لیے مجھے معاف کردینا۔ میں تمہاری تجویز کے بارے میں ضرور سوچوں گی مگر یہ مرحلہ بھارت سے واپسی کے بعد آئے گا۔ میں پوری سنجیدگی اور ذمے داری کے ساتھ وہاں جانے کا فیصلہ کرچکی ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میں بلاوجہ تمہارے ساتھ دماغ سوزی کررہا تھا۔" میں نے جھلّا کر کہا۔ وہ خاموشی سے مسکراتی رہی۔

"وہاں جاکر تم میرے لیے مسائل پیدا کرنے کے سوا کیا کرسکو گی؟" اس کی خاموشی کا وقفہ طویل ہونے پر میں نے قدرے برہمی سے پوچھا "تمہیں بھروسا نہیں ہے کہ ہم دونوں وہاں جاکر اپنے مشن کو کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں گے؟"

"تم انل بسواس کے پیچھے جارہے ہو۔ میں اسے ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔" وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولی "تمہارا شکار تم ہی کو مبارک ہو۔ میں تم سے دور رہوں گی۔ فری لانسر کے طور پر وہاں جاؤں گی اور جو ہاتھ آیا' اس کا سرجیکل دوں گی۔ مجھے تمہارا صرف اتنا تعاون درکار ہے کہ میری سفری دستاویزات تیار کرادو۔ ہوسکے تو جلال کی تجویز کے مطابق مجھے بھی اپنے ساتھ سرحد پار کرادو تاکہ میری تازہ تصاویر وغیرہ ریکارڈ پر نہ جاسکیں۔"

"تمہارے دماغ میں یہی سودا سمایا ہوا تھا تو تم اب تک گھنّے پن کا مظاہرہ کیوں کررہی تھیں؟ تمہیں اول خان سے بات کرلینی چاہیے تھی۔"

"کسی سے بات کرنے سے پہلے تمہاری رضامندی ضروری تھی۔ وہ بامروت آدمی ہے۔ انکار نہیں کرسکے گا۔"

اچانک لابی میں سے سلطان شاہ کے کھنکارنے کی آواز آئی پھر اس نے سامنے آئے بغیر ہانک لگائی "میں نے کافی دیر انتظار کرلیا۔ اب میرے سر میں دردِ جگر ہورہا ہے۔ اجازت ہو تو ڈرائنگ روم میں آجاؤں؟"

"چلے آؤ!" مجھ سے پہلے ویرا نے اسے پروانہ راہداری جاری کرتے ہوئے کہا "اپنی زبان پر قابو رکھو تو تم خاصے بے ضرر آدمی ہو۔"

"بے ضرر سے تمہاری کیا مراد ہے؟" سلطان شاہ پر تشویش انداز میں سوال کرتا ہوا ڈرائنگ روم میں آگیا۔ اس کے پیچھے غزالہ بھی تھی۔

اس کی صورت دیکھتے ہی ویرا نے بے ساختہ قہقہہ لگایا اور کہا "بے ضرر سے وہ مراد نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ تمہاری زبان کڑوی ہے۔ اس کے استعمال میں احتیاط رکھو تو خیریت رہے گی۔"

"کیا تم دیوار کی اوٹ میں چھپ کر ہماری باتیں سن رہے تھے؟" میں نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

اس نے اپنے دونوں کانوں کو چھوتے ہوئے کہا "میں ایسی گھٹیا حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ ابھی اپنے کمرے سے آرہا ہوں۔ غزالہ کمرے کی جھاڑ پونچھ میں میرا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ میرا اعتبار نہ ہو تو تم اس سے تصدیق کر سکتے ہو۔"

"بعض اوقات آپ سلطان شاہ کے ساتھ زیادتی کر جاتے ہیں۔" غزالہ نے اس کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔

"تم اسے اکسانے کی کوشش مت کرو۔" ویرا نے منہ بنا کر غزالہ کی بات پر اعتراض کیا "مذاق میں بہت کچھ ہوتا رہتا ہے۔ میرے بارے میں سلطان شاہ کیا کچھ کہتا رہتا ہے مگر میں ہمیشہ اس کی باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتی ہوں۔"

"دونوں کانوں کے درمیان کچھ بھی موجود نہ ہو تو یہی ہوتا ہے۔" سلطان شاہ بولا "یہ بتاؤ کہ تم دونوں کے کیا مذاکرات ہو رہے تھے۔"

"ہم واقعی اہم گفتگو کر رہے تھے۔" میں نے جواب دیا "ویرا بھارت جانے پر مصر ہے۔"

"جب ایک فیصلہ ہو چکا تو یہ نئی بات کہاں سے نکل آئی؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ نئی بات نہیں ہے۔ میں شروع سے سفر پر جانے کا تہیہ کیے بیٹھی ہوں۔ اب بولنے کا وقت آیا ہے تو میں نے بلی تھیلے سے باہر نکال دی ہے۔" ویرا نے مضبوط لہجے میں اپنے موقف کی وکالت شروع کر دی "میں تم دونوں پر بوجھ نہیں بنوں گی۔ تم سے بالکل الگ تھلگ رہوں گی۔"

"ہم مل کر کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں تو ہم میں سے ہر ایک اس پر بے چون وچرا عمل کرتا ہے مگر تم ہمیشہ الگ راگ الاپنے کی کوشش کرتی ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اس طرح تم دوسروں کے ساتھ اپنے لیے بھی مسائل پیدا کر لیتی ہو۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"اختلاف رائے ایک الگ بات ہے۔ ضروری نہیں کہ میں تمہاری اور ڈینی کی ہر بات سے اتفاق کرتی رہوں۔" ویرا نے بات مذاق میں اڑانے کے بجائے معقولیت سے جواب دیا "آج سے پہلے میں مختلف رائے رکھنے کے باوجود تم لوگوں کے ہر فیصلے پر عمل کرتی رہی ہوں مگر اب مجھے اپنی راہ اختیار کرنی پڑ رہی ہے۔ یقین کرو کہ میں یہ بات پورے خلوص سے کہہ رہی ہوں۔ اس میں میری کوئی بدنیتی پوشیدہ نہیں ہے۔ میرے محرکات بہت جائز اور طاقت ور ہیں۔"

"تم کن محرکات کی بات کر رہی ہو؟" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا سلطان شاہ یہاں تمہاری نگہداشت نہیں کر سکے گا؟"

"مجھے کسی کی چوکیداری کی ضرورت نہیں۔" میرے سوال پر وہ قدرے چڑ کر بولی "میں سلطان شاہ جیسے دو چار افراد کو آسانی سے پال سکتی ہوں۔ مجھے اصل خوف تم دونوں کی طرف سے ہے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ تمہیں بھارت میں کسی تیسرے مددگار کی ضرورت پڑے گی۔"

"معدے میں زیادہ الکحل اتر جائے تو چھٹی حس اسی طرح چوپٹ ہو کر رہ جاتی ہے۔" سلطان شاہ کو اس کا مضحکہ اڑانے کا موقع مل گیا "مے نوشی سے مکمل پرہیز کے ساتھ، ٹھنڈے دل سے سوچو گی تو خود بھی میری رائے سے متفق ہو جاؤ گی۔"

ویرا کے ذہن میں ایک اندیشہ جنم لے چکا تھا اور وہ اس کی روشنی میں فیصلہ بھی کر چکی تھی۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس نے غزالہ اور سلطان شاہ کی مداخلت کے بعد کسی دلیل وحجت کے بغیر وہ نکتہ بیان کر دیا تھا ورنہ مجھے رہ رہ کر یہی خلش ستائے جا رہی تھی کہ اس نے اچانک ایک نئی بات کیوں شروع کر دی تھی۔ ہم تینوں نے ویرا کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اس کا اندیشہ بالکل بے بنیاد تھا۔ ہم بھارت کی سرزمین پر ایک دوسرے کی موثر خبرگیری کرتے ہوئے اپنا کام مکمل کر سکتے ہیں لیکن اس کے دماغ میں جو بات سما گئی تھی، اسے نکالنا ہم میں سے کسی کے بس میں نہیں تھا۔

ہمارے درمیان دیر تک بحث ہوتی رہی۔ اس گفتگو میں کچھ گرمی اور تلخی کے مراحل بھی آئے مگر ہم ویرا کو اس کا ارادہ تبدیل کرنے پر آمادہ نہ کر سکے۔ اس پوری گفتگو میں سلطان شاہ نے ایک بار بھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ جب ویرا بھی جانے کا فیصلہ کر چکی ہے تو وہ اکیلا کراچی میں رہ کر کیا کرے گا۔ مجھے خدشہ تھا کہ ویرا کی ہٹ دھرمی کو دیکھتے ہوئے وہ بھی ہمارے ساتھ جانے کی ضد کرے گا اور اسے روکنا مشکل ہو جائے گا۔

اپنے مزاج اور رویے کے اعتبار سے وہ دونوں ایک دوسرے کی ضد تھے۔ ان میں سے ایک کوئی بات کہتا تھا تو دوسرا اس کی مخالفت کرنا اپنا حق بلکہ فرض سمجھتا تھا۔ اس وقت ویرا روانگی پر تلی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ نے اسے نیچا دکھانے کے لیے بھول کر بھی اپنی طرف سے ایسی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔

بے نتیجہ بحث کے بعد اول خان سے رابطہ ناگزیر ہو گیا تھا۔ اسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اگلی صبح اسے دو کے بجائے تین پاسپورٹ بنوانے تھے۔

ویرا کے بارے میں نئی اطلاع اس کے لیے حیران کن

ثابت ہوئی لیکن اسے یہ اندازہ تھا کہ میں نے اس سے رجوع کرنے سے پہلے ویرا کو سمجھانے کا ہر جتن کرلیا ہوگا۔ اس کے لیے مزید ایک پاسپورٹ بنوانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس موضوع پر مختصر سی گفتگو کے بعد اس نے بخشی کا ذکر چھیڑ دیا "اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعے نے بھارتی سفارتی عملے کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ اسے کیا ہوا ہے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ حامد اس فن میں اتنا طاق ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ بخشی کی یہ حالت کب تک برقرار رہتی ہے۔"

"بعد میں جو ہونا ہے' وہ ہوتا رہے۔ فی الحال ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم نے ان کے لیے ایک اہم آدمی کو ناکارہ کردیا ہے۔ اس کی تختی اس طرح صاف ہوئی ہے کہ وہ اپنے دفتر کے ساتھیوں کو بھی نہیں پہچان سکا۔ اس کے انجام سے دشمنوں میں دہشت کی لہر دوڑ گئی ہے۔"

"میں حامد سے یہ فن سیکھنا چاہوں گا۔" میں نے خواہش ظاہر کی "یہ دشمن کو مفلوج کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔"

ریسیور پر اول خان کی ہنسی کی ہلکی سی آواز آئی پھر وہ بولا "یہ انگلیوں کی مہارت کا کام ہے۔ انسانی جسم میں دماغ سب سے زیادہ حساس ہوتا ہے۔ اگر دوران خون میں کسی رکاوٹ کی وجہ سے ایک مختصر وقفے کے لیے دماغ کو تازہ خون اور اس میں موجود آکسیجن نہ ملے تو محرومی کا شکار ہونے والے خلیے ہمیشہ کے لیے ناکارہ ہوجاتے ہیں۔ حامد نے اس کام میں خاصی مہارت حاصل کی ہوئی ہے۔"

"پھر تو ٹیسٹ وغیرہ سے بھی اصل سبب کی نشاندہی ہونی مشکل ہے۔ ان لوگوں کو اسے ایک ناگہانی حادثہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس کی کھوپڑی پر آئی ہوئی ضربات اس امکان کو اور زیادہ واضح کریں گی۔"

"انہوں نے ایک ہی بات اٹھائی ہے۔" اول خان فون پر بتارہا تھا "میجر بخشی ان کے عملے کا ایک متین اور ذمے دار رکن ہے۔ اسے جگدیش موہن کے پس ماندگان سے تعزیت کے بعد اپنے دفتر آنا چاہیے تھا پھر وہ پتھریلے ساحل پر کیسے پایا گیا۔"

"یہ خدشہ ہمارے ذہنوں میں پہلے سے موجود تھا۔ تم نے اس کا کوئی نہ کوئی حل سوچ لیا ہوگا۔"

"وہ پختہ عمر کا مالک ہونے کے باوجود رنگین مزاج تھا۔ موہنی پنڈت اور مادروتی کے بارے میں حقائق میرے سامنے تھے۔ وہ یہاں اکیلا رہتا تھا لیکن اس کی گاڑی میں ایسے شواہد ملے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں اس کے ساتھ سفر کرتی رہی ہیں۔ ہماری طرف سے تھوڑی دیر پہلے یہ نظریہ جاری کیا گیا ہے کہ بخشی کو موہن ہاؤس میں آئے ہوئے مہمانوں میں کوئی بھولی بسری خاتون ملی اور وہ اسے اپنے ساتھ لے کر ساحل کی طرف چل دیا۔" اول خان اس کیس کے بارے میں میری معلومات میں اضافہ کررہا تھا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "وہاں سرمستی کے عالم میں بخشی کا پاؤں پھسلا اور وہ پتھروں پر گر گیا۔ اسے بے ہوش دیکھ کر عورت کے سر سے سارا رومان ہوا ہوگیا۔ وہ دہشت زدہ ہوگئی۔ شاید اس نے بخشی کو مردہ سمجھا اور وہاں سے کھسک گئی۔"

"خاصا بے داغ اور قرین قیاس نظریہ ہے۔" میں نے اس کی کہانی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"بس ایک خدشہ ہے۔" اس کی آواز ابھری "اسے اغوا کرنے کے لیے تم نے انگوٹھی کے کھوکھلے کیپسول سے جو سریع الاثر سیال اس کے جسم میں داخل کیا تھا' وہ اس کہانی کو کمزور کردے گا۔"

"ابھی وہ ہماری تحویل اور ہمارے اسپتال میں ہے۔ اس کے خون کی ٹیسٹ رپورٹ میں سے وہ حصہ حذف کیا جاسکتا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر اپنا خیال ظاہر کیا "جب تک وہ اپنے ملک پہنچے گا۔ اس سیال کے اثرات خون سے زائل ہوچکے ہوں گے۔"

"اب دیر ہوچکی ہے۔ وہ ٹیسٹ فوری طور پر کیے گئے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ متعلقہ افراد ایسی کسی پیشہ ورانہ بددیانتی پر آمادہ نہ ہوتے۔ اب تیر کمان سے نکل چکا ہے جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔ وہ اس کو جلد از جلد یہاں سے نکال لے جانے کی کوشش کررہے ہیں۔"

"ان کی اس جلد بازی کا کوئی سبب بھی ہوگا۔" میں نے دھیرے سے پوچھا۔

"ملک قریب ہے۔ اپنے وطن میں اس کی زیادہ بہتر دیکھ بھال ہوسکتی ہے۔ آپس میں پائی جانے والی بے اعتمادی کی فضا میں ایک دوسرے پر بھروسا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس کی جگہ ہمارا کوئی آدمی ہوتا تو ہماری سوچ بھی یہی ہوتی۔"

اس سے مزید اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں اور اس نے اگلی صبح تینوں کی تصاویر کی تیاری کی ہدایت کرتے ہوئے فون بند کردیا۔

"کل پاسپورٹ بن جائیں تو ہمیں پرسوں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" میرے اختتامی فقروں سے اندازہ لگا کر ویرا بولی۔

"روانگی میں اب کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ میں خود بھی نئی دہلی جانے کے لیے بے چین ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اول خان نے شیام کے انجام کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" غزالہ اچانک سوال کر بیٹھی۔ میں نفی میں سرہلا کر رہ گیا۔ سچ بات یہ تھی کہ اس کے بارے میں میجر بخشی کی کہانی سن لینے کے بعد میرے لیے اس کی زیادہ اہمیت نہیں رہی تھی۔ وہ زندہ رہتا یا مارا جاتا' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

ہم باتوں میں مصروف تھے۔ گفتگو کا رخ خاصا خوش گوار ہو گیا تھا۔ سب نے ذہنی طور پر اس حقیقت کو قبول کر لیا تھا کہ ویرا بھارت جانے کا فیصلہ کر چکی تھی اور اس بار سلطان شاہ کو تنہا کراچی میں رہنا تھا۔ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

"مظہر جی! جلدی اسپتال پہنچو۔ روی کی زندگی سخت خطرے میں ہے۔ کوئی اسے اسپتال سے نکال لے گیا ہے۔" ماروتی کی رو دینے والی اور دہشت زدہ آواز میں سنا جانے والا وہ پیغام میرے اعصاب کے لیے ایک بم ثابت ہوا۔

"تم کس اسپتال میں ہو؟ اسے کون لے گیا ہے؟" میں نے ایک سانس میں دو سوال کر ڈالے۔

اس نے اسپتال کا نام بتایا اور رندھی ہوئی آواز میں کہا "مجھے کچھ پتا نہیں۔ اس وقت میں خود کو بہت بے بس اور تنہا محسوس کر رہی ہوں۔ تم فوراً یہاں آجاؤ۔ روی کو کچھ ہوا تو میں رو رو کر اپنی جان دے دوں گی۔" اس نے فون بند کر دیا۔

میجر بخشی کو کامیابی کے ساتھ ناکارہ کر دینے کے بعد میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ روی موہن کی آزادی یا زندگی کو کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ وہی ایک ایسا شخص تھا جسے شیام کے ذریعے موہن ہاؤس کے اندر کے حالات معلوم ہوتے رہتے تھے اور اسی خبیث نے میرے گھر کا فون نمبر بخشی تک پہنچایا تھا مجھے ابتدا ہی سے شبہ تھا کہ شیام کی رپورٹ سن لینے کے بعد بخشی نے فون پر مجھے جو دھمکیاں دی تھیں' وہ ان کو عملی جامہ پہنانے کا پورا ارادہ رکھتا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ شیام یا بخشی کو میرے اصل نام کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ اس نے مجھے مظہر خان سمجھتے ہوئے فون پر دھمکیاں دی تھیں۔ ساتھ ہی وہ روی کو اس کی غداری کا مزہ چکھانا چاہتا تھا کیونکہ شیام نے اپنے کانوں سے یہ بات سن لی تھی کہ کرشن کمار اور ہری چند کی اموات میں وہ پوری طرح حصے دار تھا۔

ہم نے اپنی دانست میں بخشی کو بالکل مہلت نہیں دی تھی۔ رات کو اس نے اپنے گھر سے مجھے فون کیا اور صبح کو ہم نے موہن ہاؤس سے واپسی پر اسے گھیر لیا۔ اس کے از کار رفتہ ہونے کے باوجود کسی نے روی موہن کے خلاف کارروائی کی تھی تو اس سے صرف ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ بخشی نے رات ہی رات میں اپنے کسی ساتھی کو اپنی معلومات میں شریک کر لیا تھا۔

اصل صورت حال کیا تھی۔ اس کا اندازہ ماروتی سے ملاقات کے بعد ہو سکتا تھا جو اسپتال میں میرا انتظار کر رہی تھی۔ اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانے کے لیے یہی ایک بات کافی تھی کہ اس نے روی کے بارے میں مدد کے لیے میرا سہارا لیا تھا۔ وہ اپنے ماموں زاد بھائی' ہری چند کی رفاقت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو چکی تھی' اس کے برے بھلے جیٹھ نے اس کے اعترافات سے دل برداشتہ ہو کر خود کشی کر لی تھی۔ روی کے اچانک غائب ہو جانے پر وہ بالکل بے یار و... مددگار ہو کر رہ گئی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اسپتال میں مجھے دیکھتے ہی وہ اچانک جذباتی ہو جائے گی۔ ایسے نازک موقع پر میرے ساتھ کسی اور کی شمولیت میری سبکی کا باعث بن سکتی تھی۔ میں نے گھر سے اکیلے ہی اسپتال جانے کا فیصلہ کر لیا۔

روی کی رہائش اولڈ کلفٹن کے علاقے میں تھی۔ جب اس نے اپنی جان کے خوف سے کسی اسپتال میں پناہ لینے اور عارضی روپوشی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تو مجھے توقع تھی کہ وہ کسی دور افتادہ لیکن مہنگے اور آرام دہ اسپتال کا رخ کرے گا۔ ماروتی نے مجھے یہ بتا کر حیران کر دیا تھا کہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے روی اپنے گھر سے زیادہ دور نہیں گیا تھا۔ وہ کلفٹن کے ایک اسپتال میں تھا جو اپنی جدید سہولتوں اور مہنگے اخراجات کے لیے شہرت رکھتا تھا۔

"حالات نے یکایک اپنا رخ تبدیل کیا ہے۔" میں نے چلتے چلتے ان تینوں کو متنبہ کیا "روی کے قصے میں بخشی کا کوئی ساتھی ملوث ہے تو ہم بھی محفوظ نہیں ہیں۔ وہ شخص فون نمبر کے ذریعے سراغ نکال کر یہاں بھی وار کر سکتا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔" ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا "ایس ٹی ایف کے دو آدمی اس وقت بھی ہماری چھت پر پہرا دے رہے ہیں۔ ہم بھی ہوشیار رہیں گے۔ بس موبائل فون پر اپنی خیریت کی اطلاع دیتے رہنا۔ ماروتی تم سے ملاقات کے لیے کوئی بھی بہانہ کر سکتی ہے۔"

ویرا ہر بات کے منفی پہلو پر بلا توقف چھلانگ لگاتی تھی۔ ماروتی کے بارے میں جو بات اس نے کہی' وہ میرے وہم گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ اس نے جو کچھ کہا' اسے یکسر مسترد بھی نہیں کیا جا سکتا تھا' میں اسے گھورتا ہوا گھر سے نکل گیا۔

ماروتی متورم چہرے اور سرخ آنکھوں کے ساتھ' اسپتال کی انتظار گاہ میں میری منتظر تھی۔ اسپتال کے انتظامی عملے کی ایک خوش شکل اور خوش لباس خاتون اس کی دل جوئی کے لیے اس کے ساتھ موجود تھی۔

"مظہر!" مجھے دیکھتے ہی ماروتی نے بھرائی ہوئی آواز میں

مجھے پکارا اور اپنی جگہ چھوڑ کر تقریباً دوڑتے ہوئے میرے سینے سے آ لگی۔ وہ ایسی صورت حال تھی کہ پہلو بدل کر خود کو اس کی زد سے نہ بچا سکا اور نرمی سے اسے اپنی بانہوں میں لے کر خود سے الگ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ابتدائی لمحات میں میری کوشش بار آور ثابت نہیں ہو سکی۔ وہ میرے سینے سے لگ کر سسک پڑی تھی "پتا نہیں روی کہاں ہیں... انہیں کون لے گیا..."

"یہ خاتون بلاوجہ پریشان اور ہراساں ہو رہی ہیں۔" اسپتال کے عملے کی خاتون نے وضاحت کی "مسٹر روی موہن اپنی مرضی سے اپنے دوست کے ساتھ گئے ہیں۔ ہم انہیں نہیں روک سکتے تھے۔ وہ تھوڑی دیر میں ضرور اپنے گھر پہنچ جائیں گے..."

"اسپتال والے بتا رہے تھے کہ وہ کئی گھنٹے پہلے یہاں سے چلے گئے۔ میں دو مرتبہ گھر فون کر چکی ہوں... روی ابھی تک وہاں نہیں پہنچے۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں سے ہمارے گھر کا فاصلہ چند منٹ سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ....!" ماروتی مجھ سے الگ ہو کر کہہ رہی تھی۔

انتظار گاہ میں ایک ادھیڑ عمر جوڑا داخل ہو رہا تھا۔ منتظم خاتون نے معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے ماروتی کی بات کاٹ دی "آپ دونوں میرے ساتھ میرے دفتر میں چلیں۔ میں آپ کو ہر بات وضاحت سے سمجھاتی ہوں۔"

وہ کوئی عام مسئلہ نہیں تھا۔ بہت گمبھیر اور الجھا ہوا معاملہ تھا۔ مجھے چند فقروں سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس معاملے میں اسپتال والے زیادہ قصوروار نہیں تھے۔ مجھے رہ رہ کر صرف ایک بات پریشان کر رہی تھی کہ روی اپنے کسی شناسا کے ساتھ گیا تھا تو وہ اب کہاں تھا اور اگر وہ کسی اجنبی کی سازش کا نشانہ بنا تھا تو کسی مزاحمت کے بغیر اس کے ساتھ جانے پر کیوں آمادہ ہوا۔ خاص طور پر ایسی صورت میں کہ اس کے ذہن پر اپنے قتل کا خوف سوار تھا اور وہ محض اسی وجہ سے گھر اور اپنے بڑے بھائی کی آخری رسوم چھوڑ کر اسپتال میں پناہ گزین ہو گیا تھا۔

اپنے مختصر مگر آراستہ دفتر میں پہنچ کر وہ خاتون پورے اعتماد سے اپنی کرسی پر براجمان ہو گئی۔ میز پر رکھے ہوئے کاغذات پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے زبان کھولی تو پہلے کے مقابلے میں اس کا لہجہ قدرے بدلا ہوا تھا۔ "مسٹر روی، اپنی مرضی سے یہاں آئے تھے اور ہمارے واجبات ادا کرنے کے بعد چلے گئے۔ آپ بتائیں کہ ہم انہیں کیوں اور کیسے روک سکتے تھے؟"

ماروتی نے اس سے الجھنا چاہا لیکن میں نے اسے خاموش کر دیا "تم دخل نہ دو۔ مجھے سکون سے بات سمجھنے دو۔" اسے سمجھانے کے بعد میں اسی خاتون سے مخاطب ہو گیا "روی یہاں اپنا کوئی نہ کوئی طبی مسئلہ لے کر آیا ہو گا۔"

"انہیں سینے میں درد کی شکایت تھی۔ وہ اپنا تفصیلی میڈیکل چیک اپ کرانا چاہتے تھے۔"

"اسے اسپتال میں داخل کرنا ضروری تھا؟" میں نے قدرے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"ان کی خواہش تھی کہ میڈیکل چیک اپ کے لیے انہیں اسپتال میں داخل کر لیا جائے۔" جواب دیتے ہوئے اس کی پیشانی پر ہلکی سی شکنیں نمودار ہو گئیں "وہ چاہتے تو ای سی جی ہونے اور دوائیں لینے کے بعد واپس جا سکتے تھے۔"

"کیا کسی شخص کو بلا ضرورت اسپتال میں داخل کرنا اخلاقی اعتبار سے درست ہے؟"

اس نے اپنی کہنیاں میز کی سطح پر ٹکا کر کہا "مسٹر مظہریا جو کوئی بھی آپ ہوں، بات کو غیر ضروری طور پر الجھانے کی کوشش نہ کریں۔ یہ کوئی خیراتی اسپتال نہیں ہے جہاں داخلے کے لیے پاپڑ بیلنے پڑتے ہوں۔ یہ ایک کمرشل اسپتال ہے جہاں معززین اور شرفا آتے ہیں۔ اگر وہ ہمارے اخراجات ادا کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں تو ہم انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہر پرائیویٹ اسپتال کو اپنے خالی کمروں کے لیے مریضوں کی ضرورت رہتی ہے۔"

"پھر تو ہوٹل اور پرائیویٹ اسپتال میں کوئی فرق نہ ہوا؟" میں نے طنز سے کہا۔

"آپ جو چاہیں سمجھ لیں۔ کوئی صحت مند آدمی اپنی خوشی سے اسپتال میں وقت گزارنا پسند نہیں کرتا۔"

"تو کیا روی کا میڈیکل چیک اپ مکمل ہو گیا تھا جو اسے جانے کی اجازت دے دی گئی؟"

"آج دن میں ٹیسٹ ہوتے رہے۔" وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی "رپورٹیں کل دوپہر تک دستیاب ہو سکیں گی۔ ماہرین رپورٹوں کی روشنی میں ان کا معائنہ کرتے اور کل شام تک انہیں تشخیص کے نتائج اور علاج کی تجاویز کے ساتھ رخصت مل جاتی۔"

"یہ عمل پورا ہونے سے پہلے اسے چھوڑ کر کیا اسپتال نے اپنا فرض نظر انداز نہیں کیا۔"

"ہرگز نہیں!" اس نے پورے وثوق سے کہا "بعض اوقات آپریشن ٹیبل پر لیٹا ہوا مریض گھبرا کر اٹھ جاتا ہے اور آپریشن کے بغیر اپنے گھر جانا چاہتا ہے۔ ہم اسے اس کی ذمے داری پر گھر جانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ مسٹر روی کا کیس تو بہت معمولی ہے۔ بعض لوگ زکام پر بھی میڈیکل ٹیسٹ کرانا ضروری تصور کرتے ہیں۔ انہیں مریضوں کی اسی قسم میں شمار کیا گیا تھا۔"

"اب یہ بتائیں کہ اسے اسپتال سے کون نکال کر لے گیا؟" میں نے سوال کیا۔
"آپ مجھ سے پولیس والوں کے سے انداز میں جرح نہ کریں۔" اس بار وہ اپنی برہمی پر قابو نہ رکھ سکی "میں آپ کے غیر ضروری سوالوں کے جواب بھی تحمل سے دے رہی ہوں مگر آپ شائستگی کی حدود سے تجاوز کر رہے ہیں۔"
"میں معافی چاہتا ہوں۔" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا "گم شدہ مریضوں کے تیمارداروں کو اتنی رعایت ملنی چاہیے۔"
وہ میرے الفاظ اور لہجے کی کاٹ کو سمجھ رہی تھی۔ چند ثانیوں تک خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی "ہم کو اس کا تعارف حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مسٹر روی نے اس کے ساتھ میرے دفتر میں آکر اپنے واجبات ادا کیے اور وہ دونوں چلے گئے۔"
"اس سے میڈیکل چیک اپ مکمل ہونے تک رکنے کے بارے میں ضرور پوچھ کہا گیا ہوگا۔"
"یہ میری اولین اور بنیادی ذمے داری تھی۔ انہوں نے کہا کہ وہ کل آکر ماہرین سے مل لیں گے۔ انہیں شام سات بجے کا وقت دیا گیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ کسی وجہ سے وہ اپنے گھر نہ پہنچے تو کل شام سات بجے یہاں ضرور آئیں گے۔"
"تم اس سے ملنے اسپتال کب آئی تھیں؟" میں نے گردن گھما کر ماروتی سے پوچھا۔
"میں نہیں آسکی تھی۔" ماروتی نے روہانسی آواز میں جواب دیا "رات سے بھایا جی اور گھر والوں کے چکر میں الجھی ہوئی تھی۔ تین چار بار روی سے فون پر بات ہوئی۔ بھایا جی کے کریا کرم کے بعد میں یہاں آئی تو وہ یہاں نہیں تھے۔"
"اگر آپ لوگوں کی تشفی ہوگئی ہو تو میں اجازت چاہوں گی۔ مجھے اسپتال میں دوسرے کام بھی نمٹانے ہوتے ہیں۔" اس وقت تک اسپتال والی خاتون کے بشرے سے خوش خلقی کے سارے اثرات کافور ہو چکے تھے۔
"خاتون! یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے جتنا آپ سمجھ رہی ہیں۔ یہ پولیس کیس بھی بن سکتا ہے۔" میں نے اسے جتایا۔
"ہمارے ہاتھ صاف ہیں۔ آپ شوق سے رجوع کریں۔" اس نے تنک کر اپنی کرسی چھوڑ دی "میرا مشورہ یہ ہے کہ اسپتال کو مورد الزام ٹھہرانے کے بجائے آپ اپنے گھر میں وہ اسباب تلاش کریں جن کی بنا پر یہ ناخوشگوار صورتِ حال پیدا ہوئی ہے۔"
اس سے پہلے کہ وہ مزید سرد مہری اور روکھائی کا مظاہرہ کرتی، میں کرسی سے اٹھ گیا۔ ماروتی بھی میرے ساتھ تھی۔
"کیا کروں؟ میں کہاں جاؤں؟" راہ داری عبور کرتے ہوئے ماروتی بے بسی سے منمنائی "گھر میں مہمان اور رشتے دار بھرے ہوئے ہیں۔ میں انہیں کیا بتاؤں گی؟"
ماروتی سے میری واقفیت بہت پرانی نہیں تھی مگر اس مختصر سی مدت میں، میں اس ضدی عورت کو بہت قریب سے پرکھ اور برت چکا تھا۔ وہ اوپر سے جتنی خوب صورت تھی، اندر سے اسی قدر بے مہر اور سفاک بھی تھی۔ اس نے جگدیش موہن سے اپنی مجروح انا کا انتقام لینے کے لیے خود کو میرے قدموں پر ڈھیر کردیا تھا۔ اس نے اسی پر بس نہیں کیا تھا۔ اپنے انتقام کے بارے میں جگدیش کو اپنی زبان سے سب کچھ بتا کر اتنا مشتعل کردیا کہ ماروتی کو دیکھ کر زندگی بھر، شکست کی ہولناک چتا میں مسلسل جلتے رہنے کے بجائے اس نے خود اپنے سینے میں گولی اتار کر آخری چتا تک پہنچنے کا فیصلہ کرلیا۔
ماروتی کا ایک وہ روپ تھا جسے کوئی نہیں جھٹلا سکتا تھا۔ وہ بلا کی انا پرست عورت تھی۔ اس کے نزدیک عزت و آبرو کی کوئی وقعت تھی، نہ اپنے شوہر کے بڑے بھائی کے خون کی کوئی حرمت تھی۔ وہ ہر قیمت پر اپنا سر غرور سے بلند رکھنا جانتی تھی مگر اس وقت وہ روی کے لیے یوں ہلکان ہوئے جارہی تھی جیسے وہ روئے زمین کی سب سے زیادہ وفا شعار اور شوہر پرست بیوی ہو۔
اس کا پہلا روپ بھی حقیقت تھا اور روی کے لیے اس کی تڑپ میں بھی دور دور تک اداکاری کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ وہ ایک ہی عورت کی شخصیت کے دو روپ تھے۔ ایک دوسرے سے یکسر مختلف اور متضاد۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ دو چہرے رکھنے والی ماروتی کو دلاسا دوں یا حقارت سے دھتکار دوں۔
وہ اپنی گاڑی سے اسپتال آئی تھی۔ میرے لیے وہ ایک اچھا عذر تھا۔ میں نے اسپتال کے برآمدے سے اترتے ہوئے کہا "تم نے پیغام دیا اور میں بے ساختہ یہاں دوڑا چلا آیا۔ اب تم خاموشی سے گھر لوٹ جاؤ۔ روی کا سراغ لگانے کے لیے مجھے جو کچھ کرنا ہوگا، اس کے لیے تمہاری موجودگی ضروری نہیں ہے۔ تم سے الگ رہ کر میں زیادہ آزادی اور تیز رفتاری سے کوئی پیش رفت کرسکوں گا۔"
ماروتی اتنی آسانی سے ٹلنے والی نہیں تھی، میرے ساتھ لگی رہی۔ میں خود کو تماشا بنانے سے بچانے کے لیے نیم تاریک پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ گیا۔ ماروتی کہتی رہ گئی کہ اس کی کار با ہر سروس لین میں کھڑی ہوئی تھی مگر میں نے اس کی بات سنی ان سنی کردی۔
ہم اسپتال کی عمارت سے آنے والی تیز روشنیوں کی زد

سے نکلے تو اچانک ماروتی تحیر زدہ آواز میں بول پڑی "روی کی کار تو وہ کھڑی ہے۔"

وہ آہنی کار تھی' ایک جگہ پارک کی ہوئی تھی مگر اس کی نشان دہی پر ہم دونوں ہی اضطراری طور پر یوں اس طرف لپکے جیسے اس کار کے دوڑ جانے کا خطرہ ہو۔ میں نے روی کی گاڑی پہچان لی تھی۔ ماروتی نے بتایا کہ وہ صبح سویرے اسی گاڑی میں گھر سے نکلا تھا۔ اس وقت تک جو شواہد سامنے آئے تھے ان سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ روی اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ گیا تھا۔ حد یہ تھی کہ اس نے اپنی گاڑی لے جانے کے بجائے دوسرے شخص کی کار یا ٹیکسی کو ترجیح دی تھی۔

"اس کار کی چابیاں روی کے پاس ہوں گی۔" میں نے پر خیال انداز میں کہا۔

"گھر پر ڈپلی کیٹ چابیاں بھی موجود ہیں۔ ضرورت ہو تو وہ آسکتی ہیں۔" اس کی آواز میں امید کے دیے جل اٹھے۔

"گاڑی سے کوئی مدد نہیں ملے گی۔ اسے ڈرائیور کے ذریعے گھر منگوا لینا۔ اب خود کو سنبھال کر گھر چلی جاؤ۔"

وہ بے وفا عورت اپنے شوہر کے لیے اتنی پریشان تھی کہ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہوئی اور میں اسے پارکنگ لاٹ سے نکال کر سروس لین میں لے آیا جہاں میری اور اس کی گاڑیاں ایک دوسرے سے دور کھڑی ہوئی تھیں۔ اسے روانہ کر دینے کے بعد میں نے ایک مرتبہ پھر اسپتال کا رخ کرنے کا ارادہ کیا پھر اسے ملتوی کر دیا۔ میرے ساتھ بات جس ڈھب پر نکل گئی تھی' اس کے بعد مجھے اسپتال کے عملے سے کسی تعاون کی امید نہیں رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھول کر اپنی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور اسپتال سے واپس روانہ ہو گیا۔

میری نگاہیں سڑک پر مرکوز تھیں مگر میرا ذہن گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے اسپتال میں اپنے جتن کر لیے تھے۔ روی کی کار کے وہاں پائے جانے کے بعد اول خان اپنے اختیارات کا سہارا لے کر مزید معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ اگر یہ پتا چل جاتا کہ روی کو وہاں سے کس کار میں لے جایا گیا تھا تو روی کی بو پر لگے ہوئے دشمنوں تک پہنچنے میں آسانی ہو سکتی تھی۔ اس ضمن میں صرف اور صرف کار کا نمبر مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ شہر میں نت نئے ماڈلوں کی گاڑیوں کی جو بھرمار ہو گئی تھی اس کی وجہ سے محض ساخت یا رنگ کے سہارے ان لوگوں تک پہنچنا دشوار تھا۔

مجھے ان لوگوں سے اس لیے پرخاش نہیں تھی کہ روی کے دشمن تھے۔ روی کو میں نے ایک شریفانہ معاہدے کے تحت معاف ضرور کر دیا تھا مگر یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل تھی کہ وہ ایک مدت سے کرشن کمار کا معاون اور مددگار بنا ہوا تھا' اسے عملی تعاون کے ساتھ ساتھ بھاری مالی سرپرستی بھی فراہم کیا کرتا تھا۔ اگر وہ کسی وجہ سے اپنے خون کے پیاسوں کی دسترس میں پہنچ جاتا تو مجھے ذرا بھی افسوس نہ ہوتا۔ مجھے یقین تھا کہ ہمارے ہاتھوں سے بچ جانے کے باوجود وہ ایک نہ ایک دن مکافاتِ عمل کا شکار ہو کر اپنے صحیح انجام کو پہنچ جائے گا۔

یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ اس کے دشمن اتنی تیزی سے اس تک پہنچ جائیں گے۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی ماروتی تھی۔ وہ بھی کوئی پارسا نہیں تھی۔ اپنے شوہر کی طرف سے ملی ہوئی آزادی کی اوٹ میں بے وفائی کا جرم اس قدر سنگین تھا کہ اسے جو سزا بھی دی جاتی وہ کم ہوتی۔ اس جوڑے سے کوئی ہمدردی نہ ہونے کے باوجود میں روی کے دشمن کے بارے میں خلش کا شکار تھا۔

شیام کا کردار سامنے آنے کے ساتھ یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ اس وقت تک صرف میجر بخشی میدان میں سامنے رہ گیا تھا۔ ہم نے رعایت اور احتیاط سے کام لیتے ہوئے اسے ذہنی طور پر ناکارہ کر دیا تھا مگر اس نے شاید وقت سے فائدہ اٹھا لیا تھا۔ اپنے علم میں آنے والی باتوں میں کسی اور کو بھی شریک کر لیا تھا۔ وہ جو کوئی تھا' بہت پھرتیلا تھا۔ اس نے بخشی کا حشر دیکھتے ہی اپنی سرگرمیاں شروع کر دی تھیں۔

وہ اسپتال میں چھپے ہوئے روی موہن تک پہنچ گیا تھا تو ٹیلی فون نمبر کے سہارے ہمارے سر پر بھی پہنچ سکتا تھا۔ روی کے اس دشمن کا خاتمہ کر کے میں مظہر خان کے روپ میں خود کو بچا سکتا تھا۔ اسے ڈھیل دینا خود میرے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ ماروتی کے فون پر اسپتال کا رخ کر کے میں نے غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ روی کو وہاں سے نکال لے جانے والے لمبا کھیل کھیل رہے تھے۔ روی کو لے جانے کے بعد انہوں نے اسپتال کو خالی نہیں چھوڑا ہوگا۔ نگرانی کے لیے وہاں کوئی نہ کوئی موجود رہا ہوگا تاکہ روی کی جستجو میں آنے والے' اس کے ہمدردوں میں اپنے نئے شکار کو تلاش کر سکے۔

وہ خیال آتے ہی میری نگاہیں بے ساختہ عقب نما آئینے کی طرف اٹھ گئیں۔ میرے پیچھے کئی گاڑیاں چلی آ رہی تھیں

پہلی نظر میں ان میں سے کوئی بھی گاڑی مشکوک نظر نہیں آئی۔ میں نے ان گاڑیوں کی پڑتال کے لیے مین روڈ چھوڑ کر کسی ذیلی سڑک پر اترنے کا فیصلہ کرلیا۔

سڑک کے بائیں کنارے پر ایک سڑک کے آثار دیکھتے ہی میں نے انڈی کیٹر روشن کیا اور ٹریفک کی روانی میں اپنی کار کو دھیرے دھیرے بائیں طرف لیتا چلا گیا۔ اس دوران میں میری نظریں عقب نما آئینے کا بھی جائزہ لیتی رہیں۔ اسٹریٹ لیمپس کی تیز روشنی میں، میں نے دیکھا کہ ٹریفک کے دھارے سے کٹ کر گہرے سبز رنگ کی ایک کار میرے پیچھے چلی آرہی تھی۔ اسے چلانے والے نے مڑنے کا کوئی اشارہ دینے کی زحمت نہیں کی تھی۔

میری چھٹی حس بیدار ہوگئی۔ مجھے اس سبز کار سے بچنے کی فکر سوار ہوگئی کیونکہ میں اس وقت تک بے خبری کے عالم میں ڈرائیونگ کرتا رہا تھا۔ اگر وہ میرے پیچھے لگے ہوئے تھے تو ابتدا سے ایک منصوبے کے تحت چلے آرہے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ میں نے وہ سبز کار اسپتال کے قریب کھڑی دیکھی تھی۔

اس وقت میرے سامنے دو متبادل راہیں تھیں۔ میں بائیں طرف گھوم کر انہیں اپنے پیچھے آنے کا موقع دیتا اور پھر رفتار کم کردیتا۔ وہ عام شہری ہوتے تو تیز رفتاری سے آگے نکل جاتے، شرپسند ہوتے تو میری اس حرکت سے گھبرا کر بے تکی حرکتیں شروع کردیتے، دوسرا متبادل یہ تھا کہ میں مڑنے کا ارادہ منسوخ کرکے سیدھا نکلتا چلا جاتا۔ ان کا رخ بتا رہا تھا کہ وہ میرے پیچھے مڑنے کا فیصلہ کرسکتے تھے۔ وہ ایک اتفاق بھی ہوسکتا تھا۔ اگر میں آخری مرحلے پر، موڑ چھوڑ کر سیدھا نکل جاتا اور وہ بھی سیدھے چلے آتے تو یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہوجاتی کہ وہ میرا پیچھا کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

مجھے کچھ تشویش ضرور ہوئی مگر میں تعاقب کے امکان سے خوف زدہ نہیں تھا۔ ان سے کسی تصادم کی نوبت آجاتی تو میں بڑے بور کے بھرے ہوئے پستول سے لیس تھا۔ اس سبز گاڑی کی دونوں اگلی نشستوں پر دو افراد براجمان نظر آرہے تھے مگر مجھے یقین تھا کہ میرے کسی غیر متوقع اقدام کے نتیجے میں وہ تصادم چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کریں گے۔ دونوں گاڑیاں سڑک پر آگے پیچھے بھاگ رہی تھیں اور میں تیزی سے کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کررہا تھا۔

موڑ آتے ہی میں نے اپنی کار بائیں طرف گھمالی۔ سبز کار کی رفتار یکایک تیز ہوگئی۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ پیچھے سے میری کار کو ٹکر مارنے والے ہوں پھر یوں لگا جیسے وہ موڑ پر ہی مجھے دبا کر آگے نکل جانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ان میں سے کوئی صورت رونما نہ ہوئی۔ سبز کار کے بریک چرچرائے اور وہ قدرے کم فاصلے سے میری گاڑی کے پیچھے مڑ گئی۔

میں نے رفتار بڑھائی تو انہوں نے بھی اپنی گاڑی کی رفتار تیز کردی۔ یہ کھیل بس چند منٹ جاری رہا۔ اس ذیلی سڑک کا مختصر سا بارونق حصہ چند لمحوں میں پیچھے رہ گیا اور دونوں گاڑیاں ایسے حصے سے گزرنے لگیں جہاں داہنی طرف بلند احاطوں میں گھرے ہوئے فلیٹوں کی ایک فصیل سی کھڑی ہوئی تھی اور بائیں طرف جھاڑ جھنکاڑ سے بھرا ہوا تاریک میدان تھا جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔

ان کی گاڑی کا انجن خاصا جاندار تھا۔ انہوں نے اپنی رفتار مزید بڑھائی اور اپنی کار میرے برابر سے گزار کر سائیڈ دبانے لگے۔ میں نے وہ خطرہ بھانپتے ہوئے نشست کے نیچے سے پستول نکالنا چاہا لیکن اس لمحے تصادم سر پر آچکا تھا۔ میرے دونوں ہاتھ غیر ارادی طور پر اسٹیئرنگ پر جم گئے۔ میں نے اپنی کار کی رفتار کم کرتے ہوئے اسے بائیں طرف کاٹنا شروع کردیا۔

وہ سبز کار ایسے خطرناک زاویے سے میرے سامنے ترچھی ہوئی کہ میں سڑک چھوڑ کر کچے اور ناہموار میدان میں اترنے پر مجبور ہوگیا۔ مجھے رفتار مزید گھٹانی پڑی۔ اسی لمحے سبز کار کے رکنے کا انتظار کیے بغیر ایک تنومند نوجوان پسنجر سیٹ سے کود کر نیچے اترا، سنبھلا اور تیزی سے میری طرف لپکا میں نے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں بس اتنا دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ اگر میں پستول نکالنے کے لیے جھکتا تو وہ کھڑکی کے اترے ہوئے شیشے سے میری گردن پر ہاتھ ڈال دیتا۔ میں نے رینگتی ہوئی گاڑی کا انجن نیوٹرل کیے بغیر ہینڈ بریک کھینچا گاڑی کا انجن ایک تیز جھٹکا لے کر بند ہوگیا۔ میں نے دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگادی۔

وہ پوری قوت سے میری طرف آرہا تھا اور میں نے اسی پر چھلانگ لگائی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر آپس میں گتھم گتھا ہوگئے۔ میں نے پوری قوت سے اس کے دونوں کان اپنے ہاتھوں میں جکڑے اور اس کے چہرے پر ٹکر رسید کردی۔

اس کے حلق سے ایک کراہ کے ساتھ گالیوں کا طوفان امڈ پڑا۔ میرے پہلوؤں پر اس کی گرفت غیر ارادی طور پر کمزور پڑ گئی۔ میں زور لگا کر اس کے بازوؤں سے نکل گیا۔ گرفت کھودینے کے نتیجے میں وہ قدرے آگے جھک آیا تھا۔

اس بار میری داہنی ٹانگ چل گئی اور وہ الٹ کر پشت کے بل ریت پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ سب بہت تیزی سے رونما ہوتا چلا گیا۔ مخالف سمت سے آنے والی ایک گاڑی کے مسافروں نے ویرانے میں ہونے والی وہ وحشیانہ لڑائی دیکھی اور رفتار بڑھا کر بہت تیزی سے آگے نکلتے چلے گئے تاکہ ناگہانی چل پڑنے والے آتشیں ہتھیاروں کی زد سے محفوظ رہ سکیں۔

مجھ سے چوک یہ ہوئی کہ میں نے اپنی ساری توجہ اپنے حریف پر مرکوز کردی۔ وہ گرا تو میں لپک کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا اور اس کے چہرے پر مکوں کی برسات شروع کردی۔ اسے ادھیڑ ڈالنے کی دھن میں، میں اس کے ساتھی کو وقتی طور پر فراموش کر بیٹھا تھا جو سبز کار چلا رہا تھا۔

مجھے کچھ علم نہیں کہ کب وہ اپنی گاڑی روک کے نیچے اترا اور کب مجھ پر پشت سے حملہ آور ہوا۔ میرے سر پر کسی ہتھیار کے وزنی آہنی دستے کی زوردار ضرب پڑی اور میرا ذہن یکایک تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ اس وقت میرے ذہن کے کسی خانے میں یہ حیرت ابھر آئی تھی کہ وہ مسلح تھا تو اس نے میرے اوپر فائر کرنے کے بجائے، اپنے ہتھیار کو دوسرے انداز میں کیوں استعمال کیا تھا۔

مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ میں کتنی دیر تک بے ہوش پڑا رہا۔ سر کے پچھلے حصے میں درد کے اذیت ناک احساس کے ساتھ میرے حواس رفتہ رفتہ بحال ہوئے تو میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ میں آنکھیں بند کیے بے حس و حرکت پڑا رہا۔

میرے کانوں میں دو افراد کے بولنے کی آوازیں آئیں۔ ایک تفکر آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا "تم نے ہلا جلا کر اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ یہ ابھی زندہ ہے؟ مر گیا ہے تو ہمیں یہاں بیٹھ کر وقت برباد کرنے کے بجائے واپس چل دینا چاہیے۔"

"ایسی باتیں مت کرو۔ میں نے بہت دیکھ بھال کر چوٹ لگائی تھی۔ اس کی نبضیں چل رہی ہیں" دوسرے نے کہا۔

وہ ابتدائی فقرے سن کر میری جان میں جان آئی کہ میں نہ صرف زندہ تھا بلکہ وہ دونوں بھی فوری طور پر مجھے ہلاک کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ میرے پپوٹے بند تھے مگر اس کے باوجود مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میرے ارد گرد اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میں نے اپنے پپوٹوں کے درمیان ہلکی سی جھری پیدا کی۔ چند ثانیوں تک مجھے کچھ نظر نہیں آیا پھر میں نے دیکھ لیا کہ تاروں بھرے آسمان کے سائے میں دو انسانی ہیولے کھڑے سگریٹ نوشی میں مصروف تھے۔

"اب تک اسے ہوش میں آجانا چاہیے تھا" پہلی آواز پھر سنائی دی "ماسٹر ہمارا انتظار کر رہا ہوگا۔ یہ سالا مکاری نہ کر رہا ہو۔"

"میرے سامنے اس کی مکاری نہیں چلے گی۔ ابھی اس کے منہ پر تھرماس کا پانی انڈیلتا ہوں" دوسرے کو اپنے اوپر ناز تھا۔

"ٹھنڈا پانی برباد مت کرو۔ اس کے بال پکڑ کر تھپڑ لگاؤ۔ جلدی ہوش آجائے گا۔"

وہ تجویز خاصی سنگ دلانہ تھی مگر میں ان سے کسی بھلائی کی امید نہیں کرسکتا تھا۔ میرے لیے یہی کافی تھا کہ انہوں نے مجھے زندہ رکھا ہوا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان دونوں نے مجھے شہر سے باہر کسی ویرانے میں لا کر زمین پر ڈال دیا تھا۔ اوپر کھلا آسمان تھا۔ وہاں اندھیرا اور سناٹا خاصا گہرا تھا۔ کہیں بہت دور سے گزرتی ہوئی گاڑیوں کے انجنوں کا بہت ہی دھیما اور گھٹتا بڑھتا شور، وقفے وقفے سے ہواؤں کے دوش پر تیر جاتا تھا ورنہ پھر وہی سناٹا چھا جاتا تھا جسے ان دونوں کی آوازیں مجروح کر رہی تھیں۔

میں منتظر رہا۔ زمین پر کسی کے چلنے کی دھمک سنائی دی پھر کسی نے مٹھی میں میرے بال جکڑ کر میرا سر زمین سے کچھ اوپر اٹھا لیا۔ اسی کے ساتھ میرے چہرے پر تھپڑ پڑنے شروع ہوگئے۔ میں نے دانت بھینچ کر خاموشی سے وہ مار برداشت کرنی شروع کردی۔

"شاباش!" پہلی آواز گونجی "یہ سمجھ لو کہ اس وقت تم اپنے چہرے پر پڑنے والے گھونسوں کا حساب برابر کر رہے ہو۔"

اس مرتبہ دونوں آوازوں کا فرق نمایاں ہو گیا۔ میرے ہاتھوں پٹنے والا مجھے مار رہا تھا۔ دوسرا رتبے میں اس سے بڑا یا سینئر معلوم ہوتا تھا۔

پہلے کا تبصرہ سن کر دوسرے نے طمانچوں کا سلسلہ موقوف کر کے میرے بال چھوڑ دیے۔ میں نے اپنا بدن بالکل ڈھیلا چھوڑا ہوا تھا۔ دکھتا ہوا سر زمین سے ٹکرایا تو میرے سر میں درد کی ایک ناقابل بیان سی ٹیس ابھری جسے میں سہہ گیا۔ اس وقت میری کوئی بھی لغزش مجھے براہ راست موت کے دہانے پر دھکیل سکتی تھی۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ جب تک میری قوت برداشت جواب نہیں دے جائے گی، میں ہوش میں نہیں آؤں گا۔ ان کے سامنے بے ہوشی کی اداکاری کر کے میں کسی نہ کسی حد تک ان کے مذموم مقاصد سے آگاہی حاصل کرسکتا تھا۔

ان دونوں کی گفتگو بہت عامیانہ تھی۔ را کے تجربے کار

ایجنٹ یا انڈین قونصل خانے کے ملازم آپس میں اس قسم کی گفتگو نہیں کرسکتے تھے۔ میرے ذہن میں یہ خیال تقویت پکڑ رہا تھا کہ وہ دونوں کرائے کے بدمعاش تھے جن کو میجر بخشی کے کسی ساتھی نے معاوضے پر حاصل کیا ہوا تھا۔ میں نے تھپڑ کھانے کے دوران میں پپوٹوں کو مزید کھول کر یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ دونوں خالی ہاتھ تھے البتہ سینئر بدمعاش کی جیب سے نکلا ہوا پستول کا دستہ صاف نظر آرہا تھا۔

تصادم کے آخری اور مقابلے کے ابتدائی لمحات میں، میں نے ان دونوں کے جو حلیے اور خدوخال دیکھے تھے، وہ میرے خیال سے مطابقت رکھتے تھے۔ وہ دونوں ملک الموت بن کر میرے سرپر سوار تھے۔ ان کڑے لمحات میں مجھے کام کی ہر بات دھیرے دھیرے یاد آتی جارہی تھی۔

''استاد! یہ تم نے کیا بات کہہ دی!'' میرے بالوں کو نجات ملنے کے بعد دوسرے کی احتجاجی آواز ابھری۔ ''اس وقت تو یہ دھوکے سے میرے اوپر آپڑا تھا۔ اسے ہوش میں آجانے دو پھر دیکھنا کہ میں اسے کیسا مزہ چکھاتا ہوں۔''

''اب ان باتوں کا وقت نہیں ہے'' استاد نے جواب دیا ''ہم اندھا دھند دوڑ لگا کر شہر سے اتنی دور نکل آئے ہیں کہ یہاں سالا موبائل فون بھی کام نہیں کررہا۔ واپسی میں زیادہ دیر ہونے سے ماسٹر خفا ہوگیا تو آئندہ کے لیے لائن خراب ہوجائے گی۔''

''تم اس سے بہت ڈرتے ہو۔ شاید اس لیے کہ تم اسے نہیں جانتے۔ وہ تمہیں جانتا ہے۔''

''ارجن! زیادہ بکواس نہ کرو۔ ماسٹر زبان درازی کرنے والوں کو کبھی پسند نہیں کرتا'' استاد غرایا۔

ارجن ہنسا پھر بولا ''اس ویرانے میں ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ موبائل بند پڑا ہے پھر بھی تم بات کرنے سے ڈرتے ہو۔''

''میں تمہاری یہ باتیں سننے کے لیے یہاں نہیں آیا'' استاد کی غراہٹ تیز ہوگئی ''میں نے تم سے کہا ہے کہ قیدی کو ہوش میں لاؤ جب تک ہم اس کی زبان نہیں کھلواتے ہمارا کام ختم نہیں ہوگا۔''

''صورت سے یہ ضدی آدمی معلوم ہوتا ہے۔ آسانی سے زبان نہیں کھولے گا۔ ذرا دوچار ہاتھ تم بھی جمادو۔ شاید یہ ہوش میں آجائے۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ روی کو مارنے کے بعد تم نے زیادہ چڑھالی تھی جو اب تک بہک رہے ہو'' اس بار استاد کی آواز زہریلی تھی۔

ارجن کی ہرزہ سرائی پر استاد کو شاید تاؤ آگیا تھا۔ میں نے پپوٹوں کی باریک سی جھری سے دیکھا کہ وہ آگے بڑھ رہا تھا۔

وہ دو تھے اور میں اکیلا۔ میرا سر بھی دکھ رہا تھا۔ ان کا کم از کم ایک پستول میری نظروں میں آچکا تھا جب کہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ ان کے مقابلے پر آنے کی کوشش کرکے میں اس کھلے ویرانے میں زیادہ دیر تک ان کی گولیوں سے نہیں بچ سکتا تھا۔ میرے ذہن پر مایوسی غلبہ پاتی رہی پھر میرے ذہن میں اچانک ہی امید کا ایک شعلہ سا لپکا۔ میری انگلی میں وہ انگوٹھی بدستور موجود تھی جس کی مدد سے میں نے میجر بخشی کو چشم زدن میں بے ہوش کیا تھا۔ اگر میں ان کا تشدد سہتے ہوئے، ان میں سے کسی ایک کو انگوٹھی کا شکار کرنے میں کامیاب ہوجاتا تو وہ مقابلہ بڑی حد تک آسان ہوسکتا تھا۔

میں نے تاریکی میں بہت ڈرتے ڈرتے، انگوٹھے کی مدد سے انگوٹھی کو انگلی میں گھمانا شروع کیا اور استاد کے قریب آنے تک نگینے کو ہتھیلی کے رخ پر لے آیا۔ ایسی صورت میں میرے داہنے ہاتھ کی کوئی مناسب سی ضرب میرے شکار کو بے ہوش کرسکتی تھی۔

اس وقت میں اپنی مدافعت کی ایسی فکر میں مبتلا تھا کہ میں نے استاد کی زبان سے روی کو مارنے کے ذکر کو بھی زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اس کے بارے میں، میں پہلے ہی سوچ چکا تھا کہ وہ کہیں نہ کہیں مکافاتِ عمل کا شکار ہوگا اور وہ اس گردش میں آچکا تھا۔

ماسٹر کون تھا؟ یہ میرے علم میں نہیں تھا مگر اس ماسٹر کے دو قاتل کرگے میرے سامنے موجود تھے۔ انہیں زیر کرکے میں زندگی حاصل کرسکتا تھا۔ ظاہری صورت یہ تھی کہ وہ مجھے بری طرح مغلوب کرچکے تھے۔

''لے بھئی مظہر خان!'' استاد نے میرے قریب آکر یہ کہتے ہوئے، میرے بالوں پر ہاتھ ڈال دیا ''اب دوچار ہاتھ میرے بھی کھالے!''

بالوں پر اس کی گرفت سخت اور بے رحمانہ تھی۔ اس نے بال پکڑ کر، سر کے ساتھ میرا کچھ دھڑ بھی زمین سے اوپر اٹھالیا تھا۔ میں اپنے بدن کو بالکل ڈھیلا چھوڑ کر بالوں کے سہارے اس کے ہاتھ میں جھول رہا تھا۔ ہوش میں آنے کے باوجود بے ہوشی کی اداکاری کرکے میں نے اپنی اتنی قوت مجتمع کرلی تھی کہ میں بہتر لمحوں کی امید میں ایسے عذاب سہہ سکوں۔

استاد کے جسم نے جنبش کی، اس کا ہاتھ گردش میں آیا

اور اس بار واقعی ایسا زناٹے دار تھپڑ پڑا کہ میں اپنی بے ساختہ چیخ پر قابو نہ پاسکا۔ چیخ کے ساتھ میں نے استاد کی ران پر داہنا تھپڑ مارا پھر اسی ہاتھ کو اٹھاتے ہوئے استاد کی جیب سے بھرا ہوا پستول نکال لیا۔ میرے بالوں پر استاد کی گرفت کمزور پڑنے لگی۔ میں ایک جھٹکے سے اپنے بال آزاد کرا کے اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔

استاد کے ایک طمانچے نے میری کھوپڑی کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ سر کے زخمی حصے میں درد کی ٹیسوں نے سر ابھارا۔ استاد اپنے قدموں پر کھڑا ڈگمگا رہا تھا اور کسی بھی لمحے زمین پر گر کر خاک چاٹ سکتا تھا پھر بھی میں نے کوئی خطرہ مول نہیں لیا۔ میں اس وقت زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑا تھا جہاں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے استاد کے بھرے ہوئے پستول کی نال سیدھی کی اور ایک وحشیانہ چیخ کے ساتھ فائر کردیا۔

اندھیرے میں تیرتا ہوا بارودی شعلہ استاد کے پیٹ میں معدوم ہوگیا۔ وہ مجھ سے دو تین قدم سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ گولی اس کی پشت کو چیرتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی اور وہ منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر، کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح نیچے ڈھیر ہوگیا۔

”خبردار! دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو“ میں نے ارجن کے قدموں میں فائر کرکے نیم ہذیانی انداز میں حکم دیا ”ورنہ میں بھون ڈالوں گا۔“

ارجن ایک چیخ مار کر فضا میں اچھلا، اس کا جیب کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ دوسرے ہاتھ کے ساتھ سر سے بھی اوپر اٹھتا چلا گیا۔

حالات کی اچانک تبدیلی پر ارجن بھونچکا رہ گیا تھا۔ گردوپیش میں اندھیرے کا راج ہونے کی وجہ سے اسے اندازہ ہی نہیں ہوسکا تھا کہ استاد کے ساتھ کیا ہوا تھا اور وہ کیوں خاموشی سے ڈھیر ہوگیا تھا۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا ”پستول کی نال نیچے کرلو۔ تمہارا ہاتھ کانپ رہا ہے۔ خود بہ خود گولی نہ چل جائے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ تمہاری اجازت کے بغیر اپنے ہاتھ نیچے نہیں گراؤں گا“ استاد کی مکمل خاموشی نے اسے الجھا کر رکھ دیا تھا۔

”جو کچھ میں پوچھوں، رکے بغیر بتاتے چلے جاؤ ورنہ میں تمہیں جہنم واصل کردوں گا“ میں ان دونوں کے ہاتھوں اٹھائی ہوئی تذلیل اور ہزیمت پر اندر ہی اندر کھول رہا تھا اور وہی آگ میری آواز سے برس رہی تھی ”ماسٹر کون ہے؟“

”ہا۔۔۔ہا۔۔۔ ہمیں نہیں معلوم“ استاد کے انجام سے پوری طرح باخبر نہ ہونے کی وجہ سے اس نے ہکلاتے ہوئے جمع کا صیغہ استعمال کیا ”ہمارا اور اس کا رابطہ صرف موبائل فون پر ہوتا ہے۔ وہ کام بتاتا اور رقم کسی نہ کسی طرح ہم تک پہنچ جاتی ہے۔ ہم کام پورا کرکے اسے فون کردیتے ہیں۔ درمیان میں وہ ضرورت محسوس کرتا ہے تو خود ہمیں فون کرتا رہتا ہے۔ ہمیں بلاوجہ اسے فون کرنے کی اجازت نہیں ہے۔“

”روی کا کیا قصہ ہے۔ تم نے اسے کیوں اور کیسے مارا؟“ میں نے قہربار لہجے میں پوچھا۔

”ہماری اس سے کوئی دشمنی نہیں تھی“ میرے اس براہِ راست سوال پر وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا ”آج تین بجے ماسٹر نے استاد کو فون کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ روی کلفٹن کے ایک اسپتال میں چھپا ہوا ہے اسے وہاں سے نکل کر مارنا ہے۔ ہم دونوں وہاں گئے۔ استاد نے اسے اسپتال سے چھٹی دلاکر میرے حوالے کیا اور میں نے اسے مار کر لاش پرانا گولیمار کے ایک میدان میں پھینک دی۔“

”تفصیل بتاؤ“ میں نے ڈپٹ کر کہا ”رقم کتنی ملی؟ اسے اسپتال سے کیسے نکالا، اسے تم نے کیوں مارا؟ تمہارا استاد کیا کررہا تھا؟“

”میں سب بتاتا ہوں، سب کچھ بتادوں گا۔ وہ قتل کرانے کے پورے ایک لاکھ دیتا ہے۔ آج کے دونوں کاموں کے لیے دو پیٹی مال چار بجے استاد کے ہوٹل پر پہنچ گیا۔ آج رقم کا گندا اور میلا لفافہ ایک فقیر نے استاد کو دیا تھا۔ ماسٹر نے استاد کو بتادیا تھا کہ روی ڈرا سہا ہوا ہے۔ وہ مظہر خان کے سوا کسی کو اپنے قریب نہیں آنے دے گا۔ استاد نے اسپتال پہنچ کر اس سے کہا اسے مظہر نے اس پیغام کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسپتال میں روی کی جان کو خطرہ ہے۔ وہ وہاں سے نکل کر استاد کے ساتھ چل دے۔ روی اس جال میں آگیا۔ اس نے کسی کا فون نمبر ملانے کی کئی کوششیں کیں مگر کامیاب نہیں ہوا۔ پھر اس نے اسپتال سے چھٹی لے لی میں استاد کا ڈرائیور بنا ہوا تھا۔ استاد نے گاڑی چلنے کے بعد روی کو کلوروفام سنگھا کر زبردستی بے ہوش کیا اور اسے میرے حوالے کرکے گاڑی سے اتر گیا۔ اسے اسپتال واپس پہنچ کر اس آدمی کا انتظار کرنا تھا جو روی کی تلاش میں اسپتال آتا۔

”ماسٹر نے اسے بتادیا تھا کہ اسے مظہر کی تلاش ہے۔ وہ ہاتھ لگ گیا تو پیٹی کے علاوہ انعام بھی ملے گا۔ میں نے روی کو ایک خالی اور سنسان میدان میں گرا کر اس کے دل میں خنجر اتار دیا اور اسپتال لوٹ آیا۔ استاد نے روی کو وہاں سے نکالا

تھا۔ وہ پہچانے جانے کے ڈر سے باہر منڈلا رہا تھا۔ میں اندر چلا گیا۔ اندھیرا ہونے کے بعد ماروتی گھبرائی ہوئی اسپتال آئی۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ میں اس کے آس پاس منڈلاتا رہا وہ پریشان بھی اور رو رہی تھی۔ اس نے شاید تمہیں فون کیا۔ جب تم آئے تو وہ تمہیں مظہر کہہ کر تم سے لپٹ گئی۔ میں نے یہ خبر فوراً استاد کو پہنچادی وہ خوش ہوگیا کہ وہ انعام کا حق دار بن جائے گا۔ ہم تمہاری گھات میں لگے رہے۔ تم اسپتال سے نکلے تو ہم نے تمہارا پیچھا کرنا شروع کردیا اور اب ہم آمنے سامنے ہیں۔"

یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا ہوچکی تھی کہ پراسرار ماسٹر، میجر بخشی کا کوئی قریبی معتمد یا ساتھی ہوسکتا تھا۔ شیام کے ذریعے یہ راز بخشی تک پہنچا تھا کہ مظہر، اظہر اور روی کے درمیان گہرے قریبی روابط ہیں اور وہی اس نکتے سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

"ایک لاکھ روپے فی قتل کا مطلب ہے کہ تم پہلے بھی ماسٹر کے لیے خوں ریزیاں کرتے رہے ہو۔"

"ہاں" اس کے حلق سے بہ مشکل پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی" ہم دونوں دہرے قتل کے ایک مقدمے میں ماتحت عدالت سے بری ہو کر چار سال بعد جیل سے باہر آئے تھے۔ ماسٹر کے پاس کچھ ایسے ثبوت تھے جو پولیس کو مل جاتے تو بڑی عدالت سے ہمیں پھانسی کی سزا ہوسکتی تھی۔ یہ دھمکی دے کر ماسٹر نے ہم سے اپنا پہلا کام کروایا۔ اس کے بعد ہم اس دلدل میں پھنستے چلے گئے۔"

"تم نے آج تک یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ماسٹر کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس نے پہلے دن ہی دھمکی دی تھی کہ ہم نے اس تک پہنچنے کی کوشش کی تو وہ ہماری زندگیوں کے چراغ گل کردے گا۔ ہمارے ہاتھ صاف نہیں تھے۔ وہ ہمیں چھوٹے موٹے کام بھی دیتا رہتا تھا جن سے دن اچھے گزر رہے تھے۔ ہم نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا۔ میں نے استاد کو کئی مرتبہ چھیڑا مگر وہ ایسی باتیں کرنے سے بھی ڈرتا تھا۔ ہم آج بھی ماسٹر کے غلام بنے ہوئے ہیں۔"

"میرے لیے تمہیں ایک پیٹی یعنی ایک لاکھ روپے مل چکے تھے پھر تم مجھے اپنے ساتھ کیوں لیے پھر رہے ہو؟"

"تم سے تمہاری اصلیت اگلوانی تھی۔ تمہارے ساتھیوں کے نام اور پتے حاصل کرنے تھے۔ ماسٹر نے استاد کو تاکید کی تھی کہ مظہر ہاتھ آجائے تو یہ کام پورا ہونے تک اسے زندہ رکھا جائے۔ شاید اسی اضافی کام کے لیے اس نے انعام کا وعدہ کیا تھا۔"

"تمہارے استاد کا اصل نام کیا ہے؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت سوال کیا۔

"جیکب گینڈا" اس نے بتایا "یہ نام پرانا ہوگیا۔ اب سب اسے استاد کے نام سے جانتے ہیں۔"

"ماسٹر نے جیکب کو میرے بارے میں کچھ نہ کچھ تو بتایا ہوگا" اس سے باز پرس کرتے کرتے میرا غصہ خاصا دھیما ہوچکا تھا۔

"بس یہ بتایا تھا کہ تم بہت خطرناک اور خونی آدمی ہو.... استاد کو کیا ہوا ہے؟" میری بات کا جواب دیتے ہوئے اسے اچانک اپنے سینئر ساتھی کا خیال آگیا "اسے اٹھالو۔ وہ ماسٹر کے بارے میں تمہیں بہت کچھ بتا سکے گا۔ ماسٹر سے وہی بات کرتا تھا۔ کام کی باتیں مجھے بتاتا تھا اور باقی اپنے سینے میں محفوظ رکھتا تھا۔"

"استاد جیکب کبھی نہ اٹھنے کے لیے سویا ہوا ہے۔ اسے بھول جاؤ اور تم سے جو پوچھا جارہا ہے اس کا جواب دو...."

"اوہ! تو تم نے استاد کو ماردیا" میرے انکشاف نے اسے ڈرادیا "ماسٹر نے یہی کہا تھا کہ تم بہت خطرناک ہو۔"

"تمہارے ماسٹر کی ایسی کی تیسی!" میں نے جھلا کر اسے جھڑک دیا "میں خطرناک اور خونی تھا۔ اس لیے وہ مجھے مروانا چاہتا تھا۔ روی کو مروانے کے لیے اس خبیث نے کیا عذر پیش کیا تھا۔"

"اسے کبھی بھی کوئی عذر پیش کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے لیے یہ کافی ہوتا تھا کہ وہ کسی کو مروانا چاہتا ہے اور ہم اس کے لیے وہ کام پورا کرنے کے پابند ہوجاتے تھے۔ تمہارے بارے میں اس نے نہ جانے کیوں دو تین باتیں بتادی تھیں۔"

"تمہیں بالکل نہیں معلوم کہ ماسٹر کہاں مل سکتا ہے؟" میں نے کھڑے کھڑے اپنا وزن ایک ٹانگ پر منتقل کرکے پوچھا۔

"نہیں!" اس نے سرہلادیا "اس بارے میں استاد کو بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ تم نے اسے مار کر ظلم کیا ہے۔"

"شٹ اپ!" میں نے بڑھ کر پستول کی نال اس کے حلق پر ٹکادی "قاتلوں اور مجرموں کی زبان سے ظلم کا لفظ اچھا نہیں لگتا۔ تم دونوں کو ہر قتل کے بدلے میں کئی کئی بار مارا جانا چاہیے لیکن مجھے افسوس ہے کہ ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔"

"ہم نے اپنی مرضی سے خون نہیں کیے" وہ جنبش کیے

بغیر بولا "ماسٹر نے دھونس اور لالچ سے ہمیں مجبور کیا تھا۔"

"اب جھوٹ مت بولو۔ اس سے ملنے سے پہلے تمہارے ہاتھ دو انسانوں کے خون سے لتھڑے ہوئے تھے۔ ماسٹر کا فون نمبر بتاؤ؟" وہ حلق پر ٹکی ہوئی پستول کی نال سے بہت زیادہ خوف زدہ تھا۔ میں نے نال الگ ہٹالی۔

"ماسٹر کا فون نمبر استاد کو معلوم تھا" ارجن کے انکشاف نے میرے بدن میں سنسنی کی سی لہر دوڑا دی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس سے استاد ہی بات کرتا تھا، میری کبھی بات نہیں ہوئی۔ اس کا فون نمبر استاد کو معلوم تھا۔"

"اور اسے میں نے مار دیا ہے! تم یہی کہنا چاہتے ہو نا؟" میں نے اس کی ادھوری بات تلخی سے پوری کردی۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا" اس نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی "تم استاد کے موبائل فون کی میموری پر تلاش کرو تو تمہیں ماسٹر کا فون نمبر مل جائے گا۔ مجھے یہ علم نہیں ہے کہ اس کا فون نمبر کیسے پہچانا جائے گا۔"

میں بے ہوشی کی اداکاری کرتے ہوئے، جیکب کی زبان سے یہ بات سن چکا تھا کہ وہ لوگ کراچی سے اتنا دور نکل آئے تھے کہ ان کے موبائل فون نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پھر بھی میں ارجن کے مقدر کا فیصلہ کرنے سے پہلے موبائل پر ماسٹر کا فون نمبر تلاش کرنے کی ایک کوشش کرسکتا تھا۔

ارجن کو اپنے پستول کی زد میں لیے، میں پیچھے سرکنے لگا۔ اس دوران میں، میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ان دونوں کی سبز گاڑی اسی ویرانے میں موجود تھی۔ اپنا کام مکمل کرلینے کے بعد مجھے واپسی کی کوئی فکر نہیں رہی تھی۔

میں استاد جیکب کی لاش کے قریب پہنچا تو مجھے احساس ہوا کہ تاریکی کی وجہ سے اس کی جیب سے موبائل نکالنا آسان کام نہیں تھا۔ میں اس کی جیبیں ٹٹولنے کی کوشش کرتا تو کسی بھی لمحے ارجن کی طرف سے دھیان ہٹ سکتا تھا۔ بازی پلٹ جانے کے بعد میرے بجائے ارجن موت کے خوف میں مبتلا تھا۔ مجھے اپنی طرف سے غافل پاکر وہ میرے خلاف کوئی بھی قدم اٹھا سکتا تھا۔

میں جیکٹ کے نیچے چھپا ہوا اس کا چرمی ہولسٹر دیکھ چکا تھا۔ اپنا کام کرنے سے پہلے یہ یقین حاصل کرنا ضروری تھا کہ ارجن پوری طرح غیر مسلح تھا۔ ایسی حالت میں وہ میرے خلاف کوئی بھی کارروائی کرتا تو میں بے خوف ہوکر اس کا مقابلہ کرسکتا تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ گھر سے نکلے ہوئے مجھے بہت دیر ہوچکی تھی۔ میری واپسی میں تاخیر ہونے پر میرے ساتھی تشویش اور پریشانی میں مبتلا ہوگئے ہوں گے مگر میں مجبور تھا۔ اپنے تحفظ کا پورا یقین کیے بغیر میں کسی عاجلانہ کارروائی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں ارجن پر پستول تانے دوبارہ اس کی طرف بڑھا۔ مجھے اپنی طرف لوٹتا دیکھ کر وہ چیخنے لگا "فون میرے پاس نہیں، استاد کے قبضے میں رہتا ہے۔۔"

"آوارہ سانڈ کی طرح چیخنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے درشت لہجے میں کہا "مجھے سکون اور خاموشی سے اپنا کام پورا کرنے دو۔"

قریب جاکر میں نے سب سے پہلے اس کے ہولسٹر سے پستول نکالا جس میں پورا میگزین لوڈ تھا۔ پھر میں نے تیزی سے اس کی دوسری جیبیں بھی ٹٹول ڈالیں۔ مجھے کھٹکے سے کھلنے والے ایک تیز دھار چاقو کے سوا مزید کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جو میرے لیے خطرناک ہوتی۔

اس کی طرف سے اپنا اطمینان کرلینے کے بعد میں دوبارہ استاد جیکب کی لاش کے پاس پہنچ گیا۔ اندھیرے میں ٹٹولنے سے اندازہ ہوا کہ موبائل فون اس کی چست پتلون کی داہنی جیب میں پھنسا ہوا تھا۔ میں گھٹنوں کے بل زمین پر ٹک کر جیکب کی جیب سے موبائل فون نکال رہا تھا کہ وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ ارجن نے میری توجہ دوسری طرف مبذول پاکر بہت پھرتی سے جگہ چھوڑی اور پلک جھپکتے میں میرے اوپر آپڑا۔

اس کا حملہ میرے لیے غیر متوقع نہیں لیکن ناگہانی ضرور تھا۔ وہ میرے اوپر بس ایک لمحے کے لیے رکا۔ میں نے اپنے دھڑ کو ایک جھٹکا دے کر اسے دوسری طرف الٹ دیا۔ اس کوشش میں پستول میرے ہاتھ سے نکل کر جیکب کی لاش پر گر گیا۔

ارجن زمین چاٹ کر فوراً ہی میری طرف پلٹ پڑا۔ میں سرعت سے اپنے قدموں پر کھڑا ہوچکا تھا۔ اس کا صرف ایک گھونسا میرے شانے پر پڑا۔ میں نے پوری بے رحمی سے اس کے دونوں جبڑے سہلا دیے۔ وہ آسانی سے ہار ماننے والوں میں نہیں تھا، میرے مقابلے پر جم گیا۔

وہ کھلا میدان تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ وہ میری بے ہوشی سے پہلے بھی میرے ہاتھوں سے پٹ چکا تھا مگر اس بار اس کے جسم میں نئی توانائی عود کر آئی تھی۔ ہم کبھی ایک دوسرے پر گھونسے برساتے اور کبھی آپس میں لپٹ پڑتے۔ وہ مجھے تو کوئی قابلِ ذکر نقصان پہنچانے میں

کامیاب نہیں ہوا مگر اس کا زخمی چہرہ بری طرح بگڑ چکا تھا۔ پھر بھی اس پر تھکن کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ بس اس نے ہانپنا شروع کردیا تھا۔ میرے تنفس کی رفتار بھی اعتدال سے بڑھی ہوئی تھی۔

لڑتے لڑتے مجھے خیال آیا کہ اس کے ساتھ مکے بازی کا مقابلہ کرکے میں اپنا وقت برباد کررہا تھا۔ میرے لیے اس کی کوئی افادیت نہیں تھی۔ مجھے ہر قیمت پر اسے ختم کرنا تھا۔ اس کام میں اول خان سے لی ہوئی انگوٹھی میری بہترین مددگار ثابت ہوسکتی تھی۔ میں نے مقابلے میں کوئی سستی دکھائے بغیر' انگوٹھی کو ٹٹولا۔ انگلی میں پھنسی ہوئی انگوٹھی کا خطرناک نگینہ اسی رخ پر تھا جدھر میں نے اسے گھمایا تھا۔

میں نے بس ذرا سی دیر انتظار کیا اور جوں ہی ارجن کا چہرہ میری زد میں آیا۔ میں نے مکے کے بجائے' داہنے ہاتھ کا تھپڑ اس کے رخسار پر رسید کردیا۔ اس کے فضا میں اٹھے ہوئے ہاتھ سلوموشن کے انداز میں میری طرف بڑھتے رہے مگر میرے جسم تک پہنچنے سے پہلے بازوؤں پر جھول گئے۔ اس کا جسم حملہ آور ہونے کے انداز میں آگے کی سمت میں جھکا ہوا تھا۔ وہ کھڑے کھڑے تیورایا اور پھر منہ کے بل زمین پر گر گیا۔

میں اس کی طرف سے بے فکر ہو کر جیکب کی لاش کی طرف متوجہ ہوگیا۔ مجھے اس کی جیبوں میں پائی جانے والی دیگر اشیا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کی پتلون کی جیب سے موبائل فون نکال کر میں نے اس ویرانے کے منظر کا الوداعی جائزہ لیا اور اس بار ارجن کے چھوٹے بور کے پستول سے اس کی کھوپڑی پر فائر کردیا۔ وہ گہری بے ہوشی کے عالم میں تھا مگر سر میں گولی پیوست ہوتے ہی اس کے جسم کو آخری زبردست جھٹکا لگا اور زندگی سے اس کا ہر رشتہ ٹوٹ گیا۔

اس تصادم کی وجہ سے مجھے اپنے پستول سے ہاتھ دھونے پڑے تھے مگر اس کے بدلے میں دو عدد پستول میرے ہاتھ آچکے تھے۔ مجھے امید تھی کہ میری گاڑی کلفٹن کے علاقے سے ہی بازیاب ہوجائے گی مگر اس میں موجود پستول کے ملنے کی توقع نہیں تھی۔

سبز کار کی چابی اگنیشن میں موجود تھی۔ سوئچ آن کرکے میں نے پارکنگ لائٹس جلائیں' ڈیش بورڈ پر روشن ہونے والے میٹروں کا جائزہ لیا۔ کار کی ہر چیز اطمینان بخش تھی۔ ٹنکی میں نصف سے زیادہ پیٹرول موجود تھا۔ میں نے کیبن لائٹ جلا کر اپنے لباس کا جائزہ لیا پھر آئینے میں اپنی صورت دیکھی تو دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اس رات حاصل ہونے والی فتح مجھے خاصی مہنگی پڑی تھی۔ میرا لباس گرد آلود ہورہا تھا۔ دشمنوں کے تھپڑوں کی برسات کی وجہ سے میرے دونوں رخسار متورم تھے۔ چہرے پر کئی خون آلود خراشیں اور نیل بھی نظر آرہے تھے۔

اس حلیے میں کوئی بھی مجھے مشتبہ سمجھ کر روک سکتا تھا۔ میں نے نیچے اتر کر اپنے کپڑوں سے خشک گرد جھاڑی' داغ دھبے دور کیے اور چہرے کو تھرماس کے ٹھنڈے پانی سے اچھی طرح صاف کرنے کے بعد وہاں سے چل دیا۔ گاڑی کے ڈیش بورڈ کے خانے میں وائٹ ہارس اسکاچ کے دو پائنٹ موجود تھے۔ ان میں ایک ان دونوں کے زیر استعمال رہا ہوگا۔ دوسرا ادھا سربہ مہر تھا۔ میں نے راستے میں وہ دونوں بوتلیں باہر میدان میں پھینک دیں۔

ہوا کے دوش پر وزنی گاڑیوں کے انجن کی ڈوبتی ابھرتی آوازوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ میں کسی شاہراہ کے قریب موجود تھا اور ان آوازوں کی مدد سے کچے ویرانے سے نکل سکتا تھا لیکن ہر طرف پھیلے ہوئے گھور اندھیرے اور ماحول کی لامتناہی یکسانیت کی وجہ سے میں نے وہ خطرہ مول لینے سے گریز کیا۔ سبز کار کو واپس گھما کر ٹائروں کے ان نشانات پر ڈال دیا جو سڑک سے وہاں تک پہنچنے کے نتیجے میں وجود میں آئے تھے۔

○☆○

ان لوگوں نے اپنے حساب سے بس اتنا انتظار کیا تھا جتنا ضروری تھا۔ پھر ان میں اضطراب پھیلنا شروع ہوگیا۔ ویرا پہلے دن سے ہی ماروتی کو ناپسند کرتی تھی اس لیے وہ میرے بارے میں زیادہ فکرمندی جتا رہی تھی۔ اس کا سیدھا سا نظریہ تھا کہ اگر کوئی دھوکے سے روی موہن کو اسپتال سے نکال لے گیا ہے تو اسے آسانی کے ساتھ روی کی واپسی پر آمادہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ مجھے آدھے پون گھنٹے میں ماروتی کو تسلی تشفی دے کر واپس چل دینا چاہیے تھا۔

جب اس کے اندازوں کے مطابق میری واپسی نہیں ہوئی تو اس نے اسپتال فون کرکے خالص امریکی لہجے اور انگریزی میں روی کے بارے میں سوال کرنے شروع کیے۔ اس کا حربہ کامیاب رہا۔ اس کے مخاطب نے مرعوب ہوکر اسے ضرورت سے زیادہ وقت دیا اور آخر کار ویرا کی اس خاتون سے بات ہوگئی جو اسپتال میں مجھ سے ٹکرائی تھی۔ وہاں سے میری اور ماروتی کی واپسی کی اطلاع نے اس کی تشویش میں اضافہ کردیا۔

ایک گھنٹے بعد میرے لیے ماروتی کا فون آیا تو ان کی

پریشانی مزید بڑھ گئی۔ روی کے بارے میں کوئی خیر خبر لینے کے لیے ماروتی کو میری تلاش تھی۔ ان حالات میں ہر ایک کا فکر مند ہونا فطری تھا۔ اسپتال سے ہم ایک ساتھ روانہ ہوئے، ماروتی اپنے گھر میں موجود تھی تو پھر میں کہاں تھا۔

وہ تینوں اپنے طور پر میری تلاش کی کوئی مہم شروع کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ کسی پیش رفت کا آسان ترین ذریعہ اول خان بن سکتا تھا۔ غزالہ نے اس سے بات کی اور وہ فوراً ہی ہمارے گھر دوڑا چلا آیا۔ اس نے دوسرے ذرائع آزمانے کے ساتھ کلفٹن کے متعلقہ تھانے کو بھی براہِ راست اعتماد میں لے لیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ دیر بعد میری گاڑی کا سراغ مل گیا۔ وہاں کچی زمین پر پائے جانے والے ٹائروں کے بے ترتیب نشانات اور ابتری کی دوسری علامات سے یہ معلوم ہوگیا کہ وہاں کوئی سنگین گڑبڑ ہوئی تھی لیکن اس کا کوئی گواہ تھا نہ مزید سراغ!

ماروتی سے ملنے کے لیے اسپتال جاتے جاتے، میں نے اپنے ساتھیوں کو کسی اچانک حملے وغیرہ سے ہوشیار رہنے کی جو ہدایات کی تھی، اس نے انہیں اعصابی تناؤ میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ وہ گھر میں رہ کر خود کو غیر محفوظ محسوس کر رہے تھے اور میں باہر جا کر کسی نامعلوم خطرے سے دوچار ہو چکا تھا۔ میں کافی تاخیر سے گھر واپس پہنچا تو وہاں شدید افراتفری اور ہراس کی فضا پائی جا رہی تھی۔

میں نے واپسی سے پہلے اپنا حلیہ بڑی حد تک درست کر لیا تھا لیکن میری ہیت کذائی دیکھ کر سب کو اندازہ ہوگیا کہ میں خاصے ناخوش گوار حالات سے گزرنے کے بعد گھر واپس پہنچ سکا تھا۔ میں ان کے مسرت آمیز ردِعمل، ہمدردانہ نگاہوں اور تحیر زدہ فقروں کو نظر انداز کرتا ہوا سیدھا اپنے کمرے کی طرف گیا تو کسی نے مجھے روکنے یا میرا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ غزالہ قدرے توقف کے بعد کمرے میں آئی تو میں نہانے کی تیاری میں مصروف ہو چکا تھا۔

"آپ خیریت سے تو ہیں؟ باہر سے کیا حلیہ بنا کر واپس آئے ہیں۔" باتھ روم کے بند دروازے کے پیچھے سے غزالہ کی سرگوشیانہ آواز ابھری۔

"صرف چہرہ بگڑا ہے۔ میں ہر ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ ہوں۔" میں نے اسے دلاسا دیا "مجھے آرام سے نہانے دو۔ باہر آ کر سب کچھ بتا دوں گا۔"

اس مکالمے کے بعد غزالہ نے بھی دخل اندازی نہیں کی اور میں گرم پانی کی تیز دھاروں میں دیر تک اطمینان سے نہاتا رہا۔ گرم پانی کے فرحت انگیز لمس سے مجھے اپنی چوٹوں کے درد میں حیرت ناک کمی محسوس ہو رہی تھی۔ سر کے پھولے ہوئے عقبی حصے کے درد میں بھی وقت کے ساتھ کمی آ رہی تھی۔

تازہ دم ہو کر میں نے لباس تبدیل کیا اور ان کی محفل میں شامل ہوگیا۔ میرے واپس پہنچتے ہی ان کی قیاس آرائیوں کا سلسلہ رک گیا "تمہاری کار کلفٹن سے لاوارث کھڑی ہوئی ملی ہے۔ یہ سبز کار تمہیں کہاں سے مل گئی۔" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے یاد دلا دیا۔ اس کار کو جلد از جلد یہاں سے ہٹا کر کہیں چھوڑ دو۔ یہ گاڑی روی کے قتل میں ملوث رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"روی کو مار دیا گیا؟" میرے انکشاف نے ان سب کو حیران کر دیا۔

"ہاں۔" میں نے سگریٹ سلگا کر سنجیدگی سے جواب دیا "شیام کی زبانی روی کے جو اعترافات میجر بخشی تک پہنچے تھے، ان کے بعد یہ ہونا ہی تھا۔"

"مگر بخشی کو تو وقت ہی نہیں ملا۔ صبح سویرے اس نے تم سے فون پر بات کی، دن چڑھے اسے یاد ماضی سے نجات دلا دی گئی۔" اول خان نے حیرت سے کہا "روی کے ساتھ جو کچھ ہوا، آج دوپہر بلکہ سہ پہر کے بعد ہوا ہوگا۔"

"یہ ہماری خام خیالی ہے۔" میں نے اس کی تصحیح کی "بخشی ہمارے چنگل میں آنے سے پہلے کسی اور کو اپنے اعتماد میں لے چکا تھا۔ اب جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اسی نامعلوم شخص کی کارستانی ہے۔ اس کا نام پردے میں ہے۔"

"ٹھہرو! میں سبز کار کا بندوبست کر کے ابھی آتا ہوں۔ اس کا یہاں سے ہٹایا جانا ضروری ہے۔" یہ کہہ کر اول خان نے فوری طور پر ڈرائنگ روم چھوڑ دیا۔ شاید وہ اپنے کسی آدمی کو اس کام پر مامور کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"تمہارا چہرہ بہت بگڑا ہوا ہے۔" ویرا نے آزردہ آواز میں مجھ سے پوچھا "معلوم ہوا ہے آج تم اپنے دشمنوں سے بہت زیادہ پٹے ہو۔"

"بس یہ سمجھ لو کہ موت کان پر سے گزری ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا "آج میں نے زندگی کی قیمت پر دانستہ یہ مار کھائی ہے۔ اس کے ازالے کے لیے ان دونوں کو آخرکار اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑ گئے۔"

میرے ساتھ پیش آنے والے واقعے کے بارے میں دو ابتدائی اطلاع ان کے لیے حوصلہ افزا تھی۔

اول خان کی واپسی تک میں ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔

وہ اپنے ایک چوکی دار کو سبز گاڑی سے گلوخلاصی کی ذمّے داری سونپ کر آیا تو میں نے ان کے سوالات سے بچنے کے لیے اپنی کہانی چھیڑ دی۔

"تم نے ماروتی کے فون پر اسپتال جاکر بہت بڑی غلطی کی۔" اول خان نے متاسفانہ انداز میں زور زور سے اپنا سر جھٹکتے ہوئے کہا "روی کے ساتھ گڑبڑ ہونے کے بعد معاملہ وہیں ختم نہیں ہوسکتا تھا۔ تمہیں پہلے ہی اس خطرے کا ادارک کرلینا چاہیے تھا۔"

"بلائے بودوے بخیر گزشت!" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "جو ہونا تھا' ہوگیا میں وہاں نہ جاتا تو گاڑی ایک جگہ رک گئی تھی۔ ارجن اور جیکب کا صفایا ہوجانے کے بعد اب ماسٹر کا نام ہمارے سامنے ہے۔"

"تم یہاں کے معاملات سے بالکل الگ رہو گے۔" اول خان نے اپنا فیصلہ سنادیا "کل تم تینوں کے پاسپورٹ تیار ہوجائیں گے' پرسوں تم تینوں لاہور کے لیے روانہ ہوجاؤ۔ یہاں کے معاملات میں خود دیکھتا رہوں گا۔"

"سوجے ہوئے جبڑوں کے ساتھ پرسوں میری روانگی ناممکن ہے۔" میں نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "ورم اور زخموں کی وجہ سے میں آئینے میں خطرناک بدمعاش معلوم ہورہا ہوں۔ بھارت میں ہر متجسس نگاہ میرے چہرے پر مرکوز رہے گی۔"

"معلوم نہیں ہورہے بلکہ تم واقعی بدمعاش ہو۔" ویرا نے مسکرا کر مذاق میں کہا "تمہاری مکاریوں سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ جب وہ تمہیں تھپڑ مار رہے تھے تو سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ تم انگڑائی لے کر اچانک آنکھیں کھولو گے اور انہیں پیس ڈالو گے۔"

"میرا مطلب سمجھنے کی کوشش کرو' بات مذاق میں مت ٹالو۔" اول خان نے تادیب کی "تمہاری بات سے مجھے اتفاق ہے کہ ورم اور زخم مندمل ہونے تک تمہیں سفر ملتوی کردینا چاہیے لیکن تم اس دوران میں صرف آرام کرو گے دوسری سرگرمیوں سے الگ تھلگ رہو گے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ یہ مشورہ تم دے رہے ہو۔ بے کار رہنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔"

کوئی بات یاد آنے پر اول خان ہنس پڑا پھر بتانے لگا "ایس ٹی ایف میں' میں نے ایک مرتبہ سزا کا یہ طریقہ رائج کیا تھا۔ ہر شخص اپنی جگہ حد سے زیادہ مستعد ہوگیا تھا جو کوئی غلطی کرتا' اسے چند روز کے لیے کام سے ہٹا کر ایک طرف بٹھادیا جاتا۔ سزا پانے والے دو دن میں اپنی زندگی سے بیزار ہوجاتے تھے۔ بعد میں سینئر اسٹاف کی مشترکہ سفارش پر اس سزا کو موقوف کرنا پڑا۔"

"اب تم اپنی موقوف کی ہوئی وہی سزا مجھے سنا رہے ہو۔ کیا میں تمہیں اتنا کاہل اور بے فیض نظر آتا ہوں؟"

اول خان میرے ہاتھ پر ہاتھ مار کر خوش دلی سے ہنس پڑا "تم کو اپنی سرگرمیاں محدود کردینی چاہئیں۔ اب یہی دیکھ لو کہ ہم نے شیام کو مسکین اور بے ضرر سمجھ کر نظرانداز کردیا تھا مگر اس کی مخبری کی بنا پر بات کہاں تک بڑھ چکی ہے۔ تمہارے آج کے مسائل کی پوری ذمّے داری اسی کے سر جاتی ہے۔"

"اس کا کیا بنا؟" ویرا نے دلچسپی سے پوچھا "اسے تمہاری فورس کے عملے نے اپنی تحویل میں لیا ہوا تھا۔"

"وہ خود ہی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔" اول خان صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بولا "اسے مفت کی روٹیاں کھلانے کے بجائے ورکشاپ میں بیگار پر لگادیا گیا تھا۔ وہاں وہ جیک پر چڑھے ہوئی ایک ٹرک کے نیچے گھس کر صفائی کررہا تھا کہ اس کا پیر لگنے سے جیک پھسل گیا اور پورے ٹرک کا وزن اس کے سینے پر آرہا۔ اس کی ساری ہڈیاں پسلیاں سرمہ ہوگئیں۔ اس نے اسی وقت دم توڑ دیا۔"

"تم نے ابھی تک اس کی موت کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔" سلطان شاہ نے شکوہ کیا۔

"وہ ایسی افسوس ناک موت تھی کہ میں نے اس کا ذکر چھیڑ کر تمہاری طبیعتیں مکدر نہیں کیں۔ اب اس کے کرتوتوں کے نتائج سامنے آرہے ہیں تو مجھے بھی اس کی موت پر کوئی افسوس نہیں ہے۔ جن مجرموں کو انسان نظرانداز کردیتے ہیں' ان کو قدرت خود سزا دے دیتی ہے۔"

میں نے اپنی جیب سے موبائل فون نکال کر اول خان کی طرف بڑھادیا "یہ استاد جیکب کا موبائل ہے۔ اس کی میموری پر موجود نمبر نوٹ کرو۔ مجھے ان سب لوگوں کے نام اور پتے درکار ہیں۔ ان ہی میں سے کوئی ماسٹر ہوسکتا ہے۔"

اول خان نے موبائل اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اس کے ڈائل پیڈ پر مختلف بٹن دبا کر اسکرین کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "یہ کام مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس پر تو بہت سے نمبر موجود ہیں۔ اتنی بڑی فہرست کے بارے میں معلومات جمع کرنا آسان نہیں ہوگا۔"

"مجھے موبائل کے استعمال میں زیادہ مہارت نہیں ہے مگر مجھے اس کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے۔ اس کے مطابق تم آخری مرتبہ ملایا ہوا نمبر ہر وقت دیکھ سکتے ہو۔ ذرا

کوشش تو کرو۔ وہ نمبر ماسٹر کا ہی ہونا چاہیے۔'' میں نے کہا۔
''تمہارا خیال درست ہے'' ویرا نے میری تائید کی ''موبائل پر ملایا ہوا آخری فون نمبر ہر وقت دیکھا جاسکتا ہے۔''
''یہ بھی کوئی موبائل نمبر ہی ہے'' اول خان نے اسکرین پر دیکھ کر اعلان کیا۔
''ہاں! یہ موبائل نمبر ہی ہونا چاہیے۔ ماسٹر سے وہ موبائل پر رابطہ کرتے تھے'' میں نے تائید کی ''وہ دونوں ماسٹر کے ایما پر میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے میرے اغوا میں کامیابی حاصل کرتے ہی ماسٹر کو خبر دی ہوگی۔ موبائل سے ڈائل کیا جانے والا آخری نمبر اسی کا ہوگا۔ آخری گفتگو کے بعد وہ کراچی سے اتنی دور نکل گئے تھے کہ ان کے فون کے سگنل کام ہی نہیں کر رہے تھے۔''
''اگر صرف ایک نمبر کا معاملہ ہے تو کام ہوجائے گا۔ اس میں سب سے بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ فون متحرک رہتا ہے۔ اس لیے یہ پتا چلانا مشکل ہوگا کہ ایک خاص وقت پر کوئی نمبر کہاں اور کس کے استعمال میں تھا'' اول خان بولا۔
''تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آسکی'' میں نے الجھن آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''فون متحرک ہو تو ہوا کرے۔ یہ نمبر اور کنکشن جس کسی کے نام پر دیا گیا ہوگا۔ اس کا پورا پتا کمپنی کے ریکارڈ میں موجود ہونا چاہیے...''
''وہ بھی مل جائے گا لیکن فون اس کے زیر استعمال نہ ہوا تو تم کیا کرو گے؟''
اس کی الجھن میری سمجھ میں آگئی۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ''اگر موبائل نمبر میرا ہے تو اس کے صحیح یا غلط استعمال کی پوری ذمّے داری مجھ پر ہے۔ فون غلط ہاتھوں میں چلا جاتا ہے یا چوری ہوجاتا ہے تو میرا فرض ہے کہ کمپنی کو اطلاع دے کر نمبر بند کرادوں۔ غلط استعمال جاری رہتا ہے تو اس کے نتائج کی پوری ذمے داری مجھے قبول کرنا پڑے گی۔''
''اس کا مطلب ہے کہ تم اس نمبر کے مالک پر ہاتھ ڈالو گے'' اول خان نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔
''بالکل!'' میں نے مسکراتے ہوئے نرمی سے جواب دیا ''وہ خود ماسٹر ہے یا پھر ہمیں ماسٹر کا پتا بتائے گا جو اس کا فون استعمال کر رہا ہے۔''
''اب میں اس بارے میں پورے اعتماد سے بات کرسکوں گا'' اول خان یہ کہہ کر فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔
''اس مرتبہ قتل و خوں ریزی کا سلسلہ زیادہ ہی تیز اور دراز ہوگیا ہے'' غزالہ نے تبصرہ کیا۔
''تم اس کا ذمے دار کسے قرار دیتی ہو؟'' سلطان شاہ اس کی طرف فوراً متوجہ ہوگیا۔
''حالات پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ وہ اپنی رفتار سے رونما ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کی ذمے داری کسی پر نہیں ڈالی جاسکتی۔''
''کرشن کمار اور ہری چند بہت مشکل سے ہاتھ آئے تھے'' سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا ''ان دونوں اموات میں خاصا وقفہ بھی آیا تھا۔ اس رفتار کو تم تیز نہیں کہہ سکتیں، ہم میں سے کوئی بھی بے مقصد خوں ریزی کا شوقین نہیں ہے۔''
''کل صرف جگدیش موہن کی خودکشی کی خبر آئی تھی۔ آج مرنے والوں کی تعداد چار ہوچکی ہے'' غزالہ بولی ''میں صرف یہ کہہ رہی تھی کہ شہر والوں کے لیے ایک دن میں چار قتل خوف و ہراس کا سبب بھی بن سکتے ہیں۔''
''مجبوری ہے'' سلطان شاہ اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے بولا ''روی کو دشمنوں نے مارا، اس کے دو قاتلوں کو ٹھکانے لگانے کی ذمے داری ڈینی کے سر جاتی ہے۔ شیام خود اپنی غلطی کا نشانہ بنا۔ ہمارے حساب میں تو صرف دو خون ہوئے ہیں۔''
''تم لوگ بخشی کو کیوں بھول رہے ہو؟'' ویرا نے ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا ''وہ بھی آج ہی کا واقعہ ہے۔ وہ زندہ ہے تو کیا ہوا۔ اس کی حالت کسی مردے سے بھی بدتر ہے۔ آج کا کل اسکور پانچ ہے۔''
''یہ ذکر چھیڑ کر تم کسی کو ملامت کرنا چاہ رہی ہو یا محض اپنے دکھ کا اظہار کر رہی ہو؟'' میں نے ویرا سے پوچھا۔
''مجھے نہ پکڑو'' ویرا دونوں ہاتھ فضا میں اٹھا کے بولی ''مردے شماری کی ابتدا غزالہ نے کی تھی۔''
اول خان فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر ہمیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور جیب سے اپنا بال پین نکال لیا۔ دوسری طرف کی بات سن کر وہ سامنے پڑے ہوئے پیڈ پر کچھ لکھتا رہا پھر اس نے تشکر آمیز کلمات کے ساتھ سلسلہ منقطع کردیا۔
''فون افضل نامی کسی شخص کے نام پر ہے جو گلشن اقبال کے ایک فلیٹ میں رہتا ہے'' اول خان نے اعلان کیا۔
''خدا کا شکر ہے کہ اس سلسلے میں کسی مسلمان مجرم کا نام بھی سننے میں آیا'' ویرا بے ساختہ بول پڑی ''ہندوؤں کے ساتھ استاد جیکب کا نام سن کر مجھے کوفت ہوئی تھی کہ استاد جیکب کو بھارتیوں کے لیے کام کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کافی دنوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے شہر میں رہنے والے

سارے مسلمانوں نے جرائم میں حصہ لینے سے توبہ کرلی ہو۔"
"تم مارو تی والی بات کہہ رہی ہو۔ ہم جان بوجھ کر ہندوؤں کو نہیں گھیر رہے تھے" سلطان شاہ نے جواب دیا۔
"تم کو بولنے کا پورا حق حاصل ہے کیونکہ میمن گوٹھ کے گرین فارم سے تم ہی نے کرشن کمار کو پکڑا تھا اور ابھی تک اپنی اس اکلوتی کارکردگی پر بغلیں بجا رہے ہو" ویرا نے چبھتے ہوئے، طنزیہ لہجے میں کہا۔
"نام معلوم ہوگیا۔ اب میں ماسٹر کے نمبر پر فون کروں گا" میں نے اس بحث کو وہیں ختم کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔
اول خان کے قریب صوفے پر بیٹھ کر میں نے اپنے گھر کے فون سے وہ موبائل نمبر ملانا شروع کردیا جو ہمیں استاد جیکب کے موبائل فون کی میموری سے ملا تھا۔ میں نے وہ نمبر اسپیکر فون کے ذریعے ملایا تھا تاکہ سب لوگ گفتگو سے آگاہ ہوسکیں۔
دوسری گھنٹی بجنے پر اسپیکر فون پر ایک بھاری سی مردانہ آواز میں ہیلو کی آواز ابھری۔
مجھے ننانوے فیصد یقین تھا کہ وہ فون نمبر اپنے اصل مالک کے استعمال میں نہیں تھا۔ میں نے کہا "مجھے افضل سے بات کرنی ہے۔"
"افضل اس وقت موجود نہیں ہے" میری توقع کے مطابق سرد مہری سے جواب دیا گیا "فون میرے استعمال میں ہے۔"
"مجھے اس سے بہت ضروری کام ہے۔ وہ اس وقت کہاں ملے گا؟" میں نے اصرار کیا۔
"وہ فون میرے پاس چھوڑ کر کہیں گیا ہوا ہے۔ اپنا نمبر دے دو۔ وہ آئے گا تو تمہیں فون کرلے گا۔"
"میں پبلک کال آفس سے بات کررہا ہوں۔ اپنا نمبر نہیں دے سکتا" میں نے اطمینان سے جواب دیا کیونکہ اس زمانے میں موبائل فون وغیرہ پر کال کرنے والے کا نمبر آنے کی سہولت کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔
"پھر میں کچھ بھی نہیں کرسکتا" دوسری طرف سے خشک لہجے میں جواب دیا گیا۔
"تم کون بول رہے ہو۔ مجھے اپنا پتا بتادو" میں نے اس کے لہجے کا اثر لیے بغیر سادگی سے کہا "میں سیدھا تمہارے گھر پہنچ جاتا ہوں۔ افضل تمہارے پاس واپس آئے گا تو میں اس سے مل لوں گا۔"
"میں اس کا دوست ہوں اور اجنبیوں کا اپنے گھر آنا پسند نہیں کرتا۔ اس سے ملنا ہے تو میرے بجائے اس کے گھر جاؤ" اس منہ توڑ جواب کے ساتھ ہی اس نے اپنی طرف سے فون بند کردیا۔
"ویل ڈن!" ویرا تحسین آمیز لہجے میں بولی "تم نے بہت معقول گفتگو کی ہے۔ وہ کوئی تند خو اور کٹ کھنا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہی ماسٹر ہے۔ چاہو تو اب میں اسے فون کرکے تنگ کرسکتی ہوں۔"
میں نے اسپیکر فون بند کردیا اور کہا "اس کی ضرورت نہیں۔ اس کا پیچھا کیا گیا تو وہ خطرہ بھانپ کر بھڑک جائے گا۔"
اسی وقت استاد جیکب کے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سب یوں حیرت سے اس انسٹرومنٹ کو دیکھنے لگے جیسے کسی موبائل فون کی مترنم گھنٹی کی آواز زندگی میں پہلی بار سنی ہو۔ میں خود بھی اس اچانک کال پر حیران تھا۔
"گھنٹی بجنے دو" اول خان کو اپنی گود میں بجنے والے فون کی طرف متوجہ پاکر میں نے جلدی سے کہا "یہ کال سننے کی ضرورت نہیں۔ یہ کال ماسٹر کی ہوسکتی ہے۔ وہ جیکب کے بجائے کسی اور کی آواز سنے گا تو شبہے میں پڑجائے گا۔ ابھی اس کا ہوشیار ہونا مناسب نہیں ہے۔"
"یہ تم نے کیسے کہہ دیا کہ یہ ماسٹر کی کال ہے" ویرا نے اعتراض کیا "جیکب گینڈے کے لیے کوئی اور بھی کام کرسکتا ہے۔"
موبائل فون کی گھنٹی مسلسل بجے جارہی تھی جس سے فون کرنے والے کی بے قراری اور بے چینی ظاہر ہورہی تھی۔ میں نے ویرا سے کہا "مجھے تمہاری بات سے پورا اتفاق ہے۔ جیکب کو کوئی بھی فون کرسکتا ہے مگر غالب امکان ماسٹر کی کال کا ہے۔ فون میرے قبضے میں آئے ایک ڈیڑھ گھنٹا گزر چکا ہے۔ اس دوران میں یہ پہلی کال ہے جو ماسٹر سے میری چھیڑ چھاڑ کے فوراً بعد آئی ہے۔ اس وقت ماسٹر کو جیکب اور ارجن کے مشن کی کامیابی کی آخری خبر کا بے چینی سے انتظار ہوگا۔ انہیں رپورٹ دینے میں غیر معمولی تاخیر ہوچکی ہے۔ یہ فطری بات ہے کہ وہ ان سے اس تاخیر کا سبب جاننا چاہے گا۔"
یکے بعد دیگرے دس گھنٹیاں بجنے کے بعد موبائل خاموش ہوگیا۔ ویرا کہہ رہی تھی "وہ جو کوئی بھی تھا، تھک ہار کر خاموش ہوگیا۔ اب یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ یہ کال کہاں سے آئی تھی؟"
"اس لیے اس بحث کو یہیں ختم کردو" سلطان شاہ نے بات آگے بڑھائی "افضل گلشن میں رہتا ہے۔ اس وقت ہم بھی گلشن میں ہیں۔ کیوں نہ ذرا سی زحمت کرلی جائے۔ افضل

مل گیا تو ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"
سلطان شاہ کی وہ تجویز بروقت اور لاجواب تھی۔ میں نے بھی ماسٹر کے موبائل فون پر کام کا آغاز اسی نظریے سے کیا تھا کہ ماسٹر کا کھوج لگانے کی ابتدا فون نمبر کے مالک سے کی جائے۔ مجھے وہ واضح فیصلہ صادر کرنے میں ذرا تاخیر ہو گئی تھی مگر سلطان شاہ سبقت لے گیا تھا۔

اس کام کے لیے اول خان میرا موزوں ترین مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ ریٹائرڈ فوجی افسر تھا۔ اس کے چہرے پر پائی جانے والی پیشہ ورانہ سختی اور ہیبت سے کوئی بھی شخص آسانی سے متاثر ہو سکتا تھا۔ اقبال پر دباؤ ڈالنے کے لیے یہ تاثر بھی دیا جا سکتا تھا کہ اول خان کسی ایجنسی کا ذمّے دار افسر تھا۔ یہ بات غلط بھی نہ ہوتی کیونکہ ایس ٹی ایف ریکارڈ میں کچھ بھی نہ ہونے کے باوجود ایک خفیہ سرکاری ایجنسی تھی۔

سلطان شاہ معاملے کی اہمیت کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے میرے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ غزالہ ہمیں رات کے کھانے کے لیے روکتی رہ گئی۔ مگر میرے نزدیک وہ کام زیادہ اہم تھا۔ میں اول خان کی گاڑی میں، اس کے ساتھ نکل کھڑا ہوا کیونکہ میری کار کلفٹن سے بازیابی کے باوجود ضابطے کی کچھ کارروائیوں کی وجہ سے گھر نہیں لائی جا سکی تھی۔

گلشن اقبال میں رہائش کے باوجود، پتوں کے بارے میں میری معلومات ناقص تھیں۔ کچھ یہی حال اول خان کا بھی تھا لیکن ایک اسٹیٹ ایجنسی سے معلومات حاصل کرنے کے بعد ہم بیت المکرم مسجد کے عقب میں واقع پرانے فلیٹوں کے اس بلاک کے سامنے پہنچ گئے جہاں اقبال کی رہائش تھی۔ عمارت کی خستہ حالی اور دیکھ بھال سے مکینوں کی بے پروائی کی بنا پر یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہاں متوسط اور نچلے متوسط طبقے کے وہ تنگ دست سفید پوش مقیم تھے جو اپنے بنیادی اخراجات پورے کرنے کے بعد اپنے گھروں کی اندرونی یا بیرونی تزئین و آرائش کے لیے کچھ بھی پس انداز نہیں کر پاتے۔

ہم گرد میں اَٹے ہوئے بوسیدہ زینے طے کرکے پہلی منزل پر پہنچے تو وہاں تنگ کاریڈور میں چار بند دروازے نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے صرف ایک پر نام کی تختی آویزاں تھی اور وہی افضل کا فلیٹ تھا۔

میں نے دروازے کی چوبی چوکھٹ میں لگا ہوا، ڈوربیل کا بٹن دبایا۔ ساخت کے اعتبار سے وہ فلیٹ تنگ اور مختصر نظر آ رہے تھے لیکن بٹن دبانے کے جواب میں مجھے گھر کے کسی حصے سے گھنٹی کی گونج نہیں سنائی دی۔ چند ثانیوں تک انتظار کے بعد میں نے ایک مرتبہ پھر بٹن دبایا۔ اس بار بھی نتیجہ تبدیل نہیں ہو سکا۔ گھنٹی بجی، نہ کسی نے دروازے پر آنے کی زحمت دی۔

"دستک ہی بہتر رہے گی" اول خان نے یہ کہہ کر دروازہ بجا ڈالا۔

وہ تدبیر بار آور ثابت ہوئی۔ اندر سے چٹخنی کھلنے کی آواز آئی۔ چوبی پٹ نے خفیف سی حرکت کی اور اس کے پیچھے سے ایک نرم اور سہمی ہوئی نسوانی آواز آئی "کون ہے؟ گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔"

اس دور میں وہ بہت غیر روایتی بلکہ متروک جواب تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ شہر کے کچھ حصوں میں ایسے گھرانے بھی آباد تھے جہاں بھولی ہوئی روایات کی پاس داری کی جا رہی تھی۔ میں نے انتہائی خلیقانہ انداز میں مدعا بیان کر دیا "ہم افضل سے ملنے آئے ہیں، وہ کہاں ہے؟"

"کیا آپ ان کے کوئی دوست ہیں؟" متجسس مگر جھجکتی ہوئی نسوانی آواز ابھری۔

"دوست نہیں ہیں۔ ایک بہت ضروری کام سے آئے ہیں" میرا دل کسی سختی پر مائل نہیں ہو رہا تھا۔

"پھر آپ باہر انتظار کر لیں، وہ دفتر سے واپس آنے ہی والے ہوں گے۔"

"ہم اسے نہیں پہچانتے" مجھ سے پہلے اول خان بول پڑا "باہر اسے کیسے پہچانیں گے؟"

"وہ ہنڈا ففٹی پر دفتر آتے جاتے ہیں۔ سیدھے اوپر چلے آئے تو میں انہیں آپ کے پاس بھیج دوں گی" اس جواب کے ساتھ دروازہ بند ہو گیا۔ ہم نے خاتون خانہ سے مذاکرات کر لیے تھے مگر اس کی ایک جھلک بھی دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ اگر وہ اسی گھر میں رہتا ہے تو موبائل فون اس کی بساط سے باہر ہے" میں نے زینے سے اترتے ہوئے، تفکر آمیز لہجے میں اول خان سے کہا "تنگ دستی اور قدامت پرستی میں موبائل فون کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔"

"بخشی اور ماسٹر جیسے لوگ پشت پناہی کر رہے ہوں تو سب کچھ ممکن ہے۔ تم نے سنا نہیں کہ وہ ہنڈا ففٹی کا مالک ہے۔"

میں ہنس پڑا "تم اس شہر میں رہتے ہو لیکن تمہارا مشاہدہ بہت کمزور ہے۔ ہنڈا ففٹی کی بہت افادیت ہے مگر وہ اب سواری کے بجائے باربرداری کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئی ہے۔ گوالے اور چھوٹے دکاندار اس پر منوں سامان لادے پھرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے کوئی کھٹیچر سی موٹر سائیکل

لے رکھی ہو۔ اس کے حالات میں مجھے بخشی کا سایہ نظر نہیں آتا۔"

"تھوڑی دیر انتظار کیے لیتے ہیں۔ ہر بات سامنے آجائے گی" وہ آخری زینہ اتر کر گاڑی کی طرف چل دیا۔

ہمیں تقریباً پندرہ منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔ پھر ایک شور مچاتی ہوئی، سال خوردہ سی ہنڈا ففٹی نظر آئی جو ان زینوں کے قریب آکر رک گئی۔ پختہ عمر سوار نے انجن بند کرنے کے بعد اسے زینے کے برابر والی خالی جگہ میں دھکیل کر مقفل کیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے بال سنوارتا ہوا زینوں کی طرف بڑھا۔ اس دوران میں ہم دونوں گاڑی سے اتر کر اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"افضل! ہم کافی دیر سے تمہاری واپسی کا انتظار کر رہے ہیں" میں نے اسے پکارا۔

وہ حیران و پریشان سا ہماری طرف پلٹا اور رسانیت سے بولا "تم کون ہو؟ مجھے کیسے پہچانتے ہو؟"

"اوپر بیٹھنا شاید دشوار ہو۔ یہیں ہماری گاڑی میں آجاؤ۔ ہم ایک معاملے کی تفتیش کے لیے آئے ہیں" میں نے اس کے سوالوں کو نظرانداز کرکے کہا۔ تفتیش کا لفظ نشانے پر لگا اور وہ مزید کچھ کہے سنے بغیر میرے ساتھ ہولیا۔

میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، وہ میرے اشارے پر پینجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اول خان باہر ہی کھڑا رہا۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر اپنا پہلا اور بنیادی سوال کرڈالا "تمہارا موبائل فون کہاں ہے؟"

"میرا موبائل فون...!" اس نے حیرت اور بے یقینی سے دہرایا "میرے پاس کوئی موبائل فون نہیں ہے" اس نے لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوکر تھوک نگلا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میں میونسپلٹی میں کام کرتا ہوں۔ ایک غریب کلرک ہوں۔ گھر کا خرچ مشکل سے چلتا ہے۔ میں موبائل فون جیسا مہنگا شوق کیسے کرسکتا ہوں۔ پھر مجھے اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

"ہم سے اڑنے کی کوشش مت کرو۔ ریکارڈ غلط نہیں ہوسکتا۔ تمہارے نام پر موبائل فون کنکشن ہے اور استعمال ہو رہا ہے۔"

"تم یقین کرو... میں قسم کھاتا ہوں کہ میرے پاس موبائل فون نہیں ہے۔"

"تمہارے مقدر کی سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ وہ تمہارے پاس نہیں، ایک خطرناک قاتل کے پاس ہے اور تمہارے نام سے استعمال ہو رہا ہے۔"

"اوہ خدا!" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا "تم کیا کہہ رہے ہو؟ میرے دفتر میں معلوم کرلو، میرے پڑوسیوں سے پوچھ لو۔ میں غریب ضرور ہوں مگر شریف اور عزت دار آدمی ہوں۔ کسی قاتل سے میرا کیا واسطہ؟ تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔"

خوف سے اس کا چہرہ دھواں ہوگیا تھا، آواز کانپ رہی تھی۔ سچائی اس کے ایک ایک لفظ سے جھلک رہی تھی۔ مجھے اس کے دعوے پر یقین آگیا۔ پھر بھی میں نے اتمام حجت کے لیے بات جاری رکھی "دیکھو، شناختی کارڈ اور فون، گیس یا بجلی کے بل کی نقل کے بغیر موبائل فون نہیں دیا جاتا۔ کوئی تمہارے نام سے غلط فائدہ اٹھا رہا ہے تو اسے ان چیزوں تک رسائی حاصل ہے۔ وہ تمہارا کوئی دوست بھی ہوسکتا ہے۔"

"ذرا مجھے سوچنے دو" اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری "مجھے نہیں معلوم تھا کہ ان چیزوں سے ایسا خطرناک کام بھی لیا جاسکتا ہے۔"

"تو کیا ایسا ہی ہوا ہے؟ کسی نے تمہیں دھوکا دیا ہے؟" میں نے بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔

اس نے ڈیش بورڈ کی آڑ میں، میرے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور رو دینے والی التجائیہ آواز میں بولا "مجھے معاف کردو۔ کسی قاتل سے میرا کوئی تعلق ہے نہ واسطہ۔ پانچ سو روپے کے لالچ نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ مجھ سے ایک غلطی ضرور ہوئی ہے۔"

"معافی تلافی کی نوبت بعد میں آئے گی۔ پہلے پوری بات بتاؤ کہ کیا ہوا ہے۔"

اس نے مایوسی سے دونوں ہاتھ اپنی گود میں رکھ لیے اور بولا "میں نے پانچ سو روپے لے کر اپنے شناختی کارڈ اور بجلی کے بل کی ایک ایک فوٹو کاپی پچھمی کو دی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی طرف سے کوئی گڑبڑ ہوئی ہو۔"

"یہ پچھمی کون ہے؟" میں نے اس کی زبان سے ایک زنانہ نام سن کر حیرت سے پوچھا۔

"میونسپلٹی میں سڑکوں پر جھاڑو لگانے کا کام کرتی ہے" اس نے کسی پس و پیش کے بغیر بتایا۔

"تم صورت سے تو ایسے نہیں لگتے کہ اپنے محکمے کی بھنگنوں سے دوستیاں کرتے پھرو۔"

"وہ بھنگن نہیں ہے۔ بس حاضری لگانے کے لیے دفتر آتی ہے اور ادھر ادھر بیٹھ کر گپ شپ کرنے کے بعد واپس لوٹ جاتی ہے۔ دفتر سے چھٹی کرنے کے بعد وہ دو چار گھروں میں کھانا پکانے، برتن دھونے اور صفائی کرنے کے کام کرتی ہے۔"

"تم اسے جو چاہو کہتے رہو۔ اس سے اصلیت نہیں

بدلتی۔ وہ بھولن ہے اور بھولن ہی رہے گی۔ اسے تمہارے ان دونوں کاغذوں کی نقل کی کیا ضرورت تھی؟" اس بار میں اپنی ناپسندیدگی بلکہ برہمی پر قابو نہ پا سکا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو" اس نے اپنی صفائی پیش کی "اس سے میری دوستی نہیں ہے۔ وقت گزارنے کے لیے وہ کبھی کبھی میرے پاس آ کر بیٹھ جاتی ہے۔ وہ ہمدرد اور خوش اخلاق ہے۔ اپنے مسائل اسے سنا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتا ہوں۔ اس سے زیادہ کوئی بات نہیں ہے۔"

افضل سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن میرے ذہن میں اس کی جو تصویر بن گئی تھی، اسے اس کے اعتراف سے نقصان پہنچا تھا۔ میں نے بے ساختہ طنز سے کہا "تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہ جوان اور خوب صورت بھی ہے۔ دفتر کے مردوں سے دوستیاں کرتی ہے تو آزاد خیال بھی ہوگی۔"

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟" وہ کراہا "وہ خوش شکل ہے مگر جوان نہیں، تجربے کار ہے۔ کبھی کبھی کام کے مشورے بھی دیتی رہتی ہے۔"

بھاڑ میں جائے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ وہ افضل اور بچھی کا ذاتی معاملہ تھا۔ اس بارے میں جذباتی ہو کر میں اپنے موضوع اور مقصد سے بھٹک رہا تھا۔ میں نے رکھائی سے کہا "مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اسے تمہارے وہ دونوں کاغذ خریدنے کی کیا ضرورت تھی ورنہ سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"اسے کوئی خاص ضرورت نہیں تھی" اتنا کچھ جان لینے کے بعد بھی افضل کے دل میں بچھی کے لیے نرم گوشہ موجود تھا "میں اس سے اکثر اپنی تنگ دستی کا رونا روتا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے بتایا کہ وہ جن گھروں میں کام کرتی ہے، ان میں سے ایک میں رہنے والے ایک بڑے افسر کو کسی شریف آدمی کے ان دو کاغذوں کی نقلیں درکار تھیں۔ جن کے لیے وہ کچھ پیسے بھی دے سکتا تھا، میں لالچ میں آ گیا۔"

"تم نے یہ نہیں سوچا کہ ایسے کاغذوں کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے" میں نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"سوچا تھا اور بچھی سے پوچھا بھی تھا۔ وہ جاہل عورت ہے۔ اس نے جو کچھ بتایا، اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ بجلی والوں نے اس افسر کو کئی لاکھ روپے کا بل بھیج دیا تھا جسے درست کرانے کے لیے اسے دو چار دوسرے بلوں وغیرہ کی نقلیں درکار تھیں....."

"احمقانہ بات ہے" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اس جائز کام کے لیے اسے دوسروں سے کاغذ خریدنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ بہت بڑا افسر ہے تو اپنے دو چار ساتھیوں یا ماتحتوں سے مفت میں وہ کاغذ لے سکتا تھا۔ اسے اپنے گھر میں کام کرنے والی بھولن سے مدد لینے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے مردہ سی آواز میں کہا "یہ سوچنے والی باتیں تھیں جو میرے ذہن میں نہیں آئیں" وہ چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوا اور پھر متاسفانہ لہجے میں بولا "لالچ انسان کی عقل اور آنکھوں پر پٹی باندھ دیتا ہے۔ مجھے کچھ نہیں سوجھا۔"

تھوڑی دیر پہلے میں نے اسے بالکل بے گناہ سمجھ لیا تھا۔ اس کی اور بچھی کی کہانی سننے کے بعد وہ اپنے درجے سے گر کر مشتبہ قرار پا چکا تھا۔ وہ بعد کا معاملہ تھا۔ اس وقت دوسری باتیں زیادہ اہم تھیں۔ میں نے پوچھا "یہ کب کا واقعہ ہے؟"

"شاید تین چار مہینے کی بات ہے۔ پانچ سو روپے ہاتھ آئے تو میرے کئی رکے ہوئے کام نکل گئے تھے۔"

"شاید اتنی ہی مدت سے وہ فون غلط ہاتھوں میں استعمال ہو رہا ہے۔ اس افسر کا نام اور پتا کیا ہے؟"

"میں نہیں جانتا" اس نے بے بسی سے جواب دیا "مجھے یہ سب جاننے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔"

"یہ معاملہ بہت سنگین اور اہم ہے۔ خاموشی سے اس افسر تک پہنچنا ضروری ہو گیا ہے۔" میں نے اسے وارننگ دی۔

"تم کہہ رہے تھے کہ فون کسی خطرناک قاتل کے استعمال میں ہے۔ بچھی اس افسر کی نرم دلی کی اکثر تعریف کرتی رہتی تھی۔"

"بعض لوگ بہروپیے ہوتے ہیں۔ زندگی بھر کامیابی سے اپنا اصل چہرہ چھپائے رہتے ہیں۔ اس وقت بچھی کہاں ملے گی؟"

"وہ اپنے گھر پر ہوگی۔ میں اس کا گھر نہیں جانتا۔ اتنا معلوم ہے کہ وہ رنچھوڑ لائن میں کسیروں کے محلے کے آس پاس کہیں رہتی ہے۔"

اسے گاڑی میں بیٹھا رہنے کی ہدایت کر کے میں نیچے اتر گیا۔ میں اول خان سے مشورہ کرنے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ میں نے افضل سے ضرورت سے زیادہ باتیں کر ڈالی تھیں۔ اول خان کو میں نے کارآمد معلومات کا خلاصہ سنا دیا۔

"موبائل فون کمپنی کا ریکارڈ غلط نہیں ہو سکتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ہم نے صحیح سراغ پا لیا ہے۔ اب بے خبری میں اس افسر کے سر پر پہنچنا ضروری ہو گیا ہے۔ یہ فیصلہ تمہاری صوابدید پر منحصر ہے کہ اس کامیابی تک افضل کو آزاد رکھنے کا خطرہ مول لیا جا سکتا ہے یا اسے بند کرنا پڑے گا" اول خان نے میری پوری روداد سن لینے کے بعد نپے تلے انداز میں اپنی رائے دے ڈالی۔

"اگر وہ کوئی اعلیٰ مقامی افسر ہے اور میجر بخشی یا را والوں کا آلہ کار بنا ہوا ہے تو یہ صدمے کی بات ہے۔ میں اس حرام زادے کا خون پی جاؤں گا" میں نے اپنے بدن میں دوران خون کی حدت محسوس کرتے ہوئے کہا "افضل کو اس وقت آزاد چھوڑا جاسکتا ہے۔ صبح دفتری اوقات کے آغاز سے پہلے پچھی سے اس کی ملاقات ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہ ہمارے لیے خرابی پیدا نہیں کرے گا۔"

"تم نے اس سے مذاکرات کیے ہیں۔ تمہاری رائے پر میں حرف گیری نہیں کرسکتا۔ اس نئی کہانی نے مجھے چکرا کے رکھ دیا ہے۔ را والے ایک طرف نہایت اعلیٰ پیمانے پر بین الاقوامی سازشیں کرتے ہیں اور اب ایک مقامی بھنگن کی سطح پر کام لیتے ہوئے نظر آئے ہیں۔"

یہ بات دہرانے والی نہیں تھی مگر حقیقت تھی کہ اپنے کام میں وہی سیکرٹ ایجنٹ سرخ رو ہوتے ہیں جو دشمن کی سرزمین پر پہنچنے کے بعد اپنے مرتبے کو بھول کر ہر وقت حالات سے سمجھوتا کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اپنی انا اور مرتبے کو بھول کر ہر وقت اپنے تحفظ اور مشن کی کامیابی کو مقدم رکھتے ہیں۔ میں نے کہا "ہم اسے چھوڑ کر واپس چلتے ہیں۔ یہ ان کا شریکِ جرم نہیں ہے۔ نادانستگی میں آلہ کار بنا ہے۔"

"اس سے پھر پوچھ لو کہ اس نے کسی فارم یا تحریر پر دستخط تو نہیں کیے تھے" اول خان نے یاد دہانی کرائی "فون کنکشن کی ہر درخواست پر مجوزہ صارف کے دستخط موجود ہونے ضروری ہوتے ہیں۔"

پچھی کو ان کاغذوں کے صحیح مصرف کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا۔ اس نے افضل کو بجلی کی زائد بلنگ کی کہانی سنائی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ وہ ابہام برقرار رکھنے کے لیے افضل سے کسی بھی تحریر یا فارم پر دستخط نہیں لیے گئے ہوں گے۔ اس کے شناختی کارڈ کی نقل ہاتھ لگ جانے کے بعد کوئی بھی جعل ساز آسانی سے ہر قسم کے دستخطوں کی نقل کرسکتا تھا۔

میں دوبارہ گاڑی میں پہنچ گیا۔ افضل بہت بے چینی سے میری واپسی کا منتظر تھا۔ میں نے اسے ہر قسم کی بے احتیاطی کے مضمرات سے آگاہ کرکے اس قدر خوف زدہ کردیا کہ وہ اپنی بھول پر گھٹ گھٹ کر رونے لگا۔ میں نے اسے گھر جانے کی اجازت دے دی مگر یہ واضح کردیا کہ اگلی صبح اس کو گھر پر رہ کر ہمارا انتظار کرنا تھا اور ہمارے ساتھ دفتر پہنچ کر پچھی کو ہمارے حوالے کرنا تھا۔

ممنونیت سے لبریز لہجے میں یقین دہانیاں کراتا ہوا، وہ گاڑی سے اتر گیا۔ اس کے اتر جانے کے بعد اول خان نے خالی جگہ سنبھالی اور ہم دونوں اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ میرا ذہن مسلسل ماسٹر کی پراسرار شخصیت میں الجھا ہوا تھا۔ اگر وہ افضل کی سنائی ہوئی کہانی کے مطابق کوئی ذمے دار پاکستانی تھا تو پھر اس کا انجام کرشن کمار، ہری چند اور شیام سے زیادہ عبرت ناک ہونا چاہیے تھا۔

"ابھی ہم اس افسر کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے" اول خان نے دوران سفر میرا ذہن پڑھتے ہوئے سکوت توڑا "ہمارے اب تک کے تجربات شاہد ہیں کہ ہندو ہی نہیں، بعض پاکستانی بھی اپنے ملک کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔ اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری ایسے پاکستانیوں کی واضح ترین مثال تھے۔ مراد لطیف ان سے بھی دو ہاتھ آگے تھا۔"

"جب ویرا ہندوؤں اور ایک عیسائی کے مارے جانے کی بات کررہی تھی تو ہم میں سے کسی کو یہ نام یاد نہیں آئے تھے" میں نے کہا۔

"وہ اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے ہر وقت کچھ نہ کچھ بولتے رہنے کی عادی ہوگئی ہے۔ کوئی اس کی بات کو اہمیت دے کر ذہن پر زور نہیں ڈالتا" میری شکایت سن کر اول خان ہنستے ہوئے بولا "عام ہندوؤں کو دوسرے پاکستانیوں کی طرح اپنی دال روٹی اور روز مرہ مسائل کی فکر گھیرے رہتی ہے۔ غداری کرنا تو بڑی بات ہے، ان کو شاید اس کا مفہوم بھی معلوم نہیں ہوتا ہوگا۔ ان کے برعکس ہم ماضی میں ایسے ہندو افسروں سے نمٹ چکے ہیں جو پاکستان کی سرکاری ملازمت میں رہ کر دشمنوں کے مفادات کے لیے کام کررہے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ پچھی والا افسر بھی ایسا ہی کوئی آدمی ہو۔"

"وہ بہت چالاک اور مکار معلوم ہوتا ہے" میں نے سرد لہجے میں کہا "اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کو پروان چڑھانے کے لیے ایک نامعلوم اجنبی کے نام پر موبائل کنکشن لینے کا خیال کسی عام آدمی کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ اس نے اپنے برے وقت کی پیشگی منصوبہ بندی کی ہوئی تھی۔"

وہاں سے ہمارے گھر تک کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ہم اسی موضوع میں الجھتے ہوئے گھر واپس پہنچ گئے۔

"پتا نہیں یہ لوگ اپنی عورتوں کو کیوں سامنے لاتے ہیں" ہماری رپورٹ سن کر سلطان شاہ بڑبڑایا "پہلے ماروتی تھی، اب پچھی آگئی۔"

"ماروتی خطرناک تھی۔ مجھے پچھی سے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔" ویرا ہنستے ہوئے بولی "ذہنی اتنا بدذوق نہیں ہے کہ کسی بھنگن کو زیادہ اہمیت دے۔"

"آخر تمہاری ہر بات کی تان ان پر ہی آکر کیوں ٹوٹتی ہے؟" ویرا کا وہ مذاق غزالہ سے برداشت نہ ہوسکا۔

"ایسے کام بہت ہولناک اور پُرخطر ہوتے ہیں" غزالہ کے لہجے کی تلخی کو بھانپ کر اول خان نے بولنا شروع کردیا

"ان میں جنس' مذہب اور عمر کا کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا۔ جو ہاتھ آئے' اسے بھٹی کا ایندھن بنا دیا جاتا ہے۔ سیکرٹ ایجنٹ کے لیے اپنے مشن کے سامنے عزت' عصمت' زندگی اور ہر چیز ہیچ ہوتی ہے۔ وہ سب کچھ داؤ پر لگا کر کامیابی کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ گردنیں اتارنے کے اس خون آشام کھیل وہ کہیں بھی جھجکے تو یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اس کی گردن اتار لی جائے گی۔"

"کان کھول کر سن لو" سلطان شاہ نے ویرا کو متوجہ کیا "یہ سرسری باتیں نہیں ہیں۔ تمہارے لیے پہلا سبق ہے۔ بھارت میں تفریح نہیں ہوگی۔ وہاں جا کر تمہیں ایک سچے پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ کی طرح شب و روز محنت کرنا پڑے گی۔"

"میں یہاں بھی کام کرتی ہوں۔ تمہاری طرح حرام خوری نہیں کرتی" ویرا نے چڑنے کے بجائے خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

"میں تمہیں پہلے بھی سمجھا چکا ہوں کہ بار بار یہ لفظ استعمال نہ کیا کرو" سلطان شاہ نے ناصحانہ لہجے میں کہا "حرام خور کا الٹ وہی ہوتا ہے جو تم چھپی کے لیے استعمال کر چکی ہو۔ تم خود کو بھنگن کہلوانے پر کیوں مصر رہتی ہو۔"

ویرا کے ساتھ اختیار کیے جانے والے جارحانہ رویے نے غزالہ کا اشتعال ختم کر دیا اور وہ رات کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لیے اٹھ گئی۔

اول خان کے معمولات شہری اثرات کی وجہ سے خاصے بگڑ چکے تھے لیکن دباؤ سے آزاد ہونے کی صورت میں وہ ان ہی معمولات کی طرف لوٹ جاتا تھا جو فوجی کیمپ اور میس یا لنگر خانے میں نظر آتے ہیں۔ ہمارے برعکس وہ اپنے گھر سے کھانا کھا کر آیا تھا اور میز پر ہمارا ساتھ دینے کے بجائے واپسی کا خواہاں تھا۔

ویرا اسے روک کر لپکتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی اور جب وہ واپس آئی تو مجھے پتا چلا کہ اس نے ہمارے ساتھ بھارت روانگی کا فیصلہ کرنے کے بعد وقت ضائع نہیں کیا تھا۔ میری غیر حاضری میں اس نے غزالہ کے ساتھ بازار جا کر' پاسپورٹ کے لیے دونوں کی رنگین تصاویر بنوالی تھیں۔ اس نے تصاویر کا لفافہ اول خان کی طرف بڑھا دیا اور بولی "ہونے والا کام پہلی فرصت میں کر لیا جائے تو بہتر ہوتا ہے۔"

"اگر تمہارا اشارہ میری طرف ہے تو میری تصاویر تیار ہیں۔ میں ابھی کمرے سے لے آتا ہوں" میں نے بلا توقف جواب دیا۔

"زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری تصویریں بھی اس لفافے میں موجود ہیں' غزالہ نے تلاش کر لی تھیں۔"

اول خان نے لفافہ کھول کر تصویروں کا سرسری جائزہ لیا۔ ان کی تعداد گنی اور لفافہ بند کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

کھانے کی میز پر ویرا نے ایک مرتبہ پھر میجر بخشی کا ذکر نکال لیا۔ اس وقت تک اول خان ہمارے گھر سے رخصت ہو چکا تھا۔

"وہ ذہنی طور پر ناکارہ اور بے ضرر ہو چکا ہے۔ اس کے بارے میں سر کھپانا بے سود ہے" غزالہ نے بخشی کا نام سن کر کہا۔

"وہ ناکارہ ضرور ہو گیا لیکن اس سے پہلے اپنی دھمکیوں کو عملی جامہ پہنانے کا بندوبست کر گیا۔ کیا تمہیں اس بات پر حیرت نہیں ہے کہ اس نے بہت کم مہلت ہونے کے باوجود اپنا کام پورا کر لیا۔"

"اس بارے میں اسی وقت کچھ کہا جا سکے گا' جب ماسٹر کا چہرہ بے نقاب ہوگا" سلطان شاہ نے لقمہ نگل کر جواب دیا "جب آستین میں سانپ پل رہے ہوں تو کسی بھی وقت کچھ ہو سکتا ہے۔ نقصان پہنچانے کے لیے باہر کے دشمن کو کوئی کارکردگی دکھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

"اس کی دھمکی کا ایک حصہ پورا ہو چکا ہے۔ روی مار ڈالا گیا۔ دوسرا حصہ باقی ہے جس کا تعلق ہمارے گھر سے تھا" ویرا کا لہجہ معنی خیز ہو گیا "جب تک ماسٹر پردے میں رہتا ہے' یہ خطرہ برقرار رہے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو" اس بار مجھے بولنا پڑا "ہم اس امکان سے غافل نہیں ہو سکتے۔ آثار یہ بتا رہے ہیں کہ میجر بخشی اور ماسٹر میں گہرا قریبی رابطہ تھا مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جیکب اور ارجن ماسٹر کے دست و بازو تھے۔ بڑے مجرم کبھی کھل کر سامنے نہیں آتے۔ ہمیشہ اپنے مہروں کو لڑاتے ہیں۔ وہ پٹ جائیں تو عیاری سے پسپائی اختیار کر لیتے ہیں۔ ارجن نے روی کو مارا۔ اب وہ خود جہنم واصل ہو چکا ہے۔ غالب امکان یہی ہے کہ ہمارا رخ نہیں کیا جائے گا۔"

ویرا نے وہ ذکر چھیڑ دیا تھا۔ میں خاموشی سے اس خطرے کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ اول خان کا آدمی سبز کار چھوڑ کر اپنی ڈیوٹی پر واپس آ چکا تھا۔ ان دونوں مستعد پہرے داروں کی موجودگی میں' میں بے خوف تھا مگر تشویش اپنی جگہ برقرار تھی۔

"میں حیران ہوں کہ آج تم نے کھانے سے پہلے خباثتوں کی اماں جان سے ملاقات نہیں کی؟" سلطان شاہ نے کھانے سے فارغ ہو کر ویرا کو چھیڑا۔

"کس کی اماں جان؟" ویرا نے اپنی بے دھیانی سے چونک کر بے ساختہ پوچھا۔

"امّ الخبائث یعنی تمہاری اسکاچ!" میں نے ہنس کر

اسے آگاہ کیا "میں خود بھی تمہارے معمولات میں کوئی تبدیلی محسوس کررہا تھا۔"

"ام الخبائث میرے لیے نیا لفظ نہیں ہے" ویرا نے کہا "بھارت جانے سے پہلے میں نے شراب نوشی میں کمی کا فیصلہ کیا ہے۔"

"تمہاری قوت ارادی ڈینی کے مقابلے میں کمزور ہے۔ چاہو بھی تو شراب ترک نہیں کرسکتیں" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔

"تاؤ دلا کر تم مجھے کسی کام پر مجبور نہیں کرسکتے۔ اپنی مرضی سے میں جب چاہوں، شراب چھوڑ دوں گی۔"

"ہر شرابی یہی دعویٰ کرتا ہے۔ جب چاہتا ہے، چھوڑ دیتا ہے اور چند روز بعد دوبارہ شروع کردیتا ہے" سلطان شاہ نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

"وقت آئے گا تو تم دیکھ لوگے کہ میں دوسروں سے بہت مختلف ہوں" ویرا مسکراتے ہوئے بولی "اسی لیے کہتی ہوں کہ ہر وقت مجھ سے نہ اڑا کرو۔ کسی دن تمہاری طرف سے دل پھر گیا تو ساری عمر میری صورت دیکھنے کے لیے ترس جاؤ گے۔"

"ہم لوگوں نے تمہاری ناز برداریاں کرکے تمہیں اتنا بگاڑ دیا ہے کہ اب تم کسی کے ساتھ گزارہ نہیں کرسکتیں۔ یہ دھمکیاں کسی اور کو دینا۔"

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ وقت کافی ہوگیا تھا۔ صبح آٹھ بجے مجھے اور اول خان کو افضل کو اس کے گھر سے لینا تھا تاکہ ہم تینوں نو بجے تک میونسپلٹی پہنچ کر بچھی کو پکڑ سکیں۔ میرے ایما پر وہ محفل برخاست ہوئی اور سب اپنے کمروں کی طرف چل دیے۔

"سلطان شاہ مذاق ہی مذاق میں بہت پتے کی بات کہہ گیا ہے" اپنی خواب گاہ کے تخلیے میں محصور ہونے کے بعد غزالہ نے شانے پر ہاتھ رکھ کر مجھے مخاطب کیا "آپ نے ویرا کی جا و بے جا ناز برداریاں کرکے اسے اتنا بگاڑ دیا ہے کہ کبھی کبھی وہ ناقابل برداشت ہوجاتی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ میرے اور بچھی کے بارے میں اس کا مذاق تمہیں بہت ناگوار گزرا تھا۔ اس کو بے لگام کرنے میں تم برابر کی حصے دار ہو۔ تم نے شروع سے اس کے ساتھ ایسا مفاہمانہ رویّہ رکھا ہے کہ ڈھیل ملتے ملتے وہ قابو سے باہر ہوگئی ہے۔ پتا نہیں تم اس سے اتنا کیوں دبتی ہو۔ سلطان شاہ کو دیکھو کہ وہ برابری کے ساتھ اس سے مقابلہ کرتا ہے۔ بلکہ اکثر اس کے سر پر سوار ہوجاتا ہے۔"

"میں سلطان شاہ کی وجہ سے نرمی سے کام لیتی ہوں۔ شروع میں میرے دل میں ویرا کی بہت عزت تھی۔ وہ ہماری ہم وطن ہے نہ ہم مذہب، لیکن ہم سے زیادہ نہ سہی تو ہم جتنی پاکستانی ضرور بن چکی ہے اور سب کچھ چھوڑ کر یہاں پڑی ہوئی ہے۔ میں سلطان شاہ کو اس کے لیے کافی سمجھتی تھی۔ اسے کسی ایسی ساتھی کی ضرورت تھی جو اس کی ہمدرد ہو اور وہ اس سے اپنے دل کی بات کہہ سکے۔ میں بھی جارحانہ تیور اپنا لیتی تو ابتدا ہی میں ہمیں چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جاتی۔"

"بس، تو پھر مجھ سے اس کی شکایت نہ کرو" یہ کہہ کر میں بستر پر دراز ہوگیا۔

"یہ سب زندگی بھر برداشت نہیں کیا جاسکتا" غزالہ بھی مسہری پر آگئی "میرے حساب سے اسے اب تک سلطان شاہ سے شادی کرکے اعتدال پر آجانا چاہیے تھا۔ جب تک وہ اپنا گھر نہیں بسائے گی، اس کے مزاج میں ٹھہراؤ اور بردباری نہیں آسکے گی۔"

"ساری امیدوں اور کوششوں کے باوجود یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوتا ہوا نظر نہیں آتا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"وہ بہت ہی عجیب اور الجھی ہوئی عورت ہے۔ دنیا جہاں کے سارے تجربوں سے گزرنے کے باوجود خود کو الہڑ لڑکی سمجھتی ہے۔ اپنے کردار کی حد تک اس کے قول اور فعل میں بہت گہرا تضاد ہے۔ جو کہتی ہے اس پر عمل نہیں کرتی اور جو کچھ من میں ہوتا ہے اسے زبان تک نہیں آنے دیتی۔"

"تم نے یہ رائے کس بنا پر قائم کرلی؟" میں نے اس کے نرم بالوں سے کھیلتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کو مجھ سے زیادہ باخبر ہونا چاہیے" غزالہ نے ایک ادا سے منہ بنا کر کہا "میں کئی بار آپ سے کہہ چکی ہوں کہ وہ آپ کو عجیب نظروں سے دیکھتی ہے۔ ہر وقت آپ سے قریب رہنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی یہ حرکتیں مجھے سخت ناپسند ہیں۔ اب وہ بھارت کے سفر میں بھی آپ کے سر پر سوار رہے گی۔"

"تم سب کچھ اپنے کانوں سے سن چکی ہو۔ اس کے جانے کی بنیادی شرط یہی ہے کہ وہ ہم پر بوجھ نہیں بنے گی۔ اگر تم اس سے اسی قدر بدظن ہو تو دعا کرو کہ وہ اس سفر میں را کے کسی ایجنٹ کا نشانہ بن جائے۔ اس سے ہمیشہ کے لیے تمہاری جان چھوٹ...."

غزالہ نے بے اختیار میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر مجھے خاموش ہونے پر مجبور کردیا اور تڑپ کر بولی "ایسی بدفال منہ سے نہ نکالیں۔ میں اس کی بدخواہ نہیں ہوں۔ صرف اتنا چاہتی ہوں کہ وہ اپنی حد میں رہا کرے۔ ہر وقت حد سے تجاوز کرنا اچھا نہیں لگتا۔"

"کسی بھلے وقت میں تم ہی یہ بات اسے سمجھا دینا۔ میری

ناصحانہ باتوں پر وہ سنجیدگی سے کان نہیں دھرتی۔"

"اب بھارت کے سفر کی مثال لے لیں۔ کیا ایسا ممکن ہوگا کہ ہم نئی دہلی میں کام کررہے ہوں اور وہ مدراس یا کلکتے چلی جائے؟ مجھے معلوم ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ ہم جہاں بھی جائیں گے' وہ ہمارے اردگرد منڈلاتی رہے گی اور ہماری سرگرمیوں پر نگاہ رکھے گی۔ جب بھی اس نے یہ محسوس کیا کہ ہمارے سروں پر کوئی منڈلا رہا ہے' وہ اچانک درمیان میں آکودے گی۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات کھل کر بیان کردی۔ میں ابھی اس کے کان کھول دوں گا۔ اس نے ایسے مربیانہ انداز میں خود کو مسلط کرنے کی کوشش کی تو ہم سے پہلے خود ہی کوئی بڑا نقصان اٹھائے گی۔"

"اب بھی اگر وہ اپنا فیصلہ واپس لے لے تو ہم تینوں کے لیے بہتر ہوگا۔ وہ یہ بات...."

"بس' اب اس کا ذکر ختم کرو" میں نے اس کی بات کاٹ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے "یہ ہمارا بستر ہے۔ یہاں ہمیں آپس کی باتیں کرنی چاہئیں۔ اس کے بارے میں ہم سارا دن باتیں کرتے رہتے ہیں۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ تیر گئی جس پر اپنائیت اور سپردگی کے سوا کچھ نہ تھا۔

میرے ذہن کے کسی گوشے میں ماسٹر کی انتقامی کارروائی کا موہوم سا خطرہ موجود تھا لیکن آپس کی میٹھی اور جذبات آفریں باتوں کے دوران میں گہری نیند سو گیا۔ اس وقت تک غزالہ پر نیند کا خمار گہرا نہیں ہوا تھا۔

اگلی صبح میں وقت سے پہلے بیدار ہوگیا۔ رات کے خوشگوار لمحات نے میرے ذہن سے تکان کے سارے اثرات زائل کردیے تھے۔

مقررہ وقت پر اول خان آپہنچا۔ میں تیار تھا۔ فوراً ہی اس کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔

"اگر ضرورت پیش آگئی تو تم کسی تصادم کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہونا!" اول خان نے تائید طلب انداز میں پوچھا۔

"سپاہی ہروقت لڑنے مرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ یہ قول تم نے مجھے سنایا تھا" میں نے کہا۔

"گڈ!" اول خان خوش ہوکے بولا "میں نے ضروری ہتھیار اپنے ساتھ لے لیے ہیں۔ آدمی کے بغیر ہتھیار بے کار ثابت ہوتے ہیں۔"

حسن اسکوائر کا چوراہا گھوم کر یونیورسٹی روڈ کی راہ اختیار کرنے کے بجائے اول خان گلیوں میں ہوتا ہوا' تھوڑی دیر میں افضل کے فلیٹ والے بلاک کے قریب جانکلا۔ رات کے اندھیرے کے مقابلے میں دن کا بھرپور اجالا زیادہ بے رحم تھا۔ سورج کی بھرپور روشنی نے افضل والے بلاک کے سارے ڈھکے چھپے عیوب نمایاں کردیے تھے۔ عمارت خاصی پرانی اور خستہ حال تھی۔ اس کے مکین بھی قرب و جوار کے دوسرے مکانات اور فلیٹوں میں رہنے والوں جتنے خوش حال نہیں تھے اور یوں وہ عمارت ان کے دم قدم سے آباد تھی۔

افضل اپنے دفتر جانے کی پوری تیاری کے ساتھ باہر کھڑا ہوا تھا۔ گاڑی رکتے ہی میں نے اسے اشارہ کیا اور وہ پچھلے حصے میں سوار ہوگیا۔

اول خان نے اگلے موڑ سے گاڑی مین روڈ کی طرف گھمائی اور ہم تینوں میونسپل کارپوریشن کی طرف روانہ ہوگئے۔

"تم نے اچھی طرح سوچ لیا ہے کہ تم نے ان دو فوٹو کاپیوں کے سوا پھپھی کو کچھ نہیں دیا تھا" راستے میں' میں نے اس کی مکرر تائید چاہی۔

"نہیں' کچھ نہیں دیا' نہ کسی کاغذ پر دستخط کیے۔ اگر پھر بھی اس نے میرے نام پر فون کا کنکشن لیا ہوا ہے تو اس نے جعل سازی کی ہوگی۔ میری بیوی اس واقعے سے بہت پریشان ہے۔ پھپھی کو پانچ سو کی جگہ ہزار روپے لوٹانے کو تیار ہے۔" افضل نے بتایا۔

"پھپھی بیچ کی عورت تھی۔ سارا کیا دھرا تیسرے آدمی کا ہے۔ ہماری اصل لڑائی اسی سے ہے۔ بھول کر بھی پھپھی سے فون والی بات نہ کرنا۔ اس سے یہی کہنا کہ تم نے بھول سے اسے غلط کاغذ دے دیے ہیں۔" اول خان بولا۔

"تم بہت نرم دل اور ہمدرد انسان ہو۔" وہ تشکر سے لبریز لہجے میں بولا "چاہتے تو رات بھر حوالات میں بند رکھ سکتے تھے مگر تم نے مجھے گھر پر رہنے کی اجازت دے دی۔ میری طرح پھپھی بھی بہت غریب اور سادہ عورت ہے جو کچھ ہوا' اس میں پھپھی کی بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ میری طرح اسے بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔ یہ مجھ پر تمہارا بڑا احسان ہوگا۔ میں بالکل وہی کروں گا جو تم چاہتے ہو بلکہ اسے کچھ نہیں بتاؤں گا۔ تم جو چاہو' اس سے کہہ دینا۔"

میں نے سوچا کہ پھپھی کے تعاون کے لیے افضل کا مطمئن ہونا ضروری تھا۔ میں نے جواب دینے کی ذمے داری سنبھالتے ہوئے کہا "اگر اس کی نیت صاف تھی تو اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ اس کا فیصلہ تم ہماری صوابدید پر چھوڑ دو۔ اس کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔"

افضل میونسپل کارپوریشن میں نچلے درجے کا ملازم تھا لیکن شاید خاصا پرانا ہوچکا تھا۔ اس کی وجہ سے ہمیں پارکنگ ایریا میں گاڑی کھڑی کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

اس نے ہمیں گاڑی میں چھوڑا اور تھوڑی دیر میں پچھی کو اپنے ساتھ لانے کا وعدہ کر کے تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔ اسے اپنی ساکھ اور عزت بہت عزیز تھی۔ ہم دونوں کو اپنے ساتھ دفتر میں لے جا کر چہ میگوئیوں کا موضوع نہیں بننا چاہتا تھا۔

اس کی واپسی بہت دیر میں ہوئی۔ اس کے ساتھ مناسب قدوقامت اور فربہی مائل جسم والی ایک پختہ عمر کی خاتون بھی تھی۔ رنگین سوتی ساڑی میں اس کا گہرا گندمی رنگ چمک رہا تھا۔ ناک نقشے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنی چڑھتی ہوئی عمر میں خاصی پرکشش رہی ہوگی۔

افضل اسے لے کر گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گیا "یہ پچھی ہے۔" کانسی کی چوڑیوں کی کھنک میں افضل کی آواز ابھری "یہ تمہیں اپنے مالک کا گھر دکھا دے گی۔"

"کیا تم ہمارے ساتھ نہیں چل رہے؟" اول خان نے چونک کر پوچھا۔

"میں جا کر کیا کروں گا؟" افضل کی آواز خوشامدانہ ہوگئی "مجھے دفتر سے چھٹی نہیں ملے گی۔ پچھی کو وہیں چھوڑ کر تم واپس چلے جانا۔ ضرورت ہو تو مجھے گھر یا دفتر میں پکڑ سکتے ہو۔ اس وقت میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکوں گا۔ اس وقت سارے انسپکٹر دفتر آ کر اپنے اپنے عملے کی حاضریاں جمع کراتے ہیں۔ میرے غائب ہونے سے دفتر میں خاصی گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"تمہیں ہمارے ساتھ جانے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔" اول خان نے مڑ کر پوچھا۔

"مجھے تو وہیں جانا ہے۔ تم چھوڑ دو گے تو بس کا کرایہ بچ جائے گا۔ دور سے صاحب کا گھر دکھا دوں گی۔"

پچھی کی رضامندی پا کر اول خان نے افضل کو واپسی کی اجازت دے دی اور انجن اسٹارٹ کر لیا۔

"بابو! کیا گڑبڑ ہوگئی؟ افضل بے چارہ پریشان تھا اور افسوس کر رہا تھا کہ اس نے اپنے دونوں کاغذ کیوں بیچے تھے...." گاڑی میونسپلٹی کے احاطے سے باہر نکل آنے کے بعد پچھی اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکی۔

"افضل نے تمہیں کیا بتایا ہے؟" میں نے مڑ کر ٹٹولنے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بار بار گڑبڑ کا ذکر کر رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ دو سرکاری افسر میرے صاحب کا گھر دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ افضل کے دونوں کاغذوں کے بیچے جانے کی تصدیق کر سکیں۔" اس نے بگڑی ہوئی اردو میں بتایا "میں گواہ ہوں کہ افضل نے پانچ سو روپے میں وہ کاغذ میرے ذریعے بیچے تھے۔"

"تمہارے صاحب کا کیا نام ہے؟" میں نے اس کے سوال کا جواب گول کرتے ہوئے پوچھا۔ مجھے اطمینان ہو گیا تھا کہ افضل نے ہماری ہدایت پر عمل کیا تھا۔

"جوگیندر نام ہے ان کا۔" اس نے جھجکتے ہوئے اپنے مالک کا نام بتایا "بہت اچھے اور سیدھے آدمی ہیں۔"

پچھی کی زبان پر آنے والے نام نے مجھے چونکا دیا۔ ہم مذہب کی بنیاد پر تفریق کے مسئلے سے جتنا بچ رہے تھے، وہ مسئلہ اسی شدت سے ابھر کر ہمارے سامنے آ رہا تھا۔ جوگیندر اور میجر بخشی کے درمیان ہونے والا... گٹھ جوڑ یکایک قابل فہم اور فطری نظر آنے لگا تھا۔

"تمہارے جوگیندر صاحب کس دفتر میں کام کرتے ہیں؟" میں نے پچھی کی خادمانہ انا کو مجروح کیے بغیر پوچھا۔

"بس اتنا پتا ہے کہ ان کے دفتر سے بھارت جانے کا ویزا ملتا ہے۔" پچھی کا معصومانہ انکشاف دھماکا خیز تھا "صاحب جسے چاہیں بھارت یاترا کا ویزا دلوا سکتے ہیں۔ مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم۔"

لمحہ بھر کے لیے میری اور اول خان کی نگاہیں چار ہوئیں۔ ہم دونوں اس نئے موڑ پر ہکا بکا رہ گئے تھے۔ میونسپلٹی میں کام کرنے والی ایک معمولی بھنگن نے اچانک ماسٹر کے پراسرار چہرے سے ہر نقاب اتار پھینکی تھی اور اس اہم ترین پیش رفت کا بیشتر کریڈٹ افضل کو جاتا تھا جس نے کسی مزاحمت کے بغیر پچھی تک ہماری رسائی کو ممکن بلکہ آسان بنایا تھا۔

"کیا افضل کو تمہارے مالک کے بارے میں یہ باتیں معلوم نہیں تھیں؟" میں نے اپنے ہیجان پر قابو پاتے ہوئے سکون سے پوچھا۔

"کبھی میں نے باتوں باتوں میں بتایا ہو تو اسے بے چارے کو کہاں یاد رہا ہوگا۔" وہ ہر وقت اپنے دفتر اور گھر کے مسئلوں سے پریشان رہتا ہے۔ چار اوپر تلے بیٹیاں ہیں اور سب پڑھ رہی ہیں۔ غریب آدمی بچوں کو پڑھانا چاہے تو اسے فاقوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ پیٹ بھرلے تو بچوں کو نہیں پڑھا سکتا۔ ایسے پریشان حال آدمی کو میرے صاحب کے نام اور کام سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"تم اپنے صاحب سے بات کر کے کوئی اچھی نوکری دلا سکتی ہو۔" میں نے بات آگے بڑھائی۔

"اس نے کبھی یہ نہیں سوچا۔ پنشن اور فنڈ ملنے کی امید میں دن رات گدھے کی طرح کام میں جتا رہتا ہے۔" افضل کا ذکر کرتے کرتے پچھی کو اپنے مصائب یاد آ گئے۔ اور اس نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی بات جاری رکھی "ہمیں بھی کیا ملتا ہے؟ کچھ نہیں۔ بس پکی سرکاری نوکری ہے۔ ہمیں بھی فنڈ

کے ساتھ پنشن ملے گی ورنہ آدھی تنخواہ سپروائزر کھا جاتا ہے۔ بس یہ فائدہ ہے کہ حاضری لگوانے کے بعد ہم باہر ڈیوٹی کرنے کے بہانے غائب ہو جاتے ہیں۔ خود باتھ آئی لینڈ کے دو گھروں میں کام کرتی ہوں تو گزر بسر ہوتی ہے۔ افضل اور اس جیسے منشی دن بھر ایک کھونٹے سے بندھے رہتے ہیں۔''

پھپھی جس رفتار سے بول رہی تھی، میں اس سے کہیں زیادہ رفتار سے سوچ رہا تھا۔ وہ خاموش ہوئی تو میں نے کہا ''افضل سے بہت بڑی بھول ہو گئی ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر وہ دونوں کاغذ واپس چاہئیں....''

''کوئی بات نہیں۔'' پھپھی نے میری بات کاٹ کر اطمینان سے کہا ''میں صاحب سے بات کروں گی۔ کاغذ ان کے پاس ہیں تو وہ واپس دے دیں گے۔ شاید پیسے بھی واپس نہ لیں۔ افضل کی پریشانی دور ہو جائے گی۔ مجھے اس بے چارے پر ہمیشہ ترس آتا ہے۔''

وہ ہمدردی کے جذبے سے اس قدر سرشار تھی کہ اپنے مطلب کی بات پر آنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ میں نے اس کی تجویز بے دلی سے سنی پھر کہا ''تمہیں ان کاغذوں کی اہمیت معلوم نہیں ہے اس لیے یہ بات کہہ رہی ہو۔ جوگیندر وہ کاغذ نہیں لوٹائے گا۔ تم نے اس بارے میں بات کی تو وہ ان کاغذوں کو کسی ایسی جگہ چھپا دے گا جہاں ان تک پہنچنا مشکل ہو جائے گا۔''

''میری قلابازی نے اول خان کو حیران کر دیا تھا۔ اس نے انگریزی میں پوچھا ''یہ تم نے کیا چکر شروع کر دیا؟''

''خاموشی سے سنتے رہو۔ میں ہزایکسی لینسی کے بارے میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔''

''پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔ تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔'' پھپھی الجھن کا شکار ہو گئی تھی۔

''صاحب کے گھر میں تم کیا کام کرتی ہو۔ وہاں اور کون کون رہتا ہے؟'' میں نے نرمی سے پوچھا۔

''سارے ہی کام کرتی ہوں۔ صاحب ایک کتے کے ساتھ اکیلے رہتے ہیں۔ وہ مجھ سے ہلا ہوا ہے۔ کام کرنے جاتی ہوں تو دم ہلاتے ہوئے ساتھ ساتھ پورے گھر میں پھرتا رہتا ہے۔ وہ بیمار ہو تو بند کیا جاتا ہے ورنہ کھلا رہتا ہے۔''

مجھے اپنی دلی مراد بر آنے کا سنہرا موقع سامنے نظر آرہا تھا۔ میں نے سوال کیا ''پھر تم گھر میں کیسے آتی جاتی ہو؟''

''میرے پاس گھر کی چابی ہے۔'' اس نے فخر سے بتایا ''دوسرے گھر سے فارغ ہو کر میں آخر میں وہاں جاتی ہوں۔ ہانڈی چڑھا کر دوسرا کام کاج کرتی ہوں۔ ڈھائی تین بجے صاحب واپس آتے ہیں تو میں ہانڈی چولھے سے فارغ ہو چکی ہوتی ہوں۔ انہیں کھانا دے کر برتن صاف کرتی ہوں اور سورج ڈھلنے سے پہلے گھر لوٹ آتی ہوں۔ پچھلے ایک برس سے میں ان کے گھر میں کام کر رہی ہوں۔''

''تم چاہو تو افضل کی مدد کر سکتی ہو۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ تم نے کیا کیا ہے۔ غریب افضل مصیبتوں سے بچ جائے گا۔''

''ہم جاہل لوگ ہیں بابو!'' پھپھی نے بے چارگی سے کہا ''مجھے صاف صاف بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ بات میرے بس میں ہوئی تو افضل کے لیے کر گزروں گی ورنہ تم سے معافی مانگ لوں گی۔ مجھے یہ سب کچھ خطرناک سا لگ رہا ہے۔''

''ابھی تک افضل کے لیے سب خطرناک ہے۔ تم ہم کو اپنے ساتھ صاحب کے گھر میں لے جاؤ۔ ہم احتیاط سے وہ کاغذ ڈھونڈیں گے۔ مل گئے تو لے کر واپس آجائیں گے۔ نہ ملے تو یہ افضل کی بدقسمتی ہو گی۔''

''نہیں!'' پھپھی نے گھبرا کر اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا ''مالک نے مجھ پر بھروسا کیا ہے۔ میں ان سے پوچھے بغیر دوسروں کو گھر میں نہیں لے جا سکتی۔ یہ مالک کی نمک حرامی ہو گی۔ میں ایسا نہیں کروں گی۔''

''ہم تم پر زور نہیں ڈال سکتے۔'' میں نے مایوسی سے کہا ''افضل کی بھلائی کے لیے ایک مشورہ تھا۔ تم نہیں مانو گی تو پھر ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکیں گے۔ ہر آدمی اپنے کیے کا پھل پاتا ہے۔ افضل نے غلطی کی ہے تو اب وہی نتیجہ بھگتے گا۔''

''میں یہ بھی نہیں چاہتی۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پھپھی خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی پھر بلند آواز میں پوچھا ''اس کے ساتھ کیا برا ہو گا؟ تم اسے پکڑلو گے اور پھر اسے سزا ہو جائے گی یا اس سے زیادہ بھی کچھ ہو سکتا ہے۔''

''تمہاری طرح ہم بھی بیچ کے آدمی ہیں جو غریب ہیں اور غریبوں پر ترس کھاتے ہیں۔ ہمیں وہ کاغذ لوٹانے ہیں یا اوپر والوں کو سب کچھ بتانا ہے۔ افضل کے ساتھ کیا ہو گا' یہ فیصلہ وہ بڑے لوگ کریں گے۔ انہیں کسی کی غربت اور مجبوری سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔''

''تم سچ کہہ رہے ہو۔ ہر بڑا آدمی میرے صاحب جیسا نہیں ہوتا لیکن تم غریب تو نہیں لگتے۔ اتنی اچھی موٹر میں آئے ہو۔'' اپنے مالک کی مداح سرائی کرتے کرتے اس کا لہجہ اشتباہ آمیز ہو گیا ''تمہارے کپڑے بھی بہت مہنگے اور صاف ستھرے ہیں۔''

''گاڑی دفتر کی ہے۔ بڑے لوگوں کے پاس آنے جانے کے لیے ہمیں پیٹ کاٹ کر ایسے کپڑے پہننا پڑتے ہیں۔'' میں نے مایوسی سے کہا ''اس بھنگن کے دل میں اترنے اور اس کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ہم

خود کو بھی اسی کے درجے کا مظلوم و بے بس شہری ثابت کر سکیں۔ افضل اور پچھمی سے گفتگو کے بعد میں اس فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ ان دونوں کے درمیان انسانی ہمدردی کے سوا لالچ کا کوئی جذبہ کار فرما نہیں تھا۔

"تم نے مجھے سوچ میں ڈال دیا ہے۔" وہ فکر مند ہوگئی "سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں تمہیں کیا جواب دوں۔"

"ایک کام اور بھی ہوسکتا ہے۔" میں نے اس کے دماغ میں زہر انڈیلنے کا سلسلہ جاری رکھا "تم گھر دکھا کر چابی ہمیں دے دو اور دوسری جگہ کام کرنے چلی جاؤ۔ ہم گھر میں جاکر ذرا سی دیر میں اپنا کام کرلیں گے۔ تم وہاں لوٹو گی تو چابی تمہاری بتائی ہوئی جگہ پر چھپی ہوئی ملے گی۔"

"یہ اس سے بھی بری بات ہوگی کہ میں پورا گھر نئے آدمیوں کے حوالے کردوں۔ میرے صاحب بہت وہمی آدمی ہیں۔ اپنی رکھی ہوئی کسی چیز کے ساتھ چھیڑ چھاڑ پسند نہیں کرتے۔ تم نے بھول میں کسی چیز کو ہٹا دیا تو ان کو شبہ ہوجائے گا۔ میں ایسا غلط کام مر کر بھی نہیں کروں گی۔ اس سے بڑی بات یہ ہے کہ کتا کسی چڑیا کو بھی گھر میں پر نہیں مارنے دیتا۔ میرے بغیر تم وہاں پھٹک بھی نہیں سکتے۔ وہ بھونک بھونک کر آسمان سر پر اٹھالے گا اور تمہیں زخمی کرکے بھگادے گا۔ سارا محلہ تماشا دیکھے گا اور بات میرے صاحب کے کانوں تک پہنچ جائے گی۔"

"پھر پہلی ترکیب ہی بہتر رہے گی۔" میں نے اسے اپنی طرف سے لقمہ دیا۔

پچھمی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گاڑی خاموشی سے سفر کرتی رہی۔

میری اور پچھمی کی گفتگو اول خان کے لیے اعصاب شکن ثابت ہورہی تھی۔ ہمارے درمیان پہلے سے کچھ طے نہیں پایا تھا۔ اسے اندازہ نہیں ہورہا تھا کہ میرے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی تھی۔ اس نے دبے لہجے میں' انگریزی میں کہا "تم وہاں گھسنے میں کوئی افادیت سمجھ رہے ہو تو اس احمق عورت کو بے بس کرو اور گھر کی چابی چھین لو کیوں بلاوجہ اس پر اپنا وقت برباد کررہے ہو۔"

"ایسا نہیں ہوسکتا۔" میں نے اسے مختصراً جواب دے کر خاموش کردیا۔

حقیقت یہ تھی کہ اول خان کے مشورے سے پہلے میں خود اس امکان پر غور کرچکا تھا۔ پہلی بات یہ تھی کہ پچھمی عورت ذات تھی اور زیادہ قصوروار نہیں تھی۔ ان دو حقائق کو نظر انداز کرکے اس کے ساتھ کوئی جبر کیا جاتا تو وقت سے پہلے یا قدرے تاخیر سے اس کی کہانی جوگیندر یا اس کے ساتھیوں تک پہنچ جاتی' راز کھل جاتا اور افضل کا نام بھی منظر عام پر آجاتا۔

ان واقعات کی تشہیر ہمارے حق میں نہیں تھی۔ جوگیندر نے ماسٹر کے روپ میں خاموشی سے روی کو موت کے گھاٹ اتروا دیا تھا۔ اس سے پہلے ہم اپنا دامن بچا کر پوری احتیاط سے میجر بخشی کو معذور کرچکے تھے۔ کسی کو پتا نہیں چل سکا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اسی طرح جوگیندر کا معاملہ بھی مکمل خاموشی اور رازداری کا متقاضی تھا۔ اس بارے میں بات باہر نکل جاتی تو ناقابلِ تصور پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی تھیں۔

میونسپل کارپوریشن سے باتھ آئی لینڈ کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اول خان نے میرے اور پچھمی کے مذاکرات کی سست روی کی وجہ سے گاڑی کی رفتار کم رکھی تھی اور دانستہ بس کے روٹ والا طویل راستہ اختیار کیا تھا۔ وہ چاہتا تو سٹی اسٹیشن کے ریلوے پل کے برابر والی سڑک سے ہوکر ذرا سی دیر میں مولوی تمیز الدین روڈ پر نکل سکتا تھا۔ اپنے طبعی اور فطری اضطراب کے باوجود اس نے کسی غیر ضروری عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

"تم اسی طرح سوچتی رہیں تو وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ہمارے ہاتھ کٹ جائیں گے۔ افضل کے ساتھ کچھ ہوا تو اس کی بیوی اور چاروں بچیاں بے سہارا ہوجائیں گی۔ تمہیں جلد از جلد فیصلہ کرلینا چاہیے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ اس وقت تمہاری رضامندی میں افضل کی خوش قسمتی ہوگی۔ تم نے انکار کردیا تو ہم اسے افضل کی بدقسمتی سمجھ کر خاموش ہوجائیں گے" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

پچھمی ہمارے ساتھ آرام سے گاڑی میں بیٹھی ہوئی تھی مگر اس پر ذہنی دباؤ بہت تیزی سے بڑھتا جارہا تھا۔ میں اس کے چڑھتے ہوئے سانسوں کی آواز واضح طور پر سن رہا تھا۔ وہ اندرونی ہیجان میں مبتلا تھی۔

"میں تمہیں چابی نہیں دوں گی" آخر کار اس کے اعصاب جواب دے گئے "تم گاڑی دور کھڑی کرکے ٹھیک گیارہ بجے آجانا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ اندر لے جاؤں گی۔ تم آدھے پون گھنٹے میں کاغذ ڈھونڈ کر باہر نکل جاؤ گے۔ اس سے زیادہ وہاں نہیں ٹھہرو گے۔"

پچھمی کی وہ تجویز بہت حوصلہ افزا تھی۔ میں نے سنجیدگی سے کہا "تم فکر نہ کرو۔ ہم تمہارے دیے ہوئے وقت سے پہلے باہر آجائیں گے۔"

ہماری گاڑی کشادہ سڑک پر سیدھی دوڑتی رہی۔ پچھمی کے ایما پر ایک جگہ اول خان نے رفتار کم کرلی۔ گاڑی ایک سڑک پر گھوم گئی۔ وہاں سڑک پر دونوں طرف بڑے بڑے مکانات بنے ہوئے تھے۔ ہماری گاڑی کا سفر جاری رہا۔ پچھمی

کے کہنے کے مطابق اول خان نے اس صاف ستھری آبادی کی کئی پرپیچ گلیاں طے کیں اور پھر ایک جگہ گاڑی روک دی۔
"وہ پیلا مکان!" پچھی نے ہاتھ اٹھا کر جوگیندر کے گھر کی نشاندہی کی اور گاڑی سے اتر گئی۔ وہ مڑ کر دیکھے بغیر، بہت تیزی سے ایک قریبی گلی کی طرف جا رہی تھی۔
"جوگیندر کے گھر میں گھس کر تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" پچھی سے نجات ملتے ہی اول خان پھٹ پڑا۔
میں نے شوخ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور سفاکانہ انداز میں کہا "وہی جو وہ ہمارے ساتھ کرنا چاہ رہا ہے۔"
"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اب تم یہاں کے واقعات میں نہیں الجھوگے۔ حالات کے مطابق میں خود فیصلے کرتا رہوں گا۔ تم کسی بھی صورت میں اس کا سامنا نہیں کرو گے۔ ذرا سی چوک ہوگئی تو سب کچھ قابو سے باہر ہو جائے گا۔"
"مجھے اس کا سامنا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اب تک بخشی کی ایک دھمکی کو عملی جامہ پہنا چکا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسری دھمکی پر بھی عمل کر گزرے، ہم کو بے رحمی سے اس کا سر کچل دینا چاہیے..."
"میجر بخشی کے بارے میں قسمت نے ہمارا ساتھ دیا اور ہمارا بھرم رہ گیا" وہ گاڑی کو واپسی کے راہ پر ڈالتے ہوئے بولا "ہر ایک کے ساتھ ہم وہ سلوک نہیں کر سکتے۔ تم بھول رہے ہو کہ جوابی کارروائیوں کا کوئی سلسلہ چل پڑا تو تلخیاں بہت بڑھ جائیں گی۔"
"ہم اسے فائرنگ کر کے نہیں ماریں گے۔ ٹائم بم اور ریموٹ کنٹرولڈ بم۔ میرے ذہن میں یہ دو تجاویز ہیں۔"
اول خان کی آنکھیں تحیر زدہ انداز میں پھیل گئیں "تو تم بم نصب کرنے کے لیے اس کے گھر میں گھسنا چاہتے ہو؟"
میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی "گہرے سکوت میں بہترین ساخت کے ٹائم بم کی گھڑی کی آواز گونجے گی۔ وہ گھر میں اکیلا رہتا ہے۔ اس کے لیے ریموٹ کنٹرول سب سے بہتر رہے گا۔ ٹھیک گیارہ بجے پچھی دیوی ہمارے دروازے پر دستک دے گی۔ اس سے پہلے یہ بندوبست ہو جانا چاہیے۔"
"بخشی کے واقعے کو ہم حادثہ قرار دے رہے ہیں۔ بم کے دھماکے کے لیے ایسی کوئی آڑ نہیں مل سکے گی۔"
"کچھ روز پہلے اسلام آباد میں بم کا دھماکا ہوا تھا۔ کئی پاکستانی ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔ دنیا کے ترقی یافتہ شہروں تک میں ایسی دہشت گردیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ہماری حکومت کا تعزیتی بیان اور ہمدردانہ ردِعمل ہمیں الزامات سے بچائے گا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہم اتنی آسانی سے بخشی کے قریب ترین ساتھی تک پہنچ جائیں گے۔ اس بار بھی مقدر نے ہماری یاوری کی ہے ورنہ ہم سولی پر ٹنگے ہوئے تھے۔"
"تم پچھی کو کیسے خاموش رکھو گے؟ وہ گھر میں دو اجنبیوں کے داخلے کی کہانی سناتی پھرے گی۔"
"اسے ہماری نیت کا علم نہیں ہے۔ وہ ہمیں کسی اور کام کے لیے جوگیندر کے گھر میں لے جا رہی ہے۔ دھماکا ہونے کے بعد بس وہ سوچتی رہ جائے گی۔ اس کے اندر کا چور اسے زندگی بھر لب کشائی سے روکے رہے گا۔ مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ محض اسی لیے میں اسے رضاکارانہ آمادگی کے لیے مجبور کر رہا تھا۔ زبردستی کی صورت میں وہ سمجھ جاتی کہ ہماری نیت صاف نہیں ہے۔"
"یہ دھماکا رائیگاں بھی جا سکتا ہے" اول خان ہر منفی پہلو اجاگر کرنے کے موڈ میں آچکا تھا۔ میرے ارادے کے خلاف اس کی مزاحمت ختم ہو چکی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ قدم اٹھانے سے پہلے ہر طرح سے اپنا اطمینان کرنا چاہ رہا ہو۔
"رائیگاں نہیں جائے گا" میں نے مسکرا کر اسے یقین دلایا "ایک مرتبہ بم اس کے گھر میں پہنچ جائے تو وہ بچ نہیں سکے گا۔"
"اس وقت تمہارے ذہن میں واضح خاکہ موجود ہونا چاہیے، مجھے بتاؤ کہ تم اس کی موت کو یقینی کیسے بناؤ گے۔ میں نے جوگیندر رپال کا نام سنا ہوا ہے۔ وہ لومڑی کی طرح چالاک اور بھیڑیے کی طرح خونی آدمی ہے اور بہت کامیابی سے پس پردہ رہ کر یہاں اپنا ایک سال پورا کر چکا ہے۔"
"دھماکا اس وقت ہوگا جب وہ فون پر مجھ سے بات کر رہا ہوگا۔ پہلے سے اسے خوف زدہ نہیں کیا جائے گا۔"
"موبائل فون کے ساتھ وہ شہر کے کسی بھی حصے میں ہو سکتا ہے۔ تمہیں کیسے پتا چلے گا کہ وہ کہاں ہے؟"
بے اختیار میری ہنسی چھوٹ گئی "بعض اوقات تمہاری سوچ بالکل یکطرفہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ میں نے کب کہا کہ میں اس سے موبائل فون پر بات کروں گا۔ اس کے گھر میں عام فون بھی ضرور ہوگا۔ وہ اسے کہاں لے جا سکتا ہے؟"
اول خان بھی خفّت آمیز انداز میں میری ہنسی میں شریک ہو گیا "تم سے بات کرتے ہوئے چاروں کھونٹ چوکس رہنا پڑتا ہے۔ اندازہ نہیں ہو پاتا کہ کب کیا کہہ ڈالو گے۔ یہ چکر موبائل فون نمبر سے چلا ہوا تھا۔ میرا ذہن اسی میں الجھا ہوا تھا۔"
"مجھے صرف ایک فکر تھی کہ جوگیندر رپال کے گھر میں ہونے والے دھماکے سے اس کے پڑوسیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس کا گھر دیکھ لینے کے بعد یہ خدشہ دور ہو گیا ہے۔ آپس میں ملی ہوئی دیواروں والا گھر یا فلیٹ ہوتا تو ہم اپنے

منصوبے کو بھول جانے پر مجبور ہو جاتے۔"

"جوگیندر پال کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو گا کہ موت اس پر سایہ فگن ہونے والی ہے۔ افضل کے نام پر موبائل فون حاصل کرنے کے بعد اسے کبھی خیال نہیں آیا ہو گا کہ اس کی یہی حرکت اس کے لیے موت کا پھندا بن جائے گی۔"

"ہر مجرم کے ساتھ یہی ہوتا ہے جس گھر کو وہ اپنے لیے محفوظ خیال کرتا ہے' وہیں اسے مات ہوتی ہے۔"

"اسے یہ جان کر دکھ ہو گا کہ ایک بھنگن کی وجہ سے وہ جہنم واصل ہو رہا ہے" میں نے محظوظ ہو کر کہا۔

اول خان نے کچھ کہنے کے لیے بے ساختہ منہ کھولا مگر کچھ کہے بغیر سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

"کہو' کہو!" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی "تم کچھ کہتے کہتے رک گئے۔"

"کچھ نہیں۔ ذرا سا مغالطہ ہوا تھا پھر بات سمجھ میں آ گئی۔ تم اس سے فون پر جو کچھ کہو گے' بم پھٹنے سے چند ثانیوں قبل ہونے والی دوسری اور آخری گفتگو میں کہو گے۔ اسے کسی کو کچھ بتانے کا موقع نہیں ملے گا۔"

"تم دھماکے کے لوازم کے لیے حامد کو فون کرو گے یا ہمیں اسٹیشن فور کی طرف دوڑ لگانی پڑے گی؟"

"ہمارے پاس کافی وقت ہے مگر بہتر یہی ہے کہ حامد کو بلا لیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ جوگیندر پال کے گھر میں دھماکے کے لیے پندرہ سے بیس کلومیٹر کی حد میں کام کرنے والا ریموٹ کنٹرول یونٹ کافی رہے گا" اس نے میری رائے جاننی چاہی۔

"مرنے والوں پر اپنے وسائل اتنی بے دردی سے ضائع مت کرو۔ یہ یونٹ خاصے مہنگے ہوں گے۔ ایک دو کلومیٹر کی رینج والا کوئی سستا یونٹ بھی ہمارے لیے اسی قدر کارآمد ثابت ہو گا۔ اگنیشن سے منسلک کرنے سے پہلے اس کا ٹیسٹ کیا جانا ضروری ہے۔ اسے فون پر سب کچھ بتا دینے کے بعد ڈیوائس نے کام نہیں کیا تو ساری احتیاط اور رازداری دھری کی دھری رہ جائے گی۔"

"تمہارے ایسے اندیشے روح تک کو لرزا دیتے ہیں۔ میں حامد کو ٹیسٹنگ کے لیے خاص طور پر کہہ دوں گا۔"

مین روڈ پر نکلنے سے پہلے اول خان نے اپنی گاڑی کنارے سے لگا دی اور موبائل فون پر اسٹیشن فور سے رابطہ قائم کرنے لگا۔

وہ فون پر دھیمی آواز میں حامد کو ہدایات دیتا رہتا۔ میں سگریٹ سلگا کر اپنے ذہن میں آنے والے لمحات کا نقشہ جمانے میں مصروف ہو گیا۔ غیر معمولی آسانی کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچنے والے کاموں کے بارے میں' میں آخری لمحے تک شکوک و شبہات میں مبتلا رہتا تھا کیونکہ آسانیوں کے باعث ایسے معاملات میں کسی سنگین بھول چوک کے امکان زیادہ غالب رہتے ہیں۔

اپنی بات ختم کر کے اول خان نے اپنی گاڑی آگے بڑھا دی "ہم پی آئی ڈی سی کالونی کے قریب حامد کا انتظار کریں گے۔ میں نے اسے پانچ کلو طاقت والی ڈیوائس کے لیے کہا ہے۔ وہ تین چار سو گز کے رقبے میں تباہی پھیلانے کے لیے کافی ہو گی۔"

"اسے دو گز زمین میں اتارنے کے لیے کم از کم اتنے رقبے کی تباہی لازمی ہے' ضروری نہیں کہ ہم اس کی مسہری کے نیچے یا خواب گاہ میں بم نصب کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ دھماکے سے دو تین کمروں کو اڑ جانا چاہیے۔" میں نے اس کے فیصلے کی توثیق کر دی۔

اول خان ریلوے پل عبور کر کے' گاڑی کو ڈھلان سے اتارتے ہوئے' دھیرے دھیرے داہنی طرف لاتا چلا گیا۔ پھر اس نے گاڑیوں کے ہجوم میں سست روی سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے ایسی جگہ تلاش کر لی جہاں وہ رک سکتا تھا۔

اس نے دوسری کئی گاڑیوں کے باہر نکلنے کی راہ مسدود کر دی تھی لیکن خود ڈرائیونگ سیٹ پر موجود تھا۔ اس لیے قریب ہی منڈلاتے ہوئے ٹریفک کے عملے نے اسے ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں نے موبائل پر گھر کا نمبر ملا لیا۔

"کبھی کبھی تم بہت سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے ہو" رابطہ قائم ہو جانے پر میرے کان میں ویرا کی چہکتی ہوئی آواز گونجی "ہم یہی سوچ رہے تھے کہ تم دونوں کیا کر رہے ہو گے۔ یہ بتاؤ کہ بھنگن پروجیکٹ کی کامیابی کی کوئی امید ہے یا معاملہ کہیں ٹھپ ہو کر رہ گیا ہے۔"

"تمہارا اندیشہ درست ہے۔ ہم شہر کی سڑکیں ناپ کر ایک بجے سے پہلے گھر واپس پہنچ جائیں گے۔"

"مجھے رات ہی سے کامیابی مشکوک معلوم ہو رہی تھی" میرے جواب سے ویرا کی حوصلہ افزائی ہوئی تھی "اپنے مسائل میں گھرے ہوئے مفلوک الحال اور ناخواندہ لوگوں سے کوئی امید وابستہ نہیں کی جا سکتی۔ افضل کی کہانی کمزور اور بودی تھی۔"

"دونوں کو جاہل قرار نہ دو۔ افضل اتنا پڑھا لکھا ضرور ہے کہ میونسپلٹی میں کلرکی کر رہا ہے۔ تمہاری صنف سے تعلق رکھنے والی کو جاہل ہی ہونا چاہیے۔ لکھ پڑھ کر کوئی بھی اس پیشے کا رخ کرنا پسند نہیں کرتا۔"

ویرا نے محظوظ ہو کر ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "اس کا مطلب ہے کہ اس حسینہ عالم سے تمہاری ملاقات نہیں ہو سکی۔ وہ شہر کی کسی سڑک پر جھاڑو پھیرنے کے لیے نکلی

ہوئی ہوگی۔ مل جائے تو مجھے ضرور بتانا کہ وہ کیسی ہے اور تمہارے کس کام آسکتی ہے۔"

"ویرا! خدا کا خوف کیا کرو" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے اسے تادیب کی "تعلیم اور دولت کسی کی میراث نہیں ہوتی..."

"مجھے معلوم ہے" اس نے میری بات اڑادی "کبھی کبھی تم غریبوں اور مظلوموں کے ایسے ہمدرد بن جاتے ہو کہ کامریڈ معلوم ہونے لگتے ہو۔"

"کامریڈ بننے کا فیشن اب لد گیا لیکن زمین کے حقائق آج بھی وہی ہیں..."

وہ میری بات سننے پر آمادہ نہیں تھی پھر بیچ میں بول پڑی "یہ باتیں کھانے کی میز پر موزوں رہیں گی۔ فی الحال یہ بتاؤ کہ استاد کے موبائل کا کیا کیا جائے۔ رات اطمینان سے گزار لینے کے بعد ماسٹر اس سے رابطے کے لیے بے چین ہے۔ باربار گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ ہر بار درمیانی وقفہ گھٹتا جارہا ہے۔"

"وہ بجتا ہے تو بجنے دو۔ بھول کر بھی اسے ہاتھ نہ لگانا" میں نے جلدی سے کہا۔

"جب بات ہی نہیں کرنی تو فون بند نہ کردوں۔ گھنٹی ناقابلِ برداشت ہوتی چلی جارہی ہے۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا۔ فون کی حالت میں ذرا بھی تبدیلی آئی تو ماسٹر کے کان کھڑے ہوجائیں گے۔ جواب کے بغیر گھنٹیاں سن کر وہ یہ سمجھے گا کہ استاد سے فون کہیں گر گیا ہے یا پھر وہ خود کہیں بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ تبدیلی اس کے لیے خطرے کی گھنٹی ثابت ہوگی۔ ابھی اس کا غافل رہنا ہی سودمند ہے۔"

"میرا خیال تھا کہ تم اس سے بات کرنے کا مشورہ دوگے۔ جب کہیں سے کوئی پیش رفت نہیں ہورہی تو اس سے بات کرنی چاہیے۔ کچھ پتا تو چلے کہ وہ کون ہے؟"

"ہم اسی کام کے لیے گھر سے نکلے ہوئے ہیں۔ اس میں دشواریاں پیدا کرنے کی کوشش مت کرو۔"

"شاید تم بھنگن کی طرف سے ابھی تک پُرامید ہو۔ تمہاری واپسی پر یہ نتیجہ بھی سامنے آجائے گا" ویرا کی بات سن کر میں نے فون بند کردیا۔

میری گفتگو سے اول خان نے اندازہ لگالیا کہ میں نے ویرا کو اپنی کامیابی کی بھنک تک نہیں دی تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا "آج تم نے ویرا کو بھی نچا دے دیا۔"

"مجبوری ہے" میں نے بے پروائی سے کہا "اسے ذرا سا بھی اشارہ مل جاتا تو وہ پے درپے سوالات کرکے میرا دماغ چاٹ جاتی۔ اس وقت میں اپنا ذہن بالکل صاف اور پرسکون رکھنے کی کوشش کررہا ہوں۔ کام پورا ہوجائے تو ہر بات ہر ایک کے علم میں آجائے گی۔"

"میرا خیال تھا کہ تم گھر پر موجود رہ کر جوگیندر پال پر اپنا آخری وار کروگے لیکن تمہارے عزائم کچھ اور نظر آرہے ہیں" اول خان نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد دھیمی آواز میں سوال کیا "دھماکے کے وقت ہمارا اس علاقے میں موجود رہنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"تم نے یہ اندازہ کیسے لگالیا؟" میں نے حیرت سے پلکیں جھپکا کر پوچھا "کیا میں نے ایسی کوئی بات کہی تھی؟"

"اب تم ذہنی دباؤ میں آئے ہوئے ہو" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم نے براہِ راست کچھ نہیں کہا لیکن ریموٹ کنٹرول یونٹ کی رینج کو پندرہ بیس کلومیٹر سے گھٹا کر دو تین کلومیٹر کرنے کا مشورہ ضرور دیا تھا۔ یہ رینج قرب وجوار سے ہی استعمال کی جاسکتی ہے۔"

"میں کہہ کر بھول گیا۔ اسی سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ جوگیندر پال کا مسئلہ کس طرح میرے اعصاب پر سوار ہے" میں نے بے چینی سے پہلو بدل کر جواب دیا "میں دھماکے کے بعد ہونے والی تباہی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا بس چلتا تو میں اسے اپنے ہاتھوں سے شوٹ کرتا۔"

"اس کے بارے میں تم کچھ زیادہ انتہاپسندی کا مظاہرہ کررہے ہو۔ اس کے جرائم کرشن کمار سے زیادہ سنگین نہیں ہوں گے۔"

"وہ را کا ایجنٹ تھا۔ جو کچھ کررہا تھا، اپنے حساب سے ٹھیک کررہا تھا۔ سفارتی کیڈر میں چھپے ہوئے بھیڑیوں سے مجھے ہمیشہ نفرت محسوس ہوتی ہے۔"

اس وقت ہمارے پاس ان سلگتے ہوئے حسّاس موضوعات پر بات کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہم بھیڑبھاڑ والے ایک مصروف مقام پر کھڑے ہوئے تھے جہاں ہمارا کوئی بھی لفظ یا فقرہ کسی کو ہماری طرف متوجہ کرسکتا تھا۔ دونوں کو اس حقیقت کا ادراک تھا۔ ہم نے اپنی زبانیں بند کرلیں اور خاموشی سے حامد کا انتظار کرنے لگے۔

سوا دس بجے تک میں اپنے ذہن میں اٹھنے والی آندھیوں کو چھپائے سکون سے بیٹھا رہا۔ جب گھڑی کی سوئیوں نے ساڑھے دس کا رخ اختیار کیا تو میری طبیعت میں ہلکا سا اضطراب پیدا ہونے لگا۔ کسی ناگہانی حادثے یا رکاوٹ کی وجہ سے حامد کو وہاں پہنچنے میں تاخیر ہوجاتی تو ہمارا پورا کھیل تباہ ہوسکتا تھا۔ اول خان میرے کچھ کہے بغیر وہ تبدیلیاں محسوس کررہا تھا۔ اس کی نظریں بھی رہ رہ کر رسٹ واچ کا طواف کررہی تھیں۔ ساڑھے دس بج گئے تو اس کا صبر جواب دے گیا۔ اس نے اسٹیشن فور پر فون کیا تو پتا چلا کہ

حامد دس بجے سے پہلے وہاں سے نکل چکا تھا۔
دس بج کر پینتیس منٹ پر اول خان کے چہرے پر ہیجان کے آثار نمودار ہوئے۔ میں نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں ایس ٹی ایف کی وہ گاڑی دیکھ لی جو اس وقت حامد کے استعمال میں تھی۔ حامد نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ اسے اتار کر گاڑی نے دوبارہ آگے رینگنا شروع کردیا۔ اس وقت پارکنگ میں کہیں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ حامد کے داہنے ہاتھ میں ایک وزنی تھیلا جھول رہا تھا۔
میری نگاہوں میں وہ بڑے بڑے، رنگین دیواری پوسٹر گھوم گئے جو دہشت گردی سے عوام کو ہوشیار کرنے کے لیے شہر کے بارونق بازاروں اور پرہجوم کاروباری علاقوں میں کثرت سے چسپاں کیے گئے تھے۔ ان میں سارا زور مشتبہ تھیلوں اور بریف کیسوں پر تھا جو تباہی کا پیش خیمہ بن سکتے تھے۔
مجھے احساس تھا کہ حامد نے مطلوبہ اشیا یک جاکر کے اسٹیشن فور سے روانہ ہونے میں دانستہ کوئی تاخیر نہیں کی ہوگی مگر پھر بھی اسے پہنچنے میں کافی وقت لگ گیا تھا۔ اگر ہم اسے بلانے کے بجائے خود دوڑ لگاتے تو محدود وقت میں ہماری واپسی ہرگز ممکن نہ ہوتی۔
بچھی کا دیا ہوا ڈیڑھ گھنٹا گزرنے میں بس ذرا سی دیر باقی تھی۔ حامد نے وہ تھیلا اول خان کے حوالے کیا اور دھیمی آواز میں کہا ”فائیو کے جی، فائیو کلومیٹر.... آل ٹسٹڈ اوکے اینڈ ریڈی فار یوز۔“
اول خان گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ تھیلا میرے سپرد کرکے اس نے گاڑی آگے بڑھادی۔
وہ ایک مہلک بارودی بم تھا جو کھلونے کی طرح میری گود میں رکھا ہوا تھا۔ میں نے ہاتھ ڈالا تو وہ دو نرم چرمی پیکٹ تھے۔ میں نے بہت احتیاط سے دونوں پیکٹ نکالے اور خالی تھیلا قدموں میں ڈال دیا۔ ایک پیکٹ بڑا اور وزنی تھا۔ اسے اٹھانے کے لیے چرمی غلاف میں مضبوط دستہ لگا ہوا تھا۔ وہ اصل دھماکا خیز اور مہلک بم تھا جس کے ساتھ بم کو چلانے والے حساس لاسلکی آلات موجود ہونے چاہییں تھے۔ دوسری جیبی کیلکولیٹر کے سائز کی ایک ہلکی پھلکی ڈبیا تھی جس پر صرف تین بٹن تھے۔ سرخ بٹن پر سخت مگر شفاف پلاسٹک کا حفاظتی خول منڈھا ہوا تھا تاکہ کسی بے احتیاطی کی وجہ سے سرخ بٹن اچانک نہ دب جائے۔
”ریموٹ کنٹرول یونٹ جیب میں رکھ لو۔ بڑا پیکٹ اندر چھوڑنا ہوگا“ اول خان نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھاتے ہوئے مجھے بریف کیا۔
میں نے ہلکا پھلکا ریموٹ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ ٹریفک کی بھیڑ اور ریل کے اختتام پر واقع موڑ کی وجہ سے ٹریفک کی رفتار سست ہوگئی۔ کہیں سے آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں رسٹ واچ دیکھتا اور ٹریفک کی بدنظمی پر سلگتا رہا۔ آخر کار ہم اس تنگ مقام سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ پہلے سے دیکھی ہوئی گلیوں سے گزرنے کے بعد اول خان نے ایک درخت کے سائے میں گاڑی روک کر انجن بند کردیا۔
اس مقام سے جوگیندر پال عرف ماسٹر کا پیلا مکان نظر نہیں آرہا تھا۔ ہمیں گاڑی اس گھر سے دور روک کر پیدل بچھی تک پہنچنا تھا۔ رسٹ واچ پونے گیارہ بجاچکی تھی۔ میں نے اول خان کی طرف دیکھا، وہ تیار تھا۔ ہم دونوں بے پروایانہ انداز میں آگے بڑھنے لگے لیکن حقیقت میں ہم اپنے گردوپیش سے پوری طرح باخبر تھے۔ بم والا چرمی کیس میرے بائیں ہاتھ میں جھول رہا تھا۔
وقت پورا کرنے کے لیے ہم نے رفتار دھیمی رکھی تھی لیکن بچھی بھی ہم سے کم دباؤ میں نہیں تھی۔ اس غریب اور جاہل بھنگن کو شاید یہی احساس مارے ڈال رہا تھا کہ وہ اپنے اچھے مالک کی اجازت اور مرضی کے بغیر دو اجنبیوں کو اس کے گھر میں لے جانے والی تھی۔ موڑ پر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ بچھی اپنے دیے ہوئے وقت سے پہلے، سامنے والی گلی سے نمودار ہورہی تھی۔
اس نے بھی دور سے ہمیں دیکھ لیا اور اپنا رخ پیلے مکان کی طرف کرلیا۔ ہم نے اپنی رفتار قدرے تیز کرلی اور درمیانی فاصلہ کم کرکے بچھی کے پیچھے جوگیندر پال کے گھر کی طرف بڑھنے لگے۔
احاطے کا چوبی پھاٹک مقفل نہیں تھا۔ بچھی اسے کھول کر اندر غائب ہوگئی۔ اس نے ہمارے لیے پھاٹک کھلا چھوڑدیا تھا۔ یکے بعد دیگرے ہم دونوں بھی اس پھاٹک سے گزر گئے۔ اول خان نے آخر میں دونوں پٹ ملاکر اندرونی کنڈی کو خفیف سا سرکادیا تاکہ ہوا سے چوبی پھاٹک نہ کھل سکے۔ اس وقت تک بچھی گھر کے داخلی دروازے کا قفل

کھول چکی تھی۔ ہم بڑھے اور ہمارے قدم اپنی جگہوں پر جم کر رہ گئے۔ پچھی اندر جاچکی تھی اور کھلے ہوئے دروازے کے پیچھے سے ایک گراں ڈیل کتا، ہانپتے ہوئے ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔

اس وقت کوئی رائفل بردار میرے سامنے ہوتا تو میں اس کی پروا نہ کرتا لیکن ایک کتے کے کھلے ہوئے، خوفناک جبڑے کو نظرانداز کرنا میرے لیے ناممکن تھا۔ میرے پورے وجود میں خوف کی ایک سرد سی لہر سرایت کرگئی۔ پچھی اس کتے کی آڑ میں پناہ لے چکی تھی اور وہ کسی بھی لمحے جست لگاکر ہم پر حملہ آور ہوسکتا تھا۔

تذبذب اور بے یقینی کی وہ کیفیت چند لمحوں سے زیادہ برقرار نہ رہ سکی۔ فضا میں پچھی کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ وہ کتے کو ٹونی کہہ کر پچکار رہی تھی۔ کتے نے اپنی دم کو فضا میں زور زور سے ہلاتے ہوئے رخ بدل لیا۔ لیکن ہماری نظروں کے سامنے موجود رہا جبکہ پچھی ہماری نگاہوں سے اوجھل تھی۔ میری ہمت نہیں ہوئی کہ آگے بڑھ سکوں۔ میں نے گمبھیر نظروں سے اول خان کی طرف دیکھا پھر تقریباً بہ یک وقت ہم دونوں کے سر ہل گئے۔ دونوں ایک دوسرے کو آگے جانے کا اشارہ کررہے تھے۔ کوئی پہل کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

ایک حقیر کتا ہمارے راستے کی دیوار بنا ہوا تھا اور ہم دونوں اس سے ڈر رہے تھے۔ میرا خون جوش میں آگیا۔ میں نے ہمت کرکے ایک ہی قدم بڑھایا تھا کہ وہ خبیث کتا چونک کر دوبارہ ہماری طرف متوجہ ہوگیا۔ اس بار اس نے اپنے حلق سے ایک ہلکی سی جارحانہ آواز بھی نکالی تھی، جس کے نتیجے میں، میں بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ آیا۔ پروگرام طے کرتے ہوئے ہم نے اس دیوپیکر کتے کی موجودگی کے سنگین مضمرات کو سرے سے نظرانداز کردیا تھا۔

"جلدی اندر آؤ! مجھے دروازہ بند کرنا ہے۔ ٹونی تمہیں کچھ نہیں کہے گا" پچھی نے کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ سے سرنکال کر خوف زدہ آواز میں تیز سرگوشی کی۔

اس کا چہرہ غائب ہوگیا۔ کتا دوبارہ ہمارے سامنے تھا۔ اس کے دونوں کان کھڑے ہوئے تھے اور ہمارے سانسوں کے زیروبم کے ساتھ کسی ریڈار کے انٹینا کی طرح، اپنے محور پر چھوٹے چھوٹے جھٹکوں سے گھوم رہے تھے۔ ٹونی کے بارے میں پچھی کی یقین دہانی مجھ پر کوئی اثر نہیں کرسکی۔ یہی حال شاید اول خان کا تھا کیونکہ اس نے بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔

پچھی کو اندازہ ہوچکا تھا کہ کتے کے سامنے جانے سے ہم دونوں ہچکچا رہے تھے۔ وہ کسی تدبیر سے کتے کو دروازے کے سامنے سے ہٹالے گئی۔ کتے کے منظر سے دفعان ہوتے ہی میرے خون کو طرارہ آگیا۔ ایک پالتو کتا مجھے زیادہ سے زیادہ کیا نقصان پہنچا سکتا تھا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑدی مگر مجھے فیصلہ کرنے میں تاخیر ہوچکی تھی۔ مجھ سے پہلے اول خان حرکت میں آچکا تھا اور مربیانہ انداز میں مجھے اپنے پیچھے آنے کا مشورہ دے رہا تھا۔

اس مرتبہ میں اول خان کے پیچھے تھا اس لیے اندرونی دروازہ مجھے بند کرنا پڑا۔ پچھی کتے کا پٹا تھام کر اسے اندر کہیں لے جارہی تھی۔

"تم ٹھہرو، میں اسے ایک کمرے میں بند کرکے آتی ہوں۔" پچھی نے پیچھے مڑکر پیغام دیا۔

جوں ہی وہ نگاہوں سے اوجھل ہوئی، میں نے اپنی جگہ چھوڑدی۔ وہ زیادہ بڑا مکان نہیں تھا۔ کشادہ لابی میں چار دروازے تھے اور چاروں ہی کھلے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کمرا کسی کی خواب گاہ کے طور پر زیراستعمال تھا کیونکہ اس کا بستر شکن آلود تھا۔ میں پھرتی سے اسی کمرے میں گھس گیا۔ جو کچھ ہوا، وہ کتے کی وجہ سے حادثاتی طور پر ہوا تھا۔ اس میں میرے کسی منصوبے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس کمرے میں انسانی وجود کی بو رچی ہوئی تھی۔ جوتوں کے اوپر شب خوابی کا ایک دھاری دار لباس بکھرا ہوا تھا، ڈریسنگ ٹیبل پر موجود، مردانہ استعمال کی چیزیں بے ترتیب تھیں۔ سرہانے والی تپائی پر فون رکھا ہوا تھا۔ قالین پر اسکاچ کی ایک خالی بوتل بھی لڑھکی ہوئی تھی۔

آثار بتارہے تھے کہ وہ جوگیندر پال کی خواب گاہ تھی۔ بم رکھنے کے لیے روئے زمین پر اس سے بہتر مقام ملنا محال تھا۔ قسمت نے اتفاق سے وہ موقع فراہم کردیا تھا۔ میں نے چشم زدن میں اپنے ہاتھ میں موجود ریموٹ کنٹرول بم، جوں کا توں مسہری کے نیچے رکھ کر دور تک کھسکا دیا اور جس تیزی سے اس کمرے میں داخل ہوا تھا، اسی تیزی کے ساتھ باہر نکل کر واپس اول خان کے پاس پہنچ گیا۔

میں نے وہ کارروائی اتنی سرعت سے انجام دی تھی کہ پچھی تقریباً ایک منٹ بعد کتے کے بغیر واپس آئی۔ تو اسے میری حرکت کا اندازہ تک نہیں ہوسکا۔ وہ مکان پوری طرح بند اور گفتگو کے لیے محفوظ تھا مگر ہم تینوں کے ذہنوں پر ایک خوف سوار تھا۔ پچھی دبی دبی سرگوشیانہ آواز میں بولی "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم دونوں پالتو کتوں سے اتنا ڈرتے ہو۔ میرے ہوتے ہوئے وہ تمہیں کچھ بھی نہ کہتا۔ میں نے اسے بند کردیا ہے۔ جلدی سے کاغذ ڈھونڈلو اور واپس چلے جاؤ۔"

"تمہیں بھروسا ہو تو ہم دونوں الگ الگ کمروں کی تلاشی لے لیں تاکہ وقت بچ جائے۔" میں نے سادگی سے

پوچھا۔

"نہیں!" وہ اس سوال کے لیے شاید پہلے سے تیار تھی "میں تم دونوں کے ساتھ ساتھ رہوں گی تاکہ کوئی چیز ادھر اُدھر نہ ہو جائے۔"

اس کی عائد کی ہوئی شرط بہت کڑی تھی۔ اگر قسمت اور کتے نے ساتھ نہ دیا ہوتا تو شاید بم والا چرمی پیکٹ ہمیں اپنے ساتھ واپس لے جانا پڑتا۔

لابی میں کھلنے والے کمروں میں پہلا دروازہ سادہ سے ڈرائنگ روم کا تھا۔ اس سے ملحق ڈائننگ روم میں چار کرسیوں کے ساتھ ایک چھوٹی مگر خوب صورت میز پڑی ہوئی تھی۔ ان سے نکلنے کے بعد چھمی ہمیں جوگیندر پال کی خواب گاہ میں لے گئی "یہ میرے صاحب کا کمرا ہے۔"

"تم چیزوں کے ہلنے جلنے کی بات کر رہی تھیں۔ یہ تو پورا کمرا ہی بکھرا ہوا ہے۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"یہاں ہر چیز کی ایک جگہ مقرر ہے۔ صاحب پھیلاتے ہیں، میں ہر چیز کو سمیٹ کر واپس اس کی جگہ پر پہنچاتی ہوں۔ گھر میں سب سے مشکل کام یہی ہے۔"

ہم دونوں کمرے کے مختلف حصوں میں اِدھر اُدھر چکراتے رہے۔ چھمی دروازے کے قریب کھڑی، ہمیں دیکھتی رہی۔ میں نے ٹیلی فون سیٹ پر نمبر تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ جگہ خالی تھی۔ اس کمرے میں کچھ وقت برباد کرنے کے بعد ہم دونوں نے اپنی ناکامی کا اعلان کر دیا۔

"پھر افضل کے دونوں کاغذ صاحب کے پاس ہوں گے۔" چھمی نے ہمارے ساتھ چلتے ہوئے کہا "چوتھا کمرا خالی پڑا ہوا ہے۔ اسٹور میں ٹوٹی رہتا ہے۔ باورچی خانے میں وہ کاغذ ہو نہیں سکتے۔" یہ کہتے ہوئے وہ ہمیں چوتھے دروازے پر لے گئی۔ وہ ملحق باتھ روم کے ساتھ ایک خواب گاہ تھی مگر بھائیں بھائیں کر رہی تھی۔ جوگیندر نے وہاں اپنی ضرورت سے زیادہ کوئی چیز جمع نہیں کی تھی۔

"یہ بہت برا ہوا۔ ہم تینوں کی محبت بھی افضل کے کسی کام نہیں آسکی۔" میں نے افسردگی سے کہا "پتا نہیں اب اس کا کیا بنے گا۔"

"میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ آج میں نے زندگی میں پہلی بار اپنے کسی مالک سے نمک حرامی کی ہے۔"

"چھمی! تم واقعی بہت ہمدرد اور نیک دل عورت ہو۔ تم مجھے یہاں کا فون نمبر دے دو۔ میں دیکھوں گا کہ افضل کے لیے کیا ہو سکتا ہے۔ کل یا پرسوں میں تمہیں فون پر پوری بات بتا دوں گا۔" میں نے باتوں کی روانی سے فائدہ اٹھا کر اپنے ذہن میں چکرانے والا سوال بھی کر ڈالا۔

"فون کرو گے!" اس نے دھیرے سے کہا، کچھ سوچا اور پھر اپنے مختصر بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر وسط میں کچھ ٹٹولا۔ اس کا ہاتھ واپس آیا تو اس میں زپ والا ایک ننھا سا پرس موجود تھا۔ چھمی زپ کھول کر اس کے اندر کچھ تلاش کرنے لگی۔

ذرا سی محنت کے بعد اس نے کئی تہوں والا ایک چھوٹا سا کاغذ میرے سامنے کر دیا "یہ یہاں کا نمبر ہے۔ صاحب نے خود لکھ کر دیا تھا کہ کبھی کوئی مجبوری ہو تو فون کر کے ان سے پہلے سے چھٹی لے لوں مگر میں نے آج تک کام سے کوئی چھٹی نہیں لی۔ میں دل لگا کر کام کرتی ہوں۔"

میں نے سگریٹ کے پیکٹ پر وہ نمبر نوٹ کر لیا۔ چھمی حیرت ناک طور پر ہمارے سارے مسائل حل کرتی جا رہی تھی۔

"مجھ سے بات کرنی ہو تو گیارہ بجے سے پہلے اور ایک بجے کے بعد کبھی فون نہ کرنا۔" چھمی تاکید کر رہی تھی "کبھی کبھی صاحب دفتر سے چھٹی کر کے ڈیڑھ دو بجے تک گھر آجاتے ہیں۔ ہفتے اور اتوار کو ان کی چھٹی ہوتی ہے۔"

"پھر ہفتے اور اتوار کو بھی فون نہ کروں۔" میں نے چھمی کا دل رکھنے کے لیے خوامخواہ پوچھ لیا۔

"ہاں! ہولی، دیوالی اور دوسرے تہواروں پر بھی فون نہ کرنا۔" چھمی نے دور تک کے لیے وضاحت کر دی "اب تم جاؤ، ڈر سے میرا دل بری طرح دھڑک رہا ہے۔ میں پانی پی کر کچھ دیر بیٹھوں گی تو دل ٹھکانے پر آئے گا۔ اس کے بعد میں کام شروع کروں گی۔"

میں نے اس کے لیے چند توصیفی الفاظ کہے پھر ہم دونوں نکاس کے راستے کی طرف بڑھ گئے۔ ہمیں اندرونی دروازے سے رخصت کر کے چھمی نے فوراً قفل لگا لیا۔ ہم نے باہر نکل کر چوبی پھاٹک بند کیا اور تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف چل دیے۔

"آج جوگیندر پال کی بدقسمتی کا دن ہے۔ ہمارے سارے کام توقع سے زیادہ آسان ہوتے چلے گئے۔" اول خان نے خوشی سے سرشار لہجے میں کہا۔

"مجھے آج پتا چلا کہ تم کتوں سے ڈرتے ہو۔" میں نے ہنسنے کی دبی ہوئی آرزو پوری کرتے ہوئے کہا "اسے دیکھ کر تمہارے پیر زمین پر گڑ کر رہ گئے تھے۔"

اول خان بھی ہنسنے لگا "تم بھی تو اس خوں خوار بلا سے ڈر رہے تھے۔ اصل کام اسی کی وجہ سے ہوا ہے۔"

"میں؟" میں نے حیرت سے کہا "میں تو بالکل بھی نہیں ڈرا تھا۔ تم سے پہلے آگے بڑھا تھا۔"

"ایک قدم بڑھے تھے۔ اس کے غراتے ہی دو قدم پیچھے آگئے تھے۔ تم چل پڑتے تو مجھے حوصلہ مل جاتا۔"

''اچانک شیر بھی سامنے آجائے تو انسان ساری ہمت یک جا کر کے اس سے لڑلیتا ہے لیکن جان بوجھ کر ایک ذلیل اور خطرناک کتے کے منہ میں جانا مشکل کام ہے۔'' میں نے اس کے مشاہدے سے آگاہ ہوتے ہی ہتھیار ڈال دیے ''کتے کے ذکر کے بغیر آج کی کہانی ادھوری رہے گی لیکن گھر جا کر میرے اور اپنے خوف کی کہانی نہ لے بیٹھنا۔ مجھے اپنی اس کمزوری کا آج پہلی بار اندازہ ہوا ہے۔ میں جلد ہی اسے دور کرلوں گا۔''

اول خان کچھ نہ بولا ہم دونوں کم و بیش یکساں تجربے سے گزرے تھے۔ مجھے امید تھی کہ وہ ناخوش گوار واقعہ ہمارے درمیان موضوع سخن نہیں بنے گا۔ اس واقعے کی کوکھ سے جنم لینے والی ہماری کامیابی نے کم از کم میرے دل میں ندامت کے احساس کو خاصا کمزور کردیا تھا۔

گاڑی میں بیٹھ کر ہم کچھ دور نکلے تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں یک بہ یک کبھی 'جوگیندر پال اور ٹونی کے ٹرانس سے نکل آیا ہوں۔ وہ واقعات بہت تیزی اور تسلسل کے ساتھ رونما ہوتے چلے گئے تھے۔ اس دوران میں میرا ذہن پوری طرح ان حالات کی گرفت میں جکڑا ہوا تھا۔ ہماری وہ مہم کامیابی سے ہم کنار ہوچکی تھی۔ جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے کے لیے بنیادی تیاریاں مکمل ہوچکی تھیں۔ کھیل کے اس حصے کی تکمیل کے ساتھ میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوا تو مجھے یاد آیا کہ اس دن کے لیے ہم نے کچھ اور ترجیحات بھی طے کی ہوئی تھیں۔

''آج ان چکروں کی وجہ سے ہمارے پاسپورٹوں کی تیاری کا کام اٹک گیا۔'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''صبح گھر سے نکلنے سے پہلے' میں نے اپنے گھر پر آئے ہوئے آدمی کو بریفنگ کے ساتھ تمہاری تصاویر دے دی تھیں۔ مجھے اندازہ تھا کہ واقعات کا پہیا چل نکلا تو میں الجھ کر رہ جاؤں گا۔ وہ کام ہو رہا ہے۔ کل صبح تک تینوں پاسپورٹ آجائیں گے۔''

''گڈ!'' اول خان کی زبان سے خبر سن کر مجھے خوشی ہوئی ''فرد اور تنظیم میں یہی فرق ہوتا ہے۔ تم اس نکتے کا ہر وقت دھیان رکھتے ہو۔''

''ایک مصروفیت کی وجہ سے دوسرا کام متاثر ہونے لگے تو میں شدید کوفت محسوس کرتا ہوں۔''

''استاد کا موبائل فون گھر میں ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''دیرا بتا رہی تھی کہ اس پر بار بار کال آرہی ہے۔''

''جوگیندر' استاد جیکب سے رابطے کے لیے بے چین ہوگا۔ شاید استاد اور ارجن کے انجام کی خبر ابھی تک دبی ہوئی ہے۔''

''وہ اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں گرے ہیں۔ مجھے اس ویران علاقے میں لے گئے تھے۔ اب وہاں ان کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ کوئی مشکل سے ان تک پہنچ سکے گا۔ اس وقت تک جنگلی جانور لاشوں کو نوچ کر مسخ کرچکے ہوں گے۔''

''جوگیندر پال کی موت کے ساتھ تمہارے سر پر منڈلانے والے سب خطرات ٹل جائیں گے۔'' اول خان نے قدرے توقف کے بعد کہا ''اب تمہارے گھر کا فون نمبر صرف ماروتی کے علم میں ہے اور وہ پوری طرح تمہاری مٹھی میں ہے۔''

''وہ واقعی عجیب اور بدقسمت عورت ہے۔ اپنے شوہر کے لیے بے پناہ محبت کے ساتھ بے وفائی کا جو سنگم میں نے ماروتی میں دیکھا ہے' وہ کبھی میرے گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ اب وہ بالکل اکیلی رہ گئی ہے۔ موہن ہاؤس والوں کے ساتھ اس کا گزارہ ہونا مشکل ہے۔''

''زندگی تجربات کا دوسرا نام ہے۔ ماروتی کے جگائے ہوئے فتنوں کا تماشا دیکھنے کے بعد میں خود اندر سے لرز کر رہ گیا تھا۔''

''اسے روی کی موت کی خبر ملے گی تو وہ مجھے تلاش کرے گی۔ اب میں اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔''

''تمہارا فیصلہ مناسب ہے۔ تنہا ہوجانے کے بعد وہ تمہاری ذات میں پناہ حاصل کرنے کی کوشش کرسکتی ہے۔ تم اس سے دور رہو گے تو وہ خود ہی مایوس ہو کر کوئی دوسرا سہارا تلاش کرلے گی۔ جوان اور خوب صورت بیواؤں کو آسانی سے ہمدرد مل جاتے ہیں۔''

اول خان نے سچے کی بات کہی تھی۔ کم سنی کی شادی کے باعث ماروتی اس وقت بھی جوان نظر آرہی تھی جب کہ میری اطلاعات کے مطابق وہ خود ایک جوان بیٹے کی ماں تھی۔ اس نے اپنی آزادیوں کی خاطر بیٹے کو میرپور خاص کے دیہی علاقے میں چھوڑا ہوا تھا جہاں اس لڑکے کو بھی اپنی خاندانی حیثیت کی بنا پر فرصت کے ساتھ ساتھ وہ تمام آزادیاں حاصل تھیں جو چڑھتی ہوئی منہ زور جوانی کے ساتھ انسان کی طلب بن جاتی ہیں۔

''مجھے ماروتی کا انجام افسوس ناک نظر آتا ہے۔'' میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد کہا ''وہ روی کے آزاد دوستوں کی صحبت میں گھر کر ایک کھلونا بن جائے گی اور پھر ہمیشہ کے لیے بکھر جائے گی۔''

''یہ بہت اچھا ہے کہ چند روز بعد تم بھارت کی طرف نکل جاؤ گے۔ سلطان شاہ میرے پاس آجائے گا۔ میں عارضی

طور پر تمہارا فون بند کروادوں گا۔ رابطے میں مسلسل ناکامی سے تھک ہار کر وہ تم سے ہمیشہ کے لیے مایوس ہوجائے گی۔"

"ارجن اور جیکب سے ٹکراؤ میں میرا چہرہ نہ بگڑا ہوتا تو میں کل ہی یہاں سے نکل جاتا!" میں نے حسرت سے کہا۔

"تم چاہو تو اب بھی اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا سکتے ہو۔" اول خان نے تجویز پیش کی "تم کو لاہور میں رک کر آگے جانا ہے۔ تم یہ چند دن لاہور میں گزار سکتے ہو۔ جب زخم مندمل ہوجائیں تو اسلام آباد سے جلال کو لاہور بلا لینا۔ وہ تمہیں سرحد پار بھیجنے کا بندوبست کردے گا۔"

وہ بہت موزوں تجویز تھی جس پر کسی تاخیر کے بغیر عمل کیا جاسکتا تھا۔ میں نے اسے اپنے ذہن میں محفوظ کرلیا۔

ہم دونوں پچھلے چند گھنٹوں کے دوران میں پیش آنے والے واقعات کی روشنی میں آئندہ کے امکانات پر باتیں کرتے ہوئے تقریباً بارہ بجے گھر پہنچ گئے۔ مجھ سے فون پر ہونے والی مایوسانہ گفتگو کے نتیجے میں ویرا چھلک رہی تھی۔

"غنیمت ہے کہ تم جلد ہی لوٹ آئے۔" ویرا نے مجھ سے سامنا ہوتے ہی کہا "مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ بھنگن تمہارا سارا دن برباد نہ کردے۔"

"یہ تمہاری اور ڈینی کی آپس کی گفتگو ہے۔ میں اس میں دخل نہیں دوں گا۔" اول خان نے اس کے تبصرے پر ہلکا سا قہقہہ لگا کے کہا۔

اول خان کی خوش دلی نے ویرا کو مخمصے میں ڈال دیا۔ اس نے اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر مجھے گھورا پھر خشک لہجے میں پوچھا "اصل کہانی کیا ہے؟"

"آرام سے بیٹھ جاؤ! اصل کہانی آج شام تک ختم ہوجائے گی۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی جیب سے ریموٹ کنٹرول نکال لیا۔ اول خان اسے میرے ساتھ مصروف پاکر خاموشی سے فون کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

میں... کچھ دیر تک ویرا کو زچ کرتا رہا۔ میں نے جوگیندر پال کے خلاف جو کامیابی حاصل کی تھی' وہ اتنی اہم تھی کہ میں اپنے مزاج پر اس کے مثبت اثرات کو پوشیدہ رکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ ویرا کے ساتھ غزالہ اور سلطان شاہ نے بھی میرے چہرے سے پڑھ لیا کہ بات وہ نہیں تھی جو ویرا سمجھ رہی تھی۔ یہ ویرا کے سیمابی مزاج کی خوبی تھی کہ وہ فوراً ہی استہزائیہ انداز ترک کرکے میری خوشامد پر اتر آئی۔

جوگیندر پال تک رسائی کے سلسلے میں پچھی نے جو کردار ادا کیا' وہ ان سب کے لیے ناقابل یقین حد تک حیران کن تھا۔ کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ایک ان پڑھ اور معمولی عورت ایسے اہم مجرم تک رسائی میں کوئی کلیدی کردار ادا کرنے کی اہل ہوسکتی تھی۔

"وہ اپنے مالک سے خائف تھی اور کسی قیمت پر ہم سے اتنا زیادہ تعاون کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔" اول خان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "میں اکیلا ہوتا تو اپنی کوششیں ترک کرکے ہتھیار ڈال دیتا لیکن ڈینی نے ہمت نہیں ہاری۔ پچھی کو آمادہ کرنا اسی کے بس کی بات تھی۔"

"اس طبقے کے بعض لوگ اپنے مالکوں کے بہت وفادار ہوتے ہیں مگر وہ تو میونسپل کارپوریشن میں ملازم ہے جوگیندر کے گھر کیسے پہنچ گئی؟"

پچھلی رات اس بارے میں تفصیل سے بات نہیں ہوسکی تھی۔ اول خان نے پورا پس منظر دہرانے کے بعد کہا "پچھی اور ڈینی کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر میں ایک عجیب نتیجے پر پہنچا ہوں۔ یہ ان پڑھ اور مفلوک الحال لوگ جیسے بھی ہوں' برے وقت میں ایک دوسرے کے بہترین ہمدرد ثابت ہوتے ہیں' ان میں کسی تعلیم اور تربیت کے بغیر ایسی طبقاتی سوچ پیدا ہوجاتی ہے کہ اس کی دوسری مثال ملنی مشکل ہے۔ پچھی کے تیور اس وقت نرم ہوئے جب ڈینی نے اسے یقین دلادیا کہ ہم بھی اسی کی طرح غریب اور بے سروسامان طبقے سے تعلق رکھتے ہیں..."

"تمہاری گاڑی دیکھ کر بھی اس نے ڈینی کے اس ڈھکوسلے کو تسلیم کرلیا؟" ویرا نے اول خان کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"یہ ڈینی کی چرب زبانی کا کمال تھا کہ اسے تسلیم کرنا پڑا۔ ایک بار وہ راہ پر آئی اور کام بنتا چلا گیا۔"

"خاصی سنسنی خیز صورت حال ہے۔" ویرا نے سوچتے ہوئے کہا "جوگیندر پال اپنے دفتر میں ہے۔ اس کی خواب گاہ میں' مسہری کے نیچے پانچ کلو بارودی طاقت والا ایک ریموٹ کنٹرولڈ بم پوشیدہ ہے جس کا ریموٹ ڈینی بے پروائی سے لیے پھر رہا ہے۔ سب کچھ تیار ہے۔ تمہیں کیسے پتا چلے گا کہ جوگیندر دفتر سے اپنے گھر واپس پہنچ چکا ہے۔"

"یہ معلومات بھی پچھی نے فراہم کی ہیں۔ ہم اس سے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کریں گے۔" اول خان نے بتایا۔

"چار نہیں' چھ بجے!" میں نے اس کی تصحیح کی "میں چاہتا ہوں کہ ہماری پہلی کوشش ہی بار آور ثابت ہو۔ چھ بجے تک اسے اپنے معمولات سے فارغ ہوکر کمرے میں پہنچ جانا چاہیے۔ میں نے اس کے کمرے میں اسکاچ کی ایک خالی بوتل دیکھی تھی۔ شراب نوشوں کے لیے شام کا دھندلکا

دعوت انگیز ہوتا ہے۔ وہ کہیں بھی ہوں، شام ہوتے ہی اس ٹھکانے پر پہنچنے کے لیے بے چین ہوجاتے ہیں جہاں سے انہیں ان کی خوراک مل سکے۔"

اچانک میز پر رکھے ہوئے اس موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی جو میں نے استاد جیکب کی لاش سے حاصل کیا تھا۔ گھنٹی کی آواز واقعی کرخت اور ناگوار تھی۔ جب تک گھنٹی بجتی رہی، سب خاموش رہے۔ وہ سلسلہ منقطع ہوا تو ویرا منہ بنا کر بولی "یہ گھنٹیاں سن سن کر میرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔"

"جب اس پر آنے والی کوئی بھی کال نہ سننے کا فیصلہ ہوچکا ہے تو تمہیں اس سے جان چھڑا لینی چاہیے تھی۔" میں نے کہا۔

"یہ تمہاری ہدایت تھی کہ فون بند نہ کیا جائے۔ جوگیندر پال ماسٹر چونک پڑے گا۔"

"فون سے نجات حاصل کرنے کے دوسرے طریقے بھی ہیں۔" ویرا کو جواب دے کر میں سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہوگیا "یہ موبائل لے جاؤ اور اپنے بستر پر تکیے کے نیچے رکھ دو۔ یہ خیال رہے کہ اس کا کوئی بٹن نہ دبنے پائے۔"

"اتنی سی بات تم مجھے پہلے بھی بتا سکتے تھے۔" ویرا نے میری ہدایت پر برہمی سے کہا۔

"یہ حل تم خود بھی سوچ سکتی تھیں۔ ضروری نہیں کہ میں ایسی معمولی باتیں بھی بتاتا رہوں۔"

"سوچنے میں تھوڑی سی عقل خرچ ہوتی ہے۔" سلطان شاہ نے جاتے جاتے گرہ لگائی "عورتیں عقل بہت کفایت سے استعمال کرتی ہیں اسی لیے کبھی گنجی نہیں ہوتیں۔ مرد بے چارے سوچ سوچ کر جوانی میں ہی گنجے ہوجاتے ہیں۔"

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ میری اور اول خان کی کارگزاری سے واقف ہونے کے بعد ہر ایک بہت خوش نظر آرہا تھا۔ جوگیندر پال کے متوقع انجام کے پیش نظر سب پرجوش تھے۔ خوش گپیوں کے دوران میں، شکم سیر ہو کر کھانا کھایا گیا اور پھر سستی کے آثار نمودار ہونے لگے۔

میں نے جوگیندر پال کے خلاف آخری قدم اٹھانے کے لیے ایک وقت کا تعین کرلیا تھا جو خاصی دور تھا۔ ویرا اور سلطان شاہ کو آرام کی سوجھنے لگی۔ کچھ دیر تک وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے، کسل مندی سے انگڑائیاں لیتے رہے پھر خاموشی سے اپنے کمروں کی طرف کھسک گئے۔ غزالہ عام حالات میں بھی خانہ داری کے فرائض میں مصروف رہتی تھی اور ہمارے ساتھ کم وقت گزارتی تھی۔ اس وقت وہ اول خان کی فرمائش پر چائے بنانے میں مصروف تھی۔

تخلیہ ہوتے ہی اول خان بولا "راستے میں تم نے پانچ بجے کا وقت مقرر کیا تھا لیکن اب چھ بجے اس خبیث کو فون کرنے کا ارادہ کیے بیٹھے ہو۔ اسے بلاوجہ ایک گھنٹے کی رعایت کیوں دے رہے ہو؟ یہ کام جتنا جلد ہوجائے اتنا ہی اچھا ہوگا۔" اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس سوال نے کافی دیر سے اسے پریشان کیا ہوا تھا لیکن وہ دوسروں کے سامنے خاموش رہا تھا۔

"ہمارا نشانہ صرف جوگیندر پال ہے۔" میں نے بتایا "اس کے ساتھ پچھی کو خراش بھی آئی تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کروں گا۔ میں نے ایک گھنٹے کی مدت ایسے کسی اتفاق کو ٹالنے کے لیے بڑھائی ہے۔ چھ بجے سے پہلے وہ وہاں سے جاچکی ہوگی۔"

"پچھی کا محفوظ رہنا بہت ضروری ہے۔" اس نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "میں اس کی موجودگی کو فراموش کر بیٹھا تھا۔"

"وہ اپنے ٹونی کے ساتھ کسی کتے ہی کی موت مارا جائے گا۔ اس بے زبان جانور کو بچانا میرے بس سے باہر ہے۔"

ہم دونوں ڈرائنگ روم میں صوفوں پر نیم دراز ہو کر باتیں کرتے رہے۔ ویرا اور سلطان شاہ کا قیلولہ زیادہ طول نہیں پکڑ سکا۔ انتظار کی اعصاب شکن کیفیت میں گہری نیند سونا محال تھا۔ ان کی واپسی کے ساتھ غزالہ بھی ڈرائنگ روم میں آگئی۔ تینوں نے روانگی کے لیے کپڑے تبدیل کرلیے تھے۔

وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ سب کی نظریں بار بار دیوار گیر گھڑی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اول خان کے سوا کسی کو یہ سوال نہیں سوجھا تھا کہ جوگیندر کے مقدر کا فیصلہ کرنے کے لیے چھ بجے کے وقت کا انتظار کیوں ضروری تھا۔

پانچ بجے اول خان پر بھی اضطرابی کیفیت طاری ہونے لگی۔ سب تیار تھے۔ اول خان کی گاڑی میں ہم پانچوں آسانی سے سوار ہوسکتے تھے۔ موبائل فون ساتھ لے کر ہم نے گھر کو مقفل کیا اور وہاں سے باتھ آئی لینڈ کے لیے روانہ ہوگئے جہاں جوگیندر پال کو آنے والے بدترین وقت سے بے خبر، اپنے گھر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔ اول خان نے ڈرائیونگ سیٹ سلطان شاہ کے حوالے کردی اور خود مجھے ریموٹ کے استعمال کا آسان طریقہ سمجھا رہا تھا۔ جوگیندر پال کی خواب گاہ کو ہولناک دھماکے کے ساتھ اڑانے کے لیے ہمیں بہرحال اس کے گھر سے پانچ کلومیٹر کی حد میں رہنا تھا۔ اس رینج سے باہر ریموٹ کنٹرول بے کار تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیچل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن اوبی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں الیس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیبی کو تلاش کر کے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل کے پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رائیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرام الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رائیل نے اپنی گلوخلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہو چکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد شریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد گیا اور بدقسمتی سے مراد شریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد شریف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد شریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارتی علاقے مونا باؤ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی بی کے جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ اس دوران میں کرشن کمار کے آدمیوں نے حیدر آباد میں موجود ہماری کار کا تعاقب کیا اور ہمارے گھر تک رسائی حاصل کرلی۔ ایک رات انہوں نے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیا مگر اپنی بدقسمتی سے حیدر آباد کے رجسٹریشن والی کار سمیت ایک مردہ اور دو زندہ شکاروں کی صورت میں ہمارے ہاتھ آگئے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کرشن کمار انڈیا نہیں گیا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ دیکھ چکا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کردیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے ٹھکانے سے واقف ہونے کے بعد ہم سے ضرور ٹکرائے گا۔ اسی امید کے تحت میں اور سلطان شاہ گھر سے باہر سڑکوں پر گشت کر رہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور ویرا کو یرغمال بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ اسے اغوا کر کے بیس لاکھ ڈالر انعام حاصل کرنے کا خواہش مند تھا مگر ویرا کی حاضر دماغی کے باعث اسے اپنی کوشش میں ناکامی ہوئی اور اسے راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ ہمارے گھر پر شب خون کی کارروائی کے دوران میں استعمال ہونے والی کار کا رجسٹریشن شراب فروخت کرنے والی ایک کمپنی موہن اینڈ موہن کے نام پر تھا۔ کمپنی کا مالک جگدیش کراچی میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے اس کے گھر پر اس سے ملاقات کی۔ اس نے بتایا کہ حیدر آباد سے متعلق کاروباری معاملات اس کا بھائی روی دیکھتا ہے۔ ہم روی سے ملنا چاہتے تھے مگر وہ ہمیں جل دے کر وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔ تاہم ہمارے تیور دیکھ کر روی کی خوب صورت بیوی مارو تی نے مجھے روی کی سلامتی اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے عوض کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ اس کی نشاندہی کے بعد کرشن کمار کا شکار بہت آسان ثابت ہوا۔ کرشن کمار کے بعد ہری چند باقی رہ گیا تھا وہ کراچی سے فرار تھا۔ وہ ہمیں حیدر آباد کے قریب ایک ٹریفک حادثے میں شدید زخمی ہو کر ملا اور پوچھ گچھ کے دوران دہلی میں موجود انل بسواس نامی بھارتی افسر کا نام بتا سکا۔ ہمیں بعد میں علم ہوا کہ انل بسواس نئی دہلی میں را کے پاکستان ونگ کا سربراہ تھا۔ اسی اثنا میں روی کے ملازم شیام کی مخبری کے باعث میجر بخشی ہمارے فرضی ناموں اور ٹیلی فون نمبر سے آگاہ ہوگیا۔ اس نے مظہر خان کو فون کر کے دھمکی دی۔ اس کو نہایت صفائی سے عقل و خرد سے بے گانہ کر کے بھارتیوں کے لئے بے مصرف کردیا گیا۔ مجھے اب غزالہ کے ہمراہ بھارت روانہ ہو جانا تھا مگر ویرا نے قائل کرلیا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ ہوگی۔ روی کو ہمارا ساتھ دینے کی سزا ملی اور اسے بے دردی سے ہلاک کردیا گیا۔ ماسٹر نامی شخص کے آدمی مجھے اغوا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ وہ میرے مقابلے میں بہت بودے ثابت ہوئے اور کراچی سے باہر کے ویرانے میں واصل جہنم ہوئے۔ مجھے ان سے ماسٹر کا موبائل فون مل گیا۔ ماسٹر نے موبائل فون کے حوالے سے بڑی چالاکی کا ثبوت دیا تھا۔ مگر میونسپل کارپوریشن کی ایک ملازمہ چمپی کے ذریعے ہم اس کے گھر تک پہنچ گئے۔ وہ بھارتی قونصلیٹ کا ملازم تھا اور اس کا اصل نام جوگیندر پال تھا۔ ہم نے اس کی خواب گاہ تک رسائی حاصل کی اور وہاں محدود طاقت کا ریموٹ کنٹرول بم نصب کردیا۔ اب ہمیں جوگیندر پال کے گھر پہنچنے کا انتظار تھا۔

آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

اول خان کی گاڑی شہر کی سڑکوں پر تیزی سے سفر کر رہی تھی اور میرا ذہن جوگیندر کی ذات میں الجھا ہوا تھا۔

پچھلا دن طلوع ہوا تو ہمارے سامنے میجر بخشی کا نام تھا۔ میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس نے قلیل سی مہلت سے فائدہ اٹھاکر کسی کو اپنا راز داں بنالیا ہوگا۔ جوگیندر پال اس کا خاموش اور بہت چالاک حلیف تھا۔ اس نے ہمیں ہوشیار ہونے کا کوئی موقع دیے بغیر اپنا وار کرنے کی کوشش کی تھی۔ میجر بخشی کا انجام سامنے آنے کے بعد اس نے کسی سے چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔ خاموشی سے اپنی کمین گاہ میں دبکا رہا۔ اپنے کرائے کے آدمیوں کو ان کاموں پر مامور کردیا جن کو پورا کرنے کی حسرت میجر بخشی کے دل میں رہ گئی تھی۔

جیکب گینڈے اور ارجن نے روی کو شہر کے ایک معروف اسپتال سے بہت مکاری سے اغوا کیا اور ٹھکانے لگادیا۔ ان دونوں نے اپنی دانست میں مجھے بھی تقریباً مار ہی لیا تھا لیکن میرے ستارے میرا ساتھ دے رہے تھے۔ عین وقت پر ان کی بازی الٹ گئی اور میں نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہ صرف خود کو بچانے میں کامیابی حاصل کرلی بلکہ ان دونوں کو موت کے خونی جبڑوں میں دھکیل دیا۔

وہ سارے مرحلے طے ہونے تک جوگیندر پال کا نام پردے میں رہا۔ مجھے یا کسی اور کو کچھ پتا نہیں تھا کہ کرائے کے قاتلوں کو میرے اور روی کے خون کی بو پر لگانے والا کون تھا پھر ایک سراغ ملا۔ ڈور کا سرا ہاتھ میں آنے کے بعد گتھی سلجھتی چلی گئی۔

افضل اور پچھمی محض دو نام تھے۔ بے وقعت اور غیر اہم۔ ایک میونسپلٹی کا غریب کلرک تھا' دوسری اسی شہری ادارے کی معمولی سی بھنگن۔ ان دونوں نے ہمارے ساتھ مل کر ایسا کام دکھایا تھا کہ اس وقت جوگیندر حقیقت میں پانچ کلو طاقت والے بارود کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا تھا۔

میں نے اپنے ذہن میں پچھمی کی گفتگو ایک بار پھر تازہ کی۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کا مالک اپنے دفتر سے ڈھائی' تین بجے واپس آتا ہے۔ اسے کھانا دے کر وہ ہانڈی اور برتن وغیرہ صاف کرتی ہے اور وہاں سے روانہ ہوکر سورج ڈھلنے سے پہلے اپنے گھر پہنچ جاتی ہے۔

پچھمی کی مہربانی سے میں جوگیندر کا گھر دیکھ چکا تھا۔ اس کی خواب گاہ میں لڑھکی ہوئی اسکاچ کی بوتل سے اس کے فارغ اوقات کے مشغلے کا معاملہ بھی واضح ہوچکا تھا۔ میرے تصور میں اس گھر کا ایک نیا خاکہ سر ابھارنے لگا جس میں جوگیندر پال کپڑے وغیرہ بدلنے کے بعد' اپنی خواب گاہ میں مسہری پر دراز ہوکر ٹیلی وژن دیکھ رہا تھا۔

وہ ایک عادی اور پرانا شرابی تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو خالی بوتل اس کے کمرے میں لڑھکی ہوئی نہ ملتی۔ قرینے سے کسی الماری یا خانے میں رکھی ہوئی ہوتی۔ میں اپنے تجربے اور دوسروں کے مشاہدے کی بنا پر اچھی طرح جانتا تھا کہ بے پروائی کا وہ دستور' عادی شرابیوں میں عام ہوتا ہے۔ وہ پیتے ہیں اور پھر پیتے ہی چلے جاتے ہیں۔ انہیں یہ غم نہیں ہوتا کہ بوتل کہاں پڑی ہے اور پیانہ یا گلاس کہاں رہ گیا۔ نہ یہ یاد رہتا ہے کہ وہ پینے کے لیے جیتے ہیں یا جینے کے لیے پیتے ہیں۔ ان کا ہاتھ اسی وقت رکتا ہے جب پینا اصاف نظر آنے لگتا ہے اور ہر چیز وہیں رہ جاتی ہے جہاں وہ ہوتی ہے۔

مجھے یقین تھا کہ دفتر سے واپسی پر پچھمی' جوگیندر کو جو کھانا دیتی ہوگی' وہ اس کا لنچ ہوتا ہوگا۔ وہ سہارے کے لیے تھوڑا بہت کھالیتا ہوگا اور پچھمی اپنے صاحب کے رات کے کھانے کا بندوبست کرکے چلی جاتی ہوگی۔ سرشام وہ پینے کا سلسلہ شروع کرتا ہوگا۔ شاید اس کے دفتر کا کوئی ساتھی بھی اس کے پاس آجاتا ہو۔ صحیح معنوں میں وہ اپنی شکم سیری مے نوشی کے بعد ہی کرتا ہوگا۔

میری چشم تصور دیکھ رہی تھی کہ وہ مسہری پر لیٹا ٹیلی وژن کے ساتھ ساتھ اپنے پسندیدہ مشروب سے بھی لطف اندوز ہورہا تھا۔ اس کے سان وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی بے خبری میں بارود کا ایک پیکٹ اس کی مسہری کے نیچے پہنچ چکا ہے۔

"چھ بج رہے ہیں... کب اسے فون کرو گے؟" ویرا کے اضطراری سوال نے مجھے تصورات کی دنیا سے باہر کھینچ لیا۔

میں نے سر جھٹک کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا اور کہا "بس' صدر کے علاقے میں داخل ہوتے ہی نمبر ملالوں گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان نے میری تائید کی "ریموٹ کنٹرول کی رینج پانچ کلو میٹر ہے۔ وہ یہاں سے بھی کام کرے گا مگر بہتر یہی ہے کہ اس کے گھر سے ہمارا فاصلہ کم سے کم ہو تاکہ بم پھٹنے کے بارے میں شک و شبے کی گنجائش نہ رہے۔"

"ضروری نہیں کہ وہ اپنی ہر شام اپنے گھر پر ہی گزارتا ہو۔" سلطان شاہ نے پُرخیال لہجے میں زبان کھولی "وہ کوئی بڑا افسر ہے۔ سفارتی حلقوں میں آئے دن کہیں نہ کہیں' کوئی نہ کوئی تقریب ہوتی رہتی ہے۔ تم نے اپنے کام میں دیر کی تو

ایسا نہ ہو کہ وہ گھر سے نکل جائے۔"

میں دل ہی دل میں سلطان شاہ کے ذہن کی رسائی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے بہت پتے کی بات کہی تھی مگر مجھے پھر بھی تشویش نہیں تھی۔ گھڑی کی ٹک ٹک سے محفوظ' ایک خاموش اور تباہ کن بم جوگیندر پال کی مسہری کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ وہ گھر پر نہ ہوتا تو فون پر اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ ہماری وہ بھاگ دوڑ ضائع ہوتی اور ہمیں بے نیل و مرام اپنے گھر لوٹ جانا پڑتا۔

ایسی کسی ناگہانی صورت حال میں جوگیندر پال کو چوبیس گھنٹوں کی چھوٹ مل جاتی۔ ہم اپنا وہی کام اگلے دن کے لیے ملتوی کرسکتے تھے۔ اس وقت سب کچھ بظاہر ہمارے اختیار میں تھا۔ ہم اسے اتنی چھوٹ نہ دینا چاہتے تو وہیں کہیں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کرسکتے تھے۔ یہ طے ہوچکا تھا کہ جب تک اس کی طرف سے فون پر جواب نہیں ملے گا' ریموٹ کنٹرول یونٹ کو نہیں چھیڑا جائے گا۔

وہ بات قابلِ فہم تھی۔ سلطان شاہ قائل ہوگیا۔ اس نے جلد از جلد صدر کے علاقے میں پہنچنے کے لیے گاڑی کی رفتار بڑھادی۔

صدر کی حدود شروع ہوتے ہی میں نے اپنا موبائل سنبھالا اور جوگیندر پال کا فون نمبر ملا ڈالا۔ کجھی کا بتایا ہوا وہ نمبر میں نے دل ہی دل میں اتنی بار دہرایا تھا کہ مجھے زبانی یاد ہوچکا تھا۔ سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے بزی ٹون سنائی دی اور میں نے لائن کاٹ دی۔

"فون بزی ہونے کا مطلب ہے کہ وہ گھر پر موجود ہے۔" سلطان شاہ نے رائے زنی کی۔

"یہ ضروری نہیں ہے۔" ویرا نے اپنا فرض گردانتے ہوئے اس کی تردید ضروری سمجھی "ہوسکتا ہے کہ اس کے بے لگام کتے نے منہ مار کر ریسیور یا پورا فون نیچے گرا دیا ہو۔ جب تک جوگیندر پال اپنے گھر نہیں لوٹے گا' فون بزی ہی ملتا رہے گا۔"

"ویرا پلیز!" اول خان کی آواز سے بے چینی مترشح تھی "ایسے کلمات زبان سے مت نکالو۔" ڈینی وقفے وقفے سے کوششیں کرتا رہے گا۔ دو تین ناکامیوں کے بعد ہی ایسا کوئی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ ابھی سے مایوسی مت پھیلاؤ۔"

جب اعصاب پر دباؤ زیادہ ہو تو انتظار کا ایک ایک لمحہ بھاری ہونے لگتا ہے۔ میں نے کوئی معقول وقفہ دیے بغیر دوبارہ کوشش کی اور اس مرتبہ بھی وہی بزی ٹون گنگنانے لگی اور میرے ذہن میں وسوسے سر ابھارنے لگے۔ اگر ویرا نے درمیان میں شر انگیزی نہ کی ہوتی تو یہ بات میں بھی سمجھ سکتا تھا کہ اگر جوگیندر اپنے فون پر کسی سے بات کررہا تھا تو اسے گفتگو کو اختتام تک پہنچانے میں کچھ وقت لگ سکتا تھا لیکن اس وقت میری ذہنی رو بھی بہک گئی تھی۔ میں نے سلسلہ منقطع کرتے ہی ری ڈائل والا بٹن دبادیا۔ میری اس کوشش کا وہی نتیجہ نکلا جو نکلنا چاہیے تھا۔

میں نے کسی وقفے کے بغیر وہ عمل بار بار دہرانا شروع کردیا۔ جوگیندر کا فون مسلسل بزی تھا۔ اس وقت جو کیفیت میری تھی' شاید وہی سب کی تھی۔ کسی نے مجھے روکنے یا سمجھانے کی کوشش نہیں کی کہ مجھے تسلسل کے بجائے کچھ وقفہ دے کر جوگیندر سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہم میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ جلد از جلد اس خبیث سے گفتگو کا سلسلہ شروع ہوتا کہ اسے اس کے انجام تک پہنچایا جائے۔

جب گاڑی پی آئی ڈی سی ہاؤس سے اگلے پل پر سے گزر رہی تھی تو میں شاید دس مرتبہ رابطے میں ناکامی سے دوچار ہوچکا تھا۔ اگلی کوشش پر دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنتے ہی مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ میرے چہرے سے اس کا اظہار ہونے لگا۔ سلطان شاہ ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔ دوسروں کی پر امید نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ سب خاموش تھے مگر میں نے پھر بھی فضا میں ہاتھ اٹھا کر انہیں اشارہ کرنا ضروری سمجھا۔

دوسری گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھالیا گیا۔ میں افضل کی تلاش کے سلسلے میں ایک بار جوگیندر پال کے موبائل پر اس سے بات کرچکا تھا۔ میں نے فوراً ہی اس کی آواز پہچان لی۔ اس وقت اس کی آواز خاصی نرم تھی۔

"ہیلو جوگی!" میں نے اس کے نام کا بے تکلفانہ استعمال کرتے ہوئے شستہ انگریزی میں اسے مخاطب کیا "کیا ہورہا ہے؟"

"تم کون ہو.... ؟ کیا میں تمہیں جانتا ہوں؟" دوسری طرف سے میرے سوال کو نظرانداز کرکے پوچھا گیا۔

"یہ تمہاری ذہانت کا امتحان ہے۔" میں نے خوش دلی سے اپنی بات جاری رکھی۔ "میں نے تمہاری آواز پہچان لی ہے!"

اول خان' سلطان شاہ کی طرف جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں شاید اسے راستے کے بارے میں ہدایت دے رہا تھا۔ جوگیندر سے فون پر رابطہ ہونے کے بعد ہمارا جلد از جلد اس کے گھر کے قریب پہنچنا ضروری ہوگیا تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ

کس لمحے بھڑک کر فون کا سلسلہ منقطع کردیتا اور ریموٹ کنٹرول کے فوری استعمال کی ضرورت پیش آجاتی۔ اس نکتے کو محسوس کرتے ہوئے سلطان شاہ نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی۔

"بے تکلف ہونے کی کوشش مت کرو!" ریسیور سے جوگیندر پال کی آواز خشک غراہٹ میں تبدیل ہوگئی۔ "اگر مجھ سے بات کرنے کی ذرا بھی خواہش رکھتے ہو تو سب سے پہلے اپنا تعارف کراؤ ورنہ میں فون بند کردوں گا۔"

"شاید وقت نے تمہیں مغرور بنا دیا ہے ورنہ میں تمہارے لیے اتنا اجنبی نہیں ہوں۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"اجنبی نہ ہوتے تو تمہیں یہ ضرور معلوم ہوتا کہ میں جوگی کہلانا پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ مجھ سے بے تکلف ہیں وہ مجھے پال کہتے ہیں۔ یہ میری پہلی، آخری اور فیصلہ کن وضاحت ہے۔ نام بتاؤ ورنہ میں فون بند کرتا ہوں۔"

"میرا نام کا داؤ نہیں چل سکا مگر میرا اصل مقصد پورا ہوچکا تھا۔ وہ نہ صرف اپنے گھر میں بلکہ اپنی خواب گاہ میں موجود تھا۔ اس سے کسی قسم کی راز داری برتنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ موت کی دہلیز پر کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت اس سے چند کھری باتیں کرنے کا موقع ضائع کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے خالی ہاتھ استعمال کرتے ہوئے، اپنی جیب سے ریموٹ کنٹرول یونٹ نکال لیا۔

"میں استاد جیکب کا باپ بول رہا ہوں۔ اسے تم نے کہاں بھیجا ہوا ہے؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔

"م.... میں کسی جیکب کو نہیں جانتا۔ اس کے کسی باپ کو جاننے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!" وہ لمحہ بھر کے لیے ہکلایا مگر پھر سنبھل گیا۔

"پھر تم ارجن، روی اور مظہر کو بھی جاننے سے انکار کردو گے؟" میں نے ایک ہی سانس میں اسے تین نام گنوا دیے۔

"تم نت نئے نام لے کر مجھے بلاوجہ ہراساں کرنے کی کوشش کررہے ہو۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم ان ناموں سے ہراساں ہوئے ہو۔ ان میں سے مظہر کے سوا سب جہنم واصل ہوچکے ہیں....."

"اوہ، تو کیا تم مظہر ہو؟" میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس کی تحیر زدہ آواز ابھری "تم تو روی کے بہت بڑے سرپرست ہو۔"

میں کبھی کسی موذی کا سرپرست نہیں رہا۔ روی میرے کام آرہا تھا، میں اس سے کام لیتا رہا۔ تم نے اسے اسپتال سے اٹھا کر مروا دیا..... بہت اچھا کیا۔ زمین کا بوجھ کچھ ہلکا ہوگیا۔ اپنا بدلہ لینے کے لیے وہ بے چینی سے وہاں تمہارا انتظار کررہا ہے۔"

"تم ٹیلی فون پر گیدڑ بھبکیاں کسی اور کو دینا۔" میری دھمکی پر وہ مشتعل ہوگیا۔ "میں بخشی نہیں ہوں۔"

"یہ مجھے معلوم ہے کہ تم بخشی نہیں ہو اسی لیے بخشے نہیں جاؤ گے۔ وہ زندہ رہے گا مگر تم کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ اب یہ بھی سن لو کہ میرا نام ڈینی ہے۔ میرا ہاتھ اس وقت تمہاری شہ رگ پر ہے....."

اس نے ایک مرتبہ پھر میری بات کاٹ دی "مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ مظہر نام کا کوئی نیا آدمی میدان میں اترتے ہی اتنی پھرتی نہیں دکھا سکتا۔ اس کے پردے میں کوئی پرانا پاپی چھپا ہوا ہے۔ اب تمہاری موت میرے ہاتھوں لکھی گئی ہے۔" وہ انگریزی بھول کر اردو پر اتر آیا تھا۔

"تم لولے ہوچکے ہو۔" میں نے بھی اردو میں زہریلی آواز میں جواب دیا "جیکب اور ارجن تمہارے داہنے اور بائیں ہاتھ تھے۔ وہ کاٹے جاچکے ہیں۔ تم اپنی بزدلی کی وجہ سے پردہ نشین ہو۔ کبھی کھلے مقابلے پر آنے کی غلطی نہیں کرو گے۔ اس لیے میں نے تمہارا دوسرا بندوبست کیا ہے۔ تمہارے گلے میں طوق پڑچکا ہے، نقارہ بجنے کی دیر ہے۔ اس کے بعد تمہارا نام ونشان تک باقی نہیں رہے گا۔"

"تم یہ مان رہے ہو کہ بخشی کسی حادثے کا نہیں، تمہاری درندگی کا شکار ہوا ہے؟"

"درندگی کا نشانہ تم بنو گے۔ اسے محبت سے گوش مالی کرکے چھوڑ دیا گیا ہے۔"

"تم میرے قریب آؤ گے تو تمہیں اندازہ ہوجائے گا کہ یہ حرکت تمہیں کتنی مہنگی پڑے گی۔"

"مجھے ہم جنسوں سے کوئی رغبت نہیں ہے۔ جنس مخالف کی تلاش میں رہتا ہوں۔ تم پر میں تمہاری کچھی کو ترجیح دوں گا۔ وہ کہاں ہے؟"

"میں سمجھ گیا..... میں خوب سمجھ رہا ہوں۔" اس کی اضطراری آواز ابھری "کچھی کا نام لے کر تم مجھے یہ جتانا چاہ رہے ہو کہ تم نے میرا گھر دیکھ لیا ہے اور میرے بارے میں بہت کچھ جان چکے ہو مگر یاد رکھو کہ یہ باتیں تمہارے کسی کام نہیں آسکیں گی۔ تم میرے گھر میں قدم بھی نہیں رکھ سکو گے۔"

اس سے گفتگو کے ساتھ ساتھ میری توجہ راستوں پر بھی

مرکوز تھی۔ اول خان کی رہنمائی میں سلطان شاہ ڈرائیونگ کرتا ہوا جوگیندر پال کے گھر کے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔ ایک موڑ کے بعد کسی بھی لمحے وہ پیلا مکان ہماری نظروں کے سامنے آسکتا تھا۔

"میرے قدم تمہیں پسند نہ آئے تو میں نئی دہلی کے انل بسواس سے سفارش کرالوں گا۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

"تمہارا وقت قریب آگیا ہے۔" جوگیندر کی آواز سخت اور نیم ہذیانی ہوگئی "تم اپنی اوقات سے بہت زیادہ جان چکے ہو۔ میں دیکھوں گا کہ اب تم کتنی دیر زندہ رہتے ہو۔ اب یہ بخشی کا سونپا ہوا نہیں' میرا اپنا کام بن چکا ہے۔"

"تمہارا کام بنا نہیں بلکہ تمام ہونے والا ہے۔ ذرا سی ہمت کرو اور اپنی مسہری کے سرہانے کے نیچے جھانکو۔ مجھے بتاؤ کہ وہاں رکھا ہوا سیاہ چرمی پیکٹ کیا ہوسکتا ہے۔ ابھی وہ خاموش ہے لیکن میری انگلی کے ذرا سے اشارے پر بول پڑے گا۔"

اس کی زبان سے مغلظات کا طوفان ابلا جو فوراً ہی معدوم ہوگیا۔ شاید وہ بوکھلاہٹ میں فون کا ریسیور پھینک کر اپنی مسہری کی طرف لپکا تھا۔ میرے ریسیور پر کچھ ناقابل فہم اور مبہم آوازیں آرہی تھیں جن سے ظاہر ہورہا تھا کہ فون کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا تھا اور جوگیندر پال اپنے کمرے میں موجود تھا۔ میں نے ریموٹ کنٹرول یونٹ کے سرخ بٹن پر چڑھا ہوا شفاف پلاسٹک کا سخت خول انگوٹھے کے ناخن سے نکال دیا۔

میں نے وہ تیاری جان بوجھ کر کی تھی۔ غالب امکان یہی تھا کہ اپنی مسہری کے نیچے سیاہ چرمی پیکٹ دریافت کرنے کے بعد جوگیندر بوکھلا کر فون پر واپس آتا لیکن یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں تھی کہ اس بھیانک خطرے کا ادراک کرتے ہی وہ پوری طاقت سے وہاں سے دوڑ لگا دیتا۔ میں اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہتا اور وہ دھماکے کی زد سے نکل جاتا۔

ریسیور پر نقل وحرکت کی آوازیں آنے کے باوجود میں نے چند ثانیوں سے زیادہ انتظار نہیں کیا۔ میں سرخ بٹن دبانے والا تھا کہ ریسیور میں جوگیندر پال کی گھبرائی ہوئی آواز گونجی "وہ کیا ہے؟ یہ پیکٹ میرے کمرے میں کیسے پہنچا؟"

وہ اس کا اضطراری سوال تھا۔ میں نے طنز سے کہا "بچھی سے پوچھ لو!"

"وہ چلی گئی۔ چار بجے چھٹی کرکے اپنے گھر چلی جاتی ہے۔" وہ فون پر باقاعدہ ہانپ رہا تھا۔

"پھر اپنے کتے' ٹونی سے پوچھو!" میں نے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ جواب دیا "اس پر تمہیں بہت ناز ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے میں تمہارے گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ پھر وہ چرمی پیکٹ کس نے وہاں رکھا ہے۔ تم بہت عقل مند بن رہے ہو۔ سوچ کر جواب دو!"

"یہ اسی بچھی' حرام زادی کی حرکت ہوسکتی ہے۔ تم نے بچھی کو خرید لیا ہوگا.... بولو' تم کیا چاہتے ہو؟"

"بچھی کے بارے میں اپنی غلط فہمی دور کرلو۔ وہ بکنے والی نہیں ہے اور میں تمہاری موت کے سوا اب کچھ نہیں چاہتا۔"

گاڑی ایک خاص مقام پر رک گئی تھی۔ اس سے آگے جانا خطرناک تھا۔ ڈھلتے ہوئے سورج کی زرد اور تھکی تھکی روشنی میں جوگیندر پال کا پیلا مکان میرے لیے ایک آسیبی منظر پیش کررہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہاں ملبے کا ایک طوفان اٹھنے والا تھا۔ سلطان شاہ نے کسی بھی غیر متوقع صورت حال کا مقابلہ کرنے کے خیال سے گاڑی کا انجن بند نہیں کیا تھا۔

"نہیں!" اس کی آواز کانپ گئی "میں ابھی مرنا نہیں چاہتا' میں سمجھ گیا۔ پیکٹ میں کوئی آواز نہیں ہے۔ تم نے اس میں کوئی ریموٹ کنٹرولڈ بم چھپایا ہوا ہے.... دد... دیکھو' ڈینی! میرے بھائی! میں تمہاری طرح جیتا جاگتا انسان ہوں۔ ابھی ابھی میری پتلون گندی ہوگئی۔ مجھے ایسی بے رحمی سے نہ مارو' مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو۔ میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا...."

"روی بھی تمہاری طرح جیتا جاگتا انسان تھا۔ تم نے اسے بے دردی سے مروادیا۔ اب تم کس منہ سے اپنے لیے جان کی امان مانگ رہے ہو؟ تم اپنے کتے کے ساتھ ایک کتے کی موت مارے جاؤ گے' یہ فیصلہ اٹل ہے۔"

"میرے بھائی' میرے باپ!" ریسیور پر جوگیندر پال کی آواز رندھنے لگی "میں سمجھ چکا ہوں۔ اس بم کا ریموٹ کنٹرول تمہارے پاس ہوگا۔ تم جب چاہو گے' ایک بٹن دبا کر مجھے اڑادو گے۔ مجھ پر رحم کرو' میں تم سے مصالحت چاہتا ہوں۔"

"تم روی کے ہی نہیں' استاد اور ارجن کے بھی قاتل ہو" میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا "تم نے ان دونوں کو جانتے بوجھتے ہوئے ایسے خطرناک کام میں لگادیا کہ وہ دونوں میرے ہاتھوں مارے گئے۔ تمہارے سر پر کم از کم تین خون ہیں۔"

"روی کو ارجن نے مارا۔ ارجن اور جیکب کو تم نے

مارا۔ میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔"

"شٹ اپ! تم خونی درندے ہو۔ کلیدی رول تمہارا تھا۔ تم کو اپنے انجام کے لیے ہروقت تیار رہنا چاہیے تھا۔"

وہ مذاکرات سنتے سنتے اول خان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ جوگیندر پال کی زندگی کے آخری سانس تھے۔ وہ ہم سے ہونے والی گفتگو کسی کو نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اول خان ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر دانت پیستے ہوئے غرایا "وقت برباد مت کرو۔ وہ تمہیں باتوں میں الجھا رہا ہے۔ بھاگ نکلا تو ہم سب ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔"

اول خان کے وہ الفاظ میرے موبائل کے ماؤتھ پیس کے ذریعے جوگیندر پال کے کانوں تک پہنچ گئے اور اس نے تڑپ کر ملتجیانہ لہجے میں کہا "تم نے اپنا ہتھیار دکھا کر میرے فرار کا ہر راستہ مسدود کردیا ہے۔ میں بھاگتے ہی مارا جاؤں گا۔ مجھ سے ایسی حماقت کی توقع مت کرو۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم ایک مرتبہ میرے ساتھ بیٹھ کر روبرو بات کرلو۔"

میں نے بہت تیزی سے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ ہمارے لیے اس کی تجویز کی کوئی افادیت نہیں تھی۔ اس میں خطرات ہی خطرات مضمر تھے۔ اس وقت وہ بہت بری طرح ہمارے شکنجے میں آیا ہوا تھا۔ ذرا سے اشارے کے نتیجے میں اسے جہنم واصل کیا جاسکتا تھا۔ اس سے مل بیٹھنے کی کسی بھی کوشش کے نتیجے میں اسے وقت مل سکتا تھا۔ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر کسی اور کو ہماری راہ پر لگا سکتا تھا۔

اس بارے میں ہم ایک بدترین تجربے سے گزر چکے تھے۔ ہم نے میجر بخشی کو اپنی دانست میں ذرا بھی مہلت نہیں دی تھی مگر وہ پھر بھی جوگیندر پال کو اعتماد میں لینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ ہم ایسے کسی دوسرے جھٹکے کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔

"تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے ہو، چپ کیوں ہو؟" موبائل پر قدرے توقف کے بعد جوگیندر پال کی پھنسی پھنسی اور دہشت زدہ آواز ابھری "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ مجھ سے مل کر تم فائدے میں رہوگے۔"

"ہم کبھی فائدے کی پروا نہیں کرتے۔ دشمن سے لڑتے ہوئے مرجائیں گے یا اسے ماردیں گے" میں نے سرد لہجے میں کہا "وہ سب یا ان کی بدروحیں تمہارا انتظار کررہی ہوں گی۔ اب تم کو جانا چاہیے۔"

یہ کہہ کر میں نے اس کی چیخ و پکار پر کوئی دھیان دیے بغیر ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبادیا۔ کسی تاخیر کے بغیر فضا ایک خوفناک دھماکے سے لرز اٹھی۔ چند ثانیوں پہلے جہاں جوگیندر پال کا پہلا مکان تھا، وہاں صرف غبار، دھواں اور ملبے کے بڑے بڑے ٹکڑے اڑتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

دھماکے کے نتیجے میں قرب وجوار کی آبادی میں خوف وہراس پیدا ہونا یقینی تھا۔ وہاں رہنے والے کسی بھی لمحے اپنے گھروں سے باہر آسکتے تھے۔ ایسے میں ہمارا وہاں رک کر تماشا دیکھنا مناسب نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے ایک گہرا سانس لے کر گاڑی آگے بڑھادی۔

طاقت ور بارودی بم کا دھماکا بہت شدید تھا۔ اس کی آواز دور دور تک سنی گئی تھی جس کے نتیجے میں خوف زدہ لوگوں نے بوکھلا کر اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلنا شروع کردیا تھا۔ خوف اور تجسس میں مبتلا، بھاگتے دوڑتے لوگوں کے درمیان ہماری گاڑی سست رفتاری سے آگے بڑھتی رہی۔ وہ علاقہ ہمارے لیے اجنبی تھا مگر سمتوں کے بارے میں سلطان شاہ کے اندازے سوفیصد درست نکلے۔ کچھ دیر تک متعدد گلیوں میں گھومنے اور موڑ کاٹنے کے بعد ہم دوبارہ جوگیندر پال کے مکان کے قریب جانکلے۔ وہاں پہلے مکان کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا۔ دھماکے کے نتیجے میں پورا مکان اپنی بنیادوں سے اڑگیا تھا۔ گردوغبار کا طوفان ختم ہوچکا تھا اور جوگیندر کے گھر کی جگہ ملبے کا ایک اونچا ڈھیر عبرت کا نشان بنا ہوا تھا۔ ذرا سی دیر میں اس ملبے کے گرد ایک ہجوم اکٹھا ہوچکا تھا۔

وہی واقعہ غریبوں کی کسی گنجان آبادی میں پیش آیا ہوتا تو وہاں جمع ہونے والوں کی تعداد دس گنا سے بھی زیادہ ہوتی۔ گرد دبتے ہی لوگ ملبے میں گھس پڑے ہوتے تاکہ کسی جاں بہ لب زخمی کو زندہ درگور ہونے سے بچاسکیں۔ مگر وہ آسودہ حال شہریوں کی بستی تھی جو ہرحال میں بس اپنی ذات میں کھوئے رہتے ہیں۔ کسی شخص کو کسی ناگہانی آفت میں گھرا ہوا دیکھ لیں تو سب سے پہلے، اشتباہ آمیز انداز میں اسی کا کوئی قصور دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں کامیابی نہ ہو تو محتاط انداز میں زبانی کلامی ہمدردی کے اظہار پر اکتفا کرتے ہیں۔ انسانی ہمدردی میں بے خوف وخطر حد سے بڑھ جانا، ان کے نزدیک احمقانہ فعل ہوتا ہے۔ وہاں جمع ہونے والے سب ہی تماشائی، چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں باتیں کرنے میں مصروف تھے۔

سلطان شاہ نے جائے حادثہ سے کچھ دور گاڑی روک دی۔ جوں ہی میں نیچے اترا، اول خان نے بھی اپنی نشست چھوڑدی۔

"تم کہاں جارہے ہو؟" میں نے سپاٹ لہجے میں اول

خان سے سوال کیا۔
"وہیں جہاں تم جا رہے ہو" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تمہیں اپنی کامیابی پر شبہ ہے لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ اس ملبے میں جوگیندر اور اس کے کتے کے چیتھڑے ہی مل سکیں گے۔ ملبے میں اب کچھ بھی نہیں رہا۔"
"ایک سرسری نظر ڈال لینے میں کیا حرج ہے" میں نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے کہا۔
وہ واقعہ ایک بھری پری آبادی میں پیش آیا تھا۔ چھوٹی بڑی ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے حیران و پریشان تماشائیوں کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے سنا کہ وہ سب ہی کسی بم وغیرہ کے پھٹنے کے امکان پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔
وہاں پھٹنے والے بم کا دھماکا اتنا طاقت ور اور شدید تھا کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ آواز گیس کی پائپ لائن پھٹنے یا بجلی کا شارٹ سرکٹ ہونے کی آوازوں سے یکسر مختلف تھی۔ کسی کا خیال تھا کہ مکان میں رکھا ہوا آتش گیر مادہ حادثاتی طور پر پھٹ گیا تھا' کوئی باہر سے بم پھینکے جانے کے امکان پر اظہار خیال کر رہا تھا۔ بعض لوگ جو قریب کے رہنے والے تھے' جوگیندر سے واقفیت کی بنا پر یہ بھی کہتے ہوئے پائے گئے کہ اس گھر میں دہشت گردی کے لیے ہتھیار وغیرہ بنائے جاتے ہوں گے جو کسی بے احتیاطی کی وجہ سے ایک دھماکے کا شکار ہو گئے۔
دوسرے میں حیران تھا کہ کسی نے بھی کنکریٹ اور آہنی سریوں کے ملبے میں گھسنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن قریب سے ملبے کا جائزہ لینے کے بعد لوگوں کی اس لاتعلقی کا سبب بھی سمجھ میں آ گیا۔ ایک دوسرے کے سہارے ٹکے ہوئے بیم اور ٹوٹے پھوٹے ستون بہت بھیانک حالت میں تھے اور کسی بھی لمحے نیچے گر سکتے تھے۔ کوئی ان کے درمیان پھنس کر اپنی جان گنوانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ دوسرا اور شاید اہم ترسبب یہ تھا کہ ملبے پر گہرا سکوت طاری تھا۔ وہاں سے کسی ذی روح کی کوئی خفیف ترین آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ اس سکوتِ مرگ سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ دھماکے کے وقت وہ گھر خالی تھا اور اگر وہاں کوئی موجود تھا تو وہ دھماکے کے نتیجے میں راہی ملک عدم ہو چکا تھا۔ اس راستے پر جانے والے کسی کی مدد سے بالکل بے نیاز ہو جاتے ہیں۔
جوگیندر پال کے گھر کے ملبے اور وہاں جمع ہونے والوں کی آرا کا جائزہ لے کر ہم دونوں چند منٹ بعد گاڑی میں لوٹ آئے اور فوری طور پر ہمارا گھر کی طرف واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔
"جوگیندر تمہارا سب سے آسان اور بے ضرر شکار ثابت ہوا" ویرا نے کچھ دیر بعد سکوت توڑا۔
"بخشی نے بھی تنگ نہیں کیا۔" اول خان نے کچھ کہنا چاہا مگر سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔
"دونوں میں بہت فرق ہے۔ بخشی زندہ ہے۔ جوگیندر پال موت کی بے رحم وادیوں میں پہنچ چکا ہے۔"
"وہ ہمارا فیصلہ تھا" میں نے اول خان کا ساتھ دیا "ہم چاہتے تو اسے ذبح بھی کر سکتے تھے۔"
"جوگیندر خوش نصیب تھا" ویرا بولی "اس کے حصے میں بہت آسان موت آئی ہے۔"
"مجبوری تھی" اول نے کہا "اگر ہم اسے وقت دیتے' اس کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے یا مارنے سے پہلے اسے اغوا ہی کر لیتے تو ہر طرف کھلبلی مچ جاتی۔ ہو سکتا ہے کہ جوگیندر کو ہی موقع مل جاتا اور اس نے جو کچھ بخشی سے سنا تھا' اسے آگے بڑھا دیتا۔"
ہم میں سے کوئی بھی اتنا کند ذہن نہیں تھا کہ اول خان کی کہی ہوئی بات کے مضمرات کو نہ سمجھ پاتا۔ کسی بڑی بحث کے آغاز سے پہلے وہ مسئلہ وہیں ختم ہو گیا۔ سب اپنے اپنے خیالات کی دنیا میں کھو گئے۔ میرے ذہن پر اس وقت صرف ایک ہی خیال سوار تھا کہ جوگیندر پال کے ساتھ پیش آنے والے واقعے پر بھارتی کس ردِعمل کا مظاہرہ کرتے ہیں اور پاکستانی حکام کس انداز میں اس کا سامنا کرتے ہیں۔
پس پردہ اسباب کتنے ہی گمبھیر اور سنگین رہے ہوں' سامنے کی بات یہ تھی کہ دو دنوں میں دو انتہائی اہم بھارتی سفارتی اہل کار ناقابلِ توجیہہ واقعات کا شکار ہو چکے تھے۔ میجر بخشی کی یادداشت جاتی رہی تھی اور جوگیندر پال مارا گیا تھا۔ دونوں واقعات پاکستان کی سرزمین پر اور کراچی کی شہری حدود میں رونما ہوئے تھے۔ ان پر بھارتیوں کا پھٹ پڑنا بعید از قیاس نہیں تھا۔
اول خان پہلے سے ان خدشات کا اظہار کرتا رہا تھا لیکن میں نے اس نکتے کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی' اس وقت کام کی گرمی میں مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ بات آسانی سے سنبھال لی جائے گی لیکن جوگیندر کا کام تمام ہونے کے بعد میرا ذہن تصورات سے نکل کر حقائق کی دنیا میں آ گیا تھا جو اتنی سہل نہیں تھی۔ بات اگر بخشی تک محدود رہتی تو بھارتی اسے شاید اتفاقی حادثہ سمجھ کر صبر کر لیتے لیکن جوگیندر کی موت کے بعد بخشی والے واقعے میں بھی جان پڑ سکتی تھی۔ یہ سوال اٹھایا جا سکتا تھا کہ کراچی میں حادثات اور دہشت گردی کے

واقعات صرف بھارتی سفارت کاروں کے ساتھ کیوں رونما ہو رہے تھے۔ بھارتیوں کو اس سوال کا مثبت اور منطقی جواب دیا جانا بہت ضروری تھا۔ اس میں ذرا سی بھی کوتاہی ہوتی تو لینے کے دینے پڑ سکتے تھے۔

سفارتی تلخی پیدا ہونے کے نتیجے میں بھارتی سرزمین پر بھی کوئی جوابی حادثہ یا واقعہ رونما ہو سکتا تھا جس کے بعد کشیدگی میں اضافہ ہونا ناگزیر تھا۔ اس وقت ایسے تناؤ کا پیدا ہونا ہمارے لیے کسی بھی طرح سود مند نہیں تھا۔ ہمیں اپنے وطن کی سوندھی مٹی کو خیرباد کہہ کر دشمن کی سرزمین پر جانا تھا جہاں ہمارے چند بدترین دشمن چین کی بنسری بجا رہے تھے۔ دشمن کے علاقے میں' اس کے خلاف کارروائی کے لیے وہ حالات کٹھن ثابت ہو سکتے تھے۔

ان ہی خیالات میں غلطاں و پیچاں' ہم گھر پہنچ گئے جہاں چھت پر اول خان کے آدمی بدستور موجود تھے۔

''ماروتی بے چاری اب لنڈوری رہ گئی'' گھر پہنچتے ہی ویرا کی رگِ ظرافت پھڑک اٹھی ''وہ وقت بے وقت فون کر کے تمہارا سر کھاتی رہے گی اور تمہیں حیلوں بہانوں سے اپنے پاس بلاتی رہے گی۔''

''روپی کے غائب ہونے کے بعد وہ بہت پریشان اور بدحواس تھی'' میں نے سنجیدگی سے کہا ''اس وقت تم نے اسے دیکھ لیا ہوتا تو ایسے غیر ذمے دارانہ کلمات اپنی زبان سے نہ نکالتیں۔ وہ اپنے شوہر کو ٹوٹ کر چاہتی تھی۔''

ویرا نے لمحہ بھر کے لیے غور سے میری آنکھوں میں جھانکا پھر مسکراتے ہوئے بولی ''رومان زدہ اور چاہنے والی عورتیں شوہر سمیت' ہر مرد کو اسی طرح ٹوٹ کر چاہتی ہیں کہ وہ ان کا دیوانہ ہو جاتا ہے' سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ماروتی کے جادو سے اب تک کیسے محفوظ ہو۔''

''وہ اس وقت تمہیں کیوں یاد آگئی؟'' اول خان نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''یہ قصہ روپی سے چلا تھا۔ ہر واقعے میں اس کا کوئی نہ کوئی کردار تھا۔ ان واقعات کی آخری تان جو گیند رپال پر آکر ٹوٹی ہے تو روپی کا یاد آنا بھی ضروری ہے۔ ہم روپی تک ماروتی کے ذریعے پہنچے تھے۔ میں اس بے چاری کو کبھی فراموش نہیں کروں گی۔ کبھی کبھی تو میرے دل میں شدت سے یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ میں کسی بہانے سے اس سے مل کر بیٹھوں اور دیکھوں کہ وہ اندر سے کیسی عورت ہے۔''

''بھول کر بھی ایسی کوشش نہ کرنا'' اول خان نے تادیبی لہجے میں کہا ''اس وقت وہی باہر کی عورت ہے جو یہاں کے فون نمبر سے واقف ہے۔ ڈیپی کو بھی جلد از جلد اس سے پیچھا چھڑانا ہوگا ورنہ وہ کسی بھی وقت بہت زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔''

''ایک خوبصورت اور آزاد خیال عورت کسی کے لیے کیا خطرہ بن سکتی ہے؟''

''یہاں کا فون نمبر وہ کسی غلط آدمی کو بھی دے سکتی ہے۔ یہ نہ بھولو کہ ہم چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ جسے موقع ملا' وہ ہم پر مہلک وار کرنے سے نہیں چوکے گا۔ ماضی کے تلخ تجربات آج بھی تمہارے ذہن میں تازہ ہونے چاہئیں۔''

''تم کہتے ہو تو مانے لیتی ہوں ورنہ ماروتی مجھے ایسی عورت معلوم نہیں ہوتی۔۔۔''

اول خان نے ویرا کی بات کاٹ دی ''میری بات مان لی تو اب یہ قصہ یہیں ختم کر دو۔ میں حامد سے بات کرنے جا رہا ہوں۔ وہ ہمارے مشن کے بارے میں فکر مند ہوگا۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کامیابی حاصل کرنے کے بعد یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

وہ سب کی دلچسپی کا موضوع تھا۔ اول خان نے کسل مندی سے کام لیا اور ریسیور اٹھانے کے بجائے اسپیکر فون پر اسٹیشن فور کا نمبر ملا لیا۔

رابطہ قائم ہو جانے پر اول خان نے اسے بتایا ''مشن پورا ہو گیا۔ میں دوستوں کے ساتھ ہوں' تمہاری کیا خبریں ہیں؟''

''سر! مجھے حالات کی نزاکت کا احساس تھا۔ میں مشن میں کوئی خلل نہیں ڈالنا چاہتا تھا اس لیے رابطہ نہیں کیا۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے میرے پاس موہن ہاؤس کے بارے میں کچھ مشتبہ اطلاعات آ رہی ہیں جو میں۔۔۔''

''موہن ہاؤس!'' اول خان نے چونک کر اس کی بات کاٹ دی ''وہاں کی خبریں کون دے رہا ہے؟''

''سر! آپ بہت مصروف تھے۔ میں نے آپ کی اجازت کے بغیر اپنا ایک آدمی وہاں مامور کر دیا تھا۔''

''بہت اچھا کیا لیکن تم نے یہ ضرورت کیوں محسوس کی؟'' اول خان نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''مجھے آپ نے بتایا تھا کہ روپی کے غائب ہونے کے بعد اسپتال میں اور اس کے باہر کیا واقعات رونما ہوئے تھے۔ مظہر خان بدترین حالات سے گزرے تھے۔ میں نے سوچا کہ عورت کی دیکھ بھال ضروری ہے۔ کہیں اس پر کوئی وار نہ ہو جائے'' حامد کی آواز بھرپور اعتماد سے عاری تھی جیسے اسے

اول خان کی طرف سے اپنی کارروائی کی مکمل تائید کا یقین نہ ہو۔

"تم نے بہت صحیح فیصلہ کیا' میں دوسرے معاملات میں الجھ کر یہ پہلو فراموش کر بیٹھا تھا۔ اب بتاؤ کہ خبریں کیا ہیں؟"

"وہاں کوئی بڑی گڑبڑ ہوئی ہے۔ ملازمین بدحواس ہیں' کچھ دیر پہلے دو گاڑیاں وہاں سے نکل کر تیزی سے کہیں روانہ ہوئی ہیں۔ میں نے اپنے آدمی کو عمارت کی نگرانی کی ہدایت کی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے گاڑیوں کا پیچھا نہیں کیا جاسکا۔"

"ملازمین سے کچھ معلوم نہیں ہوسکا؟" اول خان نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"نو سر!" اسپیکر فون پر حامد کی آواز ابھری "چوکیدار گھبرایا ہوا ہے مگر اندر کے حالات سے بے خبر ہے۔ ویسے موہن ہاؤس سے جانے والی گاڑیاں عجلت میں روانہ ہوئی تھیں۔ دونوں میں کئی کئی افراد سوار تھے جن میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ اندر روی کی آخری رسوم کے لیے کافی مہمان آئے ہوئے ہیں۔"

حامد کی رپورٹ سن کر میرا ذہن الجھ گیا۔ جگدیش موہن کی خودکشی کی تیسری رات آنے بھی نہ پائی تھی کہ سوگوار عورتوں کو گھر سے نکلنا پڑا تھا۔ وہ بہت عجیب بلکہ ناقابلِ فہم سی اطلاع تھی جس کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"تمہارا آدمی ابھی تک وہیں موجود ہوگا؟" اول خان میری الجھن سے بے خبر' حامد سے پوچھ رہا تھا۔

"یس سر! اس کے پاس اپرنٹس بی ٹی نائن ہے" حامد کی طرف سے جواب آیا۔

"گڈ ۔۔۔ ویری گڈ!" اول خان بے ساختہ بول پڑا "اس کا پاس ورڈ کیا ہے؟"

"برنی ۔۔۔ وہ ہمارا قابلِ اعتماد آدمی ہے۔ براہِ راست میرے رابطے میں ہے۔"

"اوکے! میں دیکھتا ہوں۔ اگر بی ٹی نائن یہاں موجود ہوا تو میں خود لائن پر آتا ہوں ورنہ تم میرے موبائل پر رپورٹ کروگے" اول خان نے اپنا فقرہ مکمل کرنے کے بعد فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"میں نے بلاوجہ ماروتی کا نام نہیں لیا تھا۔ قدرت نے وہ خیال میرے ذہن میں ڈالا تھا" ویرا فوراً بول پڑی۔

"بات موہن ہاؤس کی ہو رہی ہے" سلطان شاہ نے طنز سے کہا "ضروری نہیں کہ نئے قصے میں ماروتی کا ذکر شامل ہو۔"

"ذکر ہو یا نہ ہو' وہ بھی موہن ہاؤس کے مکینوں میں شامل ہے" ویرا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تیر رہی تھی۔

"تجسس میں مبتلا رہنے سے بہتر ہے کہ تم ماروتی کو فون کرلو" اول خان نے مجھے مشورہ دیا۔ "وہ خود تمہیں پوری بات بتادے گی۔ ویسے بھی کل اسپتال سے رخصت ہونے کے بعد تم نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ اب وہ بیوہ ہوچکی ہے' اسے تمہاری ہمدردی کی ضرورت ہے۔"

"ہمدردی کو بس ہمدردی تک رہنا چاہیے۔ اس سے تجاوز نہ کرنا" ویرا نے مجھے تاکید کی "وہ خطرناک بیوہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے آج صبح کے اخبارات آنے سے پہلے ہی روی کے قتل کی خبر مل گئی ہوگی۔ اب تک اسے صبر آجانا چاہیے۔"

میں نے اسے کوئی جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ بس اسے گھور کر رہ گیا اور پھر موہن ہاؤس کا وہ نمبر ملانے لگا جس پر ماروتی سے براہِ راست بات ہوا کرتی تھی۔ فون کی دوسری گھنٹی پر میرے کانوں میں کسی نوجوان کی اداس سی مردانہ آواز آئی تو میں چونک پڑا۔

"ہیلو ۔۔۔! کون بول رہا ہے؟ میں ماروتی سے بات کرنا چاہتا ہوں" میں نے سنبھل کر کہا۔

"چچی نہیں ہیں' تم کون ہو؟" آواز میں رچی ہوئی اداسی گہری ہوگئی اور لہجہ کھردرا ہوگیا۔

اس کی زبان سے ماروتی کے لیے چچی کا لفظ سن کر مجھے ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ یقینی طور پر جگدیش موہن کا بیٹا تھا۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر بے دھڑک جواب دے ڈالا۔ "میں مظہر خان ہوں' روی کا دوست!"

"اپنے نام کی کوئی وضاحت مت کرو!" دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز یکایک جذباتی ہوگئی "میرا نام نریش موہن ہے۔ میں جگدیش موہن جی کا بیٹا ہوں۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ تم ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ۔ تمہارا نام ہمارے لیے ایک گالی بن چکا ہے۔"

میں نے کن انکھیوں سے دوسروں کی طرف دیکھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں میرے کان سے لگے ہوئے ریسیور میں آنے والی آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچ گئی ہو۔ میرا وہ اندیشہ بالکل بے بنیاد تھا۔ سب کے چہروں سے اشتیاق اور تجسس جھلک رہا تھا۔ ان کی نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں سمجھا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" مفہوم پاجانے کے باوجود میں نریش کی پوری بات نہیں سمجھ سکا تھا۔

"میں نے اپنا تعارف صرف اس لیے کرایا ہے کہ تم جان لو کہ میں اب موہن خاندان کا بڑا ہوں" اس بار اس کی

آواز استہزائیہ اور دبی دبی سی تھی۔ وہ الفاظ چبا چبا کر بول رہا تھا "اپنے گھر کی عزت اور ناموس کی حفاظت میری ذمّے داری ہے۔ میں اس پر کوئی آنچ آتے نہیں دیکھ سکتا۔ اگر تم کو چچی سے ذرا بھی سچی یا جھوٹی محبت ہے تو اب بھول کر بھی موہن ہاؤس فون نہ کرنا۔ اسی میں ہماری اور تمہاری بھلائی ہے۔"

"تم کسی سنگین غلط فہمی میں مبتلا ہو، نریش! کسی نے تمہارے کان بھرے ہیں۔ یہ سب..."

"مجھے سب معلوم ہے مظہر خان!" نریش نے سخت مجروح لہجے میں میری بات کاٹ دی "کسی اور نے یہ کہا ہوتا تو میں بھی خود کو فریب دینے کے لیے اسے جھوٹ کہہ کر اپنے دل اور ضمیر کو ہلکا رکھتا۔ دکھ اور صدمے کی بات یہ ہے کہ دو دن پہلے میں بہت چھوٹا ہوا کرتا تھا۔ اب اچانک سب سے بڑا بن گیا ہوں کیونکہ میرے بڑوں کو تم نہیں تو تمہارا نام نگل چکا ہے۔ بڑا بنتے ہی مجھ پر یہ راز کھلا ہے کہ سارے فساد کی جڑ تم ہو۔ یہ بات ہر شک اور شبہے سے بالا ہے کیونکہ یہ سب چچی نے اپنے قلم سے لکھا ہے جسے کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔"

میرے ذہن کو یکے بعد دیگرے جھٹکے لگ رہے تھے۔ نوجوان نریش کی باتیں بہت کڑوی اور زہریلی تھیں مگر ان باتوں نے میرے دماغ میں تجسس کی آگ بھڑکا دی تھی۔ نریش نے میرا نام سن کر فون بند کیا نہ میں نے اس کی کڑوی کسیلی باتیں سن کر ریسیور رکھا۔ میں نے بہت نرمی سے کہا "آواز سے تم اس وقت دکھی معلوم ہو رہے ہو۔ تمہاری باتیں ذومعنی ہیں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ ماروتی کہاں ہے۔ اس سے میری بات کرا دو۔"

"نہیں، مظہر خان! اب چچی تم سے کبھی بات نہیں کر سکے گی۔ یہ یاد رکھنا کہ تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو خون کی ندیاں بہ جائیں گی۔ ہم کوئی گرے پڑے لوگ نہیں، خاندانی لوگ ہیں۔ اپنی عورتوں کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔"

نریش کے دماغ میں بھی وہی گھمنڈ تھا جو اس کے باپ کی جان لے بیٹھا تھا۔ جگدیش کو غم تھا کہ ماروتی نے اس کا خاندانی غرور خاک میں ملا دیا تھا اور اسی صدمے میں اس نے خودکشی کر لی۔ نریش سے بھی کچھ بعید نہیں تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

اس نے کھل کر کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ماروتی زندہ تھی اور کسی خوفناک خاندانی عذاب میں مبتلا ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے ذہن کو ٹٹولا وہاں کہیں بھی ندامت کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ کراچی کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے پرتعیش اور خوابناک کمرے میں جنم لینے والی کہانی سراسر ماروتی کی ضد اور جبر کا نتیجہ تھی۔ اس میں میرا اس کے سوا کوئی کردار نہیں تھا کہ ماروتی نے حالات کا فائدہ اٹھا کر بہت بے رحمی سے مجھے بلیک میل کیا تھا۔ میں اس کے سینے میں بھڑکتی ہوئی انتقام کی آگ کے سامنے سپر نہ ڈالتا تو کرشن کمار شاید کبھی ہمارے ہاتھ نہیں آسکتا تھا۔

"بات نہ کراؤ۔ یہ تو بتا دو کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے؟" میں نے بہت تحمل سے کہا۔

"خواب آور دوا کی شیشی خالی پڑی ہوئی ہے۔ شاید پرچہ لکھنے کے بعد اس نے ساری گولیاں کھا لیں" وہ غم زدہ آواز میں رک رک کر کہہ رہا تھا "ماں اوپر آئی تو وہ بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ سب اس کی جان بچانے کے لیے اسے لے کر اسپتال بھاگے ہیں مگر میری آرزو ہے کہ چچی اب کبھی اس گھر میں زندہ نہ آسکے۔ اس کا لکھا ہوا پرچہ مجھے اس کے تکیے کے نیچے سے ملا ہے۔ وہ مر گئی تو میں پرچہ جلا دوں گا ورنہ... ورنہ میں کیا بتاؤں کہ کیا ہوگا... تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟" اندازہ لگالو کہ میں کس دل سے تم سے بات کر رہا ہوں۔"

"یہ سب اس طرح نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو..." میں نے کہنا چاہا مگر اس نے درمیان سے میری بات کاٹ دی۔

"صفائی پیش مت کرو۔ نیچے مہمان بھرے ہوئے ہیں۔ میں نے کل باپ کی چتا جلائی تھی، آج چچا کا کریا کرم کرنا ہے۔ دعا کرو کہ کل چچی کی ارتھی بھی اٹھ جائے تاکہ میری ہیٹ ٹرک مکمل ہو جائے۔ یہ یاد رکھو کہ مرنے والے جھوٹ نہیں بولا اور لکھا کرتے۔ چچی نے صاف لکھا ہے کہ میرے پتا کی ضد میں تم پہلی بار اس کی زندگی میں آئے۔ چچا کے قتل کی خبر ملنے کے بعد اس نے دسیوں بار تمہیں فون کیا اور تم سے بات کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ وہ میرے چچا سے بہت محبت کرتی تھی مگر ساتھ ساتھ تم کو بھی چاہنے لگی تھی۔ ایسی عورتیں زندہ رہیں تو پورے خاندان والوں کے لیے کلنک کا ٹیکہ بن جاتی ہیں۔ چچی ماروتی کا مر جانا ہی ہمارے اور اس کے حق میں بہتر ہوگا۔ میری یہ بات یاد رکھنا کہ زندگی کے کسی موڑ پر تم مجھے مل گئے اور میں نے تمہیں پہچان لیا تو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ پتا اور چچی نے خودکشی کی، چچا قتل ہوا، میں پھانسی چڑھ جاؤں گا۔ ایسا شاید کبھی نہیں ہوا ہوگا کہ ایک گھر کے لوگوں نے مرنے کے لیے ایسے الگ الگ راستے ڈھونڈے ہوں۔"

"میں تمہارے دکھ اور صدمے کو سمجھ رہا ہوں" میں نے کسی اشتعال میں آئے بغیر کہا "تم نے تھوڑی دیر پہلے خط پڑھا ہوگا۔ ابھی جذباتی ہو رہے ہو مگر وقت ہر زخم کا بہت بڑا مرہم ہے۔ ایک نہ ایک دن یہ بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی کہ میں بے قصور ہوں۔"

"اپنا قصور تم اس وقت سمجھوگے جب میں تمہاری گردن' دھڑ سے الگ کردوں گا" اس کی آواز میں عجیب سی سفاکی عود کر آئی۔ وہ کہہ رہا تھا "میرے لیے تم صرف ایک نام ہو۔ میرے سامنے تمہارا کوئی پتا' ٹھکانا یا فون نمبر نہیں ہے ورنہ میں آج اور اسی وقت تم پر ٹوٹ پڑتا۔ تم گندے مسلے... تم نے میری چچی کو پلید کیا' میں تمہاری مٹی پلید کردوں گا۔ تمہاری سادھی پر روز پیشاب کیا کروں گا۔"

میرے کچھ کہنے کی نوبت ہی نہیں آسکی۔ اس نے یک لخت ٹیلی فون بند کردیا۔

میرے ایک ایک لفظ پر ان سب کے کان لگے ہوئے تھے۔ ان میں ویرا بھی تھی جو مجھے نیچا دکھانے کے ہر موقع کی تاک میں رہتی تھی اور غزالہ بھی جو میری بڑائی کے گن گاتی رہتی تھی۔ اگر وہ میری زبان سے کوئی غلط لفظ یا فقرہ سن لیتی تو یہ میں ہی سمجھ سکتا تھا کہ اس کے دل پر کیا گزرتی۔ میں نے نریش سے گفتگو کے دوران الفاظ بہت سوچ سمجھ کر منتخب کیے لیکن میرا لہجہ صورتِ حال کا تابع تھا۔ ویرا نے وہی ایک نکتہ پکڑلیا۔

"کون تھا؟ کیا کہہ رہا تھا؟ بہت مدافعانہ انداز میں تم بات کررہے تھے اس سے!"

"بھایا جی کا بڑا بیٹا' نریش موہن تھا۔ بتارہا تھا کہ ماروتی نے خودکشی کی..."

میری زبان سے خودکشی کا لفظ سنتے ہی سب حیرت اور بے یقینی سے اپنی جگہوں سے اچھل پڑے اور اول خان نے بے اعتباری سے پوچھا "کیا واقعی اس نے خودکشی کرلی؟ تمہاری کسی بات سے تو ایسا ظاہر نہیں ہوا تھا۔"

"خودکشی کرلینے اور اس کی کوشش کرنے میں بڑا فرق ہے" میں نے زور دے کر کہا "ماروتی نے بھاری تعداد میں خواب آور گولیاں کھالی ہیں۔ گھر والے اسے بے ہوشی کی حالت میں اسپتال لے گئے ہیں مگر نریش کو امید ہے کہ وہ زندہ نہیں بچے گی۔"

"خس کم جہاں پاک" ویرا بے ساختہ بولی "اب ہمیں یہ دھڑکا نہیں رہے گا کہ کوئی ہمارے فون نمبر سے واقف ہے۔ ماروتی نے اپنے لیے انتہائی فلمی انداز کا انجام منتخب کیا ہے۔ یہ ایک بہت کامیاب المیہ کہانی ثابت ہوسکتی ہے۔ تمہارے یہاں کی عورتیں رلانے والی دل گداز فلموں پر جان دیتی ہیں۔ ماروتی پر فلم بنی تو مہینوں تک ہر شو ہاؤس فل جائے گا۔"

"ویرا!" غزالہ نے ملامت آمیز لہجے میں اسے مخاطب کیا "ایسی سنگ دل نہ بنو۔ شاید وہ بری عورت رہی ہو لیکن اس نے ہمارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ اس نے کھلے دل سے ہمارا ساتھ دیا تھا۔"

"اس نے اچھا کیا یا برا کیا۔ یہ ایک راز ہے جس سے صرف ڈینی واقف ہے" غزالہ کی ملامت ویرا کی زبان نہ روک سکی۔ وہ غزالہ کو جواب دے کر میری طرف متوجہ ہوگئی "تم ایمان داری سے بلکہ حلفیہ بتاؤ کہ ماروتی سے تمہارے کیسے مراسم تھے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے" میں نے ہتھے سے اکھڑجانے کی اداکاری کرتے ہوئے اس پر آنکھیں نکالیں" مجھ سے غزالہ ایسے لہجے میں بات نہیں کرتی۔ تم اپنی حد سے تجاوز مت کرو۔ دماغ میں زیادہ کیڑے رینگ رہے ہیں تو جاکر ماروتی سے مل لو' ابھی وہ زندہ ہوگی۔"

ویرا نے میرے جواب کا برا ماننے کے بجائے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور بولی "تم میرے سوال پر بھڑک گئے۔ اس کا مطلب ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور تھا۔ میں سب کو یہی سمجھانا چاہ رہی تھی۔ اس سے آگے پوچھ گچھ کا حق مجھے نہیں' صرف غزالہ کو ہے۔ میں اسے..."

سلطان شاہ نے استہزائیہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی "تم کو شرم آنی چاہیے۔ ہم ایک عورت کی موت وزیست کے معاملے میں الجھے ہوئے ہیں اور تم قہقہے لگا رہی ہو۔ سنگ دلی اور سفاکی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ تم ان سرحدوں سے باہر نظر آرہی ہو۔"

"بالکل بجا ارشاد فرمایا آپ نے!" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "شاہ صاحب! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے امریکا کی سرحد سے باہر قدم نکالتے ہی ایسی تمام دقیانوسی باتوں کو پیچھے چھوڑدیا تھا۔ اب میں ٹھوس حقائق کی دنیا میں رہتی ہوں اور ہر بات کو اسی میزان پر تولتی ہوں۔ ماروتی کو میں نے کبھی پسند نہیں کیا۔ اس نے خودکشی کی کوشش کرکے یہ ثابت کردیا کہ اس کے بارے میں میری رائے سوفیصد درست تھی۔ تم لوگوں کے طنز اور طعنوں کے باوجود' اب بھی میری دعا ہے کہ اس کی کوشش ضرور اور جلد از جلد کامیاب ہو۔"

”نریش کی بھی یہی خواہش ہے۔ وہ اپنی چچی سے بہت بدظن ہے“ میں نے دھیرے سے کہا۔

”وہ اپنی چچی کو ہم سے زیادہ جانتا تھا۔ اس کی خواہش بے سبب نہیں ہوسکتی۔“

”وہ روی کو بے حد چاہتی تھی۔ اس کی موت کے بعد وہ تنہا اور بے آسرا رہ گئی“ سلطان شاہ بولا ”ایسی مہیب مایوسی کے عالم میں آدمی کچھ بھی کرگزرتا ہے۔ ماروتی ایک کمزور عورت تھی۔ کسی کا کچھ بگاڑنے کے بجائے اپنی جان پر کھیل گئی۔“

”جگدیش اس سے شاکی تھا‘ نریش بھی اس سے بدظن ہے۔ تم لوگ اس کا سبب کیوں نہیں سوچتے؟“

وہ ویرا کا بہت گہرا اور کاٹ دار سوال تھا۔ میں نے اسی لمحے فیصلہ کرلیا کہ ماروتی کی چھوڑی ہوئی تحریر کے بارے میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔ میں نریش کے بتائے ہوئے متن کو کتنا بھی توڑ مروڑ لیتا۔ ویرا کی موجودگی میں میرا دامن بے داغ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے زہریلے تجزیوں سے محفوظ رہنے کی بہترین صورت یہی تھی کہ اسے ماروتی کی تحریر کی ہوا بھی نہ لگنے دی جاتی۔

”ہم تمہاری طرح ذہنی پراگندگی کا شکار نہیں ہیں۔“ سلطان شاہ باقاعدہ ماروتی کے دفاع پر تل گیا تھا ”جگدیش اور نریش میں باپ بیٹے کا رشتہ تھا۔ دونوں خاندانی غرور کا شکار تھے‘ ماروتی سے ان کی نفرت کا سبب بھی ایک ہی ہوسکتا ہے۔ وہ ان کے خاندان سے باہر کی‘ نیچی ذات والی عورت تھی۔ روی اسے اپنوں کے خلاف تحفظ فراہم کرتا تھا۔ وہ مرگیا تو ماروتی سے سایہ چھن گیا۔ روی کے بغیر وہ موہن فیملی میں سکھ سے نہیں رہ سکتی تھی۔ تاریک اور غیر یقینی مستقبل سے گھبرا کر اس نے اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔“

اول خان کو اصل معاملے کی سن گن تھی۔ اس نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا ”تم سب بلاوجہ اس پر مغز کھپا رہے ہو۔ تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ وہ زندہ رہتی ہے یا مر جاتی ہے‘ صبح تک ہر بات صاف ہوجائے گی۔ وہ ہمارے لیے زیادہ اہم نہیں تھی۔“

اول خان کا آخری فقرہ ٹیپ کا بند تھا۔ کسی نے ماروتی کے بارے میں کچھ نہیں کہا اور میرے ذہن میں نریش موہن کے الفاظ گردش کرنے لگے۔ وہ تین دنوں میں اپنے تین عزیزوں کا کریا کرم کرکے ایک نئی خاندانی انفرادیت حاصل کرنے کا آرزومند تھا۔

میرے دل کے کسی گوشے میں بھی شدت سے یہ خواہش ابھری کہ ماروتی زندہ نہ بچ سکے۔ اس نے مرنے سے پہلے جو کچھ قلم بند کیا تھا‘ وہ اسے کبھی سر اٹھا کر جینے نہ دیتا۔ وہ مرجاتی تو ہمیشہ کے لیے اس کا بھرم رہ جاتا۔ اس کی تحریر ایک ناسور بن کر ہمیشہ کے لیے نریش موہن کے سینے میں دفن ہوجاتی۔

اول خان نے چلتی ہوئی گفتگو میں روڑا اٹکا دیا تھا۔ کچھ دیر تک کمرے میں غیر فطری سی خاموشی چھائی رہی۔ جب گفتگو کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو بات گھوم پھر کر دوبارہ ماروتی اور اس کی سسرال والوں پر آگئی۔ اس بار سب کا لب ولہجہ نرم اور مفاہمانہ تھا۔ ویرا موقع کی نزاکت بھانپ کر اپنے مخالفانہ بلکہ مخاصمانہ رویے سے دستبردار ہوچکی تھی۔

”تمہارے پاس ایس ٹی ایف کے دو ایرپیس ہوں گے۔ ذرا وہ لے آؤ۔“ اول خان نے فرمائش کی۔

سلطان شاہ کام کے معاملے میں کبھی کوئی حیل و حجت نہیں کرتا تھا۔ فوراً اٹھ کر اندر چل دیا۔ میں نے اسی وقت اندازہ لگالیا کہ اول خان ہم سب کو ماروتی کے بارے میں تذبذب کی کیفیت سے نکالنے کے لیے برٹی سے کچھ کام لینا چاہ رہا تھا۔

سلطان شاہ چند منٹ کے بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں دو چھوٹے ٹرانسسٹرز موجود تھے۔ اول خان نے اس کے ہاتھ سے ایک ایرپیس لے لیا اور جائزہ لینے کے بعد اسے آن کردیا۔ وہ کافی دنوں سے استعمال میں نہیں آیا تھا مگر اس کی بیٹری کام کررہی تھی۔ آواز کھولنے پر ہمارے کانوں میں ہلکے ہلکے ریڈیائی شور کی آوازیں آتی رہیں۔ شاید حامد اور برٹی‘ دونوں ہی سستا رہے تھے۔

”الفا.... کالنگ برٹی.... اوور!“ اول خان نے ایرپیس کا بٹن دبا کر پیغام نشر کیا۔

”سر! میں لائن پر ہوں۔“ چند ثانیوں کے توقف کے بعد حامد کی آواز آئی ”موہن ہاؤس میں کافی مہمان بھرے ہوئے ہیں۔ برٹی وہاں اجنبی ہے۔ میں نے اسے صحیح معلومات حاصل کرنے کے لیے اندر بھیجا ہوا ہے۔ اس وقت اس کا ایرپیس آف ہے۔ واپس آکر وہ رپورٹ دے گا.... اوور!“

”کوئی نئی خیر خبر؟“ اول خان نے نہایت اختصار کے ساتھ سوال کیا۔

”نو سر!“ حامد نے جواب دیا ”برٹی کو سب کچھ عجیب اور پراسرار سا لگ رہا ہے.... اوور!“

”کچھ بھی پراسرار نہیں ہے۔ اس گھر کی ایک عورت نے زیادہ مقدار میں خواب آور گولیاں کھالی ہیں۔ وہ اسے

اسپتال لے گئے ہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اسپتال کی کیا خبر ہے۔ عورت کے زندہ بچنے کے کیا امکانات ہیں.... اوور!"

"سر! یہ برٹی ہی بتا سکے گا۔ میں خود اس کی رپورٹ کا منتظر ہوں۔ اوور۔"

"ٹھیک ہے۔ میں خود بھی اسٹینڈ بائی ہوں۔ اوور اینڈ آل۔" اول خان نے اپنی بات ختم کردی۔

"تم نے اچھا کیا۔" میں نے سگریٹ کا ایک کش لے کر کہا "یہ تجسس ختم ہونا چاہیے۔ ہمیں موہن ہاؤس سے صحیح اطلاع مل سکتی ہے۔"

"میرے ذہن میں کوئی تجسس نہیں ہے۔" ویرا نے پھر ٹانگ اڑا دی "بس اب ماروتی کے لیے دعائے خیر کرو۔"

میں کڑے تیوروں سے اسے گھور کر رہ گیا۔ وہ مسکراتی ہوئی' ایک ادا سے اپنی جگہ اٹھی اور گھر کے اندرونی حصے کی طرف چل دی۔ ہم چاروں نے اندازہ لگالیا کہ جو گیندر والے کامیاب مشن سے واپسی کے بعد وہ اپنے ہونٹ تر کرنے کی ضرورت محسوس کررہی تھی جس کے لوازم اس کے کمرے میں موجود تھے۔

ہمیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چند منٹ بعد ہی اپریٹس پر ایک اجنبی مردانہ آواز سنائی دینے لگی۔

"برٹی کالنگ الفانسو... اوور!" اس پیغام کے جواب میں دوسری طرف سے حامد فوراً لائن پر آگیا۔

"سر! یہاں سخت خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ موہن ہاؤس پر موت کا سایہ پڑ رہا ہے۔ اندر ایک لاش تیار رکھی ہوئی ہے اور ذرا سی دیر پہلے اسپتال سے خبر آئی ہے کہ اسی گھر کی ماروتی نامی کوئی عورت بھی چل بسی ہے۔ اوور!" برٹی نے خبر حاصل کرنے میں کامیابی کا اعلان کرتے ہوئے بتایا۔

"الفانسو ٹو الفا' سر! آپ نے برٹی کی رپورٹ سن لی ہوگی۔ اوور۔"

"کیا یہ خبر ابھی ابھی ملی ہے؟ اوور!" ماروتی کی موت کے لیے ہم سب ذہنی طور پر پہلے سے تیار تھے لیکن برٹی کی دی ہوئی اطلاع پر بھی صدمے کا باعث بنی تھی۔ اول خان کو فوری طور پھر کوئی معقول سوال نہیں سوجھ سکا۔

"میں اندر گیا تو مہمان انتظار اور بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھے۔ مجھے اتنا معلوم ہوا کہ ماروتی کو بے ہوشی کی حالت میں اسپتال لے جایا گیا ہے۔ میں جائزہ لے کر نکلنے کی تیاری کررہا تھا کہ اندر سے دوسری خبر آگئی۔ اسپتال سے کسی نے موہن ہاؤس فون کیا تھا.... اوور۔"

"اندر رکھی ہوئی لاش کی کیا پوزیشن ہے۔ اوور!" اول خان نے پوچھا۔

"وہ تیار ہے۔ آنے والوں میں سخت اضطراب اور بے چینی ہے۔ لوگ سرگوشیاں کررہے ہیں کہ موت نے یہ گھر دیکھ لیا ہے۔ کل ایک موت ہوئی' دوسری لاش کے کریا کرم کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اب ماروتی مرگئی۔ ضعیف الاعتقاد اور وہمی مہمانوں نے ایک ایک کرکے کھسکنا شروع کردیا ہے۔ یہی رفتار رہی تو تھوڑی دیر بعد قریبی رشتے داروں کے سوا' وہاں کوئی بھی نہیں ملے گا۔ اوور!"

"بس' تمہارا کام پورا ہوگیا۔ واپس اسٹیشن فوراً لوٹ جاؤ۔ اوور اینڈ آل۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر اپنا اپریٹس آف کردیا۔

دنیا میں بھانت بھانت کی ہزاروں بیماریاں پائی جاتی ہیں۔ ان میں وبائی امراض بھی ہوتے ہیں جو ایک سے دوسرے کو لگتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سیکڑوں' ہزاروں انسانوں کو لقمہ اجل بنا دیتے ہیں۔ ان وباؤں اور بیماریوں سے کوئی دہشت زدہ نہیں ہوتا۔ وہ دوسروں کو لگتی ہیں اور کبھی کبھی اڑ کر لگتی ہیں مگر ان سے کوئی دہشت زدہ نہیں ہوتا۔ لوگ ایک دوسرے کی مزاج پرسی اور عیادت کے لیے جاتے ہیں۔ مریض کے پاس اٹھتے بیٹھتے ہیں اور اطمینان سے لوٹ آتے ہیں۔

موت اس سے قطعی برعکس ہے۔ وہ چھوت کی کوئی بیماری نہیں ہے جو مردوں کو چھونے اور نہلانے یا میت کو کندھا دینے والوں کو لگ جائے لیکن یہ اٹل ضرور ہے۔ ہر وہ ذی روح جو پیدا ہوا ہے اور زندہ ہے' اسے ایک نہ ایک دن اور آخر کار مرنا ہے۔ کوئی ڈیڑھ دن میں زندگی کا یہ سفر طے کرلیتا ہے' کوئی ڈیڑھ سو برس بھی جیتا رہتا ہے مگر زندگی کے اس آخری موڑ سے سب ہی گھبراتے ہیں۔ موت کا ذکر آئے تو ان کے ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں' پیشانیاں عرق آلود ہوجاتی ہیں' جی گھبرانے لگتا ہے۔ موت کا ذکر ہورہا ہو تو ہر سننے والے کی دلی آرزو ہوتی ہے کہ موضوع جلد سے جلد بدل دیا جائے۔

موت سے کس کو رستگاری ہے۔ یہ روگ ہر نفس کو اپنے چنگل میں لیتا ہے اور نگل جاتا ہے مگر پھر بھی موہن ہاؤس میں جمع ہونے والے' اپنے کمزور عقائد کی بنا پر موت سے خوف زدہ تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں تعزیت اور آخری رسوم میں شرکت کے لیے آنے والوں میں ہندوؤں کی کثرت ہوگی مگر ان میں مسلمان' عیسائی اور دوسرے عقیدوں کے لوگ بھی شامل رہے ہوں گے۔ ماروتی کی خودکشی نے ان

سب میں خوف و ہراس پھیلا دیا تھا۔ شاید اس وقت تک ان میں سے کسی کو بھنک بھی نہ ملی ہو کہ ماروتی نے خودکشی کی تھی۔ ان کے لیے یہی خوف کافی تھا کہ سوگ اور میت کے گھر میں ایک اور موت واقع ہو گئی تھی۔

ماروتی جیسی اور جو کچھ بھی رہی ہو، وہ روی سے محبت ضرور کرتی تھی۔ شاید وہ وفا کے مفہوم سے آشنا نہیں تھی اسی لیے جگدیش کو جلانے کی خاطر روی سے بے وفائی کی مرتکب ہوئی تھی۔ اس جیسی آزاد خیال عورتوں کے لیے وہ سب شاید ایسا ہی تھا جیسے شکم پری کے لیے کھانا کھالینا۔ جی چاہا تو گھر میں کھالیا، طبیعت مائل نہ ہوئی تو کسی بھی اچھے ہوٹل میں پیٹ بھرلیا۔ جرم اور ندامت کے کسی قابل ذکر احساس کے بغیر!

میرے لیے اس کا انجام بہت سبق آموز تھا۔ وہ واضح طور پر مکافاتِ عمل کا شکار ہوئی تھی۔ بھایا جی کی جھوٹی انا اور پندار کو خاک میں ملانے کے لیے اس نے خود کو لٹا دیا تھا اور پھر اپنے اس کارنامے کی تفصیل سنا کر جگدیش کے دل و دماغ پر نشتر زنی کی تھی، اسے چڑ کے لگا کر اتنا مشتعل کیا تھا کہ آخر کار اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا تھا۔ جگدیش کی خودکشی کی پوری ذمے داری ماروتی کے سر تھی۔ اس نے جگدیش کو خودکشی کرنے پر مجبور کیا اور آخر کار خود بھی خودکشی کرکے اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے پر مجبور ہو گئی اس نے جس گڑھے میں جگدیش کو دھکیلا تھا، خود بھی منہ کے بل اسی میں جاگری تھی۔

وہ ایسے مذہب اور معاشرت سے تعلق رکھتی تھی جس میں بیوہ ہونے والی عورت کو منحوس تصور کیا جاتا ہے۔ ایسی عورت کو زندہ و سلامت حالت میں اپنے شوہر کی چتا میں جلا کر راکھ کرنے کو مدتوں ستی کی قبیح مذہبی رسم کا درجہ حاصل رہا۔ وقت کے ساتھ ستی کی رسم معدوم ہو گئی مگر بیوہ عورت کو منحوس قرار دینے کا تصور بدستور راسخ تھا۔ ماروتی اس اعتبار سے خوش نصیب تھی کہ اس نے بیوگی کے لمبے دن نہیں گزارے تھے۔ وہ برسوں کی سہاگن تھی۔ بس چند گھنٹوں کے لیے بیوہ ہوئی اور پھر مرگئی۔ اپنے شوہر کی ارتھی اٹھائے جانے سے پہلے اس نے اپنی جان دے دی تھی۔ اب غالب امکان یہی تھا کہ دونوں کی ارتھیاں ساتھ اٹھائی جاتیں، دونوں کی چتا ساتھ تیار کی جاتی اور دونوں کی راکھ ایک ساتھ سمیٹی جاتی۔ شوہر کے ساتھ ستی نہ ہونے کے باوجود ماروتی نے اپنے روی کی موت پر جان دے کر نئے عہد کی ایک تاریخ رقم کی تھی۔ جسے کوئی بھی واقفِ حال نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔

"تم کالی زبان ہو۔" سلطان شاہ افسردہ لہجے میں ویرا سے کہہ رہا تھا "جو کہتی ہو، ہوجاتا ہے۔"

"میں تمہاری طرح خوش فہم نہیں ہوں۔ حقائق کی روشنی میں اپنی رائے قائم کرتی ہوں پھر اس پر جم جاتی ہوں۔" ویرا نے سگریٹ کا دھواں اس کے منہ پر بکھیرتے ہوئے کہا "میں خاموش رہتی تب بھی ماروتی کا انجام یہی ہونا تھا۔ چاہ کن را چاہ درپیش! یہ کہاوت تمہاری ہی ہے۔"

"پھر تو تمہارا انجام بھی بہ خیر نظر نہیں آتا۔ تمہارے ہاتھ نہ جانے کس کس کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔" اس نے اپنے چہرے پر آیا ہوا دھواں دونوں ہاتھوں سے ہٹاتے ہوئے، برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا "ہم سب نے بہت سے لوگوں کو ٹھکانے لگایا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ غزالہ نے بھی انگلینڈ میں انسانی خون کی خوب ہولی کھیلی تھی۔ یہ ڈینی کے لیے ایک چھلاوا بن گئی تھی۔ اس کے پہنچنے سے پہلے سب کچھ برباد کرکے کہیں اور نکل جاتی تھی۔" اتنی بات کہہ کر وہ یکایک سنجیدہ ہو گئی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی "میری زندگی کا ابتدائی حصہ مجرموں میں گزرا مگر انسان کے خون کی حرمت سے کبھی بے خبر نہیں رہی۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی کوئی بے گناہ میرے ہاتھوں مارا گیا ہو۔ شی کے فیصلوں سے سرکشی اور سرتابی کرنے والے خونی بدمعاش ہوتے تھے اور وہ مارے جاتے تھے۔ بعد کی باتیں تمہارے سامنے ہیں۔ ہمارے ہاتھوں مارے جانے والوں میں سے کوئی بھی جگدیش موہن جیسا بے گناہ نہیں تھا۔ اسی لیے ہم پنپ رہے ہیں۔ یہ خونِ ناحق ہوتا ہے جو اپنا رنگ دکھاتا ہے اور سرچڑھ کر بولتا ہے۔"

"جگدیش اتنا معصوم نہیں تھا کہ تم سے ایک مثال بنالو۔" سلطان شاہ آسانی سے ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "تم یہ بات بھول رہی ہو کہ بعض اوقات زبان کا زخم تلوار کے گھاؤ سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ ماروتی نہ جانے کب سے اس کے طنز اور طعنے سہہ رہی تھی، اس کی دشنام طرازیاں برداشت کررہی تھی۔ ماروتی نے اس کے سینے میں خنجر نہیں بھونکا تھا۔ اس کی بدزبانی اور بدکلامی کا اپنی زبان سے جواب دیا تھا۔ وہ عورت اتنی مضبوط تھی کہ عمر بھر ظلم سہتی رہی۔ جگدیش اتنا بودا نکلا کہ ماروتی کا ایک وار نہ سہہ سکا۔ بزدلی سے خود کو گولی ماری!"

میں مہر بہ لب بیٹھا رہا۔ بہتر یہی تھا کہ وہ دونوں آپس میں نمٹتے رہیں۔ میں بولتا تو بات بہت زیادہ الجھ سکتی تھی۔ ویرا کو

کچھ شبہات ضرور تھے مگر ان دونوں میں سے کسی کو یقینی طور پر یہ معلوم نہیں تھا کہ ماروتی نے جب بھایا جی کے سامنے زبان کھولی تو اسے کھوکھلے الفاظ کی مار نہیں دی تھی۔ ماروتی کا عمل اور بے وفائی کا ایک سفاکانہ تجربہ ان الفاظ کی پشت پناہی کر رہا تھا۔
ماروتی کا واقعہ کچھ ایسا عجیب اور دل دوز تھا کہ اس کے بارے میں خبر سنتے ہی ہم سب جوگیندر پال کے تازہ واقعے کو یکسر فراموش کر بیٹھے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم نے اس شام کچھ بھی نہ کیا ہو۔ بس بیٹھے ماروتی کی موت کی خبر کا انتظار کرتے رہے ہوں۔
وہ تسلسل اس وقت ٹوٹا جب فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے جلال بول رہا تھا۔
"اوہو.... جلال! تم کہاں غائب ہو؟" میں نے اس کی آواز سنتے ہی خوش دلی سے کہا "اس وقت میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔"
"کیا کوئی خاص بات تھی؟" میرے کانوں میں اس کی سنجیدہ اور متجسس آواز آئی۔
"کوئی خاص بات نہیں تھی۔ بس تم سے بات کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔"
"مگر میں نے خاص وجہ سے فون کیا ہے۔ کراچی میں اچانک لاشوں کی برسات کیوں شروع ہو گئی ہے؟"
"جرائم پیشہ عناصر کی سرگرمیاں زور پکڑ جائیں تو ایسا ہوتا رہتا ہے۔"
"گول مول جواب سے کام نہیں چلے گا۔" اس کی آواز تفکر آمیز تھی "شہر میں امن و امان کے حالات بہت بہتر ہیں۔ کوئی گروپ کسی کے خلاف محاذ آرا نہیں ہے۔ ایک مخصوص حلقے کے لوگ مارے جا رہے ہیں۔ میں ان کڑیوں کو یک جا کرنے سے قاصر ہوں۔"
"تم کن لوگوں کے حوالے سے بات کر رہے ہو؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔
"کرشن کمار، ہری چند اور میجر بخشی تک سب ٹھیک تھا۔ تم سے جگدیش موہن کی خودکشی کے بارے میں بات ہوئی تھی مگر کل رات اس کے بھائی روی موہن کی لاش ملی ہے...." اس کی آواز میں شکوہ پنہاں تھا جیسے اسے ہم پر کوئی شبہ ہو۔ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔
"مخصوص حلقے سے اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ جگدیش کے بعد روی بھی مارا گیا تو یقین رکھو کہ ان معاملات میں ہمارے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ جگدیش کی خودکشی اس کا گھریلو معاملہ تھا۔ روی کو جوگیندر پال نے مروایا ہے...."
اس بار جلال نے مضطربانہ انداز میں قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "یہ تم کیسے کہہ رہے ہو؟ اس وقت میں جوگیندر کے بارے میں ہی بات کرنا چاہ رہا تھا۔ تم اس تک کیسے پہنچ گئے۔ شہر میں یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"
"پہلے تمہیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہمیں تمہاری سرکاری دشواریوں کا پورا پورا احساس ہے۔ ہم کسی ناگزیر مجبوری کے بغیر کسی حساس معاملے میں ہاتھ نہیں ڈالتے۔ کیا تمہیں جوگیندر پال کے انجام کے بارے میں اطلاع مل چکی ہے؟"
"ڈینی! میں یہ سب جانتا ہوں۔ مجھے تم لوگوں پر پورا اعتماد ہے لیکن میں بہت سے لوگوں کو جواب دہ ہوں۔ بخشی اور جوگیندر پال پس پردہ رہ کر کام کرنے والے لوگ تھے۔ ان کے بارے میں ہمارے پاس اطلاعات تھیں، کوئی ثبوت نہیں تھا۔ نگرانی کی کوششیں بھی بار آور ثابت نہیں ہو سکی تھیں۔ اب اچانک خبر ملی ہے کہ اسے اس کے گھر میں بم پھینک کر اڑا دیا گیا۔ یہ اطلاع انڈین ہائی کمشنر کے احتجاج سے ملی ہے۔ اس نے فارن سیکریٹری کو فون کیا تھا۔"
میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور حیرت سے کہا "یہ واقعہ چھ بج کر چند منٹ پر رونما ہوا تھا۔ ابھی سات بھی نہیں بجے اور اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ہائی کمشنر نے احتجاج داغ دیا۔ کیا ان کی یہ کارکردگی حیران کن نہیں ہے۔"
"قطعی نہیں۔" جلال کی آواز پریقین تھی "ہر سفارت خانے کا اپنا سیکیورٹی نیٹ ورک ہوتا ہے۔ اہم عہدے داروں کی حفاظت کے لیے دن رات ان کی نگرانی کرائی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جوگیندر پال کی دیکھ بھال کرنے والے محافظ نے دھماکا ہوتے ہی اپنے بڑوں کو خبر پہنچا دی ہو۔ مجھے اس پر ذرا بھی حیرت نہیں ہے۔ تشویش یہ ہے کہ اب ہم کیا لائن آف ایکشن اختیار کریں؟"
چند روز پہلے اسلام آباد میں بم کا ایک دھماکا ہوا تھا۔ کئی آدمی مارے گئے تھے۔ ہم نے کیا کر لیا؟ اتفاق ہے کہ اس بار جوگیندر پال ایک دھماکے کا نشانہ بنا ہے۔ اس پر ہم ہمدردی اور افسوس کے اظہار کے سوا کیا کر سکتے ہیں؟"
"دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ میں بہت فرق ہوتا ہے ڈینی! جوگیندر پال کے گھر کو تاک کر نشانہ بنایا گیا ہے۔ تمہارے لب و لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اس

ے میں اور آپ کچھ بھی جانتے ہو۔ مجھے بتاؤ کہ یہ سب کیسے
۔ اس جیسا محتاط آدمی کس کی نظروں میں آ گیا۔"
"یہ میجر بخشی والے واقعے کا تسلسل ہے۔ جوگیندر کو
ی طرح پتا چل گیا کہ روی شہر کے کس اسپتال میں چھپا ہوا
ے۔ اس نے کرائے کے دو آدمیوں کو وہاں بھیجا اور انہوں
ے میرے نام کا دھوکا دے کر روی کو اغوا کر لیا' اسے مارنے
ے بعد وہ دونوں اسی اسپتال سے واپسی پر مجھے گھیرنے میں
میاب ہو گئے۔ میں کل شام موت کے منہ میں جانے سے
ں بال بچا ہوں۔ وہ مجھے شہر سے دور ایک ویرانے میں لے
ے تھے اور مجھے مار دیتے......"
"لانڈھی سے آگے' ایک ویران اور غیر آباد علاقے
ے درندوں کی نوچی ہوئی دو لاشیں ملی ہیں۔ کیا وہ بھی اسی
سلے کی کڑیاں تھیں؟" اس نے تحیر زدہ آواز میں میری بات
رمیان سے اچک لی۔ "بگڑ جانے کی وجہ سے وہ دونوں لاشیں
ی تک شناخت نہیں ہو سکی ہیں۔"
"ان میں سے ایک کا نام جیکب گینڈا عرف استاد ہے۔
سرا ارجن ہے۔ آخری لمحات پر ان کے ستاروں نے ان کا
اتھ نہ چھوڑا ہوتا تو ان کے بجائے وہاں سے میری بگڑی
ئی لاش ملتی۔ انہوں نے میرے چہرے کو اتنی بے رحمی سے
ندو کا نشانہ بنایا کہ میری صورت مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔ شاید
ں کئی دن تک بھارت کے لئے روانہ ہونے کے قابل نہ ہو
وں۔ جوگیندر نے میرا پورا بندوبست کیا تھا۔" میں نے
پاٹ لہجے میں اسے بتایا۔
شہر میں کوئی نئی لہر نہیں چلی۔ چاروں واقعات ایک ہی
سلسلے میں جڑے ہوئے ہیں" جلال کی آواز سے اطمینان
ھلک رہا تھا "مجھے غصہ تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کراچی
ں انٹیلی جنس بیورو والے سو رہے ہوں۔ انہیں سر پیر کا کچھ
م نہیں تھا۔ مجھے یہ سن کر صدمہ ہوا کہ انہوں نے تمہارے
ساتھ بد سلوکی کی۔ چہرے پر کوئی گہرا زخم تو نہیں آیا؟"
زخم کوئی نہیں ہے' نیل پڑے ہیں۔ کچھ خراشیں آئی
یں اور ورم ہے۔ بس چہرہ بگڑا ہوا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا
میں نے جان بوجھ کر وہ مار کھائی تھی۔ ایسے چہرے کے ساتھ
سفر کیا تو میں ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز بن کر رہ جاؤں گا۔"
"جوگیندر والے واقعے کی تفصیلات بتاؤ۔ وہ تمہارے
سامنے کیسے آ گیا؟" جلال نے دوبارہ جوگیندر کا ذکر چھیڑ دیا۔
"وہ خود خم ٹھونک کر میدان میں نہیں اترا تھا" اس تک
پہنچنے میں ہمیں دانتوں پسینہ آ گیا تھا۔ مجھے گمان تک نہیں تھا
کہ آخری سرے پر اس سے سامنا ہو گا۔ بس ہم چھان بین
کر رہے تھے ایک بھنگن کی مدد سے اس کا نام سامنے آیا تو
ہمارے پاس سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے موقع
ضائع کیے بغیر اس کے گھر میں ریموٹ کنٹرولڈ بم نصب کر دیا
تاکہ اس کے کچھ سوچنے سمجھنے سے پہلے معاملہ نمٹ جائے۔"
اپنی تمام تر تشویش کے باوجود جلال اس معاملے
میں دلچسپی لینے پر مجبور تھا۔ بھنگن کے ذریعے عقدہ کشائی کی
بات اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی۔ میری متعدد وضاحتوں کے
بعد پورے حالات اس کی سمجھ میں آئے تو وہ قائل ہو چکا تھا
کہ میں نے جو فیصلہ کیا۔ اس میں کسی ردوبدل کی گنجائش
نہیں تھی۔ جوگیندر پال کو زندہ چھوڑ دیا جاتا تو وہ میرے لیے
زیادہ خطرناک ہو سکتا تھا۔ اسے سب سے بڑا یہ فائدہ حاصل
تھا کہ اسے مقامی مجرموں کا تعاون حاصل تھا۔ استاد جیکب
اور ارجن کی موت کی خبر ملنے کے بعد وہ ہمارے خلاف کسی
اور کو میدان میں اتار سکتا تھا۔
مسئلہ یہ تھا کہ سرکاری سطح پر جوگیندر پال کی موت کے
ردِ عمل کا کس طرح سامنا کیا جائے۔
جب تک جلال بے خبر تھا' قدرے برہم اور مایوس تھا
لیکن تیزی سے رونما ہونے والے واقعات کے الجھاؤ سے
آگاہ ہونے کے بعد وہ میری اس رائے سے متفق ہو چکا تھا کہ
اس واقعے پر گول مول اور معذرت خواہانہ رویہ ہی وقت کا
تقاضا تھا۔ اگر وہ لوگ اپنی سرزمین پر کسی اشتعال کے بغیر کوئی
جوابی کارروائی کرتے تو اسے روکنا ناممکن تھا۔ جلال اس
بارے میں پوری طرح پر یقین تھا کہ ان دنوں بھارتی سرزمین
پر کوئی پاکستانی خفیہ مشن مصروف نہیں تھا اور نہ ہی کوئی
پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ کشت و خون کے کسی اندیشے سے دوچار
تھا۔ اس کے باوجود بھارتی کوئی حرکت کر گزرتے تو وہ مجبوری
تھی۔
"اس بارے میں دوسروں' خاص طور پر امریکیوں کا کیا
ردِ عمل ہے؟" ایک طویل مذاکرے کے بعد میں نے جلال
سے پوچھا۔
"کوئی سرکاری طور پر ایسے واقعات کی حمایت اور
سرپرستی نہیں کر سکتا۔ ہم بھی اس واقعے کی بھرپور مذمت
کریں گے۔ ابھی تازہ ترین واقعہ ہے۔ وقت گزرنے کے
ساتھ دوسروں کا ردِ عمل سامنے آئے گا۔ شاید امریکیوں کا
رویہ زیادہ سخت ہو گا۔"
"وہ کینہ پرور ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "وہ بوب
رافیل والا قصہ برسوں تک نہ بھول سکیں گے اس کی رہائی
کے لیے امریکی صدر کو بہت خفت اور سبکی اٹھانی پڑی تھی۔

جمی اور ڈیوڈ کے معاملے میں بھی ان کا وہ بغض کار فرما رہا۔ سخت پاکستانی جواب نے انہیں اور بھڑکا دیا ہوگا۔"

"پاکستان کا جوابی مراسلہ ایک شاہکار ہے۔ سارے سفارتی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسے حقائق قلم بند کیے گئے ہیں کہ امریکی تاج اٹھے ہوں گے۔ یہاں تک لکھ دیا گیا ہے کہ بعض امریکی اہلکاروں کی غیر ذمے داری، نا اہلی اور اپنی حدود سے تجاوز کی وجہ سے بے چارہ امریکی صدر رات کو اپنی مرضی کی نیند نہیں لے سکتا۔ اسے ایسے بے ہودہ افسروں کی کھال بچانے کے لیے ناوقت اپنے آرام دہ بستر سے نکل کر دوسرے سربراہانِ مملکت کو فون کرنا پڑتا ہے۔"

"یہ واقعی ہمت کا کام ہے۔" میں نے ستائشی لہجے میں اعتراف کیا "امریکی صدر نے فون پر زبانی گفتگو کر کے وہ قصہ نمٹایا تھا۔ مراسلے کے ذریعے اس واقعے کو ریکارڈ کا ایک حصہ بنا دیا گیا۔ وہ ضرور تلملا اٹھے ہوں گے اور جو گیندر پال کے واقعے پر اپنے دل کی بھڑاس نکالیں گے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اعلیٰ سطح پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ہم کچھ بھی کرلیں، آنے والے چند سالوں تک امریکی سرد مہری برقرار رہے گی۔ امریکیوں کی اصل برہمی ہمارے جوہری اور دفاعی منصوبوں پر ہے وہ انہیں غیر پیداواری، غیر فلاحی اور بے مصرف قرار دیتا ہے۔ وہ لوگ چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی ہماری مخالفت کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ان سے کسی فلاح کی امید رکھنا بے سود ہے۔"

"بات ہماری مخالفت پر ختم نہیں ہوجاتی۔ وہ ہمارے سب سے بڑے حریف کے حامی، مددگار اور ہم نوا بنے ہوئے ہیں۔"

"جس دن ہمارے اس حریف کے حوصلے پست ہوگئے، بہت کچھ سنور جائے گا۔ مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ تم نے بھارت جانے کا ارادہ کچھ دنوں کے لیے ملتوی کردیا ہے۔ میں نے تمہاری روانگی سے بہت سی اور امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں۔"

"مجبوری ہے۔ میں ہوش میں تھا اور مصلحت کی وجہ سے ان دونوں کے تھپڑ کھا رہا تھا۔ تم میری حالت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔"

"ایسے بگڑے ہوئے چہرے کے ساتھ میں خود بھی تمہیں بھارت جانے کا مشورہ نہیں دوں گا۔" جلال نے جلدی سے کہا "مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تم کب تک لاہور آنے کے قابل ہوسکو گے۔ میں اپنی مصروفیات اسی حساب سے آگے پیچھے کرلوں گا۔"

"میں اب بھی سفر کے قابل ہوں۔" میں نے زور دے کر کہا "بھارت میں لوگ حیرت سے میرے زخمی چہرے کی طرف دیکھیں گے۔ لاہور اپنا شہر ہے۔ وہاں مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ میں کل ہی وہاں پہنچ جاؤں۔"

"کل کس وقت پہنچ رہے ہو؟" اس نے مسرت آمیز لہجے میں سوال کیا "میں اپنے آدمیوں کو ہدایات دے دیتا ہوں۔"

"یہ میرا طے شدہ پروگرام نہیں ہے۔ جب موڈ ہوا، لاہور پہنچ جاؤں گا۔ کسی کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں۔ اول خان کا خیال ہے کہ میں کراچی میں بیٹھ کر اپنا چہرہ سدھرنے کا انتظار کرتا رہا تو کسی نہ کسی معاملے میں اپنی ٹانگ اڑاتا رہوں گا۔ مجھے یہ وقت لاہور میں ہی گزارنا چاہیے۔"

"بالکل آجاؤ۔" اس کی آواز فراخ دلانہ تھی "اس طرح کام سکون سے اور زیادہ بہتر انداز میں ہوجائے گا۔ بیوی کو بھی ساتھ لانے کا ارادہ ہے یا پروگرام میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟"

"تبدیلی ہوئی ہے۔ بیوی کے ساتھ ویرا بھی آرہی ہے۔ اب ہم تین افراد جائیں گے۔"

"میں نے اس کا بہت ذکر سنا ہے۔ اس کے قصے بہت سے پاکستانیوں کو شرمسار کرسکتے ہیں۔ اس بہانے اس سے ملاقات ہوجائے گی۔"

"اس سے مل کر تمہیں خوشی ہوگی۔ وہ ایسی بری عورت نہیں ہے۔" میں کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے ایسا گول مول جواب دیا کہ جلال کو کسی بے ربطی کا احساس نہ ہو مگر ویرا تذبذب میں پڑجائے کہ جلال نے اس کے بارے میں کیا کہا ہے۔

"تم دشمنوں کی بھیڑ میں گھسنے جا رہے ہو۔ یہ دیکھ لینا کہ ان دونوں کی وجہ سے تمہاری الجھنوں میں اضافہ نہ ہوجائے۔ دشمن کم ظرف ہو تو عورت بہت بڑی کمزوری اور مجبوری بن جاتی ہے۔ کوئی عورت کتنی ہی دلیر کیوں نہ ہو، آخر عورت ہی ہوتی ہے۔"

"یہ بات میں نے سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ تم لاہور آؤ گے تو اپنی سی کوشش بھی کرلینا۔"

"ٹھیک ہے۔ پروگرام طے ہوجائے تو مجھے فون پر آگاہ کردینا۔" گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا۔

جلال سے کوئی نئی بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ مجھے
رتیوں کی طرف سے بد ترین رویے کی توقع تھی۔ انہوں
جو پچھ کیا تھا وہ میرے اندازے سے کم تھا۔

○☆○

جوگیندر پال کی موت اور ماروتی کی خودکشی کے بعد یوں
وس ہو رہا تھا جیسے ایک مدت سے رونما ہونے والے
عات کا سلسلہ یکایک ختم ہو گیا ہو۔ میدان میں ہمارے
منے کوئی حریف نہیں تھا۔ ہمارے بارے میں سینہ بہ سینہ
کرنے والی معلومات کا سلسلہ جوگیندر پال کی ذات پر آکر
گیا تھا۔ یوں تو بھارتی سیکرٹ سروس "را" کے لیے کام
نے والے اور امریکی ایجنٹ ہم سب کے لہو کے پیاسے
لیکن ان کے پاس ہمارے ناموں کے سوا کوئی سراغ نہیں
فون نمبر کی صورت میں جو سراغ میجر بخشی تک پہنچا تھا، وہ
کے سینے میں دفن ہو گیا تھا۔ جوگیندر اس کڑی کے آخری
ے پر تھا۔ اسے شاید وہ فون نمبر بھی معلوم نہیں تھا مگر وہ
کے اسپتال کی نگرانی کے ذریعے، خوش قسمتی سے مجھے
سان کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

جوگیندر پال میرا کھلا دشمن تھا، ماروتی ایک مشتبہ حلیف
۔ وہ دونوں ہی دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔

میں نے اپنے ذہن پر خاصا زور دیا لیکن ماضی میں پیش
نے والے کسی ایک واقعے کو دوسرے سے الگ نہیں
سکا۔ سب کچھ ایک تسلسل کے ساتھ ہوتا چلا آرہا تھا۔
میں ذرا سی گنجائش یہ تھی کہ رستم ایرانی اور پنڈت منوہر
کو کسی حد تک ایک نیا موڑ قرار دیا جا سکتا تھا۔

رستم سے ہماری ملاقات اور برائن ڈی ہنٹ کے بارے
ہوئی تھی۔ یہ عقدہ بہت بعد میں کھلا کہ بظاہر سب سے
تھلگ رہ کر، صاف ستھرے انداز میں کام کرنے والا
م ایرانی بھی اسی تھیلی کے چٹے بٹوں میں شامل تھا اور
ائن کو محض اس لیے ناپسند کرتا تھا کہ وہ سخت گیر اور خود
تھا۔ اپنے سامنے رستم کی دال نہیں گلنے دیتا تھا اور یہ
رستم جیسے جاہ پرست کو بالکل پسند نہیں تھی۔

رستم ایرانی مذہب کے اعتبار سے بہائی اور پیشہ ورانہ
اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد سے قریب تر تھا۔ وہ ختم
تو احتجاجی بیانات کے طوفان میں اکرم الٰہی کی فریڈم
یشنل نظروں میں آئی جس پر امریکا کی فورڈ فاؤنڈیشن
ی سرمایہ کاری کر رہی تھی۔ فریڈم کے معاملات کریدے
تو حیدر آباد میں قائم صحرا نامی این جی او کا نام سامنے آیا
کا کرتا دھرتا مراد ظریف تھا۔

ان دنوں پریس میں این جی اوز کی زیر زمین، ملک دشمن
سرگرمیوں کے بارے میں بہت کچھ چھپ رہا تھا۔ فریڈم
انٹرنیشنل اور صحرا کے معاملات کی چھان بین کے دوران میں
پتا چلا کہ وہ سب افسانے نہیں تھے۔ غیر سرکاری سطح پر
چلائے جانے والے بہت سے نام نہاد فلاحی ادارے ملک
دشمن سرگرمیوں میں ملوث تھے اور ان کے خلاف ایک الگ
اور خصوصی آپریشن کی ضرورت ناگزیر ہو چکی تھی۔

شاید ہم لوگ بھی ایسے اداروں کی بیخ کنی میں لگ جاتے
لیکن جب مقامی مہروں کو کٹھ پتلی کی طرح نچانے والے انڈین
کمانڈو، کرشن کمار کا نام سامنے آیا تو ہماری ساری توجہ اس کی
طرف مبذول ہو گئی۔ این جی اوز والا معاملہ جہاں تھا، وہیں رہ
گیا۔

"ہم باہر کے دشمنوں سے لڑ لڑ کر ہلکان ہوئے جا رہے
ہیں۔ آستین میں پلنے والے سانپوں کو ہم نے کھلی چھوٹ دی
ہوئی ہے۔" جب گفتگو کا سلسلہ متعدد ناموں سے ہوتا ہوا،
این جی اوز پر اٹک گیا تو سلطان شاہ قدرے برہم ہو گیا۔

"جب تک اندر سے ایسے سہارے نہ ملیں، باہر والے
کامیاب نہیں ہو سکتے۔" غزالہ نے اس کی تائید کی۔

"عوام کی اجتماعی کوششوں سے اصلاح اور فلاح و بہبود
کا نعرہ زیادہ پرانا نہیں ہے۔ مغرب میں یہ نظریہ ستر کے
عشرے میں رائج ہوا تھا۔ ہمارے یہاں تو ابھی یہ بالکل نیا
ہے۔ اس کی بنیادیں بھی مستحکم نہیں ہوئی ہیں مگر بیرونی تخریب
کاری روز اول سے ہمارا مسئلہ رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ اس سلسلے میں این جی اوز بے
قصور ہیں۔ ان کو کھلی چھوٹ دے دینی چاہیے؟" سلطان شاہ
نے چیخ کر پوچھا۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا۔" میں نے ہلکے سے طنز سے
جواب دیا "میری عرض اتنی ہے کہ سارا زور ان پر نہ دو۔
صرف وہی قصوروار نہیں ہیں۔ تم یہ ضرور کہہ سکتے ہو کہ پہلے
بے ضمیر لوگ اپنے ملک اور اپنی زمین سے انفرادی غداریاں
کرتے تھے اور چوروں کی طرح چھپتے پھرتے تھے۔ اب ان
کے سینے کے بند کھل گئے ہیں۔ اکرم الٰہی، مقبول چوہدری اور
مراد ظریف جیسے لوگ سینہ تان کر گھومتے ہیں۔ وہ خود ہی
نہیں بکتے، اپنے سادہ لوح رضاکاروں تک کا سودا کر لیتے
ہیں۔ ایسے لوگوں کی مدد سے دشمنوں کو اپنی تخریبی سرگرمیاں
جاری رکھنے کے لیے منظم اور باقاعدہ پلیٹ فارم میسر آجاتے
ہیں۔"

"تم خود اپنی بات کی تردید کر رہے ہو۔ کیا یہ کوئی چھوٹا

ظلم ہے؟ ایک شخص اور ایک ٹیم میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"آپ نے تین نام لیے۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔" سلطان شاہ کی بات پوری ہوتے ہی غزالہ بولنے لگی "انہیں آزادی حاصل تھی تو رستم ایرانی کے واقعے پر فریڈم انٹرنیشنل کے احتجاجی بیان بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ چھپے تھے۔ آپ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے تو ان کے احتجاج کے غبارے سے ساری ہوا نکل گئی۔ وہ آج تک دوبارہ سر نہیں اٹھا سکے۔"

"جاسوسی اور جوابی جاسوسی۔ دہشت گردی اور اس کی جوابی کارروائیاں۔ ان سب کی تاریخ بہت پرانی ہے۔" ویرا نے زبان کھولی۔ ایسی کارروائیاں صرف دشمنوں کے خلاف نہیں، دوستی کی آڑ میں بھی ہوتی رہی ہیں۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" سلطان شاہ نے استہزائیہ انداز میں لقمہ دیا "امریکی ہمیشہ ہمیں اپنا دوست قرار دیتے رہے ہیں۔"

"امریکا میں بھی یہی سب ہوتا رہتا ہے۔" ویرا اس کے طنز کا برا منائے بغیر بولی "آج بھی امریکا کی جیلوں میں سیکڑوں ایسے امریکی سڑ رہے ہوں گے جن پر دشمن قوتوں کے لیے کام کرنے کے سنگین الزامات عدالتوں میں زیر سماعت ہیں۔"

"غداری کے واقعات دنیا بھر میں ہوتے رہتے ہیں۔" اول خان نے اعتراف کیا۔ جب تک دنیا میں لالچ کا وجود ہے، ایسے واقعات رونما ہوتے رہیں گے۔ انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ کلیدی بات وہی ہے جو ڈینی نے کہی ہے۔"

"اوہ! تو تم نے بھی کچھ کہا تھا۔" ویرا نے تمسخرانہ انداز میں اپنی بھویں اچکا کے کہا "ذرا اپنی بات دہرا دو۔"

"مجرمانہ مقاصد کے لیے کام کرنے والی این جی اوز کا صفایا ہونا ضروری ہے۔" اول خان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"بلاوجہ اتنی بحث ہوئی۔" سلطان شاہ منہ بنا کر بولا "میں نے بھی یہی بات کہی تھی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب لاہور روانگی تک ہمیں کراچی میں کوئی نہ کوئی مصروفیت مل جائے گی۔" غزالہ ہنس کے بولی۔

"یہ گند صرف کراچی میں نہیں ہے۔ پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے۔" اول خان بولا "این جی او کو ہوشیاری اور مکاری سے چلایا جائے تو یہ بہت نفع بخش دھندا ہے۔ بہت سے لوگ دیکھتے ہی دیکھتے لکھ پتی ہوئے ہیں۔ ایسے ادارے تیزی سے دیہاتوں تک پھیل رہے ہیں۔"

"دیہی این جی اوز میں کیسے عیار اور چالاک آرگنا
کیوں نہ ہوں، وہاں زیادہ سے زیادہ مالی گھپلے اور بد عنوا
ہی ہوسکتی ہیں۔ غداری دہشت گردی اور ملک فروشی
جرائم کے لیے شہری ٹھکانے ضروری ہیں۔" ویرا نے
بے لاگ رائے دی۔

"اس لیے کراچی ہی سب سے بہتر شہر نظر آتا ہے
ہمیں اپنے کام کی ابتدا یہیں سے کرنی چاہیے۔" میں
ہنس کر کہا۔

"ہرگز نہیں۔ اب تم کراچی میں نہیں رکو گے۔ شام
پرواز سے لاہور کے لیے روانہ ہوجاؤ۔" اول خان نے
سے کہا "تم چاہو تو وہاں ایک دو مہینے رہ سکتے ہو۔ میں تمہیں
یہاں نہیں الجھانا چاہتا۔"

"جب یہاں کام ہی نہیں رہا تو ہمارے رہنے یا نہ ر
سے کیا فرق پڑے گا؟"

"اس بارے میں مجھے تمہارے کسی مشورے کی
ضرورت نہیں۔ کام نہیں ہوتا تو تم خوا مخواہ چھیڑ چھاڑ شرو
کردیتے ہو۔ جان اسمتھ اب بھی کراچی میں ہے اور اس
فون نمبر ہم سب کے علم میں ہیں۔ اب یہاں کوئی کشت و خو
نہیں ہوگا۔"

"شاید تم جلال کی مشکلات کے بارے میں فکر مند ہو!"
ویرا نے اس سے پوچھا۔

"صرف جلال ہی نہیں، ان حالات کی وجہ سے ساری
ایجنسیاں دباؤ میں ہوں گی۔ وزارت داخلہ پر وقت پڑا ہوا
ہوگا۔ دفتر خارجہ والے بھی مشکل میں گرفتار ہوں گے۔ اند
کی کہانیاں اور ہماری مجبوریاں کسی کے علم میں نہیں ہیں۔
جوگیندر پال کا قتل اور موہن خاندان میں ہونے والی تین
اموات سب کے سامنے ہیں۔ کسی کو سر پیر کا پتا نہیں ہے تو و
پریس اور میڈیا کا سامنا کس طرح کریں گے۔"

"خوب! آج تو تم بھی کوئی ذمے دار سرکاری افسر معلوم
ہو رہے ہو۔" میں نے کہا۔

"ہمیں کوئی نہیں اپناتا لیکن یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے
کہ اسپیشل ٹاسک فورس کو سرکاری ذرائع سے فنڈز ملتے
ہیں۔" اول خان نے جذباتی لہجے میں جواب دیا "میں
دوسروں کی مجبوریوں سے کبھی غافل نہیں رہتا۔"

"اگر کراچی کی سرگرمیوں میں وقفہ اتنا ہی ضروری ہے
اور تم ہمیں لاہور بھیجنے پر تل گئے ہو تو یہ بھی بتاؤ کہ ہم وہاں کیا
کریں گے۔" میں نے پوچھا "میں زیادہ دنوں تک ہاتھ پر ہاتھ

دھرے بیٹھا رہا تو اکتا جاؤں گا۔"
"لاہور میں بھی ایس ٹی ایف کا ایک یونٹ تعینات ہے۔ وہ اسٹیشن تھری کہلاتا ہے۔ میں تمہیں اسٹیشن چیف کا نام اور فون نمبر دے دوں گا۔ اسے بھی بتادوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ تم اس کی مدد کرسکو۔ ہماری فورس میں تم بہت نیک نام گردانے جاتے ہو۔"
"اول خان کے الفاظ پر غور کرو۔" ویرا نے فوراً بات اچک لی "درحقیقت تم نیک نام نہیں ہو مگر گردانے جاتے ہو۔"
"صحت بگڑنے کا اندیشہ نہ ہو تو تم کچھ دیر کے لیے خاموش رہو۔" میں نے اسے گھور کر کہا "میں اول خان سے بات کررہا ہوں۔"
"اول خان کے مقابلے میں یہ خود کو دوئم خانم تصور کرتی ہے۔" سلطان شاہ بڑبڑایا۔
"خرافات مت بکو۔" میں نے ان دونوں کو ڈانٹا پھر اول خان کی طرف متوجہ ہوگیا "اسٹیشن تھری کے چیف کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟"
"تعارف کے بارے میں کہہ رہا تھا۔ وہ یقیناً تمہیں اپنے اعتماد میں لے گا۔ باقی باتیں تم خود دیکھ لوگے۔"
"کیا لاہور میں آج کل این جی اوز کا کوئی قصہ چل رہا ہے؟" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔
"قیاس ہے کہ ضرور چل رہا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ خالد نے اس پر دھیان نہ دیا ہو۔ میں تمہیں پہلے بھی بتاچکا ہوں کہ ایس ٹی ایف کا ہر اسٹیشن کمانڈر یا چیف اپنی جگہ خود مختار ہوتا ہے اور صرف سربراہ کو جواب دہ ہوتا ہے۔ باس کو بھی یہ جان کر خوشی ہوگی کہ تم نے لاہور میں کچھ وقت گزارنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ خالد کو ہدایات دے گا کہ وہ لاہور میں تمہاری موجودگی سے فائدہ اٹھائے۔"
"میرا سوال لاہور کی سرگرمیوں اور مسائل کے بارے میں تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"میں بھی یہی بتارہا تھا۔ میں کراچی زون کے بارے میں جانتا ہوں۔ لاہور کے بارے میں خالد یا باس کو علم ہوگا۔ اسٹیشن کمانڈرز اپنی وقتی ضروریات کے تحت ایک دوسرے سے رابطہ کرتے ہیں ورنہ اپنے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔"
مجھے یاد آگیا کہ حفاظت اور رازداری کی ضروریات کے پیش نظر ایس ٹی ایف کا ہر یونٹ اپنی جگہ ایک ادارے کی حیثیت رکھتا تھا اور اس کی جملہ سرگرمیاں کمانڈر کی صوابدید پر منحصر ہوتی تھیں۔ ایک دوسرے کے کام سے حتی الامکان الگ تھلگ رہنا ان کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا۔
"لاہور کے بارے میں وہاں پہنچ کر ہی سوچا جائے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔
"اس بارے میں تساہل کی ضرورت نہیں۔ وہی کرو جو کہہ رہا ہوں۔ آج شام کو تم لاہور جارہے ہو۔"
"وہاں سے مجھے براہِ راست بھارت جانا ہے۔ تصاویر پرسوں رات تمہیں دے دی گئی تھیں۔ پاسپورٹ اور شناختی کارڈ اب تک نہیں آئے۔ ان کے بغیر وہاں جانا بے سود ہوگا۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے سلگانے کی کوشش کی۔
"میں حیران ہوں کہ ماروتی کی خودکشی کے بعد تمہارے لیے کراچی میں کیا دلکشی رہ گئی ہے۔" ویرا بولی۔
"تم خاموش رہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔" میں نے کہا "اس سے مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی اور پھر وہ یہاں کی آخری عورت بھی نہیں تھی۔"
"تم ذاتیات پر اتر آتی ہو۔" غزالہ نے خشک لہجے میں ویرا سے شکوہ کیا "یہاں ماروتی کا کیا ذکر تھا۔"
"آخر ڈینی لاہور جانے میں کیوں پس وپیش کررہا ہے؟ اس کا کوئی نہ کوئی سبب تو ہونا چاہیے۔"
"سبب بننے کے لیے صرف ایک ماروتی ہی رہ گئی ہے؟" غزالہ نے برہمی سے کہا "وہ کسی بلا کی طرح تمہارے ذہن سے چمٹ کر رہ گئی ہے۔"
ویرا کو محسوس ہوگیا کہ اس کو غزالہ کے سامنے ایسی بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔ اس نے غزالہ کے خاموش ہونے پر شرافت سے کہا "سوری غزالہ! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرے مذاق سے تمہاری دل آزاری ہوگی۔ ویسے ڈینی کے تذبذب کے بارے میں میرا سوال اپنی جگہ ہے۔"
"اب تم مذاق سے ہٹ کر سنجیدہ ہوئی ہو تو میں بھی بتادوں کہ میں ایک دو روز یہاں رکنا چاہتا ہوں۔ جوگیندر کی موت کا ردِعمل کھل کر سامنے آجائے تو میں اطمینان سے کہیں بھی جاسکوں گا۔ اس سے پہلے چلا گیا تو میرا دھیان یہیں لگا رہے گا۔"
"لاہور جاکر بھی تم کراچی سے رابطے میں رہوگے۔ فون اسی مقصد کے لیے ایجاد ہوا ہے۔" اول خان نے کہا۔
"فون کی اپنی مجبوری ہوتی ہے۔ کھل کر بات نہیں کی جاسکتی۔ ہوٹل کے فون پر سی ایس ڈی کا استعمال مشکل

ہوگا۔"

"کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ تم چاہو گے تو خالد کے دفتر میں موجود سہولتوں سے استفادہ کرسکو گے۔"

"اگر تم میری یہاں موجودگی سے اسی قدر بیزار ہو اور مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر مجبوری ہے۔" میں نے ہتھیار ڈال دیے۔

"پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کی بات درمیان میں رہ گئی۔ کل وہ سب آگئے تھے۔ جوگیندر پال کا چکر شروع ہوجانے کی وجہ سے اسٹیشن فور پر پڑے رہ گئے۔ میں وہ سب منگوائے لیتا ہوں۔ تم غزالہ کو لے کر شام کی پرواز سے نکل جاؤ۔"

"میرے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟" ویرا نے بے چینی سے پہلو بدل کر سوال کیا۔

"تم روانگی کے موقع پر لاہور پہنچ سکتی ہو۔ فی الحال کراچی میں ہی رکی رہو۔" اول خان نے تجویز پیش کی۔

"اس وقت تم کو بڑا مان لیا گیا ہے۔ جو چاہو' طے کرسکتے ہو۔" ویرا نے میری توقع کے برعکس بات مان لی۔

جب تک بحث جاری رہی' اول خان کے چہرے سے کشیدگی کا اظہار ہورہا تھا۔ سب کچھ طے ہوجانے پر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

اس وقت صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ گھر سے اپنے دفتر جاتے ہوئے' راستے میں ہمارے پاس رک گیا تھا کیونکہ پچھلے دن کے واقعات کے بارے میں اخباروں میں شائع ہونے والی اطلاعات تشویش آمیز تھیں۔ بھارتی حکام نے میجر بخشی کے واقعے پر ذرا دبے دبے ردِعمل کا اظہار کیا تھا لیکن جوگیندر کی موت پر وہ بھڑک اٹھے تھے۔ ان کے تیز و تند بیانات سے یوں ظاہر ہورہا تھا جیسے کشیدگی اپنی انتہا کو پہنچنے والی ہو۔

ہمارے ساتھ پروگرام طے کرلینے کے بعد اول خان اپنے دفتر کے لیے روانہ ہوگیا۔

"ہمیں سفر کے لیے کچھ ساتھ لینا چاہیے؟" موقع ملتے ہی غزالہ نے مجھ سے پوچھا۔ وہ پیکنگ کے بارے میں فکرمند تھی۔

میں ہنس پڑا "تن کے دو کپڑے بھی کافی ہوں گے۔ لاہور میں بازار سے ضرورت کی ہر چیز مل جائے گی۔"

"ہمیں لاہور سے آگے' سرحد پار بھی جانا ہے۔" اس نے فکرمندانہ آواز میں کہا۔

"وہاں کے لیے بیم گن اور اول خان کے ذخیرے کی چند لنگوٹھیاں کافی ہوں گی۔ سامان لاد کر لے جانا بے سود ہے۔"

"میں نے سنا ہے کہ یہاں سے بھارت آنے جانے والے سامان سے لدے پھندے ہوتے ہیں۔ سامان کے بغیر سفر کرنے والوں کو ہر جگہ شک و شبے کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ہمارے ساتھ مناسب وزن کا کم از کم ایک سوٹ کیس ضرور ہونا چاہیے۔"

"ہم سب ایک ساتھ رہتے ہیں۔ بھارت جانے والوں کے سامان کے بارے میں تم نے کہاں سے سن لیا؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"سننے اور پڑھنے کا ایک ہی مفہوم ہوتا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان سفر کرنے والوں کے ساتھ کسٹم اور امیگریشن کے عملے کی زیادتیوں کے بارے میں آئے دن اخباروں میں کچھ نہ کچھ چھپتا رہتا ہے۔ آج کل میں ایسی خبریں اور مراسلے توجہ سے پڑھتی ہوں۔"

"ایک سوٹ کیس کی تیاری ناگزیر ہے تو پھر جو دل چاہے' بھر لینا۔ میرے لیے کپڑوں کے تین چار جوڑے کافی ہوں گے۔"

"سی ایس ڈی بھی ضروری ہے۔" ویرا نے یاد دہانی کرائی "ہوسکتا ہے کہ ہم کرائے پر کوئی گھر لینے میں کامیاب ہوجائیں۔"

"لاہور میں ہم بے فکر ہوکر ہوٹل میں رہیں گے تاکہ کھانے پکانے کے چکروں میں نہ الجھنا پڑے..."

غزالہ نے میری بات کاٹ دی "میں لاہور کی نہیں' بھارت کی بات کررہی تھی۔"

"اگر کوئی رازونیاز نہ ہورہے ہوں تو میں اندر آسکتی ہوں۔" باہر سے ویرا کی آواز آئی۔

"چلی آؤ۔" میں نے کہا اور ویرا ہماری خواب گاہ میں آگئی۔ غزالہ کپڑوں کا ڈھیر سرکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم دونوں شام تک کے مہمان ہو۔ میں نے سوچا کہ یہ وقت ساتھ ہی گزار لیا جائے۔" ویرا مجھے آنکھ مار کے بولی۔

"ہم چاند کے سفر پر نہیں جارہے۔ دو تین روز میں تم بھی ہم سے آملوگی۔" میں نے کہا۔

"چاند پر نہیں جارہے لیکن یہ تمہارے ہنی مون کی تجدید ہوسکتی ہے کیونکہ تمہارے درمیان کوئی تیسرا نہیں ہوگا۔"

میں ویرا کو کمرے میں غزالہ کے ساتھ چھوڑ کر باہر آگیا۔ مجھے اپنا ذہن بہت ہلکا بلکہ خالی خالی محسوس ہورہا تھا۔ ایک طرف شب و روز کی بھرپور مصروفیات چلتی رہی تھیں۔ اب وقت سب کچھ ختم ہوچکا تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے جوگیندر کے خاتمے کے ساتھ ساتھ سارے مسائل حل ہوچکے تھے اور ہمارے کرنے کے لیے کوئی بھی کام باقی نہیں

رہا تھا۔ جو کچھ تھا' وہ بھارت کی سرزمین پر ہی تھا۔

دوپہر میں اول خان کا فون آگیا' اس نے ساڑھے پانچ بجے والی پرواز پر ہماری نشستیں بک کروائی تھیں۔

لاہور کے راستے' ہمارا بھارت کا سفر اہم اور پرخطر تھا۔ اپنی ذات پر اعتماد کے باوجود مجھے احساس تھا کہ کسی ذرا سی لغزش کی بنا پر وہ میرا آخری سفر بھی ہو سکتا تھا۔ وہاں انل بسواس اور اس کے گرد پھیلے ہوئے را کے ایجنٹوں سے ٹکرانا آسان کام نہیں تھا۔ مجھے خیال آیا کہ روانگی سے پہلے جہانگیر کو ایک الوداعی فون کال کرلوں لیکن پھر میں نے خود ہی ارادہ ملتوی کردیا۔

جہانگیر کی فطرت میں تجسس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اسے میرے سفر کی نوعیت کا ذرا بھی اندازہ ہو جاتا تو اس کی طرف سے سوالات کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا جسے خندہ پیشانی سے جھیلنا میرے بس سے باہر تھا۔

سوا دو بجے اول خان ہم تینوں کے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ لے کر آگیا۔ ان سفری کاغذات کی رو سے میرا نام مظہر خان طے پایا تھا۔ غزالہ کا نام جوں کا توں رہا تھا۔ ویرا کا نام بدل کر مس این کاویل ہو گیا تھا۔ تینوں پاسپورٹ پرانی اور ایک دوسری سے مختلف تاریخوں میں بنائے گئے تھے۔

ہم نے مل کر دوپہر کا کھانا کھایا۔ اول خان کی وجہ سے ہمیں پرواز سے دو گھنٹے پہلے ائرپورٹ پہنچنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم پانچوں بیٹھے گپ شپ کرتے رہے۔ ویرا کی غیر حاضری کے وقفوں میں' میں نے سلطان شاہ کو سمجھایا کہ وہ ہماری غیر موجودگی میں ویرا کے ساتھ مفاہمانہ رویہ رکھے تاکہ کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو۔ ہمارے جانے کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے سے روٹھ جاتے تو اول خان کے سوا اور کوئی ان دونوں کے درمیان صلح نہیں کرا سکتا تھا جب کہ اول خان ان سے الگ رہنے کی وجہ سے ان کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات سے بروقت واقف نہیں ہو سکتا تھا۔

چار بجے ہم روانگی کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ ہمیں رخصت کرنے کے لیے سب کو ائرپورٹ جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اول خان ہمیں آرام سے وہاں پہنچا سکتا تھا۔

"لاہور جا کر یہ نہ بھول جانا کہ تمہیں میرے ساتھ بھارت بھی جانا ہے۔" ویرا نے مجھ سے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بھولنے والی بات نہیں ہے۔ پروگرام طے ہو چکا ہے۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"تم یہ نہیں بھولو گے۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارا حافظہ اتنا خراب نہیں ہے لیکن لاہور میں ایسا کوئی بکھیڑا نہ پھیلا لینا کہ اسی میں الجھ کر رہ جاؤ۔ یہاں کے کام چلتے رہتے ہیں۔ تم کو آگے کے حالات پر نظر رکھنی چاہیے۔ ہمارا اصل ٹارگٹ انل بسواس ہے۔" وہ میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولی۔

"تم فکر نہ کرو۔ میرا بگڑا ہوا چہرہ ذرا سدھر جائے تو روانگی میں تاخیر نہیں ہوگی۔"

اول خان مجھے اور غزالہ کو لے کر گھر سے روانہ ہو گیا۔ جب تک ہماری گاڑی موڑ پر نہیں گھومی' سلطان شاہ' ویرا کے ساتھ باہر کھڑا ہاتھ ہلاتا رہا۔

"تم دونوں میاں بیوی ہو۔" اول خان عقب نما آئینے میں شاید وہ منظر دیکھتا رہا تھا۔ گاڑی گھمانے کے بعد وہ ایک گہرا سانس لے کر کہہ رہا تھا "سلطان شاہ کی دوستی کی بات بھی سمجھ میں آنے والی ہے لیکن یہ لڑکی' ویرا! یہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ اسے تم لوگوں سے ایسی انسیت ہے اور وہ اس طرح گھل مل کر رہتی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ وہ پنجے جھاڑ کر سلطان شاہ کے پیچھے پڑی رہتی ہے۔ اس سے ویرا کی ذرا بھی نہیں بنتی' تم شادی شدہ ہو۔ وہ کس امید پر تمہارے ساتھ رہ رہی ہے۔"

"یہ ملین ڈالر کا سوال ہے۔" میں نے جواب دیا "وہ مغربی معاشرے کے کھوکھلے پن کو بہت قریب سے دیکھ چکی ہے۔ اس نے سمجھ لیا ہے کہ اپنی خواہشات اور عیاشیوں کے لیے زندہ رہنے کی شدید خواہش نے انسان اور حیوان کا فرق بہت کم کردیا ہے۔ جانور بھی بے ڈھنگے پن سے یہی کرتے ہیں۔ مغرب کے بیشتر باسیوں میں نفاست اور قرینہ ہے مگر وہ اپنی ذات سے آگے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے دن بہ دن عاری ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ زندگی کا مقصد نہیں ہوتا۔"

"ذاتی ضروریات اور خواہشات حد سے بڑھ جائیں تو ہر تمیز ختم کردیتی ہیں مگر ان کی کچھ فطری حدیں بھی ہیں...."

"ویرا درویش ہوگئی ہے!" غزالہ نے اس کی بات کاٹ کر ٹکڑا لگایا۔

"کبھی کبھی میں بہت سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہوں۔" اول خان کی سنجیدگی برقرار رہی۔

"ہم نے اس پر کوئی جبر نہیں کیا۔ وہ اپنی مرضی سے ہمارے ساتھ آئی اور رہ رہی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنے بارے میں کچھ سوچا ہوا ہو مگر یہ بات واضح ہے کہ وہ اپنی موجودہ زندگی سے مطمئن اور آسودہ ہے۔ آدمی اپنی زندگی کا کوئی مقصد اور مشن متعین کرلے اور لگن کے ساتھ اس سمت میں کام بھی کرتا رہے تو دوسری چیزیں اسے نہیں ستاتیں۔ ویرا بھی اسی مرحلے اور تجربے سے گزر رہی ہے۔"

"میں وہی جاننا چاہ رہا ہوں۔ اس کے سامنے کیا مقصد ہے۔" اول خان نے زور دے کر کہا۔

"حیرت ہے کہ یہ سوال تم کررہے ہو!" میں نے کہا "ہمارا مشن کیا ہے؟ بس وہی ویرا کا بھی مقصد حیات بن کررہ گیا ہے۔ وہ ہمارے لیے کام کرکے خوشی اور طمانیت حاصل کرتی ہے۔ اسی دوران میں اسے ذاتی خوشیوں کے دو لمحے میسر آجائیں تو انہیں غنیمت سمجھتی ہے۔"

"میرے مقابلے میں تم اس سے بہت زیادہ قریب ہو۔ تم کہہ رہے ہو تو میں یہ سب مانے لیتا ہوں لیکن وہ اب بھی میرے لیے ناقابل فہم ہے۔ قدرت نے اپنی ہر مخلوق میں بلاوجہ ہی جنس کا امتیاز نہیں رکھا۔ مرد کی ضرورت عورت ہے اور عورت کے لیے مرد کی رفاقت ناگزیر ہے۔ ایک دوسرے کے بغیر وہ ادھورے ادھورے سے رہتے ہیں۔ میں ویرا کے مشن اور جذبے کو اچھی طرح سمجھتا ہوں مگر وہ اپنے ادھورے پن کے احساس کا کیا مداوا کرسکتی ہے۔"

اول خان نے نہایت شائستگی سے وہ نازک سوال اٹھایا تھا۔ وہ ابتدا سے ہی ویرا کا مداح تھا۔ اس کے کاموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا' ہر وقت اس کی حوصلہ افزائی کرتا رہتا تھا۔ خود ویرا بھی اپنی ذات میں اول خان کی اس مخلصانہ دلچسپی سے واقف تھی مگر اول خان کے اس سوال کا جواب ویرا کے پاس تھا نہ میں غزالہ کی موجودگی میں لب کشائی کرسکتا تھا۔ وہ جو کچھ تھا' محض اس وجہ سے تھا کہ ویرا شروع ہی سے مجھے پسند کرنے لگی تھی۔ میرے دل کے نہاں خانوں میں اس کے لیے کبھی بھی حقیقی چاہت کے دیپ نہیں جل سکے تھے لیکن میں نے اسے ایک اچھی اور بے تکلف دوست کی طرح ہمیشہ عزیز رکھا تھا۔

ویرا کو سب کچھ معلوم تھا۔ وہ جانتی تھی کہ میں غزالہ کی اداؤں کا اسیر ہوں۔ پھر بھی وہ مجھ سے مراسم بڑھاتی رہی۔ شاید اسے ناز تھا کہ اس کے قرب کے سحر میں مبتلا ہوکر میں غزالہ کو بھول جاؤں گا مگر ایسا نہ ہوسکا۔ ویرا کی غیر معمولی عنایتوں کے باوجود میرے دل و دماغ پر غزالہ کی ذات کا نقش ہلکا نہ ہوسکا۔ میری اس سرد مہری پر مشتعل ہوکر ویرا نے کم از کم دو مرتبہ میرے اور غزالہ کے درمیان فاصلوں کی طویل خلیج حائل کرنے کی سفاکانہ کوششیں کیں۔ ایک بار اسے اغوا کرکے انگلینڈ پہنچا دیا جہاں غزالہ نے اپنی ذہانت سے اس کے گرگوں کو ناک چنے چبوا دیے اور بچ نکلی۔

دوسری مرتبہ ویرا نے پھر وہی حربہ آزمایا اور غزالہ کو مشرق بعید کی طرف روانہ کردیا اور شاید وہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ اس کے آدمیوں کے ذریعے غزالہ کو مکاؤ کے ایک ڈان کی تحویل میں پہنچایا گیا اور جب میں ویرا کے آدمیوں کا پیچھا کرتا ہوا ڈان کے محل میں پہنچا تو وہاں ویرا کی بازی الٹ گئی۔

وہ موٹا ڈان خود کو انصاف کی توپ اور عقل کل سمجھتا تھا۔ اس نے میری کتھا سنی اور فیصلہ صادر کردیا کہ میری اور غزالہ کی شادی ہوئے بغیر وہ غزالہ کو رہا نہیں کرے گا۔ وہاں ایک مسلمان چینی مولوی نے ہم دونوں کو نکاح کے بندھن میں باندھ کر ویرا کی ساری امیدوں پر اوس ڈال دی۔

ہم دونوں نے اپنی مرضی سے شادی نہیں کی تھی۔ وہ ڈان کوانگ فو کا جبر تھا جس نے ہمیں ایک رشتے میں پرو دیا تھا۔ ہماری واپسی پر ویرا نے کھلے دل سے اس حقیقت کو تسلیم کرلیا۔ شاید دل ہی دل میں وہ غزالہ سے حسد کرتی ہو مگر اس نے کبھی اس کا اظہار نہیں ہونے دیا نہ ہی اس نے غزالہ کے خلاف کوئی کارروائی کی۔ اس کی ایک سادہ سی آرزو تھی کہ وہ میرے قریب رہنا چاہتی تھی۔

وہ فیصلہ صرف میرا نہیں تھا۔ غزالہ نے اس کی تائید کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ویرا اگر اپنے مخاصمانہ رویے سے تائب ہوکر ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہی تھی تو ہمیں اس کو خوش آمدید کہنا چاہیے تھا۔

وہ دور تک پھیلی ہوئی ایک پر پیچ کہانی تھی جس میں کئی ناگفتنی مقام بھی آتے تھے۔ گاڑی میں غزالہ کے ہوتے ہوئے میں وہ سب اول خان کو نہیں بتا سکتا تھا۔ میں نے اپنے ذہن میں در آنے والے خیالات کی آندھیوں کو جھٹکتے ہوئے جواب دیا "یہ ٹیڑھا سوال ہے۔ اس کا جواب وہی دے سکتی ہے۔"

"شاید اس سوال کا جواب میں بھی جانتی ہوں" غزالہ نے اس نازک موضوع میں دخل انداز ہوکر مجھے حیران کردیا۔ وہ کہہ رہی تھی "اس کی ماں مرگئی۔ باپ کو وائٹ ہاؤس میں قتل کردیا گیا۔ میں خود بھی ان تجربات سے گزر چکی ہوں اسی لیے ہمیشہ ویرا کو اس کی غلطیوں پر درگزر کرتی رہتی ہوں۔ اس سے ہر سایہ چھن چکا ہے۔ وہ ان کے قریب رہ کر خود کو بہت زیادہ محفوظ و مامون تصور کرتی ہے اور اسی لیے ہمارے ساتھ رہتی ہے۔"

غزالہ کا وہ جواب مسکت تھا۔ اس کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہورہا تھا کہ میں اس کی طرف سے سنگین خوش فہمی کا شکار تھا۔ وہ انجان ضرور بنی رہتی تھی مگر کسی بات سے بے خبر نہیں تھی۔ اس نے اپنی بات بہت مہذب اور محتاط پیرائے میں بیان کی تھی۔ کہیں میرے اور ویرا کے ناروا روابط کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا مگر وہ جانتی تھی کہ ویرا ہر قیمت پر میرے قریب رہنا چاہتی ہے۔ اول خان کا سوال جذبوں کی تسکین کے بارے میں تھا۔ غزالہ نے اس کا جواب تحفظ کے حوالے سے دیا تھا۔

"تم یہ جانتی ہو اور پھر بھی اسے برداشت کررہی ہو؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں؟ اس میں کیا خرابی ہے؟" غزالہ نے جواب دینے کے بجائے سوال کرڈالا۔

"تت ... تم ڈینی کی بیوی ہو؟" اول خان اس کے اچانک سوال پر گڑبڑا گیا "کیا تمہیں برا نہیں لگتا کہ ایک آزاد خیال عورت تمہارے شوہر کو پسند کرتی ہے اور ہر قیمت پر اس کے قریب رہنا پسند کرتی ہے۔ میرے خیال میں تو یہ بڑی عجیب سی بات ہے۔"

"کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ مجھے ان پر پورا اعتماد ہے" غزالہ کے مضبوط لہجے نے میرے اوپر گھڑوں پانی ڈال دیا۔

"منہ بولے بہن بھائی کی حد تک بھی بات ٹھیک ہے۔ اس سے آگے میری عقل کام نہیں کرتی۔ مجھے کہنا پڑے گا کہ تم بھی ویرا سے کم ناقابلِ فہم نہیں ہو۔"

"یہ فطرت کی بات ہوتی ہے اور ویرا تو ویسے ہی رشتوں کے مفہوم سے ناآشنا ہے۔ وہ اپنے کسی بھی پسندیدہ مرد کو اپنا بھائی نہیں بنا سکتی۔ یہ اس کی سرشت کے خلاف ہوگا۔ وہ صرف دوست بن کر گزارہ کرسکتی ہے اور انہیں اپنا دوست کہتی ہے" غزالہ دھیرے دھیرے کھل رہی تھی۔ کسی تیسرے شخص کی موجودگی میں اس نے پہلی بار ویرا کے تذکرے میں حصہ لیا تھا اور میں یہ جان کر حیران ہوا جارہا تھا کہ وہ ویرا کو کس حد تک سمجھتی تھی۔

"خیر... اگر وہ خوش ہے اور تم بھی اس کی موجودگی سے ناخوش نہیں ہو تو گاڑی ٹھیک چل رہی ہے" اول خان نے غزالہ کے پے در پے جوابات سے بوکھلا کر بات سمیٹ دی "مجھے کسی کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ویرا کے بارے میں ہم تینوں کے اپنے اپنے تحفظات تھے۔ میں اس کے بارے میں ایسے ایسے تجربات سے گزرا تھا کہ غیر ضروری طور پر زبان کھولنے سے گریز کرتا تھا۔ غزالہ نے چند باتیں دہرا کر یہ واضح کردیا تھا کہ اس کے پاس عقابی مشاہدوں کا ایک خزانہ جمع تھا۔ وہ ویرا کی رگ رگ سے واقف معلوم ہوتی تھی۔ رہا اول خان تو اس کے ذہن میں نرا تجسس ہی تجسس بھرا ہوا تھا۔ ذرا سی دیر کی گفتگو میں اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کا کوئی سیدھا سا سوال کوئی بحران بھی پیدا کرسکتا تھا۔

بقیہ راستہ بھی باتیں کرتے ہوئے طے ہوا لیکن اس بار ویرا کا نام تک نہیں آیا تھا۔

لاؤنج کے سامنے گاڑیوں کی پارکنگ ممنوع تھی۔ صرف جانے والے مسافروں اور ان کے اسباب کو اتارنے کی اجازت تھی۔ ہمارے اترتے ہی ٹریفک کے سپاہی نے اول خان کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا کیونکہ پیچھے بھانت بھانت کی گاڑیاں چلی آرہی تھیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ٹریفک کا وہ معمولی سپاہی، اول خان کی لینڈ روور کی سج دھج سے مرعوب نہیں ہوا تھا۔ اس پر عام شہری نمبر پلیٹ تھی۔ سپاہی نے اسے کوئی رعایت نہیں دی۔

اول خان نے سپاہی سے ذرا سی مہلت طلب کی۔ ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر مجھے گلے سے لگایا، غزالہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر وہاں سے روانہ ہوگیا۔

ہمارے فارغ ہوتے ہی پورٹر نے ٹرالی کو لاؤنج کے داخلی دروازے کی طرف دھکیلنا شروع کردیا۔

ہم چند قدم دور گئے ہوں گے کہ اچانک کہیں سے جہانگیر نمودار ہوگیا۔ وہ کچھ بولایا ہوا سا تھا۔ غزالہ کو سلام کرتے ہی وہ تیر کی طرح میری طرف آیا۔

"تم یہاں کیا کررہے ہو؟" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"مویشی چرنے جارہا ہے۔ اسے چراگاہ بھیجنے آیا ہوں" اس نے بائیں آنکھ دبا کے کہا "تم کہاں جارہے ہو؟ اور یہ تمہارا چہرہ کیوں بگڑا ہوا ہے؟"

"کس مویشی کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اس کا آخری سوال ان سنا کر دیا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسافروں کی بھیڑ سے الگ ہو گیا۔
"وہی اپنی سلمیٰ خانم!" اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "اپنی قسمت میں کوئی اور کہاں ہے۔ بیٹے کی محبت زور مار رہی تھی۔ اب وہ دو تین ہفتوں کے لیے اپنے میکے جا رہی ہے۔"
میں نے غزالہ کو پورٹر کے ساتھ لاؤنج میں پہنچنے کا اشارہ کیا اور جہانگیر سے کہا "اب تمہارے مزے آجائیں گے۔"
"خاک مزے آئیں گے" اس نے منہ بنا کر مایوسی سے کہا "زندگی روکھی پھیکی اور بے کیف ہو جائے گی، گھر کاٹنے کو دوڑے گا۔"
"ہائیں؟ یہ تم کہہ رہے ہو۔ تم تو ہمیشہ اس سے بے زار رہتے ہو۔ اسے کوستے ہو، بد دعائیں دیتے ہو!"
"یار سمجھا کرو۔ وہ ہوتی ہے تو قدر نہیں ہوتی۔ چلی جاتی ہے تو سالی یاد آتی ہے۔ گھر میں ڈانٹنے ڈپٹنے کے لیے کوئی ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر زندگی کا مزہ جاتا رہتا ہے۔ جب چاہو اور جتنی چاہو، پی لو۔ کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں ہوتا۔"
"بس اب دو تین ہفتوں تک عیش کرو۔ اسے بھی میکے میں رہ کر کچھ آرام ملے گا۔"
"خاک آرام ملے گا۔ ان پر سلمیٰ کی دو روٹیاں بھی بھاری پڑتی ہیں۔ ہمیشہ دو چار ہفتوں کی دھمکی دے کر جاتی ہے مگر تین چار دن میں لوٹ آتی ہے۔"
"تم سے ڈرتی ہے کہ کہیں تم اس کی لمبی غیر حاضری میں اس کی جگہ دوسری بیوی لا کر نہ بٹھا دو۔"
وہ ہنسنے لگا "اپنی ایسی قسمت کہاں۔ اللہ نے ایک ہی ایسی دی ہے جو چار پر بھاری ہے" پھر چونک کر پوچھا "تم کہاں .... لاہور جا رہے ہو؟"
"لاہور کے بجائے اب اسلام آباد چلا جاؤں گا۔ سلمیٰ کے ساتھ سفر سے ڈر لگتا ہے۔"
"تمہیں اس سے نہیں، غزالہ سے ڈرنا چاہیے۔ عورت کتنی ہی نازک اور خوبصورت ہو، بیوی بنتے ہی خونخوار ہو جاتی ہے۔ میرا مطلب تھا کہ ساڑھے پانچ والی پرواز سے جا رہے ہو تو سلمیٰ کا خیال رکھنا۔ وہ اکیلی سفر کر رہی ہے۔"
"یہاں سے تم نے اسے اندر بھیجا ہے۔ جہاز پر سیکڑوں مسافر ہوں گے۔ لاہور میں تمہارے سالے اسے وصول کر لیں گے۔ تمہیں اتنے چھوٹے سے سفر کے لیے فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سلمیٰ ایک عاقل اور بالغ عورت ہے۔ اسے کوئی چرا کر نہیں لے جائے گا۔"
"تم نہ ملتے تب بھی وہ چلی جاتی۔ یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی۔ جب چاہتے ہو، منہ اٹھا کر شہر سے کہیں بھی نکل جاتے ہو، تمہارا خون سفید ہو گیا ہے۔"
"اس بار غلطی معاف کر دو۔ آئندہ تم سے پوچھ کر جاؤں گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔
"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ کیوں اور کہاں جا رہے ہو؟" اس نے دوبارہ میرا ہاتھ تھام کر شکوہ کیا۔
"میں دوسرا ہنی مون منانے لاہور جا رہا ہوں۔ کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"
اس نے زور سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور کہا "ہرگز نہیں۔ ویسے آئیڈیا اچھا ہے۔ پرانی بیوی کے ساتھ نیا ہنی مون! واہ!"
"آج کل اپنی آنکھیں کھلی رکھنا" میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے قدرے دھیمی آواز میں کہا "آج کل میرے پرانے دشمن پھر میدان میں اترے ہوئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تم میرے گہرے دوست ہو۔ میری طرف سے مایوس ہو کر وہ تم پر کوئی وار کر سکتے ہیں۔ تمہیں ان کی طرف سے ہر وقت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اگر تم اپنی غفلت یا حماقت کی وجہ سے کسی مشکل میں پھنس گئے تو کوئی تمہاری مدد کو نہیں آئے گا۔"
"تم ان چکروں پر لعنت بھیج کر کوئی ڈھنگ کا کام کیوں نہیں کر لیتے۔ سکھ چین سے روزی ملتی رہے گی۔ میری بھی جان بچی رہے گی۔"
"جو ہو گیا سو ہو گیا۔ واپسی پر تمہارے اس مشورے کے بارے میں کچھ سوچوں گا۔"
میں نے اس سے ہاتھ ملا کر آگے بڑھنے کا ارادہ کیا مگر وہ پھر اٹک گیا "ویرا تو یہیں کراچی میں رہے گی نا؟"
"وہ اکیلی نہیں ہے۔ سلطان شاہ بھی اس کے ساتھ رہے گا۔ اس پر منہ مارنے کی کوشش نہ کرنا۔"
"میں دوستوں کے مال پر نظر نہیں رکھتا۔ بس اس سے ذرا سی دل لگی کر لیتا ہوں۔ اس وقت میں یہ پوچھ رہا تھا کہ کسی گڑبڑ کے آثار نظر آئیں تو اسے فون کروں یا نہ کروں۔ وہ آخر اپنی پرانی بلیک کوئن ہے۔"
"جو چاہو کر لینا۔ اب مجھے اجازت دو ورنہ پرواز نکل جائے گی۔" میں نے بے زاری سے کہا۔
اس نے پُرجوش معانقہ کر کے مجھے لاؤنج میں جانے کی

اجازت دے دی۔ غزالہ چیک ان کاؤنٹر سے الگ کھڑی میرا انتظار کررہی تھی۔
"یہ بدروح کی طرح یہاں کیوں منڈلاتا پھررہا ہے؟" غزالہ نے اپنا ٹکٹ بھی مجھے تھماتے ہوئے پوچھا۔
"سلمیٰ بھی اسی پرواز سے لاہور جارہی ہے۔ نظر آجائے تو اس سے دور ہی رہنا۔"
وہ بڑے طیارے کی پرواز تھی اس لیے قطار میں کھڑے ہوئے مسافروں کی تعداد بھی زیادہ تھی لیکن بزنس کلاس کا ترجیحی کاؤنٹر خالی تھا۔ اکلوتا سوٹ کیس عملے کے حوالے کرکے میں نے بورڈنگ کارڈ حاصل کیے اور اندرونی حصے کی طرف چل دیا۔
تلاشی اور سیکیورٹی چیک کے مرحلے سے گزر کر ہم اس حصے میں داخل ہوئے جہاں مسافر طیارے کی طرف روانگی کے منتظر تھے۔ غزالہ نے دور ہی سے سلمیٰ کو دیکھ لیا۔ وہ ایک اگلی نشست پر سکون سے بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھی۔ ہم دونوں خاموشی سے فرسٹ کلاس لاؤنج کی طرف بڑھ گئے۔ سلمیٰ اکنامی کلاس کی مسافر تھی۔ اس سے پرواز پر مڈبھیڑ ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں رہا تھا۔ لاہور ائرپورٹ پر سامنا ہوجاتا تو اسے آسانی سے ٹالا جاسکتا تھا۔
ہم خاصی تاخیر سے ائرپورٹ پہنچے تھے اس لیے ہمیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ بورڈنگ شروع ہوچکی تھی۔ ہم بھی جہاز پر پہنچ گئے۔ کچھ دیر بعد دروازے بند ہوئے، جہاز کے انجن چلائے گئے اور مزید کچھ دیر بعد کراچی سے ہمارا زمینی رابطہ ٹوٹ گیا۔ جہاز ڈھائی سو سے زائد مسافروں کو اپنے پیٹ میں سمیٹے، بلندی کی طرف اٹھتا جارہا تھا۔
"جہانگیر کب تک خوف وہراس کی زندگی گزارتا رہے گا؟" پرواز معمول پر آنے کے بعد غزالہ نے فکرمندی سے پوچھا "وہ آپ سے دوستی کی بہت بھاری قیمت ادا کررہا ہے۔ بیٹے کے اغوا کے بعد سے وہ خوف زدہ ہے اور اسے ننھیال میں چھوڑا ہوا ہے۔ شاید سلمیٰ اسی سے ملنے جارہی ہوگی!"
"میری دانست میں اس بچے کی وہاں بہتر پرورش ہوگی۔ جہانگیر کی بری عادتوں کی وجہ سے بچے کا دور رہنا ہی بہتر ہے۔ یہاں آیا تو ہوش سنبھالنے تک بگڑ جائے گا۔"
"آپ نے شراب نوشی ہی ترک نہیں کی، اچھی بات یہ ہے کہ اب اس عادت کو بھی برا سمجھتے ہیں" غزالہ تعریفی لہجے میں بولی "شاید جہانگیر نے بھی یہ سوچ کر اپنے بیٹے کو اپنی سسرال میں چھوڑا ہوا ہے کہ اس کی موجودگی جہانگیر کی آزادیوں میں رکاوٹ بنے گی۔"
"یہ اس کے اپنے مسائل ہیں، جو کچھ ہورہا ہے، ٹھیک ہی ہورہا ہے۔ مگر میرے ذہن پر ایک بوجھ ہے کہ میری وجہ سے اس کا شیرخوار بچہ اغوا ہوگیا تھا۔ اسی بنا پر اسے ماں باپ سے دور رہنا پڑرہا ہے۔" میں نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔
"اگر یہ خطرہ ٹل جائے اور میرا خیال ہے کہ اب ایسا ہونے کا کوئی امکان نہیں رہا تو جہانگیر کو اپنے بیٹے کو واپس بلانے کا مشورہ دیا جاسکتا ہے۔"
"میں اسے یہ مشورہ ہرگز نہیں دوں گا۔ فلیٹ میں رہتے ہوئے وہ اپنی بری عادات کو بچے سے پوشیدہ نہیں رکھ سکے گا۔ بچہ یہی سب دیکھ کر ہوش سنبھالے گا۔ کسی دن جہانگیر نے نشے کی حالت میں سلمیٰ کے ساتھ کوئی زیادتی کی تو بیٹا اپنے باپ کے مقابلے پر بھی آسکتا ہے۔"
"یہ ممکن ہے" غزالہ نے مجھ سے اتفاق کیا "اور اس کا الٹ بھی ہوسکتا ہے۔ شاید جہانگیر کو ہوش آجائے۔ بچے کی محبت شراب کی طلب پر غالب آجائے اور وہ ہمیشہ کے لیے شراب پینے سے توبہ کرلے۔ اس کی زندگی سنور جائے گی۔"
"یہ ایک خوش فہمی ہوسکتی ہے۔ اس کا حقیقت میں ڈھلنے کا کوئی امکان نہیں ہے" میں نے پورے وثوق سے کہا "ایک نشے کی طلب ہوتی ہے۔ وقت ہوجائے اور شراب یا دوسرا مخصوص نشہ نہ ملے تو آدمی پر بیزاری طاری ہونے لگتی ہے، اعصاب چٹخنے لگتے ہیں، وہ چڑچڑا ہوجاتا ہے، بات بے بات پر اسے غصہ آنے لگتا ہے، ذہن ماؤف اور منتشر ہونے لگتا ہے اور آدمی ان تمام کیفیات سے چھٹکارا پانے کے لیے نشے کی اگلی خوراک لینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ یہ ڈرگ ایڈکشن کہلاتا ہے۔ دوسری طلب انسان کی اپنی خواہشات کے تابع ہوتی ہے۔ وہ پینا اور پی کر بہت کچھ بھول جانا یا فرضی تصورات میں کھوجانا چاہتا ہے۔ کسی ذہنی، جسمانی یا اعصابی طلب کے بغیر اسے مدہوش ہونے کی خواہش ہوتی ہے۔ وہ نشے میں حقائق سے فرار حاصل کرتا ہے۔ جہانگیر کا تعلق دوسری قسم سے ہے۔ وہ شراب نہیں چھوڑے گا۔"
غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "اس وقت آپ کوئی ڈرگ اسکالر معلوم ہورہے ہیں۔"
"نشہ بیچنے والا ہر شخص، موت کا ہر سوداگر ڈرگ اسکالر ہوتا ہے" غزالہ کے تبصرے سے میرے ذہن میں یکایک پرانی یادیں جاگ اٹھیں "یہ لوگ انسانی نفسیات سے واقف ہوتے ہیں۔ طلب اور رسد، دام اور منڈی۔ ہر چیز پر ان کی نگاہ رہتی ہے۔ مجھے یہ سب اس لیے معلوم ہے کہ میرے

ماضی کی جڑیں بھی اسی ماحول میں تھیں۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے بہت کچھ کیا' دیکھا اور پھر سب چھوڑ دیا۔"

"ہم جہانگیر کی بات کر رہے تھے۔ آپ بھٹک کر نہ جانے کہاں پہنچ گئے" غزالہ نے منہ بنایا۔

"نشہ جہانگیر کو اپنی طرف نہیں بلاتا' جہانگیر نشے میں رہنا چاہتا ہے۔ بیٹے کے آجانے سے بھی اس کی یہ عادت نہیں بدلے گی۔"

"کیسی زندگی ہوگی اس بے چارے کی؟" ویرا نے ترحم آمیز لہجے میں کہا "ماں باپ زندہ ہیں' صحت مند اور باحیثیت ہیں مگر وہ ان کی شفقت اور نگہداشت سے محروم ہے۔ ایسے بچوں کی شخصیت کبھی مکمل نہیں ہو سکتی۔"

"مثال تمہارے سامنے ہے۔ راستے میں اول خان سے ویرا کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔ ویرا سب کچھ ہے مگر ادھوری ہے کیونکہ اسے کبھی بھی باپ کا سایہ نہیں مل سکا..... اور پھر وہ بچے جنہیں ماں کی ممتا ملی اور نہ باپ کی محبت!" میں نے دانستہ فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"کیا آپ جہانگیر کو نہیں سمجھا سکتے؟" غزالہ نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"نہیں۔ جو شخص خود فریبی میں مبتلا ہو' کچھ نہ سمجھنا چاہے' اسے کون سمجھا سکتا ہے؟"

"آپ اس کے دوست ہیں۔ وہ آپ کی بات سنتا اور مانتا ہے....." غزالہ اس کے بارے میں فکر مند ہوگئی تھی۔

"تم درست کہہ رہی ہو۔ وہ ہر معاملے میں مجھ سے مشورہ کرتا ہے۔ میں کوئی بہتر مشورہ دوں تو بلا حیل و حجت اسے مان لیتا ہے مگر شراب کے بارے میں وہ مجھ سمیت کسی کی نہیں سنتا اور نہ سنے گا۔ اسے بھول جاؤ۔ پرواز کا لطف برباد نہ کرو۔ دیکھو' یہ کیبن کس قدر خوبصورت ہے۔ موسیقی کیسی نرم اور سہانی ہے۔ کچن سے کیسی خوشبوئیں آرہی ہیں۔ اب شاید مہمان داری کا آغاز ہونے والا ہے۔"

"آپ بہت چالاک ہیں۔ باتوں سے آدمی کو خوب بہلاتے ہیں۔" وہ مسکرانے لگی۔

میں نے کھڑکی سے جھانکنے کے بہانے اپنا کچھ بوجھ اس کے وجود پر منتقل کر دیا۔ کھڑکی سے باہر اور جہاز سے بہت نیچے شفق رنگ بادلوں کے پرے کے پرے تیرتے پھر رہے تھے اور غزالہ کے وجود کے حیات آفریں لمس کی مسحور کن مہک سے میرا ذہن ان بادلوں سے بہت اوپر اڑنے لگا تھا۔

کھانے پینے اور باتوں میں پتا ہی نہیں چلا کہ ڈیڑھ گھنٹا کیسے گزر گیا۔ جہاز کے کپتان نے پیجنگ سسٹم پر مسافروں کو لاہور کے موسم کا کچھ احوال بتایا' الوداع کہا اور پھر پرواز کی لینڈنگ کا اعلان کر دیا۔

جہاز سے باہر قدم رکھتے ہی طبیعت خوش ہوگئی کیونکہ لاہور کا موسم کراچی سے بہت بہتر تھا۔ رات اپنا ڈیرا ڈال چکی تھی۔ رن وے اور ایرپورٹ کی عمارت دور تک روشنی سے جگمگا رہی تھی۔ سیڑھیوں کے قریب کئی لمبی لمبی بسیں مسافروں کو ٹرمینل کی عمارت تک لے جانے کیلئے منتظر تھیں۔ فرسٹ اور بزنس کلاس کے مسافروں کے لیے اگلی سیڑھی کے ساتھ کو چز موجود تھیں۔

شاید جہاز کے کارگو ہولڈ میں سامان بار کرتے ہوئے خاص طور پر یہ اہتمام کیا جاتا ہے کہ مہنگے درجوں کے مسافروں کا سامان دوسروں سے پہلے اتارا جاسکے۔ گردش کرتی ہوئی بیلٹ پر ذرا ہی دیر بعد ہمارا سوٹ کیس نظر آنے لگا۔ اس وقت تک سلمٰی کا کہیں پتا نہیں تھا۔

سوٹ کیس ٹرالی پر لدوانے کے بعد جوں ہی ہم باہر نکلے تو استقبالی ہجوم میں متعدد افراد پلے کارڈز لیے موجود تھے جن پر اردو یا انگریزی میں ان کے متوقع نام لکھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک ہوٹل کا پلاسٹک کا لمبا سا پلے کارڈ بلکہ پلاسٹک بورڈ بہت خوش نما تھا جس پر پلاسٹک سے تراشے ہوئے انگریزی حروف کو یکجا کر کے نام ترتیب دیے گئے تھے۔ اس تختی پر سات نام نظر آرہے تھے۔

میں نے وہ منظر سرسری انداز میں دیکھا اور ان لوگوں کے درمیان اپنا راستہ بنانا چاہا۔ اسی وقت غزالہ نے مجھے چونکا دیا۔ "پلاسٹک بورڈ پر چوتھا نام شاید آپ کا ہے۔" وہ میرا بازو دبا کر کہہ رہی تھی۔

میں نے اس تختی پر دوبارہ نظر ڈالی۔ مظہر خان جمع ایک کے الفاظ پڑھے اور مان لیا کہ غزالہ درست کہہ رہی تھی۔

ہم دونوں سے پہلے ایک اور شخص باوردی شوفر کے پاس پہنچا ہوا تھا۔ وہ غیر ملکی تھا۔ اس شخص نے غور سے ہم دونوں کی طرف دیکھا' اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور زبردستی ہونٹ پھیلا دیے۔ میں نے اس کی تکلف آمیز ولایتی مسکراہٹ کا جواب دیسی مسکراہٹ سے دیا جو زندگی سے بھرپور اور ہلکی سی استہزائیہ تھی۔ شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ وہ اپنے خدوخال سے امریکی نظر آرہا تھا۔

پلے کارڈ پر ناموں کی تعداد زیادہ تھی۔ باوردی شوفر نے ہم تینوں کو اپنے ساتھی کے حوالے کر دیا۔

ہوٹل کے عملے کی پناہ میں پہنچنے کا یہ فائدہ ہوا کہ ہم پیشہ ور ٹیکسی ڈرائیوروں اور ان کے ایجنٹوں کی یلغار سے بچ

گئے۔ ماضی میں، میں ان کے ساتھ کئی تلخ تجربات سے گزر چکا تھا مگر اندرون ملک سفر کرتے ہوئے ان تجربات سے مفر بھی ممکن نہیں تھا۔

ٹرمینل کی عمارت کے سامنے پارکنگ لاٹ میں پی سی کی ایک کوسٹر موجود تھی جو ایک وقت میں دس سے زیادہ مسافروں اور ان کے سامان کو ہوٹل پہنچا سکتی تھی۔ جب ہمیں لانے والے نے ہمارے لیے ایک سیاہ سیڈان کار کے دروازے کھولے تو مجھے اندازہ ہوا کہ باوردی شوفر نے ہمیں کچھ زیادہ ہی وقعت دی تھی۔

"سر! آپ ادھر تشریف لے آئیں!" مجھے اور غزالہ کو پچھلی نشست پر بٹھانے کے بعد اس شخص نے سفید فام سے کہا۔

سفید فام کی پیشانی پر ناگواری کی علامات ابھر آئیں کیونکہ میزبان اسے کوسٹر کی طرف بلا رہا تھا۔ دونوں کے درمیان کچھ مکالمہ ہوا جو سیڈان کا دروازہ بند کیے جانے کے سبب میں نہ سن سکا۔ اس گورے کو کوسٹر میں بٹھا کر ڈرائیور واپس آیا اور اپنی نشست سنبھال کر اس نے گاڑی چلا دی۔

لاہور میں استقبال یا قیام کے بارے میں میری کسی سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ پرل کانٹی نینٹل کے پلے کارڈ پر اپنا نام موجود دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ اپنے ساتھ ڈرائیور کے امتیازی سلوک کی وجہ سے وہ حیرت دوچند ہو گئی۔

"کیا یہ پرائیویٹ ٹیکسی ہے؟" گاڑی ائرپورٹ کے احاطے سے باہر نکل آنے پر میں نے پوچھا۔

"نہیں سر! یہ ہوٹل کی اسٹاف کار ہے" ڈرائیور نے ادب سے مختصر سا جواب دیا۔

"پھر اس گورے کو تم نے کوسٹر میں کیوں بٹھا دیا؟ اس گاڑی میں بھی جگہ تھی؟"

"اسٹاف کار وی آئی پی مہمانوں کے لیے ہوتی ہے سر!" ڈرائیور نے بے تکلف ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی "اس گاڑی کے مسافروں کے لیے ہمیں ہوٹل سے خاص ہدایت ملتی ہے۔ دوسروں کو بٹھالیں تو جواب دینا پڑے گا۔ وہ گاڑی بھی ائرکنڈیشنڈ اور بہت آرام دہ ہے۔"

یہ عجیب اتفاق تھا کہ لاہور کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی ہمارا پہلا واسطہ ایک امریکی سے پڑا تھا۔ وہ یقینی طور پر دوران پرواز ہمارا ہم سفر رہا تھا لیکن ہم نے لاہور پہنچنے سے پہلے اسے نہیں دیکھا تھا۔ میرے ذہن کے ایک گوشے میں اس شبے نے سر ابھارا کہ کہیں وہ کراچی سے ہی ہمارے پیچھے نہ لگا ہوا ہو لیکن میں نے خود اس خیال کو مسترد کر دیا۔ لاہور ائرپورٹ سے باہر آنے تک خود ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ہمارے قیام کا پی سی میں بندوبست کیا جا چکا ہے تو کسی اور کو اس بارے میں کیسے معلوم ہو سکتا تھا۔ وہ محض اتفاق تھا اور اس امریکی پر شبہ کرنا بے سود تھا۔

ہوٹل والوں کا ایک اپنا انتظام تھا۔ پورچ سے ہم اندر داخل ہوئے تو مہمان داری کے نگراں نے اپنی جگہ چھوڑ کر ہمارا استقبال کیا۔ اس کی میز کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر ایک وجیہہ اور نوجوان شخص بیٹھا ہوا تھا۔ نگراں نے جوں ہی مجھے مظہر خان کہہ کر مخاطب کیا، وہ شخص گرم جوشی سے میری طرف لپکا۔

"مجھے خالد احمد کہتے ہیں" اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے داہنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ مجھے کوئی شبہ نہ رہا کہ وہ سارا بندوبست اسی کا تھا اور وہی اسپیشل ٹاسک فورس کے لاہور یونٹ کا کمانڈر تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ کو نظرانداز کر کے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔

وہ میری طرف سے پیش قدمی کا منتظر تھا۔ لاہوری انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ اس کا داہنا ہاتھ میرے شانے پر سے اور بایاں ہاتھ پسلیوں پر سے ہوتا ہوا میرے جسم کے گرد جم چکا تھا۔ وہ اس کی طرف سے اپنائیت کا والہانہ اظہار تھا۔

"سر! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے آپ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مجھے تھوڑی دیر پہلے کراچی سے پیغام ملا تھا کہ آپ آ رہے ہیں" اس نے مجھ سے الگ ہو کر ادب سے غزالہ کو سلام کیا پھر مسرت سے سرشار لہجے میں بولنے لگا "ہوٹل میں آپ ہمارے مہمان ہوں گے۔"

مجھے ہوٹل میں صرف ایک فارم پر دستخط کرنے پڑے۔ اس سے پہلے چابی آ چکی تھی اور پورٹر نے ہمارا اکلوتا سوٹ کیس ٹرالی پر رکھ لیا تھا۔ ہوٹل کی لابی میں خالد سے زیادہ دیر تک بات نہیں کی جا سکتی تھی، میں نے اسے روکنے کے لیے اصرار کیا مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ ہم کراچی سے وہاں پہنچے تھے، تھک گئے ہوں گے۔ اس لیے ہمیں آرام کی ضرورت تھی۔

وہ اگلی صبح دس بجے فون کر کے آنے کا وعدہ کر کے وہیں سے رخصت ہو گئے۔ ہم دونوں پورٹر کے ساتھ لفٹ کی طرف بڑھ گئے۔

ہوٹل کا کمرا حسب روایت کشادہ، روشن اور بہت آراستہ تھا۔ میں جاتے ہی مسہری پر گر گیا۔

"اوہ!" غزالہ کی مترنم ہنسی سے کمرے کے در و دیوار گنگنا اٹھے "آپ تو ڈیڑھ گھنٹے کی پرواز سے واقعی تھک

گئے۔"

"خالد کا بھی کچھ نہ کچھ بھرم تو رکھنا ہے۔ مجھ سے زیادہ تم کو تھکا ہوا ہونا چاہیے" میں نے اسے بھی اپنے قریب بٹھالیا۔

"لاہور کا موسم آپ پر کچھ زیادہ ہی اثرانداز ہو رہا ہے" غزالہ شوخی سے بولی۔

"کیوں نہ ہو.... یہ نورجہاں اور جہانگیر کی سرزمین ہے۔ رات گہری ہوگی تو موسم کا یہ خمار بھی بڑھ جائے گا۔ کراچی سے نکل آنے کے بعد میں خود کو بہت تروتازہ اور توانا محسوس کر رہا ہوں۔"

"تبدیلی ہمیشہ خوشگوار ہوتی ہے۔ اسی لیے مسافروں کا ہجوم دن بہ دن بڑھ رہا ہے۔ موسم اور ماحول کی تبدیلی کے لیے کراچی والے لاہور آتے ہیں۔ لاہور کے رہنے والے کراچی جاکر خود کو تروتازہ محسوس کرتے ہیں۔ جن کے پاس وقت اور وسائل ہیں' وہ باہر جاتے ہیں۔"

"ذرا کراچی فون کردو۔ ویرا اداس بیٹھی ہوئی ہوگی۔ تمہاری آواز سن کر بہل جائے گی۔"

"اس کے لیے میرے بجائے آپ کی آواز زیادہ اہم ہوگی۔ اس کی اداسی کو زیادہ افاقہ ہوگا۔"

موقع پاتے ہی وہ چوٹ کر گزری تھی۔ میں نے بے رحمی سے اس کے پہلو کو گدگدا دیا اور وہ ہنستی ہوئی مسہری پر لوٹ پوٹ ہوگئی۔

اس کی ہنسی تھمی تو میری ہدایت برقرار تھی۔ اسی کو کراچی کا نمبر ملانا پڑا۔

کارڈ پر مندرج نمبر ملا کر اس نے براہِ راست لائن لی اور پھر گھر کا نمبر ملالیا۔ اس کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ اول خان سے مخاطب تھی۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہ اس وقت بھی ہمارے گھر پر موجود تھا۔ شاید وہ ویرا اور سلطان شاہ کی دل جوئی کے لیے وہاں بیٹھا ہوا تھا۔

اس سے سفر کے بارے میں چند فقروں کے تبادلے کے بعد غزالہ نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"تم عظیم آدمی ہو" میں نے مسہری پر لیٹے لیٹے ریسیور اپنے کان سے لگا کر کہا "ان دونوں کا اتنا دھیان رکھو گے تو انہیں مہینوں بھی ہماری کمی محسوس نہیں ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ این کا ویل سفر پر جانے کا ارادہ ملتوی کردے!"

"ابھی تم پاکستان میں ہو" اول خان نے مجھے یاد دلایا "یہاں اتنی احتیاط کی ضرورت نہیں ہے' ویسے بھی یہ بندوبست خالد کا ہے اور ہوٹل پی سی ہے۔ ہم فون پر کھل کر بات کر سکتے ہیں۔ میں ان کی دل جوئی سے زیادہ' اپنی پریشانی کے سبب یہاں رکا ہوں۔"

"کیوں؟ تمہیں کیا پریشانی ہے؟" میں چونک کر بستر سے اٹھ گیا "وہ دونوں تو خیریت سے ہیں نا!"

"وہ دونوں بلکہ ہم تینوں خیریت سے ہیں" اول خان کی آواز مضمحل ہوگئی "بولٹن مارکیٹ پر ایک ٹائم بم ٹھیک چھ بجے پھٹا ہے۔ اسٹینڈ پر کھڑی ہوئی دو گاڑیوں کے پرخچے اڑ گئے۔ تین آدمی بری طرح مجروح ہوئے ہیں۔ غنیمت یہ ہوا کہ بم ٹیکسی اسٹینڈ کے قریب پھٹا جہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی۔"

وہ خبر سن کر میں لرز کر رہ گیا۔ شام کے چھ بجے بولٹن مارکیٹ کا سارا کاروباری اور دفتری علاقہ ہر طبقے کے لوگوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ٹھیلوں اور پتھاروں سے لے کر دکانوں تک میں ہجوم نظر آتا ہے۔ ایسے نازک وقت پر پھٹنے والے بم نے اگر تین افراد کو صرف زخمی کیا تھا تو وہ معجزہ ہی کہا جاسکتا تھا۔ میں نے ملول لہجے میں پوچھا "مجھے حیرت ہے کہ یہ واقعہ کراچی میں ہوا اور تم وہاں گھر پر بیٹھے ہوئے ہو۔"

"کراچی پاکستان کا دل ہے۔ یہاں بہت سی ایجنسیاں سرگرم رہتی ہیں۔ ہم وفاقی اور مقامی اداروں کے دائرہ کار میں داخل نہیں ہوتے۔ وہاں جانے سے مداخلت کا تاثر پیدا ہوگا۔ اسی وجہ سے اپنے دل پر جبر کیے بیٹھا ہوا ہوں۔"

"تمہیں خبریں تو مل رہی ہوں گی۔ یہ واقعہ کیسے ہوا؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"ایسے واقعات بس اچانک رونما ہوتے ہیں۔ یہ جوگی والے واقعے کا جواب بھی ہوسکتا ہے۔"

"اسے کھسیانی بلی کے کھمبا نوچنے سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے" میں نے اپنے حلق میں تلخی گھلتی ہوئی محسوس کی۔

"میمن گوٹھ والے واقعے کے بعد اسلام آباد میں دھماکا کیا گیا تھا۔ اب کراچی کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ یہ واقعات یوں ہی چلتے ہیں۔ غنیمت یہ ہے کہ اس بار ایک مشتبہ شخص سامنے آیا ہے اور بہت بڑے علاقے کی ناکہ بندی کر کے اس کی تلاش کی جارہی ہے" اول خان نے بتایا۔

"وہ ہاتھ آجائے تو مجھے ضرور اطلاع دینا۔ ہم لوگ ایک ڈیڑھ بجے تک جاگتے رہیں گے۔"

"شرط یہی ہے کہ مجھے کچھ پتا چلے۔ بعض اوقات سرکاری ادارے بہت زیادہ رازداری سے کام لینے لگتے ہیں۔"

"یہ بھی مجبوری ہے.... لاہور میں تمہارا بندوبست بہت

شاندار تھا۔ خالد نے مجھے متاثر کیا ہے۔"
"کاش، تم دونوں مل کر کوئی کام کر سکو۔ تمہارے روانہ ہوجانے کے بعد مجھے خیال آیا تھا کہ تم لاہور میں کہاں رہو گے؟"

میں ہنس پڑا "ہم سب ایک دوسرے کا یوں خیال رکھتے ہیں جیسے ہمارے سوا سب ناسمجھ بچے ہوں۔ لاہور ایک ترقی پذیر شہر ہے۔ ہم آسانی سے کسی بھی ہوٹل میں قیام کر سکتے تھے۔ کہیں اب تم ہمارے کھانے پینے کا بندوبست بھی شروع نہ کر دینا۔"

"میں نے صحیح اندازہ لگایا تھا۔ تمہارا ذہن غلط سمت میں کام کر رہا تھا۔ اس وقت تمہارے لیے فائیو اسٹار ہوٹل ہی سب سے بہتر اور محفوظ ہے۔ فیملی اسٹینس رکھنے والے بہت سے ہوٹل جرائم کا گڑھ بنے ہوئے ہیں۔ لاہور سرحدی شہر ہے۔ وہاں بھارتی ایجنٹوں کی خفیہ آمدورفت کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔"

"تم یہ جانتے ہو پھر بھی اس کا کوئی سدباب نہیں ہو سکتا!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اگر یہ معلوم ہو کہ کون بیرونی ایجنٹ یا دہشت گرد ہے تو مسئلہ اسی وقت نمٹ جائے۔ ہوتا یہ ہے کہ واقعہ ہوجاتا ہے۔ حقائق بعد میں سامنے آتے ہیں۔ تم خود بتاؤ کہ جعلی شناختی کارڈ پر مقامیوں والی مراعات سے فائدہ اٹھانے والوں کو کون روک سکتا ہے۔"

"شاید یہ سب سے سنگین اور بنیادی سوال ہے" میں نے فکرمندی سے کہا "اسے نظرانداز کر کے غلطی کی جا رہی ہے۔ افغان، ایرانی، بنگلہ دیشی... سب یہاں شناختی کارڈ بلکہ پاسپورٹ بنوا کر عیش کر رہے ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ جب تک یہ نظام درست نہیں ہوگا، امن وامان کے سنگین مسائل پیدا ہوتے رہیں گے۔ راوالوں کو پاکستانی بننے سے کون روک سکے گا۔ پاکستانی شناخت کو ہم نے خود بے توقیر کر دیا ہے۔"

"اب اپنا خون نہ سلگاؤ۔ لاہور میں آرام کرو۔ کوئی اہم بات سامنے آئی تو میں تم سے رابطہ کروں گا۔"

"آپ کراچی میں موجود ہوتے تو اسی وقت مشتبہ آدمی کا کھوج لگانے پر تل جاتے" اول خان سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل سن کر غزالہ نے کہا "اسی وجہ سے اول خان کی خواہش تھی کہ آپ جلد از جلد کراچی چھوڑ دیں۔ یہاں سے آپ کچھ نہیں کر سکتے۔"

"میں کچھ بھی نہیں کرتا۔ میری معلومات کے ذرائع محدود ہیں۔ بس کچھ لوگوں سے بروقت رابطے ہو جائیں تو کوئی نہ کوئی کام کی بات سامنے آجاتی ہے۔ اب اول خان خود اندھیرے میں ہے۔ میں کیا کر سکتا تھا۔ کراچی یا لاہور میں ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

جوگیندر پال کی موت کے چوبیس گھنٹوں میں ہونے والا دھماکا ایک خاص سمت کی نشان دہی کر رہا تھا۔ وہ بالکل وہی حکمتِ عملی تھی جو امریکیوں نے میمن گوٹھ کے نواح میں جمی اور ڈیوڈ کی موت پر اختیار کی تھی۔ انہوں نے اسلام آباد کو دھماکے کا نشانہ بنایا تھا، بھارتیوں نے کراچی کا جواب کراچی میں دیا تھا۔ شاید وہ امریکیوں کا مشورہ تھا۔ اپنے ملک میں پاکستان کے سفارتی عملے کو جوابی کارروائی کا نشانہ بنا کر پیچیدگیوں میں اضافہ کرنے اور اپنے عالمی وقار کو مجروح کرنے سے کہیں بہتر تھا کہ پاکستان ہی میں ابتری اور خوف وہراس کی فضا پیدا کی جائے۔

اگر بھارتی اور امریکی اس مشترکہ پالیسی پر عمل کر رہے تھے تو وہ کامیاب ہوتی نظر آرہی تھی۔

کراچی سے ملنے والی اس خبر کے بعد میری طبیعت سے ساری بشاشت رخصت ہو چکی تھی۔ ہوٹل کے کمرے سے نکلنے پر طبیعت مائل نہیں تھی۔ دس بجے ہم نے کمرے میں ہی کھانا طلب کر لیا۔ کھانے کے دوران میں مجھے جلال کا خیال آیا۔

وہ انٹیلی جنس بیورو کا ایک اعلیٰ وفاقی افسر تھا اور اسلام آباد میں مامور تھا مگر اس کے ماتحت کراچی میں ہمیشہ فعال اور متحرک رہتے تھے۔ کراچی میں ہونے والے بم دھماکے کے سلسلے میں اسے تازہ ترین اطلاعات سے باخبر ہونا چاہیے تھا۔ میں نے کھانے سے فارغ ہوتے ہی اس سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"مجھے اندازہ تھا کہ تم نے اس دھماکے کے محرکات کو سمجھ لیا ہوگا" میرے سوال کے جواب میں اس نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "یہ ان کی دیدہ دلیری اور کھلی دھمکی ہے کہ وہ ہمارے لیے مشکل مسائل پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

"سنا ہے کہ اس سلسلے میں کسی مشتبہ آدمی کی تلاش زور وشور سے جاری ہے۔"

"تم کراچی میں بیٹھے ہوئے ہو۔ مجھ سے...." اس نے کچھ کہنا چاہا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کراچی میں نہیں، میں لاہور میں ہوں۔ سات بجے والی پرواز سے یہاں پہنچا ہوں۔"

"اوہو!" اس کی بجھی ہوئی آواز میں تازگی عود کر آئی "مجھے اپنا فون نمبر دو' پتا لکھواؤ۔ میں پہلی فرصت میں لاہور آرہا ہوں۔ جو کھیل وہ کھیل رہے ہیں' وہی میرے دماغ میں بھی تھا۔ انہیں یہاں زک پہنچانے کے بجائے ان کے ملک میں مارا جائے گا تو ان کے ہوش ٹھکانے آئیں گے۔ وہاں ہماری معقول نفری موجود ہے مگر ان کو مناسب رہنمائی نہیں مل رہی۔ یہ خلا تم پورا کرسکتے ہو۔"

"مجھے وہاں کا چیف سیکرٹ ایجنٹ بنانے کی کوشش نہ کرو۔ تمہیں میرے مزاج کا اندازہ ہے۔ چند ہفتوں بعد میرا وہاں رکنا خطرناک ہوجائے گا۔"

"ان چند ہفتوں میں تم کسی نہ کسی کو تیار کرلو گے۔ میں تمہیں جن تین آدمیوں کے نام دوں گا وہ سب دلیر اور تجربے کار ہیں۔ ملک کے لیے مرمٹنے کے جذبے سے سرشار ہیں لیکن بھارتی سرزمین ان کے لیے اجنبی ہے۔ وہ وہاں گھٹن محسوس کرتے ہیں۔ کوئی بڑا فیصلہ کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں کوئی بھونچال آگیا تو وہ اسلام آباد کے عتاب کا شکار ہوجائیں گے۔"

میں نے زندگی میں کبھی افسری نہیں کی تھی لیکن زندگی کی پرخطر راہوں پر سفر کرتے ہوئے بہت کچھ سیکھا تھا۔ جلال کے آخری فقروں سے میں نے اندازہ لگالیا کہ ان تینوں میں ہمت و حوصلے کی کمی تھی نہ قوت فیصلہ کا فقدان تھا۔ ان کے سامنے کوئی واضح پالیسی نہیں تھی۔

"تم چاہو تو میں انہیں ہٹ اینڈرن کی تربیت دے سکتا ہوں" میں نے جلال کو اپنے اخذ کیے ہوئے نتیجے سے آگاہ کیے بغیر کہا "وہ اپنے دشمن کی گردن اتاریں گے اور جائے واردات سے غائب ہوجائیں گے... اپنا کوئی سراغ چھوڑے بغیر!"

"ایسی بے مقصد خوں ریزی ہماری پالیسی کا حصہ نہیں ہے۔" اس کی طرف سے جواب آیا "اس سے کشیدگی بڑھے گی۔"

"کیا اسلام آباد کے بازار اور کراچی کی بولٹن مارکیٹ کے علاقے میں ہونے والی دہشت گردی کو تم بے مقصد کہو گے؟"

"عام آدمی کے نزدیک یہ بے مقصد دہشت گردی ہے مگر متعلقہ فریق پیغام سمجھ گئے ہیں۔"

"بس' ان تینوں کو یہی بات سمجھانی ہوگی۔ عام حالات میں وہ صرف معلومات یکجا کرتے رہیں گے۔" میں نے اس گفتگو کو وہیں ختم کرتے ہوئے کہا "تم نے مشتبہ آدمی کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔ کراچی میں اس بارے میں رازداری برتی جارہی ہے۔"

"وہ کسی قسم کی نیم فوجی وردی میں تھا اور دیوار کے ساتھ لگی ہوئی' فروٹ کی خالی پیٹیوں میں گھسا ہوا تھا۔ اسے کئی آدمیوں نے دیکھا مگر یہ سمجھ کر نظرانداز کردیا کہ وہ کوئی مناسب جائے پیشاب تلاش کررہا ہوگا۔ دھماکا اسی مقام پر ہوا ہے۔"

"وہ کسی سکیورٹی ایجنسی کا ملازم رہا ہوگا" میں نے بے ساختہ کہا "سب ہی اس قسم کی وردیاں استعمال کرتے ہیں۔"

"بڑے اداروں کے نچلے درجے کے ملازمین بھی وردیاں پہنتے ہیں۔ اب تک چار آدمی حراست میں لیے جاچکے ہیں۔ جلد ہی اس مشق کا کوئی نتیجہ سامنے آجائے گا۔ تم یہ بتاؤ کہ اب تمہارے چہرے کا کیا حال ہے؟ سفر پر کب روانہ ہورہے ہو؟"

"بتدریج بہتری آرہی ہے۔ شاید تین چار دن لگ جائیں۔ یہ وقت میں ہوٹلوں میں گزارنا پسند کروں گا۔ تم نے جعلی شناختی کارڈز کے بارے میں سنا ہوگا۔ سرحد پار سے آنے والے آسانی سے ہم لوگوں میں گھل مل جاتے ہیں اور کسی کو شبہ تک نہیں ہوتا۔"

"یہ چھوٹے موٹے مسائل مقامی پولیس کے لیے رہنے دو۔ ان پر اپنی توانائیاں ضائع نہ کرو۔"

میرے لیے اس کا جواب قابل قبول نہیں تھا مگر میں نے بحث سے گریز کیا۔ بات وہیں ختم کردی۔ ضروری نہیں تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا تھا' اس کے بڑے بھی وہی سوچتے ہوں۔ ایک ذمے دار سرکاری افسر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ گوشت پوست کا بنا ہوا عام انسان بھی تھا۔ اپنی رائے قائم کرنے میں وہ چوک سکتا تھا۔ ہم دونوں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر اس نے جلد ہی لاہور آنے کا وعدہ کرکے فون بند کردیا۔

وہ دن کسی نئی خبر کے بغیر ختم ہوگیا۔ ٹیلی وژن کے مختصر خبرنامے میں کراچی کے نئے سانحے کی فلم دیکھنے کے بعد ہی مسہری پر دراز ہوگیا۔

اگلے دن ہم ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد تیاری کے مراحل سے گزر رہے تھے کہ خالد کا فون آگیا۔ اس کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ اسے غزالہ کے بارے میں ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس خوبو کی مالک ہے۔ شاید اول خان نے بھی اسے اس بارے میں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ اس کے لیے بس اتنا ہی کافی تھا کہ وہ میری بیوی ہے۔ وہ غزالہ کی دیکھ بھال اور تفریح کے لیے اپنی بیوی کو اپنے ساتھ

ہوٹل لا رہا تھا۔

اس کا پروگرام یہ تھا کہ اس کی بیوی غزالہ کو لے کر لاہور کے بازاروں کی طرف نکل جائے گی اور وہ مجھے اپنے ساتھ اپنے دفتر لے جائے گا۔ اس نے وہ پروگرام اتنے پر خلوص لہجے میں سنایا کہ میں اس سے اختلاف نہ کر سکا اور وہ اپنے وعدے کے مطابق آدھے گھنٹے بعد اپنی بیوی کے ساتھ ہوٹل آ گیا۔ اس نے نیچے سے انٹرکام پر مجھے اپنی آمد کی اطلاع دی اور میں غزالہ کے ساتھ کمرے سے نکل کھڑا ہوا۔

"عورتوں کو بازاروں کی سیر کا بہت شوق ہوتا ہے۔ میرے بہانے وہ اپنا شوق پورا کرے گی اور مجھے تھکا ڈالے گی" غزالہ نے راہ داری میں کہا۔

"مجبوری ہے" میں نے بے پروائی سے کہا "تم بھی ایک عورت ہو۔ یہ تمہاری غلطی ہے کہ تمہیں بازاروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"مجھے بس انارکلی کا بازار دیکھنے کا شوق ہے۔ اس کی بہت تعریف سنی ہے۔"

"انارکلی پرانے لاہور کا مرکزی بازار ہے۔ شہر کے نئے علاقوں میں کھلنے والے جدید بازاروں کی بھی کافی شہرت ہے" میں نے اسے سمجھایا "آج کی سزا بھگت لو۔ میں خالد کو سمجھادوں گا۔ شاید کل تم اپنی مرضی سے دن گزار سکو۔"

"بازار جانے سے بہتر تھا کہ میں سلمیٰ کے پاس چلی جاتی" غزالہ نے حسرت سے کہا "وہ مجھے اچانک اپنے میکے میں پا کر حیران ہو جاتی۔ پتا نہیں آپ نے اسے کیوں نظرانداز کر دیا۔ جہاز پر اس سے فون نمبر اور پتا ہی لے لیا ہوتا تو آڑے وقت میں اس کا سہارا لیا جا سکتا تھا۔"

غزالہ کو وہ خیال اس وقت آیا تھا۔ لاہور میں ایرپورٹ کی عمارت سے باہر نکلنے تک سلمیٰ کی وہ افادیت ہم دونوں پر ظاہر نہیں ہو سکی تھی۔ ہمارا اندازہ تھا کہ ہم لاہور میں اپنی مرضی سے وقت گزار سکیں گے جس کے لیے ہمیں کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں تھی مگر اول خان نے خالد احمد کو ہماری مہمان داری پر مامور کر کے ہماری بیشتر آزادیاں سلب کر لی تھیں۔

نیچے خالد اپنی بیوی کے ساتھ ہمارا منتظر تھا۔ اس کی بیوی گوری چٹی، سبک اندام اور خوش رو تھی۔ خوبصورتی کے معیار پر وہ پوری نہیں اترتی تھی۔ اس جوڑے نے بہت تپاک سے ہمارا استقبال کیا۔ خالد نے ہمیں اپنی بیوی سے تعارف کروانے کا فریضہ سرانجام دیا۔ وہ فوراً ہی ہوٹل سے روانگی کے موڈ میں تھا لیکن میں نے لابی میں پڑے ہوئے صوفوں کی طرف پیشوائی کی تو وہ دونوں انکار نہیں کر سکے۔

باہمی مفاہمت کے لیے باتیں ضروری تھی۔ اسی طرح خالد کی بیوی کا مزاج سمجھ میں آ سکتا تھا۔ باتوں کے لیے کچھ وقت درکار تھا۔ میں نے وقت حاصل کرنے کے لیے چائے طلب کر لی۔ اس دوران میں خالد کی بیوی غزالہ کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو چکی تھی۔

"دفتر کی گاڑی ہمارے پیچھے پیچھے آ گئی ہے۔ ہم اس میں اسٹیشن تھری جائیں گے۔ فرزانہ، بیگم صاحبہ کو بازار وغیرہ لے جائے گی۔ تین بجے تک ہم چاروں واپس یہیں لوٹ آئیں گے۔" خالد پورا پروگرام طے کر کے آیا تھا۔

"میری بیوی ذرا بدذوق ہے" میں نے خالد کی طرف جھک کر سرگوشی میں کہا "اس کے زیادہ تر شوق مردانہ ہیں۔ مارشل آرٹس کی شدید رکھتی ہے اور خاصی ماردھاڑ کر لیتی ہے۔ اسے بازار لے جانا گھوڑے کو گوشت کھلانے کی کوشش کے مترادف ثابت ہوگا۔"

"آج یوں ہی چلنے دیں" خالد ہنستے ہوئے بولا "کل کے لیے کچھ اور سوچیں گے۔ آپ کی دی ہوئی مثال نئی اور انوکھی ہے۔ پہلے کبھی سننے میں نہیں آئی۔ آپ کے ساتھ چند دن گزار کر شاید میری اردو بہتر ہو جائے گی۔"

"اس مثال کا اردو سے دور دور کا واسطہ نہیں ہے۔ یہ میری اپنی اختراع ہے۔ مدعا ظاہر کرنے کے لیے، جو کچھ ذہن میں آتا ہے بول دینا چاہیے۔ کسی نقاد نے تمہاری زبان سے یہ فقرہ سن لیا تو تمہیں بدزبان قرار دے دے گا۔" میں نے عمر کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے بے تکلفی سے مخاطب کیا تھا۔

میں نے دو باتیں فوری طور پر محسوس کیں۔ اول خان کی طرح خالد تفکرات میں نہیں گھرا ہوا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس کے پہناوے سے قدرے خوش حالی جھلک رہی تھی۔ فرزانہ عورت تھی اس لیے میں نے اس کے مہنگے لباس کو نظرانداز کر دیا تھا۔ اسے اہمیت دی جاتی تو ان دونوں کو خاصا آسودہ حال قرار دیا جا سکتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ایس ٹی ایف کے افسران کی یافت اتنی نہیں تھی کہ وہ متوسط طبقے سے اوپر جا سکیں۔

لابی میں بیٹھنے والوں کے لیے چائے وغیرہ کی سروس بہت مستعد تھی۔ ذرا سی دیر میں چائے آ گئی۔ وہاں آس پاس دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔ خالد نے ایک بار بھی میرا اصل نام نہیں لیا۔ مجھے مظہر صاحب اور غزالہ کو بیگم صاحبہ کہہ کر مخاطب کرتا رہا۔

چائے کا دور ختم ہونے کے بعد ہم چاروں نے اپنی

جگہیں چھوڑدیں۔ خالد اپنی رفتار تیز کر کے اپنی بیوی کے ساتھ ہولیا۔ غزالہ کے قدم سست ہوگئے۔ اس نے بھانپ لیا کہ خالد اپنی بیوی کو کچھ ہدایات دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔
"آج جہانگیر کو فون کر کے سلمٰی کا فون نمبر لے لیں گے" غزالہ نے میرے پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے کہا۔
"اس کا انحصار آج کے تجربے پر ہوگا۔ سلمٰی کو چھیڑا گیا تو وہ ہوٹل بھی پہنچ جائے گی۔ اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہوجاتا ہے۔"
ہم ہوٹل سے باہر آئے تو دونوں گاڑیاں پورچ میں موجود تھیں۔ فرزانہ نے اپنی سفید گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ خالد نے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر پورے احترام سے غزالہ کو بٹھایا اور ہم نے ان دونوں کو رخصت کردیا۔ ایس ٹی ایف کی لینڈ کروزر میں ڈرائیور موجود تھا۔ ہم دونوں اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے اور گاڑی غراتی ہوئی، ہوٹل کے احاطے سے نکل کر مال روڈ پر آگئی۔
مال روڈ سے پل عبور کرتے ہی بائیں جانب فورٹریس اسٹیڈیم نظر آرہا تھا اور ہم چھاؤنی کی حدود میں داخل ہوچکے تھے۔ آگے جاکر گاڑی درختوں کے گھنے سائے میں پھیلی ہوئی چکنی سڑک پر داہنی طرف مڑگئی۔ ہم دونوں ادھرادھر کی باتوں میں مصروف تھے۔
اسٹیشن تھری چھاؤنی کی حدود میں ایک دورافتادہ، عقبی ویرانے میں واقع تھا۔ وہاں کا ڈسپلن میرے لیے نیا نہیں تھا۔ نام اور مقام بدلا ہوا تھا ورنہ سب کچھ وہی تھا جو میں ایک مدت سے اسٹیشن فور پر دیکھتا آرہا تھا۔
میدان کے آخری سرے پر بنی ہوئی لمبی سی بیرک کے سامنے گاڑی روک دی گئی۔ اپنے ماتحتوں کے فوجی سلام کا جواب دیتا ہوا، خالد اپنے دفتر کی طرف ہولیا۔ میں اس کے ساتھ تھا۔ میرے لیے یہ احساس تقویت کا باعث تھا کہ لاہور میں بھی مجھے اسپیشل ٹاسک فورس کا تعاون حاصل تھا۔
"سر!" دفتر میں پہنچنے کے بعد خالد تیزی سے میری طرف گھوما "یہ میرا دفتر ہے۔ یہاں آکر آپ نے میری عزت افزائی کی ہے۔ ہوٹل اور گاڑی میں، میں نے اپنی زبان بند رکھی کیونکہ آپ کی شخصیت کو فورس کے اسٹاف سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں؟"
"اپنی کرسی پر بیٹھو!" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا "جو بات پوشیدہ رکھنا چاہ رہے ہو، وہ اسی وقت تک چھپی رہے گی۔ جب تک میرے ساتھ تمہارا رویّہ نارمل رہے گا۔ اس میں تبدیلی سرگوشیوں کو جنم دے گی۔"

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور میز کے پیچھے پڑی ہوئی بڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے مقابل دوسری کرسی سنبھال لی۔
وہ میری تواضع کا خواہاں تھا مگر میں ناشتے کے بعد ہوٹل سے چائے پی کر چلا تھا۔ میں نے سختی سے اسے روک دیا۔
"سر! آج کل..." اس نے اپنی بات شروع کی تھی کہ میں نے اسے ٹوک دیا۔
"سر نہیں، مظہر... تم نے آپ جناب کا سلسلہ جاری رکھا تو بات پھیلے گی۔"
"بہت مشکل کام ہے" وہ اونچی آواز میں بڑبڑایا "مگر تم درست کہہ رہے ہو۔ نظریہ ضرورت آدمی کو مجبور کردیتا ہے۔ میں کہہ رہا تھا کہ آج کل لاہور کے حالات بہت بہتر ہیں مگر ہم ایک مدت سے ایک مسئلے سے دوچار ہیں۔ ایفم سے ہیروئن بنانے کے لیے ایک کیمیکل استعمال ہوتا ہے جو بھاری مقدار میں بھارت سے اسمگل ہوکر یہاں آتا ہے اور خیبر کے پار تک پھیلتا چلا جاتا ہے۔"
"اسمگلنگ کی روک تھام کے لیے کئی ادارے کام کرتے ہیں۔ اس بارے میں انہیں فکرمند ہونا چاہیے۔"
"سب فکرمند ہیں۔ کئی چھوٹے موٹے اسمگلر پکڑے گئے ہیں۔ اس سے اجارہ داری قائم ہوگئی ہے۔ کیمیکل کی مارکیٹ وہی ہے، ڈیمانڈ بھی برقرار ہے۔ پہلے کئی ذرائع اسے پورا کرتے تھے۔ اب صرف ایک ذریعہ رہ گیا ہے اور وہ ہر نگاہ سے اوجھل ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کام کیسے ہورہا ہے۔"
مجھے یہ سن کر صدمہ ہوا کہ اسٹیشن تھری والے اسمگلنگ جیسے ایک عام مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں جب کہ ان کے لیے ملکی سلامتی کے دوسرے معاملات بھی یقیناً موجود رہے ہوں گے لیکن پھر میں نے اپنی رائے بدل دی۔ اگر خالد اس بارے میں تشویش میں مبتلا تھا تو وہ یقیناً کوئی سنگین مسئلہ تھا۔ ہیروئن پورے پاکستان کے لیے ایک بھیانک لعنت تھی۔ وہ باہر ضرور بھیجی جارہی تھی لیکن ساتھ ساتھ گزرگاہوں پر بھی فروغ پارہی تھی۔ اگر اس پر براہِ راست قابو پانا دشوار تھا تو اس کی تیاری میں استعمال ہونے والے بنیادی کیمیکل کی آمد روک کر اس فتنے پر قابو پایا جاسکتا تھا۔
"پکڑے جانے والے اس بارے میں کیا بتاتے ہیں؟" میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔
"تین چار برس پہلے تک بھاری نفع دینے والا یہ کاروبار ان ہی چند لوگوں کے قبضے میں تھا۔ پھر بہت تیزی سے ان کا

کام سکڑتا چلا گیا۔ ہیروئن پر کوئی زوال نہیں آیا تھا۔ وہ اسی پیمانے پر تیار کی جارہی تھی۔ انہوں نے کھوج لگایا تو پتا چلا کہ ان کا کوئی پراسرار حریف پیدا ہوچکا تھا جو براہِ راست سرحدوں پر کیمیکل پہنچا رہا تھا۔"

"تم اس طرف کیوں متوجہ ہوئے؟ یہ سوال مجھے مسلسل پریشان کررہا ہے" میں نے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"ہیروئن لاہور میں تیزی سے پھیل رہی ہے۔ کئی نامور تعلیمی اداروں میں لڑکوں کے علاوہ لڑکیاں ہیروئن پیتے ہوئے پکڑی گئی ہیں۔ تعلیمی اداروں اور طلبا وطالبات کے معزز گھرانوں کی بدنامی کے خوف سے یہ خبریں دبادی جاتی ہیں۔ جب کوئی نشہ غریب اور مزدور پیشہ طبقے سے نکل کر پڑھے لکھے لوگوں میں اس طرح مقبول ہونے لگے تو وہ قوم کی رگوں میں سرایت کرنے لگتا ہے۔ اس ہولناک وبا نے۔ ب کو لرزا کر رکھ دیا ہے۔ ہم کب تک اپنی آنکھیں بند رکھ سکتے تھے۔"

"تم پہلے سے ان معاملات کی طرف متوجہ نہیں تھے۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میری سوچ بھی وہی تھی جو پہلے تم نے بیان کی ہے۔ اسمگلنگ اور چوری چکاری ہمارے شعبے نہیں ہیں۔ بعض ادارے دن رات ان ہی کے انسداد کے لیے کام کرتے ہیں۔ ہمیں ان کے کام میں مخل نہیں ہونا چاہیے مگر وہ ناکام رہے۔ وبائی لہر بڑھتی چلی گئی۔ آج لاہور کے باغات میں پارکوں میں ہزاروں میلے کچیلے اور گندے نوجوان اس نشے میں بے خبر پڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان میں جاہلوں سے زیادہ پڑھے لکھے بچے ہیں۔ بے یارومددگار لوگوں سے زیادہ تعداد متوسط طبقے کی ہے۔ بعض کا تعلق آسودہ گھرانوں سے ہے۔ ہم ایک سرحدی شہر میں رہ رہے ہیں۔ میرے آدمی دشمن کے ایجنٹوں کی گھات میں دن رات ایسے ٹھکانوں کا طواف کرتے رہتے ہیں جہاں کوئی بھی روپ دھار کر آسانی سے خود کو چھپا سکے۔ ان کی ہوش ربا رپورٹوں سے پریشان ہوکر میں نے تین مہینے پہلے اس کام کا بیڑا اٹھایا تھا لیکن ابھی تک امید کی کوئی کرن نظر نہیں آئی۔"

مجھے معترف ہونا پڑا کہ وہ صحیح سمت میں کام کررہا تھا۔ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی وہ اس راہ پر نہ لگتا تو اپنے فرض سے روگردانی کا مرتکب ہوتا۔ میں نے سوچتے ہوئے کہا "کیمیکل بھارت سے آتا ہے تو لاہور میں اس کے مضافات سے ضرور گزرتا ہوگا۔ پھر وہ اچانک سرحدی علاقے میں کیسے پہنچ جاتا ہے۔ راستہ بہت طویل ہے۔ صحیح دیکھ بھال کی جائے تو وہ کہیں نہ کہیں ضرور پکڑا جائے گا۔ اس کام میں کہیں نہ کہیں کوتاہی ہورہی ہے۔"

"مجھے خود اعتراف ہے کہ کہیں کوتاہی ہورہی ہے۔ مگر کہاں؟ ہم یہ اندازہ لگانے سے قاصر ہیں" اس نے بے بسی سے کہا "اچانک چیک پوسٹیں قائم کرکے شمال کی طرف جانے والا سو فیصد کارگو چیک کیا گیا ہے۔ جی ٹی روڈ پر ٹرکوں اور ٹینکروں کی لمبی لمبی قطاریں لگ گئیں مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔"

"جی ٹی روڈ کے بجائے وہ کوئی متبادل راستہ بھی ہوسکتا ہے۔"

"اس امکان پر بھی کام ہوچکا ہے۔ کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا" خالد کی آواز سے مایوسی جھلک رہی تھی۔

"تم نے مجھے تجسس میں ڈال دیا ہے" میں نے سگریٹ نکالتے ہوئے کہا "اب مجھے بھی اس بارے میں سوچنا پڑے گا۔"

"میرے لیے تمہاری یہ یقین دہانی کافی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تم سوچتے ہو تو تمہارا ذہن بالکل نئی راہوں پر کام کرنے لگتا ہے۔"

"یہ مبالغہ ہے۔ کامیابیاں جس کو بھی ملتی ہیں، قدرت کی مہربانی سے ملتی ہیں۔ اس میں کوشش کا دخل کم ہوتا ہے۔"

اس نے مجھے اسٹیشن تھری کی کارکردگی اور کامیابیوں کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔ اس کی گفتگو میں کہیں بھی ذاتی نمودونمائش کا دخل نہیں تھا۔ وہ جو کچھ بتارہا تھا، جمع متکلم کے صیغے میں بتارہا تھا۔ ایس ٹی ایف ہر قسم کے ریکارڈ سے ماورا، ایک غیر روایتی فورس تھی اس لیے خالد کے پاس کوئی ریکارڈ تھا نہ چارٹ یا گراف جو کچھ تھا، اس کے سینے میں محفوظ تھا اور زبان پر چلا آرہا تھا۔

اس نے مجھے پورے کیمپ کی سیر کرانے کی پیشکش کی جسے میں نے نرمی سے رد کردیا۔ میں پورے کیمپ میں گھومنا شروع کرتا تو فورس کے سارے کارندوں میں تجسس کی لہر دوڑ جاتی کہ ان کا کیمپ کمانڈر کسے ہر شعبے کا معائنہ کرا رہا تھا۔ ان لوگوں کا وہ تجسس میرے لیے سودمند نہیں تھا۔ میں نے بس اس کے اسلحے خانے کا تفصیلی جائزہ لیا۔ میرا خیال تھا کہ اول خان کی جمع کی ہوئی اشیا سے ملنے والی انگوٹھیوں کی طرح مجھے خالد کے اسلحہ خانے سے بھی کچھ ایسے شعبدے مل جائیں گے جو بھارت کے سفر میں میرے کام آسکیں گے مگر وہاں روایتی ہتھیاروں کے سوا کوئی غیر معمولی چیز موجود نہیں

تھی۔

مجھ سے تفصیلی گفتگو اور میرے رویے کے مشاہدے کے بعد خالد نے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلی تھی کہ اس کی طرف سے دیا جانے والا کوئی بھی غیر معمولی پروٹوکول میرے لیے دشواریوں کا پیش خیمہ بن سکتا تھا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اس نے مجھے اور غزالہ کو ایس ٹی ایف کے مہمان کا درجہ دے کر ہوٹل میں ہماری رہائش کا بندوبست کردیا تھا۔

میں نے اس کے دفتر سے اول خان کو فون کیا تو وہ اسٹیشن فور پر ہی موجود تھا۔ اس وقت سی ایس ڈی میرے ساتھ موجود نہیں تھی۔ میں نے فون کے ساتھ اسے استعمال کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ جب میں ہوٹل کے فون سے جلال سے کھلی کھلی باتیں کرسکتا تھا تو اسٹیشن تھری سے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

"کچھ پتا نہیں چل رہا" میرے استفسار پر اول خان نے جواب دیا "میں جو کچھ تمہیں بتا چکا ہوں' میری معلومات وہیں تک محدود ہیں۔ شاید اوپر سے کچھ احکام آئے ہیں۔ اس معاملے کو ٹاپ سیکرٹ رکھا جارہا ہے" بات شروع ہوتے ہی خالد دفتر سے باہر جا چکا تھا۔

"اس بارے میں تم نے جلال سے کوئی بات کی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"وہ تم سے بے تکلف ہے۔ میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ ہر وقت کسی نہ کسی چکر میں الجھا رہتا ہے۔"

"میری اس سے رات کو بات ہوئی تھی' چار آدمی حراست میں لیے جا چکے تھے۔ ان لوگوں کو ایک مشتبہ باوردی شخص کی تلاش ہے۔"

اول خان کی بے جان سی ہنسی کی آواز آئی "اب دیکھ لو۔ تم لاہور جاکر بھی باخبر ہو۔ میں کراچی میں بیٹھا ہوا ہوں اور یہاں ہونے والی پیش رفت سے بے خبر ہوں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ جلال اسے کوئی کام کی بات معلوم ہوسکے گی۔"

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے۔ اندازے کی غلطی کسی سے بھی ہوسکتی ہے" میں نے اسے دلاسا دیا۔

میرا جواب سن کر وہ جھلا گیا۔ میں نے اس سے گفتگو کو زیادہ طول نہیں دیا اور بات ختم کرکے خود بھی خالد کے دفتر سے باہر آگیا۔ وہ برابر والے کمرے میں شاید میرے فارغ ہونے کا منتظر تھا۔ فوراً مجھ سے آملا۔

دو بجے میں اسٹیشن تھری سے روانہ ہوگیا۔ اس مرتبہ خالد کا ڈرائیور' اس کی دفتری گاڑی میں مجھے ہوٹل لے جارہا تھا۔

چابی کی بورڈ پر موجود تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ غزالہ اور فرزانہ کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ ہوٹل واپسی کے لیے تین بجے کا تعین کیا گیا تھا۔ فرزانہ وقت پورا ہونے سے پہلے غزالہ کی جان چھوڑنے والی نظر نہیں آتی تھی۔

چابی کے ساتھ پیغام کی ایک سلپ بھی منسلک تھی۔ اس پر جلال کے نام کے نیچے ایک فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ فون نمبر کے ساتھ کوئی کوڈ نہیں تھا جس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ لاہور پہنچ چکا تھا اور یقینی طور پر خود ہوٹل آیا تھا۔ میں کاؤنٹر سے چابی لے کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے بیلٹ ڈھیلی کی' پتلون میں اڑسی ہوئی قمیص باہر نکالی' جوتوں اور موزوں سے نجات حاصل کی اور مسہری پر بیٹھ کر جلال کا چھوڑا ہوا نمبر ملالیا۔

وہ کسی دفتر کا فون نمبر تھا۔ اس وقت جلال وہاں موجود نہیں تھا۔ میں نے مظہر خان کے نام سے پیغام چھوڑ دیا۔ اسے یاد ہونا چاہیے تھا کہ میں اپنی سفری ضروریات کے تحت اپنا نام تبدیل کرچکا تھا۔ نام یاد نہ ہوتا تو وہ ہوٹل میں میرے لیے پیغام نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

غزالہ ساڑھے تین بجے تھکی ہاری اور خالی ہاتھ واپس آئی۔ اس نے فرزانہ کو بمشکل نیچے سے رخصت کیا تھا۔ کاؤنٹر پر کمرے کی چابی نہ پاکر ان دونوں نے سمجھ لیا تھا کہ میں کمرے میں واپس پہنچ چکا تھا۔ میری موجوگی کی بناپر فرزانہ کمرے تک آنے کے لیے زیادہ اصرار نہیں کرسکی تھی۔

"حیرت ہے کہ بازار میں سارا دن گزارنے کے بعد تم بالکل خالی ہاتھ واپس آئی ہو۔" میں نے اسے چھیڑا۔

"میرا دماغ خراب ہوگیا۔ پورے شہر میں بازار ہی بازار پھیلے ہوئے ہیں۔ دبئی سے کراچی پہنچنے والی شاپنگ مالز اور پلازوں کی وبا لاہور میں بھی عروج پر ہے۔ ہر جگہ تماشائی بے شمار ہیں اور خریدار نایاب۔ جو پھنس جاتا ہے' دکان کا سارا خرچ اسی سے وصول کرلیا جاتا ہے۔ بلا کی مہنگائی ہے یہاں!" غزالہ بیٹھ گئی۔

"تمہیں کچھ خریدنا ہی نہیں تھا تو سستے اور مہنگے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اصل شوق فرزانہ کا تھا۔ تمہارے بہانے اس نے دل کھول کر خریداری کی ہوگی۔"

"اس نے انارکلی سے صرف ایک دوپٹا لیا۔ وہ پورے خلوص سے مجھے لاہور کے بازار دکھاتی پھر رہی تھی۔"

"بن سنور کر آئی تھی۔ خاصی فیشن ایبل عورت ہے

اور اس نے صرف دوپٹا لیا؟"

"وہ بہت سیدھی اور پرخلوص عورت ہے۔ دونوں میاں بیوی ہم سے ملنے کے لیے بن سنور کر آئے تھے۔ آمدنی محدود اور حسرتیں لامحدود ہیں۔ وہ ذرا بھی تیزی اور طراری دکھاتی تو میں اسے کسی اسٹور میں بھٹکتا ہوا چھوڑ کر خاموشی سے ہوٹل لوٹ آتی۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے اسے پرکھ لیا۔ خالد' اول خان کا ہم منصب ہے لیکن عمر میں اس سے بہت چھوٹا ہے۔ مجھے الجھن ہو رہی تھی کہ اس کا معیار زندگی اتنا بلند کیسے ہے۔ ذہن میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔ تم نے میرے ذہن سے یہ بوجھ اتار دیا۔"

"میں ہمیشہ آپ کے لیے آسانیاں تلاش کرتی رہتی ہوں۔" وہ مسکرا دی "خالد سے آپ کی ملاقات کیسی رہی؟"

"میں این جی اوز کے خلاف کچھ کام کرنے کا ارادہ لے کر آیا تھا۔ وہ ہیروئن کے چکر میں پریشان ہے۔"

"ہیروئن؟ ایس ٹی ایف والے کب سے اینٹی نارکوٹکس فورس میں شامل ہو گئے؟"

میں نے اسے اختصار کے ساتھ خالد کا مسئلہ سمجھا دیا۔ وہ تفہیمی انداز میں سرہلاتے ہوئے بولی "ان حالات میں اس کی پریشانی بجا ہے۔ میں سوچ کر آئی تھی کہ آپ کو ہیومن سوسائٹی کے بارے میں بتاؤں گی۔ آج فرزانہ نے مجھے آدھا لاہور گھمایا ہے۔ ہر طرف ان کے بڑے بڑے پوسٹر لگے ہوئے تھے۔"

"یہ ہیومن سوسائٹی کیا بلا ہے۔" میں نے بے پروائی سے پوچھا۔

"چلتی ہوئی گاڑی سے میں جلی سرخیاں پڑھنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ عطیات کی اپیلوں سے اندازہ ہوا کہ وہ کوئی فلاحی تنظیم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی این جی او ہی ہو۔ اس پر کچھ کام کیا جا سکتا تھا لیکن اب یہ قصہ ہی ختم ہو گیا۔ ایس ٹی ایف کو کیمیکل کے اسمگلروں کی تلاش ہے۔"

"یہ بہت اہم کام ہے۔" میں نے کہا "ناخواندہ اور نیم خواندہ قبائلی ہیروئن کو کاروبار اور افیم کی پیداوار کو زراعت کا درجہ دیتے ہیں۔ اگر افیم کی کاشت کو ختم کرنا ممکن نہیں تو پھر اسے افیم تک ہی محدود رہنا چاہیے۔ کیمیکل کی سپلائی لائن ختم کر دی جائے تو افیم کو ہیروئن میں تبدیل کرنے کا عمل تھم جائے گا۔"

"بھارت سے راستہ بند ہو گا تو مغربی کمپنیاں اپنا کیمیکل بیچیں گی۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہو گی کہ اس سے ہیروئن بن رہی ہے یا کوئی اور کام لیا جا رہا ہے۔ ایٹمی پرزوں کی فروخت کے قضیے میں یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے۔ ایک پرزے کے دس استعمال ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک ایٹمی استعمال بھی ہے۔ بیچنے والے کو سب معلوم ہوتا ہے لیکن بات عدالت تک جا پہنچے تو بیچنے والا انجان بن جاتا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ خریدار وہ پرزے کہاں استعمال کرے گا۔ آزاد معیشت میں زہر سے تریاق تک' سب کچھ بیچنے اور خریدنے کی کھلی چھوٹ ہوتی ہے۔"

"ماشاء اللہ!" میں نے تعریفی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "چار کا ٹولہ ٹوٹتے ہی تم بھی بولنے لگی ہو۔"

"دوسرے بولتے رہتے ہیں تو میں سن کر لطف اندوز ہوتی ہوں۔ اب کوئی اور نہیں ہے تو میں ہی آپ کی مشیر ہوں۔"

"مشیر صاحبہ! تم نے ہیومن سوسائٹی کا ذکر کر کے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ اتنے پوسٹر دیکھے تھے تو رک کر کسی ایک کو پڑھ بھی لیا ہوتا۔"

راستے میں رک کر میں اشتہار پڑھنے کھڑی ہوتی تو تماشا بن جاتی۔"

"ہیومن سوسائٹی کے بارے میں فرزانہ کی کیا رائے ہے۔ اس سے تم نے بات تو کی ہو گی۔"

"مجھے کچھ پتا ہی نہیں تو کیا بات کرتی۔ شام کو باہر نکلیں تو خود کوئی پوسٹر پڑھ لیں۔"

"اب باہر جانے کا موڈ نہیں ہے۔ شام ہی کو دیکھا جائے گا۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا اور بات ٹل گئی۔

غزالہ کی زبان سے ہیومن سوسائٹی کا ذکر سن کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔ وہ ہوٹل سے گھومنے کے لیے نکلی تھی لیکن اپنے گرد و پیش سے غافل نہیں رہی تھی۔ کھلی ہوئی آنکھوں سے اپنے گرد و پیش پر گہری نگاہ رکھی تھی۔ اسے جو کچھ غیر معمولی نظر آیا' وہ اس نے من و عن میرے سامنے رکھ دیا تھا۔ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ کراچی سے روانہ ہوتے ہوئے این جی اوز کے بارے میں میرا ذہن صاف نہیں تھا۔

اگر این جی اوز صرف خدمت خلق اور معاشرتی اصلاح کا ذریعہ ہوتیں تو وہ خسارے کا سودا تھا۔ ہمارے ملک میں لوگوں کے لیے ان میں ذرا بھی کشش نہ ہوتی۔ جہاں لوگ ہر قیمت پر اور ہر ذریعے سے پیسا بنانے پر تلے ہوئے ہوں وہاں کون اس خالص فلاحی کام کی طرف متوجہ ہوتا لیکن ملک بھر میں این جی اوز خود رو برساتی پودوں کی طرح پھیلی تھیں۔

اعی بہبود کا وہ فلاحی نظریہ پاکستان میں در آمد ہوتے ہی بہت
ول ہوا تھا۔ اس ضمن میں ہمارا واسطہ صرف دو اداروں
ے پڑا تھا اور وہ دونوں ہی پکے فراڈ اور غیر ملکی وظیفہ خور
ت ہوئے تھے۔

غزالہ نے ہیومن سوسائٹی کے بارے میں سرسری طور
جو کچھ دیکھا یا پڑھا تھا وہ میرے لیے دلچسپی کا باعث تھا۔
رے ذہن پر ایک طرف خالد کا بتایا ہوا مسئلہ سوار تھا اور
سری طرف ہیومن سوسائٹی کا تجسس سوار ہوگیا تھا۔ اس
ت میں خالی الذہنی کے عالم میں بستر پر دراز تھا۔ رہ رہ کر
نوں مسائل میرے ذہن کو کچوکے لگا رہے تھے۔ میرے
امنے کوئی سرا نہیں تھا جس سے پیش رفت میں کوئی مدد ملتی۔
بری طبیعت مضطرب ہونے لگی۔

جب وہ ذہنی دباؤ بڑھتے بڑھتے ناقابلِ برداشت ہوگیا تو
ں نے مجبور ہو کر اسٹیشن تھری کا نمبر ملالیا۔ خالد اپنے دیے
وئے اس نمبر پر موجود تھا۔

"مجھے امید نہیں تھی کہ یہ تمہارا فون ہوگا۔" اس کی
آواز مسرت سے لبریز تھی "ادب اور احترام کو خیرباد کہہ کر
تمہیں عامیانہ انداز میں مخاطب کرنا مجھے بہت عجیب محسوس
ہو رہا ہے مگر مجبوری ہے کیونکہ یہ تمہارا حکم ہے اور قرین
مصلحت نظر آتا ہے۔"

"تم نے کبھی این جی اوز پر کوئی کام کیا ہے؟" میں نے
وقت ضائع کرنے کے بجائے براہِ راست سوال کر ڈالا۔

"ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن پچھلے ڈیڑھ دو سالوں
میں اچانک ان کی بڑی تعداد سامنے آئی ہے۔"

"انہیں چلانے والے کچھ لوگ مخلص بھی ہوں گے مگر
میرا تجربہ ہے کہ بیشتر مال بنانے کے چکر میں ہیں۔ بیرونی ملکوں
سے ملنے والی غیر سرکاری امداد فرضی منصوبوں کی آڑ میں
ہضم کر جاتے ہیں۔ اصل سرمایہ کاری کا دو چار فیصد ہی کسی
جائز مد میں خرچ ہوتا ہوگا۔"

"انہیں چلانے والے بہت سے لوگوں کا ماضی صاف
نہیں ہے۔" اس نے مجھ سے اتفاق کیا۔

"ان میں ہیومن سوسائٹی نامی کوئی ادارہ بھی شامل
ہے؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"اس کا نام بہت اونچا جا رہا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے
کام کے ذریعے نیک نامی کمائی ہے۔ بظاہر ان کے ہاتھ صاف
نظر آتے ہیں۔"

"وہ کس شعبے میں کام کر رہے ہیں؟ اسے چلانے والے
کون ہیں؟ مجھے یہ معلومات درکار ہیں۔"

"ان کی سرگرمیوں کے بارے میں اخبارات میں بہت
کچھ چھپتا رہتا ہے۔ آثار بتاتے ہیں کہ یہ لوگ اسی طرح دل
جمعی سے کام کرتے رہے تو لوگ ان کے نام پر آنکھیں بند
کر کے عطیات دینا شروع کر دیں گے۔ پہلے انہوں نے بے
لباس لوگوں کو لباس فراہم کرنے کے نعرے سے ابتدا کی
تھی۔ پرانے کپڑے جمع کر کے موسمی ضروریات کے مطابق
ضرورت مندوں تک پہنچاتے تھے اب خوراک اور گھر کی
مرمت کے لیے امداد بھی فراہم کرتے ہیں۔ صوبہ سرحد کے
سرحدی علاقوں میں ہیومن سوسائٹی کا نام بہت قدر و منزلت
رکھتا ہے۔ انہوں نے برفانی طوفان کے دنوں میں بے خانماں
افغان مہاجرین اور قبائلیوں کے لیے بہت کام کیا تھا۔"

وہ خاموش ہوگیا۔ میں نے کہا "رکنے کی ضرورت
نہیں۔ جو کچھ یاد آتا ہے، دہراتے چلے جاؤ۔ میرے لیے یہ
سب باتیں نئی ہیں۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارے ذہن میں یہ نام کیوں آیا
ہے۔ لاہور میں کئی ایسی بدنام این جی اوز ہیں جن پر براہِ
راست ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے۔"

"جو بدنام ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ
نیک نامی کی آڑ میں کوئی گھناؤنا کھیل نہ کھیلا جا رہا ہو۔"

"چوہدری عظمت اور ملک اقبال اس سوسائٹی کے روحِ
رواں ہیں۔ دونوں تجارت پیشہ ہیں۔ چوہدری عظمت پہلے
سے آسودہ حال تھا۔ اس نے اپنے پیسے سے یہ نیک کام
شروع کیا تھا۔ ملک اقبال اس کا دوست ہے۔ اس کی مالی
حیثیت کمزور تھی۔ ان دنوں وہ بالا کھلاتا تھا۔ اب وہ بھی پھل
پھول رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہیومن سوسائٹی کے کاموں کی
خیر و برکت سے اس کا کاروبار بھی چمک اٹھا ہے۔ یہ لوگ کوئی
سرکاری گرانٹ نہیں لیتے۔ نجی عطیات سے کام چلاتے
ہیں۔ باہر سے انہیں کوئی مالی امداد ملتی ہو تو میں اس سے لاعلم
ہوں۔ یہ دونوں عبدالستار ایدھی کے بہت مداح ہیں۔"

"تم بتا رہے تھے کہ ہیومن سوسائٹی سرحدی علاقوں میں
زیادہ مقبول ہے۔ یہاں شاید ان کا کام کم ہے۔"

"ہیومن سوسائٹی کی داغ بیل لاہور میں ڈالی گئی تھی۔
اس کا ہیڈ آفس بھی یہاں ہے مگر ان کا کام سرحدی علاقے
میں زیادہ ہوتا ہے۔"

"تمہیں یہ بات عجیب محسوس نہیں ہوتی کہ یہ اپنے شہر
کے غریبوں اور ضرورت مندوں کو چھوڑ کر اتنی دور کام
کر رہے ہیں۔"

"کبھی غور نہیں کیا۔ شاید اس علاقے کو ترجیح دینے کا

سبب وہاں کا موسم اور بے روزگاری کی شرح ہو۔"

"مجھے یہ لوگ دلچسپ نظر آرہے ہیں۔ میں ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ مواد جمع کرنا چاہتا ہوں۔"

"شاید اس کام میں کوئی دشواری نہ ہو۔ جو کچھ مل جاتا ہے' وہ میں شام کو ہوٹل پہنچادوں گا۔" اس نے اطمینان سے کہا۔ اس نے شام کی اصطلاح استعمال کی تھی جو بہت طویل دورانیے کا احاطہ کرتی ہے۔ اسے آٹھ بجے کے بعد کا وقت دے کر میں نے فون بند کردیا۔

ریسیور رکھتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ آپریٹر نے بتایا کہ جلال ہماری لائن فارغ ہونے کے انتظار میں کافی دیر سے ہولڈ پر تھا۔

اس سے دو مرتبہ آنکھ مچولی ہو چکی تھی۔ وہ ہوٹل آیا تو ہم دونوں غائب تھے۔ میں نے اسے فون کیا تو وہ دفتر میں نہیں تھا۔ وہ فوری طور پر مجھ سے ملنے کا خواہاں تھا کیونکہ رات کی پرواز سے وہ اسلام آباد واپس جارہا تھا۔ میں نے کسی پس و پیش کے بغیر ملاقات پر آمادگی ظاہر کردی۔

"سلسلہ چل پڑا ہے۔" غزالہ نے معنی خیز لہجے میں کہا "مجھے محسوس ہورہا ہے کہ اب کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔"

"ہم لاہور آئے ہیں تو بیکار نہیں بیٹھ سکتے۔ ہمیں ہاتھ پیر مارنے کی ضرورت ہے۔ کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور برآمد ہوگا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے فرزانہ کے ساتھ بازار جاکر اپنا وقت برباد نہیں کیا۔ ایک کام کی بات لے کر واپس آئی ہو۔"

"تھوڑی دیر میں جلال آجائے گا۔ آپ اسے اوپر بلائیں گے یا نیچے جاکر ملیں گے؟" اس نے وال کلاک پر نظر ڈال کر پوچھا۔

"نیچے ملنا مناسب نہیں ہوگا۔ وہاں آزادی سے بات نہیں ہوسکے گی۔ میں اسے اوپر بلاؤں گا۔ تعارف ہونے کے بعد تم کچھ دیر کے لیے نیچے چلی جانا۔ ہوٹل سے باہر نکلے بغیر تم اپنا وقت گزار لوگی۔ ہم تخلیے میں ذرا کھل کر بات کرسکیں گے۔"

"ہیومن سوسائٹی کے بارے میں اس سے بھی ذکر کریں گے؟" غزالہ نے سوال کیا۔

"نیم دلی سے کوئی کام مکمل نہیں ہوتا۔ جس کام میں ہاتھ ڈالو' اپنے پورے وسائل کے ساتھ ڈالو۔ میں اس نے ضرور تذکرہ کروں گا۔ کچھ معلوم ہو یا نہ ہو' تذبذب تو ختم ہوجائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے دوسری ملاقات کی نوبت نہ آسکے۔"

اس نے اپنے بیگ کی زپ کھول کر شناختی کارڈز اور پاسپورٹوں والا لفافہ میرے حوالے کردیا۔

جلال نے ہوٹل پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لیا۔ ش
اس کی وجہ یہ تھی کہ ہوٹل شہر کے مرکزی علاقے سے ب
قریب واقع تھا۔ انٹرکام پر اپنی آمد کے اطلاع دے کر وہ لف
کے ذریعے اوپر آیا تو میں اس کے استقبال کے لیے کمرے
دروازے پر موجود تھا۔

"تمہارا چہرہ تو واقعی بگڑا ہوا ہے۔" اس نے آتے
تحیرزدہ آواز میں تبصرہ کیا اور گلے لگ گیا "یہ دو چار دن م
کیسے ٹھیک ہوجائے گا؟"

"دیکھتے رہو۔ قوت ارادی بھی کوئی چیز ہے۔ یہ مضبو
ہو تو ایک مرتبہ مردہ بھی بستر سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔"

وہ میرے ساتھ کمرے میں آگیا۔ اس نے مہذب اند
میں غزالہ کو سلام کیا تو اس کی نگاہوں میں تجسس تھا۔ وہ ف
دونوں سے مل لیا تھا اور رویرا کا متلاشی تھا۔

"این کاویل دو تین بعد لاہور آئے گی۔" میں نے اس
کے کسی سوال سے پہلے' دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ اسے
آگاہ کیا "فی الحال وہ کراچی میں ہے۔"

"آپ دونوں باتیں کریں۔ میں نیچے سے ہو کر آتی ہوں۔" غزالہ نے اپنی کرسی چھوڑ دی۔

"جارہی ہو تو روم سروس والوں سے چائے اور کچھ لوازم کے لیے کہہ دینا۔" میں نے اسے ہدایت کی اور وہ کمرے سے نکل گئی۔

"فون پر میں اندازہ نہیں کرسکا تھا کہ تمہارا چہرہ اتنا زیادہ متاثر ہوا ہوگا۔" وہ غور سے میرا جائزہ لیتے ہوئے بولا "تمہارے ساتھ خاصی زیادتی ہوئی ہے۔"

"اس کا کوئی غم نہیں ہے۔ ان دونوں کو میرے زخموں کی قیمت اپنے خون سے چکانی پڑی تھی۔"

"مجھے تمہاری طرف سے ہر آن دھڑکا لگا رہتا ہے۔" اس نے سگریٹ لگا کر ناصحانہ انداز میں کہا "ہر کام میں بے دھڑک کود پڑتے ہو۔ تمہیں اپنی قدر و قیمت کا اندازہ ہونا چاہیے۔ مار دھاڑ سے بچنے کے لیے تمہیں ہر وقت ایک دو محافظوں کے ساتھ چلنا چاہیے تاکہ ایسے واقعات کا اعادہ نہ ہو۔"

"بھائی! میں ماروتی سے مل کر اسپتال سے لوٹ رہا تھا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ وہ حرام زادے میری گھات میں بیٹھے ہوں گے۔"

"اب اسے دہرانا بے سود ہے۔ اس وارننگ کے بعد تمہیں محتاط ہوجانا چاہیے... لاؤ' تمہارے پاسپورٹ وغیرہ

کہاں ہیں۔"

میں نے لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے لفافہ کھول کر تینوں پاسپورٹوں کا جائزہ لیا اور انہیں دوبارہ لفافے میں ڈال لیا۔ "یہ میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ دوسرے کام ہوجائیں گے لیکن پاکستان سے روانگی کی مہر تمہارے پروگرام کے مطابق لگے گی۔ اس میں فرق ہوا تو گڑبڑ ہوجائے گی۔"

"اس بارے میں، میں تمہیں فون پر بتادوں گا۔ یہ بتاؤ کہ کراچی کی کیا خیر خبر ہے!"

"وہ مردود شخص پکڑا گیا۔ ایک کمپنی میں دربان ہے۔ اس کے پاس وہی گھسی پٹی کہانی ہے۔ اسے ایک تھیلا چوبی پیٹیوں میں پہنچانے کے لیے ایک ہزار روپے دیے گئے تھے۔ تھیلا دینے والا اس کے لیے اجنبی تھا پھر بھی لالچ اسے لے ڈوبا۔"

"یہ لالچ اس کی زندگی برباد کردے گا۔ حیرت ہے کہ بار بار کے اعلانات کے باوجود لوگ ایسے جال میں آجاتے ہیں۔"

"بظاہر اس کا بیان درست نظر آتا ہے۔ مگر اس کا جرم اتنا سنگین ہے کہ وہ بدترین سزا کا حق دار بن چکا ہے۔ اس سے بازپرس اب بھی جاری ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اسے تھیلا دینے والا کوئی مقامی تھا یا کوئی ایجنٹ۔ یہ نکتہ صاف ہو تو بھارتیوں کے عزائم کا اندازہ ہوسکے گا۔"

"ہمارے لیے ان کے عزائم کبھی نیک نہیں ہوسکتے۔ وہ بغل میں چھری رکھ کر منہ سے رام رام کرنے والے لوگ ہیں جب بھی موقع ملے گا، وار کر گزریں گے۔"

"یہ پرچہ احتیاط سے رکھ لو۔" اس نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ "اس پر ان تینوں کا فون نمبر اور پاس ورڈ لکھے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے نام اور ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں۔ تم دہلی پہنچ کر ان سے رابطہ کرو گے تو بقیہ معلومات وہ خود فراہم کردیں گے۔"

"نام اور ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں تو پھر یہ فون نمبر بھی بدلتا رہتا ہوگا۔" میں نے اعتراض کیا۔ "پاس ورڈز تین ہیں۔ نمبر ایک ہے۔"

"یہ ان کے رابطے کا آدمی ہے۔" جلال نے پہلو بدل کر وضاحت کی "ان میں سے کوئی موجود نہ ہوا تو وہ شخص تمہیں

وقت دے دے گا۔ تم مقررہ وقت پر دوبارہ فون کرو گے تو تمہارے مطلوبہ آدمی سے بات ہوجائے گی۔"

"تین کے بجائے ایک ہی نام ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔" میں نے وہ رقعہ اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ہوسکتا ہے کہ کام یا کسی خطرے کی وجہ سے ان میں سے کوئی دستیاب نہ ہو۔ ایسی صورت میں تمہارے پاس متبادل رابطہ موجود رہے گا۔ ایک نام ہوا تو اس کے زیرِ زمین ہونے کی صورت میں تم کچھ بھی نہیں کرسکو گے۔ یہ تینوں ہمارے بہترین آدمی ہیں۔"

"میں کسی ایک ہی سے رابطہ رکھوں گا۔" میں نے اس کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد کہا "وہ کسی وجہ سے رابطے میں نہ آسکا تو متبادل کے بارے میں سوچوں گا۔"

"یہ تمہاری مرضی اور سہولت پر منحصر ہوگا۔ وہ تینوں ایک گندھی ہوئی ٹیم کی طرح کام کرتے ہیں۔ تمہارے ساتھ رہ کر نکھر جائیں گے۔"

"جانے سے پہلے ہم ان کے بارے میں پھر بات کرلیں گے۔ تم یہ بتاؤ کہ ہیومن سوسائٹی کے بارے میں کیا مدد کرسکتے ہو۔"

"تمہیں اچانک ہیومن سوسائٹی کیوں یاد آگئی؟" اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میرے جواب دینے سے پہلے دروازے پر دستک ہوئی اور روم سروس کا ویٹر چائے کی ٹرے سنبھالے اندر آگیا۔ چائے سرو ہونے تک ہم دونوں خاموش رہے۔ ویٹر اپنا کام ختم کرکے چلا گیا تو میں نے کہا "ہیومن سوسائٹی کے بارے میں، میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا۔"

"اور میں نے اس میں تمہاری دلچسپی کا سبب جاننا چاہا تھا۔" اس نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر اسی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں خدمت کا قائل ہوں۔ یہ لوگ بہت قرینے سے کام کررہے ہیں۔ میں خود بھی ایسی کوئی تنظیم بنانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"ڈینی!" اس نے شکایتی لہجے میں کہا "مجھے گھمنے کی کوشش مت کرو۔ فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا کے بعد ہیومن سوسائٹی تمہیں کیوں یاد آرہی ہے۔"

"یہاں بے کار بیٹھا ہوا ہوں۔ کچھ نہ کچھ کرتا رہوں تو وقت آسانی سے گزر جائے گا۔ فی الحال ان کی تشہیری مہم نے میری توجہ اس نام کی طرف مبذول کرائی ہے۔"

"میں ان کا لٹریچر تمہیں بھجوادوں گا۔ فرصت کے اوقات میں پڑھ ڈالنا' میں محسوس کررہا ہوں کہ لاہور پہنچنے کے بعد تمہاری ترجیحات یکایک بدل گئی ہیں۔ امریکی اور بھارتی سازشوں کو بھول کر تم چھوٹے چھوٹے مقامی معاملات کی طرف توجہ دے رہے ہو۔ کل جعلی شناختی کارڈوں کا ذکر لے بیٹھے تھے۔ آج ہیومن سوسائٹی میں دلچسپی لے رہے ہو۔"

جلال کے لب و لہجے سے میں نے اندازہ لگالیا کہ اول خان کی طرح وہ بھی مجھے نئے معاملات میں ملوث ہونے سے روکنا چاہ رہا تھا۔ ہیومن سوسائٹی کے بارے میں اس کے کچھ شبہات تھے تو وہ خود ان پر کام کررہا تھا۔ اپنی مقامی سرگرمیوں میں مجھے حصے دار بنانے پر آمادہ نہیں تھا۔ جس دن اس نے میری زبان سے بھارت جانے کا ذکر سنا تھا' اس کی اولین خواہش تھی کہ میں جلد از جلد پاکستان کو خیرباد کہہ کر بھارت چلا جاؤں۔ کراچی میں ہونے والے دھماکے نے اس کی خواہش میں شدت پیدا کردی تھی۔

ہمارے مفادات اتنے مشترک اور یکساں تھے کہ ہم ساری رات بھی باتیں کرتے رہتے تو موضوعات ختم نہ ہوتے لیکن اسے اسلام آباد واپسی کی فکر تھی۔ روانگی سے پہلے اسے کچھ لوگوں سے ملنا تھا۔ فون پر باقاعدہ رابطہ رکھنے کا وعدہ کرکے وہ تھوڑی دیر بعد رخصت ہوگیا۔ اس سے بات کرکے مجھے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ ہیومن سوسائٹی انٹیلی جنس بیورو کے لیے بھی اجنبی نہیں تھی اور وہ لوگ کسی مضبوط جواز کے بغیر کسی فرد یا ادارے میں دلچسپی نہیں لیتے تھے۔

جلال کی واپسی کے چند منٹ بعد غزالہ کمرے میں لوٹ آئی۔ اس کا مزاج ویرا کی طرح جارحانہ نہیں تھا۔ وہ ہوتی تو آتے ہی میری اور جلال کی ملاقات کے بارے میں اپنی جرح کا آغاز کردیتی لیکن غزالہ کو اس بارے میں کوئی تجسس نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جو بات ضروری ہوگی' وہ میں خود ہی اسے بتادوں گا اور میں نے اس کے صبر کا امتحان لیے بغیر اسے اپنی اور جلال کی پوری گفتگو سے آگاہ کردیا۔

"اگر وہ لوگ کچھ کام کررہے ہیں اور آپ کو ہیومن سوسائٹی سے دور رکھنا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو الگ ہی رہنا چاہیے۔" غزالہ نے سادگی سے مشورہ دیا۔ "دو سمتوں سے کام کیا گیا تو کوئی گڑبڑ بھی ہوسکتی ہے۔"

"اس نے مجھے کسی بات سے نہیں روکا۔ یہ نتیجہ میں نے خود اخذ کیا ہے۔ وہ کہہ کر گیا ہے کہ اسلام آباد سے مجھے ان کا لٹریچر بھجوائے گا۔ میں نے دانستہ اس موضوع کو ادھورا چھوڑ دیا تھا کہ اسے مزید نصیحتیں کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ وہ

یہ کام کررہا تھا تو اس کا فرض تھا کہ مجھے کھل کر بتا دیتا۔ میں نے ہمیشہ اسے اعتماد میں لے کر کام کیا ہے۔"

"آپ میں اور اس میں فرق ہے۔" غزالہ مسکراتے ہوئے بولی "آپ فری لانسر ہیں اور وہ اپنی سرکاری ذمے داریوں کے سامنے بے بس ہے "

اپنے وعدے کے مطابق خالد ٹھیک آٹھ بجے پہنچا۔ میں نے اسے بھی اوپر بلا لیا۔ اس کی موجودگی میں غزالہ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے آتے ہی ہیومن سوسائٹی کے مختلف کتابچوں سے بھرا ہوا لفافہ میرے سامنے رکھ دیا "یہ ان کے دعوے ہیں۔"

"انہیں بعد میں دیکھوں گا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے کیا معلومات جمع کی ہیں۔" میں نے لفافے کا سرسری جائزہ لے کر اسے واپس کر دیا۔

"ان کے کاموں میں ٹرانسپورٹ کی بنیادی اہمیت ہے۔ مختلف قسم کی گاڑیوں کا بیڑا عطیات جمع کرنے کے لیے ہر وقت فعال رہتا ہے۔ چھوٹی بڑی دیہی اور شہری آبادیوں سے عطیات جمع کر کے ہیومن سوسائٹی کے مرکزی دفتر اور گودام میں پہنچائے جاتے ہیں۔ وہاں سے انہیں منزل کی طرف روانہ کر دیا جاتا ہے۔"

"دیہی علاقوں سے ملنے والے عطیات کی مالیت زیادہ نہیں ہو سکتی۔ پاکستان کی بیشتر دیہی آبادی غربت کی سطح سے بھی نیچے زندگی بسر کرتی ہے۔ ایسے لوگ خود مدد کے مستحق ہیں۔ وہ دوسروں کے لیے کیا دے سکیں گے۔ اہل ثروت زمین داروں کے لیے ہیومن سوسائٹی سے زیادہ اہم ان کے ہاری اور کسان ہیں۔ وہ ان کی دیکھ بھال پر خرچ کرتے ہوں گے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ خاص طور پر دیہات نہ جاتے ہوں۔ شہروں کے درمیان پڑنے والی آبادیوں کو کھنگال لیتے ہوں۔" غزالہ نے رائے دی۔

"اور یہ تمام تر امداد پاکستان کے شمال مغربی سرحدی علاقوں کے لیے روانہ کر دی جاتی ہے۔" میں نے خالد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا دعویٰ وہ خود کرتے ہیں اور حقائق بھی یہی ظاہر کرتے ہیں۔" خالد نے پورے خلوص سے کہا۔

"اس تنظیم میں اصل کردار کس کا ہے؟ تم نے اس بارے میں دو نام بتائے تھے۔"

"چوہدری عظمت اصل کرتا دھرتا ہے۔ ملک اقبال اس کا دست راست ہے۔ اپنے کاروبار کے بعد وہ سارا وقت سوسائٹی کو دیتے ہیں۔"

"چوہدری عظمت کا اصل کاروبار کیا ہے؟" میرے ذہن میں سوالات امڈنے لگے تھے۔

"آٹو پارٹس کی دو بڑی دکانیں ہیں۔ بیشتر مال باہر سے خود درآمد کرتا ہے۔ اقبال کا بھی یہی کام ہے مگر وہ عظمت سے مال لے کر بیچتا ہے۔"

"ہیومن سوسائٹی کی آمدنی کے دیگر ذرائع کیا ہیں؟"

عطیات کے سوا کوئی دوسری مد نہیں ہے۔ لوگ باہر سے بھی رقمیں بھیجتے ہیں مگر وہ چھوٹی ہوتی ہیں۔ باہر سے کبھی کوئی بڑی رقم نہیں آئی۔"

"یہ ماننے والی بات نہیں ہے۔ غیر ملکی ادارے ترقی پذیر ملکوں میں ہیومن سوسائٹی جیسے اداروں کی تلاش میں رہتے ہیں اور اپنے مفادات کے لیے ان میں بھاری سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ فورڈ فاؤنڈیشن اور فریڈم انٹرنیشنل کی مثال

کٹ کتارے

◆ "خدا بیگم! میں اس وقت اتنا بھوکا ہوں کہ تمہارا بنایا ہوا کیک بھی کھا سکتا ہوں۔"

◆ "ممی! میں ماجد سے شادی ضرور کر لیتی لیکن اس میں ایک ہی بڑا عیب ہے۔ وہ دیوالیہ ہو چکا ہے۔"

◆ "وہ واقعی رائٹرز کی فیملی ہے۔ ماں نظمیں لکھتی ہے۔ بیٹا نغمے لکھتا ہے۔ بیٹی ناول لکھتی ہے' باپ چیک لکھتا ہے۔"

◆ "نیا باورچی رکھتے وقت یہ مت پوچھیے کہ اس نے کہاں کہاں پکایا ہے۔ یہ پوچھیے کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو اس کا پکایا ہوا کھاتے رہے ہیں۔"

◆ مردوں کے لیے اگر ہیر اسٹائلز کی کوئی باتصویر کتاب چھپی تو اس میں کافی صفحے خالی بھی چھوڑنا پڑیں گے۔

ہمارے سامنے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسی رقمیں عظمت کو ملک سے باہر ادا کی جاتی ہوں۔"

"اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اب عظمت کے ذاتی وسائل بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ ہیومن سوسائٹی کا بجٹ بہت بڑا ہے۔"

"میں ان معاملات کو کسی اور زاویے سے دیکھ رہا ہوں۔ میرے لیے اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ عظمت کو سرحدی قبائل اور افغان مہاجروں سے کیا دلچسپی ہے۔"

"وہ عام دنیا دار انسان ہے۔ نجی محفلوں میں پینے پلانے سے بھی گریز نہیں کرتا لیکن لوگ اس کے کاموں کی وجہ سے اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔"

"اس معمے کا حل آزاد نجی قبائل میں مل سکتا ہے یا پھر چوہدری عظمت کچھ بتائے گا۔ اس کا گھر کہاں ہے؟"

میرے سوال پر خالد چونک پڑا "دفتر سمن آباد میں ہے، رہائش ماڈل ٹاؤن میں۔ کیا تم کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہو؟"

"نتیجے پر پہنچنے کے لیے چوہدری عظمت سے ایک ملاقات ناگزیر ہو چکی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس ملاقات میں تمہارے سوال کا جواب بھی سامنے آجائے۔"

"میرے سوال کا جواب!" خالد کی آواز تحیر زدہ تھی "میرا سوال تو ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل کے بارے میں تھا۔ اس کا ہیومن سوسائٹی سے کیا تعلق نکل آیا۔"

"ابھی میں خود اس بارے میں پر یقین نہیں ہوں۔ میرے ذہن میں صرف ایک امکان سر ابھار رہا ہے!"

میری زبان سے وہ انکشاف سن کر غزالہ بھی حیرت سے اچھل پڑی تھی۔

"اگر تم ڈرائیور کے طور پر ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو تو ہم اسی وقت چوہدری عظمت سے ملیں گے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے کہا۔

"وہ ان چکروں میں ملوث ہے تو کسی تیاری کے بغیر وہاں جانا خطرناک نہیں ہوگا۔" خالد نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"میں ایسے عاجلانہ اقدام کا مشورہ ہرگز نہیں دوں گی۔" غزالہ نے بے صبری سے اس کی ہم نوائی کی۔

"ہم وہاں لڑنے مرنے نہیں جا رہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے یقین دلایا "ہم اس سے ایک اخبار کے لیے انٹرویو لینے جا رہے ہیں۔ وہ شہرت کا بھوکا ہے تو فوراً آمادہ ہو جائے گا ورنہ ہم گھر آکر کچھ اور سوچیں گے۔"

"اخباری نامہ نگاروں کے باقاعدہ شناختی کارڈ اور وزیٹنگ کارڈ ہوتے ہیں۔ اس وقت وہ کہاں سے پیدا ہوں گے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"یہ خالد کا درد سر ہے۔ ان کا بندوبست نہ ہو سکا تب بھی ہم کوشش ضرور کریں گے۔ کہہ سکتے ہیں کہ عجلت میں سب کچھ بریف کیس میں رہ گیا۔"

"اگر تم اس ملاقات کا فیصلہ کر چکے ہو تو مجھے اس میں کوئی عذر نہیں لیکن فوری طور پر کارڈز وغیرہ کا بندوبست نہیں ہو سکتا۔" خالد نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

ہم تینوں کچھ دیر تک اس بارے میں تبادلہ خیال کرتے رہے۔ ان دونوں کے ذہنوں میں کئی الجھنیں اور متعدد سوالات تھے۔ ان کے اطمینان کے بعد ہم نے ہوٹل کا کمرا چھوڑ دیا۔

ہمارے پاس اپنی پیشہ ورانہ شناخت کے لیے سادہ کاغذوں کے پیڈ اور قلم پنسل کے سوا کچھ نہیں تھا۔

ہوٹل سے ماڈل ٹاؤن کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا۔ ٹریفک کی بے ہنگم بھیڑ کے باوجود خالد نے آدھے گھنٹے میں ہمیں چوہدری عظمت کے گھر کے سامنے پہنچا دیا۔

وہ ایک خوب صورت تین منزلہ مکان تھا لیکن اس کا زمینی رقبہ چوہدری عظمت کے رتبے کے شایان شان نہیں تھا۔ تقریباً چار سو گز پر بنے ہوئے اس مکان میں ایک سے زیادہ گاڑیاں کھڑی کرنے کی گنجائش تک نہیں تھی۔

مکان کے پھاٹک پر کوئی دربان تھا نہ چوکیدار۔ میں غزالہ کو ساتھ لے کر وہاں تک پہنچا۔ لمحہ بھر کے لیے جھجکا اور پھر ڈور بیل کا بٹن دبا دیا۔

کسی اندرونی حصے میں گھنٹی کا مترنم شور گونجتے ہی میں نے بٹن سے انگلی ہٹالی۔

ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا پڑا پھر پختہ فرش پر قدموں کی آہٹ سنائی دی جو پھاٹک تک آکر رک گئی۔ اندر آہنی کھٹکا کھلنے کی تیز آواز کے ساتھ ہی ذیلی کھڑکی کھل گئی۔ کھڑکی کھلنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے روشن خلا میں موجود نسوانی پیکر کو دیکھتے ہی میری کھوپڑی چکرا گئی۔

وہ جہانگیر کی بیوی سلمیٰ تھی اور ہمیں یوں اچانک اپنے دروازے پر دیکھ کر حیرت اور بے یقینی کی عجیب سی کیفیت سے دوچار ہو گئی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستان عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیبی کو تلاش کرکے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہوچکا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دمن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اس کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظورِ نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک وشبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائفل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رائفل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائفل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ویرانے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رائفل نے اپنی گلوخلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہوکر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہوچکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگادیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار ننگر پارکر کے علاقے میں مسلح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارتی علاقے موناباؤ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی بی کے جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ اس دوران میں کرشن کمار کے آدمیوں نے حیدر آباد میں موجود ہماری کار کا تعاقب کیا اور ہمارے گھر تک رسائی حاصل کرلی۔ ایک رات انہوں نے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیا مگر اپنی بدقسمتی سے حیدر آباد کے رجسٹریشن والی کار سمیت ایک مردہ اور دو زندہ شکاروں کی صورت میں ہمارے ہاتھ آگئے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کرشن کمار انڈیا نہیں گیا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ دیکھ چکا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کردیا۔ میں جانتا تھا کہ کرشن ہمارے ٹھکانے سے واقف ہونے کے بعد ہم سے ضرور ٹکرائے گا۔ اسی امید کے تحت میں اور سلطان شاہ گھر سے باہر سڑکوں پر گشت کر رہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور دیرا کو یرغمال بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ اسے اغوا کرکے بیس لاکھ ڈالر انعام حاصل کرنے کا خواہش مند تھا مگر دیرا کی حاضر دماغی کے باعث اسے اپنی کوشش میں ناکامی ہوئی اور اسے راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ ہمارے گھر پر شب خون کی کارروائی کے دوران میں استعمال ہونے والی کار کا رجسٹریشن شراب فروخت کرنے والی ایک کمپنی موہن اینڈ موہن کے نام پر تھا۔ ہم نے کراچی میں رہائش پذیر جگدیش سے ملاقات کی۔ وہ خود معصوم تھا مگر اس کا بھائی روی دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ روی کی بدقسمتی کہ اس کی حسین اور خوبصورت بیوی ماروتی اپنے جیٹھ کی زبان سے لگائے ہوئے زخموں کے مداوے کے لیے مجھ سے ملی اور روی کی سلامتی اور اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار تک پہنچانے کا سبب بن گئی۔ جس کے بعد ہری چند بھی ہمارے ہاتھ لگ گیا اس سے پوچھ گچھ کے دوران میں انڈین سیکرٹ ایجنسی را کے ایل بسواس کا نام سامنے آیا۔ وہ دہلی میں را کے پاکستان ونگ کا سربراہ تھا۔ میجر بخشی تک ہماری سن گن پہنچ چکی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ کردیا گیا۔ ہمارے ہاتھ لگنے سے قبل میجر بخشی نے انڈین سفارت کار جوگیندر پال کو روی اور ہمارے گٹھ جوڑ سے آگاہ کردیا تھا۔ اس نے بڑی تیزی دکھائی اور روی کو مارنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے آدمیوں کا مجھ سے بھی ٹکراؤ ہوا مگر وہ میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے اور واصل جہنم ہوگئے۔ جوگیندر پال عرف ماسٹر کا موبائل فون نمبر میرے پاس تھا جس کے ذریعے ہمیں اس تک پہنچنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی اور اسے سیدھے سادے طریقے سے ایک ریموٹ کنٹرولڈ بم دھماکے میں ہلاک کردیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں انڈیا کے سفر کے سلسلے میں لاہور پہنچ گیا۔ وہاں ایس ٹی ایف کے مقامی یونٹ کو ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل کے حوالے سے بہت پریشان پایا۔ لاہور میں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان میں ہیومن سوسائٹی مجھے غیر معمولی طور پر مشکوک محسوس ہوئی۔ میں ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر خالد اور غزالہ کے ہمراہ ہیومن سوسائٹی کے کرتا دھرتا چوہدری عظمت کے گھر جا پہنچا جہاں کراچی سے لاہور آنے والی جہانگیر کی بیوی سلمٰی کو اپنے روبرو دیکھ کر میری عقل چکرا کر رہ گئی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"تم دونوں ..... یہاں ..... لاہور میں ...؟" سلمٰی کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی جس سے بے اعتباری مترشح تھی۔ اندر سے آنے والی روشنی براہ راست میری آنکھوں پر پڑ رہی تھی اس لیے میں اس کے چہرے کے تاثرات واضح طور پر نہیں دیکھ سکا۔

ہماری وہ ملاقات سلمٰی کے لیے جس قدر حیران کن تھی' ہمارے لیے بھی اتنی ہی غیر متوقع تھی۔ میں ذہنی طور پر چوہدری عظمت سے ملاقات کی تیاری کرکے اس دروازے پر

پہنچا تھا مگر کسی اجنبی چہرے کے بجائے سلمیٰ کو وہاں دیکھ کر بھونچکا رہ گیا تھا۔ فوری طور پر ہم دونوں میں سے کوئی بھی سلمیٰ کے سوال کا جواب نہیں دے سکا۔ حیرت اور بے یقینی نے ہمیں عارضی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

شاید کراچی ائرپورٹ پر قدرت نے جہانگیر کو ہماری طرف دھکیلا تھا۔ ہمیں اس کی زبانی پتا چل چکا تھا کہ سلمیٰ ہمارے ساتھ ایک ہی طیارے سے لاہور جا رہی تھی۔ ہم نے اسے روانگی کے لاؤنج میں بورڈنگ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے بھی دیکھا اور اس سے بچ کر فرسٹ کلاس لاؤنج میں چلے گئے۔ دورانِ پرواز ہم نے دانستہ اکنامی کلاس کا رخ نہیں کیا۔ یوں ہم سلمیٰ سے سامنا کیے بغیر اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔

ہوٹل پہنچنے کے بعد جب خالد نے غزالہ کو اپنی بیوی کے ساتھ لاہور کے بازاروں کی سیر کے لیے بھیجنے کا ارادہ کیا تو غزالہ نے بہت شدت سے سلمیٰ کو یاد کیا۔ وہ اس سے ملاقات کا عذر پیش کر کے، لاہور کے بازاروں کی خاک چھاننے سے گلوخلاصی حاصل کرنا چاہتی تھی مگر مجبوری یہ تھی کہ ہم سلمیٰ کے پتے سے لاعلم تھے۔ لاہور جیسے بڑے شہر میں باہر سے آئے ہوئے کسی مہمان کا سراغ نکالنا ممکن نہیں تھا۔

شاید وہ ہمارے لیے قدرت کے اشارے تھے جنہیں ہم نے نظرانداز کر دیا۔ جہانگیر سے ملاقات ہوتے ہی ہمیں سمجھ لینا چاہیے تھا کہ ہمارے سفر میں سلمیٰ کا کوئی نہ کوئی کردار ضرور تھا مگر ہم وہ لمحات گنوا چکے تھے۔

ہم چوہدری عظمت سے ملنے آئے تھے۔ مکان کی ڈوربیل بجانے سے پہلے میں نے پورا یقین کر لیا تھا کہ وہ اسی کا گھر تھا۔ اس کے بارے میں میرے ذہن میں بہت سے شبہات رینگ رہے تھے جن کا ازالہ اس سے ملاقات کے بعد ہی ہو سکتا تھا مگر سلمیٰ نے اس مرحلے پر اچانک ہمارے سامنے آ کر سب کچھ درہم برہم کر دیا تھا۔ میرا ذہن ماؤف تھا مگر اس عجیب وغریب اتفاق پر میری چھٹی حس نے خطرے کا نعرہ لگا دیا تھا۔ مجھے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ سلمیٰ کی اس گھر میں موجودگی کا عقدہ حل ہونے سے پہلے چوہدری عظمت کا نام لینا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

"تم ہمارا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی ہو!" میرے کچھ کہنے سے پہلے غزالہ نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا "ہمیں عزت سے گھر میں بٹھاؤ گی یا یہیں کھڑے کھڑے ہر بات کا جواب لینا چاہو گی۔"

سلمیٰ سٹپٹا کر ایک طرف ہٹ گئی "آؤ... اندر آجاؤ۔ تم لوگ کراچی میں رہتے ہوئے بہت کم میرے گھر آتے ہو۔ تم کو یہاں دیکھ کر مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں آئی ہوں؟"

"چوہدری عظمت کے گھر کی حدود میں قدم رکھتے ہوئے میں ابتدائی ذہنی جھٹکے سے بڑی حد تک سنبھل چکا تھا۔ میں نے کہا "دل کو دل سے راہ ہوتی ہے تو سب کچھ ہو جاتا ہے۔ کراچی ائرپورٹ پر جہانگیر سے ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے..."

سلمیٰ نے سر جھٹک کر ایک ادا سے میری طرف دیکھا اور میری بات کاٹتے ہوئے بولی "تمہیں پہلے سے معلوم تھا، پھر بھی تم جہاز پر مجھ سے نہیں ملے، میں کراچی سے یہاں تک اکیلی بور ہوتی ہوئی آئی ہوں۔"

"مل جل کر باجماعت بور ہونے سے بہتر ہے کہ آدمی اکیلا بور ہو لے" میرے ذہن پر اچانک جم جانے والی برف دھیرے دھیرے پگھلنے لگی تھی۔ میں نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے خوش دلی سے کہا "ہم بزنس کلاس میں تھے اور سچ پوچھو تو دورانِ پرواز جان بوجھ کر تم سے چھپے رہے۔ ہم لاہور میں اچانک سامنے آ کر تمہیں حیران کر دینے کا پروگرام بنا چکے تھے اور شاید اپنے اس منصوبے میں کامیاب رہے ہیں۔"

سلمیٰ کا چہرہ کھل اٹھا "بعض اوقات تم ایسی حرکتیں کر گزرتے ہو کہ اپنی اصل عمر سے بہت پیچھے نظر آنے لگتے ہو۔ جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ تم دونوں کہاں ٹھہرے ہوئے ہو۔ ابھی چل کر اپنا سامان یہیں اٹھا لاؤ۔"

"پہلے اندر لے چلو۔ باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی" میں نے مکان کی بیرونی آرائش کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے بات ٹال دی۔

وہ گھر زیادہ بڑا نہیں تھا مگر اس کے درودیوار سے مکینوں کی امارت اور خوش حالی جھلک رہی تھی۔

مختصر سا راستہ طے کر کے ہم برآمدے سے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ چوہدری عظمت کے گھر کی طرح اس کا ڈرائنگ روم بھی زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن اس کی آرائش میں دل کھول کر پیسا صرف کیا گیا تھا۔ قالین، صوفے، پردے، چھوٹی میزیں، سب منہ سے بول رہی تھیں۔ نفیس ونازک سجاوٹی اشیا چاندی، بلور اور کرسٹل سے بنی ہوئی تھیں۔ سلمیٰ نے کمرے میں پھیلی ہوئی دھیمی روشنی کا ازالہ کرنے کے لیے فانوس روشن کیا تو چھت سے لٹکے ہوئے سیکڑوں کرسٹل جگمگا اٹھے۔ ان کے نیلگوں انعکاس کی وجہ سے روشنی غیر معمولی حد تک تیز تھی۔

ہم دونوں میں سے کوئی دہقانی نہیں تھا جو منہ پھاڑ کر

ثروت و امارت کے اس مظاہرے کو دیکھنے میں محو ہو کر سب کچھ بھول جاتا۔ میں نے دل ہی دل میں اعتراف کیا کہ قدرت نے چوہدری عظمت کو دولت سے نوازا تھا تو اسے دولت برتنے کا سلیقہ اور قرینہ بھی دیا تھا۔ وہ جو بھی رہا ہو، عمدہ ذوق ضرور رکھتا تھا۔

"مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا کہ تم دونوں لاہور میں میرے ساتھ موجود ہو۔ سچ بتانا کہ تمہیں یہاں کا صحیح پتا کس نے دیا۔ جہانگیر یہاں آ تو سکتے ہیں مگر کسی کو پتا دینا یا لکھوانا ان کے لیے ناممکن ہے" وہ غزالہ کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے ہنس پڑی۔

"جہانگیر ڈفر آدمی ہے۔۔۔۔ میں نے کہنا چاہا لیکن غزالہ نے اسی لمحے میری بات کاٹ دی۔

"آپ متضاد باتیں کہہ رہے ہیں" وہ بولی "کوئی شخص ڈفر ہو سکتا ہے یا آدمی۔ یہ دونوں متضاد صفات کسی کی ذات میں بہ یک وقت جمع نہیں ہو سکتیں۔ آپ سوچ سمجھ کر بتائیں کہ جہانگیر کے بارے میں کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔"

"ارے! تم دونوں کیوں میرے میاں کے پیچھے پڑے ہوئے ہو، انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" سلمیٰ نے احتجاج کیا۔

وہ ہمارے پہنچنے کی وجہ سے جوش اور ہیجان میں مبتلا ہو چکی تھی اور خود ہی موضوع سے بھٹک رہی تھی مگر میں جانتا تھا کہ اسے اپنی آمد کے بارے میں کوئی مربوط کہانی سنائے بغیر ہم آگے گفتگو نہیں کر سکیں گے۔ اس وقت مجھے سلمیٰ سے دلچسپی نہیں تھی۔ ہم چوہدری عظمت کی تلاش میں وہاں پہنچے تھے اور میرے دل میں بہت شدت سے یہ تجسس پیدا ہو چکا تھا کہ سلمیٰ اور چوہدری عظمت کے درمیان حقیقی رشتہ دریافت کر سکوں۔

مجھے ابتدا سے ہی معلوم تھا کہ جہانگیر کی سسرال لاہور میں ہے۔ اس نے کراچی ائرپورٹ پر مجھے بتایا کہ سلمیٰ اپنے میکے جا رہی تھی۔ میں کئی مواقع پر جہانگیر کی زبان سے اس کے سالے کے بارے میں غصیلے اور تضحیک آمیز کلمات سن چکا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ میں نے جہانگیر کی شادی میں شرکت کی تھی نہ کبھی اس کے کسی سسرالی رشتے دار سے ملا تھا۔ اپنی اس بے خبری اور چند مبہم شواہد کی وجہ سے مجھے شبہ سا ہو رہا تھا کہ چوہدری عظمت، سلمیٰ کا بھائی تھا مگر اس کی تصدیق ضروری تھی۔

"جہانگیر ڈفر نہ ہوتا تو آج تم سے لڑنے بھڑنے کے بجائے تمہاری پرستش کر رہا ہوتا۔ اس جیسے عیب دار آدمی کے ساتھ گزارہ کرنا بہت حوصلے اور دل گردے کا کام ہے" میں نے موقع پاتے ہی اس کی دکھتی رگ چھیڑ دی اور وہ [illegible] سے متفق ہونے پر مجبور ہو گئی۔

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو کہ میری قربانیوں کے باوجود انہوں نے آج تک میری قدر نہیں کی۔"

مجھے ڈر ہوا کہ سنجیدہ ہوتے ہوئے اس کی ذہنی رو [illegible] گھریلو قضیوں کی طرف نہ بھٹک جائے۔ میں نے اس کا فق[illegible] مکمل ہوتے ہی بات اچک لی "میں دراصل یہ بتا رہا تھا کہ ا[illegible] ڈفر نے ادھوری بات کی تھی۔ یہ بتا دیا تھا کہ تم لاہور جا ر[illegible] ہو، تمہارا پتا نہیں بتایا۔"

"اس میں ڈفر ہونے کی کیا بات ہے؟" وہ اٹھلا ک[illegible] مسکرائی "انہوں نے سوچا ہوگا کہ تم لاؤنج میں یا جہاز پر [illegible] سے ملو گے تو میں خود تمہیں اپنا پتا دے دوں گی۔ انہوں نے [illegible] کو پتا دیا نہ تم کراچی سے یہاں تک مجھ سے ملے سوال یہ [illegible] کہ پھر تم سیدھے یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"ہمارے اپنے بھی کچھ ذرائع ہیں" غزالہ نے پور[illegible] اعتماد سے جواب دیا "انہوں نے کوشش کی اور تمہارا [illegible] چلا لیا۔"

سلمیٰ نے بے اعتباری سے میری طرف دیکھا اور چ[illegible] ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد پوچھا "تم نے کیا معلوم [illegible] تھا؟"

"عجیب احمقانہ سوال کر رہی ہو" میں نے اضطرار[illegible] طور پر اپنی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے [illegible] "تمہارا لاہور کا پتا معلوم کرنا تھا اور وہ مل گیا۔ اس وقت [illegible] تمہارے سامنے موجود ہیں۔ تم نے ہماری تواضع کرنے [illegible] بجائے جرح کرنی شروع کر دی ہے۔"

"تواضع کے لیے مجھے تم سے اجازت لے کر خود اندر [illegible] ہوگا" اس نے جلدی سے وضاحت کی "یہاں کوئی ملازم نہیں [illegible] ہے۔ ویسے تو یہ بھی میرا اپنا گھر ہے مگر میں تمہیں یہ بت[illegible] ضروری سمجھتی ہوں کہ اصولی طور پر میں خود یہاں مہما[illegible] ہوں۔ یہ میرے ماموں کا گھر ہے۔ میں ان سے ملنے کے [illegible] آج صبح یہاں آئی تھی۔ رات گزار کر کل دوبارہ اپنے بھا[illegible] کے گھر لوٹ جاؤں گی۔ تمہیں میرے بھائی کے گھر پہنچ[illegible] چاہیے تھا۔ تم دونوں یہاں کیسے آ گئے؟"

اس کا جواب تیکھا اور بوکھلا دینے والا تھا مگر میں [illegible] ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے جواب در جواب دیا "[illegible] تمہارے ماموں کا گھر ہے۔ اگر تم شہر میں کسی اور کے گھ[illegible] موجود ہوتیں تو ہمیں وہیں کا پتا دیا جاتا۔ ہمیں تمہارے بھا[illegible]

کے گھر کا سروے نہیں کرنا تھا۔ تم سے ملنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے انفارمر نے ہمیں اس گھر کا پتا دے دیا اور ہم براہِ راست یہاں آ گئے۔ اگر تمہیں یا تمہارے ماموں کو کوئی اعتراض ہے تو ہم ابھی لوٹ جاتے ہیں۔"

"ہم میں سے کوئی بھی اتنا مردم بیزار نہیں ہے" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی "میں تم کو یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے خوشی کے ساتھ بہت زیادہ حیرت بھی ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کہ تم برا مانو' میں تمہارے لیے کچھ لے کر آتی ہوں۔"

"تم بیٹھی رہو!" غزالہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا "ہم کھانے پینے کے لیے نہیں تم سے ملنے کے لیے آئے ہیں' یہ یوں ہی مذاق کر رہے ہیں۔"

غزالہ اسے روکتی رہ گئی مگر سلمٰی نے اس کی ایک نہیں سنی۔ میرے تمسخرانہ طنز سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ باتوں میں الجھ کر وہ میزبانی کے روایتی آداب کو فراموش کر بیٹھی تھی۔ وہ اندر کھلنے والے دروازے پر لٹکی ہوئی گھنٹی دار جھالروں کا ترنم بکھیرتی' غائب ہو گئی۔

"برے پھنسے!" میدان صاف ہونے پر غزالہ نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "چوہدری عظمت تو سلمٰی کا ماموں نکلا۔ کیا آپ کو یہ جان کر اچنبھا نہیں ہوا کہ اس گھر میں سرے سے کوئی ملازم موجود نہیں ہے؟ آج کل تو سفید پوش لوگ بھی فیشن بگھارنے کے لیے اپنا پیٹ کاٹ کر کوئی جز وقتی ماسی یا ملازم رکھنے لگے ہیں۔ یہاں سرے سے میدان ہی صاف ہے۔ پتا نہیں چوہدری عظمت کیا گل کھلا رہا ہے؟"

"سلمٰی کے دروازے پر آنے سے میں بری طرح بھڑکا تھا مگر اب مجھے پتا چل چکا ہے کہ اس گھر میں کسی ملازم کا وجود نہیں ہے۔ بات سنبھل گئی ہے۔ سلمٰی سے دھیرے دھیرے سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ شاید اس کی یہاں موجودگی ہمارے لیے سودمند ثابت ہو گی۔"

"چوہدری عظمت کوئی درویش صفت انسان ہے ورنہ پکا فراڈ ہے" غزالہ بولی۔

"درویش ایسے پرتعیش ڈرائنگ روم نہیں بناتے' نفس پرور انسان تزکیہ نفس کے معنے تک نہیں جانتے۔"

میرے لاہور پہنچنے کے بعد صرف ایک ہی مسئلہ سامنے آیا تھا۔ ایس ٹی ایف کا مقامی کمانڈر ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ کے بارے میں شدید تشویش کا شکار تھا۔ خالد نے شہر کے جو حالات بیان کیے تھے' ان کی روشنی میں اس کی تشویش اور پریشانی بالکل بجا تھی۔ مجھے اس بارے میں زیادہ دماغ سوزی کا موقع ہی نہیں ملا تھا کہ غزالہ کی زبانی ہیومن سوسائٹی کا نام میرے سامنے آ گیا۔ وہ لاہور کی ایک مقبول اور معتبر این جی او تھی۔ اپنے سابقہ تجربات کی بنا پر میں این جی اوز کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھا۔ پاکستان کی جڑوں میں پھیلا ہوا معاشرتی ناسور میرے سامنے تھا۔ ہمارے ملک میں جائز اور ناجائز بلکہ حلال اور حرام کی تمیز کیے بغیر' ایک کثیر تعداد ہر قیمت پر دولت سمیٹنے کے جنون میں مبتلا تھی۔ اس جنون کی تکمیل کے لیے آئے دن نت نئے شارٹ کٹ استعمال کیے جا رہے تھے۔ ایسے میں یہ بات ناقابلِ یقین لگتی تھی کہ کوئی اپنی گرہ کا سرمایہ لگا کر مفت میں دوسروں کی فلاح و بہبود کے کام میں جتا ہوا ہو۔

خالد نے ہیومن سوسائٹی کے روحِ رواں کے دعووں پر مبنی لٹریچر فراہم کیا جس میں کوئی بات قابلِ گرفت نہیں تھی۔ محض اس بنا پر چوہدری عظمت کو ہدفِ تنقید نہیں بنایا جا سکتا تھا کہ وہ اپنے شہر اور صوبے کو چھوڑ کر مخصوص سرحدی علاقوں کے رہنے والوں کے لیے فلاحی اور رفاہی منصوبے چلا رہا تھا۔

وہ تصویر کا ایک رخ تھا مگر اس بارے میں آئی بی کے جلال نے جو مبہم رویّہ اختیار کیا' وہ میرے لیے معنی خیز تھا۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ ہیومن سوسائٹی کا ریکارڈ بے داغ نہیں تھا۔ کسی نہ کسی وجہ سے وہ تنظیم آئی بی والوں کی نظروں میں آئی ہوئی تھی۔ ان پر کام بھی ہو رہا تھا مگر جلال مجھے اپنی معلومات میں شریک کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ میں لاہور میں ان چکروں میں الجھ گیا تو میرا بھارت کا مشن التوا میں پڑ جائے گا۔

وہ نکات میرے تجسس کو ہوا دینے کے لیے کافی تھے۔ میں خود بھی لاہور میں زیادہ طویل قیام کا خواہاں نہیں تھا۔

ہیومن سوسائٹی کے بارے میں دو، دور سے دیکھ بھال کرنے کے بجائے میں نے براہِ راست چوہدری عظمت سے ملاقات کرنے اور اس کے بارے میں جلد از جلد کسی نتیجے پر پہنچنے کا ارادہ کرلیا۔ اس کا نتیجہ ہمارے سامنے تھا۔

یہ بات طے تھی کہ چوہدری عظمت بہت مال دار آدمی تھا۔ اس کے گھر میں کسی ملازم کا نہ ہونا حیرت ناک تھا۔ اپنے گھر کے کاموں کے لیے باہر کے کسی آدمی پر اعتماد نہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اس گھر میں کوئی نہ کوئی ایسی پراسرار سرگرمی جاری تھی جسے دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا ضروری تھا۔ میں نے بہت دماغ دوڑایا مگر فوری طور پر ایسی کوئی بات نہیں سوجھ سکی جسے پوشیدہ رکھنے کے لیے چوہدری عظمت کو اتنے پاپڑ بیلنے پڑتے۔ یہ سمجھنا حماقت کے مترادف ہوتا کہ چوہدری عظمت جیسی اسامی نے چند ہزار روپوں کا ماہانہ خرچ بچانے کے لیے اس حد تک ملازموں سے گریز کیا ہوا ہو کہ اس کے گھر پر گھنٹی بجانے والوں کے لیے اہلِ خانہ کو دروازے پر جانا پڑے۔

”آپ جس کسی کے بارے میں بہت زیادہ سوچنا شروع کردیتے ہیں، وہ کہیں نہ کہیں گرفت میں آہی جاتا ہے“ غزالہ کہہ رہی تھی۔

”مجھے الزام نہ دو“ میں نے پُرتشویش سنجیدگی سے کہا ”میں بلاوجہ کسی کا پیچھا نہیں کرتا۔ ہیومن سوسائٹی ایک این جی او ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہر این جی او غلط کاموں میں ملوث ہے مگر میں آنکھیں بند کرکے ہر این جی او پر اعتبار بھی نہیں کرسکتا۔ اسی اصول کی روشنی میں مجھے ہیومن سوسائٹی کے بارے میں سوچنا پڑا۔“

”بس اب چکر چل پڑا ہے چوہدری عظمت کے ستارے جلد ہی گردش میں آجائیں گے۔“

وہ گفتگو آگے جاری نہ رہ سکی۔ اندر سے قالین پر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور پھر سلمٰی چوبی جھالروں کے سروں پر لٹکی ہوئی، چھوٹی چھوٹی گھنٹیوں کو جگاتی ہوئی ہمارے سامنے آگئی۔ اس کے ہاتھوں میں چائے کی مختصر سی ٹرے تھی۔

”میں نے کوئی تکلف نہیں کیا کیونکہ تھوڑی دیر بعد کھانے کا وقت ہوجائے گا“ اس نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”اس وقت یہ بسکٹ اور ابلے ہوئے چنے ہی کافی رہیں گے۔ کھانا بعد میں کسی دن کھالیا جائے گا“ میں نے ٹرے کا جائزہ لیتے ہوئے جواب دیا ”فی الحال تم یہاں بیٹھ جاؤ اور ہمیں اپنے ماموں وغیرہ کے بارے میں بتاؤ تاکہ ان سے ملاقات ہونے پر ہم بالکل کورے ثابت نہ ہوں۔“

میں نے تکلفات میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنی پیالی میں کچھ چھولے لے لیے۔ میرا اشارہ پاکر غزالہ نے بھی میری تقلید کی۔ سلمٰی نے اپنی بات دہراتے ہوئے تاکید کی کہ ہم کھانا کھائے بغیر وہاں سے نہیں جائیں گے۔ میں نے اس بحث کو طول نہیں دیا۔ یہ کہہ کر اس موضوع کو ٹال دیا کہ تھوڑی دیر بعد اشتہا بیدار ہوئی تو بلا تکلف اس سے کھانا لگانے کی فرمائش کردی جائے گی۔ باہمی مراسم کی گہرائی کی بنا پر اس نے میرے اس مصلحت آمیز وعدے پر بھروسا کرلیا اور چائے پینے میں مصروف ہوگئی۔

”تمہارے بھائی کا گھر بھی یہیں کہیں، آس پاس ہے؟“ غزالہ نے کچھ دیر کے توقف کے بعد بات چھیڑی۔

”یہاں سے کچھ دور ہے مگر اتنا بھی نہیں کہ سوچنا پڑے۔ ڈیڑھ دو کلومیٹر سمجھ لو“ سلمٰی نے بتایا۔

”پھر تو تمہاری اپنے ماموں سے روز ملاقات ہوتی رہتی ہوگی؟“ میں نے پوچھا۔

”خواہش کے باوجود ایسا نہیں ہو پاتا“ وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی ”میرے ماموں بہت مصروف آدمی ہیں۔“

”کیا وہ اس وقت گھر پر موجود ہیں؟“ میں نے محتاط لہجے میں وہ پہلا نازک سوال کرڈالا۔

”گئے ہوئے ہیں۔ بہت زندہ دل مگر دردمند آدمی ہیں۔ کاروبار سے فارغ ہوتے ہیں تو فلاحی کاموں میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اس وقت بھی ہیومن سوسائٹی کے دفتر میں بیٹھے ہوں گے۔ ان کو دوسروں کی خدمت کرنے کا ایسا چسکا لگا ہے کہ ہم کو ان سے شکایت ہونے لگتی ہے۔“

”ایسا ہونا چاہیے“ غزالہ نے کہا ”وہ چوہدری ہیں۔ ہر چوہدری اپنے گاؤں یا برادری کا سردار یا مکھیا ہوتا ہے۔ اسے لوگوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔“

”پہلے ایسا ہوتا ہوگا، اب تو یہ ایک برادری کا نام رہ گیا ہے۔ جس میں سب چوہدری کہلاتے ہیں مگر کوئی کسی کا چوہدری نہیں ہوتا۔ پورے خاندان میں ایک ماموں عظمت ہی ایسے ہیں جن کے دل میں سارے جہاں کا درد بھرا ہوا ہے۔ آئے دن یہاں سے پشاور اور پھر خیبر تک دوڑ لگاتے رہتے ہیں۔“

بات ڈھب پر آرہی تھی۔ میں نے پوچھا ”کیا ان کا کاروبار خیبر تک پھیلا ہوا ہے؟“

”کاروبار لاہور میں ہے۔ وہاں وہ غریبوں کی فلاح و بہبود کے کچھ منصوبے چلارہے ہیں“ سلمٰی نے بتایا۔

"کیوں؟ کیا لاہور اور پنجاب کے سارے غریب خوش حال ہو چکے ہیں؟" میں نے ازراہِ تمسخر کہہ ڈالا۔
"یہ ان ہی کو معلوم ہوگا۔ لاہور میں بھی ان کی ہیومن سوسائٹی کا بہت نام ہے مگر وہ زیادہ کام صوبہ سرحد میں کرتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہاں خانہ جنگی سے برباد ہو کر آنے والے افغان مہاجروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ وہ سخت موسم میں کھلے آسمان کے نیچے پڑے رہتے ہیں۔"
میں نے اندازہ لگایا کہ چوہدری عظمت کی سرگرمیوں کے بارے میں سلمیٰ کی معلومات سطحی تھیں۔ اس سے صرف یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ چوہدری عظمت کے بارے میں اس کے گھر اور خاندان والے کیا سوچتے تھے اور اس کے معمولات کیا تھے۔
"یہ ہیومن سوسائٹی کیا کرتی ہے؟" میں نے بالکل انجان بن کر سوال کیا۔
"بتا تو رہی ہوں کہ یہ کوئی فلاحی اور رفاہی تنظیم ہے۔ حیرت ہے کہ تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے!"
"حیرت ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم بھول رہی ہو کہ ہم کراچی سے آئے ہوئے پردیسی ہیں۔ لاہور کے بارے میں تم ہی ہمیں کچھ بتا سکتی ہو۔ ویسے یہ ہیومن سوسائٹی مال بنانے والی کوئی این جی او تو نہیں ہے؟"
"مجھے نہیں معلوم کہ این جی او کیا ہوتی ہے، میرے ماموں مال نہیں بناتے، اپنی جیب سے خرچ کرتے ہیں۔"
"این جی او، نان گورنمنٹ آرگنائزیشن یا کسی بھی غیر سرکاری تنظیم کو کہتے ہیں جو تھوڑے سے مقامی چندے اور بھاری غیر ملکی امداد سے چلائی جاتی ہے۔ یہ انسانوں کی فلاح و بہبود، تعلیم، صحت، صفائی اور تربیت سے لے کر پرندوں کے بچوں کی دیکھ بھال تک کے لیے بنائی جا سکتی ہے۔"
"تم میرے ماموں کا مذاق اڑا رہے ہو؟" سلمیٰ نے چونک کر سوال کیا "وہ بہت خوش حال اور ایمان دار آدمی ہیں۔ انہیں ایسی لوٹ مار کی کیا ضرورت ہے!"
"میں نے ان کے لیے کچھ نہیں کہا۔ تم کو بتا رہا تھا کہ این جی او کیا ہوتی ہے؟"
"اس سے پہلے تم نے یہ بھی کہا تھا کہ عظمت ماموں کی ہیومن سوسائٹی، این جی او ہو سکتی ہے۔"
"یہ میں مانتا ہوں" میں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا "یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی کہ پہلے میں نے کیا کہا تھا۔ دراصل پاکستان میں این جی اوز کو ایک تحریک کے طور پر پھیلایا جا رہا ہے۔ یہ سلسلہ اس قدر پُرکشش اور ترغیب آمیز ہے کہ سوجھ بوجھ رکھنے والے، پڑھے لکھے اور چالاک لوگ تیزی سے اس جال میں پھنس رہے ہیں۔ کچھ ادارے واقعی کام کر رہے ہیں مگر بیشتر کا سارا زور پیسا کمانے پر ہے۔"
"میں ماموں سے ضرور پوچھوں گی مگر مجھے یقین ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ لوگ ان کی عزت کرتے ہیں۔"
"کیا تمہیں یہ بات عجیب نہیں لگتی کہ تمہارے عظمت ماموں نے اپنے گھر میں کوئی ملازم نہیں رکھا" میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔
"پہلے اس گھر میں بھی نوکر چاکر ہوتے تھے۔ بعد میں ماموں نے ان کی چھٹی کر دی۔ ان کا نظریہ ہے کہ انسان کو اپنے کام خود کرنے چاہئیں۔ یہ زیادتی ہے کہ پیسے کے بل پر دوسرے انسانوں کو اپنا غلام بنا کر رکھا جائے۔ جو کام ملازم کرتے ہیں، وہ خود بھی کیے جا سکتے ہیں۔"
"اچھوتا خیال ہے۔ اس سے غریبوں کو بے یار و مددگار اور بے روزگار کیا جا سکتا ہے۔ یہ نظریہ قدرت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ خدا چاہتا تو ہر شخص کو یکساں امیر یا غریب بنا سکتا تھا۔ انسانوں میں آمدنی اور وسائل کی کوئی تفریق نہ ہوتی۔ کیا تم اس فرق کے بغیر زندگی اور جدوجہد کا تصور کر سکتی ہو؟"
"یہ باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔ ماموں ہی تمہیں ان کا جواب دے سکتے ہیں۔ میں کوشش کروں گی کہ ان سے تمہاری ملاقات ہو سکے۔"
وہ سلمیٰ کی سادگی اور بے خبری تھی کہ وہ میری اور چوہدری عظمت کی ملاقات کا بندوبست کرانے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ مجھ میں اتنے انتظار کا یارا نہیں تھا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا، چوہدری عظمت کی ذات پُرپیچ اور مشتبہ تر ہوتی جا رہی تھی۔ میری خواہش تھی کہ اس سے جلد از جلد میرا سامنا ہو سکے تاکہ کچھ حقائق سامنے آ سکیں۔
سلمیٰ کی اس کے گھر میں موجودگی اور پھر ان دونوں کی قریبی رشتے داری نے میرے لیے ایک بڑی مشکل پیدا کر دی تھی جس کا کوئی آسان حل نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں لاہور کے ہوٹل میں مظہر خان کے نام سے ٹھہرا ہوا تھا۔ میں چوہدری عظمت سے کسی اور فرضی نام سے ملاقات کرنے کا ارادہ لے کر آیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ اپنے گھر پر موجود نہیں تھا ورنہ سلمیٰ ہم دونوں کا تعارف کراتی تو وہ اس کی زبان سے میرا اصل نام سن کر چونک سکتا تھا۔
اس وقت تک ایسا کوئی ٹھوس ثبوت سامنے نہیں آیا تھا کہ چوہدری عظمت کو مجرم یا کم از کم ملزم ہی قرار دیا جا سکے

لیکن میں فضا میں خطرے کی بو سونگھ رہا تھا۔ اگر وہ غیر قانونی کاموں میں ملوث تھا تو اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ میرے نام اور کردار سے واقف رہا ہو۔ جوں ہی اسے یہ معلوم ہوتا کہ میرا نام ڈینی ہے' وہ چوکنا ہو جاتا۔ اس سے ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے یہ خطرہ ٹل چکا تھا کہ وہ میرے نام کے ساتھ میری شکل و صورت سے بھی واقف ہو جائے لیکن دوسرا خطرہ بدستور موجود تھا۔

سلمیٰ اس کے گھر مہمان تھی۔ ہم نے اس سے اچانک سامنا ہونے پر یہ عذر پیش کیا تھا کہ ہم اسی کو ڈھونڈتے ہوئے وہاں تک پہنچے تھے۔ سلمیٰ کا مزاج میرے لیے جانا بوجھا تھا' اس کے لیے یہ فخر کی بات تھی کہ ہم نے محض اپنی کوششوں سے لاہور میں اس کے ماموں کے گھر کا پتا چلالیا تھا اور پھر اس سے ملنے کے لیے پہنچ گئے تھے۔ اپنے ماموں سے ملاقات ہونے پر وہ مزے لے کر اسے بتاتی کہ کس طرح ہم اس تک پہنچے تھے۔ اپنی بھانجی کی زبان سے میرا نام سن کر چوہدری عظمت کے کان کھڑے ہو جاتے۔ اسے احساس ہو جاتا کہ وہ کہانی بے بنیاد تھی۔ اصل میں' میں اس کی راہ پر لگ چکا تھا۔ اس کا یوں ہوشیار ہونا میرے حق میں نہ ہوتا۔

میرے دل میں آئی کہ اس بارے میں سلمیٰ سے بات کروں' گھما پھرا کر اسے آمادہ کرنے کی کوشش کروں کہ وہ اپنے ماموں سے میرے نام کا ذکر نہ کرے۔ وہ ایک مہمان جوڑے کی آمد کا واقعہ نہیں چھپا سکتی تھی۔ وہ بات گول کرتی تو چوہدری عظمت کے دوسرے اہل خانہ اسے آگاہ کر دیتے۔ سلمیٰ چاہتی تو یہ ضرور کر سکتی تھی کہ اپنے ماموں سے میرا نام چھپالیتی اور مجھے اس کے خلاف خاموشی سے کام کرنے کا موقع مل جاتا۔

چوہدری عظمت' سلمیٰ کا سگا اور اکلوتا ماموں تھا جب کہ میرے اور سلمیٰ کے درمیان کوئی مضبوط رشتہ نہیں تھا۔ جہانگیر کی زیادتیوں سے دل برداشتہ ہو کر اس نے کئی بار مجھ سے دوستی بڑھانے کے لیے پیش رفت کی مگر میں نے ہر بار سرد مہری اور رکھائی سے کام لیتے ہوئے اپنا دامن صاف بچالیا۔ وہ میرے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ ضرور رکھتی تھی مگر میرے رویے سے ہمیشہ شاکی رہتی تھی۔ میری کسی بھی کمزور خواہش پر وہ میری نیت کے بارے میں بدگمان ہو سکتی تھی۔ ایک بار اسے شبہ ہو جاتا کہ میں کسی وجہ سے اس کے ماموں کے پیچھے لگا ہوا ہوں تو وہ چوہدری عظمت سے مل کر میرے لیے سنگین مسائل کھڑے کر سکتی تھی۔

اسے اعتماد میں لینے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ اس کی تھوڑی سی نازبرداری کی جاتی' جھوٹی سچی تعریف و توصیف کی جاتی اور جب اس کی عقل اس سحر میں گرفتار ہو جاتی تو رسانیت سے اسے چوہدری عظمت سے تھوڑی سی غلط بیانی پر آمادہ کرلیا جاتا مگر غزالہ کی موجودگی میں اس تدبیر پر عمل کرنا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔

مجھے وہ چند روز کا کھیل نظر آرہا تھا۔ چوہدری عظمت کی پوزیشن صاف ہو جاتی یا وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ جاتا۔ پہلی صورت میں کچھ بھی نہ ہوتا۔ دوسری صورت میں سلمیٰ کو مجھ سے شدید شکوہ ہوتا کہ میں نے اسے کچھ بتائے بغیر' اس کے ماموں کی ذلت اور رسوائی کا سامان پیدا کر دیا۔ جہانگیر اور سلمیٰ سے میرے گہرے مراسم کی بنا پر وہ صورتِ حال بہت تلخ اور تکلیف دہ ضرور ہوتی مگر ناگزیر ہوتی۔ میں کسی مجرم کو محض اس بنا پر نظرانداز نہیں کر سکتا تھا کہ وہ میرے عزیز ترین جگری دوست کا کوئی رشتے دار تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ میں جہانگیر کو منا سکتا تھا مگر سلمیٰ کے بارے میں یقین سے کوئی قیاس نہیں کیا جا سکتا تھا۔

باتوں باتوں میں سلمیٰ بتا چکی تھی کہ ہیومن سوسائٹ کے کاموں میں اپنی گہری دلچسپی کی بنا پر چوہدری عظمت عام طور پر دیر سے گھر آتا تھا۔ ہم بے فکری سے کچھ دیر وہاں بیٹھے اس سے باتیں کرتے رہے۔ میری کوشش تھی کہ اس سے اس کے ماموں کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر سکوں لیکن چوہدری عظمت کے بارے میں وہ خود بھی زیادہ نہیں جانتی تھی۔ اس نے ہمیں اپنے بھائی کے گھر کا پتا اور فون نمبر نوٹ کرایا' اصرار کیا کہ ہم وہیں منتقل ہو جائیں مگر میں نے اس کی پیش کش سختی سے رد کر دی۔ غنیمت ہوا کہ یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی کہ شادی کے بعد ہر لڑکی اپنے گھر بار کی مالک بن کر اپنے میکے والوں کے لیے صرف ایک پسندیدہ مہمان بن کر رہ جاتی ہے۔ جب وہ اپنے بھائی کے گھر میں مہمان تھی تو یہ کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا کہ وہ اپنے مہمانوں کو بھی وہاں رہنے پر مجبور کرے۔ سلمیٰ ہم سے جتنی بھی مانوس رہی ہو' اس کے بھائی اور اس کے اہلِ خانہ کے لیے ہم اجنبی تھے۔ وہ لوگ اپنی نجی زندگی اور گھریلو ماحول میں دو غیر متعلق افراد کی شمولیت کو کبھی پسند نہیں کر سکتے تھے۔

سلمیٰ ہماری قیام گاہ کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھی۔ دو تین مرتبہ میں نے اس کا سوال نظرانداز کر دیا لیکن جب وہ مصر ہونے لگی تو میں نے ہوٹل کا نام لینے کے بجائے کہہ ڈالا کہ ہم لاہور میں کچھ ایسے لوگوں کے مہمان تھے جو اپنے ناموں اور ٹھکانوں کو بہت سختی سے پوشیدہ رکھتے

ہیں۔ وہ ہماری سرگرمیوں کے بارے میں تھوڑا بہت ادراک رکھتی تھی۔ اس مسکت جواب کے بعد اس نے اس موضوع پر کوئی سوال نہیں کیا۔

سلمٰی کی دل جوئی کے لیے ہم نے چائے سے پہلے چھولے کھالیے تھے پھر چائے نوشی کے دوران میں بسکٹ وغیرہ بھی کھاتے رہے۔ یوں وہ تواضع اتنی بھرپور ہوگئی تھی کہ اس کے فوری بعد کھانا کھانے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ سلمٰی ہمارے ساتھ مزید وقت گزارنے کی خواہاں تھی مگر ہم دوبارہ ملنے کا وعدہ کرکے وہاں سے اٹھ گئے۔ سلمٰی نے باہر آکر گرم جوشی سے ہمیں رخصت کیا۔ اسے دیکھ کر خالد نے ایک سعادت مند ڈرائیور کا رویہ اپنالیا تھا۔

"یہ کوشش بری طرح ناکام ہوئی ہے" گاڑی روانہ ہونے کے بعد میں نے خالد کو بتایا "چوہدری عظمت میرے ایک دوست کا ماموں سسر نکلا۔ اس وقت وہ گھر پر نہیں تھا۔ گاڑی کا رخ سمن آباد کی طرف کرلو۔"

خالد کے لیے وہ اطلاع حیران کن تھی۔ اس کے ذہن میں سوالات کا ابھرنا قطعی فطری تھا۔ اس نے سمن آباد کے بارے میں کچھ کہے بغیر، ہماری ناکام مہم کے بارے میں سوال کرنے شروع کردیے۔ میں اسے جواب دیتا رہا اور گاڑی لاہور کی سڑکوں پر سفر کرتی رہی۔

اپنے ہوٹل سے ماڈل ٹاؤن میں چوہدری عظمت کی رہائش گاہ تک پہنچنے کے لیے خالد نے شاہراہ قائداعظم یا پرانے مال روڈ سے کنال بینک روڈ کا راستہ اختیار کیا تھا جو اپنے فطری حسن اور کشادہ گردوپیش کی وجہ سے لاہور کی خوب صورت ترین سڑک کہی جاسکتی ہے۔ اس سڑک پر نہر کے کنارے کنارے سفر کرنے کے بعد ہم بائیں طرف مڑے تھے لیکن سمن آباد پہنچنے کے لیے خالد نے کوئی اور راستہ اختیار کیا تھا کیونکہ اس کی سمت ہوٹل سے بہت مختلف تھی۔

سمن آباد لاہور کی متوسط درجے کی ایک ستھری آبادی ہے۔ اسی کے ایک حصے میں دو منزلہ عمارت پر ہیومن سوسائٹی کا بڑا سا بورڈ آویزاں تھا۔ وہ عمارت خاصی شاندار تھی۔ اس میں داخلے کے راستے پر ایک مسلح اور باوردی گارڈ موجود تھا جس سے ظاہر ہورہا تھا کہ دفتر کھلا ہوا تھا۔

گاڑی سے اتر کر میں غزالہ کے ساتھ اس طرف چل دیا۔ کھلے ہوئے دروازے سے اِکّادُکّا افراد کی آمدورفت حوصلہ افزا تھی۔ ہم سیڑھیاں چڑھ کر مختصر سے برآمدے تک پہنچے تو مسلح گارڈ نے ہم سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ ہم کھلے ہوئے دروازے سے گزر گئے۔ دروازہ عبور کرتے ہی ہم نے خود کو ایک ایسی آراستہ انتظار گاہ میں پایا جہاں مہمانوں کے بیٹھنے کے لیے صوفے پڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف سفید کاؤنٹر بنا ہوا تھا جس کے پیچھے ایک فیشن ایبل لڑکی براجمان تھی۔

ہمارے داخل ہوتے ہی اس لڑکی نے مصنوعی استقبالیہ مسکراہٹ کے ساتھ ہماری طرف دیکھا۔ مجھے اس لڑکی کی موجودگی پر حیرت ہوئی۔ جو دفاتر رات کو دیر تک کھلے رہتے ہیں، وہاں کام کرنے والی لڑکیوں کو مقررہ وقت پر چھٹی دے دی جاتی ہے اور متبادل سے کام چلالیا جاتا ہے مگر اس کے بشرے پر تکان کے کوئی آثار نہیں تھے۔ وہ یوں تازہ دم نظر آرہی تھی جیسے تھوڑی دیر پہلے ہی کام پر پہنچی ہو۔

میں نے ایک معروف اخبار کے نمائندے کی حیثیت سے اپنا تعارف کراتے ہوئے چوہدری عظمت سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے اپنے سامنے پڑے ہوئے پیڈ پر کچھ کوائف نوٹ کرنے کے بعد انٹرکام پر کسی سے بات کی۔ وہ اپنے مخاطب کو باربار بہت ادب سے سر کہہ رہی تھی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ وہ براہ راست چوہدری عظمت سے بات کررہی تھی مگر اس نے گفتگو کا سلسلہ ختم کرنے کے بعد معذرت خواہانہ لہجے میں بتایا کہ ہیومن سوسائٹی کا سربراہ اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔ اس سے ملاقات کے لیے ہمیں پہلے سے وقت طے کرنا ضروری تھا۔ اس کے بغیر چوہدری عظمت تک رسائی ممکن نہیں تھی۔

"میرا اندازہ تھا کہ آپ ابھی انٹرکام پر چوہدری صاحب نے بات کررہی تھیں" میں نے تلخی سے کہا۔

"نو سر!" اس نے خوش خلقی سے اپنا سر ہلاتے ہوئے جواب دیا "میں نے ان کے سیکریٹری سے بات کی تھی۔"

"اگر چوہدری صاحب، اتنے مصروف ہیں تو ہم بھی ان کا وقت خراب کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ ہم اپنے اخبار کے قارئین کے لیے ہیومن سوسائٹی کے فلاحی کاموں کی کچھ تفصیل جاننا چاہتے ہیں۔ شاید یہ معلومات ان کے سیکریٹری سے ہی مل جائیں گی۔"

"وہ دفتر سے نکلنے والے تھے۔ پھر بھی میں پوچھ لیتی ہوں" یہ کہتے ہوئے، اس نے انٹرکام پر بات کرنے لیے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ اندر سے راہ داری میں ایک تنومند شخص نمودار ہوا۔ لڑکی نے گہرا سانس لے کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا "شاہد صاحب جارہے ہیں۔ آپ کو کل آنا پڑے گا۔"

اندر سے برآمد ہونے والا شخص خاصا فرعون صفت

معلوم ہوتا تھا۔ انتظار گاہ اور راہداری کے درمیان شفاف شیشے کی ایک لمبی دیوار کھڑی ہوئی تھی جس میں سے آرپار دیکھا جا سکتا تھا۔ مگر شاہد نے وہاں سے گزرتے ہوئے انتظار گاہ کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ سیدھا گزرتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی لڑکی کا شکریہ ادا کیا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ شاہد پر نگاہ پڑتے ہی میرے دل میں نفرت کی ایک ہلکی سی لہر نے سر ابھارا تھا۔ بعض افراد کی شخصیت ایسی ہوتی ہے کہ ان سے کوئی ربط ضبط یا واسطہ نہ ہونے کے باوجود ان سے بغض اور کینہ محسوس ہوتا ہے۔ شاہد کا شمار بھی ایسے لوگوں میں ہوتا تھا۔

چند ثانیے قبل اسے بتایا گیا تھا کہ کسی اخبار کے نمائندے اس کے پاس سے ملنے کے لیے آئے ہوئے تھے پھر بھی وہ ہمیں بری طرح نظر انداز کرتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ بے اختیار میرا دل چاہا تھا کہ باہر نکل کر اسے گریبان سے پکڑ لیا جائے اور مار مار کر بے حال کر دیا جائے۔ وہ ایک اضطراری رو تھی جس کے تحت میں استقبالیہ کاؤنٹر سے رخصت ہوا مگر چند قدم طے کرنے کے بعد مجھے احساس ہو گیا کہ ہاتھ میں کوئی سرا نہ ہونے کے باوجود شاہد سے بھڑنا قرین مصلحت نہیں تھا۔

چند منٹ کے وقفے میں ہماری واپسی کسی وضاحت کی محتاج نہیں تھی۔ خالد کو اندازہ ہو گیا کہ چوہدری عظمت سے ملاقات کی ہماری دوسری کوشش بھی ناکامی سے دوچار ہوئی۔ اس نے ہم سے اس بارے میں کوئی سوال کرنے کے بجائے پوچھا "ابھی اندر سے سیاہ سوٹ میں کون نکلا تھا؟"

"چوہدری عظمت کا سکریٹری تھا۔ تم اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟" میں نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ اندر سے نکلا اور اپنی گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی ہوا ہو گیا۔ شاید عجلت میں کہیں گیا ہے۔"

ہماری گاڑی حرکت میں آچکی تھی۔ میں نے کہا "ہو سکے تو ایک کوشش کر لو۔ شاید اس کا تعاقب بار آور ثابت ہو سکے۔"

"مشکل ہے" خالد نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے جواب دیا "وہ آندھی کی طرح گیا ہے، سمت صحیح ہو تب بھی اس تک پہنچنے کی امید نہیں ہے۔"

ہم خاصی دیر تک سمن آباد کی سڑکوں پر بھٹکتے رہے پھر ملتان روڈ پر نکل آئے۔ شاہد کی گاڑی کا دور دور تک کوئی سراغ نہیں تھا۔

"میں نے آج تک ہیومن سوسائٹی کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ اس تنظیم کے سربراہ تک رسائی اتنی مشکل ثابت ہو رہی ہے" راستے میں خالد نے کہا "اب مجھے بھی اس کی ذات میں دلچسپی محسوس ہو رہی ہے۔"

وہ شہر میں نیک نام تھا۔ اس کا شمار معززین میں ہوتا تھا۔ اس بنا پر اس کے اثر و رسوخ کی وسعت پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر پوری تحقیق اور چھان بین کیے بغیر اس پر ہاتھ ڈالا جاتا تو لاہور کی انتظامیہ میں بھونچال آ سکتا تھا۔ میں نے سوچتے ہوئے خالد سے پوچھا "شاہد کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"خود سر، بد دماغ اور بدمعاش قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے" اس نے بلا توقف جواب دیا۔

"اس کے بارے میں میرا تاثر بھی یہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اصل معاملات تک پہنچنے کے لیے اسے اٹھوا لیا جائے۔"

"اسے اٹھوانا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ سوچ لو کہ اس کا ردِعمل بہت شدید ہوگا۔ چوہدری عظمت یہاں سے اسلام آباد تک، ہر ایک کو ہلا کر رکھ دے گا۔ میں اتنے بڑے فیصلے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ ہیومن سوسائٹی کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو۔ میں لاہور میں رہتا ہوں لیکن ابھی تک میں نے ان کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں سنی جسے بنیاد بنا کر ان کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جا سکے۔"

"میں بھی اور کچھ نہیں سوچ رہا۔ میرے سامنے صرف یہ بات ہے کہ ان کا دامن بالکل بے داغ ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ انہونی سی بات ہے۔ فلاحی سرگرمیوں کے اس قدر شفاف ریکارڈ سے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں۔ اس قدر احتیاط اور منصوبہ بندی سے کر رہے ہیں کہ ان سے معمول کی غلطیاں بھی سرزد نہیں ہو رہیں۔ حیرت ہے کہ اب تک کسی نے اس بارے میں کیوں نہیں سوچا۔"

"تمہارے کہنے پر مجھے احساس ہو رہا ہے کہ یہ نکات قابلِ توجہ ہیں" خالد نے اعتراف کیا۔ "ان پر کام کیا جانا چاہیے لیکن محض ان نکات کی بنا پر کوئی بڑا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے وقت درکار ہوگا۔"

خالد سے میری شناسائی پرانی نہیں تھی۔ وہ میرے بارے میں بہت کچھ سن چکا تھا۔ مگر میرے کہنے پر کوئی بڑا فیصلہ کرنے کے موڈ میں نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے وہ بات وہیں ختم کر دی۔ ایس ٹی ایف میں ہر اسٹیشن کمانڈر اپنی صوابدید کے مطابق فیصلے کرنے کے لیے آزاد اور خود مختار تھا لیکن

اپنے کیے ہوئے فیصلوں کے نتائج کے بارے میں اپنے سربراہ کو جواب دہ تھا۔ غیر تحریری پالیسی سے انحراف کی صورت میں اسٹیشن کمانڈر کا گوشمالی سے بچنا ناممکن تھا۔

ملتان روڈ سے ہوتے ہوئے لوئر مال روڈ پر جا نکلے۔ اس دوران میں گاڑی میں خاموشی رہی۔ خالد نے بھی بھانپ لیا تھا کہ اس کا محتاط رویہ مجھے قدرے شاق گزرا تھا مگر وہ خود بھی اپنی ملازمت کے ضابطوں کا قیدی تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ خالد احمد تھا' اول خان نہیں تھا۔ اول خان کی سب سے بڑی خامی یا خوبی یہ تھی کہ وہ میری کہی ہوئی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے عمل کر گزرتا تھا اور پھر اسے اپنے مشورے کے مضر اثرات سے محفوظ رکھنا میری ذمے داری بن جاتا تھا۔ یہ ہم دونوں کے مقدر کی بات تھی کہ اس طریقہ کار پر عمل کرتے ہوئے اول خان کو ایک موقع کے سوا کبھی ندامت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔'

الحدید نامی لانچ کے ذریعے اسلحے اور ہتھیاروں کی اسمگلنگ میں ناکامی کے بعد متاثرہ فریق کے زبردست دباؤ پر اول خان کو کراچی سے تبدیل کردیا گیا تھا۔ بظاہر وہ ایک تادیبی قدم تھا لیکن میری دانست میں وہ اول خان کی عمدہ کارگزاری کا کھلا اعتراف تھا کہ اس نے ملک دشمنوں کو کراچی کا ساحل استعمال کرنے کی کوششوں میں کامیاب نہیں ہونے دیا تھا' ویران ساحلی علاقے کو ان کا مدفن بنا دیا تھا۔

خالد نے ہوٹل کے پورچ میں ہمیں اتارنے کے لیے گاڑی روکی تو میں نے اس سے الوداعی مصافحہ کرنے کی کوشش کی مگر اس نے نرمی سے میرا ہاتھ تھام لیا اور لجاجت سے بولا "میں گاڑی پارک کر کے تمہارے کمرے میں آرہا ہوں۔ بس چند منٹ کے لیے ضروری بات کرنی ہے۔"

مجھے اس کا مافی الضمیر سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر کشیدگی کا ازالہ کرنا چاہ رہا تھا۔

وہ خالد کی اپنی سوچ تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ وقتی طور پر مجھے اس کے رویے سے رنج ہوا تھا لیکن بعد میں' میں نے ہر ملال کو اپنے دل سے نکال دیا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ ایس ٹی ایف کا ہر رکن' ہر وقت میرے مشوروں پر بے چون و چرا کیے عمل کرنے کے لیے تیار رہے۔ ان لوگوں کی اپنی بھی کوئی مجبوری ہوسکتی تھی۔

غزالہ نے کاؤنٹر سے چابی لی اور ہم دونوں لفٹ کے ذریعے اپنے فلور پر پہنچ کر کمرے میں داخل ہوگئے۔ جوتوں سے نجات حاصل کر کے غزالہ غسل خانے میں جا گھسی۔ میں نے ٹیلی وژن آن کردیا۔ اسی اثنا میں خالد کمرے کے دروازے پر دستک دینے اور اجازت ملنے پر اندر آگیا۔

وہ صورتِ حال خاصی دلچسپ تھی۔ خالد اپنی مجبوری پر معذرت خواہ تھا اور میں اپنی خوش فہمی پر نادم تھا۔ چند لمحوں میں دونوں کو اندازہ ہوگیا کہ بات کچھ نہیں تھی۔ بس راستے میں اختیار کی جانے والی طویل خاموشی نے ہم دونوں کو تردد میں مبتلا کردیا تھا۔ خالد ان لوگوں سے براہِ راست بھڑنے کے سوا ہر کارروائی پر آمادہ تھا اور میں بھی اس دوران میں چوہدری عظمت کو گھیرنے کے لیے کسی متبادل طریقہ کار کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔

جب سوچ یکساں ہو تو پھر زیادہ بحث اور تکرار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ ذرا سی دیر میں یہ طے ہوگیا کہ خالد ان لوگوں کی سرگرمیوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات یکجا کر کے مجھ سے اگلے دن ملے گا اور ان معلومات کی روشنی میں ہیومن سوسائٹی والوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کا کوئی پروگرام طے کیا جائے گا۔ غزالہ لباس تبدیل کر کے غسل خانے سے برآمد ہوئی تو اس موضوع پر میری اور خالد کی گفتگو تقریباً ختم ہوچکی تھی۔

خالد حساس طبیعت کا مالک تھا اور ساتھ ہی زیرک بھی۔ رات تیزی سے گزر رہی تھی۔ ہم دونوں میاں بیوی ہوٹل کے ایک کمرے میں رہ رہے تھے۔ وہی ہماری کل کائنات تھی۔ جب تک خالد وہاں بیٹھا رہتا۔ غزالہ بے فکری سے بستر کا رخ نہیں کرسکتی تھی۔ اس کے آجانے کے بعد خالد نے ہم سے رخصت ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ میرے اصرار کے باوجود وہ کھانے کے لیے نہیں رکا اور ہمیں الوداع کہہ کر واپس چلا گیا۔

"اس ساری بھاگ دوڑ کے نتیجے میں کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکا" کمرے کا دروازہ بند کرنے کے بعد میں نے کسل مندی سے انگڑائی لیتے ہوئے کہا "بس سلمٰی سے اتفاقیہ طور پر ملاقات ہوگئی ورنہ دوسرے معاملات جوں کے توں ہیں۔"

"یہ آپ کی رائے ہوسکتی ہے۔" غزالہ نے سنجیدگی سے جواب دیا "مجھے اس سے اختلاف ہے۔"

میں نے اسے اشارہ کر کے انٹرکام پر ہوٹل کی روم سروس کا نمبر ملایا' اس روز کا مینو معلوم کر کے کمرے میں کھانا پہنچانے کی ہدایت کی اور دوبارہ غزالہ کی طرف متوجہ ہوگیا "مجھ سے اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں کسی موہوم سی کامیابی کا احساس ہو رہا ہے۔"

"ہوٹل چھوڑنے تک ہم چوہدری عظمت کے بارے میں نری قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ اب ہمیں معلوم ہوچکا ہے کہ وہ واقعی ایک پراسرار شخص ہے جس تک رسائی

آسان نہیں ہے۔ وہ سلمیٰ کا ماموں ہے مگر خود سلمیٰ بھی اس
کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی۔ یہ وہ باتیں ہیں جو اسے
مشکوک بناتی ہیں لیکن آپ نے ابھی تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ
اس کے بارے میں آپ کے کیا شبہات ہیں؟"

"ابھی ہر بات غیر یقینی ہے۔ میں اس بارے میں کچھ
نہیں کہہ سکتا" میں نے کرسی پر دراز ہو کر کہا "خالد پریشان
ہے کہ ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والا کیمیکل
بھارت سے کس طرح پاکستان آرہا ہے۔ اگر ایس ٹی ایف
جیسا ادارہ یہ کھوج لگانے میں ناکام رہا ہے تو طے ہو جاتا ہے
کہ یہ کام زبردست منصوبہ بندی اور احتیاط کے ساتھ کیا
جارہا ہے۔ ہیروئن کی کہیں کوئی قلت نہیں ہے۔ یہ نشہ
دستیاب ہے اور اس کے دام بھی معمول پر ہیں۔ اس کا
مطلب ہے کہ سرحدی پٹی میں قائم کارخانوں کو وافر مقدار
میں کیمیکل مل رہا ہے۔ یہ ایک رخ ہے۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ
ہیومن سوسائٹی کے پاس ٹرانسپورٹ کے وسیع ذرائع ہیں۔
ان کی گاڑیاں نقد اور اجناس کی صورت میں دور دور سے بلکہ
صحیح طور پر شاید سرحدی علاقوں سے عطیات جمع کرتی ہیں جو
طویل فاصلہ طے کر کے صوبہ سرحد تک پہنچائے جاتے ہیں۔"

"اوہ! میرے خدا!" غزالہ نے میری بات درمیان سے
کاٹ دی "آپ کا مطلب ہے کہ ہیومن سوسائٹی کو حاصل
آزادیوں سے ناجائز فائدہ اٹھایا جارہا ہے؟ ان کی گاڑیاں
پاکستان اور بھارت کے سرحدی علاقے سے کیمیکل لاتی ہیں
اور خیبر کے پہاڑوں میں قائم کارخانوں تک پہنچا دیتی ہیں؟"

"ابھی میرا کوئی مطلب نہیں ہے۔ میں نے حقائق
بتائے ہیں۔ تم نتائج اخذ کر رہی ہو" میں نے سوچتے ہوئے
جواب دیا۔

"نتائج اخذ کیے بغیر ہم آگے کام نہیں کر سکتے۔ آخر آپ
میرے سامنے اتنے محتاط کیوں ہیں؟"

"سچ پوچھو تو میرا ذہن اس گتھی میں الجھا ہوا تھا۔ سمجھ
میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ بس ذہن میں خلش تھی کہ
کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے۔ تم نے زبان کھول کر
میری یہ مشکل آسان کر دی۔ اب میں وثوق سے کہہ سکتا
ہوں کہ میرے ذہن میں کیا ہے۔ دیہی علاقوں سے عطیات
لے کر لاہور آنے والی گاڑیوں کی سختی سے جانچ پڑتال کی
جائے تو کچھ نہ کچھ ضرور سامنے آئے گا۔ قصور سے سیالکوٹ
تک سرحد کے دونوں طرف آبادیاں ہیں۔ وہ لوگ کہیں بھی
کوئی لین دین کر سکتے ہیں۔"

"بھارت روانگی کا فیصلہ ہو جانے کے بعد میں نے بھی
کچھ پڑھا ہے اور نقشے دیکھے ہیں" میری بات سن کر غزالہ
مسکراتے ہوئے بولی "ہماری اور بھارت کی سرحد قصور سے
نہیں بلکہ سندھ کے انتہائی جنوب میں بحیرۂ عرب اور رن کچھ
سے شروع ہوتی ہے۔ پورے سندھ کی سرحد بھارت سے ملتی
ہے۔ پنجاب میں بھی رحیم یار خان سے بھارتی سرحد شروع
ہو جاتی ہے۔ یہ کام رن کچھ سے جموں تک کہیں بھی ہو سکتا
ہے' پھر لاہور ہی کیوں؟"

"ہر مجرم اپنے ٹھکانے اور شہر میں شیر ہوتا ہے" میں نے
معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اس بات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اب آپ نے
چوہدری عظمت کو مجرم تصور کرنا شروع کر دیا ہے؟"

"مجبوری ہے۔ کوئی ثبوت نہ ہونے کے باوجود واقعات
اس کے خلاف جارہے ہیں۔ اسمگلنگ سندھ کے راستے بھی
ہوتی ہے مگر وہاں آبادیاں بہت کم ہیں۔ راستے طویل' ریگستانی
اور دشوار گزار ہیں۔ اس علاقے کے حالات مختلف ہیں۔
فوجی اور سیاسی معاملات سازگار ہوں تو دونوں طرف' سرحد
کے ساتھ ساتھ کھیتی باڑی ہوتی ہے اور پھر وہ مہنگا کیمیکل
ٹینکروں سے نہیں آتا' اس کے دو چار سو چھوٹے ڈرم بھی
دولت کی برسات کر دیتے ہوں گے۔"

روم سروس کا ایک ویٹر کھانے کی ٹرالی کے ساتھ آگیا
اور وہ گفتگو وہیں رہ گئی۔

وقت کافی گزر چکا تھا۔ ہم دونوں کی بھوک چمکی ہوئی
تھی۔ اشتہا انگیز خوشبوؤں والے کھانے سامنے آتے ہی ہم
نے ڈنر کا آغاز کر دیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد فون کی گھنٹی
بجنے لگی۔ غزالہ کے ابتدائی فقروں سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ
وہ کراچی کی کال تھی اور دوسری طرف سے ویرا بول رہی
تھی۔ ویرا کو اپنی مرضی کے خلاف کراچی میں رکنا پڑا تھا۔
مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ غزالہ سے کوئی تلخ و ترش بات نہ
کہہ بیٹھے۔ میں نے بڑھ کر غزالہ سے ریسیور لے لیا۔

"... اس پر نظر رکھنا" میرے کانوں میں ویرا کی آواز
آئی۔ اسے علم نہیں ہو سکا تھا کہ ریسیور غزالہ سے میرے
ہاتھ میں منتقل ہو چکا تھا۔ وہ اپنی دانست میں غزالہ سے ہی
بات کر رہی تھی "میں نے ڈینی کو قریب سے دیکھا ہے۔ سفر
میں وہ بالکل بدل جاتا ہے۔"

"ہرگز نہیں بدلتا۔ یہ تمہاری خام خیالی ہے" میں نے
خوش دلی سے کہا "تم غزالہ کو میری طرف سے بھڑکانے کی
کوشش کیوں کر رہی ہو؟"

"مجھے کسی کو بھڑکانے کی ضرورت نہیں" غزالہ کے
بجائے میری آواز سن کر ویرا کے لب و لہجے میں کوئی فرق
نہیں آیا "میں غزالہ کو یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ تم رفتہ رفتہ
خدائی فوجدار بنتے جارہے ہو۔ جہاں جاتے ہو' کسی نہ کسی
معاملے میں اپنی ٹانگ اڑا دیتے ہو۔ سنا ہے کہ لاہور میں بھی

تم چین سے نہیں بیٹھے۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"مجھے الہام نہیں ہوتا' یہ خبر اول خان نے دی تھی" ویرا نے چیخ کر جواب دیا "کراچی میں ہونے والے دھماکے کے بارے میں اول خان کو بہت کم معلومات حاصل ہو سکی ہیں۔ تم کو تازہ ترین واقعات کا علم تھا۔ کچھ کیے بغیر آدمی اتنا باخبر نہیں رہ سکتا۔"

"بس ہاتھ پیر ہلانے پڑتے ہیں۔ وہ سوچتا رہ گیا۔ میں نے جلال کو فون کر لیا تھا۔"

"کراچی میں خون آشام دہشت گردی کے بعد بھارتیوں کا لب ولہجہ بدل گیا ہے۔ اگر تم نے آج کے اخبارات دیکھے ہوں تو تمہیں علم ہو چکا ہو گا کہ انہوں نے جوگیندر پال کے قتل کی ذمے داری پاکستانی ایجنسیوں پر ڈال دی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بھری آبادی میں صرف ایک بھارتی اہل کار کی موت منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ وہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا۔ اسے نشانہ بنا کر مارا گیا ہے۔"

"میں نے آج کے اخبارات نہیں دیکھے لیکن ان کا یہ موقف میرے لیے متوقع تھا۔ تم اسے کیوں دہرا رہی ہو؟"

"کشیدگی بڑھنے کے امکانات ہیں۔ اس سے آگے تم خود سوچ سمجھ سکتے ہو۔ مجھے مزید کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اس واقعے کو بھول جاؤ۔ بہت سی باتیں محض ریکارڈ کے لیے رسمی طور پر کہی جاتی ہیں' جو کچھ طے ہو چکا ہے اس پر عمل ہو گا۔"

"میں خود ان باتوں کو اہمیت نہیں دیتی لیکن تم کو باخبر رکھنا میرا فرض تھا تاکہ بعد میں تم شکایت نہ کرو کہ میں نے تم سے دور رہ کر اپنے فرائض سے روگردانی کی ہے۔ میں الگ رہوں یا کسی کے ساتھ' میری کارکردگی یکساں رہتی ہے۔"

"اخباری اطلاعات کا دہرانا کمال نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ لاہور میں بھی اخبارات چھپتے ہیں اور ان میں وہ سب اہم خبریں ہوتی ہیں جو کراچی کے اخباروں میں شائع ہوتی ہیں۔"

"یہ نہ بھولو کہ ابھی تم نے اخبار نہ دیکھنے کا اعتراف کیا ہے" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خبر پھر خبر ہوتی ہے۔ ہر حال میں سفر کرتی ہوئی متعلقہ لوگوں تک پہنچ جاتی ہے۔ تم یہ سناؤ کہ سلطان شاہ کے ساتھ کیسی گزر رہی ہے؟"

"پہلے وہ اپنے کمرے میں پڑا پشتو گانے سنتا رہا۔ اب کہیں نکلا ہوا ہے۔ بس گزارہ ہو رہا ہے۔"

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس وقت تک ان دونوں کے درمیان کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا تھا۔ میں نے قدرے سکوت کے بعد پوچھا "جہانگیر کا کوئی فون آیا تھا؟"

"نہیں۔ وہ ہمیں کیوں فون کرے گا؟ لاہور میں بھی وہ تمہارے دماغ سے چپکا ہوا ہے۔"

ویرا کی جھلاہٹ پر میں بے ساختہ ہنس پڑا "وہ مجھے بلاوجہ یاد نہیں آیا۔ اس سے کراچی ایرپورٹ پر ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ اس کی زوجہ اسی پرواز سے لاہور آئی ہے۔ جس سے ہم نے سفر کیا تھا۔"

"پھر واقعی حیرت ہے" ویرا قائل ہو گئی "اگر جہانگیر کو معلوم ہے کہ تم شہر سے باہر ہو تو پھر اسے مجھ کو ضرور فون کرنا چاہیے تھا۔ بے چارہ ہمیشہ میرے ساتھ تخلیے کو ترستا ہے۔ مگر آج تک اسے اپنے دل کی بات زبان پر لانے کا موقع نہیں مل سکا۔ پتا نہیں اس کی یہ حسرت کب پوری ہو گی۔"

"وہ اب بھی کبھی کبھی حیران ہوتا ہے کہ تم ہی بلیک کوئن کے روپ میں اس کے اوسان خطا کیا کرتی تھیں۔ اسے کئی بار تمہارے ساتھ بیٹھنے اور پینے کا موقع ملا ہے لیکن شاید یہی تصور اس کی زبان کا قفل بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تم کو بہت پسند کرتا ہے۔"

"آزاد خیال اور خوش رو لڑکیوں کے لیے ہر مرد ندیدا اور دل پھینک ثابت ہوتا ہے۔ تم اسے الزام نہیں دے سکتے۔"

"یہی خواص تم میں بھی پائے جاتے ہیں" میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اطمینان سے بستر پر دراز ہو چکی تھی اور ٹیلی وژن کی طرف متوجہ تھی۔ بظاہر میرا جواب گول مول لیکن ویرا کے لیے واضح تھا۔ اس کی اداس آواز ابھری "یہ پارینہ قصے ہو گئے۔ تمہیں علم ہے کہ میں اپنے ماضی کو دفن کر چکی ہوں۔"

"یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔ میں نے تمہارے والدین کی تدفین کے بارے میں سنا تھا۔ آج تم نئی بات بتا رہے ہو۔"

"تم بہت بے رحم ہو۔ نشتر زنی پر تل جاتے ہو تو کسی کو معاف نہیں کرتے۔ شاید ہر مرد کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ جہانگیر خوشامدی ہے۔ جب وہ بات بات پر کھیسیں نکال کر ہنستا ہے تو مردانگی اس کے چہرے سے مفقود ہو جاتی ہے۔"

"اب وہ خطرناک ہو گیا ہے۔ اس کا فون آجائے تو ذرا محتاط رہنا۔ میں کسی فساد کی بو سونگھ رہا ہوں۔"

"کیسا فساد!" میرے الفاظ نے اسے چونکا دیا "کیا اب تمہیں اس میں بھی کیڑے نظر آنے لگے یا مجھے اس سے دور رکھنا چاہتے ہو؟"

"نہ اس میں کیڑے ہیں نہ میں تمہارے بارے میں اتنا فکرمند ہوں۔ بات بس اتنی سی ہے کہ اس بار لاہور میں سلمیٰ کا ماموں میری نظروں میں آگیا ہے۔ بات بڑھے گی تو سلمیٰ فوراً اسے بتائے گی اور وہ تم پر چڑھ دوڑے گا۔"

"اوہ...!" اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم وہاں واقعی کچھ نہ کچھ کر رہے ہو۔ تمہارے بارے میں اول خان کی پریشانی بلاوجہ نہیں ہے۔ کل وہ کہہ رہا تھا کہ تمہارا لاہور جانا ٹھیک نہیں ہے۔ کراچی میں رکے رہتے تو تمہاری سرگرمیاں سب کے سامنے ہوتیں۔ وہاں تم بے لگام ہو سکتے ہو۔"

"وہ عمر میں مجھ سے بڑا اور زیادہ تجربے کار ضرور ہے مگر میرا سرپرست نہیں ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ میرے بارے میں اتنی تشویش میں مبتلا نہ رہا کرے۔"

"اسے چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ سلمیٰ کے ماموں کا کیا چکر ہے، تم اس سے کیسے بھڑ گئے؟"

"ابھی بھڑنے کی نوبت نہیں آئی لیکن آثار اچھے نہیں ہیں۔ میں نے جان بوجھ کر سلمیٰ کے ماموں کا پیچھا نہیں کیا۔ یہ محض اتفاق ہے کہ میں جس شخص کی راہ پر لگا وہ بعد میں جہانگیر کا ماموں سسر ثابت ہوا۔ ابھی سلمیٰ اندھیرے میں ہے۔ بات کھلے گی تو وہ بپھر جائے گی۔ میری پوری کوشش ہے کہ میں پسِ پردہ رہوں۔"

"مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں سلمیٰ کے ماموں سے کیا پرخاش ہے۔ تم اس کے پیچھے کیوں لگے ہو؟" ویرا کی آواز میں تجسس امڈ آیا۔

"تم بہک رہی ہو۔ میں اس کے ماموں کے پیچھے نہیں لگا۔ ایک مشتبہ شخص کے پیچھے لگا تھا۔ اس کے گھر تک پہنچنے میں کامیاب ہوا تو پتا چلا کہ وہ سلمیٰ کا ماموں ہے۔"

"چلو... یوں ہی سہی مگر یہ تو بتاؤ کہ اس بے چارے کا کیا قصور ہے؟"

"ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے اہم ترین کیمیکل کی بھارت سے اسمگلنگ پر اس کی اجارہ داری معلوم ہوتی ہے۔"

"تمہاری زبان کالی ہے۔ ابھی تم شبہ ظاہر کر رہے ہو مگر مجھے یقین ہے کہ تم کوئی نہ کوئی چکر چلا کر اسے اس معاملے میں پھانس لوگے اور وہ بری طرح رگڑا جائے گا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ لاہور جا کر تمہیں ان سب الجھنوں میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مجھے الجھنیں مول لینے کا شوق نہیں ہے" میں نے ناگواری سے کہا "ہم کراچی میں رہتے ہیں اور وہاں ہیروئن استعمال کرنے والوں کے آوارہ غول دیکھ کر پریشان ہوتے رہتے ہیں۔ خالد نے لاہور کا جو نقشہ کھینچا وہ کراچی سے بھی زیادہ دل دوز ہے۔ یہاں بھی ہیروئن غریب اور مزدور طبقے سے نکل کر عزت دار گھرانوں میں پھیل رہی ہے۔ پڑھے لکھے نوجوان اس نشے کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔ یہ سب سن کر کوئی بے حس آدمی ہی غیر جانب دار رہ سکتا ہے۔"

"میرے لیے یہ اطلاع مزید حیران کن ہے کہ تم صرف سنی سنائی باتوں پر میدان میں کود پڑے ہو۔"

"یہ دیکھنا ضروری ہے کہ سنانے والا کون ہے۔ خالد لاہور کا اول خان ہے۔ یہ لوگ بلاوجہ کسی بات پر فکرمند نہیں ہوتے۔"

"مجھے ڈر یہ ہے کہ تمہارا چہرہ آئندہ چند دنوں میں نارمل ہونے کے بجائے مزید بگڑ نہ جائے" ویرا کی آواز متاسفانہ تھی۔

"یوں کھل کر بددعائیں نہ دو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کوّوں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔"

یکایک ویرا کا لہجہ بدل گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔ وہ کہہ رہی تھی "تم ہوٹل میں ہو جہاں ایکسچینج ہونے کی وجہ سے سی ایس ڈی استعمال نہیں ہو سکتی پھر بھی تم بے خوف و خطر ہر بات کیے جا رہے ہو۔ میں بھی بھول گئی تھی کہ ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔ شاید تم لاہور میں اپنی گردن پھنسوانے کا مصمم ارادہ کر چکے ہو..."

"اس بارے میں اول خان مجھے کلیئرنس دے چکا ہے۔ شاید یہاں کے ایکسچینج میں کوئی ایسا خودکار نظام ہے کہ آپریٹر ایک مرتبہ کال منتقل کرنے کے بعد دوبارہ اس میں مداخلت کر سکتا ہے نہ دونوں طرف کی گفتگو سن سکتا ہے۔ تم بے فکر ہو کر اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال سکتی ہو۔"

"اگر تمہیں اور تمہارے اول خان کو اس سسٹم پر اتنا اعتماد ہے تو تم جانو۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تم ہم کو نظرانداز کر کے لاہور میں اپنی من مانیاں کرنے کے لیے آزاد ہو تو پھر میں بھی کسی کی پابند نہیں ہوں۔ جو ذہن میں آئے گا، کر گزروں گی۔"

"تم سنتی کب ہو؟ جو دل میں آتا ہے کر ڈالتی ہو۔ اب تمہاری کھوپڑی میں کیا لاوا پک رہا ہے؟"

"میں کوئی روگ نہیں پالتی، بے فکری کی زندگی گزارتی ہوں" اس کی طرف سے جواب آیا "مجھے ابھی ابھی خیال آیا ہے کہ تم مصروف ہو گئے تو مجھے بھی ہاتھ پیر مارنے چاہئیں۔ ہم تینوں بھارت چلے گئے تو جان اسمتھ کراچی میں دبکا رہے گا۔ اسے ہراساں کرنا ضروری ہے تاکہ وہ بھی کراچی بلکہ پاکستان سے نکل بھاگے ورنہ بھارت میں کوئی لطف نہیں

آئے گا۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ اس کا صفایا ہونا
ضروری ہے۔ اس نیک کام کے لیے پڑوسی ملک کی زمین زیادہ
مناسب رہے گی۔"

ویرا نے دور کی بات سوچی تھی۔ ہم پہلے ہی طے کر چکے
تھے کہ کسی طرح جان اسمتھ کو نئی دہلی کا رخ کرنے پر مجبور کیا
جا سکے تو اسے وہاں ٹھکانے لگا دیا جائے۔ اگر ہم تینوں پاکستان
سے نکل جاتے تو اول خان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ
وہ اپنی پیشہ ورانہ حدود سے تجاوز کر کے جان اسمتھ کو دہشت
زدہ کر سکے۔ کراچی چھوڑنے سے پہلے وہ اہم نکتہ میرے ذہن
میں نہیں آسکا تھا۔

ویرا وہ کام عمدگی سے کر سکتی تھی۔ ایک مرتبہ جان
اسمتھ دباؤ میں آکر کراچی چھوڑ دیتا تو چند ہفتوں سے پہلے اس
کی واپسی کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس دوران میں ہم
سرحد پار کر کے بھارت پہنچ جاتے اور اس کی بے پروائی سے
فائدہ اٹھا کر اطمینان سے اپنا کام کر گزرتے۔

میں نے اس کی تجویز کے بارے میں اپنی پسندیدگی
چھپاتے ہوئے جواب دیا "وہ کراچی میں مقیم ضرور ہے مگر اس
کو پورے جنوبی ایشیا میں سی آئی اے کے آپریشنز دیکھنے پڑتے
ہیں۔ وہ بھارت اور دوسرے ملکوں کا کثرت سے سفر کرتا رہتا
ہے۔ ہماری موجودگی میں دہلی ضرور آئے گا۔ اس بارے میں
تمہیں کوئی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"زحمت نہیں، میں اس کام کو اپنا فرض تصور کر رہی
ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تم مسلمانوں میں موذی کو ایذا
پہنچانے کا موقع ملنے سے قبل ہی مار دینے کا نظریہ رائج ہے۔
جان اسمتھ بہت بڑا موذی ہے۔ اسے کیفر کردار تک پہنچانے کی
کوشش کو کار ثواب کا درجہ حاصل ہوگا۔"

"میں جانتا ہوں کہ کوئی بات تمہارے دماغ میں گھس
جائے تو اسے نکالنا مشکل ہوتا ہے۔ اس سے چھیڑ چھاڑ میں
تمہیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔ سلطان شاہ کے سوا کوئی تمہاری
مدد نہیں کر سکے گا۔ میمن گوٹھ میں پیش آنے والے واقعات
کے بعد امریکی بہت محتاط ہو چکے ہیں۔ تمہارا مشتبہ سایہ بھی
ان کے بھڑکنے کا سبب بن جائے گا۔"

"یہ رٹی رٹائی باتیں دہرانے کا شکریہ۔ جہانگیر کو میرا
ماضی یاد رہتا ہے مگر تم ہمیشہ بھول جاتے ہو کہ میں تمہاری
ایک کوئن رہ چکی ہوں جس کی دہشت سے عادی مجرم تک
کانپ اٹھتے تھے اور کسی کو بھنک نہیں ملتی تھی کہ چست
کے لباس میں کون ان کے دماغوں پر حکمرانی کر رہا ہے۔"

"میں تمہیں صرف مشورہ دے سکتا ہوں۔ کسی بات
سے روک سکتا ہوں، نہ کوئی کام کرنے پر مجبور کر سکتا ہوں۔
یاد رکھنا کہ ماضی پر زیادہ ناز کرنا اچھا نہیں ہوتا کیونکہ

جرائم پیشہ لوگوں پر حکمرانی کی تھی۔ سیکرٹ ایجنٹ ان سے
بہت مختلف ہوتے ہیں۔ ہم سب کو تمہاری ضرورت ہے،
تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے۔"

"مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ تم میری ضرورت محسوس
کرتے ہو۔۔" ویرا کی آواز مسرت آمیز تھی۔ میں نے اس کی
بات کاٹ دی۔

"میں صرف اپنی نہیں، سب کی بات کر رہا تھا۔ سب
تمہاری زندگی اور خیریت کے خواہاں رہتے ہیں۔"

"میں دوسروں کی زیادہ پروا نہیں کرتی۔ تم کہہ رہے ہو
تو میں بہت محتاط رہوں گی۔ شاید بات فون کالز تک ہی محدود
رہے گی۔"

"اپنا نام بھول کر بھی استعمال نہ کرنا" میں نے تاکید کی
"ڈینی اور ویرا کے ناموں سے انہیں نفرت ہے۔ جب وہ
میرے خلاف دفتر خارجہ میں شکایت کر سکتے ہیں تو تمہارے
بارے میں بھی ایسا ہی شور مچا سکتے ہیں۔ اپنی شناخت ہر حال
میں پوشیدہ رکھنا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ بھارتی سرزمین پر آخری وقت آنے
سے پہلے اسے معلوم نہیں ہو سکے گا کہ اسے ہانکنے والی کون
تھی۔ شاید تمہیں کوئی تجربہ نہیں ہوا لیکن میں فیشن زدہ
پاکستانی عورتوں جیسی لولی لنگڑی انگریزی بھی بہت مہارت
سے بول لیتی ہوں۔"

"ویری گڈ۔۔۔ سلطان شاہ آجائے تو اسے میری طرف
سے دعا اور پیار کہہ دینا" میں نے ہنس کر کہا۔

میرا وہ پیغام سنتے ہی ویرا چیخ اٹھی "وہ اتنا ننھا اور بھولا
نہیں ہے۔ تم نے بلاوجہ اسے اپنا لے پالک بنا کر سر پر مسلط
کیا ہوا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایک مرد کی طرف
سے دوسرے مرد کے لیے ایسا پیغام کہیں بھی پسندیدہ نہیں
سمجھا جاتا۔"

"تم ہر بات کا غلط مفہوم نکالنے میں ماہر ہو۔ تمہیں
معلوم ہے کہ وہ مجھے کتنا عزیز ہے۔ تمہیں برا لگتا ہے تو اسے
میری دعا ہی پہنچا دینا۔"

"پہنچا دوں گی" اس کی بے پروایانہ آواز آئی "وہ جس
اشتیاق سے آج کل ہیجان انگیز پشتو گانے سن رہا ہے، اس
میں کمی کے لیے اسے دعاؤں کی سخت ضرورت ہے۔ اس کا
انہماک دیکھ کر مجھے ہر دم اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں وہ کسی
مسرت زدہ شاہین کی طرح اپنی دم کے بل ٹھمکنا شروع نہ
کر دے۔"

میں اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو نہ رکھ سکا۔ ویرا صرف
اردو پر عبور نہیں رکھتی تھی، اسے پشتو سے بھی خاصی واقفیت
تھی۔

والے قبائلیوں سے وہ براہِ راست ان ہی کی زبان میں مذاکرات اور سودے بازی کرتی تھی۔ شاید سلطان شاہ بھول چکا تھا کہ ویرا پشتو گانوں کا پورا مفہوم سمجھتی ہے۔ اس کی یہ کمزوری اسے کسی بھی وقت ویرا کے ہاتھوں میں کھلونا بنا سکتی تھی۔

چند الوداعی فقروں کے تبادلے کے بعد ویرا سے وہ نتیجہ خیز گفتگو ختم ہوگئی۔

"ویرا آپ سے بہت لمبی گفتگو کرتی ہے" غزالہ نے ہنس کر کسی طنز کے بغیر کہا۔

"وہ عادت سے مجبور ہے۔ ہر بات میں بحث ضروری سمجھتی ہے۔ تم بحث سے اپنا دامن بچاتی ہو۔ تم سے اس کی باتیں زیادہ طول نہیں پکڑتیں۔ ویسے بھی وہ دوسری عورتوں سے بہت مختلف ہے۔ زیورات، کپڑوں اور خوشبوؤں کے بارے میں کبھی بات نہیں کرتی۔"

"مجھے بھی ان خرافات سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں نے کبھی آپ سے کسی چیز کی فرمائش نہیں کی۔"

"چلو، پھر ان خرافات کو کچھ دیر کے لیے فراموش کردو" میں ہنستا ہوا بستر پر دراز ہوگیا "تم ان کے بغیر بھی اچھی لگتی ہو۔"

○☆○

خالد صبح نو بجے ہوٹل آپہنچا۔ اس نے ہوٹل کی لابی سے انٹرکام پر اپنی آمد کی اطلاع دی تو اس کی آواز سے تکان مترشح تھی۔

ہم دونوں پچھلی رات کو وقت سے سو گئے تھے اور گہری نیند لے کر کافی دیر پہلے بیدار ہو چکے تھے۔ میں نے خالد کو فوراً اوپر بلالیا۔ لابی کے مقابلے میں کمرے میں سکون سے بیٹھ کر ہم زیادہ بے فکری سے گفتگو کر سکتے تھے۔

خالد اوپر آیا تو اس کے چہرے پر شگفتگی مفقود تھی۔ آنکھوں پر ہلکا سا ورم آیا ہوا تھا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ پچھلی رات اس نے بے خوابی میں گزاری تھی۔

ہوٹل میں ملنے والی سہولیات کے بارے میں ہمیں کوئی شکایت نہیں تھی مگر خالد اس بارے میں فکر مند تھا۔ وہ ہماری گفتگو کا ابتدائی موضوع تھا پھر اس نے بتانا شروع کیا کہ اس نے ہیومن سوسائٹی اور چوہدری عظمت کی سرگرمیوں کے بارے میں رات سے ہی بھرپور پیمانے پر کام شروع کردیا تھا۔

چوہدری عظمت کی سرگرمیوں کا دائرہ کافی پھیلا ہوا تھا۔ دور افتادہ مقامات سے عطیات جمع کرنا اور پھر انہیں مستحقین تک پہنچانا اس اکیلے کے بس کا کام نہیں تھا۔ اس سلسلے میں اس کا دوست، ملک اقبال عرف بالا اس کا ہاتھ بٹاتا تھا۔

تنخواہ دار ملازمین میں شاہد اپنے سربراہ کا معتمد خاص تھا وقت کی پروا کیے بغیر ضرورت کے ہر موقع پر پیش پیش ر(ہتا) تھا۔ عملی طور پر وہ تینوں مل کر ہیومن سوسائٹی کو چلا ر(ہے) تھے۔ کام کا زیادہ بوجھ شاہد نے سنبھالا ہوا تھا کیونکہ وہ ا(س) فلاحی ادارے کا کل وقتی اور تنخواہ دار ملازم تھا لیکن چوہد(ری) عظمت نے سب کچھ اسی کی صوابدید پر نہیں چھوڑا ہوا تھا۔ خود باقاعدگی سے ہیومن سوسائٹی کے دفتر آتا تھا۔ اس (کی) آمد و رفت کے اوقات مقرر نہیں تھے۔ اس کا ایک سب(ب) بہت واضح تھا کہ وہ ہیومن سوسائٹی کے بکھیڑوں کے ساتھ کاروبار بھی چلا رہا تھا۔

خالد کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا تھا کہ ہیومن سوسا(ئٹی) کے پاس گاڑیوں کا کوئی بڑا بیڑا تھا۔ ان کے پاس بند آ(...) باڈی والے کل چار چھوٹے ٹرک تھے۔ ان میں سے تی(ن) ٹرک لاہور اور اس کے مضافات سے عطیات جمع کر(کے) بادامی باغ میں واقع ہیومن سوسائٹی کے گودام میں پہنچا(تے) تھے۔ وہاں چھانٹی کے بعد وہ استعمال شدہ ساز و سامان نئی ا(...) اور کھانے پینے کی اجناس چوتھے ٹرک کے ذریعے صوبہ سرح(د) کے لیے روانہ کردی جاتی تھیں۔ بقیہ سامان کرائے (کے) ٹرکوں سے بھیجا جاتا تھا جن پر سوسائٹی کے بینر لگا دیے جا(تے) تھے۔

ہیومن سوسائٹی والے اس بات کی تشہیر نہیں کر(تے) تھے لیکن وہ ادارہ محکمہ سماجی بہبود میں باقاعدہ رجسٹرڈ تھا یو(ں) اسے خود بہ خود ایک این جی او کا درجہ ملا ہوا تھا۔ مخیر لوگوں (کی) طرف سے ان کو خاصی مالیت کے نقد عطیات بھی ملتے تھے۔ بیشتر کا پورا ریکارڈ رکھا جاتا تھا لیکن بعض صاحب حیثیت او(ر) دردمند لوگ بھاری رقوم دینے کے باوجود اپنا نام ظاہر نہیں کرتے تھے۔ ان کی یہ مجبوری حقیقی تھی۔ انکم ٹیکس (کے) گوشواروں میں اپنی اصلی آمدنی چھپانے والے یہ اہل ثرو(ت) کار خیر میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ ان کے کارہائے خیر کے زیا(دہ) چرچے ہونے لگتے تو ان کے لیے انکم ٹیکس کے سنگین مسائل کھڑے ہو سکتے تھے۔ جہاں لوگ خال خال ہی اپنی اصل(ی) آمدنی ظاہر کرتے ہیں۔

وہ سب مثبت پہلو تھے۔ چونکانے والی بات صرف ایک تھی کہ ہیومن سوسائٹی کے اخراجات کا محتاط تخمینہ اس کی مقامی آمدنی سے کہیں زیادہ تھا۔ ان معلومات کے حصول (کے) لیے خالد کو خفیہ ذرائع تک رسائی کے لیے خاصی تگ و دو کر(نی) پڑی تھی۔ بیرونی امداد کے بارے میں اس نے اپنی کوششوں کا آغاز کردیا تھا مگر اسے فوری طور پر کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ وہ معلومات کسی بھی وقت سامنے آسکتی تھیں۔

میرے لیے ان مالی پہلوؤں سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ

ساز و سامان جمع کر کے لانے والے ایک ٹرک کی آمد سے پہلے شاہد بذاتِ خود بادامی باغ کے گودام میں موجود رہتا تھا اور پھر عملے کی کسی تبدیلی کے بغیر وہ ٹرک اسی رات صوبہ سرحد میں اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ کردیا جاتا تھا۔

ہیومن سوسائٹی کا کام پھیلا ہوا تھا۔ تین افراد اس کا نظام چلا رہے تھے اور وہی اس کے وسائل پر قابض تھے لیکن ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ہر کام خود کرلیتے۔ انہیں اپنی ہر بڑی سرگرمی کے لیے کچھ نہ کچھ ملازموں کی مدد کی ضرورت ہوتی تھی۔ وہ لوگ سر جھکا کر اپنے بڑوں کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ لیکن سامنے آنے والی ہر غیر معمولی بات ان کے حافظے میں محفوظ ہوجاتی تھی۔

رفتہ رفتہ وہ غیر معمولی باتیں بھی ان کے معمول میں شامل ہوگئی تھیں۔ وہ لوگ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ نہایت نیک نامی کے ساتھ چلائی جانے والی فلاحی این جی او کی آڑ میں کوئی مذموم کھیل کھیلا جارہا ہوگا۔

ایس ٹی ایف کے محنتی کارندوں نے بادامی باغ والے گودام کے چوکیداروں اور نچلے درجے کے دوسرے ملازموں کو مالی لالچ دے کر خاصی مشکل سے وہ معلومات حاصل کی تھیں جو مجھے کام آگے بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتی نظر آرہی تھیں۔

”وہ لوگ اتنا جانتے ہیں تو انہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ خاص ٹرک کس علاقے سے آتے ہیں“ غزالہ نے پوچھا۔

خالد کے ہونٹوں پر تھکی ہوئی مسکراہٹ پھیل گئی ”مجھے معلوم تھا کہ یہ سوال ضرور اٹھے گا۔ اس پر میں نے خود رات کالی کی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ قصور اور اس کے گردونواح سے لوٹنے والے ہر ٹرک کے لیے شاہد پہلے سے بادامی باغ والے گودام میں موجود رہتا ہے۔“

”میں قصور کبھی نہیں گیا لیکن سنا ہے کہ ان اطراف میں سرحدی گاؤں بہت قریب واقع ہیں“ میں نے چونک کر کہا۔

”قصور اور بھارتی شہر فیروزپور کے درمیان کئی گاؤں آباد ہیں۔ فوجی چوکیاں بھی موجود ہیں مگر پھر بھی سرحد کے ہر انچ کی نگرانی ممکن نہیں ہوتی“ خالد نے بتایا۔

”تم صرف اندازے کی بات کررہے ہو۔ اس بارے میں کوئی یقینی بات معلوم نہیں ہوسکی؟“ میں نے سوال کیا۔

”اس ٹرک پر ہمیشہ ڈرائیور اور کلینر کی ایک ہی جوڑی ہوتی ہے۔ وہ دونوں شاہد اور چوہدری عظمت کے رازداں معلوم ہوتے ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ قصور سے بادامی باغ کے راستے طورخم تک آنے جانے والے مشتبہ ٹرک پر ہمیشہ وہی دونوں ہوتے ہیں۔ وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتے۔ جمع ہونے والے عطیات کی بعض رسیدوں سے لوگوں کو یہ سن گن ملی ہے کہ وہ دونوں اسی راستے پر آتے جاتے رہتے ہیں۔“

”آدمی وہی رہتے ہیں۔ راستہ ایک ہے۔ یہی اس قصے کی کلید معلوم ہوتی ہے“ میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

”ہماری کوششوں کے ابتدائی نتائج حوصلہ شکن تھے مگر پھر جمود ٹوٹا اور باتیں سامنے آنے لگیں۔ مجھے سوفیصد یقین ہوچکا ہے کہ ہیومن سوسائٹی کی آڑ میں کوئی بہت گندا کھیل کھیلا جارہا ہے۔ انہیں چھوٹ دے کر بہت بڑی غلطی کی گئی تھی۔“

”چھوٹ؟“ میں نے حیرت سے پوچھا ”کیا انہیں یہاں کسی قسم کی چھوٹ بھی ملی ہوئی ہے؟“

”کیمیکل کی اسمگلنگ کا سراغ لگانے کے لیے جب بھی اچانک چوکیاں بنا کر گاڑیوں کی جانچ پڑتال کی گئی، ایمبولینسوں اور رفاہی اداروں کی گاڑیوں کو بالکل نہیں چھیڑا گیا۔ یہ سب سے بڑی غلطی تھی۔ یہ چھوٹ نہ دی گئی ہوتی تو یہ لوگ بہت پہلے گرفت میں آگئے ہوتے۔“

”ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ اس وقت سے پہلے کوئی کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا“ غزالہ نے اس کے متاسفانہ لہجے پر تشفی دی ”اب ان کا وقت پورا ہوچکا ہے۔ ان کے لیے تمہارے ذہن میں کیا تجویز آئی ہے۔“

”جب سے حقائق سامنے آئے ہیں، میں ڈھنگ سے کوئی بات سوچنے کے قابل نہیں رہا۔ رہ رہ کر غصہ آرہا ہے کہ ہیومن سوسائٹی والے ہماری ناک کے نیچے جرائم کا ارتکاب کررہے تھے اور ہم ان کو نظرانداز کیے بیٹھے تھے۔ پتا نہیں تمہاری توجہ ان کی طرف کیسے مبذول ہوگئی۔“

”ان کا وقت پورا ہوگیا تھا ورنہ ان کا نام اتفاقاً ہمارے سامنے آیا تھا“ میں نے اسے بتایا ”غزالہ نے شہر بھر میں لگے ہوئے دیواری اشتہاروں کا ذکر نہ کیا ہوتا تو مجھے ہیومن سوسائٹی کا خیال بھی نہ آتا۔ وہ این جی او ہے اور میں این جی اوز کا تلخ تجربہ رکھتا ہوں۔ ان کے تابوت میں دوسری کیل تم نے ٹھونکی تھی۔ اگر تم ان کی غیر معمولی ایمان داری اور نیک نامی پر زور نہ دیتے تو پھر بھی میں شاید انہیں بھول جاتا۔ پاکستان میں صرف ایک ہی شخص ہے جو مفت کے مال کو اپنی پوری صلاحیتوں کے مطابق صحیح مصرف میں لاتا ہے۔ اس سے نیک نیتی میں فیصلے کی کوئی غلطی ہوتی ہو تو وہ الگ بات ہے مگر وہ مخلص آدمی ہے۔“

”آپ شاید عبدالستار ایدھی کی بات کررہے ہیں؟“ غزالہ بولی ”بعض لوگ تو اس پر بھی کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔“

”میں نے یہی بات پکڑی تھی۔ لوگ ایدھی کو نہیں

بخشتے، چوہدری عظمت کیسے اس سے آگے ہو سکتا ہے۔"
"یہ مشاہدے اور تجربے کا کمال ہے" خالد نے سر جھکا کر کہا "بات اتنی معمولی ہوتی تو کسی اور کے ذہن میں بھی آ سکتی تھی۔ یہاں ایک سے ایک گھاگ افسر بیٹھا ہوا ہے۔ بعض لوگوں کا انتظامی تجربہ میری کل عمر سے بھی زیادہ ہوگا۔"
"ویسے تمہاری عمر کیا ہے؟" میں نے ہنستے ہوئے سوال کر ڈالا۔
"تیس برس ہونے والی ہے" اس نے میرے چبھتے ہوئے سوال کا برا منائے بغیر جواب دیا۔
"پھر تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں نے جب سے تمہیں دیکھا ہے، مسلسل ایک سوال میرے ذہن پر طاری ہے کہ اتنی کم عمری میں اسپیشل ٹاسک فورس کے اسٹیشن کمانڈر کیسے بن گئے۔ میرا اندازہ تھا کہ اس عہدے پر ادھیڑ عمر اور تجربے کار ریٹائرڈ فوجی مقرر کیے جاتے ہوں گے۔"
"یہ کوئی پیرا ملٹری فورس نہیں ہے" خالد نے بلا توقف جواب دیا "فورس کے قیام کے مقاصد بہت محدود اور مخصوص ہیں۔ اس میں ریٹائرڈ فوجی افسروں اور جوانوں کی خاصی تعداد شامل ہے مگر مجھ جیسے متعدد کارکن باہر سے بھی لیے گئے ہیں۔"
"یہ بات پھر رہ گئی کہ ہیومن سوسائٹی کے خلاف کیا قدم اٹھانا چاہیے؟" غزالہ نے ٹوکا۔
"ہمیں کچھ دن انتظار کرنا ہوگا۔ جب بھی ان کا اگلا ٹرک قصور کی طرف جائے، ہمیں ناکا بندی کر لینی چاہیے۔ واپسی پر ٹرک رنگے ہاتھوں پکڑا جائے گا۔ اس میں سے کیمیکل یا کوئی بھی مشتبہ سامان برآمد ہوتے ہی ہیومن سوسائٹی کے اہل کاروں پر ہاتھ ڈال دیا جائے گا، دفتر اور گودام کو سیل کیا جا سکتا ہے۔ ثبوت کی موجودگی میں کوئی اس کارروائی کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکے گا۔"
"تم اس معاملے کو اب بھی شہری اداروں کے ذریعے نمٹانے کے بارے میں سوچ رہے ہو" میں نے پوچھا۔
"یہ دوسری ایجنسیوں کا کیس ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ کئی ادارے اس کیس پر کام کر رہے ہیں لیکن ابھی تک کسی کو صحیح سراغ نہیں مل سکا۔ ثبوت کے ساتھ سراغ ملے گا تو وہ آناً فاناً میں چوہدری عظمت اور اس کی این جی او کو تہس نہس کر کے رکھ دیں گے۔"
"یہ معاملہ طول پکڑ جائے گا" میں نے پرتشویش انداز میں کہا "ہو سکتا ہے کہ ہیومن سوسائٹی میں ہی یہ بات پھیل جائے کہ باہر کے کچھ لوگ اس کے ملازمین سے پوچھ گچھ کرتے پھر رہے تھے۔ چوہدری عظمت، ملک اقبال اور شاہد کو اس باز پرس کی ذرا بھی بھنک مل گئی تو وہ تینوں غائب ہو جائیں گے۔"
"میں دوسروں کے دائرہ کار میں کیسے مداخلت کر سکتا ہوں؟" اس نے بے بسی سے پوچھا۔
"مداخلت کی بات نہیں ہے۔ تم خود مجھے بتا چکے ہو کہ لاہور میں یہ وبا بہت بڑھ چکی ہے۔ تم اس بارے میں پریشان تھے۔ اگر دوسروں کو کامیابی نہیں ہوتی تو ضروری نہیں کہ تم دور سے تماشا دیکھتے رہو۔ جرم کی سرکوبی کے لیے تم ہر وقت بڑھ کر وار کر سکتے ہو" میں نے محتاط انداز میں کہا۔
"پیشہ ورانہ دیانت کا تقاضا ہے کہ پہلے میں متعلقہ اداروں کو اپنی معلومات سے آگاہ کروں پھر ان کی اعانت اور اجازت سے کوئی قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔ ایس ٹی ایف میں ڈسپلن کے سوا کچھ بھی نہیں، میں ایک یونٹ کا کمانڈر ہوتے ہوئے اس ڈسپلن کو کیسے توڑ سکتا ہوں۔"
میں سوچ میں پڑ گیا۔ نئی سگریٹ سلگانے کے بعد میں نے اس سے پوچھا "قصور کی طرف ان کا ٹرک کتنے دنوں بعد جاتا ہے۔"
"کوئی وقفہ مقرر نہیں ہے" اس نے براہِ راست میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ وقفہ ایک ہفتے سے ایک ماہ تک ہو جاتا ہے۔ آخری بار ٹرک دس دن پہلے ادھر ہو کر آیا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا اگلا پھیرا کب ہوگا۔ میں نے اپنے دو آدمی قصور جانے والے راستے کی نگرانی پر مامور کر دیے ہیں۔ ٹرکوں پر لکھی ہوئی اردو اور انگریزی عبارت میں ہیومن سوسائٹی کا نام نمایاں ہے۔ وہ دور سے پہچانے جا سکتے ہیں۔"
چوہدری عظمت کے ہر کام میں چالاکی اور مکاری مضمر تھی۔ لاہور سے بھارتی سرحد کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا مگر وہ قصور کے راستے کیمیکل اسمگل کر رہا تھا۔ سرحد پار سے جو کچھ آتا تھا، وہ اس کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا تھا گودام میں شاہد مال کی جانچ پڑتال کر کے اسے فوری طور پر آگے روانہ کر دیتا تھا۔ شاید وہ اپنے خریداروں کی ضروریات کے مطابق مال منگواتا تھا۔ یہ ممکن تھا کہ بھارتی اسمگلروں سے اس کے مواصلاتی رابطے رہے ہوں۔ چوہدری عظمت کی فون کال پر بھارتی اسمگلر مال مقررہ مقام پر پہنچا دیتے ہوں۔ وہاں سے چوہدری عظمت کا دو نفری عملہ مال لاہور لے آتا ہو۔
وہ چوہدری عظمت کے گھناؤنے دھندے کا سب سے مضبوط احتیاطی پہلو تھا۔ اس کے گھر، ہیومن سوسائٹی کے دفتر یا گودام پر چھاپا مار کر کچھ برآمد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جو کچھ تھا، وہ بھارتی زمین پر تھا یا طورخم سے آگے خیبر کے پہاڑی سلسلے میں تھا۔ پاکستان کو اس کیمیکل کی گزرگاہ کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ اسے صرف دورانِ سفر پکڑا جا سکتا تھا۔ شاید

خالد نے وہ سب سوچنے کے بعد اپنے آدمیوں کو لاہور اور قصور کے درمیانی راستے کی نگرانی پر لگایا تھا۔
"میری عقل بھی ماؤف ہو کر رہ گئی ہے" میں نے کچھ دیر تک ان پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد خالد سے کہا "شاید اول خان مجھے کوئی بہتر مشورہ دے سکے۔"
خالد میری چال کو نہیں سمجھ سکا۔ سعادت مندانہ انداز میں بولا "مشورہ کرنا ہمیشہ سودمند ثابت ہوتا ہے۔"
خالد میں سب دوستانہ خوبیاں تھیں۔ وہ ہماری دیکھ بھال کر رہا تھا، میری بات مان رہا تھا مگر فیصلے کے لیے میرا کوئی مشورہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں ایک بار اس تجربے سے گزر چکا تھا اور اسے دہرانے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس کے دماغ میں جو بات بیٹھ چکی تھی اسے نکالنا میرے بس سے باہر تھا جب کہ اول خان نے میرے ہر مشورے کو بے چون و چرا قبول کر کے میری عادت بگاڑ دی تھی۔
میرے ایما پر غزالہ نے آپریٹر سے لائن لے کر کراچی میں اسٹیشن فور کا نمبر ملایا۔ وہ وہاں نہیں پہنچا تھا۔ ادھر سے حامد نے غزالہ کو بتایا کہ اول خان اپنے گھر سے نکل چکا تھا اور راستے میں ویرا اور سلطان شاہ کے پاس رکا ہوا تھا۔ ہم دونوں کے لاہور آجانے کے بعد وہ ان دونوں کی خبرگیری کو اپنا فرض تصور کر رہا تھا۔ اس کے لیے ایک سہولت یہ تھی کہ ہمارا گھر اول خان کے گھر اور دفتر کے درمیان واقع تھا۔ وہ آتے جاتے ہوئے اپنی سہولت کے مطابق کسی بھی وقت وہاں رک سکتا تھا۔
غزالہ نے ہمارے گھر کا نمبر ملایا تو ادھر سلطان شاہ تھا۔ اس سے خیر خیریت معلوم کرنے کے بعد غزالہ نے اول خان کے بارے میں پوچھا اور ریسیور مجھے دے دیا۔
"سنا ہے کہ لاہور میں تم جہانگیر کے ماموں سسر سے الجھ پڑے ہو؟" میری آواز سنتے ہی اول خان نے پوچھا۔
"ویرا نے تمہارے کان بھرے ہوں گے" میں نے ہنس کر کہا "بس اس کے ستارے گردش میں آ گئے تھے۔ اب بات کافی آگے بڑھ گئی ہے۔ معاملہ اس کے خلاف کارروائی تک آ گیا ہے مگر یہاں میرے کچھ تحفظات ہیں۔ شاید خالد کے لیے بھی کوئی قدم اٹھانا آسان نہ ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے" فون پر بات کرتے ہوئے میری نظریں خالد کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔
اول خان حاضر دماغ شخص تھا۔ میرے تحفظات اور خالد کی مشکل کا ذکر سنتے ہی بات کی تہ تک پہنچ گیا "معلوم ہوتا ہے کہ خالد سے تمہاری بھرپور ذہنی ہم آہنگی نہیں ہو سکی۔ اگر وہ کوئی فیصلہ کر چکا ہے تو میں اسے نہیں سمجھا سکوں گا۔"
"اس وقت ہم دونوں سر جوڑے بیٹھے ہیں اور کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے" میں نے اسے بریف کیا۔
"ذرا مجھے تفصیل بتاؤ پھر خالد سے میری بات کرا دو۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے پاس وقت کم ہے۔ تم لاہور چھوڑنے سے پہلے اس معاملے کو اس کے انجام تک پہنچانے کے خواہش مند ہو گے۔ اگر اب تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا تو شاید میں خالد کو سمجھا لوں گا۔"
"یہ سب تفصیل خالد سے سن لو تو بہتر رہے گا۔ میں بعد میں تم سے بات کروں گا۔ دراصل میں شاہد نامی ایک شخص کو اٹھوانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اس سلسلے میں خالد سے اب تک کوئی تازہ بات نہیں ہوئی۔ کل شام تک شواہد نہیں تھے اور خالد کو اس پر ہاتھ ڈالنے میں تھوڑا سا تامل تھا۔ اب حالات میں نمایاں تبدیلی آ چکی ہے" اول خان کے لیے وہ اشارے کافی تھے۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ میں لاہور میں کیا وقت محسوس کر رہا تھا۔
خالد اور اول خان کے درمیان خاصی دیر تک بات ہوتی رہی۔ خالد کو کچھ دیر کے لیے تخلیہ فراہم کرنے کی نیت سے میں غزالہ کے ساتھ کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا جہاں سے روشنیوں میں ڈوبے ہوئے مال روڈ پر رواں ٹریفک کا خوبصورت منظر نظر آ رہا تھا۔
وہ ہوٹل کا بند کمرا تھا مگر خالد اتنا محتاط تھا کہ اس نے اپنی بات ختم کرنے کے بعد مجھے ڈیٹی کے بجائے مظہر بھائی کہہ کر پکارا اور میں نے لپک کر اس سے ریسیور واپس لے لیا۔
ریسیور کان سے لگاتے ہی مجھے ویرا اور سلطان شاہ کی ملی جلی آوازیں سنائی دیں۔ وہ دونوں کسی بات پر الجھ رہے تھے اور اول خان ان کی بے خبری میں اسپیکر فون آن کر چکا تھا "تم سن رہے ہو کہ یہ دونوں آپس میں کس طرح لڑ رہے ہیں" دبی دبی ہنسی کے ساتھ ریسیور میں اول خان کی تیسری آواز سنائی دی "انہوں نے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ میری موجودگی میں ایک آدھ جھڑپ ضرور ہو گی۔ جھگڑا یہ ہے کہ ناشتے کے برتن کون دھوئے گا؟"
"انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور اپنے دفتر جاؤ۔ تم سے وہیں بات ہو گی۔ یہ دونوں تمہارا دماغ بھی خراب کر دیں گے۔"
"تمہیں ہمارے معاملات میں دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں" ویرا کی آواز آئی "ہم اپنے جھگڑے خود نمٹا سکتے ہیں۔ یہ بتاؤ سلمٰی کے ماموں کا کیا بنا؟"
"کچھ دیر کے لیے خاموش اور متوجہ رہو گی تو ہر بات خود بہ خود سمجھ میں آ جائے گی" وہ اول خان کی آواز تھی، وہ ویرا سے مخاطب تھا۔

"السلام علیکم!" اول خان کے خاموش ہوتے ہی سلطان شاہ کی آواز آنے لگی "تمہاری دعائیں مل گئی تھیں۔ ویرا سے تم نے دوسری بات کیا کہی تھی؟ وہ کہہ رہی ہے کہ اسے عملی طور پر مجھ تک پہنچائے گی۔ رات سے اس نے مجھے الجھن میں ڈالا ہوا ہے۔"

"اسے بھول جاؤ۔" میں نے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے سلطان کو جواب دیا "ویرا ابھی بھول جائے گی۔"

اچانک سب آوازیں معدوم ہو گئیں۔ شاید اول خان نے بھنا کر اسپیکر فون بند کر دیا تھا۔ لمحہ بھر بعد صرف وہ بول رہا تھا "واقعات میری سمجھ میں آ گئے ہیں۔ شاہد کو اس طرح اٹھایا جائے گا کہ کسی کو کانوں کان پتا نہ چل سکے۔ بازپرس کے دوران میں اسے معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ایس ٹی ایف کا قیدی ہے تاکہ آزادی کے بعد وہ فورس کے خلاف کوئی زہر افشانی نہ کر سکے۔"

"شاہد کی آزادی کی بات کر رہے ہو" میں نے بے یقینی سے کہا "جو نتائج ہم نے اخذ کیے ہیں وہ صحیح ثابت ہو جاتے ہیں تو وہ کسی رعایت کا حق دار نہیں رہے گا۔ اسے تو مار کر کہیں دفن کر دینا ہی سب سے بہتر ہوگا۔ لوگ سمجھتے رہیں گے کہ وہ خوف زدہ ہو کر باہر بلکہ بھارت بھاگ گیا ہے۔"

"نہیں... ایسا نہیں ہوگا" اول خان کی آواز سرد اور سپاٹ تھی "اس کے مستقبل کا فیصلہ خالد پر چھوڑ دو۔ یہ کیس بن جاتا ہے تو پاکستان کو عالمی سطح پر سرخروئی حاصل ہوگی۔ اس وقت پوری دنیا منشیات کے مسئلے سے پریشان ہے۔"

"حیرت ہے کہ فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا کے تجربات کے بعد بھی تم اس خوش گمانی میں مبتلا ہو۔ تم کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ این جی اوز کو وہی قوتیں پروان چڑھا رہی ہیں جو تمہاری بدخواہ اور دشمن ہیں۔ وہ ہیومن سوسائٹی کی بیخ کنی پر بھی شور مچائیں گی۔"

"وہ این جی اوز میں سیاسی اور معاشی مقاصد کے حصول کے لیے سرمایہ کاری کرتی ہیں۔ منشیات کے فروغ کے تصور سے ان کی جان نکلتی ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ کیمیکل کا دھندا چوہدری عظمت کی ہوسِ زر کا نتیجہ رہا ہوگا۔ آدمی کے پاس دولت کا ڈھیر جتنا بڑھتا جاتا ہے' ہوس میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ کاروباری آمدنی' عطیاتی فنڈز اور این جی اوز گرانٹ کے بعد اسے اپنا منہ کالا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کوئی اس کے لیے آواز نہیں اٹھائے گا۔"

"یہ اچھا ہوا کہ تمہاری اور خالد کی بات ہو گئی۔ میں اس کے لیے کوئی دشواری پیدا نہیں کروں گا۔ مجھے صرف شاہد کے اعترافات کی ضرورت ہے۔"

"میں تمہاری کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔ خالد تمہارے ساتھ پورا تعاون کرے گا۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ میرے فارغ ہوتے ہی خالد بولا "اول خان میری اس رائے سے متفق ہیں کہ چوہدری عظمت کو براہِ راست نہ چھیڑا جائے بلکہ تمہاری ابتدائی تجویز کے مطابق شاہد کو استعمال کیا جانا چاہیے۔ میں کوشش کروں گا کہ اسے جلد از جلد اسٹیشن تھری پہنچا دیا جائے۔ اس کے قابو میں آتے ہی تمہیں مطلع کر دیا جائے گا۔ سنا ہے کہ تمہاری بازپرس کے سامنے بڑے بڑے ضدی مجرم بے بس ہو جاتے ہیں۔"

"وقت آنے پر دیکھا جائے گا کہ شاہد کے معاملے میں ہمیں کتنی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔"

وہ رات بھر کا تھکا ہوا تھا۔ نئی سرگرمیوں کے آغاز سے پہلے کچھ دیر کے لیے آرام کی شدید ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ صرف چائے پی کر کچھ دیر بعد واپس چلا گیا۔

"میں محسوس کر رہی ہوں کہ خالد کے ساتھ کام کرنے میں آپ کچھ دشواری محسوس کر رہے ہیں" اس کے جانے کے بعد غزالہ نے ہلکی سی دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "شروع سے ہی آپ دونوں کا رویہ مدافعانہ ہے۔ اس میں اول خان والی بات نہیں ہے۔"

"شروع میں اول خان بھی اتنا مددگار نہیں تھا۔ مفاہمت کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ وہ میرے بارے میں سنی سنائی باتوں پر اعتبار کر کے اپنی نوکری کو داؤ پر نہیں لگا سکتا۔ کچھ دن کے لیے ہمیں ایک ساتھ کام کرنے کا موقع ملے تو شاید یہ اول خان کو بھی پیچھے چھوڑ دے۔"

ہم دونوں ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔ غزالہ کی تجویز پر ہم نے کپڑے تبدیل کیے اور لاہور کی سیر کے لیے ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔

لاہور کی قدیم تاریخی شہرت بلاوجہ نہیں ہے۔ پرانے شہر کی حدود میں جابجا تاریخی عمارات و یادگاریں بکھری ہوئی ہیں لیکن شہر کے مزاج سے واقفیت کے لیے سب سے بہتر مقام یادگارِ پاکستان ہے جہاں متعدد نئی اور پرانی یادگاریں ہر آنے والے کو مسحور کر دیتی ہیں۔ شاہی قلعہ' بادشاہی مسجد' مینارِ پاکستان' منٹو پارک' سب آس پاس واقع ہیں اور ان کی تفصیلی سیر کے لیے کئی دن بھی ناکافی ہیں۔ میں ٹیکسی لے کر اسی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں کی گوناگوں دلچسپیوں میں ہم بہت آرام سے اپنا وقت گزار سکتے تھے۔ جس وقت بھی تھکن محسوس ہوتی' بقیہ سیر اگلے دن کے لیے موقوف کر کے واپس آ سکتے تھے۔

ہوٹل سے روانگی کے وقت غزالہ بہت پرجوش تھی لیکن مینارِ پاکستان سے قدیم و جدید لاہور کا حسین منظر دیکھنے

کے بعد ہم بادشاہی مسجد کی حدود میں داخل ہوئے تو اندازہ ہوا کہ کافی وقت گزر چکا تھا۔ بادشاہی مسجد اور اس کے احاطے میں علامہ اقبال کے مزار سے لوٹتے ہوئے شام کے سائے دراز ہونے لگے تھے۔ کئی گھنٹوں تک پیدل چلنے کی وجہ سے ہم دونوں تکان محسوس کر رہے تھے۔ مسجد کے دوسرے دروازے سے نکل کر ہم واپس چل دیے۔

ہوٹل میں ہمارے لیے دو پیغام موجود تھے۔ دونوں خالد کی طرف سے تھے۔ وہ ہمارے جوابی فون کا منتظر تھا۔

کمرے میں پہنچتے ہی میں نے انسٹیشن تھری کا نمبر ملایا تو وہ وہاں موجود تھا۔

"اب میں مایوس ہو گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم کہیں دور نکل گئے تھے" اپنی ہیلو کے جواب میں مجھے خالد کی مسرت آمیز آواز سنائی دی۔

"زیادہ دور نہیں، بس بادشاہی مسجد تک گئے تھے۔ تمہاری کال کی توقع ہوتی تو ہوٹل میں ہی رکے رہتے۔"

"شاہد بہت اوباش اور رنگین مزاج آدمی ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اسے گھیرنے کے لیے کیوں نہ کوئی رنگین جال ڈالا جائے۔ وہ کوئی مزاحمت کیے بغیر، بہت آسانی سے ہمارے قابو میں آجائے گا۔ کوئی اور طریقہ اختیار کیا تو وہ ناکام بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے ایک بار خطرے کی بو سونگھ لی تو دوبارہ قابو میں نہیں آسکے گا" وہ بتا رہا تھا "کسی کو ملازمت کی تلاش میں ہیومن سوسائٹی بھیجا جائے تو شاہد ضرور اسے رجھانے کی کوشش کرے گا۔"

اس کی وہ تجویز سنتے ہی میں سوچ میں پڑ گیا کہ چارے کے طور پر اس کے ذہن میں کس کا نام تھا۔ میں نے بہت محتاط رہتے ہوئے پوچھا "اس کام کے لیے تم کسے بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" مجھے ڈر تھا کہ میں نے اس کی تجویز کی تائید کی اور اس نے غزالہ کا نام لے دیا تو بات بہت سنگین ہو سکتی تھی۔

"معاملہ بہت نازک ہے۔ کرائے کی کسی لڑکی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا" اس کی تمہید پر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں مگر خالد کے مزاج میں گستاخی کا کوئی عنصر نہیں تھا۔ وہ میل جول اور مراتب کے آداب سے واقف تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "میں سوچ رہا ہوں کہ فرزانہ کو وہاں بھیج دوں۔"

میرے دہانے سے بے اختیار اطمینان کا ایک گہرا سانس خارج ہو گیا "میں تمہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ تمہاری بیوی ایک خالص گھریلو عورت ہے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے ساتھ شاہد کا رویہ کیا ہو گا۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا! یہ خیال ذہن سے نکال دو۔ غزالہ اس سے کہیں بہتر ہے۔ ہتھیار چلا لیتی ہے، مارشل آرٹس سے واقف ہے پھر بھی میں اسے یہ کام نہیں سونپ سکتا۔ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو زندگی بھر کے پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"بیگم صاحبہ، بالکل ناموزوں ہیں۔ ان کے بولنے سے پہلے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ لاہوری نہیں ہیں۔ کوئی خوش شکل مقامی لڑکی ہی یہ کام کر سکتی ہے" اس نے غزالہ کا نام یکسر مسترد کر دیا "میں اس تجویز کے بارے میں تمہاری رائے جاننا چاہ رہا تھا۔ طریقہ مناسب سمجھو تو میں کسی اور کو ڈھونڈتا ہوں۔"

"اگر اس نے ہیومن سوسائٹی کے دفتر ہی کو اپنا عشرت کدہ بنایا ہوا ہے تو تجویز خطرناک ہے۔ لڑکی اسے اس کی کچھار سے باہر لانے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو یہ کوشش ضرور کی جانی چاہیے۔ کسی شور شرابے کے بغیر ہمارا کام پورا ہو جائے گا۔"

خالد سے بات ختم ہو گئی لیکن میرے دل و دماغ پر اس کی پیشکش کے گہرے اثرات چھائے رہے۔ جب تک وہ پوری طرح مطمئن نہیں ہوا، شاہد کو چھیڑنے پر بھی آمادہ نہیں تھا لیکن جب اس اقدام کی افادیت اس کے ذہن میں بیٹھ گئی تو وہ اسے پھانسنے کے لیے اپنی بیوی کو بھی آلہ کار کے طور پر استعمال کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ وہ مقصد سے لگاؤ کا بے مثال ثبوت تھا۔ جو لوگ اپنے کام سے مخلص ہوں، وہ مقصد کی تکمیل کے لیے نہ صرف سب کچھ کر گزرتے ہیں بلکہ اپنی جانوں پر بھی کھیل جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دم قدم سے قومیں روئے زمین پر فخر سے اپنا سربلند کر کے اس وقت تک زندہ رہتی ہیں جب تک ان میں اس قبیل کا آخری آدمی موجود رہتا ہے۔

سات بجے خالد نے فون پر اپنی ناکامی کا اعلان کر دیا۔ اسے اپنی خواہش کے مطابق ایسی کوئی لڑکی نہیں مل سکی تھی جسے شاہد کے لیے چارے کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔

"اس وقت شاہد کہاں ہے؟" میں نے اس کا مایوسانہ جواب سن کر پوچھا۔

"ہیومن سوسائٹی کے دفتر کی نگرانی ہو رہی ہے، ابھی وہ وہیں موجود ہے۔"

"پھر تم فوری طور پر ہوٹل آجاؤ۔ میں ہوٹل کی لابی میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"کسی تیاری کی ضرورت ہو تو وہ بھی بتا دو" کچھ پوچھ گچھ کے بغیر اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"کسی تیاری کی ضرورت نہیں۔ تم لاہور سے واقف ہو اور مجھے آسانی سے اسٹیشن تھری تک بھی پہنچا سکتے ہو۔ اس وقت یہی دو بنیادی ضروریات ہیں۔"

"آل رائٹ! میں پندرہ منٹ میں تمہارے ہوٹل پہنچ رہا ہوں" اس جواب کے ساتھ اس نے فون بند کر دیا۔

وہ خالد کی فون کال تھی۔ میں نے جو کچھ کہا' وہ خالد کے جواب میں کہا تھا۔ غزالہ کو گمان تک نہیں تھا کہ یوں اچانک کوئی پروگرام بن جائے گا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ فون بند ہونے کے بعد اس کی زبان کھل گئی "یہ آپ نے کیا کیا؟ طے ہوچکا تھا کہ آپ یہاں کس لمبے بکھیڑے میں نہیں الجھیں گے لیکن آپ ہیومن سوسائٹی کے معاملے میں زیادہ سے زیادہ ملوث ہوتے جارہے ہیں۔ یہ سلسلہ کہاں ختم ہوگا؟"

"میں جو کچھ کررہا ہوں' اس کا مقصد یہی ہے کہ یہ چکر جلد از جلد ختم ہوجائے۔ وہ اپنی بیوی تک کو میدان میں اتارنے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ یہ جان لینے کے بعد مناسب نہیں تھا کہ میں اپنی طرف سے کوئی پیش کش نہ کرتا۔ تم فکر نہ کرو' میں تھوڑی دیر بعد ہوٹل لوٹ آؤں گا۔"

"شاہد موم کا کوئی پتلا نہیں ہے۔ وہ جسیم' پھرتیلا اور حاضر دماغ نظر آرہا تھا۔ آسانی سے قابو میں نہیں آئے گا" غزالہ فکرمند تھی۔

میں نے اپنا ہاتھ الٹ کر اس کے سامنے کردیا "یہ انگوٹھیاں دیکھ رہی ہو۔ ان کے ہوتے ہوئے وہ زیادہ ہاتھ پیر نہیں چلاسکے گا۔"

"یہ انگوٹھیاں وغیرہ اس وقت کام کریں گی جب وہ آپ کو اپنے قریب آنے کا موقع دے گا۔ بظاہر وہ انجان بن کر اپنے دفتر سے نکلتا چلا گیا تھا مگر مجھے شبہ ہے کہ وہ ہم دونوں کو دیکھ چکا ہے۔ اس نے دور سے آپ کو پہچان لیا تو وہ گولی چلانے میں دیر نہیں لگائے گا۔"

"تمہاری باتوں سے یوں معلوم ہورہا ہے جیسے میں خودکشی کرنے کے ارادے سے جارہا ہوں اور تم مجھے اس سے روکنے کی کوشش کررہی ہو۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ خطرے کی صورت میں ہم اس سے دور رہیں گے اور کسی مناسب موقع کا انتظار کریں گے۔ مجھے بھی اپنی جان بہت عزیز ہے۔"

غزالہ نے مجھے روکنے کی بہت کوشش کی۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی سمجھ رہی تھی کہ خالد سے پروگرام طے کرلینے کے بعد میرا پیچھے ہٹنا ممکن نہیں تھا۔ ہمارے مسائل اور اگلے پروگرام صرف ہمارے علم میں تھے۔ خالد کو ان کی بھنک نہیں ملی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے میری پیشکش پر کسی تردد کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ اس کے ذہن پر بس ایک دھن سوار تھی کہ شاہد کو اغوا کرنا ناگزیر ہوچکا تھا۔ ہر قیمت پر وہ کام جلد از جلد ہونا چاہیے تھا۔

اپنی کوششوں میں ناکام ہونے کے بعد غزالہ نے نصیحتوں کا سلسلہ شروع کردیا۔ وہ بولتی رہی۔ میں کپڑے بدلنے کے دوران میں اس کی باتیں سنتا رہا۔ تیار ہوگئی تو اسے دلاسا دے کر میں ہوٹل کے کمرے سے نکل گیا۔

لابی میں مجھے زیادہ دیر تک خالد کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چند منٹ بعد وہ آپہنچا۔ دروازے پر اس کی جھلک دیکھتے ہی میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی خالد نے میری گود میں ایک چھوٹا سا ایرپیس ڈال کر کہا کہ میں اسے آن کردوں۔ پارکنگ لاٹ سے گاڑی باہر نکالتے ہوئے اس نے میرے استفسار پر بتایا کہ وہ ٹرانسمیٹر اس کے ان آدمیوں سے رابطے کا ذریعہ تھا جو ہیومن سوسائٹی کی نگرانی کررہے تھے۔

میں نے ایرپیس آن کردیا۔ اس پر ہلکے ہلکے ریڈیائی شور کے علاوہ کوئی آواز نہیں تھی۔ میں نے ایرپیس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "ذرا معلوم کرو کہ اب وہ کہاں ہے؟"

خالد نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا۔ دوسرے سے ایرپیس کا بٹن دبا کر اپنا سوال نشر کیا۔ لائن اوور ہوتے ہی اسے رپورٹ مل گئی۔ شاہد بدستور دفتر میں تھا۔ چوہدری عظمت کا اس روز بھی دفتر میں کوئی پتا نہیں تھا۔ خالد نے پیغام سننے کے بعد گاڑی کی رفتار بڑھادی۔

"تم اس سے دفتر میں ملنے کا ارادہ تو نہیں کرچکے؟" چند لمحوں کے سکوت کے بعد خالد نے چونک کر پوچھا۔

"تمہیں مجھ سے ایسی کسی حماقت کی توقع نہیں رکھنی چاہیے" میں نے ہنس کر جواب دیا "ہماری کوشش ہوگی کہ راستے میں اسے کسی ویران جگہ پر رکنے کے لیے مجبور کیا جائے۔ ایک بار ہم اس کے قریب پہنچ گئے تو وہ اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے بے ہوش کردیا جائے گا۔"

"تمہارے جسم سے پرفیوم کی خوشبو آرہی ہے۔ میرا پسینہ زیادہ بدبودار نہیں ہے پھر وہ کیسے بے ہوش ہوگا؟" اس نے ہنس کر سوال کیا۔

میں نے اپنی انگلی سے انگوٹھی نکال کر اسے دکھائی "اس میں نگینے کی جگہ کیپسول ہے۔ دباؤ پڑنے سے کیپسول میں بھرا ہوا سریع الاثر محلول ایک ننھی سی کھوکھلی سوئی سے گزر کر آٹو انجکشن کے اصول کے تحت اس کے جسم میں داخل ہوجائے گا۔"

"نایاب اور کارآمد انگوٹھی ہے" خالد نے حیرت اور مسرت سے کہا "ایسی انگوٹھیاں کہاں سے مل سکتی ہیں؟"

میں نے اول خان کا نام لینا مناسب نہ سمجھا "میرے پاس بھی یہ اکلوتی انگوٹھی ہے' جس دن اس کا کیپسول خالی ہوگیا' یہ ناکارہ ہوجائے گی۔ ایک دوست نے بہت پیار سے تحفے میں دی تھی۔ بازار میں کہیں دستیاب نہیں ہوگی۔"

میری تجویز سن کر خالد پرسکون نظر آنے لگا۔ اگلا موڑ کاٹتے ہوئے وہ بولا "ہمیں سب کچھ طے کرلینا چاہیے۔ میں

اسے دوسری نشست پر دھکیل کر اس کی گاڑی سنبھال لوں گا۔ تم اس گاڑی میں میرے پیچھے آؤ گے۔ اسے ہم گاڑی سمیت اسٹیشن تھری لے جائیں گے۔ اس کی گاڑی شہر میں لاوارث کھڑی ہوئی دیکھ لی گئی تو معاملہ گڑبڑ ہوجائے گا۔ حالات نے اجازت دی تو اسے گاڑی سمیت کہیں واپس چھوڑ دیا جائے گا۔"

"مجھے اس کی آزادی کی توقع نہیں ہے۔ اگر ہمارے منصوبے کا پہلا حصہ مکمل ہوجاتا ہے تو تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ شاہد کو اس کے اعترافات سمیت کس ادارے کے حوالے کیا جائے۔"

"اس کیس میں پولیس سے اینٹی نارکوٹکس فورس تک سارے سویلین ادارے دلچسپی لیں گے۔ میرا ارادہ پولیس والوں سے تعاون کرنے کا ہے۔"

"میری رائے میں یہ کیس اینٹی نارکوٹکس والوں کو جانا چاہیے تاکہ منشیات اور این جی اوز کے حوالے سے اس کی تشہیر ہوسکے۔ ایک عام پولیس کیس بننے کی صورت میں اس کی اہمیت ختم ہوکر رہ جائے گی۔"

"اس کے لیے ہمارے پاس وقت ہے۔ میری دعا ہے کہ ہم اپنی ابتدائی کوشش میں کامیاب ہوجائیں۔"

تھوڑی دیر بعد ہم ہیومن سوسائٹی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ خالد نے گاڑی اس عمارت سے کچھ پہلے ایسی جگہ پارک کردی جہاں روشنی کم تھی اور پہلے سے چند گاڑیاں پارک کی ہوئی تھیں۔ خالد اور اس کے آدمیوں کے پاس لاسلکی مواصلاتی آلات موجود تھے مگر وہ غیر ضروری طور پر انہیں استعمال نہیں کررہے تھے۔ جب سے خالد نے ان سے رپورٹ لی تھی، اس کے آدمیوں نے دوبارہ رابطہ نہیں کیا تھا۔

"نمبر ون کالنگ فار نمبر ٹو.... اوور!" کئی منٹ کے طویل اور بوجھل انتظار کے بعد خالد نے ٹرانسمٹر پر پیغام نشر کیا۔

"نمبر ٹو کالنگ سر!" اسپیکر پر ہلکی سی بھرائی ہوئی مردانہ آواز ابھری "صورتِ حال ابھی تک جوں کی توں ہے۔ وہ اندر ہے۔ اس کی کالی ٹویوٹا باہر کھڑی ہوئی ہے۔ اس عمارت کے دو دروازے ہیں۔ ہم دونوں ان کی الگ الگ نگرانی کررہے ہیں۔ ابھی تک نمبر تھری نے خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ وہ ادھر سے نکلا تو نمبر تھری فوراً لائن پر آکر رپورٹ دے گا۔ کچھ ہونے تک ہم دونوں اسٹینڈ بائی پر ہیں، اوور!"

"گڈ! اس پر کڑی نگاہ رکھو۔ میں قریب ہی موجود ہوں .... اوور اینڈ آل!" گاڑی میں خاموشی چھاگئی۔

اس رات شاہد نے ہمارے اعصاب چٹخا کے رکھ دیے۔ تقریباً نصف گھنٹا یوں ہی بے کار بیٹھے بیٹھے گزر گیا لیکن شاہد کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں آئی۔

آٹھ بجے کے بعد اسپیکر پر دوسری آواز ابھری۔ بولنے والا پرسکون تھا مگر خبر ہیجان انگیز تھی۔ شاہد ہیومن سوسائٹی کے دفتر کے صدر دروازے سے باہر آرہا تھا۔

"فوراً گاڑی میں جاؤ۔ میں اپنی جگہ چھوڑ رہا ہوں۔ تم پروٹوکول فارمیشن لوگے اور سگنل کے بغیر کسی معاملے میں مداخلت نہیں کروگے۔ یہ بہت اہم ہے۔ اس کی گاڑی کا رخ کس سمت میں ہے، اوور!"

"گاڑی کا رخ جنوب کی طرف ہے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سیدھا جائے گا یا یوٹرن لے گا۔ وہ گاڑی تک پہنچ چکا ہے، اوور!"

خالد نے اپنی کار کا انجن اسٹارٹ کرلیا اور اضطراری لہجے میں بولا "وہ بہت تیز ڈرائیونگ کا عادی ہے۔ تم پوزیشن بتاتے رہو، اوور!"

"گاڑی چل پڑی ہے۔ وہ جنوب کی طرف چلا ہے۔ ہم بھی حرکت میں آگئے ہیں۔ آپ جہاں بھی نظر آئے، ہم پیچھے ہوجائیں گے، اوور!"

"وہ اسی طرف آرہا ہے" خالد ٹرانسمٹر گود میں رکھ کر بڑبڑایا۔ اسی لمحے کالے رنگ کی ایک نئی ٹویوٹا بہت تیزی سے ہمارے سامنے سے گزری۔ خالد کی گاڑی بھی اچھل کر سڑک پر آگئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک تیسری بڑی گاڑی ہمارے پیچھے تھی جس کی رفتار یکایک کم کی گئی تھی۔

چند ثانیوں بعد تینوں گاڑیاں سڑک پر تیزی سے سفر کررہی تھیں۔ عقب نما آئینوں کے زاویے خالد کی مدد کررہے تھے مگر میں نے گردن گھما کر دیکھ لیا تھا کہ تیسری گاڑی مناسب فاصلے سے ہمارے پیچھے چلی آرہی تھی۔

شاہد کی کار تیزی سے گلیوں میں سفر کررہی تھی۔ اندازہ ہورہا تھا کہ وہ جلد از جلد کسی خاص سڑک تک پہنچنے کی کوشش کررہا تھا۔ آخر کار اس کی کار بائیں طرف مڑ کر ایک کشادہ اور دو رویہ سڑک پر آگئی۔

"یہ کیمپس سے ہوتا ہوا نہر عبور کرنے کا ارادہ رکھتا ہے" خالد ایک بار پھر اسپیکر پر بات کررہا تھا "اس کا رخ پارک ٹاؤن کی طرف ہے۔ تم کہیں بھی آگے نکل جاؤ۔ تمہیں کسی سنسان مقام پر اس کی گاڑی سے ہلکا سا تصادم کرنا ہے۔ اسے روکنے کے بعد تمہارا کام پورا ہوجائے گا، اوور!"

اس دوران میں، میں سڑک کے وسطی سبزے پر لگے ہوئے کنکریٹ کے بورڈ پر سڑک کا نام پڑھ چکا تھا۔ تینوں گاڑیاں علامہ اقبال ٹاؤن کی مین بولیوارڈ سے گزر رہی تھیں۔ چند سیکنڈ بعد جان دار، ڈیزل انجن والی ایک تیز رفتار پک اپ غراتی اور اچھلتی ہوئی ہماری گاڑی سے آگے نکل

گئی۔ وہ ہمارے عین پیچھے سے نمودار ہوئی تھی اور یقینی طور پر خالد کے آدمیوں کے استعمال میں تھی۔

یونیورسٹی کیمپس کے آغاز سے پہلے ڈیزل پک اپ نے اپنا کام دکھادیا۔ وہ سڑک... اپنی کشادگی کے اعتبار سے خاصی مصروف معلوم ہوتی تھی مگر اس وقت وہاں زیادہ ٹریفک کا دباؤ نہیں تھا۔ پک اپ کے ڈرائیور نے ہلکا سا سائڈ دبایا تھا۔ اس کا پچھلا حصہ کالی ٹویوٹا کے فینڈر سے ٹکرایا۔ شاہد کی کار سڑک پر لہرائی اور پھر کنارے پر رک گئی کیونکہ پک اپ نے اس کے دوبارہ سڑک پر چڑھنے کا راستہ مسدود کیا ہوا تھا۔

پلک جھپکتے میں ہماری گاڑی بھی کالی ٹویوٹا کے قریب پہنچ گئی۔

میں نے گاڑی رکنے سے پہلے دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگادی کیونکہ کالی ٹویوٹا کا دروازہ ایک بار کھل جاتا تو شاہد کو زیر کرنا مشکل ہوجاتا۔ بات بڑھتی تو سڑک پر تماشا دیکھنے والی گاڑیوں کی خاصی تعداد رک سکتی تھی۔ اس وقت تک پک اپ سے کوئی نیچے نہیں اترا تھا۔

شاہد اشتعال کے عالم میں مغلظات بک رہا تھا۔ اپنی گاڑی کا اگنیشن بند کرنے کے بعد اس نے ہینڈ بریک کھینچا ہوگا۔ اس کے بعد اسے اپنا دروازہ کھولنا نصیب نہ ہوسکا۔ جوں ہی اس نے دروازے کے لیور پر ہاتھ ڈالا میں نے گھٹنا لگاکر دروازہ وہیں روک دیا اور اترے ہوئے شیشے میں سے ہاتھ ڈال کر شاہد کے داہنے رخسار پر ایک ہلکا سا گھونسا رسید کردیا۔ وہ ضرب برائے نام تھی۔ اصل مقصد کیپسول کا سیال اس کے جسم میں اتارنا تھا۔ اس میں مجھے کامیابی حاصل ہوئی۔ ایک بہت وزنی گالی اس کے منہ میں ادھوری رہ گئی اور بیٹھے بیٹھے اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

شاہد کی طرف سے اطمینان ہوتے ہی میں لپک کر ٹویوٹا کے دوسرے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس اثنا میں خالد اپنی گاڑی پارک کرکے وہاں پہنچ چکا تھا۔ میں نے شاہد کی بغلوں میں ہاتھ ڈالے۔ خالد نے پائیدان سے اس کی ٹانگیں اٹھائیں اور چشم زدن میں اسے پسنجر سیٹ پر پہنچادیا گیا۔ خالد نے پورے اطمینان سے کالی ٹویوٹا کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ میں پرسکون انداز میں ٹہلتا ہوا خالد کی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ سب واقعات اتنی تیزی سے رونما ہوئے کہ سڑک پر سے گزرنے والی کسی گاڑی کے مسافروں کو گڑبڑ کا اندازہ نہیں ہوسکا۔ زیادہ سے زیادہ یہ نظر آیا کہ کسی وجہ سے تین گاڑیاں سڑک کے کنارے رکی ہوئی تھیں۔

سفر کے لیے خالد نے پروٹوکول فارمیشن کا لفظ استعمال کیا تھا جب گاڑیوں نے دوبارہ پرانی ترتیب میں سفر شروع کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ گاڑیوں کی پوزیشن پروٹوکول کے مطابق تھی۔ ایس ٹی ایف کا مقامی سربراہ رہنمائی کررہا تھا، مہمان اس کی تقلید کررہا تھا۔ کارکنوں کی ڈیزل پک اپ سب سے پیچھے تھی۔

پنجاب یونیورسٹی کیمپس کے اختتام پر کینال بینک روڈ کا سگنل تھا۔ کالی ٹویوٹا وہاں سے بائیں طرف گھوم گئی مجھے سمتوں کا اتنا ادراک تھا کہ میں نے سمجھ لیا کہ اس وقت ہم مال روڈ کی طرف جارہے تھے جہاں سے اسٹیشن تھری کا راستہ بالکل سیدھا تھا۔

اسٹیشن تھری کا ڈیوٹی اسٹاف اپنی جگہوں پر مستعد تھا۔ شاید ان لوگوں کو علم تھا کہ ان کا اسٹیشن کمانڈر کسی اہم مشن سے لوٹنے والا تھا۔ چیک پوسٹ پر مامور عملے سے سلام لیتا ہوا، خالد اپنی بیرک پر پہنچا تو وہاں بھی کئی سادہ پوش افراد اس کے منتظر تھے۔

”قیدی کو سیل میں ڈال کر کالی گاڑی ورکشاپ میں پہنچا دو۔“ خالد نے اپنے ماتحتوں کو ہدایت دی اور مجھے لے کر اپنے دفتر کی طرف ہولیا۔ اس وقت تک ہمارے پیچھے آنے والی ڈیزل پک اپ بھی دھیرے دھیرے کیمپ کے دوسرے حصے میں پہنچ چکی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ تمام تر خطرات کے باوجود ہمارا وہ کام بہت سبک روی سے پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔

دفتر میں پہنچ کر خالد نے گرمجوشی سے مجھ سے ہاتھ ملاکر ابتدائی کامیابی پر مبارک باد دی۔ ”ایک مرحلہ کامیابی سے سرہوگیا۔ یہ بتاؤ اب کیا کرنا ہے۔“

”شاہد کو چھت سے الٹا لٹکوادو۔ کوئی شخص اس کے منہ پر ٹھنڈا پانی ڈالتا رہے تاکہ وہ جلد ہوش میں آسکے۔“

”اس کے ہوش میں آنے کا انتظار نہ کرلیا جائے۔“ خالد نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”بے سود ہے۔ وہ بہت مضبوط اور ضدی آدمی ہے۔ آسانی سے راہ راست پر نہیں آئے گا۔“ میں نے سگریٹ کا کش لے کر جواب دیا ”آنکھ کھلتے ہی خود کو الٹا لٹکا ہوا پائے گا تو اس کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ وہ صرف طاقت کی زبان سمجھنے والوں میں سے ہے۔ نرم ونازک باتیں اس پر کوئی اثر نہیں کریں گی۔“

خالد نے انٹرکام پر کسی آدمی کو قیدی کے بارے میں ہدایات دیتے ہوئے کھانے کے لیے بھی ہدایات دے دیں۔

”ابھی نو بھی نہیں بجے۔ تمہیں ابھی سے بھوک ستانے لگی۔ کیا عام طور پر اسی وقت کھانا کھالیتے ہو؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”کھانا ہم دونوں کے لیے آرہا ہے۔ وقت ہے تو کھانے سے نمٹ لیتے ہیں۔ شاہد کو ہوش آنے کے بعد شاید موقع نہ

مل سکے۔"

بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ خالد کا وہ خدشہ درست تھا۔ کیمپ کے لنگر خانے کا وقت ختم ہوچکا تھا پھر بھی آدھے گھنٹے کی قلیل سی مدت میں تازہ کھانا آپہنچا۔ اس کھانے میں کوئی تکلف یا آرائش نہیں تھی۔ بس تازگی اور ذائقے کا احساس ہر چیز پر بھاری تھا۔ کھانے کے بعد میں نے خالد کے فون کے بارے میں پوچھا تو وہ اپنی سائڈ ٹیبل پر رکھا ہوا انسٹرومنٹ میرے سامنے منتقل کرکے اپنے دفتر سے نکل گیا۔

"اپنے بارے میں غزالہ کی فکر مندی کا مجھے گہرا احساس تھا۔ میں نے فوراً ہوٹل کا نمبر ملالیا۔

"میں نے تمہیں صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ میں خیریت سے ہوں۔ مطلوبہ آدمی چھت سے الٹا لٹکا ہوا ہے۔" کمرے سے رابطہ ہونے پر میں نے کہا۔

"میں واقعی بہت فکر مند تھی۔ ویرا اور سلطان شاہ کو آپ کی طرف سے تشویش ہورہی تھی....."

"تو کیا تم ان سے میری شکایت کررہی تھیں؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا "انہیں کیا پتا کہ لاہور میں کیا ہورہا ہے۔"

"مجھے شکایت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ آپ خود ان لوگوں کو ہر بات بتاتے رہے ہیں۔ میں نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ شاہد کو گھیرنے کے لیے آپ خود میدان میں نکل گئے ہیں۔ اس بات نے انہیں پریشان کردیا۔ کچھ دیر تک میں نے انہیں آپ کی خیریت کی اطلاع نہیں دی تو وہ دوبارہ فون کریں گے۔"

"اس بار فون کے اخراجات بہت بڑھ جائیں گے۔" میں نے طنز سے کہا "ویرا یا سلطان شاہ نے کیوں فون کیا تھا۔"

"ویرا بتانا چاہ رہی تھی کہ اس نے تالاب میں پہلا کنکر پھینک دیا ہے۔ اس نے جان کو فون کیا تھا۔"

"وہ احمق عورت ہے۔ ان معاملات کی اہمیت کو سمجھے بغیر اوٹ پٹانگ حرکتیں کررہی ہے۔ اب فون آئے تو اسے بتادینا کہ وہ کوئی زک اٹھائے گی۔"

"بہتر ہوگا کہ ایسی تلخ باتیں آپ خود اسے سنائیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ بہت منہ پھٹ ہے۔"

"تم کھانا کھا کر سوجاؤ۔ مجھے دیر ہوسکتی ہے۔ میں نے خالد کے ساتھ کھانا کھالیا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

غزالہ کی یہ بات درست تھی کہ میری ویرا سے براہ راست بات ہوچکی تھی۔ اس نے مجھے یہ بھی بتادیا تھا کہ وہ جان اسمتھ کو بھارت کے سفر پر مجبور کرنے کے لیے خوف زدہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے مگر پھر بھی مجھے اس کا پیغام بے وقت کی راگنی کی طرح محسوس ہوا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا وہ کم وبیش اسی وقت جان اسمتھ کو فون کرتی جب لاہور میں شاہد کو چلتی ہوئی سڑک سے اغوا کیا جارہا تھا۔ وقت کی وہ یکسانیت کسی ناپسندیدہ واقعے کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔

میں نے خالد کے دفتر میں بیٹھے بیٹھے تین سگریٹیں پھونک ڈالیں۔ غصہ ذرا ٹھنڈا ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ ویرا پر میری برہمی بلاجواز تھی۔ اول تو جان اسمتھ اور ہیومن سوسائٹی والوں کے درمیان اس وقت تک کوئی تعلق سامنے نہیں آیا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ویرا کو قطعی علم نہیں تھا کہ میں شاہد کے خلاف کب کارروائی کرنے والا تھا۔ اگر اس نے بے خبری میں جان کو اسی وقت فون کرڈالا تھا تو یہ محض اتفاق تھا جس پر ویرا کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا تھا۔

چند منٹ بعد خالد واپس آپہنچا۔ آتے ہی اس نے بتایا کہ شاہد ہوش میں آچکا تھا۔ میں نے فوراً اپنی جگہ چھوڑدی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔ وہ الٹا لٹکا ہوا ہے مگر پھر بھی اس کا دماغ خراب ہے۔ ہوش میں آتے ہی اس نے گالیاں بکنی شروع کردیں۔ اسے خاموش کرنے کے لیے میں نے دو چار تھپڑ لگائے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔" راستے میں خالد نے کہا۔

"معزز طبقے میں شامل مجرموں کے ساتھ یہ مسئلہ رہتا ہے۔ خود کو نرغے میں پاکر وہ نروس ہوجاتے ہیں اور کسی مزاحمت کے بغیر ہتھیار ڈال دیتے ہیں یا پھر چراغ پا ہوجاتے ہیں اور برہمی کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ وہ مکافات عمل سے دوچار ہوچکے ہیں۔ جب تک ان کی اعصابی مزاحمت کو بے رحمی سے کچل کر ختم نہ کردیا جائے، وہ زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ شاہد کا تعلق اسی دوسری قسم کے مجرموں سے ہے۔"

"وہ کافی دیر سے الٹا لٹکا ہوا ہے۔ اس کا سارا جسمانی نظام تلپٹ ہوکر رہ گیا ہوگا مگر اس کا گھمنڈ بھی برقرار ہے۔ میں نے اس سے زیادہ چھیڑ چھاڑ نہیں کی تاکہ ابتدا سے ہی تم اس سے اپنے طور پر نمٹ سکو۔"

خالد نے وہ بات بہت سیدھے سادے انداز میں کہی تھی لیکن مجھے اس کے الفاظ میں ایک چیلنج سا محسوس ہوا۔

ہمارے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہم برآمدے کا پختہ فرش طے کرکے اس کوٹھری تک پہنچ گئے جس کے دروازے پر خالد کے تین آدمی نظر آرہے تھے۔ وہ تینوں سادہ کپڑوں میں ملبوس تھے اور مسلح نظر آرہے تھے۔ ایک شخص

نے بڑھ کر ہمارے لیے دروازہ کھولا اور ہم دونوں کوٹھری میں داخل ہوگئے۔

وہ کمرا زیادہ وسیع نہیں تھا۔ مختصر اور صاف ستھرا تھا۔ وہاں ایسی کوئی علامت نظر نہیں آرہی تھی جس کی بنا پر اسے عقوبت خانہ قرار دیا جاسکے۔ کمرے کے عین وسط میں چھت کی درمیانی کڑی سے بندھی ہوئی مضبوط رسی کے دوسرے سرے پر شاہد کی دونوں پنڈلیاں بندھی ہوئی تھیں اور وہ سر کے بل فضا میں بہت دھیرے دھیرے جھول رہا تھا۔ اس کی قمیص پتلون سے نکل کر گردن تک آئی ہوئی تھی۔ اس نے دامن کو گریبان میں اڑس کر اپنا چہرہ کھلا رکھا تھا مگر قمیص کا پچھلا دامن سر... سے نیچے جھول رہا تھا۔ اس کا چہرہ کافی تر تھا۔ کپڑوں پر بھی نمی نظر آرہی تھی مگر فرش صاف تھا۔ اسے ہوش میں لانے کے لیے جو پانی استعمال کیا گیا تھا' اسے پونچھ کر فرش کو خشک کیا جاچکا تھا تاکہ اس سے باز پرس کے دوسرے مرحلے میں گیلا فرش کسی دشواری کا باعث نہ بن سکے۔

شاہد کے دونوں ہاتھ آزاد تھے جو اس کے شانوں سے نیچے' فرش تک جھول رہے تھے۔ قدموں کی آہٹ پر وہ چونکا تھا۔ رسی کے بل کے ساتھ آہستہ آہستہ گھومتے ہوئے اس کا رخ ہماری طرف ہوا تو وہ تیوریوں کو چڑھائے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ دورانِ خون میں گڑبڑ ہونے کی وجہ سے اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ آنکھیں بھی خون کبوتر کی طرح سرخ ہورہی تھیں جن میں نفرت اور غصے کے الاؤ روشن تھے۔

میں دروازے سے اندر داخل ہوکر دور ہی رک گیا۔ خالد میرے پیچھے تھا۔ اس کا ایک آدمی اندر آکر بغلی دیوار کے ساتھ کھڑا ہوگیا تھا۔

"میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔" وہ تھوک کر حقارت سے بولا "تمہارا ریشہ ریشہ ادھیڑ ڈالوں گا۔ تمہاری...."

اس کی زبان سے گالیوں کا ایک طوفان ابل پڑا۔ رسی کے بل کے ساتھ اس کا جسم آہستگی سے گھوم رہا تھا مگر اس نے اپنی گردن گھما کر کینہ توز نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کی ہوئی تھیں۔ میں زبان سے کچھ کہے بغیر' سرد نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔

اس نے زور لگا کر اپنے دھڑ کو فضا میں اٹھانے کی ناکام کوشش کی مگر ایک جھٹکا کھا کر رہ گیا۔ وہ اپنی حرکتوں سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ بے دست وپا ہونے کے باوجود وہ حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ آزادی حاصل کرنے تک مقابلہ کرنے کا ارادہ کرچکا تھا۔

"تمہاری ہیومن سوسائٹی انسانی معاشرے پر ایک بدنما داغ ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "اس کو چلانے والوں میں تمہارا نام سرِفہرست ہے۔ سوسائٹی کیا کررہی ہے؟"

اس کے پاس گالیوں کا ایک نادر ذخیرہ تھا۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے سوسائٹی کی سرگرمیوں کے بارے میں جو غلیظ کام گنوائے وہ کسی گھٹیا فرد کے لیے تو ممکن تھے مگر کسی تنظیم یا ادارے کے لیے ان پر کاربند ہونا ناممکن تھا۔

میں آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے فضا میں ہاتھ لہرا کر مجھے پکڑنے کی کوشش کی لیکن میں نے ٹھوکریں مار کر اس کے دونوں ہاتھوں پر ایسی ضربات لگائیں کہ وہ بلبلا اٹھا۔ "اپنے ناپاک ہاتھ میرے جسم سے دور رکھو ورنہ انہیں باندھ دیا جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کی کمر پکڑ کر اس کے جسم کو پوری قوت سے گھما دیا۔ ایک تیز جھٹکے سے اس کا جسم لٹو کی طرح گھومنا شروع ہوگیا۔ کڑی سے بندھی ہوئی رسی میں بل پڑنے شروع ہوگئے۔

اسے ایسے کسی اقدام کی توقع نہیں تھی' اس کے دہانے سے چند بوکھلائی ہوئی آوازیں برآمد ہوئیں۔ اس نے فضا میں ہاتھ لہرا لہرا کر اپنے بدن کی محوری گردش سے روکنے کی ناکام کوشش کی۔ میں الگ ہوکر وہ تماشا دیکھتا رہا۔ چند چکروں کے بعد شاہد کے گھومنے کی رفتار سست ہونے لگی۔ میں نے اس کی قمیص کا پچھلا دامن تھام کر اسے روک لیا۔ گردش رکتے ہی اس کے جسم کو دوسری طرف ہلکا سا جھٹکا لگا مگر وہ وہیں رکا رہا۔ میں دامن چھوڑ دیتا تو اس کے لٹکے ہوئے بوجھ سے رسی کے بل کھلنے لگتے اور اس کا بدن مخالف سمت میں چکرانا شروع کردیتا۔

"سوسائٹی کے دھندوں کے بارے میں بتاؤ ورنہ سزا کے لیے تیار ہوجاؤ۔" میں نے الٹے قدموں پیچھے سرک کر اسے اپنے ساتھ کھینچنا شروع کردیا "اگر تم نے فوراً بولنا شروع نہ کیا تو میں تمہیں پیچھے لاکر اچانک چھوڑ دوں گا۔ تمہارا بدن چکراتا ہوا جائے گا اور سامنے والی دیوار اسے محبت سے روک لے گی۔ تمہارا منہ ٹوٹتا ہے یا پسلیاں اس کا انحصار تمہاری قسمت پر ہوگا۔ یہ یاد رکھنا کہ اس کمرے کی دیواریں مضبوط پہاڑی پتھر سے بنی ہوئی ہیں۔"

"تم میرے ساتھ یہ ظلم نہیں کرسکتے۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا "یہ کھلی ہوئی درندگی ہے۔"

میں سفاکانہ انداز میں ہنس پڑا "کمال ہے! تمہیں اب بھی یقین نہیں آرہا۔ چلو پھر اصل تماشے سے پہلے ٹریلر ہی دیکھ لو۔ پوری بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔ دیوار سے ٹکرانے کے بعد بھی تم کسی آزاد پنڈولیم کی طرح آگے پیچھے جھولتے رہو گے۔ سائنس کی زبان میں اسے سمپل ہارمونک موشن کہتے ہیں۔ تمہاری زبان میں پھینٹی کہا جاسکتا ہے۔"

میں نے اسے چند فٹ پیچھے لانے کے بعد اچانک چھوڑ دیا اور اس کا جسم چکراتا ہوا تیزی سے دیوار کی طرف ہولیا۔ اس نے گہرے پانی میں ڈوبتے ہوئے کسی اناڑی کی طرح فضا میں اپنی دونوں ہاتھ لہرانے شروع کردیے مگر اس کی وہ کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ اس کے سر کا پچھلا حصہ شانوں سمیت دیوار سے جا ٹکرایا۔ دھماکے کی آواز اس کی تیز اور بے ساختہ چیخ میں دب کر رہ گئی۔ وہ اس ہلکی سی ضرب سے بے جان سا ہوگیا تھا۔

"یہ ٹریلر تھا۔ اگلی بار تمہیں پورے فاصلے تک کھینچ کر چھوڑا جائے گا اور یہ عمل بار بار دہرایا جائے گا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ تمہارے سر، چہرے، شانے اور بازوؤں کی بیشتر ہڈیاں ٹوٹ پھوٹ جائیں گی۔ اس وقت تم کچھ بتانا بھی چاہو گے تو بولنے کے قابل نہیں رہو گے۔ تمہاری تواضع جاری رہے گی اور آخر کار تم یوں ہی سسک سسک کر مرجاؤ گے۔ تم الٹے لٹکے ہوئے ہو۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ تمہاری روح کہاں سے خارج ہوگی۔"

"تم سفاک درندے ہو۔ پتا نہیں مجھ سے کیا چاہتے ہو۔" وہ ہانپتے ہوئے پھنسی پھنسی آواز میں بولا "میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تنخواہ دار ملازم ہوں۔ جو کام چوہدری عظمت بتاتا ہے، وہ کرڈالتا ہوں۔ تم اتنی معمولی سی بات نہیں سمجھ سکتے؟"

"تمہیں جو کچھ معلوم ہے وہ بتا ڈالو۔ چوہدری کی باری آئے گی تو اس سے بھی نمٹ لیا جائے گا۔" اس پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لیے میں نے ایک مرتبہ پھر اس کی قمیص کا دامن پکڑا اور اس کے بدن کو پیچھے کھینچنا شروع کردیا۔ اس مرتبہ اس نے مجھے پکڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ چپ رہا۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس کی سوچ میں تبدیلیوں کا عمل شروع ہوچکا تھا۔ اسے راہِ راست پر لانے کے لیے مزید سرد مہری اور سفاکی کے مظاہرے کی ضرورت تھی۔

میں اپنی بات کہہ چکا تھا۔ بولنے کی باری اس کی تھی۔ اس نے زبان نہیں کھولی۔ میں اسے جہاں تک کھینچ سکتا تھا، کھینچ لایا پھر میں نے مزید کچھ کہے بغیر اطمینان سے اسے چھوڑ دیا۔ اس بار میں نے دانستہ رسی میں بل نہیں دیے تھے۔

وہ شاید میری طرف سے کسی وارننگ کی آس لگائے بیٹھا تھا۔ جسم کے حرکت میں آتے ہی اس نے تڑپنا، بدکنا اور چلانا شروع کردیا۔

اس کا وہ ردِ عمل بعد از وقت اور بے سود تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اس نے خوف زدہ ہوکر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور ہتھیلیاں سیدھی کردیں۔

اس کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ اس کے لیے یقیناً اذیت ناک رہا ہوگا۔ اس کا وجود دو ڈھائی من کے قریب وزنی رہا ہوگا۔ اسے دور تک لے جاکر چھوڑا گیا تھا۔ اس کی ہتھیلیاں چھپاکوں کے ساتھ دیوار سے ٹکرائیں اور جوڑ کی ہڈیاں بول گئیں۔ کہنیاں مڑتے ہی اس کا چہرہ دیوار سے جا ٹکرایا۔ ہتھیلیوں پر زور آجانے کی وجہ سے اس کے چہرے کی ضرب کی شدت میں کمی آگئی تھی مگر مجموعی طور پر وہ بکھر کر رہ گیا۔

"روکو... مجھے روکو... مجھے اس سولی سے اتار لو!" وہ ہانپتے اور کراہتے ہوئے گڑگڑانے لگا "میں تمہیں سب بتادوں گا۔"

"یہ کھیل دلچسپ ہے۔ اسے جاری رہنے دو اور مزید سوچ لو۔" میں نے بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ اسے مشورہ دیا "اتارنے کے بعد تمہاری نیت بدل گئی تو تمہیں دوبارہ زیادہ لمبی رسی سے لٹکایا جائے گا جسے زیادہ دور تک لے جانا ممکن ہوگا۔ اس سے تمہیں زیادہ چوٹیں آئیں گی۔"

"مجھے کچھ نہیں سوچنا۔" وہ بلبلا اٹھا "تم خونی بھیڑیے ہو۔ تمہیں کچھ پتا نہیں کہ اللہ پاک نے انسانی خون کے ایک قطرے کی کتنی حرمت بتائی ہے۔ تم نے میرا چہرہ خون میں نہلا دیا ہے اور تمہارے دل پر کوئی اثر نہیں ہے۔"

"واہ بیٹا! اب تمہیں اللہ یاد آرہا ہے۔" میں نے زہریلی آواز میں کہا "ہیومن سوسائٹی میں تم اللہ کے بندوں کی بڑی خدمت کررہے ہو۔"

"ہم جو کچھ کررہے ہیں، کسی کا خون نہیں بہاتے۔" وہ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے بولا "ہمارا دامن بالکل صاف ہے۔"

"قصور سے آنے والے ٹرک میں کیا آتا ہے اور کہاں بھیجا بلکہ بیچا جاتا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"مجھے اتار دو۔ میں ہر بات بتادوں گا۔ وہ میرے نہیں، چوہدری عظمت اور ملک اقبال کے کام ہیں۔ میں تنخواہ لیتا ہوں اور ان کی نوکری کرتا ہوں۔ میں بالکل بے قصور ہوں۔ تم نے بلاوجہ مجھے اپنی سنگ دلی کا نشانہ بنایا ہے۔"

میری اور خالد کی نظریں چار ہوئیں۔ دونوں کی نگاہوں میں استفسار تھا۔ میں نے لمحے بھر کے لیے شاہد کی بدلتی ہوئی کیفیات کے بارے میں سوچا اور پھر سر کو اثبات میں جنبش دے کر کمرے سے باہر آگیا۔ خالد نے میری تقلید کی۔ میں سگریٹ سلگاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ خالد اپنے تینوں آدمیوں کو ہدایات دینے لگا۔

خالد سے ہدایات لے کر وہ تینوں کمرے میں چلے گئے، خالد میرے پاس آگیا۔

"تمہاری تھرڈ ڈگری تکنیک بہت موثر نکلی، میرا دل

خوش ہوگیا۔" اس نے آتے ہی کہا "مجھے امید نہیں تھی کہ شاہد یوں پسپا ہوجائے گا۔"

"ملزم کے ساتھ ہر احتیاط کی جانی چاہیے لیکن جب جرم کا یقین ہو تو مجرم کی زبان کھلوانے کے لیے سنگ دلی کا مظاہرہ ضروری ہوجاتا ہے۔"

"کس قدر آسان اور سادہ طریقہ ہے۔ لٹکاؤ، گھماؤ، کھینچو اور چھوڑ دو۔" اس نے تصور میں محظوظ ہوتے ہوئے کہا "نتیجے کا انحصار قسمت پر ہے۔ جہاں چوٹ آنی ہے، آ کر رہے گی۔ مجرم کے کھلے ہوئے ہاتھ بھی اسے نہیں روک سکتے۔"

"دیکھنا ہوگا کہ یہ کیا کہانی سناتا ہے۔ ہمیں اتنا کم وقت ملا ہے کہ ہیومن سوسائٹی کے خلاف ہمارا ہوم ورک نامکمل ہے۔"

"کیمیکل کی اسمگلنگ کے شواہد موجود ہیں۔ ایک فلاحی ادارے کی آڑ میں یہ کام کرنا زیادہ سنگین جرم بن جاتا ہے۔" وہ بولا۔

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا لیکن شاہد سے بات کرتے ہوئے اچانک مجھے احساس ہوا تھا کہ البرٹ آئن اسٹائن کا نظریہ اضافیت زندگی کے ہر شعبے پر لاگو ہوتا ہے۔ کراچی یا لاہور جیسے شہر صدیوں سے جہاں ہیں، وہیں قائم ہیں۔ نیویارک والے انہیں مشرق میں تصور کرتے ہیں، انڈونیشیا والوں کے لیے یہ مغرب میں واقع ہیں۔ ہر بات کا تعین اس بات سے ہوتا ہے کہ اسے کس حوالے سے دیکھا جارہا ہے۔ اسی طرح جرم کا معاملہ تھا۔ ایک صاف ستھرے اور شفاف معاشرے میں ٹریفک سگنل کو نظر انداز کرکے آگے نکل جانا بھی جرم سمجھا جاتا ہے لیکن جہاں صحیح اور غلط کا امتیاز مٹ جائے، لوگ قانون کی پامالی کو باعث فخر سمجھتے ہوں، دولت کے حصول کی دوڑ میں جائز اور ناجائز کی تمیز اٹھ چکی ہو، وہاں جرائم کی تعریف اور تشریح بہت مختلف ہوجاتی ہے۔ بعض بڑے جرائم معمول بن کر رواج پانے لگتے ہیں اور کوئی انہیں قابل سزا قرار نہیں دیتا۔

شاید کچھ یہی حال ہیومن سوسائٹی کا بھی تھا۔ اگر وہ صرف کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث تھے تو جرم ضرور کررہے تھے لیکن عام آدمی کے نکتہ نگاہ سے وہ کوئی بہت بڑا یا سنگین جرم نہیں تھا۔ تجارت پیشہ لوگ ٹائر، کپڑا، قیمتی آلات اور جوتے تک اسمگل کرکے عزت اور دولت کما رہے تھے۔ چوہدری عظمت ایک کیمیکل اسمگل کررہا تھا تو وہ کوئی بڑا مجرم نہیں تھا۔ ہاں جو لوگ جانتے تھے کہ وہ کیمیکل کس طرح پاکستان کی نوجوان نسل کو کھوکھلا اور تباہ کررہا تھا، ان کے نزدیک چوہدری عظمت اور اس کے مددگار ناقابل معافی مجرم تھے۔ میرا اور خالد کا شمار بھی ایسے باخبر لوگوں میں ہوتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ شاہد ہماری قید میں تھا لیکن بہت سے لوگوں کے لیے یہ بات ناقابل فہم ہوسکتی تھی کہ محض ایک کیمیکل کی اسمگلنگ کے جرم میں ہیومن سوسائٹی جیسے بڑے اور نیک نام فلاحی ادارے کو نیست و نابود کردیا جائے جس سے سیکڑوں یا شاید ہزاروں مستحقین فیض حاصل کررہے تھے۔

ہیومن سوسائٹی پر براہِ راست وار کرنے کے لیے کچھ اور مواد کی اشد ضرورت تھی جو اس وقت ہمارے پاس نہیں تھا۔

میری نظروں میں شاہد کی اہمیت یک بہ یک بڑھ گئی۔ وہ ہیومن سوسائٹی کا تنخواہ دار ملازم ضرور تھا مگر شاید اعلیٰ ترین ملازم اور اپنے مالکان کا معتمد خاص تھا۔ وہ گھر کا بھیدی تھا جسے چوہدری عظمت کی سرگرمیوں کا علم ہونا چاہیے تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ ہم بازپرس کے دوران میں اس سے کیا کچھ اگلوا سکتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد خالد کے ایک آدمی نے اطلاع دی کہ زخمی قیدی کو کھولا جاچکا تھا۔ اسے کوئی طبّی امداد نہیں دی گئی تھی مگر اس کے زخموں کی صفائی کردی گئی تھی۔ وہ پیغام سنتے ہی میں خالد کے ساتھ دوبارہ اس مختصر کمرے کی طرف چل دیا جہاں شاہد موجود تھا۔

وہ ننگے فرش پر ہاتھ پیر پھیلائے چت لیٹا ہوا تھا۔ زخموں کی صفائی ہوجانے کے باوجود اس کے چہرے کے تازہ زخموں سے رسنے والے خون نے اسے ڈراؤنا بنا دیا تھا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ ہماری آہٹوں پر اس نے متورم آنکھوں سے ہماری طرف دیکھا اور پھر پپوٹے بند کرلیے۔

"اداکاری سے کام نہیں چلے گا۔ اب تم کو بولنا ہے۔" میں نے سختی سے کہا "تم نے مکاری سے کام لیا تو دوبارہ ٹانگ دیے جاؤ گے۔"

"آنکھیں بند کرکے مجھے سکون مل رہا ہے۔" اس نے کمزور آواز میں کہا "میں تمہارے سوالوں کے جواب دوں گا۔ تم جو چاہو پوچھ سکتے ہو۔"

"ہمارے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔ تم اپنی سوسائٹی کی کتھا سناتے چلے جاؤ جو باتیں رہ جائیں گی، وہ ہم پوچھ لیں گے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بتاؤں۔ تم نے مجھے پکڑا ہے تو کچھ طے کرنے کے بعد ہی پکڑا ہوگا۔ قصور والا بزنس بھی تمہارے علم میں ہے۔"

"جو کچھ ہم جانتے ہیں، وہ ہمارے ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے۔ اپنی کہانی تم خود سناؤ گے۔"

"ہماری سوسائٹی بظاہر مظلوم افغانوں اور دوسرے غریبوں کی مدد کرتی ہے لیکن اس کے قیام کا مقصد کچھ اور

تھا۔" اس نے چند ثانیوں تک خاموشی سے کچھ سوچنے کے بعد کہنا شروع کیا "تم کو معلوم ہے کہ آزاد قبائلی علاقوں میں منشیات سے ہتھیاروں تک ہر چیز کی کھلی تجارت ہوتی ہے لیکن باہر سے جانے والے ایسی چیز خرید کر لوٹیں تو انہیں پکڑلیا جاتا ہے۔ ان علاقوں میں آنے جانے والوں پر کڑی نگاہ رکھی جاتی ہے لیکن ہیومن سوسائٹی کی آڑ میں ہماری گاڑیوں اور عملے کو وہاں آنے جانے کی پوری آزادی ہے۔ ان کے ساتھ کوئی روک ٹوک ہوتی ہے نہ گاڑیوں کی تلاشی لی جاتی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ ہماری سوسائٹی کو وہاں آزادانہ آمدورفت کا کھلا پرمٹ ملا ہوا ہے۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکا تو میں نے فوراً اسے لقمہ دیا "افغان مہاجرین اور آزاد قبائلیوں میں دلچسپی کا معاملہ سامنے آگیا ہے۔ اس دلچسپی کے اسباب پر بھی روشنی ڈالتے چلو تو بات سمٹی رہے گی۔ چوہدری عظمت یا تمہاری سوسائٹی کو ان علاقوں میں رہنے والوں سے اتنی ہمدردی کیوں ہوگئی؟"

"جو لوگ دل کھول کر پیسا دیتے ہیں' وہ اپنے مقاصد کی تکمیل بھی چاہتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ امریکا کی فل برائٹ فاؤنڈیشن سے ہیومن سوسائٹی کو بھرپور گرانٹ ملتی ہے۔"

میں نے معنی خیز نظروں سے خالد کی طرف دیکھا پھر شاہد سے پوچھا "تمہاری رپورٹوں اور ریکارڈ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔"

"ریکارڈ پر جو کچھ ہے' وہ دنیا کے سامنے ہے۔ میں تمہیں صرف وہ باتیں بتا رہا ہوں جو تم جاننا چاہتے ہو اور وہ ریکارڈ میں کہیں نہیں ملیں گی۔"

"اس فاؤنڈیشن سے رقوم کیسے آتی ہیں اور کہاں جاتی ہیں۔" خالد نے پوچھا۔

"گرانٹ کسی غیر ملکی بینک میں چوہدری عظمت کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتی ہے۔ یہاں کچھ رقم بے نام عطیوں کی صورت میں سوسائٹی کے فنڈ میں آجاتی ہے۔ بقیہ رقم چوہدری عظمت براہِ راست استعمال کرتا ہے۔ بیچ میں کتنی رقم غائب ہوجاتی ہے' اس کا مجھے پتا نہیں چلتا۔"

"چوہدری عظمت یہ گرانٹ کہاں اور کس مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے؟" شاہد کے چشم کشا انکشافات سن کر میرا تجسس بڑھ رہا تھا۔ کیمیکل کی اسمگلنگ پس پشت چلی گئی تھی۔ اس سے کہیں بڑے اور سنگین معاملات سامنے آرہے تھے جن کی ہمیں بھنک بھی نہیں ملی تھی۔

"فل برائٹ فاؤنڈیشن امریکا بچاؤ نامی ایک خفیہ پروجیکٹ چلا رہا ہے جس کا مقصد ہے کہ اگلے دس برسوں میں امریکی معاشرے سے منشیات کی لعنت کو جڑ سے ختم کردیا جائے۔ یہ پروجیکٹ جنگ' مقابلے اور قانونی انسداد کے بجائے سرمایہ کاری کے اصول کے تحت کام کررہا ہے۔ وہ لوگ جنوبی امریکا اور ایشیا کے ملکوں میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کررہے ہیں۔ چوہدری عظمت کو قبائلی علاقوں سے ہیروئن کی زیادہ سے زیادہ مقدار خرید کر ہیں تلف کرنے کا ہدف دیا گیا ہے۔ ہماری گاڑیاں یہاں سے امدادی سامان لے کر ادھر جاتی ہیں اور واپسی پر ہیروئن کے چند تھیلے لے کر خاموشی سے لوٹ آتی ہیں۔"

وہ بالکل نئی اطلاع تھی۔ شی ختم ہوگئی تھی مگر اس کا نظریہ زندہ تھا۔ شی ہیروئن کی مقامی پیداوار کو مقامی منڈیوں میں کھپانے کے مذموم منصوبے پر کام کررہی تھی۔ امریکا بچاؤ پروجیکٹ میں پیداوار کو تلف کرنے پر زور دیا جارہا تھا۔ دونوں کوششوں کا مقصد ایک تھا کہ اسمگلنگ کے لیے ہیروئن کی مقدار کو زیادہ سے زیادہ گھٹایا جائے۔

"یہ گھپلے کا کام ہے۔ ہر مرحلے پر لاکھوں کا ہیر پھیر ممکن ہے۔ تم لوگوں کی خریدی ہوئی ہیروئن یہاں بکتی ہوگی۔" میں نے اضطراری انداز میں کہا۔

"صاف ستھرے کام براہِ راست حکومتوں اور کاروباری اداروں کے ذریعے کیے جاتے ہیں۔" شاہد نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "جہاں گھپلے ہوتے ہیں' وہاں این جی اوز کو استعمال کیا جاتا ہے۔ گرانٹ دینے والوں کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دی ہوئی گرانٹ کا بڑا حصہ غت ربود کرلیا جائے گا اسی لیے وہ بہت بڑے بڑے فنڈ جاری کرتے ہیں۔ چوری' بے ایمانی اور غبن کے باوجود ایک بڑی رقم اصل مقصد پر خرچ ہوتی ہے۔ یہی ہم بھی کررہے ہیں۔"

"میں نے ہیروئن کی فروخت کے بارے میں پوچھا تھا۔" میں نے سخت لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"جب قدم قدم پر چوری اور بے ایمانی کی کھلی چھوٹ ہو اور یہ یقین ہو کہ اس لوٹ مار کا کبھی حساب نہیں لیا جائے گا تو کون رک سکتا ہے۔ ہیروئن کا لین دین کچا کام ہے جس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہوتا۔ چوہدری عظمت کچھ ہیروئن لاہور کے دو ڈیلروں کو دیتا رہتا ہے۔"

خالد کا یہ اندازہ بالکل درست ثابت ہوا کہ لاہور کی آبادیوں میں ہیروئن کی کھپت میں یکایک اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ لوگ جو منشیات فروشی کے گھناؤنے کاروبار سے وابستہ تھے' اپنا اپنا زہر مسلسل فروخت کررہے تھے۔ چوہدری عظمت کے ذریعے مارکیٹ میں پہنچنے والی ہیروئن کی مقدار اضافی تھی جو ان ہی علاقوں میں بیچی جاتی ہوگی۔" بات بالکل الٹ گئی تھی۔ چوہدری عظمت ساہوکار کے بجائے پکا چور ثابت ہورہا

تھا۔ اسباب خواہ کچھ بھی رہے ہوں، وہ موت کے سوداگروں اور منشیات فروشوں کی ٹولی میں شامل تھا۔

"اگر وہ کچھ ہیروئن دو ڈیلروں کو دیتا ہے تو بقیہ ہیروئن کہاں جاتی ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہر ایک دو مہینوں کے بعد امریکا سے فل برائٹ فاؤنڈیشن کا کوئی عہدے دار لاہور آتا ہے۔ اس کی دیکھ بھال اور اطمینان کے بعد چوہدری عظمت اس کی نگرانی میں وہ ہیروئن راوی کے گدلے پانی میں یا کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دیتا ہے۔ ہیروئن تلف ہوتے ہی پچھلی گرانٹ کا حساب برابر ہو جاتا ہے۔ چند روز بعد نئی گرانٹ جاری ہو جاتی ہے۔"

"اس دوران میں طور زخم پار سے آنے والی ہیروئن کہاں رکھی جاتی ہے؟" میں نے بے چینی سے سوال کیا۔

"اس کام میں ہیومن سوسائٹی کی گاڑیاں اور اعتماد کے دو تین آدمی ضرور حصہ لیتے ہیں لیکن ہیروئن کہیں نہیں ہوتی۔ میں سب تھیلے چوہدری عظمت کے گھر پہنچا دیتا ہوں۔ فاؤنڈیشن کے افسر کے دورے تک سب مال وہیں جمع ہوتا ہے۔ ڈیلروں سے لین دین بھی وہ خود کرتا ہے۔"

"یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ سرمائے کی فراہمی اور ہیروئن کی خرید و فروخت۔ ابھی تک تم نے کیمیکل کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"یہ بعد کی کہانی ہے۔" وہ بے چون و چرا ہر بات بتاتا چلا جا رہا تھا۔ "ہماری زبان میں وہ کیمیکل اے این ایچ کہلاتا ہے۔ اس کے بغیر ہیروئن نہیں بن سکتی اور افیم بیچنے میں کوئی خاص نفع نہیں ملتا۔ اے این ایچ بھارت سے چوری چھپے آتا ہے۔ حالات خراب ہوں یا سرحد پر گشت بڑھ جائے تو یہ سپلائی رک جاتی ہے۔ اے این ایچ نایاب ہو جاتا ہے۔ چوہدری عظمت کا ہیروئن بنانے والوں سے بہت گہرا تعلق ہو چکا ہے۔ وہ خود بھی ہیروئن سے دولت بٹور رہا ہے۔ اس نے کھیم کرن کے اسمگلروں سے بات کر کے اے این ایچ منگوانے کا بندوبست کر لیا۔ وہاں بھی ہماری گاڑیوں کو چھوٹ ہے۔ کھیم کرن سے چھوٹے ڈرم راتوں رات ایک گاؤں پہنچتے ہیں۔ صبح ہمارا ڈرائیور مقررہ جگہ چھپے ہوئے ڈرم اٹھا لیتا ہے۔ سارے معاملات فون پر طے ہوتے ہیں۔ ان کو باہر سے پوری رقم بھیج دی جاتی ہے۔ سارا کام سرحد پار کیے بغیر ہو جاتا ہے۔"

"مال کھیم کرن سے آتا ہے۔ تمہاری گاڑی قصور تک جاتی ہے۔ وہاں سے کھیم کرن کتنی دور ہے۔"

"سرحد پر سب قصبے آس پاس ہیں۔ گاڑی کی آمد و رفت کا اصل مقصد چھپانے کے لیے اسے قصور تک بھیجا جاتا ہے۔"

وہ سارا کھیل ہی ہیروئن کے گرد گھوم رہا تھا۔ اس میں انسانیت اور انسانوں کی خدمت و فلاح کا نام ضمنی طور پر ملوث ہو گیا تھا۔

"کہا جاتا ہے کہ چوہدری عظمت نے ہیومن سوسائٹی کی داغ بیل اپنے پیسے سے ڈالی تھی۔ بعد میں لوگ اس پر بھروسا کر کے پیسے اور سامان دینے لگے۔"

"یہ سب رہنے دو... یہاں سب چور ہیں۔ جو تھوڑا سا کام کرتا ہے، لوگ اس کی واہ واہ کرنے لگتے ہیں۔" اس نے تلخی سے جواب دیا "چوہدری نے خود کروڑوں کا مال بنایا اور مجھے مروا دیا۔ پہلے میں نے بھی یہی سب کہانیاں سنی تھیں۔ اس کے پاس نوکری کی تو پتا چلا کہ سب جھوٹ تھا۔ وہ کئی بار لمبی رقمیں لے کر ہیروئن خریدنے گیا مگر بات نہیں بنی۔ افغانوں نے اسے ہوشیار کر دیا کہ وہ سرحد پار کرتے ہی دھر لیا جائے گا۔ جو امریکی اسے پیسا دے رہے تھے، وہ کام چاہتے تھے۔ چوہدری عظمت نے پشاور سے ہیروئن خریدی تو داموں میں بہت فرق تھا۔ اس وقت گرانٹ بھی کم تھی۔ اس کے لیے لمبا ہاتھ مارنا مشکل تھا پھر کسی کے مشورے پر اس نے اپنے گھر پر بورڈ لگا کر ہیومن سوسائٹی بنالی۔ اسے کسی کی بھلائی برائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ یہ این جی اوز کے ذریعے قبائلیوں میں آزادی سے گھلنے ملنے کا پروانہ چاہتا تھا جو اسے مل گیا۔"

وہ فرش پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ شاید لیٹے لیٹے تھک گیا تھا۔ اسے زیادہ تشدد نہیں سہنا پڑا تھا لیکن دیر تک الٹا لٹکا رہنے کی وجہ سے اس کے سارے عضلات رگیں اور پٹھے تناؤ کا شکار ہو گئے تھے جو بدن ڈھیلا چھوڑ کر لیٹنے کے نتیجے میں قدرے معمول پر آ چکے تھے۔

"شکل و صورت اور گفتگو سے تم پڑھے لکھے نظر آتے ہو۔" خالد نے ایک قدم آگے بڑھ کر اس سے کہا "سب کچھ جان لینے کے باوجود تمہیں اندازہ نہیں ہوا کہ تم کتنے سنگین جرائم میں ملوث ہوتے جا رہے ہو۔ اعانتِ مجرمانہ بھی جرم کی طرح ایک سنگین اور قابل تعزیر حرکت ہے۔"

"پہلے کچھ علم نہیں تھا۔ رفتہ رفتہ ہر بات سامنے آتی چلی گئی لیکن تم خود بتاؤ کہ مجھے چالیس ہزار روپے ماہانہ، سجا سجایا مکان، نئی گاڑی اور اس کا خرچ کون دے گا۔ میں صرف بی کام ہوں۔ چوہدری عظمت کے پاس گیا تو ڈھائی ہزار کی

ملازمت سے نکلے ہوئے دو مہینے ہو چکے تھے۔ اس نے چار ہزار پر کلرک رکھ لیا۔ آج میں اس کا سب سے پرانا اور پہلا ملازم ہوں جیسے جیسے اس کی لاٹری لگتی رہی وہ میرے پیسے اور سہولتیں بھی بڑھاتا چلا گیا۔ آج بھی مجھے پانچ سات ہزار سے زیادہ کی نوکری نہیں ملے گی۔"

"نئی نوکری کو بھول جاؤ۔ اب تو تمہیں وہ سارا کھایا پیا اگلنا پڑے گا جو چوہدری عظمت کی نوکری سے تمہارے حصے میں آیا ہے۔ لالچ نے اس کے ساتھ تمہیں بھی اندھا کیا ہوا تھا۔ اس پیسے نے تمہیں بہت بگاڑا ہے۔ تمہارا کردار اچھا ہے نہ شہرت نیک ہے۔ عیش و عشرت اور شراب نوشی تمہاری عادتیں بن چکی ہیں۔"

"وہ لوگ بد قسمت ہیں جو کما کما کر دوسروں کے لیے جوڑتے ہیں' اپنی ذات پر کچھ خرچ نہیں کرتے۔ مجھے یہ اطمینان ہے کہ میں نے کچھ برباد نہیں کیا۔ کمایا ہے تو اس سے اپنے لیے خوشیاں خریدی ہیں۔ چوہدری عظمت کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ اپنی گردن بچانے کے لیے وہ مجھے بھی بچائے گا۔"

"یہ خیال اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ سب کچھ اگلنے کے بعد تم اس کے خلاف سلطانی گواہ بن چکے ہو۔" خالد نے کہا۔

سلطانی گواہ کا نام سنتے ہی وہ بھڑک کر اٹھ کھڑا ہو گیا "میں نے کوئی بیان نہیں دیا۔ میں چوہدری صاحب کے وکیل سے مشورے کے بغیر ایک لفظ نہیں کہوں گا۔ تم نے سلطانی گواہ بنایا تو میں صاف مکر جاؤں گا۔ تم میری زندگی تباہ نہیں کر سکتے۔"

خالد نے بڑھ کر اس کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا اور زہریلے لہجے میں کہا "اپنی زندگی تم نے اسی دن تباہ کر لی تھی جب تم نے چوہدری عظمت کی ملازمت کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب تم نے ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو یہ یاد رکھنا کہ زندگی بھر کھلا آسمان دیکھنے کے لیے ترس جاؤ گے۔"

"یہ نہ بھولو کہ تمہیں گرفتار نہیں کیا گیا' اغوا کیا گیا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا "لاہور کے سیکڑوں مغوی ایسے ہوں گے جن کا برسوں بعد بھی کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ زیادہ اڑو گے تو تمہارا نام بھی ان ہی کی فہرست میں شامل ہو جائے گا۔ نہ تمہارا جنازہ اٹھے گا نہ مزار بنے گا۔"

میرے الفاظ پر اس کی آنکھوں میں دہشت سمٹ آئی اور وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا "سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کون لوگ ہو۔ کبھی قانون سے ڈرا رہے ہو' کبھی موت کی دھمکیاں دے رہے ہو۔ صورتوں سے تم پولیس والے لگتے ہو نہ دہشت گرد معلوم ہوتے ہو پھر کون ہو؟"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو کچھ کہہ چکے ہو' تمہیں اس پر قائم رہنا ہوگا ورنہ ہم تمہاری ہڈیوں کا سرمہ کر ڈالیں گے۔" خالد نے سفاکانہ لہجے میں کہا اور اپنے ایک آدمی کو آواز دی۔ وہ تقریباً دوڑتا ہوا کمرے میں آیا اور اٹینشن ہو کر کھڑا ہو گیا۔ خالد نے اسے کوئی اشارہ کیا اور اس نے ایک جیبی ٹیپ ریکارڈر اپنے نیفے میں سے نکال کر ہمارے سامنے کر دیا۔ خالد نے حقارت سے شاہد کو گھورا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "تمہارا کہا ہوا ایک ایک لفظ ریکارڈ ہو چکا ہے۔ اس ٹیپ کی موجودگی میں تم نے کوئی قلابازی کھائی تو تمہیں اپنے انجام پر افسوس کرنے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔"

ٹیپ ریکارڈر کے بارے میں مجھے بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ اسے دیکھ کر شاہد کے ہوش اڑ گئے۔ اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی۔ اسے چیختا اور بڑبڑاتا ہوا چھوڑ کر ہم تینوں اس کمرے سے نکل آئے۔

"کمرے سے رسی ہٹا دو اور اسے رات بھر یہیں رہنے دو۔ تنگی کوٹھری میں در و دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر صبح تک خود ہی نیم پاگل ہو جائے گا۔" خالد نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی اور میرے ساتھ اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔ قیدی کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کر دینے کے باوجود اس کے بشرے سے پریشانی کے آثار جھلک رہے تھے۔

"سارے حالات اور واقعات ہماری توقعات سے کہیں زیادہ سنگین ثابت ہوئے۔" میں نے اس کے دفتر میں کرسی سنبھالنے کے بعد تحیر زدہ آواز میں کہا "میرے وہم گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہیومن سوسائٹی کی آڑ میں ہیروئن کی خرید و فروخت جیسا مذموم دھندا چل رہا ہوگا۔"

"ان کو بے نقاب کرنے کا سارا کریڈٹ تم کو جاتا ہے۔ میں شرمندہ ہوں کہ میں نے تمہاری بعض تجاویز پر مدافعانہ رویہ اختیار کیا۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا "کوئی سرا میرے ہاتھ نہیں آ رہا تھا مگر مجھے شدت سے احساس تھا کہ پچھلے کچھ عرصے میں لاہور میں ہیروئن کا استعمال اچانک بڑھا ہے۔ چوہدری عظمت کے ذریعے مارکیٹ میں آنے والی اضافی مقدار نے شہر پر بہت تیزی سے اپنا رنگ جمایا ہے۔"

"یہ قصہ بہت عجیب و غریب انداز میں نمٹا ہے۔ سارے حقائق سامنے ہیں۔ کوئی خون خرابا نہیں ہوا۔ اصل مجرم کا نام بھی سامنے آ چکا ہے۔ اب بس اس کی گرفتاری کا

معاملہ درپیش ہے۔ چوہدری عظمت نے ایک بہت بڑا کام تن تنہا سنبھالا ہوا تھا۔"

"تم نے پہلی مرتبہ بات ہونے پر ہی شاہد کو اٹھوانے کی بات کی تھی۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ اس وقت میں نے تمہارے مشورے پر عمل کیوں نہیں کیا۔ اب سے بہت پہلے ہم ان معاملات کو نمٹا چکے ہوتے۔" وہ مسلسل ایک خلش اور شرمندگی میں مبتلا تھا۔

"اچھا ہوا کہ تھوڑی سی تاخیر ہوگئی۔ ہمیں لاہور میں کچھ وقت گزارنا ہے۔ یہ بساط اتنی جلدی لپٹ جاتی تو ہمارے لیے وقت گزارنا مشکل ہو جاتا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اب تم اجازت دو تو میں کسی پولیس افسر سے رابطہ کرلوں....."

"اینٹی نارکوٹکس فورس والوں کے بارے میں تم نے نہیں سوچا!" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا "میں دوبارہ کہوں گا کہ اس معاملے میں ان کا کردار زیادہ موثر اور بھرپور ہوگا۔ فل برائٹ فاؤنڈیشن کا نام سامنے آنے کے بعد ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔"

"یہ بات میری سمجھ میں بھی آرہی ہے لیکن میری کچھ اپنی مجبوریاں ہیں۔ اینٹی نارکوٹکس والے ہمارے لیے اجنبی ہیں۔ ان سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔ مقامی پولیس کے ساتھ ہمیں مل جل کر رہنا پڑتا ہے۔ اعلیٰ پولیس افسران ہر وقت ہمارے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ذرا سی بریفنگ کے بعد چوہدری عظمت کے خلاف کارروائی کا آغاز ہو جائے گا۔ اینٹی نارکوٹکس والوں کو فیصلہ کرنے میں وقت لگے گا کیونکہ وہ ایس ٹی ایف اور اس کے طریقہ کار سے واقف نہیں ہیں۔"

"اس وقت ساری اہمیت مہلت کی ہے۔ چوہدری عظمت کو شاہد کے غائب ہونے کی بھنک مل گئی تو وہ کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"پولیس کی نفری ہر وقت مستعد اور تیار رہتی ہے۔ اینٹی نارکوٹکس والوں کے لیے یہ مسئلہ بھی ہوگا۔ وہ پیشگی منصوبہ بندی کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ پتا نہیں ایمرجنسی میں ان کا کیا رویہ ہو۔ ہم نے ایک مرتبہ ان سے رجوع کرلیا تو پھر ہم پولیس سے مدد نہیں لے سکیں گے۔"

وہ عملی مجبوریاں تھیں جن سے خالد واقف تھا۔ اس کی ہر دلیل مضبوط اور ناقابل تردید تھی "ٹھیک ہے پھر پولیس کو ہی حرکت میں آنا چاہیے۔"

"یہ سوچ لو کہ چوہدری عظمت تمہارے ایک دوست کا ماموں سسر ہے۔ اسے کوئی شکایت نہ ہو جائے۔"

"اس دور کے تعلق سے پہلے وہ ایک ناقابلِ نفرت مجرم ہے۔ اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہونی چاہیے۔ ویسے بھی یہ پولیس آپریشن ہوگا۔ اس کی رپورٹنگ میں میرا یا تمہارا نام آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ میرے دوست کو پتا نہیں چلے گا کہ اس کارروائی میں میرا کوئی دخل تھا۔"

"پولیس ریڈ کتنا ہی شریفانہ ہو، لوگوں کو اس سے سنگین شکایات ہوتی ہیں۔ اس کے گھر والے رو پڑیں گے۔"

لمحہ بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ میں سلمٰی کے بھائی کے گھر فون کر کے یہ دیکھ لوں کہ سلمٰی کہاں تھی مگر میں نے فوراً اس خیال کو مسترد کردیا۔ ان نازک لمحات میں سلمٰی کو چھیڑنا شکوک و شبہات کو جنم دینے کے مترادف ہوتا۔ بہتر یہی تھا کہ میں مکمل خاموشی اختیار کرلوں۔

چوہدری عظمت کے اہل خانہ کو کسی نامناسب زحمت سے بچانے کے لیے یہ بھی ہو سکتا تھا کہ علاقے کا گھیراؤ کر کے اسے گھر سے نکلتے وقت پکڑا جائے۔ لیکن بات وہاں ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ فل برائٹ فاؤنڈیشن کے اہل کار کی آمد سے پہلے خریدی ہوئی ہیروئن اپنے گھر کے کسی حصے میں چھپاتا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے گھر میں ملازمین کی خدمات کا سلسلہ بالکل ختم کیا ہوا تھا۔ اس کے گھر میں ذخیرہ کی ہوئی ہیروئن کی بھاری مقدار اس کے خلاف سب سے مضبوط ثبوت ہوتی۔ اسے برآمد کرنے کے لیے پولیس فورس کا گھر میں داخلہ اور تفصیلی خانہ تلاشی لازمی تھی۔ پولیس کو اس اقدام سے روکنا کیس کو کمزور کرنے کے مترادف ہوتا۔

میں نے سب پہلوؤں پر غور کیا۔ میں سلمٰی کے ماموں کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے جو فصل بوئی تھی، اسے کاٹنے کا وقت سر پر آچکا تھا۔ وہ ایک بھیانک مجرم تھا۔ اس سے صرف مجرموں والوں سلوک کیا جانا چاہیے تھا۔

"ہر کام روٹین کے مطابق ہوگا۔" میں نے خالد کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "ہر مجرم کسی نہ کسی کا ماموں یا چچا ہوتا ہے۔ اس بنا پر اسے کوئی رعایت نہیں دی جا سکتی۔ سب کچھ طے کرو اور پوری آزادی کے ساتھ اس پر عمل کر گزرو۔ مجھے یا کسی کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

خالد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے۔ مجرم کسی کا دوست یا رشتے دار نہیں ہوتا۔ وہ صرف مجرم ہوتا ہے۔"

اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور لاہور کے ڈی آئی جی

کے دفتر کا نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔
یکے بعد دیگرے اس نے تین فون نمبر ملائے لیکن ڈی آئی جی کہیں بھی موجود نہیں تھا۔ چوتھے نمبر پر اس سے رابطہ ہو گیا۔
"سر! میں ایس ٹی ایف کے اسٹیشن تھری کا ایک کمانڈر خالد احمد بول رہا ہوں۔ میں نے پہلی بار سنا کہ ایس ٹی ایف والے اعلیٰ افسران کو اپنی شناخت کس طرح کراتے ہیں۔ خالد کہہ رہا تھا "میرا پاس ورڈ شوگر نائین تھری فور ہے۔ مجھے ایک اہم کیس میں ڈویژن کی پولیس فورس کی فوری مدد درکار ہے۔ یہ ہیومن سوسائٹی کے چوہدری عظمت کا معاملہ ہے۔ بریفنگ اور ایک قیدی دے کر میں فیڈ آؤٹ ہو جاؤں گا۔ ریکارڈ پر یہ پولیس کیس ہوگا۔"
وہ خاموش ہو کر دوسری طرف کی بات سنتا اور وقفے وقفے سے یس سر کہتا رہا۔ ڈی آئی جی کی بات مکمل ہونے کے بعد اس نے پہلے فون کر کے ٹھیک گیارہ بجے پہنچنے کا وعدہ کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔
میں نے وہ مختصر گفتگو بہت غور سے سنی۔ خالد نے ریسیور اس طرح واپس رکھا جیسے اس کے سر سے کوئی بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔
"یہ شوگر نائین تھری فور کیا ہے۔ ایسے پاس ورڈ تو کوئی بھی استعمال کر سکتا ہے۔" میں نے کہا۔
"یہ پاس ورڈ ہی ہماری عزت و آبرو اور کل کائنات ہے۔ اس کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ تم پہلے آدمی ہو جسے میں نے اس راز میں شریک کیا ہے۔ صرف ہمارے باس کو علم ہے کہ کس افسر کا کیا پاس ورڈ ہے۔ فورس میں لوگ ایک دوسرے کے پاس ورڈ سے لاعلم ہیں۔"
"ڈی آئی جی کو کیا پتا کہ شوگر نائین تھری فور کیا بلا ہے۔" میں نے بات چھڑ جانے پر الجھن سے پوچھا۔
"ڈویژنل سربراہوں کی سطح تک ہر سرکاری افسر کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حدود میں کام کرنے والے ایس ٹی ایف کمانڈر کا کیا پاس ورڈ ہے۔ یہ اطلاع ایک حساس ادارے کی طرف سے دی جاتی ہے۔ اس وقت تم چاہو تو تمہیں خالد احمد تسلیم کر لیا جائے گا۔ باہمی تعارف کسی اہم ضرورت کے تحت ہوتا ہے ورنہ اس پاس ورڈ کے سہارے ہر کام نکلتا چلا جاتا ہے۔ دوسرے علاقے میں یہ پاس ورڈ ناکارہ ثابت ہوگا۔"
"تمہاری اور ڈی آئی جی کی ملاقات گیارہ بجے ہوگی!" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔
"ڈی آئی جی مصروف ہے۔ عہدے اور تنخواہ میں وہ مجھ سے بڑا افسر ہے۔ بہت زیادہ بااختیار ہے مگر شوگر نائین تھری فور کی بات نہیں ٹالے گا۔ گیارہ بجے وقت دینے کا مطلب ہے کہ وہ بہت زیادہ مصروف ہے۔ اس سے ملاقات میں ہر بات طے کر لی جائے گی۔"
"کارروائی دو تین بجے سے پہلے نہیں ہو سکے گی" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا "تیاری میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور صرف ہوگا۔"
"ایسے کاموں کے لیے وہی وقت موزوں ہوتا ہے۔ چوہدری عظمت کتنی ہی دیر سے گھر آتا ہو، اس وقت اپنے بستر میں دبکا سو رہا ہوگا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اخباری نمائندوں کی تھانوں پر یلغار دم توڑ چکی ہوتی ہے۔ صبح کے اخبار چھپنے لگتے ہیں اور اگلی صبح اس بارے میں کچھ بھی نہیں چھپتا۔"
میں بے ساختہ ہنس پڑا۔ "تم لوگ بھی دوسروں کی طرح اخبار والوں سے ڈرتے ہو؟"
"اخبار والوں سے نہیں، ان کی غلط رپورٹنگ سے ہر ایک ڈرتا ہے۔ آخری لمحات پر ملنے والی خبریں عجلت کی وجہ سے مسخ ہو جاتی ہیں۔ بعد میں لاکھ تردیدیں آتی رہیں، پہلی رپورٹ کا تاثر دیر تک قائم رہتا ہے۔ اسی وجہ سے بڑے آپریشن رات کے تین بجے سے صبح سویرے تک ہوتے ہیں۔"
شاہد اور چوہدری عظمت کے بارے میں جو کام ہونے تھے، وہ کیے جا چکے تھے۔ اس کے بعد صرف انتظار کا صبر آزما مرحلہ رہ گیا تھا۔ خالد نے میرے تیور بھانپ لیے اور خود پیشکش کی کہ میں ہوٹل واپس آ کر آرام کرنا چاہوں تو مجھے ڈرائیور کے ساتھ بھجوا دے۔
میرے لیے آرام کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اصل پریشانی یہ تھی کہ غزالہ ہوٹل میں اکیلی تھی اور میرے رابطے ٹوٹے ہوئے تھے۔ اول خان، ویرا اور جلال وغیرہ کے پاس ہوٹل کے فون نمبر تھے۔ وہاں سے غائب ہو کر میں ان کی رسائی سے باہر تھا۔ میں نے خالد کی پیشکش قبول کر لی۔
پہلے روز کے مقابلے میں اس روز میرا کردار زیادہ نمایاں اور فعال رہا تھا۔ خالد کے ماتحتوں نے بھی محسوس کیا ہوگا کہ میں شاہد کے معاملے میں بہت زیادہ سرگرمی دکھا رہا تھا لیکن خالد کے محتاط اور مساویانہ رویے کی وجہ سے ان میں سے کسی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا ہوگا کہ ایس ٹی ایف کے لیے میری کوئی خاص اہمیت تھی یا اسٹیشن تھری کا کمانڈر میرے سامنے خود کو کم رتبہ سمجھنے پر مجبور تھا۔ وہ سب مشاہدہ کرنے

والے لوگ تھے۔ جو کچھ دیکھتے، اس پر اعتبار کر لیتے تھے۔ ان کے لیے اسباب جاننا ضروری نہیں تھا۔

ایس ٹی ایف کے ڈرائیور نے بہت جلد مجھے ہوٹل پہنچا دیا۔ میں نے اپنے فلور پر پہنچ کر دروازے پر دستک دی تو غزالہ نے دروازے کے قریب آکر سوال کیا "کون ہے؟"

مجھے یقین تھا کہ کمرے میں اکیلی ہونے کی وجہ سے وہ خوف زدہ نہیں ہوگی لیکن محتاط ضرور رہوگی۔ احتیاط کرنے کی وجہ سے وہ بے فکر ہو کر آرام بھی نہیں کر سکی ہوگی۔ میں نے دانستہ اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"آپ بے فکر ہیں اور کراچی والے آپ کی فکر میں گھلے جا رہے ہیں۔ ویرا تین مرتبہ آپ کے لیے فون کر چکی ہے" میرے اندر داخل ہونے کے بعد اس نے بتایا۔

"شاید تم نے فون بل کی طرف اس کی توجہ نہیں دلائی ہوگی" میں نے جوتوں کے بند کھولتے ہوئے کہا۔

"میں نے آپ سے یہ سیکھا ہے کہ ویرا سے ہلکی پھلکی اور شگفتہ باتیں ٹھیک رہتی ہیں" اس نے شرارت سے جواب دیا "کوئی چبھتی ہوئی بات کہہ دی جائے تو وہ فوراً برا مان جاتی ہے۔ خاص طور پر وہ اخراجات کے معاملے میں بہت حساس ہے۔ وہ فوراً جواب دے گی کہ اب فون استعمال کرنا چھوڑ دے گی۔"

"وہ بار بار کیوں فون کر رہی ہے؟" میں نے غزالہ کی بات کاٹ کر پوچھا۔ میری نگاہیں میز پر رکھے ہوئے کھانے کے خالی برتنوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"وہ آپ کی طرف سے فکر مند ہے، جاننا چاہتی ہے کہ شاہد کے سلسلے میں کیا ہوا؟"

"تم نے اسے نہیں بتایا کہ میں شاہد سمیت اسٹیشن تھری پہنچ چکا تھا؟" میں نے اس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

"یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ کسی کمرے کی چھت سے الٹا لٹکا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو اپنی کسی کارکردگی سے آگاہ کرنے کے لیے بے چین ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے جان اسمتھ کے واقعے کے بارے میں مجھے پوری بات نہ بتائی ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ دس پندرہ منٹ میں پھر اس کا فون آئے گا۔ آپ اپنی بات کریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہد نے ہتھیار ڈال کر خود کو آپ کے حوالے کر دیا۔ آپ کے بشرے سے تکان کے بجائے تازگی جھلک رہی ہے۔"

میں بستر پر دراز ہو گیا "ہم نے اسٹیشن تھری پہنچتے ہی کھانا کھا لیا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ شاہد پر بہت زیادہ وقت برباد ہوگا۔ وہ ہماری توقع سے زیادہ سمجھ دار ثابت ہوا۔ تھوڑی سی مزاحمت کے بعد اس نے سمجھ لیا کہ زبان کھولے بغیر اس کی گلوخلاصی نہیں ہوگی۔ اس کی کہانی آنکھیں کھول دینے والی تھی..."

میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ غزالہ زیر لب کچھ بڑبڑا کر رہ گئی۔ شاید اسے یقین تھا کہ وہ کال ویرا کی ہوگی۔

میں نے کروٹ لے کر ریسیور اٹھایا تو آپریٹر لائن مجھے منتقل کر چکا تھا۔ دوسری طرف جلال تھا "تمہارے چہرے کا کیا حال ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر صدمہ ہوا کہ جوگیندر پال کے بھیجے ہوئے آدمیوں نے تمہارے چہرے کو خاصا نقصان پہنچایا ہے۔ تم سے ملاقات میں، میں اس بارے میں دانستہ خاموش رہا تھا۔"

"تم بھول رہے ہو۔ ہماری بات ہوئی تھی اور میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ میں نے بازی پلٹنے کے انتظار میں دانستہ مار کھائی تھی۔ بعد میں ان دونوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ میرا خیال ہے کہ پرسوں تک میں سفر کے قابل ہو جاؤں گا۔ زخم بھرتے رہیں گے لیکن سوجن ختم ہو جائے گی۔"

"ویری گڈ!" میرا پر اعتماد جواب سن کر وہ خوش ہو گیا "تم کل کنفرم کر دو گے تو میں پرسوں کے لیے تیاری کر لوں گا۔ این کا ویل کب آ رہی ہے؟"

"فی الحال اس کے لگاتار فون آ رہے ہیں۔ وہ خود بھی آ جائے گی" میں نے ہنس کر جواب دیا "یہ بتاؤ کہ ہیومن سوسائٹی کے بارے میں کام کہاں تک پہنچا۔"

"پلیز! میں کہہ رہا ہوں کہ ان چکروں کو بھول جاؤ۔ یہ کوئی لمبا چکر ہے۔ چوہدری کو پچھلے کافی عرصے سے اپنے سوئٹزرلینڈ کے اکاؤنٹ میں بڑے بڑے فنڈز مل رہے ہیں۔ تم رقوم دینے والوں کا نام سنو گے تو اچھل پڑو گے۔ ایک ٹیم ان معاملات پر محنت کر رہی ہے۔"

"فل برائٹ فاؤنڈیشن کے بارے میں، میں سن چکا ہوں" میں نے سکون سے جواب دے کر اسے متحیر کر دیا "یہ معلوم ہو چکا ہے تو تمہیں کس بات کا انتظار ہے؟ چوہدری یا اس کے کسی گرگے کو پکڑو، مار مار کر اس کے جبڑے ہلا دو، وہ خود سب باتیں اگل دے گا۔"

"میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہاری صلاحیتوں کا معترف ہوں، تمہاری تیز رفتاری کا بھی قائل ہوں مگر خدا کے لیے اس معاملے سے دور رہو۔ ہم دھونس اور دھاندلی

سے نہیں، کسی اور طریقے سے کام کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ
دشمن کے ملک میں تم کو اس بارے میں کوئی خوش خبری سننے کو
مل جائے۔ میں حیران ہوں کہ تمہیں اس فاؤنڈیشن کا نام
کیسے مل گیا۔ سوسائٹی کے پورے ریکارڈ میں اس کا ذکر نہیں
ہے۔ فنڈز کے مقاصد بھی واضح نہیں ہیں...."

بات بڑھ رہی تھی۔ میں اصل واقعات کو مزید چھپائے
رکھتا تو جلال میرے رویے کو اپنی توہین سمجھ کر برہم ہوسکتا
تھا۔ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے نرمی سے کہا "آج تم
ہیومن سوسائٹی کو لمبا چکر قرار دے رہے ہو۔ کل رات تم
سے چھوٹا سا مقامی مسئلہ کہہ رہے تھے۔ تمہارے وہ الفاظ
مجھے بے جان محسوس ہوئے تھے اور میں نے اسی وقت کچھ
کام شروع کردیا تھا۔ اپنے آدمیوں کو روک لو۔ آج رات یہ
قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا۔ چوہدری اور اس کے
حواریوں کا وقت پورا ہوچکا ہے..."

"نہیں۔" ریسیور میں جلال کی سخت تحکمانہ آواز گونجی
"تم چوہدری عظمت سے دور رہوگے۔ میں اسے کھینچ کر
مجرموں کے کٹہرے تک لے جانا چاہتا ہوں۔ تذلیل اور
رسوائی اس کے لیے موت سے زیادہ کڑی اور بڑی سزا
ہوگی۔"

"بالکل یہی ہوگا جو تم چاہ رہے ہو" میں نے پورے
خلوص سے اسے یقین دلایا "تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اسے
واپس لانا میرے بس سے باہر ہے۔ وہ زندہ رہے گا اور قانون
کے شکنجے میں آئے گا۔ اگلے سورج کی کرنیں کسی حوالات کی
سلاخوں کے پیچھے اس کا استقبال کریں گی۔"

"حوالات!" اس کی تحیر زدہ آواز ابھری "تو کیا تم نے
پولیس سے مدد لی ہے؟ تم لاہور میں کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

اس کی آواز میں حیرت کے ساتھ تلخی بھی تھی۔ مجھے
محسوس ہوا کہ بات خطرناک موڑ پر پہنچ چکی تھی۔ میں نے
پوری سنجیدگی سے کہا "لاہور میں میرے لیے سب اجنبی
ہیں۔ میں نے ایس ٹی ایف والوں کی مدد سے چوہدری عظمت
کے سیکریٹری کو اٹھوایا اور پھر حالات میرے ہاتھ سے نکل
گئے۔"

"اوہ ڈینی، یہ اچھا نہیں ہوا" اس کے الفاظ قطعی
اضطراری تھے "مجھے پوری بات بتاؤ کہ کیا ہوا ہے اور کیا
ہونے والا ہے؟"

اس کے ردِ عمل کو دیکھتے ہوئے میں اصل واقعات نہیں
دہرا سکتا تھا۔ میں نے اسے فل برائٹ فاؤنڈیشن کی گرانٹ
اور ہیومن سوسائٹی کے قیام کے محدود مقصد کے بارے میں
بتاتے ہوئے کہا "یہ سب شاہد نے بتایا ہے اور وہ اب ایس ٹی
ایف کا قیدی ہے۔ ایس ٹی ایف کا یونٹ کمانڈر اسے آج
رات پولیس کے حوالے کردے گا۔ ہوسکتا ہے کہ رات میں
کسی وقت آپریشن ہو اور چوہدری عظمت کو اٹھوالیا جائے۔"

"تم شاہد کی پولیس کو منتقلی روک سکتے ہو؟" جلال نے
جارحانہ آواز میں سوال کیا۔

"گیارہ بجے یونٹ کمانڈر اور ڈی آئی جی کی ملاقات طے
ہے" میں نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "وقت بہت کم رہ
گیا ہے۔ خالد اپنے دفتر سے نکل چکا ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم
کہ ان دونوں کی ملاقات کہاں ہونے والی ہے۔ سب کچھ
وہیں طے کیا جائے گا۔"

"ایس ٹی ایف کے ریڈیو روم کو پیغام دو کہ وہ اپنے
یونٹ کمانڈر کو تلاش کریں۔ اس سے تمہاری بات
کرائیں۔"

"وہ میری بات نہیں سنیں گے" میں نے بوکھلا کر بے بسی
سے کہا "ان کے لیے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ مجھے ان صرف
کا کمانڈر جانتا ہے۔"

"تم اپنی کوشش کرو۔ میں بھی دیکھتا ہوں کہ کیا ہوسکتا
ہے۔ مجھے ایک مرتبہ پھر بتادو کہ تمہاری رپورٹ کہاں تک
صحیح ہے" چوہدری عظمت کے خلاف پولیس ایکشن کی بات
سننے کے بعد سے اس کی آواز میں بہت زیادہ اضطراب
محسوس ہورہا تھا۔

"میں پھر بتا رہا ہوں کہ یہ سب باتیں شاہد نے بتائی ہیں
اور ٹیپ پر محفوظ ہیں، معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے میں
نے اپنا دامن بچانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔
میرے ذہن کے ایک گوشے میں یہ بات محفوظ تھی کہ بازپرس
کے دوران میں شاہد نے اپنے بیان سے پھر جانے کی دھمکی
بھی دی تھی۔

"چوہدری عظمت کے بارے میں تم کچھ نہ کرسکو تو شاہد
کی منتقلی کو دوپہر تک کے لیے ضرور روک دینا۔ اس وقت
وہی سب سے اہم مہرہ ہے۔"

"برا نہ مانو تو میں ایک بات پوچھ لوں!" میں نے محتاط
لب و لہجے میں کہا۔

"جلدی پوچھ ڈالو۔ وقت ہم دونوں کے ہاتھ سے نکلا
جارہا ہے۔ گیارہ بجنے میں چند منٹ باقی رہ گئے ہیں۔"

"کل تک تمہارا رویہ کچھ اور تھا۔ آج تم اس کیس کے
بارے میں اتنے پریشان اور بے چین کیوں ہو۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی تیزی دکھاؤگے۔ یہ

بہت الجھا ہوا معاملہ ہے۔ چوہدری عظمت کے سوئس بینک اکاؤنٹ کے اسٹیٹ منٹ ہمارے پاس ہیں، دوسرا ریکارڈ بھی میرے دو آدمیوں کی تحویل میں ہے۔ ہم وفاق کے ملازم ہیں۔ پولیس صوبائی محکمہ ہے۔ چوہدری عظمت کو طشتری میں سجا کر ان کو پیش کردیا گیا تو کیس خراب ہوجائے گا۔ یہ بہت بڑا کیس ہے۔ اگر ہیروئن کی خرید و فروخت اور اے این ایچ کی اسمگلنگ کے بارے میں تمہاری اطلاعات درست ہیں تو چوہدری عظمت کو عدالت سے سزائے موت ہوگی، یہ معاملہ دوسروں کے لیے عبرت کا ایک شاہکار ثابت ہوگا۔ ابھی تک ہم فاؤنڈیشن کی بھاری گرانٹ اور ہیومن سوسائٹی کی فلاحی سرگرمیوں کے درمیان کسی تعلق کی تلاش میں الجھے ہوئے تھے۔ منشیات والا پہلو ہماری نظروں سے اوجھل تھا۔"

"میں اسی کلیو سے شاہد تک پہنچا تھا۔ یہ پورا چکر ہیروئن کا ہی ہے۔"

"او کے۔ تھینک یو اور خدا حافظ" وہ بہت عجلت میں تھا۔ اس نے فون بند کردیا۔

ریسیور رکھتے ہوئے مجھے قلق ہورہا تھا کہ خالد سے پولیس اور اینٹی نارکوٹکس فورس کے بارے میں بحث کرتے ہوئے میں آئی بی کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی کہ جلال نے مجھ سے ہیومن سوسائٹی کے بارے میں بات کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔ اس نے جس سرسری انداز میں اسے ایک چھوٹا سا مقامی مسئلہ قرار دیا تھا۔ مجھے یہ یقین ہوگیا تھا کہ وہ اس بارے میں کوئی قدم اٹھانے پر آسانی سے آمادہ نہیں ہوگا۔

"اب کیا چکر چل پڑا؟" غزالہ نے تیوریوں میں بل ڈال کر پوچھا۔

"کوئی چکر نہیں ہے۔ جلال نے اب اگلا ہے کہ وہ پہلے سے ہیومن سوسائٹی پر کام کررہا ہے۔"

"میں خود حیران ہوں۔ ہیومن سوسائٹی کا نام سامنے آنے کے بعد سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا ہے کہ یقین نہیں آتا۔ کمال کی دوسری بات یہ ہے کہ اب تک کسی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی ورنہ ہر معاملے میں خون خرابا ضرور ہوتا رہا ہے۔"

"نکسیر کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ شاہد کافی لہولہان ہوا ہے۔ بس یہ کہہ لو کہ قتل کی نوبت نہیں آئی۔"

"اگر چوہدری عظمت کا نام درمیان میں نہ ہوتا تو شاید یہ بھی ہوجاتا۔ اچھا ہوا کہ اس بار قانون کا سہارا لیا جارہا ہے۔"

میں نے فون پر اسٹیشن تھری کا نمبر ملایا تو خالد وہاں مو نہیں تھا۔ میں نے اس کے بارے میں مزید کچھ پوچھنا منا نہیں سمجھا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ گیارہ بجے ڈی آئی جی سے شدہ ملاقات کے لیے نکلا ہوا ہوگا۔

ٹھیک گیارہ بجے خالد کا فون آگیا۔ اس کی آواز سن میں حیران رہ گیا "اس وقت تمہیں کہیں اور ہونا چاہیے تھا۔"

"مگر میں اپنے گھر پر ہوں" اس کی طرف سے جواب "میں نے پونے گیارہ بجے ڈی آئی جی کے دفتر میں فون کیا تھا وہ کسی چکر میں الجھا ہوا ہے۔ ابھی تک واپس نہیں پہنچا اس کے پی اے نے بتایا ہے کہ ڈی آئی جی نے اگلا وقت ہونے تک گیارہ بجے والی میٹنگ ملتوی کردی ہے۔"

میں اس اتفاق پر حیران رہ گیا۔ میرے ذہن میں اس شبہے نے سر ابھارا کہ جلال ایک وفاقی محکمے کا بڑا افسر تھا۔ اس نے کچھ ڈوریاں ہلا کر لاہور کے ڈی آئی جی کے لیے کوئی ایسی ہنگامی مصروفیت پیدا کردی ہوگی کہ وہ گیارہ بجے کی مقرر ملاقات کے لیے فارغ نہ ہوسکے۔ میں نے کہا۔ "میرے لیے یہ خبر حیران کن ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ چوہدری عظمت کے لیے آج کی رات فیصلہ کن ثابت نہیں ہوسکے گی۔"

"اس وقت یہی محسوس ہورہا ہے۔ ساری کوششیں تمہارے سامنے ہیں۔ عین وقت پر گڑبڑ ہوگئی تو میں کیا کرسکتا ہوں۔ پولیس افسران کے ساتھ عام طور پر ایسا ہوتا رہتا ہے۔ ان کے لیے کہیں بھی کوئی ایمرجنسی اچانک سر اٹھالیتی ہے اور انہیں ہر حال میں وہاں پہنچنا پڑتا ہے۔"

"یہ کوئی چال بھی ہوسکتی ہے۔ چوہدری عظمت بارسوخ آدمی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ڈی آئی جی کے دوستوں میں شامل ہو اور وہ اپنے دوست کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے موڈ میں نہ ہو" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے ایک شبہے کو الفاظ کا روپ دینے میں کوئی تامل نہیں کیا۔

"ایس ٹی ایف کے ساتھ ایسی حرکت کا امکان نہیں ہے کیونکہ بات بہت اوپر تک جاسکتی ہے۔ تمہارا شبہ درست ہوتا تو میٹنگ ضرور ہوتی تاکہ پلان سامنے آجاتا۔ چوہدری عظمت کو اس پلان کے بارے میں خبردار کرکے بھاگنے کا موقع دیا جاسکتا تھا۔ اس محفوظ طریقے کو چھوڑ کر غائب ہوجانا مصلحت کے خلاف ہوتا۔"

"اب اگلی اطلاع تک اس میٹنگ کو بھول جاؤ۔ قیدی کہاں اور کس حال میں ہے؟"

"اسٹیشن تھری پر محفوظ ہے اور آرام کررہا ہے۔ مجھے

اس سے زیادہ چوہدری عظمت کی فکر ہے۔ وہ نکل گیا تو مجھے بہت قلق ہوگا۔"

"میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ڈی آئی جی کا غائب ہونا خالی از علت نہیں ہے۔ شاید اندرون خانہ کوئی چکر چل پڑا ہے۔ آج کی رات چوہدری عظمت پر ضرور بھاری پڑے گی۔ کہیں سے کسی کارروائی کی بھنک ملی تو میں تمہیں ضرور مطلع کروں گا۔"

"اس وقت تم ذو معنی باتیں کر رہے ہو۔ پہلے ڈی آئی جی کو چوہدری عظمت کا دوست قرار دے رہے تھے، اب دوسری بات کر رہے ہو۔"

"وہ بھی ایک امکان ہو سکتا تھا۔ تم نے اس کی معقول تردید پیش کی ہے۔ میں نے وہ شبہ اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ چوہدری عظمت کے ساتھ جو کچھ بھی ہو، یہ یاد رکھنا کہ اب شاہد کو پولیس کی تحویل میں نہیں دیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وفاق سے اس کا کوئی طلب گار پیدا ہو جائے۔"

"وفاق سے صرف آئی بی والے اس معاملے میں دلچسپی لے سکتے ہیں" حامد کے برجستہ جواب نے مجھے حیران کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا "کل سے آئی بی کے لاہور آفس کا ایک انسپکٹر کسی اور کے ساتھ دو مرتبہ ہیومن سوسائٹی کے دفتر کے آس پاس منڈلاتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ یہ لوگ بلاوجہ کہیں کے چکر نہیں لگاتے۔"

وہ ہوشیار تھا اور آنکھیں کھلی رکھ کر کام کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اس کی دل جوئی کے لیے فوری طور پر اسے اپنے اعتماد میں لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے بتایا "تم نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے۔ آئی بی والے اس کیس میں غیر معمولی دلچسپی لے رہے ہیں۔ وہ شاہد کو اپنی تحویل میں لینا چاہتے ہیں۔"

"ایسی صورت میں چوہدری عظمت کا بچنا محال ہے۔ آئی بی والے کسی کے پیچھے لگتے ہیں تو پھر جونک کی طرح اس کی قبر تک جاگتے ہیں۔ پتا نہیں مجھے ان کا خیال کیوں نہیں آیا۔ ان سے نہ صرف میرے بلکہ میرے کئی آدمیوں کے بھی قریبی مراسم ہیں۔ ان کے ساتھ مل کر کئی مرتبہ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ یہ لوگ بہت رازداری سے اور کم نفری کے ساتھ کارروائی کرتے ہیں اور کبھی ناکام نہیں لوٹتے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کا کاٹا پانی تک نہیں مانگتا۔"

میرے اور حامد کے درمیان وہی ایک بات پوشیدہ رہ گئی تھی۔ پتا نہیں یہ اتفاق تھا، ہماری خوش قسمتی یا جلال کی کوئی خوش تدبیری تھی کہ مقامی پولیس چوہدری عظمت کے معاملے میں ملوث ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔ ایک بڑی الجھن دور ہو گئی تھی۔ پھیلا ہوا معاملہ دوبارہ سمٹتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"اب تم بے فکر ہو کر سو جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ صبح تک کوئی نہ کوئی بڑی خوش خبری آ چکی ہوگی۔"

"مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ خوش خبری تمہارے ذریعے ملے گی" ہنسی کے ساتھ حامد کی آواز ابھری۔ اس نے مجھ سے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ مجھے آئی بی کی سرگرمیوں کے بارے میں کیسے معلوم ہوا یا ان سے میرے کیسے روابط تھے۔

"بالکل محسوس نہیں ہو رہا کہ ہم کراچی سے بہت دور آ چکے ہیں" غزالہ نے مسکراتے ہوئے ہلکا سا طنز کیا "بس نام بدلے ہیں ورنہ وہی کراچی والے شب و روز چل رہے ہیں۔ ویرا درست کہتی ہے کہ آپ جہاں جاتے ہیں، اپنے لیے کوئی نہ کوئی کام پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ صلاحیت ہزاروں میں کسی ایک کو ملتی ہے۔"

"مرچیں نہ چباؤ۔ مجھے یاد ہے کہ ہم یہاں آرام اور تفریح کے لیے آئے تھے۔ ہیومن سوسائٹی کا شوشا تم لائی تھیں۔ خرابی کا آغاز وہیں سے ہوا تھا۔ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ یہ ریکٹ اتنی تیزی اور آسانی سے ٹوٹ رہا ہے۔ پتا نہیں چوہدری عظمت کے انجام پر جہانگیر کا کیا ردِ عمل ہوگا۔"

"میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ خوش ہوگا۔ اپنے ماضی کی وجہ سے وہ سلمیٰ کے سامنے کچھ دبا دبا سا رہتا ہے۔ جب اسے پتا چلے گا کہ سلمیٰ کا سگا ماموں بین الاقوامی سازشی اور ہیروئن فروش ثابت ہوا ہے تو وہ کھل اٹھے گا۔ اسے سلمیٰ سے اپنا ماضی چھپانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

"جہانگیر میرا بہت اچھا دوست ہے مگر ذرا کمینہ آدمی ہے۔ اس نے اپنے ماضی سے چھٹکارا پانے کے لیے بہت دیکھ بھال کے بعد لاہور کے آسودہ حال تاجر گھرانے میں شادی کی تھی لیکن دیکھ لو کہ آدمی کتنی ہی لمبی چھلانگ لگا لے، آخر میں اسی مٹی میں گرتا ہے جس میں اس کا خمیر ہو۔ وہ شی کے مقامی گروہ کا سرغنہ تھا۔ چوہدری عظمت ہیومن سوسائٹی کا سرغنہ ہے۔ ان دونوں کے دھندے بھی حیرت ناک حد تک ملتے جلتے ہیں۔"

غزالہ نے مسہری کے سرہانے موجود سوئچ دبا کر کمرے کی روشنی گل کر دی "اب سو جائیں۔ یہ باتیں صبح بھی ہو سکتی ہیں۔"

کمرے میں نائٹ لیمپ کی سبز اور ناکافی روشنی رہ گئی

تھی۔ میں نے جھنجلا کر کہا "یہ کیا کردیا تم نے۔ مجھے جلال اور ویرا کے فون کا انتظار تھا۔"

"بس اب سوجائیں بلکہ آپریٹر سے کہہ دیں کہ کوئی بھی کال آئے، وہ پیغام نوٹ کرلے۔ ہمارے آرام میں خلل نہ ڈالے" غزالہ نے اصرار کیا۔

اس کی بات پوری ہوتے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ مجھے امید تھی کہ جلال مجھے لاہور کے ڈی آئی جی اور خالد کی ملاقات کی منسوخی کی خبر سنائے گا مگر وہ کال ویرا کی تھی

"سنا ہے کہ تم نے لاہور میں بھی پرپرزے نکال لیے ہیں" میری آواز سنتے ہی وہ چہکی تھی۔

"فضولیات پر کان نہ دھرا کرو۔ تم اسی رفتار سے لاہور فون کرتی رہیں تو گن بوٹ کی فروخت سے پس انداز کی ہوئی ساری رقم کچھ دنوں میں ٹیلی فون کے محکمے کو منتقل ہوجائے گی۔ مجھے کوئی کام آتا ہے نہ نوکری کرنا میرے بس کی بات ہے۔"

"داڑھی تم نظریہ ضرورت کے تحت بڑھاتے اور منڈواتے رہتے ہو۔ زلفیں بڑھا کر پان چبانا شروع کروگے تو خاصے مرید مل جائیں گے۔ جسے دنیا کا کوئی کام نہ آتا ہو، وہ اس دھندے میں بہت کامیاب رہتا ہے۔ نئے پنچھیوں کو پھانسنے کے لیے ایس ٹی ایف کے دس بارہ آدمی ہر وقت ہاتھ باندھے تمہارے آگے پیچھے پھرتے رہیں گے۔"

"یہ مشورے بعد میں دے دینا۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت کیوں فون کیا ہے؟"

"تم نے اب تک کچھ نہیں بتایا کہ سلمٰی کے ماموں والے قصے کا کیا بنا۔ اس معاملے میں تم بہت تیزی دکھا رہے تھے۔"

"وہ غلط آدمی ہے۔ صبح تک اس کا تیا پانچا ہوجائے گا۔ اور کل ہی تم کو لاہور پہنچنا ہے۔"

"واقعی!" اس کی سریلی آواز تحیرزدہ چیخ سے مشابہ تھی "بھارت کے لیے روانگی کا کیا پروگرام طے ہوا ہے؟"

"تم آجاؤ تو پرسوں نکل جائیں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ لاہور چھوڑنے سے پہلے یہاں کا کام پورا ہوچکا ہے۔ ہماری روانگی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔"

"اچھا ہوا کہ میں نے بھی جان اسمتھ سے رابطہ کرلیا۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے اس کی جان نکل رہی تھی" ویرا کے ایک ایک لفظ سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی "میں اسے بتا رہی کہ میں ویرا لائیڈ بول رہی ہوں اور وہ کسی طرح یقین کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔"

"میں نے تمہیں منع کیا تھا" میں نے ناراضگی سے کہا "اس کو اپنا نام بتانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تم نے اس بات کو نظرانداز کردیا کہ وہ میرے دعوے کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں نے ایک سنسان بوتھ سے فون کیا تھا اور پھوہڑ پاکستانی عورت کی طرح غلط سلط انگریزی بول رہی تھی۔ میں نے اسے دھمکی دی ہے کہ میں جلد ہی اسے جان سے ماردوں گی۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ مجھے کوئی خبطی عورت سمجھ رہا تھا جسے کسی نے رقم کا لالچ دے کر اس کے پیچھے لگادیا ہو۔ کل صبح اور پھر لاہور روانگی سے پہلے میں اسے پھر اسی آواز میں فون کروں گی"

"بچوں جیسی حرکتیں ہیں" میں نے اس کی بات کاٹ کر اپنی کھلی ناپسندیدگی کا اظہار کیا "ان احمقانہ حرکتوں سے وہ ڈرنے کے بجائے یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ تم حواس باختہ ہوکر اوچھے حربوں پر اتر آئی ہو۔ اس کے ذہن میں بلاوجہ میرا اور تمہارا نام تازہ ہوجائے گا۔"

"ہوا کرے" وہ ڈھٹائی سے بولی "پرسوں ہم دونوں یہاں سے جاچکے ہوں گے۔ تم یہ باتیں اس لیے کہہ رہے ہو کہ امریکیوں کے مزاج کو نہیں سمجھتے۔ میں خود امریکی ہوں۔ جانتی ہوں کہ یہ لوگ اوّل درجے کے وہمی اور ڈرپوک ہوتے ہیں۔ اگر یہ خیال اس کے ذہن میں جڑ پکڑ گیا کہ کوئی نیم پاگل پاکستانی عورت اس کے خون کی پیاسی ہوگئی ہے تو اس کی رات کی نیندیں حرام ہوجائیں گی۔ یہ انگریزوں کے وہم کا مذاق اڑاتے ہیں کہ نحوست کے خوف سے ان کی کسی گنتی میں تیرہ کا ہندسہ نہیں ہوتا مگر خود تیرہویں سال گرہ منانے سے ڈرتے ہیں۔ اس کے دل میں ڈر بیٹھ گیا تو وہ ہفتہ دس دن کی چھٹی پر پاکستان سے باہر چلا جائے گا۔"

"یہ بلی کو خواب میں چھیچھڑے نظر آنے والی بات ہے۔ اسی طرح اپنا دل خوش کرتی رہو۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ سلمٰی کا ماموں لاہور میں کیا گڑبڑ کررہا تھا" اپنے دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد اس نے پوچھا۔

"کل آرہی ہو تو سب پتا چل جائے گا۔ زیادہ تفصیل جاننا چاہو تو پرسوں کے اخبارات پڑھ لینا۔ اس وقت تک ہر راز طشت ازبام ہوجائے گا۔"

"یہ صرف میری نہیں، اول خان اور سلطان شاہ کی بھی خواہش ہے۔ یہ دونوں کراچی ہی میں رہیں گے۔"

"بلاوجہ میرا دماغ مت چاٹو۔ اول خان خود بھی مجھے فون

کر سکتا تھا۔ اسے معلوم ہے کہ یہ اے این ایچ کا چکر تھا۔"
"یقین نہیں ہے تو خود اس سے بات کرلو" یہ کہہ کر ویرا نے ریسیور اول خان کو دے دیا۔ اس کی آواز سن کر مجھے سنبھل جانا پڑا۔
"میں تمہارا تہِ دل سے ممنون ہوں" میں نے اس کی ہیلو سنتے ہی کہا "تم سے بات ہونے کے بعد خالد کا رویہ ایک دم بدل گیا تھا۔ نتائج سامنے آنے کے بعد وہ اپنی محتاط روی پر شرمندہ ہے اور کئی بار معذرت کرچکا ہے۔ یہ کروڑوں کا چکر ثابت ہوا ہے جس میں ہیروئن کا لین دین بھی شامل ہے۔ ان دھندوں کے لیے امریکا کی ایک مشہور فاؤنڈیشن بالکل غیر قانونی طریقے سے فنڈز فراہم کررہی ہے۔ آئی بی والے اس مشتبہ فنڈنگ پر پہلے سے کام کررہے تھے۔"
"خالد شاید کل مجھے پوری کہانی سنائے گا۔ وہ تم سے بہت مرعوب ہے لیکن تمہارے طریقہ کار سے ڈرتا ہے۔ تمہارے اچانک فیصلوں نے اسے الجھا دیا تھا۔"
"خالد کے بعد تم جلال سے بھی بات کرلینا۔ چوہدری عظمت کا کیس اب اسی کو سونپ دیا گیا ہے۔"
"ویرا کیا کہہ رہی تھی؟ تم آگے کب جارہے ہو؟" اس نے ویرا کی زبان سے سنے ہوئے مکالموں کی تصدیق چاہی۔
"پرسوں..... ویرا کو کل لاہور آنا ہے۔ میں رات کے لیے اسی ہوٹل میں کمرا بک کرادوں گا۔"
"یہ معاملہ تم خود سنبھال لینا۔ ویرا آج کل منہ زور اور گستاخ ہوگئی ہے" ہنسی کے ساتھ ساتھ اس کی آواز آئی "یہاں سے کباب میں ہڈی بننے کا عزم لے کر جائے گی۔ کہہ رہی تھی کہ جب تک لاہور میں رہے گی، تمہارے کمرے میں تیسرا بستر لگوا کر سوئے گی۔ غزالہ یہ حرکت برداشت نہیں کرے گی۔"
"اس وقت شاید وہ تمہارے آس پاس نہیں ہے" میں نے متجسس انداز میں سوال کیا۔
"تمہیں اس کا مرض معلوم ہے۔ کمرے میں گلاس بنا ہوا رکھا ہوگا۔ بار بار وہاں جاتی ہے اور ایک دو چسکیاں مار کر لوٹ آتی ہے" اول خان کی آواز میں ایسی خفت تھی جیسے وہ خود کو ویرا کی اس بری عادت کا ذمے دار سمجھتا ہو "اس وقت بھی وہ وہیں گئی ہوگی۔"
"اچھا ہوا کہ تم نے اس ہڈی کے بارے میں بتادیا۔ میں جلال سے بات کروں گا۔ ہوسکا تو ہم کل رات ہی لاہور سے نکل جائیں گے۔ نہ رات کو یہاں رکنا ہوگا نہ کوئی مسئلہ کھڑا ہوگا۔"

"فنڈز، امریکی فاؤنڈیشن اور ہیروئن کا ذکر کرکے تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ فون پر زیادہ بات نہیں ہوسکتی، چوہدری عظمت اب کہاں ہے؟"
"اپنے گھر میں آرام کررہا ہوگا لیکن صبح تک شاید اپنی صحیح جگہ پر پہنچا دیا جائے۔ عین وقت پر ایک سنگین انتظامی الجھن پیدا ہوگئی ورنہ وہ اب تک بند ہوچکا ہوتا۔"
اول خان اس موضوع پر مزید بات کرنے کا خواہش مند تھا۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی تھی کہ سارا کچا چٹھا سامنے آجانے کے بعد بھی چوہدری عظمت آزاد تھا۔ تحفظ کا تمام تر یقین ہونے کے باوجود میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں اسے ان تمام تفصیلات سے فون پر ہی آگاہ کردیتا۔ اِدھر اُدھر کی مزید کچھ باتوں کے بعد اول نے تشنہ انداز میں فون بند کردیا۔
ریسیور رکھ کر میں غزالہ کی طرف متوجہ ہوا تو وہ دوسری طرف کروٹ لیے، بے سدھ لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے ہولے سے اسے پکارا۔ جواب نہ دارد۔ میں نے اس کی طرف کروٹ لے کر آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ میری تشویش پر وہ اپنی اداکاری برقرار نہیں رکھ سکی تھی۔
"آپ فون سنتے رہیں اور مجھے سونے دیں" اس نے میرے کان میں منمنا کر شکوہ کیا۔
رات کے گہرے سناٹے میں، میں غزالہ کے دل کی دھمک اپنے بازو پر محسوس کررہا تھا۔ ہم دونوں دیر تک آپس کی باتیں کرتے رہے۔ میں نے اپنی پوری توجہ اس پر مرکوز کی ہوئی تھی مگر میرے کان فون کی گھنٹی کی طرف لگے ہوئے تھے۔ مجھے بہت شدت سے جلال کی کال کا انتظار تھا۔
جلال کا فون آنا تھا اور نہ آیا۔ اسی انتظار میں میری آنکھ لگ گئی۔ میں کچھ ہی دیر کے لیے نیند کی دیوی کی مہربان آغوش میں رہا ہوں گا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر کوئی گھڑیال بج رہا ہو۔ رفتہ رفتہ وہ آواز اتنی بڑھی کہ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ چند ثانیوں تک کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کوئی خواب تھا یا واقعی کہیں کچھ بج رہا تھا۔ مختصر سے وقفے کے بعد فون کی گھنٹی آسیبی آواز میں چیخی تو میں بوکھلا گیا۔ شاید فون کی مسلسل بجتی ہوئی گھنٹی ہی میری بیداری کا سبب بنی تھی۔
میں نے ریسیور اٹھانے سے پہلے ہوٹل کے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی۔ اس کی روشن سوئیاں صبح کے ساڑھے تین بجا چکی تھیں۔ مجھے ہوٹل کے آپریٹر پر غصہ آگیا۔ فون

کرنے والا کوئی بھی رہا ہو' آپریٹر کو اتنی رات گئے مہمانوں کی نیند خراب کرنے کا کوئی حق نہیں تھا مگر وہ بدتمیز نہ جانے کب سے فون کی گھنٹیاں بجائے جا رہا تھا۔

"کون ہے؟" میں نے ریسیور اٹھا کر غراتی ہوئی غنودہ مگر کٹ کھنی آواز میں پوچھا۔

"اوہو۔ نیند خراب ہونے پر برہم ہو۔ میں معذرت چاہتا ہوں" اپنے کان میں جلال کی آواز سن کر میرا خون کھول گیا۔ آپریٹر نے ہمارے کمرے سے کوئی جواب ملنے کا انتظار کیے بغیر کال ہمارے کمرے میں منتقل کردی تھی۔ اسے اپنی سہولت عزیز تھی۔ مہمانوں کے آرام کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔

آپریٹر سے بعد میں نمٹنے کا ارادہ کر کے میں نے ماؤتھ پیس میں کہا "میں تمہاری کال کا انتظار کرتے کرتے سویا تھا۔ شاید تم کہیں اور مصروف ہوگئے تھے۔ اس وقت اسلام آباد میں بھی رات کے ساڑھے تین ہی بجے ہوں گے!"

"میں اسلام آباد سے نہیں' تمہارے ہوٹل کی لابی سے بول رہا ہوں۔ تم سے بات ہونے کے بعد مسلسل اسی چکر میں الجھا ہوا تھا..."

"اوہو... ہو... ہو!" اس کے انکشاف پر میرے حلق سے بے معنی سی آوازیں برآمد ہوئیں "میں کپڑے بدل کر نیچے آرہا ہوں۔ تم کافی منگوالو۔"

فون کی مسلسل بجتی ہوئی گھنٹیاں غزالہ کی نیند پر اثرانداز نہیں ہوئی تھیں مگر میرے دہانے سے برآمد ہونے والی لایعنی آوازوں سے اس کی نیند اچٹ گئی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی "کیا ہوا؟ کون آگیا؟ آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں؟" اس نے مخمور لہجے میں لگاتار تین سوال کر ڈالے۔

"لابی میں جلال آیا ہوا ہے۔ تم سو جاؤ۔ میں اس سے مل کر آتا ہوں" بستر چھوڑ کر میں باتھ روم میں گھس گیا۔

میں عجلت میں کپڑے تبدیل کر کے لوٹا تو کمرا روشن تھا اور غزالہ کچھ پریشان سی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔ "آپ جلدی لوٹ آئیں۔ اس کے ساتھ کہیں باہر جانا ہو تو مجھے انٹرکام پر بتا دیں۔ میں انتظار کروں گی" میں چابی لے کر کمرے سے نکل گیا۔

میں لفٹ کے ذریعے لابی میں پہنچا تو جلال نے گلے مل کر تپاک سے میرا استقبال کیا۔ اس کی آنکھوں سے بے خوابی اور چہرے سے تکان عیاں تھی۔

"میں تمہیں اس وقت لاہور میں پاکر حیران ہوں۔ کیا لاہور اور اسلام آباد کے درمیان رات کو بھی کوئی پرواز ہوتی ہے؟" میں نے بھاپ اڑاتی ہوئی تلخ کافی کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔

"سب سے بڑا مسئلہ یہی تھا" وہ سگریٹ کا دھواں بکھیرتے ہوئے بولا "گاڑی یا کوچ سے سفر میں کم از کم پانچ چھ گھنٹے صرف ہوجاتے۔ رات کو کوئی پرواز نہیں ہوتی۔ آرمی والوں کا ایک کوبرا ہیلی کاپٹر لاہور آرہا تھا۔ وارنٹ وغیرہ لے کر اسی سے ڈیڑھ بجے پہنچا تھا۔ مقامی مجسٹریٹ کو نیند سے اٹھا کر ساتھ لیا اور اپنے اسٹاف کے دو آدمیوں کے ساتھ چھاپا مار کر چوہدری عظمت کو اٹھا لیا۔ اس کے گھر سے بیالیس کلوگرام ہیروئن کے تھیلے برآمد ہوئے ہیں۔"

میں حیرت سے اس کا منہ تکتا رہ گیا "پھر میرا اندازہ صحیح تھا۔ ڈی آئی جی کی میٹنگ تم ہی نے منسوخ کرائی ہوگی۔"

"بس داؤ چل گیا۔" وہ بے پروائی سے بولا "ہم وفاق والوں کو یہ فائدہ رہتا ہے کہ ہم صوبوں کے لیے کام پیدا کرسکتے ہیں۔ مجھے میٹنگ کے بارے میں کچھ نہیں کہنا پڑا۔ ڈی آئی جی کے لیے ایک کام نکال دیا۔ گیارہ بجے اس کی ائرپورٹ پر موجودگی ضروری ہوگئی تھی۔ میٹنگ خود بہ خود منسوخ ہوگئی۔"

"چوہدری عظمت اور تمہارے دونوں آدمی کہاں ہیں؟" مجھے رفتہ رفتہ سوال یاد آرہے تھے۔

"پارکنگ لاٹ میں گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ شاہد کو میرے حوالے کرنے کا بندوبست کرو۔ سات بجے مجھے اسی کوبرا سے واپس چکلالہ ائرپورٹ جانا ہے۔ ان لوگوں کو پہلے سے بتانا ہوگا کہ واپسی میں میرے ساتھ دو قیدی ہوں گے اور بیالیس کلو کارگو!" اس نے بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم واقعی جن ہو" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "میں سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ تم اسی وقت لاہور کے لیے دوڑ پڑو گے۔"

"ارے یار! یہی تو ہماری روزی ہے۔ اس کے لیے بھی بھاگ دوڑ نہ کریں تو پھر زندگی کا مصرف کیا ہے۔ مجھے چوہدری عظمت کی گرفتاری اور خانہ تلاشی کے وارنٹ حاصل کرنے میں وقت لگا۔ متعلقہ آدمی دستیاب تھے۔ ان کے دفتر کھلوا کر مہریں لگوانی پڑیں۔ اس مردود کا نام لاہور کے معززین کی فہرست میں شامل نہ ہوتا تو شاید میں یہ قانونی ضابطے بعد میں پورے کرلیتا لیکن اس پر تیاری کے بغیر ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا تھا۔"

میں نے کافی پینے کی رفتار تیز کردی۔ میں ان کے ساتھ جانے اور واپس لوٹنے کا حساب سوچ رہا تھا۔ وہ چار تھے۔ میں پانچواں ہوتا۔ شاہد کے لیے خالد کی مدد ضروری تھی۔

کافی ختم کر کے پہلے میں نے انٹرکام پر غزالہ کو اپنی نئی مصروفیت سے آگاہ کیا پھر خالد کے گھر کا نمبر ملا لیا۔ ہر شریف آدمی کی طرح وہ بھی اس وقت گہری نیند سو رہا تھا۔ تیسری

گھنٹی بجنے کے بعد اس کی نیند سے بوجھل آواز سنائی دی۔ میں نے اسے اپنے اوسان بحال کرنے کے لیے وقت دینے کی نیت سے غیر ضروری طور پر اس کی مزاج پرسی کی پھر اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ جلال کے نام اور عہدے سے پہلے سے واقف تھا۔ فوری طور پر اسٹیشن تھری پہنچنے پر آمادہ ہوگیا۔

جلال کے دونوں آدمی اپنی صورتوں سے شاطر اور خرانٹ نظر آرہے تھے۔ ان دونوں نے ہمیں عقبی نشست پر بٹھانے کے بعد اگلی نشستیں سنبھال لیں۔ چوہدری عظمت بے ہوشی کی حالت میں پچھلے پائیدان پر پڑا ہوا تھا۔ جلال کے جوتے اس کے سینے پر تھے۔

"اسٹیشن تھری چلو!" جلال نے ہدایت دی اور گاڑی فوراً حرکت میں آگئی۔ مال روڈ کی دمکتی ہوئی اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں، میں نے دیکھا کہ چوہدری عظمت پستہ قامت اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا اور اپنے سرخ و سفید اور کلین شیو چہرے سے وہ خاصا سنجیدہ اور زیرک نظر آرہا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس کے دونوں ہاتھ ہتھکڑی کی جوڑی میں بندھے ہوئے تھے۔ اگلا سورج طلوع ہونے سے پہلے وہ آہنی زیور پہن کر اپنی آزادی سے محروم ہوچکا تھا۔

بے اختیار میری نظروں میں سلمٰی کا ملول اور افسردہ چہرہ گھوم گیا۔ اپنے ماموں کی ذلت آمیز گرفتاری پر اس کا دل گرفتہ ہونا قابلِ فہم تھا۔

ہمارے ہوٹل سے اسٹیشن تھری کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ہم خالد سے پہلے وہاں پہنچ گئے۔ وہ شاید اپنے عملے کو ہمارے بارے میں فون پر ہدایات دے چکا تھا۔ گاڑی کو اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ خالد کا دفتر مقفل تھا مگر اس سے ملحقہ انتظار گاہ کھلی ہوئی تھی۔ وہاں ایک اردلی بھی موجود تھا۔

جلال کے دونوں آدمی چوہدری عظمت کے ساتھ باہر رک کے رہے۔ جلال میرے ساتھ انتظار گاہ میں آبیٹھا۔

"تم نے لاہور سے روانگی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" سگریٹ سلگانے کے بعد جلال نے خود ہی بات چھیڑدی۔

وہ اس فاضل وقت کا بہترین استعمال تھا۔ میں نے کہا "کل ویرا آجائے گی۔ میرا ارادہ ہے کہ ہم کل رات ہی نکل جائیں ورنہ ہمیں بلاوجہ چوبیس گھنٹوں تک انتظار کرنا ہوگا۔ سفر کے لیے رات کا اندھیرا زیادہ سازگار ثابت ہوگا۔"

"ویرا کے پہنچتے ہی مجھے فون کرکے کنفرم کردینا۔ تم تینوں کو کل رات سرحد پار پہنچا دیا جائے گا۔ میرے تینوں آدمیوں کے نام ساتھ لے جانا نہ بھولنا۔"

"ان باتوں کی تم فکر نہ کرو' روانگی کے وقت یہاں سے ہم کو کس کے ساتھ اور کیسے جانا ہوگا۔"

"یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ میری کوشش ہوگی کہ میں تمہارا فون ملتے ہی اسلام آباد سے لاہور کے لیے روانہ ہوجاؤں۔ یہاں سے میں خود تمہیں سرحد پار پہنچاؤں گا۔ ان کاموں میں رابطے کے آدمی کی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ بھارتی میرے سوا کسی سے ڈیل نہیں کریں گے۔"

اس کی طرف سے وہ بات صاف ہوجانے پر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ میں ذہنی طور پر کسی اور کے ساتھ نئے سفر کا آغاز کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ آخری لمحات پر کسی گڑبڑ کی صورت میں یہ امکان بہرحال تھا کہ سرحد پار بھروسے کے افراد کے بجائے سادہ کپڑوں میں بھارتی فوجی یا شہری حکام موجود ہوں اور سرحد پار کرتے ہی ہمیں اپنی تحویل میں لے لیں۔ جلال بہت ذمے دار آدمی تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے ایسے کسی واقعے کا امکان کم ہوجاتا۔ وہ خطرہ بھانپ کر عین وقت پر کوئی متبادل قدم اٹھانے کا صحیح فیصلہ کرسکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد خالد بھی اسٹیشن فور آپہنچا۔ وہ منہ ہاتھ دھوکر پوری تیاری کے بعد آیا تھا لیکن اس کی آنکھوں سے نیند سے بیداری کے آثار نمایاں تھے۔ جلال نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ دونوں نے تپاک سے ہاتھ ملائے اور پھر باتوں میں وقت ضائع کیے بغیر خالد ہمیں لے کر اس کے کمرے کی طرف چل دیا جہاں ہیومن سوسائٹی کے شاہد کو قید میں رکھا گیا تھا۔

اسٹیشن تھری کے ماحول میں ہر طرف خواب ناک خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ ہر طرف آمدورفت کا سلسلہ بھی مفقود تھا۔ بیرک کے صرف اس حصے میں تھوڑی سی چہل پہل تھی جہاں ہم لوگ موجود تھے۔ شاہد کے کمرے کی نگرانی پر موجود گارڈ نے خالد کا اشارہ پاتے ہی دروازہ کھول دیا۔ ہم نے اندر داخل ہونے سے پہلے دیکھ لیا کہ شاہد ایک پہلو کے بل ننگے فرش پر لیٹا بہت گہری نیند سو رہا تھا۔ کھٹ پھٹ کی آوازیں اور آہٹیں بھی اس کی نیند میں خلل انداز نہیں ہوسکی تھیں۔

جلال نے اپنے دوسرے شکار کو دور سے دیکھا پھر باہر آکر اشارے سے اپنے ایک آدمی کو وہاں بلالیا۔ اس دراز قامت شخص کو پہلے سے متوقع ضروریات کا اندازہ تھا۔ وہ آیا تو اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیوں کا ایک جوڑا موجود تھا۔

"اسے بے ہوش کرکے گاڑی میں ڈال لو۔ یہ بھی ہمارے ساتھ جائے گا۔" جلال نے سپاٹ لہجے میں اسے ہدایت کی۔

اس نے ہتھکڑیوں والی زنجیر اپنے کندھے پر ڈالی اور جیب سے سرنج اور محلول کی شیشی نکال کر انجکشن تیار کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اس کے اعتماد اور پھرتی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے لیے وہ کام نیا نہیں تھا۔ اس نے شیشی سے سیال کی کچھ مقدار سرنج میں داخل کی۔ سرنج سے ہوا کے بلبلے خارج کیے اور پھر شاہد کی آستین ہٹانے کی زحمت کیے بغیر سوئی اس کے بازو میں اتار دی۔

سوئی کی چبھن سے شاہد کے بدن میں جھرجھری پیدا ہوئی مگر اس کی نیند میں فرق نہیں آیا۔ جلال کا وہ دراز قامت اور صحت مند آدمی چند لمحوں تک عقابی نظروں سے شاہد کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے جھک کر ایک ہی جھٹکے میں شاہد کے صحت مند وجود کو یوں اپنے کندھے پر لاد لیا جیسے وہ مدتوں سے صرف بوجھ ڈھونے کا کام کرتا رہا ہو۔ شاہد کو اٹھانے سے پہلے اس نے ہتھکڑیاں ایس ٹی ایف کے گارڈ کو تھمادی تھیں۔

اس کمرے میں ہمارا کام ختم ہو چکا تھا۔ محافظ وہیں رک گیا۔ ہم لوگ آئی بی کے دراز قامت باربردار کے پیچھے ہو لیے۔ اس کا ساتھی چوہدری عظمت کی نگرانی کے لیے گاڑی کے قریب موجود تھا۔ ان دونوں نے مل کر بہت تیزی سے شاہد کو پچھلی سیٹ پر اس طرح ڈال دیا کہ زیادہ وقت ضائع نہ ہو۔ چوہدری عظمت کی طرح شاہد بھی بے ہوش تھا مگر احتیاط اور روایات کے تقاضے اپنی جگہ پر تھے۔ شاہد کو بھی ہتھکڑیاں لگادی گئیں۔

جلال کا کام پورا ہو چکا تھا۔ اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ خالد نے رسمی طور پر بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ جلال مجھے اپنے ساتھ لایا تھا اور ساتھ ہی لے جانا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اسے قیدیوں اور ڈکی میں موجود ہیروئن کے سربہ مہر تھیلوں کے ساتھ ائرپورٹ پر چھوڑ کر، اس کے دونوں آدمی واپسی میں مجھے ہوٹل پر اتار دیں گے مگر شاہد کو لادنے کے بعد اس گاڑی میں گنجائش نہیں رہی تھی۔ دوسری طرف خالد کی گاڑی بھی موجود تھی۔ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم نے اسے وہیں سے رخصت کر دیا۔

چوہدری عظمت اور ہیومن سوسائٹی کے بارے میں پیدا ہونے والی ہر الجھن رفع ہو چکی تھی۔ جلال کی بھاگ دوڑ رنگ لائی تھی اور اس کے مطلوب مجرم خوش اسلوبی سے اس کی تحویل میں جا چکے تھے۔ لاہور میں ہیروئن کی اضافی کھپت اور فراہمی کے بارے میں خالد کی پریشانی بھی دور ہوگئی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے قدرت اچانک ہم سب لوگوں پر مہربان ہوگئی ہو اور ہماری بھارت کی طرف روانگی سے پہلے مقامی بکھیڑوں کو سمیٹنے میں ہماری مدد کر رہی ہو۔

جلال وغیرہ کو رخصت کرنے کے بعد ہم دونوں بھی اسٹیشن تھری واپس چل دیے۔ سر پر تاروں بھرا آسمان پھیلا ہوا تھا۔ بہت دیر ہوگئی تھی مگر پھر بھی صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے ہوٹل پہنچ کر نیند پوری کرنے کا موقع موجود تھا۔

خالد سے میرا تعارف لاہور پہنچنے کے بعد اچانک ہوا تھا۔ میرے بارے میں اس کی معلومات سنی سنائی باتوں تک محدود تھیں جو محدود حلقوں سے سینہ بہ سینہ سفر کرتی رہتی تھیں۔ میں نے ان میں اضافہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی لیکن اس رات پونے گیارہ بجے ہونے والی گفتگو میں، میں نے پہلی بار اسے اعتماد میں لے کر یہ بتایا تھا کہ آئی بی والوں سے میرا روابط تھے اور وہ اس بات پر ناخوش تھے کہ ہم نے چوہدری عظمت اور ہیومن سوسائٹی کا کیس مقامی پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

جلال کی درون خانہ سرگرمیوں کی وجہ سے وہ کیس پولیس کے ہاتھوں میں نہ پہنچ سکا مگر خالد کو یہ علم نہ ہو سکا کہ آئی بی میں میرے مراسم کس سطح پر تھے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ جلال سے میرا تعارف اول خان کی کوشش کا رہین منت تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے اور جلال کے مراسم میں زیادہ قرابت پیدا ہوتی چلی گئی تھی۔ خالد کو حیرت تھی کہ آئی بی کے ایک اعلیٰ افسر سے میرے اتنے گہرے اور قریبی تعلقات تھے۔

راستے بھر وہ اس کیس اور آئی بی کے بارے میں باتیں کرتا رہا پھر مجھے ہوٹل کے پورچ میں اپنی گاڑی سے اتار کر گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

میں برآمدے میں کھڑا ہاتھ ہلاتا رہا۔ جب خالد کی گاڑی ہوٹل کے احاطے سے نکل گئی تو میں مڑا اور ہوٹل کے صدر دروازے سے ہوٹل کی لابی میں داخل ہوگیا۔

ہوٹل کی لابی میں بہت کم لوگ نظر آرہے تھے۔ میں سرسری نظروں سے گردوپیش کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک میری نظر غزالہ پر پڑی اور میرے دل کی دھڑکنیں یک لخت تیز ہوگئیں۔ میرے روانہ ہونے کے بعد اصولی طور پر اسے کمرے تک ہی محدود رہنا چاہیے تھا۔ اگر وہ اتنی رات گئے اپنے کمرے سے باہر نکلنے پر مجبور ہوئی تھی تو ضرور اس کا کوئی اہم سبب تھا۔

بے اختیار میرے قدموں کی رفتار تیز ہوگئی۔ میں غزالہ کی طرف جا رہا تھا مگر وہ میری آمد سے بے خبر تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے، یہاں مدن موہن نے نیچل افارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا، اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیبی کو تلاش کر کے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کر لیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا، اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کر دیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اوبی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہو گیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اکسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوبی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کر لی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظورِ نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک وشبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نینا نامی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے بوب رائیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہِ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محبِ وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں بوب رائیل نے اپنی گلوخلاصی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہو چکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ اکرام الٰہی سے ملنے والی فائل میں درج دیگر افراد یکے بعد دیگرے اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مارو تی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا، جلال بھی میری اس خواہش میں شریک تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ کرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے، ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی۔ ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں ہم نے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کو ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبا کے حوالے سے بہت فکرمند پایا۔ لاہور میں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان میں سے ایک ہیومن سوسائٹی مجھے غیر معمولی طور پر مشکوک محسوس ہوئی۔ دوران تحقیق انکشاف ہوا کہ اس سوسائٹی کا کرتا دھرتا چوہدری عظمت، جہانگیر کی بیوی کا ماموں ہے۔ ہیومن سوسائٹی کے حوالے سے ہمارا شک درست نکلا۔ وہ ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این اے کے علاقہ غیرا سمگلنگ اور وہاں سے ہیروئن لاہور میں پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھا، اس کے علاوہ وہ انسداد ہیروئن کے ایک امریکی ادارے فورڈ فاؤنڈیشن سے بھی بھاری امداد لے رہا تھا۔ اس کے دست راست شاہد سے یہ معلومات حاصل ہوتے ہی جلال نے فوری کارروائی کی اور چوہدری عظمت کو اس کے گھر سے ہیروئن کے بیالیس تھیلوں سمیت گرفتار کرلیا گیا۔ میں اسے رخصت کر کے ہوٹل واپس لوٹا تو غیر متوقع طور پر غزالہ کو کمرے سے باہر دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ میں اس کی طرف جا رہا تھا مگر وہ میری آمد سے بے خبر تھی

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

غزالہ کی پوزیشن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میری آمد سے ضرور بے خبر تھی مگر اس کی توجہ کسی خاص شے یا شخص پر مرکوز تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے چلتے چلتے کسی کو دیکھا ہو اور پھر ٹھٹک کر اپنی جگہ پر کھڑی رہ گئی ہو۔ میں تیز رفتاری سے پیش قدمی کرتے ہوئے، متجسس نگاہوں سے اس کے گرد و پیش کا جائزہ لیتا رہا اور چند ثانیوں میں، میں خود بھی حیران رہ گیا۔

ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر پر ویرا موجود تھی۔ اس کے انداز ..... سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہوٹل کی لابی میں غزالہ کی موجودگی سے بالکل بے خبر ہو۔ وہ کاؤنٹر پر رکھے

ہوئے کسی کاغذیا فارم پر لکھنے میں منہمک تھی۔
ویرا کی ہوٹل میں موجودگی میرے لیے حیرت کا باعث تھی مگر غزالہ کی طرف سے اس کی لاتعلقی اس سے زیادہ حیران کن تھی۔ میرے ذہن میں سب سے پہلے یہ بات آئی کہ ویرا نے لاہور ائرپورٹ پر اترتے ہی یا ہوٹل پہنچنے پر غزالہ کو اس کے کمرے میں فون کر کے اپنی آمد سے آگاہ کردیا ہوگا۔ ان دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی' میں اس سے لاعلم تھا مگر ایک بات یقینی تھی کہ اس طرح غزالہ کو ویرا کی آمد کی خبر مل گئی اور وہ ویرا کو اپنے کمرے میں بلانے کے بجائے' نیچے لابی میں اتر آئی۔ ایسی صورت میں ویرا کی بے خبری اور غزالہ سے لاتعلقی غیر فطری محسوس ہو رہی تھی۔
میں تیزی سے بڑھتا ہوا غزالہ کے قریب پہنچا اور نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہیلو کہا۔ وہ بری طرح چونک کر میری طرف گھومی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں فکر اور تشویش کے سائے لہراتے دیکھے۔ اس کی وہ کیفیت بس چند لمحوں تک برقرار رہی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ میرے مزید کچھ کہے بغیر وہ خاموشی سے میرے ساتھ ہولی۔
رات عملاً گزر ہی چکی تھی۔ وہ صبح کا پہلا حصہ تھا۔ ہوٹل کی وسیع لابی خالی خالی سی نظر آ رہی تھی مگر پھر بھی وہاں اِکا دُکا شب بیدار مہمان اِدھر اُدھر بیٹھے یا چلتے پھرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ان کی تعداد اتنی کم تھی کہ وہ سب ایک دوسرے کی نظروں میں رہے ہوں گے۔ ایسے ماحول میں یہ بات کسی طرح میرے ذہن میں نہیں بیٹھ رہی تھی کہ غزالہ کی موجودگی کے بارے میں وہ اتنی ہی بے خبر تھی جتنا خود کو ظاہر کر رہی تھی۔
"تم اس وقت یہاں لابی میں کیا کرتی پھر رہی ہو؟" کاؤنٹر سے آگے نکل جانے کے بعد میں نے دبی دبی تحیرزدہ سرگوشی میں غزالہ سے پوچھا۔
"شاید آپ نے غور نہیں کیا۔ ویرا یہاں پہنچ چکی ہے اور ہوٹل کے استقبالیہ کلرک سے باتوں کے بعد کچھ لکھنے پڑھنے میں مصروف ہے" غزالہ نے میرے ساتھ قدم ملاتے ہوئے اسی لہجے میں جواب دیا۔
"یہ کسی پرواز کا وقت نہیں ہے۔ اس وقت وہ کیسے یہاں پہنچ گئی" میں غزالہ کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بڑبڑایا۔
"کراچی سے آنے والی نائٹ کوچ سے پہنچی ہے۔ کسی خرابی کی وجہ سے پرواز کی روانگی میں تاخیر ہوگئی تھی ورنہ وہ اس سے پہلے ہی یہاں آگئی ہوتی۔"
میں نے چونک کر غزالہ کو گھورا "یہ باتیں تمہیں کیسے معلوم ہوئیں۔"
"وہ ایک کمرے میں تین بستروں کا تصور لے کر یہاں آئی ہے" غزالہ نے برا سا منہ بنا کر بتانا شروع کیا "ہوٹل کی لیموزین سروس کے ذریعے ائرپورٹ سے یہاں پہنچی تھی۔ غنیمت یہ ہے کہ وہ براہ راست ہمارے کمرے میں نہیں پہنچی۔ اس نے نیچے سے انٹرکام استعمال کر کے مجھے اپنی آمد کی خوش خبری سنائی۔ وہ ہمارے کمرے میں آنے کی اجازت طلب کر رہی تھی۔ میں نے اسے سختی سے روک دیا۔ دیکھنا ہے کہ اب وہ کیا کرتی ہے۔"
"شاید تم کافی دیر سے نیچے آئی ہوئی ہو؟" میں نے سگریٹ سلگا کر سوال کیا۔
"بس ابھی ابھی آئی ہوں۔ میں بہت مشکل سے اسے قائل کر سکی کہ یہاں کے حالات بھی مخدوش ہیں۔ ہم ایک چکر میں الجھے ہوئے ہیں۔ فی الحال اسے ہم دونوں سے دور اور الگ تھلگ رہنا چاہیے۔ میں شب خوابی کے لباس میں مسہری پر لیٹی آپ کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ ویرا سے گفتگو ہونے کے بعد میں نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے۔ بال سنوارے اور پھر نیچے آگئی۔ یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا ہے کہ وہ میرا انتظار کرنے کے بجائے کاؤنٹر پر مصروف ہے۔"
"شاید تمہاری بات اس کی سمجھ میں آگئی ہے اور وہ کباب میں ہڈی بننے کے بجائے اپنے لیے الگ کمرا بک کرا رہی ہے' اس نے تمہیں دیکھ تو لیا ہوگا؟"
"ہاں!" غزالہ نے بے زاری سے جواب دیا "وہ کراچی سے ایسے بے تکے وقت پر لاہور پہنچی ہے۔ اس کی آمد کی اطلاع مل جانے کے بعد میرا نیچے آنا ضروری ہوگیا تھا۔ اس نے دور سے مجھے دیکھا مگر انجان بنی رہی اور کلرک سے باتوں میں مصروف ہوگئی... کچھ ناراض سی لگ رہی تھی۔"
غزالہ کی زبان سے وہ تفصیل سن کر میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوگیا اور میں نے ہنستے ہوئے کہا "وہ تم کو لپک کر اپنی بانہوں میں لے لیتی تو تم ناراض ہو جاتیں۔ وہ انجان بن کر الگ تھلگ رہی تب بھی تم کو اس سے شکوہ ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس کی ناراضی پانی کے ابال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ناراض ہے تو بھی تھوڑی سی دیر میں سب کچھ بھول بھال کر اعتدال پر آجائے گی۔ بڑی بات یہ ہے کہ اس نے فساد پیدا کرنے کے بجائے تمہارا مشورہ قبول کرلیا۔"
"ہوں... اوں!" غزالہ نے پرخیال انداز میں اپنے سر کو جنبش دی "دیکھنا ہے کہ یہ طوفان بلا کس کمرے کا رخ کرتا

ہے۔"

میں خاموشی سے سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ میرے لیے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی کہ غزالہ اپنے دل میں ویرا کے لیے نرم گوشہ رکھنے کے باوجود اس کی بعض حرکتوں کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتی تھی اس لیے اس کا ملا جلا ردِعمل حیران کن نہیں تھا۔

"اس نے کتنی دیر پہلے تم سے انٹرکام پر بات کی تھی؟" کچھ توقف کے بعد میں نے پوچھا۔

"یہ سب بس پانچ سات منٹ پہلے کی بات ہے۔ اچھا ہوا کہ آپ بروقت آگئے' میرے سر سے ایک بوجھ اتر گیا ہے۔ اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔ ویرا آپ کی بات زیادہ توجہ سے سنتی ہے۔ میں اس دردِ سر سے بچی رہوں گی۔"

وہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل تھا۔ ایسے ہوٹلوں میں گاہکوں کو بہت تیزی سے اعلیٰ ترین خدمات فراہم کی جاتی ہیں اور لوگ اس متاثر کن سروس کے لیے بہت خوشی سے بھاری دام ادا کرنے پر رضامند ہو جاتے ہیں۔ ویرا ذرا سی دیر میں کاؤنٹر سے فارغ ہوگئی۔ اس کے پاس ایک ہلکے سے دستی بیگ کے سوا کوئی سامان نہیں تھا مگر پھر بھی ہوٹل کے باوردی پورٹر نے بڑھ کر وہ بیگ اس کے ہاتھ سے لے لیا' بکنگ کلرک سے چابی لی اور پھر لفٹ کی طرف ہولیا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ پورٹر کے ساتھ لفٹ کی طرف جاتے ہوئے ویرا نے مجھے اور غزالہ کو دیکھ لیا تھا مگر اس کی چکراتی ہوئی نظریں ہم دونوں پر سے پھسلتی ہوئی گزر گئیں۔ اگر وہ غزالہ کی کسی بات کا برا مان کر ناراض نہیں تھی تو ہم سے الگ تھلگ رہنے کی بہترین اداکاری کر رہی تھی۔

وہ پورٹر کے ساتھ لفٹ میں سوار ہوئی تو میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس وقت گراؤنڈ فلور پر دوسری خالی لفٹ بھی موجود تھی مگر مجھے اوپر جانے کی کوئی عجلت نہیں تھی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ہوٹل میں قیام کے لیے ویرا نے کس منزل کا انتخاب کیا ہے۔ ہم دونوں دھیرے دھیرے لفٹ کی طرف بڑھے۔ لفٹ کی پوزیشن بتانے والی بیرونی برقی پٹی پر ہندسے روشن ہو کر بجھتے رہے۔ لفٹ نچلی منزلوں سے اوپر جا رہی تھی۔ چھ کا ہندسہ روشن ہوا اور روشن ہی رہا۔ میرے دہانے سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہوگیا۔ ہوٹل کی وسیع اور بلند و بالا عمارت میں ویرا کو رہائش کے لیے وہی منزل ملی تھی جس پر ہمارا قیام تھا۔

میں غزالہ کا ہاتھ تھام کر دوسری لفٹ میں سوار ہوگیا۔ چھٹی منزل پر ہم لفٹ سے اترنے کے بعد اپنے کمرے کے قریب پہنچے تھے کہ برابر والے کمرے کا دروازہ کھلا اور اس میں سے وہی پورٹر برآمد ہوا جو ویرا کے ساتھ اوپر آیا تھا۔ اس نے اپنے سر کی خلیقانہ جنبش کے ساتھ اپنی واپسی کی راہ لی اور غزالہ پھرتی سے اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر گھس گئی۔ اسے اندیشہ رہا ہوگا کہ کہیں ویرا اپنے کمرے سے راہداری میں نہ نکل آئے۔

"اسے پورے ہوٹل میں یہی کمرا لینا تھا؟" غزالہ نے تھکے ہوئے انداز میں مسہری پر گر کر قدرے غصے سے پوچھا۔

"تم جانتی ہو کہ اس کا نام ویرا ہے۔ وہ دوسروں کو چڑانے اور ان کا خون سلگانے کے فن میں مہارت رکھتی ہے۔ اس سے بھول کر بھی نہ پوچھنا کہ وہ ہمارے برابر والے کمرے میں کیوں ٹھہری ہے۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ یہ اتفاق نہیں ہے۔ اس نے بکنگ کلرک سے خاص طور پر ہمارے پڑوس کے کمروں کے بارے میں پوچھا ہوگا۔ اگر تم نے ویرا کی اس حرکت پر ذرا سی بھی برہمی کا اظہار کیا تو وہ خوش ہوگی کہ اس کی تدبیر کارگر رہی۔"

"وہ کہیں بھی میرے سینے پر مونگ دلنے سے باز نہیں آتی۔" غزالہ برا سا منہ بنا کے بولی۔

"غنیمت ہے کہ اس وقت وہ ہمارے کمرے میں نہیں ہے' برابر والے کمرے میں ہے۔ وہ یہیں ڈیرا ڈالنے پر اڑ جاتی تو ہم دھکے دے کر اسے باہر نہیں نکال سکتے تھے۔ اس وقت ہمیں باتیں کرنے کی آزادی کے ساتھ مکمل تنہائی بھی حاصل ہے۔ وہ رات بھر خوار ہونے کے بعد یہاں پہنچی ہے۔ شب بیداری اور تھکن سے نڈھال ہو رہی ہوگی۔ تھوڑی سی دیر میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر گہری نیند سو جائے گی۔"

"وہ ڈھیٹ ہے۔ کوئی گل کھلائے بغیر اتنی آسانی سے نہیں سوئے گی۔ دیکھیں' اب بھارت میں کیا گزرتی ہے۔"

"بھارت کے لیے یہ طے ہو چکا ہے کہ وہ ہم سے دور اور الگ رہے گی" میں نے کرسی سنبھال کر سختی سے کہا "وہاں کسی غلطی یا خرمستی کی اجازت نہیں ہوگی۔ بھارت جیسے دشمن ملک کی سرزمین پر غلطی کا مطلب موت ہوگا۔"

"جب بھارت پہنچیں گے تو پتا چلے گا۔ ابھی تو اسے یہاں بھگتنا ہے" ویرا کی غیر متوقع اور بے وقت آمد سے غزالہ چڑی ہوئی تھی۔

"آج کی رات گزر چکی ہے" میں نے اسے سمجھایا "تھوڑی دیر میں صبح کا اجالا پھیل جائے گا۔ وہ چند گھنٹے سو کر گزارے گی پھر روانگی کی تیاری شروع ہو جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے جلال کو فون کر دینا چاہیے تاکہ وہ اس

واپسی کی تیاری کرے۔"

"ابھی تو وہ لاہور سے زیادہ دور بھی نہیں نکلا ہوگا۔ مسافر بردار جہازوں کے مقابلے میں ہیلی کاپٹروں کی رفتار بہت کم ہوتی ہے۔ نو، دس بجے سے پہلے اس سے رابطہ قائم کرنے میں شاید ہی کامیابی ہوسکے۔"

غزالہ کی بات معقول تھی۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی مگر وہ خاموشی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ چند ثانیوں بعد فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے ویرا کی تروتازہ آواز سنائی دی۔

"غنیمت ہے کہ تم اپنے کمرے میں موجود ہو" ویرا کی آواز میں پرواز میں تاخیر اور سفر کی تکان کا کوئی نام ونشان نہیں تھا" تمہاری بیوی نے مجھے اپنے کمرے میں بلانے سے صاف انکار کردیا تھا۔ اس وقت میں تمہارے برابر والے کمرے میں مقیم ہوں۔ تم آرہے ہو یا میں تمہاری طرف آؤں۔"

"غزالہ کو تم سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ اس نے تم سے جو کچھ کہا۔ وہ احتیاط کا تقاضا تھا۔ اگر یہ چھوٹی سی بات اب بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آسکی تو ہم دونوں تمہارے پاس آرہے ہیں۔ مقصد ایک دوسرے سے دور رہنا تھا۔ تم پھر ہماری جڑوں میں گھس آئی ہو" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم بھول رہے ہو کہ اس وقت ہم امرتسر میں نہیں، لاہور میں ہیں" ویرا نے قہقہہ لگا کر جواب دیا "ادھر آجاؤ تو باتیں ہوں گی۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ غزالہ کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"وہ تھکنے والی مخلوق نہیں ہے۔ آؤ، تھوڑی دیر کے لیے اسی کے کمرے میں چلتے ہیں تاکہ اس کی زبان کی خارش دور ہوسکے۔"

ویرا کو اندازہ ہوگیا تھا کہ ہم دونوں اس کے کمرے تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔ ہم اپنے کمرے سے باہر نکلے تو وہ دروازے میں کھڑی ہمارا انتظار کررہی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا اور اس نے پورا دروازہ کھول کر ہمارے داخلے کے لیے راستہ پیدا کردیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم یہاں آکر خوا مخواہ جہانگیر کے ماموں سسر کے پیچھے پڑگئے ہو مگر یہ اندازہ نہیں تھا کہ تم اس سے خوف زدہ ہو۔ میں خاموشی سے تمہارے کمرے میں پڑ رہتی تو اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوپاتا کہ تمہارے کمرے میں کوئی تیسرا فرد بھی مقیم ہے۔ آج کی رات ائرلائن والوں نے برباد کردی۔ بس اگلی رات کا معاملہ تھا پھر تو ہمیں سرحد پار نکل ہی جانا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اتنی مختصر سی مدت کے لیے بھی تم لاہور جیسے اپنے شہر میں اتنے زیادہ محتاط ہو۔"

اسے یہ بتانا قطعی ضروری نہیں تھا کہ غزالہ اپنے اور میرے درمیان اس کی موجودگی پسند نہیں کرتی تھی۔ میں نے اس کے ہر سوال کا جواب گول کرتے ہوئے اس کی تصحیح پر اکتفا کیا اور کہا "پروگرام تبدیل ہوچکا ہے۔ آنے والی رات ہم بھارتی سرزمین پر بسر کریں گے۔"

"کیوں؟" اس نے چونک کر پوچھا "فون پر تو تم پرسوں روانگی کی بات کررہے تھے۔"

"وقت اور حالات کے ساتھ ایسی تبدیلیاں ناگزیر ہوجاتی ہیں" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم جہانگیر کے ماموں سسر والے قصے سے بالکل فارغ ہوچکے ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"تم باربار چوہدری عظمت اور جہانگیر کے رشتے کا حوالہ دیے جارہی ہو" میں نے چڑ کر کہا "وہ ہماری نظروں میں آیا تو مجھے شبہ تک نہیں ہوسکا تھا کہ وہ جہانگیر کا کوئی قریبی یا دور کا رشتے دار ہوگا۔ یہ عقدہ اس وقت کھلا جب ہم اس کے گھر گئے اور وہاں گھنٹی بجانے پر سلمٰی نے دروازہ کھولا تھا۔"

"اوہ... تو سلمٰی بھی یہاں آئی ہوئی ہے۔" میرے انکشاف پر ویرا چونک گئی "تمہارے ہاتھوں اپنے ماموں کی درگت بننے پر وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔"

"ہمارا اس سے سامنا ضرور ہوا تھا مگر میں نے بات بنادی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ ہم اس سے ملنے کے لیے وہاں پہنچے ہیں۔ اس سے اس کے ماموں کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے اسے کسی قسم کا شبہ ہوسکے..."

ویرا نے میری بات کاٹ دی "یہ سب تمہاری خوش فہمی ہے۔ ایسی باتیں پوشیدہ نہیں رہتیں۔ ایک دو روز میں اسے معلوم ہوجائے گا کہ سارا کیا دھرا تمہارا تھا۔ وہ بھڑ جائے گی، شاید جہانگیر کو خوشی ہو کہ تمہارے ہاتھوں اس کے ایک سسرالی رشتے دار کو ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ ہر کانے آدمی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دنیا کے سارے لوگ اسی کی طرح یک چشم ہوجائیں۔ کراچی واپس لوٹنے پر تمہیں ان دونوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

میں نے خاموش رہ کر اسے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیا پھر کہا "لاہور میں ہم گمنام ہیں۔ یہاں ایس ٹی ایف کا اسٹیشن کمانڈر اپنی سوجھ بوجھ سے فیصلے کرتا ہے۔ میرے مشورں نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا اس لیے یہ کام اتفاقات کے تحت خودبہ خود آئی بی والوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ چوہدری عظمت ان کا ملزم اور مجرم ہے۔ پوری کہانی میں کہیں بھی میرا نام آنے کا امکان نہیں ہے۔ جو کچھ ہوا ہے وہ آئی بی والوں نے خود کیا ہے۔"

"مجھے ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ قصہ کیا تھا؟" ویرا نے پہلو بدلتے ہوئے مطالبہ کیا "تم نے فون پر وعدہ کیا تھا کہ لاہور آنے پر مجھے پوری بات بتاؤ گے۔"

میں نے ہیومن سوسائٹی کی آڑ میں چوہدری عظمت اور ملک اقبال کی گھناؤنی سماج دشمن سرگرمیوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ ویرا حیرت سے منہ پھاڑے وہ تفصیلات سنتی رہی۔ وہ درمیان میں چبھتے ہوئے سوال بھی کرتی جارہی تھی۔ اس کے لیے یہ یقین کرنا دشوار ہو رہا تھا کہ ہیومن سوسائٹی والے محض اپنی غیر معمولی تشہیر کی وجہ سے پہلے غزالہ کی اور پھر میری نظروں میں آئے تھے۔ ان کی تمام غیر قانونی سرگرمیاں اس قدر پوشیدہ اور رازدارانہ تھیں کہ ایس ٹی ایف سمیت، قانون نافذ کرنے والے سارے ادارے پریشان تھے۔ ہیروئن اور اس کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی بھاری مقدار میں فراہمی جاری تھی، اس کام میں ملوث مجرموں کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا اور پھر وہ اپنے دیوار گیر اشتہاروں کی وجہ سے یکایک عتاب میں آگئے۔

"لاہور میں مامور آئی بی کے عملے سے تمہاری شناسائی کیسے ہوگئی؟" ویرا نے سوال کیا۔

یہ بہت بڑا کیس تھا۔ اسلام آباد سے جلال ایک فوجی ہیلی کاپٹر سے یہاں آیا اور اپنے مجرموں کو لے کر چلا گیا" میں نے بتایا۔

"بہت تیزی سے سارا کام نمٹا" ویرا نے مزید حیرت ظاہر کی "مجھے اندازہ تھا کہ آئی بی والے فوج سے مل کر کام کرتے ہوں گے۔"

"شاید عام طور سے ایسا نہیں ہوتا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ راولپنڈی سے ایک کوبرا ہیلی کاپٹر لاہور آرہا تھا۔ کوئی فوری پرواز میسر نہ ہونے کی وجہ سے جلال بھی اسی پر لاہور آگیا۔"

"کوبرا ہیلی کاپٹر!" ویرا نے چونک کر دہرایا "تم کہہ رہے ہو کہ وہ اس سے دو مجرموں کو بھی ساتھ لے گیا ہے؟"

"ہاں! چوہدری عظمت ہیومن سوسائٹی کا سربراہ تھا۔ شاہد اس کا انتظامی سربراہ تھا۔ تیسرا بڑا مجرم ملک اقبال تھا۔ اسے آئی بی کے مقامی عملے نے اٹھالیا ہوگا۔ سب سے زیادہ سنگین معاملہ چوہدری عظمت کا تھا۔ وہ معززین شہر میں شمار ہوتا ہے، اس کی اپنی حیثیت مسلّمہ ہے اور وہ گہرے اثرورسوخ کا مالک ہے۔"

"مجھے ان باتوں سے کوئی اختلاف نہیں۔ میں حیران ہوں کہ کوبرا سے پائلٹ سمیت چار افراد کیسے گئے ہوں گے۔ میری معلومات کے مطابق اس میں صرف دو نشستیں ہوتی ہیں۔"

"اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ دو نشستوں کے ساتھ کارگو وغیرہ کے لیے تھوڑی بہت گنجائش ہوتی ہوگی۔ وہ دونوں معزز مسافر نہیں، مجرم تھے۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں بے دست و پا کرکے ہیلی کاپٹر کے پچھلے حصے میں ڈال لیا گیا ہو۔ میں نے کوبرا کو پرواز کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر جلال کا ارادہ یہی تھا کہ وہ ان دونوں کو اپنے ساتھ ہیلی کاپٹر میں لے جائے گا۔ اگر اس کی وہ تجویز ناقابلِ عمل یا خطرناک تھی تو پھر اس نے کوئی متبادل ذریعہ اختیار کیا ہوگا۔"

"یہ بحث بالکل بے سود ہے" غزالہ نے لب کشائی کی "جلال ایک ذمّے دار اور اعلیٰ افسر ہے۔ اسے قیدیوں کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ ہمارے اطمینان کے لیے صرف یہ بات کافی ہونی چاہیے کہ وہ دونوں ہی نہیں، اب پوری ہیومن سوسائٹی آہنی گرفت میں ہے۔"

"پہلے مجھے صرف غزالہ نظر آئی تھی۔ اس وقت تم کہاں تھے؟" ویرا نے اچانک موضوع بدل دیا۔

"میں تھوڑی پہلے اسٹیشن تھری سے واپس لوٹا ہوں۔ غزالہ مجھے ہوٹل کی لابی میں ملی تھی۔"

"اوہ...! اس کا مطلب ہے کہ یہ تازہ ترین قصہ ہے۔ تم نے تو فون پر بتایا تھا کہ چوہدری عظمت کا صبح تک تیاپانچا ہوجائے گا۔"

"اب صبح طلوع ہونے والی ہے۔ میں نے غلط نہیں کہا

تھا" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"صبح ہونے والی ہے لیکن ہوٹل کی لابی میں شکاری عورتیں ابھی تک منڈلا رہی ہیں۔ پتا نہیں اس وقت انہیں کون منہ لگائے گا۔"

"مجھے تو وہاں ایسی کوئی عورت نظر نہیں آئی جو شکاریوں کے لباس میں ہو یا رائفل اٹھائے ہوئے ہو" غزالہ نے سوچے سمجھے بغیر اعتراض جڑ دیا۔

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی "احمق لڑکی! عورتوں کا مرغوب ترین شکار مال دار مرد ہوتا ہے۔ میں دوسری قسم کی عورتوں کی بات کر رہی تھی۔"

غزالہ خفت آمیز لہجے میں بولی "مجھے نیچے کوئی ایسی ویسی عورت بھی نظر نہیں آئی۔"

"وہ ہر ایک کو نظر نہیں آتیں" ویرا نے اسے آگاہ کیا "ان کو دیکھنے اور پہچاننے کے لیے جس چشم بینا کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تمہارے پاس نہیں ہے۔ تاڑنے والے دور ہی سے انہیں تاڑ لیتے ہیں۔ ویسے بھی یہ ایک بڑا ہوٹل ہے۔ خراب چال چلن کی بدنام عورتوں کو ہوٹل کی انتظامیہ اندر پھٹکنے بھی نہیں دیتی ہوگی۔ ان کال گرلز کے سامنے سب مجبور ہو جاتے ہیں جو معززانہ وضع قطع میں یہاں آتی ہوں، چائے یا کافی کی ایک پیالی اور سینڈوچ پر چند گھنٹے گزار کر اشاروں کنایوں میں کسی شکار کو ورغلاتی ہوں اور پھر کامیابی کے دوسرے مرحلوں کی طرف پیش قدمی کرنے میں مصروف ہو جاتی ہوں۔ شاید ہی دنیا کا کوئی بڑا ہوٹل اس لعنت سے محفوظ ہو۔"

"تم عورت ہو کر عورتوں میں کیڑے نکال رہی ہو۔ کیا ہوٹلوں میں سارے فرشتہ سیرت مرد آتے ہیں؟" غزالہ نے منہ بنا کر کہا "رنگین مزاج، آوارہ اور اوباش مرد گھروں میں کم ٹکتے ہیں۔ ہر وقت ہوٹلوں اور دوسری تفریح گاہوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ تم دونوں کن واہیات باتوں میں الجھ گئیں۔ بدفطرت لوگ مردوں میں بھی ہوتے ہیں، عورتوں میں بھی۔ یہ گھروں سے لے کر ہوٹلوں، کلبوں تک میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں باتیں کر کے تم دونوں اپنا وقت برباد کر رہی ہو۔"

"چوہدری عظمت کی گرفتاری کے بعد تمہیں اخلاقاً سلمیٰ سے ضرور ملنا چاہیے" ویرا نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد مشورہ دیا "وہ بے قصور ہے۔ اس واقعے نے اسے ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ تم کو دیکھ کر اسے کافی ڈھارس ملے گی۔"

"تم شرانگیزی سے باز نہیں آؤ گی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سختی سے پوچھا۔

"کیوں؟ میں کیا شرانگیزی کر رہی ہوں۔ سلمیٰ تمہاری پرانی واقف کار ہے۔ تمہارے بہت پرانے دوست کی بیوی ہے۔ پریشانی اور مصیبت کے لمحات میں اس کی دل جوئی کرنا تمہارا اخلاقی فرض بنتا ہے" اس نے ذومعنی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"اس سے ملنا چاہیے" غزالہ نے ویرا کی تائید کی "پتا تو چلے کہ اس کے کیا تاثرات ہیں۔ باہر کی طرح وہ اپنے گھر میں بھی نیک نام تھا یا گھر والوں کو اس کے گھناؤنے کاموں کا علم تھا۔"

"کوئی مجرم اپنے زیر کفالت افراد کو یہ نہیں بتاتا کہ وہ لوٹ مار، چوری اور حرام کے مال سے انہیں پال رہا ہے۔" میں نے ترشی سے کہا۔

"فریڈم انٹرنیشنل، صحرا.... اور اب ہیومن سوسائٹی!" ویرا خودکلامی کے انداز میں بولی "یقین نہیں آتا کہ غیر سرکاری فلاحی اداروں کی آڑ میں سب این جی اوز اتنے بڑے بڑے گھپلے کر رہی ہوں گی۔ ان تینوں واقعات نے میرے اعتبار کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔"

"سب نہیں مگر بہت سے لوگ ایسا کر رہے ہیں۔ فیاضی سے ملنے والے پیسوں کی چمک دمک ان لوگوں کو اندھا کر دیتی ہے اور یہ ملک و قوم کے مفادات کو بھول کر اپنا الو سیدھا کرنے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ ہم سے پہلے آئی بی والے ہیومن سوسائٹی کے پیچھے لگے ہوئے تھے لیکن ان کی توجہ سوسائٹی کے وسائل پر مرکوز تھی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ پرانے کپڑوں اور امدادی سازوسامان کی آڑ میں منشیات اور ہیروئن سازی کے فروغ کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

"پھر بھی سلمیٰ سے ملنے میں کیا حرج ہے؟" غزالہ نے اصرار کیا۔

"اس سے ملنے کی کوئی تک نہیں ہے۔ چوہدری عظمت کو چند گھنٹوں قبل اٹھایا گیا ہے۔ یہ خبر آج کے بجائے کل کے اخباروں میں آئے گی۔ اس سے پہلے ہمیں کیسے پتا چل سکتا ہے کہ سلمیٰ کے ماموں کو قانون کے آہنی ہاتھوں کا سامنا کرنا پڑا ہے" میں نے جواب دیا۔

اچانک غزالہ کو خیال آیا کہ ویرا، سلطان شاہ کو کراچی میں تنہا چھوڑ کر آئی تھی۔ اسے بے چینی سے ویرا کے پہنچنے کی اطلاع کا انتظار ہوگا۔ اس کے خیال دلانے پر میں نے ویرا

کے کمرے سے ہی ریسیور اٹھا کر بورڈ سے لائن لی اور اپنے گھر کا نمبر ملا لیا۔

سلطان شاہ واقعی طویل اور اعصاب شکن انتظار کے لمحات سے گزر رہا تھا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتے ہی میرے کانوں میں اس کی آواز آئی تھی۔

”ویرا آرام سے ہم لوگوں تک پہنچ گئی ہے۔ آج رات کو ہم کسی وقت اگلی منزل کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔“ میں نے اسے بتایا۔

”میں نے ائرپورٹ فون کیا تھا تو وہاں سے پتا چلا کہ ویرا والی پرواز سوا دو گھنٹے کی تاخیر سے روانہ ہوئی تھی۔ اچھا ہوا کہ تم نے اطلاع دے دی ورنہ میں انتظار کرتا رہتا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے پروگرام کے مطابق تمہارے ہی کمرے میں گھسی ہوئی ہوگی۔“

”کوشش کی تھی مگر ایسا نہیں ہوسکا“ میں نے کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے گول مول الفاظ میں جواب دیا پھر پوچھا ”اول خان کہاں ہے؟“

”ویرا کو ائرپورٹ پہنچانے کے بعد وہ مجھے ڈراپ کرتا ہوا اپنے گھر چلا گیا تھا۔ اس کو لاہور کے بارے میں خاصی تشویش تھی۔۔۔“

”کسی تشویش کی ضرورت نہیں“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ”یہاں سب ٹھیک ہے۔ ہر کام خوش اسلوبی سے مکمل ہوا ہے۔ اب تم اکیلے ہو اپنا دھیان رکھنا۔ موقع ملا تو چند روز بعد تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کروں گا۔“

”روانگی سے پہلے ضرور فون کر لینا“ اس کی آواز التجا آمیز ہوگئی ”تمہارا سفر زیادہ طویل نہیں ہے مگر خطرناک ہے۔ مجھے ہر وقت پریشانی رہے گی۔ انل بکواس سے زیادہ آگے ہاتھ پیر پھیلانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ وہاں الجھ کر رہ جاؤ گے۔“

اس نے انل بسواس کے نام کی جو درگت بنائی تھی، اس پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ میں نے پوری سنجیدگی سے اسے یقین دلایا کہ اپنا کام جلد از جلد ختم کرکے ہم وہاں سے واپس لوٹنے کی کوشش کریں گے۔ غزالہ کو اس سے جذباتی گفتگو کا موقع دیے بغیر میں نے فون بند کر دیا۔

ہم مزید کچھ دیر وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ساری گفتگو گزرے ہوئے واقعات کے گرد گھومتی رہی۔ میں نے دانستہ جان اسمتھ کا ذکر نہیں چھیڑا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ میں اس کی اور ویرا کی گفتگو کے بارے میں زیادہ سے زیادہ تفصیلات جاننے کا خواہش مند تھا مگر مجھے یہ اندازہ بھی تھا کہ اس وقت میں نے کوئی نیا موضوع چھیڑا تو وہ نشست طول پکڑ جائے گی۔ میری خواہش تھی کہ آنے والی رات کے سفر کا آغاز ہونے سے پہلے ہم تینوں کچھ دیر کے لیے سو لیں تاکہ اگلے اہم مرحلے کے لیے تازہ دم ہو سکیں۔

میری وہ تدبیر کارگر رہی۔ کوئی نیا موضوع نہ ملنے کے سبب ویرا پر اکتاہٹ طاری ہونے لگی۔ یوں سورج طلوع ہونے سے پہلے ہم اپنے کمرے میں لوٹ آئے۔

جلال کی اچانک لاہور آمد کی وجہ سے میں رات کے ابتدائی لمحات میں بھی پوری نیند نہیں لے سکا تھا۔ کمرے میں جاکر بستر پر دراز ہوا تو تھوڑی سی دیر میں گہری نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو گھڑی دن کے گیارہ بجا چکی تھی۔ کھڑکیوں پر غزالہ نے پردے کھینچ دیے تھے مگر پھر بھی کہیں کہیں سے، باہر پھیلی ہوئی، دن کی تیز روشنی جھلک رہی تھی۔ غزالہ آرام سے کرسی پر دراز اخبار کے مطالعے میں مصروف تھی۔ مجھے بیدار ہوتا دیکھ کر اس نے اخبار ایک طرف ڈال دیا۔

”آپ صحیح کہہ رہے تھے۔ چوہدری عظمت یا ہیومن سوسائٹی کے بارے میں اخبار میں کوئی خبر نہیں ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے مجھے بتایا۔

”یہ خبر نہیں آسکتی تھی“ میں نے انگڑائی لے کر بستر چھوڑ دیا۔ ”رات کے دو تین بجے تک ہر اخبار کے بیرونی صفحات چھپائی کے لیے پریس میں چلے جاتے ہیں۔ اس وقت کے بعد وجود میں آنے والی خبریں صبح کے اخباروں میں شامل ہونے سے رہ جاتی ہیں۔“

”اور ویرا ابھی ابھی تک گھوڑے بیچ کر سو رہی ہے“ غزالہ نے مجھے آگاہ کیا۔

”کیا تم نے اس کے دروازے پر دستک دی تھی؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ جاگتے ہی ہمیں فون کرے گی۔ دیر تک سوتی رہے تو اچھا ہے۔“

ویرا کا نام سنتے ہی مجھے جلال یاد آگیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ چوہدری عظمت کا معاملہ آسان نہیں تھا۔ حالات کے پھیر میں پڑ کر جلال نے اسے گرفتار کر لیا تھا مگر اس کی گرفتاری پر اسلام آباد میں موجود کئی جبینیں شکن آلود ہو سکتی تھیں۔ ہر طرف سے اس کی رہائی کے لیے پڑنے والے دباؤ کو نظر انداز کرنا آسان کام نہیں تھا۔ ایک طرف وہ اس چکر میں پھنسا ہوا تھا اور دوسری طرف اسے ہم لوگوں کو بھارت کی سرزمین پر پہنچانا تھا۔

اپنی مصروفیات میں سے وقت نکالنے کے لیے ضروری تھا کہ اسے زیادہ سے زیادہ مہلت دی جائے۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ میں نہادھو کر اسے فون کروں گا مگر اس کے حقیقی مسائل کا ادراک کرتے ہی میں نے فوری طور پر اسے فون کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

پہلی دو کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ جلال کا ڈائریکٹ نمبر مصروف تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے دیئے ہوئے دوسرے نمبر پر اس کے پی اے سے بات کی۔ اسلام آباد کے سفر کے موقع پر اس سے میرا تعارف ہوچکا تھا۔ حوالہ دیتے ہی وہ مجھے پہچان گیا۔ اس نے تصدیق کی کہ جلال اپنے دفتر میں موجود تھا مگر فون پر کسی سے اہم بات کررہا تھا۔ اس موقع پر پی اے میری کال اسے نہیں دے سکتا تھا۔ چوتھی بار میں نے پھر اس کا ڈائریکٹ نمبر ملایا' اس مرتبہ رابطہ ہوگیا۔

''میں بہت بری طرح دباؤ میں آگیا ہوں'' میری آواز پہچانتے ہی جلال پھٹ پڑا ''مجھے پہلے سے تجربہ ہے کہ ہوم ورک مکمل کیے بغیر کسی مضبوط مہرے پر ہاتھ ڈالنے سے سنگین مسائل کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس وقت چوہدری عظمت میرے گلے کی ہڈی بنا ہوا ہے۔''

''اس ہڈی کو اگلو اور سختی سے کچل دو۔ تمہیں علم ہے کہ وہ کس قدر خطرناک اور موذی شخص ہے'' میں نے سفاکی سے کہا۔

''مجھے سب معلوم ہے۔ میں ٹیپ سن چکا ہوں۔ شاہد نے وہ سب باتیں دہرانے کے ساتھ کچھ نئے انکشافات بھی کیے ہیں۔ وہ مدد فراہم کرنے کے بہانے جوان اور خوب رو بیواؤں کو ہیومن سوسائٹی کے دفتر میں بلاکر بے آبرو کرتا تھا اور انہیں دوسرے عیاش دوستوں تک بھی پہنچایا کرتا تھا۔ ایسے دوستوں میں اہم سرکاری افسروں اور سیاست دانوں کے نام شامل ہیں۔ یہ سب درندے اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھورہے تھے۔''

جلال کی زبان سے وہ تفصیلات سن کر میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے مضطرب ہوکر اس کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی ''تمہیں یہ سب معلوم ہوچکا ہے اور پھر بھی تم کہہ رہے ہو کہ تمہارا ہوم ورک نامکمل ہے۔ وہ ہیروئن کے ساتھ اپنے گھر سے پکڑا گیا ہے۔ اس کے دستِ راست کا اقبالی بیان تمہارے سامنے ہے۔ اسے تو سرسری سماعت کی کسی عدالت میں پیش کرکے ہفتے عشرے میں ہی سولی پر لٹکا دینا چاہیے تاکہ اس جیسے دوسرے بھیڑیوں کے حوصلے پست ہوجائیں۔''

''یہ سب صرف مجھے اور میرے ساتھیوں کو معلوم ہے مگر ہم سب بہت نیچے کے لوگ ہیں۔ جن لوگوں کے ہاتھ بہت دراز ہیں وہ چوہدری عظمت کے ان گھناؤنے کرتوتوں سے ناواقف ہیں۔ یا جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بن رہے ہیں کیونکہ اس گنگا کے کسی گھاٹ سے وہ بھی فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ وہ سب اس کی رہائی کے لیے بے پناہ دباؤ ڈال رہے ہیں' سرتوڑ کوشش کررہے ہیں۔ ایک دو آدمی کس کس کو جواب دے سکتے ہیں؟''

''ہمارا معاشرہ بگڑا ہوا ہے۔ دولت آدمی کے ہر عیب' گناہ اور جرم پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہ سب وقتی ریلا ہے۔ جب حقائق سامنے آئیں گے تو یہی لوگ چوہدری عظمت سے اپنے تعلق کو گالی سمجھنے لگیں گے۔''

''گڈ!'' ریسیور میں جلال کی بے ساختہ آواز ابھری ''میں بھی تم سے یہی کہہ رہا تھا کہ بعد میں یہ سب ہوجائے گا مگر اس وقت کے حالات سخت مخاصمانہ ہیں۔ اس ریلے کو برداشت کرنا معمولی اعصاب والے کسی آدمی کا کام نہیں ہے۔''

''تمہارے اعصاب معمولی نہیں ہیں۔ دل گردے والا آدمی ہی اس کرسی پر بیٹھ سکتا ہے'' میں نے پھر قطع کلامی کی۔

''میں بہت اعصاب شکن دباؤ سے دوچار ہوں۔ میں پوری مزاحمت کررہا ہوں۔ میرے بڑے پوری طرح میری پشت پناہی کررہے ہیں مگر ایک شخص نے سب کو ہلایا ہوا ہے۔ شاید وہ پورے خلوص سے چوہدری عظمت کو معصوم' بے گناہ اور مخیر سمجھتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ چوہدری عظمت جیسے معزز آدمی کو براہِ راست کیوں گرفتار کیا گیا۔ اگر اس کے خلاف کچھ الزامات تھے تو ان کی سمری بناکر وزارت داخلہ سے اس کی گرفتاری کی اجازت لینی ضروری تھی۔ اگر یہ گرفتاری صوبائی پولیس کے ہاتھوں ہوئی ہوتی تو اب تک نہ جانے کتنے افسر معطل یا برطرف ہوچکے ہوتے۔ چوہدری عظمت کا اثرورسوخ میری توقع سے بہت زیادہ ہے۔''

''مجھے یہ یقین دلادو کہ اسے آزاد نہیں کیا جائے گا'' میں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

''میں اپنی جان لڑادوں گا۔ اس موت کے سوداگر کو نہیں چھوڑوں گا۔ مجھ سے منصب اور اختیار چھن جائے تو دوسری بات ہے ورنہ میں چوہدری عظمت' ملک اقبال اور شاہد کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچا کر رہوں گا۔ مجسٹریٹ کی موجودگی میں برآمد کی ہوئی بیالیس کلو ہیروئن ان تینوں کے ہر

حمایتی کے ہوش اڑا دے گی۔"

"اس بارے میں تم اتنے پُریقین ہو تو پھر پریشانی کس بات کی ہے۔ جو فون کرتا ہے' اسے سب سے پہلے بیالیس کلو ہیروئن برآمد ہونے کی کہانی کیوں نہیں سناتے؟"

"یہی کیا جارہا ہے مگر بعض لوگ صرف بولنا جانتے ہیں' سننے کے عادی نہیں ہوتے۔ اس کا سب سے بڑا حامی کچھ سننے پر آمادہ نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ چوہدری عظمت کو رہا کیا جائے۔ اس کے بعد ہی وہ کسی کی کوئی بات سنے گا۔"

"حکم ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا "اس کا مطلب ہے کہ وہ کوئی مقتدر آدمی ہے؟"

"کچھ لوگ مقتدر نہیں ہوتے مگر بادشاہ گر گردانے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے سرکاری ملازم اور صاحب اقتدار لوگ ان کی محفلوں میں حاضری دینا باعث فخر سمجھتے ہیں" جلال کی آواز میں بلا کی تلخی اُمڈ آئی "وہ ایسا ہی ایک بددماغ آدمی ہے۔ کچھ نہ ہوتے ہوئے خود کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ اس کے نیاز مند اور حواری بہت کچھ ہیں۔ اس کی بیشتر خواہشات کو اپنے قلم کی ایک جنبش سے پورا کردیتے ہیں۔ وہ خود چوہدری عظمت کا بہی خواہ ہے۔"

"ایسے لوگ واقعی بہت خطرناک ہوتے ہیں" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ کس رخ سے وار کرگزریں گے۔ تم قانون اور اپنے اختیار کی حدود کا ہمیشہ خیال رکھتے ہو۔ ان میں رہ کر ہر ایک کا مقابلہ کرسکتے ہو مگر اس بادشاہ گر کا مقابلہ کیسے کروگے؟ نام کیا ہے اس کا؟"

"نام میں کیا رکھا ہے" ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کے بعد اس کی آواز ابھری "کل کے اخبار ذرا غور سے دیکھ لینا" اخبار والے بھی ان لوگوں کے آگے پیچھے گھومتے رہتے ہیں۔ چوہدری عظمت کی ہمدردی میں اس کا کوئی تیز و تند بیان ضرور چھپے گا۔"

میرے ذہن میں یکے بعد دیگرے چند نام گھوم گئے مگر میں فیصلہ نہیں کرسکا کہ ان میں سے کون سا شخص چوہدری عظمت کا ہمدرد ہوگا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ملک و قوم کا وہ درندہ صفت دشمن صحیح ہاتھوں میں تھا۔ اگر وہ کسی کمزور یا مصلحت کوش افسر کی گرفت میں آیا ہوتا تو اس وقت تک قیدوبند کی صعوبتوں سے آزاد ہوکر دوبارہ لاہور کی آزاد فضاؤں میں دندناتا پھر رہا ہوتا۔

"اگر تم اس کا نام نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ مگر اتنا تو بتادو کہ اس کا منہ کیسے بند کروگے؟" میں نے کہا۔

"میں ایک پریس کانفرنس کی اجازت لے چکا ہوں۔ اس گروہ کو سزایاب کرانے کے لیے قانون کے ساتھ ساتھ پروپیگنڈے کا سہارا بھی لینا پڑے گا۔ اخباروں میں الزامات کی فہرست آجانے کے بعد کوئی بے غیرت شخص ہی ان کی ہم نوائی کی ہمت کرسکے گا۔"

میں نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ اس کی وہ کوشش ملزم کی کردار کشی اور مقدمے سے قبل عدالت پر اثرانداز ہونے کے مترادف تو قرار نہیں دی جاسکے گی۔ میرا وہ سوال شاید اس کے لیے حوصلہ شکن ہوتا۔ ان دنوں ویسے بھی اخبارات آزاد تھے۔ جس کا جی چاہتا تھا' کسی کی پگڑی اچھال دیتا تھا۔ اخباروں کو چند روز تک الزامات اور جوابی الزامات کی صورت میں سنسنی خیز اور چٹپٹی سرخیوں کا مواد ملتا رہتا تھا پھر کوئی نئی بات یا نیا اسکینڈل سامنے آجاتا تھا۔ اس حمام میں تقریباً سب ہی ننگے تھے اس لیے بات اخباری بیانات سے آگے کبھی نہیں بڑھنے پاتی تھی۔ دشمنوں یا حریفوں کی الزام تراشی پر کسی نے ہتک عزت کا کوئی مقدمہ درج کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ بات عدالت میں گئی تو ایسی کھری کھری باتیں کھل کر سامنے آئیں گی کہ اخباروں کی سرخیاں ماند پڑجائیں گی۔

"مجھے اندازہ ہے کہ تم بہت بری طرح الجھے ہوئے ہو مگر میں تمہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ویرا کراچی سے لاہور آچکی ہے۔"

"مجھے یاد ہے" اس نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی "یہ یہاں کے قصے ہیں جو چلتے ہی رہتے ہیں۔ میرے لیے تمہارا مشن زیادہ اہم ہے۔ تم کامیاب لوٹے تو ہم کافی دنوں تک پوری یکسوئی سے یہاں کا گند صاف کرسکیں گے ..... ویرا لاہور کب پہنچی؟"

اس کا جواب سن کر میرا حوصلہ بڑھ گیا "میں اسٹیشن تھری سے ہوٹل واپس پہنچا تو وہ آچکی تھی۔"

"شاید نائٹ کوچ لیٹ ہوگئی ہوگی۔ تم فکر نہ کرو۔ یہ معاملہ ہر مسئلے پر مقدم ہے۔ اچھا ہوا کہ تم نے اس وقت بتادیا۔ میں اپنی مصروفیات کو اس طرح سمیٹتا ہوں کہ شام کی کسی پرواز سے لاہور پہنچ سکوں۔ اس وقت تک یہاں کے حالات واضح ہوچکے ہوں گے۔"

"تم ہوٹل ہی آؤ گے؟" میں غیر ارادی طور پر سوال کر بیٹھا۔

"نہ آسکا تو فون کروں گا۔ کسی نہ کسی طرح تم سے رابطہ ہوجائے گا۔ سات بجے کے بعد تم اپنے کمرے میں موجود رہنا۔"

مجھے ریسیور پر اس کے دفتر میں بجنے والی دوسری گھنٹی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کافی دیر بات کرلی تھی اور وہ گفتگو سمیٹنے کے موڈ میں معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی ناگزیر مجبوریوں کا اندازہ لگاتے ہوئے الوداعی فقرے کہہ کر فون بند کردیا۔

میں نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ کمرے کے دروازے پر تیز دستک کی آواز سنائی دی۔ غزالہ نے ہڑبڑا کر کرسی چھوڑی اور دروازے کی طرف تقریباً دوڑ لگادی۔ اس کے پہنچتے پہنچتے کسی نے دوبارہ دروازہ بجا ڈالا۔ غزالہ نے جوں ہی دروازہ کھولا، ویرا شب خوابی کے شکن آلود لباس میں اندر گھس آئی۔

"کیا ہو رہا تھا... ؟ کس سے فون پر لمبی باتیں کر رہے تھے؟" ویرا نے اندر آتے ہی وحشت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"تم اس قدر گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟" میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے نرمی سے سوال کیا۔

"میں انٹر کام پر کئی بار ناکام کوشش کرچکی ہوں" وہ قدرے سنبھل کر بولی "آپریٹر سے معلوم کیا تو وہ اس سے زیادہ کچھ نہ بتا سکا کہ فون مصروف ہے۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں تمہارے ساتھ کوئی حادثہ پیش نہ آگیا ہو اور ریسیور کریڈل سے نیچے گر گیا ہو، میں گھبرا کر ادھر آگئی۔"

میں ہنس پڑا "بیدار ہونے سے پہلے شاید تم برے برے خواب دیکھ رہی تھیں۔ معدے میں گرانی ہو تو آدمی جاگنے کے بعد بھی دیر تک برے خوابوں کے زیر اثر رہتا ہے۔ تم دیکھ رہی ہو کہ یہاں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے اور ریسیور بھی اپنے کریڈل پر ہے۔"

"اگر تمہارا باتھ روم خالی ہو تو میں ہاتھ منہ دھولوں؟" اس نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"بہتر یہ ہوگا کہ تم اپنے کمرے سے تیار ہو کر آؤ۔ اتنی دیر میں، میں بھی تازہ دم ہو جاؤں گا۔ پھر ہم یہیں بیٹھ کر ناشتا کریں گے۔" میں اسے یہ مشورہ دیتا ہوا باتھ روم کی طرف ہولیا۔ میرے اندر جانے کے چند ثانیوں بعد کمرے کا دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز آئی۔ شاید وہ اپنے کمرے میں لوٹ گئی تھی۔

میں نہا دھو کر باتھ روم سے نکلا تو ویرا عجلت میں تیار ہو کر دوبارہ ہمارے کمرے میں آچکی تھی۔ غزالہ نے مجھے مطلع کیا کہ وہ انٹر کام پر ہوٹل کی روم سروس کو تینوں کے لیے ناشتا لانے کی ہدایت کرچکی تھی۔ میں اطمینان سے ویرا کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تم منہ دھوئے بغیر فون پر کس سے باتیں کر رہے تھے؟" ویرا نے میرا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

میں نئے دن کا آغاز کسی حجت یا تکرار سے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نرمی سے کہا "جلال سے روانگی کا پروگرام طے کر رہا تھا۔"

"وہ صبح سویرے قیدیوں کو ساتھ لے کر یہاں سے گیا ہے۔ کیا شام تک آسانی سے دوبارہ لوٹ آئے گا؟"

"اس نے وعدہ تو کیا ہے۔ کوئی ناگہانی مجبوری پیش آجائے تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔" میں نے شانے اچکا کر جواب دیا۔

"دوبارہ فون کرکے اس سے کوئی یقینی پروگرام طے کرلو" ویرا نے مصالحانہ انداز میں مشورہ دیا "اگر وہ نہیں آرہا تو ہم آج کا باقی دن شہر کی سیر میں گزار سکتے ہیں۔ میں کئی مرتبہ لاہور آئی ہوں مگر مال روڈ اور ہوائی اڈے سے آگے کچھ نہیں دیکھا۔ سنا ہے کہ تاریخی یادگاروں اور سبزہ زاروں کے لحاظ سے لاہور تمہارا اہم ترین شہر ہے۔"

"تمہاری زبان سے لاہور کی یہ تعریف سن کر ہر لاہوری تم پر قربان ہو سکتا ہے" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زندگی رہی تو سیر و تفریح بعد میں بھی ہوتی رہے گی" غزالہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بولی "اس کا آج آنا ہی زیادہ بہتر رہے گا۔"

"ہم اسے پابند نہیں کرسکتے" میں نے ویرا کو سمجھایا "چوہدری عظمت کی گرفتاری پر اس کے سارے دوست اور حلیف حرکت میں آگئے ہیں۔ اس کے باوجود جلال آنے پر آمادہ ہے۔ یہ معاملہ اس کی ذات تک محدود نہیں ہے۔ اسے سرحد پار کے لوگوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا ہوگا ورنہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سرحد عبور کرتے ہی ہم بھارت کی بارڈر سیکیورٹی فورس یا فوج کی گولیوں کا نشانہ بن جائیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" ویرا نے اعتراف کیا "یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی کہ سفری دستاویزات مکمل ہونے کے باوجود ہم غیر قانونی طور پر سرحد پار کریں گے۔ اس بندوبست کے لیے جلال کو وقت درکار ہوگا۔"

"ہم تینوں کے پاسپورٹ وغیرہ کہاں ہیں؟" قدرے خاموشی کے بعد ویرا کو وہ سوال یاد آگیا۔

"سب کچھ جلال کے پاس ہے۔ روانگی سے پہلے پاسپورٹ ہمیں واپس مل جائیں گے۔ ان پر پاکستان سے اخراج اور بھارت میں داخلے کی مہریں لگی ہوئی ہوں گی۔ شاید تمہیں یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ ہم میں سے ہر ایک کا ویزا پولیس رپورٹنگ سے مستثنیٰ ہے۔"

"معلوم ہے۔" ویرا بے پروائی سے بولی "ہمارے کام اور دونوں ملکوں کے کشیدہ تعلقات کی روشنی میں یہ بہت بڑی سہولت ہے۔"

اسی وقت روم سروس کی خاتون ویٹریس دستک دے کر اندر آگئی۔ باہر موجود سروس ٹرالی سے دو چکروں میں اس نے ناشتے کے اشتہا انگیز لوازم ہماری میز پر منتقل کیے اور کراکری قرینے سے سجا کر واپس لوٹ گئی۔

"اب تم بتاؤ کہ جان اسمتھ سے تم نے کیوں رابطہ کیا تھا؟" ناشتا شروع کرنے کے بعد میں نے ویرا سے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ کراچی میں جان اسمتھ کی موجودگی شروع سے میری آنکھوں میں کھٹک رہی ہے۔ ہمارے سامنے ابھی تک صرف انل بسواس کا نام ہے۔ غزالہ تمہارے ساتھ ہوگی۔ تم دونوں اس کا پیچھا کر کے اسے گھیرو گے۔ مجھے تم سے دور رہنا ہے۔ میں وہاں کیا کروں گی؟"

"میں اسی لیے کہہ رہا تھا کہ تمہارا جانا غیر ضروری ہے۔ اس وقت تم نے یہ منطق پیش کی تھی کہ تم دور رہ کر ہم دونوں کی حفاظت کرو گی حالانکہ یہ بالکل احمقانہ بات ہے۔ میرے اوپر چلائی ہوئی گولی تم اپنے سینے پر نہیں روک سکتیں۔ قسمت ہی اس گولی سے بچا سکتی ہے۔ اب بھی وقت ہے۔ اگر تمہیں احساس ہو گیا ہے کہ بھارت میں تمہارا کوئی مصرف نہیں ہوگا تو اپنا پاسپورٹ پھاڑ کر تم اب بھی کراچی واپس جا سکتی ہو۔"

"میری واپسی کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔" اس نے میری بات اڑا کر کہا "مجھے ہر حال میں نئی دہلی جانا ہے۔ جلال نے ایسے کاغذات کا بندوبست کیا ہے کہ میں چاہوں تو دو چار دن بعد قانونی طور پر سرحد پار کر کے واپس آسکتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ جان اسمتھ بھارت ضرور بھاگے گا۔"

"وہ بہت زیرک آدمی ہے۔ تم نے کسی خبطی مقامی عورت کا انداز اختیار کر کے اسے ویرا لائیڈ کے نام سے دھمکیاں دی تھیں۔ خود تم نے بتایا کہ وہ تمہاری بات پر یقین کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ تم اسے یہ تاثر دینا چاہ رہی تھیں کہ تم نے کسی عورت کو رقم کا لالچ دے کر اس کے پیچھے لگا دیا ہے۔ وہ ایسے جال میں آنے والا آدمی نہیں ہے۔ اگر تم نے اپنی اصل آواز اور انداز میں اس سے بات کی ہوتی تو وہ خوف زدہ ہو سکتا تھا۔"

"وہ جو کچھ بھی سمجھ رہا ہو، میں اس کی آواز اپنے کانوں سے سن کر محظوظ ہو رہی تھی۔ میں نے تمہیں اپنی پہلی کوشش کے بارے میں بتایا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اسے کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا ہو مگر میں نے دوسری مرتبہ فون کیا تو وہ اس کی آواز سے خوف جھلک رہا تھا۔ میرے تیسرے اور آخری فون نے اس کے سارے کس بل نکال دیے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ میں اپنی آواز بدل کر کسی مقامی عورت کی طرح ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول رہی تھی مگر میری ہر بات سچ، چبھتی ہوئی اور اپنے نشانے پر تھی۔ تم خود سوچو کہ اس کے لیے وہ کیسی خوف ناک صورت حال رہی ہوگی۔ وہ صرف آواز سن رہا تھا۔ وہ بگڑی ہوئی آواز میری نہیں تھی مگر حقائق وہ تھے جو صرف میں جانتی ہوں یا امریکا کے خفیہ اداروں کے بڑے جانتے ہیں۔ وہ دہشت زدہ ہو کر سمجھ رہا تھا کہ میرا دماغ الٹ گیا ہے۔"

"یعنی کل چند گھنٹوں کی مدت میں تم نے اسے تین بار فون کر ڈالا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے پہلے فون کی اطلاع دیتے ہوئے تم کو بتا دیا تھا کہ میں اسے کم از کم دو مزید فون کروں گی۔ اگر وہ واقعی امریکی ہے تو تیسرے فون پر خوف اور دہشت سے اس کا پیشاب خطا ہو گیا ہوگا۔ یہ لوگ زندگی سے اس قدر پیار کرتے ہیں کہ مرنے کا تصور ہی انہیں ادھ موا کر دیتا ہے۔ وہ کبھی کراچی میں رکنے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ چھٹی کی درخواست دے کر اس کی منظوری کا انتظار کیے بغیر بھاگ جائے گا۔"

"وہ اتنا دہشت زدہ ہے تو ضروری نہیں کہ دہلی کا رخ کرے۔ وہ واپس امریکا بھی جا سکتا ہے۔"

"تمہاری یہ بات وزنی ہے۔ یہ خطرہ میرے ذہن میں بھی ابھرا تھا مگر سوچ بچار کے بعد میں نے اسے مسترد کر دیا۔ وہ میرے انتقام سے بچنے کے لیے بھاگے گا تو اپنے گھر یا ملک کا رخ نہیں کرے گا۔ میں لاکھ ناپسندیدہ سہی مگر امریکی شہری ہوں۔ ہر خطرہ مول لے کر وہاں اس کے سر پر پہنچ سکتی ہوں۔ کراچی سے بھاگ کر وہ کسی ایسے ٹھکانے کا رخ کرے گا جہاں میرے پہنچنے کا کم سے کم خطرہ ہو۔ آسٹریلیا اور افریقہ اس کے لیے اجنبی ثابت ہوں گے۔ اپنے دفتری کام اور تفریح کے اعتبار سے دہلی اس کے لیے موزوں ترین شہر ہے۔ میری دلی آرزو اور دعا ہے کہ وہ کراچی سے نکل کر نئی دہلی کا رخ کرے تاکہ وہاں میں اس کی کھال میں بھوسا بھر سکوں۔"

"تم یہاں سے ایک الگ پروگرام لے کر جا رہی ہو۔ جان اسمتھ وہاں مل گیا تو تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا ورنہ تم لوٹ آؤ گی یا پھر بھارت میں تفریح کرتی پھرو گی۔ تمہارا ہم سے

یا ہمارے مشن سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ میرے لیے یہ باتیں خاصی تکلیف دہ ہیں۔"

ویرا تلخی سے ہنس پڑی "تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جان اسمتھ سے میری کون سی ذاتی دشمنی ہے۔ وائٹ ہاؤس کے ڈرائیو وے میں جمی لائیڈ پر اس نے فائر نہیں کیا تھا نہ اس نے میری کسی جاگیر پر قبضہ کیا ہے۔ وہ پاکستان کا، تمہارے ملک اور وطن کا دشمن ہے اس لیے میں اس کے لہو کی پیاسی ہوں۔ پاکستان میں امریکیوں کا بہت خون بہہ چکا ہے۔ تمہاری حکومت ان بڑھتے ہوئے واقعات کے نتائج سے خائف ہے اس لیے میں نے تمہارے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ جان اسمتھ کو پاکستان سے باہر ٹھکانے لگایا جائے گا۔ وہ جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا کے بڑے خطے میں سی آئی اے کے آپریشنز کا سربراہ ہے۔ پاکستان اس کا خاص ہدف ہے۔"

اس نے رک کر اپنی چائے کی پیالی خالی کی پھر اسی زہریلے لہجے میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "یہ تمہارا اور سب پاکستانیوں کا مشن ہونا چاہیے۔ تم کیسے الزام لگا رہے ہو کہ میں اپنا کوئی الگ تھلگ مقصد لے کر تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔"

"مقصد اور مشن کے لیے کام کرنے والے کسی ڈسپلن کے پابند ہوتے ہیں۔" غزالہ ایک مرتبہ پھر دخل اندازی پر مجبور ہو گئی "تم خود کو ہر ڈسپلن سے آزاد تصور کرتی ہو۔ جانے کا ارادہ کر لیا تو کوئی تمہیں کراچی میں رکنے پر آمادہ نہیں کر سکا۔ جان کو ڈرانے پر تل گئیں تو کسی کا مشورہ کام نہیں آیا۔ اگر تم ٹھنڈے دل سے غور کرو تو یہ سب کھلی من مانی ہے۔ ہم دونوں نئی دہلی میں دن رات اٹل بسواس کی دم سے بندھے ہوئے نہیں پھریں گے۔ جان وہاں دیکھا گیا تو اس سے بھی نمٹ لیں گے....."

"یہ باتیں تم نہیں سمجھ سکو گی۔ اسے میں زیادہ آسانی سے ذبح کر سکوں گی۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ دی "وہ میرا ہم وطن ہے۔ اسے میں زیادہ سمجھتی ہوں۔"

غزالہ استہزائیہ انداز میں ہنس دی "یہ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ والی بات ہے پھر تو اٹل بسواس کے شکار کے لیے کسی بھارتی کو جانا چاہیے۔ ہم دونوں بلاوجہ اتنے خطرات مول لے رہے ہیں۔"

میں نے دیکھا کہ غزالہ کے منہ توڑ جواب پر ویرا کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ ہمارے ساتھ جانے کا فیصلہ کر چکی تھی اور اس کے خلاف کوئی حجت یا دلیل سننے پر آمادہ نہیں تھی۔ میں نے کسی بدمزگی سے بچنے کے لیے فوراً ہی بات سنبھال لی۔ "تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اب اس پر بحث کرنا بے سود ہے۔ ہم تینوں بھارت جائیں گے، ہمیں ایک دوسرے کے لیے نیک توقعات رکھنی چاہئیں۔"

شاید میرے لہجے میں کوئی غیر معمولی بات تھی۔ غزالہ نے لمحہ بھر کے لیے غور سے میری طرف دیکھا اور خاموشی سے سر جھکا لیا۔ میرے جواب میں ویرا کے لیے درپردہ حمایت موجود تھی اس لیے اس نے کسی غور و فکر کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ خوش ہو گئی۔ اس کی پیشانی پر نمودار ہونے والی شکنیں بھی فوراً صاف ہو گئیں۔

غزالہ کے دل میں ابتدا سے ہی ویرا کے لیے ایک نرم گوشہ موجود تھا۔ اس کے معاملات میں وہ ہمیشہ چشم پوشی اور درگزر سے کام لیتی تھی۔ اس کی کڑوی کسیلی باتوں کو بھی نظر انداز کر دیتی تھی لیکن میں پچھلے کچھ روز سے محسوس کر رہا تھا کہ غزالہ نے ویرا کے بارے میں اپنے رویے پر نظرثانی کر لی تھی۔ وہ اسے ایک خاص حد تک ڈھیل دیتی تھی۔ ویرا اس حد سے متجاوز ہونے کی کوشش کرتی تو غزالہ اسے ٹوکنے سے نہیں چوکتی تھی۔

ان کے باہمی مراسم میں رونما ہونے والی اس تبدیلی نے میری ذمے داری بڑھا دی تھی۔ پیش نظر سفر کے موقع پر مجھے ان پر کڑی نظر رکھنی تھی تاکہ ان کے درمیان کوئی بدگمانی پیدا نہ ہو سکے اور ہم بھارت میں خوش اسلوبی سے کچھ دن گزارنے کے بعد لوٹ آئیں۔

مجھے وہ دونوں عزیز تھیں۔ ویرا صرف میری دوست نہیں بلکہ پاکستان کی بہت بڑی اور فعال حامی تھی جب کہ غزالہ میری چہیتی بیوی تھی۔ میں ان میں سے کسی ایک کی خاطر دوسری سے کسی زیادتی کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اس توازن کو بہت کامیابی سے برقرار رکھا ہوا تھا مگر آثار بتا رہے تھے کہ ان کی وہ مفاہمت زیادہ دیر تک چلنے والی نہیں تھی۔ غزالہ کم گو اور محتاط طبیعت کی مالک تھی۔ مجھے اس کی طرف سے کسی زیادتی کا اندیشہ نہیں تھا لیکن ویرا بہت منہ پھٹ اور باتونی تھی۔ وہ ہر بات میں ٹانگ اڑانا اپنا پیدائشی حق سمجھتی تھی۔ ویرا کی اس عادت کی وجہ سے کسی بھی وقت تلخی پیدا ہو سکتی تھی۔

ان دونوں کے درمیان بات بگڑتے بگڑتے سنبھل گئی تھی۔ انہیں جلال سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا دیا گیا تھا۔ ناشتا ختم کرنے کے بعد فاضل وقت کے بارے میں بات چھڑ گئی۔ ویرا لاہور کی سیر کرنے کی خواہش مند تھی۔

ہمارے پاس شام کے سات بجے تک کا وقت تھا۔ ان دونوں نے ہوٹل سے نکلنے کا ارادہ کرلیا مگر میں نے ان کا ساتھ دینے سے معذرت کرلی۔ لاہور میرا اپنا شہر تھا۔ میں وہیں پیدا ہوا اور پلا بڑھا تھا مگر جوانی میں باپ کے سائے سے محروم ہونے کے بعد میرے لیے اس شہر کی زمین تنگ ہوتی چلی گئی۔ سوتیلے بھائیوں نے نفرت کا رویّہ اپنایا اور مجھے آبائی گھر سے بے دخل کردیا۔ ماں کی ذات میرا واحد سہارا تھی۔ اس نے اپنے آخری دن بہت بے بسی اور کسمپرسی میں گزارے اور جب اس نے اپنی زندگی کی گھڑیاں پوری کرلیں تو میری نظروں میں دنیا تاریک ہوگئی۔ لاہور کی زمین اور آسمان میں میرے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی۔ نفرت، عسرت اور کچوکوں کے سوا میرے لیے کچھ نہیں تھا۔ مایوسی اور ابتلا کے اس دور میں، میں نے لاہور کو خیرباد کہہ کر کراچی کا رخ کرلیا جہاں نئے شب و روز میرے منتظر تھے۔

لاہور چھوڑنے سے پہلے میں اس شہر کا کونا کونا دیکھ چکا تھا۔ ویرا کی طرح میرے دل میں شہر کی کوچہ نوردی کا کوئی شوق نہیں تھا۔

غزالہ باہر جانے کے لیے تیار تھی۔ وہ گھر میں ہر وقت اس طرح صاف ستھری رہنے کی عادی تھی کہ بیٹھے بیٹھے بھی اچانک کہیں جانے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ کوئی تاخیر کیے بغیر روانہ ہوسکے۔ ویرا بھی فیشن کی عادی نہیں تھی۔ قدرت نے اسے ایسے رنگ روپ سے نوازا تھا کہ وہ میک اپ کے بغیر ہی پرکشش نظر آتی تھی مگر اسے کپڑے تبدیل کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ کپڑے بدلنے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ پوری طرح تیار ہوکر آگئی۔ غزالہ اس کی منتظر تھی۔ دونوں نے مجھے الوداع کہا اور چل دیں۔ درمیانی تخلیے میں، میں نے غزالہ کو سمجھادیا کہ ویرا اس سے کوئی ہلکی بھاری بات کرے تو وہ اسے نظرانداز کردے۔

ویرا کے بارے میں مجھے امید تھی کہ وہ محتاط رہے گی۔ میری موجودگی میں وہ بہت تیزی سے بے لگام ہونے کی کوشش کرتی تھی۔ میری غیرحاضری میں وہ غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ بردباری کے ساتھ پیش آتی تھی۔ یہ اس کی ایک عجیب ذہنی گرہ تھی جسے میں نے بارہا محسوس کیا تھا لیکن اس کا کوئی سبب نہیں جان سکا تھا۔

وقت گزاری کے لیے میں نے بستر پر دراز ہوکر اخبار سنبھال لیا اور سرخیوں کے مطالعے میں مصروف ہوگیا۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی نے مجھے چونکادیا، ریسیور اٹھایا تو ایس ٹی ایف کا مقامی سربراہ لابی سے اپنی آمد کی اطلاع دے رہا تھا۔ میں نے اسے اوپر بلالیا۔

وہ اوپر آیا اور سلام دعا کے بعد کمرے میں میرے ساتھ بیٹھ گیا مگر اس کی متجسسانہ نگاہیں تیزی سے کمرے کا طواف کررہی تھیں۔ میں نے چند ثانیوں تک اس کی وہ بے چینی محسوس کی پھر مسکراتے ہوئے پوچھا ”کیا بات ہے؟ تم کچھ مضطرب نظر آرہے ہو۔“

”بیگم صاحبہ نظر نہیں آرہیں۔ کیا تم نے انہیں کہیں اور بھیج دیا ہے۔“ اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

”وہ تفریح کے لیے نکلی ہے۔“ میں نے ویرا کی آمد کا ذکر کیے بغیر اسے بتایا ”اسے لاہور کچھ زیادہ ہی پسند آگیا ہے۔“

”اوہ! پھر تو مجھے فرزانہ کو اپنے ساتھ لانا چاہیے تھا۔“ اس نے خفت آمیز لہجے میں کہا ”میرا خیال تھا کہ تمہاری غیر حاضری کی وجہ سے بیگم صاحبہ کی پوری رات بھی جاگتے ہوئے گزری ہوگی اور وہ دن میں آرام کریں گی۔ اس خیال سے فرزانہ کو گھر پر چھوڑ دیا۔“

”کوئی فرق نہیں پڑتا۔ غزالہ کم گو اور تنہائی پسند ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سارا دن لارنس گارڈن کے پرسکون گوشے میں بیٹھے بیٹھے گزار دے۔ اسے تمہاری بیوی کو ساتھ لے جانے کی ضرورت محسوس ہوتی تو میں بلاتکلف تم کو فون کردیتا۔ تم اطمینان سے بیٹھو اور یہ بتاؤ کہ شہر میں کیا ہورہا ہے۔“

”آئی بی والوں نے پچھلی رات ناقابلِ یقین تیزی دکھائی ہے۔ مجھے محسوس ہورہا ہے جیسے میری اور ڈی آئی جی کی ملاقات کے التوا میں بھی کوئی پس پردہ ہاتھ کارفرما تھا۔ ایس ٹی ایف والوں کے ساتھ مقامی پولیس کا رویّہ ہمیشہ بہترین اور مثالی رہا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گیارہ بجے شب کی طے شدہ ملاقات یوں اچانک ملتوی ہوجائے گی۔“

خالد ذہین آدمی تھا۔ واقعات کی کڑیوں کو یک جا کرکے بالکل صحیح نتیجے پر پہنچا تھا۔ میں نے انجان بن کر پوچھا ”تمہیں پس پردہ ہاتھ کا خیال کیوں آیا؟“

”ایک طرف ڈی آئی جی غائب ہوا۔ دوسری طرف آئی بی والوں نے براہِ راست چوہدری عظمت پر ہاتھ ڈال دیا۔ برا نہ مانو تو میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔“

”ایک نہیں، تم دو باتیں کہو۔“ میں نے فراخ دلی سے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

”یہ سب خدشے تم نے فون پر کل رات ظاہر کردیے تھے۔ یہاں تک کہہ دیا تھا کہ آئی بی والے چوہدری عظمت

کے کیس میں غیر معمولی دلچسپی لے رہے ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم کو یہ سب باتیں پہلے سے معلوم تھیں اور تم ہیومن سوسائٹی کے چکر میں لاہور آئے تھے لیکن شروع میں تم نے مجھے اپنے اعتماد میں نہیں لیا۔ اول خان نے تمہاری آمد کی اطلاع دی تو اس نے بھی اس بارے میں کوئی تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ مجھے اس کی طرف سے بڑا قلق ہے۔"

"لاہور ہمارا ٹرانزٹ اسٹیشن تھا۔ ہمیں دو تین راتیں یہاں گزارنے کے بعد آگے روانہ ہونا تھا۔ ہیومن سوسائٹی کا نام بعد میں سامنے آیا۔ اس سے پہلے تم لاہور میں ہیروئن کی وبا اور سرحدی علاقے میں اے این ایچ کی وافر سپلائی کے بارے میں اپنی فکر مندی کا اظہار کر چکے تھے۔"

"میں مہینوں سے ان مسائل پر سر کھپا رہا تھا۔ یقین نہیں آتا کہ تم نے اتنی تیزی سے سب کچھ معلوم کر لیا۔"

"واقعات تمہارے سامنے ہیں۔ ہیومن سوسائٹی کے بارے میں میری معلومات صفر تھیں۔ ان کے بارے میں بیشتر معلومات تم نے فراہم کیں۔ تم یہ ضرور کہہ سکتے ہو کہ این جی اوز کے بارے میں میرے تجربے نے کسی فیصلے تک پہنچنے میں میری بہت زیادہ رہنمائی کی۔ ہم نے ان کا رخ کیا' شاہد پر ہاتھ ڈالا اور پھر ساری گرہیں خود بہ خود کھلتی چلی گئیں۔ میں کراچی سے بالکل خالی ذہن کے ساتھ آیا تھا۔ یوں سمجھ لو کہ اس معاملے میں قدرت نے میری رہنمائی کی ہے۔ لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ میرا خمیر اس مٹی سے اٹھا ہے اور میں اس مٹی کا مقروض تھا۔ میں یہ قرض پوری طرح اتارنے کے قابل نہیں ہوں مگر ہیومن سوسائٹی کا فتنہ ختم کر کے میں نے اس شہر میں بسنے والوں کی خدمت کی ہے۔ چوہدری عظمت اور اس کے حواریوں کے عبرت ناک انجام کے بعد کوئی مہم جو اپنے چہرے پر بھیڑ کی نقاب اوڑھ کر لاہور کے باسیوں کے لیے بھیڑیا نہیں بن سکے گا۔"

خالد حیرت سے آنکھیں پھاڑے میری بات سنتا رہا۔ میری بات مکمل ہوئی تو اس نے تحیر زدہ آواز میں کہا "تمہاری ساری کہانیاں کراچی سے پھیلتی آئی ہیں۔ میں تمہیں وہیں کا رہنے والا سمجھتا تھا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم لاہوری ہو۔ ایک چوہدری عظمت ہے۔ وہ بھی پشتوں سے یہیں کا بسنے اور رہنے والا ہے مگر اس کے کرتوت شرمناک تھے۔ اسے اپنے شہر کے نوجوانوں پر کوئی رحم نہیں آیا۔ اس نے دولت کمانے کے لیے ان کی رگوں میں ہیروئن کا زہر پھیلانا شروع کر دیا۔ تم نے اس کی سرکوبی کر کے اس داغ کا ازالہ کر دیا۔"

اس کے فقروں میں دور دور تک تعصب کا کوئی شائبہ نہیں تھا' بس فخر کا ایک احساس نمایاں تھا پھر بھی میں نے وضاحت ضروری سمجھتے ہوئے اس کی بات کو آگے بڑھایا "مجھے لاہور میں پیدا ہونے پر کوئی ندامت ہے نہ کراچی میں بسنے پر ناز ہے۔ میں نے خود کو صرف پاکستانی سمجھا ہے۔ ایک غیرت مند اور بے غیرت پاکستانی میں وہی فرق ہوتا ہے جو مجھ میں اور چوہدری عظمت میں ہے۔ اس نے وقتی عزت اور دولت تو حاصل کر لی مگر اس کا انجام عبرت ناک ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں کھل کر تمہارے فیصلوں کا ساتھ نہیں دے سکا۔ اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تمہارے بارے میں کہی جانے والی باتیں حقیقت سے کس قدر قریب ہیں۔ ہر شخص اس بات کا معترف ہے کہ تمہارے فیصلے بہت تیز' بروقت اور صحیح ہوتے ہیں۔ اب تک...."

"بس!" میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا "اتنے قصیدے نہ پڑھو کہ میرا دماغ خراب ہو جائے۔ تم نے میرا بھرپور ساتھ دیا ہے۔ اگر تمہاری مدد سے شاہد کو اغوا کر کے اس سے کڑی باز پرس نہ کی جاتی تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔"

خالد منکسرانہ انداز میں ہنسنے لگا اور بولا "اس کے اغوا میں بھی سارا کردار تمہارا تھا۔ تم ہی نے اسے اپنی گاڑی سے اترنے کا موقع دیے بغیر بے ہوش کیا تھا اور پھر سارے سوال بھی تمہارے تھے۔ تمہارے لیے چند افراد کا تحفظ اور سواریاں فراہم کر کے میں یہ سہرا اپنے سر نہیں باندھ سکتا۔"

"کوئی بھی شخص اپنی ذات کے خول میں بند رہ کر ایسے بڑے کام انجام نہیں دے سکتا' میں نے سنجیدگی سے کہا "ایسی بھرپور کامیابیاں ٹیم ورک کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ہر شخص کا ایک مخصوص اور معین کردار ہوتا ہے۔ اس کی ادائیگی میں کہیں کوئی لغزش ہو جائے تو پورا منصوبہ ناکام ہو جاتا ہے۔ پک اپ میں آنے والوں نے شاہد کی کالی ٹویوٹا کو روکنے کے لیے کسی غلط جگہ کا انتخاب کیا ہوتا تو وہاں بھیڑ لگ جاتی۔ ہم اسے اٹھانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔"

"جلال آئی بی میں بہت بڑے عہدے پر مامور ہے۔ رات گئے میں تمہاری زبانی اس کی آمد کی خبر سن کر دنگ رہ گیا۔ گیارہ بجے تک سب کچھ غیر یقینی تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ پنجاب پولیس کے ذریعے ہیومن سوسائٹی کی بیخ کنی کی جائے گی۔ صبح چار بجنے سے پہلے وہ اپنے مختصر سے عملے کے ساتھ چوہدری عظمت کو پکڑ چکا تھا۔"

"وہ قصہ نمٹ گیا تھا۔ یہ بتاؤ کہ ہیومن سوسائٹی کے ہیڈ آفس اور دوسرے کارندوں کا کیا بنا؟"

"سب عتاب میں آئے ہوئے ہیں۔ آئی بی والوں نے پورے شہر میں بہت بڑا کریک ڈاؤن شروع کیا تھا۔ فضا میں اجالا پھیلنے سے پہلے ہیومن سوسائٹی کے دفاتر اور بادامی باغ والے گودام کو سیل کیا جا چکا تھا۔ اس کے سرگرم کارکن پکڑے جا چکے تھے۔ جو بچ گئے وہ خوف سے زیرزمین چلے گئے تھے۔"

"سنا ہے کہ چوہدری عظمت کی گرفتاری کے خلاف کوئی سیاسی لہر بھی اٹھی ہے۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔

"معززین اور شرفا کے طبقے میں چھپی ہوئی کسی کالی بھیڑ پر جب بھی ہاتھ ڈالا جاتا ہے تو ایسا ہی شور و غوغا بلند ہوتا ہے جوں جوں حقائق سامنے آتے ہیں' یہ شور خود بہ خود ختم ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کا برادری سسٹم ہے جس میں ذات پات کے بجائے لوگ مال و دولت اور جاہ و حشمت کی بنیاد پر یکجا ہوتے ہیں۔ چوہدری عظمت کچھ زیادہ سرگرم سماجی رہنما تھا لیکن اب اس کی گلوخلاصی ناممکن ہے۔ آئی بی والے اپنے ملزم کو آخر تک ڈھیل دیتے ہیں اور پھر اچانک اس کے حلق میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ وہ پہلے سے ہیومن سوسائٹی کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ رہی سہی کسر تم نے ان کی نقاب الٹ کر پوری کر دی۔ بیالیس کلو ہیروئن کی برآمدگی پوری دنیا میں خبروں کا موضوع بن سکتی ہے۔"

اس کی گفتگو بہت اطمینان بخش تھی۔ جلال خود براہِ راست ہیومن سوسائٹی کے معاملات میں الجھا ہوا تھا اس لیے اس کے تجزیے پر اس کے غصیلے جذبات اور جھنجلاہٹ کا غلبہ تھا مگر خالد باہر کا ایک باخبر آدمی تھا۔ ہیومن سوسائٹی اور چوہدری عظمت کے بارے میں اس کے اندازے غلط نہیں ہو سکتے تھے۔

"شاید تم کو یقین آ گیا ہو گا کہ میں کراچی سے ہیومن سوسائٹی کے خلاف کوئی مواد لے کر نہیں آیا تھا۔" میں نے ہنس کر اسے چھیڑا۔

"یہ یقین پہلے بھی تھا لیکن ان بدمعاشوں کے تیز ترین انجام نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا تھا۔" اس نے خفت سے جواب دیا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ میری اور تمہاری آخری ملاقات ہو۔ آج رات ہم اس کام پر روانہ ہو جائیں گے جس کے لیے کراچی سے نکلے ہیں۔"

وہ چونک پڑا "نہیں... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ فرزانہ سخت ناراض ہو جائے گی۔ وہ تمہاری دعوت کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ میں یہی کہنے آیا تھا کہ آج رات کا کھانا تم کو اور بیگم صاحبہ کو ہمارے گھر پر کھانا ہے۔ دعوت کھائے بغیر تم لاہور سے نہیں جاؤ گے۔"

"مجبوری ہے۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے سمجھایا "رات کے اندھیرے میں ہمیں سرحد پار نکلنا ہے۔ یہ بندوبست دوسرے لوگ کریں گے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ ایسے معاملات کتنے پیچیدہ ہوتے ہیں۔ طے شدہ پروگرام سے ذرا بھی انحراف ممکن نہیں ہے۔"

اس کا چہرہ اتر گیا۔ "سرحد پار جانے والوں کو کوئی نہیں روک سکتا۔ تم نے مختصر سی بات بتا کر میرے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی ہے۔ اس راہ کے مسافروں کو زادِ راہ کے طور پر خلوص دعاؤں کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔" اس کی عقیدت سے لبریز نگاہیں میرے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

"یہ دعائیں ہی ہم سب کو چلا رہی ہیں ورنہ ہمارے کرتوت وہی ہیں جن کا مظاہرہ چوہدری عظمت کرتا رہا ہے۔"

"خود کو اس ملعون سے نہ ملاؤ۔ تم ایک عظیم آدمی ہو۔ ہم لوگ اپنے بارے میں کوئی ناز نہیں کرتے مگر میں اپنے اور اول خان کے بارے میں بہت عاجزی سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم لوگ دانستہ کبھی کسی غلط کام میں ملوث نہیں ہوئے۔ اس سرزمین پر کچھ ایسے لوگ ضرور باقی ہیں جن کے دم قدم سے یہاں کا کاروبار چل رہا ہے۔"

"آج رات تم چلے جاؤ گے۔ کیا میں جان سکتا ہوں کہ ہوٹل سے تمہاری روانگی کس وقت ہو گی۔"

"ہماری روانگی کا انحصار آگے سے طے ہونے والے پروگرام پر ہے۔ شام سات بجے کے بعد ہم کسی بھی وقت ہوٹل چھوڑ دیں گے۔"

"پھر میں چھ بجے سے پہلے فرزانہ کو ساتھ لے کر آؤں گا۔ وہ تم دونوں کی بہت گرویدہ ہے۔ تم لوگوں سے اس کی الوداعی ملاقات نہ ہو سکی تو وہ کئی دنوں تک ملول و افسردہ رہے گی۔" اس نے بہت اشتیاق سے کہا۔

میں نے اپنے دل میں اس کے لیے احترام اور ہمدردی کے جذبات محسوس کرتے ہوئے دھیرے سے جواب دیا "فرزانہ سے میرا سلام کہنا اور اسے یہاں نہ لانا۔ رازداری تمہارے لیے کوئی اجنبی لفظ نہیں ہے۔ روانگی تک ہم ہر ایک سے الگ تھلگ اور دور رہنا چاہتے ہیں۔ تمہیں علم ہو گا کہ لاہور میں را کے ایجنٹ اکثر آتے جاتے رہتے ہیں۔"

وہ سرہلا کر رہ گیا "را کے باقاعدہ ایجنٹ کم ہوں گے لیکن مخبروں کی تعداد خاصی ہے۔ سرحدوں کے قریب واقع شہروں

اور آبادیوں میں یہ مسئلہ ہروقت درپیش رہتا ہے مگر بقائے باہمی کے نظریے کے تحت ہم انہیں نظرانداز کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ ہمارے مخبروں کو بھولے رہتے ہیں۔"

وہ مزید کچھ دیر بیٹھا اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ ہماری اچانک روانگی کی خبر سن کر وہ اداس ہوگیا تھا۔

جاتے ہوئے وہ مجھ سے نہایت گرم جوشی سے بغل گیر ہوا۔ میں نے اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے کہا "اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔ ہم ہمیشہ کے لیے وہاں ہجرت نہیں کر رہے۔ کچھ دنوں میں اپنا مشن پورا کرکے واپس آئیں گے تو تمہاری کئی دعوتیں بھی قبول کرلیں گے۔"

اپنے ہونٹوں پر افسردہ مسکراہٹ لیے وہ کمرے سے نکل گیا۔ اس سے میری رفاقت مختصر رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کرکے میرے مشوروں پر عمل نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود اس کے اخلاق اور کردار نے مجھے متاثر کیا تھا۔ اس سے ملاقات کے بعد میرے دل ودماغ میں اسپیشل ٹاسک فورس کی عظمت کا نقش کچھ اور گہرا ہوگیا تھا۔

میں ایک بار پھر اپنے کمرے میں تنہا رہ گیا اور اپنے ذہن میں گزرے ہوئے واقعات کا اعادہ کرنے لگا۔ لاہور سے روانہ ہونے سے پہلے میں اول خان سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ کوئی اہم بات یاد آجاتی تو میں اسے تبادلہ خیال میں شامل کرسکتا تھا۔

میں نے ناشتا دیر سے کیا تھا اس لیے دو بجے تک بھی اشتہا بیدار نہ ہوسکی۔ مجھے معلوم تھا کہ زیادہ تاخیر کی صورت میں ہوٹل کا کچن بند ہوجائے گا اور مجھے لنچ گول کرنا پڑے گا جب کہ رات کے کھانے کے بارے میں کوئی بات یقینی نہیں تھی۔ اگر شام کے سات آٹھ بجے کوچ کرنا پڑتا تو بھارت کی سرزمین پر پڑاؤ کی نوبت آنے تک کھانے پینے کے بارے میں سوچنا محال تھا۔ میں نے روم سروس والوں کو اپنے لیے کوفتوں کا آرڈر دے دیا۔

میں بدستور بستر پر دراز رہا۔ اس دوران میں ناشتے کے برتن اٹھالیے گئے۔ لنچ کی ٹرے میز پر رکھ دی گئی۔ اس وقت تک میرا کھانے کا موڈ نہیں بنا تھا۔ ویٹر نے جانے سے پہلے قاب کا ڈھکن اٹھاکر دوبارہ بند کردیا اور کمرا کوفتوں کی خوشبو سے بھر گیا۔

شاید وہ ویٹر کا کوئی آزمودہ پیشہ ورانہ حربہ تھا۔ اس کے باہر جانے کے بعد میں چند منٹ کے لیے بھی مسہری پر دراز نہ رہ سکا۔ کوفتوں کی خوشبو نتھنوں میں آتے ہی میری بھوک یکایک بیدار ہوگئی تھی۔ میں نے بستر چھوڑ کر کھانے کی ابتدا کردی۔

ابھی میں فارغ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کرسی چھوڑی اور ریسیور اٹھاکر کان سے لگالیا۔

ہوٹل کی خوش آواز آپریٹر نے بتایا کہ میرے لیے کراچی سے اول خان کی کال تھی۔ میرے ایما پر اس نے فوراً کال مجھے منتقل کردی۔

"روانگی کا پروگرام طے ہوچکا ہے لیکن مجھے بھنک بھی نہیں ملنے دی کہ کب جا رہے ہو!" اول خان نے شکوہ کیا۔

"تمہیں بتائے بغیر میں لاہور چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔" میں نے منہ میں موجود لقمہ نگلنے کے بعد کہا۔

"معلوم ہوتا ہے تم کھانا کھا رہے تھے۔" میرے دہانے سے پیدا ہونے والی آوازیں سن کر اس نے تبصرہ کیا۔

"ہاں، لنچ ہو رہا ہے۔ اس کے بعد تم سے رابطہ کرتا..." میں اپنی بات پوری نہیں کرسکا۔

"پہلے تم اطمینان سے اپنی شکم سیری کرلو۔ میں تھوڑی دیر بعد دوبارہ فون کرلوں گا۔" اس نے درمیان سے میری بات اچک لی۔

"نہیں... میں فارغ ہوچکا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کہاں ہو، سلطان شاہ کہاں ہے؟"

"میں تمہارے گھر سے بات کر رہا ہوں۔ سلطان شاہ شکوہ کر رہا ہے کہ تم اسے بھولے ہوئے ہو۔"

"پہلے اس سے بات کرا دو تاکہ اس کا شکوہ دور ہوجائے۔ تنہائی کی ایک رات بھی نہیں گزری کہ اس نے شکایتیں شروع کردیں۔ ویرا کے یہاں پہنچنے پر میں نے خود اسے اطلاع دی تھی۔ شاید اس وقت وہ نیند کی پینک میں تھا۔ میری اس کال کو بھول گیا۔"

"مجھے صبح والی کال یاد ہے۔" ریسیور میں سلطان شاہ کی آواز آئی۔ شاید میرا آخری فقرہ اول خان کے بجائے اسی نے سنا تھا "مجھے اکیلا رہنے کی عادت نہیں ہے۔ کبھی کبھی مجھے فون کرتے رہا کرو۔ تمہیں وقت نہ ملے تو یہ ذمے داری غزالہ کو سونپ دو۔"

"تمہیں یہ عادت ڈال لینی چاہیے کیونکہ آج رات ہم آگے روانہ ہو رہے ہیں۔ وہاں سے روز فون کرنا ممکن نہیں ہوگا۔"

"اوہو، اتنی جلدی پروگرام طے ہوگیا۔ ہمارا اندازہ تھا کہ ہیومن سوسائٹی کی وجہ سے تم کو لاہور میں رکنا پڑے گا۔"

"وہ معاملہ جلال نے سنبھال لیا ہے۔ ہم یہاں بلاوجہ وقت برباد نہیں کریں گے۔"

"یہ بتاؤ کہ جہانگیر اپنے ماموں سسر کے بارے میں کچھ جاننے کے لیے مجھ سے رابطہ کر بیٹھے تو مجھے کیا کہنا چاہیے۔"

وہ ایک اہم نکتہ تھا جو اسے یاد آ گیا تھا۔ میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا اور جواب دیا "انجان بنے رہنا۔ ہماری لاہور میں موجودگی کی پردہ پوشی کی ضرورت نہیں کیونکہ میں غزالہ کے ساتھ سلمٰی سے مل چکا ہوں۔ اس وقت وہ اپنے ماموں کے گھر میں موجود تھی۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ جہانگیر آسانی سے جان چھوڑنے والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ یہ بات تسلیم نہیں کرے گا کہ تم لاہور میں ہوتے ہوئے چوہدری عظمت کے قصے سے بے خبر تھے۔ وہ اپنی بیوی کے رشتے داروں کی بے عزتی کرکے خوشی محسوس کرتا ہے۔"

"اس کو اپنی ہانکنے دو۔ تم کو اسی کہانی پر جما رہنا ہے جو میں بتا چکا ہوں۔ لاہور بہت بڑا شہر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ میں وہاں پیش آنے والے ہر واقعے سے باخبر رہوں۔ تمہارے لیے آج کا دن ذرا مشکل ہے۔ کل کے اخباروں میں پوری کہانی آجائے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی بیوی کے ایما پر اس نے لاہور کی طرف دوڑ لگا دی ہو۔ اپنی بیوی پر احسان جتانے کے چکر میں وہ اتنا بدحواس ہو رہا ہو گا کہ کراچی کو بھول کر مجھے لاہور میں تلاش کر رہا ہو گا۔"

سلطان شاہ ہنس پڑا "وہ تمہارا اتنا مخلص دوست ہے اور تم بے دردی سے اس کا مضحکہ اڑا رہے ہو۔"

"میں مضحکہ نہیں اڑا رہا' حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ اب تم اس کی زیادہ وکالت نہ کرو۔ جو کچھ بتا رہا ہوں' اس کے مطابق عمل کرو گے تو سکھی رہو گے ورنہ جہانگیر فون کر کر کے تمہاری زندگی اجیرن کر دے گا۔ میری طرف سے فی امان اللہ' اب فون اول خان کو دے دو۔"

سلطان شاہ نے مجھے خدا حافظ کہہ کر فون کا ریسیور اول خان کے حوالے کر دیا۔

"تم نے این کی پوری کہانی تو سن ہی لی ہو گی۔" اول خان نے پوچھا "اس نے خاصے گل کھلائے ہیں۔"

"کون این؟" میں نے روا روی اور بے دھیانی میں پوچھا۔ سچ یہ ہے کہ اس وقت وہ نام میرے ذہن سے نکلا ہوا تھا۔

"کمال ہے۔ شام کو تمہاری روانگی ہے اور تم اپنی ہم سفر کا نام بھولے ہوئے ہو' اس کا پاسپورٹ مس این کاویل کے نام پر ہے۔"

"سب یاد ہے لیکن اس وقت میرا ذہن کہیں اور بھٹکا ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جہانگیر سے اگلی ملاقات میں اس کے ماموں سسر کے انجام پر اس سے اظہار ہمدردی کرنا مناسب ہو گا یا وہ مبارک باد ملنے پر زیادہ خوشی کا اظہار کرے گا۔"

"تم دونوں کے مراسم بہت گہرے اور پرپیچ ہیں۔ اس کی دماغی ساخت کو تم بہتر طور پر سمجھ سکتے ہو۔ میں کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔"

"این کاویل کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟" میں نے جہانگیر کا ذکر وہیں ادھورا چھوڑ دیا۔

"اس نے کل شام تک چند گھنٹوں کی مدت میں جان کو فون کیے تھے۔"

میں نے اول خان کی بات درمیان سے اڑا دی "وہ مجھے بتا چکی ہے۔ اس کی وہ حرکت احمقانہ تھی۔"

"میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا۔" اس نے میرا تبصرہ سننے کے بعد زور دے کر کہا "ویرا کی وہ تدبیر سو فیصد کارگر رہی ہے۔ آج جان غائب ہے۔ دفتر اور گھر میں فون کی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ کوئی جواب نہیں مل رہا۔"

"کیا تم نے اسے فون کیا تھا؟" میں نے چونک کر قدرے ترش لہجے میں پوچھا "کہاں سے کال کی تھی؟"

"مظہر خان! میں اتنا احمق نہیں ہوں۔" اول خان کی مزاحیہ آواز سنائی دی "ویرا نے تینوں بار مختلف پبلک بوتھ استعمال کرکے اسے پریشان کیا تھا۔ میں نے بھی پبلک بوتھ استعمال کیے تاکہ اس کے نمبر پر آبزرویشن لگا ہوا ہو تب بھی کال کرنے والے کا سراغ نہ مل سکے۔ رابطہ ہو جاتا تو میں اس کی آواز سنتے ہی ایک ہذیانی قہقہہ لگا کر فون بند کر دینے کا ارادہ رکھتا تھا مگر اس کی نوبت نہیں آئی۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ دانستہ فون نہ سن رہا ہو۔ تم کیسے کہہ رہے ہو کہ ویرا کی تدبیر کارآمد رہی ہے۔" سچ یہ ہے کہ ویرا کی بچگانہ ترکیب کی کامیابی کی غیر مصدقہ خبر سن کر مجھے ذہنی کوفت ہوئی تھی۔ میری دانست میں ایک سفارت کار اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا تھا کہ تین گمنام بلکہ دھمکی آمیز فون کالز ملنے پر اپنا گھر اور دفتر چھوڑ کر کہیں رفوچکر ہو جائے۔ جان اسمتھ صرف سفارت کار ہی نہیں' سی آئی اے کا اعلیٰ افسر بھی تھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں غیر ذمے دارانہ باتوں سے گریز کرتا ہوں۔" اول خان فون پر کہہ رہا تھا۔ "میں نے

دوسرے ذرائع سے بھی تصدیق کرلی ہے۔ وہ پچھلی رات سے اپنے گھر اور دفتر سے غائب ہے۔ ممکن ہو تو تم اپنے طور پر مزید چھان بین کرسکتے ہو۔"

"میرے پاس چھان بین کا وقت کہاں ہے۔ اب نئی دہلی پہنچنے کے بعد پتا چلے گا کہ وہ وہاں پہنچا ہوا ہے یا کراچی یا اسلام آباد میں کہیں روپوش ہے۔"

گفتگو کی ابتدا میں اول خان بہت تکلف سے کام لے رہا تھا۔ مجھے ڈنر پر بات کرنے کے بجائے کھانا کھانے کا مشورہ دے رہا تھا لیکن باتوں کا سلسلہ چل نکلا تو وہ یہ بھی بھول گیا کہ میں نے اپنے منہ میں موجود لقمہ نگلنے کے بعد پانی نہیں پیا تھا۔ مجھے اپنے حلق اور سینے میں ہلکی سی جلن کا احساس ہو رہا تھا لیکن مروت میں، میں بھی خاموش تھا۔ آخر کار ہماری باتیں ختم ہوگئیں۔ اول خان نے اس سفر کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

پانچ بجے وہ دونوں واپس لوٹ آئیں۔ تاریخی عمارات کی سیر میں ہمیشہ بہت پیدل چلنا پڑتا ہے۔ وہ دونوں تھکن سے نڈھال تھیں۔ ویرا مجھے اپنا چہرہ دکھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ غزالہ بھی تیز شاور کے نیچے طویل غسل کی شدید ضرورت محسوس کررہی تھی۔ ان دونوں کے لوٹ آنے کے باوجود میں ایک مرتبہ پھر تنہا رہ گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ہم تینوں یک جا ہوسکے۔ چائے نوشی کے دوران میں وہ دونوں لاہور کی عام شہری زندگی کے بارے میں اپنے تجربات اور مشاہدات دہرا رہی تھیں جن میں دلچسپی کا خاصا عنصر موجود تھا مگر میں ان کی باتوں پر اپنی توجہ مرکوز نہیں کرسکا۔ روانگی کا متوقع وقت قریب آنے کے ساتھ ساتھ میرے اعصاب پر ہلکا سا تناؤ طاری ہوتا جارہا تھا۔ اہم اور خطرناک مہمات کے آغاز سے پہلے میری چھٹی حس ہمیشہ مجھے یوں ہی چوکنا کردیتی تھی۔

"میرے پاس اپنے ذاتی استعمال کے تین جوڑوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔" اپنی دن بھر کی سرگرمیوں کے جائزے کے بعد ویرا مجھ سے مخاطب ہوکر بولی "تم اس سفر پر اپنے ساتھ کیا کیا لے جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ آخری لمحات پر ہم کوئی چیز بھول جائیں۔"

"سارا بوجھ میرے اوپر نہ لادو۔ اپنی ضروریات کا تعین خود کرو کیونکہ تم کو ہم دونوں سے الگ رہنا ہے۔"

"بیزار ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے مشورہ طلب کررہی تھی۔ جہاز پر سوار ہونے سے پہلے ہونے والی تلاشی کے اندیشے سے میں کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لائی۔" ویرا نے میرے جواب پر بدکے بغیر کہا "آپس میں مشورہ کرکے ہم بہتر تیاری کرسکتے ہیں۔"

"شاید تمہیں علم ہوگا کہ تمہاری طرح ہم بھی جہاز سے آئے ہیں اور اسی خدشے کی وجہ سے کوئی آتشیں ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لاسکے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "لیکن آتشیں ہتھیار ناگزیر ہیں۔ جلال ان کا بندوبست کرے گا یا پھر بھارت میں ان کے حصول کا کوئی ذریعہ تجویز کرے گا۔"

"اس وقت تم چبا چبا کر باتیں کررہے ہو۔" ویرا مجھے گھورتے ہوئے بولی "کیا تمہیں ہم دونوں کا باہر جانا ناگوار گزرا ہے۔"

"میں طنز نہیں کررہا تھا۔ جب سے تم آئی ہو، ہم غیر ضروری باتوں اور مصروفیات میں الجھے ہوئے ہیں۔ تمہیں ان باتوں کا پہلے خیال آنا چاہیے تھا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہاری اپنی تیاری مکمل ہے۔ تم کیا کیا ساتھ لیے جارہے ہو؟"

"بیم گن، سی ایس ڈی اور زہریلے کیپسولوں والی چند انگوٹھیوں کے علاوہ ذاتی استعمال کا مختصر سا سامان ہے۔ کراچی میں تم نے وہ سب دیکھ لیا تھا۔"

"بیم گن اور دو انگوٹھیاں مجھے دے دو۔" ویرا نے مطالبہ کیا "باقی بندوبست میں خود کرلوں گی۔"

وہ ایک انار دو بیمار والا معاملہ تھا۔ ہر قسم کے دھماکے اور شور شرابے سے محفوظ بیم گن کی افادیت ہر شک و شبہے سے بالاتر تھی۔ کراچی سے روانہ ہوتے ہوئے ویرا کی انفرادی ضروریات میرے ذہن میں نہیں تھی۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ بیم گن کو اپنے آخری ہتھیار کے طور پر ہردم اپنے ساتھ رکھوں گا۔ اس سے تھوڑی سی بحث ہوئی اور پھر میں نے بیم گن اس کے حوالے کرنے پر اپنی رضامندی ظاہر کردی۔ وہ عورت ذات تھی اور دشمن کی سرزمین پر اسے اکیلا رہ کر کام کرنا تھا۔

ساڑھے چھ بجے ویرا اپنے کمرے سے سامان بیگ میں سمیٹ کر لے آئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ رفتہ رفتہ وہ دونوں بھی انتظار کے اضطراب کا شکار ہوتی جارہی تھیں۔ ان کے چہروں پر سنجیدگی پھیل گئی تھی، نگاہوں سے فکرمندی مترشح تھی اور زبانیں سست پڑگئی تھیں۔

ہم تینوں کی نظریں بار بار وال کلاک کی طرف اٹھ رہی تھیں جس کی سوئیاں اپنی مقررہ رفتار سے سفر کررہی تھیں مگر کم از کم مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس روز وقت کی رفتار ماند پڑگئی ہو۔ خدا خدا کرکے سات بجے لیکن دروازے

پر کوئی دستک ہوئی نہ فون کی گھنٹی بولی۔
"ایسا نہ ہو کہ جلال اسلام آباد میں پھنس گیا ہو۔" سوا سات بجے غزالہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا "آپ نے بتایا تھا کہ ہیومن سوسائٹی کے سربراہ والا معاملہ خاصا نازک ہوگیا ہے۔ اس پر جلال نے ہاتھ ڈالا ہے۔ اب اپنے اقدام کے دفاع کی ذمے داری بھی ان کے سر ہوگی۔"
"ایسی باتیں زبان سے نہ نکالو۔" ویرا نے اسے ٹوک دیا "روانگی کی پوری تیاری کے باوجود وہ نہ آیا تو سخت کوفت ہوگی۔"
"اسے خود بھی احساس تھا کہ وہ بہت برے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔" میں نے انہیں بتایا "اس کے باوجود اس نے آنے کا یقین دلایا تھا۔ کوئی بہت ہی ان ہونی یا ناگزیر بات ہوگی تو وہ رکے گا ورنہ آج ضرور آئے گا۔"
ہم وقت گزارنے کے لیے اپنی اپنی قیاس آرائیاں کرتے رہے۔ مجھے یوں معلوم ہورہا تھا جیسے باندھ کر وہاں بیٹھا دیا گیا ہو۔ جلال نے سات بجے کے بعد کا وقت دیا تھا۔ سات بجے ہوئے آدھے گھنٹے سے زیادہ مدت گزر چکی تھی۔ بارہ گھنٹے بعد بھی سات بجے کے بعد کا وقت ہوتا۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ کب ہم سے رابطہ کرتا۔
"تم اسلام آباد فون تو کرلو۔" کچھ دیر بعد ویرا نے اچانک مجھ سے کہا "پتا چل جائے گا کہ وہ وہیں ہے یا نکل چکا ہے۔"
نچلے عملے کے لیے اسلام آباد کے دفتری اوقات شام پانچ بجے تک ہوتے تھے لیکن ضرورت پیش آجانے پر اعلیٰ افسران اپنے ذاتی عملے کے ساتھ دیر تک دفاتر میں موجود رہتے تھے۔ میں خود جلال اور رحمان سے دفتری اوقات کے بہت بعد بات کرچکا تھا۔ مجھے ویرا کا مشورہ مناسب لگا مگر میں نے اس پر عمل درآمد کا ارادہ ساڑھے آٹھ بجے تک ملتوی کردیا۔ اگر اسلام آباد میں چوہدری عظمت کی وجہ سے کوئی ہاچل تھی تو جلال کو ساڑھے آٹھ بجے بھی وہیں کہیں ہونا چاہیے تھا۔
ٹھیک آٹھ بجے فون کی گھنٹی یکایک بج اٹھی۔ میں نے فوراً ریسیور اٹھالیا۔
اس بار آپریٹر نے جلال کی کال کی نوید سنائی اور پھر کال مجھے دے دی۔
"میں ساڑھے آٹھ بجے تم سے آملوں گا۔" ریسیور پر جلال کی دبی دبی اور پرجوش آواز سنائی دی "تم لوگ حساب کرکے ابھی ہوٹل چھوڑ دو اور باہر نکل کر لوئر مال کی طرف

ہدایات

ہیوسٹن، ٹیکساس کے ایک ہوٹل کے کمرے میں یہ ہدایات درج تھیں۔

○ — مہمان چونکہ کمرے میں رکھے ہوئے پھل سچ مچ کھانا شروع کردیتے اس لیے اب آپ کو تپائی پر پھلوں کی باسکٹ رکھی نظر نہیں آئے گی۔

○ — ہوٹل میں آگ لگ جانے کی صورت میں کھڑکی سے کود جائیں اور بائیں طرف مڑ جائیں۔

○ — تولیے سے جوتے ہرگز صاف نہ کریں البتہ اگر تولیہ کسی دوسرے ہوٹل سے چرایا ہوا ہو تو پھر اجازت ہے۔

○ — کمرے میں کوئی چوہا نظر آئے تو ہمیں اطلاع دیں۔ ہم بلی بھیج دیں گے۔

○ — بغیر سامان والے حضرات باہر جاتے وقت اپنی بیوی کو ضمانت کے طور پر کاؤنٹر کلرک کے پاس جمع کراجائیں۔

دھیرے دھیرے چلنا شروع کردو۔ میں خود تمہیں دیکھ کر گاڑی روک لوں گا۔"
"تم لاہور میں ہو یا اس کے مضافات سے گزر رہے ہو؟" میں نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔
"میں لاہور میں ہوں۔ میرے پاس وقت کم ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے لیے سامان لے کر پیدل چلنا مشکل تو نہیں ہوگا؟"
"ہمارے پاس ہلکے پھلکے دستی تھیلوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہم ابھی ہوٹل چھوڑ دیتے ہیں۔" میں نے اس کی آواز میں پوشیدہ ہیجان کا اندازہ کرکے اس سے مزید کوئی سوال کرنے کا ارادہ ترک کردیا اور جواب دینے میں بھی اختصار سے کام لیا۔
"گڈ!" اس کی طرف سے جواب دیا "تم نکل آؤ۔ میں پہنچتا ہوں۔" اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی لائن بے جان ہوگئی۔
ان دونوں کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ انہوں نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ فون پر دوسری

طرف جلال بول رہا تھا مگر میرے یک طرفہ مکالمے سن کر انہیں صحیح اندازہ نہیں ہو سکا کہ فوری طور پر ہوٹل چھوڑنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔

"وہ کہاں ہے؟ ہوٹل چھوڑ کر ہم کہاں جائیں گے؟" میرے کچھ بتانے سے پہلے ویرا سوال کر بیٹھی۔

"ہوٹل چھوڑ کر ہمیں مال روڈ کی طرف چلنا ہے۔ وہ ساڑھے آٹھ بجے کہیں بھی ہم سے آملے گا۔"

میں نے تپائی پر موجود فہرست دیکھ کر ہوٹل کے کیشئر کو انٹرکام پر ہدایت کی کہ وہ فوری طور پر دونوں کمروں کا حساب بنادے۔

ویرا پہلے ہی اپنے کمرے سے دست بردار ہو چکی تھی۔ ہم نے اپنے کمرے پر طائرانہ نظریں دوڑائیں، غزالہ نے ڈریسنگ ٹیبل کی درازیں وغیرہ دیکھیں اور ہم کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل ہی رہے تھے کہ اس فلور کے عملے کا نگران آموجود ہوا۔

"جا رہے ہیں سر؟" اس نے مسکرا کر خوش اخلاقی سے پوچھا۔ شاید اسے نیچے سے انٹرکام پر دونوں کمروں کے بارے میں بتادیا گیا تھا۔

ہماری چابی دروازے کے قفل میں لگی ہوئی تھی۔ ویرا نے اپنے کمرے کی چابی اس کے حوالے کی اور ہم تینوں لفٹ کی طرف بڑھ گئے۔ غزالہ نے چلتے چلتے اپنے پرس سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر حق خدمت کے طور پر اس کے حوالے کر دیا۔

ہوٹل سے روانہ ہونے میں ہم نے بہت تیزی دکھائی اور وقت بچانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر پھر بھی ہوٹل کے احاطے سے نکل کر مال روڈ پر پہنچنے تک ہمیں سوا آٹھ بج چکے تھے۔ دونوں کمروں میں فراہم کی جانے والی خدمات اور فون سروس وغیرہ کی بل میں شمولیت میں چند منٹ صرف ہوئے۔ واجبات کی رقم ہم نے نقد ادا کر دی اور عملے کے پورٹر کو کوئی بوجھ نہ اٹھانے کے صلے میں ٹپ دے کر باہر نکلتے چلے گئے۔

ہوٹل کے کمروں کے بند اور مخصوص ماحول سے کھلی فضا میں آتے ہی میرا ذہن سبک ہو گیا۔ آزادی اور کسی پیش قدمی کی امید نے میرے پورے وجود میں توانائی کی ایک نئی لہر سی دوڑا دی تھی۔ ذہن سے سارے وسوسے دور ہو چکے تھے اور مجھے پوری امید ہو گئی تھی کہ اس رات کا کچھ حصہ ہم بھارتی سرزمین پر گزاریں گے۔

اس وقت میں ایک خاص ذہنی کیفیت سے دوچار تھا۔ مجھے مال روڈ پر رواں دواں زندگی کے آثار ہمیشہ سے کہیں زیادہ خوبصورت اور جان دار نظر آرہے تھے۔ بے یقینی کے انجان راستوں پر سفر کرنے سے پہلے مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لاہور بلکہ پورے پاکستان کا حسن اور زندگی کا نکھار مال روڈ پر اتر آیا ہو۔ میں مسحور انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا دھیرے دھیرے آگے بڑھتا رہا۔ میرے ذہن کے کسی حصے میں تاریک اور اجاڑ سرحدی ویرانے ناچ رہے تھے جن سے ہمیں کچھ دیر بعد گزرنا تھا۔

"تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ وہ ہمیں مال روڈ سے اٹھا کر سیدھا واہگہ کی طرف لے جائے گا یا درمیان میں کوئی اور منزل بھی ہوگی" کچھ دور تک خاموشی سے چہل قدمی کرنے کے بعد ویرا نے فکرمندانہ آواز میں پوچھا۔

"اس سوال کا جواب مجھے بھی معلوم نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ بتایا تھا وہ میں دہرا چکا ہوں مگر ایک بات ضرور کہوں گا کہ اب واہگہ اور اٹاری کا خیال اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ ہم اس معروف راستے سے بھارت میں داخل نہیں ہوں گے۔"

"تاریک سرحدی پٹی عبور کرنے سے پہلے ہم اپنے فوجیوں کی گولیوں کی زد میں بھی آسکتے ہیں" غزالہ نے دھیمی آواز میں خدشہ ظاہر کیا۔

"یہ امکان بھی ہے" میں نے اقرار کیا "دیکھنا یہ ہے کہ ان خطرات سے بچنے کے لیے جلال نے کیا بندوبست کیا ہے؟"

"وہ پہلے بھی اپنے آدمیوں کو اس راستے سے بھارت بھیجتا رہا ہوگا" غزالہ نے امید کا اظہار کیا۔ اپنے لب و لہجے سے وہ کچھ سہمی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

"اس بارے میں بھی میں اندھیرے میں ہوں۔ میں نے آنکھ بند کر کے اس پر بھروسا کیا ہے۔ تم دونوں میں سے کسی کے دل میں کوئی بدگمانی پیدا ہو رہی ہو تو وہ اسی وقت واپس لوٹ سکتا ہے۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہوگی" میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" غزالہ شکایتی لہجے میں بولی "مجھے اپنی جان سے زیادہ آپ کی فکر ہے۔ مجھے ویرا کی جان بھی بہت عزیز ہے۔ جلال پر بھروسا کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنی سلامتی کے بارے میں سوچنے کے حق سے دستبردار ہو چکے ہیں۔ اب ہمیں واپسی تک خطرات ہی میں سے گزرنا ہے۔"

"ہتھیاروں کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بنا" ویرا نے نیا شوشا چھوڑ دیا۔

”یہ سب باتیں بے سود ہیں۔ جلال کے آجانے کے بعد ہی ہمیں ان سوالوں کے جواب مل سکیں گے“ میں نے خفگی سے جواب دیا۔ ویرا چپ ہوگئی۔

ہمیں جلال نے وقت دیا ہوا تھا۔ مال روڈ کے کنارے ٹہلتے ہوئے ہم تینوں بار بار اپنی گھڑیاں دیکھ رہے تھے پھر مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے ہمیں پیچھے سے آنے والی روشنیوں سے شبہ ہوا جیسے کوئی گاڑی ہم پر چڑھنے والی ہو۔ ہم تینوں سڑک سے اچھل کر فٹ پاتھ پر ہوگئے۔ آنے والی ایک بڑی ہیجیرو تھی جس کی رفتار کم ہو رہی تھی۔ وہ گاڑی اس وقت سڑک کے انتہائی بائیں حصے پر رواں تھی۔ میں چلتے چلتے رک گیا۔

اگلے لمحے پانچ دروازوں والی وہ نیلی ہیجیرو ہمارے قریب رک گئی۔ پسنجر سیٹ پر جلال براجمان تھا۔ سخت اور کھردرے چہرے والا ایک سادہ پوش شخص ہیجیرو کے اسٹیئرنگ وہیل پر نظر آرہا تھا۔ جلال نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور ہم تینوں پچھلا دروازہ کھول کر تیزی سے ہیجیرو کی عقبی نشست پر سوار ہوگئے۔

”چلو!“ جلال کی آواز کے ساتھ ہی گاڑی تیزی سے حرکت میں آگئی۔ عقبی دروازہ بند ہونے کے بعد وہ گاڑی ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکی تھی۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ڈرائیور کی موجودگی میں جلال سے کس طرح کھل کر بات ہوسکے گی۔ جلال کو شاید ہماری اس الجھن کا احساس تھا۔ اس نے خود ہی سکوت توڑ دیا ”میں بہت مشکل سے لاہور پہنچا ہوں۔ چوہدری عظمت والی پریس کانفرنس ضرورت سے زیادہ طول پکڑ گئی تھی۔ ابھی ہم کچھ دیر انتظار کریں گے۔ دوسری طرف سے پیغام ملتے ہی سفر شروع ہوجائے گا۔ اس دوران میں آپس میں بریفنگ کرلیں گے۔“

”ہم تینوں نہتے ہیں“ ویرا نے موقع ملتے ہی اپنی بات چھیڑ دی ”کسی کے پاس چاقو تک نہیں ہے۔“

”یہ بہت اچھا ہے۔ ہتھیاروں کے ساتھ سرحد پار کرنے کی کوشش جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے“ جلال نے ویرا کے غبارے سے فوراً ہوا نکال دی ”ڈالر اور دوسری کرنسی بھی جسم کے ساتھ باندھ کر اس طرح چھپالینا کہ تلاشی کی صورت میں آسانی سے اس کا پتا نہ چل سکے۔“

”تو کیا ہمیں چوروں کی طرح سرحد پار جانا ہوگا۔ تمہارا کوئی آدمی ہمارے ساتھ نہیں ہوگا؟“ غزالہ نے سوال کیا۔

”آدمی بھی ہوگا۔ بندوبست بھی ہوگا مگر احتیاط ضروری ہے۔ رات زیادہ اندھیری ہو یا آسمان پر اچانک گھرے بادل آجائیں تو راستہ بھٹکنے کا امکان بھی ہوتا ہے۔ ایسی انسانی غلطیوں کے بارے میں پہلے سے سوچ سمجھ لینا زیادہ سودمند ثابت ہوتا ہے“ جلال نے ہماری طرف گردن گھما کر اپنے ڈرائیور کی پشت پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ”لانس نائیک فضل داد ان راستوں کا کیڑا ہے۔ آنکھوں پر پٹی باندھ کر ان سرحدی علاقوں میں منزل پر پہنچا سکتا ہے۔ جہاں تک یہ لے جائے گا وہاں تک بھٹکنے یا راستہ بھولنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس سے آگے کے بارے میں، میں ہمیشہ بہت محتاط رہتا ہوں۔“

فضل داد کا فوجی عہدہ سن کر مجھے اطمینان ہوا کہ فوجی علاقوں میں سے گزرنے کے لیے جلال نے ایک فوجی ڈرائیور کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اس کی موجودگی میں یہ خطرہ نہیں تھا کہ ہم اپنی سرزمین پر اپنے فوجیوں کی کسی گولی کا شکار ہوجائیں۔

ہیجیرو تیز رفتاری سے مال روڈ پر دوڑتی رہی۔ آخر کار شہر کی وہ خوبصورت سڑک لوئر مال کے سہ راہے سے ملی تو گاڑی بائیں طرف گھومی اور تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک بنگلے نما عمارت کے کھلے ہوئے پھاٹک میں گھوم گئی۔ گاڑی رکتے ہی جلال نیچے اتر گیا۔ ہم تینوں نے اس کی تقلید کی۔

برآمدے میں رکھی ہوئی کرسی پر ملیشیا کی وردی میں

شوقِ آوارگی

بھائی اللہ رکھا پچاس سال سے گاؤں میں ایک ہی مکان میں رہ رہے تھے۔ ایک روز اچانک وہ برابر میں خالی ہونے والے مکان میں شفٹ ہوگئے۔ گاؤں کا اکلوتا اخباری رپورٹر وجہ پوچھنے کے لیے ان کے پاس جا پہنچا۔

”بس... کیا بتاؤں....“ بھائی اللہ رکھا ٹھنڈی سانس لے کر بولے ”میرا خیال ہے وہ جو مجھ میں ایک خانہ بدوش کی روح ہے.... وہ مجھے چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔“

ملبوس ایک مسلح نگہبان موجود تھا جو گاڑی کی روشنیاں پڑتے ہی کھڑا ہو چکا تھا۔ عمارت کا داخلی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ نگہبان جلال کو پہچانتا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھاکر جلال کو سلام کیا۔ ہم چاروں داخلی دروازے سے گزر کر ہال میں داخل ہو گئے۔

وہ ایک وسیع ہال تھا جس میں چاروں طرف متعدد کمروں کے بند دروازے نظر آرہے تھے۔ مجھے ہال میں گھستے ہی احساس ہوا تھا کہ وہ عمارت کسی دفتر وغیرہ کے طور پر استعمال ہو رہی ہوگی لیکن جب جلال داہنی طرف کا دوسرا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو میرا یہ اندازہ غلط ثابت ہوگیا۔ وہ ایک مستطیل اور کشادہ کمرا تھا جس میں تین مسہریاں پڑی ہوئی تھیں اور کمرے کی دیواروں کے ساتھ ایک پرانا لیکن صاف ستھرا صوفہ سیٹ رکھا ہوا تھا۔

"یہ ہمارا عارضی مہمان خانہ ہے" جلال نے صوفے پر بیٹھ کر اپنی جیب سے ایک ایریٹس نکالتے ہوئے بتایا "آخری پیغام آنے تک ہم یہاں رکے رہیں گے۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ ہماری ہتھیاروں کی ضروریات کیسے پوری ہوں گی" ویرا نے اپنا سوال پھر دہرایا۔

اس نے غور سے ویرا کی طرف دیکھا پھر کہا "تم اپنے طور پر کوئی بندوبست نہ کرسکو تو میرا کوئی آدمی تمہاری مدد کرے گا۔ میں نے ان سے رابطے کا نمبر ڈینی کو دے دیا ہے"

ویرا کو جواب دینے کے بعد اس کی مستفسرانہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"شاید مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ان میں سے کون ویرا اور کون غزالہ ہے؟" میں نے جلدی سے کہا "غزالہ سے تم پہلے مل ہی چکے ہو۔"

اپنے بڑھتے ہوئے ذہنی دباؤ کے باوجود وہ مسکرا دیا "میرا کام بہت عجیب ہے۔ بعض نام برسوں گزر جانے کے باوجود میرے لیے صرف ایک آوازیں۔ ان سے میری بات ہوتی رہتی ہے مگر کبھی ان سے سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی مگر ویرا کو میں نے دیکھ لیا۔"

وہ عجیب انداز کا تعارف تھا۔ ویرا نے انتظار کیے بغیر اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھادیا جسے جلال نے نرمی سے تھام لیا۔ ویرا بولی "مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی۔ تم جیسے ذہین اور حوصلہ مند افسر ہر ملک کے لیے باعث فخر اثاثہ ہوتے ہیں۔ مجھے بہت دنوں سے تم سے ملنے کا اشتیاق تھا۔"

"میں بھی تم سے ملنے خواہش مند تھا" جلال نے مصافحے میں ویرا کی گرم جوشی کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "پاکستان سے تمہاری محبت چوہدری عظمت جیسے رذیل پاکستانیوں کے لیے ایک بہت سخت طمانچہ ہے۔ ڈینی کے ساتھ مل کر تم نے ہمارے ملک کی بہت خدمت کی ہے جس کا کوئی صلہ نہیں دے سکتا۔"

ویرا ایک ادا کے ساتھ مسکرائی اور اس نے جلال کا ہاتھ چھوڑ دیا "میں اس توقع پر ڈینی کے ساتھ جارہی ہوں کہ تم نے ہم تینوں کی زندہ واپسی کے امکان پر اچھی طرح غور کرلیا ہوگا۔ میں نے کبھی بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا لیکن میں بے مصرف اور احمقانہ موت کے تصور سے کبھی کبھی خائف ہوجاتی ہوں۔"

"میری یہاں موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ میں نے سب کچھ دیکھ بھال لیا ہے۔ کہیں کوئی خامی ہوتی تو میں ڈینی کو ہرگز روانگی کا اشارہ نہ دیتا۔ ڈینی پر میں ناز کرتا ہوں۔ یہ ہمارا قومی اثاثہ ہے۔ میں اسے بے سروسامانی کی حالت میں کھودینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس نے لاہور سے گزرتے گزرتے ایک ایسے سومنات کو منہ کے بل گرایا ہے کہ میں سوچ سوچ کر حیران ہو رہا ہوں۔ چوہدری عظمت نے پنجاب کے کئی بڑے شہروں اور سرحد کے قبائلی علاقوں میں بہت مکاری سے اپنا ایسا نیٹ ورک پھیلایا ہوا تھا کہ سرتوڑ کوششوں کے باوجود کوئی اس کا سراغ نہیں لگا سکا تھا۔ آج وہ ثبوت اور دو مضبوط گواہوں کے ساتھ ہمارا قیدی ہے۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ چوہدری عظمت اور تمہاری پریس کانفرنس کا کیا بنا" چوہدری عظمت کا ذکر آجانے پر میں نے اسے یاد دلایا۔

"پریس کانفرنس توقع سے زیادہ کامیاب رہی۔ اس کے حامی اور نمک خوار چوروں کی طرح منہ چھپاکر درمیان میں ہی واپس چلے گئے، کل صبح کے اخبارات لوگوں کی آنکھیں کھول دیں گے۔ دوسری اہم کامیابی یہ ہوئی ہے کہ شاہد کی طرح ملک اقبال بھی سب کچھ اگلنے پر مجبور ہوگیا ہے۔ ان لوگوں نے ہیومن سوسائٹی اور ہیروئن سے اندھی دولت کمائی ہے۔ غریبوں کی نام نہاد فلاح و بہبود پر کروڑوں روپے صرف کرنے کے باوجود ان کے اثاثے اربوں میں پہنچے ہوئے ہیں جو نکلوائے جائیں گے۔"

"اس بادشاہ گر کا کیا ہوا جو چوہدری پر ہاتھ ڈالنے والوں کو کچا چبا جانے پر تلا ہوا تھا؟"

"اس کا بھی سارا گھمنڈ پاش پاش ہوگیا" جلال نے پہلو بدل کر کہا "پرائم منسٹر ہاؤس سے ہدایت آئی کہ ہیومن سوسائٹی کیس میں ہر دباؤ کو سختی سے مسترد کردیا جائے۔ ایسی

کھلی پشت پناہی کے بعد میں ساری الجھنوں سے آزاد ہو گیا۔ اب قانون کی راہ میں کوئی طاقت حائل نہیں ہو سکتی۔ اس کے خلاف کیس اتنا مضبوط ہے کہ ایفنٹی نار کوٹکس کورٹ سے اسے جلا ہی موت کی سزا سنادی جائے گی۔ وہ مکافاتِ عمل سے بچ نہیں سکے گا۔"

"ایسے لوگوں کو دوسروں کے لیے عبرت بنا دینا چاہیے" ویرا نے سنجیدگی سے کہا "وہ ہیومن سوسائٹی کی آڑ میں ہیروئن سوسائٹی چلا رہا ہے۔"

جلال متاسفانہ انداز میں سرہلا کر رہ گیا۔ اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پاسپورٹوں والا وزنی لفافہ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔ میں نے لفافہ کھولا تو سب سے اوپر غزالہ کا پاسپورٹ تھا۔ میں نے اس کی ورق گردانی کی تو اس کے ایک صفحے پر اسی تاریخ میں پاکستان سے واہگہ کے راستے اخراج اور اٹاری کے راستے بھارت میں داخلے کی سرکاری مہریں لگی ہوئی تھیں۔ وہ جعلی کام تھا لیکن بظاہر اس پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

میں نے اپنا پاسپورٹ الگ کر کے بقیہ دونوں پاسپورٹ ویرا اور غزالہ کے حوالے کر دیے۔

"تمہارے ذہنوں میں کوئی اور سوال موجود ہو تو اسے بھی صاف کر لو" جلال نے ویرا سے مخاطب ہو کر دعوت دی "روانگی کا بگل بج گیا تو پھر موقع نہیں ملے گا۔"

"جب تک میں تم سے نہیں ملی تھی، میرے ذہن میں بہت سے سوال ابھر رہے تھے مگر ڈینی پر اعتماد تھا" ویرا نے جواب دیا "ساری بات سامنے والے پر اعتماد کی ہوتی ہے۔ ڈینی تم کو جانتا ہے اس لیے پوری طرح مطمئن تھا۔ اب میری بھی تم سے ملاقات ہو گئی ہے تو بہت سے سوالات از خود ختم ہو گئے ہیں۔"

"تم یہ ڈبا کیوں لیے بیٹھے ہو؟" میں نے جلال کی گود میں رکھے ہوئے خاموش اپریٹس کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"اس پر بنگو کا پیغام آئے گا" جلال نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "وہ اپنی روانگی کی اطلاع دے گا اور ہم یہاں سے چل دیں گے۔"

"یہ بنگو کون ہے؟" ویرا کسی بھی موقع پر سوال کرنے میں کوئی تاخیر نہیں کرتی تھی۔

"یہ بریفنگ کا ایک حصہ ہے۔ تم تینوں کو سفر کی ساری طے شدہ جزئیات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئیں" جلال نے غیر ارادی طور پر اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر ڈال کر کہا "ان سے انحراف تم تینوں کے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔

صاحبِ علم

ایک صاحب قلم کی کہانی لکھ کر ڈائریکٹر کے پاس پہنچے۔ ڈائریکٹر نے کہانی کا عنوان دیکھتے ہی مسودہ واپس کرتے ہوئے کہا "نہیں.... جناب! یہ کہانی پبلک میں بالکل نہیں چل سکتی۔"

"مگر آپ نے تو اسے پڑھا ہی نہیں....! پڑھے بغیر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" نئے مصنف نے حیرت سے کہا۔

"ارے جناب! اس کا تو عنوان ہی چلنے والا نہیں ہے..." ڈائریکٹر نے سرہلاتے ہوئے کہا "آپ نے اس کا عنوان رکھا ہے "دیدہ بینا...." اب مجھے اور آپ کو تو معلوم ہے کہ اس کا مطلب ہے؟ "بینا کی آنکھ..." لیکن بھلا جاہل پبلک کو کیا پتا...؟"

امرتسر میں کچھ وقت گزارنے کے بعد تم اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کر سکو گے۔ تم کو یہ بھی طے کر لینا چاہیے کہ تمہارے درمیان باہمی رابطے کی کیا صورت ہوگی کیونکہ ویرا کو تم دونوں سے الگ بلکہ دور رہنا ہوگا۔"

"میں چاہوں گا کہ ہمارے درمیان کوئی لاسلکی رابطہ رہے۔ بھارت میں ہمیں تین اپریٹس مل سکیں تو ہر مشکل آسان ہو جائے گی" میں نے کہا۔

"اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی لیکن میں اس وقت کوئی وعدہ نہیں کر سکتا.... اور کوئی بات؟" اس کی مستفسرانہ نگاہیں باری باری غزالہ اور ویرا کے چہروں سے پھسلتی ہوئی میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

ہم تینوں میں سے کسی نے کوئی سوال نہیں کیا۔ ویرا کی یہ بات سوفیصد درست تھی کہ جلال کے آتے ہی ہمارے بیشتر سوال، اندیشے اور وسوسے خود ہی دم توڑ چکے تھے۔

"بنگو امرتسر کی زیر زمین دنیا کا ایک معروف نام ہے اور وہ پچھلے تین سالوں سے بھاری معاوضہ لے کر ہمارے لیے کام کر رہا ہے" جلال نے قدرے توقف کے بعد بنگو کے تفصیلی تعارف سے اپنی بریفنگ کا آغاز کر دیا۔ وہ نہایت نپے تلے اور تفصیلی انداز میں ہر پہلو کی وضاحت کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

وہ سلسلہ خاصی دیر تک چلتا رہا۔ جلال کا انداز خالص پیشہ ورانہ تھا۔ درپیش مہم کا ہر چھوٹا بڑا پہلو اس کی نظروں میں تھا۔ صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بیٹھے بیٹھے ہی ہمیں بھارت پہنچانے کے لیے نہیں آگیا تھا۔ اس نے بہت عرق ریزی سے اس منصوبے پر کام کیا تھا۔ اس کے ہر لفظ اور فقرے سے اس کی وہ طویل محنت جھلک رہی تھی۔ درمیان میں کہیں کہیں ہم سوالات بھی کرتے رہے۔ بریفنگ کی تکمیل پر ہم تینوں ایک نیا حوصلہ پا چکے تھے۔ اس دوران میں ویرا اور غزالہ نے باتھ روم میں جا کر باری باری کرنسی کو جسم کے ساتھ چھپالیا تھا۔

"یہ محدود رینج میں طاقت ور فری کوئنسی پر کام کرنے والا ٹرانسمیٹر ہے" اپنے موضوع سے نمٹ کر اس نے اپنے ایریٹس کے بارے میں بتایا "اس کا دائرہ کار صرف سو کلومیٹر ہے۔ اسی قسم کا دوسرا ایریٹس بنکو کے پاس ہے۔ اس سے میری بات ہو چکی ہے۔ جوں ہی اس کے مہرے اپنی جگہیں سنبھالیں گے، وہ مجھے اطلاع دے گا اور امرتسر سے چل پڑے گا۔ پاکستانی سرحد پر گشت کرنے والوں کو اس کے بارے میں معلوم ہے۔ کوئی پاکستانی فوجی اس کی راہ میں مزاحم نہیں ہوگا۔ ایک مخصوص علاقے میں گشت روک دیا جائے گا اور وہ پاکستان کی سرزمین پر ہم سے آملے گا اور اپنی گاڑی میں تمہیں بھارت لے جائے گا۔ اِدھر ہمارا بندوبست ہے۔ سرحد پار اس کا بندوبست ہوگا۔"

دس بجے کے قریب بے جان ایریٹس پر اچانک سگنل موصول ہونے لگا "بنکو کالنگ ینگ ڈیڈی.... اوور!"

وہ آواز سنتے ہی سب سنبھل کر بیٹھ گئے۔ بنکو کی آواز پختہ اور خاصی بھاری تھی۔ میرے ذہن میں اس کا ایک خاکہ ترتیب پانے لگا۔

"ینگ ڈیڈی بول رہا ہوں۔ کیا خبریں ہیں۔ ہم بالکل تیار ہیں، اوور!" جلال نے ایریٹس کا بٹن دبا کر فوراً پیغام کا جواب دیا۔

"آل سیٹ.... پرواز شروع ہو رہی ہے۔ گیارہ بجے.... زیرو پوائنٹ.... اوور!"

مکمل فقروں کے بجائے اس نے مخصوص اور شکستہ الفاظ میں اپنا پیغام دیا جو جلال کی دی ہوئی بریفنگ کی روشنی میں میرے لیے قابلِ فہم تھا۔ جلال اپنی رسٹ واچ دیکھنے کے بعد کہہ رہا تھا "اوکے.... ون اے ایم.... ٹو پی ایم.... اوور!"

وہ الفاظ ہمارے سروں پر سے گزر گئے مگر بنکو بات سمجھ گیا۔ اس نے گفتگو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

جلال کے ساتھ سب اٹھ گئے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر ہم تینوں کو گڈ لک کہا۔ ہم نے بھی جواب میں اس کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا پھر ہم تیزی سے باہر نکل آئے۔ لانس نائیک فضل داد نے ٹیکسی کو پورچ میں واپسی کے لیے گھما کر پارک کیا ہوا تھا اور بے داغ شیشوں کو مزید چمکانے میں مصروف تھا۔

ہم چاروں کو پرانی ترتیب سے گاڑی میں سوار کرانے کے بعد فضل داد نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور زبان سے کچھ کہے بغیر واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

میں نے اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں غزالہ کے ہونٹ ہلتے دیکھے۔ شاید وہ زیر لب دعائیں پڑھ رہی تھی۔ میں نے بھی دل ہی دل میں سفر کے آغاز کی دعا پڑھ لی۔ ویرا سے ایسے کسی نیک کام کی توقع عبث تھی۔ وہ پوری طرح دنیا دار تھی اور دعاؤں سے زیادہ تدبیر اور عمل پر یقین رکھتی تھی۔

"اے ایم اور پی ایم کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا" گاڑی دوبارہ مال روڈ پر پہنچ جانے کے بعد میں نے جلال سے کہا۔

"یہ آپس کے بے رحمانہ کوڈ ہیں۔ اس پورے علاقے میں دونوں اطراف کی طاقت ور فوجی مواصلات کا جال پھیلا ہوا ہے۔ ساری احتیاط کے باوجود کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کب ہماری گفتگو سنی جا رہی ہو گی" جلال نے بے فکری سے بتایا "یہ پرواز سے بھیجے جانے والے کارگو کی تفصیل ہے۔ اے ایم سے مراد مرد ہیں اور پی ایم سے عورتوں کی تعداد بتائی گئی ہے۔ یہ تفصیل اسے پہلے سے بتا دی گئی تھی مگر اس وقت نفری کی دوبارہ تصدیق ضروری تھی۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ اس کی زبان سے وہ الفاظ سننے کے بعد میں مسلسل الجھن میں مبتلا تھا کہ گیارہ بجے کا وقت مقرر ہو جانے کے بعد رات کے ایک اور دن کے دو بجے کا ذکر کیوں کیا گیا تھا۔ بھول کر بھی میرا ذہن اپنی نفری کی طرف نہیں گیا تھا۔

ٹیکسی دو رویہ مال روڈ کے دوسرے ٹریک پر تیزی سے واپسی کا سفر طے کر رہی تھی۔ گاڑی میں گمبھیر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ویرا نے اپنے اعصاب کو پرسکون رکھنے کے لیے سگریٹ سلگا لی تھی اور اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرا کر تیزی سے پیچھے کی طرف دوڑتی ہوئی دکانوں اور روشنیوں کے نظارے میں محو تھی۔

ٹیکسی برق رفتاری سے سفر کرتی ہوئی اس چوراہے تک آئی جہاں الفلاح بلڈنگ سے ذرا آگے اسلامی سربراہی کانفرنس کا یادگاری مینار استادہ ہے۔ وہاں سے گاڑی ایجرٹن روڈ پر مڑ گئی۔ مجھے پہلے سے اندازہ تھا کہ لاہور سے بھارت کی

سرزمین پر پہنچنے کے لیے بی آر بی نہر کو عبور کرنا ناگزیر تھا۔ پاکستانی سرحد اور شہری آبادی کے درمیان وہ تاریخی نہر ایک مضبوط دفاعی لکیر تھی: وہ پاکستان کی زرعی ضروریات کے ساتھ دفاعی ضرورتوں کو بھی پورا کرتی تھی۔

بی آر بی نہر پنجاب اور خاص طور پر لاہور کے لیے ایک انعام ہے۔ اس سے ملنے والی ایک چھوٹی نہر لاہور شہر کے وسط سے گزرتی ہوئی دور تک چلی جاتی ہے، جس کے طفیل پورے شہر میں سبزہ ہی سبزہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔

لاہور میں زندگی اپنے شباب پر تھی اور ہم ان رعنائیوں کو تیزی سے پیچھے چھوڑتے جارہے تھے۔ ریلوے کالونی سے گزرتے ہوئے ہم جی ٹی روڈ کے اس حصے پر آگئے جو شہری آبادی کے درمیان سے ہوتا ہوا شالیمار باغ کے قریب سے سرحد تک چلا جاتا ہے۔

روشنیاں کم ہوتی چلی گئیں۔ اگلی سڑک کے بعض حصوں پر روشنی ناکافی تھی لیکن گاڑی کی رفتار بتارہی تھی کہ وہ راستے لانس نائیک فضل داد کے لیے اجنبی نہیں تھے۔ یہ وہی راستہ تھا جس پر سفر کرکے لاہور جم خانہ میں اپنی کامیابی کا جشن منانے کی آرزو میں بھارت کے لاتعداد فوجی بی آر بی نہر پار کرنے سے پہلے موت کی بھیانک وادیوں میں جاسوئے تھے۔ وہ قصہ پرانا ہوکر تاریخ کا ایک حصہ بن چکا تھا لیکن گاہے گاہے دہرائی جانے والی عزم و حوصلے کی یادگار کہانیوں سے تازہ ہوتا رہتا تھا۔

کچھ دیر کے سفر کے بعد ہمیں باٹا پور کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ ہم نے نہر کے رواں پانی میں ان روشنیوں کے بنتے اور بگڑتے ہوئے عکس دیکھے اور پل عبور کرکے اس سرحدی قصبے میں داخل ہوگئے جو واہگہ کی سرحد سے تقریباً ملا ہوا ہے۔

باٹاپور سے فضل داد نے راستہ اچانک تبدیل کرلیا۔ وہ آگے جانے والی سڑک کو چھوڑ کر قصبے کی گلیوں میں گھس گیا تھا۔ وہ آبادی زیادہ وسیع نہیں تھی۔ ذرا سی دیر میں ہم آبادی کے عقب میں پھیلے ہوئے ویرانے میں نکل آئے جہاں کھلی فضا میں سبزے اور کھیتوں کی مہکار رچی ہوئی تھی۔ ہمارے آگے دور دور تک روشنی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

کچے اور ناہموار راستے پر خاصی دیر تک سفر کرنے کے بعد ہمیں کچھ فاصلے پر ٹمٹماتی ہوئی کچھ روشنیاں نظر آئیں اور گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی۔

"اب ہم خطرناک سرحدی پٹی میں داخل ہونے والے ہیں" جلال نے اعلان کیا "یہاں کسی پیشگی اطلاع کے بغیر کسی بھی وقت، مشین گنیں اپنے نغمے اگلنے لگتی ہیں۔ کچھ دیر تک دونوں طرف سے دھواں دھار فائرنگ ہوتی ہے پھر یکایک موت کی سی خاموشی طاری ہوجاتی ہے۔ فضا میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو کے سوا فائرنگ کی کوئی علامت باقی نہیں رہتی۔ یہاں اپنا فرض انجام دینے والوں کے لیے یہی زندگی کی رونق اور دل لگی ہوتی ہے۔"

"تم ہمیں خوف زدہ کرنے کی کوشش کررہے ہو یا ہمارا حوصلہ بڑھارہے ہو؟" ویرا نے پھیکی ہنسی کے ساتھ پوچھا۔

"حقائق بتارہا ہوں۔ نتیجہ تم خود اخذ کرسکتی ہو" جلال نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

فاصلہ کم ہونے کے ساتھ وہ روشنیاں واضح ہوتی چلی گئیں۔ فضل داد نے ان کے قریب گاڑی روک دی۔ ہیڈ لیمپس اس نے دور سے ہی گل کردیے تھے۔

تین مسلح اور باوردی فوجیوں کی رائفلیں گاڑی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ گاڑی ان کی اپنی سرزمین سے آئی تھی اس لیے وہ بے خوف و خطر کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کوئی آڑ

انکشاف

مسز داؤد سیٹھ ابراہیم کے گھر پر پارٹی کے دوران میں اپنی شناسا بیگمات کو بتارہی تھیں "بھئی، میں اپنے بیٹے کی عادتوں کی وجہ سے اتنی پریشان تھی۔ وہ ادھرادھر سے چیزیں اٹھا اٹھاکر پینٹ کی جیبوں میں ٹھونس لیتا تھا... کہیں سے ہزار ہزار روپے نوٹ اٹھاکر رکھ لیے... کہیں سے سونے کی چوڑیاں اٹھاکر رکھ لیں... کہیں سے قیمتی گھڑی اٹھاکر رکھ لی... میں تو نفسیات کے لوکل ڈاکٹروں سے علاج کرا کرا کے تھک گئی تھی... آخر مسز کمال نے مشورہ دیا کہ نیویارک لے جاؤ، وہاں ایک بڑے مشہور ماہر نفسیات ہیں، انہوں نے بڑے بڑے مشکل کیس حل کیے ہیں۔"

"تو پھر کچھ فائدہ ہوا؟" بیگم یزدانی نے پوچھا۔

"ہاں بھئی، کمال کا ڈاکٹر تھا وہ... یہ امریکی واقعی بڑے زبردست لوگ ہیں... اس نے تو چٹکی بجاتے میں الجھن دور کردی۔ اس نے پہلی ملاقات میں ہی بتادیا "مسز داؤد! آپ کا بیٹا چور ہے" بس، اتنی سی بات تھی۔"

لینے یا دفاعی پوزیشن اختیار کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ اس ناکافی روشنی سے نگاہوں کے مانوس ہونے پر میں نے دیکھا کہ وہ ایک باقاعدہ مورچہ تھا۔ جہاں دو زیر زمین بنکرز کی چھتوں میں سے توپوں کی نالیں جھانکتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ مورچے کے ساتھ ہی وہ شاید ملٹری چیک پوسٹ بھی تھی۔

بنکرز کے ساتھ بنے ہوئے اکلوتے کمرے کی چھت وغیرہ پر کیموفلاج کے لیے خشک شاخیں اور پتے پھیلے ہوئے تھے۔

اس دوران میں جلال گاڑی سے اتر چکا تھا۔ فضل داد نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ ہمیں کوئی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔ ہم تینوں اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے۔ اسی وقت تینوں فوجیوں کے عقب سے کپتان کے عہدے کا ایک نوجوان افسر خالی ہاتھ نمودار ہوا اور جلال کی طرف بڑھتا چلا آیا۔

کپتان کے قریب پہنچنے پر لانس نائیک فضل داد نے زمین پر زور سے پیر مار کر دھول اڑائی اور سیلوٹ پیش کر دیا۔ کپتان سر کی خفیف سی جنبش سے اس فوجی سلام کا جواب دے کر جلال کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کچھ دیر پہلے ہم مال روڈ کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں میں ڈوبے ہوئے تھے جہاں ہر شے سے زندگی جھلک رہی تھی۔ لوگ اپنی معمولِ کی تفریحات اور سرگرمیوں میں مصروف تھے اور ان سے کچھ دیر کی مسافت پر ان جیسے بہت سے انسان گھربار، دوستوں اور رشتے داروں، حد یہ ہے کہ جدید زندگی کی ساری آسائشوں کو بھول کر بھیانک جنگی ماحول اور ویرانے میں پوری طرح چوکس و ہوشیار بیٹھے ہوئے تھے تاکہ ان کے شہر سدا یوں ہی جگمگاتے رہیں، ان کی رونقوں کو دشمن کی نظر نہ لگے اور روزگارِ حیات روانی سے چلتا رہے۔

جلال نے شاید پہلے سے سب کچھ طے کیا ہوا تھا۔ اسے کپتان کے پاس زیادہ دیر نہیں لگی۔ اس سے گفتگو کر کے وہ گاڑی کی طرف لوٹ آیا۔ کپتان نے پلٹ کر اپنے سپاہیوں سے کچھ کہا اور دوبارہ اپنے عارضی کمرے میں غائب ہو گیا۔

جلال اور فضل داد کے سوار ہونے کے بعد گاڑی دوبارہ حرکت میں آ گئی۔

اس ویرانے کے بہت محدود حصے میں، صرف دمدموں کے آس پاس، نقل و حرکت یا زندگی کے آثار نظر آ رہے تھے ورنہ ہر سو یکساں تاریکی اور ویرانی کا راج تھا۔ گاڑی زیرزمین دمدموں کے پاس سے آہستگی سے گزری۔ لانس نائیک فضل داد کی کوشش تھی کہ غبار کا طوفان اس کے ہم پیشہ سپاہیوں کو پریشان نہ کرے۔ کچھ آگے نکلنے کے بعد اس نے رفتار بڑھا دی۔ اس مکمل تاریکی میں گاڑی کی پارکنگ لائٹس بھی دور تک اپنا انعکاس پھیلا رہی تھیں۔

"سب کچھ طے ہو چکا تھا تو ہمیں اس مورچے پر رکنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" ویرا نے سکوت توڑنے کے لیے سوال برائے سوال کر دیا "فوجیوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ پیچھے سے آنے والے مسافر دوست ہوں گے۔"

"بندوبست ہو چکا تھا۔ وہ ہمارے گزرنے کے منتظر تھے مگر پھر بھی شناخت ضروری تھی۔ سرحدی لکیریں اسمگلروں اور چوروں کی آماجگاہ ہوتی ہیں" جلال نے برا منائے بغیر جواب دیا "چوہدری عظمت بھی فوجیوں کی اپنی سرزمین کا باسی ہے۔ ان کے لیے یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ متوقع دوست کی آڑ میں کوئی چھپا ہوا دشمن آگے نہ نکل جائے۔ کڑی اور سنگ دلانہ جانچ پڑتال فوجی ڈسپلن کا ایک حصہ ہوتی ہے۔"

گاڑی اچھلتی اور دھچکے کھاتی ہوئی رواں رہی۔ ذرا سی دیر میں پھر ایک مورچے کے آثار نظر آئے جو ایک بلند ٹیلے پر واقع تھا۔ فضل داد نے گاڑی کا رخ قدرے موڑ لیا۔ وہ مورچے کی طرف جانے والی چڑھائی عبور کرنے کے بجائے نشیب سے گزرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"اوپر سے کوئی گولی نہ چل جائے۔" ویرا بے ساختہ اپنے اندیشے کا اظہار کر بیٹھی۔

"یہ تمام سرحدی مورچے اور چوکیاں مضبوط مواصلاتی نظام کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ پہلی چوکی نے اپنے وائرلیس یا ریڈیو سسٹم پر سب کو ہماری آمد کی اطلاع دے دی ہوگی۔ اب ہمیں زیرو پوائنٹ سے پہلے کہیں نہیں رکنا پڑے گا۔"

"تمہاری یہ عادت اچھی ہے" کچھ دیر کے سکوت کے بعد جلال نے ویرا کی طرف گھوم کر کہا "حرکت اور بول چال زندگی کی واضح علامتیں ہوتی ہیں۔ تم ہر وقت کچھ نہ کچھ بولتی رہتی ہو، مجھے بھی بڑھتی ہوئی خاموشی سے وحشت ہونے لگتی ہے۔"

"یہ باتیں ڈیڈی کو سمجھاؤ۔ اسے فضول گوئی سے الجھن ہونے لگتی ہے" ویرا نے جواب دینے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی۔

جلال ہنسنے لگا "قرینے کی بول چال اور فضول گوئی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ بے کار باتوں سے ہر معقول آدمی پریشان ہو جاتا ہے۔"

"جو لوگ زیادہ بولنے کے عادی ہوتے ہیں وہ کثرت سے فالتو باتیں کرتے ہیں۔ ان سے خاموشی بہتر ہوتی ہے" غزالہ

نے کہا۔
"اس وقت بھی تم خاموش رہتیں تو زیادہ بہتر ہوتا" ویرا کو اس پر چوٹ کرنے کا موقع مل گیا۔
گاڑی میں چاروں کے ملے جلے قہقہے گونجے اور پھر سب خاموش ہو گئے۔ تمام تر کوششوں کے باوجود ہم میں سے کوئی بھی باہر کے سنگین اور آسیبی ماحول کے سحر سے چھٹکارا پانے میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔
راستے کا انتخاب فضل داد کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ گاڑی کی بدلتی ہوئی سمتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ سیدھا راستہ چھوڑ کر کسی پر پیچ راہ پر آگے بڑھ رہا تھا۔ شاید وہ اپنی کم سے کم فوجی پوزیشنوں سے گزرنے کی کوشش میں تھا۔ تیسرے مورچے کے بعد ہمیں کہیں زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے فضل داد نے اچانک جیپ روکی اور انجن بند کر دیا۔
"ہم پہلے پڑاؤ پر پہنچ گئے ہیں" جلال نے کہا "یہاں ہمارا اور تمہارا ساتھ چھوٹ جائے گا۔"
میں باہر پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کچھ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے چونک کر پوچھا "ہم بھارتی سرحد سے کتنی دور ہیں؟"
"سو، سوا سو میٹر سے زیادہ فاصلہ نہیں ہوگا۔ ہم اس وقت ایک قدرتی نشیب میں ہیں جو برسات کے موسم میں کچے تالاب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ایک طرف خود رو جنگل ہے جس میں چھوٹے موٹے جنگلی جانور پائے جاتے ہیں" جلال نے بتایا اور دروازہ کھول کر گاڑی سے اتر گیا۔
"بنگو ابھی تک یہاں نہیں پہنچا" ویرا نے جیپ سے نیچے اترتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا۔
"بس آتا ہی ہوگا" جلال بولا "میرا اریش مسلسل آن ہے۔ کوئی مسئلہ ہوتا تو وہ اب تک رابطہ کر چکا ہوتا۔"
فضل داد نے گاڑی کی تمام روشنیاں گل کر دی تھیں اور ٹہلتا ہوا کچھ دور نکل گیا تھا۔ ہم چاروں گاڑی کے قریب کھڑے رہے۔
ایک دوسرے کے مقابل صف آرا فوجیں بلندی پر قبضہ کرنے کے لیے لڑتی ہیں کیونکہ بلندی سے ان کے فائر پاور میں خود بہ خود اضافہ ہو جاتا ہے، انہیں دور دور تک جائزہ لینے کی صلاحیت حاصل ہو جاتی ہے مگر ہم اس وقت ایک نشیب میں چھپے ہوئے تھے جہاں ہمارے دیکھے جانے کا امکان نہیں تھا۔ ہم بالکل نہتے تھے اور کسی کے خلاف صف آرا نہیں تھے اس لیے وہی جگہ ہمارے لیے عافیت کا بہترین گوشہ تھی۔

تھوڑی دیر بعد فضا میں کسی گاڑی کے انجن کی مدھم آواز سنائی دی جو بتدریج بڑھتی جا رہی تھی۔ اس بار ویرا بھی خاموش رہی۔ اس نئی مشینی آواز پر کوئی تبصرہ نہیں کیا لیکن اس کے کان اسی آواز پر مرکوز تھے۔ چند ثانیوں میں، میں نے اندازہ لگا لیا کہ آنے والا ہماری طرح ڈیزل کی کسی جاندار گاڑی میں نہیں آ رہا تھا۔ اس کے انجن کی آواز بہت دھیمی اور ہموار تھی۔
ہم اپنی سرزمین پر تھے۔ جلال کے روپ میں قانون ہمارے ساتھ تھا اس لیے ہم ڈنکے کی چوٹ پر دندناتے ہوئے زیرو پوائنٹ تک پہنچے تھے لیکن بنگو جرائم پیشہ شخص تھا۔ اس کی ضروریات ہم سے بہت مختلف تھیں۔ وہ پیسے کے لالچ میں کسی چور کی طرح پرائی سرزمین پر آ رہا تھا۔
اس آواز کے تعاقب میں چاروں کی نظریں نشیب کے ایک سرے کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ چند ثانیوں بعد ایک گاڑی کا چلتا ہوا متحرک ہیولا نشیب کے سرے پر نمودار ہوا اور پھر نیچے اترتا چلا آیا۔ دور سے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ پیٹرول انجن والی وہ گاڑی کس ساخت کی تھی۔
آنے والی گاڑی کی تمام روشنیاں گل تھیں۔ حد یہ ہے کہ پارکنگ لائٹس تک روشن نہیں کی گئی تھیں۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ آنے والا محض اپنی انکل سے ڈرائیونگ کر رہا تھا ورنہ اسے راستہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں ڈر گیا کہ کہیں وہ ہمیں نہ روند ڈالے لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ تاروں بھرے آسمان کی چھاؤں میں دور سے ڈرائیونگ کرتے کرتے شاید اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو چکی تھیں۔ اس نے ہمیں یا ہماری گاڑی کو دیکھ کر یک لخت اپنی رفتار کم کر لی۔
قریب آ کر اس نے انجن بند کیے بغیر گاڑی روکی اور ہانپتا ہوا نیچے اتر آیا۔ وہ پتلون اور ٹی شرٹ میں ملبوس ایک جسیم اور قد آور شخص تھا۔ اس کے چڑھے ہوئے سانسوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر آنے کے بجائے اس کے پیچھے دوڑتا ہوا وہاں تک آیا ہو۔ آتے ہی وہ سلام دعا کے بغیر جلال سے براہِ راست مخاطب ہو گیا "راستہ بہت خراب ہے۔ ہر مرتبہ مجھے نانی یاد آ جاتی ہے.... پھر بھی میں وقت پر پہنچا ہوں۔ لاؤ، مال کہاں ہے؟"
جلال نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا اور کہا "پیسا آسانی سے نہیں ملتا۔ کچھ نہ کچھ محنت کرنی پڑتی ہے۔ واپسی پر ذرا احتیاط سے ڈرائیونگ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم گاڑی بھگا کر دونوں عورتوں کا کچومر نکال دو۔"
میں بنگو کی گاڑی کو دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔ وہ پیچھے

سے بالکل بند، آہنی باڈی والی ایک پک اپ تھی جس کی اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بمشکل دو افراد سما سکتے تھے۔ ہم میں سے کسی ایک کو ہر حال میں پچھلے ڈربے میں بند ہونا تھا۔ جلال نے خصوصی ہدایت دے کر میری تشویش کم کردی تھی۔

"خدا حافظ!" جلال یہ کہہ کر مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ اس نے ویرا سے ہاتھ ملایا پھر ہم چاروں بنگو کی پک اپ کی طرف بڑھ گئے۔ اس نے لپک کر آہنی باڈی کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ ویرا اور غزالہ نے پک اپ کی اگلی نشست کا رخ کیا تھا لیکن بنگو نے رکھائی سے انہیں ٹوک دیا "آگے کوئی نہیں بیٹھے گا۔ تینوں ادھر آجاؤ۔"

میں نے مڑ کر ناگواری سے جلال کی طرف دیکھا۔ وہ میرے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکا لیکن مدعا بھانپ گیا اور جلدی سے بولا "بنگو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اگلی سیٹ پر بیٹھنے والے ہر ایک کی نظروں میں آئیں گے۔ یہ اکیلا ہوگا تو ہر ایک سے آسانی سے نمٹتا چلا جائے گا۔ تینوں پیچھے بیٹھ جاؤ۔"

ہمارے پاس بحث کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ تینوں اس پک اپ کے پچھلے حصے میں سوار ہو گئے۔ پچھلے حصے کی دونوں آہنی دیواروں کے ساتھ لمبی اور بے آرام نشستیں لگی ہوئی تھیں۔ کیبن میں عجیب ناگوار سی بدبو رچی ہوئی تھی۔ ہمارے بیٹھنے کے بعد بنگو نے دھڑ سے دروازہ بند کرکے باہر سے بولٹ لگا دیا۔ ہمارے گرد یکایک گہری تاریکی پھیل گئی۔ چاروں طرف سے بند اس آہنی صندوق میں ہم قید ہو گئے تھے۔

"میرے لیے ذرا زیادہ کام نکالا کرو" پک اپ کے چلتے ہوئے انجن کے ہلکے شور میں باہر سے بنگو کی بے ہنگم آواز آئی "آج کل مجھے مال پانی کی ضرورت رہتی ہے۔"

جلال کا جواب میرے کانوں تک نہیں پہنچ سکا۔ قدرے توقف کے بعد پک اپ نے یوٹرن لیا اور واپس روانہ ہو گئی۔ بنگو کو پانچ منٹ کے لیے بھی جلال کے پاس نہیں رکنا پڑا تھا۔

پک اپ کے چلتے ہی اندازہ ہو گیا کہ ڈرائیونگ کے بارے میں جلال کی ہدایت بے سبب نہیں تھی۔ تیجرو میں سفر کے دوران میں نے دیکھ لیا تھا کہ باٹا پور کے مضافات سے زیرو پوائنٹ تک کوئی باقاعدہ راستہ سرے سے موجود نہیں تھا۔ وہ سب کچی اور ناہموار زمین تھی۔ وہاں سے آگے بھی اسی قسم کی زمین کا تسلسل تھا۔ ایسے علاقے میں بنگو کے لیے تیز رفتاری کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس کے باوجود ہم تینوں کا سیٹوں پر بیٹھے رہنا محال ہو رہا تھا۔

"کسی ڈھنگ کی سڑک پر پہنچنے سے پہلے ہی ہمارا جوڑ جوڑ ہل جائے گا۔" ویرا جھلائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کوئی پائپ یا سلاخ پکڑ لو ورنہ چھت سے ٹکرا کر سر بھی پھٹ سکتا ہے" غزالہ نے شوخ آواز میں مشورہ دیا۔ وہ ذرا بھی پریشان نہیں تھی۔ سفر کا آخری مرحلہ شروع ہوتے ہی اس کی آواز حیرت ناک طور پر خوشگوار ہو گئی تھی۔ اس مرحلے کا صبر آزما انتظار ختم ہونے پر اس کے اعصاب شاید معمول پر آچکے تھے لیکن میرے تفکرات میں اضافہ ہو گیا تھا۔

پک اپ اچھلتی اور ہچکولے کھاتی ہوئی چلی جارہی تھی کہ کہیں فاصلے پر اچانک ایک فائر کی گونج سنائی دی اور پھر فضا میں متعدد ہتھیاروں سے ہونے والی فائرنگ کی آواز پھیلنے لگی۔ شاید لمبی سرحدی پٹی کے کسی مقام پر گشتی دستوں کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ شروع ہو گیا تھا۔

"شکر ہے کہ یہ دور کی آوازیں ہیں۔ یہاں ایسی کوئی گڑبڑ شروع ہو گئی تو بنگو گاڑی چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ ہم اس آہنی تابوت میں بے موت مارے جائیں گے" ویرا ان آوازوں سے پریشان ہو کر منمنائی "ایسی کسمپرسی کی موت سے خدا دشمن کو بھی محفوظ رکھے۔"

"فکر نہ کرو۔ پوری سرحد ایک ہی حریف سے ملی ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس فائرنگ کے جواب میں یہاں کا ویرانہ بھی ان بارودی نغموں سے گنگنا اٹھے۔ لوہے کے صندوق میں ہم گولیوں سے محفوظ رہیں گے۔ پک اپ کو آگ لگ گئی تو اندر بھننے کا اندیشہ ہو سکتا ہے" اندھیرے میں غزالہ کی بے پروایانہ آواز ابھری۔

"احمقانہ باتیں مت کرو" میں نے جھنجلا کر اسے ڈانٹ دیا "زیرو پوائنٹ سرحدی لکیر سے سو، سوا سو میٹر دور تھا۔ اب تک ہم بھارتی علاقے میں کافی اندر آچکے ہوں گے۔ یہاں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ کیوں بلاوجہ ویرا کا خون خشک کر رہی ہو۔"

"میں بار بار تم کو بتا چکی ہوں کہ میں موت سے نہیں ڈرتی، بے بسی کی بے مصرف موت سے ڈرتی ہوں!" ویرا نے احتجاج کیا۔ ہم دونوں میں سے کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ گاڑی کے اس حصے میں ایک مرتبہ پھر خاموشی پھیل گئی۔ ہمارے کانوں میں انجن کا دھیما شور آرہا تھا یا پک اپ کے مختلف حصوں سے ابھرنے والی بھانت بھانت کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ دھول اور مٹی میں اٹی ہوئی وہ پک اپ مضبوط ہونے کے باوجود خاصی پرانی تھی۔

اچانک یوں محسوس ہوا جیسے پک اپ کو بریک لگائے گئے ہوں۔ پھر واقعی گاڑی رک گئی۔ اس کا انجن بند ہوگیا۔ ہمارے پورے پروگرام میں درمیان میں رکنے کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ امرتسر بھی سرحد سے اتنا نزدیک نہیں تھا کہ ہم چند منٹ میں وہاں پہنچ جاتے۔ میرے دل کی رفتار اچانک تیز ہوگئی۔

"خوب!" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد باہر سے ایک اجنبی اور حریصانہ آواز سنائی دی "آج تو نے پھر پھیرا لگایا ہے۔ لا، دو ہزار روپے ڈھیلے کردے۔"

"آج پھر تم نے میرا راستہ روکا ہے۔ میں میجر اچاریہ سے تمہاری شکایت کردوں گا" وہ بنگو کی تیز احتجاجی آواز تھی۔

"میں کبھی تجھے تنگ نہیں کرتا۔ آج دوسری بار تجھے روکا ہے۔ تو میجر صاحب کی خوب سیوا کرتا ہے۔ کچھ ہمارا خیال بھی رکھا کر۔ ہم لوگ الو کے پٹھے نہیں ہیں کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر یہاں جنگل میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ جلدی سے پیسے دے دے۔ پوری کمپنی دارو پی کر تجھے دعائیں دے گی۔"

"میں دھیلا بھی نہیں دوں گا۔ تم اپنا حصہ میجر سے مانگو۔ میں اس کو منہ مانگی رقم دیتا ہوں۔"

"پچھلی بار بھی تو نے یہ کہہ کر ہمیں ٹال دیا تھا۔ میجر کو یہاں ولایتی شراب اور دیسی عورتیں، سب مل جاتی ہیں۔ ہم دارو کو ترستے ہیں۔ آج میں تجھے ایسے نہیں جانے دوں گا" اجنبی کی آواز میں چھپی ہوئی خباثت نے مجھے بے چین کردیا۔ وہ کہہ رہا تھا "پیسے دے ورنہ میں تیری گاڑی کی تلاشی لوں گا۔ تیرے جاتے وقت ہی میں نے سوچ لیا تھا کہ واپسی پر تجھے روکوں گا۔"

میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ بھارتی فوج کے کسی گشتی دستے کا سربراہ تھا جس کے دماغ پر شیطان سوار ہورہا تھا۔ اس نے جس انداز میں ولایتی شراب اور دیسی عورتوں کا ذکر کیا تھا، اس سے اس کی ذہنیت صاف ظاہر ہورہی تھی۔ وہ کوئی بد طینت اور اوباش بھارتی فوجی تھا۔ اس کی زبان سے پک اپ کی تلاشی کا ذکر سن کر میں لرز گیا۔ اندھیرے میں مجھے ویرا اور غزالہ کی چمکتی ہوئی آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا مگر مجھے ان کی دہشت کا احساس تھا۔ باہر ہونے والی باتیں ان دونوں کے لیے روح فرسا تھیں۔

اگر وہ بات بڑھ جاتی تو ہماری مہم اپنے آغاز سے پہلے ہی المناک انجام سے دوچار ہوجاتی۔ شاید بھارت کے عام فوجیوں کا اخلاق اتنا گرا ہوا نہ رہا ہو مگر بنگو سے اڑنے والا بہت گندی سوچ کا مالک تھا۔ ویرا اور غزالہ کی پک اپ میں موجودگی کا انکشاف ہوتے ہی اس کی شیطانی سوچ کو ایک نئی راہ مل جاتی۔ شاید وہ بنگو اور دو ہزار کو بالکل ہی بھول جاتا اور دونوں عورتوں کے ساتھ بدسلوکی پر تل جاتا۔

ہم بھارت کے سرحدی فوجی علاقے میں تھے جہاں ان لوگوں کا راج تھا۔ ہم تین نہتے افراد ان سے ٹکر نہیں لے سکتے تھے۔ ہمارے سامنے صرف ایک راہ رہ جاتی کہ ہم مزاحمت اور مدافعت کرتے ہوئے دلیرانہ موت کو اپنے گلے سے لگالیتے۔ میرے ذہن میں بے اختیار ان بہیمانہ مظالم کی خبریں اور تصویریں گھوم گئیں جو بھارتی بارڈر سیکیورٹی فورس کے افسر اور جوان کشمیری عورتوں پر ڈھاتے تھے۔ حالات کی سنگینی کے ادراک سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

"صوبے دار، تم زیادتی کررہے ہو۔ تم گاڑی کی تلاشی نہیں لے سکتے، مجھے میجر اچاریہ کے پاس لے چلو۔"

جواب میں صوبیدار کا کریہہ اور بلند آہنگ قہقہہ سنائی دیا "میجر صاحب شام کو نشہ کرتے ہیں تو ان کے بیٹ مین کے سوا کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہوتی" وہ شیطانی لہجے میں بتارہا تھا "تجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ سرحد پر گشت کرنے والے ہر فوجی کو بہت اختیار ہوتا ہے۔ میں اپنی ٹیم کا افسر ہوں۔ کسی سے پوچھے بغیر سب کچھ کرسکتا ہوں۔ پیسے نکال ورنہ میرے جوان ابھی تیری پک اپ کا تیا پانچا کردیں گے۔ صبح میجر صاحب کا نشہ اترے گا تو وہ تجھے بھول چکے ہوں گے۔ تیری وجہ سے وہ اپنے صوبیدار اور جوانوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ سرحد پر دو چار آدمیوں کے مرنے پر کہیں کوئی شور نہیں ہوتا۔ ہم تجھے مار بھی سکتے ہیں۔"

ہم تینوں آہنی کیبن کے اندھیرے میں اپنے سانس روکے، دم بہ خود بیٹھے تھے۔ ہمیں یہ علم نہیں تھا کہ بنگو نے آدمیوں کی اسمگلنگ کے لیے میجر اچاریہ کو کیا کہانی سنائی ہوئی تھی۔ صوبیدار کو شبہ بھی ہوجاتا کہ پک اپ میں دو پاکستانی عورتیں موجود تھیں تو حالات ایک دم بگڑ سکتے تھے۔

باہر خوفناک سکوت چھا گیا جو ہم تینوں کے لیے فیصلہ کن تھا۔ پتا نہیں بنگو کیا سوچ رہا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ وہ لالچ نہ کرے اور دو ہزار روپے پھینک دے۔ اس کا وہ نقصان ہم پورا کردیتے۔ اس طرح ہماری عزت اور جانیں بچ سکتی تھیں مگر مشکل یہ تھی کہ ہم آواز تک نہیں نکال سکتے تھے۔ بنگو کو جو کچھ کرنا تھا، خود ہی سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔ ہم اس سے کسی قسم کا رابطہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ مجھے جلال کی ہدایت یاد تھی۔ اس نے ہمیں بنگو کے حکم کے

بغیر بولنے یا آواز نکالنے سے منع کیا ہوا تھا۔ اس ہدایت کی اہمیت ہمارے سامنے تھی۔

"جلدی بول!" انتظار سے اکتا کر صوبے دار دہاڑا "ہم تیرے باپ کے نوکر نہیں ہیں۔"

صوبیدار کو یہ معلوم تھا کہ اپنی کارروائی سے اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بات میجر اچاریہ تک جاتی تو کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اسے گاڑی میں خواتین کی موجودگی کا اندازہ نہیں تھا۔ اس کے لیے بہتر صورت یہ تھی کہ بنگو سے کوئی سودا طے ہو جائے۔

ہر فریق عجیب بے یقینی میں مبتلا تھا۔ شاید بنگو کو یہ صدمہ تھا کہ اس کے دو ہزار مفت میں مارے جا رہے تھے۔ اسے یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ اپنا نقصان ہماری جیب سے پورا کر سکے گا۔

"رقم زیادہ ہے" بنگو کی شکست خوردہ آواز سن کر میری جان میں جان آگئی۔ اس نے صوبے دار کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

"بس ڈیڑھ ہزار دے اور یہاں سے دفع ہو جا" صوبیدار غرایا "اگر یہ بات میجر صاحب کے کانوں تک پہنچی تو آئندہ تو میرے گشت میں یہاں سے نہیں گزر سکے گا۔"

"لو! یہ ایک ہزار رکھ لو!" بنگو کی آواز آئی "ان میں اتنی دارو آجائے گی کہ تمہارے یہ پانچ آدمی دو دنوں تک پی سکیں گے۔"

"چل، بھاگ یہاں سے!" ایک دھماکے کے ساتھ صوبیدار کی آواز آئی۔ شاید اس نے اپنی گن کے دستے سے پک اپ کے کسی حصے پر ضرب لگائی تھی۔

انجن بیدار ہوا اور پک اپ پھر چل پڑی۔ بے اختیار ہم تینوں کے دہانوں سے لمبے سانس آزاد ہو گئے۔

"اس سفر کا آغاز اچھا نہیں ہوا" غزالہ سراسیمہ آواز میں بولی۔ اس واقعے نے اس کی ساری خوش دلی رخصت کر دی تھی۔

"یہ شاید میری زندگی کا بدترین تجربہ تھا" ویرا نے اس کی تائید کی "اس وقت بنگو نے ہمیں بال بال بچایا ہے۔ وہ لالچ کرتا تو ہم مارے جاتے۔ آج تک میں نے صرف سنا تھا مگر آج دیکھ بھی لیا کہ بھارتی فوجیوں کا کردار کتنا گھٹیا ہوتا ہے۔ یہ تو بالکل وحشی اور درندے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ سب بھارتی فوجی اس صوبیدار جیسے نہ ہوتے ہوں" غزالہ نے کمزور لہجے میں کہا۔

"یہ صرف صوبیدار کی بات نہیں ہے۔ تم نے اپنے کانوں سے سنا ہوگا کہ وہ میجر اچاریہ کے بارے میں کیا کہہ رہا تھا۔ جب افسروں کا اخلاق اور کردار اتنا بگڑ جائے تو نیچے والوں کو دنیا کی کوئی طاقت تباہی سے نہیں بچا سکتی" ویرا نے زور دے کر کہا۔

"یہ گولی ہمارے کانوں کو چھوتی ہوئی گزری ہے۔ دعا کریں کہ ہم خیریت سے امرتسر پہنچ جائیں" غزالہ بڑبڑا کر رہ گئی۔

وہ اس سفر کا اکلوتا اور ہولناک ترین واقعہ تھا۔ کچھ دیر تک ہماری ہڈیاں پسلیاں ایک کرنے کے بعد پک اپ کسی پختہ سڑک پر چڑھ گئی۔

تاریک راستوں کو عبور کرنے کے بعد جب پک اپ روشن علاقوں میں داخل ہوئی تو آہنی باڈی کی جھریوں میں سے چھن کر آنے والی روشن لکیروں سے ہمیں اندازہ ہو گیا کہ سفر جلد ہی ختم ہونے والا تھا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق پک اپ کو امرتسر کے مضافات میں کہیں رک جانا تھا۔ وہاں سے ہوٹل تک پہنچنے کے بارے میں جلال نے ہمیں بریفنگ دی ہوئی تھی۔

پختہ سڑک پر پک اپ کی رفتار خاصی تیز رہی پھر وہ دھیمی ہو گئی۔ کم رفتار کے ساتھ چند موڑ گھومنے کے بعد پک اپ رک گئی۔

بنگو نے انجن بند کرنے کے بعد پچھلے دروازے کا بولٹ کھولا تو ہم تینوں میں سے کوئی اس قابل نہیں تھا کہ سہارے کے بغیر پک اپ سے نیچے اتر سکے۔

میں نے جوں ہی بھارت کی سرزمین پر اپنا پہلا قدم رکھا تو میرے نتھنوں میں خاص قسم کی ایک تیز بو گھستی چلی گئی جو بھینسوں کے باڑوں میں عام طور پر رچی ہوئی ہوتی ہے۔ میرے پوچھنے پر بنگو نے بتایا کہ اس کا وہ ٹھکانا واقعی بھینسوں کے باڑے کے قریب واقع تھا۔

وہ ایک وسیع احاطہ تھا جس کے ایک کونے میں دو چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ احاطے کی آڑی ترچھی دیواروں سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کوئی باقاعدہ پلاٹ نہیں تھا۔ شاید بنگو نے اپنی بدمعاشی کے زور پر زبردستی وہاں قبضہ کیا ہوا تھا۔ پلاٹ پر پک اپ کے برابر میں ایک پرانی کار پہلے سے کھڑی ہوئی تھی۔

اس احاطے میں ہم چاروں کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔ بنگو ہمیں ایک کمرے میں لے گیا اور بولا "تم دونوں کچھ دیر کے لیے یہاں رکو، میں این کو ہوٹل پہنچا کر آتا ہوں۔"

بنگو کی وہ وضاحت غیر ضروری تھی۔ جلال نے ہمیں پہلے سے بتا دیا تھا کہ اس نے امرتسر میں ہم دونوں کو اولین لمحات سے ہی ویرا سے الگ تھلگ رکھنے کا بندوبست کرلیا تھا تاکہ کوئی بھی ہمیں یکجا نہ دیکھ سکے۔ شاید اسی لیے بنگو نے ہمیں اس اجاڑ پلاٹ پر پہنچایا تھا۔

اس کمرے میں ایک بستر اور دو بوسیدہ کرسیوں کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی۔ بیت الخلا اور غسل خانہ کمروں سے کچھ فاصلے پر بنا ہوا تھا۔ ہمیں وہاں چھوڑ کر بنگو، ویرا کو اپنے ساتھ لے کر چلا گیا۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ اس نے صوبیدار والے واقعے کا سرے سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

راستے کی صعوبت کے بعد وہ کمرا ہمارے لیے بہت آرام دہ ثابت ہوا۔ میں نے باہر نکل کر دیکھا کہ اس بار بنگو پک اپ کے بجائے دوسری گاڑی لے گیا تھا۔ میں داخلی راستے کی طرف گیا تاکہ پھاٹک بند کردوں مگر وہاں پھاٹک کے نام پر کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ دو ستونوں کے درمیان کھلے راستے سے کوئی بھی گاڑی اندر آجا سکتی تھی۔ بنگو بدمعاش تھا۔ شاید اسے یقین تھا کہ کوئی چور یا اچکا اس کے ٹھکانے میں گھسنے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔

بنگو واپسی پر گرانڈ ہوٹل کا کارڈ اپنے ساتھ لے آیا۔ اس نے امرتسر کے ریلوے اسٹیشن کے سامنے، کوئنز روڈ پر واقع اسی ہوٹل میں ویرا کو کمرا دلایا تھا۔ اس بار اس نے صوبے دار والا قصہ چھیڑ دیا۔ اس تمہید کے ذریعے وہ اپنا نقصان پورا کرنا چاہتا تھا۔ میں اس بارے میں پہلے ہی فیصلہ کرچکا تھا۔ میں نے خاموشی سے ہزار روپے اس کے حوالے کردیے۔ میں نے یہ پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ جلال نے اسے ہم تینوں کی اسمگلنگ کے لیے کتنی رقم ادا کی تھی۔

"میں اسے ایک پیسا بھی نہ دیتا" راستے میں اس نے بتایا "بس عورتوں کے خیال سے میں مجبور ہوگیا۔ عورت کے معاملے میں ہمارے فوجی بہت بدنام ہیں۔"

"تم نے اچھا کیا ورنہ بات بڑھ جاتی" میں نے اصل خطرات کا اظہار کیے بغیر سرسری لہجے میں کہا "صوبیدار بدنیت آدمی تھا۔"

"مجھے سارا ڈرا ین کا تھا۔ گوری عورتوں کو آزاد خیال سمجھ کر یہ لوگ ان سے زیادہ بدتمیزی کرتے ہیں" بنگو ایک بدمعاش تھا لیکن اسے عورتوں کی عزت کا پاس تھا۔ میرے دل میں اس کے لیے تھوڑی سی اپنائیت اور ہمدردی عود کر آئی۔ وہ بھارتی فوج کے اس اوباش صوبیدار سے کہیں بہتر تھا جو ہماری راہ کا پتھر بن گیا تھا۔

رات خاصی ڈھل چکی تھی۔ امرتسر کی تنگ مگر روشن سڑکیں ویران اور خالی خالی نظر آرہی تھیں لیکن پھر بھی کہیں کہیں لوگ نظر آرہے تھے۔ ان میں روایتی سکھ سردار اور سردارنیاں تھیں اور کلین شیو مرد بھی چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ بیشتر مردانہ سروں پر پگڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔

بنگو نے کوئنز روڈ سے گزرتے ہوئے ہمیں گرانڈ ہوٹل دکھایا جس میں ویرا مقیم تھی۔ وہ کوئی بڑا یا مہنگا ہوٹل نہیں تھا لیکن اکیلی عورت کے لیے محفوظ ضرور تھا۔ بنگو نے اسی سڑک کے سرے پر واقع ہوٹل آسٹوریا کے سامنے گاڑی روک دی۔ اندر پہنچنے کے بعد مجھے اس کے انتخاب کی داد دینی پڑی۔ وہ بھی صاف ستھرا اور نفیس ہوٹل تھا۔ ہمارے ویزا کے ساتھ پولیس رپورٹ سے استثنیٰ کی خصوصی مہر لگی ہوئی تھی۔ ہوٹل کے کلرک نے اپنے رجسٹر کے اندراجات مکمل کرکے ہمارے پاسپورٹ لوٹا دیے۔ بنگو نے ہوٹل کی رسید کے پیچھے اپنا فون نمبر درج کیا اور نیچے سے ہی رخصت ہوگیا۔ ہم دونوں بیرے کے ساتھ زینوں کی طرف ہو لیے۔

امرتسر میں ہمیں صرف پہلا پڑاؤ کرنا تھا۔ وہاں ہمیں کوئی کام نہیں کرنا تھا۔ بھارت میں امرتسر کو ہمیشہ حساس شہر تصور کیا جاتا تھا کیونکہ وہ سکھوں کی تمام سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ سکھوں کی مقدس عبادت گاہوں میں گولڈن ٹمپل کو سب سے اونچا مقام حاصل ہے۔ وہ بھی اسی شہر میں واقع ہے۔ سکھ تحریک کے لیڈروں تک رسائی اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے امرتسر ایک موزوں شہر تھا مگر وہ ہمارا مدعا نہیں تھا۔

جب تک ہم سفر میں رہے، تکان کا احساس ستاتا رہا لیکن ہوٹل کا آرام دہ کمرا اور نرم بستر میسر آنے کے بعد میری آنکھوں سے نیند کافور ہوگئی البتہ بھوک کا احساس بیدار ہوگیا۔ اس وقت ہوٹل آسٹوریا میں کچھ دستیاب نہیں تھا مگر ٹپ حاصل کرنے کی امید میں ہوٹل کا ویٹر قریبی بازار سے کچھ لانے پر آمادہ ہوگیا۔ خورونوش کا بندوبست ہونے کے آثار دیکھے تو غزالہ بھی سونے کا پروگرام کچھ دیر کے لیے ملتوی کرنے پر آمادہ ہوگئی۔

ویٹر کو رقم اور ہدایات کے ساتھ رخصت کرنے کے بعد میں نے اس بھارتی کرنسی کا جائزہ لیا جو ہم نے تبادلے میں بنگو سے حاصل کی تھی۔ سب نوٹ پرانے اور استعمال شدہ تھے۔ یہ خطرہ کم تھا کہ بنگو نے ان میں کوئی جعلی نوٹ شامل

کردیا ہو۔

"آپ نوٹ گن رہے ہیں۔ اس وقت پیسوں کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" غزالہ نے اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"میں نے رقم گنے بغیر جیب میں ڈال لی تھی۔ صبح ٹرین میں بکنگ کے لیے اس کی ضرورت ہوگی" میں نے بتایا۔

"تو کیا ہم اس شہر میں صرف شب بسری کریں گے؟"

میرا جواب سن کر غزالہ کو حیرت اور مایوسی ہوئی تھی۔

"ہمارا یہاں رکنا صرف اس لیے ضروری تھا کہ ہم اپنی غیر قانونی آمد کو پاسپورٹ کے اندراج کے مطابق جائز بنا سکیں۔ یہاں بنگو ہماری اصلیت سے واقف ہے۔ میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ ہمیں تفریح کے خیال کو دل سے نکال کر صرف کام سے کام رکھنا ہوگا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ صوبیدار والے واقعے نے آپ کے اعتماد کو متزلزل کردیا ہے" وہ مسکرا کے بولی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مجھے پہلی بار احساس ہوا ہے کہ عورت یا عورتوں کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنا کس قدر خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ حیرت ہے کہ تم عورت ذات ہوتے ہوئے اس واقعے سے اس قدر بے نیاز ہو..."

"اندھیرا تھا اور ہم آپس میں بات نہیں کرسکتے تھے۔ ہماری سرگوشیاں فوجیوں کے کانوں تک پہنچ جاتیں تو... وہ پچھلا حصہ کھول دیتے" غزالہ نے میری بات کاٹ کر کہا "میں نے جلال کی بریفنگ کے مطابق زبان بند رکھی مگر میں بدترین حالات کے لیے تیار تھی۔ فوجی جیتے جی مجھے یا ویرا کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ وہ مسلح تھے اور تعداد میں ہم سے زیادہ بھی۔ میں نے پوری تیاری کرلی تھی۔ ذرا بھی گڑبڑ ہوتی تو میں اول خان والی زہریلی انگوٹھی کا کچھ سیال ویرا کے بدن میں اتارتی اور یہی عمل اپنے ساتھ دہرا ڈالتی۔ دونوں بیٹھے بیٹھے مرجاتیں۔ ان درندوں کو ہمارے مردہ جسموں کے سوا کچھ نہ ملتا۔"

غزالہ کی بات سن کر میں سناٹے میں آگیا "تم کو معلوم ہے کہ ہمارے مذہب میں قتل یا خودکشی حرام ہے؟"

"ان حالات میں اس سے بہتر متبادل نہیں تھا۔ وہ لمحات خیریت سے گزر گئے۔ میں اپنے اس فیصلے کو بھول چکی ہوں۔ میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ اس واقعے نے مجھے بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اب میں اس کے سحر سے آزاد ہوچکی ہوں۔"

"یہ دشمن کی سرزمین ہے۔ میں امرتسر سے نکل جانا چاہتا ہوں تاکہ دوبارہ ایسے حالات پیدا ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ یہاں بنگو ہمارا رازداں ہے۔ نئی دہلی میں کسی کو معلوم نہیں ہوگا کہ ہمیں جلال نے بھارت بھجوایا ہے۔"

"وہاں اٹل بسواس اور شاید جان اسمتھ بھی موجود ہوگا" غزالہ نے مسکرا کر اضافہ کیا۔

"ہمارا اصل کام ان ہی دو ناموں سے وابستہ ہے۔ بھارت میں لمبا قیام خطرناک ثابت ہوگا۔"

"ویرا سے ہمارا رابطہ ٹوٹ چکا ہے۔ کیا آپ اسے یہاں چھوڑ کر آگے نکل جائیں گے؟" اسے ویرا یاد آگئی۔

"بکنگ کے بعد میں فون پر اسے آگاہ کردوں گا۔ وہ بھی اسی ٹرین سے دہلی جائے گی مگر اس کی سیٹ الگ ہوگی۔"

"میں آپ سے کبھی بحث نہیں کرتی۔ آپ جو فیصلہ کرلیتے ہیں، اسے قبول کرلیتی ہوں۔"

"یہاں سے جلد از جلد روانگی کے بارے میں بحث کا آغاز شاید میں نے کیا تھا!"

اس نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں "آپ مذاق کا بھی برا مان جاتے ہیں۔ خاموش بیٹھ کر ایک دوسرے کا منہ تکنے سے بہتر ہے کہ کچھ نہ کچھ نوک جھوک ہی چلتی رہے۔ ہمارا وقت آسانی سے گزرتا رہے گا۔"

میں نے والہانہ انداز میں اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ مجھے اس تصور سے جھرجھری آگئی کہ سرحد پر صوبیدار سے معاملہ بگڑ جاتا تو وہ خاموشی سے اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیتی۔ وہ موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچی تھی۔ نئی زندگی ملنے پر وہ میری طرف سے پرتپاک مبارک باد کی حق دار تھی۔

⭘☆⭘

کوئنز روڈ پر صبح کے وقت کافی رونق تھی۔ داڑھیوں اور پگڑیوں کی بھیڑ میں جوان اور صحت مند سردارنیاں بھی اپنے علاقائی غرور کے ساتھ سینہ تانے گھوم رہی تھیں۔ بعض قدامت پرست اور روایتی سکھ کرپانیں لگائے گھوم رہے تھے۔ میرے لیے وہ مناظر دلچسپ اور حیران کن تھے لیکن دوسروں کے معمولات میں شامل تھے۔

پچھلی رات بنگو کے ساتھ ہوٹل آسٹوریا کا سفر کرتے ہوئے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ امرتسر متوسط درجے کا ایک گنجان اور گندا شہر تھا جس کی ساری اہمیت صرف گولڈن ٹمپل کی وجہ سے تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ مشرقی تصور کے برعکس وہاں جنس کا کوئی خاص امتیاز نہیں تھا۔ مردوں کی بھیڑ

میں ہر عمر کی عورتیں بھی یوں اطمینان سے مل جل کر گھوم رہی تھیں جیسے وہ ان ہی کی برادری اور گھرانوں سے تعلق رکھتی ہوں۔

انسانوں کی بھیڑبھاڑ میں کہیں کہیں آوارہ سور بھی آزادی سے گھومتے نظر آئے۔ وہ اپنی سرخ اور لمبی تھو تھنیاں جھکائے کوڑے کے ڈھیر کریدتے بھی نظر آئے۔ انسان ان سے اور وہ انسانوں سے خاصے مانوس تھے۔

میں ان گندے اور بدبودار جانوروں سے بچتا ہوا پیدل ہی ریلوے اسٹیشن کی طرف جارہا تھا۔ راستے میں میری نگاہیں کسی ایسے فون بوتھ کی متلاشی تھیں جہاں سے میں بے فکری سے ویرا سے رابطہ کرسکوں۔ میں نے ہوٹل کے فون کو اس کام کے لیے موزوں نہیں سمجھا تھا۔ وہ اوسط درجے کا ہوٹل تھا جہاں اس بات کا امکان تھا کہ آپریٹر کسی بھی وقت گفتگو میں مداخلت کر بیٹھے۔

اپنے مطلب کا پہلا بوتھ نظر آتے ہی میں اس میں گھس گیا۔ میں نے گرانڈ ہوٹل کا نمبر ملا کر این کاویل سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو آپریٹر نے خالص پنجابی میں مجھے ہولڈ کرنے کا مشورہ دیا اور لمحہ بھر بعد لائن ویرا سے ملا دی۔

شاید ویرا میری کال کی توقع کررہی تھی۔ میری آواز سنتے ہی مضطربانہ لہجے میں بولی "تم اس وقت میرے ہوٹل سے کتنی دور ہو؟ میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہورہی تھی کہ تم سے کیسے رابطہ کرسکوں گی، یہاں میرا دم گھٹ رہا ہے۔"

"میں قریب ہوں اور ریلوے اسٹیشن جارہا ہوں۔ تم بھی وہیں آجاؤ" میں نے اس کی پریشانی بھانپ کر مشورہ دیا۔

"بس میں پہنچتی ہوں۔ کچھ تاخیر ہوجائے تو میرا انتظار کرلینا" یہ کہہ کر ویرا نے فون بند کردیا۔

میں بھی ریسیور ہک سے لٹکا کر باہر نکل آیا۔ مجھے تشویش ہورہی تھی کہ ویرا کی پریشانی کا کیا سبب تھا۔

میں نے فٹ پاتھ پر رینگتی ہوئی بھیڑ سے الگ ہوکر اپنی رفتار تیز کردی۔ میں اپنے لباس اور خدوخال کے اعتبار سے بہت سے مقامیوں جیسا ہی تھا۔ دور سے دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگاسکتا تھا کہ میں کسی دوسرے ملک سے وہاں پہنچا ہوں۔ زبان کے علاوہ شہر اور اس کے راستوں سے میری عدم واقفیت میری کمزوری تھی۔ میں پنجابی زبان سمجھنے پر پوری طرح قادر تھا لیکن سرداروں والی کھڑی پنجابی بولنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔

گرانڈ ہوٹل کے سامنے سے گزرتے ہوئے غیر ارادی طور پر میری نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں مگر ویرا کہیں نظر نہیں آئی۔ امرتسر ریلوے اسٹیشن پر اس وقت کافی بھیڑ تھی۔ جس کی وجہ سے وہاں افراتفری کا سماں نظر آرہا تھا۔ میں قلیوں کے سروں پر لدے ہوئے جستی صندوقوں اور بستربندوں سے بچتا ہوا اس طرف پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہوگیا جہاں انگریزی میں غیر ملکیوں کے لیے بکنگ کی تختی آویزاں تھی۔

وہاں ویرا مجھ سے پہلے پہنچی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ تیزی سے میری طرف چلی آئی۔ میں اسے ساتھ لے کر ایک ایسے حصے کی طرف چل دیا جہاں بہت کم لوگ نظر آرہے تھے۔

"یہاں میں پریشان ہوگئی ہوں۔ ہر شخص کو اپنی زبان سے بے انتہا پیار ہے..."

"کیا تم صرف اس وجہ سے اتنی بوکھلائی ہوئی ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر دبے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں، میں چند سرپھرے لڑکوں کی وجہ سے پریشان ہوں۔ وہ بلاوجہ میری مہمان نوازی پر تلے ہوئے ہیں۔ کسی معاوضے کے بغیر مجھے گولڈن ٹمپل اور شہر کی سیر کرانے کی پیشکش کرچکے ہیں۔ صبح سے تین مختلف چہرے میرے پاس آچکے ہیں۔ ان میں سے دو تو صورتوں سے ہی لوفر معلوم ہورہے تھے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ تینوں ایک ٹولی کے لڑکے ہیں۔ میں انہیں بہت اچھا سبق دے سکتی ہوں لیکن صوبے دار والے واقعے کے بعد میری طبیعت مکدر ہے۔ میں ہر الجھن سے دور رہنا چاہتی ہوں۔"

"ہمارے لیے یہ شہر موزوں نہیں ہے۔ میں اس وقت دہلی کے لیے بکنگ کرانے کے ارادے سے آیا ہوں۔"

"مجھے اندازہ ہوگیا تھا" اس نے اپنے وینٹی بیگ سے اپنا پاسپورٹ نکال کر مجھے تھمادیا "خدا کا شکر ہے کہ بنگو نے تمہیں میرے ہوٹل کا فون نمبر دے دیا۔ مجھے تمہارے ہوٹل کا نام تک معلوم نہیں ہے۔ اس طرح ہم ایک دوسرے سے بالکل کٹ کر رہ جائیں گے۔"

"میں تمہیں یہی سمجھانا چاہ رہا تھا مگر تم نہ مانیں۔ ہوسکتا ہے کہ دہلی پہنچنے کے بعد یہ مسئلہ حل ہوسکے۔ یہاں تو جیسے تیسے وقت گزارنا ہی پڑے گا" میں نے اسے وہیں چھوڑا اور دوبارہ بکنگ کاؤنٹر کی طرف ہولیا۔

امرتسر سے دہلی، کلکتہ اور دوسرے شہروں کے لیے روز کئی ریل گاڑیاں روانہ ہوتی ہیں۔ دہلی کے لیے بکنگ کی صورت حال اچھی نہیں تھی مگر تینوں پاسپورٹ دیکھنے کے بعد کلرک نے مجھے دو ٹرینوں کے بارے میں بتایا جن میں غیر

ملکیوں کے لیے بکنگ موجود تھی۔ میں نے اسی روز دو بجے جانے والی سپر فاسٹ ٹرین میں تینوں نشستیں محفوظ کرالیں۔ میں نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ اپنی اور غزالہ کی برتھ مردانہ حصے میں رکھی تھی۔ ویرا کے لیے زنانہ ڈبے میں نشست لی تھی تاکہ وہ ہم سے الگ رہ سکے۔

پاکستان میں ٹرین کی نشستوں کے حصول میں ہونے والی دشواریوں کے پیش نظر وہ ایک خوشگوار تجربہ تھا۔ بھارتی فوج کے ایک صوبیدار نے ہمارے پہلے تجربے میں اپنے ملک کی صورت جس طرح مسخ کی تھی، دوسرے تجربے نے اس کا تھوڑا سا ازالہ کردیا تھا۔

امرتسر سے دو بجے روانگی کی خبر ویرا کے لیے خوش خبری سے کم نہیں تھی۔ اپنا پاسپورٹ اور ٹکٹ واپس لیتے ہوئے اس نے تعجب سے کہا "میں نے بہت دنیا دیکھی ہے۔ فرنچ، اطالوی اور جرمن بھی اپنی اپنی زبانوں کے بارے میں بہت متعصب ہیں مگر میں نے امرتسر جیسی گھٹن کہیں محسوس نہیں کی۔ غنیمت ہے کہ ہم دوپہر تک یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"یہ امرتسر اور سکھوں کا قصور نہیں ہے۔ تمہارے سر پر ابھی تک رات والا صوبیدار سوار ہے۔"

"اوہ خدا!" ویرا نے ہتھیلی سے اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے گہرا سانس لیا "وہ چند منٹ کی باتیں تھیں مگر میں اس بھیانک تجربے کو عمر بھر فراموش نہیں کرسکتی۔ میری عقل ماؤف ہوکر رہ گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہم وہاں سے کیسے نکلیں گے۔ بنکو عظیم بدمعاش ہے، اس نے پلٹ کر فالتو خرچ کا ذکر تک نہیں کیا۔"

"وہ تھوڑا سا کم عظیم ہے۔ تمہیں ہوٹل پہنچانے کے بعد اس نے مطالبہ کردیا تھا جو میں نے پورا کردیا۔"

"شاید وہ سکھ نہیں ہے تب ہی اس نے صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کرلیا۔ سرداروں کے لیے ایک وقت میں یہ دونوں کام ناممکن ہیں۔ صحیح وقت پر غلط فیصلہ کرنا اور صحیح فیصلے کے لیے غلط وقت کا انتخاب کرنا ان کا طرہ ہوتا ہے۔"

"یہ بنائے ہوئے لطیفے ہیں۔ سارے سکھ عقل سے اتنے عاری نہیں ہوتے" ہم نے ٹہلتے ہوئے وہ جگہ چھوڑدی۔

"جو کچھ بھی ہو، میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ سکھ ساری دنیا میں جہاں بھی ہیں، پسند کیے جاتے ہیں مگر اپنے شہر میں انہوں نے مجھے بیزار کردیا۔ میں اب ہوٹل میں نہیں ٹکوں گی۔ ایک بجے وہاں جاؤں گی اور بیگ لے کر سیدھی اسٹیشن پہنچ جاؤں گی۔"

"تم نے اپنا پاسپورٹ بیگ میں رکھ لیا ہے۔ اس کی طرف سے ہوشیار رہنا۔ میں سفر میں سفری دستاویزات اور رقم کو اپنے جسم کے ساتھ رکھتا ہوں۔ بھارت میں تم نے پاسپورٹ کھودیا تو مشکلات میں پڑجاؤ گی۔ بازاروں میں گھومنے والے غیر ملکی جیب کتروں کا خاص نشانہ ہوتے ہیں۔"

"تم بے فکر رہو۔ میں اپنے بیگ کو بازو اور جسم کے درمیان دبا کر رکھتی ہوں۔ اسے چھینا جاسکتا ہے، چرایا نہیں جاسکتا۔"

"پھر تم آوارہ گردی کرو۔ میں واپس جاتا ہوں۔ اب ڈیڑھ بجے اسٹیشن پر ملاقات ہوگی۔"

"اب اتنی احتیاط مت کرو۔ ابھی ہم نے کام شروع نہیں کیا۔ یہاں ہمارا کوئی دشمن بھی نہیں ہے۔ تھوڑا سا وقت میرے ساتھ گزارلو۔"

"تم یہ بھول رہی ہو کہ غزالہ ہوٹل میں اکیلی ہے۔ تمہاری طرح وہ بھی کسی بات سے ہراساں ہوسکتی ہے" میں نے اسے گھور کر کہا۔

"ہاں۔ اس کا خیال میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔ تمہیں فوراً واپس جانا چاہیے۔"

اسٹیشن کی حدود سے باہر نکل کر ہم دونوں خاموشی سے ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ میرا رخ اپنے ہوٹل کی طرف تھا۔

غزالہ ہوٹل کے کمرے میں بہت آرام سے تھی۔ میں پہنچا تو وہ ٹیلی وژن پروگرام دیکھنے میں مصروف تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اسے کسی نے پریشان نہیں کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ میرے اس عجیب سوال کی وجہ دریافت کرتی، میں نے اسے خود ہی بتادیا کہ ویرا کی گوری رنگت اور جاذب صورت دیکھ کر امرتسر کے کچھ لڑکے اسے شہر کی مفت سیر کرانے پر مصر تھے اور بار بار اس کے کمرے میں پہنچ کر اسے پریشان کررہے تھے۔

"یہ ہوٹل کی انتظامیہ کی کمزوری ہے" غزالہ نے میری بات پوری ہوتے ہی اپنا فیصلہ صادر کردیا "وہاں باہر سے آنے والوں کو کسی روک ٹوک کے بغیر مہمانوں کے کمروں میں جانے کی آزادی ملی ہوئی ہوگی ورنہ ویرا کی اجازت کے بغیر کوئی ملاقاتی اس کے دروازے پر دستک نہیں دے سکتا۔"

غزالہ نے تجربے کی بات کہی تھی "تم نے یہ نکتہ کیسے سمجھ لیا؟" میں اس سے سوال کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

"شاید ہوٹلوں میں ٹھہرنے والے غیر ملکیوں کے لیے یہاں خاصے گائیڈ موجود ہیں۔ آپ کے جانے کے بعد یہاں بھی کوئی آیا تھا۔ اسے کاؤنٹر پر ہی روک لیا گیا۔ کلرک نے انٹرکام پر مجھ سے پوچھا اور میں نے گائیڈ کے لیے انکار کردیا۔ اس کے بعد کوئی فون نہیں آیا۔ یہ میرا تازہ ترین تجربہ ہے۔"

ہم لاہور سے امرتسر آئے تو سارا وہ بندوبست جلال کا تھا۔ شروع سے آخر تک اس کی دی ہوئی ہدایات کی پاسداری کی گئی تھی۔ اس بندوبست میں ایک نکتہ فراموش کردیا گیا تھا۔ جو ویرا کے لیے پریشانی کا باعث بن گیا۔ بنگو نے ویرا کے ہوٹل کا نام اور فون نمبر ہمیں دے دیا مگر ویرا کے پاس ہمارا کوئی سراغ نہیں تھا۔ میں نے اس سوال کو ٹالتے ہوئے ویرا کو شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ مسئلہ میرے ذہن پر سوار تھا۔

امرتسر کے مقابلے میں دہلی بہت بڑا اور گنجان شہر تھا۔ وہاں ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ رہ کر حالات کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہماری اس تمام مشق کا مقصد صرف اتنا ہے کہ بیک وقت ہم تینوں اپنے دشمن کی نگاہوں میں نہ آنے پائیں" میری تشویش سے آگاہ ہونے کے بعد غزالہ نے کہا "ہم کسی سے پنجہ آزمائی کررہے ہوں تو ویرا دور رہ کر تماشا دیکھتی رہے۔ ضرورت پڑے تو جلال کے آدمیوں سے مدد لے لے۔ انتہائی ناگزیر مجبوری کے سوا اسے سامنے آنے کی ضرورت نہیں۔"

"یہی رویّہ ہم کو بھی اپنانا ہوگا۔ ہمیں غیر ضروری طور پر ایک دوسرے کی مدد کرنے سے گریز کرنا ہوگا۔"

"بھارت میں یہ امکان بھی نہیں ہے کہ کوئی آپ کو یا ویرا کو صورت سے پہچان لے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"میری حد تک یہ امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو؟" میں نے الجھ کر سوال کیا۔

"آپ پریشان ہیں۔ سوچ رہی ہوں کہ آپ کے انداز میں آپ کی مدد کرنے کی کوشش کروں۔"

میں اس کی سادگی پر ہنس دیا "کوشش کرو۔ شاید تمہارے دماغ میں کوئی اچھی تجویز آجائے۔"

"تجویز موجود ہے" اس نے پورے اعتماد سے کہا "وہ ٹرین میں ہم سے الگ رہ کر سفر کرے گی۔ دہلی پہنچ کر ہم الگ الگ کسی بڑے ہوٹل میں پہنچیں اور کمرے لے لیں۔ ہر ہوٹل میں سیکڑوں مہمان رہتے ہیں۔ کسی کو کیا پتا کہ کون کس کا ساتھی ہے۔ اگر وہ احتیاط کرے گی تو کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا۔ ہم تینوں ایک ہی ہوٹل میں ٹھہر سکیں گے۔ ضرورت پڑنے پر موقع نکال کر ایک دوسرے سے مل بھی سکتے ہیں۔"

وہ بالکل سامنے کی بات تھی جو مجھے نہیں سوجھ رہی تھی۔ میں نے اچھل کر زور سے غزالہ کے ہاتھ پر ہاتھ مارا "تم نے میری بہت بڑی پریشانی دور کردی۔ ویرا مجھ سے زیادہ پریشان ہے۔ اب اسے اندازہ ہورہا ہے کہ باتیں ملانے اور کام کرنے میں کتنا فرق ہوتا ہے۔"

"لاہور سے یہاں پہنچنے تک ہم باتیں ہی باتیں کرتے رہے ہیں یا تفکرات میں گھلتے رہے ہیں۔ اصل کام جہاں تھا' وہیں پر ہے۔"

"اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ان تجربوں اور مشاہدوں سے گزرے بغیر ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ایک بار ہم دہلی پہنچ جائیں تو واقعات کی رفتار خود بخود تیز ہوجائے گی۔ انل بسواس اور جان اسمتھ میں سے جو بھی پہلے گرفت میں آگیا' اسی سے کام کی ابتدا کریں گے۔"

"فی الحال آپ صرف انل بسواس کو ذہن میں رکھیں۔ پتا نہیں جان اسمتھ کہاں ہو" چار کی ٹولی ٹوٹنے کے بعد غزالہ حقیقی معنوں میں میری مشیر اور مددگار ثابت ہورہی تھی۔ مجھے افسوس ہورہا تھا کہ میں نے پہلے اس کی ان صلاحیتوں سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا۔

"ٹرین میں یا دہلی ریلوے اسٹیشن پر ویرا سے بات ہونے کا امکان نہیں ہے۔ ہمیں ابھی طے کرلینا چاہیے کہ دہلی میں ہم کس ہوٹل کا رخ کریں گے؟" میں نے کہا۔

"یہ آپ کا کام ہے۔ مجھے کیا معلوم کہ دہلی میں کون کون سے بڑے ہوٹل ہیں؟"

"ابھی ہوٹل چھوڑیں گے تو باہر کسی ائرلائن کے دفتر یا ٹورسٹ آفس سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں دہلی کے صرف دو ہوٹلوں کے بارے میں جانتا ہوں۔ اوبرائے اور انٹرکانٹی نینٹل۔ اس سے آگے میری سلیٹ صاف ہے۔"

وہ گفتگو ایسی تھی جو اطمینان سے بیٹھ کر ہی کی جاسکتی تھی۔ بازاروں میں راہ چلتے ہوئے ان اہم نکات پر تبادلہ خیال ممکن نہیں تھا۔

ہم نے جب تک روانگی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا' یہ سوچ کر خوف آرہا تھا کہ امرتسر میں ہمارا وقت کیسے گزرے گا لیکن ٹرین کی بکنگ ہوجانے کے بعد وقت تیزی سے گزرتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ ہم دونوں ہوٹل سے اپنا

حساب بے باق کرکے روانہ ہوئے تو بارہ بجنے والے تھے۔
وقت کم رہ گیا تھا۔ راستوں سے لاعلمی کے باعث ہم نے کوئی سواری لینے اور کوئنز روڈ سے دور نکلنے کا ارادہ ترک کردیا۔ ایک بار ہم راستہ بھٹک کر دور نکل جاتے تو وقت پر اسٹیشن پہنچنا دشوار ہوجاتا۔ ہم خراماں خراماں اسی سڑک پر چلتے رہے۔ راستے میں غزالہ نے چند دکانوں میں تاک جھانک کی مگر امرتسر کے اس بازار میں کوئی ایسی غیر معمولی چیز نظر نہیں آئی جسے اس شہر کی خاص سوغات سمجھ کر خریدا جاتا۔
مجھے ایک جگہ ائرانڈیا کا بورڈ نظر آیا تو میں غزالہ کو ساتھ لے کر وہاں گھس گیا۔ وہاں فضائی سفر کے لیے ٹکٹوں کی فروخت اور اندرون ملک نشستوں کے ریزرویشن کا پورا بندوبست تھا مگر دہلی کے ہوٹلوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ ایک افسر نے ہمیں ٹورسٹ آفس یا کسی ٹریول ایجنسی سے رجوع کرنے کا قیمتی مشورہ دے کر رخصت کردیا۔ میں نے اسی لمحے فیصلہ کرلیا کہ دہلی میں انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل سب سے بہتر رہے گا۔
ہم ڈیڑھ بجے سے پہلے امرتسر ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ ویرا ہم سے پہلے وہاں موجود تھی۔ وہ تھکی ہوئی اور اکتائی ہوئی نظر آرہی تھی۔ ہم دونوں کو دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ مجھے اس کی حالت دیکھ کر ترس آگیا۔ اسے الگ ہونے کا مشورہ دینے کے بجائے میں اسے ساتھ لے کر ریستوران کی طرف بڑھ گیا۔
امرتسر میں ویرا نے جیسے تیسے ایک دن گزار لیا تھا۔ ہم لوگ بنگو کی مہربانی سے بچھڑ کر یکجا بھی ہوگئے تھے مگر دہلی میں قیام کے بارے میں ویرا فکرمند تھی۔ غزالہ اسے کچھ دیر تک چھیڑتی اور ستاتی رہی۔ میں ان کی گفتگو سے بے تعلقی اختیار کیے خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ ویرا کے اس مسئلے کا حل غزالہ نے تجویز کیا تھا۔ اسے دہرانے کا حق اسی کو تھا۔ کچھ دیر کی نوک جھوک کے بعد غزالہ نے اسے مسئلے کا حل بتایا تو ویرا خوش ہوگئی۔
اسے ابتدا سے یہ شک تھا کہ دہلی کے سفر میں غزالہ اسے مجھ سے دور رکھنے کی کوشش کررہی تھی۔ غزالہ نے تینوں کے ایک ہوٹل میں قیام کی تجویز پیش کرکے ان شکوک کو مٹادیا تھا۔ چائے ختم کرنے کے بعد باتوں باتوں میں ویرا کو علم ہوا کہ ٹرین میں اس کی سیٹ ہم دونوں سے الگ تھی تو وہ مجھ پر قدرے برہم ہوئی لیکن اس کے لیے صورتِ حال کو جوں کا توں تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔
ڈیڑھ بجے ہم پلیٹ فارم پر پہنچ گئے۔ دھلی دھلائی، صاف ستھری ٹرین وہاں لگ چکی تھی۔ مسافروں کی آمد کا سلسلہ بھی شروع ہوچکا تھا۔
امرتسر پہنچنے کے بعد ہم نے صحت، صفائی، معیار زندگی اور تعلیم کے اعتبار سے بھارت کا جو حال دیکھا تھا، وہ کسی بھی طرح قابل فخر نہیں تھا۔ ظاہری طور پر ان سب شعبوں میں پاکستان آگے نظر آتا تھا لیکن کہا یہ جاتا تھا کہ تعلیم اور اقتصادی ترقی کے شعبے میں بھارت آگے تھا۔ وہ کس طرح آگے تھا؟ اس بات کی کوئی شہادت اس وقت تک ہمارے سامنے نہیں آسکی تھی لیکن بھارتی ٹرین دیکھ کر میری آنکھیں کھل گئیں۔ اس شعبے میں وہ ہمیں مات دے چکے تھے۔ آرام دہ ٹرین کی ہر بوگی پر ایک باوردی کنڈکٹر گارڈ مامور تھا جو بکنگ کا یقین کیے بغیر کسی کو ڈبے میں سوار ہونے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔
ریزرویشن والی بوگیوں میں صرف وہی مسافر سفر کرسکتے تھے جن کی نشستیں پہلے سے مخصوص ہوں۔ دوسرے لوگ ان کے آرام اور سہولتوں میں حارج نہیں ہوسکتے تھے۔ ہر ٹرین کے ساتھ ایک دو ایسی بوگیاں لگائی جاتی تھیں جن میں صرف ٹکٹ خرید کر سوار ہونے کی اجازت تھی۔ ایسی بوگیوں کا وہی حشر ہوتا تھا جو پاکستان کی ہر ٹرین میں اور ہر وقت دیکھا جاسکتا ہے۔
ہم نے پلیٹ فارم پر چہل قدمی کے دوران میں معلوم کیا تو پتا چلا کہ ہماری اور ویرا کی بوگی ایک ہی تھی۔ بکنگ کلرک نے ایک ساتھ ہونے والی بکنگ کا ازخود لحاظ کرتے ہوئے ویرا کو ہماری بوگی کے زنانہ حصے میں جگہ دے دی تھی۔
وقت گزرنے کے ساتھ پلیٹ فارم پر لوگوں کا ہجوم بڑھتا جارہا تھا۔ اس خطے کی معاشرتی روایات کے مطابق مسافروں سے زیادہ ہجوم ان لوگوں کا تھا جو اپنے عزیزوں اور دوستوں کو ٹرین پر سوار کرانے آئے تھے۔ ٹرین میں مسافروں کی تعداد پوری ہونے والی تھی۔ پلیٹ فارم پر ریلوے کے عملے کی وہ بھاگ دوڑ شروع ہوگئی تھی جو کسی ٹرین کی روانگی سے پہلے دیکھنے میں آتی ہے۔
ہم نے ویرا کو زنانہ حصے میں بٹھایا پھر میں غزالہ کے ساتھ مردانہ کمپارٹمنٹ میں داخل ہوگیا۔ کنڈیکٹر نے دیوار پر آویزاں فہرست میں مظہر اور غزالہ کا نام دیکھ کر ٹکٹ چیک کیے اور ہم دونوں اپنی آرام دہ جگہوں پر پہنچ گئے۔
ٹھیک دو بجے ٹرین نے آخری وسل دی اور ایک ہچکولے کے ساتھ پلیٹ فارم چھوڑ کر تیزی سے رفتار پکڑتی

چلی گئی۔

امرتسر سے دہلی تک کا سفر لمبا تھا۔ سکون کی بات یہ بھی کہ ڈبا روشن اور ہوا دار تھا۔ اس میں نشستوں سے ایک آدمی بھی زائد نہیں تھا۔ ان میں ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی، سب ہی شامل تھے۔ بعض اپنی وضع قطع اور لباس سے الگ پہچانے جا رہے تھے۔ کوئی دوسروں پر معترض نہیں تھا۔

ہمیں رات گئے دہلی پہنچنا تھا۔ میں نے جوتے اتار کر پلیٹ فارم سے خریدا ہوا انگریزی اخبار سنبھال لیا۔ غزالہ کھڑکی کے شیشے کے ساتھ لگی باہر کے دوڑتے ہوئے مناظر دیکھنے میں محو ہو چکی تھی۔ ہماری طرح دوسرے مسافر بھی کچھ لکھنے پڑھنے یا باتیں کرنے میں منہمک ہو چکے تھے۔

وہ سپر فاسٹ ٹرین تھی۔ جالندھر اور لدھیانہ کے اسٹیشنوں سے گولی کی طرح گزر گئی۔ انبالہ پر ٹرین چند منٹ کے لیے رکی اور سفر پھر شروع ہو گیا۔ باہر چمکتے ہوئے سورج کی تیز روشنی رفتہ رفتہ ماند پڑنے لگی تھی۔ سورج غروب ہوا تو ٹرین کی روشنیاں جل اٹھیں۔

دس بجے ہماری ٹرین دہلی کے مضافات اور ریلوے لائن کے اطراف میں آباد جھونپڑیوں اور کچی آبادیوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی دہلی اسٹیشن پر جا رکی۔

اسٹیشن کی عمارت پرانی تھی اور زبانِ حال سے اپنی کہانی سنا رہی تھی۔ ہمارے پاس سامان نہیں تھا، اس لیے ہم قلی کی ضرورت سے بے نیاز تھے مگر ہمیں ویرا پر نگاہ رکھنی تھی۔ وہ بھی ہماری طرح جلد ہی باہر نکل آئی۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ہمیں دیکھ چکی ہے تو میں نکاس کے راستے کی طرف ہو لیا۔

اسٹیشن کے باہر سائیکل رکشا سے ٹیکسیوں تک کا ہجوم جمع تھا۔ ہر ڈرائیور کی یہ خواہش تھی کہ وہ سامان سے لدے پھندے مسافروں کو اپنی سواری میں لاد کر ان کی منزل تک پہنچانے کی سعادت حاصل کرے۔ ہم سامان سے محروم تھے اس لیے ڈرائیوروں کی توجہ سے محروم رہے تھے۔ ہمیں از خود ایک ٹیکسی والے کو اپنی طرف متوجہ کرنا پڑا۔ ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کا نام سنتے ہی وہ روانگی پر آمادہ ہو گیا۔

امرتسر سے روانگی سے پہلے ہوٹل کا تعین ہو چکا تھا۔ ویرا مسافروں کی بھیڑ میں کہیں پھنس گئی تھی مگر میں اس کی طرف سے فکرمند نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ وہ ہمارے پیچھے پیچھے ہوٹل پہنچ جائے گی۔

دہلی کی سڑکوں کی رونق اس وقت بھی برقرار تھی۔ کام

ابراہام لنکن نے کہا

○ —— جن لوگوں کو اس قسم کی کتابیں بہت پسند ہیں، انہیں یہ کتاب بہت پسند آئے گی۔ (ایک کتاب پر تبصرہ)

○ —— اللہ تعالیٰ کو یقیناً بے وقوف لوگ پسند ہیں تبھی اس نے وہ اتنی زیادہ تعداد میں پیدا کیے ہیں۔

○ —— مجھے نہیں معلوم میرے دادا کیا تھے۔ مجھے فکر اس بات کی ہے کہ ان کا پوتا کیا ہوگا؟

○ —— اگر یہ چائے ہے تو براہِ کرم مجھے کافی لا دیجئے اور اگر یہ کافی ہے تو براہِ کرم مجھے چائے لا دیجئے۔

○ —— میرا تجربہ ہے کہ جن لوگوں میں کوئی برائی نہیں ہوتی ان میں اچھائی بھی کم ہی ہوتی ہے۔

○ —— میرے باپ نے مجھے کام کرنا سکھایا۔ کام سے محبت کرنا نہیں سکھایا۔ وہ میں نے خود سیکھا ہے۔

○ —— کسی بھی آدمی کی یادداشت اتنی اچھی نہیں ہوتی کہ وہ ہمیشہ کامیابی سے جھوٹ بول سکے۔

○ —— سونے کی عینک پہن کر روشن سے روشن حقیقت بھی نظر نہیں آ سکتی۔

○ —— لومڑی کے شکار کے لیے چوہے کو نہیں بھیجنا چاہیے اور وہیل مچھلی کے شکار کے لیے تکیہ لے کر نہیں جانا چاہیے۔

○ —— شادی نہ تو جنت ہے اور نہ جہنم.... یہ صرف تطہیر کا عمل ہے۔

○ —— جب آپ نے ہاتھی کو صرف اس کی پچھلی ٹانگوں سے پکڑ رکھا ہو تو پھر بہتر ہے کہ اسے بھاگ جانے دیجئے۔

○ —— احمقوں کو نصیحت کرنا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے مترادف ہے۔

کالج اور کاروبار کا وقت ختم ہوچکا تھا مگر لوگ تفریح کے لیے نکلے ہوئے تھے۔ ڈرائیور دہلی کا رہنے والا اور باتونی تھا۔ ہم نے اسے یہ ہوا نہیں لگنے دی کہ ہم پاکستان سے آئے تھے۔ ٹریفک کا دباؤ کم ہونے کی وجہ سے ہم جلد ہی کناٹ پیلس میں واقع ہوٹل کے پورچ میں پہنچ چکے تھے۔ ٹیکسی سے اتر کر ہم عمارت میں داخل ہوگئے۔

ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہوٹل میں کمرے خالی تھے۔ بعد میں پتا چلا کہ دہلی کے اعلیٰ ہوٹلوں میں سیکڑوں کمروں کی گنجائش ہونے کے باوجود، بعض اوقات کئی کئی دنوں تک کوئی کمرا دستیاب نہیں ہوتا۔

ہمارے ساتھ کوئی سامان نہیں تھا لیکن اس پرشکوہ عمارت میں صحیح کمرے تک رسائی کے لیے پورٹر کی رہنمائی ضروری تھی۔ اس کے ساتھ لفٹ کا رخ کرنے سے پہلے میں نے غزالہ کو وہیں رک کر دیرا کا انتظار کرنے اور اس کا کمرا نمبر معلوم کرنے کی ہدایت کردی۔ ایک مرد اور عورت کی ملاقات کے مقابلے میں دو عورتوں کی ملاقات کسی کے لیے بھی قابل توجہ نہیں ہوسکتی تھی۔

پورٹر کو رخصت کرکے میں نے کمرا اندر سے مقفل کرلیا اور ٹیلی فون کے ساتھ رکھے ہوئے پلاسٹک کارڈ کا جائزہ لے ڈالا۔ دہلی میں میرے پاس کسی کا فون آنے کا امکان نہیں تھا۔ بیشتر کالز خود مجھے کرنی تھیں یا پھر فون کو انٹرکام کے طور پر استعمال کرنا تھا۔ فون کے ساتھ یہ سہولت موجود تھی کہ نو کا ہندسہ ملا کر براہِ راست بین الاقوامی ڈائلنگ والی فون لائن حاصل کی جاسکتی تھی۔ اس سہولت کی وجہ سے میں آپریٹر کی مداخلت کے بغیر کسی سے بھی رابطہ کرسکتا تھا۔ اگر میں اس لائن سے سی ایس ڈی جوڑلیتا تو مجھے جلال کے آدمیوں سے ہر وقت رابطے کی آسانی حاصل ہوسکتی تھی۔ آپریٹر کی مداخلت کی صورت میں سی ایس ڈی کے ذریعے لائن خود بہ خود ڈراپ ہوجاتی۔

میں نے اپنی ضروریات اور امکانات پر دوبارہ غور کیا۔ سی ایس ڈی جوڑنے سے پہلے یہ یقین کرنا ضروری تھا کہ ہوٹل کے فنی عملے کو لائن کے ساتھ کسی گڑبڑ کا اندازہ نہ ہوسکے۔ اس کے لیے عارضی کنکشن بہترین حل تھا۔ جب تک ہم میں سے کوئی کمرے میں موجود رہتا، سی ایس ڈی کی لائن فون سے منسلک رہتی۔ کمرا خالی کرنے سے پہلے اسے نکال دیا جاتا تاکہ کمرے کی صفائی اور دیکھ بھال کرنے والے عملے کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوسکے۔

دیوار سے ٹیلی فون انسٹرومنٹ تک آنے والا تار خاصا لمبا تھا تاکہ اسے سہولت کے مطابق بستر سے باتھ روم تک کہیں بھی منتقل کیا جاسکے۔ ہوٹل میں ٹھہرنے والے بعض اکیلے مہمانوں کی نجی یا کاروباری ضروریات ایسی ہوتی ہیں کہ وہ بستر میں ہوں، کھانے کی میز پر ہوں یا باتھ ٹب میں، فون ان کے قریب موجود ہونا چاہیے۔ ہوٹل کی تجربہ کار انتظامیہ نے تار کی وہ لمبائی اسی حساب سے رکھی تھی۔

میں نے تار ایک جگہ سے چھیل کر فون میں آنے والے دو میں سے ایک تار کاٹ دیا۔ تار کے دونوں سرے چھیل کر میں نے سی ایس ڈی کو ان سے جوڑ دیا۔ ضرورت کے وقت وہ فون بلاخوف و خطر استعمال کیا جاسکتا تھا۔ سی ایس ڈی کو نکال کر کٹے ہوئے تاروں کو آپس میں ملا دینے سے وہ لائن اپنی اصل حالت میں آجاتی۔ میں اس کام میں مصروف تھا کہ دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ سی ایس ڈی کو مسہری کے نیچے ڈالا، تار کو سائیڈ ٹیبل کے پیچھے چھپایا اور تقریباً دوڑتا ہوا دروازے پر پہنچ گیا۔ اپنے سوال کے جواب میں غزالہ کی آواز سن کر میری جان میں جان آئی اور میں نے دروازہ کھول دیا۔

غزالہ مسکراتے ہوئے اندر آگئی "این آگئی ہے اسے پانچ سو پندرہ نمبر کمرا ملا ہے۔" دروازہ بند کرکے وہ میری طرف مڑی لیکن میں بے پروائی سے واپس ہولیا تھا۔ وہ میرے چہرے پر رونما ہونے والے کسی تغیر سے باخبر نہیں ہوسکی۔ میں نے واپس آتے ہی دوبارہ سی ایس ڈی نکال لی۔ بڑا کام ہوگیا تھا لیکن کٹے ہوئے تاروں کو اتفاقی طور پر آپس میں ملنے سے بچائے رکھنا ضروری تھا۔ ایسا ہونے سے سی ایس ڈی ناکارہ ہوسکتی تھی۔

"ارے.... یہ آپ نے ہوٹل کے فون میں سی ایس ڈی کیوں لگادی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

میری غیرحاضری میں سی ایس ڈی کو سنبھالنے کی ذمے داری اس کے سر آسکتی تھی۔ میں نے پوری بات سمجھاتے ہوئے تار کے ایک سرے پر عارضی طور پر کاغذ کی پٹی لپیٹ کر اسے جڑنے سے محفوظ کردیا۔

"یہ ترکیب آپ لاہور میں بھی استعمال کرسکتے تھے۔" میری وضاحت سن کر غزالہ نے کہا۔

"وہاں ممکن نہیں تھا کیونکہ آپریٹر کے ذریعے ہماری کالز آتی تھیں۔ باربار لائن ڈراپ ہونے سے ہوٹل کے عملے کی توجہ ادھر مبذول ہوجاتی۔ ویسے بھی وہاں سی ایس ڈی کی

ضرورت نہیں تھی۔ میرا خیال ہے کہ عملے میں خالد کا کوئی آدمی موجود تھا ورنہ وہ اتنا پر اعتماد نہیں ہو سکتا تھا۔"

غزالہ کے چہرے پر سفر کی تکان غالب تھی۔ جوتے اتار کر وہ نہانے کے لیے چلی گئی اور میں نے جلال کا دیا ہوا پرچہ نکال لیا۔ مجھے ڈر تھا کہ تاخیر ہونے کی صورت میں وہ رابطہ صبح تک کے لیے نہ ٹل جائے۔

میں نے بورڈ سے براہِ راست نمبر لے کر بھارت کی سر زمین پر اپنی پہلی ٹیلی فون کال ملائی۔ دہلی کے کسی نامعلوم حصے میں فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ دوسری گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا گیا "ہیلو! کون ہے؟"

فون پر خلاف توقع ایک نسوانی آواز سن کر میں چونک پڑا "لمحہ بھر کے لیے مجھے شبہ ہوا کہ نمبر ملانے میں مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے یا کسی خرابی کے سبب غلط نمبر ملا ہے پھر بھی میں نے ایک کوشش کرنے کا اضطراری فیصلہ کرلیا "کپور تھلہ کے رئیس سے بات کرادو۔"

وہ جلال کے آدمیوں میں سے پہلے کا کوڈ تھا۔ مجھے عورت کی طرف سے کسی تیکھے جواب کی توقع تھی مگر میرے فقرے پر اس کا ردعمل غیر معمولی نہیں تھا۔ میرے کانوں میں پہلے جیسی پرسکون آواز آئی "وہ چلا گیا۔ صبح نو بجے فون کرلینا۔" کوڈ سننے کے بعد اس نے میرا نام پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"گریٹ ڈین کو بلا دو!" جلال کی دی ہوئی ترتیب کے مطابق میں نے دوسرا کوڈ دہرادیا۔

"اچھا!" اس کا جواب معنی خیز تھا جیسے وہ کوئی بات سمجھ گئی ہو۔ وہ کہہ رہی تھی "میں اسے بلاتی ہوں۔"

لائن پر سکوت چھا گیا، میں ریسیور کان سے لگائے کسی نئی آواز کا انتظار کرتا رہا۔ اچانک کمرے کی فضا.... سی ایس ڈی کے بزر سے گونج اٹھی اور لائن ڈراپ ہوگئی۔ میں سناٹے میں آگیا۔ لائن ڈراپ ہونے کا مطلب تھا کہ کسی نے درمیان میں گفتگو سننے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

میں نے دہلی پہنچنے کے بعد ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا تھا مگر کسی نے مخل ہوکر میری کوشش ناکام بنادی تھی۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ کس کی حرکت تھی۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں ہمارا اندراج پاکستان سے آنے والے مسافروں کے طور پر کیا گیا تھا۔ سب سے قوی اندیشہ یہ تھا کہ پاکستانی ہونے کی وجہ سے ہم دہلی میں قدم رکھتے ہی مشتبہ تصور کرلیے گئے تھے۔ کسی سرکاری ہدایت کی روشنی میں ہوٹل کی انتظامیہ نے

ایک سفری سیلزمین کی بیوی نے طلاق کے لیے مقدمہ دائر کیا اور اس کی وجہ شوہر کی بے وفائی بتائی۔

"اس کا ثبوت؟" جج نے پوچھا۔

"جب بھی میرا شوہر کسی طویل دورے پر واپس آتا ہے، میرا گال تھپتھپاتے ہوئے کہتا ہے "ایسا لگتا ہے کہ ہم پہلے بھی کہیں مل چکے ہیں" بیوی نے بتایا۔

میری کال ریکارڈ کرنے کی کوشش کی تھی۔ میری یہ خوش فہمی بے بنیاد تھی کہ میں ہوٹل میں بیٹھ کر جلال کے آدمیوں سے رابطہ کر سکتا تھا۔ ہوٹل ہمارے لیے سب سے بڑا اور خطرناک جال تھا، مجھے وہاں پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔

غزالہ نے باتھ روم میں سی ایس ڈی کے بزر کی آواز سن لی تھی۔ وہ اپنا غسل مختصر کرکے فوراً باتھ روم سے نکل آئی۔

"یہ سی ایس ڈی کیوں آپریٹ ہوئی تھی؟ آپ کس سے بات کررہے تھے؟" اس نے اپنی گیلی زلفیں سمیٹتے ہوئے تجسس سے پوچھا۔

"میں پاکستان سے صرف ایک نمبر لے کر آیا تھا۔ ہوٹل کا فون مداخلت سے محفوظ نہیں ہے۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"مطلوب آدمی مل گیا تھا یا سرے سے رابطہ ہی نہیں ہوسکا۔" غزالہ بالوں کے گرد تولیہ لپیٹ رہی تھی۔

"فون مل گیا تھا۔ ایک عورت نے اسے بلانے کے لیے کہا تھا۔ میں ہولڈ پر تھا کہ اچانک لائن کٹ گئی۔"

"اوہ.... آپ نے اس عورت کو اپنے بارے میں کیا بتایا تھا۔" میرے جواب پر غزالہ مضطرب ہوگئی۔

"کچھ نہیں۔ کوڈ کے بعد کسی پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں

تھی۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ کوئی اعتماد کا آدمی ہے۔ ایسے معاملات میں ضرورت سے ایک لفظ بھی زیادہ نہیں بولا جاتا۔ مختصر اور کام کی بات کی جاتی ہے۔ وہ آجاتا تو اس کی بات دوسری ہوتی۔"

"ادھر آپ پریشان ہیں! اُدھر وہ خوف زدہ ہو گیا ہوگا۔ یہاں کام کرنے والے ہر وقت تلوار کی دھار پر ہوتے ہیں۔ وہ سوچ رہا ہوگا کہ فون کرنے والا کون تھا۔ اسے یہ بات شبے میں ڈال دے گی کہ کسی نے فون کرکے اس کا کوڈ استعمال کیا اور اس سے بات کیے بغیر فون بند کر دیا۔"

"میں نے فوراً اپنی جگہ چھوڑ دی۔" اسے موت کے قدموں کی آہٹ سنائی دینے لگی ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اسی وقت اپنا ٹھکانا بدل دے۔ میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہتا ہوا میں تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ اس وقت رہ رہ کر یہ اندیشہ میرے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہا تھا کہ دہلی میں جلال کے آدمیوں کی پوزیشن بہت نازک تھی۔ اگر وہ بند ہونے والی فون کال سے بھڑک کر بھاگ نکلا تو میرے لیے مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔

میں تیزی سے یہی سب سوچتا ہوا نیچے پہنچا اور ہوٹل کی لابی میں موجود ایک فون بوتھ میں گھس گیا۔

نمبر ملتے ہی ریسیور اٹھالیا گیا اور مجھے وہی نسوانی آواز سنائی دی۔ میں نے آواز پہچان لی مگر اس سے کوئی غیر ضروری یا بے تکلفانہ بات کرنے کے بجائے دوبارہ گریٹ ڈین سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کر دی۔

اس عورت نے بھی میری آواز پہچان لی اور اس کا لہجہ اشتباہ آمیز ہو گیا "سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔"

"میں صرف گریٹ ڈین سے بات کروں گا۔ وہ موجود ہے تو اسے بلا دو۔" میں نے خشک انداز میں کہا۔

"تم نے اسے ڈرا دیا۔" ایک گہرے سانس کے بعد اس عورت کی آواز آئی "تمہارا فون بند ہوتے ہی وہ جلدی میں یہاں سے چلا گیا۔ میں نے تم سے ہولڈ کرنے کے لیے کہا تھا مگر تم سے صبر نہیں ہو سکا۔ اس نے اپنے کمرے کی ایکس ٹینشن اٹھالی اور تم نے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد وہ یہاں نہیں رکا۔۔۔"

میرے ذہن میں روشنی کا ایک کوندا سا لپکا۔ میرے ذہن میں جنم لینے والے اندیشے بے بنیاد تھے۔ ہوٹل کے عملے میں سے کسی نے فون کال میں دخل انداز ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ لوگ محض پاکستانی ہونے کی وجہ سے ہم پر کوئی شبہ کر رہے ہوتے تو وہ کال ابتدا میں ہی کٹ جاتی۔ یوں نہ ہوتا کہ ادھوری بات کے بعد درمیان سے سلسلہ منقطع ہوتا۔

وہ ایک پہلو تھا جو اس عورت کی بات سننے کے بعد میرے ذہن میں ابھرا تھا۔ اصل خرابی اس عورت کے ٹھکانے پر پیدا ہوئی تھی۔ اسے یا جلال کے آدمیوں کو یہ علم نہیں تھا کہ میں اپنے فون پر سی ایس ڈی جیسی کوئی اہم اور حساس ڈیوائس استعمال کر رہا ہوں گا۔ ایک لائن پر اس عورت نے مجھے ہولڈ کرنے کے لیے کہا ہوا تھا۔ گریٹ ڈین نے اسی فون پر آنے کے بجائے اس لائن سے منسلک دوسرا آپریٹس سنبھالا اور سی ایس ڈی نے اپنا کام دکھا دیا۔ وہ بہت سیدھی اور سامنے کی بات تھی جس سے مجھے یا گریٹ ڈین کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

ذہن میں کڑیاں جڑتے ہی میں نے بیچ کی اس عورت کو مزید بولنے کا موقع نہیں دیا اور اس کی بات کاٹ دی "میرے پاس ایک چیز ہے۔ جو فون کال میں کسی اور کی مداخلت سے بچاتی ہے۔ اسے واپس بلاؤ۔ وہ فون ایکس ٹینشن اٹھانے کی وجہ سے بند ہوا تھا۔ آئندہ بھول کر بھی میرے ساتھ ایسا نہ کرنا۔"

"میں اسے ڈھونڈتی ہوں۔" عورت کی آواز کمزور پڑ گئی "مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں گیا ہوگا۔ اب تم ایک بجے فون کرنا۔"

"ضروری نہیں کہ وہی ہو۔ اس کے دوسرے آدمیوں میں سے کوئی مل جائے تو اسی کو بلا لینا۔ یہ بہت ضروری ہے۔" میں نے اسے تاکید کی۔

"مجھے معلوم ہے۔" عورت اس معاملے کی اہمیت اور نزاکت سے پوری طرح واقف معلوم ہوتی تھی "میں اپنی پوری کوشش کروں گی۔ اب تم میری لائن فری کر دو۔"

میں نے فون بند کیا اور بوتھ سے باہر نکل آیا۔

مجھے خوشی تھی کہ پبلک بوتھ سے فون کرنے کے بارے میں میرا فیصلہ صحیح ثابت ہوا۔ ایک سنگین غلط فہمی دور ہو چکی تھی۔ دوسری اور زیادہ خوشی کی بات یہ تھی کہ را کے بدری ناتھ سے حاصل کی ہوئی سی ایس ڈی اسی کے ملک کے خلاف استعمال ہو رہی تھی۔ وہ میرے قبضے میں تھی اور میں اس کی مدد سے ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے بیٹھے ضروری رابطے کر سکتا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی تو ملیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوادیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلارہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلارہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہوکر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں ہم نے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کو ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبا کے حوالے سے بہت فکرمند پایا۔ لاہور میں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان میں سے ایک ہیومن سوسائٹی مجھے غیر معمولی طور پر مشکوک محسوس ہوئی۔ دوران تحقیق انکشاف ہوا کہ اس سوسائٹی کا کرتا دھرتا چوہدری عظمت' جہانگیر کی بیوی کا ماموں ہے۔ ہیومن سوسائٹی کے حوالے سے ہمارا شک درست نکلا۔ وہ ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کے علاقہ غیر اسمگلنگ اور وہاں سے ہیروئن لاہور میں پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھا' اس کے علاوہ وہ انسداد ہیروئن کے ایک امریکی ادارے فورڈ فاؤنڈیشن سے بھی بھاری امداد لے رہا تھا۔ اس کے دست راست شاہد سے یہ معلومات حاصل ہوتے ہی جلال نے فوری کارروائی کی اور چوہدری عظمت کو اس کے گھر سے ہیروئن کے بیالیس تھیلوں سمیت گرفتار کرلیا تھا۔ ویرا بھی لاہور پہنچ گئی' اس نے بتایا کہ وہ جان اسمتھ کو فون کرکے تنگ کرچکی ہے اور اب وہ یہاں دستیاب نہیں ہے۔ اس کے بعد ہمارا بھارت کا سفر شروع ہوگیا۔ جلال ہمیں سرحد تک چھوڑنے آیا جہاں سے ہم منگو کے ہمراہ امرتسر پہنچے۔ امرتسر میں ہمارا ایک روزہ قیام بغیر کسی ہنگامے کے گزرا اور ہم وہاں سے دہلی پہنچ گئے۔ میں نے دہلی پہنچتے ہی جلال کے آدمیوں سے رابطہ کرنا چاہا مگر سی ایس ڈی نے لائن ڈراپ کردی۔ میں سنانے میں آگیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ گڑبڑ جلال کے آدمی کی طرف سے ہوئی تھی' اس نے ٹیلی فون ایکس ٹینشن استعمال کرنے کی کوشش کی تھی اور لائن ڈراپ ہوگئی تھی۔ مجھے اب دوبارہ اس سے رابطے کا انتظار تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

بھارت کی سرزمین پر اس وقت ہم دہلی کے انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل کے ایک کمرے میں محصور تھے اور وہاں غزالہ میری مشیر تھی۔ ویرا بھی اسی ہوٹل کے کمرا نمبر پانچ سو پندرہ میں مقیم تھی۔ وہ سراغ غزالہ نے حاصل کیا تھا مگر ویرا کو یہ علم نہیں تھا کہ ہم ہوٹل کے کس کمرے میں ٹھہرے تھے۔

امرتسر سے سپرفاسٹ ٹرین کے ذریعے' دہلی کے سفر پر روانگی سے پہلے ہم نے صرف ایک اصولی فیصلہ کیا تھا کہ بھارت جیسے دشمن ملک کے ایک اجنبی شہر میں ہم تینوں ایک ہی ہوٹل میں الگ الگ قیام کریں گے تاکہ باہمی رابطے میں آسانی ہو۔

اگر ویرا احتیاط کے دامن کو خیرباد کہہ دیتی تو اپنے کمرے سے ہلے بغیر' محض انٹرکام پر رابطے کے ذریعے ہوٹل کے کاؤنٹر سے یہ معلوم کرسکتی تھی کہ مظہر خان اور غزالہ کے ناموں سے ہم ہوٹل کے کس کمرے میں مقیم تھے۔ کسی ناگہانی یا حادثاتی صورت حال کے رونما ہوئے بغیر مجھے ویرا سے ایسی کسی غیر ذمّے داری کی توقع نہیں تھی۔ یہ امکان ضرور تھا کہ وہ اپنے کمرے میں کسی نہ کسی طرح رات بسر کرلیتی اور پھر ہماری تلاش میں ہوٹل کی لابی کے کسی ایسے حصے میں جم جاتی جہاں سے ہوٹل میں آنے اور جانے والے ہر شخص پر نگاہ رکھی جاسکے۔

میں جلال کے آدمیوں سے ابتدائی رابطہ کیے بغیر ویرا کو چھیڑنے کے حق میں نہیں تھا۔

وہ سب سوچتا ہوا' میں لفٹ کے ذریعے منزلیں طے کرکے اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ نہایت اضطراب کے عالم میں میری واپسی کی منتظر تھی۔ میری ہلکی سی دستک کے جواب میں اس نے اتنی سرعت سے دروازہ کھولا کہ میں حیران رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کمرے کی تنہائی سے خوف زدہ ہوکر میری واپسی کے انتظار میں دروازے سے لگی کھڑی تھی۔

"آپ کچھ کہے سنے بغیر کہاں چلے گئے تھے؟ میں پریشان ہوگئی تھی" اس نے دروازہ بند کرتے ہی سوال کرڈالا۔

"فتور تم نے پیدا کیا تھا" میں نے اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگاکر کہا "تمہارا اندیشہ سوفیصد درست تھا۔ اچانک فون بند ہونے سے وہ خوف زدہ ہوکر اپنے ٹھکانے سے بھاگ نکلا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ ہوٹل کے سوئچ بورڈ سے کسی نے ہماری گفتگو سننے کی کوشش کی ہوگی جس کی وجہ سے سی ایس ڈی نے لائن ڈراپ کردی۔ ایسی صورت میں کمرے کا فون

مخدوش تھا۔ میں نیچے پبلک فون بوتھ تک گیا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟" وہ سب کچھ جان لینے کے لیے اتنی مضطرب تھی کہ مجھے ذرا سے توقف کا بھی موقع نہیں دیا۔

"اس بار پھر اسی عورت سے بات ہوئی۔ وہ شکوہ کر رہی تھی کہ میں نے گریٹ ڈین سے بات کیے بغیر فون بند کر کے اسے خوف زدہ کردیا اور وہ ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر اس ٹھکانے سے فرار ہوگیا۔ دشمن ملک کی سرزمین پر ہر سیکرٹ ایجنٹ اپنے سائے سے بھی بھڑکتا ہے۔ کپور تھلا کا رئیس موجود نہیں تھا۔ گریٹ ڈین بھاگ گیا۔ تیسرا آدمی بھی موجود نہیں تھا۔ اب وہ عورت انہیں تلاش کر رہی ہوگی۔"

"وہ عورت بھی بہت اہم معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے اس سے کوئی بات نہیں کی" غزالہ نے پوچھا۔

میں آرام سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ "عورت کا کوئی اہم کردار ہوتا تو جلال اس کے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ بتاتا۔ ایسے معاملات میں ہدایات سے سرمو بھی انحراف کیا جائے تو براہ راست گردن کٹتی ہے۔ اس سے کم پر گلوخلاصی کا تصور بھی محال ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ جلال آپ کو عورت کے متعلق بتانا بھول گیا ہو۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ پاکستان انٹیلی جنس بیورو کے تین اہم سیکرٹ ایجنٹ دہلی کی اس عورت پر اعتماد کرتے ہیں، اس کے پاس رہ رہے ہیں یا کم از کم آتے جاتے ہیں اور وہ عورت ان کے دوسرے خفیہ ٹھکانوں سے بھی واقف ہے۔ وہ بھروسے کے قابل نہ ہوتی تو یہ سب کیسے ممکن تھا؟" غزالہ کی کھوپڑی کام کر رہی تھی۔

"تم بنگو والا بھیانک تجربہ بہت جلد فراموش کر بیٹھی ہو۔ بھارتی فوج کے میجر اچاریہ سے لے کر صوبیدار تک کو معلوم ہے کہ بنگو سرحد پار آتا جاتا رہتا ہے۔ وہ اس کی آمدورفت سے چشم پوشی کا معاوضہ بھی لیتے ہیں لیکن میں شرط لگا سکتا ہوں کہ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا کہ بنگو کے ایک خفیہ پاکستانی ادارے کے ایک ذمے دار افسر سے روابط ہیں۔ پتا نہیں بنگو انہیں کیا کہانیاں سنا کر ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے۔ صوبیدار کو شبہ بھی ہوتا کہ بنگو کی سال خوردہ پک اپ میں تم جیسی حسین اور جواں سال خاتون موجود ہے تو وہ ہزاروں کیا، لاکھوں کی رشوت پر لات مار کر مرنے مارنے پر تل جاتا۔ وہ صرف رابطے کی عورت ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے آئی بی کے تینوں سیکرٹ ایجنٹوں کی اصلیت کا بھی علم ہو۔"

"میرے لیے یہ مان لینا مشکل ہے" غزالہ نے سہلاتے ہوئے کہا "جب ان کے اصل ناموں کے بجائے کوڈ اور خفیہ ناموں سے فون آتے ہیں تو وہ عورت بہت کچھ سمجھ سکتی ہے۔ آپ اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہیں لگا رہے۔"

میں خاموشی اختیار کر کے اس بحث کو وہیں ختم کرسکتا تھا لیکن اس طرح غزالہ اداس ہو جاتی۔ اسے احساس ہوتا کہ میں نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ وہ بھارت کے دارالحکومت، دہلی میں ہماری پہلی رات تھی۔ اس یادگار شب میں، میں غزالہ کی ناراضی مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے رسانیت سے جواب دیا "وہ کوئی شریف اور معزز عورت نہیں ہوسکتی۔ زیرزمین دنیا سے تعلق رکھنے والی عورتیں بھی مردوں کی طرح بگڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان کے پاس بھانت بھانت کے جرائم پیشہ اور مشتبہ لوگوں کی آمدورفت رہتی ہے۔ آئی بی والوں نے اپنی اصلیت ظاہر کیے یا اپنے اصل کاموں کا راز فاش کیے بغیر، کسی حیلے بہانے سے اس عورت کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا ہوگا۔ ہمیں اس کو نظرانداز کرنا ہوگا۔"

میری اس وضاحت سے غزالہ کچھ مطمئن ہوگئی۔ اس نے سہلاتے ہوئے کہا "یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ ہماری کسی لغزش کی وجہ سے وہ تینوں اس عورت کی تمام ہمدردیوں سے محروم ہوسکتے ہیں۔"

"بس! اب تم بات کی تہ تک پہنچ گئیں، اسی لیے میں محتاط ہوں۔"

"پھر اب کیا ہوگا؟" ذہن سے ایک الجھن دور ہوجانے کے بعد غزالہ دوبارہ اپنے بالوں کو سکھانے میں مصروف ہوگئی۔

"اس نے ایک بجے کا وقت دیا ہے" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "میں دوبارہ اسے فون کروں گا۔"

"دوبارہ نہیں، تیسری بار!" غزالہ نے مسکراتے ہوئے تصحیح کی "ایک بجے آپ کمرے سے نیچے جاکر پبلک بوتھ استعمال کریں گے تو کسی کو شبہ نہیں ہوگا؟"

"بستر اور چارپائی والے ہوٹلوں میں رات گئے کی نقل وحرکت مشتبہ سمجھی جاتی ہے۔ بڑے ہوٹلوں میں ساری رات ہر قسم کی مصروفیات جاری رہتی ہیں۔ کوئی کسی کی طرف آنکھ بھی نہیں اٹھاتا۔ ویسے مجھے نیچے جانے کی ضرورت نہیں رہی۔ کمرے کا فون سی ایس ڈی کی وجہ سے محفوظ ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر بولی "ہاں، بڑے ہوٹلوں میں زیادہ تر بڑے لوگ آتے ہیں۔ ان میں بزنس مین بھی ہوتے ہیں اور بڑے افسر بھی۔ ان بڑے لوگوں کے مسائل بڑے ہوتے ہیں جو انہیں بے خوابی کے مرض میں مبتلا کردیتے ہیں۔ رات بھر وہ خود سوتے ہیں، نہ ہوٹل کے عملے کو اپنے فرائض سے غافل ہونے کا موقع دیتے ہیں، ان کی آڑ میں کوئی ہم جیسے لوگوں کے لیے بھی آسانیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔"

غزالہ کے چہرے پر اور آنکھوں میں شرارت ہی شرارت چمک رہی تھی۔ میں نے لپک کر بے ساختہ اس کے

گیلے بال نرمی سے اپنی مٹھی میں لیے اور اس کے وجود کی حلاوت و حرارت لبوں کے راستے میرے پورے وجود میں سکون کی ایک لہر کی طرح سرایت کر گئی۔

"آج کی رات ہم دہلی کے بڑے ہوٹل میں ہیں اور اسے بڑے لوگوں کی طرح گزاریں گے" میں اسے دھکیلتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا۔

امرتسر سے دہلی تک ٹرین کا سفر خاصا طویل تھا۔ بھارت کے عام شہری اپنی سپر فاسٹ ٹرینوں کی رفتار اور سہولتوں پر فخر کرتے ہیں مگر سفر پھر سفر ہی ہوتا ہے۔ ٹرین کی بوگی میں راستے کی دھول اور گرد و غبار نہ ہونے کے باوجود اس سفر کی تکان اپنی جگہ پر تھی جو ٹھنڈے پانی تیز دھاروں میں غسل کیے بغیر پیچھا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ غزالہ کے بھیگے ہوئے چہرے اور بالوں کے قریبی مشاہدے کے بعد میری غسل کرنے کی خواہش شدید تر ہو چکی تھی۔ میں نے باتھ روم کا دروازہ بولٹ کرتے ہی کپڑوں کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کیا اور پوری رفتار سے شاور کھول دیا۔

غزالہ بہت سمجھ دار اور سگھڑ بیوی تھی۔ میرے نہانے تک وہ میرے لیے کپڑوں کا ایک آرام دہ جوڑا تیار کر چکی تھی جو کرتے اور پاجامے پر مشتمل تھا۔ اس سفر کے لیے میں نے خاص طور پر ایسے دو جوڑوں کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ میں نے نہ جانے کس سے سنا تھا کہ پنجاب کے بعض علاقوں کے سوا پورے بھارت میں مرد شلوار استعمال نہیں کرتے۔ وہ پہناوا صرف عورتوں کے لیے مخصوص تھا۔

ہم تینوں غیر قانونی طور پر سرحد عبور کر کے پاکستانی سرزمین سے بنکو کے ساتھ امرتسر پہنچے تھے مگر ہمارے پاس باضابطہ پاکستانی پاسپورٹ موجود تھے جن پر بھارت کے وہ خاص ویزے بھی لگے ہوئے تھے جن کے تحت ہم بھارت کے چار شہروں میں قیام کر سکتے تھے۔ ہمیں ان شہروں میں اپنی آمد اور روانگی کا پولیس میں اندراج کرنے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

ان سفری دستاویزات کے ہوتے ہوئے ہم اپنی پاکستانی شناخت کو نہیں چھپا سکتے تھے۔ دہلی کے ہوٹل میں کمرا لیتے ہوئے بھی ہم نے اپنے پاسپورٹ متعلقہ کلرک کو دکھائے تھے۔ اس کے باوجود میری ہر شعوری کوشش تھی کہ بھارت میں قیام کے دوران میں ایسا لباس اور رہن سہن اختیار کیا جائے کہ عام لوگ پہلی ہی نظر میں ہماری قومیت کا اندازہ نہ لگا سکیں۔ سامان دستی اور مختصر سا تھا مگر میں نے اس میں شب خوابی کے لیے کرتے پاجامے کی شمولیت کا دھیان رکھا تھا۔ وہ کپڑے ایسے تھے کہ میں انہیں باہر آمد و رفت کے لیے بھی بلا تکلف استعمال کر سکتا تھا۔

"ہمیں ہوٹل آئے خاصی دیر ہو چکی ہے" میرے نہا کر نکلنے پر غزالہ نے مسکراتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کیا "اب ویرا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہوگا۔ وہ کمرے میں بیٹھی ہم دونوں پر دانت پیس رہی ہوگی۔"

"ہمیں اس کا اور اسے ہمارا خیال رکھنا تھا۔ یہ اس کی غلطی تھی کہ وہ اسٹیشن کی بھیڑ میں پیچھے رہ گئی۔ ہمارے ساتھ ساتھ ہوٹل پہنچتی تو اسے بھی ہمارے کمرے کا نمبر معلوم ہو جاتا۔ اس کی بے خبری میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے" میں نے جواب دیا۔

"وہ دیر سے ضرور پہنچی مگر اس نے دیکھ لیا تھا کہ میں لابی میں اس کی آمد کی منتظر تھی!"

"ٹھیک ہے۔ وقت ملے گا تو نیچے لابی میں رکھے ہوئے انٹرکام سے اس سے بات کر لوں گا" میں نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اپنے بال سنوارتے ہوئے کہا "ایک دو دنوں تک کمروں سے باہمی رابطہ مناسب نہیں رہے گا۔"

دروازے پر دستک ہوئی اور غزالہ کی بلند آہنگ کم ان پر ہوٹل کی روم سروس کی ایک ساری پوش ویٹریس کھانے ٹرالی سمیت ہمارے کمرے میں داخل ہو گئی۔ میری مستفسرانہ نگاہیں بے اختیار غزالہ کے چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔

"بھوک لگ رہی تھی میں نے آرڈر دے دیا" غزالہ نے وضاحت کی اور طرح دار ویٹریس کے ساتھ میز لگانے میں مصروف ہو گئی۔

میری کیفیت غزالہ سے مختلف نہیں تھی۔ نہاتے ہوئے بھی میرے پیٹ میں چوہے دوڑتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے مگر میرے ذہن میں ہوٹل کا کھانا کھانے کا کوئی خیال نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ اتنی رات گئے بھی کناٹ پیلس میں اشیائے خورونوش کی دکانیں کھلی ہوئی ہوں گی۔ ہم دہلی کی تازہ اور کھلی ہوا میں وہاں کے ماحول سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ کہیں شکم پری بھی کر لیں گے۔

غزالہ پر شاید تکان کا غلبہ تھا۔ اسے تفریح کے بجائے آسان اور سیدھا راستہ سوجھا اور وہ اس پر عمل کر گزری۔

کھانے کے دوران میں گفتگو جاری رہی۔ غزالہ کا رویّہ کبھی کبھی میرے لیے ناقابل فہم سا ہو جاتا تھا۔ وہ ویرا کی بعض حرکتوں سے نالاں رہتی تھی مگر کبھی کبھی اس کے لیے ضرورت سے زیادہ فکرمند نظر آنے لگتی تھی۔ بات ویرا سے شروع ہو کر چٹپٹے کھانے کے ذائقے کی طرف گھوم گئی۔ غزالہ نے دو مختلف ڈشیں منگوائی تھیں اور دونوں میں دلی کا مشہور چٹخارا مفقود تھا۔ خاص طور پر کوفتوں میں سارے مسالے موجود تھے مگر ان کی مقدار نہ ہونے کے برابر تھی۔

مرچ مسالوں کی اس احتیاطی کمی کا سبب جلد واضح

ہوگیا۔ بھارت میں تاریخی اور سیاحتی مقامات کی کمی نہیں تھی۔ تین ہزار سال سے زائد قدیم اس ملک میں سیاحوں کے لیے بڑی کشش تھی۔ ہر بھارتی حکومت بھی زرمبادلہ کی خطیر آمدنی کے لیے اس شعبے کی بھرپور تشہیر کرتی رہی تھی۔ یوں بھارت میں ہر سال یورپی سیاحوں کی ایک بڑی تعداد آتی تھی۔ ان کے لیے دہلی اور اس کے قرب وجوار میں بہت کچھ بکھرا ہوا تھا۔ پرانا قلعہ، لودھی گارڈن، قطب مینار، لال قلعہ، جامع مسجد، چاندنی چوک، راج گھاٹ سے آگرہ کے تاج محل تک سب ہی قابل دید مقامات تھے۔ بڑی تعداد میں آنے والے گوروں کے لیے بھارت کے فائیو اسٹار ہوٹل بہت سستے تھے کیونکہ ڈالر اور پونڈ اسٹرلنگ کے مقابلے میں اس کی شرح کبھی اوپر نہیں جاسکی تھی۔ ان کی خوشنودی کے لیے مقامی کھانوں میں یورپی معیار کا پھیکاپن پیدا کرنا ناگزیر تھا۔ وہ ایک معیاری ہوٹل تھا۔ ہوٹل والے ایک وقت میں ایک ہی ڈش کے دو ذائقے نہیں بنا سکتے تھے۔ ہم جیسے مسالا خوروں کو اکلوتے معیار پر گزارہ کرنا پڑا۔

وہ ہماری بنیادی ضروریات تھیں۔ ان سے فارغ ہوکر میں آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا۔ غزالہ نے کمرے میں موجود منی بار کہلانے والے چھوٹے سے ریفریجریٹر میں سے کوکا کولا کا ٹن نکالا تو خوش ہوگئی کہ اس میں ویرا کے گزارے کے لیے بہت کچھ موجود تھا۔

اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بجے تھے۔ میں نے ہوٹل کی بارونق لابی کا ایک چکر لگانے کا ارادہ ظاہر کیا تو غزالہ بھی آمادہ ہوگئی۔ اس وقت تک میرے شب خوابی کے کپڑے شکن آلود نہیں ہوئے تھے۔ میں لابی میں گوروں سے مقامیوں تک کو ایسے بھانت بھانت کے لباسوں میں دیکھ چکا تھا کہ ہوٹل میں فینسی ڈریس شو کا گمان ہو رہا تھا۔ ہم دونوں کمرا مقفل کرکے نیچے چل دیے۔

گھومنا پھرنا اور زندگی کی تمام تر رعنائیوں سے لطف اندوز ہونا سیاحت کا بنیادی اصول ہے۔ ہوٹل کی بھری ہوئی لابی میں سب اسی اصول پر کاربند تھے۔ خوب صورت اور رنگارنگ جسموں سے پھوٹتی ہوئی مسحور کن خوشبوؤں، نقرئی قہقہوں اور دبی دبی آوازوں کی ملی جلی گونج سے وہاں ایک عجیب سا سماں بندھا ہوا تھا۔ ہوٹل کے کسی حصے سے موسیقی کی ہلکی لہریں ہوا کے دوش پر تیر رہی تھیں۔ یہ اندازہ ہی نہیں ہو رہا تھا کہ رات اتنی گزر چکی تھی۔

بھارت ایک غیر مذہبی ریاست ہونے کا دعوے دار ہے۔ وہاں سرکاری سطح پر کھل کر ہندو اکثریت کی پشت پناہی کی جاتی ہے۔ مسلمان، سکھ اور عیسائی اقلیتیں کبھی بھی ان کے عتاب سے محفوظ نہیں رہیں۔ بابری مسجد کو شہید کردیا گیا۔ تاریخ سے انحراف کرکے قطب مینار کے سائے میں مسجد قوت الاسلام میں پوجا کی سرتوڑ کوششیں جاری ہیں۔ گردوارے مسمار کیے گئے۔ گولڈن ٹیمپل کو بھارتی فوجیوں کے جوتوں سے روندا گیا۔ اس کے در و دیوار میں اب بھی کہیں کہیں بھارتی سورماؤں کی چلائی ہوئی گولیاں مدفون ہوں گی۔ گرجوں کے ساتھ زندہ عیسائیوں کو نذر آتش کیا گیا۔ ان مذموم حرکتوں کے باوجود بھارتی حکومتیں ہمیشہ مذہبی رواداری اور سیکولرازم کے نعرے لگاتی رہی ہیں اور ان کے مغربی حواری اپنی آنکھیں موند کر دنیا کی اس سب سے بڑی جمہوریت کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے ہیں۔ وہ سب تلخ زمینی حقائق اپنی جگہ پر تھے۔ اس وقت میں یہ دیکھ رہا تھا کہ کم وبیش ہر میز پر پیمانے گردش میں آئے ہوئے تھے۔ ہوٹل کے بار میں جو کچھ ہو رہا ہوگا، اس کی جھلکیاں لابی تک میں نظر آرہی تھیں۔

شراب کو دنیا کے کسی آسمانی یا خود ساختہ مذہب میں اچھا قرار نہیں دیا گیا۔ آسمانی مذاہب سختی سے اس کی تنقیص کرتے ہیں مگر بھارت میں مذہبی رواداری کے نام پر اگر کوئی حقیقی آزادی میسر تھی تو وہ صرف شراب پینے کی آزادی تھی۔ اس سے آگے رواداری کے دروازے بند تھے۔

جو چاہو اور جتنی چاہو، پیو۔ پاکستان کے برعکس بھارت

میں کھلی اجازت ہے۔ کسی ایک آدھ صوبے میں مقامی پابندی ہو تو ہو' دہلی کے اس ہوٹل میں بیشتر مہمان اور سیاح اس آزادی کے طفیل ہلکی یا گہری ترنگ میں نظر آرہے تھے۔

"یہاں تو دن نکلا ہوا ہے۔ ہم بلاوجہ اپنے کمرے میں گھسے ہوئے تھے" غزالہ نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔

"یہ سیاحت کا سیزن ہے۔ گرمیاں ہوتیں تو اس وقت بھی یہاں لو چل رہی ہوتی۔ دہلی سمندر سے تقریباً ایک ہزار فٹ اونچے میدانی علاقے میں واقع ہے۔ یہاں کی گرمی اور سردی دونوں ہی اپنی انتہا پر ہوتی ہیں۔ یہ ساری رونق موسم کی وجہ سے نظر آرہی ہے۔ گرمیوں میں یہاں کے ائرکنڈیشنڈ ہوٹل بھی بھائیں بھائیں کرتے نظر آتے ہوں گے" میں نے انٹرکام والے گوشے کی طرف اپنی راہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

ہم اپنی منزل تک پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ اچانک ویرا ہمیں اپنی طرف آتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے دور ہی سے ہمیں دیکھ لیا تھا اور پرجوش انداز میں' فضا میں ہاتھ ہلاتی ہوئی ہماری طرف چلی آرہی تھی۔ اس کے بشرے پر تشویش یا پریشانی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

جب تک وہ ہماری نظروں سے اوجھل تھی' غزالہ اس کی فکر میں گھلی جارہی تھی۔ اسے یوں اچانک نمودار ہوتے دیکھا تو غزالہ کا برا سا منہ بن گیا۔ وہ جلے بھنے لہجے میں کہہ رہی تھی "یہ چین سے کہیں ٹک کر بیٹھنے والی مخلوق نہیں ہے۔ میں بلاوجہ اس کے بارے میں فکرمند ہورہی تھی۔"

میرے ذہن کے کسی گوشے میں ویرا سے ایسے اچانک ٹکراؤ کا اندیشہ موجود تھا۔ مجھے اس کے نظر آنے پر حیرت نہیں ہوئی مگر اس کے چہرے کے تاثرات نے مجھے پریشان کردیا۔ وہ ہوٹل کے اندرونی حصے کی طرف سے آرہی تھی جہاں بار' ریستوران اور کیفے واقع تھے۔ اس کا گورا چٹا اور دل آویز چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے' خمار کے گہرے سرخ ڈورے اس غیر معمولی تمتماہٹ کے سبب کی نشاندہی کررہے تھے۔ شاید وہ اپنے کمرے میں زیادہ دیر تک نہیں ٹکی تھی۔ کمرے کے منی بار میں موجود مشروبات کو اپنی ضروریات کے لیے ناکافی سمجھتے ہوئے ہوٹل کے بار میں جاگھسی تھی۔ یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ بار سے شکم سیر ہوکر باہر نکلی تھی اور ہم اتفاقاً اسے نظر آگئے یا پھر نشے کی رو میں ہی اسے ہماری تلاش کا دھیان آگیا تھا۔

اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے میری روح فنا ہوگئی۔ نشے کی جھونک میں وہ والہانہ انداز میں دور ہی سے ڈیئی کا نعرہ بلند کردیتی تو بہت سے لوگ چونک کر ہماری اور اس کی طرف متوجہ ہوسکتے تھے۔

میں نے اسے ایسی کسی حرکت سے باز رکھنے کے لیے اضطراری انداز میں جواباً اپنا ہاتھ لہرایا اور اسے گردن سے اپنی طرف آنے کا اشارہ کرتا ہوا ایسی سمت میں ہولیا جہاں رونق کے باوجود تخلیے کی کچھ نہ کچھ گنجائش موجود تھی۔

بڑے بڑے' گہرے سبز پتوں والے پودوں کے گملوں کے درمیان ویرا ہمارے پاس پہنچ گئی۔

"ہائے ڈارلنگز! تم دونوں کہاں غائب ہو؟" اس نے ہمارے قریب آتے ہی والہانہ لہجے میں کہا۔ اس کے سانسوں سے اعلیٰ درجے کی اسکاچ کی تیز بو آرہی تھی۔ نشے میں ہونے کے باوجود اس کا دماغ پوری طرح کام کررہا تھا۔ اس نے ہم دونوں میں سے کسی کا نام لینے کی حماقت نہیں کی۔ وہ سلیس اور شستہ اردو کے بجائے خالص امریکی لب ولہجے میں انگریزی بول رہی تھی۔ اس نے اپنے دہانے سے الکحل میں رچا ہوا ایک گہرا سانس خارج کرکے اپنی بات جاری رکھی "تم دونوں کے فراق میں' میں کافی دیر سے کسی کٹی ہوئی آوارہ پتنگ کی طرح پورے ہوٹل میں چکراتی پھر رہی ہوں۔"

"تم نشے میں ہو' اپنے کمرے میں جاؤ" میں نے اسے گھورتے ہوئے' نیچی آواز مگر سخت لہجے میں حکم دیا "میں انٹرکام پر تم سے بات کروں گا۔ یہاں رکی رہیں تو تم تھوڑی دیر میں واقعی چکرانا شروع کردوگی اور تماشا بن جاؤگی۔"

"اوکے!" اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں ملاکر انہیں اپنے گلابی ہونٹوں سے چوما اور وہ ہاتھ فضا میں میری طرف اچھال دیا "تم کہتے ہو تو واپس چلی جاتی ہوں ورنہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں الکحل کی مچھلی ہوں۔"

اس نے ہم میں سے کسی کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور ترنگ کے انداز میں اپنی لچکیلی کمر کو بل دیتی اور کولہے مٹکاتی ہوئی اس طرح واپس چل دی جیسے ہماری طرف آئی تھی۔ میں نے وہ ناگہانی بلا ٹل جانے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

"یہ کمینی بہت اچھی اور دلیر عورت ہے مگر اپنی بے تحاشا شراب نوشی کی وجہ سے ایک نہ ایک دن ماری جائے گی" غزالہ کی اس سرگوشیانہ خودکلامی سے بیک وقت غم وغصے کا اظہار ہورہا تھا۔ اسے ویرا کی حرکتوں پر غصہ تھا اور وہ اس کے متوقع انجام کی طرف سے مغموم تھی۔

"این مرگئی تو تمہارے سر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ جائے گا" میں نے دھیرے سے غزالہ کو چھیڑا۔

"میں اتنی خودغرض نہیں ہوں کہ اس کی موت کی آرزو کرنے لگوں۔ جس دن آپ کی ذات پر میرا اعتماد کمزور ہوا' میں ایسی کسی اخلاقی پستی میں جاگروں گی' مجھے آپ پر اور آپ کی چاہت پر ناز ہے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کبھی میرا یہ مان نہیں توڑیں گے۔"

دہلی کے ہوٹل کی بارونق لابی میں چلتے چلتے غزالہ نے بڑی رسانیت سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی تھی جو وہ میرے

ساتھ برسوں کی خلوت میں بھی اپنی زبان پر نہیں لاسکی تھی۔

میرے وجود میں بہ یک وقت سیکڑوں ننھی ننھی سی سوئیاں چبھنے لگیں جو تیزی سے اور باربار اپنا مقام تبدیل کررہی تھیں۔

غزالہ کو مجھ پر اور میری چاہت پر بڑا مان تھا۔ یہ بات درست تھی کہ میں اسے ٹوٹ کر، دل وجان سے چاہتا تھا مگر میرے دل میں چور تھا۔ میرا دامن داغ دار تھا۔ اس سے بے پناہ محبت ہونے کے باوجود میں ویرا کے چنگل میں پھنستا رہا تھا۔ شاید یہ مردانہ سرشت کا قصور تھا کہ وہ عورت سے بھی وفا کا خواہاں رہتا ہے مگر خود چوری چھپے ہرجائی پن کے کھیل کھیلتا رہتا ہے۔

مردوں سے مغلوب معاشروں میں طوائف کا وجود ابتدا سے ہی نظر آتا ہے۔ وہ ہمیشہ اور ہر دور میں امرا اور شرفا کی منظور نظر رہی۔ بیویاں سب جانتی اور سمجھتی ہیں کہ بالاخانوں میں یا کال گرلز کے گھر جانے والے شوہر کن دھندوں میں ملوث ہوتے ہیں مگر خاموش رہتی ہیں۔ عورت ابتدائے تاریخ سے مرد کا یہ ظلم شاید صرف اس لیے سہتی آرہی ہے کہ وہ اسے مرد کی سرشت یا فطرت ثانیہ سمجھتی ہے۔ عورتوں نے اس زیادتی سے دل برداشتہ ہوکر کبھی ایسے بازاروں کا تصور نہیں کیا جہاں بنی سنوری عورتوں اور لڑکیوں کے بجائے بانکے اور سجیلے مرد، بازار میں آنے والیوں سے اپنے جسموں کا سودا کرتے ہوں۔

میرے دماغ میں ایک آندھی سی چل پڑی تھی۔ میرے اپنے وجود میں چھپی ہوئی کوئی نادیدہ قوت مجھے پرزور ملامت کررہی تھی کہ میں غزالہ جیسی معصوم، پاک باز اور وفاشعار بیوی کے ساتھ دغا کرتا رہا ہوں۔ مگر میرا ذہن اس ملامت سے بچنے کے لیے بہت سی تاویلیں بھی گھڑ رہا تھا۔ اس کشمکش میں میری کسی کوشش کا دخل نہیں تھا۔ وہ خود احتسابی کا ایک خود کار عمل تھا جو ہر باضمیر شخص کے دل ودماغ میں ہر وقت جاری رہتا ہے مگر بیشتر لوگ محض مادی کامیابیوں اور اپنی انا کی تسکین کے لیے، اپنے سانسوں کی لڑی سے جڑے ہوئے کمپیوٹر کے اس حسابی عمل کو ڈھٹائی سے نظرانداز کردیتے ہیں۔

سچ اور جھوٹ، صحیح اور غلط کو ناپنے کا پیمانہ ہر انسان کے اپنے وجود کے کسی نہاں خانے میں پیدائشی طور پر پوشیدہ ہوتا ہے مگر عورت کی ہوس، پیسے کی طمع اور زمین کے لالچ میں اس پیمانے سے رجوع کرنے والوں کی تعداد روز بہ روز گھٹتی جارہی ہے۔ اس لمحے مجھے خوشی کا ایک موہوم سا احساس بھی ہوا۔ میں کوئی مکمل انسان نہیں تھا۔ اپنے گردوپیش میں سانس لیتے ہوئے، دوسرے لاکھوں انسانوں کی طرح بہت سی خرابیوں اور خامیوں کا مجموعہ تھا۔ میرا شمار ان لوگوں میں تھا جنھوں نے پاکستان کی سرزمین پر ہیروئن جیسے ہولناک نشے کو متعارف کرانے اور پھر پھیلانے کے لیے موت کے سفاک سوداگروں سے اپنی مجبوریوں کا سودا کرلیا۔ میں نے بازار میں روایتی منشیات کا مصنوعی قحط پھیلا کر ہیروئن کی متبادل پڑیاں مفت تقسیم کیں، پھر ان کے دام مقرر کیے اور یوں اس گھناؤنے کاروبار کے فروغ میں ایک ناقابل معافی کردار ادا کیا لیکن وہ سب میری بے خبری کی کہانیاں تھیں۔

جب تک میں ہیروئن کی بلاخیزی، مہلک گرفت اور تباہ کاری سے بے خبر تھا۔ میں اس بھٹی کا ایندھن بنارہا لیکن جب مجھ پر ہیروئن کے بھیانک اسرار کھلنے شروع ہوئے اور میں نے اس نشے کے ماروں کا عبرت ناک انجام اپنی آنکھوں سے دیکھا تو میں بہت تیزی کے ساتھ اس جنس سے متنفر ہوتا چلا گیا۔ رفتہ رفتہ میری یہ خود آگاہی اتنی بڑھی کہ میں اپنی جان پر کھیل کر شی جیسی منظم اور بے رحم تنظیم سے بغاوت کر بیٹھا۔

میں نے انسانی سرشت کے عین مطابق غلطیاں بلکہ بھیانک غلطیاں کی تھیں مگر حقیقت کا ادراک ہونے پر ان سے تائب ہوتا چلا گیا تھا۔ میں نے موت کی سوداگری سے

قطع تعلق ہی نہیں کیا تھا بلکہ اس کے انسداد کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا۔ میرے دل کے کسی گوشے میں امید کا ایک دیا ٹمٹماتا رہتا تھا کہ شاید میری ان کوششوں سے میرے تاریک ماضی کا کچھ ازالہ ہو سکے۔

یہی کچھ معاملہ ویرا اور غزالہ کے ساتھ تھا۔ ویرا کے ساتھ میری دوستی بہت پرانی تھی۔ وہ بے مہار دوستی تھی جس میں آزادی کی کوئی حد نہیں تھی۔ ویرا نے میرے اور میرے مشن کے لیے اپنے باپ جمی لائیڈ، اس کی بنائی ہوئی شی اور امریکی معاشرے تک کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ ویرا کے اس انتہاپسندانہ رویے کی وجہ سے میرے اور اس کے درمیان ہر فاصلہ مٹ کر رہ گیا تھا۔

جب تک میں نے مکاؤ کے ڈون کے دباؤ میں آکر غزالہ سے شادی نہیں کی تھی۔ میں ویرا کی خوشی اور خوشنودی کے لیے اس کی ہر فرمائش پر اپنا سر تسلیم خم کرتا رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ ابتدائی دنوں میں شی کی پراسرار بلیک کوئن کو مسخر کرنا میرا بھی ایک خواب تھا اور جب ویرا کسی پکے ہوئے پھل کی طرح میری جھولی میں آگری تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ وقت کے ساتھ ساتھ میرا اور ویرا کا تعلق گہرا ہوتا چلا گیا۔ غزالہ میری شریک حیات بن گئی لیکن ویرا کا میری زندگی میں عملاً دخل ختم نہ ہو سکا۔

میں ہوٹل کی لابی میں راستہ طے کرتے ہوئے نہ جانے اور کیا کچھ سوچتا رہتا کہ غزالہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا "آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ باربار لوگوں سے ٹکرا رہے ہیں۔ کوئی گلے پڑ گئی تو ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔"

اس کی سرگوشیانہ تادیب پر میں ہڑبڑا کر سنبھل گیا۔ قریب ہی دیوار گیر شیلف پر دھندلے شیشے کی رکاوٹوں کے درمیان متعدد انٹرکام رکھے ہوئے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ویرا اتنی دیر میں اپنے کمرے میں پہنچ چکی ہوگی۔

"تم پیچھے کیا کرتی پھر رہی تھیں؟" انٹرکام پر رابطہ ہوتے ہی میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"تمہاری تلاش تھی۔ کمرے میں بیٹھے بیٹھے وحشت ہونے لگی تھی۔ تم کس کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہو؟" اس نے میرے لہجے کو یکسر نظرانداز کر دیا تھا۔

میں انٹرکام پر زیادہ بات کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے اسے اپنے کمرے کا نمبر بتانے کے بعد انتظار کی ہدایت کی اور کہا "کسی انتہائی ناگزیر مجبوری کے بغیر تم نے ہمیں فون کیا تو ہم خاموشی سے اپنا ٹھکانا بدل لیں گے۔ یہ نہ بھولو کہ تمہیں ہم سے دور اور الگ تھلگ رہنا ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے" اس کی سرور میں ڈوبی ہوئی، بے پروایانہ آواز ابھری "مجھے صرف روم نمبر معلوم کرنے کی حد تک تجسس تھا۔ اب میں دور رہ کر بھی مناسب طور پر تمہاری خبرگیری کر سکوں گی۔"

"جو چاہو کرتی رہو، ہمارے سروں پر مسلط ہونے کی کوشش نہ کرنا" یہ کہہ کر میں نے انٹرکام بند کر دیا۔

ہوٹل کے نچلے فلور پر غزالہ کا دل لگ رہا تھا۔ وہ وہاں کسی پرعافیت گوشے میں بیٹھ کر کافی کا ایک کپ پینے کی خواہاں تھی۔ مگر میری رسٹ واچ کی سوئیاں تیزی سے ایک بجے کی طرف اپنا سفر طے کر رہی تھیں۔ میں اس کی فرمائش کو نظرانداز کر کے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"وہ بات ادھوری رہ گئی تھی" غزالہ نے اپنے فلور پر لفٹ سے اترنے کے بعد پوچھا "آپ کہہ رہے تھے کہ کمرے کا فون محفوظ ہے تو پھر اس عورت سے پہلی بار بات کرتے ہوئے لائن کیوں ڈراپ ہوئی تھی؟"

"عورت نے مجھے ہولڈ کرایا تھا۔ گریٹ ڈین نے ایکس ٹینشن اٹھائی تھی۔ دوسری طرف بہ یک وقت دو لائنیں استعمال کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس وجہ سے سی ایس ڈی نے اپنا کام دکھا دیا۔ ہوٹل والوں کی طرف سے میری کال میں کوئی مداخلت نہیں کی گئی تھی۔"

"خدا کا شکر ہے کہ یہ اندیشہ بھی دور ہو گیا ورنہ آپ کو باربار کمرے سے نیچے دوڑ لگانی پڑتی" غزالہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ ہوٹل ہی ہمارے قیام کے لیے مخدوش ہے۔ ان لوگوں نے آتے ہی ہم پر نظر رکھنی شروع کر دی۔"

میں چابی کی مدد سے ہفتی قفل کھول کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

ایک بجنے میں کچھ دیر باقی تھی۔ میں نے کسی حاجت کے بغیر، محض اضطراری انداز میں سگریٹ سلگائی اور کرسی کھینچ کر فون والی سائڈ ٹیبل کے قریب بیٹھ گیا۔ جلال کے کسی آدمی سے رابطے کے انتظار میں میرے اعصاب پر عجیب سا تناؤ طاری ہوا تھا۔

دہلی ہمارے لیے ایک اجنبی اور بے مہر شہر تھا جہاں ہمارا کوئی شناسا نہیں تھا۔ ہمارا فون مسلسل خاموش تھا۔ ٹھیک ایک بجے میں نے سی ایس ڈی کا سوئچ آن کر کے اسے فعال کر دیا اور ایریٹس پر براہ راست لائن لے کر اس پراسرار عورت کا نمبر ملا لیا جو بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی میرے لیے قابل اعتبار نہیں تھی۔ اس نے مجھے وقت دیا ہوا تھا اس لیے پہلی گھنٹی پر ہی اس نے دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا۔

وقت طے تھا۔ وہ میری آواز بھی پہچان گئی مگر اپنے کام میں اس قدر پکی تھی کہ از خود بالکل نہیں کھلی۔ پوچھا "کیا بات ہے؟ کیوں فون کیا ہے؟"

"تم نے گریٹ ڈین سے بات کرانے کے لیے کہا تھا؟"
ں نے قدرے حیرت سے اسے یاد دلایا۔
"میں جو کہتی ہوں، وہ فون بند ہونے کے ساتھ ختم
یاتا ہے۔ تم ہزار مرتبہ بھی فون کرو تو تم کو ہزار مرتبہ کوڈ
ہو گا" اس نے ازراہِ کرم اپنے رویے کی وضاحت کر کے
ی الجھن دور کر دی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی
ا پتا نہیں کہاں بھاگا ہے۔ مجھے کہیں نہیں مل سکا۔"
مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سینے پر گھونسا
ید کر دیا ہو۔ میں نے نیم مایوسی سے پوچھا "کپور کھلے کا
س اور ریڈبل کہاں ہیں؟"
"ہاں! ریڈبل مل گیا تھا۔ لو، اس سے بات کر لو" عورت
ثبت جواب سن کر میری جان میں جان آئی اور میرے دل
دھڑکنیں یک لخت تیز ہو گئیں۔ بھارت کی سرزمین پر
لی جس بیورو کے کسی سیکرٹ ایجنٹ سے میرا پہلا رابطہ
نے والا تھا۔
چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میرے کانوں میں ایک
، روکھی اور سنجیدہ مردانہ آواز گونجی "ہاں، تم آ گئے۔"
"تھوڑی دیر پہلے دہلی پہنچا ہوں اور تم سے ملنا چاہتا
۔"
تم نے سرلا کو بتایا تھا کہ تمہارا فون کسی مداخلت سے
ظ ہے۔ یہ بات کہاں تک درست ہے؟" کام کی کوئی بات
ع کرنے سے پہلے ریڈبل نامی وہ سیکرٹ ایجنٹ اپنا پورا
نان کر لینا چاہتا تھا۔
"سو فیصد محفوظ ہے۔ ہم دونوں کی گفتگو میں مداخلت
تے ہی فون کی لائن خود بہ خود کٹ جائے گی۔ پہلی بار یہی
تھا۔"
"کہیں تم سی ایس ڈی تو استعمال نہیں کر رہے؟" اس
بے ساختہ وہ سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔
"تمہارا اندازہ درست ہے" میں نے اقرار کیا "تم
ے باخبر معلوم ہوتے ہو۔"
"ضرورت سے زیادہ باخبر رہنا ہماری مجبوری ہے" وہ کہہ
"اب تک مجھے یہ معلوم تھا کہ را کے بعض اہم آدمی یہ
س استعمال کرتے ہیں۔ میرے لیے یہ نئی خبر ہے کہ ہم
ی ریڈ آرمی سے یہ کارآمد آلہ حاصل کر لیا ہے۔۔۔"
میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی "یہ باضابطہ
یا گیا۔ را کے ایک مردے کی امانت ہے۔"
میرے نزدیک وہ وضاحت ضروری تھی ورنہ ریڈبل کے
یں یہ بدگمانی جنم لے سکتی تھی کہ اس کے بڑوں نے
ن سے آئے ہوئے ڈینی کو سی ایس ڈی فراہم کر دی لیکن
ی بازی لگا کر بھارت کے جہنم زار میں کودے ہوئے

پرانے سیکرٹ ایجنٹوں کی ضرورتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا۔
آواز سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ریڈبل بہت خشک
مزاج آدمی ہو لیکن میرے جواب پر اس کی ہلکی سی ہنسی کی
آواز ابھری پھر وہ بولا "مردے کبھی لوٹا نہیں کرتے۔ اب یہ
امانت تمہاری ہے۔ واپس جاتے ہوئے مجھے دے دینا۔ سنا
ہے کہ بہت کام کی چیز ہے۔ اس کی موجودگی سے ہمارے لیے
بہت آسانیاں پیدا ہو جائیں گی" سی ایس ڈی کے بارے میں
سن لینے کے بعد وہ کھل کر بات کر رہا تھا۔
"تم سے ملاقات کب ہو گی؟" میں نے اس کے مطالبے
کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔
"کل کسی بھی وقت ہم مل سکتے ہیں مگر تمہاری اور
گریٹ ڈین کی ملاقات زیادہ سود مند ہو گی۔ وہ خطرہ بھانپتے ہی
متھرا کی طرف نکل گیا تھا۔ اس سے بات ہو گی تو میں اسے
فوراً واپس بلا لوں گا۔ اس سے کل شام تک تمہاری ملاقات
ہو سکے گی۔"
اس کی وہ بات قابلِ فہم تھی۔ ان تینوں نے شاید آپس
میں کام بانٹے ہوئے تھے اور بھارتی سیکرٹ سروس کے
پاکستانی ونگ کے سربراہ کی دیکھ بھال شاید گریٹ ڈین کے سپرد
تھی۔ انل بسواس کے بارے میں وہی صحیح معلومات فراہم
کر سکتا تھا۔
"وقت اور مقام کا تعین کون کرے گا؟" میں نے کوئی
بحث چھیڑے بغیر سوال کیا۔
"تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو اور اس شہر سے کتنے واقف
ہو؟" کچھ بتانے سے پہلے اس نے پوچھا۔
"انٹرکانٹی نینٹل میں۔ دہلی اور مریخ ہمارے لیے یکساں
ہیں۔ یہاں سڑکیں اور راستے ہیں، وہاں شاید یہ سب نہیں
ہیں۔"
"لطف آ گیا" جو سنا تھا وہ درست پایا۔ زندہ دل لوگوں کے
ساتھ زندگی کے لیے لڑنے میں مزہ آ جاتا ہے" اس بار اس کی
آواز میں جذبات کی ترنگ عود کر آئی "اس کا مطلب ہے کہ
تم کناٹ پیلس کے قریب بڑا کھمبا روڈ پر ہو جو اندرا جیو
چوک والی سڑک تک جاتی ہے۔ تم اندر چوک پر ٹورسٹ
انفارمیشن سینٹر سے جانے والی سڑک پر جاؤ گے۔۔۔"
میں نے ایک مرتبہ پھر اس کی بات کاٹ دی "شاید تم
سمجھ رہے ہو کہ ہماری جیبیں خالی ہیں اور ہم پوری دہلی کی
سڑکیں پیدل ناپیں گے۔ یہ خیال دل سے نکال دو اور مجھے
جگہ بتاؤ۔ میں کوئی بھی سواری پکڑ کر مقررہ وقت پر اس جگہ
پہنچ جاؤں گا۔"
"اوہ، سوری!" اس کی معذرت خواہانہ آواز ابھری
"قطب روڈ سے بائیں طرف حضرت باقی باللہ کا مزار ہے۔ یہ

مسلمانوں کا اکثریتی علاقہ ہے۔ قصاب پورہ یہاں کی مشہور بستی ہے۔ تم کل شام چھ بجے مزار کے دروازے پر پہنچ جانا۔ گریٹ ڈین وہیں ملے گا۔"

"وہاں زائرین آتے جاتے رہتے ہوں گے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو کیسے پہچانیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"اپنے بائیں ہاتھ میں سبز رومال رکھنا۔ یہی پہچان گریٹ ڈین کی ہوگی۔"

"سبز رومال میں کہاں ڈھونڈتا پھروں گا؟" میں نے اس رنگ پر الجھ کر سوال کیا۔

"کسی بھی گل فروش کی دکان سے سبز رومال تو کیا' چادر بھی مل جائے گی۔"

"ٹھیک ہے' پھر تم سے بھی کبھی ملاقات ہوگی۔ کل گریٹ ڈین کو میں وہیں ملوں گا۔"

"مجھے بھی تم سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے" ریڈ بل کی آواز آئی "جلد ہی کوئی نہ کوئی موقع نکل آئے گا۔"

گفتگو کا وہ سلسلہ وہیں ختم ہوگیا۔ غزالہ صرف میری گفتگو سن رہی تھی لیکن اس کے چہرے سے اس بات کی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی کہ جلال کے آدمیوں کا ابتدائی سراغ کھودینے کے بعد میں ان میں سے ایک سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

وہ کام بہت تیزی سے ہوا تھا۔ دہلی پہنچنے کے چند گھنٹوں میں مجھے ایک بڑی کامیابی حاصل ہوچکی تھی اور ہم دہلی میں اپنی پہلی رات سکون سے گزار سکتے تھے۔

اس وقت میرے بدن پر شب خوابی کا بے داغ لباس تھا۔ پیٹ بھر چکا تھا۔ میں اطمینان سے بستر پر دراز ہوگیا۔

"اب تم بھی بستر پر آنے کی تیاری کرو!" میں نے غزالہ کو دعوت دی۔

"سونے کا وقت ہوگیا ہے لیکن ویرا بے چاری وسوسوں میں گھری ہوئی ہوگی۔ اسے بتادیں کہ کل کے لیے پروگرام طے ہوا ہے۔ اس وقت تک فرصت ہی فرصت ہے۔ وہ سکون اور بے فکری سے اپنا وقت گزار سکے گی" غزالہ نے بہت خلوص سے مجھے مشورہ دیا "اس کی باخبری سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"اس وقت اسے اس کے حال پر چھوڑنا زیادہ بہتر ہوگا" میں نے سوچی سمجھی رائے دی "وہ ہماری مددگار بن کر یہاں آئی ہے۔ اسے ذرا بھی سن گن مل گئی تو وہ مجھ سے پہلے مزار پر پہنچی ہوئی ہوگی۔ کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کب اس کی کھوپڑی کیا گل کھلائے گی؟"

تھوڑی سی ردوکد کے بعد غزالہ قائل ہوگئی۔ ویسے بھی ویرا اس وقت سرور میں تھی۔ ضرورت سے زیادہ مے نوشی کرلینے کے باوجود وہ کبھی بہکتی ہوئی نہیں دیکھی گئی تھی۔ اس کی زبان پر لکنت آجاتی تھی یا پھر اس کی بڑی بڑی آنکھوں کی بے داغ سفیدی میں خمار کے سرخ ڈورے تیرنے لگتے تھے۔ ایسی حالت میں اس کی ذہنی رو جس راہ پر لگ جاتی تھی' لگی رہتی تھی۔ اسے اپنے مشن کے بارے میں کچھ یاد دلانا کھلی حماقت کے مترادف تھا۔

ہم نے ہوٹل میں وہ رات اسی طرح گزاری جس طرح میں نے سوچا تھا۔ کمرے میں پھیلی ہوئی نائٹ لیمپ کی مدھم روشنی میں ہم دیر تک گزرے ہوئے دنوں کا جائزہ لیتے اور اپنے مستقبل کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے رہے۔ غزالہ بہت خوش تھی کہ میں بظاہر اپنے کاموں میں منہمک رہنے کے باوجود اپنی گھریلو زندگی کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ ایک سہانے اور پرسکون مستقبل کی آرزو میرے دل میں بھی پروان چڑھ رہی تھی۔

صبح سات بجے فون کی تیز گھنٹی سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ غزالہ بدستور بے خبر سو رہی تھی۔ میں بیدار ہو ہی چکا تھا۔ میں نے سوچا کہ غزالہ کی نیند خراب نہ ہو۔ میں نے فون کی دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے' پھرتی سے ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف سے کسی خاتون کی مہذب اور شیریں آواز سنائی دی۔ وہ ہوٹل کی کسٹمر سروس کے شعبے سے معذرت خواہانہ انداز میں بتارہی تھی کہ مجھے اپنے اور غزالہ کے پاسپورٹ کے ساتھ فوری طور پر اس کے دفتر میں پہنچنا تھا۔

اس کی ہدایت پریشان کن تھی۔ میں نے ناگواری سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے میری نیند میں مخل ہونے پر معافی چاہی اور بتایا کہ بعض نامعلوم وجوہ کی بنا پر دہلی کے دو پولیس افسران' ہوٹل میں مقیم پاکستانیوں کے کاغذات کی جانچ پڑتال کے لیے اس کے دفتر میں آئے ہوئے تھے۔ میں نے کسی نک چڑھے مہمان کی طرح بے وقت کی اس راگنی پر برہمی کا مظاہرہ کیا تو اس خاتون نے مجھے نیچے بلانے کے بجائے دونوں افسران کو میرے کمرے تک لانے کی پیش کش کرڈالی۔

میں نے تیار ہوکر چند منٹ میں نیچے پہنچنے کا وعدہ کیا اور ریسیور رکھ دیا۔

میں چابی لے کر کمرے سے نکلا تو غزالہ بے خبر سو رہی تھی۔ مجھے کسٹمر سروس کے دفتر تک پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ وہ روشن اور آراستہ کمرا استقبالیہ کاؤنٹر کے عقب میں واقع تھا۔ وہاں گھومنے والی کرسی پر ایک نازک اندام اور خوش شکل خاتون براجمان تھی۔ اس کے سامنے میز کے پار دو باوردی پولیس افسران بیٹھے ہوئے تھے جو اپنے چہروں سے خرانٹ اور تجربے کار نظر آرہے تھے۔ ان کے

سامنے وہ فارم پڑے ہوئے تھے جن پر ہوٹل والے مسافروں کے دستخطوں کے ساتھ جملہ کوائف کا اندراج کرتے ہیں۔ مجھ سے پہلے تین افراد وہاں موجود تھے۔ وہ اپنے خدوخال اور چہروں پر پھیلی ہوئی تشویش سے پاکستانی مسافر معلوم ہو رہے تھے۔ ویرا کے پاس بھی این کاویل کے نام سے پاکستانی پاسپورٹ تھا مگر وہ اس وقت تک وہاں نہیں پہنچی تھی۔

پختہ عمر کی خوش شکل خاتون نے ادب واحترام سے مجھے قطار میں بٹھادیا۔ میرے لیے وہ صورت حال بہت ناگہانی اور پریشان کن تھی۔ میں نے اپنے اعصابی ہیجان پر قابو پانے کے لیے سگریٹ سلگالی اور بیزاری سے دیوار گیر تصاویر کو گھورنے لگا مگر میرے کان میز پر ہونے والی گفتگو کی طرف لگے ہوئے تھے۔

وہ دونوں انسپکٹر سے بڑے عہدے کے افسر تھے۔ نظر یہ آرہا تھا کہ وہ صرف کاغذات کی جانچ پڑتال نہیں کر رہے تھے بلکہ مسافروں کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ ان کے سوالات چبھتے ہوئے اور ذاتی نوعیت کے تھے۔ وہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرنے والوں سے مخاطب تھے اس لیے ان کی گفتگو میں تہذیب اور شائستگی کا عنصر بہت غالب تھا۔ میری باری آنے سے پہلے مزید تین مسافر اس دفتر میں آپہنچے۔ ان میں ویرا بھی شامل تھی۔

ہر شخص کے چہرے سے کبیدگی کے آثار مترشح تھے۔ ویرا کی آنکھوں میں نیند کا گہرا خمار تھا۔ اس کا سارا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا لیکن ویرا نے کوئی غلطی نہیں کی۔ مجھے دیکھ کر بھی انجان بنی رہی اور عملے کی خاتون کے ایما پر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

پولیس افسران کے سوالات اور مسافروں کے جوابات میں ذہن نشین کرتا رہا۔ آخر میری بھی باری آگئی۔ ان دونوں افسروں نے بہت کڑی اور ناقدانہ نظروں سے میرا سرتاپا جائزہ لیا پھر ایک نے پوچھا ”آپ کیا کرتے ہیں؟“

”پاکستان میں کاروبار ہے ... پرانی گاڑیوں کی خرید و فروخت کرتا ہوں۔“ پاسپورٹ پر پیشے کے خانے میں تجارت کا اندراج تھا۔ میں نے اسی کی مناسبت سے جواب دیا۔

”پاکستان میں تین برس پرانی سوجو کی ہچار سی سی کتنے میں مل جاتی ہے؟“ دوسرے نے سوال کیا۔

”دو ڈھائی لاکھ میں.... گاڑی کی حالت پر قیمت کا انحصار ہوتا ہے۔“

”خوب۔“ پہلا افسر پاسپورٹ کی ورق گردانی کرنے کے بعد ایک صفحے کا جائزہ لیتے ہوئے بولا ”پرسوں رات اٹاری سے آئے ہو۔ یہاں کل پہنچے۔ دن کہاں گزارہ؟“ وہ آپ سے تم پر آگیا تھا۔

”رات کو امرتسر میں رک گئے تھے۔ دوپہر کو وہاں سے دہلی کے لیے روانہ ہوگئے۔“

”یہ غزالہ تمہاری کون لگتی ہے، مظہر خان؟“ اس نے پاسپورٹ بند کر کے سوال کیا۔ وہ حرف ز کو مسلسل ج کے طور پر ادا کر رہا تھا۔ سارا تلفظ ہندی کا تھا۔

”رشتے دار ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے اعتماد سے کہا ”تاج محل دیکھنے کے شوق میں میرے ساتھ آئی ہے۔“

”سفر میں عورت ساتھ ہو تو بہت مزا آتا ہے۔ تم دونوں ایک کمرے میں ٹھہرے ہو۔“ اس نے تائیدی انداز میں پوچھا۔

”دہرا کرایہ دینے میں کیا فائدہ تھا؟ اکیلے کمرے میں اسے ڈر لگتا ہے۔ وہ میرے ساتھ ہے۔“

”تم کو پولیس رپورٹ سے چھوٹ کا ویزا کیسے مل گیا؟“ اس نے یکا یک لہجہ بدل کر سوال کیا۔

”میں نے درخواست کی تھی جو منظور ہوگئی۔ کیسے ہوئی؟ یہ مجھے نہیں معلوم۔“

”بہت معصوم آدمی ہو۔ لڑکی کو تاج محل دکھانے لائے ہو مگر اسپیشل ویزا ملنے کا سبب نہیں معلوم۔ اونچے آدمی دکھائی پڑتے ہو۔ یہ لو جاؤ اور عیش کرو!“ اس نے دونوں پاسپورٹ مجھے لوٹا دیے۔

”برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں!“ میں نے جھجکتے ہوئے کہا اور پھر ان کا جواب سنے بغیر اپنی بات جاری رکھی ”کچھ پتا چل سکتا ہے کہ یہ صبح سویرے کی جانچ پڑتال کیوں ہو رہی ہے۔“

”تم کو کوئی تکلیف ہوئی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔ خبر ملی ہے کہ کچھ خطرناک پاکستانی بھیس بدل کر ادھر گھس آئے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا رہتا ہے۔“ اس نے سرسری لہجے میں جواب دیا ”اوپر سے حکم آتا ہے تو ہمیں اپنا فرض پورا کرنا پڑتا ہے۔“

اس نے دوسرے پاکستانی کو بلالیا۔ ہوٹل کی مہمان دار نے اٹھ کر مجھ سے معذرت کی ”اپنا نرم اور گداز ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا اور مجھے رخصت کردیا۔ میں اس دفتر سے نکل آیا مگر میرے دل میں ویرا کی طرف سے تشویش گھر کر چکی تھی۔ وہ سفید فام تھی اور پاکستانی پاسپورٹ پر بھارت پہنچی تھی۔ پولیس افسران خاص طور پر اس کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے۔ ہم نے ایک ہی ہوٹل میں قیام کا فیصلہ کرتے ہوئے کسی اسپیشل چیکنگ کے امکان کو بالکل نظرانداز کردیا تھا۔ ویرا ہم سے الگ تھلگ ضرور تھی مگر ہم تینوں کے پاسپورٹوں پر اٹاری میں داخلے کی مہریں ایک ہی وقت اور تاریخ کی تھیں۔

ں طرح ہم تینوں دہلی کے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں کم و بیش
گے پیچھے پہنچے تھے۔ ان دو یکساں اندراجات کی روشنی میں
ئی بھی ذہین پولیس افسر کوئی صحیح ترین نتیجہ اخذ کر سکتا تھا۔
میں اوپر جانے کے بجائے ہوٹل کی لابی میں ٹک گیا اور
رے اپنے لیے کافی منگوالی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ویرا کی
بی کب تک ہوتی ہے۔ اگر بازپرس کے دوران میں اسے
ساں کیا جاتا تو میں دور سے اس کا چہرہ دیکھ کر اندازہ لگا سکتا
۔

میری کافی کی پیالی خالی ہونے کے بعد کافی دیر گزر گئی۔
ری بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔ خدا خدا کرکے ویرا
دار ہوئی۔ اس کے بشرے پر سکون کی علامات تھیں۔ اس
ہ چلے جانے کے چند منٹ بعد میں نے کافی کے بل پر دستخط
ے اور اٹھ گیا۔

صبح کے ان اولین لمحات میں ہوٹل اجڑا اجڑا اور بے
نق لگ رہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس وقت پولیس یا
ں اور خفیہ محکمے کے دو چار سادہ پوش اہل کار وہاں آنے
نے والوں کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ میں نے انٹر کام پر
ا سے بات کرنے کی کوئی کوشش کیے بغیر لفٹ کا رخ کر لیا۔

غزالہ کمرے میں بدستور گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے
ایس ڈی پر ایک نگاہ ڈالی۔ وہ آن تھی۔ میں نے ویرا کے
رے کا نمبر ملا لیا۔

"خیریت ہو گئی۔" میری آواز سنتے ہی دوسری طرف سے
ا کا جواب دیا "ہمیں واقعی الگ تھلگ اور محتاط رہنا
گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمہیں بروقت یہ احساس ہو گیا۔ فی
ن اللہ۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔ اس وقت
ر کام پر تفصیلی گفتگو کرنے کا موقع نہیں تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا
ر دہلی کی پولیس اس وقت کن کن زاویوں سے دیکھ بھال
ں مصروف تھی۔

غزالہ نے بیدار ہونے کے بعد کتھا سنی تو گویا سن ہو کر
گئی۔ اسے حیرت تھی کہ بھارتی خفیہ اداروں کو کچھ
رناک پاکستانیوں کی بھنک کیسے مل گئی۔ وہ یہ بات ماننے پر
دہ نہیں تھی کہ ان دو تین دنوں میں ہمارے ساتھ واقعی
ہ پاکستانی ایجنٹ بھی بھارت میں داخل ہوئے ہوں۔ ایسا
ئی بھی پروگرام ہوتا تو جلال اسے ضرور ملتوی کرا دیتا یا پھر
ں اس سے آگاہ ضرور کر دیتا۔

غزالہ کو یہ دلیل بھی متاثر نہیں کر سکی کہ پاکستان اور
وستان کی روایتی چپقلش میں دونوں اطراف کی متعدد
نسیاں سرگرم رہتی ہیں۔ ایسے حالات میں یہ عین ممکن تھا
ر کسی بھی ادارے کی کارروائی سے دوسری خفیہ ایجنسیاں
باخبر نہ ہوں۔ اس کی منطق یہ تھی کہ جلال آئی بی کا ایک
ذمے دار اور اعلیٰ افسر تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی پیش
رفت اس کے علم میں آنے سے پہلے بھارتیوں کو معلوم
ہو جائے۔

اس تازہ ترین واقعے پر وہ ناشتے کے بعد بھی اس قدر
کبیدہ خاطر تھی کہ میں اس کا دل بہلانے کے لیے ہوٹل سے
نکل کھڑا ہوا۔ کمرا چھوڑنے سے پہلے میں نے سی ایس ڈی
الگ کرکے فون کا کٹا ہوا تار جوڑ کر سائیڈ ٹیبل کے پیچھے چھپا
دیا تھا تاکہ ہماری غیر حاضری میں کوئی کمرے کی صفائی کرنے
کے لیے اندر آئے تو اسے فون لائن میں کسی گڑبڑ کا علم نہ
ہو سکے۔

ہوٹل کی حدود سے نکلتے ہی باہر سڑک پر ایک نئی پر ہجوم
دنیا ہماری منتظر تھی۔

ہوٹل والی سڑک سے ہم کناٹ پیلس کے بیرونی دائرے
تک پہنچے تو پرشکوہ قدیم عمارات، سڑکوں، سبزہ زاروں اور ان
پر گھومنے پھرنے والے بھانت بھانت کے لوگوں نے غزالہ کو
پریشانیوں کے حصار سے فوراً باہر کھینچ لیا۔

اس چوراہے کو دہلی کا دل کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ شہر
کے مختلف حصوں اور سمتوں سے آنے والی گیارہ مشہور
سڑکیں اس وسیع و عریض دائرے کی اندرونی اور بیرونی گول
سڑکوں سے ملتی ہیں۔ بیرونی دائرے والی سڑک کناٹ سرکس
روڈ کہلاتی ہے۔ جس کے شمالی حصے پر اندرا چوک واقع ہے اسی
سڑک کے بعد دائرے میں مشہور و معروف تجارتی و کاروباری
اداروں کی عمارات کا سلسلہ ہے۔ ان عمارات کے عقب
میں پھر ایک گول سڑک ہے۔ سبزے اور فٹ پاتھوں سے
آراستہ اس سڑک کا نام وسطی سرکل ہے۔ جس کا صرف ایک
حصہ پالکا شاپنگ کمپلکس نے گھیرا ہوا ہے۔ اس نامکمل
دائرے کے بعد عمارات اور ان عمارات کے پیچھے باغ کے
گرد گھومتی ہوئی اندرونی گول سڑک ہے جس کے شمالی حصے کو
راجیو چوک کا یادگاری نام دیا گیا ہے۔

اس طرف آنے والی گیارہ سڑکوں میں سے بعض پہلے
دائرے پر ختم ہو جاتی ہیں، کچھ دوسرے دائرے سے جا ملتی ہیں
اور بیشتر اندرونی گول سڑک تک جاتی ہیں۔ سڑکوں، عمارتوں،
شاپنگ سینٹروں اور کھانے پینے کی دکانوں کا یہ گورکھ دھندا
اس قدر وسیع اور پرپیچ ہے کہ نیا آنے والا اس بھول بھلیاں
میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہم کئی بار گھومنے پھرنے کے بعد
کناٹ پیلس کے اس نقشے کو ذہن نشین کر سکے تھے۔

ہمیں دہلی میں کچھ عرصے مقیم رہ کر کام کرنا تھا اس لیے
شہر کے اس جغرافیے کو ہضم کرنا ہماری مجبوری تھی۔ ہم دیر
تک مسلسل چلتے اور ونڈو شاپنگ کرتے رہے۔ قرب و جوار

کے سنیما گھروں پر لگے ہوئے دیو پیکر اشتہارات دیکھتے رہے جن میں ساری مشرقی شرم وحیا کو خیرباد کہہ کر فلمی اداکاراؤں کے جسموں کا کھلا استعمال کیا گیا تھا۔ ایک سیلف سروس ریستوران میں فاسٹ فوڈ سے شکم سیری کی اور پھر بھٹکتے ہوئے پہاڑ گنج کے ملحق علاقے میں نکل گئے۔

ہماری وہ سیر تھکا دینے والی ثابت ہوئی۔ میں غزالہ کے ذہن سے فکر اور تشویش کے سائے محو کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو چکا تھا۔ چار بجے کے قریب ہم نے چترا گپتا مندر کے قریب سے ٹیکسی لی اور واپس اپنے ہوٹل کے لیے روانہ ہو گئے۔

ہوٹل میں میرے پاس زیادہ وقت نہیں بچا تھا۔ صرف طویل غسل کرکے تکان اتارنے کی مہلت باقی تھی۔ غزالہ کو گرما گرم چائے منگوانے کی ہدایت کرکے میں باتھ روم میں گھس گیا۔ جسم پر نیم گرم اور ٹھنڈے پانی کی تیز دھاریں بہانے کے بعد میں نے فرحت و تازگی کی لہر محسوس کی تو تیار ہو کر غسل خانے سے نکل آیا۔

میری تیاری کے دوران میں چائے آ گئی۔ چائے نوشی کے دوران میں، میں نے غزالہ کی نگاہوں سے بھانپ لیا کہ وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ مجھے اس کے مدعا کا اندازہ تھا۔ میں نے اسے ذرا سا موقع دیا تو وہ بول پڑی "کیا آپ مجھے ساتھ نہیں لے جائیں گے؟"

"یہ ناممکن ہے!" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "میں کسی دشمن سے نہیں، دوست سے ملنے جا رہا ہوں۔ تمہارا جانا مناسب نہیں ہوگا۔"

"وہ دوست ہے اسی لیے میں جانا چاہ رہی تھی لیکن میں بحث نہیں کروں گی جو آپ چاہیں گے، وہی ہوگا۔"

مجھے اس کی وہی ادا سب سے زیادہ پسند تھی۔ کبھی بلا سبب تکرار نہیں کرتی تھی۔ جو کہہ دیا، وہ مان لیا۔ میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا "کمرے میں رہنا چاہو تو سی ایس ڈی آن کرکے ویرا سے بات کرلینا۔ تمہیں معلوم ہے کہ اسے لائن سے کیسے جوڑا جائے گا۔"

فون لائن سے سی ایس ڈی کو جوڑنا بہت آسان تھا۔ غزالہ اثبات میں سر ہلا کر مسکرا دی۔ میں چائے کی پیالی خالی کرکے اس سے رخصت ہو گیا۔

وہ بھارت کی سرزمین پر میرے مشن کا پہلا مرحلہ تھا۔ میرے پاس دفاعی ہتھیاروں کے نام پر اول خان سے لی ہوئی دو زود اثر انگوٹھیاں موجود تھیں جن میں سے ایک کے کھوکھلے نگینے میں مہلک زہر اور دوسرے میں بے ہوش کرنے والا سیال تھا۔

ہوٹل سے باہر آ کر میں نے ایک ٹیکسی والے سے حضرت باقی باللہ کے مزار تک چلنے کے بارے میں پوچھا تو وہ فوراً راضی ہو گیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ مجھے اس مزار تک پہنچنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی وجہ سے میں نے وقت کی گنجائش رکھ کر ہوٹل چھوڑا تھا۔ ٹیکسی والے نے مجھے منزل پر پہنچانے کی آمادگی ظاہر کرکے میرا اندیشہ ختم کر دیا تھا۔ واپسی بے سود تھی۔ میں اسی لمحے ٹیکسی میں سوار ہو گیا۔

ریڈبل کے کوڈ سے پہچانے جانے والے پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ نے مجھے تفصیل سے منزل کا پتا سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر میں نے درمیان میں ہی اسے ٹوک دیا بلکہ روک دیا تھا۔ ٹیکسی حرکت میں آئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ ہم کناٹ سرکس روڈ کی طرف جا رہے تھے۔ چوراہوں وغیرہ کے لیے سرکل کے بجائے سرکس کی اصطلاح میں نے پہلی بار لندن میں سنی تھی ورنہ اس سے پیشتر میرے ذہن میں سرکس کا صرف ایک ہی تصور جاگزیں تھا جس میں ہاتھی، گھوڑے، شیر، چیتے اور چند مسخرے پائے جاتے تھے۔ لندن کے مشہور پکاڈلی سرکس اور آکسفورڈ سرکس کی کوچہ نوردی کرنے کے بعد میرے اس تصور کی اصطلاح ہو چکی تھی۔ دہلی کے کناٹ سرکس روڈ نے اس اصطلاح کی پختگی کے ساتھ یہ بھی ثابت کر دیا تھا کہ پکاڈلی سرکس کے جدی پشتی وارث کسی دور میں دہلی کے حکمراں بھی رہ چکے تھے۔

پہاڑ گنج سے آگے ایک چوراہے سے گزرنے کے بعد ٹیکسی قطب روڈ سے ایک ذیلی سڑک پر بائیں طرف اتر گئی۔ تھوڑی دیر بعد منزل سامنے تھی۔ وہ کوئی عالیشان اور پرشکوہ مزار نہیں تھا۔ گزرتے ہوئے وقت نے در و دیوار پر اپنے سفر کی دراڑیں تحریر کی ہوئی تھیں مگر یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ لوگ وہاں مدفون بزرگ کی ذات اور کرامات کو نہیں بھولے تھے۔ گو تعداد کم تھی لیکن وہاں لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔

عقیدت مند زائرین کے لیے پھول اور چادریں وغیرہ بیچ کر اپنی روزی کمانے والے شخص کی دکان سے میں نے ریڈبل کے مشورے کے مطابق سبز رومال خریدا۔ مزار کے داخلی دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر دلی عقیدت کے ساتھ فاتحہ پڑھی، دعا کی اور سبز رومال جیب میں اڑس کر آگے چل دیا۔ میری رسٹ واچ میں صرف سوا پانچ بجے تھے۔ میں پون گھنٹے تک وہیں کھڑا رہتا تو ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن جاتا۔

ایک اجنبی سیاح کی طرح راستوں کو ذہن نشین کرتا اور نشانیوں کو یاد کرتا ہوا، میں آگے چل دیا۔ میرے ذہن میں نہ جانے کیوں یہ خیال رچا ہوا تھا کہ اس علاقے میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی مگر مجھے وہاں زیادہ تر ہندو ہی ہندو نظر آ رہے تھے جن میں مسلمان اپنی نمایاں شناخت کے باعث الگ پہچانے جا رہے تھے۔ میں تقریباً سیدھا چلتا ہوا تھوڑی دیر میں

باڑہ ہندو راؤ میں جا نکلا۔ وہ ہندوؤں کی ایک قدیم اور گنجان آبادی تھی جہاں عمارتوں اور مکانوں کی بیرونی دیواروں پر ہندی دیوی دیوتاؤں کی سنگی مورتیاں ابھری ہوئی تھیں۔ میں تیزی کے ساتھ بڑھتا ہوا صدر بازار میں جا نکلا جہاں کا ماحول اتنا ہیبت ناک نہیں تھا۔

میں نے ہوٹل کے کاؤنٹر سے دہلی کا جو گائیڈ میپ لیا تھا۔ اس میں تحریری مواد ضرورت سے بہت زیادہ تھا مگر شہر کے راستوں وغیرہ کے بارے میں واضح رہنمائی نہیں تھی۔ اس وقت میں ویسے بھی سیرو تفریح کے موڈ میں نہیں تھا۔ میرے ذہن پر گریٹ ڈین سے ہونے والی ملاقات سوار تھی۔ ٹھیک پندرہ منٹ کی پیش قدمی کے بعد میں نے مزار کی طرف واپسی کا سفر شروع کردیا۔

اس بار فاصلہ میرے علم میں تھا' نشانیاں میرے ذہن میں محفوظ تھیں۔ میں نے اپنی رفتار قدرے کم رکھی۔ سمت بھی تبدیل کرلی۔ سمتوں کے صحیح ادراک کی وجہ سے واپسی میں' میں باڑہ ہندو راؤ میں گھسے بغیر عید گاہ روڈ پر پہنچ گیا۔ اس مقام پر میں نے اپنی رفتار مزید سست کرلی۔ وہ ایک سیکرٹ ایجنٹ سے طے کیا ہوا وقت تھا جس میں ایک ایک لمحہ بہت اہم تھا۔ میں مقررہ وقت سے پانچ منٹ پہلے ایسی پوزیشن میں آچکا تھا کہ درگاہ کا داخلی دروازہ میری نظروں میں تھا۔

میرے دل کی دھڑکنیں بہت تیز تھیں لیکن میں نے اپنی چال میں بے پروائی اختیار کی ہوئی تھی۔ میری بے چین نگاہیں درگاہ کے آس پاس نظر آنے والے لوگوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ٹھیک چھ بجے ایک بغلی دیوار کی اوٹ سے جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس ایک کسرتی بدن والا نوجوان شخص نمودار ہوا۔ دور ہی سے نظر آرہا تھا کہ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک سبز رومال دبا ہوا تھا۔

میں تیزی سے آگے بڑھا۔ اس نے بھی مجھے اور میرے بائیں ہاتھ میں موجود سبز رومال کو دیکھ لیا۔ ہم دونوں آگے پیچھے مزار کی حدود میں داخل ہوئے۔ جب میں اس کے قریب سے گزرا تو اس نے میدان صاف پاکر' میری طرف متوجہ ہوئے بغیر سرگوشی سی کی "فاتحہ پڑھنے کے بعد میرے پیچھے چلے آنا۔ ہم دونوں کہیں سکون سے بیٹھ کر بات کریں گے۔"

اندر پہنچ کر ہم دونوں نے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ ہم سے پہلے بھی چند عقیدت مند اندر موجود تھے۔ میں فاتحہ پڑھ لینے کے بعد گریٹ ڈین کے فارغ ہونے کے انتظار میں دست بہ دعا رہا۔ اس کے ساتھ چہرے پر ہاتھ پھیر کر میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

میرا خیال تھا کہ وہ کسی قریبی ہوٹل کا رخ کرے گا لیکن وہ مزار سے نکل کر ایک طرف چل پڑا اور جلد ہی ہم دونوں عید گاہ روڈ پر پہنچ گئے۔ اس سڑک پر وہ بائیں طرف مڑا تو میں اس کا اشارہ پاکر اس کے قریب ہوگیا۔

"مبارک ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ تم ہمارے درمیان آگئے ہو۔ ہم موتا خان پارک کی کھلی فضا میں بیٹھ کر بات کریں گے۔" اس نے مسرت سے کہا۔

"مجھے اپنا نام بتادو تاکہ میں بھی اپنی جوابی خوشی کا اظہار کرسکوں؟" میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"اپنے اصل نام ہم پاکستان میں بھول آئے ہیں" وہ معنی خیز لہجے میں بولا "یہاں میرا نام گوپال ہے۔ باقی دونوں ساتھیوں کے نام ولی رام اور سنیل ہیں لیکن فون پر رابطے کے لیے ہمارے وہی تینوں کوڈ چلتے ہیں جو تمہارے علم میں ہیں۔"

"یہ نام ہندوانہ ہیں۔ ان کی وجہ سے تم کسی وقت مشکل سے دوچار ہوسکتے ہو۔"

"سب کچھ سوچ سمجھ کر یہ راستہ اپنایا گیا ہے۔ دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات میں جب بھی کوئی کشیدگی پیدا ہوتی ہے تو یہاں ہر مسلمان کو شبے کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آج کل بھی یہاں ایسی ہی لہر چل رہی ہے۔ میجر بخشی اور جوگیندر پال والے واقعات نے انہیں مشتعل کیا ہوا ہے۔"

میں کئی بار سوچ چکا تھا کہ میجر بخشی کی ذہنی ابتری کی حالت میں واپسی کے بعد بھارت میں کوئی جوابی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ اس کے بعد جوگیندر پال کو جس انداز میں موت سے ہم کنار کیا گیا تھا۔ وہ بھی شکوک و شبہات سے بالا نہیں تھا۔ ان دونوں واقعات پر بھارتیوں کی خاموشی کسی بڑے طوفان کی آمد کا پیش خیمہ تھی۔ وہ یقینی طور پر کسی بڑی

جوابی کارروائی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔
"تمہارا کیا اندازہ ہے' یہ لوگ کن خطوط پر کام کر رہے ہوں گے" قدرے توقف کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔
"ہم بہت اندر تک کی خبروں سے لاعلم ہیں لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ را کے پاکستانی ونگ میں آج کل دیر تک کام ہو رہا ہے۔ تم آگئے ہو تو اب ہم کو حوصلہ ملے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ہم ان کی سازشوں کو یہیں ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

وہ ہمارا ابتدائی تعارف تھا۔ ہمارے آس پاس سے دوسرے لوگ بھی گزر رہے تھے۔ احتیاط کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم نے اس موضوع کو آگے نہیں بڑھایا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے موتا خان پارک پہنچ گئے۔

وہ پارک خاصا وسیع تھا۔ اسی کے ایک حصے میں عید گاہ کی مسجد بنی ہوئی تھی۔ پارک کی ایک سمت میں مصروف سڑک واقع تھی۔ گوپال نے بتایا کہ وہ رانی جھانسی روڈ کہلاتی تھی۔ پارک میں بچوں' بوڑھوں اور نوجوانوں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ گوپال مجھے اپنے ساتھ لے کر پارک کے ایک پرسکون گوشے میں جا بیٹھا جہاں ہمارے قرب وجوار میں کوئی اور موجود نہیں تھا۔

"یہاں تمہارے کام کی حدود کیا ہیں؟" میں نے وہاں بیٹھنے کے بعد اس سے پوچھا۔
"ہمیں بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھانے پڑتے ہیں۔ اپنا دامن بچا کر خبریں اور دوسرا متعلقہ مواد حاصل کرتے ہیں جو مختلف ذرائع سے پاکستان بھیج دیا جاتا ہے مگر اب ہم تمہارے احکام کے بھی پابند ہیں' جو چاہو گے 'کیا جائے گا۔"
"دشمن بزدل اور مکار ہو تو اسے صرف خوں ریزی سے دہشت زدہ کیا جا سکتا ہے" میں نے دھیمی اور ذو معنی آواز میں کہا۔

"ابھی تک ہم نے اپنے ہاتھ خون سے آلودہ نہیں کیے" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا "ہم اپنا کام تشدد سے دور رہ کر انجام دیتے ہیں۔ اعداد و شمار' معلومات' اہم منصوبوں کی نقول وغیرہ کے حصول پر کام کرتے رہے ہیں۔"

"ان کے ایجنٹ ہمارے شہروں میں ہر قسم کی تخریب کاری کرتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ہمیں بھی یہ خبریں ملتی ہیں تو ہمارے دل خون کے آنسو روتے ہیں مگر ہم مجبور ہیں۔ ہمیں اوپر سے ایسی کوئی ہدایت نہیں ملتی۔ ہمیں انسانی خون کا احترام کرنا سکھایا جاتا ہے۔ اپنے انفرادی اشتعال کے باوجود ہم خود پر قابو رکھتے ہیں۔"
"تمہارے تحفظ کے لیے شاید یہی پالیسی سب سے بہتر ہے۔ ان کی حرکتوں کا جواب پاکستان میں دیا جاتا رہا ہے۔"
"مگر وہ طریقہ نقصان دہ ہے۔ اس سے ہمارے ملک کی بدنامی ہوتی ہے۔ یہاں کے اخباروں نے آسمان سر پر اٹھایا ہوا تھا کہ پاکستان میں لاقانونیت اور دہشت گردی کا راج ہے۔ جوابی کارروائی ان کی سرزمین پر ہو تو ہم بدنامی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔"
"میں یہی مشن لے کر آیا ہوں۔ انل بسواس کے بارے میں کام کہاں تک پہنچا؟" میں نے پوچھا۔
اس نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر مجھے تھما دیا۔
"اس کے بارے میں حاصل ہونے والی جملہ معلومات اس پرچے پر محفوظ ہیں۔"
میں نے وہ کاغذ کھولے بغیر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ کھلے پارک میں بیٹھ کر وہ کاغذ پڑھنا قرینِ مصلحت نہیں تھا۔
"اس کے معمولات بہت بے ترتیب ہیں۔ دو مسلح محافظ ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ اپنے پیشے کی وجہ سے اس کا مزاج کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ وہ کبھی کوئی خطرہ مول نہیں لیتا۔ ہر وقت محتاط رہتا ہے۔ حد یہ ہے کہ کسی تقریب میں بھی شرکت نہیں کرتا۔"
"یہ اچھی علامتیں نہیں ہیں۔ ان کا مطلب ہے کہ وہ کسی قسم کے نفسیاتی خوف میں مبتلا ہے۔"
"ان کی وجہ سے شاید اس تک رسائی بہت مشکل ہو۔ پاکستان کے خلاف را کی ساری منصوبہ سازی کے پیچھے اسی کا دماغ کارفرما ہوتا ہے۔ دفترِ خارجہ والے اسے پاکستان کے خلاف سب سے بڑی اتھارٹی قرار دیتے ہیں۔"
"اب میدان میں اترے ہیں تو اسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔" اس سے بات کرتے کرتے میری ذہنی رو تازہ ترین پولیس چیکنگ کی طرف مبذول ہو گئی اور میں نے فوری طور پر اسے ہوٹل میں پیش آنے والے واقعے سے آگاہ کر دیا۔
وہ چونک پڑا "یہ اچھے آثار نہیں ہیں۔ تم لوگوں کو بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔ دوسری پارٹی کہاں ٹھہری ہے؟"
"دوسری پارٹی؟" میں نے حیرت سے پوچھا "تم کس کے بارے میں بات کر رہے ہو؟"
"میری اطلاع کے مطابق تم تین افراد ہو جو دو پارٹیوں میں بٹے ہوئے ہو۔ تم اور غزالہ ایک ساتھ ہو۔ این کا ویل الگ ہے۔"

حسبِ توفیق

ایک نوجوان ایک مہنگے اور فیشن ایبل علاقے کے اونچے ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں داخل ہوا اور سیلزگرل سے بولا "میں اپنی منگیتر کے لیے کوئی اچھا سا تحفہ خریدنا چاہتا ہوں۔"

"یہ سلیپنگ گاؤن لے جائیں۔ چار ہزار روپے کا ہے" سیلزگرل نے مشورہ دیا۔

"نہیں... نہیں.... یہ تو بہت مہنگا ہے" نوجوان بولا۔

"تو پھر یہ میک اپ کٹ لے جائیں.... ڈھائی ہزار روپے کی ہے۔"

"یہ بھی مہنگی ہے۔ اس سے کم قیمت کوئی چیز دکھائیں۔"

"یہ پرفیوم لے جائیں۔ سات سو روپے کی ہے" سیلزگرل بولی۔

"یہ بھی میری گنجائش سے زیادہ ہے۔ اس سے بھی سستی کوئی چیز دکھایئے۔" نوجوان نے فرمائش کی۔

"پھر آپ ایسا کریں.... یہاں سے کوئی چیز خریدنے کے بجائے کونے والے موچی سے اپنی منگیتر کے جوتوں میں نئی ایڑیاں لگوادیں۔" سیلزگرل نے شیریں لہجے میں مشورہ دیا۔

سرلا کو درمیان میں کیوں لایا جائے۔"

"سرلا پر ہم ایک حد تک بھروسا کرتے ہیں اور اس کے لیے اسے معاوضہ دیتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی افادیت یہ ہے کہ تم تین نفوس ہو۔ اپریٹس ایک ہے۔ کسی ایمرجنسی میں بقیہ دو کو کوئی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اس وقت سرلا کا فون کام آئے گا۔"

"کیا تم تینوں میں سے کوئی نہ کوئی ہروقت وہاں موجود رہتا ہے؟" میں نے اپنی خلش دور کرنے کے لیے سوال کر ڈالا۔

"ہروقت نہیں لیکن دن میں کوئی نہ کوئی ہوتا ہے یا وہاں

"وہ بھی اسی ہوٹل کے پانچویں فلور پر ہم سے الگ مقیم ہے" میں نے بتایا۔

"تم میں سے کسی ایک پارٹی کو فوراً ہوٹل بدل لینا چاہیے" اس نے بے ساختہ کہا "تم لوگ ایک دوسرے سے کتنی ہی دور رہو، تمہارے کاغذات میں کچھ خطرناک باتیں مشترک ہیں۔ تم نے ایک وقت میں سرحد عبور کی ہے جس کا ثبوت بھارتی امیگریشن والوں کے اندراج سے مل جائے گا۔ تمہارے امرتسر اور پھر نئی دہلی پہنچنے کے اوقات بھی کم وبیش یکساں ہیں۔ پھر تم تینوں کو پولیس رپورٹنگ سے چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ ریکارڈ کی پڑتال کے دوران میں یہ باتیں کسی افسر کی نگاہ میں آگئیں تو تم تینوں کے لیے سنگین مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔ مشتبہ پاکستانیوں کے ساتھ ان کا رویّہ بہت سفاکانہ ہوتا ہے۔"

گوپال نے پتے کی بات کہی تھی۔ میرے وجود میں خوف کی ایک سرد سی لہر سرایت کرگئی۔ پہلے دو نکات کے بارے میں، میں نے بھی سوچا تھا لیکن تیسرا مشترک نکتہ میرے ذہن میں نہیں آسکا تھا جب کہ ہوٹل میں جانچ پڑتال کرنے والے ایک پولیس افسر نے مجھ سے چھوٹ کے بارے میں خاص طور سے سوال کیا تھا۔

میں نے فیصلہ کیا کہ ویرا کو اسی رات کسی دوسرے ہوٹل میں منتقل کردیا جائے۔ جو غلطی سرزد ہوگئی تھی اس کا ازالہ کرنا ممکن نہیں تھا لیکن بھارت میں قیام کے اگلے دنوں کے لیے وہ احتیاط ضروری تھی۔

مجھے سوچ میں گم دیکھ کر گوپال نے تھوڑے سے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی "تمہارے پاس سی ایس ڈی جیسی بے مثال ڈیوائس موجود ہے۔ ایک دوسرے سے الگ رہ کر بھی تم باہمی رابطے میں رہ سکتے ہو۔"

"تمہارا مشورہ مناسب ہے۔ اس پر آج ہی عمل کرلیا جائے گا۔ دوسرا مسئلہ ہتھیاروں کی فراہمی کا ہے۔"

"وہ حل ہوجائے گا" اس نے پورے وثوق سے مجھے یقین دلایا اور اس بار اپنی جیب سے ایک پیکٹ نکال کر میری طرف بڑھادیا "یہ محدود پیمانے پر کام کرنے والا ٹرانسمٹر ہے۔ اس پر تم ہروقت ہم تینوں سے رابطہ کرسکتے ہو۔ تمہارا کوڈ جی ون ہوگا۔ میں جی ٹو ہوں۔ ستیل اور روپی رام کے لیے جی تھری اور جی فور پاس ورڈز ہوں گے۔ سرلا کے فون پر ناکامی کی صورت میں یہ رابطہ ہروقت کارآمد رہے گا۔"

میں نے وہ اپریٹس اسی طرح رکھتے ہوئے اطمینان سے کہا "اس کے بعد فون کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ بلاوجہ

آتا جاتا رہتا ہے۔" گوپال نے بتایا "دراصل سرلا اپنے شوہر کی دھتکاری ہوئی ایک آوارہ عورت ہے اور اب نائکابنی ہوئی ہے۔ اس نے دہلی میں کئی کال گرلز پالی ہوئی ہیں۔ اس کا سارا کام فون پر چلتا ہے۔ اس کے پاس فون پر افسروں اور اوباش امرا کی فرمائشیں آتی ہیں اور وہ فون پر ہی لڑکیوں کو کہیں پہنچنے کی ہدایت دے دیتی ہے۔ کسی برے وقت کی آڑ کے لیے اس نے اپنے گھر کو گیسٹ ہاؤس بنایا ہوا ہے۔ ان ہی میں سے ایک کمرا ہم لوگوں نے لیا ہوا ہے۔ ہم اس کے مستقل گاہک ہیں۔ دوسرے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔"

غزالہ نے ان لوگوں کے معاملات میں سرلا کی اہمیت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں صرف بیچ کی عورت تھی۔ اس کی حیثیت کا تعین ہوجانے کے بعد اگلا سوال ناگزیر ہوگیا تھا۔ میں نے پوچھا "وہ تمہاری سرگرمیوں کے بارے میں کیا جانتی ہے؟"

"کچھ بھی نہیں... ہماری نقل و حرکت اور فون کالز سے اسے یہ اندازہ ہے کہ ہم کسی غیر قانونی دھندے میں ملوث ہیں۔ سرلا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بس اپنے پیسوں سے مطلب رکھتی ہے۔ بلاوجہ کسی تجسس میں نہیں پڑتی۔"

"تم تینوں گوپال، سنیل اور رولی رام بنے ہوئے ہو" میں نے جھجکتے ہوئے وہ ذاتی سوال کیا "کیا تم تینوں کا مذہب ان ناموں کے مطابق ہے؟"

میرے سوال پر وہ دھیمی آواز میں ہنسا، پھر بولا "میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ ہم اپنے اصل نام پاکستان میں بھول آئے ہیں۔ میرا نام عابد علی ہے اور الحمدللہ میں مسلمان ہوں۔ ضرورت اور فرض کی ادائیگی کی خاطر نام بدلا ہے لیکن میں چھپ کر پابندی سے عبادات کرتا ہوں۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ کسی زر خرید ہندو کے مقابلے میں، میں ایک بے لوث مسلمان سے زیادہ آزادی سے گفتگو کرسکتا تھا۔ میں نے کھل کر کہا "میں تمہارا دیا ہوا کاغذ ہوٹل جاکر دیکھوں گا۔ یہ بتاؤ کہ انل بسواس کے لیے تم نے کیا سوچا ہے۔"

"اپنی سوچ میں تمہیں بتاچکا ہوں۔ ہمیں سنبھل کر چلنا پڑتا ہے۔ خوں ریزی ہماری پالیسی نہیں ہے لیکن اب میں تمہارے چارج میں ہوں۔ جو ہدایت دوگے، اس پر پوری نیک نیتی سے عمل کیا جائے گا۔"

"یہاں اپنی کارکردگی کے لیے تم کس کو جواب دہ ہو؟" میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"میں اپنے سہ نفری مشن کا چیف ہوں لیکن اب تم کو جواب دہ رہوں گا۔ میرے پاس اپنی ضروریات کے لیے مناسب فنڈز بھی ہوتے ہیں۔"

"فنڈز کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں لیکن کچھ ہتھیار بہت ضروری ہیں۔ ہم پاکستان سے خالی ہاتھ آئے ہیں" میں نے بیم گن اور زہریلے نگینوں والی انگوٹھیوں کا تذکرہ گول کرتے ہوئے کہا۔

"فاضل راؤنڈز کے ساتھ ریوالور مل جائیں گے" اس نے مجھے یقین دلایا "ہوسکتا ہے کہ یہ سامان رات تک تمہیں مل جائے، میں تمہیں فون پر بتادوں گا۔"

میرے ذہن میں ایریئس کی اہمیت اجاگر ہوگئی۔ میں نے اسے بتایا "میں اپنے کمرے میں ڈائریکٹ لائن لے کر فون کرتا ہوں اور سی ایس ڈی کار آمد رہتی ہے۔ باہر سے آنے والی ہر کال آپریٹر کے ذریعے مجھ تک پہنچے گی۔ سی ایس ڈی آن ہوئی تو لائن منتقل ہوتے ہی کٹ جائے گی۔ وہ ڈیوائس آف کردی جائے تو گفتگو سن لیے جانے کا خطرہ سر پر منڈلاتا رہے گا۔ تم ضرورت پڑنے پر صرف ایریئس استعمال کروگے۔"

وہ سیدھی سی تکنیکی بات تھی جو فوراً ہی اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ سرہلا کر رہ گیا۔

عابد علی عرف گوپال سے میری وہ ملاقات بہت اطمینان بخش ثابت ہوئی۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ بھارت کی سرزمین پر آہنی قوت اور ارادوں کے مالک، چند افراد میرے ساتھ تھے۔ میرے لیے ذرا سی کھٹن صرف ایک تھی کہ وہ لوگ بھارت کے خلاف جاسوسی پر مامور تھے۔ قتل و غارت گری ان کے مشن اور پالیسی کے خلاف تھی۔ وہ اپنے گھٹیا دشمن کے خلاف اصولوں کی جنگ لڑنے میں مصروف تھے جس کی کامیابی کا امکان نہیں تھا۔

سورج ڈھل گیا۔ اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے ہی روشنیاں جل اٹھیں۔ ہم دونوں نے پارک چھوڑ دیا۔

مجھ سے ہاتھ ملاکر گوپال رانی جھانسی روڈ کی طرف نکل گیا۔ میں آبادی میں نکل آیا۔ وہاں ایک رکشے سے سواریاں اتر رہی تھیں۔ رکشا خالی ہوا تو میں اس میں سوار ہوکر ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔

گوپال کا سمجھایا ہوا تیسرا نکتہ رہ رہ کر میرے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ ہوٹل پہنچتے ہی میں نے لابی کے انٹرکام سے ویرا کے کمرے کا نمبر ملایا۔ میں جلد از جلد اس سے مل کر معاملے کی نزاکت کو واضح کرنا چاہ رہا تھا۔ دیر تک گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔

مجھے تشویش ہوئی مگر میں نے یہ سوچ کر اپنا دل بہلا لیا کہ ویرا متلون مزاج تھی۔ زیادہ دیر تک ایک جگہ پڑے رہنا اور بے کاری میں وقت گزارنا اس کے مزاج کے خلاف تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ کمرا چھوڑ کر کہیں گھومنے پھرنے نکل گئی ہو۔

اسی سوچ میں غلطاں‘ میں اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ مجھے دیکھ کر کھل اٹھی۔ سب سے پہلے اس نے یہ اطلاع دی کہ صبح سویرے کی ناگہانی پولیس چیکنگ نے ویرا کو فکر مند کر دیا تھا۔ اس نے بھی بالکل وہی کچھ سوچا تھا جو گوپال کے ذہن میں آیا تھا۔ ہم تینوں کے ایک ہوٹل میں رہنے کے سبب اسے یہ خدشہ تھا کہ کہیں کسی ایک کی وجہ سے تینوں ہی بے موت نہ مارے جائیں۔ غزالہ سے مشورہ کرنے کے بعد اس نے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل چھوڑ دیا تھا اور کناٹ سرکس پر واقع ہوٹل مرینا میں منتقل ہو گئی تھی۔ نئے ہوٹل میں پہنچنے کے بعد اس نے پبلک بوتھ سے فون کر کے غزالہ کو اپنے کمرے کا نمبر بتا دیا تھا۔

میرے اندازے کے مطابق ویرا نے پچھلی رات کافی زیادہ شراب نوشی کی تھی۔ یہ بات امید افزا تھی کہ صبح بیدار ہونے کے وقت اس کا دماغ صحیح طور پر کام کر رہا تھا۔ اس نے بہت بروقت اور صحیح فیصلہ کیا تھا۔ ایک اچھی بات یہ تھی کہ اس وقت ویرا نے کسی کو اس بات کی ہوا نہیں لگنے دی تھی کہ وہ اردو بولنے پر عبور رکھتی تھی۔

میں نے سی ایس ڈی آن کر کے سرلا کا نمبر ملایا۔ اس وقت تک گوپال وہاں نہیں پہنچا تھا۔ ریڈبل موجود تھا۔ میں نے اسے پیغام دیا کہ وہ گریٹ ڈین کو بتا دے کہ اس کے مشورے پر عمل کیا جا چکا تھا۔

میں نے گوپال کا دیا ہوا کاغذ اور ٹرانسمٹر نکالا تو غزالہ کا تجسس جاگ اٹھا۔ اس نے مجھ پر سوالات کی بھرمار کر دی۔ میں مزے لے لے کر اس کے سوالوں کے تشنہ جوابات دیتا اور اسے بہلاتا رہا۔ جب وہ سوالات کر کے تھک گئی تو میں نے اسے گوپال سے ہونے والی پوری گفتگو سنا دی۔

اس کاغذ پر انل بسواس کے گھر اور دفتر کے پتے‘ فون نمبروں کے ساتھ موجود تھے۔ کاغذ پر اس کے تین نائبین کے اہم ترین فرائض کے بارے میں کارآمد معلومات درج تھیں۔ ان میں سے ایک شخص دہشت گردی کے بے داغ منصوبے بنانے میں مہارت رکھتا تھا۔ میرے ذہن میں بے اختیار ان دو بم دھماکوں کی خلش تازہ ہو گئی جنھوں نے اسلام آباد اور کراچی کی بولٹن مارکیٹ کے قریب تباہی مچائی تھی۔

اسلام آباد والا خونیں دھماکا جمی اور ڈیوڈ کی موت کا شاخسانہ تھا جس میں شاید امریکی سی آئی اے ملوث تھی جبکہ کراچی والے دھماکے میں را کا ہاتھ تھا۔ میں نے دہلی میں را کے دفتر میں بیٹھے ہوئے نریش شرما کا نام ذہن نشین کرلیا۔ کٹھ پتلیوں کے مقابلے میں انہیں ہلانے جلانے والا منصوبہ ساز زیادہ سخت سزا کا حق دار تھا۔ میری دانست میں اس کا نام انل بسوا س سے بھی اوپر ہونا چاہیے تھا۔

اس کاغذ پر نخشب نامی ایک شخص کے فون نمبر کے ساتھ مختصر سا نوٹ موجود تھا۔ وہ ممبئی کے مشہور گروہ بند داؤد جٹ کا دستِ راست تھا جو دہلی میں رہتا تھا اور مسلمانوں کا خصوصی ہمدرد تھا۔ ممبئی کی زیر زمین دنیا میں داؤد جٹ، حاجی ابراہیم اور یعقوب سیٹھ وغیرہ کے نام بہت معروف تھے۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ وہ سارے گروہ بند مسلمان تھے۔ ان کی آپس کی لڑائیاں بعض اوقات کراچی اور دبئ میں بھی اپنا رنگ دکھائی تھیں اور اخبارات میں ان کے نام اچھلتے رہتے تھے۔ میرے لیے یہ بات ہمیشہ حیران کن رہی کہ بین الاقوامی سطح پر اتنی خراب شہرت رکھنے والوں کو ممبئی پولیس نے کھلی چھوٹ دی ہوئی تھی۔

گوپال نے کچھ سوچ سمجھ کر اس کاغذ پر نخشب کا نام درج کیا تھا۔ شاید وہ کسی آڑے وقت میں ہمارے کام آسکتا تھا۔

غزالہ کو کناٹ پیلس اور پہاڑ گنج کے بھرے پرے بازار اتنے پسند آئے تھے کہ وہ رات کے کھانے کے لیے باہر نکلنے پر مصر ہوگئی۔ اس کا خیال تھا کہ باہر سے فون کر کے ہم ویرا کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیں لیکن میں نے وہ خیال فوراً مسترد کردیا۔ پولیس چیکنگ کا معاملہ بالکل تازہ تھا۔ ہمیں کچھ علم نہیں تھا کہ خفیہ طور پر کس کس کی نگرانی کی جارہی تھی۔ ان حالات میں ہم تینوں کا یک جا ہونا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

ہوٹل چھوڑنے سے پہلے میں نے پبلک بوتھ سے ہوٹل مرینا کا نمبر ملایا اور آپریٹر سے ویرا کے کمرے کا نمبر مانگا تو ویرا دوسری گھنٹی بجتے ہی لائن پر آگئی۔ اس کی آواز سن کر میں نے اس سے انگریزی میں ہی بات چیت جاری رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔

پبلک بوتھ پر سی ایس ڈی کی سہولت نہیں تھی۔ میں نے محتاط انداز میں اس کی مزاج پرسی کی۔

"میں ٹھیک ہوں" انسپکٹر ڈیوڈ کا پیغام ملا ہے کہ میں رات نو بجے دہلی پولیس ہیڈ کوارٹرز میں اس سے مل لوں۔ دیکھتی ہوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔"

"شاید یہ ہوٹل کی تبدیلی کا نتیجہ ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں رائے زنی کی۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ میری سہولت کا معاملہ ہے۔ کناٹ سرکس پر میں خود کو ساری سہولتوں سے زیادہ قریب محسوس کرتی ہوں۔ مجھے پولیس رپورٹنگ سے استثنیٰ حاصل ہے۔ پتا نہیں یہ لوگ مجھے کیوں تنگ کررہے ہیں۔"

"تمہیں رپورٹ کرنے کی چھوٹ ہے لیکن ہوٹل والے غیر ملکیوں کی آمد اور قیام کی اطلاع دینے کے پابند ہیں۔ پاسپورٹ دیکھ کروہ مطمئن ہوجائیں گے۔ تم کو فکر مند ہونے یا پولیس والوں سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ سیر کرنے آئی ہو تو بے فکری سے دہلی کی سیر کرو۔ یہ شہر بہت غریب پرور اور مہمان نواز ہے۔"

"تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ سیرو تفریح کے ساتھ کیا ہورہا ہے؟" ویرا نے مبہم پیرائے میں پوچھا۔

"کسی سے ملاقات ہوئی ہے۔ کوئی خاص بات ہوگی تو تم سے بھی ملاقات ہوگی۔ فی الحال تم اپنی پیشی کی فکر کرو" میں نے گفتگو مختصر کردی۔ سی ایس ڈی کے بغیر مجھے اس سے بات کرنا بہت خطرناک لگ رہا تھا۔

ہم ہوٹل سے نکل آئے۔ میں نے ویرا سے یہ نہیں پوچھا کہ انسپکٹر ڈیوڈ کون تھا۔ میرے قیاس کے مطابق صبح آنے والے پولیس افسران انسپکٹر کے عہدے سے بڑے تھے۔ اگر ویرا کو بلانے والا کوئی نیا پولیس افسر تھا تو امکان یہی تھا کہ وہ سرسری پوچھ کچھ کے بعد ویرا کو رخصت کردیتا۔ دو افسروں کے لیے ذاتی طور پر دہلی کے تمام ہوٹلوں کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ شاید ان لوگوں نے آپس میں علاقے بانٹ لیے تھے اور ہر افسر اپنے علاقے کی دیکھ بھال کررہا تھا۔

غزالہ کے اصرار پر میں ہوٹل سے نکل تو آیا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ گوپال کا دیا ہوا اپریٹس میری جیب میں موجود تھا۔ وہ کسی بھی وقت مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کرسکتا تھا۔ میں بازار میں راہ چلتے اپریٹس استعمال نہیں کرسکتا تھا جبکہ میرے لیے وہ ابتدائی رابطے بہت اہم تھے۔ میں نے کناٹ پیلس گھومنے کا ارادہ ترک کر کے بھوک کا بہانہ کیا اور ایک قریبی ریستوران میں گھس گیا۔

آٹھ بجے میرا اندیشہ درست ثابت ہوگیا۔ میری جیب میں موجود اپریٹس کی تھرتھراہٹ بتارہی تھی کہ اس پر کوئی پیغام آرہا تھا۔ یہ امکان بھی تھا کہ وہ لوگ ایک دوسرے سے بات کررہے ہوں مگر انہیں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ نہیں تو قریب ضرور رہتے تھے۔ انہیں عام حالات میں پیغام کے تبادلے کے لیے کسی لاسلکی

آلے کی ضرورت نہیں تھی۔ جی ٹو یا گوپال ریوالوروں کی فراہمی کے بارے میں مجھے تلاش کرسکتا تھا۔

میں نے نیچی آواز میں غزالہ کو اس نئے مسئلے سے آگاہ کردیا۔ ہم دونوں نے تیزی کے ساتھ کھانا ختم کیا اور ہوٹل کی طرف واپس چل دیے۔

ہوٹل کے فون سے سی ایس ڈی کو منسلک کرنا چند ثانیوں کا کام تھا مگر ٹرانسمٹر کی آزمائش بھی ضروری تھی۔ غزالہ فون لائن کی طرف متوجہ ہوگئی۔ میں نے اپریٹس آن کرکے جی ٹو کے لیے پیغام نشر کرنا شروع کردیا۔ وہ شاید میری کال کا انتظار کررہا تھا۔ میں نے پیغام دہرانے سے قبل انتظار کا وقفہ دیا اور مجھے اپریٹس پر اس کا جواب موصول ہوگیا "جی ٹو کالنگ۔ آٹھ بجے میں نے تم سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔ تم کہاں تھے؟"

"بازار میں تھا۔ واپس لوٹ کر تم سے رابطہ کررہا ہوں" میں نے لائن اوور ہونے پر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ پھر اپریٹس بند کرکے فون پر آجاؤ۔ سی ایس ڈی اس سے زیادہ محفوظ ہے۔ اوور اینڈ آل!"

فون ملاتے ہوئے میرے ذہن میں سلطان شاہ کا خیال جنم لے رہا تھا۔ ہوٹل کی فون لائن بین الاقوامی تھی۔ میں چاہتا تو محض کوڈ ملا کر پاکستان بات کرسکتا تھا۔ وہ فائیو اسٹار ہوٹلوں میں ملنے والی ایک عام سہولت تھی جو میری دسترس میں تھی۔

گوپال نے خود مجھے فون پر آنے کا مشورہ دیا تھا مگر پھر بھی وہ محتاط تھا۔ گھنٹی بجنے کے بعد میرے کانوں میں سرلا کی آواز آئی۔ پاس ورڈ سن لینے کے بعد اس نے کسی توقف کے بغیر ریسیور گوپال کو دے دیا۔

"ریوالوروں کا بندوبست ہوگیا ہے۔ تم ہوٹل کی پارکنگ میں آجاؤ تو میں آدھے گھنٹے میں تھیلا تم تک پہنچا سکتا ہوں" گوپال کہہ رہا تھا۔

"ابھی یہ پروگرام ملتوی کردو" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "میرے پہنچنے سے پہلے این کا ویل ہوٹل بدل چکی ہے۔ اسے انسپکٹر ڈیوڈ نے نو بجے اپنے دفتر میں طلب کیا ہے۔ کیا پتا کہ پولیس والے ہماری طرف بھی آجائیں۔ میں اپریٹس اور سی ایس ڈی چھپانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم تیزی سے سوچتے اور فیصلہ کرتے ہو مگر انسپکٹر ڈیوڈ کے بارے میں زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں" گوپال کی آواز آئی "وہ ایک بدنام اور اوباش پولیس افسر ہے اور اکیلی آنے والی غیر ملکی عورتوں کو حیلے بہانے سے دفتر میں بلاتا رہتا ہے۔ اگر این چالاک ہے تو اسے جل دے کر جلد ہی لوٹ آئے گی۔"

"وہ جوان اور خوبصورت عورت ہے۔ اپنی صلاحیتوں اور کشش سے اچھی طرح واقف ہے۔ ڈیوڈ ندیدا ہے تو وہ ایسے مردوں کو بے وقوف بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا جانتی ہے۔ شہر کے پولیس افسروں کے بارے میں تمہاری معلومات قابل رشک ہیں۔"

"پھر بھی تمہارا فیصلہ بہتر ہے۔ بعد میں پچھتانے سے بہتر ہے کہ پہلے احتیاط کرلی جائے۔ اگر تم ضرورت محسوس نہیں کررہے تو ہتھیاروں کی فراہمی کا معاملہ ابھی ملتوی رکھو۔ تم جب چاہوگے، یہ سامان تم پہنچا دیا جائے گا۔"

"تمہارے دیے ہوئے کاغذ پر خاصی کارآمد معلومات درج ہیں مگر میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ ان سے کیسے فائدہ اٹھایا جائے۔"

"اجنبی سرزمین پر ابتدا میں ایسا ہی خلا محسوس ہوتا ہے۔ ہمیں یہاں ایک مدت ہوچکی ہے۔ رابطے بھی ہیں مگر دو مہینے سے ہم راوالوں کی گرین کوبرا فائل کی تلاش میں ہیں۔ اس کی نقل ہمارے ہاتھ نہیں آرہی۔"

گوپال کا جواب سنتے ہی میرے ذہن میں ایک شعلہ سا لپکا اور میں نے پوچھا "یہ گرین کوبرا فائل کیا ہے؟"

"پاکستان کے خلاف بھارت کا کوئی انتہائی گھناؤنا منصوبہ ہے جسے ٹاپ سیکرٹ رکھا جارہا ہے۔ میری معلومات کے مطابق یہ فائل انل بسواس یا نریش شرما کی تحویل میں رہتی ہے۔ لوگ کاغذوں پر کام کرتے ہیں جو کاغذ مکمل ہوجاتے ہیں، وہ اس فائل کا حصہ بن جاتے ہیں۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات میرے کان میں ڈال دی۔ اب میں اس کا دھیان بھی رکھوں گا" میں نے پرخیال انداز میں کہا "مخشب ان معاملات میں میری یا تمہاری کیا مدد کرسکتا ہے۔ تم نے اس کا نام خاص طور پر فہرست میں شامل کیا ہے۔"

"وہ بہت کچھ کر گزرے گا اور کرتا رہتا ہے۔ مگر ہمیشہ اپنا دامن بچا کر رکھتا ہے۔ وہ مجھ سے بات نہیں کرتا۔ شاید اسے اپنے ذرائع سے معلوم ہوچکا ہے کہ میں کون ہوں؟ وہ سرکاری آدمیوں سے دور رہتا ہے۔ ایسے معاملات میں پکڑا ہوجائے تو سیدھا سیدھا غداری کا الزام سر آتا ہے۔"

"اس کے اپنے ذرائع اس قدر موثر ہیں تو وہ مجھے بھی اپنے قریب نہیں پھٹکنے دے گا۔"

"میرا نام لیے بغیر تم اپنی سی ایک کوشش کرلو۔ دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ انکار کردے گا، تمہارا کیا جائے گا۔"

"میں یہ ضرور کروں گا لیکن تم این کا دھیان رکھنا۔ اسے کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔"

"ڈیوڈ سے صرف ایک ہی نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ اس سے وہ خود ہی بچ سکتی ہے۔ ڈیوڈ نے اسے ٹریپ کرلیا تو میں کیا کرسکوں گا۔"

گوپال کا جواب بہت حقیقت پسندانہ تھا۔ مجھے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ گوپال قدرے وقفے کے بعد کہہ رہا تھا "نخشب کو فون کرو تو اسے دادا کہہ کر مخاطب کرنا۔ ممبئی کے بدمعاش اپنے لیے یہ خطاب سنتے ہیں تو ان کے سینے پھول کر کپّا ہوجاتے ہیں۔"

"مجھے ایک کمی شدت سے محسوس ہورہی ہے" میں نے اپنے ذہنی ابال کا رخ موڑنے کی نیت سے کہا "اعتماد کے ڈرائیور کے ساتھ مجھے ایک گاڑی مل سکے تو میرے کام کرنے کی رفتار بڑھ سکتی ہے۔ اس وقت میں خود کو ایک بھنور میں پھنسا ہوا محسوس کررہا ہوں۔"

"تم بلاوجہ یہ سوچ رہے ہو۔ ابھی تمہیں دہلی آئے ہوئے چوبیس گھنٹے بھی پورے نہیں ہوئے اور تم بہت کچھ جان چکے ہو۔ گاڑی کل صبح سے رات تک تمہارے پاس رہے گی۔ جی تھری اسے چلائے گا۔ ضروری ہتھیار وغیرہ بھی اسی میں پڑے رہیں گے۔ اس طرح تمہارا ہوٹل کا کمرا ہر وقت صاف ستھرا رہے گا۔ جی تھری دہلی کے چپّے چپّے سے واقف ہے اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے بے خطا نشانہ لگاتا ہے۔"

"صبح اسے بھیج دینا۔ وہ نیچے سے انٹرکام پر مجھے اپنی آمد کی اطلاع دے دے گا۔"

میں نے ویرا کے بارے میں گوپال کی بے لاگ رائے جاننے کے بعد دوبارہ اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہا اور فون بند کردیا۔

میری رسٹ واچ سوا نو بجارہی تھی۔ پندرہ منٹ میں ویرا کا واپس اپنے ہوٹل پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ اس کے بارے میں، میں غزالہ سے کوئی بات نہیں کرسکتا۔ وہ اس کی ضد اور ہٹ دھرمی کے حوالے سے اس پر تنقید شروع کردیتی۔ میں اس کے بارے میں سوچتا اور کڑھتا رہا۔

پھر میں نے اضطراری طور پر گوپال کا دیا ہوا کاغذ نکالا اور نخشب کا نمبر ملالیا۔

تین گھنٹیوں کے بعد بھاری اور خمار میں ڈوبی ہوئی ہیلو سنائی دی۔

"میں دادا سے بات کرنے کا خواہش مند ہوں۔۔۔" میں نے ملتجیانہ لہجے میں اپنی بات شروع کی تھی کہ اس نے میری بات کاٹ دی۔

"بولو، بولو! میں سن رہا ہوں۔" اس کی آواز میں شاہانہ فراخ دلی عود کر آئی۔

"پاکستان سے آئی ہوئی ایک لڑکی کو انسپکٹر ڈیوڈ نے اس وقت اپنے دفتر میں بلایا ہوا ہے۔ وہ اسے تنگ۔۔۔"

نخشب دادا کی زبان سے ایک موٹی سی گالی برآمد ہوئی "سالا نشے میں ہوگا۔ میں ابھی اس کا دماغ درست کرتا ہوں۔"

وہ ڈیوڈ کے نشے کو برا قرار دے رہا تھا مگر ہر پیشہ ور بدمعاش کی طرح اس وقت خود نشے میں تھا۔ اس نے مجھ سے مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس کے لیے صرف اتنا کافی تھا کہ کسی فریادی نے اس کے فون کی گھنٹی بجائی تھی اور ایک لڑکی کے لیے مدد مانگی تھی۔

"وہ پولیس افسر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ چڑ کر لڑکی پر زیادہ ظلم کر گزرے۔" میں نے اسے اشتعال دلایا۔

اس بار نخشب نے ایک نئی اور بے ساختہ گالی دی "میں ممبئی کا دادا ہوں۔ دلی کے لونڈے کتنے بھی بڑے افسر ہوجائیں، میرے نام سے ان کا کلیجا پھٹتا ہے۔ اس نے لونڈیا کو ہاتھ بھی لگایا تو میں اس کا ہاتھ توڑ ڈالوں گا۔ سمجھا کیا ہے، میرا نام نخشب ہے نخشب!"

وہ منہ پھٹ، دیدہ دلیر اور رشوت خورہ تھا۔ شاید نشہ اترنے کے بعد وہ ایسا نہ رہتا ہو لیکن نشے کے عالم میں اسے چڑھانا بہت آسان تھا۔ اس وقت میں ویرا کا مسئلہ چھیڑ چکا تھا اس لیے کوئی دوسری بات مناسب نہیں تھی۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کرکے فون بند کردیا۔

گوپال کا تبصرہ سننے کے بعد مجھے جو کوفت ہوئی تھی، وہ نخشب سے بات کرنے کے بعد دور ہوگئی۔ ویرا کوئی اناڑی اور گھریلو لڑکی نہیں تھی۔ عورتوں کے ہزار چلتّروں سے واقف تھی۔ اس کے گردوں میں کوئی کسر باقی رہ جاتی تو اسے نخشب کی دھمکیاں پورا کرسکتی تھیں۔

نخشب کی شہرت اچھی نہیں تھی۔ اس کا نام ایک بدمعاش کے روپ میں میرے سامنے آیا تھا لیکن اس نے کسی تعارف یا سفارش کے بغیر جس طرح انسپکٹر ڈیوڈ کی سرکوبی کا وعدہ کیا تھا، اس نے میرے دل میں ماضی کے سلطانہ

اور بہرام ڈاکو کی یاد تازہ کردی تھی۔ وہ امیروں اور جاگیرداروں کو لوٹتے تھے اور ضرورت مندوں کی کھلے دل سے مدد کرتے تھے۔ شاید داؤد جٹ کے دست راست کا کردار بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ اپنی بدمعاشی کی کمائی اور اثر و رسوخ کو وہ مظلوموں کی مدد کے لیے استعمال کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے مجھ سے مختصر، براہ راست اور دو ٹوک بات کی تھی جس میں شبہے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

"آپ نے اس سے بات کرلی۔ ایسا نہ ہو کہ ڈیوڈ اسے نخشب کی آلہ کار سمجھ بیٹھے!" غزالہ نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔

"ایسے کھلے دل کے لوگوں کے بارے میں شکوک وشبہات نہیں ہوتے۔ ڈیوڈ اپنے دل میں جو چاہے، سمجھتا رہے۔ دوبارہ ویرا کو چھیڑنے یا تنگ کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ بھارت کی پوری انتظامیہ ممبئی کے بدمعاشوں سے لرزتی ہے۔"

"مگر وہ ہمارے کسی کام نہیں آسکے گا۔" غزالہ نے مستفسرانہ انداز میں کہا۔

"گوپال بتا چکا ہے کہ وہ اپنا دامن بچا کر چلتا ہے۔ سیاست اور جاسوسی کے بکھیڑوں کے قریب بھی نہیں پھٹکے گا۔"

"پھر گوپال نے آپ کو اس کا نام کیوں دیا ہے؟" غزالہ نے سوال کیا۔

"وہ بنیادی طور پر مسلمانوں کا ہمدرد ہے۔ اپنے سر کوئی سنگین الزام آنے کا خطرہ نہ ہو تو شاید وہ کبھی ہمارے کام بھی آسکتا ہے۔ یہی دیکھ لو کہ اس وقت اس نے ویرا کی مدد کرنے کا وعدہ کرلیا ہے ورنہ اس وقت ہمیں دہلی تو کیا، پورے بھارت میں ویرا کا کوئی ہمدرد نظر نہیں آرہا تھا۔"

"شاید ایسے ہی لوگوں کے بل بوتے پر یہاں مسلمان سر اٹھا کر چلتے ہیں ورنہ وہ ایک کچلی ہوئی بڑی اقلیت ہیں۔"

"نخشب کا سکہ پوری طرح دہلی میں چلتا ہو مگر بھارت بہت بڑا ملک ہے۔ ہر خطے کے مسلمانوں کو ایسی چھتریاں میسر نہیں آسکتیں۔ وہ لوگ لکھ پڑھ کر اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر آگے بڑھ رہے ہیں۔"

غزالہ نے بڑھ کر ٹیلی وژن کی دھیمی آواز بڑھا دی کیونکہ دوردرشن سے خبریں دکھائی اور سنائی جارہی تھیں۔ ملکی اور عالمی سیاسی خبروں میں میرے لیے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن جب آخر میں نیوز ریڈر نے بتایا کہ دہلی سے سڑک کے راستے شملہ جاتے ہوئے پاکستان کے تین سفارتی اہل کار ایک حادثے میں ہلاک ہوگئے تو میرے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ وہی بری خبر تھی جس کی ہر آن توقع تھی۔ بھارتی اپنے سفارت کاروں کے سیاہ کرتوتوں کا جائزہ لینے کے عادی نہیں تھے۔ بس جان کے بدلے جان لینے کے وحشیانہ روگ میں مبتلا تھے۔ مجھے یقین تھا کہ نام نہاد حادثے میں جاں بحق ہونے والے پاکستانیوں میں سے کوئی بھی سفارتی بے راہ روی میں ملوث نہیں رہا ہوگا۔ میں نے گوپال کو اچھی طرح کرید کر اندازہ لگالیا تھا کہ بھارتیوں کی درندگی کے مقابلے میں پاکستان کے ذمے دار افسر عدم تشدد کا راگ الاپے جارہے ہیں۔ ان کی پالیسیاں مدافعانہ تھیں جب کہ دشمن ہر محاذ پر بڑھ کر وار کیے جارہا تھا۔

میں وہ خبر سن کر اداس ہوگیا تھا۔ میں نے اول خان یا سلطان شاہ کو فون کرنے کا ارادہ بھی ترک کردیا مگر میرے پاس کافی وقت تھا جو کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ویرا دس بجے سے پہلے اپنے ہوٹل نہیں پہنچے گی۔

یہ حیرت کی بات تھی کہ تھوڑی دیر پہلے گوپال سے میری بات ہوئی تھی لیکن وہ دہلی اور شملہ کے راستے میں پاکستانی سفارتی عملے کو پیش آنے والے کسی مہلک حادثے سے بالکل بے خبر تھا۔ ٹیلی وژن کے خبرنامے میں وہ اطلاع اچانک نمودار ہوئی تھی۔ شاید بھارتیوں نے اس نام نہاد حادثے کی خبر کو جان بوجھ کر دبائے رکھا تھا۔ شاید اس دوران میں حادثے کے حقیقی اسباب کو اس قدر مسخ کردیا گیا ہو کہ کوئی ان تین افراد کو پیش آنے والے واقعے کے اصل محرک کا سراغ نہ لگا سکے۔

میں دیر تک بستر پر خاموش لیٹا اس اندوہناک واقعے پر غور کرتا رہا۔ غصے اور اشتعال میں مجھے یہ خیال بھی آیا کہ انل بسواس یا نریش شرما کو فون کرکے خوف زدہ کروں لیکن اس حرکت کے نتائج کے بارے میں سوچنے کے بعد میں نے وہ ارادہ ملتوی کردیا۔ یہ بات بالکل کھل کر سامنے آچکی تھی کہ وہ دونوں بھارت کے سرکاری دہشت گردوں کے سرغنہ تھے۔ پاکستانیوں کو ہر سطح پر جانی اور مالی نقصان پہنچانا ان کا مقصد حیات بن چکا تھا۔ بھارت کی سرزمین پر پیش آنے والے تازہ واقعے میں ان کا تخریبی دماغ کارفرما ہوسکتا تھا۔ میں فون کرکے انہیں شدید ذہنی اذیت میں مبتلا کرسکتا تھا لیکن یوں وہ ہوشیار ہوجاتے اور مجھے ان کی گردنوں پر ہاتھ ڈالنا دشوار ہوجاتا۔ بہتر یہی تھا کہ صبر و استقامت سے کسی مناسب وقت کا انتظار کیا جاتا۔

ان لوگوں کو سبق دینے کے لیے جلال اور اس کے آدمیوں کا اصولی فلسفہ ناکافی تھا۔ صرف میں ہی انہیں ان کی

زبان میں کچھ سمجھا سکتا تھا۔ میرے لیے یہ اطمینان کی بات تھی کہ دھیرے، دھیرے میرے وسائل یک جا ہو رہے تھے اور عمل کر گزرنے کا مرحلہ قریب آتا جا رہا تھا۔

میں اپنے حریفوں کو بے خبر رکھنا چاہتا تھا۔ ان کے کانوں میں کہیں سے بھنک پڑ چکی تھی کہ کچھ خطرناک پاکستانی ان کے ملک میں گھس آئے تھے۔ ان مشتبہ افراد کی تلاش میں شاید ہر مشتبہ شہری پولیس حرکت میں آچکی تھی لیکن ہمارے ستارے یاور تھے۔ پولیس افسران کا سامنا کرنے کے باوجود ہم محفوظ و مامون تھے۔ توقع تھی کہ ویرا بھی دوسری آزمائش میں سرخ رو رہے گی۔

میں نے انل بسواس اور نریش شرما کو فون کرنے کا ارادہ ترک کردیا تھا کیونکہ میں انہیں اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کرنا چاہتا تھا۔ ویرا نے کراچی میں اس کے برعکس رویہ اپنایا تھا۔ وہ سی آئی اے کے علاقائی سربراہ کو پاکستان سے باہر ہانک کر بھارتی شکار گاہ میں اس کا ہانکا کرنا چاہتی تھی۔ اس نے کراچی چھوڑنے سے پہلے دیوانگی کے انداز میں اسے پے در پے تین فون کر ڈالے تھے اور وہ دہشت زدہ ہوگیا تھا۔

بعد میں اول خان نے تصدیق کردی تھی کہ وہ بھیڑ نما بھیڑیا اپنے گھر اور دفتر سے غائب تھا۔ ہمیں کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا کہ وہ کہاں تھا۔ ویرا کے قہر سے بچنے کے لیے وہ اسلام آباد، دہلی، بنکاک یا پھر کہیں بھی روپوش ہو سکتا تھا۔ ویرا کی طرح میری بھی دلی آرزو تھی کہ اس نے کراچی سے دہلی کا رخ کیا ہو تاکہ اسے اس کے گہرے دوستوں کے دیس میں، انل بسواس کے ساتھ اس کے کیفرِ کردار تک پہنچایا جاسکے۔

کڑیاں دھیرے دھیرے یک جا ہو رہی تھیں لیکن اس وقت تک سی آئی اے کے جان اسمتھ کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

دس بجے میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ سی ایس ڈی کے تاروں کو لائن سے الگ کیے بغیر میں نے اس کا سوئچ آف کردیا۔ اس ڈیوائس کے بغیر میں نے ہوٹل مرینا کا نمبر ملایا اور جب آپریٹر نے کال ویرا کو منتقل کردی تو میں نے سی ایس ڈی آن کردی۔ وہ سادہ سی ترکیب اچانک میرے ذہن میں آئی تھی۔ میں نے آپریٹر کی دوبارہ دخل اندازی کا مناسب ترین سدِباب کرلیا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم اپنے کمرے میں موجود ہو۔ تمہاری آواز سن کر میری جان میں جان آئی ہے ورنہ میں بہت پریشان تھا۔" میں نے کہا۔

"مظہر! احتیاط سے کام لو۔ کوئی اور بھی یہ گفتگو سن سکتا ہے۔" ویرا کو اندازہ نہیں تھا کہ سی ایس ڈی اپنا کام شروع کرچکی تھی۔

"کھل کر بات کرو۔ لائن منتقل ہونے کے بعد میں نے ڈیوائس آن کردی ہے۔"

"وہ کوئی بدمعاش اور آوارہ پولیس افسر ہے۔ حرام زادہ نشے میں دھت تھا۔ جانچ پڑتال سے زیادہ دل لگی کر رہا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟" غصے سے میرا خون کھول رہا تھا۔ اس کی خاموشی مجھ سے برداشت نہ ہوسکی۔

ویرا میری کیفیت کا اندازہ کرکے ہنس پڑی "ہونا کیا تھا ... تم جانتے ہو کہ میں ایسے خبیث مردوں کو اپنی انگلیوں پر نچانا جانتی ہوں۔ وہ میری لچھے دار باتوں پر بار بار کھیسیں نکال رہا تھا اور اس کے ماتحت زیرِلب مسکرا رہے تھے۔"

"تم نے اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اب وہ تمہارے ہوٹل کے چکر لگاتا رہے گا۔"

"میں خود بھی اس امکان سے ڈر رہی تھی۔ میں اسے جل دے کر وقتی طور پر جان بچا سکتی تھی لیکن پھر وہ میرے کمرے کا راستہ دیکھ لیتا۔ ان ہی خوش گپیوں کے دوران کسی کا فون آگیا جس پر ڈیوڈ کا موڈ غارت ہوگیا اور اس نے مجھے اپنے دفتر سے روانہ کردیا۔ وہ کسی نخشب کو بہت گندی گالیاں دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ دو ٹکے کا بدمعاش ہے مگر خود کو دہلی کا مالک سمجھتا ہے۔ جس دن داؤ لگ گیا، کوئی اسے گولیوں سے بھون ڈالے گا۔"

وہ ویرا کی کہانی کا دلچسپ ترین موڑ تھا جس سے مجھے گہری دلچسپی تھی۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ نخشب نے نشے میں ہونے کے باوجود اپنے وعدے کا پاس کیا تھا اور ویرا کی بحفاظت واپسی کے لیے اسے کچھ کھری کھری باتیں سنائی تھیں۔

میں ویرا کو بتا دیتا کہ نخشب نے وہ فون میرے ایما پر کیا تھا تو وہ مزید تفصیل گول کرجاتی۔ میں نے انجان بن کر پوچھا "کوئی دو ٹکے کا بدمعاش، انسپکٹر عہدے کے ایک پولیس افسر کو کیا دھمکیاں دے سکتا ہے؟"

"پتا نہیں۔" ویرا بے پروائی سے بولی "جب تک فون پر بات ہوتی رہی، ڈیوڈ ہوں ہاں کرتا رہا۔ اس کا چہرہ بری طرح بگڑ گیا تھا۔ اس نے فون بند کرنے کے بعد نخشب کی شان میں مغلظات بکنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔"

"اور اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ نخشب نے اس وقت

تمہاری واپسی کے لیے ڈیوڈ کو فون کیا تھا تو تم کیا کہو گی۔"

"میں ہنس کر یہ مذاق سن لوں گی۔ دہلی کے کسی بدمعاش کو میری آزادی یا گرفتاری سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

"اس وقت میں اس لیے خوش ہوں کہ دہلی میں ہمیں ایک ایسا ہمدرد مل گیا ہے جو کسی جان پہچان کے بغیر ہر مظلوم کی مدد کرتا ہے۔"

"اٹھارویں صدی کی باتیں مت کرو۔ ایسے بدمعاش' چور اور ڈاکو اس وقت پائے جاتے تھے۔ آج ہم بیسویں صدی میں رہ رہے ہیں۔ اس سے تمہاری کوئی جان پہچان نہیں تھی تو تم اسے میری مدد کے لیے کیسے آمادہ کر سکے؟ یہ ناقابلِ یقین کہانی ہے۔"

اس نے ڈیوڈ کے چنگل میں پھنسی ہوئی ایک پاکستانی لڑکی کی مدد کی ہے۔ یقین نہ ہو تو تمہیں اس کا فون نمبر دیتا ہوں۔ شکریے کا فون کرو گی تو شاید وہ خود ہی تم سے بات کرے گا۔ مجھے بھی بھروسا نہیں تھا کہ وہ اپنے وعدے پر عمل کر کے اپنی شہرت برقرار رکھے گا۔"

"تمہارے پاس سی ایس ڈی ہے۔ میں اس سے محروم ہوں۔ میں کسی سے آزادانہ رابطہ نہیں کر سکتی۔" میرے اصرار اور سنجیدگی پر آخرکار اسے اعتبار کرنا پڑا "میرے لیے یہ سب واقعی حیران کن ہے۔ ڈیوڈ فون پر بات کرتے ہوئے بار بار میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔ فون سننے کے بعد اس کی خرافات کا سلسلہ یک لخت ختم ہو گیا اور اس نے نخشب کو برا بھلا کہتے ہوئے مجھے لوٹا دیا۔"

"آج اسے چوٹ ہو گئی لیکن وہ کسی بہانے سے پھر پلٹ سکتا ہے۔" میں نے محض ویرا کو ڈرانے کے لیے کہا "یہ یاد رکھنا کہ زخم کھایا ہوا سانپ پلٹ کر اپنا پھن ضرور مارتا ہے۔ ڈیوڈ اپنی ذلت کو آسانی سے نہیں بھلا سکے گا۔"

"تم فکر مت کرو۔ میں وہ فون آنے سے پہلے بہت کچھ سوچ چکی تھی۔ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گی لیکن تم پر بوجھ نہیں بنوں گی۔ یہ تمہاری مہربانی ہے کہ تم نے میرا خیال رکھا اور نخشب کو ڈیوڈ کی زیادتی کی طرف متوجہ کر دیا۔"

ویرا کا جواب سن کر میرے دل پر چوٹ سی لگی۔ اس کی آواز میں طنز پنہاں نہیں تھا لیکن لہجے میں ہلکی سی اجنبیت تھی۔ میں نے ذرا سختی سے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے چوبیس گھنٹوں کے تجربات نے تمہاری طبیعت صاف کر دی ہے۔"

"اب تنہا رہنے کی عادت نہیں رہی۔ میرے لیے یہ بات سوہانِ روح بنی ہوئی ہے کہ تم اسی شہر میں موجود ہو اور مجھے تم سے دور رہنا ہے۔ اس تلخ تجربے سے گزرنے سے پہلے میں اس کے اثرات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکی تھی۔"

میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا پھر نرمی سے کہا "پیش رفت ہو رہی ہے۔ کھیل کسی بھی وقت شروع ہو سکتا ہے۔ دعا کرو کہ ہمیں یہاں کے مسائل سے جلد از جلد نجات مل جائے اور ہم واپس روانہ ہو سکیں۔"

"اس وقت تم نے باتیں کر کے میرا دل ہلکا کر دیا ہے ورنہ پابندیوں سے مجھے وحشت ہونے لگی تھی۔ تم سے مل نہیں سکتی' فون پر زیادہ بات نہیں کر سکتی.... جب تک یہاں رہنا ہے' مجھ سے سی ایس ڈی لگا کر بات ضرور کر لیا کرو ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"میں خیال رکھوں گا۔ اب تم آرام کرو۔ ہمیں اطلاع دیے بغیر ہوٹل تبدیل نہ کر لینا۔"

میں فون بند کر کے مڑا تو غزالہ مسکرا رہی تھی۔ فون پر دھیمے لہجے میں ہونے والی باتوں سے اسے ویرا کی خیریت کا اندازہ ہو گیا تھا۔

○☆○

اگلے روز انڈین ایکسپریس کے پہلے صفحے پر میرے لیے تین اہم خبریں موجود تھیں۔

پہلی خبر پاکستانی سفارتی عملے کو پیش آنے والے اندوہناک حادثے کے بارے میں تھی۔ اخبار نے اس واقعے پر تین کالمی سرخی جمائی تھی۔ پولیس اور سرکاری ترجمان کے مطابق وہ حادثہ سڑک پر تیز رفتاری کے دوران اگلا ٹائر پھٹ جانے کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اس بدنصیب کار نے اگلا ٹائر پھٹ جانے کی وجہ سے ایک گہرے کھڈ میں قلابازیاں کھائی تھیں لیکن سوال یہ تھا کہ وہ ٹائر حادثاتی طور پر پھٹا تھا یا کہیں چھپے ہوئے کسی ماہر نشانے باز نے ٹائر پر قسمت آزمائی کی تھی۔ سارا اہتمام کچھ اس طرح کیا گیا تھا کہ جائے حادثہ سے پھٹے ہوئے ٹائر کے متعدد ٹکڑے دستیاب ہوئے تھے جن پر کسی گولی وغیرہ کے نشان کا سراغ لگانا ناممکن تھا۔

کسی واقعے میں آتشیں بارودی اسلحے کے استعمال کا تعین کرنے کے لیے استعمال ہونے والی سہولتیں بھارت میں دستیاب تھیں نہ پاکستان میں۔ امریکا اور یورپ کے ترقی یافتہ ممالک میں یہ کام ہو سکتا تھا لیکن وہاں تک منتقلی کا عنصر ایسے ہر ٹیسٹ کو ناکام بنا سکتا تھا۔

وہ براہِ راست قتل بہرحال نہیں تھے۔ پاکستانی سفارت

خانے نے فوری طور پر کسی منفی ردِ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ امکان ظاہر کیا گیا تھا کہ اسے حادثے کے طور پر ہی قبول کرلیا جائے گا اور تین قیمتی انسانی جانوں کے اتلاف پر کوئی نازیبا الزام تراشی نہیں کی جائے گی۔

دوسری خبر بھارت میں چند پراسرار پاکستانی دہشت گردوں کے داخلے کے بارے میں تھی۔ بھارت کی وزارت داخلہ کو مصدقہ خفیہ ذرائع سے اطلاعات ملی تھیں کہ کچھ پاکستانی دہشت گرد پوری تیاریوں کے ساتھ بھارتی سرزمین پر وارد ہوچکے تھے۔ امن وامان اور قومی سلامتی کے ذمے دار اداروں کو چوکس رہنے کے احکام جاری کیے گئے تھے اور کئی بڑے شہروں میں مشتبہ افراد کی تلاش کا کام شروع کردیا گیا تھا۔

اس خبر میں میرا یا کسی اور کا نام نہیں تھا لیکن قیاس بتارہا تھا کہ وہ ساری ہلچل ہماری وجہ سے تھی۔ ہم تینوں پوری رازداری اور خاموشی کے ساتھ پاکستان سے روانہ ہوئے تھے۔ ہر مرحلے پر اس قدر احتیاط سے کام لیا گیا تھا کہ بھارتی فوج کے میجر اچاریہ اور اس کے اوباش صوبے دار سمیت، کسی کو بھارت میں ہمارے داخلے کی بھنک نہیں مل سکی تھی۔ صرف امرتسر کا بنکو ہمارا رازداں تھا۔ خود اس کی سلامتی کا تقاضا تھا کہ وہ ہماری آمد کے بارے میں اپنی زبان بند رکھتا۔ اس کے باوجود خبر نکل گئی تھی تو میں اپنی کسی خامی پر غور کرنے کے بجائے سارا کریڈٹ ان بھارتی ایجنٹوں کو دینے پر مجبور تھا جو پاکستان میں فعال تھے۔

کراچی میرا بنیادی کیمپ تھا۔ میں اسپیشل ٹاسک فورس کے تعاون سے وہیں بیٹھ کر دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہا تھا۔ ہماری لاہور روانگی کے بعد کراچی کے محاذ پر طاری ہونے والی خاموشی نے شاید راوالوں کی صفوں میں تحریک پیدا کی اور پھر وہ کسی نہ کسی طرح یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ ہم کراچی سے نکل کر لاہور پہنچے ہوئے تھے۔ لاہور میں ہیومن سوسائٹی اور چوہدری عظمت کے معاملات میں میرا تمام کردار پس پردہ رہا تھا۔ وہ واقعہ آئی بی کے کیس کی صورت میں اخبارات اور عوام کے سامنے پیش کیا گیا تھا لیکن مخصوص زاویے سے کھوج لگانے والوں نے شاید کسی طرح پتا چلالیا تھا کہ میں ان واقعات میں شامل تھا۔

کراچی سے روانگی اور لاہور میں موجودگی کی شہادتیں مل جانے کے باوجود جب ان لوگوں کو میرا کوئی سراغ نہیں مل سکا تو انہوں نے از خود ایک مفروضہ قائم کرلیا کہ میں سرحد پار کرکے ان کے ملک میں داخل ہوچکا تھا۔

ان کے نکتہ نظر سے یہ امکان اتنا ہولناک تھا کہ انہوں نے مزید تحقیق اور تفتیش میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنے خفیہ اندازے آگے بڑھا دیے۔ وہ اپنے اندازوں کے بارے میں پریقین نہیں تھے اس لیے اطلاعات میں میرا نام شامل نہیں تھا لیکن آثار بتارہے تھے کہ ان کا اصل نشانہ کون تھا۔

تیسری اور مختصر سی ایک کالمی خبر سب سے زیادہ حوصلہ افزا تھی۔ وہ ایشیا میں سی آئی اے آپریشنز کے چیف، جان اسمتھ کی مقامی مصروفیات کے بارے میں تھی۔ وہ بزدل اور بھگوڑا نجی دورے کی آڑ میں کراچی سے بھاگ کر واقعی دہلی آپہنچا تھا اور اعلیٰ بھارتی حکام سے ملاقاتوں میں مصروف تھا۔

میں ناشتے کے دوران ان خبروں کا مطالعہ کرتا رہا۔ انڈین ایکسپریس ایک معتبر اور جامع اخبار تھا۔ اس میں وہ سب موجود تھا جو مجھ جیسے لوگ جاننا چاہتے تھے۔ چائے نوشی ختم کرنے کے بعد میں نے اخبار کے اوراق پلٹے تو مجھے میجر بخشی کے بارے میں بھی کچھ مواد مل گیا۔ کراچی سے بمبئی منتقلی کے بعد اس کے متعدد ٹیسٹ کیے جاچکے تھے مگر دماغی اور اعصابی امراض کے ماہرین اس کی بیماری کے اسباب کا سراغ لگانے میں ناکام ہوچکے تھے۔ اس کی یادداشت کا خانہ بدستور کورا تھا۔

تین بے گناہ پاکستانی سفارت کاروں کی لاشوں کے بدلے میجر بخشی کی زندہ لاش کا سودا بہت سستا تھا۔ میجر بخشی ایک مسلمہ اور مصدقہ مجرم تھا۔ اس کے جرائم تواتر کے ساتھ میرے سامنے آتے رہے تھے پھر بھی کسی جوابی کارروائی سے بچنے کے لیے ہم نے اسے ہلاک نہیں کیا تھا۔ اسے بے ہوش کرنے کے بعد ایس ٹی ایف کے حامد نے مارشل آرٹس میں اپنی مہارت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بخشی کے شانوں کی کچھ ایسی رگیں دبائی تھیں کہ اس کی یادداشت صاف ہوگئی تھی۔ وہ بخشی کا عضلاتی نقصان تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قابل ترین بھارتی ماہرین بھی سرجوڑ کر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے تھے۔

”آپ کب تک اخبار چاٹتے رہیں گے؟“ طویل انتظار سے اکتاکر غزالہ سوال کر بیٹھی۔

”بہت دلچسپ خبریں ہیں۔ پڑھو گی تو تم بھی ان میں محو ہوجاؤ گی۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ترقی کا ایک فائدہ یہ ہے کہ بہت سے رازابل کر خود بہ خود سامنے آجاتے ہیں۔ جان اسمتھ کسی گیدڑ کی طرح دم دبا کر کراچی سے بھاگا تھا۔ اخبار بتارہا ہے کہ وہ دہلی میں ہے۔“

"این کا دِل یہ خبر پڑھ کر خوش ہو جائے گی۔" غزالہ نے کہا۔ یہ بات طے ہو چکی تھی کہ بھارت کی سرزمین پر ہم لوگ تخلیے میں بھی ایک دوسرے کا ذکر ان ناموں سے کریں گے جو ہمارے پاسپورٹوں پر لکھے ہوئے تھے۔

"اگر اس کے ہوٹل میں انڈین ایکسپریس ہی مہمانوں کو فراہم کیا جاتا ہے تو وہ ضرور یہ خبر پڑھے گی۔"

"وہ یہاں ہے مگر ہم اس تک کیسے پہنچیں گے؟" وہ سوال کرتے ہوئے غزالہ سنجیدہ ہو گئی۔

"گاڑی آ جانے دو۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "آج ہی سے تلاش کی مہم شروع کر دی جائے گی۔"

اس روز ہم دونوں سویرے بیدار ہو گئے تھے۔ ہم تیار ہو کر ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے مگر صرف سوا نو بجے تھے۔ جی تھری کسی بھی وقت گاڑی لے کر پہنچنے والا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ اس کے ساتھ پہلے میں ان ٹھکانوں کا جائزہ لوں گا جہاں میرے متوقع شکاروں کے دفاتر یا گھر واقع تھے۔ پھر محل وقوع اور فرار کی دستیاب سہولتوں کی روشنی میں ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کروں گا۔"

"اپنے ملک سے باہر نکلنے کے بعد یہ سب بہت مشکل بلکہ ناممکن نظر آتا ہے۔" غزالہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

"امریکا پہنچنے کے بعد بھی ایسا ہی جمود نظر آ رہا تھا مگر ایک بار راستہ بن گیا تو ہر کام سیدھا ہوتا چلا گیا۔ امریکا کے مقابلے میں یہاں کا ماحول وغیرہ ہم لوگوں کے لیے زیادہ اجنبی نہیں ہے پھر ہمیں یہاں آئے ہوئے وقت ہی کتنا ہوا ہے۔"

دس بجے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دوسری طرف سے جی تھری بول رہا تھا۔ وہ گاڑی لے آیا تھا۔ اس نے مجھے اپنی گاڑی کا رنگ اور نمبر بتایا۔ میں نے اسے پارکنگ میں رک کر انتظار کرنے کی ہدایت کی۔ ویرا کو تیاری کا اشارہ کیا اور فون پر ویرا کے ہوٹل کا نمبر ملا لیا۔

پچھلے تجربے کی روشنی میں اس بار بھی میں نے پرانی ترکیب آزمائی۔ ریسیور پر ویرا کی آواز سن کر سی ایس ڈی آن کر دی۔

"تم نے اخبار دیکھا ہو تو پڑھ لیا ہوگا کہ جان دہلی میں موجود ہے۔" میں نے اسے خوش خبری سنائی۔

"واقعی!" اس کی تحیر زدہ آواز مسرت سے لبریز تھی "میں تھوڑی دیر پہلے سو کر اٹھی ہوں۔ ابھی اخبار دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔"

"انڈین ایکسپریس میں پریس ٹرسٹ آف انڈیا کی جاری کی ہوئی خبر چھپی ہے۔ یہ دوسرے اخباروں میں بھی ہوگی۔ تم کو نہ ملے تو انڈین ایکسپریس کے اندرونی صفحات دیکھ لینا۔ اب میں شہر کے سروے پر نکل رہا ہوں۔" میں نے اسے بتایا۔

"غزالہ تمہارے ساتھ جا رہی ہوگی!" ویرا نے رشک آمیز آواز میں پوچھا۔

"دوستوں کی طرف سے گاڑی اور ڈرائیور کا بندوبست ہو گیا ہے۔ وہ میرے ساتھ جائے گی۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ تم مجھے بھی ساتھ لے لو۔ میں تیار ہو کر پانچ منٹ میں نیچے آ جاتی ہوں۔"

"تمہارا حافظہ کمزور ہے۔ تم پچھلی رات کے تجربے اور اپنے وعدے کو اتنی جلدی بھول جاؤ گی۔ مجھے یہ توقع نہیں تھی۔"

"میں تمہاری کامیابیوں کے لیے دعاگو رہوں گی۔ ہوٹل پہنچ کر مجھے فون ضرور کر لینا۔" اس نے مجھے تاکید کی۔

"اسے بہلائے رکھنے کے لیے وہ مختصر سی فون کال ضروری تھی۔ میں نے اس سے وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔"

اتنی دیر میں غزالہ جوتے وغیرہ پہن کر تیار ہو چکی تھی۔ میں نے سی ایس ڈی کو فون کی لائن سے الگ کر لیا۔ غزالہ نے سی ایس ڈی اور ایریٹس اپنے وینٹی بیگ میں ڈالے اور ہم دونوں اپنا کمرا مقفل کر کے لفٹ کی طرف چل دیے۔

ہمارے کمرے میں روز مرہ استعمال کے چند جوڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ میں سفر میں رقم اور پاسپورٹ وغیرہ ہر دم اپنے ساتھ رکھنے کا عادی تھا۔ میں نے کمرے کی چابی کاؤنٹر پر جمع کرائی اور غزالہ کے ساتھ ہوٹل سے نکل گیا۔

میں نے جی تھری سے اس کی گاڑی کا رنگ اور نمبر معلوم کر لیا تھا لیکن پارکنگ لاٹ میں گھستے ہی مجھے احساس ہو گیا کہ مطلوبہ گاڑی تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔

میں ٹھٹک کر رک گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ لاٹ میں کھڑی ہوئی گاڑیوں میں اپنی تلاش کی ابتدا کس طرف سے کروں۔ پریشانی کے عالم میں میری ساری توجہ اپنے سامنے مرکوز تھی کہ اچانک پیچھے سے کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

دباؤ ہلکا اور دوستانہ تھا۔ اس میں گرفت کی سی سختی نہ تھی مگر میرے لیے وہ حرکت غیر متوقع تھی۔ میں جھنجلا کر بہت تیزی سے گھوما تو ایک متین اور بھرا بھرا نوجوان میری نظروں کے سامنے تھا۔ میرے پلٹنے کی وجہ سے اس کا ہاتھ میرے شانے پر سے گر چکا تھا۔ وہ براہِ راست مجھ

آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔
"تمہیں چار ناموں والے کی تلاش ہے؟" نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"مجھے کالے چور کی تلاش ہے۔ تم کون ہو اور اس بے تکلفی کا کیا مطلب تھا؟" میں نے تلخی سے کہا۔ غزالہ پریشان نظر آنے لگی تھی۔
اس نے گاڑی کا رنگ اور رجسٹریشن نمبر دہرایا پھر مسکراتے ہوئے بولا "مجھے معلوم تھا کہ تم چکرا جاؤ گے اس لیے میں یہیں تمہارا منتظر تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ مجھ سے اندازے کی غلطی نہیں ہوئی کیونکہ تمہارے ہونٹوں پر بھی ہنسی کھیل رہی ہے۔"
میں نے تپاک سے اس سے ہاتھ ملایا۔ اس نے اپنے سر کو ہلکا سا خم دے کر غزالہ کو سلام کیا اور ہم اس کی رہنمائی میں پارکنگ لاٹ میں داخل ہوگئے۔
"تمہارے قیاس کی داد نہ دینا ناانصافی ہے۔ تم نے ہمیں پہلی بار دیکھا اور پہچان لیا۔" میں نے کہا۔
"اپنوں کی بو دور سے آجاتی ہے۔ میں کسی باوقار جوڑے کا منتظر تھا۔" اس نے جواب دیا۔
"یہ چار ناموں والے کا کیا ذکر تھا؟ تمہاری اس بات نے ذرا سی دیر کے لیے مجھے الجھا دیا تھا۔"
"ہم تینوں کے چار نام ہیں۔" اپنے گرد و پیش میں نظر دوڑانے کے بعد اس نے دھیرے سے کہا "ماں باپ اور گھر بار کے ساتھ ہم اپنا نام بھی اپنے وطن میں چھوڑ آئے ہیں۔ میرا دوسرا نام سنیل ہے جس سے یہاں کے لوگ جانتے ہیں۔ تیسرا نام کپور تھلا کے رئیس کا ہے جو سرلا اور تم جیسے دوستوں کی پہچان کے لیے ہے۔ تم اپرٹیس استعمال کرو گے تو میں جی تھری کہلاؤں گا۔ یہ سب زندگی کے انوکھے کھیل ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ آخر میں وطن کی خاک نصیب ہوتی ہے یا یہاں کی مٹی کسی اور نام سے ہمیں اپنی گود میں چھپائے گی۔"
"یار، تم جوان آدمی ہو۔ کیوں قنوطی ہو رہے ہو۔ ابھی تو تمہارے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔"
"قنوطی نہیں، بس ذرا جذباتی ہو رہا تھا۔ تم سے ملتے ہی پرسوں رات کا خیال آگیا تھا۔ تمہاری لائن ڈراپ ہوتے ہی مجھے موت سامنے نظر آنے لگی تھی۔ میں سرلا سے کچھ کہے بغیر تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ کسی نے میری موجودگی کا یقین کرنے کے لیے وہ فون کیا تھا۔ میں نے بھاگنے میں دیر کی تو سرلا کے گھر میں ہی مارا ڈالا جاؤں گا۔ ہماری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ ابھی ہیں، اگلے لمحے

کوئی گولی آئے گی اور نہیں ہوں گے۔"
"قابلِ رشک بات یہ ہے کہ ان سب خطروں سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی تم پیچھے نہیں ہٹتے۔" غزالہ نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا "میں تمہاری اس دلیری اور عظمت کو سلام کرتی ہوں۔"
اس نے یکایک سامنے آکر ہم دونوں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ "مجھے شرمندہ مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کون ہو۔" یہ کہہ کر وہ پھر ہمارے ساتھ ہولیا "ہمیں احتیاط برتنے کا حکم نہ ہوتا تو میں دیکھتے ہی تم کو اپنے کندھے پر اٹھالیتا۔ تمہارے نام کو یہاں کے اخباروں نے لیجنڈ بنا دیا ہے۔ مجھے تم سے برابری سے بات کرتے ہوئے شرم آرہی ہے۔"
میں مسکرا کر رہ گیا۔ گوپال یا عابد علی کی طرح وہ بھی جوان تھا۔ جلال نے بھارت میں کام کرنے کے لیے تجربہ کار اور پختہ عمر کے ایجنٹوں کے بجائے پرجوش اور جوان افراد کا انتخاب کیا تھا جو اس کی ذہانت کا کھلا ثبوت تھا۔
ہم اس کی گاڑی تک پہنچے تو میں نے اس کے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھنا چاہا مگر اس نے مجھے روک دیا "تم پیچھے ہی بیٹھو۔ ہر ایک کی نظر سے بچے رہو گے۔ جس طرح میں مجبور ہو کر آپ جناب کے بجائے تم سے مخاطب کر رہا ہوں اسی مجبوری کے تحت تم مجھے اپنا ڈرائیور سمجھ لو اور صرف یہ بتاؤ کہ کہاں جانا ہے۔"
اس کا پیش کیا ہوا نکتہ جاندار تھا۔ میں پچھلی نشست پر غزالہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔
"انل بسواس اور نریش نرما کے دفاتر اور گھر امریکی سفارت خانہ اور ان کے درمیان آنے والے مقامات دیکھنے ہیں۔" گاڑی حرکت میں آنے کے بعد میں نے اسے بتایا "یہ ہمارا ابتدائی جائزہ مشن ہے۔ اس کے بعد ہم کسی کارروائی کا فیصلہ کریں گے۔"
"ٹھیک ہے۔ پچھلے پائیدان کے نیچے تین بھرے ہوئے ریوالور اور فاضل راؤنڈ کے پیکٹ پڑے ہوئے ہیں۔ جب چاہو، نکال لینا۔"
گوپال کی طرح وہ بھی جوان تھا مگر اس کی گفتگو سے اس قدر اعتماد جھلک رہا تھا کہ وہ بھی اپنے ساتھی کی طرح خود مختار نظر آرہا تھا۔ اگر گوپال نے مجھے یہ نہ بتایا ہوتا کہ وہ اپنے مشن کا چیف ہے تو میں سنیل کو ہی ان کا بڑا تصور کر لیتا۔
"تم مہم پر نکلے ہو تو میں یہ یاد دلا دوں کہ گرین کوبرا فائل ہمارے لیے مسئلہ بنی ہوئی ہے۔" اس نے کہا۔
"گوپال مجھے بتا چکا ہے۔ یہ بھولنے والی بات نہیں ہے۔

اب مجھے خود بھی اس فائل سے دلچسپی ہوگئی ہے لیکن اس کی وجہ سے میں ان میں سے کسی کو معاف نہیں کروں گا۔ جو بھی پہلے زد میں آگیا' میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔"

"ہونا یہی چاہیے مگر ہم ایسا نہیں کرسکتے۔ سر جھکا کر اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ دیکھو' ان ظالموں نے کل ہمارے تین آدمی مار دیے۔ یہاں کئی دن سے کھچڑی پک رہی تھی۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے اور کل انہوں نے گاڑی تباہ کرادی۔"

"بظاہر وہ ایک حادثہ تھا۔ تم ان پر شبہ کیوں کررہے ہو؟" میں نے اسے کریدنے کی نیت سے پوچھا۔

وہ ہنس پڑا "مجھ سے نہ کھیلو۔ یہ بات تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ سب کو یہی معلوم ہے کہ اوبرائن ڈی ہنٹ دہلی میں ٹریفک کے ایک حادثے میں مارا گیا تھا۔ تم کراچی میں تھے۔ رستم ایرانی سے تمہارا سودا ہوا تھا۔ وہ ڈوریاں ہلا رہا تھا۔ یہاں حادثہ ہوگیا۔ کوئی اسے قتل ثابت نہیں کرسکا۔"

میں اس کی زبان سے وہ سب سن کر حیران رہ گیا۔ "تم کو یہ باتیں کیسے معلوم ہوگئیں۔"

"یہ سب سینہ گزٹ کی خبریں ہیں۔" وہ ہنس کر بولا "نجی محفلوں میں جب ہمارے افسر پینے بیٹھتے ہیں تو ہر ایک دوسروں پر اپنی معلومات کا رعب جھاڑنے کی کوشش کرتا ہے اور سینوں میں چھپی ہوئی بڑی بڑی خبریں گزٹ پر آجاتی ہیں۔ یہاں کام کرنے والے دوسرے پاکستانیوں سے زیادہ باخبر رہتے ہیں۔"

اس نے مجھے لاجواب کردیا۔ واقعات کی گرد میں' میں اوبی کی موت کا قصہ یکسر بھلا بیٹھا تھا۔ سنیل نے صحیح یاد دلایا تھا کہ اوبرائن کے قتل میں مجھے جنبش کرنی پڑی تھی نہ رستم نے کراچی چھوڑا پھر بھی اوبرائن جہنم واصل ہوگیا تھا۔ نئی دہلی سے شملہ تک کام کرنے والے را کے ایجنٹوں کے لیے پاکستانی سفارت خانے کی ایک کار کو حادثے کا شکار بنانا ذرا بھی مشکل نہیں تھا۔ میں وہ نتیجہ پہلے اخذ کرچکا تھا۔ سنیل اس کی تصدیق کررہا تھا۔

"یہ سلسلہ اب رک جانا چاہیے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "وہ ہمارے دامن میں آگ لگا رہے ہیں۔ ہم کو ان کے وجود میں آگ بھردینی چاہیے۔"

"یہاں سے سول لائنز کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔" اس نے گاڑی موڑتے ہوئے کہا "یہاں بہت سے سرکاری دفاتر ہیں۔ تیرتھ رام شاہ اسپتال کے پیچھے را کا ایک گمنام سا دفتر ہے جس پر کوئی بورڈ یا نشان نہیں ہے۔ نریش شرما وہیں بیٹھتا ہے۔ انل بسواس کبھی کبھی اس دفتر کا رخ کرتا ہے۔"

اس نے گاڑی کی رفتار دھیمی کرلی تھی۔ وہ ہمیں راستوں اور مختلف مقامات کے بارے میں بتاتا رہا پھر وہ را کے اس خفیہ دفتر کے قریب سے گزرا۔ وہ عمارت کسی طرح بھی اہم نظر نہیں آرہی تھی۔ آگے نکل کر میں نے دفتر کی اہمیت کی صرف ایک علامت دیکھی کہ دو باوردی سپاہی اپنی بندوقیں سنبھالے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دور ہی سے اندازہ ہورہا تھا کہ موٹی توندوں والے ان سپاہیوں نے برسوں سے کوئی بھاگ دوڑ کی تھی نہ اپنی بندوقوں سے کوئی گولی چلائی تھی۔

سنیل اپنی گاڑی دور تک لیتا چلا گیا۔ واپسی پر وہ دوبارہ را کے ذیلی دفتر کے سامنے سے گزرا تاکہ ہم عمارت کا محل وقوع اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔

دوسرا جائزہ مکمل ہونے کے بعد سنیل اس علاقے سے نکل گیا۔ انل اور نریش قرول باغ کے علاقے میں رہتے تھے۔" وہاں سے ہوتے ہوئے ہم چانکیہ پوری نکل جائیں گے۔ سارے سفارت خانے وغیرہ وہیں واقع ہیں۔ علاقہ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔"

سنیل راستے بھر ہمیں بتاتا رہا کہ قرول باغ دہلی کا ایک بڑا رہائشی علاقہ ہے جہاں مختلف ناموں سے کئی بستیاں آباد ہیں۔ وہ پہاڑ گنج سے تقریباً ملا ہوا علاقہ تھا۔ ہمارے ہوٹل سے ان دونوں کے گھر زیادہ دور نہیں تھے لیکن دفتر کا فاصلہ زیادہ تھا۔ وہ اپنے جوش میں کسی پیشہ ور گائیڈ کی طرف ہمیں بریف کرتا رہا اور ہم دونوں خاموشی سے اس کی تقریر سنتے رہے۔ ایک بار غزالہ نے اس سے کچھ پوچھ لیا لیکن اپنے پہلو میں میری کہنی کا دباؤ محسوس کرکے اس نے دوبارہ کوئی سوال نہیں کیا۔

سنیل اور اس کی گاڑی کا سہارا میسر آجانے کے بعد میری دانست میں وہ تفصیلات غیر ضروری تھیں۔ ہم اپنے مخصوص مقاصد کے تحت دہلی آئے تھے۔ کام پورا کرکے ہمیں واپس لوٹ جانا تھا۔ اس شہر کے گلی کوچوں اور راستوں سے ہمارا تعلق کسی لاابالی سیاح جیسا تھا جو دن بھر اجنبی مقامات اور راستوں کی خاک چھاننے کے بعد شام ڈھلے جلد از جلد اس آشیانے میں پہنچنے کا آرزومند ہوتا ہے جہاں ایک صاف بستر اس کے تھکے ہوئے وجود کو اپنی آغوش میں لینے کا منتظر ہوتا ہے۔

ہمیں اپنی مہم جوئی کے سلسلے میں جہاں بھی جانا تھا' سنیل یا اس کے کسی ساتھی کے ہمراہ جانا تھا۔ راستوں سے

انتخاب کی ذمّے داری ان لوگوں کے سر ہوتی۔ مجھے بس یہ دیکھنا تھا کہ کس مقام پر کس نوعیت کی کارروائی زیادہ سود مند ثابت ہوگی۔

انل بسواس اور نریش شرما کے گھروں میں وہی فرق تھا جو ان کے عہدوں میں رہا ہوگا۔ انل بسواس کو سرکاری خرچ پر ایک بڑی سی کوٹھی ملی ہوئی تھی۔ نریش شرما کا گھر ایسا تھا جیسے عام گھر ہوتے ہیں۔ دروازہ کھلا اور مہمان چند قدم چل کر کسی کمرے میں داخل ہوگئے۔

اس جائزے سے فارغ ہو کر جب سنیل نے بتایا کہ قرول باغ سے چانکیہ پوری کی مسافت خاصی زیادہ ہے تو میں نے ادھر جانے کا ارادہ یک لخت منسوخ کردیا۔ امریکا دنیا کا اکلوتا بڑا اور طاقت ور ملک ہے۔ ہر جگہ اس کی سفارتی عمارتیں پُرشکوہ اور بڑی حد تک قلعہ بند ہوتی ہیں جہاں اجازت اور شناخت کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ جان اسمتھ کے خلاف وہاں کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دفتر اور سفارت خانے سے دور رہ کر اسے زیادہ آسانی سے پھانسا جاسکتا تھا۔

"چانکیہ پوری کی سیر کرانے کے بجائے ہمیں کسی ایسی جگہ لے جاسکو جہاں سے پاکستان فون کیا جاسکے تو زیادہ بہتر ہوگا۔" میں نے اس سے کہا۔

"پاکستان فون کرنے کے لیے تمہارا ہوٹل سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ وہاں تمہارے پاس سی ایس ڈی بھی موجود ہے۔" سنیل نے جواب دیا۔

"ہوٹل سے فون کیا تو وہ نمبر ریکارڈ پر آجائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ ہوٹل چھوڑتے ہوئے ایسا کوئی سراغ چھوڑا جائے جو ہمارے دشمنوں کے لیے کار آمد ثابت ہوسکے۔ کسی دوست یا ہمدرد کا گھر سب سے بہتر رہے گا۔ سی ایس ڈی ایک منٹ میں لائن سے جوڑی جاسکتی ہے۔"

"مگر دوسری سی ایس ڈی کہاں سے آئے گی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ کوئی دیوہیکل آلہ نہیں ہے۔ چھوٹی سی ڈبیا ہے۔ ہم نے اسے ہوٹل کے کمرے میں چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لیا۔ وہ غزالہ کے بیگ میں موجود ہے۔"

"پھر تم میرے ساتھ چلو۔ اس وقت گیسٹ ہاؤس خالی پڑا ہوا ہوگا۔ سرلا قابلِ اعتماد عورت ہے۔ کسی سے تمہاری آمد کا ذکر نہیں کرے گی۔" اس نے گاڑی ایک کشادہ سڑک پر گھماتے ہوئے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

وہ اس کی نپی تلی رائے تھی۔ مجھے اس میں کوئی عذر نہیں تھا۔ وہ اپنی مرضی کے راستوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی سرلا کے مختصر سے بنگلے کے قریب جا رکی۔ سنیل نے انجن بند کیا، ہمیں انتظار کرنے کی ہدایت کی اور کسی ترکیب سے احاطے کا دروازہ کھول کر اندر غائب ہوگیا۔ ہمیں اندر لے جانے سے پہلے وہ اپنا اطمینان کرلینا ضروری سمجھ رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ واپسی پر سرلا بھی اس کے ساتھ دروازے پر آئے گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ آیا اور ہمیں تیزی سے اندر لے گیا۔ مختصر سے برآمدے میں ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہی گوپال، سنیل اور رام کا جز وقتی ٹھکانا تھا۔

"سرلا کہیں نظر نہیں آرہی۔ کیا یہ مکان بالکل خالی پڑا ہوا تھا؟" میں نے مختصر ترین اسباب پر مشتمل اس کمرے میں داخل ہو کر پوچھا۔

"اسے میں نے جان کر تم دونوں سے دور رکھا ہے مگر مجھے یقین ہے کہ وہ کسی اوٹ میں چھپی تم کو دیکھ رہی ہوگی۔ تم آرام سے فون کرلو۔ میں اندر ہوں۔ بات ختم ہوجائے تو مجھے آواز دے لینا۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ جاتے ہوئے اس نے دروازہ بند کردیا تھا۔

دہری مسہری، دو کرسیاں، ایک چھوٹی میز اور دیوار گیر آئینے کے سوا وہاں صرف ایک فون موجود تھا۔ سنیل نے شاید جان کر ہمیں تخلیہ فراہم کیا تھا۔ غزالہ ملحق باتھ روم میں گھس گئی۔ میں نے سی ایس ڈی کو تار سے جوڑنا شروع کردیا۔

میرے ذہن میں ایک کشمکش جاری تھی۔ میں فیصلہ نہیں کرپا رہا تھا کہ اول خان اور سلطان شاہ میں سے کسے فون کروں۔ سلطان شاہ سے میرا گہرا جذباتی تعلق تھا جب کہ اول خان سے کام کی باتیں معلوم ہونے کی امید تھی۔

سی ایس ڈی جوڑنے تک میں فیصلہ کرچکا تھا۔ میں نے بین الاقوامی کوڈ ملانے کے بعد اول خان کا نمبر ملانا شروع کردیا۔ دہلی میں اس وقت دو بجے تھے۔ پاکستان کا وقت نصف گھنٹا پیچھے تھا۔ مجھے امید تھی کہ اول خان اپنے دفتر میں مل جائے گا۔

دو گھنٹیاں بجنے پر بھی جواب نہیں ملا مگر میں نے انتظار جاری رکھا۔ میں خود مشاہدہ کرچکا تھا کہ اول خان کرسی توڑنے والے افسروں میں سے نہیں تھا۔ ہر وقت اپنے لیے کام پیدا کرتا رہتا تھا اور مصروف رہتا تھا جس کے نتیجے میں بسا اوقات اس کا دفتر خالی پڑا رہتا تھا۔ وہ خود کسی بیرک، ورکشاپ یا میس میں اپنے عملے کے ساتھ کسی کام میں لگا رہتا تھا۔ اس کی طرف سے جواب ملنے میں تاخیر غیر متوقع نہیں

ہی۔
تیسری گھنٹی پر جواب ملا اور اول خان میری آواز سن کر
ران رہ گیا "خدا کا شکر ہے کہ تمہاری آواز سنائی دی۔ کان
س گئے تھے اس آواز کو! اس وقت تم کہاں سے بات
ر رہے ہو؟"

"میں دہلی میں جلال کے آدمی کے ساتھ ہوں۔ سمجھ میں
یں آرہا کہ کل کے واقعے کا بدلہ کیسے لوں۔ جب سے وہ
ی خبر سنی ہے' غصے سے میرا خون کھول رہا ہے۔ ہم ان کے
رموں کو سزا دیتے ہیں۔ یہ ہمارے بے گناہوں کو مار ڈالتے
ں۔"

"اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو!" اول خان نے مربیانہ آواز میں
ھے مشورہ دیا "ایسے کاموں میں یہ سب ہوتا رہتا ہے۔ کوئی
پنے گریبان میں جھانکنا پسند نہیں کرتا۔ وہاں تمہاری
زیشن بہت نازک بلکہ مخدوش ہے۔۔۔۔ تم اس وقت سی ایس
ں استعمال کر رہے ہونا؟"

"وہ آن ہے اسی لیے میں اپنے دل کا غبار نکال
ا ہوں۔ میں اس واقعے کا بدلہ لے کر رہوں گا۔"

"یہاں سب تمہارے لیے فکر مند ہیں۔ یہاں خاموشی
ہے۔ دشمنوں کو سانپ سونگھ گیا ہے مگر شبہ ہے کہ انہیں
اری روانگی کی کچھ بھنک مل گئی ہے۔ زندگی ہے تو کام
تے رہیں گے۔ تم خطرہ محسوس کرو تو فوراً واپس لوٹ
۔"

"یہاں ایک بڑے کھیل کے لیے فضا سازگار ہو رہی
ہے۔ جان دہلی پہنچا ہوا ہے۔ جلال کے آدمی کسی گرین کو برا
ل کی فکر میں ہیں۔ میں جمی جمائی بساط چھوڑ کر واپس نہیں
سکتا۔ یہ بتاؤ کہ سلطان شاہ کا کیا حال ہے۔" غزالہ باتھ
م سے واپس آکر خاموشی سے میرے قریب بیٹھ چکی تھی۔

"میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ جہانگیر نے فون پر فون
کے اس کی زندگی عذاب کر دی تھی۔ اسے خوشی ہوئی ہے
ر اس کا ماموں سر گندے الزامات میں پکڑا گیا۔ اب وہ
اری تلاش میں ہے تاکہ تمہارے ذریعے چوہدری عظمت
وئی بڑا احسان لاد سکے۔"

"وہ سدا کا احمق ہے۔ سلطان شاہ سے کہو کہ اسے کورا
ب دے دے!" میں نے ترشی سے کہا۔

"وہ سب کچھ کہہ چکا ہے۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ یہ
قی سطح کا سنگین کیس ہے جس میں کوئی کچھ نہیں کر سکتا مگر
ں کی ایک ہی رٹ ہے کہ وہ تم سے بات کرے گا۔ اسے
ارا پتا اور فون نمبر درکار ہے۔"

"اسے بکنے دو۔ ایسے جرائم معافی کے قابل نہیں
ہوتے۔" مجھے جہانگیر پر غصہ آرہا تھا۔

"تم اس کے بارے میں زیادہ نہ سوچو۔ سلطان شاہ گھر
میں تالا ڈال کر میرے پاس آگیا ہے۔ ایک آدمی گھر کی
چوکیداری کر رہا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ جہانگیر بلبلا کر کئی
مرتبہ گھر کے چکر بھی لگا چکا ہے۔ تم آؤ گے تو خود اسے سنبھال
لو گے۔"

"جلال کی طرف سے کیا خبریں ہیں۔" میں نے وہ بات
سننے کے بعد پوچھا۔

"تمہارے بارے میں اسی سے اطلاعات ملتی رہیں۔
تمہیں لے جانے والا اس کے رابطے میں رہتا ہے۔ سنا ہے
کہ تم نے ایک رات امرتسر میں بسر کی تھی۔"

"سفر نے جوڑ جوڑ ہلا دیا تھا۔ وہاں رک کر آرام کرنا
ضروری تھا۔"

"راستے میں کوئی ناگہانی آفت بھی آتے آتے رہ گئی
تھی۔ کوئی صوبے دار گاڑی کی تلاشی لینے پر اڑ گیا تھا۔"

"وہ بہت بھیانک وقت تھا جو خوش قسمتی سے گزر گیا۔
گڑبڑ ہو جاتی تو زندگی کا سفر وہیں پورا ہو جاتا۔"

"ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو۔ میرا خیال تھا کہ اس نے
واقعے کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔"

غزالہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ گاڑی کھولی گئی تو وہ این
کاویل کو قتل کر کے خودکشی کر لے گی۔ بھارتی صوبے دار
شیطان کا بچہ بنا ہوا تھا۔ جلال کے ایجنٹ نے بہت ہوش
مندی سے کام لیا۔ وہ لالچ کرتا تو بات بگڑتی چلی جاتی۔ اب
اس واقعے کو بھول جاؤ۔"

خطرناک پاکستانیوں کے ملک میں گھس آنے کے بارے
میں بھارت میں جو شور مچا ہوا تھا' اول خان اس کی شدت
سے آگاہ نہیں تھا۔ اسے سرسری سا شبہ تھا کہ بھارتیوں کو
ہماری روانگی کی کوئی بھنک مل گئی تھی۔ میں نے اس موضوع
پر اس کی معلومات میں ذرا بھی اضافہ نہیں کیا۔ وہ ہمارے
بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں
کر سکتا تھا۔

بھارت پہنچنے کے بعد وہ اس سے میری پہلی گفتگو تھی۔
میں نے اس سے کئی ناخوش گوار باتیں چھپائیں لیکن اس نے
مجھے ہر بات بتا دی۔ چوہدری عظمت اور اس کے شریک
مجرموں کا ریمانڈ لیا جا چکا تھا۔ اگلی پیشی پر ان کے خلاف
مضبوط چالان تیاری کے آخری مراحل میں تھا۔
اول خان سے گفتگو ختم کرنے سے پہلے مجھے اچانک

نخشب کا خیال آگیا اور میں نے چونک کر اس سے پوچھا "تم نے داؤد جٹ کے بارے میں کچھ سنا ہے۔"

"سنا کیا ہے۔ وہ اکثر کراچی آتا رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے ڈیفنس کے علاقے میں وہ کئی مکان خرید چکا ہے۔"

"اور اس کی طرف سے چشم پوشی اختیار کی جاتی ہے۔" میں نے قدرے حیرت اور خوشی سے پوچھا۔

"جائیداد کی خرید و فروخت قانونی تقاضے پورے کیے بغیر ناممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے مکان اپنے مقامی ملازمین کے نام پر لیے ہوں۔ میری اطلاعات کے مطابق کبھی کسی ادارے نے اس کا پیچھا نہیں کیا۔ وہ اپنی اسپیڈ بوٹ میں کراچی آتا ہے اور چند دن گزار کر خاموشی سے لوٹ جاتا ہے۔"

"میں بھی یہی کہنا چاہ رہا تھا۔ وہ ہماری رعایتوں کا حق دار ہے۔ اس کے ایک آدمی نے کل رات ہی ہمارا ایک بڑا کام کیا ہے۔"

"وہ دہلی میں کہاں سے آگیا؟ ان لوگوں کا گڑھ تو ممبئی میں ہے!" اول خان کی آواز میں حیرت پوشیدہ تھی۔

"گڑھ وہی ہے مگر دہلی میں اس کا خاص آدمی رہتا ہے۔ وہ آنکھیں بند کر کے ہر مظلوم کی مدد کرتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ یہ لوگ اپنی غیر قانونی کمائی پر کوئی انکم ٹیکس نہیں دیتے لیکن سیکڑوں غریب خاندان ان کے وظیفوں پر پل رہے ہیں۔ لڑکیوں کی شادی پر لاکھ پچاس ہزار کی مدد دینا ان کی روایت بن چکی ہے۔ کراچی کے مچھیروں میں بھی ان کی بہت خدمات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ان لوگوں کا راستہ روکا گیا نہ کبھی ان سے ٹکراؤ کی نوبت آئی۔ یہ شاید اسی کا ثمر ہے کہ کوئی تمہارے کام آگیا۔ ویسے کام کیا تھا وہ؟"

"اسے رہنے دو۔" میں نے ہنس کر کہا "میں یہی چاہتا تھا کہ پاکستان میں ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔"

اول خان نے ویرا اور غزالہ کے لیے دعائیں دے کر فون سلطان شاہ کو دے دیا۔

وہ میرے روبرو ہوتا تو شاید سوالات کر کے میرا دماغ خالی کر دیتا لیکن اس وقت اس نے کچھ نہیں پوچھا۔ بار بار ہم تینوں کی خیریت دریافت کرتا رہا۔ اس نے جہانگیر کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا اور میں نے جلد واپسی کے وعدے کے ساتھ فون بند کر دیا۔

کال ختم ہونے کے بعد میں نے سی ایس ڈی الگ کی اور تار پرانی حالت میں جوڑ دیے۔

میری ایک آواز پر سنیل لوٹ آیا۔ شاید اسے خود بھی
ہمارا وہاں رکنا پسند نہیں تھا۔ وہ ہمیں ساتھ لے کر گھر سے
نکل گیا۔ واپسی پر بھی سرلا ہمارے سامنے نہیں آئی تھی۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" سنیل نے گاڑی کو حرکت میں لاتے ہوئے پوچھا۔ عقب نما آئینے میں وہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"آج تمہاری ڈیوٹی لمبی ہو گئی ہے۔ ہمیں ہوٹل چھوڑ دو اور واپس جا کر آرام کرو۔"

"میری ڈیوٹی صبح سے رات تک کی ہے۔" اس نے ہنس کر کہا "تمہاری ضرورت ہو یا نہ ہو، میں گاڑی کے ساتھ ہوٹل کے پارکنگ لاٹ میں موجود رہوں گا کیونکہ یہ میرے چیف کی ہدایت ہے۔ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔"

"بے سود ہے۔ تم اپنا وقت برباد کرو گے۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اب تمہارا چیف بھی مجھ کو جواب دہ ہے۔ تینوں کے لیے میری ہدایات حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہیں۔ میں کہہ رہا ہوں کہ جاؤ تو تم کو اسی وقت واپس جانا ہو گا۔"

"سوری! یہ بات مجھے معلوم ہے مگر میں بھول گیا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے معذرت کی۔

"کل صبح آجانا۔ اس وقت تک میں سوچ سمجھ کر کوئی راہ کا تعین کر لوں گا۔"

پروگرام طے ہو گیا۔ سنیل نے ہمیں ہوٹل کے پورچ میں گاڑی سے اتارا اور رخصت ہو گیا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر مجھے خیال آیا کہ باتوں میں مصروف ہو کر میں سنیل سے جان اسمتھ کا ذکر کرنا بھول گیا تھا۔ میں نے آخری لمحات پر امریکی سفارت خانے تک جانے کا ارادہ محض اس لیے ملتوی کر دیا تھا کہ وہاں گھسنا اور گھس کر کوئی من مانی کارروائی کرنا ممکن نہیں تھا۔ سنیل یا اس کا کوئی ساتھی آسانی سے جان اسمتھ کی قیام گاہ کا سراغ لگا سکتا تھا۔ اس کا ٹھکانا نظروں میں آنے کے بعد بہت کچھ کیا جا سکتا تھا۔

وہ کام بہت اہم تھا۔ دن کا کافی حصہ باقی تھا۔ شام ہونے تک جان اسمتھ کے بارے میں مطلوبہ معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں مگر مسئلہ یہ تھا کہ سنیل راہ میں تھا۔ سرلا کے گھر اس کا کوئی ساتھی نہیں تھا۔ میں نے مجبوراً ایرٹیس استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ہوٹل کا کمرا ایئر کنڈیشنڈ ہونے کی وجہ سے بند تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہ اس محبوس فضا میں ایرٹیس واضح ریڈیائی لہریں نشر او روصول نہیں کر سکے گا۔ میں نے پردہ سرکا کر ایک کھڑکی

کھولی اور اپریٹس آن کر دیا۔
اس روز میری اور سنیل کی ملاقات میں تسلسل رہا تھا۔ میں نے اسی سے رابطہ کیا۔
”آج کے انڈین ایکسپریس کے اندرونی صفحات پر جان اسمتھ نامی ایک امریکی کے بارے میں خبر چھپی ہے۔ وہ چند روز کے نجی دورے پر دہلی آیا ہوا ہے۔ یہ معلوم کرو کہ وہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ اوور!“
”میں ضرور معلوم کروں گا۔ آج صبح تم نے امریکی سفارت خانہ دیکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ آخر میں اسے منسوخ کر دیا۔ اب جان اسمتھ کے بارے میں کچھ سوچ رہے ہو۔ کیا یہ بھی انل کی طرح کا کوئی چکر ہے؟ اوور!“
مجھے سنیل کا وہ سوال پسند نہیں آیا۔ باہمی مراتب طے ہو جانے کے بعد وہ سوال غیر ضروری تھا۔ شروع سے آخر تک اس کا رویّہ سعادت مندانہ رہا تھا لیکن اس وقت وہ نہ جانے کیوں پٹڑی سے اتر گیا تھا۔ میں نے قدرے بے رخی سے کہا ”یہ سوال اس وقت کرنا جب میرا دیا ہوا کام پورا ہو جائے۔ ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ میں نے لاسلکی مواصلاتی رابطوں کی طے شدہ روایات سے انحراف کرتے ہوئے مزید کچھ نہیں کہا اور اپریٹس آف کر دیا۔
”میں دیکھ رہی ہوں کہ وقت گزرنے کے ساتھ آپ کی بے چینی بڑھتی جا رہی ہے۔“ غزالہ کی آواز آئی۔
میں نے کھڑکی بند کی اور پلٹ کر اس سے پوچھا ”یہ بتاؤ کہ یہاں آنے کے بعد ہم نے اب تک کیا کیا ہے۔“
”نئی جگہ پر قدم جمانا سب سے اہم ہوتا ہے۔ آپ اس میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ ویرا ’انسپکٹر ڈیوڈ کے چنگل میں پھنسنے جا رہی تھی۔ میری دانست میں اسے بچا لینا ہی ایک بڑی کامیابی ہے۔“
”ہم نے کچھ نہیں کیا۔ سب کچھ جوں کا توں ہے۔ دشمن ہمارے سینے پر مونگ دل رہے ہیں۔ ہمارے ہوتے ہوئے ہمارے تین سفارتی اہل کار قتل کر دیے گئے اور ہم بے بس ہیں۔ خلش اور بے چینی کے لیے یہ اسباب بہت کافی ہیں۔ جب تک کوئی پیش رفت نہیں ہوتی، میری بے چینی بڑھتی رہے گی۔“
”آپ کام کے دباؤ کا شکار ہو رہے ہیں۔“ غزالہ نے سنجیدگی سے کہا ”جب محنت کے خاطر خواہ نتائج نہ ہوں تو مزاج میں خود بہ خود چڑچڑا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ ابھی آپ نے سنیل سے کافی بے اعتنائی سے بات کی ہے۔ اسے آپ کے لہجے سے دلی صدمہ ہوا ہوگا۔“
”میں اسے احساس دلانا چاہ رہا تھا۔ وہ قبل از وقت اور غیر ضروری سوال کر رہا تھا۔“
”وہ ذہین اور پرخلوص لڑکا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے آپ اس سے دوستانہ انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ اب موڈ خراب ہے۔“
”آخر تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔
”آپ کو تبدیلی اور خالص تفریح کی ضرورت ہے۔ اس ہوٹل کی شامیں بہت دل فریب ہوتی ہیں۔ تھوڑی دیر آرام کر کے نیچے اتر جائیں اور مسائل کو فراموش کر دیں۔ انسان کے ذہن پر تبدیلی کے اثرات بہت خوش گوار ہوتے ہیں۔“
”تو کیا تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گی؟“ میں نے حیرت سے سوال کیا۔
”میں پرسکون ہوں۔ کمرے میں لیٹ کر ٹیلی وژن دیکھوں گی۔ شاید این کا ویل کو بھی فون کر لوں۔“
”کوشش کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری تجویز کارگر ثابت ہو۔ ابھی شام ہونے میں کافی دیر ہے۔ بستر پر جگہ دو تاکہ تھوڑی دیر کے لیے میں بھی ستالوں۔“ میں نے غزالہ سے اصرار کیے بغیر کہا ”چاہو تو این سے میری موجودگی میں بات کر لو۔“
”میں اس سے گپ شپ کروں گی۔ اس سے زیادہ ضروری ہے کہ آپ سنیل سے دوبارہ بات کر لیں تاکہ اس کی دل آزاری کا ازالہ ہو سکے۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ وہ اب بھی آپ کے بدلے ہوئے لب و لہجے کے بارے میں سوچے جا رہا ہوگا۔“
میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر غزالہ کو کوئی جواب دیے بغیر دوبارہ کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔
اپنے تلخ انداز گفتگو پر میں اس سے معذرت نہیں کر سکتا تھا۔ اپریٹس پر رابطہ ہوا تو میں نے شگفتہ لہجے میں پوچھا ”تم اس وقت کہاں جا رہے ہو؟“
”گھر کا ارادہ تھا مگر اب سمت بدل لی ہے۔ تمہارا دیا ہوا کام مکمل کرنے کے بعد کچھ سوچوں گا۔“ اس کی آواز پژمردہ تھی۔
”چلو، یہ سب سے بہتر ہے۔ میں تم کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ جان اسمتھ کے بارے میں مجھے نو بجے تک معلومات درکار ہیں۔“
”نکل کھڑا ہوا ہوں تو کام کر کے ہی لوٹوں گا۔ ہدایت دیتے ہوئے تم نے مجھے ڈرا دیا تھا۔ مجھے اندازہ ہوا تھا جیسے تم

جلد از جلد اس کی قیام گاہ کا پتا حاصل کرنا چاہ رہے ہو۔ میرے لیے تمہاری خوشنودی اب سب سے زیادہ اہم ہے۔"

"ابھی ہم یہی بات کر رہے تھے۔ غزالہ کا خیال ہے کہ تم بہت پرجوش اور سعادت مند نوجوان ہو۔" میں نے موقع پاکر اس کی مزید حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا "اسی طرح لگن سے کام کرتے رہے تو بہت جلد آگے نکل جاؤ گے۔"

"ان خیالات کے لیے میں مادام کا شکر گزار ہوں۔ میری کوشش ہوگی کہ تمہیں کبھی مایوس نہ کروں۔"

"ویری گڈ۔ اوور اینڈ آل!" اس بار میں نے رسمی اطلاع کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ ختم کردیا۔

"شکریہ!" غزالہ مسکراتے ہوئے بولی "آپ کی یہ عادت بہت اچھی ہے کہ ہر مناسب مشورے کو کسی ہچکچاہٹ کے بغیر قبول کرلیتے ہیں۔ اس وقت سنیل کے بجھے ہوئے دل میں نئی جان پڑگئی ہوگی۔ محبت کے دو بول ہمیشہ کرشمہ ساز ثابت ہوتے ہیں۔"

"شاید تم ڈیل کارنیگی کا کوئی قول دہرا رہی ہو" میں نے ازراہِ مذاق کہا۔

"اسے میں نے کبھی نہیں پڑھا۔ یہ میرا تجربہ ہے جو اب تک درست ثابت ہوتا چلا آیا ہے۔"

"انسپکٹر ڈیوڈ بھی این کی زبان سے ایسے دو بول سننے کے لیے ترس رہا تھا۔ میں نے ظلم کیا جو نخشب کو اس کے پیچھے لگادیا" میں نے جواب دیا اور غزالہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کے دونوں رخساروں میں گڑھے نمایاں ہوگئے تھے۔

میں کمرے میں بستر پر دراز ہوگیا۔ نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ ذہن پر عجیب سی فکرمندی سوار تھی۔ میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد غزالہ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے، تفریح کے لیے نکل جاؤں۔

پانچ بجے اپرٹس پر سنیل کا جوابی پیغام آگیا۔ جان اسمتھ، چانکیہ پوری کے علاقے میں ہوٹل سمراٹ میں ٹھہرا ہوا تھا۔

وہ خبر حوصلہ افزا تھی۔ کسی گھر کے مقابلے میں ہوٹل کے کمرے تک رسائی آسان تھی۔ اپنے اپنے کاموں میں مصروف عملے کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آدمی ایک بار اپنے حریف کے کمرے میں داخل ہوجائے تو کامیابی کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں رہتی۔ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ بند کمرے میں کوئی آتشیں ہتھیار استعمال نہ کیا جائے جس کی پرشور آواز ایک بار مردوں کو بھی صف آرا ہونے پر مجبور کرسکتی ہے۔ کسی بے آواز ہتھیار سے حریف کو آسانی سے زیر کیا جاسکتا ہے۔

"اچھی اچھی خبریں آرہی ہیں اور آپ کو شکوہ ہے کہ اب تک کچھ نہیں ہوا" غزالہ نے کہا۔

"ہندی کی ایک پرانی کہاوت ہے کہ جب تک سوئم نہ ہوجائے، جاٹ کو مردہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہاں سوئم تو دور کی بات ہے، ہم ابھی تک دشمنوں کے انتقال کے رسمی اعلان کا انتظار کر رہے ہیں۔ بہرحال کل کچھ نہ کچھ کیا جائے گا۔"

چائے پینے کے بعد میں نے دھیرے دھیرے روانگی کی تیاری شروع کردی۔ میں محتاط تھا کہ غزالہ کو مجھ پر طنز کرنے کا کوئی موقع نہ مل سکے اور وہ بے چاری زبان بند کیے پوری طرح میری مدد کر رہی تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ میں مکمل تیاری کے بغیر کمرے سے نہ نکلوں۔

سات بجے میں غزالہ کی پیشانی پر الوداعی بوسہ ثبت کرکے کمرے سے روانہ ہوگیا۔ ہوٹل کے کمروں تک پہنچنے کی خطرناک سہولت کے پیش نظر میں نے اسے سمجھادیا تھا کہ واپسی پر میں دروازے پر تین بار دستک دوں گا۔ اس شناخت کے بغیر وہ بے فکر ہوکر دروازہ نہ کھولے۔

باہر اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ہر طرف روشنیوں کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ ہوٹل کی لابی اور راہ داریاں بھرنے لگی تھیں لیکن رونق کچھ پھیکی پھیکی سی تھی۔ اسے شباب پر آنے کے لیے مزید کچھ وقت درکار تھا۔

میں اکیلا تھا۔ کسی کی پروا کیے بغیر ہوٹل کے تمام گوشوں میں چکراتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ آزادانہ انداز میں گھومتے ہوئے میرا ذہنی اضمحلال تیزی سے چھٹ رہا تھا۔

ویسے تو ہوٹل کے کافی ہاؤس سے ریستوران تک ہر جگہ چہل پہل تھی لیکن بار میں چیدہ چیدہ چہروں کا اجتماع نظر آرہا تھا۔ ان میں اکثریت سفید فاموں کی تھی۔ حسین چہروں اور مخمور نگاہوں والی کئی لڑکیاں وہاں اکیلی بھی نظر آرہی تھیں جنہیں آخر کار اس شام کا کوئی نہ کوئی ساتھی مل جانا تھا لیکن میرے لیے وہ بار بے مصرف تھا۔ شراب نوشی سے تائب ہونے کے بعد مجھے مے کدوں کے بوجھل ماحول سے وحشت ہونے لگی تھی۔

جلے ہوئے تمباکو اور الکحل کی ملی جلی تیز بو اور دھیمی مغربی موسیقی کو بار میں چھوڑ کر میں سب سے آخر میں بال روم میں پہنچا تو وہاں شام کے استقبال کی تیاریاں مکمل تھیں۔ دیوار کے ساتھ آرکسٹرا موجود تھا مگر اس وقت پوشیدہ اسپیکروں پر ہلکی دھن گونج رہی تھی۔ فلور خالی تھا۔ اس کے گرد پڑی ہوئی صرف چند میزیں آباد تھیں جن پر جوڑے

براجمان تھے۔ میں جائزہ لے کر وہاں سے بھی نکل آیا۔

میرے لیے ہوٹل کا بال روم سب سے بہتر تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں مزید نصف گھنٹا گزارنے کے بعد وہاں پہنچوں گا تو مہمانوں کی تعداد اتنی بڑھ چکی ہوگی کہ کوئی خاص طور پر میری طرف دھیان نہیں دے گا۔

ہوٹل کی حدود میں اور اس سے باہر اس قدر مصروفیات موجود تھیں کہ وہاں کئی گھنٹے بھی آسانی سے گزارے جاسکتے تھے۔ میں سگریٹ پھونکتا ہوا مسلسل ٹہلتا ہی رہا اور پھر آٹھ بجے کے قریب بال روم کی طرف ہولیا۔

وہاں رنگ جما شروع ہوگیا تھا۔ آرکسٹرا بج رہا تھا۔ چند جوڑے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے، چوبی فلور پر ہلکورے لے رہے تھے۔ آباد میزوں کی تعداد بڑھ چکی تھی مگر بیشتر میزیں خالی تھیں۔ ان میں سے بعض پر ریزرویشن کی تختیاں رکھی ہوئی تھیں۔ میں عقابی نظروں سے ہال کا جائزہ لینے کے بعد ایک دور افتادہ میز کے گرد جا بیٹھا۔

بال روم کی آباد میزوں پر بھانت بھانت کی بوتلیں، پیمانے اور گلاس نظر آرہے تھے مگر ہال کی کشادگی کی وجہ سے فضا میں کسی قسم کے بوجھل پن کا احساس نہیں تھا۔ ویٹر آیا اور میں نے سینڈو چز کے ساتھ کافی کا آرڈر دے دیا۔

رقص کا راؤنڈ جاری رہا۔ نئے آنے والوں میں سے کئی جوڑے فلور پر اتر گئے۔ میزیں گھرتی جارہی تھیں۔ اچانک ساز تیز چیخ کے ساتھ یک لخت خاموش ہوگئے۔ بال روم تالیوں کے دھیمے شور سے گونج اٹھا۔ ناچنے والے اطمینان سے اپنی اپنی میزوں کی طرف لوٹ آئے۔

میری ساری توجہ ہال پر مرکوز تھی۔ جب کئی افراد نے گردنیں اٹھا اٹھا کر داخلی دروازے کی طرف دیکھا تو فطری طور پر میری توجہ بھی اس طرف مبذول ہوگئی۔ وہ اجلی رنگت اور تیکھے خدوخال والی کوئی سبک اندام مقامی لڑکی تھی جو نزاکت سے اندر چلی آرہی تھی۔ اس کے جسم پر آسمانی رنگ کی ریشمی ساری اور مختصر سا بلاؤز نظر آرہا تھا۔ اس کا بلاؤز اس قدر مختصر تھا کہ اس کا اوپری جسم لباس سے تقریباً محروم تھا۔ پیٹ، کمر اور شانوں کی پردہ پوشی کے لیے ساری کا مختصر پلو ناکافی ثابت ہو رہا تھا۔

اس لڑکی کو اندازہ تھا کہ متعدد نگاہیں اس پر مرکوز ہو چکی تھیں مگر وہ خود طائرانہ انداز میں یوں ہال کا جائزہ لے رہی تھی جیسے اسے کسی خاص شخص کی تلاش ہو۔ دو خالی میزوں کے درمیان رک کر اس نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ ایک مرتبہ پھر بال روم پر نظریں دوڑائیں پھر وہ میری طرف بڑھنے لگی۔ میں کبھی بھی پارسا نہیں رہا تھا لیکن کبھی آوارگی کے شوق میں بھی مبتلا نہیں رہا۔ اس دلکش اور بے حجاب لڑکی کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ میری طرف متوجہ نہیں تھی۔ کچھ آگے بڑھنے کے بعد اپنا رخ تبدیل کرلے گی۔

وہ آخری میز کے قریب سے گزر کر میری میز کے قریب آکر کھڑی ہوگئی تو میں بوکھلا گیا۔

اس نے مسکراتے ہوئے بجلیاں سی گرائیں اور دھیمی، مترنم آواز میں بولی "آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں کچھ دیر کے لیے یہاں بیٹھ جاؤں۔"

"ضرور بیٹھیں" میں نے خوشی سے جواب دیا "میں اکیلا بیٹھا ہوا بور ہو رہا ہوں۔"

وہ ساری سنبھالتی ہوئے میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی "بہت بہت شکریہ۔ اب میں آرام سے اشوک کا انتظار کرسکوں گی۔"

"یہ اشوک کون ہے؟" میں اخلاقاً سوال کرنے پر مجبور ہوگیا۔

"میرا دوست ہے۔ اس نے آٹھ بجے سے پہلے پہنچنے کا وعدہ کیا تھا مگر اب تک نہیں آیا..."

"اچھا ہوا" میں نے اس کی بات کاٹ کر مسکراتے ہوئے کہا "اس بہانے مجھے آپ کی میزبانی کا موقع مل گیا۔ آپ کیا پینا پسند کریں گی؟"

"سنگل اسکاچ" اس نے بے ساختہ کہا پھر چونک کر شرمندگی سے بولی "ارے، آپ تو کافی پی رہے ہیں، پھر میرے لیے بھی کافی ہی منگوالیں۔"

وہ رو کتی رہ گئی مگر میں نے اس کی پہلی فرمائش کا احترام کرتے ہوئے ویٹر کو ڈی لکس اسکاچ کا نپ لانے کا آرڈر دے دیا۔ اس نے نپ پر بھی مجھے روکنا چاہا۔ وہ سنگل پیگ پر اصرار کررہی تھی مگر میں فیاضی دکھانے کے موڈ میں تھا۔ میں نے کہا "جو بچ جائے گی وہ اشوک کے حصے میں آئے گی۔ آپ پیتی ہیں تو آپ کا دوست بھی ضرور پیتا ہوگا۔"

"ہاں، وہ بہت شریر ہے" وہ شوخی سے بولی "مجھے یہ عادت اسی نے ڈالی ہے۔"

"مجھے رینا کہتے ہیں" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اسے تعارف کا خیال آگیا، یہ کہتے ہوئے اس نے بے تکلفی سے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھا دیا تھا۔

"میں مظہر خان ہوں" میں نے اس کا نرم اور گداز ہاتھ

دیا۔ اس نے آہستگی سے میرا ہاتھ دبایا اور چھوڑ دیا۔
میرے ذہن میں چرخی چلنے لگی۔ وہ پورا ہال چھوڑ کر میری میز پر آئی تھی۔ اس نے میرے ساتھ بیٹھ کر اسکاچ پینے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ تعارف کے بعد ہاتھ ملانے میں خود پہل کی تھی۔ مغرب میں بھی تعارف کرانے کے بعد عورت ہاتھ ملانے میں پہل نہ کرے تو اسے معیوب تصور نہیں کیا جاتا۔ رینا مقامی لڑکی تھی اور بہت بے باک تھی۔ وہ دانستہ مجھے بے تکلفی کی راہ دے رہی تھی۔
"آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ہال میں ابھی کئی میزیں خالی ہیں پھر میں آپ کے ساتھ کیوں بیٹھی ہوں؟"
"یہ بہت فطری سوال ہے" میں نے ہنستے ہوئے کہا "میں کسی موزوں جواب کی تلاش میں ہوں۔"
"میں اکیلی بیٹھتی تو اگلے راؤنڈ کا اعلان ہوتے ہی لوگ ڈانسنگ پارٹنر بنانے کے لیے میرے پاس آنے لگتے۔ میں اپنے بدن پر اجنبی ہاتھوں کے لمس کو پسند نہیں کرتی۔ اس میز پر کوئی مجھے تنگ نہیں کرے گا۔ اکیلی میز پر میں انکار کرتے کرتے عاجز آجاتی۔"
میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر مکاری نہیں تھی۔ میں نے کہا "اگر میں ناچنے کی فرمائش کر بیٹھوں؟"
"مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔ تعارف ہوچکا ہے۔ اب ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں ہیں" وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔
ویٹر آئس پاٹ، سوڈے، دو شفاف پیمانوں اور نمکین مونگ پھلی کے دانوں کے ساتھ بلیک لیبل کانپ لے آیا۔ بوتل کے ڈھکن کی سیل توڑ کر اس نے میز سجائی اور واپس چلا گیا۔ میں نے رینا کے لیے اسکاچ کا ایک درمیانہ پیگ بنانا شروع کر دیا۔ اس نے مقدار میں اضافے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔
رینا نے اپنا جام فضا میں بلند کیا۔ میں نے کافی کا کپ اٹھایا۔ رینا کا پہلا گھونٹ خاصا بڑا تھا۔ پیگ میز پر رکھنے کے بعد وہ اپنے نازک لبوں کو دانتوں میں دبا دبا کر چوسنے لگی جیسے لبوں پر رہ جانے والی اسکاچ جذب کر رہی ہو۔
"برا نہ مانو تو تکلف ختم کرکے ہم سادگی سے باتیں کریں" میں نے تجویز پیش کی۔
"تم نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ تکلف سے اجنبیت کی بو آتی ہے" وہ خوش ہو کر بولی "تم بہت اچھے آدمی ہو۔ میری دعا ہے کہ اب اشوک نہ آئے۔ اسے ذرا بھی احساس نہیں ہے کہ میں اس کے انتظار میں سوکھ رہی ہوں گی۔ تم مل گئے ہو تو یہ شام اچھی گزر جائے گی۔"
وہ رفتہ رفتہ کھل رہی تھی۔ میں معصومانہ صورت بنائے اس کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ کسی خاص مقصد کے تحت دانستہ مجھ سے ٹکرائی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ پہلے سے میری گھات میں رہی ہو اور اسے میرے قریب آنے کا موقع نہ ملا ہو۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ اس شام غزالہ میرے ساتھ نہیں تھی اور میں اکیلا ہی بال روم میں آبیٹھا تھا۔ رینا نے اس موقع سے فائدہ اٹھالیا تھا۔
وہ کون تھی؟ اسے بھیجنے والے کون تھے؟ کیا میں پہچان لیا گیا تھا۔ میرے ساتھ یکایک کیا کھیل شروع ہوگیا تھا؟ میرے ذہن میں یکے بعد دیگرے بے شمار سوالات اور اندیشے اُڈے چلے آرہے تھے۔ تنہا باہر نکلنے سے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوتے ہوتے اچانک بڑھ گیا تھا۔
"میں اپنا پیگ ذرا تیزی سے خالی کرلوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟" رینا مجھ سے پوچھ رہی تھی۔
"پیگ ہی نہیں، تم پوری بوتل صاف کردو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، میں اپنی کافی ختم کرچکا ہوں۔ کیا تمہیں کہیں جانا ہے؟"
پیگ سے ایک اور لمبا گھونٹ لے کر وہ ہنس دی "تم بہت سادہ لوح معلوم ہوتے ہو۔ دیکھتے نہیں کہ فلور پر اگلے راؤنڈ کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ میری خواہش ہے کہ میں اس راؤنڈ میں تمہارے ساتھ شرکت کروں۔ شام کا خمار گہرا ہوجائے گا۔"
میں نے پر تشویش نظروں سے اس کے برہنہ شانوں، بازوؤں اور پیٹ کی طرف دیکھا۔ وہ نازک اندام اور متناسب الاعضا لڑکی تھی۔ عام حالات میں شاید میں ایسی کسی پیش کش سے محظوظ ہوتا لیکن اس وقت میرے ذہن میں وسوسوں کے بے شمار سنپولیے کلبلانے لگے تھے۔ وہ درجہ بدرجہ آگے بڑھتی جارہی تھی۔ بے تکلف ہونے کے ساتھ ساتھ مجھ پر اپنے بدن کا جادو چلانے کی کوشش کررہی تھی۔
فلور منیجر نے مائیک پر آکر اگلے راؤنڈ کے لیے آرکسٹرا کا اعلان کیا تو میرے کچھ بھی پلے نہ پڑسکا۔ وہ بہت عجیب اور نازک صورت حال تھی۔ ایک معمولی اور نوجوان لڑکی نے مجھے ذہنی طور پر بکھیر کر رکھ دیا تھا۔
رینا نے پیگ میں بچی ہوئی اسکاچ اگلے گھونٹ میں خالی کردی۔ اپنا وینٹی بیگ میز پر رکھا اور کرسی سے اٹھ گئی۔

ناچار مجھے بھی اپنی جگہ چھوڑنی پڑی۔
آرکسٹرا شروع ہوگیا۔ جوڑے فلور پر جانے لگے۔ میں نے رینا کا بایاں ہاتھ اپنے داہنے ہاتھ میں لیا اور بایاں بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کردیا۔ وہ اس لڑکی کے بدن کا پہلا لمس تھا۔ میرے پورے وجود میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔
رقص شروع ہوگیا۔ میں نے رسمی طور پر رینا کی کمر پر ہاتھ رکھا ہوا تھا مگر اس کی گرفت جارحانہ تھی۔ موسیقی کچھ اور تھی، میرے قدم کہیں اور پڑ رہے تھے۔
"تم بہت اچھے اسٹیپ لے رہے ہو" رینا نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی "ذرا قریب ہوجاؤ، میں وارم اپ ہوجاؤں گی۔"
رینا کو فلور پر دیکھ کر کئی من چلوں نے اپنی ساتھیوں کو لے کر جگہیں چھوڑ دی تھیں۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ شکل وصورت اور لباس کے اعتبار سے رینا پورے بال روم میں ممتاز اور منفرد نظر آرہی تھی۔
"تم ہوٹل میں رہ رہے ہو۔ سچ سچ بتانا کہ کہاں سے آئے ہو" موسیقی کے سروں میں رینا کی دھیمی آواز میرے کانوں تک محدود تھی۔
"پاکستانی ہوں۔ تمہارا ملک دیکھنے آیا تھا لیکن اب معلوم ہورہا ہے کہ میں صرف تم سے ملنے کے لیے یہاں آیا تھا" میں نے اپنی تمام الجھنوں سے نجات پاکر ایک راہ اختیار کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے جواب دیا۔
میری ہچکچاہٹ کی وجہ سے اس کی پیش قدمی کی رفتار سست تھی۔ میں نے اس کے عزائم بھانپ کر اس کی حوصلہ افزائی کرنے کا ارادہ کرلیا تھا تاکہ وہ جلد از جلد کھل کر میرے سامنے آسکے۔ اس ترکیب سے میں تذبذب اور بے یقینی کی طوالت گھٹا سکتا تھا۔
"اس وقت اشوک آیا تو مجھے تمہاری بانہوں میں دیکھ کر کباب ہوجائے گا" وہ بار بار اشوک کا نام ٹیپ کے بند کے طور پر استعمال کررہی تھی۔
"وہ لڑنے بھڑنے پر تل گیا تو میں اسے بتادوں گا کہ تم خود میری میز پر آئی تھیں۔"
"وہ اتنا دلیر نہیں ہے۔ اگلی ملاقات تک اندر ہی اندر سلگتا اور انگاروں پر لوٹتا رہے گا" وہ شراب نوشی کی عادی معلوم ہوتی تھی۔ تیزی سے اسکاچ کا تقریباً ڈیوڑھا پیگ خالی کرنے کے باوجود بالکل ٹھیک ٹھاک نظر آرہی تھی۔
"اب اس کا ذکر نہ کرنا۔ ڈانس کا سارا لطف غارت ہوا جارہا ہے" میں نے اپنی گرفت ذرا سخت کردی۔
"گڈ۔ اب تم موڈ میں آئے ہو۔ پاکستان میں تم کیا کرتے ہو؟"
"گاڑیوں کا چھوٹا موٹا کاروبار ہے۔ معقول آمدنی ہوجاتی ہے۔"
"صابر آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تمہیں اپنی آمدنی میں اضافے کی کوئی فکر نہیں معلوم ہوتی۔"
"آمدنی بڑھنے کی راہیں مسدود ہوں تو آدمی کو صابر وشاکر ہونا پڑتا ہے۔ یہی میری مجبوری ہے۔"
"تم چاہو تو میں تمہاری مدد کرسکتی ہوں۔ تھوڑا سا کام کرکے تم بہت کچھ حاصل کرسکتے ہو" اس نے معنی خیز پیشکش کی۔
اس کی گفتگو ایک خاص ڈھب پر آگئی تھی۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔
"تم نے جواب نہیں دیا" چند اسٹیپ لینے کے بعد اس نے مجھے ٹوکا "تم سے ملاقات ہوگئی ہے تو میں تمہارے فائدے کی بات سوچ رہی ہوں اور تم خاموش ہو۔ آج کے دور میں دولت ہی سب کچھ ہے۔ جس کی جیب خالی ہے، اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"
"تم صحیح کہہ رہی ہو لیکن تمہارے قدم غلط پڑ رہے ہیں۔ ڈانس کا راؤنڈ پورا کرلو۔ یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔"
موسیقی کی لے پر جوڑے تھرکتے اور ناچتے رہے۔ ان میں ایسے بھی تھے جو اپنے موٹے اور بھدے جسموں کی وجہ سے مضحکہ خیز نظر آرہے تھے لیکن دنیا ومافیہا سے بے خبر، اپنی دھن میں مگن ناچے جارہے تھے۔ بعض چلبلے اور شوخ نوجوان بار بار میرے اور رینا کے قریب سے گزر رہے تھے۔ ان کی آرزو تھی کہ اپنی اپنی شریک کی نظر بچاکر رینا کے بدن کے کسی دمکتے ہوئے حصے کو ہاتھ یا کہنی سے چھولیں۔ اس وقت رینا میری تحویل میں تھی۔ میں نے ایسے لڑکوں کو نگاہ میں رکھا ہوا تھا۔ جوں ہی وہ سرور کے عالم میں قریب آتے تھے، میں رینا کو ہلکورا دے کر ان کی زد سے بچالیتا تھا۔
وہ تشنہ آرزوؤں اور رنگین سپنوں کا رقص تھا جو خاصی دیر جاری رہا۔ بھاری بھرکم اور معمر جوڑے تھک کر ہانپنے لگے۔ بعض پیشانیوں پر ائرکنڈیشننگ کے باوجود محنت یا ندامت کا پسینہ چمک رہا تھا۔
راؤنڈ ختم ہوا۔ ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔ رقاصوں کی بھیڑ میں، میں اپنا راستہ بناتا ہوا رینا کو میز پر

واپس لے آیا۔
"مزہ آگیا" رینا اپنی غزالی آنکھیں موند کر والہانہ انداز میں بولی "بہت مدت کے بعد تم جیسا منجھا ہوا ڈانسنگ پارٹنر ملا ہے۔"
"پہلا پیگ راؤنڈ کی نذر ہوگیا۔ میرا خیال ہے کہ اب تمہیں دوسرے جام کی ضرورت ہے" میں نے پوچھا۔
"پلیز! بنا دو" اس نے ایک ادا سے میری طرف دیکھتے ہوئے التجا کی "مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں مدتوں سے تم کو جانتی ہوں۔ تمہارے ساتھ ہر چیز میں نیا لطف آرہا ہے۔ اسکاچ کا مزہ بھی دوبالا ہو جائے گا۔"
میں نے خاموشی سے اس کے لیے دوسرا پیگ تیار کردیا۔ مجھے قوی امید تھی کہ وہ سیال معدے میں اترنے کے بعد رینا اپنے عزائم کے بارے میں زیادہ آزادی اور روانی سے بولنا شروع کردے گی۔
"تم ہوٹل کے کس کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہو؟" اس نے دوسرے پیگ سے ایک ہلکا سا گھونٹ لے کر پوچھا۔
"بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرنا" میں نے بوکھلا کر کہا "میرے ساتھ ایک خاتون بھی آئی ہوئی ہے۔ اس نے میری ذات میں تمہاری دلچسپی کا ذرا بھی اندازہ کرلیا تو وہ کوئی لحاظ کیے بغیر ہاتھا پائی پر اتر آئے گی۔"
"تم بہت شائستہ اور سلجھے ہوئے آدمی ہو۔ ایسی عورت کے ساتھ تمہارا گزارہ کیسے ہوتا ہے" اس حیرت ظاہر کی۔
"آدمی اپنی بیوی کا تیز لہجہ تک برداشت نہیں کرتا۔ غیر عورت کے سارے نخرے اٹھالیتا ہے۔"
"اس ہوٹل کا ایک کمرا میرے پاس ہے۔ میں یہ پیگ ختم کرلوں پھر ہم اوپر چل کر اطمینان سے باتیں کریں گے۔"
"تمہارا گھر کہاں ہے؟" اس بار میں اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا۔
"میں گریٹر کیلاش ون میں رہتی ہوں" رینا نے دہلی کے ایک مہنگے رہائشی علاقے کا نام لیا "جس دن اشوک سے ملنا ہوتا ہے تو میں کمرا بک کرالیتی ہوں۔ اس کمرے میں گزارہ ہوا وقت ہمیشہ یادگار ثابت ہوتا ہے۔ آج تم بھی یہ تجربہ کرلو گے۔"
"تم کہہ رہی تھیں کہ اشوک تمہارا دوست ہے۔ میرے اندازے کے مطابق تم شادی شدہ نہیں ہو۔ اشوک سے ایسے آزادانہ میل جول پر تمہارے ماں باپ تم کو نہیں روکتے؟" احتیاط کے باوجود میرے لہجے میں ہلکی سی ملامت در

منی اسٹوری

فریڈ کا سب کچھ تباہ ہو چکا تھا، وہ قلاش ہو گیا تھا۔ اس کی بیوی دودھ والے کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ وہ کمپنی میں ایک لاکھ ڈالر کا غبن کرکے وہ رقم ریس میں ہار چکا تھا اور اسے معلوم تھا کہ جلد ہی اس کا غبن پکڑا جائے گا۔ وہ خودکشی کرنے دریا پر پہنچا اور پل سے چھلانگ لگانے ہی لگا تھا کہ ایک استخوانی ہاتھ نے اسے روک لیا جس پر رگیں ابھری ہوئی تھیں۔
اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک بدصورت بڑھیا قریب کھڑی تھی۔ وہ بولی "کیوں خودکشی کر رہے ہو؟"
فریڈ نے اپنی رام کہانی سنائی تو وہ بولی "فکر کرنے کی ضرورت نہیں.... میں چڑیل ہوں اور طلسمی طاقتوں کی مالک ہوں۔ میں تمہارے تمام مسئلے حل کردیتی ہوں۔ تم بھی میرا تھوڑا خیال کرنا..." اس نے چھڑی ہوا میں لہرائی اور بولی "تمہاری بیوی گھر واپس پہنچ چکی ہے اور تمہارے اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ ڈالر جمع ہو چکے ہیں۔"
"اب مجھے تمہارے لیے کیا کرنا ہے؟" فریڈ نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔
"میرے ساتھ میرے گھر چلو اور ایک محبت بھری رات بسر کرو" بڑھیا نے فرمائش کی۔
فریڈ کو اس تصور سے کراہت تو بڑی محسوس ہوئی لیکن مجبور تھا، چلا گیا۔ صبح تک اس کے لیے گویا آزمائش کی ایک رات ختم ہوئی۔ وہ گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا تو بڑھیا نے پوچھا "تمہاری عمر کیا ہے؟"
"چالیس سال" فریڈ نے جواب دیا۔
"کافی بڑے ہو گئے ہو.... اب تک تو تمہیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ چڑیلوں کا کوئی وجود نہیں ہوتا" بدصورت بڑھیا نے ملامت سے کہا۔

آئی۔

"پاپا کی میری عمر کی لڑکیوں سے دوستی ہے۔ وہ پارٹیوں میں انہیں گھر بلاتے ہیں۔ میں انہیں نہیں ٹوکتی تو وہ مجھے کیوں روکیں گے؟ مما بے چاری فالج کی مریضہ ہیں۔ وہ اوپر اپنے کمرے میں پڑی رہتی ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے ایک نرس دن رات ان کے ساتھ رہتی ہے" رینا نے کسی ندامت کے بغیر بتایا "ویسے تمہیں راز کی ایک بات بتادوں' پاپا کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ میں اشوک سے ملنے جارہی ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں اپنی پرانی سہیلیوں کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے گھر سے نکلتی ہوں اور رات ہر حال میں اپنے گھر میں گزارتی ہوں۔"

میرے پاس اس کی سنائی ہوئی کہانی پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ وہ اپنے چہرے مہرے اور لباس سے آسودہ حال نظر آرہی تھی۔

وہ بہت دھیرے دھیرے پیتی رہی اور اپنے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ اس دوران میں کئی مرتبہ وہ تضاد بیانی کا شکار ہوئی لیکن میں نے اسے کہیں نہیں ٹوکا۔ وہ بول رہی تھی اور میں خاموشی سے سن رہا تھا۔ اس کے معدے میں اترتی ہوئی مزید اسکاچ نے اپنا رنگ جمانا شروع کردیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میری کسی جرح کے بغیر وہ تھوڑی دیر بعد سچ بولنا شروع کردے گی۔

وہ کافی دیر تک اپنی رو میں کھوئی رہی۔ اچانک اسے ایک ادھورا موضوع یاد آگیا اور اس نے تنک کر کہا "تم نے ابھی تک میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"کس بات کا؟" میں نے حیرت اور معصومانہ سادگی سے پوچھا۔

"میں نے تمہیں فاضل آمدنی کی پیش کش کی تھی۔ یہاں سے یہ رشتہ جڑ گیا تو تم اس بہانے دہلی آتے جاتے رہو گے۔"

"جب تک تفصیل کا پتا نہ چلے' میں کچھ نہیں کہہ سکتا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "ہوسکتا ہے کہ کام میرے بس سے باہر ہو۔"

"بہت معمولی سا کام ہوگا اور اس کا معقول معاوضہ ملے گا" رینا نے مجھے یقین دلایا۔

"تم اتنی رازداری کیوں برت رہی ہو۔ کام بتادو تاکہ میں آسانی سے فیصلہ کرسکوں۔"

وہ متذبذب نظر آنے لگی پھر میری طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولی "ابھی اوپر چل کر بات کریں گے۔"

"میں بھی اسی لیے خاموش تھا۔ اہم باتوں پر سرعام تبادلہ خیال نہیں کیا جاتا۔"

میں نے بوتل میں بچی ہوئی اسکاچ کی طرف اشارہ کیا مگر رینا نے سختی سے انکار کردیا۔ اس نے وہ بوتل اسی طرح اپنے وینٹی بیگ میں ڈال لی۔ میں نے ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کردیا۔ رینا اپنے پیگ سے ہلکی ہلکی چسکیاں لیتی رہی۔

رینا کا جام خالی ہونے سے پہلے میں بل ادا کرچکا تھا۔ وہ کرسی سے اٹھی تو اس کے قدموں میں ہلکی سی ڈگمگاہٹ تھی۔ میں اسے سہارا دے کر بال روم سے باہر لے آیا اور پھر لفٹ کی طرف چل دیا۔ اس نے ہوٹل کی چوتھی منزل پر کمرا لیا ہوا تھا جس کی چابی اس کی وینٹی بیگ میں پڑی ہوئی تھی۔

ہوٹل کے سارے کمرے یکساں تھے۔ رینا نے کمرے میں پہنچتے ہی پیروں سے سینڈل اتارے اور بستر پر گر گئی۔ اس کی ساری کا پلو نیچے گرچکا تھا۔ اوپری دھڑ پر مختصر سے بلاؤز کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس نے مضبوطی سے میرا ہاتھ تھام کر مجھے بستر پر ہی بٹھالیا۔

"کام کے بارے میں میرے انکل ہی کچھ بتائیں گے" اس نے مخمور آنکھیں میرے چہرے پر جما کر ہلکی سی لکنت کے ساتھ کہا "تم مجھے اپنی رضامندی کا ہلکا سا اشارہ دو تو میں تمہاری اور ان کی ملاقات کا بندوبست کرسکتی ہوں۔ وہ بہت نفیس آدمی ہیں۔ تم ان سے مل کر خوش ہوجاؤ گے۔"

"تمہارے انکل!" میں نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا "وہ کون ہیں' کیا کرتے ہیں؟"

"بہت بڑے سرکاری افسر ہیں۔ صدر اور وزیراعظم سے لے کر کلرک اور چپراسی تک ان کی عزت کرتے ہیں۔"

"نام کیا ہے ان کا؟" رینا کے آخری انکشاف نے مجھے بری طرح چونکادیا تھا لیکن میں نے اپنے لہجے سے حیرت کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

"انل بسواس!" رینا کے وہ الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے کانوں میں اترتے چلے گئے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثرورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہوکر انہیں ڈیوڈ اسٹار زایا صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھادیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہوکر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زا اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوادیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلارہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلارہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارت چلاگیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مارولی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہوکر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کا ماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کردیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں' میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق تینوں دو مختلف ہوٹلوں میں رہائش پذیر ہوگئے۔ پولیس رپورٹ سے مستثنیٰ ویزے کے باوجود مقامی پولیس نے ہم سے ہوٹل میں رابطہ کرکے پوچھ گچھ کی۔ ویرا کو پولیس ہیڈ کوارٹر بلایا گیا مگر بمبئی کے مشہور گروہ بند داود بٹ کے دہلی میں موجود دست راست نخشب کی مدد سے اسے فوری خلاصی مل گئی۔ کراچی میں ویرا کی جانب سے دی گئی دھمکیوں سے خوف زدہ ہوکر جان اسمتھ بھی وہاں سے بھاگ کر بھارت پہنچ چکا تھا۔ اب ہمیں انل بسواس اور جان اسمتھ دونوں سے نمٹنا تھا۔ جلال کے آدمیوں نے بتایا کہ وہ لوگ گزشتہ دو ماہ سے گرین کوبرا نامی فائل کی جستجو میں ہیں مذکورہ فائل میں پاکستان کے خلاف کسی گھناؤنے منصوبے کو پروان چڑھایا جارہا تھا۔ ہماری موجودگی کے دوران میں پاکستان سفارت خانے کے تین اہل کاروں کو ٹریفک حادثے میں ہلاک کردیا گیا اس طرح انہوں نے جوگیندر پال کا حساب برابر کرنے کی کوشش کی تھی۔ را والوں کو ہماری بھارت میں موجودگی کی سن گن مل چکی تھی اور ہمیں بہت محتاط ہونا پڑا۔ میں انل بسواس تک پہنچنے کی فکر میں تھا کہ ایک بھارتی خوب رو دوشیزہ رینا میرے قریب آگئی۔ میں اس کے ساتھ اس کے کمرے میں تنہا تھا اور وہ شراب کے نشے میں بتارہی تھی کہ انل بسواس اس کا انکل تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

رینا بلاشبہ بہت پرکشش لڑکی تھی۔ اس کی گوری رنگت' دلکش خدوخال اور نازک سے بدن نے بال روم میں موجود بہت سے لوگوں کی توجہ مبذول کرالی تھی۔ اس پر اس کا فیشن زدہ اور مشرقی معیار کے مطابق ناکافی لباس سونے پر سہاگے کا کام کررہا تھا۔ وہ کوائف اس وقت کے تھے جب وہ متجسس نظروں سے پورے بال روم کا جائزہ لیتی ہوئی' خراماں خراماں میری میز کی طرف آئی تھی۔

اپنے کمرے میں موجود شاہانہ بستر پر بے پروایانہ انداز میں گرنے تک رینا میں خاصی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ بلیک لیبل کے تین معیاری پیگ سے زیادہ اسکاچ اس کے معدے میں اترنے کے بعد اس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں اپنے سرخ ڈورے دکھارہی تھی۔ اس نے مضبوطی سے میرا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ اس کے گداز ہاتھ کے لمس اور جسمانی قرب کی وجہ سے میرے ذہن پر ہلکی سی کہر چھانے لگی تھی۔

اس وقت تک کم از کم ایک معاملے میں رینا کے عزائم واضح ہوچکے تھے۔ اس کے تیزی سے بنتے ہوئے جال سے خود کو بچائے رکھنے کے لیے میں اس کے دعوت انگیز وجود سے نظریں چرارہا تھا لیکن جب اس نے میرے سوال کے جواب میں انل بسواس کا نام لیا تو میں اپنی بے ساختہ حیرت پر قابو نہ پاسکا بے اختیار میری نظریں اس کے حسین چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

رینا نے میرے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھاکر مجھے بائیں آنکھ ماری اور مسکراتے ہوئے بولی "تم نے اپنی نرمی اور شرافت سے میرا دل جیت لیا ہے۔ تمہاری جگہ اشوک

ہوتا تو نشے میں دھت ہوتا اور کمرے کا دروازہ بند کرتے ہی کسی درندے کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑتا۔۔۔ تم دھیمے مزاج کے مالک ہو مگر تمہارا چہرہ چغلی کھا رہا ہے کہ اس وقت تم اندر ہی اندر سلگ رہے ہو۔"

وہ بہکی نہیں تھی لیکن نشے میں ضرور تھی۔ جب نگاہیں خمار سے بوجھل ہوجائیں اور زبان پر لکنت طاری ہونے لگے، الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوں تو ذہن نشے کی گرفت میں آچکا ہوتا ہے۔ نشے کی رو میں رینا کا ذہن بس اسی سمت میں چل رہا تھا جدھر وہ سوچ رہی تھی۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ میری کیفیت میں تبدیلی اس کے ہوش ربا قرب کی وجہ سے نہیں آئی تھی بلکہ اس کے انکل کے نام نے اپنے کانوں پر سے میرا اعتبار اٹھا دیا تھا۔

"تم بہت اچھی اور خوبصورت ہو" میں نے اچانک پینترا بدل کر کہا "اتنی خوبصورت کہ تمہیں چھوتے ہوئے ڈر لگتا ہے تم جذبوں سے زیادہ حسین اور کانچ کی گڑیا سے زیادہ نازک ہو۔ تمہیں چھوتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ٹوٹ نہ جاؤ، تمہارا رنگ میلا نہ ہوجائے۔"

سب عورتیں بے وقوف نہیں ہوتیں۔ بعض بہت ذہین اور طرار ہوتی ہے۔ غزالہ اور ویرا اس ذہانت کی زندہ مثالیں تھیں لیکن اس صنف میں ایک خرابی بہرحال پائی جاتی ہے۔ خوشامد اور تعریف وتوصیف کے سامنے ہر عورت اور لڑکی کی عقل کوچ کرجاتی ہے اور وہ اپنے خوشامدی کے ہاتھوں میں موم کی گڑیا بن جاتی ہے۔

میرے نپے تلے تعریفی فقروں پر رینا کے وجود میں سویا ہوا عورت کا غرور جاگ اٹھا۔ بستر پر لیٹے لیٹے اس کی گردن تھوڑی سی تن گئی۔ اس نے تیکھی چتون سے میری طرف دیکھا۔ میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے رہا۔ اس کی گرفت اضطراری طور پر ڈھیلی ہوگئی۔ اس کی انگلیاں مضطربانہ انداز میں میری ہتھیلی کی پشت پر ہل جل رہی تھیں۔ کسی خاص کوشش کے بغیر، میرا ہاتھ بہت نرمی سے اس کے ہاتھ میں سے پھسل آیا۔

میرے ذہن میں پولیس والوں کی جانچ پڑتال تازہ تھی۔ جب رینا بیسیوں میزوں کو چھوڑ کر بال روم میں میرے پاس آئی تو مجھے اندیشہ ہوا تھا کہ کہیں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے، کسی کو مجھ پر شبہ ہوگیا ہے اور اس نے رینا کی صورت میں میرے اوپر ایک خوبصورت جال پھینکا ہے۔ اس نے اپنی آمد کی نہایت موزوں تاویل پیش کی تھی۔ وہ کسی میز پر اکیلی بیٹھی رہتی تو اسے اپنی ساتھی بنانے کے اتنے امیدوار اس کے پاس آتے کہ وہ بیزار ہوجاتی۔ میں اس کے اچانک ٹکرا جانے پر کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوا تھا۔ میرا رویہ خالص مدافعانہ رہا تھا۔

اپنے لباس اور رکھ رکھاؤ سے وہ کسی آسودہ حال اور روشن خیال گھرانے کی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اس نے جس انداز میں اپنی مفلوج ماں اور راوباش پاپا کی کہانی سنائی تھی اس سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا کہ دولت کی ریل پیل نے رینا کے باپ کی آنکھوں پر دبیز پردے ڈال دیے تھے۔ اپنی رنگ رلیوں میں ڈوب کر اس نے یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ اس کی اپنی بیٹی کسی اور کے ڈیڈی یا پاپا کی خلوتیں آباد کرنے کی عمر میں بھٹک رہی تھی!

"میں اتنی نازک بھی نہیں ہوں" رینا اٹھلا کر، رک رک کر، الفاظ کو کھینچتے ہوئے کہہ رہی تھی "میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں اناڑی نہیں ہوں۔ اشوک نے مجھے مرد اور عورت کے رشتوں کے بارے میں بہت کچھ سکھا دیا ہے۔ تم بلاوجہ شرما رہے ہو۔ لوہا زیادہ تپ جائے تو یکایک پگھل جاتا ہے۔ اسے بروقت پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ ٹھنڈا ہوکر اپنی اصل سے بہتر ہوجاتا ہے۔ تم لوہے سے زیادہ مضبوط نہیں ہو۔ اپنے ساتھ ظلم نہ کرو، میرے قریب آجاؤ۔"

"ابھی تم نے اپنے انکل کا کیا نام بتایا تھا؟" میں نے اس خوفناک نام کی اہمیت کم کرنے کے لیے انجان بن کر پوچھا۔

"انکل انل بسواس!" اس نے پرغرور لہجے میں دہرایا "میں تمہیں ان سے ضرور ملواؤں گی۔ تمہارے دن پلٹ جائیں گے۔ ہوسکتا ہے کسی وقت میں تمہارے ساتھ پاکستان کی سیر کے لیے چلی جاؤں۔"

اس وقت رینا بہت کمزور ہوچکی تھی۔ نشے نے اس کی سوچ کو اتنا ماؤف کردیا تھا کہ وہ ایک ہی رخ پر بولے جارہی تھی پھر اس پر گہرا جذباتی ابال بھی چھایا ہوا تھا۔ میری کوشش تھی کہ ان کمزور لمحوں میں اس سے زیادہ سے زیادہ سچ اگلوالوں۔

"انل بسواس اگر اتنا کار آمد آدمی ہے تو میں اس سے ضرور ملوں گا مگر تم مجھے ایک بات بالکل سچ بتادو!"

"شرابی کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔۔۔ مرد نہ عورت!" اس نے پراعتماد انداز میں کہا "میں اب تک سچ بولتی چلی آئی ہوں۔ تمہیں جو پوچھنا ہے وہ پوچھ لو۔ اس کا جواب سچ کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔"

"تم پہلے سے کوئی پروگرام طے کرکے مجھ تک پہنچی تھیں یا محض اتفاق نے ہمیں یکجا کیا ہے؟"

"کئی بار بتا چکی ہوں اور اب پھر سن لو کہ یہ ایک اتفاق ہے کہ میں اس وقت تمہارے ساتھ اور تمہاری دسترس میں ہوں۔ اشوک بروقت آجاتا تو شاید میں نگاہ بھر کر بھی تمہاری طرف نہ دیکھتی۔ وہ بعد میں بھی آگیا ہوتا تو میں تمہارا شکریہ

ادا کر کے اس کے ساتھ چل دی ہوتی۔ برسوں کی دوستی کو ذرا سی دیر سویر کی بھینٹ نہیں چڑھایا جاتا مگر آج اس کے ستارے خراب اور تمہارے عروج پر ہیں۔ وہ غائب ہے، میں تمہارے ساتھ موجود ہوں۔ ہمارے نکل آنے کے بعد وہ پہنچا ہوگا تو اب کسی پاگل کی طرح مجھے پورے ہوٹل میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوگا۔ اس کی سزا یہ ہے کہ آج وہ یوں ہی کانٹوں پر لوٹتا رہے۔"

"بہت سفاک اور اذیت پسند ہو تم!" میں نے ایک کرسی پر بیٹھ کر اپنے جوتوں کے بند کھولتے ہوئے کہا "اس کی پریشانی کا تصور کر کے خوش ہو رہی ہو۔ یہ بھول رہی ہو کہ وہ ہوٹل کے کاؤنٹر سے تمہارے کمرے کا نمبر معلوم کر کے سیدھا یہاں پہنچ سکتا ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہوں۔ وہ لال پیلا ہوتا ہوا آیا تو میں تمہیں بھول کر خاموشی سے باہر نکل جاؤں گا۔"

وہ مخمور انداز میں ہنس پڑی "اس وقت تمہارا چہرہ لال گلابی ہو رہا ہے۔ کسی لڑکی کی طرح شرما رہے ہو۔ اشوک آیا تو صدمے سے پیلا پڑا ہوا ہوگا۔ تم لڑنے بھڑنے والے نہیں ہو' وہ بزدل ہے۔ تمہارے کمرے سے جانے سے پہلے خود الٹے قدموں لوٹ جائے گا۔ وہ میرا صرف دوست ہے' منگیتر نہیں ہے۔ اسے میری نجی زندگی میں دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس سے اکتا کر میں کسی وقت بھی کسی سے دوستی کر سکتی ہوں" وہ خاموش ہو کر چند ثانیوں تک زیرلب مسکراتی رہی جیسے دل ہی دل میں کچھ سوچ کر محظوظ ہو رہی ہو۔ پھر نیم مکارانہ لہجے میں بتانے لگی "وہ اس کمرے تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ میں ہر مرتبہ نام بدل کر ہوٹل کا کمرا ایک کراتی ہوں۔ ریکارڈ میں ایک ہی نام بار بار آتا ہے تو بدنامی ہوتی ہے۔ بات پاپا کے کانوں تک پہنچ سکتی ہے۔ آج میں نے مسز روشن کھمباٹا کے نام سے کمرا لیا ہے۔ بتاؤ' وہ کیسے پہنچے گا؟"

رینا حسین اور اوباش ہونے کے ساتھ ساتھ چالاک بھی تھی۔ اشوک کے اس کمرے تک آنے کی ہر راہ مسدود کردی گئی۔ وہ اس کمرے میں مسز روشن کھمباٹا بنی ہوئی تھی۔ اشوک اگر آ بھی جاتا تو اسے رینا اجیت رائے کی تلاش ہوتی۔ وہ ریکارڈ کا معاملہ تھا۔ ہوٹل کے ریکارڈ پر رینا اجیت رائے کا سرے سے کوئی وجود نہیں تھا۔ وہ ادب نا آشنا' بے ہودہ اور جدید عاشق پورا ہوٹل چھان لیتا پھر بھی اسے رینا کا کوئی سراغ نہیں مل سکتا تھا۔

میرے ذہن میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ وہ اشوک کا کوئی معاملہ نہیں تھا۔ ہم دونوں رینا کے لیے ہوئے محفوظ کمرے کی دیواروں میں محصور ہو چکے تھے۔ وہاں ہماری مرضی کے خلاف کوئی اجنبی دخل انداز نہیں ہو سکتا تھا۔

میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ اندیشہ سر ابھار رہا تھا کہ اشوک' رینا کی زندگی میں آنے والا کوئی جیتا جاگتا کردار ہو تو ہو مگر اس کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں تھی جتنی رینا ظاہر کر رہی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ اشوک کی کہانی بالکل بوگس تھی۔ رینا نے مجھ تک رسائی کے لیے وہ نام استعمال کیا تھا۔ رینا ایسی گئی گزری بھی نہیں ہے کہ اس سے ایک رنگین ملاقات کا پیمان طے ہو جانے کے بعد کوئی جواں سال عاشق وقت کی اہمیت کو نظرانداز کر دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ اشوک' توبہ شکن رینا کا قریبی دوست رہا ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے پیکروں میں اپنے اپنے لیے لازوال آسودگیاں تلاش کرتے رہے ہوں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک بات سامنے آ رہی تھی کہ وہ کہانی سچ ہونے کے باوجود' اس روز اشوک کو انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ وہ شام شاید رینا نے میرے ہی نام کی ہوئی تھی۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ اس کی وہ کوشش کامیاب ثابت ہوئی تھی۔ مجھ سے مل بیٹھنے کے لیے اس نے ہر اعتبار سے ایک مضبوط کہانی تراشی تھی۔

رینا اجیت رائے نہ جانے کب سے مجھے گھیرنے کے چکر میں تھی مگر اس شام وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو چکی تھی اور میں اس کے ساتھ موجود تھا۔

اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد میں نے رینا پر اپنی نرم جرح کا رخ یکایک تبدیل کر دیا "تم میرے بارے میں کیا جانتی ہو؟" میں نے جوتوں اور موزوں سے گلوخلاصی حاصل کرنے کے بعد قدرے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

رینا کے لیے میرا وہ سوال بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ بری طرح بوکھلا گئی اور اپنے دونوں ہاتھ فضا میں اچھالتے ہوئے بولی "میں کیا جان سکتی ہوں۔ کچھ بھی نہیں جانتی۔ اشوک اپنے دیے ہوئے وقت پر نہیں پہنچا تھا۔ مجھے کسی پرسکون میز کی تلاش تھی۔ تم بال روم میں اکتائے ہوئے انداز میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں پناہ کی تلاش میں تمہارے پاس پہنچ گئی۔ تم نے مجھے خوش آمدید کہا اور بس....!" اس نے اپنی بائیں آنکھ دبائی "تم کچھ ڈھیلے ڈھیلے سے لگ رہے ہو۔ ہمت کرو اور تیاری پکڑو۔ میں رات کو دیر سے گھر جانے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتی لیکن رات بھر گھر سے غائب رہنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتی۔"

"تم نے واقعی مجھے مسحور کر کے رکھ دیا ہے۔ کوئی سیاح یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ ایک اجنبی ملک میں جائے گا اور اچانک وہاں تم جیسی حسینہ سے دوستی کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ یہ مجھے ابھی تک ایک رنگین اور سہانا خواب

محسوس ہو رہا ہے۔"

صرف ایک ٹیڑھے سوال کے بعد میرے اعتراف نے رینا کو دوبارہ بے فکر کردیا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "میں سنتی ہوں کہ آج کل جو بھی سمندر پار چلا جائے اور دو چار سطریں لکھنا جانتا ہو' واپسی پر اپنا پورا سفرنامہ لکھ ڈالتا ہے جس میں سارا زور اس بات پر ہوتا ہے کہ باہر کی حسین و جمیل دوشیزائیں بس اسی کے انتظار میں بیٹھی سوکھ رہی تھیں۔ ادھر سیاح نے جہاز سے قدم باہر نکالا اور ادھر بنی سنوری لڑکیوں نے اس پر یلغار کردی۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سیاح کے پہنچنے سے پہلے وہاں کے مرد لام پر بھیج دیے جاتے ہیں یا شرم سے مرجاتے ہیں۔"

"مبالغہ آرائیاں ضرور ہوتی ہیں" میں نے سگریٹ کا کش لے کر پرخیال انداز میں جواب دیا "مگر اس میں پڑھنے والوں کا بھی قصور ہوتا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان میں یہ سوچنا بھی مشکل ہے کہ اجنبی مرد اور عورت آپس میں ذرا سی دیر بات کرسکیں۔ ہر دیکھنے والا ان کی طرف سے شک و شبہے میں پڑجاتا ہے۔ اس ماحول میں رہنے والوں کو ولایت کے قصے عجیب لگتے ہیں۔ وہاں تہذیب اور شائستگی کے دائرے میں رہتے ہوئے کسی بھی عورت سے بات کی جاسکتی ہے۔ آدمی میں حوصلہ ہو تو تھوڑے سے ہنسی مذاق کی گنجائش بھی نکل آتی ہے۔ ذرا سی دیر کے بعد عورت یا لڑکی کو یاد بھی نہیں رہتا کہ اس نے کس سے بات کی تھی۔ ہم اس کی تصویر اپنے دل میں بسا لیتے ہیں اور واپسی پر نمک مرچ لگا کر اس کی کہانی سفرنامے میں ڈال دیتے ہیں۔ کچھ لکھنے والے کا مبالغہ اور کچھ پڑھنے والوں کی تنگ نظری..... ایسے واقعات عجیب معلوم ہونے لگتے ہیں۔"

"تم نے کبھی کوئی سفرنامہ لکھا تو اس میں میرا ذکر کروگے؟" اس نے اپنی مخمور نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کرکے پوچھا۔

"میں لکھنے پڑھنے والا آدمی نہیں ہوں۔ کبھی قلم پکڑنے کی ہمت ہوگئی تو تم ضرور یاد آؤگی۔" میں نے اسے یقین دلایا اور پھر بات کو فوراً ہی دوسرے رخ پر لے آیا۔ "مجھے تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ بال روم میں بیٹھا ہوا ہر مرد تمہارے قرب کی آرزو میں مرا جارہا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم نے میرا انتخاب کیا۔ مجھ سے باتیں ہی نہیں کیں بلکہ مجھے اپنی خواب گاہ میں لے آئی ہو مگر میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ کوئی اتفاق نہیں تھا۔ اس بھیڑ میں تمہاری نظر مجھ پر ہی کیوں رکی؟"

"وہاں بیٹھے ہوئے دو تین مردوں میں مجھے تم ہی سب سے بہتر اور شریف نظر آئے تھے" اس نے مسکراتے ہوئے

جواب دیا پھر بولی "مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میری طرف سے تمہارے دل میں کوئی شک پروان چڑھ رہا ہے ورنہ اب تک تم اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بجائے، بستر پر میرے ساتھ لیٹے ہوئے ہوتے، تھوڑی دیر پہلے تم نے ہی کہا تھا کہ بیوی اور غیر عورت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ آدمی اپنی بیوی کا تیز لہجہ برداشت نہیں کرتا، غیر عورت کے نخرے خوشی سے اٹھاتا ہے۔ میں تمہارے لیے غیر عورت ہوں۔ ایسی بری نہیں ہوں پھر بھی تم میرے قریب آتے ہوئے ڈر رہے ہو۔۔۔"

"میں تم سے نہیں، اپنے آپ سے ڈر رہا ہوں" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "میں پاکستانی ہوں، پہلی بار یہاں آیا ہوں۔ سنا ہے کہ یہاں پاکستانیوں کو شک و شبے کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ میں نے ابھی تک خود پر بہت مشکل سے قابو رکھا ہوا ہے۔ میرا دوران خون کنپٹیوں میں زور کر رہا ہے۔ ڈرتا ہوں کہ جذبات کی رو میں بہہ کر بے لگام ہو گیا تو کہیں کسی چکر میں نہ پھنس جاؤں۔ ہوٹل کے کمرے سے ایک لڑکی کے ساتھ پکڑے جانے کا تصور میرے لیے بہت خوفناک ہے۔"

وہ مجھے چڑانے والے انداز میں ہلکی سی انگڑائی لے کر ہنسی پھر بولی "تم نے مسلمانوں کا نام ڈبو دیا۔ میں نے تو سنا تھا کہ مسلمان گوشت کھانے اور عورتوں کو رجھانے کے اتنے شوقین ہوتے ہیں کہ ان سے صبر نہیں ہوتا۔ ذرا سا موقع ملے تو بے لگام ہو جاتے ہیں۔ ایک تم ہو کہ۔۔۔"

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے" میں نے دوبارہ اس کا فقرہ درمیان سے اڑا دیا۔

"یہ بھارت ہے، کوئی اسلامی ملک نہیں ہے" اس نے قدرے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "یہاں عورت کے ساتھ زبردستی کرنا جرم ہے۔ اگر ہم دونوں آپس میں راضی ہیں تو یہاں کا قانون ہمارا راستہ نہیں روک سکتا۔ میں نے تم سے ابھی تک روپے پیسے کی کوئی بات نہیں کی۔ تمہیں بتا چکی ہوں کہ میرا باپ خوش حال آدمی ہے، میں کوئی بازاری عورت نہیں ہوں جو ٹکے ٹکے کے لیے منہ کالا کرتی پھروں۔ آؤ، قریب آ جاؤ۔"

میں اس سے باتیں کر رہا تھا لیکن میرا ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔ میں اس گھڑی کے بارے میں سوچ رہا تھا جب غزالہ نے مجھے کمرے سے باہر نکل کر کھلی فضا میں تھوڑی سی تفریح کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس وقت وہی تفریح رینا کی صورت میں میرے گلے پڑی ہوئی تھی۔

اگر میرے اپنے مقاصد نہ ہوتے تو میرے لیے سب سے آسان راہ یہ ہوتی کہ میں اسے میز پر بیٹھنے کی اجازت نہ دیتا۔ وہ بیٹھ جاتی اور بات بڑھ جاتی تو میں اس کی ہر پیش کو ٹھکرا کر ہوٹل کے اس کمرے سے نکل جاتا جہاں میرے گرد اپنا جال مضبوط کر رہی تھی۔ میں ایک اہم م لے کر بھارت پہنچا تھا۔ اس ابتدائی مرحلے پر میں کسی معمولی بات کو نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ رینا سے ملاقات بعد جہاں میرے ذہن میں ایک بے نام سا خوف سرابھا تھا۔ وہیں میرا تجسس بھی حد سے بڑھ چکا تھا۔ اس کی ز سے انل بسواس کا نام سن لینے کے بعد میں اس لڑکی کو ک نہیں چاہتا تھا۔

اس سے میری خاصی باتیں ہو چکی تھیں۔ کچھ بات ایسی تلخ بھی تھیں کہ وہ چاہتی تو برہم ہو کر مجھے اپنے کمر سے چلے جانے کا حکم دے دیتی۔ میری طرح شاید اس کی کوئی مجبوری تھی۔ وہ کسی خاص مقصد سے مجھ تک پہنچی اور وہ مقصد حاصل کیے بغیر، تہی دست واپس لوٹنا نہیں چا تھی۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں ان خطوط تجزیہ کرتا رہا پھر میں نے خود کو حالات کے دھارے چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں جوتے اتار چکا تھا۔ میں کرسی چھوڑ کر اٹھا اور ر کے فضا میں، اپنی طرف اٹھے ہوئے دونوں ہاتھ تھام لیے معدے میں اتری ہوئی شراب کی وجہ سے وہ کچھ زیادہ جذباتی ہو رہی تھی۔ اس نے مجھے کھینچ کر اپنے اوپر گرا لیا۔

ہوٹل کے بال روم سے شروع ہونے والی آشنائی، لمحو کا سفر طے کرتی ہوئی گہرے قرب میں تبدیل ہو گئی۔ رینا خوش شکل، خوش لباس، خوش مزاج اور خوش گفتار لڑکی تھی۔ جب تک وہ زبان سے کام لیتی رہی میں توجہ سے اس کی باتیں سن رہا پھر اس کے جسم کے دوسرے اعضا بھی جنبش میں آ گئے۔ ان جنبشوں میں عجیب سی کشش اور بے آواز گنگناہٹ تھی۔ میں اس کی دسترس سے باہر تھا تو اس کے خلاف سوچ رہا تھا لیکن اس کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کے بعد میرے ذہن سے انل بسواس، جان اسمتھ اور دوسرا ہر نام غائب ہو گیا۔ ذہن پر بس پر کشش اور نیم وحشی سی رینا ہی رینا باقی ر گئی۔

رینا اجیت رائے اپنی عمر سے کہیں زیادہ چالاک اور تجربے کار لڑکی تھی۔ اس نے تکلف کی دیواریں گرا کر بے تکلفی کی ایک نئی دنیا کھڑی کر لی۔ اگر اس کا انل بسواس سے تعلق نہ ہوتا تو دوستی کے لیے وہ ایک اچھی ساتھی ثابت ہو سکتی تھی۔

"مجھے تمہارے خلوص پر یقین آ گیا" میں نے میٹھی سی

مسکراہٹ کے بعد کہا "اب دولت کمانے کے نسخے کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"ارے! تمہیں وہ بات یاد ہے" یکایک رینا کا چہرہ کھل اٹھا "میں سمجھ رہی تھی کہ تم میری پیشکش کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے ہو۔"

"انسان کو دنیا میں سب کچھ میسر ہو لیکن دولت نہ ہو تو زندگی بے کیف ہو جاتی ہے۔"

"سب کچھ میسر ہونا ہی دولت مندی کی نشانی ہے۔ تمہاری یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی" اس نے الجھی الجھی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"سب کچھ سے میری مراد تن درستی، خوب صورتی اور اچھی سیرت سے تھا۔"

"ہاں ... آں!" وہ بے پروائی سے بولی "انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔ جیب بھاری ہو تو ساٹھ سالہ بدصورت بڑھیا بھی کسی جواں سال باکسر سے عشق لڑا سکتی ہے۔ پتا نہیں بھگوان نے پیسے میں اتنی کشش کیوں رکھ دی ہے؟"

"میرا کاروبار محدود ہے۔ آمدنی بھی مختصر سی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ برسوں سے بھارت کی سیر کرنے کا پروگرام بنا رہا تھا مگر اب پاکستان سے نکلنے کی ہمت کر سکا ہوں۔ ہر بار بھاری اخراجات کا خوف میرے راستے کی رکاوٹ بن جاتا تھا۔"

"آمدنی بڑھے گی تو بار بار یہاں آتے رہو گے" اس نے زور دے کر اپنی بات دہرائی "یہاں کیا.... پھر تو تمہاری مرضی ہوگی۔ دنیا بہت وسیع اور رنگین ہے۔ جہاں چاہو، جا سکو گے۔ یہ سودا بن گیا تو تمہاری زندگی بدل جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ تم مجھے پہچاننے سے انکار کر دو۔"

گڑ کھانے کے بعد گلگلوں سے پرہیز حماقت کے مترادف تھا۔ میں نے والہانہ پن کی اداکاری کرتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔ پہلے وہ سپردگی پر آمادہ تھی اور میں اس سے گریز کر رہا تھا۔ اس وقت میں نے پہل کی تو وہ مچل کر میرے بازوؤں سے نکل گئی۔

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ مجھے تمہارے انکل کے لیے کیا کام کرنا ہوگا؟" میں نے کہا۔

"چھوٹے موٹے اور معمولی کام ہوں گے۔ ان کے بارے میں وہی تم کو بریف کریں گے، میں تمہیں ان سے ملوا دوں گی۔"

"انکل انل کس محکمے میں کام کرتے ہیں؟" میں نے اسے آزمانے کے لیے پوچھا۔

"مجھے تفصیل کا علم نہیں۔ بس یہ جانتی ہوں کہ وہ ریسرچ کا کوئی کام کرتے ہیں جس کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔"

اس نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا تھا مگر آدھا سچ بول کر کترا گئی تھی۔ ریسرچ اینڈ اینالسز ونگ کے تین ابتدائی حروف لے کر ہی را (RAW) کی اصطلاح تخلیق کی گئی تھی۔ اس نے مجھ سے انل بسواس کی ریسرچ کا ذکر کر دیا تھا۔ اس کی تجزیاتی مصروفیات گول کر گئی تھی۔

"پھر ان سے کب ملوا رہی ہو؟" انل بسواس تک پہنچنے کے لیے میری طرف سے دلچسپی کا اظہار ضروری ہو گیا تھا۔

"تم رضامند ہو گئے ہو۔ اب میں کوشش کروں گی کہ جلد از جلد تمہاری اور ان کی ملاقات ہو جائے۔" اس نے آسودگی سے سہلاتے ہوئے کہا پھر اچانک پوچھا "اب یہ بتاؤ کہ ڈنر کے لیے کیا منگوایا جائے؟"

"تمہارے قول کے مطابق مسلمان گوشت خور ہوتے ہیں۔ میں ہوٹل میں کوفتے کھا چکا ہوں مگر بعد میں خیال آیا تھا کہ وہ جھٹکے کا گوشت ہوگا۔"

اس نے زور زور سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی پھر کہا "ہم گائے کو پوجتے ہیں۔ تم لوگ اس کا گوشت شوق سے کھاتے ہو۔ اس لیے یہاں گؤ ہتیا جرم ہے۔ مسلمان اپنی بستیوں میں چوری چھپے گائے کاٹ کر آپس میں گوشت بانٹ لیتے ہیں۔ یہاں کھلے بندوں گائے کا گوشت نہیں ملتا۔ بھارت میں اتنے مسلمان رہتے ہیں کہ ہر قرینے کے ہوٹل میں رواداری سے کام لیا جاتا ہے۔ گائے کے سوا جو بھی گوشت ملتا ہے، ذبح کیا ہوا ہوتا ہے۔"

"اس رواداری میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوگی" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"سیدھی سی بات ہے۔ مسلمان اور یہودی جھٹکے کا گوشت نہیں کھاتے، اسے حرام سمجھتے ہیں۔ ان کی وجہ سے جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے۔"

"اس پر ہندو، سکھ اور عیسائی احتجاج نہیں کرتے؟" میری حیرت میں قدرے اضافہ ہو گیا۔

"وہ بس گوشت کھاتے ہیں۔ ذبیحے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ پڑھے لکھے ہندو بھی اب جھٹکے پر ذبیحے کو ترجیح دینے لگے ہیں۔ جانور تڑپتا ہے تو اس کی رگ رگ سے خون بہہ کر نکل جاتا ہے۔ جانور کا جھٹکا کر دیا جائے تو سارا خون گوشت اور رگوں میں جما رہ جاتا ہے۔ کمال ہے کہ تم صرف کوفتے کھانے کے لیے یوں بال کی کھال نکال رہے ہو۔ یہاں کی سبزیاں کھا کر دیکھو، تم حیران رہ جاؤ گے۔"

"تم بھول رہی ہو کہ میرے کمرے میں میری ساتھی میری واپسی کا انتظار کر رہی ہوگی" میں نے کھانے سے معذرت چاہی "اب مجھے اجازت دو۔"

”وہ بیوی ہوتی تو مجھے پروا بھی نہ ہوتی لیکن تم نے بتایا ہے کہ وہ تمہاری گرل فرینڈ ہے۔ پردیس میں ایسی دوست کو ناراض نہیں کرنا چاہیے“ میری توقع کے برعکس اس نے بہت آسانی سے مجھے اجازت دے دی اور میں اٹھ گیا۔

”مجھے کیسے پتا چلے گا کہ انل انکل سے کب ملنا ہے؟؟“ میں نے ٹھٹک کر پوچھا۔

اس نے اپنے وینٹی بیگ سے کارڈ نکال کر میری طرف بڑھا دیا ”اس پر میرا فون نمبر ہے۔ چاہو تو رنگ کرسکتے ہو۔ ویسے انکل سے وقت طے ہوجانے کے بعد میں خود تمہیں فون کرکے بتادوں گی۔ یہ دھیان رکھنا کہ انکل انگریزوں سے زیادہ وقت کی پابندی کرتے ہیں۔“

میں نے وہ کارڈ پڑھا اور جیب میں رکھ لیا۔ اس پر رینا کا پورا نام گریٹر کیلاش ون کا پتا اور فون نمبر درج تھا۔

وہ مجھے رخصت کرنے کے لیے کمرے کے دروازے تک آئی اور دروازہ کھولنے سے پہلے نرمی سے میرے سینے سے لگ گئی۔

میں رینا کے کمرے سے رخصت ہوکر اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ نے دروازہ کھولا۔ وہ متوحش اور پریشان نظر آرہی تھی۔ ”خدا کا شکر ہے کہ آپ صحیح وسلامت لوٹ آئے۔ آپ کی طرف سے رہ رہ کر میرا دل ہول رہا تھا۔“ جذبات کی شدت سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

”ارے! تم اتنی کمزور دل کب سے ہوگئیں“ میں نے مسکرا کر غزالہ کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگائی ”خود مجھے تفریح کرنے کے لیے کمرے سے باہر دھکیلا تھا اور خود ہی اندیشوں میں گھر کر پریشان ہورہی ہو۔“

”میری پریشانی بلاسبب نہیں تھی“ میرے بیٹھنے کے بعد اس نے بتایا ”اپرٹیس پر تین مرتبہ گوپال کی کال آچکی ہے۔ آخری مرتبہ میں نے آپ کا کوڈ استعمال کرکے اس سے بات کی تھی۔ وہ سخت فکرمند ہے۔ کہہ رہا تھا کہ آپ را کی ایک جوان اور خوب صورت لڑکی کے ہتھے چڑھ گئے ہیں.... خیریت تو تھی نا؟؟“

میرے دل کا چور جاگ اٹھا۔ رینا کے بدن اور کپڑوں سے کسی قیمتی پرفیوم کی بھینی بھینی مہکار پھوٹ رہی تھی جو میرے جسم میں بھی رچ چکی تھی مگر غزالہ نے اس نامانوس خوشبو کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا تھا۔ بس مجھے گوپال کی تشویش سے آگاہ کردیا تھا۔

میں نے زبان کھولنے سے پہلے اپنی جیب سے رینا کا وزیٹنگ کارڈ نکالا اور غزالہ کی طرف بڑھا دیا۔

”آر اے رائے۔ سترتر شول مارگ۔ گریٹر کیلاش ون!“ غزالہ نے بلند آواز میں رینا کا کارڈ پڑھا پھر اس کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں ”یہ کس کا کارڈ ہے؟؟“

”رینا اجیت رائے۔ گوپال کو کیسے پتا چلا کہ رینا، را کی ایجنٹ ہے؟؟“ میں نے رینا کا پورا نام بتانے کے بعد پوچھا۔

”شاید اسے لڑکی کا نام معلوم نہیں تھا مگر یہ پتا تھا کہ وہ را کے لیے کام کرتی ہے۔ سنیل نے واپسی پر ہوٹل کا چکر لگایا تھا۔ اسی نے گوپال کو خبر دی کہ آپ ایک خطرناک لڑکی کے ساتھ ہوٹل کے بال روم میں بیٹھے ہوئے ہیں۔“

غزالہ کو وہ خبر گوپال سے نہ ملی ہوتی تب بھی میں اسے رینا کی کہانی ضرور سناتا۔ ہر تبدیلی یا امکانی خطرے کے بارے میں اس کا باخبر رہنا بہت ضروری تھا۔ یہ اور بات تھی کہ میں اس کہانی کے وہ حصے حذف کردیتا جن میں میرے لیے ندامت اور شرمندگی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ غزالہ کی زبان سے سنیل کی رپورٹ سن کر مجھے ایک ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ تینوں بہرحال آئی بی جیسے ایک منظم اور ذمے دار ادارے سے منسلک تھے جس کا اپنا ڈسپلن تھا۔ وہ مجھ جیسے عارضی مہمان کو ہر عزت ووقعت دے سکتے تھے لیکن یہ سمجھنا غلط فہمی کے مترادف ہوتا کہ وہ اپنے ڈسپلن کو بھول کر، دل کی گہرائیوں سے مجھے اپنا چیف یا سربراہ سمجھ لیں گے۔

میں نے سنیل کو بہت واضح الفاظ میں بتایا تھا کہ اس وقت گوپال نہیں بلکہ میں اس کا سربراہ تھا۔ اسے گوپال کی ہدایت کو بھول کر میرے احکام پر عمل کرتے ہوئے فوری طور پر ہوٹل سے واپس لوٹ جانا تھا۔ اس نے کسی بحث کے بغیر میرے موقف کو تسلیم کرلیا تھا اور ہوٹل سے واپسی کا وعدہ کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کر ڈالا تھا۔

میں نے اس سے راستے ہی میں اپرٹیس پر رابطہ کرکے جان اسمتھ کے ہوٹل کی تلاش کا نیا کام سونپا تھا۔ مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ مجھے ہوٹل سمراٹ کا پتا بتانے کے بعد سنیل نے گوپال کو نئے واقعات کی رپورٹ دی۔ گوپال نے اسے پورے خلوص کے ساتھ مشورہ دیا ہوگا کہ وہ دور رہ کر ہماری حفاظت کرتا رہے۔ سنیل دوبارہ انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل چلا آیا۔ وہاں میں رینا کے ساتھ اس کی نظروں میں آگیا۔

گوپال نے رینا کے را سے تعلق کے بارے میں غزالہ کو بتا دیا تھا اور خود میری فکر میں تھا۔ اس حقیقت سے ظاہر ہورہا تھا کہ رینا کو دیکھ لینے کے بعد سنیل نے میری نگرانی جاری نہیں رکھی تھی۔ گوپال کو باخبر کرکے خود بھی غائب ہوگیا تھا۔

وہ نگرانی کا سلسلہ جاری رکھتا تو اس کے ذریعے گوپال کو یہ خبر بھی مل جاتی کہ میں رینا کے ساتھ اسی ہوٹل کے ایک کمرے میں موجود تھا۔

ان تینوں کی اپنی مجبوریاں تھیں۔ وہ دشمن کی سرزمین پر ایک خطرناک مشن پورا کر رہے تھے۔ وہ خود کو پوشیدہ رکھنے کی کوششوں میں اس حد تک کامیاب تھے کہ کسی کو ان پر شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ اگر رینا کا تعلق را سے تھا تو اس سے ملاقات سے پہلے را کا کوئی نہ کوئی ایجنٹ میری نگرانی کرتا رہا تھا۔ میں اس دوران میں سنیل سے ملا تھا' اس کے ساتھ دیر تک شہر میں گھومتا رہا' سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں گیا۔ ان میں سے کسی بات کو مشتبہ نہیں سمجھا گیا۔ رینا مجھ سے آ ٹکرائی اور اس نے پہلی ملاقات میں ہی مجھے انل بسواس تک لے جانے کی پیش کش کر ڈالی۔

وہ سب سوچ کر میں اندر سے لرز کر رہ گیا۔ را کا کوئی ایجنٹ اتنا احمق اور اندھا نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مجھے سول لائنز کے علاقے میں را کے اس ذیلی دفتر کے قریب سے گزرتا دیکھتا جہاں نرلیش شرما بیٹھتا تھا اور اس کے کان کھڑے نہ ہوتے۔

را والوں کی طرف سے پیچھا کیے جانے کے اندیشوں کو میں نے فوراً مسترد کر دیا۔

سنیل ایک پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ ہر پیشہ ور کی طرح اسے معلوم تھا کہ ایسی مہمات میں اصل اہمیت مشن کی ہوتی ہے۔ مشن کو بچانے اور محفوظ رکھنے کے لیے بہت سفاکی اور سنگ دلی سے افراد بلکہ اپنے قریبی ساتھیوں تک کو قربان کر دینا پڑتا ہے۔ اسے رینا کے روپ میں میرے گرد خطرہ منڈلاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ شاید وہ سمجھا ہو کہ آخر کار را والے ڈینی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

اس کا وہ اندازہ ذرا بھی درست ہوتا تو ہوٹل کے بال روم میں کسی بھی لمحے بھیانک کشت و خون شروع ہو سکتا تھا۔ را اور ڈینی کے درمیان ہونے والے اس معرکے کی آگ سنیل کے دامن تک بھی پہنچ سکتی تھی۔ مجھے ہر طرف سے دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا اور بے بس پا کر وہ کسی طرح خود پر قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔ جذبات سے مغلوب ہو کر مقابلے میں کودتا اور مارا جاتا!

سنیل کے وہ خدشات میرے ذہن میں مجسم ہوتے ہی مجھے بے اختیار وہ فوجی یاد آ گئے جنھوں نے لڑائی کے ایک مرحلے پر دشمن پر فائر کی اجازت نہ ملنے پر اپنے ہاتھ آہنی نالوں پر مار کر توڑ لیے تھے۔ فائر کی اجازت نہ دینے والے دور تک دیکھ رہے تھے۔ ان کے سامنے صرف اپنا محاذ نہیں تھا' وہ پورے محاذ کے مفاد میں فیصلے کر رہے تھے۔ دوسری طرف توپ یا مشین گن کے پیچھے بیٹھے ہوئے مغلوب الغضب سپاہی تھے جنھیں اپنے گرد و پیش تک کی کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ تو بس اپنے نشانے پر آئے ہوئے ہر دشمن کو گولیوں سے بھون دینا چاہتے تھے۔

"آپ کس سوچ میں گم ہو گئے؟" غزالہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"سوچ رہا ہوں کہ اب کیا ہو گا؟" میں نے جلدی سے بات بنائی "وہ لڑکی اتفاقاً آئی تھی مگر مجھے اس پر شبہ تھا۔ اب تم گوپال کی کہانی سنا رہی ہو۔ وہ را کی کارکن ہے تو مجھے گردن سے پکڑ کر کہیں بھی لے جا سکتی تھی۔ تمہیں اس کی پیشکش کا یقین نہیں آئے گا۔"

"کیا آپ کو اپنے ساتھ شادی پر مجبور کر رہی تھی؟" غزالہ کا قیاس زیادہ دور تک مار نہیں کر سکا۔

"شاید مجھے اس پر حیرت نہ ہوتی۔ وہ کسی کام کے لیے مجھے انل بسواس سے ملوانا چاہتی ہے۔"

غزالہ بے ساختہ اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "شاید کہیں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ را والوں کو ہماری اصلیت کا علم ہو چکا ہے۔ وہ آپ کے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ جانتے ہیں کہ اب آپ ان کی مرضی کے بغیر کہیں نہیں جا سکیں گے۔ وہ آپ کے خون کے پیاسے ہیں۔ اپنی مرضی کے موقع پر آپ کو اچانک گھیر لیں گے۔"

غزالہ رو دینے کے قریب تھی۔ میں نے اٹھ کر اس کے دونوں بازو تھام لیے۔ "حوصلہ ہارنے کی ضرورت نہیں' ہمت سے کام لو۔ کوئی برا وقت سر پر آ ہی گیا ہے تو وہ کسی تدبیر سے ٹل سکے گا۔ ایسی حوصلہ شکن باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"ابھی انہوں نے چھیڑ چھاڑ کی ابتدا کی ہے۔ گوپال ہمیں کسی طرح دہلی سے نکال دے تو ہم امرتسر جا کر بنگو سے مدد لے سکتے ہیں۔ وہ آزمایا ہوا آدمی ہے۔ پوری حفاظت سے ہمیں سرحد پار پہنچا دے گا۔"

"آرام سے بیٹھو اور پوری بات سنو" میں نے سختی سے اسے کرسی پر بٹھا دیا اور اپنی بات جاری رکھی "وہ مجھے اپنی جوانی اور خوبصورتی کے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دشمن کے ساتھ دنیا میں کہیں ایسا سلوک نہیں کیا

جاتا۔ میرا خیال ہے کہ یہ کوئی اور چکر ہے۔"
"وہ را کے لیے کام کرتی ہے اور آپ کو انل بسواس سے ملوانا چاہتی ہے۔ کیا آپ کے لیے یہ دو وجوہ کافی نہیں ہیں؟"
"اس نے یہ بات بہت خوبصورتی سے کہی تھی" میں نے غزالہ کا خوف کم کرنے کے لیے رینا کی کہانی شروع سے چھیڑ دی۔
"خدا کرے کہ میرے خدشے بے بنیاد ہوں۔ کسی کو آپ پر کوئی شبہ نہ ہوا ہو مگر آپ اس بات کو کیوں بھول رہے ہیں کہ اب ہم ان کی نظروں میں آگئے ہیں۔ آپ ہر طرف سے اپنے رابطے کاٹ کر ہوٹل کے کمرے میں محصور ہوجائیں ورنہ جلد یا بہ دیر وہ اصلیت تک پہنچ جائیں گے۔"
"اس بارے میں سوچنا پڑے گا۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک سوال تھا۔ ادھر اخباروں میں خطرناک پاکستانی دہشت گردوں کے آنے کی خبریں چھپیں اور ادھر رینا مجھ سے آٹکرائی۔ ہوسکتا ہے کہ لڑکیوں کے ذریعے وہ مشتبہ پاکستانیوں کی جانچ پڑتال کررہے ہوں؟"
"ہونے کو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ سب سے سنگین حقیقت یہ ہے کہ آپ کے سر پر خطرہ منڈلا رہا ہے۔"
میں نے غزالہ کی وہ بات سنی ان سنی کردی۔ میرا ذہن اس کے پچھلے فقروں سے الجھا ہوا تھا۔ رینا سے ملاقات ہونے کے بعد مجھے ہر قدم پھونک کر رکھنا تھا۔ اگر وہ پہلے میری طرف متوجہ نہیں تھے تو اس واقعے کے بعد کسی بھی وقت ہوسکتے تھے۔ ہمیں خاص طور پر ویرا سے دور رہنے کی ضرورت تھی۔
ان خیالات میں غلطاں، میں فون کی طرف بڑھا۔ سائڈ ٹیبل کے پیچھے پڑے ہوئے تاروں پر نظر ڈالی تو سی ایس ڈی غائب تھی۔
میری مستفسرانہ نگاہوں کے سامنا کرنے سے پہلے غزالہ بولی "گوپال سے بات ہونے کے بعد میں نے سی ایس ڈی نکال دی۔ بیم گن بھی ایک دراز کے پیچھے چھپادی۔ ہر آہٹ پر مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ را والے کمرے کا دروازہ توڑ کر اندر گھس آئیں گے۔"
وہ وقفے وقفے سے اپنی جو کیفیات بیان کررہی تھی۔ ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بدترین ذہنی دباؤ سے دوچار رہی تھی۔ شاید وہ میرے بارے میں کوئی منحوس اور بری خبر سننے تک کے اندیشے میں گھلتی رہی تھی۔
میرے ایما پر اس نے ڈریسنگ ٹیبل کی ایک دراز کے پیچھے سے سی ایس ڈی نکال دی۔ میں نے وہ حساس آلہ جوڑ کر آف رکھا۔ پرانی ترکیب کے مطابق میں نے ہوٹل مرینا کی آپریٹر سے ویرا کے کمرے کا نمبر مانگا اور ریسیور پر ویرا کی آواز سنتے ہی سی ایس ڈی آن کردی۔
"میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ تمہارا فون ہوگا" میری آواز سن کر ویرا نے جواب میں خوش دلی سے کہا۔
"تم کو کچھ بری عادتیں لاحق نہ ہوتیں تو تم کسی درجے پر فائز ہوسکتی تھیں۔ اب پورے دھیان سے سن لو کہ یہ شاید میرا آخری فون ثابت ہو" غیر ارادی طور پر میری آواز کچھ دھیمی ہوگئی تھی۔ احساس ہوجانے کے باوجود میں نے لہجہ تبدیل کیے بغیر اپنی بات جاری رکھی "حالات نے اچانک پلٹا کھایا ہے۔ میں کچھ لوگوں کی نگاہ میں آگیا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میری نگرانی شروع ہوگئی ہو، اب مجھے محتاط رہنا ہوگا۔"
"میل جول سے تم پہلے ہی گریز کررہے ہو۔ سی ایس ڈی ہے تو فون کرنے میں کیا قباحت ہے؟"
"نگرانی کے ساتھ فون پر بھی نظر رکھی جاسکتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کی کوئی کوشش ناکام ہو اور وہ شبہ کرنے لگیں کہ ہم اپنے فون کے ساتھ کوئی خفیہ ڈیوائس استعمال کررہے ہیں..."
"لیکن یہ اچانک کیسے ہوگیا؟" اس نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔
"لمبی کہانی ہے۔ ابھی یہ تعین نہیں ہوسکا کہ وہ مجھ پر شک کررہے ہیں یا مجھے گھیرنا چاہ رہے ہیں۔ صورت حال مخدوش ضرور ہے۔"
"دونوں ایک ہی باتیں ہیں۔ خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے پر۔ انجام ایک ہی ہوتا ہے۔ تم نے دونوں باتوں کو الگ کیوں کردیا؟"
"کہہ رہا ہوں کہ یہ لمبی کہانی ہے۔ زندگی رہی اور ملاقات ہوئی تو تفصیل بھی بتادوں گا۔"
"شکریہ!" ویرا کی زہریلی آواز میرے کان کے پردے سے ٹکرائی "تم نے یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا؟"
"اسی کے ساتھ ایک مشورہ بھی ہے۔ حالات قابو سے باہر ہونے سے پہلے یہاں سے لوٹ جاؤ ورنہ میرے ساتھ تم بھی عتاب میں آجاؤ گی۔"
"تم سمجھ لو کہ میں لوٹ چکی ہوں۔ میں اپنا اچھا برا سمجھتی ہوں۔ جو مناسب سمجھوں گی کروں گی۔"
"ضدمت کرو۔ اس وقت تم بھنور سے باہر کھڑی ہوئی ہو۔ ایک بار اس گرداب میں آگئیں تو ہوش اڑ جائیں

گے۔“

”اب تک دوسروں کے ہوش اڑاتی رہی ہوں‘ اس بار یہ تجربہ بھی سہی!“

”کل تک تم تنہائی سے گھبرائی ہوئی تھیں۔ ہم سے ہر قسم کا رابطہ ختم کرنے کے بعد تمہارا ذہنی سکون جاتا رہے گا۔ ایسی حالت میں تم سے ذرا بھی لغزش ہوئی تو اس کی کوئی معافی نہیں ملے گی۔ تم بھول رہی ہو کہ اس وقت تم کہاں ہو۔“

”فون پر اتنی طویل گفتگو مناسب نہیں ہے“ ویرا کی آواز زہر آلود تھی ”تم کو جو کہنا تھا‘ تم نے کہہ دیا۔ تمہارے خلوص کا شکریہ۔ تم کو یقین ہونا چاہیے کہ میں خودکشی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ اپنی صوابدید کے مطابق بہترین فیصلہ کروں گی اور اس پر عمل پیرا ہوجاؤں گی۔ مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ اب مجھے واقعی سب سے الگ رہ کر کام کرنا ہے۔ تمہاری اجازت ہو تو اب میں فون بند کردوں؟“

”مجھے یقین ہے کہ تم جذبات کی رو میں آکر کوئی غلطی نہیں کروگی۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کروگی“ میں نے بے بسی سے کہا۔

”جوان دل کبھی ٹھنڈے نہیں ہوتے۔ ان میں عزم اور ولولے کے الاؤ دہکتے رہتے ہیں‘ او کے۔ گڈبائی!“

کلک کی آواز کے ساتھ لائن بے جان ہوگئی۔ میں نے خاموشی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

غزالہ نے میرے چہرے سے اندازہ لگالیا کہ ویرا سے گفتگو کی کیا نوعیت رہی ہوگی۔ اس نے بے ساختہ کہا ”مجھے اندازہ تھا کہ وہ ہٹ دھرم ہے۔ آپ کی کسی معقول بات پر کان نہیں دھرے گی۔ اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی مناسب ہوگا۔“

”اب یہی کرنا پڑے گا“ میں نے پرتشویش لہجے میں کہا ”اس پر سر کھپانا اب بے سود ہے۔“

کہنے کو میں نے وہ بات کہہ دی تھی مگر عملی طور پر ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ ویرا اپنے طور پر جو چاہتی‘ کرتی رہتی۔ ہم دونوں میں سے کوئی اس کی سلامتی کی طرف سے بے فکر نہیں ہوسکتا تھا۔

غزالہ کے لیے میری یک طرفہ گفتگو کافی تھی لیکن پھر بھی ہم کچھ دیر تک اسی موضوع پر متاسفانہ انداز میں باتیں کرتے رہے۔ مجھے قلق تھا کہ ویرا نے اپنی عادت کے عین مطابق میری باتوں پر بھروسا نہیں کیا تھا۔ اس کے ذہن میں شکوک و شبہات کے کیڑے رینگ رہے تھے۔

اپریٹس آن تھا۔ اس پر گوپال کی بھرائی ہوئی سی آواز ابھرتے ہی ہماری گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور میں غزالہ سے اپریٹس لے کر کھڑکی کے قریب پہنچ گیا تاکہ عابد علی عرف گوپال کی آواز واضح طور پر سنائی دی جاسکے۔

گوپال جی ٹو تھا اور اس وقت مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کا پیغام مکمل ہوتے ہی میں نے اسے اپنی موجودگی کی اطلاع دے دی۔

”تمہاری آواز سن کر میرے ذہن پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا“ میرے جواب پر ایک گہرے سانس کے بعد گوپال کی آواز آئی ”میں تمہاری طرف سے بہت فکرمند تھا۔ ہوٹل میں اس لڑکی کا تم سے ٹکرانا خالی از علت نہیں تھا۔ وہ را والوں کے لیے کام کرتی ہے‘ اوور۔“

”فکرمندی کے لیے میں تمہارا ممنون ہوں مگر میں نے سنیل کو واپسی کی ہدایت کی تھی۔ وہ دوبارہ ہوٹل کیوں آیا؟ اوور!“ میں نے اپنے ذہن میں بچھو کے ڈنک کی طرح چبھنے والا وہ سوال اس سے کرڈالا۔

”اس میں سنیل کی نہیں‘ میری غلطی تھی“ گوپال نے فراخ دلی سے اعتراف کرلیا ”اس نے مجھے تمہاری ہدایت کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے سمجھا کہ تم نے تکلف میں اسے گھر جانے کا حکم دیا ہے۔ میں نے اسے تاکید کی تھی کہ واپسی سے پہلے احتیاطاً ایک بار ہوٹل کا چکر لگالے اور دیکھ لو کہ اس نے ایک خطرناک لڑکی کو تمہارے ساتھ دیکھ لیا۔ وہ بہت چالاک اور دیدہ دلیر لڑکی ہے۔ وہ تم سے کیسے ٹکرا گئی؟ اوور!“

میں نے بات بڑھانے کا ارادہ ترک کردیا۔ ویرا سے ترشی پیدا ہوجانے کے بعد میں دوسرا محاذ کھولنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے کہا ”تم لڑکی کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہو لیکن اس کا نام لینے سے گریز کیوں کررہے ہو؟“

میری بات مکمل ہوجانے پر وہ بولا ”وہ ہر موقع پر ایک مختلف نام استعمال کرتی ہے۔ پتا نہیں تم سے کس نام سے ملی تھی۔“

”رینا اجیت رائے!“ میں نے اس کا نام دہرایا ”وہ ایک معزز گھرانے کی لڑکی ہے۔ میرے پاس اس کا وزیٹنگ کارڈ موجود ہے“ میں نے دانستہ اسے یہ بات نہیں بتائی کہ مجھے خود رینا پر شبہ ہوچکا تھا۔ شاید یہ سنیل کی ہوٹل واپسی کا ردِعمل تھا۔ وہ لوگ باخبر تھے تو میں دیکھنا چاہتا تھا کہ رینا کے بارے میں ان کے ذرائع کیا اطلاعات فراہم کرسکتے تھے۔ میں نے انل بسوا اس کا نام بھی نہیں لیا۔

”مجھے اس کا پتا بتاؤ۔ میں چیک کرکے دس منٹ میں

دوبارہ رابطہ کرتا ہوں۔ وہ کہاں سے معزز ہوگئی؟ سنیل بتا رہا تھا کہ وہ میرٹھ کے ایک معمولی گھرانے کی لڑکی ہے۔ دہلی میں قرب وجوار کے شہروں سے آئی ہوئی ایسی ہزاروں لڑکیاں گھومتی پھرتی ہیں۔"

میں نے رینا کے کارڈ پر چھپا ہوا۔ پتا دہرا دیا جو مجھے زبانی یاد ہوچکا تھا۔

"گریٹر کیلاش واقعی دہلی کا مہنگا ترین رہائشی علاقہ ہے" رینا کا پتا سن کر گوپال کے لہجے کا اعتماد کمزور پڑ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا "اگر وہ وہیں رہتی ہے تو پھر اس کی پرواز بہت اونچی ہے۔ را والے مقامیوں کو اتنے بھاری معاوضے نہیں دیتے کہ وہ گریٹر کیلاش میں رہ سکیں۔"

"اس کا باپ آسودہ حال ہے۔ مفلوج ماں گھر کی اوپری منزل پر پڑی رہتی ہے۔ نیچے باپ اپنی رنگین محفلیں سجاتا ہے۔ رینا سہیلیوں سے ملاقات کے بہانے اپنے مرد دوستوں سے میل جول برقرار رکھتی ہے۔ یہ اس کی مختصر اور پوری کہانی ہے" میں نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"ان تفصیلات نے مجھے شبہے میں ڈال دیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سنیل کو دھوکا ہوا ہو۔ پھر بھی میں چیک کرتا ہوں۔"

"میں تمہاری کال کا انتظار کروں گا' اوور اینڈ آل!" غیر ارادی طور پر میرے لہجے میں ہلکا سا طنز ابھر آیا۔ میں نے اپریٹس بند کردیا۔

"آپ نے اسے انل بسواس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اب کال کرے گا تو ضرور بتاؤں گا۔ پہلے ان لوگوں کو تھوڑا سا کام کر لینے دو۔ وہ مجھے اپنا بڑا تسلیم کر رہا ہے پھر بھی مربیانہ انداز اپنائے ہوئے ہے۔"

"ویرا سے گفتگو کے بعد شاید آپ کا موڈ خراب ہوچکا ہے ورنہ گوپال نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔"

"بے شک نہیں کی لیکن اس سے پہلے وہ سنیل کو دوبارہ ہوٹل کا چکر لگانے کی ہدایت دے کر اپنی بڑائی جھاڑ چکا تھا۔"

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "اس وقت آپ واقعی چڑچڑے ہو رہے ہیں۔ ابھی تک اتنی سی بات کو لیے بیٹھے ہیں۔"

"تم ان باتوں میں نہ پڑو۔ اسے میں خود سنبھال لوں گا۔ اب مجھے فکر ہے کہ اول خان سے کیسے بات کی جائے۔ میں یہاں سے فون نہیں کر سکتا۔"

"کیوں؟" غزالہ چونک پڑی "اس سے بات کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"اب واقعات میں اچانک تیزی آسکتی ہے۔ ممکن کہ پاکستان فون کرنا ناممکن ہوجائے۔ میں نئی صورت حا کے بارے میں اسے تازہ ترین بریفنگ دینا چاہتا ہوں تاک لوگ اندھیرے میں نہ رہیں۔"

"اس بارے میں گوپال ہی کوئی مناسب مشورہ دے گا" غزالہ نے شریر لہجے میں کہا۔

میں نے سرد نظر سے اسے گھورا اور اس کے لبوں مچلتی ہوئی مسکراہٹ بے ساختہ قہقہے میں تبدیل ہوگئی۔ خوشی ہوئی کہ وہ ذہنی دباؤ سے نکلنے میں کامیاب ہوچکی تھی۔

گوپال نے دس منٹ کا وقت لیا تھا لیکن اس سے پہلے اس کی کال آگئی۔ رابطہ ہوتے ہی وہ پرجوش آواز میں بو پڑا "سنیل کا شبہ درست تھا۔ وہ لڑکی تم سے جھوٹ بول ر ہے۔ ترشول مارگ کے اس بنگلے میں کلاسیکل ڈانس اکیڈ قائم ہے جہاں باہر سے آنے والی لڑکیوں کو سستے نرخ بورڈنگ کی سہولتیں بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ وہاں رقص سکھانے کے نام پر لڑکیوں کو را کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ ر بھی اسی کے کسی کمرے میں رہتی ہوگی۔ اپنے ماں باپ بارے میں اس کی کہانی بے بنیاد ہے۔ کل تک یہ معلو کرنے کی کوشش بھی کی جائے گی کہ اکیڈمی یا اس بورڈنگ ہاؤس میں وہ کس نام سے رہ رہی ہے۔"

"وہ چھپا ہوا کارڈ ہے۔ نام درست ہی ہوگا۔" میں اپنی رائے ظاہر کی "اس نے گریٹر کیلاش کے مرعوب کر پتے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی فرضی امارت کی کہانی سنا ہے۔ اگر وہ معزز اور خوش حال گھرانے سے ہوتی تب بھ کوئی فرق نہ پڑتا۔ مجھے اس پر شبہ ہوچکا تھا۔"

"تمہیں لازماً شک ہونا چاہیے تھا۔ ایک اجنبی لڑ تمہارے قریب کیوں آئی تھی۔"

"ابتدائی نکتہ یہی تھا۔ بعد میں اس نے مجھے انل بسواس کے لیے کام کرنے کی پیش کش بھی کی تھی۔ وہ اسے اپنا انکل کہہ رہی تھی۔"

گوپال میری زبان سے وہ انکشاف سن کر اچھل پڑ ہوگا۔ اس کی تحیر زدہ آواز ابھری "یہ بات تم مجھے اتنی دیر سے بتا رہے ہو۔"

"تمہیں ذہنی طور پر تیار کر رہا تھا۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ گڑبڑ ہوچکی ہے۔ انہوں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔" اس کی حیرت فوراً ہی تشویش میں بدل گئی۔

"ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ میرے بارے میں وہ اس قدر ہیجان میں مبتلا ہیں کہ پہچان لیتے تو لمبے چوڑے لاؤ لشکر کے ساتھ فوراً ہوٹل کا محاصرہ کر کے مجھے پکڑ لیتے۔ میری دل جوئی کے لیے رینا جیسی لڑکی کو نہ بھیجتے۔"

"پھر وہ تمہارے پاس کیوں آئی تھی؟" ہر ذہن میں پہلا سوال وہی ابھرتا تھا۔ وہ لاکھوں روپے کا سوال تھا جس کا جواب مجھے بھی نہیں معلوم تھا۔

"دوسرے بڑے شہروں کی طرح دہلی بھی ایسی نوجوان لڑکیوں کی آماج گاہ ہے جہاں دور دراز کے علاقوں تک سے نوجوان لڑکیاں روزگار کی تلاش میں آتی ہیں۔ کچھ اپنا ہدف حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہیں بیشتر کہیں بھٹکتی رہتی ہیں۔ را والے ان میں اپنے مطلب کی لڑکیوں کو تاڑ لیتے ہیں۔ وہ لڑکیوں کے ذریعے کام نکالنے کے معاملے میں دنیا بھر کی ایجنسیوں سے آگے ہیں۔ انہوں نے کچے ذہن کی لڑکیوں کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کے لیے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی جیسے کئی نام نہاد ادارے قائم کیے ہوئے ہیں۔" میری طرف سے لاعلمی کے اظہار کے بعد وہ را والوں کے طریقہ کار کے بارے میں مجھے سمجھانے لگا "ان کی یہ حکمت عملی اکثر کامیاب رہتی ہے۔"

"یہ دوسری جنگ عظیم کا کامیاب ترین سبق ہے جو مغرب سے بھارت والوں نے سیکھا ہے۔" میں نے کہا "گھر بار اور مہذب معاشروں سے دور، بھیانک جنگی ماحول میں شب و روز بارودی دھماکوں میں گزارنے والے فوجی صنف نازک کے دیدار کو ترسے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں تازہ دم ہونے کے لیے محاذ سے صرف تین دن کے لیے پیچھے بلا کر تازہ دم دستے آگے بھیجے جاتے تھے۔ ان دو تین چھٹیوں کو وہ اپنی زندگی کی آخری مہلت سمجھ کر بے صبری سے گزارتے تھے۔ ان کے لیے عورت صرف عورت ہوتی تھی۔ انہیں اس کی قوم، مذہب، زبان اور وفاداریوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی تھی۔ عورت کی نرم و حیات آفریں آغوش میں پہنچ کر دونوں حریفوں کے فوجی بہک جاتے تھے اور اپنی فوج کی پوزیشنوں سے لے کر دوسرے اہم راز تک آسانی سے اگل دیتے تھے۔ زمانہ جنگ کا وہ سبق آج امن اور سرد جنگ کے دنوں میں بھی کہیں کہیں دہرایا جا رہا ہے۔"

"تم بالکل درست کہہ رہے ہو۔ تمہارا مشاہدہ اور معلومات کا دائرہ ہم لوگوں سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ کاش ہم تمہارے اس تجربے سے بھرپور فیض اٹھا سکیں۔"

اس کے بے ساختہ جواب سے میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ سنیل والے واقعے پر میرے دل میں جو کدورت پیدا ہوگئی تھی، وہ دھل گئی۔ میری انا کا ہلکا سا زخم اس کے چند نرم فقروں سے یکایک بھر گیا اور میں ان تینوں کے لیے ایک بار پھر اپنے دل میں محبت اور اپنائیت محسوس کرنے لگا۔

"تم رینا کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہو تو اسے نظر انداز کیوں کیا ہوا ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"ہم اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں اور گرد و پیش سے پوری طرح باخبر رہنے کی کوشش کرتے ہیں مگر غیر ضروری بکھیڑوں میں نہیں الجھتے۔ ہم اپنی ساری توجہ اپنے اہداف پر مرکوز رکھتے ہیں۔ ان کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرتے ہیں۔ اس سے آگے ہمیں کسی چھیڑ چھاڑ کی اجازت نہیں ہے۔ یہ ہمارا ڈسپلن ہے جسے تم ہماری مجبوری بھی کہہ سکتے ہو۔"

"اب وہ مجھ سے قریب ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ ایک اہم شخص کا نام بھی لے چکی ہے۔ اسے تمہارے دائرہ کار میں آجانا چاہیے۔"

"اس وقت وہ میری اولین ترجیح بن چکی ہے۔" گوپال نے بلا توقف جواب دیا "ایسا نہ ہوتا تو میں مضطرب کیوں ہوتا!"

"ترجیحات بدلنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ جو کچھ آسانی سے معلوم ہوجائے، وہ مجھے بتا دینا۔ وہ بدمعاش لڑکی ہے، میں دیکھوں گا کہ وہ میرے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہی ہے۔ شاید وہی دہلی میں میری کامیابی کا زینہ بن جائے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اس کے ساتھ مل کر انل بسواس تک جانے کا فیصلہ کر چکے ہو؟" گوپال کی آواز سے حیرت جھلک رہی تھی۔

"مجھے اس تک پہنچنا ہے۔ میں اسی کے فراق میں ہوں۔ یہ اچھی بات ہے کہ رینا میرا یہ کام آسان کرنے کے موڈ میں ہے۔ میں اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گا۔ اور کچھ نہیں تو مجھے اس شخص کو قریب سے دیکھنے اور کسی حد تک سمجھنے کا موقع مل سکے گا۔"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہم وہی کریں گے جو تم چاہو گے۔" اس کی آواز میں سنجیدگی اور فکرمندی اتر آئی۔

"فی الحال تم تینوں مجھ سے دور رہو۔ میرا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کسی وجہ سے ان کی نظروں میں آگیا ہوں تو اس کے اسباب واضح ہونے تک کسی کو میرے قریب آنے کی ضرورت نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے

کسی اور کی گردن کٹ جائے... اس وقت میرا صرف ایک مسئلہ ہے۔ میں پاکستان بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ گفتگو ٹرانسمٹر پر ہو رہی تھی اس لیے ہم دونوں بے فکری سے کھل کر بات کر رہے تھے۔ میں نے اتنی احتیاط ضرور برتی تھی کہ انل بسواس کا نام کم سے کم استعمال کیا تھا۔ ہمارے اپرٹیس کی ریڈیو کوئنسی کے بارے میں گوپال مجھے بتا چکا تھا کہ وہ بڑی حد تک محفوظ تھی۔

"تم اپنے کمرے سے براہِ راست دنیا بھر کا کوئی بھی نمبر ملا سکتے ہو۔ سی ایس ڈی کے ہوتے ہوئے تمہیں کیا فکر ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"میری بات ہو جائے گی مگر ہوٹل کے بل میں میرا ملایا ہوا نمبر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے گا۔ میرے ساتھ کوئی گڑبڑ ہو گئی تو وہ نمبر دشمنوں کے ہاتھ لگ جائے گا۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ سنیل نے سرلا کے گھر سے مجھے ایک فون کرنے کا موقع دیا تھا۔"

"اب ادھر کا رخ کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ بدمعاش لڑکی کے سامنے آنے کے بعد حالات اچانک بدل گئے ہیں۔" چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھا گیا۔ اس کی بات ادھوری تھی۔ شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر اچانک اس نے پوچھا "پاکستان سے آنے والی کال کی کیا پوزیشن ہوگی۔"

"رابطہ ہونے پر میں اسے بھی سی ایس ڈی پر ڈال سکتا ہوں۔" گوپال کے سوال پر میں اس کی ذہانت کا قائل ہو گیا۔

"پھر مجھے نمبر دے دو۔ میں پیغام دے دیتا ہوں۔ تمہارا آدمی پاکستان سے تمہارے ہوٹل فون کرلے گا۔ اس کا نمبر کہیں ریکارڈ نہیں ہوگا۔"

میں نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر ڈالی اور اسے اول خان کا نام اور گھر کا فون نمبر دے دیا۔

میرا خیال تھا کہ اول خان کا نام اس کے لیے اجنبی نہیں ہوگا لیکن گوپال نے کوئی ردِ عمل ظاہر کیے بغیر کہا "میں ابھی پیغام دے دیتا ہوں۔ تم کال وصول کرنے کے لیے تیار رہنا۔ تمہارا مطلوبہ آدمی دستیاب نہ ہو سکا تو میں اپرٹیس پر تمہیں بتا دوں گا۔"

"شکریہ! سنیل کو بتا دینا کہ میری اگلی ہدایت تک اسے گاڑی لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

"ان پے در پے مصروفیات کا یہ فائدہ ہوا کہ رینا کے ساتھ اس کے کمرے میں گزارے ہوئے رنگین و سنگین لمحات میرے ذہن سے محو ہو گئے۔ جب تک وہ خیال ذہن پر طاری تھا، میں غزالہ کے سامنے اپنے دل میں ایک مجرمانہ خلش محسوس کر رہا تھا لیکن غزالہ اور گوپال سے گفتگو کے بعد میرا ذہن ہلکا ہو چکا تھا۔

رینا اجیت رائے نہایت پُر فریب اور مکار لڑکی تھی۔ اس نے اپنی کہانی اتنے اعتماد اور روانی سے سنائی تھی کہ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اس پر جھوٹ کا شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ اپنے لباس اور رکھ رکھاؤ سے بھی وہ اس طبقے سے بہت بلند نظر آرہی تھی جس سے اس کا حقیقی تعلق تھا۔

اگر وہ واقعی میرٹھ کے کسی معمولی گھرانے سے نکل کر فکر معاش میں دہلی آئی تھی تو اخلاقی پستی اور کردار کی تباہی سے قطع نظر، اس کی پیشہ ورانہ مالی کامیابی غیر معمولی تھی مگر پھر بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ انل بسواس اس کا انکل ہوتا۔ دونوں کے طبقاتی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ رشتہ ناقابلِ یقین تھا۔ شاید را کے لیے کام کرنے والی اخلاق باختہ لڑکیاں اپنے شکاروں کو منزل مقصود تک پہنچانے کے لیے اعلیٰ افسروں کو اپنا ماموں یا چچا ظاہر کرتی تھیں۔

رینا اور انل بسواس میں کوئی رشتے داری نہیں تھی تو صرف دو امکانات باقی رہ جاتے تھے۔ انل بسواس کی نظروں میں میری کوئی غیر معمولی اہمیت ہوتی تو میرے اور اس کے درمیان فوری ملاقات متوقع تھی۔ اس اہمیت میں ذرا بھی کمی ہوتی تو رینا اپنے خود ساختہ انکل سے ملاقات کے لیے قریبی وقت لینے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ انل بسواس را کا ایک بڑا اور اہم افسر تھا۔ اپنی مصروفیات میں سے وقت نکالنا اس کے لیے مسئلہ ہو سکتا تھا۔

انل بسواس ہماری بساط کا سب سے اہم مہرہ تھا جس کا جلد از جلد پٹنا ضروری ہو گیا تھا۔ ہم بھارت پہنچے تو ہمارے ذہنوں میں صرف اسی کا نام تھا لیکن دہلی میں کچھ وقت گزار لینے کے بعد ہماری فہرست میں مزید کچھ ناموں اور کاموں کا اضافہ ہو چکا تھا۔

ترجیحات کے اعتبار سے انل بسواس کے بعد اس کے خصوصی ماتحت نریش شرما کا نام آتا تھا جو دہشت گردی اور اس کی منصوبہ بندی میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔ دہلی میں کام کرنے والے آئی بی کے ایجنٹوں کی معلومات کے مطابق وہ ان دنوں گرین کوبرا فائل پر کام کر رہا تھا۔ نریش شرما کو کیفر کردار تک پہنچانے کے ساتھ وہ اصل فائل یا اس کی نقل حاصل کرنی ضروری تھی۔

جان اسمتھ کا نام اس کے بعد آتا تھا۔ جنوب مشرقی ایشیا میں وہ سی آئی اے کے آپریشنز کا چیف تھا۔ وہ کراچی میں ویرا کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر دہلی آیا تھا اور چانکیہ

ری نامی سفارتی علاقے میں ہوٹل سمراٹ میں مقیم تھا۔
سے ٹھکانے لگانا ویرا کا دیرینہ خواب تھا لیکن وہ تھوڑی دیر
پہلے مجھ سے ناراض ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ مل کر کوئی بھی
م کرنا ہم تینوں کے لیے مخدوش ہو سکتا تھا۔ رابطے ختم
گئے تھے۔ ویرا بوکھلائی ہوئی تھی۔ میں اسے پاکستان واپسی
نا قابلِ قبول مشورہ دے چکا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ جان
سمتھ کو بھی ہمیں ہی دیکھنا تھا۔

میں ان خیالات میں ڈوبا رہا۔ اس دوران میں غزالہ
سے تبادلہ خیال بھی ہوتا رہا۔ پھر فون کی گھنٹی نے ہمیں
نکا دیا۔

سی ایس ڈی آف تھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو ہوٹل کی
پریٹر نے مجھے بتایا کہ میرے یعنی مظہر خان کے لیے بیرون
ے سے کوئی فون کال تھی۔

اول خان کی آواز سنتے ہی میں نے سی ایس ڈی آن
ردی۔ وہ اس آلے کے استعمال کا ایک سادہ طریقہ تھا۔ جو
ھے دہلی پہنچنے کے بعد سوجھا تھا۔ سی ایس ڈی کی دو طرفہ
ادیت سے فیض یاب ہوتے ہوئے مجھے خوشی ہو رہی تھی۔
واقعی ایک بے مثال آلہ تھا اور اگر بدری ناتھ اسے اپنی
ان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا تو وہ ایسا کرنے میں حق بہ جانب
ا۔

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب میں بھی تمہیں فون
رسکتا ہوں۔" اول خان نے مبہم الفاظ میں کہا "شاید تم نے
ئی بندوبست کرلیا ہے۔"

"ہاں' ڈیوائس آن ہے۔" میں نے اسے اطلاع دی
مشکل یہ ہے کہ اب شاید میں کئی دنوں تک تم سے رابطہ نہ
رسکوں۔ تم پرسوں شام سات بجے فون کرلینا تاکہ میں
ہیں تازہ ترین حالات سے باخبر کرسکوں۔"

"یہ الٹی گنگا کیوں بہہ رہی ہے؟" اول خان کی آواز
رت زدہ سی تھی "پہلے ہمارے فون کرنے پر پابندی تھی۔
ب تم اپنی مجبوری ظاہر کررہے ہو۔"

"حالات میں کچھ تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ یہ اسی کی پیدا
ں ہوئی مجبوری ہے۔"

"ڈیوائس آن ہے تو آپریٹر سے کال تم تک کیسے منتقل
و گئی؟ لائن ڈراپ ہوجانی چاہیے تھی۔" اول خان کو وہ نکتہ
د آگیا۔

"بہت سیدھی سی بات ہے جس کی طرف پہلے دھیان
یں گیا تھا۔" یہ کہہ کر میں نے اسے سوئچ کے استعمال کے
رے میں بتادیا۔

"اس سے پہلے کہ میں باتوں میں الجھ کر بھول جاؤں' تم کو
ایک ضروری مسئلے سے آگاہ ہوجانا چاہیے۔" اس کے لہجے
سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے یکایک کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی
تھی جو اس کے نزدیک بہت اہم تھی۔

"تم کہہ ڈالو۔ میں اپنی بات بعد میں کروں گا۔" میں نے
روا روی میں جواب دیا۔

"مجھے اطلاع ذرا دیر سے ملی ہے لیکن غنیمت ہے کہ مل
گئی۔ کل ایک مشتبہ آدمی تمہارے بارے میں پوچھ گچھ کرتا
پھر رہا تھا۔"

"وہ کون تھا اور کیا پوچھ گچھ کررہا تھا؟" میں نے اس کی
بات کاٹ کر پوچھا۔

"ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تمہاری رہائش کے بارے
میں تصدیق کررہا ہو۔ یہ کوئی چکر معلوم ہوتا ہے۔"

"ہم لوگ یہاں چلے آئے۔ جہانگیر کی آمد و رفت سے
بچنے کے لیے سلطان شاہ تمہارے پاس آگیا ہے۔ ہو سکتا ہے
کہ گھر پر تالا لگنے کی وجہ سے کسی پڑوسی وغیرہ کو تشویش ہوئی
ہو۔ تم اس معمولی سی بات کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے
ہو؟"

"یہ گلشن والے گھر کی بات نہیں ہے۔ وہ مقفل ضرور
ہے مگر ایک چوکیدار وہاں رہ رہا ہے۔ کوئی ادھر کا رخ کرتا تو
چوکیدار اس کی گردن ناپ لیتا۔ یہ واقعہ اس پتے پر پیش آیا
ہے جو مظہر خان کے کاغذات وغیرہ پر درج ہے۔"

میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے
دانستہ پاسپورٹ کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا لیکن بات واضح
ہو چکی تھی۔ ساری اہمیت اسی بات کی تھی کہ میرے فرضی
نام اور پتے کی تصدیق کی گئی تھی۔

پاکستان میں ہمارے سفری کاغذات اول خان اور جلال
کے سوا کسی کے ہاتھوں میں نہیں گئے تھے۔ ان دونوں کو یا
ان کے کسی آدمی کو میرے بارے میں کسی تصدیق کی
ضرورت نہیں تھی۔ البتہ امرتسر اور دہلی کے ہوٹلوں میں
اندراجات کے لیے پاسپورٹ دکھانے پڑے تھے۔ امرتسر میں
کوئی غیر معمولی بات پیش نہیں آئی تھی۔ وہاں سے کوئی شوشا
نکلنے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔

دہلی کی صورتِ حال مختلف رہی تھی۔ وہاں ہوٹل
والوں نے کسی شبے کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن بھارت میں
پاکستانی دہشت گردوں کے گھس آنے کی خبر یا افواہ پھیلنے کے
بعد ہوٹلوں میں مقیم پاکستانیوں کی پولیس چیکنگ ہوئی تھی۔
اس چیکنگ کے دوران میں مجھ سے کوئی ٹیڑھی بات نہیں کی

گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں اس چیکنگ سے صاف بچ نکلا تھا لیکن اول خان کی دی ہوئی اطلاع کوئی اور کہانی سنا رہی تھی۔ شاید پڑتال کرنے والے پولیس افسران نے میرے کوائف نوٹ کرلیے تھے۔ ان ہی کی بنا پر کراچی میں کوائف کی تصدیق کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔

"ہم تینوں کے اندراجات حقیقی ہیں؟" میں نے فون پر سوال کیا۔

"اتنے حقیقی ہیں کہ ہر وقت ان کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ یہ نکتہ شروع سے میرے پیش نظر رہا تھا۔"

"پھر تو این کاویل اور غزالہ کے پتوں پر بھی کوئی نہ کوئی پہنچا ہوگا۔" میں نے شبہ ظاہر کیا۔

"نہیں، وہاں سے ایسی کوئی رپورٹ نہیں ملی۔ یہ صرف تمہارا مسئلہ تھا۔"

میری ذہنی رو فوری طور پر رینا کی طرف مبذول ہوگئی۔ پچھلے روز صبح سویرے پولیس والوں نے ہوٹل کے دفتر میں پاکستانیوں کے پاسپورٹوں وغیرہ کی دیکھ بھال کی۔ شاید اسی شام کراچی میں کسی نے میرے دیے ہوئے پتے کی تصدیق کی اور پھر اگلے روز رینا مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔

واقعات کی کڑیاں آپس میں ملتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ پولیس والوں کے ذریعے میرے کوائف را والوں تک پہنچے تھے۔ وہ فیکس کی سہولتوں کا زمانہ تھا۔ دہلی میں را کے ہیڈ کوارٹرز سے لمحہ بھر میں وہ تفصیلات پوری رازداری کے ساتھ کراچی کے بھارتی قونصل خانے یا وہاں مقیم کسی ایجنٹ کو پہنچائے جاسکتے تھے۔ کراچی والوں نے میرے نام اور رہائشی پتے کی تصدیق کردی اور فوری طور پر رینا کو میری طرف بھیجنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیوں؟ یہی وہ گمشدہ کڑی تھی جہاں آکر بات ٹھپ ہوجاتی تھی۔

رینا کی کہانی کی پرتیں بہت تیزی کے ساتھ اترتی جارہی تھیں۔ اس کی ثروت و امارت کی قلعی گوپال نے کھولی تھی۔ باقی کسر اول خان نے پوری کردی تھی۔

"اب تم میری بات پوری طرح سمجھ سکو گے۔ مجھے شبہ ہے کہ یہاں کوئی میرے پیچھے لگ گیا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اپنے رابطے عارضی طور پر معطل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ فضا صاف ہوتے ہی تمہیں خبر کردوں گا۔" میں نے اول خان سے کہا۔ میں نے تفصیل سے دانستہ گریز کیا تھا۔

"یہ بری خبر ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنا کہ تمہاری زندگی اور سلامتی ہر کام پر فوقیت رکھتی ہے۔"

میں بے اختیار دھیرے سے ہنس دیا "تم فکر نہ ک
زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے۔ وقت پورا ہ
سے پہلے کوئی کسی کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ ہم اس و
سے بے خبر ہوتے ہیں اس لیے احتیاط اور اندیشوں کا
ہوتے رہتے ہیں۔ تم مطمئن رہو، بس پرسوں فون ضر
کرلینا۔"

"اس بارے میں مزید کوئی تفصیل نہیں بتاؤ گے؟"
خان نے پُرامید لہجے میں سوال کیا۔

میں تکرار سے اکتاہٹ محسوس کررہا تھا اور پھر ا
بلاوجہ وسوسوں میں مبتلا کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے با
وہیں ختم کرنے کے ارادے سے کہا "ابھی مجھے خود کچھ اند
نہیں ہے۔ پرسوں تک کچھ نہ کچھ سامنے آجائے گا تو تمہ
بتادوں گا۔"

"اس وقت میں گھر پر ہوں۔ سلطان شاہ اسٹیشن پر ر
ہے ورنہ میں اس سے تمہاری بات ضرور کراتا۔ وہ ہر وق
تم تینوں کو یاد کرتا رہتا ہے۔"

"میری، بلکہ سب کی طرف سے اسے دعا سلام ک
دینا۔" میں نے جواب دیا۔

اول خان نے ایک بار پھر اپنی نیک تمناؤں کا اظہ
کرنے کے بعد فون بند کردیا۔

○☆○

مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد ویرا کا دماغ سنک گیا۔ می
نے پورے خلوص سے اسے ہر بات بتانے اور سمجھانے ک
کوشش کی تھی لیکن اس کے اڑیل دماغ میں بس ایک با
بیٹھی ہوئی تھی کہ میں پاکستان ہی سے اسے اپنے ساتھ لا
کا مخالف تھا اور بھارتی سرزمین پر پہنچ جانے کے بعد ا
واپس بھیجنے کے بہانے تلاش کرنے میں مصروف تھا۔ ویرا
تہیہ کرلیا کہ بھارت میں اپنی اہمیت منوانے کے لیے وہ اپ
طور پر کچھ نہ کچھ کر گزرے گی۔

ہمارا اور اس کا رابطہ رہا تھا لیکن اسے آئی بی والو
کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا کہ ان سے کہاں اور کیس
رابطہ ہوسکے گا۔ اسی طرح انل بسواس اس کے لیے صرف
ایک نام تھا جس تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔ رینا کا نام سر
سے اس کو نہیں معلوم تھا۔ صرف یہ پتا تھا کہ کچھ خطرات
سر اٹھا چکے تھے۔

اس شام اس نے غصے کے عالم میں اپنا کمرا مقفل کیا اور
مرینا ہوٹل کے بار میں جا بیٹھی۔

وہ ہمیشہ کی طرح بلانوش اور بے تکلف تھی۔ اس شام

اس نے دل کھول کرمے نوشی کی تاکہ غصے کی جھونک سے نکل سکے۔ ایک جوان اور خوب رو سفید فام لڑکی کو اتنی بے تکلفی سے مے نوشی کرتے دیکھ کر مردوں کا متوجہ ہونا فطری امر تھا۔ کئی مقامیوں نے اس کے ساتھ مل بیٹھنے کی کوشش کی لیکن ویرا نے انہیں جمنے نہیں دیا۔ وہ منہ پھٹ تھی۔ اس نے جھڑک کر انہیں اپنی میز سے بھگادیا۔

بار کی رنگین فضا میں اپنا اکیلا پن اسے بھی کھل رہا تھا۔ کوئی معقول ساتھی مل جاتا تو نہ صرف اس کے دل کی بھڑاس نکلتی رہتی بلکہ وہ بن بلائے مہمانوں کی آمدورفت سے بھی بچی رہتی۔ ساتھی کے انتخاب کے سلسلے میں یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھی ہوئی تھی کہ کہیں وہ کسی مشتبہ آدمی کے جال میں نہ پھنس جائے۔ ایسا جال کوئی مقامی ہی ڈال سکتا تھا اس لیے وہ ان کی طرف سے بھڑکی ہوئی تھی۔

اسی دوران میں دور بیٹھے ہوئے ایک اطالوی نوجوان نے میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا تو ویرا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ دہلی جیسے شہر میں وہ شائستہ غیر ملکی کسی بکھیڑے میں ملوث نہیں ہوسکتا تھا۔ ویرا نے جوابی مسکراہٹ سے اس کی حوصلہ افزائی کی اور وہ اپنا پیگ سنبھالے ویرا کی میز پر آگیا۔

وہ میلان یونیورسٹی کا ایک طالب علم تھا۔ تاریخ اور قدیم تہذیبوں کے حوالے سے اسے مشرق سے دلچسپی تھی۔ وہ اپنی چھٹیاں بھارت، نیپال اور برما میں گزارنے کے ارادے سے اکیلا سیاحت پر نکلا ہوا تھا۔ صنف مخالف اس کی بنیادی ضرورت تھی۔ ویرا نے اسے اپنی قومیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

"تم تہذیب کی تلاش میں یہاں آئے ہو۔ مجھے تو اس شہر میں بدتہذیبی کے سوا کچھ نظر نہیں آیا" تعارف اور رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد ویرا نے برا سا منہ بنا کر اس سے کہا۔ "میں تمہیں کافی دیر سے بار کے کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا دیکھ رہی تھی۔ تم نے کئی بار میرا جائزہ لیا لیکن زبردستی متعارف ہونے کی کوشش نہیں کی" وہ روانی سے اطالوی زبان بول رہی تھی۔

وہ بے اختیار ہنس پڑا "اوہ! تو تم کن انکھیوں سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ تم گردوپیش سے بے خبر ہو" وہ عام اطالوی مردوں کی طرح عورتوں کا خوشامدی اور شیخی خورہ نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ کہا، بہت شائستگی سے کہا تھا۔ اسے خوشی ہوئی تھی کہ ویرا اس کی مادری زبان جانتی تھی۔

"مگر اس دوران میں کئی مقامی زبردستی میرے سر پر مسلّط ہونے کی کوشش کرچکے ہیں۔ یہ اتنے ڈھیٹ ہیں کہ طنز کو بھی ہنس کر پی جاتے ہیں۔ مجھے دوٹوک الفاظ میں انہیں اپنی میز سے فوراً اٹھ جانے کے لیے کہنا پڑا۔ زیادہ دن یہاں رکے تو تم بھی ان کے رنگ میں رنگ جاؤ گے۔"

"میں زیادہ دن نہیں رکوں گا۔ مجھے دوسرے شہروں اور ملکوں کی سیاحت بھی کرنی ہے۔ بس یہاں کسی کام میں اتنی اجرت مل جائے کہ آگے کا خرچ پورا ہوسکے تو میں آگے چل دوں گا۔ شہروں میں کام ملتا ہے۔ اصل زندگی دیہات اور قصبوں میں دیکھنے کو ملتی ہے جہاں پرانی روایات آج بھی زندہ ہیں۔"

ویرا کو رابرٹو نامی اس نوجوان میں زیادہ دلچسپی محسوس ہونے لگی۔ اس نے پوچھا "تم اجرت پر کس قسم کے کام کرتے ہو؟"

"کوئی بھی۔۔۔" اس نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد جواب دیا "یا جو کام مل جائے۔ میلان میں بھی میں اسی طرح اپنے سارے اخراجات پورے کرتا ہوں۔ دراصل ضرورت مند کو کام میں انتخاب کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ یہ کام دینے والے کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔"

رابرٹو کا گلاس خالی ہونے والا تھا۔ ویرا نے قریب سے گزرتے ہوئے ویٹر کو روک کر مزید اسکاچ کا آرڈر دیا کیونکہ وہ میز پر رکھا ہوا کوارٹر خالی کرچکی تھی۔ ویرا اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے، کہنیوں کے سہارے میز پر آگے جھک گئی "تم نے کبھی کوئی جرم بھی کیا ہے؟" اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"چھوٹے موٹے جرائم ہر ایک سے سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ میرا دامن بھی ان سے صاف نہیں ہے" البرٹو نے جواب دیا۔

"ایک چھوٹے سے جرم کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ویرا دھیرے دھیرے پیش قدمی کررہی تھی۔ البرٹو کی آنکھوں میں دلچسپی کی جھلک دیکھتے ہی اس نے اضافہ کیا "تم کو اس کے لیے معقول معاوضہ مل سکتا ہے۔"

"ایک ایڈونچر سمجھ کر اسے قبول کیا جاسکتا ہے۔ ہزار پانچ سو امریکی ڈالر کی رقم زیادہ نہیں ہوتی لیکن مقامی کرنسی میں یہ ہزاروں روپے کون دے گا؟"

"تم اطالوی ہو۔ ایسی بات نہ کرو۔ یہی رقم تمہاری کرنسی میں تبدیل کی جائے تو لاکھوں لیرا تک پہنچ جائے گی۔"

وہ پھر ہنس پڑا "یہ میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ یہ ملک

بہت سستے ہیں۔ میری ضرورت بہت محدود سی ہے۔ یہ ایڈونچر کس قسم کا ہوگا؟"
"تو دکبس ایک مذاق ہے۔ میں ایک پولیس افسر کو حیران کردینا چاہتی ہوں۔"
"اوہ، این! تمہیں اتنا گھما پھرا کر بات کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ سیدھی طرح کہو کہ کسی ہلکے سے مجرمانہ مذاق میں مجھے تمہارا ساتھ دینا ہے" وہ اپنا داہنا ہاتھ جھٹک کر بے فکری سے بولا "اس کی اجرت میں تو بس تمہاری رفاقت ہی کافی ہوگی۔ سچ پوچھو تو میرے لیے تم سے ہونے والی ملاقات ہی ایڈونچر ہے۔ تم کھلے ذہن کی امریکی لڑکی معلوم ہوتی ہو مجھے کھلے دل کے راست گو لوگ بہت پسند ہیں" رابرٹو نے پولیس افسر کے ذکر کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔
ویرا نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ وہ پاکستانی پاسپورٹ پر بھارت آئی تھی۔ اس کے ذہن میں لاوا پک رہا تھا۔ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے بہت بے رحمی سے رابرٹو کو اپنا آلہ کار بنانے کی کوشش کر رہی تھی اور اسے اپنی کوشش میں کامیابی حاصل ہوتی نظر آرہی تھی۔
"میں اسی ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہوں۔ تم کس کمرے میں مقیم ہو؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔
"میں یہاں کسی گاہک یا اسامی کی تلاش میں آیا تھا جس سے مجھے کام مل سکے" اس نے ندامت سے کہا "یہ میری قسمت ہے کہ تم سے ملاقات ہوگئی۔ میں یہاں ایک پیگ سے زیادہ نہیں خرید سکتا۔ تم میری حوصلہ افزائی نہ کرتیں تو اسی پیگ سے ہونٹ تر کرتے کرتے میں دو تین گھنٹے یہاں گزار لیتا۔ میرا تجربہ ہے کہ بڑے ہوٹلوں میں ایسے فراخ دل لوگ مل جاتے ہیں جو کسی معمولی کام کے لیے زیادہ اجرت دینے میں کنجوسی نہیں کرتے۔ میں تھوڑی دور ایک سستے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔"
ویرا کے ذہن میں خیال آیا کہ رابرٹو سے پوچھے کہ وہ کس قسم کا کام ملنے کی توقع کر رہا تھا۔ وہاں سب شرابی تھے جو تفریح اور مے نوشی کے ذریعے اپنی شام کو رنگین بنانے کے لیے آئے ہوئے تھے لیکن اس نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا۔ اسے رابرٹو اپنی راہ پر آتا نظر آرہا تھا۔ وہ زیادہ کرید کر اسے بدکانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تو پھر میں سمجھ لوں کہ تم میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو۔"
"دل وجان سے!" اس نے بایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر فدویانہ انداز میں کہا "چھوٹے ہوٹلوں میں چیک آؤٹ کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ وہ رات کے حساب سے کرایہ لیتے ہیں۔ تمہارے کمرے میں ذرا سی گنجائش ہو تو میں ہوٹل سے اپنا سفری تھیلا اٹھا لاؤں۔ یہ میری چھوٹی سی بچت ہوگی۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ میں تمہاری اجازت یا رضامندی کے بغیر تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔"
ایسے معاملات میں ویرا ہمیشہ سے مہم جوئی کی عادی رہی تھی۔ اس نے رابرٹو کی استدعا قبول کرلی "تھیلا لے آؤ، واپسی میں کتنی دیر لگے گی۔"
رابرٹو کا چہرہ کھل اٹھا۔ پہلے وہ ایک پیگ پر مریٹا ہوٹل کے بار میں کئی گھنٹے گزارنے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا۔ اس نے ویرا کا تیار کیا ہوا دوسرا پیگ اٹھایا اور دو گھونٹوں میں اپنے حلق میں انڈیلتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا "بس ذرا سی دیر میں آتا ہوں۔ میرا ہوٹل پہاڑ گنج کے سستے علاقے میں ہے۔"
اس وقت لے دے کر انسپکٹر ڈیوڈ ہی ویرا کی نظروں میں تھا۔ اسے رابرٹو کی صورت میں ایک مددگار میسر آچکا تھا۔ اس نے فرصت کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے، اپنے ذہن میں اگلے دن کا نقشہ جمانے کی کوششیں شروع کردیں۔ اس سے پہلے اس کے ذہن میں کوئی پروگرام نہیں تھا۔
رابرٹو بہت تیزی کے ساتھ بار سے رخصت ہوا تھا۔ ویرا کے پاس امریکی ڈالروں کی صورت میں خاصی رقم موجود تھی۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر رابرٹو نے اس کی مرضی کے مطابق اپنا رول ادا کیا تو وہ اسے پانچ سو ڈالر ضرور دے دے گی۔
اس وقت تک ویرا خاصی اسکاچ پی چکی تھی جس کے اثرات اس کی آنکھوں اور چہرے سے مترشح تھے۔ شاید رابرٹو کو اندیشہ تھا کہ کہیں ویرا نشے کی جھونک میں بار سے اٹھ کر نہ چل دے۔ وہ ایک بار اپنے کمرے کا رخ کرلیتی تو رابرٹو اسے ڈھونڈتا ہی رہ جاتا۔ ویرا کی عنایت نے اس کی عقل پر ایسا دبیز پردہ ڈالا تھا کہ اس نے جانے سے پہلے ویرا کے کمرے کا نمبر معلوم کرنے کی زحمت تک نہیں کی تھی۔
ویرا کو وہ خیال اس وقت آیا جب رابرٹو تقریباً ہانپتا ہوا، دوبارہ بار میں نمودار ہوا۔ اس کا سفری تھیلا شانوں کے سہارے اس کی پشت پر لدا ہوا تھا اور وہ شاید اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے پسینوں میں نہایا ہوا تھا۔ ویرا نے اسے دیکھتے ہی اس کے لیے تیسرا پیگ بنانا شروع کردیا۔
وہ آیا، سیاہ سفری تھیلا پشت سے اتار کر قدموں میں رکھا اور ہانپتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا "میں یہاں سے تقریباً دوڑتا

ہوا گیا اور آیا ہوں۔ سانس پھول گیا۔ میں نے تمہارے کمرے کا نمبر معلوم کرلیا ہوتا تو اس بھاگ دوڑ سے بچ جاتا۔"

"اس میں میرا قصور نہیں ہے" ویرا نے مسکرا کر اسکاچ میں برف کے ڈلے ڈالے اور تیسرا گلاس اس کے آگے بڑھادیا۔

"یہ میرا آخری پیگ ہوگا" اس نے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر کہا "مزید پی لی تو شاید میں اپنے وعدے پر قائم نہ رہ سکوں۔"

"کس وعدے کی بات کررہے ہو؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔ وہ واقعی نہیں سمجھ سکی تھی کہ رابرٹو اپنے کس وعدے کا حوالہ دے رہا تھا۔

"ایک کمرے میں ہونے کے باوجود مجھے تم سے دور رہنا ہے۔ اس کے لیے تمہاری رضامندی ضروری ہوگی۔ دماغ پر نشے کے اثرات ہوں تو وہ جذبات سے مغلوب ہو کر سرکشی پر اتر آتا ہے۔ میں ایسے کمزور لمحات سے ڈر رہا ہوں۔"

"تم واقعی ایک نیک بچے ہو۔ یہ پیگ ختم کرکے ہم کمرے کا رخ کریں گے" ویرا نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا اور وہ احمقانہ انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ویرا اسے ہمراہ لے کر اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ اس دوران میں اس نے اپنی کج ادائیوں سے رابرٹو کو ایسا مسحور کیا تھا کہ وہ کسی سحرزدہ معمول کی طرح اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

دہرے شاہانہ بستر والا وہ آراستہ کمرا دیکھ کر رابرٹو مسحور ہوگیا۔ اندر پہنچنے کے بعد وہ چند ثانیوں تک کمرے کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے اپنا بیگ کشادہ صوفے پر ڈال دیا "یہ میرے لیے کافی سے زیادہ ہے۔ میں آرام سے سوجاؤں گا۔"

ویرا نے باتھ روم جاکر لباس تبدیل کیا۔ رابرٹو اپنے جوتے اتار کر صوفے پر نیم دراز تھا۔ ویرا کے غسل خانے سے برآمد ہوتے ہی وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ویرا نے اس کے قریب پڑی ہوئی کرسی سنبھالی اور اسے اگلے روز کا کام سمجھانے میں مصروف ہوگئی۔

دہلی پولیس ہیڈکوارٹرز میں مامور انسپکٹر ڈیوڈ کی مصروفیات اور معمولات کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنے کے کام میں کوئی پیچیدگی نہیں تھی۔ رابرٹو نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس کی کیفیت ایسی ہورہی تھی کہ ویرا اسے کسی سنگین جرم پر بھی اکساتی تو وہ شاید کوئی اعتراض نہ کرپاتا۔

ویرا کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر سے کوئی بڑا بوجھ ٹل گیا ہو۔ وہ براہِ راست ایک فریق تھی اس لیے خود ڈیوڈ کے خلاف میدان میں نہیں اتر سکتی تھی۔ ایسی کوئی کوشش کرتی تو اسے ہر طرف سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ ذہنی رو کے تحت کیے جانے والے لمحاتی فیصلوں کے ذریعے اس نے رابرٹو کو اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ وہ کسی دشواری کے بغیر ڈیوڈ کے دفتر میں جاکر معلومات حاصل کرسکتا تھا کیونکہ غیر ملکیوں کی آمدورفت وہاں کے معمولات میں شامل تھی۔

"ہوٹل والوں کو میرے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا" کام سمجھ لینے کے بعد رابرٹو نے ہلکی سی تشویش کے ساتھ پوچھا۔

"یہ ڈبل بیڈ روم ہے۔ میرا کمرا ہے۔ میں جسے چاہوں' اپنا مہمان بناؤں۔ انہیں کیا اعتراض ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ میں انہیں سنگل اور ڈبل روم کے کرائے کا معمولی فرق ادا کردوں گی۔ تمہیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں" ویرا مربیانہ انداز میں بولی۔

"وہ درست ہے لیکن غیر ملکیوں کے لیے قوانین ذرا سخت ہوتے ہیں۔ میں اپنا ہوٹل چھوڑ چکا ہوں۔ آج کی رات کا میرے پاس کوئی ریکارڈ نہیں ہوگا۔"

"اب میں کپڑے بدل چکی ہوں۔ صبح اپنے کمرے میں تمہاری موجودگی کا اندراج کرادوں گی۔ ابھی ہمیں کھانے کے بارے میں بھی کچھ سوچنا ہے۔ میرے معدے میں اتری ہوئی اسکاچ اب غذا طلب کررہی ہے۔"

ویرا اسے شیشے میں اتارنے کے کئی کٹھن مراحل طے کرچکی تھی۔ کھانے کے دوران میں وہ دونوں ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے۔ رابرٹو' ویرا کے قرب سے خوش تھا۔ کھانے کے بعد کچھ دیر تک ٹیلی وژن کھلا رہا پھر ویرا نے مسہری پر جاکر روشنیاں گل کردیں۔

نائٹ لیمپ کی دھیمی روشنی میں رابرٹو نے صوفے پر دراز ہو کر پشت گاہ کی طرف کروٹ لے لی۔

وہ رات بہت سکون سے گزری۔ بستر پر دراز ہونے کے بعد ویرا کچھ دیر تک چوکنی رہی مگر رابرٹو اپنی کروٹ سے لیٹا رہا۔ مطمئن ہو کر ویرا بھی گہری نیند سو گئی۔

صبح رابرٹو پہلے بیدار ہوگیا۔ ویرا جاگی تو وہ اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر تیار بیٹھا ہوا تھا۔ ویرا نے انگڑائی لے کر بستر چھوڑ دیا۔

"ناشتے کے لیے کہہ دو۔ میں ذرا سی دیر میں آتی ہوں"
اسے ہدایت دے کر ویرا نے میز پر سے اخبار اٹھایا اور باتھ روم میں گھس گئی۔ اسے کسی ایسی خبر کی تلاش تھی جس میں میرا یا غزالہ کا کوئی ذکر ہو مگر اس وقت تک کچھ بھی نہیں ہوسکا تھا۔ مختلف رابطوں کے ذریعے رینا اجیت رائے کی کہانی کے خفیہ گوشے بے نقاب ہوئے تھے اور رات گزر جانے کے بعد مجھے رینا کی طرف سے کسی اطلاع کا انتظار تھا۔

یہ سب پس پردہ باتیں تھیں جو کسی اخبار کی دسترس میں نہیں تھیں۔ رینا کے ذریعے انل بسواس سے میری ملاقات کے بعد ایسی خبریں جنم لے سکتی تھیں جنہیں ویرا اپنے قیاس کی بنا پر سمجھ سکتی تھی کیونکہ میں نے اسے رینا کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔

اخبار کی ورق گردانی اور مختصر غسل کے بعد ویرا آئی تو ناشتا تیار تھا۔ ناشتے کے بعد رابرٹو اپنے کام پر نکل گیا۔ ویرا وقت گزاری کے لیے اپنے ہوٹل کے قرب و جوار میں واقع ان شان دار دکانوں اور مارکیٹوں کی طرف چل دی جہاں سیاحوں کی دلچسپی کے بہت سے سامان بھرے ہوئے تھے۔ ہوٹل چھوڑنے سے پہلے ویرا نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنے ساتھ رابرٹو ویلینی کے قیام کا اندراج کرادیا تھا۔ اس طرح رابرٹو کو اپنی شناخت کے بعد ویرا کے کمرے کی چابی حاصل کرنے کا حق حاصل ہوگیا تھا۔

دو بجے ویرا تھک ہار کر واپس لوٹی تو اسے کاؤنٹر سے پتا چلا کہ کمرے کی چابی کی بورڈ پر موجود نہیں تھی۔ اس نے نیچے سے انٹر کام پر رابطہ کیا تو رابرٹو کمرے میں موجود تھا۔ یہ اتفاق ویرا کو کھٹکا کہ رابرٹو نے چابی ملنے کا استحقاق حاصل ہوتے ہی استعمال کرڈالا تھا۔

وہ اوپر پہنچی تو رابرٹو اپنی کارگزاری کی رپورٹ کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔

انسپکٹر ڈیوڈ کا تعلق کسی دور افتادہ گاؤں سے تھا۔ اپنی ملازمت کے سلسلے میں وہ اکیلا دہلی میں رہتا تھا اور بال بچوں سے ملاقات کے لیے گاہے گاہے اپنے گاؤں کا چکر لگاتا رہتا تھا۔ دہلی میں اس کی رہائش کا انداز بہت عیاشانہ تھا۔ وہ خاص ضروریات کے تحت دیر تک اپنے دفتر میں بیٹھتا تھا ورنہ پانچ بجے دفتر چھوڑ کر چھ بجے تک اپنے گھر لوٹ آتا تھا جہاں شام ڈھلے اس کے بے فکرے دوستوں کی محفل جمتی تھی۔

وہ معلومات نہایت مختصر لیکن کارآمد تھیں۔ رابرٹو نے ویرا کی ہدایات کی روشنی میں ڈیوڈ کا گھر بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ڈیوڈ کے ساتھ مجوزہ مذاق کے لیے اس کے گھر کا قریبی میدان نہایت موزوں تھا کیونکہ ڈیوڈ کو دفتر سے گھر پہنچنے کے لیے وہاں سے بہرحال گزرنا پڑتا تھا۔

پاکستان کی طرح بھارت میں بھی پولیس کی شہرت کچھ اچھی نہیں تھی لیکن وہاں وسائل سے بڑھ کر شان و شوکت کے ساتھ رہنے والوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ ڈیوڈ نے ان وجوہ کی بنا پر ایک سال خوردہ کار رکھی ہوئی تھی اور کرائے کے مکان میں رہتا تھا۔

وہ دونوں دوپہر کا کھانا باہر سے کھاکر آئے تھے۔ ہوٹل میں ہروقت غسل کی سہولت سے استفادہ کرکے ان دونوں نے کچھ دیر آرام کیا پھر پانچ بجے ہوٹل سے نکل گئے۔ روانگی سے پہلے ویرا نے رابرٹو کو اپنے مذاق کے بارے میں بتادیا تھا۔ ویرا نے وہ باتیں اتنی بے پروائی سے کی تھیں کہ رابرٹو کو کسی سنگین واقعے کے رونما ہونے کا اندیشہ تک نہیں ہوسکا تھا۔

ساڑھے پانچ بجے وہ دونوں خودرو جھاڑیوں اور گندے پانی کے جوہڑوں سے بھرے ہوئے اس متعفن میدان میں پہنچ گئے جہاں سے ایک پتلی سی سڑک قریبی متوسط آبادی کی طرف جارہی تھی۔ ویرا کی ہدایت پر ٹیکسی اس میدان سے دور چھوڑ دی گئی تھی۔

وہ دونوں جھاڑیوں کی اوٹ میں ایک جگہ دبک گئے۔ اس سڑک پر ٹریفک کی آمدورفت برائے نام تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آگے متوسط طبقے کی آبادی تھی۔ وہ لوگ نقل و حمل کے لیے پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرتے ہوں جس کی گزرگاہ کسی کشادہ سڑک پر ہوسکتی تھی۔

آنے والے لمحات کا سارا انحصار رابرٹو پر تھا کیونکہ وہی انسپکٹر ڈیوڈ کی گاڑی پہچانتا تھا۔ چھ بجے کے بعد ویرا کو تشویش ہونے لگی۔ اگر فضا میں شام کا دھندلکا پھیلنا شروع ہوجاتا تو رابرٹو کے لیے دور سے ڈیوڈ کی گاڑی کو پہچاننا ناممکن ہوجاتا۔ وہ آتا اور ویرا کو مورچا سنبھالنے کا کوئی موقع دیے بغیر تیزی سے آگے نکل جاتا۔ ویرا کا نام نہاد مذاق اس کی ساری تیاریوں سمیت دھرا کا دھرا رہ جاتا۔

سوا چھ بجے کے قریب رابرٹو نے دور سے آتی ہوئی گاڑی پہچان کر ویرا کو ہوشیار کردیا۔ ویرا جھاڑیوں میں سے نکلی اور اس نے مڑ کر گاڑی کی طرف دیکھے بغیر آبادی کی سمت میں چلنا شروع کردیا۔ انسپکٹر ڈیوڈ کی گاڑی اس کے پیچھے دوڑی آرہی تھی۔

اس مرحلے پر جو کچھ ہوا' وہ ویرا کی توقعات کے عین

مطابق تھا۔ اس نے اپنے اندازوں پر بھروسا کرتے ہوئے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔

انسپکٹر ڈیوڈ ویرا کی شکل نہیں دیکھ سکا لیکن یہ ضرور دیکھ لیا کہ ایک فیشن ایبل غیر ملکی عورت اس ویران سڑک پر پیدل چلی جا رہی تھی۔ ویرا کو یقین تھا کہ انسپکٹر ڈیوڈ کا دل انسانی ہمدردی کے لطیف جذبات سے یکسر خالی تھا۔ اس نے خالص سفلی ارادوں کے تحت بریک لگائے اور گاڑی ویرا کے قریب روک دی۔ گاڑی کے انجن کی آوازوں میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے ویرا کو اشارے مل رہے تھے۔

گاڑی رکتے ہی وہ بجلی کی سی سرعت سے گھومی اور اس نے دیکھ لیا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر ڈیوڈ اکیلا تھا۔ وہ اسی رخ پر تھی۔ لمحے بھر کے لیے ڈیوڈ نے اس کی طرف دیکھا۔ ویرا کو پہچان کر اس کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔ ویرا کے بائیں ہاتھ کی دوسری انگلی میں زہریلے کیپسول والی انگوٹھی اپنی پوزیشن میں موجود تھی۔ ویرا کا وہ ہاتھ مشینی انداز میں سیدھا ہوا' مکا انسپکٹر ڈیوڈ کے جبڑے پر پڑا اور اس کے الفاظ اس کی زبان پر ہی رہ گئے۔

اس کے جسم کو لگنے والے جھٹکے سے کلچ پر سے اس کے پاؤں کا دباؤ ختم ہو گیا۔ گاڑی شاید گیئر میں تھی۔ گاڑی اچھلی اور انجن ہچکی لے کر بند ہو گیا۔

ویرا اپنی حرکت کے انجام کی تصدیق کے لیے وہاں نہیں رکی۔ پیچھے سے کسی بھی لمحے کوئی دوسری سواری نمودار ہو سکتی تھی۔ وہ بہت سرعت سے جھاڑیوں میں گھسی اور رابرٹو کے ہمراہ اس بدبودار میدان سے باہر نکلنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئی۔

"تم مارشل آرٹس میں واقعی ماہر ہو" رابرٹو جھاڑیوں اور جوہڑوں کے درمیان راستہ بناتے ہوئے تعریفی لہجے میں بولا "وہ بہت صحت مند آدمی ہے مگر تم نے ایک ہلکی سی ضرب لگا کر اسے بے ہوش کر دیا۔ ہوش میں آکر اسے اپنی بے خبری اور کمزوری پر سخت ندامت ہوگی۔"

"میں نے جوش میں آکر اسے اپنی قوت کا احساس دلا دیا ہے مگر اب افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ یہ مذاق اس بے چارے کے لیے جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا ہے۔" ویرا نے متاسفانہ انداز میں کہا۔

"ہائیں!" رابرٹو کے ہونٹوں سے بوکھلائی ہوئی آواز برآمد ہوئی "کیا اس چوٹ سے وہ مر بھی سکتا ہے؟"

"احمقانہ باتیں مت کرو اور آواز نیچی رکھو" ویرا نے اسے ڈانٹ دیا "تم نے دیکھا ہے کہ میرا مکا کتنا ہلکا تھا۔ ایسی ضرب سے آدمی تو کیا' کتا بھی نہیں مر سکتا۔ پولیس والوں کے ہزار دشمن ہوتے ہیں۔ اس کے کسی دشمن نے اسے اس حالت میں دیکھ لیا تو مار ڈالے گا اور الزام ہمارے سر آجائے گا۔"

"مگر ہم نے کچھ نہیں کیا۔ تم ایسی باتیں کر کے میرا خون خشک کر رہی ہو۔"

"ہم نے جو کچھ کیا ہے۔ وہ صرف مجھے اور تمہیں معلوم ہے۔ اس واقعے کے بارے میں کسی سے کوئی ذکر نہ کرنا اور اپنی زبان بند رکھنا۔ کل کے اخباروں سے ہی پتا چلے گا کہ وہ زندہ بچتا ہے یا کوئی اور اس کا کام تمام کر دیتا ہے؟"

"مم..... مگر تم نے تو کہا تھا کہ یہ مذاق ہے" رابرٹو نے ہکلاتے ہوئے کہا "قتل کا چکر کہاں سے نکل پڑا؟"

"میرے لیے یہ اب بھی مذاق ہی ہے مگر ہم اس کے دشمنوں کا ہاتھ نہیں روک سکتے۔ ایک بار الزام عاید کر دیا جائے تو آدمی برسوں عدالتوں کے چکر لگاتا رہتا ہے۔ ہم دونوں کی عافیت اسی میں ہے کہ اس واقعے کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہ ہو ورنہ ہم دونوں پھنسیں گے۔ کسی کے قتل میں اعانت کرنا بھی قتل کے ارتکاب جیسا سنگین جرم ہے۔ بھارت میں اس کی سزا پھانسی تک ہو سکتی ہے۔"

"اوہ خدایا! میں کس مشکل میں پھنس گیا۔ اتنے بڑے جرم میں اعانت کا خیال میرے تصور تک میں نہیں تھا۔"

سڑک پر پہنچنے تک ویرا اپنی سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت اس پر اپنا دباؤ بڑھاتی رہی اور رابرٹو کی حالت ابتر ہوتی چلی گئی۔

اس چھوٹے سے خودرو جنگل سے باہر آنے تک ان کی حالت کافی خستہ ہو چکی تھی۔ سڑک کے کنارے کچھ دور چلنے کے بعد انہیں ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ ہوٹل تک کا سفر خاموشی سے ہوا۔ ہوٹل سے باہر ٹیکسی چھوڑ کر وہ پیدل اندر چل دیے۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ کوئی مصیبت نازل ہونے سے پہلے بوریا بستر سمیٹ کر یہاں سے نکل جاؤں" رابرٹو منمنایا

"تمہارا اندیشہ درست ہے۔ بے ہوشی کی حالت میں دو ٹکے کا کوئی بھی بدمعاش اسے گولی مار دے گا۔ تفتیش کرنے والے ہم تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔ وہ بال کی کھال نکالتے ہیں۔"

"بھول کر بھی ایسا نہ کرنا" ویرا نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ان دونوں کی گفتگو مسلسل اطالوی زبان میں ہو رہی تھی اس لیے یہ خطرہ نہیں تھا کہ عام راہ گیر ان کی باتیں سمجھ سکیں۔ ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "تمہارے بھاگنے کے بعد مجھ پر

کوئی برا وقت آیا تو میں صاف کہہ دوں گی کہ سارا منصوبہ تمہارا تھا۔ اسی لیے تم بھارت سے فرار ہوئے ہو۔ پولیس ہیڈ آفس میں کئی گواہ نکل آئیں گے جو بتائیں گے کہ تم آج صبح سے دوپہر تک پولیس ہیڈ آفس میں ڈیوڈ کے بارے میں معلومات جمع کرتے پھر رہے تھے۔"

"تم مجھے بے لوث تعاون کا یہ انعام دو گی؟" رابرٹو نے مجروح لہجے میں شکوا کیا۔

"میری جان! تم کو بھاگنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" ویرا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے اسے سمجھایا "دعا کرو کہ میرے اندیشے غلط ثابت ہوں۔ کوئی گڑبڑ ہو بھی گئی تو ہماری خاموشی اور رازداری ہماری جان بچائے گی۔ حالات نے ہمیں یک جا کر دیا ہے تو اب میرے کہنے پر عمل کرتے رہو۔ دو چار دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ایسی پریشانیاں زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔"

رابرٹو کو چپ سی لگ گئی۔ لابی میں داخل ہو کر ویرا نے کاؤنٹر سے چابی لی اور رابرٹو کو ایک مرتبہ پھر پچکار کر اوپر بھیج دیا۔ وہ خود پبلک فون بوتھ کی طرف چل دی۔

○☆○

چوبیس گھنٹے پورے ہونے والے تھے مگر رینا کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ میں اسے فون کرنا چاہ رہا تھا۔ میں اسی کوفت کے عالم میں مسہری پر دراز تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرے ذہن میں ویرا کا دور دور تک کوئی خیال نہیں تھا۔ میں نے رینا کی کال کی امید میں ریسیور اٹھایا تو کانوں میں ویرا کی سرد سی آواز آئی۔

"ہیلو! کیا میں تم سے کھل کر بات کر سکتی ہوں؟" اس نے براہِ راست سوال کیا تھا "میں ایک پبلک بوتھ سے بول رہی ہوں۔"

میں نے فوراً سی ایل ڈی آن کر دی اور سرد مہری سے کہا "فون کیا ہے تو بات بھی کرو مگر میں نے تمہیں دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔"

اس نے بے اعتنائی سے میری بات کاٹ دی "وہ تمہارا آخری فون تھا۔ یہ میرا آخری فون ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" اس کی خاموشی پر میں نے سوال کیا۔

"یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ جب تک میں تم پر انحصار کر رہی تھی، میرے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ اس قید سے نجات ملتے ہی مجھے راستہ نظر آنا شروع ہو گیا ہے۔ میں نے ایک کاٹھ کے اُلّو کی مدد سے پہلا قدم اٹھا لیا ہے۔ ڈیوڈ جہنم واصل ہو چکا ہے۔"

"ویرا!" میرا لہجہ بے ساختہ غصیلا ہو گیا "یہ تم نے کیا کیا، اس نے ایسی کوئی خطا نہیں کی تھی۔"

"اس کی پیشی تم نے نہیں، میں نے بھگتی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کا قصور کتنا سنگین تھا۔"

"تم نے بتایا تھا کہ اس کی نیت خراب تھی مگر کسی زیادتی سے پہلے نخشب کا فون آ گیا تھا اور...."

"عورت کے لیے زیادتی ہی سب کچھ نہیں ہوتی" ویرا نے ایک مرتبہ پھر میری بات اڑا دی "حالات کے جبر میں عورت زیادتی کو بھی خاموشی سے سہ لیتی ہے لیکن بعض باتیں ناقابلِ معافی ہوتی ہیں۔ یہ مجھے معلوم ہے کہ میری سفید رنگت اور پاکستانی پاسپورٹ کی آڑ لے کر اس نے کس طرح میری تذلیل کی تھی۔ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا ہے، وہ اس سے برے انجام کا حق دار تھا۔ بھیڑیے دیر تک زندہ رہیں تو ایک ایک کر کے ساری بھیڑوں کو کھا جاتے ہیں۔"

"تم اپنے ساتھ میرے لیے بھی مسائل پیدا کرو گی؟" میں نے غصے اور بے بسی سے کہا۔

"تمہارے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہو گا۔ اگر کچھ ہونا ہے تو میرے ساتھ ہو گا، اسے میں دیکھ لوں گی۔"

ہماری منزل ایک ہے، راستے الگ الگ ہیں۔ کہیں نہ کہیں آپس کا ٹکراؤ بھی ہو سکتا ہے" میں نے اپنے غصے پر قابو پا کر اسے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی "تم معاملات کی نزاکت کو ذرا بھی نہیں سمجھ رہی ہو۔"

"کل شام تک میری عقل واقعی ماؤف تھی۔ اس کے بعد سے میں ہر بات سمجھ رہی ہوں۔ تم مطمئن رہو۔ میں تمہارا راستہ نہیں کاٹوں گی۔ تم ایک نام اپنے ساتھ لے کر آئے ہو۔ میں بھول کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھوں گی۔ ٹکراؤ کا خطرہ نظر آیا تو میں خود پیچھے ہٹ جاؤں گی۔"

وہ بحث کو طول دینے میں ملکہ رکھتی تھی۔ اس وقت اس کے مزاج میں ضد سمائی ہوئی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ میری کسی معقول بات پر کان نہیں دھرے گی۔ مجھے یہ بھی نظر آ رہا تھا کہ اس نے اپنا ہوٹل تبدیل کر لیا تو اسے تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس وقت ویرا میرے لیے گلے کی ہڈی بن کر رہ گئی تھی جسے اگلا جا سکتا تھا، نہ اگلنا آسان تھا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر اپنے مزاج میں نرمی لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "ابھی تم کاٹھ کے کسی اُلّو کی بات کر رہی تھیں، وہ کون ہے؟"

"کوئی بھی ہو سکتا ہے" اس وقت ویرا نے مجھے رابرٹو

ویلینی کے نام کی ہوا تک نہیں لگنے دی۔ یہ بعد کی باتیں ہیں کہ اس نے ہمیں اس واقعے کی پوری تفصیل سے آگاہ کردیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "آدمی سختی سے کوئی فیصلہ کرلے تو اس پر عمل کرنے کی راہیں خود بہ خود نکلتی چلی آتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ میں کسی ایک چہرے پر انحصار کرتی رہوں۔ حالات اور ضروریات کے مطابق کرائے کے آدمی بدلتے رہیں گے۔ غنیمت ہے کہ یہاں آتے ہوئے تم نے میری جیبیں بھردی تھیں۔"

"آدمیوں کے ساتھ تمہارے ٹھکانے بھی بدل سکتے ہیں" میں نے پہلے جواب پر اصرار کیے بغیر دوسرا سوال کیا۔

"سب کچھ ممکن ہے۔ موجودہ ٹھکانے سے میں کسی بھی وقت کوچ کرجاؤں گی" اس بار ویرا کا جواب مثبت تھا۔

"مجھے کیسے پتا چلے گا کہ تم کہاں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"جب ایک دوسرے سے کٹ کر بالکل الگ تھلگ رہنا ہے تو پھر تمہیں معلوم ہونا کیا ضروری ہے۔ ہم کہیں بھی رہیں، ہمیں اپنے مسائل کا بار خود اٹھانا ہوگا۔ ایک کی وجہ سے دوسروں کو پریشان نہیں ہونا چاہیے" اس کا لہجہ سپاٹ لیکن مفہوم طنزیہ تھا۔

"جگہ تبدیل کرو تو ہم دونوں میں سے کسی کو مطلع ضرور کردینا" میں نے زچ ہوکر کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ فون کرنے کے بارے میں تم اپنی عائد کی ہوئی پابندی واپس لے رہے ہو؟"

"مجبوری ہے۔ وہ پابندی اس خیال سے لگائی تھی کہ تم سمجھ داری سے کام لوگی اور یہاں سے نکل جاؤگی۔ اگر تم یہاں رہنے پر مصر ہو تو آپس میں اس قدر لاتعلقی نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔"

"اگر یہ تمہارا نیا فرمان ہے تو میں پہلے کی طرح اس کا پاس کروں گی۔ جگہ تبدیل کرتے ہی تمہیں مطلع کردوں گی۔"

اسکی گفتگو میں طنز و استہزا کی کثرت تھی مگر میں نے ایک بات خاص طور پر نوٹ کی کہ ویرا نے احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے صرف ایک بار ڈیوڈ کا نام لیا تھا۔ اپنی کارکردگی جتانے کے لیے وہ اس کی ناگزیر مجبوری تھی۔ اس کے بعد وہ نام دوبارہ استعمال بھی نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح انل بسواس کا نام سرے سے نہیں لیا گیا۔ ہر مفہوم واحد غائب کے صیغے سے واضح ہوتا چلا گیا تھا۔

"میں تمہاری کامیابی اور سلامتی کے لیے دعاگو رہوں گا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"میری طرف سے بھی یہی توقع رکھنا۔ میں تمہاری بدخواہ نہیں ہوں لیکن کبھی کبھی تم اپنی زن مریدی کی وجہ سے میرے ساتھ زیادتیاں کرجاتے ہو" اس مرتبہ ویرا کے دل کی بات کھل کر اس کی زبان پر آگئی۔ اسے یقین تھا کہ اس کے وہ الفاظ کبھی بھی غزالہ کے کانوں تک نہیں پہنچ سکیں گے کیونکہ وہ فون پر بات کررہی تھی۔ اس کا اگلا ہوا سارا زہر صرف میرے کانوں میں اتر رہا تھا۔

"یہ باتیں کسی وقت روبہ رو ہوں گی۔ اس وقت تمہیں ذہنی یکسوئی کی ضرورت ہے۔"

"تم واقعی بہت بے لوث آدمی ہو۔ میرا کس قدر خیال رکھتے ہو" ویرا کی آواز طنزیہ تھی۔ اس نے الوداعی کلمات کے ساتھ فون بند کردیا۔

وہ بہت پر پیچ گفتگو تھی۔ غزالہ اس دوران میں ہمہ تن گوش بنی ہوئی تھی۔ لیکن محض میرے فقروں سے صحیح نتیجہ اخذ نہیں کرسکی تھی۔ بس اسے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ ویرا نے کوئی گڑبڑ کردی تھی جس پر میں ناخوش تھا۔

"کیا ہوا؟ وہ کیا کہہ رہی تھی؟" فون کال ختم ہوتے ہی اس نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"وہ بہت ہٹ دھرم ہے۔ اس نے انسپکٹر ڈیوڈ کو ٹھکانے لگادیا" میں نے نیچی آواز میں کہا۔

"شاید اسی اطلاع پر آپ نے کہا تھا کہ اس نے ایسی کوئی خطا نہیں کی تھی۔"

"تم خود بتاؤ کہ این کا یہ قدم کہاں تک درست ہے۔ ایک مجاز افسر اپنے شبہات دور کرنے کے لیے کسی کو بھی طلب کرسکتا ہے اور ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں تو ہم تینوں ہی مشتبہ عزائم لے کر یہاں آئے ہیں۔ ہمیں بھی گوپال اور اس کے ساتھیوں کی طرح غیر ضروری کارروائیوں سے بچنا چاہیے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ عدم تشدد کی پالیسی پر چل رہے ہیں۔ ہم سامنے آنے والے کی گردن اڑا دیں گے۔"

"اس نے خطرناک حرکت کی ہے۔" اس خبر نے غزالہ کو پریشان کردیا تھا "پولیس والے اپنے ایک سینئر ساتھی کا خون اتنی آسانی سے برداشت نہیں کریں گے۔ وہ چند گھنٹوں میں این تک پہنچ جائیں گے۔"

"خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔" میں نے بے ساختہ کہا "ایسا ہوا تو ہم بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ ہمیں کچھ پتا نہیں کہ اس نے ڈیوڈ کو کہاں اور کن حالات میں موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ اب صبح کے اخبارات سے ہی کچھ معلوم ہوسکے گا۔"

"میں بھی اس کی خیر خواہ ہوں مگر حالات خطرناک ہیں۔ پرسوں رات ڈیوڈ نے اسے اپنے دفتر میں بلایا پھر نخشب نے ڈیوڈ کو فون پر کوئی دھمکی دی اور این کی جان چھوٹ گئی۔ صرف دو راتیں گزرنے کے بعد ڈیوڈ مارا گیا۔ مجھے تو این کے ساتھ نخشب بھی گردش کا شکار ہوتا نظر آرہا ہے۔"

"اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اسے ڈیوڈ کے قتل میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے خیر خواہ اسے پہلے سے ہوشیار کردیں گے۔ وہ کہیں روپوش ہوجائے گا اور مطلع صاف ہونے تک سامنے نہیں آئے گا۔ سب سے مشکل صورت حال این کے لیے ہے۔"

چند ثانیوں کے لیے کمرے کی فضا میں گہری خاموشی چھا گئی۔ ویرا نے اپنی تازہ حرکت سے ہمیں فکرو تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔

"اگر واردات کے وقت کسی نے این کو نہیں دیکھا تو اس کے بچنے کے امکانات نظر آتے ہیں۔" غزالہ کو اندھیرے میں شاید روشنی کی کوئی کرن نظر آگئی۔

مجھے ہر طرف مایوسی نظر آرہی تھی۔ میں نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کرکے کہا "تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا؟ یہ بات تو بالکل صاف ہے کہ وہ کسی کی نظروں میں نہیں آئی ہوگی۔ کسی نے اسے قتل کرتے ہوئے دیکھ لیا ہوتا تو وہ اپنے ہوٹل یا پبلک بوتھ سے اتنی بے فکری سے باتیں نہیں کررہی ہوتی۔ پکڑی جاتی یا پھر اپنا پیچھا کرنے والوں سے جان بچانے کے لیے دیوانہ وار کسی پناہ گاہ کی تلاش میں بھاگ رہی ہوتی۔"

"پھر ہمیں اس کی طرف سے پرامید رہنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہم بھی پریشانیوں سے بچے رہیں گے۔"

"میں فون پر این سے جرح نہیں کرسکا لیکن تمہارے اس نظریے کی وجہ ضرور جاننا چاہوں گا۔"

"ہماری ساری دلچسپیاں این کی ذات تک محدود ہیں۔ ہم اس کی حرکت کے بارے میں ایک خاص زاویے سے سوچ رہے ہیں لیکن انسپکٹر ڈیوڈ ایک پولیس افسر تھا۔ وہ صبح سے شام تک نہ جانے کیسے کیسے لوگوں کی کیا درگت بناتا ہوگا۔ ان میں سے کوئی بھی مشتعل ہوکر اسے مار سکتا ہے۔ یہ دو چار راتوں کی بات نہیں ہے۔ ڈیوڈ پرانا افسر ہے۔ برسوں کی نوکری میں اس نے نہ جانے اپنے کتنے دشمن پیدا کیے ہوں گے۔"

غزالہ کی وہ دلیل معقولیت پر مبنی تھی۔ اگر کسی کو یہ پتا نہیں چلا تھا کہ ڈیوڈ کو مارنے والی ایک سفید فام لڑکی یا عورت تھی تو تفتیشی افسران کے بھٹکنے کے قوی امکانات تھے۔ ڈیوڈ اگر اپنی بدمعاشیوں کے تحفظ کے لیے کوئی ریکارڈ رکھنے کا عادی تھا تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ پتا چل سکتا تھا کہ این کاویل ایک سفید فام لڑکی ہے جو پاکستانی پاسپورٹ پر دہلی آئی ہے۔ پہلے وہ انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں تھی۔ بعد میں ہوٹل مرینا منتقل ہوگئی۔

ان باتوں کے افشا ہونے سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ گھاگ افسروں کی ساری توجہ ان طاقت ور بدمعاشوں پر مرکوز ہوتی جو ڈیوڈ کے ہاتھوں بری طرح مار کھا چکے تھے یا پھر لمبی سزائیں بھگت چکے تھے اور ڈیوڈ سے بدلہ لینے کے لیے موقع کے انتظار میں تھے۔

میں کچھ دیر تک دل ہی دل میں ان دلائل کا تجزیہ کرتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ میری فکرمندی کا بار ہلکا ہونے لگا۔ مجھے امید ہونے لگی کہ غزالہ کو نظر آنے والی روشنی کی کرن سراب نہیں تھی۔ اس میں ویرا کی نجات کا راز پوشیدہ تھا۔

ویرا کی سلامتی کے بارے میں تشویش کم ہونے کے ساتھ میرے ذہن پر رینا سوار ہونے لگی۔

پہاڑ جیسا دن گزر گیا تھا لیکن اس کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ اس کی طرف سے کسی متوقع رابطے کی امید میں، میں ہوٹل کے کمرے میں بندھ کر رہ گیا تھا۔ میں ایسی کوئی صورت حال پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میرے لیے رینا کا فون آئے اور میں اس سے بات نہ کرسکوں۔ میری نظریں ٹیلی وژن اسکرین پر جمی ہوئی تھیں لیکن ذہن مسلسل رینا اجیت رائے کی ذات میں الجھا ہوا تھا۔

ویرا کے بارے میں تشویش کم ہونے سے میرے ذہن میں ایک نئی سوچ بھی جنم لے رہی تھی جو قطعی غیرارادی تھی۔ ویرا کسی بھی طرح میری حریف نہیں تھی۔ میں اس کی کامیابیوں پر خوش ہوتا تھا، وہ ہماری فتح پر خوشی سے پھولی نہ سماتی تھی مگر اس وقت میرے ذہن میں رشک یا حسد کی لہر سی اٹھ رہی تھی۔ وہ ہم سے عملی طور پر الگ ہونے کے بعد بھارت کی سرزمین پر کامیابی سے اپنا پہلا شکار کھیل چکی تھی جب کہ ہمارا اسکور صفر تھا۔

حالات کا فرق اپنی جگہ بہت اہم تھا لیکن وہ ذہنی رو ہی کیا جو کسی دلیل کی طرف مائل ہوجائے۔ انسپکٹر ڈیوڈ نے ویرا کی تذلیل کی۔ ویرا نے اس سے بدلہ لینے کی ٹھانی اور کامیابی کے ساتھ اسے موت کی بے رحم آغوش میں دھکیل دیا۔ اس کے برعکس ہم انل بسواس کو سبق سکھانے کا عزم لے کر

پاکستان سے روانہ ہوئے تھے۔ دہلی میں اس کا سراغ بھی مل چکا تھا لیکن ہم اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے قاصر تھے۔

ہم انل کے خلاف اپنے طور پر کام کرتے رہتے تو شاید کوئی راہ مل گئی ہوتی لیکن رینا نے درمیان میں آکر ہماری رفتار سست کردی تھی۔ اس کے ذریعے انل تک پہنچ کر ہم زیادہ موثر اور تیز کارروائی کرسکتے تھے۔ اس خوش فہمی نے ایک طرح سے ہمیں باندھ کر رکھ دیا تھا۔

نو بجے اس انتظار سے اکتا کر میں نے روم سروس کے ذریعے کمرے میں کھانا طلب کرلیا۔

ہم دونوں کھانے میں مصروف تھے کہ ایرپیس پر کال آنے لگی۔ میں نے فوراً میز چھوڑ دی۔

دوسری طرف گوپال تھا۔ میری طرف سے جواب ملنے پر اس نے سپاٹ لہجے میں کہا "تم ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے ہوئے ہو یا کہیں اور رہو؟"

"کہیں اور ہوتا تو تمہاری کال کا جواب نہ دے پاتا۔ بس رینا کا انتظار ہے۔ وہ خود آئی نہ اس کا فون آیا۔"

"اوہ!" اس کی معنی خیز آواز سنائی دی "تم انتظار کی کربناک کیفیت سے گزر رہے ہو۔ میں نے دانستہ تمہیں دن بھر نہیں چھیڑا۔ مجھے ڈر تھا کہ میری کال تمہاری کسی اہم مصروفیت میں خلل انداز نہ ہو۔"

"کال کرلیتے تو بہتر ہوتا۔ دن بھر ہر طرف سناٹا رہا۔ اس وقت کیسے یاد کیا ہے۔"

"شاید تمہیں باہر کی کوئی خیر خبر نہ ہو۔ پورے دہلی میں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ کسی نے نجف گڑھ کے نالے کے قریب انسپکٹر ڈیوڈ کو مار ڈالا ہے۔"

میں ایک لمحے کے لیے تذبذب اور بے یقینی میں پڑ گیا۔ اپنی باخبری کا اظہار کرتا تو اسے یہ بھی بتانا پڑتا کہ وہ کارروائی ویرا نے کی تھی اور وہ خبر اسی کے ذریعے مجھ تک پہنچی تھی۔ میرا پختہ یقین تھا کہ وہ ویرا کے اس اقدام کی حمایت نہ کرتا۔ میں نے حیرت سے کہا "یہ کب کا واقعہ ہے؟"

"آج شام دفتر سے واپسی پر وہ ایک ویران سڑک پر سے گزر رہا تھا کہ نامعلوم قاتل کا نشانہ بن گیا۔"

"افسوس کی بات ہے۔ سخت گیر پولیس افسروں کے بارے میں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ وہ کسی گمنام قاتل کی چلائی ہوئی گولی کا نشانہ نہ بن جائیں۔ تم نے اس کے بارے میں مجھے باخبر کرنا کیوں ضروری سمجھا؟ یہ ایک مقامی واقعہ ہے۔"

"پرسوں ہمارے درمیان بھی اس کا نام گردش میں تھا۔ میں نے ضروری سمجھا کہ تمہیں آگاہ کردوں۔ ابھی تفصیلات سامنے نہیں آئیں مگر سنا گیا ہے کہ اس پر گولی وغیرہ نہیں چلائی گئی۔ وہ کسی سریع الاثر زہر کا شکار ہوا ہے۔"

"ہوا ہوگا۔ میں اس درجے کے لوگوں سے الجھنا حماقت سمجھتا ہوں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"یہ بات میں بھی سمجھتا ہوں۔" اس نے اعتراف کیا "مگر میرے ذہن میں ایک موہوم سا اندیشہ تھا کہ اس نے تمہاری دوسری پارٹی کو چھیڑا تھا۔ وہ سب سے آسان نشانہ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ بے کاری دور کرنے کے لیے اسے ہٹا دیا گیا ہو۔"

"بڑا ہدف سامنے ہو تو چھوٹے نشانوں پر نگاہ نہیں ٹھہرتی۔" میں نے اس کی مزید قیاس آرائی کی راہ مسدود کردی "اگر تھوڑی دیر تک رینا کی طرف سے کوئی رابطہ نہ ہوا تو میں خود اسے فون کروں گا۔"

"گھما پھرا کر بات کرو گے تو تمہیں پتا چل جائے گا کہ وہ اس کے کسی گھر کا نہیں' ڈانس اکیڈمی کا فون نمبر ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ تمہاری کہی ہوئی ہر بات میرے ذہن میں محفوظ ہے۔"

بات ختم ہوگئی۔ میں نے اس سے غلط نہیں کہا تھا۔ رینا کے بارے میں گوپال اور اول خان کی طرف سے ملنے والی معلومات یک جا ہو کر میرے ذہن میں کھچڑی سی پکا رہی تھیں۔ اس سے وہ سب باتیں فون پر نہیں کی جاسکتی تھیں۔ ان کی تصدیق کے لیے رینا سے میری ملاقات ضروری تھی۔

ٹرانسمٹر پر موصول ہونے والی گوپال کی کال سے ویرا کے بارے میں میری تشویش کے گھٹتے ہوئے سائے پھر دراز ہوگئے۔ دہلی ایک بڑا اور کاسموپولیٹن شہر تھا۔ وہاں روزانہ قتل سمیت بہت سے جرائم رونما ہوتے رہتے تھے۔ گوپال نے پچھلے دنوں میں کبھی بھی مجھے کسی جرم کے بارے میں باخبر کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ انسپکٹر ڈیوڈ کے قتل کے بعد اس نے جو کچھ سوچا' وہ حقیقت سے قریب ترین تھا۔

میرے ذہن میں ایک مرتبہ پھر وسوسے سر ابھارنے لگے۔ اگر گوپال ان خطوط پر سوچ سکتا تھا تو دوسروں پر بھی کوئی قدغن نہیں تھی۔ جب تک ڈیوڈ کے قتل کی تفتیش کوئی واضح رخ اختیار نہیں کرتی' ویرا کے سر پر خطرے کی تلوار لٹک رہی تھی۔

ویرا اور رینا... رینا اور ویرا۔ میرا ذہن ان دونوں کے درمیان بٹا ہوا تھا۔ میں نے مضطربانہ انداز میں کمرے میں

ٹہلنا شروع کردیا۔
"آپ بلاوجہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہے ہیں۔ اپنے ذہن پر اتنا زور نہ دیں ورنہ تھک جائیں گے۔" چند ثانیوں تک میری کیفیت دیکھنے کے بعد غزالہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "جو ہونا تھا' وہ ہو چکا ہے۔ اب آپ ویرا کا انجام خدا پر چھوڑ دیں۔ اس معاملے میں ہم سب بے بس ہیں۔"
"میں دانستہ کچھ نہیں سوچ رہا' یہ سب انسان کے دل و دماغ میں اٹھنے والی خود رو لہریں ہوتی ہیں جنہیں روکنا بس سے باہر ہوتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ خدائی فیصلوں کے سامنے انسانی قوتیں بالکل بے بس ہوتی ہیں۔ ویرا کا وقت پورا ہو چکا ہے تو اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی ورنہ اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔" میں نے رک کر جواب دیا۔
یہ سب جانتے ہیں تو پھر اس کے لیے اتنے پریشان کیوں ہیں؟" غزالہ نے پوچھا۔
میں پھیکے انداز میں ہنس پڑا "تم کہتی ہو تو اب پریشان نہیں ہوں۔" یہ کہہ کر میں ٹیلی وژن کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔
مجھے اچانک احساس ہوا تھا کہ غزالہ میری بیوی تھی۔ اس کے سامنے کسی اور عورت' خاص کر ویرا جیسی خود سر اور بے باک عورت کے لیے میرا یوں پریشان ہونا مناسب نہیں تھا۔ ویرا کے لیے میری حد سے بڑھی ہوئی فکر مندی غزالہ کے جذبات مجروح کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔
میری پھیکی ہنسی کے ساتھ غزالہ بھرپور انداز میں ہنسنے لگی "کبھی کبھی آپ مجھے بچوں کی طرح بہلانے لگتے ہیں۔ یوں کہہ رہے ہیں جیسے پریشانی کا بھی کوئی بٹن ہوتا ہے۔ اسے دبایا اور پریشانی یک دم ختم ہو گئی۔ آپ نے ویرا کو غیر ضروری طور پر اپنے اعصاب پر سوار کیا ہوا ہے۔"
میں غزالہ کو گھور کر رہ گیا۔ فوری طور پر اس کے تبصرے کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔
"یہ ٹھیک ہے کہ وہ ہمارے ملک کی محبت میں سب کچھ بھول کر ہمارے ساتھ دردر کی خاک چھانتی پھر رہی ہے لیکن ہم لوگوں نے بھی اس کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" مجھے خاموش پا کر غزالہ نے اپنی بات جاری رکھی "آپ قدم قدم پر اسے روکتے ٹوکتے اور سمجھاتے رہتے ہیں۔ اگر وہ ہر مشورے کو ٹھوکر مار کر اپنی من مانی پر تلی ہوئی ہے تو آپ کیا کر سکتے ہیں؟ کب تک اسے بچائیں گے۔ اس کی وجہ سے آپ کی قوت فیصلہ متاثر ہوگی جس سے ہم دونوں کو نقصان پہنچے گا۔"
غزالہ کی ہر بات بالکل درست تھی۔ کسی نکتے سے اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش موجود نہیں تھی۔ میں نے دھیرے سے کہا "میں کوشش کروں گا کہ اس کے خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دوں۔ تفکرات کا یہ روگ جاری رہا تو واقعی میری کارکردگی متاثر ہوگی۔"
"آپ اپنے کام کو دیکھیں۔ رینا کو فون کرلیں۔ اس سے آپ کا دھیان بٹے گا۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد غزالہ نے تجویز پیش کی۔
اس دوران میں دوردرشن سے خبریں شروع ہو چکی تھیں۔ میں نے غزالہ سے کہا کہ خبریں سننے کے بعد رینا کو فون کروں گا۔ اگر دہلی میں انسپکٹر ڈیوڈ کے قتل کی کوئی اہمیت تھی تو وہ خبر دوردرشن پر آنی ضروری تھی۔
وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ ملکی اور بین الاقوامی خبروں میں کہیں بھی انسپکٹر ڈیوڈ کا ذکر نہیں تھا۔
"ہم اس واقعے میں کسی حد تک ملوث ہیں اس لیے اس بارے میں سوچ رہے ہیں۔ یہ ایک مقامی واقعہ ہے۔ اخباروں سے ہی اس بارے میں کچھ پتا چل سکے گا۔" غزالہ نے ٹیلی وژن کی آواز دھیمی کرنے کے بعد کہا۔
"اب مجھے تمہارے مشورے پر عمل کرلینا چاہیے۔" میں نے مسکرا کر کہا اور فون کی طرف بڑھ گیا۔
رینا اجیت رائے کا تعلق ہمارے دشمنوں سے تھا۔ اس سے بات کرنے کے دوران میں سی ایس ڈی کے استعمال کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپریٹس بند تھا۔ میں نے اسے چھیڑے بغیر رینا کے کارڈ پر چھپا ہوا نمبر ملا لیا۔
دوسری گھنٹی پر ایک پختہ نسوانی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ "کون ہے؟ کیا کام ہے؟" بے اختیار میرا دل چاہا کہ میں اس سے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں پوچھوں اور تصدیق یا تردید سننے کے بعد فون بند کردوں مگر اس موقع پر ایسی کوئی معمولی سی حرکت بھی حریفوں کو ہوشیار کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔ جب تک میں رینا کی زبان سے کچھ نہ اگلوا لیتا' میرا محتاط رہنا بہت زیادہ ضروری تھا۔
"میں مظہر بول رہا ہوں۔ رینا سے بات ہو سکتی ہے؟" میں نے کسی توقف کے بغیر ماؤتھ پیس میں کہا۔
"ہولڈ کرو۔ میں دیکھتی ہوں۔" اس جواب کے ساتھ ریسیور پر موسیقی کے مدھم سر گونجنے لگے۔
اس عورت کا لب و لہجہ خالص پیشہ ورانہ تھا جیسے وہ برسوں سے فون آپریٹر کے طور پر کام کر رہی ہو۔ اس آواز میں ذرا بھی گھریلو انداز نہیں تھا۔ وہ موسیقی اس پر مستزاد تھی۔

گھروں میں ایک فون نمبر کے ساتھ متعدد ایکس ٹینشن منسلک ہوں تب بھی ہولڈ کرنے کے دوران میں موسیقی سننے یا سنانے کی کوئی سہولت نہیں ہوتی۔ وہ یقینی طور پر ٹیلی فون کا کوئی مختصر ایکس چینج یا بورڈ تھا جس کے ذریعے وہ مجھے ہولڈ پر رکھ کر رینا کو تلاش کررہی تھی۔

خاصے طویل انتظار کے بعد اچانک موسیقی کی آواز غائب ہوگئی اور رینا لائن پر آگئی "مجھے معلوم تھا کہ بے چین ہوکر تم مجھے ضرور فون کروگے۔" کھلکھلاتی ہوئی ہنسی کے درمیان اس کی زندگی سے بھرپور آواز سنائی دی "اس وقت تم کہاں ہو؟"

"میں اپنے ہوٹل کے سوا اور کہاں ہوسکتا ہوں۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ جلد از جلد مجھے فون کروگی۔" میں نے شکوا کیا۔

"وعدہ ضرور کیا تھا مگر انکل بہت مصروف آدمی ہیں۔ ابھی تک میں ان سے ملاقات کا وقت لینے میں کامیاب نہیں ہوسکی اسی لیے میں نے تمہیں فون نہیں کیا۔"

اس کے جواب میں میرے ایک سوال کا جواب مضمر تھا۔ انل بسواس کو مجھ سے ملنے کی عجلت نہیں تھی۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ مجھے ڈبل نہیں سمجھا جارہا تھا۔ انہیں میری اصلیت کی بھنک مل گئی ہوتی تو انل بسواس اپنی ساری مصروفیات ترک کرکے مجھے ملاقات کے لیے طلب کرلیتا۔

وہ رینا سے رابطے کا پہلا فائدہ تھا۔ اس سے ملے اور بات کیے بغیر کچھ بھی سامنے نہیں آسکتا تھا۔

"اپنے انکل کو چھوڑو۔" میں نے برجستہ کہا "اگر وہ مصروف آدمی ہیں تو مجھے بھی ان سے ملاقات کی اتنی زیادہ خواہش نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرا روزگار میری ضروریات پوری کررہا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کب مل رہی ہو۔" غزالہ بہت سمجھ دار تھی، مجھے کھلی گفتگو کا موقع دینے کی خاطر کمرے سے باہر جاچکی تھی۔

رینا کی کھنکتی ہوئی ہنسی سنائی دی "معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تمہاری گرل فرینڈ تمہارے سر پر مسلط نہیں ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ تم اس دھان پان لڑکی سے بہت ڈرتے ہو۔ اس کی دل جوئی کی خاطر کل رات تم نے میرے ساتھ کھانا کھانے کی پیش کش ٹھکرادی تھی۔"

"میں اسے پاکستان سے اپنے ساتھ لایا ہوں۔ اس پر میرا کوئی زور ہے نہ اس سے کوئی رشتہ ہے۔ مجھے اس کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔ تم کو میری اس مجبوری کا اندازہ ہونا چاہیے۔ پردیس میں گرل فرینڈ کی ناراضی خاصی مہنگی پڑسکتی ہے۔ تفریح کا سارا لطف غارت ہوجائے گا۔"

"مجھے اپنے باپ کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہیں مشورہ دیتی کہ اسے ناراض کرکے بھیج دو۔ میں تمام تفریحات میں تمہارا ساتھ دوں گی۔" وہ اپنے باپ اور گھرانے کے بارے میں گھڑی ہوئی مفروضہ کہانی پر مضبوطی سے قائم تھی۔ باتوں کی روانی میں یہ نہیں بھولی تھی کہ اس نے مجھے اپنے بارے میں کیا بتایا ہوا تھا۔

وہ باپ سے ڈرنے کا بہانہ کررہی تھی۔ میں نے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "تم وعدہ کرو تو میں کل ہی اسے لوٹا دوں۔"

"اب تم تھوڑے تھوڑے کھل رہے ہو۔ دراصل جو چیز آسانی سے ہاتھ آجائے، آدمی اس کی قدر نہیں کرتا۔ میرے لوٹ آنے کے بعد تم ایسے بے چین ہورہے ہو کہ مجھے فون کربیٹھے۔ میں نے تم سے رابطہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا تھا۔"

"مجھے گزری ہوئی باتوں کا طعنہ نہ دو۔ آگے کے بارے میں بتاؤ کہ تم سے کب ملاقات ہوگی؟"

"میں نے تمہارا نام انکل تک پہنچادیا ہے۔ جب فرصت ہوئی، وہ وقت دے دیں گے۔" اس بار رینا کی آواز سے سنجیدگی مترشح تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "ان سے ملوانے سے پہلے تمہاری تھوڑی سی بریفنگ ضروری ہے۔ اس کے لیے میں خود بھی تم سے ملنے کا ارادہ کرچکی تھی۔"

"لیکن تم نے اس بارے میں پہل نہیں کی۔ تنگ آکر مجھے فون کرنا پڑا۔" میں نے شکوا کیا۔

"تم بھی بہت بے صبرے ہو۔ شاید دنیا کے سارے ہی مرد ایسے ہوتے ہیں۔ کل شام سات بجے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔"

اس کی پیش کش نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ اگلے دن کا وہی وقت اول خان سے طے ہوچکا تھا۔ اس کی فون کال آنے پر مجھے اس سے کچھ اہم باتیں کرنی تھیں لیکن وہ گھر کا آدمی تھا۔ اس کے بارے میں، میں غزالہ کو بھی سمجھا سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں رینا زیادہ اہم تھی۔ میری کسی ٹال مٹول سے میری عاشقانہ اداکاری میں جھول پیدا ہوسکتا تھا۔ میں نے چند ثانیوں میں فیصلہ کرکے مسرت سے کہا "نیک خیال ہے، یہ بتاؤ کہ تم کہاں ملوگی؟"

"میں بتاچکی ہوں کہ مجھے تمہاری بریفنگ کرنی ہے۔ اِدھر اُدھر وقت ضائع کرنے کے بجائے تم کوئی الگ کمرا لے لو۔ اسی نمبر پر فون کرکے کمرے کا نمبر دے دینا۔ میں موجود نہ ہوئی، تب بھی مجھے تمہارا پیغام مل جائے گا۔ میں سات بجے

تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔"
پچھلی شام وہ مجھ پر جال ڈالنے کے ارادے سے آئی تھی اس لیے اس نے اپنی گرہ کے پیسے خرچ کر کے ہوٹل میں کمرا لیا تھا۔ اگلی رات کا وہ سارا خرچ اس نے بہت ہوشیاری اور عیاری سے میرے سر ڈال دیا تھا۔ میری دانست میں پھر بھی وہ سودا مہنگا نہیں تھا۔

اس نے جو کچھ کہا تھا' اس سے مجھے ایک نیا نکتہ سوجھ گیا جس سے میں نے فوراً ہی فائدہ اٹھانے کے ارادے سے کہا "سچ پوچھو تو یہ میرا دوسرا فون ہے۔ دوپہر کو میں نے رنگ کیا تو کسی نے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نام لیا اور میں نے بوکھلا کر فون بند کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں فون پر غلط نمبر بھی مل جاتے ہیں۔"

"اوہ!" یوں محسوس ہوا جیسے میرے انکشاف نے اسے چونکا دیا ہو۔ اس نے تیزی سے پوچھا "تم نے کس وقت فون کیا تھا؟ وہ آواز کیسی تھی؟"

میرا دل خوش ہو گیا کہ میں نے اچانک ہی اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ میں نے دفاتر وغیرہ میں ہونے والے کھانے کے وقفوں کا اندازہ لگا کر بے پروائی سے جواب دیا "ڈیڑھ دو بجے کا وقت تھا۔ آواز نسوانی تھی مگر وہ نہیں تھی جو ابھی تم سے پہلے سنائی دی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے گھر میں نوکروں کی خاصی فوج پل رہی ہے۔"

"اگر تم مجھے صحیح وقت اور آواز کے بارے میں کوئی خاص بات بتا سکو تو میں دیکھوں گی کہ وہ حرکت کس کی تھی۔" میری شکایت پر وہ شاید فکر مند ہو گئی تھی "یہاں سے فون اٹھانے والوں کو سختی سے ہدایت ہے کہ وہ کچھ بتانے میں پہل نہ کریں۔ یہ معلوم کریں کہ فون کرنے والا کیا چاہتا ہے۔"

"عجیب بات ہے۔" میں نے اس کے آخری فقروں پر تبصرہ کیا پھر کہا "میں جھوٹ نہیں بولتا۔ صحیح وقت نہیں دیکھا تھا۔ بس اندازہ ہے کہ ڈیڑھ دو بجے کا عمل ہو گا۔ خاص بات یہ تھی کہ وہ آواز تمہاری آواز کی طرح رسیلی اور لوچ دار نہیں تھی۔"

"اسے بھول جاؤ۔ دہلی میں غلط نمبر نہیں ملتے جو بھی فون اٹھائے' تم اسے کمرے کا نمبر دے دینا۔ میں پہنچ جاؤں گی۔"

"تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ تمہارے گھر سے کوئی کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نام کیوں لے گا؟ یہ چکر کیا ہے۔"

"میں نے کہا نا کہ اسے بھول جاؤ۔" رینا کی آواز دھیمی اور سخت ہو گئی۔ جیسے وہ میری جرح سے خوف زدہ ہو گئی ہو

"کل ملوں گی تو تمہیں بتا دوں گی۔"
اس نے مجھے ٹال کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر میں نے اس کا وہ وعدہ گرہ میں باندھ لیا۔۔۔ وہ رینا کی کوئی بڑی کمزوری تھی۔ اس کے اسباب گوپال کے ذریعے میرے علم میں آ چکے تھے۔ میں موقع محل کی مناسبت سے وہ موضوع دوبارہ چھیڑ کر رینا سے کچھ نہ کچھ اگلوا سکتا تھا۔

"تم کہتی ہو تو فی الحال بھول جاتا ہوں۔ کل شام سات بجے' میرے ہوٹل میں؟" میں نے تائید طلب انداز میں کہا۔

"ہاں بابا' ہاں!" اس نے عجلت میں جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

مجھے اپنے وجود میں آسودگی کی لہریں سی سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ تھوڑی دیر پہلے ذہنی اضمحلال اور اعصابی تناؤ کی جو کیفیات طاری تھیں' وہ رینا سے بات کرنے کے بعد اچانک دور ہو گئی تھیں۔ غزالہ کا مشورہ تیر بہ ہدف ثابت ہوا تھا۔

چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ فون کی گھنٹی گنگنا اٹھی۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ گوپال سے تھوڑی دیر قبل میری بات ہو چکی تھی۔ ویرا کا فون بھی آ گیا تھا۔ اول خان کو اگلی شام فون کرنا تھا پھر وہ کون ہو سکتا تھا جو مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ میں سوچتا رہ گیا اور گھنٹی دوبارہ بج اٹھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا' فون سننا ضروری تھا۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا لیکن لائن اس سے پہلے بے جان ہو چکی تھی۔

اس نامعلوم فون کال نے مجھے پریشان کر دیا۔ غزالہ باہر نکلی ہوئی تھی۔ مجھے فکر ہونے لگی کہ ہوٹل میں اس کا اکیلے گھومنا مناسب نہیں تھا۔

چند منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو غزالہ کا شگفتہ چہرہ نظر آیا۔

"ویری گڈ!" اس نے کمرے میں گھستے ہی شگفتہ لہجے میں کہا "رینا سے بات کرنے کے بعد آپ کے چہرے پر رونق اور تازگی نظر آ رہی ہے۔"

"فون پر بات شروع ہوتے ہی تم کہاں نکل گئی تھیں؟" میں نے خفگی سے پوچھا۔

"مجھے اچانک خیال آیا تھا کہ میری موجودگی میں آپ اس سے بے تکلفی سے بات نہیں کر سکیں گے' میں باہر چلی گئی۔ میں ایسے معاملات کے نشیب و فراز کو سمجھتی ہوں۔ آپ بلاوجہ مجھ پر آنکھیں نکال رہے ہیں۔" اس نے مجھ سے نظریں ملا کر شوخی سے کہا "کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"تم غلط کیسے کہہ سکتی ہو۔ ہر عورت افلاطون کی خالہ ہوتی ہے۔ تم یہاں ہوتیں تو میں ایک الجھن سے بچ جاتا۔"

"کیا اتنی سی دیر میں کوئی نئی الجھن پیدا ہوگئی؟" میری تشویش دیکھ کر وہ پریشان ہوگئی۔

"نہ جانے کس کا فون آیا تھا۔ میں سوچتا رہ گیا۔ دوسری گھنٹی کے بعد فون بند کردیا گیا۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑی "آپ بلاوجہ بہت زیادہ سوچنے لگے ہیں۔ وہ میری کال تھی۔ دو گھنٹیاں بجنے کے بعد میں نے انٹرکام بند کیا اور اوپر آگئی۔"

"اس حماقت کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"میں دیکھنا چاہ رہی تھی کہ آپ کا اور رینا کا مذاکرہ جاری ہے یا ختم ہوگیا۔ گھنٹیاں بجنے کا مطلب تھا کہ فون خالی تھا اور آپ قریب نہیں تھے۔ میں اوپر آگئی۔ انٹرکام پر فون مصروف ملتا تو میں مزید کچھ دیر شاپنگ آرکیڈ کی سیر کرتی رہتی۔"

میں کھسیائے ہوئے انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔ دہلی کی آب وہوا غزالہ کو راس آئی تھی اور اس کی عقل تیزی دکھانے لگی تھی۔

"وہ اپنے غائب ہونے کے بارے میں کیا کہانی سنا رہی تھی؟" غزالہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ وہ کل شام ہی تو ملی تھی۔ میری بے چینی کا مضحکہ اڑا رہی تھی۔"

"پتا نہیں آپ کیوں اس کے فون کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں نے آپ کی مایوسی کو دیکھتے ہوئے اسے کال کرنے کا مشورہ دیا تھا اور میں یہ دیکھ کر خوش ہوں کہ اب آپ کے چہرے پر ذہنی دباؤ کے اثرات نہیں ہیں۔"

"وہ کل شام دوبارہ ملے گی۔ اس نے دو باتیں صاف کردی ہیں۔ انل بسواس کو مجھ سے ملاقات کی عجلت نہیں اور کلاسیکل ڈانس اکیڈمی میں واقعی کوئی گھپلا ہے۔ میری زبان سے اکیڈمی کا ذکر سن کر وہ پریشان ہوگئی تھی۔"

"اگر وہ آپ کو پہچاننے میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں تو پھر رینا کو آپ کی طرف کیوں بھیجا گیا ہے؟"

"مجھے اس سے پوچھنا یاد نہیں رہا۔ کل ضرور دریافت کروں گا۔"

"آپ پھر چڑ گئے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہ رہی تھی کہ اس بارے میں آپ نے کیا اندازہ لگایا ہے۔"

"ایک وقت میں ہر بات معلوم نہیں ہوسکتی تھی۔ یہی کافی ہے کہ چند باتیں صاف ہونے کے ساتھ اس سے اگلی ملاقات کا وقت طے ہوگیا۔ آج کی باتوں کی روشنی میں، میں کل اس کا سارا اعتماد متزلزل کردوں گا اور وہ بہت کچھ اگلنے پر مجبور ہوجائے گی۔" میں نے پورے یقین سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ انٹرکام والی الجھن کے باوجود آپ اپنی حکمت عملی پر غور کرچکے ہیں۔" غزالہ نے تائید طلب انداز میں میری طرف دیکھا۔

"وہ انل بسواس کو میرے بارے میں بتا کر پھنس چکی ہے۔ کل میں اس سے ملاقات سے صاف انکار کردوں گا۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل جائے گی۔"

"آپ کے انکار سے رینا کی صحت پر کیا اثر پڑے گا؟" وہ بات غزالہ کی سمجھ میں نہیں آسکی۔

"وہ انل بسواس کے دیے ہوئے وقت پر مجھے اس تک نہ لے جاسکی تو اپنی تنظیم میں اس کی پوزیشن خراب ہوجائے گی۔"

"خود کو بچانے کے لیے وہ اپنے بڑوں کو سب کچھ بتا دے گی اور وہ آپ کے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

"تم بہت بھولی ہو۔ یہ بات میں بھی جانتا ہوں۔ میں خود انل بسواس کا دیدار بلکہ دیہانت کرنا چاہتا ہوں۔ انکار کرکے میں رینا پر دباؤ ڈالوں گا۔ یہ افتاد اسے پریشان کردے گی۔ اس سے آگے جو کچھ ہونا ہے، اس کا انحصار رینا کے ردعمل پر ہوگا۔"

شاید اس گفتگو سے غزالہ کے ذہن میں ایک خاکہ بننا شروع ہوگیا تھا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ درمیان میں وہ چونک کر گاہے گاہے سوالات کرتی رہی اور میں جواب دیتا رہا۔ مجھے خوشی ہورہی تھی کہ وہ بہت تیزی کے ساتھ سوچنے کی عادت کو اپنا رہی تھی۔

وہ دن اضطراب میں گزرا تھا لیکن رات بہت سکون سے کٹ گئی۔

اگلی صبح کے اخبارات کے پہلے صفحات پر انسپکٹر ڈیوڈ کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ ہوٹل کی طرف سے مہمانوں کو دو اخبارات فراہم کیے جاتے تھے۔ ان کی ورق گردانی سے پتا چلا کہ شہر کی خبروں میں ڈیوڈ کے قتل کو نمایاں مقام دیا گیا تھا۔ میں نے خبر کے ذیل میں دونوں اخباروں کا متن بہت غور اور باریک بینی سے پڑھ ڈالا مگر کہیں بھی ایسا کوئی مواد نظر نہیں آیا جس سے یہ گمان ہوتا کہ ڈیوڈ کے قتل کو دہشت گردوں کے سر منڈھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کسی سانپ سے حاصل کیے

ہوئے سریع الاثر زہر کے استعمال کی کہانی سنا رہی تھی۔ رپورٹ کے مطابق وہ زہر متوفی کے داہنے رخسار کی جلد میں کسی سرنج وغیرہ کے ذریعے اتارا گیا تھا۔ زہر کے اثر سے لاش بہت جلد اکڑ کر نیلی ہو گئی تھی۔

گاڑی اور لاش کی حالت کے ساتھ جائے واردات نے پولیس والوں کو گمراہ کرنے میں اہم کردار ادا کیے تھے۔ وہ ایسی جگہ نہیں تھی جہاں متوفی کو کسی ضرورت کے تحت گاڑی روکنی پڑتی۔ لاش اور گاڑی کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈیوڈ کو دوڑتی ہوئی کار میں نشانہ نہیں بنایا گیا تھا بلکہ کھڑی ہوئی گاڑی میں اتنی تیزی سے زہر دے کر مارا گیا تھا کہ اسے مزاحمت کرنے یا ڈرائیونگ سیٹ سے ہلنے جلنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ یہ شواہد نشان دہی کر رہے تھے کہ قاتل ایسا شخص تھا جسے ڈیوڈ جانتا۔۔۔۔ تھا اور کسی حد تک اس پر اعتماد کرتا تھا۔ اس نے قاتل کو پہچان کر اس ویران سڑک پر گاڑی روکی اور وہ نامعلوم شخص ڈیوڈ کو ڈارٹ یا سرنج کے ذریعے شکار کر کے جھاڑیوں میں روپوش ہو گیا۔ اس نظریے کی روشنی میں شہر سے تین مشتبہ افراد کو حراست میں لے لیا گیا تھا جن سے بازپرس کی جا رہی تھی۔

میرے نزدیک وہ اخباری خبریں نہیں بلکہ ویرا کے بے داغ کارنامے کے تفصیلی اشتہار تھے جو مجھے چڑانے کے لیے اخبار کی زینت بن گئے تھے۔ اس وقت تک مجھے واردات میں رابرٹو یلینی کی شرکت اور منصوبہ بندی کے بارے میں کوئی بھنک نہیں ملی تھی۔ میں دل ہی دل میں ویرا کی ہمت، جرأت اور شفاف منصوبہ بندی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اپنے اقدام کے بارے میں اس کا اعتماد بے جا نہیں تھا۔

ان خبروں کا خطرناک پہلو یہ تھا کہ ویرا کا حوصلہ بڑھ جاتا۔ امریکیوں سے گٹھ جوڑ کی بنا پر وہ بھارتیوں سے بھی نفرت کرتی تھی۔ اگر اسے امریکی سی آئی اے کے جان اسمتھ تک پہنچنے میں کوئی دشواری محسوس ہوتی تو وہ بھارتیوں کی صفوں میں دہشت پھیلانے کے لیے کوئی بھی قدم اٹھا سکتی تھی۔

اسلام آباد اور کراچی میں ہونے والے پراسرار بم دھماکوں پر اس کا ردِعمل بہت نفرت آمیز تھا۔ وہ بھارتیوں اور امریکیوں سے ایسی جگہ ان واقعات کا بدلہ لینا چاہتی تھی جہاں وہ کوئی جواب نہ دے سکیں۔ اس ضمن میں ویرا کے لیے دہلی سب سے زیادہ سازگار شہر تھا جہاں کی پولیس اپنے ایک پرانے افسر کے قتل کے صحیح اسباب کا کھوج لگانے میں بری طرح ناکام نظر آ رہی تھی۔

پولیس والے اپنی دانست میں صحیح سمت میں کام کر رہے تھے۔ ان کی بدترین غلطی کا بہترین اندازہ صرف ویرا کو تھا۔ اس کے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرات بظاہر ٹل گئے تھے۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ دہلی میں ویرا کو کسی بھی قسم کے وسائل میسر نہیں تھے جن سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنے انتقامی جذبے کی تسکین کے لیے شہر میں کوئی کارروائی کرتی۔ ایسے کسی اقدام کی تیاری کے لیے اسے وقت درکار تھا جو میری اور رینا کی متوقع ملاقات کے نتیجے میں کم ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

میں سنجیدگی سے یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ انل بسو اس کو کیفرِ کردار تک پہنچاتے ہی میں کراچی کی طرف سفر شروع کر دوں گا۔ دہلی میں مامور ایجنٹوں کی تربیت وغیرہ کے بارے میں جلال نے بڑی حوصلہ افزا باتیں کی تھیں جو لاہور کے ایک پرسکون کمرے میں بہت خوش آئند محسوس ہو رہی تھیں لیکن آئی بی کے ایجنٹوں کے عدم تشدد کے بنیادی فلسفے کو تبدیل کرنا مجھے اپنے بس سے باہر نظر آ رہا تھا۔

وہ تینوں ہر قسم کی کارروائیوں میں میرا ساتھ ضرور دے سکتے تھے لیکن از خود کسی کشت و خون میں ملوث ہونا ان کے مزاجوں کے خلاف تھا۔ اس کا تازہ ترین ثبوت عابد علی عرف گوپال کا وہ اشتباہ آمیز رویہ تھا جو اس نے ڈیوڈ کے قتل کے بعد ٹرانسسٹر پر گفتگو کے دوران میں اختیار کیا تھا۔ اگر وہ خون ہم میں سے کسی نے بہایا تھا تو گوپال کے نزدیک وہ ایک قابل نفرین اور غیر ضروری اقدام تھا۔

وہ خبر سن کر ابتدا میں، میں خود بھی بھڑکا تھا۔ جب ویرا نے فون پر بتایا کہ اس نے انسپکٹر ڈیوڈ کو مار دیا ہے تو میں مضطرب ہو گیا تھا۔ اس اضطراب میں ڈیوڈ سے ہمدردی کا کوئی شائبہ تک نہیں تھا۔ مجھے فکر صرف اس بات کی تھی کہ ویرا نے ایک غیر ضروری اور سنگین خطرہ مول لیا تھا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتا تھا۔ کھیل میں اگر فتح حاصل ہو تو میدان میں کیا جانے والا ہر فاؤل جائز قرار پاتا ہے۔ کھیل کے اس جدید اصول کے تحت میں نے دونوں اخبار پڑھنے کے بعد ویرا کے حوصلہ مندانہ اقدام کو تالاب میں پھینکے جانے والے پہلے کامیاب پتھر کے طور پر قبول کر لیا تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ گوپال اور اس کے دونوں ساتھی اس مرحلے پر بھی مجھ سے متفق نہیں ہو سکتے تھے۔

وہ دن بھارتی سرزمین پر ویرا کی پہلی اور بھرپور کامیابی کی نوید بن کر طلوع ہوا تھا۔ مجھے اپنی کامیابی کے لیے وہ پورا دن گزار کر شام کے سرمئی دھندلکے کا انتظار کرنا تھا جب را کی رینا اجیت رائے اپنی ساری فتنہ سامانیوں کے ساتھ میری بریفنگ کے لیے ہوٹل کے کسی مخصوص خلوت کدے میں

پہنچتی۔

دوپہر کو میں نے رینا سے مجوزہ ملاقات کے لیے دوسرا کمرا بک کرانے کی غرض سے ہوٹل کے کاؤنٹر سے رجوع کیا تو ایک نیا مسئلہ پیدا ہوگیا۔ میں غیر ملکی تھا۔ میرے لیے اپنی اکلوتی سفری شناخت کو تبدیل کرنا ممکن نہیں تھا۔ بکنگ کلرک نے میرے نام پر دوسرا کمرا بک کرنے سے معذرت کرلی کیونکہ ہوٹل کا ایک کمرا پہلے ہی میرے اور غزالہ کے مشترک استعمال میں تھا۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں اس کا باقاعدہ اندراج موجود تھا۔

میری قومیت کچھ اور ہوتی تو ہوٹل والے اضافی آمدنی کا وہ موقع ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور کوئی نہ کوئی درمیانی راہ خود ہی تجویز کردیتے۔ میں نے محسوس کیا کہ دونوں ملکوں میں سیاسی سرد مہری اور محاذ آرائی کی وجہ سے پاکستانیوں کے بارے میں ہر جگہ محتاط اور سخت رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔

میں نے ذرا سی دیر کے لیے سوچا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے سر کا بوجھ اتار پھینکوں۔ رینا کو فون پر اس پیچیدگی سے آگاہ کردوں۔ اس وقت تک یہ بات تقریباً پایہ ثبوت تک پہنچ چکی تھی کہ وہ را کی طرف سے سرکاری طور پر میرے پیچھے لگائی گئی تھی۔ اس بارے میں ہونے والے اخراجات بھی اسے را سے ادا کیے جارہے ہوں گے۔ شاید اس نے کمرے کا ایک رات کا کرایہ اپنی جیب میں ڈالنے کے لیے وہ ذمے داری میرے سر ڈال دی تھی مگر پھر مجھے ایک متبادل راہ سوجھ گئی۔

"اگر غزالہ سے میرا جھگڑا ہوجائے تو میں کیا کروں؟" میں نے اپنی کہنیاں چوبی کاؤنٹر پر ٹیک کر بکنگ کلرک سے سوال کیا۔

"جی سر! میں سمجھا نہیں۔" وہ میرے بے تکے سوال پر بوکھلا گیا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"کمرا مظہر خان اور غزالہ کے نام پر ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کی "وہ دونوں میاں بیوی نہیں ہیں۔ اگر دونوں کے درمیان کوئی اختلاف ہوجائے اور مظہر خان اس کمرے سے نکلنا چاہے تو تم یہ بتاؤ کہ وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟"

"سر! یہ تو سیدھی سی بات ہے۔" کلرک نے مودب لہجے میں کہا "آپ پرانا کمرا مس غزالہ کے نام پر رہنے دیں۔ وہاں سے اپنی بکنگ منسوخ کرادیں اور اپنے نام پر الگ کمرا لے لیں۔ اختلافات ختم ہوجائیں تو پرانی بکنگ ہر وقت بحال ہوسکتی ہے۔"

"بس تو پھر تم یہی کرو۔ اس وقت میرے ساتھ یہی مسئلہ درپیش ہے۔" میں نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اوکے سر!" اس نے سٹپٹا کر کہا شاید وہ نادم تھا کہ اتنی معمولی سی بات پہلے اس کی سمجھ میں کیوں نہیں آئی۔ روا روی میں وہ ہم دونوں کو وہی سمجھ رہا تھا جو ہم حقیقت میں تھے۔ اس طرف دھیان نہیں دیا تھا کہ ہم آپس میں کیا بنے ہوئے تھے۔

اندراجات کرنے کے بعد اس نے ایک چابی منتخب کی اور پوچھا "سر! آپ کا سامان بھی نئے کمرے میں منتقل ہوگا؟"

"اسے وہیں رہنے دو۔ ہوسکتا ہے کہ صورتِ حال زیادہ دیر تک جاری نہ رہے۔ نیا کمرا مجھے ایک رات کے لیے درکار ہوگا۔"

رقم ادا کرنے کے بعد میں نے رسید اور چابی لی۔ میں نے کمروں کا وہ ہیر پھیر اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ بھارتی خفیہ ایجنسی کے مقاصد کے حصول کے لیے کیا تھا۔ میں نے ڈنکے کی چوٹ پر اسی کاؤنٹر سے رینا یا کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے پہلے کی طرح میرا نام اور مقصد پوچھا گیا۔ میں نے رینا کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا گیا کہ وہ موجود نہیں تھی۔ میں نے فون سننے والی کو اپنے نئے کمرے کا نمبر بتا کر فون بند کردیا۔

آدمی سیاحت کے موڈ میں ہو تو بڑے ہوٹلوں کا آزادانہ ماحول ہمیشہ پر کشش محسوس ہوتا ہے۔ میں کچھ دیر تک لابی اور کشادہ راہ داریوں میں ٹہلتا رہا۔ پھر لفٹ کے ذریعے نئے کمرے کی طرف گیا۔ ہوٹل کے تقریباً بیشتر کمرے یکساں' صاف ستھرے اور آراستہ تھے۔ جائزہ لینے کے بعد میں غزالہ کی طرف چل دیا۔

سات بجے رینا کو مجھ سے ملنا تھا۔ اسی وقت کراچی سے اول خان کا فون آنے کی توقع تھی۔ میں نے غزالہ کو سمجھانا شروع کردیا کہ اسے اول خان سے کن موضوعات پر کیا بات کرنی ضروری تھی۔ میں اسے باخبر ضرور رکھنا چاہتا تھا لیکن اس تک کسی پر تشویش خبر کی ترسیل مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے شکوک و شبہات کے بیشتر سائے ڈھل چکے تھے۔ بس ایک مہیب سایہ بہت دراز تھا۔ مجھے توقع تھی کہ میں اس شام رینا سے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوجاؤں گا کہ وہ کن وجوہ کی بنا پر اور کس مقصد کے لیے ہمارے پیچھے لگائی گئی تھی۔

ہم دونوں کے پاس کوئی اور کام نہیں تھا۔ ہم سر جوڑے

ان ہی معاملات پر مغززنی کرتے رہے۔ شام کی چائے سے فارغ ہونے کے بعد میں کچھ دیر تک سستاتا رہا پھر میں نے رینا سے ملاقات کی تیاری شروع کردی۔

غزالہ کو میں نے نئے کمرے کی بکنگ میں پیش آنے والی دشواری سے آگاہ کردیا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے سب کچھ سن لینے کے باوجود مجھ سے ایک بار بھی یہ نہیں پوچھا تھا کہ میں نے رینا کے لیے کس نمبر کا کمرا لیا تھا۔ میں نے بھی دانستہ نمبر نہیں بتایا۔ اپنے پچھلے تجربے کی روشنی میں میرا اندازہ تھا کہ رینا کی وہ ملاقات میری برافنگ تک محدود نہیں رہے گی۔ سرد جنگ کے ہر پیچ وخم سے گزرنے کے بعد اس ملاقات کے آخری لمحات قدرے ناشائستہ ہوسکتے تھے جن سے غزالہ کا بے خبر رہنا بہت ضروری تھا۔

پونے سات بجے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں نے نہایت خوش دلی سے دروازہ کھولا مگر یہ دیکھ کر میری پیشانی پر بل پڑ گئے کہ پھول دار بلاؤز اور جینز میں ملبوس رینا کے پیچھے ایک گراں ڈیل اور تند خو شخص ہلکا سا بریف کیس لیے کھڑا ہوا تھا۔

رینا کے ساتھ ایسے ترش رو شخص کی موجودگی میرے لیے اس قدر غیر متوقع تھی کہ مجھے اپنے معدے میں گرہیں سی پڑتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ میں رینا کو اندر آنے کا راستہ دینے کے بجائے درمیان میں جم کر کھڑا ہوگیا۔ میری کینہ توز نگاہیں اس شخص کے چہرے پر جم کررہ گئی تھیں جو پیدائشی طور پر مسکرانے کی کسی بھی صلاحیت سے یکسر محروم نظر آرہا تھا۔ میں نے ذہنی طور پر خود کو اس سے کسی تصادم کے لیے تیار کرلیا تھا۔

رینا کے لیے میرا وہ ردِعمل شاید متوقع تھا۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا "یہ ناگر ہیں۔ میرے ساتھ آئے ہیں۔ چند منٹ میں چلے جائیں گے۔ تم ہمیں اندر آنے کا راستہ کیوں نہیں دے رہے۔ ان سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"تمہارے ساتھ کسی اجنبی کی آمد ہمارے پروگرام میں شامل نہیں تھی۔" میں نے احتجاج کیا۔

"تم ہمیں اندر آنے دو۔" رینا نے مجھے آنکھ ماری۔ اس کے چہرے پر التجا ہی التجا تھی۔ ناگر اس کی پشت پر تھا اس لیے رینا کے چہرے پر رونما ہونے والی وہ تبدیلیاں نہ دیکھ سکا "یہ ایک رسمی سے کام کے لیے آئے ہیں۔"

"پھر تم دونوں اندر آجاؤ۔ میں باہر چلا جاتا ہوں۔" میرے ذہن پر غصے اور خوف کی ملی جلی کیفیات طاری ہوچکی تھیں۔

میں نے کمرے سے باہر جانا چاہا لیکن رینا نے بے تابی سے میرا بازو تھام لیا۔ ناگر نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور دو قدم آگے بڑھ آیا۔ اس کے بھاری بھرکم وجود نے میرے بڑھنے کی راہ مسدود کردی تھی۔ اسے دھکیلے بغیر میں اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا تھا۔

"مسٹر خان! اندر چلو!" ناگر کے ہونٹوں سے دھیمی مگر تحکم آمیز آواز برآمد ہوئی "میں ہنگامہ آرائی بالکل پسند نہیں کرتا۔"

"چلو چلو! ضد نہ کرو!" رینا نے انگلیوں سے میرے بازوؤں پر دباؤ ڈالتے ہوئے مجھے نرمی سے اندر دھکیلنے کی کوشش کی "غلطی میری ہے۔ میں مصروف نہ ہوتی تو تم کو فون پر بتادیتی کہ ناگر بھی تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ آئیں گے۔ بلاوجہ تماشا نہ بناؤ۔"

اس وقت دو ہی راستے تھے۔ میں رینا کی بات مان لیتا یا ناگر پر ٹوٹ پڑتا۔ دوسری راہ ہر صورت میں نقصان دہ تھی۔ رینا نے کوئی بات نہیں اگلی تھی مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ دونوں را کے ایجنٹ تھے۔ میرے بارے میں ان کے عزائم نیک نہیں ہوسکتے تھے۔ اس وقت ناگر سے اڑنے کی صورت میں صرف میرا نقصان ہوتا۔

"یہ زیادتی اور دھاندلی ہے۔" میں بڑبڑاتا ہوا کمرے میں ہولیا۔ میرے پیچھے وہ دونوں بھی اندر آگئے۔ میرے لیے وہ بہت سنگین لمحات تھے۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ ناگر کیا عزائم لے کر وہاں آیا تھا۔ میرا دوران خون بہت تیز ہوچکا تھا جس کی تپش میں اپنے کانوں میں محسوس کررہا تھا۔

ناگر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا مجھ سے آگے نکلا اور اس نے اپنا پتلا بریف کیس ڈریسنگ ٹیبل کے ایک گوشے پر ٹکا کر کھولتے ہوئے کہا "میں تمہارے فنگر پرنٹس لوں گا اور واپس چلا جاؤں گا۔ پھر تم دونوں رات بھر ایک دوسرے سے کھیلتے رہنا۔ میں لوٹ کر نہیں آؤں گا۔"

وہ ایک ہولناک انکشاف تھا۔ اس وقت تک میرا صرف نام ہی نام تھا۔ کہیں میری کوئی تصویر تھی نہ باقاعدہ فنگر پرنٹس۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ رینا نے ٹھیک چلتے چلتے اچانک مجھ پر کیا وار کیا تھا۔ میں نے ناگر کے بجائے رینا سے پوچھا "یہ سب کیا چکر ہے۔ میرے فنگر پرنٹس کی کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"تمہیں کل انکل سے ملنا ہے۔ ہر اجنبی ملاقاتی کو ان تک رسائی سے پہلے اس مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے۔" رینا جلدی جلدی بولنے لگی۔ "وہ بہت اہم آدمی ہیں۔ یہ یقین

کرنا ضروری ہوتا ہے کہ کوئی غلط آدمی ان سے ملنے نہیں جا رہا۔"

وہ انل بسواس سے ملاقات کے تکلفات تھے۔ میرے لیے اس وقت سب سے بڑا سنگین مسئلہ ناگر سے نجات حاصل کرنا تھا۔ رینا سے میں بعد میں بھی نمٹ سکتا تھا۔ میں نے ہلکی سی برہمی سے کہا "اگر میں اس ملاقات سے انکار کردوں تو کیا یہ ڈراما یہیں ختم ہوسکتا ہے؟"

"رینا کو قبول کرکے تم انتخاب کا یہ حق کھو چکے ہو۔" اس بار ناگر کی آواز نرم اور مصالحانہ تھی "انکل ایک بار کسی کو ملاقات کا وقت دے دیں تو وہ ٹالا نہیں جاسکتا۔ تمہارے کچھ تحفظات تھے تو تمہیں پہلے ہی رینا سے انکار کردینا چاہیے تھا۔ مجھے تمہاری رضامندی اور انکل کی توثیق کے بعد یہاں بھیجا گیا ہے۔ میں کبھی اپنا کام پورا کیے بغیر نہیں لوٹتا۔" اس نے بریف کیس میں رکھے ہوئے کاغذوں کو دانستہ یوں پلٹا کہ میں ان کے پیچھے چھپے ہوئے بھاری ریوالور کی جھلک دیکھ لوں۔"

میں رینا پر اپنی جس دھمکی کو آزمانے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا' ناگر نے اسے ناکارہ بنادیا تھا۔ انل بسواس سے میری ملاقات کو یقینی بنانے کے لیے ناگر جیسے کئی آدمی میرے کمرے پر دھاوا بول سکتے تھے۔ میں یکایک ہی بہت مشکل صورت حال میں گھر گیا تھا کیونکہ بات میرے اور رینا کے درمیان نہیں رہی تھی۔ ناگر اور اس جیسے نہ جانے کتنے افراد بیچ میں کود پڑے تھے۔ ناگر میرے سامنے تھا۔ را کے دوسرے ایجنٹ روپوش تھے۔

میرے جواب کا انتظار کیے بغیر ناگر نے بریف کیس میں سے دو سفید کاغذ نکالے جن پر پانچ لمبے لمبے خانے بنے ہوئے تھے پھر اس نے کالی سیاہی والا اسٹیمپ پیڈ کھول کر میری طرف سرکا دیا "داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے شروع کردو۔"

ناگر پیڈ اور کاغذوں کی طرف متوجہ تھا۔ رینا ملتجی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے قہر بار نظروں سے اسے گھورا اور بے چارگی سے داہنا انگوٹھا اسٹیمپ پیڈ پر رکھ دیا۔ ناگر نے شاباش کہہ کر میرا انگوٹھا اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔

ایک ایک کرکے اس نے میرے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے بہت واضح نشانات سفید کاغذوں پر منتقل کرلیے پھر بریف کیس میں سے پلاسٹک کی ایک بند بوتل نکال کر میری طرف بڑھا دی "اس میں سے چند قطرے ہاتھوں پر مل کر پانی سے دھولو۔ سیاہی کا ایک ایک ذرہ نکل جائے گا۔"

میں نے برا سامنہ بناتے ہوئے اس سے بوتل لی اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

وہ صابن جیسا کوئی محلول تھا۔ پانی پڑتے ہی چند قطروں میں جھاگ پیدا ہونے لگے۔ میں نے چند ثانیوں تک دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑا اور پھر پانی میں دھو ڈالا۔ ناگر کے بیان کے مطابق میرے ہاتھ پہلے سے زیادہ صاف ہوچکے تھے۔

"تھینک یو!" میرے ہاتھ سے بوتل واپس لے کر ناگر نے پہلی بار اپنے مہذب ہونے کا ثبوت دیا اور بوتل کو بریف کیس میں بند کرکے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"بھگوان کا شکر ہے کہ ایک بڑی بلا ٹل گئی۔" دروازہ بند ہوتے ہی رینا دونوں ہاتھ جوڑ کر منمنائی۔

"بند کرو یہ بکواس۔" میں نے مکا تان کر غراتے ہوئے کہا "مجھے اُلّو کا پٹھا مت سمجھو۔ اس بلا کو تم ہی لے کر آئی تھیں۔"

وہ سہم گئی اور روہانسی آواز میں بولی "مجھے آخر تک کچھ پتا نہیں تھا۔ میں ہوٹل آنے کے لیے نکلی تو یہ باہر اپنی گاڑی میں بیٹھا میرا انتظار کررہا تھا۔ اس نے بتایا کہ انکل کل دو بجے تم سے ملیں گے۔ فنگر پرنٹس اسی وقت لینے ضروری ہیں تاکہ ریکارڈ سے ان کا موازنہ کیا جاسکے۔ مجھے ذرا بھی مہلت نہیں ملی کہ میں تمہیں خبر دے دیتی۔ اس سے ہر ایک گھبراتا ہے کیونکہ یہ آخری وقت پر کسی بلا کی طرح نازل ہوکر سر پر مسلط ہوجاتا ہے۔ اسے دیکھ کر میرے حواس گم ہوگئے تھے۔"

شدید اشتعال کے باوجود میں نے رینا کو اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیا۔ اس وقت وہی میری معلومات کا واحد ذریعہ بن سکتی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ اپنے سر پر ناگر کے طویل تسلط کی وجہ سے وہ پراگندگی کا شکار ہورہی تھی۔ وہ اس سے سنبھلنے نہ پائی تھی کہ میں نے خشمناک تیوروں کے ساتھ اس پر دھاوا بول دیا تھا۔ میں جتنی دیر تک اسے دیکھتا یا گھورتا رہا' میں نے اسے سراسیمہ اور بدحواس پایا۔ اسے اتنا موقع نہیں ملا تھا کہ وہ خود کو یک جا کرکے کسی جھوٹ یا نئی کہانی کے لیے تیار کرسکے۔ اس سے بے رحمانہ سوالات کا سلسلہ جاری کرکے میں کافی سچ اگلوا سکتا تھا۔

"ساری کوششیں تمہاری تھیں۔ وہ تمہارا انکل ہے۔ اس نے ملاقات کے بارے میں تم کو کیوں نہیں بتایا؟ یہ ناگر اچانک کہاں سے درمیان میں آگیا؟" میں نے چیخنے کے

بجائے نیچی آواز میں ڈپٹ کر کہا۔

"اس سے میری کوئی رشتے داری نہیں۔ ہم لوگ احتراماً اس کا نام لینے کے بجائے اسے انکل کہتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اپنے فیصلے خود کرتا ہے۔ اسے انکل کہنے والوں میں سے بہت سے لوگوں نے ایک بار بھی اسے قریب سے نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ ایسے پیغامات دوسرے لوگوں کے ذریعے پہنچاتا ہے۔ کبھی کبھی ناگر بھی یہ کام کرتا ہے۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ آج انکل نے تمہارے لیے اسے بھیج دیا اور میں بے بس ہو کر رہ گئی۔"

"سچ سچ بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو اور کیا چکر ہے۔ تم نے جھوٹ بولا تو میں اپنے انجام کی پروا کیے بغیر تمہارا خون پی جاؤں گا۔"

وہ مدافعانہ انداز میں الٹے قدموں پیچھے سرکتے ہوئے ہکلائی "مم... میں سب کچھ بتا رہی ہوں۔ تم اپنے اوپر قابو رکھو۔ اس وقت مجھے تم ناگر سے زیادہ بھیانک لگ رہے ہو۔ ہم دس بارہ لڑکیاں ہیں جو اوپر والوں کی ہدایات پر را کے لیے کام کرتی ہیں۔"

"جھوٹ مت بکو۔ سچ سچ بتاؤ۔ یہ را کیا بلا ہے؟" میں سوچ سمجھ کر اس پر یلغار کر رہا تھا۔ میں نے را جیسے معروف بلکہ بدنام مخفف کو سمجھنے سے صاف انکار کردیا تاکہ اس پر میری عام تاجرانہ حیثیت کا بھرم قائم رہ سکے۔

"یہ خفیہ بھارتی ایجنسی کا مختصر نام ہے۔ انکل اسی کے ایک شعبے کا سربراہ ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"تو تم سب بھارتی ایجنسی کے ایجنٹ ہو اور یہاں آنے والے بھولے بھالے پاکستانیوں کو اپنے جال میں پھانستے ہو؟"

"ہم کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کرتے۔ لڑکیوں سے دوستی کی ہوس میں لوگ خود ہماری طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔"

"لیکن تم نے تو بتایا تھا کہ تمہارا باپ مال دار ہے۔ تمہیں یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تم کو مرعوب کرنے کے لیے میں نے جھوٹ بولا تھا۔"

وہ بھرائی ہوئی کمزور آواز میں بولی "میرا باپ مر چکا ہے۔ میں میرٹھ میں رہنے والی اپنی بیوہ ماں اور چار بہنوں کی کفالت کے لیے یہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہوں۔ آج کل عزت والی نوکری کہیں نہیں ملتی۔ ہر آجر لڑکیوں کے بدن کو اپنی نظروں میں تولتا ہے۔"

"پھر یہ بھی غلط ہوگا کہ تم گریٹر کیلاش جیسے مہنگے علاقے میں رہتی ہو!" میں نے زہریلی آواز میں پوچھا۔

"گھر کے بارے میں ہر بات جھوٹی تھی۔ میں نے ا... خوابوں کو الفاظ کا روپ دے کر تم سے جھوٹ بولا تھا مگر می... اسی علاقے میں رہتی ہوں۔ تم تصدیق کرسکتے ہو کہ میرا د... ہوا فون نمبر وہیں کا ہے۔"

"اس نمبر پر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی بھی کام کرتی ہے۔" مجھے اپنے سوالات کے لیے خود بہ خود راہ مل رہی تھی۔

اس نے تھوک نگل کر خوف زدہ انداز میں اپنا سر او... سے نیچے ہلایا اور قدرے توقف کے بعد کہا "دراصل و... ڈانس اکیڈمی ہی ہے۔ سب لڑکیاں اس کے بورڈنگ ہاؤس کے کمروں میں رہتی ہیں لیکن ناگر کے سامنے اس کا نام نہ لینا۔ وہ مجھے کچا چبا جائے گا۔ وہ لوگ یہ ایک بات بہت سختی سے چھپاتے ہیں کہ اکیڈمی کا را سے کوئی تعلق ہے۔ یہ بات پھیل گئی تو شریف گھرانوں کی لڑکیاں ادھر کا رخ کرنا چھوڑ دیں گی۔"

"اس کنجر خانے میں شریف لڑکیاں کیا کرنے آتی ہیں؟"

"شروع میں، میں بھی ناچ سیکھنے کے لیے گئی تھی۔ ایک بار بہکنے کے بعد ہر لڑکی اس بھنور کا حصہ بن جاتی ہے۔ وہ لوگ بعض اچھی اور پڑھی لکھی لڑکیوں کو بھارت سے باہر بھی بھیجتے ہیں۔"

"تم کو اکیڈمی کا نام چھپائے رکھنے کا حکم ہے لیکن یہ سب بکنے کی کھلی چھوٹ حاصل ہے؟"

"جو لڑکیاں دہلی میں آپریٹ کرتی ہیں، بڑوں کو ان کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ ناگر اپنا کام کر کے مجھے چارے کی طرح تمہارے سامنے ڈال کر کیسی بے فکری سے چلا گیا۔ اس نے تمہارے بگڑے ہوئے موڈ سے اندازہ لگالیا ہوگا کہ میرا وقت اچھا نہیں گزرے گا۔"

"اب اگر میں تمہیں مار کر کہیں دفن کردوں تو کیا ہوگا؟" میں نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"میری زندگی ختم ہوجائے گی لیکن میں کل صبح واپس اکیڈمی نہ پہنچی تو تمہاری زندگی بھی جہنم بنادی جائے گی۔ را والے شکاری کتوں کی طرح تمہیں کہیں سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔ تم کو کل دو بجے ہر حال میں انکل کے سامنے پہنچا دیا جائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے دھمکی دے رہے ہو، جان سے نہیں مارو گے۔"

اسے ڈرانے دھمکانے کے چکر میں میرے اعصاب بھی متاثر ہونے لگے تھے۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر رینا کو ذرا سا وقفہ دیا اور کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگالی۔ میرے اشارے پر وہ بھی ڈرے سہمے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تم شراب کب سے پیتی ہو؟" میں نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے پوچھا۔

"جب سے اکیڈمی میں آئی ہوں۔" اس نے میرے لہجے کی تبدیلی پر اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور حریصانہ لہجے میں پوچھا "تمہاری اجازت ہو تو منی بار میں سے اپنے لیے کچھ نکال لوں؟ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب دے رہی ہوں۔ اس وقت مجھے شراب کی سخت ضرورت ہے۔"

میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا اور وہ بے صبری کے ساتھ کمرے میں موجود چھوٹے ریفریجریٹر کی طرف بڑھ گئی۔

وہ ٹھنڈے پانی میں اسکاچ کا گلاس لے کر آئی تو اس کی آنکھیں میرے لیے ممنونیت کے جذبے سے لبریز تھیں۔

"کیا اکیڈمی میں آنے والی سب لڑکیوں کو شراب پینا سکھایا جاتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ان کا طریقہ بہت انوکھا ہے۔" اس نے اپنے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لے کر کہا "دو ہفتے تک سب لڑکیوں کو ایک ساتھ ناچ گانے سر تال، نرت اور بھاؤ سکھائے جاتے ہیں۔ اس دوران میں وہ اپنے کام کی دو چار لڑکیوں کو چھانٹ کر بورڈنگ اور شام کی کلاسوں میں ڈال دیتے ہیں۔ صبح آنے والیوں کو ناچ گانا سکھایا جاتا ہے۔ شام کو وہاں کا رنگ دوسرا ہوتا ہے۔ الگ کی جانے والی لڑکیوں کو مردوں سے میل جول اور اونچے طبقے کی پارٹیوں کے طور طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ ان میں شراب پینا بھی شامل ہے۔ اصل میں یہی لڑکیاں ان کے کام کی ہوتی ہیں۔ دو ہفتوں کے بعد ان کی تنخواہ شروع ہو جاتی ہے۔ صبح آنے والیوں سے تربیت کے لیے بھاری فیس لی جاتی ہے۔ ان میں سے کچھ بیچ میں بھاگ جاتی ہیں جو تربیت پوری کر لیں، انہیں اکیڈمی سند دے دیتی ہے۔"

"تم نے وہاں شام کی کلاسوں کی تربیت لی ہے۔" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میرے گھر میں روٹیوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ میں فیس کہاں سے دیتی؟ مجھے تنخواہ کی ضرورت تھی۔ کسی نے مجھے جانچ کر الگ کر لیا اور دو ہفتے بعد میری تنخواہ لگ گئی۔ میری ماں اور بہنیں خوش ہیں کہ میں دہلی میں کوئی بڑی نوکری کر رہی ہوں۔"

"کیا تم ہوٹل میں اتفاقاً مجھ سے ٹکرائی تھیں؟" آخر کار میرے اہم ترین سوال کی باری بھی آ گئی۔

"نہیں۔" اس نے سادگی سے اعتراف کر لیا "میں دوپہر سے ہوٹل میں کمرا لے کر تمہارے فراق میں منڈلا رہی تھی۔ اشوک والی کہانی مجھے پڑھائی گئی تھی۔ میرا اصل کام تم کو انکل سے ملاقات پر آمادہ کرنا تھا۔" وہ اپنے گلاس کو دوسری ہتھیلی پر گھماتے ہوئے بولی۔

"مگر کیوں؟" ہوٹل میں دوسرے پاکستانی بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ تمہیں خاص طور پر میرے پیچھے کیوں لگایا گیا؟"

"مجھے تم تک پہنچنا تھا اس لیے یہ باتیں مجھے بتائی گئی تھیں۔ اس روز صبح سویرے ہوٹل میں کوئی دیکھ بھال ہوئی تھی۔ را والوں کو خبر ملی تھی کہ ہوٹل میں ایک پاکستانی کسی غیر عورت کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ ایسے رنگین مزاج پاکستانیوں کی گھات میں رہتے ہیں جو گھر کی ہانڈی چھوڑ کر پرائی پلیٹوں میں منہ ڈالنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ تمہارے اوپر اسی وقت سے کام شروع ہو گیا تھا۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ تمہیں دوپہر میں میرے پیچھے لگایا گیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"میری باری دوپہر میں آئی تھی۔ را والوں نے کراچی سے تمہارے نام پتے کی تصدیق کی تھی۔ انہیں یہ دھڑکا بھی لگا رہتا ہے کہ نام اور بھیس بدل کر پاکستانی جاسوس دہلی میں

منڈلاتے پھر رہے ہوں گے۔ اس چھان بین سے نام پتا بدلنے والے پکڑے جاتے ہیں۔ جب کراچی سے خبر آئی کہ تمہارا نام، پتا سب کچھ ٹھیک ہے تو تمہیں لبھانے کی ذمے داری میرے سر پر ڈال دی گئی۔ یہ پوری اور اصل کہانی ہے۔"

رینا کی بتائی ہوئی باتیں فکر انگیز تھیں۔ را والے اونچی فضاؤں میں پرواز کرنے کے عادی نہیں تھے۔ وہ زمین پر رہ کر حقائق کے مطابق کام کرتے تھے۔ انہیں بس ذرا سی اس بات نے میری طرف متوجہ کیا تھا کہ میرے اور غزالہ کے درمیان کوئی رشتہ بھارتی ریکارڈ پر نہیں تھا پھر بھی ہم دونوں ہوٹل کے ایک کمرے میں ساتھ رہ رہے تھے۔ مجھے یاد آیا کہ مجھ سے پوچھ گچھ کرنے والے پولیس افسر نے اس موضوع پر مجھ سے ذرا کھل کر بات کی تھی۔ شاید اسے را کی ضروریات کا علم تھا اور اسی وقت اس کے ذہن میں یہ خیال جنم لے چکا تھا کہ مجھ جیسے اوباش پاکستانی کے کوائف را کے علم میں آنے ضروری تھے۔

رینا اپنی دانست میں شروع سے ہی را کے لیے کام کر رہی تھی لیکن وہ ہر مرحلے پر میری مددگار اور معاون ثابت ہو رہی تھی۔ اس نے میرے ذہن سے یہ خوف حرف غلط کی طرح یکسر مٹا دیا تھا کہ دہلی میں مجھے ڈینی کی حیثیت سے پہچان لیا گیا تھا اور را والے آخری وار کرنے سے پہلے میرے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل، کھیل رہے تھے۔

میں ان کے چنگل میں پھنسا ہوا ایک عام سا پاکستانی تھا جسے وہ اپنے کچھ مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

میں کچھ دیر تک اس کی بتائی ہوئی باتوں کو اپنے ذہن میں یکجا کرتا رہا۔ وہ اس دوران میں اپنے گلاس سے شغل کرتی رہی۔ مجھے رینا سے اپنے ہر سوال کا جواب مل چکا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ چارے کی لڑکی ہوتے ہوئے وہ گرین کوبرا فائل کے بارے میں کچھ بتا سکتی۔ وہ اعلیٰ ترین سطح کا ایک ٹاپ سیکرٹ تھا جس کے بارے میں کچھ جاننے کے لیے مجھے انل بسواس یا نریش شرما تک رسائی کا انتظار کرنا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ اپنی اگلی حکمت عملی وضع کرنے کے لیے مجھے رینا سے مزید کچھ کھلی کھلی باتیں کرنے کی ضرورت تھی۔

"آج ناگر نے میرے ساتھ مجرموں جیسا جو سلوک کیا ہے۔ اس نے مجھے ہر ایک سے بدظن کر دیا ہے۔ اب مجھے انل بسواس سے ملنے کی ذرا بھی خواہش نہیں ہے" کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد میں نے رینا سے دوبارہ بات چھیڑ دی۔

"مجبوری ہے۔ وہ وقت دے چکا ہے۔ تم کو ہر حال میں اس سے ملنا پڑے گا" رینا نے پر تشویش لہجے میں کہا۔ میری طرف سے شدید برہمی اور کشیدگی کے مظاہرے کے باوجود وہ سب کچھ درگزر کر دینے پر آمادہ نظر آ رہی تھی۔

"میں اس سے نہیں ملتا۔ ہوٹل چھوڑ کر دو چار روز کے لیے کہیں روپوش ہو جاتا ہوں۔ وہ میرا کیا بگاڑ لے گا؟" اپنی تجویز کے سنگین نتائج و عواقب سے آگاہ ہونے کے باوجود میں نے محض رینا کا جواب سننے کے لیے سنجیدگی سے کہا۔

"تم پھنس چکے ہو۔ تمہارے فنگر پرنٹس ریکارڈ پر آ گئے ہیں اور بھی بہت سا مواد ہے۔ تم کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ تم را والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بھارت سے نہیں نکل سکو گے۔ وہ بہت منظم اور سفاک ہیں۔ جیسے ہی تم سامنے آؤ گے، وہ تمہیں پکڑ لیں گے۔ اس کے بعد تمہارے انجام کا تصور کرنا مشکل ہے۔"

"ظلم اور بربریت کی بات الگ ہے۔ مجھے دن دہاڑے قتل کیا جا سکتا ہے۔ قانونی طور پر وہ میرا کیا بگاڑ لیں گے؟" میں نے اسی سے پوچھا۔

"قانونی طور پر میں تمہارے خلاف سب سے مضبوط فریادی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ ضرورت پڑنے پر وہ مجھے آگے لائیں گے۔"

اس کے انکشاف نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے، تم کیا فریاد کرو گی؟"

"پرسوں شام تم مجھے بہلا پھسلا کر اس ہوٹل کے ایک کمرے میں لے گئے اور ڈرا دھمکا کر میری آبرو لوٹ لی۔ میں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ بھارت میں یہ سنگین جرم ہے۔"

"تم میرے خلاف یہ شکایت کیوں کرو گی؟ مجھ سے تمہیں کوئی ذاتی عناد نہیں ہے۔"

"انکل اور ناگر مجھے کوئی بھی قدم اٹھانے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ میں ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہوں۔ انہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"جان پر بن گئی تو میں بھی یہ الزام قبول کرنے سے انکار کر دوں گا۔ اتنا وقت گزرنے کے بعد کچھ بھی ثابت نہیں کیا جا سکے گا۔"

رینا کے ہونٹوں پر ایک پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے جلدی سے اپنا گلاس خالی کیا اور بولی "میں نے پرسوں شام کے لیے جو کمرا مسز روشن کھمباٹا کے نام سے لیا تھا، اس میں دو گھنٹے تک خودکار کیمرے لگتے رہے تھے۔ را کے تین

آدمیوں نے کسی فلمی ہدایت کار کی طرح وہ وقت میرے ساتھ گزارا تھا اور بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ مجھے کمرے اور بستر کے کن حصوں تک محدود رہنا تھا۔ را والے کچا کام نہیں کرتے۔ کمرے میں گزاری ہوئی اس شام کا ہر لمحہ کسی نہ کسی کیمرے کی پوشیدہ آنکھ نے محفوظ کرلیا ہوگا۔ تم اس گواہی کو نہیں جھٹلا سکو گے۔"

رینا کے سینے میں معلومات کا ایک خزانہ دفن تھا۔ وہ خبر سن کر میرا ذہن یکایک ماؤف ہونے لگا۔ مجھے اپنی پیشانی پر سرد پسینہ ابھرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں تمہارے انکل سے ضرور ملوں گا۔" حالات کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے میں نے کسی بحث کے بغیر ہتھیار ڈال دیے "میں اپنا اصل فیصلہ پاکستان پہنچنے کے بعد کروں گا۔ وہاں انل بسواس اور را والوں کا کوئی بس نہیں چلے گا۔"

"ابھی تمہیں دیکھنا ہے کہ انکل تمہیں کیا کام سونپتا ہے۔ میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ انکل سے کھل کر بات کرلینا۔ وہ دس نیم دل کارکنوں پر ایک پرجوش ایجنٹ کو ترجیح دینے والا آدمی ہے۔ وہ تمہیں سمجھائے گا لیکن مجبور نہیں کرے گا۔ اس سے جو کچھ طے ہوجائے، اس سے انحراف نہ کرنا ورنہ وہ پاکستان میں بھی تمہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔ اس کی تجوری میں رکھی ہوئی فلم کی نقلیں تمہارے گھر والوں اور رشتے داروں تک پہنچا دی جائیں گی۔"

"وہ اس قدر کینہ پرور ہے تو میرے انکار کو بھی گستاخی سمجھے گا اور کوئی کمینی حرکت کر گزرے گا۔"

"وہ پختہ عمر اور روشن خیالات والا آدمی ہے۔ سمجھنے اور سمجھانے کا قائل ہے۔ دیواروں میں سینگ نہیں اڑاتا۔ یہ سب میرے مخلصانہ مشورے ہیں کیونکہ میں نے اس کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوا ہے۔ ان مشوروں پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تمہارا ہے۔"

میرے ذہن میں گرین کوبرا فائل کا نام ابتدا سے چکرا رہا تھا لیکن رینا سے تازہ ترین گفتگو کے بعد اپنی فلم کا نام اس سے اوپر آگیا تھا۔ انل بسواس سے وہ فلم واپس حاصل کرکے اسے تلف کیے بغیر میں کبھی بھی مطمئن زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔

را والوں نے بہت غیر محسوس انداز میں مجھے اپنی مضبوط گرفت میں جکڑ لیا تھا۔

رینا نے میری اجازت سے اپنے لیے دوسرا گلاس تیار کرلیا۔ نئے حالات کی روشنی میں میرا ذہن بہت دور تک کام کر رہا تھا۔ را والوں کے بچھائے ہوئے جال کے نتیجے میں مجھے اپنی خوش گوار ازدواجی زندگی میں تلخیاں گھلتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

یہ درست تھا کہ را والوں نے مجھے ڈینی کے طور پر نہیں پہچانا تھا۔ اول خان کی ماہرانہ پیش بینی کے سبب وہ مجھے مظہر خان سمجھ رہے تھے اور انہوں نے مظہر خان کی فلم تیار کی تھی مگر فلم کسی بھی نام سے ہو، چہرے الگ پہچانے جاتے ہیں۔ میں اس گھڑی کو کوس رہا تھا جب میں نے رینا کے مسلسل اصرار پر ہتھیار ڈالے تھے۔

"آج اس کمرے میں کتنے کیمرے چھپائے گئے ہیں؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت بھڑک کر رینا سے پوچھا۔

"آج کچھ نہیں ہے۔ اس روز میں نے کمرے کی بکنگ کرائی تھی اس لیے وہ بندوبست ہوگیا۔ وہ را والوں کی ابتدائی ضروریات تھیں۔ آج یہ کمرا تم نے بک کرایا ہے۔ شروع سے تمہاری تحویل میں ہے۔ یہاں ایک کیل تک نہیں لگائی گئی مگر ناگر کی آمد کی وجہ سے میری طبیعت بجھ کر رہ گئی ہے....."

"بس آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اب پرسوں کے کسی واقعے کا اعادہ نہیں ہوگا۔"

"تم بلاوجہ اتنی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو۔ کچھ بولتے رہو تاکہ میں بھی تمہیں مناسب مشورے دے سکوں۔ تم یقین کرو کہ میں تم سے شرمندہ ہوں اور تمہارے ردِعمل کو فطری سمجھ کر بھول چکی ہوں۔ تم میرے دوست ہو۔"

میں ایک مدت سے خود کو ہر قسم کے ریکارڈ سے بچاتا چلا آ رہا تھا۔ حد یہ تھی کہ امریکی سی آئی اے بھی اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود میری ایک مبہم سی تصویر سے زیادہ کچھ

حاصل نہیں کرسکے تھے مگر را والوں نے ایک ہی جھٹکے میں میری پوری فلم بنا ڈالی تھی۔ اور فنگر پرنٹس بھی لے لیے تھے۔ اگر انہیں میرے اصل نام کا ذرا سا بھی سراغ مل جاتا تو ان کے پاس مجھ جیسے ازلی دشمن کا مکمل ترین ریکارڈ موجود تھا۔

"تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ میری فلم انل بسواس کی تجوری میں رکھی ہوئی ہوگی؟" میں نے رینا سے پوچھا۔

"اس کے بارے میں یہاں بہت سی کہانیاں گردش کرتی رہتی ہیں" رینا ایک گھونٹ لے کر بولی "کہا جاتا ہے کہ اہم ترین ریکارڈ کے بارے میں وہ کسی پر بھروسا نہیں کرتا۔ اسے اپنی ذاتی تحویل میں رکھتا ہے اور ضرورت ختم ہونے پر اپنے ہاتھوں سے ضائع کرتا ہے۔ آج کل وہ تمہاری طرف متوجہ ہے تو اس نے تمہاری فلم بھی اپنی تحویل میں رکھی ہوئی ہوگی۔ تم سے اس کی کوئی مفاہمت نہیں ہوسکی تو شاید وہ اسے تلف کردے گا۔"

"میں بے یقینی کے اس عذاب سے بچنا چاہتا ہوں" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "اس سے وہ فلم کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟"

"وہ اسے تلف کرسکتا ہے لیکن تمہیں نہیں لوٹائے گا۔ اس سے یہ مطالبہ بھی نہ کر بیٹھنا۔ وہ میری طرف سے بدظن ہوجائے گا کہ میں نے اندر کی یہ باتیں تمہارے کانوں میں پھونک دیں۔ وہ اپنے ہر سیکرٹ ایجنٹ کی غیر ذمے داری کو سنگین جرم تصور کرتا ہے۔"

"تم سیکرٹ ایجنٹ نہیں، بیچ کی ایک لڑکی ہو۔ اسے تم سے زیادہ توقعات نہیں ہوسکتیں۔"

"ملک کے لیے خفیہ کام کرنے والا ہر شخص اس کے نزدیک سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ بس درجوں کا فرق ہوتا ہے۔ مجھ جیسی لڑکیوں کو تم سب سے نچلے درجے کی ایجنٹ قرار دے سکتے ہو۔ تم دیکھ لو کہ تمہارے لیے انکل کے منصوبے کا پہلا پتھر میری کارکردگی پر جمایا گیا ہے۔ پرسوں میں تمہارا دل لبھانے اور تمہیں انکل سے ملاقات پر آمادہ کرنے میں کامیاب نہ ہوئی ہوتی تو آج ہم دونوں کو ان تمام دشواریوں کا سامنا نہ ہوتا۔"

وہ بالکل صحیح کہہ رہی تھی۔ میرے ذہن میں پہلی بار یہ بات ابھری کہ رینا ہی اس فساد کی اصل جڑ تھی۔

"میں ہر قیمت پر وہ فلم واپس لینا چاہتا ہوں" میں نے محتاط لہجے اور دھیمی آواز میں اس سے کہا۔

"کل تم کھلے دل سے انکل سے مل لو۔ اسے بتادو کہ تم اس کے لیے کام نہیں کرسکتے۔ دیکھو، وہ کیا کہتا ہے؟ اس کے بعد کچھ سوچا جائے گا۔"

"میرے انکار کے بعد بھی تم مجھ سے ملتی رہوگی؟" میں نے حیرت اور بے اعتباری سے پوچھا۔

"یہ اقرار یا انکار تمہارے اور انکل کے درمیان ہوگا۔ جب تک مجھے تمہارے بارے میں کوئی نیا حکم نہیں ملے گا، میں تم سے ملتی رہوں گی۔"

اس کے ذریعے صرف کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نام اس کی بھول، غلطی یا میری چالاکی سے پہنچا تھا۔ اس کے سوا رینا نے ہر بات رضاکارانہ طور پر مجھے بتائی تھی۔ ساتھ ہی یہ اصرار بھی کرتی رہی تھی کہ میں ان میں سے کئی باتوں کا ذکر انل بسواس سے نہ کروں۔ اس کی وہ باتیں دوغلی اور ہلکی تھیں۔

میرا ذہن ایک مرتبہ پھر الجھنے لگا۔

انل بسواس ٹھنڈے خون والا ایک بے رحم حریف تھا۔ رینا مجھے اس سے کھل کر بات کرنے پر اکسا رہی تھی۔ مجھے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ انل بسواس مجھے اپنے کام کے لیے آمادہ کرنے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد آسانی سے بھول جائے گا۔ وہ یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ میں بھارت سے پاکستان لوٹنے کے بعد وہاں کے افسران بالا کو اس کا کچا چٹھا بتادوں کہ وہ دہلی میں سیاحتی ویزا پر آئے ہوئے پاکستانیوں میں سے بعض کو خوبرو لڑکیوں کے ذریعے پھانس کر پاکستان کے خلاف استعمال کر رہا تھا۔

میرا تجربہ میرے سامنے تھا۔ مجھ سے پہلے وہ نہ جانے کتنے لوگوں کو پھانس چکا تھا۔

اس نے دہلی سے شملہ کے راستے پر تین پاکستانی سفارت کاروں کو نہایت سفاکی سے اپنے جذبہ انتقام کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ اس کے لیے مجھ جیسے ضدی پاکستانی کو ہمیشہ کے لیے خاموش کردینا ذرا بھی دشوار نہیں تھا۔ فرق صرف یہ ہوتا کہ مجھے ڈینی نہیں، مظہر خان سمجھ کر مارا جاتا۔ رینا کے مشوروں میں اس سنگین امکان کا ذرا بھی ادراک نہیں تھا۔

یکایک مجھے محسوس ہونے لگا کہ رینا اجیت رائے وہ نہیں تھی جو بننے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ بہت معصومیت کے ساتھ میرے خلاف ایک خطرناک اور دہرا کھیل، کھیل رہی تھی جس میں ہر طرف جال ہی جال تھے۔ کھلا راستہ دور دور تک نظر نہیں آرہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آنرک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہوکر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھادیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد انرک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہوکر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ذی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا، اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوادیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار روب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا نتیجے میں ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیاپھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مارولی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہوکر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے، ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کا ماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کردیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں، میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کی نشان دہی اور ہوٹل میں ہونے والی پولیس چیکنگ کے تجربے کے بعد ویرا نے الگ ہوکر دوسرے ہوٹل میں رہائش اختیار کی۔ ویرا کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہوکر کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا افسر جان اسمتھ دہلی پہنچ چکا تھا۔ اب ہمیں انل بسواس اور جان اسمتھ دونوں سے حساب کتاب برابر کرنا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ وہاں کرین کوبرا نامی فائل کی جستجو میں تھے۔ ہماری دہلی میں موجودگی کے دوران میں تین پاکستانی سفارتی اہل کاروں کو ٹریفک حادثے میں ہلاک کردیا گیا۔ را والوں کو ہماری سن گن مل چکی تھی لہٰذا ہمیں محتاط ہونا پڑا۔ اسی اثنا میں ایک خوبصورت بھارتی دوشیزہ رینا اجیت رائے میرے قریب آئی اور مجھے ہوٹل کے کمرے کی رنگین و سنگین تنہائیوں میں آگاہ کیا کہ وہ انل بسواس سے مجھے ملواسکتی ہے۔ اس کے مطابق وہ رینا کا انکل تھا۔ میں اس سے دوسری ملاقات کا وعدہ کرکے الگ ہوا تو عابد علی عرف گوپال نے بتایا کہ رینا را کی ایجنٹ تھی۔ مجھے پاکستان سے اول خان نے آگاہ کیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج کوائف کی تصدیق کی گئی تھی۔ ویرا نے ہم سے الگ ہوکر اپنی اہانت کرنے والے پولیس افسر ڈیوڈ کو ایک اطالوی سیاح کی مدد سے ہلاک کردیا۔ رینا سے اگلی ملاقات بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ ابتدا میں ہی را کے ایک ایجنٹ نے میری انگلیوں کے نشان حاصل کیے اور مجھے رینا کے ساتھ تنہا چھوڑ گیا۔ اس کے بعد رینا نے مجھے بتایا کہ وہ عیاش پاکستانیوں کو اپنے حسن کا جال پھینک کر را کے لیے کام کرنے پر مجبور کرتی ہے اور میری اور اس کی پہلی ملاقات کی مکمل ویڈیو فلم انل بسواس کے پاس تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ رینا اجیت رائے میرے خلاف ایک خطرناک اور دہرا کھیل، کھیل رہی تھی۔ جس میں ہر طرف جال ہی جال تھے، کھلا راستہ دور دور تک نظر نہیں آرہا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

اس وقت تک میں نے رینا کے بارے میں منفی خطوط پر کچھ نہیں سوچا تھا۔ پچھلی ملاقات سے اس وقت تک، وہ مسلسل میرے ذہن پر سوار رہی تھی لیکن اس کے بارے میں سرے سے کچھ سوچنے کی نوبت نہیں آسکی تھی۔

میں صرف اور صرف انل بسواس کے چکر میں پاکستان سے دہلی پہنچا تھا۔ وہی میرا اکلوتا ہدف تھا۔ اس کی زد میں کوئی اور بھی آجاتا اور میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوجاتا تو یہ اس کی بدنصیبی ہوتی۔ دہلی پہنچنے کے بعد آئی بی کے ایجنٹوں کے ذریعے مجھے نہ صرف انل بسواس کا سراغ مل گیا بلکہ میں نے اس کا ایک دفتر اور گھر بھی دیکھ لیا مگر اہم ترین مسئلہ اس مکار تک رسائی کا تھا۔

رینا اجیت رائے بالکل غیر متوقع انداز میں اس منظر نامے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ آئی اور پھر آتے ہی میرے ذہن پر چھاتی چلی گئی۔ اس نے ناز وادا اور اپنے تمام تر جسمانی حسن کا جادو جگا کر میرے دل و دماغ کو بڑی حد تک متاثر کیا تھا۔ اس کی بول چال میں عیاری اور مکاری کا ذرا بھی شائبہ نہیں تھا۔ وہ بولتی تھی تو ایسی سادگی اور معصومیت سے بولتی تھی کہ اس کی کہی ہوئی ہر بات پر بے اختیار یقین کرلینے کو جی چاہتا تھا۔

رینا کو میں نے اپنے جال میں نہیں پھنسایا تھا۔ وہ از خود

میری طرف متوجہ ہوئی تھی۔ مجھ سے مل بیٹھنے کے بارے میں اس نے جو کہانی سنائی، وہ بظاہر ہر شک و شبے سے بالا تھی پھر جب اس نے اتفاقی انداز میں مجھے انل بسواس سے ملوانے کا ذکر چھیڑا تو میں فطری طور پر اس کے جال میں پھنس گیا۔ اس کی ذات پر اپنے سارے شکوک و شبہات کے باوجود میں نے اسے اہمیت دینے کا فیصلہ کرلیا۔

میں انل بسواس تک پہنچنے کے سلسلے میں حد سے زیادہ پریشان تھا۔ رینا نے مجھے اس سے ملوانے کی براہِ راست پیش کش کی تو میں نے اسے تائید غیبی سمجھتے ہوئے دل ہی دل میں فوراً قبول کرلیا۔ رینا کے ساتھ کچھ نمائشی پس و پیش ضروری تھا تاکہ اسے میرے عزائم پر کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد میں نے رینا کی تجویز کے مطابق انل بسواس سے ملنے پر اپنی آمادگی ظاہر کردی تھی۔

اس پورے قصے میں انل بسواس کی ذات اتنی طاقت ور اور ترجیحی حیثیت رکھتی تھی کہ مجھے رینا کے کردار پر دھیان دینے یا اس کے بارے میں کچھ سوچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ میری سوچ کا ہر زاویہ انل بسواس پر مرکوز ہوکر رہ گیا تھا۔

اگر اس وقت رینا اکیلی آئی ہوتی تو میرے ذہن میں کوئی شبہ سر نہ ابھارتا لیکن وہ غیر متوقع طور پر ناگر جیسے درشت رو پیشہ ور کے ساتھ آئی تھی جس کا رویہ کسی بھی طرح حوصلہ افزا نہیں تھا۔ وہ میرے ساتھ اس طرح پیش آیا تھا جیسے مجھے کوئی قاتل یا مجرم سمجھ رہا ہو۔ اسی انداز میں اس نے میرے فنگر پرنٹس لیے بس اتنی مہربانی ضرور کی کہ جاتے ہوئے نرمی کے دو بول بول گیا تھا۔

ناگر کی آمد نے صورتِ حال کو یکسر بدل دیا تھا۔ مجھے نہ جانے کیوں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ رینا نے بند کمرے میں اپنے ساتھ میری قلم بندی کا راز افشا کرکے مجھے خوف زدہ یا بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت تک وہ مجھے ایک عام، خانہ دار پاکستانی سمجھ رہی تھی جو بیوی بچوں اور عزیزواقارب کی نظروں میں اپنی روح فرسا تذلیل سے بچنے کے لیے کوئی بھی کام کرگزرنے پر آمادہ ہوسکتا تھا۔

وہ بیک وقت دو سمتوں میں کام کررہی تھی۔ میں انل بسواس کی خواہشات کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا تو کہیں کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوتا۔ بھارت میں قیام کے دوران میں میرے اور رینا کے مراسم بھی جوں کے توں برقرار رہ سکتے تھے لیکن انل بسواس سے کسی اختلاف کی صورت میں میرا مار دیا جانا رینا اجیت رائے کے مفاد میں تھا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے مقاصد کے بارے میں مجھے گوپال سے اطلاع مل گئی تھی۔ میں نے جب اپنی اطلاع کی بنیاد پر ایک پانسہ پھینکا تو رینا بری طرح خوف زدہ ہوگئی۔ کچھ ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اکیڈمی سے را والوں کی وابستگی کا معاملہ بھارت میں بھارتیوں سے بھی چھپایا جارہا تھا۔ رینا کی دانست میں راز کی اس بات کا میرے علم میں آنا بہت خطرناک تھا۔

رینا کی باتوں سے مجھے کچھ ایسا اندازہ ہوا تھا کہ اگر انل بسواس کو یہ پتا چل جاتا کہ رینا کے ذریعے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی والی بات مجھ تک پہنچی تھی تو شاید وہ رینا کی کھال میں بھس بھروا دیتا۔ اس سے ہونے والے مذاکرات میں اس کی بس وہی ایک کمزوری کھل کر میری سامنے آسکی تھی۔

رینا کو صرف دو صورتیں قبول ہوسکتی تھیں۔ میرے اور انل بسواس کے درمیان مفاہمت ہوجاتی یا پھر وہ مجھے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیتا۔

اس کی ساری گفتگو کا محور یہ تھا کہ میں انل بسواس کے سامنے ایک مخصوص زاویے سے گفتگو کروں۔ بات کو کسی ایسے رخ پر نہ ڈالوں جس کا کوئی تیسرا انجام بھی ممکن ہو۔ میں نے اپنے تیوروں کی ساری نرمی اور گرمی دکھانے کے باوجود اس وقت تک یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ میں تفریح کے لیے بھارت آئے ہوئے ایک معمولی پاکستانی تاجر سے زیادہ کوئی اہمیت رکھتا تھا۔ وہاں میرے لیے اسی وقت تک زندہ اور آزاد رہنے کی کوئی امید باقی رہتی جب تک میں مظہر خان سمجھا جاتا جس لمحے ان بھیڑیوں کو یہ شبہ ہوتا کہ میں نے روپ بدلا ہے تو وہ میرے لہو کے پیاسے ہوجاتے۔

"کہاں کھو گئے؟" رینا اجیت رائے نے مجھے خاموش پاکر ایک ادا سے ٹوکا۔

"سوچ رہا ہوں کہ ایک خوب صورت لڑکی کے ساتھ بھارت کی سیر مجھے بہت مہنگی پڑ گئی۔"

وہ ہولے سے مسکرا دی۔ میرے لب و لہجے کی تندی زائل ہونے کے بعد اس کا کھویا ہوا اعتماد رفتہ رفتہ بحال ہوچلا تھا یا پھر وہ اس قسم کی کامیاب ترین اداکاری کررہی تھی۔ وہ بولی "شاید تم نے سنا ہوگا۔ کسی نے کہا ہے، اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔ اگر تم اپنی پتنی کے ساتھ آئے ہوتے تو کوئی بھول کر بھی تمہاری طرف دھیان نہ دیتا۔ یہ گڑبڑ اس وجہ سے ہوئی کہ گجالہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہاری بیوی ہے نہ بہن بیٹی ہے نہ ماں پھر بھی وہ تمہارے ساتھ ایک کمرے میں ٹھہری ہوئی ہے۔ ساری بات یہاں سے شروع ہوئی ہے۔ اب فیصلہ تمہاری مرضی پر

ہے۔"

وہ بالکل بجا تھی۔ ہوٹل میں مقیم پاکستانیوں کی سفری دستاویزات کی چیکنگ کے لیے آنے والے پولیس افسروں نے اس انکشاف میں گہری دلچسپی لی تھی اور ان میں سے ایک نے خاص طور پر یہ تبصرہ کیا تھا کہ اونچے آدمی دکھائے پڑتے ہو۔

میں ٹیلی فون کی گھنٹی کی تیز آواز پر گہری نیند سے بیدار ہو کر ان دونوں کے روبرو پہنچا تھا۔ ہوٹل کی کسٹمر سروس والی خاتون کے ذریعے مجھے پتا چل چکا تھا کہ وہ پولیس افسران پاکستانیوں کی سفری دستاویزات کی جانچ پڑتال کے ذریعے یہ یقین کرنا چاہ رہے تھے کہ ان میں کوئی مشتبہ دہشت گرد نہیں تھا۔ میری چھٹی حس اس وقت خوابیدہ تھی یا ذہن سست تھا کہ میں پولیس افسر کے طنزیہ تبصرے میں پنہاں طنز کو یکسر نہ سمجھ سکا۔

تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں اس وقت تک یہ واضح ہو چکا تھا کہ میں نے اپنے اور غزالہ کے لیے ایک کمرے کا انتخاب کر کے سب سے بڑی غلطی کی تھی۔ مجھے اس سے دور رہنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن میرے اور اس کے نام پر الگ الگ کمروں کی بکنگ ضروری تھی تاکہ کوئی اجنبی محض ہوٹل کے ریکارڈ پر سرسری نظر ڈال کر میرے اور اس کے درمیان کسی تعلق کے بارے میں نہ جان سکے۔

میری وہ پشیمانی اور خیال آرائی بہت زیادہ بعد از وقت تھی۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا اور مجھے اس کے نتائج کا سامنا کرنا تھا۔

انل بسواس کا نام میرے وجود میں تلخیاں گھول رہا تھا۔ کراچی چھوڑنے سے پہلے مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر ہونے والی ساری ریشہ دوانیوں اور دہشت گردیوں کے پیچھے انل بسواس کا ذہن کارفرما تھا۔ وہ را کے پاکستان ونگ کا سربراہ ہونے کی وجہ سے ہمارا سب سے بڑا دشمن تھا۔ ہم تینوں اس فتنے کو اسی کے وطن کی سرزمین پر کچلنے کا عزم لے کر لاہور سے نکلے تھے لیکن یہ ہمارے مقدر کی ستم ظریفی تھی کہ ایک ذرا سی بھول کے نتیجے میں ہم اس تک پہنچنے سے پہلے اس کے پھیلائے ہوئے ایک بھیانک جال میں پھنستے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

خطرات کے مہیب بادل میرے اور غزالہ کے سروں پر سایہ فگن تھے۔ ویرا ہم سے الگ تھی اور اس خطرے سے بچی ہوئی تھی۔ اس نے بظاہر پوری کامیابی اور صفائی سے انسپکٹر ڈیوڈ کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ہم ایک بھارتی چیونٹی کو بھی نہیں مار سکے تھے اور دلدل میں جا اترے تھے۔

اس موڑ پر پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ میرے ساتھ بہت منظم اور سازشی انداز میں کھیل کھیلا گیا تھا۔ سارا کمال رینا کا تھا جو ایک حسین اور بگڑی ہوئی رئیس زادی کے روپ میں مجھے اپنے دام میں الجھانے میں کامیاب ہوئی تھی۔

اس کے ساتھ گزارے ہوئے رنگین و سنگین لمحے ایک تصویری فیتے پر محفوظ تھے۔ ناگر دھونس اور دھمکی کے ذریعے میرے فنگر پرنٹس لے جا چکا تھا۔ ملاقات کے روپ میں اگلے روز، دو بجے مجھے انل بسواس کے سامنے پیش ہونا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ اس مجوزہ ملاقات یا پیشی کو یقینی بنانے کے لیے انڈین سیکرٹ سروس والوں نے میرے گرد اپنا گھیرا تنگ کر دیا ہوگا تاکہ میں ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کہیں روپوش نہ ہو سکوں۔ رینا نے مجھے ایسی کسی کوشش کے سنگین نتائج سے آگاہ ضرور کر دیا تھا لیکن ضروری نہیں تھا کہ پرانی گاڑیوں کا ایک خوف زدہ پاکستانی تاجر اس آگاہی کو کوئی اہمیت دیتا۔ را والے اس امکان کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

"بات شروع ہو گئی ہے تو اب اپنے انجام تک ضرور پہنچے گی۔" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا مشورہ یہی ہے کہ زیادہ نہ سوچو۔ کل دو بجے انکل سے مل لو۔ رام بھلی کرے گا۔" رینا نے گہری سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"دیکھو رینا! اب تک تم بہت کچھ بتا چکی ہو۔ میں عام لڑکیوں کے ہاتھوں بے وقوف بن جانے والا آدمی ہوں مگر آہستہ آہستہ یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ میں را والوں کے چکر میں پھنس گیا ہوں۔ انہوں نے میری اور تمہاری وڈیو فلمیں بنالی ہیں۔ اب وہ مجھے بلیک میل کریں گے کہ میں ان کے لیے کام کروں، پاکستان سے غداری کروں، ان کا جاسوس بن جاؤں۔ یہ سب کروں تو ٹھیک ہے۔ پاکستان والے کبھی نہ کبھی مجھے پکڑ کر جیل میں سڑا دیں گے۔ نہ کروں تو تمہارا انکل مجھے مروا دے گا۔ یہ۔۔۔"

"میں کہہ رہی ہوں کہ وہ مارنے والا آدمی نہیں ہے۔" رینا نے میری بات کاٹ کر اصرار کیا "تم میری بات ہی نہیں سمجھ رہے۔۔۔"

اس کے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ پھنسی ہوئی تھی۔ میں نے بھی اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا۔ درمیان میں بول پڑا "تم خود کو سیکرٹ ایجنٹ کہہ رہی ہو اور مجھے الٹی پٹی

بڑھا رہی ہو۔ مجھے تو اب یہ فکر ہے کہ میں نے پاکستان جا کر انکل کے بتائے ہوئے کام شروع کیے تو پاکستان کی ایجنسیوں سے کب تک بچا رہوں گا۔ بھارت کی طرح، وہاں بھی غداری کرنے والوں کا حشر بہت خراب ہوتا ہے۔"

اس کے چہرے پر طمانیت کا ایک گہرا رنگ آ کر گزر گیا۔ وہ بے پروائی سے بولی "مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم نے ٹھیک فیصلہ کرلیا ہے اور اب ایک ہی رخ پر سوچ رہے ہو۔ یہ غداری وفاداری کچھ نہیں ہوتی جو لوگ دال، چاول، آٹے اور گھی تیل میں ملاوٹ کرتے ہیں وہ سب سے بڑے غدار ہوتے ہیں۔ ان کو کوئی گالی تک نہیں دیتا۔ لوگ پیٹھ پیچھے باتیں بناتے ہیں، سامنے ان کی عزت کرتے ہیں۔ کوئی دو چار باتیں ایک آدھ کاغذ اِدھر اُدھر کرکے اپنی روزی کماتا ہے تو اس میں کیا برائی ہے؟ مجھے دیکھو! بتاؤ، میں کہاں سے گھس گئی؟ میرا کیا بگڑا؟ میں پچھلے مہینے اپنی ماں سے ملنے گئی تھی تو سارے رشتے دار مجھے دیکھ کر خوش ہوئے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ مجھے دہلی کا پانی خوب راس آیا ہے۔ میرے اوپر جوبن ٹوٹ کر برس رہا ہے۔ یہ سب پیسے کی برکت ہے جو مجھے آسانی سے مل رہا ہے۔ پہلے ہم سب فاقوں سے مر رہے تھے تو کوئی ایک وقت کی روٹی کے لیے بھی نہیں پوچھتا تھا۔ تم نے انکل کی بات مان لی تو تمہارے دن پھر جائیں گے۔"

"تمہاری بات اور ہے۔" میں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے جواب دیا "تم میرٹھ سے دہلی آئیں تو ایک معصوم لڑکی تھیں۔ دہلی سے میرٹھ لوٹیں تو عورت بن چکی تھیں۔ یہ تجربے اور من کی ٹھنڈک کی رونق ہوتی ہے جو عورت کے چہرے پر برستی ہے۔ لڑکا، مرد بن کر بھی فکر مند رہتا ہے۔"

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنی مخمور آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا "تم سچ کہتے ہو۔ من کی ٹھنڈک کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ تم سے ہونے والی پرسوں کی ملاقات میرے دل میں ایک کسک بنی ہوئی ہے مگر آج تمہاری نظریں کچھ بدلی ہوئی سی ہیں۔"

"جس وقت تم نے ناگر کے ساتھ اس کمرے میں قدم رکھا، خرابی کا آغاز ہوگیا تھا۔ تمہاری زبان سے پرسوں کی باتیں سن کر مجھے اپنے اوپر غصہ آرہا ہے کہ میں اسی وقت تم کو کیوں نہیں سمجھ سکا۔ اب مجھ سے کسی حماقت کی توقع نہ رکھو۔ تم نے کافی باتیں کرلیں، یہاں سے روانگی کی تیاری کرو۔"

"میں اس وقت واپس ہاسٹل گئی تو مذاق بن جاؤں گی۔"

اس نے افسردگی سے بات آگے بڑھائی "میں رات گئے لوٹنے کے ارادے سے آئی تھی۔"

"لڑکیاں رات گہری ہونے سے پہلے گھر لوٹ جائیں تو سب سکھ کا سانس لیتے ہیں۔" میں نے چوٹ کی۔

"یہ گھر والوں کی باتیں ہیں۔ ہم سب دربدر رہیں۔ باہر گزارا ہوا وقت ہمارا رتبہ بڑھاتا ہے۔"

"نہیں رینا، سوری!" میں نے سختی سے کہا "تمہیں ابھی اور اسی وقت جانا ہوگا تاکہ میں سکون سے کچھ سوچ سکوں۔"

"میں تمہاری سوچ میں رکاوٹ نہیں ڈال رہی۔ تم اپنے کمرے میں جا کر خوب سوچو۔ مجھے یہاں پڑا رہنے دو۔ جب رات خوب گہری ہوجائے گی تو میں چابی کاؤنٹر پر دے کر خاموشی سے واپس چلی جاؤں گی۔ تم آج کی رات کے لیے کمرے کا کرایہ دے چکے ہو۔"

"کرایہ دینے یا نہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارا انکل میرا یہ نقصان پورا کردے گا مگر تم چلی جاؤ کیونکہ یہ کمرا میرے نام پر ہے۔ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ مجھ سے جان چھڑانے کے بعد تم اپنا دل بہلانے کے لیے کسی اور کو یہاں پھانس لاؤ۔"

"مظہر!" اس کی آواز میں کرب اور شکوا امڈ آیا "میں ایسی گئی گزری نہیں ہوں۔ وعدہ کرتی ہوں کہ ایک بار اس کمرے سے قدم باہر نکالا تو دوبارہ اندر نہیں آؤں گی۔ بس مجھے چند گھنٹے یہاں گزار لینے دو۔"

میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "ٹھیک ہے۔ میں تمہیں بارہ بجے تک کا وقت دیتا ہوں۔"

میرے فیصلے کی وہ تبدیلی مصلحت آمیز تھی۔ میرے اور اس کے درمیان بگاڑ پیدا ہو چکا تھا لیکن اس بگاڑ کا ایک حد سے تجاوز کرنا میرے لیے سود مند نہیں تھا۔ اس کے ذریعے انل بسواس سے پہلی ناگزیر ملاقات کے بعد میں اس کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کر سکتا تھا۔

وہ تیزی سے جھکی اور میرے کچھ سمجھنے سے پہلے اس نے میری داہنی ہتھیلی کی پشت چوم لی "اوہ! تم کتنے اچھے ہو!"

"میں بہت برا ہوں۔" اپنی جلد پر اس کے گداز ہونٹوں کا سلگتا ہوا لمس محسوس کرتے ہی میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا "مجھے بہلانے پھسلانے کی کوشش مت کرو۔ تم ایک مقصد کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھیں، اسی تک محدود رہو۔ آگے مت بڑھو۔"

"مقصد لے کر ضرور آئی تھی لیکن تم نے میرے دل کو گھائل کر دیا۔ جی چاہتا ہے تم کو دیکھتی رہوں، تم سے باتیں کرتی رہوں۔"

"یہ شراب کا اثر ہے۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا "نشہ اترے گا تو تمہارا دل انکل سے باتیں کرنے کو چاہے گا۔ میرے ساتھ یہ اداکاری مت کرو اور اتنا بتا دو کہ کل دو بجے مجھے انل بسواس کے پاس لے جانے کے لیے ناگر کے علاوہ اور کتنے آدمی اپنے ساتھ لاؤ گی۔"

"تم زبان کے بہت کڑوے ہو۔ بولتے ہو تو دل کو چیر کر رکھ دیتے ہو۔ کل میں ایک بجے اکیلی آؤں گی اور لابی سے تمہیں انٹر کام پر بتا دوں گی۔" اس نے دل گرفتہ آواز میں کہا "غلطی میری ہے کہ تمہاری ذات کے جادو میں آ کر میں نے تمہیں ہر بات سچ سچ بتا دی۔"

کچھ دیر کے لیے مجھے بھی شبہ ہوا کہ وہ مجھ سے سچ بول رہی تھی لیکن اس کا ہر سچ مجھے یہ احساس دلانے کے لیے تھا کہ میں بری طرح اس کے چنگل میں پھنس چکا تھا۔ وہ صرف اور صرف ایک بات سے خوف زدہ تھی کہ میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی اصلیت سے واقف ہو چکا تھا۔

وہ دہلی کے تفریحی علاقوں میں دل پھینک پاکستانی سیاحوں کی تلاش میں بھٹکنے والی را کی ایک کال گرل تھی۔ اس کے لیے کال گرل کی اصطلاح اس مفہوم میں غلط تھی کہ اسے اس کے گاہک نہیں بلاتے تھے۔ وہ خود ہی موزوں شکار کی تلاش میں ماری ماری پھرتی تھی۔ وہ اس کی مستقل ڈیوٹی تھی جس کے لیے را والے اسے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے فنڈز سے بھاری ماہانہ مشاہرہ دیتے تھے۔

اصلیت کھل جانے کے بعد میری نظروں میں اس کی ذرا بھی وقعت نہیں رہ گئی تھی۔ میں نے اس کی جذباتی شکایت پر ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ کرسی چھوڑ کر سرد مہری سے ہاتھ ہلایا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

رینا اجیت رائے سے میری پہلی ملاقات کا اختتام بہت امید افزا اور سنسنی خیز تھا۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے میں کسی ردوکد کے بغیر بہت آسانی سے انل بسواس تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں گا مگر دوسری ملاقات نے اس خوش فہمی پر پانی پھیر کر مجھے سنگین اندیشوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں را والوں کے بچھائے ہوئے جال سے کیسے نکل سکوں گا۔ اس چکر میں پڑنے کے بعد انل بسواس کے خلاف کارروائی کا امکان معدوم ہوتا نظر آ رہا تھا۔

میں نے اوپر پہنچ کر اپنے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ وہ انداز مخصوص اور طے شدہ تھا۔ غزالہ نے فوراً ہی دروازے کا قفل کھول دیا۔ دروازہ کھلا تو اس کی آنکھوں میں حیرت تیر رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کے رخسار کو چھیڑا اور اندر داخل ہو گیا۔

"اسے سات بجے آنا تھا اور آپ آٹھ بجنے سے پہلے لوٹ آئے۔ کیا رینا نہیں آئی؟" غزالہ اپنے تجسس پر زیادہ دیر تک قابو نہ رکھ سکی۔

"وہ سات بجے ہی آئی تھی۔ اب بھی کمرے میں پڑی اینڈ رہی ہے۔ میں کام کی باتیں کر کے لوٹ آیا۔" میں یہ کہتے ہوئے تھکے ہوئے انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

"مجھے حیرت ہے کہ اس نے اتنی آسانی سے آپ کو واپس لوٹنے دیا۔" غزالہ نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میرا خیال تھا کہ وہ آزاد خیال عورت ہے۔ آپ کو روک لے گی اور میں ساری رات انگاروں پر لوٹتی رہوں گی۔"

میں نے محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا "مجھے ہمیشہ تمہارے جذبات کا احساس رہتا ہے۔ پچھلی بار وہ اچانک مجھ سے ٹکرائی تھی۔ آج میں ذہنی تیاری کے ساتھ اس سے ملا تھا مگر آج کی ملاقات اس اعتبار سے مایوس کن تھی کہ وہ مجھے گھیر چکی ہے۔"

"اس کے ساتھ کوئی قد آور اور درشت رو شخص بھی آیا تھا۔" غزالہ کے اس تائید طلب سوال نے مجھے حیران کردیا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔ میرے ذہن میں اضطراری طور پر اس شبہے نے سر ابھارا تھا کہ میرے روانہ ہونے کے بعد وہ چھپ کر کہیں سے نگرانی کرتی رہی ہوگی۔ ریتا اور ناگر کے میرے پاس پہنچنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں لوٹ آئی ہوگی۔"

"اپریٹس پر گوپال کی کال آئی تھی۔" غزالہ نے سادگی سے جواب دے کر مجھے دل ہی دل میں شرمندہ کردیا "وہ بتا رہا تھا کہ آج ریتا را کے ایک بہت خطرناک ایجنٹ کے ساتھ ہوٹل پہنچی ہے۔ اس کے عزائم نیک نظر نہیں آتے۔ آپ اس سے بات کرلیں، وہ بہت فکر مند تھا۔"

غزالہ کے ذہن میں ترجیحات بہت واضح تھیں۔ اس نے میری اور ریتا کی ملاقات کی تفصیلات کریدنے کے بجائے گوپال کی کال کے بارے میں بتانا ضروری سمجھا تھا اور یوں موضوع سخن یکایک ہی تبدیل ہوگیا تھا۔

میرے ذہن پر اول خان سوار تھا کیونکہ سات بجے کراچی سے اس کی فون کال آنی تھی۔ اول خان سے وہ پروگرام طے ہونے کے بعد ریتا نے بھی ملاقات کے لیے وہی دن اور وقت دے دیا تھا۔ "سات بجے اول خان کا فون آیا تھا؟ کیا کہہ رہا تھا وہ؟"

"فون آیا تھا۔ وہ بہت فکر مند تھا۔ یہاں کام کرنے والے پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ حالات اور واقعات کو جس نظر سے دیکھتے ہیں، اس کے مطابق اپنی خفیہ رپورٹیں اسلام آباد بھیجتے ہیں۔" وہ بتانے لگی "وہ جاننا چاہتا تھا کہ ویرا کو ستانے والا انسپکٹر ڈیوڈ پراسرار طور پر کیسے مارا گیا۔"

"دنیا بہت زیادہ سکڑ چکی ہے۔ ذرا سی دیر میں حقائق دنیا بھر میں پھیل جاتے ہیں۔ ویرا کی وہ حرکت بہت خطرناک تھی۔"

"ویرا اپنا راگ الاپ چکی۔ آپ نے بلاوجہ اسے اپنی جان کا روگ بنالیا ہے۔" غزالہ کے لہجے میں ہلکی سی ترشی اتر آئی "یہ دہلی پولیس کی نااہلی ہے کہ وہ اندھیرے میں بھٹک رہی ہے۔ جب انہیں ویرا سے تفتیش کا خیال نہیں آیا تو آپ کو اور اول خان کو کیوں تشویش ہے۔"

"تشویش نہیں، بس تھوڑا سا قلق ہے کہ اس نے ہمیں اعتماد میں لیے بغیر اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگادی۔ وہ یوں بھی ہوئی ہے کہ ایک پولیس افسر صبح سے شام تک دسیوں خطرناک ملزموں اور مجرموں سے ملتا جلتا ہے۔ اس بھیڑ میں کسی کو ویرا کا خیال نہیں آیا ورنہ وہ اب تک پس زنداں ہوتی۔ بہرحال، تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ وقت گزر گیا، خطرہ ابھی ٹلا نہیں ہے۔ ہمیں اس پر اپنا سر نہیں کھپانا چاہیے۔"

"وہ آپ کی سرگرمیوں کے بارے میں بھی جاننا چاہ رہا تھا۔ دس بجے دوبارہ فون کرے گا۔" غزالہ نے بتایا ہے۔

"وہ احمق اور جذباتی آدمی ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا "بیرون ملک سے آنے والی فون کالز کی کثرت ہمارے لیے درد سر بن سکتی ہے۔ پاکستان سے چند گھنٹوں میں دو فون کالز! خدا کی پناہ! اول خان آخر کیا چاہتا ہے۔"

"وہ مخلص دوست ہے۔ آپ کی خیریت کے سوا اور کیا چاہ سکتا ہے۔" غزالہ مجھے چڑانے والے انداز میں مسکرائی "آپ کے سارے خیر خواہ ایسے ہی ہیں۔ وہ پاکستان میں رہ کر آپ کے غم میں گھلا جارہا ہے، ویرا آپ کا ہاتھ بٹانے کے لیے دم چھلے کی طرح لگی لگی یہاں آپہنچی ہے اور اب رابرٹو ویلینی جیسے سادہ لوح اطالوی نوجوان کو اپنی فیاضیوں سے بہرہ ور کررہی ہے۔ ایک آپ ہیں کہ ان کے جذبات کا احترام کرنے کے بجائے ان پر غصہ دکھا رہے ہیں۔"

اس کے موڈ میں وہ تبدیلی اچانک رونما ہوئی تھی۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا، بس خشم ناک نگاہوں سے اسے گھور کر رہ گیا۔

میرے لیے گوپال زیادہ اہم تھا کیونکہ وہ دہلی میں تھا اور مقامی حالات سے خاصا باخبر بھی۔ میں نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ اور اس کے آدمی میری فکر نہ کریں۔ مجھ سے دور رہیں لیکن اس نے اپریٹس پر غزالہ کو ناگر کے بارے میں بتا کر یہ ثابت کردیا کہ آئی بی والے میری طرف سے غافل نہیں تھے۔ اپنی ذات کے بارے میں میری بے پروایانہ ہدایات کو نظرانداز کرکے وہ اپنے بڑوں کے احکام پر عمل کررہے تھے۔ ان کے لیے میں وی آئی پی کا درجہ رکھتا تھا۔ غنیمت یہی تھا کہ وہ میری نظروں سے دور رہ کر میری حفاظت کررہے تھے۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اب ان کو اس بارے میں مزید کوئی ہدایت دوں گا نہ تاکید کروں گا۔

کمرے کے دروازے کا قفل چیک کرکے میں نے اپریٹس سنبھالا اور گوپال سے رابطہ کرنے کی کوششوں میں مصروف ہوگیا۔ عابد علی عرف گوپال شاید کہیں پھنسا ہوا تھا۔ میں نے اس کے، جی ٹو کے پاس ورڈ پر اس کے لیے وقفے وقفے سے تین پیغام نشر کیے مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے اپنی کوششیں ترک کردیں۔ مجھے امید تھی کہ وہ

موقع پاتے ہی، پہلی فرصت میں مجھ سے رابطہ کرے گا۔

یہی ہوا۔ چند منٹ بعد اس کی کال آگئی۔ وہ کسی ایسی کھلی جگہ پر تھا جہاں ایریئس نکالنا بھی مشکل تھا۔ اس نے ایک گوشہ عافیت میں پہنچنے کے بعد ایک کھلا پیغام نشر کیا تھا کیونکہ اسے کال کا سگنل ضرور مل چکا تھا لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ ولی رام، سنیل اور مجھ میں سے کس نے اس تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔

"جی ون کالنگ!" میں نے ہلکے ریڈیائی شور میں اس کی آواز سننے کے بعد کہا "میں تمہیں تلاش کر رہا تھا۔"

"اس سے پہلے مجھے تمہاری فکر تھی۔ اس وقت تم کہاں ہو؟" میری آواز سن کر اس نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہوں اور خیریت سے ہوں۔ ناگر چند منٹ بعد ہی واپس چلا گیا تھا۔"

"وہ لڑکی زہریلی ہے۔ تم اس کی معصومیت سے دھوکا کھا گئے۔ تمہارے ساتھ کوئی بہت خطرناک داؤ کھیلا جارہا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے پرسکون رہتے ہوئے جواب دیا "ہم دشمن تک پہنچنے کی فکر میں تھے لیکن دشمن خود ہی ہمارے سامنے کھلتا جارہا ہے۔ یہ آنکھ مچولی خطرناک ضرور ہے لیکن اس طرح ہمارا کام شاید آسان ہوجائے گا۔"

"تم چیف ہو۔ میں تمہارے تجزیے سے اختلاف کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا لیکن رینا کے ساتھ ناگر کی موجودگی کی خبر سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ میرے لیے یہ تصور کرنا بھی محال ہے کہ دو بدترین دشمن ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوں اور یہ سمجھ لیا جائے کہ ان میں سے کوئی ایک غافل ہوگا۔"

"وہ لوگ غافل نہیں، بہت ہوشیار ہیں مگر پوری طرح باخبر نہیں ہیں۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اس کی آواز سے الجھن مترشح تھی۔

"وہ اپنی دانست میں مظہر خان نامی پاکستانی کو اپنا آلہ کار بنانے کی کوششیں کررہے ہیں۔ مظہر کا قصور یہ ہے کہ وہ ایک غیر لڑکی کے ساتھ ہوٹل کے ایک کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ پولیس چیکنگ کے دوران میں یہ بات بھارتی حکام اور را والوں کے علم میں آچکی ہے۔"

شاید تمہاری یہ بات درست ہو۔" میرے جواب سے اس کی الجھن پوری طرح دور نہیں ہوسکی "رینا عام طور پر رنگین مزاج پاکستانیوں کے گرد منڈلاتی ہوئی دیکھی جاتی ہے۔ یہ بات ابھی ابھی میرے ذہن میں آئی ہے ورنہ پہلے ہم اسے را کی ایک اوباش کارکن سمجھتے تھے۔"

"یہ بتاؤ کہ ناگر کو دیکھ کر تم یا تمہارے آدمی اتنے پریشان کیوں ہوگئے تھے۔"

"وہ اپنے ساتھیوں میں خونی بھیڑیے کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا تعلق را کے کمانڈوز گروپ سے ہے۔ یہ گروپ بلیک کیٹس کہلاتا ہے۔ اس کا آنا خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھا۔ وہ تم سے ملا تھا یا باہر ہی سے واپس لوٹ گیا؟"

گوپال اس کے بارے میں بہت زیادہ متجسس تھا۔

غزالہ میرے قریب کھڑی، بہت توجہ سے دو طرفہ گفتگو سن رہی تھی کیونکہ اس وقت تک میرے اور اس کے درمیان اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

"وہ آیا، ملا اور چلا گیا۔" میں نے اپنے فنگر پرنٹس کا تذکرہ دانستہ گول کردیا۔ وڈیو فلم بہرحال شجر ممنوعہ تھی۔

"ایں...!" اس کی تحیر زدہ آواز ابھری "اس کے آنے کا مقصد کیا تھا؟"

"رینا چارے کے طور پر استعمال کی جانے والی ایک معمولی لڑکی ہے۔ ناگر اپنے بڑے کی نمائندگی کررہا تھا۔ مجھے کل دو بجے انکل سے ملنا ہے۔"

"اوہ! کل دو بجے! لیکن وہ تم سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ ناگر سے تم نے کچھ تو پوچھا ہوگا۔"

"وہ مجھے شیشے میں اتارنے کی کوشش کرے گا۔ میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ وہ مجھے اپنا آلہ کار بنانے کی کوششیں کررہے ہیں۔"

"انہیں بھنک بھی مل گئی کہ تم کون ہو تو معاملہ اچانک بہت سنگین ہوجائے گا۔"

"میں اپنی مرضی سے اس کے پاس نہیں جارہا۔ وہ لوگ خود میری طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اس ملاقات سے بچنے کی کوئی محفوظ صورت ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں پورے خلوص سے اس پر عمل کروں گا۔" میں نے پوری نیک نیتی سے کہا "میں اس ملاقات میں مضمر خطرات سے پوری طرح آگاہ ہوں۔"

"آج پانسہ بالکل پلٹ چکا ہے۔" اس کی سپاٹ آواز آئی "ناگر کے سامنے آنے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ را والے تمہاری ذات میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ کل انکل سے تمہاری ملاقات طے ہوچکی ہے۔ یہ را کا گھر ہے۔ وہ یہاں ہزار پا بلا کی طرح ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر انہوں نے تم کو تاک لیا ہے تو تم

انہیں جل دے کر کہیں بھی نہیں جاسکو گے۔ وہ اپنے منحرفین کو بہت بے رحمی سے کچل ڈالتے ہیں۔"

"میں خود بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں اسی لیے میں نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت بھی ہوٹل سے نکاس کے راستوں کی نگرانی ہو رہی ہو اور میں ہوٹل سے نکلوں تو میرا پیچھا کیا جائے، کہیں نکل بھاگنے کی کوشش کروں تو وہ مجھے روک دیں۔"

"تم واقعی بہت جلد صحیح نتائج اخذ کرتے ہو۔ مجھے یہی سب خیالات پریشان کر رہے ہیں مگر میں یہ باتیں دہراتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ کہیں تم یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ میں تم پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"میں اتنا نادان نہیں ہوں۔ تمہاری نیک نیتی پر مجھے پورا یقین ہے۔ شاید انسپکٹر کی موت کے بارے میں تمہارے کچھ تحفظات ہیں۔"

میرے آخری سوال پر وہ چونک پڑا "نن .... نہیں تو! تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟"

"یہ مقامی نوعیت کا ایک واقعہ تھا۔ اس کی بازگشت اسلام آباد اور کراچی میں سنائی دے رہی ہے۔"

"تم خود سوچو۔ وہ برسوں سے یہاں کام کر رہا تھا۔ اس کی بدمعاشیاں اور چیرہ دستیاں کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھیں۔ وہ عورتوں کا رسیا تھا۔ اس کے افسروں کو بھی معلوم تھا کہ وہ اکیلی گھومنے والی مشتبہ غیر ملکی لڑکیوں سے اپنا خراج وصول کرتا تھا مگر اس کی مجموعی کارکردگی کی بنا پر اس کی ایسی حرکتوں سے چشم پوشی اختیار کی جاتی تھی۔ پھر یہ کیسے ہوا کہ ایک رات اس نے این پر ڈورے ڈالنے کی ناکام کوشش کی اور اگلی شام وہ مارا گیا۔"

"تو کیا تم این پر کسی قسم کا شبہ کر رہے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں براہِ راست سوال کر ڈالا۔

"اس پر شبہ نہیں ہے۔" وہ جلدی سے بولا "بس یہ ڈر ہے کہ اس واقعے سے اس کی پوزیشن مخدوش ہوگئی ہے۔"

"اور تم نے اپنی رپورٹ میں بھی یہ اندیشہ ظاہر کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں!" وہ میرے شبے کی تائید کرنے پر مجبور تھا "ہم جو کچھ دیکھتے، سنتے اور محسوس کرتے ہیں، اسے آگے بڑھا دیتے ہیں۔"

"اپنی رپورٹ بھیجتے ہوئے تم نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا کہ تفتیشی افسران ان خطوط پر نہیں سوچ رہے۔ وہ کچھ مشتبہ افراد کو حراست میں لے چکے ہیں۔"

"یہ پولیس کا روایتی طریقہ کار ہے۔ اکثر وہ سست رفتاری سے پیش قدمی کرتے ہیں۔ کوئی معاملہ ان کے ریکارڈ پر زندہ ہو تو وہ دس برس بعد بھی بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتے ہیں۔ مشتبہ افراد سے پوچھ گچھ میں ناکامی کے بعد وہ کسی بھی وقت تفتیش کا رخ بدل سکتے ہیں۔"

میں نے اس کی بات پر غور کیا تو اس میں وزن تھا۔ میں نے پوچھا "پھر تمہاری کیا تجویز ہے؟"

"این کو یہاں سے لوٹ جانا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ وہ تفتیش کی زد میں آئے۔ اسے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"وہ نوے دن کا ویزا لے کر آئی ہے۔ چند روز بعد واپسی اسے بلاوجہ شبہات کی زد میں لے آئے گی۔"

"واپسی کے لیے بیماری کا عذر سب سے مضبوط ہے۔ ویسے بھی کسی جواز کے بغیر کسی سیاح سے پوچھ گچھ نہیں ہوتی خاص طور پر واپس جانے والوں کی زیادہ جانچ پڑتال نہیں ہوتی۔ وہ آج کل میں آرام سے نکل سکتی ہے۔ خطرات سے لڑنے کے بجائے انہیں ٹالنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔"

"تمہارا مشورہ مناسب ہے۔" میں نے پرخیال آواز میں کہا "میں کوشش کروں گا کہ وہ واپس لوٹ جائے۔"

"شاید تمہیں علم ہوگا کہ رابرٹو ویلینی نامی ایک اطالوی لڑکا اس کے ساتھ رہ رہا ہے۔" گوپال کی آواز سے جھجک مترشح تھی۔

"وہ ہمارا ساتھی نہیں ہے۔" میں نے ترشی سے وہ بات وہیں ختم کرنے کی کوشش کی "این کا کوئی پرانا شناسا ہے۔"

"اوکے! پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے؟" گوپال نے وہ بات آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی "کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں رینا کیا کہتی ہے؟"

اس نے میرے ایک اشارے پر ویرا اور اس کے اطالوی ساتھی کو بھول کر بالکل نیا سوال کیا تھا۔ اس کی معاملہ فہمی پر مجھے خوشی ہوئی اور میں نے دوستانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا "وہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی آڑ میں اپنے مطلب کی لڑکیاں تلاش کرتے ہیں۔ خوب رو، جوان اور ضرورت مند یا شوقین لڑکیاں ان کا نشانہ بنتی ہیں۔ انہیں بھرپور آوارگی کی تربیت دینے کے بعد وہ میدان میں اتار دیتے ہیں۔"

"ویری گڈ!" میری تصدیق پر وہ خوش ہوگیا "اب ہم ان کے اس اڈے کو جلد ہی تباہ کردیں گے۔"

"تباہ کردو گے!" میں نے حیرت سے دہرایا "تم لوگ تو

اپنے کام سے کام رکھنے والے ہو۔ خون خرابا تو دور کی بات ہے، غیر ضروری تصادم سے بھی گریز کرتے ہو پھر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کو کیسے تباہ کرو گے؟"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ جس کو جو مشن سونپا جاتا ہے وہ تن، من، دھن کی بازی لگا کر اسی مشن پر کام کرتا ہے۔ نتائج حاصل کرتا ہے یا پھر اپنی جان پر کھیل جاتا ہے۔ ہم بلاوجہ اِدھر اُدھر اُلجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ایسا کرنے سے اصل ہدف دور ہو جاتا ہے۔ ہمارا روز مرہ کا کام کچھ بھی ہو، اس کا بنیادی مقصد ایک ہوتا ہے۔ اپنے وطن کے خلاف دشمن کی کارروائیوں کو روکنا اور اس کی دہشت گرد ایجنسیوں کی قوت کو توڑنا۔ را والے اگر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی آڑ میں نیا خون حاصل کر رہے ہیں تو زیادہ دنوں تک ایسا نہیں ہو سکے گا۔ ان کا یہ کھیل بند ہو جائے گا۔"

"میں سب کچھ سمجھ رہا ہوں مگر تم اس اکیڈمی کے خلاف کیا کرو گے؟"

"ہمیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ یہاں رہ کر ہم نے کچھ مراسم استوار کیے ہیں، کچھ دوست بنائے ہیں۔ ان میں سے کسی تیز طرار صحافی کو کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے پیچھے لگا دیں گے۔ جب اخبارات اور ابلاغ کے دوسرے ذرائع میں اکیڈمی کی مذموم کہانیاں، رینا جیسی لڑکیوں کی تصاویر کے ساتھ چھپیں گی تو پورے بھارت میں تہلکہ مچ جائے گا۔ باشعور شہری لرز کر رہ جائیں گے کہ را والے ان کی بہو بیٹیوں کو کیسی بے رحمی سے اپنی بھٹی کا ایندھن بنا رہے ہیں۔ اکیڈمی اور را کی ساکھ داؤ پر لگ جائے گی۔ پریس والے بہت ضدی اور انا پرست ہوتے ہیں۔ وہ کسی کے پیچھے لگ جائیں تو اسے تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔"

"را ان کا قومی ادارہ ہے۔ وہ اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائیں گے۔" میں نے اپنا شبہ ظاہر کیا۔

"شاید را پر وہ ہلکا ہاتھ رکھیں۔ اکیڈمی بہرحال بند ہو جائے گی۔ اس کا براہِ راست نقصان را کو ہوگا۔ یہی ہمارا بنیادی مشن ہے۔ یوں سمجھو کہ تم نے اکیڈمی کے اصل کردار کا راز فاش کر کے ہمارے بنیادی مشن کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔"

"میں تمہاری کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔ اس کہانی کا بنیادی نکتہ یہ ہونا چاہیے کہ را کے شہزادوں نے اپنی ہم جنگی تنظیم کو نائٹ کلب میں بدلنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں اور اپنے عشرت کدوں میں محصور ہو کر آگ اور خون کا بارودی کھیل بھارتی دوشیزاؤں کو سونپ دیا ہے۔ وہ نظروں کے تیر چلا کر اور حسن کی بجلیاں گرا کر دشمنوں کو گھیرنے میں لگی رہتی ہیں۔ را کے شہزادے کیمروں کی آنکھ سے ان کی کارکردگی پر نظر رکھتے ہیں۔"

"کیمروں کی آنکھ!" میری زبان سے روانی میں بہہ نکلنے والے ان الفاظ نے اسے حیران کر دیا "تو کیا ان لڑکیوں کی پس پردہ سرگرمیوں کی فلم بندی بھی ہوتی ہے؟"

وہ ایک اٹل حقیقت تھی۔ میں اس تجربے سے گزر چکا تھا مگر اس واقعے کو ہر ایک سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جوشِ بیان میں مجھ سے ایک لغزش ہو گئی تھی اور عابد علی عرف گوپال نے میری وہ بات فوراً پکڑ لی تھی۔ میرے پاس اس کا جواب دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے محتاط لہجے میں کہا "رینا اجیت رائے یہی کہتی ہے۔ ہر لڑکی پوشیدہ اور خود کار کیمروں کی نگرانی میں اپنے شکار سے پہلی ملاقات کرتی ہے۔ شکار زیادہ پھڑ پھڑانے اور جال توڑ کر نکل بھاگنے کی کوشش کرے تو بعد میں ان کیمروں کی بنائی ہوئی وڈیو فلمیں اس کو بلیک میل کرنے کے کام آتی ہیں۔"

"پریس کے لیے یہ بہت سنسنی خیز سراغ ہوں گے۔" گوپال کی خوشی دوبالا ہو گئی "وہ ایسی خبریں سونگھتے پھرتے ہیں۔ تم جلد ہی اخباروں میں اپنی کارگزاری کے تصویری فیچر دیکھو گے مگر اپنی والی بات نہ بھولنا۔ میں اس کے لیے فکرمند ہوں۔"

میں نے اسے یقین دلایا کہ میں اس کے مشورے پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔

میری اور گوپال کی گفتگو ختم ہونے کے بعد غزالہ نے مضطربانہ انداز میں میرا شانہ پکڑ کر مجھے جھنجوڑ ڈالا "یہ آپ کے اندازے ہیں یا یہ ساری باتیں رینا نے آپ کو بتائی ہیں؟" اس کی آواز سے اس کی تشویش اور گھبراہٹ عیاں تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں کسی بات پر یقین کیے بغیر آگے نہیں بڑھتا۔ یہ سب رینا کے اعترافات ہیں۔"

"میں خوش تھی کہ آج آپ انل بسواس کی گردن تک پہنچنے کی خوش خبری لے کر آئیں گے لیکن یہاں معاملہ ہی کچھ اور نظر آ رہا ہے۔"

"یہ ٹھوس زمینی حقائق ہیں جو میرے اختیار سے باہر ہیں۔ رینا سے آج کی ملاقات میں میری ہر خوش فہمی رفع ہو گئی ہے۔"

"ناگر کیسا آدمی ہے؟ آپ کے ساتھ اس کا رویّہ کیسا تھا؟" غزالہ کی آنکھوں سے ہراس نمایاں تھا۔

''بہت تند خو اور درشت رو آدمی ہے۔ اس کا رویہ توہین آمیز تھا۔ وہ زبردستی میرے فنگر پرنٹس لے گیا ہے۔''
''آپ کے فنگر پرنٹس....!'' وہ بے ساختہ تقریباً چیخ پڑی ''اب وہ پاتال میں بھی آپ تک پہنچ جائیں گے۔''
میں نے اسے سمجھایا کہ اس کا وہ خوف عارضی طور پر بے بنیاد تھا۔ ناگر نے جو کچھ کیا' وہ مظہر خان کے ساتھ کیا تھا۔ ڈینی کا نام اس وقت بھی پردے میں تھا۔
کئی منٹ بعد میری وضاحتیں اس کی سمجھ میں آسکیں۔ آخر اس نے کہا ''آپ نے یہ بات گوپال کو نہیں بتائی۔''
''میں چیف ہوں۔ یہ میرا صوابدیدی حق ہے۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا ''ناگر نے میری خاصی تذلیل کی تھی۔ مجھے اچھا محسوس نہیں ہوا کہ میں اپنی اس توہین کی کہانی کی خود تشہیر کروں۔ یہ تفصیل سن کر وہ بے چارہ بھی تمہاری طرح پریشان ہو جاتا۔''
غزالہ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ شاید اس کے وجود میں سوئی ہوئی بیوی کی چھٹی حس یکایک بیدار ہوگئی تھی۔ اس نے تیز سرگوشیانہ آواز میں پوچھا ''کیا آپ کی اور رینا کی پہلی ملاقات بھی خفیہ کیمروں کی نگرانی میں ہوئی تھی؟''
میرے حلق میں تلخی سی گھلنے لگی۔ غزالہ کا وہ سوال ٹیڑھا اور نازک تھا۔ میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا ''رینا انکار کرتی ہے۔ کیمرے اسی وقت حرکت میں آتے ہیں جب بلیک میلنگ کا مواد دستیاب ہونے کی امید ہو۔ میرے اور اس کے پہلے مذاکرات میں ایسی کوئی صورتِ حال پیدا نہیں ہوئی تھی۔''
میں نے اپنی دانست میں اپنا بھرپور دفاع کرلیا تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ غزالہ دودھ پیتی بچی نہیں تھی۔ وہ ذہین اور بردبار عورت تھی جو اپنی عمر سے کہیں زیادہ تجربے کار تھی۔ وہ بہت آسانی سے ہر بات کی تہ تک پہنچ جانے کی صلاحیت سے مالا مال تھی۔ وہ بہت پہلے شاید ہر بات سمجھ چکی تھی مگر یہ اس کی بردباری اور رواداری تھی کہ اس نے مجھ سے اس بارے میں قطعی کوئی جرح نہیں کی۔ میں نے جواب دیا' اس نے اسے من و عن تسلیم کرلیا۔
''کل کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟'' چند ثانیوں کی گمبھیر اور معنی خیز خاموشی کو غزالہ نے توڑا۔
''رینا کے پاس سے واپس آنے کے بعد سوچنے سمجھنے کا موقع کہاں ملا ہے۔ اول خان سے بات کرلوں تو انل بسواس سے ملاقات کے بارے میں کوئی ذہنی تیاری کروں گا۔ یہ طے ہے کہ میں وہاں کوئی ہتھیار لے کر نہیں جاؤں گا۔''
''جب اس کے اجنبی ملاقاتیوں کے فنگر پرنٹس لیے جاتے ہیں تو اس کے سامنے پیشی سے قبل تفصیلی جامہ تلاشی بھی ہوتی ہوگی۔ وہاں ہتھیار لے جانا خود کو مصیبت میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔ اس کے محافظ ہر ہتھیار برآمد کرلیں گے۔''
''وہ صرف روایتی ہتھیار برآمد کرسکتے ہیں۔'' میں نے محض مشورے کے لیے بات آگے بڑھائی ''میری انگلیوں میں پہنی ہوئی زہریلی انگوٹھیوں پر وہ کوئی شبہ نہیں کرسکیں گے۔''
''وہ ان کا کوئی بہت اہم اور اعلیٰ افسر ہے۔ اس کے ماتحت آپ کے جسم پر موجود ہر چیز کو شک و شبے کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ میرا خیال ہے کہ آپ ہر فکر سے بے نیاز ہو کر بالکل صاف ستھرے جائیں۔ اس ملاقات میں وہ انگوٹھیاں کس کام آئیں گی۔''
''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ان کے خلاف زہر استعمال کرکے میں نہیں بچ سکوں گا لیکن انل بسواس کا مطالبہ بہت زیادہ سنگین اور شدید ہوا تو ان کے ہاتھوں میں کھلونا بننے سے بہتر ہوگا کہ میں ایک دلیر سیکرٹ ایجنٹ کی طرح انگوٹھی کا زہر اپنے اوپر استعمال کرلوں۔''
وہ اپنی جگہ چھوڑ کر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی ''جان! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کو دیکھ دیکھ کر میں نے زندہ رہنا سیکھا ہے۔ آپ کی زبان سے ایسی مایوسانہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ کیوں میرے دل کو بوجھل کر رہے ہیں؟''
''بہترین امیدوں اور توقعات کے ساتھ ہمیں بدترین صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ میری ان باتوں کو مایوسی کا نام نہ دو۔ یہ حالات کا بے خوفی سے سامنا کرنے کی دلیرانہ اہلیت ہے۔ را والے ایذا رسانی کے ایسے ایسے نادر آلات استعمال کرتے ہیں کہ متعدد ممالک کے افسران ان سے تربیت لینے کے لیے دہلی' ممبئی اور کولکتہ آتے رہتے ہیں۔''
''آپ کہہ رہے تھے کہ اول خان سے بات کرنے کے بعد کچھ سوچیں گے مگر ابھی سے سوچنا اور فیصلہ کرنا شروع کردیا۔'' وہ مجھ سے الگ ہوتے ہوئے مغموم ہنسی کے ساتھ بولی ''بڑے فیصلوں میں اتنی عجلت اچھی نہیں ہوتی۔''
''ہم دونوں بلکہ شاید پانچوں بہت معمولی اور عام سے انسان ہیں مگر تم تاریخ اٹھا کر دیکھو تو تمہیں پتا چلے گا کہ سارے اہم اور تاریخ ساز فیصلے عجلت میں یا اچانک کیے گئے۔'' میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کہا ''اول خان،

کے فون کے انتظار میں، میں اپنے ذہن کا سوئچ بند کرنے سے قاصر ہوں۔"
"ابھی تو نو بھی نہیں بجے۔" غزالہ نے وال کلاک کی طرف دیکھ کر کہا "اس کا فون دس بجے آئے گا۔"
"انتظار کی کوفت سے بہتر ہے کہ میں اسے فون کرلوں۔" میں نے جلی ہوئی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر اپنا فیصلہ صادر کردیا "را والے ہر طرف پھیلے ہوئے ہوں لیکن ہم جہنم مکانی، بدری ناتھ کی سی ایس ڈی کی وجہ سے ہر خطرے سے محفوظ رہ کر فون استعمال کرسکتے ہیں۔"
"ہم بری طرح پھنسے ہوئے ہیں لیکن غنیمت ہے کہ ہمیں رابطے کی دو سہولتیں میسر ہیں۔ سی ایس ڈی اور ریٹس کے بغیر ہم گھٹ کر رہ جاتے۔"
غزالہ کی بات پر میں نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دی اور فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔
اول خان کو فون پر میری آواز سن کر حیرت ہوئی کہ اپنی ناگزیر مجبوریوں کے باوجود میں نے اسے فون کیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے ہماری خیریت دریافت کی پھر سی ایس ڈی کے فعال ہونے کی یقین دہانی چاہی۔ ان دونوں نکات پر مطمئن ہونے کے بعد وہ اپنے مدعا پر آگیا۔
اس کی تشویش کے اسباب وہی تھے جو میں سمجھ رہا تھا۔ مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ زبانی کلامی طور پر مجھے گوپال اور اس کے ساتھیوں کا چیف بنا دیا گیا تھا لیکن وہ لوگ ایک ایسے مستحکم ادارے سے وابستہ تھے جس کے ڈسپلن کو توڑنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ لوگ میری ہر بات سنتے تھے بلکہ عزت و احترام سے سنتے تھے مگر کرتے وہی تھے جو ان کے بڑوں نے پہلے سے انہیں ذہن نشین کرایا ہوا تھا۔
جب سے میرا جلال سے تعارف ہوا تھا، اس نے اور اس کے آدمیوں نے میری بھرپور مدد کی تھی۔ نازک لمحات میں مجھے پل پل کی اہم خبریں فراہم کی تھیں۔ معلومات کی فراہمی کا وہ تسلسل بھارت کی سرزمین پر بھی برقرار تھا۔ اس سے آگے ان کا اور میرا طریقہ کار مختلف ہوجاتا تھا۔ وہ اپنے ضابطوں کے پابند تھے۔ ان سے تجاوز نہیں کرسکتے تھے۔ ہر شخص اپنے قول اور فعل کے لیے کسی نہ کسی بڑے کو جواب دہ تھا جب کہ میرے ہاتھ کھلے ہوئے تھے۔ میں کسی ضابطے کا پابند تھا نہ کسی کو جواب دہ تھا۔ میری سب سے بڑی قوت اس حقیقت میں پوشیدہ تھی کہ اول خان سے جلال تک، ہر شخص کو میرے خلوص اور نیت کی راستی پر گہرا یقین تھا۔ میں جو کچھ بھی کر گزرتا تھا، اس پر مجھ سے کوئی بازپرس کرنے کے بجائے اس کا جواز فراہم کرنے کی ہر ممکن کوششیں کی جاتی تھیں۔
اول خان لاہور سے ہماری روانگی کے بعد سے بااختیار لوگوں سے مسلسل قریبی رابطوں میں تھا۔ ان ذرائع سے وہ باتیں اس کے کانوں تک بھی پہنچی تھیں جو گوپال مجھے تھوڑی دیر پہلے بتا چکا تھا۔ اول خان کو ویرا کی سرگرمیوں اور میری سلامتی کے بارے میں سنگین اندیشے لاحق تھے۔
میں نے اس سے بھی وہی کچھ دہرایا جو میں گوپال سے کہہ چکا تھا۔ اول خان سے میرا گہرا اور جذباتی تعلق تھا اس لیے مجھے لفاظی اور زیادہ وضاحتوں سے کام لینا پڑا لیکن اس ساری گفتگو کا خلاصہ وہی کا وہی تھا۔ اس میں سرمو فرق نہیں آیا تھا۔ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اگلے دن میری اور انل بسواس کی ملاقات ہونے والی تھی۔
خاصی بحث و تمحیص کے بعد اس کے لب و لہجے میں اعتدال پیدا ہوا تو میں نے اس سے سلطان شاہ کے بارے میں دریافت کیا۔
"وہ آج صبح سے غائب ہے۔ اس کے سر پر اس شخص کو تلاش کرنے کا بھوت سوار تھا جس نے تمہارے پاسپورٹ پر درج پتے پر پہنچ کر مظہر خان کے بارے میں معلومات جمع کی تھیں۔ وہ قسم کھا چکا ہے کہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔" اول خان کی افسردہ آواز ابھری۔
"تم نے اسے کیوں نہیں روکا؟ اتنے بھرے پرے شہر میں ایک بے نام و نشان شخص تک پہنچنا ناممکن ہے۔" میں نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدل کر کہا۔
"میں نے سب کچھ بتایا اور سمجھایا تھا۔ کل رات دیر تک میرے اور اس کے درمیان بحث ہوتی رہی۔ آخر میں وہ لاجواب ہوکر خاموش ہوگیا تھا۔" اول خان فون پر بتا رہا تھا "میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ صبح ناشتا کرتے ہی خاموشی سے اسٹیشن فورٹ نکل جائے گا۔"
اول خان کا عذر جائز تھا۔ وہ سلطان شاہ کو زنجیروں سے باندھ کر نہیں روک سکتا تھا۔ اسے صرف سمجھا سکتا تھا اور یہ فرض اس نے یقیناً پورا کیا تھا۔ میں نے کہا "یہ تم نے پریشان کرنے والی خبر سنائی ہے۔ پتا نہیں وہ کہاں مارا مارا پھر رہا ہوگا اور کب واپس لوٹے گا۔"
"میں نے اس کے کمرے کا جائزہ لیا ہے۔ وہ کپڑے وغیرہ ساتھ لے کر گیا ہے۔ کامیابی یا مکمل ناامیدی سے پہلے اس کی واپسی کی امید نہیں ہے۔ میں نے اپنے پورے اسٹاف کو حکم دے دیا ہے کہ وہ شہر میں کہیں بھی نظر آجائے تو اسے

اٹھالیا جائے۔۔۔"

"گڈ!" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "تم نے یہ ہدایت کب جاری کی تھی؟"

"شام تک میں اس کی واپسی یا کسی پیغام کا انتظار کرتا رہا۔ مجبور ہو کر میں نے چھ بجے یہ حکم دیا ہے۔"

میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ میں کراچی میں نہیں تھا لیکن اول خان پوری فرض شناسی کے ساتھ سلطان شاہ کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی گشتی نفری سلطان شاہ کو زیادہ دیر تک شہر کی گلیوں میں نہیں بھٹکنے دے گی۔ اسے جلد ہی اسٹیشن فور کے محفوظ کیمپ میں پہنچا دیا جائے گا۔

"جب بھی اور جہاں سے بھی موقع ملا، میں کل تمہیں فون کرلوں گا۔ تم کوشش نہ کرنا کیونکہ آنے والا دن مجھے ذرا بھاری نظر آرہا ہے۔" میں نے کہا۔

"فون ضرور کرلینا۔ آدم خور شیر نے تمہیں اپنی کچھار میں بلایا ہے تو اس میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ میرا دھیان تمہاری طرف لگا رہے گا۔"

"ساری بات مہلت کی ہے۔ مہلت ملی تو ضرور فون کروں گا۔ مجھے ابھی سے سلطان شاہ کی فکر لاحق ہوگئی ہے۔"

"غزالہ کو بریف کردو۔ خدانخواستہ کوئی گڑبڑ ہو تو شام ڈھلنے سے پہلے وہ مجھے مطلع کردے۔ وہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ تم اپنی مہم پر نکل گئے تو وہ تمہارے لیے دوسری دفاعی لائن کا کام سرانجام دے گی۔"

میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا جو میرے قریب سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے لہجے میں زبردستی مزاح پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "میرے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوئی تو غزالہ بھی محفوظ نہیں رہے گی۔ تم میری سرخ روئی کے لیے دعا کرتے رہو۔"

"تم اور جلال کے وہ آدمی جو اس وقت دشمن کی سر زمین پر ہیں، سب وطن اور اپنی مٹی کے لیے جانیں لٹانے والے گمنام سپاہی ہیں۔ اول خان تم سب کو سلام کرتا ہے اور اپنے دل کی گہرائیوں سے تم سب کی کامیابی کا آرزو مند ہے۔"

اس کی آواز فرطِ جذبات سے دل گرفتہ ہونے لگی۔ اپنے دیس کی فضاؤں سے آنے والا وہ محبت بھرا پیغام سن کر میرا دل بھی بھاری ہونے لگا۔ میں نے جلدی سے خدا حافظ کہہ کر فون کا ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

○☆○

ویرا اپنے کمرے کی نرم اور آرام دہ مسہری پر دراز تھی اور ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ لیے، دلچسپی سے رابرٹو کی طرف دیکھے جارہی تھی جو مسہری سے کچھ دور رکھے ہوئے صوفے پر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے بیٹھا ہوا تھا۔

"تم کب تک کسی جوان بیوہ کی طرح یوں اداس بیٹھے رہو گے؟" جب کافی دیر تک رابرٹو ویلینی کی حالت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تو ویرا کو مجبور ہو کر اسے ٹوکنا پڑا "تم یہ کیوں بھول گئے ہو کہ اس کمرے میں تم تنہا نہیں ہو۔"

رابرٹو نے دونوں ہاتھ گرا کر اپنا سر اوپر اٹھایا تو اس کے بال منتشر تھے، آنکھیں سرخ اور متورم ہو رہی تھیں، چہرے پر وحشت ناچ رہی تھی "میں اس گھڑی کو کوس رہا ہوں جب میں مرینا بار میں اپنا گلاس لے کر تمہاری میز پر آیا تھا۔ مذاق ہی مذاق میں تم نے مجھے مروا دیا۔ جب سے تمہارا ساتھ ہوا ہے۔ میں ایک رات بھی پوری نیند نہیں لے سکا۔ آنکھ لگتے ہی خواب میں پھانسی کا پھندا نظر آنے لگتا ہے۔"

"مجھے بتاؤ کہ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ میں نے اسے صرف بے ہوش کیا تھا۔۔۔"

"تم یہ جملہ پچاسویں مرتبہ کہہ رہی ہو۔ یہ ساری مصیبت تمہاری لائی ہوئی ہے۔" رابرٹو نے بھنا کر ویرا کی بات کاٹ دی "تم کو ایک ذمے دار پولیس افسر سے ایسا گھٹیا مذاق کرنے کی کیا ضرورت تھی جس کا انجام قتل بھی ہو سکتا تھا؟"

"مجھے الہام نہیں ہوا تھا کہ وہ مار ڈالا جائے گا۔" ویرا نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"تم نے اسے بے ہوش کرتے ہی یہ خدشہ ظاہر کر دیا تھا کہ شہر میں اس کے ہزار دشمن تھے۔ بے ہوشی کی حالت میں کوئی اسے مار بھی سکتا تھا اور اگلے دن کے اخباروں نے اس کی موت کی تصدیق کردی۔ تمہاری زبان کالی ہے۔ اب تک میں اس امید پر خاموش تھا کہ شاید تم میری جان چھوڑ دو مگر تم نے ڈرا دھمکا کر مجھے اپنا یرغمالی بنایا ہوا ہے۔ آج مجھے تمہارے شکنجے میں آئے تیسری رات ہے۔ میں آزادی چاہتا ہوں۔"

"تم ریسرچ اسکالر کے بجائے کسی پرائمری اسکول کے طالب علم جیسی باتیں کررہے ہو۔" ویرا نے منہ بنا کر سرد مہری سے جواب دیا "تم کو علم ہے کہ میں کیا کچھ چاہتی ہوں مگر اسے حاصل نہیں کرسکتی؟ انسان کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔"

"خدا مجھے سیدھی راہ پر چلا رہا تھا۔ تم نے شیطان بن کر مجھے بہکایا ہے۔" رابرٹو نے مٹھیاں بھینچ کر دانت پیسے "کل اور آج کے اخباروں میں آچکا ہے کہ پولیس والوں نے قتل

کے شبے میں کئی آدمیوں کو پکڑلیا ہے۔ میرا یا تمہارا دور دور تک ذکر نہیں ہے لیکن تم مجھے ڈرائے جارہی ہو۔"

"دیکھو رابرٹو! مجھ سے الجھنے کی کوشش مت کرو۔ دانت پیستے ہوئے تم بالکل بندر جیسے ہوجاتے ہو۔ تم مسلسل میری شامیں برباد کررہے ہو۔ میں نے تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کی تھی۔ تم کو پہلے ہی بتادیا تھا کہ میں ایک پولیس افسر کے ساتھ چھوٹا سا مجرمانہ مذاق کرنا چاہتی ہوں۔ یہ تمہاری بدنصیبی تھی کہ کسی اور نے اسے ماردیا۔ مجھے خطرات میں گھرا ہوا چھوڑ کر تم کہیں نہیں جاسکتے۔ ہمیں بھارت میں ایک ساتھ رہنا ہے اور ساتھ ہی یہاں سے نکلنا ہے۔ اپنا موڈ درست کرو تاکہ ہم یہ وقت بہتر طور پر گزار سکیں۔ اپنے ساتھ تم نے مجھے بھی ناقابلِ برداشت کرب میں مبتلا کیا ہوا ہے۔"

رابرٹو چند ثانیوں تک متوحش نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتا رہا پھر دھیمی مگر غصیلی آواز میں غرایا "تم شرافت سے میری جان نہیں چھوڑوگی تو میں خاموشی سے تمہارا ساتھ چھوڑ کر کہیں بھی نکل جاؤں گا۔"

ویرا اس کی حماقت پر دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گئی۔ ویرا کو دھمکی دے کر وہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ اس کی ایسی کسی کوشش کی کامیابی کے کیا امکانات تھے۔ ویرا نے کاٹ دار لہجے میں کہا "پہلی بات تو یہ سن لو کہ تمہارے تیور دیکھ کر میں نے کل ہی تمہارے سفری تھیلے سے تمہارا پاسپورٹ اور ٹکٹ اڑالیا تھا۔ اب یہ دونوں چیزیں میرے قبضے میں ہیں۔ اس کے باوجود تم بھاگ نکلے تو کسی جہاز کی دم سے نہیں لٹک سکتے۔ بکنگ کے بغیر تمہارا نکلنا محال ہوگا۔ تم کو اپنے سفارت خانے سے دوسرا پاسپورٹ لینا ہوگا۔ اس سے پہلے میں پولیس اسٹیشن پہنچ کر اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرلوں گی۔ تم ضمیر کا بوجھ تو سمجھتے ہو نا؟ میں....."

رابرٹو نے اعصاب زدہ انداز میں اس کی بات اڑادی "اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے تم سارا الزام میرے سر تھوپ دوگی۔ میں انہیں بتاؤں گا کہ تم چور اور جھوٹی ہو۔ سارا کیا دھرا تمہارا ہے۔ تم کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جانا چاہیے۔"

"گڈ!" ویرا نے برافروختہ ہوئے بغیر زہریلے لہجے میں کہا "میں بھی یہی بتانا چاہ رہی تھی۔ میری الزام تراشی کے بعد وہ تمہیں فرار ہونے سے پہلے پکڑلیں گے۔ تم مجھ پر الزام لگاؤ گے۔ بات الجھ جائے گی۔ سچ کا فیصلہ عدالتوں میں ہوتا ہے۔ جب تک یہ فیصلہ نہیں ہوگا، ہم دونوں جیل میں سڑتے رہیں گے۔ تم کو ڈبونے کے لیے میں اپنی زندگی بھی تباہ کرلوں گی۔ میرے بدن کے رازداں بن کر تم اتنی آسانی سے نہیں بھاگ سکتے۔"

"تم بہت مکّار اور صورت حرام لڑکی ہو۔" رابرٹو اپنے کانوں کو چھو کر کراہا "مجھے معلوم ہوتا کہ تم ایسی شیطان صفت نکلوگی تو بھول کر بھی تمہاری طرف نہ دیکھتا۔"

"اب سبق مل گیا۔ آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا۔" ویرا نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

کچھ دیر کے لیے کمرے کی فضا میں خاموشی پھیل گئی۔ رابرٹو دہشت زدہ تھا اور اندر سے کھول رہا تھا۔ ویرا اس کی حالت سے محظوظ ہورہی تھی۔ وہ رابرٹو ییلینی کے اعصاب کو توڑ پھوڑ کے ایک سوچے سمجھے اور مسلسل عمل سے گزار رہی تھی تاکہ اسے کسی اگلے کام کے لیے آمادہ کرسکے۔ وہ اسے اپنے مقدر کی یاوری سمجھ رہی تھی کہ اسے کام کا ایک آدمی مل گیا تھا۔ اسے وہ کسی بھی قیمت پر اپنے ہاتھ سے نکلنے نہیں دینا چاہتی تھی۔

"آخر تم کیا چاہتی ہو؟" کچھ دیر بعد رابرٹو نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"انتظار اور صرف انتظار۔" ویرا نے دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "مطلع صاف ہوتے ہی ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"یہ بات تم پرسوں شام سے کہہ رہی ہو۔" بے اعتباری سے کہا "میں سمجھ رہا تھا کہ ہماری صرف رات بے یقینی کے عالم میں گزرے گی۔ اگلی صبح کی اخباری اطلاعات سے سب کچھ سامنے آجائے گا اور ہم ہنسی خوشی اپنی اپنی راہ لیں گے۔ پتا نہیں اب تمہیں کس منحوس گھڑی کا انتظار ہے۔"

"ایسے واقعات کی گرد ہفتے عشرے میں بیٹھتی ہے۔" ویرا نے رسانیت سے کہا "تم مزید دو تین دن صبر کرلو۔"

"کس لیے....؟ آخر کس لیے....؟" رابرٹو پھر ہتھے سے اکھڑ گیا "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم یہاں کیوں پڑی ہوئی ہو۔ میں ریسرچ کے لیے اس ذلیل ملک میں آیا تھا۔ تم یہاں کیا کررہی ہو؟ تمہیں کوئی فکر ہے نہ کہیں آتی جاتی ہو۔ بستر توڑتی اور مجھے سلگاتی رہتی ہو۔ تم آج ہی یہاں سے کیوں نہیں نکل جاتیں؟ میری بھی جان چھوٹ جائے گی۔ مجھے صرف یہ سمجھا دو کہ ہم اس کمرے میں پڑے، کیوں سسک رہے ہیں۔ میں دو تین دن صبر کرلوں گا۔"

"تمہاری خاطر میں یہ ساری احتیاط کررہی ہوں۔" ویرا

نے سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی "ان مشرقی ملکوں کو تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ آج کل ہر طرف کڑی چھان بین ہو رہی ہوگی۔ کوتوالی میں کئی پولیس والوں نے تمہیں ڈیوڈ کے بارے میں معلومات حاصل کرتے دیکھا ہوگا۔ تمہاری ایک جھلک دیکھتے ہی ان کی یادداشت تازہ ہو سکتی ہے۔ کسی نے تم کو دیکھ لیا تو تم بے موت مارے جاؤ گے۔"

"میں مارا جاؤں گا نا؟" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر غصے سے کہا "یہ میرا مسئلہ ہے۔ تم میرے راستے کی دیوار کیوں بنی ہوئی ہو؟"

"ہائے ....! تم کتنے معصوم ہو" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں افسوس کا اظہار کیا "تم پکڑے گئے تو میں جانتی ہوں کہ پولیس کا ظالمانہ تشدد دس منٹ سے زیادہ نہ سہ سکو گے۔ جھٹ میرا نام لے دو گے۔ بتاؤ کہ پھر یہ مسئلہ کس کا ہوگا؟ میرا، تمہارا یا ہم دونوں کا؟"

"حجت میں تم طاق ہو۔ تم سے جیتنا مشکل ہے۔ رفتہ رفتہ مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتی ہو مگر میں بتا چکا ہوں کہ میں ایک قلاش آدمی ہوں۔ پاسپورٹ اور ٹکٹ چراتے ہوئے تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ میرے سفری تھیلے میں کوئی قیمتی چیز یا رقم نہیں ہے" رابرٹو کی آواز پھر دھیمی ہو گئی۔ ویرا نے اس کا ذہن اس حد تک ماؤف کر دیا تھا کہ وہ کوئی بھی ایک رویہ اختیار نہیں کر پا رہا تھا۔ کبھی گرمی دکھا رہا تھا اور کبھی ہتھیار ڈال دیتا تھا۔

ویرا نے مسہری پر پہلو بدل کر سگریٹ سلگائی۔ سوچنے کے انداز میں اس کے چند گہرے کش لے کر دھوئیں کے مرغولے فضا میں بکھیرتی رہی پھر چونک کر رابرٹو سے بولی "اگر تم میرا ایک کام کر سکو تو میں ہر خطرہ مول لے کر تمہیں یہاں سے نکلنے کی اجازت دے سکتی ہوں۔"

رابرٹو کی وحشت زدہ اور سرخ آنکھوں میں امید کی چمک جاگ اٹھی اور وہ اضطراری انداز میں صوفے سے اٹھ گیا "کیا کام ہے وہ؟ تم نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا ہے کہ شاید اب میں تمہارے ایک اشارے پر جہنم میں بھی چھلانگ لگانے پر آمادہ ہو جاؤں گا۔"

"میں تم سے اتنا بڑا کام نہیں لوں گی" ویرا نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "وہ ایک معمولی سا کام ہے۔"

"میرے اعصاب پہلے ہی جواب دے چکے ہیں۔ ان پر مزید زور نہ ڈالو۔ جلدی بتاؤ کہ وہ کیا کام ہے؟"

"تمہیں میرا ایک بند لفافہ میرے ایک دوست تک پہنچانا ہے۔ اس کی طرف سے لفافہ مل جانے کی اطلاع کے بعد تم آزاد ہو جاؤ گے۔"

"مجھے منظور ہے" رابرٹو نے بے تابی سے اقرار کر ڈالا "تم جس بے رحمی سے میرے ساتھ کھیلتی رہی ہو اس کی بنا پر مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارا بتایا ہوا کام اتنا آسان اور سادہ نہیں ہوگا۔ اس میں کوئی نہ کوئی پیچ ضرور ہوگا۔ پھر بھی میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

"میری نیت پر شبہ مت کرو۔ میں نے تم پر رحم کھا کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ مجھے یہی انتظار تھا کہ ہر خطرہ ٹل جائے تو میں خود وہ لفافہ اپنے دوست تک پہنچا دوں۔ اس کے بعد میں فوراً بھارت سے نکل سکتی تھی۔ میں اب تک اسی کے لیے رکی ہوئی ہوں۔"

"وہ لفافہ اسی قدر اہم ہے تو تم نے ڈیوڈ سے جان لیوا مذاق کرنے سے پہلے اسے اپنے دوست تک کیوں نہیں پہنچایا؟" دباؤ کم ہوتے ہی رابرٹو ویلینی کے دماغ نے صحیح سمت میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

"لفافے میں صرف پیغام نہیں، کوئی اور چیز بھی ہے جو میں نے ڈیوڈ کو بے ہوش کرنے کے بعد اس کی جیب سے نکالی تھی" ویرا نے بات بنائی۔

"پھر اسے تم ہی نے کوئی سریع الاثر زہر دے کر مارا ہوگا تاکہ وہ ہوش میں آنے کے بعد اس اہم چیز کے غائب ہونے کا شور نہ مچا سکے۔"

"یہ لغو بات ہے لیکن میں تم سے بحث نہیں کروں گی۔ تم ایسا سمجھتے رہو۔ اس سے تمہاری پوزیشن صاف نہیں ہوتی۔ تم میرے شریک کار تھے اور کوتوالی کے متعدد سپاہی ڈیوڈ کی ذات میں تمہاری دلچسپی کی گواہی دے سکتے ہیں۔"

"میں نے کل ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ تم ڈوبیں تو مجھے ضرور اپنے ساتھ لے ڈوبو گی؟" رابرٹو نے ایک گہرا سانس لے کر بے بسی سے کہا "اب ان باتوں میں کچھ نہیں رہا۔ اس وقت میں بری طرح تمہارے شکنجے میں آیا ہوا ہوں۔ تم اب کام کے بارے میں بتاؤ۔"

"تم نے چانکیہ پوری کا علاقہ دیکھا ہوگا۔ کل تمہیں اسی علاقے میں واقع ہوٹل سمراٹ میں جانا ہوگا۔"

"وہ ہوٹل میں نے باہر سے دیکھا ہوا ہے۔ اپنی مفلسی کے باعث میں اندر جانے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔"

"یہ تمہاری بے وقوفی تھی۔ یہاں کے لوگوں کی سوچ عجیب ہے۔ یہ مفلس ترین گورے کو بھی لکھ پتی سمجھتے ہیں۔ اس کے ہر پہناوے کو فیشن سمجھ کر توقیر کی نظر سے دیکھتے

ہیں۔“

”فکر نہ کرو۔ میں بے دھڑک تمہارے دوست تک پہنچ جاؤں گا“ رابرٹو نے یقین دلایا ”اپنے دوست کا نام بتاؤ۔“

”ابھی سوا نو بجے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم اسی وقت ہوٹل سمراٹ کا ایک چکر لگا کر اس کا کمرا دیکھ لو......“

”اس کی کیا ضرورت ہے؟“ رابرٹو نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ”مجھے کون سا اسے مارنا یا بے ہوش کرنا ہے۔ لفافہ دینا ہے‘ وہ پہلے سے کمرے کا جائزہ لیے بغیر بھی پہنچایا جا سکتا ہے۔ تم اس کا نام بتادو تو میں ابھی ہوٹل سمراٹ فون کرکے اس کے کمرے کا نمبر معلوم کیے لیتا ہوں۔“

”بھول کر بھی یہ حماقت نہ کرنا“ ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں ”احتیاط ضروری نہ ہوتی تو مجھے اور تمہیں اب تک حالات سازگار ہونے کا انتظار نہ کرنا پڑتا۔“

”مجھے اس کا نام بتاؤ اور میرا ٹکٹ اور پاسپورٹ مجھے لوٹادو۔“ رابرٹو نے بے صبری سے مطالبہ کیا۔

”تمہاری دونوں چیزیں کام پورا ہوتے ہی تمہیں لوٹادی جائیں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ اس کا نام میں تم کو صبح بتاؤں گی۔“

رابرٹو نے مزید کچھ کہنا چاہا لیکن فون کی گھنٹی کی چیخ نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

○☆○

مرینا ہوٹل کی آپریٹر نے جوں ہی میری کال ویرا کو منتقل کی‘ میں نے سی ایل ڈی آن کردی۔

میری آواز سن کر وہ تحیر آمیز خوشی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکی ”مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا کہ یہ تمہاری آواز ہے۔“

”یہ میری ہی آواز ہے اور میری یہ فون کال بہت اہم ہے۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا پھر پوچھا ”تمہارا اطالوی دوست کہاں ہے؟“

”یہیں صوفے پر بیٹھا ہوا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ وہ اردو نہیں جانتا اسی لیے میں اردو بول رہی ہوں۔“

”تم کیا کررہی ہو۔ تمہارا کیا پروگرام ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”فی الحال صرف آرام کررہی ہوں اور سوچنے میں مصروف ہوں کہ اگلے شکار کو کیسے چارہ ڈالا جائے۔“ اس نے مبہم سا جواب دیا۔

”میں چاہتا ہوں کہ تم اگلے شکار کو بھول جاؤ اور فوری طور پر وطن لوٹ جاؤ۔“ میں نے پوری سنجیدگی سے اپنی تجویز پیش کردی۔

”کس وطن کی بات کررہے ہو؟ میں تو خانہ بدوش ہوں۔ امریکا سے نکلنے کے بعد اب جہاں پڑاؤ کرلیتی ہوں‘ وہی میرا عارضی وطن بن جاتا ہے۔“

”میں اس وطن کی بات کررہا ہوں جس کا اندراج تمہارے پاسپورٹ پر ہے۔“ میں نے پھبتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کیوں؟ اس وقت تمہیں میری واپسی کا خیال کیوں ستا رہا ہے؟“

”حالات الجھ گئے ہیں۔ میں کسی وجہ سے ان کی نظروں میں آگیا ہوں۔ کل مجھے اس نے طلب کیا ہے جس کے لیے ہم یہاں آئے تھے۔“ میں نے انکشاف کیا۔

”اوہ!“ ریسیور پر اس کی بے ساختہ سیٹی گونجی ”تمہاری بات مبہم ہے۔ فون پر زیادہ تفصیل نہیں پوچھی جاسکتی۔ کیا ہم کہیں مل سکتے ہیں؟“

”ناممکن ہے!“ میں نے سختی سے کہا ”اس وقت ان گنت خفیہ آنکھیں میری نگرانی کررہی ہوں گی۔ میری اور تمہاری ملاقات ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ میری بات

سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں اس وقت سخت الجھن اور اضطراب کے عالم میں ہوں۔"

"اچانک یہ بری خبر سنا کر تم نے میرے ہاتھ باندھ دیے ہیں ورنہ کل میں ایک اور وار آزمانے کا قصد کر چکی تھی۔ اس نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟"

"یہ اس سے ملنے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا۔ تم کل کس پر اور کون سا وار آزمانے والی تھیں؟"

"بہت اچھا ہوا کہ تم نے مجھے فون کر لیا۔ اب میرا کل کا پروگرام ملتوی سمجھو۔ ایک دن میں دو محاذوں کا کھلنا مناسب نہیں ہے۔ میرا داؤ چل جاتا تو کل جان کا قصہ بھی نمٹ جاتا۔"

اس کی زبان سے وہ انکشاف سن کر میں سناٹے میں آ گیا

"اتنا تیز نہ چلو۔ تیز رفتاری میں بہت بری طرح ٹھوکر لگتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر مرتبہ قسمت تمہارا ساتھ دیتی رہے۔ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اس کی ناکامی کے نتائج پر غور ضرور کر لینا چاہیے۔"

"مجھے زیادہ مشورے نہ دو۔ آنے والی ملاقات پر دھیان دو۔ تم بھیڑیوں کے بھٹ میں جا رہے ہو۔ تم کو وہاں خالی ہاتھ جانا ہوگا۔"

"خالی ہاتھ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کم از کم دو انگوٹھیاں میری انگلیوں میں موجود ہوں گی۔"

"انگوٹھیاں....!" ویرا کی تحیر زدہ آواز ابھری "کس قدر تعجب کی بات ہے کہ میں بھی جان کو انگوٹھی کا تحفہ بھیجنے کا فیصلہ کیے بیٹھی تھی۔ میری تدبیر کارگر ہو جاتی تو وہ اپنے ہاتھوں سے موت کو گلے لگا لیتا۔ میرے پیغام پر عمل کرتے ہی انگوٹھی کا زہر اس کے بدن میں سرایت کر جاتا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے زن سے کوئی گولی میرے کان پر سے گزری ہو۔ میں نے گوپال کے مشورے پر ویرا کو فوری واپسی پر آمادہ کرنے کے لیے وہ فون نہ کیا ہوتا تو اگلے دن ہم دونوں اپنے ہاتھوں سے خود کو تباہ و برباد کر چکے ہوتے۔

ویرا کسی مفروضہ پیغام کے ساتھ زہریلے نگینے والی انگوٹھی اس امید پر جان اسمتھ کو بھجواتی کہ وہ اس کے نگینے کو دبائے گا اور دباتے ہی موت کے گھاٹ اتر جائے گا مگر ایسا ہونا ممکن نہیں تھا۔ وہ کوئی عام آدمی نہیں، سی آئی اے کے آپریشنز کا علاقائی سربراہ تھا۔ وہ اس پھندے میں پھنسنے سے پہلے انگوٹھی کی اصلیت جان لیتا اور یوں دہلی میں سنسنی کی ایک نئی لہر دوڑ جاتی۔ میں بے خبری کے عالم میں دو بجے انل بسواس کے دروازے پر پہنچتا تو اس کے باخبر اور دوربین محافظ میرے پاس سے اسی قسم کی دو انگوٹھیاں برآمد کر لیتے۔ ان دونوں انگوٹھیوں کا راز کھلنے کے بعد کہیں کوئی گنجائش نہ رہتی۔ ویرا کے ساتھ جو ہوتا، سو ہوتا، میرے کریا کرم کا بندوبست ضرور ہو جاتا۔

"ویرا! یہ تم کہہ رہی ہو۔" حیرت اور صدمے سے چند ثانیوں تک گنگ رہنے کے بعد میں نے زبان کھولی "تمہیں معلوم ہے کہ امریکی کتنے بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں۔ جان جیسا گھاگ شخص کبھی بھی اس دھوکے میں نہیں آ سکتا تھا۔ شاید پچھلی کامیابی کے خمار سے تمہارا ذہن ابھی تک ماؤف ہے۔"

"انگوٹھی کے ساتھ میں اسے مختصر تحریری پیغام بھیجتی کہ انگوٹھی کے کھوکھلے کیپسول میں پاکستان کی ایٹمی دھماکوں کی تیاریوں کی مائیکرو فلم پوشیدہ ہے۔ وہ کیپسول کو انگلی سے دبا کر پھاڑ دے تو وہ نایاب فلم اسے مل سکتی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ پوکھران میں جاری بھارتی تیاریوں کو امریکی سرپرستی حاصل ہے لیکن بلوچستان کے پہاڑی ویرانوں کے بارے میں امریکی سیٹلائٹ بھی کچھ معلوم نہیں کر سکے۔ یہ امریکیوں کی کمزوری ہے۔ وہ بے ساختہ میرے مشورے پر عمل کر گزرتا۔"

"اس کے پیشہ ورانہ تجسس اور اضطراری ردِعمل کو مدِنظر رکھ کر تم نے جو فیصلہ کیا تھا وہ غلط تھا۔ تم یہ بھول گئیں کہ پہلے وہ ایک عیش کوش اور بزدل شخص ہے بعد میں سی آئی اے کا زونل چیف ہے۔ تمہارا انکشاف اس کی بزدلی کو دلیری میں نہیں بدل سکتا تھا۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"میرا ساتھی بھاگ نکلنے کے لیے بے چین ہے۔" ویرا کی آواز دھیمی اور مصلحت آمیز ہو گئی "اس سے پہلے کہ وہ رسیاں تڑوا کر بھاگ جائے، میں اس سے یہ بڑا کام لینا چاہ رہی ہوں۔ میں نے عجلت میں فیصلہ کیا تھا جسے میں واپس لے چکی ہوں۔ اب کوئی اور بات کرو۔"

"تم اس قدر بے پروا ہو مگر تمہارے عزائم کے تصور سے میرے بدن میں اب تک پھریریاں سی دوڑ رہی ہیں۔ میں کوئی اور بات کیا کروں!"

"تم نے مجھے منجدھار میں اکیلا چھوڑ دیا ہے۔ مجھے مشورے کے لیے کوئی میسر نہیں تھا۔ جسے پھانسا ہے وہ دہشت میں مبتلا ہے۔ ان حالات میں بقراط جیسے دانش مند سے بھی فیصلے کی غلطی ہو سکتی ہے۔ تمہیں یہ یقین ہونا چاہیے کہ میرا خودکشی کرنے کا ارادہ ہے نہ میں تمہارے خلاف کوئی

کام کرنے کی نیت رکھتی ہوں۔"

"چند روز خاموش بیٹھی رہو تاکہ ہم میں سے کسی کے لیے کوئی نئی مشکل پیدا نہ ہو۔ ایک بار میں موجودہ نازک سچویشن سے نکل جاؤں تو پھر کچھ بھی کیا جاسکتا ہے۔" اس وقت تم دشمن کے خیموں کو جلا ڈالنے کے جوش میں اپنا دامن بھی آگ میں دینے جارہی تھیں۔ یہ نہ بھولو کہ اب ہم ایک دوسرے کی ضرورت بن چکے ہیں۔ ہم تمہاری زندگی کے خواہاں ہیں۔ تمہاری زندگی اتنی سستی نہیں ہے کہ اسے کسی جان' ڈک یا جینی کے لیے داؤ پر لگا دیا جائے۔"

"ذرا ایک بار پھر کہو۔" میرے کان میں اس کی مسرت آمیز سرگوشی ابھری "کیا تم واقعی میری ضرورت محسوس کرتے ہو؟"

میں نے اپنے قریب بیٹھی ہوئی غزالہ کی طرف دیکھ کر برا سا منہ بنایا پھر متاسفانہ انداز میں اپنا سر جھٹکتے ہوئے ریسیور میں کہا "میں بھی تمہاری ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ بقیہ تینوں کے بارے میں بھی میں یہ دعوا کرسکتا ہوں۔"

اس کی آواز سے خوشی کافور ہوگئی "میں بھول گئی تھی کہ تم نے سب کی بات کی ہوگی۔ الفاظ کا ہیر پھیر بعض اوقات انسان کو بہت بڑے دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ان ہی دھوکوں کی دنیا میں رہ کر اپنی زندگی گزار دیتے ہیں پھر بھی ان کے خوابوں کی تعبیر انہیں نہیں ملتی۔ خیر' اب تم اطمینان رکھو۔ میں اچھی طرح سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔ اپنے شکار سے مل لو تو مجھے اطلاع دینے کی زحمت ضرور کرلینا۔"

"ابھی تم کہہ رہی تھیں کہ اطالوی طوطا تمہارے قفس کی تیلیاں توڑ کر اڑ جانے کے لیے بے چین ہے۔ اسے تم کیسے روکو گی؟"

"اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے۔ میں نے زیادہ زبردستی کی تو وہ کوئی ہنگامہ کھڑا کردے گا۔ میں نے اسے اتنا زیادہ ڈرا دیا ہے کہ وہ ڈیوڈ کے بارے میں مرکر بھی اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ وہ جانا چاہے گا تو چلا جائے گا۔ اب میں اسے نہیں روکوں گی۔"

"وہ چلا گیا تو تم نیا مشیر' مددگار اور آلہ کار کہاں سے لاؤگی؟" میں نے پوچھا۔

وہ ہنس دی "اسے میں نے ہوٹل کے بار میں تاکا تھا۔ وہ نہ سہی اور سہی۔ اکیلی رہ گئی تو کسی اور کو پکڑلوں گی۔ تمہیں

معلوم ہے کہ ایسے معاملات میں مجھے ڈان مرسیانو نے خصوصی تربیت دی تھی۔ آج تک میں نے جس مرد پر توجہ دی ہے اسے اپنے قدموں میں جھکایا ہے۔ تم واحد سنگ دل آدمی ہو جو جھکنے کے بجائے جھکانا اور رلانا جانتے ہو۔ میں نے بھی تمہیں اپنے لیے چیلنج سمجھا ہوا ہے۔ زندگی رہی تو ایک نہ ایک دن تم بھی اپنی بے رخی پر پشیمان نظر آؤ گے۔"

اس کی ذہنی رو بہکنے لگی تھی۔ غزالہ کی موجودگی میں میں اسے اس موضوع پر کوئی مسکت جواب نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "یہ باتیں چلتی رہیں گی۔ یہ کال بہت لمبی ہوگئی ہے۔ اجازت ہو تو میں فون بند کردوں۔"

"میں تمہاری اگلی کال کا کل شام انتظار کروں گی۔" یہ کہہ کر ڈیرا نے خود ہی فون بند کردیا۔

"یہ آج کی اہم ترین فون کال تھی۔" ریسیور رکھ کر میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے غزالہ کو بتایا۔

"ڈیرا بہت خطرناک عورت ہے۔" اس کے عزائم کے بارے میں سن کر غزالہ کانپ اٹھی "اس کی مہم جویانہ فطرت کسی دن ہم سب کو لے ڈوبے گی۔ وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کر گزرنے کے خبط میں مبتلا رہتی ہے اور اسی دھن میں بعض اوقات غلط فیصلے کرجاتی ہے۔"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ اس وقت اس نے بات کو طول دینے کی کوشش کیے بغیر اپنی غلطی مان لی۔ اب دن کا اختتام سمجھو اور انٹرکام پر روم سروس والوں کو کھانا لانے کے لیے کہہ دو۔ پیٹ بھر لینے کے بعد آدمی کو دور کی سوجھنے لگتی ہے۔ ہم بھی نیم اندھیری خواب گاہ میں بستر پر دراز ہو کر کل کے بارے میں کوئی بہتر بات سوچ سکیں گے۔"

وہ مسکراتے ہوئے فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔ میں غسل خانے کی طرف ہولیا۔

ہماری وہ رات بستر پر بے آرامی سے کروٹیں بدلتے ہوئے گزری۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میرے دل و دماغ پر انل بسواس کا خیالی پیکر چھایا جارہا تھا۔ میں ڈیرا کی طرح اندھا دھند فیصلے کرنے کا عادی ہوتا تو جذبات کی رو میں بہہ کر انل بسواس کو پہلی ملاقات میں ٹھکانے لگا کر اپنی آزادی، سلامتی اور زندگی کو داؤ پر لگا دیتا۔ ایسی کوئی بھی حرکت مصلحت کے خلاف ہوتی۔ ایک پاکستانی قاتل کے طور پر میرا نام خوب اچھالا جاتا۔ بات سے بات نکلتی تو شاید یہ راز بھی کھل جاتا کہ مظہر خان، ڈینی کا دوسرا روپ تھا۔ ان واقعات کے سنگین نتائج پاکستان کے لیے بہت بھاری پڑ سکتے تھے۔

اگلی صبح میں ناکافی نیند لینے کی وجہ سے ذہنی انتشار اور پراگندگی کا شکار تھا۔ میں نے بے دلی سے اخبارات کا سرسری جائزہ لیا اور انہیں ایک طرف ڈال دیا۔ دل میں امنگ اور ولولہ نہ ہونے کے باوجود میں نے غزالہ سے ہنسی مذاق جاری رکھنے کی کوششیں کیں تاکہ مقررہ وقت تک میرا ذہن پوری طرح فعال ہوسکے۔ وہ تیار ہوئی تو میں نے اس کے ساتھ ہوٹل کے ہال میں جاکر بھرپور ناشتا کیا۔ خالی معدے میں پسندیدہ خوراک پہنچنے کے بعد رفتہ رفتہ میری ذہنی یکسوئی بحال ہونے لگی۔

ڈیرا ہم سے الگ تھی مگر میرا اور غزالہ کا مستقبل ایک دوسرے سے وابستہ تھا۔ انل بسواس سے ملاقات میں اگر کوئی مخاصمانہ فضا پیدا ہوتی تو غزالہ کے لیے اس کے اثرات سے بچنا ناممکن تھا۔ یہ ایک اٹل حقیقت تھی جسے کسی بہلاوے سے نہیں ٹالا جاسکتا تھا۔

دوبارہ کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے اپنے اسباب کی فہرست کو ذہن میں دہرایا۔ کمرے میں چند چیزیں ایسی تھیں جن کی موجودگی بجائے خود جرم تھی۔ اس فہرست میں اول خان کے خزانے سے لیے ہوئے چند چھوٹے شعبدے، ٹیم گن اور گوپال کا دیا ہوا ایریٹس شامل تھا۔ وقت گزر رہا تھا۔ کمرے میں ان چیزوں کو کہیں بھی نہیں چھپایا جاسکتا تھا۔ ہوٹلوں کے کمرے عام طور پر ایسے بنائے جاتے ہیں کہ محض ایک نظر میں ہوٹل کی ملکیت اور مہمان کے اسباب کا تعین ہوسکے۔ باتھ روم کا فلش ٹینک کسی زمانے میں محفوظ تصور کیا جاتا تھا۔ پلاسٹک کی تھیلیوں میں محفوظ کرکے کوئی بھی کاغذ، آلہ یا آتشیں ہتھیار ان میں ڈال دیا جاتا تھا لیکن بڑھتے ہوئے استعمال کی وجہ سے پانی کی وہ مختصر سی ٹنکی اپنی افادیت کھوچکی تھی۔ ہر تفتیشی افسر اس پر ایک نظر ڈالنا اپنا بنیادی فرض سمجھنے لگا تھا۔

میں نے جی ٹو سے ایریٹس پر رابطہ کیا۔ شاید وہ اپنی ہر مصروفیت ترک کرکے میرے کسی پیغام کا منتظر تھا۔ گوپال نے پہلی کال پر جواب دینے کے ساتھ ہی مجھے بتایا کہ را کے متعدد ہرکارے ہمارے ہوٹل کے اندر اور باہر دیکھے جارہے تھے۔ ان کی سرگرمیاں پراسرار اور محدود سی تھیں۔ کسی نے ہمارے فلور یا کمرے میں رسائی کی کوشش نہیں کی تھی۔

"میں ہوٹل چھوڑنے سے پہلے، عارضی طور پر کچھ چیزیں یہاں سے ہٹا دینا چاہتا ہوں۔ ان میں ایریٹس بھی شامل ہے۔ یہ امانتیں لینے کے لیے تم کسی کو بھیج سکتے ہو؟" میں نے اس کی بات مکمل ہونے کے بعد، اختصار سے کام لیتے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا۔

وہ فوراً بات کی تہہ تک پہنچ گیا "تم بہت دور اندیش ہو۔

جی تھری تمہارے ہوٹل سے بہت قریب ہے۔ شاید وہ ہماری یہ گفتگو بھی سن رہا ہو۔ میں ابھی اسے تمہارے پاس پہنچنے کی ہدایت دیتا ہوں۔ وہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر تمہاری چیزیں لے آئے گا۔۔۔جی تھری! کیا تم لائن پر ہو۔ اوور!"

آخری پیغام اس نے سنیل کے لیے نشر کیا تھا۔ میں خاموش رہا۔ میرے ایریئس پر فوراً سنیل کی آواز ابھری "میں موجود ہوں اور ہدایت سن چکا ہوں۔ تم کہو تو میں چند منٹ میں جی ون کے کمرے تک پہنچ سکتا ہوں۔ اوور۔"

اس بار بھی میری خاموشی ضروری تھی۔ گوپال نے سنیل کو فوری طور پر میرے پاس پہنچنے کا حکم دے کر دوبارہ مجھ سے رجوع کیا تو میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے الوداعی فقرے کے ساتھ ایریئس آف کر دیا۔

اس گفتگو سے پہلے میں نے غزالہ کو اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ وہ باتیں سن کر اس کا چہرہ دھواں ہو گیا اور گلابی ہونٹوں پر خوف کی ہلکی سی سفیدی جھلکنے لگی "آپ کے ان اقدامات سے مجھے خوف آرہا ہے جیسے ہماری کشتی ڈوبنے والی ہو اور اس پر سے بوجھ ہلکا کیا جا رہا ہو!"

"یہ صرف احتیاطی اقدامات ہیں۔" میں نے اسے دلاسا دیا "وہ کسی وجہ سے مجھے وہاں روک لیں اور کسی کو تمہارے پاس بھیجیں تو انہیں یہاں کوئی مشتبہ چیز نہیں ملنی چاہیے۔ کوئی اعصاب شکستہ شخص ایسی جزئیات پر غور نہیں کرتا۔ تم کو میرے یا اپنے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"خدا اس رینا کو غارت کرے۔ یہ سارا چکر اسی کا چلایا ہوا ہے۔" غزالہ نے ثابت کر دیا کہ وہ اول اور آخر ایک عورت تھی۔

ہوٹل کے ریکارڈ پر میرے اور غزالہ کے درمیان کوئی رشتہ نہیں تھا۔ اسی ایک نکتے سے بات کا بتنگڑ بنا تھا اور را والے میری طرف متوجہ ہوئے تھے مگر مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی حقیقت یہ تھی کہ غزالہ میری بیوی تھی، اس کی دل جوئی کرنا میرا فرض تھا۔ میں نے اس کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے گرم جوشی سے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا اور وہ میرے شانے پر سر رکھ کر سراپا سپردگی بن گئی۔ فرط جذبات سے اس کے بدن کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے لیکن اس کے لب خاموش تھے۔

خوں خوار دشمن کی جبری دعوت پر اس کی کچھار میں جانے سے پہلے وہ میری اور غزالہ کی آخری ہم آغوشی تھی جو زیادہ طویل نہ ہو سکی۔ جی تھری اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی مستعد تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی، میں نے جھپٹ کر دروازہ کھولا تو سنیل گمبھیر چہرے کے ساتھ موجود تھا۔

اس نے مجھے اتنا وقت نہیں دیا تھا کہ میں مطلوبہ چیزیں نکال کر یکجا کر لیتا۔ میں نے اسے اندر بلا لیا اور چند منٹ میں سب چیزیں اس کے حوالے کر دیں جو بہت آسانی سے اس کی جیبوں میں سما گئیں اور وہ مزید کوئی وقت ضائع کیے بغیر کمرے سے لوٹ گیا۔

"نقارے پر چوٹ پڑ چکی ہے۔ ہمارے سارے محفوظ مواصلاتی رابطے ٹوٹ چکے ہیں اور الٹی گنتی شروع ہو گئی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے غزالہ سے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی جوابی مسکراہٹ تیر گئی "اب ایک ایک لمحہ بھاری گزرے گا۔"

ہم چائے نوشی اور ادھر ادھر کی باتوں میں وقت گزارتے رہے۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ کمرے میں بیٹھ کر رینا کی کال کا انتظار کرنے کے بجائے ایک بجے سے پہلے ہوٹل کی لابی میں پہنچ جاؤں گا۔ میرا اصل ٹکراؤ انل بسواس سے تھا مگر اس تک پہنچنے سے پہلے میں رینا کو بھی یہ جتا دینا چاہتا تھا کہ میں خوف زدہ نہیں تھا۔ اس کے پیدا کیے ہوئے چیلنج کو اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ قبول کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

ہوٹل کی لفٹ گراؤنڈ فلور پر رکی تو ایک بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ خود کار دروازہ کھلنے پر میں لفٹ سے باہر نکلا تو قریب ہی رینا ایک صوفے پر ایسی جگہ لیے بیٹھی تھی کہ ہوٹل کی اوپری منزلوں کی طرف ہونے والی آمد و رفت پر نظر رکھ سکے۔ میری اور اس کی نگاہیں چار ہوئیں اور وہ ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"تم دس منٹ پہلے ہی نیچے آگئے۔ آؤ اب کسی کونے میں بیٹھ کر چائے یا کافی پیتے ہیں۔"

"ہمیں ایک بجے روانہ ہونا ہے۔ چائے وغیرہ کا وقت نہیں ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"یہاں سے تیرتھ رام اسپتال تک کا فاصلہ دس پندرہ منٹ کا ہے۔ ڈیڑھ بجے بھی نکلے تو وقت سے پہلے پہنچ جائیں گے۔ ایک بجے ہمیں یکجا ہونا تھا۔ تم فکر نہ کرو۔ ہمارے پاس کافی وقت ہے انکل کو تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

وہ اپنی جگہ پہلے ہی چھوڑ چکی تھی۔ ہم دونوں ایک دور افتادہ گوشے کی طرف ہو لیے جہاں آس پاس کوئی نہیں تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی ایک ویٹر ہمارے سر پر آموجود ہوا۔ میرے

ایما پر رینا نے اسے چائے کچھ لوازم کے ساتھ لانے کی ہدایت کی اور پھر میری طرف متوجہ ہو گئی "کل رات تم نے میری بہت بے عزتی کی۔ مجھے کمرے میں پڑا چھوڑ کر واپس لوٹ گئے۔"

"وہ تمہاری خواہش تھی۔" میں نے رکھائی سے جواب دیا "میں چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ اس کمرے سے چلی جاؤ مگر تمہاری ڈانس اکیڈمی میں عزت کے پیمانے ہی نرالے ہیں۔ جلد لوٹ آنے والی لڑکیوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ راتیں دوسروں کے شبستانوں میں گزارنے والیوں کو عزت دی جاتی ہے۔"

"میں نے تم سے التجا کی ہے کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کو بھول جاؤ۔" وہ عاجزانہ لہجے میں گڑگڑائی "اگر انکل کو یہ بھنک مل گئی کہ میرے ذریعے اکیڈمی کا نام تمہارے کانوں تک پہنچا ہے تو وہ مجھے سزا ضرور دے گا۔ ایسے معاملات میں وہ بہت سفاک اور اصول پرست ہے۔"

میں نے اس کا وہ کمزور پہلو اپنی گرہ میں باندھا ہوا تھا۔ اس کی منت و سماجت کا کوئی اثر لیے بغیر میں نے کہا "وہاں میرے ساتھ شریفانہ سلوک کیا گیا تو میں اپنی زبان بند رکھوں گا لیکن میری جان پر بن آئی یا کوئی خطرہ درپیش ہوا تو میں تمہیں بھی معاف نہیں کروں گا۔ اسے بتا دوں گا کہ تم نے میرے سامنے کیا کچھ اگلا ہے۔ تم اس کی وفادار ہو نہ میری۔ خطرناک لڑکی ہو اور دونوں کو ڈبل کراس کر رہی ہو۔ اب مجھے تمہاری کسی بات پر بھروسا نہیں رہا۔"

"میں غدار نہیں ہوں۔ تم یقین کرو کہ را سے وفاداری میری سرشت بنتی جا رہی ہے۔ اکیڈمی کے بارے میں تمہیں کوئی فون پر بتا چکا تھا۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے تمہارے سوال کی تصدیق کی تھی۔ میں نے بلاوجہ تمہیں جھٹلانے کی کوشش نہیں کی۔ میں شروع سے اب تک را کے لیے کام کر رہی ہوں جس میں تمہارا مفاد بھی پوشیدہ ہے۔"

معاً مجھے یاد آیا کہ میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے گھناؤنے کردار کے بارے میں گوپال کو ٹپ دے چکا تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ چند روز میں اس نام نہاد ادارے کے خلاف بھرپور اخباری مہم چل پڑے گی جس کے نتیجے میں را والے خام افرادی قوت بلکہ نسوانی قوت کے حصول کے ایک ذریعے سے محروم ہو جائیں گے۔ میرے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ میں اس مہم کے آغاز سے پہلے انل بسواس کو یہ جتاتا کہ مجھے اکیڈمی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔

یہ میرے ذہنی انتشار کی علامت تھی کہ ایک طرف میں نے اکیڈمی کا حوالہ دے کر رینا اجیت رائے کو پھنسوانے کا فیصلہ کیا ہوا تھا اور دوسری طرف گوپال کو اکیڈمی کے پیچھے لگا دیا تھا۔ رینا نے اکیڈمی کو بھول جانے کی التجا کر کے یکایک میری یادداشت تازہ کر دی تھی۔ میرے پاس گوپال سے فوری طور پر رابطہ کرنے اور اکیڈمی کے معاملے کو اچھالنے سے روکنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ ملاقات کے لیے وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ یہ ضروری بلکہ ناگزیر ہو چکا تھا کہ میں انل بسواس کے سامنے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا کوئی بھی ذکر کرنے کا ارادہ فوری طور پر ترک کر دوں۔ اس ضرورت کا احساس ہوتے ہی میں نے رینا پر احسان جتانے کا فیصلہ کر لیا۔

"میرے مفاد کی بات مت کرو۔ کل میں نے تم سے صاف کہہ دیا تھا کہ مجھے انل بسواس سے ملاقات اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مالی مفادات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے ترشی سے کہا "مجھے ڈرا دھمکا کر آج کی ملاقات پر مجبور کیا گیا ہے۔"

"تمہیں مجبور نہیں کیا گیا یہ ہماری مجبوری ہے۔" اس نے زور دے کر انکسار سے کہا "اس کی طرف سے ملاقات کا وقت طے ہو جانے کے بعد تم انتخاب کا حق کھو بیٹھے ہو۔ اب تم چھٹی ہونے تک وہاں نہیں پہنچے تو ہم سب کی شامت آجائے گی۔"

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے خشک لہجے میں پوچھا "چھٹی ہونے کے بعد کیا مجھے ویران دفتر میں ذبح کروانے کا ارادہ ہے؟ یہ دو بجے چھٹی کا وقت کیا ہے؟"

اس نے بے بسی سے ایک گہرا سانس لیا اور میری طرف جھک کر بولی "اب تم ہر بات پر شبہ کر رہے ہو۔ را کے بیشتر دفاتر فوجی اوقات کار پر عمل کرتے ہیں۔ صبح سات بجے سے دو بجے تک کسی وقفے کے بغیر کام ہوتا ہے۔ دو بجے کے بعد صرف وہی لوگ رکتے ہیں جنہیں اہم اور فوری نوعیت کے معاملات نمٹانے ہوں۔ یہ اعزاز کی بات ہے کہ انل بسواس نے ایک دن کے التوا کے بجائے آج اپنے اوقات کار کے بعد تمہیں بلایا ہے۔"

"واقعی بہت بڑا اعزاز ہے۔ ایسی ہولناک اور جبری مہمان داری کا رواج پٹھانوں تک میں نہیں ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ مجھے توقع تھی کہ اکیڈمی کے بارے میں وہ خود ہی دوبارہ بات چھیڑے گی اور ایسا ہی ہوا۔

چائے آجانے کے بعد وہ دھیمی اور خوشامدانہ آواز میں بولی "تم اکیڈمی کا نام نہیں لو گے نا؟" میں نے خشمگیں نظروں

سے اس کی طرف دیکھا اور وہ جلدی جلدی بولنے لگی "تم نے شکایت کی تو میرے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے انجام سے را کا ہر ایجنٹ ڈرتا ہے۔ اس نے کوئی بڑی سزا نہ دی تو میں ملازمت سے ضرور برطرف کردی جاؤں گی۔ میری بیمار ماں دواؤں کو ترستی رہے گی، گھر والے بھوکوں مرنے لگیں گے۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہے گا کہ میں کسی بالا خانے کا کوٹھا سنبھال لوں۔ بھگوان کے لیے، مجھے معاف کردو۔ میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ مجبوری تھی۔ ہم نے چند گھنٹے ایک دوسرے سے بہت قریب رہ کر گزارے...."

اس نے میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ میں نے اس کے ہاتھ گرا کر اس کی بات کاٹ دی "اب آگے نہ بولنا۔ دواؤں کے لیے ترستی ہوئی ماں کے نام پر میں اکیڈمی کو بھول رہا ہوں۔ تم نے کچھ اور باتوں کے بارے میں بھی کہا تھا کہ میں انل سے ان کا ذکر نہ کروں ورنہ وہ سمجھے گا کہ تم نے را کی اندر کی باتیں مجھے بتادی ہیں۔"

"وہ اکیڈمی کی اہمیت کو دھندلانے کی کوششیں تھیں۔ تم ہر بات دہرا سکتے ہو۔ تمہیں تعاون پر آمادہ کرنے کے لیے وہ سب بتانا ضروری تھا۔" اس نے مسرت سے کہا۔ میرے وعدے پر اس کے ستے ہوئے چہرے پر رونق آگئی تھی۔

ہم نے خاموشی سے چائے ختم کی۔ ایک بج کر بیس منٹ پر رینا اٹھ کھڑی ہوئی۔ چائے کا بل اسی نے ادا کیا تھا۔ میں نے اسے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس وقت میرے ذہن میں بس ایک بات گونج رہی تھی کہ انل بسواس سے ملاقات کے لیے ہمیں سول لائنز کے علاقے میں تیرتھ رام شاہ اسپتال کے عقب میں جانا تھا۔ وہ مقام میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ را کے اس دفتر کا سربراہ نریش شرما تھا۔ انل بسواس اس گمنام دفتر میں کبھی کبھار دیکھا جاتا تھا۔

سنیل کے ساتھ اس دفتر کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ را کا وہ ذیلی دفتر کسی پرشکوہ عمارت میں نہیں تھا۔ وہ پرانی دہلی کے قدیم سرکاری دفاتر کی طرح ایک غیر محفوظ اور سال خوردہ سی عمارت تھی جس کی ذرا سی اہمیت کا اظہار صرف اس بات سے ہوتا تھا کہ وہاں دو موٹے اور کاہل الوجود، باوردی سپاہی اپنی بندوق سمیت کرسیوں پر بیٹھے ہوئے دیکھے گئے تھے۔

باہر پارکنگ لاٹ میں ایک قدرے نئی اور اچھی گاڑی کھڑی تھی۔ جب رینا نے چابی سے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا تو میں تبصرہ کیے بغیر نہ رہ سکا "دہلی کے عام شہری اس گاڑی کا تصور بھی نہیں کرسکتے جو میرٹھ کی ایک بے یارومددگار لڑکی کی ملکیت میں ہے۔"

"مجھے ڈرائیونگ سکھائی گئی ہے مگر میں بسوں میں سفر کرتی ہوں۔" اس نے آزردگی سے کہا "یہ سرکاری گاڑی آج خاص طور پر تمہاری وجہ سے دی گئی ہے۔ اگر آج تم نے سچے دل سے مجھے معاف کردیا اور میری ملازمت جاری رہی تو اگلے ایک دو برسوں میں تمہاری کرپا سے اپنی گاڑی بھی خرید لوں گی۔"

"اس وقت تم اکیلی مجھے لینے آئی ہو؟" میں نے اس کے برابر والی نشست سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"تین گاڑیوں میں کم از کم سات مسلح اور چاق و چوبند محافظ چوری چھپے ہماری حفاظت کرتے ہوئے آئیں گے۔" اس نے نگرانی کی جگہ حفاظت کا لفظ استعمال کرتے ہوئے مجھے بتایا "یہ وہ پروٹوکول ہے جو ہمارے وزیروں کو بھی نہیں ملتا۔"

گاڑی حرکت میں آگئی۔ میرے ذہن پر سکون اور سناٹے کی ایک عجیب سی کیفیت محیط ہونے لگی۔

"تم نے میرا مان رکھا ہے تو اب تمہیں ایک بہت ضروری بات بتا دوں۔" چند ثانیوں تک بے چین نظر آنے کے بعد رینا نے جھجکتے ہوئے سکوت توڑا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ونڈ شیلڈ سے سڑک پر نظریں جمائے رہا۔ مجھے خاموش پاکر رینا نے ٹوکا "تم نے جواب نہیں دیا۔"

"تمہاری پوری بات سن کر ہی کچھ کہہ سکوں گا۔ ابھی تمہاری بات ادھوری تھی۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"انکل سے محتاط رہ کر بات کرنا۔ ٹیڑھے کام قبول کرتے ہوئے آدمی کا ہچکچانا اور گھبرانا فطری ہوتا ہے۔ اپنے انکار کو اس حد سے آگے نہ لے جانا۔ اگر تم اس کے لیے کام نہ کرنا چاہو تو یہ بات اپنے دل میں رکھنا۔ اس پر ظاہر نہ کرنا۔ اسے یہ شبہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ تم اسے دھوکا دو گے۔" اس نے نچی اور شرمسار آواز میں کہا۔

وہ بار بار روپ بدلنے والی ایک عجیب لڑکی ثابت ہو رہی تھی۔ میں نے بہت تعجب سے اس کی طرف دیکھا لیکن وہ مجھ سے نگاہیں چار کرنے کے بجائے سڑک کی طرف متوجہ تھی جس پر ٹریفک کا دباؤ بہت زیادہ نہیں تھا۔

"پچھلی ملاقات میں تم نے اصرار کیا تھا کہ انکل افہام و تفہیم سے کام لینے والا آدمی ہے۔ مجھے اس سے بالکل کھل کر بات کرنی چاہیے۔ اب بالکل ہی مختلف مشورہ دے رہی

ہو۔" میں نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا "میری تم سے یہ تیسری ملاقات ہے۔ ہر مرتبہ تم نے ایک نئی کینچلی بدلی ہے۔ میں تمہاری کس بات پر اعتبار کروں؟ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم مجھے آخری لمحے تک تذبذب اور بے یقینی میں مبتلا رکھنا چاہتی ہو۔"

"پہلے میں تم کو بہکا رہی تھی کیونکہ میرا ٹارگٹ یہی تھا۔ مجھے تم کو بہلا پھسلا اور ورغلا کر انکل تک لے جانا تھا۔ تم اس سے ڈانس اکیڈمی کا ذکر کر کے میرے لیے خطرات پیدا کر سکتے تھے۔ میرے لیے محفوظ راستہ یہ تھا کہ میں تم کو انکل سے لڑوا دوں اور وہ مشتعل ہو کر تمہارا کام تمام کر دے۔ تم اس کی شرائط مان لیتے تو تمہیں اس کے سامنے اکیڈمی کا ذکر کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ میں بچی رہتی۔ میں نے ان مقاصد کے تحت برین واش کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔"

"پھر اب یکایک تمہارے عزائم میں تبدیلی کیوں آگئی؟" میں نے برافروختہ ہو کر پوچھا۔

"اپنی آواز دھیمی رکھو۔ تم نے میری بیمار ماں کے نام پر اکیڈمی کو فراموش کرنے کا وعدہ کر کے میرے ضمیر کو جھنجوڑ ڈالا ہے۔ تم بہت عظیم کردار کے مالک ہو۔ تم جیسے نیک لوگوں کو گناہوں کی اس دھرتی پر زندہ رہنا چاہیے تاکہ ہم سب کی روزی روزگار کا سلسلہ چلتا رہے۔"

"میں اس سے انکار کر دیتا تو وہ مجھے مروا ڈالتا؟ اس نے اسی لیے دفتر کی چھٹی کے بعد مجھے بلایا ہے؟"

"غیر ملکیوں کے قتل سے دیس کی بدنامی ہوتی ہے۔ یہاں سڑکوں پر آئے دن جان لیوا حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ آج تم اسے ٹکا سا جواب دے کر آتے۔ کل پرسوں تک کوئی گاڑی کسی بھی جگہ اتفاقاً تمہیں کچل دیتی۔ تمہاری عظمت دیکھ لینے کے بعد میں تمہیں ایسے دردناک انجام کی طرف نہیں دھکیل سکتی۔" آخرکار رینا نے کھل کر وہی بات کہہ دی جو شروع سے میرے دماغ میں گردش کر رہی تھی۔

"تم مجھ سے نظریں کیوں چرا رہی ہو۔ سڑک پر زیادہ گاڑیاں نہیں ہیں۔ میری طرف دیکھ کر اپنی بات دہراؤ۔"

اس نے گردن گھما کر مجروح اور نادم نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور لمحہ بھر بعد دوبارہ سڑک کی طرف متوجہ ہو گئی اور دھیرے دھیرے بولنے لگی "اب مجھے تم سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہ خوف بھی نہیں ہے کہ تم اپنے قتل والی بات کسی کو بتا دو گے۔ تم پردیسی ہو۔ پڑوس سے آئے ہو۔ میں بدن کی بھینٹ دے کر تمہارا دل نہیں جیت سکی لیکن تم نے اپنی ایک بات سے مجھے اپنی داسی بنا لیا ہے۔ میں گاڑی نہ چلا رہی ہوتی تو اسی وقت تمہارے پیر چھو لیتی۔" اس نے اپنا بایاں ہاتھ میرے داہنے گھٹنے پر رکھ دیا۔

رینا نے تین ملاقاتوں میں تین رنگ بدلے تھے۔ اس کی اداکاری اتنی کامیاب تھی کہ اپنے تمام تر تحفظات کے باوجود میں کھل کر اس پر اپنے کسی شبہے کا اظہار نہیں کر سکا تھا۔ مگر مجھے یقین تھا کہ اس وقت وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے بول رہی تھی۔ قدرت نے انسان کے دل کا خمیر کسی عجیب شے سے اٹھایا ہے۔ آدمی سنگ دلی اور بے مہری پر تل جائے تو بڑے سے بڑے احسان کو نظرانداز کر کے اپنے محسن کو آنکھیں دکھانے لگتا ہے۔ وہ معقولیت پر مائل ہو تو کسی کی ذرا سی مہربانی اس کے دل کو کچے موم کی طرح پگھلا دیتی ہے۔ وہ سوچ سوچ کر گھنٹوں روتا ہے اور کوئی ہم نفس میسر ہو تو اپنی رقت سے اسے بھی خوب رلاتا ہے۔

رینا پر اس وقت دوسری کیفیت طاری تھی۔ میں نے اسے مزید چھیڑنے کا ارادہ دانستہ ترک کر دیا۔ را کے سات مسلح بھیڑیے ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔ رینا جذبات کی رو میں بہہ کر ذرا بھی بکھرتی تو وہ چونک پڑتے اور کوئی نئی کہانی انل بسواس کے کانوں تک پہنچ جاتی۔

کناٹ پیلس سے آگے ریلوے پل عبور کر کے رینا قطب روڈ پر گاڑی دوڑا رہی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہماری مسافت زیادہ نہیں تھی۔ خاموشی سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے، رینا سول لائنز کے جنوبی علاقے میں داخل ہوئی جہاں داہنی طرف کملا نہرو پارک میں غدر کی یادگار سر اٹھائے کھڑی تھی اور ہماری منزل بائیں ہاتھ پر تھی۔ رینا نے گاڑی اس طرف موڑی تو میں نے دیکھا کہ ہمارے پیچھے آنے والی ٹریفک کی بھیڑ بہت کم رہ گئی تھی۔ ان میں کم از کم دو گاڑیاں ایسی تھیں، جنہیں میں نے رینا کے پیچھے پیچھے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کے پارکنگ لاٹ سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔

آخر رینا نے اپنی گاڑی را کے اس دفتر کے قریب روک دی جس پر کوئی بورڈ یا تحریر نہیں تھی۔ پہرے پر مامور دونوں باوردی سپاہیوں نے بیزاری سے رکنے والی گاڑی کی طرف دیکھا لیکن اپنی کرسیوں سے ہلنے کی زحمت نہیں کی۔ رینا نے اپنا دروازہ لاک کیا اور مجھے ساتھ لے کر تیزی سے عمارت کے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔ ہمارا پیچھا کرنے والی تینوں گاڑیوں کا اس وقت تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

اس وقت پونے دو بجے تھے۔ را کا وہ دفتر پوری طرح آباد تھا۔ باہر سے وہ عمارت قدیم نظر آتی تھی لیکن اندر کا

سماں بہت بدلا ہوا تھا۔ میں نے راہ داری طے کرتے ہوئے شیشے کی کئی دیواروں کے پیچھے کمپیوٹر اور ان سے منسلک مشینوں پر متعدد مردوں اور عورتوں کو کام کرتے ہوئے دیکھا تو احساس ہوا کہ میں واقعی بھارت کے کسی اہم اور حساس ادارے کی حدود میں پہنچ چکا تھا۔

اس طویل راہ داری کے بند اختتام پر داہنی طرف والے کمرے کے دروازے پر انگریزی اور ہندی میں لکھی ہوئی انل بسواس کے نام کی تختی نظر آرہی تھی۔ اس کے سامنے بائیں سمت والے کمرے پر نرلیش شرما کے نام کی تختی آویزاں تھی۔ رینا مجھ سے آگے آگے چل رہی تھی۔ وہ سیدھی انل بسواس والے کمرے میں جا گھسی۔ مجھے حیرت ہوئی وہ مقررہ وقت سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے براہِ راست انل بسواس کے کمرے میں داخل ہوگئی تھی۔ اس خیال نے لمحاتی طور پر میرے ذہن میں وسوسہ پیدا کردیا کہ رینا، انل بسواس سے اتنا قریب اور بے تکلف تھی تو وہ میری خیر خواہ کیسے ہوسکتی تھی۔

جب میں اس کی تقلید میں اس دروازے میں جھجکتے ہوئے داخل ہوا تو میرا وسوسہ خود بہ خود ختم ہوگیا۔ اس کمرے میں پڑی ہوئی اکلوتی میز کے پیچھے منحوس چہرے والا تند خو ناگر براجمان تھا۔ رینا اس کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔

میں نے اس کمرے میں قدم رکھتے ہی دیکھ لیا تھا کہ میز کافی بڑی ہونے کے باوجود اس کے سامنے ملاقاتیوں کے لیے صرف ایک کرسی رکھی گئی تھی۔ اگر رینا بیٹھی رہتی تو مجھے مجبوراً کھڑے ہوکر وقت پورا ہونے کا انتظار کرنا پڑتا۔ ناگر کے دفتر میں دو اندرونی دروازے تھے۔ ایک کھلا ہوا اور دوسرا بند تھا۔ بادی النظر میں وہ دونوں بھی کمرے ہی تھے۔

میں ناگر کی میز کے قریب پہنچا تو ناگر نے بیٹھے بیٹھے سرد مہری سے مجھ سے ہاتھ ملایا اور کہا "اچھا ہوا کہ تم وقت سے ذرا پہلے آگئے۔ صاحب پہنچنے ہی والے ہیں۔ تم کو تھوڑی دیر کے لیے انتظار گاہ میں بیٹھنا ہوگا۔ میں تمہارے لیے چائے منگواتا ہوں۔"

میرے پہنچتے ہی رینا کرسی سے اٹھ گئی تھی لیکن اس نے میرے بیٹھنے کے لیے جگہ خالی نہیں کی تھی۔ میں نے ناگر کے اشارے پر کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا تو فرشی قالین سے آراستہ کشادہ اور آرام دہ کمرا نظر آیا جہاں مجھے انل بسواس سے ملاقات کا انتظار کرنا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ناگر کے دفتر کا بند اندرونی دروازہ انل بسواس کے کمرے میں کھلتا تھا۔ ناگر کی مرضی کے بغیر کوئی انل بسواس تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

"مجھے چائے کی حاجت نہیں ہے۔ میں سگریٹ نوشی میں اپنا وقت گزار لوں گا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں جارہی ہوں۔" رینا نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا "تمہیں یہاں پہنچانے کے بعد میرا کام ختم ہوگیا۔ ملاقات کے بعد ناگر تمہاری واپسی کا بندوبست کردیں گے۔"

میرا خیال تھا کہ رینا آخر تک میرے ساتھ نہ سہی تو آس پاس ضرور موجود رہے گی۔ اس کی فوری واپسی کی اطلاع سے مجھے ہلکی سی مایوسی ہوئی۔ میں نے ناگر کے کریہہ وجود اور درشت چہرے پر دوسری نگاہ ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ رینا سے ہاتھ ملاکر انتظار گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ وسیع ہال خالی تھا۔ وہاں ایک وقت میں دس سے زائد افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ شاید انل بسواس نے اسی وجہ سے اپنے پی اے کی میز کے مقابل صرف ایک کرسی رکھوائی تھی۔

را بھارت کی ایک خفیہ ایجنسی تھی۔ اس کے لیے ہزاروں افراد کام کرتے تھے اور ہر فرد کے فرائض میں انفرادی رازداری ضروری تھی۔ ناگر کے پاس ایک وقت

میں ایک شخص کی نشست کے بندوبست کی وجہ سے اس راز داری کے پامال ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

پچھلی رات میں نے نہایت اضطراب کے عالم میں گزاری تھی۔ صبح میرا ذہن الجھا ہوا تھا مگر انل بسواس سے ملاقات کا وقت قریب آنے کے ساتھ میرا اعصابی دباؤ خود بہ خود ختم ہوتا چلا گیا تھا۔ را کے دفتر میں پہنچنے کے بعد میں خود کو بہت زیادہ پرسکون محسوس کر رہا تھا۔

میں دانستہ ایسی جگہ بیٹھا جہاں سے ناگر مجھے نظر نہ آسکے۔ میں نے رینا اجیت رائے سے مصالحت کرلی تھی، انل بسواس سے ملاقات کے لیے ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھا مگر ناگر کی ناپسندیدہ شخصیت کے ساتھ کوئی مفاہمت پیدا کرنے کے لیے میرے دل میں گنجائش نہیں تھی۔

چند منٹ بعد ناگر کے کمرے میں ہلچل سی محسوس ہوئی۔ ناگر اپنی میز کے عقب سے نمودار ہوکر ایک طرف لپکا۔ اس کے کمرے میں ایک گونجیلی اور رعب دار آواز سنائی دی ”میں فائلیں دیکھ لوں، مقررہ وقت پر اسے اندر بھیج دو۔“ شاید آنے والے کو راستے میں ہی میرے پہنچنے کی اطلاع مل چکی تھی۔

.. انل بسواس کا سپاٹ مکالمہ تھا جو میرے کانوں سے ٹکرایا۔ اس پر شکوہ آواز کی بنیاد پر میرے ذہن میں خود بہ خود انل بسواس کا ایک خاکہ ترتیب پانے لگا۔

دو بجنے میں پانچ منٹ پر ناگر مجھے متکبرانہ انداز میں پکارنے کے بجائے اٹھ کر انتظار گاہ کے دروازے پر آیا اور سرد آواز میں بولا ”آؤ!“

میرے پہنچنے تک وہ دوبارہ اپنی گھومنے والی کرسی پر براجمان ہوچکا تھا۔ میں اس کی میز کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

”بیٹھو!“ اس نے اکلوتی کرسی کی طرف اشارہ کیا ”تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟“

”ہوٹل میں ہے۔“ میں نے بے پروائی سے مختصر سا جواب دیا۔ اس سے بات کرتے ہوئے بھی مجھے کوفت ہو رہی تھی۔

”تمہیں وہ ساتھ لانا چاہیے تھا۔“ اس نے قدرے سختی سے کہا ”یہاں اس کی ضرورت پڑسکتی ہے۔“

”وہ اتنا ضروری تھا تو تم فنکر پر نس کے ساتھ ہی لے آتے۔“ میں نے اس سے ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر، بے اعتنائی سے جواب دیا ”مجھے کسی نے نہیں بتایا کہ اس ملاقات کے لیے پاسپورٹ ساتھ لانا ضروری تھا۔“

وہ مجھے گھور کر رہ گیا۔ اس کے چہرے کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ وہ مہربان نظر آنے کی کوشش میں بھی نامہربان نظر آتا۔ میرے دونوں جوابات نے اسے لاجواب کردیا تھا۔ اپنی خفت مٹانے کے لیے وہ میز پر رکھی ہوئی فائلوں کو الٹنے پلٹنے میں مصروف ہوگیا۔

ہم دونوں کے درمیان خاموش اور سرد جنگ جاری تھی۔ وہ مجھے کوئی اہمیت دینے سے گریز کر رہا تھا۔ میں اسے نظرانداز کرنے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اپنی جیب سے قلم نکالا اور اس کی نب کو ناخن پر ٹکا کر اس کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا جیسے میرے سوا وہاں کسی اور کا وجود نہ ہو۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ کہیں بھی میری جامہ تلاشی کی نوبت نہیں آئی تھی۔

ٹھیک دو بجے ناگر کے کمرے میں کسی گھنٹی کا ہلکا سا بزر بولا۔ وہ اضطراری انداز میں کرسی سے اٹھ گیا اور بند دروازے کی طرف اشارہ کر کے تیکھی آواز میں غرایا۔ ”قلم جیب میں رکھو اور اندر جاؤ۔ صاحب بلا رہے ہیں۔“

میرے لیے وہ بہت نازک اور کڑا وقت تھا لیکن ناگر کے خلاف میرے ذہن میں جو شورش چل رہی تھی۔ وہ اپنا رنگ لے آئی۔ قلم جیب میں اٹکا کر میں نے غیرارادی طور پر اسے آنکھ ماری اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، میں دروازہ کھول کر ملحق کمرے میں داخل ہوگیا۔

وہ کمرا زیادہ وسیع نہیں تھا۔ کھڑکیوں پر دبیز پردے کھنچے ہوئے تھے اور سیاہ رنگ کی بڑی میز پر صرف ایک دہری ٹیوب لائٹ جل رہی تھی۔ بند کمرے کی فضا میں ائرکنڈیشنر کی ہلکی سی گھوں گھوں کے ساتھ خوش گوار ٹھنڈک رچی ہوئی تھی۔ میز کے پیچھے سرمئی رنگ کے سوٹ میں ملبوس ایک صحت مند، دراز قامت اور پختہ عمر کا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی کنپٹیوں کے بال برف کی طرح سفید تھے۔ شفاف عدسوں کے پیچھے بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں عجیب سی دیوانی چمک تھی جو نگاہیں چار ہونے پر مجھے اپنے وجود میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ بڑھتی ہوئی عمر کی وجہ سے اس کی پیشانی کشادہ ہوگئی تھی اور چندیا پر چند بال رہ گئے تھے۔

مجموعی طور پر وہ بردبار اور باوقار شخصیت کا مالک نظر آرہا تھا۔ میرے اندر پہنچتے ہی اس نے میری طرف دیکھا اور اپنی گونجیلی آواز میں بولا ”بیٹھ جاؤ!“

میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس نے اپنے سامنے رکھے ہوئے چند کاغذوں کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا ”تمہارا نام مظاہر خان ہے۔“

”مظہر خان!“ میں نے رسانیت سے اس کی تصحیح کی ”آپ کے پی اے نے مجھ سے شاید اسی لیے پاسپورٹ طلب کیا تھا۔ مجھے بتایا نہیں گیا تھا۔ میں پاسپورٹ اور ٹکٹ ہوٹل ہی میں چھوڑ آیا ہوں۔“ موقع پاتے ہی میں نے ناگر کے غیر ضروری مطالبے کی غیر محسوس انداز میں شکایت کر ڈالی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میری پوری بات سنی ہی نہ ہو۔ ایک ریسیور اٹھا کر کان سے لگالیا۔ اس نے چند ثانیوں تک انتظار کیا پھر دھیمی مگر بارعب آواز میں بولا ”ناگر! کیا ہمیں مظہر خان کے پاسپورٹ کی بھی ضرورت ہے؟“

مجھے خوشی ہوئی کہ میری حرکت بار آور ثابت ہوئی تھی۔ ناگر کی گوشمالی ضروری تھی۔ اس نے دوسری طرف کا جواب سنا اور مزید کچھ کہے بغیر ریسیور واپس رکھ دیا۔ اس بار وہ میری طرف متوجہ ہوگیا ”میرا نام انل ہے۔ اب تک تمہیں بتادیا گیا ہوگا کہ ہمارا نیٹ ورک را کے نام سے کام کرتا ہے۔“

”جی....!“ میں نے مرعوب ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا ”میں پریشان ہوں کہ را کو میری ذات میں کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔“

”ضروری نہیں کہ ہر شخص کو ہر بات معلوم ہو۔ تم کراچی میں رہتے ہو؟“ اس کے لب و لہجے میں شائستگی بہت غالب تھی۔

میرا جواب اثبات میں پاکر اس نے دوسرا سوال کیا ”پرانی گاڑیوں کا لین دین کرتے ہو؟“

”جی ہاں!“ اس بار بھی میرا جواب تائیدی تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کسی ملازمت کے لیے انٹرویو دے رہا ہوں۔ انل بسواس نے ایک بال پن سنبھال لیا تھا اور اپنے کاغذوں پر کچھ نوٹ کرتا جارہا تھا۔

”پڑوسیوں کے تعلقات کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“ اس نے کاغذوں سے نظریں اٹھاکر پوچھا۔

”اچھے ہونے چاہئیں ...“ میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا ”اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کاروباری آدمی ہوں، سیاست سے دور رہتا ہوں۔“

”تمہاری تعلیم کتنی ہے؟“ وہ ایک مرتبہ پھر ذاتی نوعیت کا سوال کر بیٹھا۔

”گریجویٹ ہوں۔“ میں نے اس بار سچ بتادینے میں تامل نہیں کیا۔

”تم ایک اجنبی لڑکی کو گھمانے پھرانے کے لیے اپنے ساتھ لائے ہو۔ عورتوں کے رسیا معلوم ہوتے ہو؟“

”جی ہاں....“ اقرار کرتے ہی میں نے بوکھلا کر تصحیح کی ”جی نہیں!“

اس کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی پھر اس نے کہا ”من پسند خوراک کھانا، نفیس ترین لباس پہننا اور خوب صورت لڑکیوں سے دوستی کرنا ہر جوان اور زندہ دل آدمی کی فطری آرزوئیں اور امنگیں ہوتی ہیں۔ لوگ ان فطری خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے کیوں ہچکچاتے ہیں؟ زندگی بار بار نہیں صرف ایک بار ملتی ہے۔ اسے بھرپور انداز میں نہ گزارنا اپنے پیدا کرنے والے بھگوان، خدا، اللہ یا گاڈ کی ناشکری ہے۔“

وہ اس کا تائید طلب بیان تھا۔ میں اس کے خاموش ہونے پر بس سرہلا کر رہ گیا۔

”ان خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر ایک کے حصے میں نہیں آتی“ اس نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی ”بھوکے اور بے مایہ لوگ ان چیزوں کو خرافات قرار دے کر رہبانیت سے ملتا جلتا کوئی لبادہ اوڑھ لیتے ہیں اور اپنی بے مائیگی کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ کچھ متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جیسے تم ہو۔ ان کا ہاتھ پڑجائے تو اپنے جوہر خوب دکھاتے ہیں ورنہ حسرتوں کی چنگاریوں میں دبے سسکتے رہتے ہیں۔ ان کا آئیڈیل وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں سب کچھ میسر ہے اور وہ اپنی زندگی کے ہر لمحے سے من پسند خوشیاں نچوڑتے رہتے ہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہاری آمدنی کیا ہے؟“

اپنی تقریر کے آخر میں اس نے پھر ایک ذاتی سوال کر ڈالا تھا۔ وہ میری ذات کو ہدف بناکر اپنے مذاکرات کی داغ بیل ڈال رہا تھا۔ میں نے سرجھکا کر کہا۔ ”یہ کوئی اگا بندھا

کاروبار نہیں ہے لیکن سال میں آٹھ دس ہزار کا اوسط آجاتا ہے۔"

"ہر شخص کی کچھ نہ کچھ گھریلو اور خاندانی ذمے داریاں ہوتی ہیں۔ ان کو پورا کرنے کے لیے یہ رقم کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اونٹ کے منہ میں زیرہ ڈال دیا جائے تو اس کے پیٹ کی آگ نہیں بجھائی جاسکتی۔ تم پاکستان سے کتنی بار سیاحت کے لیے نکلے ہو؟"

"میں پہلی بار بھارت آیا ہوں" میں نے اس کے سوال کا گول مول جواب دیا۔ جس میں سچ بھی تھا اور جھوٹ بھی۔ سچ یہ تھا کہ میں واقعی پہلی بار بھارت گیا تھا۔ جھوٹ یہ تھا کہ میں نے اپنے دوسرے سفروں کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

"تم عالم شباب میں ہو۔ دنیا دیکھنے اور زندگی کی لذتیں سمیٹنے کی یہی عمر ہوتی ہے۔ ایک بار زندگی کے سائے ڈھلنے لگیں تو اس زوال کو کوئی نہیں روک سکتا۔ کیا تم اپنی عمر کے اس سنہرے دور کو زیادہ بار آور بنانے کے خواہش مند نہیں ہو؟" اس کی چمکیلی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"یہ خواہش ہر دل میں ہوتی ہے مگر منزل ہر ایک کو نہیں ملتی" میں نے اسے راہ دی۔

"میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری منزل تمہاری منتظر ہے۔ تم چاہو تو کوئی غیر معمولی محنت کیے بغیر پچیس ہزار روپے کی خطیر ماہانہ رقم کماسکتے ہو۔ یہ اضافی آمدنی تمہاری زندگی کا رخ بدل کر رکھ دے گی۔"

"میں را کے دفتر میں بیٹھا ہوا ہوں" میں نے الجھے الجھے، خائفانہ انداز میں جواب دیا "میں را کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ جو کچھ سنا اور پڑھا ہے وہ ڈراؤنا ہے۔ پاکستان میں را کے لیے کام کرنے والے ہر شخص کو غدار قرار دیا جاتا ہے۔"

"بہت اچھا ہوا کہ تم نے اپنے دل کی بات بہت آسانی سے اگل دی۔ اب مجھے تم کو سمجھانے میں آسانی رہے گی۔ تم را کے لیے نہیں، ایک عظیم انسانی مشن کے لیے کام کرو گے۔ دو ناراض قوموں کو ایک دوسرے سے قریب لانا بہت بڑی خدمت ہے۔ اس سمت میں تمہارا کیا ہوا چھوٹا سا کام بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ تمہارے کئی سمجھ دار ہم وطن یہ خدمت کررہے ہیں اور اس سے خود بھی فیض حاصل کررہے ہیں۔"

"میں اس وقت کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں" میں نے جھجکتے ہوئے کہا "لوگ کام اور نیت کو نہیں دیکھتے۔ صاف بات یہ ہے کہ پاکستان میں را کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ میں جو کچھ کروں گا، را کے لیے کروں گا۔ کسی کو یہ سن گن مل گئی تو میری بقیہ زندگی برباد ہوجائے گی۔"

"تم را کی بات کرتے ہو!" اس کی آواز میں ہلکی سی تیزی آگئی "یہاں پاکستان کی سات خفیہ ایجنسیاں کام کرتی ہیں۔ کشمیر سے مدراس تک ان کا جال پھیلا ہوا ہے۔ یہاں ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے مگر پھر بھی ان کے آدمی بھیس بدل کر اور ہر خطرہ مول لے کر یہاں آتے ہیں اور خاموشی سے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔ جو اپنی کسی حماقت کی وجہ سے بے نقاب ہوجاتا ہے۔ اس کا انجام عبرت ناک ہوتا ہے پھر بھی کوئی عبرت نہیں پکڑتا۔ اس کی جگہ کوئی نیا اور زیادہ پرجوش پاکستانی یہاں آجاتا ہے۔ وہ اپنے گھربار اور بیوی بچوں سے دور رہ کر اتنا نہیں کماتے جتنا تم اپنے گھر اور شہر میں بیٹھے بیٹھے کمالو گے۔"

"وہ عزت کے کام ہیں یا سمجھے جاتے ہیں۔ پاکستان میں رہ کر را کے لیے کام کرنا غداری ہوگا۔ میں شاید یہ بوجھ نہ اٹھاسکوں۔ مجھے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے مگر اس کے لیے آپ کی لگائی ہوئی قیمت بہت زیادہ ہے۔ یہ میں ادا نہیں کرسکوں گا۔"

میں اسے یہ تاثر دے رہا تھا کہ میں اس کی شخصیت سے مرعوب اور مسحور ہوچکا تھا اس لیے میں نے براہِ راست اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا لیکن کن انکھیوں سے یہ جائزہ ضرور لے لیا کہ میرے دوٹوک جواب پر اس کے چہرے پر غصے کی ایک ہلکی سی سرخی پھیل گئی تھی۔

"میں تمہیں پھر سمجھا رہا ہوں کہ تمہاری سوچ غلط ہے" اس نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے، تحمل سے اپنی بات جاری رکھی "ہماری دنیا تیزی سے سمٹ رہی ہے۔ فاصلے گھٹ چکے ہیں۔ وقت کا پیمانہ بدل گیا ہے۔ پوری دنیا ایک عالمی گاؤں ہے۔ جس میں سب ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ ان سب کو عزت اور رواداری کے ساتھ رہنا چاہیے، میں تم سے اسی مشن کے لیے کام لینا چاہتا ہوں۔ تم نفرت کے سوداگروں کے خلاف محبت کے پیغام بر بن کر کام کرو گے۔ اس میں کوئی ذلت نہیں ہے۔ تمہاری کھال پر را کا ٹھپا لگایا جائے گا نہ تمہیں را سے کوئی رابطہ رکھنا ہوگا۔ خاموشی سے اپنا کام کرتے رہو گے اور اپنی رپورٹیں کراچی کے ایک نمبر پر فیکس کرتے رہو گے۔ کسی کو کچھ کہنا ہوگا تو وہ خود تم سے رابطہ کرلے گا۔ اس میں تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"

اس کی گفتگو کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہورہا تھا کہ اسے میری اصلیت کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی۔ وہ کراچی سے میرے کوائف کی تصدیق کرانے کے بعد مطمئن ہوچکا تھا کہ میں ایک عام پاکستانی تھا اور وہ اسی بنیاد پر مجھے شیشے میں اتارنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے بھی اس کے سامنے چالاکی دکھانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ سنبھل سنبھل

کرنہایت منطقی انداز میں اس سے اتفاق یا اختلاف کررہا تھا۔

میں چند ثانیوں تک سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا جیسے اندر ہی اندر کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کررہا ہوں۔ وہ صبر کے ساتھ میرے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔ آخر میں نے بھرائی ہوئی، معذرت خواہانہ آواز میں کہا "میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔"

"مگر میں وقت نہیں دے سکتا۔ تمہاری برینگ کا مقصد یہی تھا کہ تم اچھی طرح سوچ لو۔ میں بہت مصروف آدمی ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے، رینا نے مجھے بتایا تھا کہ آپ بہت بڑے اور کھلے دل کے افسر ہیں۔ اسی لیے میں کھل کر آپ سے بات کررہا ہوں۔ میں سوچ کر آیا تھا کہ آپ پہروں میں رہتے ہوں گے۔ جگہ جگہ میری تلاشی ہوگی تب کہیں آپ سے ملنے کی نوبت آئے گی مگر یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ کی سادگی نے مجھے متاثر کیا ہے۔"

"رینا بہت خوبصورت اور محنتی لڑکی ہے۔ وہ جس کار میں تمہیں لائی تھی، اس میں آلہ لگا ہوا تھا۔ تمہارے پاس بارود کا پٹاخہ بھی ہوتا تو الارم بج جاتا۔ اس بھول میں نہ رہنا کہ تمہارے فنگر پرنٹس لینے کے بعد میرے آدمی غافل ہو گئے ہیں۔ مجھے تمہارا آخری جواب چاہیے تاکہ میں ان کو کسی دوسرے کاموں سے لگا سکوں۔"

میں پرسکون تھا۔ اس کا سکون دھیرے دھیرے رخصت ہو رہا تھا۔ میں نے لجاجائی ہوئی آواز میں کہا "مجھے تھوڑی سی مہلت دے دیں..."

"نہیں!" اس نے سختی سے میری بات کاٹ دی "کان کھول کر سن لو کہ میں یہاں آنے والے ہر پاکستانی پر اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کرتا۔ ہزاروں میں ایک آدھ ہی کام کا آدمی ہوتا ہے جسے احتیاط سے منتخب کرکے میرے کسی دفتر تک لایا جاتا ہے۔ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ میرے آدمیوں سے انتخاب میں غلطی ہوئی ہو۔ یہ میرے نہیں، تمہارے مستقبل کا معاملہ ہے۔ اسے تباہ کرلو یا بنالو۔ فیصلے کا اختیار تم کو ہے۔ تم کو فخر ہونا چاہیے کہ میں نے بھارت میں آئے ہوئے ہزاروں پاکستانیوں میں صرف تمہیں ملاقات کی عزت دی ہے۔ لوگ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں اور تم تذبذب میں مبتلا ہو۔"

"جو سات پاکستانی ایجنسیاں یہاں کام کررہی ہیں، وہ ہندوستان میں بھی کام کرتی ہوں گی۔ میرے لیے یہ تصور ہی لرزا دینے والا ہے کہ وہ میرے پیچھے لگ جائیں۔ مجھے را کا ایجنٹ قرار دے کر آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیں..."

"تم اتنے بے وقوف نہیں ہو۔ رازداری کے کام رازداری سے کرسکتے ہو اور خود کو ہمیشہ بچائے رکھ سکتے ہو۔"

"انل صاحب! میں شرمندہ ہوں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ خوش قسمتی کی دیوی نے خود میرے دروازے پر دستک دی ہے۔ میں اس کی تلاش میں نکلا ہوتا تو شاید یہ موقع ضائع نہ کرتا۔ میں اب بھی گومگو کے عالم میں ہوں۔ اگر آپ مجھے وقت دے سکتے ہیں تو شاید میں کوئی بہتر فیصلہ کرسکوں ورنہ..."

"مظہر خان! میرا نام انل بسواس ہے۔ میں کچی گولیاں نہیں کھیلتا" اس کی آواز سخت اور تادیبی ہوگئی "تم اس بھاری پتھر کو چوم کر نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ بوجھ تم کو اٹھانا ہوگا۔ اپنی اور رینا کی پہلی ملاقات کو یاد کرو۔ اس کے موتی جیسے بدن کو چھوتے ہوئے تم نے انجام کے بارے میں نہیں سوچا تھا تو اب کیوں وقت کے طلب گار بنے ہوئے ہو؟ اپنے اندر سوئے ہوئے اس حیوان کو جگاؤ جو زن اور زر کا حریص ہے۔ عورتوں کے رسیا پیسے پر بھی لپکتے ہیں۔ یہ میرا تجربہ ہے۔ تم کیوں میرا وقت برباد کررہے ہو۔"

میں اندازہ لگائے بیٹھا تھا کہ وہ مجھے آمادہ کرنے کے لیے آخری حربے کے طور پر میری اور رینا کی ویڈیو فلم کا ذکر کرے گا لیکن اس نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ اس کے لب و لہجے

سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے والا تھا۔ مجھے معلوم تھا اور آخری لمحات پر رینا نے میرے اس اندیشے کی تصدیق کی تھی کہ میرے لیے انل بسواس کے چنگل سے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں تھی۔ میں اسے برہم کر کے نکلتا تو اگلے چند گھنٹوں یا چند دنوں میں دہلی کی کسی بھی سڑک پر میری زندگی کا آخری باب لہو رنگ تحریر میں لکھا جا سکتا تھا۔ اپنے سارے پس و پیش کے باوجود میں نے آخر میں ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔

بہت سی باتیں صاف ہو گئی تھیں مگر میں اس کی زبان سے ویڈیو فلم کے بارے میں کچھ نہیں اگلوا سکا تھا۔ پتا نہیں انل بسواس نے ترپ کے اس پتے کو کس وقت کے لیے بچا رکھا تھا۔ میں اس بارے میں زیادہ بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس سے کچھ طے ہو جانے کے بعد آگے بڑھنے کے روشن امکانات نظر آ رہے تھے۔ اس وقت تک مجھے یہ بھی پتا نہیں چل سکا تھا کہ انل بسواس مجھ سے را کے لیے کیا کام لینا چاہتا تھا۔

میرے ذہن میں وہ باتیں گھوم رہی تھیں لیکن میں نے اپنا چہرہ یوں لٹکایا ہوا تھا جیسے میرے ذہن پر مایوسی اور ناامیدی نے حملہ کیا ہوا ہو۔

"بولو۔ تم خاموش کیوں ہو؟" انل بسواس نے کاٹ دار آواز میں مجھے ٹوکا۔

میں نے چونک کر سر اوپر اٹھایا۔ مغموم انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں کہا "کھلی چراگاہوں کی طرف ہر چوپایہ لپکتا ہے۔ رینا بھٹکتی ہوئی مجھ سے ٹکرائی تو وہ ایک مالدار گھرانے کی رنگین مزاج لڑکی کا روپ دھارے ہوئے تھی۔ اس چراگاہ کے گرد مجھے را کی غیر محسوس باڑھ کا سایہ بھی نظر آ جاتا تو میں ادھر کا رخ نہ کرتا۔ وہ واقعی حسین اور توبہ شکن لڑکی ہے۔ اس نے مجھے گھیر لیا۔ کل دوسری ملاقات میں اس نے بتایا کہ وہ اور ناگر را کے لیے کام کرتے ہیں اور آپ کے ماتحت ہیں۔"

"یہ سب فضولیات نہ دہراؤ۔ مجھے ان لمحوں کا سارا احوال معلوم ہے" اس نے مجھے بولنے سے روک دیا "رینا حسین ہی نہیں، بہت ذہین لڑکی ہے۔ وہ اپنے کسی شکار پر مہربان ہو کر کھلتی ہے تو اس کے ہوش و حواس پر چھا جاتی ہے۔ اپنے ناز و انداز اور اداؤں کی مار سے اسے نڈھال کر دیتی ہے۔ شکار کو ہوش آتا ہے تو وقت اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے اور وہ خود کو بے بس پاتا ہے۔ تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس وقت تم بھی اسی پوزیشن میں ہو۔"

"پھر آپ کی پوچھ گچھ بے سود ہے۔ مجھے ہر حال میں را کے لیے کام کرنا ہے تو مجبوری ہے۔"

"میں جبر نہیں کرتا۔ نیم دلی سے کام کرنے والوں کو میں را کے لیے گالی سمجھتا ہوں۔ مجھے اپنے لیے پرجوش اور دلیر افراد کی ضرورت ہے۔ اگر تمہارا دل میرے کام پر مائل نہیں ہے تو ابھی چلے جاؤ۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ ہاں یا ناں میں تم کو ابھی فیصلہ کرنا ہوگا۔ میں تمہیں وقت نہیں دے سکتا۔"

"میں دل لگا کر کام کروں گا۔ میں وقت کی مجبوری کی بات کر رہا تھا" میں نے جلدی سے کہا۔

"دل تم نے رینا سے لگایا ہے، کام میرے لیے کرو گے۔ کام میں دل نہ لگے میں برداشت نہیں کرتا" اس نے گہری سنجیدگی سے تادیب کی۔

"مجھے کیا کام کرنا ہوگا؟" میں نے نیچی آواز میں سوال کیا۔

اس نے ایک بار پھر انٹرکام کا ریسیور اٹھایا اور ایک بٹن دبا کر بولا "شرما جی! ذرا اندر آ جاؤ۔ نیا پنچھی اپنے ڈھب پر آ گیا ہے۔"

ریسیور رکھ کر وہ دوبارہ میری طرف متوجہ ہو گیا "تم دو اور دو چار کے چکر میں رہنے والے خاصے بے خبر پاکستانی معلوم ہوتے ہو مگر اخبار ضرور پڑھتے ہو گے۔"

میں نے سر کو اثبات میں جنبش دی "سرسری نظروں سے دیکھتا ہوں، تفصیل میں نہیں جاتا۔"

"اخبار پڑھنے کی عادت ڈالو۔ لوگوں سے ملتے جلتے رہو۔ سرکاری اور فوجی افسروں سے دوستیاں کرو" انل بسواس نے پہلی بار اپنی بڑی سی کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر جھولتے ہوئے کہا۔ "ان سے جو کچھ سنتے اور سمجھتے ہو، اس کے نوٹس تیار کرو اور فیکس کر دو۔"

مجھے انل بسواس کی زبان سے وہ تفصیل سن کر مایوسی ہوئی۔ وہ بہت معمولی نوعیت کا عام سا کام تھا جس میں خیال آرائی اور گمراہ کرنے کی کافی گنجائش موجود تھی۔ شاید وہ کوئی خاص ہدف دینے سے قبل میری صلاحیتوں کا اندازہ لگانا چاہتا تھا۔

اسی وقت ناگر کے کمرے کی طرف کھلنے والے بند دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور ایک پستہ قامت مگر چاق و چوبند شخص قلم اور پیڈ لیے اندر آ گیا۔

"بیٹھو شرما جی!" انل بسواس نے کہا "یہ مظہر خان ہے پاکستانی ہے۔ رینا کا عاشق ہے۔"

اس وقت میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ میں تصور نہیں کر سکتا تھا کہ بھارت کے شہر دہلی میں مجھے را کے دفتر میں اپنے دو بدترین دشمنوں کے ساتھ یوں روبہ رو بیٹھنے کا موقع مل سکے گا۔ ان میں سے ایک را کے پاکستانی ونگ کا سربراہ تھا' دوسرا اس کا دستِ راست تھا جو دہشت گردی کے امور میں خاص مہارت رکھتا تھا۔

نریش شرما نے ناقدانہ نظروں سے میرا جائزہ لیا اور سرانداز میں مجھ سے ہاتھ ملا کر میرے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اب یہ ہمارا آدمی ہے" انل بسواس کی بات جاری تھی "یہ ہمارے لیے پچیس ہزار روپے ماہانہ پر کام کرے گا۔ ادائیگی اور کام کا طریقہ تم طے کرلو۔ ان باتوں کو دھیان میں رکھنا جو میں پہلے بتا چکا ہوں۔ یہ بڑے ناگ کے سلسلے میں بھی کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔"

میرا دل اچانک اچھل کر حلق میں آگیا۔ گوپال نے کسی کرین کوبرا نامی فائل کا ذکر کیا تھا۔ انل بسواس بڑے ناگ کی بات کر رہا تھا۔ شاید ان دونوں میں کوئی گہرا اور قریبی رابطہ تھا کیونکہ نسلی طور پر انگریزی اور اردو الفاظ کا تعلق سانپوں سے ہی تھا۔

"یس سر!" نریش شرما نے سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "پاکستان میں ایک پاکستانی ہی زیادہ آزادی سے کام کر سکتا ہے۔ وہاں مذہبی اور قومی رواداری کا جو حال ہے' وہ ہمارے سامنے ہے۔ تعصب کی وجہ سے ہمارے آدمی بہت جلد مار کھا جاتے ہیں۔"

"یہ باتیں تمہارے سمجھنے کی ہیں" انل بسواس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "دوسری قوموں کی بات چھوڑو' پاکستان کی چھوٹی قومیتیں ہر وقت پنجابی اکثریت سے نالاں نظر آتی ہیں۔ مسلمان ہندو کو بعد میں برداشت کرے گا' وہ دوسرے عقیدے والے مسلمان کو نہیں بخشتا۔ بھارت میں فرقہ ورانہ فساد میں اتنے مسلمان نہیں مرتے جتنے پاکستان میں ہر سال مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میری یہ باتیں تم کو ناگوار گزریں مگر حقیقت یہی ہے۔"

"ان حالات پر ہر دردمند پاکستانی خون کے آنسو روتا ہے" میرے پاس اس سے اتفاق رائے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

"یہ مگرمچھ کے آنسو ہوتے ہیں۔ تمہیں یہ ملک تمہارے خدا نے دیا ہے اور وہی اسے چلا بھی رہا ہے ورنہ ہر پاکستانی اسے لوٹنے کھسوٹنے میں مصروف ہے۔ پتا نہیں تم میری پیشکش قبول کرتے ہوئے کیوں جھجک رہے تھے۔ تم اپنے ملک کو نہیں لوٹو گے۔ اس کے نام پر ہم سے پچیس ہزار روپے مہینہ وصول کرو گے۔"

"بار بار اس کا ذکر نہ کریں' میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مجھے کس بات کے لیے اتنی بڑی تنخواہ دی جائے گی۔ سنی سنائی باتیں تو اخباروں اور ان میں چھپنے والے

بین السطور

پارٹی میں ایک خاتون دوسری خاتون کو بتا رہی تھیں "میرے باس نے مجھے ہیرے کی انگوٹھی تحفے میں دی۔ بغیر کسی غرض اور لالچ کے..."

"بہت خوب" دوسری خاتون نے کہا۔

"میرے باس نے مجھے ڈیفنس میں بنگلا بھی لے کر دیا ہے۔ اور وہ بھی بغیر کسی غرض اور لالچ کے..." پہلی خاتون نے مزید بتایا۔

"بہت خوب... بہت خوب!" دوسری خاتون نے کہا۔

"انہوں نے مجھے ایک ہنڈا اکارڈ اور ڈرائیور بھی دیا ہے... اور وہ بھی بغیر کسی غرض اور لالچ کے..." پہلی خاتون بولیں۔

"بہت خوب.... بہت خوب!" دوسری خاتون نے سرہلایا۔

تب پہلی خاتون نے پوچھا "اور تم سناؤ.... آج کل کیا کر رہی ہو؟"

"میں آج کل تمیز اور شائستگی سکھانے والی کلاس اٹینڈ کر رہی ہوں۔ وہاں سب سے پہلے یہ سکھایا جاتا ہے کہ جب آپ کہنا چاہیں "کیوں بے پر کی چھوڑ رہی ہو؟" تو اس کی جگہ "بہت خوب... بہت خوب" کہنا چاہیے۔" دوسری خاتون نے بتایا۔

مضامین اور کالموں کے ذریعے ہر ایک کے علم میں آجاتی ہیں۔ آپ کے سفارت کار ان کے تراشے دہلی بھیج سکتے ہیں۔"

"بہت سی باتیں ہمیشہ سینہ بہ سینہ چلتی ہیں۔ کاغذ پر کبھی نہیں آتیں" نریش شرما نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "ہمارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے۔ تم اپنا کام کرتے رہو۔ ہم تمہیں رقم دیتے رہیں گے۔ کوئی خاص ٹارگٹ سامنے آیا تو تمہیں اس کے بارے میں بتا دیا جائے گا۔"

"ابھی انل صاحب نے کسی بڑے ناگ کا ذکر کیا تھا۔ کیا میں اس بارے میں کچھ کر سکتا ہوں؟" میں نے اپنے تجسس کے تحت سوال کیا۔

"تم نے میرا دل خوش کر دیا" انل بسواس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "مجھے ایسے کارکن پسند ہیں جو بڑھ کر ذمے داریاں سنبھالیں، اپنی باری آنے کا انتظار نہ کریں۔ بڑے ناگ کے بارے میں اگر تم کوئی مدد کر سکے تو تمہیں تنخواہ کے علاوہ ایک بڑا انعام بھی مل سکتا ہے۔"

"مجھے کچھ بتا دیا جائے تو میں اس بارے میں سرتوڑ کوشش کروں گا۔" میں نے منافقانہ خلوص سے کہا۔

"وہ بہت زہریلا ناگ ہے۔ اچانک نمودار ہو کر ڈستا ہے اور غائب ہو جاتا ہے" نریش شرما اپنے افسر کا اشارہ پاکر مجھے بتانے لگا "ہم اپنے ذرائع سے اس تک پہنچنے کی ہر کوشش میں ناکام ہو چکے ہیں۔ وہ زیادہ تر کراچی میں روپوش رہتا ہے۔"

"اس کا کوئی نام ضرور ہو گا؟" میں نے اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"ڈینی! وہ بدنام عالمی دہشت گرد ہے۔ بہت سرد مہری اور سفاکی سے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارتا ہے۔ اس سے ہم ہی نہیں، امریکی بھی نالاں ہیں۔"

"ڈینی...!" میں نے سوچتے ہوئے دہرایا "یہ نام کبھی میری نظروں سے نہیں گزرا۔"

"شاید تم اشتہارات نہیں دیکھتے" نریش شرما نے کہا "خبروں میں اس کا نام کہیں نہیں آتا۔ ہمیں شبے سے زیادہ یقین ہے کہ اسے بعض پاکستانی ایجنسیوں کی بھرپور حمایت اور پشت پناہی حاصل ہے۔ وہ جرائم کرتا ہے اور محفوظ رہتا ہے۔ کبھی اپنے قانون کی گرفت میں نہیں آتا۔"

"تم اشتہارات کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے؟" اس کے خاموش ہونے پر میں نے یاد دلایا۔

"ہاں!" اسے اپنی ادھوری بات فوراً یاد آ گئی "خبروں میں اس کے نام کا مکمل بلیک آؤٹ کیا جاتا ہے مگر امریکیوں نے اسے اشتہاری مجرم قرار دیا ہوا ہے۔ اس نے امریکا کے سفارت کاروں کے خلاف سنگین اور قابلِ نفرت جرائم کیے ہیں جن میں کئی خوں ریزیاں بھی شامل ہیں۔ پاکستان میں امریکی سفارت خانے نے اس کی گرفتاری میں مدد حاصل کرنے کے لیے کئی بار اخباروں میں انعامی اشتہار چھپوائے ہیں مگر ان کے جواب میں کسی نے ان سے تعاون نہیں کیا۔"

میں نے سوچنے اور اپنے ذہن پر زور دینے کی اداکاری کی جیسے کسی بھولی بسری کہانی کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ نریش پرامید نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر میں چونکا جیسے وہ بات یاد آ گئی ہو "کچھ کچھ یاد آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ کسی امریکی عورت کا نام بھی تھا۔ ان دونوں پر کئی ملین ڈالر کا انعام تھا۔"

"بالکل وہی اشتہار تھے۔ ان میں کیے ہوئے امریکی اعلان آج بھی برقرار ہیں۔ ہماری پیشکش اس کے علاوہ ہے۔"

"وہ تمہارے ہاتھ لگ گیا تو پھر امریکی کیوں انعامی رقم دیں گے؟" میں نے نریش سے پوچھا۔

"وہ ہمارے ہاتھ لگے یا امریکیوں کے۔ بات ایک ہی ہے" انل بسواس نے اپنی بھاری آواز میں وضاحت کی "ہم سب اس خبیث کے ہاتھوں عاجز آئے ہوئے ہیں۔ ہمارا مشترکہ مقصد صرف ایک ہے کہ وہ کسی کی بھی گرفت میں آجائے یا مارا جائے تاکہ اس کی بے مہار دہشت گردی کا خاتمہ ہو۔ اس کی وجہ سے ہمارے سفارت کار اپنے فرائض کی انجام دہی میں زیادہ فعال ہوتے ہوئے ڈرنے لگے ہیں۔"

"پھر یہ بات یقینی ہے کہ کوئی نہ کوئی مضبوط ایجنسی اسے پال رہی ہے" ان کے دلوں میں اترنے کے لیے میں نے ان کی پسندیدہ بات کہہ ڈالی۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اس قدر طاقت ور اور دراز دست ہوتے ہوئے، ایک فرد سے اس قدر خوف زدہ تھے۔

"تم بالکل صحیح نتیجے پر پہنچے ہو۔ امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اس بات کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ماضی قریب میں ڈینی کی طرف سے ہونے والی دہشت گردی کے خوف سے تین امریکی سفارت کار پاکستان میں اپنی تعیناتی قبول کرنے سے انکار کر چکے ہیں" نریش شرما نے کہا۔

وہ اس کی غلط فہمی تھی۔ شاید امریکیوں نے دوسروں سے یہ بات چھپائی ہو مگر مجھے معلوم تھا کہ انہوں نے پاکستان

کے دفتر خارجہ سے باضابطہ طور پر یہ شکایت کی تھی کہ ان کے سفارت کار پاکستان کا رخ کرتے ہوئے گھبرانے لگے تھے اور اگر وہ صورت حال قابو میں نہ کی گئی تو پاکستان میں امریکی سفارتی عملے کی تعداد میں کمی کرنا پڑے گی۔ یہ خدشہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ ایسے حالات سے سفارتی مراسم کو سخت نقصان پہنچنے کا خدشہ تھا۔

مجھے ان پر اپنی معلومات کے اظہار کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں نریش شرما کی مبالغہ آرائی پر خاموش رہا۔

"تم بھارت میں کب تک رکے رہو گے؟" انل بسواس نے مجھ سے پوچھا۔

"کم از کم دو ہفتے کا پروگرام ہے۔ ابھی آگرہ، ممبئی اور کلکتہ بھی جانا ہے۔" میں نے کہا۔

"میرا مشورہ ہے کہ اپنا تفریحی پروگرام مختصر کردو۔" اس نے گمبھیر سنجیدگی سے اپنی رائے دی "تم کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تمہیں جلد از جلد پاکستان لوٹ کر اپنا کام شروع کردینا چاہیے۔ تم ایک لڑکی کے ساتھ آئے تھے۔ یہاں مفت میں تمہیں رینا جیسی لڑکی انعام میں ملی ہے۔ کچھ کارگزاری دکھانے کے بعد تم جب چاہو گے، تم کو ویزا مل جائے گا۔ اگلی بار تنہا یہاں آنا ہر شہر میں رینا جیسی حسین اور جوان لڑکیاں فخر کے ساتھ تمہاری میزبانی کریں گی۔"

انل بسواس ادھیڑ عمر، سنجیدہ اور تعلیم یافتہ شخص تھا۔ وہ ایسے اہم عہدے پر مامور تھا کہ بھارتی صدر اور وزیراعظم بھی اس کا احترام کرتے تھے۔ اس کے باوجود وہ جس ڈھٹائی اور بے حیائی سے اپنی قوم کی لڑکیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کی پیشکش کر رہا تھا، اس سے مجھے صدمہ ہوا۔ اس کی سفید کنپٹیوں کے پیچھے مجھے اس کا باوقار چہرہ یکایک کالا اور مکروہ نظر آنے لگا۔

مگر وہ انل بسواس نہیں بول رہا تھا۔ را کا شعرہ یہی تھا کہ وہ روایتی طریقوں سے ہٹ کر جاسوسی اور تخریب کاری کے غیر روایتی طریقے استعمال کر رہے تھے۔ وہ ہر شعبے میں خوب رو لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ میں ان کی بے شرمی کے اس تجربے سے ذاتی طور پر گزر چکا تھا۔

"اگلی بار میں یقیناً اکیلا آؤں گا۔ میری کوشش ہوگی کہ میں اپنی ساتھی کو تاج محل دکھا کر واپس لے جانے پر آمادہ کرسکوں۔"

"ممبئی اور کول کتا کو بھول جاؤ۔ آگرہ گھوم کر لوٹ جاؤ۔" انل بسواس نے تاکید کی "ہمیں وہاں تم جیسے کسی آدمی کی سخت ضرورت ہے۔ چند روز پہلے ڈینی نے ہمارے جوگیندر رپال نامی ایک سفارت کار کو اس کے گھر میں ریموٹ کنٹرولڈ بم کے ذریعے دھماکے میں اڑا دیا۔ میجر بخشی نامی دوسرے اہم سفارتی افسر پر ایسا سفاکانہ تشدد کیا گیا کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ ہمارے بہترین ڈاکٹر اسے صحت یاب کرانے میں ناکام ہوچکے ہیں۔ پاکستان میں متعین ہمارا سفارتی عملہ سخت خوف و ہراس میں مبتلا ہے۔"

"میں واپس جاکر غزالہ سے بات کروں گا۔" میں نے اس کی تشویش پر دل ہی دل میں محظوظ ہوتے ہوئے، پر خلوص انداز میں یقین دلایا۔

"آگرہ یہاں سے صرف دو سو کلومیٹر دور ہے۔" نریش شرما نے میری رہنمائی کی "تم صبح جاکر شام کو واپس آسکتے ہو۔ آگرے میں تاج محل کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔"

"سنا ہے کہ پورے چاند کی رات میں تاج محل کا حسن قابل دید ہوتا ہے۔ ہم شام کو جاکر سویرے وہاں سے لوٹ آئیں گے۔ میں کوشش کروں گا کہ غزالہ چاند کی چودھویں رات تک انتظار کرنے کی ضد نہ کرے۔" میں نے چودھویں رات کا ذکر وقت لینے کے لیے چھیڑا تھا تاکہ وہ مجھے فوری واپسی پر مجبور نہ کرسکیں۔

"شرما جی! تم مظہر کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔" انل بسواس نے گویا ملاقات کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے کہا "اپنے ریکارڈ سے اسے امریکی اشتہار دکھا دو۔ دوسرے اخباری تراشے بھی اس کی یادداشت تازہ کرسکتے ہیں۔ یہ کام کرنے پر آمادہ ہوچکا ہے تو ہمیں اس کی صلاحیتوں کو پوری طرح پرکھ لینا چاہیے۔"

نریش شرما کے ساتھ میں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ انل بسواس نے بیٹھے بیٹھے میری طرف داہنا ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اس کا کشادہ اور بھرا بھرا ہاتھ بہت تپاک سے اپنی گرفت میں لیا۔ اس کے بدن کا وہ پہلا لمس میرے لیے سنسنی خیز تھا۔ میرے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں زہریلی انگوٹھیاں موجود تھیں۔ ذرا سے اشارے پر میں کسی انگوٹھی کا زہر اس کے بدن میں اتار سکتا تھا۔ وہی زہر نریش شرما کا کام تمام کرنے کے لیے کافی ہوتا مگر پھر میں بند گلی میں گھر جاتا۔ میرے نکاس کی کوئی راہ نہ رہتی۔ باہر بیٹھا ہوا ناگرا اتنا احمق نہیں تھا کہ اپنے دو بڑوں کی اچانک موت کے بعد مجھے را کے اس دفتر سے نکل جانے دیتا۔

وہ سرور اور خواب و خیال کی ایک وجدانی لہر تھی جو چند لمحوں کے لیے میرے ذہن پر طاری ہوئی پھر میں حقیقت کی دنیا میں لوٹ آیا۔ انل بسواس نے مجھے عزت ضرور دی تھی مگر

اس نے میرے تپاک کے جواب میں کسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

انل بسواس سے ہاتھ ملانے کے بعد میں نریش شرما کی تقلید میں اس نیم روشن دفتر سے نکل آیا۔

نریش نے ناگر کے پاس رکنے کی زحمت نہیں کی۔ سیدھا راہ داری میں کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ لمحہ بھر کے لیے میری اور ناگر کی نظریں چار ہوئیں۔ مجھے اس کی آنکھوں میں غصہ بلکہ اشتعال جھلکتا ہوا نظر آیا۔ اس بار میں نے مزید طیش دلانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ میری وجہ سے اسے اپنے باس سے ڈانٹ سننا پڑی تھی۔ مجھے امید تھی کہ وہ مجھ سے الجھنے کی کوئی نئی کوشش نہیں کرے گا۔

میری اور انل بسواس کی وہ ملاقات کافی دیر جاری رہی۔ اس وقت ڈھائی بج رہے تھے اور عمارت میں سکوت و سناٹے کا راج محسوس ہو رہا تھا۔ انسانوں کی موجودگی کی بے آواز رونق اس وقت مفقود تھی۔

رینا کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق دو بجے اس دفتر میں چھٹی ہو چکی تھی۔ را کے عملے کے بیشتر افراد اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ شاید گنے چنے لوگ اس عمارت میں باقی رہ گئے تھے جن میں میرے دونوں بڑے شکار بھی شامل تھے۔ وہ میری دسترس میں تھے مگر میں ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

نریش شرما کے کمرے کا راستہ بھی اس کے پی اے کے کمرے سے گزرتا تھا۔ اس کا پی اے ایک ادھیڑ عمر اور منشی نما شخص تھا جو اسے دیکھتے ہی اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ نریش کے ملاقاتیوں کے لیے کوئی علیحدہ انتظار گاہ نہیں تھی۔ اس کے پی اے کے کمرے میں ہی قرینے سے چھ آرام دہ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

اپنے منصب اور میری معلومات کے مطابق انل بسواس را کے اس دفتر کا سربراہ تھا۔ ناگر اس کا ذاتی نائب تھا مگر انتظامی طور پر دوسری حیثیت نریش شرما کو حاصل تھی۔ میں نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی کہ اس دفتر میں افسران کی خدمت کے لیے اردلیوں اور چپراسیوں کی ریل پیل نہیں تھی۔ اسٹاف کی تعداد کو شاید اہلکاروں کی استعداد بڑھا کر محدود رکھا گیا تھا۔ ہر افسر کو اپنا کام خود کرنا ہوتا تھا۔ کم تنخواہوں والے مجبور اور بے کس ملازمین کی کمی را کے رازوں کی حفاظت کی ایک کلید بھی سمجھی جا سکتی تھی۔

"رام بابو! تم چاہو تو گھر جا سکتے ہو" نریش نے اپنے پی اے کے قریب رک کر کہا "میں ذرا دیر تک بیٹھوں گا۔"

"پھر سرکار، میں بھی بیٹھا ہوا ہوں۔ پتا نہیں آپ کو کب میری ضرورت پڑ جائے" رام بابو نے فرماں بردار ماتحت کی طرح جواب دیا۔

"تمہاری ضرورت نہیں پڑے گی۔ سارے ضروری کاغذات اندر میرے پاس موجود ہیں" نریش نے رام بابو کی حوصلہ افزائی کی۔

"بہت اچھا سرکار۔ میں اپنی میز سمیٹے لیتا ہوں" رام بابو کا جواب سن کر نریش اپنے کمرے میں گھس گیا۔

میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس کا دفتر بھی سادہ تھا۔ میز، کرسیوں اور صوفہ سیٹ کے علاوہ جس چیز نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی، وہ ایک آہنی تجوری تھی جو کمرے کے ایک گوشے میں دو آہنی الماریوں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ شاید وہی تجوری گرین کوبرا فائل کا مدفن اور مخزن تھی کیونکہ انل بسواس کے دفتر کی سپاٹ دیواروں کے ساتھ مجھے ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی تھی جہاں اہم کاغذات اور فائلیں وغیرہ رکھی جا سکیں۔

"تم کیا پیتے ہو؟" میز کے پیچھے اپنی گھومنے والی کرسی پر بیٹھ کر نریش شرما نے دوستانہ لہجے میں ہنستے ہوئے پوچھا۔

"میں چائے اور ٹھنڈے پانی کے سوا کچھ نہیں پیتا" میں نے مسکرا کر جواب دیا "اس وقت اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے اپنی ایک مقفل دراز کھول کر شراب کا ایک شفاف پائنٹ نکالا۔ سفید بوتل میں سفید شراب تھی جو جن ہو سکتی تھی یا پھر واڈکا۔ "شراب کے بغیر شباب سے لطف اندوز ہونا ایسا ہی ہے جیسے چمچے سے قورمہ کھایا جائے" وہ اپنا گلاس بناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بڑی نادر مثال دی ہے تم نے" میں خواہ مخواہ ہنس دیا۔

انل بسواس کی بارعب شخصیت کے ساتھ میں نے آپ جناب کا تکلف برقرار رکھا تھا جو اس کے رتبے کے پیش نظر ضروری تھا۔ مگر نریش شرما سے میں نے ابتدا سے ہی قدرے بے تکلفی رکھی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر میں خود کو زیادہ پرسکون محسوس کر رہا تھا۔

"قورمے کا اپنا ایک ذائقہ ہوتا ہے جو ہر حال میں برقرار رہتا ہے مگر اس کو خمیری روٹی یا شیرمال کے ساتھ کھایا جائے تو بات کچھ اور ہو جاتی ہے" اس نے جن میں ٹانک واٹر ملاتے ہوئے کہا "یہی حال شباب کا بھی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ابھی تم رینا کو پوری طرح دریافت نہیں کر سکے۔"

انل اور نریش جس روانی سے رینا کے تذکرے کر رہے تھے، اس سے پتا چل رہا تھا کہ اس جیسی لڑکیوں کو را نے صرف "سرکاری کاموں" کے لیے ملازم نہیں رکھا ہوا تھا۔ ایسی لڑکیاں فاضل اوقات میں را کے افسروں کی شامیں رنگین بنانے اور ان کی خلوتوں کو آباد کرنے کے کام بھی آتی تھیں۔ ملک و قوم کی خدمت کے وہ دعوے دار دل کھول کر اپنی قوم کی آبرو سے کھیل رہے تھے اور ان پر کوئی قدغن نہیں تھی۔

نریش شرما کی میز کی درازیں اور میز کے ساتھ لگے ہوئے بڑے سے سائڈ ریک کے خانے اس کی ضرورت کی ہر چیز سے لیس تھے۔ اس نے اپنی کرسی سے ہلے بغیر گلاس تیار کرکے جن کا ایک گھونٹ اپنے معدے میں اتار لیا تھا۔ یہ اچھی بات تھی کہ وہ عادی شرابی تھا۔ میں کچھ دیر تک اس کے ساتھ بیٹھا رہتا تو وہ اتنے خمار میں آسکتا تھا کہ میرے ساتھ روانی سے باتیں کرتا رہے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ اپنے سرکاری دفتر میں بیٹھا پی رہا تھا۔

"رینا تمہارے دفاتر میں بہت زیادہ مقبول معلوم ہوتی ہے۔" میں نے ایک لمحے کے لیے سوچنے کے بعد کہہ ڈالا۔

"پتا نہیں یہاں کتنی رینائیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ تم سے اس کی بات اس لیے ہورہی ہے کہ تم صرف اسی کو جانتے ہو" اس نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا "اگلی بار یہاں آؤ گے تو تم کو دوسری لڑکیوں سے بھی ملوا دیا جائے گا۔ تم بیٹھو، میں ذرا کام کی فائلیں لاتا ہوں۔"

اس نے اپنا گلاس وہیں چھوڑا اور پتلون کی داہنی جیب کو ٹٹولتا ہوا آہنی تجوری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

تجوری ایسے رخ پر رکھی ہوئی تھی کہ میں اس کے دروازے نیم وا ہونے کے باوجود اندر کا جائزہ نہ لے سکا۔ نریش تجوری کے سامنے جھکا ہوا اپنے مطلوبہ کاغذات تلاش کر رہا تھا۔

کئی منٹ گزر گئے لیکن نریش وہیں مصروف رہا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے اپنی ضرورت کے کاغذات نہ مل رہے ہوں۔ اس دوران میں اس نے کئی فائلیں وغیرہ نکال کر قالین پر ڈال دی تھیں۔ میں خاموش بیٹھا وہ تماشا دیکھتا رہا۔ اس وقت صبر ہی میرا سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ غیر ضروری طور پر بولنے سے گریز کرکے میں نریش شرما سے بہت کچھ جان سکتا تھا۔ مجھے یقین ہونے لگا تھا کہ گرین کوبرا فائل اسی کی تحویل سے مل سکتی تھی۔

آخر نریش نے تجوری بند کرکے مقفل کردی۔ اس نے فائلوں کا ایک بندھا ہوا بنڈل نکال کر ہر کاغذ تجوری میں واپس محفوظ کر دیا تھا۔ بنڈل لے کر وہ اپنی میز پر لوٹ آیا اور خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے بولا "ڈپٹی کے تراشوں کی فائل میں نے امریکی ریکارڈ کے ساتھ رکھی تھی۔ پتا نہیں وہ کہاں ہے۔ شاید ان پاکستانی فائلوں میں مل گئی ہو" اس نے بنڈل کا بند کھول کر اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور فائلیں دیکھنے لگا۔

وہ پاکستان سے متعلق را کی فائلیں لیے بیٹھا تھا۔ میرے ذہن میں بے اختیار بچپن میں سنی ہوئی وہ پہیلی گونج اٹھی جو ماں اکثر مجھ سے پوچھا کرتی تھی۔ چار گھڑے، رس کے بھرے۔ چور تکے، لے نہ سکے۔ اس پہیلی کا جواب گائے بھینس کے تھن ہوتا تھا جو میں ہمیشہ بھول جاتا تھا اور ماں میرا مذاق اڑایا کرتی تھی، خوش ہوتی تھی کیونکہ اس بہانے میں اس کی باتوں میں بہلا رہا کرتا تھا۔

اس وقت کی صورت حال پر وہ پہیلی پوری طرح صادق آرہی تھی۔ فائلیں میرے سامنے تھیں، شاید ان میں گرین کوبرا فائل بھی تھی۔ میں اس پلندے کو ندیدی نگاہوں سے تک رہا تھا لیکن انہیں نریش شرما سے چھین لینے پر قادر نہیں تھا۔

انل بسواس سے میری وہ ملاقات ضرورت سے زیادہ بار آور ثابت ہوئی تھی۔ ملاقات سے پہلے رینا اپنی مکاریوں سے تائب ہوکر میری خیر خواہ بن چکی تھی۔ میں نے انل بسواس کو اپنے ہاتھ سے چھو کر دیکھ لیا تھا۔ وہ پاکستان کے خلاف را کی سرگرمیوں کا ناخدا تھا۔ اس تک پہنچنا میرا اور پاکستانی ایجنسیوں کا خواب تھا۔ اسے اور نریش کو دیکھ لینے کے بعد میں موقع پاکر کسی بھی وقت اپنی کاری ضرب لگا سکتا تھا۔

"اجازت ہو تو میں سگریٹ سلگالوں؟" میں نے نریش کی محویت میں دخل اندازی کی "شاید تم بھول گئے کہ میں یہیں بیٹھا ہوا ہوں۔"

"پیو، پیو" اس نے پلندے سے نگاہیں ہٹائے بغیر کہا "شراب نہیں تو سگریٹ ہی پیو۔ اس وقت میں تمہارے لیے تراشوں کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔"

"اپنے رام بابو سے مدد لے لو" میں نے سگریٹ اور ماچس نکال کر اسے مشورہ دیا۔

"یہ تجوری شجر ممنوعہ ہے۔ اسے میرے اور بڑے صاحب کے سوا کوئی نہیں کھولتا۔ بے چارہ رام بابو کچھ نہیں کر سکتا۔"

وہ فائلیں الٹ پلٹ رہا تھا۔ میری عقابی نگاہیں اسی

طرف جمی ہوئی تھیں۔ میں فائلوں پر لکھی ہوئی خفیہ تحریریں پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت تک صرف ایک فائل کا جلی عنوان میری نظروں میں آ سکا تھا۔ اس پر سرخ مار کر سے پی اے ای سی ون لکھا ہوا تھا۔

وہ را کے دفتر میں محفوظ کی ہوئی ٹاپ سیکرٹ فائلیں تھیں۔ میرے ذہن میں انگریزی کے وہ حروف بھی گھومتے رہے۔ اسی کے ساتھ میں پاکستان کے ان اہم قومی اداروں کے بارے میں سوچ رہا تھا جن کی کارکردگی اور پیش رفت میں بھارت غیر معمولی دلچسپی لے سکتا تھا۔ وہ ایٹمی دھماکوں سے پہلے کا کشیدہ دور تھا جب عالمی قوتیں دونوں فریقوں کو ایٹمی کلب میں شمولیت سے روکنے کی سرتوڑ کوششیں کر رہی تھیں۔

یکایک میرے ذہن میں روشنی سی کوند گئی۔ وہ انگریزی حروف پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کا مخفف ہو سکتے تھے۔ ون شاید اس فائل کا نمبر تھا۔ میرے وجود میں ہیجان برپا ہو گیا۔ حوصلہ کرنے اور ہاتھ بڑھانے کی دیر تھی۔ فائلوں کا وہ پورا پلندہ میرے قبضے میں آ سکتا تھا۔

پھر پلاسٹک کی ایک سفید فائل نریش شرما کے ہاتھوں سے لرزی۔ فائل پر جی سی کا دو حرفی اور خاصا بڑا کمپیوٹر پرنٹ چسپاں تھا جسے دور سے بھی پڑھا جا سکتا تھا۔ وہ دونوں حروف گرین کوبرا کے سوا کسی اور فائل سے متعلق نہیں ہو سکتے تھے۔ پتا نہیں اس فائل میں کیا تھا۔ میں اپنے اصل روپ میں ان کے لیے بڑا ناگ تھا۔ بڑے ناگ اور گرین کوبرا میں کوئی معنوی یا لفظی مطابقت نہیں تھی۔ الفاظ کی نسلی یکسانیت پہلے سے میرے ذہن میں موجود تھی۔ میرے اضطراب میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ سب کچھ جان لینے اور چھین لینے کی خواہش میرے دل و دماغ میں زور پکڑتی جا رہی تھی مگر اس کا ممکنہ انجام میری آرزوؤں کی لگام بنا ہوا تھا۔

وہ پتلی اور موٹی، کل گیارہ فائلیں تھیں جو ایک جگہ بندھی ہوئی تھیں۔ دسویں فائل دیکھ کر نریش شرما نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ اتنی دیر سے اسی فائل کی تلاش میں جھک مار رہا تھا۔ اس نے دوسری فائلوں کو بے پروائی سے ایک طرف سرکا دیا اور مطلوبہ فائل اپنے سامنے رکھ لی۔

انل بسواس کے قول کے مطابق نریش اپنے ڈھب پر آئے ہوئے ایک نئے پنچھی کو اس کے نئے کام پر بریفنگ دینے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک عام پاکستانی کو را کے اندرونی ریکارڈ سے کوئی واقفیت یا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ میں خود اپنے اندرونی اضطراب اور ہیجان پر قابو پائے بیٹھا تھا۔ میں نے اضطراری طور پر بھی ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جس سے نریش کو یہ شبہ ہوتا کہ میں اس کے سامنے رکھی ہوئی فائلوں کی طرف توجہ دے رہا تھا۔

نریش را کا ایک تجربے کار افسر تھا۔ وہ بے وقوف، غبی یا بے پروا نہیں تھا۔ اس کی ذہانت ہر شک و شبے سے بالا تھی۔ وہ اپنے مخصوص کاموں میں ماہر تسلیم کیا جاتا تھا جس کی گواہی گوپال بھی دے چکا تھا۔ اس کی بدنصیبی یہ تھی کہ اسے بلکہ اس کے بڑے کو بھی میری اصلیت کا ادراک نہیں ہو سکا تھا۔ ان دونوں نے مجھے اپنا مہمان بنا کر اپنے دفتر میں بلایا اور بٹھایا ہوا تھا اور مجھ سے میری تلاش میں مدد کے خواہاں تھے۔

ان کے اطمینان کا سبب یہ تھا کہ اول خان نے میرے لیے کراچی کے جس نام، پتے اور پیشے کا انتخاب کیا تھا۔ وہ فرضی نہیں تھا۔ خود مجھے بھارت پہنچنے تک علم نہیں تھا کہ میرے کاغذات کی تیاری میں اول خان نے اتنی احتیاط سے کام لیا ہوگا۔ یہ عقدہ اس وقت کھلا جب را والوں نے اپنے ذرائع سے ان کوائف کی تصدیق کرنے کے بعد رینا اجیت رائے کو میرے پیچھے لگا دیا۔ وہ بجا طور پر مجھے مظہر خان سمجھ رہے تھے۔ اول خان نے میری روانگی کے بعد اصلی مظہر خان کو اس کے ٹھکانے سے کہیں اور منتقل کر دیا تھا۔ وہ ذہانت اور دوربینی کی پیکار تھی جس میں اول خان فتح یاب رہا تھا اور را کے اعلیٰ دماغ مار کھا گئے تھے۔

نریش شرما نے وہ فائل مجھے دکھانے سے پہلے، اپنے اطمینان کے لیے اس کی ورق گردانی شروع کر دی۔ اس میں صرف اخباری تراشے نہیں تھے۔ ان کے درمیان سفید اور گدلے اوراق بھی لگے ہوئے تھے جو اخباری کاغذ سے بہت مختلف تھے۔ درمیان میں اس نے اپنے گلاس سے مزید ایک گھونٹ لیا اور پھر امریکی اشتہار کا تراشا کھول کر فائل میرے سامنے کر دی۔ دوسرے اوراق کو اس نے اپنے ہاتھوں سے اس طرح دبا لیا تھا کہ کاغذ اڑنے کی وجہ سے وہ میری نظروں میں نہ آ سکیں۔

وہ بڑا اشتہار میں زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ اس میں ویرا کی پرانی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس حوالے سے کوئی اور اسے نہیں پہچان سکتا تھا مگر میرے لیے وہ تصویر اجنبی نہیں تھی۔ میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ را والوں کا ریکارڈ مکمل اور بھرپور تھا۔ ہم دونوں کھڑی ڈھلان کے سب سے اوپری کنارے پر اٹکے ہوئے اپنی جیت اور بقا کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ ہماری ذرا سی لغزش ہمیں آناً فاناً

میں تحت الثریٰ میں پہنچا سکتی تھی جہاں ناکامی، مایوسی اور موت کی سسکاریاں مارتی ہوئی اتھاہ دلدلوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔

''یہ اشتہار آج بھی موثر ہے۔ ڈینی کا قصہ نمٹ جائے تو ویرا خود تباہ ہو جائے گی'' نریش شرما نے کہا اور میں پھر لرز کر رہ گیا۔

نریش شرما نے بہت عارفانہ انداز میں میرا اور ویرا کا نام لیا تھا۔ مجھے اچانک احساس ہوا کہ نادانستگی میں ہم سے ایک سنگین غلطی ہوئی تھی۔ اس سفر کے لیے غزالہ کا نام تبدیل کیا جانا بہت ضروری تھا۔ جو لوگ میرے لہو کے پیاسے تھے وہ بہت باخبر تھے۔ میرے اور ویرا کے ناموں کے ساتھ یہ بات ان سے چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی تھی کہ میری بیوی کا نام غزالہ تھا۔ یہ ہماری خوش بختی تھی کہ کسی نے اس نکتے پر دھیان نہیں دیا تھا۔

میری گردن صرف اول خان کی ہوشیاری کی وجہ سے بچی ہوئی تھی۔ راوالوں کو مکمل یقین تھا کہ میں مظہر خان تھا۔ انہیں میری ذات اور شناخت پر ذرا بھی شبہ ہوتا تو وہ غزالہ کی طرف ضرور متوجہ ہوتے۔ ان کی نظروں میں، میں مظہر خان تھا اس لیے وہ کوئی بھی غزالہ ہو سکتی تھی۔ غزالہ بہت عام نام تھا۔ اس کی اپنی جگہ کوئی اہمیت نہیں تھی۔ میری عرفیت کے حوالے سے وہ عام نام یکایک بہت زیادہ اہمیت اختیار کر لیتا تھا۔

مجھے انل بسواس کے خود غرضانہ مشورے میں اپنا مفاد نظر آنے لگا۔ حالات بہت تیزی سے اپنا رخ تبدیل کر رہے تھے۔ غزالہ کا نام ایک نیا خوف بن کر میرے اعصاب پر سوار ہونے لگا۔ ڈھلان کے سرے پر میرے پیروں کے نیچے سے ایک اور پتھر نکل کر نیچے لڑھک گیا تھا۔ پوزیشن مخدوش تر نظر آنے لگی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ ہم کسی سے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر، خاموشی سے پاکستان لوٹ جاتے اور نئی تیاریوں کے ساتھ دشمن کے گڑھ پر پلٹ کر حملہ کر دیتے۔

''کاش، میں اس معاملے میں تمہارا ہاتھ بٹا سکتا'' میں نے اشتہار پڑھتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہاری لاٹری ہوگی'' نریش اوراق کو دبوچے کھڑا رہا۔ میں نے اشتہار پڑھ لیا تو اس نے احتیاط سے فائل بند کی اور اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

میرے لیے وہ موضوع اچانک وحشت ناک ہونے لگا تھا۔ نریش نے اپنا گلاس ہونٹوں سے لگایا تو میں نے زبردستی مسکراتے ہوئے پوچھا ''برا نہ مناؤ تو ایک بات پوچھ لوں؟''

''ایک نہیں، دو باتیں پوچھو۔ اب تم اپنے آدمی ہو'' اس نے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا را کے افسروں کو اپنے دفاتر میں شراب نوشی کی اجازت ہے؟'' میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

اس نے گلاس رکھ کر تیز نگاہوں سے مجھے گھورا پھر بولا ''میں دفتری اوقات کے بعد نچلے میں کبھی کبھی جن لے لیتا ہوں۔ دیکھنے میں یہ شراب پانی جیسی ہوتی ہے۔ اس کی بو بھی بہت کم ہوتی ہے۔ پیتے ہوئے میں زیادہ انہماک سے کام کرتا ہوں۔ باہر جا کر تم ڈھول نہ پیٹ دینا۔ تم جیسے مہمانوں کے لیے ہمیں چھوٹ ہے کہ چاہیں تو دفتری اوقات میں بھی ضرورت کے تحت شراب سے میزبانی کر سکتے ہیں۔ ہمارا کام دوسرے سرکاری دفتروں سے بہت مختلف ہے۔''

''ابھی رام بابو اور تمہارے بڑے صاحب اپنے اپنے دفتروں میں موجود ہیں؟'' میں نے اسے چھیڑا۔

''رام بابو کی ایک بیٹی بیمار رہتی ہے۔ چھٹی کے بعد وہ مشکل سے دفتر میں رکتا ہے۔ اب تک اپنے گھر کا آدھا راستہ طے کر چکا ہوگا۔ بڑے صاحب خود کسی کے کمرے میں نہیں آتے، جس سے کوئی کام ہو، اسے انٹرکام پر اپنے کمرے میں بلاتے ہیں.... سمجھ گئے پوری بات؟''

اس کے سرد لہجے نے مجھے بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ انل بسواس کے مقابلے میں وہ بہت دوستانہ مزاج کا مالک تھا۔

''اگر پورا دفتر خالی ہو گیا تو مجھے ہوٹل کون پہنچائے گا؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''باہر آسانی سے ٹیکسی مل جاتی ہے، میں تمہیں چھوڑ سکتا ہوں مگر ایسا نہیں ہوگا۔ ناگر تمہارا انتظار کرے گا۔ تمہاری واپسی کا بندوبست اس کی ذمے داری ہے۔''

''تمہارا گلاس خالی ہونے کے بعد میں واپسی کی اجازت چاہوں گا'' میں نے اس کے سامنے پڑی ہوئی فائلوں کے رنگ ذہن نشین کرتے ہوئے کہا۔

''صرف اشتہار دیکھ لینے کے بعد کام ختم نہیں ہوا۔ میں تمہیں وہ موضوعات بتانا چاہتا ہوں جن پر تمہاری توجہ مرکوز رہنی چاہیے۔''

''ضرور بتاؤ، اس سے میرا کام آسان ہو جائے گا۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔

''سب سے پہلے ایک اہم بات سن لو۔ ہمارے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ ہم اجنبیوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ چھان بین کے بعد کسی سے معاہدہ کر لیتے ہیں تو پھر اس کی پوری

پاسداری کی امید رکھتے ہیں۔ اپنے مقاصد اور وعدوں سے انحراف کو معاف نہیں کیا جاتا۔ اس کی سزا صرف ایک ہوتی ہے۔"

"را کا نام سامنے آجانے کے بعد شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہی تھی" میں نے نرمی سے کہا۔

نریش نے اس ناخوشگوار نکتے پر مزید کچھ نہیں کہا۔ پرخیال لہجے میں بولا "تم کو معلوم ہے کہ ہمارا ملک آبادی اور رقبے میں پاکستان سے بہت بڑا ہے۔ ہماری ضروریات اور ترجیحات بڑی ہیں لیکن پاکستان کی ہر تیاری میں ہمیں پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ہمیں پاکستان کی ایٹمی تیاریوں پر بہت زیادہ تشویش ہے۔ فوجوں کی تعداد، ان کے زیر استعمال ہتھیاروں کی تفصیل، ٹینکوں اور توپوں کی صحیح تعداد، فضائی بیڑے کی صلاحیت، آبدوزوں کا دائرہ کار، بڑے سیاسی لیڈروں کے نجی رجحانات.... یہ سب ہماری دلچسپی کے موضوعات ہیں۔"

"تمہیں پاکستان کے سیاسی اور دفاعی منظرنامے کی ہر تفصیل درکار ہے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"تم سمجھ دار ہو، اس میں ہر بات آجاتی ہے۔ ہمارے عزائم نیک ہیں لیکن بہت بڑا بھائی اپنے بہت چھوٹے بھائی کو یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ اس کی برابری کرنے کی کوشش کرے۔ یہ بدقسمتی ہے کہ پاکستان کا رویہ ہمیشہ یہی رہا ہے۔ اس میں بہتری کے وقفے بہت مختصر رہے ہیں۔"

"انل صاحب نے جوگیندر پال کے گھر بم پھٹنے کا ذکر کیا تھا۔ وہ واقعہ میں نے اخباروں میں پڑھا تھا۔ میجر بخشی والے واقعے سے میں بے خبر ہوں۔ وہاں ایسے واقعات ہوتے ہیں تو ہماری طرف سے بھی کوئی نہ کوئی جوابی قدم اٹھایا جاتا ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"بھارت عدم تشدد اور اہنسا کے اصولوں پر کاربند ہے۔ ہم جوابی کارروائی نہیں کرتے" اس نے شراب کا ایک گھونٹ لے کر مکاری سے کہا "یہ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"ایسی عملی کارروائیوں سے مجھے خوف آتا ہے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں مجھ سے ایسی توقعات نہ باندھ لی جائیں" حملہ کے راستے میں مرنے والے پاکستانی سفارت کاروں کے بارے میں، میں سوچ کر رہ گیا۔

وہ ہنس پڑا "ایسا نہیں ہوتا۔ ضرورت پڑجاتی ہے تو ہم آدمی ایسے کام انجام دیتے ہیں" ہنستے ہوئے اس کے زرد دانت بھیڑیے کے دانتوں کی طرح چمک رہے تھے۔

"پھر مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ میرے مستقل رابطے کس سے رہیں گے؟"

"صبر سے کام لو۔ وقت آنے پر ہر بات بتادی جائے گی۔ سب سے پہلے تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ پاکستان کب لوٹ رہے ہو۔"

"میں کل شام تک بتادوں گا۔ مجھے کس سے اور کیسے رابطہ کرنا ہوگا؟ رینا مجھے الگ ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے۔"

اس نے اپنی دراز سے ایک کارڈ نکال کر میری طرف بڑھادیا "اس پر میرے دفتر اور گھر کے فون نمبر ہیں۔ تم رات بارہ بجے سے پہلے کہیں بھی فون کرسکتے ہو۔"

وہ بہت سادہ وزیٹنگ کارڈ تھا جس پر نریش شرما کے نام اور دونوں فون نمبروں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں نے کارڈ کو دونوں طرف سے دیکھا پھر حیرت سے کہا "اس پر تمہارا عہدہ، دفتر کا نام یا گھر کا پتا، کچھ بھی نہیں ہے۔"

"میرا دفتر تم نے دیکھ لیا، گھر قرول باغ میں ہے۔ بڑے صاحب کے بعد میں اس دفتر کا دوسرا بڑا ہوں" اس نے میرے تجسس سے محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"ناگر نے میرے فنگر پرنٹس لیے تھے۔ رینا نے بتایا ہے کہ میری اور اس کی پہلی ملاقات کی ویڈیو فلم بھی بنائی گئی تھی۔"

"اس بارے میں تم کیا جاننا چاہتے ہو؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میری معلومات ادھوری ہیں۔ میں دہلی میں ہوں۔ ہر وقت تمہاری دسترس میں ہوں۔ تمہارے لیے ان چیزوں کی کیا افادیت ہے؟"

"یہ طے ہوچکا تھا کہ تمہیں ہمارے لیے کام کرنا ہے" نریش نے تھوڑے سے توقف کے بعد کہا "تم ہمیشہ دہلی میں نہیں رہو گے۔ تمہیں جلد از جلد پاکستان واپس جاکر اپنا کام شروع کرنا ہے۔ اپنے گھر پہنچ کر تم ہم سے منحرف ہوگئے تو یہ دونوں چیزیں ہمارے کام آئیں گی۔"

"تم انہیں میرے خلاف استعمال کرو گے؟" میں نے تھوک نگلتے ہوئے اپنی بے آرامی کی اداکاری کی۔

"تم نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی تو انہیں استعمال کیا جائے گا۔ اس سے پہلے یہ دونوں چیزیں محفوظ رہیں گی۔ تمہاری وعدہ خلافی کی صورت میں ویڈیو کی نقلیں کراچی میں پھیلادی جائیں گی۔ وہاں ایسی فلموں کی بہت مانگ ہے۔ اس میں تمہاری فطری تصویریں ہیں۔ فنگر پرنٹس کے ذریعے تم دنیا کے کسی بھی گوشے میں پہچان لیے جاؤ گے۔ یہ دونوں چیزیں اب ہمارے ریکارڈ کا حصہ بن چکی ہیں۔ تمہاری نیت صاف ہے تو تم کو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"میرا ایسی چیزوں سے کبھی واسطہ نہیں پڑا لیکن میں نے فلموں وغیرہ میں دیکھا ہے کہ فلمیں اور فنگر پرنٹس، دونوں چیزیں خطرناک ہوتی ہیں۔ غلط ہاتھوں میں پہنچ گئیں تو میری زندگی حرام ہوسکتی ہے۔" میں یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ وہ دونوں چیزیں کس کے قبضے میں تھیں۔ میں سیدھا کوئی سوال کرتا تو نریش شرما کے کان کھڑے ہوجاتے۔ میں گھما پھرا کر اپنے سوال کا جواب لینے کی کوشش کررہا تھا۔

"را کا سارا اثاثہ ریکارڈ ہی ریکارڈ ہے" نریش نے کہا "یہاں ہر چیز صحیح مقام پر صحیح آدمی کی تحویل میں ہوتی ہے۔ جس دن اس نظام میں کوئی خرابی پیدا ہوئی، سب کچھ تباہ ہوجائے گا۔ اس بارے میں تم کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنی بازی کا ہر کارڈ اس کی ناگزیر ضرورت کے وقت کھیلنا جانتے ہیں۔"

"یہ تمہارے پیشے کی باتیں ہیں۔ انہیں تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ میں امید کرسکتا ہوں کہ تم ان چیزوں کی حفاظت کروگے۔"

"میں نے کب کہا کہ وہ چیزیں میرے پاس ہیں جو تم مجھ سے امید باندھ رہے ہو؟" اس نے شاطرانہ انداز میں پوچھا پھر کہا "مگر تم مطمئن رہو۔ وہ چیزیں جس کے پاس بھی ہیں، پوری طرح محفوظ ہیں" اپنی بات پوری کرکے اس نے اپنا گلاس خالی کردیا۔

وہ بہت چالاک تھا، اپنی سادہ لوحی برقرار رکھتے ہوئے اس سے کچھ اگلوانا آسان نہیں تھا۔ میں نے مزید کوئی سوال کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ اس وقت تک سارے معاملات ہموار اور صاف ستھرے انداز میں چل رہے تھے۔ میرا زیادہ اصرار اسے میری طرف سے بدظن کرسکتا تھا۔

اس نے فائلوں کو احتیاط سے یکجا کرکے مضبوط فیتے میں باندھا اور بنڈل اٹھا کر دوبارہ تجوری کی طرف چل دیا۔

مجھے رینا نے بتایا تھا کہ انل بسواس اہم کاغذات اور اشیا کے بارے میں کسی پر اعتبار نہیں کرتا۔ انہیں اپنی تحویل میں رکھتا ہے لیکن اس کے دفتر میں ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی تھی جہاں وہ اپنا ذاتی ریکارڈ وغیرہ محفوظ کرسکے۔ ویسے بھی وہ اس دفتر میں کبھی کبھار آتا تھا۔ اس کا اصل آفس را کے مرکزی دفاتر میں تھا جو دہلی کے کسی اور علاقے میں واقع تھے۔ مجھے شبہ ہورہا تھا کہ میری ذات سے تعلق رکھنے والی دونوں چیزیں نریش کی تجوری میں ہوسکتی تھیں۔

پاکستان کی فائلیں تجوری میں مقفل کرنے کے بعد نریش روانگی کے لیے تیار ہوگیا۔ اپنا کمرا اس نے خود مقفل کیا۔

رام بابو کا کمرا خالی تھا۔ طویل راہداری سنسان نظر آرہی تھی۔ اس کے آخری سرے پر ایک چوکیدار کرسی ڈالے بیٹھا ہوا تھا۔

نریش مجھے لے کر دوسرے کمرے میں پہنچا تو ناگر اکیلا بیٹھا پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ نریش کمار کے لیے اپنی کرسی سے اٹھنا اسے ناگوار گزرا۔

"بڑے صاحب بیٹھے ہیں یا چلے گئے؟" نریش نے رسمی طور پر اس سے پوچھا۔

"تم دونوں کو رخصت کرنے کے چند منٹ بعد وہ چلے گئے تھے۔ میں یہاں مکھیاں مار رہا ہوں" وہ بے زاری سے بولا۔

"مظہر کو اس کے ہوٹل پہنچانے کے بعد تمہارا کام ختم۔" نریش نے اسے نوید سنائی۔

"صاحب کہہ کر گئے تھے" ناگر نے نریش کی بات کی اہمیت ختم کرتے ہوئے کہا پھر وہ میری طرف متوجہ ہوگیا "آؤ!"

ناگر اور پھر نریش نے باری باری انل بسواس کے کمرے کا دروازہ دیکھا جو مقفل تھا پھر ہم تینوں ایک ساتھ باہر چل دیے۔ دروازے پر بیٹھے ہوئے چوکیدار نے ہمیں دیکھا تو اپنے ہاتھ میں موجود چابیوں کا وزنی گچھا ہلاتا ہوا ہماری طرف آنے لگا۔ درمیان میں ہمارے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے جھک کر سلام کیا اور آگے نکل گیا۔

"ہمارے جانے کے بعد شاید یہی اس عمارت میں رہ جائے گا" میں نے روا روی میں کہا۔

"ہاں، یہ محکمے کا چوکیدار ہے۔ خالی کمروں میں تالے ڈالنے کے بعد چھت پر چلا جاتا ہے۔ وہیں اس کا کمرا ہے" نریش نے جواب دیا۔

میرے ذہن میں چرخہ چلنا شروع ہوگیا۔ نریش ایسے موڈ میں تھا کہ اس سے کچھ باتیں کی جاسکتی تھیں لیکن ناگر کی موجودگی میں میرا خاموش رہنا زیادہ بہتر تھا۔

دونوں موٹے سپاہی اپنی وردیاں اتار کر، کرسیاں برآمدے میں لے آئے تھے۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ دن رات وہیں مامور رہتے ہوں۔ دن بھر کرسیاں اور رات میں چارپائیاں توڑنے کے نتیجے میں ان کا کاہل اور بے زار ہونا قابل فہم تھا۔ ان کی زندگیوں میں اکتا دینے والی یکسانیت نظر آتی تھی۔ ان کی بندوقوں کی حالت سے ظاہر ہورہا تھا کہ ان سے برسوں سے کوئی گولی نہیں چلائی گئی تھی۔ کسی ہلچل اور ہنگامے کے بغیر وہ دونوں اپنی بندوقوں کی طرح زنگ آلود

ہو رہے تھے۔
اس عمارت کے لیے کوئی باقاعدہ پارکنگ نہیں تھی۔ شام کے دراز ہوتے ہوئے سایوں میں عمارت کے ساتھ دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ نریش ہم دونوں سے ہاتھ ملا کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ ناگر کے بیٹھنے کے بعد میں اس کی ماروتی کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔
نریش تیزی کے ساتھ گاڑی نکال کر لے گیا۔ ناگر کی گاڑی کا سیلف پھنس رہا تھا۔ اس کے روانہ ہونے سے پہلے دونوں سپاہی برآمدے سے اٹھ کر عمارت کی بغلی دیوار کے ساتھ بنے ہوئے نیم پختہ کمرے کی طرف ہو لیے کیونکہ را والوں کے چوکیدار نے اندر سے دروازہ بند کر لیا تھا۔
مہذب ملکوں اور شہروں میں کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری املاک کے لیے غیر معمولی حفاظتی انتظامات کی ضرورت نہیں ہوتی، بس رسمی سی دیکھ بھال کافی سمجھی جاتی ہے۔ وہاں وہ بندوبست موجود تھا۔ اندر سے دروازہ مقفل کرنے کے بعد عمارت میں ایک نگراں موجود تھا۔ باہر دو سپاہی اپنے کمرے میں پڑے سوتے رہتے۔ عمارت کی حفاظت کے لیے ان کی موجودگی کا بھرم ہی کافی تھا۔ مگر مجھے را والوں کی وہ بے پروائی عجیب محسوس ہو رہی تھی۔
اس عمارت میں کوئی خزانہ محفوظ تھا نہ حساس دفاعی تنصیبات تھیں۔ جو کچھ تھا وہ کمپیوٹروں کی یادداشت یا پھر فائلوں، الماریوں اور تجوریوں میں محفوظ تھا۔ جن لوگوں کی نظروں میں ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہو سکتی تھی، انہیں روکنے کے لیے وہ حفاظتی بندوبست بہت ناقص بلکہ ناکارہ تھا۔

ناگر اپنی گاڑی کو برا بھلا کہتا اور اس سے ناگفتہ مادری رشتے جوڑتا، سیلف لگاتا رہا۔ اس کے چڑچڑے پن کا دراک کرتے ہوئے میں نے اپنی زبان بند رکھی۔ جوں ہی انجن بیدار ہوا، ناگر نے غصے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔
”کیا مجھ سے کچھ ناراض ہو؟“ چند منٹ گزر جانے کے بعد میں نے رسانیت سے پوچھا۔
”تم نے انکل سے میری شکایت کر کے اپنے حق میں کانٹے بو لیے ہیں“ وہ میری طرف دیکھے بغیر غرایا ”اس وقت تم اس کے مہمان ہو اس لیے میں تمہیں برداشت کرنے پر مجبور ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ ناگر کسی کا قرض باقی نہیں رکھتا۔ میں جلد ہی تمہیں دیکھ لوں گا۔“
اس نے آخری فقرہ کہہ کر اپنی حیثیت کا بھرم توڑ دیا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے انکل یا صاحب کی خواہش تھی کہ میں جلد از جلد بھارت چھوڑ دوں۔ وہ دوسروں پر خود کو جو کچھ بھی ظاہر کرتا رہا ہو، انل بسواس کا منہ چڑھا اور چہیتا معتمد ہرگز نہیں تھا۔
”اوہو۔ تم تو واقعی ناراض ہو۔ میں نے تمہاری شکایت نہیں کی تھی۔ برسبیل تذکرہ مجھے بتانا پڑا کہ تم میرے پاسپورٹ کی حاجت محسوس کر رہے تھے۔“
”تم نے اندر جانے سے پہلے مجھے آنکھ ماری تھی۔ تمہارے دل میں کوئی بدمعاشی سر اٹھا رہی تھی، اندر جا کر تم نے رنگ دکھا دیا۔“
”تم مجھے دس دفعہ آنکھ مار لینا مگر مجھ سے یوں منہ نہ پھیرو۔ اب میں تمہارا ساتھی بن چکا ہوں۔ مجھے تم سب کے تعاون کی ضرورت ہے۔“
”میرے منہ مت لگو اور چپ چاپ بیٹھے رہو ورنہ گاڑی سے یہیں اتار دوں گا“ اس کا موڈ بدستور بگڑا ہوا تھا۔
میں نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنی سمت کی کھڑکی سے باہر کا نظارہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس دوران میں میرا ذہن مسلسل سوچنے میں مصروف تھا۔
چار بجے میں اپنے کمرے میں واپس پہنچا تو غزالہ مسرت سے جھوم اٹھی۔ اسے امید نہیں تھی کہ میری گلوخلاصی میں اتنا کم وقت لگے گا۔
”آج کی ملاقات نے نقشہ بدل دیا ہے“ میں نے پرجوش لہجے میں اسے بتایا ”انل بسواس اور نریش شرما سے ملاقاتیں ہوئیں اور گرین کوبرا فائل کا سراغ بھی مل گیا ہے۔ اگر میرا منصوبہ کارگر رہا تو ہم پوری سرخ روئی کے ساتھ کل بھارت سے نکل جائیں۔“
”کل؟“ حیرت سے غزالہ کی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں ”یہ کیسے ممکن ہے؟“
”سب ممکن ہے۔ آج رات ہم شاید ہوٹل چھوڑ دیں اور آگرہ روانہ ہو جائیں۔ صبح کی پہلی پرواز سے ہم امرتسر پہنچیں گے اور ٹرین سے لاہور کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ وہاں سے صبح دس گیارہ بجے کے لگ بھگ ٹرین اٹاری اور واہگہ کے راستے لاہور کے لیے روانہ ہوتی ہے۔“
”ہم آگرہ کیوں جائیں گے؟ یہ سب کیسے ہوگا؟ ویرا کا کیا بنے گا؟“ میرے انکشافات نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔
”ویرا کے بارے میں مجبوری ہے۔ سی ایس ڈی ہاتھ سے نکلی ہوئی ہے۔ کچھ پتا نہیں کہ میری نگرانی جاری ہے یا ختم کر دی گئی ہے۔ جب تک یہ بات صاف نہیں ہوتی، میں نیچے جا کر پبلک بوتھ بھی استعمال نہیں کر سکتا۔ ان کا کوئی نہ

کوئی آدمی میرے آس پاس منڈلانا شروع کردے گا۔"
"منڈلا تا رہے۔ اشاروں کنایوں میں وہ بات سمجھ لے گی۔ اسے معلوم ہے کہ آج آپ کی ایک اہم ملاقات ہونے والی تھی"اس نے زور دے کر کہا پھر اسے اپنا پہلا سوال یاد آگیا"یہ آگرے کا ذکر اچانک کیسے نکل آیا۔ حالات میں کوئی ڈرامائی تبدیلی آئی ہے تو اس میں آگرہ جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔"
"ان کے لیے ہم ہوٹل چھوڑ کر آگرہ کے لیے روانہ ہوں گے مگر ایسا نہیں ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ آج کی رات تمہیں سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں بسر کرنی پڑے۔ اس پروگرام پر اسی وقت عمل ہوسکے گا جب میرا گوپال، سنیل یا ولی رام سے کوئی رابطہ ہو۔ ان کی مدد کے بغیر میں کچھ نہیں کرسکوں گا۔"
"آپ کی ہر بات الجھی ہوئی اور میری سمجھ سے بالا ہے۔ اگر آپ کچھ سوچ چکے ہیں تو کھل کر مجھے بتایئے کہ کیا کرنے کا ارادہ ہے؟" وہ خفگی سے بولی"ہم کن لوگوں کے لیے آگرہ روانہ ہوں گے؟"
مجھے احساس ہوا کہ وہ حق بجانب تھی۔ میں ناگر کے ساتھ سفر کے دوران میں جو کچھ سوچتا چلا آیا تھا، میں نے وہی بولنا شروع کردیا تھا۔ ان باتوں میں بظاہر کوئی ربط نہیں تھا مگر میرے ذہن میں درمیانی کڑیاں جنم لے چکی تھیں"را والے چاہتے ہیں کہ میں جلد از جلد پاکستان واپس جاکر ان کے لیے کام کرنا شروع کردوں" میں نے بہت اختصار سے اپنی بات شروع کی"میں نے وقت لینے کے لیے ان سے بہانہ کیا کہ تم بھرپور چاندنی رات میں تاج محل دیکھنا چاہتی ہو۔ انل بسواس کا دباؤ ہے کہ چاندنی رات کا انتظار کرنے کے بجائے ہم جلد از جلد آگرے کا چکر لگائیں اور واپس چل دیں۔"
اپنی رو میں بات کرتے کرتے میں چونک پڑا۔ میں نے پچھلے تین گھنٹوں کے بارے میں غزالہ سے ایک لفظ نہیں پوچھا تھا۔ جوش اور ہیجان کے عالم میں اپنی کتھا چھیڑ دی تھی۔ قدرے توقف کے بعد میں نے پوچھا"میرے جانے کے بعد کسی نے تم کو ستانے یا کمرے میں دخل انداز ہونے کی کوشش تو نہیں کی تھی؟"
"مجھے مداخلت کا خوف لاحق تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ کسی نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ آپ اپنی بات پوری کریں۔"
"بعد میں صورتِ حال اچانک بدل گئی..." میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔
غزالہ نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف گوپال تھا۔
اس کی آواز سن کر میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ اس روز مقدر میری یاوری کررہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا"میں نیچے سے بول رہا ہوں۔ جاتے ہوئے سات نفری بھیڑ تمہارے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ اب میدان صاف ہے۔ دور دور تک کسی کا پتا نہیں ہے۔"
"میں بہت بے چینی سے اس پیغام کا انتظار کررہا تھا۔ امانتیں لے کر فوراً اوپر آجاؤ۔" میں نے کسی توقف کے بغیر کہا۔
"ابھی ہمارا ایک جا ہونا مناسب نہیں۔ سنیل سامان لا رہا ہے۔ میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر خود تم سے رابطہ کرتا ہوں۔"
"میں انتظار کروں گا۔ آج ہمارا ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔ سی ایس ڈی ٹیلی فون لائن سے جوڑے بغیر گفتگو کو طول دینا ہم سب کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔
غزالہ میرے مکالموں سے اس گفتگو کا متن سمجھ گئی تھی۔ اس نے کوئی سوال کرنے کے بجائے کہا"حالات میں اچانک تبدیلی آگئی..."
"ہاں۔" میں نے دوبارہ بات شروع کردی اور اسے گرین کوبرا فائل کے بارے میں بتادیا۔
"یعنی پچھلے تین گھنٹوں میں تین اہم ترین ہدف خود بخود آپ کے سامنے آگئے۔" اس نے خوشی کا اظہار کیا۔
"میرا خیال ہے کہ ان میں گرین کوبرا فائل سب سے زیادہ اہم ہے۔ گوپال نے میرا ساتھ دیا تو آج ہم اسے حاصل کرسکتے ہیں۔ پتا نہیں کل وہ فائل کہاں ہو۔"
"گوپال ضرور ساتھ دے گا۔ وہ لوگ آپ سے پہلے اس فائل کی تلاش میں ہیں۔"
"گرین کوبرا سمیت وہ گیارہ فائلوں کا بنڈل ہے۔ تجوری میں اور بھی بہت کچھ ہوگا۔ ہم بہت آسانی کے ساتھ وہ سب حاصل کرسکتے ہیں۔"
"مجھے نرلا کے ساتھ چھوڑ کر آپ ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں؟" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔
"اس پروگرام میں تمہاری کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ تینوں شہر کے راستوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ کسی گڑبڑ کی صورت میں بہت کام آئیں گے۔ سی ایس ڈی آجائے تو میں این کا ویل کو ہوشیار کردوں گا تاکہ وہ بھی جلد از جلد یہاں سے نکل جائے۔"

"یعنی ہم گیارہ فائلوں پر قناعت کرکے یہاں سے رخصت ہوجائیں گے؟"

"مجھے یقین ہے کہ را والوں کی تیار کی ہوئی ہر فائل ہوشربا ہوگی۔ فائلوں سے محرومی ان کے لیے انل یا نریش کی موت سے زیادہ مایوس کن ثابت ہوگی۔ گرین کوبرا ان کے ٹاپ سیکرٹ کے طور پر ہینڈل کی جارہی ہے۔"

"گوپال سے گفتگو کے بعد تعین ہوسکے گا کہ تینوں میں سے کس کی اہمیت زیادہ ہے۔" غزالہ اپنے شانے اچکا کے بولی۔

اس گفتگو کے دوران میں میرے کان دروازے کی طرف لگے ہوئے تھے۔ پہلی دستک ہونے پر میں تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا تو سنیل کا مسکراتا ہوا آسودہ چہرہ میرے سامنے تھا۔ میری بخیریت واپسی پر وہ بہت شاداں نظر آرہا تھا۔

"نئی زندگی مبارک ہو۔ تم موت کے جبڑوں میں سے واپس آئے ہو۔" مجھے ایک مختصر سی تھیلی دیتے ہوئے اس نے تہنیتی لہجے میں کہا اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر' الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔ میں نے دروازہ دوبارہ مقفل کردیا۔ میرے اہم ترین ہتھیار مختصر سی محرومی کے بعد واپس آچکے تھے۔

میرے ذہن میں ترجیحات خود بخود طے ہوچکی تھیں۔ سب سے پہلے مجھے ویرا کو ہوشیار کرنا تھا کہ وہ فوراً دہلی چھوڑ دے۔ اگر رابرٹو ویلینی کو اس وقت تک ویرا نے روکا ہوا تھا تو اس کو بھی ویرا کی جبری رفاقت سے آزادی مل جانی چاہیے تھی۔

میں نے سی ایس ڈی کو چھلے ہوئے تاروں سے جوڑ کر مرینا ہوٹل کا نمبر ملایا۔ ویرا اپنے کمرے میں موجود اور میری طرف سے کسی اطلاع کی منتظر تھی۔ اس کی آواز سن کر میں نے بدری ناتھ سے چھینی ہوئی سی ایس ڈی آن کردی۔

"میں اس سے مل آیا ہوں۔ واقعات نے بہت تیزی سے نیا رخ اختیار کیا ہے۔ ہم کل یہاں سے نکل جانے کی منصوبہ بندی کررہے ہیں۔ ہوسکے تو تم آج ہی امرتسر کی طرف نکل جاؤ۔ اطالوی احمق کو ابھی تک روکا ہوا ہے تو اسے بھی رخصت کردو۔"

"ہمیں یہاں سے نکل ہی جانا ہے تو میں کیوں نہ رابرٹو کو داؤ پر لگادوں۔ میں نے ابھی تک اسے الجھایا ہوا ہے۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تمہاری تجویز احمقانہ ہے۔ وہ اس دام میں نہیں آئے گا۔ انگوٹھیوں کا راز فاش ہوجائے گا اور ہم ان خاموش ہتھیاروں کے استعمال سے محروم ہوجائیں گے۔ تم آخر اپنی عقل پر زور دینے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔"

"اس کے بارے میں زیادہ سوچنا سمجھنا میرے بس سے باہر ہے۔ میں یہ جانتی ہوں کہ ایسے موقع زندگی میں بار بار نہیں ملتے۔ وہ ہمارے ساتھ اسی شہر میں ہے۔ ہمیں اس کو یہیں پیوند خاک کردینا چاہیے۔" ویرا کے لب ولہجے سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔

"میں بھی جانتا ہوں کہ یہ نادر موقع ہے مگر تم کوئی ڈھنگ کی راہ نکالو۔ میں بڑھ کر تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"اب سوچنے اور کوئی نیا منصوبہ بنانے کا وقت نہیں رہا۔ تم امرتسر کی طرف روانگی کا فرمان سنا چکے ہو۔"

"تم خود اس تک پہنچنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ ایک مرتبہ تم اس کے کمرے میں پہنچنے میں کامیاب ہوجاؤ تو اس پر انگوٹھی استعمال کرکے اطمینان سے واپس لوٹ سکتی ہو۔ جب تک کوئی کمرے میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کرے گا' اس کا انجام دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہے گا۔"

"میرے چہرے اور بالوں سے لے کر بدن تک میں بہت تبدیلیاں رونما ہوچکی ہیں مگر میں جانتی ہوں کہ وہ پہلی نظر میں مجھے پہچان لے گا اور شور مچانا شروع کردے گا۔ میں نے سب سے پہلے اسی امکان پر غور کیا تھا مگر اس کے نتائج روح فرسا نظر آئے تو میں نے کسی ساتھی کی تلاش شروع کی تھی۔"

"ساتھی سے تم ہر کام لے سکتی ہو مگر جو کام تم نے سوچا ہوا ہے وہ بودا ثابت ہوگا۔ میرے دعوے پر یقین نہ ہو تو تجربہ کرکے دیکھ لو مگر یہ یاد رکھنا کہ ہم آئندہ کبھی رازداری کے ساتھ انگوٹھیاں استعمال نہیں کرسکیں گے۔ ڈیوڈ کے معاملے میں تم ان کا کمال دیکھ چکی ہو۔"

"مجھے بھی یہ خدشہ تھا۔" اس نے پہلی بار اعتراف کیا "مگر مجھے کامیابی اور ناکامی کے امکان برابر نظر آرہے تھے۔"

"مجھے ننانوے فیصد ناکامی ہی ناکامی نظر آرہی ہے۔" میں نے پرزور لہجے میں کہا۔

"میں سوچتی ہوں۔ تم بھی غور کرو۔" اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری "میں رات کی آخری ٹرین سے نکلنے کی کوشش کروں گی۔ ابھی ہمارے پاس کئی گھنٹے ہیں۔"

"میرے ذہن میں کوئی متبادل تجویز آگئی تو ضرور فون کروں گا۔" میں نے غزالہ پر نظر ڈال کر کہا "تم آج یہ شہر ضرور چھوڑ دینا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ آخری ٹرین کسی وجہ سے نکل گئی تو میں

رات ریلوے ویٹنگ روم میں گزار لوں گی مگر شہر میں واپس نہیں آؤں گی۔" ویرا نے مجھے یقین دلایا "میں تمہاری ہدایتوں اور مشوروں کو ہمیشہ بہت اہمیت دیتی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم کب تک یہاں سے نکلو گے۔"

"کوشش یہ ہے کہ کل امرتسر سے تمہارے ہم سفر بن سکیں گے۔ آگے کا حال کاتب تقدیر ہی جانتا ہے۔"

مسائل نے یکایک یلغار کی تھی مگر وہ رفتہ رفتہ حل ہوتے جارہے تھے۔ گوپال سے ابتدائی رابطہ ہوگیا تھا۔ سی ایس ڈی، بیم گن اور اپریٹس کی واپسی عمل میں آچکی تھی۔ ویرا اپنی تجویز سے دستبردار ہونے اور امرتسر روانہ ہونے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ مجھے گوپال سے بات کرکے آخری فیصلے کرنے تھے۔

"شاید تمہیں قلق ہورہا ہوگا کہ آج تم بیکار بیٹھی رہو گی۔" میں نے غزالہ سے کہا۔

"مجھے اندازہ ہے کہ رات کی مہم میں میری شمولیت سے مدد ملنے کے بجائے شناخت کے مسائل پیدا ہوسکتے ہیں۔"

میں اس کے بے لاگ تجزیے پر حیران رہ گیا۔ میں نے وہ بات سوچی ضرور تھی مگر اسے بتائی نہیں تھی۔ اس نے از خود وہ دور رس نتیجہ اخذ کرلیا تھا۔ میں نے کہا "تم بہت دور تک سوچتی ہو۔ اسی لیے بحث کی نوبت نہیں آتی۔ چاہو تو تمہارے لیے ایک بڑا کام نکالا جاسکتا ہے۔"

"مجھے خوشی ہوگی کہ میں نے یہاں بیکار رہ کر وقت نہیں گزارا۔" اس کی آنکھوں میں چمک عود کر آئی۔

"جان اسمتھ یہاں ہے اور ہم بھی یہاں ہیں۔ اس کے ناپاک خون سے پاکستان کی سرزمین کو محفوظ رکھتے ہوئے اسے سزایاب کرنے کا یہ سنہرا موقع ہے۔"

وہ کھل اٹھی۔ میں نے فون پر ویرا سے جو کچھ کہا تھا، غزالہ نے بھی سنا تھا۔ وہ میرے ایک اشارے سے پوری بات سمجھ گئی۔ بولی "کام بننا ہوا تو چند منٹ میں سارا کھیل نمٹ جائے گا۔ بات نہیں بن سکی تو میں وقت برباد کرنے کے بجائے لوٹ آؤں گی۔ وہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے؟"

"کمرا نمبر تین سو دس۔ ہوٹل سراٹ۔ چانکیہ پوری۔" میں نے جان اسمتھ کا ٹھکانا بتا دیا۔

"آپ گوپال سے بات کریں۔ اس کے بعد میں خاموشی سے ٹیکسی میں نکل جاؤں گی۔ کام ہوگا یا نہیں ہوگا۔ دونوں صورتوں میں مجھے کسی اور کی مدد کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں اندھیرا پھیلنے سے پہلے لوٹ آؤں گی تاکہ آپ کے اگلے پروگرام خراب نہ ہوں۔"

"ویری گڈ! میں تمہاری کامیابی کا منتظر رہوں گا۔" میں نے اٹھ کر بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی۔

اس نے اپنی جگہ چھوڑی اور وقت بچانے کے لیے اسی وقت اپنی مہم پر روانگی کی تیاری شروع کردی۔

غزالہ روانگی کے لیے تیار ہوتی رہی۔ میں اپریٹس آن کیے گوپال کی کال کا انتظار کرتا رہا۔ ساڑھے چار بجے وہ لائن پر موجود تھا۔

"میری طرف سے واپسی مبارک ہو۔ مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کو کوئی بڑا چکما دے کر آئے ہو۔ سب کو تمہاری واپسی کے بارے میں تشویش تھی۔ یہ تمہارا حوصلہ تھا کہ تم نے خالی ہاتھ وہاں جانے کا فیصلہ کرلیا۔" پاس ورڈز کے تبادلے کے بعد اس نے خوشی سے لبریز آواز میں کہا۔

"وہ جو کچھ چاہتے تھے اس پر رضامند ہونے کے سوا کوئی اور راہ نہیں تھی۔ میں نے سمجھوتا کرلیا۔"

"کیسا سمجھوتا؟ وہ تم سے کیا چاہ رہے تھے؟" گوپال نے پوچھا۔

"میں پاکستان میں رہ کر ان کے لیے کام کروں گا۔ وہ مجھے پچیس ہزار روپے ماہانہ معاوضہ دیں گے۔"

"ویری گڈ۔ تمہیں مزید مبارک ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان سے تمہارے کوائف کی تصدیق کروانے کے بعد اب وہ تمہیں مظہر خان سمجھ رہے ہیں۔"

"ہاں! لطف بلکہ لطیفہ یہ ہے کہ وہ ڈینی کی تلاش کے سلسلے میں میری مدد کے خواہاں ہیں۔ اس کی گرفتاری یا موت کی صورت میں مجھے نہ صرف امریکی انعام دلوائیں گے بلکہ را والے بھی لاکھوں روپے کا انعام دیں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وقت انہیں بتائے گا کہ دہلی اور واشنگٹن والوں کی یہ بھاری رقوم ہمیشہ محفوظ رہیں گی۔" گوپال کی آواز میں ہلکا سا افتخار نمایاں تھا "تمہاری زندگی اس سے ہزار گنا بڑے انعاموں سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور یہ ہمیشہ دشمنوں کی دسترس سے محفوظ رہے گی۔"

"اب تمہارے لیے ایک پیچیدہ سوال ہے۔ تم کو سوچ سمجھ کر اس کا جواب دینا ہوگا۔" میں نے مطلب کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"میں اپنی بساط کے مطابق تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"گرین کوبرا، انل بسواس اور نریش شرما۔ ان تینوں میں سے ایک کے انتخاب کا موقع دیا جائے تو تمہاری پہلی

ترجیح کیا ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"گرین کو برا فائل۔" اس کی طرف سے کسی توقف کے بغیر جواب آیا "اس وقت اس فائل نے سب کو الجھایا ہوا ہے۔"

"یہ کمپیوٹر کا دور چل رہا ہے۔" میں نے اس سے کوئی نئی بات اگلوانے کے ارادے سے کہا "آج کل فائلوں کی بات فرسودہ معلوم ہوتی ہے۔"

"میں بہت معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ یہ بات کمپیوٹر کو سمجھے بوجھے بغیر کہہ دی جاتی ہے۔" اس نے واقعی معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "اس پر سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن یہ انسانی ذہن اور انگلیوں کا محتاج ہے۔ یہ وہی بتاتا اور دکھاتا ہے جو اس میں محفوظ کیا جاتا ہے۔ اپنی طرف سے کوئی نئی اپج پیدا نہیں کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ را والوں نے گرین فائل کا سارا مواد کمپیوٹر پر محفوظ کرلیا ہوگا مگر اس سے ہمارے لیے فائل یا اس کی نقل کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔ وہ آج بھی ہمارے لیے پہلی ترجیح کا درجہ رکھتی ہے۔ اٹل اور نرلیش کو بعد میں بھی دیکھا جا سکتا ہے.... تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے۔"

"تینوں سامنے ہیں۔ ایک پر ہاتھ ڈالا تو بقیہ دو کو فی الحال بھولنا ہوگا۔"

"بس پھر اپنی ساری توجہ گرین کو برا فائل پر مرکوز کردو اور مجھے بتاؤ کہ ہم اسے حاصل کرنے کے لیے کیا کرسکتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ آج کی رات وہ فائل کہاں محفوظ رہے گی۔ وہ کل کہاں ہوگی، اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اسے حاصل کرنے کے لیے ہمیں آج رات ایک عمارت میں نقب لگانی ہوگی۔ مقدر نے ساتھ دیا تو گرین کو برا فائل کے ساتھ بہت سا اہم ترین مواد ہمارے ہاتھ آجائے گا۔"

میری اس اطلاع نے اسے سنسنی اور ہیجان میں مبتلا کردیا "تفصیل بتاؤ۔ اس کے لیے ہم آگ میں کودنے کے لیے بھی تیار ہیں۔"

میں نے اسے اپنے منصوبے کی جزئیات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

میری اور گوپال کی گفتگو ایک نیا تلا اور خاص رخ اختیار کرچکی تھی۔ غزالہ اپنی مہم پر روانگی کے لیے تیار ہوچکی تھی۔ اس معاملے میں اسے کسی قسم کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے فضا میں ہاتھ لہرا کر مجھ سے روانگی کی اجازت چاہی اور میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

غزالہ نے قریب آکر میری داہنی کنپٹی پر ہلکا سا بے آواز بوسہ لیا اور جان اتھیم کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانے کے سنگلاخ عزم کے ساتھ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ میں گوپال کو نرلیش شرما کے دفتر میں گھسنے کے بارے میں بتاتا رہا۔

کام یکایک اور بہت تیزی سے شروع ہوا تھا۔ ہمارے پاس صرف وہی ایک رات تھی اور ہمیں صبح ہونے سے پہلے یہ سب سمیٹ لینا تھا تاکہ سکون اور یکسوئی کے ساتھ اگلی صبح واپسی کے سفر کا آغاز کرسکیں۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

چراغ بجھتے چلے جا رہے ہیں سلسلہ وار
میں خود کو دیکھ رہا ہوں، فسانہ ہوتے ہوئے

(جمال احسانی)

مشہور مصنف جناب ابوضیاء اقبال 18 مئی بروز جمعہ 2001ء کی صبح اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم گزشتہ چند سال سے شدید بیمار تھے۔ جس کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کی تمام مصروفیات کا سلسلہ منقطع تھا۔ انہوں نے ایک طویل عرصے تک اپنی قلم کاری کے جوہر دکھائے۔ ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز سے ان کی رفاقت خاصی طویل تھی۔ ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا وہ کبھی نہیں بھر سکتا۔ ادارہ ان کے پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا گو ہے کہ رب کریم انہیں اعلیٰ درجات سے نوازے، ان کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے...... آمین

(ادارہ)

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کے ٹیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم لوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دتی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوادیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائفل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلارہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلارہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدرآباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہوکر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ کرتے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کا ماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کردیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کی نشان دہی اور ہوٹل میں ہونے والی پولیس چیکنگ کے تجربے کے بعد ویرا نے الگ ہوکر دوسرے ہوٹل میں رہائش اختیار کی۔ ویرا کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہوکر کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا افسر جان اسمتھ دہلی پہنچ چکا تھا۔ اب ہمیں انل بسواس اور جان اسمتھ دونوں سے حساب کتاب برابر کرنا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ وہاں گرین کوبرا نامی فائل کی جستجو میں تھے۔ ہماری دہلی میں موجودگی کے دوران میں تین پاکستانی سفارتی اہل کاروں کو ٹریفک حادثے میں ہلاک کروایا گیا۔ را والوں کو ہماری سن گن مل چکی تھی لہٰذا ہمیں محتاط ہونا پڑا۔ اسی اثنا میں ایک خوبصورت بھارتی دوشیزہ ریتا اجیت رائے میرے قریب آئی اور مجھے ہوٹل کے کمرے کی رنگین و سنگین تنہائیوں میں آگاہ کیا کہ وہ انل بسواس سے مجھے ملوا سکتی ہے۔ اس کے مطابق وہ ریتا کا انکل تھا۔ میں اس سے دوسری ملاقات کا وعدہ کرکے الگ ہوا تو عابد علی عرف گوپال نے بتایا کہ ریتا را کی ایجنٹ تھی۔ مجھے پاکستان سے اول خان نے آگاہ کیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج کوائف کی تصدیق کی گئی تھی۔ ویرا نے ہم سے الگ ہوکر اپنی اہانت کرنے والے پولیس افسر ذیوڈ کو ایک اطالوی سیاح کی مدد سے ہلاک کردیا۔ ریتا سے اگلی ملاقات بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ ابتدا میں ہی را کے ایک ایجنٹ نے میری انگلیوں کے نشان حاصل کیے اور مجھے ریتا کے ساتھ تنہا چھوڑ گیا۔ اس کے بعد ریتا نے مجھے بتایا کہ وہ عیاش پاکستانیوں کو اپنے حسن کا جال پھینک کر را کے لیے کام کرنے پر مجبور کرتی ہے اور میری اور اس کی پہلی ملاقات کی مکمل وڈیو فلم انل بسواس کے پاس تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ ریتا اجیت رائے میرے خلاف ایک خطرناک اور دہرا کھیل' کھیل رہی تھی۔ بعد میں اس نے اقرار کیا کہ وہ واقعی مجھے انل بسواس سے بھڑوا کر میرا کام تمام کروانا چاہتی تھی۔ وہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے انشائے راز سے ہراساں تھی اس لیے اپنی کوتاہی پر پردہ ڈالنے کے لیے مجھے انل بسواس کے ہاتھوں مروانا چاہتی تھی۔ ویرا کی کارروائی کی بازگشت اسلام آباد تک میں سنی گئی اور میں نے اسے محتاط ہونے کی ہدایت کی۔ انل بسواس سے ملاقات طے ہونے کی خبر نے اسے بھی پریشان کردیا تھا۔ وہ جان اسمتھ سے بھی نمٹ لینا چاہتی تھی مگر میری تادیب پر اس نے اپنے ارادے کو موخر کردیا۔ میں را کے دفتر میں انل بسواس اور شرما' دونوں سے ملا۔ انل مجھے پاکستان کے خلاف جاسوسی پر آمادہ کرنے کی کوشش کررہا تھا جسے بظاہر قدرے تامل کے بعد میں نے قبول کرلیا۔ میری خواہش پر "ڈیٹی" کی تلاش کا بڑا کام بھی میرے سپرد کردیا گیا۔ شرما کے دفتر میں بہت کچھ تھا جس میں گرین کوبرا فائل' اٹامک انرجی کمیشن فائل اور میری اپنی فائل۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی ہوئی اور میں نے اسی رات وہاں نقب لگا کر یہ سارا مواد اڑا لینے کا منصوبہ بنالیا۔ ہمارے پاس صرف ایک رات تھی' اسی میں غزالہ نے جان اسمتھ کو بھی اپنا نشانہ بنانا تھا اور مجھے اپنا کام مکمل کرنا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں گوپال کے ساتھ پروگرام طے کرکے فارغ ہوا تو غزالہ کو ہوٹل سے گئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ میں نے غیر ارادی طور پر سگریٹ سلگائی اور پھر اپنی جگہ چھوڑ کر ہوٹل کے کشادہ کمرے میں ٹہلنا شروع کردیا۔

میں نے غزالہ کو جان اسمتھ کی طرف روانہ کردیا تھا کیونکہ اس امریکی درندے کو شکار کرنے کے لیے ہم میں سے وہی سب سے زیادہ موزوں تھی مگر غزالہ کے جاتے ہی میرے ذہن میں فکر و تشویش کے سائے منڈلانے لگے تھے۔ اگر

غزالہ کسی وجہ سے اپنے مشن میں ناکام رہتی، جان اسمتھ تک پہنچنے یا اسے ٹھکانے لگانے میں کامیاب نہ ہوتی اور بے نیل و مرام واپس لوٹ آتی تو اس مایوسی کو نوشتہ تقدیر سمجھ کر قبول کیا جا سکتا تھا لیکن میرے ذہن پر حملہ آور ہونے والے خوف کے دوسرے سائے زیادہ مہیب تھے۔

غزالہ کی وہ مہم ناکامی سے زیادہ بڑے کسی خطرے سے بھی دوچار ہو سکتی تھی۔ جان اسمتھ کا بال بھی بیکا نہ ہوتا لیکن کسی نہ کسی وجہ سے غزالہ کی زندگی سنگین خطرات سے دوچار ہو سکتی تھی۔ یہ ایسا خوف تھا کہ اس نے مجھے اندر سے بے چین کر دیا۔ سمراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کی کمین گاہ کی طرف جانے کی تجویز غزالہ نے پیش نہیں کی تھی۔ ویرا سے گفتگو کرنے کے بعد اس خیال نے میرے ذہن میں جنم لیا تھا کہ جان اسمتھ ان دنوں کراچی سے بھاگ کر دہلی آیا ہوا تھا۔ سفارتی مراسم میں پیدا ہونے والی متوقع پیچیدگیوں کی بنا پر ہم پاکستان میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ بھارت کی سرزمین پر اسے اس کی مذموم سرگرمیوں کی قرار واقعی سزا دینا خاصا سہل تھا۔ سانپ بھی مرجاتا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی۔ ان وجوہ کی بنا پر اسے دیکھنا ضروری ہو گیا تھا۔

ویرا نے رابرٹو ویلینی کے ذریعے جو طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا، وہ بالکل بودا اور غیر یقینی تھا۔ اس کی کامیابی کا ذرا بھی امکان نہیں تھا۔ دوسری طرف یہ خدشہ قوی تھا کہ جان اسمتھ کو زہریلی انگوٹھیوں کا راز معلوم ہو جاتا اور ہم اپنے اس حربے کے آزادانہ استعمال کی سہولت سے محروم ہو جاتے۔ ہمارے پاس بیم گن جیسا خوفناک ہتھیار موجود تھا جو دشمن کے وجود سے لے کر فولادی چادر تک کو لمحوں ہی لمحوں میں گلا دینے کی صلاحیت رکھتا تھا مگر خرابی یہ تھی کہ ہمارے ہر قابلِ ذکر دشمن کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ہم بیم گن سے لیس تھے۔ کہیں بھی اسے استعمال کیا جاتا تو دشمنوں کو فوراً ہماری موجودگی کا علم ہو جاتا اور وہ اپنے سارے وسائل ہماری تلاش پر مرکوز کر دیتے۔

بیم گن کے برعکس بے ہوش کرنے یا ہلاک کرنے والے زہریلے سیال سے بھری ہوئی انگوٹھیاں بہت غیر روایتی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کا شکار ہونے والے کے بارے میں یہ پتا ضرور چل جاتا کہ اسے زہر دیا گیا ہے لیکن زہر دینے کا طریقہ کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اس کا سب سے بڑا اور تازہ ترین ثبوت یہ تھا کہ ویرا نے دہلی پولیس کے انسپکٹر ڈیوڈ کو ایسی ہی ایک انگوٹھی کے ذریعے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا لیکن دہلی پولیس انگوٹھی کے راز تک نہیں پہنچ سکی تھی۔

رابرٹو ویلینی کے ذریعے کوئی انگوٹھی جان اسمتھ تک پہنچ جاتی تو وہ اتنا احمق نہیں تھا کہ ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر، پراسرار انداز میں ملنے والی انگوٹھی کا شکار ہو جاتا۔ وہ تجسس اور احتیاط کے ساتھ انگوٹھی کا جائزہ لیتا اور بالکل صحیح نتیجے پر پہنچ جاتا۔ وہ بات جان اسمتھ تک محدود نہیں رہتی۔ اس کے بھارتی حلیفوں کو بھی معلوم ہو جاتا کہ دہلی میں کچھ لوگ اپنے دشمنوں کو مارنے کے لیے زہریلے نگینوں والی انگوٹھیاں استعمال کر رہے تھے۔

بھارت میں پہلے ہی نامعلوم اور خطرناک پاکستانی دہشت گردوں کی آمد کی خبر پھیلی ہوئی تھی۔ بات کہیں سے کہیں پہنچ جاتی۔ را اور سی آئی اے والے یک جا ہو کر مغز زنی کرتے تو ان کے لیے صحیح نتیجے پر پہنچنا زیادہ دشوار نہ ہوتا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ نئے انکشاف کی روشنی میں انسپکٹر ڈیوڈ کے قتل کی تفتیش یکایک کوئی نیا رخ اختیار کر لیتی اور ویرا کی یہ دھمکی حقیقت کا روپ دھار لیتی کہ دہلی کی کوتوالی کے بعض اہلکاروں کو ڈیوڈ کے بارے میں معلومات جمع کرنے والا اطالوی نوجوان یاد آ جاتا۔

جان اسمتھ پر طبع آزمائی ضروری تھی۔ رابرٹو ویلینی کو استعمال کرنے کے بارے میں ویرا کی تجویز ناقابلِ عمل تھی۔ ویرا بذاتِ خود جان اسمتھ کا رخ کرتی تو دور ہی سے پہچانی جا سکتی تھی۔ یہ سب امکانات ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے غزالہ کو جان اسمتھ کی طرف بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنے ذہن میں ان تمام واقعات اور حالات کا جائزہ لیتے ہوئے مجھے پورا یقین تھا کہ میرا فیصلہ غلط نہیں تھا۔ نظر آنے والے حالات کی روشنی میں اس سے بہتر فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ یہ اور بات تھی کہ غزالہ کے روانہ ہو جانے کے بعد مجھے اس فیصلے میں مضمر خطرات کا بہت شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

وقت سدا سے ایک ہی رفتار سے چلتا چلا آیا ہے لیکن تشویش اور اضطراب کے ان لمحات میں مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت کا پہیہ رک رک کر، بہت سست رفتار سے چل رہا ہو۔ میرا اندازہ تھا کہ کوئی غیر معمولی رکاوٹ پیش نہ آئی تو غزالہ کو کامیابی یا ناکامی کی ہر دو صورتوں میں دو گھنٹے کے اندر اندر جہانگیر پوری کے علاقے سے واپس لوٹ آنا چاہیے۔ مجھے کسی نہ کسی طرح خود پر قابو رکھ کر وہ دو گھنٹے گزارنے تھے۔

ٹہلتے ٹہلتے میں اچانک ٹیلی فون کے پاس رک گیا۔ ذہن میں ایک روسی آئی تھی کہ میں ویرا سے رابطہ کروں اور اسے

بتاؤں کہ غزالہ شکار کی تلاش میں نکلی ہوئی تھی۔ وہ خود بھی ہوٹل سمراٹ کے کمرا نمبر تین سو دس کی طرف روانہ ہوجائے تاکہ جان اسمتھ سے دور رہ کر ضرورت کے لمحات میں غزالہ کی مدد کرسکے مگر میں نے فوراً ہی وہ ارادہ منسوخ کردیا۔ ہوٹل کے اطراف میں ویرا کی موجودگی کسی نئے مسئلے کو جنم دے سکتی تھی۔

○☆○

ویرا نے گلاس سے اسکاچ کا ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور پھر غصیلی نظروں سے رابرٹو کو گھورنے لگی "شاید تم نے سنا نہیں کہ میں نے تم سے کیا کہا ہے۔ میں نے تمہیں بہت برداشت کرلیا۔ آج کی رات میں آزاد رہ کر بسر کرنا چاہتی ہوں۔"

"مگر کیوں؟" رابرٹو نے الجھی الجھی نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "مجھے یہ جاننے کا حق ہے کہ تم نے ذرا سی دیر میں اپنا فیصلہ کیوں بدل دیا؟ تم صبح میرے ذریعے ایک بند لفافہ ہوٹل سمراٹ میں کسی کو بھجوانے والی تھیں۔"

ویرا خاصے ناکافی لباس میں مسہری پر نیم دراز ہو کر سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہی تھی۔ مسہری کی سائیڈ ٹیبل پر اس کی مے نوشی کے لوازم موجود تھے جبکہ رابرٹو یلیفنی ٹیلی ویژن کے سامنے صوفے پر اداس بیٹھا ہوا تھا۔ ٹیلی ویژن کی اسکرین پر تصاویر چل پھر رہی تھیں لیکن آواز نہ تھی۔

"میں تمہاری ملازم نہیں ہوں۔ اپنی مرضی کی مالک ہوں۔ میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تم ایک بزدل اور زن مرید شخص ہو۔ لڑکیوں کو اُلّو بنا کر منت میں اپنا وقت رنگین بنانے کے عادی ہو۔ عملی طور پر کوئی بھی کام کرنے کے اہل نہیں ہو۔"

"میں ہر کام کرسکتا ہوں۔" رابرٹو نے احتجاج کیا "یونیورسٹی میں میرا شمار دس بہترین شاگردوں میں ہوتا ہے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ دس بیس کتابوں سے نقل کرکے بہتیرے طلبا عمدہ مقالے تیار کرلیتے ہیں۔" ویرا نے اس کا مضحکہ اڑایا "ایسے منظورِ نظر شاگرد جب عملی زندگی کی ٹھوس حقیقتوں سے ٹکراتے ہیں تو ان کے اوسان خطا ہوجاتے ہیں۔"

"اسے نقل نہیں، تحقیق کہتے ہیں۔ کسی موضوع پر تحقیق کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"تم جو چاہو کہتے رہو۔ میرے نزدیک نقل، نقل ہی رہتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کب جارہے ہو؟"

"میں تم سے وعدہ کرچکا ہوں۔ تمہارا لفافہ مطلوبہ شخص تک پہنچانے کے بعد کل صبح چلا جاؤں گا۔ آج کی شب مجھے اپنی ریشمیں زلفوں کے سائے میں گزار لینے دو۔ پچھلی تین راتوں سے تم نے مجھے اپنا کھلونا بنایا ہوا ہے۔ ہنستی کھیلتی ہو، اکساتی ہو اور پھر دل توڑ دیتی ہو....."

"بکواس مت کرو۔" ویرا اس پر غرائی "تھوڑی دیر پہلے میں نے تم کو بلاوجہ اپنے بدن کا رازداں قرار نہیں دیا تھا۔ میں نے تم کو بہت زیادہ قرب سے نوازا ہے۔"

"ایسی غلط بیانی مت کرو!" رابرٹو نے کراہتے ہوئے کہا "تم پیاسے کو کنویں کی منڈیر تک ضرور لے گئی ہو لیکن پانی سے بھرا ہوا ڈول اس کے ہاتھوں سے چھین کر کنویں میں الٹ دیتی ہو۔ اسے اپنی پیاس نہیں بجھانے دیتیں، تشنگی اور بڑھا دیتی ہو۔ میں جب سے تمہارے اس کمرے میں آیا ہوں، سلگ اور سسک رہا ہوں۔ اس وقت بھی دیکھ لو کہ تم نے بے پروائی سے کتنا کم اور بے ڈھنگا لباس پہنا ہوا ہے۔ میری جگہ جو بھی اس کمرے میں ذرا سی دیر کے لیے آئے گا تمہارے بدن کا رازداں بن جائے گا۔ میں تمہارے ساتھ رہنے کے باوجود تم سے بہت دور ہوں۔ تمہیں کچھ دیر کے لیے مہربان دیکھنا میری حسرت ہے۔ اسے پورا کردو۔"

"میں ہر شخص کو اس کی حد بلکہ اوقات میں رکھتی ہوں۔" ویرا نے دوسرا گھونٹ لے کر بے رخی سے کہا "میں نے پہلے ہی دن اندازہ لگا لیا تھا کہ تم بہت زیادہ دلیر اور قابلِ اعتماد نہیں ہو۔ میں بہادر مردوں کی قدر کرتی ہوں۔ بزدلوں سے دور رہتی ہوں۔"

"تم مجھے بار بار بزدلی کا طعنہ کیوں دے رہی ہو؟ میں نے اب تک تمہاری ہر بات مانی ہے۔ تم نے...."

ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اس کی بات اڑا دی "یہ تمہاری سب سے بڑی بزدلی ہے کہ میرا قرب حاصل کرنے کے لیے، اپنی انا کی پروا کیے بغیر میرے اشاروں پر ناچ رہے ہو۔ تم میں ذرا سی بھی غیرت ہوتی تو میرے بال پکڑ کر دو تھپڑ لگاتے اور اپنی راہ لیتے۔"

حیرت اور بے یقینی سے رابرٹو کی آنکھیں پھیل گئیں "اب تم حد سے تجاوز کررہی ہو۔ میں دس بار جاچکا ہوتا مگر تم نے دھمکیاں دے کر مجھے یہاں رکنے پر مجبور کیا ہوا ہے۔"

"پھر میری فرماں برداری کا دعویٰ کیوں کررہے ہو؟ میں کہہ رہی ہوں کہ جاؤ تو اب چلے جاؤ۔"

بات رابرٹو کی برداشت سے تجاوز کرگئی۔ اس نے ایک

جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی "میں جا رہا ہوں۔ میرا پاسپورٹ اور ٹکٹ کہاں ہے؟"

ویرا نے اطمینان سے مسہری کے گدے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور رابرٹو کی دونوں چیزیں نکال کر اپنے قدموں کی طرف اچھال دیں "میں تمہیں جانے کی اجازت دے رہی ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ انسپکٹر ڈیوڈ کے بارے میں تم نے کہیں زبان کھولنے کی حماقت کی تو میرے ساتھ تم بھی مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" رابرٹو نے اپنی سفری دستاویزات بے صبری سے مسہری پر سے اٹھاتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا "میں یہ بات اٹلی پہنچ کر بھی یاد رکھوں گا۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا ہے کہ خوب صورت اور بھولی بھالی نظر آنے والی لڑکیاں درحقیقت کتنی مکار اور سنگ دل ہوتی ہیں۔"

"اگر بھولے سے کبھی شادی کر ہی لو تو اپنی ہونے والی اولادوں کو بھی اپنے تجربے سے آگاہ کر دینا۔" ویرا نے اپنی جگہ سے جنبش کیے بغیر، مسکراتے ہوئے کہا "یہ راز کی باتیں ہیں۔ ہزاروں میں ایک آدھ ہی مرد کے علم میں آتی ہیں۔"

رابرٹو بیلینی زندگی کے سرد و گرم کو نوشتہ تقدیر سمجھ کر برداشت کر لینے والا ایک روایتی سیاح تھا۔ اس نے بس ایک نظر بھر کر ویرا کی طرف دیکھا، جھک کر اپنا اکلوتا سفری تھیلا اٹھایا، پاسپورٹ اور ٹکٹ اس کی بغلی جیب میں رکھا اور تھیلا کندھے پر لٹکا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"اوکے۔ گڈ بائے فار ایور۔" کمرے کے بند دروازے پر اس نے لحظہ بھر کے لیے رک کر ویرا کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

دروازہ قدرے آواز کے ساتھ بند ہوا۔ وہ آواز سنتے ہی ویرا نے کسی بازی گر کی طرح اچھل کر مسہری چھوڑ دی۔ وہ دیر سے شراب نوشی کر رہی تھی لیکن عملی طور پر خمار کے اثرات سے عاری نظر آ رہی تھی۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے اپنے سراپے کا جائزہ لیا اور کچھ سوچ کر مسکرانے لگی۔

فون پر مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد ہی وہ رابرٹو بیلینی سے اپنا پیچھا چھڑانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی کہ نئی تبدیلیوں کے بعد حالات اچانک کوئی خطرناک رخ اختیار کر سکتے ہیں۔ ایسا کوئی نازک موڑ آنے سے پہلے اسے رابرٹو سے الگ ہو کر ہوٹل چھوڑ دینا چاہیے۔

ویرا کا آدھا گلاس باقی تھا۔ اس نے گلاس کے برابر میں رکھی ہوئی بوتل پر نگاہ ڈالی اور اس میں بچی ہوئی اسکاچ بھی

وجہ

ایک صاحب نے ویٹر کو بلا کر شکایت کی "میرے سوپ میں ایک پتا تیر رہا ہے؟"

"یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے جناب!" ویٹر نے اطمینان سے جواب دیا "دراصل ہر بڑے شہر میں ہمارے ریستوران کی شاخیں ہیں۔"

گلاس میں انڈیل لی۔ کمرا چھوڑنے سے پہلے وہ گلاس اور بوتل میں موجود شراب کا آخری قطرہ تک اپنے معدے میں اتارنے کا ارادہ کر چکی تھی۔

اس کے پاس کافی وقت تھا۔ وہ گلاس سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے کر تیار ہوتی رہی۔ اپنے بدن سے اتارا ہوا، جالی کا مختصر لباس اپنے تھیلے میں ڈالا۔ ڈریسنگ ٹیبل سے اپنی گنی چنی چیزیں سمیٹیں اور پھر رومال کی مدد سے ہر اس چیز کو صاف کرنے میں مصروف ہوگئی جس پر اس کی انگلیوں کے نشانات باقی رہ سکتے تھے۔

اس کا آخری کام خاصا طویل اور صبر آزما ثابت ہوا۔ رہ رہ کر اسے کمرے کی متعدد اشیا یاد آتی رہیں جنہیں وہ استعمال کرتی رہی تھی۔ آخر میں باتھ روم کے واش بیسن وغیرہ پر لگی ہوئی پانی کی ٹونٹیوں کے دستے صاف کر کے وہ مطمئن ہوگئی۔

کمرا چھوڑنے سے پہلے اس نے کاؤنٹر پر انٹرکام کے ذریعے بتا دیا تھا کہ اس کا حساب فوری طور پر تیار کر لیا جائے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے دستی بیگ سنبھال کر اپنا کمرا چھوڑ دیا۔ وہ لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچی تو لابی میں چند قدم آگے بڑھتے ہی اسے ایک ذہنی جھٹکے کا سامنا کرنا پڑا۔ رابرٹو بیلینی نے اس کا کمرا چھوڑ دیا تھا مگر ہوٹل کو خیرباد نہیں کہا تھا۔ وہ پاؤں پسارے، ایک صوفے میں ڈھیر تھا۔ اس کا سفری تھیلا اس کی گود میں رکھا ہوا تھا جسے اس نے اپنی چہیتی اولاد کی طرح دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لیا ہوا تھا۔

ویرا اس وقت رابرٹو کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنا راستہ بدل لے لیکن سیدھا چلتے چلتے، اچانک مڑ جانے پر وہ کئی متعجب نگاہوں کا مرکز بن سکتی تھی۔ وہ دل کڑا کر کے سیدھی بڑھتی چلی گئی۔ قریب پہنچنے پر اسے اندازہ ہوا کہ رابرٹو آنکھیں بند کیے، صوفے پر اونگھ رہا تھا۔

ویرا کے ساتھ ہوٹل کے ایک کمرے میں محبوس مگر ویرا سے دور رہنے کی وجہ سے شاید وہ ایک رات بھی پوری نیند نہیں لے سکا تھا۔ خواب گاہ میں جلنے والے زیرو واٹ کی ناکافی روشنی میں حسرت بھری نگاہوں سے ویرا کو دیکھنے اور بے چینی سے کروٹیں بدلتے رہنے کی وجہ سے وہ یکایک نیند سے مغلوب ہوگیا تھا۔

ویرا دبے قدموں اس کے قریب سے گزر کر کاؤنٹر پر پہنچی۔ ضروری اندراجات کے بعد اس نے اپنے ذمے واجب الادا رقم ادا کی۔ اس دوران میں عملے نے ٹال مٹول کرکے اتنا وقت لے لیا تھا کہ ویرا کے فلور پر مامور روم سروس کے عملے سے یہ تصدیق ہوسکے کہ ویرا کے چھوڑے ہوئے کمرے میں ہوٹل کی ملکیتی ہر چیز صحیح سلامت تھی۔ وہ تصدیق نہ ہونے کی صورت میں ویرا کے ذمے واجب الادا رقم میں متناسب اضافہ ہوسکتا تھا۔

ویرا ہوٹل سے نکلی تو کناٹ پلیس کا علاقہ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ہر طرف لوگوں کی بھیڑ تھی جس میں ہر رنگ اور نسل کے شوقین سیاح بھی نظر آرہے تھے۔ مقامی فن، صناعی اور دست کاری کے شاہکاروں سے لدی پھندی، وکٹورین طرز کی اونچی دکانوں اور مارکیٹوں میں بھی خریداروں اور شائقین کی بھیڑ تھی۔

ویرا نے کچھ سوچے سمجھے بغیر ہوٹل چھوڑا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک بات جم کر رہ گئی تھی کہ میں نے اسے دہلی سے فرار کی ہدایت کی تھی۔ اس نے ہوٹل چھوڑ دیا تھا اور رات کی آخری ٹرین سے امرتسر روانہ ہونے کا ارادہ تھا لیکن ہوٹل سے نکلنے کے بعد اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنا درمیانی وقت کہاں گزارے۔

ہوٹل مرینا سے کچھ دور نکل آنے کے بعد ایک ٹیکسی رینگتی ہوئی قریب سے گزری اور ویرا نے بے اختیار ہاتھ ہلا کر اسے روک لیا۔

دہلی میں ٹیکسیاں میٹر کے حساب سے کرایہ لیتی ہیں لیکن متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے مقامی ان میٹروں پر اعتبار نہیں کرتے کیونکہ ایک ہی فاصلے کے لیے ہر ٹیکسی کا میٹر الگ کرایہ بتاتا ہے۔ اس لوٹ مار کے انسداد کے لیے قوانین موجود ہیں لیکن ان کا نفاذ کہیں نظر نہیں آتا۔ ویرا مقامی نہیں تھی۔ اس کی جیب میں خاصی رقم موجود تھی۔ ڈرائیور نے اپنی نشست پر بیٹھے بیٹھے جھک کر عقبی دروازہ کھولا۔ اس کی طرف سے وہ ویرا کی گوری چمڑی یا شاید خوب صورتی کے لیے خراجِ عقیدت تھا۔ ویرا بے نیازی سے پچھلی نشست پر بیٹھ گئی اور دروازہ بند کرلیا۔ اس وقت وہ ہوٹل مرینا اور اس کی لابی میں اونگھتے ہوئے رابرٹو ویلینی سے بہت دور نکل جانا چاہتی تھی۔

کناٹ پلیس کی پرہجوم سڑک پر گاڑی چند ثانیوں تک رینگتی رہی۔ وہاں شہر کے مختلف علاقوں سے آنے والی دس سے زائد سڑکیں یک جا ہوتی تھیں۔ ڈرائیور کو بہت جلد فیصلہ کرنا تھا کہ اسے کہاں سے مڑنا ہے۔ جب ویرا نے اپنی منزل کے بارے میں زبان نہیں کھولی تو ڈرائیور نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اس سے سوال کیا۔ ویرا چونک پڑی۔ اس وقت اس کے ذہن پر یہ خلش سوار تھی کہ جان اسمتھ دہلی میں موجود ہونے کے باوجود مفت میں چھوڑا جارہا تھا۔ اس نے بے ساختہ ہوٹل سمراٹ کا نام لے دیا اور ٹیکسی کی رفتار میں ہلکی سی تیزی آگئی۔

ڈرائیور ہندی میں کچھ بڑبڑایا۔ چند ٹھیٹ الفاظ کو چھوڑ کر بقیہ الفاظ وہی تھے جو اردو میں بولے جاتے ہیں۔ مفہوم ویرا کے لیے واضح تھا۔ وہ دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکی۔ ڈرائیور اپنے ماں باپ کو کوس رہا تھا جنھوں نے اسے پانچویں جماعت سے آگے نہ پڑھنے دیا اور بے چارہ انگریزی میں کورا رہ گیا۔ اسے جھنجلاہٹ تھی کہ قسمت سے ایک میم کی سواری ملی تھی تو وہ اس سے بات کرنے کے قابل نہیں تھا۔

ویرا ابتدا سے ہی اردو سے انجان بنی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی زبان سے صاف ستھری اردو سن کر ہر مقامی حیران رہ جائے گا۔ وہ بات زیادہ پھیلتی تو ویرا کی اصلیت کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔ وہ بظاہر لاتعلق بنی کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔

دہلی میں اچھی بات یہ تھی کہ لوگوں کی رہنمائی کے لیے سڑکوں اور اہم مقامات کے نام انگریزی اور ہندی میں نمایاں مقامات پر کندہ یا لکھے ہوئے تھے۔ وہ بہت معمولی اور بنیادی سہولت تھی جو سیاحوں کے لیے حوصلہ افزا تھی۔ وہ شہر کے کسی ٹھگ کے چنگل میں پھنسے بغیر کسی نہ کسی طرح اپنی راہ تلاش کرسکتے تھے۔

ٹیکسی کناٹ پلیس سے نکل کر جان پاتھ نامی سڑک پر سفر کرتی رہی۔ اسی سڑک پر ونڈسر پلیس کا چوراہا گھومتے ہوئے ڈرائیور نے استفہامیہ انداز میں انڈیا گیٹ کا نام لیا۔ ویرا سمجھ گئی کہ ڈرائیور اسے شہر کی سیر کرانے اور کرایہ بڑھانے کی فکر میں تھا۔

ویرا کے ذہن میں کوئی خاص کام یا منصوبہ نہیں تھا۔ وہ خود وقت گزاری کے موڈ میں تھی۔ اس نے فوراً ایس کہہ

دیا۔
ٹیکسی ونڈ سر پلیس سے فیروز شاہ روڈ پر گھوم گئی۔ ویرا کو سمت اور راستوں کا کوئی ادراک نہیں تھا۔ ٹیکسی کستوربا گاندھی مارگ سے ہوتی ہوئی انڈیا گیٹ کے حسین اور جگمگاتے ہوئے علاقے میں داخل ہوگئی۔ ڈرائیور اپنی گوری مسافر کی رہنمائی کے جوش میں، ہاتھ ہلا ہلا کر مختلف نام لیتا رہا جن میں جنگی یادگار، میوزیم، آرٹ گیلری اور بچوں کے پارک وغیرہ کے نام اہم تھے۔

اس بار ٹیکسی شاہ جہاں روڈ پر نکلی تو ویرا سوچے بغیر نہیں رہ سکی کہ ہندوؤں نے اپنے بے مثال تعصب کے باوجود نہایت مکارانہ مصلحت اندیشی سے کام لیا تھا۔ اپنی سرزمین پر مسلمانوں کی طویل حکمرانی کے نقوش کو تہس نہس کرنے کے بجائے سڑکوں اور یادگاروں وغیرہ کے پرانے نام تک برقرار رہنے دیے تھے تاکہ آنے والوں کو اپنی مذہبی رواداری سے مرعوب کرسکیں۔ دوسری طرف پاکستانیوں کی جذباتی حماقتوں کا یہ عالم تھا کہ آئے دن سڑکوں، بستیوں اور مقامات کے ناموں کو تبدیل کیا جاتا تھا۔

وہ ویرا کا ذاتی تجزیہ تھا جس سے کسی کا متفق ہونا ضروری نہیں تھا لیکن اس کی اہمیت یہ تھی کہ وہ پاکستانی یا بھارتی نہیں تھی۔ پیدائشی طور پر امریکی نژاد تھی اور ہر امریکی کی طرح اس کی کہی ہوئی بات بھی توجہ کی مستحق تھی۔

دہلی کے ایک حصے کے اس مختصر سے سفر میں ویرا نے مسلمان زعما کے ناموں پر متعدد سڑکیں دیکھیں۔ اورنگ زیب روڈ، صفدر جنگ روڈ اور کمال اتاترک روڈ سے گزرنے کے بعد ٹیکسی چانکیہ پوری کے جدید علاقے میں داخل ہوگئی جو یقیناً مسلمانوں اور انگریزوں کی طویل حکمرانی کے بعد بسایا گیا تھا اور وہاں ہر طرف ہندوانی ناموں کا تسلط تھا۔ کچھ دیر بعد ڈرائیور نے ٹیکسی ہوٹل سمراٹ کے پورچ میں گھمانی چاہی تھی کہ ویرا نے بوکھلا کر اسے روک دیا۔

وہ اپنے خیالات کی رو میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ جان اسمتھ کی کمین گاہ کے نزدیک پہنچ چکی تھی۔ وہ براہِ راست ہوٹل میں داخل ہو کر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس نے فٹ پاتھ کے کنارے، ٹیکسی ڈرائیور کو دو سو روپے دے کر فارغ کردیا۔ وہ رقم کرایے سے بہت زیادہ تھی۔ توقع سے زیادہ انعام پاکر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے واپسی کے بارے میں پوچھا۔ اس کا ایک لفظی سوال انتظار کے بارے میں تھا۔

ویرا نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑا کر اندازہ لگالیا تھا کہ چانکیہ پوری دہلی کے رؤسا اور سفارتی معززین کا علاقہ تھا جہاں صرف کارنشینوں کا ہی گزر ہوسکتا تھا مگر ہوٹل کی حدود میں ٹیکسی وغیرہ کی آمدورفت یقینی تھی۔ بس ایک نکتہ تھا کہ کسی ہنگامی ضرورت کے پیش آنے پر وہاں سے روانگی کے لیے فوری طور پر کوئی گاڑی دستیاب ہوسکے۔ غالب امکان یہ تھا کہ ہوٹل سمراٹ میں ایسی کوئی ہنگامی ضرورت پوری نہیں ہوسکے گی۔ جب بھی ٹیکسی ملے گی، اپنے وقت پر ملے گی۔

ویرا نے ڈرائیور کو رکنے کا عندیہ دے دیا اور اشاروں کی مدد سے سمجھا دیا کہ وہ باہر رکنے کے بجائے ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں ویرا کی واپسی کا انتظار کرے۔

اس بار ڈرائیور نے سخت انداز میں نو، نو کی تکرار کی اور ویرا کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا۔

"ویٹ.... اونلی ویٹ!" ویرا نے ہاتھ سے دروازہ بند کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہائے رام!" ڈرائیور اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بے بسی سے بڑبڑایا "اس سسری کو کون سمجھائے کہ پارکنگ کا میدان بہت بڑا ہے۔ اس کے پتا جی بھی اپنی سمادھی چھوڑ کر باہر نکل آئیں تو ہماری گاڑی بٹیا کو نہیں ڈھونڈ سکیں گے۔"

ڈرائیور کی مجبوری اور بے بسی پر ویرا نے اپنے بے ساختہ قہقہے کو بمشکل اپنے حلق کی گہرائیوں میں دفن کیا۔ ڈرائیور کی پریشانی بالکل جائز تھی۔ وہ ویرا کے فائدے کی بات سوچ رہا تھا لیکن اسے ضبطِ تقریر میں لانا اس بے چارے کے بس سے باہر تھا۔

ویرا ہندی اور اردو سے نابلد بنی ہوئی تھی اس لیے اپنی تفہیم کے اظہار سے قاصر تھی۔ بس کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنے شانے اچکائے اور دوبارہ ٹیکسی میں سوار ہوگئی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ میرے ساتھ جو سلوک کرنا ہے، کرلو میں نے خود کو تمہارے سپرد کردیا ہے۔

ادھیڑ عمر ڈرائیور نے بہت مسرت آمیز انداز میں ٹیکسی کا دروازہ بند کیا اور پھرتی سے اپنی نشست پر پہنچ کر انجن اسٹارٹ کردیا۔

پارکنگ لاٹ کا میدان واقعی بہت وسیع تھا اور اس کا بیشتر حصہ اس وقت خالی تھا مگر وہاں آنے والی گاڑیوں کے تسلسل سے صاف ظاہر تھا کہ ایک دو گھنٹے بعد وہاں گاڑیوں کا ایسا ہجوم جمع ہوجائے گا کہ محض اندازے سے کسی کار یا ٹیکسی کو تلاش کرنا ناممکن ہوجائے گا۔ ویرا دل ہی دل میں ٹیکسی ڈرائیور کی پیشہ ورانہ دوراندیشی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔

ڈرائیور نے پارکنگ کے پہلے واضح بورڈ کے قریب ٹیکسی پارک کردی۔ ویرا نیچے اتری تو ڈرائیور اس کی یاددہانی کے لیے بورڈ کی طرف تاکیدی اشارے کررہا تھا۔ ویرا نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور لمحہ بھر سوچنے کے بعد اپنا مختصر سا دستی بیگ گاڑی میں ہی ڈال دیا۔ اس نے اندازہ لگایا تھا کہ ڈرائیور بے ایمان نہیں تھا اگر اس کے دل میں کوئی کھوٹ آ ہی جاتا تو اس بیگ میں ویرا کے دو تین جوڑوں اور زنانہ استعمال کی چند ذاتی اشیا کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میرے مشورے کے مطابق اس نے نقدی اور پاسپورٹ کو اپنی کمر کے گرد کسی ہوئی بیلٹ میں محفوظ کیا ہوا تھا۔

اس نے ہاتھ لہرا کر ڈرائیور کو اشارہ کیا اور ہوٹل سمراٹ کے روشنیوں میں نہائے ہوئے پورچ کی طرف چل دی۔

اس وقت تک ویرا کا ذہن بالکل صاف تھا۔ جان اسمتھ کے خلاف وہ اپنے عزائم کو خیرباد کہہ چکی تھی مگر پھر بھی ہوٹل سمراٹ کی حدود میں موجود تھی!

○☆○

جان اسمتھ کے بارے میں میری تجویز سن کر غزالہ دل ہی دل میں جھوم اٹھی تھی۔ اس کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ میں نے بھارت جیسے مکار اور سفاک ملک میں ایک اہم مشن اسے سونپنے کا فیصلہ کیا تھا۔

جان اسمتھ ہم سب کے لیے ایک ایسا روگ بن گیا تھا جسے کاٹ کر اپنے وجود سے جدا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پاکستان کی سرحدوں میں رہتے ہوئے ہم اس روگ کی پرورش کرنے پر مجبور تھے۔ دہلی میں وہ پہلا اور شاید آخری موقع تھا کہ ہم پاکستان کے خلاف سی آئی اے کے بین الاقوامی آپریشنز کی سربراہی کرنے والے جان اسمتھ کو موت کی اس بھیانک دلدل میں اتار سکیں جس کا وہ مستحق تھا۔

غزالہ کے لیے اس اہم ترین ذمے داری کو سرانجام دینا ایک اعزاز سے کم نہیں تھا۔

اس نے ہوٹل سے ذرا دور نکل کر ایک ٹیکسی پکڑی اور ہوٹل سمراٹ کی طرف روانہ ہوگئی۔

غزالہ نے جوش اور جذبے کے ساتھ میری تجویز قبول کی تھی۔ اسے کچھ سوچنے یا سمجھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے اشاروں کنایوں میں اسے یہ بتادیا تھا کہ جان اسمتھ، ویرا کو پہچانتا تھا جبکہ غزالہ اس کے لیے قطعی اجنبی تھی۔ اس اجنبیت سے فائدہ اٹھا کر وہ بہت آسانی سے جان اسمتھ کا قرب حاصل کرسکتی تھی جس کے نتیجے میں ہمارے اس ازلی دشمن کا قصہ ہمیشہ کے لیے پاک ہوسکتا تھا۔

ٹیکسی کے سفر میں چند منٹ گزرنے کے بعد غزالہ کو احساس ہوا کہ وہ لمحہ بہ لمحہ اپنی اس منزل سے قریب ہوتی جارہی تھی جہاں موت سایہ فگن ہونے والی تھی۔ اس کا جوش ایک دم ٹھنڈا پڑ گیا اور وہ خود کو آنے والے وقت کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔

میری اور اس کی مختصر سی گفتگو میں بین السطور جو مفہوم پنہاں تھا، وہ اس کے ذہن میں پوری طرح سمایا ہوا تھا۔

جان اسمتھ اسے نہیں جانتا تھا۔ وہ امریکی سیکرٹ سروس کا ایک اہم اور ذمے دار عہدے دار تھا جسے اپنے سازشی فرائض کی انجام دہی کے لیے کراچی جیسے حساس شہر میں مامور کیا گیا تھا۔ کراچی میں ویرا نے پے در پے دو دھمکی آمیز فون کرکے اتنا حواس باختہ کردیا کہ بھڑک کر کراچی سے بھاگ نکلا کیونکہ کراچی ان دنوں غیر ملکی ایجنٹوں کے لیے ایک ہولناک مقتل و مدفن بنا ہوا تھا۔

جان اسمتھ سے پہلے کئی امریکی ایجنٹ کراچی میں مارے جاچکے تھے جن میں ڈیوڈ اور جمی کے نام سب سے تازہ تھے۔ ان سے پہلے جان اسمتھ کا پیش رو بھی اسی طرح بوکھلا کر کراچی سے دہلی فرار ہوا تھا۔ اس کے نویں منزل کے محفوظ ترین فلیٹ میں اس کی چہیتی کتیا سلطان شاہ کی کارروائی کا نشانہ بنی تھی۔ اوبرائن ڈی ہنٹ کو خوف لاحق ہوگیا تھا کہ سارے حفاظتی انتظامات دھرے رہ جائیں اور کسی وقت وہ بھی اپنی کتیا کی طرح بے موت مارا جائے گا۔ وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ اس کی موت لکھی جاچکی تھی۔ وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں جاتا، موت کا بے رحم آہنی چنگل اسے اپنی گرفت میں لے لیتا۔

یہ اس کی موت کا بہانہ تھا کہ ان ہی دنوں رستم ایرانی ہماری نگاہوں میں آیا اور اس نے ایک معقول رقم کے عوض یہ بندوبست کردیا کہ اوبرائن ڈی ہنٹ دہلی میں ٹریفک کے ایک حادثے میں بے رحمی سے کچل دیا جائے۔

غزالہ کے ذہن میں وہ واقعہ اپنی پوری جزئیات کے ساتھ تازہ تھا۔ ٹیکسی میں ہوٹل سمراٹ کی طرف جاتے ہوئے اسے یوں محسوس ہوا جیسے تاریخ خود کو دہرانے جارہی ہو۔ پہلے رستم ایرانی نے اپنے بھارتی دوستوں کے ذریعے اوبرائن ڈی ہنٹ کو مروایا تھا۔ اس بار غزالہ خود جان اسمتھ کا کام تمام کرنے والی تھی۔

جان اسمتھ کراچی سے دہلی پہنچنے کے بعد ذہنی اور نفسیاتی طور پر خود کو محفوظ تصور کررہا تھا۔ وہ ایک تنہا مرد تھا۔

ورا اسے بارہا بتا چکی تھی کہ ہر جواں سال اور جوان دل امریکی رنگینی میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اپنے فرائضِ منصبی یا سیاحت کے سلسلے میں دور دراز کے سفر کرنے والے امریکی مرد بلکہ اکثر اوقات عورتیں بھی زیادہ دیر تک تنہا رہنا پسند نہیں کرتیں۔ یہ لوگ جہاں موقع پاتے ہیں' اپنے عارضی پڑاؤ کے لیے وقتی رفاقتیں پیدا کر لیتے ہیں اور اگر ایسا کوئی امکان نظر نہ آئے تو دوستیاں خرید بھی لیتے ہیں جہاں فریق ثانی کے وقت پر صرف ان کا تصرف ہوتا ہے۔ جسموں کے یہ کھلاڑی جذبوں کو کند چھری سے ذبح کرتے ہیں۔ وقت پورا ہو جانے پر خاموشی سے اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

غزالہ نے سوچ لیا تھا کہ وہ ہوٹل سمراٹ کی لابی سے انٹرکام کے ذریعے جان اسمتھ سے رابطہ کرے گی اور اسے پھسلائے گی۔ اگر جان اسمتھ کی وہ شام کسی بھارتی دوشیزہ کے نام نہ ہوتی تو قوی امکان تھا کہ غزالہ کی رسیلی باتیں سن کر وہ اسے اپنے کمرے میں مدعو کر لیتا۔

غزالہ ایک بار خاموشی سے اس کے کمرے میں پہنچنے میں کامیاب ہو جاتی تو اس کا ہاتھ جان اسمتھ کی شہ رگ تک پہنچ جاتا۔ مخصوص انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے کا زہر ذرا سے اشارے سے جان اسمتھ کے بدن میں اتر تا اور وہ فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا۔

جان اسمتھ کی بے آواز موت کے بعد غزالہ کے لیے اس کے کمرے سے نکل کر ہوٹل سمراٹ سے فرار ہونا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

ایک طرف جان اسمتھ کا بھیانک نام تھا۔ دوسری طرف اس کا اتنا سہل انجام نظر آ رہا تھا۔ خوف اور بے یقینی سے غزالہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

اس کے ذہن میں واقعات کی کڑیاں تیزی سے جڑنے لگیں۔ ہم بھارت کی رسوائے زمانہ را سے اس کی اپنی سرزمین پر برسرپیکار تھے۔ گو اس وقت تک ہمیں ڈیوڈ کی بے مقصد موت کے علاوہ کوئی عملی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی لیکن ہم کامیابیوں کی سمت میں خاصی پیش رفت کر چکے تھے۔

مجھے رینا اجیت رائے اور پھر ناگر کے ذریعے را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ تک رسائی حاصل ہو چکی تھی۔ وہ مجھ سے میری تلاش میں مدد لینے کا خواہاں تھا۔ اس کا دست راست نریش شرما تھا جسے آخری درجے کا دہشت گرد اور مکارِ اعظم کہا جاتا تھا۔ وہ اس قدر احمق اور غیر ذمے دار ثابت ہوا تھا کہ اس نے پاکستان سے تعلق رکھنے والی' را کی گیارہ خفیہ فائلیں بے پروائی سے اپنی میز پر پھیلا لی تھیں۔

بھارتی سیکرٹ سروس میری ذات میں گہری دلچسپی لے رہی تھی لیکن انہوں نے میری سرگرمیوں کو اس طرح نظرانداز کیا ہوا تھا جیسے وہ مجھے بالکل بے ضرر اور نکما تصور کر رہے ہیں۔

غزالہ کو خیال آ رہا تھا کہ انل بسواس' نریش شرما اور ناگر سے ملاقات سے پہلے اور اس کے بعد میں نے فون اور ایریٹس پرویرا' اول خان اور گوپال سے طویل رابطے کیے تھے جن میں کسی کی طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہوئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پاکستان میں دن رات فعال رہنے والے را کے کارندے اپنے ملک میں افیم کھا کر سوئے ہوئے ہوں۔

غزالہ تنہا تھی۔ ان لمحات میں اسے وہ سب غیر فطری اور بھیانک محسوس ہوا۔ وہ ڈرنے لگی کہ وہ سب ہماری خوش فہمیاں تھیں۔ را والے ہماری پل پل کی نقل و حرکت سے واقف تھے لیکن انہوں نے جان بوجھ کر ہماری رسیاں دراز کی ہوئی تھیں۔ وہ ہمیں کھل کر سامنے آنے کا موقع دے رہے تھے' ہماری سرگرمیوں کی نگرانی کر رہے تھے۔ جوں ہی ہم کسی بڑی کامیابی سے قریب تر ہوتے' وہ شکاری عقابوں کی طرح حملہ آور ہو کر ہمیں نیست و نابود کر دیتے۔

غریب الوطنی' تنہائی اور رات کے اترتے ہوئے اندھیرے نے غزالہ کو بے حال کر دیا۔ وہ اپنے دل کی تیز دھڑکنیں اپنے کانوں میں سن رہی تھی۔ اسے اپنی پیشانی پر پسینے کی خوف میں ڈوبی ہوئی ٹھنڈی بوندیں ابھرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اسے اندیشہ ہوا کہ ڈرائیور نے عقب نما آئینے میں اس کی بدلتی ہوئی کیفیت دیکھ لی تو وہ اسے ہوٹل سمراٹ کے بجائے کسی تھانے میں پہنچا دے گا۔

غزالہ کا وہ اندیشہ بے بنیاد نہیں تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے غزالہ کی زبان سے ٹھیٹ ہندی اور سنسکرت الفاظ سے پاک' شستہ اردو سنتے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ پاکستانی تھی۔ سفر کے آغاز میں ادب سے وہ سوال پوچھ کر ڈرائیور نے اپنا رہا سہا شبہ بھی دور کر لیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ ٹیکسی میں اندھیرا تھا اگر باہر کی روشنیوں کے انعکاس میں ڈرائیور غزالہ کی عرق آلود پیشانی یا چہرے پر اڑنے والی ہوائیاں دیکھ لیتا تو فوری طور پر کوئی نئی مشکل پیدا ہو سکتی تھی۔

غزالہ نے پھرتی سے اپنے وینٹی بیگ سے رومال نکال کر اپنی پیشانی پونچھ ڈالی۔

خیالات کی رو ڈرائیور کی طرف منتقل ہونے کی وجہ سے غزالہ کے ڈراؤنے اندیشوں کا تسلسل ٹوٹ گیا مگر اندر کا اضطراب کم نہ ہو سکا۔

دور سے ہوٹل سمراٹ کی کثیر المنزلہ عمارت نظر آتے ہی غزالہ نے ارادہ کیا کہ ٹیکسی چھوڑنے کے بعد وہ ہوٹل کے پبلک بوتھ سے مجھے فون کرے گی اور اپنے ذہن میں آنے والے نئے خطرات کی نشان دہی کرے گی لیکن ٹیکسی رکنے تک وہ اپنا ارادہ منسوخ کر چکی تھی۔

اسے گمان ہوا کہ اس کی منفی باتیں سن کر میں سمجھ بیٹھوں گا کہ منزل پر پہنچ کر وہ جان اسمتھ کا سامنا کرنے سے خوف زدہ ہو گئی ہے۔ دوسرا خیال یہ تھا کہ میرے ساتھ ہونے والی گفتگو راوالوں تک پہنچنے کا قوی امکان تھا۔ میں اس خطرے کو نظرانداز کیے' بے خبری کے بازار میں بیٹھا ہوا تھا تو غزالہ کا فرض تھا کہ وہ اپنی دانست میں ہر احتیاط سے کام لیتی اور مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہر بات اپنے سینے میں محفوظ رکھتی تاکہ راوالوں کو ہمارے ہوشیار ہونے کا علم نہ ہو پاتا۔

ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے کے بعد غزالہ نے پورچ میں لمحہ بھر کے لیے رک کر خود کو سنبھالا اور پھر ہوٹل سمراٹ کی پرشکوہ لابی میں داخل ہو گئی جہاں رات کو بھی روشنیوں اور رونق نے دن کا سماں باندھا ہوا تھا۔

غزالہ کی دانست میں اس کا کام مختصر تھا اور اس کے پاس کافی وقت تھا۔ وہ جان سے رابطہ کرنے سے پہلے اپنے اوسان یک جا کرنے کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ وہ راہداری میں نصب علامتوں کے سہارے خواتین کے واش روم کی طرف ہولی۔ آئینے کے سامنے پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ وہ خاصی منتشر ہو چکی تھی۔ اسے اپنے وینٹی بیگ کے ہلکے سے سہارے کی ضرورت تھی۔

اس نے اپنے اڑے اڑے بال دوبارہ جمائے۔ چہرے کو تروتازہ کیا اور ہوٹل کے ریستوران میں جانے کے بجائے استقبالیہ کاؤنٹر سے ذرا آگے پڑے ہوئے صوفوں میں سے ایک پر نیم دراز ہو گئی۔ راستے بھر اپنے خیالات اور اندیشوں سے لڑتے لڑتے وہ نڈھال ہو چکی تھی۔ اپنا آخری قدم اٹھانے سے پہلے گرم چائے کی ایک پیالی اس کے لیے بہت زیادہ محرک اور معاون ثابت ہو سکتی تھی۔

چائے کی پیالی ختم کر کے غزالہ صرف اس وقت تک بیٹھی رہی جب تک اس نے ویٹر کو بل ادا نہیں کر دیا۔ اب وہ خود کو توانا اور چاق و چوبند محسوس کر رہی تھی۔ وہ لابی کے اس حصے کی طرف چل دی جہاں ہوٹل کے اندرونی رابطوں کے لیے متعدد انٹرکام رکھے ہوئے تھے۔

بڑے ہوٹلوں میں کمرے کا نمبر ہی انٹرکام کا نمبر بھی ہوتا ہے۔ غزالہ نے پورے اعتماد سے تھری ون زیرو ملا لیا۔

دوسری طرف گھنٹی بجی اور دیر تک بجتی ہی رہی۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اوہ! میری غریب بچی۔" اپنے قریب ایک ہمدردانہ نسوانی آواز سن کر غزالہ اس بری طرح چونکی کہ ریسیور اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا کہ وہ پھولے ہوئے نتھنوں والی ایک سفید فام عورت تھی۔ اس کا نچلا ہونٹ آگے نکلا ہوا تھا اور آنکھوں پر نیم تاریک شیشوں کی عینک لگی ہوئی تھی۔ غزالہ کو اپنی طرف متوجہ پاکر اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ غزالہ کے شانے پر رکھ دیا "ریسیور رکھ دو۔ اپنا وقت برباد مت کرو۔" وہ رواں انگریزی بول رہی تھی۔

غزالہ نے مسحور ہو کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ مسلسل اجنبی عورت کو گھورے جا رہی تھی۔ اس عورت میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور تھی جسے غزالہ کوئی مفہوم پہنانے سے قاصر تھی۔

"آؤ۔ میرے ساتھ آؤ!" غزالہ کو متحیر دیکھ کر اس عورت نے اسے پچکارا "اور خود پر قابو رکھو۔ میں تمہاری ہمدرد ہوں۔"

غزالہ بے اختیار گہرا سانس لے کر اس کے ساتھ ہولی۔ اس بار اس نے اجنبی عورت کو پہچان لیا تھا۔ وہ ویرا کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔

"یہ تم ہو!" غزالہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے تحیر زدہ آواز میں سرگوشی کی "تم نے کیا سوانگ رچایا ہوا ہے؟ تم یہاں کیا کرتی پھر رہی ہو؟"

"تم کو ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے بدستور بدلی ہوئی آواز میں کہا "میں کافی دیر سے یہاں جھک مارتی پھر رہی ہوں۔ پہلے اطمینان سے کہیں بیٹھتے ہیں پھر باتیں ہوتی رہیں گی۔ اس وقت اپنی زبان بند رکھو۔"

حالات کی روشنی میں ویرا کا مشورہ بہت صائب تھا۔ بھارت کی سرزمین پر بلکہ دہلی میں وہ ان دونوں کی پہلی ملاقات تھی۔ غزالہ سمجھ رہی تھی کہ ویرا نے مستقل طور پر اپنے حلیے میں وہ تبدیلیاں کی ہوئی تھیں اور شاید اسی بنا پر وہ میری ہدایات کو نظرانداز کر کے بے خوفی سے ہوٹل سمراٹ میں گھومتی پھر رہی تھی جہاں اس کا شناسا' جان اسمتھ قیام پذیر تھا۔ غزالہ سوچتی رہی مگر اس نے زبان نہیں کھولی۔

غزالہ اس ہوٹل سے بالکل بھی واقف نہیں تھی۔ ویرا اسے کافی شاپ میں لے گئی جہاں خال خال میزوں پر گاہک نظر آ رہے تھے۔ وسیع و عریض اور نیم روشن ہال کی بیشتر

منی اسٹوری

سفری سیلزمین البرٹ طویل دورے سے اپنے گاؤں واپس آیا تو اسے اپنا چھوٹا بھائی جم گاؤں کے پیٹرول پمپ پر ہی کھڑا مل گیا۔ دونوں بھائی گرم جوشی سے ملے پھر البرٹ نے پوچھا "میرے پیچھے کوئی خاص واقعہ تو نہیں ہوا؟"

"کوئی خاص نہیں.... بس تمہارا کتا مرگیا ہے" جم نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

"کیسے....؟ میرا کتا کیسے مرگیا؟" البرٹ نے اداس ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اس نے گھوڑے کا جلا ہوا زہریلا گوشت کھالیا تھا" جم نے بتایا۔

"گھوڑے کا جلا ہوا زہریلا گوشت...؟" اب البرٹ کے حیران ہونے کی باری تھی "وہ اسے کہاں سے مل گیا؟"

"تمہارے باڑے میں سے.... جو آگ لگنے کی وجہ سے سارے کا سارا جل گیا تھا۔ گھوڑا اور دوسرے مویشی بھی اندر ہی جل کر مرگئے۔"

"میرا باڑا جل گیا...؟ مگر کیسے؟" البرٹ چلایا۔

"جب تمہارے مکان کو آگ لگی تو کچھ چنگاریاں باڑے پر بھی آن گری تھیں" جم نے بتایا۔

"میرے گھر کو آگ لگ گئی...." البرٹ اب اور زیادہ وحشت زدہ ہوکر چلایا "یہ واقعہ کیسے رونما ہوا؟"

"وہ... اصل میں تابوت میں رکھی ہوئی موم بتیوں میں سے ایک قالین پر گر گئی تھی اور قالین نے آگ پکڑلی" جم نے بتایا۔

"اوہ میرے خدا...!" البرٹ کی وحشت بڑھ گئی "تابوت کس کا تھا؟ کون مرگیا تھا؟"

"تمہاری ساس" جم نے جواب دیا۔

"مگر کیسے...؟ وہ تو بھلی چنگی تھی۔"

"وہ صدمے سے مرگئی کیونکہ تمہاری بیوی مزارعے کے ساتھ بھاگ گئی تھی" جم نے بتایا۔

البرٹ دھپ سے ایک بینچ پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے ہوئے بولا "میرا سر چکرا رہا ہے.... میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا...."

"تو پھر میں دوبارہ شروع سے بتاتا ہوں..." جم خلوص سے بولا "ہوا یوں کہ تمہارا کتا مرگیا..."

میزیں غیر آباد تھیں۔

"برا وقت آگیا ہے۔" ویرا ایک دور افتادہ میز کی طرف بڑھتے ہوئے بڑبڑائی "نوجوانوں کو شراب کی ایسی لت لگی ہے کہ شام ڈھلے کوئی ٹی یا کافی شاپ کا رخ نہیں کرتا۔ یہاں ویرانی ہے۔ بار میں جگہ نہ ہونے کے باوجود لوگ گھسے چلے آرہے ہیں۔ ابھی شام گہری نہیں ہوئی مگر بار کے دروازے پر بندش کی تختی آویزاں کردی گئی ہے۔"

"اس شہر والوں پر تمہارا سایہ پڑچکا ہے۔" غزالہ نے نیچی آواز میں طنز سے کہا "شراب میں پانی اور پانی میں شراب ملا کر پیتے ہیں۔ چائے اور کافی سے ان کا بھلا نہیں ہوتا۔ تم نے بھی مجبور ہوکر اس گوشے کا رخ کیا ہے۔"

ویرا نے میز منتخب کی اور دونوں نے اس کے گرد کرسیاں سنبھال لیں۔ انہیں بٹھانے کے لیے فوراً ہی سانولے رنگ کی ایک پرکشش اور نوجوان ویٹرس مسکراتی ہوئی آپہنچی۔ اسے خوشی ہوئی تھی کہ جوڑے کے بجائے عورتوں کی جوڑی اس کی مہمان ہوئی تھی۔

"کھولتی ہوئی تلخ اور لذیذ کافی کے ساتھ کچھ اسنیکس مگر پندرہ بیس منٹ بعد۔" ویرا نے کسی نک چڑھی بیوہ کے انداز میں ویٹرس کو حکم دیا۔

"یس مادام!" ویٹرس نے ویرا کے آرڈر پر سر کو خم دیا اور اندرونی حصے کی طرف چل دی۔

"مجھے وحشت ہورہی ہے۔ اب تم بولنا شروع کردو۔" تخلیہ ہوتے ہی غزالہ نے بے صبری سے کہا۔

"میں ہوٹل چھوڑ چکی ہوں اور مظہر کے حکم پر آج

رات امرتسر جارہی ہوں۔" ویرا رک کر سگریٹ سلگانے لگی۔

"انہوں نے تو شاید یہ بھی کہا تھا کہ تم اس ہوٹل کا رخ نہ کرنا۔" غزالہ نے اسے یاد دلایا۔

"یہ نہیں کہا تھا۔" ویرا نے فضا میں شہادت کی انگلی لہرا کر کہا "اس نے مجھے جان سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا اور میں اس مردود سے دور رہوں۔"

"پھر تم یہاں کیوں نظر آرہی ہو؟" غزالہ اس سے ٹکراؤ ہونے پر بہت زیادہ الجھی ہوئی تھی۔

"تم یقین کرو کہ مجھے کچھ علم نہیں۔ ہوٹل سے نکلی تو میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھی تو ڈرائیور کو غیر ارادی طور پر اس ہوٹل کا نام بتادیا۔ یہاں آکر میں خود حیران تھی کہ جب جان کو نہیں چھیڑنا تو میں یہاں کیوں آئی ہوں۔ بس کسی نادیدہ غیبی قوت نے مجھے اس طرف دھکیلا تھا۔ میں یہاں سے روانہ ہونے کے لیے پر تول رہی تھی کہ تم زنانہ واش روم سے نکلتی نظر آئیں اور میں تمہارے پیچھے ہولی۔ اب اندازہ ہورہا ہے کہ قدرت نے مجھے تم سے ملاقات کے لیے یہاں بھیجا تھا۔ تم یہاں کس لیے آئی ہو؟"

"وہ تمہیں پہچانتا ہے۔ میں اس کے لیے اجنبی ہوں۔"

غزالہ نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر معنی خیز لہجے میں کہا "لیکن میں شرط لگا سکتی ہوں کہ اس شکل میں اس کے فرشتے بھی تمہیں نہیں پہچان سکیں گے۔"

ویرا دھیرے سے ہنس پڑی "تم اناڑی ہو۔ وہ کھلاڑی اور گھاگ ہے۔ پہلی نظر میں اس سوانگ کو سمجھ جائے گا۔"

"مجھے تمہارے اس بہروپ میں کوئی خامی نظر نہیں آرہی۔ تم نے یہ سب کیسے کیا ہے؟"

"یہاں پہنچ کر مجھے خوف ہوا کہ جان سے اچانک سامنا ہوگیا تو وہ مجھ پر ٹوٹ پڑے گا۔ میں نے اپنے قیمتی بال پین کا اسپرنگ توڑ کر اپنے دونوں نتھنوں میں پھنسایا ہوا ہے نچلے ہونٹ اور مسوڑھے کے درمیان چیونگم کی ہلکی سی تہ چپکی ہوئی ہے۔ چشمہ بیگ میں پڑا رہتا ہے۔ یہ سب عارضی اور ریڈی میڈ بندوبست ہے جو زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دے سکتا۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں موجود نہیں ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"مجھے وقت گزارنا تھا۔ میں ہوٹل کے مختلف حصوں میں چکراتی پھرتی رہی۔ وہ کافی دیر سے بار میں بیٹھا ہوا ہے۔"

"تم مل ہی گئی ہو تو کوئی تدبیر سوچو۔ اب اسے بار سے اٹھ کر اپنے کمرے میں جانا چاہیے۔" غزالہ نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"اس کا رخ بار کاؤنٹر کی طرف ہے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ وہاں بیٹھا لڑکیوں کو گھور رہا ہے۔ بہت اوباش آدمی ہے۔ شاید کسی کو ساتھ لے کر ہی اپنے کمرے کا رخ کرے گا۔" ویرا دانستہ خاموش ہوگئی۔ اس کی نظریں غزالہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

غزالہ اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ رہی تھی۔ اپنی جگہ کسمسا کر رہ گئی اور بولی "میں زیادہ دیر تک یہاں نہیں رک سکتی۔"

"کیوں؟ کیا مظہر کے ساتھ کوئی اور پروگرام بھی طے ہوچکا ہے۔" ویرا نے چونک کر پوچھا۔

غزالہ سنبھل گئی۔ وہ ضرورت سے ایک لفظ بھی زیادہ نہیں بولنا چاہتی تھی "پروگرام نہیں ہے۔ دیر ہوگئی تو وہ پریشان ہوں گے۔"

"بہت خوش نصیب ہو۔" ویرا نے بے ساختہ کہا "ایک میں ہوں کہ برسوں سے گھر سے نکلی ہوئی ہوں مگر میرے لیے کوئی پریشان نہیں ہوتا۔"

"اب تم بہک رہی ہو۔" غزالہ نے تادیبی لہجے میں اسے ٹوک دیا "وہ تمہارے لیے بھی فکرمند تھے۔ انہوں نے ہر خطرہ مول لے کر تم سے کل اور آج بات کی ہے۔ پتا نہیں تم اتنی اہم باتوں کو کیوں نظرانداز کردیتی ہو اور مظلوم بننے کی کوشش کرتی ہو۔"

سانولی ویٹرس آئی۔ ٹھنڈے پانی کا جگ اور دو دمکتے ہوئے گلاس میز پر سجا کر چلی گئی۔

"آج تم آفت لگ رہی ہو۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے خاموشی کا وقفہ توڑا۔

"اینی! بے ہودگی کی ضرورت نہیں۔ ہمیں خرافات میں وقت برباد کرنے کے بجائے مسئلے کا حل تلاش کرنا چاہیے۔"

"یہ بے ہودگی نہیں، مسئلے کے حل کی نشاندہی ہے۔" ویرا کے غیر متوازن ہونٹوں پر مسکراہٹ برقرار رہی۔

"آخر تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" غزالہ نے چڑچڑے لہجے میں پوچھا۔

"بار میں جا کر اپنی قسمت آزماؤ۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ خبیث تمہیں نظرانداز نہیں کرسکے گا۔"

غزالہ کو ویرا کی زبان سے وہ تجویز ہتک آمیز سی محسوس

ہوئی حالانکہ جان تک رسائی حاصل کرنے کا وہی ایک راستہ تھا۔ وہ اپنے کمرے میں موجود ہوتا تب بھی غزالہ کو کال گرل کے انداز میں اس سے باریابی کی اجازت لینی پڑتی۔ وہ بار میں بیٹھا ہوا تھا اس لیے اچانک روبہ رو اداکاری کی ضرورت پیش آگئی تھی۔ اس وقت ویرا کی تجویز کا کوئی متبادل نہیں تھا۔

"میں شراب نہیں پیتی۔ جب سے وہ تائب ہوئے ہیں مجھے الکحل کی بو سے بھی وحشت ہونے لگتی ہے۔ یہ کام تم بہتر انداز میں کرلوگی۔"

"میری اصل صورت دیکھتے ہی اس کا نشہ ہرن ہوجائے گا اور وہ میرے اوپر بوتل پھینک مارے گا۔ موجودہ بہروپ میں وہ میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا۔ ہر اوباش اور رنگین مزاج مرد کسی نہ کسی حد تک جمال پرست بھی ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو رجھانے اور پھانسنے کے لیے صرف عورت کا وجود کافی نہیں ہوتا۔" ویرا نیچی آواز میں اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگی "عورت کا کوئی رنگ روپ اور جوبن بھی ہونا چاہیے۔ میں تمہاری قصیدہ خوانی نہیں کررہی۔ یہ حقیقت ہے کہ تم ایک مکمل اور بھرپور نسوانی پیکر ہو۔ کوئی وجہ ہے کہ مظہر نے تمہیں اپنی بیوی بنایا ہے۔ میری بات مانو تو دیر نہ کرو۔ اس سے پہلے کہ کوئی آوارہ لڑکی اس کی نظر میں سما جائے، تم بار میں جاکر اپنا داؤ کھیل جاؤ۔ باتوں سے کسی کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ذرا سی دیر کی بات ہے۔ تم اس کے کمرے سے سرخ رو ہو کر لوٹو گی۔"

ویرا کی ہر بات درست اور وزنی تھی۔ اس سے ہونے والی اتفاقیہ ملاقات کے نتیجے میں غزالہ کا تنہائی کا ہراس دور ہوچکا تھا۔ اسے ایک ہمدرد، ہم خیال اور ہم نوا ساتھی مل گئی تھی جس کی سوچ کا دھارا بھی اسی جیسا تھا۔ ویرا اسے نہ ملی ہوتی تو شاید وہ از خود اتنی آسانی سے کوئی فیصلہ نہ کرپاتی اور تذبذب کا شکار ہوجاتی۔ وہ غزالہ کے ذاتی اور نسوانی وقار سے زیادہ ملک کی سلامتی اور تحفظ کا معاملہ تھا۔ وہ لوگ ایک مدت سے اکھنڈ بھارت کے منصوبے پر کاغذی اور عملی کام کررہے تھے جس میں افغانستان سے نیپال اور برما تک کسی اور ملک کے پنپنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جان اسمتھ ان سفاک منصوبہ سازوں کا سرخیل تھا جو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے کئی چھوٹی قوموں کا نام و نشان تک مٹا دینا چاہتے تھے۔

جان اسمتھ جیسے موذی کے خاتمے کے لیے سب کچھ داؤ پر لگایا جاسکتا تھا۔ غزالہ نے بس چند ثانیوں تک خاموش رہ کر وہ موازنہ کیا پھر ویرا سے بولی "مجھے تمہارے مشورے پر عمل کرنے سے انکار نہیں مگر میں وہاں جاکر کیا کروں گی۔ میں نے زندگی میں کبھی شراب نہیں چکھی۔"

"وہاں جاکر شراب نوشی ضروری نہیں۔ تم محض فریش لیمن یا لائم ٹانک پی کر بھی وہاں خاصا وقت گزار سکتی ہو۔"

"تمہیں یقین ہے کہ بار میں یہ آرڈر دے کر مجھے شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا؟" غزالہ نے اشتباہ آمیز انداز میں سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔" ویرا نے اسے یقین دلایا "شاید ماضی کے تجربات تمہارے ذہن سے نکل چکے ہیں۔"

"کمرے کی بات اور تھی۔ بار میں اس کے علاوہ بھی کئی غیر ملکی بلکہ امریکی ہوں گے۔ میں اسے کیسے پہچانوں گی؟"

"شاید اس کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ وہ بہت ندیدا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں اکیلا دیکھ کر کسی شکاری کی طرح تمہاری طرف لپکے گا۔ وہ وجیہہ اور دراز قامت آدمی ہے۔ بال لمبے اور سنہرے ہیں۔ سب سے بڑی شناخت یہ ہے کہ

اس کے بائیں کان کی لو کٹی ہوئی ہے۔"

"اور تم بتا رہی ہو کہ بار کے دروازے پر داخلہ روکنے کی تختی لگا دی گئی ہے۔" غزالہ کا لہجہ تائید طلب تھا۔

"میزیں خالی ہونے کے ساتھ تختی ہٹتی رہے گی۔ تم اپنی جگہ تو چھوڑو!"

"ویٹرس کافی لا رہی ہے۔" غزالہ نے نگاہیں دوڑاتے ہوئے کہنا چاہا مگر ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اسے بھاڑ میں ڈالو۔ میں سب دیکھ لوں گی۔ تم نے ارادہ کرلیا ہے تو وقت برباد مت کرو۔ فوراً چلی جاؤ۔"

غزالہ کو آمادہ پا کر ویرا ایکا یک ہی پرجوش ہوگئی۔ اس کے لہجے میں ایسا پُرخلوص تحکم تھا کہ غزالہ نے مشینی انداز میں اپنی کرسی چھوڑ دی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی کافی شاپ کے دروازے کی طرف چل دی۔

وہ ہوٹل کی راہ داریوں سے بار کی طرف جاتے ہوئے عجیب سا محسوس کررہی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں ضرورت کے تحت بہت سے کردار ادا کیے تھے لیکن کسی اخلاق باختہ اور پیشہ ور لڑکی کا بے باکانہ کردار ادا کرنے کا وہ پہلا موقع تھا۔

غزالہ نے دور سے دیکھا کہ بار کا دروازہ بالکل صاف تھا۔ وہاں داخلہ روکنے کے لیے کوئی تختی آویزاں نہیں تھی۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے کئی افراد اندر گئے جن میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ اکاّ دکاّ افراد اندر سے برآمد ہوتے بھی نظر آئے۔ بار کے دروازے پر کھڑا ہوا باوردی ملازم آنے جانے والوں کے لئے مہذب انداز میں دروازہ کھول رہا تھا۔

غزالہ کے قدموں کی رفتار تیز ہوگئی۔ اگر دروازے پر کوئی تختی ہوتی تو اسے دور ہی سے اپنا راستہ تبدیل کرنا پڑتا۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک نوجوان جوڑا بار میں داخل ہوا۔ اس بار دروازہ بند ہوتے ہی باوردی ملازم نے اچانک شیشے کے دروازے پر سرخ تختی لٹکا دی۔ جلی انگریزی تحریر کے مطابق ہوٹل کی انتظامیہ بار میں گنجائش ختم ہونے کی وجہ سے کچھ دیر کے لئے نئے مہمانوں سے معذرت خواہ تھی۔

وہ سب اس طرح ہوا کہ غزالہ کو اپنی سمت بدلنے کی مہلت نہ مل سکی۔ وہ دروازے سے دو قدم دور ٹھٹکی تو تختی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ شیشے کے دروازے میں سے صاف نظر آرہا تھا کہ بار کی تمام میزیں آباد تھیں اور متعدد مرد و زن اپنے جام سنبھالے بار کاؤنٹر کے قرب و جوار میں موجود تھے۔

نئی رکاوٹ سے غزالہ کو اتنی خفت ہوئی کہ وہ مزید کچھ نہ دیکھ سکی اور داہنی طرف مڑ گئی۔ اچانک بار کا دروازہ کھلا اور ہوٹل کے ملازم نے اسے پکارا۔ "مس! مس! تم کو گورا صاحب بلا رہا ہے.... وہ خود آرہا ہے۔"

غزالہ کے آس پاس کوئی دوسری لڑکی موجود نہیں تھی۔ اس نے رک کر غیر ارادی طور پر گردن گھمائی تو وہ باوردی ملازم دروازہ کھول کر بار سے باہر آچکا تھا اور اندر سے ایک دراز قامت سفید فام تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا دروازے کی طرف آرہا تھا۔ غزالہ سے نگاہیں چار ہوتے ہی گورے نے بے تابی سے ہاتھ ہلا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا اور چند لمحوں میں غزالہ کے قریب آپہنچا۔

غزالہ نے پہلی نظر میں دیکھ لیا تھا کہ لمبے لمبے سنہرے بالوں والے اس وجیہہ سفید فام کے بائیں کان کی لو غائب تھی۔ غزالہ کے دل کی دھڑکنیں ایک بار پھر بے ترتیب ہونے لگیں۔ اس کے قدم ہوٹل کے چکنے ہوئے فرش پر گڑ کر رہ گئے تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ ویرا نے عورتوں کے بارے میں جان اسمتھ کی حرص و ہوس کا اندازہ لگانے میں ذرا بھی غلطی نہیں کی تھی۔

"مس! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اکیلی ہو۔" جان اسمتھ غزالہ کے قریب رک کر نیم سرگوشیانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "اگر تم واقعی اکیلی ہو تو میری میز کی دوسری کرسی شاید تمہارے لئے خالی ہے۔ میں تمہاری مہمان داری کرکے فخر محسوس کروں گا۔" جان نے اپنا داہنا ہاتھ غزالہ کی طرف بڑھا دیا۔

غزالہ کے ذہن پر جمی ہوئی برف پگھلنے لگی۔ اس کے نزدیک جان اسمتھ اس وقت روئے زمین کا بدترین آدمی تھا۔ وہ ایکا یک پتھر کی طرح جذبات سے عاری ہوگئی۔ اس نے ہلکی سی تحیر زدہ مسکراہٹ کے ساتھ جان کا بڑھا ہوا ہاتھ اپنی ہتھیلی میں لے لیا اور مسحور کن آواز میں کہا "میرا نام کملا ہے اور میں واقعی اکیلی ہوں۔ حیرت ہے کہ اس بھیڑ میں بھی تمہاری ایک کرسی خالی ہے۔"

"وہ تمہارے لئے ہے۔" جان نے ہنس کر انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا "میری میز پر صرف دو کرسیاں ہیں۔ مجھے دیر سے کسی اچھی ساتھی کی تلاش تھی۔ تم کو دیکھتے ہی خیال آیا کہ شاید میں تمہارا انتظار کررہا تھا۔"

"مگر میں یہ جھوٹ نہیں بولوں گی کہ مجھے تمہارے جیسے کسی ساتھی کی تلاش تھی۔" غزالہ نے مترنم ہنسی کے ساتھ کہا۔ وہ بھول چکی تھی کہ وہ ایک نرم و نازک عورت ہے۔ اسے صرف یہ یاد تھا کہ وہ پتھر کی طرح ہے اور اسے اپنے نیچے آئے ہوئے دشمن کو کسی پتھر ہی کی طرح کچل کچل کر مار ڈالنا

ہے۔

جان اسمتھ کے لئے غزالہ کی وہ حوصلہ افزائی کافی تھی۔ اس نے غزالہ کو بار کی طرف چلنے کا اشارہ کرکے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

بار کے دروازے پر معذرت کی تختی بدستور موجود تھی مگر دربان نے جان اسمتھ کو دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا۔ بار کی خنک فضا تمباکو اور الکحل کی ملی جلی تیز بو سے بوجھل ہو رہی تھی۔ جان اسمتھ اسے اپنے ہمراہ کونے کی ایک مختصر میز کی طرف لیتا چلا گیا جہاں آمنے سامنے صرف دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

بار کا ہال کافی شاپ سے زیادہ وسیع اور آباد تھا۔ فضا میں دھیمی انسانی آوازوں کی گونج رچی ہوئی تھی جو پوشیدہ اسپیکروں سے خارج ہونے والی مغربی موسیقی پر حاوی تھی۔ کہیں کہیں سے ابھرنے والی نسوانی قہقہوں کی آوازیں اس ماحول میں نقرئی گھنٹیوں کے ترنم کی طرح سنائی دے رہی تھیں۔ اس وقت غزالہ کی توجہ گردوپیش کے ماحول سے زیادہ اپنے شکار پر مرکوز تھی۔

"تم کیا پیو گی؟" جان نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھا پھر چونک کر بولا! "میں تم کو بتانا بھول گیا۔ میرا نام جان.... جان اسمتھ۔ لیکن تم مجھے صرف جان کہہ سکتی ہو۔ تمہارے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نازک ہونٹوں سے یہ نام بہت بھلا لگے گا۔"

"میں صرف فریش لیمن جوس لوں گی۔" غزالہ نے دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "شراب نہیں پیتی۔"

"فریش لیمن!" جان کے حلق سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔ "ایسے بے ضرر مشروب کے لئے تم بار کی طرف آئی تھیں؟"

"میں اپنی ساتھی کی تلاش میں تھی۔" جان کے غیر متوقع سوال پر غزالہ کو بروقت جواب سوجھ گیا۔ "وہ مجھ سے بچھڑ گئی ہے اور شراب کی رسیا ہے۔ اس کی تلاش میں یہاں جھانکنے کا ارادہ کیا تھا...."

"تو پہلے اسے دیکھ لو۔" جان نے اس کی بات کاٹ کر پیشکش کی۔ "پھر ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

"تم مل گئے ہو تو اب اسے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔" غزالہ نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر جما کر جواب دیا۔ وہ جان کے ساتھ رسمی تکلفات میں پڑ کر اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے جلد از جلد اسے کمرے کی طرف ہانکنا چاہتی تھی۔ اس مقصد کے لئے غزالہ کی طرف سے اس کی حوصلہ افزائی ہونی ضروری تھی۔

ویٹر دیکھ چکا تھا کہ جان کی میز پر ایک لڑکی کا اضافہ ہو چکا ہے۔ وہ آیا اور فریش لیمن کا آرڈر لے کر چلا گیا۔

"تم بہت خوب صورت.... بہت ہی زیادہ خوب صورت ہو۔" جان نے میز پر غزالہ کا ہاتھ تھام کر سحرزدہ آواز میں کہا "تمہاری بڑی بڑی آنکھیں اس قدر نشیلی ہیں کہ شراب نہ پینے کے باوجود تم نشے میں چور نظر آتی ہو۔ آج کی شام میرے ساتھ بسر کر سکتی ہو؟"

بات بہت تیزی سے سمٹ کر راہ پر آ گئی تھی۔ غزالہ نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچنے کے بجائے ہنستے ہوئے کہا "شام بسر کرنے کے لیے تمہیں ہوٹل میں کمرا بک کرانا ہوگا۔"

جان کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے غیرارادی طور پر گلاس سے شراب کا ایک بڑا گھونٹ لیا اور دھیمی آواز میں بولا "میں اسی ہوٹل میں مقیم ہوں۔ تنہائی میں کمرے کا نرم بستر مجھے کانٹوں کی طرح چبھتا ہے۔ تم ساتھ چلو گی تو میرے لیے خوشی اور راحت کا ہر دروازہ کھل جائے گا۔"

"ابھی ہمارے درمیان اتنی بے تکلفی نہیں ہوئی۔" غزالہ نے شوخی سے اسے یاد دلایا "شاید تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔ دوستی کے یہ مرحلے دھیرے دھیرے طے ہوتے ہیں۔"

جان نے غزالہ کا ہاتھ دباتے ہوئے سرگوشی کی "تم دوستی پر رضامند ہو تو میں بھی تمہیں حیران کردوں گا۔ تمہاری جیسی لڑکی کی دوستی پر مجھے ہمیشہ فخر رہے گا۔ ہوٹل میں ماری ماری پھرنے والی سڑی بسی لڑکیوں کے سوکھے بدن سے مجھے کراہت محسوس ہوتی ہے۔"

فریش لیمن جوس آتے ہی غزالہ کو اپنا ہاتھ جان کی گرفت سے نکالنے کا موقع مل گیا۔ جوس بہت ٹھنڈا اور فرحت بخش تھا۔

"تم نے مجھ سے دوستی کا دم بھرا ہے۔" جان عجلت میں اپنا گلاس ختم کرکے بھرائی ہوئی آواز میں دوبارہ بولنے لگا "میں جانتا ہوں کہ مردوں اور عورتوں کی ایسی دوستیاں بے غرض نہیں ہوتیں۔ تمہارا نکھرا ہوا چہرہ دیکھ کر اندازہ نہیں ہوتا کہ تم کسی مسئلے سے دو چار ہو لیکن غریب ایشیائی ملکوں میں ہر ایک کو ڈالروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم چاہو تو میں تمہیں دو چار ہزار ڈالر نقد دے سکتا ہوں۔ بس چند روز کے لیے سب کو بھول کر میری ہو جاؤ...."

غزالہ کی طرف سے خوشی کا اظہار ضروری ہو گیا تھا۔ جان سے ہونے والی گفتگو پر اس کا چہرہ پہلے ہی شرم سے گلنار

ہو رہا تھا۔ اس نے جان کی بات کاٹ کر کہا "تم بہت اچھے اور فراخ دل آدمی ہو۔ آج تک اتنی بڑی رقم اکٹھی میرے ہاتھ نہیں آئی۔ میرے بہت سے ادھورے خواب پورے ہو جائیں گے۔"

"یہ اس خطے کے ہر ایشیائی ملک کا المیہ ہے۔ یہاں غربت کی وجہ سے لاکھوں کلیاں پھول بننے سے پہلے مرجھا جاتی ہیں۔"

جان کے لیے ویٹر خاموشی سے اسکاچ کا اگلا گلاس لے آیا تھا۔ غزالہ نے اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ گلاس ختم ہونے تک ان دونوں کو بار میں بیٹھنا تھا۔ غزالہ نے مایوسانہ لہجے میں اس کی دکھتی رگ چھیڑ دی "ہمارے سارے وسائل فوج اور توپیں کھا جاتی ہیں۔ غریب کے پیٹ کی آگ کیسے بجھے گی۔"

"بھارت مجبور ہے۔ وہ چکی کے دو پاٹوں میں گھرا ہوا ہے۔ ایک طرف چین کی دہشت ہے تو دوسری طرف پاکستان کا جنگی جنون۔ بھارت نے جس دن اپنے دفاع سے غفلت برتی، یہ دونوں دشمن اسے پیس ڈالیں گے۔" جان نے نئے گلاس سے پہلا گھونٹ لے کر پُرخیال انداز میں کہا پھر جھنجلا کر بولا "ان دونوں کی بربادی کا وقت قریب آگیا ہے مگر یہ وقت ان خشک باتوں کا نہیں ہے۔ پہلے جیسی رومانی باتیں کرو۔ میں چند لمحوں پہلے اپنے بدن میں پھریریاں سی محسوس کر رہا تھا۔"

"میں کہاں، وہ باتیں تو تم ہی کر رہے تھے۔" اس کے ہوش و حواس زائل کرنے کے لیے غزالہ ایک ادا سے ہنس کر بولی "یہ سب خلوت کی باتیں ہیں جہاں ہمیں دیکھنے والا کوئی نہ ہو۔ بھرے بار میں بیٹھ کر ہم بلاوجہ اپنے دلوں کو بوجھل کرتے رہیں گے۔ شراب تم اپنے کمرے میں بھی پی سکتے ہو۔"

"تم خوب صورت ہی نہیں، ذہین بھی ہو۔" جان نے کھلے دل سے غزالہ کی تعریف کی "میرے دل کی بات کہہ کر تم نے مجھے بے چین کر دیا ہے۔ اپنے اپنے گلاس خالی کر کے ہم یہ بار چھوڑ دیں گے۔ عیش و نشاط کا اگلا دور اب میرے کمرے میں شروع ہوگا جہاں کوئی تیسرا نہیں ہوگا۔"

وہ دونوں اپنے اپنے گلاس سے چسکیاں لیتے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ جان کی آنکھوں میں ہولناک شیطانی چمک رقصاں تھی اور غزالہ کسی مکّار لومڑی کی طرح اپنی گرفت میں آتے ہوئے جان کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ انگوٹھی کے کھوکھلے کیپسول میں پوشیدہ سوئی کے لیے جان کی گردن ہی سب سے موزوں تھی۔

جان کے اشارے پر ویٹر بل لے آیا۔ اس نے ان کاغذوں پر دستخط کیے، گلاس سے آخری گھونٹ لیا اور ویٹر کو ٹپ میں دس ڈالر کا کرارا نوٹ دے کر کرسی سے اٹھ گیا۔ غزالہ اس کا ساتھ دینے کے لیے پہلے سے تیار تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا شکار اتنی آسانی سے اور خوشی خوشی سوئے مقتل چل دے گا جہاں خاموش موت اس کی گھات لگائے دبکی ہوئی تھی۔

بار سے لفٹ کی طرف جاتے ہوئے جان نے اپنا ہاتھ غزالہ کی کمر کے گرد ڈالنے کی کوشش کی اور غزالہ کسمسا کر اس سے دور ہوگئی "بے صبری کی ضرورت نہیں۔ بلاوجہ لوگوں کی نظریں ہماری طرف اٹھیں گی۔ ایشیا ابھی اتنا آزاد خیال نہیں ہوا ہے۔"

جان خفت آمیز انداز میں ہنس کر اپنے دونوں ہاتھ رگڑتے ہوئے بولا "یہاں کے لوگوں کے پاس بہت زیادہ فالتو وقت ہوتا ہے۔ وہ اپنے کام سے کام رکھنے کے بجائے دوسروں کی ٹوہ لینے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔"

غزالہ کی نظریں ویرا کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ آگے اس کا کوئی کردار نہیں تھا۔ جان کے تابوت میں آخری کیل غزالہ کو خود ٹھونکنی تھی پھر بھی اسے ویرا کے سہارے کی تلاش تھی اور ویرا کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ اپنے دونوں نتھنوں میں اسپرنگ اور نچلے ہونٹ کے پیچھے چیوئنگم لگا لینے کے باوجود وہ جان کی نظروں سے قطعی اوجھل تھی لیکن غزالہ کو یقین تھا کہ وہ کہیں سے ان دونوں کو ضرور دیکھ رہی ہوگی۔

اتفاق سے لفٹ میں ان دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ غزالہ کو جان سے ہر ید معاشی کی توقع تھی۔ دروازہ بند ہوتے ہی جان نے بے تابی سے غزالہ کو اپنی بانہوں میں لینا چاہا تو غزالہ نے انجان بن کر اس کی پسلیوں میں اپنی کہنی مار دی۔ جان اپنی پیش دستی بھول کر کراہتا ہوا دہرا ہوگیا۔ غزالہ بوکھلانے کی اداکاری کرتے ہوئے بے ساختہ اس پر جھک پڑی۔ اتنی دیر میں لفٹ اپنا مختصر سفر طے کر کے رک گئی۔

جان اپنی داہنی پسلیاں سہلاتا ہوا لفٹ سے نکلا اور مسکراتے ہوئے بولا "میری یہ چوٹ یاد رکھنا۔ تمہیں بہت پیار اور محبت سے اس کا ازالہ کرنا ہوگا۔ کمرے میں پہنچ کر بھی تم کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح بھڑکتی رہیں تو اس شام کا سارا لطف غارت ہو جائے گا۔"

"کیا رشید صاحب کا دماغ خراب ہوگیا ہے...؟" ایک پڑوسی نے تشویش زدہ لہجے میں دوسرے پڑوسی سے کہا "ان کے گھر کی تمام لائٹس آج کل دن رات جلتی رہتی ہیں۔"

"دراصل وہ کوشش کررہے ہیں کہ ان کا اس مہینے کا بجلی کا بل ذرا زیادہ آئے" دوسرے پڑوسی نے بتایا۔

"وہ کیوں؟" پہلے پڑوسی نے حیرت سے پوچھا۔

"دراصل رشید صاحب کی بیگم ایک ماہ سے میکے گئی ہوئی تھیں اور رشید صاحب نے دوچار دن پہلے فون پر انہیں بتایا ہے کہ وہ تو روز رات کو گھر پر لیٹے کتابیں پڑھ پڑھ کر وقت گزار رہے تھے۔" دوسرے پڑوسی نے وضاحت کی۔

وہ غزالہ کا اصل اور بنیادی کام تھا۔ مشن مکمل ہونے کے بعد اس نے ایک لمحہ بھی برباد نہیں کیا۔ پھرتی سے دروازہ کھول کر کمرے سے نکل آئی۔ ہضمی قفل کا اندرونی بٹن دبا کر اس نے یہ بندوبست کردیا تھا کہ اس کے جانے کے بعد باہر سے چابی کے بغیر دروازہ نہ کھولا جاسکے۔

راہداری دونوں سروں تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔ غزالہ کو اطمینان تھا کہ کسی نے اسے جان اسمتھ کے کمرے سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ دیکھ لیا ہوتا تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ جان اسمتھ کی لاش دریافت ہونے سے پہلے اسے ہوٹل سمراٹ سے بہت دور نکل کر دہلی کی پُر ہجوم دنیا میں کھوجانا تھا۔

وہ لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچی تو اس کی متلاشی نظروں نے چند ثانیوں میں ویرا کو دیکھ لیا جو ایک ستون کی اوٹ سے برآمد ہورہی تھی۔ میدان صاف ہوچکا تھا۔ اس ہوٹل میں ویرا کو صرف ایک شخص پہچان سکتا تھا جو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ غزالہ نے سر کی خفیف سی جنبش سے ویرا کو اشارہ کیا اور سیدھی ہوٹل کے دروازے کی طرف چل دی۔

لفٹ سے پورچ تک کا فاصلہ طویل تھا۔ ویرا راستے میں ہی غزالہ سے آملی۔ دونوں نے نظروں ہی نظروں میں پیغامات

"میں جانتی ہوں ڈارلنگ۔" جان کے رہائشی فلور کی راہداری میں پہنچ کر غزالہ خود کو بہت مطمئن محسوس کررہی تھی "مجھے افسوس ہے کہ اتفاق سے میری کہنی لگ گئی ورنہ میں تمہیں ناراض کرہی نہیں سکتی۔ ہزاروں ڈالروں کی نوید سنا کر تم نے مجھے خرید لیا ہے۔" غزالہ نے بائیں انگلی میں موجود انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کے رخ پر گھمالیا تھا۔

پتلون کی عقبی جیب میں اڑسی ہوئی چابی نکال کر جان نے تین سو دسویں کمرے کا قفل کھولا اور غزالہ کو اندر جانے کی راہ دے دی۔

غزالہ کے پیچھے وہ اندر آیا اور دروازہ بند کرکے مقفل کردیا "یہ دیکھو، خالی مسہری تمہارے مرمر سے تراشے ہوئے وجود کی منتظر ہے۔"

وہ اپنے ہونٹوں پر گھناؤنی مسکراہٹ لیے، خطرناک عزائم سے غزالہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ حوصلے سے اپنی جگہ کھڑی رہی اور سرد آواز میں بولی "دیکھو جان، میں ڈینی کی ستائی ہوئی عورت ہوں...."

"ڈینی!" فرطِ حیرت سے جان اسمتھ کا منہ کھل گیا "وہ خبیث یہاں کہاں سے آگیا؟ تم اسے کیسے جانتی ہو؟"

جان رک چکا تھا۔ غزالہ نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "وہ ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ مجھے بہت تنگ کرتا ہے کیونکہ وہ میرا شوہر ہے۔"

"تو تم انڈین نہیں ہو؟" جان کے چہرے پر غصے کی علامات ابھر آئیں۔ غزالہ خالی ہاتھ تھی اس لیے وہ ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھا۔

غزالہ اس کے روبرو رک گئی۔ جان اس کی دسترس میں تھا۔ اس نے نفرت آمیز لہجے میں جواب دیا "میں پاکستانی ہوں۔ ویرا نیچے کسی اچھی خبر کی منتظر ہے۔ اب تمہارا وقت پورا ہوچکا ہے۔ ہوسکے تو اپنی کوئی آخری دعا پڑھ لو۔"

"تم ذلیل عورت ہو۔ میں تمہیں فنا کردوں گا۔" وہ غضب ناک لہجے میں غراتا ہوا غزالہ سے لپٹ گیا۔ وہ ایسے کسی وار کے لیے تیار تھی۔

غزالہ نے بایاں ہاتھ اس کی گردن پر رسید کردیا "اب جہنم میں جاکر سوچنا کہ مجھے کیسے فنا کروگے۔"

غزالہ کے جسم پر جان کی گرفت مضبوط ہونے سے پہلے دم توڑ گئی اور چند لمحوں میں اس کا بھاری وجود کسی بے جان تودے کی طرح غزالہ کے ہاتھوں میں آگیا۔ غزالہ نے کسی تیز دھمک سے بچنے کے لیے جان اسمتھ کی لاش کو سہارا دے کر آہستگی سے فرشی قالین پر ڈال دیا۔

کا تبادلہ کیا۔ غزالہ کے بشرے پر پھیلی ہوئی آسودگی اس کی کامیابی کی غمازی کر رہی تھی پھر وہ دونوں پارکنگ لاٹ کی طرف ہولیں۔

پورچ میں آنے جانے والوں کی بھیڑ اور تیز روشنیوں کی زد سے نکل کر غزالہ نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا اور کہا "خدا کا شکر ہے کہ میں لوٹ آئی۔ اس گھناؤنے شخص کے ساتھ میرے آخری چند منٹ بہت کٹھن گزرے۔ وہ لفٹ میں مجھ پر ٹوٹ پڑا تھا۔"

"اس وقت خوشی سے میرا سینہ پھولا ہوا ہے۔" ویرا کی آواز خوشی سے لبریز تھی "میں نے یہاں آکر کچھ بھی نہیں کیا مگر میرا وقت رائگاں نہیں گیا۔ مجھے یہ پتا چل گیا کہ تم نے بڑے موذی کا کام تمام کردیا ہے۔"

غزالہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ ویرا کو اندازہ نہیں تھا کہ ہوٹل سمراٹ میں اس کی بروقت موجودگی سے غزالہ کو کتنا سہارا ملا تھا۔ میں نے غزالہ کے ساتھ جو کچھ طے کیا تھا' وہ عجلت میں طے کیا تھا۔ وقت بچانے کے لیے غزالہ مجھ سے کوئی بات کیے بغیر اس وقت ہمارے ہوٹل سے روانہ ہوئی تھی جب میں اپرنیس پر گوپال سے رات کا پروگرام طے کرنے میں مصروف تھا۔ اس عجلت میں یہ نکتہ سرے سے فراموش کردیا گیا تھا کہ جان اسمتھ اپنے کمرے میں موجود نہ ہوا تو غزالہ اسے کیسے پہچانے گی اور کہاں تلاش کرے گی۔ ویرا نہ ملی ہوتی تو غزالہ کچھ دیر تک ہوٹل سمراٹ میں بھٹکنے کے بعد مایوس ہو کر لوٹ آتی۔

ویرا نے اسے وقت پر مناسب ترین مشورہ دیا تھا۔ جان اسمتھ کی نشان دہی کی تھی اور پھر اسے ہوٹل کے شراب خانے سے نکال کر کمرے تک لے جانے کی وہ راہ سجھائی تھی' جو غزالہ اپنے طور پر شاید اختیار نہ کرپاتی۔ غزالہ کو احساس تھا کہ اس کی کامیابی میں ویرا پوری طرح شریک تھی لیکن اس نے اس بارے میں زبان کھولنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ اپنی کارگزاری کے بارے میں بے خبر رہنا ویرا کے لیے سود مند رہتا تھا۔ دوسری صورت میں وہ شیخیاں بگھار کر دوسروں کا جینا اجیرن کر سکتی تھی۔

ان دونوں کے پارکنگ لاٹ میں داخل ہونے تک ہوٹل سمراٹ کی حدود میں کوئی ٹیکسی نظر نہیں آئی۔ غزالہ کو اعتراف کرنا پڑا کہ ویرا نے اپنی ٹیکسی کو واپسی کے لیے روک کر دور اندیشی اور دانش مندی کا ثبوت دیا تھا۔ ان دونوں کے لیے ہوٹل سمراٹ سے جلد از جلد لوٹ جانا بہت ضروری تھا۔

غزالہ کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ویرا نے اپنے سفری کپڑوں کا تھیلا ٹیکسی میں چھوڑ دیا تھا اور ٹیکسی ڈرائیور تھیلا لے کر نہیں بھاگا تھا بلکہ ایمانداری سے اپنی سواری کی واپسی کا انتظار کررہا تھا۔ وہ دونوں ٹیکسی میں سوار ہوئیں اور ٹیکسی روانہ ہوگئی۔ نیم روشن پارکنگ لاٹ میں ویرا نے اپنا ریڈی میڈ میک اپ خاموشی سے ختم کردیا تھا۔

"کسی خطرے کا امکان نہیں ہے پھر بھی احتیاط کا تقاضا ہے کہ ہم دونوں ایک جگہ نہ اتریں۔" کچھ دیر کے بعد ویرا نے انگریزی میں کہا۔

"مجھے کہیں بھی چھوڑ دینا۔ میں دوسری سواری لے لوں گی۔" غزالہ نے کہا پھر پوچھا "تمہیں یہ قابل اعتماد ڈرائیور کہاں مل گیا۔"

"غریب اور انگریزی سے نابلد آدمی ہے۔ یہ دو سو روپے کی ممنونیت ہے کہ وہ میرا انتظار کرتا رہا۔ اس کی موجودگی میں ہم انگریزی میں بے تکلفی سے بات کرسکتے ہیں۔"

"اپنے قرینے سے کچھ پڑھا لکھا نظر آرہا ہے۔" غزالہ نے شبے کا اظہار کیا۔

ویرا ہنس کر بولی "شاید چند جماعتیں پڑھی ہیں مگر انگریزی میں کورا ہے۔ بے چارہ راستے بھر ہندی یا اردو میں اپنی بے بسی پر بڑبڑاتا رہا تھا کہ مجھ سے انگریزی کے چند فقرے بھی نہیں بول سکتا۔ اس کے بارے میں تم فکر مند کیوں ہو۔"

"ذہن میں چند نکیلے سوال چبھ رہے ہیں....." غزالہ کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ ویرا درمیان میں بول پڑی تھی۔

"کھل کر بات کرو۔ پتا نہیں اب حالات کیا رخ اختیار کرلیں اور ہماری اگلی ملاقات کب ہو۔"

"یہ طے ہے کہ آج بلکہ تھوڑی دیر پہلے والے واقعے کا انکشاف پوری دہلی کو ہلا ڈالے گا۔" غزالہ نے پرخیال انداز میں کہا۔

"یہی ہمارا مقصد بھی ہے۔ ان کی صفوں میں کھلبلی مچ جائے گی اور کوئی تمہارے ملک پر الزام نہیں لگا سکے گا۔ تمہارے شکار کو تمہاری اصل قومیت پر کوئی شبہ تو نہیں ہوا تھا؟"

"وہ غیر ملکی تھا۔ مقامی ہوتا تو فوراً پہچان لیتا۔ اس کے لیے اردو اور ہندی یکساں تھیں۔ شروع سے آخر تک اسے کوئی شبہ نہیں ہوا مگر آخر میں' میں نے خود اسے بتا دیا کہ میں کون ہوں اور میرے شوہر کا کیا نام ہے۔"

"خوب!" ویرا تعریفی لہجے میں بولی "اس کی روح کو قفس عنصری سے پرواز کرنے میں آسانی ہوئی ہوگی۔ یہ ہر مقتول کا حق ہوتا ہے کہ اسے اپنے قاتل اور قتل کے سبب کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو۔"

کچھ دیر کے لیے ٹیکسی میں خاموشی چھا گئی۔ وہ دونوں اپنے اپنے خیالات کی رو میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اچانک ویرا کو خیال آیا اور اس نے غزالہ کو ٹوک دیا "تمہارے ذہن میں چبھنے والے کچھ نکیلے سوالات درمیان میں رہ گئے۔"

"ذرا ذاتی نوعیت کی بات ہے پھر بھی میں جاننا چاہتی تھی کہ ایک اطالوی مرد تمہارے ساتھ کیوں رہ رہا تھا۔" غزالہ نے جھجکنے کے باوجود اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"کچھ پوچھے بغیر تمہیں سمجھ لینا چاہیے تھا۔" ویرا نے برا منائے بغیر سکون سے جواب دیا "تم شادی شدہ ہو اور اچھی طرح جانتی ہو کہ مرد اور عورت کیوں ایک ساتھ رہتے ہیں۔ ابھی تم نے اپنے شکار کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھایا ہے۔"

"تمہارا جواب واضح نہیں ہے۔ اگر تمہاری اور اطالوی کی رفاقت کا سبب وہی تھا جو میری سمجھ میں آرہا ہے تو مجھے صدمہ ہے۔"

ویرا نے یوں قہقہہ لگایا جیسے وہ غزالہ کے تبصرے سے محظوظ ہوئی ہو پھر بولی "میں اپنی کسی کمزوری کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتی۔ میرا ماضی کسی کھلی ہوئی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے۔ اس کے باوجود میں ایسی گئی گزری نہیں ہوں کہ خود کو دوسروں کے لیے کھلونا بنا دوں۔ وہ مرد تھا اور میری خوشامدوں میں لگا رہا مگر میرے لیے اس کی حیثیت ایک آلہ کار سے زیادہ نہیں تھی۔ آج وہ اپنے سینے پر سنگین محرومی کا داغ لے کر رخصت ہوا تھا۔"

"بس، بس۔" غزالہ نے ٹیکسی میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں گرمجوشی سے ویرا کا ہاتھ دبایا "میں تمہاری زبان سے یہی سننا چاہتی تھی۔ میرے ذہن پر مسلسل ایک خلش سوار تھی۔"

"یہ صرف تمہاری خلش تھی یا تمہارے شوہر کو بھی اس بارے میں کوئی تشویش لاحق تھی؟" ویرا کی آواز میں اشتیاق اور تجسس امڈ آیا۔

"اس بارے میں ان سے میری کوئی بات نہیں ہوئی۔" غزالہ نے ایمان داری سے جواب دیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ اطالوی کے بارے میں اسے تم سے زیادہ خلش ہوگی۔ وہ اندر ہی اندر سلگ رہا ہوگا، جل بھن رہا ہوگا مگر اس نے مجھ سے اس بارے میں کبھی کھل کر بات نہیں کی۔ وہ بہت سفاک اور سنگ دل آدمی ہے۔ بے رحمی سے اپنے اور دوسروں کے جذبات کو کچل کر مطمئن نظر آنے کی اداکاری کرتا ہے۔ سچ پوچھو تو میں نے اسی کو سلگانے کے لیے اس اطالوی کو الجھایا تھا۔ میں اسے جتانا چاہتی تھی کہ میں اس کی کوششوں کے باوجود تنہا نہیں ہوں۔ جب چاہوں اپنے گرد بھونرے جمع کر سکتی ہوں لیکن وہ بے حس بن جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ اس نے اس بارے میں تم سے بھی کوئی بات نہیں کی۔"

"تمہاری اور ان کی دوستی بہت پرانی ہے۔" غزالہ نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں اس میں دخل انداز نہیں ہوتی لیکن تمہاری ان باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اپنی ذات سے زیادہ ان کے بارے میں سوچتی رہتی ہو۔ حد یہ ہے کہ بعض کام صرف انہیں جلانے کے لیے کرتی ہو۔ یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔"

"تمہارے الفاظ سے خلوص اور اپنائیت کی مہک آرہی ہے مگر پھر بھی تم اس کی بیوی ہو۔ میں تمہارے ساتھ اس موضوع پر بحث نہیں کر سکتی۔ اس بات کو یہیں چھوڑ دو مگر اسے یہ ضرور بتا دینا کہ میں نے اس کی ہر بات مان لی ہے۔ اطالوی کو رخصت کر دیا ہے اور رات کی آخری ٹرین سے یہ شہر بھی چھوڑ دوں گی۔"

"تمہارے دونوں فیصلے بہت مناسب ہیں۔ ہمارے لیے یہ ملک اور شہر اب مخدوش ہو چلا ہے۔"

"تم لوگوں کا اگلا منصوبہ کیا ہے؟" ویرا نے اپنا پچھلا سوال نئے زاویے سے دہرایا۔

غزالہ پھر انجان بن گئی "ہوٹل پہنچنے کے بعد پتا چلے گا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ آج دو بجے ہونے والی ملاقات کے بعد اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ ہم دونوں آپس میں کوئی تبادلہ خیال کرتے۔ وہ مصروف تھے اور پھر میں ادھر نکل آئی۔"

"اوہ! شاید ہم انڈیا گیٹ کے علاقے میں پہنچنے والے ہیں۔" ویرا نے ونڈ شیلڈ کے پار نظر آنے والی روشنیوں سے چونک کر کہا "تم یہیں مجھ سے الگ ہو جانا۔ زندگی رہی تو پھر اگلے کسی پڑاؤ پر ہماری ملاقات ہوگی۔"

ویرا کے ایما پر ڈرائیور نے ٹیکسی ایک مناسب مقام پر روک دی۔ غزالہ نے اپنا وینٹی بیگ اٹھایا اور اسے الوداع کہہ کر ٹیکسی سے اتر گئی۔

کناٹ پلیس تفریح سے زیادہ سیاحوں کی خریداری کا مرکز تھا۔ شاید انڈیا گیٹ شہر کا سب سے بڑا تفریحی مرکز تھا۔

غزالہ نے پہلی مرتبہ وہ علاقہ دیکھا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ ضرور اس مقام پر رکتی لیکن جان اسمتھ کے قتل کے بعد وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ میں نے اپنی ساری کشتیاں جلا کر بھارت کی سرزمین پر اپنی بھرپور کارروائیوں کا آغاز کردیا تھا۔ اس مرتبہ وقت کا معمولی سا زیاں بھی ہماری سلامتی کو خطرے میں ڈال سکتا تھا۔

غزالہ نے انڈیا گیٹ سے دوسری ٹیکسی لی اور ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کی طرف روانہ ہوگئی۔

وہ ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوئی تو کامیابی کا جوش و جذبہ اس کے چہرے سے چھلکا پڑ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میری جان میں جان آئی ورنہ وہ جتنی دیر باہر رہی تھی' میرا ایک ایک لمحہ انتظار کے غیر یقینی کرب اور بے چینی میں گزرا تھا۔

مجھے اس سے فوری طور پر کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں کامرانی کی تحریر پڑھ لی تھی۔ میں نے والہانہ انداز میں اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

دہلی میں جان اسمتھ کی موت ہماری بہت بڑی کامیابی تھی۔ آئی بی کے ڈپٹی ڈائریکٹر جلال کو اس کی طرف سے تشویش تھی۔ اس کے نزدیک جان اسمتھ ایک ایسا خوفناک مگرمچھ تھا جس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی صورت میں ایک زبردست بھونچال پیدا ہوسکتا تھا۔ جلال کے وہ سارے تحفظات پاکستان کی سرحدوں تک محدود تھے۔ ہم نے جان کے خلاف جو کچھ کیا تھا' پاکستان سے باہر کیا تھا۔ اس کا کام ایسی رازداری کے ساتھ تمام کیا گیا تھا کہ بھارتی اور امریکی حکام اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود پاکستان کو اس واردات میں ملوث نہیں کرسکتے تھے۔

ہم دونوں کچھ دیر تک اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے پھر غزالہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں اپنے اندیشوں کا ذکر چھیڑ دیا۔

اس کا بنیادی خوف یہ تھا کہ را والوں سے براہِ راست سامنا ہونے کے باوجود ہمارے کام غیر معمولی آسانی کے ساتھ ہوتے چلے جارہے تھے۔ نریش شرما نے پاکستان کے بارے میں را کی فائلیں میرے سامنے رکھ دی تھیں اور میں فون کے ساتھ اسپریٹس کے بے دریغ استعمال کے باوجود کسی گرفت میں نہیں آیا تھا۔

غزالہ صرف ایک سمت میں سوچ رہی تھی جو منفی تھی۔ پورے حالات و واقعات پر اس نے گہری نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

ہمارا کام سہل ہونے کا پہلا سبب یہ تھا کہ رینا رائے سے انل بسواس تک' کسی کو یہ شبہ نہیں ہوسکا تھا کہ میں ڈینی تھا۔ وہ اپنے ذرائع سے تصدیق کرچکے تھے کہ میں مظہر خان تھا اور کراچی کے پتے پر موجود نہیں تھا۔ ان کے نزدیک مظہر خان سیاست سے بے خبر' کاروبار اور تفریح میں مگن رہنے والا ایک رنگین مزاج پاکستانی تھا جسے رینا اجیت رائے نے آسانی سے اپنے دام میں پھانس لیا تھا۔

نریش شرما نے بھی مجھے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ را کی پاکستان والی فائلوں پر جو کچھ لکھا ہوا تھا' خفیہ اور مخفف حروف میں لکھا ہوا تھا۔ ایک عام پاکستانی تو کیا کوئی بھارتی شہری بھی ان بند فائلوں پر نظر ڈال کر کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ نریش شرما نے اسی یقین کی بنا پر میرے سامنے ان فائلوں کو اوپر نیچے کیا اور مطلوب کاغذات بلکہ اخباری تراشے دکھانے کے بعد فائلیں دوبارہ محفوظ تجوری میں مقفل کردیں۔

یہ میری خفیہ معلومات اور باخبری کا نتیجہ تھا کہ میں نے ایک ہی نظر میں ان بند فائلوں کا متن بھانپ لیا۔ اس میں نریش شرما کی کسی بے پروائی' غیر ذمے داری یا حماقت کا کوئی دخل نہیں تھا۔

غزالہ کا دوسرا نکتہ میرے آزادانہ مواصلاتی رابطوں کے بارے میں تھا۔ جہاں تک گوپال کے دیے ہوئے اسپریٹس کا تعلق تھا' وہ آئی بی کے ایجنٹوں کا محفوظ آلہ تھا جو مخصوص فری کوئنسی پر کام کرتا تھا۔ اس پر ہونے والی بات چیت کو را والے اسی صورت میں پکڑ سکتے تھے جب انہیں کسی نیٹ ورک کے فعال ہونے کا شبہ ہوتا اور وہ چوبیس گھنٹے ہر فری کوئنسی کی دیکھ بھال کرتے رہتے۔ وہ بہت دشوار کام تھا۔ کہیں سے کوئی سراغ حاصل کیے بغیر کوئی بھارتی ایجنسی محض اتفاقاً ہی ہماری بات چیت پکڑ سکتی تھی۔ کوئی تیسرا امکان خارج از قیاس تھا۔

فون کے بارے میں غزالہ کے شبہات سی ایس ڈی کی وجہ سے بے بنیاد تھے۔ میں نے کئی بار اسے سمجھایا تھا اور اس وقت پھر بتایا کہ سی ایس ڈی ایک ایسا آلہ تھا جس کی موجودگی میں صرف دو لائنیں ایک دوسرے کے رابطے میں رہ سکتی تھیں۔ تیسری لائن بعد میں شامل ہوتی تو لائن از خود ڈراپ ہوجاتی۔ رابطہ ہونے سے پہلے کوئی درمیان میں موجود ہوتا تو مطلوبہ رابطہ سرے سے قائم نہیں ہوسکتا تھا۔ تیسری لائن کا پہلا ہندسہ ملاتے ہی سی ایس ڈی خودکار طریقے سے وہ رابطہ کاٹ دیتی۔ حد یہ تھی کہ سی ایس ڈی والے فون سے ہونے والی گفتگو کا ریکارڈ کیا جانا بھی ممکن نہیں تھا۔

بدری ناتھ نے مجھے بتا دیا تھا کہ را والوں نے اپنے
استعمال کے لیے جاپان کی ریڈ آرمی سے کچھ سی ایس ڈی
خریدی تھیں جو را کے بعض اہم ترین عہدے داروں کے
استعمال میں تھیں۔ وہ را کا بہت خفیہ ہتھیار تھا۔ وہ اس کی
اہمیت اور کارکردگی سے بخوبی واقف تھے لیکن ان کو یہ معلوم
نہیں تھا کہ ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل میں مقیم مظہر خان نامی
پاکستانی بھی چوری چھپے سی ایس ڈی سے استفادہ کر رہا تھا۔

مجھے غزالہ کو مطمئن کرنے کے لیے خاصی مغز زنی کرنا
پڑی مگر آخر کار ہر بات اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ مسکراتے
ہوئے بولی "گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را والی بات
شاید ایسے مواقع کے لیے کہی جاتی ہے۔ ذہنی دباؤ کی وجہ سے
میرے ذہن میں سب کچھ گڈمڈ ہو کر رہ گیا تھا۔ اب اندازہ
ہو رہا ہے کہ آج کل ہمارے ستارے ہمارا ساتھ دے رہے
ہیں۔ جان اسمتھ کے مرنے تک مجھے اپنی کامیابی کا یقین نہیں
تھا۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا ہوا کہ اچانک مسلح افراد کا کوئی جتھا
نمودار ہو گا اور ہتھیاروں کی زد پر مجھے پکڑ کر اپنے ساتھ لے
جائے گا۔"

"جان کو کامیابی سے مار لینے کے بعد تمہارے یہ اندیشے
ختم ہو جانے چاہییے تھے۔"

"جب نہیں لیکن آپ سے بات کر لینے کے بعد اب میں
بہت مطمئن ہوں۔ آپ کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا
کر لینے کے بعد تحفظ اور عافیت کا ایک نیا احساس پیدا ہو جاتا
ہے۔ آپ یقین کریں کہ ان ذرا ذرا سی باتوں نے سفر کی تنہائی
میں مجھے دہلایا ہوا تھا۔"

"اب یہ بتاؤ کہ ویرا کی بکواس کا کیا جواب دیا جائے۔"
میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا "میں نے
آپ کو ہر بات من و عن بتا دی ہے۔ وہ آپ کی طرف سے
خطرناک خود فریبی میں مبتلا ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ
دیں۔ اس میں آپ کا کیا بگڑتا ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "وہ رابرٹو کو جگہ دے یا کسی
البرٹ سے دوستی کرے، مجھے اس کے بارے میں سوچنے اور
اپنا خون سلگانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ اپنے مفروضوں پر خود
ہی سوچتی اور کڑھتی رہتی ہے۔ میں اس پر ترس کھانے کے
سوا کچھ نہیں کر سکتا۔"

"بس، یہی کرتے رہیں۔ یہ نہ بھولیں کہ وہ ہم لوگوں کی
ہر ہمدردی اور محبت کی حق دار ہے۔"

"ہمدردی کی بات ٹھیک ہے لیکن میری محبت پر اس کا
کوئی حق نہیں ہے۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"اب صرف ایک بات رہ گئی ہے۔ سلطان شاہ کے
بارے میں کچھ پتا نہیں چلا کہ وہ کہاں ہے....." اس نے
چالاکی سے موضوع تبدیل کر دیا۔

میں نے اس کی بات درمیان سے اڑا دی "میں اس کی
طرف سے غافل نہیں ہوں لیکن اتنا کچھ ہو جانے کے بعد
یہاں سے کراچی فون کرنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔ اب تم
سامان سمیٹو۔ ہمیں جلد از جلد ہوٹل چھوڑنا ہے۔"

ہمارے پاس زیادہ اسباب نہیں تھا۔ غزالہ نے فوراً ہی
کپڑے وغیرہ سمیٹنے شروع کر دیے۔

ہوٹل کا کمرا چھوڑنے سے پہلے میں نے اپریٹس پر جی
تھری سے رابطہ کیا۔ وہ ہوٹل کے قریب اپنی گاڑی کے ساتھ
موجود تھا۔ گوپال نے اسے مسلسل ہماری دیکھ بھال اور
حفاظت پر مامور کیا ہوا تھا۔

"میدان بالکل صاف ہے۔ شام کو تمہاری واپسی کے
بعد سے اب تک کوئی مشتبہ آدمی ادھر نہیں آیا۔" سنیل نے
مجھے بتایا۔

"تم تیار رہو۔ ہم تھوڑی دیر میں باہر آ رہے ہیں۔" میں
نے اسے آگاہ کیا۔

"چلے آؤ۔ میں تیار ہوں۔ ہر ایک کی نگاہیں اب
تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں۔"

"او کے۔ اوور اینڈ آل۔" میں نے رابطہ منقطع کر دیا۔

اس بار ہم ہوٹل کا کمرا ہمیشہ کے لیے چھوڑ رہے تھے۔
میں نے فون کی لائن سے سی ایس ڈی الگ کر کے تاروں کو
اس صفائی سے جوڑ دیا کہ بادی النظر میں ان پر کوئی شبہ نہ کیا
جا سکے۔ غزالہ سامان سمیٹ چکی تھی اور میرے اشارے کی
منتظر تھی۔

میں نے کمرے پر الوداعی نظریں ڈالیں پھر ہم دونوں
وہاں سے نکل گئے۔

میں نے کاؤنٹر پر براہِ راست چابی دے کر اپنا حساب
طلب کیا تو کلرک کو ہماری اچانک روانگی پر قدرے حیرت
ہوئی۔ میں نے دانستہ اسے بتا دیا کہ ہم نے آج رات ہی آگرہ
جانے کا پروگرام بنا لیا تھا تاکہ تاج محل دیکھ سکیں۔

میرے پاس نریش شرما کے دفتر اور گھر کے فون نمبر
موجود تھے لیکن میں اس مرحلے پر را کے کسی اہل کار سے
رابطہ کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ نریش کو مجھ سے جو کچھ کہنا
تھا، وہ کہہ چکا تھا۔ اس پر عمل کرنا یا نہ کرنا میری ذمے داری
تھی۔ میں نے روا روی میں ہوٹل کے کلرک کے کان میں یہ

بات ڈال دی تھی کہ میں تاج محل دیکھنے کے لیے آگرہ جارہا تھا۔ میرے اچانک غائب ہونے پر را والے جستجو کرتے تو وہ بات ان کے علم میں بھی آجاتی۔ نریش شرما یہی سمجھتا کہ میں نے اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے غزالہ کو اسی رات آگرہ لے جانے کا ارادہ کرلیا ہے۔

وہ میرے نازک مفروضے تھے۔ اگر بات جان اسمتھ کے قتل تک محدود رہتی تو شاید وہ مفروضے کارآمد رہتے کیونکہ میں نے نریش شرما سے اگلی شام تک کا وقت لیا ہوا تھا۔ وہ اس انتظار میں رہتا کہ میں آگرہ سے واپس دہلی پہنچنے کے بعد اس سے بات کروں گا۔ بظاہر ایسا ہونا مشکل نظر آرہا تھا کیونکہ آنے والی رات کے لیے میں نے کچھ اور سوچا ہوا تھا۔

سب کچھ میرے ارادوں کے مطابق ہوتا چلا جاتا تو دہلی کے انتظامی حلقوں کے لیے اگلی صبح بہت بھیانک ثابت ہونے والی تھی۔ تمام خفیہ ادارے بیک وقت حرکت میں آجاتے۔ ہر مشتبہ شخص کو بے رحمی سے پکڑلیا جاتا۔ ان حالات میں میرا نام مشتبہ افراد کی فہرست میں آنے کا قوی امکان تھا۔ میں را والوں کے لیے ذرا بھی مشتبہ قرار پاتا تو میرا ہر مفروضہ ریت کی دیوار کی طرح برباد ہوجاتا۔

○☆○

سنیل ہم دونوں کو اپنے ساتھ لے کر سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں پہنچا تو وہاں گوپال اور رولی رام پہلے سے موجود تھے۔ وہ دونوں مجھے اپنے اس کمرے میں لے گئے جو ان کا عارضی ٹھکانا بنا ہوا تھا۔ سنیل، غزالہ کو لے کر اندر چلا گیا۔

ہمارے درمیان رسمی باتیں ہورہی تھیں کہ سنیل بھی ہمارے ساتھ آملا۔ اس نے بتایا کہ سرلا، غزالہ کو ساتھ لے کر کسی اور محفوظ ٹھکانے کی طرف جارہی تھی جہاں سے وہ صبح چار بجے واپس لوٹ آتی کیونکہ چھ بجے ہمیں دہلی سے امرتسر روانہ ہونے والی پرواز پکڑنی تھی۔

"یہ بہت اچھا ہوا۔" گوپال نے سنیل کی رپورٹ سن کر کہا۔ "آج کی رات بھابی کا یہاں رہنا مناسب نہیں تھا۔ کوئی گڑبڑ ہوگئی تو یہ گھر سب سے پہلے عتاب کا نشانہ بنے گا۔"

گوپال بہت نیچی آواز میں بول رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کمرے میں صرف ایک بلب کی ناکافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ بقیہ دو بلب بند تھے۔ دونوں کھڑکیوں کے پردے کھینچ کر اس روشنی کو بھی چھپانے کی کوشش کی گئی تھی۔

غزالہ کی سرلا کے ساتھ روانگی کی خبر سن کر مجھے خالی پن کا احساس ہوا لیکن میں نے ایک لفظ نہیں کہا۔ انٹیلی جنس بیورو کے وہ تینوں محنتی کارندے میرے ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔ مجھے آنکھیں بند کرکے ان کے ہر فیصلے پر اعتماد کا اظہار کرنا تھا۔

"اس آپریشن میں صرف ہم چاروں شریک ہوں گے۔" میں نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا "اپریٹس پر چاروں کے کوڈ جوں کے توں رہیں گے۔ جی تھری اور جی فور کسی ایس او ایس سگنل کے بغیر اندر نہیں آئیں گے۔"

"میں تمہاری ہدایات کے مطابق ان کی بریفنگ کرچکا ہوں۔" گوپال نے کہا "ہتھیار، آتش گیر سیال، دستی بم اور دھوئیں کے بم دو جگہ بانٹ دیے گئے ہیں۔ چاہو تو ان کا جائزہ لے سکتے ہو۔"

"تم تینوں ذمے دار افراد ہو۔ مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔ میں ایک بار پھر بتادوں کہ ہماری پوری کوشش ہوگی کہ ہمارا کوبرا مشن نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچے۔ انتہائی ناگزیر حالات میں کسی آتشیں یا بارودی ہتھیار کے استعمال کی باری آئے گی۔"

وہ تینوں تفہیمی انداز میں اپنے سر ہلا کر رہ گئے۔

"را والے صرف آج کی رات غافل ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ رات کے آخری لمحات میں ان کی صفوں میں ہلچل پیدا ہوجائے کیونکہ جان اسمتھ نامی ایک امریکی سفارت کار کی لاش ہوٹل سمراٹ کے کمرا نمبر تین سو دس میں مقفل ہے۔ اس کی لاش دریافت ہونے کے بعد پوری سرکاری مشینری حرکت میں آجائے گی۔ یہ دھول بیٹھنے تک تم لوگوں کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔"

میرے انکشاف پر وہ تینوں متحیر نظر آئے تھے۔ میری بات مکمل ہونے پر گوپال نے پوچھا "وہ کراچی سے یہاں آیا ہوا تھا۔ وہ کب اور کیسے مارا گیا؟"

"تھوڑی دیر پہلے کا واقعہ ہے۔ رضائے الٰہی میں کسی کا دخل نہیں ہے۔ اس کی موت کا صحیح سبب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بتائے گی۔"

"تم انل کے پاس سے لوٹنے کے بعد سے ہوٹل میں تھے۔" سنیل کے ہونٹوں سے تحیر زدہ سرگوشی برآمد ہوئی "بھابی کو ہوٹل سے نکل کر ٹیکسی میں کہیں جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ کیا یہ ناقابلِ یقین کام انہوں نے سرانجام دیا ہے۔"

"بھول جاؤ کہ غزالہ کہیں گئی تھی۔" میں نے سختی سے کہا۔ "اب جان اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"وہ ایک ہوّا تھا۔ ہمیں اس کی گرد تک سے دور رہنے

کا حکم دیا گیا تھا۔" ولی رام نے زبان کھولی۔

"اس کے اسباب کچھ اور تھے۔ وہ اب بھی برقرار ہیں۔ اس معاملے سے کسی پاکستانی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"وہ مارا گیا، رات کو را کے دفتر میں واردات ہوگی۔ چند گھنٹوں میں رونما ہونے والے ان واقعات کے بعد اپنی اچانک روپوشی کے لیے تم نے کیا جواز سوچا ہوا ہے۔" گوپال نے میری طرف دیکھتے ہوئے پر تشویش لہجے میں سوال کیا۔

"واقعات نے اچانک پلٹا کھایا ہے۔ ہم نے آج کی رات انتظار میں ضائع کردی تو پتا نہیں کل را کی فائلیں کہاں ہوں گی۔ میں نے نریش سے کل شام تک کا وقت لیا ہوا ہے۔ بس یہ امید ہے کہ افراتفری میں وہ اتنی جلدی میری طرف متوجہ نہیں ہوگا۔ ہم صبح سویرے امرتسر کی طرف پرواز کرنے میں کامیاب ہوگئے تو شام ہونے سے پہلے لاہور پہنچ جائیں گے۔ اس کے بعد جو ہونا ہے، وہ ہوتا رہے۔ میں ان کے ہاتھ نہیں آسکوں گا۔"

"یہ بات کھل جائے گی کہ تم مظہر خان نہیں، ڈپٹی تھے۔" گوپال کی آواز مزید دھیمی ہوگئی "وہ کفِ افسوس ملتے رہ جائیں گے کہ تم ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یہاں سے نکل گئے۔"

"یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ ان کی توجہ میری ذات پر مرکوز ہوگی تو وہ یہاں کام کرنے والوں پر دھیان نہیں دیں گے۔ انل کہہ رہا تھا کہ بھارت سے مقبوضہ کشمیر تک سات پاکستانی ایجنسیاں کام کرتی ہیں۔"

"شاید وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔" گوپال نے محتاط انداز میں جواب دیا "میں صرف اپنے آدمیوں سے واقف ہوں۔"

"مگر میں ان سے بھی ناواقف ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ دہلی میں ہماری آخری ملاقات ہو۔ مجھے ان کے ناموں کا علم ہونا چاہیے۔"

"سنیل کا نام پرویز احمد ہے۔ ولی رام کو عبداللہ کا نام استعمال کیے ایک مدت بیت چکی ہے۔ میں اپنا نام پہلے ہی بتا چکا ہوں۔" اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مگر گمبھیر مسکراہٹ تیر گئی۔

وہ کمرا مختصر ضرور تھا مگر ان کی ضروریات کی حد تک کافی تھا۔ عبداللہ نے چائے بنانے کے لیے برقی کیتلی آن کردی۔

ہمارے درمیان باتیں ہوتی رہیں۔ گیارہ بجے تک چائے کے دو دور چلے۔ اس درمیان میں یہ تجویز بھی زیرِ غور آئی کہ جو کچھ طے ہوا تھا، میرے اور نریش شرما کے درمیان طے ہوا تھا۔ اگر اسے بھی راستے سے ہٹادیا جائے تو بہت سی باتیں پردے میں رہ سکتی تھیں۔ اسی کے ساتھ یہ امکان بھی تھا کہ را والوں کے میری طرف متوجہ ہونے میں زیادہ وقت لگ جائے۔

میں نے سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد اس تجویز کو مسترد کردیا۔ ایک وقت میں کئی اقدامات سے معاملات بہت زیادہ الجھ جاتے۔ یہ بھی سوچا جاتا کہ وہ دو یا تین افراد کا کام نہیں تھا۔ کسی بڑی جماعت نے منظم پیمانے پر ایک ہی وقت میں یا آگے پیچھے ہر طرف ہاتھ پیر چلائے ہیں۔ دہلی میں سرگرمی سے ان لوگوں کی تلاش شروع ہوجاتی۔ جو میرا ساتھ دے رہے تھے۔

پھر آئی بی والے اصولی طور پر غیر ضروری الجھاووں سے دور رہنے کے عادی تھے۔ وہ نریش شرما کے قتل میں براہِ راست ملوث ہونے پر شاید ہی آمادہ ہوتے۔ میری حیثیت ان کے رسمی سربراہ سے زیادہ نہیں تھی جس کا بس بھرم ہی بھرم تھا۔ اختیارات نہ ہونے کے برابر تھے۔ ایک مستقل اور باضابطہ ادارے کے پکے ملازمین باہر سے آئے ہوئے کسی مطلق العنان سربراہ کی بالادستی قبول نہیں کرسکتے تھے جو اپنے اقدامات کے لیے اپنے ضمیر کے سوا کسی کے سامنے جواب دہ نہیں تھا۔ ان کے یہاں جواب دہی اور سرزنش کے ضابطے سختی سے نافذ العمل تھے۔

اظہار محبت

مغربی ملکوں میں اب اظہار محبت یوں بھی ہوتا ہے۔

"ڈارلنگ! یہ تم کن جھنجھٹوں میں پھنسی ہوئی ہو۔ میرا دل چاہتا ہے تمہیں یہاں سے کہیں دور.... بہت دور لے جاؤں۔ ہمارا ایک چھوٹا سا گھر ہو جس کے آنگن میں خوشیوں کے پھول کھلیں.... ننھے منے معصوم بچوں کی ہنسی کی چہکار سے درودیوار جھوم اٹھیں.... اور.... اور...."

"ہاں... ہاں.... کہو نا... خاموش کیوں ہوگئے..."

"اور پھر اگر حالات اجازت دیں تو ہم شادی بھی کرلیں۔"

ان لوگوں کو گرین کوبرا فائل کی تلاش تھی۔ اس کے حصول کے لیے وہ ہر قیمت ادا کرنے پر تیار تھے اس لیے یہ ممکن ہو سکتا تھا کہ رات کی کارروائی میں وہ تینوں بھی میرے ساتھ بھرپور انداز میں شریک ہوں۔

بات گھوم پھر کر وہیں آگئی جہاں تھی۔ پہلے سے جو طے ہو چکا تھا' اس رات کے لیے وہی کافی تھا۔

ان تینوں سے ہونے والی باتوں کے نتیجے میں ایک نیا امکان ابھر کر سامنے آیا تھا۔ فوری طور پر کسی کے لیے بھی یہ ممکن نہ ہوتا کہ جان اسمتھ کے قتل کے سلسلے میں پاکستان پر الزام تراشی کرے لیکن یہ خطرہ بہرحال برقرار تھا کہ دہلی سے میرے اچانک غائب ہو جانے کے بعد بڑے پیمانے پر چھان بین شروع ہوتی جس کے نتیجے میں را والوں کو یہ سراغ مل جاتا کہ میں مظہر خان کے نام سے ان کے سینوں پر مونگ دل کر پاکستان واپس لوٹ چکا تھا۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ انکشاف را والوں کے زخموں پر کیسی نمک پاشی کرتا۔ وہ مشتعل ہو کر میرے خلاف ایک نئی اور بھرپور پروپیگنڈا مہم شروع کر سکتے تھے جس کی آڑ میں پاکستان کو دل کھول کر بدنام کیا جاتا۔ ایسی حرکت کی صورت میں را والوں کی ذلت اور رسوائی یقینی تھی۔ ہر طرف سے یہ سوال اٹھایا جاتا کہ وہ اپنے گھر میں ایک بدترین دشمن کی پراسرار آمد اور روانگی سے بے خبر کیوں رہے۔

مجھے اور پاکستان کو بدنام کرنے کی کوششوں میں ان کے چہروں پر کالک بکھر جاتی۔ غالب امکان یہ نظر آرہا تھا کہ وہ میری پس پردہ کارروائیوں سے واقف ہونے کے بعد اپنی معلومات کو پھیلانے کے بجائے سختی سے دبائے رکھیں گے اور جان اسمتھ کے قتل کے بارے میں میرا نام نہیں اچھالا جائے گا۔

ان کے بزدل کارندے شاید خوف زدہ ہو کر پاکستان میں بھی سست پڑ جاتے۔ وقت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کے خلاف محدود اور بدترین کارروائی پر اکتفا کیا جائے۔ آگ کو زیادہ پھیلانے کی کوشش میں ہمارا دامن بھی آتش زدگی کا شکار ہو سکتا تھا۔

گیارہ بجے پرویز اور عبداللہ نے نہایت خاموشی سے وہ کمرا چھوڑ دیا۔ وہ دونوں کھلے ہوئے منہ والے دو وزنی تھیلے بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے جن میں ضروری ہتھیار اور دستی گولے وغیرہ موجود تھے۔

میرے پاس بیم گن کی صورت میں اکلوتا اور اہم ترین ہتھیار موجود تھا جو راہ میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے کافی تھا۔

ٹھیک سوا گیارہ بجے عابد بھی اٹھ گیا۔ کمرے کی روشنی گل کر کے ہم دونوں باہر نکل آئے۔ عابد نے خاموشی سے دروازہ مقفل کر دیا۔ سرلا کے گیسٹ ہاؤس پر اس وقت رات کی خواب ناک خاموشی راج کر رہی تھی۔ دفاتر وغیرہ میں دن بھر محنت کرنے والے مکین اگلی صبح کی ذمے داریاں پوری کرنے کے لیے گہری نیند سو چکے تھے۔ عابد احاطے کا پھاٹک کھول کر میرے ساتھ باہر آگیا۔

عابد سرجھکا کر نیم تاریک سڑک پر ہولیا۔ میں چند قدم کے فاصلے سے اس کی تقلید کر رہا تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ میں ان کا رسمی سربراہ تھا لیکن شہر سے ناواقف ہونے کی بنا پر قدم قدم پر ان کی رہنمائی کا محتاج تھا۔

چند منٹ تک چلنے کے بعد ہم مکانوں کی قطار پیچھے چھوڑ کر ایک میدان میں نکل آئے جہاں گہری تاریکی میں دو گاڑیوں کے ہیولے نظر آرہے تھے۔

پرویز اور عبداللہ ان گاڑیوں کے قریب موجود تھے۔ ہتھیاروں کا ایک ایک تھیلا دونوں گاڑیوں میں رکھ دیا گیا تھا۔

عابد نے پرویز سے چابی لی اور اگلی سیاہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ مجھے اس کے ساتھ سفر کرنا تھا۔ پرویز اور عبداللہ کو دوسری گاڑی میں ہمارے پیچھے آنا تھا۔ ان کو ہماری دوسری دفاعی لائن کے طور پر کردار ادا کرنا تھا۔

دونوں گاڑیوں کے انجن بیدار ہوئے اور وہ اسی ترتیب سے حرکت میں آگئیں۔ عابد نے ہیڈ لیمپس روشن کیے بغیر بہت سست رفتار سے میدان کا مختصر حصہ عبور کیا اور سڑک پر آنے کے بعد ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔ میں نے مڑ کر دیکھا کہ دوسری گاڑی ہم سے خاصی دور ہو چکی تھی۔

میں نے دہلی کی شہری زندگی کی رعنائیاں کناٹ پیلس میں دیکھی تھیں اور مجھے اندازہ تھا کہ وہ وقت زیادہ نہیں تھا۔ رات کے ایک ڈیڑھ بجے تک شہر میں خاصی سرگرمیاں برقرار رہتی تھیں۔ یہ گوپال کا مشورہ تھا کہ ہمیں شہر میں سناٹا پھیلنے سے پہلے ہی اپنے کام سے فارغ ہو کر لوٹ آنا چاہیے۔ وقت کا وہ انتخاب خطرات سے محفوظ رہنے کے لیے بہت اہم تھا۔ زیادہ رات گئے شہر میں پولیس کی مسلح جماعتوں کا گشت شروع ہو جاتا تھا جو ہمارے لیے خطرناک تھا۔

اس رات ہماری منزل تیرتھ رام شاہ اسپتال کے عقب میں واقع تھی۔ عابد علی عرف گوپال درمیانی رفتار سے شہر کے خوابیدہ علاقوں سے گزر رہا تھا جہاں سڑکوں پر ٹریفک کا دباؤ نہ

ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہاں مامور سپاہی ہمارا راستہ نہیں روکیں گے۔" عابد نے سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"وہ دن میں اپنی کرسیوں سے ملنے جلنے میں کسل مندی سے کام لیتے ہیں۔ اس وقت بے خبر سوئے ہوئے ہوں گے۔ تم ان کی طرف سے بے فکر رہو۔ وہ بیدار ہوئے تب بھی میں انہیں خاموش رکھنے کا بندوبست کرلوں گا۔ مجھے اصل خطرہ چھت پر رہنے والے چوکیدار کی طرف سے ہے۔ پتا نہیں وہ چھت پر ٹہلتا رہتا ہے یا گدھے گھوڑے بیچ کر بے خبری کی نیند سوجاتا ہے۔"

ہمارے کام کی بنیاد اسی وقت رکھ دی گئی تھی جب ہم نے امرتسر کے ایک شخص کے ساتھ رات کے اندھیرے میں سرحد عبور کرکے بھارتی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ اس لمحے کے بعد اس سمت میں مسلسل کام ہوتا رہا۔ شطرنج پر بچھائے ہوئے مہرے نپے تلے انداز میں اپنی جگہیں بدلتے رہے۔ بازی رفتہ رفتہ ایک مخصوص صورت اختیار کرنے لگی۔ اس روز انیل بسواس اور نریش سے میری ملاقات کے بعد بات بالکل ٹل گئی تھی۔ ہمیں اپنے ہدف کے لیے بڑھ کر دشمن پر وار کرنا تھا یا پھر کامیابی سے ہمیشہ کے لیے دور ہوجانا تھا۔

عابد علی نے تیرتھ رام شاہ اسپتال کے قرب وجوار کا پہلے سے جائزہ لیا ہوا تھا۔ دہلی کے سنسان راستوں سے ہوتا ہوا وہ آخری آبادیوں سے گزرا اور پھر اس علاقے میں داخل ہوگیا جہاں مختلف عمارات میں سرکاری دفاتر وغیرہ قائم تھے۔

وہ علاقہ اس وقت دور تک سنسان پڑا ہوا تھا۔ دہلی کے بہت سے حصوں میں زندگی کی رعنائیاں اپنے شباب پر تھیں مگر دفتری عملے کی روانگی کے بعد سے معدوم ہونے والی سرگرمیاں اس علاقے میں بالکل دم توڑ چکی تھیں۔ جگہ جگہ آوارہ کتوں کی ٹولیاں رات کے بقیہ حصے کے لیے بلند آہنگ مذاکرات میں مصروف تھیں۔ مجھے وہ ماحول اپنے مشن کے لیے بہت سازگار نظر آرہا تھا۔

"میں نے شام کو ادھر کا چکر لگا کر جائزہ لے لیا تھا۔" عابد علی نے مجھے آگاہ کیا "اگلے درخت کے نیچے میں گاڑی چھوڑ دوں گا۔"

اس وقت ہم جس مقام پر تھے وہاں سے را کے دفتر والی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی عمارت صاف نظر آرہی تھی۔ صرف اس کا برآمدہ روشن تھا۔ برآمدے اور ٹمٹماتے ہوئے اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں بظاہر وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔ کار سے عمارت تک کا فاصلہ ہمیں الگ الگ رہ کر پیدل طے کرنا تھا۔

بے اختیار میری نظریں عمارت کی چھت کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں اونچی منڈیر کے پیچھے مجھے کوئی انسانی ہیولا نظر نہیں آیا۔ اگر را والوں کا چوکیدار جاگ رہا تھا تو بھی وہ چھت کا گشت نہیں لگا رہا تھا۔

عابد نے گاڑی تناور درخت کے سائے میں روک دی۔ میں اپنی سمت کا دروازہ مقفل کرکے نیچے اتر آیا اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق عمارت کی طرف چل دیا۔ عابد ہتھیاروں والا تھیلا شولڈر اسٹریپ کے ذریعے اپنے کندھے پر لٹکا رہا تھا۔

اس وقت میں پوری طرح چوکنا تھا اور میری نگاہیں اپنی منزل کی طرف مرکوز تھیں۔ ذرا سا راستہ طے کرنے کے بعد مجھے عمارت سے ملحق وہ نیم پختہ کمرا نظر آنے لگا جہاں میں نے دونوں سپاہیوں کو شام میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

اس کمرے کی میالی دیواروں میں دروازے کا تاریک خلا دور سے صاف نظر آرہا تھا جو کھلا ہوا تھا۔ کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ دونوں موٹے اور کاہل سپاہی شاید اپنی شکم سیری کے بعد بے خبری کی نیند سوئے ہوئے تھے۔

تاخیر

دو جوڑے اتفاقاً ایک ساتھ ہنی مون منانے ایک ہی ہوٹل میں پہنچے۔ کمرا لینے کے بعد دن بھر وہ گھومتے پھرتے رہے۔ رات کو ہوٹل پہنچ کر وہ اپنے کمروں میں جانے کے لیے لفٹ کے قریب کھڑے تھے کہ لائٹ چلی گئی۔ اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے وہ سیڑھیوں کے راستے اپنے اپنے کمروں میں پہنچے۔ ایک دولہا نے کپڑے بدلے اور سونے سے پہلے طویل دعا مانگی۔ جونہی اس نے دعا ختم کی 'لائٹ آگئی۔ یہ دیکھ کر اسے جھٹکا لگا کہ اس کے بیڈ پر دوسرے دولہا ارشد کی بیوی بیٹھی تھی۔

وہ گھبرا کر تیزی سے دروازے کی طرف لپکا تو ارشد کی بیوی بولی "کوئی فائدہ نہیں.... ارشد صاحب سونے سے پہلے دعا مانگنے کے عادی نہیں...."

ہر طرح چاق و چوبند ہونے کے باوجود میری چال تھکی تھکی سی تھی تاکہ دور سے کوئی مجھے دیکھ بھی لے تو یہی سمجھے کہ کوئی تھکا ہارا شخص اپنے کام سے دیر گئے واپس لوٹ رہا تھا۔ اپنی مہم کے اس فیصلہ کن مرحلے پر میں نے ہر احتیاط برتنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ چلتے چلتے میں رک کر مڑا تو عابد تھیلا اپنی پشت پر لادے اسی قابلِ رحم حالت میں پیچھے چلا آ رہا تھا۔

سپاہیوں کے کمرے سے کچھ پہلے میں نے رک کر سن گن لی لیکن آس پاس کسی متنفس کے موجود ہونے کے آثار نہیں تھے۔ بس قریبی جھاڑیوں سے کچھ جھینگروں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان کے سوا زندگی کی ہر علامت مفقود تھی۔ مطمئن ہو کر میں آگے بڑھ گیا۔

دیوار سے لگ کر میں نے بس ایک لمحے کے لیے اندر جھانکا۔ فضا میں دونوں سپاہیوں کے تیز اور ہموار سانسوں کی گونج رچی ہوئی تھی۔ اگلے لمحے میں پنجوں کے بل خاموشی سے اس تاریک کمرے میں داخل ہو گیا۔

کمرے میں اندھیرا تھا لیکن کھڑکی اور دروازے کے راستے پڑنے والے بیرونی انعکاس کے سبب میری بینائی کام کر رہی تھی۔ وہ دونوں بغیر بستر والی کھردری چارپائیوں پر دنیا ومافیہا سے بے خبر گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ وہ تیسرے درجے کے شہری اور چوتھے درجے کے سرکاری ملازم تھے جن کے لیے زندگی میں کسی آسائش کا تصور نہیں تھا۔ وہ ہر معاملے میں کم سے کم پر قناعت کر کے سکون سے زندہ رہنے والے خوش نصیب انسان تھے۔

ان کی دونوں بندوقیں مجھے چوبی کواڑ کے پیچھے کھڑی ہوئی مل گئیں۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بندوقیں بہت پرانی اور از کار رفتہ تھیں۔ ضرورت کے وقت شاید ان سے ایک فائر بھی ممکن نہیں تھا پھر بھی وہ بندوقیں تھیں اور کسی احتیاط کے بغیر اس کھلے ہوئے کمرے میں رکھی ہوئی تھیں جہاں سے کوئی بھی چور یا اچکا انہیں آسانی سے اٹھا کر لے جا سکتا تھا۔

دہلی میں امن وامان کی صورتِ حال قابلِ رشک تھی یا پھر ان موٹے سپاہیوں کی خوش نصیبی تھی کہ کسی نے ان کی بندوقوں پر طبع آزمائی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ سرکاری طور پر بدستور مسلح تھے۔

سوئے ہوئے سپاہیوں کے تیور بتا رہے تھے کہ صورِ اسرافیل سے کم کوئی آواز انہیں نہیں جگا سکے گی۔ اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ ہمارے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ امکان بہت موہوم تھا کہ کسی گڑبڑ کے

نتیجے میں ان کی آنکھ کھل جاتی اور ان میں سے کوئی بوکھلاہٹ کے عالم میں اپنی بندوق سے ہوائی فائر داغ دیتا۔

ان کا بیدار ہونا اور پھر اس کے بعد کسی بندوق کا چل جانا بہت مشکل تھا مگر میں اس رات کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ کوئی ذرا سی گڑبڑ بھی ہمارا سارا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔

میرے داہنے ہاتھ میں وہ انگوٹھی تھی جس کے نگینے میں بھرا ہوا زہر آنِ واحد میں کسی کو موت کی آغوش میں دھکیل سکتا تھا۔ بائیں ہاتھ کی ایک انگلی میں وہ انگوٹھی تھی جس کا سیال ان سپاہیوں کو کئی گھنٹوں کے لیے بے ہوش رکھنے کے لیے کافی تھا۔

اول خان نے مجھے اسٹیشن فوری بتا دیا تھا کہ ان انگوٹھیوں کے سیال جسم کے کسی حصے میں بھی اتارے جاتے‘ دورانِ خون میں شامل ہوتے ہی اپنا کام دکھانا شروع کر دیتے ہیں۔ میں نے بائیں ہاتھ والی انگوٹھی کے نگینے کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمایا اور پھر ایک سپاہی کی کھلی ہوئی پنڈلی اس ہاتھ کی گرفت میں دبوچ لی۔

نگینے کے خول سے نمودار ہونے والے سوئی نے اپنا کام دکھا دیا۔ پنڈلی کو ایک بہت ہلکا جھٹکا لگا اور وہ ساکت ہو گئی۔ مجھے یقین تھا کہ صبح کا اولین اجالا پھیلنے سے پہلے وہ اپنی چارپائی سے اٹھنے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔

پھر میں نے وہی عمل دوسرے سپاہی پر دہرایا اور کمرے سے نکل آیا۔

عابد ہتھیاروں کے تھیلے سمیت پہنچ چکا تھا۔ وہ اس کونے میں دبکا ہوا تھا جو اصل عمارت اور نیم پختہ کمرے کے اتصال سے وجود میں آیا تھا۔

”دونوں بے ہوش ہو چکے ہیں۔ میں دروازے پر جا رہا ہوں۔“ میں نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے سرگوشی کی اور آگے بڑھ گیا۔

میں زینے طے کر کے اس عمارت کے قدیم برآمدے میں پہنچ گیا۔ اس وقت تک کپڑے میں لپٹی ہوئی بیم گن جیب سے نکل کر میرے ہاتھ میں آ چکی تھی۔

عمارت کا صدر دروازہ بند اور مقفل تھا۔ گو وہ عمارت پرانی تھی لیکن میں شام کو ہی دیکھ چکا تھا کہ صدر دروازے میں بہت مضبوط ہفتمی قفل لگا ہوا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ اس قفل کے ساتھ دروازے میں اوپر اور نیچے کے بولٹ بھی لگے ہوئے ہوں۔

برآمدے کی چھت میں لگا ہوا ایک بلب روشن تھا۔

عمارت کے صدر دروازے پر زیادہ دیر تک میری موجودگی، اس روشنی کی وجہ سے مخدوش ہو سکتی تھی۔ میں نے بیم گن کے نوزل پر کپڑے کی موٹی تہ لپیٹی اور اسے قفل کے وسط میں رکھ کر لمحہ بھر کے لیے ٹریگر دبا دیا۔ کپڑے کی وجہ سے لیزر شعاعوں کی نیلگوں روشنی نہ پھیل سکی۔ میرے نتھنوں میں کپڑا سلگنے کی تیز بو آئی اور میں نے بیم گن ہٹا لی۔

روشن برآمدے میں وقت اہم ترین مسئلہ تھا۔ میں نے وقت بچانے کے لیے بولٹوں کے مقام پر بیم گن فائر کرنے سے پہلے دروازے کا بیرونی دستہ گھمایا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ دروازہ کھل گیا۔ میں پھرتی سے عمارت میں داخل ہو گیا۔

اس وقت عمارت میں مکمل اور بے روح سناٹا چھایا ہوا تھا۔ طویل راہداری ویران پڑی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں جلتے ہوئے اِکا دُکا بلب اتنی روشنی پھیلا رہے تھے کہ وہ راستہ اندھیرے میں نہیں ڈوبا ہوا تھا۔ میں کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ میں ہو کر بیم گن لے رہا تھا کہ موقع پا کر عابد بھی اپنے تھیلے سمیت اندر گھس آیا۔ اس نے آتے ہی دروازہ بند کیا اور احتیاط سے اوپر والا بولٹ لگا دیا۔ میں سلگتا ہوا کپڑا فرش پر پھینک کر جوتے سے مسل چکا تھا۔

وہاں چھایا ہوا سناٹا اس قدر مہیب تھا کہ طویل آہنی بولٹ کے سرکنے کی مدھم سی آواز بھی بہت واضح تھی۔

"میدان بالکل صاف ہے۔" عابد نے میرے کان میں سرگوشی کی تو جوش سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

ہم دونوں کے اندر پہنچ جانے کے بعد پرویز اور عبداللہ کو اپنا کام شروع کر دینا تھا۔ وہ دونوں عمارت کے پہلوؤں تک آتے اور اطمینان کرنے کے بعد یکے بعد دیگرے دونوں گاڑیاں صدر دروازے سے قریب ترین محفوظ مقام پر لے آتے تاکہ واپسی پر ہم تیزی سے فرار ہو سکیں۔

میں نے راہداری کے آخری سرے کی طرف پیش قدمی شروع کر دی جہاں بائیں ہاتھ پر زلیش شرما کا کمرا واقع تھا۔

بیم گن میرے ہاتھ میں تھی۔ میں پھونک پھونک کر پنجوں کے بل قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ دونوں طرف کے دروازے بند تھے اور ان پر روایتی طرز کے مضبوط تالے جھول رہے تھے۔ دفتروں کا تسلسل درمیان میں ٹوٹ گیا۔ اس طرف عملے کے لیے زنانہ اور مردانہ واش روم وغیرہ بنے ہوئے تھے اور ایک جگہ سے چھت پر جانے کے لیے زینہ نکالا گیا تھا۔

وہ حصہ ختم ہونے کے بعد دوبارہ کمروں کا سلسلہ شروع

اہلیت

ایک صاحب نوکری کے لیے انٹرویو دینے پہنچے۔ تمام مطلوبہ کام جاننے کے علاوہ ان کے پاس دس سال کا تجربہ بھی تھا۔ آخر میں انہوں نے کہا "ان سب باتوں کے علاوہ میں اڑنا بھی جانتا ہوں۔"

ایک بڑے بیوروکریٹ ان کا انٹرویو لے رہے تھے۔ انہوں نے گویا بادل ناخواستہ کہا "ٹھیک ہے... اڑ کر دکھایئے۔"

وہ صاحب اپنی جگہ سے اچھلے اور بڑے سے کمرے میں اڑنے لگے۔ چھت سے ذرا نیچے نیچے انہوں نے تین چار چکر لگائے پھر فراٹے سے نیچے اتر آئے۔

بیوروکریٹ ناک سکیڑتے ہوئے قدرے بیزاری سے بولے "ہاں... ٹھیک ہے.... آپ جہاز کی نقل کر لیتے ہیں... لیکن یہ بتایئے اس کے علاوہ آپ کو اور کیا آتا ہے؟"

ہو گیا۔ شیشے کی دیواروں کے پیچھے اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میرے ہر بڑھتے ہوئے قدم کے ساتھ یہ یقین پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ عمارت میں کوئی موجود نہیں تھا۔ آخر کار میں زلیش شرما کے دفتر تک پہنچ گیا۔ کہیں سے کوئی مداخلت نہ ہونے کی وجہ سے عابد نے تیزی سے درمیانی فاصلہ طے کیا اور مجھ سے آملا۔

رام بابو اور زلیش کے دفاتر کے مشترکہ دروازے پر بھی وزنی تالا جھول رہا تھا۔

"ہٹو۔ میں ذرا سی دیر میں اسے کھول لوں گا۔" عابد نے سرگوشیانہ آواز میں پیش کش کی۔ اسے بیم گن کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

میں نے بیم گن بلند کر کے اسے دکھائی اور چشم زدن میں تالے کے دونوں سرے پگھلا کر کاٹ دیے۔ تالے کا یو نما سرا چھکے میں لٹکا رہ گیا۔ نچلے وزنی حصے کو میں نے فرش پر گرنے سے پہلے لپک لیا۔

"اوہ!" عابد کے ہونٹوں سے تحیر زدہ سرسراہٹ آزاد

ہوئی ”مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم لیزر گن ساتھ لیے پھر رہے ہو۔“

میں نے بائیں ہاتھ کی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس نے خاموشی سے دروازے کا کنڈا کھول دیا۔ ہم نے رام بابو کے دروازے پر چوکیدار کا لگایا ہوا قفل کاٹ دیا تھا۔ اس سے آگے نریش کے کمرے کا اندرونی دروازہ تھا۔ وہ تیسرا قفل کاٹنے کے بعد ہم اس تجوری کے سامنے ہوتے جس میں را کے پاکستانی ونگ کا اہم ترین ریکارڈ موجود تھا۔

ابتدا میں میرا پروگرام یہ تھا کہ عابد باہر راہداری میں رک کر نگرانی کرے گا اور میں اندر جاکر نریش شرما کی تجوری کاٹ کر اس میں سے کام کی ہر چیز نکال لوں گا لیکن عابد کے جوش و خروش کو دیکھتے ہوئے میں نے اسے باہر روکنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے ذہن میں آزردہ کردینے والا خیال آسکتا تھا کہ میں اسے غیر ضروری چوکیداری میں الجھا کر اہم ترین کام تن تنہا سرانجام دینا چاہ رہا تھا۔

ایک طرف عابد علی کی دلداری کا خیال تھا۔ دوسری طرف یہ حقیقت سامنے آچکی تھی کہ عمارت کی نچلی منزل پر کوئی متنفس موجود نہیں تھا جو ہمارے کاموں میں مخل ہوتا۔

میں نے عابد کو باہر روکنے کا ارادہ منسوخ کردیا۔ وہ میرے ساتھ رام بابو کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ اس مہم میں وہ میری واحد اور بدترین غلطی تھی جو بعد میں میرے لیے خاصی پریشانی کا باعث بن گئی۔

انل بسو اس کے اندرونی دروازے کی طرح نریش شرما کے دفتر کے دروازے پر بھی ہفتمی قفل تھا۔ میں نے بیم گن کی مدد سے اسے بھی ناکارہ کردیا اور ہم دونوں اطمینان سے اس کمرے میں داخل ہوگئے جہاں وزنی فولادی تجوری ہماری منتظر تھی۔ میں نے کمرے کا ایک بلب روشن کردیا۔

عابد پُراشتیاق انداز میں تیزی کے ساتھ تجوری کی طرف بڑھتا چلا گیا اور میرے وہاں پہنچنے سے پہلے جھک کر اس کے حفاظتی تالوں کا جائزہ لینے لگا۔

”یہ خطرناک تجوری معلوم ہوتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اسے چھیڑتے ہی کوئی الارم بج اٹھے۔“ عابد نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔

”اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر بیم گن آزمانی پڑے گی۔ اس کے نیلگوں شعلوں کی پتلی دھار الارم وغیرہ کے تاروں کو بھی جلا کر راکھ کردے گی۔ ان کے بجنے کی نوبت نہیں آئے گی۔“

”میری خواہش تھی کہ میں اس کے پیچیدہ تالے پر طبع آزمائی کروں۔“ عابد نے کہا ”میں نے قفل شکنی میں خاصی مہارت حاصل کی ہوئی ہے۔“

”اس وقت مہارت آزمانے یا تجربہ کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی گڑبڑ ہو، ہمیں اپنا کام مکمل کرکے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ تاخیر ہونے کی صورت میں کوئی ناگہانی الجھن سامنے آسکتی ہے۔“ میں نے اسے سمجھایا۔

عابد نے کسی حیل و حجت کے بغیر میری بات مان لی اور قد آدم تجوری کے سامنے سے ہٹ گیا۔

میں نے تجوری کے تالے پر بیم گن فائر کرنے کے لیے اپنی جگہ قدرے تبدیل کی۔ اس وقت ہم دونوں کی پوری توجہ تجوری پر مرکوز تھی کہ اچانک کمرے کی فضا ایک درشت آواز سے گونج اٹھی ”ہتھیار پھینک کر اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو!“

ہم دونوں بری طرح چونک کر پلٹے اور یہ دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے میرے اوسان خطا ہوگئے کہ نریش کے دفتر کے دروازے پر درشت رو اور تند خو ناگر بڑے بور کا ایک پستول سنبھالے کھڑا ہوا تھا۔ اس کی کینہ توز، عقابی نظریں ہم دونوں پر مرکوز تھیں۔

میری اس سے دو ملاقاتیں ہوچکی تھیں اور میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ انتہائی مکّار، کینہ پرور اور سفّاک شخص تھا جس کی نظروں میں انسانی وقار یا خون کی ذرا بھی حرمت نہیں تھی۔ میرے لیے وہ اجنبی نہیں تھا لیکن عابد کا اس سے پہلی بار سامنا ہوا تھا۔ اس کی للکار میں کوئی ایسی بات پوشیدہ تھی کہ عابد نے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا ریوالور قالین پر گرا کر بے اختیار دونوں ہاتھ اوپر اٹھالیے۔

”سنا نہیں تم نے!“ مجھے متردد دیکھ کر ناگر اپنے پستول کی نال ہلا کر غرایا ”میں گولی ماردوں گا۔ اپنی گن پھینک دو۔“

بیم گن لوہے اور بارود کا ٹھوس مجموعہ نہیں تھی جسے بے احتیاطی سے ناگر کے حکم کی نذر کردیا جاتا۔ اس کی بیرل میں نہایت حساس الیکٹرونک نظام پوشیدہ تھا جو ٹریگر سے اشارہ ملتے ہی لیزر شعاعوں کی تیاری کا عمل شروع کردیتا تھا اور وہ مہلک نیلگوں شعاعیں بیرل کے سرے پر لگے ہوئے نوزل سے نکل کر بہت تیزی سے اپنے ہدف پر جا پڑتی تھیں۔ تیز جھٹکا لگنے سے گن کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔

میں نے جھک کر بیم گن قالین پر ڈال دی اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھالیے کیونکہ ناگر کی طرف سے تیسری وارننگ گولی کی صورت میں آنے کا قوی امکان تھا۔

"میں فنگر پرنٹس لینے کے لیے ہوٹل میں تمہارے پاس آیا تھا تو تمہارے چہرے سے حرامی پن جھلک رہا تھا۔" ہم دونوں کو غیر مسلح کردینے کے بعد ناگر قدرے پرسکون ہوگیا۔ وہ دروازہ چھوڑ کر دفتر میں آچکا تھا اور اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کرکے کہہ رہا تھا "میں نے انکل کو بتادیا تھا کہ تم خطرناک آدمی نظر آتے ہو۔ تم پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا لیکن انکل مجھ سے زیادہ اپنے مخبروں پر اعتماد کرتا ہے۔ تم کو یہاں دیکھ کر اسے اپنے غلط فیصلے پر دکھ ہوگا۔"

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ ہم عمارت میں داخل ہوئے تو اس کا صدر دروازہ مقفل تھا جس کا مطلب تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے کوئی خفیہ طور پر اندر نہیں آیا تھا۔ ہمارے آجانے کے بعد پرویز اور عبداللہ باہر چوکس تھے۔ انہیں جل دے کر ناگر کیا کوئی تیس مار خاں بھی اندر نہیں آسکتا تھا پھر پتا نہیں وہ خبیث کسی بدروح کی طرح اچانک کہاں سے ٹپک پڑا تھا۔

اس وقت ہم دونوں اس کے رحم و کرم پر رہ گئے تھے۔ اسے زیر کرنے کے لیے اس کی ذہنی اور نفسیاتی کیفیت کا صحیح ترین اندازہ لگانا ضروری تھا۔ اس کی کسی کمزوری سے کھیل کر ہم اپنی نجات کی کوئی راہ نکال سکتے تھے۔ ورنہ ہمارا کھیل ختم ہوچکا تھا۔ آخری مرحلے کی اس ناکامی کے بعد قید و بند کی بدترین صعوبتیں مجھے اپنا مقدر بنتی نظر آرہی تھیں۔ یہ امکان بہت روشن تھا کہ ایک بار میں را والوں کے چنگل میں پھنس جاتا تو پھر مظہر خان والا بہروپ زیادہ دیر تک برقرار نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ را والوں کو اس وقت تک میں نے دھوکے میں رکھا ہوا تھا۔ میری سفری دستاویزات کے پس پردہ حقائق اور میری محتاط و کامیاب اداکاری کے باعث را والے مجھے مظہر خان سمجھتے چلے آرہے تھے۔ انہوں نے کسی مرحلے پر میرے اس دعوے پر شبہ نہیں کیا تھا لیکن نریش شرما کے دفتر میں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد میرے ہر دعوے کی دھجیاں اڑ جاتیں۔

را ایک ٹھوس، سخت کوش اور طاقتور تنظیم تھی۔ مجھ پر شبہ ہوتے ہی ان کے سارے وسائل متحرک ہوجاتے۔ میری سخت جانی کے مقابلے میں ان کے تمام تر تشدد کی ناکامی کے باوجود میری اصلیت ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ را والے چند دنوں میں ہر بات کا کھوج نکال لیتے۔ ان کے لیے یہ بات قابلِ افتخار ہوتی کہ انہوں نے ہر ایجنسی کو تگنی کا ناچ نچانے والے ڈینی کو بہت آسانی سے ایک چوہے دان میں پھانس کر پکڑلیا ہے۔

خوش گماں

ایک صاحب نے اپنی سیکریٹری کو بیوی کے نام خط ڈکٹیٹ کرایا۔ بیوی ان دنوں میکے گئی ہوئی تھی۔ خط کے آخر میں انہوں نے جملہ ڈکٹیٹ کرایا "اینڈ آئی لو یو!"

سیکریٹری جب خط ٹائپ کرکے لائی تو اس میں یہ جملہ نہیں تھا۔ صاحب نے جب اس کے بارے میں پوچھا تو سیکریٹری معصومیت سے بولی "اچھا.... تو وہ بھی لکھنا تھا؟ میں سمجھی تھی وہ جملہ ڈکٹیشن میں شامل نہیں ہے۔"

وہ را والوں کی کوئی اجتماعی کارکردگی نہ ہوتی۔ میں نے اس تنظیم میں رینا اجیت رائے سے لے کر انل بسواس تک کو کامیابی سے اپنی ذات کے فریب میں مبتلا رکھا تھا۔ ان کڑیوں میں بس ناگر والی کڑی کمزور رہ گئی تھی۔ میں نے اس کے ردِعمل اور مشاہدوں کو ضروری اہمیت نہیں دی تھی اور وہی میرے راستے کی دیوار بن کر سامنے آگیا تھا۔ میں اسے جل دے کر نکل جانے میں کامیاب ہوجاتا تو وہ میری خوش نصیبی ہوتی۔ اگر اس کی کامیابی کے نتیجے میں مارا یا قید کرلیا جاتا تو اس کارنامے کا سہرا صرف اور صرف ناگر کے سر ہوتا۔ اس وقت ناگر کامیابی کے اس احساس سے خاصا مغلوب تھا۔

ناگر کی اچانک مداخلت کی وجہ سے میں خود کو اچانک ایک بند گلی کے سرے پر پا رہا تھا۔ میرے دل و دماغ میں ایک طوفان برپا تھا۔ مختلف اور متضاد خیالات کی آندھیاں چل رہی تھیں لیکن میری نگاہیں ایک پل کے لیے بھی اپنے مکار اور سفاک حریف کے چہرے سے نہیں ہٹی تھیں۔

"تم شام کو میرے ساتھ یہاں سے چلے گئے تھے پھر اس وقت مقفل عمارت میں کیسے موجود ہو؟" میں نے مرعوب ہونے والے انداز میں پوچھا۔

"میں نے تم کو بتایا تھا کہ میں دشمن پر رحم کھانا نہیں جانتا۔ اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ میں انکل کا پی اے یا کوئی معمولی کلرک ہوں۔ میرا تعلق بلیک کیٹس کی فارمیشن سے ہے ہم سب سیاہ بلّے کہلاتے ہیں جو خوں خوار اور خون آشام

ہوتے ہیں۔ ہم جیسے کمانڈوز کے لیے بند دروازوں اور تالوں کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ کامیابی اور ناکامی مقدر سے ملتی ہے لیکن ایک کمانڈو کہیں گھسنا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی۔"

اس کے بارے میں میرا ابتدائی اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ اس کے دماغ پر اپنی برتری کا بھوت سوار تھا۔ اپنی ہرزہ سرائیاں وہ انل بسواس کو نہیں سنا سکتا تھا مگر میرا حوصلہ پست کرنے کے لیے وہ سب بتانے میں اسے کوئی عار نہیں تھا کیونکہ وہ مسلح تھا اور ہم دونوں نہتے ہو چکے تھے۔ اس کی چلائی ہوئی دو گولیاں چند ثانیوں میں ہمارا کام تمام کر سکتی تھیں۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم کسی خفیہ راستے سے عمارت میں آئے ہو۔" میں نے تائید طلب انداز میں کہا۔

"دفتر میں چھٹی ہو جانے کے بعد نریش کی خاص اجازت کے بغیر کوئی ملازم دوبارہ اندر نہیں آسکتا۔ یہ یہاں کا پروٹوکول ہے۔ چوکیدار دروازے پر تالا لگا سکتا ہے لیکن دوسری جگہیں اس کی نظروں میں نہیں ہیں۔ میں زنانہ اسٹاف ٹوائلٹ کے ایک کھلے ہوئے روشن دان سے اندر آیا تھا اور پچھلے تین گھنٹوں سے یہاں بیٹھا ہوا بیزار ہو رہا تھا۔ میں نے تمہاری نظریں پڑھ لی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ تم یہاں آنے میں دیر نہیں کرو گے۔"

نریش کے اور میرے درمیان جو کچھ مذاکرات ہوئے اور جو واقعات رونما ہوئے، وہ ناگر کے علم میں نہیں تھے کیونکہ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس نے کس بنا پر میری واپسی کی ایسی مضبوط آس باندھ لی تھی۔ وہ باتیں کرنے، شیخیاں بگھارنے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے پر آمادہ تھا۔ میرے لیے وہ رجحان بہت اچھا تھا۔ اس طرح بدترین اور خطرناک لمحات دور ہوتے جا رہے تھے۔ وقت ٹل رہا تھا اور مجھے ناگر پر کوئی حربہ آزمانے کے لیے محض مناسب وقت اور موقع کی تلاش تھی۔ وہ از خود مجھے وقت دینے پر آمادہ تھا۔ اس رعایت سے فائدہ نہ اٹھانا کفرانِ نعمت تھا۔

"تم سے میری زیادہ بات نہیں ہوئی پھر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں آج یہاں ضرور آؤں گا۔"

"چھٹی حس!" اس نے فخر سے جواب دیا "پانچ حواس لنگڑوں، لولوں اور معذوروں میں بھی کام کرتے ہیں۔ جس شخص کی چھٹی حس کام نہ کرتی ہو اسے سیکرٹ ایجنٹ بننے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ یہ ایک وجدانی کیفیت ہوتی ہے جو انسان کو وقت سے پہلے بہت سی چیزوں سے آگاہ کر دیتی ہے۔ میں رینا کے ساتھ ہوٹل میں تم سے ملا تو مجھے شبہ ہو گیا تھا کہ تم وہ نہیں ہو جو بن رہے تھے۔ تمہاری چمک دار آنکھوں سے بلا کی مکاری ٹپکتی ہے۔ یہ ماننے والی بات نہیں تھی کہ رینا نے آسانی سے تمہیں شیشے میں اتار لیا ہو گا۔ تم نے آج دفتر میں مجھے آنکھ مار کر ظاہر کر دیا کہ انکل سے ملتے ہوئے تم ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھے۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع مل گیا۔ میں نے کہا "میرا دل صاف تھا۔ نیت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا پھر میں کیوں انل بسواس سے خوف زدہ ہوتا۔ وہ بہت گہرا اور سمجھ دار آدمی ہے۔"

اس کی خاموشی بے سبب نہیں تھی۔ ایک ہاتھ سے سگریٹ سلگا کر اس کا ایک گہرا کش لینے کے بعد وہ پھر بولنے لگا "اندر جا کر تم نے نہ جانے کیا زہر اگلا ہو گا کہ انکل نے انٹر کام پر اپنے مخصوص انداز میں مجھے ذلیل کر دیا۔ وہ تم سے مطمئن تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ انکل اور نریش میرے اندیشوں کو نظر انداز کر کے تمہیں اپنے سر پر چڑھا رہے ہیں۔ پاکستان میں کام کرنے کے لیے وہ ایک مدت سے کسی ذہین اور محنتی پاکستانی کی تلاش میں ہیں۔ یہ ان کی شدید ضرورت ہے۔ وہ دونوں تمہاری صورت میں اپنا خواب پورا ہوتا دیکھ رہے تھے۔ اپنے معیار کے مطابق وہ تم سے مطمئن ہیں۔ جو کچھ کرنا تھا، مجھے اپنے طور پر کرنا تھا۔"

"تمہاری دور اندیشی اور فرض شناسی قابلِ داد ہے۔" میں نے اس کی انا کو ابھارنے کی نیت سے کہا "پھر بھی یہ باتیں ایسی نہیں تھیں کہ تم یہ سمجھ لیتے کہ میں آج دوبارہ ادھر کا رخ کروں گا۔"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا پھر بولا "تم مجھے مشتعل مزاج اور لڑنے بھڑنے والا آدمی سمجھ رہے ہو مگر میں ضرورت کے وقت زبان بند کر کے اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں۔ میں تمہاری ایک ایک بات اور حرکت نوٹ کر رہا تھا۔ تم نے چوکیدار کے بارے میں نریش سے پوچھا تو میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے جان بوجھ کر اپنی گاڑی اسٹارٹ کرنے میں دیر لگائی۔ تم سمجھے کہ سیلف پھنس رہا ہے اور میں اس پر الجھ رہا ہوں مگر میں تم کو دیکھ رہا تھا۔ تم نے چوکیدار کو دروازہ بند کرتے دیکھا، بہت غور سے دونوں سپاہیوں کو دیکھتے رہے جو اپنے کمرے میں جا رہے تھے۔ اس وقت تمہاری آنکھوں میں وہ حیوانی چمک تھی جو شکار کو اپنے سامنے دیکھ کر درندوں کی آنکھوں میں پیدا ہوتی ہے۔ میں نے اپنے طور پر تمہیں رنگے

ہاتھوں دھر لینے کا فیصلہ کرلیا۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ تم ہمارے آنے سے پہلے اس عمارت میں موجود تھے۔"

"میں اب تک تین گھنٹے برباد کرچکا ہوں۔ تم نہ آتے تو مجھے بہت مایوسی ہوتی۔ انکل کو فون پر یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میں نے تم کو نریش شرما کی بدنام تجوری کا جائزہ لیتے ہوئے عین موقع پر پکڑلیا ہے۔ یہاں تم کیوں آئے تھے؟"

ناگر بلیک کیٹس کا مشہور کمانڈو تھا جسے اس کے ساتھی خونی بھیڑیا کہتے تھے۔ یہ بات تربیت کے دوران ہر کمانڈو کے ذہن میں کوٹ کوٹ کر بھردی جاتی ہے کہ وہ عام انسانوں سے بہت برتر اور اعلیٰ ہے۔ یہی سوچ ناگر کی تھی۔ انل بسواس کو بڑا تسلیم کرنا اس کی مجبوری تھی کیونکہ وہ بہرحال اپنے ونگ کا سربراہ تھا لیکن میرے بارے میں انل کے رویے پر وہ خوش نہیں تھا۔ نریش شرما بھی عہدے کے اعتبار سے ناگر سے برتر تھا لیکن ذہنی طور پر ناگر اسے اپنا بڑا نہیں مانتا تھا۔

میں نے دوپہر کو نوٹ کرلیا تھا کہ ناگر، نریش شرما کی کہی ہوئی بات کو نظرانداز کردیتا تھا یا پھر اپنے طور پر اس کی اہمیت کم کرنے کی کوشش ضرور کرتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان مفاہمت نام کی کسی شے کا وجود نہیں تھا۔

ناگر نے اپنے دل کا غبار خاصی حد تک ہلکا کرلیا تھا۔ اس وجہ سے اسے ہماری وہاں آمد کا سبب جاننے کا تجسس پیدا ہوگیا تھا۔ اس سوال کے جواب پر میں اپنی کسی نئی کہانی کی بنیاد رکھ سکتا تھا۔

ناگر اس وقت تک کسی سانپ کی طرح پلکیں جھپکائے بغیر ہماری طرف متوجہ تھا۔ ایک ہاتھ سے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے بھی وہ ہماری طرف سے غافل نہیں ہوا تھا۔ میں اس کے سوال کا جواب دینے کے لیے موزوں الفاظ سوچ ہی رہا تھا کہ عابد بول پڑا۔

"مجھے پیشاب کرنے کی حاجت محسوس ہو رہی ہے۔" اس نے خوف زدہ اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہیں کرلو!" ناگر نے زہریلی آواز میں کہا "تھوڑی دیر بعد تمہارے ناپاک خون کا دھبّا اس نشان کو چھپالے گا۔"

عابد کی وہ اداکاری میری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ ایک منجھا ہوا اور پیشہ ور پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ صورتِ حال کے اس اچانک بگاڑ پر اس کا فکرمند ہونا بالکل فطری تھا۔ اس نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

"اتنی سنگ دلی سے کام نہ لو۔ میں گردوں کا مریض ہوں۔ زیادہ دیر تک مثانے کا دباؤ نہیں سہہ سکتا۔" اس سفید جھوٹ پر میں عابد کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

ناگر نے قہقہہ لگایا "اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات بتادی۔ اب تمہاری پیشاب کی نالی مضبوط ڈوری سے کس دی جائے گی اور تمہیں خوب پانی پلایا جائے گا۔ ذرا سی دیر میں تم بلبلا کر بہت کچھ بتانا شروع کردو گے۔"

"ابھی تم میرا خون بہانے کی بات کررہے تھے۔ اب تشدد کی باتیں کررہے ہو۔ تمہارے عزائم کیا ہیں؟" عابد نے سہمی اور الجھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کسی کو مار دینا دنیا کا سب سے آسان کام ہے۔ بڑوں نے کہا ہے کہ دشمن کی کوئی کمزوری معلوم ہوجائے تو اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ سانڈ کی دم کو کس کر بل دیے جائیں تو وہ تھوڑی دیر میں ڈکرانا بھول کر بکری کی طرح ممیانے لگتا ہے۔"

"تمہیں اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میرا نام گوپال ہے۔ میں ایک شریف آدمی ہوں۔ یہ شخص دو سو روپے معاوضے پر مجھے اپنے ساتھ لایا ہے۔"

"بکومت۔" ناگر نے جھلا کر اسے جھڑک دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے پوچھا تھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔"

گفتگو میں عابد کی بروقت مداخلت سے مجھے سوچنے کی مہلت مل گئی تھی۔ میں نے شکست خوردہ لہجے میں جواب دیا "میں اپنی وڈیو فلم کی تلاش میں آیا ہوں۔"

"وڈیو فلم!" ناگر کے حلق سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "کیا تم کو علم نہیں ہے کہ یہ را کا دفتر ہے۔ یہاں سے کسی چیز کا نکال لے جانا آسان نہیں ہے۔"

"سب معلوم ہے۔" میں نے تھکی تھکی آواز میں کہا "میں نے وہ فلم واپس مانگی تھی لیکن تمہارے بڑوں نے صاف انکار کردیا۔ میں پاکستان کے عزت دار گھرانے کا آدمی ہوں۔ میری اور رینا کی فلم میرے خاندان میں پہنچ گئی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ برباد ہوجاؤں گا۔"

"تم جھوٹے ہو۔ میں تمہاری اس بکواس پر یقین نہیں کرسکتا۔" ناگر نے غصے سے کہا "سچ سچ بتاؤ کہ اس تجوری میں سے کیا تلاش کرنے آئے ہو۔"

عابد کی دخل اندازی کے نتیجے میں ملنے والی مہلت میں مجھے یکایک وہ راہ سوجھی تھی۔ میں نے ناگر کے ہر الزام کو سختی سے مسترد کرکے اپنی اس کہانی پر جما رہنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میں نے بے چارگی سے کہا "تم مانو یا نہ مانو۔ حقیقت یہی

ہے۔"

اس نے سگریٹ قالین پر پھینک کر جوتے سے مسل دیا اور ترشی سے پوچھا "تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ فلم اس تجوری میں ہے۔"

ناگر کے کیے ہوئے اس سوال میں میرے شبے کی تصدیق پنہاں تھی۔ میں نے کمزور آواز میں بتایا "خود نریش شرما نے کہا تھا کہ وہ فلم اس تجوری میں ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ کبھی غلط ہاتھوں میں نہیں جائے گی۔ اسے اسی وقت استعمال کیا جائے گا جب میں را سے انحراف کروں گا۔"

نریش نے ہرگز یہ تصدیق نہیں کی تھی کہ میری اور رینا کی وڈیو فلم اس کے پاس یا اس کی تجوری میں محفوظ تھی مگر ناگر کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری بات پر بڑی حد تک یقین آگیا تھا پھر بھی اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا "تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اپنی اس فلم کے سوا نریش کے دفتر میں موجود کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اتنے چھوٹے سے کام کے لیے کوئی اتنا بڑا خطرہ مول لینا..."

"تم را کے آدمی ہو۔ ہر بات کو اپنے انداز میں نہ سوچو۔ شرفا کے لیے عزت بہت قیمتی ہوتی ہے۔"

"مجھے پٹیاں پڑھانے کی کوشش مت کرو۔" ناگر کسی نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس نے کہا "تمہاری عزت اسی وقت خراب ہوگئی تھی جب تم نے اکیلے کمرے میں رینا کے بدن سے کھیلنا شروع کیا تھا۔ یہ کہو کہ تم اپنے کرتوت چھپانا چاہتے ہو۔ ایسی جھوٹی عزت بیکار ہوتی ہے۔ وہ آج مٹی میں مل کر رہے گی۔"

"تم آگئے ہو تو اب میں کان پکڑتا ہوں کہ ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔" ایک واضح موقف اختیار کرلینے کے بعد میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا "اس بار تم معاف کردو تو میں خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں گا۔" میں نے یکایک بہت زیادہ خوف زدہ ہونے کی اداکاری شروع کردی تھی۔

"یہ ناممکن ہے۔ تم پکے پاکستانی ایجنٹ ہو اور ہمیں ڈبل کراس کر رہے ہو۔" اس نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا "ابھی لمبی رات باقی ہے۔ دفتر کے لوگ ساڑھے چھ بجے سے آنا شروع کرتے ہیں۔ اس سے پہلے میں اپنا پورا اطمینان کروں گا۔ اپنے ساتھی کو اس ڈوری سے جکڑ کر بے دست و پا کردو۔" وہ ہدایت دیتے ہوئے ناگر نے اپنی جیب سے نائلون کی مضبوط ڈوری کی ایک لچھی نکال کر میری طرف اچھال دی۔

میں نے بس ایک نظر ناگر کا جائزہ لیا اور لچھی کو فضا میں لپکنے کے لیے آگے بڑھا۔ میرا اور ناگر کا درمیانی فاصلہ اتنا کم رہ گیا تھا کہ رسی پکڑتے پکڑتے میں اچانک اس سے لپٹ گیا اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ناگر کے منہ سے مغلظات کا طوفان ابل پڑا۔ اسے ابتدا سے ہی ہم دونوں مغلوب اور خوف زدہ نظر آرہے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ نہتا ہونے کے بعد ہم دونوں میں سے کوئی اس سے ٹکرانے کی جرائت کرسکے گا کیونکہ اس کے ہاتھ میں لوڈ کیا ہوا پستول موجود تھا۔

وہ دراز قامت اور صحت مند تھا۔ ابتدائی جھٹکے سے فوری طور پر سنبھل گیا۔ گالیاں بکتے ہوئے اس نے اپنے دونوں بازوؤں کا زور لگانا شروع کردیا تھا۔ اپنے ہاتھ آزاد کراتے ہی اس نے میرے منہ پر ایک زوردار مکا رسید کرنے کی کوشش کی۔ میں اس طوفانی ضرب سے اپنا چہرہ بچانے میں ضرور کامیاب ہوگیا لیکن گردن کی جڑ میں وہ گھونسا پڑتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔

میرے کمزور پڑتے ہی وہ جوابی وار کر بیٹھا۔ اس کے بھاری وجود کے ٹکراتے ہی میں لڑکھڑا کر زمیں بوس ہوگیا۔

اس نے غیر متوقع طور پر ڈوری کی لچھی میری طرف اچھالی تھی۔ اگر مجھے چند ثانیوں کی مہلت بھی مل گئی ہوتی تو میں پہلے تصادم میں اس کا کام تمام کردیتا۔ میں نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ جسمانی طور پر مجھ سے بہت زیادہ قوی تھا لیکن اول خان سے ملی ہوئی زہریلی انگوٹھیوں کے سامنے ناگر تو کیا کوئی ہاتھی بھی میرا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔

مجھے گرانے کے بعد ناگر تیزی سے میرے سینے پر چڑھ آیا۔ وہ میرا گریبان پکڑنا چاہ رہا تھا۔ اسی لمحے کھٹاک کی آواز کے ساتھ شیشے کا وزنی پیپر ویٹ ناگر کی پیشانی سے ٹکرایا۔ عابر کا پھینکا ہوا وہ پیپر ویٹ ناگر کو مجروح کرنے کے بعد قالین پر لڑھک گیا۔ ناگر میرے گریبان کو بھول کر اپنی پیشانی تھامنے پر مجبور ہوگیا جہاں سے شدید درد کے ساتھ خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔

میں نے اس کے پُرگوشت بازو پر پوری آزادی کے ساتھ داہنے ہاتھ کا ہلکا سا مکا رسید کردیا۔ اس مہلک مکے کا اصل مقصد اسے ضرب لگانا نہیں تھا بلکہ انگوٹھی کا قاتل زہر ناگر کی رگوں میں اتارنا تھا۔

وہ زہر میرا آزمودہ تھا۔ ناگر میرے سینے پر چڑھے چڑھے ہلکا سا لہرایا اور پھر بے جان ہو کر بائیں طرف لڑھک گیا۔ اس

ڈاکٹر ساجد امجد کی تحقیق، تخلیق اور تنقید

چار عظیم شاعروں کی کہانیاں

مضبوط جلد

خوبصورت سرورق

خُدایانِ سُخن

قیمت 200 روپے

ڈاک خرچ 25 روپے

صفحات 320

میر — غالب — مومن اور داغ

- ان چار "خُدایانِ سخن" کی زندگی سے وابستہ چونکا دینے والے راز!
- ان کے شب و روز کی دل فریب حکایاتِ خرابات!
- ان کے عشق کی جنوں خیزیاں اور ان کے ادبی لڑائی جھگڑے!

تاریخی شخصیات پر ایسی افسانوی کہانیاں اردو زبان میں پہلے کبھی نہیں لکھی گئیں۔ یہ کہانیاں سرگزشت ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے مقبول ترین ادبی سلسلے سے لی گئی ہیں۔

طلبہ اور شائقین ادب کے لئے

بے حد دلچسپ اور معلومات افزا کتاب

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشگی ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز

رمضان چیمبرز۔ بلوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

Email: kitabiat@usa.net

کی پیشانی سے بہنے والے خون نے اس کی قمیص کو رنگ ڈالا تھا لیکن میرے کپڑوں پر اس کے گندے خون کی چھینٹ تک نہیں آئی تھی۔

جب تک ناگر بول رہا تھا، مجھے اپنا منصوبہ خاک میں ملتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کو ٹھکانے لگاتے ہی میں پھرتی سے گرد آلود قالین سے اٹھ گیا۔

"کیا ہوا؟" عابد نے حیرت سے پوچھا "کیا تم اس موذی کو یوں ہی بے ہوش پڑا رہنے دوگے؟ یہ ہوش میں آتے ہی کوئی نیا گند پھیلانا شروع کردے گا۔ یہ کوئی معجزہ ہوا ہے کہ ہمیں اس سے نجات مل گئی..."

"یہ بے ہوش نہیں ہوا۔ نرگباش یعنی جہنم واصل ہوچکا ہے۔ یقین نہ ہو تو نبض اور دل کی دھڑکن دیکھ لو۔"

"مگر یہ کیسے ہوگیا؟" عابد کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں "پیپرویٹ کی ضرب جان لیوا نہیں تھی۔ تم نے تو اسے بس رسمی سا مکا مارا تھا۔"

"ناگر کے لیے وہی کافی تھا" میں نے انگوٹھی کا کوئی ذکر کیے بغیر کہا "اب ہمیں اپنا کام تیزی سے سمیٹ لینا چاہیے۔"

عابد پھر بھی مطمئن نہ ہوسکا۔ اس نے ناگر کے گٹھری کی طرح پڑے ہوئے وجود کی نبض دیکھی۔ ہاتھ لگا کر دل کی دھڑکن محسوس کرنے کی کوشش کی اور پھر خوشی سے مغلوب ہوکر میرے پاس آگیا "وہ مردود واقعی مرچکا ہے۔"

"ناگر ایک ناگہانی مصیبت بن کر ہمارے سروں پر نازل ہوا تھا مگر اب اس کی لاش ہمارے لیے ایک انعام بن سکتی ہے" میں نے اسے مزید خوش خبری سنائی۔

عابد اسی لمحے سب کچھ جان لینے پر مصر تھا مگر میرے لیے وقت بہت قیمتی ہوچکا تھا۔ میں جلد از جلد اس ویران اور منحوس عمارت سے باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے صبر کرنے کا مشورہ دے کر اپنی توجہ تجوری پر مرکوز کردی۔

بیم گن کی اگلی ہوئی نیلگوں دھار آہن و فولاد کی بدترین دشمن تھی۔ تجوری کا تالا ذرا سی دیر میں رال بن کر بہہ گیا مگر فوری طور پر تجوری نہ کھل سکی۔ دروازے میں قفل سے کوئی اور نظام بھی منسلک تھا جو اپنی جگہ برقرار تھا۔ میں نے عابد کے لیے جگہ چھوڑ دی۔

عابد کے تھیلے میں قفل شکنی کے اوزاروں پر مشتمل ایک تھیلی موجود تھی۔ اس نے تھیلی قالین پر الٹ دی اور اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

عابد کو بیم گن کی حیران کن کارکردگی دیکھنے کا شوق تھا اور وہ میرے سر پر مسلط تھا مگر مجھے اس کی مہارت سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے بڑھ کر ناگر کی لاش کا جائزہ لیا۔ اس کا دم نکلنے کے بعد اس کی پیشانی کے زخم سے خون کا بہاؤ رک چکا تھا۔

ناگر کو مرے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ اس کی ہڈیوں کے جوڑ اس وقت تک نرم اور گرم تھے جب میں نے پنڈلیاں پکڑ کر ذرا سا زور لگایا تو اس کی سکڑی ہوئی لاش فرش پر پھیل کر سیدھی ہوگئی۔ میں اسے ٹانگوں سے گھسیٹتا ہوا عابد کے پیچھے اور تجوری کے اتنے قریب لے آیا کہ ہم دونوں کے کاموں میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

تالا کٹ چکا تھا لیکن تجوری کا وزنی دروازہ اپنی جگہ پر موجود تھا۔ شدید محنت کے باعث عابد پسینوں میں نہا چکا تھا مگر دروازے میں جنبش کے آثار نہیں تھے۔ میں نے نرلیش کے دفتر کا پنکھا کھول دیا تاکہ حبس اور گرمی کا احساس کم ہوسکے۔

عابد نے اپنی ناکامی کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا مگر مجھے احساس تھا کہ ابتدا میں اس کا مشورہ نہ مان کر میں نے غلطی کی تھی۔ تجوریوں میں عام تالے استعمال نہیں ہوتے۔ چابی کے لیور کے ذریعے کئی پوشیدہ بولٹ اور کھٹکے وغیرہ حرکت میں آتے ہیں جو دروازے کو اس کی جگہ منجمد کردیتے ہیں۔ میں نے عجلت میں تالا پگھلا کر وہ نظام درہم برہم کردیا تھا۔ اگر عابد کو پہلے ہی کسی تدبیر سے تالا کھولنے کا موقع دیا جاتا تو پورا میکانزم حرکت میں آتا اور دروازہ آسانی سے کھل جاتا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہم پھنس گئے ہیں" میں نے عابد کی دل جوئی کے لیے کہا۔

"دیر ہو رہی ہے مگر دروازہ ضرور کھلے گا" اس نے اپنی آستینوں سے پیشانی اور چہرے پر آیا ہوا پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کہو تو میں بیم گن سے دروازے کے قبضے کاٹ دوں" میں نے اس کی رائے جاننا چاہی۔

"دروازے کی طرح قبضے بھی بہت موٹے ہوں گے۔ وہ اندر پوشیدہ ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری گن کا چارج ختم ہوجائے اور قبضے پوری طرح نہ کٹیں۔ گرین کوبرا فائل کے لیے میں اس سے بھی بڑا چیلنج قبول کرسکتا ہوں۔"

وہ مسکرا کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ میں نے نرلیش شرما کی میز کا جائزہ لینا شروع کردیا۔

نرلیش کی میز پر رکھے ہوئے کاغذ قطعی غیر اہم تھے۔ وہ اپنا ہر ضروری کاغذ مقفل رکھنے کا عادی معلوم ہوتا ہے۔ اہم

منصب پر فائز ایک ذمے دار افسر کے لیے ایسی احتیاط ضروری سے بڑھ کر ناگزیر تھی۔ اس کی میز کی درازیں مقفل تھیں۔

کمرے کے قالین پر خون کے داغ اور وہاں ناگر کی لاش کی موجودگی میں یہ بات چھپنے والی نہیں رہی تھی کہ را کے اس دفتر میں کچھ لوگ چوری چھپے گھسے تھے۔ ویسے بھی جلے اور کٹے ہوئے تالوں سے لے کر مجروح تجوری تک، مداخلتِ بے جا کے متعدد شواہد موجود تھے۔ میں نے دفتری اسٹیشنری کی مدد سے زور آزمائی کرکے نریش کی درازوں کے تالے توڑ دیے۔

تین درازوں میں سے نچلی دراز میں نریش کے ذاتی استعمال کی اشیا موجود تھیں۔ ان میں جن کی دو نصف بوتلیں سب سے نمایاں تھیں۔ کچھ کیمرے سے لی گئی شرمناک تصاویر کے رنگین پرنٹ تھے۔ میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ وہ ساری تصاویر دیکھ ڈالیں۔ ان میں ایک جگہ رینا نظر آئی لیکن مرد کوئی اجنبی تھا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ان تازہ تصاویر میں میرا اور رینا کا کوئی پرنٹ نہیں تھا۔

اوپر کی دونوں درازیں کاغذات اور فائلوں سے بھری ہوئی تھیں۔ میں نے نریش کی کرسی پر بیٹھ کر ان کی ورق گردانی شروع کردی۔

کاغذوں کی تاریخوں اور ان پر مندرج خفیہ احکام یا تبصروں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ نریش شرما کی رواں سرگرمیوں سے تعلق رکھتے تھے۔ خاص بات یہ تھی کہ ان میں سے کوئی تحریر میرے لیے قابلِ فہم نہیں تھی۔ جو کچھ لکھا ہوا تھا، ہندی میں تھا یا انگریزی کے مہمل الفاظ اور فقروں پر مشتمل تھا۔ شاید وہ ان لوگوں کا دفتری کوڈ تھا جسے باہر کا آدمی آسانی سے نہیں سمجھ سکتا تھا۔

میں پورے انہماک سے ان تحریروں کا جائزہ لیتا رہا پھر اچانک ہی چند ٹائپ کیے ہوئے کاغذ میرے ہاتھ میں آگئے۔ وہ سات اوراق تھے۔ ان کے متن اور ترتیب سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی قسم کی رپورٹ کی نقل تھی۔ ان ساتوں کاغذوں کی پوری عبارت میرے لیے قابلِ فہم نہیں تھی لیکن بعض الفاظ اور فقروں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کاغذات پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور نیپال کے بارے میں تھے۔

کہا یہ جاتا تھا کہ را والوں نے پاکستان کے بارے میں ایک علیحدہ اور بھرپور ونگ قائم کیا ہوا تھا۔ پاکستانی ذرائع نے اس بات کی تصدیق کی تھی۔ انل بسواس اس ونگ کا سربراہ تھا۔ اس اعتبار سے نریش شرما کو بھی اسی ونگ سے متعلق ہونا چاہیے تھا۔ اس کی درازوں میں نیپال وغیرہ کے بارے میں کاغذات کا موجود ہونا تعجب خیز تھا۔

مجھے یاد آیا کہ انل بسواس اس عمارت میں ہر روز نہیں آتا تھا، کبھی کبھی ادھر کا رخ کرتا تھا۔ شاید نریش شرما عہدے میں اس سے کم تھا مگر اپنی جگہ دہشت گردی کا خصوصی ماہر تھا۔ یہ ممکن تھا کہ بھارت کے پڑوسی ملکوں میں ہونے والی دہشت گردی کی ہر واردات کے تانے بانے وہی تیار کرتا ہو اور پھر ان کے ایکشن پلان متعلقہ افسران کو بھجوا دیتا ہو۔

وہ سب باتیں بعد میں بھی سوچی جاسکتی تھیں۔ میں نے وہ ساتوں کاغذات تہ کرکے اپنی جیب میں رکھ لیے اور باقی پلندا واپس درازوں میں ڈال دیا۔

میں اپنے کام سے فارغ ہوچکا تھا۔ نریش شرما کے دفتر میں اس کی میز اور تجوری کے سوا کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جس پر طبع آزمائی کی جاسکے۔ وقت گزاری کے لیے میں اس کمرے سے نکل کر رام بابو کے دفتر میں گیا۔ وہاں رکھی ہوئی بے وقعت چیزوں سے چھیڑ چھاڑ کی اور راہداری میں نکل گیا۔ راہداری اپنے آخری سرے تک بدستور سنسان پڑی ہوئی تھی۔

اپنے جائزے سے فارغ ہوکر میں واپس لوٹا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ڈیڑھ انچ موٹی فولادی چادر سے بنا ہوا تجوری کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

عابد علی پسینوں میں نہایا ہوا، گریبان کے بٹن کھولے، پنکھے کے نیچے کھڑا ہوا تھا۔

"آج اس تجوری نے میرا خون پی لیا" میرے قدموں کی آہٹ پر اس نے مڑ کر مسکراتے ہوئے کہا "دروازے کے چاروں کونوں پر ایک انچ موٹی سلاخیں ہیں جو لیوروں کے ذریعے تالے سے جڑی ہوئی ہیں۔ تالا بند ہونے پر یہ سلاخیں گہرے سوراخوں میں بیٹھ جاتی ہیں، انہیں نکالنے میں پسینے آگئے۔"

"تالا پگھلایا نہ گیا ہوتا تو شاید تم یہ کام آسانی سے کرلیتے" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کچھ کہا نہیں جاسکتا" اس نے انکسار سے جواب دیا "یہ بہت ضدی اور پرانا تالا تھا۔ سہ رخی چابی والے تالے بہت مشکل سے کھلتے ہیں۔"

عابد علی ڈسپلن کا آدمی تھا۔ اس نے تجوری کھول لی تھی مگر میری واپسی سے پہلے کسی چیز کو نہیں چھیڑا تھا۔

میں اسے لے کر تجوری کی طرف بڑھ گیا جو دور سے

خاصی بھری ہوئی نظر آ رہی تھی۔
نریش شرما نے اس روز دفتر چھوڑنے سے پہلے پاکستانی فائلوں کے پلندے پر کام کیا تھا۔ فیتے میں کسی ہوئی وہ گیارہ فائلیں وسطی خانے میں سب سے اوپر رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے جاتے ہی وہ بنڈل پہچان کر عابد کے حوالے کردیا۔
عابد بے تابانہ انداز میں وہ بنڈل لے کر قالین پر بیٹھ گیا۔ وہ اپنی آنکھوں سے گرین کوبرا فائل دیکھنا چاہتا تھا۔
تجوری میں نئی اور پرانی فائلوں کا ایک انبار جمع تھا لیکن گرین کوبرا فائل کے بعد میری ترجیحات کی فہرست میں وڈیو فلم سب سے اوپر آ چکی تھی۔
جو کچھ ہو چکا تھا' اسے مٹانا ممکن نہیں تھا۔ میں نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر تجوری کے کاغذات باہر نکالنے شروع کردیے۔
فائلوں کے علاوہ تجوری میں کئی چھوٹے بڑے ڈبے اور متعدد آلات بھی نظر آ رہے تھے۔ میں کسی لحاظ کے بغیر سامنے آنے والی ہر چیز باہر نکالتا اور قالین پر ڈھیر کرتا رہا۔ قالین پر ڈالنے سے پہلے میں اس فائل یا چیز کا سرسری جائزہ ضرور لے لیتا تھا۔
"یہی ہے.... بالکل یہی ہے" میرے کانوں میں عابد علی کی مسرت سے لبریز آواز آئی۔
"کیا مل گیا جو اتنا خوش ہو رہے ہو؟" میں دانستہ انجان بن گیا۔
"مظہر بھائی! یہی گرین کوبرا فائل ہے' وہ جی سی کے دو حرفی کمپیوٹر پرنٹ والی سفید فائل لے کر میرے پاس آ گیا۔
"بس' یہ تمہاری ہے۔ بقیہ دس فائلوں میں بھی بہت اہم مواد ملے گا۔ اب مجھے اپنے کام کی چیز کی تلاش ہے۔"
"تمہارے اور ناگر کے درمیان کسی فلم کے بارے میں بات ہو رہی تھی؟" عابد نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔
"میری اور رینا کی فلم" میں نے اختصار سے کہا "یہ بات بس اپنی ذات تک محدود رکھنا۔ غزالہ بھی ایسی کسی فلم کے وجود سے لاعلم ہے۔"
"تم فکر نہ کرو۔ بھول کر بھی یہ ذکر میری زبان پر نہیں آئے گا۔ میں اسے تمہارا کوئی چکما سمجھ رہا تھا۔"
"آدمی خطا کا پتلا ہے" میں نے افسردگی سے کہا "کچھ دیر کے لیے میں بہک گیا تھا۔ وہ لمحے وڈیو کے فیتے پر قید کرلیے گئے۔"
"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ رینا جیسی لڑکیاں طوائفوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ ایسے حربوں سے لیس ہو کر اپنے شکار پر حملہ آور ہوتی ہیں کہ وہ ان کے جال میں بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ تمہاری جگہ کوئی زاہد خشک بھی ہوتا تو پھنس گیا ہوتا۔"
عابد کے الفاظ میں میرے لیے دلاسا تھا۔ میں پھر تجوری کی طرف متوجہ ہو گیا۔
قالین پر کاغذات' فائلوں' ڈبوں اور آلات کا ڈھیر پھیل کر ناگر کی لاش تک پہنچ رہا تھا۔
عابد نے گرین کوبرا فائل کا جائزہ لینے کے بعد گیارہ فائلوں کو یکجا باندھ کر نریش کی میز پر رکھ دیا تھا اور نیچے بیٹھا اس انبار کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا تھا جو میں نے لگایا تھا۔
"میں پرویز یا عبداللہ سے بات کرلوں" بیٹھے بیٹھے اس نے چونک کر کہا۔
"کیوں؟" میں نے اس کی طرف مڑ کر پوچھا "ان کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔"
"ہمیں اندر آئے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت ہو چکا ہے۔ وہ دونوں پریشان ہو رہے ہوں گے" عابد نے وضاحت کی۔
میں نے سرہلا کر اپنی رضامندی ظاہر کردی۔ وہ اپنے اپریٹس پر ان میں سے کسی سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔
عابد کی پہلی کوشش کے جواب میں جی تھری کی طرف سے جوابی پیغام آ گیا۔
"آل ویل.... کچھ دیر لگے گی۔ اپنی جگہ تیار اور اسٹینڈ بائی رہو' اوور اینڈ آل۔"
اپنے آدمیوں کو پیغام دے کر وہ دوبارہ نریش شرما کے بکھرے ہوئے ریکارڈ کی طرف متوجہ ہو گیا۔
جیسے جیسے تجوری کا شیطانی پیٹ خالی ہو رہا تھا۔ میری مایوسی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اچانک عابد نے قدرے اونچی آواز میں نعرہ مارا "مل گئے!"
اس پراسرار اور خوف آور ماحول میں عابد کی وہ اضطراری حرکت حیران کن تھی۔ میرے ہاتھ سے ایک ڈبا چھوٹ گیا۔
"حیرت ہے کہ تم نے یہ دونوں کاغذ نہیں دیکھے۔ یہ تمہارے اصل فنگر پرنٹس ہیں" عابد اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے دو کاغذ میرے پاس لے آیا۔
کاغذ شناسا تھے۔ ان پر سیاہی سے دس انگلیوں کے نشان بھی ثبت تھے لیکن تحریر میرے لیے اجنبی تھی۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ وہ فنگر پرنٹس میرے ہی تھے یا عابد کسی اور کے

فنگر پرنٹس سے دھوکا کھا رہا تھا۔

کسی فائل سے نوچے ہوئے وہ کاغذ میں نے اس کے ہاتھ سے لے لیے اور ان کا موازنہ اپنی انگلیوں کے سروں سے کرنے لگا۔

وہ بہت مشکل کام تھا۔ عابد نے میرے تذبذب کو بھانپ لیا اور کہا "کسی وہم میں نہ پڑو۔ دونوں کاغذوں پر دیوناگری رسم الخط میں تمہارا نام لکھا ہوا ہے۔"

"اوہ! تو تم ہندی بھی پڑھ لیتے ہو" میں نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا جو تائید طلب تھا۔

"ہندی اور سنسکرت۔ دونوں کے لیے یہی رسم الخط استعمال ہوتا ہے۔ ایک فائل میں دوسرے کاغذوں کے ساتھ مزید دس بارہ افراد کے فنگر پرنٹس موجود ہیں مگر ان میں سے کوئی پاکستانی نہیں ہے' زیادہ تر نیپالی ہیں۔"

"نیپالی!" میں نے حیرت سے دہرایا "ہوسکے تو ان کے کاغذ بھی نکال لو۔ ہوسکتا ہے کہ تم اس قوم کی کوئی مدد کرسکو۔ را والے ان پر کچھ زیادہ مہربان معلوم ہورہے ہیں۔ میں نے نریش کی دراز سے سات کاغذ نکالے ہیں۔ ان میں زیادہ تر نیپال کے بارے میں ہے۔"

"نیپال کے بارے میں یہاں بہت سی کہانیاں گردش میں ہیں۔ شاہ بریندرا سخت آدمی ہے۔ اسے زیر کرنے کے لیے را والے اس کے شاہی محل میں اپنے آدمی پہنچانے کی سرتوڑ کوشش کررہے ہیں۔ راجاؤں اور رانیوں کی بن بیاہی بیٹیاں چھٹیاں منانے کے لیے آئے دن کھٹمنڈو جاتی رہتی ہیں۔ را کی شہ پر بھارت کے سارے راجواڑوں میں دوڑ لگی ہوئی ہے کہ ولی عہد کس کی بیٹی کے جال میں پھنستا ہے۔"

میں نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ میرے لیے نیپال کے مستقبل سے زیادہ اہم مسئلہ اپنی وڈیو فلم کا تھا جو نہیں مل رہی تھی۔

میں نے اپنے قدموں میں سے وہ ڈبا اٹھالیا جو عابد کا غیر متوقع نعرہ سن کر میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ وہ ڈبا بڑا لیکن وزن میں خاصا ہلکا تھا۔ اسے کھولتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہوگئیں۔

اس ڈبے میں وڈیو فلموں کے کیسٹ بھرے ہوئے تھے۔ میں تجوری کو بھول کر' اپنے پھیلائے ہوئے ڈھیر سے دور ہٹ آیا۔

عابد علی ایک فائل سے نیپالیوں کے فنگر پرنٹس نکال رہا تھا۔ میں نے کچھ دور بیٹھ کر ان کیسٹوں کا جائزہ لینا شروع کردیا۔

وہ کیسٹ ترتیب اور قرینے سے ڈبے میں لگے ہوئے تھے مگر اوپری قطار میں ہر کیسٹ کے ڈبے کے پشتے پر ہندی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ ان کی نشان دہی کے لیے انگریزی یا کسی اور زبان کا سہارا نہیں لیا گیا تھا۔

میں اس وقت ایک سنگین ذاتی مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ میرا ذہنی پراگندگی کا شکار تھا مگر قدم قدم پر ہندی زبان کے سامنے اپنی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے میرے ذہن میں بے ساختہ یہ خیال آیا کہ پاکستان میں اردو کو قومی زبان کا درجہ مل جانے کے باوجود اہم سرکاری دفاتر میں داخلے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ہر دفتر کا سارا ریکارڈ انگریزی میں رکھا جاتا تھا۔ اول تو بیشتر سرکاری ملازمین کی انگریزی ناقص تھی کچھ نو آموز ایسے بھی تھے جو سنگین غلطیاں کرتے تھے اور اپنے ساتھیوں کے ظالمانہ مذاق کا نشانہ بنتے تھے۔ دوئم یہ کہ ان میں سے کوئی انگریزی سے پیچھا چھڑانے کا آرزومند نہیں تھا۔

وہ بات بہت معمولی اور اہم تھی۔ اگر پاکستانی دفاتر میں بھی قومی زبان رائج ہوتی تو دیوناگری کے عادی' بھارتی سیکرٹ ایجنٹ پاکستانی دفاتر میں اپنی مطلوبہ دستاویزات تک رسائی میں سنگین دشواریاں محسوس کرسکتے تھے۔

میں نے جھنجلا کر کیسٹوں کا پورا کارٹن قالین پر الٹ دیا۔

کیسٹوں کی پرشور کھڑکھڑاہٹ سن کر عابد نے سر اٹھایا اور کیسٹوں پر نگاہ پڑتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر میرے پاس آگیا۔

"کسی ایک پر بھی انگریزی میں کچھ نہیں لکھا تھا" میں نے اس ڈھیر میں سے مزید چند کیسٹ دیکھ کر کہا۔

"یہ کام مجھ پر چھوڑ دو" اس نے ہنستے ہوئے کہا "زبان کے معاملے میں ہندو بہت متعصب ہیں۔"

میں نے سگریٹ سلگائی اور وہ کام اسے سونپ کر اٹھ گیا۔ چند ثانیوں تک اسی دفتر میں ٹہلنے کے بعد میں نے نریش کی کرسی سنبھال لی۔

سرلا کے گیسٹ ہاؤس سے روانہ ہوتے ہوئے مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ نریش کے دفتر میں ہم اس بری طرح الجھ جائیں گے۔ یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ سرلا' غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر کہیں اور چلی گئی تھی۔ وہ گیسٹ ہاؤس میں ہوتی تو میری واپسی میں تاخیر ہونے پر فکر اور تشویش سے ہلکان ہوجاتی۔

تھوڑی دیر بعد عابد نے وہ کیسٹ تلاش کرلیا جس پر

ہندی زبان میں میرے اور رینا کے نام کے مخفف تاریخ کے ساتھ درج تھے۔ عابد سے وہ کیسٹ لے کر میں کچھ دیر تک الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ مجھے رہ رہ کر قلق ہو رہا تھا کہ میں نے جذبات کی رو میں بہہ کر ایسی سنگین غلطی کی تھی کہ دشمنوں کے پاس مجھے بلیک میل کرنے کا ٹھوس مواد آگیا تھا۔ اگر وہ کیسٹ نہ ملتا تو میں ذہنی طور پر کبھی پرسکون نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے جائزہ لینے کے بعد وہ کیسٹ فائلوں کے ڈھیر پر اچھال دیا۔

"ابھی تم اس کے لیے اتنے مضطرب ہو رہے تھے۔ اب اسے یہاں کیوں چھوڑ رہے ہو؟" عابد نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ اس کمرے کی امانت ہے۔ اسے یہیں رہنا چاہیے" میں نے اپنے فنگر پرنٹس والے کاغذ بھی پھاڑ کر اسی طرف اچھال دیے۔

عابد دوبارہ کیسٹوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا تھا۔

"یہ سب گند ہے۔ اب اس میں کیا تلاش کر رہے ہو؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"پچھلے دنوں ایک وزیر یہاں آئے ہوئے تھے جو کھلی محفلوں میں دل کھول کر شراب پیتے تھے اور پھر سرور میں آکر لڑکیوں اور عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے" اس نے ندامت آمیز لہجے میں بتایا "باخبر حلقوں میں افواہیں تھیں کہ را والوں نے ان کی بعض رنگین راتوں کی خفیہ فلم بندی کی ہے۔"

عابد کی زبان سے وہ ذکر سنتے ہی میرے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا جس میں اس دور کے ایک شوقین وزیر کا تاریک نام نمایاں تھا۔

"ضروری نہیں کہ اس فلم پر وزیر کا پورا نام لکھا ہوا ہو۔ اس کی فلم مخفف کے حساب سے تلاش کرو" میں نے اسے مشورہ دیا۔

"کسی کیسٹ پر کوئی نام نہیں ہے۔ سب پر مخفف ہیں لیکن مجھے اس وزیر کے پورے نام کا علم نہیں ہے۔ بعض مخفف چار حرفی تک ہیں" عابد نے بے چارگی سے کہا "ہم یہاں تک پہنچ گئے ہیں تو وہ فلم ہمارے ہاتھ آنی چاہیے۔"

"کیا تم اس شخص کے لیے یہ فلم حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں" عابد کی آواز تلخ اور حقارت آمیز ہو گئی "آئی بی ملکی سیاست میں دخل نہیں دیتی۔ ہم سیاست دانوں سے دور رہتے ہیں۔ مجھے اس سے نہیں، اپنے ملک سے ہمدردی ہے۔ شاید یہ فلم دیکھ کر وہ آئندہ کے لیے آوارگی سے توبہ کر لے۔"

"بلاوجہ اپنا وقت برباد نہ کرو۔ وہ تائب ہونے والوں میں سے نہیں ہے۔ اگلے دورے تک اس فلم کو بھول جائے گا۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو" عابد نے تلخی سے کہا "ویسے بھی اسے ہر شام دورے پڑتے ہیں، شراب کے دورے..... میں نہیں چاہتا کہ اس کی فلم یہاں رہے۔ پچاس سے زیادہ کیسٹوں کو ساتھ لے جانا ممکن نہیں ہے۔"

میں نے نریش کی کرسی چھوڑ دی اور نرمی سے کہا "یہ سارے کیسٹ اس ڈھیر میں ڈال دو۔"

اس نے الجھن آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور پوچھا "تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"یہ ناگر کی چتا ہے جو نریش کی تجوری کا پیٹ خالی کر کے تیار کی گئی ہے۔ جاتے ہوئے ہم اسے آگ لگا دیں گے۔ اس آگ میں سب کچھ جل کر بھسم ہو جائے گا۔ بچی ہوئی راکھ را والوں کے کسی کام نہیں آسکے گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے متعدد کیسٹ اٹھاتے ہوئے کہا "ہر سراغ مٹا دینے کا یہی ایک راستہ باقی رہ گیا ہے۔"

"ہم نے وہاں سے زیادہ ریکارڈ ساتھ نہیں لیا۔ عابد اور اس کے بڑوں کے لیے گرین کور اکائل بہت زیادہ اہم تھی۔ ہمیں اس کے ساتھ پاکستان سے تعلق رکھنے والی مزید دس فائلیں مل گئی تھیں۔ دو فائلیں بھارت اور سی آئی اے کے باہمی تعلق کے بارے میں تھیں۔

میں نے ناگر کے خون میں لتھڑے ہوئے بے جان چہرے پر نظر ڈالی۔ پیشانی کی ضرب، آگ اور زہر کے ملے جلے اثرات کے بعد شاید کوئی سرجن یہ سراغ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کی موت کس وجہ سے واقع ہوئی تھی۔

پنکھے کی ہوا سے اڑنے والے بعض کاغذ ناگر کی لاش پر آگئے تھے۔ میں چند ثانیوں تک عبرت کا وہ منظر دیکھتا رہا۔

بڑے کارٹن میں سے برآمد ہونے والے تمام کیسٹ کاغذات اور فائلوں کے ڈھیر پر ڈالنے کے بعد عابد تیزی سے اپنے تھیلے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ٹھہرو۔ تم اس میں کیا تلاش کر رہے ہو؟" میں نے اسے ٹوک دیا "ہم کوئی دستی بم استعمال نہیں کریں گے۔"

"دو چھوٹے آتش گیر بم تجوری اور اس ڈھیر میں چھپا دو" عابد نے ملتجی انداز میں کہا "کاغذوں کو تم بے شک آگ لگا دو۔ حرارت پا کر یہ دونوں بم کچھ دیر بعد ہلکی سی آواز

کے ساتھ خود پھٹ جائیں گے اور ہر طرف آگ پھیل جائے گی۔"

میں نے سر کی جنبش سے اس کی تجویز منظور کرلی۔ اس ڈھیر میں موجود ہر چیز کو جلا کر راکھ کردینے کے لیے آتش زنی کا وہ متبادل اور موثر طریقہ ہمارے لیے سود مند تھا۔ چند ثانیوں میں عابد نے اپنے تھیلے میں سے دو چھوٹے بیضوی گولے نکال لیے۔

ایک گولا تجوری کے نچلے خانے میں رکھ دیا گیا۔ دوسرا فائلوں کے ڈھیر میں دبا دیا گیا۔ اس سے ذرا دور ناگر کی لاش مصنوعی ریشے سے بنے ہوئے فرشی قالین پر پڑی ہوئی تھی۔ قالین کا ہر ریشہ آگ کے لیے بہت زیادہ پرکشش تھا۔

میں پہلی فرصت میں بیم گن اپنے جیب میں ڈال چکا تھا۔ عابد نے بھی اپنا ریوالور قالین پر سے اٹھالیا تھا۔ اس نے آخری بار کمرے کا جائزہ لیا اور ناگر کا بڑے بور کا پستول میگزین سمیت اپنے تھیلے میں رکھ لیا اور پنکھے کا سوئچ آف کردیا۔

عابد اور اس کے آدمی دشمن کی سرزمین پر اپنی بقا اور اپنے ملک کے تحفظ کی جنگ لڑ رہے تھے جس میں ان کے لیے ہر آتشیں ہتھیار بہت بیش قیمت تھا۔

عابد نے شولڈر اسٹریپ کے ذریعے بیگ کندھے پر لادا۔ میں نے دیا سلائی جلائی۔ اس سے ایک کاغذ کو آگ دکھائی اور پھر تیزی سے جلتا ہوا وہ کاغذ فائلوں وغیرہ کے انبار پر ڈال دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے کاغذوں نے بھی آگ پکڑلی۔ ہم کمرے کا بلب بجھائے بغیر باہر نکل آئے۔ ساری فائلیں عابد کے قبضے میں تھیں۔

ناگر ایک بگولے کی طرح ہمارے اس مشن میں دخل انداز ہوا تھا۔ اس نے آتے ہی سب کچھ درہم برہم کرکے رکھ دیا تھا لیکن آخر کار وہ ایک کتے کی سی موت مارا گیا تھا۔ عمارت کا چوکیدار شاید چھت کے کمرے میں پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ ہماری واپسی کی راہ روکنے والا کوئی نہیں تھا۔

عمارت میں داخل ہوتے ہوئے ہم محتاط اور متفکر تھے لیکن واپسی میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہم پنجوں کے بل تقریباً دوڑتے ہوئے صدر دروازے تک پہنچے، بولٹ گرایا اور دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل گئے۔

اس وقت برآمدہ بالکل تاریک تھا۔ پرویز اور عبداللہ نے موقع پاکر وہاں جلنے والا بلب توڑ دیا تھا۔

ہماری دونوں گاڑیاں سپاہیوں کے کمرے کے پیچھے موجود تھیں۔ پرویز نے تاریکی میں سے ہلکی سی شسکاری دی۔ عابد تیزی سے اسی طرف ہولیا۔

"دونوں سپاہی گہری نیند میں مدہوش ہیں" پرویز نے تاریکی میں سے نمودار ہوکر بتایا۔ "عمارت کے دوسرے پہلو پر ایک گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔"

"اسے بھول جاؤ اور یہاں سے نکل چلو" عابد نے تیز سرگوشی میں ہدایت کی اور اپنے کندھے سے لٹکا ہوا ہتھیاروں کا تھیلا اسے تھمادیا۔

فائلوں کے ساتھ کاغذ وغیرہ گاڑی میں ڈال کر عابد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور چند ثانیوں بعد ہم اسی ترتیب میں وہاں سے روانہ ہوگئے جس ترتیب میں سرلا کے گیسٹ ہاؤس سے وہاں پہنچے تھے۔

کچے میدان سے سڑک پر جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ عمارت کے آخری سرے والے کمرے کی کھڑکی کے بند شیشوں کے پیچھے دبے دبے شعلوں کی سرخی لپک رہی تھی۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے دور لگی ہوئی آگ کا انعکاس ان شیشوں پر پڑ رہا ہو۔

"شاید دوسری طرف کھڑی ہوئی گاڑی ناگر کی ہوگی" چند ثانیوں کی گمبھیر خاموشی کے بعد عابد نے سکوت توڑا۔

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے جو اسے یہاں کھینچ لائی۔ را والوں کو صحیح صورت حال سمجھنے میں اب کافی وقت لگے گا" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"یہ بات تم نے اسے مارنے کے بعد بھی کہی تھی، میرا اندازہ ہے کہ اس کی موت سے معاملہ اور زیادہ سنگین ہوجائے گا۔"

میں دھیرے سے ہنس پڑا "یہ غلط فہمی اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ عمارت کے چوکیدار سے لے کر انل بسواس تک کسی کو علم نہیں کہ وہ نریش کے دفتر آیا تھا۔ کسی چھوٹے بڑے کو اعتماد میں لیے بغیر مہم جوئی پر نکل پڑنا اسی لیے خطرناک ہوتا ہے۔"

"یہ اس کی غلطی تھی لیکن وہ را کا قابلِ اعتماد اور پرانا آدمی ہے۔"

"ہے نہیں بلکہ تھا" میں نے اس کی تصحیح کی "یہی بات ہر ایک کو الجھادے گی۔ اسے کسی چور کی طرح عمارت میں داخل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ بات کبھی سامنے نہیں آسکے گی کہ وہ زنانہ واش روم کے روشن دان سے عمارت میں کودا تھا۔ صدر دروازے کا کھلا ہوا دروازہ اس کی آمد کے راستے کی نشان دہی کرے گا۔ ابتدائی طور پر یہ سمجھا جائے گا کہ سپاہیوں کو بھی اسی نے بے ہوش کیا تھا۔"

"مگر اسے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے بڑے اسے جانتے ہیں، وہ یہ سوال ضرور اٹھائیں گے۔"

"کسی کے جاننے سے حقائق نہیں بدل سکتے" میں نے اس کی الجھن سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "ابھی تمہیں سوچنے کا وقت نہیں ملا۔ میں اس امکان پر مسلسل سوچتا رہا ہوں۔ نریش کے دفتر میں ناگر کی سوختہ لاش کی موجودگی را کو ہلا کر رکھ دے گی۔"

"میں بہت پریشان اور الجھا ہوا ہوں۔ ذرا مجھے بھی سمجھادو کہ تمہارے دماغ میں کیا خاکہ بن رہا ہے؟"

"ناگر را سے منحرف ہو چکا تھا۔ کسی نے اسے خرید لیا تھا اور وہ بہت کامیابی سے اپنے دہرے کردار کو چھپا کر اپنے افسروں کو ڈبل کراس کر رہا تھا۔"

"یہ حقیقت نہیں تمہارا قیاس ہے!" عابد نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"میرا قیاس بھی نہیں ہے۔ یہ وہ کہانی ہے جو کل صبح تیار ہو گی۔ ناگر کے خریدار را کے اہم ترین ریکارڈ تک رسائی چاہتے تھے جو نریش کے دفتر کی تجوری میں محفوظ تھا آج رات موقع پا کر ناگر انہیں اپنے دفتر کی طرف لے آیا۔ اس کی نگرانی میں سپاہیوں کو بے ہوش کیا گیا، تالے کاٹے گئے اور دشمن اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ ان لوگوں کی کامیابی بے داغ تھی۔ ناگر ان کے خلاف اکلوتا گواہ تھا۔ اسے زندہ چھوڑنے کی صورت میں ان خریداروں کو اپنے وعدے کے مطابق اسے بھاری معاوضہ بھی ادا کرنا پڑتا۔ اسے مار کر وہ ہر گواہی سے نجات حاصل کر سکتے تھے۔ ان کی بڑی رقم بھی بچ جاتی۔ ناگر کی مدد سے نریش کے دفتر میں اپنا کام مکمل کرنے کے بعد انہوں نے ناگر کو مار دیا۔ صورتِ حال کو پیچیدہ بنانے کے لیے دفتر میں آگ لگائی اور خاموشی سے فرار ہو گئے۔"

"بہت لرزہ خیز اور جاندار کہانی ہے۔ سب کڑیاں آپس میں مربوط نظر آتی ہیں" اس نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"یہ ابتدائی نظریہ ہو گا۔ وہ اسی سمت میں اپنا کام شروع کریں گے۔ اس کے بعد جو ہو گا وہ ہوتا رہے گا۔"

"یہاں کی سیاسی فضا میں سارا الزام پاکستان پر آئے گا۔" عابد کو خیال آیا۔

"انل بسواس کہہ چکا ہے کہ اسے بھارت میں سرگرم پاکستانی ایجنسیوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے۔ وہ پاکستانیوں یا چینیوں پر شبہ کر سکتے ہیں مگر کوئی الزام تراشی نہیں کر سکتے۔ ان کا ایک اہم آدمی منحرف ہو رہا تھا۔ خریدار اس کا سودا کر رہے تھے اور بھارت کی تمام ایجنسیاں سوئی ہوئی تھیں۔ کسی کو پتا نہیں چلا کہ ناگر نے پیسے کے لالچ میں سب کچھ داؤ پر لگانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"تم بہت دور تک دیکھ لینے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ تمہارے ساتھ کام کرتے ہوئے میں اپنے اندر ایک نیا اعتماد پیدا ہوتا ہوا محسوس کر رہا ہوں" وہ بولا۔

"تمہارے وہ گمنام ساتھی جو بھارتی ایجنسیوں کی نظروں میں آئے ہوئے ہیں، کسی حد تک دباؤ میں آجائیں گے لیکن ان پر بھی ہاتھ نہیں ڈالا جا سکے گا کیونکہ ان کی نقل و حرکت پر بھارتیوں نے پہلے سے نظر رکھی ہوئی ہے" میں نے بتایا۔

"اور ہم تینوں کا گرفت میں آنا بدقسمتی کے سوا کچھ نہیں ہو گا" اس نے میری بات آگے بڑھائی "ہم نے ابھی تک خود کو بہت کامیابی سے چھپایا ہوا ہے کیونکہ ہم غیر ضروری طور پر سامنے آنے اور ہاتھ پیر چلانے سے گریز کرتے ہیں۔"

"پروگرام بنالیا تھا لیکن ایسی شاندار کامیابی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی" میں نے اپنے دل کی بات عابد سے کہہ ڈالی "ناگر نے ناگہانی طور پر درمیان میں کود کر ہم سب کے لیے متعدد آسانیاں فراہم کر دی ہیں۔"

"را کے دفاتر میں کئی دنوں تک صفِ ماتم بچھی رہے گی۔ را جیسی مضبوط ایجنسی کے ایک پرانے افسر کی غداری معمولی بات نہیں سمجھی جا سکتی۔ جب تک کوئی سرا ان کے ہاتھ آئے گا، تم پاکستان واپس جا چکے ہو گے۔"

"ناگر نے اس ڈور کو ایسا الجھایا ہے کہ کسی کے ہاتھ کوئی سرا نہیں آئے گا" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔

"اچھا ہے کہ یہ لوگ اپنی آگ میں خود جلتے رہیں۔ ان ہندوؤں نے اپنے چاروں طرف بسے ہوئے پڑوسیوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ افسوس اور بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ امریکا جیسی اکلوتی سپر پاور ان کی ہم نوا بنی ہوئی ہے" عابد نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

"شاید امریکا کو بھارت سے اتنی محبت نہیں ہے جتنی چین سے نفرت ہے۔ چین کے خلاف دونوں کے مفادات مشترک ہیں۔ اس ایک نکتے پر امریکا بھارتیوں کی ہر جائز اور ناجائز بات کی حمایت کرتا ہے" عابد کا ان موٹی موٹی سیاسی حقیقتوں سے واقف ہونا ضروری تھا۔

"پھر تو امریکا اور بھارت کو نیپال کا ہمدرد ہونا چاہیے۔ وہ ہمالیہ میں چین کا قریب ترین پڑوسی ہے" عابد نے دلیل پیش کی۔

"وہ بہت چھوٹا ملک ہے۔ ایسی مفاہمت بڑے اور

طاقتور ملکوں کے درمیان ہوتی ہے۔"

"تمہاری ہر بات اپنی جگہ پر سوفیصد درست ہوتی ہے۔ دونوں بڑوں نے مل کر کئی برسوں سے اس خطے میں چھوٹی قوموں کا جینا اجیرن کیا ہوا ہے" عابد نے ایک طویل اور گہرا سانس لے کر کہا "پاکستان چھوٹی قوموں میں سب سے بڑا ہے اس لیے زیادہ عتاب میں رہتا ہے۔"

"بنگلہ دیش کے ساتھ بھی یہی سلوک ہو رہا ہے" میں نے اسے یاد دلایا "وہاں بھارتی ریشہ دوانیاں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ رائے عامہ ایک قابل لحاظ پاکستان کے ساتھ قریبی مراسم کا مطالبہ کرنے لگی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی تبدیلی ہے۔"

"میں حیران ہوں کہ نیپال جیسے چھوٹے اور امن پرور ملک میں را اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہے۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "تھوڑی دیر پہلے تم اس بارے میں کچھ بتانا چاہ رہے تھے؟"

"یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ بھارت میں شاہ بریندرا کو ان کے رجحانات اور جھکاؤ کی وجہ سے پسند نہیں کیا جاتا۔ ہر حربے میں ناکام ہونے کے بعد را نے شاہ کے گرد اپنا گھیرا ڈالنا شروع کردیا ہے۔ حد یہ ہے کہ ولی عہد کو بھی نہیں بخشا جارہا۔ لمبی منصوبہ بندی کے تحت کوشش کی جارہی ہے کہ بھارت کے کسی بارسوخ گھرانے کی کوئی دوشیزہ ولی عہد کی بیوی بننے میں کامیاب ہوجائے۔"

"کچھ کاغذات اور فائلیں تمہارے پاس ہیں۔ سات کاغذ میری جیب میں ہیں" میں نے ہنس کر کہا "انہیں پڑھ کر بھارت کے عزائم کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوسکے گا۔ تم نے گرین کوبرا فائل دیکھی ہے' اس بارے میں وہ کیا کہتی ہے؟"

"اس میں ہندی ہے نہ انگریزی۔ ہر کاغذ کرپٹوگرافی میں ہے۔ ایسی خفیہ تحریریں ہر ایک نہیں پڑھ سکتا" اس نے انکشاف کیا "اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ماہرین ان تحریروں کا ایک ایک لفظ پڑھ لیں گے۔ اس کے بعد کچھ سامنے آئے گا۔"

عابد کی زبان سے وہ خبر سن کر مجھے مایوسی ہوئی۔ بہت کچھ جان لینے کا شوق جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"یہ سب فائلیں وغیرہ تم کس طرح پاکستان بھجواؤ گے؟" میں نے رسمی طور پر پوچھ لیا۔

"ہم پاکستان کے سفارتی عملے سے دور رہتے ہیں ورنہ سفارتی ڈاک کا تھیلا ہر اعتبار سے محفوظ رہتا ہے۔"

"تم نے ایک عام سی بات بتادی۔ میں نریش شرما کے دفتر سے حاصل کیے ہوئے ریکارڈ کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

وہ چونک پڑا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "معاف کرنا۔ میں کسی اور خیال میں کھوگیا تھا۔ تم آج امرتسر اور پھر وہاں سے لاہور جارہے ہو۔ ان فائلوں وغیرہ کی اہمیت کو تم سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے۔ تمہارے ذریعے یہ جلال صاحب تک پہنچیں گی۔"

میں سوچ میں پڑگیا کیونکہ عابد کی تجویز اتنی سادہ اور سہل نہیں تھی۔

پیش گوئی

چوہدری احمد دین نے اپنے گاؤں سے دوسرے گاؤں جاتے وقت راستے میں دیکھا' ایک کم عمر لڑکا ایک ٹھیلے کو دھکیلتے ہوئے پہاڑی عبور کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ ٹھیلے پر کئی بوریاں لدی ہوئی تھیں۔ ازراہ ہمدردی چوہدری احمد دین نے اس کے ساتھ مل کر دھکا لگانا شروع کیا۔ دونوں کو پہاڑی عبور کرنے میں دانتوں پسینے آگئے۔ دوسری طرف پہنچ کر احمد دین ہانپتے ہوئے بولے "تمہیں اتنا وزن کس نے دے کر بھیجا تھا؟"

"میرے باپ نے" لڑکے نے جواب دیا۔

"اس نے سوچا نہیں کہ وزن تمہاری بساط سے بہت زیادہ ہے؟ تم اکیلے بھلا اسے پہاڑی کے دوسری طرف کیسے لاسکتے تھے؟" احمد دین نے ناگواری سے کہا۔

"ابا نے کہا تھا' تم ٹھیلا لے کر روانہ تو ہوجاؤ... راستے میں ضرور کوئی بے وقوف کا بچہ مل جائے گا جو تمہارے ساتھ لگ جائے گا" لڑکے نے معصومیت سے جواب دیا۔

○☆○

وہ اپنی دانست میں صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔ اس ریکارڈ کا دیر تک بھارت میں رہنا مناسب نہیں تھا۔ ان فائلوں اور کاغذوں کو جلد از جلد پاکستان پہنچ جانا چاہیے تھا۔ مجھے وہ کام اپنے سر لینے میں کوئی عذر نہیں تھا لیکن میں خود را والوں سے چھپ کر پاکستان فرار ہو رہا تھا۔ میری پوزیشن مخدوش تھی۔ میرے پاس اس قدر مختصر سامان تھا کہ اس میں گیارہ فائلوں اور بہت سے کاغذوں کا چھپانا ممکن نہیں تھا۔

دہلی سے امرتسر اور پھر اٹاری تک مجھے کہیں بھی کوئی رکاوٹ پیش آسکتی تھی۔ جب تک میں بھارتی سرزمین چھوڑ کر پاکستان کی سرحد میں داخل نہ ہو جاتا، مجھے اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ ان فائلوں میں بیشتر کاغذات سرکاری تھے جو را کے لیٹر ہیڈ پر چھپے یا لکھے ہوئے تھے۔ اگر کہیں میرے سامان کی تفصیلی جانچ پڑتال کی نوبت آجاتی تو میرے لیے اس سوال کا جواب دینا ناممکن ہوتا کہ را کے سرکاری کاغذات میری تحویل میں کیوں تھے؟

وہ ریکارڈ مجھ سے چھن سکتا تھا اور اس کی وجہ سے میری عافیت خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ وہ کاغذات اتنے خطرناک تھے کہ جس غیر متعلقہ آدمی کی تحویل میں پکڑے جاتے وہ اپنی قومیت سے قطع نظر ایک بڑے عذاب میں مبتلا ہو جاتا۔

میں نے عابد کی وہ تجویز سن ضرور لی مگر اسے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ میں ان کاغذات کو عابد کی ذمے داری بنا کر اپنی جان نہیں چھڑانا چاہتا تھا بلکہ پوری نیک نیتی کے ساتھ ان فائلوں وغیرہ کو جلد از جلد پاکستان بھجوانے یا لے جانے کا خواہاں تھا۔ اس بارے میں سوچے سمجھے بغیر کیا جانے والا کوئی بھی غلط فیصلہ ہم میں سے کسی کے گلے کی ہڈی بن سکتا تھا۔

ہمیں را کے دفتر سے روانہ ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ میں نے اضطراری طور پر گردن پیچھے گھمائی تو سڑک تاحد نظر ویران پڑی ہوئی تھی۔

"جی تھری اور جی فور کہاں غائب ہو گئے؟" میں نے متوحش لہجے میں عابد سے پوچھا۔

"یہ بات میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا" اس نے خفت آمیز لہجے میں کہا "یہ طے ہو چکا تھا کہ ہماری کامیاب واپسی پر وہ سیدھے اپنے ٹھکانے کی طرف نکل جائیں گے۔ ہم کو غیر ضروری طور پر ایک دوسرے کے قریب نہیں رہنا چاہیے۔"

"اچھا فیصلہ تھا مگر میرے علم میں آنا چاہیے تھا۔ اب ہم دونوں کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے اپنی ناپسندیدگی کا خفیف سا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ہم گیسٹ ہاؤس ہی جائیں گے" اس کی آواز سے بدستور ندامت جھلک رہی تھی۔

میں نے روشن ہندسوں اور سوئیوں والی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ اس وقت صبح کے چار بجنے والے تھے۔ میں نے نرمی سے کہا "گیسٹ ہاؤس کے بجائے کیوں نہ اسی ٹھکانے کا رخ کیا جائے جہاں سرلا، غزالہ کے ساتھ گئی ہوئی ہے۔"

"چار بجنے والے ہیں" عابد نے ڈیش بورڈ کی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا "ایسا نہ ہو کہ ہم ادھر پہنچیں اور وہ دونوں گیسٹ ہاؤس کے لیے نکل چکی ہوں۔ ویسے بھی وہ ٹھکانا میرا دیکھا بھالا نہیں ہے۔ ایک مرتبہ رات کے وقت گیا تھا۔ شاید اس وقت یادداشت میرا ساتھ نہ دے سکے۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر گیسٹ ہاؤس ہی چلو۔ وہاں سے تھوڑی دیر بعد ائرپورٹ کے لیے نکلنا ہوگا۔ ہمارے ٹکٹ کہاں ہیں؟"

"صبح کی پرواز پر دونوں نشستیں کنفرم ہیں۔ ٹکٹ ائرپورٹ پر تیار ملیں گے۔"

ہم دونوں خاموش ہو کر اپنی اپنی سوچوں میں ڈوب گئے۔ گاڑی تیزی سے اپنا سفر طے کرتی رہی۔

میرے ذہن میں رہ رہ کر وہ خدشات سر ابھارنے لگے تھے جن کا ذکر میں غزالہ کی زبان سے سن چکا تھا۔

ہم پاکستان کے بدترین دشمن ملک کی سرزمین پر تھے اور اس کی رسوائے زمانہ سیکرٹ سروس، را سے برسرپیکار تھے۔ را والے اتنے مکار اور چالاک لوگ تھے کہ اپنے سائے تک سے بھڑکتے تھے اور کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے لیکن میرے ساتھ پیش آنے والے واقعات میں کچھ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے انل بسواس اور نریش شرما کی عقلوں پر برف جم گئی ہو یا پھر وہ اپنے گھر میں ہونے کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ پر اعتماد ہیں۔

بھارت میں ہماری پے در پے کامیابیاں قابل فخر تھیں لیکن ان میں تشویش کا ایک بھیانک پہلو بھی پنہاں تھا۔ ہر دلیل، جواز اور واقعات کے پیچ و خم کے باوجود مجھے اندیشہ محسوس ہو رہا تھا کہ بھارتیوں کی وہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ بننے والی تھی۔ وہ طوفان ہماری واپسی کے سفر کے کسی بھی مرحلے پر سر اٹھا سکتا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیبل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیبل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اور برائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوادیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیاچھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں بری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ کرتے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "نیو من سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کا ماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ تائی بی نے جلال اور ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے نیو من سوسائٹی کا قلع قمع کردیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں' میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہوگئی۔ کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم جان اسمتھ بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں کرین کوبرا فائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں را کی خوب رو ایجنٹ رینا اجیت راے مجھ سے ٹکرائی اور بے باک تنہائی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے انل بسواس سے ملواسکتی ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا گیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ رینا سے میری دوسری ملاقات بدمزگی کا شکار ہوگئی۔ اس کی ابتدا میں ہی را کے تند خو اور سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں رینا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پچھلی رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جاچکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے محتاط روی کا مشورہ دیا اور وہ فی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہوگئی۔ میں نے را کے دفتر میں انل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے کرین کوبرا فائل نظر آگئی۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی نے میرے حوصلوں کو مہمیز دی اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کرلیا۔ کوپال میرا ہم نوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اسمتھ کا کام تمام کرنے روانہ کردیا۔ ہوٹل سرات میں غزالہ سے ویرا ٹکرا گئی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے باآسانی جان اسمتھ کو شکار کرلیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہوگئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہوگیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگر نے اپنی ڈرامائی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا ہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور انا پرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کا شکار ہوگیا۔ ہم وہاں سے مال غنیمت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کردیا تھا۔ ناگر کی چتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ وہاں ہماری پے در پے کامیابیاں قابل فخر تھیں مگر بھارتیوں کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

سفر کا باقی حصہ خاموشی سے طے ہوگیا۔ میں اپنی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا' عابد علی اپنی کسی فکر میں غلطاں تھا۔ رات بیت چکی تھی۔ دہلی کی فضاؤں میں صبح کے فسوں خیز اندھیرے کا ابتدائی دور تھا۔ میری رسٹ واچ چار بجا چکی تھی۔ اس وقت دہلی کی سڑکیں سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ ہر طرف سناٹے کی حکمرانی تھی۔ اس سکوت کو بس کہیں کہیں آوارہ کتوں کی آوازیں برہم کر رہی تھیں۔

پورے شہر کی طرح سرلا دیوی کے گیسٹ ہاؤس پر بھی رات کا گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ اس گھر کے مختلف کمروں میں رہنے والے' اپنی دن بھر کی مصروفیات سے تھک ہار کر نیند کی دیوی کی محبت بھری آغوش میں سوئے ہوئے تھے۔ سرلا یا اس کی گاڑی کا دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

ہم اس مختصر سے بنگلے کا دروازہ کھول کر دبے قدموں احاطے میں داخل ہوئے۔ عابد علی نے را کے دفتر سے اڑائی

ہوئی فائلوں کا پلندہ پوری احتیاط اور مضبوطی کے ساتھ یوں اپنی بغل میں دبایا ہوا تھا جیسے ذرا سی بھی بے پروائی کی صورت میں وہ فائلیں اس کی تحویل سے نکل کر کھلی فضا میں تحلیل ہو جائیں گی۔

"سرلا ابھی تک نہیں لوٹی۔" اپنے کمرے کا تالا کھولنے کے بعد عابد علی بڑبڑایا "تمہاری امرتسر کی پرواز نہ نکل جائے۔"

"میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔" میں نے نیم روشن کمرے میں ایک کرسی سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

عابد نے فائلوں کا بنڈل پوری احتیاط سے مسہری کے نیچے اس طرح چھپا دیا کہ کسی آنے والے کی نظر اس پر نہ پڑ سکے پھر وہ ہمہ تن میری طرف متوجہ ہوگیا "اب روانگی کے آخری لمحات پر تم کیا سوچ رہے ہو۔"

"اس وقت میرا دہلی سے غائب ہونا مناسب نہیں ہے۔ آج رات کے بارے میں ہر الزام میرے سر پر ڈال دیا جائے گا۔"

میرا جواب سن کر عابد نے کھڑے کھڑے بے چینی سے پہلو بدلا اور کہا "دہلی میں تم کہاں رہو گے؟ خود کو را والوں سے کیسے بچاؤ گے؟"

اس کا اضطراب دیکھ کر میں دھیرے سے مسکرا دیا "اس وقت تم انسانی نفسیات کو بھول رہے ہو۔ اگر میرے ہاتھ صاف ہیں اور میں نے یہاں کوئی جرم نہیں کیا تو مجھے را والوں سے بچنے اور چھپنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں بے خوفی سے ان کا سامنا کروں گا۔"

"نہیں۔ نہیں۔ میں تمہیں ایسی احمقانہ دلیری دکھانے کا مشورہ نہیں دوں گا۔" اس نے بے ساختہ کہا۔ میرے جواب نے اسے پریشان کردیا تھا۔

اس کے اضطراری جواب پر میں اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ میں نے ہلکے سے تادیبی لہجے میں کہا "تم میرے ارادے کو احمقانہ دلیری قرار دیتے ہوئے شاید یہ بھول گئے کہ اس وقت میں تمہارا چیف ہوں اور تم تینوں مجھ کو جواب دہ ہو۔"

"مجھے تمہارے رتبے سے ذرا بھی انکار نہیں ہے۔" اس نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی "تم ہمیں حکم دو تو ہم تمہارے ایک اشارے پر اپنی جانوں کی بازی لگا سکتے ہیں لیکن غلطی ہر حال میں غلطی ہوتی ہے جس کا ارتکاب انسانوں سے ہوتا ہے۔ میں غلطی کی نشان دہی کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اسے تسلیم کرنا یا نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔ تم را والوں کو نہیں جانتے۔ یہ بے جان پتھروں کو بھی زبان کھولنے پر مجبور کرسکتے ہیں۔ ان کے تشدد کے تصور سے سب لرزہ براندام رہتے ہیں۔ یہ لوگ زندگی کو اس قدر طویل اور کربناک بنا دیتے ہیں کہ آدمی سچ اگلنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ اس وقت میں ان کا زرخرید انفارمر ہوں۔ انل بسواس کے درجے کے ایک اعلیٰ افسر نے مجھے منتخب کیا ہے۔ وہ اس اہم نکتے کو فراموش کرکے مجھے بلی کا بکرا نہیں بنائیں گے۔"

عابد نے بے چینی سے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا اور مجھ سے سوال کیا "ان آخری لمحات پر اپنا سارا پروگرام تبدیل کرکے تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟"

"میرا یعنی ڈینی کا نام بے داغ رہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر سکون سے جواب دیا "میں نہیں چاہتا کہ میری اچانک روپوشی کے بعد دہلی کے باخبر حلقوں میں میرے بارے میں ناگفتہ کہانیاں عام ہوں۔ یہ کہا جائے کہ مظہر خان دونلا سیکرٹ ایجنٹ تھا جو پاکستان کے لیے کام کر رہا تھا مگر اس نے انل بسواس کے ذریعے را کو ڈبل کراس کیا' اس کے اہم ریکارڈ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کیں اور سب کچھ تباہ کرنے کے بعد اچانک دہلی سے غائب ہوگیا۔"

"یہ کہانی اسی طرح بنے گی۔ تمہارے رک جانے سے ان کی سوچ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ تم بلاوجہ ایک بھیانک خطرہ مول لینے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں تمہیں ایسا کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔" عابد علی نے مجھے سمجھانا چاہا۔

"تمہارا خیال ہے کہ وہ خاصی محنت سے ہاتھ آئے ہوئے ایک پاکستانی انفارمر کو خود اپنے ہاتھوں سے ضائع کردیں گے۔"

"وہ سب کچھ کرسکتے ہیں۔ تم سمجھتے کیوں نہیں کہ چند گھنٹوں بعد نریش شرما کے دفتر میں آتش زنی اور ناگر کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پوری دہلی میں پھیل جائے گی۔ ہوٹل سمراٹ میں جان اسمتھ کے قتل کی خبر جلتی پر تیل کا کام کرے گی۔ اس وقت وہ سب کچھ بھول جائیں گے۔ ان کا مقصد صرف اور صرف یہ رہ جائے گا کہ وہ جلد از جلد ان وارداتوں کے مجرموں کو پکڑ لیں۔"

اس نے لمحہ بھر کے لیے توقف کیا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ابھی انہوں نے تم سے ابتدائی بات چیت کی ہے۔ ان کی نظروں میں تمہاری کوئی اہمیت یا وقعت نہیں ہوسکتی۔ تم دہلی اور دوسرے شہروں میں آئے ہوئے ہزاروں پاکستانیوں میں سے ایک ہو۔ اپنے ایک خوفناک مجرم کا سراغ لگانے کے لیے انہوں نے تمہاری ہڈیوں کا تیل بھی نکال دیا تو انہیں کوئی قلق نہیں ہوگا۔ بڑا ہدف حاصل کرنے کے لیے چھوٹے مہرے بہت بے رحمی سے پیٹ دیے یا پٹوا دیے

جاتے ہیں۔"

"میں اپنے ہوٹل سے یا دہلی سے غائب پایا گیا تو ان کی تمام توجہ میری طرف مبذول ہو جائے گی۔ انل بسواس سے لے کر بھارت کی وزارت خارجہ تک کے لیے یہ ایک آسان کہانی ہوگی کہ مظہر خان نامی ایک پاکستانی دہشت گرد، ہر بھارتی ایجنسی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر دہلی پہنچا اور اپنا کام پورا کر کے اچانک یہاں سے غائب ہو گیا۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ ناگر نے غیر متوقع طور پر درمیان میں کود کر کئی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔"

"میری دانست میں ناگر کی وجہ سے تمہارے لیے خطرات کم نہیں ہوئے بلکہ اور بڑھ گئے ہیں۔" وہ دہشت زدہ لہجے میں بولا "یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ تم نے کسی طرح اسے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اسے استعمال کر کے نریش شرما کے دفتر میں گھسے اور پھر کام نکلنے کے بعد اسے بھی مار دیا۔"

"میں ایسے احمقانہ نظریات کی پروا نہیں کرتا۔" میں نے رکھائی سے جواب دیا "رینا اجیت رائے گواہ ہے کہ ناگر سے مجھے پہلی ملاقات میں نفرت ہو گئی تھی۔ اس کے دفتر میں میری اس سے ہلکی سی تلخی ہوئی۔ انل بسواس کو معلوم ہے کہ میں نے اس سے ناگر کی شکایت کی تھی۔ وہ سب ناگر کے ساتھی ہیں اور اس کی کینہ پرور فطرت سے واقف ہیں۔ وہ ان میں خونی بھیڑیے کے نام سے مشہور ہے۔ وہ کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ ناگر سب کچھ بھول کر اچانک میرے ہاتھوں بک گیا ہوگا۔"

"تم نریش سے بھی کہہ چکے تھے کہ تم آگرہ جا کر غزالہ کو تاج محل دکھاؤ گے اور پھر جلد از جلد پاکستان واپس لوٹ جاؤ گے۔" چند لمحوں کی پرتشویش خاموشی کے بعد عابد علی نے پینترا بدل کر کہا۔

"میں نے اسی ارادے سے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل چھوڑا تھا۔" میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا "مگر اب میں نے چال بدلنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مجھے اس کو بتانا چاہیے تھا کہ میں آگرہ جا رہا ہوں.... پھر اس سے وہ رابطے بھی معلوم کرنے تھے جو کراچی یا پاکستان میں مجھے استعمال کرنے تھے۔ یہ سب نہیں ہوا۔ گرین کوبرا فائل کے لیے ہمیں اچانک اور خاموشی سے ہوٹل چھوڑنا پڑا۔ اب ہم اسی طرح خاموشی سے دوبارہ اسی ہوٹل میں پہنچ جائیں گے۔ را والے ہماری طرف آئے تو ہمیں اپنی پرانی جگہ پر موجود پائیں گے۔"

"مظہر خان! یہ معاملہ اب اتنا سیدھا نہیں رہا۔" اس نے اصرار کیا "تم نے اپنا حساب بے باق کر کے ہوٹل چھوڑا تھا۔ یہ بات ہوٹل کے ریکارڈ پر ہوگی۔ تمہاری واپسی تم کو اور زیادہ مشتبہ بنا دے گی۔ رات سے اب تک کے وقت کا تم کیا حساب دو گے؟"

"بس یہی مسئلہ سب سے اہم ہے اور اس کا ایک مسکت جواب موجود ہے۔ ہم اس شہر میں اجنبی سیاح ہیں۔ ہم کناٹ پلیس اور انڈیا گیٹ وغیرہ میں گھومتے رہے اور پھر اتنے تھک گئے کہ آگرہ روانگی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔" میں نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا "یہ تم نے بہت اچھا کیا کہ دہلی سے امرتسر کی پرواز پر تم نے میرے اور غزالہ کے لیے مسٹر اور مسز بلی کے چوپڑہ کے نام استعمال کیے تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت یہ ثابت نہیں کر سکے گی کہ ہمارا امرتسر کی طرف فرار ہونے کا کوئی ارادہ تھا۔"

"راجیسے ادارے بہت سفاک اور بے رحم ہوتے ہیں۔ وہ ثبوت اور گواہی پر نہیں چلتے۔ بس کسی کے ذہن میں کوئی شک پیدا ہو جائے تو اسی پر کارروائی کا آغاز کر دیا جاتا ہے۔ بقیہ کمی تھرڈ ڈگری کے تشدد سے پوری کر لی جاتی ہے۔"

"مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ میں آہنی اعصاب کا مالک نہیں ہوں۔" میں نے اپنے لہجے کی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا "میں نے راستے میں اپنے اقدام کے نتائج کے بارے میں خاصا غور کیا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ میرا یہاں رکنا میرے لیے سود مند ہوگا۔ میں نے فرار یا روپوشی کی راہ اختیار کی تو مظہر خان اور غزالہ کا نام جھنڈے پر چڑھ جائے گا۔ بھارت کی سرزمین میرے لیے ممنوعہ بن جائے گی اور میں کبھی ادھر کا رخ نہیں کر سکوں گا۔"

"تم بہت ضدی ہو۔" عابد علی نے تھک کر ہتھیار ڈال دیے "میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ را والے تمہارے ساتھ جو بد سلوکی کریں گے، اسے روکنا ہمارے بس سے باہر ہوگا۔ ہم پس پردہ رہ کر کام کرنے والے لوگ ہیں۔ کیسی ہی ناگزیر مجبوری کیوں نہ ہو، کھل کر سامنے نہیں آ سکتے۔"

"میں جانتا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ بس دعا ضرور کرنا کہ میرا فیصلہ درست ثابت ہو۔"

"کاش! میں اپنا دل چیر کر تمہیں دکھا سکتا۔" وہ جذبات سے قدرے مغلوب ہو کر بولا "میرا رواں رواں تمہاری کامیابی کا آرزو مند ہے لیکن میرے دل میں اندیشوں کے سنپولیے کلبلا رہے ہیں۔ میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ یہ فیصلہ تم کو اذیتوں میں ڈال دے گا۔"

وہ عابد علی کا آخری اور بھرپور حربہ تھا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اس کی پشت پر ہلکی سی تھپکی دی اور کہا "تم نے اپنا فرض پورا کر لیا۔ اب مزید کچھ نہ کہنا۔ ویرانوں کا سفر کہنے

والے خطرات سے نہیں ڈرتے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں نظر انداز نہ کریں لیکن بات پوچھ گچھ سے آگے نہیں بڑھے گی اور چند روز کے بعد مجھے ایک بار پھر تمہارے ساتھ کام کرنے کا موقع مل سکے گا۔“

اسی وقت باہر کسی گاڑی کے رکنے اور انجن بند ہونے کی ہلکی آوازیں آئیں جو رات کے گہرے سناٹے میں کافی نمایاں تھیں۔

مجھے توقع تھی کہ غزالہ، سرلا دیوی کے ساتھ واپس لوٹ آئی ہو گی مگر عابد علی کے چہرے کے وحشت انگیز تاثرات دیکھ میں بوکھلا گیا۔

”خاموشی سے باہر رینگ آؤ!“ کمرے کی بند فضا میں عابد کی سرسراتی ہوئی آواز میرے کانوں تک پہنچی ”یہ سرلا کی گاڑی کے انجن کی آواز نہیں ہے۔ ہمیں چھپ کر دیکھنا ہو گا کہ ایسے نامناسب وقت پر کون یہاں آیا ہے۔“

وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنی جگہ پر نہیں رکا۔ بات پوری کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کی بات حق بجانب تھی۔ اس وقت خطرے کے کسی بعید ترین امکان کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں نے کسی تردد کے بغیر خاموشی سے اس کی تقلید کی۔ میں دروازے سے باہر نکلا تو وہ برآمدے میں روشن اکلوتا بلب بند کر چکا تھا۔

احاطے کا دروازہ کھل رہا تھا ہمارے پاس مزید مہلت نہیں تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے، دیوار سے چپک گئے۔

تاریکی میں متحرک تاریک تر نسوانی ہیولا میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ میں نے اسے پہلی نظر میں پہچان لیا اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔ باہر کسی گاڑی کے انجن کی آواز میں نے اپنے کانوں سے سنی تھی۔ وہ آواز عابد کے لیے نئی تھی۔ ہم دونوں میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ غزالہ کس کے ساتھ اور کیوں آئی تھی اس لیے میں نے اپنی زبان سختی سے بند رکھی۔ اسی اثنا میں گاڑی کا انجن دوبارہ بیدار ہوا اور وہ ہیڈ لیمپس روشن ہونے کے بعد تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

میرے دل میں اندیشے بیدار ہو چکے تھے۔ سب سے پہلے میں نے یہ دیکھا کہ غزالہ کی چال ہموار تھی پھر جانے والی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کے انعکاس میں، میں نے اس کے لباس کو صحیح حالت میں دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ وہ بدحال کر دینے والی کسی آفت سے گزرے بغیر لوٹ آئی تھی۔

غالب امکان یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ ٹیکسی سے آئی تھی۔ نہ جانے وہ کون سا شریف ٹیکسی ڈرائیور تھا جس نے غزالہ جیسی خوب رو اور جواں سال عورت کو منہ اندھیرے اس کے دیئے ہوئے صحیح پتے پر پہنچا دیا تھا.... غزالہ نے وہ گیسٹ ہاؤس دیکھا ہوا ضرور تھا مگر اسے اس کا پتا کیسے معلوم ہوا.... سرلا دیوی خود کہاں رہ گئی تھی.... غزالہ کو واپسی کا سفر تنہا کیوں کرنا پڑا؟

چند ثانیوں میں وہ متعدد سوالات میرے ذہن میں ابھر آئے۔ گیسٹ ہاؤس کا احاطہ مختصر سا تھا۔ چند لمحوں بعد میں غزالہ کے سامنے تھا۔

برآمدے میں تاریکی پھیلتی دیکھ کر غزالہ کو گڑبڑ کا احساس ہو گیا تھا۔ میں نے خاموشی اور گرم جوشی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے کمرے میں لے گیا۔ ہم دونوں کے پیچھے پیچھے عابد علی بھی کمرے میں آ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور آنکھوں سے خوف عیاں تھا۔

”سرلا کہاں رہ گئی؟ تم اکیلی کیوں آئی ہو؟“ دروازہ بند کرتے ہی عابد نے سوال کر ڈالے۔

”سڑک پار کرتے ہوئے، سرلا کی ایک گاڑی سے ٹکر ہو گئی۔ فکر مت کرو۔ خیریت ہو گئی۔ اس کی بائیں پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی ہے۔ کوئی اور کاری زخم نہیں آیا۔ وہ راج گھاٹ اسپتال میں ہے اور میں سیدھی وہیں سے آ رہی ہوں۔“

غزالہ نے ایک ہی سانس میں ہر بات کہہ ڈالی۔

پنڈلی ٹوٹنا بھی کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا مگر اس وقت ہم سب کے ذہنوں پر دوسری الجھنیں طاری تھیں اس لیے عابد علی نے بھی اس اطلاع کو زیادہ اہمیت نہیں دی اور قدرے جھلائے ہوئے انداز میں پوچھا "عجیب عورت ہے وہ... کوئی حادثہ ہو گیا تھا اور وہ ہوش و حواس میں تھی تو فون تو کر سکتی تھی۔"

"یہ ڈیڑھ بجے کا واقعہ ہے۔" غزالہ نے تھکے ہارے انداز میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے بتایا "اس نے مجھے یہاں کا فون نمبر دیا تھا۔ میں تین بجے تک بار بار پبلک فون سے نمبر ملاتی رہی لیکن یہاں سے کوئی جواب نہیں ملا..."

"ہاں!" میں نے اس کی بات درمیان سے اچک کر کہا "ہم پونے چار بجے کے قریب یہاں واپس آئے تھے۔"

"اس بے چاری کو اپنی چوٹ سے زیادہ میری واپسی کی فکر تھی۔" غزالہ نے ترحم آمیز لہجے میں بتایا "اسے یہ معلوم تھا کہ مجھے چار بجے تک یہاں واپس پہنچ جانا چاہیے۔ اس نے ایمرجنسی ڈیوٹی سے واپس جانے والے ایک ڈاکٹر کی خوشامد کر کے مجھے واپس بھجوایا ہے۔ راستے میں وہ بتا رہا تھا کہ مجھے پہنچانے کی وجہ سے اس کے گھر کا فاصلہ دس گیارہ کلو میٹر بڑھ گیا۔ وہ بہت ہی شریف اور مہذب آدمی تھا۔"

"سرلا کی گاڑی کہاں ہے...؟ یہ پولیس کیس تو ضرور بنا ہو گا۔" عابد فکر مند ہو گیا۔

"سرلا کی گاڑی بازار کی پارکنگ میں کھڑی ہوئی ہے۔ اس کی نشان دہی وہ خود کر سکے گی۔ اسے ٹکر مارنے والا گاڑی سمیت موقع سے بھاگ گیا تھا۔" غزالہ بتا رہی تھی "لوگوں نے اٹھا کر اسے قریبی اسپتال تک پہنچا دیا۔ وہ بڑا اسپتال ہے مگر وہ پولیس کیس نہیں لیتے۔ سرلا نے اودھم مچا دیا کہ اس کا خون ضائع ہو رہا ہے۔ اسے پولیس رپورٹ نہیں، صرف طبّی امداد چاہیے۔ بھاگنے والا کبھی کسی کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ انہوں نے سرلا سے ایک تحریر پر دستخط لینے کے بعد اسے تھیٹر میں پہنچا دیا۔ پلاسٹر اور دواؤں کے اثر سے تھوڑی دیر بعد اس کی حالت بہتر ہو گئی تھی۔"

"تم نے اسے یہ تو نہیں بتایا کہ چھ بجے کی پرواز سے تمہیں امرتسر جانا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے پوچھا نہ میں نے بتایا۔" غزالہ نے وضاحت کی "وہ بے چاری زخمی ہونے کے بعد بھی میری واپسی کے بارے میں فکر مند تھی۔"

"اسے بس اتنا بتایا گیا تھا کہ چار بجے تم دونوں چلے جاؤ گے۔" عابد نے کہا "اس سے امرتسر یا آگرے کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا۔"

"بات ذرا بے رحمانہ ہے۔" میں نے غور سے عابد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "لیکن تم اجازت دو تو ہم ہوٹل سے اپنی غیر حاضری کے جواز میں سرلا والے حادثے کو استعمال کر ڈالیں۔ راج گھاٹ اسپتال سے تصدیق ہو جائے گی کہ غزالہ کی سہیلی وہاں زخمی حالت میں پڑی ہوئی ہے۔"

"نہیں، میں یہ مشورہ نہیں دوں گا۔ سرلا کو غزالہ کا نام نلنی بتایا گیا تھا۔" اس نے کہا۔

"وہ شروع سے آخر تک مجھے نلنی ہی کہتی رہی۔" غزالہ نے فوراً عابد کے بیان کی تصدیق کر دی۔

وہ اہم ترین نکتہ تھا۔ سفری دستاویزات اور ہوٹل کے ریکارڈ میں اس کا نام غزالہ تھا۔ سرلا دیوی اسے نلنی کے نام سے پہچانتی تو شبہے کی ابتدا ہو جاتی اور پھر بال کی کھال نکلنی شروع ہو جاتی۔ میں نے وہ خیال اسی لمحے اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔

"تم اپنی بات پر قائم ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فائلوں کا بندوبست مجھے ہی کرنا پڑے گا۔" عابد نے کہا۔

"مجبوری ہے۔ ذرا بنڈل نکالو۔ میں ایک نظر دیکھ تو لوں کہ ان میں کیا کچھ ہے۔" میں نے خواہش ظاہر کی۔

"آپ لوگوں کے مشن کا کیا رہا؟" غزالہ نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"مکمل ترین کامیابی حاصل ہوئی۔" میں نے آسودہ لہجے میں اسے بتایا "کرین کوبرا فائل کے ساتھ پاکستان سے متعلق بہت سا اہم ریکارڈ ہاتھ آیا ہے۔ را والوں کا اہم ترین ریکارڈ اب تک جل کر خاک ہو چکا ہو گا۔ اسی ملبے میں ناگر کی خاکستر لاش بھی ہو گی۔"

"ناگر...!" غزالہ کے دہانے سے دبی دبی تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "وہ وہاں کہاں سے آ گیا۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ اس کی موت اسے وہاں کھینچ لائی تھی۔"

اسی اثنا میں عابد مسہری کے نیچے سے فائلوں کا بندھا ہوا بنڈل لے آیا۔

"یہ سب ہو چکا ہے تو اب وقت تیزی سے نکلا جا رہا ہے۔" میرے کانوں میں غزالہ کی مضطربانہ آواز آئی "اب ہمیں جلد از جلد دہلی سے نکل جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی ان مصروفیتوں میں امرتسر کی پرواز ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔ ساڑھے چار بج چکے ہیں۔"

میں نے فائل کے اوراق سے نظریں اٹھا کر غور سے اس کی طرف دیکھا اور دھیرے سے کہا "اب امرتسر کو بھول جاؤ۔ ہم کہیں نہیں جائیں گے۔ فی الحال دہلی میں رک کر ہر قسم کے حالات کا سامنا کریں گے۔ نئی کامیابی کے بعد پروگرام کی یہ تبدیلی ضروری ہوگئی تھی۔"

حیرت سے غزالہ کی بڑی بڑی اور نشیلی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں اور اس نے تقریباً بے اعتباری سے دہرایا "آپ یہیں ٹھہریں گے۔ کیا اس طرح ہم غیر ضروری خطرات کو دعوت نہیں دیں گے؟"

"میرا بھی یہی خیال ہے لیکن مظہر اس سے متفق نہیں ہیں۔" عابد علی کو اپنی بات ایک مرتبہ پھر دہرانے کا موقع مل گیا۔

غزالہ نے اس بے چارے کی امیدوں پر اسی لمحے اوس ڈال دی۔ اس نے کسی تذبذب کے بغیر کہا "اگر آپ نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے تو پھر درست ہی ہوگا۔ مجھے اس پر پورا اعتماد ہے لیکن بے چاری این کاویل اس تبدیلی سے پریشان ہوجائے گی۔"

این کاویل کے ذکر پر عابد علی چونکا۔ میں نے سرسری لہجے میں پوچھا "کیوں؟ اسے کیا پریشانی لاحق ہوسکتی ہے؟"

"وہ رات کی ٹرین سے امرتسر کے لیے نکل چکی ہوگی۔ صبح وہاں پہنچ کر ہمارا انتظار کرے گی۔"

"یہ اس کی غلطی ہوگی۔ میں نے مل جانے کا سرسری تذکرہ کیا تھا۔ اس سے کوئی پروگرام طے نہیں ہوا تھا۔ ہم نہ پہنچے تب بھی اسے اٹاری کے راستے لاہور کی طرف اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے۔ ہماری اور اس کی دمیں آپس میں بندھی ہوئی نہیں ہیں۔"

"این کب تک امرتسر پہنچے گی۔" عابد علی نے بے ساختہ سوال کیا۔

"یہ ریلوے شیڈول سے معلوم ہوسکے گا' اسے بتا دیا گیا تھا کہ آج رات اسے ہر حال میں دہلی سے نکل جانا ہے۔" میں نے فائلیں دوبارہ باندھتے ہوئے کہا "زیادہ سے زیادہ وہ رات کی آخری ٹرین سے امرتسر کی طرف نکل گئی ہوگی۔"

"یہ فائلیں آپ لوگ را کے دفتر سے لائے ہیں؟" غزالہ نے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں۔ میں دیکھنا چاہ رہا تھا کہ ان میں کیا مواد ہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ہر فائل میں کرپٹوگرافی استعمال کی گئی ہے۔"

"میں نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ ان فائلوں کو پڑھنا ہمارے بس سے باہر ہے۔ ہر لفظ' فقرہ اور نقشہ خفیہ زبان میں ہے جسے اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ماہرین پڑھ سکیں گے۔" عابد نے تبصرہ کیا "ہم صرف را کے نام اور مونوگرام کو سمجھ سکتے ہیں۔"

مجھے یاد آگیا کہ نریش شرما کے دفتر میں' میں اپنی وڈیو فلم کی تلاش میں سرگرداں تھا اور عابد علی عرف گوپال ان کارآمد فائلوں میں اپنا سر کھپا رہا تھا جس کی تلاش آئی بی والوں کے لیے اولین ترجیح کا درجہ رکھتی تھی۔

"تمہیں این کے امرتسر پہنچنے کے وقت میں یکایک کیوں دلچسپی پیدا ہوگئی؟" میں نے عابد سے پوچھا۔

"میرے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ اگر اس پر بھروسا کیا جاسکتا ہے تو میری ایک مشکل آسان ہوسکتی ہے۔" اس نے کہا۔

"تم کو اندر کی ہر بات معلوم ہے۔ اس کے رنگ و روپ پر نہ جاؤ۔ اپنے چہرے مہرے سے وہ امریکی ضرور لگتی ہے مگر اس کا دل ہم سب سے زیادہ پاکستانی ہے۔ اپنی تمام تر خامیوں اور خرابیوں کے باوجود وہ پاکستان کے لیے اپنی جان پر کھیل جانے کا جذبہ رکھتی ہے۔"

"پھر میں چھ بجے والی پرواز سے خود امرتسر جاتا ہوں۔" دہلی سے ویرا کی واپسی کا پروگرام سن لینے کے بعد وہ اچانک بہت زیادہ پرجوش نظر آنے لگا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "این ایسی عورت ہے کہ میرے لیے امرتسر میں اس تک پہنچنا دشوار نہیں ہوگا۔ وہ کہیں بھی نہ ملی تو امرتسر سے واہگہ کی طرف جانے والی ٹرین پر ضرور مل جائے گی۔ میں یہ فائلیں ایک تھیلے میں ڈال کر اسے دے دوں گا۔"

اس کی تجویز معقول تھی۔ وہ فائلیں ہمارے ہاتھ آگئی تھیں تو ان کا زیادہ دیر تک بھارت میں رہنا خطرناک تھا۔ حالات کسی بھی وقت پلٹا کھا سکتے تھے اگر کسی وجہ سے وہ فائلیں ہمارے ہاتھ سے نکل جاتیں تو ہم میں سے کوئی بھی عمر بھر خود کو معاف نہیں کرسکتا تھا۔

"تم ضرور کوشش کرو۔ ہم دونوں اس پرواز پر نہیں جارہے۔ تمہیں جگہ مل جانی چاہیے۔"

"کوئی اپنی نیند خراب کرکے اتنے سویرے' مہنگا ہوائی سفر کرنا پسند نہیں کرتا۔ مجھے سیٹ آسانی سے مل جائے گی۔ یہ پرواز ان لوگوں کے لیے ہے جو چند گھنٹے امرتسر میں گزار کر لاہور کی طرف سفر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"این سفید فام ہے۔ اس پر کسی کو شبہ نہیں ہوسکے گا۔ یہ خیال رکھنا کہ لاہور میں اسے اس ذمے داری سے جلد از

جلد سبکدوش کردیا جائے۔"

"دہلی سرحد سے دور ہے اور پھر صدر مقام ہے۔ یہاں ہم بہت محتاط رہتے ہیں۔ امرتسر اور لاہور والوں کے درمیان رابطہ رہتا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ واہگہ یا لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر جلال صاحب خود این سے وہ تھیلا لے لیں۔"

"یہ بندوبست ہر اعتبار سے بہتر اور شاندار رہے گا۔" میں نے مسرت اور اطمینان کا اظہار کیا۔

ان اہم فائلوں کو پاکستان پہنچانے کی وہ راہ عابد کو اچانک سوجھی تھی۔ اس نے اپنے بے سروسامان کمرے میں تھیلا تلاش کرنا شروع کردیا۔ وہاں ان لوگوں کی ضروریات بہت محدود اور مختصر تھیں اس لیے کوئی تھیلا وغیرہ نہیں مل سکا۔ شاپنگ بیگ اس قدر ہلکا اور غیر محفوظ تھا کہ زیادہ دیر تک گیارہ فائلوں کا بوجھ نہیں سہار سکتا تھا۔ کہیں بھی تھیلے کی تیلی سی پرت پھٹتی اور سارے خفیہ کاغذ بکھر کر رہ جاتے۔

اس موقع پر غزالہ کی نسوانی ذہانت کام آئی۔ اس نے ایک تکیے کا غلاف اتار کر عابد کے سامنے پیش کردیا۔ غلاف میں نہ صرف ساری فائلیں سما گئیں بلکہ مضبوطی سے لپٹ بھی گئیں۔ عابد نے اس غلاف کو مضبوطی سے باندھا' شاپنگ بیگ میں ڈالا اور پھر ایک چرمی دستی بیگ میں محفوظ کرلیا۔

وہ اس تھیلے کے ساتھ امرتسر کی طرف سفر کرنے کے لیے تیار تھا۔ ہم دونوں کو اپنے مختصر اسباب کے ساتھ ہوٹل واپسی کے لیے کسی تیاری کی ضرورت نہیں تھی۔

عابد کے لیے اس وقت بھی صرف گرین کوبرا فائل اہم ترین تھی جس کے حصول کے لیے اسے اپنے افسران بالا کی طرف سے ہدایت ملی ہوئی تھی۔ دیگر دس فائلوں کی افادیت کا اسے حقیقی اندازہ نہیں تھا۔ وہ اس پورے پلندے کے لیے باربار صرف جی سی کا کوڈ استعمال کررہا تھا۔

امرتسر میں عابد کو جی سی والا تھیلا دیرا کے حوالے کرنے کے سوا کوئی کام نہیں تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اپنا کام پورا کرتے ہی وہ اگلی پرواز سے دہلی واپس لوٹ آئے گا۔ اس دوران میں وہ اپنی گاڑی پوری بے فکری سے دہلی ایرپورٹ پر چھوڑ سکتا تھا۔

اس وقت حالات کچھ ایسی نہج پر آگئے تھے کہ وہ دہلی سے اپنی غیر حاضری کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اسے اپنے ساتھیوں کو بریف کرنا تھا۔ سرلا دیوی حادثاتی طور پر اسپتال پہنچ گئی تھی۔ اس کی دیکھ بھال بھی ضروری تھی کیونکہ دہلی میں ان کا خفیہ ٹھکانا اور باہمی رابطہ اسی کے ذریعے چل رہا تھا۔ وہ لوگ اپنے ایرٹیں ناگزیر ضرورت کے تحت ہی استعمال کرتے تھے کیونکہ عام اور کھلی ہوئی جگہوں پر اس کی نمائش ناممکن تھی جبکہ فون ہر وقت اور ہر جگہ استعمال کیا جاسکتا تھا۔

وہ بھارت میں مامور انٹیلی جنس بیورو والوں کے اپنے انتظامی معاملات تھے جن سے کسی نہ کسی حد تک میرا تعلق بھی استوار ہوچکا تھا۔ ان سب سے بڑھ کر عابد کے لیے یہ بات اہم تھی کہ میں ایک خطرناک فیصلہ کرچکا تھا۔

اس نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر مجھ سے کھلے الفاظ میں معذرت کرلی تھی کہ میرے اندازوں کے برعکس اگر میرے ساتھ کوئی سختی کی گئی تو وہ یا اس کے ساتھی میرے لیے کچھ بھی نہیں کرسکیں گے پھر بھی میری سلامتی کی طرف سے غافل اور لاتعلق نہیں رہ سکتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم تینوں نے سرلا دیوی کے گیسٹ ہاؤس کو الوداع کہہ دیا۔ پروگرام یہ تھا کہ عابد ہمیں ہمارے ہوٹل کے قریب چھوڑ کر تیزی سے ائرپورٹ کی طرف روانہ ہوجائے گا تاکہ وقت ضائع کیے بغیر امرتسر میں ویرا تک پہنچ سکے۔

گیسٹ ہاؤس سے ہوٹل کی طرف سفر کرتے ہوئے میں نے عابد کو سختی سے منع کردیا کہ وہ ویرا کو ہمارے پروگرام میں تبدیلی کی ہوا بھی نہ لگنے دے۔ اگر اس کی کھوپڑی میں یہ بات سما جاتی کہ ہم اسے بھارت سے روانہ کرکے بے فکری سے اپنا کام جاری رکھنا چاہتے ہیں تو وہ خاص طور پر میری طرف سے بدگمان ہوجاتی اور اسی لمحے لاہور جانے کا ارادہ ترک کرکے دہلی واپس لوٹنے کی تیاری شروع کردیتی۔

ایک دوسرے کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے ہم کناٹ پلیس کے ایک حصے میں الگ ہوگئے۔ عابد اپنی گاڑی میں تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ ہم دونوں تھکے ہارے سیاحوں کی طرح خراماں خراماں ہوٹل کی راہ ہو لیے۔

کناٹ پلیس کی جگمگاتی ہوئی دکانیں بند ہوچکی تھیں' ساری رونقیں دم توڑ چکی تھیں مگر پھر بھی وہ علاقہ سنسان نہیں ہوا تھا۔ کہیں کہیں کوئی شب بیدار جوڑا یا کوئی بہکا ہوا شرابی مست خرامی کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ شہر کے ان مہمانوں کا ساتھ دینے کے لیے دہلی کے بلدیاتی عملے کے متعدد مرد و زن اپنی جھاڑو تھامے سنبھالے سڑکوں پر نکل آئے تھے تاکہ اگلی صبح کے بازار سجنے سے پہلے پچھلے روز کا کوڑا کرکٹ سمیٹ کر ٹھکانے لگاسکیں۔

ہم ہوٹل کے روشن مگر خوابیدہ پورچ میں داخل ہوئے تو

باوردی دربان نے دور ہی سے اندازہ لگالیا کہ ہوٹل کے تھکے ہارے مہمان واپس آرہے ہیں۔ اس کے ایما پر ایک نوجوان اور باوردی پورٹر دروازہ کھول کر تقریباً دوڑتا ہوا ہماری طرف آیا اور اس نے ہمارے مختصر تھیلے اپنی تحویل میں لے لیے۔ وہ بوجھ زیادہ نہیں تھا مگر اس وقت مجھے گراں گزر رہا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ہوٹل کا مستعد عملہ اپنے مہمانوں کی خدمت کے لیے اتنا چوکنا رہتا تھا۔

مسافروں سے معقول ٹپ کی امید اپنی جگہ ایک محرک تھی لیکن اس کے باوجود وہ سروس متاثر کن تھی۔

رات اپنے آخری سانس پورے کرکے دم توڑ چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد صبح کا 'ملگجا اجالا' رات کے گھور اندھیروں کو نگل جانے والا تھا۔ ان لمحات میں ہوٹل کے عملے پر بھی تکان اور سستی طاری ہوچکی تھی مگر مجھے دیکھتے ہی کاؤنٹر پر موجود لڑکی نے اپنے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ سجالی تھی۔ غزالہ کاؤنٹر سے ذرا دور رک گئی تھی۔

وہ لڑکی میرے لیے اجنبی تھی مگر نوید یہ تھی کہ ہوٹل میں کمرے دستیاب تھے۔ میرے مزید استفسار پر معلوم ہوا کہ وہ کمرا بھی خالی تھا جو پچھلی شام تک ہمارے تصرف میں تھا۔ بظاہر ہوٹل میں میرا وہ قیام پچھلے قیام کا تسلسل تھا لیکن اس لڑکی کی حد تک سب کچھ نیا تھا۔ اس بار میں نے پچھلی غلطی کا ازالہ کرتے ہوئے اپنے اور غزالہ کے لیے الگ الگ کمروں کی فرمائش کی۔

میرے پرانے کمرے سے ملحق کوئی کمرا خالی نہیں تھا مگر لڑکی نے میری خواہش کا احترام کرتے ہوئے غزالہ کے لیے اسی فلور کا ایک قریب ترین کمرا بک کردیا۔ مختصر سی رسمی کارروائی کی تکمیل کے دوران میں لڑکی پر منکشف ہوا کہ پچھلی شام ہم اسی ہوٹل میں مقیم تھے۔ غیر ملکی بلکہ شاید پاکستانی ہونے کی وجہ سے ہمارا یہ بتانا ضروری تھا اس ہوٹل میں قیام سے پہلے ہم کہاں رہ رہے تھے۔

ہم ہوٹل کے چیک ان ٹائم سے پہلے بلکہ علی الصباح ہوٹل پہنچے تھے اور ہم پر گزری ہوئی رات کا کرایہ ادا کرنا واجب تھا یوں اصولی طور پر اس ہوٹل میں ہمارا قیام مسلسل ہوگیا۔ بس درمیان میں بکنگ کی تنسیخ اور تجدید کا مختصر دورانیہ تھا جو چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں تھا۔

الگ الگ کمروں کی تجویز مجھے بروقت سوجھی تھی۔ میں نے وہ بات غزالہ کو بتائی تو اس کا منہ بن گیا "اس کی کیا ضرورت تھی۔ ہم کمروں کے درودیوار تکنے کے لیے تو یہاں نہیں آئے۔ میں آپ کے کمرے میں ہی رہوں گی۔"

"جہاں چاہو، رہ لینا۔" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "یہ نہ بھولو کہ پاسپورٹ کے مطابق ہم میاں بیوی نہیں ہیں۔ ہمارے ایک کمرے میں قیام کی وجہ سے چیکنگ کے دوران میں ایک پولیس افسر اور پھر رینا اجیت رائے ہماری طرف متوجہ ہوئی تھی۔"

وہ تلخ تجربہ یاد آتے ہی غزالہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی "آپ ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے ہیں اور وہ کبھی بلاجواز نہیں ہوتا۔"

پورٹر ہمارے سفری تھیلے لیے 'لفٹ' کے پاس ہمارا منتظر تھا۔ مختصر سے باہمی مذاکرات کے بعد ہم اسی طرف ہولیے۔ ہمیں ہم دونوں کے کمروں تک پہنچانے کے بعد پورٹر نے بخشش لی اور واپس چلا گیا۔ اس وقت غزالہ میرے کمرے میں تھی۔

کمرے کے خنک اور خواب آور ماحول میں پہنچتے ہی رات بھر کی لمبی بھاگ دوڑ اپنا رنگ دکھانے لگی تھی۔ ناگر سے ہونے والی دست بہ دست لڑائی میں آنے والی چند اندرونی ضربات کی تکلیف بھی سر ابھار رہی تھی مگر میں ناگر کے قتل اور را کے ایک ونگ میں آتش زنی کے بعد پولیس یا کسی ایجنسی کا پہلی بار سامنا کرنے تک بہت زیادہ محتاط رہنا چاہتا تھا۔

میری کوشش تھی کہ میرے کمرے میں کوئی مشتبہ چیز موجود نہ ہو۔ میں نے اپنے بیگ میں سے بیم گن اور عابد کا دیا ہوا اپریٹس نکالا اور غزالہ کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف ہولیا۔ وہ چیزیں وہاں محفوظ رہ سکتی تھیں۔

"آپ سی ایس ڈی بھول گئے۔" میرے کمرے سے نکلتے ہوئے غزالہ نے یاد دلایا۔

"محفوظ رابطے کے لیے وہ آلہ ناگزیر ہے۔ اسے میں نے دانستہ روک لیا ہے۔" میں نے کہا۔

"اس وقت ایسی ہر چیز خطرناک ہے۔ آنے والے بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ آئیں گے۔ آپ کو کم از کم اگلے چوبیس گھنٹوں تک بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ این جاچکی ہے۔ عابد بھی شہر چھوڑنے والا ہے۔ آپ کو کس سے رابطہ کرنے کی ضرورت پیش آئے گی؟"

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ غزالہ کا آخری سوال واقعی جان دار تھا۔ میں سی ایس ڈی لینے کے لیے واپس مڑ گیا۔

ہوٹل کے ایک ہی فلور پر واقع میرے اور غزالہ کے کمروں میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ بیش قیمت فرنیچر میں کوئی

ایسی جگہ نہیں تھی جہاں وہ تینوں چیزیں چھپائی جا سکیں۔ کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد میں ایک گوشے میں سے فالس سیلنگ کا بڑا سا ٹکڑا اوپر اٹھانے میں کامیاب ہو گیا جو شاید برقی تاروں اور ائرکنڈیشننگ کے نظام کی دیکھ بھال کے لیے مضبوطی سے نہیں جوڑا گیا تھا۔

یہ خطرہ تھا کہ ہوٹل کا فنی عملہ کسی شکایت کی صورت میں اس مقام تک پہنچ جاتا لیکن میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ ابتدائی خطرناک وقت پورا ہونے تک ہم میں سے کوئی ہوٹل والوں سے کسی قسم کی شکایت نہیں کرے گا۔ یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ دوسرے کمروں کی شکایت کے ازالے کے لیے ہمارے کمروں کے کسی حصے کی چھیڑ چھاڑ کی ضرورت محسوس کی جاتی۔

غزالہ نے اپنا کمرا مقفل کیا۔ ہم دونوں نے پرانے کمرے میں لوٹ کر باری باری شب خوابی کے کپڑے پہنے اور خنک فضا میں آرام دہ بستر پر ڈھیر ہو گئے۔

میں نہ جانے کب تک گہری نیند سوتا رہا پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے چاروں طرف گھنٹیاں ہی گھنٹیاں بج رہی ہوں اور کچھ نامعلوم لوگ میرے کمرے کا دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

ابتدا میں شاید وہ خواب کا حصہ تھا لیکن وہ خواب حقیقت پر اتنا حاوی تھا کہ میری نیند زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی اور آنکھ کھل گئی۔

میرا کمرا واقعی آوازوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک طرف فون کی گھنٹی مسلسل بجے جا رہی تھی۔ دوسری طرف کوئی خاصی تیز آواز میں میرے کمرے کے بند دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ میں نے بے اختیار غزالہ کی طرف دیکھا۔ وہ چادر اوڑھے گہری نیند سو رہی تھی۔

چند لمحوں کے لیے میں فیصلہ نہ کر سکا کہ پہلے کدھر توجہ دوں۔ فون میرے قریب بلکہ سرہانے بج رہا تھا اس لیے میرا ہاتھ خود بہ خود ریسیور کی طرف بڑھ گیا۔

دوسری طرف جو کوئی بھی تھا، پھٹ پڑنے کے لیے بے چین تھا۔ فون کی گھنٹیوں کا سلسلہ موقوف ہوتے ہی اس نے سمجھ لیا کہ ریسیور اٹھا لیا گیا تھا۔ میری کوئی آواز سننے سے پہلے ہی اس نے بولنا شروع کر دیا "ابھی تک کہاں مرا ہوا ہے..... دروازہ کھول ورنہ میرے ساتھی دروازہ اکھاڑ دیں گے۔"

وہ غراہٹ سنتے ہی میں سناٹے میں آ گیا۔ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ایسی غنڈا گردی اور دیدہ دلیری میرے تصور سے باہر تھی۔ میں جن لوگوں کی زد میں آیا ہوا تھا، ان سے کچھ بھی بعید از قیاس نہیں تھا۔ وہ ہر قسم کی درندگی اور زبردستی کے مظاہرے پر قادر تھا۔

مجھے یقین ہو گیا کہ وہ را کا کوئی آدمی تھا جو ہوٹل کی لابی سے انٹرکام کے ذریعے مجھے بیدار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اوپر اس کے ساتھی میرے کمرے کے دروازے پر موجود تھے۔ میرے لیے دروازہ کھولنے کے سوا کوئی راہ نہیں تھی۔

میں را والوں کی طرف سے ایسے کسی بھی وحشیانہ ابتدائی ردِعمل کے لیے تیار تھا۔ ان کا خونی بھیڑیا اپنے ہی ایک دفتر میں عبرت ناک موت مارا جا چکا تھا۔ ان کا اہم ترین ریکارڈ آگ کے بے رحم شعلے چاٹ گئے تھے۔ کسی زخم خوردہ سانپ کی طرح وہ کہیں بھی پھن مار سکتے تھے۔

اگر میں کمرے کا دروازہ کھولنے میں تاخیر کرتا تو وہ شاید دروازہ نہ اکھاڑتے لیکن ہوٹل کی انتظامیہ سے مدد لے کر ماسٹر کی کے ذریعے تالا کھلوا سکتے تھے۔ میں نے تیزی سے بستر چھوڑا اور لپک کر دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی دو صحت مند اور جوشیلے نوجوان اندر گھس آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور دیوار سے منہ لگا کر کھڑے ہو جاؤ۔" مسلح نوجوان اپنے ریوالور کی نال کو جنبش دے کر تیزی سے غرایا۔

وہ دونوں خاصے مشتعل نظر آ رہے تھے۔ میں نے خاموشی سے اس حکم پر عمل کر ڈالا۔ اس دوران میں، میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کا دوسرا ساتھی کسی توقف کے بغیر کمرے کے اندرونی حصے کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔

اس دوران میں غزالہ کی نیند بھی اچٹ چکی تھی۔ وہ برہمی سے کہہ رہی تھی "یہ کیا طوفانِ بدتمیزی پھیلا ہوا ہے.... تم کون ہو اور کس کی اجازت سے کمرے میں آئے ہو.... یہاں کے سامان کو کیوں الٹ پلٹ رہے ہو؟"

"بک بک مت کرو اور خاموش بیٹھی رہو۔" میرے کانوں میں دوسرے شخص کی آواز آئی "ہمیں اپنا کام کرنے دو۔ اگر تم نے گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو ہم تمہاری ٹھکائی کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

اس کا وہ جواب تلخ اور بدتمیزی پر مبنی تھا مگر میں نے اپنے دماغ کو قابو میں رکھنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ میں نے اس جواب میں ایک دل خوش کن پیغام چھپا ہوا محسوس کیا۔ اس نے غزالہ کی ٹھکائی کے ساتھ مجبوری کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ غزالہ کے ساتھ تشدد کرنے کا

کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ اس کی طرف سے کوئی مزاحمت کی جاتی تو وہ ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہو جاتے۔

غزالہ کی ذہانت سے مجھے امید تھی کہ اس نے بھی نو وارد کے الفاظ میں پنہاں پیغام کو سمجھ لیا ہوگا اور اس کی روشنی میں محتاط رویہ اختیار کرے گی تاکہ اسے ان کی طرف سے کسی زیادتی کا خطرہ پیدا نہ ہو۔

غزالہ نے اس دوران میں شاید یہ دیکھ لیا تھا کہ میں دونوں ہاتھ اٹھائے اور دیوار سے منہ لگائے کھڑا تھا۔ اپنی پوزیشن کی وجہ سے مجھے علم نہیں تھا کہ کمرے میں کیا کارروائی ہو رہی تھی۔ غزالہ نے مجھے ان کے عزائم سے باخبر کرنے کے لیے بلند آواز میں کہا "تم نے پورا کمرا بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ تمہیں کس چیز کی تلاش ہے۔ شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔"

"ہمیں تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔" دوسرے نے درشت آواز میں جواب دیا "ہم اپنا کام خود کرلیں گے۔ تم خاموش کھڑی رہو۔ ہمارا وقت برباد نہ کرو ورنہ تم ایک ہی ضرب میں کئی گھنٹوں کے لیے بے ہوش ہو جاؤ گی۔"

یہ قدرت کی طرف سے ایک انعام تھا کہ ان دونوں کا تعلق مردوں کے اس قبیلے سے تھا جو عورتوں کے بارے میں صاف ستھری سوچ رکھتا ہے ورنہ اس وقت تک را کے بارے میں جو کچھ سامنے آیا تھا، وہ بہت کریہہ اور گھناؤنا تھا۔

بھارت کی سب سے زیادہ فعال خفیہ ایجنسی را کی عمر بہت زیادہ نہیں تھی۔ ساٹھ کے عشرے میں بھارت کی سول اور فوجی ایجنسیوں کی مایوس کن کارکردگی اور اس کے نتیجے میں نیفا میں چین کے ہاتھوں بھارت کی ذلت آمیز شکست کے بعد یہ ضرورت شدت سے محسوس کی گئی تھی کہ نئی بنیادوں پر نئے خون کے ساتھ کسی خفیہ تنظیم کی بنیاد رکھی جائے تاکہ آئندہ ایسی فاش غلطیوں کا اعادہ نہ ہو سکے۔

را کے کرتا دھرتا اس کام کی ابتدا پیشہ ورانہ بنیادوں پر کی تھی لیکن جلد ہی را کا چلن بدلنا شروع ہو گیا اور اس کے بڑوں نے گردوپیش کے ملکوں میں بڑھتے ہوئے معاشرتی اختلاط اور بے راہ روی کی بنیادوں پر عورتوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔

ہندو مذہب اور معاشرت میں ہمیشہ سے مرد کو ناقابلِ شکست برتری حاصل رہی ہے۔ عورت کو تیسرا اور سب سے نچلا درجہ دیا جاتا ہے۔ رنڈوے مرد کو معاشرے میں پوری عزت دی جاتی تھی لیکن چند عشروں پہلے تک بیواؤں کو منحوس اور بدقسمت قرار دے کر اپنے شوہروں کی چتا میں زندہ جل مرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ جدید بھارت میں وہ شرمناک مظاہر خال خال باقی رہ گئے تھے لیکن عورت کی ذلت و تحقیر کا سلسلہ جاری تھا۔ بہت سے خاندان بیواؤں کو اپنے لیے نیک شگون نہیں سمجھتے تھے۔ ان کو سسرال والے قبول کرتے تھے نہ میکے والے کوئی جگہ دینے کو تیار ہوتے تھے۔

ایسی مجبور اور بے سہارا عورتوں کے گزارے کے لیے پورے بھارت میں جا بہ جا اناتھ آشرم قائم تھے جہاں ایسی عورتوں سے بیگار لی جاتی تھی۔ ان آشرموں میں پنڈت، پنت، مہنت اور پجاری خوب صورت اور جوان بیواؤں کے وجود سے اپنی شاموں کو حسین بناتے تھے۔ یہ واقعات کھلے راز کی طرح ہر بھارتی کے علم میں تھے لیکن کوئی اس ظلم پر احتجاج نہیں کرتا تھا کیونکہ ان کے دھرم میں عورت ایک پست مخلوق تھی جسے مرد کی خدمت، خوشی، عیش و عشرت کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ اپنے شوہروں کو نگل جانے والی عورتوں کے لیے پورے ہندو سماج میں ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں تھا!

ہندوؤں کا وہ نظریہ بہت خاموشی کے ساتھ را کی صفوں میں سرایت کر گیا جو کام بھارت کی ایک سندر ناری اپنے ناز نخروں کے بل پر کر سکتی تھی اسے کئی سورما مل کر بھی انجام نہیں دے سکتے تھے۔ را والوں نے حسین و جمیل اور پرشباب بھارتی لڑکیوں کو اپنی بھٹی کا ایندھن بنانا شروع کر دیا۔

وہ عورتوں سے کام لے رہے تھے لیکن مذہبی اور عملی طور پر عورت کی برتری کے ذرا بھی قائل نہیں تھے۔ یہ بھارت کے کچلے ہوئے اور مظلوم طبقوں کی خوش قسمتی تھی کہ اندرا گاندھی ان کے کثیر ووٹوں سے ملک پر حکمرانی کر گئی تھی لیکن بھارت میں ایک عام عورت کو خاص حد سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

را میں کبھی کوئی عورت کسی قابلِ ذکر منصب تک نہیں پہنچ سکی تھی مگر بھارت کی سرزمین پر پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ را کی نچلی سطح پر عورتوں بلکہ لڑکیوں سے بے زبان بکریوں کے ریوڑ کی طرح کام لیا جاتا تھا جو شکار کرنے کے چکر میں بار بار اپنی آبرو کی پامالی سے دوچار ہوتی رہتی تھیں۔ وہ اپنے شکاروں کی شکار ہی نہیں ہوتی تھیں، ان کے بڑے افسران بھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتے رہتے تھے۔

آوارگی اور بے آبروئی کے ایسے شرمناک فلسفے پر عمل کرنے والی ایک بھارتی ایجنسی سے تعلق رکھنے والے ان افراد کا یہ رویہ میرے لیے حیران کن تھا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ غزالہ کے ساتھ میں نے بھارت میں رک کر ایک بھیانک اور روح فرسا خطرہ مول لیا تھا۔ میری نیت

صاف تھی۔ شاید اسی لیے وہ دونوں مہمان ہمارے کمرے میں آئے تھے ورنہ ان کی جگہ ایسے درندے بھی آسکتے تھے جو مجھ سے کوئی بات کرنے سے پہلے غزالہ کو زبردستی ہوٹل سے اٹھالے جاتے۔

دوسرا شخص کمرے کی تلاشی لیتا رہا۔ چند منٹ بعد مسلح نوجوانوں نے اپنے ریوالور کی سرد نال میری گردن سے لگا کر دوسرے ہاتھ سے میری جامہ تلاشی لے ڈالی۔ میرے پاس سے کچھ برآمد ہوا' نہ کمرے میں کچھ مل سکا۔ آخر کار مجھے ہاتھ نیچے گرا کر ان کا سامنا کرنے کی اجازت مل گئی۔

''تم کو ہمارے ساتھ چلنا ہے۔'' مسلح نوجوان نے اپنا فرمان سنایا۔

''کہاں اور تم کون لوگ ہو؟'' میں نے نرم لہجے میں رسانیت سے پوچھا۔

''ہم سرکاری آدمی ہیں۔ تمہیں پوچھ گچھ کے لیے ہمارے ساتھ جانا ہوگا۔'' اس نے اٹل لہجے میں گول مول سا جواب دیا۔

''اوہ! تو تم انہیں گرفتار کرنے آئے ہو؟'' غزالہ نے خوف زدہ آواز میں پوچھا۔

''میں نے یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ پوچھ گچھ کے نتیجے میں اس کی نوبت بھی آجائے۔''

میرے ساتھ شاید غزالہ بھی سمجھ چکی تھی کہ وہ دونوں را کے اہل کار تھے اور مجھے لے جانے کے لیے مکاری سے کام لے رہے تھے۔

ہم دونوں بھارتی سرزمین پر غیر ملکی تھے۔ اپنے پاسپورٹوں کے حوالے سے ہمارا یہ استحقاق بنتا تھا کہ بھارتی پولیس یا کوئی اور ایجنسی ہمیں کسی الزام میں گرفتار کرے تو تحریری طور پر ہمارے مقامی سفارت خانے کو گرفتاری اور اس کے اسباب سے فوراً آگاہ کرے تاکہ ہمیں قانونی امداد فراہم کی جاسکے۔ اس ذمے داری سے بچنے کے لیے وہ گرفتاری کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کر رہے تھے لیکن درحقیقت مجھے پکڑ کر لے جانا چاہتے تھے۔

''عورت! کان کھول کر سن لو۔'' غیر مسلح نوجوان نے اپنی ناکام تلاشی کا سلسلہ ختم کرکے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا ''میں الفاظ کے ہیر پھیر میں نہیں پڑتا۔ سیدھی سی بات ہے کہ ہم مظہر کو پکڑ کر لے جارہے ہیں۔ تم نے اس بارے میں کسی کے سامنے زبان کھولی تو تمہارا حشر اچھا نہیں ہوگا۔ کوئی بھی پوچھے تو اسے یہی بتانا کہ مظہر چند روز کے لیے کہیں گیا ہوا ہے۔ جلد ہی لوٹ آئے گا۔''

''مگر یہ کہاں ہوں گے؟ مجھے ان کی خیر خبر کیسے ملے گی'' غزالہ نے بجا طور پر ہراساں ہو کر سوال کیا۔

''تمہیں یہ سب جاننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ واپس لوٹ آئے تو سمجھ لینا کہ سب خیریت ہے ورنہ ایک ہفتے تک انتظار کرنے کے بعد اپنے پاکستان واپس چلی جانا۔ یہ سمجھ لو کہ اس وقت ہم تمہیں بہت بڑی ڈھیل دے رہے ہیں'' اس شخص نے کہا۔

غزالہ کی آنکھیں خوف سے کشادہ ہوگئیں ''تو تم انہیں لے جاکر مارنے کا ارادہ رکھتے ہو'' اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا ''تم سب پاکستانی مسلے بہت خطرناک ہوتے ہو۔ دیکھنا ہوگا کہ چھان بین میں کیا سامنے آتا ہے۔''

غزالہ کو ایسے مرحلے کا پہلے سے اندازہ تھا۔ پھر بھی وہ اصل صورتِ حال کا سامنا کرتے ہوئے اپنے اضطراری ردِّعمل پر قابو نہ پاسکی اور جذبات کی رو میں آکر ان کی خوشامدوں پر اتر آئی۔ میں اندازہ کرچکا تھا کہ اپنی مسلسل ناکامی پر جھلا کر وہ انہیں برا بھلا کہنے پر اتر آئے گی۔ اس پر وہ دونوں مشتعل ہوسکتے تھے جب کہ میں ان کی کسی ناراضی یا برہمی کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

''تم بالکل فکر نہ کرو۔ ہمارا دامن صاف ہے۔ اپنا اطمینان کرنے کے بعد مجھے چھوڑدیں گے'' میں نے غزالہ کو دلاسا دیا اور پھر مسلح آدمی سے مخاطب ہوگیا ''چلنا ہے تو جلدی چل دو۔ دیر ہوگی تو غزالہ بکھرتی چلی جائے گی۔''

اس نے غیر ضروری طور پر میرا گریبان پکڑ کر مجھے دروازے کی طرف دھکا دیا ''بالکل شرافت اور خاموشی سے چلنا۔ ذرا بھی گڑبڑ کی تو گولی ماردوں گا۔ اس وقت ہمارے سروں پر خون سوار ہوچکا ہے۔''

میں اپنا غصہ پی گیا۔ میں ان دونوں سے پہلے کمرے سے باہر نکلا تو راہ داری میں ان کا تیسرا ساتھی ان کی واپسی کا منتظر تھا۔

وہ تینوں را کے تربیت یافتہ سیکرٹ ایجنٹ تھے۔ کمرے سے باہر آتے ہی دو آدمی میرے دائیں بائیں ہولیے۔ تیسرا پیچھے آنے لگا۔

اسی ترتیب کے ساتھ ہم تینوں لفٹ سے نیچے پہنچے' ہوٹل کے استقبالیہ ہال اور برآمدے کو عبور کیا اور پھر پارکنگ لاٹ کی طرف ہولیے۔ لوگ میرے شب خوابی کے لباس کی وجہ سے حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہم چاروں کو

دیکھ رہے تھے۔

"کم از کم مجھے یہ تو بتادو کہ میرے اوپر کیا الزام یا شبہ ہے" عمارت سے نکل جانے کے بعد میں نے کہا۔

"خاموشی سے چلتے رہو" ایک نے میری پسلیوں میں کہنی مار کر جواب دیا۔

میں اپنے طے شدہ عزائم کے تحت بھیگی بلی بنا رہا۔ وہ مجھے زندہ دیکھ کر میرے اوپر کتنا ہی جبر و تشدد کر لیتے، میری ان کامیابیوں کا حساب بے باق نہیں کر سکتے تھے جو میں نے را کے ذیلی ونگ میں حاصل کی تھیں۔

پاکستان کے بارے میں را کی اہم ترین فائلیں ان کے ریکارڈ میں سے اڑالی گئی تھیں لیکن نریش شرما کے دفتر میں ہونے والی آتش زدگی کے باعث ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکا تھا کہ دفتر میں آگ لگنے سے پہلے وہاں سے کیا کچھ اڑالیا گیا تھا۔

عابد وہ فائلیں لے کر دہلی سے امرتسر کی طرف پرواز کر گیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس وقت تک وہ ویرا کو تلاش کر کے فائلوں کا تھیلا اس کے حوالے کر چکا ہوگا اور ویرا اس مال غنیمت کے ساتھ پاکستان کی طرف روانہ ہونے کی تیاری کر رہی ہوگی۔

مجھے ان فائلوں کے متن کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ میرے لیے صرف اتنا جاننا کافی تھا کہ ہماری آئی ایس آئی ان گیارہ میں سے گرین کوبرا نامی صرف ایک فائل کے حصول کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر تیار تھی۔ میں نے کوئی قیمت ادا کیے بغیر وہ فائل حاصل کر لی تھی اور اس کامیابی کے بعد رضا کارانہ طور پر ابتدائی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار تھا کیونکہ اس کے بعد میرے ذہن میں ایک نیا نقشہ جمنا شروع ہو چکا تھا۔ اس کا روشن ترین پہلو یہ تھا کہ ان کے ذہنوں میں ڈینی کا نام نہیں ابھر سکتا تھا۔

پارکنگ لاٹ میں ان کا ایک ساتھی سیاہ رنگ کی ایک پک اپ کے ساتھ موجود تھا جس کے پچھلے حصے میں ہر طرف سے بند آہنی کیبن بنا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک شخص ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ بقیہ دو افراد مجھے لے کر پچھلے کیبن میں سوار ہو گئے۔

کیبن کا دروازہ دوبارہ بند ہونے سے پہلے میں نے دیکھا کہ پک اپ کے اس حصے میں صرف دو نشستیں تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ دو محافظوں کی موجودگی میں مجھے کوئی نشست نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔ میں خاموشی سے پک اپ کے فرش پر بیٹھ گیا۔

دروازہ بند ہونے کے بعد آہنی قید خانے میں خاصی تاریکی پھیل گئی۔ اس کی بغلی دیواروں میں ہوا کی آمد و رفت کے لیے چھت کے قریب ایسے بلائنڈز لگے ہوئے تھے جن کی ترچھی پٹیوں میں سے زیادہ روشنی کا گزر ممکن نہیں تھا۔

"یہ صورت سے بالکل بے گناہ یا پھر پرلے درجے کا حرامی معلوم ہوتا ہے۔" پک اپ کا انجن اسٹارٹ ہونے کے بعد ان دونوں میں سے ایک نے پہلی بار میرے بارے میں کوئی رائے زنی کی۔

"نریش بابو کے سامنے ذرا سی دیر میں اس کی ساری اداکاری دھل جائے گی" دوسرے نے قہر بار آواز میں کہا "عقل کام نہیں کرتی کہ یہ سب کیسے ہو گیا؟"

پک اپ ایک ہلکے سے جھٹکے سے حرکت میں آ گئی۔ چند ثانیوں تک گاڑی سست روی سے چلتی رہی پھر اس کی رفتار بڑھ گئی۔

پک اپ کے پچھلے حصے میں گمبھیر خاموشی چھائی رہی۔ بند آہنی دیواروں کے پار کچھ دیکھنا ممکن نہیں تھا کہ مجھے کن راستوں سے لے جایا جا رہا تھا۔ شہر میں کئی دنوں کے قیام کے باوجود دہلی میرے لیے اتنا اجنبی شہر تھا کہ ایک نظر میں راستے کو ذہن نشین کرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔

وہ دونوں اپنی جگہوں پر بیٹھے اطمینان سے سگریٹیں پی رہے تھے۔ کافی دیر تک شہر کی مصروف سڑکوں پر سفر کرنے کے بعد جب پک اپ نے مزید تیز رفتاری اختیار کی تو ان میں سے اچانک کسی کی لات چل پڑی۔ وہ ٹھوکر میری داہنی ران پر پڑی۔ ضرب شدید نہیں تھی لیکن میں نے نہایت سرعت سے وہ ٹانگ پکڑ کر پوری قوت سے اپنی طرف کھینچ لی۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ دونوں بیچ کے آدمی تھے اور مجھے نریش بابو تک پہنچانے کے کام پر مامور کیے گئے تھے۔ غالب گمان یہ تھا کہ وہ نریش شرما کے لیے نریش بابو کے الفاظ استعمال کر رہے تھے۔

مجھ پر وار کرنے والے کو میری طرف سے کسی جوابی ا... کی توقع نہیں تھی۔ میں نے پیر پکڑ کر زور لگایا تو وہ بے خبری میں اپنی نشست سے پھسل کر پرشور آواز کے ساتھ پک اپ کے فرش پر آ رہا۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور اپنی جگہ سے جست لگا کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔

پک اپ کے اس حصے میں گھور اندھیرا نہیں تھا اس لیے دوسرے محافظ کو خطرے کا ادراک ہو گیا۔ اپنے ساتھی کی مدد کرنے کے لیے وہ مجھ پر ٹوٹ پڑا۔

اس کا رد عمل اضطراری تھا جب کہ میں اس کی طرح

سے کسی مداخلت کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھا۔ میں نے اس کے بھاری وجود کو دونوں ہاتھوں پر روک کر اپنے نیچے دبے ہوئے شخص کے چہرے اور اوپری دھڑ پر دے مارا۔ بے ساختہ دونوں کی چیخیں نکل گئیں۔

میرے سہمے سہمے اور منکسرانہ رویے کی وجہ سے وہ مجھے بزدل اور کمزور تصور کر رہے تھے۔ میں نے آناً فاناً میں اوپر والے کے چہرے پر کئی مکے رسید کیے اور اچھل کر ان دونوں سے الگ ہو گیا، وہ دونوں غراتے اور مغلظات بکتے ہوئے فرش سے اٹھے تھے۔

"دد.... دیکھو، اب میرے قریب نہ آنا" میں نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا "لات مار کر پہل تم نے کی تھی، میرا تم سے الجھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

اس وقت تک ان میں سے ایک میرے قریب پہنچ چکا تھا۔ میرے انکشاف پر اس نے اپنے ساتھی سے پوچھا "تم نے لات ماری تھی اسے؟"

"ہاں، یہ ذلیل شخص اسی قابل ہے۔ سالے نواب کے بچے سے ایک لات برداشت نہیں ہوئی میری!"

"بس!" میرے قریب آیا ہوا شخص ہاتھ اٹھا کر پک اپ کے جھٹکے سے قدرے لہرایا اور اپنی سیٹ کی طرف جاتے ہوئے بولا "وجے! اپنے اوپر قابو رکھو۔ اس کا دماغ نریش بابو ہی درست کریں گے۔"

وجے کے ساتھی کے وہ الفاظ میرے اندازے کی تائید کر رہے تھے۔ ان دونوں کو میری توڑ پھوڑ کی کھلی آزادی نہیں دی گئی تھی۔

"نریش بابو دوسری لائن کے آدمی ہیں۔ وہ زیادہ ہاتھ پیر نہیں چلاتے" نیم تاریک کیبن میں وجے کی غراتی ہوئی آواز گونجی "اپنا کام پورا کرنے کے بعد وہ اسے ہمارے ہی حوالے کریں گے۔ پھر سالے سے گن گن کر بدلے چکاؤں گا۔"

"میں خود بھی اسے معاف نہیں کروں گا۔ تمہاری غلطی کی وجہ سے میں نے بھی اس کے مکے کھائے ہیں۔"

"اس کا حساب تو میں اسی وقت لوں گا" وجے کی غضب ناک آواز گونجی اور وہ میری طرف بڑھ آیا۔

میں نے ان دونوں کو اپنی طاقت اور صلاحیت کا احساس دلا دیا تھا۔ میرے ہاتھوں سے پٹ کر وہ ذلیل ہو چکے تھے مگر میں ہر حال میں ان کا قیدی تھا۔ میری زیادہ مزاحمت کی صورت میں وہ گولی مار کر مجھے معذور بھی کر سکتے تھے۔ بعد میں نریش سے کوئی بھی بہانہ کر سکتے تھے۔ یہی غنیمت تھا کہ میری جوابی کارروائی پر انہوں نے وقتی تحمل کا مظاہرہ کیا تھا ورنہ وہ دونوں اپنے دو مزید ساتھیوں کے ساتھ مل کر مجھے اچھا سبق سکھا سکتے تھے۔

اس بار وجے میرے قریب آ کر ذرا سا ٹھٹکا۔ میں دونوں ہاتھ اپنے پہلو میں لٹکائے، آہنی کیبن کے ایک کونے سے لگا ہوا کھڑا تھا۔ وجے کا داہنا ہاتھ حرکت میں آیا۔ میں نے ذرا بھی جنبش نہیں کی اور کیبن شڑاپ کی تیز آواز سے گونج اٹھا۔

میرا چہرہ دونوں طرف سے آہنی دیواروں کی اوٹ میں تھا۔ میرے رخسار پر وجے کا بھرپور تھپڑ نہیں پڑا مگر پھر بھی اس ضرب پر میری آنکھوں میں آنسو نکل آئے۔

"یہ تمہاری اوقات ہے" وجے غرایا "اب ہمارے منہ لگنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ اسٹریچر پر نریش بابو کے سامنے لے جائے جاؤ گے۔"

مصلحت یہ تھی کہ میں خاموش رہتا۔ میں نے بات آگے نہیں بڑھائی۔

میرے ذہن میں یہ بات پوری طرح جم چکی تھی کہ وہ لوگ میرے ساتھ جو کچھ بھی کر لیتے، اپنے خسارے کا ازالہ نہیں کر سکتے تھے۔

کچھ دیر تک یوں ہی کھڑے کھڑے جھٹکے کھانے کے بعد میں اسی گوشے میں بیٹھ گیا۔ وہ سفر تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ شاید وہ لوگ مجھے دہلی کے آباد اور مرکزی علاقوں سے نکال کر کسی مضافاتی ویرانے کی طرف لے جا رہے تھے۔

بند اور نیم تاریک وین میں مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ میں شب خوابی کے لباس میں، ناشتے سے محروم بیٹھا رہا۔ پھر پک اپ کی رفتار کم ہونے لگی۔ سست روی سے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد پک اپ ٹھہر گئی اور اس کا انجن بند کر دیا گیا۔

گاڑی رکتے ہی وہ دونوں تیر کی طرح میری طرف آئے اور سختی سے میری آنکھوں پر ایک سیاہ پٹی کس کر باندھ دی۔ میں نے اس بار بھی کوئی مزاحمت نہیں کی۔ دروازہ کھول کر انہوں نے مجھے پک اپ سے نیچے اتارا۔ میں نے اپنے بدن اور بازوؤں پر مزید کئی اجنبی ہاتھوں کے لمس محسوس کیے اور پھر کئی قدموں کی ملی جلی دھمک کے ساتھ ہمارا جلوس چل پڑا۔ انہوں نے میرے ہاتھ باندھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

اس وقت رہنمائی کے لیے صرف ایک شخص نے میرا بازو تھاما ہوا تھا۔ کچی زمین پر ہمارے قدم نہیں پڑے۔ نیچے

نیم پختہ فرش کی آہٹیں تھیں اور کھلی ہوا کے جھونکے بتا رہے تھے کہ ہم کسی میدان یا احاطے میں سے گزر رہے تھے۔
ٹھوس اور پختہ فرش پر انسانی قدموں کا آہنگ بدل گیا۔ چند سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد کھلی ہوا ختم ہوگئی۔ جوتوں کی آواز گونجنے لگی۔ ہم کسی عمارت میں داخل ہوچکے تھے جہاں متوقع طور پر نریش شرما میرا منتظر ہوسکتا تھا۔
کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں سیڑھیاں اترنا پڑیں۔ قیاس بتا رہا تھا کہ وہ مجھے کسی تہ خانے میں لے جا رہے تھے۔ زینے ختم ہونے کے بعد ہم مزید بیس قدم چلے ہوں گے کہ میرا بازو چھوڑ دیا گیا اور کسی نے زور سے مجھے آگے دھکیل دیا۔
میں بے خبری میں لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم آگے چلا گیا۔ میرے دونوں ہاتھ آگے پھیل گئے تاکہ میں کسی ناگہانی رکاوٹ سے اپنے جسم اور چہرے کے تصادم کو بچا سکوں۔ کسی چیز سے ٹکرائے بغیر میں سنبھل کر رکنے میں کامیاب ہوگیا۔ سنبھلتے ہی میں نے اپنی آنکھوں پر کسی سیاہ پٹی اوپر اٹھائی اور فوراً پلٹ کر دیکھا تو مضبوط چوبی دروازہ بند کیا جا چکا تھا۔
اس تہ خانے میں قدرتی روشنی کا گزر نہیں تھا۔ چھت میں دو ٹیوب لائٹس روشن تھیں۔ ان روشنیوں کے بعد میری نظر ایک انسانی چہرے پر پڑی اور میری روح تک کانپ کر رہ گئی۔ اس کی پیک دار آنکھوں میں عجیب دہشت اور بے رونقی رچی ہوئی تھی۔ سر اور داڑھی کے بال بے ترتیبی سے بڑھے ہوئے تھے۔ جسم پر میلا لباس تھا۔ وہ دیوار کے سہارے اکڑوں بیٹھا میری طرف دیکھ رہا تھا۔
میں نے جوں ہی اس کی طرف پیش قدمی شروع کی، وہ خوف زدہ ہوکر چیخ پڑا "نہیں، نہیں۔ مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ میں سچ بتا رہا ہوں کہ میں انٹر سروسز کا آدمی ہوں۔ پاکستان اپنا ایٹم بم بنا چکا ہے۔ یہ سارا کام زیر زمین تجربہ گاہوں میں ہوتا ہے..."
وہ بول نہیں رہا تھا بلکہ ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔ میں رک کر ترحم آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔
"ڈرو نہیں" اس کا ہذیانی دورہ ختم ہونے پر میں نے نرمی سے کہا "میں ان میں سے نہیں ہوں، ان کا قیدی ہوں۔"
وہ چیختے رہنے کے بعد تھک کر بری طرح ہانپ رہا تھا۔ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان اس نے کہا "میں کسی پر بھروسا نہیں کرسکتا.... سب آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر میں برسوں سے یہیں قید ہوں۔ پتا نہیں میری فیملی کہاں اور کس حال میں ہوگی؟ بچے کیا کر رہے ہوں گے۔ تمہیں کچھ پتا ہے ان کا؟"
"نہیں، میرے دوست! میں کچھ نہیں جانتا" اسے جواب دیتے ہوئے میرے وجود میں رقت کی ایک لہر سی دوڑ گئی "مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ تاکہ میں تمہاری مدد کرسکوں۔"
"کوئی میری مدد نہیں کرسکتا.... کوئی بھی میری مدد نہیں کرسکتا" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا سر گھٹنوں میں دیا اور کسی بچے کی طرح بلک کر رو پڑا۔
میں دبے قدموں اس کے قریب پہنچ گیا، مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ طویل قید اور تشدد کی وجہ سے اس کا ذہنی توازن خراب ہوچکا تھا، اس کے کپڑے میلے تھے لیکن بدن سے زیادہ بدبو نہیں آرہی تھی۔ شاید اسے کبھی کبھار نہانے کا موقع دیا جاتا تھا تاکہ اس کے پاس آنے والے بھارتیوں کو ناقابلِ برداشت بدبو کا سامنا نہ کرنا پڑے۔
میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہمدردی سے پوچھا "کیا تم پاکستانی ہو؟"
اس نے رونا یکلخت ترک کردیا۔ سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں خشک اور ویران تھیں "اتنے برس ہوگئے، اب مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں کون ہوں مگر خدا کی قسم، ایٹم بم میں نے نہیں بنایا۔ اب مجھے نہ مارنا۔ میری ہڈیوں کی قوت برداشت جواب دے چکی ہے۔ مجھے ایک بار میرے بیوی بچوں سے ملا دو۔"
میں را والوں کی قید میں آکر فکر مند نہیں ہوا تھا لیکن اس نامعلوم شخص کی حالت نے مجھے فکر مند کردیا۔
چند ثانیے یوں ہی گزر گئے پھر دیوار میں پوشیدہ کسی اسپیکر سے ایک انسانی آواز گونج اٹھی "مظہر خان! میں نریش شرما بول رہا ہوں۔ اس سیل میں موجود وحشی انسان کے روپ میں شاید تم نے اپنا مستقبل دیکھ لیا ہوگا۔ تم جو کہنا چاہتے ہو کہہ ڈالو۔ تمہاری ہر آواز مجھ تک پہنچ رہی ہے۔ خفیہ کیمرے کی آنکھ سے میں اس وقت تمہاری ہر نقل و حرکت کو دیکھ رہا ہوں۔"
"میں یہ سب سمجھنے سے قاصر ہوں۔ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟" میں نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔
"سچ جاننے کے لیے۔ سچ نہ اگلنے والوں کا جو انجام ہوتا ہے، اس کی ایک مثال تمہارے ساتھ بیٹھی ہے۔"
"میں تمہیں ہر بات سچ سچ بتا چکا ہوں۔ اب تم کیا جاننا چاہتے ہو؟" میں نے گھبرا کر سوال کیا۔ کوئی پوشیدہ کیمرا

میرے چہرے پر مرکوز تھا اس لیے صداکاری کے ساتھ بہترین اداکاری بھی میری ناگزیر ضرورت بن گئی تھی۔

"ناکر سے تمہارے کیسے مراسم تھے؟" نریش براہِ راست اپنے مطلب کی بات پر آگیا۔ اس نے حال کے بجائے ماضی کے بارے میں سوال کیا تھا۔

"بہت تند خو اور کینہ پرور آدمی ہے" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ حال کے صیغے میں جواب دیا "کل اس سے میری دوسری اور آخری ملاقات ہوئی تھی۔ اس سے پہلے وہ میرے فنگر پرنٹس لینے کے لیے رینا کے ساتھ میرے ہوٹل میں آیا تھا۔"

"جو باتیں مجھے معلوم ہیں وہ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ میں اندر کی کہانی جاننا چاہتا ہوں" نریش کی آواز سرد ہوگئی۔

"ہمارے درمیان کوئی خفیہ رابطہ نہیں ہے" میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا "رینا نے مجھے بتایا تھا کہ وہ بلیک کیٹس کا بہترین کمانڈو ہے اور اس کے ساتھی اسے خونی بھیڑیئے کے نام سے جانتے ہیں۔ اس جیسے خطرناک اور پیشہ ور آدمی کے ساتھ میرے کیا مراسم ہوسکتے ہیں۔ تم اس سے پوچھ سکتے ہو۔ وہ مجھے پسند کرے نہ کرے میں نے اس کے لیے کسی پسندیدگی کا جذبہ محسوس کیا۔"

"بدقسمتی یہ ہے کہ وہ ہر پوچھ گچھ سے آزاد ہوچکا ہے اسی لیے تمہاری ضرورت محسوس کی گئی ہے۔"

"کیا؟" میں حیرت اور بے یقینی سے اپنی جگہ سے اچھل پڑا "کیا وہ مرگیا؟ کل تک تو وہ بالکل ٹھیک تھا۔"

"میرے لیے افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ مرا نہیں، اسے مارا گیا ہے اور ایسی جگہ مارا گیا ہے جہاں اسے موجود نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"تو کیا تم اس کے قتل کے سلسلے میں مجھ پر کوئی شبہ کررہے ہو؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔

"اتنے معصوم مت بنو۔ دوستوں اور مخبروں کو ایسے طریقوں سے نہیں بلوایا جاتا۔"

"مجھے یہ خبر تمہاری زبان سے ملی ہے۔ کل اس نے مجھے ہوٹل پر اتار دیا تھا۔ اس کے بعد میری اور اس کی کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"مجھ سے رخصت ہونے کے بعد تم میرے دفتر میں دوبارہ کب پہنچے تھے؟"

"نریش جی! خدا کا خوف کرو" اس بار نریش کی سرد مہری پر میری آواز واقعی کانپ گئی "مجھے دوبارہ تمہارے دفتر جانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ کوئی معمولی دفتر نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ را کے حفاظتی حصار کو توڑ کر وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے۔ تم مجھ پر شبہ کیوں کررہے ہو؟"

"میں جھوٹوں سے سچ اگلوانا جانتا ہوں۔ تم نے ابھی تک اپنے قید خانے کا جائزہ نہیں لیا۔ فرش میں خاص فاصلوں پر چار فولادی شکنجے گڑے ہوئے ہیں۔ ان میں تمہاری کلائیاں اور پنڈلیاں باندھ دی جائیں گی اور دباؤ رفتہ رفتہ بڑھایا جائے گا۔ چاروں ہڈیاں چور چور ہوکر پگھلا ہوا گودا باہر بہنے سے پہلے تمہاری قوت برداشت جواب دے جائے گی اور تم چیخ چیخ کر سچ بولنے لگو گے۔ یہ ترکیب میں نے دوسرے مرحلے کے لیے بچا رکھی ہے۔"

"تم مجھے گھیر کر کسی وجہ سے مارنا چاہتے ہو تو سامنے آؤ اور میرے سر یا سینے میں پگھلا ہوا سیسہ اتار دو۔ دوستی اور ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کے سہانے وعدے کرنے کے بعد تم آج ایک دم کیوں بدل گئے ہو؟ کیوں میرے خون کے پیاسے ہوگئے ہو؟"

"تم سے ملاقات میں سب کچھ طے ہوجانے کے بعد پلوں کے نیچے سے یکایک بہت سا پانی گزر گیا۔ جو کچھ ہوا، اسے آسانی سے کیا کسی بھی قیمت پر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں اپنا مجرم درکار ہے اور تم اس خاکے کے لیے سب سے موزوں امیدوار ہو۔"

"نریش جی! میں پرانی گاڑیوں کا بیوپار کرنے والا ایک غریب تاجر ہوں" میں نے روہانسی آواز میں کہا "مجھے بتاؤ کہ میں ناکر کو کیوں مارتا۔ وہ مجھے پسند نہیں آیا تھا مگر اس سے میری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ ہمیں بہت سے لوگ پسند نہیں آتے۔ کچھ سے ہم نفرت کرتے ہیں۔ کیا ہم ان سب کو ماردیتے ہیں، پہلے تم نے مفت میں مجھے پچیس ہزار روپے ماہوار آمدنی کا لالچ دے کر خریدا اور اب میری جان کے درپے ہورہے ہو۔"

"ہوش میں رہ کر کل کی کہانی سناؤ۔ مجھ سے ملنے کے بعد تم کیا کرتے رہے اور کہاں کہاں گئے؟" دیوار سے نریش کا فرمان سنائی دیا۔

میرے ذہن میں ایک لمحے کے لیے ہلچل سی مچی۔ اسے ہم لوگوں کے ہوٹل چھوڑنے اور پھر واپس آنے کے بارے میں معلوم ہوچکا تھا یا وہ اس کی طرف سے بے خبر تھا۔ میری وہ بے یقینی اسی لمحے تک برقرار رہی اور پھر زائل ہوگئی۔ اگر وہ بے خبر تھا تب بھی وہ واقعہ ہوٹل کے ریکارڈ پر تھا۔ جلد یا بدیر نریش کے علم میں آسکتا تھا۔ میری طرف سے اسے چھپانے کی کوشش میرے حق میں مضر ثابت ہوسکتی تھی۔ فیصلہ

لمحات آچکے تھے۔ اس بار مجھے کچھ نہ کچھ بولنا تھا۔
"تمہارے پاس سے لوٹنے کے بعد میں دیر تک آنے والے خوشگوار دنوں کے بارے میں سوچتا رہا" میں نے پرخیال انداز میں کہنا شروع کیا "مجھ جیسے بے بساط آدمی کے لیے ہر مہینے پچیس ہزار روپے کی اضافی آمدنی بہت بڑی خوش خبری تھی۔ میری مشکل یہ تھی کہ رازداری کی وجہ سے میں اپنی ساتھی کو بھی اس خوشی میں شریک نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے یاد تھا کہ تم مجھے جلد از جلد پاکستان واپس بھیجنا چاہتے ہو۔ تم نے مجھے روانگی کے لیے آج شام تک کا وقت دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ رات کو ہی آگرہ اور تاج محل کی سیر کرلی جائے۔ میری تجویز پر وہ بھی راضی ہوگئی اور آٹھ بجے کے قریب ہم نے ہوٹل چھوڑ دیا۔"

الفاظ میرے ذہن میں برجستہ جنم لے رہے تھے۔ میری کوشش یہ تھی کہ اس گفتگو میں غزالہ کا ذکر اس کے نام کے بغیر ہو۔ اس وقت را کے تمام اہل کار زخم خوردہ تھے۔ غزالہ کے نام کے ذرا سے اشارے پر نریش شرما کا ذہن ڈینی اور ویرا کی طرف جاسکتا تھا۔

اپنی اس احتیاط کے ساتھ میں نے اپنی مفروضہ کہانی جاری رکھی "میرا ارادہ تھا کہ ہوٹل سے نکلنے کے بعد ہم کناٹ پلیس گھومیں گے پھر میں کہیں سے فون کرکے تمہیں بتادوں گا کہ ہم اس وقت آگرہ کے لیے روانہ ہورہے تھے۔ ضرورت پڑنے پر میں نے اپنی ساری جیبیں دیکھ ڈالیں لیکن تمہارا کارڈ نہیں ملا۔ تمہیں اطلاع دیے بغیر میں دہلی چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ دفتر کا وقت ختم ہوئے مدت بیت چکی تھی۔ تمہارے گھر کا پتا معلوم نہیں تھا۔ مجبور ہوکر میں نے آگرہ جانے کا ارادہ ملتوی کردیا مگر ہم دونوں کے ذہنوں پر تاج محل سوار تھا۔ ہم نے ہوٹل کے بند کمرے میں لوٹنے کے بجائے دہلی کی کھلی فضا میں آزادی کا کچھ رومان پرور وقت گزارنے کا فیصلہ کرلیا۔ ہم ایک ساتھ گھومتے رہے۔ جامع مسجد اور لال قلعہ کے بعد ہم دریا گنج سے ہوتے ہوئے کناٹ پلیس واپس پہنچے تو رات بہت گہری مگر خوش گوار ہوچکی تھی۔ ہم دونوں کناٹ پلیس کے مرکزی سبزے میں جاکر لیٹ گئے۔ ہمیں اس وقت ہوش آیا جب وہاں سناٹا ہوگیا اور بہکے ہوئے شرابیوں وغیرہ کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا۔ تھکے ماندے ہم ہوٹل لوٹ آئے۔ نئے سرے سے بکنگ کرائی اور کمرے میں پہنچ کر بستر پر ڈھیر ہوگئے۔ تمہارے آدمیوں نے مجھے نیند سے بیدار کرکے کمرا کھلوایا تھا اور تم دیکھ رہے ہوگے کہ میں اس وقت ناشتا کیے بغیر، سونے کے کپڑوں میں اس قید خانے میں بیٹھا ہوا ہوں۔"

"تمہاری یہ کہانی بالکل جھوٹ ہے۔ میں سچ سننا چاہتا ہوں" میرے خاموش ہونے پر نریش کی آواز گونجی۔
اس کا وہ دعویٰ اس قدر پراعتماد تھا کہ میں سناٹے میں آگیا مگر فوراً ہی سنبھل کر کہا "تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ اگر تم مجھے مارنے کا فیصلہ کرچکے ہو تو تمہیں اپنا وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ موت سے زیادہ میں سسکتی ہوئی زندگی سے ڈرتا ہوں۔"
"تمہاری ہر بات بے سروپا ہے کیونکہ تمہارے کمرے کی تلاشی لینے والوں نے میرا دیا ہوا کارڈ وہاں سے برآمد کیا ہے۔"

نریش نے وہ بات پورے وثوق سے کہی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ میرے ساتھ بلف کررہا تھا۔ اس کا دیا ہوا کارڈ میں نے بیم گن وغیرہ چھپانے سے پہلے، اپنے ہاتھوں سے پھاڑ کر غزالہ کے باتھ روم کے کموڈ میں بہادیا تھا۔
"تم بالکل غلط کہہ رہے ہو" اس بار میں نے پرزور لہجے میں احتجاج کیا "وہ وہی کارڈ ہے تو میں اسے پہچان لوں گا۔ میں نے اس کی پشت پر اپنے ہاتھ سے اپنے ہوٹل کے کمرے کا نمبر لکھا تھا۔ تم اور تمہارے آدمی اس بارے میں مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔"

نریش نے وہ بات وہیں گول کردی اور چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا "تم مجھے یہ بتارہے ہو کہ تم کل رات آٹھ بجے سے آج صبح پانچ چھ بجے تک کناٹ پلیس کے قرب وجوار کے علاقوں کی کوچہ نوردی کرتے رہے۔ کیا یہ بات مانی جاسکتی ہے؟"

"نہ مانو۔ مجھے یقین ہونے لگا ہے کہ تم کسی نہ کسی بہانے سے مجھے ٹھکانے لگانا چاہتے ہو۔"
اس بار نریش شرما کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے دو تین بار اسے پکارا پھر بھی جواب نہیں ملا۔ شاید اس نے تہ خانے کا ساؤنڈ سسٹم بند کردیا تھا۔
مجھے ناشتے کی کمی محسوس نہیں ہورہی تھی لیکن اعصابی تناؤ کے عالم میں سگریٹ کی طلب شدت سے ستارہی تھی۔ میری اور نریش کی گفتگو کے دوران میں تہ خانے کا دوسرا قیدی احمقانہ انداز میں منہ پھاڑے ہماری باتیں سنتا رہا پھر فرش پر ایک گٹھری کی صورت میں لیٹ کر سوگیا۔
اس قیدی کی باتیں بے ربط اور مجنونانہ تھیں لیکن ان سے میں یہ نتیجہ اخذ کرچکا تھا کہ وہ کوئی بدنصیب پاکستانی تھا جسے انٹر سروسز انٹیلی جنس کا رکن ہونے کے شبہے میں را

والوں نے پکڑا ہوا تھا۔ وہ اس سے پاکستان کی ایٹمی تیاریوں کے بارے میں کچھ ایسی باتیں اگلوانا چاہتے تھے جو سرے سے اس کے علم میں نہیں تھیں۔ اس کے چہرے کی مرجھائی ہوئی کھال اور بے رونقی سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ایک طویل مدت سے سورج کی روشنی دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

وہ اس قید خانے میں اپنی قید کا ایک بڑا حصہ گزار چکا تھا جبکہ میرے لیے اس قید کی ابتدا تھی۔

ایک طرف نریش شرما نے میری توجہ فرش پر گڑے ہوئے فولادی شکنجوں کی طرف مبذول کرائی تھی جن کے وحشیانہ اور آخری حد تک استعمال کی صورت میں کسی کا زندہ بچنا ممکن نہیں تھا۔ دوسری طرف اس نے مجھے یہ بتا کر خوف زدہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ میرا مستقبل پرانے قیدی جیسا ہو سکتا تھا۔

نریش کی ان دونوں باتوں میں تضاد تھا۔ ایک راستہ براہ راست اذیت ناک موت کی طرف جاتا تھا جبکہ دوسری راہ جسمانی تشدد کے بجائے ذہنی اور نفسیاتی مار کی نشان دہی کر رہی تھی جس میں جان کے فوری زیاں کا اندیشہ نہیں تھا۔

میں سوچ میں پڑ گیا کہ نریش کیا چاہ رہا تھا اور مجھے اس قید خانے میں پہنچانے کا کیا مقصد تھا؟

یہ بات طے تھی کہ پچھلی رات دہلی میں رونما ہونے والے واقعات نے اس مرکزی شہر کی انتظامیہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ مجھے اخبارات دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا اس لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ مقفل کمرے میں پڑی ہوئی جان اسمتھ کی لاش دریافت ہو چکی تھی یا وہ قتل پردۂ راز میں تھا مگر یہ ضرور طے تھا کہ را کے ایک ونگ میں رات گئے رونما ہونے والے واقعات صبح کے اخبارات میں جگہ نہ پانے کے باوجود پورے شہر کے علم میں آچکے ہوں گے اور انتظامیہ کی طرف سے شہر بھر میں مشتبہ افراد کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کر دیا گیا ہوگا۔

اگر نریش شرما نے اسی عمومی کریک ڈاؤن کے تحت مجھ پر ہاتھ ڈالا تھا تو مجھے جلد رہائی ملنے کی امید تھی۔ میرے ذہن میں دھیرے دھیرے کڑیاں یکجا ہونے لگیں۔ اگر را والوں کے پاس میرے خلاف واضح ثبوت ہوتے تو وہ ڈنکے کی چوٹ پر مجھے گرفتار کر کے فخریہ انداز میں سارے قانونی تقاضے پورے کر ڈالتے۔ انہوں نے اس طریقے سے گریز کیا تھا۔ وجے نے میرا کمرا چھوڑنے سے قبل غزالہ کو دھمکی دی تھی کہ اس نے میری گرفتاری کے بارے میں زبان بھی کھولی تو اس کا اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔

بظاہر یہی امکان قوی نظر آرہا تھا کہ میں نے پچھلے دن را کے دو بڑوں سے ملاقات کی تھی اور میں ایک کمزور سا پاکستانی تھا جسے انہوں نے اس کی رنگین مزاجی کی بنیاد پر اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ اس بنا پر افراتفری میں نریش نے مجھے اٹھوالیا تھا۔ وہ ان لوگوں کی ایک لگی بندھی حکمت عملی تھی کہ ہر نئے قیدی کو ابتدا میں ہی ایسے شدید ذہنی جھٹکوں سے دوچار کیا جائے کہ اصل باز پرس کی ابتدا ہونے سے پہلے اس کی ساری مزاحمتی صلاحیتیں دم توڑ جائیں اور حوصلہ جواب دے جائے۔ پراسرار انداز میں میرے تشدد آمیز اغوا کے بعد انہوں نے ان ہی مقاصد کے حصول کے لیے مجھے اس خوف آور تہ خانے میں پہنچایا تھا جہاں پہلے سے ایک پرانا قیدی سسک رہا تھا۔

ایسے ناخوش گوار اور حوصلہ شکن حالات میں خوش گمانی بھی ایک نعمت سے کم نہیں تھی۔ میں اس کے سہارے آنے والی دشواریوں کا پرعزم مقابلہ کر سکتا تھا۔

وقت گزاری کے لیے میں نے اٹھ کر تہ خانے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ سورج کی روشنی اور وافر مقدار میں ہوا کا گزر نہ ہونے کی وجہ سے تہ خانے کی فضا میں سیلن اور ہلکی سی بدبو رچی ہوئی تھی جسے دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ تہ خانہ اپنے رقبے کے اعتبار سے خاصا کشادہ تھا جس میں چار آہنی شکنجوں کے سوا ایذا رسانی کا کوئی آلہ نظر نہیں آرہا تھا۔ نیم گولائیوں کی ساخت کے جبڑوں والی ہر بانک پر سوکھے ہوئے خون کی موٹی تہیں جمی ہوئی تھیں جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ را کے نمائشی آلات نہیں تھے۔ گاہے گاہے انہیں استعمال بھی کیا جاتا تھا۔

چھت پر روشنیاں کچھ اس انداز میں نصب کی گئی تھیں کہ فرش روشن ہونے کے باوجود چھت اور اس سے ملحقہ دیواروں کا بالائی حصہ اندھیرے میں تھا۔ میں کوشش کے باوجود تہ خانے میں نصب اسپیکر، مائیکروفون اور خفیہ ویڈیو کیمروں کا سراغ نہیں لگا سکا۔

تہ خانے کے ایک گوشے میں بغیر دروازے کا باتھ روم تھا جہاں پانی کی ٹونٹی میں اس وقت بھی پانی آرہا تھا۔ تنہائی کی اس سخت قید میں وہ باتھ روم ایک نعمت معلوم ہوتا تھا جو را کے افسروں نے غلطی سے قیدیوں کو فراہم کر دیا تھا۔ مجھے اس کے استعمال کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

عجلت اور بھگدڑ میں میری رسٹ واچ بھی ہوٹل میں رہ گئی تھی۔ میں اس اجاڑ اور وحشت انگیز تہ خانے میں تنہا بھٹکتا رہا۔ میرا ساتھی فرش پر اتنی گہری نیند سویا تھا کہ اس

نے دوبارہ اٹھنے بلکہ پہلو بدلنے تک کا نام نہیں لیا تھا۔ اس مہیب تنہائی سے گھبرا کر میں کئی مرتبہ مضبوط چوبی دروازے تک گیا اور وہاں رک کر دوسری طرف کی سن گن لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ دروازے کے پار گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

نریش شرما اپنے ساؤنڈ سسٹم پر مجھ سے پوچھ گچھ کر کے غائب ہو گیا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ دوسری ہنگامی مصروفیات میں الجھ کر کہیں وہ مجھے بھول ہی نہ گیا ہو۔

میرے اندازے کے مطابق دوپہر کے بعد چوبی دروازہ کھلا۔ میں اپنے دل پر جبر کر کے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ آنے والے تعداد میں دو تھے۔ ایک سب مشین گن لیے دروازے پر کھڑا رہا دوسرا ایک گول پلیٹ لیے میری طرف بڑھ آیا۔ اس پلیٹ میں چائے کی ایک شکستہ پیالی اور تین خشک ٹوسٹ رکھے ہوئے تھے۔

"جلدی ناشتا کرلو۔ تمہیں پیشی پر جانا ہے۔" اس نے پلیٹ میرے حوالے کرتے ہوئے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

میں نے ممنون نگاہوں سے اس خبیث کی طرف دیکھا اور پلیٹ لے لی۔ چائے پھیکی اور ٹھنڈی تھی لیکن کچھ نہ ہونے سے بہرحال بہتر تھی۔ میں نے سوکھے ہوئے باسی ٹوسٹ چائے میں ڈبو کر اپنے حلق سے اتارے تو انہوں نے پیالی سے چائے کی آخری بوند تک چوس لی۔ میرے فارغ ہوتے ہی اس نے میرے آگے سے دونوں برتن اٹھالیے۔ ساتھ ہی مجھے بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔

میں نے اپنے بدنصیب ساتھی پر نظر ڈالی۔ وہ بدستور سویا ہوا تھا۔ میں اپنے نئے میزبان سے آگے دروازے کی طرف ہو لیا۔

مجھے حیرت تھی کہ اس بار میری آنکھوں پر پٹی نہیں باندھی گئی تھی مگر میری وہ حیرت زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ چوبی دروازہ باہر سے مقفل کرنے کے بعد گن مین اپنی گن تانے ہوشیار کھڑا ہو گیا اور پلیٹ والے نے میری پیشانی پر چڑھی سیاہ پٹی بے رحمی سے آنکھوں پر کھینچ دی۔

اس بار میرا سفر مختصر ثابت ہوا۔ مجھے تہ خانے سے نکال کر اسی عمارت کے کسی کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ مجھے لانے والے دونوں آدمی مجھے وہیں رکنے کی ہدایت دے کر واپس لوٹ گئے، جاتے ہوئے انہوں نے کمرے کا دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا تھا۔

میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ اس وقت کمرے میں میرے سوا کوئی ذی روح نہیں تھا۔ میرے دونوں ہاتھ آزاد تھے۔ میں نے جھجکتے ہوئے اپنی آنکھوں پر سے پٹی اتار دی۔

وہ کمرا واقعی ہیبت کدہ تھا۔ وہاں دیواروں کے ساتھ ایذا رسانی کے متعدد چھوٹے بڑے مشینی اور برقی آلات لگے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ را والوں نے وہاں اپنے شکار کی انگلیوں سے لے کر اس کے پورے وجود تک کو بھیانک اذیتوں سے گزارنے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ وہاں برقی جھٹکے دینے کے آلات کے ساتھ، چھت سے خون آلود تار اور رسیاں بھی جھول رہی تھیں۔

اس کمرے کا ایک دروازہ وہ تھا جس سے مجھے اندر لایا گیا تھا۔ دوسرا دروازہ بغلی دیوار میں تھا۔

یہ سوچ کر میرے ذہن پر خلجان سا طاری ہونے لگا کہ تھوڑی دیر بعد مجھے ان میں سے کسی اوزار کے سپرد کیا جانا تھا۔

را کے کام کرنے کے ڈھنگ نرالے تھے۔ وہ عیش و عشرت کے ساتھ اذیت کی انتہا سے کام لے رہے تھے۔ ایک طرف حسین اور دلکش بھارتی دوشیزاؤں کی اداؤں کے رنگین جال تھے جن میں پھنسنے والے بھول کر بھی کسی اذیت کے بارے میں نہیں سوچ سکتے تھے۔ اس حسین اور مسحور کن کھیل کے اختتام پر اذیت و عقوبت کے وہ حیوانی آلات اور حربے تھے جن کے سائے میں انسان عیش و آرام کا تصور تک نہیں کر سکتا تھا۔

تہ خانے کے مقابلے میں وہ کمرا زیادہ صاف ستھرا اور اہم نظر آرہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں بھی نگرانی کے خفیہ آلات اور کیمرے ضرور نصب ہوں گے۔ میرے دل میں خواہش تھی کہ میں ان چیزوں کو قریب سے چھو کر دیکھوں لیکن میں اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔ میں اپنی کسی حرکت سے را والوں کو یہ نتیجہ اخذ کرنے کا موقع نہیں دینا چاہ رہا تھا کہ میں ان کے شعبدوں کی نمائش سے مرعوب ہو گیا تھا۔

اس کمرے میں گھومنے اور جھولنے والی دو آرام دہ کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں مگر میں نے ان کا رخ نہیں کیا۔ جب تک را والے کھل کر میری حیثیت کا تعین نہیں کر دیتے تھے، میں خود کو بدترین آزمائشوں کے لیے تیار رکھنا چاہتا تھا۔

میرا وہ انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ کمرے کا اندرونی دروازہ کھلا اور نریش شرما سبک روی سے چلتا ہوا اندر آگیا اور سیدھا ایک آرام کرسی پر جا بیٹھا۔ اس کا چہرہ گمبھیر نظر آرہا تھا۔

"اب تم کیا کہتے ہو؟" کرسی پر چند ثانیوں تک جھولتے رہنے کے بعد نریش نے پوچھا "تہ خانے اور اس کمرے کی سیر

کرنے کے بعد تمہارے خیالات میں کوئی نہ کوئی مثبت تبدیلی ضرور آئی ہوگی۔ اس وقت تم زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑے ہوئے ہو۔ تمہارا ایک سچ تمہارے لیے زندگی کی نوید بن سکتا ہے۔"

"میں سچ تمہیں بتا چکا ہوں۔ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔ میں اپنے ہر انجام کے لیے تیار ہوں" میں نے دل پر پتھر رکھ کر جواب دیا۔

"اپنے وطن کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" وہ اچانک ایک غیر متعلق سوال پوچھ بیٹھا۔

"میں اس سے محبت کرتا ہوں" میں نے انجام سے بے خوف ہو کر بلا توقف کہہ ڈالا۔

"ہم سے پچیس ہزار روپے ماہانہ کا سودا کرنے کے بعد بھی تم اپنے اس دعوے پر قائم ہو؟" نریش شرما کی طرف سے اعصاب شکن سوالات کا سلسلہ جاری تھا اور میں پوری بے خوفی سے اسے مسکت جوابات دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"میں نے کوئی سودا نہیں کیا۔ اگر اب تم اسے سودا کہتے ہو تو اس کے لیے مجھے میری ویڈیو فلم کی بنا پر مجبور کیا گیا ہے۔"

"سودا نہیں تو پھر یہ کیا ہے؟ تم رقم لوگے اور ہمیں معلومات فراہم کروگے" اس نے ویڈیو فلم کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا۔

"اسے تم نے کروڑوں انسانوں کی فلاح و بہبود اور پرامن بقائے باہمی کا منصوبہ قرار دیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم اس پر قائم رہنے پر تیار رہو؟" نریش شرما نے پوچھا۔

"اس وقت تم نے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ماؤف کردی ہے۔ پہلے تم نے ناگر کے قتل سے بات شروع کی تھی۔ مجھے اس کا قاتل قرار دیا تھا اور اب سمجھوتے اور سودے کی بات کررہے ہو۔ آخر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

وہ طنزیہ انداز میں دھیمے سے ہنسا پھر بولا "تم یہ سب سمجھ لیتے تو اس وقت میری جگہ پر ہوتے۔ سوال کرنے کے بجائے صرف جواب دیتے رہو۔ اسی میں تمہارا مفاد ہے۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ مجھے دوسرے کاموں کو بھی دیکھنا ہے۔"

"جب تک تم اپنے وعدے سے نہیں پھرتے، میں اپنی کہی ہوئی ہر بات کی پاس داری کروں گا۔"

"ناگر سے تمہارا کیا گٹھ جوڑ تھا؟" اس نے ایک مرتبہ پھر یکایک سوالات کا رخ بدل دیا۔

"تم یہ سوال کسی بھی طرح کرلو، میرا پہلا جواب برقرار رہے گا۔ تمہیں میری بات پر یقین نہ ہو تو اپنے انکل سے پوچھ لو۔ میں نے ان سے ناگر کی سخت گیری کی شکایت کی تھی۔ ملاقات کے وقت وہ مجھ سے بلاوجہ میرا پاسپورٹ مانگ رہا تھا۔ اس سے میرے گٹھ جوڑ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تمہارا بہت پرانا اور نامور آدمی تھا۔ اسے تمہارے خلاف کسی سے گٹھ جوڑ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"انکل کو ان معمولی باتوں کے لیے فرصت نہیں ہے۔ ان کا نام درمیان میں مت لاؤ۔ تم خوش نصیب ہو کہ تم کو ان سے ملاقات کرنے کا موقع مل گیا ورنہ وہ بہت سے لوگوں کے لیے مدت سے صرف ایک نام ہیں۔"

"تم میری باتوں پر اعتبار نہیں کررہے۔ سوال گھما پھرا کر کررہے ہو اس لیے مجھے یہ سب کہنا پڑ رہا ہے۔"

"فی الحال میں تمہیں ہوٹل واپس لوٹنے کی رعایت دے رہا ہوں" چند ثانیوں کے توقف کے بعد نریش شرما کے ہونٹوں سے وہ الفاظ برآمد ہوئے تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے تن مردہ میں جان سی پڑگئی ہو مگر میں نے خود پر قابو رکھا اور پتھر کے کسی مجسمے کی طرح ساکت کھڑا رہا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "یہ یاد رکھنا کہ بعض پیچیدہ ترین معاملات میں ابھی تمہاری کلیرنس نہیں ہوئی ہے۔ آنے والے دنوں کے اخبارات سے تمہیں اندازہ ہوجائے گا کہ تم کیسی دلدل میں پھنسے ہوئے ہو۔ اب تم میری اگلی ہدایات تک دہلی میں رکے رہوگے۔ یہ نہ بھولنا کہ تمہاری ویڈیو فلم ہمارے قبضے میں ہے۔ اسے ہر وقت تمہارے خلاف استعمال کیا جاسکتا ہے۔"

"میں اس رعایت کے لیے تمہارا ممنون ہوں" میں نے لجلجاتی ہوئی آواز میں کہا "میں ایک بار پھر التجا کروں گا کہ میری فلم مجھے دے دو۔ میں کبھی تم سے سرکشی نہیں کروں گا۔ پتا نہیں تم اتنی جلد مجھ سے بدگمان کیوں ہوگئے ہو؟"

"اس فلم کو بھول جاؤ۔ وہ اب ہمارے ریکارڈ کا حصہ ہے" اس نے پرغرور لہجے میں کہا۔

میں اس کے کھوکھلے دعوے پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ اس کے دوسرے اہم ریکارڈ کے ساتھ میں اس فلم کو نذرِ آتش کرچکا تھا اور وہ بدستور اس فلم کے نام پر مجھے فریب دینے پر تلا ہوا تھا۔

"رینا ایک لڑکی تھی۔ ابھی تم یہاں رہوگے تو ہماری اور لڑکیاں بھی تم سے ملتی رہیں گی۔ شرط یہ ہے کہ تمہارا دامن صاف ہو۔ یہ بات ہم بہت جلد معلوم کرلیں گے۔ تم کو

اندازہ ہو چکا ہوگا کہ یہاں ہمارے ہاتھ بہت دراز ہیں۔"
اس کی وہ ہرزہ سرائی میں نے خاموشی سے سن لی پھر نرمی سے کہا "اب مجھے اپنا نیا کارڈ دے دو۔"
"اس کی ضرورت نہیں رہی۔ میرا کوئی آدمی براہِ راست تم کو پیغام دے گا۔ تمہیں مجھ سے رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں۔"
"یہ تمہاری ترجیحات ہو سکتی ہیں لیکن میرے لیے بہتر یہی ہوتا کہ کسی آڑے وقت کے لیے تمہارے فون نمبر میرے پاس رہتے۔"
"تم پر اب کیا آڑا وقت آسکتا ہے۔" اس نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا "یہاں تم نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔"
"یہ آلات دوسروں کو ڈرا سکتے ہیں۔ میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں تھا اس لیے میں مطمئن تھا مگر مجھے اس بوڑھے پر ضرور دکھ ہے جو نہ جانے کب سے تہ خانے میں سسک سسک کر اپنی زندگی گزار رہا ہے۔"
"اسے ہم نے سرحدی علاقے میں سے دس سال پہلے پکڑا تھا۔" اس نے فخریہ لہجے میں بتایا "ہمارے ذرائع کے مطابق وہ آئی ایس آئی کا ایک جے سی او ہے جو سادہ لباس میں ہمارے علاقے کی ریکی پر آیا ہوا تھا۔ وہ بہت سخت جان ہے۔ تشدد نے اس کا دماغ الٹ دیا مگر اس نے کچھ اگل کر نہیں دیا۔ اب وہ اول فول باتیں کرتا ہے جو اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔ اب ہم اس کا دماغی علاج کر رہے ہیں۔"
"وہ دس سال سے تمہارا قیدی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ میرے دل میں اس قیدی کے لیے عزت و احترام کے جذبات امڈنے لگے۔
"ریکارڈ پر اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ہمارے بھی ایسے کئی بے نام و نشان قیدی پاکستان کے قبضے میں ہیں۔ وہ چھوڑے جائیں گے تو ہم اسے بھی آزاد کر دیں گے ورنہ یہ اسی تہ خانے میں اپنی زندگی کے باقی دن پورے کرے گا۔"
"تمہارے فون نمبروں کی بات ادھوری رہ گئی۔" بدنصیب قیدی کے نازک موضوع کو آگے بڑھانے کے بجائے میں نے دوسری بات چھیڑ دی "تم عارضی طور پر مطمئن ہو گئے ہو مگر دہلی کے نئے حالات میں کوئی دوسری ایجنسی مجھے تنگ کر سکتی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں آئے ہوئے پاکستانیوں کو ہر وقت شک و شبہے کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔"
"ہم دوسروں کے معاملات میں دخل نہیں دیتے۔" یہ کہتے ہوئے نریش نے کرسی چھوڑ دی "اگر کسی اور نے تمہارا رخ کیا تو تمہیں اپنے طور پر اسے مطمئن کرنا ہوگا۔ اس بارے میں را تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گی۔"
وہ درمیانی دروازہ کھول کر دوسری طرف غائب ہو گیا۔
چند لمحوں بعد اسی دروازے سے وہ دونوں آدمی نمودار ہوئے جو مجھے تہ خانے سے نکال کر وہاں تک لائے تھے۔ ایک نے میرے ہاتھ سے پٹی لے کر دوبارہ میری آنکھوں پر باندھ دی۔
وہ مجھے اس کمرے سے لے کر چلے تو مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ میری اگلی منزل کیا ہوگی۔ نریش شرما نے میری مشروط آزادی کا فرمان ضرور سنا دیا تھا مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ اس پر کب سے عمل کیا جائے گا۔
جب مسافت بڑھ جانے کے باوجود زینے اترنے کا مرحلہ نہیں آیا تو مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ مجھے دوبارہ خوف آور تہ خانے میں نہیں ڈالا جا رہا تھا۔ چند منٹ تک چلنے کے بعد میں نے اپنے چہرے پر کھلی ہوئی تازہ ہوا کے جھونکے محسوس کیے تو میرا خوش ہو گیا کہ میں اس عمارت سے باہر پہنچ چکا تھا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد مجھے ایک گاڑی کے پچھلے حصے میں سوار کرا دیا گیا جس کے قریب پہلے سے چند افراد موجود تھے۔
گاڑی کے حرکت میں آنے کے بعد میری آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھول دی گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ گاڑی وہی تھی جو مجھے لانے کے لیے استعمال کی گئی تھی۔ گاڑی اگر وہ نہیں تھی تو بڑی حد تک اس سے مماثل ضرور تھی لیکن اس بار مجھے واپس لے جانے والے چہرے نئے تھے۔

○☆○

وہ لوگ مجھے ہوٹل کے کمرے سے زبردستی اٹھا کر لے گئے تو غزالہ کے فرشتے کوچ کر گئے تھے۔ اسے میرے ساتھ اپنا مستقبل بھی مخدوش نظر آنے لگا تھا۔ وہ عورت ذات تھی اور بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ جب بد فطرت مرد عورت کے خلاف صف آرا ہوتے ہیں تو کہاں تک جا سکتے ہیں۔
ان اندیشوں کی روشنی میں اسے یہ سن کر اطمینان ہوا تھا کہ مجھے لے جانے والوں نے اسے مکمل زبان بندی کی ہدایت کی تھی۔ غزالہ نے وجے کے اس حکم پر یوں عمل کیا کہ میرے جانے کے بعد اسی کمرے میں محصور ہو کر رہ گئی جو میرے نام پر بک تھا۔ وہ کمرا جو غزالہ کے نام پر لیا گیا تھا، بدستور مقفل رہا۔
مجھے غزالہ کی حالت کا اندازہ تھا۔ میرے بدن پر موجود کپڑے روایتی معنوں میں سلیپنگ سوٹ کے زمرے میں نہیں آتے تھے لیکن وہ ایسے نہیں تھے کہ ان میں ملبوس ہو کر

پورے ہوٹل میں گھوما جا سکے۔ مجھے واپس چھوڑنے والوں نے پارکنگ لاٹ میں گاڑی سے اتار دیا تھا۔ میں عقبی راستے سے ہوٹل میں داخل ہوا اور گردوپیش کو یکسر نظرانداز کرتا ہوا انٹرکام کارنر کی طرف چلا گیا۔ انٹرکام پر میں نے غزالہ کو اپنی واپسی کی اطلاع دی اور لفٹ کا رخ کیا۔

میں اسے باخبر نہ کرتا تو وہ میری دستکوں پر اپنا اطمینان کیے بغیر کمرے کا دروازہ نہ کھولتی اور مجھے دیر تک انتظار کرنا پڑتا۔ انٹرکام پر بات کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ دروازے سے لگی میری منتظر تھی۔ دبیز قالین والی راہداری میں میرے قدموں کی ہلکی سی دھمک پر اس نے دروازے میں خفیف سی جھری پیدا کرکے باہر جھانکا اور پھر میرے لیے دروازہ پوری طرح وا کردیا۔ میرے اندر پہنچتے ہی وہ والہانہ انداز میں میرے گلے لگ گئی۔

را والے مجھے بستر سے اٹھا کر بھوکا پیاسا لے گئے تھے۔ غزالہ ایک مشرقی لڑکی تھی۔ میرے لیے جائے جانے کے بعد اس نے بھی ناشتے کے بارے میں نہیں سوچا۔ فکروتشویش کے عالم میں یوں ہی بیٹھی میری خیروعافیت سے واپسی کے لیے خدا سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتی رہی تھی۔

میں نے را کے نامعلوم ٹھکانے پر کچھ نہ کچھ روکھا سوکھا ناشتا کرلیا تھا مگر غزالہ نے اسی وقت روم سروس کو کھانا لانے کی ہدایت کردی۔

دن کے تین بج رہے تھے۔ میری طبیعت پر تکان اور کسل مندی طاری تھی۔ میں غزالہ کو چند منٹ تک انتظار کا مشورہ دے کر باتھ روم میں گھس گیا۔ را کے زیرزمین قید خانے کے بے در اور تاریک باتھ روم کے مقابلے میں ہوٹل کا کشادہ باتھ روم ایک نعمتِ غیر مترقبہ کے مترادف تھا۔ میں دیر تک پانی کی تیز دھاروں میں نہاتا رہا۔ لباس تبدیل کرکے میں باہر نکلا تو گرم گرم کھانا میرا منتظر تھا۔

"آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا' اس نے میرے اوسان خطا کردیے۔ وہ آپ کو کیوں لے گئے تھے؟" کھانے کے دوران غزالہ نے پوچھا۔

"یہ ہونا ضروری تھا۔ نہ ہوا ہوتا تو مجھے بے چینی سے ان کی آمد کا انتظار رہتا۔ دن میں' میں ان سے ملا۔ رات کو ہر طرف تباہی پھیل گئی۔ کسی بھی سبب اور ثبوت کے بغیر ان کا میری طرف متوجہ ہونا ناگزیر تھا۔"

"آپ نے مجھ سے ذکر نہیں کیا کہ آپ ان کی طرف سے کسی کارروائی کا انتظار کررہے تھے۔" غزالہ نے شکوا کیا۔

"میں ایسی باتیں بتا کر تمہیں ہراساں نہیں کرنا چاہتا تھا مگر میں ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھا۔ میری سنائی ہوئی کہانی میں کہیں ذرا بھی جھول ہوتا تو وہ مجھے عقوبتوں میں مبتلا کرکے سچ اگلوانے کے جنون میں مبتلا ہوجاتے۔"

"مجھے اس وقت یہ واقعات ایک بھیانک خواب کی طرح محسوس ہورہے ہیں۔" وہ پھریری لے کر سرگوشیانہ آواز میں بولی "آپ نے ان سے جو کچھ بھی کہہ دیا ہو' حقائق اپنی جگہ برقرار رہیں۔ سارا منصوبہ آپ کا تھا' اس پر عمل بھی آپ نے ہی کیا پھر ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کیسے کامیاب ہوگئے۔"

"میرے جانے کے بعد سے تم نے یہ کمرا خالی تو نہیں چھوڑا تھا؟" میں نے چونک کر غزالہ سے سوال کیا۔

"میں نے ایک لمحے کے لیے بھی یہاں سے باہر قدم نہیں نکالا۔" اس نے یقین دلایا پھر کہا "آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ را والے ہمارے کمرے میں بگ لگا سکتے ہیں۔ صدیوں پرانا محاورہ اس دور میں سچ ثابت ہورہا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ آئندہ ہم ان واقعات کے بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔ جو کچھ پوچھنا ہے اسی وقت پوچھ لو۔"

"مجھے آپ کی واپسی پر بے حد خوشی ہے مگر مجھے یہ جاننے کی خواہش ضرور ہے کہ آپ نے انہیں کیسے مطمئن کردیا۔"

"یہ سب انسانی نفسیات اور حاضر دماغی کا کھیل تھا۔" میں نے اپنے منہ میں موجود لقمہ نگلنے کے بعد کہا "سب سے پہلی اور مضبوط حقیقت یہ تھی کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ ہم دونوں کی ہوٹل واپسی ہماری بے گناہی کی سب سے بڑی دلیل تھی۔ را کے حلق میں ہاتھ ڈالنے کے بعد کوئی بھی یوں منظرعام پر رہنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ نریش کے دفتر کے واقعے میں میرا کوئی حصہ ہوتا تو مجھے فوراً روپوش ہوجانا چاہیے تھا۔"

"یہی بات ہے تو وہ آپ کی طرف کیوں متوجہ ہوئے؟" وہ بولی "آپ کی ہوٹل میں موجودگی کا یقین کرلینے کے بعد انہیں خاموش رہنا چاہیے تھا۔"

"وہ بہت بڑی واردات ہے اور یہ ان کا ملک ہے۔ یہاں وہ بے پناہ اختیارات کے مالک ہیں۔ وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے امکان کو بھی نظرانداز نہیں کرسکتے تھے پھر انہیں یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ ہم ہوٹل چھوڑنے کے بعد منہ اندھیرے دوبارہ یہاں واپس آئے ہیں۔"

"ہوٹل سے ہماری طویل غیر حاضری ہمیں مشکوک بنانے کے لیے بہت کافی تھی۔ مجھے اس بارے میں پریشانی تھی۔"

میں نے جو کچھ نریش کو بتایا تھا اختصار سے غزالہ کے سامنے دہراتے ہوئے کہا "یہ واقعی بہت مشکل کام تھا۔ اس نے میرے کمرے سے اپنا کارڈ ملنے کی بات کر کے مجھے دھوکا دینا چاہا۔ وہ میرے اعتماد کو متزلزل کرنے کی ہر کوشش کر رہا تھا۔ میں نے وہ کارڈ خود ضائع کیا تھا اس لیے اپنی بات پر اڑ گیا۔ شاید وہ دوسرا نکتہ تھا جس نے نریش کے دل میں میرے لیے نرم گوشہ پیدا کر دیا ورنہ وہ بہت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔"

"یہ بات آپ نے پہلے سے سوچی ہوئی تھی اور اسی لیے نریش کا کارڈ تلف کر دیا تھا!" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "میرا ذہن مسلسل کام کر رہا تھا۔ مجھے ان لوگوں کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کا صرف ایک موقع ملنا تھا۔ میں اس موقع پر کہیں بھی لڑکھڑا تا تو وہ مجھے بری طرح پھانستے چلے جاتے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا ہوم ورک کامیاب رہا۔"

"اب ہمارے لیے میدان صاف ہو چکا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میرا دل یہی کہتا ہے۔ نریش پوری طرح مطمئن نہ ہوتا تو مجھے کسی قیمت پر واپس آنے کی اجازت نہ دیتا۔ اس نے مجھ پر اپنا دباؤ برقرار رکھنے کے لیے ہدایت کی ہے کہ میں اس کی طرف سے اجازت کے بغیر دہلی نہیں چھوڑوں گا۔"

غزالہ کچھ اداس ہو گئی۔ را والوں پر وار کرنے کے بعد مجھے دہلی سے دحشت ہونے لگی ہے۔ میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی ہوں۔"

"میں بھی اپنی خوشی سے یہاں نہیں رکا۔ حالات اور مصلحتوں نے مجھے مجبور کیا ہوا ہے۔ وقت اور حالات کسی کی خواہشوں کے اسیر نہیں ہوتے۔ ان کے آگے انسان کو جھکنا پڑتا ہے ورنہ وہ کہیں کا نہیں رہتا۔"

"آج کے اخبار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ شاید دیر سے سامنے آنے والے واقعات اخباروں میں جگہ نہیں پا سکے۔"

"لیکن ان کے اثرات نمایاں ہیں۔ جب وہم و گمان سے باہر کے واقعات اچانک رونما ہونے لگتے ہیں تو بڑے بڑے قابل افسروں کی انتظامی صلاحیتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور وہ بد حواسیوں کے مظاہرے کرنے لگتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ضمیمے آ گئے ہوں ورنہ شام کے اخبار سنسنی خیز کہانیاں چھاپیں گے۔ افسرانہ بد حواسیوں نے اب تک شہر میں خوف و ہراس پھیلا دیا ہوگا۔ واپسی پر مجھے ہوٹل کی لابی خالی خالی نظر آئی تھی۔"

باتوں ہی باتوں میں ہم دونوں کھانے سے فارغ ہو گئے۔ میں نے بستر پر لیٹ کر سگریٹ سلگائی تو مجھے را کا دس سال پرانا قیدی یاد آ گیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے غزالہ سے پوچھا "دہلی میں رہ کر ہم نے اب تک کیا قربانیاں دی ہیں۔"

"قربانیاں تو شاید نہیں دیں لیکن بہت بڑی کامیابیاں ضرور حاصل کی ہیں۔ این کا دیل آپ کی مرضی کے خلاف یہاں آئی تھی۔ اس نے بھی ہم سے الگ رہنے کے باوجود بھرپور انداز میں ہمارا ساتھ دیا ہے۔"

"ہم ایک دوسرے کی قصیدہ خوانیاں کر کے اپنی دنیا میں مگن رہتے ہیں مگر آج میں را کے عقوبت خانے میں ایک ایسے پاکستانی قیدی سے ملا ہوں جسے دیکھ کر مجھے اپنی کامیابی ہیچ نظر آنے لگی ہے۔ وہ عزم اور حوصلے کی ایک ناقابلِ شکست چٹان ہے۔"

"اس نے آپ کو متاثر کیا ہے تو وہ ضرور کوئی بڑا آدمی ہوگا۔" غزالہ کی آنکھوں میں اشتیاق ابھر آیا۔

"مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ پاکستانی ہے۔ وہ دس سالوں سے را والوں کی قید میں ہے۔ ان کا ذہنی اور جسمانی تشدد سہہ رہا ہے۔ ان کی بربریت کے سبب اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے مگر اس نے اپنے سینے میں دفن کوئی راز اگل کر نہیں دیا۔ ایک چٹان کی طرح اپنی جگہ جما ہوا ہے۔"

"ہمیں اس پاکستانی کی عظمت کو سلام کرنا چاہیے۔" غزالہ نے دھیمے سے کہا "اس نے اپنے بارے میں آپ کو کچھ تو بتایا ہوگا۔"

"وہ اپنے بارے میں کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ نریش کہتا ہے کہ وہ آئی ایس آئی کا کوئی جونیئر کمیشنڈ آفیسر ہے۔ اپنے تشدد سے اس کا ذہنی توازن بگاڑنے کے بعد اب وہ اس کا علاج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"ہمارا ملک ایسے ہی لوگوں کی قربانیوں سے زندہ ہے ورنہ ہماری صفوں میں ملک کو لوٹنے اور بگاڑنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔"

غزالہ بالکل درست کہہ رہی تھی۔ پاکستان ہمیشہ قائم رہنے کے لیے بنایا گیا تھا لیکن کچھ لوگ ایسے تھے جو روزِ اوّل

سے اس کے خلاف تھے۔ انہوں نے اپنے سارے وسائل بروئے کار لاکر ہر طرف مایوسیوں کا ایسا زہر پھیلایا تھا کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد حب وطن کو خیرباد کہہ کر آندھی کے بیر لوٹنے میں مصروف ہوگئی تھی۔

وہ ایک قومی المیہ تھا جس کے انسداد کے لیے بہت سی سطحوں پر کوششیں کی جارہی تھیں لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کسی تحریص، ترغیب یا لالچ کے بغیر اپنی ذات میں ڈوب کر اس مشق کو خاموشی سے آگے بڑھا رہے تھے۔ ان میں را کے قیدی کا نام سرفہرست تھا۔

میری وہ صبح را والوں نے برباد کردی تھی۔ کچھ دیر قیلولہ کرنے کے بعد میں نے اخبار سنبھال لیا۔

اخبار کی تہیں بتا رہی تھیں کہ کسی نے اسے کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ غزالہ بستر چھوڑتے ہی ذہنی پراگندگی کا شکار ہوگئی تھی۔ اس نے شاید اخبار کے بیرونی صفحات دیکھ کر اسے ایک طرف ڈال دیا تھا۔ پچھلی رات دہلی میں جو واقعات رونما ہوئے تھے۔ وہ اخبارات کے پہلے صفحے پر جگہ پانے کے مستحق تھے کوئی احمق اور نو آموز صحافی بھی ان کی اہمیت کو گھٹانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ اخبار میں واقعی ان واقعات کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

میں اخبار کی ورق گردانی کرتا رہا پھر اندر کے قومی صفحات پر ایک چنگھاڑتے ہوئے عنوان نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔

قومی عزت نیلام گاہ پر۔ وہ اس تصویری فیچر کا عنوان تھا۔ اس کے نیچے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے نام کے آگے سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔

وہ ایک تصویری اور تیز و تند فیچر تھا جس میں عابد علی عرف گوپال کے منصوبے کے مطابق نہایت بے رحمی سے اکیڈمی کے چیتھڑے اڑائے گئے تھے۔

مضمون پڑھنے سے قبل میں نے متعلقہ تصاویر کا جائزہ لیا۔ وہ ان مظلوم لڑکیوں کی تصاویر تھیں جو باعزت روزی کمانے کا عزم لے کر تربیت کے لیے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی میں داخل ہوئیں اور را کے بعض عیاش طبع افسروں کی جنسی آزمائشوں کا نشانہ بننے کے بعد دربدر ہوگئیں کیونکہ ان افسروں نے ان لڑکیوں کو اپنے مقاصد کے لیے مسترد کردیا تھا۔ وہ تینوں لڑکیاں اپنی تربیت مکمل کرسکیں نہ را کے معیار پر پوری اتر سکیں اور پیٹ کا جہنم سرد کرنے کے لیے دنیا کے اس قدیم ترین کاروبار کا ایک حصہ بن گئیں جس میں ذاتی زینت و آرائش کے سوا مزید کسی سرمایہ کاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔

وہ تینوں کال گرلز دہلی میں مقیم تھیں لیکن ان کا تعلق بھارت کے دور دراز علاقوں سے تھا۔ فیچر کے ساتھ رینا اجیت رائے یا کسی ایسی لڑکی کی تصویر نہیں تھی جو باقاعدگی سے را کے لیے کام کررہی ہو۔

میں نے پوری توجہ سے وہ باتصویر اخباری فیچر پڑھ ڈالا۔ مجھے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ اس میں نام لیے بغیر سرکاری ایجنسیوں کا گھناؤنا کردار بیان کیا گیا تھا۔ کسی خوف کے باعث کھل کر را کا نام لینے سے پرہیز کیا گیا تھا۔

سوالات وہی اٹھائے گئے تھے جو ہمارے ذہنوں میں ابھرے تھے۔ بھارت کے قدیم ثقافتی ورثے کے فروغ کے نام پر بعض اہم سرکاری افسران ہندو قوم کی عزت و آبرو سے کھیل رہے تھے۔ ان کے لیے عزت و حمیت کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ان کے چنگل میں پھنسی ہوئی دلکش اور نو عمر بھارتی لڑکیاں اہم غیر ملکی شخصیات اور خاص طور پر پاکستانیوں کا دل بہلانے پر مجبور تھیں۔ وہ بے غیرتی کی انتہا تھی۔ دہلی کے ایک صاف ستھرے علاقے میں وہ گندہ کھیل کس کے ایما پر کھیلا جارہا تھا۔

کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے طریقہ واردات کے بارے میں وہ ساری تفصیلات فیچر میں سمو دی گئی تھیں جو رینا کے ذریعے میرے اور پھر عابد کے علم میں آئی تھیں۔ ان کی جزئیات میں کمی بیشی ہوگئی تھی مگر خلاصہ وہی تھا۔

میرا خیال تھا کہ بھارت میں صحافیوں کو بہت زیادہ آزادی حاصل تھی۔ وہ پوری بے خوفی کے ساتھ حقائق بیان کرسکتے تھے مگر اس فیچر نے ان کی مجبوریوں اور را کی دہشت کی پول کھول دی تھی۔ اخبار نویسوں کی پیشہ ورانہ مجبوریوں کے پیش نظر تالاب میں پھینکا جانے والا وہ پہلا پتھر بہت وزنی تھا جس کی پیدا کی ہوئی ہلچل پر آسانی سے قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ اس رپورٹ میں را کا نام نہ ہونے کے باوجود بہت کچھ واضح تھا۔ بھارت کے باخبر حلقے آسانی سے اندازہ لگا سکتے تھے کہ اس رپورٹ میں بھارت کی کس خفیہ ایجنسی کے سیاہ کرتوتوں کا ذکر کیا گیا تھا۔

بھارت میں را والوں کے لیے برے وقت کا آغاز ہوچکا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ بھارت کا ایک قومی ادارہ تھا جس کی سرگرمیوں میں خلل انداز ہونا کسی حکومت کے بس میں نہیں تھا لیکن رائے عامہ کے دباؤ کے تحت ان کے لیے مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔ ان کی بے لگام آزادیاں محدود ہوسکتی تھیں اور ساکھ تو یقیناً مجروح ہونا ہی تھی۔

میں نے پورا فیچر پڑھ کر اخبار ایک تپائی پر ڈال دیا۔
جب تک گمبھیر مسائل سر اٹھائے کھڑے تھے۔ مجھے بیم گن سمیت اپنے ہر ہتھیار سے خوف آرہا تھا لیکن مطلع قدرے صاف ہونے کے بعد مجھے شدت سے سی ایس ڈی کی ضرورت محسوس ہورہی تھی اس آلے کی موجودگی میں، میں سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں سنیل یا ولی رام سے رابطہ کرکے بہت کچھ معلوم کرسکتا تھا۔
سی ایس ڈی، بیم گن اور اپریٹس غزالہ کے کمرے میں چھپائے گئے تھے۔ وہ کمرا بکنگ کے بعد سے غیر آباد اور مقفل تھا۔ یہ فرض کرلینا حماقت سے کم نہ ہوتا کہ را والے ہوٹل میں غزالہ کے نام پر الگ کمرے کی بکنگ سے بے خبر ہوں گے۔

نریش کو ہوٹل سے ہماری روانگی اور دوبارہ آمد کا علم تھا تو وہ بات بھی اس سے چھپی ہوئی نہیں رہ سکی ہوگی۔ صبح سے را والوں کو کافی وقت مل چکا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ انہوں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر غزالہ کے کمرے میں خفیہ صوتی اور تصویری آلات نہ چھپا دیے ہوں۔ اگر ایسی کوئی کارروائی کی گئی تھی تو پھر ہمیں بہت محتاط رہ کر اس کمرے میں داخل ہونا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس کمرے کا باتھ روم خفیہ کیمرے کی محدود رینج سے ہر حال میں محفوظ ہوگا۔

○☆○

عابد علی بروقت ائرپورٹ پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ امرتسر ایک حسّاس سرحدی شہر تھا۔ وہ میرے جعلی نام پر بنے ہوئے ٹکٹ پر وہاں کا سفر کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے ائرلائن کے کاؤنٹر سے رجوع کیا تو چھ بجے والی پرواز پر نشستیں دستیاب تھیں۔
وہ بھارت میں گوپال کے نام سے رہ رہا تھا۔ اس نے اسی نام سے ٹکٹ بنوالیا۔
آئی بی کے وہ تینوں آدمی بھارت میں ہروقت خطرات کی زد میں تھے اس لیے بعض بنیادی ضرورتوں سے ہروقت لیس رہتے تھے۔ عابد کی کار میں ضرورت کی متفرق چیزوں سے بھرا ہوا ایک بریف کیس موجود تھا۔ اس نے اپنی گاڑی ائرپورٹ کے مخصوص حصے میں پارک کرنے کے بعد وہ بریف کیس خالی کیا اور گیارہ فائلوں کا شاپنگ بیگ اسی طرح بریف کیس میں ڈال لیا تھا۔
گنتی کے اعتبار سے فائلوں کی تعداد زیادہ تھی مگر وہ بہت وزنی نہیں تھیں۔ ٹکٹ بنوانے کے بعد عابد پر ایک نئی فکر سوار ہوگئی۔ اگر وہ بریف کیس کو دستی سامان کی صورت میں اپنے ساتھ لے جاتا تو بریف کیس کو اسکیننگ مشین سے گزارا جاتا۔ اگر را کا کوئی لیٹر ہیڈ مشین کی اسکرین پر واضح ہوجاتا تو عابد کے لیے پریشانی پیدا ہوسکتی تھی۔ الیکٹرونک مشین کی جانچ پڑتال سے بچنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ وہ بریف کیس کو دستی سامان کے طور پر لے جانے کے بجائے مقفل کرکے بورڈنگ کاؤنٹر پر دے دیتا۔ اس طرح وہ بریف کیس سرسری دیکھ بھال کے بعد دہلی سے امرتسر پہنچ سکتا تھا۔
اس متبادل طریقے میں خرابی یہ تھی کہ بریف کیس کا وزن کم ہونے کی وجہ سے کاؤنٹر کا عملہ شک و شبے میں پڑجاتا۔ ہوائی سفر کرنے والے مسافروں میں یہ رجحان عام ہے کہ وہ منزل پر پہنچ کر سامان کے انتظار میں وقت برباد کرنے کے بجائے قدرے بھاری سامان بھی اپنے ساتھ کیبن میں لے جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یوں وہ جہاز سے اترتے ہی ائرپورٹ سے باہر نکلنے کے لیے آزاد ہوتے ہیں۔
عابد کا ہلکا اور اکلوتا بریف کیس سامان کے طور پر وصول ضرور کرلیا جاتا لیکن پھر اس کی خصوصی پڑتال ضرور ہوتی۔ خاصے تذبذب کے بعد عابد نے وہ بریف کیس اپنے ساتھ لے کر سفر کرنے کا فیصلہ کرلیا۔
تلاشی کے مرحلے پر جب اس کا بریف کیس مشین سے گزارا گیا تو وہ متجسس ہوکر پہلے سے ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سے اسکرین اسے نظر آتی رہے۔ اسکرین پر مختلف اشیا کے دھندلے خاکے نظر آئے۔ اس کے بریف کیس کے اندر ایک چوکور خانے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ بریف کیس مشین سے گزر کر پٹے پر چلتا ہوا اس کے سامنے آگیا۔ اس نے وہ مرحلہ سر ہونے پر اپنے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور لاؤنج کی طرف چل دیا۔
وہ عابد کے سفر کا اہم ترین مرحلہ تھا جو آسانی سے سر ہوگیا۔
ساڑھے آٹھ بجے عابد امرتسر کے کوئنز روڈ پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ پچھلی بار وہ ریاگرانڈ ہوٹل میں ٹھہری تھی۔
امرتسر میں زندگی کی رونق اور چہل پہل شروع ہوچکی تھی۔ پوری، پراٹھوں، دودھ، لسی کی دکانیں اور ہوٹل وغیرہ کھل گئے تھے لیکن بازار بند پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ایک دکان پر رک کر سگریٹ کا پیکٹ خریدا اور سرسری انداز میں سوال کیا تو اسے پتا چلا کہ دہلی سے رات کو روانہ ہونے والی آخری ٹرین کافی دیر پہلے امرتسر پہنچ چکی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ٹرین کا سفر کتنا ہی آرام دہ کیوں نہ ہو، تھکا دینے والا ہوتا ہے۔

ویرا امرتسر پہنچ چکی تھی تو سڑکوں پر ماری ماری پھرنے کے بجائے آرام کی غرض سے ہوٹل کی طرف ہی گئی ہو گی۔

وہ سگریٹ سلگا کر گرانڈ ہوٹل کی طرف چل دیا۔

یہ ہر سیاح اور مسافر کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ اجنبی شہر میں نئے تجربات کا خطرہ مول لینے کے بجائے پرانے تجربے سے استفادہ کرتا ہے۔ اس توقع پر عابد نے گرانڈ ہوٹل میں اپنے لیے ایک کمرا لیا تاکہ ہوٹل میں زیادہ دیر تک اپنی موجودگی کا جواز پیدا کر سکے۔

پہلے اس نے ارادہ کر لیا کہ بریف کیس کو کمرے میں محفوظ کر کے ہوٹل کی رہائشی منزلوں کا چکر لگاتا ہوا دوبارہ ہال میں آ بیٹھے لیکن پھر اس نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ یہ ممکن تھا کہ ویرا نیچے آنے کے بجائے اپنے کمرے میں پڑی آرام کرتی رہتی اور وہ ہال میں بیٹھا مکھیاں مارتا رہتا۔

اسے بنگو کی ہر حال میں ضرورت تھی۔ اس نے اپنی ڈائری دیکھ کر ایک مقامی نمبر ملایا۔ دوسری طرف ایک معمر آدمی تھا۔

"مجھے بنگو سے ضروری کام ہے۔ کیا تم اسے بلا سکتے ہو؟" عابد نے نرمی سے کہا۔

"صبح صبح کیا کام پڑ گیا اس سے۔ ابھی تو وہ سویا ہوا ہو گا۔ تھوڑی دیر بعد فون کر لینا۔ میں اسے بلاتا ہوں۔" ناگواری سے جواب دے کر فون بند کر دیا گیا۔

بنگو امرتسر میں آئی بی کا خاص آدمی تھا جو اپنے اپریٹس پر کسی بھی وقت ان کے لاہور آفس سے رابطہ کر سکتا تھا۔ ویرا کے ساتھ اہم ترین بھارتی فائلوں کی روانگی کی اطلاع جلال تک پہنچانے کے لیے بنگو سے ملنا ضروری تھا۔ وہ پرانا مقامی آدمی تھا۔ ذرا سی دیر میں معلوم کر سکتا تھا کہ دہلی سے آئی ہوئی ایک میم شہر کے کس ہوٹل میں ٹھہری ہے۔

بنگو اپنی آمدنی کے لیے الٹے سیدھے دھندے کرنے کا عادی تھا لیکن دنیا دکھاوے اور شوق کے لیے غیر ملکی سیاحوں خصوصاً عورتوں کو شہر کی سیر کرانے کے لیے امرتسر کے اچھے ہوٹلوں کے چکر لگاتا رہتا تھا۔ اس کے ہر سوال کا جواب کسی عذر یا شبہے کے بغیر مل سکتا تھا۔

پندرہ منٹ بعد عابد نے دوبارہ اسے فون کیا۔ ابتدا میں اس کا لہجہ سخت اور کھردرا تھا۔ عابد کا کوڈ سن کر وہ راہ پر آ گیا

"گرانڈ ہوٹل آؤ اور یہ معلوم کرتے آنا کہ این کاویل کہاں ٹھہری ہے۔ وہ صبح کی ٹرین سے یہاں پہنچی ہے۔ میں یہاں گوپال کے نام سے ٹھہرا ہوا ہوں۔"

"این کاویل؟" اس کی آواز سے حیرت ظاہر ہو رہی تھی

"یہ کون ہے؟"

"اسے کچھ دن پہلے تم ایک اور جوڑے کے ساتھ لائے تھے۔ وہ گرانڈ میں ہی ٹھہری تھی۔" عابد نے اسے یاد دلایا۔

"بہت زوردار اور مست عورت ہے۔ میں ابھی تیار ہو کر نکلتا ہوں۔" یادداشت تازہ ہونے پر وہ لفنگا خوش ہو گیا

"کیا اسے واپس بھی پہنچانا ہے۔"

"نہیں۔" عابد نے اس کی امیدوں پر اوس ڈال دی "وہ ٹرین سے جائے گی۔ اس سے ملنا بہت ضروری ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ بنگو ہر حال میں خوش رہنے والا آدمی ہے۔ تم سے کچھ نہ کچھ مال تو مل ہی جائے گا۔"

فون کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ عابد اپنا ایک اہم کام کر چکا تھا۔ کمرے میں بند رہ کر اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے وہ نیچے چل دیا۔ نئے شہر اور وہاں کے رہنے والوں کے نت نئے طور طریقے اسے ہمیشہ سے بہت پسند تھے۔

وہ نہایت دلچسپی سے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے چائے پی رہا تھا کہ بنگو آ پہنچا۔ اس سے عابد علی کی کافی مدت پہلے ایک سرسری ملاقات ہوئی تھی لیکن دونوں نے پہلی نظر میں ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ بنگو ہاتھ ہلا کر کاؤنٹر پر رک گیا۔ وہاں بیٹھے ہوئے سردار سے چند سیکنڈ گفتگو کرنے کے بعد وہ عابد کی میز پر آ گیا۔

"وہ بائیس نمبر کمرے میں ہے۔" اس نے عابد سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے انکشاف کیا۔

"ویری گڈ!" عابد خوش ہو گیا۔ وہ اسی ہوٹل میں ہوتے ہوئے ویرا کا سراغ نہیں لگا سکا تھا۔ بنگو نے لمحہ بھر میں وہ مسئلہ حل کر دیا تھا۔

وہ دونوں چائے نوشی کے دوران گپ شپ کرتے رہے۔ بنگو سے پتا چلا کہ اس روز امرتسر سے لاہور کے لیے ٹرین تیسرے پہر روانہ ہونے والی تھی۔ عابد کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ اپنا اپریٹس ساتھ ہی لایا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اٹھ گئے اور عابد کے کمرے کی طرف چل دیے۔

کمرے میں پہنچتے ہی بنگو نے اپنی جیب سے مختصر سا اپریٹس نکال کر عابد کے حوالے کیا اور خود اطمینان سے ایک کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

عابد... کمرے کی کھلی ہوئی عقبی کھڑکی کے قریب گیا اور اور اپریٹس آن کر کے اپنا پیغام نشر کرنے لگا "الفا کالنگ فار ایس او ایس... اوور!"

ان لوگوں کا وہ ایمرجنسی کوڈ تھا۔ اگلے ہی لمحے جواب

مل گیا" ڈین ریسیونگ.... کیا بات ہے؟ اوور!"
وہ آواز عابد کے لیے اجنبی تھی مگر کوڈ سے اسے علم ہوگیا تھا کہ آئی بی کے لاہور آفس کا ریڈیو روم آفیسر اس سے مخاطب تھا۔
"گردوارے سے آج سفید پجارن گرین کوبرا کے ساتھ نکل رہی تھی۔ چیف لاہور میں بندوبست کریں۔ پیغام صاف ہے؟ اوور۔"
"بالکل سر! ہر لفظ ریکارڈ ہوگیا۔ یہ پیغام میں ابھی ریلیے کردوں گا۔ اوور!" بھارت کی سرزمین سے موصول ہونے والے پیغام پر ریڈیو آفیسر بہت زیادہ مستعد ہوگیا تھا۔
"اوور اینڈ آل!" کوئی غیر ضروری بات کیے بغیر عابد نے سلسلہ منقطع کردیا اور لوٹ کر ایرٹیس بنگو کے حوالے کردیا۔
"تمہارے دونوں کام ہوگئے۔ مجھے کتنا مال ملے گا؟" بنگو نے ندیدے پن سے سوال کیا۔
"دو کام کون سے؟" عابد نے کڑے تیوروں سے پوچھا "میں نے صرف ایک کال کی ہے۔"
"میں نے این کے کمرے کا بھی پتا چلایا ہے۔" بنگو نے دانت نکال دیے "وہ بھی تمہارا ایک کام تھا۔ میرے بغیر تم امرتسر کے سارے ہوٹل چھانتے پھرتے پھر بھی تمہیں کوئی نہ بتاتا کہ وہ کہاں ٹھہری ہوئی ہے۔ میں چٹکی بجاتے میں ہر کام سیدھا کردیتا ہوں۔"
"تمہاری یہ عادت بہت خراب ہے کہ تم ہمارے ہر آدمی سے زیادہ پیسے اینٹھنے کی کوشش کرتے ہو۔" عابد نے یہ کہتے ہوئے اپنی جیب سے پانچ سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر بنگو کی طرف بڑھا دیا۔
بنگو نے وہ نوٹ پھرتی سے لے کر یوں اپنی جیب میں اڑسا جیسے اسے اندیشہ ہو کہ تاخیر کی صورت میں عابد وہ نوٹ واپس رکھ لے گا اور ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بولا "تم لوگ بھی تو کبھی کبھی آتے ہو۔ روز آتے جاتے رہا کرو تو سو پچاس میں بھی میرا گزارا ہوجائے گا۔ میں نے چیف سے بھی کہا ہوا ہے کہ وہ میرے لیے زیادہ کام نکالا کرے۔ لمبی بے کاریوں سے میری طبیعت اکتانے لگتی ہے۔"
"بس اب تم جاؤ۔ مجھے کچھ اور کام کرنا ہے۔" اپنا کام نکالنے کے بعد عابد نے ہنس کر کہا۔
"اجازت ہو تو این کو سلام کرتا جاؤں۔" بنگو نے اٹھتے ہوئے دریافت کیا۔
"اسے تنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ سفر سے تھکی ہوئی آئی ہے۔ اس وقت آرام کررہی ہوگی۔"

بنگو نے دونوں ہاتھ جوڑے اور کمرے سے چلا گیا۔ اس نے عابد کی کسی بات کا برا نہیں منایا تھا۔ وہ ہر حال میں خوش رہنے والا آدمی تھا۔
اس کے جانے کے بعد عابد چند منٹ انتظار کرتا رہا پھر مسہری کے نیچے سے فائلوں والا بریف کیس لے کر کمرے سے نکل آیا۔ اس کا رخ ہوٹل کی دوسری منزل کی طرف تھا جہاں بائیسویں کمرے میں ویرا کے قیام کی اطلاع ملی تھی۔
کمرا نمبر بائیس کے بند دروازے کے سامنے عابد نے چند لمحوں کے لیے توقف کیا۔ اندر گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ اندر سے ویرا کی تیز آواز گونجی۔ وہ دستک دینے والے کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھی۔ عابد نے دوبارہ دستک دی۔
اس بار ویرا نے دروازہ کھول دیا۔ وہ بریف کیس کے ساتھ ایک اجنبی کو اپنے روبرو پاکر حیران رہ گئی۔
دہلی میں ویرا کا آئی بی والوں سے کہیں سامنا یا تعارف نہیں ہوا تھا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ہمارا ساتھ دینے والوں کے کیا نام تھے جبکہ عابد اور اس کے دونوں ساتھی ویرا کو بہت اچھی طرح پہچانتے تھے۔
"تم کون ہو؟ کیا میں تم کو جانتی ہوں؟" ویرا نے خشک اور جارحانہ لہجے میں عابد سے سوال کیا۔ عابد نے محسوس کیا کہ وہ کسی بھی خطرے کی صورت میں فوری طور پر اپنا دروازہ بند کرنے کے لیے تیار تھی۔
عابد نے تیزی سے اپنے دائیں بائیں دیکھا اور میدان صاف پاکر سرگوشی میں جواب دیا "میں دوست ہوں۔ دہلی سے ڈینی کی امانت لے کر آیا ہوں۔ مجھے اندر آنے کی اجازت دو تاکہ میں تمہارے شبہات دور کرسکوں۔"
ویرا نے براہ راست عابد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں پھر اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔
"شکریہ!" عابد تیزی سے اندر داخل ہوگیا۔ ویرا دروازہ بند کرچکی تھی اور کسی ہرنی کی طرح بھڑکی ہوئی نظر آرہی تھی۔
"تمہیں میرے کمرے کا پتا کیسے چلا....؟ دوسری بات یہ ہے کہ میں بھارت میں ڈینی نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتی۔" ویرا کے تیور بدستور جارحانہ تھے۔
"میں بھول گیا تھا۔ وہ مظہر خان اور غزالہ ہیں۔ تم ویرا نہیں این کا ویل ہو۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ تم رات کی آخری ٹرین سے دہلی سے نکلی ہو۔ میں نے اپنے طور پر تمہیں تلاش کیا ہے۔ اس بریف کیس میں اہم ترین فائلیں ہیں۔ یہ

تمہیں اپنے ساتھ لاہور لے جانی ہیں۔" عابد نے بریف کیس اس کی طرف بڑھایا۔

"اسے دور رکھو!" ویرا غرائی۔ وہ بجا طور پر بہت زیادہ محتاط تھی "اس میں کوئی آتش گیر مادہ بھی ہو سکتا ہے۔ اسے خود کھولو۔"

عابد ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ویرا اس کی زبان سے میرا اصل نام سن کر ہی موم ہو جائے گی مگر وہاں معاملہ دیگر تھا۔ ویرا اتنی آسانی سے اس پر اعتبار کرنے والی نہیں تھی۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ہمارے طے شدہ پروگرام میں کسی نئے آدمی کی شمولیت یا فائلوں کو پاکستان لے جانے کے معاملات سرے سے شامل نہیں تھے۔

عابد نے بریف کیس میز پر رکھ کر کھولا۔ شاپنگ بیگ میں سے تکیے کے غلاف کا بنڈل پھر اس میں سے فائلوں کا پلندہ نکال لیا "تم دیکھ سکتی ہو کہ اس میں ان فائلوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ان کا جلد از جلد پاکستان پہنچنا ضروری ہے۔ اسی لیے میں دہلی سے یہاں آیا ہوں۔"

اس وقت تک ویرا بند دروازے کے پاس کھڑی رہی تھی۔ فائلیں دیکھ لینے کے بعد وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی کرسی پر آبیٹھی اور بولی "بیٹھ جاؤ! کیا تم جلال کے آدمی ہو؟"

عابد نے اثبات میں سر ہلا دیا "اب تم بالکل صحیح نتیجے پر پہنچی ہو۔"

"مظہر اور غزالہ کہاں ہیں؟ ان کو آج یہاں پہنچ کر مجھ سے ملنا تھا۔ ان کے بجائے تم کیسے آگئے۔"

"وہ دونوں دہلی میں پھنسے ہوئے ہیں۔" عابد نے میری خواہش کے مطابق یہ بات ویرا سے چھپالی کہ میں نے اپنی واپسی کا ارادہ خود ملتوی کر دیا تھا "جب تک مطلع صاف نہیں ہوتا، وہ دہلی سے نہیں نکل سکیں گے۔"

"پھر مجھے بھی واپس دہلی پہنچ جانا چاہیے۔ تم ان فائلوں کو پاکستان بھیجنے کا کوئی اور بندوبست کر لو۔"

ویرا کا وہ ٹکا سا جواب سن کر عابد کی کھوپڑی گھوم گئی۔ وہ ویرا سے ایسی سرد مہری کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے بوکھلا کر کہا "تمہیں اندازہ نہیں کہ یہ کاغذات کتنے اہم ہیں۔ ان کے لیے میں نے ڈینی کے ساتھ پچھلی رات کالی کی ہے۔ ہم دونوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر را کے دفتر میں نقب لگائی اور یہ کاغذات نکال لیے۔ میں ڈینی کی ہدایت پر یہاں آیا ہوں۔ تم دہلی نہیں، لاہور جاؤ گی۔"

"تم کو مجھ سے اس لہجے میں بات کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔" ویرا اس کے آخری فقرے پر بگڑ گئی "میں اپنی مرضی کی مالک ہوں....."

"تم درست کہہ رہی ہو۔" عابد نے گڑبڑا کر اس کی بات کاٹ دی "انسپکٹر ڈیوڈ کے قصے میں پولیس ایک غیر ملکی جوڑے کو ڈھونڈ رہی ہے۔ انہیں نوجوان اطالوی مرد کے ساتھ سفید فام عورت کی تلاش ہے۔ جان اسمتھ بھی مارا گیا ہے۔ اس وقت دہلی ایک چوہے دان کی صورت اختیار کیے ہوئے ہے۔ جو وہاں گیا پھنس جائے گا۔" ویرا کو دہلی واپسی سے روکنے کے لیے عابد برجستگی سے جھوٹ پر جھوٹ بولتا چلا گیا۔

حقائق اس کے بیان کے برعکس تھے۔ انسپکٹر ڈیوڈ کے معاملے میں کوئی پیش رفت ہوئی تھی نہ پولیس کو کسی جوڑے کی تلاش تھی اور جان اسمتھ کی لاش تو اس وقت تک دریافت بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہوٹل سراٹ کے ایک نفیس کمرے میں مقفل پڑی ہوئی تھی۔

وہ اس کی حاضر دماغی تھی کہ اس نے حالات کو سنبھالنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ میرے اور اس کے درمیان یہ طے ہو چکا تھا کہ ویرا کو اولین فرصت میں دہلی بلکہ بھارت سے نکل جانا چاہیے۔

"ان دونوں کے دہلی سے نکلنے میں کیا رکاوٹ ہے؟" ویرا نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ دونوں را کی نظروں میں آگئے ہیں۔ انہیں جل دے کر دہلی سے نکلنا مشکل ہے۔ ریلوے اسٹیشن یا کسی ہوائی اڈے کا رخ کرتے ہی وہ دھر لیے جائیں گے۔"

"وہ ایسی بھیانک مشکل میں ہیں۔ تم انہیں چھوڑ کر امرتسر آگئے ہو اور مجھے پاکستان بھاگنے کا مشورہ دے رہے ہو۔ ان کا کیا بنے گا؟" ویرا متوحش نظر آنے لگی۔

"میرے دو آدمی اس وقت بھی دہلی میں ہیں۔ میں یہ بریف کیس تمہارے سپرد کر کے پہلی دستیاب پرواز سے دہلی لوٹ جاؤں گا۔ ان کی خبر گیری میں کوتاہی ہوئی تو میں اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن کاٹ لوں گا۔ تم کو اندازہ ہونا چاہیے کہ وہ بے یار و مددگار نہیں ہیں۔"

"تم نے کاغذوں کی گھنٹی میرے گلے میں باندھ دی ہے۔ اگر تم انہیں بھیجنے کا متبادل بندوبست کر لو تو میں ہر خطرہ مول لے کر دہلی واپس جانا چاہوں گی۔" ویرا نے بے چینی سے کہا۔ عابد کی زبانی سے ہم دونوں کے مسائل کی مبالغہ آمیز کہانی سن کر وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

"کوئی اور راہ ہوتی تو میں ہرگز یہاں تک نہ دوڑا چلا آتا۔ یہ را کے سرکاری کاغذات ہیں۔ انہیں لے کر گھومنا بھی خطرناک ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم اپنے پروگرام کے مطابق سفر جاری رکھو اور ان دونوں کے لیے دعا کرتی رہو۔ بہتری کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔"

ویرا کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں ابھر آئیں اور وہ فائلوں کے گرد کسا ہوا فیتہ کھولنے لگی۔

عابد بہت غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے یہ فکر ہو رہی تھی کہ اس سے ملاقات کے نتیجے میں ویرا نے کوئی نئی قلا بازی کھائی تو اس کی الٹی آنتیں گلے پڑ جائیں گی اور میرے سامنے وہ جواب دہی نہیں کر سکے گا۔

ویرا نے کئی فائلوں کے متعدد اوراق دیکھے مگر مندرجات میں سے کچھ اس کے پلے نہ پڑ سکا لیکن را کے شان دار لیٹر ہیڈز اور ان پر لگی ہوئی متعدد مہریں ان کاغذات کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی تھیں۔

"یہ سب کیا ہے؟" اس نے فائلوں کو دوبارہ فیتے میں باندھتے ہوئے عابد سے پوچھا۔

"کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ بس یہ سمجھ لو کہ بیشتر کاغذ پاکستان کے بارے میں ان کی معلومات اور منصوبوں کے بارے میں ہیں بلکہ پوری گیارہ فائلوں کے موضوع یہی ہیں۔ فائلوں کے درمیان رکھے ہوئے کاغذوں پر ان نیپالیوں کے فنگر پرنٹس اور کوائف ہیں جو اپنے ملک میں را کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

"نیپال کے بارے میں کاغذوں کی تمہارے لیے کیا اہمیت ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"وہ ہمارا دوست ملک ہے۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے کون کون سے شہری غداریاں کر رہے ہیں۔ را کے دفتر میں ایسا بہت سا ریکارڈ تھا جسے لانا اور پھر پاکستان منتقل کرنا ہمارے بس سے باہر تھا۔ ہم نے بقیہ ریکارڈ کو آگ لگا دی۔"

"ہائیں...!" ویرا چونک پڑی "تم لوگوں نے را کے دفتر کو آگ لگا دی؟"

"میں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ پچھلی رات دہلی میں بہت کچھ ہوا ہے۔ اس آگ میں بلیک کیٹس کے ایک سینئر کمانڈو کی لاش بھی جلی ہوگی۔ اس مہم سے نمٹتے ہی ڈینی نے مجھے ائرپورٹ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ واپس دہلی جاؤں گا تو پتا چلے گا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"تم رک رک کر باتیں بتا رہے ہو۔ ان سے خوشی کے ساتھ تشویش بھی ہو رہی ہے۔ میں یہ ریکارڈ اپنے ساتھ ضرور لے جاؤں گی۔ جن چیزوں کے لیے تم دونوں نے اتنے جتن کیے ہیں۔ انہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آخر کار میں تمہیں پوری صورتِ حال سمجھانے میں کامیاب ہو گیا" ویرا کے ان الفاظ پر عابد کی جان میں جان آئی۔

"اب تم بے فکر ہو جاؤ۔ یہ کاغذات آج چلے جائیں گے۔ دو چار روز میں دہلی کی کوئی حوصلہ افزا صورت سامنے نہ آئی تو میں دوبارہ دہلی کے سفر کے بارے میں سوچوں گی۔" ویرا نے اسے یقین دلایا "تم چاہو تو اسی وقت واپس جا سکتے ہو۔"

عابد نے ویرا کی اس اجازت کو غنیمت جانا اور اسی وقت روانگی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے ڈر تھا کہ اس کے اور ویرا کے مذاکرات زیادہ دیر تک جاری رہے تو وہ کسی بھی لمحے کوئی نئی بات شروع کر دے گی۔ اس کی نظروں میں ویرا بہت سیماب صفت عورت تھی جس کے مزاج میں ٹھہراؤ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ ہر چیز کو ہر وقت متحرک دیکھنے کی خواہاں رہتی تھی۔

○☆○

خطرات بہت گمبھیر اور سنگین تھے مگر انہیں مول لیے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے ہر احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے غزالہ کے کمرے کے باتھ روم سے سی ایس ڈی نکال کر بقیہ دونوں چیزیں وہیں چھوڑیں اور اپنے کمرے میں واپس آکر اسے ٹیلی فون لائن سے منسلک کر دیا۔

نریش شرما سے ہونے والی آخری ملاقات نے مجھے پھونک پھونک کر قدم رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت میرے پاس صرف سرلا کا فون نمبر ایسا تھا جہاں رابطہ کرنے میں زیادہ خطرہ نہیں تھا۔ میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے طور پر ہوٹل سے پاکستان کا کوئی نمبر نہیں ملاؤں گا۔ اس میں سب سے سنگین خطرہ یہ تھا کہ بیرون شہر یا بیرون ملک ملایا جانے والا ہر نمبر مستقل طور پر ریکارڈ پر آجاتا تھا۔

سرلا کے نمبر پر سنیل سے میری بہت مبہم اور مختصر بات ہوئی۔ اسے پتا چل چکا تھا کہ صبح را والے مجھے ہوٹل سے اٹھا لے گئے تھے۔ محض چند گھنٹوں بعد وہ فون پر میری آواز سن کر دہل کر رہ گیا تھا۔ اس سے مجھے پتا چلا کہ عابد امرتسر سے دہلی واپس آچکا تھا۔ بہ مشکل چند فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔

"بہت مختصر گفتگو ہوئی!" غزالہ نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔
"وہ میری آواز سن کر ڈر گیا تھا اور مجھے بات ختم کرنے کا مشورہ دے رہا تھا" میں نے ہنس کر جواب دیا۔
"حقیقت یہ ہے کہ مجھے بھی کل یا پرسوں ہی اس کی خوبیوں کا صحیح اندازہ ہوا ہے۔ اس سے پہلے میں پریشان تھی کہ آپ کی فون پر خاصی کھلی کھلی باتیں ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود کہیں سے کوئی گرفت نہیں ہوتی۔ یہ بات ناقابلِ یقین سی معلوم ہوتی ہے۔"
"جن لوگوں کو اس ڈیوائس کا ذاتی تجربہ نہیں ہے' وہ اس کی پوری افادیت کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اس وقت یہ ہمارے لیے بیم گن سے زیادہ اہم ہوگئی ہے" میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا "اس کے بعد گوپال والے اپریٹس کی باری آتی ہے' سنیل بتا رہا تھا کہ وہ امرتسر سے لوٹ آیا ہے۔"
"کمال ہے۔ بہت جلد واپس آگیا۔ ہوسکتا ہے کہ این ابھی تک آگے روانہ نہ ہوئی ہو۔"
"یہاں سے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کا ہوائی سفر ہے۔ اچھی خبر یہ ہے کہ وہ کامیاب ہوکر لوٹا ہے۔"
"اسے وہاں کیا کرنا تھا جو کامیابی یا ناکامی کا سوال ہو۔ ایک بریف کیس ہی تو ویرا کو دینا تھا" غزالہ منہ بنا کر بولی۔
"گوپال ہمارے پاس سے گیا تھا۔ وہ ہمارے پہنچنے کی توقع کر رہی ہوگی۔ میرا اندازہ ہے کہ اس نے اپنے سوالات سے گوپال کو زچ کر دیا ہوگا۔"
"ہر ایک سے الجھنا اچھی عادت نہیں ہے۔ سب اس کا لحاظ کرتے ہیں۔ کسی دن کوئی سرپھرا ٹکرا گیا تو اس کا دماغ درست کردے گا اور وہ رونے بیٹھ جائے گی۔ وہ یہ حقیقت ہر وقت بھولی رہتی ہے کہ وہ ایک عورت ہے۔"
میں نے وہ بات وہیں ختم کردی۔ اس وقت غزالہ کی ذہنی رو ویرا کے خلاف چل رہی تھی۔ جب وہ اس کی حمایت پر آمادہ ہوتی تھی تو اس کی ہر جائز اور ناجائز بات کے لیے کوئی نہ کوئی جواز پیش کردیتی تھی۔
سات بجے ہم دونوں کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور میں نے ہی اٹھایا۔
"تم کچھ دیر کے لیے مجھ سے کہیں مل سکتے ہو؟" میری آواز پہچان کر بلا کسی تمہید کے سوال کیا گیا اور میں نے بھی وہ نسوانی آواز پہچان لی۔
"شاید تمہیں تازہ ترین واقعات کے بارے میں علم نہیں ہے۔ میں اپنے طور پر گوشہ نشین ہوچکا ہوں۔"
"مجھے سب معلوم ہے اسی لیے ملاقات ضروری ہے۔ نیچے ریستوران میں آجاؤ۔"
"پھر بہتر یہ ہوگا کہ تم میرے کمرے میں آجاؤ۔ میں اس وقت باہر نکلنے کے موڈ میں نہیں ہوں" میں نے بہانہ پیش کیا۔
"میں ابھی آرہی ہوں" رینا نے یہ کہہ کر انٹرکام بند کردیا۔
غزالہ کی استفہامیہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں "رینا نیچے سے بات کر رہی تھی۔ وہ ملنے کے لیے یہاں آرہی ہے" میں نے اسے بتایا۔
"پھر شاید مجھے اپنے کمرے میں چلا جانا چاہیے" اس نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔
رینا سے آزادانہ گفتگو کے لیے غزالہ کا جانا ضروری تھا مگر میں نے اس کی تردید کی "ضروری نہیں ہے۔ چاہو تو اس سے ملنے کے بعد چلی جانا۔"
رینا اجیت رائے ذرا سی دیر میں ہمارے کمرے میں آگئی۔ وہ ہمیشہ کی طرح بنی سنوری تھی۔ اسے دیکھ کر غزالہ کے چہرے سے ساری خوش مزاجی رخصت ہوگئی۔ اس نے سردمہری سے رینا سے ہاتھ ملایا اور آخری گھونٹ میں اپنی چائے کی پیالی خالی کرکے کرسی سے اٹھ گئی "آپ رینا سے بات کریں' میں آتی ہوں۔"
وہ تیزی کے ساتھ کمرے سے رخصت ہوگئی۔ رینا کہہ رہی تھی "مجھے ڈر تھا کہ تمہاری دوست بھڑک جائے گی' اسی لیے میں تم کو نیچے بلا رہی تھی۔"
"فکر نہ کرو۔ تم چلی جاؤ گی تو وہ خود ہی من جائے گی۔ تم اس وقت بہت خوش گوار موڈ میں ہو۔"
"رنگین مزاج اور کھلنڈرے مرد کبھی اداس چہروں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے" بات کرتے ہوئے اس نے اپنا بیگ کھولا اور اس میں سے شام کے دو مڑے تڑے انگریزی اخبار نکال کر میرے سامنے ڈال دیے۔ "کچھ ان میں موجود ہے اور مجھے بہت کچھ معلوم ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے؟"
میں نے ایک اخبار کھولا اور اس کے پہلے صفحے پر نظریں دوڑائیں تو وہاں را کے پاکستان ونگ میں صبح سویرے آتش زنی کی نمایاں خبر موجود تھی۔ اس میں ناگر کی موت کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ میں نے کہا "جو بات نریش شرما نے مجھ سے کہی تھی' اس کا خبر میں کوئی ذکر نہیں ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ اس نے تم سے کیا کہا تھا لیکن یہ معلوم ہے کہ تمہارا ناپسندیدہ آدمی بھی دفتر کی آگ میں جل گیا۔ اس کی موت کی خبر دبادی گئی ہے کیونکہ اس کی وفاداریوں کے بارے میں یکایک کئی سوال اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔"

"نریش بھی یہی جاننا چاہ رہا تھا کہ ناگر سے میرا کیا گٹھ جوڑ تھا" میں نے اسے بتایا۔

"ہم سب کو ایسے کسی آدمی کی تلاش ہے اور وہ کوئی پاکستانی ایجنٹ ہی ہوسکتا ہے۔ اس وقت دہلی میں بہت سے پاکستانی عتاب میں آئے ہوئے ہیں۔ شکر ادا کرو کہ تمہاری جان آسانی سے چھوٹ گئی کیونکہ تمہارے بارے میں میری رپورٹ ریکارڈ پر ہے کہ تم ایک بے فکرے اور دل پھینک آدمی ہو۔ تمہارے پاس اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ تم ناگر سے کوئی سازباز کرتے۔ پرسوں اس سے تمہاری پہلی ملاقات ہوئی تھی جس میں وہ کسی گینڈے کی طرح تمہارے سر پر سوار ہوگیا تھا۔"

رینا اپنی ایجنسی میں بہت نچلی سطح پر کام کرتی تھی لیکن اس کی اپنے بڑوں تک بھی رسائی تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ بے بنیاد نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے اسے اکسانے کی نیت سے کہا "تم کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ابھی میری جان نہیں چھوٹی۔ نریش شرما نے اگلی ہدایت تک مجھے دہلی میں رہنے کا حکم دیا ہے۔"

"را جیسے بڑے اداروں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ الزام لگاکر اچانک واپس نہیں لیا جاتا۔ اگر تم اب بھی عتاب میں ہوتے تو شاید میں تمہاری طرف نہ آتی۔ میں بالکل بے فکر ہوکر یہاں آئی ہوں۔ پتا نہیں تم ریستوران میں آنے سے کیوں ڈر رہے تھے۔"

"میرے لیے را کا نام بہت ڈراؤنا ہے۔ نریش نے چند گھنٹوں میں مجھے ایسے مناظر دکھائے ہیں کہ میں اب تک خوف زدہ ہوں" میں نے اس کے دماغ میں اپنی بے گناہی کا تصور راسخ کرنے کے لیے پھریری لے کر کہا۔

"اسے ایک فلم سمجھ کر بھول جاؤ۔ ابھی ناگر اور آگ کا مسئلہ حل نہیں ہوا تھا کہ چار بجے ہوٹل سمراٹ کے ایک کمرے میں امریکی سفارتی افسر کی لاش دریافت ہوئی ہے۔ وہ کراچی سے چند ہفتوں کی چھٹی پر دہلی آیا ہوا تھا۔"

"اب پھر نیا چکر چلے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں موت کا کوئی آسیب گھس آیا ہے جو اپنے تماشے دکھاتا پھر رہا ہے" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم نے انکل کی بات مان لی۔ بس اب پاکستان جاکر اپنا کام شروع کرنے کی تیاریاں کرو۔"

"میں تیار ہوں مگر نریش کی اجازت کے بغیر اب میں دہلی سے باہر قدم نہیں نکالوں گا۔"

وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی پھر دبی دبی جذباتی آواز میں بولی "تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس کیوں آئی ہوں؟"

"ابھی تک تو یہ اندازہ ہورہا ہے کہ تم مجھے اپنی معلومات سے مرعوب کرنے آئی ہو" میں نے اس کے سوال کے جذباتی پہلو کو یکسر نظرانداز کردیا۔

"تم نے میری بیمار اور بوڑھی ماں پر ترس کھاکر میری نوکری بچانے کا وعدہ کیا تھا تو میں نے تمہیں انکل کی سفاکی سے ہوشیار کیا تھا" اس نے اسی جذباتی لہجے میں اپنی بات جاری رکھی۔ اس وعدے کو پورا کرکے تم نے مجھے خرید لیا ہے۔ میں تمہارے دوسرے احسان کا بدلہ چکانا چاہتی ہوں۔"

"معاف کردو!" میں نے اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے "تمہارے پہلے احسان کی جو ویڈیو فلم بنی تھی، اس نے مجھے غرق کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اب میں تمہارے دوسرے احسان کا بوجھ نہیں اٹھاسکوں گا۔ ویسے بھی میری فرینڈ ہمیں بہت زیادہ دیر تک خلوت میں نہیں رہنے دے گی۔ وہ کمرے کی چابی ساتھ لے گئی ہے۔ دروازہ کھول کر اچانک اندر آجائے گی۔"

اس نے ہنسنا شروع کیا اور پھر شوخی سے دیر تک ہنستی چلی گئی۔ ہنسی رکنے پر اس نے شرارت آمیز لہجے میں کہا "وہ اپنی چابی سے تالا کھول سکتی ہے۔ تم چاہو تو اندر سے دروازہ بولٹ کرلو۔ وہ تالا کھول کر بھی اندر نہیں آسکے گی۔"

"میں بتاچکا ہوں کہ میں اب اس غلطی کا اعادہ نہیں کروں گا" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ تمہارا کمرا ہے۔ میں تمہیں بتاچکی ہوں کہ میرے لیے ہوئے کمرے میں فرصت سے کیمرے لگائے گئے تھے۔ یہاں کچھ نہیں ہوسکتا" اس کی آنکھوں میں دعوت انگیز شوخی اور شرارت جھلک رہی تھی۔

"کمرا کوئی بھی ہو، میں نے کان پکڑلیے ہیں کہ بھارت میں اب پرائی عورت کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا، میرے لیے میری ساتھی کافی ہے۔"

"ویری گڈ!" اس کا لہجہ یکایک تبدیل ہوگیا۔ چہرے پر

بھی سنجیدگی طاری ہو گئی۔ وہ کہہ رہی تھی "میں تم سے مذاق کررہی تھی۔ میرا خیال ہے کہ نریش کے دفتر میں لگنے والی آگ میں تمہارا ویڈیو کیسٹ بھی جل گیا ہے کیونکہ آج بیلا سنگھ نامی لڑکی کو تمہارے پیچھے لگایا گیا ہے۔ وہ اس وقت بنی سنوری اسی ہوٹل کے نچلے فلور پر چکراتی پھر رہی ہے۔ اسے بہت شدت سے تمہاری تلاش ہے۔"

بات واضح ہونے کے باوجود میں ایسا بن گیا جیسے رینا کی باتوں نے مجھے الجھادیا ہو "میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔ کھل کر بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"تمہاری فلم جل کر ضائع ہو گئی۔ تم ننھے پنچھی ہو۔ نریش جی نے پوچھ کچھ کرکے اپنا اطمینان کرلیا کہ ناگر کا اور تمہارا کوئی میل نہیں تھا۔ اب تم پاکستان جاکر را سے منحرف ہوجاتے ہو تو تمہیں بلیک میل نہیں کیا جاسکتا۔ نریش جی نے تمہیں دہلی میں روک کر بیلا سنگھ کو تمہارا نام دے دیا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ وہی کھیل کھیلے گی جو میں نے پہلی ملاقات میں کھیلا تھا۔ کمرا اور کیمرے تیار ہوں گے، تمہاری اور بیلا کی فلم تیار ہوتے ہی تمہیں پاکستان جانے کی اجازت مل جائے گی۔ تم جیسے کام کے آدمی کو ہم کھونا نہیں چاہتے۔ ہرحال میں اپنا کارکن بنانا چاہتے ہیں" آخری دو فقرے اس نے شاید را کی طرف سے ادا کیے تھے۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ بیلا سنگھ کو میرے پیچھے لگایا گیا ہے؟" میں نے بے اعتباری سے سوال کیا۔

"وہ بھی اکیڈمی کے ہاسٹل میں میرے ساتھ رہتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ پہلی بار میں نے تم پر ڈورے ڈالے تھے۔ تمہارا نام ملتے ہی وہ میرے پاس آئی تھی۔ وہ تمہاری عادتوں اور کمزوریوں کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھی۔"

میرا سر واقعی چکرا گیا۔ اپنی مصیبتوں میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود نریش شرما کا ذہن پوری صلاحیتوں کے ساتھ منفی سمتوں میں کام کررہا تھا۔

"تم یہ سب مجھے بتاکر اپنی تنظیم سے غداری نہیں کررہیں؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

"بات ہم دو کے سوا کسی تیسرے کو پتا چل گئی تو یہی کہا جائے گا۔ میں تمہیں ہوشیار کرکے تمہارے دوسرے احسان کا بدلہ اتاررہی ہوں۔ تم میری اس نیک نیتی کو جو نام چاہو دے سکتے ہو۔ میں نے اپنے دل اور ضمیر کا بوجھ اتاردیا ہے۔"

"بیلا سنگھ کے بارے میں مجھے بتاؤ تاکہ میں اس سے بچ سکوں؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد میں نے نرمی سے کہا۔

"وہ سکھنی ہے۔ ہمارے گروپ کی سب سے زیادہ سڈول اور خوبصورت لڑکی ہے۔ جدھر سے گزرتی ہے، نگاہیں اس کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ بہت بے باک اور منہ پھٹ ہے۔ شریف اور ڈرپوک قسم کے دفتری ساتھی اس سے بات کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔"

"خوبصورت اور بے باک تو تم بھی ہو" میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا "تم نے مجھے مسحور کردیا تھا۔"

"اس وقت تم بے خبر تھے۔ اب میں تمہیں ہوشیار کررہی ہوں۔ اسے دیکھ کر تم مجھے بھول جاؤ گے۔"

"اس مخبری پر تمہارا شکرگزار ہوں۔ تم نے کئی باتیں صاف کردی ہیں۔ اگر تم مجھے یہ سب نہ بتاتیں تب بھی بیلا سنگھ کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔ میں عہد کرچکا ہوں کہ اب یہاں کی ہر عورت کے تریا چلتر سے دور رہوں گا۔"

"تم چاہو تو اسی وقت نیچے جاکر اسے دیکھ سکتے ہو۔ وہ گلابی ساڑھی میں شعلۂ جوالہ بنی گھوم رہی ہے۔"

"اسے گھومنے دو۔ ایک دو روز میں وہ خود ہی تھک جائے گی۔ میں شام کو نیچے جانا چھوڑدوں گا۔ وہ میرے لیے کب تک مہنگے کمرے کرائے پر لیتے رہیں گے؟ ایسی کوششوں پر را والے ایک حد سے زیادہ سرمایہ کاری نہیں کریں گے۔"

"یہ سوچنا سمجھنا تمہارا کام ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم نے میری پچھلی غلطی کو معاف کردیا ہوگا" اس نے التجائیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"میں نے تمہاری ہر غلطی کو اسی وقت معاف کردیا تھا جب تم نے مجھے اپنی ماں کے بارے میں بتایا تھا۔ کاش میری اور تمہاری ویڈیو فلم واقعی جل گئی ہو۔ اس طرح میری لغزش اور تمہاری خطا کا ہر ثبوت مٹ جائے گا.... اب تم مجھے امریکی سفارتی افسر کے بارے میں بتاؤ، تمہاری وہ بات ادھوری رہ گئی تھی۔"

"تم کراچی میں پرانی گاڑیوں کے لین دین میں کھوئے رہتے ہو۔ اخبار پڑھتے رہتے تو جان اسمتھ کا نام تم کو بھی معلوم ہوتا۔ وہ نیپال سے بھارت اور ایران تک میں سی آئی اے کی ساری سرگرمیوں کا نگراں ہے اور کراچی میں رہتا ہے..."

مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں نے اس کی بات کاٹ دی "تم بھی را کی کوئی باخبر عہدے دار نہیں ہو۔ تمہیں اس کے بارے میں یہ باتیں کیوں کر معلوم ہیں؟ ایسے خفیہ عہدے دار ہمیشہ کسی نہ کسی سفارتی عہدے کی آڑ میں کام کرتے ہیں۔

ان کے بارے میں اخباروں میں کچھ نہیں چھپتا۔"

"آج دوپہر تک مجھے اس کا نام تک معلوم نہیں تھا" اس نے فراخ دلی سے اعتراف کرلیا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "جب کوئی بڑا آدمی قتل ہوتا ہے تو اس کے بارے میں ہر بات بہت تیزی سے کھلتی اور پھیلتی ہے۔ ہماری را بھی بھارتی سی آئی اے ہے۔ ہمارے عہدے دار ایسی باتوں سے باخبر رہتے ہیں۔ ان سے پتا چلا ہے کہ جان ہفتہ بھر پہلے اپنی چھٹیاں گزارنے کے لیے دہلی آیا تھا۔ کل شام تک وہ ہوٹل کے بار میں بیٹھا ہوا تھا پھر غائب ہوگیا۔ دن بھر اس کے لیے فون آتے رہے لیکن اس کے کمرے سے کوئی جواب نہیں ملا۔ چار بجے دہلی میں امریکی سفارت خانے کا فرسٹ آفیسر ہوٹل سمراٹ پہنچا۔ اس کے ایما پر ماسٹر کی سے جان کا کمرا کھولا گیا تو دروازہ اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ مسہری کے قریب وہ مردہ حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اندازہ ہے کہ پچھلی رات اسے اپنے بستر پر سونا نصیب نہیں ہوسکا کیونکہ مسہری کا بستر بے شکن تھا۔"

"را کے دفتر میں آگ اور ناگر کے قتل کی طرح یہ بھی بہت بڑی واردات ہے۔ اس کے کیا اسباب ہوسکتے ہیں" میں نے محتاط انداز میں پوچھا۔

"لاش پر کوئی زخم ہے نہ لاش نیلی ہوئی ہے۔ موت کا اصل سبب پوسٹ مارٹم کے بعد سامنے آئے گا۔"

"پھر تم نے اسے قتل کیسے قرار دے دیا۔ وہ دل کے دورے سے بھی مر سکتا ہے" میں نے اعتراض کیا۔

"میں سنی سنائی باتیں بتا رہی ہوں۔ وہ دل کا مریض نہیں تھا۔ پہلا دورہ اتنا شدید نہیں ہوتا کہ آدمی چند قدم چل کر اپنے بستر پر پہنچنے سے پہلے مرجائے۔"

"اگر یہ اس کی قدرتی موت تھی تب بھی عبرت ناک ہے کہ وہ مرنے کے بعد رات بھر یوں ہی پڑا رہا۔"

ریتا سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں اول خان کی بتائی ہوئی یہ بات گردش کر رہی تھی کہ اس کی نادر و نایاب انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں میں ایسے کمیاب زہر بھرے گئے تھے جو لاش کی فطری حالت پر اثر انداز ہوئے بغیر اپنا کام دکھاتے تھے لیکن تفصیلی پوسٹ مارٹم کے بعد ان کا سراغ لگایا جاسکتا تھا۔ دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ ہر قاتل نگینے کا زہر یکساں نہیں تھا۔

"موت کسی کی بھی ہو اور کیسی ہی ہو، اپنے ساتھ عبرت لے کر آتی ہے کہ زندگی کا آخری انجام یہ ہونا ہے پھر بھی مردے کی آخری رسوم انجام دینے والے زندہ لوگ ذرا سی دیر کے بعد یہ بات بھول کر اپنی بے ایمانیوں اور مکاریوں کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں۔"

میرے لیے ریتا اجیت رائے کی آمد بہت خوش آئند تھی۔ اس کی آمد کی اطلاع پانے کے بعد میرا ردِّعمل بھی غزالہ سے مختلف نہیں تھا لیکن اس کی باتیں سننے کے بعد مجھے خوشی ہوئی تھی کہ را کے اندرونی حلقوں تک رسائی رکھنے والی اس لڑکی کے دل میں میرے لیے ممنونیت کے جذبات موجود تھے۔ بظاہر وہ بری لڑکی تھی لیکن اس کے اندر ایک اچھی لڑکی خوابیدہ تھی جو میرے رویے سے بیدار ہوچکی تھی۔

دہلی میں میرے قیام کے دوران میں اس کا آتے جاتے رہنا میرے لیے سودمند ثابت ہوسکتا تھا۔ اس کے ذریعے ملنے والی اندر کی خبروں کی روشنی میں مجھے اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کی تیاری میں زبردست مدد مل سکتی تھی۔

"ہمارے درمیان ایک سمجھوتا ہوچکا ہے" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا "ہم ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیں گے کیونکہ ہم نے مراسم کی ابتدا کو بھول کر ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ تم پر میرا کوئی جبر نہیں ہے لیکن تم سے مل کر مجھے ہر وقت خوشی ہوگی۔"

"میری شامیں ہوٹل میں گزرتی ہیں۔ اگر تمہاری ساتھی کو اعتراض نہ ہو تو میں روزانہ شام کو سلام دعا کے لیے وقت نکال سکتی ہوں۔"

"وہ فراخ دل اور کھلے ذہن کی عورت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تمہارے بارے میں سوچ سوچ کر اندر ہی اندر کڑھ رہی ہو لیکن واپس آنے کے بعد جب صحیح صورت حال کا اندازہ لگائے گی تو اسے تمہاری آمد و رفت پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ہمارے ملنے کے لیے تمہارا کمرا ہی بہتر رہے گا۔ ریستوران میں ہم کھل کر باتیں نہیں کرسکتے تھے۔"

"میں نے محض اسی وجہ سے تمہیں اوپر بلایا تھا۔ آئندہ غزالہ بھی تمہارے ساتھ بیٹھی رہے گی۔"

"اب میں چلتی ہوں۔ مجھے شکار پر نکلنا ہے" وہ اٹھلاتی ہوئی کرسی سے اٹھ گئی "آج ہم نے بہت دیر تک باتیں کرلی ہیں، اس لیے میں کل نہیں آؤں گی۔"

"میں اصرار نہیں کروں گا۔ بس جان کی موت کے بارے میں میرا تجسّس بڑھتا رہے گا۔"

وہ ہنس پڑی "اب مجھے اپنا مخبر نہ بناؤ۔ کل کے اخباروں میں سب کچھ آجائے گا ورنہ ٹیلی وژن پر دیکھ لینا۔ وہ ناگر

نہیں تھا کہ اس کی موت کے کسی گوشے پر پردہ ڈالا جا سکے۔"
"مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم بھی ناگر کو پسند نہیں کرتی تھیں؟" میں نے کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔
"اسے پسند نہیں کرتی تھی مگر اس سے ڈرتی تھی۔ وہ واقعی بہت برا آدمی تھا۔ اس کا انجام بھی اچھا نہیں ہوا۔ سنا ہے کہ آگ کی تپش سے اس کا پیٹ پھول کر پھٹ گیا تھا اور ہڈیاں تک جل کر کوئلہ ہو گئی تھیں۔ شاید اس کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں ہو سکے گا۔"
رینا اجیت رائے نے چلتے چلتے پھر ایک اچھی خبر سنا دی تھی۔ ناگر کی موت کے اسباب کا سامنے نہ آنا ہر حال میں بہتر تھا۔
"کل کب آؤ گی؟" دروازے پر پہنچ کر میں نے دانستہ سوال کیا۔
"میں کل کے لیے منع کر چکی ہوں۔ کل کی شام یہ ہوٹل بیلا سنگھ کے نام رہے گا تاکہ وہ تمہارے لیے اپنے سارے جتن کر ڈالے۔ وہ کل مایوس ہو گئی تو میں پرسوں آؤں گی۔ آج وہ میری آمد سے بے خبر ہے۔ اسے پتا چل گیا میں ہر شام تمہیں کمرے میں گھیر کر بیٹھ جاتی ہوں تو وہ اوپر میری شکایت کر دے گی۔ میں اسے اپنی طرف سے شکایت کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتی۔ تم میری مجبوریوں کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔"
میں نے دروازے سے اسے رخصت کر دیا۔ وہ بے خوف تھی مگر میں غیر ضروری طور پر اس کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔
اس کے جاتے ہی میں نے غزالہ کے کمرے کا نمبر ملایا۔ وہ وہاں ٹیلی وژن دیکھنے میں مصروف تھی۔ میں نے اسے وہیں رکنے کی ہدایت کی۔ اپنے کمرے کی چابی اٹھائی اور دروازہ مقفل کر کے اس کی طرف چل دیا۔
میری دستک پر اس نے دروازہ کھولا تو وہ مجھے دیکھ کر حیران رہ گئی "میں سمجھی تھی کہ وہ خوبصورت ناگن ابھی بھی آپ کے سر پر مسلّط ہے۔ آپ یہاں کیوں آ گئے؟" اس نے مجھے اندر آنے کی راہ دیتے ہوئے پوچھا۔
"کچھ کام ہے" میں نے اختصار سے جواب دیا۔
"ہم نے طے کیا تھا کہ پرانا کمرا کسی بھی وقت خالی نہیں چھوڑیں گے مگر اس وقت وہاں کوئی نہیں ہے۔" غزالہ نے کہا۔
مجھے وہ بھولی ہوئی بات فوری طور پر یاد آ گئی "میں ذرا سی دیر میں آتا ہوں۔ تم وہاں چلی جاؤ" میں نے [illegible]ے کی چابی اس کی طرف بڑھا دی۔
غزالہ چابی لے کر وہاں سے چلی گئی۔ ٹیلی وژن چلتا رہا۔ میں نے فالس سیلنگ میں چھپائی ہوئی تھیلی نکال کر ڈھیلے ٹائل کو احتیاط سے اس کی جگہ پر واپس ٹکا دیا۔ ٹیلی وژن بند کر کے میں نے وہ کمرا چھوڑ دیا۔
غزالہ میرے ہاتھ میں وہ تھیلی دیکھ کر پریشانی سے بولی "ابھی دشمنوں کو اس کمرے کی تلاشی لیے ہوئے آدھا دن بھی نہیں گزرا اور آپ تیزی سے فیصلے کیے جا رہے ہیں۔ ان دونوں چیزوں کی اس وقت کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟"
"رینا نے بہت حوصلہ افزا باتیں بتائی ہیں۔ حالات شاید اتنے خراب نہیں ہیں جتنا ہم سمجھ رہے ہیں۔"
"رینا شروع سے اب تک کئی روپ بدل چکی ہے۔ مجھے اب اس کی کسی بات پر اعتبار نہیں ہے۔"
"اس سے براہ راست میرا رابطہ رہا ہے۔ تم میری بتائی ہوئی باتوں پر یقین کرتی رہی ہو تو تمہیں اس وقت بھی مان لینا چاہیے کہ میں نے درست رائے قائم کی ہو گی۔ وہ اپنے ابتدائی کردار پر بہت زیادہ شرمندہ ہے۔"
"امین شاید ٹھیک کہتی ہے کہ دنیا کی ہر خوبصورت عورت مظلوم بن کر آپ کی ہمدردیاں حاصل کر سکتی ہے" غزالہ نے ہنس کر کہا۔
گفتگو ایسے رخ پر چلی گئی کہ مجھے اپنی اور رینا کی گفتگو دہرانی پڑی۔ اس درمیان میں غزالہ سوالات بھی کرتی رہی۔ آخر کار وہ میری رائے سے متفق ہو گئی "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن اس سے بات ہونے کے بعد بیم گن اور ایریٹس کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"
"سی ایس ڈی میں فون استعمال کرنے کے لیے لایا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ گوپال اتنی جلدی لوٹ آئے گا۔ یہ اطلاع فون کے ذریعے ملی تھی۔ اب گوپال سے رابطے کے لیے ایریٹس استعمال کرنا پڑے گا۔ میں فون پر زیادہ لمبی بات نہیں کروں گا۔"
"حیرت ہے کہ اس نے اب تک آپ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اسے اپنے ساتھیوں سے معلوم ہو چکا ہو گا کہ آج صبح کیا ہوا تھا؟"
"وہ لوگ ڈرے ہوئے ہیں اور احتیاط سے کام لے رہے ہیں۔ میں خود اس تجربے سے گزرا ہوں اس لیے میرا خوف کم تھا۔ اگر رینا نہ آتی تو میں اب بھی تمہارے کمرے سے یہ تھیلی نکالنے کی کوشش نہ کرتا۔ ان کو یہ سب معلوم نہیں ہے۔ وہ رابطہ نہیں کریں گے۔"
"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خود گوپال سے بات

کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" غزالہ نے پوچھا۔

"اپریٹس صرف اسی کام آسکتا ہے" میں نے مسکرا کر کہا "بیم گن اس لیے لے آیا کہ یہ اکیلی وہاں نہ پڑی رہے۔"

اس اثنا میں غزالہ وہ اخبار اٹھا چکی تھی جو رینا لائی تھی۔ میں نے بڑھ کر ٹیلی وژن کھول دیا۔

اس وقت نو بجے تھے۔ صحیح وقت شاید ایک آدھ منٹ اوپر رہا ہوگا۔ کیونکہ ایک انگریزی چینل سے خبریں آرہی تھیں۔

وہ بھارت کا ہی کوئی اسٹیشن تھا۔ پہلی خبر فلسطینیوں کے ایک ماتمی جلوس پر اسرائیلیوں کی وحشیانہ فائرنگ کی تھی جس میں متعدد افراد ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔ اگلی خبر ہوٹل سمراٹ میں جان اسمتھ کی پراسرار موت کے بارے میں تھی۔ خبر کے الفاظ نپے تلے تھے۔ وہی پوزیشن برقرار تھی کہ موت کے اسباب کے تعین کے لیے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار کیا جارہا تھا۔ پورے خبرنامے میں را کے دفتر میں آگ لگنے کا ذکر نہیں تھا۔ شاید دن کے ایک دو خبرناموں کے بعد اس واقعے کو بلیٹن سے نکال دیا گیا تھا تاکہ غیر ضروری طور پر اس واقعے کی تشہیر نہ ہو۔

میرے اشارے پر غزالہ نے کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کردیا۔ میں نے کمرے کے اندرونی سرے پر جا کر اپریٹس آن کردیا۔

میرے دوسرے پیغام کے جواب میں عابد فوراً لائن پر آگیا۔ اس کی آواز دبی دبی اور ہذیانی تھی "میں سن رہا ہوں۔ یہ تم کیا کررہے ہو۔ اسے بند کرکے کہیں دور پھینک دو۔ اس وقت تم سنگین خطرات سے دوچار ہو.... اوور!"

"سہ پہر تک میں تم سے زیادہ دہشت زدہ بلکہ سکتے کی حالت میں تھا۔ اب یہ جمود ٹوٹ چکا ہے۔ خطرہ ضرور ہے مگر اتنا سنگین نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ تمہارے کام کی کیا رپورٹ ہے۔ اوور۔"

"وہ دہلی واپسی پر مصر ہوگئی تھی۔ بہت مشکل سے اسے مال آگے لے جانے پر آمادہ کیا ہے۔ تم اتنے مطمئن کیوں ہو؟ اوور۔"

"کچھ خبریں ملی ہیں جن سے اندازہ ہورہا ہے کہ وہ کس سمت میں سوچ رہے ہیں۔ سرلا کا کیا حال ہے اوور۔"

"وہ پلاسٹر اور دواؤں کے ساتھ گھر آگئی ہے۔ کیا تم نے اس کی خیریت جاننے کے لیے رابطہ کیا ہے؟ اوور۔"

"مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ یہاں سے کب جانا پڑجائے۔ اس سے پہلے میں آخری کام کی تیاری کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے ملاقات ضروری ہے۔" میں نے اپنی بات مکمل کرکے خاموشی اختیار کی اور اس نے ریڈیو ٹرانس مشن کے روایتی اصول کے تحت بولنا شروع کردیا۔

"اس وقت تم ہوٹل کے جزیرے میں گھرے ہوئے ہو۔ ہم وہاں سے نکل چکے ہیں۔ دور سے جائزہ لیا جارہا ہے۔ جب تک ہم اپنا اطمینان نہیں کرلیتے، ایسی ملاقات خطرناک ہوگی۔ تم دوچار روز کے لیے اس رابطے کو بھی بھول جاؤ۔ مناسب وقت پر میں خود ملنے کی کوئی راہ نکال لوں گا۔"

میں نے خشک لہجے میں وہیں بات ختم کردی۔ غزالہ قریب کھڑی شاکی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

اپریٹس آف ہوتے ہی وہ بول پڑی "میں اس کی ہم خیال ہوں۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ ہمارے دشمن کتنے خطرناک ہیں۔ وہ لوگ یہاں بہت عرصے سے رہ رہے ہیں۔ اس اونچ نیچ کو ہم سے بہتر سمجھتے ہیں۔ ہمیں ان کی رائے کا احترام کرنا چاہیے۔"

"یہ تجربے وغیرہ کی بات نہیں ہے۔ طریقہ کار کا فرق ہے۔ وہ دامن بچا کر چلنے کے عادی ہیں۔ میں کانٹوں کو روند دینا چاہتا ہوں۔"

"یہ خودکشی کا راستہ ہے۔ میں آپ کو اس پر نہیں چلنے دوں گی۔" غزالہ نے قدرے سختی سے کہا اور میں بے بسی سے اسے گھور کر رہ گیا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ آپریٹر نے میری اجازت پاکر کال ملادی۔ میں نے فوراً سی ایس ڈی آن کردی۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔" دوسری طرف سے عابد کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی "شاید میرے مشورے تمہیں گراں گزرے ہیں مگر میں التجا کررہا ہوں کہ اب بھول کر بھی اپریٹس استعمال نہ کرنا۔ ابھی ابھی جی فور نے اطلاع دی ہے کہ شہر میں کئی ریڈیو اسکیننگ وینز حرکت میں آگئی ہیں۔ ہر وین اپنے حیطہ عمل میں ہونے والی ہر ریڈیائی گفتگو کو پکڑ سکتی ہے۔ انہوں نے ایک بار ہماری گفتگو سن لی تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اور تمہیں نہیں بچا سکے گی۔"

"اس اہم اور بروقت اطلاع کا شکریہ۔" میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا "یہ اندھیرے میں چلائے جانے والے تیر ہیں جو بھی ان کی زد میں آگیا، واقعی مارا جائے گا۔ اب میں اپریٹس استعمال نہیں کروں گا۔"

"یہ ایوی ایشن ریسرچ سینٹر والوں کی گاڑیاں ہیں۔ شہر میں چھپے ہوئے دشمن کے ایجنٹوں کا کھوج لگانے کے لیے کبھی

کبھار گشت پر نکلتی رہتی ہیں۔" وہ فون پر وضاحت کررہا تھا "آج آرک (ARC) کی سب گاڑیاں دہلی کی سڑکوں پر نکل آئی ہیں۔"

"ہوسکے تو اپنی دوسری ایجنسیوں کے آدمیوں کو بھی خبردار کردو۔" میں نے مشورہ دیا "ایسا نہ ہو کہ وہ بے خبری میں پکڑے جائیں۔"

"میں سخت فکر مند ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ کیا کیا جاسکتا ہے۔" اس کی آواز سے وحشت اور تشویش جھلک رہی تھی۔

"فون پر بھی زیادہ بات نہ کرنا۔ اس وقت خاموشی اور پسپائی سب سے بہترین راہ ہے۔"

"مجھے خوشی ہوئی کہ میں اپنا پیغام واضح کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ فی امان اللہ۔" اس نے فون بند کردیا۔

"وہ چند لمحے پہلے یہی بات اپنے طور پر کہہ رہا تھا تو آپ نے اسے ماننے سے انکار کردیا تھا۔" ریسیور رکھتے ہی میرے کانوں میں غزالہ کی ہلکی سی طنزیہ آواز آئی۔

"دونوں باتوں میں بہت فرق تھا۔ پہلے وہ میرے ذاتی مفاد اور بچاؤ کے لیے تجویز پیش کررہا تھا۔ اگر انہیں ہم پر شبہ ہوتا تو آرک کی گاڑیاں شہر پر یلغار نہ کرتیں۔ ایک وین خاموشی سے ہوٹل کے آس پاس کھڑی کردی جاتی اور ساری گفتگو پکڑی جاتی۔ وہ پورے شہر کے گشت پر نکلے ہیں۔ اس وقت انہیں ایسے لوگوں کی تلاش ہے جو پیغام رسانی کے لاسلکی ریڈیائی آلات استعمال کررہے ہیں۔ یہ ایک عمومی خطرہ ہے۔ اپریٹس کا استعمال جاری رکھنے کی صورت میں ہم پھنس سکتے ہیں۔ میں ہر معقول بات کو کسی حیل وحجت کے بغیر تسلیم کرلیتا ہوں۔"

"خدا کا شکر ہے کہ اسے بروقت صحیح اطلاع مل گئی اور اس کی بات آپ کی سمجھ میں آگئی۔"

آرک ایک نیا نام تھا جو میرے سامنے آیا تھا۔ را والوں کا پورا نام ریسرچ اینڈ اینالیسز ونگ تھا۔ آرک ایوی ایشن ریسرچ سینٹر کا مخفف تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے بھارت کے سربرآوردہ لوگ جاسوسی اور سراغ رسانی کے لیے ریسرچ یا تحقیق کی آڑ استعمال کرنے کے شوقین ہوں۔

میرے نزدیک ان کی نئی مہم کی سمت بالکل صحیح تھی۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ان کے خیال میں غیر ملکی ایجنٹوں کا کوئی گروہ شہر میں اچانک فعال ہوگیا تھا۔ ایسے زیر زمین گروہوں کے اراکین حفاظتی نکتہ نظر سے ایک دوسرے سے الگ تھلگ اور بکھرے ہوئے رہتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر وہ پیغامات کے تبادلے کے لیے مخصوص فری کوئنسی والے اپریٹس استعمال کرتے ہیں۔ ان کو پکڑنے کا بہترین ذریعہ ریڈیو فری کوئنسی اسکینر ہی ہوسکتے تھے جنہیں وہ میدان میں لے آئے تھے۔ آئی بی والوں کی کارکردگی قابل تعریف تھی کہ آرک والوں کا وہ قدم ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا۔ دہلی جیسے وسیع وعریض شہر میں وہ کل تین نفوس تھے مگر ہر قابلِ ذکر موقع پر وہ عقابی انداز میں آس پاس منڈلاتے رہتے تھے۔

میرے اور غزالہ کے درمیان ہلکی سی کشیدگی جنم لے چکی تھی۔ حالات کے دباؤ نے اس کے اعصاب پر خاصا منفی اثر ڈالا تھا۔ وہ خاموشی سے شام کا اخبار چاٹے جارہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ آرک والے اپنی گاڑیاں کب تک شہر میں گھماتے رہیں گے۔

فون کی تیز گھنٹی نے ہم دونوں کو بری طرح چونکا دیا۔ عابد سے ذرا سی دیر پہلے اپریٹس اور پھر فون پر بات ہوچکی تھی۔ میں نے اسے رابطہ محدود ترین کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کے سوا میں کسی سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ مجھے خوف لاحق ہوا کہ کہیں وہ کراچی کی کال نہ ہو۔

مجھے کراچی سے رابطہ کیے تیسرا دن تھا۔ سلطان شاہ مفرور تھا۔ اسے اس شخص کی تلاش تھی جو کراچی میں را کے لیے کام کررہا تھا اور جس نے مظہر خان کے پتے پر جاکر میرے مفروضہ کوائف کی تصدیق کی تھی۔ اول خان طویل انتظار سے اکتا کر مجھے فون کرسکتا تھا۔

ہم دونوں حیران اور خائفانہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کسی نے فون کی طرف بڑھنے میں پہل نہیں کی تھی۔ دوسری گھنٹی بجتے ہی میں نے غزالہ کو کال سننے کی ہدایت کی اور اس نے تیسری گھنٹی بجنے سے پہلے ریسیور اٹھالیا۔

اس نے دھیمی آواز میں کچھ پوچھا پھر ہولڈ کرنے کا مشورہ دے کر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا اور مجھ سے کہا "آپ کے لیے نریش کا فون ہے۔"

میں نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑی اور ریسیور غزالہ کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہیلو! میں مظہر بول رہا ہوں۔" میں نے تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ماؤتھ پیس میں کہا۔

"تم کمرے میں گھسے کیا کررہے ہو۔۔۔ میں تو سمجھا تھا کہ تم نیچے زندگی کے مزے لوٹ رہے ہوگے۔" نریش نے بے تکلفانہ آواز میں کہا۔ اس کے لہجے سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ

ہلکے سے سرور میں آیا ہوا تھا۔
"کمرے سے نکلنے کی طبیعت نہیں چاہ رہی۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کیا جائے؟"
"کیوں؟ تم تو خاصے زندہ دل اور رنگین مزاج آدمی ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا؟"
"جب سے تم نے رہا کیا ہے، کمرے سے باہر جانے کا موڈ نہیں بن رہا۔ رہ رہ کر وہ شکنجے اور اوزار نگاہوں میں گھوم رہے ہیں جو تم نے دکھائے تھے۔"
"وہ سب لوہا، لکڑا اور تاروں کا ڈھیر تھا۔ اس کے بارے میں اتنا کیوں سوچ رہے ہو؟"
"نریش جی! آج میں نے تمہارے دو مہمان خانوں میں اپنی زندگی کا بدترین وقت گزارا ہے۔ اس کی دہشت شاید کئی مہینوں تک میرے ذہن سے زائل نہ ہو سکے۔" میں نے گہرے متاسفانہ لہجے میں کہا "آنکھیں موندتا ہوں تو دس سال پرانا قیدی میرے تصور میں قہقہے لگانا شروع کر دیتا ہے۔"
"تم ڈرپوک اور کمزور دل کے آدمی ہو۔ تمہیں وہ سب دکھایا گیا تھا۔ تمہیں کسی مشین میں ڈالا تو نہیں گیا۔" اس کے بے پروایانہ قہقہے کے بعد آواز آئی۔
"ان سب سے زیادہ بھیانک تمہاری باتیں تھیں۔ وہ میرے ذہن میں گونج رہی ہیں۔ میں یہ سوچ کر لرز رہا ہوں کہ تم مجھ پر اعتبار کرنے کے بجائے اپنی کسی دھمکی پر عمل کر گزرتے تو میرا کیا حشر ہوتا۔ یہ حالت رفتہ رفتہ ہی اعتدال پر آئے گی۔"
"وہ سب بہت ضروری تھا۔" اس بار نریش شرما کی آواز میں سنجیدگی عود کر آئی "تم کو برے انجام کا خوف دلانے کے لیے وہ سب دکھانا ضروری تھا۔ اس میں تمہاری بھلائی تھی۔ سچ اور جھوٹ کو اسی طرح پرکھا جاتا ہے۔ پرکھے بنا تم کو چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔"
اس کے الفاظ میں میری نجات کا بالکل وہی پیغام تھا جو رینا مجھے سنا چکی تھی مگر میں نے اسے نظرانداز کر کے انجان بنتے ہوئے کہا "ابھی میں چھوڑا کہاں گیا۔ تم نے مجھے دہلی میں قید کر دیا ہے۔"
"دہلی بہت بڑا شہر ہے۔ تم پہلی بار یہاں آئے ہو۔ مہینوں گھومتے پھرتے رہو گے تب بھی تمہارا دل نہیں بھرے گا۔ تم دہلی کے بجائے اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئے ہو۔ میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا۔ تم میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔"
"قید خانہ چھوٹا یا بڑا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ قید، قید ہی ہوتی ہے۔" میں اس کی گفتگو کے رخ کا اندازہ کر چکا تھا۔ میں نے وہ جواب دیتے ہوئے اپنی آواز میں بھرپور اداسی سمیٹ لی۔
"کمرے کی بے جان دیواریں اور اپنی فرینڈ کا چہرہ دیکھ دیکھ کر تم اکتا جاؤ گے۔ تم نے اپنی ایک شام اپنے ہاتھوں برباد کر لی۔" اس کا لہجہ ناصحانہ ہو گیا "شام کو تمہارے ہوٹل میں پریوں کے جمگھٹ ہوتے ہیں۔ سندر چہروں، تیکھے بدن اور شوخ اداؤں والی رنگین تتلیاں ہوتی ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ کل شام ان میں گھل مل جاؤ۔ کوئی نہ کوئی پری تم پر مہربان ہو جائے گی۔ دو تین گھنٹوں میں تمہاری ساری اداسی اور مایوسی کافور ہو جائے گی۔ تم کو ایک بار پھر اپنی زندگی سے پیار ہو جائے گا۔"
"میں کوشش کروں گا مگر میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ میں خود اس مایوسی سے نکلنا چاہ رہا ہوں مگر کامیاب نہیں ہو رہا۔ تم نے جھوٹ اور سچ کو پرکھنے کے لیے میرے وجود میں سے زندگی کا سارا جوش اور ولولہ نچوڑ لیا ہے۔"
اس بار نریش شرما کی ہنسی متکبرانہ تھی "میں نے کچھ نہیں کیا اور تم مجھ پر اتنا بڑا الزام لگا رہے ہو!"
"میں مانتا ہوں کہ تم نے مجھے چھوا تک نہیں مگر دل سے دماغ تک سب کچھ توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔"
"آج تمہارا تجربہ زیادہ ہے۔ کل تک تم بہتر ہو جاؤ گے۔ میری بات یاد رکھنا۔ کل کمرے سے ضرور نکلنا۔" اس نے تاکید کی۔
"میں کوشش کروں گا۔" میں نے دل ہی دل میں اس پر ہنستے ہوئے نیم دلانہ لہجے میں جواب دیا۔
نریش نے فون بند کر دیا۔ اس سے براہِ راست بات کر کے میرے ذہن کا بوجھ مزید ہلکا ہو گیا تھا۔
"وہ آپ کو کہاں جانے کے لیے مجبور کر رہا تھا۔" غزالہ نے دھیرے سے پوچھا۔ "وہ میرے جوابات غور سے سنتی رہی تھی۔ اس نے بالکل صحیح اندازہ لگا لیا تھا مگر یہ نہیں سمجھ سکی تھی کہ وہ مجھے پریوں اور تتلیوں کے جھرمٹ میں کھو جانے کا مشورہ دے رہا تھا۔
"اسے یہ بات پسند نہیں آئی کہ میں ہوٹل کے کمرے میں محبوس ہو گیا ہوں۔ وہ چاہتا ہے کہ میں نچلی منزل کی رنگینیوں سے اپنا دل بہلانے کی کوشش کروں۔"
"جب ہی آپ ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑے جا رہے تھے۔ اسے یہ احمقانہ مشورہ دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

”یہی ایک نکتہ قابلِ غور ہے۔ اس وقت اس کی ساری گفتگو کا یہی ایک محور تھا۔“

”آپ نے شروع سے بہت اچھا موقف اختیار کیا ورنہ وہ آپ کو مجبور کر دیتا۔“

”مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ مجھے کس راہ پر لے جانا چاہتا ہے۔ کل کے لیے اس نے بہت اصرار کیا ہے۔“

”ہرگز نہیں۔ اس نے آپ پر زیادہ دباؤ ڈالا تو میں بھی آپ کے ساتھ رہوں گی۔“ وہ ترشی سے بولی ”دیکھتی ہوں کہ وہ مردود آپ کو کس طرح بہکاتا ہے۔ اس نے ذرا بھی ٹیڑھی بات کی تو میں اس کا دماغ درست کر دوں گی۔“

”یہ مردانہ کھیل ہیں۔ انہیں مردوں تک رہنے دو۔ تمہاری پوزیشن نازک ہے۔ میں ہرگز یہ پسند نہیں کروں گا کہ را والے تمہاری طرف متوجہ ہوں۔ ایک بار وہ تمہاری راہ پر لگ گئے تو تمہارے نام کے حوالے سے شاید انہیں میری عرفیت بھی یاد آجائے۔ وہ بہت خطرناک موڑ ہوگا۔“

”آپ کو رنگ رلیوں پر مجبور کر کے وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟“ غزالہ نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

میں نے ذرا سی دیر کے لیے سوچا اور پھر ایک حد تک غزالہ کو اپنے اعتماد میں لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا ”رینا نے مجھے بتادیا تھا کہ نریش شرما نے بیلا سنگھ نامی ایک لڑکی کو میرے پیچھے لگایا ہے۔ اس کے ذریعے وہ مجھے بلیک میل کرنے کا مواد تیار کرنا چاہتا ہے تاکہ میں پاکستان پہنچنے کے بعد اپنے کیے ہوئے وعدوں سے منحرف نہ ہوسکوں۔ بیلا نے میری تلاش میں اپنی پوری شام برباد کرنے کے بعد نریش کو اپنی ناکامی کی رپورٹ دی ہوگی۔ نریش اس وقت نشے کی جھونک میں ہوگا۔ اس نے میرا ہمدرد اور ناصح بن کر مجھے فون کر ڈالا۔“

”پھر تو رینا بھی آپ سے اسی مقصد کے تحت ٹکرائی ہوگی۔“ غزالہ نے نتیجے پر چھلانگ لگادی۔

”اس کا بھی یہی مقصد تھا۔“ میں نے اقرار کیا ”مگر وہ مجھ سے مل بیٹھنے کے باوجود ناکام رہی۔“

”بیلا سنگھ!“ غزالہ نے دانت پیس کر وہ نام دہرایا ”یہ کوئی سکھ لڑکی معلوم ہوتی ہے۔“

”ہوگی۔“ میں نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے کہا ”اب کھانے اور سونے کی فکر کرو۔ اس کے بارے میں کل سوچا جائے گا۔“

اس نے فوراً ہی فون پر روم سروس والوں کو کھانے کا آرڈر دیا اور دھیمی آواز میں ایک ٹیلی وژن اسٹیشن لگادیا۔

”آپ فون پر اس سے بات کر رہے تھے تو آپ کے چہرے سے بھی اندر کا کرب جھلک رہا تھا۔ نریش کے ظالمانہ حربوں نے آپ کو واقعی پریشان کر دیا ہوگا۔“

میں نے اس کی بات ہنسی میں اڑادی ”ہوٹل واپسی کا فیصلہ کرتے ہوئے مجھے سنگین نتائج کا اندازہ تھا۔ اگر مجھے عملی تشدد بھی سہنا پڑتا تو میں اس کے لیے تیار تھا۔ مجھے تشویش ضرور تھی لیکن دل میں کوئی خوف نہیں تھا۔“

اس وقت ہوٹل کے مطبخ کی سرگرمیاں شاید اپنے شباب پر تھیں۔ تلی ہوئی مچھلی اور سبزیوں پر مشتمل کھانا میری توقع سے پہلے تیار ہو کر ہمارے سامنے آگیا۔ ہم دونوں نے پوری طرح سیر ہو کر کھانا کھایا۔ کچھ دیر ٹیلی وژن کے پروگرام دیکھتے رہے پھر روشنیاں گل کر کے بستر پر دراز ہوگئے۔

میری پچھلی رات کی نیند پوری نہیں ہوسکی تھی۔ میں جلد ہی خواب کی فسوں خیز وادیوں میں اترتا چلا گیا۔

اگلا دن خبروں کے ساتھ طلوع ہوا۔ ایک طرف اخبار میں تفصیلات موجود تھیں۔ دوسری طرف ٹیلی وژن پر بھی مزید خبریں آگئی تھیں۔

را والوں نے اپنے دفتر کی آتش زدگی میں کچھ ریکارڈ کے ساتھ ناگر کے جل مرنے کا اعتراف کرلیا تھا۔ صبح کے اخبارات میں وہ خبر اپنی جزئیات کے ساتھ پہلی بار آئی تھی۔ اس بار بھی را نے دو باتیں چھپالی تھیں۔ نریش کی تجوری کے توڑے جانے اور ریکارڈ نکالنے کا ذکر کیا تھا نہ ناگر کے سوختہ جسم پر تشدد کی علامات کی نشان دہی کی گئی تھی۔ پوری خبر میں کچھ ایسا تاثر دیا گیا تھا جیسے وہ منصوبہ بندی کے ساتھ کی جانے والی منظم واردات کے بجائے کوئی اتفاقی سانحہ رہا ہو۔

رات گئے پوری عمارت میں صرف ناگر کی موجودگی پر یہ کہہ کر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی کہ اس ونگ کے بعض افسران دیر تک بلکہ ساری ساری رات بھی اپنے دفاتر میں کام میں مصروف رہتے تھے۔ اس بات کا کہیں ذکر نہیں تھا کہ ناگر جس کمرے میں پایا گیا، وہ اصل میں نریش شرما کا دفتر تھا۔

صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ انل بسواس نے اپنے ادارے کو جگ ہنسائی اور رسوائی سے بچانے کے لیے دو فقطوں میں وہ کمزور کہانی تیار کی تھی اور قومی مفاد کے نام پر پریس سے اپیل کی تھی کہ اس واقعے پر غیر ضروری قیاس آرائی سے گریز کیا جائے۔

بھارتی پریس پر را کا ایسا خوف طاری تھا کہ انل بسواس کی اپیل پر پوری تندہی سے عمل کیا گیا تھا۔ اخبار نے اپنی طرف سے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ ہر جھول کے ساتھ سرکاری کہانی من و عن اخبار میں چھاپ دی تھی۔ یہ ضرور

للھ دیا گیا تھا کہ اعلیٰ حکام نے صحافیوں کو آتش زدہ حصے سے دور رکھا تھا اور اس کی تصاویر بنانے کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔ ناگر کے پوسٹ مارٹم کا سرے سے کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

دوسری خبر جان اسمتھ کے قتل کے بارے میں تھی۔ وہ کسی سریع الاثر زہر کا شکار ہوا تھا۔ اس کی موت کے صحیح وقت کا بھی تعین کردیا گیا تھا۔ وہ ہوٹل سمراٹ کا ایک مقبول مہمان تھا اس لیے وہاں کے عملے کے دو افراد نے بتایا کہ بار کے رش میں اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر کسی مقامی خاتون کو اپنی میز پر بلایا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اسی کے ساتھ بار میں بیٹھا شغل کرتا رہا پھر عورت کو لے کر وہاں سے چلا گیا۔

بھارتی حکومت نے اپنی سرزمین پر ایک اہم امریکی افسر کے قتل پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا تھا اور پاکستان کا نام لیے بغیر یہ الزام لگایا تھا کہ جان اسمتھ کا قتل خطے کی ایسی قوتوں کی سازش تھی جو بڑھتی ہوئی امریکی اور بھارتی دوستی کو پسند نہیں کرتیں۔

تیسری خبر آرک کی دیو ہیکل گاڑیوں کے گشت کے بارے میں تھی۔ غیر ملکی ایجنٹوں کی تلاش میں آرک والے اپنی کمین گاہوں سے دہلی کے اہم اور مرکزی علاقوں میں نکل آئے تھے۔ اخبار میں چھپی ہوئی تصویر سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ گشتی ریڈار سے مشابہ گاڑیاں تھیں جو کسی مغربی ملک نے بھارت کو فراہم کی تھیں۔

اس بارے میں اخبار کا اداریہ سب سے اہم تھا۔ اس میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ چند روز پہلے پاکستان سے بھارت میں گھس آنے والے دہشت گردوں کے بارے میں خبریں مل جانے کے باوجود بھارتی سلامتی کے ذمے دار ادارے ان کا کھوج لگانے میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ اس گروپ کا ایک فرد بھی نہیں پکڑا جاسکا تھا۔ یہ تحقیق کی جانی ضروری تھی کہ وہ محض افواہ تھی جو مخصوص عزائم کے تحت پھیلائی گئی تھی یا اس میں حقیقت کا عنصر بھی تھا۔

اگر وہ اطلاع حقیقت پر مبنی تھی تو یہ جاننا ناگزیر تھا کہ خفیہ ادارے کہاں سوئے ہوئے تھے، پاکستانی دہشت گردوں کی آمد کی خبر بروقت کیوں نہیں مل سکی اور انہیں سرحد عبور کرتے ہوئے کیوں نہیں پکڑا گیا۔ نہ صرف یہ کہ خطرناک تخریب کار بھارت کی سرزمین پر دندناتے پھر رہے تھے بلکہ انہیں اتنی آزادی ملی ہوئی تھی کہ وہ بھارت کے صدر مقام میں اپنی من مانی کارروائیاں کرتے پھر رہے تھے اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں تھا۔

اخبارات نے اس امر پر گہرے افسوس اور ملامت کا اظہار کیا تھا کہ بھارت میں نہ صرف سرکاری اہل کاران دہشت گردوں کی زد میں آئے ہوئے تھے بلکہ دوست ملکوں کے مہمان بھی ان کی دست برد سے محفوظ نہیں تھے۔

وہ ایک علامتی اداریہ تھا اور دہلی کے واقعات پر مقامی شہریوں کے ردِعمل کی ترجمانی کررہا تھا۔ شاید دوسرے اخبارات نے بھی پچھلے دن کے واقعات کو اسی رنگ میں لیا ہو۔ ایسی مزید رسوائی سے بچنے کے لیے را والوں نے پہلے سے رازدارانہ اور مدافعانہ طور طریقے اختیار کیے ہوئے تھے۔

"سب کیا دھرا پاکستانی دہشت گردوں کے کھاتے میں ڈالا جارہا ہے۔" میری نشان دہی پر غزالہ نے وہ اداریہ پڑھنے کے بعد کہا "ان لوگوں کی کارروائیوں سے بھی یہی ظاہر ہورہا ہے کہ وہ چند پاکستانیوں کو ان معاملات میں قربانی کا بکرا بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"ان کی یہ سوچ غلط نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ابھی ان پر ہماری حقیقت نہیں کھلی ہے اس لیے وہ نامعلوم پاکستانی دہشت گردوں کا ذکر کررہے ہیں۔ ہمارے دہلی پہنچتے ہی ان کی صفوں میں کھلبلی مچی تھی اور شہر کے ہوٹلوں میں مقیم پاکستانیوں کی کڑی جانچ پڑتال شروع ہوگئی تھی۔"

"ہاں.... آں..." غزالہ نے پرخیال انداز میں کہا "یہ اچھی بات نہیں ہے کہ انہوں نے صحیح سمت میں سوچنا شروع کردیا ہے۔ ہم زیادہ دیر تک یہاں رکے رہے تو وہ لوگ کسی بھی وقت ہم کو اپنے جال میں جکڑ کر بے بس کردیں گے۔ اب آپ کو یہاں سے نکلنے کے بارے میں سنجیدہ ہوجانا چاہیے۔"

"میں بھی یہاں ڈیرے ڈالنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اصل کام پورا ہوتے ہی یہاں سے روانگی کی تیاری کرلی جائے گی۔"

"اتنا کچھ کرلینے کے بعد آپ کس اصل کام کی فکر میں ہیں۔" اس نے حیرت سے پوچھا "میرا خیال ہے کہ ہم نے یہاں اپنی توقع سے زیادہ بڑھ کر کامیابیاں حاصل کرلی ہیں اور ہر کام ایسے بے داغ طریقے سے انجام دیا گیا ہے کہ آپ سے قریبی رابطوں کے باوجود را والے اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔"

"یہ ساری آزادی محض اس وجہ سے میسر ہے کہ اول خان نے منصوبے کی بنیاد کا پہلا پتھر بالکل صحیح انداز میں اور مضبوطی سے جمایا تھا۔ اگر ابتدا میں کراچی سے یہ تصدیق نہ

ہوئی ہوتی کہ میرا نام اور کوائف بالکل درست ہیں تو شاید ہم ہاتھ پیر ہلانے سے پھر دھر لیے گئے ہوتے۔"

"اور آپ بھی ان کو یہ باور کرانے میں اب تک کامیاب رہے ہیں کہ آپ کراچی میں پرانی گاڑیوں کا لین دین کرنے والے ایک چھوٹے تاجر ہیں جسے ہر وقت فاضل آمدنی کی شدت سے ضرورت رہتی ہے.... آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کی نگاہ میں اصل کام کیا ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"تم یاد کرو کہ ہم جلال کی اس خواہش پر یہاں آئے تھے کہ انل بسواس کا قصہ تمام کردیا جائے تاکہ پاکستان کے خلاف را والوں کی سرگرمیاں ایک طویل عرصے کے لیے دم توڑ جائیں۔ وہ کام ابھی تک باقی ہے۔" میں نے کہا۔

اس کی آنکھوں میں حیرت تیر گئی "اس اعتبار سے تو ہم اب تک تہی دست ہیں۔ جان اسمتھ کے خلاف ہمارے دلوں میں گہرا بغض و عناد تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ این کی دھمکیوں سے خائف ہو کر کراچی سے بھاگا اور یہاں آگیا پھر ہم نے اسے مار لیا۔ گرین کوبرا مشن کے بارے میں یہاں گوپال نے بتایا۔ اسے پورا کرنا ان لوگوں کا کام تھا۔ اسے آپ نے ضرورت سے زیادہ آسان بنادیا۔ یہ ضمنی کامیابیاں تھیں۔ اصل کام واقعی باقی ہے۔"

میں نے اسی کی تکمیل کے لیے پاکستان واپس لوٹنے کا ارادہ ملتوی کیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں یہاں سے خالی ہاتھ وطن لوٹ رہا ہوں۔ مجھے قرائن وہی نظر آرہے تھے جو اب سامنے آئے ہیں۔ میں اس وقت چلا جاتا تو سارا کیا دھرا ہمارے سر تھوپ دیا جاتا اور میں آسانی سے دوبارہ بھارت کی سرزمین پر قدم رکھنے کے قابل نہ رہتا۔ دعا کرو کہ میرا مظہر خان والا بہروپ چند روز تک کامیابی سے چلتا رہے۔"

"این کے چلے جانے کے بعد یہاں ہم پانچ افراد رہ گئے ہیں۔ جن میں سے تین آئی بی والے ہیں۔ ہم سب دل و جان سے ایک دوسرے کی کامیابی کے خواہاں ہیں۔ اس وقت اپنے اصل کام کی وضاحت کرکے آپ نے میرے ذہن سے بوجھ ہٹادیا ہے ورنہ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آپ نے کسی واضح مقصد کے بغیر یہاں رکنے کا خطرہ مول لیا ہے اور اب ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔"

"کسی اہم مقصد کے بغیر اس وقت یہاں رکنا خودکشی کے مترادف ہوتا۔ میرے سامنے ایک ہدف تھا اور اب تک ہم اسی سمت میں کام کرتے چلے آئے ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے گزرتے ہوئے ہر لمحے کے ساتھ ہم اپنی بڑی کامیابی سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔"

"کل سہ پہر تک ہمارا بدترین وقت تھا اور آپ ذہنی صعوبتوں سے گزر رہے تھے۔ اس کے بعد سے ہم اسی کمرے میں بند ہیں۔ ہر طرف سناٹا ہے۔ آپ کو اپنی بڑی اور فیصلہ کن کامیابی کے بارے میں یہ خوش گمانی کیوں ہو رہی ہے؟"

اس کے معصومانہ سوال پر میں مسکرا کر رہ گیا۔ اپنی ساری ذہانت اور بے خوفی کے باوجود وہ کبھی کبھی بہت عامیانہ اور گھریلو سطح پر آجاتی تھی۔ میں نے کہا "تم رینا اجیت رائے کی آمد اور اس کی فراہم کی ہوئی پیشگی معلومات کو بھول گئیں۔ ہمارا دن واقعی بہت خراب گزرا لیکن شام سے حالات بہت تیزی سے ہمارے حق میں استوار ہوتے جا رہے ہیں۔ بیلا سنگھ میری تلاش میں ہے اور نریش شرما مجھے کمرے سے نکلنے پر مجبور کررہا ہے۔ یہ بہت بڑی اور مثبت تبدیلی ہے۔"

"سامنے کی بات ہے۔" غزالہ نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے میری تائید کی "آپ کے ذہن میں ہر بات سلسلے وار محفوظ رہتی ہے۔ میں ہر بات کو اس کے اپنے سیاق و سباق میں دیکھتی ہوں۔ میرے لیے نریش کی وہ ترغیب آمیز باتیں بے غیرتی اور آوارگی سے زیادہ اہم نہیں تھیں۔"

"دن گزر رہا ہے۔ دھیرے دھیرے شام آجائے گی۔ اگر میں اپنے کمرے میں رکا رہا تو مجھے یقین ہے کہ نریش دوبارہ مجھے فون کرے گا۔ اس کے لیے میرا بیلا سنگھ کے ساتھ مل بیٹھنا بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ وہ مجھے آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔"

"پھر آپ کا کیا ارادہ ہے۔" غزالہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے ذومعنی انداز میں پوچھا "بیلا سنگھ بھی رینا کی طرح جوان اور دلکش لڑکی ہوگی۔"

اسے وہ سب بتانا غیر ضروری تھا جو رینا نے بیلا سنگھ کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے بے پروائی سے جواب دیا "میرا اس سے ملنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اگر نریش کا فون آیا تو پھر اس سے ہونے والی گفتگو کی روشنی میں اسی وقت کوئی فیصلہ کروں گا۔"

"یہاں آپ بلاوجہ کمزوری دکھا رہے ہیں۔ اگر آپ کو اپنے اوپر اعتبار ہے تو آپ کو نریش سے خیرسگالی کے اظہار کے طور پر بیلا سنگھ سے مل لینا چاہیے۔ رینا جیسی لڑکی آپ کو نہیں بہکا سکی تو بیلا سنگھ کے سامنے بھی آپ کے قدم نہیں ڈگمگائیں گے۔ عورت اسی وقت شیر ہوتی ہے جب اس کے سامنے والا مرد کمزور پڑنے لگتا ہے۔ مجھے آپ پر بھروسا ہے۔

میری طرف سے آپ کو کھلی اجازت ہے۔ آپ جب چاہیں بیلا سنگھ سے مل سکتے ہیں۔ میں آپ کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔"

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا لیکن سچ بات یہ تھی کہ اس کی نئی فراخ دلانہ پیش کش پر میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ پچھلی رات اس نے نریش کی تجاویز پر جس سخت ردِ عمل کا مظاہرہ کیا تھا' اس نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔

○☆○

سات بجے نریش شرما کا فون آ گیا جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔ آپریٹر کے ذریعے کال ملنے کے سبب مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ اس وقت میرے ہوٹل میں نہیں تھا بلکہ کہیں اور سے بات کر رہا تھا۔

"ارے! تم آج پھر اپنے کمرے میں گھسے بیٹھے ہو!" میری مزاج پرسی کے جواب میں نریش شرما کی تحیر زدہ آواز ابھری "میں تو سمجھ رہا تھا کہ اس وقت تمہاری گرل فرینڈ سے بات ہو گی اور تم نیچے کہیں رنگ رلیاں منا رہے ہو گے۔"

"میں نے کئی بار تیار ہو کر باہر نکلنے کا ارادہ کیا ہے مگر ہر بار ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے کیا ہو گیا۔"

"کچھ نہیں ہوا۔ تم شدید ڈپریشن میں مبتلا ہو۔ اس وقت تمہیں سہارے کی ضرورت ہے۔ اب تم جھٹ پٹ تیار ہو جاؤ۔ میں ٹھیک آٹھ بجے تمہارے ہوٹل کی لابی میں پہنچوں گا اور ہم کچھ دیر کے لیے بار یا ریستوران میں بیٹھیں گے۔ مجھے تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

نریش نے اس بار بات کا رخ بدل دیا تھا۔ میں نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔ "تم لابی میں مجھے اپنا منتظر پاؤ گے۔"

"او کے۔ گڈ لک!" ریسیور میں نریش کی مسرت آمیز آواز ابھری اور ہلکی سی کلک کے ساتھ لائن بے جان ہو گئی۔

"اس وقت آپ کسی بحث کے بغیر رضا مند ہو گئے۔ اس نے آپ کے کان میں کیا پھونکا تھا۔" غزالہ نے خوش گوار حیرت سے پوچھا۔

"وہ مجھ سے کوئی ضروری بات کرنے کے لیے آٹھ بجے آ رہا ہے۔" میں نے کہا "میں جانتا تھا کہ وہ ضرور فون کرے گا۔"

"اس نے ابھی تک آپ کو اپنی مخصوص لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا لیکن میری بات لکھ لیں کہ بیلا سنگھ اس کے ساتھ ہو گی۔"

"دیکھا جائے گا۔ میرے مزید انکار سے وہ مشتعل ہو جاتا۔ اپنے ڈپریشن کی وجہ سے میں تفریحات میں حصہ لینے سے انکار کر سکتا ہوں لیکن نریش سے ملنے سے انکار کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے بہت چالاکی کے ساتھ اپنا پینترا بدلا ہے۔ میں بے بس ہو گیا تھا۔"

میں نے فوراً ہی شیو کر کے کمرے سے نکلنے کی تیاری شروع کر دی۔

پونے آٹھ بجے میں نے کمرا چھوڑ دیا۔ نریش کے آنے

سے پہلے میں ہوٹل کی کھلی فضا میں کچھ وقت گزار کر نئے فیصلے کرنا چاہتا تھا۔
میں لابی کے ایک گوشے میں بیٹھ کر سگریٹ پھونکتا رہا۔ میں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ بیلا سنگھ کتنی ہی حسین اور شوخ وشنگ کیوں نہ ہو، میں اس سے دور رہوں گا۔
اپنے دیے ہوئے وقت سے پانچ منٹ پہلے نریش ہوٹل کی لابی میں نظر آیا۔ وہ گہرے نیلے رنگ کے شاندار سوٹ میں ملبوس تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا نمودار ہوا تھا۔ اس کی متلاشی نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر ہاتھ ہلایا۔ اس کے ہونٹوں پر جوابی مسکراہٹ تیر گئی اور اس نے اپنا رخ میری طرف تبدیل کرلیا۔
"بہت فٹ اور شاندار نظر آرہے ہو۔" اس نے گرمجوشی سے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "میں سمجھ رہا تھا کہ تمہارا چہرہ لٹکا ہوا ہوگا۔ آنکھوں میں ویرانی تیر رہی ہوگی۔"
"پچھلی سہ پہر کو را کے عقوبت خانے میں وہ خاصے بھیانک اور خشک روپ میں میرے سامنے آیا تھا لیکن اس وقت بالکل بدلا ہوا تھا۔ وہ دوستانہ انداز میں میرا ہاتھ تھام کر ہوٹل کے اندرونی حصے کی طرف چل دیا۔ وہ میرے ساتھ ہوٹل کے بار میں بیٹھ کر ایک آدھ پیگ پینے کا خواہاں تھا۔ اسے اپنے دفتر میں ہونے والی ملاقات میں یہ معلوم ہوچکا تھا کہ میں شراب نوشی نہیں کرتا پھر بھی اس نے بار کا رخ کیا تھا۔ میں نے خاموشی سے اس کی تجویز قبول کرلی۔
"کمرے سے نکل کر تم نے اپنے موڈ میں خوش گوار تبدیلی محسوس کی ہوگی۔" اس نے بار کے ایک گوشے میں بیٹھنے کے بعد کہا۔
"مجھے احساس نہ دلاؤ۔" میں نے دھیرے سے کہا "میں کافی دیر سے نیچے بیٹھا اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کررہا تھا۔"
ویٹر آگیا۔ نریش نے اپنے لیے جن کانپ اور میرے لیے لیمن جوس کا آرڈر دے دیا۔ ویٹر کے جانے کے بعد اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے تمہیں ڈینی کے بارے میں بتایا تھا۔ ہمارے آدمی اسے کھو چکے ہیں۔ پاکستان پہنچنے کے بعد تمہیں یہ پتا چلانا ہے کہ وہ اس وقت کہاں روپوش ہے۔ ہمارے لیے یہ بات بہت زیادہ اہم ہوگئی ہے۔"
"یہ بات تم مجھے پہلی ملاقات میں بتا چکے تھے۔" میں نے کسی طنز کے بغیر کہا۔
"معلومات فراہم کرنے اور سراغ لگانے میں بہت فرق ہے۔ اب تمہیں ذرا زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔" اس نے وضاحت کی۔
"میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔" میں نے پرخلوص لہجے میں اسے یقین دلایا۔
اس نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ "اسے رکھ لو۔ یہ تمہارا پہلا پیشگی معاوضہ ہے۔ یہ بھارتی پچیس ہزار ہیں کیونکہ تم یہاں ہو۔ اگلی ادائیگیاں پاکستانی کرنسی میں ہوں گی۔ کوئی نہ کوئی تم کو باقاعدگی سے رقم پہنچاتا رہے گا۔"
"ہوسکے تو مجھے وہ فون یا فیکس نمبر بھی دے دو جس پر مجھے رپورٹ دینی ہوگی۔"
"رقم کے ساتھ ایک کاغذ پر دونوں نمبر لکھے ہوئے ہیں۔ تمہارا رابطہ فیکس پر رہے گا۔ فون انتہائی ناگزیر مجبوری کے لیے ہے۔ اس سے پانچویں گھنٹی کے بعد جواب ملے گا۔ تم گنگنکٹ کے کوڈ سے اپنا تعارف کراؤ گے تو متعلقہ آدمی سے تمہاری بات ہوجائے گی۔"
ویٹر ایک چمکتی ہوئی ٹرے میں مشروبات لے آیا اور ادب سے میز پر سجانے میں مصروف ہوگیا۔
"میرے لیے جن اور ٹانک کا ایک زوردار پیگ بنادو۔" نریش نے اسے ہدایت کی۔
وہ سر جھکا کر اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ اس دوران میں نریش کی نگاہیں ہر طرف دوڑتی رہیں۔ ویٹر کے جاتے ہی نریش نے اپنا گلاس اٹھا کر میری خوشیوں کا جام تجویز کیا اور گلاس لبوں سے لگالیا۔ میں نے لیمن جوس کے گلاس سے پہلا گھونٹ حلق میں اتارلیا۔
"ارے! یہ تتلی کہاں بھٹک رہی ہے!" نریش نے اچانک بے ساختگی سے کہا اور اپنا گلاس میز پر رکھ کر بہت تیزی سے بار کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
میں نے شیشے کی دیوار سے دیکھا کہ وہ بار سے نکل کر تیزی سے بھرے بھرے بدن والی ایک دراز قامت لڑکی کے پیچھے گیا تھا جس کے بدن پر گلابی ساڑی موجود تھی۔ رینا کے بیان کے مطابق پچھلی شام بیلا سنگھ گلابی ساڑی پہنے ہوٹل میں موجود تھی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ نریش چونکنے کی اداکاری کرکے جس تتلی کے پیچھے لپکا تھا، وہ بیلا سنگھ ہی تھی۔
ان دونوں کے درمیان سب کچھ پہلے سے طے ہوچکا تھا مگر نریش نے مجھے پھانسنے کے لیے وہ ڈراما رچایا تھا۔
میں بیلا سنگھ کے استقبال کے لیے تیار ہوگیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی نے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا، اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی رودی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد رودی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ رودی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے، ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کا ماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کردیا گیا۔ ویرا ابھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں، میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہوگئی۔ کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم جان اسمتھ بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں گرین کوبرا فائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں را کی خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے مجھ سے ٹکرائی اور بے باک تنہائی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے انل بسواس سے ملوا سکتی ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا گیا کہ وہاں مظفر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ رینا سے میری دوسری ملاقات بدمزگی کا شکار ہوگئی۔ اس کی ابتدا میں ہی را کے تند خو اور سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں رینا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پچھلی رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جاچکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے محتاط روی کا مشورہ دیا اور وہ فی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہوگئی۔ میں نے را کے دفتر میں انل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کوبرا فائل نظر آگئی۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی نے میرے حوصلوں کو مہمیز دی اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کرلیا۔ گوپال میرا ہم نوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اسمتھ کا کام تمام کرنے روانہ کردیا۔ ہوٹل سرات میں غزالہ سے ویرا ٹکرا گئی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے با آسانی جان اسمتھ کو شکار کرلیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہوگئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہوگیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگر نے اپنی ڈرامائی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا ہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور انا پرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کا شکار ہوگیا۔ ہم وہاں سے مال غنیمت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کردیا تھا۔ ناگر کی چتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ وہاں ہماری پے در پے کامیابیاں قابل فخر تھیں مگر بھارتیوں کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔ میں نے ہندوستان سے فوری روانگی کا ارادہ ملتوی کردیا۔ عابد علی نے را کے دفتر سے ملنے والی فائلیں امرتسر میں ویرا کے حوالے کردیں تاکہ وہ انہیں پاکستان لے جائے۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری کارروائی را کی صفوں میں بھونچال پیدا کردے گی جس کی لپیٹ میں ہم بھی آسکتے ہیں اور ایسا ہی ہوا۔ مجھے ہوٹل سے اٹھوا لیا گیا اور ہلکی سی پر تشدد اور نفسیاتی پوچھ گچھ کے بعد مجھے گلو خلاصی حاصل ہوگئی۔ یہ میری بہت بڑی کامیابی تھی۔ نریش نے مجھے کلیئر تو کردیا مگر یہ پابندی لگادی کہ میں اس کی اجازت کے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوسکتا تھا۔ رینا اجیت رائے نے بتایا کہ میری ویڈیو فلم ضائع ہونے کے باعث نریش نے دوسری لڑکی کو میرے پیچھے لگا دیا ہے تاکہ اس کے ساتھ میری ویڈیو دوبارہ بنائی جاسکے۔ میں محتاط تھا اور نریش مجھے بیلا سنگھ نامی سکھ لڑکی سے ملنے کا مشورہ دے رہا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

نریش شرما ہوٹل کے بار سے نکل کر بہت تیزی سے گلابی ساڑی والی لڑکی کے قریب پہنچا پھر وہ دونوں تحیر زدہ تپاک سے یوں ایک دوسرے سے ملے جیسے ان کی وہ ملاقات کافی عرصے بعد اور اتفاقاً ہوئی ہو۔

بھرے بھرے اور گداز جسم والی وہ دراز قامت لڑکی چونک کر نریش کی طرف گھومی تھی اور ان دونوں نے بہت گرم جوشی سے ہاتھ ملائے تھے۔

میں نے نریش کے جاتے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ وہ لڑکی بیلا سنگھ کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتی تھی۔ نریش نے اسے پچھلے روز میرے پیچھے لگایا تھا۔ بیلا سنگھ کی وہ شام بالکل بے

تیجہ رہی تھی۔ اس کے بارے میں رینا اجیت رائے نے مجھے
وقت ہوشیار کردیا تھا۔ میں دانستہ اس لڑکی سے دور رہنے کی
شش کررہا تھا۔ وہ جال نریش کا پھیلایا ہوا تھا۔ وہ خود
شش کرتا رہا تھا کہ میں اپنے کمرے سے نکلوں تاکہ بیلا
ھ مجھے اپنے حسن اور اداؤں سے مسحور کرکے اپنے کنج
فیت میں لے جاسکے جہاں اس کے لیے عافیت ہی عافیت
ی مگر میرے لیے سنگین ترین خطرے کے سوا کچھ نہیں تھا۔
نریش نے براہِ راست ہوٹل پہنچ کر یہ واضح کردیا تھا کہ
س کے لیے میری اور بیلا سنگھ کی ملاقات کتنی اہم تھی۔ یہ
تہ اس کے گمان میں بھی نہیں آسکا تھا کہ میں رینا کی
ردیاں جیتنے میں کامیاب ہوچکا تھا اور را کی بہکائی ہوئی اس
۔ ور لڑکی نے قبل از وقت مجھے نریش اور بیلا سنگھ کے کھیل
ے آگاہ کردیا تھا۔

وہ دونوں را کے تجربے کار ایجنٹ تھے۔ بیلا سنگھ شاید
وہ پرانی نہ رہی ہو مگر نریش ایک خرانٹ سیکرٹ ایجنٹ
۔ وہ یہ بات فراموش کرہی نہیں سکتا تھا کہ میں بار کی شیشے
دیوار سے اس کی اور بیلا کی طرف دیکھ رہا ہوں گا۔ ان
درمیان سب کچھ طے تھا۔ انہوں نے اپنے اپنے انداز
بے ساختگی سے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ
کے درمیان ہونے والی وہ ملاقات پہلے سے طے شدہ
ں تھی۔

میرے لیے وہ سب بہت تشویش ناک تھا مگر پھر بھی میں
ی اداکاری پر اپنے دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ اس
ت میرے نزدیک ایک ہی پیمانہ باقی رہ گیا تھا۔ اگر وہ لڑکی
نکھ تھی تو وہ ڈراما مجھے پھانسنے کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔
ی اور تھی تو نریش کے ابتدائی ردِ عمل پر یقین کیا جاسکتا

وہ دونوں چند ثانیوں تک ہوٹل کی روشن اور کشادہ
اری میں کھڑے ہنس ہنس کر بے تکلفی سے باتیں کرتے
۔ پھر شاید نریش شرما کی دعوت پر وہ لڑکی، اس کے ساتھ
ں طرف چل دی۔ نریش نے بے تکلفی سے اپنا بازو اس
ر کے گرد حمائل کردیا تھا۔

ایک دوسرے سے یوں ہی جڑے ہوئے وہ بار میں
ں ہوئے تو تقریباً سارے ہی رندوں کی نگاہیں ان کی
اٹھ گئیں۔

بیلا سنگھ بلاشبہ بہت حسین لڑکی تھی۔ قدرت نے اسے
ب کے نین نقشے اور متناسب بدن سے نوازا تھا جسے اس
نی کوششوں سے بہت دل نواز حدود میں رکھا ہوا تھا۔
کے بدن کے نشیب و فراز میں کہیں بھی کوئی غیر ضروری
تجاوز نظر نہیں آرہا تھا۔ کمر کی آخری حد پر بندھی ہوئی ساڑی
اور سینے کی بالائی حد پر کسے ہوئے ننھے سے بلاؤز کے درمیان
اس کا پیٹ کسی شکاری کتیا کی طرح بالکل کمر سے لگا ہوا تھا۔
بلاؤز آستینوں سے محروم تھا اور اس کی سڈول، مرمریں
باہنیں چلتے ہوئے بار بار ساڑی کے پلو سے الجھ رہی تھیں۔
مغرب میں عورتوں کی بے لباسی یا زیادہ محتاط الفاظ میں کم
لباسی فیشن کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کے بدن پر جتنا کم کپڑا ہوتا
ہے وہ اسی قدر آزاد خیال اور مقبول ہوتی ہے لیکن نریش کے
ساتھ بیلا کو گلابی ساڑی اور بلاؤز میں دیکھ کر صحیح معنوں میں
اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی عورت یا لڑکی اپنے جوبن کی نمائش پر
تل ہی جائے تو گزوں کپڑا بھی اس کے بدن کو پوری طرح
چھپانے کے لیے ناکافی ہوتا ہے۔

میں نے نریش سے ہونے والی باتوں میں اسے یہ تاثر دیا
تھا کہ میں را کے دفاتر میں اپنے ساتھ پیش آنے والے ہیبت
ناک واقعات کے نتیجے میں ایسے شدید ڈپریشن کا شکار ہوا تھا
کہ زندگی کی کسی بھی رنگینی اور تفریح کی طرف دل مائل
نہیں ہورہا تھا مگر اس لڑکی کا دلکش سراپا اور پھر اس کے
یاقوتی ہونٹوں پر پھیلی ہوئی بے حجاب مسکراہٹ دیکھتے ہی مجھے
پھریری سی آگئی۔

اگر رینا نے مجھے اس کی اصلیت کے بارے میں پہلے
سے نہ بتایا ہوتا تو نریش کو ذرا سی بھی محنت نہ کرنی پڑتی اور
ہوٹل کے رومانی ماحول میں بے خبری میں اس لڑکی کا شکار
ہوجاتا۔ وہ ایک ادا کے ساتھ فرش پر ہلکورے سے لیتی،
میزوں کے درمیان اپنا راستہ بناتی ہوئی، نریش کے ساتھ
میری میز پر آگئی۔

میں نے بوکھلا کر لیمن جوس کا گلاس میز پر رکھا اور...
بدحواسی کا مظاہرہ کرتا ہوا کرسی سے اٹھ گیا۔ میں نے ان
دونوں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس لمحے سے پہلے
میں نے ان پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔

"مظہر خان! اس سے ملو۔ یہ میرے دوست بھگوت سنگھ
کی بیٹی بیلا سنگھ ہے۔ بہت بے مروت اور خود سر لڑکی ہے۔
آج مہینوں بعد میری نظر اس پر نہ پڑگئی ہوتی تو یہ یہاں سے
سیدھی نکلتی چلی جاتی... اور یہ مظہر خان ہے۔ میرا دوست!"

بیلا سنگھ نے کھلکھلاتے ہوئے اپنا داہنا ہاتھ میری
طرف بڑھایا۔ عورت کی پہل پر ہاتھ ملانا ہر معاشرے میں مرد
کی مجبوری بن جاتا ہے۔ میں نے اس ریت پر عمل کیا۔ بیلا
سنگھ نے میرا ہاتھ بہت مضبوطی سے اپنی گداز اور حرارت
آمیز ہتھیلی میں بھینچ لیا۔

"نریش انکل جب ملتے ہیں، مجھے ایسے ہی کانٹوں میں

گھسیٹتے ہیں۔" بیلا سنگھ ہنستے ہوئے میرے سامنے اپنی صفائی پیش کررہی تھی "ان کا اپنا حال یہ ہے کہ کبھی گھر پر نہیں ملتے۔ جب فون کرتی ہوں، پتا چلتا ہے کہ دفتر میں ہیں یا کسی میٹنگ میں گئے ہوئے ہیں۔"

بیلا سنگھ نے مصافحہ خاصا طویل کردیا۔ آس پاس کی میزوں پر بیٹھے ہوئے مرد ہمیں رشک آمیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، ایک آدھ مرد کی آنکھوں سے کینہ بھی جھلک رہا تھا۔ جارح مزاج رکھنے والے بہت سے مرد اسی فطرت کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ کسی خوب رو عورت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی اہلیت سے محروم ہوتے ہیں لیکن جب کسی حسین عورت کو کسی اور مرد کے ساتھ بے تکلف ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو اندر ہی اندر جلنے اور کڑھنے لگتے ہیں۔

میرے ہاتھ کو کئی پر زور اور پر جوش جھٹکے دینے کے بعد بیلا نے آزادی بخشی اور خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"مظہر خان خشک ہے۔ بار میں بیٹھ کر لیمن جوس پی رہا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا پیو گی؟" مجھے متاثر کرنے کے لیے نریش شرما اپنی تیسرے درجے کی ماتحت کے سامنے بچھا جارہا تھا۔ میں اس کی چال کو سمجھ رہا تھا۔ اس خبیث نے بیلا سنگھ کی شخصیت کو زیادہ اثر انگیز بنانے کے لیے اپنے کسی نام نہاد دوست کی بیٹی بنا دیا تھا۔ وہ اپنے رویے سے مجھے یہ جتانا چاہ رہا تھا کہ بیلا کوئی معمولی لڑکی نہیں تھی۔

"مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تم اپنے انکل نریش سے خاصی بے تکلف ہو۔" میں نے ایک چبھتی ہوئی بات بہت سادہ اور سپاٹ لہجے میں کہہ ڈالی۔

"یہ بڑے شریر انکل ہیں۔" بیلا نے شوخ اور تیکھی نظروں سے نریش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جب جی چاہتا ہے، انکل بن کر بات بے بات پر اپنا بڑا پن جتانے لگتے ہیں اور ان کا اپنا موڈ ہو تو دوست بن جاتے ہیں۔" اس بار بیلا کا زندگی سے بھرپور لہجہ قدرے دھیما تھا۔

"ایک ڈبل اسکاچ، سوڈے کے ساتھ!" نریش نے بیلا کے جواب کا انتظار کیے بغیر ویٹر کو آرڈر دیا اور اس کے چلے جانے کے بعد بیلا کی طرف متوجہ ہو کر بولا "مجھے معلوم ہے کہ کوئی ہلکا پھلکا ڈرنک تم کو کھلنے نہیں دے گا۔ اسکاچ تمہیں بہت مرغوب ہے۔"

"تم مجھے نہ روکتے تو میں اپنے کمرے میں جاکر منی بار سے اسکاچ ہی لینے کا ارادہ کررہی تھی...."

"دیکھ لو، ہم نے تمہارے من کی بات پڑھ لی۔ ایسے انکل کسی کسی کے نصیب میں آتے ہیں۔" نریش نے اس کی بات کاٹ کر شوخی سے کہا۔

بیلا سنگھ اپنی ملائم اور مخروطی کہنیاں میز کی سطح پر ٹکا کر آگے جھک آئی اور تقریباً سرگوشیانہ آواز میں بولی "سچ پوچھو تو مجھے بار جیسی کھلی جگھوں پر بیٹھ کر پیتے ہوئے بے چینی سی محسوس ہوتی ہے۔ سارے مردوں کی ندیدی اور بھوکی آنکھیں تیروں کی طرح اپنے بدن میں اترتی ہوئی لگتی ہیں۔ شراب میں کیا برائی ہے؟ مرد پیتے ہیں، عورتیں بھی پیتی ہیں مگر یہ بات سب کو بری لگتی ہے کہ کوئی عورت ان کے بجائے دوسروں کے ساتھ شراب پیئے۔"

نریش نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "شراب کی برائی مظہر سے نہ پوچھنا۔ ابھی تقریر شروع کردے گا۔"

"میں مذاق نہیں کررہی۔ پرسوں ہی دلی آئی ہوں اور اسی ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہوں۔ میری مانو تو اوپر میرے کمرے میں چلو۔ پینے پلانے کا مزہ آجائے گا۔ اپنوں میں بیٹھ کر بے فکری سے پینے کا مزہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔" وہ دونوں میری توقع سے بہت پہلے، نہایت ہوشیاری سے گفتگو کو اپنے مطالب کے رخ پر لے آئے تھے۔ بیلا سنگھ کی تجویز پر نریش کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

بیلا سنگھ کی وہ تجویز میرے حق میں نہیں تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کے کمرے میں چھپے ہوئے کیمرے میری اور اس کی خلوت کے منتظر ہوں گے۔ میرے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھ کر نریش نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا "شہر میں کل سے بھونچال آیا ہوا ہے۔ نو بجے پولیس کمشنر کے دفتر میں ایک اہم اجلاس ہے۔ مجھے ہر حال میں وہاں پہنچنا ہے۔"

"اب بتاؤ کہ میں بے مروت ہوں یا تم بہت زیادہ مصروف آدمی ہو۔" بیلا سنگھ نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"تم بہت چالاک ہوگئی ہو۔ اپنے مطلب کی بات فوراً پکڑلیتی ہو۔" نریش ہنس کر بولا "میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں جارہا۔ مظہر یہ شام تمہارے ساتھ گزارے گا۔ یہ بہت دل پھینک اور خوش باش آدمی ہے۔ تم اس کے ساتھ ہر وہ سلوک کرسکتی ہو جو میرے ساتھ کرتی رہی ہو۔ یہ تھوڑے سے ڈپریشن کا بھی شکار ہے۔ تمہاری رفاقت میں تھوڑا سا وقت گزار کر اسے بھی سکون ملے گا۔"

ان دونوں نے اتنی خوب صورتی اور چالاکی سے مجھے اپنے دام میں گھیرا تھا کہ میرے لیے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔ نریش کی ذو معنی باتوں میں بہت سے مفہوم پنہاں تھے مگر ظاہر کچھ بھی نہیں تھا۔ میں بیلا سنگھ کا ساتھ دینے سے انکار کرتا تو وہ دونوں میرے پیچھے پڑجاتے کہ میں انہیں ذرا سا

وقت دینے سے کترا رہا تھا۔ خود کو ان کے چنگل میں بے بس پاکر میرے ذہن پر جھلاہٹ طاری ہونے لگی۔

اسی جھلاہٹ میں اچانک مجھے یاد آیا کہ نرلیش نے مجھے اپنے کمرے سے ہوٹل کی نچلی منزل تک بلانے کے لیے کسی بہت ضروری گفتگو کا بہانہ کیا تھا۔ میں نے قدرے تیزی سے کہا "تم یہ بھول رہے ہو کہ ہم دونوں کچھ ضروری باتوں کے لیے......"

"مظہر خان! باتوں کا کیا ہے۔ باتیں تو زندگی بھر ہوتی رہیں گی۔ بیلا جیسی لڑکی روز روز نہیں ملے گی۔" نرلیش نے بازاری انداز میں اپنی بائیں آنکھ دبا کے کہا "باتیں ہم کل یا پرسوں بھی کرلیں گے۔ تم بیلا سنگھ کی مہک سے محروم رہ گئے تو عمر بھر پچھتاتے رہو گے۔ یہ آج رات یہاں ہے۔ کل پتا نہیں کہاں ہوگی۔"

"انکل!" بیلا سنگھ نے اٹھلا کر ناراضی سے کہا "میں چمن میں کھلی ہوئی کوئی بے بساط کلی نہیں ہوں جس کا رس ہر آوارہ بھونرا چوستا ہے اور اڑ جاتا ہے۔ میری تم سے دوستی ہے۔ تم چلتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میں چلتی ہوں۔ تمہارا یہ قنوطی دوست تو مجھے بھی آزردہ کردے گا۔"

اسی وقت ویٹر ڈبل اسکاچ لے آیا۔ نرلیش نے اہتمام سے اس میں سوڈا ملایا۔ بیلا سنگھ نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر گلاس اٹھالیا۔

وہ جام بیلا سنگھ کے نام تجویز ہوا۔ تینوں نے اپنے لب تر کیے اور گلاس دوبارہ میز پر رکھ دیے۔ نرلیش جن پی رہا تھا۔ بیلا سنگھ کے لیے اسکاچ آئی تھی اور میرے لبوں پر لیمن جوس کا ترش ذائقہ تھا۔

"یہ قنوطی نہیں، بہت زندہ دل آدمی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ دہلی میں تمہارے زیادہ دوست نہیں ہیں۔ اجنبیوں سے تم دور بھاگتی ہو۔ اگر مجھے میٹنگ میں نہ جانا ہوتا تو میں ضرور تم دونوں کا ساتھ دیتا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے جانے کے بعد مظہر تمہیں کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دے گا۔"

"سمجھ لو!" بیلا سنگھ نے اپنے گلاس سے دوسرا گھونٹ لے کر سرہلاتے ہوئے کہا "میں پرسوں آئی تھی۔ آج دہلی میں میری تیسری اور آخری رات ہے۔ صبح دس بجے میں ممبئی چلی جاؤں گی۔ پتا نہیں پھر کب آنا ہو۔"

بیلا سنگھ، نرلیش سے مخاطب تھی مگر اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے اپنا ساتھ دینے پر اکسا رہی تھی۔ وہ دونوں را کے پختہ کار ایجنٹ تھے۔ جو کچھ سوچ کر آئے تھے، اس پر عمل پیرا ہونے کے گر بھی جانتے تھے۔

"میں تم سے ملنے کے لیے ممبئی آجاؤں گا لیکن آج

انکوائری

کوئٹہ میں رہنے والے ایک صاحب بلوں کی ادائیگی میں بڑے بے پروا تھے۔ کبھی ان کی بجلی کٹ جاتی، کبھی فون کٹ جاتا، کبھی گیس اور کبھی پانی۔

ایک بار موسم سرما میں انہوں نے پانی کی ٹونٹی کھولی تو پانی نہیں آیا۔ پانی کے محکمے کو فون کرکے بولے "بھائی صاحب! ذرا ریکارڈ چیک کرکے بتائیے گا کہ میرا پانی کٹ گیا ہے یا سردی کی وجہ سے پائپوں میں جم گیا ہے؟"

شام تمہیں اور مظہر کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔ دہلی میں تم دونوں پردیسی ہو اس لیے تمہیں خود ایک دوسرے کی میزبانی کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔" بولتے بولتے وہ رک کر دھیرے سے ہنسا جیسے دل ہی دل میں کچھ سوچ کر محظوظ ہو رہا ہو پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "کباب میں ہڈی کا وجود کوئی پسند نہیں کرتا۔ پتا نہیں میری تجویز قبول کرنے میں تمہیں کیا تذبذب ہے۔"

"مجھے کوئی تذبذب نہیں رہا۔" بیلا سنگھ نے خوش دلی سے کہا "میرے دماغ میں ایک بات آئی تھی۔ وہ میں نے کہہ ڈالی۔ تم نے مجھے سمجھایا اور میں سمجھ گئی لیکن تمہارے دوست کے چہرے پر ابھی تک تشویش کی پرچھائیاں ناچ رہی ہیں۔"

"آپ بلاوجہ کمزوری دکھا رہے ہیں۔" میرے ذہن میں غزالہ کے الفاظ گونجے "اگر آپ کو اپنے اوپر اعتماد ہے تو آپ کو نرلیش سے خیرسگالی کے اظہار کے طور پر بیلا سنگھ سے مل لینا چاہیے۔" ان فقروں میں ایک عجیب سا اعتماد رچا ہوا تھا۔

رینا اجیت رائے نے میری بے خبری میں ایک انوکھا سوانگ رچا کر مجھے اپنے دام میں الجھایا تھا اور میں کچھ سوچے سمجھے بغیر اس کی سازش کا شکار ہوگیا تھا لیکن اس بار اسی رینا نے مجھ پر مہربان ہو کر مجھے بیلا سنگھ کی طرف سے خبردار کردیا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ بیلا سنگھ غیر معمولی حد تک حسین اور پرکشش تھی لیکن وہ کوئی شیرنی نہیں تھی جو تنہائی میں موقع پاکر مجھے پھاڑ کھاتی۔ میں اپنی قوت ارادی سے کام لے کر اس کے ہر حربے کو ناکام بنا سکتا تھا۔

وہ خیالات بہت تیزی سے میرے ذہن میں آکر گزر گئے اور میں نے بیلا سنگھ کی گہری آنکھوں میں براہِ راست جھانکتے

ہوئے کہا "میری تشویش میرے اپنے مسائل کے بارے میں ہے۔ میں نریش کی غیر موجودگی میں تمہاری میزبانی کرتے ہوئے خوشی محسوس کروں گا۔"

اس وقت شاید میرے چہرے کے تاثرات نے بھی میرے سوچے سمجھے الفاظ کا ساتھ دیا تھا۔ بیلا سنگھ کے ہونٹوں پر ہلکی سی پر غرور اور فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے اپنا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔

"آدمی کو زندگی بس ایک بار ملتی ہے۔" نریش خوش دلی سے کہہ رہا تھا "میں آواگون کے چکر میں ذرا بھی یقین نہیں رکھتا۔ سچ پوچھو تو میں بارہا سوچتا رہا ہوں کہ میں پچھلے جنم میں کیا تھا اور کون سے ایسے اچھے کام کیے تھے جن کے صلے میں آج مجھے ایک انسان کی آتما اور اسی کا شریر ملا ہوا ہے پر کچھ یاد نہیں آتا۔ اگر ایسا کچھ ہوتا بھی ہے تو ہر جنم کے اپنے اپنے دکھ سکھ ہوتے ہیں جن کا آپس میں کوئی ناتا نہیں ہوتا۔ جو عیش کرسکتے ہو وہ کرڈالو۔ زندگی سے خوشیاں اس طرح نچوڑ لو جیسے گنا پیلنے کی مشین گنے سے رس نچوڑتی ہے۔ تم دونوں کا مل بیٹھنا میرے لیے خوشی کا باعث ہوگا۔"

اس وقت تک نریش نے ڈھکے چھپے لفظوں میں مجھے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ جو کچھ وہ چاہتا تھا کھل کر کہنے کے قابل نہیں تھا۔ اس کی کوششیں میرے لیے حیرت ناک تھیں۔ وہ اپنے دفتر کی آگ میں میری اور رینا کی فلم گنوا بیٹھا تھا اور اس کا متبادل حاصل کرنے کے لیے مضطرب تھا۔ اس کے طور طریقے دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں وہ چلتے چلتے میرے کان میں وہ ناگفتنی باتیں نہ کہہ ڈالے جو وہ بیلا سنگھ کے سامنے بہرحال مجھ سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

اس سہ فریقی ملاقات کو مختصر کرنے کے لیے میں نے ایک لمبا گھونٹ لے کر لیمن جوس کا گلاس خالی کرڈالا۔

ان دونوں کی مشترکہ کوشش تھی کہ مجھے جلد از جلد اس شکارگاہ کی طرف ہانک سکیں جہاں خفیہ کیمرے میرے منتظر تھے۔ میری تقلید میں ان دونوں نے بھی اپنے گلاس تیزی سے خالی کردیے۔ بیلا سنگھ بعد میں آئی تھی۔ ڈبل اسکاچ معدے میں اترتے ہی اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے ڈورے ابھر آئے۔ اسے اپنا پیگ ختم کرنے میں جو ذرا سی دیر ہوئی وہ نریش کے کام آئی۔ اس نے ٹب میں بچی ہوئی جن گلاس میں نکال کر ایک گھونٹ میں ختم کردی۔

وہ فائیو اسٹار ہوٹل کا بار تھا جہاں تجربے کار ویٹر ساقی گری پر مامور تھے۔ ہم تینوں کے قرینے سے ہمارے ویٹر نے اختتام کا اندازہ لگالیا اور چمکتی ہوئی چھوٹی سی نقرئی تھالی میں رکھے ہوئے چرمی فولڈر میں بل لے آیا۔

نریش شرمارا کا شہزادہ تھا۔ مجھے پھانسنا اس کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ اس اعتبار سے وہ اس وقت کارِ سرکار پر تھا اور اخراجات بھی سرکار ہی کے سر جانے تھے۔ اس نے بل دیکھنے کی زحمت کیے بغیر سو روپے کے تین نوٹ نقرئی تھالی پر رکھ دیے۔ بیلا نے اپنا بیگ شانے سے لٹکالیا تھا اور کرسی چھوڑدی تھی۔

"ساڑھے آٹھ بج چکے ہیں۔" بار سے نکل آنے کے بعد نریش نے رک کر کہا "ٹریفک صاف مل گیا تو میں میٹنگ میں بروقت پہنچ جاؤں گا ورنہ دیر ضرور ہوگی۔ میں تم دونوں کے لیے دعاگو ہوں۔ دونوں خوش رہو اور ایک دوسرے کو خوش کرسکو۔ میں اجازت چاہتا ہوں۔"

اس نے ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور عجلت میں ایک طرف چل دیا۔ اس کا رخ عقبی راستے کی طرف تھا۔ بیلا سنگھ مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرکے لفٹ کی طرف ہولی۔

بیچ کا آدمی جاچکا تھا۔ اس وقت شکار اور شکاری براہِ راست ایک دوسرے کے مقابل آچکے تھے۔ میں نے بیلا سنگھ کی پیشوائی پر پہلی چوٹ کرنے کا موقع ضائع نہیں کیا اور برجستہ کہا "میں بھی اسی ہوٹل میں مقیم ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اوپر جانے کے راستے کدھر واقع ہیں۔"

عام پری چہرہ لڑکیوں کی طرح اس کی بھی عقل موٹی تھی یا پھر وہ دانستہ میرے طنز کو پی گئی اور ڈھٹائی سے بولی "یہ اور اچھی بات ہے۔ ہم دونوں زیادہ دیر تک ایک دوسرے کا ساتھ دے سکیں گے۔"

"تم نریش کو انکل کہتی ہو لیکن اس کے ساتھ تمہارے تعلقات میں بہت زیادہ بے تکلفی بلکہ بے حجابی ہے۔ ہمارے مشرقی ماحول میں یہ بات بہت عجیب لگتی ہے۔" میں نے اس کے تمتمائے ہوئے چہرے پر ایک نظر ڈال کر ہلکے سے طنز کا دوسرا نشتر چلایا۔

"نریش کو تم پر ضرورت سے زیادہ بھروسا ہے۔ اس نے بے تکلفی کی ابتدا کی تھی۔ مجھے بھی کھلنا پڑا۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو ہم دونوں کی باتوں کا انداز کچھ اور ہوتا۔ نریش سے میری گہری دوستی ہے۔ ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اسے انکل کہنا میری مجبوری ہے کیونکہ وہ میرے ڈیڈی کا دوست ہے۔ میرے اور اس کے مراسم بعد میں استوار ہوئے۔" نشے کا ہلکا سا سرور آجانے کے باوجود وہ اپنی کہانی پر جمی ہوئی تھی۔

میرے دل میں آیا کہ اس سے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی اور رینا اجیت رائے کے بارے میں سوال کرکے اسے حیران کردوں لیکن ایسا کرنا میری اپنی سلامتی کے منافی ہوتا۔ وہ مجھ سے دہرا کھیل کھیل رہی تھی۔ میرے لیے یہی مناسب تھا کہ میں انجان بن کر اس کے جانے بوجھے حربوں سے اپنا بچاؤ کرتا رہوں۔ وہ مجھے بے خبر سمجھ کر مجھ پر اپنے ترکش کے سارے تیر آزماتی رہے اور آخر کار نریش شرما کو اپنی ناکامی کی خبر سنانے پر مجبور ہو جائے۔

ہم لفٹ میں داخل ہوئے تو ہمارے ساتھ مزید دو افراد سوار ہو گئے۔ مطلوبہ فلور پر لفٹ رکتے ہی بیلا سنگھ متانت سے باہر نکل گئی۔

"یہ بری بات ہے کہ تم شراب نہیں پیتے لیکن اچھی بات یہ ہے کہ تم اچھی لڑکیوں کے قدر داں ہو۔" راہداری طے کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟ نریش نے میرے سامنے ایسی کوئی بات تو نہیں کہی تھی۔" میں نے قدرے حیرت سے جواب دیا۔

"تم سے ملاقات ہونے سے پہلے نریش نے تمہارا غائبانہ تعارف کرا دیا تھا۔" وہ ہنس کر بولی "دیکھنے میں تم ایسے کلاکار نہیں دکھائی دیتے۔"

وہ ایک دروازے کے سامنے رک گئی۔ بیگ میں سے چابی نکال کر اس نے قفل کھولا۔ اندر داخل ہوتے ہوئے میرے بدن میں سنسناہٹ کی ایک ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ مجھے ہوٹل کے ایسے ہی کمرے میں رینا کے ساتھ گزارے ہوئے وہ لمحات یاد آ گئے تھے جو وڈیو ٹیپ پر محفوظ ہو کر نریش شرما کی تحویل میں چلے گئے تھے۔

میں نے بڑی جاں گسل جدوجہد کے بعد اپنی کج روی کے اس اٹل ثبوت کو ضائع کیا تھا جس کا متبادل حاصل کرنے کے لیے نریش شرما نے بیلا سنگھ جیسی مہ وش کو میرے سامنے لا ڈالا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ امتحان میرے لیے سخت ثابت ہونے والا تھا۔

"نریش نے بتایا تھا کہ تم پاکستانی اور مسلمان ہو اسی لیے شراب نہیں پیتے۔ مجھے مدت سے کسی مسلمان لڑکے سے دوستی کا ارمان تھا۔" کمرے میں پہنچنے کے بعد وہ ایک گہرا سانس لے کر کہہ رہی تھی "آج نریش کی میٹنگ کی وجہ سے میری یہ حسرت پوری ہو جائے گی۔"

"بات صرف دوستی کی تھی تو ہم ہوٹل کے بار یا ریستوران میں بیٹھ کر بھی یہ مقصد حاصل کر سکتے تھے۔ کمرے میں آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"کمرے کی الگ بات ہے۔ مجھے اپنے بدن پر چھ گز کی یہ ساڑی بوجھ لگ رہی تھی۔ ہوٹل کے کسی بھی حصے میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔" اس نے ایک ادا سے مسکراتے ہوئے کہا اور ہاتھوں کی ذرا سی جنبش سے گلابی رنگ کی وہ خوب صورت ساڑی اپنے بدن سے الگ کرکے مسہری پر اچھال دی۔

میں نے زیر لب لاحول پڑھی۔ بیلا سنگھ واقعی بہت بے حجاب لڑکی تھی۔ ساڑی کے نیچے اس نے اسی رنگ کا پیٹی کوٹ پہنا ہوا تھا مگر اس کی وہ حرکت ہر اعتبار سے اخلاق اور شائستگی کے منافی تھی۔ ان چند لمحوں میں وہ میری نظروں میں اپنا رہا سہا وقار بھی کھو بیٹھی۔

وہ را کی تربیت یافتہ اور پیشہ ور لڑکی تھی مگر اسے اپنے حسن و جمال پر ضرورت سے زیادہ گھمنڈ تھا۔ وہ مردوں کو رجھانے کے جمالیاتی فن سے آگاہ نہیں تھی۔ اپنے جسم کی بے جا نمائش سے ہوس زدہ افراد کے حواس کو مختل کر دینے کے اکلوتے اور گھٹیا طریقے میں ماہر تھی۔

"یہ تمہارا کمرا ضرور ہے لیکن اب اس حد سے تجاوز نہ کرنا۔" میں نے جذبات سے عاری اور سپاٹ آواز میں کہا "اتنے بے حجاب حسن سے گھن آنے لگتی ہے۔"

اس کے ہونٹوں سے دعوت انگیز مسکراہٹ یکایک غائب ہو گئی اور تیوری پر کئی بل پڑ گئے "تم کیا کہہ رہے ہو!"

"تم نے مجھے صدمہ پہنچایا ہے بیلا!" میں نے فوری طور پر سنبھالا لے کر کہا "میں تم سے بہت زیادہ پر وقار رویے کی توقع کر رہا تھا۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟" اس نے کھسیائے ہوئے انداز میں کہا "ساڑی سے مجھے الجھن ہو رہی تھی۔ وہ میں نے اتار دی۔ میرا بدن اب بھی پہلے کی طرح کپڑوں میں چھپا ہوا ہے۔ تم بلا وجہ مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ میں نے خاصی اسکاچ پی ہوئی ہے۔"

اس کی بودی دلیل احمقانہ تھی۔ اس نے اپنا ڈبل پیگ تیزی سے ضرور ختم کیا تھا مگر اس کا نشہ گہرا نہیں ہو سکتا تھا۔ کسی عادی شرابی کے لیے وہ مقدار اونٹ کے منہ میں زیرے سے زیادہ نہیں تھی مگر میں اسے وہ باتیں نہیں بتا سکتا تھا کیونکہ اسے میرے ماضی کا علم نہیں تھا۔ ان دنوں میں مظہر خان بنا ہوا تھا جو شراب کو ہاتھ تک نہیں لگاتا تھا۔ ایسے شخص کو شراب نوشی پر کوئی حتمی رائے دینے کا حق نہیں تھا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات بتا دی۔" میں نے اس کے

عذرا کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "ایک پیگ سے اتنا نشہ ہو گیا ہے تو اب اور نہ پی لینا۔ تم نے کمرے سے باہر نکل کر غل غپاڑہ مچانا شروع کردیا تو میرے لیے تمہیں سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔"

اس کا منہ بن گیا اور وہ تیزی سے بولی "تم اتنے سیدھے نہیں ہو جتنے صورت سے نظر آتے ہو۔ خود شراب نہیں پیتے تو مجھے بھی منع کر رہے ہو۔ میں دل کھول کر پینے کے لیے ہی تو کمرے میں آئی تھی۔ یہ مت بھولو کہ میں تمہاری طرح مسلمان نہیں ہوں۔"

میں اسے برہم کیے بغیر اپنا دامن بچانا چاہ رہا تھا۔ میں نے خوش دلی سے جواب دیا "تم مسلمان نہیں ہو لیکن مسلمان سے دوستی کی شوقین ہو۔ میں نے یہ مشورہ تمہارے تن کے رہے سہے کپڑوں کے بچاؤ کے لیے دیا ہے۔ تم اپنے بلاؤز اور پیٹی کوٹ پر تشدد نہ کرنے کا وعدہ کرو تو تھوڑی بہت پی سکتی ہو۔"

وہ لپک کر میرے بدن سے آلگی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں "سچ سچ بتاؤ کہ میں تمہیں کیسی لگ رہی ہوں۔ تم مجھ سے دور رہنے کی کوشش کیوں کر رہے ہو؟"

"میں کوئی کوشش نہیں کر رہا۔ نریش میرا دوست ہے اور تم اس کی دوست ہو۔ میں امانت میں خیانت نہیں کر سکتا۔"

"اس نے تمہیں کھلی چھوٹ دی ہے۔ میں تم سے دوستی کے لیے تیار رہوں پھر تم کیوں ڈر رہے ہو۔" اس نے مچل کر پوچھا۔

"میں بس اپنے انجام سے ڈرا ہوا ہوں۔ یہ خوف کل سے میری نس نس میں بیٹھ چکا ہے۔ اس سے پہلے تم ملی ہوتیں تو تمہیں اندازہ ہو جاتا کہ میں کس قماش کا آدمی ہوں۔" میں نے کوئی راہ نہ پا کر اسی کہانی پر جمے رہنے کا فیصلہ کر لیا جو میں دو مرتبہ نریش کو سنا چکا تھا۔

"کل تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟" اس نے مضبوطی سے میرا بازو تھام کر پوچھا۔ وہ میرے اتنے قریب تھی کہ میں اس کے گرم گرم سانسوں میں رچی ہوئی، الکحل کی تیز بو اپنے نتھنوں میں گھستی ہوئی محسوس کر رہا تھا۔

"میں تفصیل نہیں بتا سکتا۔ تم یہ سمجھ لو کہ میں موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچا ہوں۔ نریش کو یہ قصہ معلوم ہے۔"

"تم بار بار نریش کا نام کیوں لے رہے ہو؟" وہ جھلا کر بولی "پہلے مجھے اس کی امانت قرار دے رہے تھے۔ اب اسے اپنا گواہ بنا رہے ہو۔ وہ ہم دونوں کو چھوڑ کر چلا گیا۔ تم اسے بھول جاؤ۔ اب جو کچھ ہونا ہے وہ میرے اور تمہارے درمیان ہوگا۔ نریش یا کسی اور کو اس کی بھنک بھی نہیں ملے گی۔"

"آرام سے بیٹھو۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا "نشہ ہونے کی وجہ سے تم بلاوجہ جذباتی ہو رہی ہو۔ تم اچھی اور دلکش لڑکی ہو۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہم دونوں کچھ دیر اور یوں ہی بیٹھے باتیں کرتے رہے تو میرا خوف دب جائے گا۔"

وہ اس وقت نریش شرما کی کٹھ پتلی تھی جو اپنا کام پورا کرنے کے لیے ہر راہ اختیار کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ میرے جواب میں اس کے لیے امید کی ایک کرن پوشیدہ تھی۔ اس نے کسی حیل و حجت کے بغیر میرا مشورہ مان لیا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں نے دوسری کرسی سنبھال لی۔

وہ کچھ دیر تک سکون سے کرسی پر بیٹھی مجھ سے میرے تلخ تجربے کے بارے میں سوالات کرتی رہی مگر میں ہر بار اسے خوب صورتی سے ٹالتا رہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اسے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا گیا تھا مگر میں سختی سے اپنی زبان بند رکھ کر بیلا سنگھ کے ذریعے را کے بڑوں کو یہ پیغام پہنچانا چاہ رہا تھا کہ میں ان سے کیے ہوئے وعدے کی پاس داری کے سلسلے میں پوری طرح سنجیدہ تھا۔ میری اس خاموشی کا دوسرا اور بالواسطہ مفہوم یہ تھا کہ مجھے بیلا سنگھ پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔ نریش شرما کے ذریعے متعارف ہونے کے باوجود میں اسے را کی لڑکی نہیں سمجھ رہا تھا۔

اپنی کوششوں میں ناکامی کے بعد بیلا سنگھ نے منی بار کے نچلے خانے میں سے اسکاچ کی دو چھوٹی بوتلیں نکال لیں۔ اس نے اپنی کرسی میرے قریب کھسکائی اور مے نوشی کے دوسرے دور کا آغاز کر دیا۔ میرے لیے اس نے کولڈ ڈرنک کی ایک بوتل کھول دی تھی۔

بیلا سنگھ میں استقامت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ بار بار مجھے چھیڑنے اور اکسانے والی حرکتیں کرتی رہی مگر اس وقت میرے حیوانی جذبات شاید ٹھوس برف کی طرح منجمد ہو چکے تھے۔ اس کے حرارت آگیں وجود کے لمس سے بھی میرے اعصاب پر جمی ہوئی وہ برف نہ پگھل سکی۔ مجھے خوشی تھی کہ میں بیلا سنگھ جیسی خوب صورت، دل فریب اور بے حجاب لڑکی کے سامنے اپنے دل و دماغ پر قابو رکھنے میں کامیاب تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ پہلی بوتل کی ساری اسکاچ اپنے آخری قطرے تک بیلا کے معدے میں اتر گئی۔

اس کی زبان بھاری ہوتی جارہی تھی، اس کے دہانے سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے، آنکھوں میں خمار کی گہری سرخی اتر آئی تھی اور بھرے بھرے رخسار انجان جذبوں کی تمازت سے کشمیری سیبوں کی طرح دہکنے لگے تھے۔ میں اسے میٹھی میٹھی اور دل لبھانے والی باتوں میں الجھائے رہا۔

میری طرف سے ناامید ہو کر وہ بکھر جاتی۔ میں نے اس کی امید کو زندہ رکھا۔ میری خواہش تھی کہ اپنی برتری کے کسی لمحے کی آرزو میں وہ پیتے پیتے اس حد کو پہنچ جائے کہ مدہوش ہو جائے اور میں اسے چھوڑ کر خاموشی سے کمرے سے نکل جاؤں۔ مجھے یقین تھا کہ غزالہ میری واپسی کے انتظار میں انگاروں کے بستر پر کروٹیں بدل رہی ہوگی۔ اس وقت دس بجنے والے تھے۔ مجھے اپنا کمرا چھوڑے دو گھنٹے سے زیادہ مدت گزر چکی تھی۔

غزالہ نے حالات کی نزاکت کو بھانپ کر مجھ پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے مجھے کھلی اجازت دی تھی کہ میں نریش سے ملاقات کی خاطر بیلا سنگھ سے مل لوں لیکن وہ میری مشرقی بیوی تھی۔ اس کے اعصاب ایک حد تک انتظار کا دباؤ برداشت کر سکتے تھے۔ اس کے بعد اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک بھی سکتا تھا۔ خیالات کی رو غزالہ کی طرف ہوتے ہی میرے دل و دماغ پر ایک عجیب سی مجرمانہ اضطراری کیفیت طاری ہونے لگی۔

بیلا سنگھ نے دوسری بوتل کا آغاز کیا تو وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے جھومنے لگی۔

”بہتر ہوگا کہ اب تم بستر پر پہنچ جاؤ۔“ میں نے پورے خلوص سے اسے مشورہ دیا۔

”تم بھی آجاؤ!“ اس عالم میں بھی وہ اپنے فرض سے غافل نہیں تھی۔

”تم چلو، میں بھی آجاؤں گا۔“ میں نے اسے ایک بار پھر دلاسا دیا۔

وہ میری باتوں میں آگئی۔ اس نے کرسی چھوڑنے کی کوشش کی لیکن اپنے قدموں پر کھڑی ہونے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ وہ نشے کی جھونک میں اِدھر اُدھر جھول رہی تھی۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ بے طرح گر کر خود کو مجروح کرلے گی۔

میں نے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور اس نے اپنا سارا بوجھ میرے اوپر ڈال دیا۔ اس کے ذہن میں بھڑکنے والے وحشی جذبات کی حرارت اس کے لوچ دار وجود میں رچی ہوئی تھی مگر میں نے اسے یوں سنبھل کر کرسی سے اٹھایا جیسے وہ کوئی جاگتی بیلا سنگھ کے بجائے مرمریں تراشا ہوا کوئی ٹھنڈا

اور بے جان سنگی بت ہو۔ میرا خیال تھا کہ اس کے ذہن پر الکحل کی گرفت خاصی مضبوط ہو چکی تھی۔ نشے کی گہرائی کا اظہار اس کے ہر لفظ اور ہر حرکت سے ہو رہا تھا لیکن اس کے ذہن کے کسی نہاں خانے میں سلگتی ہوئی فرض کی چنگاری معدوم نہیں ہوئی تھی۔ مجھے اپنے قریب پا کر اس نے والہانہ انداز میں دست درازی کی کوششیں شروع کردی تھیں۔

وہ مدہوش تھی مگر میں پوری طرح اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ وہ اندھی بازی کھیل رہی تھی جبکہ میں سوچے سمجھے انداز میں اس ملاقات کو ایک مخصوص انجام تک پہنچانے کی کوششیں کر رہا تھا۔ اس کی ڈگمگاتی ہوئی چال کی وجہ سے میرے لیے اپنا توازن برقرار رکھنا مشکل ہو رہا تھا مگر میں کشاں کشاں اسے مسہری کی طرف لے گیا۔ یہ احساس میرے ذہن میں کسی بچھو کے زہریلے ڈنک کی طرح چبھ رہا تھا کہ اس مسہری کے بعض حصے خفیہ کیمروں کی زد میں تھے۔ میں خود کو ہر حال میں ان کیمروں کی آنکھوں سے بچانا چاہ رہا تھا۔

میں نے بیلا سنگھ کو مسہری تک پہنچا دیا۔ وہ اس قدر بدحال تھی کہ بستر کی نرمی محسوس کرتے ہی اس پر دراز ہو گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ تشنہ انداز میں فضا میں میری طرف اٹھے ہوئے تھے۔ اسے بستر پر پہنچانے کے بعد میں اس کی طرف سے بے پروا ہو گیا تھا۔ میں نے اس کا گلاس اس کے سرہانے والی تپائی پر رکھ دیا۔ مجھے امید تھی کہ وہ اپنا گلاس ختم کرنے سے پہلے ہی بے سدھ ہو جائے گی۔

میں دوبارہ کرسی پر آبیٹھا اور سکون سے سگریٹ سلگالی۔ بیلا سنگھ کو میں نے یہ اطمینان دلا دیا تھا کہ میں اس کے کمرے میں موجود تھا۔ وہ مزید مے نوشی کرکے خود کو سنبھال سکتی تھی۔

اس نے کروٹ بدل کر تپائی پر سے گلاس اٹھالیا۔ کچھ شراب بستر پر چھلکی، کچھ اس کے معدے میں اتر گئی۔

وہ ایک عجیب اور عبرت آموز تماشا تھا۔ میں نے کھلی مزاحمت کرنے کے بجائے مفاہمانہ انداز اختیار کرکے نریش شرما کی ایک شرمناک سازش کو ناکامی کے قریب پہنچا دیا تھا۔ بھارت کے قدیم ثقافتی ورثے کے تحفظ کے نام پر چلنے والی کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی تربیت یافتہ بیلا سنگھ اپنے آقا کی خواہش کی تکمیل کے لیے مضطرب تھی۔ وہ دبی دبی ہذیانی سرگوشیوں میں مجھے پکار رہی تھی۔ را کے ٹکڑوں پر پلنے والی وہ بھارتی لڑکی عورت کے نام پر ایک شرمناک داغ بنی ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کی آواز پر الکحل کے اثرات اتنے غالب

ہو گئے کہ اس کی آواز گھٹتے گھٹتے معدوم ہو گئی۔

اس کے بدن کی اضطراری جنبشیں اپنے آخری سانسوں پر تھیں۔ میں نے کرسی چھوڑ کر متجسس نگاہوں سے کمرے کی چھت اور دیواروں کا جائزہ لیا لیکن یہ سراغ لگانے میں ناکام رہا کہ را کے ماہرین کے نصب کیے ہوئے خود کار ویڈیو کیمرے کہاں پوشیدہ تھے۔

میں نے اپنے لباس پر ایک ناقدانہ نظر ڈالی پھر مسہری کے قریب جا کر بیلا سنگھ کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ بڑی بڑی دلنشیں آنکھوں پر پپوٹوں اور پلکوں کی چلمن گری ہوئی تھی۔ وہ مے نوشی کی ہوس میں مدہوشی کی گہری دلدل میں اتر چکی تھی۔ میں خاموشی سے مڑا اور بیلا سنگھ کے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ وہاں سے لوٹتے ہوئے میں نے قفل کا وہ بٹن دبا دیا تھا جس سے بند دروازہ اندر سے مقفل ہو جاتا تھا۔ باہر سے کوئی چابی استعمال کیے بغیر بیلا سنگھ کی مدہوشی میں مخل نہیں ہو سکتا تھا۔

اس وقت میری رسٹ واچ رات کے گیارہ بجانے والی تھی۔ را اور نریش شرما کا منصوبہ ناکام بنانے کے لیے مجھے تین گھنٹوں تک ان تھک محنت کرنا پڑی تھی!

○☆○

غزالہ نے اپنے دل پر صبر کی سل رکھ کر مجھے نریش اور بیلا سنگھ سے ملنے کی اجازت دے دی تھی لیکن میرے روانہ ہونے کے بعد کمرے کی تنہائی میں وسوسوں کے ناگ اس کے ذہن میں اپنے پھن لہرا کر اسے خوف زدہ کرنے لگے۔ وہ اپنی زندگی کے کسی بھی حصے میں بزدل نہیں رہی تھی۔ اپنی آبرو اور جان کے دشمنوں میں گھر جانے کے باوجود اس نے بہت دلیری سے حالات کا مقابلہ کیا تھا اور اپنے کئی سخت جان حریفوں کے لہو کی ہولی کھیل کر خود کو بدترین خطرات سے بچائے رکھا تھا لیکن اس وقت وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس کی چھٹی حس نے اسے کسی بری گھڑی کے بارے میں ستانا شروع کر دیا تھا۔

وہ کمرے کے فرش پر بچھے ہوئے دبیز قالین پر ننگے پاؤں ٹہلتی اور سوچتی رہی۔ اسے کہیں کوئی خامی محسوس نہیں ہوئی۔ را والے مجھے سراسیمہ بلکہ دہشت زدہ کرنے کے لیے اپنا ہر کارگر نفسیاتی حربہ آزما چکے تھے۔ نریش شرما نے مجھے شدید ذہنی جھٹکوں سے گزارنے کے بعد اپنی کڑی اور بے رحمانہ پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس دوران میں مجھے ذلت بھی سہنا پڑی مگر میں نے اپنا دل کڑا کر کے اپنی ہر تحقیر کو خاموشی سے سہہ لیا۔ نریش میری زبان سے ایسی کوئی بات اگلوانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ جو میرے مظہر خان والے معصومانہ بہروپ سے میل نہ کھاتی ہو۔

را کے دو عقوبت کدوں میں چند گھنٹوں کی اذیت ناک قید وہ قیمت تھی جو میں نے ناگر کے قتل اور را کی گیارہ فائلوں کے حصول کے لیے ادا کی تھی۔ وہ قیمت ہر اعتبار سے بہت معمولی تھی۔ آخر کار مجھے آزادی مل گئی تھی۔

پہلے رینا اجیت رائے نے ہمارے کمرے میں پہنچ کر مجھے یہ خوش خبری سنائی کہ تھوڑی سی پر تشدد اور تکنیکی طور پر خالص نفسیاتی باز پرس کے نتیجے میں مجھے را سے کلیرنس مل چکی تھی۔ بعد میں نریش شرما کی دوستانہ فون کال نے رینا کی سنائی ہوئی نوید پر تصدیق کی مہر ثبت کر دی۔

رینا نے اپنی ملاقات میں مجھے بیلا سنگھ کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔ اس میں سے جستہ جستہ باتیں غزالہ کے علم میں آ چکی تھیں۔ اسے یہ احساس تھا کہ نریش شرما مجھے بیلا سنگھ کے جال میں پھانسنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ اس کے مشورے سے میں نے ایک سوچا سمجھا راستہ اختیار کیا تھا جس میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اکلوتا اور بدترین خطرہ صرف یہی تھا کہ میں بیلا سنگھ کی اداؤں کا شکار ہو جاتا‘ وہ مجھے موم کر لیتی اور میں اس کی باہوں میں پگھل جاتا۔

وہ غزالہ کے مان اور پندار کی شکست ہوتی کہ اس کے ہوتے ہوئے اور اس سے وعدہ کر لینے کے بعد میں را کی ایک فاحشہ کے سحر میں آ جاتا مگر غزالہ وہ چوٹ کھانے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کر چکی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ نریش شرما بہت موذی افسر تھا۔ وہ جو کچھ حاصل کرنا چاہ رہا تھا‘ اس سے آسانی سے دستبردار ہونے پر تیار نہ ہوتا۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ میری‘ نریش اور بیلا سنگھ کی سہ فریقی ملاقات میں کیا ہونے والا تھا۔ وہ یہ جانتی تھی کہ میں خود سے نہ بہکا تو نریش شرما مجھے اپنے اشاروں پر ناچنے پر مجبور کر سکتا تھا۔

غزالہ میری اس مجبوری کو قبول کرنے پر آمادہ تھی۔ وہ مجبوری اس کی خلش اور پریشانی کا سبب نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی چھٹی حس اس سے کہیں زیادہ سنگین اور بڑے خطرے کی نشان دہی کر رہی تھی مگر غزالہ ان غیبی اشاروں کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

وہ سوچتی رہی اور اس سے زیادہ پریشان ہوتی رہی۔ وقت بہت سست رفتار سے رینگ رہا تھا۔ میں پونے آٹھ بجے کمرے سے نکلا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے غزالہ کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے مجھے گئے ہوئے گھنٹوں بیت چکے ہوں۔ پونے نو بجے کمرے کے دروازے پر اچانک دستک ہوئی تو وہ حیرت اور

خوف سے اچھل پڑی۔ دستک دینے کا میرا انداز وہ جانتی تھی۔ اس وقت دروازے پر کوئی اجنبی آیا ہوا تھا۔

غزالہ کی چھٹی حس کی للکار یکایک واضح ہوگئی۔ وہ خطرناک گھڑی سر پر آچکی تھی جسے اس کا وجدان پہلے سے محسوس کر رہا تھا۔

وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھی اور گھٹی ہوئی آواز میں پوچھا "کون ہے۔"

"نریش شرما!" باہر سے آنے والی آواز سن کر غزالہ کے فرشتے کوچ کرگئے "دروازہ جلدی کھولو!"

وہ بدخواہوں کی فہرست میں نریش کے نام پر خط تنسیخ پھیر چکی تھی۔ اگر وہ میری طرف سے واقعی مطمئن ہوچکا تھا تو اس وقت دروازے پر دستک کیوں دے رہا تھا۔ اس نے مجھے نیچے بلایا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اوپر غزالہ کمرے میں اکیلی ہوگی۔ اکیلی عورت سے اس کو کیا کام ہو سکتا تھا۔ غزالہ سر سے پیر تک کانپ کر رہ گئی۔ شاید نریش شرما دہری بلیک میلنگ کے چکر میں تھا۔ اس نے بیلا سنگھ کو میرے سر پر مسلط کردیا تھا اور خود غزالہ کے دروازے پر آپہنچا تھا۔

غزالہ کے وجود کی گہرائیوں میں غیظ و غضب کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اگر نریش کے عزائم ناپاک تھے تو وہ قابل معافی نہیں تھا۔ انسپکٹر ڈیوڈ، جان اسمتھ اور ناگر کے بعد اس کو بھی جہنم کے سفر پر روانہ ہوجانا چاہیے تھا۔

اس نے ایک نئے عزم کے ساتھ بولٹ گرا کر دروازہ کھول دیا۔ آنے والا پستہ قامت اور تندرست شخص تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی "میں تم سے کچھ باتیں کرنے آیا ہوں۔ کیا تم مجھے اندر نہیں بلاؤ گی؟"

غزالہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ تجربے کار تھی۔ وہ مردوں کی نظروں اور لب و لہجے کو خوب پہچانتی تھی۔ اس کے اندر چھپی ہوئی عورت نے اسے بتادیا کہ آنے والا اس کا دوست نہیں تھا۔ ساتھ ہی وہ اس کی آبرو کا دشمن نہیں ہو سکتا تھا۔ غزالہ نے ایک طرف ہٹ کر اسے راہ دے دی۔

اندر آتے ہی اس نے ٹیلی ویژن کی روشن اسکرین کو دیکھ کر تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلایا پھر پلٹ کر غزالہ سے گویا ہوا "تم ٹیلی ویژن دیکھتی ہو تو اخبار بھی ضرور پڑھتی ہوگی۔ تم کو معلوم ہوگا کہ پرسوں رات گئے دہلی میں کیا کچھ ہوا ہے۔"

نریش شرما کی عقابی نظریں غزالہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم را کے افسر ہو۔" غزالہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "مظہر خان سے ساری پوچھ گچھ کر چکے ہو۔ وہ ابھی تک تم سے دہشت زدہ ہے۔ سوتے میں بڑبڑانے لگا ہے۔ اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تم کو معلوم ہے کہ مظہر خان اور را کے بیچ کیا معاملہ ہوا ہے۔" نریش نے غزالہ کی بات سنی ان سنی کردی۔

"یہ تمہیں اور اسے معلوم ہوگا۔ وہ بہت سی باتیں مجھ سے چھپاتا ہے۔ وہ تم سے ملنے کے لیے تھوڑی دیر پہلے یہاں سے گیا تھا۔ تم یہاں موجود ہو پھر وہ کہاں گیا۔ اس کو تمہارے ساتھ یہاں آنا چاہیے تھا۔"

"یہ ایک رنگین ہوٹل ہے۔ اسے ایک جاننے والی مل گئی۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے تمہارا دھیان آگیا۔" نریش شرما نے میری طرف سے غزالہ کے کان بھرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تم اس کی دوست ہو۔ تم سے مجھے کچھ جوابات درکار ہیں۔"

وہ گفتگو کھڑے کھڑے ہو رہی تھی۔ غزالہ نے اسے بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی تھی "اگر مجھے کچھ معلوم ہوا تو میں ضرور بتادوں گی۔" اس نے بے رخی سے کہا۔

"سنو لڑکی!" نریش کا لہجہ اچانک درشت ہوگیا "مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ پہلے تم دونوں اسی کمرے میں رہ رہے تھے۔ پرسوں رات تم نے یہ ہوٹل چھوڑ دیا۔ پہاڑ جیسی رات گزار کر تم دونوں صبح سویرے واپس آئے تو تمہیں الگ الگ کمروں کی ضرورت کا احساس ہوچکا تھا۔ ابھی میں کافی دیر تک تمہارے کمرے کا دروازہ پیٹتا رہا مگر وہ ویران تھا۔ مجبور ہو کر میں اس دروازے پر آگیا اور کی ہول میں سے جھانک کر میں نے اندازہ لگالیا کہ اندر کوئی موجود ہے اور واقعی تم موجود ہو۔"

"تمہاری ہر بات درست ہے۔ تم سب کچھ جانتے ہو تو مجھ سے کیا پوچھنے آئے ہو؟"

"رات تم دونوں نے کہاں اور کیسے گزاری؟" نریش نے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔

"اگر تم یہ بات مظہر خان سے پوچھنا بھول گئے تھے تو میں تمہیں بتائے دیتی ہوں کہ ہم آگرہ جانے کے ارادے سے یہاں سے نکلے تھے۔" غزالہ نے پل بھر میں اندازہ لگالیا تھا کہ نریش کو بہت دیر سے یہ خیال آیا تھا کہ غزالہ کے بیان سے میری بتائی ہوئی تفصیلات کی تصدیق یا تردید حاصل کی جائے۔

شاید دفتر میں آگ لگنے اور ناگر کے جل مرنے کے باعث اس کی عقل چوپٹ ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ بیک وقت ہم دونوں سے الگ الگ پوچھ گچھ کرتا تو ہماری کہانیاں مختلف ہوتیں اور ہم اپنے ہی بیانات کے تضاد میں پھنس جاتے لیکن

وہ ابتدائی مرحلے میں غزالہ کو نظرانداز کرنے کی سنگین غلطی کر بیٹھا تھا۔ اس کی ساری توجہ میری ذات پر مرکوز رہی تھی۔ میں نے باز پرس کے دوران میں جو کچھ نریش کو بتایا' اپنی رہائی کے بعد غزالہ کو بھی بتادیا تھا۔ غزالہ نے اپنی کہانی وہیں سے اٹھائی تھی جہاں سے میں نے شروع کی تھی۔ وہ سوچتی اور تیزی کے ساتھ بولتی چلی گئی۔ اس کی یادداشت قابل رشک تھی اس لیے اس نے دہلی کے تفریحی مقامات کی اس ترتیب میں بھی فرق نہ آنے دیا جو میں پہلے ہی بیان کرچکا تھا۔ اس سے پہلے اس نے یہ واضح کردیا کہ آگرہ جانے کا پروگرام کسی اہم فون کی وجہ سے ٹل گیا۔ مظہر خان کسی آدمی سے بات کیے بغیر دہلی چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا اور اس آدمی کا کارڈ مظہر خان سے کہیں گم ہوچکا تھا۔

نریش شرما نے اپنی جیب سے ایک نوٹ بک اور پنسل نکال لی تھی۔ وہ غزالہ کی باتیں سننے کے ساتھ ساتھ تیزی سے نوٹ بک پر کچھ لکھتا جارہا تھا۔

غزالہ نے کناٹ پلیس کے مرکزی سبزہ زار میں اپنی تفریح کے اختتام کے بارے میں بتایا۔ نریش نے ایک گہرا سانس لے کر نوٹ بک بند کی اور جیب میں ڈال لی۔

"ایک بار پھر سوچ لو کہ تم سچ بول رہی ہو۔" نریش نے غزالہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ہمارا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ بس ہم دہلی کی کھلی فضا میں گھومنا پھرنا چاہ رہے تھے۔" غزالہ نے مدافعانہ لہجے میں کہا "سیاحوں کا مقصد تفریح کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ میں نے اپنے ذہن پر زور دے کر تمہیں سب کچھ اسی ترتیب سے بتانے کی پوری کوشش کی ہے جس ترتیب سے ہم نے وہ جگہیں دیکھی تھیں پھر بھی میرے اور مظہر خان کے بیان میں فرق ہوسکتا ہے۔ یہاں کے بازاروں اور علاقوں کے نام اجنبی ہیں۔ ہم سے سمجھنے میں بھی غلطی ہوسکتی ہے۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ہم لوگ تمہاری طرف کیوں متوجہ ہوئے تھے؟" نریش نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"ہم میاں بیوی نہیں ہیں پھر بھی ایک کمرے میں رہ رہے تھے۔ تم لوگوں کو شبہ تھا کہ مظہر خان مجھے پاکستان سے بھگا کر لایا ہے۔" غزالہ نے بہت خوب صورتی سے یہ بات گول کردی کہ وہ میرے بارے میں را کے منصوبوں سے پوری طرح واقف تھی۔

"یہ باتیں مظہر خان سے بھی پوچھی اور ریکارڈ کرلی گئی تھیں۔ میں نے تمہارے بیان کا ڈکٹیشن لے لیا ہے۔ مظہر کو پتا نہیں ہے کہ میں یہاں آیا ہوا ہوں۔ اب تم دونوں کی کہی ہوئی باتوں کا موازنہ کیا جائے گا۔ ذرا سا بھی جھوٹ سامنے آیا تو تم دونوں رگید دیے جاؤ گے۔ مظہر دیکھ چکا ہے کہ جھوٹوں سے سچ اگلوانے کے لیے ہمارے پاس کیسے کیسے اوزار اور ہتھیار موجود ہیں۔ انہیں دیکھ کر روح تک کانپ اٹھتی ہے۔"

"تم مظہر کے ساتھ چوہے اور بلی کا کھیل کھیل رہے ہو۔ وہ مجھے کچھ نہیں بتاتا مگر پریشان رہتا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تم فون پر اس کے دوست اور خیرخواہ بنے ہوئے تھے اور اب مجھ سے آنکھیں بدل کر بات کررہے ہو۔ تمہاری ان باتوں نے مجھے پریشان کردیا ہے۔"

"بھارت میں ایک کہاوت ہے کہ را والے اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔" نریش نے کہا "یہ بات ذرا کڑوی ہے لیکن سچی ہے۔ ہم جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں اسے پاتال میں بھی نہیں چھوڑتے۔ تمہارے بیان کے بغیر ہمارا کام ادھورا تھا۔ اب جو فیصلہ ہوگا' اسی کی روشنی میں ہوگا۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ دروازے کی طرف چل دیا۔ غزالہ اس کے پیچھے پیچھے دروازے تک گئی مگر نریش نے مڑکر دوالوداعی کلمات کہنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ دروازے سے نکل کر راہداری میں بڑھتا چلا گیا۔

غزالہ نے دروازہ بند کرکے اندر سے بولٹ کیا اور اس سے پشت ٹکا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ نریش شرما کی غیرمتوقع آمد نے اسے ہراساں کردیا تھا۔

نریش اپنی زبان کا سارا زہر اگل کر لوٹ گیا۔ غزالہ کے دل و دماغ کی دنیا درہم برہم ہوگئی۔ تھوڑی دیر پہلے خوش گمانیوں کی جو فسوں خیز فضا پیدا ہوئی تھی' نریش کی آمد سے مسموم ہوچکی تھی۔ دہلی میں غزالہ کو کچھ بھی یقینی نظر نہیں آرہا تھا۔ فریب در فریب کا ایک سلسلہ چل رہا تھا۔ اس کا کلیدی نکتہ نریش نے بڑی وضاحت سے بیان کردیا تھا کہ را والے اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔

نریش سے مل کر وہ اتنی پراگندہ خاطر ہوئی تھی کہ فوری طور پر گرم گرم چائے کے ایک کپ کی ضرورت محسوس کررہی تھی لیکن اس میں ایک بار پھر دروازہ کھولنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔ اس نے روم سروس سے رابطہ کرنے کے بجائے کولڈ ڈرنک کی ایک بوتل منی بار سے نکال کر کھول لی۔

اس وقت تک را کے بارے میں جو تجربات غزالہ کے سامنے آئے تھے' ان سے یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ را والے چالاک' مکار' سفاک اور خون آشام ضرور تھے مگر غیرمعمولی ذہانت سے محروم تھے۔ جو ایسے حساس شعبے کی کامیابی کے

لیے، ناگزیر ہوتی ہے۔ اس کے برعکس دہلی میں بیٹھے ہوئے، پاکستانی انٹیلی جنس بیورو کے تینوں افراد درندہ صفت اور خون آشام نہیں تھے لیکن بلا کی ذہانت اور پھرتی کے مالک تھے۔

شاید یہی وجہ تھی کہ بھارت والے کشمیر میں اور اپنی سرزمین پر پاکستانی آئی ایس آئی اور آئی بی وغیرہ کے مضبوط زیرِ زمین نیٹ ورک کا واویلا مچاتے رہتے تھے مگر کسی پر ہاتھ ڈالنے میں ناکام رہتے تھے۔ ان کے آدمی پاکستانی علاقوں میں دہشت گردی اور بربریت کے بدترین مظاہرے کرنے میں کامیاب ضرور ہو جاتے تھے لیکن ذہانت سے عاری اور ناقص منصوبہ بندی کی وجہ سے پکڑے جاتے رہتے تھے۔

نریش شرما نے ہر وہ کام کر ڈالا تھا جو مجھے اور غزالہ کو گھیرنے کے لیے ضروری تھا مگر وہ اقدامات بے ربط تھے۔ فیصلہ صحیح تھا تو اس پر عمل کرنے کے لیے غلط وقت کا انتخاب کیا گیا تھا اور صحیح وقت پر کیے جانے والے فیصلے زیادہ صائب نہیں تھے۔

شاید اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ اس خالص حربی پیشے میں انہوں نے رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ جیسی آبرو باختہ لڑکیوں پر ضرورت سے زیادہ انحصار کیا ہوا تھا۔ اس حکمت عملی سے ان کے دشمن کو نقصان پہنچ رہا ہو یا نہ پہنچ رہا ہو، ان کے اپنے جنگی ڈسپلن کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ رہا تھا اور آثار بتا رہے تھے کہ وہ طریقے جاری رہے تو آنے والے چند سالوں میں را کے دفاتر اور مراکز عیاشی کے گڑھ بن جائیں گے۔

نریش کی آمد سے پہلے تک غزالہ کی یہ خوش فہمی تھی کہ را والوں نے اپنی ساری توجہ میری ذات پر مرکوز کی ہوئی تھی۔ اسے غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کیا ہوا تھا مگر نریش نے اس کی یہ غلط فہمی دور کر دی تھی۔ دہلی میں رونما ہونے والے واقعات کے بعد را کے ذمّے دار کسی بھی مشتبہ فرد کو نظر انداز کرنے کی حماقت نہیں کر سکتے تھے۔ بس نریش سے ٹائمنگ کی ایک سنگین غلطی سرزد ہو چکی تھی۔ جس کا سارا فائدہ ہمیں حاصل ہوا تھا۔ اصولی طور پر اسے ہم دونوں سے ایک وقت میں الگ الگ پوچھ گچھ کرنی چاہیے تھی۔ آپس میں کوئی رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم دونوں کے بیانات میں زمین و آسمان کا تضاد ہوتا اور ہمارا کھیل وہیں ختم ہو جاتا۔

بھارت جیسے دشمن ملک کی سرزمین پر ان دنوں ہمارے ستارے یاور تھے کہ نریش شرما بوکھلاہٹ کے عالم میں اس نکتے کو فراموش کر گیا۔ اس کا ایک بنیادی سبب یہ بھی تھا کہ را کے دفتر میں آتش زدگی کی واردات کو ناگر کی موجودگی نے بہت پیچیدہ بنا دیا تھا۔ نریش شرما کو ہم پر براہِ راست کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے عمومی جانچ پڑتال میں مجھے ایک کمزور نشانہ سمجھ کر اٹھوالیا تھا۔

مجھ سے کی جانے والی پوچھ گچھ نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی لیکن را کے لیے میرے کردار کا دوسرا رخ اہم تھا۔ پاکستان میں زر خرید پاکستانیوں کے ذریعے مخبری اور دہشت گردی ان کی حکمت عملی میں شاید سنگ میل کا درجہ رکھتی تھی۔ یہ بات انہیں معلوم تھی کہ بھارت آنے والا ہر پاکستانی بے ضمیر اور بکاؤ مال نہیں ہوتا۔ ان میں خال خال ہی کالی بھیڑیں ہوتی ہیں۔ ان سے معاملات طے کرتے ہوئے یہ خدشہ رہتا ہو گا کہ کسی وقت دباؤ کے تحت وہ را کے لیے کام کرنے پر آمادگی ظاہر کر دیں اور سرحد پار کرتے ہی اپنے ملک اور قوم کی محبت کے جذبات سے مغلوب ہو کر ضمیر فروشی سے تائب ہو جائیں۔

رینا اجیت رائے کے ساتھ بنائی جانے والی میری وڈیو فلم کا معاملہ غزالہ کے علم میں نہیں تھا مگر میں نے اسے یہ بتا دیا تھا کہ نریش شرما مجھے بیلا سنگھ کے جال میں پھانس کر مجھے بلیک میل کرنے کا مواد حاصل کرنا چاہ رہا ہے۔ غزالہ کو اندازہ تھا کہ ایسا مواد را کی ضرورت بن گیا تھا تاکہ میں پاکستان واپس پہنچنے کے بعد را سے منحرف ہونے کے بارے میں نہ سوچ سکوں اور وہ مجھے اطمینان سے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکیں۔

را کے بارے میں سوچتے سوچتے غزالہ کی ذہنی رو بیلا سنگھ کی طرف بھٹک گئی۔ مجھے کمرے سے گئے کافی وقت ہو چکا تھا۔ نریش مجھ سے ملنے کے بعد غزالہ کے پاس پہنچا تھا۔ اس نے یہ شوشا بھی چھوڑ دیا تھا کہ میں ہوٹل میں کسی جاننے والی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ غزالہ کو خلش ہونے لگی کہ میں بیلا سنگھ کے ساتھ اتنی دیر تک کن مذاکرات میں مصروف تھا۔

بیلا سنگھ کو مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے میرے پیچھے لگایا گیا تھا۔ غزالہ کو ان حالات کا علم نہیں تھا جو پیچھے رونما ہو رہے تھے۔ اس کے ذہن میں ایک سیدھی سی بات جمی ہوئی تھی۔ اگر میں بیلا سنگھ سے اپنی جان چھڑانے میں کامیاب ہو جاتا تو زیادہ وقت برباد کیے بغیر کمرے میں واپس پہنچ جاتا۔ میری واپسی میں غیر معمولی تاخیر غزالہ کے لیے اس تلخ حقیقت کی عکاس تھی کہ میرے ارادے کمزور ثابت ہوئے تھے، بیلا سنگھ جیت گئی تھی۔

بدترین شکست کے احساس سے غزالہ کے حلق میں تلخی سی گھلنے لگی۔

آسیبی خیالات اس کے ذہن پر یلغار کررہے تھے۔ کمرے کی تنہائی میں کوئی اس کا رفیق یا غم گسار نہیں تھا۔ اس نے زندگی میں کبھی خود کو اتنا مظلوم اور تنہا محسوس نہیں کیا تھا جتنا وہ اس وقت محسوس کررہی تھی۔

بے خیالی میں اس کا ہاتھ اپنے داہنے رخسار کی طرف گیا تو اپنی انگلیوں پر نمی محسوس کرکے وہ چونک پڑی۔ اس نے ہڑبڑا کر چہرے پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرے اور پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے پہنچ گئی۔ اس کے دونوں رخسار تر تھے۔ نہ جانے کب سے اس کی غزالی آنکھوں سے آنسوؤں کے بے آواز موتی بہے چلے جارہے تھے۔ اس نے ٹشو پیپر سے اپنا چہرہ اور پھر آنکھیں خشک کیں۔ آئینے میں اسے اپنا عکس کمزور اور دھندلایا ہوا نظر آرہا تھا۔

اس کا احساسِ بے بسی یکایک غصے میں تبدیل ہوگیا۔ اس کا دل چاہا کہ اسی وقت مسلح ہوکر اپنے کمرے سے باہر نکلے اور بیلا سنگھ کو ہوٹل کے کسی کمرے میں ڈھونڈ نکالے۔ وہ میری موجودگی یا بعد کے خطرات کی پروا کیے بغیر بیلا سنگھ کو جہنم واصل کردینا چاہتی تھی۔

اس کے خیالات کی وہ غضب ناک رو زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ دروازے پر ہلکی سی دو مانوس دستکیں سن کر وہ چونکی اور پھر دروازے کی طرف دوڑ پڑی۔ اس نے دروازہ کھولا اور مجھے اپنے سامنے پاکر اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔

میں سرعت سے کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کرکے اسے مضبوطی سے اپنی آغوش میں لے لیا۔

سہارا ملتے ہی غزالہ کے صبر اور ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ میری بانہوں میں سسکیوں کے ساتھ بلک کررو پڑی۔

"کیا بات ہے۔ تم اتنی ہراساں کیوں ہو؟ میں تو تمہارے حوصلے پر ناز کرتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"وہ.... وہ کمینی بیلا سنگھ آپ کو لے کرہی بیٹھ گئی تھی .... میں...."

میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔ "تمہیں خوش ہونا چاہیے۔ وہ عادی شرابی ہے۔ میں اسے باتوں سے بہلاتا رہا اور اب وہ اپنے کمرے میں مدہوش پڑی ہوئی ہے۔ نرلیش اور بیلا کا پورا منصوبہ فلاپ ہوگیا۔"

وہ تڑپ کر میری بانہوں سے نکلی اور میرے روبہ رو کھڑی ہوگئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے مگر چہرہ کھل اٹھا تھا اور پنکھڑی جیسے ہونٹوں پر اندر کی خوشی مسکراہٹ بن کر ناچ اٹھی تھی۔ اس نے خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "سچ بتائیں کہ آپ میرا دل رکھنے کے لیے تو ایسا نہیں کہہ رہے؟"

"تمہارا دل رکھنے کے لیے میں اس سے دور رہا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میں جو کچھ کرتا ہوں' اس میں تمہاری خوشنودی کا خیال رکھتا ہوں۔ اس وقت بھی میں نے بیلا کو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ اسے ہوش آئے گا تو وہ کفِ افسوس ملتی رہ جائے گی۔"

"آپ واقعی عظیم ہیں۔" اس نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا "ذرا سی دیر پہلے میں بیلا کے بارے میں سوچ سوچ کر سلگ رہی تھی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اسے کہیں سے بھی تلاش کرکے مار ڈالوں۔"

"کبھی کبھی تم واقعی عقل سے عاری ہوجاتی ہو۔ تم نے مجھ پر اعتماد کیا تھا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس جال کو توڑ دوں گا۔"

"نرلیش یہاں آیا تھا۔" غزالہ کی زبان سے وہ انکشاف سن کر میں حیرت سے اچھل پڑا۔ میرے ذہن میں بہ یک وقت کئی سنسنی خیز اور وحشت ناک خیالات آئے تھے۔ میں نے اس کا وہ مختصر فقرہ سنتے ہی اس پر سوالوں کی بھرمار کردی۔

غزالہ میری اور بیلا سنگھ کی ملاقات کے بارے میں تجسس میں مبتلا تھی۔ میں نرلیش کی آمد کے بارے میں فکر مند تھا۔ غزالہ کو خیال آیا کہ اسے شدید بھوک لگی ہوئی تھی۔ وقت کافی گزر چکا تھا۔ باتوں سے پہلے روم سروس کو کھانے کا آرڈر دینا ضروری تھا۔

روم سروس کو انٹرکام پر آرڈر دے کر غزالہ نے مجھے نرلیش کی کہانی سنانی شروع کردی۔

کھانا آیا اور کھانے کے دوران میں بیلا سنگھ کا ذکر چلتا رہا۔ اس لڑکی کے بارے میں غزالہ کا تجسس قابلِ فہم اور بالکل فطری تھا مگر اس وقت مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے غزالہ مجھ سے پچھلے تین گھنٹوں کے ایک ایک لمحے کا حساب لینے پر تلی ہوئی ہو۔ رینا کے برعکس بیلا سنگھ کے معاملے میں میرا دامن بالکل صاف تھا۔ میں غزالہ کی کسی بات کا بُرا منائے بغیر اس کے تمام سوالوں کے جواب دیتا چلا گیا۔

ہماری وہ شام بہت بوجھل اور ناخوش گوار گزری تھی۔ مسائل نے سر ضرور اٹھایا تھا مگر ان پر قابو پالیا گیا تھا۔ مجھے پوری امید تھی کہ نرلیش میرے اور غزالہ کے بیانات میں کوئی جھول دریافت نہیں کرسکے گا اور یوں ہماری تشویش کا آخری پہلو بھی صاف ہوجائے گا۔

"دیکھنا ہے کہ اب بیلا سنگھ کی ناکامی پر نریش کا ردِّعمل
یا رہتا ہے۔ اس معاملے میں آپ کو گھیرنے کے لیے اس
سرتوڑ کوششیں کی تھیں۔" بستر پر پہنچنے کے بعد غزالہ نے
تے ہوئے کہا "آپ نے ان پر پانی پھیر دیا۔"
نریش شرمانے بہت صحیح نشانہ لے کر اپنی کمان سے تیر
ایا تھا لیکن وہ خطا ہو گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس کے پاس
ے سے کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اس شام میں نے اس کے
مشورے پر عمل کیا تھا۔ کمرے سے نکل کر نیچے اترا' اس
ے ساتھ بار میں بیٹھا' بیلا سے خوش دلی سے ملا اور نریش کے
نے کے بعد بیلا کے ساتھ اس کے کمرے میں بھی چلا گیا۔
ر کمرے کی کہانی سے اخلاقی طور پر اس کا کوئی تعلق نہیں
نا چاہیے تھا۔
باتیں کرتے کرتے ہم دونوں گہری نیند سو گئے۔ پہلے
زالہ کی آنکھ لگی پھر میں بھی نیم تاریکی میں دیواروں کو
ورتے گھورتے سو گیا۔
گہری نیند سے رات گئے اچانک میری آنکھ کھل گئی اور
دار ہوتے ہی اس خلل کا سبب سمجھ میں آ گیا۔ میرے
ہانے رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی آسیبی انداز میں مسلسل
یخے جا رہی تھی۔ کمرے کی خاموش فضا میں گھنٹی کی آواز
ی نامانوس تھی کہ غزالہ کی نیند بھی اچٹ گئی۔
"ہیلو! کیا بات ہے؟" میں نے ریسیور اٹھا کر نیند سے
جھل آواز میں غرا کر پوچھا۔
"سر! باہر سے آپ کی فون کال ہے۔" ہوٹل آپریٹر کی
ہذب آواز آئی "میں آپ کی نیند خراب کرنے پر معافی
اہتی ہوں۔"
"صبح کے چار بجے فون کرنے کا کون سا وقت ہے۔" میں
بپھر کر کہا "کہہ دو کہ میں سو رہا ہوں۔"
"سر! میں نے اس وقت کال ٹرانسفر کرنے سے معذرت
لی تھی۔" وہ مدافعانہ لہجے میں کہہ رہی تھی "لیکن وہ بات
رنے پر مصر ہیں۔ خود کو را کا افسر بتا رہے ہیں۔ ان کی
یثیت جاننے کے بعد میں انکار نہیں کر سکی۔"
آپریٹر کی زبان سے را کا نام سنتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا
یسے کسی نے میرے سر پر ٹھنڈے پانی کی بالٹی الٹ دی ہو۔
ں نے بے جان لہجے میں کہا "کال ملا دو۔"
کلک کی آواز کے ساتھ کال مل گئی۔ میں نے نرمی سے
وچھا "کون بول رہا ہے؟"
"آج تم نے میری عزت خاک میں ملا دی۔ مجھے منہ
کھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔" میرے کان میں نریش کی

دہاڑتی ہوئی آواز گونجی۔ میں بے اختیار بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

نریش کی آواز سن کر میرا رہا سہا خمار بھی کافور ہو گیا تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "میں نے کیا کیا ہے جو تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو؟"

"ابھی بیلا سنگھ کا فون آیا تھا۔ تم نے اس شریف لڑکی کی حد سے زیادہ توہین اور تذلیل کی ہے۔" وہ غصے میں آپے سے باہر ہوا جا رہا تھا۔

"توہین!" میں نے حیرت سے دہرایا "تم مجھ سے قسم لے سکتے ہو کہ میں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ وہ نشے میں کچھ بہک گئی تھی پھر بھی میں نے اس کے احترام میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ جب وہ سو گئی تو میں اسے چھیڑے بغیر اس کے کمرے سے نکل آیا۔"

"وہ بھی یہی کہہ رہی ہے۔ اسے غم و غصہ ہے کہ تم اس سے یوں بچ رہے تھے جیسے اسے چھوت کی کوئی غلیظ بیماری ہو۔"

"یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ آگ و تیل یک جا ہو جائیں تو شعلوں کو بھڑکنے سے روکنا کتنا مشکل

ہوتا ہے۔ بیلا واقعی بہت مہربان اور آزاد خیال لڑکی ہے مگر میرے دماغ پر یہ بات طاری تھی کہ وہ تمہارے دوست کی بیٹی ہے اور تمہیں انکل کہتی ہے۔"

"تم بکواس کرتے ہو۔ تم نے میری اور اس کی بے تکلفی دیکھ لی تھی۔ خود اس نے تمہیں بتایا کہ وہ میری دوست ہے مگر تم کچھ سننے پر آمادہ نہیں تھے۔"

"مجھ سے کوئی بھول ہوئی تو میں معذرت چاہتا ہوں۔ سچ یہ ہے کہ بیلا نے میرا سارا ڈپریشن دور کردیا تھا۔ میں اس کی مے نوشی سے فائدہ اٹھا کر ایسی کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ بعد میں مجھے تمہارے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔"

"مجھے پٹی پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ ایک معزز اور شریف لڑکی جب خود کو کسی کے سپرد کرنے کا فیصلہ کرتی ہے تو دیکھ بھال کر کرتی ہے۔ اس کی دعوت کو ٹھکرانا اس کو ذلیل کرنے کے برابر ہوتا ہے۔" میرے تجاہلِ عارفانہ پر وہ بھنّا کر برہمی سے کہہ رہا تھا۔ میں اس کے وہ الفاظ سن کر سناٹے میں آگیا۔

نریش شرما ایک پڑھا لکھا اور ذمے دار بھارتی افسر تھا مگر اس نے بے غیرتی اور بے شرمی کی انتہا کردی تھی۔ وہ بیلا سنگھ کو ایک شریف اور معزز لڑکی قرار دے رہا تھا۔ اس کی آبرو کے تحفظ کو اس کی توہین اور تذلیل قرار دے رہا تھا۔ شاید اپنے منصوبے کی ناکامی نے اس کے دماغ پر منفی اثرات ڈالے تھے۔

"میرا خیال تھا کہ تم میرے کردار اور شرافت کی تعریف کرو گے۔ اگر میرے محتاط رویّے سے تمہیں صدمہ پہنچا ہے تو میں دوبارہ معافی چاہتا ہوں۔"

"تم نے بیلا کے دل کو جو ٹھیس پہنچائی ہے اس کا ازالہ لفظوں سے ہونا ناممکن ہے۔" نریش کا لہجہ گہری ملامت لیے ہوئے تھا۔ اس نے فون پر اپنی بات جاری رکھی "تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ عورت کے صرف چار روپ ایسے ہوتے ہیں جن میں وہ عزت اور احترام کی حق دار ہوتی ہے۔ ماں، بیٹی، بہن اور بیوی۔ ان کے سوا عورت بس ایک کھلونا ہوتی ہے۔ جب اور جیسے ہاتھ لگ جائے، اس سے کھیلنا چاہیے۔ عورت خود بھی یہی پسند کرتی ہے۔ بیلا کی رضا پاکر بھی تمہارے دماغ پر برف جمی رہی تو یہ تمہاری اور میری بدقسمتی ہے۔ میں تمہیں عقل سے اتنا عاری نہیں سمجھتا تھا۔"

"نریش! تم جذباتی ہوکر آگ لگانے والی باتیں کررہے ہو۔ میری بیوی ہر ایک کی بیوی یا بہن نہیں ہوسکتی۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ سارے مرد اس کے لیے بھیڑیے بن جائیں۔ چار کے سوا سارے رشتوں کے احترام کی دھجیاں اڑادیں۔" اس بار میں نریش کی ہرزہ سرائی پر معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہ کرسکا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "شاید تم عیال دار ہو۔ تم کو یہ خیال ہونا چاہیے کہ تمہارا انوکھا فلسفہ معاشرے کو ان کے لیے جہنم بنادے گا۔ یہ سب ...."

"خاموش رہو!" نریش کی آواز میں تلخی تھی۔ وہ میری بات کاٹ کر کہہ رہا تھا "مجھے سمجھانے کی کوشش مت کرو۔ اپنے گریبان میں جھانکو کہ تم نے کیا کیا ہے۔ تمہاری سرد مہری نے اسے اتنا دل برداشتہ کردیا ہے کہ اسے اپنے وجود اور زندگی تک سے نفرت ہوگئی ہے۔"

میں بالکل خاموش رہا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بے غیرت یہ حکم صادر نہ کردے کہ میں معذرت کرنے کے بجائے اسی وقت دوبارہ بیلا سنگھ کے کمرے میں جاؤں اور عملی طور پر اپنی زیادتی کا بھرپور ازالہ کروں تاکہ بیلا کی زخمی انا کو قرار مل سکے۔

"خاموش کیوں ہو؟ بولتے کیوں نہیں!" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس کی دہاڑ سنائی دی۔

"ابھی تم نے خاموش رہنے کا حکم دیا تھا۔" میں نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا "تم اتنی تیزی سے آنکھیں بدلتے ہو کہ اب مجھے تم سے خوف آنے لگا ہے۔"

"اور مجھے دوبارہ تم پر شک ہونے لگا ہے۔" اس کی زہریلی آواز آئی "تم اتنے شریف اور سیدھے نہیں ہو جتنا بننے کی کوشش کرتے ہو۔ تم انتہائی چالاک اور مکار آدمی ہو۔ مجھے از سرِنو دیکھنا پڑے گا کہ تم کون ہو اور ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیلنے کی کوشش کررہے ہو۔"

نریش کی باتوں نے یکایک ایک خوف ناک رخ اختیار کرلیا تھا۔ میں نے جلدی سے خوشامدانہ لہجے میں کہا "ایسی دہلانے والی باتیں نہ کرو۔ میں اپنی مرضی سے تم سے نہیں ملا۔ میں تو انکل انل بسواس سے ملنے پر بھی تیار نہیں تھا مگر ناگر اور رینا نے مجھے بتایا کہ انکل جسے ملاقات کا وقت دے دیں اسے ہر حال میں اس سے ملنا پڑتا ہے۔ میں وہاں نہ گیا تو اس کے آدمی مار پیٹ کر مجھے زبردستی اس کے پاس لے جائیں گے۔ میں تم لوگوں کے ساتھ کیا کھیل کھیل سکتا ہوں۔"

"اب انکل ہی تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کرے گا۔" اس نے یہ نہیں کہا کہ بیلا سنگھ کی ناکامی کی خبر انل بسواس کو بھی مشتعل کردے گی۔

"تم نے انکل کا ذکر کہاں نکال لیا!" میں نے بوکھلائی

ئی خوف زدہ آواز میں کہا "آج جو کچھ ہوا' وہ میرا تمہارا
ر بیلا سنگھ کا معاملہ ہے۔ اسے یہیں رہنے دو۔ میں بیلا سے
نوں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گا۔"

شاید نریش کو اسی لمحے احساس ہوگیا کہ غصے اور روانی
ں اس سے غلطی ہوگئی تھی۔ اس نے بہت ہوشیاری سے
سنگھ کی سرکاری حیثیت کو پوشیدہ رکھ کر پورے ڈرامے کو
اتی طور پر ہونے والی نجی ملاقات کا روپ دیا ہوا تھا۔ اس
ں انل بسواس کا نام لانے کی گنجائش نہیں تھی۔ میری بات
ری ہونے تک اسے ایک موزوں جواب سوجھ گیا اور
رے خاموش ہونے پر اس نے قلابازی کھائی "تم جیسے دو
کے آدمی کے لیے انل بسواس کے لیے کوئی وقت نہیں
۔ میں اپنی بات کر رہا تھا کیونکہ تم نے مجھے بیلا کے حقیقی
ل کا درجہ دے کر ساری گڑبڑ کی ہے۔ بیلا تمہاری صورت
یکھنے کی روادار نہیں ہے۔ ویسے بھی اسے صبح کی پرواز سے
مبئی چلے جانا ہے۔ اب میں تمہیں تمہاری گستاخی کی کوئی
ہی سزا دوں گا۔"

یکایک لائن بے جان ہوگئی۔ میں نے خالی خالی نظروں
ے ریسیور کا جائزہ لیا پھر اسے کریڈل پر رکھ دیا۔

"پلان کی ناکامی نے اس کے تن بدن میں آگ لگادی
ی۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس میں ذرا سی بھی حیا ہوتی تو وہ اس واقعے کو خاموشی
سے پی جاتا۔ مجھے حیرت ہے کہ را کے افسروں کی ذہنی سطح
اتنی پست اور گھٹیا ہے۔ ابھی اس کا اضطراری ردِ عمل سامنے
آیا ہے۔۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔"
میں نے تشویش سے کہا۔

"ان کی سوچ گھٹیا ہے اسی لیے یہ پڑوسی ملکوں میں
دہشت گردیاں کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے انسانی جان
شاید چیونٹی سے زیادہ حقیر ہے۔" غزالہ نے میری ہاں میں ہاں
ملائی۔ وہ مجھ سے کوئی سوال کیے بغیر میری اور نریش کی گفتگو کا
ان ...ہ گئی تھی "اگر وہ واقعی انل بسواس کو درمیان میں
لے آتا ہے تو یہ معاملہ سنگین ہوجائے گا۔ مجھے اب یہاں
وحشت ہو رہی ہے۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"وہ روانی میں انکل کا ذکر کر گیا تھا۔ بعد میں اس نے
ں بات بدل دی مگر یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ یہ سب
ں بسواس کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ اسے معلوم ہو چکا ہوگا
۔ نریش شرما کے دفتر میں لگنے والی آگ میں کیا کچھ تباہ ہوا
ہے۔" میں بے دھیانی میں رینا والی ویڈیو فلم کا ذکر کرنے ہی
لا تھا کہ مجھے اچانک اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور میں نے
ت گھماتے ہوئے کہا "پاکستان میں جوابی قدم اٹھانے کے

موقع

ایک صاحب کا کتا بہت سمجھ دار تھا۔ اسے جو کام کہا جاتا' نہایت سعادت مندی سے کر دیتا۔ ایک مرتبہ دونوں پارک میں بیٹھے تھے کہ مالک کے پاس سگریٹ ختم ہوگئے۔ اس نے سو کا نوٹ کتے کو دے کر سگریٹ لینے بھیج دیا۔ کتا ایک گھنٹے تک واپس نہ آیا تو مالک اس کی تلاش میں نکلا۔ کافی دیر ادھر ادھر پھرنے کے بعد اس نے دیکھا' کتا ایک ریستوران میں بیٹھا چکن تکا کھا رہا تھا اور کولڈ ڈرنک پی رہا تھا۔

مالک نے غم زدہ لہجے میں شکوا کیا "اس سے پہلے تو تم نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا۔ میں نے جو کام بھی کہا وہ تم نے نہایت ذمے داری سے کیا۔ یہ آج تمہیں کیا ہوگیا؟"

کتا اطمینان سے بولا "اس سے پہلے آپ نے کبھی پیسے میرے ہاتھ میں نہیں دیے تھے نا...!"

لیے اسے کسی مضبوط' نئے اور مقامی مہرے کی ضرورت ہے۔ وہ مجھے پوری طرح بے بس کیے بغیر یہاں سے نہیں جانے دے گا۔ دیکھنا ہوگا کہ رینا اور بیلا کے بعد اب کس کی باری آتی ہے۔"

"ان کا یہ حربہ دو مرتبہ ناکام ہو چکا ہے۔" غزالہ نے پر خیال انداز میں کہا "تیسری بار وہ اسے نہیں آزمائیں گے۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے۔" میں نے دوبارہ بستر پر دراز ہوتے ہوئے جواب دیا "ابھی صبح کا ابتدائی حصہ ہے۔ کچھ دیر کے لیے سونے کی کوشش کرو۔ صبح تازہ دم ہو کر اس بارے میں کچھ سوچیں گے۔" میں نے کمرے میں جلتا ہوا نائٹ لیمپ بھی بجھا دیا۔ گہرا اندھیرا سونے کے لیے زیادہ مدد گار ثابت ہو سکتا تھا۔

کچھ دیر تک کمرے کی فضا میں گہرا سکوت چھایا رہا پھر غزالہ کی سرسراتی ہوئی آواز گونجی "جان! آپ سو رہے ہیں؟"

"کوشش کروں گا تو سو جاؤں گا۔ ابھی منحوس نریش سر پر سوار ہے۔" میں نے اس کی طرف پہلو بدل کر جواب دیا "کیا

تمہیں ڈر لگ رہا ہے؟"
"ہاں! اندھیرے سے خوف آرہا ہے۔" اس نے سہمی ہوئی آواز میں اقرار کیا "نائٹ لیمپ جلالیں۔"
میں نے ٹٹول کر بستر کے کنارے پر جھولتا ہوا سوئچ تلاش کیا اور دھیمی روشنی والا بلب آن کر دیا۔ گھپ اندھیرے سے مجھے بھی الجھن ہو رہی تھی۔

○☆○

ویرا نے عابد علی کے ساتھ اپنے ہوٹل میں اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اس کے لیے وہ قطعی اجنبی تھا۔ اس کی شناخت کا صرف ایک ثبوت سامنے آیا تھا کہ وہ بھارت جیسے موذی ملک میں ڈینی' ویرا اور غزالہ کے اصلی اور فرضی ناموں سے پوری طرح واقف تھا اور اپنے ساتھ کوئی مصیبت لے کر نازل نہیں ہوا تھا۔ وہ عابد کے ساتھ آخر تک سرد مہری سے پیش آئی۔ بس اس وقت ذرا سی گرم جوش ہوئی جب اسے یہ پتا چلا کہ ہم لوگوں نے را کے ایک دفتر کو نذرِ آتش کر دیا تھا اور اس آگ میں را کا ایک سینئر کمانڈو بھی زندہ یا مردہ حالت میں جل گیا تھا۔
اس نے عابد کو کسی تواضع کے بغیر رخصت کر دیا۔ اس کے ذہن میں یہ خیال جاگزیں ہو چکا تھا کہ عابد اگر کسی اہم اور خفیہ مشن پر دہلی سے امرتسر آیا تھا تو اسے ویرا کے پاس ضرورت سے زیادہ وقت ضائع کیے بغیر واپس لوٹ جانا چاہیے تھا تاکہ کسی غیر متعلقہ شخص کو اس کے بارے میں سوچنے کا موقع نہ مل سکے۔
عابد کے جانے کے بعد ویرا نے اس کی لائی ہوئی فائلیں کھول ڈالیں۔ بیشتر کاغذات کا تعلق را سے تھا۔ فائلوں میں کچھ سادہ کاغذوں پر لکھی ہوئی تحریریں اور نقشے بھی تھے۔ ان تحریروں کا رسم الخط ہندی یا انگریزی تھا۔ ویرا ہندی رسم الخط سے نابلد تھی لیکن انگریزی حروف سے ترتیب دیے گئے الفاظ بالکل مہمل اور بے ربط تھے۔ عام آدمی ان سے کوئی مفہوم اخذ نہیں کر سکتا تھا۔
کافی دیر تک سر کھپانے کے بعد ویرا نے ان فائلوں کو اسی طرح بند کر دیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ فائلوں کی اہمیت کے بارے میں عابد نے غلط بیانی نہیں کی تھی۔ خفیہ زبان میں تیار کی ہوئی وہ فائلیں پاکستان میں بیٹھے ہوئے ماہرین کے لیے سنسنی خیز ثابت ہو سکتی تھیں۔
وہ پاکستان سے اپنے سفری سامان کا ایک تھیلا لے کر روانہ ہوئی تھی اور امرتسر کے ہوٹل میں بھی اس کا اثاثہ اسی تھیلے تک محدود تھا۔ اسے فکر دامن گیر ہونے لگی کہ اس تھیلے میں فائلوں کے بنڈل کو چھپانا ناممکن نہیں تھا۔
اسے پاکستان یا اس خطے کے کسی اور ملک میں ٹرینوں سے سفر کا زیادہ تجربہ نہیں تھا لیکن اس نے امرتسر سے دہلی اور پھر وہاں سے واپسی کے سفر میں یہ دیکھ لیا تھا کہ مغرب کے برعکس بھارتی باشندے.... زیادہ سازو سامان لاد کر سفر کرنے کے عادی تھے۔ اس بار ...... اسے ٹرین ہی کے ذریعے پاکستان اور بھارت کی حساس سرحد عبور کرنی تھی پھر اس کے پاس را کا خفیہ ریکارڈ بھی پہنچ چکا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ اس کا مختصر سامان اسے جانچ پڑتال کرنے والوں کی توجہ کا مرکز بنانے کا سبب بن سکتا تھا۔ اس کا کوئی نہ کوئی تدارک ضروری تھا۔
ٹرین کی روانگی میں خاصا وقت تھا۔ ویرا نے اسی وقت ہوٹل کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کر لیا۔
ہوٹل میں اپنے مختصر قیام کا حساب بے باق کر کے وہ قریبی بازار کی طرف نکل گئی جو کسی حد تک اس کا دیکھا بھالا تھا۔ مختلف دکانوں پر کافی وقت اور رقم برباد کر کے وہ اسٹیشن پہنچی تو اس کے ساتھ درمیانی سائز کا ایک خاصا وزنی سوٹ کیس موجود تھا۔ اس میں بیشتر نئے ملبوسات اور بھارتی دستکاری کے نمونے بھرے ہوئے تھے جو دہلی کے کناٹ پلیس کی دکانوں کے مقابلے میں امرتسر میں سستے تھے۔
اس کا سفری تھیلا اور را کی فائلوں والا غلاف اسی سوٹ کیس میں سما گیا تھا۔
ویرا نے وہ تیاری بھارتیوں سے بچنے کے لیے کی تھی۔ وہ اپنے رنگ و روپ اور خدوخال کی وجہ سے مقامیوں سے بہت ممتاز تھی۔ ہر مرحلے پر اس کے پاکستانی پاسپورٹ کو حیرت سے دیکھا گیا لیکن کسی نے مذاق میں بھی معترض ہونے کی کوشش نہیں کی۔ وہ نہایت اطمینان سے کسٹم اور امیگریشن کے مراحل سے گزر گئی۔ اسے کہیں اپنا سوٹ کیس کھول کر دکھانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔
ٹکٹ اس نے اسٹیشن پہنچتے ہی خرید لیا تھا۔ ایک قلی کے ساتھ وہ اپنی نشست تک پہنچ گئی۔ وہ زنانہ ڈبا تھا جس میں اس وقت کم سواریاں تھیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوتا چلا گیا۔
واپس جانے والی پاکستانی عورتوں کے ساتھ اس ڈبے میں سفر پر نکلی ہوئی بھارتی عورتیں بھی تھیں جن کے لباس اور بولیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھارت کے مختلف علاقوں اور تہذیبوں سے تعلق رکھتی تھیں۔
ویرا بھارت کے اس سفر میں مسلسل انگریزی بولتی رہی

تھی۔ اس نے کہیں بھی یہ ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ اردو جانتی ہے۔ اپنی اصلیت کا راز برقرار رکھنے کے لیے اس کی وہ احتیاط ناگزیر تھی۔

بوگی میں گرمی، پسینے اور عورتوں، بچوں کے ملے جلے شور وغل نے ویرا کو خاصا پریشان کیا لیکن اس نے ایک لمحے کے لیے بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ اس کے لیے سوٹ کیس کی حفاظت اس کی ہر تکلیف پر مقدم تھی۔ وہ بیٹھی عورتوں سے مسکراہٹوں کا تبادلہ کرتی رہی یا اپنی طرف حیرت سے دیکھنے والے بچوں سے چھیڑ چھاڑ کر کے وقت گزاری کرتی رہی۔ اس کا ذہن ان مسائل میں الجھا ہوا تھا جو اس کی دانست میں ہمیں پیش آ رہے ہوں گے۔

آخر کار ٹرین میں ہل چل شروع ہوگئی۔ پلیٹ فارم پر قلیوں اور مسافروں کی نقل و حرکت میں تیزی آگئی تھی۔ بوگی میں ریلوے کے اہل کاروں کی آمد و رفت شروع ہوگئی۔ کوئی ٹکٹ چیکر تھا تو کوئی بوگی کے مختلف حصوں میں بجلی کی سپلائی دیکھ رہا تھا۔

خدا خدا کر کے وہ مرحلے تمام ہوئے اور ٹرین حرکت میں آگئی۔ امرتسر کے پلیٹ فارم کو پیچھے چھوڑ کر ٹرین شہری آبادی کے درمیان سے گزرنے لگی۔ انجن سیٹیاں اور ہچکولے دیتا ہوا ٹرین کی رفتار بڑھا رہا تھا۔ پھر ٹرین آبادی سے ملحق ان میدانوں میں سے گزرنے لگی جہاں ٹریک کے دونوں طرف دور دور تک سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ حدِ نظر تک لہلہاتی ہوئی فصلیں، اس خطے کی زرخیزی کا کھلا اظہار تھیں۔

سفر تیزی سے جاری رہا۔ میدانوں اور چھوٹے چھوٹے دیہی اسٹیشنوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی ٹرین ویرا کو لمحہ بہ لمحہ اس سرحدی لکیر سے قریب لیے جا رہی تھی جس کے پار ویرا کو کوئی خوف نہ تھا کیونکہ وہ اپنے تھے اور اپنوں میں کسی قسم کا ذرا سا خوف نہیں ہوتا۔

نہ جانے وہ سفر کتنی دیر جاری رہا۔ ویرا کی نگاہیں کھڑکی سے باہر پھیلے ہوئے مناظر پر مرکوز تھیں مگر ذہن مسلسل میری اور غزالہ کی متوقع پریشانیوں میں الجھا ہوا تھا۔

پھر ٹرین کی رفتار دھیرے دھیرے کم ہونے لگی۔ مسافروں میں اضطراب کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ ان کی باتوں سے ویرا کو پتا چلا کہ اٹاری کا ریلوے اسٹیشن آنے والا تھا۔ وہ بھارتی سرحد کا آخری اسٹیشن تھا۔ ٹرین وہاں سے رینگتی ہوئی آگے بڑھتی اور واہگہ پہنچ جاتی۔ اس سے آگے لاہور تھا۔

وہ بھارت سے پاکستان جانے والوں کی ٹرین تھی۔ لوگ اپنے ساتھ جو کچھ لے جا رہے تھے، خرید کر لے جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنی وہ بھاری رقمیں بھارت کے شہروں اور بازاروں میں خرچ کی تھیں۔ اٹاری پر ایک مرتبہ پھر چیکنگ کا آغاز ہوا۔ سرسری سی دیکھ بھال کے بعد بھارتی عملہ ٹرین سے اتر گیا۔ کسی افسر نے ویرا سے سوٹ کیس کھولنے کی فرمائش نہیں کی تھی۔ وہ خوش تھی کہ میری بھیجی ہوئی امانت بھارت سے بحفاظت باہر نکالنے میں تقریباً کامیاب ہوگئی تھی۔

اٹاری ریلوے اسٹیشن پر ہر بوگی کے سامنے امیگریشن اور کسٹم کے کیبن بنے ہوئے تھے۔ امیگریشن والے پاسپورٹوں پر بھارت سے اخراج کی مہریں لگا رہے تھے۔ کسٹم والے اپنا کام نمٹا رہے تھے۔ ان سے نمٹنے کے بعد مسافر پاکستان سے آئی ہوئی خالی ٹرین میں سوار ہو رہے تھے جو انہیں لاہور پہنچا دیتی۔ ویرا بھی اس پاکستانی ٹرین میں بیٹھ گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بھارت کو چھوڑ کر اپنے گھر میں آگئی ہو اور جب وہ ٹرین اٹاری سے پاکستان کی طرف چلی تو ناقابلِ بیان کامیابی کے احساس سے ویرا کا دل حلق میں دھڑک رہا تھا۔

اٹاری سے واہگہ کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ دونوں سرحدی لکیروں کے درمیان نومینز لینڈ کی پٹی تھی۔ ٹرین نے

وہ فاصلہ رینگتے ہوئے طے کیا۔ اسے دور سے پاکستان کا پرچم لہراتا ہوا نظر آیا۔ تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ سرسبز و ہلالی پرچم خود اس کے وطن کا ہو۔

درمیانی پٹی عبور کرنے کے بعد انجن نے تیز سیٹی بجائی اور ٹرین رفتار پکڑنے لگی۔ لاہور کی مضافاتی آبادیوں اور کھیتوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ٹرین نے کچھ دیر بعد لاہور ریلوے اسٹیشن کے ایک پلیٹ فارم پر جا کر دم لیا۔ ٹرین رکنے سے پہلے ہی قلیوں کی فوج نے ٹرین پر دھاوا بول دیا۔ ویرا پلیٹ فارم کی مخالف سمت والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اطمینان سے بیٹھی بھیڑ چھٹنے کا انتظار کرتی رہی۔

کچھ دیر تک بوگی میں ہڑبونگ کا سماں رہا۔ قلیوں کے بعد عورتوں کے ساتھ سفر کرنے والے مرد بھی اندر گھس آئے۔ کوئی عجلت میں اپنا سامان سمیٹ رہا تھا' کوئی قلیوں سے مول تول کر رہا تھا۔ پلیٹ فارم پر منڈلاتے ہوئے غول اس کے علاوہ تھے۔ ویرا حیران تھی کہ جب ٹرین کا سفر لاہور پر ہی ختم ہو جانا تھا تو وہ بدنظمی کیوں تھی مگر اسے زیادہ دیر تک حیران ہونے کا موقع نہیں مل سکا۔ جلال اپنے ایک ماتحت کے ساتھ اچانک ہی اس کے سامنے آ موجود ہوا "ویلکم ہوم! گریٹ لیڈی۔"

"تم .... تم اتنی تیزی سے مجھ تک کیسے پہنچ گئے؟" ویرا نے حیرت اور مسرت سے اپنی جگہ چھوڑ کر پوچھا اور گرم جوشی سے جلال کا ہاتھ تھام لیا۔

"اٹاری سے ہمارے انفارمر نے بتا دیا تھا کہ تم کس بوگی میں ہو۔" جلال نے آس پاس کا میدان صاف پا کر انگریزی میں سرگوشی کی "تمہارا سامان کہاں ہے؟"

ویرا نے اپنی سیٹ کے نیچے رکھے ہوئے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس وقت تک بوگی تقریباً خالی ہو چکی تھی۔ دروازے پر کچھ بھیڑ باقی رہ گئی تھی۔

جلال کے ساتھ آئے ہوئے شخص نے ویرا کا وزنی سوٹ کیس اٹھا لیا۔

"یہاں سے جاتے ہوئے تمہارے ساتھ چند جوڑوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس سوٹ کیس میں کیا بھر لائی ہو؟" جلال نے سوٹ کیس کو اپنی نگاہوں سے تولتے ہوئے پوچھا۔

"یہ را کے گناہوں کا بوجھ ہے جسے چھپانے کے لیے مجھے بہت کچھ خریدنا پڑا۔" ویرا نے جواب دیا۔

وہ تینوں بوگی سے پلیٹ فارم پر اتر گئے۔ جلال نے ویرا سے پاسپورٹ لے کر اپنے آدمی کے حوالے کر دیا۔ وہ سوٹ کیس سمیت تیز تیز قدموں سے آگے ہو لیا۔

"ٹرین سے امیگریشن تک ممنوعہ علاقہ ہے جہاں عام آدمی داخل نہیں ہو سکتے۔" ویرا جلال سے کہہ رہی تھی "مجھے امید نہیں تھی کہ تم ٹرین پر آ جاؤ گے۔"

"یہاں بھارت سے آنے والوں کے سامان کا کھلا پوسٹ مارٹم ہوتا ہے۔ تمہارے سامان کو اس مرحلے سے بچانے کے لیے میرا اندر آنا ضروری تھا۔" جلال بولا "یہ بتاؤ کہ امرتسر یا اٹاری میں تو کچھ نہیں ہوا۔ جی سی محفوظ ہے نا!"

"وہ گیارہ فائلوں کا بنڈل جس طرح مجھ تک پہنچا تھا' ابھی تک اسی حالت میں ہے۔"

ویرا اس پلیٹ فارم سے باہر نکلنے والی پہلی مسافر تھی۔ جو لوگ اس سے پہلے امیگریشن کے مرحلے سے نمٹ چکے تھے وہ کسٹم کے مرحلے میں پھنسے ہوئے تھے۔ تقریباً ہر مسافر اپنے سامان کے بارے میں پریشان تھا اور اس کی کوشش تھی کہ قلیوں وغیرہ کے ذریعے کچھ ایسا جوڑ توڑ کر لیا جائے کہ سامان کھولنے کی نوبت نہ آئے۔ جن لوگوں کا سامان کھل گیا تھا' وہ سخت بولائے ہوئے تھے کیونکہ ٹھونس ٹھونس کر بھرے اور باندھے گئے سوٹ کیسوں سے نکلا ہوا سامان دوبارہ ان میں سمانا آسان نہیں تھا۔

اسٹیشن سے باہر جلال کی گاڑی ڈرائیور سمیت موجود تھی۔ جلال کا ہمراہی ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے ویرا کے ساتھ عقبی نشست سنبھال لی۔ ڈرائیور نے سوٹ کیس ڈکی میں رکھا اور وہ قافلہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔

راستے میں ان دونوں کے درمیان کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی۔ ویرا' جلال کی طرف سے پہل کی منتظر تھی مگر وہ محتاط تھا۔ معاملہ اس قدر نازک تھا کہ وہ اپنے دونوں آدمیوں کی موجودگی میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

لاہور کی بارونق اور پرہجوم سڑکوں سے گزرتے ہوئے ویرا کو اپنائیت کے عجیب سے احساس نے مسحور کیا ہوا تھا۔ اس نے بھارت کی سرزمین پر ہر لمحہ تلوار کی دھار پر رہ کر گزارا تھا۔ ہر وقت یہ احساس ستاتا رہا تھا کہ وہ دشمن ملک میں آئی ہوئی ہے۔ بازار اور سڑکوں وغیرہ پر کوئی سرسری طور پر اس کو دیکھ لیتا تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ اسے اشتباہ آمیز نظروں سے گھور رہا ہو مگر لاہور پہنچنے کے بعد وہ ان تمام تفکرات سے آزاد ہو چکی تھی۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک رہائشی مکان کے پورچ میں رک گئی۔ وہ اس مکان سے مختلف تھا جہاں وہ پچھلی بار رکی تھی۔ گاڑی سے اترتے ہی ایک مودب ملازم ان کی پیشوائی کے لیے موجود تھا۔ وہ انہیں ایک کشادہ اور آرام دہ کمرے میں لے گیا جہاں ائرکنڈیشنر کی خنکی رچی ہوئی تھی۔

جلال نے اسے چائے لانے کی ہدایت کی۔ اس کے جاتے ہی ڈرائیور ویرا کا سوٹ کیس لے آیا۔

جلال گرین کوبرا فائل دیکھنے کے لیے اتنا مضطرب تھا کہ اس نے کوئی اور بات شروع کرنے سے پہلے ویرا کو وہ فائل نکالنے کے لیے کہا۔ ویرا نے سوٹ کیس کے قفل کھول کر نئے کپڑوں کے نیچے دبا ہوا گیارہ فائلوں کا تھیلا جوں کا توں نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

جلال نے بے تابی سے شاپنگ بیگ میں سے غلاف کا تھیلا اور تھیلے میں سے فائلوں کا بنڈل نکال لیا۔ اس نے.... سرسری طور پر اوپر کی فائلوں پر نگاہ ڈالی اور درمیان میں سے گرین کوبرا فائل برآمد ہوتے ہی اس کی آنکھیں کامیابی اور مسرت کے احساس سے دمک اٹھیں۔

ویرا کی طرح جلال کے لیے بھی ہر تحریر اجنبی تھی جسے آئی بی والوں نے اپنے طور پر کوڈز کا نام دیا ہوا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ نہ صرف گرین کوبرا فائل ہاتھ آگئی تھی بلکہ مزید دس اہم فائلیں بھی اڑالی گئی تھیں۔

"تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔" جلال نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں ویرا سے کہا "یہ ریکارڈ ہمارے ہاتھ آنے سے دوررس نتائج حاصل ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے خلاف بھارتیوں کی ہر منصوبہ بندی کی کچھ نہ کچھ تفصیلات ان فائلوں میں موجود ہوں۔ اٹامک انرجی کمیشن اور بجلی گھروں والی فائلیں میں نے پہچان لی ہیں بقیہ سات فائلیں میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔ ان پر ہمارے ماہرین روشنی ڈال سکیں گے۔"

"تم بلاوجہ مجھے کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہو۔" ویرا ہنس کر بولی "میں نے امرتسر سے یہاں تک صرف قاصد کا کام کیا ہے۔ مجھے یہ بنڈل تمہارے عابد علی نامی ایجنٹ نے پہنچایا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ دہلی میں را کے ایک دفتر کو آگ لگادی گئی ہے۔"

"تو کیا تم دہلی میں رونما ہونے والے واقعات سے بے خبر ہو!" جلال نے حیرت سے پوچھا۔

"میں کل رات کی آخری ٹرین سے دہلی سے روانہ ہوئی تو بظاہر سب کچھ نارمل تھا مگر ڈینی کو حالات بگڑتے نظر آ رہے تھے۔ اسی نے مجھے جلد از جلد دہلی سے نکل جانے پر مجبور کیا تھا۔ امرتسر میں آج عابد نے دو باتیں بتائی تھیں۔ اس آگ میں ان کا کوئی سینئر کمانڈو بھی مرا ہے۔"

"میرا اپنے آدمیوں سے رابطہ ٹوٹا ہوا ہے لیکن اسلام آباد میں دوسرے ذرائع سے خبریں آتی رہتی ہیں۔ شاید اب ڈینی پوری طاقت سے میدان میں کود پڑا ہے۔ وہ آگ پاکستانی

فائدہ

جعفر صاحب نے اپنی بیگم سے مشورہ طلب انداز میں پوچھا "اگر ہم وجاہت کو سائیکل لے دیں تو تمہارے خیال میں اس کی شرارتیں کم ہو جائیں گی؟"

"یقیناً" بیگم جعفر نے جواب دیا "کیونکہ پھر وہ زیادہ بڑے رقبے پر پھیل جائیں گی۔"

ونگ میں لگی تھی۔ اس نے فائلیں اڑانے کے بعد ان کے دفتر ہی کو نذرِ آتش کردیا تاکہ اصل واردات کا علم نہ ہو سکے۔"

"کیا یہ تمہارے آدمیوں کا کام نہیں ہو سکتا؟ تم ڈینی کا نام بہت یقین سے لے رہے ہو۔" ویرا نے پوچھا۔

"میرے آدمی اپنا دامن بچا کر مدافعانہ انداز میں کام کرتے ہیں۔ انہیں کئی مہینوں سے گرین کوبرا ٹاسک ملا ہوا تھا۔ وہ ایسی جارحانہ کارروائی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" جلال نے پُر یقین لہجے میں کہا "یہ سو فیصد ڈینی کی کارروائی ہے۔ اس کے دماغ میں لاوا پک رہا ہوگا اسی لیے اس نے تمہیں بروقت دہلی سے روانہ کردیا۔ اپنے مشن میں کامیاب ہونے کے بعد اس نے عقل مندی کی کہ یہ فائلیں اپنے پاس نہیں روکیں۔ تمہاری روانگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں بھیج دیں۔"

"اس میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ وہ آخری لمحے تک کسی کو کچھ نہیں بتاتا۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا۔

جلال نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ وہ کسی کو کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا۔ آخری لمحات پر تیزی سے فیصلہ کرتا ہے اور اس پر عمل کر گزرتا ہے۔ تمہارے لیے سب سے بڑی خوش خبری یہ ہے کہ کل رات ہی جان اسمتھ کو سمراٹ ہوٹل کے ایک کمرے میں مار دیا گیا۔"

ویرا حیرت سے چونک کر صوفے سے اچھل پڑی۔ جان اسمتھ سے شاید اسے کوئی ذاتی پرخاش تھی۔ اس نے فخر آمیز لہجے میں کہا "اس کے قتل میں میرا بھی کچھ حصہ تھا مگر وہ کارنامہ اصل میں غزالہ نے سرانجام دیا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم یہاں رہتے ہوئے ہر بات سے باخبر ہو۔"

"اس کی لاش آج سہ پہر دریافت ہوئی ہے۔ وہ بھارت

میں بہت کسمپرسی کے عالم میں مارا گیا ہے۔" ویرا کا انکشاف سن کر جلال کا جوش ٹھنڈا ہو گیا "وہ ہمارے راستے کا ایک بھاری پتھر تھا جسے یہاں نہیں چھیڑا جا سکتا تھا۔ پتا نہیں اس کی قضا اسے کراچی سے دہلی کیسے لے گئی۔"

چائے نوشی کے دوران بھی وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے۔ ویرا نے اسے انسپکٹر ڈیوڈ کے بارے میں بھی بتا ڈالا۔ جلال کا خیال تھا کہ ہم لوگوں نے بہت تیزی کے ساتھ دہلی میں یادگار کارنامے انجام دیے تھے۔ ایک انل بسواس کا کام اور تمام ہو جاتا تو پاکستان میں ایک لمبے عرصے کے لیے سکون ہو جاتا کیونکہ بھارتی سازشوں کے پیچھے اسی کا دماغ کام کرتا تھا اور گرین کوبرا فائل بھی اسی کی تخلیق تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ پچھلی رات دہلی کے حکمرانوں پر بہت بھاری گزری ہے۔" ویرا اس سے تبادلہ خیال کر کے بہت مسرور تھی۔

"یہ ڈینی کے لیے بھی آڑا وقت ہے۔ ہمیں اس کے لیے دعاگو رہنا چاہیے۔" جلال نے پُر تشویش لہجے میں کہا "وہ ہمارے لیے ایک قیمتی اثاثہ ہے۔ جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہے اسے پورا کر کے دم لیتا ہے۔ بھارت سے اس کی زندہ و سلامت واپسی ضروری ہے۔"

جلال کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ ویرا بے چین ہو گئی "مجھے سچ سچ بتاؤ کہ ڈینی اور غزالہ کا کیا حال ہے۔ میں ان سے فون پر بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔" جلال اس کا ارادہ بھانپ کر بوکھلا گیا "ان کے لیے یہ دو تین دن بہت ہولناک ہیں۔ میرے آدمی بھی دور ہٹ گئے ہیں۔ اس وقت کسی کی ذرا سی لغزش ان کے لیے موت کا پیغام بن جائے گی۔ ویسے بھی ڈینی ہوٹل میں نہیں ہے۔ را والے اسے لے گئے ہیں۔" جلال نے نہ چاہتے ہوئے بھی آخری فقرہ کہہ ڈالا۔

وہ بری خبر سن کر ویرا دہل گئی۔ سفاکی اور بربریت میں را والوں کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ویرا اندر کے پیچ و خم سے ناواقف تھی اس لیے اس کا پریشان ہونا فطری تھا۔ جلال نے اسے سمجھایا بجھایا اور تسلی دے کر چلا گیا۔ اسے را کی فائلوں کو فوری طور پر اسلام آباد روانہ کرنا تھا تاکہ ان پر کام شروع ہو سکے۔

ویرا کو جہاں ٹھہرایا گیا وہ چار کمروں والا ایک مہمان خانہ تھا۔ ان کمروں کے ساتھ ڈرائنگ روم، کھانے کا کمرا اور ٹی وی لاؤنج بھی تھا لیکن ویرا اپنے کمرے میں بند رہی۔ میرے بارے میں جلال سے تشویش ناک خبر سننے کے بعد اس کا دل بجھ گیا تھا۔

جلال نے ویرا کے بارے میں مہمان خانے کے عملے کو خاص ہدایات دے دی تھیں۔ ویرا کی فرمائش پر ایک خدمت گار نے بہت نفاست سے کمرے کی چھوٹی میز پر مے نوشی کے لوازم سجا دیے۔ ویرا نے اسے بتا دیا کہ وہ نو بجے کمرے میں ہی کھانا کھائے گی۔

ویرا امرتسر سے بہت ہلکے دل کے ساتھ روانہ ہوئی تھی۔ اس کے ذہن پر صرف ایک فکر تھی کہ عابد کی لائی ہوئی فائلیں پوری احتیاط کے ساتھ لاہور پہنچ جائیں۔ اس نے اپنی وہ ذمے داری اچھی طرح پوری کر لی تھی لیکن لاہور پہنچنے کے بعد وہ میرے بارے میں یکایک بہت زیادہ فکر مند ہو گئی تھی۔

رات گئے اسے فون پر جلال کی طرف سے فون پر اچھی خبر بھی مل گئی کہ را والوں نے چند گھنٹوں کے بعد مجھے رہا کر دیا تھا۔ میری چال ڈھال اور چہرے مہرے سے تشدد کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ اس نے بتایا کہ دہلی میں گڑبڑ اور خفیہ اداروں کی حد سے بڑھی ہوئی غیر معمولی سرگرمیوں کی وجہ سے اسے وہ خبر تاخیر سے ملی تھی۔

ویرا نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ میرے سر پر آئی ہوئی مصیبت ٹل گئی تھی۔ وہ اپنی رات سکون سے گزار سکتی تھی۔

جلال بہت مصروف آدمی تھا۔ اگلے روز وہ ویرا کی طرف نہیں آ سکا لیکن شام میں اس نے فون پر ویرا سے تفصیلی گفتگو کر کے ویرا کے دل کا بوجھ خاصا ہلکا کر دیا۔ میرے بارے میں اس کے پاس کوئی نئی خبر نہیں تھی کیونکہ میں ہوٹل کے کمرے میں بند تھا۔ اس کے آدمی بھی دہلی میں یکایک زیر زمین چلے گئے تھے۔ انہوں نے اپنے سارے مقامی رابطے ختم کر کے خاموشی اختیار کر لی تھی جو وہاں کے پُر خطر حالات میں ضروری تھی۔

ویرا کے دماغ میں جلال کی یہ بات جم گئی تھی کہ میرے اور غزالہ کے لیے دو تین دن بہت خطرناک تھے۔ دوسرا دن ختم ہونے والا تھا۔ اسے امید تھی کہ اگلا دن بھی خیریت سے گزر جائے گا اور وہ مجھ سے براہِ راست رابطہ کر کے مجھ سے میری واپسی کے بارے میں بات کر سکے گی۔ اس نے کراچی فون کر کے اول خان اور سلطان شاہ کی خیریت معلوم کرلی لیکن ان دونوں سے بات نہ ہو سکی۔

اسے یا جلال کو شاید یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ مشتبہ افراد کی گرفتاری کے لیے ایوی ایشن ریسرچ سینٹر کی ریڈیائی

آوازوں کو پکڑنے والی گاڑیاں دہلی کی سڑکوں پر نکل آئی تھیں۔ ان کے حرکت میں آنے کی وجہ سے دہلی کے باہمی رابطے ٹوٹ گئے تھے۔

دہلی کے واقعات کے بارے میں کراچی کے اخبارات میں جو کچھ شائع ہو رہا تھا۔ وہ ظاہری خبروں پر مبنی تھا۔ بھارتی حکام کی سخت گیری اور رازداری کی وجہ سے اخباری قیاس آرائیاں عروج پر تھیں۔ ان سے یہ ظاہر ہو رہا تھا جیسے دہلی کا نظام تلپٹ ہو کر رہ گیا ہو اور ہر طرف نامعلوم دہشت گرد دندناتے پھر رہے ہوں جنہیں بھارتی حکام پاکستانی ایجنٹ قرار دے کر اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

اس نے لاہور میں اپنی دوسری رات جیسے تیسے بسر کرلی۔ جلال نے اسے دہلی سے آئی ہوئی فائلوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور ایک ملاقات کے بعد سے مسلسل غائب تھا۔ اس کی یہ بات ویرا کو یاد تھی کہ میرے لیے دو تین دن اہم تھے۔ اس کی دانست میں دو دن گزر چکے تھے۔ وہ تیسرے دن کا آغاز تھا جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

اس کے کمرے میں موجود فون براہ راست تھا۔ وہ اس سے اندرونی اور بیرونی، ہر کال ملا سکتی تھی۔ پہلے اس نے میرے ہوٹل کا نمبر ملانے کا ارادہ کیا پھر اسے اول خان کا خیال آگیا۔ اس بارے میں وہ کوئی بہترین مشورہ دے سکتا تھا۔

اول خان اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اس نے خود ہی ویرا کی کال وصول کی اور اس کی آواز سن کر خوش ہوگیا "واپسی مبارک ہو۔ کل مجھے پتا چل گیا تھا کہ تمہارا فون آیا تھا مگر تم نے اپنا نمبر نہیں چھوڑا۔ میں تم سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ ڈینی اور غزالہ کے بارے میں مجھے سخت تشویش ہے۔"

"مجھے بھی یہی پریشانی ہے۔ ان دونوں نے مجھے وہاں سے نکال دیا اور خود بری طرح پھنس گئے ہیں۔" ویرا نے فون پر کہا "میں ڈینی کو فون کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

"تم لاہور میں ہو۔ دہلی میں را پر مصیبت ٹوٹ چکی ہے۔ مجھے سن گن ملی ہے کہ گرین کوبرا فائل بھی اسلام آباد پہنچ چکی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ واقعات ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ تم لوگوں نے دہلی سے اسلام آباد تک کھلبلی مچا دی ہے۔ ہر محکمہ فعال اور متحرک ہوگیا ہے۔۔۔"

ویرا نے اول خان کی بات کاٹ دی اور کہا "تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ اس میں اتنی سی تصحیح کرلو کہ ابھی تک میرا کردار بہت معمولی قاصد کا رہا ہے۔ شاید ڈینی کا دماغ الٹ گیا ہے۔ وہ انجام سے بے پروا ہو کر بڑے بڑے قدم اٹھائے چلا جا رہا ہے۔"

"ہاں۔ اسے دھیرے دھیرے کام کرنا چاہیے تھا۔ اس نے ایک وقت میں کئی محاذ کھول لیے ہیں۔ کسی بھی لمحے وہ دلدل میں پھنس جائے گا۔ اب اسے ہر قیمت پر واپس لوٹ آنا چاہیے۔ ورنہ وہ ان درندوں کے ہاتھوں مارا جائے گا۔"

"میں اسے فون کرکے یہی باتیں سمجھانا چاہ رہی ہوں۔" ویرا نے تحمل سے کہا "تمہارا کیا مشورہ ہے؟"

"اس کے پاس سی ایس ڈی ہے۔" قدرے توقف کے بعد اول خان کی پر تشویش آواز آئی "موجودہ حالات میں اس سے رابطہ نقصان دہ بلکہ مہلک ثابت ہو سکتا ہے مگر یہ رسک لینا پڑے گا۔ وہاں سے کئی بڑی خبریں آچکی ہیں لیکن انل کا ذکر نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ڈینی اب اس کی گھات میں لگ گیا ہو۔ یہاں سے وہ اسی کی ذات کو اپنا مشن بنا کر روانہ ہوا تھا۔"

"میں ایک محتاط کوشش کیے لیتی ہوں۔ فضا صاف نہ ہوئی تو وہ خود فون بند کردے گا۔" ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ہماری نیت صاف ہے۔ تم پورے خلوص سے اللہ کا نام لے کر یہ کام کر ڈالو۔ میں نتیجے کا منتظر رہوں گا۔"

"سلطان شاہ کہاں اور کس حال میں ہے؟" ویرا نے اپنی پہلی بات مکمل کرنے کے بعد جلدی سے پوچھا۔

"وہ کراچی میں را کے مخبر کو ڈھونڈ کر ٹھکانے لگانے کے ارادے سے غائب ہوگیا تھا۔ میرے آدمی اگلے دن اسے تلاش کرکے مشکل سے واپس لائے تھے۔ اب اسے اپنی

حماقت کا احساس ہو چکا ہے۔ وہ اسٹیشن فور پر رہ رہا ہے۔" اول خان نے ایک سانس میں پوری تفصیل بتا ڈالی۔

"اس چوزے کو میری طرف سے دعا کہہ دینا۔" ویرا نے فون بند کر دیا۔

اس کے پاس جلال کا کوئی پتا یا ٹھکانا نہیں تھا۔ اول خان نے اسے دہلی فون کرنے کی اجازت دے دی تھی پھر بھی وہ اپنی کوشش کے انتہائی منفی مضمرات پر غور کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ایک سگریٹ سلگائی اور گھنٹی بجا کر اپنے لیے کافی طلب کرلی۔

سگریٹ ختم ہونے تک ویرا مجھے فون کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر دہلی میں میرے ہوٹل کا نمبر ملایا۔

سلسلہ ملنے پر ہوٹل کی آپریٹر لائن پر آگئی۔ مخصوص گھنٹی نے اسے ہوشیار کر دیا کہ وہ بیرون ملک سے کال تھی۔

"میں فرانس سے میری بول رہی ہوں۔ مظہر خان سے بات کرا دو!" ویرا نے شستہ انگریزی میں کہا۔ آپریٹر نے اسے ہولڈ پر منتقل کیا۔ ویرا کے کان میں مترنم موسیقی گونجنے لگی۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ میری آواز سننے کی منتظر تھی۔

○☆○

اچانک فرانس سے میری نامی کسی خاتون کے فون کے بارے میں اطلاع ملتے ہی میری کھوپڑی چکرا گئی۔ سمجھ میں نہیں آسکا کہ یکایک فرانس میں میری کون سی خیر خواہ پیدا ہوگئی تھی۔ صبح کے چار بجے نرلیش کے فون نے میری طبیعت مکدر کی تھی اور اس وقت وہ خاتون لائن پر موجود تھی۔

میں نے بادل ناخواستہ آپریٹر سے لائن ملانے کے لیے کہہ دیا۔ کال ملنے پر جوں ہی میں نے انگریزی لب و لہجے میں ویرا کی آواز سنی' میں مزید بوکھلا گیا۔ میں نے سرعت سے سی ایس ڈی آن کی اور ماؤتھ پیس میں غرایا "کیا بات ہے؟ کیوں فون کیا ہے مجھے؟"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ موسم بہت خراب ہے۔ جلد از جلد واپسی کی فکر کرو۔" وہ شاید کچھ اور بھی کہتی مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" میں نے بدستور انگریزی میں کہا "میں اپنے برے بھلے کو خود بہتر..."

میں نے اس کی قطع کلامی کی تھی اور میرے الفاظ میرے منہ میں ہی رہ گئے۔ سی ایس ڈی کے بزر کی آواز کے ساتھ لائن اچانک بے جان ہوگئی تھی۔

ابتدائی طور پر میں سناٹے میں آگیا۔ ویرا نے مجھے فون کر کے فاش غلطی کی تھی۔ نرلیش نے کھل کر مجھ پر اپنے شبہات کا اظہار کیا تھا۔ یقینی طور پر اس کے کسی آدمی کی طرف سے میری گفتگو سننے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔

"کون تھا... کس کا فون تھا؟" بزر کی آواز پر غزالہ نے چونک کر سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔ وہ سی ایس ڈی کی کارکردگی اور اس کے بزر کے بولنے کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہو چکی تھی۔

"این نے ہوشیار بننے کی کوشش کی تھی۔ اب دیکھو کون سی نئی مصیبت نازل ہوتی ہے۔" میں نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا اور پھرتی سے سی ایس ڈی کو فون لائن سے الگ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کسی بھی لمحے نرلیش کا کوئی آدمی اچانک کمرے کے دروازے پر آجائے گا۔

میں نے سی ایس ڈی کو محض اس خیال سے لائن سے منسلک چھوڑ دیا تھا کہ گوپال' سنیل یا ولی رام میں سے کوئی مطلع صاف پا کر فون کے ذریعے مجھ سے رابطہ کرے تو مجھے اس سے بات کرنے میں دشواری نہ ہو۔ میں جانتا تھا کہ جب تک آرک کی عفریت نما گاڑیاں دہلی کی سڑکوں پر گشت کر رہی تھیں' ان میں سے کوئی اپریٹس استعمال کرنے کی جرائت نہیں کرسکتا تھا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ ویرا پاکستان سے مجھے فون کر ڈالے گی۔

"وہ کیا کہہ رہی تھی؟" میری زبان سے ویرا کا مفروضہ نام سن کر غزالہ کا تجسس جاگ اٹھا۔

"تشویش زدہ لہجے میں مجھے جلد واپسی کا مشورہ دے رہی تھی۔" میں نے تلخی سے کہا "سمجھتی ہے کہ میں نادان ہوں جو یہاں رکا ہوا ہوں۔"

"یہ بہت برا ہوا۔ آپریٹر ضرور چونکی ہوگی کہ آپ کے لیے پاکستان سے فون کیوں آیا ہے۔" غزالہ مضطرب ہوگئی۔

"یہ غنیمت ہوا کہ اس نے پاکستان کے بجائے فرانس کا نام لیا۔ اپنا نام بھی این کی جگہ میری بتایا۔ پھر بھی ہماری باتیں سننے کی کوشش کی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ نرلیش نے رات کو جھلا کر دوبارہ ہماری نگرانی شروع کرا دی ہے۔" میں نے سی ایس ڈی سائیڈ ٹیبل کی نچلی دراز میں ڈال دی۔

"ہوسکتا ہے کہ یہ آپریٹر کی حرکت ہو۔ اسے معلوم ہے کہ منہ اندھیرے را کے ایک اعلیٰ افسر نے آپ کو فون کیا تھا..."

"رات والی آپریٹر جا چکی ہے۔ اس وقت کوئی اور لڑکی ڈیوٹی پر ہے۔" میں نے غزالہ کی بات درمیان سے اڑا دی۔

"اس طبقے میں سرگوشیوں کا مرض عام ہے۔ جانے والی

نے رات کا قصہ سب کو سنا دیا ہوگا۔ آٹھ گھنٹے تک جم کر ڈیوٹی دینے والیوں کے لیے دوسروں کی سن گن لینا بہترین مشغلہ ہوتا ہے۔ ایک پاکستانی مرد اور سفید فام عورت کی گفتگو آپریٹر کے لیے پرکشش ہوسکتی ہے۔"

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ غزالہ کی بات میں وزن ضرور تھا مگرویرا کے فون نے مجھے فکر مند کردیا تھا۔

اپنی تشویش اور فکر مندی پر غالب آنے کے لیے میں نے تازہ اخبار اٹھالیا۔ اس روز ذہنی پراگندگی کی وجہ سے میں اخبار پر نظر بھی نہیں ڈال سکا تھا۔

اخبار کے پہلے صفحے پر دو روز پہلے رونما ہونے والے واقعات کی نمایاں بازگشت موجود تھی۔ دہلی میں ہر طرف تلاطم کی لہریں پھیلی ہوئی تھیں۔ بھارتی حکام کی طرف سے پاکستانی دہشت گردوں پر الزام تراشی کے نتیجے میں شہری حلقوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوا تھا۔ ایک مخالف سیاسی رہنما نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ دہلی کے حکمراں شہر کو پاکستانی دہشت گردوں کے حوالے کرکے خود عیش کررہے تھے۔ ان کی حفاظت کے لیے مسلح نگہبان مامور تھے اور دل بہلانے کے لیے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی میں تربیت پانے والی لڑکیوں کی کھیپ موجود تھی۔ وہ انتہائی شرمناک صورت حال تھی جس سے اصل حکمراں غافل تھے۔

ایک اور نمایاں خبر چونکا دینے والی تھی۔ آرک کی گاڑیوں کے گشت کے نتیجے میں دہلی کے مختلف علاقوں سے تین مشتبہ افراد پکڑے گئے تھے۔ ان میں سے ایک ملزم رنگے ہاتھوں پکڑا گیا جو جامع مسجد سے ملحقہ آبادی میں اپنے وائرلیس ٹرانسمٹر پر کسی سے گفتگو کررہا تھا۔ آرک والوں نے دوران گفتگو ہی اسے دھرلیا تھا۔ بقیہ دو افراد اس کی نشان دہی پر پکڑے گئے تھے اور وہ دونوں مقامی تھے۔

اصل ملزم بھی مقامی ہونے کا دعوے دار تھا لیکن حکام کو اس کے بیان پر شبہ تھا۔ اس کی اصل شہریت کے بارے میں کڑی چھان بین شروع کردی گئی تھی۔

اس وقت صحیح صورتِ حال یہ تھی کہ دہلی میں بڑے پیمانے پر کارروائیوں کو آغاز ہوچکا تھا لیکن ہر افسر اور ایجنسی کو مجرموں کے اس بے نام ونشان گروہ کی تلاش تھی جو شہر میں خوف و ہراس پھیلا رہا تھا۔ دو دن گزر جانے کے باوجود کسی کو یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ کسی بڑے گروہ کا کام نہیں تھا۔ وہ غلط سمت میں کام کررہے تھے اس وجہ سے میری اور آئی بی کے آدمیوں کی جان بچی ہوئی تھی۔ میرے ساتھ جو کچھ ہوا وہ نریش شرما کی ستم ظریفی کا نتیجہ تھا۔ اس نے کسی دلیل اور ثبوت کے بجائے مجھ کو محض اس وجہ سے رگڑنا ضروری سمجھا تھا کہ میں آتش زنی سے چند گھنٹے قبل اس کے دفتر میں موجود تھا۔

بیلا سنگھ والے قصے کا ان معاملات سے سرے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ مجھے را کا پکا مخبر بنانے کی کوششوں کا ایک حصہ تھا۔

مجھے یوں نظر آرہا تھا کہ اور کچھ ہو یا نہ ہو، دہلی کے کچھ مقامی لوگ اس چکی میں ضرور پس جائیں گے۔ آرک والوں کے ہاتھ لگنے والے تین افراد بھی اسی قبیل کے معلوم ہوتے تھے۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات سے ان کا دور پار کا بھی تعلق نہیں تھا لیکن وہ حالات کے بھنور میں پھنس چکے تھے۔ را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں والے اپنے بہیمانہ تشدد کے ذریعے ان سے من مانے جرائم کا اعتراف کرانے پر قادر تھے۔

تشویش کی بات یہ تھی کہ پکڑے جانے والے تین افراد میں سے ایک کے پاس سے ٹرانسمٹر برآمد ہونے کی کہانی سنائی گئی تھی۔ اگر اس میں ذرا بھی صداقت تھی تو امکان یہی تھا کہ وہ پاکستان کی کسی خفیہ سروس کا آدمی ہوگا۔ جو آئی بی والوں سے رابطے میں نہ ہونے کی وجہ سے آرک کی گاڑیوں کی یلغار سے واقف نہ ہوسکا۔ شہر کے نازک حالات کے بارے میں اپنے لاسلکی آلے پر کسی سے بات کرتا رہا، کسی گشتی گاڑی کے حساس ترین آلات پر اس کی باتیں سنی گئیں اور پھر ریڈیائی اخراج کے سمت نما کی مدد سے اسے پکڑلیا گیا۔ وہ خطرات سے ذرا بھی زیادہ باخبر ہوتا تو طویل گفتگو کرنے کے بجائے ضروری اور مختصر ترین پیغامات کا تبادلہ کرکے، تیزی سے اپنی جگہ بدل لیتا۔ آرک والے کیل کانٹے سے لیس ہونے کے باوجود اس کو تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے تھے۔

پکڑا جانے والا کون تھا۔ اس سوال کا جواب مجھے صرف آئی والے فراہم کرسکتے تھے جن سے میرا رابطہ ٹوٹا ہوا تھا۔

گیارہ بجے ایک مرتبہ پھر نریش کا فون آگیا۔ رابطہ ہوتے ہی اس نے خشک لہجے میں حکم دیا "تم دونوں تیاری کرلو۔ بارہ بجے رینا آرہی ہے۔ اس کے ساتھ تم دونوں کو ایک خاص مقام پر پہنچنا ہے۔"

"تم مجھ سے ابھی تک ناراض ہو۔" میں نے اس کے لہجے کی رکھائی محسوس کرتے ہوئے خوشامدانہ انداز میں کہا "چاہو تو مجھے زندگی سے بیزار کرسکتے ہو۔ میں تمہیں یقین دلا رہا ہوں کہ بیلا کے معاملے میں جو کچھ ہوا، اس میں بدنیتی کے بجائے غلط فہمی کا دخل تھا۔ مجھے معاف کردو!"

"وہ قصہ یاد دلا کر مجھے طیش نہ دلاؤ جو کہا جارہا ہے اس پر

ں کرو۔" اس پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا' اس نے
ر سا جواب دے کر فون بند کر دیا۔
"اب شاید کوئی نیا چکر شروع ہونے والا ہے۔" غزالہ
نریش کے نادر شاہی حکم کے بارے میں سن کر کہا "نریش
ر دھو کر آپ کے پیچھے پڑ گیا ہے اور اب تو اس نے اپنا کام
کو سونپا ہے۔ آپ کو کچھ بتا کر وہ اپنے پیروں پر کلہاڑی
مارے گی۔"
"دیکھا جائے گا۔ اس وقت ہم بے بس ہیں۔ ہمیں اس
ر حکم ماننا پڑے گا۔"
ہوٹل سے ہمارے غائب ہونے اور پھر چند گھنٹوں بعد
ں آنے کے بارے میں نریش نے ہم دونوں سے یکے بعد
ے پوچھ گچھ کر کے ایک بڑی غلطی کی تھی۔ میرے اور
لہ کے بیان میں کہیں کوئی تضاد نہیں رہا تھا۔ مجھے شبہ
ہا تھا کہ نریش کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ کسی نئی باز
ں کے لیے اس نے ہم دونوں کو ایک ساتھ طلب کیا تھا۔
ں سے بیک وقت لیکن الگ الگ لے جا کر سوالات کیے
تے اور جوابوں کا موازنہ کر کے نریش اپنا آخری فیصلہ
ر کر دیتا۔

میں اپنے ذہن پر زور دیتا رہا کہ ایسا کون سا نکتہ تھا۔
پر ہم دونوں تضاد بیانی کے جال میں پھنس سکتے تھے لیکن
ایسی کوئی بات یاد نہیں آ سکی۔ غزالہ ہر راز میں میری
ی شریک تھی۔ صرف ایک بات اس کے علم میں نہیں
کہ را والوں نے میری اور رینا کی ویڈیو تیار کر لی تھی جسے
نے آئی بی والوں کے ساتھ مل کر خاموشی سے نذر آتش
یا تھا۔ وہ ایسی بات تھی جس کی بنا پر نریش میری گرفت
ں کر سکتا تھا۔

میں نے اس بارے میں غزالہ سے بھی مشورہ کر لیا۔
چاہتا تھا کہ کوئی بات رہ گئی ہو تو اس پر ہم رینا کی آمد سے
ایک دوسرے کو بریف کر لیں تاکہ کوئی مسئلہ کھڑا نہ ہو
ی غزالہ بھی کسی مبہم نکتے کی نشان دہی سے قاصر رہی۔
چھ دیر بعد غزالہ اچانک ہی اٹھ کھڑی ہوئی "میں دس
ں میں واپس آتی ہوں۔"
"کہاں جا رہی ہو؟" میں نے قدرے تعجب سے پوچھا۔
"اپنے کمرے کی خیر خبر لے کر آتی ہوں۔" اس نے ہنس
کہا "کل شام سے میں نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔"
"میرا خیال ہے کہ ہم بلا وجہ اس کمرے کا کرایہ ادا
رہے ہیں۔ اب ہر بات کھل چکی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ
ی کمرے میں ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ اب دوسرے
رے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسے واپس کر دینا

ایک نوجوان نے جذبات کی ترنگ میں آ کر اپنی
دوست سے کہا "میں ابھی اور اسی وقت تمہارے
خوابوں میں حقیقت کا رنگ بھر سکتا ہوں۔"
"خبردار..... جو تم نے ایسا کیا..... میں تھپڑ کھینچ
ماروں گی" لڑکی بگڑ کر بولی۔

چاہیے۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔
"اسے چلنے دیں۔" غزالہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی
"اب رینا آپ کی انفارمر ہے۔ وہ آتی ہے تو میں اطمینان
سے اس کمرے میں چلی جاتی ہوں۔ وہ کمرا چھوڑ دیا تو مجھے
ادھر اُدھر بھٹکنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ دو چار روز میں ہم
دونوں کمرے چھوڑنے کے قابل ہو سکیں۔"
"نریش نے صاف کہہ دیا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر
ہم دہلی سے نکلے تو کہیں بھی پکڑے جائیں گے۔"
"کیوں نہ ہم کسی پرواز سے لاہور یا کراچی نکل جائیں۔
ہمارے سفری کاغذات مکمل ہیں۔"
"یہ دوست ملکوں کے شہریوں کے لیے ممکن ہوتا ہے۔
ہمارے پاسپورٹوں پر اٹاری سے داخلے کی مہریں ہیں۔ اسی
راستے سے واپس جانا ہوگا۔ ہوائی سفر کے لیے خاص اجازت
لینے کی ضرورت ہوگی۔" غزالہ کو جواب دیتے ہوئے میرا
ذہن پاکستان واپسی کے تیسرے راستے کے بارے میں سوچنے
میں مصروف تھا۔
"پھر مجبوری ہے۔" وہ شانے اچکا کر بولی "ہمیں اپنی
تقدیر پر شاکر رہنا ہوگا۔"
"یہ خیال رکھنا کہ رینا کے ساتھ مجھے چند منٹ کے
تخلیئے کی ضرورت ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ میں اس سے کوئی
کارآمد بات اگلوا سکوں۔" میں نے آواز لگائی۔
"آپ فکر نہ کریں؟" اس نے مڑ کر جواب دیا "میں تیار
ہونے کے بہانے دوبارہ چلی جاؤں گی۔"
میں نے نریش شرما کی نئی ہدایات میں پوشیدہ خطرات
کے بارے میں سوچنا شروع کیا تو مجھے اچانک تین ضروری
اشیا یاد آ گئیں۔ عابد عرف گوپال سے ملا ہوا ایریٹس' بیم گن
اور سی ایس ڈی۔ وہ تینوں چیزیں ہم کسی کمرے میں نہیں
چھوڑ سکتے تھے۔ ہمارے جانے کے بعد را والے دوبارہ کمروں
کی تلاشی لینے کا ارادہ کر لیتے تو ہم اپنی تحویل میں موجود ان
چیزوں کے بارے میں کوئی تسلی بخش جواز پیش کرنے سے
قاصر رہتے۔
انل بسواس سے ملاقات کے وقت میری جامہ تلاشی

نہیں ہوئی تھی مگر مجھے یہ بتا دیا گیا تھا کہ مجھے لانے والی کار میں اسلحے کی موجودگی کا سراغ لگانے والا آلہ نصب تھا۔ وہ آلہ بیم گن کو ضرور پکڑلیتا۔ اس سے واسطہ نہ پڑتا تو کسی منزل پر جامہ تلاشی کا امکان رد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تیسری صورت یہ ہوسکتی تھی میں ایک مرتبہ پھر آئی بی والوں میں سے کسی کی مدد طلب کرتا اور وہ تینوں چیزیں ان کے حوالے کرکے مطمئن ہوجاتا۔

وقت کم رہ گیا تھا۔ رینا کسی وقت بھی آسکتی تھی۔ بیلا سنگھ والے قصے میں اس نے ثابت کردیا تھا کہ وہ میرے ساتھ مخلص تھی لیکن میں غیر ضروری طور پر اسے اپنے کسی راز میں شریک نہیں کرسکتا تھا۔ فون سے سی ایس ڈی منسلک کرکے سرلا کے نمبر پر فون کرنا اور پھر اس آلے کو واپس نکالنا چند لمحوں کا کام نہیں تھا۔ دوسری طرف شہر میں منڈلاتی ہوئی آرک کی گاڑیوں کی موجودگی میں اپریٹس استعمال کرنا ناممکن تھا۔ میں مخمصے میں پڑگیا۔

میں اسی فکر میں غلطاں و پیچاں تھا کہ اچانک ٹرانسمٹر پر کال سگنل آنے لگا اور میرا دل بلیوں اچھل پڑا۔

وہ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی طلب صادق کا کمال تھا کہ ٹوٹا ہوا رابطہ اچانک بحال ہوتا نظر آرہا تھا۔ میں نے لپک کر کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کیا اور اپریٹس اٹھاکر کمرے کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت جی ٹو یعنی عابد لائن پر تھا۔ جوں ہی میں نے اسے اپنی موجودگی کی اطلاع دی، وہ کھل اٹھا۔

"تمہاری احتیاط رائگاں نہیں گئی۔ پچھلی رات گئے، آرک کی گاڑیاں واپس بلالی گئیں۔ میں نے آج اس خبر کی تصدیق کرنے کے بعد تم سے رابطہ کیا ہے۔"

"تم اس وقت کہاں ہو؟" اس کی بات پوری ہوجانے پر میں نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"تم سے کافی قریب ہوں۔ دوسری خوش خبری یہ ہے کہ تمہارے ہوٹل میں ان کا کوئی آدمی نظر نہیں آرہا۔"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میرے ساتھ کیا چکر چلایا جارہا ہے۔ باہر کوئی آدمی نہیں ہے لیکن ایک بڑا ہاتھ دھوکر میرے پیچھے پڑا ہوا ہے" اس کی احتیاط کے مدنظر میں نے بھی را کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے کہا "ہوسکے تو جلد از جلد دوسرے کمرے پر آجاؤ۔"

"اس وقت یہ خطرہ مول نہ لیا جائے تو بہتر ہوگا" اس کی آواز سے ہچکچاہٹ مترشح تھی۔

"یہ ناگزیر ہے۔ بارہ بجے ایک روح نازل ہونے والی ہے۔ اس کے آنے سے پہلے میں پرانی تھیلی تمہارے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔"

بات اشاروں کنایوں میں ہورہی تھی لیکن عابد میرا مفہوم پوری طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ جلدی سے بولا "میں دوسرے کمرے میں پہنچ رہا ہوں۔ تھیلی تیار رکھو۔"

میں نے اپریٹس آف کیا۔ دراز سے ایک موٹی تھیلی نکالی۔ بقیہ دونوں اشیا بھی قریب ہی موجود تھیں۔ میں نے انہیں یک جا کرکے غزالہ کے نمبر پر انٹرکام کیا۔ ادھر سے جواب ملتے ہی میں نے اسے اپنے کمرے میں واپس بلالیا۔

وہ آئی تو میں نے دروازے پر ہی وہ تھیلی اسے تھمادی "اس میں پرانا سامان ہے۔ گوپال تمہارے دروازے پر آرہا ہے، اسے دے دینا۔"

غزالہ تھیلی لے کر الٹے قدموں لوٹ گئی۔ وہ ذہین تھی، میری بات فوراً سمجھ گئی۔

اس وقت ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ پتا نہیں عابد کہاں تھا کہ غزالہ دس منٹ بعد اپنا بوجھ ہلکا کرکے واپس آگئی۔

"آپ نے دور کی بات سوچی۔ مجھے ان چیزوں کا خیال بھی نہیں رہا تھا" اس نے آتے ہی کہا پھر حیرت سے پوچھا "گوپال چراغ کے جن کی طرح اچانک کہاں سے نکل آیا؟ اس سے تو آپ کا ہر رابطہ ختم ہوچکا تھا۔"

غزالہ اس کی آمد کی تفصیل سن کر خوش ہوگئی۔ اس کی دانست میں وہ ایک اچھا شگون تھا۔

ہم دونوں بیٹھے پوری شدومد سے حالات و واقعات پر باتیں کررہے تھے کہ غزالہ چونک کر بولی "کل رات آپ کی جیب میں ایک پھولا ہوا لفافہ موجود تھا۔ اس میں کچھ ایسے کاغذات تو نہیں ہیں جو آپ کے لیے دشواری کا باعث بن جائیں۔"

"تم نے خوب یاد دلایا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "عورتوں میں اپنے شوہروں کی جیبیں ٹٹولنے کی جو عادت پائی جاتی ہے وہ کبھی کبھی سودمند بھی ثابت ہوتی ہے۔ میں اپنی پہلی تنخواہ کے اس لفافے کو بالکل بھول گیا تھا۔"

"پہلی تنخواہ کا لفافہ!" وہ متعجب ہوکر بولی "میں آپ کی بات نہیں سمجھی۔"

"نریش نے بیلا سنگھ کی آمد سے پہلے مجھے پچیس ہزار روپے کا وہ لفافہ دیا تھا۔ یہ را کی طرف سے میری پیشگی تنخواہ ہے۔ اس لفافے میں رقم سے زیادہ اہم وہ کاغذ ہے جس پر کراچی کا ایک فون نمبر اور دوسرا فیکس نمبر لکھا ہوا ہے۔۔۔"

"وہ آپ کو رابطے کے لیے دیے گئے ہوں گے" غزالہ

نے ایک بار پھر اپنی ذہانت کا مظاہرہ کیا۔
"فیکس نمبر پر مجھے رپورٹیں بھیجنی ہیں۔ فون نمبر انتہائی ایمرجنسی کے لیے ہے۔ جلال کے لیے دونوں نمبر دلچسپ ثابت ہوں گے۔"
"ہم دلی میں ہیں مگر ہنوز دلی دور است والی مثال کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ لوٹیں گے تو جلال یا کسی اور سے ملاقات ہوگی۔"
"مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ پریشانیاں عارضی ہیں۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ہماری واپسی کا مرحلہ قریب آنے والا ہے۔"
"کیا آپ نے اس کام سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے جس کے لیے پرسوں دہلی میں رکنے کا فیصلہ کیا تھا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔
"وہ کام میرے سر پر سوار ہے۔ کام کیسے ہوگا؟ یہ مجھے معلوم نہیں مگر میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ ہم آخری کامیابی کے قریب پہنچ چکے ہیں۔"
"واقعات اچانک اور تیزی سے رونما ہو رہے ہیں۔ ... رینا اور ناگر کے ذریعے آپ کی طلبی ہوئی تھی تو میں اٹھری گھڑی کی خیر مانگ رہی تھی۔ اس وقت یہ سوچنا ممکن نہیں تھا کہ اس طلبی کے نتیجے میں آپ کو وہ زبردست کامیابیاں حاصل ہوں گی مگر اس رات یکایک نقشہ پلٹ گیا۔"
"وہ کمال کی رات تھی۔ کاش! ایک بار پھر ویسی ہی خوش نصیبی ساتھ دے جائے۔ ہر قصہ نمٹ جائے گا۔"
غزالہ نے رینا کے استقبال کے لیے میرے کمرے میں رہنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مجھے بتادیا کہ وہ رینا کو پسند نہیں کرتی۔ اس سے سامنا ہونے پر زبان سے غیر ارادی طور پر کوئی تلخ بات نکل گئی تو فضا ابتدا سے ہی کشیدہ ہو جائے گی۔
مجھے رینا سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں۔ میں نے غزالہ کے جواب میں خاموشی اختیار کرلی۔
"مجھے رہ رہ کر این کا خیال آرہا تھا۔ پتا نہیں اس بے چاری نے کیا سوچ کر آپ کو فون کیا ہوگا" غزالہ نے پھر مجھے ایک بھولی ہوئی بات یاد دلادی۔
"میں خود حیران ہوں۔ میں اس سے مختصر سی گفتگو ضرور کرتا مگر سی ایس ڈی نے لائن بند کردی۔ پتا نہیں کس نے ہماری گفتگو میں دخل انداز ہونے کی کوشش کی تھی" میرے ذہن میں ایک نئی خلش تازہ ہوگئی۔ "این سوچ رہی ہوگی کہ میں نے غصے میں فون کردیا۔"
"وہ اتنی بے وقوف نہیں ہے۔ آپ اپنی بات پوری کرکے فون بند کرتے۔ لائن اچانک ڈراپ ہوئی تھی۔ آپ کا فقرہ ادھورا رہ گیا تھا۔ اس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ کسی نے درمیان میں گڑبڑ کرنے کی کوشش کی ہے" غزالہ نے مجھے مطمئن کرنے کے لیے وضاحت سے جواب دیا۔
"اگر وہ آپریٹر کی شرارت تھی تو ناقابلِ معافی ہے مگر میں کچھ کر نہیں سکتا۔"
"وہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو نریش ضرور اس ادھوری کال کا ذکر کرتا" غزالہ بولی "اس نے این کے بعد آپ سے بات کی تھی۔"
میرے ذہن میں ایک نئے خدشے نے سر ابھارا "یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ہماری طلبی اسی ادھوری گفتگو کے بارے میں ہو۔ اس نے علیحدگی میں تم سے اس بارے میں پوچھا تو تم اسے کیا بتاؤگی؟ میری کون ہے اور اس سے میرا کیا تعلق ہے؟"
اس کی آنکھوں سے پریشانی جھلکنے لگی اور وہ بوکھلا کر بولی "مم.... مجھے کیا پتا۔ جو کچھ آپ بتائیں گے' وہ کہہ دوں گی۔"
"بات سے بات نکل آئی ہے تو اپنا ذہن صاف کرلو" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "یہ خالی الذہنی ہم دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ حیرت ہے کہ میں خود بھی این کی فون کال کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ ہمارے درمیان کچھ نہ کچھ طے ہو جانا چاہیے تھا۔"
"ہوسکتا ہے کہ نریش اس بارے میں کوئی ذکر نہ کرے۔ اس نے ہمیں کسی اور مقصد سے بلایا ہو۔"
"سب کچھ ہوسکتا ہے مگر ہمارا ہوم ورک مکمل ہونا چاہیے" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کرسی میں بے چینی سے پہلو بدلا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ میرے اور این کے درمیان ہونے والی بات کسی نے نہیں سنی۔ مداخلت ہوتے ہی لائن کٹ گئی۔ تم کہہ سکتی ہو کہ کوئی فون آیا تھا مگر تم تفصیل سے بے خبر ہو۔ میں نے اس بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتایا بلکہ ٹال دیا۔"
"مگر آپ یہ جواب نہیں دے سکتے۔ آپریٹر نے آپ کو میری کے بارے میں بتایا تھا۔"
"میری کہانی یقیناً مختلف ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ پاکستان میں کبھی ملی ہو مگر میں اسے بھول چکا ہوں۔"
"اسے کیسے پتا چلا کہ آپ دہلی کے اس ہوٹل میں مقیم

ہیں؟" غزالہ نے مجھ سے نگاہیں چار کر کے جرح کی۔

"ویری گڈ!" میں اس کے سوال پر خوش ہو گیا "باہمی بریفنگ اور تبادلہ خیال کا یہی فائدہ ہوتا ہے۔ یہ لاجواب کر دینے والا سوال ہے۔"

"مگر آپ کے پاس اس کا کوئی نہ کوئی معقول جواب ضرور ہونا چاہیے۔"

"اس بارے میں وہ نامعلوم میری ہی کچھ بتا سکے گی" میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے کہ اسے میرے بارے میں پاکستان سے کوئی سراغ ملا ہو مگر پھر بھی یہ بات اپنی جگہ برقرار رہتی ہے کہ اسے دہلی جیسے بڑے شہر میں میرے ہوٹل کا علم کیسے ہوا۔ این نے مجھے واقعی مشکل میں ڈال دیا ہے۔"

"پھر یہی موقف بہتر ہے کہ آپ کچھ نہیں جانتے۔ آپ کو شبہ ہے کہ وہ کال فرانس کے بجائے دہلی سے کی گئی تھی۔ وہ کوئی ماڈرن کال گرل بھی ہو سکتی ہے۔ جو آپ سے فون پر وقت لینا چاہ رہی تھی۔ اس کا مدعا جانتے ہی آپ نے اسے ڈانٹ کر فون بند کر دیا۔"

"ایک بار پھر ویری گڈ!" میں نے اٹھ کر بے اختیار غزالہ کی پیشانی چوم لی "یہ سب سے بہتر جواب ہوگا۔ ہوٹل کی آپریٹر اگر غیر ملکی کال پر اصرار کرتی ہے تو کرتی رہے..."

"اب مجھے ایک اور بات یاد آ رہی ہے۔ اگر شروع سے مداخلت ہو رہی ہوتی تو سی ایس ڈی آن کرتے ہی لائن بند ہو جاتی۔ آپ کے اور میری کے درمیان ایک دو فقروں کے تبادلے کی نوبت بھی نہ آتی۔ جو کچھ ہوا، ذرا سی تاخیر سے ہوا۔ یہ آپریٹر ہی کی شرارت ہو سکتی ہے۔ اس میں را کا ہاتھ نظر نہیں آتا۔ وہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوتے تو ابتدا سے ایک ایک لفظ سننے یا ریکارڈ کرنے کی کوشش کرتے، بیچ میں مخل نہ ہوتے۔"

"اس وقت تمہارا دماغ تیزی سے کام کر رہا ہے" میں نے اعتراف کیا "یہ بہت باریک نکتہ ہے اور شاید سب سے مضبوط بھی۔ اتنی دماغ سوزی کے بعد ہمیں یہ فرض کر لینا چاہیے کہ نریش اس فون کال کے بارے میں سرے سے کوئی بات نہیں کرے گا۔"

"یہ میرا نہیں، آپ کا کمال ہے۔ یہاں ہر وقت آپ کے ساتھ رہ کر میں بھی بال کی کھال اتارنے کی عادی ہوتی جا رہی ہوں۔ میں نے یہ ذکر اپنی تشویش سے شروع کیا تھا۔ پتا نہیں وہاں کیا حال ہے۔ ہمیں سلطان شاہ کے بارے میں بھی کوئی خیر خبر نہیں ملی۔"

"این اپنی ساری خامیوں کے باوجود فرض شناس ہے۔ اس نے واپس پہنچتے ہی کراچی والوں کی خبر گیری کی ہوگی۔ اگر وہاں کوئی گڑبڑ ہوتی تو وہ سب سے پہلے اسی کا ذکر کرتی۔ مجھ سے واپسی کے لیے اصرار نہ کرتی۔ اس وقت ساری توجہ اپنی کھال بچانے پر مرکوز رکھو۔ ہم یہاں ہتھیاروں سے نہیں بلکہ اعصاب کی بھیانک جنگ لڑ رہے ہیں۔ کہیں بھی چوک گئے تو مارے جائیں گے اور کوئی ہمیں بچانے کے لیے آگے نہیں آئے گا۔"

وہ اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے اٹھ گئی "کبھی کبھی آپ کی باتیں مجھے لرزہ براندام کر دیتی ہیں۔"

"یہ یہاں کے ٹھوس زمینی حقائق ہیں۔ ہم موت کے جبڑوں میں رہ رہے ہیں۔ بھٹکنے پر نکیلے دانتوں تلے کچلے جائیں گے۔"

"میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں" وہ ہلکی سی پھریری لے کر بولی "وہ کسی بھی لمحے یہاں ہوگی۔"

اس وقت بارہ بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

رینا اجیت رائے نے اس روز وقت کی پابندی کا ریکارڈ قائم کر دیا۔ ٹھیک بارہ بجے دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے دروازہ کھولنے پر اسے اپنے سامنے موجود پایا۔

دروازے پر رسمی فقروں کا تبادلہ ہوا۔ اندر آتے ہی اس کی متلاشی نظریں کمرے میں چکرانے لگیں "غزالہ کہاں ہے۔ کیا ابھی تم دونوں تیار نہیں ہو؟" اس نے اپنے ہندی لب و لہجے میں ہلکی سی حیرت سے پوچھا "میں صحیح وقت پر آئی ہوں۔"

"وہ اپنے کمرے میں تیار ہو رہی ہے۔ چند منٹ بعد ہم یہاں سے چل دیں گے۔ ہمیں جانا کہاں ہے؟" میں نے کہا۔

وہ کسی تعرض کے بغیر کرسی پر بیٹھ گئی "اس نے اپنا پرس گود میں رکھا اور دھیرے سے بولی "آج تمہارا ہیڈ کوارٹرز میں بلاوا ہے۔"

"تم کچھ سنجیدہ بلکہ فکرمند نظر آ رہی ہو، خیریت تو ہے نا؟" میں نے پوچھا۔

"بیلا سنگھ کی ناکامی نے ہر ایک کو مشتعل کیا ہوا ہے۔ ایسے میں تمہارا ہیڈ کوارٹرز میں بلایا جانا کیا معنی رکھتا ہے۔"

"کیا وہاں کوئی خطرناک صورتِ حال پیش آ سکتی ہے؟" میں نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

"کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اس بار میں خود اندھیرے میں ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے حکم ملا اور میں یہاں آ گئی۔"

"وہاں ہمیں کس سے ملنا ہے؟" میں نے اپنے ذہن میں ابھرتی ہوئی گہری تشویش پر قابو رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"دفتر میں آگ لگنے کے بعد آج کل نریش بابو کا زیادہ وقت وہیں گزرتا ہے۔ پہلے تم اس کے پاس جاؤ گے' بعد کا مجھے پتا نہیں۔"

"تمہارا انکل بھی وہیں بیٹھتا ہوگا؟" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"دہلی میں ان کے کئی دفتر ہیں۔ کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ کب کہاں بیٹھیں گے۔ ہمارے ہیڈ آفس میں بھی ان کا دفتر ہے۔"

"اگر سفر لمبا نہ ہو تو ہم کچھ وقت یہیں گزار لیں" میں نے تجویز پیش کی "ہمیں نریش سے کس وقت ملنا ہے؟"

"سفر لمبا ہے۔ کناٹ سرکل سے ہم کستوربا گاندھی روڈ پر نکلیں گے پھر ذاکر حسین روڈ سے ہوتے ہوئے لودھی روڈ پر مڑیں گے۔ وہیں ہمارا ہیڈ آفس ہے۔ راستے میں ہمیں انڈیا گیٹ سے بھی گزرنا ہوگا۔ یہ سب راستے بھیڑ بھاڑ والے ہیں۔ دیر سویر ہوسکتی ہے پھر بھی تم چند منٹ لے لو۔"

"آج تم کچھ سوگوار ہو۔ مجھے ترحم آمیز نظروں سے دیکھ رہی ہو جیسے میرا انجام برا ہونے والا ہو" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جو کچھ بھی ہے' مجھے کھل کر بتادو۔ میں حوصلہ نہیں ہاروں گا۔ خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار کرسکوں گا۔"

"آثار اچھے نہیں ہیں" اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا "مگر میں پھر کہہ رہی ہوں کہ ابھی تک میں خود تمہارے بلاوے کے سبب سے بے خبر ہوں۔ میری بھگوان سے دعا ہے کہ تم پر کوئی برا وقت نہ آئے کیونکہ تم سے ہمدردی کرکے میں گمبھیر خطرہ مول لے بیٹھی ہوں۔ تم کو چار چوٹ کی مار پڑی تو تم کھایا پیا تک اگل دوگے۔ اس میں میرا نام بھی آئے گا" اس نے خوف زدہ انداز میں چند ثانیوں کے لیے اپنی آنکھیں موند لیں اور خاموش ہوگئی۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں مگر میرے وجود میں خوف کے بجائے مزاحمت کی ایک تند لہر دوڑ گئی۔ رینا نے آنکھیں کھولیں اور اپنی بات جاری رکھی "تمہارا جو ہونا ہے سو ہوکر رہے گا مگر میں بنا موت ماری جاؤں گی۔ ہم لوگوں میں غداری کی سزا بہت کٹھن ہوتی ہے۔ میری اور تمہاری فلم مل گئی۔ بیلا اپنے جوبن اور سولہ سنگھار کے ساتھ بھی تم کو نہ جھکاسکی۔ اب نریش بابو جھلایا ہوا ہے کہ تم کو کیسے قابو کرے۔ وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ اب تم سے اپنی ہار کا بدلہ لے گا۔"

وہ جو کچھ چاہتا تھا' چابک کے زور پر حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے لیے میری رضامندی ضروری تھی۔ رینا کی باتیں سنتے ہوئے میں نے فیصلہ کرلیا کہ دروغ مصلحت آمیز کی طرح ضرورت پڑنے پر چاہے کچھ بھی کرلوں لیکن نریش کے گھناؤنے مقاصد پورے نہیں ہونے دوں گا۔ وہ بلیک میلنگ کے ایک رکیک اور گھٹیا حربے کو بلاوجہ انا کی جنگ میں تبدیل کرنے پر تلا ہوا تھا۔ تو ناکامی ہی اس کا مقدر ہونے والی تھی۔ اس لڑائی میں مجھے خاک ہونا منظور تھا' سپر ڈالنا گوارا نہیں تھا۔

چند منٹ بعد رینا نے بے چینی سے غزالہ کے بارے میں پوچھا اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اسی لمحے ایک اندیشے سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

رینا کو یقینی طور پر کچھ علم نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ بتایا وہ اس کا قیاس تھا۔ اگر اس قیاس میں ذرا بھی حقیقت تھی تو غزالہ کی وجہ سے میری پوزیشن بہت نازک تھی۔ وہ درندے مجھے زیر کرنے کے لیے غزالہ کو ڈھال کے طور پر استعمال کرسکتے تھے۔ میں اس بارے میں آگے کچھ نہ سوچ سکا۔

بے اختیار میرا دل چاہا کہ غزالہ کو اسی وقت فرار کی راہ پر لگادوں اور خود رینا کے ساتھ چل دوں مگر میں نے اپنی اس خواہش کا گلا گھونٹ دیا۔ میں نے بھارت کی سرزمین پر اپنی جاں سوزی سے جو بساط سجائی تھی' اسے ایک جذباتی فیصلے سے تباہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ حقیقت صرف نریش یا اٹل بسواس کے علم میں تھی۔ رینا کے اندازے زیادہ قابل اعتبار نہیں تھے۔ اس کے اندازے پر مشتعل ہوکر ہوش کے بجائے جوش میں آجانا میرے لیے تباہ کن ہوسکتا تھا۔

میری ایک دستک پر غزالہ اپنے کمرے سے نکل آئی۔ دونوں عورتوں نے سرد مہری سے ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی اور ہم لفٹ کی طرف چل دیے۔

گراؤنڈ فلور پر اتر کر ہوٹل کی عمارت سے باہر نکلنے کے بعد مجھے راہ والوں کے بگڑے ہوئے موڈ کا اگلا ثبوت مل گیا۔

پچھلی بار اٹل بسواس نے مجھے اپنے دفتر بلوانے کے لیے رینا کو ایک شاندار کار دے کر ہوٹل بھیجا تھا لیکن اس دفعہ رینا کے پاس کوئی سواری نہیں تھی۔ وہ ہوٹل آکر خالی ہونے والی کسی ٹیکسی کے انتظار میں برآمدے کے کنارے پر رک گئی۔ رینا کو خود بھی ان تبدیلیوں کا احساس تھا۔ وہ نہ صرف خاموش تھی بلکہ مجھ سے نظریں چار کرنے سے بھی دانستہ گریز کررہی تھی۔

ایک ٹیکسی اپنے اکلوتے سفید فام مسافر کو اتار کر جوں ہی خالی ہوئی، رینا ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ہم دونوں نے عقبی نشست سنبھال لی۔ رینا نے ڈرائیور کو لودھی روڈ چلنے کی ہدایت کی۔ ڈرائیور نے میٹر گرا کر ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

"میں تم دونوں کو ایک بات بتا دوں کہ آج کی ملاقات بہت اہم ہے" ٹیکسی کناٹ سرکل گھوم کر سیدھی سڑک پر آئی تو رینا نے پیچھے مڑ کر ناصحانہ لہجے میں کہا "کوئی کڑوی کسیلی بات ہو جائے تو خاموشی سے پی جانا اور... اپنا دماغ ٹھنڈا رکھنا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ آج ہم برف کے بن جائیں گے" مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "مگر یہ تو بتا دو کہ ہمیں کہاں لے جا رہی ہو۔"

"را کے ہیڈ کوارٹرز میں نریش سے ملنا ہے" میں نے غزالہ کے کان میں سرگوشی کی "آج رینا کو اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہے۔"

ڈرائیور کی موجودگی کی وجہ سے ہم تینوں محتاط تھے۔ چند فقروں کے تبادلے کے بعد ٹیکسی میں خاموشی چھا گئی۔ میں کھڑکی سے باہر اس بارونق سڑک کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔ جس پر کہیں کہیں انگریزی اور ہندی زبانوں میں کستوربا گاندھی مارگ لکھا ہوا تھا۔

سڑک سیدھی اور پرہجوم تھی مگر ٹریفک کے بہاؤ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ کافی دور چل کر ٹیکسی نے ایک چوراہا عبور کیا۔ اس سے آگے انڈیا گیٹ کے آثار نمایاں تھے جو بتدریج واضح ہوتے چلے گئے۔ آخر ٹیکسی انڈیا گیٹ کے قلب میں رینگنے لگی۔ اس بھیڑ بھاڑ سے نکلتے ہی ڈاکٹر ذاکر حسین روڈ کا آغاز ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ہم دہلی گالف کورس کے قریب سے گزر رہے تھے۔ یہ رینا کی مہربانی تھی کہ وہ ہمیں راستے میں آنے والی اہم عمارتوں اور یادگاروں وغیرہ کے بارے میں بتاتی چلی آ رہی تھی۔

گالف کورس ختم ہوتے ہی ٹیکسی چوراہا گھوم کر داہنی طرف مڑ گئی۔ وہ لودھی روڈ تھا۔

"بس اس اونچی بلڈنگ کے آس پاس گاڑی روک لینا" رینا نے آگے نظر آنے والی کنکریٹ اور شیشے کی ایک کثیر المنزلہ عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈرائیور کو ہدایت کی۔

ڈرائیور کم گو تھا۔ سر ہلا کر رہ گیا اور پھر اس نے اس پرشکوہ عمارت کے سامنے ٹیکسی روک دی جس پر ریسرچ اینڈ اینالیسز ونگ کے ابھرے ہوئے جلی حروف آویزاں تھے۔ وہ بھارت میں چلنے والے ایک متوازی نظام حکومت کا اعصابی مرکز تھا۔

رینا نے میٹر کے مطابق کرایہ ادا کر کے ڈرائیور کو فارغ کر دیا۔

"یہ تیرہ منزلہ عمارت اور اس کے تہ خانے، سب را کے استعمال میں ہیں" رینا نے پختہ فٹ پاتھ پر پیش قدمی کرتے ہوئے ہماری معلومات میں اضافہ کیا۔

"انل اور نریش کس منزل پر ہوتے ہیں؟" میں نے روا روی میں پوچھ لیا۔

"ساتویں منزل پر!" رینا نے گردن گھما کر مجھے گھورتے ہوئے کہا "میں نے کہا تھا کہ اپنا دماغ ٹھنڈا رکھنا۔ یہاں انکل کا نام ادب سے لو۔ ہمارے کسی آدمی نے ایسا ادھورا نام سن لیا تو وہ تمہارے پیچھے لگ جائے گا۔"

انل بسواس کا نام ادب سے لینے سے بہتر تھا کہ زبان بند کر لی جائے۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔

عمارت کے برآمدے میں دو باوردی اور توانا گن مین موجود تھے۔ شیشے کی دیوار پر سرخ حروف میں نمایاں ہدایت درج تھی کہ عمارت میں داخلے سے پہلے شناخت ناگزیر تھی۔ را کے ہیڈ کوارٹرز کا طول و عرض اور بلندی دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہاں سیکڑوں افراد کام کرتے ہوں گے مگر سخت ترین حفاظتی انتظام کی وجہ سے وہاں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔

رینا نے ازخود ایک گن مین کو اپنا شناختی کارڈ دکھایا اور اسے ہم دونوں کے ساتھ اندر داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔

تاریک شیشوں کی دیوار کے پیچھے مزید دو گن مین موجود تھے۔ ہمارے اندر پہنچتے ہی انہوں نے ہمارے کپڑوں وغیرہ پر دستی آلہ پھیر کر ہماری جامہ تلاشی لی اور یہ اطمینان کر لیا کہ ہمارے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہیں تھا۔ اس کلیرنس کے بعد ہمیں ایک کاؤنٹر کی طرف جانا پڑا جہاں پختہ عمر کی ایک بنی سنوری خاتون کاؤنٹر پر کمپیوٹر اور دوسرے آلات سجائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے رینا کا کارڈ لے کر ایک مشین میں ڈالا۔ کارڈ برآمد ہونے کے بعد اس نے کمپیوٹر پر اس کے کوائف کا اندراج شروع کر دیا۔

وہاں رینا کو صرف دو باتیں بتانا پڑیں۔ اول یہ کہ وہ ساتویں منزل پر نریش شرما کے پاس جا رہی تھی۔ دوئم یہ کہ ہم دونوں اس کے ساتھ تھے۔

را کی عمارت پر باہر سے انگریزی میں لکھی ہوئی تحریریں
مایاں نظر آرہی تھیں۔ لیکن عمارت میں گھستے ہی میں نے
یکھا کہ دفاتر وغیرہ کی نشان دہی کرنے والی ساری تختیاں
صرف ہندی میں لکھی ہوئی تھیں۔ دفاتر کے اس جنگل میں
ندی سے لاعلمی کے سبب کوئی اجنبی آسانی سے کسی کو تلاش
ہیں کرسکتا تھا۔

تیرتھ رام شاہ اسپتال کے قریب واقع را کا پاکستانی ونگ
حفاظتی معاملات میں جس قدر یتیم تھا' اس کا صدر دفتر اس
سے کہیں زیادہ قابلِ رشک حفاظتی حصار میں گھرا ہوا تھا۔
س عمارت کے بارے میں کسی مبالغے کے بغیر یہ کہا جاسکتا
ھا کہ مسلح نگہبانوں کی اجازت کے بغیر وہاں پرندہ بھی پر نہیں
ر سکتا تھا۔ اس عمارت کے اس حصے میں کوئی خفیہ کارروائی
کرنے کا تصور محال تھا۔

اوپر جانے والے کشادہ زینوں کے ساتھ ہی دو لفٹیں
لگی ہوئی تھیں۔ رینا ہمیں لے کر ایک خود کار لفٹ میں
اتویں منزل کی طرف روانہ ہوگئی۔ تلاشی اور پھر شناخت
کے آخری مرحلے کے بعد کاؤنٹر والی خاتون نے مجھے اور غزالہ
و کلپ والے دو کارڈ دیے تھے جو ہم نے اپنے سینوں پر
ویزاں کرلیے تھے۔ وہ کارڈ بھی ہندی میں تھے۔ دہلی میں
ندی کے ساتھ نظر آنے والی دوسری بڑی زبان صرف
نگریزی تھی۔ اردو کو اس سرزمین سے شاید دیس نکالا مل چکا
ھا۔

وہ عمارت رینا کے لیے بھی زیادہ مانوس نہیں تھی۔
اتویں منزل پر لفٹ سے نکلتے ہی ہمیں اس کمرے میں ایک
اق وچوبند گن مین کھڑا ہوا نظر آیا۔ اس کمرے سے مختلف
متوں میں تین لمبی راہ داریاں نظر آرہی تھیں۔ رینا نے
ک کر ہندی میں لکھے ہوئے بورڈ کا جائزہ لیا اور پھر وسطی راہ
ری میں داخل ہونے لگی تو گن مین نے تینوں کو روک لیا۔
ں نے ایک مرتبہ پھر رینا اور غزالہ کے دستی بیگ کھول کر
اشی لی اور یوں ہم راہ داری میں داخل ہوگئے۔

یہ بہت غنیمت ہوا تھا کہ مشکل لمحات میں عابد نے خود
ی مجھ سے رابطہ کرلیا تھا اور میں نے اپنی تینوں اہم اشیا اس
ے حوالے کردی تھیں۔ کسی مجبوری کے تحت ہمیں وہ چیزیں
پنے ساتھ لانا پڑجاتیں تو کڑی تلاشی کے دوران میں وہ پکڑی
اتیں۔ غالب امکان یہ تھا کہ ہماری اور نریش کی ملاقات
نہائی میں پڑجاتی اور بیم گن کی وجہ سے ہمارے خلاف ایک
اور سرگرم محاذ کھل جاتا۔

رینا کمروں میں لگی ہوئی تختیاں دیکھتی ہوئی آگے بڑھتی
رہی پھر ایک کمرے میں داخل ہوگئی۔ ہم دور رک گئے۔ رینا
نے میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے ادھیڑ عمر شخص سے نیچی آوازیں
کچھ بات کی اور اس کی ہدایت کی روشنی میں ہمیں اپنے
ساتھ لے کر ایک الگ انتظار گاہ میں چلی گئی۔

وہ عمارت زیادہ پرانی نہیں تھی مگر کمروں کی صفائی وغیرہ
دیکھ کر یہ ماننا پڑتا تھا کہ اس کی دیکھ بھال کا نظام بہت موثر
تھا۔

ہم تینوں نریش سے ملاقات کے انتظار میں خاموش بیٹھ
گئے۔ میرے لیے پاکستانی ونگ کے بعد وہ را کا دوسرا دفتر تھا۔
دونوں عمارتوں کی ساخت اور انتظام میں زمین اور آسمان کا
ایسا نمایاں فرق تھا کہ میں مرعوب ہوگیا۔ مجھے یہ خوف تھا کہ
وہاں درودیوار کے بھی کان ہوں گے۔ ہماری ہر آواز عمارت
کے کسی نگہبان کے کمرے میں سنی جارہی ہوگی اور شاید
پوشیدہ کیمروں کے ذریعے ہماری حرکات وسکنات کا بھی
مشاہدہ کیا جارہا ہوگا۔

وقت گزرتا رہا۔ جب ہمیں وہاں بیٹھے ہوئے کافی دیر
ہوگئی تو میں سکوت توڑنے پر مجبور ہوگیا "ہمیں کب تک
انتظار کرنا ہوگا؟"

"میں نے اپنی آمد کی اطلاع دے دی ہے۔ تمہاری وجہ
سے میں بھی بندھ گئی ہوں۔ تمہیں بلایا جائے تو میں بھی کچھ
لوگوں سے دعا سلام کرلوں" وہ بولی۔

"تم اکثر یہاں آتی رہتی ہوگی؟" غزالہ نے کہا "یہ
عمارت واقعی بہت شاندار ہے۔"

رینا نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر دھیرے سے کہا
"بلا ضرورت کوئی یہاں نہیں آسکتا۔ نیچے والوں کے پاس
میری آمد کی پیشگی اطلاع نہ ہوتی تو میں اپنے شناختی کارڈ کے
باوجود اوپر نہیں آسکتی تھی۔ میں دوسری مرتبہ یہاں آئی
ہوں۔"

"جو کچھ تم بتارہی ہو وہ خفیہ معلومات کے زمرے میں
آتا ہے" میری متحیر آواز نیچی تھی۔

"میں اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں رہتی۔ یہ
باتیں ہر آنے جانے والے کے تجربے میں آتی رہتی ہیں۔"

کمرے میں ایک بار پھر سکوت پھیل گیا۔ میں محتاط تھا کہ
کہیں کوئی ممنوعہ سوال میری زبان پر نہ آجائے۔

تقریباً چالیس منٹ کے اعصاب شکن انتظار کے بعد
ایک نوجوان ماتحت نے انتظار گاہ میں آکر ہم دونوں کو
ملاقات کا مژدہ دیا۔

"کیا میری ضرورت پیش آئے گی؟" رینا نے ہمارے

ساتھ اپنی جگہ چھوڑ کر پوچھا۔
"تم سنی صاحب سے مل لو۔ ملاقات ختم ہوگی تو میں تمہیں بتادوں گا" نوجوان نے کہا اور دروازے سے نکل کر راہداری میں ایک طرف چل پڑا۔
میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں نرلیش سے ملاقات کے لیے اسی کمرے میں لے جایا جائے گا جہاں رینا نے ایک شخص سے ابتدائی گفتگو کی تھی لیکن نوجوان اس کمرے سے آگے بڑھا چلا جارہا تھا۔ رینا ہمارے پیچھے انتظارگاہ سے نکل کر دوسری طرف چل دی تھی۔
ایک بند دروازے کے سامنے وہ رک گیا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اس نے وہ پٹ اندر کھول دیا۔ اس کے سر کی جنبش پر میں کمرے میں داخل ہوگیا۔ غزالہ میری تقلید کررہی تھی۔
اندر گھستے ہی مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ میں ابتدا سے توقع کررہا تھا کہ میری ملاقات نرلیش سے ہوگی لیکن وہاں روشن میز کے پیچھے نیم تاریکی میں انل بسواس کرسی پر بیٹھا جھول رہا تھا۔ اس کے سامنے نرلیش بیٹھا ہوا تھا۔ انل بسواس را کی اندھیری اور پراسرار دنیا کا ایک کلیدی مہرہ تھا۔ شاید اسی لیے اسے زیادہ روشنی پسند نہیں تھی۔ اس کی میز پر تیز روشنی والا ایک بلب اس طرح روشن تھا کہ میز کی سطح پر رکھی ہوئی ہر چیز نمایاں تھی لیکن وہ روشنی پوری طرح انل بسواس تک نہیں پہنچ رہی تھی۔
"گڈ آفٹرنون!" میں نے لمحہ بھر کے لیے سلام اور نمستے پر غور کرنے کے بعد کہا۔
"آفٹرنون!" اس نے بزرگانہ لہجے میں جواب دیا "آؤ بیٹھ جاؤ۔"
ہم دونوں نے نرلیش کے مخالف سرے پر کرسیاں سنبھال لیں۔
"لڑکی! تم سلام دعا کے آداب سے شاید بالکل نابلد ہو" انل بسواس نے تیکھی اور پرشکوہ آواز میں غزالہ کو ٹوک دیا۔
"میں نے سلام کیا تھا۔ شاید آواز آپ تک نہ پہنچی ہو" غزالہ نے سہمی ہوئی آواز میں سفید جھوٹ بولا۔ وہ نرلیش کے بجائے ایک مرعوب کن اور اجنبی شخص کو صدر کرسی پر براجمان پاکر کچھ پریشان ہوگئی تھی کیونکہ اس نے پہلی بار انل بسواس کو دیکھا تھا۔
انل بسواس اس وقت بھی ہلکے رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا۔ عینک کے شفاف شیشوں کے پیچھے اس کی چمکتی ہوئی سیاہ آنکھوں کی پتلیاں مسلسل متحرک تھیں۔ سر کے اڑے ہوئے بال اور سفید کنپٹیاں اس کے ذاتی وقار میں

"تم ایک معقول اور سمجھ دار لڑکی ہو۔ آخر تم مجھ سے شادی کیوں نہیں کرلیتیں؟"
"اسی لیے کہ میں ایک معقول اور سمجھ دار لڑکی ہوں۔"

اضافہ کررہی تھیں۔ میں نے پہلی بار اندازہ لگالیا تھا کہ قدرت نے اسے فیاضی کے ساتھ ایسی ذاتی خوبیوں سے نوازا تھا کہ وہ زبان کھولنے سے پہلے ہی اپنے مخاطب کو مسحور کرلیتا تھا۔ غزالہ یکایک اس سے سامنا ہونے پر پریشان تھی۔
"تمہیں یہاں کوئی بے آرامی تو نہیں ہوئی؟" کمرے کی فضا میں انل بسواس کی باوقار آواز گونجی۔ وہ سوال کرتے ہوئے اس کی عقابی نگاہیں غزالہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔
وہ تعارف کرانے کا کوئی موقع تھا نہ اس کی نوبت آئی مگر نرلیش اور اجنبی کے طور طریقوں سے شاید غزالہ اندازہ لگاچکی تھی کہ وہ اچانک کس کے سامنے پہنچادی گئی تھی۔ اس نے دبی دبی آواز میں کہا "میں کئی بار ذہنی تکلیف سے گزری ہوں مگر شاید یہ سب ضروری تھا۔"
"ہاں، مجھے علم ہے" اپنے سوال کا غیر متوقع بلکہ مہذب اور منہ توڑ جواب پاکر بھی انل بسواس کا موڈ خراب نہیں ہوا تھا "اعتماد کے رشتے استوار کیے جاتے ہیں تو ابتدا میں ایسا ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے یہاں کچھ ایسے واقعات ہورہے ہیں کہ کچھ بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔۔۔۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہم سے مظہر کی کیا بات ہوئی ہے۔"
"نہیں!" غزالہ نے کسی توقف کے بغیر بے ساختہ کہا "میں نے یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ سمجھ میں آیا ہے کہ کسی رشتے کے بغیر مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے ساتھ سفر کرنا پڑجائے تو دونوں کو الگ الگ رہنا چاہیے۔ ساتھ رہنے سے وہ ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔"
غزالہ بہت جرأت مندی کے ساتھ انل بسواس کا سامنا کررہی تھی۔ اس نے اپنا وہی موقف برقرار رکھا تھا جو اس نے نرلیش کو بتایا تھا۔ میں نے دخل اندازی کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اپنی باری کے لیے میں انل بسواس کی توجہ کا منتظر تھا۔
"اب شکوک و شبہات کی دھند صاف ہوچکی ہے۔ مجھے احساس ہے کہ کچھ مجبوریوں کی وجہ سے تمہارا یہ تفریحی دورہ برباد ہوا ہے۔ کل رات کے بعد ہماری طرف سے تم دونوں کو آزادی ہوگی۔ جب چاہو دہلی چھوڑ سکتے ہو۔ یہ تمہاری مرضی ہوگی کہ تاج محل دیکھنے کے لیے آگرہ جاؤ یا واپسی کا سفر اختیار

کرلو۔"

"میں آپ کی ممنون ہوں" غزالہ نے سر جھکا کر کہا "اتنا کچھ ہوجانے کے بعد یہ بہت بڑی رعایت ہے۔"

"تم برابر کے کمرے میں بیٹھو" اس نے ایک اندرونی دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غزالہ کو ہدایت کی "میں تمہارے دوست سے کچھ ضروری باتیں کروں گا۔"

غزالہ نے ایک انوکھی حرکت کی۔ اٹھ کر سر جھکایا اور سے آداب کہہ کر اندرونی بند دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ نل بسواس کے ہونٹوں پر توصیفی مسکراہٹ پھیل گئی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے انل بسواس کو برہم نہیں کیا تھا۔ اس سے گفتگو ختم کر کے خوشگوار فضا میں رخصت ہو رہی تھی۔

بغلی دروازہ دوبارہ بند ہوجانے کے بعد انل بسواس میری طرف متوجہ ہوگیا "اس لڑکی سے تمہاری اتنی گہری دوستی ہے کہ یہ پاکستان سے تمہارے ساتھ یہاں چلی آئی مگر تم کو اس پر اتنا بھروسا نہیں ہے کہ اسے اپنے اور ہمارے تعلق کے بارے میں بتا سکو' کیا یہ عجیب بات نہیں ہے۔"

"مرد کمزور ہو تو عورت حاوی رہتی ہے" میں نے فلسفہ بگھارا "یہ سعادت مند دوست ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ بے چون وچرا مان لیتی ہے۔ میں اسے خوش رکھتا ہوں۔ اس کی ہر ضرورت پوری کرتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ کسی بحث میں نہیں پڑتی۔"

"وہ خوبصورت لڑکی ہے" نریش نے پہلی مرتبہ زبان کھولی "تمہاری ہم خیال بن جائے تو ہم اس کے بارے میں بھی غور کرسکتے ہیں۔"

"اپنی یہ تجویز اپنے کسی اور ملاقاتی کے لیے محفوظ رکھو۔" میں نے شائستگی سے کہا "میں اسے ایسے کسی کام میں ملوث کرنا پسند نہیں کروں گا۔"

"یہ بات غیر ضروری ہے" میرا ردِّعمل دیکھ کر انل بسواس نے شاطرانہ انداز میں نریش سے کہا "تمہیں مظہر کی سوچ کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔ میں نے خاصی محنت کے بعد سے قائل کیا تھا کہ دو ناراض قوموں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا کام کسی سے غداری نہیں' انسانیت کی بڑی خدمت ہے۔"

وہ ایک مذموم اور گھناؤنے کام کو نفیس الفاظ کے لبادے میں پیش کر رہا تھا۔ میں نے اسے یہ یاد دلانے سے گریز کیا کہ اس عظیم انسانی خدمت پر آمادہ کرنے کے لیے اس نے مجھے اس ویڈیو فلم کی تشہیر کی دھمکی دی تھی جو رینا کے ساتھ میرے کمزور ترین لمحوں کی گواہ تھی۔

وہ دونوں را کے بڑے افسر تھے اور دونوں اوّل درجے کے خبیث تھے۔ وہ بھارتی قوم کی بہنوں اور بیٹیوں کو رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ کے روپ میں آبرو کی نیلام گاہ پر چڑھائے بیٹھے تھے اور غزالہ کو بھی اسی عینک سے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ یہ بھول رہے تھے کہ ایک دن ان کی جواں سال لڑکیوں کے ساتھ کوئی طالع آزما افسر وہی کھیل' کھیل سکتا تھا۔

شاید میں نریش کو کوئی سخت جواب بھی دے بیٹھتا لیکن انل بسواس نے غزالہ کو اگلی رات کے بعد آزادی کی خوش خبری سنا کر میرا منہ بند کردیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری پیدا کی ہوئی کسی تلخی کے نتیجے میں معاملات پھر الجھ جائیں اور ہماری واپسی کا مرحلہ التوا کا شکار ہوجائے۔

"تمہیں پہلے مہینے کی پیشگی تنخواہ دے دی گئی ہے" انل بسواس اس بار مجھ سے مخاطب تھا "تم کو تمہارا کام سمجھا دیا گیا ہے۔ رابطے کے نمبر تمہارے پاس ہیں اور تم ہماری فیلڈ فورس کا ایک بازو بن چکے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم پاکستان واپس لوٹنے کے بعد ہمارے اس اعتماد کو مجروح نہیں کرو گے۔"

"مجھے معلوم ہے" میں نے سر جھکا کر معصومانہ لہجے میں اس کی دکھتی رگ چھیڑی "میری اور رینا کی ویڈیو خوف کی ایک تلوار بن کر مجھے ہمیشہ تمہارا تابع رکھے گی۔"

"یہ اچھی بات ہے کہ تمہارا حافظہ کمزور نہیں ہے۔ تم اہم باتوں کو یاد رکھتے ہو" انل بسواس نے سپاٹ لہجے میں کہا جیسے اس نے ویڈیو فلم کی راکھ کو یکجا کر کے مجھے بلیک میل کرنے کا مواد دوبارہ تیار کرلیا ہو۔

"سر! اگر اجازت ہو تو میں مظہر خان سے اپنے دل کی ایک بات کہہ ڈالوں؟" نریش نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ضرور کہو۔ تمہیں میں نے اسی مقصد کے لیے اس وقت اپنے ساتھ بٹھایا ہوا ہے" انل بسواس نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"تم اتنے مضبوط مرد نہیں ہو جتنا بنتے ہو!" نریش نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں کہا "مجھے تمہاری مردانگی پر بھی شک ہے۔ جو شخص بیلا جیسے حسنِ بے پروا کو مناسب انداز میں خراج تحسین پیش نہ کرسکے اسے مرد نہیں کہا جاسکتا۔"

"میری اور رینا کی فلم دیکھ لو۔ تمہارا یہ شک دور ہوجائے گا" اس بار میں اپنے کاٹ دار جواب کو زبان پر نہ روک سکا۔

"یہ کس بیلا کا ذکر ہے؟" انل بسواس نے موقع کی نزاکت بھانپ کر انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"میری ایک دوست ہے۔ جوان، بے حد حسین اور پرکشش بدن۔ وہ اس کے ساتھ تنہائی میں پی کر بہک گئی تھی۔ ...ٹھر کسی بزدل کی طرح اسے چھوڑ کر بھاگ آیا۔"

"تم مجھے مشتعل کرنے کی کوشش نہ کرو" میں نے پرسکون رہتے ہوئے جواب دیا "ساری غلطی تمہاری تھی۔ میں نے اسے تمہارے دوست کی بیٹی سمجھ کر معاف کیا تھا۔"

"مجھ پر الزام نہ لگاؤ" انل بسواس کے سامنے ذمے داری سے بچنے کے لیے نریش نے تیزی سے کہا "میں نے اشاروں کنایوں میں تمہیں سب بتا دیا تھا۔ میں تمہیں بیلا کے ساتھ وقت گزارنے کی ترکیبیں کاغذ پر لکھ کر نہیں دے سکتا تھا۔"

"جو وقت گزر گیا اس پر بحث کر کے اپنا وقت برباد مت کرو" انل بسواس نے ہاتھ اٹھا کر وہ بات وہیں ختم کر دی۔

میں نے اندازہ لگایا کہ بیلا سنگھ کی ناکامی پر شاید انل بسواس نے نریش سے بازپرس کی تھی۔ اس نے اپنے افسر کے سامنے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے میری موجودگی سے فائدہ اٹھانا چاہا تھا لیکن میں نے کھل کر ذمے داری اسی پر ڈال دی تھی۔

"اب واپسی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" انل بسواس نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"ابھی یہ مژدہ ملا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری دوست آگرہ چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے۔ اگلے دو تین دنوں میں' میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"پاکستان میں تمہاری ضرورت ہے۔ تم کو شاید ڈینی کی ...ت کا صحیح اندازہ ہو گیا ہو گا۔"

"نریش نے اپنے پرانے دفتر میں مجھے ریکارڈ دکھا کر واقف کر دیا تھا۔ میں سب سے پہلے اسی کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ یاد رکھنا کہ وہ زندہ یا مردہ ... کسی بھی حالت میں مطلوب ہے" انل بسواس کے چہرے پر سختی ابھر آئی "تم نے اسے تلاش کر لیا تو یہ تمہاری یادگار کامیابی ہو گی۔ تم تصور نہیں کر سکتے کہ بھارت سے امریکا تک میں تمہارے مرتبے اور وقار میں کتنا اضافہ ہو جائے گا۔ بھاری مالی فائدہ اس کے علاوہ ہو گا۔"

"میں اس کی تلاش میں اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دوں گا" میں نے منافقانہ خلوص سے جواب دیا۔

اس روز سب کچھ میری توقع کے خلاف ہو رہا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے را کے ہیڈ کوارٹرز کی کوئی جھلک دیکھنے کا موقع مل سکے گا لیکن اس وقت میں ایک مہمان کے طور پر وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ نریش کے بجائے انل بسواس سے ملاقات ہو گئی تھی۔ اس ملاقات کے بارے میں میرے بہت سے تحفظات تھے اور میں ان کی پیش بندیاں کرتے کرتے ذہنی دباؤ میں آ چکا تھا لیکن انل بسواس نے دوران گفتگو کوئی نازک موضوع نہیں چھیڑا تھا۔

ویرا کے فون کے بارے میں کچھ پوچھا گیا نہ ہم کو کسی جبر کا نشانہ بنایا گیا۔ سارے اندیشے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس ملاقات کا کیا مقصد تھا۔ اس وقت تک ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انل بسواس نے ہمیں اگلی رات کے بعد آزادی کی خوش خبری سنانے اور را کے ساتھ میری وفاداری کی یقین دہانی حاصل کرنے کے لیے ہمیں بلایا ہو۔

مجھے بس ایک دھڑکا لگا ہوا تھا کہ انل بسواس کے بغلی دروازے سے گزرنے کے بعد غزالہ کو کسی ناگہانی افتاد کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو۔ ہمارے مذاکرات کا نیم دوستانہ ماحول میرے ایسے اندیشے کی نفی کر رہا تھا لیکن غزالہ کے اٹھ جانے کے بعد میں اس ملاقات کے جلد از جلد خاتمے کا خواہاں تھا۔

اس وقت میرے اور غزالہ کے ہاتھوں میں موجود دو دو زہریلی انگوٹھیاں ہمارے کل ہتھیاروں کا درجہ رکھتی تھیں۔ سرخ کیپسول والی انگوٹھی جان لیوا زہر خارج کرتی تھی اور سبز و نیلے رنگ کے کیپسول میں پوشیدہ نوک کے ذریعے کسی دشمن کو فوری طور پر بے ہوش کیا جا سکتا تھا۔ میں اس بند کمرے میں اپنے دو دشمنوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میں انہیں چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا لیکن اس عمارت کے مضبوط حفاظتی انتظامات کو دیکھتے ہوئے' یہ بات یقینی تھی کہ میرا وہاں سے بچ نکلنا محال تھا۔

نریش میرے لیے ایک بالکل نیا نام اور کردار تھا جس سے میں دہلی پہنچنے کے بعد متعارف ہوا تھا لیکن انل بسواس کے بارے میں' میں جلال کے نظریات سے اچھی طرح واقف تھا۔ انل بسواس را کا ایک اعلیٰ دماغ اور بہترین منصوبہ ساز تھا جو پاکستان کو مسلسل نقصان پہنچا رہا تھا۔ اسے موت کے گھاٹ اتار کر را اور اس کی سازشی کارروائیوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا جا سکتا تھا۔ جلال کی یہی شدید خواہش میرے بھارت کے سفر کی بنیاد بنی تھی اور میں صدق دل سے اس کی تکمیل کا خواہاں تھا۔

انل بسواس سے مجھے کوئی ذاتی پرخاش نہیں تھی۔ میرے ساتھ اس کا رویّہ بھی مجموعی طور پر بہتر رہا تھا۔ نریش نے میرے ساتھ براہِ راست زیادتیاں کی تھیں اور یہ بات طے تھی کہ اسے ان معاملات میں انل بسواس کی مکمل خوشنودی حاصل تھی پھر بھی میرے ذہن میں انل بسواس کے خلاف گہرا عناد رچا ہوا تھا۔ اگر مجھے اپنے شکار کے لیے ان دونوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا موقع دیا جاتا تو میں کسی تردد کے بغیر انل بسواس کی گردن دبوچنے کو ترجیح دیتا۔

اس نے میرے اصل روپ کے بارے میں اپنی جس نفرت کا اظہار کیا تھا اس کی بنا پر اسے ٹھکانے لگانے کی میری خواہش شدید تر ہوگئی تھی۔

"میں پاکستان میں تمہاری کامیابی کا منتظر رہوں گا" انل نے اپنے دل کی گہرائیوں سے کہا اور گھنٹی بجادی۔

دروازے سے اس کا نوجوان ماتحت اندر آگیا۔ وہ مہذب اور تعلیم یافتہ نظر آتا تھا لیکن ظاہری طور پر انل بسواس کے اردلی کے کام کررہا تھا۔

"ان دونوں کو میٹنگ روم میں پہنچادو" انل بسواس نے اس کو ہدایت دی پھر مجھ سے مخاطب ہوگیا "وہاں رینا کی آمد کا انتظار کرنا۔ اسے ساتھ لیے بغیر یہاں سے جانا مشکل ہوگا۔"

میں اٹھ گیا۔ انل بسواس اور پھر نریش نے مجھ سے پرتپاک انداز میں مصافحے کیے اور میں اردلی سے پہلے بغلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھولنے پر یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ اس چھوٹے کمرے میں غزالہ ایک صوفے پر اطمینان سے بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔

اس کمرے سے نکاس کے لیے انل بسواس کا کمرا دوبارہ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ دوسری طرف ایک اور دروازہ نظر آرہا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر ہم راہ داری میں نکلے تو میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ راہ داری میں کھلنے والا دروازہ باہر سے بالکل سپاٹ تھا۔ اس پر کوئی لیور یا دستہ نہیں تھا۔ شاید اسے صرف اندر سے کھولا جاسکتا تھا۔ راہ داری کی سمت سے وہ دروازہ کھولنا ممکن نہیں تھا۔

انتظار گاہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ ہمیں بٹھا کر وہ نوجوان لوٹ گیا۔ رینا کا کہیں پتا نہیں تھا۔

اس عمارت میں ہم کھل کر بات نہیں کرسکتے تھے اس لیے خاموشی سے رینا کا انتظار کرتے رہے۔ کنکریٹ کی راہ داری میں قدموں کی آوازیں ابھرتی اور معدوم ہوتی رہیں۔ لوگ آتے جاتے رہے لیکن رینا نہ آئی۔

"یہ کہاں رہ گئی" ڈھائی بجے غزالہ پُر تشویش انداز میں بڑبڑائی "ایسا تو نہیں کہ ہمیں بھول کر کسی کے ساتھ نکل گئی ہو۔"

"وہ ایسی غیر ذمے دار نہیں ہوسکتی۔ اسے معلوم ہے کہ ہمیں اس کے ساتھ لوٹنا ہے" میں نے غزالہ کو تسلی دی مگر میں خود پریشان تھا کہ وہ کہاں غائب تھی۔ انل بسواس سے بہ مشکل دس منٹ کی ملاقات کے لیے ہمیں ہوٹل سے نکلے ہوئے ڈھائی گھنٹے ہوچکے تھے۔ میں مضطربانہ انداز میں سگریٹ سلگا کر دروازے میں کھڑا ہوگیا۔

اس عمارت میں بلکہ اس فلور پر بھی دفاتر کا ایک جنگل پھیلا ہوا تھا مگر ڈسپلن کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف گہرے سکوت کا راج تھا۔ دفاتر کی آوازیں درودیوار تک محدود تھیں۔ اسی طرح غیر ضروری طور پر راہ داری میں گھومنے والے بھی نایاب تھے۔ اچانک کوئی اپنے ہاتھ میں کوئی کاغذ یا فائل تھامے کسی دروازے سے برآمد ہوتا اور پھر تیز تیز چلتا ہوا کسی دوسرے دروازے کے پیچھے غائب ہوجاتا۔

وہ تماشا دیکھتے دیکھتے میں جلد ہی تھک گیا۔ میں نے اس کمرے کا رخ کیا جہاں رینا سب سے پہلے گئی تھی۔ وہ دروازہ مقفل تھا۔ مجھے یاد آیا کہ را کے دفاتر صبح سات بجے کھلنے کے بعد شاید دو بجے بند ہوجاتے تھے۔ لوگ چلے گئے تھے اور ہم دونوں احمقوں کی طرح رینا کی واپسی کے منتظر تھے۔

میں جھلا کر مڑا ہی تھا کہ وہ دور سے آتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی رفتار تیز تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اس کی واپسی میں تاخیر پر کسی برہمی کا اظہار کرتا، وہ خود معذرت کرنے لگی کہ پرانے ساتھیوں سے باتوں میں اسے وقت کا احساس نہیں رہا۔ جس کے لیے وہ شرمندہ تھی۔

اس کی آواز سن کر غزالہ بھی کمرے سے نکل آئی اور ہم تینوں واپس چل دیے۔

"اس وقت تم کن ساتھیوں سے بات کررہی تھیں۔" میں نے منہ بنا کر پوچھا "میرا خیال ہے کہ دو بجے یہاں چھٹی ہوچکی ہے۔"

"یہاں کبھی چھٹی نہیں ہوتی۔ دن رات لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا "یہاں رات ہوتی ہے تو امریکا میں دن نکل رہا ہوتا ہے۔ دنیا سے رابطے میں رہنے کے لیے ہیڈ آفس دن رات کام کرتا ہے۔ علاقائی شعبوں میں ایک مقررہ وقت پر چھٹی ہوجاتی ہے۔"

"اگر تمہارے ساتھ کی مجبوری نہ ہوتی تو میں اب تک غزالہ کو ساتھ لے کر نکل گیا ہوتا۔"

"ناممکن تھا۔ جو جس کے ساتھ آتا ہے اسی کے ساتھ

واپس جاتا ہے۔ یہ یہاں کا حفاظتی پروٹوکول ہے۔" وہ بولی۔
"یہاں ایسے ملاقاتی بھی آتے ہوں گے جن کے ساتھ را کا کوئی آدمی نہیں ہوتا۔ ان کا کیا بنتا ہے؟" غزالہ نے اس کی تاویل پر اعتراض جڑ دیا۔

"ان کے لیے پہلے سے پیچھے ہدایات دی جاتی ہیں۔ واپسی پر ان کا میزبان خود نیچے آکر انہیں کلیر کراتا ہے۔"

"کیا تمہیں یہ طریقہ تکلیف دہ اور غیر ضروری محسوس نہیں ہوتا؟" غزالہ نے پوچھا۔

"شاید تھوڑا سا تکلیف دہ ہے مگر انتہائی ضروری ہے۔ اس عمارت میں آنے اور یہاں سے جانے والے ہر فرد کے لیے را کا کوئی نہ کوئی افسر یا اہلکار ذمے دار ہوتا ہے۔ اتنی احتیاط نہ کی جائے تو دشمنوں کا کوئی بھی ایجنٹ ملاقاتی بن کر اندر گھسے اور من مانی تخریب کاری کر کے خاموشی سے نکل جائے۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا۔" وہ فخریہ لب و لہجے میں را کی حفاظتی پالیسی کا دفاع کر رہی تھی۔ وہ مثبت باتیں کرتے ہوئے اس نے ہر احتیاط بالائے طاق رکھ دی تھی۔

"یہ بندوبست را کے دوسرے دفاتر میں کیوں نہیں ہے۔" میں نے لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"پاکستان ونگ میں کچھ نہیں تھا۔ وہاں جو کچھ ہوا تم کو معلوم ہو چکا ہوگا۔" اس نے محتاط الفاظ میں کہا "اب وہاں بھی کڑی نگرانی ہو رہی ہے۔"

ہم را کے دفتر آئے تو رینا خاموش اور شرمسار تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس وقت خاصی بے چین نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی چمک تھی جیسے وہ کچھ بتانا چاہ رہی ہو لیکن نہ بتا پا رہی ہو۔ میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ عمارت سے باہر نکل کر ہم آزادی سے بات کر سکتے تھے۔

آتے ہوئے اس عمارت میں غیر معمولی رونق تھی نہ جاتے ہوئے کسی ویرانی کا احساس ہوا۔ سب کچھ جوں کا توں تھا۔ رینا نے گراؤنڈ فلور کے کمپیوٹر پر مہمانوں سمیت اپنی واپسی کا اندراج کرایا اور ہم خنک عمارت سے نکل کر کھلی فضا میں پہنچ گئے۔

"معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی نئی یا چونکانے والی بات تمہارے علم میں آئی ہے۔" فٹ پاتھ پر پہنچ کر میں نے نیچی آواز میں تبصرہ کیا۔

اس نے بے اختیار میری پسلیوں میں اپنی کہنی ماری "ابھی چپ رہو۔ تم چار بجے سے پہلے اپنے ہوٹل نہیں جاؤ گے۔ ہم انڈیا گیٹ پر اتر کر کہیں بیٹھیں گے تو یہ باتیں ہوں گی۔" اس کی بے چین آنکھیں کسی خالی ٹیکسی کے انتظار میں چکرا رہی تھیں۔

نریش کی ہدایت پر ہمیں بارہ بجے اپنے ہوٹل سے باہر ہانکا گیا تھا۔ رینا چار بجے کے بعد واپسی کی خبر سنا رہی تھی۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ را والے ہماری غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر ہمارے دونوں کمروں میں گھسے ہوئے تھے۔ انہیں ایک مرتبہ پھر کسی مشتبہ سراغ کی تلاش تھی۔

واپسی کے لیے رینا نے مختلف راستہ اختیار کیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس علاقے میں جا بجا غیر ملکی مشن اور بین الاقوامی اداروں کے دفاتر قائم تھے۔ میرے استفسار پر رینا نے بتایا کہ وہ دہلی کا لودھی اسٹیٹ کا علاقہ تھا جسے اپنی سیاسی اور سفارتی اہمیت کی بنا پر دہلی کا قلب کہا جا سکتا تھا۔

لودھی اسٹیٹ میں وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی عالی شان عمارتوں کے سائے سے گزرتی ہوئی ٹیکسی نے کچھ دیر بعد ہمیں انڈیا گیٹ کے علاقے میں اتار دیا۔

"ہاں۔ تم کیا بتا رہی تھیں؟" غزالہ نے ٹیکسی کے روانہ ہوتے ہی رینا سے سوال داغ دیا۔

رینا نے اسے گھور کر کہا "صبر سے کام لو۔ بات لمبی ہے۔ کہیں سبزے پر بیٹھ کر کی جائے گی۔"

وہ ایک وسیع علاقہ تھا جو سرسبز قطعات، عمارات اور یادگاروں سے بھرا ہوا تھا۔ رینا ہمیں امر جیوتی نامی جنگی یادگار کے سائے میں پھیلے ہوئے وسیع سبزہ زار میں لے گئی جہاں ہم کسی کی مداخلت کے خطرے کے بغیر کوئی گوشہ عافیت تلاش کر سکتے تھے۔

انل بسواس سے ملاقات کے چکر میں ہم تینوں کا دوپہر کا کھانا گول ہو چکا تھا۔ باقاعدہ لنچ کرنے کا موقع نہیں تھا۔ غزالہ نے راہ میں آنے والی دکانوں اور ٹھیلوں سے کچھ نمکین اور چٹپٹی چیزیں خرید لیں جو ہماری آتشِ شکم سرد کر سکتی تھیں۔

"تم میرے صبر کا امتحان کیوں لے رہی ہو؟ تم چاٹ کھانے کے ساتھ بات بھی کر سکتی ہو۔" ایک صاف ستھرے کونے میں بیٹھنے کے بعد بھی جب رینا نے زبان نہیں کھولی تو مجھے اس کی بے پروائی پر غصہ آنے لگا۔

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ آج کی ملاقات کے بارے میں تم نے کیا اندازہ لگایا ہے۔" کچھ بتانے سے پہلے اس نے پوچھا۔

"تمہارے انکل نے ہمیں یہ بتانے کے لیے بلوایا تھا کہ کل ہماری نظر بندی کی آخری رات ہوگی۔ اس کے بعد ہم آزاد ہوں گے۔"

”ہوسکتا ہے کہ تمہیں بلانے کا یہ سبب بھی ہو مگر اتنی سی بات فون پر بتائی جاسکتی تھی۔“
”منہ کھول کر بات کرو۔ پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟“
”کچھ وقت ہوٹل سے لودھی اسٹیٹ پہنچنے میں برباد ہوا پھر چالیس منٹ انتظار کرنا پڑا۔ مجھے ہدایت دی گئی تھی کہ ڈھائی بجے سے پہلے دوبارہ تم سے نہ ملوں۔ اب بتایا گیا ہے کہ تم دونوں کو چار بجے کے بعد ہوٹل پہنچنا چاہیے۔ ان باتوں سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔“
”ہمیں چار گھنٹے تک ہوٹل سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔“ غزالہ نے سنجیدگی سے کہا ”شاید ہمارے کمروں کی تلاشی لی جارہی ہے۔“
”وہ بھرا پرا مکان نہیں، ہوٹل کا کمرا ہے اس کی تلاشی کے لیے پندرہ بیس منٹ کافی ہیں۔“
”اوہ! تو کیا ان کمروں کو بگ کیا جارہا ہے؟“ میں نے چونک کر سوال کیا۔
”تم واقعی شیطانی دماغ کے مالک ہو۔“ رینا تھکے ہوئے انداز میں ہنس دی ”میں نے ہیڈ کوارٹرز میں اپنا وقت برباد نہیں کیا۔ مجھے تجسس تھا کہ تم دونوں کو دیر تک کیوں روکا جارہا ہے۔ اب اس کمرے میں بہت محتاط رہنا۔ وہاں مائیکرو فونز کے ساتھ کیمرے بھی لگائے جارہے ہیں۔“
”کیمرے!“ غزالہ نے بے ساختہ حیرت سے دہرایا ”ہم وہاں بم تو نہیں بنا رہے۔ جو کیمروں کی ضرورت ہو۔“
”تھوڑی دیر کے لیے تم چپ رہو۔“ میں نے غزالہ کو خاموش کردیا ”یہ سنگین معاملہ ہے۔ وہ کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔“
”حیرت ہے کہ تم بات کی تہ تک نہیں پہنچے۔“ رینا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”بیلا سنگھ ناکام ہوچکی ہے مگر را کو تمہارے خلاف کچھ مضبوط مواد درکار ہے۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے افسوس ہورہا ہے کہ یہ تیاریاں تمہاری اور غزالہ کی ویڈیو فلم کے لیے ہیں۔ تم دونوں جہاں بے تکلف ہونے کی کوشش کروگے، خود کار کیمرے چل پڑیں گے۔“
”سور کے بچے!“ میں مٹھیاں بھینچ کر غرایا ”اب وہ اتنی پست سطح پر آگئے ہیں۔“
”یہ ان کی ضرورت ہے۔ شاید تم دونوں کو آزادی کی خبر اسی نیت سے دی گئی ہے۔ تم دونوں دہلی میں اپنی آخری دو راتوں کو یادگار انداز میں منانا چاہو گے اور وہ اپنا کام کر گزریں گے۔ اب وہ کمرا تمہارے لیے قید خانہ بن جائے گا۔“
رینا کی بتائی ہوئی تفصیل سمجھ میں آتے ہی غزالہ کا چہرہ فق ہوگیا ”کیا انہوں نے دونوں کمروں میں کیمرے لگائے ہیں؟“
”اس وقت یہ کام جاری ہے۔ مجھے یہ علم نہیں کہ انہوں نے ایک کمرا منتخب کیا ہے یا دونوں کمروں میں کام ہورہا ہے۔“
”وہ ہمارے سانسوں کی آوازیں ریکارڈ کرلیں گے، تصویریں بنائیں گے۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں ابھی ہوٹل پہنچتے ہی کمرے بدلوالوں گا بلکہ ہوٹل ہی تبدیل کرلوں گا۔ وہ کہاں تک میرا پیچھا کریں گے۔“ میں نے غصے سے بپھر کر کہا۔
”بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔“ رینا نے گھبرا کر میری آستین تھام لی ”ابھی تک انہیں مجھ پر شبہ نہیں ہوا کہ میں نے بیلا سنگھ کے بارے میں تمہیں پہلے سے خبردار کردیا تھا۔ تم نے آج کمرے تبدیل کیے تو ہر بات ان کی سمجھ میں آجائے گی۔ میں برباد ہوجاؤں گی۔ میرے ساتھ تم بھی ناقابلِ تصور مشکلات میں پڑجاؤ گے۔“
”تم چاہتی ہو کہ ہم جانتے بوجھتے ہوئے ان کے جال میں پھنس جائیں!“ غزالہ نے نرمی سے پوچھا۔
”میں تمہیں پھنسوانا نہیں چاہتی۔ تم دونوں میری بات کیوں نہیں سمجھتے۔ دو راتیں ان ہی کمروں میں گزار لو۔ ایک دوسرے سے دور رہو۔ فون پر بھی محتاط رہو۔ میں تم سے نہیں ملوں گی۔ تم کوئی غلط قدم اٹھائے بغیر ان کے نئے منصوبے کو ناکام بنا سکتے ہو۔“
اس وقت طبیعت کے اچانک ابال نے شاید میرے ذہن کو ماؤف کردیا تھا کہ ایک سامنے کی بات میرے دماغ میں نہ آسکی۔ رینا کی رائے صائب تھی۔ ہمیں کسی ردِعمل کا مظاہرہ کرنے یا کسی سے الجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ تقریباً چالیس گھنٹوں کی احتیاط کے بعد ہم انہیں اپنا منہ پیٹنے پر مجبور کرسکتے تھے۔ اگر ان میں ذرا سی بھی نیک نیتی تھی تو اگلی رات کے بعد ہمیں آزادانہ نقل و حرکت کی چھوٹ مل جانی چاہیے تھی۔
خرابی یہ تھی کہ ان کا تعلق را سے تھا۔ ان کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں تھا۔ رینا خود اس اندیشے کا اظہار کرچکی تھی کہ انہوں نے ہمیں دو راتوں کے لیے اچھے موڈ میں لانے کے لیے وہ مفروضہ خوش خبری سنائی تھی۔ میں نے رینا کی متبادل تجویز پر چند ثانیوں تک غور کیا اور اس کے لہ

میرا دل ممنونیت کے جذبات سے لبریز ہوگیا۔ وہ بری لڑکی بہت نیک جذبے سے ہمارا ساتھ دے رہی تھی جبکہ میں نے اس پر کوئی بڑا احسان نہیں کیا تھا۔ اس سے صرف اتنا وعدہ کیا تھا کہ میں را میں کسی کو یہ نہیں بتاؤں گا کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے گھناؤنے کردار کے بارے میں مجھے اس سے پتا چلا تھا... تاکہ اس کی ملازمت پر کوئی آنچ نہ آئے اور وہ اپنی بیمار ماں کے علاج کے لیے روزگار سے لگی رہے۔

وہ کوئی بڑی بات نہیں تھی لیکن اس نے رینا کے دل کے نہاں خانوں کو کچھ اس طرح چھیڑا تھا کہ اس کے بعد سے وہ مسلسل میرے کام آرہی تھی۔ میں یہ سوچ کر لرز اٹھا تھا کہ را والے میری بے خبری میں میری اور غزالہ کی خلوت کی فلم بندی کی تیاری کر چکے تھے۔ رینا کام نہ آتی تو میرے لیے را کے کھودے ہوئے اس گندے اور گہرے گڑھے سے بچنا محال تھا۔

رینا کی تجویز متبادل نہیں تھی۔ وہ میری نجات کا واحد راستہ تھا۔ اس کا کوئی متبادل ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ میں بھارت میں رہتے ہوئے، را کے کسی خارش زدہ کتے سے بھی کھلی محاذ آرائی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

میں ایک نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔ میرا ذہن تیزی سے اس کے اثرات کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا۔

اگلے چالیس گھنٹوں کے لیے ہمیں سب کچھ بھول کر یہ یاد رکھنا تھا کہ میرا نام مظہر خان تھا اور وہ غزالہ تھی۔ ہماری زبانوں پر آئی بی، اول خان، ویرا اور ڈینی جیسے ممنوعہ نام نہیں آنے چاہیے تھے۔ سی ایس ڈی، بیم گن اور راپریٹس سے میں نے روانگی سے پہلے نجات حاصل کرلی تھی۔ فون کے استعمال میں سخت احتیاط ضروری تھی۔ یہ وہ باتیں تھیں جن سے ہمارے معمولات پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔

اہم ترین نقصان یہ تھا کہ آئی بی کے تینوں آدمیوں سے میرا ہر قسم کا رابطہ منقطع ہوجاتا۔ وہ لوگ نئے حالات سے بے خبر تھے۔ ان کو یہ بتانا ضروری ہوگیا تھا کہ وہ فون کے ذریعے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہ کریں کیونکہ کمرے میں ابھرنے والی ہر بات سنی یا ریکارڈ کی جارہی ہوگی۔

اس چکر میں مجھے انل بسواس کو ٹھکانے لگانے کا کام ادھورا رہتا نظر آرہا تھا۔ میں اس کو ٹھکانے لگانے کے لیے اپنی جان پر کھیل کر ہر کام کرسکتا تھا لیکن دہلی کے پُرپیچ اور اجنبی راستوں کو جاننا میرے لیے ناممکن تھا۔ شہر میں اپنے کام کو آگے بڑھانے کے لیے مجھے کسی رہنما کی ضرورت تھی۔ ایسا آدمی آئی بی کا کوئی رکن ہی ہوسکتا تھا۔

اندازہ

ایک نہایت وہمی مریض دوڑتا اور ہانپتا کانپتا ڈاکٹر کے کلینک میں داخل ہوا اور بولا "ڈاکٹر صاحب! مجھے جگر کی ایک مہلک بیماری لاحق ہوگئی ہے...." اس نے بیماری کا نام بتایا۔

ڈاکٹر صاحب منہ بنا کر بولے "کیا بے وقوفی کی بات ہے ...! تمہیں بھلا ٹیسٹ وغیرہ کے بغیر کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ تمہیں یہ بیماری ہے .... کیونکہ اس میں نہ تو درد ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی علامت ظاہر ہوتی ہے۔"

"انہی باتوں سے تو میں نے اندازہ لگایا ہے" مریض بولا۔

"اب یہی کیا جائے گا۔" میں نے نرمی سے رینا کو جواب دیا "تم غزالہ کے ساتھ یہیں بیٹھو۔ میں ذرا سی دیر میں آتا ہوں۔"

"تم کہاں جارہے ہو۔" رینا نے پریشان ہوکر پوچھا پھر مدد کے لیے بے بسی سے غزالہ کی طرف دیکھا۔

"اب میں ہوٹل کے فون سے بے فکر ہوکر بات نہیں کرسکتا۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے سمجھایا "بس ایک دو فون کرکے آتا ہوں۔"

غزالہ بھانپ گئی کہ میں کسے فون کرنے جارہا تھا۔ اس نے رینا سے سفارش کی "انہیں جانے دو۔ یہ تمہاری بات مان چکے ہیں۔ کسی سے الجھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

میں ایک طرف ہولیا جہاں دور سے ایک فون بوتھ لگا ہوا نظر آرہا تھا۔

قریب پہنچنے پر پتا چلا کہ وہ کارڈ فون تھا۔ آس پاس ایسی کوئی دکان نہیں تھی جہاں سے فون استعمال کرنے کے لیے کارڈ خریدا جاتا۔ مجھے خاصی دور پیدل چلنا پڑا۔ کارڈ خریدنے کے بعد مجھے قریبی فٹ پاتھ پر بھی ایک بوتھ نظر آیا لیکن اس کے قریب لوگوں کی آمدورفت جاری تھی۔ میں سرلا کے فون پر کسی آئی بی ایجنٹ سے کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔ میں کارڈ جیب میں ڈال کر پہلے بوتھ کی طرف لوٹنے لگا۔

وہاں میدان صاف تھا۔ میں نے سلاٹ میں کارڈ لگا کر

سرلا کا نمبر ملالیا۔
پہلی گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔ بولنے والا سنیل تھا۔
"گوپال کہاں ہے۔ مجھے اس سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے نیچی آواز میں کہا "ہمارے ہوٹل کے کمرے خطرناک ہوگئے ہیں۔ ہمیں وہاں سے ہٹا کر بگ اور کیمرے لگائے جارہے ہیں۔ اب کوئی مجھ سے وہاں رابطہ نہیں کرے گا۔ میں اس وقت ایک پبلک بوتھ سے بول رہا ہوں۔"
"وہ صبح سے نکلا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے ہوٹل کے قرب وجوار میں موجود ہو۔ مجھے اس کو تلاش کرنا ہوگا۔"
"تلاش کرو اور اسے اسی نمبر پر رہنے کے لیے کہہ دو۔ میں رات سے پہلے دوبارہ فون کروں گا۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔"
"تم مجھے جو کچھ بتاؤ گے میں من وعن اس تک پہنچا دوں گا۔"
"سب سے پہلے مجھے بنگو کے رابطے درکار ہیں۔ وہ کہاں اور کیسے قابو میں آئے گا۔" میں نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد کہا۔
"یہ اسی سے معلوم ہوسکے گا۔" سنیل کی آواز سے شرمندگی کا اظہار ہو رہا تھا۔
"میں کسی وجہ سے دوبارہ فون نہ کرسکوں تو اسے یہ ضرور بتادینا کہ وہ کل رات گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان ایک گاڑی کے ساتھ ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں موجود رہے اور ہمارا انتظار کرے۔ وہاں زیادہ روشنی نہیں ہوتی۔ اسے خود ہمیں پہچاننا ہوگا۔"
"میں اسے بتادوں گا۔ کیا تم نے یہاں سے نکل جانے کا کوئی منصوبہ بنالیا ہے؟" وہ میرا پیغام سن کر شاید پریشان ہوگیا تھا۔
"ابھی میرا ذہن صاف نہیں ہے۔ جو ضروری باتیں یاد آرہی ہیں وہ دہرا رہا ہوں۔ ہر بات بہت زیادہ اہم اور ضروری ہے۔"
"تم دو منٹ بعد دوبارہ فون کرو۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔" سنیل کی آواز پرجوش ہوگئی۔
وہ فون پر اپریٹس کا نام نہیں لینا چاہ رہا تھا مگر میں سمجھ گیا کہ شہر کی سڑکوں سے آرک کی گاڑیاں ہٹائے جانے کے بعد انہیں رابطوں کی آزادی میسر آگئی تھی۔ وہ لاسلکی رابطے کے ذریعے ذرا سی دیر میں پتا چلا سکتا تھا کہ گوپال اس وقت کہاں تھا۔
میں فون بند کرکے بوتھ سے باہر آگیا اور سگریٹ سلگا کر چہل قدمی کے انداز میں ایک طرف ہولیا۔ اس وقت میرے دل و دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ کئی باتیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو رہی تھیں جن کے تجزیے کے لیے گوپال سے رابطہ ضروری تھا۔
پندرہ بیس قدم دور جانے کے بعد میں واپس ہولیا۔ اپریٹس پر گوپال کا پتا لگانے کے لیے چند لمحے کافی تھے۔ بوتھ کے قریب میں نے ادھ جلی سگریٹ زمین پر پھینک کر مسل دی اور اندر داخل ہوکر دوبارہ سنیل کا نمبر ملالیا۔
"وہ دوپہر سے تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس وقت وار میموریل کے ویران گوشے میں بینچ پر بیٹھا ہوا ہے اور تم کو دیکھ رہا ہے۔ بوتھ سے نکل کر تم نے سگریٹ سلگائی تھی اور ٹہلنے لگے تھے۔"
"ویل ڈن۔ اگر اس سے رابطے میں دقت نہیں ہو رہی تو اسے میری طرف بھیج دو۔ میں اس کا منتظر ہوں۔"
فون بند کرکے میں باہر نکلا تو میری متجسس نظریں دور دور تک دوڑ رہی تھیں پھر میں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ سرسبز میدان کے ایک دور افتادہ گوشے سے فضا میں ہاتھ لہراتا ہوا میری طرف آرہا تھا۔ اس نے بایاں ہاتھ یوں اپنے چہرے کے قریب اٹھایا ہوا تھا جیسے کسی جیبی ٹرانزسٹر سے کان لگا کر خبریں یا کمنٹری سننے کی کوشش کر رہا ہو۔ میں نے انگڑائی لینے کے انداز میں اپنے دونوں ہاتھوں کا اشارہ دیا۔ گوپال کے ہاتھ فوراً پہلوؤں پر جھول گئے۔
ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھتے ہوئے درمیان میں یکجا ہوگئے۔ دوپہر کا وقت ہونے کی وجہ سے کھلے پارک میں دھوپ کی تیزی اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ لوگوں کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ سایہ دار جگہوں پر کہیں کہیں لوگ بیٹھے سستا رہے تھے جن میں بعض سفید فام سیاح تھے۔
"تم ان کے ہیڈ کوارٹرز کس لیے گئے تھے؟" قریب آتے ہی عابد نے حیرت سے پوچھا "میرا دم نکل گیا تھا۔ تم پونے تین گھنٹے بعد وہاں سے نکلے تھے۔"
"ہمیں لے جایا گیا تھا۔ کل ہماری قید کی آخری رات ہے۔ اگلی صبح ہم اپنی مرضی کے مالک ہوں گے۔"
شاید سنیل نے اسے ہوٹل کی گڑبڑ کے بارے میں بتادیا تھا۔ اس کا اگلا سوال اسی بارے میں تھا۔ میں نے اختصار سے اسے سب بتادیا۔
"تم سی ایس ڈی مجھے دے چکے ہو۔ ہوٹل میں فون کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔" باتوں کے دوران وہ مجھے اسی محفوظ گوشے کی

ف لے جا رہا تھا جہاں سے نمودار ہوا تھا۔ مجھے بھی پورے
ان میں وہ سایہ دار جگہ زیادہ موزوں نظر آ رہی تھی۔

"مہلت پوری ہوتے ہی انل کو مارنا اور یہاں سے نکل
۔ اس کے بعد جو ہونا ہے وہ ہوتا رہے۔ مجھے پروا نہیں
ں۔"

"ہوٹل میں ایسی سخت نگرانی کا بندوبست ہو رہا ہے تو وہ
ل کے باہر بھی تمہارے پیچھے لگے رہیں گے۔ تم ان
۔"

میں تلخی سے ہنس پڑا اور اس کی بات کاٹ کر بولا "وہ جو
ہ چاہتے ہیں، انہیں میرے کمرے یا بستر سے مل سکتا ہے۔
ر وہ پیچھا نہیں کریں گے۔ اس وقت کوئی میرے تعاقب
ں لگا ہوا ہوتا تو تم شاید بھول کر بھی میرے قریب نہ
تے۔"

"ہاں!" اس نے اعتراف کیا "کسی نے تم تینوں کا پیچھا
ں کیا۔ میرا خیال تھا کہ تم واپس ہوٹل جاؤ گے۔ یہاں
تے میں کیوں اتر گئے۔"

"یہاں اترنے کے بعد ہی ایکا یک میری معلومات میں
افہ ہوا ہے۔ رینا مجھے ہیڈ کوارٹرز میں کچھ بتا سکتی تھی نہ
تے میں بات کرنے کا موقع تھا۔"

"اوہ! تو یہ تازہ ترین معلومات ہیں جو تم تک پہنچی
۔" اس نے سیٹی بجانے کے انداز میں اپنے ہونٹ سمیٹ
کہا۔

"یہ مجبوری بھی تھی کہ اسے ہم کو چار بجے تک ہوٹل
ے دور رکھنا ہے۔ میں کل رات ہی انل پر وار کرنا چاہتا
ں!"

"کل کے بجائے پرسوں پر رکھو۔" اس نے مشورہ دیا
ں کی نیت جو بھی ہو۔ تم کو دیا ہوا وقت سکون سے پورا کرنا
ہیے۔ تم نے اپنی واپسی کے بارے میں کیا سوچا ہے۔"
"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ انل پر کہاں وار کیا جائے
۔"

"رات کے وقت اسے گھر پر ہی گھیرا جا سکتا ہے۔ قرول
کے علاقے میں تم اس کا گھر پہلے ہی دیکھ آئے تھے۔"
وہ واقعی آئی بی کا ذہین آدمی تھا۔ میں نے کہا "میں نے
ر ضرور دیکھا تھا مگر میں اپنے طور پر دوبارہ وہاں پہنچ سکتا
ں نہ وہاں سے نکلنے کے لیے کوئی محفوظ راستہ اختیار کر سکتا
ں۔ اس رہنمائی کا فریضہ تم کو انجام دینا ہوگا۔"
"وہ سب ہو جائے گا۔" عابد کے مختصر سے بے پروایانہ
ب نے مجھے حیران کردیا۔ وہ لوگ بھارت میں کسی بھی غیر

عادت

ایک دعوت میں ایک ٹی وی اناؤنسر کو آخر میں
مہمانوں کا شکریہ ادا کرنے کی ذمے داری سونپی گئی تو
اس نے یوں خطاب کیا۔
"خواتین و حضرات! کھانا خانساماں اور نوکروں
کے تعاون سے پیش کیا گیا.... مین اسپانسر تھے اہل
خانہ خورشید صاحب.... ان کے ساتھ دیگر اشتراک
میں شامل تھیں ان کی بیگم صاحبہ اور صاحبزادیاں
.... اب ضیافت کا وقت ختم ہوا چاہتا ہے۔ امید ہے
اگلے ماہ پھر اسی وقت، اسی جگہ ملاقات ہوگی.... تب
تک کے لیے خدا حافظ۔"

ضروری تصادم سے بچ کر صرف اپنا کام پورا کرنے کی پالیسی پر
سختی سے کاربند تھے۔ اس میں غیر ضروری تشدد یا دہشت
گردی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے اپنے دونوں
ساتھیوں کے ہمراہ را کے پاکستان ونگ میں جو کچھ کیا وہ بھی
اسی پالیسی کے مطابق تھا۔ ان لوگوں کو گرین کوبرا فائل کے
حصول کا ہدف دیا گیا تھا۔ ناگر نے اس کام میں رکاوٹ ڈالنے
کی کوشش کی اور عابد نے اس موذی رکاوٹ کو دور کرنے میں
پوری مستعدی سے میرا ساتھ دیا۔ اس سے آگے جو کچھ ہوا
وہ شہادتیں مٹانے اور چوری کو چھپانے کے لیے ضروری تھا۔
نرلیش کے دفتر میں بھڑکنے والی آگ کے شعلے سب کچھ نگل
گئے تھے۔ را والوں کو کچھ پتا نہیں چل سکا کہ ان کے ہاتھ سے
کیا کچھ نکل گیا تھا۔
اگر عابد، انل بسواس کے قتل میں میرا ساتھ دینے کے
لیے آمادہ تھا تو وہ بھی اس کا ہدف رہا ہوگا۔ ایسا ہونا بعید از
قیاس نہیں تھا کیونکہ انل بسواس کو ٹھکانے لگانے کی تجویز
نے سب سے پہلے جلال کے ذہن میں جنم لیا تھا اور اس کا
شمار آئی بی کے بڑوں میں ہوتا تھا۔
"تم یہ بتاؤ کہ اس واقعے کے بعد تم کہاں پناہ لو گے۔"
عابد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"پناہ لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ تم رات کی

پرواز پر امرتسر کے لیے میرا اور غزالہ کا ٹکٹ تیار رکھو گے۔ ہم قرول باغ سے سیدھے ائرپورٹ کی طرف نکل جائیں گے۔"

"امرتسر سے آگے کا سفر خطرناک ہو سکتا ہے۔ انہیں اتنا وقت مل جائے گا کہ وہ اٹاری پر تمہیں پکڑلیں۔"

"ہم جس طرح آئے تھے اسی طرح رات کے اندھیرے میں سرحد پار نکل جائیں گے۔ اس کام میں بنگو ہماری مدد کرے گا۔"

عابد ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا "تم نے پہلے ہی سب کچھ سوچ لیا ہے۔ اگر تم انل کے قتل کے بعد چند گھنٹوں میں سرحد پار کر لیتے ہو تو اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔"

"یہ کام تمہارے مشورے کے مطابق پرسوں کرلیا جائے گا لیکن تم کل رات ہوٹل کی پارکنگ میں مجھ سے ضرور ملو گے تاکہ باقی تفصیلات طے کی جاسکیں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ راضی ہوگیا "میں اس کے گھر کا قریب سے جائزہ بھی لے لوں گا۔ ہماری کوشش یہ ہوگی کہ اس موذی کے سوا کسی اور کو خراش بھی نہ آئے۔ اس کے گناہوں کی سزا اس کے گھر والوں کو نہیں ملنی چاہیے۔"

"اس معاملے میں میں تم سے زیادہ نرم دل ہوں۔" میں نے اس سے الوداعی مصافحہ کیا پھر رینا اور غزالہ کی طرف ہولیا۔

میں نے ان سے ٹیلی فون کال کے بہانے کافی وقت لے لیا تھا۔

میں عابد سے ملاقات کرکے واپس لوٹا تو وہ دونوں اپنی شکم پری سے فارغ ہوچکی تھیں اور باتوں میں مصروف تھیں۔ انہیں سرے سے یہ احساس نہیں ہوسکا تھا کہ میں کتنی دیر کے بعد فون کرکے واپس لوٹا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی رینا نے پوچھا "تم فون کر آئے؟"

"ایک جگہ بات ہوگئی۔ دوسرا موجود نہیں تھا۔" میں نے منہ لٹکا کر کہا "اس کے لیے از سرِ نو کوشش کرنی پڑے گی۔"

"تمہارا کمرا خطرناک ہوگیا ہے لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ تم دن رات اسی میں قید رہو۔ دن کا وقت باہر کی فضا میں گھوم پھر کر گزارو اور رات گئے سونے کے لیے اس کمرے میں پہنچ جاؤ۔ کسی سے بات کرنے کے لیے ہوٹل میں اور اس سے باہر جگہ جگہ پبلک فون بوتھ موجود ہیں۔ تمہارے دو دن ایسے گزر جائیں گے کہ تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔" رینا نے اپنی دانست میں مجھے اپنے مخلصانہ مشوروں سے نوازا۔

"اب یہی کرنا ہوگا۔ چار بج رہے ہیں۔ کیوں نہ واپسی کی فکر کی جائے۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

رینا نے اپنی گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہاں سے ہم دونوں کو ہوٹل جانا تھا۔ رینا نے پوری ذمے داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیں چار بجے تک ہوٹل سے باہر روک لیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ چاہے تو ہمارے ساتھ ہوٹل جانے کے بجائے وہیں سے اپنی راہ ہولے لیکن وہ اپنی ڈیوٹی سے سرمو بھی انحراف نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ہم تینوں سر سبز میدان سے قریبی سڑک تک آئے اور ایک خالی ٹیکسی میں سوار ہوکر ہوٹل کی طرف روانہ ہوگئے۔

"میں کل کسی وقت تم سے ملنے آؤں گی۔ تم ہوٹل میں کب مل سکتے ہو؟" راستے میں رینا نے اچانک سوال کیا۔

"کیوں؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا "کل کیا کام ہے تمہیں؟"

"کام کوئی بھی نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ معمول میں کوئی فرق آئے۔ میں اس سے پہلے بھی کئی بار تم سے مل چکی ہوں۔ کل ہمیں مل بیٹھنے کا آخری موقع ملے گا۔ اس کے بعد پتا نہیں کہ تم کہاں ہوگے۔ ہماری شاید اگلی ملاقات ہی نہ ہو۔"

"شام کو چار سے چھ بجے کے درمیان میں ہوٹل میں تمہارا انتظار کروں گا۔" میں نے اس سے اگلی ملاقات کا وقت طے کرلیا۔

"اور ہاں!" رینا کو اچانک کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی "یہ یاد رکھنا کہ تم نے آج کی ملاقات میں ہونے والی کوئی بات مجھے نہیں بتائی۔ سارا وقت ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ ہمارے درمیان رسمی شناسائی کے حوالے سے یہ بات بہت ضروری ہے۔"

"تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کتنی اہم ثابت ہوسکتی ہیں۔"

ایک مرتبہ پھر ٹیکسی میں خاموشی چھاگئی۔ وہ مشینی سواری ہمیں تیزی کے ساتھ دہلی کے کناٹ پلیس کی طرف لیے جارہی تھی جہاں انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کے دو کمروں میں را والوں نے ہمارے لیے نئے چوہے دان تیار کیے ہوئے تھے

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر' داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم ٹی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کرکے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کردیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ ٹی کے سربراہ جمی لائیڈ کی۔۔ ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے ٹی سے بغاوت پر مجبور کردیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردی کی کارروائیوں کو نشانہ بنانا شروع کردیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کردیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ذون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر ٹی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہوکر انہیں ذیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھادیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہوکر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی

کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوادیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائفل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر یہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہوکر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ کرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیرقانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کا ماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کردیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں' میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہوکر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہوگئی۔ کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم جان اسمتھ بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں گرین کوبرا فائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں را کی خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے مجھ سے ٹکرائی اور بے باک تنہائی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے انل بسواس سے ملواسکتی ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا گیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ رینا سے میری دوسری ملاقات بدمزگی کا شکار ہوگئی۔ اس کی ابتدا میں ہی را کے تند خو اور سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں رینا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پچھلی رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جاچکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے محتاط روی کا مشورہ دیا اور وہ فی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہوگئی۔ میں نے را کے دفتر میں انل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کوبرا فائل نظر آگئی۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی نے میرے حوصلوں کو مہمیز دی اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کرلیا۔ گوپال میرا ہم نوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اسمتھ کا کام تمام کرنے روانہ کردیا۔ ہوٹل سرائے میں غزالہ سے ویرا ٹکرا گئی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے بآسانی جان اسمتھ کو شکار کرلیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہوگئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہوگیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگر نے اپنی ڈرامائی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا ہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور انا پرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کا شکار ہوگیا۔ ہم وہاں سے مال غنیمت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کردیا تھا۔ ناگر کی چتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ وہاں ہماری پے در پے کامیابیاں قابل فخر تھیں مگر بھارتیوں کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔ میں غزالہ کے ہمراہ دہلی میں رک گیا اور فائلیں ویرا کے ذریعے پاکستان روانہ کردیں۔ مجھے اپنی کارروائی کے بعد را کی صفوں میں ہونے والے بھونچال کا اندازہ تھا۔ انہوں نے مجھ سے بھی کڑی پوچھ گچھ کی مگر میری حاضر دماغی کے باعث انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ میری اور رینا کی فلم ضائع ہوچکی تھی جس کے بعد بیلا سنگھ نامی سکھنی کو میرے پیچھے لگایا گیا مگر اس کی ناکامی کے بعد مجھے اور غزالہ ہوٹل سے دور رکھنے کے لیے نریش اور انل بسواس نے اپنے دفتر میں ہم سے ملاقات کی اور اس عرصے میں ہمارے کمروں میں خفیہ کیمرے لگادیے گئے۔ ہم رینا اجیت رائے کی ہمراہی میں ہوٹل واپس جارہے تھے جہاں ہمارے کمروں میں خفیہ کیمرے نصب ہوچکے تھے۔

رینا ہمیں ٹیکسی سے ہوٹل کے برآمدے میں اتار کر اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہوگئی۔ اس نے اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کیا تھا۔ اپنے بڑوں کی ہدایت کے مطابق اس نے ہمیں انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل سے را کے صدر دفتر پہنچایا۔ ہماری طے شدہ ملاقات جلد ختم ہوجانے کے باوجود ڈھائی بجے تک ہمیں وہاں اپنے انتظار میں روکے رکھا۔ وہاں سے نکلی تو چار بجے تک ہمیں انڈیا گیٹ کی "سیر" کراتی رہی۔ اس نے ہر کام دیے ہوئے شیڈول کے مطابق سرانجام دیا تھا۔

رینا اجیت رائے بھارتی سیکرٹ سروس کی ایک خوبرو کارکن تھی مگر میں نے اپنے ایک فیصلے سے اس کی ہمدردیاں جیت لی تھیں۔ بھارت کی دشمن سرزمین پر اس وقت وہ ہماری سب سے بڑی ہمدرد اور مددگار ثابت ہورہی تھی۔

میں نے اس سے جو وعدہ کیا تھا' اسے پورا کیا جاچکا تھا۔ میں نے انل بسواس اور نریش شرما کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی اور را کے درمیان قریبی رابطوں کے بارے میں رینا نے کسی قسم کی تصدیق کی تھی۔ یوں رینا کی ملازمت اور مستقبل پر منڈلاتا ہوا خطرہ ٹل چکا تھا اور وہ مجھ سے محض اسی تعاون کی خواہاں رہی تھی۔

وہ مطلب پورا ہوجانے کے بعد رینا کو مجھ سے مزید کوئی فائدہ حاصل ہونے کی امید نہیں تھی۔ اسے یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ اگلی رات گزرنے کے بعد ہمیں را والوں کی طرف سے آزادی کی خوش خبری سنادی گئی تھی۔ وہ چاہتی تو ہمارے سامنے اپنی زبان بند رکھتی' ہم سے میٹھی میٹھی باتیں کرتی اور چار بجے کے بعد ہمیں ہوٹل پہنچادیتی۔ اس پر ہمارا کوئی اخلاقی زور تھا نہ ہمیں شبہ تھا کہ وہ ہم سے کوئی بات چھپا رہی تھی۔ ہم آسانی کے ساتھ بھارتی سیکرٹ سروس والوں کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جاتے۔

مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ میں نے رینا کے ساتھ جس انداز میں ہمدردی اور یک جہتی کا اظہار کیا تھا' وہ براہِ راست اس کے دل پر اثر انداز ہوا تھا۔ وہ اپنی پیشہ ورانہ ذمے داریوں اور پابندیوں سے تجاوز کرکے مسلسل ہماری مدد کرتی چلی آرہی تھی۔ اگر وہ ہمیں نہ بتاتی کہ ہمیں اپنے کمروں سے دور رکھ کر وہاں خفیہ کیمرے اور مائیکروفون نصب کیے جارہے ہیں تو ہمارے فرشتوں کو بھی اس بارے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔

ہوٹل کا برآمدہ طے کرتے ہوئے وہ خیال میرے لیے سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ ہم آزاد اور کھلی فضا کو خیرباد کہہ کر ایک ایسے قید خانے کی طرف پیش قدمی کرنے پر مجبور کردیے گئے تھے جہاں ہماری ہر حرکت اور آواز دشمنوں کی دسترس میں تھی۔

"مجھے کمرے میں جانے کے خیال سے وحشت ہورہی ہے۔" میرے کانوں میں غزالہ کی دھیمی اور تشویش زدہ آواز آئی۔

"مگر یہ مجبوری ہے۔ اگلے اڑتیس' چالیس گھنٹوں تک ہمیں یہ سب برداشت کرنا ہوگا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"گونگا اور بہرا بن کر رہنا میرے بس سے باہر ہے۔" اس کی آواز سے خوف جھلک رہا تھا۔

"بھول کر بھی یہ غلطی نہ کرنا۔" میں نے تادیبی لہجے میں کہا "ہمیں رینا سے زیادہ خود کو بچانا ہے۔ انہیں یہ بھنک بھی نہیں ملنی چاہیے کہ ہم کو ان کی سازش کا علم ہوچکا ہے' ہمیں آپس میں معمول کے مطابق بولنا چالنا ہوگا تاکہ وہ اطمینان سے بیٹھے ہمارے کمزور لمحوں کا انتظار کرتے رہیں۔"

"ہم کیا باتیں کریں گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا "اس وقت ہمارے ذہنوں میں جو کچھ موجود ہے' اس کا زبان پر آنا بھی مناسب نہیں ہے۔"

"یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ اس وقت میں گفتگو کے موضوعات کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں۔"

آپس میں باتیں کرتے ہوئے ہم ہوٹل کے کاؤنٹر پر پہنچ گئے۔ کاؤنٹر کے پیچھے لگا ہوا وال کلاک شام کے ساڑھے چار بجانے والا تھا۔ ہمارے کمروں کی چابیاں کی بورڈ پر موجود تھیں۔ را والوں نے اپنے مقررہ وقت میں کام پورا کرکے چابیاں ہوٹل کے عملے کو لوٹادی تھیں۔

دونوں چابیاں لے کر ہم لفٹ کی طرف چل دیے۔

غزالہ کے لیے ہوٹل میں لیا ہوا اضافی کمرا ابتدا سے ہی ہمارے کسی خاص مصرف میں نہیں تھا۔ اس نے اپنی چابی بیگ میں ڈال لی۔ اپنے فلور پر لفٹ سے اترنے کے بعد میں نے اپنے دروازے کا قفل کھولا تو ہر نشیب و فراز پر غور کرلینے کے باوجود میرا ذہن الجھا ہوا تھا۔ دشمن کے نصب کیے ہوئے خفیہ کیمروں کی زد میں شب و روز گزارنے کا تصور کسی بھی طرح امید افزا نہیں تھا۔

کمرے میں قدم رکھتے ہوئے میں غیر ارادی طور پر چوکنا ہوگیا تھا۔ کمرے میں ہر چیز قرینے سے اپنی جگہ موجود تھی۔ بستر پر نئی اور بے داغ چادر بچھی ہوئی تھی۔ ہوٹل کے روم سروس کے عملے نے اپنے معمول کے مطابق پوری چابک دستی اور مہارت سے کمرے کی صفائی اور تزئین کی تھی۔

کہیں بھی کسی افراتفری یا تلاشی کی کوئی علامت باقی نہیں رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ را والوں نے ہماری غیر حاضری میں صرف آلات کی تنصیب کا کام نہیں کیا ہوگا بلکہ اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لیے کمرے کی بھرپور تلاشی بھی لی ہوگی۔ وہ لوگ آخری لمحے تک ہر پہلو کو پرکھنے کے عادی تھے۔ نریش شرما نے غزالہ سے سچے کی بات کہی تھی کہ را والے اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔ شاید ان کی حکمتِ عملی کا بنیادی پتھر وہی نکتہ تھا جس پر عمل کرکے وہ کامیابیاں حاصل کرتے تھے۔

رینا نے مجھے جو کچھ بتایا تھا، اس سے یہ ثابت ہوچکا تھا کہ انڈین سیکرٹ سروس والے اپنی پیشہ ور طوائف کی ناکامی کے بعد میری اور غزالہ کی خلوت کی مصروفیات کی فلم بندی کا تہیہ کرچکے تھے۔ ان کے نصب کیے ہوئے کیمرے بہت زیادہ حساس اور خود کار ضرور ہوسکتے تھے لیکن ان کا دائرہ پورے کمرے پر محیط نہیں ہوسکتا تھا۔ رینا کے ساتھ ہونے والے پہلے رنگین و سنگین تجربے کے بعد مجھے اس کی زبانی معلوم ہوچکا تھا کہ خفیہ کیمرے بستر کے مخصوص حصوں پر مرکوز کیے گئے تھے اور رینا نے اپنی ہر بے اعتدالی کے باوجود مجھے بستر کے ان حصوں تک محدود رکھنے کی کامیاب کوششیں کی تھیں۔

را والوں کو رینا کے کمرے میں وہ دقت پیش آسکتی تھی تو میرے کمرے کی صورتِ حال بھی مختلف نہیں ہوسکتی تھی۔ بستر پر پہنچنے کے بعد ہی ہم دونوں ان کے لگائے ہوئے کیمروں کی زد میں آسکتے تھے۔ میں نے کمرے میں گھستے ہی دہری اور شاہانہ مسہری کے اوپر، فالس سیلنگ کی طرف دیکھا اور اس میں مجھے آسانی کے ساتھ وہ دو چھوٹے سوراخ نظر آگئے جو پہلے وہاں موجود نہیں تھے۔

کمرے کی چھت سے نیچے لگے ہوئے بڑے بڑے آرائشی ٹائلوں کے درمیان ایسی نفاست سے وہ سوراخ کیے گئے تھے کہ بادی النظر میں ان پر کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ان دونوں سوراخوں میں کیمروں کے عدسوں کی چمک مفقود تھی۔ ان لوگوں نے کنکریٹ کی چھت اور فالس سیلنگ کے درمیان خلا کی تاریکی میں اپنے خود کار کیمرے اس طرح چھپائے تھے کہ کمرے میں پھیلی ہوئی روشنی ان کے عدسوں سے منعکس نہیں ہوسکتی تھی۔

ایسے نازک کام میں را والوں سے کسی اناڑی پن کی توقع عبث تھی۔ کیمرے پوری احتیاط اور مہارت سے چھپائے گئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں جدید انفراریڈ کیمرے رہے ہوں گے جو موہوم سی روشنی میں بھی واضح فلم بندی کرلیتے ہیں۔ ایسے کیمروں کی کارکردگی، تاریکی میں انسانی آنکھ سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ کمرے کی روشنیاں گل کرکے ہم بھی ان کی زد سے نہیں بچ سکتے تھے۔

میں نے بس چند ثانیوں کے لیے رک کر اپنا وہ جائزہ مکمل کیا اور پھر تھکے ہارے انداز میں، جوتوں سمیت بستر پر دراز ہوگیا۔

غزالہ سنبھل کر ایک کرسی پر جا بیٹھی۔ وہ تحیرزدہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

مسہری پر میں کیمروں کی زد میں تھا۔ میں نے پہلو بدلتے ہوئے فالس سیلنگ کے دونوں خوف آور سوراخوں پر نظر ڈالی لیکن منقش اور سفید ٹائلوں میں بنے ہوئے سوراخوں کے پار پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں کچھ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

"میں بہت تھک گیا ہوں۔" میں نے انڈین سیکرٹ سروس والوں کو سنانے کے لیے کسل مندانہ آواز میں غزالہ سے کہا "یوں محسوس ہورہا ہے جیسے میں لودھی اسٹیٹ سے پیدل چلتا ہوا یہاں تک آیا ہوں۔"

"شاید آپ کے ذہن پر بوجھ ہے۔ ذہن بوجھل ہو تو بدن بھی تکان کا شکار ہونے لگتا ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"را والوں نے مجھے پریشان کردیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ بار بار میری طلبی کیوں ہورہی ہے۔"

"یہ آپ کے اور ان کے معاملات ہیں، جن سے میں پوری طرح باخبر نہیں ہوں.... بھلا میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم میرے ساتھ نہ آئی ہوتیں تو کچھ بھی نہ ہوتا۔" میں نے قدرے بیزاری سے کہا۔

"آج آپ پریشان ہیں لیکن کل خوش تھے کہ نریش سے دوستی آپ کے دن پھیر دے گی۔" غزالہ کی آواز میں مصنوعی طنز ابھر آیا۔

غزالہ کو وہ جواب برجستہ اور برمحل سوجھا تھا۔ مجھے را والوں کو گمراہ کرنے کا ایک نادر موقع مل گیا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تم کو معلوم ہے کہ را والے میری طرف متوجہ ہوچکے ہیں لیکن خرابی یہ ہے کہ نریش بار بار تیور بدل رہا ہے۔ کبھی وہ میرا ہمدرد اور دوست نظر آنے لگتا ہے۔ اس کی دلائی ہوئی امیدوں میں میرے لیے سہانے مستقبل کا پیغام ہوتا ہے اور پھر اچانک ہی وہ سفاک دشمن کا بھیانک روپ دھار لیتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہورہا

ہے۔ وہ رہ رہ کر میری طرف سے بدگمانی کا شکار کیوں ہو رہا ہے۔ آج اس نے مجھے آزادی کی نوید سنائی ہے لیکن کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کل کی رات گزرنے سے پہلے حالات کیا کروٹ لیں گے۔ میں اپنی دنیا میں مگن رہنے والا ایک عام سا آدمی ہوں جسے تمہاری زلفوں کے گھنیرے سائے میں آسودگی ملتی ہے مگر نریش مجھ پر شبہ کرتا ہے جیسے میں کوئی تخریب کار یا دہشت گرد ہوں۔ وہ مجھ سے ایسے لہجے میں پوچھ گچھ کرتا ہے کہ میری روح کانپ اٹھتی ہے۔"

"شاید اس میں اس کا قصور نہیں ہے۔ وہ اپنے فرض کے ہاتھوں مجبور ہے۔" غزالہ نے سپاٹ لہجے میں کہا "پچھلے کئی دن سے یہاں گڑبڑ ہو رہی ہے۔ را کے ایک دفتر میں آگ لگی، ان کا ایک بڑا افسر وہاں جل کر مر گیا پھر ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ایک امریکی عہدے دار مار ڈالا گیا۔ نریش سرکاری افسر ہے۔ وہ دباؤ میں آیا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان واقعات کے ذمے داروں کا کھوج لگانا اس کے فرائض میں شامل ہو۔"

"اب بات چھڑ ہی گئی ہے تو تم یہ بتاؤ کہ اس نے مجھے اپنا ٹارگٹ کیوں بنایا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"سیدھی سے بات ہے۔ دہلی میں تم غیر ملکی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر پاکستانی ہو....."

میں نے غزالہ کی بات کاٹ دی "اس وقت دہلی میں ہزاروں غیر ملکی اور سیکڑوں پاکستانی موجود ہوں گے۔ وہ ان سب کو بھول کر بار بار مجھے کیوں تنگ کرنے لگتا ہے۔ اس ایک تکلتے نے میرا سکون غارت کیا ہوا ہے۔"

"وہ آپ کو ہر بات بتانے کا پابند نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے آدمی دوسرے پاکستانیوں سے بھی پوچھ گچھ کر رہے ہوں۔ آپ اس سے رابطے میں ہیں اس لیے وہ آپ کو خود ٹٹول رہا ہے۔ اگر وہ آپ کے دن پھیرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے آپ کی طرف سے اپنا اطمینان کرنے کا حق حاصل ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آج وہ تمہاری برین واشنگ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔"

"مجھ سے کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ رینا ہمارے ساتھ تھی اس لیے میں نے آپ سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا ورنہ میں حیران تھی کہ آج مجھے کیوں بلایا گیا تھا۔ میں نے سارا وقت آپ کے انتظار میں اخبار بینی کرتے ہوئے گزارا۔ مجھ سے کسی نے سلام دعا تک نہیں کی۔"

"انل بسواس بہت گھاگ اور تجربے کار آدمی ہے۔ وہ تم کو دیکھنا اور پرکھنا چاہ رہا تھا۔ اس نے تم سے چند باتیں کر کے اپنا مقصد حاصل کرلیا کسی اور کو تم سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"اس نے میرے بارے میں اپنا اطمینان کرلیا، ہمیں کل رات آزادی کے بارے میں بتادیا، آپ سے کوئی تلخ کلامی نہیں ہوئی پھر آپ کیوں پریشان ہیں؟"

"شاید میں ابھی تک ڈپریشن کے غلبے سے نہیں نکل سکا۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا "نریش نے مجھے پچھلی بار اس قدر دہشت زدہ کیا تھا کہ میں ابھی تک ہر بات کو اسی تسلسل سے دیکھ رہا ہوں۔"

"آپ کے اس ڈپریشن نے سب کچھ خراب کردیا ہے۔ ہم یہاں تفریح کے لیے آئے تھے لیکن اب کمرے میں بیٹھے ایک دوسرے کے چہرے تکتے رہتے ہیں۔ بستر پر بھی میں کوئی بات کرتی ہوں تو آپ بیزاری سے کروٹ بدل لیتے ہیں۔"

"میں خود بھی اپنی اس حالت سے خوف زدہ ہوں۔" میں نے اعتراف کرنے کے انداز میں جواب دیا "میرے جذبات سرد ہو چکے ہیں اور ذہن کسی تفریح کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ یقین نہیں آتا کہ کوئی ایک واقعہ انسان کو اس طرح منجمد اور بے حس کر سکتا ہے۔"

"جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اسے ایک خواب سمجھ کر بھولنے کی کوشش کریں۔ ہم دہلی میں دو تین راتوں کے مہمان ہیں۔ ہمیں یہ وقت خوش گوار انداز میں گزارنا چاہیے۔"

غزالہ کے ان الفاظ میں انڈین سیکرٹ سروس کے ان روپوش کارندوں کے لیے امید کا پیغام پوشیدہ تھا جو ہماری مسہری پر لگے ہوئے پوشیدہ کیمروں سے کام لینے پر مامور تھے۔ میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا "میں خود بھی اس ٹرانس سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر کامیاب نہیں ہو رہا۔ دعا کرو کہ یہ جمود ٹوٹ جائے۔"

جب تک ہم دونوں ہوٹل کے کمرے میں نہیں پہنچے تھے، پریشان تھے کہ صوت وصورت کو چرا لینے والے خفیہ آلات کی موجودگی میں ہم کیا کر سکیں گے لیکن گفتگو کا سلسلہ شروع ہوتے ہی بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ میرا مقصد واضح تھا اور غزالہ بھی اتنی کند ذہن نہیں تھی کہ اس مقصد کے حصول میں میرا ساتھ دینے کی کوشش میں ناکام رہتی۔ ہماری گفتگو کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔

میں نے جوتے اتار دیے۔ کچھ دیر بعد غزالہ بھی بستر پر آ گئی۔ مجھے خوشی تھی کہ ہم نے اس کٹھن مرحلے پر انڈین

سیکرٹ سروس کے کارندوں کو چڑانے اور سلگانے کی ایک بے داغ راہ نکال لی تھی۔
ان لوگوں کے لیے ہم دونوں میاں بیوی نہیں، ایک دوسرے کے آشنا تھے۔ صحت وجوانی اور آشنائی کے ساتھ ہوٹل کے کمرے کی فسوں خیز خلوت بھی میسر تھی مگر ہم نے درمیان میں مناسب فاصلہ برقرار رکھا تھا اور گفتگو کا موضوع میرے ڈیپریشن کے گرد گھوم رہا تھا۔
غزالہ سے باتیں کرتے ہوئے بھی میں خاموشی سے تازہ حالات کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔
انل بسواس اور نریش شرما سے کئی ملاقاتیں ہونے کے بعد، را کے دفتر میں یہ بات بالکل واضح ہو چکی تھی کہ شکوک وشبہات سے دھندلائی ہوئی فضا میں مجھے گھیرنے کے دوران میں انڈین سیکرٹ سروس کے ذمے دار اہل کاروں کو ایک لمحے کے لیے بھی یہ شبہ نہیں ہوا تھا کہ مظہر خان کے بہروپ میں ڈینی ان کے رو بہ رو موجود تھا۔ انہیں مظہر خان کی اصلیت پر شاید شک ہوا ہو اور انہوں نے اپنے طور طریقوں سے اس کی تصدیق کر لی ہو لیکن بھول کر بھی ان کا ذہن میرے اصل نام کی طرف نہیں گیا تھا۔
محتاط انداز میں میرے ساتھ مراسم بڑھاتے ہوئے انہوں نے دہلی اور قرب وجوار کے علاقوں میں اپنے اس گمنام دشمن کی تلاش جاری رکھی تھی جو ناگر کے قتل، را کے دفتر میں آتش زنی اور جان اسمتھ کے خون کا ذمے دار تھا۔
ان وارداتوں کے بارے میں، میں نے رینا سے بھی کھل کر کوئی بات نہیں کی تھی اس لیے مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ را کے بڑے عہدے دار کیا سوچ رہے تھے لیکن مقامی اخبارات میں آنے والی کہانیوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ جان کے پراسرار قتل اور را کے دفتر میں آگ لگنے کے واقعات کے بارے میں الگ الگ تفتیش کی جا رہی تھی۔ بظاہر وہ دونوں واقعات بے ربط تھے۔ ان میں کسی مشترکہ ہاتھ کا سراغ لگانا آسان نہیں تھا۔
اگر انہیں کسی طرح یہ معلوم ہو جاتا کہ ڈینی کسی بدلے ہوئے روپ میں ان کی سرحدوں میں گھس آنے میں کامیاب ہو چکا تھا تو پھر وہ دو ہی نہیں، دہلی میں رونما ہونے والے سارے تخریبی اور مجرمانہ واقعات میری ذات سے منسوب کر دیتے۔
وہ دہلی میں ڈینی کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ انل بسواس اور نریش شرما اپنی ساری ذہانت اور مکاری کو بروئے کار لا کر یہ یقین کیے بیٹھے تھے کہ میں پرانی گاڑیوں کا ایک عیاش طبع پاکستانی کاروباری تھا جو کھل کر رنگ رلیاں منانے کے لیے اپنی داشتہ کے ساتھ دہلی آیا ہوا تھا۔
اپنی دانست میں انہوں نے پچیس ہزار روپے ماہانہ کے عوض مجھے خرید لیا تھا۔ مخبری اور جاسوسی کے ایسے معاملات میں عموماً سرمایہ ہی کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ ضمیر فروش مخبر اپنی قیمت پر خریداروں کے متلاشی ہوتے ہیں۔ خریدار مل جاتا ہے تو ذرا سے مول تول کے بعد کہیں نہ کہیں بات طے ہو جاتی ہے۔ کھرے کاموں کے برعکس ان کھوٹے کاموں میں زبان پر زیادہ اعتبار کیا جاتا ہے۔ دونوں فریق یہ جانتے ہیں کہ طے شدہ امور سے انحراف کی صورت میں کسی کو کوئی فیض حاصل نہیں ہو سکے گا۔ مخبر کو مقررہ معاوضہ نہ ملا تو وہ دشمن کے لیے جوابی مخبری شروع کر دے گا۔ مخبر نے غداری کی تو اس کے خریدار ہر قیمت پر اس تک پہنچ کر اس کی گردن کاٹ دیں گے۔ یہ خوف تلوار بن کر ان کے سروں پر لٹکتا رہتا ہے اور اس کے سائے میں دونوں فریق ایک دوسرے پر اعتبار کرتے ہیں۔
مگر میرے بارے میں را کا رویہ کچھ زیادہ ہی مختلف تھا۔ شاید انہوں نے میری زبان پر اعتبار تو کر لیا تھا مگر وہ میرے خلاف بلیک میلنگ کا مواد تیار کر کے مجھے بہت زیادہ بے دست وپا کر دینے کی کوششوں میں مصروف تھے۔
نریش شرما نے میری اور رینا کی بہکی ہوئی خلوت کی ویڈیو فلم بنا کر اپنے اس مقصد میں عملی طور پر کامیابی حاصل کر لی تھی لیکن اپنے دفتر کی آگ میں وہ فلم گنوا دینے کے بعد اس نے مجھے بیلا سنگھ کے ذریعے دوبارہ پھانسنے کی ناکام کوشش کی۔ اس نے کسی مرحلے پر یہ اعتراف نہیں کیا کہ میری اور رینا کی فلم ضائع ہو چکی تھی مگر اس کا متبادل حاصل کرنے کے لیے اس کی سرتوڑ کوششیں جاری تھیں۔
مجھے اور غزالہ کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوٹل سے ہٹانے کے بعد اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے ہمارے دونوں کمروں میں خفیہ کیمرے اور مائیکروفون لگوا دیے تھے۔ سوال یہ تھا کہ وہ کیوں اس شدت سے مجھے بلیک میل کرنے کا خواہاں تھا۔
اس کا وہ اضطراب کسی غیر معمولی نکتے کی نشاندہی کر رہا تھا جو اس وقت تک میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔
میں اس کے لگوائے ہوئے کیمروں کی زد میں بے فکری سے اپنی مسہری پر دراز تھا۔ میں نے اپنی ساری توجہ اسی ایک نکتے پر مرکوز کر دی۔
دوسری سگریٹ ایش ٹرے میں مسلنے کے بعد مجھے یوں

محسوس ہوا جیسے میرے ذہن کے بعض دریچے یکایک کھل گئے ہوں۔

وہ میرے اوپر اپنی گرفت کو ہر اعتبار سے مضبوط اور فول پروف بنانے کا آرزو مند تھا تاکہ میرے انحراف کا کوئی بعید از قیاس امکان بھی باقی نہ رہے۔ ایسی گرفت کی خواہش اس بات کی غماز تھی کہ اس کی نظروں میں میری بہت زیادہ اہمیت تھی۔ را کے لیے ایک اجنبی بلکہ پاکستانی کی ایسی اہمیت اسی وقت ہوسکتی تھی جب اسے کوئی بڑا کام سونپنے کا فیصلہ کرلیا گیا ہو۔

ایک بڑے کام کا ذکر انل بسواس اور نریش شرما کرچکے تھے۔ وہ ذہنی کی تلاش میں میری مدد کے خواہاں تھے۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں تھا جو صیغہ راز میں رہا ہو۔ امریکا، بھارت اور پاکستان میں خفیہ ریاستی سرگرمیوں سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو یہ علم تھا کہ دونوں ممالک مجھے اپنا بڑا دشمن قرار دے کر ہر قیمت پر مجھے پکڑنا چاہتے تھے۔ اس کام کے لیے نریش شرما مجھے گھیرنے کی خصوصی کوشش نہیں کرسکتا تھا۔

وہ کام کسی خوف ناک تخریبی نوعیت کا ہوسکتا تھا جسے سرانجام دینا بھارتی ایجنٹوں کے بس سے باہر ہو۔ اس کی انجام دہی کے لیے را کو کسی زرخرید پاکستانی مخبر کی تلاش تھی جو ہر قیمت پر اپنے آقاؤں کے حکم کی بجا آوری کے لیے مجبور ہو۔

یہ را والوں کی کھلی بدقسمتی تھی کہ ایسے کسی نامعلوم مگر نازک اور اہم کام کے لیے قرعہ فال میرے نام نکلا تھا۔ یہیں پر بس نہیں ہوئی تھی۔ مزید طرہ یہ تھا کہ مجھے بھارت میں رینا اجیت رائے جیسی لڑکی مل گئی تھی جو ہر قیمت پر میرا ساتھ دینے پر تلی ہوئی تھی۔

میری اور غزالہ کی وہ گفتگو جاری رہی جو را کے کارندے ریکارڈ کررہے تھے۔ غزالہ بڑی شدّومد کے ساتھ مجھے قائل کرنے کی کوشش کررہی تھی کہ مجھے اپنے ڈیپریشن سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنا زیادہ سے زیادہ وقت ہوٹل کے کمرے سے باہر گزارنا چاہیے جہاں قدم قدم پر انسان کا دل موہ لینے والی رنگینیاں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ بحث برائے بحث تھی جس میں جیت غزالہ کی ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں نے مسہری چھوڑ کر باہر نکلنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ مجھے امید تھی کہ ہمارے کمرے میں ایک زبردست جال بچھانے کے بعد را کے ایجنٹ اپنی کامیابی کی امید میں بیٹھے رہیں گے اور دہلی کے بازاروں میں ہمارا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔

باہر شام کا دھندلکا پھیل چلا تھا۔ ہوٹل میں ڈوبتے اندھیروں کے ساتھ زندگی کی رعنائیاں طلوع ہورہی تھیں۔ روشنیاں اور بیش قیمت فانوس جگمگا اٹھے تھے لیکن ہوٹل کی اس کائنات میں سارا حسن صرف وجودِ زن سے تھا۔ ہمارے گردوپیش میں پھیلے ہوئے ماحول میں سے صنفِ نازک کو منہا کرنے کے بعد چشمِ تصور عجیب ویرانی سی دیکھ رہی تھی جس میں کوئی کیف تھا نہ کوئی رنگ۔

ہمارے سامنے کوئی واضح پروگرام نہیں تھا۔ ہمیں اپنے کمرے سے دور رہ کر صرف اور صرف اپنا وقت استعمال کرنا تھا۔ ہم نے مست خرامی کے انداز میں ہوٹل کے بار، ریستوران، بال روم اور ٹی شاپ کا ایک چکر لگایا پھر ایک طرف سے باہر نکلتے چلے گئے۔

دہلی کی وہ شام خاصی خوش گوار تھی۔ کناٹ پلیس روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ دکانوں اور گزرگاہوں پر کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ انسانوں کے اس سمندر میں رنگ رنگ اور بھانت بھانت کے لوگ تھے جو بے پروائی سے اپنی اپنی بولیاں بولتے گھوم پھر رہے تھے۔ ان میں یورپ کے سفید فام بھی تھے اور کوچین و مدورائے کے گہری گندمی چہروں والے لوگ بھی نظر آرہے تھے۔

میرے دل میں بے اختیار ایک خواہش ابھری کہ میں اس شخص کا ٹھکانا دیکھوں جو جامع مسجد کے علاقے میں ٹرانس میٹر استعمال کرتے ہوئے، آرک والوں کی مدد سے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ ہمارا اس ٹھکانے تک پہنچنا ناممکنات میں سے تھا مگر پھر بھی میرے قدم غیرارادی طور پر اس شمالی راستے کی طرف بڑھ گئے جو رام لیلا گراؤنڈ سے ہوتا ہوا جامع مسجد کی طرف جاتا تھا۔

پرانی دہلی کی گنجان آبادیوں اور بازاروں سے گزرتے ہوئے ہم تھوڑی دیر بعد جامع مسجد کے نواح میں پہنچ گئے۔ دہلی میں مسلمانوں کے اقتدار کی وہ پُرعظمت نشانی زمانے کے سردوگرم کے باوجود اسی شان سے سربلند تھی۔ جذباتی غلبے کے عالم میں ہمارے قدم اٹھتے رہے لیکن جب ہم مسجد کے ملحق علاقوں میں پہنچے تو مسلمانوں کی زبوں حالی دیکھ کر میری نگاہیں جھکتی چلی گئیں۔

اپنی وضع قطع اور لباس سے مسلمان الگ پہچانے جارہے تھے۔ ہر طرف رونق اور گہما گہمی تھی مگر بیشتر چہروں پر عسرت و تنگ دستی کی نشانیاں ثبت تھیں۔ ٹھیلوں اور چھوٹی چھوٹی دکانوں سے تنگ اور خستہ حال مکانوں تک ایک ہی کہانی نظر آرہی تھی۔

شاید وہیں کے کسی تنگ مکان کے فراخ دل مکینوں کی پناہ سے آرک والوں نے اس شخص کو پکڑا تھا جو ٹرانس میٹر استعمال کررہا تھا۔ ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے کافی دیر تک اسی علاقے میں گھومتے رہے۔ اسی دوران میں موقع پاکر میں نے غزالہ کو ایک ہوٹل میں بٹھایا اور خود ایک قریبی پبلک بوتھ پر جا پہنچا جہاں سے میں غزالہ پر بھی نظر رکھ سکتا تھا۔

رات ہوچکی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ کوئی ایمرجنسی نہ ہوئی تو اول خان اس وقت اپنے گھر پر موجود ہوگا۔ میں نے کارڈ لگا کر اس کے گھر کا نمبر ملالیا۔

دوسری گھنٹی پر مجھے اول خان کی پُرسکون ہیلو سنائی دی جو یکایک ہیجان آمیز ہوگئی "ہیلو۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ تم بول رہی ہو! کہاں ہو؟" شاید فون پر انٹرنیشنل کال ملنے کی مخصوص بیپ نے اسے چونکا دیا تھا۔ اس کا دھیان براہِ راست میری طرف گیا تھا۔

میں بے ساختہ ہنس پڑا "ابھی تو صرف تمہارے فون کی گھنٹی بجی تھی۔ میں کہاں بولا تھا۔۔۔"

"تت۔۔۔ تم کہاں ہو۔۔۔؟ خیریت سے ہو نا؟" اس نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی۔

"میں وہیں ہوں۔ سب کچھ ٹھیک رہا تو شاید پرسوں لوٹ آؤں۔ اس گدھی سے کہہ دینا کہ اب مجھے فون کرنے کی حماقت نہ کرے۔"

"اس نے سنگین غلطی کی تھی اور پھر خود ہی سہم گئی۔ وہ ابھی تک پہلے پڑاؤ پر ہے۔" اول خان مجھے ڈھکے چھپے الفاظ میں بتا رہا تھا "اس کے لائے ہوئے تحفوں نے ہر ایک کو حیران کردیا ہے۔ وہاں اس کی زبردست آؤ بھگت ہو رہی ہے۔"

"زندگی رہی تو اب ملاقات ہی ہوگی۔" میں نے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔

ویرا نے میری کے نام سے مجھے فون کرکے واقعی سنگین حماقت کی تھی۔ اسے ایسی غلطی کے اعادے سے روکنا ضروری تھا۔ میں نے دہلی کی سیر کے دوران میں موقع سے فائدہ اٹھالیا تھا ورنہ ہوٹل سے ایسے کسی رابطے کا تصور ہی محال تھا۔

مزید کچھ وقت اس علاقے میں گزار کر ہم واپس ہولیے۔ ٹھیلوں اور پھیری والوں کی مخصوص صدائیں دور تک ہمارا پیچھا کرتی رہیں۔

"مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ آپ جان بوجھ کر اس علاقے میں آئے تھے۔" واپسی میں غزالہ نے کہا۔

"دہلی میں کچھ دن گزار لینے کے بعد اب میں اس قابل ہوا ہوں کہ چند گنے چنے راستوں کو سمجھ سکوں پھر بھی قرول باغ میں انل کے گھر تک پہنچنا میرے بس سے باہر ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے ٹالنے کی کوشش کی ہے۔" غزالہ نے شکوا کیا۔

"ہماری یہ سیر اس مجاہد کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے تھی جو اس علاقے میں آرک والوں کے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ شاید اس کی گرفتاری کے بعد ہی آرک والوں نے اپنی اسکیٹنگ وینز دہلی کی سڑکوں سے ہٹائی ہیں۔"

"واقعات کی کڑیاں بھی خوب ملتی ہیں۔" وہ ہلکی سی پھریری لے کر بولی "آرک کی گاڑیاں گشت پر نہ ہوتیں تو گوپال آپ سے اپریٹس پر رابطہ نہ کرتا۔ رابطہ ہوتے ہی آپ نے اسے بروقت بلالیا ورنہ اس بار سی ایس ڈی وغیرہ ضرور را کے ایجنٹوں کے ہاتھ لگ جاتی۔"

"اور ہماری کھالوں میں بھس بھردیا گیا ہوتا۔" میں نے اس کی بات مکمل کرتے ہوئے کہا "بعض اوقات چھوٹے چھوٹے واقعات بڑے واقعات کی بنیاد بن جاتے ہیں۔ پکڑے جانے والے کو علم بھی نہیں ہوگا کہ اس کے عتاب کا فیض کس پہنچا ہے۔"

"بھارت کو اپنی طاقت اور تنظیم پر گھمنڈ ہے۔ آپ نے ان کے گھر میں گھس کر را اور دوسرے نشانوں پر جو چوٹ لگائی ہے اس پر وہ بلبلا اٹھے ہیں۔ دم کچلے ہوئے خوں خوار کتے کی طرح ہر ایک کو پھاڑ کھانے کو دوڑ رہے ہیں۔ ان کا زخم تازہ ہے مگر انتقام لینے کے لیے کوئی ہدف سامنے نہیں ہے۔ اگر وہ بے چارہ نہ پکڑا جاتا تو یہ کھسیانی بلی ابھی تک کھمبا نوچ رہی ہوتی۔"

"اب تک انہوں نے اپنے تشدد سے اسے زندہ درگور کردیا ہوگا۔ نرلیش کے دفتر کی آگ را کے ہر افسر کے سینے میں بھڑک رہی ہوگی۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "کرتا کوئی اور ہے اس کا نتیجہ کسی اور کو بھگتنا پڑتا ہے۔"

"کیا اس سے آپ کے کاموں کا اخلاقی جواز کمزور نہیں ہوجاتا؟" غزالہ نے سوال کیا۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر دھیرے سے کہا "کام کرنے اور نتیجہ بھگتنے والوں کا تعلق ایک ہی فرق سے ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اپنے مشن کے حصول کے لیے ہر ایک کو قربانی دینا پڑتی ہے۔ تم یہ دیکھو کہ میں نے اپنے لیے کچھ

نہیں کیا۔ اپنے ملک کے لیے میدان میں اترا ہوا ہوں جو پکڑا گیا وہ بھی ملک کے لیے کچھ کر گزرنے کے جذبے سے سرشار تھا مگر اپنے گردوپیش کے ماحول سے بے خبر تھا اس لیے پکڑا گیا۔"

"یہاں ان واقعات کو دہشت گردی قرار دیا جارہا ہے۔" غزالہ نے کمزور لہجے میں کہا۔

"اپنے سیکیورٹی نیٹ ورک کی ناکامی پر وہ کس طرح پردہ ڈال سکتے ہیں؟" میں نے پوچھا "ہم اپنے ہدف کے حصول کے لیے کوششیں کررہے تھے اور وہ اپنے فرض سے غافل تھے۔ گرین کوبرا اور دوسرا ریکارڈ اڑا لینے کے بعد اپنی کارروائی کی پردہ پوشی کے لیے دفتر کو آگ لگانا ہماری ضرورت بلکہ مجبوری تھی۔ ناگر نے ایک ذمے دار افسر کے بجائے کسی آوارہ سانڈ کی سی حرکت کی اور درمیان میں کود پڑا۔ وہ نہ مارا جاتا تو ہم مرتے۔ یہ کسی بھی طرح دہشت گردی نہیں تھی۔ مار کھانے والے یہی کہتے رہیں گے جو وہ کہہ رہے ہیں۔"

غزالہ نے دہلی کی سڑکوں پر راستہ طے کرتے ہوئے جان اسمتھ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ وہ جانتی تھی کہ امریکی سفارتی افسروں کی بھیڑ میں چھپا ہوا، سی آئی اے کا وہ خونی بھیڑیا کس قدر موذی اور خون آشام درندہ تھا جو کراچی میں بیٹھ کر پورے جنوبی ایشیا کے گلے میں امریکی غلامی کا طوق پہنانے کے منصوبے پر کام کررہا تھا۔

"حیرت ہے کہ سرکاری طور پر ابھی تک کسی نے کھل کر پاکستان پر الزام تراشی نہیں کی۔" راہ گیروں کی بھیڑ سے نکل آنے کے بعد غزالہ نے کہا۔

"ثبوت کے بغیر وہ کسی کا نام نہیں لیں گے کیونکہ اس طرح خود ان کی تحقیر ہوتی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں سوال پیدا ہوگا کہ پاکستانی دہشت گرد دہلی آئے۔ را کے دفتر کی تلاشی لے کر آگ لگائی اور لوٹ گئے مگر را والے ان کی پونچھ کا بال بھی نہیں پکڑ سکے تو انہیں کس لیے پالا جارہا ہے۔"

جب سے ہم نے اپنے دشمنوں کے خلاف کامیاب کارروائیاں کی تھیں، ہم دونوں کو آپس میں کھل کر تبادلہ خیال کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے تک غزالہ آس پاس کا میدان صاف پاکر اپنے دل کی بھڑاس نکالتی رہی۔ اس کے ذہن میں کچھ خدشے اور تحفظات باقی تھے جو میں نے دلائل کی مدد سے دور کردیے۔ جب ہم ہوٹل کی حدود میں داخل ہوئے تو پچھلے واقعات کے بارے میں دونوں کی تشنگی دور ہو چکی تھی۔

رات گہری ہورہی تھی۔ ہوٹل میں زندگی کی حرارت آفریں رونقیں عروج پر تھیں۔ ہم دونوں نے وہ پوری شام پیدل چلتے چلتے گزاری تھی۔ غزالہ کے ایما پر ہم کچھ دیر کے لیے ہوٹل کی لابی میں ٹک گئے اور اس نے ویٹر کو چائے کا آرڈر دے دیا۔

مجھے اور غزالہ کو ہوٹل کے ماحول سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے ہم نے لابی کا ایک ایسا گوشہ منتخب کیا تھا جہاں زیادہ روشنیاں نہیں تھیں۔ وہاں بیٹھ کر ہم آنے جانے والوں کی نظروں سے محفوظ تھے مگر خود ان کا جائزہ لے سکتے تھے۔

بیٹھنے کے چند منٹ بعد ہی اچانک میری نظر سنیل پر پڑی۔ وہ ٹہلنے کے انداز میں لابی سے گزر رہا تھا۔ اس کا رویہ بتا رہا تھا کہ وہ اسی وقت ہوٹل میں داخل ہوا تھا اور بے فکری سے ایک طرف چلا جارہا تھا۔ اسی وقت ویٹر نے چائے کے برتن ہمارے سامنے سجادیے۔

سنیل کی نگاہوں میں تجسس یا بے چینی کا شائبہ تک نہیں تھا، اسے دیکھ کر یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہمیں یا کسی اور کو تلاش کررہا تھا۔ وہ ہماری نگاہوں کے سامنے لابی میں نمودار ہوا اور سیدھا چلتا ہوا ایک طرف غائب ہوگیا۔

"یہ یہاں کیا کرتا پھر رہا ہے؟" غزالہ نے اپنے گردوپیش کا جائزہ لے کر محتاط لہجے میں سوال کیا۔

"ہم یہاں ہیں اس لیے وہ بھی یہاں نظر آرہا ہے۔ اسے اندازہ ہے کہ ہم یہیں کہیں بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ اس نے کسی بھی قسم کے رابطے کے فقدان کی وجہ سے دانستہ اپنی رونمائی کرائی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آئی بی والے ہمارا اتنا زیادہ خیال رکھ رہے ہیں۔"

"پھر تو ہوٹل سے نکلتے ہوئے بھی وہ ہمارے پیچھے رہا ہوگا؟" غزالہ نے حیرت سے کہا۔

"اس کے نمودار ہونے کے انداز سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔" میں نے اس کے خیال کی تائید کی۔

"حیرت ہے، میرے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلا کہ کوئی ہمارا پیچھا کررہا ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"میں بھی بے خبر رہا۔ ہم وقت گزاری کے لیے نکلے تھے۔ کوئی خاص مقصد نہیں تھا اس لیے میں نے آگے پیچھے کی کوئی پروا نہیں کی۔"

"یہ نہ کہیں۔" غزالہ نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا "اگر ابھی کوئی آکر پوچھے کہ آپ نے پبلک بوتھ سے کسے فون کیا تھا تو آپ کیا جواب دیں گے؟"

"کوئی بھی بہانہ کیا جاسکتا ہے۔ راستے میں اچانک مجھے فون کرنے کا خیال آگیا تھا۔"

میں نے روا روی میں غزالہ کی بات اڑادی مگر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ آئندہ مجھے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ اگر سنیل ہماری بے خبری میں ہمارا پیچھا کرسکتا تھا تو را کا کوئی ایجنٹ بھی کامیابی سے ہمارا تعاقب کرسکتا تھا۔ ہمیں اپنا اگلا دن بھی دہلی میں گزارنا تھا۔ اس دوران میں میری کوئی بھی غفلت میرے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتی تھی۔ ہم کو ہر صورت میں را کے بھیڑیوں سے اپنا دامن بچائے رکھنا تھا۔

چائے ختم کرکے ہم نے لابی چھوڑ دی اور اپنے کمرے کی طرف ہولیے۔

دہلی کی جامع مسجد کے علاقے کی سیر کے دوران میں ہم شکم سیر ہوچکے تھے۔ کھانے کی کوئی حاجت محسوس نہیں ہورہی تھی۔ غزالہ نے نیچی آواز کے ساتھ ٹیلی ویژن آن کردیا اور لباس تبدیل کرنے میں مصروف ہوگئی۔

ٹیلی ویژن کی نشریات میں پچھلے واقعات کی گہری بازگشت موجود تھی۔ خبروں میں تصدیق کردی گئی تھی کہ رنگے ہاتھوں پکڑا جانے والا شخص بھارتی شہریت کا جھوٹا دعوے دار تھا۔ تفصیلی بازپرس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آگئی تھی کہ ماضی میں وہ بھارت کے کسی شہر میں نہیں رہا تھا۔ اس کے بچپن اور لڑکپن کے شناسا نہیں تھے۔ وہ سختی سے اپنے بیان پر اڑا ہوا تھا مگر بھارتی حکام اپنے طور پر اس کی صحیح شہریت کا سراغ لگانے کی کوشش کررہے تھے۔

ہماری مسہری کے اوپر' فالس سیلنگ کے دونوں شگافوں کے پیچھے چھپے ہوئے کیمرے شاید بیدار تھے اور ہم سونے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

بستر پر دراز ہونے کے بعد وقت گزارنے کے لیے ہم دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ میں نے ریموٹ کنٹرول سے ٹیلی ویژن بند کیا' غزالہ نے کمرے کی روشنیاں گل کردیں۔ وہ شہر کی سیر میں شاید زیادہ تھک گئی تھی اس لیے تھوڑی دیر بعد نیند کی آغوش میں چلی گئی لیکن میں مضطربانہ انداز میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ میرے لیے یہ احساس بہت تکلیف دہ تھا کہ پوشیدہ کیمروں کے ذریعے را کے ایجنٹ ہماری خلوت میں دخل انداز ہوچکے تھے۔

نیند سولی پر بھی آجاتی ہے۔ شاید یہ محاورہ درست نہ ہو لیکن شدید اضطراری کیفیت کے باوجود رات کے آخری لمحات میں میری آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح میری آنکھ کھلی تو غزالہ بستر پر موجود نہیں تھی۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ وہ مجھ سے پہلے بیدار ہوسکتی تھی مگر اس وقت میری ذہنی کیفیت نہ جانے کیا تھی کہ میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑ دیا۔ غزالہ تیار ہوکر سکون سے ٹیلی ویژن دیکھ رہی تھی۔ اسے خبر تک نہیں ہوئی کہ میں جاگ چکا تھا۔ اسے اطمینان سے بیٹھا ہوا دیکھ کر میری جان میں جان آئی اور میں غسل خانے کی طرف ہولیا۔

ہم دونوں میز کے گرد بیٹھے ناشتا کررہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اول خان کے ذریعے میں پچھلی شام کو ہی پاکستان والوں کو پیغام دے چکا تھا کہ وہ مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہ کریں۔ آئی بی والے پل پل کی صورتِ حال سے باخبر تھے۔ وہ مجھے فون کرنے کی غلطی نہیں کرسکتے تھے۔ میری دانست میں وہ کال نرلیش یا رینا کی ہوسکتی تھی۔

اپنے اس مفروضے کے ساتھ میں نے ریسیور اٹھایا تو آپریٹر نے لائن پر نرلیش کی موجودگی کی خبر سنائی اور میری رضا پاتے ہی لائن ملادی۔

"میرا خیال تھا کہ تم سو رہے ہوگے مگر تمہاری آواز بہت ترو تازہ ہے۔" میری آواز سنتے ہی نرلیش فون پر چہکا۔

میرے لیے اس کی خوش دلی حیران کن تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اپنے کیمروں کے بندوبست کی ناکامی پر جھلایا ہوا ہوگا۔ میں نے اسی کے انداز میں جواب دیا "گیارہ بجنے والے ہیں۔ میں کافی دیر پہلے اٹھ گیا تھا۔ اس وقت ناشتا کررہا تھا۔"

"ویری گڈ! یہ بتاؤ کہ اب تمہارے ڈپریشن کا کیا حال ہے؟" اس نے براہِ راست سوال کیا۔

"کل میں نے خاصا وقت شہر میں گزارا۔ اس سے موڈ تبدیل ہوا ہے مگر ایک تشویش اپنی جگہ برقرار ہے۔ شاید ایک آدھ دن میں وہ بھی دور ہوجائے گی۔" میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر فی البدیہہ ایک شوشا چھوڑ دیا۔

وہ مجھ سے براہِ راست یہ سوال نہیں کرسکتا تھا کہ میں پچھلی رات غزالہ سے دور کیوں رہا تھا مگر اس نے میری توقع کے مطابق میری بات پکڑلی اور رازدارانہ آواز میں پوچھا "خیریت تو ہے؟ تشویش کس بارے میں ہے تم کو؟"

"کوئی نفسیاتی گرہ معلوم ہوتی ہے۔" میں نے بھی اپنی آواز دھیمی کرلی جیسے نرلیش مجھے غزالہ سے زیادہ عزیز اور قابلِ اعتماد محسوس ہوتا ہو۔ "میری گرل فرینڈ مجھ سے شاکی ہوگئی ہے۔ ہم یہاں ہنسنے کھیلنے کے لیے آئے تھے مگر اب

طبیعت اس کی طرف راغب نہیں ہو رہی۔"

میں نے اسے وہی بتایا تھا جو وہ میری اور غزالہ کی ریکارڈ کی ہوئی گفتگو کی صورت میں شاید پہلے ہی سن چکا تھا۔ ریسیور پر ایک گہرے سانس کے بعد اس کی آواز ابھری۔ "تم بہت ڈرپوک آدمی ہو۔ یہ کمزوری قابلِ رحم ہے۔ تم چاہو تو میں تمہیں ایک سنیاسی سے ملوا سکتا ہوں۔ اس کے پاس دور دور سے لوگ آتے ہیں اور اس کے نادر نسخوں سے شفایاب ہو جاتے ہیں۔"

انڈین سیکرٹ سروس کا وہ ذمّے دار افسر اپنے مقصد کے حصول کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لیے آمادہ تھا۔ میں نے اس کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے کہا "آج یہاں ہماری آخری رات ہے۔ میں جلد از جلد پاکستان جا کر ہی۔۔۔"

"پاکستان جانے کی تمہیں کیا جلدی ہے؟" میری بات مکمل ہونے سے پہلے نریش کی اضطراری آواز سنائی دی "دو چار دن میں تم بھلے چنگے ہو جاؤ گے۔"

"تم سے پیشگی تنخواہ لے لینے کے بعد میرے سر پر تمہارے کام کا بوجھ سوار ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اپنے گھر اور ماحول میں لوٹ کر مجھے کسی علاج معالجے کی ضرورت نہ رہے۔ میں خود ٹھیک ہو جاؤں۔ سچ پوچھو تو اب یہاں سے میرا دل اچاٹ ہو گیا ہے۔"

"میں تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں۔" نریش کا لہجہ خشک اور مایوسانہ ہو گیا۔ "تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں تاکہ تم دہلی کے بارے میں خراب تاثرات لے کر نہ جاؤ۔ یہ مہمان نوازوں کا شہر ہے۔ میرا کام دو چار دن بعد بھی شروع ہو سکتا ہے۔"

"نہیں نریش!" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔ "یہ کوئی مرض نہیں، نفسیاتی گرہ ہے۔ جو تمہاری بدسلوکی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ میں جب بھی تمہارا سامنا کرتا ہوں میرے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگنے لگتی ہے۔ ذہن پر عجیب اور بے نام خوف سوار ہو جاتا ہے۔ اس ماحول سے نکلتے ہی میں سدھر جاؤں گا۔ میرا یہاں سے لوٹ جانا ہی میرے اور تمہارے مفاد میں ہے۔"

میرے اس جواب میں خاصی تلخی موجود تھی جو نریش کی بڑائی کے اظہار میں شاید معدوم ہو گئی تھی۔ اس کی آواز یکایک پُرغرور ہو گئی۔ "مظہر! تم بلاوجہ مجھے بدنام کر رہے ہو۔ میں نے تمہارے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا۔ دلی کے تیسرے درجے کے چور اور اچکے بھی اس سے زیادہ ذہنی اور جسمانی تشدد ہنستے کھیلتے سہہ لیتے ہیں۔ تم تو ذرا سی پوچھ گچھ میں ہی پینڈے کے بل بیٹھ گئے۔"

"تمہاری بات سو فیصد درست ہے۔" میں نے نرم آواز میں اعتراف کیا "چور اور اچکے ہر بات اور مار سہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ ڈھیٹ ہو چکے ہوتے ہیں۔ تم بھول رہے ہو کہ میں ایک عزت دار کاروباری آدمی ہوں۔ وہ میری زندگی کا پہلا تلخ تجربہ تھا جو میرے دماغ کی نسوں میں بیٹھ چکا ہے۔"

شاید میری کہی ہوئی بات اس کی سمجھ میں آرہی تھی۔ چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھا گیا پھر اس کی بوجھل آواز آئی۔ "یہ سچ تمہیں انکل انل کے سامنے اگلنا چاہیے تھا۔ وہاں تم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی بلکہ میری بات کو الزام بنا کر جھٹلایا۔ اب مان لو کہ تم نے بیلا سنگھ کو میرے دوست کی بیٹی سمجھ کر معاف نہیں کیا تھا بلکہ تم اس کا کچھ بگاڑنے کے قابل ہی نہیں تھے۔"

"اس وقت مجھے خود اپنی حالت کا اندازہ نہیں تھا۔ اپنی ساتھی کے شکوے کے بعد میں صحیح نتیجے پر پہنچا ہوں۔ تم چاہو تو میں یہ بات تمہارے انکل کے سامنے بھی دہرا سکتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہارے دوست کی بیٹی والے قصے سے اس کا بھی کوئی تعلق ہے۔"

"انکل کا اس معاملے سے کیا واسطہ!" اس کی جھلّائی ہوئی آواز میرے کانوں میں گونجی "میں تمہیں یہ جتا رہا تھا کہ وہاں تم نے جھٹ اپنی اور رینا کی فلم کا طعنہ دیا تھا۔ اب کچھ اور سنا رہے ہو۔"

اسے سلگانا یا مشتعل کرنا میرے مفاد میں نہیں تھا۔ میں نے جھٹ ہتھیار ڈال دیے۔ "اس وقت میں غلطی پر تھا۔ اب میری آنکھیں کھل چکی ہیں۔ تم جس طرح چاہو، میں اپنی تضاد بیانی کا ازالہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ یاد رکھنا کہ تمہاری ویڈیو آج بھی ہمارے قبضے میں ہے۔"

"یہ بات میں مرتے دم تک نہیں بھول سکتا۔" میں نے جلدی سے کہا "پتا نہیں تم بار بار اس کا حوالہ کیوں دیتے ہو۔"

"ایک عزت دار کاروباری آدمی کو اس کے کمزور لمحوں کا احوال بار بار یاد دلانے سے اس کا حافظہ مضبوط رہتا ہے۔ تم نے ہم سے کیے ہوئے معاہدے سے ذرا بھی منہ پھیرا تو کراچی کی ہر ویڈیو شاپ سے دس دس روپے کرائے پر تمہاری یہ فلم دستیاب ہو گی۔"

"یہ بات بھی تم پہلے بتا چکے ہو اور میں اسے ذہن نشین کر چکا ہوں۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر تم سے سمجھوتا کیا

ہے۔ میرے دل میں کوئی کھوٹ ہوتا تو ہمارے معاملات اس حد تک نہ پہنچے ہوتے جہاں آج نظر آرہے ہیں۔" میں نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"بعض باتوں کا بار بار دہرانا اچھا ہوتا ہے۔" اس کا لہجہ طنز میں لتھڑا ہوا تھا۔

وہ بہت خبیث اور بدفطرت آدمی تھا۔ اپنا ہدف حاصل کرنے کے لیے بلیک میلنگ پر تلا ہوا تھا اور پھر بلیک میل کرنے کے لیے بار بار ایک ایسی فلم کا حوالہ دے رہا تھا جو ناگر کی ہڈیوں کے ساتھ نریش ہی کے دفتر میں جل کر خاک ہوچکی تھی۔ مشکل یہ تھی کہ میں اسے فلم کے انجام کے بارے میں اپنی معلومات کا کوئی حوالہ نہیں دے سکتا تھا۔ وہ مجھ سے حقیقت چھپا کر مسلسل جھوٹ بولے جارہا تھا۔

مجھے یکایک احساس ہوا کہ مجھ سے تازہ ترین گفتگو کے بعد وہ جھوٹ اس کی مجبوری بن چکا تھا۔ جب تک اسے یہ امید تھی کہ وہ جلی ہوئی فلم کا کوئی متبادل حاصل کرلے گا وہ پر امید تھا۔ میرے اوپر بیلا سنگھ کا وار ناکام ہونے کے بعد وہ جھلا کر پھٹ پڑا تھا مگر پھر اس کے شیطانی دماغ نے میرے کمرے میں خفیہ کیمرے نصب کرنے کی راہ نکال لی اور میرے ساتھ اس کا رویہ خوشگوار ہوگیا۔

اس کے لگوائے ہوئے کیمروں کے سائے میں ہم نے عافیت کی ایک رات گزار لی تھی۔ کام کوئی مواد نہ ملنے پر شاید اس نے متجسس ہوکر مجھے فون کیا اور اس بار میں نے اس کے گھناؤنے کھیل کی طوالت ختم کرنے کے لیے اسے ایک بالکل نئی کہانی سنا ڈالی جس کی روشنی میں اس کی کامیابی کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔ اس کے لیے وہ کہانی مایوس کن ثابت ہوئی تھی۔

ایسی صورت میں وہ جھوٹ بولنے پر مجبور تھا۔ ربنا اجیت رائے کے روپ میں اس نے میری طرف پہلا تیر چلایا تھا ٹھیک نشانے پر لگا تھا مگر اس کے دفتر میں لگنے والی آگ نے اس کی کامیابی کو ناکامی میں بدل دیا تھا۔

میرے خلاف اس کے پاس ایسا کوئی مواد نہیں رہا تھا جس کے سہارے مجھے بلیک میل کیا جاسکے۔ اپنی تیسری کوشش کی طرف سے ناامید ہونے کے بعد اس کے سامنے وہی ایک راہ باقی رہ گئی تھی کہ وہ جھوٹ پر جم جائے اور مجھے پہلی فلم کی دھونس دیتا رہے۔

"تم ان باتوں کو دہرا کر اپنا دل خوش کررہے ہو تو میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ مجھے اپنی کمزور پوزیشن کا اندازہ ہے۔"

"آج دہلی میں تم اپنی آخری رات گزارنے کے پابند ہو۔ کل صبح تمہیں آزادی ہوگی کہ جب چاہو واپس لوٹ جاؤ۔" میرے عاجزانہ جواب سے تسکین پاتے ہی اس نے وہ بات کہہ ڈالی جس کا میں دیر سے منتظر تھا۔

انل بسواس نے پچھلے دن را کے صدر دفتر میں غزالہ سے وہی بات کہی تھی مگر مجھے بھروسا نہیں تھا کہ وہ لوگ آخر تک اپنے اس فیصلے پر قائم رہیں گے۔ نریش نے میری طرف سے ناامید ہونے کے بعد وہ بات دہرائی تھی تو اس میں کچھ نہ کچھ وزن ضرور تھا۔

"اس فیصلے کے لیے میں تمہارا اور تمہارے انکل کا شکر گزار ہوں۔ شاید ہم کل کا دن شاپنگ میں گزاریں گے۔ پرسوں میں تمہارے مشن کی تکمیل کے لیے دہلی سے روانہ ہوجاؤں گا۔ ڈینی میرا سب سے پہلا ہدف ہوگا۔" آخری فقرے کا اضافہ میں نے جان بوجھ کر کیا تھا۔

"کاش تم اس عفریت کو اپنے کسی جال میں پھانس سکو!" دکھتی رگ پر ہاتھ پڑتے ہی وہ حسرت بھرے لہجے میں بول اٹھا "تم سوچ نہیں سکتے کہ یہ کام کر کے تم اپنے لیے کیا مقام پیدا کرو گے۔"

آزادی کا مژدہ سنا کر پہلے اس نے مجھے خوش کیا تھا۔ ڈینی کو گرانے کا عہد دہرا کر میں نے اسے خوش کردیا۔ یوں تلخیوں سے گزرنے والی ہماری وہ گفتگو ایک بہتر انجام کے ساتھ ختم ہوگئی۔

اس کال پر غزالہ کی خاموشی خطرناک ثابت ہوتی کیونکہ ہمارے کمرے میں ابھرنے والی ہر آواز کہیں سنی اور ریکارڈ کی جارہی تھی۔ غزالہ کو اس نازک صورتِ حال کا مکمل ادراک تھا۔ میں ریسیور کریڈل پر رکھ کر مڑا تو غزالہ نے بے ساختہ پوچھا "کیا نریش سے بات ہورہی تھی؟"

"بہت صحیح اندازہ لگالیا تم نے۔" میں نے حیرت سے کہا "کیا میں نے اس کا نام لیا تھا؟"

"نام بھی لیا تھا مگر میں نے آپ کے بعض جواب سنے ہیں۔ کیا اب کوئی نیا مسئلہ پیدا ہورہا ہے؟"

"مسئلہ کوئی نہیں ہے۔ وہ میرے ڈیریشن کی طرف سے فکر مند تھا۔ ساتھ ہی یاد دلا رہا تھا کہ پاکستان لوٹنے کے بعد میں اس کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو فراموش نہ کروں۔ مجھے بار بار کی یہ تکرار اچھی نہیں لگتی۔ اس پر ذرا سی بحث ہوگئی تھی۔"

"را والوں سے آپ کے کیا وعدے ہوئے ہیں؟" اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے اتنی سنجیدگی سے پوچھا

کہ لمحہ بھر کے لیے میں بوکھلا گیا۔

"کوئی وعدے نہیں ہوئے۔" میں نے سنبھالا لے کر اسے جواب دیا "یہ مردانہ باتیں ہیں۔ تم کو ان بکھیڑوں میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"میں خود بھی آپ سے کچھ نہیں پوچھتی۔ اس وقت آپ کی یک طرفہ باتیں سنی ہیں تو دل میں یہ تجسس جاگ اٹھا۔ را کا قصہ شروع سے چل رہا ہے لیکن میں نے اس بارے میں آپ سے کوئی سوال نہیں کیا۔"

"یہ بھارت کی باتیں ہیں۔ انہیں تم یہیں بھول جاؤ گی۔ پاکستان لوٹنے کے بعد تم نے کسی کے بھی سامنے را کا نام لیا تو یہ سمجھ لینا کہ میرے ساتھ تمہاری زندگی بھی برباد ہو جائے گی۔"

"یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ مجھے صرف اپنی اور آپ کی خوشیاں عزیز ہیں۔ اس سے آگے آپ کیا کرتے ہیں، اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

ناشتے کے بعد ہم دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ وہ ساری گفتگو را والوں کو سنانے کے لیے تھی جو ہمارے کمرے میں مائیکرو فون لگا کر کہیں چھپے بیٹھے تھے۔ یہ بات ہم پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ ہمیں ہوٹل کے کمروں میں اپنا کم سے کم وقت گزارنا تھا۔ اس لیے غزالہ نے تجویز پیش کی کہ ہم بازار کا ایک چکر لگالیں تاکہ اگلے دن کے لیے خریداری کا بوجھ ہلکا ہو سکے اور میں فوری طور پر رضامند ہو گیا۔

دہلی میں ہم دونوں کا کوئی عزیز یا رشتے دار نہیں تھا جسے دکھانے کے لیے ہمیں زیادہ تیاری یا خوش پوشی کے کسی نفیس مظاہرے کی ضرورت ہوتی۔ ہم ذرا سی دیر میں تیار ہو کر ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔

ہوٹل سے نکلنے کے بعد ایک مرتبہ پھر کناٹ پلیس کے علاقے نے ہمارے قدم روک لیے۔ شہر میں سیر و تفریح کے متعدد مراکز موجود تھے جن کی اپنی اپنی خوبیاں تھیں مگر کناٹ پلیس کی بات ہی اور تھی۔ وہاں سے بارہا گزرنے کے باوجود میں اس پرشکوہ علاقے میں ہر مرتبہ ایک نئی کشش محسوس کرتا تھا جو دوسرے علاقوں میں مفقود تھی۔

خریداری کا ذکر ایک بہانہ تھا ورنہ ہمیں اس روز بھی باہر کوئی کام نہیں تھا۔ ہم کافی دیر تک کناٹ پلیس کی دائرہ در دائرہ عمارتوں کی اونچی اونچی راہداریوں، پرشوکت برآمدوں اور شان دار دکانوں میں گھومتے رہے۔ اس دوران میں غزالہ تھوڑی بہت خریداری بھی کرتی رہی۔ میں نے اس بات پر کڑی نگاہ رکھی تھی کہ وہ کوئی بھاری چیز نہ خریدنے پائے۔ زیادہ بھاری سازو سامان ہماری واپسی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا تھا۔

کناٹ پلیس سے جامع مسجد ایک سمت میں تھی تو قرول باغ کا علاقہ دوسری طرف تھا۔ میں نے سوچا کہ اگلی رات ہمیں اپنے بڑے شکار کے لیے اس طرف جانا تھا۔ کیوں نہ اسی وقت وہاں کا ایک چکر لگالیا جائے۔ ایک موہوم سی امید تھی کہ میں اس آبادی میں انل بسواس کا بڑا گھر پہچاننے میں کامیاب ہو جاؤں جو سنیل ایک بار مجھے دکھا چکا تھا۔

سنیل کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق نریش شرما بھی اسی علاقے میں رہتا تھا۔ اس کا گھر چھوٹا تھا جبکہ انل بسواس کو اپنے بڑے عہدے کی بنا پر ایک وسیع کوٹھی ملی ہوئی تھی جہاں داخل ہونا آسان نہیں تھا۔

"ہمیں اسی طرف چلنا چاہیے۔" میری تجویز سن کر غزالہ خوش ہو گئی "یہاں ہم اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔ ہو سکے تو ہمیں ان دونوں کے گھروں میں گھس کر مواقع کا جائزہ بھی لے لینا چاہیے۔"

"ایسا کوئی خیال دل میں نہ لانا۔ اب وہ ہم دونوں کو پہچانتے ہیں۔ ہم ان کے گھروں میں گھسے تو اپنی مرضی سے باہر نہیں نکل سکیں گے۔"

"پھر تو ہمیں ادھر کا رخ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ انہوں نے اتفاق سے ہمیں قرول باغ میں گھومتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کے کان کھڑے ہو جائیں گے اور وہ ہمارے کل کے مشن کو آسانی سے کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔"

وہ خدشہ میرے ذہن میں بھی تھا۔ میں نے جواب دیا "وہ ایک وسیع رہائشی علاقہ ہے۔ ہم ان دونوں میں سے کسی کے گھر نہیں پہنچ سکتے۔ بس ذرا اس علاقے سے آشنائی ہو جائے گی۔ شہر میں لوگ بھانت بھانت کے حلیوں میں گھوم رہے ہیں۔ ہم بھی بڑے چھجوں والے ہیٹ اور دھوپ کے چشمے خرید لیتے ہیں۔ سرسری نظر میں ان کا باپ بھی ہمیں نہیں پہچان سکے گا۔"

"میں آپ کے ساتھ ہوں۔" غزالہ نے خوش دلی سے کہا۔

"ادھر نہیں۔ یہ کل والا راستہ ہے جو جامع مسجد کی طرف جاتا ہے۔ آج ہمیں اس طرف جانا ہے۔" میں نے اس کا بازو تھام کر اس کا رخ گھما دیا۔

کناٹ پلیس سے نکل کر ہم اندر ہی اندر پہاڑ گنج کے گنجان اور بارونق علاقے میں اتر گئے۔ پہاڑ گنج کو دہلی میں ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہم شہر کے اس حصے سے اتنا قریب رہ رہے تھے۔

مجھے یاد تھا کہ جب میں آئی بی والوں سے اپنی پہلی ملاقات کے لیے حضرت باقی باللہ کے مزار پر گیا تھا تو نئی دہلی کا ریلوے اسٹیشن میرے داہنے ہاتھ پر پڑا تھا۔ وہاں سے

گزرتے ہوئے رکشا والے نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا تھا کہ سڑک کے بائیں طرف پہاڑ گنج کا علاقہ تھا۔

پہاڑ گنج میں دہلی کی قدیم اور جدید تہذیب کے شاہکار یکجا نظر آتے ہیں۔ عمارتوں سے انسانوں تک میں یہ خوشگوار اور انفرادی تضاد نظر آتا ہے۔ کسی گائیڈ کی مدد کے بغیر یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے وہاں کھڑی ہوئی عمارتیں کس دور کی عکاسی کررہی ہیں۔

پہاڑ گنج سے نکلتے ہی ہمیں ایک دکان کے نام کے نیچے انگریزی میں جھنڈے والا ان لکھا ہوا نظر آیا۔ وہ شاید اس آبادی کا نام تھا۔ اس سے آگے قرول باغ کا زندگی سے معمور رہائشی علاقہ واقع تھا۔

اپنی اس طویل پیدل مہم میں ہم جھنڈے والا ان سے سیدھے بندھو گپتا روڈ پر جانکلے۔ ہمارا مقصد قرول باغ کی سڑکیں ناپنا نہیں تھا۔ میں اس علاقے کا ناقدانہ سروے کرنا چاہ رہا تھا۔ دہلی پبلک لائبریری سے آگے نکلتے ہی میں بائیں طرف مڑگیا۔

ہم نے باتیں کرتے ہوئے اور راستے میں نظر آنے والے ہر قابل ذکر مقام میں گہری دلچسپی لیتے ہوئے اپنا وہ سفر خراماں خراماں طے کیا تھا اس لیے ہمیں ہوٹل سے وہاں پہنچنے میں دیر ہوگئی تھی ورنہ میرے اندازے کے مطابق وہ مسافت ڈھائی تین کلومیٹر سے زیادہ نہیں تھی۔ پیدل وہاں تک پہنچنے کے بعد اندازہ ہوا تھا کہ ہمارے بدترین دشمن ہمارے پڑوس ہی میں رہ رہے تھے۔

ہم نے راستے میں بڑے ہیٹ اور دھوپ کے سستے چشمے خرید لیے تھے۔ دہلی کی تپتی ہوئی گرمی میں وہ چیزیں ذرا بھی اجنبی نہیں تھیں۔

بازاروں کی حد تک ہر بات ٹھیک تھی۔ کسی نے ہمیں ٹوکا نہ کچھ کہا لیکن قرول باغ میں گھسنے کے بعد ہی میں نے محسوس کیا کہ متوسط طبقے کے مکانوں کے باہر موجود لوگ دلچسپی سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے اور دبی آوازوں میں آپس میں باتیں بھی کرتے جارہے تھے۔

"آپ ان باتوں پر دھیان نہ دیں۔" میری نشان دہی پر غزالہ نے دھیمی آواز میں کہا "یہ بہت اچھی بات ہے کہ دلی کے باسی ابھی اس معاشرتی بیگانگی کے شکار نہیں ہوئے ہیں جو کراچی میں عام نظر آتی ہے۔ انہیں تجسس ہے کہ ان کے علاقے میں کون آیا ہے اور کس تک پہنچنا چاہتا ہے۔ کراچی میں چور اور ڈاکو تک دندناتے ہوئے آتے ہیں اور اپنا شکار کھیل کر لوٹ جاتے ہیں۔ جس پر وہ ناگہانی افتاد ٹوٹتی ہے وہی اس کا خمیازہ بھگتتا ہے۔ دوسرے معصوم تماشائی بنے رہتے ہیں اور کبھی زبانی ہمدردی سے آگے نہیں بڑھتے۔"

"اس وقت کسی معاشرتی اسکالر کی طرح تقریر کررہی ہو۔"

"تیز مشاہدہ رکھنے والا ہر حساس آدمی اپنے ماحول کا اسکالر ہوتا ہے۔" وہ خوشگوار موڈ میں کہہ رہی تھی "ہمیں اپنے علاقے میں دیکھ کران کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگتی اور یہ بے حس بنے بیٹھے رہتے تو مجھے صدمہ ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم یہاں سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کریں تو تھوڑی دیر میں اپنے دونوں حریفوں کے دروازوں تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہم یہاں اس مقصد سے نہیں آئے۔" میں نے اسے گھور کر کہا۔

وہ شوخی سے ہنس پڑی "میرا بھی یہ ارادہ نہیں ہے۔ میں ایک مثال دے رہی تھی۔"

کسی بھی آبادی میں تو وارد افراد کا تجسس اور ان کا متلاشی انداز مقامیوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہتا۔ ہم تیسری گلی سے گزر رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ایک مکان کے باہر چبوترے پر بیٹھے ہوئے کئی نوعمر اور ادھیڑ عمر افراد کی نظریں ہمارے اوپر مرکوز ہوچکی تھیں۔

میں نے بھی دور سے ان کے تیور بھانپ لیے اور اپنی رفتار قدرے تیز کردی۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں اس ٹولی کو یکسر نظرانداز کرکے تیزی سے آگے نکلتا چلا جاؤں گا۔

"تم بھی ان کی طرف نہ دیکھنا۔" میں نے غزالہ کو خبردار کیا "یہ بھیڑ گلے پڑسکتی ہے۔"

"نہیں دیکھوں گی مگر مجھے ان کی نظروں میں ہمدردانہ تشویش نظر آرہی ہے۔"

"بک بک مت کرو۔ ہمارے لیے صرف دو بھارتی ہمدرد کافی ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی کی ضرورت نہیں۔" میں نے دھیمی آواز میں تلخی سے کہا۔

ہم نے اپنی گردنیں سیدھی کیں اور تیز تیز قدموں سے ان کے سامنے سے گزرتے چلے گئے۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا کہ ان میں سے کئی ہم سے مخاطب ہونے کے متمنی تھے مگر ہماری توجہ نہ پاکر ان کے چہروں پر مایوسی پھیل گئی تھی۔

لیکن ان میں سے کسی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ وہ ہمارے پیچھے لپکتا ہوا چند لمحوں میں ہمارے ساتھ ہولیا۔

"بھیا! پردیسی لگتے ہو، کس کا گھر ڈھونڈ رہے ہو؟" اس نے کھیسیں پھیلا کر بہت نرمی سے پوچھا۔

میں نے دھوپ کے چشمے کے تاریک شیشوں کی اوٹ سے اسے گھورا۔ وہ ایک سادہ لوح آدمی تھا۔ اس سے الجھنا بے سود تھا۔ میں نے اطمینان سے کہا "ہم بھگت سنگھ کا گھر ڈھونڈ رہے ہیں۔"

اس کے چہرے پر ناچنے والی مسرت دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ وہ مسرت بھری آواز میں کہہ رہا تھا "وہ تو پیچھے والی گلی میں رہتے ہیں۔ ریلوائی میں منشی کا کام کرتے ہیں۔ آؤ' میں تمہیں ان کے دروازے تک چھوڑ آتا ہوں۔ اس وقت گھر پر ان کے بال بچے ہوں گے۔ وہ اپنی ڈیوٹی سے شام ڈھلے واپس آتے ہیں۔"

اس نے ایک ہی سانس میں معلومات کا دریا بہا دیا تھا جو میرے لیے سود مند ثابت ہوا۔ میں نے تحمل اور سنجیدگی سے کہا "ہمارے بھگت سنگھ تیل کا کاروبار کرتے ہیں۔ ان کا ریلوے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ یہاں اکیلے رہتے ہیں۔"

وہ بے چارہ سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے جوابی وار میں اسے چت کر دیا تھا۔

چند ثانیوں تک اپنا سر کھجانے کے بعد اس نے پوچھا "ان کے مکان کا نمبر کیا ہے؟"

"نمبر نہیں معلوم مگر گھر میرا دیکھا ہوا ہے۔ تم آرام کرو۔ ہم تھوڑی دیر تک بھٹکنے کے بعد اس کا گھر تلاش کر لیں گے۔"

"آگے جا کر تم الٹے ہاتھ پر مڑو گے تو وہاں پیپل کے نیچے شطرنج کی بازی چل رہی ہوگی۔ وہ لوگ سب کو جانتے ہیں۔ تمہیں دوسرے بھگت سنگھ کے گھر بھیج دیں گے۔ کوئی بھی بچہ تمہیں وہاں پہنچا دے گا۔"

اس سے گلو خلاصی کی امید ہوتے ہی میں نے اس کا شکریہ ادا کیا' اسے یقین دلایا کہ میں اس کے مشورے پر ضرور عمل کروں گا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

غزالہ اس صورت حال سے خاصی محظوظ ہوئی تھی۔ چند قدم دور نکل آنے کے بعد بولی "شطرنج بازوں کے گھیرے میں پھنس گئے تو وہ آپ کو بھگت سنگھ نامی کسی تیل فروش تک پہنچائے بغیر ہماری جان نہیں چھوڑیں گے۔ ہو لیا یہاں کا جائزہ' میری مانیں تو اسی وقت یہاں سے نکل جائیں۔ زبردستی ہمدردیاں لوٹنے والے لوگ کبھی کبھی بہت خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔"

"آثار یہی بتا رہے ہیں۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" میں نے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

ہم نے آبادی کے قلب میں گھسنے کے بجائے وہاں سے نکلنے کی راہ تلاش کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

وہاں سے زبردستی نکل بھاگنے کا بنیادی سبب یہ خوف تھا کہ ہمارا کوئی خود ساختہ ہمدرد ہمیں ہمارے مطلوبہ گھر تک پہنچانے کے لیے ہمارے گلے پڑ جاتا تو ہم مشکل میں پھنس سکتے تھے۔ ہم جن گھروں کا جائزہ لینے کی نیت سے قرول باغ کے علاقے میں آئے تھے' ان کے بارے میں اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکال سکتے تھے۔

اس کے ساتھ میرے ذہن پر ایک اور فکر بھی سوار تھی۔ پچھلے دن طے ہونے والے پروگرام کے مطابق رینا اجیت رائے کو چار اور چھ بجے کے درمیان ہم سے آخری ملاقات کے لیے آنا تھا۔

رینا کی دلیل یہ تھی کہ وہ پہلے بھی مجھ سے ملتی رہی تھی۔ دہلی میں میرے قیام کے آخری دن اس معمول کا اعادہ ضروری تھا تاکہ اس کے بڑوں کو اس پر کسی قسم کا شبہ نہ ہونے پائے۔

نریش شرما کے آدمیوں نے میرے کمرے کو جس انداز میں میرے لیے مخدوش بنا دیا تھا وہ رینا سے پوشیدہ نہیں تھا بلکہ وہ خبر اسی کے ذریعے میرے علم میں آئی تھی۔ رینا اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کر لیتی تو ہمارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکتا تھا کہ ہمیں اپنے کمروں سے ہٹانے کے بعد را والوں نے وہاں کیا کارروائی کی ہے۔

رینا اپنی پوزیشن کو شکوک و شبہات سے بالا رکھنے کے لیے آ رہی تھی۔ اس کے لیے میرا کمرا ہی سب سے بہتر تھا جہاں کہی جانے والی ہر بات کہیں نہ کہیں سنی جا رہی تھی۔ مجھ سے مخصوص نکات پر بات کر کے وہ اپنے دامن سے رہے سہے شبہات کے داغ بھی آسانی سے دھو سکتی تھی۔ میں رینا کی اس ترجیح میں دخل انداز ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

اس وقت رینا کا تحفظ ہمارے اپنے تحفظ کے لیے ضروری تھا۔ نریش شرما کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ ہماری اس لڑکی سے کوئی ملی بھگت تھی تو وہ بہت آسانی سے وہ اسباب سمجھ سکتا تھا جن کی بنا پر میں اس کے بچھائے ہوئے ہر جال سے بچتا رہا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ میں صرف رینا کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ وہ لڑکی را کی بہت نچلی سطح پر کام کرتی تھی لیکن اپنی خوب صورتی اور خوش کلامی کی وجہ سے را کے عیاش طبع افسروں میں بھی بہت مقبول تھی۔ اعلیٰ افسران سے اپنے قریبی مراسم کی وجہ سے وہ تقریباً ہر اہم بات سے باخبر رہتی تھی۔ اس مین شاید اس کی کوششوں کا بھی دخل ہوتا تھا ورنہ یہ ضروری نہیں تھا کہ ہمارے بارے میں طے کی جانے والی ہر اہم بات اس لڑکی کے علم میں آتی چلی جائے۔ وہ میری ہمدرد بن چکی تھی اس لیے اپنی تنظیم میں رہتے ہوئے ہر وقت ایسی باتوں سے باخبر رہنے کی کوشش کرتی تھی جو کسی بھی طرح میرے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتی تھیں۔ وہ اپنی بھلا نہیں کرتی رہی تھی۔ ہر جتن کر کے مجھے خطرے سے قبل از

وقت آگاہ بھی کر دیتی ہے۔

را کی صفوں میں جوان، خوب رو اور کج ادا لڑکیوں کی کمی نہیں تھی۔ وطن کی سلامتی کے لیے اپنی آبرو لٹا دینے کے پر فریب نعرے کے ذریعے انڈین سیکرٹ سروس نے معاشی بدحالیوں میں گھری ہوئی ایسی لڑکیوں کی ایک پوری فوج پالی ہوئی تھی۔ ان میں سے بیلا سنگھ کو میں دیکھ ہی چکا تھا۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ کسی بھی اوباش صفت مرد کو رینا اور بیلا میں سے کسی ایک کے انتخاب کا موقع دیا جاتا تو وہ رینا اجیت رائے پر دوسری نظر ڈالنے کی زحمت کیے بغیر بیلا سنگھ کے قدموں میں سر جھکا دیتا۔

اپنی بے شرمی اور آوارہ مزاجی سے قطع نظر، بیلا سنگھ واقعی غیر معمولی حسن کی مالک تھی۔

مگر یہ رینا اجیت رائے کی یا پھر میری خوش قسمتی تھی کہ انڈین سیکرٹ سروس کی طوائفوں کے اسکواڈ کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے نریش شرما کو بیلا سنگھ اور دوسری لڑکیوں کے مقابلے میں رینا اجیت رائے زیادہ مرغوب تھی۔ شراب کے بعد اسے جب بھی شباب کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، وہ رینا کو اپنی خلوت میں بلا لیتا تھا۔

رینا درونِ پردہ میری خیر خواہ تھی۔ نریش شرما عملی طور پر میرا سب سے بڑا حریف تھا۔ میرے بارے میں انل بسواس کے ہر منصوبے کو وہی عملی جامہ پہناتا تھا، اس لیے میرے خلاف ہونے والی کارروائیوں کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر ہوتا تھا۔

اس وقت تک رینا اور نریش کی حد سے بڑھی ہوئی ہوس ناک دوستی میرے لیے سود مند ثابت ہو رہی تھی۔ مجھے امید تھی کہ رینا اپنی آخری ملاقات میں مجھے کچھ نہ کچھ نیا مواد ضرور فراہم کرے گی۔

کچھ دیر تک قرول باغ کی گلیوں اور آبادی میں بھٹکنے کے بعد ہم ایک مصروف سڑک پر نکل آنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس دوران میں، میں نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی کہ اس خوش حال اور آباد علاقے میں بڑے مکانوں پر بھی کہیں مسلح گارڈ نظر نہیں آئے تھے۔ چھوٹے گھر عام طور پر تنخواہ دار دربانوں کی ضرورت سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ قرول باغ کے کشادہ گھروں کے پھاٹکوں پر کہیں کہیں ادھیڑ عمر یا عمر رسیدہ چوکیدار ضرور نظر آئے جن کا کام شاید صرف اتنا تھا کہ مکینوں اور ان کے مہمانوں وغیرہ کی آمدورفت کے لیے بڑے پھاٹک کھول کر بند کر سکیں۔

اس زمانے میں شہری آبادیوں میں انفرادی تشدد اور دہشت گردی کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ دنیا کے بڑے اور گنجان آباد شہروں کی بات تو ایک طرف، کراچی جیسے شہر میں متمول شہری خود کو اپنے گھروں میں محفوظ تصور نہیں کرتے تھے۔ ہر آن کسی چور، ڈاکو، قاتل یا اغوا کر کے اٹھا لے جانے والوں کی مداخلت کا خطرہ ان کے سروں پر ننگی تلوار کی طرح لٹکتا رہتا تھا۔

ان خطروں سے بچاؤ کے لیے گھروں پر مسلح حفاظتی گارڈ مامور کیے جانے لگے تھے۔ اس رجحان کا جہاں فائدہ تھا وہاں ایک بڑا نقصان بھی تھا کہ ایسے گارڈ اپنے آقاؤں کی ثروت اور تمول کا نشان سمجھے جانے لگے تھے۔ کسی بھی گھر پر مسلح گارڈ کا اشتہاری وجود دیکھ کر سماج دشمن عناصر فوری طور پر سمجھ لیتے تھے کہ اسامی تگڑی ہے۔ مکین اپنی چار دیواری میں محفوظ رہتے تھے مگر اس سے باہر نکلتے ہی ان کے لیے دوسرے خطرات شروع ہو جاتے تھے۔

میرے لیے یہ بات طمانیت کا باعث تھی کہ دہلی یا کم از کم قرول باغ کے معززین کے گھروں میں مسلح گارڈ رکھنے کا رواج نہیں تھا۔ شاید وہی ایک مشاہدہ میری اس کوچہ نوردی کا حاصل تھا۔

انڈین سیکرٹ سروس والوں کو ہمارے کمروں میں جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکے تھے۔ مجھے اور غزالہ کو یہ فکر نہیں تھی کہ ہم وہاں سے زیادہ دیر غائب رہے تو وہ کمرے میں کوئی زیادہ گڑبڑ کر دیں گے۔

سی ایس ڈی، بیم گن اور اریٹس کا کمرے میں وجود نہیں تھا۔ وہ تینوں خطرناک چیزیں میں پہلے ہی سینل کے حوالے کر چکا تھا۔

واپسی میں ہم پہاڑ گنج کے ایک صاف ستھرے اور مختصر سے نہاری ہوٹل میں بیٹھ گئے جہاں چبوترے میں گڑی ہوئی جناتی دیگ پر ایک باریش نوجوان آستینیں چڑھائے بیٹھا ہوا تھا اور ہوٹل سے باہر تک کی فضا نہاری کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔

عمدہ نہاری کے لیے بچھیا کا گوشت لازمی خیال کیا جاتا ہے جبکہ بھارت میں آباد ہندو اکثریت گائے کو اپنی ماتا مان کر پوجتی ہے۔ عقائد کے اس سنگین تضاد کی وجہ سے بھارت میں گائے کے ذبیحے پر پابندی چلی آرہی ہے مگر سنا یہی جاتا کہ ذائقے اور چٹخارے کے شوقین مسلمان ہر خطرہ مول لے کر چوری چھپے اپنا کام کر گزرتے ہیں۔ دہلی کے مسلمان محلوں میں پوشیدہ طور پر گائے کا ذبیحہ ہوتا تھا۔ ذرا سی دیر میں سارا گوشت گھروں میں تقسیم ہو جاتا تھا اور کہیں گئو ماتا کی ہتیا کا کوئی نشان باقی نہیں چھوڑا جاتا تھا۔

میں نے فرض کر لیا کہ اس نہاری ہوٹل کے مالکان بھی اپنی نہاری کا خام مال ایسے کسی ذریعے سے حاصل کرتے ہوں گے۔

نہاری واقعی بہت لذیذ تھی جس میں چٹپٹے مسالے استعمال کیے گئے تھے۔

"دہلی آکر ہم نہاری نہ کھاتے تو اپنے ساتھ بڑا ظلم کرتے" شکم سیر ہونے کے بعد غزالہ نے ہوٹل سے نکلتے ہوئے کہا۔

"جو نعمت جس کے لیے لکھ دی گئی ہے وہ اس سے ضرور فیض یاب ہوتا ہے" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

میری کوشش تھی کہ ہم رینا سے طے کیے ہوئے وقت سے پہلے ہوٹل پہنچ جائیں لیکن پیدل چلنے کے خبط میں ہمیں ذرا سی دیر ہوگئی۔ چار بجے ہم کاؤنٹر سے چابی لے رہے تھے تو ہمارے لیے کوئی پیغام تھا نہ رینا کا دور دور تک کوئی سراغ نظر آرہا تھا۔

ہم دونوں چابی لے کر سیدھے اپنے کمرے کی طرف چل دیے۔

"آپ کی چہیتی ابھی تک نہیں آئی۔ آپ بلاوجہ اس کی پریشانی کی طرف سے فکرمند تھے" راستے میں غزالہ نے ہنس کر کہا۔

"اس نے چار بجے کا نہیں' چار اور چھ بجے کے درمیان کا وقت دیا تھا" میں نے اسے یاد دلایا۔

"پھر رات کو گوپال بھی آئے گا" غزالہ نے سنجیدگی سے کہا "آپ کو اس سے بہت کچھ طے کرنا ہے۔"

دراصل گوپال ہی اس دن کا اہم ترین ملاقاتی تھا کیونکہ مجھے اس سے مل کر انل بسواس کے خاتمے کے منصوبے کی جزئیات طے کرنا تھیں اور پھر اسی کو دہلی سے ہماری روانگی کا بندوبست کرنا تھا۔

کمرے میں پہنچنے کے بعد ہماری گفتگو کا رخ بدل گیا۔

ساڑھے چار بجے رینا اجیت رائے نے لابی کے انٹرکام سے اپنی آمد کی اطلاع دی اور میں اسے فوری طور پر اوپر بلا لیا۔

"اب میں اپنے کمرے میں چلی جاؤں؟" غزالہ نے رینا کی آمد کی خبر سن کر سوال کیا۔

"ضروری نہیں ہے۔ اب اس کے رویّے میں بہت سنجیدگی آگئی ہے" میں نے کہا۔

"پھر بھی وہ آپ سے بے تکلف ہے۔ میں بیٹھی رہی تو وہ آپ سے کھل کر بات نہیں کرسکے گی۔"

غزالہ کا نکتہ وزنی تھا۔ میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ابھی بیٹھی رہو۔ وہ آئے تو اس سے مل کر چلی جانا۔"

ذرا سی دیر میں دروازے پر دستک ہوئی اور میری اجازت پاکر رینا کمرے میں آگئی۔ اپنے معمول کے مطابق

اس نے گہرا اور شوخ میک اپ کیا ہوا تھا۔ اس کا لباس بھی صنف مخالف کے لیے خاصا پرکشش تھا کیونکہ اس میں سے رینا کے بدن کے بعض حصے جھلک رہے تھے۔
اس نے پرتپاک انداز میں ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور بے تکلفی سے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔
غزالہ نے خوش خلقی سے اس کی مزاج پرسی کی اور پھر معذرت کرکے کمرے سے چلی گئی۔
"میرا خیال تھا کہ تم ٹھیک چار بجے یہاں پہنچ جاؤ گی۔ میں دہلی میں آوارہ گردی کا پروگرام مختصر کرکے ٹھیک وقت پر واپس لوٹ آیا تھا۔"
"مجھے بریفنگ لینے میں دیر ہوگئی" اس نے منی بار کی طرف جاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔
"کیسی بریفنگ!" میں نے حیرت سے سوال کیا۔ میں پریشان ہوگیا تھا کہ اس نے کمرے میں چھپے ہوئے آلات کی موجودگی سے واقف ہونے کے باوجود ایک ممنوع موضوع پر بات چھیڑدی تھی۔ اگر اسے میرے بارے میں کوئی بریفنگ دی گئی تھی۔ تو اسے باہر جانے کے بعد اس کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔
"نریش جی کے لیے یہ مشکل تھا کہ وہ تمہارے ساتھ سر کھپاتے۔ میں بہت سی باتوں سے واقف ہوں۔ جو رہ گئی تھیں، وہ مجھے بتادی گئی ہیں" اس نے چھوٹے سے ریفریجریٹر کے پاس کھڑے کھڑے اپنے لیے ڈرائی جن کا ایک گلاس تیار کرتے ہوئے جواب دیا "دہلی سے جانے سے پہلے تمہارا پورے پس منظر سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ تم پاکستان لوٹنے کے بعد یکسوئی سے اپنا کام سرانجام دے سکو۔"
"کل تمہارے انکل اور نریش کی بریفنگ کے بعد بھی یہ ضرورت باقی تھی۔"
وہ اپنا گلاس لے کر دوبارہ صوفے پر لوٹ آئی "بات ہوگی تو تمہیں خود اندازہ ہوجائے گا۔"
"پھر تم کس انتظار میں ہو؟ بلاوجہ تجسس پھیلانے کے بجائے براہِ راست شروع ہوجاؤ۔"
"اف!" وہ منہ بناکر تیکھی چتون کے ساتھ بولی "تم تو ہونٹ بھی تر نہیں کرنے دوگے۔"
اس نے اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور گلاس ہاتھ میں تھامے دوبارہ صوفے سے اٹھ گئی۔ میرے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے مجھے آنکھ مار کر میری پشت پر ایک ہلکی سی چٹکی لی اور ڈھٹائی سے میری مسہری پر نیم دراز ہوگئی۔
"کچھ تھکی ہاری معلوم ہورہی ہو" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "شاید بریفنگ نے تمہارے ننھے سے دماغ پر زیادہ اثر ڈالا ہے۔"
"کوئی سہولت میسر ہو اور آدمی اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو ناشکرا کہلاتا ہے۔ تمہاری بیخ جاچکی ہے۔ میری مانو تو تم بھی یہیں مسہری پر آجاؤ۔" مسہری پر وہ خفیہ کیمروں کی زد میں آئی ہوئی تھی جبکہ میں اس رینج سے باہر تھا۔ وہ اپنے مکالموں سے انڈین سیکرٹ سروس کے ایجنٹوں کو سنارہی تھی کہ اس نے الوداعی ملاقات میں مجھے ایک مرتبہ پھر اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تھی۔
"میں یہیں ٹھیک ہوں۔ پتا نہیں تمہارے نریش نے میرے دماغ کی کون سی کل مروڑی ہے کہ اب زندگی کی ہر رنگینی سے دل اچاٹ ہوگیا ہے۔"
"یہ نئی خبر ہے" وہ تعجب آمیز آواز میں بولی "میں پہلی بار تم سے ملی تھی تو تمہارا رنگ ہی کچھ اور تھا۔ تم جیسا بھوکا درندہ میرے معاملے میں اتنا سرد کیسے ہوگیا؟"
"ہونے والی بات کو روکنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ یہ باتیں نریش کو معلوم ہیں۔ اپنی نئی کمزوری کی وجہ سے مجھے نریش کے سامنے بھی شرمندگی اٹھانی پڑی۔ اس سے پوچھو گی تو وہ تمہیں ہربات بتادے گا۔"
"ابھی تم کہہ رہے تھے کہ نریش نے تمہارے دماغ کی کوئی کل مروڑی ہے۔ کیا اس نے تمہیں مجھ سے دور رہنے کی ہدایت دی ہے" اس نے چونک کر اشتیاہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔
"میں کہہ رہا ہوں کہ یہ پیچیدہ کہانی ہے۔ اس نے کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ بس تم اسی سے بات کرلینا۔ اس وقت میں تمہاری زبان سے کوئی بریفنگ سننے کا منتظر ہوں۔ تم باتوں کے دوران بھی شراب نوشی کا شغل جاری رکھ سکتی ہو۔"
اس نے ڈرائی جن اور ٹانک واٹر کے محلول کا گلاس اپنے نرم ونازک اور آتشیں لبوں سے ہٹایا پھر ایک گہرا سانس لے کر بولی "بات ذرا کچھ زیادہ لمبی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کہاں سے شروع کروں۔"
"تم کہیں سے بھی شروع کردو۔ ساری کڑیاں خود بہ خود مل جائیں گی۔"
اس نے لمحہ بھر کے لیے کچھ سوچا پھر مجھ سے پوچھا "تم جان اسمتھ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"
"کون جان اسمتھ!" میں نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا "یہ نام میرے لیے اجنبی ہے۔"
"یہ وہی امریکی ہے جو ہوٹل سمراٹ کے ایک کمرے میں مردہ پایا گیا تھا۔" رینا نے میرے چہرے پر نظریں جماکر کہا۔

"اوہ!" میں نے ایسی صداکاری کی جیسے رینا کی زبان سے حوالہ سنتے ہی مجھے ہربات یاد آگئی ہو "جو کچھ اخبارات میں آیا ہے' وہی میرے علم میں بھی ہے۔"

"میں وہی جاننا چاہتی ہوں" رینا نے اصرار کیا۔ اس نے بستر پر اپنی پوزیشن بدل لی تھی۔

"وہ ایک امریکی سفارتی افسر تھا جو تعطیلات پر دہلی آیا ہوا تھا۔ یہاں اسے ماردیا گیا مگر اس سے میری بریفنگ کا کیا تعلق ہے" میں نے اس کے اصرار پر اپنے وجود میں بے چینی اور اضطراب کی ایک گہری لہر دوڑتی ہوئی محسوس کی تھی۔

"ایسا نہیں تھا" رینا کے اگلے فقرے نے میرے ذہن میں بڑھتا ہوا دباؤ کم کردیا۔ وہ بتارہی تھی "جان امریکا کی ڈپلومیٹک کور کا رکن ضرور ہے مگر اس کا اصل تعلق امریکی سی آئی اے سے ہے۔ ان لوگوں کو امریکا سے باہر اپنا کام کرنے کے لیے اکثر ایسی سفارتی آڑ کی ضرورت پڑجاتی ہے۔"

"یہ گہرے راز کی باتیں ہیں' تم یہ سب مجھے کیوں بتارہی ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم لوگوں نے مجھے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا ہو" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"نہیں! تمہارے لیے یہ جاننا اس لیے ضروری ہے کہ تمہارے دل میں اعتماد پیدا ہوسکے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم نرلیش یا انکل کے لیے کام نہیں کروگے۔ تم دنیا کی بڑی اور مضبوط ترین قوموں کے مشن کو آگے بڑھاؤ گے' جن میں امریکا سرفہرست ہے اور۔۔۔"

"مگر امریکا کا ایک بڑا افسر تمہارے شہر میں بہت بے بسی کی موت مارا جاچکا ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اس کے انجام سے حوصلے کے بجائے عبرت حاصل ہوتی ہے۔"

"یہ پاکستانی ایجنٹوں کی کھلی دہشت گردی تھی۔ ان کو" میں نے ایک مرتبہ پھر معصومانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی "کیا اس کے پاکستانی قاتل پکڑ لیے گئے؟"

"وہ پکڑے نہیں گئے کیونکہ دہشت گرد کی کوئی شناخت نہیں ہوتی' وہ کھل کر مقابلہ نہیں کرتے۔ سایوں کی طرح خاموشی سے نمودار ہوتے ہیں اور اپنا کاری وار کرکے دوبارہ اپنے بلوں میں چھپ جاتے ہیں۔ انہیں پکڑنے کے لیے جس سفاکانہ خوں ریزی کی ضرورت ہوتی ہے اس سے ہر مہذب طاقت گریز کرتی ہے۔ حالات بتارہے ہیں کہ را کے دفتر میں آتش زنی اور جان کے قتل میں پاکستانی ایجنٹوں کا ہاتھ ہے۔ بھارت کی سرزمین پر کوئی اور قوت اتنی دیدہ دلیری سے سازشیں نہیں کرسکتی۔"

وہ اداکاری کو بھول کر یکایک جذباتی ہوگئی تھی۔ ایک بھارتی اور وہ بھی را کی ایجنٹ ہونے کے ناتے' اسے ایسے ہی ردعمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔ میں نے گفتگو کو مخصوص دائرے میں محدود رکھنے کے لیے جلدی سے کہا "تم امریکا کے بارے میں کوئی اہم بات بتانے جارہی تھیں۔"

"جان سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر تھا۔ وہ کراچی میں بیٹھ کر مسلمانوں کی عالمی دہشت گردی سے نمٹنے کے ایک بہت بڑے منصوبے پر کام کررہا تھا۔" اس نے اپنے گلاس سے مزید ایک گھونٹ لینے کے بعد کہنا شروع کیا "پاکستانی خفیہ ایجنسیاں بہت خطرناک اور طاقت ور ہیں۔ ان کی درپردہ

حمایت سے کچھ لوگ جان اسمتھ کے خون کے پیاسے ہوگئے اور اس نے خطرے کی سنگینی بھانپتے ہوئے کراچی سے عارضی پسپائی اختیار کی۔ بظاہر وہ چند روز کی چھٹیاں گزارنے کے لیے دہلی کی محفوظ فضاؤں میں آیا تھا اس لیے مقامی حکام نے اس کی حفاظت کے لیے کوئی غیر معمولی بندوبست نہیں کیا۔ یہ سنگین چوک تھی۔ تم نے دیکھ لیا کہ اسے زہر دے کر ماردیا گیا۔"

وہ بات اخباروں میں نہیں آئی تھی۔ اس کی زبان سے زہر کا ذکر سنتے ہی میرے دل میں مزید جاننے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ میں نے پوچھا "کیا اسے کھانے میں زہر دیا گیا تھا؟"

"یہ تفتیش ہو رہی ہے۔ اس کے معدے کی آلائش میں انتہائی سریع الاثر زہر پایا گیا ہے جو صرف خیبر کے پہاڑوں میں پائے جانے والے سانپ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ خیبر کا سانپ ہوٹل کے کمرے میں گھس گیا ہو۔ سراغ کے عملے نے کمرے کا کونا کونا چھان لیا۔ وہاں کوئی سانپ نہیں تھا۔ وہ خطرناک زہر کسی بیرونی طریقے سے اس کے بدن میں اتار اگیا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر مرگیا۔"

"کیا یہ سب بھی تمہاری تازہ بریفنگ میں بتایا گیا تھا؟" میں نے نیک نیتی سے پوچھا۔

میرے سوال پر وہ قدرے چڑ گئی اور تیزی سے بولی "احمقانہ باتیں مت کرو۔ اہم واقعات سے ہم لوگ اپنے طور پر باخبر رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بریفنگ کچھ اور تھی۔ تم باربار دخل اندازی کرکے مجھے اس موضوع سے ہٹا رہے ہو۔"

"سوری رینا! میں کوشش کروں گا کہ اب کوئی غیر متعلقہ سوال نہ کروں۔"

"میں تمہیں جان کے بارے میں بتا رہی تھی۔ اس وقت وہ پاکستان کے خلاف سب سے مضبوط مہرہ تھا جو ہماری فیصلہ کن چال سے پہلے پٹ گیا مگر جلد ہی کوئی اور اس کی جگہ لے لے گا۔ اس نے پورے خلوص سے یہ بات سمجھ لی تھی کہ پاکستان دنیا بھر میں ریاستی دہشت گردی کا سرخیل ہے۔ آئی ایس آئی کے ذریعے وہ لوگ منتخب دہشت گردوں کی پشت پناہی کرتے ہیں' انہیں پالتے ہیں' وسائل کی ایسی بھرمار کرتے ہیں کہ جلد ہی وہ خود کفیل ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کو پڑوسی ملکوں میں ہانک دیا جاتا ہے۔ بھارت' کشمیر اور افغانستان ان کی توجہ کے خاص ملک ہیں۔"

"اب تم صرف پاکستان کی بات کر رہی ہو۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے مسلمانوں کی عالمی دہشت گردی کا تذکرہ کیا تھا" میں نے اسے ٹوکا۔

"میں اسی طرف آ رہی تھی۔ پاکستان کی ان کامیابیوں سے دنیا میں دوسرے دہشت گردوں کو تقویت مل رہی ہے۔ افغانستان میں جہاد کا نعرہ لگا کر روسیوں کو بری طرح مارا گیا۔ مجاہدوں کو برداشت کرنا اور ان کو مالی اور فوجی امداد فراہم کرنا امریکا کی مجبوری بن چکا تھا۔ روس افغانستان میں خاک چاٹ کر اپنے زخموں کو سہلاتا ہوا بھاگ نکلا۔ اس جنگ کے بھاری معاشی بوجھ اور سیاسی بحران نے روس کا تیاپانچا کردیا۔ آج افغانستان کی سرزمین پر روسی اور امریکی ہتھیاروں سے لیس' دنیا کا سب سے بڑا اسلامی لشکر موجود ہے جو ہر وقت جہاد کے جوش میں کھویا رہتا ہے۔"

"تمہاری یہ باتیں الجھی ہوئی اور ناقابلِ فہم ہیں" میں نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"تھوڑی دیر میں سب کچھ تمہاری سمجھ میں آجائے گا" اس نے مجھے تسلی دی اور اپنی بات جاری رکھی "ایک طرف عالم اسلام کی طرف سے جہاد کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف مسلم دنیا کے پڑوسی ممالک بھیانک دہشت گردی کا شکار ہو رہے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو کر رہ گیا ہے اور امریکا نے حالات کے رخ کو بھانپ کر اس ابہام سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ جان اسی منصوبے پر کام کر رہا تھا۔"

"تم نے بہت بے رحمی سے جہاد اور دہشت گردی کو یکجا کردیا" میں نے احتجاج کیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم مسلمان ہو۔ تمہیں میری بات بری لگے گی۔ میں ہندو ہوں' میں تمہارے دھرم کو نہیں مانتی اس لیے جہاد کو بھی نہیں مانتی۔ یہ بتاؤ کہ جہاد کے نام پر پاکستان سے ہتھیار اور گولا بارود لے کر کشمیر پر چڑھائی کرنے والوں کو میں کیا نام دوں؟ انہیں دہشت گرد نہیں تو کیا کہوں؟"

"یہ دوسروں کے مذہب پر رکیک حملہ ہے۔ تم جہاد کی روح کو سمجھے بغیر ایسی باتیں کر رہی ہو۔"

"مظہر! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں ہندو گھرانے میں پیدا ہوئی اس لیے ہندو ہوں۔ مجھے جہاد کی روح کو سمجھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو یہ دیکھتی ہوں کہ کچھ لوگ مرنے مارنے کا ارادہ کرکے ہتھیار اٹھاتے ہیں اور ان کے حریفوں پر موت راج کرنے لگتی ہے۔ یہ میری نہیں' ساری غیر مسلم دنیا کی سوچ ہے۔ تم مجھ سے بحث کر سکتے ہو۔ شاید مجھے قائل یا خاموش بھی کردو لیکن امریکا اور پوری دنیا کو کون سمجھائے گا؟ میں تم سے صرف اپنی نہیں' امریکا اور اس کے سارے حلیفوں کی بات کر رہی ہوں۔"

کوئی سخت بات کہہ کر اسے بھڑکانا مناسب نہیں تھا۔ وہ عالمی فتنوں کی بات کر رہی تھی۔ ان کے ذہنوں میں چھپے ہوئے زہر کو اپنے بڑوں کی ہدایت پر میرے سامنے اگل رہی تھی۔ میرے لیے یہی بہتر تھا کہ خاموش رہ کر اس کی ہر بات سنتا

رہوں اور اعتراض کر کے اسے ناراض نہ کروں تاکہ کسی بڑی اور ہولناک عالمی سازش کا تانابانا میرے سامنے آسکے۔ میرے لیے وہ سنہرا موقع تھا جسے گنوانا مناسب نہیں تھا۔

"اپنے مذہب سے ہر ایک کو محبت ہوتی ہے" میں نے تھوڑے سے توقف کے بعد کہا "یہ سب باتیں میری برداشت سے باہر ہیں لیکن تم مجھے دوسروں کی سوچ کے بارے میں بتا رہی ہو تو میں ہر بات سننے پر مجبور ہوں، تم اپنی بات جاری رکھ سکتی ہو۔"

"امریکا دنیا کا سب سے زیادہ طاقتور اور ترقی یافتہ ملک ہے" اپنے مشروب کا ایک بڑا گھونٹ لے کر وہ دوبارہ بولنے لگی "ان کا ملک دو طرف سے وسیع سمندروں سے گھرا ہوا ہے۔ ان کو بجا طور پر یہ زعم ہے کہ باہر سے کوئی ان پر حملہ آور نہیں ہو سکتا مگر وہ اپنے ہم مذہبوں کے لیے مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے خطرے کی طرف سے سخت فکرمند ہیں۔ انہیں مستقبل کا نقشہ بھیانک نظر آرہا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان جہادی قوتوں کو کھلی چھوٹ دی گئی تو مستقبل میں دنیا اسلامی غلبے میں آجائے گی۔"

"یہ ان کا گمان ہے۔ وہ بھول گئے کہ خلیج کی جنگ میں سب سے پہلے دو مسلمان ملک ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے تھے۔"

"وہ ایک واقعہ تھا۔ دوسرے واقعات میں تسلسل ہے۔ یورپ میں بحران چل رہا ہے۔ جگہ جگہ مسلم باغی سر اٹھا رہے ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیلی، بارود کے ڈھیر پر جی رہے ہیں۔ آئے دن فلسطینی مجاہد ان کے فوجیوں کو مارتے رہتے ہیں۔ کشمیر میں سب سے برا حال ہے جہاں غیر مسلم اپنی زمین پر اجنبی بنا دیے گئے ہیں۔ امریکا بہت غور اور تشویش سے یہ سب دیکھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ عالمی پیمانے پر جہادی قوتوں کی سرکوبی کا وقت آپہنچا ہے۔"

"تو کیا امریکا مجاہدوں کے خلاف کسی بڑی جنگ کی تیاری کر رہا ہے؟"

"یہ نکتہ امکانات سے خارج نہیں ہے۔ پہلے مرحلے میں جہادی قوتوں کے خلاف فضا سازگار کی جارہی ہے۔ بعض دہشت گردوں کو بیانات کے ذریعے مجاہدوں کا ساتھی قرار دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف معروف مجاہد رہنماؤں پر دہشت گردی کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ پروپیگنڈے کے ذریعے انہیں اور ان کے اقدامات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔"

"یعنی امریکی عالمی پیمانے پر برین واشنگ کا عمل کر رہے ہیں؟"

"تم چاہو تو یہ بھی سمجھ سکتے ہو۔ امریکی اپنی دانست میں دنیا کو نئے عالمی خطرے سے آگاہ کر رہے ہیں۔"

"اس سے تلخیاں بڑھانے کے سوا اور کیا مقصد حاصل ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ ہوم ورک ہے۔ دنیا میں روزِ اول سے دہشت گردیاں ہوتی آئی ہیں۔ جب تک کاروبارِ حیات جاری ہے، یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ ایک مرتبہ رائے عامہ سازگار ہوگئی اور امریکیوں کو عالمی حمایت ملنے کا یقین ہوگیا تو یہ دہشت گردی کے کسی بھی بڑے واقعے کو بنیاد بنا کر ان دہشت گردوں کے خلاف بھرپور محاذ کھول دیں گے جن کا یہ من مانا امیج بنا رہے ہیں۔"

"امریکا کا مخالف کیمپ بھی نادان نہیں ہے جو ان چالوں کو نہ سمجھ سکے۔"

"سمجھتے رہیں۔ ان کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوگی۔ عالمی میڈیا پر یہودی قابض ہیں۔ وہ اسرائیلی مفادات کی وجہ سے امریکا کے ساتھ ہیں۔ وہ مخالفانہ آوازوں کو سختی سے دبا دیں گے پھر وہی ہوگا جو امریکا چاہتا ہے۔"

"ان اشتعال انگیزیوں سے برافروختہ ہو کر کوئی امریکا کے خلاف بھی کارروائی کر سکتا ہے۔"

"انہیں یقین ہے کہ امریکا کی سرزمین ایسے ہر خطرے سے محفوظ ہے پھر بھی اگر ایسا ہو ہی گیا تو وہ کرۂ ارض پر جہادی قوتوں کا آخری دن ہوگا۔ امریکا ان کے خلاف میدانِ عمل میں کود پڑے گا۔ وہ دوسروں کے خلاف ہونے والی کسی بڑی دہشت گردی پر جہادی قوتوں کو للکارنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ان کے اپنے اوپر کوئی قیامت گزر گئی تو وہ جوشِ انتقام میں پاگل ہو کر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

"وہ دہشت گردی اور جہاد کو خلط ملط کر کے غلطی کر رہے ہیں۔ انہیں جہاد سے خوف کیوں ہے؟"

"یہ سبق شاید انہوں نے تاریخ سے سیکھا ہے۔ آج کے خلائی اور مواصلاتی دور میں دنیا کا ہر غیر مسلم، مجاہدوں

سے خوف زدہ ہے کیونکہ جہاد کا فلسفہ ہی عجیب وغریب ہے۔ تم مسلمان اپنے اللہ کی راہ میں لڑ کر زندہ رہو تو غازی ہوتے ہو' لڑتے لڑتے مرجاؤ تو شہید کے رتبے پر امر ہوجاتے ہو۔ یہ فلسفہ ہر مجاہد کو زندگی اور موت سے بے پروا بنادیتا ہے۔ کسی مقصد کے لیے جانیں قربان کرنے کا ایسا درس دوسرے مذاہب میں نہیں ملتا۔"

"تم مجھے یہ بتاکر دہشت زدہ کرنا چاہ رہی ہو کہ امریکا مسلمانوں کے خلاف ایک عالمگیر لڑائی کی تیاری کررہا ہے' کیونکہ وہ مجاہدین سے خائف ہے۔"

اس نے بستر پر لیٹے لیٹے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کہا "شاید اگلی لڑائی قرونِ وسطیٰ کی صلیبی جنگوں کو بھی مات کردے گی۔"

اور اس منصوبے میں بھارت بھی شریک ہے؟" میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"ہم شریک نہ ہوتے تو مجھے یہ سب معلوم نہیں ہوسکتا تھا" اس کا جواب بہت سیدھا سادا تھا۔

"اس جنگ جوئی سے بھارت کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟"

"پوری بات اوپر والوں کو معلوم ہوگی مگر ایک نتیجہ بالکل سامنے نظر آتا ہے۔ ہمارے گرد دوستوں کی بھیڑ ہے۔ پڑوسیوں میں پاکستان ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کی ساری ایٹمی سرگرمیاں پراسرار اور ہمارے خلاف ہیں۔ جب جنگ کا بگل بجے گا تو پاکستان بھی اس کی زد میں آئے گا۔ یہ مسلمان ملک ہے۔ کشمیر کے نام پر دل کھول کر مجاہدوں' باغیوں اور دہشت گردوں کی بھاری امداد کرتا رہتا ہے۔ اس کا سر کچلے بغیر جہاد کے فلسفے سے جان نہیں چھڑائی جاسکتی جس دن پاکستان کا وجود ختم ہوا' پورے علاقے میں سکون ہوجائے گا پھر اس علاقے میں صرف بھارت کے نام کا ڈنکا بجے گا۔"

"علاقے میں اپنی بالادستی کے لیے تم ایک عالمی سازش کا ایندھن بننا گوارا کرلوگی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"دوست! یہ مجبوری ہے۔ جب دشمن سیدھے راستے سے قابو میں نہ آئے تو اس کی پیٹھ میں چھری گھونپ دو۔ ہم کب تک اپنے سپاہیوں کی لاشیں اٹھاتے رہیں گے۔"

"یہ راز کی باتیں ہیں۔ تم نے میرے سامنے کیوں اگل دیں۔"

"یہ راز کی باتیں نہیں ہیں۔ دہلی اور کولکتا کی سڑکوں پر ٹہلنے والے بھی جانتے ہیں کہ اب ہم دل وجان سے امریکا کے پیچھے ہیں۔ ہر بھارتی جانتا ہے کہ امریکا کی مدد کے بغیر ہم پاکستان کے بھیجے ہوئے نام نہاد مجاہدوں کا صفایا نہیں کرسکتے۔ جہاں دو چار پڑھے لکھے لوگ جمع ہوتے ہیں' وہاں یہی سب باتیں ہوتی ہیں۔ لوگوں کے ذہنوں میں سب کچھ ہے مگر انہیں یہ پتا نہیں کہ اس پر عمل کیسے ہوسکے گا۔ میں نے تمہیں صرف یہی ایک بات بتائی ہے۔"

"تمہیں یہ اندیشہ نہیں کہ میں یہاں سے لوٹ کر یہ کہانی کسی اور کو سنادوں گا۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑی "ضرور سنا دینا۔ لوگ فکشن کو شوق سے پڑھتے اور سنتے ہیں۔ سب اسے تمہاری ذہنی اختراع قرار دیں گے۔ کوئی اس پر یقین نہیں کرے گا۔ شاید پاکستانی کچھ اور سوچتے ہوں کیونکہ وہ مسلمان اور جہاد کے حامی ہیں۔ یہاں بھارت میں لوگ دونوں سے چڑتے ہیں اور آپس میں وہی باتیں کرتے ہیں جو امریکا طے کرچکا ہے۔"

"تم نے اپنے قیمتی وقت کا ایک قابلِ ذکر حصہ بریفنگ دینے میں صرف کیا۔" میں نے ہلکے سے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "کیا واقعی نرلیش نے تمہیں ہدایت کی تھی کہ یہ سب باتیں مجھے بتادی جائیں۔" اس سے یہ سوال کرتے ہوئے میں واقعی حیران تھا۔

"ہاں۔" اس نے گلاس سے گھونٹ لے کر میرے سوال کا جواب دیا۔

"اس طرح وہ کیا مقصد حاصل کرنے کی توقع کررہا ہے؟"

"ہمارے نیٹ ورک میں تمہارے اعتماد کو بڑھانا تاکہ تم ہم سے منحرف ہونے کے بارے میں نہ سوچ سکو۔"

"اس یقین دہانی کے لیے کیا میری اور تمہاری وہ وڈیو فلم کافی نہیں ہے جو اس کے قبضے میں ہے؟" میں نے اسے آنکھ مار کر پوچھا۔

"شاید میں نے کبھی تمہیں بتایا ہو کہ ہماری صفوں میں وہی لوگ رہتے ہیں جو دل وجان سے کام کرنے کے آرزومند ہیں۔ انکل کسی سے زبردستی کام لینے کے قائل نہیں ہیں۔ کام سے اکتائے ہوئے ایجنٹ کو وہ گھر بھیجنے میں ذرا تاخیر نہیں کرتے۔"

"اس موقع پر یہ بات دہرا کر تم مجھے کیا جتانے کی کوشش کررہی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ابھی تک تمہارے دماغ پر وڈیو فلم کا دباؤ ہے۔" اس نے دعوت انگیز اور شوخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اب تمہیں پتا چلا ہے کہ تم خوش قسمتی سے ایسے نیٹ ورک کا حصہ بن گئے ہو جسے امریکا جیسی منظم سپرپاور کی سرپرستی حاصل ہے تو تم دباؤ سے آزاد ہوکر نئی لگن سے کام کروگے۔ انکل ایسے کارکنوں سے محبت کرتے ہیں۔"

"تم جیسی کارکنوں سے انکل کیا' ہر ایک محبت کرسکتا ہے۔ اتنے ذرا سے کام کے لیے عالمی سیاست کو گھسیٹنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔" مجھے اندازہ تھا کہ میرے ان الفاظ

میں سرکشی کی بو موجود تھی مگر میں نے بلا جھجک وہ بات کہہ ڈالی۔ میری وہ ہلکی پھلکی سرکشی گفتگو سننے والوں کے لیے طمانیت کا باعث ہوتی کہ میں اپنی آوازوں کے پیچھے ان کی خفیہ سرگرمیوں سے بے خبر تھا۔

پتھر ہوگئے ہو مگر باتیں اب بھی رنگین ہیں۔" رینا نے اپنا گلاس خالی کرکے ہلکی سی انگڑائی لی۔

"میں خود اپنے جمود سے اکتا گیا ہوں۔ اپنے رنگ میں زندگی کا مزہ لوٹنا چاہتا ہوں مگر نریش کی خوف ناک آنکھیں میرے جذبات پر ناگ بن کر بیٹھی ہوئی ہیں۔"

"کیا نریش نے تم کو کچھ کہا ہے؟" رینا نے چونک کر پوچھا۔

"تم باخبر رہتی ہو تو تمہیں اس تشدد کا بھی علم ہونا چاہیے جس سے مجھے گزرنا پڑا تھا۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ مجھے معلوم ہے۔ مردانہ کھیل میں مردوں کے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"بس اسی نے میرا بیڑا غرق کیا ہوا ہے۔" میں نے اکتا کر کہا پھر فوراً ہی پوچھا "ہمارے ساتھ باہر چلو گی؟"

"آج دہلی میں تمہارا آخری دن ہے۔ تم چاہو گے تو ضرور باہر چلوں گی۔"

"پھر میں غزالہ کو بلائے لیتا ہوں۔" یہ کہتا ہوا میں فون کی طرف بڑھ گیا۔

رینا اجیت رائے نے میرے بک کیے ہوئے کمرے میں بیٹھ کر جو طویل گفتگو کی تھی اس نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ یہ بھی ظاہر ہوگیا تھا کہ اس وقت وہ اپنی مرضی سے میرے پاس نہیں آئی تھی۔ اسے مخصوص پیغام کے تحت میرے پاس بھیجا گیا تھا۔

میری دہلی سے روانگی سے ایک دن پہلے سامنے آنے والی وہ قلابازی میرے لیے یکسر ناقابلِ فہم تھی۔ میں رینا کے ساتھ اس کمرے سے باہر نکلنے کے بعد ہی اس بارے میں کھل کر کوئی بات کرسکتا تھا۔

○☆○

وہ دن کا وقت تھا مگر کمرے میں دن کے اجالے کی بھرپور رسائی نہیں تھی۔

غزالہ نے ہم سے رخصت ہونے کے بعد اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو کھڑکیوں کے دبیز پردے سے چھن کر اندر آنے والی ناکافی روشنی میں اسے کسی خطرے کا ادراک نہیں ہوسکا۔ وہ بے دھڑک اندر داخل ہوگئی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی داہنے ہاتھ پر باتھ روم کا بند دروازہ تھا۔ اس گزرگاہ نے مختصر سی راہ داری کی صورت اختیار کی ہوئی تھی۔ وہ جوں ہی آگے بڑھی تو اس کی نظر ایک خبیث انسانی چہرے پر پڑی۔ وہ شخص اپنے سر کو دونوں ہتھیلیوں میں ٹکائے مسہری پر اس طرح دراز تھا کہ اس کا چہرہ داخلی راستے کی طرف تھا۔ وہ ہونٹوں پر گندی مسکراہٹ لیے اپنی چمک دار نگاہوں سے غزالہ کو تکے جا رہا تھا۔

غزالہ کے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ اس نے الٹے قدموں لوٹ جانا چاہا لیکن مسہری پر لیٹے ہوئے شخص نے اس کے خیالات بھانپ کر ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور سرگوشیانہ آواز میں بولا "لوٹنے کی ضرورت نہیں۔ اندر آجاؤ۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔"

غزالہ کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ اس تنومند اور دراز قامت شخص کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ غزالہ نے اسے گھور کر دیکھا اور غراتے ہوئے پوچھا۔ "تم کون ہو اور میرے بند کمرے میں کیسے گھسے ہو؟"

"رام قسم، ناراض ہو کر تو اور زیادہ زوردار لگ رہی ہو۔" وہ لوفرانہ انداز میں بولا "اندازہ لگاؤ کہ ہم کون ہوسکتے ہیں۔"

اس کے تیور گندے تھے۔ غزالہ کے وجود میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ وہ لفنگا اس کے سامنے تھا، دروازہ اس کی پشت پر تھا۔ وہ پلٹ کر دوڑ لگاتی تب بھی کامیابی کا امکان نہیں تھا۔ وہ لوفر لپک کر دروازہ کھولنے سے پہلے اسے دبوچ لیتا اور وہ اس کی بری گرفت میں پھنس جاتی، اس کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی کہ اس کا اجنبی سے دور اور ہوشیار رہنا ہی اس کے لیے سودمند ثابت ہوسکتا تھا۔

"تم ایک خبیث اور غلیظ آدمی ہو۔" غزالہ نے غصے کی زیادتی سے اپنے نچلے ہونٹ کا ایک گوشہ چباتے ہوئے جواب دیا "ایک عورت کے کمرے میں چور کی طرح گھسنے والا کوئی شریف آدمی نہیں ہوسکتا جس طرح آئے ہو، اسی طرح کان دبا کر نکل جاؤ ورنہ میں ہوٹل والوں کو بلاتی ہوں۔"

"چلے جائیں گے مگر پہلے ہمارا دل تو ٹھنڈا کردو۔ دو روز سے تمہیں دور ہی دور سے دیکھ رہے ہیں اور ہاں! شور شرابا نہ کرنا۔ لوگ آئیں گے تو بلاوجہ تمہارا تماشا بن جائے گا۔ سیر سپاٹے کے لیے دیس بدیس میں اکیلی نکلنے والی لڑکیوں کو کوئی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔"

"اس خیال میں نہ رہنا۔ میں اکیلی نہیں ہوں۔" غزالہ غصے سے اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ اجنبی نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔

"ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔ تمہارا ایک یار بھی ہے۔ وہ اپنی لونڈیا کے ساتھ مزے اڑا رہا ہے تو تم بھی ہمارے ساتھ موج کرو۔ ہم تو اسی لیے آئے تھے کہ اپنے ساتھ کچھ تمہارا

بھی دل خوش کردیں گے۔ آؤ! آرام سے یہاں آکر بیٹھ جاؤ۔" اس نے سرہلا کر مسہری کی طرف اشارہ کیا تھا۔

غزالہ کا ذہن اس وقت بھی بہت تیزی سے سوچنے میں مصروف تھا۔ کمرے میں پیش قدمی کرنے کے بعد آسانی سے نکل بھاگنا ممکن نہیں تھا۔ فون دسترس سے باہر تھا۔ شور مچاتی تو آس پاس کے کمروں میں رہنے والے ضرور متوجہ ہوتے لیکن سب سے پہلے ہوٹل کا عملہ اندر آتا اور وہ لوگ ہوٹل کو کسی بدنامی سے بچانے کے لیے وہ معاملہ کمرے میں ہی رفع دفع کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ عورت ذات تھی۔ اس وقت سنگین خطرے میں گھر گئی تھی۔

اس وقت تک غزالہ یہ سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھی کہ اس کے کمرے میں گھس آنے والا شخص کون تھا۔ اس کے آنے کا مقصد اس کی نگاہوں اور باتوں سے سامنے آچکا تھا۔ غزالہ کو ویرا کی زبانی یہ معلوم تھا کہ مغرب کے آزاد معاشرے میں یہ ہوتا رہتا تھا کہ چھوٹے ہوٹلوں میں ٹھہرنے والی اکیلی خواتین کے دروازوں پر رات گئے مدہوش اور بدنیت مرد دستک دیتے ہیں۔ دروازہ کھلنے پر ذرا سا بھی حوصلہ افزا جواب ملے تو وہ خوشامدانہ انداز میں' ہزار معذرتوں کے ساتھ کچھ ایسی کہانیاں تراشتے ہیں کہ عزت و آبرو کو سب کچھ نہ سمجھنے والی خواتین اپنے وقت کو "بہتر" انداز میں گزارنے کے لیے انہیں اندر بلانے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔ باکردار مغربی عورتیں اول تو رات گئے اپنا دروازہ ہی نہیں کھولتیں۔ یہ غلطی کربھی ڈالیں تو اجنبی چہرے کو اپنے روبہ رو پاکر سختی سے جھڑک دیتی ہیں۔

معاً غزالہ کو انڈین سیکرٹ سروس یاد آگئی۔ وہ لوگ مسلسل میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ صبح میں نے فون پر نریش شرما کو ایک کہانی سنا کر بالواسطہ طور پر یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ میرا پیچھا ترک کردے کیونکہ پتھروں سے جتنا بھی سر پھوڑلیا جائے' تیل برآمد نہیں ہوتا۔

وہ مجھ سے مایوس ہوچکے تھے۔ اس شام رینا میرے پاس آنے والی تھی۔ شاید نریش کو یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ رینا کی موجودگی میں غزالہ کمرا چھوڑ دیتی ہے۔ وہ موقع کی تلاش میں لگ گئے۔ ادھر رینا میرے کمرے میں پہنچی اور ادھر ایک بدمعاش غزالہ کے خالی کمرے میں گھس گیا۔ اس کمرے میں کیمرے نصب تھے اور ان کا رخ مسہری کی طرف مرکوز تھا۔ وہاں جو کچھ بھی ہوتا کیمروں کی زد سے محفوظ نہ رہ پاتا۔

اس شخص کی پوری کوشش تھی کہ وہ غزالہ کو بہلا پھسلا کر اپنے جال میں پھانس لے۔ را کے دوسرے ایجنٹوں کے برعکس وہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا اس لیے اس کی کوششیں کراہیت آمیز حد تک بھونڈی اور بازاری تھیں۔ شاید را والوں نے معاوضہ دے کر عارضی طور پر اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔

وہ دہلی کا کوئی بازاری غنڈا سہی لیکن را والوں کی پشت پناہی کی وجہ سے اس وقت شیر بنا ہوا تھا۔ غزالہ دیکھ چکی تھی کہ اس فائیو اسٹار ہوٹل کی انتظامیہ را کے اختیارات کے سامنے بے بس تھی۔ وہ ہوٹل کے عملے کو بلانے میں کامیاب ہوجاتی تو ان سے کسی منصفانہ ہمدردی کی کوئی امید نہیں تھی۔ شاید غزالہ کو ہی شرمسار ہونا پڑتا۔ اس نے بہت سرعت سے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے طور پر اس بدمعاش سے نمٹنے کی کوشش کرے گی۔

"تم میرے کمرے سے جاتے ہو یا میں تمہارا کوئی اور بندوبست کروں۔" غزالہ نے اسے گھورتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔

"ایک بار میرے قریب آجاؤ پھر میں تمہاری ہر بات مان لوں گا۔" اس نے فضا میں دونوں ہاتھ پھیلا کر فلمی انداز میں کہا۔

اسی لمحے غزالہ کے پیروں میں گویا اسپرنگ لگ گئے۔ وہ اپنی جگہ سے فضا میں اڑتی ہوئی اپنے شکار پر جا پڑی۔ اس کے دونوں پیر پوری قوت سے اس غنڈے کے سینے پر پڑے تھے۔ وہ ایک دبی دبی غراہٹ کے ساتھ قالین پر دور جا گرا اور غزالہ دوسری طرف نکل گئی۔

غزالہ مارشل آرٹس میں کامل مہارت رکھتی تھی لیکن اسے اپنے جوہر آزمائے ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کے کمرے میں زیادہ دیر تک دھما چوکڑی جاری رہی تو کوئی نہ کوئی اس کی طرف متوجہ ہوجائے گا۔

اپنے قدموں پر توازن درست کرتے ہی وہ دوبارہ اپنے شکار کی طرف پلٹ پڑی۔ اس لمحے جو کچھ ہوا' بہت تیزی سے ہوا اس لیے غزالہ کو اپنی انگلی میں موجود وہ انگوٹھی استعمال کرنے کا خیال نہیں آیا جو اس کے شکار کو چشم زدن میں بے ہوش کرسکتی تھی۔ اس نے غضب ناک انداز میں اپنی داہنی ہتھیلی پوری طرح کھول کر فضا میں بلند کی' اس کا شکار سنبھل کر قالین سے اٹھنے کی کوشش کررہا تھا کہ غزالہ نے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکال کر اس پر دوسرا وار کردیا۔

ندیدے بدمعاش کی کنپٹی پر غزالہ کی نرم و نازک ہتھیلی کی کھڑی ضرب اس قدر شدید تھی کہ وہ اٹھنے سے پہلے ایک ہچکی لے کر فرش پر دوبارہ ڈھیر ہوگیا۔

ہچکی کے ساتھ اس کے معدے سے کسی دیسی شراب کا تیز اور ناقابل برداشت بھبکا برآمد ہوا جس نے کچھ دیر کے لیے کمرے کی فضا مکدر کردی۔

غزالہ نے بجلی کی سی سرعت سے اپنا کام مکمل کیا تھا۔

اسے ڈر تھا کہ کہیں غصے کی وجہ سے اس کی ضرب شدید نہ ہوگئی ہو۔ اس نے جھک کر بے ہوش پڑے ہوئے آدمی کی نبض دیکھی جو چل رہی تھی اور پھر اسے ٹھوکر مار کر مسہری پر آگئی۔

وہ ایک سنگین اور اہم واقعہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ انڈین سیکرٹ سروس والوں کو کمرے میں لگے ہوئے حساس مائیکروفونز کے ذریعے یہ علم ہوچکا ہوگا کہ ان کا بھیجا ہوا بدمعاش اپنے مقصد کے حصول میں بُری طرح ناکام ہوچکا تھا۔ اس کی مدد کے لیے کسی بھی لمحے را والے دروازے پر دستک دے سکتے تھے۔

غزالہ کے لیے وہ مرحلہ جاں گسل تھا۔ اس نے ہمت اور حوصلے سے کام لے کر اپنے ایک موذی دشمن کو زیر کرلیا تھا لیکن اس کے اعصاب قابو میں نہیں تھے۔ وہ ایک دشمن ملک میں درندہ صفت دشمنوں میں گھری ہوئی تھی جو میرے اور اس کے ساتھ گھناؤنا کھیل کھیل رہے تھے۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اس کے پاس عافیت کے کتنے لمحے باقی رہ گئے تھے۔ اسے فوری طور پر مدد اور سہارے کی ضرورت تھی جس کے لیے اس کے ذہن میں صرف میرا نام گونج رہا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ میں نے محض انسانی ہمدردی کے جذبے کا بھرپور اظہار کرکے را کی صفوں میں رینا کو اپنا مطیع بنالیا تھا۔ غزالہ کے کڑے وقت میں، میں رینا سے اپنی آخری ملاقات میں مصروف تھا جس میں بہت سی اہم باتیں میرے علم میں آنے کا امکان تھا۔ وہ موقع گنوا دینے کے بعد ہم کبھی ان معلومات تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ خلوت میں ہونے والی میری اور رینا کی ملاقات سے ملک کا مفاد وابستہ تھا جب کہ دوسری طرف غزالہ کی ذات خطرات میں گھری ہوئی تھی۔

وہ سوچتی رہی۔ اس کے لیے کوئی ایک فیصلہ کرنا محال ہورہا تھا۔ آخر اس نے تن بہ تقدیر ہوکر سینے پر پتھر رکھ لیا۔ ملک کے سامنے فرد کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ مرجاتی تو پاکستان کی کوئی بھی بیٹی اس کی جگہ لے سکتی تھی لیکن پاکستان کے کسی نقصان کا ازالہ ہونا ناممکن تھا۔ اگر ملک کو کسی قربانی کی ضرورت تھی تو وہ اپنا لہو دینے کے لیے تیار تھی۔ اس نے تہیہ کرلیا کہ وہ انٹرکام کے ذریعے بھی میری اور رینا کی گفتگو میں مخل نہیں ہوگی۔

دہلی کے خبیث غنڈے کا بھاری وجود کسی بے جان لاش کی طرح کمرے کے قالین پر پڑا ہوا تھا۔ کسی غیر ضروری ناگہانی آفت سے بچنے کے لیے اس کا وہاں سے ہٹایا جانا ضروری تھا۔ غزالہ کے بدن میں بجلی سی سرایت کرگئی۔ اس کے سامان میں کوئی قابلِ ذکر چیز موجود نہیں تھی۔ اس نے درازوں وغیرہ کی تلاشی لینا شروع کردی۔ اس وقت اس کا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ وہ دیوانہ وار ہر چیز کو الٹ پلٹ رہی تھی۔ آخر کار اسے کاٹن ٹیپ کا وہ مضبوط رول مل گیا جو ہوٹل والوں نے اپنے مہمانوں کی ازاربند وغیرہ کی ضروریات کے لیے کپڑوں کی الماری کے ایک خانے میں رکھا ہوا تھا۔

وقت کی رفتار یک بیک سست ہوگئی تھی۔ غزالہ کو ایک ایک لمحہ صدیوں سے زیادہ بھاری محسوس ہورہا تھا۔ اس نے کاٹن ٹیپ کی مدد سے بے نام بدمعاش کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر لے جاکر جکڑ دیے پھر بے ہوش قیدی کے پیر بھی ملا کر سختی سے باندھ دیے تاکہ وہ ہوش میں آنے کے بعد بھی آزادی کے ساتھ نقل و حرکت نہ کرسکے۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے اپنی کارگزاری کا ناقدانہ جائزہ لیا اور پھر اس بندھے ہوئے نیم مردہ کو باتھ روم کی طرف کھینچنا شروع کردیا۔

اس وقت غزالہ نے بے مثال استقامت سے کام لیا۔ ایک طرف اسے را کے مددگاروں کی دخل اندازی کا دھڑکا لگا ہوا تھا دوسری طرف وہ خود اعصابی انتشار میں مبتلا تھی۔ اس کے لیے قیدی کے بھاری وجود کو گھسیٹنا دشوار ہورہا تھا۔ اسے باتھ روم میں پہنچانے تک اس کا سانس بری طرح پھول گیا اور وہ ہانپنے لگی۔

بندھے ہوئے بے ہوش قیدی کو باتھ روم میں بند کرکے وہ ریفریجریٹر کی طرف آئی اور ٹھنڈے پانی کے دو گلاس غٹاغٹ چڑھا گئی۔ پانی پینے سے ذرا سا سکون ملا تو اس کے ذہن میں ایک نیا خیال کوندا۔ وہ اپنے تھیلے سے روئی کا پیکٹ لے کر دوبارہ باتھ روم میں جا گھسی۔

اس نے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں روئی کا آدھے سے زیادہ پیکٹ قیدی کے حلق تک ٹھونس دیا اور دوبارہ باتھ روم سے نکل آئی۔

وہ مشینی اور غیر ارادی طور پر وہ سب کرتی چلی آرہی تھی۔ اس نے قیدی کو اس بری طرح بے بس کردیا تھا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد بھی اپنی نجات کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا مگر وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ میرے فارغ ہونے کے بعد بھی اس سے کیسے چھٹکارا پایا جائے گا۔

اپنے کمرے میں کچھ دیر تک ٹہلنے کے بعد وہ تھک کر مسہری کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ اس کے کان انٹرکام کی طرف لگے ہوئے تھے۔ اسے پوری امید تھی کہ رینا سے مذاکرات ختم ہوتے ہی میں اس سے رابطہ کروں گا اور اس کی مشکل آسان ہونے کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔

اسے اپنا قیدی گلے کی ہڈی بنتا نظر آرہا تھا۔ اسے زیادہ سے زیادہ کمرے سے نکال کر ہوٹل کی راہ داری میں ڈالا

جا سکتا تھا۔ اس کام کے لیے میدان صاف ہونا ضروری تھا۔ رات گئے ہوٹل کے عملے اور مہمانوں کی بے خبری میں وہ کام کیا جا سکتا تھا لیکن اصل خطرہ را کے ایجنٹوں کی طرف سے تھا۔ انہوں نے غزالہ کی تذلیل کے لیے اپنے کرائے کا آدمی اندر بھیجا ہوا تھا۔ اس کی واپسی تک وہ ایک لمحے کے لیے بھی غزالہ کے کمرے سے غافل نہیں ہو سکتے تھے۔ جوں ہی وہ کسی کو بھاری انسانی وجود کے ساتھ غزالہ کے کمرے سے نکلتا ہوا دیکھتے' اچانک سامنے آکر ہم کو رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیتے۔ غزالہ کو میری آمد کے بعد بھی وہ مسئلہ حل ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔

وقت سسک سسک کر گزرتا رہا۔ غزالہ ہولناک اندیشوں کی دلدل میں ڈوبتی اور ابھرتی رہی۔ اپنی توہین اور اجنبی کے جارحانہ تیوروں پر مشتعل ہو کر غزالہ ایک انتہائی قدم اٹھا چکی تھی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہوتا جارہا تھا کہ اس نے غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔

میں اس پر گزرنے والی قیامت سے بے خبر رینا کو کریدنے میں مصروف تھا۔ غزالہ کی بے چینی ہر لمحے بڑھتی جارہی تھی جو رفتہ رفتہ تشویش میں بدل گئی تھی۔ اچانک کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور غزالہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ پھٹی پھٹی اور خوف زدہ نگاہوں سے بند دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ طویل انتظار سے اکتا کر آخر کار را کے ایجنٹ اپنے آدمی کی تلاش میں اس کے دروازے پر آپہنچے تھے۔ وہ انہیں روکنا چاہتی تب بھی اندر آنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ دروازہ نہ کھولتی تو وہ دروازہ توڑ کر اندر آنے پر قادر تھے۔

وہ اٹھی تو اس کی پنڈلیوں میں ہلکی سی لرزش موجود تھی۔

"کون ہے؟" اس نے بند دروازے کے قریب پہنچ کر کمزور آواز میں سوال کیا۔

"روم سروس' میڈم!" باہر سے ایک مہذب مردانہ آواز سن کر غزالہ کے کھوئے ہوئے اوسان قدرے بحال ہوئے اور اس نے دروازہ کھول دیا۔

بیرونی راہداری میں سروس ٹرالی موجود تھی۔ اس کے سامنے ایک نوجوان ویٹر چائے کی ٹرے اٹھائے موجود تھا۔

"کیا بات ہے؟" غزالہ نے اسے اندر آنے کی راہ دیے بغیر سپاٹ آواز میں پوچھا۔

"میڈم! آپ کا دو چائے کا آرڈر تھا" اس نے سٹپٹائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ اس کی آنکھیں غزالہ کے شانوں کے پیچھے کمرے میں دیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"میں نے کوئی آرڈر نہیں دیا۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے" غزالہ نے بے رخی سے جواب دیا اور دروازہ بند کر کے اس سے پشت لگادی۔

"کمال ہے۔ انٹر کام پر تو کمرے کا یہی نمبر بتایا تھا" اس کے کانوں میں باہر سے ویٹر کی بڑبڑاہٹ آئی "خیر' دیکھا جائے گا۔"

غزالہ کچھ دیر تک اسی حالت میں کھڑی رہی پھر تھکے ہوئے انداز میں چل کر ایک صوفے پر جاگری۔ گزرے ہوئے واقعات نے ذرا سی دیر میں اسے اندر سے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ خود کو بالکل بے روح محسوس کر رہی تھی۔

غزالہ کو یقین تھا کہ ویٹر کی بڑبڑاہٹ اسے دھوکا دینے کے لیے تھی۔ وہ ہوٹل کا ویٹر نہیں' ویٹر کے روپ میں را کا کوئی آدمی تھا جو چائے کے بہانے کمرے کے اندر کا جائزہ لینے کی نیت سے بھیجا گیا تھا۔ یہ غنیمت ہوا کہ غزالہ نے اس کی آمد سے پہلے بے ہوش قیدی کو باتھ روم میں منتقل کر دیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پڑا رہتا تو دروازہ کھلتے ہی اس کا نگاہوں میں آنا یقینی تھا۔

غزالہ اپنی جگہ فکرمند تھی اور را والے اپنی جگہ تشویش میں مبتلا تھے۔ ان کی طرف سے ویٹر کے روپ میں چھیڑ چھاڑ کی ابتدا ہو چکی تھی۔ غزالہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ تن تنہا کتنی دیر تک ان روح فرسا حالات کا مقابلہ کر سکے گی۔

اچانک اس کے کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ غزالہ دیر سے اسی سہانی آواز کی منتظر تھی۔ اس کے وجود کی ساری توانائیاں سمٹ کر اس کی ٹانگوں میں مرکوز ہو گئیں اور اس نے دوڑ کر ریسیور اٹھالیا۔

○☆○

میری آواز سن کر غزالہ نے کانپتی ہوئی آواز میں صرف اتنا کہا کہ میں فوری طور پر اس کے کمرے میں پہنچوں' وہاں گڑبڑ تھی۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ گڑبڑ تھی تو اس نے مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا جبکہ ہمارے دونوں کمرے ایک فلور پر واقع تھے۔

لمحہ بھر میں میرے ذہن میں کئی امکانات ابھرے اور خود ہی معدوم ہو گئے۔ وہ واقعہ کچھ بھی رہا ہو' اصل اہمیت اس بات کی تھی کہ غزالہ صحیح سلامت تھی اور مجھ سے بات کرنے کے قابل تھی۔ اپنے کمرے میں اسے ایک ہی خطرہ ہو سکتا تھا کہ نشے میں چور کوئی پڑوسی بار بار اسے تنگ کر رہا ہو اور وہ دروازہ کھولتے ہوئے ڈر رہی ہو۔

وہ دہلی کا کوئی نہاری ہوٹل نہیں بلکہ فائیو اسٹار ہوٹل تھا۔ وہاں ایک سے ایک بگڑا رئیس آتا تھا۔ ایسے لوگوں سے الجھنا یا انہیں سمجھانا آسان کام نہیں تھا۔ اس وقت سرکاری گواہ کے طور پر میرے ساتھ رینا کی موجودگی سود مند ثابت ہوسکتی تھی۔ اس کی سرگرمیاں کچھ بھی رہی ہوں لیکن وہ را کی تنخواہ دار ضرور تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس کے سرکاری کارڈ کی ایک جھلک ہی غزالہ کو ستانے والے کا نشہ ہرن کردے گی۔

میں نے رینا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور تیزی سے کمرا چھوڑ دیا۔

غزالہ کے بند دروازے پر دستک دینے کے ساتھ ہی میں نے اونچی آواز میں اسے دروازہ کھولنے کی ہدایت کی۔ مدعا یہ تھا کہ اسے کوئی غلط فہمی نہ ہو بلکہ میرے پہنچنے کا اطمینان ہوجائے۔

دروازہ کھلا اور غزالہ بلک کر میرے سینے سے لپٹ گئی۔ میں اسے اپنی بانہوں میں لیتا ہوا کمرے میں داخل ہوگیا۔ رینا نے ہمارے بعد اندر آکر دروازہ بند کردیا۔

کافی دیر تک غزالہ کی سسکیوں اور آنسوؤں کا سلسلہ نہیں رک سکا۔ اس دوران میں اس نے جب دوسری بار باتھ روم کی طرف اشارہ کیا تو رینا کے قدم اس طرف اٹھ گئے۔ باتھ روم کا دروازہ کھول کر اس نے اندر کا منظر دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"یہ تو شاید مرچکا ہے۔ کب سے یہاں پڑا ہوا ہے؟" اس نے پلٹ کر سرسراتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

اس کے انکشاف پر میرے اوسان خطا ہوگئے۔ بندھے ہوئے بے ہوش قیدی کو دیکھ کر میں نے بھی وہی سوچا جو رینا کے ذہن میں آیا تھا۔ کسی نے تشدد کے بعد اسے مار کر وہاں ڈال دیا تھا۔ غزالہ کسی ضرورت کے تحت باتھ روم میں گئی تو اسے دیکھ کر دہشت زدہ ہوگئی۔ اسی اثنا میں، میں نے اسے فون کرلیا۔

غزالہ اس وقت شدید جذباتی بحران سے دوچار تھی مگر اسے یہ یاد تھا کہ اس وقت را پر کسی قسم کا شبہ ظاہر کرنا ہمارے لیے خطرناک ہوسکتا تھا۔ اس نے کسی بھی قیاس آرائی سے بچتے ہوئے بہت اختصار کے ساتھ پورا واقعہ ہمیں سنادیا۔

"مگر اس مردود کو تمہارے کمرے کی چابی کہاں سے مل گئی؟" غزالہ کی روداد سن کر رینا نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ سب بعد میں بھی سوچا جاسکتا ہے۔ اس وقت یہ بتاؤ کہ اس سے نجات کیسے ملے گی؟" غزالہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ میرے سینے سے الگ ہوچکی تھی مگر اس نے مضبوطی سے میرا داہنا بازو تھاما ہوا تھا۔ اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کی انگلیاں میرے بازو میں گڑی جارہی تھیں۔

میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت رینا کی حیرت سراسر مصنوعی تھی۔ بے دست وپا قیدی کو دیکھ کر وہ کسی نتیجے پر پہنچ چکی تھی کیونکہ اس کی خوبصورت آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

"تم فکر نہ کرو" رینا نے غزالہ کی پشت پر ہاتھ پھیر کر اسے دلاسا دیا "سب ٹھیک ہوجائے گا۔ میں ابھی بندوبست کرتی ہوں۔"

وہ سیدھی فون کی طرف گئی اور براہ راست کوئی فون نمبر ملانے میں مصروف ہوگئی۔ میں غزالہ کو تسلی تشفی دیتا رہا مگر میرے کان رینا کی طرف لگے ہوئے تھے۔

فون کا سلسلہ مل جانے پر رینا نے اتنی نیچی آواز میں گفتگو کی کہ میں کوشش کے باوجود واضح طور پر کوئی لفظ نہیں سن سکا۔ اپنی گفتگو ختم کرکے وہ ہماری طرف گھومی اور بولی "قیدی کو یہیں چھوڑ کر باہر چلو۔ را والے خود اسے اٹھالے جائیں گے اور پوچھ گچھ کرلیں گے۔"

میرے لیے وہ بڑی خبر تھی لیکن غزالہ سکتے کے سے عالم میں تھی۔ میں نے اس کے رخساروں پر تھپڑ لگا کر اسے ہوش دلایا اور اسے اس کمرے سے نکال کر اپنے کمرے میں لے آیا۔

"یہاں نہیں، اب کچھ دیر کے لیے ہوٹل سے باہر نکل چلو" رینا نے میرے کمرے کے دروازے پر رک کر مشورہ دیا "غزالہ کا دل بہل جائے گا۔"

چند ثانیوں پہلے خود میں نے رینا کے ساتھ وہی پروگرام طے کیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ غزالہ کی مدد کرے تاکہ وہ ہاتھ منہ دھوکر ہمارے ساتھ باہر جانے کے قابل ہوسکے۔ رینا نے غزالہ کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر غسل خانے میں گھس گئی۔

ہمارے صرف کمرے بک کیے گئے تھے لیکن ہوٹل کی عمارت سے باہر آنے تک تینوں کی زبانیں بند رہیں۔ اس وقت تک مجھے صحیح حالات کا علم نہیں تھا، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ غزالہ پر ناکام مجرمانہ حملے کی کوشش کو را کی سرپرستی حاصل ہوگی۔

"آج تم نے کمال کردیا" ہوٹل سے باہر نکلتے ہی رینا تعریفی لہجے میں بول پڑی "میں تمہیں ایک عام سی خانہ دار لڑکی سمجھتی تھی مگر تم تو چھپی رستم نکلیں۔ تم نے مرلی جیسے فیل پیکر کو اتنی آسانی سے کیسے زیر کرلیا۔"

رینا کے الفاظ پر میں چونک پڑا "مرلی؟ تو کیا تم اس حملہ

آور کو جانتی ہو؟"

رینا نے متاسفانہ انداز میں اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کہا "میں وہاں یہ بات نہیں کہہ سکتی تھی مگر اب بتا رہی ہوں کہ غزالہ کے قیدی کو دیکھ کر مجھے زبردست جھٹکا لگا تھا۔ مرلی باڑہ ہندو راؤ کا ایک معمولی بدمعاش ہے۔ جو کبھی کبھی ہمارے لیے کام کرتا ہے۔"

"مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے تمہارے بڑوں نے بھیجا ہو گا۔" غزالہ نے آزردہ آواز میں کہا "وہ اس طرح وہاں شیر بنا ہوا تھا جیسے وہ اسی کا کمرا ہو۔"

میری کھوپڑی گھوم گئی اور میں نے زہریلی آواز میں رینا سے پوچھا "یہ کس کی حرکت تھی؟ اس بارے میں تم نے کس سے بات کی تھی؟"

"میری رسائی نریش تک ہے۔ وہ مرلی کی ناکامی کی خبر سن کر گالیوں پر اتر آیا تھا۔ تم یقین کرو کہ میں اس حرکت سے بالکل بے خبر تھی۔"

رینا کو اپنے بارے میں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اس کا اضطراری ردِّعمل دیکھ کر اس کی بے گناہی پر ایمان لا چکا تھا۔ نریش شرما اپنی ہر شکست کے بعد کسی زخم خوردہ سانپ کی طرح پلٹ پلٹ کر بھیانک وار کر رہا تھا۔ یہ ہمارے مقدر کی یاوری تھی کہ اسے کوئی من پسند کامیابی نصیب نہیں ہو رہی تھی۔

"وہ بہت ذلیل شخص ہے۔ میں اسے فنا کر دوں گا" میں نے طیش میں آ کر غراتی ہوئی دھیمی آواز میں کہا۔

"اپنے اوپر قابو رکھو" رینا نے ہراساں ہو کر مجھے جھنجوڑ ڈالا "ہم کھلے بازار میں نکل آئے ہیں۔ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

اچانک مجھے یاد آ گیا کہ بھارت کی سرزمین پر میں ڈینی نہیں، مظہر خان بنا ہوا تھا جو ایک مصلحت کوش اور ڈرپوک کاروباری شخص تھا۔ میں نے سنبھل کر کہا "میں جانتا ہوں کہ چیونٹی بھی اپنے گھر میں شیر ہوتی ہے لیکن برداشت کی حد ہوتی ہے۔"

"شاید قصور میرا ہے" رینا مایوسانہ لہجے میں بولی "مجھے تم کو نہیں بتانا چاہیے تھا کہ میں مرلی کو جانتی ہوں۔ میں اپنی زبان بند رکھتی تو تم اسی بات پر خدا کا شکر ادا کر رہے ہوتے کہ بے ہوش قیدی سے آرام سے جان چھوٹ گئی ورنہ وہ گلے کا ہار بن جاتا۔"

"رینا ٹھیک کہہ رہی ہے" غزالہ نے مجھے سمجھایا "اس کمینے کے منہ لگنا بیکار ہے۔ ہم یہاں رکے تو وہ اسی طرح ہماری راہ میں روڑے اٹکاتا رہے گا۔ اب ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے ورنہ ہم بری طرح پھنس جائیں گے۔"

"میری نہیں تو اپنی غزالہ کی بات ہی مان لو" رینا نے میری خوشامد کی۔

میں نے کچھ نہیں کہا مگر میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ دوسرے کمرے کی بکنگ واپسی پر منسوخ کروا دوں گا۔ بھول چوک میں وہ کمرا کسی بھی وقت میرا یا غزالہ کا مدفن بن سکتا تھا۔

خاموشی سے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد رینا سے نہ رہا گیا اور وہ غزالہ سے دوبارہ پوچھ بیٹھی "دیکھنے میں تم دھان پان سی لڑکی ہو جو ذرا سی تیز ہوا سے اڑ سکتی ہو۔ تم نے مرلی کو اتنی آسانی سے بے ہوش کر کے کیسے باندھ ڈالا؟"

غزالہ کو جوش میں آ کر شیخی بگھارنی چاہیے تھی مگر وہ ایسی کسی حرکت کے مضمرات سے آگاہ تھی۔ ویسے بھی وہ رینا کو زیادہ پسند نہیں کرتی تھی۔ اس نے سرسری لہجے میں کہا "بس وہ دھوکے میں کھڑا رہ گیا اور میرا ہاتھ صحیح جگہ پڑ گیا ورنہ آج میری جان ہی نکل گئی تھی۔"

"اصل کہانی وہ ہوش میں آنے کے بعد سنائے گا۔ جو مجھ تک پہنچ جائے گی" رینا نے ہماری افسردگی دور کرنے کے لیے شوخی سے کہا "تم بلاوجہ انکسار سے کام لے رہی ہو۔"

غزالہ پھیکے انداز میں ہنس پڑی "کبھی کراٹے سیکھا تھا' آج وہی کام آ گیا۔ وہ آسانی سے کرنے والا نہیں تھا۔"

"ایک طرف اس نے غزالہ پر ریک وار کر کے منہ کی کھائی' دوسری طرف تمہیں میرے پاس بھیج دیا" میں نے گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ وہ دنیا بھر کی سیاسی کہانیاں سنا کر مجھے کیا جتانا چاہ رہا ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم ابھی تک کچھ نہیں سمجھ سکے۔ وہ لومڑی کی طرح مکار مگر بھیڑ کی طرح بزدل افسر ہے۔ اس کے دماغ کے کسی کونے کھدرے میں یہ ڈر بیٹھا ہوا ہے کہ تم پاکستان جا کر اپنی باتوں سے پھر گئے تو کیا ہو گا۔ اس کے پاس تمہاری کوئی کمزوری نہیں ہے۔ وہ تمہیں بلاوجہ دھمکا رہا ہے۔ امریکا اور بھارت کا گٹھ جوڑ بہت پرانا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ دنیا کدھر جا رہی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ بڑے بڑے ملکوں کے کھیل کی کہانیاں سن کر تم رعب میں آ جاؤ گے اور خاموشی سے کٹھ پتلی بنے رہو گے۔ ہم پہلے بھی کئی پاکستانیوں کو پھانس چکے ہیں لیکن تم کو پتا نہیں کیوں زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے" اس نے تفصیل سے بتایا۔

میرے دل کی بات دہرا کر اس نے مجھے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔ وہ زمانہ شناس لڑکی تھی۔ ہر بات موقع محل کی مناسبت سے کرتی تھی۔ نریش شرما کی حکمتِ عملی کا ذکر کرتے

ہوئے اس نے بہت خوبصورتی سے میری اور اپنی ویڈیو فلم کا ذکر گول کیا تھا۔

میرے سامنے وہی چند باتیں تھیں جن کی وضاحت کے لیے ہمارا ہوٹل سے باہر نکلنا ضروری تھا۔ وہ وضاحتیں سامنے آنے کے بعد میرا ذہن ہلکا ہوگیا اور ہم خوش دلی کے ساتھ اپنے قرب وجوار کی دلچسپیوں میں محو ہوکر نئے سرے سے کناٹ پلیس کی سیر میں مصروف ہوگئے۔

بازار کی بھیڑ بھاڑ سے گزرنے کے بعد ہم گھاس کے ایک قطعے میں جا بیٹھے۔

گفتگو کرنے کی آزادی میسر آتے ہی غزالہ نے پھر نرلیش کا ذکر نکال لیا۔ تھوڑی دیر پہلے اس کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ اس قدر ہولناک تھا کہ وہ کوشش کے باوجود اسے اپنے ذہن سے محو کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔

میں نے اسے رینا کے ساتھ دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے سیر حاصل تبادلۂ خیال کا موقع دینے کے لیے سگریٹ سلگائی اور نرم گھاس پر دراز ہوگیا۔

"پچھتانے کے بجائے یہ سوچو کہ آج تمہارے ہاتھوں اس کی کیسی سبکی ہوئی ہے۔ جب انکل کو پتا چلے گا کہ آج کیا ہوا ہے تو نرلیش انہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔"

کچھ دیر بعد میرے کانوں میں رینا کی آواز آئی۔ وہ غزالہ کو سمجھانے کی کوشش کررہی تھی۔

"اس کی سبکی میرے زخم کو مندمل نہیں کرسکتی۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا ہے کہ عورت ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔" وہ غزالہ کی مرجھائی ہوئی آواز تھی۔

"اس کا پڑھایا اور سمجھایا ہوا آدمی اپنے قدموں پر چل کر تمہارے کمرے میں پہنچا تھا۔ تم اندازہ لگاؤ کہ جب اسے بے ہوشی کی حالت میں اسٹریچر یا کندھوں پر لاد کر لے جایا گیا ہوگا تو نرلیش کے دل پر کیسے سانپ لوٹے ہوں گے۔ تم نے اپنی بساط سے بڑھ کر بدلہ لیا ہے۔"

"ایک زخم لگانے سے دوسرا زخم نہیں بھرتا۔ یہ خدا کا شکر ہے کہ اس کا وار خالی گیا اور میں نے آنے والے کو خاک چاٹنے پر مجبور کردیا۔ وہ ضرور سر پیٹ رہا ہوگا مگر میری خلش اپنی جگہ پر ہے۔ یہ رفتہ رفتہ ہی ختم ہوگی۔"

"تم بھی مظہر خان کی طرح حساس طبیعت کی مالک معلوم ہوتی ہو۔ یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ تمہارے دشمن کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ اسے ہر طرف ناکامی کا سامنا ہے۔ اسے سب سے بڑا دھچکا اس وقت لگے گا۔ جب مظہر پاکستان جاکر چند دن بعد اسے آنکھیں دکھائے گا اور وہ کچھ بھی نہیں کرسکے گا۔"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے" میں نے لیٹے لیٹے جواب دیا "میں اسے آنکھیں دکھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ میرے لیے پچیس ہزار روپے ماہانہ کی رقم معمولی نہیں ہے۔ جب تک وہ انکار نہیں کرے گا، میں اس ذلیل اور کمینہ فطرت شخص کے لیے کام کرتا رہوں گا۔"

میرے جواب پر رینا حیران رہ گئی "تمہارا یہ ارادہ ہے تو اس کے سارے جتن بے سود ہیں۔ پتا نہیں وہ کیوں کانٹوں پر منہ مار رہا ہے۔"

سب کچھ ہونے کے باوجود یہ بات طے تھی کہ رینا اجیت رائے اپنی ماں کی بیماری کی وجہ سے مجبوریوں کی دلدل میں پھنسی ہوئی تھی۔ را کی ملازمت اس کی مجبوری تھی۔ ایک مرتبہ وہ طوق پہن لینے کے بعد اپنی مرضی سے اسے اتار پھینکنا اس کے بساط سے باہر تھا۔ اسے زندگی بھر ان کا غلام رہنا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اسے کسی لغزش کی بنا پر معتوب یا معزول کردیا جاتا۔ غزالہ کی طرح رینا بھی ایک عورت تھی۔ را کے درندے عورت کو نکیل دے کر اپنا غلام بنائے رکھنے کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتے تھے۔

جب تک رینا ان کی صفوں میں شامل تھی، اس پر آنکھیں بند کرکے اعتبار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ کمزور عورت اپنے بڑوں کے سامنے کسی بھی لمحے اعصاب شکن تجربات سے گزر سکتی تھی۔ ایسے کمزور لمحوں میں وہ دنیا کا ہر سچ اگلنے پر مجبور ہوجاتی۔ اپنے بچاؤ کے لیے یہ بہت ضروری تھا کہ میں اپنے بارے میں یہ بات اس کے ذہن میں راسخ کردوں کہ میں مظہر خان تھا جس کے لیے طاقت ور سے ڈرنا اور ہر قیمت پر چار پیسے کمانا زندگی گزارنے کے سنہرے اصول تھے۔

رینا کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگی تھی کہ را کے دفتر کی آگ اور جان اسمتھ کے قتل جیسے بڑے کاموں میں ہمارے کوئی ہاتھ کار فرما تھے پھر بھی شاید اس نے اپنے دل میں میرے لیے کوئی بڑا مقام بنایا ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے بزدلانہ جواب سے رینا کے اس تصور کو ٹھیس پہنچی تھی۔ وہ یکایک خاموش ہوگئی تھی۔

میں اس کی کوئی دل آزاری نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اپنے مفادات کو نظرانداز کرنا میرے لیے ناممکن تھا۔ میں نے اسے مزید کچھ سمجھانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ غزالہ کی باتوں کے جواب میں بھی بس ہوں ہاں کرتی رہی پھر واپسی کے ارادے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کل دہلی میں ہمارا آخری دن ہے" اسے رخصت کرنے سے پہلے غزالہ نے یاد دلایا "ملنے کے لیے آؤگی؟"

"کوشش کروں گی مگر وعدہ نہیں کرتی" اس نے مجھ سے نظریں چراتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

میں نے اس سے آنے کے لیے اصرار نہیں کیا۔ غزالہ

کے بعد اس سے تپاک سے ہاتھ ملایا اور وہ بوجھل قدموں سے ایک طرف چل دی۔

ہم دونوں پارک میں کھڑے چند ثانیوں تک اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے پھر مڑ کر اپنی راہ ہولیے۔

"آپ نے آخر میں پیسے کے لیے اپنا لالچ ظاہر کرکے بلاوجہ اس بے چاری کو مایوس کردیا۔ اسے آپ کے انہوں نے خیالات سن کر صدمہ ہوا تھا" غزالہ نے میرے ساتھ چلتے ہوئے دھیرے سے کہا "آپ پیسے کی پروا بھی نہیں کرتے پھر بلاوجہ اسے یہ جتانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"خاموشی سے چلتی رہو۔ اپنی ضروریات کو میں بہتر طور پر سمجھتا ہوں" میں نے نرمی سے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ میں نے کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے غزالہ کے کمرے کی بکنگ منسوخ کروانے کے بعد اس کا نام اپنے ساتھ درج کروالیا۔ میرے ایما پر کلرک نے کمرے سے مختصر سا سامان نکالنے کے لیے چابی غزالہ کے حوالے کردی۔

ہم اوپر پہنچے تو روم سروس والوں کو انٹرکام پر ایک کمرا خالی ہونے کے بارے میں اطلاع مل چکی تھی۔ میں نے غزالہ کے کمرے میں گھستے ہی باتھ روم میں جھانکا تو وہ خالی پڑا ہوا تھا۔ بے دست و پا قیدی وہاں سے غائب تھا۔ شاید را والے پہلی فرصت میں اسے وہاں سے نکال لے گئے تھے۔

غزالہ نے اپنا اسباب سمیٹا۔ پورٹر نے اس کے دونوں تھیلے اٹھائے اور ہم نے اس کمرے کو خیرباد کہہ دیا۔

ہم نے جب سے بھارت کی سرزمین پر قدم رکھا تھا، حالات کو کسی ایک جگہ قرار نہیں تھا۔ صورتِ احوال پل پل میں اپنا رنگ بدل رہی تھی۔ کبھی یوں محسوس ہوا جیسے ہم نے دشمن کے خلاف اپنی لڑائی فیصلہ کن انداز میں جیت لی ہے اور کبھی ہمیں اپنا انجام سامنے نظر آتا تھا۔

نریش کمار کو دیے ہوئے پروگرام کے مطابق دہلی سے ہماری روانگی میں کم و بیش پورے ایک دن کا وقفہ حائل تھا۔ نریش نے اس وقفے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مرلی نامی بدمعاش کے ذریعے جو ناکام وار کیا تھا اس نے مجھے ذہنی اضطراب میں مبتلا کردیا تھا۔ آثار و قرائن بتا رہے تھے کہ نریش پے درپے کئی چوٹیں کھا کر بھی نچلا بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ ہر بار نئے زاویے سے حملہ کررہا تھا اور توقع یہ تھی کہ وہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں پھر کوئی نہ کوئی حرکت کرے گا۔

ہوٹل کے کمرے میں ہم انڈین سیکرٹ سروس کے نصب کیے ہوئے خفیہ آلات کے اسیر تھے اس لیے آپس میں کھل کر بات نہیں کرسکتے تھے لیکن دونوں ہی اپنی اپنی جگہ فکر و تشویش میں مبتلا تھے غزالہ کا تجربہ تازہ اور زیادہ گمبھیر تھا اس لیے اس کی تشویش بھی زیادہ گہری تھی۔

آٹھ بجے غیر متوقع طور پر نریش شرما کا فون آگیا۔ آپریٹر کی زبان سے اس کا نام سن کر میں چونک پڑا۔

"سنا ہے کہ آج کسی بدمعاش نے تمہاری ساتھی کے کمرے میں گھس کر اس سے بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تھی" رینا نے اس معاملے پر غزالہ کے کمرے سے براہ راست نریش سے گفتگو کی تھی اور اسی کے ایما پر ہمیں قیدی کو چھوڑ کر باہر نکل جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اس نے یہ تصدیق بھی کی تھی کہ مرلی اکثر را والوں کے لیے کام کرتا رہا تھا۔ اس کی ناکامی کی خبر سن کر نریش شرما غصے میں آپے سے باہر ہوگیا تھا۔ ان تمام شواہد کی روشنی میں اس کے انجان بننے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

اس کا وہ سوال سن کر میرا خون کھول اٹھا مگر میں اس کو کوئی منہ توڑ جواب دینے سے قاصر تھا۔ میں نے بہت زیادہ تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا "کاش، تم نے سننے کے بجائے وہ منظر دیکھا ہوتا۔ میری ساتھی کی خوف سے آدھی جان نکل گئی تھی۔"

"مگر وہ بہت دلیر اور مردمار لڑکی ہے۔ میں نے تمہارے مجرم کو دیکھا ہے۔ حیرت ہے کہ وہ چوہے کی طرح اس لڑکی سے پٹ گیا۔"

"ظالم اور مظلوم میں یہی فرق ہوتا ہے۔ جب مظلوم اپنی بقا کے لیے لڑنے پر کمربستہ ہوجاتا ہے تو اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن کو بھی پلک جھپکتے میں زیر کرلیتا ہے۔ شاید تمہیں یہ سن کر حیرت ہو کہ اپنے دشمن پر غالب آنے کے بعد وہ دیر تک آنسوؤں سے روتی رہی تھی۔"

"میری طرف سے اسے دلاسا دینا کہ میں اس کے مجرم کو قرار واقعی سزا دیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ وہ قید میں ہے۔ اس کے ہوش میں آتے ہی اس سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کردیا جائے گا۔ وہ زیادہ دیر تک اپنی زبان بند نہیں رکھ سکے گا۔"

"اس تعاون کے لیے میں تمہارا شکرگزار ہوں" اس سے ممنونیت کا اظہار کرتے ہوئے مجھے اپنے حلق میں تلخی گھلنے کا احساس ہورہا تھا۔

"غزالہ سے یہ ضرور پوچھنا کہ اس نے مجرم کو پہلے کہاں دیکھا تھا؟"

"میں اس سے پوچھ چکا ہوں۔ اس نے اسے پہلی بار دیکھا ہے۔ وہ نچلے طبقے کا آدمی ہے۔ ایسے لوگ بڑے ہوٹلوں وغیرہ کا رخ کرنے سے کتراتے ہیں۔ یوں محسوس ہوا جیسے اس نے کسی سوچے سمجھے پلان کے تحت غزالہ کے کمرے کا رخ کیا ہو۔ وہ مقفل کمرے میں پہلے سے گھسا ہوا تھا۔"

"جو کچھ ہوا اس پر مجھے افسوس ہے کیونکہ اب دہلی میں تم دونوں ہمارے مہمان ہو۔ تمہاری دیکھ بھال ہم لوگوں کی ذمے داری ہے۔ مجھے امید ہے کہ اب ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوگا۔ جو ہوگیا اسے بھولنے کی کوشش کرو۔ میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

وہ ہمدرد بن کر میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کررہا تھا۔ میرے پاس اس کی مکاری کو درگزر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہ ضرور ہوا کہ اس بار میں نے اس کا شکریہ ادا کرنے کی زحمت نہیں کی۔ وہ اسی قدر گھٹیا کردار کا مالک تھا کہ اس سے ہر ملاقات اور گفتگو کے بعد میرے دل میں اس سے نفرت کا جذبہ مزید گہرا ہوجاتا تھا۔ انل بسواس اس سے کہیں بڑا افسر تھا اور شاید ساری منصوبہ بندیوں میں اسی کا دماغ کارفرما ہوتا تھا لیکن اس کے انداز میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جو اس کے خلاف بغض وعناد کو ہوا دیتی ہو۔

نریش نے میرے کسی جواب کی توقع میں صرف چند ثانیوں کے لیے خاموشی اختیار کی اور میری طرف سے کوئی جواب نہ پاکر دوبارہ اپنی بات شروع کردی "آج کی رات گزارنے کے بعد تم ہماری طرف سے کہیں بھی آنے جانے کے لیے آزاد ہوگے۔ واپسی کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟"

"یہ رات گزر جائے، کل کسی بھی وقت ہم نکل جائیں گے" میں نے مبہم سا جواب دیا۔

"تو کیا تم نے اس بارے میں ابھی تک کچھ نہیں سوچا؟" اس کی آواز تحیرزدہ سی تھی۔

"اس میں سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے" میں نے اس کے تجسس کو نظرانداز کرتے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا "ہمیں پولیس رپورٹ سے استثنیٰ حاصل ہے۔ سفری کاغذات مکمل ہیں۔ اسٹیشن جاکر ٹکٹ لیں گے اور ٹرین میں سوار ہوجائیں گے۔"

"اس بارے میں میری کسی مدد کی ضرورت ہو تو بلا تکلف بتادینا" اس نے مربیانہ لہجے میں کہا۔

"مگر کہاں اور کیسے؟" میں نے بے ساختہ کہا "اب میرے پاس تم سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ تمہارا دیا ہوا پہلا کارڈ میں نے تلف کردیا تھا۔"

"اوہ!" میرے کانوں میں اس کی کھسیائی ہوئی ہنسی کی آواز گونجی "میں آج کل خود بھی بھاگ دوڑ میں لگا رہتا ہوں۔ وقت نکال کر کل صبح تم سے رابطہ کرلوں گا۔"

میں نے اسے یہ یاد دلانے کی کوشش نہیں کی کہ اگلے دن ہمارا خریداری کا پروگرام تھا جس سے میں نے اسے پہلے ہی آگاہ کردیا تھا۔

"نریش کا فون تھا" میں نے وہ گفتگو ختم ہونے کے بعد معنی خیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا "وہ تمہارے ساتھ پیش آنے والے افسوسناک واقعے پر اپنے دکھ اور ہمدردی کا اظہار کررہا تھا۔"

میری طرح غزالہ بھی اس وقت کیمروں کی زد سے باہر تھی۔ اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی مٹھی بند کرکے انگوٹھے سے فرش کی طرف اشارہ کیا جو نریش پر لعنت کے مترادف تھا مگر میری بات کا جواب دیتے ہوئے وہ اپنے اس جذبے کا اظہار نہیں کرسکی "یہ لوگ ہمارے ہمدرد اور خیرخواہ ہیں۔ دوبارہ بات ہو تو میری طرف سے اس کا شکریہ ادا کردینا۔"

وہ کمرا میرے لیے قیدخانہ بنا ہوا تھا۔ میں جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ویسے بھی اس رات گوپال سے میری ملاقات طے تھی۔ میں نے اسے کوئی وقت نہیں دیا تھا۔ مگر مجھے امید تھی کہ باہمی رابطوں کے سنگین بحران کی وجہ سے وہ اندھیرا پھیلتے ہی ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں پہنچ چکا ہوگا۔

اس وقت میرے ذہن پر ایک نئی فکر بھی سوار تھی کہ عابد علی عرف گوپال سے ملاقات کے لیے جاتے ہوئے غزالہ کو کہاں چھوڑا جائے۔ کچھ دیر قبل رونما ہونے والے سنگین واقعے کے بعد میں اسے کمرے میں تنہا چھوڑنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

مجھے اس بارے میں فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی۔ کمرے کے مقابلے میں ہوٹل کے بھرے پرے گراؤنڈ فلور پر غزالہ زیادہ محفوظ رہتی۔ لابی سے لے کر ریستوران اور کافی شاپ تک متعدد بارونق مقامات تھے جہاں وہ کسی دشواری کے بغیر کافی وقت گزار سکتی تھی۔

"آؤ، ذرا نیچے چلتے ہیں۔ کمرے کی بند فضا میں مجھے گھٹن محسوس ہورہی ہے" فیصلہ کرتے ہی میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

غزالہ تیار تھی۔ ہم دونوں کمرا مقفل کرکے دوبارہ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

"تم ہوٹل میں کہیں وقت گزار لو۔ میں گوپال سے ملاقات کرکے واپس آتا ہوں" میں نے لفٹ کا انتظار کرتے ہوئے غزالہ کو بریف کیا۔

"میں سمجھ گئی تھی کہ آپ اسی ملاقات کے ارادے سے نکلے ہیں" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "میں پہلے ہی سوچ چکی ہوں کہ کچھ دیر تک ونڈو شاپنگ کرنے کے بعد ریستوران میں بیٹھوں گی۔ آپ کو واپس آنے میں دیر سویر ہوگئی تب بھی میں آسانی سے وہاں وقت گزار سکوں گی۔"

لفٹ آ گئی۔ اس میں اوپری منزلوں کے تین افراد سوار تھے۔ ان کے ساتھ ہم بھی گراؤنڈ فلور پر پہنچ گئے۔

لفٹ سے نکل کر میرا براہِ راست پارکنگ لاٹ کی طرف جانا مناسب نہیں تھا۔ را والوں کی طرف سے کوئی نگرانی نہ ہونے کا یقین ہونے کے باوجود میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں کچھ دیر تک غزالہ کے ساتھ ہوٹل کے شاپنگ آرکیڈ میں دکانوں کی سیر کرتا رہا پھر خاموشی سے اس سے الگ ہو کر ٹہلتا ہوا ہوٹل کے عقبی راستے کی طرف بڑھ گیا۔

پارکنگ لاٹ روشن تھی۔ میں نے رک کر گاڑیوں کے ہجوم پر نظریں دوڑائیں اور عابد علی کو دیکھ لیا۔ وہ سر جھکائے ایک گاڑی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہوگا مگر وہ ایک تجربے کار سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ ایسے مواقع پر برتی جانے والی کوئی احتیاط اس نے نظرانداز نہیں کی تھی۔ مجھے کوئی اشارہ کرنے کے بجائے اَن جان بن گیا تھا۔ میں کسی عجلت کا مظاہرہ کیے بغیر آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

شاید اس نے کن انکھیوں سے مجھے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ فوراً اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

میں نے سیاہ رنگ کی اس گاڑی کی پسنجر سیٹ سنبھال لی۔ وہاں کئی گاڑیوں میں ایک سے زیادہ افراد بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ وہ سب غالباً ڈرائیور تھے جو اپنے مالکان کی واپسی کے انتظار میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔ ہم دونوں وہاں رکے رہتے تو شاید کسی کی نگاہوں میں نہ آتے لیکن عابد علی مجھ سے زیادہ محتاط تھا۔ میرے سوار ہوتے ہی اس نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھادی۔ ایک جگہ رکے رہنے کے مقابلے میں دورانِ سفر تبادلہ خیال کرنا زیادہ بہتر تھا۔ میں نے اسے اختصار سے نریش کی تازہ ترین حرکت کے بارے میں بتادیا۔

اس نے میرے ان اندازوں کی دوبارہ تائید کی کہ را کی طرف سے میری یا غزالہ کی نگرانی نہیں کی جارہی تھی۔ اس نے سنیل کے ساتھ اپنی باری مقرر کی ہوئی تھی۔ ان دونوں میں ایک شخص ہر وقت ہمارے آس پاس رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ شہر میں ہر طرف خاموشی تھی۔ بظاہر ہماری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

اس نے انل بسواس کے گھر کا قریب سے جائزہ لے کر یہ معلوم کرلیا تھا کہ اس گھر میں تین ملازمین سمیت جملہ سات نفوس کی رہائش تھی۔ وہاں کارروائی کے لیے رات کے دو بجے کا وقت منتخب کیا گیا تھا تاکہ کسی طرف سے مداخلت کا کوئی خطرہ نہ رہے۔ میرے اور غزالہ کے ساتھ وہ تینوں اس مہم میں شریک ہونے والے تھے۔

وہ مجھے اپنے سوچے سمجھے منصوبے کی جزئیات سے آگاہ کرتا رہا۔ اس نے ہر پہلو پر غور کر کے بے داغ منصوبہ بندی کی تھی۔ توقع یہی تھی کہ ہم کسی بڑی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر اپنے شکار کو آسانی کے ساتھ جہنم واصل کردیں گے۔

"میں اس پروگرام میں ذرا سی تبدیلی چاہتا ہوں" اس کی پوری بات ختم ہونے کے بعد میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم کھل کر بتاؤ، میں تمہارے تجربے کا قائل ہو چکا ہوں۔ یقیناً تم نے اس پلان میں کوئی کمی محسوس کی ہوگی" عابد علی نے خلوص سے دعوت دی۔

"اس منصوبے پر اسی طرح عمل ہوگا۔ بسواس کے ساتھ اب نریش شرما بھی میرا ہدف ہے۔ کل رات اس کا بھی کام تمام ہونا چاہیے" میں نے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کردیا۔

اس نے گاڑی چلاتے چلاتے چونک کر میری طرف دیکھا جیسے میں نے کوئی انوکھی بات کہہ دی ہو پھر دبی زبان سے بولا "ایک رات میں دونوں کام ذرا مشکل ہو جائیں گے۔"

"میں مشکلات کا مقابلہ کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں۔ تم لوگ مجھ سے زیادہ کٹھن وقت گزار رہے ہو۔ ہمیں مشکلات کو خاطر میں لائے بغیر ہدف پر نگاہ رکھنی چاہیے۔"

"میں ابھی کام شروع کردوں گا۔ کل رات سے پہلے ہم ایک اور ملاقات میں پورے خاکے پر بات کرلیں گے" اس نے سعادت مندی سے کہا۔

"دن کی روشنی میں ہمارا ایک ساتھ دیکھا جانا مناسب نہیں ہوگا۔ تم آج ہی کے وقت آجانا۔ ہم ہوٹل چھوڑ دیں گے اور دو بجے سے پہلے ہر بات طے کرلی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے" اس نے میری تجویز بلا تامل قبول کرلی "آٹھ بجے سے دو بجے تک ہمارے پاس کافی وقت ہوگا۔ میں نے صبح سات بجے کی پرواز پر تم دونوں کی امرتسر روانگی کا بندوبست کرلیا ہے۔ مقدر نے ساتھ دیا تو قرول باغ سے ہم سیدھے ائرپورٹ جائیں گے۔"

"گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "ان واقعات کے بعد میں یہاں رکنا پسند کروں گا۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ دہلی کی بارونق سڑکوں پر عابد علی کی گاڑی تیزی سے اپنا راستہ بناتی ہوئی آگے بڑھتی جارہی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا، اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار روب رائفل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے، ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کا ماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہو گئی۔ کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم جان اسمتھ بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں گرین کوبرا فائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں را کی خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے مجھ سے ٹکرائی اور بے باک تنہائی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے انل بسواس سے ملوا سکتی ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا گیا کہ وہاں مظفر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ رینا سے میری دوسری ملاقات بدمزگی کا شکار ہو گئی۔ اس کی ابتدا میں ہی را کے تندخو اور سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں رینا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پچھلی رنگین ملاقات وڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جا چکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے محتاط روی کا مشورہ دیا اور وہ فی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہو گئی۔ میں نے را کے دفتر میں انل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کوبرا فائل نظر آگئی۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی نے میرے حوصلوں کو مہمیز دی اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کر لیا۔ گوپال میرا ہم نوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اسمتھ کا کام تمام کرنے روانہ کر دیا۔ ہوٹل سرات میں غزالہ سے ویرا ٹکرا گئی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے با آسانی جان اسمتھ کو شکار کر لیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہو گیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگر نے اپنی ڈرامائی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا ہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور انا پرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کا شکار ہو گیا۔ ہم وہاں سے مال غنیمت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی وڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کر دیا تھا۔ ناگر کی چتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ وہاں ہماری پے در پے کامیابیاں قابل فخر تھیں مگر بھارتیوں کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔ میں غزالہ کے ہمراہ دہلی میں رک گیا اور فائلیں ویرا کے ذریعے پاکستان روانہ کر دیں۔ مجھے اپنی کارروائی کے بعد را کی صفوں میں ہونے والے بھونچال کا اندازہ تھا۔ انہوں نے مجھ سے بھی کڑی پوچھ گچھ کی مگر میری حاضر دماغی کے باعث انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ میری اور رینا کی فلم ضائع ہو چکی تھی جس کے بعد بیلا سنگھ نامی سکھنی کو میرے پیچھے لگایا گیا مگر اس کی ناکامی کے بعد مجھے اور غزالہ ہوٹل سے دور رکھنے کے لیے نریش اور انل بسواس نے اپنے دفتر میں ہم سے ملاقات کی اور اس عرصے میں ہمارے کمروں میں خفیہ کیمرے لگا دیے گئے۔ رینا کی مہربانی کے باعث را کا یہ وار بھی ناکام ہوا۔ نریش بری طرح جھنجلایا ہوا مگر بے بس تھا۔ چار و ناچار اس نے ہمیں بھارت سے روانگی کی اجازت دے دی۔ اس دوران میں رینا نے ایک ملاقات کے دوران میں مجھے بتایا کہ انل بسواس اور نریش شرما بڑی طاقتوں کے ایما پر یہ تمام کام انجام دے رہے ہیں۔ نریش شرما سے رہائی کا مژدہ سنتے ہی میں نے آخری وار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے گوپال عرف عابد علی سے ملاقات کی اور اس سے حتمی کارروائی کا لائحہ عمل طے کرنے لگا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

بھارت بلکہ دہلی میں میرا مزید قیام خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ یہ بات میں نے عابد علی کو بھی بتا دی تھی کہ انل بسواس اور نریش شرما سے نمٹنے کے بعد میں دہلی میں رکنا پسند نہیں کروں گا۔ وہ خود بھی اسی نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے قرول باغ سے ہمیں براہِ راست ائرپورٹ پہنچانے کا پروگرام طے کیا ہوا تھا۔

پہلے ہمارا پروگرام صرف انل بسواس کو ٹھکانے لگانے کا تھا مگر اس شام نریش شرما نے مرلی نامی بدمعاش کے ذریعے غزالہ پر جو اوچھا اور گھناؤنا وار کیا تھا' اس کے بعد پروگرام میں تبدیلی آچکی تھی۔

"انل بسواس کے ساتھ نریش کا نام شامل ہوجانے کے بعد تم کچھ فکر مند ہوگئے ہو۔" گاڑی میں سکوت کے طویل ہوتے ہوئے وقفے کو توڑتے ہوئے میں نے زبان کھولی۔

"ان دونوں کو ایک وقت میں نشانہ بنانا ممکن نہیں ہے۔ میں اسی الجھن میں پڑا ہوا ہوں۔" عابد نے متردد لہجے میں جواب دیا۔

"وہ عیال دار ہیں۔ الگ الگ گھروں میں رہتے ہیں۔ تم ان کو بیک وقت نشانہ بنانے کے بارے میں کیوں سوچ رہے ہو؟"

"وہ دونوں را کے بڑے افسر ہیں۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا "اگر درمیان میں زیادہ وقت ہوا تو پہلے مارے جانے والے کے اہلِ خانہ فوری طور پر دوسرے کو فون وغیرہ پر اس واقعے سے آگاہ کردیں گے اور وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

عابد کی وہ دلیل بہت اہم تھی۔ اسے کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اپنی تمام تر ذاتی پرخاش کے باوجود میں نے نریش شرما کو دوسرے نمبر پر رکھا تھا۔ انل بسواس ہمارے لیے زیادہ اہم تھا۔ پہلے اس کا کام تمام ہونا چاہیے تھا۔ اس کی ہلاکت کی خبر ملتے ہی نریش شرما اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوتا اور جلد از جلد جائے واردات پر پہنچنے کی کوشش کرتا۔ ایسی صورت میں اسے اس کے گھر پر گھیرنے کا منصوبہ بری طرح ناکام ہوجاتا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ انل بسواس کے گھر پر جمع ہوجانے والی بھیڑ میں نریش پر حملہ کرنے کی کوشش کی جاتی۔

"اس وقت تم کہاں جارہے ہو؟" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"تمہارے ہوٹل کی طرف جانے کا ارادہ ہے۔" اس نے سڑک سے توجہ ہٹائے بغیر کہا۔

"فی الحال یہ ارادہ ملتوی کردو اور قرول باغ کی طرف چلو۔ میں ان دونوں کے گھروں پر ایک نگاہ ڈالنا چاہتا ہوں۔"

عابد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس سرہلا کر رہ گیا۔

اس کا اٹھایا ہوا نکتہ غور طلب تھا۔ میری دانست میں اس پر جلد از جلد کوئی فیصلہ کرنا ضروری تھا۔ ہوٹل کے بجائے قرول باغ کا رخ کرنے کی صورت میں ہمیں آپس میں تبادلہ خیال کرنے کے لیے خاصی مہلت مل سکتی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ اس دوران میں نئے مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔

"ان دونوں کے گھروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟' قدرے خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔

"مشکل سے چند منٹ کی پیدل مسافت ہے۔ گاڑی میں ہو تو یہ فاصلہ اور کم ہوجاتا ہے۔ اصل خطرہ ٹیلی فون کی طرف سے ہے۔ ٹیلی فون پر ہر مسافت سمٹ جاتی ہے۔ لمحہ بھر میں دوسرے کو اپنے ساتھی کا حشر معلوم ہوجائے گا اور وہ چوکنا ہوجائے گا۔"

"ابھی تک وہ دونوں بہت ذہین اور سفّاک ثابت ہوئے ہیں۔" میں نے خود کلامی کے انداز میں ان کا جائزہ لینا شروع کیا "جس کام کے پیچھے لگ جاتے ہیں اسے آخر تک پہنچا کر دم لیتے ہیں۔ ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کوئی احمقانہ غلطی کرتے ہوئے ہمارے دام میں آپھنسیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" عابد نے پُرخیال انداز میں میری خود کلامی کی تائید کی "یہ ذہانتوں کا خون آشام تصادم ہے۔ بلاشبہ را والے بہت ذہین ہیں لیکن ابھی تک تم اپنے عمل اور فیصلوں سے خود کو ان سے کہیں زیادہ ذہین ثابت کرتے چلے آرہے ہو۔ تم سے بڑھ کر غزالہ نے اپنے کمال دکھائے ہیں۔ وہ جان اسمتھ کو جہنم واصل کر آئی اور را والے ابھی تک اس نامعلوم عورت کی تلاش میں ہیں جس کے ساتھ جان نے ہوٹل کا بار چھوڑا تھا۔ اس کا نیا شکار مرلی تھا۔ اس کا انجام را والوں کے سینے پر سانپ بن کر لوٹتا رہے گا۔ ویسے اب اسے کہاں چھوڑ کر آئے ہو؟"

باتیں کرتے کرتے عابد کو اچانک ہی غزالہ کا خیال آگیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا "تجربہ ثابت کرچکا ہے کہ بند دیواروں کی تنہائی میری یا اس کی محافظ نہیں بن سکتی۔ میرے کمرے میں وہ کسی نئے وار کا نشانہ بن سکتی تھی۔ اس وقت وہ ہوٹل کے ریستوران میں اپنا وقت گزار رہی ہوگی۔"

میرے جواب پر عابد سوچ میں پڑگیا۔ چند ثانیوں بعد اس نے زبان کھولی "میں نے بھابی کو زیادہ قریب سے نہیں دیکھا۔ اسے سمجھنے اور پرکھنے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ تم کو اس پر پورا اعتماد ہے نا؟"

عابد علی کا وہ سوال بہت تلخ بلکہ ناشائستہ تھا۔ میرا خون کھول اٹھا۔ وہ غزالہ پر شبہ ظاہر کررہا تھا۔ میں نے برداشت سے کام لیتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بس اتنا کہا "کیا تمہارے لیے صرف یہ جاننا کافی نہیں ہے کہ وہ میری بیوی ہے۔"

"میں جانتا ہوں' سب کچھ جانتا ہوں۔" وہ بوکھلا کر بولا

"میرے ذہن میں کوئی شبہ نہیں ہے پھر بھی میں بہت سے تلخ تجربات سے گزرا ہوں۔ معتبر اور باوقار نظر آنے والی بعض عورتیں کچھ خاص قسم کے مردوں کے لیے حیرت ناک طور پر اپنے دل میں نرم گوشے رکھتی ہیں۔ ان کے خوابوں کا مرد مجسم ہو کر سامنے آجائے تو وہ اپنے ہر پندار اور سارے اصولوں کو لات مار کر اس کی طرف کھنچی چلی جاتی ہیں...."

میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا۔ میں نے اسے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر اپنی بات شروع کر دی "وہ ان عورتوں میں سے نہیں ہے۔ یہ کمزوریاں مغرب کی ان شہزادیوں میں پروان چڑھتی ہیں جو نگرانیوں میں پلتی بڑھتی ہیں۔"

وہ دھیمی آواز میں ہنس پڑا "تم ذہن تک کو پڑھ لیتے ہو۔ اس وقت میں اس برطانوی شہزادی کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اپنے اصطبل کے ایک سائیس کے ساتھ عشق میں مبتلا ہو کر اپنا سب کچھ گنوا بیٹھی تھی۔"

"غزالہ اس شہزادی سے بہت مختلف اور دوسروں کے لیے پتھر کی بنی ہوئی ہے۔" میں نے خشک اور سرد لہجے میں کہا "کمرے کی تنہائی سے نکل آنے کے بعد وہ بہت اچھی طرح اپنی حفاظت کر سکتی ہے۔ تم اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ۔"

وہ بس چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا پھر اس نے پوچھا "تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ انل اور نریش میں سے تمہارے لیے کون سا شکار زیادہ اہم ہے۔"

"انل کا نام ہماری لسٹ میں سب سے اوپر تھا۔ وہ اب بھی وہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"گڈ!" وہ میرے لہجے کا برا منائے بغیر خوش دلی سے بولا "یہ ترجیح طے ہو جانے کے بعد منصوبہ بنانا ذرا آسان ہو جائے گا۔"

عابد نے مجھ سے غزالہ کے بارے میں جو کچھ پوچھا وہ ذاتی طور پر میرے لیے ناگوار تھا لیکن پیشہ ورانہ اعتبار سے ان باتوں کی خاصی اہمیت تھی۔

یہ شاید قدرت کا بنایا ہوا قانون ہے جو سدا سے اسی طرح چلا آرہا ہے کہ عام طور پر مرد عورت کا پیچھا کرتے ہیں اور ڈورے ڈال کر اسے اپنے چنگل میں پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا کم ہوتا ہے کہ صنف نازک کسی مرد کو تاک کر اس کا پیچھا کرتی ہو۔ عورت اگر رینا اجیت رائے یا بیلا سنگھ ہو تو اپنی ملازمت کی مجبوریوں کے تحت مجھ جیسے مرد کے پیچھے لگ جاتی ہے یا پھر وہ عورتیں ہوتی ہیں جو اپنی سج دھج پر معمولی سی سرمایہ کاری کر کے رنگین مزاج مردوں سے اپنے قرب کا بھاری خراج وصول کرتی ہیں۔ ان دو قسموں کے سوا کچھ عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو بعض مردانہ خواص اور عادتوں پر دل و جان سے فدا ہوتی ہیں۔ انہیں اپنی پسند اور معیار کا مرد کہیں بھی نظر آجائے تو وہ سب کچھ بھول بھال کر اس کی خوشنودی کے حصول میں مصروف ہو جاتی ہیں۔

دہلی میں اس وقت ہم زندگی کے ایک بدترین موڑ سے گزر رہے تھے۔ اس مہم میں ہماری ذرا سی لغزش نہ صرف ہمیں موت کے منہ میں پہنچا سکتی تھی بلکہ بھارت کی سرزمین پر کافی لمبی مدت کے لیے آئی بی کے کسی ایجنٹ کا کام کرنا ناممکن ہو جاتا۔ وہ محض پانچ زندگیوں کا معاملہ نہیں تھا جن میں تین آئی بی والے تھے۔ چوتھی اور پانچویں ذات میری اور غزالہ کی تھی۔ ہم پانچوں کی جانوں سے کہیں بڑھ کر آئی بی کی کارکردگی اور اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ہمارے خیر خواہوں کی پالیسی داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ ہماری کامیابی ان کے لیے شاید اتنی زیادہ سود مند نہ ہوتی جتنی تباہ کن ہماری ناکامی ہوتی۔

وہ پوری ہوش مندی سے کسی فیصلے پر پہنچنے کے نازک لمحات تھے۔ اس وقت عقل و دانش کا دامن چھوڑ کر کسی جذباتی کج بحثی میں پڑنا مناسب نہیں تھا۔ عابد نے اسی جذبے کے تحت پورے خلوص سے غزالہ کے بارے میں ایک تلخ سوال کیا تھا۔ اس میں اس کی کسی بدنیتی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ خرابی وہی تھی جس کا اعتراف عابد خود کر چکا تھا کہ اسے غزالہ سے مل بیٹھنے اور قریب سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

اس کے ٹیڑھے سوال کا جواز قدرے تاخیر سے میرے ذہن میں آیا۔ اس سے پہلے میں بہت سخت لہجے میں عابد کو اس کے سوال کا جواب دے چکا تھا۔ عابد کو اپنے سوال کی سنگینی کا پورا ادراک تھا۔ اس نے میری جارحانہ تلخ نوائی کو بڑی متانت سے برداشت کر لیا تھا اور گفتگو اس موضوع سے آگے نکل چکی تھی۔

کسی رہے سہے تناؤ کو ختم کرنے کے لیے میں بلاوجہ ہی دھیمے سے ہنسا پھر بولا "یہ ترجیح طے ہو جانے میں تمہیں کیا آسانی نظر آرہی ہے؟"

"مجھے معلوم ہے کہ اب ہم لوگوں کو سب سے پہلے اور ہر قیمت پر انل بسواس کو موت کے گھاٹ اتارنا ہے۔ نریش کی باری اس کے بعد آئے گی۔ ویسے بھی انل اپنے عہدے کے اعتبار سے نریش سے کہیں بڑا افسر ہے۔ اولیت اس کا حق ہے۔"

"میں قرول باغ کے علاقے کا چکر لگا کر دیکھ چکا ہوں کہ وہاں بڑے گھروں میں بھی مسلح چوکیدار رکھنے کا رواج نہیں

ہے....'' میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ عابد علی ایک گہرا سانس لے کر بے اختیار بول پڑا تھا۔

''اوہ! تو دن میں تم یہ جائزہ لینے کے لیے اس بستی میں گئے تھے۔ تمہارا پیچھا کرتے ہوئے سنیل پریشان ہو گیا تھا کہ تم اس طرف کیوں جارہے تھے۔ مجھے ماننا پڑے گا کہ تم ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہو۔ کام کے دوران تمہاری کوئی حرکت بے مقصد نہیں ہوتی۔''

اس کی بات مکمل ہوجانے پر میں نے کوئی تبصرہ کیے بغیر اپنی ادھوری بات چھیڑ دی ''تم بتا رہے تھے کہ انل بسواس کے گھر میں تین ملازمین سمیت کل سات نفوس رہتے ہیں۔ ہوسکے تو مجھے ان کی تفصیل سے بھی آگاہ کردو۔''

''ملازمین میں ایک ادھیڑ عمر عورت ہے جو شاید گھر کی صفائی اور برتن وغیرہ دھونے کے کام کرتی ہوگی۔ دوسرا باورچی ہے جو کسی وقت چوکیدار کا کام بھی سرانجام دیتا ہے۔ تیسرا آدمی ہر فن مولا ہے۔ مالی کا کام کرتا ہے' دروازہ کھولتا اور بند کرتا ہے اور گھر کی گاڑی بھی چلاتا ہے۔ جب وہ گھر پر نہیں ہوتا تو اس کی جگہ خانساماں چوکیداری کے فرائض سنبھال لیتا ہے۔ وہ دونوں کمزور اور بزدل نظر آتے ہیں۔''

''جو لوگ ہر فن مولا بننے کی کوشش کرتے ہیں وہ ہر کام ادھورا چھوڑ دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں انل کے ملازموں کی طرف سے کسی مزاحمت کا خطرہ نہیں ہے۔ ساری رکاوٹ بقیہ چار افراد کی طرف سے پیدا ہوسکتی ہے۔ میری خواہش ہے کہ انل بسواس کو اس کے کرتوتوں کی سزا دیتے ہوئے اس کے گھر والوں کو بالکل نہ چھیڑا جائے۔ وہ ہماری راہ میں حائل ہوں تو ان کے ساتھ کم از کم طاقت استعمال کی جائے۔''

''میں بھی عیال دار ہوں۔ اپنے مجرموں کے بیوی بچوں سے دور رہنے کی حتیٰ الامکان کوشش کرتا ہوں۔ آدمی ہر برا کام ان کے لیے کرتا ہے لیکن اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ ویسے بھی انل کوئی عام مجرم نہیں ہے۔ اس کا قصور یہ ہے کہ وہ ہماری حریف ایجنسی کا بڑا منصوبہ ساز ہے۔''

''میری نظروں میں وہ عام مجرموں سے زیادہ گھٹیا آدمی ہے۔ جو شخص اپنا کام آسان بنانے کے لیے اپنی قوم کی جوا اور خوب صورت مگر مجبور لڑکیوں کی عزت سے کھیلنے کا عاد ہو چکا ہو' اس کا ضمیر مرچکا ہوتا ہے۔ وہ طوائفوں کے کم دلّال سے بھی گیا گزرا آدمی ہے۔''

''اس کی ذہنیت پر مجھے بھی دکھ ہے۔ تمہیں یہ سن ک شاید حیرت ہو کہ گھر کے چار مکینوں میں انل اور اس کی بیو کے علاوہ اس کی دو جوان بیٹیاں بھی ہیں۔ وہ دونوں یونیورسٹ میں پڑھ رہی ہیں۔''

''بیٹیاں!'' میں عابد کی وہ بات سن کر چونک پڑا ''دو جوا بیٹیوں کا باپ ہو کر وہ را کے دفتر میں ایسے گھناؤنے کھیل کھیل رہا ہے!''

''دوسروں کی عزت سے کھیلنے والے اندھے ہوجاتے ہیں۔ اپنے گریبان میں کبھی نہیں جھانکتے۔''

''اوہ!'' میں نے فوری خیال کے تحت کہا ''اس کے بارے میں بحث کرکے ہم بلاوجہ اپنا وقت برباد کررہے ہیں۔ ہمیں کل رات کے بارے میں اپنے مشن کا کوئی نہ کوئی ابتدائی خاکہ ضرور سوچ لینا چاہیے۔''

''تم ہوٹل چھوڑ دو گے اس لیے غزالہ بھی ہمارے ساتھ رہے گی۔ وہ پرویز اور عبداللہ کے ساتھ نگرانی کے مشن پر رہے گی۔ میں تمہارے ساتھ ہراول میں رہوں گا۔ وہ تینوں ہمارے کام میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے' صرف ناگزیر ضرورت پڑنے پر ہمیں کمک فراہم کریں گے۔''

''تم صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔ میں خود بھی غزالہ کو پس منظر میں رکھنا پسند کرتا ہوں۔''

''ہم نے انل کا گھر اندر سے نہیں دیکھا۔ بالا بالا جو کچھ معلوم ہوسکا وہ حوصلہ افزا ہے۔ شاید ہم اپنا کام آسانی سے مکمل کرلیں لیکن انل کے گھر والے اس واقعے میں ضرور ملوث ہوں گے۔ مجھے یہ فکر ستا رہی ہے کہ انہیں نریش یا را کے کسی اور افسر سے رابطہ کرنے سے کیسے روکا جائے۔''

''یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہے کہ را اور اس کے افسروں کو دنیا کی بہترین مواصلاتی سہولتیں دستیاب ہیں۔ ان کے خفیہ باہمی رابطوں کی کہانیاں آئے دن سامنے آتی رہتی ہیں مگر مجھے یہ یقین ہے کہ انل نے اپنے گھر والوں کو ان

سہولتوں کے بارے میں نہیں بتایا ہوگا۔ اس گھر کی نفری میں سے انل کو منہا کردیا جائے تو وہ چھ نفوس بھارت کے عام شہری ہو کر رہ جاتے ہیں جنہیں صرف فون پر رابطے کی سہولت میسر ہوگی۔"

عابد نے بے اختیار اپنی بائیں ہتھیلی اپنی پیشانی پر مار کر کہا "تم بہت جلد صحیح نتیجہ اخذ کرلیتے ہو۔ میں انل کے استعمال میں موجود مواصلاتی آلات کے بارے میں سوچ سوچ کرہلکان ہورہا تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں نہیں آرہی تھی کہ اس کے زیر ہوجانے کے بعد وہ آلات کوئی استعمال نہیں کرسکے گا۔"

"قرول باغ میں بھی ٹیلی فون کے تاروں کا وہی حال ہے جو کراچی اور لاہور میں نظر آتا ہے۔ انل بسواس کے گھر کی لائنیں باہر سے کاٹ دی جائیں تو مسئلہ بڑی حد تک حل ہوجائے گا۔" میں نے اپنی تجویز پیش کردی۔

"یہی کرنا ہوگا۔ اس کے بعد بس موبائل فون رہ جاتا ہے۔ اس بارے میں ہم بے بس ہوں گے۔"

"کوئی نہ کوئی رسک لینا ہوگا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "خطرہ مول لیے بغیر کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔"

انل بسواس پہلے سے ہمارے نشانے پر تھا اس لیے عابد اور اس کے آدمیوں نے اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرلی تھیں لیکن نریش شرما کے بارے میں ہم تاریکی میں تھے کیونکہ اس کے مستقبل کے بارے میں میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی فیصلہ کیا تھا۔

دونوں ہدف ہمارے سامنے تھے لیکن اس وقت اپنی کامیابی یا ناکامی کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ آخری نتائج حاصل کرنے کے لیے ہمیں درمیانی رات ہوٹل میں گزارنی تھی۔

انل اور نریش کے اقوال کی روشنی میں وہ را کی نگرانی میں بسر ہونے والی ہماری آخری شب تھی۔ نریش میرے خلاف اپنا جو ہتھیار گنوا بیٹھا تھا' اس کے تبادل کے حصول کے لیے اس نے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگائے ہوئے تھے۔ وہ مجھ پر اور غزالہ پر اپنا ہر ہروار آزما چکا تھا لیکن قدرت نے شاید ناکامی اس کے مقدر میں لکھ دی تھی۔

جس وقت عابد نے مجھے قرول باغ کی بستی میں پہنچنے کی خبر سنائی' میرا ذہن ایک نئے مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ را والوں نے مجھے اور غزالہ کو بہت چالاکی کے ساتھ ہوٹل کے کمرے سے کئی گھنٹوں تک دور رکھ کر وہاں فلم بندی کے خفیہ آلات نصب کیے تھے۔ اس وقت بھی ہمارا کمرا خالی پڑا ہوا تھا۔ اس سے پہلے ہم دونوں رینا کے ساتھ باہر نکل کر انہیں ایک اور موقع فراہم کرچکے تھے۔ پتا نہیں ان مواقع سے فائدہ اٹھا کر را والے کیا کچھ کر گزرے تھے۔

وہ مسئلہ میرے ذہن پر زیادہ دیر تک سوار نہیں رہ سکا۔ رینا کی آمد سے پہلے بھی ہم نے کافی وقت باہر گزارا تھا۔ را والوں کو جو کچھ کرنا تھا' وہ کر گزرے تھے۔ ہمیں بلیک میل کرنے والے مواد کے حصول میں ناکامی کے بعد وہ زیادہ سے زیادہ یہی کرسکتے تھے کہ ہماری مسہری میں کوئی خود کار بم نصب کردیتے لیکن ایسا کرنا ان کے اپنے مفاد میں نہیں تھا کیونکہ وہ مجھے اپنے مخبر بلکہ ایجنٹ کے طور پر زندہ رکھ کر پاکستان میں مجھ سے کوئی اہم کام لینا چاہ رہے تھے۔

"کونے سے دوسرا مکان نریش کا ہے۔" عابد نے گاڑی ایک گلی میں گھماتے ہوئے داہنی طرف خفیف اشارہ کرکے کہا اور سست رفتار سے گاڑی کو آگے لیتا چلا گیا۔

وہ مکان واقعی چھوٹا سا تھا۔ احاطے اور عمارت کی دیواروں کا درمیانی فاصلہ اتنا کم تھا کہ نریش شرما کی اپنی گاڑی بھی بمشکل گھر کے اندر پارک ہوتی ہوگی۔ پھاٹک کی چوڑائی سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ نریش اپنی گاڑی گھر کی حدود میں رکھنے کا عادی تھا۔

ذرا سی دیر میں ہم قرول باغ کے چھوٹے مکانوں کو پیچھے چھوڑ آئے۔ میں خاص طور پر نوٹ کررہا تھا کہ اپنی تلاش کے دوران ہم آبادی کی ان گلیوں تک نہیں پہنچ سکے تھے۔

گھروں کے باہر کھڑی ہوئی گاڑیوں اور لوگوں کی آمدورفت کی وجہ سے عابد کی گاڑی کی رفتار سست تھی پھر بھی ہمیں انل کا مکان جلد نظر آگیا۔ وہ کونے کا مکان تھا جس کے احاطے میں کئی گھنے درخت موجود تھے۔ میں نے مختصر سے جائزے میں اندازہ لگالیا کہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے انل بسواس کا مکان ہر قسم کی واردات کے لیے انتہائی موزوں تھا۔ کم از کم باہر سے گھر کے اندر کودنے یا گھسنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

ہوٹل کا کمرا مخدوش ہوجانے کی بنا پر میں نے اپنی تین اہم ترین چیزیں آئی بی والوں کے حوالے کردی تھیں۔ ان میں سے عابد علی کی دی ہوئی امانت تھی جس کی افادیت اگلی رات کے بعد ختم ہونے والی تھی۔ جب تک میں دہلی میں تھا' اس کا دیا ہوا محدود رینج کا ایریئس میرے لیے بہت کار آمد تھا۔ میں نے اس کی مدد سے بعض نازک مواقع پر بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ دہلی سے واپس جاتے ہوئے وہ ایریئس ان لوگوں کو

لوٹانا تھا۔

بقیہ دو اشیا مجھے اپنی زندگی کی طرح عزیز تھیں۔ ان میں سے ایک وہ بیم گن تھی جو شی کے ایک مقتول آئی مین کی یادگار تھی۔ وہ ہمہ گیر افادیت رکھنے والا ایک نادر ہتھیار تھا جو ہمیشہ میرے کام آتا تھا۔ دوسری سی ایس ڈی تھی جو را والے بدری ناتھ کی یادگار تھی۔

واپسی کے سفر کے دوران میں نے عابد کو تاکید کی کہ اگلی رات وہ ان چیزوں کو اپنے ساتھ لانا نہ بھولے۔

ہمارے درمیان بہت سی اہم اور غیر اہم باتیں ہوتی رہیں پھر اس نے مجھے کناٹ پلیس کے ایک محفوظ مقام پر اتار دیا۔

عابد کی گاڑی آگے نکل جانے کے بعد میں ہوٹل کی طرف ہولیا۔

اس وقت ہونے والی گفتگو میں عابد نے اپنے ساتھیوں کے اصل نام استعمال کیے تھے۔ میں سنیل سے کئی مرتبہ ملا تھا مگر رام سے شاید ایک بار ملنے کی نوبت آئی تھی۔ میں تعارف ہوجانے کے باوجود ان دونوں کو ان کے مفروضہ ناموں سے پہچانتا تھا۔ کوشش کے باوجود مجھے یاد نہیں آرہا تھا کہ ان میں سے کون عبداللہ تھا اور کس کا نام پرویز احمد تھا۔ وہ سوال رہ رہ کر میرے ذہن کے کسی گوشے میں کھٹک رہا تھا اور میرے لیے مستقل بے چینی کا سبب بنا ہوا تھا۔

ہوٹل میں سب کچھ جوں کا توں تھا مگر میں جانتا تھا کہ وہ دہلی میں میری آخری رات تھی اس لیے مجھے سب کچھ بدلا بدلا اور نکھرا ہوا نظر آرہا تھا۔ میں بے پروایانہ انداز میں ہوٹل کی روشن اور بھری پری راہ داریوں سے ہوتا ہوا ریستوران میں پہنچ گیا جہاں غزالہ سکون سے ایک میز کے گرد براجمان تھی۔

اسے وہاں بیٹھے کافی دیر ہوچکی تھی لیکن اس نے چند ہلکی پھلکی اشیا منگوانے پر اکتفا کیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

چند ثانیوں بعد مسکراتی ہوئی خوب رو ویٹرس ہمارے سروں پر مسلط ہوگئی۔ شاید اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ غزالہ میرے انتظار میں وہاں بیٹھی وقت گزار رہی تھی۔ ریستوران کا مینو کارڈ پہلے سے غزالہ کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اس نے روانی کے ساتھ آرڈر لکھوا کر ویٹریس کو رخصت کردیا۔

"اس سے آپ کی ملاقات کیسی رہی؟" غزالہ نے کہنیوں کے سہارے میز پر جھک کر پوچھا۔

"آئی بی والوں سے مل کر مجھے ہمیشہ تقویت کا احساس ہوتا ہے ورنہ ہم دونوں اس شہر میں بالکل اجنبی ہیں۔" میں نے دھیرے سے جواب دیا۔

"اجنبی ضرور ہیں مگر دشمنوں کے چنگل سے محفوظ ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی۔ اپنے کمرے میں پیش آنے والے واقعے کے اثرات آہستہ آہستہ اس کے ذہن سے مندمل ہوچکے تھے اور وہ دوبارہ نارمل ہوچکی تھی۔

"ہمیں جیسے تیسے آج کی رات گزارنی ہے۔ کل شام ہم اس ہوٹل کو خیرباد کہہ دیں گے۔" میں نے اس کے لب ولہجے پر اپنی خوشی کو چھپاتے ہوئے کہا "اس سے پروگرام طے ہوگیا ہے۔ کل ان دونوں کا وقت بھی پورا ہوجائے گا۔"

"آپ کن دونوں کی بات کررہے ہیں؟" اس نے تیز سرگوشیانہ آواز میں پوچھا۔

"وہی دونوں جو ہمارے لیے سوہانِ روح بنے ہوئے ہیں۔"

"پہلے آپ نے ایک کے بارے میں طے کیا تھا۔" اس نے مجھے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"تمہارے آج کے خوفناک تجربے کے بعد دوسرا بھی فہرست میں آگیا ہے۔"

"ویری گڈ۔" میری اطلاع پر وہ خوش ہوگئی "یہ باتیں ہمیں یہیں نمٹالینی چاہئیں۔ ہوٹل کے کمرے میں ہم پابند اور مجبور ہوجاتے ہیں۔"

"کمرے میں لگائے جانے والے آلات ایک طرح ہمارے لیے مددگار ثابت ہورہے ہیں۔ ان پر ریکارڈ کی ہوئی آوازیں سننے والا ہر دشمن مطمئن رہے گا کہ ہم اس کی ناپاک سرگرمیوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ واپسی پر تمہیں اپنے تجربے کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہنا چاہیے۔ وہ تمہارا ردِعمل سننے کے لیے بے چین ہوں گے۔"

غزالہ کا منہ بن گیا "اس تجربے کے بارے میں بات کرنا تو درکنار، میں سوچنا بھی نہیں چاہتی لیکن آپ کی بات درست ہے۔ مجبوری کے عالم میں آدمی کو زہر کی گولی بھی نگلنا پڑتی ہے۔ میں آپ کی ہدایت یاد رکھوں گی۔"

ہوٹل کے کمرے میں ہم دونوں زبان بندی پر مجبور تھے۔ کھل کر کوئی بات نہیں کرسکتے تھے۔ اگر ہم نے اس دن کا بڑا حصہ ہوٹل سے باہر رہ کر نہ گزارا ہوتا تو ہمارے دلوں میں ایک بھڑاس سی موجود ہوتی جسے ہوٹل کے ریستوران میں نکالا جاتا لیکن اس وقت ہمارے درمیان صرف اور صرف اگلی رات کی مہم زیرِ غور تھی۔ میں نے انل بسواس اور نریش شرما کے گھروں کے بارے میں جو کچھ دیکھا اور سوچا

تھا' اس میں غزالہ کو شریک کرتا چلا گیا۔
کھانے کے دوران بھی ہم دونوں اسی بارے میں باتیں کرتے رہے۔ غزالہ کو خوشی تھی کہ دشمن کی تمام تر گھاتوں کے باوجود ہماری روانگی کا پروگرام سوچے سمجھے' مخصوص انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔
"بڑے گھر میں سات افراد ہوتے ہیں۔ چھوٹے کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا۔" اس نے کہا۔
"اس کے بارے میں گوپال سے پہلی بار بات ہوئی ہے۔" میں نے بتایا "میرا خیال ہے کہ وہ آج رات ہی بہت کچھ معلوم کرلے گا۔"
"وار کرنے سے پہلے حریف کی پوزیشن اور نفری کے بارے میں صحیح اطلاعات موجود ہوں تو حملہ ناکام ہونے کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں۔"
میں اپنی بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکا "تم اس طرح بات کررہی ہو جیسے ہمارا غنیم کے بہت بڑے لشکر سے مقابلہ ہونے والا ہے۔"
"کہیں ذرا سی لغزش ہوگئی تو آناً فاناً میں لشکر بھی جمع ہوجائے گا۔ یہ شہر ان کا ہے۔ یہاں کی انتظامیہ اور پولیس ان کی ہے۔ ایک اشارے پر وہ سب پوری آبادی کا محاصرہ کرلیں گے۔ آخری کامیابی حاصل ہونے تک ہمیں دشمن کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔"
"یہ میرا اصول ہے جسے تم دہرا رہی ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "اب ہماری بلی ہم ہی کو میاؤں کررہی ہے۔"
اس بار وہ شوخی سے ہنس دی اور باتوں کا سلسلہ یوں ہی چلتا رہا۔
میرے ذہن پر مسائل کا بوجھ کچھ زیادہ تھا۔ ایک وقت میں بہت کچھ کرنا اور سہنا پڑ رہا تھا جب کہ غزالہ اتنے زیادہ دباؤ میں نہیں تھی۔ اسے جان اسمتھ کا نپا تلا ٹارگٹ دیا گیا تھا۔ اس نے اپنی تمام تر ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر' بہت کامیابی سے اسے جہنم واصل کردیا تھا اور بے فکر ہو کر بیٹھ گئی تھی۔
میں نے اسے آئی بی والوں کے اصل ناموں کے بارے میں اپنی الجھن سے آگاہ کیا تو اس نے کسی توقف کے بغیر مسئلہ حل کردیا۔
سنیل کا اصل نام پرویز احمد تھا۔ اس سے ابتدائی رابطے کے لیے کپور تھلا کے رفیس کا کوڈ دیا تھا۔ عبداللہ دہلی میں ولی رام بنا ہوا تھا۔ ان دونوں سے اگلی رات میری آخری ملاقات ہونا تھی۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ میں اپنے آڑے وقت کے ان فرض شناس ساتھیوں کو ان کے اصل ناموں سے الوداع نہ کہہ سکوں۔
ریستوران سے نکل کر ہم نے کچھ وقت ہوٹل میں گھومتے ہوئے گزارا۔ دوبارہ کمرے میں پہنچے تو رات کے گیارہ بجنے والے تھے۔
"آج کا دن میں اپنی زندگی میں کبھی فراموش نہیں کرسکوں گی۔" کپڑے وغیرہ بدلنے کے بعد اِدھر اُدھر کی باتوں میں غزالہ نے اچانک میری ہدایت پر عمل کرنا شروع کردیا۔
"معلوم ہوتا ہے کہ ریستوران کا ڈنر تمہیں بہت زیادہ پسند آیا ہے۔" میں نے اسے آنکھ مار کر مزاحیہ لہجے میں کہا۔
"ایسے ہزار ڈنر بھی اس تجربے کو نہیں بھلا سکتے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "وہ میرے نیم تاریک کمرے میں کسی خوں خوار درندے کی طرح چھپا بیٹھا تھا۔ اس کا مکروہ شیطانی چہرہ جب بھی یاد آتا ہے' میں لرز کر رہ جاتی ہوں۔"
"تم بار بار اس کا ذکر کیوں نکال لیتی ہو۔" میں نے ہلکی سی ترشی سے کہا "ہر شخص کی زندگی میں بہت سے اچھے اور برے واقعات پیش آتے ہیں۔ ناخوشگوار یادوں کو اس طرح ذہن پر نقش کرلیا جائے تو زندگی اجیرن ہوجاتی ہے۔"
"ہوسکتا ہے کہ وقت کے ساتھ یہ ڈراؤنا واقعہ میرے ذہن سے محو ہوجائے مگر اس وقت اسے بھلانا ممکن نہیں ہے۔ باہر گھومتے پھرتے ہوئے میں کھل کر آپ سے بات نہیں کرسکی تھی۔ کمرے کی تنہائی میسر آئی ہے تو وہ خیال مکڑی کے جالے کی طرح پھر دماغ پر چھا گیا ہے۔"
"اس منحوس اور مردود شخص کے بارے میں ایک مرتبہ دل کھول کر بات کرلو۔ بار بار کے اس تذکرے سے مجھے چڑ ہونے لگی ہے۔ یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے تم مجھے کچھ جتانے کی کوشش کررہی ہو" میں نے بے زاری سے کہا۔
"آپ بلاوجہ ناراض ہو رہے ہیں۔ بھلا میں آپ کو کیا جتانے کی کوشش کروں گی" غزالہ کی آواز میں آزردگی سمٹ آئی۔
"میں تمہیں اپنے ساتھ دہلی لایا تھا۔ شاید تم یہ سوچ رہی ہو کہ تمہاری حفاظت کرنا میری ذمّے داری ہے جسے میں پورا نہیں کرسکا۔"
"آپ بلاوجہ اتنی دور کی بات سوچ رہے ہیں۔ مجھ سے قسم لے لیں جو میرے دل میں یہ خیال بھی آیا ہو۔ میں نے آپ کی ذات کو اپنا سہارا بنایا ہے۔ وقت نے ثابت کردیا ہے کہ میرا یہ فیصلہ غلط نہیں تھا۔ رہا وہ واقعہ تو وہ کسی کے ساتھ

بھی پیش آسکتا ہے۔"

"مجھے اب بھی حیرت ہے کہ تم نے اس کو کیسے زیر کیا ہوگا" میں نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا "وہ بہت مضبوط اور قد آور تھا۔"

"مجھے خود پتا نہیں کہ وہ سب کیسے ہوگیا۔ اسے اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر میرے دماغ پر وحشت سی سوار ہوگئی تھی۔ بس ایک خیال تھا کہ اپنی عزت بچانے کے لیے اسے مار دوں یا خود مر جاؤں۔ اسے کمرے کے قالین پر بے سدھ پڑا ہوا دیکھ کر مجھے دوبارہ ہوش آیا تھا۔"

"نریش شرما بہت خطرناک اور ٹیڑھا آدمی ہے۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے حملہ آور کو اپنے آدمیوں کی مدد سے خاموشی سے اٹھوالیا۔ ہوٹل کی انتظامیہ سے مدد لینے کی نوبت آجاتی تو بات پولیس تک ضرور پہنچتی اور ایک نیا اسکینڈل کھڑا ہوجاتا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ خود کو اس بھیڑیے کے سامنے پاکر میری عقل ماؤف ہوگئی تھی۔ میں بغیر سوچے سمجھے اس پر ٹوٹ پڑی۔"

"وہ ناکام ہوگیا۔ تم نے اپنے سے طاقت ور دشمن کو حیرت ناک آسانی سے زیر کرلیا۔ بات پولیس تھانے تک نہیں پہنچی اور یہ قصہ خاموشی سے نمٹ گیا۔ ان پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور کروگی تو تمہیں خود بہ خود صبر آجائے گا۔"

"وہ نشے میں دھت نہ ہوتا تو شاید اتنی آسانی سے مار نہ کھاتا" غزالہ اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کرنے کے موڈ میں آچکی تھی۔

"تم نے پہلے ذکر نہیں کیا کہ وہ نشے میں دھت تھا۔"

"رہ رہ کر باتیں یاد آرہی ہیں مگر یہ میرا وعدہ ہے کہ آئندہ آپ میری زبان سے یہ تذکرہ نہیں سنیں گے۔"

"اگر وہ نشے میں تھا تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ غلطی سے تمہارے کمرے میں گھس گیا ہو۔"

"اب آپ مجھے بہلانے کی کوشش نہ کریں۔ بڑے ہوٹلوں میں ایک کمرے کی چابی سے دوسرے کمرے کا تالا ہرگز نہیں کھلتا۔ وہ خطرناک ارادے سے جان بوجھ کر میرے کمرے میں چھپا تھا۔ وہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا۔ میں بہت بڑے خطرے سے بال بال بچی ہوں۔"

"نریش کا خیال تھا کہ اس شخص نے پہلے تمہیں کہیں دیکھا ہوگا اور تم پر فدا ہوگیا۔۔۔"

"فدا ہونے والے ایسی اوچھی اور خطرناک حرکتیں

نہیں کرتے" غزالہ نے میری بات کاٹ کر چڑچڑے انداز میں کہا "نریش سنکی ہے جو ایسی باتیں سوچ رہا ہے۔ وہ را کا بڑا افسر ہے۔ اس آدمی کی تھوڑی سی گوشمالی کرے تو وہ سارا سچ اگل دے گا۔"

غزالہ کے آخری فقروں پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ وہاں چور اور کوتوال' دونوں ملے ہوئے تھے۔ کون کس کی گوشمالی کرتا۔ مرلی اور نریش کی ملی بھگت سے قطع نظر غزالہ کی بات سوفیصد درست تھی۔ اگر نریش شرما کا دامن ذرا بھی صاف ہوتا تو اسے کوئی قیاس آرائی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ رنگے ہاتھوں بلکہ بے ہوشی کی حالت میں غزالہ کے باتھ روم سے پکڑا جانے والا مجرم اس کے قبضے میں تھا۔ وہ ذرا سی دیر میں اس سے ہربات اگلوا سکتا تھا۔

"اب نریش جانے اور اس کا قیدی جانے۔ ہمیں ان پر سرکھپانے کی کوئی ضرورت نہیں" میں نے اُکتا کر کہا۔

"کئی راتوں سے آپ کا رویہ عجیب سا ہوگیا ہے" غزالہ نے زیرلب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھ سے دور اور کھنچے کھنچے سے رہتے ہیں۔ آج میں ڈری ہوئی ہوں۔ ویسے بھی شاید یہ دہلی میں ہماری آخری رات ہو۔ آج ہم ایک دوسرے سے قریب رہیں گے۔"

نریش شرما کی امیدوں کے دم توڑتے ہوئے چراغ کی لو کو غزالہ نے یکایک بھڑکا دیا۔ اس کے الفاظ کا ایندھن اس چراغ کو پوری رات فروزاں رکھنے کے لیے کافی تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ غزالہ کے وہ معنی خیز فقرے فوری طور پر نریش تک پہنچا دیے جائیں گے۔

"میں پوری کوشش کروں گا" میں نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا "بند کمرے میں ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔ اس خلوت میں کوئی تیسرا خلل انداز ہونے کی جرأت نہیں کرسکتا مگر تمہیں میری بگڑی ہوئی کیفیت کا علم ہے۔ میں خود بھی دہلی کی فضاؤں میں تمہارے وجود کی خوشبو سے محظوظ ہونا چاہتا ہوں مگر خدا کے لیے مجھ پر جبر نہ کرنا۔ تمہارے لیے میری چاہت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ یوں سمجھ لو کہ مجھے کوئی عارضی ذہنی بیماری لگ گئی ہے۔"

"میں جانتی ہوں.... میں سب جانتی ہوں۔ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

اس گفتگو میں وہ سارے پیغام پنہاں تھے جو میں ریکارڈنگ کے آلات کے ذریعے نریش تک پہنچانا چاہتا تھا۔

ہوٹل کی رہائشی منزلوں سے نیچے اور ہوٹل کے باہر زندگی کی ساری ہنگامہ آرائیاں جاری وساری تھیں لیکن بند کمرے میں وقت کافی ڈھل چکا تھا۔ غزالہ کے ساتھ کچھ دیر تک ٹیلی وژن دیکھنے کے بعد میں ساڑھے گیارہ بجے بستر پر دراز ہوگیا۔

وہ رات بھی ہم دونوں نے پچھلی رات کی طرح محتاط رہ کر گزار دی۔ کمرے میں چھپے ہوئے تصویر کشی کے آلات کا خوف ہم دونوں کے لاشعور پر اتنا حاوی تھا کہ نیند کے دوران میں کروٹ وغیرہ لیتے ہوئے ہمارے جسموں کا کوئی حصہ ایک دوسرے سے چھوجاتا تھا تو دونوں چونک کر بیدار ہوجاتے تھے۔

خدا خدا کرکے دہلی میں ہماری وہ آخری اور صبرآزما رات بھی ڈھل گئی۔ کھڑکیوں پر تنے ہوئے پردوں کے پیچھے دن کا دھندلایا ہوا' موہوم سا اجالا نمودار ہوتے ہی میں نے بستر چھوڑدیا اور نئے دن کی نئی سرگرمیوں کے لیے تازہ دم ہونے کے ارادے سے باتھ روم میں گھس گیا۔

میں باتھ روم سے نکلا تو غزالہ بھی بیدار ہوچکی تھی اور بہت خوش تھی۔

مجھے توقع تھی کہ نریش مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ ناشتے کے بعد ہم دونوں کیمروں کی زد سے بچ کر اپنا سامان مختصر سے سوٹ کیس اور تھیلے میں یک جا کررہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے دوسری گھنٹی بجنے پر ریسیور اٹھالیا۔

آپریٹر نے میری توقع کے برعکس لائن پر انل بسواس کی موجودگی کی اطلاع دی اور میری ہدایت پاتے ہی لائن ملادی۔ انل کی اس کال کی اطلاع پاتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ میری اور غزالہ کی روانگی میں کوئی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔

"تم نے ہمارا دیا ہوا وقت خوش اسلوبی سے گزارلیا ہے۔ اب تم اپنی مرضی کے مطابق کہیں بھی جانے کے لیے آزاد ہو۔ یہ میرا وعدہ تھا جو آج پورا ہوگیا" اس کی آواز دھیمی اور پُرسکون تھی۔ میرا مشاہدہ تھا کہ وہ نریش شرما کے مقابلے میں زیادہ متحمل مزاج تھا۔

"میں تمہارا شکرگزار ہوں کہ شکوک وشبہات کی دھند سے گزرنے کے بعد آخرکار تم میری طرف سے مطمئن ہوگئے ہو" اس وقت انل بسواس نے گفتگو کا آغاز انگریزی میں کیا تھا۔ میں نے بھی اسی زبان میں جواب دیا جو آپ اور تم کے کسی نازک امتیاز سے عاری تھی۔

"یہاں تمہارے ساتھ کچھ زیادتیاں ہوئی بھی ہوں گی" وہ میرے تشکر آمیز کلمات کو نظرانداز کرکے کہہ رہا تھا "یہ

موجودہ حالات اور ہمارے طریقہ کار کی مجبوریاں ہیں جن پر
میں معذرت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ ہمارے
ساتھ کچھ وقت گزار کر تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ رازداری اور
تحفظ کا کیا مفہوم ہوتا ہے۔"

"میں بہت کچھ سمجھ چکا ہوں۔ میں نے کچھ سیکھا بھی
ہے۔ پاکستان لوٹنے کے بعد تمہارے عظیم مقاصد کے لیے
کام کرکے مجھے خوشی محسوس ہوگی۔"

"یہ ابتدائی مرحلہ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ تم کو فخر
کا احساس ہوگا۔ تم دنیا کی دو بڑی اور عظیم قوتوں کے ساتھی
ہو۔ کل رینا نے اس بارے میں تمہیں آخری بریفنگ دے
دی ہوگی۔"

"رینا کی بتائی ہوئی ہر بات خیال انگیز تھی۔ میں تمہارا
ممنون ہوں کہ تم نے مجھے یہ سب بتانا ضروری سمجھا۔ میں یہ
باتیں جانے بغیر بھی تمہارے لیے کام کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا۔
میرے لیے ہزاروں روپے ماہانہ کی اضافی آمدنی بہت اہمیت
رکھتی ہے۔"

"ابتدا میں تم اس کام کو اپنے ملک اور قوم سے غداری
تصور کر رہے تھے!" وہ فون پر بھی میرے ذہن کو ٹٹولنے کی
کوشش کر رہا تھا۔

"وہ جذباتی باتیں تھیں" میں نے خفت آمیز لہجے میں
جواب دیا "حقیقت یہ ہے کہ باتیں کتنی ہی دلکش اور اثر
آفریں ہوں' وہ انسان کا پیٹ نہیں بھر سکتیں۔ ضروریات کو
پورا کرنے کے لیے ہر قدم پر پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر
تم میری خدمات نہیں خرید رہے۔ تمہارے سامنے اس
پورے خطے کے باسیوں کی بہبود اور بقا کا ایک واضح منصوبہ
ہے۔"

"یہ باتیں سمجھنے میں شاید یہ خوف بھی کارفرما ہے کہ
تمہاری اور رینا کی ایک ویڈیو فلم برلیش کے قبضے میں ہے۔"

"مجھے اس فلم کی فکر ہے۔ دوسروں کی طرح میں بھی
اپنے اس چہرے کی تشہیر پسند نہیں کرتا جسے میں نے ہر ایک
سے چھپایا ہوا ہے" میں نے کمرے میں غزالہ کی موجودگی کی
پروا کیے بغیر وہ بات کہہ ڈالی "میں تم سے ایک التجا ضرور
کروں گا کہ میری طرف سے پوری طرح مطمئن ہونے کے
بعد وہ ویڈیو مجھے واپس لوٹا دینا۔"

میری اور انل کی گفتگو کی نزاکت بھانپ کر غزالہ نے
از خود مجھے تخلیہ فراہم کردیا تھا اور غالباً کسی ضرورت کے بغیر
باتھ روم میں چلی گئی تھی۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ذرا سی دیر میں ایک فلم

سے کئی کیسٹ تیار کیے جاسکتے ہیں۔ ایک فلم واپس لے کر بھی تمہیں اس کے خوف سے نجات نہیں مل سکے گی۔"

"تم سے مل کر میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ تم قول کے پکے ہو۔ جو کہتے ہو' اس پر پوری سچائی سے عمل کرتے ہو اور جو کچھ نہیں کرنا چاہتے' اس کے بارے میں سرے سے بات ہی نہیں کرتے۔ میرے اطمینان کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ تم میری التجا قبول کرلو۔"

انل بسواس لاکھ باراں دیدہ اور خرانٹ سہی مگر ایک انسان تھا۔ میری خوشامدانہ باتوں پر اس نے کسی مسرت کا اظہار نہیں کیا لیکن اس موضوع کو وہیں سمیٹتے ہوئے صرف اتنا وعدہ کرلیا کہ وہ میری فرمائش پر غور کرے گا۔

اپنی حکمتِ عملی کے تحت میں اسے یہ باور کرانے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا میں اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس کر پوری طرح بے بس ہوچکا تھا۔

انل کے روبہ رو نہ ہونے کی وجہ سے میں اس کے ردِعمل کا صحیح اندازہ لگانے سے قاصر تھا لیکن اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مجھے اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل ہوچکی تھی۔ غالب امکان یہ نظر آرہا تھا کہ وہ ہماری روانگی میں رخنہ اندازی کی کوئی کوشش نہیں کرے گا۔

"دہلی میں قیام کی پابندی ختم ہونے کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے؟" ریسیور پر سنائی دینے والے' انل بسواس کے سوال نے مجھے چونکادیا۔

"ہوسکتا ہے کہ کل ہم پاکستان کے لیے روانہ ہوجائیں" میں نے دل کی تیز دھڑکنوں کے ساتھ جھوٹ بولا۔

"میری نیک تمنائیں اور دعائیں تمہارے ساتھ ہیں" انل بسواس نے الوداعی کلمات کے ساتھ فون بند کردیا۔

بھارتی سیکرٹ سروس میں انل بسواس کا منصب بہت اعلیٰ تھا۔ گو نریش شرما براہِ راست اسی کو جواب دہ تھا مگر ان دونوں کے مراتب میں بہت زیادہ فرق تھا۔ میں حیران تھا کہ اس وقت نریش کے بجائے انل نے کیوں فون کیا تھا۔

اگر نریش اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں دہلی سے باہر تھا تب بھی وہ فون کے ذریعے آسانی سے مجھ سے رابطہ کرسکتا تھا۔ اس کی جگہ اچانک انل بسواس کا سامنے آنا اس بات کی دلیل تھا کہ ہمارے معاملے کو ہمارے اندازے سے زیادہ اہمیت دی جارہی تھی۔

جب تک ہم دہلی میں رہنے کے پابند تھے' معاملات نریش کی سطح پر چلتے رہے لیکن وہ پابندی ختم ہوتے ہی انل ابھر کر سامنے آگیا تھا۔ میرے پاس اس سے یہ سوال کرنے کی کوئی بنیاد نہیں تھی کہ اس نے مجھے عزت افزائی کے قابل کیوں سمجھا تھا۔ ایک خطرناک امکان یہ بھی نظر آرہا تھا کہ دہلی سے روانگی کے موقع پر را والے ہماری کڑی نگرانی شروع کردیں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ہم کب اور کس ذریعے سے دہلی سے روانہ ہوں گے۔

میں ان باتوں پر جتنا غور کرتا رہا' اتنا ہی الجھتا چلا گیا۔ بظاہر آسان نظر آنے والے معاملات یکایک وحشت ناک رخ اختیار کرتے جارہے تھے۔ سب سے بڑی مجبوری یہ تھی کہ میں اس کمرے میں غزالہ سے کھل کر بات کرسکتا تھا نہ فون پر عابد یا اس کے کسی ساتھی سے بات کرسکتا تھا۔

میں نے انل بسواس کو... ایک طرف سے تاریکی میں رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اسے اپنی روانگی کے حتمی پروگرام سے آگاہ نہیں کیا تھا جبکہ عابد سے سب کچھ طے ہوچکا تھا۔ مجھے اور غزالہ کو رات کے آٹھ بجے ہوٹل چھوڑدینا تھا۔ ہمارا بقیہ وقت کہاں اور کن حالات میں گزرتا' اس کا انحصار عابد علی کے پروگرام پر تھا۔ رات کے دو بجے ہمیں آئی بی والوں کے تعاون سے قرول باغ میں اپنا سب سے بڑا آپریشن شروع کرنا تھا۔ اس کام سے نمٹتے ہی ائرپورٹ روانگی کا منصوبہ طے ہوچکا تھا۔

اگر اس وقت انل بسواس کا غیر معمولی فون نہ آیا ہوتا تو میں طے کرچکا تھا کہ ہم اپنے اکلوتے سوٹ کیس کے ساتھ ہوٹل کو باقاعدہ خیرباد کہیں گے اور وہاں سے عابد کے ساتھ نکل جائیں گے لیکن انل سے گفتگو کرنے کے بعد میں تذبذب کا شکار ہوگیا تھا۔

سامان کے ساتھ ہوٹل سے نکلنے کا مطلب دہلی سے روانگی کا کھلا اعلان ہوتا۔ شاید بل بنانے سے پہلے ہی ہوٹل کی انتظامیہ را کے نامزد کیے ہوئے کسی افسر کو ہماری روانگی کی خبر دے دیتی اور ہمیں اتنی دیر کے لیے الجھالیا جاتا کہ را کے ایجنٹ ہوٹل پہنچ کر ہمارے تعاقب کی تیاری کرسکیں۔ وہ بہت خطرناک صورتِ حال ہوتی۔ دہلی میں آئی بی کے تینوں ایجنٹ ایک مدت سے پوشیدہ رہ کر اتنی خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے کہ کسی کو کانوں کان بھی ان کے وجود کی بھنک نہیں مل سکی تھی۔ ہماری اعلانیہ روانگی کی صورت میں ہمیں ہوٹل سے لے جانے والا آدمی یقینی طور پر را کے ایجنٹ کی نگاہوں میں آجاتا۔

اس لغزش کے دوررس اثرات کو میری نگاہیں بھانپ رہی تھیں۔ ایک طرف انل اور نریش کے خلاف ہمارا مشن بدترین ناکامی سے دوچار ہوتا۔ اس میں ہم سب لوگوں کی

جانوں کے اتلاف کا سنگین خطرہ پنہاں تھا۔ دوسری طرف دہلی میں آئی بی کے فعال وجود کا راز فاش ہو جاتا جس کے نتیجے میں اس پاکستانی ایجنسی کے لیے برسوں تک دہلی میں قدم جمانا ممکن نہ ہوتا۔ دیر تک سوچنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ سراسر تباہی اور بربادی کا راستہ تھا جس کا ترک کر دینا ہی ہمارے مفاد میں تھا۔

دوسری اور درمیانی راہ یہ تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں ہم انل بسواس اور نریش شرما کو بھول کر صرف اپنی کھال بچانے کی کوشش کریں۔ عابد علی اور اس سے طے کیے ہوئے پروگرام کو یکسر فراموش کر دیں۔ رات کو آٹھ بجے ہمارے نہ پہنچنے کی صورت میں عابد بلبلا کر ہم سے کسی نہ کسی طرح رابطہ کرتا تو اسے بتا دیا جاتا کہ حالات اچانک کتنے مخدوش ہو گئے تھے۔ اس فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد ہم اپنی سفری دستاویزات کے سہارے باضابطہ طور پر دہلی سے لاہور کے لیے روانہ ہو جاتے۔

وہ درمیانی راہ سب سے بہتر اور محفوظ تھی۔ اس میں ہماری جانیں ضائع ہونے کا اندیشہ تھا' نہ دہلی میں آئی بی کا نیٹ ورک ٹوٹنے کا کوئی خطرہ پوشیدہ تھا مگر میرا دل اس سمجھوتے کی طرف مائل نہیں تھا۔ ہم نے دہلی میں قیام کے دوران میں کئی اہم کامیابیاں حاصل کر لی تھیں لیکن میں پاکستان سے انل بسواس کو جہنم واصل کرنے کا جو مشن لے کر نکلا تھا وہ بری طرح ناکام ہو جاتا۔

انل بسواس میرا بنیادی اور اہم ترین شکار تھا۔ نریش شرما کا گھناؤنا کردار دہلی پہنچنے کے بعد ہمارے سامنے آیا تھا۔ اس نے میرے ساتھ سنگین ذاتی زیادتیاں کی تھیں۔ شاید میں اس کی وہ تمام سفاکیاں بھول کر اسے معاف کر دیتا لیکن اس نے پچھلے روز غزالہ کے ساتھ جو حرکت کی تھی اس کے بعد وہ میرا ناقابلِ معافی مجرم بن چکا تھا۔

ایک طرف مشن کی تکمیل کی تڑپ اور انتقام کی پیاس تھی اور دوسری طرف بھیانک ناکامیوں کی دلدل نظر آ رہی تھی۔ غزالہ نے باتھ روم سے آنے کے بعد مجھ سے فون کے بارے میں پوچھا اور میں نے کسی تشویش کا اظہار کیے بغیر اسے انل بسواس کی میٹھی اور مصالحانہ باتوں کے بارے میں بتا دیا۔ اس سے آگے بولنا ممکن نہیں تھا کیونکہ اس وقت بھی ہماری آوازیں کہیں نہ کہیں سنی جا رہی ہوں گی۔

غزالہ نے مجھ سے زیادہ سوالات نہیں کیے مگر وہ میری آنکھوں سے جھانکتی ہوئی تشویش دیکھ کر خود بھی پریشان ہو گئی تھی۔

پھر میرے ذہن میں تیسرے خیال نے سر ابھارا۔ ہمیں کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ پاکستان سے ہم بہت مختصر اور ضروری سامان لے کے ساتھ آئے تھے جو ایک سفری تھیلے میں سما سکتا تھا۔ بقیہ سامان غزالہ نے مقامی بازاروں سے خریداری کے شغل میں جمع کیا تھا۔ وہ سامان ساتھ لے جانا ضروری نہیں تھا۔ جان و مال کے زیاں کے اس نازک موڑ پر وہ سامان سوٹ کیس سمیت کمرے میں چھوڑ کر ہم خاموشی سے فرار ہو جاتے تو را والوں کے ہوشیار ہونے تک ہمیں خاصی مہلت مل سکتی تھی۔ جب تک وہ حالات کا صحیح اندازہ لگا کر میدانِ عمل میں اترتے' ہم ان کی دسترس سے بہت دور' پاکستانی سرزمین پر پہنچ چکے ہوتے۔

وہ خیال اس قدر سنسنی خیز اور حوصلہ افزا تھا کہ میں نے فوراً ہی دراز میں پڑے ہوئے کاغذوں وغیرہ کی دیکھ بھال شروع کر دی۔ میرے حساب اور اندازے کے مطابق ہوٹل میں میرے حساب میں اتنی رقم جمع تھی جو کم از کم اگلے دو دن کے کرائے اور دیگر اخراجات کے لیے کافی تھی۔ حساب کی اس صحت مند پوزیشن میں ہوٹل کی انتظامیہ کو یہ پروا بھی نہ ہوتی کہ ہم ہوٹل سے نکلنے کے بعد رات کو واپس آتے ہیں یا گول ہو جاتے ہیں۔

اس طریقے پر عمل کرنے میں اکلوتی خرابی یہ تھی کہ ہماری پراسرار روپوشی پر را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں کی صفوں میں ہلچل مچ جاتی۔ نہ جانے کیا کچھ کہا اور سمجھا جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مظہر خان کے روپ میں میرا دوبارہ بھارت آنا ناممکن ہو جاتا۔

را کے دفتر کو آگ لگا دینے کے بعد میں نے ایسے حالات سے بچنے کی کوشش کی تھی اور آخری لمحات پر بھارت سے اپنے فرار کا معاملہ کسی مناسب وقت کے لیے ملتوی کر دیا تھا۔ وہ وقت کچھ سازگار تھا۔ حالات کچھ مختلف تھے اس لیے میرا وہ فیصلہ درست ثابت ہوا تھا مگر انل بسواس کے فون کے بعد میری بچھائی ہوئی پوری بساط بکھرتی نظر آ رہی تھی۔ فیصلہ کن لمحات سر پر تل گئے تھے۔ مجھے ہر خطرہ مول لے کر اپنے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا اور پھر بھارت سے نکل بھاگنا تھا۔ میں فیصلہ کرنے میں ذرا بھی تاخیر کرتا تو بھارت سے ہماری زندہ و سلامت واپسی ایک خواب بن سکتی تھی۔

میں نے مسہری سے دور رہ کر اشاروں کنایوں سے غزالہ کو کمرے سے باہر نکلنے کی ضرورت کا احساس دلایا اور اس نے فوری طور پر ہوٹل سے نکلنے کی تیاری شروع کر دی۔ وہ میرے تیور دیکھ رہی تھی اور میری زبان سے کوئی اہم فیصلہ

سننے کی منتظر تھی۔

"کیوں نہ ہم بازار کا ایک چکر لگالیں؟" اس نے نگرانوں کو سنانے کے لیے تجویز پیش کی۔

"تم سارے قابلِ ذکر بازار دیکھ چکی ہو۔ خریداری کرکے کافی کاٹھ کباڑ جمع کرلیا ہے۔ اسے ڈھونا میرے لیے مصیبت بن جائے گا" میں نے بے زاری سے کہا۔

"ہم روز روز دہلی نہیں آئیں گے" غزالہ نے میری خوشامد کی "میری خاطر چلے چلیں۔"

"تمہاری خاطر یہاں تک آیا ہوں تو بازار بھی جانا پڑے گا۔ عورت کے لیے انسان کو نہ جانے کہاں کہاں جانا پڑتا ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی مگر اس کے بشرے پر چھائی ہوئی تشویش اس کی ہنسی کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

غزالہ کبھی بھی بناؤ سنگھار کی عادی نہیں رہی تھی۔ وہ ذرا سی دیر میں روانگی کے لیے تیار ہوگئی۔ میں اس سے پہلے ہی تیار بیٹھا ہوا تھا۔ چند ہلکے پھلکے فقروں کے تبادلے کے ساتھ ہم دونوں نے کمرا چھوڑ دیا۔

○☆○

میرے اعصاب پر ہلکی سی کشیدگی طاری تھی اور میں ٹیلی وژن کے سامنے اکیلا بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔

غزالہ پندرہ منٹ پہلے مجھے الوداع کہہ کر اپنے مختصر سفری تھیلے سمیت کمرے سے جاچکی تھی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق پونے آٹھ بجے مجھے بھی اس کمرے کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینا تھا جس کے بام و در میں را والوں نے خفیہ خبرگیری کے جدید اور حساس آلات چھپائے ہوئے تھے۔

وہ عجیب سا دن تھا۔ صبح انل بسواس کی اکلوتی فون کال آنے کے بعد انسٹرومنٹ مستقل طور پر خاموش تھا۔ پتا نہیں نریش شرما کہاں جا سویا تھا۔ صبح میں غزالہ کے ساتھ بازار کی طرف نکلا تو اسے اپنے نئے فیصلوں سے آگاہ کرتے ہوئے بھی میری بے چین نگاہیں تیزی سے قرب و جوار کا جائزہ لے رہی تھیں مگر اس روز تلاش کے باوجود مجھے آئی بی کے کسی آدمی کا سایہ تک نظر نہیں آیا۔

حقیقت وہ نہیں تھی جو میں تنہا بیٹھا سوچ رہا تھا مگر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے انل بسواس کے فون کے بعد ہر ایک نے مجھ سے کنارا کشی اختیار کرلی ہو۔ عابد علی سے پچھلی رات جو کچھ طے ہوا تھا، مجھے اسی پر عمل پیرا ہونا تھا۔

سگریٹ ختم کرکے میں نے ایش ٹرے میں مسل دی اور صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ گھڑی کی سوئیاں دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھیں۔ میں نے ٹیلی وژن بند کردیا۔

چند ثانیوں تک میں اسی جگہ کھڑا رہا پھر میں نے آخری بار درازوں وغیرہ کا جائزہ لینا شروع کردیا۔ وہاں سے جاتے ہوئے میں ایسا کوئی سراغ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا جو میری اصل شخصیت تک رسائی کے لیے را والوں کے کام آسکے۔

غزالہ نے پوری ذمے داری کے ساتھ درازوں کی صفائی کی تھی۔ ان میں را والوں کے لیے کچھ نہیں تھا۔ الماری کے نچلے خانے میں وہ چھوٹا سا نیا سوٹ کیس رکھا ہوا تھا جس میں غزالہ کی خریداری کا سارا سامان اپنی پیکنگ سمیت بھردیا گیا تھا۔ میرے لیے وہ سوٹ کیس اپنے ساتھ لٹکائے پھرنا ممکن تھا اور نہ میں اپنی روانگی کا اعلان کرنا چاہتا تھا۔ میں نے بے چینی کے عالم میں اپنے سوچے ہوئے وقت سے کئی منٹ پہلے کمرا چھوڑ دیا۔ باہر نکل کر دروازہ مقفل کیا اور لفٹ کی طرف ہولیا۔ میرے ہاتھ میں میرا ہلکا بریف کیس موجود تھا۔

گراؤنڈ فلور پر میں نے چابی کاؤنٹر پر دی تو کسی کو یہ خیال نہیں آسکا کہ میں دوبارہ وہ چابی لینے کے لیے نہیں آؤں گا۔

عابد سے میری ملاقات کا وقت آٹھ بجے طے ہوا تھا۔

کاؤنٹر پر چابی دینے کے بعد میں وقت گزارنے کے لیے بغلی راہ داری میں گھس گیا جہاں بڑے بڑے شوکیسوں والی متعدد سجی سجائی دکانیں خریداروں کو دعوت دے رہی تھیں۔

نئی سگریٹ سلگا کر میں شیشے کی ان دیواروں کے اس پار دیکھتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا کیونکہ عابد میرے پروگرام میں ہونے والی تبدیلی سے بالکل بے خبر تھا۔ غزالہ مجھ سے الگ ہوچکی تھی۔ میں نے اپنے بدترین اندیشوں کے پیشِ نظر اس کا پاسپورٹ اس کے حوالے کردیا تھا۔ مدعا یہ تھا کہ کسی ناگہانی افتاد کی وجہ سے ہم ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں تو اسے بھارت سے نکلنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

ٹھیک آٹھ بجے میں ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں داخل ہوا تو عابد علی اپنی گاڑی کے ساتھ ایک ممتاز اور روشن مقام پر موجود تھا۔ اس کی نگاہیں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ مجھے اپنی ایک جھلک دکھاتے ہی وہ جھک کر اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ میں غائب ہوگیا۔ میں توقف کیے بغیر بے پروایانہ انداز میں پارکنگ لاٹ طے کرکے پیش قدمی کرتا رہا۔

میں نے عابد کے برابر والی نشست سنبھالی تو وہ اگنیشن آن کرتے ہوئے تشویش زدہ آواز میں بولا "بھابی کہاں ہے؟ تم اکیلے کیوں آئے ہو؟"

اس روز کسی کی طرف سے ہمدردی اور فکرمندی کے وہ پہلے بول تھے جو میرے کانوں میں پڑے اور مجھے گہری آسودگی کا احساس ہوا۔ بھارت کی سرزمین میرے لیے اتنی زیادہ اجنبی نہیں تھی۔ وہاں کچھ لوگ تھے جنہیں میری اور غزالہ کی سلامتی کی فکر تھی۔

"وہ کناٹ پلیس پر ٹورسٹ آفس کے قریب والی گلی میں ہمارا انتظار کرے گی" میں نے اسے بتایا "تم یہاں سے نکلو۔ آج حالات نے غیر متوقع انداز میں ایک نئی قلابازی کھائی ہے۔ سنوگے تو حیران..."

"ضرور سنوں گا" اس نے گاڑی کو حرکت میں لاتے ہوئے میری بات کاٹ دی "مگر تمہارا سامان کہاں ہے؟ کیا وہ بھی تم نے اس بے چاری کے سر لاد دیا؟"

"ہم جس طرح آئے تھے' اسی طرح واپس جائیں گے۔ میرے پاس بریف کیس ہے اور اس کے پاس ایک ہلکا سفری تھیلا۔ سوٹ کیس اور دوسرا سامان ہم نے ہوٹل کے کمرے میں ہی چھوڑ دیا ہے۔"

وہ غزالہ کو میرے ساتھ نہ پاکر ذہنی طور پر اتنا الجھ گیا تھا کہ میری بات پوری طرح نہیں سمجھ سکا اور بے ساختہ پوچھ بیٹھا "تو کیا تم وہ سامان لینے کے لیے دوبارہ ہوٹل آنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"تم دماغی طور پر غیر حاضر ہو۔ تم نے میری بات غور سے نہیں سنی۔ ہم نے وہ سامان چھوڑ دیا ہے اور اس کے بغیر واپس جائیں گے۔"

"مگر کیوں؟ اچانک ایسی کیا تبدیلی رونما ہوگئی کہ تم نے اپنا پروگرام بدل دیا۔"

میں نے جواب میں انل بسواس کی کال کا قصہ چھیڑ دیا۔ وہ مجھے ٹوکے بغیر' پورے انہماک اور تشویش کے ساتھ وہ کہانی سن رہا تھا۔

"تمہارا فیصلہ بہت صائب تھا۔ تیزی سے بدلتے ہوئے حالات میں ہر شخص صحیح فیصلہ کرنے پر قادر نہیں ہوتا" میری بات مکمل ہوجانے پر اس نے کہا "اب تمہارے لیے سامان کا بندوبست بھی کرنا ہوگا۔ بغیر سازوسامان کے سفر کرنے والے مسافروں کو شک اور تشویش کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ تمہاری بات ان مسافروں پر صادق آتی ہے جو بیرون ملک لمبے سفر پر جارہے ہوں۔ ہمیں دہلی سے امرتسر تک کے فضائی سفر کے لیے ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے آگے کے سفر کے بارے میں تم جانتے ہو کہ میں نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میں کبھی ان جزئیات کو نظرانداز نہیں کرتا" اس نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد زبان کھولی "میری کوشش ہوتی ہے کہ نقل و حرکت کے دوران میں ایسی ہر بات سے گریز کروں جس کی وجہ سے میری ذات دوسروں سے الگ نظر آنے کا اندیشہ ہو۔"

"تم پیشہ ور آدمی ہو۔ میں ایک من موجی فری لانسر ہوں۔ دونوں میں کوئی نہ کوئی فرق ہونا چاہیے۔" میں نے وہ بات مذاق میں اڑا دی۔

"نرلیش کا کیا رہا؟" چند ثانیوں کے مختصر سے سکوت کے بعد میں نے اس سے پوچھ لیا۔

"اس کے گھر میں اس کی بیوی اور بیٹے کے علاوہ دو ملازم رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہاں ہمیں زیادہ مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا کیونکہ دونوں ملازموں کے ساتھ اس کا بیٹا بھی اوپری منزل پر بنے ہوئے کمروں میں سوتا ہے۔"

"مجھے اندازہ ہے کہ میں نے اچانک تمہارے سر پر بوجھ ڈال دیا ہے لیکن یہ ضروری تھا۔ تم لوگ اپنے طور پر یہاں جو کچھ کرتے ہو' اس میں خون خرابے کا عنصر نہیں ہوتا۔ میرے ساتھ تم کو یہ ناگوار کام بھی انجام دینا پڑے گا۔ اب ہمارے سامنے ایک کے بجائے دو شکار ہیں۔"

"فرض سمجھ کر انجام دیا جانے والا کوئی کام ناگوار نہیں ہوتا" اس نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا "انل کے لیے ہمیں خاص ہدایات ملی ہوئی ہیں۔ ہم جب سے بھارت آئے ہیں' ہمیں پہلی بار کسی کو ٹھکانے لگانے کی ذمے داری سونپی گئی ہے۔ اس کے ساتھ دوسرے کا بھی کام تمام ہوجائے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"یہ مشن بہت مشکل اور پُرخطر ہے۔ آج رات ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو مجھے یہ محسوس ہوگا جیسے میں یہاں سے خالی ہاتھ واپس جارہا ہوں۔"

"وری گڈ!" وہ خوش ہوکر بولا "تمہارے ان فقروں سے میری جان میں جان آئی ہے کہ آج کی کامیابی اور ناکامی سے قطع نظر' تم نے ہر قیمت پر پاکستان لوٹ جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اب تمہاری روانگی ناگزیر ہوچکی ہے۔ تم یہاں رکے رہے تو پانی سر سے اونچا بھی ہوسکتا ہے۔"

"میں نے دہلی میں آج اپنی کشتیاں جلادی ہیں۔ واپسی کے بجائے آگے بڑھنا ہوگا۔ یہ سفر پاکستان کی سرحد آنے سے پہلے ختم نہیں ہوگا۔"

وہ کناٹ پلیس کی گول سڑک پر پہنچ گیا۔ ٹریفک کے شور میں ہماری آوازیں دبنے لگیں اور میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ اس وقت میری نگاہیں بے چینی سے دہلی ٹورسٹ آفس اور غزالہ کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔

دہلی میں قیام کے دوران میں بارہا اس علاقے میں گھومتا رہا تھا لیکن اس وقت مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ کسی علاقے میں پیدل گھومنے اور سواری میں بیٹھ کر سفر کرنے میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ ساری عمارتیں اور سڑکیں وہی تھیں مگر عابد کی گاڑی سے مجھے ہر چیز نئی اور بدلی بدلی سی نظر آرہی تھی۔

کناٹ سرکس روڈ کا بہت بڑا دائرہ طے کرتے ہوئے عابد کی گاڑی کئی چوراہوں سے گزری اور پھر مجھے اپنے داہنے ہاتھ پر دہلی ٹورسٹ آفس کا نمایاں بورڈ نظر آگیا۔

"گاڑی کی رفتار کم کرلو" میں نے اضطراری لہجے میں اسے مشورہ دیا "غزالہ یہیں کہیں کھڑی ہمارا انتظار کر رہی ہوگی۔"

درحقیقت مجھ سے ایک غلطی سرزد ہو چکی تھی۔ دہلی کے اس سیاحتی دفتر کے آس پاس کوئی گلی نہیں تھی۔ وہ دفتر ٹھوس اور وسیع عمارت کے تقریباً وسط میں واقع تھا جب کہ میں نے غزالہ کو قریبی گلی میں اپنا انتظار کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اپنی اس غلطی کا ادراک ہوتے ہی مجھے تشویش سی ہونے لگی مگر وہ تشویش زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ لوگوں کے رنگا رنگ ہجوم میں مجھے غزالہ نظر آگئی۔ وہ دوسرے بہت سے سفید فام سیاحوں کی ایک بھیڑ کے ساتھ کھڑی کوئی نقشہ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے فطری انداز سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس علاقے سے نکلنے سے پہلے صحیح سمت کے تعین کے لیے کوشاں ہو۔

وہاں ہر طرف روشنیوں کا سیلاب آیا ہوا تھا پھر بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ غزالہ دور سے ہماری گاڑی کو میری موجودگی کی وجہ سے پہچان لیتی، اسے میرا انتظار تھا۔ میں نے عابد کو بتایا کہ میں غزالہ کو دیکھ چکا تھا۔ اس نے فوراً ہی اپنی رینگتی ہوئی گاڑی سڑک کے کنارے سے لگا کر روک لی۔ میں پھرتی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ عابد علی نے اپنی گاڑی کا انجن رواں رہنے دیا تھا تاکہ ٹریفک کا کوئی سپاہی غلط پارکنگ پر اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ گاڑی آگے بڑھا دے۔

غزالہ اپنا سفری تھیلا شانے سے لگائے بظاہر نقشہ بینی میں مصروف تھی لیکن وہ اپنے گردوپیش سے غافل نہیں تھی۔ میں نے جوں ہی گاڑی سے نکل کر سڑک عبور کرنے کی کوشش کی، اس نے مجھے دیکھ لیا اور نقشہ موڑ کر اپنے تھیلے کی ایک جیب میں اڑستے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس کے بڑھتے ہی میں سڑک کے وسط سے گاڑی کی طرف لوٹ آیا۔ میری رفتار سست تھی، غزالہ بہت تیزی سے آگے بڑھی تھی۔ عابد کی گاڑی غلط جگہ پر رکنے پر کوئی اعتراض ہونے سے پہلے غزالہ میرے پیچھے پیچھے گاڑی تک آئی اور عابد کو سلام کرتی ہوئی پچھلی نشست پر سوار ہو گئی۔ عابد نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"ٹورسٹ آفس کے آس پاس کوئی گلی نہیں ہے۔ میں پریشان ہو گئی تھی کہ کہاں رک کر آپ کا انتظار کروں" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"کبھی کبھی ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ غنیمت یہ ہے کہ ہم نے کسی دشواری کے بغیر ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔"

"یہاں بھی اندھیر ہے۔ سیاحوں کی سہولت کے لیے چھاپے جانے والے مفت نقشے نایاب ہیں۔ فٹ پاتھ پر کتابچے بک رہے ہیں جن میں نقشے بھی لگے ہوئے ہیں۔ وہ دھڑا دھڑ بک رہے ہیں۔ مجھے بھی وقت گزارنے کے لیے چالیس روپے میں ایک کتابچہ لے کر اس میں سے نقشہ نکالنا پڑا۔"

"اس وقت ہم ان فضولیات میں پڑنے کے لیے یک جا نہیں ہوئے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک بڑا کام ہے" میں نے اس کی غیر ضروری وضاحت پر تادیب کی۔

غزالہ نے جواب میں خاموشی اختیار کرلی۔ اس نے اس بات پر برا نہیں منایا تھا کہ میں نے عابد کی موجودگی کی پروا کیے بغیر اسے ٹوک دیا تھا۔

"تمہارے دونوں ساتھی اس وقت کہاں ہیں؟" میں نے عابد سے پوچھا۔

"وہ اپنے ٹھکانے پر تیار بیٹھے ہیں۔ ایک بجے وہ ہمارے ساتھ آملیں گے" عابد نے بتایا۔

"ابھی تو سوا آٹھ ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس کافی وقت ہے۔ یہ ہم کہاں گزاریں گے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"ہمارا کہیں بیٹھنا مناسب نہیں ہوگا۔ ہمارے لیے سڑکیں یا کھلی جگہیں زیادہ محفوظ رہیں گی۔ ہماری ضرورت کی ہر چیز گاڑی میں موجود ہے۔ بھرے ہوئے پستول، تین ایریٹس اور شکاری چاقو پچھلے پائیدان میں پڑے ہوئے ہیں۔ بیم گن اور سی ایس ڈی ڈیش بورڈ کے خانے میں ہیں۔"

"میری دونوں چیزیں مجھے دے دو" میں نے کہا "آخری لمحات کی افراتفری میں وہ یہیں نہ رہ جائیں۔"

عابد نے ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ کا خانہ کھول دیا۔ میں نے

اندھیرے میں بیم گن کا لمس محسوس کرلیا۔ وہ دونوں چیزیں پلاسٹک کے تھیلے میں محفوظ تھیں۔ میں نے تھیلی قدموں میں خالی کی، بیم گن اپنی جیب میں ڈالی اور سی ایس ڈی کو بریف کیس میں رکھ دیا۔

عابد سے پچھلی رات پروگرام طے کرتے ہوئے مجھے پوری طرح اندازہ تھا کہ ہمارے یک جا ہونے اور دشمن پر وار کرنے کے درمیان خاصا طویل وقفہ حائل تھا۔ میں نے اپنی ضروریات کے تحت اس وقت کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ غزالہ نے وہ ذکر چھیڑ کر مجھے احساس دلایا تھا کہ ہمیں اگلے پانچ چھ گھنٹے دہلی کی کوچہ پیمائی کرتے ہوئے گزارنے تھے۔

ہوٹل سے ہم دونوں کا دیر سے نکلنا مناسب نہیں تھا۔ شام کی پُرہجوم رونقوں میں ہم ایک دوسرے سے الگ ہو کر ہوٹل سے نکل آئے تھے۔ رات گہری ہونے لگتی تو ہوٹل کے باہر چہل پہل میں کمی آجاتی جس کی وجہ سے ہماری مشتبہ نقل و حرکت کسی کی نگاہوں میں آسکتی تھی۔ ویسے بھی ہم نے دو دنوں سے سرِشام ہوٹل سے نکلنے کو اپنا معمول بنالیا تھا۔ اگر ہماری کوئی دیکھ بھال ہو رہی تھی تو ہماری فیصلہ کن روانگی کو بھی ہمارے معمول کا ایک حصہ سمجھ کر نظرانداز کیے جانے کا امکان موجود تھا۔

دوسری طرف قرول باغ کی گنجان آبادی تھی جہاں ہر بڑے شہر کی طرح رات کی ویرانی دیر سے اپنے ڈیرے جماتی تھی۔ ہمیں انل اور نریش کے خلاف قدم اٹھانے کے لیے اس وقت کا انتظار کرنا تھا جب دہلی کی اس آبادی کے بیشتر مکین گہری نیند سوچکے ہوں اور رات کے اندھیرے میں ہمارے سایوں کی طرف متوجہ ہونے والا کوئی نہ ہو۔

ان دونوں مجبوریوں کے درمیان ایک طویل وقفہ حائل تھا جسے جیسے تیسے گزارنا ہی تھا۔

"ذرا عقب نما آئینے پر نگاہ رکھنا" میں نے اپنے خیالوں کی کوکھ سے جنم لینے والے اندیشے کے تحت عابد سے کہا "بے خبری میں ہمارا پیچھا نہ کیا جارہا ہو۔"

"ابھی تک میدان صاف ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے آج تم ضرورت سے کچھ زیادہ محتاط ہو" عابد بولا۔

"تم پارکنگ لاٹ میں ہمارا انتظار کر رہے تھے، تمہارے دونوں ساتھی اپنے ٹھکانے پر ہیں۔ جب پیچھے دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو تو تفکرات ستانے لگتے ہیں۔ را والے بالکل گھامڑ اور عقل سے کورے نہیں ہیں۔ کیا پتا کہ پابندی کی آخری رات ختم ہوتے ہی انہوں نے ہماری نگرانی شروع کردی ہو۔ ہم اپنی دانست میں انہیں جل دے کر نکل آئے ہیں لیکن ہمارے پاس اپنے اندازوں کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"

"تم دونوں کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ تم ایک دوسرے سے الگ ہو کر ہوٹل سے روانہ ہوئے ہو اور وہاں صرف ولی رام موجود تھا۔ وہ ایک وقت میں ایک آدمی کی دیکھ بھال کرسکتا تھا۔ اس نے بھابی کو چھوڑ کر تمہارے اترنے کا انتظار کیا ہوگا۔ آٹھ بجے تمہیں پارکنگ لاٹ تک پہنچانے کے بعد وہ سرعت سے اپنے ٹھکانے کی طرف روانہ ہوگیا ہوگا۔ دشمن کا کوئی آدمی تمہاری نگرانی کررہا ہوتا تو ولی رام مجھے ضرور اطلاع دیتا تاکہ میں تم سے دور رہ سکوں۔ اس کی خاموشی کا مطلب ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ شاید بھابی کا پیچھا بھی نہیں کیا گیا۔ ولی رام نے اپنی جگہ چھوڑنے بغیر یہ ضرور دیکھا ہوگا کہ کوئی مشتبہ آدمی بھابی کی طرف متوجہ نہیں تھا۔"

"وہ آٹھ بجے میری دیکھ بھال کررہا تھا اور چند منٹ میں اپنے ٹھکانے پر سنیل کے پاس پہنچ گیا" میں نے مستفسرانہ لہجے میں کہا "کہیں تم مجھے بہلانے کی کوشش تو نہیں کررہے؟"

"میں جھوٹ نہیں بولتا" عابد نے پوری سنجیدگی سے جواب دیا "آج وہ دونوں اپنے مستقل ٹھکانوں پر نہیں ہیں۔ کسی بھی اہم مشن سے پہلے ہم لوگ عارضی طور پر اپنے ٹھکانے بدل لیتے ہیں تاکہ ہماری آمدورفت کے اوقات کسی کی نظروں میں نہ آسکیں۔ آج وہ تمہارے ہوٹل کے قریب ایک سستے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اگر قسمت نے ہم سب کا ساتھ دیا تو وہ تمہیں ایئرپورٹ پہنچانے کے بعد اپنے اپنے مستقل ٹھکانوں کی طرف جائیں گے۔"

ان لوگوں نے میری توقع سے زیادہ منصوبہ بندی کی ہوئی تھی۔ مجھے سب سے بڑی خوشی اس بات کی تھی کہ نئی مصروفیات میں الجھ کر انہوں نے ہماری دیکھ بھال کا سلسلہ ترک نہیں کیا تھا۔ عابد کی زبان سے وہ تفصیلات سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ انل بسواس کے فون کے بعد میرے بارے میں را کی حکمتِ عملی میں کوئی نمایاں فرق نہیں آیا تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے جال میں آیا ہوا بے بس مخبر سمجھ کر میرے حال پر چھوڑ دیا تھا اور شاید یہی ان کی سب سے سنگین چوک تھی۔

سنیل اور ولی رام یعنی پرویز اور عبداللہ کا سستے ہوٹل میں منتقل ہونا آئی بی والوں کی پیشہ ورانہ منصوبہ بندی کا واضح

ثبوت تھا۔ ہر کام سے فارغ ہو کر صبح کے چار پانچ بجے وہ
واپس اسی ہوٹل میں پہنچتے تو شکوک و شبہات کی زد میں
آجاتے۔ عابد نے بہت سادگی کے ساتھ بتادیا تھا کہ اس رات
کے مشن سے نمٹنے کے بعد ان دونوں کا ہوٹل واپسی کا کوئی
ارادہ نہیں تھا۔ وہ ہوٹل سے اپنا حساب بے باق کر کے نکلتے
اور کام پورا ہونے کے بعد ان کمین گاہوں کی طرف لوٹ
جاتے جہاں انہوں نے ان دنوں اپنے پیر جمائے ہوئے تھے۔

عابد ضرورت سے زیادہ باتیں کرنے کا عادی نہیں تھا۔
اس کے پیشے میں فضول گوئی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ غزالہ
کے گاڑی میں سوار ہونے کے بعد عابد نے مجھے جو کچھ بتایا تھا
وہ کوزے میں سمندر کے مترادف تھا۔ مجھے امید ہو چلی تھی
کہ ہماری وہ رات رائیگاں نہیں جائے گی۔

کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ عابد اپنی گاڑی شہر کے
پُرہجوم اور بارونق حصوں سے دور لے جارہا تھا۔ میں نے
اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا اور خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔

جوں ہی گاڑی ٹریفک کے ہجوم سے باہر نکلی، عابد نے
غزالہ سے پچھلے پائیدان میں رکھا ہوا تھیلا مانگ لیا۔ تھیلا
خاصا وزنی تھا۔ عابد کو اس حقیقت کا احساس تھا۔ اس نے
تھیلا لینے کے لیے گاڑی کی رفتار کم کرلی تھی مگر اس سے پہلے
میں نے غزالہ سے وہ تھیلا لے کر اپنے قدموں میں رکھ لیا۔

"اس میں سے ایک ایرپیس مجھے نکال دو" عابد نے مجھ
سے فرمائش کی۔ میں نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا تو اس میں پستول،
بھرے ہوئے فاضل میگزین، کچھ بڑے چاقو اور ایرپیس موجود
تھے۔ میں نے اندھیرے میں ٹٹول کر ایک ایرپیس نکالا اور
خاموشی سے عابد کی طرف بڑھادیا۔ عابد نے گاڑی کی رفتار
بڑھادی۔

عابد نے ایرپیس آن کیا اور اسے اپنے منہ کے قریب
لاکر دھیمی آواز میں بولنا شروع کردیا "ایپل تھری ٹو ون.... بی
ٹی سکس۔"

اس نے مہمل بلکہ بے ربط الفاظ، حروف اور ہندسوں کا
استعمال کرتے ہوئے دو مرتبہ وہ پیغام نشر کیا اور پھر دوسری
طرف سے اسی ناقابل فہم، جناتی انداز میں جواب موصول
ہونے لگا جو عابد کے نشر کیے ہوئے پیغام سے زیادہ طویل تھا۔

دونوں طرف سے باری باری نشری سوال جواب ہوتے
رہے۔ چند ثانیوں بعد عابد نے ایرپیس آف کر کے مجھے
لوٹادیا۔

ایرپیس پر ریڈیائی شور کی وجہ سے دوسرے فریق کی آواز
گھٹی گھٹی سی تھی جو میری شناخت میں نہیں آسکی۔

"مبارک ہو!" میرے سوال کرنے سے پہلے عابد نے مجھ
سے کہا "ولی رام نے تصدیق کردی ہے کہ ہوٹل میں دشمن کی
طرف سے تمہاری نگرانی نہیں ہورہی تھی۔ آخری لمحات
تک وہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ تمہیں میری
طرف آتا ہوا دیکھ کر وہ واپس چلا گیا۔"

اس نے محض میری تشویش دور کرنے کے لیے عبداللہ
سے وہ رابطہ کیا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "کیا اس وقت
ایرپیس کا استعمال خطرناک نہیں تھا؟"

"اس کوشش میں موہوم سا خطرہ تھا۔" اس نے
اعتراف کیا "مگر بات وہی ہے کہ خطرات مول لیے بغیر کوئی
کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔"

"شہر میں ہونے والے واقعات کے بعد را والوں کو ابھی
تک کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ انہیں پوری سرگرمی سے
اپنے مجرموں کی تلاش ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت بھی
خفیہ ریڈیائی رابطے ان کی دیکھ بھال کی زد میں آئے ہوئے
ہوں۔" میں نے اپنے شبے کا اظہار کیا۔

"دشمن کے علاقے میں کام کرنے والے، ہم جیسے بوریا
نشین افراد اور سرکاری ایجنسیوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہم
اپنا ہر کام خاموشی اور رازداری سے انجام دینے کی فکر میں
رہتے ہیں اور وہ اپنی ہر کارروائی کا طمطراق سے ڈھنڈورا پیٹتے
ہیں تاکہ حریف کو نفسیاتی طور پر خوف زدہ کرسکیں۔ آرک
والوں کی اسکیننگ وینز دہلی کی سڑکوں پر گشت کے لیے
نکلی تھیں تو ہمیں بروقت ان کی اطلاع مل گئی تھی۔ جامع مسجد
سے ایک بدنصیب کو پکڑنے کے بعد ان کی وہ سرگرمیاں دم
توڑ چکی ہیں۔"

"وہ بڑے پیمانے کی کوشش تھی۔" غزالہ نے ہماری
باتوں میں حصہ لیتے ہوئے کہا "ضروری نہیں کہ اس وقت وہ
اپنی گاڑیوں سے کام لے رہے ہوں۔ دوسرے ذرائع سے
بھی ریڈیائی رابطوں کی کڑی نگرانی کی جاسکتی ہے۔"

"یہ مواصلاتی رابطوں کا زمانہ ہے۔ آئے دن نت نئے
آلات سامنے آتے رہتے ہیں۔ وہ یقیناً غافل نہیں ہوں گے
لیکن گفتگو پکڑنے والے غیر متحرک آلات کتنے ہی حساس
کیوں نہ ہوں، ان کی رینج محدود ہوتی ہے اور اس وقت ہم
حرکت میں ہیں۔ وہ شاید ہمیں نہ پکڑسکیں۔"

"تم متحرک ہو مگر عبداللہ اور پرویز ہوٹل کے کمرے میں
محبوس ہیں۔ وہ گرفت میں آسکتے ہیں۔" میں نے اعتراض
کیا۔

"وہ ایرپیس کے ساتھ ایسا آلہ استعمال کررہے ہیں جس

کی وجہ سے ان کی پوزیشن کا سراغ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس بندوبست کے باوجود میں نے اس سے کوڈ ورڈز میں بات کی ہے۔ یہ ہم سب کی سلامتی اور بقا کا معاملہ ہے۔ ہم نے احتیاط کے کسی پہلو کو نظرانداز نہیں کیا۔"

"ایسا کوئی آلہ ہے تو وہ مجھے بھی دیا جاسکتا تھا۔ اس کے بجائے مجھے آپریٹس کا استعمال ترک کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔"

وہ ایک گہرا سانس لے کر بے بسی سے ہنس پڑا "اس وقت تم بال کی کھال نکال رہے ہو۔ وہ آلے سے زیادہ ایک پیچیدہ سرکٹ ہے جسے مہارت کے بغیر آپریٹس سے منسلک نہیں کیا جاسکتا۔ وہ گھروں میں استعمال ہونے والی عام بجلی سے کام کرتا ہے اس لیے میں اسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔ وہ دونوں ہوٹل کے کمرے میں ہیں۔ انہوں نے وہ آلہ آسانی سے جوڑ لیا ہوگا۔ اس کا بندوبست صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ کسی بھی وقت ہمارا رابطہ نہ ٹوٹے۔"

"ہوٹل سے نکلنے کے بعد وہ کیا کریں گے؟" اس کی بتائی ہوئی تفصیلات میرے لیے دلچسپ ثابت ہو رہی تھیں۔

"ہوٹل چھوڑنے سے پہلے وہ اس آلے کو سمیٹ لیں گے کیونکہ باہر عام برقی رو میسر نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسے استعمال نہیں کرسکیں گے۔ کھلی فضا میں نکل آنے کے بعد وہ حرکت میں ہوں گے۔ ہر لمحے ان کی پوزیشن بدل رہی ہوگی۔ وہ اس آلے کی ضرورت سے بے نیاز ہوچکے ہوں گے۔"

عابد علی کے پاس میرے ہر سوال کا جواب موجود تھا۔ اول تو وہ یہ اطمینان کرچکا تھا کہ دہلی میں ریڈیائی پیغامات پکڑنے کی ہنگامی کوششیں دم توڑ چکی تھیں اور اگر معمول کی سرکاری کوششوں سے کوئی خطرہ تھا تو وہ تینوں اس کا پیشگی تدارک کرچکے تھے۔

دہلی کے اجنبی اور قدرے خالی راستوں پر کافی دیر تک ڈرائیونگ کرنے کے بعد عابد نے اپنی گاڑی ایک خوب صورت اور روشن پارک کے قریب روک دی جہاں تفریح اور ہواخوری کے لیے کافی لوگ آئے ہوئے تھے۔

بچوں کی بھاگ دوڑ اور چیخ وپکار سے اس پارک کی فضا میں رونق تھی پھر بھی وہاں بھیڑ اور گھٹن کا احساس نہیں تھا۔ عابد ہم دونوں کے ساتھ پارک کے ایک خالی گوشے میں گھاس پر جا بیٹھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ اس روشن فیملی پارک کو قدسیہ گارڈن کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا۔

ہمیں کسی نہ کسی طرح اپنا وقت گزارنا تھا۔ اس پارک میں ستانے سے پہلے عابد نے شہر کی سڑکیں ناپنے میں کم وبیش ایک گھنٹا گزار دیا تھا۔

وہ آئی بی والوں کے ساتھ دہلی میں ہماری آخری رات تھی۔ ان کی سرگرمیوں، دہلی کے حالات اور پاکستان کے بارے میں بھارتی رویّے کے سلسلے میں میرے ذہن میں تشنگی موجود تھی۔ جب سے ہم لوگ ایک دوسرے سے متعارف ہوئے تھے، ہمیں فرصت سے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنے اور کھل کر باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اپنے آخری اور فیصلہ کن شکار سے پہلے ملی ہوئی ایک مہلت میں میری طرح عابد بھی دل کھول کر بول رہا تھا۔

مجھے ان لوگوں کی سرگرمیوں کے دائرہ کار کے بارے میں زیادہ تفصیلات معلوم نہیں تھیں اس لیے میرے سوالات کم اور محدود تھے جبکہ عابد میرے مشن سے پوری طرح واقف تھا۔ ہمارے قیام کے دوران میں بعض واقعات کے بارے میں اسے صرف ابتدائی اطلاع دی گئی تھی اور پھر منظرنامہ تیزی سے تبدیل ہوگیا تھا۔ اس کے ذہن میں ان حالات وواقعات کے بارے میں گہرا تجسّس موجود تھا۔ وہ مجھ سے کرید کرید کر سوالات کر رہا تھا۔

ہماری باتوں کا رخ پچھلی شام کے اس واقعے کی طرف ہوگیا جس میں نرلیش کی پشت پناہی سے مرلی نے غزالہ کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔

اس واقعے میں غزالہ کا کردار اتنا حاوی تھا کہ رینا اجیت رائے کی کہی ہوئی خوف ناک باتیں پس منظر میں معدوم ہوگئی تھیں۔ پچھلی رات کو عابد سے ہونے والی ملاقات میں، میں نے اسے صرف غزالہ اور مرلی کے بارے میں بتایا تھا۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے میرا ذہن ان نکات کی طرف مبذول نہیں ہوسکا تھا جو رینا نے کم وبیش اسی دوران میں مجھے سنائے تھے۔

"وہ ایک معجزہ ہوا تھا۔" عابد نرم اور ٹھنڈی گھاس پر پہلو کے بل لیٹا ہوا کہہ رہا تھا "آج سنیل نے باڑہ ہندو رائے میں جاکر مرلی دھر کے بارے میں جو معلومات حاصل کی ہیں، وہ لرزہ خیز ہیں۔ وہ بہت اوباش اور کمینہ آدمی ہے۔ اپنے کسرتی تن وتوش کے ساتھ طاقت ور بھی ہے۔ شریف لوگوں کے ساتھ بدمعاش بھی اس کے منہ لگنے سے گھبراتے ہیں۔ وہ کئی آدمیوں کو بری طرح ادھیڑ چکا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ بھابی نے اس جیسے فیل پیکر کو کیسے زیر کرلیا۔"

"وہ معجزہ ہی تھا۔" میں نے کہا "جس وقت غزالہ اپنے کمرے میں مرلی دھر کا مقابلہ کررہی تھی، رینا میرے کمرے میں پہنچی ہوئی تھی۔..."

"اوہو....!" اس نے استعجابیہ انداز میں میری بات کاٹی "تم نے اس کے بارے میں پہلے کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"اس وقت غزالہ کا تجربہ ہر دوسری بات پر حاوی تھا۔ اس نے اپنے بڑوں کے ایما پر مجھے ایک بالکل نئی کہانی سنائی ہے۔"

"را والے غیر ضروری چکروں میں نہیں پڑتے۔ رینا کی نئی کہانی کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد رہا ہوگا۔"

"بالکل واضح مقصد تھا۔ وہ مجھے اس حقیقت سے مرعوب کرنا چاہ رہے تھے کہ بھارت کو دنیا کی اکلوتی سپر پاور کی پشت پناہی ہے۔ را والے جو کچھ کر رہے ہیں' اس میں امریکی پوری طرح ان کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں کو دنیا بھر میں منظم ہونے والی اسلامی جہادی تنظیموں سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ ان کا منصوبہ کم و بیش تیار ہے۔ کسی بھی مناسب موقع پر وہ ان تنظیموں کے خلاف ایسا لرزہ خیز کریک ڈاؤن شروع کریں گے کہ کوئی ان کا ساتھ نہیں دے گا۔"

"جہادی تنظیمیں ظلم کے خلاف لڑ رہی ہیں یا پھر آزادی کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ ان سے بھارت یا کسی اور ملک کو کیا تکلیف ہے۔"

"جہاد مسلمانوں کا مذہبی عقیدہ اور فرض ہے۔ وہ اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کو جہاد کے فلسفے سے خوف آتا ہے۔ لڑ مرنے کا ایسا جذبہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں پایا جاتا۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ کے نام پر نکلنے والے مجاہد زندگی اور موت سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں؟ وہ ماریں یا خود مر جائیں' دونوں صورتوں میں خود کو خوش نصیب تصور کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں جہاد کی یہ فکر تیزی سے پروان چڑھ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جہادی قوتوں کو نئی صدی کا سب سے بڑا خطرہ سمجھ رہے ہوں۔"

"رینا تم کو یہ باتیں بتانے کے لیے آئی تھی؟" عابد کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔

"ہاں' اسے ہدایت دی گئی تھی کہ مجھے یہ باتیں بتا دے تاکہ میں سپر پاور کے ساتھ بھارت کے گٹھ جوڑ سے مرعوب ہو جاؤں اور ان سے انحراف کرنے کے بارے میں نہ سوچ سکوں۔ اس نے میرے کمرے میں پوشیدہ آلات کی پروا کیے بغیر کھل کر یہ باتیں کی تھیں۔ کمرے سے نکلنے کے بعد اس نے بتایا کہ اس طرح نریش کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔"

"یہ بھارتیوں کی اپنی سوچ ہو سکتی ہے۔ امریکی اپنی مادی دنیا میں مست رہنے والے لوگ ہیں۔ ان کی سرحدیں محفوظ ہیں۔ انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں ہو سکتی کہ مسلمانوں کے عالمی رجحانات کس سمت میں جا رہے ہیں۔ یہ دیہاتی کے کمبل کو لوٹنے کے لیے شہر میں میلہ لگانے والی بات ہے۔"

"شاید ان لوگوں نے یہ بات بڑھا چڑھا کر پیش کی ہو مگر اس میں کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہوگی۔" میں رینا کی باتوں کو نظر انداز کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"دراصل یہ بھارتیوں کا اپنا خوف ہے۔" عابد نے چند ثانیوں کے بعد کہا "تم گہرائی میں دیکھو تو تمہیں ان باتوں کی تہ میں بھارتیوں کے ان تلخ تجربات کی جھلک نظر آئے گی جو کشمیر میں ان کا مقدر بنے ہوئے ہیں' یہ جھگڑا روز اول سے چل رہا ہے۔ مزاحمت بھی چل رہی تھی لیکن جہاد کا نظریہ پچھلے برسوں سے عام ہوا ہے۔ دوسرے ملکوں سے آنے والے مجاہدوں کا بھی شور مچایا جا رہا ہے۔ بھارت کی پوری کوشش ہے کہ کشمیر کی آزادی کے لیے جان و مال کی پروا کیے بغیر لڑنے والوں کو دہشت گرد قرار دلوا دے...."

"بھارت ہمیشہ انہیں دہشت گرد اور تخریب کار ہی کہتا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"اس کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہی بات امریکا کہنے لگے تو اس میں وزن ہوگا۔ یہ بھارت کا ایک خواب ہے جو شاید کبھی پورا نہ ہو۔"

"میں سیاست سے دور رہتا ہوں اس لیے یہ سیاسی باریکیاں میری سمجھ سے باہر ہیں۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ رینا کی نئی باتوں سے خطرے کی بُو آ رہی تھی۔ شاید بھارت کے مزاج اور موسم میں کوئی بڑی تبدیلی آ رہی ہے جو ہمارے لیے تشویش ناک ثابت ہوگی۔"

"یہ باتیں اسلام آباد کے ذمّے داروں کو ضرور بتا دینا۔" عابد نے پُر تشویش لہجے میں کہا "مدت سے یہاں رہنے کے باوجود ہم ایسی معلومات تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔"

میرے لیے یہ باتیں جاننا دشوار تھا۔ نریش شرما میری فلم کھو دینے کے بعد اپنے اس نقصان کے ازالے کے لیے ہر طرف ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اس نے اس بوکھلاہٹ میں کچھ ایسی باتیں میرے کانوں تک پہنچا دی تھیں جو ناقابلِ یقین ہونے کے باوجود اہم تھیں۔

"میری رسائی جلال تک ہے۔ میں اسے پوری رپورٹ دوں گا۔ اس سے آگے دیکھنا اس کا کام ہوگا۔"

"یہ نہ سوچو۔" عابد نے جلدی سے کہا "ہم بھارت میں رہتے ہیں مگر ہمیں پاکستان کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ یہ تمہاری خام خیالی ہے کہ تمہاری رسائی دور تک نہیں ہے۔ تمہاری

بات اعلیٰ ترین سطح پر سنی جاتی ہے۔ اس پر غور و فکر ہوتا ہے۔ یہ پالیسی کی مجبوری ہے کہ تمہیں پورا پروٹوکول نہیں دیا جاتا اور بڑے عہدے دار تم سے دور رہتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں جس شخص کو امریکی سرکار... قاتل اور دہشت گرد قرار دے چکی ہو' اس کی گرفتاری میں مدد دینے والوں کے لیے بڑے انعامات کا اعلان کر چکی ہو' اسے کوئی بھی کھل کر تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ جاننے کے باوجود مجھے اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔ مجھ پر ایسے وقت بھی گزرے ہیں کہ میں نے پاکستان بلکہ کراچی میں روپوش رہ کر دن رات ٹھکانے تبدیل کیے ہیں تاکہ قانون کے محافظوں سے بچ سکوں۔"

"ان تلخیوں کو دل سے نکال دو۔ عہدوں کی دستار میں بندھے ہوئے سر ضابطوں کے اسیر ہوتے ہیں۔ ان کی بہت سی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات انہیں ایسے قدم اٹھانے پڑ جاتے ہیں جن سے وہ نفرت کرتے ہیں۔"

"میرے دل میں کوئی تلخی ہے نہ شکوا۔ میں تم سے کوئی شکایت نہیں کر رہا تھا بلکہ تمہیں بتا رہا تھا کہ میں کیسے کیسے مرحلوں سے گزر چکا ہوں۔"

"یہ مرحلے صرف اس وجہ سے آئے کہ تم امریکیوں کی نفرت کا نشانہ بنے ہوئے ہو۔"

"بھارتی اور امریکی' دونوں ہی میرے لہو کے پیاسے ہیں اور میں ان کا دشمن ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ پاکستان میں ہاتھ روکنے کی ہدایت ملنے کے بعد ہم نے دہلی میں جان اسمتھ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اگر رینا کی سنائی ہوئی کہانی میں ذرا سی بھی صداقت تھی تو اس کے سنائے ہوئے ماسٹر پلان کا خالق وہی شخص تھا۔"

"یہ تمہارے ارادوں کی مضبوطی کی علامت ہے کہ پاکستان میں تم نے اسے چھوڑے رکھا مگر وہ اپنی موت کی تلاش میں خود بھاگا ہوا دہلی آپہنچا۔ ایسے اتفاقات شاذ و نادر ہی سننے میں آتے ہیں۔ مزید حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس سے چھٹکارا پانے کے لیے تم کو ہاتھ بھی نہیں ہلانا پڑا۔ بھابی جیسی معصوم' بے ضرر اور کمزور عورت نے بہت آسانی کے ساتھ اس سفید فتنے کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیا۔"

جب تک ہم دونوں کے ذہن الجھنے ہوئے تھے۔ ہم ادھر ادھر کی بے ربط باتیں کر رہے تھے۔ قدسیہ گارڈن کے پُرفضا ماحول میں بے فکری میسر آتے ہی بات سے بات نکلنے کا سلسلہ چل پڑا۔ وہ میری اور عابد کی پہلی اور آخری ملاقات تھی جس میں اس قدر کھل کر تبادلہ خیال ہو رہا تھا۔

غزالہ اپنے خیالوں کی دنیا میں کھوئی ہوئی ہمارے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ ہم دونوں کی ہر بات سن رہی تھی لیکن ہماری گفتگو میں دخل انداز نہیں ہوئی تھی۔

وقت گزارنے کے لیے عابد علی نے بہت موزوں جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ شاید لوگ اپنے اہل خانہ کے ساتھ سرِشام ہی وہاں آجاتے تھے۔ جیسے جیسے رات بھیگتی جا رہی تھی' لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں وہاں سے واپس جا رہے تھے۔

گیارہ بجے تک وہاں نظر آنے والی رونق ماند پڑ چکی تھی۔ ہم نے آدھا وقت بہت آرام سے گزار لیا تھا۔ اس سے آگے درپیش کاموں میں ہمیں رات کالی کرنی تھی۔ جبکہ ہمارے معدے خالی تھے۔ رات کے آٹھ بجے ہوٹل چھوڑنے کی وجہ سے ڈنر کی نوبت نہیں آسکی تھی۔

کام سے پہلے شکم سیری ضروری تھی۔ ہم اپنی جگہیں چھوڑ کر باغ میں سے گزرنے والی روشن سڑک پر کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

ایک قریبی بازار میں ہم تینوں الگ ہو گئے۔ وہ عابد کی تجویز تھی۔ وہ ہر طرف سے اپنا اطمینان کر چکا تھا مگر پھر بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ دہلی میں ہمارے قیام کے آخری مرحلے پر ہم تینوں کا سرِعام یک جا ہونا اس کی دانست میں قرین مصلحت نہیں تھا۔

کھانے کے لیے ہم نے چالیس منٹ کا وقت طے کیا تھا جو کافی سے زیادہ تھا۔ وہ وقت پورا ہوتے ہی ہمیں ہر قیمت پر جمع ہو کر اس بازار سے روانہ ہو جانا تھا۔

عابد ہم سے الگ ہوتے ہی ایک تنگ سی گلی میں گھس کر غائب ہو گیا۔ غزالہ سیدھی چل دی۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا۔

غزالہ نے کچھ دور جانے کے بعد ایک معمولی سے ہوٹل کا انتخاب کر لیا۔ میں نے سڑک عبور کی اور دوسری طرف دہی بڑوں اور پکوڑوں کے ایک کیبن کے گرد' فٹ پاتھ پر بچھی ہوئی کرسیوں میں سے ایک پر براجمان ہو گیا۔ غزالہ کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنے کے لیے میں نے باقاعدہ ڈنر کا ارادہ منسوخ کر دیا تھا۔

وہ صاف ستھرا کیبن معمولی تھا لیکن شہر غیر معمولی تھا۔ میں نے جو کچھ منگوایا اس کا ذائقہ بہت لذیذ تھا۔ مجھے بے اختیار کسی کی کہی ہوئی یہ بات یاد آگئی کہ دہلی کا ہر باسی کھانے کا شوقین اور چٹورا ہوتا ہے۔ شاید اسی لیے دکان دار ذائقوں کا معیار برقرار رکھنے پر مجبور تھے۔

کھانے کا وقفہ میری توقع کے برعکس بہت تیزی سے گزر گیا۔ غزالہ ہوٹل سے نکلتی ہوئی نظر آئی تو میں نے سفید دھوتی اور کرتے میں ملبوس لالہ جی کو پیسے ادا کیے اور واپس چل دیا۔

عابد شاید تنگ گلی کے نکڑ پر کھڑا ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ ہم دونوں کے کار تک پہنچنے سے چند لمحوں پہلے وہ نمودار ہوا اور اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ہم تینوں کے درمیان خود بہ خود ہم آہنگی پیدا ہو چکی تھی۔ ذرا سی دیر میں گاڑی دوبارہ سڑکوں پر رواں تھی۔

"اب وقت کم رہ گیا ہے۔ یہ تیزی سے گزر جائے گا۔ غزالہ کو ایک بجے ہم سے الگ ہو جانا ہے۔ ہمیں ایک مرتبہ اپنے کاموں کو دہرا لینا چاہیے۔" میں نے سگریٹ کا آخری کش لے کر سلگتا ہوا ٹوٹا کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔

ایک بجے پرویز اور عبداللہ دوسری گاڑی میں قرول باغ کی آبادی سے باہر ملیں گے۔ تمہیں کسی ایمرجنسی کے لیے پستول اور اپریٹس اپنے ساتھ رکھنا ہے۔" عابد نے غزالہ کو بتانا شروع کیا "تم یہ دونوں چیزیں لے کر ان کی گاڑی میں چلی جاؤ گی۔ اپنا سفری بیگ اور مظہر کا بریف کیس بھی تمہارے ساتھ ہو گا۔ تمہیں اپنے ساتھ لینے کے بعد وہ انل بسواس کے مکان کا ایک چکر لگا کر اس علاقے سے نکل آئیں گے۔ دو بجنے میں پانچ منٹ پر عبداللہ ایک خاص مقام پر بجلی کے تاروں پر لوہے کے نرم اور لچک دار رسّے کا لنگر پھینکنے لگا۔ تاروں میں شارٹ سرکٹ سے زوردار روشن دھماکا ہو گا اور علاقہ تاریکی میں ڈوب جائے گا۔ اس دوران میں تم پرویز کے ساتھ گاڑی میں رہو گی۔ عبداللہ کے لوٹ آنے کے بعد تینوں انل کے مکان کے باہر موجود رہنا تاکہ میری اور مظہر کی کارروائی میں کوئی رخنہ نہ ڈال سکے۔ اس کے بعد تم تینوں پیچھے رہ کر ہماری حفاظت کرتے رہو گے۔ نریش کے کام کا انحصار ہم دونوں کی صوابدید پر ہو گا۔"

"اس مہم میں میرا کوئی کردار نہیں ہے۔" غزالہ نے دبے لفظوں میں احتجاج کیا۔

"علاقے کی بجلی اڑانے کے لیے ایک آدمی کافی ہے۔ تم بتاؤ کہ کیا کرنا چاہتی ہو؟" عابد نے کہا۔

غزالہ لاجواب ہو گئی۔ اس وقت اسے احساس ہوا ہو گا کہ کسی تجویز پر معترض ہونا دنیا کا آسان ترین کام ہے۔ متبادل تجویز دینے میں دانتوں پسینہ آ جاتا ہے۔

"تم نے انل بسواس کے فون کے تار کٹوانے کا ذکر نہیں کیا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"بجلی اڑانے کے بعد تار کاٹ دیے جائیں گے۔" عابد نے جواب دیا "وہ دونوں دن کی روشنی میں ادھر جا چکے ہیں۔"

"میرے لیے ٹرانسمٹر۔۔۔ کی کیا افادیت ہے؟ یہ بلاوجہ کا بوجھ بنا رہے گا۔" غزالہ نے کہا۔

"ضروری نہیں کہ سارا کام ہمارے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ہوتا چلا جائے۔ پولیس کی کسی گشتی گاڑی سے اچانک سامنا ہو سکتا ہے یا کوئی اور بدترین صورتِ حال رونما ہو سکتی ہے۔ اگر تم ان دونوں سے بچھڑ جاتی ہو تو دہلی میں تمہارا سراغ لگانا ناممکن ہو جائے گا۔ ایسے ناگہانی حالات میں تم اپریٹس پر ہم سے رابطہ کر سکو گی اور ہم تم تک پہنچ جائیں گے۔ ہم تینوں کا ہر حال میں ایک دوسرے سے رابطے میں رہنا ضروری ہے کیونکہ تم دونوں کو صبح کی پرواز سے دہلی سے نکل جانا ہے۔"

عابد کی وہ باتیں کچھ ہیجان خیز تھیں۔ مجھے اپنے خون میں تھوڑی سی حرارت محسوس ہونے لگی۔

"علاقے میں اندھیرا کر کے شاید ہم اپنے لیے دشواریاں پیدا کر لیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری انل بسواس تک رسائی مشکل ہو جائے۔" عابد کے بنائے ہوئے منصوبے پر غور کرنے کے بعد میں نے دھیرے سے کہا "اندھیرے میں غلطی کا زیادہ امکان ہو گا۔"

"رات کے دو بجے دیوار کود کر اس کے گھر میں گھسنا آسان کام نہیں ہے۔ اجالے میں کسی نے دیکھ لیا تو ہم دونوں بے موت مارے جائیں گے۔"

انل بسواس کے گھر سے باہر منڈلانے والا وہ خطرہ اندر پیش آنے والی دشواریوں پر حاوی تھا۔ میں نے چپ سادھ لی۔

عابد کو یاد آیا کہ ہمارے ہوائی سفر کے ٹکٹ اسی کے پاس تھے۔ اس نے اپنی جیب سے دونوں ٹکٹوں کا لفافہ نکال کر میرے حوالے کر دیا "اگر بدقسمتی سے میں مارا گیا یا پکڑا گیا تو اب تم دونوں کی روانگی میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔ تم کسی نہ کسی طرح بروقت ائرپورٹ پہنچ ہی جاؤ گے۔"

"ایسے منحوس کلمات منہ سے نہ نکالو۔" غزالہ نے تادیبی انداز میں کہا "بعض اوقات قبولیت کی گھڑی بھی آ جاتی ہے۔"

عابد نے زبردستی ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا "تم بھابی ہو کر بھی اندر سے ایک وہی عورت ہو۔ سچ یہ ہے کہ عورت، عورت ہی رہے تو اچھی اور باوقار لگتی ہے۔ اس وقت تم نے میرا

دل خوش کردیا۔ اب میں کوئی منفی بات نہیں سوچوں گا۔"
عابد نے اپنی گاڑی کی پیٹرول کی ٹنکی بھروائی ہوئی تھی۔ وہ بار بار اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر ہلکی اور درمیانی رفتار سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ سڑکیں ٹریفک سے خالی ہو چکی تھیں۔ خال خال ہی کوئی گاڑی یا ٹیکسی وغیرہ تیزی سے آتی یا جاتی ہوئی نظر آجاتی تھی۔
"اب ہم اپنی مطلوبہ سڑک پر آگئے ہیں۔" ایک بجنے سے چند ثانیوں پہلے عابد نے اعلان کیا۔ اس وقت اس کی گاڑی ایک کشادہ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ فاصلے تیزی سے سمٹتے رہے پھر عابد کو وہ سرخ گاڑی نظر آگئی جس میں اس کے ساتھیوں کو اس سے ملنا تھا۔ اس نے رفتار کم کردی۔
عابد کی گاڑی بس لمحہ بھر کے لیے سرخ کار کے پیچھے رکی۔ غزالہ تیار تھی۔ گاڑی تھمتے ہی نیچے اتر گئی اور عابد نے کار تیزی سے آگے بڑھا دی۔ سرخ گاڑی غزالہ کے سوار ہونے کے انتظار میں وہیں کھڑی رہ گئی۔ میں مڑ کر دور تک اس کا جائزہ لیتا رہا اور پھر سڑک کے گھماؤ کے ساتھ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔
"اگر تمہارا پروگرام وہی ہے جو تم نے ابھی بتایا تھا تو میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم نے غزالہ کو دوسری گاڑی میں کیوں منتقل کردیا۔ وہ ہمارے ساتھ رہتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ کام پورا ہونے کے بعد تم ذرا سا بھی وقت ضائع کیے بغیر ہمیں ائرپورٹ پہنچا سکتے تھے۔ اب تمہیں ایک مرتبہ پھر کہیں نہ کہیں رک کر غزالہ کو واپس اس گاڑی میں لینا ہوگا۔"
"کام ہوتا چلا گیا تو میں ایک لمحے کے لیے بھی کہیں نہیں رکوں گا۔ دونوں گاڑیاں ائرپورٹ جائیں گی اور تم دونوں کو وہاں چھوڑ کر لوٹ آئیں گی۔" اس نے کہا۔
"پھر بھی یہ ردوبدل میری سمجھ میں نہیں آسکی۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہہ ڈالا۔
"تم نے یہ فرض کرلیا ہے کہ سب کچھ اسی طرح ہوتا چلا جائے گا جیسا سوچا گیا ہے۔ یہ سوچو کہ ذرا سی بھی گڑبڑ ہو گئی تو کیا ہوگا۔ غزالہ اس گاڑی میں اکیلی ہوگی۔ اسے شہر کے راستوں کا علم نہیں ہے۔ وہ کہاں جائے گی؟ کیا کرے گی؟ اسے ہر حالت میں ایسے لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیے جو گڑبڑ ہونے کی صورت میں اسے قرول باغ کی بھول بھلیوں جیسی آبادی سے نکال کر ائرپورٹ یا کسی اور محفوظ مقام تک پہنچا سکیں۔ میں نے اس بات کو شروع سے آخر تک دھیان میں رکھا ہے۔ ہر قدم ناپ تول کر اٹھایا ہے۔"
"تمہارا خیال ہے کہ کوئی گڑبڑ ہوئی تو سرخ گاڑی کے تینوں سوار محفوظ رہیں گے۔" میں نے پوچھا۔
"محفوظ رہنا یا نہ رہنا' بعد کی بات ہے۔ اس میں مقدر کی یاوری کا بہت دخل ہوتا ہے۔ میں نے یہ بات مدنظر رکھی ہے کہ وہ باہر نسبتاً بہتر حالات میں رہیں گے۔ بات بگڑ جائے تو انہیں وہاں سے فرار ہونے کا موقع بھی مل سکتا ہے۔ وہ ہمارے اور اپنے لیے بہت کچھ کرسکتے ہیں۔"
میں نے اسے ہر طرح سے ہلا جلا کر دیکھ لیا لیکن وہ اپنی جگہ ڈٹا رہا۔ اس کے کیے ہوئے فیصلوں میں کہیں کوئی جھول نہیں تھا۔ اس نے ہر پہلو پر غوروخوض کرکے را کے دو اہم افسروں پر شب خون مارنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اسے کسی ردوبدل کے لیے قائل کرنا آسان نہیں تھا۔
باتوں باتوں میں اس نے بتایا کہ ان کے استعمال میں موجود گاڑی کرائے کی تھی جو ایک فرضی نام پر لی گئی تھی۔ ہتھیاروں کے تھیلے کے سوا اس نے یہ احتیاط رکھی تھی اس گاڑی میں ایسی کوئی چیز نہ رہے جو اس کی یا اس کے ساتھیوں کی شناخت میں مددگار ثابت ہوسکے۔ مدعا یہ تھا کہ حالات بگڑنے کی صورت میں ہم دونوں گاڑی کی پروا کیے بغیر وہاں سے نکل کر پیدل ہی کسی طرف فرار ہوسکیں۔ کسی گوشہ عافیت میں پہنچنے کے بعد ہم ٹرانسمٹر پر ایک دوسرے سے رابطہ کرسکتے تھے۔
وہ ایک طرح سے عابد علی کا شہر تھا اس لیے اس رات کی منصوبہ بندی کا بیشتر بوجھ اس نے خود سنبھالا ہوا تھا۔ شاید اس نے اپنے اوقات کار کے بارے میں کئی مرتبہ ریہرسل کرلی تھی کیونکہ وہ ایک مختلف راستے سے دوبارہ قرول باغ کی حدود میں داخل ہوا تو دو بجنے میں صرف سات منٹ باقی تھے۔
ہماری گاڑی انل بسواس کے گھر سے دور تھی کہ اچانک کہیں ایک زوردار دھماکا ہوا۔ فضا میں لمحے بھر کے لیے شعلوں کی خون آشام سرخی ابھری اور فوراً معدوم ہوگئی۔ ہمارے آس پاس کے مکان بدستور روشن تھے۔ عبداللہ بجلی کے تاروں پر اپنا کام دکھا چکا تھا مگر میں حیران تھا کہ قرب و جوار کے مکان کیوں روشن تھے۔
"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ دھماکے کے بعد آبادی کو اندھیرے میں ڈوب جانا چاہیے تھا۔" میں نے تشویش کا اظہار کیا۔
"شاید اس علاقے کی سپلائی کسی اور لائن سے ہے۔" عابد نے رائے دی۔ گاڑی چل رہی تھی۔ اگلے لمحے آبادی کا تاریکی میں ڈوبا ہوا حصہ ہمارے سامنے آگیا۔
میں نے تیزی سے ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر اس میں رکھی ہوئی دو ٹارچیں نکال لیں۔ پستول' فاضل میگزین اور شکاری چاقو پہلے ہی ہماری جیبوں میں منتقل ہو چکے تھے۔ مجھے

محسوس ہو رہا تھا کہ اس مہم کے لیے ہم دونوں ضرورت سے زیادہ مسلح ہو چکے تھے۔
عابد نے اپنی گاڑی کے بریک لگاتے ہی ہیڈ لیمپس بجھادیے۔ ہم انل بسواس کے گھر کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ مجھے سرخ گاڑی کہیں نظر نہیں آئی۔ وہ لوگ اپنا کام پورا کرنے کے بعد کہیں اوٹ میں چھپے ہوئے تھے تاکہ اتفاقی طور پر ان کی موجودگی کا راز فاش نہ ہو سکے۔
گاڑی رکتے ہی ہم دونوں نیچے اتر گئے اور دروازے مقفل کیے بغیر انل بسواس کے مکان کے احاطے کی دیوار کی طرف بڑھ گئے۔
اس آبادی کا بیشتر حصہ گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بند گھروں کے درودیوار میں سوئے ہوئے مکین شاید برقی شارٹ سرکٹ کا دھماکا سننے سے قاصر رہے تھے۔ کہیں بھی نقل و حرکت کے کوئی آثار نہیں تھے۔ میں نے دیوار کے سائے میں رک کر لمحہ بھر کے لیے عابد کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سفید وسیاہ ڈھیلے تاریکی میں چمک رہے تھے۔ میری طرح وہ بھی دیوار پھاندنے سے پہلے اندر کی سن گن لینے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے اچھل کر دیوار کے اوپری حصے پر ہاتھ جمائے اور پھر اپنے وجود کو اوپر سمیٹنا شروع کردیا۔
میری بھری ہوئی جیبیں اس وقت ایک بوجھ محسوس ہو رہی تھیں مگر اپنے لادے ہوئے اس بوجھ سے نجات حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں زور صرف کرکے دیوار پر پہنچا اور پل بھر میں دوسری طرف کود گیا۔ میں نے اپنے جوتوں کے نیچے پختہ فرش کے بجائے مٹی کی نرمی محسوس کی تھی۔ میں زمین پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے قریب ہی دھمک کی آواز پیدا ہوئی۔ میں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا تو میرے پیچھے عابد بھی اندر کود چکا تھا۔ وہ بجلی اڑانے کے بعد مہم کا پہلا مرحلہ تھا جو خیروخوبی سے مکمل ہو گیا تھا۔
انل بسواس کے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے مکان پر گہرا سکوت طاری تھا۔ کہیں سے کسی نقل و حرکت کی آواز نہیں آرہی تھی۔ ہماری پیش قدمی کے لیے میدان سازگار تھا۔
اس وقت مجھے شدت سے احساس ہوا کہ عابد نے اپنے ذرائع سے بہت سی معلومات کرلی تھیں لیکن اس گھر کی اندرونی ساخت کے بارے میں ہمیں کچھ علم نہیں تھا۔ اس شب خون کے آغاز سے پہلے عابد نے کمان سنبھالی ہوئی تھی لیکن عملی کارروائی کا آغاز ہوتے ہی وہ پیچھے ہولیا تھا۔
اندر سے تاروں کی چھاؤں میں یہ نظر آرہا تھا کہ احاطے اور عمارت کی دیواروں میں خاصا فاصلہ تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس چار نفری خاندان کے تینوں ملازمین احاطے میں بنے ہوئے سرونٹس کوارٹرز میں رہتے اور سوتے ہوں گے۔ اگر وہ تینوں گہری نیند سوئے ہوئے تھے تو ان کے آرام میں خلل انداز ہونا مناسب نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ سے عابد کو اشارہ کیا اور پنجوں کے بل دوڑتا ہوا ایک ہی سانس میں اصل عمارت کے سائے میں پہنچ گیا۔
دیوار کے ساتھ لگے لگے میں نے سرکتے ہوئے داخلی راستے تک رسائی حاصل کی۔ وہ بند تھا۔ میں تیزی سے آگے بڑھ کر بغلی دیوار کی طرف ہولیا۔ کچھ آگے بڑھتے ہی مجھے مکان کے پچھلے حصے میں احاطے کی دیوار کے ساتھ بنے ہوئے دو کمرے نظر آگئے جو ملازمین ہی کے استعمال میں ہوسکتے تھے۔
بغلی دیوار کی پہلی دو کھڑکیاں بند تھیں۔ تیسری کھڑکی کے پٹ کھلے ہوئے نظر آرہے تھے۔ میں رکے بغیر وہاں پہنچ گیا۔ اس کھلی ہوئی کھڑکی میں جالی کے پٹ اندر سے بند تھے۔ گھر میں مکھیوں اور مچھروں کا داخلہ روکنے کے لیے فلائی پروفنگ ضروری تھی۔ میں نے جالیوں میں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی مگر دوسری طرف پھیلی ہوئی گہری تاریکی کی وجہ سے کچھ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کسی کی خواب گاہ ہے۔
ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ اندر گھسے بغیر مقصد حاصل ہونا ممکن نہیں تھا۔ میں نے گرد آلود جالی پر ہاتھ لگایا تو وہ نائیلون کے بجائے کسی دھات کی محسوس ہوئی۔ میں نے پتلون کی بائیں جیب سے عابد کا لایا ہوا چاقو نکال کر کھول لیا۔
جالی کا ایک حصہ چاقو کی نوک سے کاٹنے میں خاصی آواز پیدا ہوئی۔ رات کے گہرے سناٹے میں المونیم کے تاروں کے کٹنے کی وہ آواز آسانی سے کسی کی نیند میں خلل انداز ہوسکتی تھی۔ میں نے مزید جالی کاٹنے کے بجائے اندر ہاتھ ڈال دیا۔ ذرا سی کوشش کے بعد چٹخنی تلاش کرنے اور کھولنے میں کامیاب ہوگیا۔ جالی دار پٹ کے قبضے بے آواز تھے۔ پٹ کھلتے ہی میرے داخلے کا راستہ پیدا ہوچکا تھا۔ میں نے سر اوپر کرکے اندھیرے میں نظریں گاڑ دیں۔
وہ ایک بڑا کمرا تھا جہاں دو کشادہ مسہریوں پر نسوانی ہیولے محوِ خواب نظر آرہے تھے۔ میں نے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہیں کی کہ وہ انل بسواس کی بیٹیوں کی خواب گاہ تھی۔ وہ چڑھتی ہوئی جوانی کے خمار میں ڈوبی ہوئی گہری نیند سو رہی تھیں۔

میں کھڑکی سے گزر کر کمرے کے فرش پر اتر گیا جو دبیز قالین میں چھپا ہوا تھا۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ ان معصوم لڑکیوں سے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر مکان کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ جاؤں لیکن پھر سوچا کہ وہ بعد میں کسی کھٹکے سے بیدار ہو کر ہمارے لیے ایک مصیبت کھڑی کر سکتی تھیں۔ ان کا بے ہوش ہو جانا ہمارے حق میں بہتر تھا۔

میرا اندازہ تھا کہ اس گھر میں خدمات انجام دینے والے تینوں ملازمین بیرونی کمروں میں پڑے بے خبر سو رہے تھے۔ گھر میں موجود موبائل فون یا کسی دوسری مواصلاتی سہولت کو صرف اہل خانہ استعمال کر سکتے تھے۔ دو لڑکیاں ہمارے سامنے سو رہی تھیں۔ انہیں بے ہوش کرنے کے بعد گھر میں انل بسواس اور اس کی بیوی رہ جاتی۔ انل کے بارے میں ہم خون آشام عزائم لے کر اس گھر میں داخل ہوئے تھے۔ اسے ٹھکانے لگانے کے بعد یا اس سے پہلے اس کی بیوی کو بھی بے ہوش کر دیا جاتا تو ہمارے سروں پر منڈلاتا ہوا یہ خطرہ ٹل جاتا کہ انل کے قتل کی اطلاع نریش شرما کو مل جائے گی اور وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہوشیار ہو چکا ہوگا۔

میں پنجوں کے بل چلتا ہوا مسہری کے قریب گیا۔ اس پہلی مسہری پر لیٹی ہوئی لڑکی کے پیر ہلکے کمبل میں لپٹے ہوئے تھے۔ میں نے انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمایا اور پھر وہ ہاتھ مضبوطی سے لڑکی کی نرم پنڈلی پر جما دیا۔

پنڈلی پر میری گرفت کے دباؤ سے نگینے میں پوشیدہ مائیکرو سرنج کے ذریعے سریع الاثر سیال لڑکی کے جسم میں سرایت کر گیا۔ اس نے سوتے سوتے ایک تیز جھرجھری لی۔ لمحے بھر کے لیے میں خوف زدہ ہو گیا کہ شاید وہ سیال کے اثر انداز ہونے سے پہلے میرے ہاتھ کا لمس محسوس کر کے جاگنے والی تھی۔ وہ بیدار ہو جاتی تو اپنے کمرے میں دو اجنبی سایوں کو موجود پا کر دہشت سے چیخنا شروع کر دیتی اور ہمیں وہاں سے الٹے پاؤں بھاگ جانا پڑتا۔

ذرا سے انتظار نے میرے خوف کو بے بنیاد ثابت کر دیا۔ جھرجھری لینے کے بعد لڑکی کا بدن ساکت ہو گیا۔ اول خان کا دیا ہوا تحفہ اس نازک موقع پر بے مثال انداز میں میرے کام آیا تھا۔ عابد میرے قریب کھڑا وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا لیکن اسے میرے پاس موجود انگوٹھیوں کا راز معلوم نہیں تھا۔ بار بار آنکھیں پھاڑنے کے باوجود وہ کچھ سمجھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

ایک لڑکی کی بے ہوشی کی طرف سے مطمئن ہو کر میں دوسری مسہری کی طرف بڑھا تو عابد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"تم ان کے پیر کیوں پکڑ رہے ہو؟" وہ میرے کان کے نیچے سرگوشیانہ آواز میں منمنایا "کوئی لڑکی اٹھ گئی تو قیامت کھڑی کر دے گی۔"

میں نے شہادت کی انگلی ہونٹوں پر رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر انگوٹھی والے ہاتھ سے دوسری لڑکی کا داہنا پیر تھام لیا جو پائنتی کی طرف میرے قریب تھا۔

پیر کی جلد کو چھوتے ہی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ تلوے کی سخت جلد میں سیال کا ایک قطرہ اتارنے کے لیے سخت تر گرفت کی ضرورت تھی۔ میں نے لڑکی کے پیر پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ظالمانہ حد تک بڑھا دیا۔ وہ بھی آنکھیں کھولے بغیر دھندلکوں کی اسی دنیا میں پہنچ گئی جہاں اس کی بہن پہلے سے موجود تھی۔

"میرے اندازے کے مطابق یہ دونوں بے ہوش ہو چکی ہیں۔" میں نے نیچی آواز میں عابد کو بتایا۔

"مگر کیسے.... تم نے ان کے پیر اور پنڈلی پر کیا عمل کیا ہے؟" میری کارروائی کے سحر میں گرفتار ہو کر وہ یہ بھول بیٹھا تھا کہ ہمیں انل بسواس کی تلاش تھی۔

"برہمن کی کنواری کنیا کے چرن چھو لیے جائیں تو وہ لاج سے بے ہوش ہو جاتی ہے۔ آؤ، آگے چلو۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ انل بسواس کے گھر میں آسانی سے گھس آنے کے بعد میرے اعتماد میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ مہم یکایک مجھے بہت سہل نظر آنے لگی تھی۔

دو خالی کمروں کا سرسری جائزہ ناکام رہا۔ ایک ڈرائنگ روم تھا۔ دوسرا سونے کا کمرا تھا مگر خالی تھا۔ گھر میں ہر طرف گہرے اندھیرے کا راج ہونے کی وجہ سے مجھے سنبھل کر آگے بڑھنا پڑ رہا تھا۔ کمروں کا جائزہ لیتے ہوئے بھی میں نے ٹارچ استعمال نہیں کی تھی۔ جب تک اس گھر میں انل بسواس زندگی کے سانس لے رہا تھا، احتیاط ضروری تھی۔

تیسرے تاریک کمرے میں گھستے ہی میرا دل خوش ہو گیا۔ مسہری پر شب خوابی کے کپڑوں میں ملبوس دو سائے ایک دوسرے کے جسموں پر ہاتھ رکھے بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔ اس کمرے کی فضا میں رچی ہوئی خنکی اور مخصوص بو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بجلی اڑنے سے پہلے کمرے کا ائر کنڈیشنر چلتا رہا تھا۔

انل اپنے ملک، اپنے شہر اور سب سے بڑھ کر اپنے گھر

میں تھا۔ وہ درندہ صفت، سفاک اور بے غیرت شخص یہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ میں اس کی بُو پر لگ کر اس کی خواب گاہ تک میں پہنچ جاؤں گا۔ وہ بے خبری اور اطمینان کی گہری نیند سو رہا تھا۔ دوسروں کے آرام اور سکون کو تہس نہس کر دینے والے شخص کی وہ بے فکری میرے لیے قابلِ رشک تھی۔ اس نے غزالہ کے ساتھ جو بدسلوکی کی تھی، اس کا ہولناک انتقام لینے کے لیے اس کے گھر میں دو جوان اور شاید خوب صورت لڑکیاں موجود تھیں مگر میں جوشِ انتقام میں اپنی سطح سے گر کر انل بسواس کے گندے مقام تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس کی بیٹیاں اس کے جرائم میں شریک نہیں تھیں اور میں را کا کوئی بھیڑیا نہیں تھا جو باپ کے کرتوتوں کی سزا اس کی بیٹیوں کو دینے پر مل جاتا۔

انل بسواس اور اس کی بیوی کے سونے کا انداز بہت والہانہ تھا۔ ادھیڑ عمری کے آخری مرحلوں سے گزرتے ہوئے بھی انل اپنی خانگی زندگی میں خلوص اور وفا کا پیکر نظر آ رہا تھا۔ اس کی ساری بے رحمی اور سفاکی اپنے گھر سے باہر والوں کے لیے تھی۔

میں کچھ دیر تک تذبذب میں مبتلا رہا۔ فیصلہ نہ کر سکا کہ پہلے انل بسواس کی زندگی کا چراغ گل کروں یا اس کی بیوی کو بے ہوش کروں۔

آخر میں نے اس کی بیوی کو منتخب کر لیا۔ وہ دشمن کی خاص الخاص عورت تھی۔ اس کے بارے میں جو کچھ بھی سوچا جاتا، وہ کم تھا۔ را کے اصولوں کے تحت وہ بدترین تحقیر اور تذلیل کی سزاوار تھی مگر میں نے اس کی جوان بیٹیوں کو معاف کر دیا تھا تو وہ ادھیڑ عمر عورت میرے کس کام کی تھی۔ میں اس کے جسم کو چھونا بھی بُرا سمجھ رہا تھا۔ میری مجبوری یہ تھی کہ عورت کی عافیت کے لیے اس کا بے ہوش ہو جانا اس کے حق میں بہتر تھا۔ اسے بے ہوش کرنے کے لیے اس کے جسم کے کسی نرم اور نازک حصے کو چھونا بلکہ پکڑنا ضروری تھا۔ میں ذرا سی دیر پہلے اس کی بیٹی پر تجربہ کر چکا تھا کہ تلوے کی سخت کھال انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سوئی کے لیے ایک امتحان بن سکتی تھی۔ میں نے اپنے ذہن میں آنے والے خیالات کو جھٹکا اور انل بسواس کی بیوی کی برہنہ پنڈلی پر اپنا ہاتھ جما دیا۔ اس کی پنڈلی پر رویں کی جگہ بال اگے ہوئے تھے جن سے مجھے کوئی سروکار نہیں تھا۔

عورت کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔ اس کا ایک ہاتھ انل بسواس کے سینے پر تھا۔ ہاتھ کی شدید اضطراری حرکت سے... ہڑبڑا کر انل بسواس گھگیاتا ہوا نیند سے بیدار ہو گیا "کک.... کیا ہوا نینی.... کیا بات ہے....؟"

"خاموش!" میں نے اپنی جیب سے بھرا ہوا پستول نکال کر اس پر تان لیا۔

میری سفاکانہ آواز پر وہ چونک کر بستر سے اٹھ گیا۔ اسے پہلی بار اندازہ ہوا کہ اس کی خواب گاہ میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں اس کی بیوی کے سوا کوئی اجنبی بھی موجود ہے "تت.... تم کون ہو؟ میرے کمرے میں کیا کر رہے ہو؟" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی، خوف زدہ آواز برآمد ہوئی۔

میری دھمکی کارگر رہی تھی۔ میری خواہش اور کوشش تھی کہ وہ دہشت زدہ ہو کر اچانک چیخنا چلانا شروع نہ کر دے۔ وہ ایک جہاں دیدہ شخص تھا۔ میری آواز کی تختی کو سننے کے ساتھ شاید اس نے میرے پستول کی جھلک بھی دیکھ لی تھی۔ اسے معاملے کی نزاکت کا اندازہ ہو جانا چاہیے تھا۔

"بوجھنے کی کوشش کرو کہ میں کون ہوں!" میں نے استہزائیہ لہجے میں اسے دعوت دی۔ وہ اتفاقیہ طور پر ہوش میں آ گیا تھا اور اس کے تینوں اہلِ خانہ بے ہوش پڑے ہوئے تھے تو اس موذی سے تھوڑی دیر کے لیے کھیل لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

"تم.... تم تو شاید مظہر خان ہو۔" اس کی تحیر اور خوف میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری "تمہاری آواز میری سنی ہوئی ہے۔"

"تمہاری یادداشت واقعی قابلِ رشک ہے۔ مجھے آج کل اسی نام سے پہچانا جاتا ہے۔"

"تم کو میرے گھر میں گھسنے کی جرأت کیسے ہوئی۔" تعارف ہوتے ہی اس کی آواز غصیلی ہو گئی۔ اس کے اندازوں کے مطابق مظہر خان ایک بزدل اور حریص شخص تھا۔ وہ مجھ سے اسی انداز میں پیش آنے کی غیر ارادی کوشش کر بیٹھا تھا "میں تمہارے پیر توڑ دوں گا۔"

"تم نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو میرے پستول کی سات گولیاں تمہارا بدن چھلنی کر دیں گی۔"

"تم حقیر پاکستانی کیڑے.... تمہاری یہ مجال کہ میرے گھر میں گھس کر مجھ کو دھمکیاں دے رہے ہو۔"

"تم نے خود مجھے مجبور کیا ہے۔ میری اور رینا کی فلم لوٹا دو۔ میں واپس چلا جاؤں گا۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

مجھے مظہر خان کی حیثیت سے پہچان لینے کے بعد وہ کچھ مطمئن نظر آنے لگا تھا۔ اس نے میرے مطالبے کو نظرانداز کر کے پوچھا "میری بیوی کے ساتھ تم نے کیا حرکت کی تھی۔ نینی نے مجھے کیوں جھنجوڑا تھا اور اب بے سدھ کیوں پڑی

ہوئی ہے۔"
"تمہاری بیوی کے ساتھ کوئی شخص کوئی حرکت نہیں کرسکتا۔ اس کے جسم پر مردوں جیسے بال تم ہی برداشت کرسکتے ہو۔"
"شٹ اَپ، یو سن آف اے بچ!" وہ غصے میں آپے سے باہر ہوکر حلق کے بل غرایا۔
عابد خود پر قابو نہ پاسکا۔ میرے کچھ سمجھنے سے پہلے اس نے اندھیرے میں اپنی جگہ چھوڑی اور انل بسواس کا جبڑا سہلا دیا۔ وہ مار کھا کر کراہتا ہوا مسہری پر ڈھیر ہوگیا۔
"تم کو یہ جسارت مہنگی پڑے گی۔" وہ مسہری پر پڑے پڑے بھرائی ہوئی آواز میں بولا "میں دیکھتا ہوں کہ تم یہاں سے کیسے نکلتے ہو۔"
"رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ بھی کسی کی بیٹیاں اور ہونے والی بیویاں ہیں۔ تم نے ان کو دن رات کھلونا بنایا ہوا ہے مگر اپنی بیوی کے بارے میں تم ایک حقیقت بھی نہیں سن سکتے۔ لعنت ہے تم پر اور تمہارے سرکاری عہدے پر۔ تم کو تو کسی طوائف کا دلال ہونا چاہیے تھا۔"
"تم دو ہو۔ اس وقت جو چاہو، کہہ سکتے ہو۔ یہ یاد رکھنا کہ ابھی بھی تم میری مٹھی میں ہو۔ میں تمہیں فنا کردوں گا۔"
وہ یہ کہتا ہوا دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔
میں سنبھل کر آگے بڑھا اور پستول کی سرد آہنی نال اس کی پیشانی پر رکھ دی "کتے کے بچے! اس سے پہلے میں تجھے مار دوں گا۔"
"نن.... نہیں۔ تت.... تم مجھے نہیں مار سکتے۔" وہ خوف سے ہکلاتے ہوئے بولا۔
"ہمیں کون روکے گا؟ اس وقت تو ہمارے رحم و کرم پر ہے۔" میں نے پستول کی نال سے اس کی پیشانی کو پیچھے جھٹکا دے کر کہا۔
"تم مجھے نہیں مار سکتے۔ تمہاری فلم تمہیں ہر جگہ بدنام کردے گی۔" اسے خطرے کا ادراک ہونے لگا تھا۔
"یہ تیری اور نریش کی بدقسمتی ہے کہ وہ فلم ناگر کی چتا میں جل گئی اور اب اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ تم دونوں دیوانہ وار اس فلم کا متبادل حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے رہے لیکن کچھ حاصل نہیں کرسکے۔ تیرا وقت پورا ہوچکا ہے...."
"نہیں۔ تم مجھے نہیں مارو گے۔" اس نے ہذیانی انداز میں میری بات کاٹ دی۔
"پھر یہ نیک کام کون کرے گا؟" میں نے زہریلے لہجے میں پوچھا "میں تجھے معاف نہیں کروں گا۔"
"شاید میں دھوکا کھا گیا۔ اس وقت تمہارے اندر چھپا ہوا درندہ بول رہا ہے۔ تم وہ نہیں ہو جو میں سمجھ رہا تھا۔ تم خطرناک آدمی ہو۔"
"میں وہی ہوں جس کے نام نے تم سب کی نیندیں حرام کی ہوئی ہیں۔ مرنے سے پہلے تجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ تو بھارت میں ڈینی کا پہلا شکار بننے والا ہے۔"
"ڈے.... اے.... اے.... نی.... ای!" اس کے منہ سے بمشکل میرا نام برآمد ہوا "تم ڈینی ہو؟"
اس کی آواز یکایک کھوکھلی اور بے روح ہوگئی تھی۔ میں نے اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں اپنے داہنے گھٹنے سے ضرب لگائی اور وہ کسی زخمی بلّے کی طرح بلبلاتا ہوا، مسہری سے ٹکرا کر فرشی قالین پر گر گیا۔ وہ تکلیف سے دہرا ہوکر تڑپ رہا تھا۔ میں الٹے قدموں پیچھے ہٹ گیا۔
"زیادہ تشدد مت کرو۔" عابد نے میرے شانے کے قریب سرگوشی کی "یہ اچانک چیخ پڑا تو مصیبت کھڑی ہوجائے گی۔ اندھیرے میں وہ کہیں سے کوئی ہتھیار بھی نکال سکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے پہلے گولی چلا دے اور ہم یہاں گھر جائیں۔"
عابد کے اندیشوں میں وزن تھا مگر میں حالات پر پوری طرح قابو پالینے کے بعد اس کھیل کو اتنی جلدی ختم کرنے کے حق میں نہیں تھا۔
"مکاری بند کر اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہوجا۔" میں نے اسے ڈانٹا۔
میرا نام سننے کے بعد وہ اتنا ڈر گیا تھا کہ تکلیف کے باوجود اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کسی ریچھ کی طرح دونوں ہاتھ بھی شانوں تک اٹھا لیے تھے مگر ہتھیلیاں آگے گری ہوئی تھیں۔ عابد نے اپنی ٹارچ کا رخ فرش کی طرف کرکے اسے روشن کردیا جس سے پورے کمرے میں اجالا پھیل گیا۔
"مجھے مار کر تم کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔" انل بسواس رو دینے والی آواز میں کہہ رہا تھا "میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں اپنے فرض سے مجبور ہوکر تمہارا پیچھا کرتا رہا ہوں۔ میرے بعد میری جگہ آنے والے بھی تمہیں تلاش کرتے رہیں گے۔"
میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ اس کی موت پاکستان کے خلاف مکارانہ سازشوں اور منصوبوں کے خاتمے کے لیے ناگزیر ہوچکی تھی۔ میں نے سرد لہجے میں کہا "زندہ رہنا چاہتا ہے تو اپنی زندگی کی قیمت لگا دے۔ ہوسکتا

ہے کہ کوئی سودا بن جائے۔"

"میں تمہیں کئی لاکھ روپے دے سکتا ہوں۔ یہ میری ساری زندگی کی جمع پونجی ہے۔" انل بسواس نے پیشکش کی۔

"ایسی رقمیں میری ٹھوکروں میں پڑی رہتی ہیں۔ پیسے کے علاوہ کوئی اور بات کر۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"پپ.... پیسے کے بعد شاید تم کو عورتوں کا شوق ہے۔ دہلی کی جس عورت پر ہاتھ رکھ دو گے اسے تمہاری باندی بنادوں گا۔"

"تجھے ہوش ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ تو دہلی کا کوئی مطلق العنان راجا نہیں ہے۔"

"میری ایجنسی کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تم آزما کر دیکھو۔ جو لوگ ہماری بات نہیں مانتے وہ اچانک جبر کا شکار ہو جاتے ہیں۔" میری باتوں سے اس کے دل میں امید کی کرن جاگ اٹھی تھی۔

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تو اپنی بات پر قائم رہے گا؟" میں نے زہریلے انداز میں پوچھا۔

"اگر تم نے پردھان منتری کی بیٹی مانگ لی تو میں کچھ نہیں کرسکوں گا۔ وہ میرے اختیار سے باہر کی بات ہے۔" اس نے بے چارگی سے جواب دیا۔

"میری طلب صرف تیرے اختیار میں ہے۔ تو دو بیٹیوں کا باپ ہے۔ زندگی چاہتا ہے تو ان کے بارے میں بات کرلے۔"

"نہیں ڈینی، یہ نہیں ہوسکتا۔ کوئی باپ اس طرح اپنی بیٹیوں کا سودا نہیں کرسکتا۔"

"پھر مرنے کے لیے تیار ہو جا!" میں نے اپنے پستول والے ہاتھ کو ذرا سی حرکت دے کر کہا۔

"ٹھہرو...." اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں ابھر آئیں "میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ مجھے امتحان میں مت ڈالو۔ مجھ سے کچھ اور لے لو۔" وہ گڑگڑانے لگا۔

"تو نے مرلی دھر کو غزالہ پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے۔ یہ آگ صرف خون سے ٹھنڈی ہوسکتی ہے۔ تیرا خون یا تیری آبرو کا خون۔ یہ فیصلہ تجھ کو کرنا ہے اور اسی وقت کرنا ہے۔ میں تجھ جیسے شاطر کو وقت نہیں دوں گا۔"

"میری بچیاں کہاں ہیں؟" اسے جیسے اچانک ہی ان دونوں کا خیال آگیا۔

"وہ اپنے کمرے میں تیری نینی کی طرح بے ہوش پڑی ہوئی ہیں۔" میں نے بتایا۔ اس کے سوال پر مجھے گمان ہوا تھا کہ یکایک اس کی پدرانہ غیرت جاگ اٹھی تھی۔

"وہ بے ہوش پڑی ہیں تو تم مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو!" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچتے ہوئے بولا "میں تمہارے ہتھیاروں کے سامنے بے بس ہوں۔ اپنے ساتھی کو یہاں چھوڑ دو اور ان کے کمرے میں جاکر جو چاہو کرلو۔ میں تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکوں گا۔"

"انل بسواس! تم بالکل بکواس کر رہے ہو۔ میں تیری اور نریش کی طرح بے غیرت نہیں ہوں جو کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھاؤں۔ نہ میں مرلی دھر کی طرح بے ضمیر ہوں کہ کسی کے ساتھ جبر اور زبردستی کروں۔ دل رضامندی سے بہلتا ہے۔ تیری اجازت کے بغیر میں ان کلیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔"

کمرے میں خنکی ہونے کے باوجود انل بسواس کا چہرہ پسینے میں بھیگنے لگا۔ پرائی عورت کو ذلیل، رسوا اور بلیک میل کرنے والے کو قدرت نے خود اسی موڑ پر لا کھڑا کیا تھا جہاں ایک طرف موت اپنا دہانہ کھولے کھڑی تھی اور دوسری طرف ذلت کی انتہائی گہرائیوں میں زندگی کی امید، بس ایک موہوم سی امید نظر آرہی تھی۔

کمرے میں گہرا سکوت چھایا رہا۔ میں چند ثانیوں تک اپنے یا انل بسواس کے سانسوں کی آواز سنتا رہا۔ انل کی کمزور آواز نے اس اعصاب شکن سکوت کو حیرت ناک انداز میں توڑا "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میرے چہرے پر کالک مل کر تم مجھے زندہ چھوڑ دو گے۔"

"یہ میرا وعدہ ہے۔" میں نے پورے خلوص سے کہا "میری سچائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ میں نے ابھی تک تیری بیٹیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"

"نہیں، نہیں۔ میں تم پر بھروسا نہیں کرسکتا۔ تم جھوٹے اور مکار ہو۔" وہ جھنجلا کر بے بسی سے بولا۔

"تو چاہے تو میں بڑی سے بڑی قسم کھا سکتا ہوں۔ میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔"

"پھر اپنے خدا کی قسم کھا کہ اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے کے بعد تو مجھے نہیں مارے گا۔" اس بار وہ فرطِ جذبات میں تم سے تو کے صیغے پر اتر آیا تھا۔

میں مسلسل اس کی تحقیر کرتا چلا آرہا تھا۔ میں نے اس کی جذباتی خطا کو درگزر کردیا اور اس کے کہنے کے مطابق قسم کھالی "میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے تیری آبرو کا خون کیا تو پھر تجھے نہیں ماروں گا۔" عابد حیرت سے یوں میری طرف دیکھ رہا تھا جیسے میرا

دماغ الٹ گیا ہو۔

"میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ اب میں زندہ رہوں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تو اپنی قسم نہیں توڑے گا۔ جا اور میرا منہ کالا کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر لے۔"

میں یہی دیکھنا چاہ رہا تھا کہ را کا وہ مردار خور اپنی جان بچانے کے لیے کہاں تک گر سکتا ہے۔ اس کا جواب میرے لیے متوقع تھا پھر بھی اس بے غیرت کے الفاظ سن کر میرا خون کھول اٹھا اور میں اپنا پستول عابد کی طرف اچھال کر انل بسواس پر ٹوٹ پڑا۔

مجھے اندازہ تھا کہ وہ میرے ہاتھ سے مار کھانے کے بعد اس مرتبہ ضرور شور مچائے گا۔ میں نے سب سے پہلے اس کی گردن اور دہانے پر دونوں ہاتھ مضبوطی سے جمائے اور پھر اس کی پیشانی پر اتنی زوردار ٹکر رسید کی کہ وہ تیورا گیا۔ وہ دراز قامت اور صحت مند آدمی تھا۔ میرے لیے اسے سنبھالے رکھنا دشوار تھا۔ میں اس کے ساتھ قالین پر ڈھیر ہوگیا۔ اس دوران میں، میں نے ایک لمحے کے لیے بھی اس کے دہانے پر سے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا اور وہ اپنا منہ آزاد کرانے کے لیے زور صرف کر رہا تھا۔

اس زور آزمائی میں شاید میرا کوئی وار سخت پڑ گیا یا پھر نگینے کا سیال کسی طرح اس کے جسم میں سرایت کر گیا۔ اچانک اس کی ساری جدوجہد توڑ گئی اور وہ کسی بے جان لاش کی طرح میری بے رحمانہ گرفت میں جکڑا رہ گیا۔

اس کی بے ہوشی کا پورا یقین کرنے کے بعد میں نے اسے چھوڑ دیا اور قالین سے اٹھ گیا۔

عابد میری مدد کرنے کے ارادے سے میرے قریب آپہنچا تھا مگر اس کے دخل انداز ہونے سے پہلے ہی انل بسواس کا قصہ نمٹ گیا۔

"تم نے اس پر ہاتھ اٹھا کر اپنی قسم توڑی ہے۔" عابد علی نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "میں حیران تھا کہ تم کو قسم کھانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اسے بے نقاب کرنے کے لیے وہ سب ضروری تھا۔ یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آسکیں گی۔ اس پر حملہ کر کے میں نے قسم نہیں توڑی۔"

"نہیں اس کو مار ڈالنا ہے۔ تم نے قسم کھائی تھی کہ اسے نہیں مارو گے۔"

"وہ قسم مشروط تھی۔ میں نے اس کی بیٹیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ ان لڑکیوں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ ان کا باپ واقعی قابلِ نفرت ہے۔ جو شخص اپنی زندگی کے لیے اپنی بیٹیوں کے آنچل کا سودا کرلے، اسے زمین کا بوجھ بن کر زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا ہے جو وہ دوسروں کے ساتھ کرتا چلا آیا تھا۔"

پہلے میرا ارادہ تھا کہ اسے سر کے پچھلے حصے سے گولی مار کر اس طرح ہلاک کروں گا کہ گولی اس کا پورا چہرہ پھاڑ کر باہر نکل جائے۔ اس کی بگڑی ہوئی ہیبت ناک لاش ہی را کے رنگیلے شہزادوں کے لیے عبرت آموز ہوسکتی تھی مگر اس کے حادثاتی طور پر بے ہوش ہونے کے بعد تکیوں وغیرہ میں دبا کر پستول چلانے کا خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے سیفٹی کیچ لگا کر پستول اپنی جیب میں ڈالا اور تیز پھل والا لمبا شکاری چاقو جیب سے نکال لیا۔

اس کی گردن کی شہ رگ کو کاٹنے سے ذبیحے کی ایک علامتی مماثلت پیدا کی جاسکتی تھی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے لیے دشواریاں پیدا ہوسکتی تھیں۔ میں نے فوری فیصلے کے تحت سے الٹا کیا اور اس کے گھٹنوں کے پیچھے سے گزرنے والی دونوں شہ رگیں کاٹ دیں۔ انل بسواس بے ہوش تھا لیکن کٹی ہوئی رگوں سے بہنے والی خون کی دھاروں کے نتیجے میں اس کے بدن میں وقفے وقفے سے اکڑاؤ اور ڈھیلے پن کی کیفیات رونما ہونے لگیں۔ عابد ٹارچ روشن کر کے میری مدد کر رہا تھا۔

میں نے انل بسواس کے کمرے سے ملحق باتھ روم میں جا کر چاقو کو اچھی طرح دھویا، ہاتھ صاف کیے اور وہاں سے نکل آیا۔

انل بسواس کی بیوی اور دونوں بیٹیوں سے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر ہم دونوں اسی راستے سے عمارت سے باہر نکل گئے جدھر سے اندر داخل ہوئے تھے۔ پورے علاقے کے ساتھ انل کا مکان بھی گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ سرونٹ کوارٹرز کی طرف حسب سابق سکوت کا راج تھا۔

ہم احاطے کی دیوار پھاند کر اندر گھسے تھے لیکن واپسی میں کوئی خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ آہنی پھاٹک کی کنڈی کھول کر میں نے باہر جھانکا اور ذرا سی دیر میں ہم انل بسواس کے گھر کی حدود سے نکل کر اپنی گاڑی میں سوار ہوچکے تھے۔

"میرے منصوبے کی بنیادی بات یہ تھی کہ ہم کہیں بھی ضرورت سے زیادہ نہیں ٹھہریں گے۔" گاڑی آگے بڑھانے کے بعد عابد نے نیچی آواز میں کہا "یہاں ہمیں بہت دیر ہوگئی۔"

"وقت گزارنا ناگزیر تھا۔ تم نے دیکھ لیا کہ را میں کیسی گھٹیا ذہنیت کے لوگ بڑے عہدوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ انل بسواس پاکستان کے خلاف خطرناک منصوبوں کا خالق قرار دیا جاتا ہے مگر اس کا یہ عالم تھا کہ وقار کی موت کو گلے لگانے کے

بجائے ایسی زندگی کی التجائیں کر رہا تھا جس سے شاید اسے خود بھی کچھ دنوں بعد گھن آنے لگتی۔"

"یہ اندر کی کہانی ہے جو تم نے اپنا دل بہلانے کے لیے سن لی۔ دنیا کو کچھ پتا نہیں چل سکے گا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں۔ حد یہ ہوگی کہ اس کی بیٹیاں بھی اپنے باپ کی میت سے لپٹ کر زار و قطار روئیں گی۔ انہیں یہ بتانے والا کوئی نہیں ہوگا کہ ان کے بے حیا باپ کا مرجانا ہی ان کے لیے سود مند تھا۔"

"کچھ سامنے آئے یا نہ آئے' اس کی موت عبرت ناک رہے گی۔ چند گھنٹوں بعد دہلی میں ایک کہرام مچ جائے گا۔" میں نے کہا۔

"تم نے ان تینوں کو کس طرح بے ہوش کیا تھا؟" عابد کو اچانک وہ واقعات یاد آگئے "تم نے ان کی پنڈلیوں اور پیروں کی کون سی رگیں دبائی تھیں؟"

میں غیر ضروری طور پر کسی کو اپنا راز داں بنانے کا قائل نہیں تھا لیکن عابد علی کی بات مختلف تھی۔ اس نے بہت کڑے وقت میں اور ہر قسم کے خطرات مول لے کر اس طرح ہمارا ساتھ دیا تھا کہ میرا دل اسے کوئی چکما دینے پر مائل نہیں تھا۔ میں نے رسانیت سے اسے انگوٹھی کے بارے میں بتا دیا۔ مہلک زہر والی انگوٹھی کا تذکرہ میں نے گول کر دیا۔ وہ انگوٹھیاں دہلی میں دو مواقع پر استعمال ہو چکی تھیں۔ پہلی مرتبہ ویرا نے انسپکٹر ڈیوڈ کو اس کی مدد سے ہلاک کیا تھا اور دوسری بار غزالہ نے جان اسمتھ کو انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بنایا تھا۔

"یہ نایاب انگوٹھی ہم لوگوں کے پاس بھی ہونی چاہیے۔" اس نے رشک آمیز لہجے میں کہا پھر پوچھا "اس کا شکار کتنی دیر میں ہوش میں آتا ہے؟"

"اس کا انحصار استعمال ہونے والے سیال کی مقدار اور بحالی کی کوششوں پر ہوتا ہے۔ عام طور پر بے ہوشی کے اثرات چار گھنٹے تک برقرار رہتے ہیں۔"

"بہت ہی مناسب وقفہ ہے۔" اس نے مسرت سے کہا "انل بسواس کی بیوی اور بیٹیوں میں سے کوئی صبح کے چھ بجے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔ انل کے قتل کی خبر پھیلنے میں ایک ڈیڑھ گھنٹا لگ جائے گا۔ اس وقت تک ائر انڈیا کا جہاز تمہیں لے کر دہلی سے کافی دور جا چکا ہوگا۔"

"اس خوش فہمی میں تم یہ بھول رہے ہو کہ ابھی نریش شرما باقی ہے۔ وہاں کامیابی ہونے کے بعد ہم کوئی صحیح اندازہ لگا سکیں گے۔"

"انل کے گھر میں دیر ہونے سے بھابی سمیت ہر ایک کو تشویش ہوئی ہوگی۔" اس نے فوراً ایک نئی بات شروع کر دی۔

"کسی کو قتل کرنا آسان کام نہیں ہوتا۔ تم میرے ساتھ تھے اس لیے یہ بات کہہ رہے ہو۔ انہوں نے ہماری خیریت سے واپسی پر خدا کا شکر ادا کیا ہوگا۔" میں نے مسکت جواب دیا اور وہ خاموش ہوگیا۔

انل بسواس ہمارا اس رات کا پہلا اور سب سے اہم شکار تھا۔ وہاں کام نمٹانے کے لیے اوقات کا تعین ہمارے اختیار میں تھا اس لیے علاقے میں بجلی کے بریک ڈاؤن وغیرہ کی پیشگی منصوبہ بندی کرلی گئی تھی۔ وہاں کام نمٹانے میں صرف ہونے والے وقت کا کسی کو اندازہ نہیں تھا۔ وہاں سے نمٹنے کے بعد ہمیں نریش شرما کی طرف جانا تھا۔ اس کی نوبت کس وقت آتی۔ اس بارے میں پہلے سے اندازہ لگانا محال تھا۔ دوسرے یہ خوف بھی تھا کہ نریش کو انل کے قتل کی خبر مل گئی تو وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

دوسری مہم کے لیے صرف ہدف ہمارے سامنے تھا۔ کوئی منصوبہ بندی نہیں کی جا سکی تھی۔ میں نے رائے دی کہ ہم براہِ راست نریش کے گھر جانے کے بجائے آبادی سے نکل جائیں۔ انل کے تینوں پس ماندگان کو کامیابی سے بے ہوش کرنے کے بعد یہ خطرہ ٹل چکا تھا کہ انل بسواس کے قتل کی اطلاع تیزی سے پھیل جائے گی۔ وہاں جو کچھ ہوا تھا' مکمل

خاموشی اور رازداری کے ساتھ ہوا تھا۔ اگر عابد اپنی گاڑی باہر نکال لے جاتا تو سرخ کار والے بھی اس کے پیچھے پیچھے اسی راہ پر ہو لیتے۔

راستہ بدل جانے کی بنا پر ان لوگوں کو یہ سمجھنے میں دشواری نہ ہوتی کہ میرے اور عابد کے پروگرام میں کوئی تبدیلی آچکی تھی۔ دونوں گاڑیاں کسی سنسان مقام پر رکتیں اور ذرا سی دیر میں نریش کے لیے کوئی منصوبہ بندی کرلی جاتی جس میں برقی رو کے تعطل کی گنجائش ہوتی۔

عابد نے کھلے دل سے مجھے بتایا کہ نریش کے لیے صرف مارنے اور بھاگ نکلنے کے ہنگامی پروگرام پر کام کیا گیا تھا۔ وقت کی تنگی کے خوف سے یہ سوچا ہی نہیں گیا کہ نریش کے مکان کی بجلی کس سمت سے اڑائی جاسکے گی۔

مختصر وقت میں یہ معلوم کرنا کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ نریش شرما کے مکان کو بجلی فراہم کرنے والے تار کس سرکٹ سے منسلک تھے۔ اگر کسی نہ کسی طرح وہ سراغ لگالیا جاتا تو اتنی رات گئے لچک دار آہنی لنگر فراہم کرنا ناممکنات میں سے تھا۔

عابد کے پیش کیے ہوئے وہ عذر معقول اور قابلِ قبول تھے۔ میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا۔

نریش شرما کا مکان چھوٹا اور کونے سے دوسرا تھا۔ عابد نے گاڑی گلی میں لے جانے کے بجائے باہر ہی کھڑی کردی۔

میں نے گاڑی سے اترتے ہوئے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو تین بجنے والے تھے۔ انل بسواس کے گھر میں گھسنے کے بعد وقت اتنی تیزی کے ساتھ گزرتا چلا گیا تھا کہ ہمیں یا کم از کم مجھے اس کا اندازہ ہی نہیں ہوسکا تھا۔

ہم قرول باغ میں آبادی کے جن حصوں سے گزرے تھے وہاں رات کے گہرے سکوت اور سناٹے کا راج پایا تھا۔ علاقے کے سارے سفید پوش شرفا سوچکے تھے یا اپنے اپنے گھروں میں محصور تھے۔ قرب و جوار سے کبھی کبھار آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان کے بعد فضا پر وہی لامتناہی سناٹا چھا جاتا تھا۔

تاریکی میں ہم نے بہت آسانی سے اپنا کام کرلیا تھا مگر نریش شرما کی گلی میں اِکّا دُکّا مکانوں کے گیٹ لیمپ روشن تھے۔ رات کے گھور اندھیرے میں ان روشنیوں کا انعکاس دور تک پھیل رہا تھا۔

میں عابد کے ساتھ چہل قدمی کے انداز میں گلی میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر میری تشویش میں اضافہ ہوگیا کہ نکڑ سے دوسرے مکان کے دروازے پر بھی ایک بلب روشن تھا اور وہی مکان نریش شرما کا تھا۔ بڑے کے مقابلے میں وہ چھوٹا شکار مجھے دشوار تر نظر آنے لگا۔

روشنی کی وجہ سے ہم زیادہ دیر تک اس گھر کے سامنے نہیں رک سکتے تھے۔ بے خوابی کا کوئی مریض اپنی کھڑکی سے جھانکتا تو ہمیں وہاں دیکھ کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہوجاتا۔

"دیواریں زیادہ اونچی نہیں ہیں۔" میں نے دھیمی آواز میں عابد سے کہا "میں جاتے ہی اندر کود جاؤں گا۔ تم باہر رک کر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنا۔"

عابد کی تحیر زدہ نگاہیں میرے چہرے کی طرف اٹھ گئیں "اگر تم دیکھ لیے گئے تو کیا ہوگا؟"

انل بسواس کو کامیابی سے مار لینے کے بعد میرا دل شیر ہوچکا تھا۔ میں نے بے پروائی سے کہا "جو ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔ زیادہ خطرہ ہوا تو ہم گاڑی کی طرف دوڑ لگادیں گے۔"

ہتھیاروں کی وجہ سے ہماری پھولی ہوئی جیبیں دور سے دیکھی جاسکتی تھیں مگر ہتھیاروں کی موجودگی ناگزیر تھی۔ کوئی گڑبڑ ہوتی تو ہم ایک دو ہوائی فائر کرکے دشمن اور اس کے محلے داروں کو خود سے دور رہنے پر مجبور کرسکتے تھے۔

نریش شرما کے گھر کے سامنے پہنچتے ہی میں پوری دیدہ دلیری سے دیوار پر چڑھا اور کودنے کے بجائے آہستگی سے اندر اتر گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کودنے کی ہلکی سی دھمک بھی قریبی کمروں میں سن لی جائے گی اور کوئی گھر سے باہر نکل آئے گا۔

اندر کودنے بلکہ اترنے کے لیے میں نے ایسا پُراعتماد طریقہ اختیار کیا تھا جیسے گھر کا کوئی فرد دیر سے آنے کی صورت میں 'اپنے بڑوں کی باز پرس سے بچنے کے لیے' چھپ کر گھر میں داخل ہوتا ہے۔ میں نے چند لمحوں تک انتظار کیا لیکن کہیں سے کوئی ردِ عمل سامنے نہیں آیا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس رات مقدر پوری طرح میری یاوری کررہا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ عابد پر ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا ہوگا۔ میں احاطے کی دیوار کے ساتھ بیٹھے بیٹھے گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔

گیٹ کے سامنے نریش کمار کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ گاڑی کے پچھلے حصے اور دروازے کے درمیان اتنی کم جگہ تھی کہ میرے اندازے کے مطابق ذیلی دروازے کا پٹ پوری طرح کھولنا ممکن نہیں تھا۔ اتنی جگہ ضرور بن سکتی تھی کہ آنے جانے والے آسانی سے دروازے سے گزر سکیں۔

مکان کی اگلی دیوار اور احاطے کے درمیان چند فٹ کا مختصر سا فاصلہ تھا۔ گیٹ کے سامنے البتہ پورچ بنا ہوا تھا۔ اس طرف مکان کی دیوار اتنی پیچھے چلی گئی تھی کہ اندر گاڑی پارک کرنے کی گنجائش نکل آئی تھی۔ مکان کا رقبہ مختصر تھا مگر اسے پوری چابک دستی سے استعمال میں لایا گیا تھا۔

میں وہ جائزہ لیتا ہوا کار اور گیٹ کی درمیانی جگہ میں پہنچ

گیا۔ یہ میری چھٹی حس تھی کہ وہاں پہنچ کر میں نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ ذیلی دروازے کا کنڈا اندر سے مقفل نہیں تھا۔ میں نے بیٹھے بیٹھے اسے چھپکے سے اٹھا کر ہولے سے سرکانا چاہا لیکن زنگ کی سی آواز پیدا ہوئی اور میں نے بوکھلا کر ہاتھ نیچے کرلیا۔ اس بار میرے کان ہر آواز پر لگے ہوئے تھے۔ مجھے کنڈا اٹھانے کی وہ آواز بہت پُرشور محسوس ہوئی تھی جو کسی مکین کو ہوشیار کرنے کے لیے کافی تھی مگر اندر کوئی ردّعمل نہیں ہوا۔

کنڈا جہاں تھا' وہیں رکا ہوا تھا۔ شاید آہنی پٹ میں کوئی ٹیڑھ پیدا ہوگئی تھی جس کی وجہ سے رواں ہونے کے بجائے پھنسا ہوا تھا۔ میں نے محتاط انداز میں زور لگا کر پورا کنڈا سرکا دیا۔ کنڈا کھلتے ہی آہنی دستہ نرمی سے نیچے آگیا۔ میں نے پٹ کے نچلے حصے میں انگلیاں پھنسا کر اسے اندر کھینچا۔ اس بار بھی کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی اور ذیلی دروازے میں خلا بڑھنے لگا۔

عابد علی باہر بہت مخدوش پوزیشن میں کھڑا ہوا تھا۔ میں گھر کے احاطے میں داخل ہوچکا تھا۔ میری طرف سے خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ مجھے کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ پٹ کھلتے ہی عابد تیزی سے آگے آیا اور دروازے سے اندر گھس آیا۔ وہ اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ اس نے اندر آتے ہی پلٹ کر' احتیاط سے پٹ بند کردیا۔ میں گاڑی اور گیٹ کی درمیانی جگہ میں بیٹھا ہوا تھا جبکہ عابد علی اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تھا۔ اگر گھر میں کوئی ہوشیار تھا تو وہ گیٹ لیمپ کی روشنی میں اسے یقیناً دیکھ چکا تھا۔

عابد نے پٹ بند کرتے ہی اپنی جیب سے پستول نکال لیا تھا۔ میں نے اس کی پنڈلی پر ہاتھ مار کر اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ میری نیت اسے کسی خطرے میں جھونکنے کی نہیں تھی۔ مدعا صرف یہ تھا کہ جو سامنے ہے وہی پیش قدمی کی ابتدا کرڈالے۔

اس وقت عابد پوری طرح چوکنا اور مستعد تھا۔ اس نے بھی موقع کی نزاکت بھانپ لی تھی۔ پر میرا اشارہ پاکر اس نے میری طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی.... اور پختہ فرش پر محتاط قدموں سے چلتا ہوا گاڑی کے عقب سے نکل گیا۔

وہ بس ایک لمحے کے لیے مجھے نظر آتا رہا پھر گاڑی کی اوٹ میں غائب ہوگیا۔ عابد کی پیش قدمی کا کوئی واضح نتیجہ سامنے آنے تک میرا اپنی جگہ سے اٹھنا مناسب نہیں تھا۔ میں اضطراری طور پر اپنی ہتھیلیاں فرش پر ٹکا کر سجدے کی حالت میں نیچے جھکتا چلا گیا۔ میری وہ ترکیب کارگر رہی۔ گاڑی کے نیچے سے مجھے عابد کے بڑھتے ہوئے محتاط قدم صاف نظر آرہے تھے۔ اس سے آگے مکان کے داخلی دروازے کا نچلا حصہ بھی نظر آرہا تھا جو بند تھا۔

عابد علی کے بڑھتے ہوئے قدم بند دروازے کے پاس رک گئے۔ شاید وہ دروازے کے ہینڈل پر طبع آزمائی کررہا تھا۔ میں سانس روکے نتیجے کا انتظار کرتا رہا۔ عابد کی کامیابی کی صورت میں مجھے دروازہ اپنی جگہ سے ہلتا ہوا نظر آجاتا۔ کئی لمحے گزر گئے مگر کچھ نہ ہوا پھر اچانک ہی دروازے کا پٹ ایک جھٹکے سے اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔ دروازے کی جگہ نمودار ہونے والے خلا میں مجھے دو ننگے مردانہ پاؤں نظر آرہے تھے جن کے اوپر سفید اور نیلے رنگ کی دھاریوں والا ڈھیلا پاجامہ جھول رہا تھا۔

"ہینڈز اَپ!" دروازہ کھلتے ہی میرے کانوں میں تیز اور تحکم آمیز آواز آئی "حرکت کی تو گولی ماردوں گا۔"

وہ آواز سو فیصد نریش شرما کی تھی اور نشے یا نیند کے خمار سے بوجھل سی تھی۔ مجھے اپنی کمین گاہ سے ان دونوں کی پنڈلیوں کا کچھ حصہ نظر آرہا تھا۔ اس سے اوپر کیا ہورہا تھا' وہ میرے علم میں نہیں تھا۔ غیر متوقع طور پر نریش کی آواز سن کر میرے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔ یہ بہت برا ہوا تھا کہ عابد علی رنگے ہاتھوں دھرلیا گیا تھا۔ اس کی ناکام کوششوں کے بعد گھر کا دروازہ یوں اچانک کھولا گیا تھا کہ اسے اپنے پستول سے کوئی فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔

"تم سعادت مندچور معلوم ہوتے ہو۔" اس بار نریش شرما کی استہزائیہ آواز ابھری "شرافت سے اپنا پستول مجھے دے دو۔ تمہاری جیبیں بھی بھاری ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ہتھیار یا نقب زنی کے آلات بھرے ہوئے ہیں۔ آج تم کو سب کھایا پیا یاد آجائے گا۔"

ننگے پاؤں اپنی جگہ سے آگے بڑھے۔ دونوں حریفوں کا درمیانی فاصلہ کم ہونے لگا۔ شاید نریش شرما بڑھ کر عابد علی سے پستول لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس وقت تک اس نے نریش کے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ جس حالت میں پکڑا گیا تھا۔ اس حالت میں اس کے پاس اپنے دفاع میں کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ مسلح حالت میں کسی اجنبی کی گھر میں گھسنے کی کوشش کرنے والا اپنے جرم کا اعتراف کرنے کے سوا کہہ بھی کیا سکتا تھا۔

عابد علی سے اس کا بھرا ہوا خود کار پستول لینے کے بعد نریش شرما الٹے قدموں پیچھے لوٹ گیا کیونکہ قدموں کا درمیانی فاصلہ اس بار خاصا بڑھ گیا تھا۔

"اب ہاتھ گرائے بغیر اندر آؤ اور پیر سے دروازہ بند کردو۔" نریش نے اگلا حکم جاری کیا۔ میں اس کا ایک ایک

لفظ سن رہا تھا۔ اپنے چور کو رنگے ہاتھوں پکڑ لینے پر وہ بہت زیادہ پُر اعتماد نظر آرہا تھا۔ یہ حیرت کی بات تھی کہ اس نے عابد علی کے اندر آنے کے طریقے کے بارے میں سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

مجھے پورا یقین تھا کہ میری ابتدائی کوشش کے نتیجے میں پیدا ہونے والی آہنی آواز نے نریش کو اپنے دروازے کی طرف متوجہ کیا تھا اور وہ کسی تاریک کھڑکی کے پیچھے سے عابد علی کو اپنے گھر میں گھستے دیکھتا رہا۔ اس نے یہ غور نہیں کیا کہ ذیلی دروازے میں کوئی ہضمی قفل نہیں تھا جسے باہر سے کھولا جاسکے۔ اس پٹ کا کنڈا اندر سے کھولا گیا تھا۔ اگر نریش شرما نے اسے دروازے سے اندر آتے ہوئے دیکھا تھا تو اس کے لیے یہ جاننا ضروری ہوجاتا تھا کہ اندر سے کنڈا کس نے کھولا تھا؟

وہ نکتہ واضح طور پر عابد علی کے کسی ساتھی کی نشاندہی کرتا تھا جو اس وقت بھی گھر میں موجود تھا۔ نریش شرما، عابد علی کو گھیر کر مطمئن ہوگیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے پوری واردات اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی تھی۔ پھاٹک پر پیدا ہونے والی آواز پر وہ چونکا اور کوئی آتشیں ہتھیار لے کر اپنے صدر دروازے کے پیچھے جم گیا تاکہ آنے والے کا استقبال کرسکے۔ وہ اتنا گاؤدی نہیں تھا کہ سب کچھ دیکھ لینے کے باوجود دوسرے آدمی کی موجودگی کے خطرے کو نظرانداز کردیتا۔

عابد علی کے قدم بڑھنے لگے۔ وہ دروازے سے گزر گیا۔ شاید وہ بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اس کے پکڑے جانے کے باوجود میں محفوظ تھا۔ جب تک ہم دونوں میں سے ایک بھی بچا ہوا تھا، دوسرے کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ گلوخلاصی کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا ہوسکتی تھی۔

عابد علی نے اندر پہنچنے کے بعد اپنی ایڑی سے دروازہ بند کردیا۔ وہ منظر نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی میں نے برق رفتاری سے اپنی جگہ چھوڑی اور پنجوں کے بل تقریباً دوڑتا ہوا اس بند دروازے کے سامنے پہنچ گیا جو بند ہوچکا تھا۔ وہاں رک کر میں نے لمحے بھر کے لیے اندر کے منظر کے بارے میں سوچا اور فوری مداخلت کا فیصلہ کرلیا۔ دیر ہونے کی صورت میں نریش شرما کو اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کا موقع مل جاتا اور وہاں ایک بڑا تصادم ناگزیر ہوجاتا۔

میں نے دروازے کے ہینڈل کو گھما کر ذرا سا زور دیا اور ذیلی پٹ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کھلتا چلا گیا۔ اندر کا منظر بدل چکا تھا۔ عابد علی مکان کے اندرونی حصے میں میری طرف منہ کیے کھڑا تھا۔ نریش شرما اس کے اور دروازے کے درمیان حائل تھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔

میں اندر گھسا ہی تھا کہ نریش شرما بہت تیزی سے میری طرف گھوم گیا۔ دروازہ کھلنے سے آواز ہوئی تھی نہ میں نے کوئی آہٹ پیدا کی تھی۔ شاید پشت سے باہر کی تازہ ہوا کے آنے والے جھونکے نے نریش شرما کو خطرے سے خبردار کیا تھا۔ وہ اپنے ریوالور سمیت میری طرف پلٹا تھا۔ شاید وہ فائر بھی کرڈالتا لیکن بدقسمتی اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ مجھے پہچان کر اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے اعتباری امڈ آئی۔

”مظہر...!“ اس کے ہونٹوں سے تحیرزدہ آواز نکلی۔

اس کی پل بھر کی وہ جھجک اس کے لیے شکست کا پیغام بن گئی۔ عابد علی کو مہلت مل گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے جست کرکے کسی عقاب کی طرح اس پر ٹوٹ پڑا اور اس کے پورے وجود کو اپنے مضبوط توانا بازوؤں کی گرفت میں دبوچ لیا۔ نریش کا ریوالور والا اٹھا ہوا ہاتھ مجھول ہوکر اس کے پہلو میں جھول گیا۔

”منہ سے آواز نہ نکالنا!“ میں نے نیچی آواز میں دھمکی دی ”تمہاری بیوی، بیٹے اور ملازموں میں سے جو بھی ادھر آیا، بے موت مارا جائے گا۔ اس وقت ہمارے پانچ آدمی تمہارے احاطے میں موجود ہیں اور میں تم سے فلم کا سودا کرنے یہاں آیا ہوں۔“

اسے خاموش رکھنے کے لیے وہ سب کہنا ضروری تھا۔ میری زبان سے نام نہاد فلم کا ذکر سن کر اسے یہ خوش فہمی ہوسکتی تھی اس پرانے جھگڑے میں اس کی جان کے زیاں کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جو کچھ ہونا تھا، زبانی کلامی طور پر ہونا تھا۔ نریش اس وقت بالکل بے بس ہوچکا تھا۔ اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے اپنا ریوالور قالین پر چھوڑ دیا۔ یہ ہماری خوش بختی تھی کہ اس جھٹکے سے گولی نہیں چلی ورنہ سارا کھیل بگڑ جاتا۔

عابد علی نے اس کا داہنا ہاتھ مروڑ کر پشت سے لگایا اور اس کی شرٹ کی جیب سے اپنا پستول نکال کر اسے آگے دھکیل دیا۔ ”اب بتاؤ کہ تم میری کیسی مزاج پرسی کا ارادہ کرچکے تھے؟“

”تم چپ رہو۔“ نریش شرما نے خفگی سے کہا ”یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔ مظہر کے سامنے آنے کے بعد صورتِ حال بدل چکی ہے۔ اب مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں رہا۔“

”یہاں کھڑے رہنے کے بجائے اپنی خواب گاہ میں چلو۔ یہ باتیں سکون سے وہاں بیٹھ کر ہوں گی۔“

”وہاں میری بیوی سو رہی ہے۔ میں اس کی نیند خراب نہیں کروں گا۔ آؤ، ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں۔“

وہ چلنے سے پہلے اپنا ریوالور اٹھانے کے لیے جھکا تو عابد نے للکار کر اسے روک دیا۔ نریش شرما زیر لب کچھ بڑبڑاتا ہوا ایک طرف بڑھ گیا۔ عابد نے اس کے ریوالور پر قبضہ کرلیا۔ اس اثنا میں، میں اندر آکر دروازہ بند کرچکا تھا۔ ہم دونوں نریش کے پیچھے اس کے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔

نریش شرما ہم سے پہلے ایک صوفے پر آرام سے پھیل کر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے ہمیں بھی بیٹھنے کی پیش کش کی۔ عابد سامنے چلا گیا۔ میں نے دانستہ نریش کے بائیں ہاتھ والا صوفہ سنبھال لیا۔

"تم اس فلم کے لیے اتنے پریشان کیوں ہو؟ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے لیے تم میرے گھر تک آنے کی ہمت کروگے۔" نریش نے مربیانہ انداز میں کہا۔

"فلم کی واپسی ضروری ہے کیونکہ اس کے ذریعے میری شناخت ہوسکتی ہے۔ میں اسے پسند نہیں کرتا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ پھیکے اور بے جان انداز میں ہنس دیا "ایسی بڑی بڑی باتیں نہ کرو۔ میں تمہیں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔ تم غزالہ سے بہت ڈرتے ہو۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ڈینی کی کوئی تصویر تمہارے ریکارڈ میں نہیں ہے۔ میں اس فلم کو تمہارے ریکارڈ کا حصہ نہیں بننے دوں گا۔"

"ڈینی!" اس نے حیرت سے کہا "اس وقت اس کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟ تم اپنی بات کرو۔"

"وہ فلم اس لیے اہم ہے کہ میں ہی ڈینی ہوں۔" سرد لہجے میں یہ انکشاف کرتے ہوئے میں نے اپنی جیب سے بیم گن نکال لی۔

"اوہ!" اس کے ہونٹ سکڑ گئے اور آنکھوں میں بے اعتباری سی سمٹ آئی "مجھے آج صبح تک شبہ تھا کہ تم وہ نہیں ہو جو بننے کی کوشش کررہے ہو مگر انکل نے میری بات سختی سے مسترد کردی۔ تم ڈینی ہو تو پھر غزالہ کے ہاتھوں مرلی دھر کے پٹنے کا معما بھی حل ہوگیا۔ میں حیران تھا کہ ایک عام عورت فلائنگ کک کیسے لگا سکتی ہے؟"

"فلم.... میں فلم کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سختی سے کہا۔ میں اس پر زیادہ وقت برباد کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

وہ اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "شاید تم یقین نہ کرو لیکن اس فلم کا کوئی وجود نہیں ہے۔ وہ میرے دفتر کی آگ میں ناگر کے ساتھ جل گئی تھی۔"

فلم کے بارے میں اس نے پہلی بار سچ بولا تھا۔ اس سے مزید گفتگو بے سود تھی۔ میں نے سرسری انداز میں بیم گن کا رخ اس کی طرف کردیا۔

"بند نال والا یہ کون سا ہتھیار ہے؟ اس کا رخ میری طرف سے ہٹالو۔" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں نے اس کے بائیں پہلو کا نشانہ لے کر بیم گن کا ٹریگر دبادیا۔ نیلگوں شعلوں کی پتلی سی دھار فضا میں تیرتی ہوئی نریش شرما کی جلد، پسلیوں اور دل کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ وہ جس حالت میں بیٹھا ہوا تھا، اسی حال میں بیٹھا رہ گیا۔ آخری لمحوں کی گھبراہٹ اس کے چہرے پر منجمد ہوکر رہ گئی تھی۔

"تم نے اس پر اپنا بہت قیمتی وار ضائع کیا۔ یہ حرام زادہ ایسی سہل موت کا مستحق نہیں تھا۔" عابد علی نے افسردگی سے کہا۔

"شور شرابے اور وقت کے ضیاع سے بچنے کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا میں راولوں سے اکتا گیا ہوں۔ یہاں سے جلد از جلد نکلنا چاہتا تھا۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

عابد علی نے ڈرائنگ کی ساری روشنیاں گل کردیں۔ نریش شرما کی لاش کو اندھیرے میں چھوڑ کر ہم دونوں باہر آگئے۔

انل بسواس کے مقابلے میں نریش شرما کے گھر کا ماحول مختلف تھا۔ مجھے توقع تھی کہ اس کے گھر والوں یا ملازمین میں سے کوئی بھی صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے بیدار نہیں ہوگا مگر ہم اس سلسلے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ مشن شروع کرنے سے پہلے ہمیں یہ خوف لاحق تھا کہ انل کی موت کی خبر ذرا سی دیر میں پھیل جائے گی۔ وہ کام پورا ہوا تو ہمیں اس طرف سے صبح تک کے لیے بے فکری ہوگئی۔ میں اس بات کو یقینی بنانا چاہتا تھا کہ نریش شرما کی موت کی خبر بھی ہمارے امرتسر کے لیے روانگی تک دبی رہے۔

نریش کی خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کی بیوی بے حجابی سے اپنے بستر پر سو رہی تھی۔ وہ بلاشبہ بہت خوب صورت اور متناسب الاعضا عورت تھی۔ اسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ ایک جوان بیٹے کی ماں ہوگی۔ وہ سوئی تو نریش کی بیوی تھی، بیدار ہونے پر یہ انکشاف اس کے لیے دل دوز ہوتا کہ وہ بیوہ ہوچکی تھی مگر وہ مقدرات تھے جو اٹل ہوتے ہیں۔ نریش نے میرے اور غزالہ کے ساتھ مخاصمانہ اور ہتک آمیز رویہ اختیار کرکے خود کو اس انجام کا سزاوار بنایا تھا۔

عابد علی کی خواہش پر میں نے انگوٹھی اپنی انگلی سے اتار کر اسے دے دی۔ اس نے انگوٹھی انگلی میں پہنے بغیر، اس کا نگینہ نریش کی بیوی کے بازو پر رکھ کر دبایا اور اس عورت کا

بدن پھڑکتے ہی اس نے انگوٹھی اٹھالی۔ اس عورت کی نیند کم از کم چار گھنٹوں کے لیے گہری ہو چکی تھی۔

"واقعی یہ نایاب انگوٹھی ہے۔" اس نے انگوٹھی کی بناوٹ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "آئیڈیا مل گیا ہے۔ میں بات کروں گا۔ شاید یہ انگوٹھیاں بنوائی جاسکیں۔"

"میں غیر یقینی حالات سے نہ گزر رہا ہوتا تو یہ انگوٹھی اسی وقت تمہاری نذر کر دیتا۔ پتا نہیں مجھے کب اور کہاں اس کی ضرورت پڑ جائے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا" اس نے بوکھلا کر انگوٹھی فوراً مجھے لوٹا دی "ہر اچھی چیز کی تعریف کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ مانگی جا رہی ہے۔"

"ابھی اوپر چار شکار اور باقی ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "چاہو تو ان پر آزمانے کے بعد مجھے واپس دے دینا۔"

"ہاں!" اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے انگوٹھی واپس لے لی "اس کا استعمال میرے لیے ایک سنسنی خیز تجربہ ہے۔"

جب تک نریش شرما زندہ تھا' میں شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھا۔ اس خبیث نے عین وقت پر عابد علی کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر مجھے مزید ذہنی اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس کے قتل کے بعد میں خود کو بالکل ہلکا اور تر و تازہ محسوس کر رہا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ اس چھت کے نیچے میرا ایک مقتول بھی موجود تھا۔ عابد علی کی باتوں سے بھی ایسا ہی ظاہر ہو رہا تھا۔

وہ دہلی میں ہماری آخری اور بہترین رات تھی۔ میں نے جلال کے دیے ہوئے ہدف سے کہیں زیادہ مقاصد حاصل کر لیے تھے۔ نریش شرما کے قتل میں بیم گن کے استعمال کے سوا میں نے کہیں ایسا کوئی ثبوت نہیں چھوڑا تھا جس کی بنا پر یہ واقعات میری ذات سے منسوب کیے جاسکیں۔ یہ اور بات تھی کہ انل اور نریش کے جانشین محض میری بھارت سے روانگی کی بنا پر ان دونوں کا خون میرے کھاتے میں ڈال دیتے۔ ان کی وہ ساری کارروائیاں مظہر خان کے نام پر ہوتیں۔ انہیں دہلی میں میری یعنی ڈینی کی موجودگی کا سراغ اس صورت میں مل سکتا تھا جب ان کے ماہرین نریش شرما کے دل پر بیم گن کے مہلک وار کا فیصلہ صادر کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ ہر دو صورت تو میری صحت اور سلامتی پر کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ ان فیصلوں سے بہت پہلے میں پاکستان کی آزاد فضاؤں میں پہنچ چکا ہوتا۔

نریش شرما نے اوپر کی منزل پر بہت قرینے سے چار کمرے بنوائے تھے۔ ان میں سب سے کشادہ اور آراستہ کمرا اس کے بیٹے کے استعمال میں تھا جو اس وقت وہاں گہری نیند سویا ہوا تھا۔

اس لڑکے کی عمر کسی طرح اٹھارہ' بیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کی ماں کی طرح مجھے اس پر بھی ملال ہوا کہ وہ اپنے باپ کی ناپاک حرکتوں کی وجہ سے کم عمری میں ہی یتیم ہو چکا تھا۔ وہ عالمی اور علاقائی رقابتوں کا بھیانک کھیل تھا جس میں انفرادی جذبوں اور ہمدردیوں کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جس کو جہاں موقع ملتا تھا' وہ اپنے حریف کو پیس ڈالنے پر تل جاتا تھا۔

عابد علی نے اس لڑکے کے بعد تینوں ملازموں کی نیند کو بھی گہری بے ہوشی میں بدل دیا۔ نریش شرما کا نام عمل کی دنیا سے نکل کر ایک بھولا ہوا خواب بن چکا تھا۔ عیاشی' مکاری' آوارگی اور بے غیرتی کا وہ سدا بہار پیکر اپنے دن پورے کر چکا تھا۔ اس کے گھر میں ہمارا کوئی کام باقی نہیں رہا تھا۔ ہم وہاں سے واپس چل دیے۔

عابد کا ابتدائی اندازہ یہ تھا کہ ہمیں قرول باغ میں بدترین معرکے پیش آنے والے تھے جن میں ہمارا نقصان بھی ہو سکتا تھا۔ ان دونوں معرکوں سے نمٹنے کے بعد شاید ہمیں افراتفری کے عالم میں ائرپورٹ کی طرف بھاگنا پڑتا۔ اس کی تیاریوں میں ایسے امکانات کو ملحوظ رکھا گیا تھا لیکن نتائج اس کی بلکہ میری توقعات کے بھی برعکس نکلے تھے۔

ہر کام خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا جا چکا تھا۔ ہمارے پاس کافی وقت تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ ہم دونوں کو ایک جلوس کی صورت میں ائرپورٹ پہنچایا جائے۔ اس بارے میں عابد نے میری رائے طلب کی تو میں پوری طرح اس کا ہم خیال تھا۔ اس نے قرول باغ سے نکلنے کے بعد گاڑی ایک ایسے راستے پر ڈال دی جہاں ہمیں رک کر سامان اور سواریوں میں ردوبدل کرنے کا موقع مل سکتا تھا۔

اس وقت صبح کے پونے چار بجے کا عمل تھا۔ شہر کی ساری سڑکیں تقریباً ویران اور سونی پڑی ہوئی تھیں۔ آبادی سے باہر واقع سڑک پر کچھ دور نکلنے کے بعد عابد علی نے اپنی گاڑی روک کر انجن بند کیا اور پھر گاڑی کا بونٹ اوپر اٹھا دیا۔ چند منٹ بعد دوسری گاڑی بھی ذرا دور آکر رکی تو عابد نے اشارہ دے کر اسے قریب بلا لیا۔ گاڑی کا بونٹ دیکھ کر وہ تینوں یہ سمجھے کہ عابد کی گاڑی میں کوئی خرابی ہو گئی تھی۔

"گاڑی ٹھیک ہے اور اس سے بھی بڑی خوش خبری یہ ہے کہ آج کے دونوں مشن مکمل کامیابی سے ہمکنار ہوئے

ب۔" عابد نے انہیں بتایا۔
"وہ دونوں بہت آسانی سے مار کھا گئے۔" غزالہ نے
یرت سے کہا "مجھے تو ہر لمحہ پُر شور تصادم کا دھڑکا لگا ہوا
ھا۔"
"قسمت ہم دونوں کا ساتھ دے رہی تھی۔" عابد علی
نے خوش دلی سے کہا "نریش نے مجھے چوہے دان میں پھانس
یا تھا۔ مظہر کی حاضر دماغی کی وجہ سے میں عین وقت پر اس
کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا ورنہ اس وقت تک
ہاں پولیس کی بھاری نفری پہنچ چکی ہوتی۔"
"کیا اسے انل کے قتل کی خبر مل گئی تھی؟" عبداللہ نے
ضطراری لہجے میں پوچھا۔
"نہیں۔ دونوں خبریں ابھی تک دبی ہوئی ہیں۔ صبح
ونے سے پہلے کسی کو پتا نہیں چل سکے گا کہ وہاں کیا ہوا
ہے۔" ان تینوں کو جواب دینے کی ذمے داری عابد نے
نبھالی ہوئی تھی۔ میں اس کے قریب کھڑا اطمینان سے
گریٹ نوشی کا لطف لے رہا تھا۔
وہ تینوں اصل معاملات اور واقعات سے بالکل الگ
ھلگ رہے تھے اس لیے ان کے ذہنوں میں بہت سے
والات مچل رہے تھے۔ عابد نے انہیں مختصر الفاظ میں خلاصہ
انے کے بعد یہ بھی بتادیا کہ وہ دونوں ائرپورٹ کے بجائے
پنے ٹھکانوں پر واپس جائیں گے اور وہ خود مجھے اور غزالہ کو
ئرپورٹ چھوڑے گا۔ ان تبدیلیوں پر عمل کرنے کے لیے
ستے میں رکنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔ غزالہ مجھ سے
ل ہو کر پریشان تھی۔ وہ خبر سنتے ہی وہ سرخ گاڑی سے میرا
یف کیس اور اپنا سفری تھیلا نکال لائی اور میں ان دونوں
ے تشکر آمیز الوداعی ملاقات میں مصروف ہوگیا۔
اس پڑاؤ میں غزالہ کی منتقلی..... سب سے زیادہ اہم
ا۔ اس فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد عابد کے دونوں
ھی گاڑی گھما کر واپس روانہ ہوگئے۔ کچھ دیر بعد عابد نے
ن بونٹ گرادیا اور ہماری گاڑی ایک مرتبہ پھر حرکت میں
ئی۔
"یہ یاد رکھنا کہ اب پاکستان پہنچنے تک تم انل بسواس یا
یش شرما کا نام نہیں لوگی۔" میں نے غزالہ پر واضح کیا "اس
ڑی سے اترنے کے بعد ہم ان ناموں کو بھول جائیں
ے۔"
"مرنے والوں کو بھولنا پڑتا ہے مگر میں حیران ہوں کہ یہ
سیابیاں اتنی آسانی سے کیسے مل گئیں۔" غزالہ نے تعجب کا
ہار کیا۔
"کوئی آسانی نہیں تھی۔ افسانہ طرازی کے لیے بہت
کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن تمہیں یہ اطمینان ہونا چاہئے کہ ان
دونوں سے تمہاری توہین کا بدلا لے لیا گیا ہے۔"
"یہ احسان جتانا ضروری نہیں ہے۔" عابد نے ہنستے
ہوئے کہا "انل روز اول سے تمہارا ہدف تھا۔ ہاں، نریش کا
نام تم نے پچھلی رات کو شامل کیا تھا۔"
"یوں ہی سہی۔ تجویز جس کسی کی رہی ہو، مرلی دھر کو
بھیجنے والا نریش کمار ہی تھا۔"
ہم آپس میں باتیں کرتے رہے۔ عابد علی بہت اطمینان
سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ وقت ہونے کی وجہ سے
وہ ایک لمبا راستہ طے کرکے ائرپورٹ جارہا تھا۔ صبح کے ٹھیک
پانچ بجے اس کی گاڑی ائرپورٹ پر پہنچ چکی تھی۔ اس دوران
میں، میں بیم گن کو اپنے بریف کیس میں منتقل کرچکا تھا۔
غزالہ سے اس نے رسمی سلام دعا کی مگر مجھ سے وہ بہت
تپاک سے بغل گیر ہوا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا "وطن کی
قدر یہاں رہ کر ہورہی ہے۔ ہم وہاں کی ہوا کو ترس گئے ہیں۔
تمہاری ذات میں وطن کی خوشبو ملی تھی لیکن تم بھی ساتھ
چھوڑ کر جارہے ہو۔ اپنی دعاؤں میں ہم لوگوں کو کبھی نہ
بھولنا۔"
"میں نے تمہیں اور تمہاری پُرخطر زندگی کو بہت قریب
سے دیکھا ہے۔ میں نے یہاں ایک ایک لمحہ اس یقین کے
سہارے گزارا ہے کہ تم تینوں کی مخلص ٹیم میری طرف سے
کسی وقت غافل نہیں رہی۔ میں تمہیں کبھی نہیں بھول
سکوں گا۔"
"میری عمر ان ہی کاموں میں گزری ہے مگر میں نے تم
سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ دشمن پر سبقت حاصل کرنے کے
لیے تیزی سے بروقت اور صحیح فیصلے کرکے تم نے ہمیشہ مجھے
حیران کیا ہے۔" وہ گرمجوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔
"انسان اپنے کام سے مخلص ہو اور اس کے دل میں
کچھ نہ کچھ سیکھنے کی جوت روشن ہو تو وہ زندگی بھر ہر ایک سے
سیکھتا رہتا ہے۔ دنیا کا کاروبار اسی طرح چل رہا ہے کہ لوگ
ہر لمحے ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ سیکھتے رہتے ہیں۔"
میرے لیے پُرجوش جوابی رویے کا اظہار ضروری ہوگیا تھا۔
اس نے ہمیں ائرپورٹ کے لاؤنج کے سامنے اتارنے
کے بجائے اپنی گاڑی پارکنگ ایریا کے سرے پر روکی تھی
جہاں ہماری گفتگو سننے والا کوئی نفس نہیں تھا۔ ہم تینوں نے
کچھ دیر تک وہیں کھڑے آپس میں باتیں کیں۔ اس نے
غزالہ سے ان زحمتوں کے لیے معذرت چاہی جو اسے دہلی

میں قیام کے دوران کسی نہ کسی سبب سے جھیلنا پڑی تھیں۔ ان مسائل میں آئی بی والوں کا کوئی ہاتھ تھا' نہ ان کی کسی کوتاہی کے نتیجے میں وہ واقعات رونما ہوئے تھے پھر بھی عابد اخلاقی طور پر نادم نظر آرہا تھا۔ وہ دوبارہ مجھ سے بغل گیر ہوا اور پھر افسردہ انداز میں اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

میں غزالہ کے ساتھ وہیں کھڑا اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ ہم دونوں کے پاس سامان نہ ہونے کے برابر تھا اور پرواز میں خاصا وقت بھی باقی تھا۔ ہم وہاں سے ٹہلتے ہوئے ملکی پروازوں کی روانگی والے لاؤنج کی طرف چل دیے۔

وہ محفوظ فضائی سفر کا زمانہ تھا مسافروں کے دستی سامان کو مشینوں سے گزار کر جانچا جاتا تھا لیکن چیک ان کاؤنٹر پر ائر لائن کے عملے کے حوالے کیے جانے والے اسباب کو جوں کا توں آگے بھیج دیا جاتا تھا۔ اس عمل میں اتنی احتیاط ضرور کی جاتی تھی کہ پرواز سے کوئی ایسا مسافر غائب نہ ہونے پائے جس کا سامان جہاز پر بھیجا جا چکا ہو۔ اگر بورڈنگ کارڈ کے اجرا کے بعد کسی وجہ سے کوئی مسافر رہ جاتا تو پھر تفصیلی پڑتال کی نوبت آتی تھی اور جہاز سے ایسے گمشدہ مسافر کا سامان اتار لیا جاتا تھا۔

میں اس وقت بھارت کی ایک اندرون ملک پرواز سے سفر کرنے والا تھا۔ میرے بریف کیس میں کاغذات وغیرہ کے ساتھ بیم گن بھی موجود تھی اس لیے مجھے اپنے ذہن میں ان باتوں کو تازہ کرنے کی ضرورت تھی۔

بیم گن میرے لیے ایک بیش قیمت ہتھیار کا درجہ رکھتی تھی۔ اس سے میں کسی بھی قیمت پر رضاکارانہ طور پر دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ بات عابد علی اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے بیم گن پہلی مرتبہ دیکھی تھی لیکن وہ لیزر گن اور اس کے استعمال کے بارے میں بہت کچھ پڑھ چکا تھا۔ اس نے کسی مرحلے پر مجھے یہ یاد دلانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ ہوائی سفر میں مجھے اس کی طرف سے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ شاید اس نے یہ سوچ کر اس بارے میں کوئی بات نہیں چھیڑی تھی کہ میں اس کے مشورے پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاؤں کہ وہ احتیاط کے بہانے مجھے بیم گن دہلی میں چھوڑنے کا مشورہ دے رہا ہے۔

ہم پاکستان سے بھارت کے لیے روانہ ہوئے تو بیم گن میرے قیمتی اثاثے میں شامل تھی۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ بھارت میں قیام کے دوران مجھے کسی مرحلے پر فضائی سفر کی ناگزیر ضرورت پیش آئے گی۔ انل بسواس اور شرما کے دہرے قتل کے بعد وہ ناگزیر صورتِ حال رونما ہو چکی تھی اپنے تحفظ کے لیے جلد از جلد دہلی سے دور نکل جانے کے لیے فضائی سفر کرنا میری مجبوری بن چکا تھا۔

میں بیم گن والے بریف کیس کو دستی سامان کے طور پر اپنے ساتھ لے کر سفر کرنے کی کوشش کرتا تو مشینی جانچ پڑتال کے دوران بیم گن اسکرین پر نظر آجاتی اور میں مشکل میں پڑ جاتا۔ میں فیصلہ کر چکا تھا کہ بورڈنگ کاؤنٹر پر اپنا مقفل بریف کیس ائرلائن کے عملے کو سونپ دوں گا تاکہ وہ حفاظت سے امرتسر تک پہنچ سکے۔ اس وقت اس میں بیم گن کے ساتھ سی ایس ڈی جیسی اہم اور کارآمد چیز بھی موجود تھی۔

یہ بات ذرا عجیب سی ہوتی کہ کوئی مسافر اپنے بریف کیس کو بھی اپنے ساتھ جہاز کے کیبن میں نہ لے جانا چاہے لیکن بالکل انوکھی اور نرالی نہیں تھی۔ دنیا کے مختلف حصوں کے فضائی سفر کے دوران میں نے ایسے خبطی لوگ بھی دیکھے تھے جو محض کوئی بھاری کتاب بھی اپنے سامان کے طور پر ہاتھ میں لے جانے سے گریز کرتے تھے۔ میری وہ تدبیر قدرے غیر معمولی مگر بالکل محفوظ تھی۔

لاؤنج میں ائرانڈیا کے تین کاؤنٹرز پر میری امرتسر کی پرواز کا نمبر روشن تھا لیکن کاؤنٹر بند تھے۔ میں غزالہ کے ساتھ قریبی اسنیک بار کی طرف چل دیا۔

پچھلی رات میں نے غزالہ پر نظر رکھنے کے لیے ڈنر کے نام پر محض دہی بڑے کھانے پر اکتفا کیا تھا۔ دہی بڑے کب کے ہضم ہو چکے تھے۔ میرا خالی معدہ احتجاج کر رہا تھا جب کہ پرواز کی روانگی میں کم از کم دو گھنٹے باقی تھے۔ اس وقت کا بہترین استعمال یہی تھا کہ کچھ پیٹ پوجا کر لی جائے۔

ائرپورٹ کی پوری عمارت روشنیوں میں نہائی ہوئی تھی لیکن وہاں مسافروں وغیرہ کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ ماحول میں عجیب اور خواب ناک سی اداسی تیر رہی تھی رونق جہاں بھی ہو' انسانوں کے دم قدم سے ہوتی ہے۔ جہاں انسانوں کے سوا سب کچھ ہو' وہ جگہ ویرانے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یہ آدم بیزاروں کا میراق ہوتا ہے کہ وہ ایسی جگہوں کو پُرسکون اور رومان پرور قرار دے کر وہاں ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔

ہم دونوں نے صاف ستھرے اسنیک بار میں کافی کے ساتھ اچھا خاصا ناشتا کر ڈالا۔ دہلی سے اپنی روانگی کے اس آخری مرحلے پر مجھے یاد آیا کہ دہلی میں اپنے قیام کے دوران ہم کسی بھی دن حلوہ پوری کے روایتی مقامی ناشتے سے لطف

اندوز نہیں ہوسکے تھے۔ بھارت کے اس تاریخی شہر میں ہمارا سارا وقت بے یقینی کی سولی پر گزرا تھا۔ حالات ہر لمحے ایسی خطرناک کروٹیں لیتے رہے تھے کہ میرا ذہن ایسی کسی تفریح، تبدیلی یا عیاشی کی طرف نہیں بھٹک سکا تھا۔

نریش شرما اور انل بسواس روز اول سے میرے لیے مسئلہ بنے ہوئے تھے۔ بھارت میں پاکستانی دہشت گردوں کے داخلے کی خبر نما افواہ کے بعد بھارتی پولیس نے جس چھان بین کی ابتدا کی تھی، اس کے نتیجے میں را والے میری طرف متوجہ ہوئے تھے پھر انہوں نے مجھے ایک دن کے لیے بھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا تھا۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ میں پاکستان سے را کے ایک ونگ کے سربراہ کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ لے کر دہلی میں وارد ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں دہلی میں مامور را کے ایجنٹوں کے تعاون سے اپنی مہم کا آغاز کرتا، را والے خود میری طرف متوجہ ہو گئے۔

ابتدا سے آخری لمحات تک میرے اور ان کے درمیان بلی اور چوہے کا کھیل ہوتا رہا۔ کبھی مجھے یہ شبہ ہوتا کہ وہ منظم انداز میں مجھے گھیرنے کی کوششیں کر رہے ہیں اور کبھی یہ خوش فہمی ہونے لگتی تھی کہ میں کامیابی سے انہیں بے وقوف بنا رہا تھا۔ تذبذب اور بے یقینی کی وہ کیفیت اس رات تک قائم رہی تھی۔ ان دونوں کے کامیاب قتل نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ان کے بارے میں میرے شبہات بے بنیاد تھے مگر خوش فہمیاں بے بنیاد نہیں تھیں۔

ہم ناشتا کر کے اسنیک بار سے دوبارہ لاؤنج میں پہنچے تو اجڑے اجڑے کاؤنٹر آباد ہو چکے تھے مگر مسافروں کی آمد کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔

میں نے ایک خالی کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکی کو اپنی طرف متوجہ پا کر اسی کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کاؤنٹر پر ہماری پرواز کا نمبر موجود تھا۔

لڑکی نے دلکش مشینی مسکراہٹ کے ساتھ ہمارا استقبال کیا اور دونوں ٹکٹ کھول کر بورڈ پر بورڈنگ کو انف ڈالنے میں مصروف ہو گئی۔ میں نے خاموشی سے اپنا بریف کیس سامان کا وزن کرنے والی مشین پر رکھ دیا۔ مسافروں کا سامان مشینی پٹے پر منتقل کرنے والے لوڈر نے استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ وہ تصدیق کرنا چاہ رہا تھا کہ میں نے اپنا بریف کیس یوں ہی مشین پر رکھ دیا تھا یا میں اسے جہاز کے کارگو ہولڈ میں بھجوانا چاہتا تھا۔ میں نے انگلی سے اشارہ کیا کہ بریف کیس بھیج دیا جائے۔

لوڈر نے بریف کیس کے ہینڈل کے ساتھ ٹیگ باندھا اور اس کا نچلا حصہ الگ کر کے لڑکی کے سامنے رکھ دیا جو میرا بورڈنگ کارڈ تیار کرنے میں مصروف تھی۔ ذرا سے انتظار کے بعد بریف کیس کے ٹیگ کے ساتھ دونوں بورڈنگ کارڈز مل گئے۔ میرا بریف کیس متحرک پٹے پر آگے بڑھتا چلا گیا۔

بظاہر وہ ایک معمولی سا مرحلہ تھا مگر میں اس کی طرف سے بہت فکر مند تھا۔ ہمارے ساتھ کوئی سوٹ کیس وغیرہ ہوتا تو بیم گن اور سی ایس ڈی کو آسانی سے اس میں چھپایا جا سکتا تھا۔ محض بریف کیس کی وجہ سے ائرلائن کے عملے میں کسی کو شک ہو سکتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ کاؤنٹر سے گزر جانے کے بعد میرے بریف کیس کو نہیں چھیڑا جائے گا اور وہ پوری حفاظت سے ہمارے ساتھ امرتسر پہنچ جائے گا۔

ساڑھے پانچ بجے اس پرواز کے لیے بورڈنگ کے آغاز کا اعلان ہوا تھا۔ اس وقت تک لاؤنج میں خاصے مسافر آ چکے تھے مگر وہ تعداد تسلی بخش نہیں تھی۔

میں اس مرحلے کے لیے دیر سے پابہ رکاب بیٹھا ہوا تھا۔ بورڈنگ کا اعلان ہوتے ہی مسافروں کی پہلی کھیپ کے ساتھ ائر انڈیا کے طیارے میں سوار ہو گیا۔ ٹرالی سے دو انگریزی اخبارات لیتے ہوئے ہم دونوں اپنی جڑی ہوئی نشستوں پر پہنچ گئے۔

پچھلے کئی دن سے مجھے دہلی کے اخباروں کا تفصیلی معائنہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ طیارے میں آرام سے بیٹھ کر میں نے ورق گردانی کی تو اخبار کے اندرونی صفحات پر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے حوالے سے ایک تفصیلی مضمون موجود تھا۔

کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی مذموم سرگرمیوں کے بارے میں بھارتی اخباری نمائندوں کی مہم جوئی عابد علی کی کوششوں کی مرہون منت تھی۔ میں نے اس مضمون کا سرسری جائزہ لے کر اندازہ لگایا کہ مضمون کا لب و لہجہ بہت تلخ، تنقیدی اور جارحانہ تھا۔

بھارت میں اپنے مشن کے دوران میں میری بے یقینی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ شکوک و شبہات کی دھند چھٹ جانے کے بعد ہر بات واضح سیاق و سباق کے ساتھ سمجھ میں آ رہی تھی اور میرے دل میں فخر و انبساط کے جذبات امڈ رہے تھے۔

میں دہلی میں اپنے مشن سے بہت کامیاب و کامران ہو کر لوٹ رہا تھا۔ میری آمد را والوں کے لیے بہت بھاری ثابت ہوئی تھی۔ ہر طرف ان کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے۔ پہلے ان کے پاکستانی ونگ میں آتش زنی کی سنگین واردات ہوئی جس کے نتیجے میں وہ اپنے بہت سے ریکارڈ اور

ناگر جیسے کامیاب افسر سے محروم ہوگئے۔ وہ اس چوٹ سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ چانکیہ پوری کے سراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کی لاش برآمد ہونے کی خبر آگئی۔

اس محاذ کے سرد ہونے سے پہلے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا سویا ہوا فتنہ بیدار ہوگیا اور را کا گھناؤنا کردار زبردست تنقید کی زد میں آگیا۔ ان لوگوں کے پوشیدہ زخم عام بھارتیوں اور اخباری دنیا کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔

وہ را کی بدبختیوں کی پرانی داستان تھی۔ اس کے دو نئے باب پچھلی رات کی تاریکی میں لکھے گئے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ انل بسواس اور نریش شرما کے قتل کا انکشاف را کے ساتھ بھارتی حکومت کو بھی ہلا کر رکھ دے گا اور را کی کارکردگی بھارتیوں کے لیے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن جائے گی۔

میری رسٹ واچ پونے سات بجا رہی تھی۔ جہاز تیزی سے بھرتا جارہا تھا۔ کیبن میں مردوں، عورتوں اور بچوں کی ملی جلی، ہیجان انگیز سرگوشیاں اور آوازیں گونج رہی تھیں مگر میرا ذہن قرول باغ کے دو مکانوں اور ان کے بدنصیب مکینوں میں الجھا ہوا تھا۔

ان دونوں گھروں کے ناہنجار سربراہ اپنے کیے کے انجام کو پہنچ چکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ ان گھروں میں بے ہوش ہونے والے نفوس میں سے چند کو ضرور ہوش آچکا ہوگا۔ گھنٹوں سے دبی ہوئی خبر ایک آتشین بگولے کی طرح پھیلتی جارہی ہوگی۔ جب تک را کے بڑے اس واردات کے بارے میں کچھ سمجھنے میں کامیاب ہوتے، ہمارا جہاز دہلی کی سرزمین کو چھوڑ کر فضا میں بہت اوپر جاچکا ہوتا۔

میں ایک ایک لمحہ گن کر گزار رہا تھا۔ خدا خدا کرکے جہاز کے دروازے بند ہوئے۔ بورڈنگ کے ریکارڈ کے مطابق ہر مسافر طیارے میں آچکا تھا اور جہاز میں لادے جانے والے اسباب کی دوبارہ زمینی جانچ پڑتال کا خطرہ ٹل چکا تھا۔

جہاز کے انجن چل پڑے۔ اپنے شیڈول کے مطابق طیارہ بروقت حرکت میں آیا اور کسی بڑے مشینی عفریت کی طرح ٹارمک پر مست خرامی کرتا ہوا اس رن وے کی طرف بڑھنے لگا جہاں سے دوڑ لگا کر اسے فضا میں بلند ہونا تھا۔ دہلی میں نئی صبح طلوع ہوچکی تھی۔ مشرقی افق سے کافی اوپر چمکتے ہوئے سورج کی کرنیں جہاز کی کھلی ہوئی کھڑکیوں سے براہِ راست کیبن میں بیٹھے ہوئے مسافروں پر پڑ رہی تھیں۔ میرے لیے وہ سب بہت روح پرور اور اطمینان بخش ثابت ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کنٹرول ٹاور سے اجازت ملنے کے بعد، رن وے کے سرے پر رکے ہوئے طیارے نے جھرجھری لے کر دوڑنا شروع کردیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جہاز نے زمین چھوڑ دی اور فضا میں تیزی سے اوپر اٹھتا چلا گیا۔ دہلی کا مطلع صاف تھا لیکن کہیں کہیں ہلکے سرمئی بادلوں کے پرے تیرتے پھر رہے تھے۔ چند ثانیوں بعد طیارہ ان بادلوں کو چیرتا ہوا اوپر نکل گیا۔

دہلی کا قیام میرے لیے زندگی کا ایک بھیانک اور روح فرسا تجربہ تھا۔ زمین سے رشتہ ٹوٹنے کے بعد مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ میں ان حالات سے بخیر و خوبی نکل آنے میں کامیاب ہوچکا تھا۔

جہاز میں کچن کی سرگرمیوں کا آغاز ہوچکا تھا۔ دہلی سے امرتسر کی پرواز زیادہ طویل نہیں تھی اس لیے جہاز کے مقررہ بلندی پر پہنچتے ہی فضائی میزبانوں نے اپنا کام شروع کردیا۔ سینڈوچ، پیسٹریز اور چائے یا کافی پر مشتمل ہلکا پھلکا ناشتا فراہم کیا جارہا تھا۔

وہ مختصر سا دور تھا جو جلد ہی ختم ہوگیا۔ برتن وغیرہ تیزی سے سمیٹے گئے۔ کچھ دیر بعد لینڈنگ کا اعلان ہونے لگا۔

دہلی کی ہلچل میں ڈوبی ہوئی سنسنی خیز فضاؤں سے دور، وہ شہر میرے لیے امان کا باعث تھا۔ گزرے ہوئے تلخ دنوں کی صرف یادیں باقی رہ گئی تھیں۔ مجھے امید تھی کہ امرتسر میں بنگو معقول آمدنی کے لالچ میں مجھ سے پورا تعاون کرے گا اور ہم جلد ہی سرحدی لکیر عبور کرکے پاکستان میں داخل ہوجائیں گے۔

امرتسر کا ایرپورٹ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ دہلی سے روانگی کے بعد وہاں اترتے ہی یہ احساس ہوا تھا جیسے ہم شہر سے کسی گاؤں میں آگئے ہوں۔ طیارے سے اترنے کے بعد مجھے اپنے بریف کیس کے انتظار میں عمارت کے اس حصے میں رکنا پڑا جہاں سامان کی آمد متوقع تھی۔

سامان کی پہلی کھیپ میں میرا بریف کیس شامل نہیں تھا۔ مجھے بے چینی سی ہونے لگی۔ بظاہر کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن ذہن میں عجیب سے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔

"ہمیں آرام سے بیٹھ جانا چاہیے۔" غزالہ نے مشورہ دیا "ہم جہاز کے ابتدائی مسافروں میں شامل تھے اس لیے آپ کا بریف کیس سب سے آخر میں آئے گا۔"

وہ سیدھی سی بات کئی بار میرے تجربے میں آچکی تھی مگر ذہنی دباؤ کی وجہ سے میں اس نکتے پر غور نہیں کرسکا تھا۔

مسافروں کا سامان جس ترتیب سے جہازوں میں لادا جاتا ہے، عام طور پر سفر کے اختتام پر اس سے الٹی ترتیب میں اترتا ہے۔ میں سگریٹ سلگا کر غزالہ کے ساتھ ٹہلتا ہوا ایک طرف ہولیا۔

تاخیر کا سبب سمجھ میں آجانے کے بعد میری پریشانی میں خاصی کمی ہوگئی تھی۔ میری نگاہیں طیارے سے آنے والے سامان پر جمی ہوئی تھیں۔ خدا خدا کرکے میرا بریف کیس نظر آیا اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اسے حاصل کرلیا۔ بریف کیس صحیح حالت میں تھا اور اس کا قفل بدستور لگا ہوا تھا۔

ائیرپورٹ سے نکل کر ہم نے ٹیکسی لی اور ڈرائیور کو گرانڈ ہوٹل کا پتا بتادیا۔ وہ ہوٹل میرا دیکھا ہوا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم سکون سے وہاں اپنا وقت گزارلیں گے۔

ٹیکسی ڈرائیور ایک نوجوان سردار تھا جس کی زبان ٹیکسی سے زیادہ تیز چل رہی تھی۔ فائدہ یہ ہوا کہ وہ راستے بھر مسلسل بولتا اور امرتسر کے بارے میں اپنی معلومات کے گن گاتا رہا۔ ہمیں اس نے ہوں ہاں کرنے سے زیادہ بولنے کی مہلت نہیں دی۔

گرانڈ ہوٹل پہنچنے پر ہمیں بولنے کی اس مشین سے نجات ملی اور ہم ٹیکسی سے اتر کر ہوٹل میں داخل ہوگئے۔

ہوٹل کے کاؤنٹر پر پہنچنے سے پہلے میں دو فیصلے کرچکا تھا۔ سب سے ضروری یہ تھا کہ مجھے اپنے اور غزالہ کے لیے الگ الگ کمرے لینے تھے تاکہ دہلی جیسے کسی تلخ تجربے کا اعادہ ہونے کی نوبت نہ آئے دوسری ضروری بات یہ تھی کہ ہوٹل کے عملے کو اپنے اصل عزائم سے بے خبر رکھنے کے لیے دو تین دن قیام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا جائے۔

دہلی سے نکل آنے کے بعد میں جلد از جلد پاکستان پہنچ جانا چاہتا تھا لیکن امرتسر سے آگے کا سفر میرے اختیار میں نہیں تھا۔ اپنے خلاف را والوں کا نیٹ ورک متحرک ہونے کے اندیشے کی وجہ سے میں اپنے پاسپورٹ کے ذریعے پاکستان لوٹنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ہماری روانگی کا تمام تر دارومدار میری اور بنگو کی پہلی ملاقات کے نتائج پر تھا۔

کاؤنٹر کلرک نے بہت خوش دلی سے ہمارا استقبال کیا۔ ہوٹل میں کئی کمرے خالی تھے۔ اس کے مشورے پر ہم نے دوسری منزل کے ایک دوسرے سے ملحق دو کمروں کے لیے آمادگی ظاہر کردی۔

ہم دونوں نے دہلی سے امرتسر تک کا سفر فرضی ناموں سے کیا تھا تاکہ ہماری دہلی سے روانگی کی فوری تصدیق نہ ہوسکے لیکن ہوٹل کے ریکارڈ میں اندراج کے لیے جو کوائف درکار تھے، وہ ہم فرضی ناموں کے ساتھ فراہم نہیں کرسکتے تھے۔ میں نے اطمینان سے دونوں پاسپورٹ کاؤنٹر پر رکھ دیے۔

میرے دل میں یہ چور تھا کہ ہم کسی قابل ذکر سامان کے بغیر سفر کررہے تھے۔ اس پر کسی کو بھی شک ہوسکتا تھا۔ ہوٹل کے رجسٹر کے اندراجات کے دوران میں نے باتوں میں کاؤنٹر والے کو یہ جتادیا کہ ہم پاکستان واپسی سے پہلے اپنی ساری خریداری امرتسر سے کرنے کا ارادہ رکھتے تھے کیونکہ آگرہ سے دہلی روانگی کے دوران ہمارے سامان سے بھرا ہوا سوٹ کیس بس کے کارگو ہولڈ سے کہیں غائب ہوگیا تھا۔

کاؤنٹر والے سردار جی نے ہماری ہمدردی میں بھارتی چوروں کو خاصا برا بھلا کہا۔ جوش خطابت اور روانی میں وہ غزالہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر دو تین گالیاں بھی دے گئے۔ وہ ان کی طرف سے ہمدردی کے اظہار کا فطری اور روایتی طریقہ تھا جس پر اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

ہمارے پاس کوئی سامان نہ ہونے کے باوجود ہوٹل کا پورٹر ہمیں کمرے دکھانے کے لیے دوسری منزل تک گیا۔ غزالہ نے اسے دس روپے دے کر خوش کردیا۔

ہم دونوں پچھلی رات آٹھ بجے سے دربدر تھے۔ دہلی کا ہوٹل چھوڑنے کے بعد ہمیں کہیں رکنے یا آرام کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ غزالہ اپنے کمرے میں چلی گئی تاکہ نہا دھوکر تازہ دم ہوسکے۔ میں نے اپنی جیب سے عابد کا دیا ہوا رقعہ نکالا اور کمرے میں موجود انسٹرومنٹ پر براہِ راست فون لائن لے کر بنگو کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

پہلی کوشش میں ہی نمبر مل گیا۔ میں ریسیور کان سے لگائے، جواب کے انتظار میں گھنٹیاں گنتا رہا۔ تیسری گھنٹی کے بعد میرے کانوں میں ایک تھکی ہوئی اور بیزار سی مردانہ آواز آئی۔ "ارے، صبح صبح کون ہے؟ کیا کام ہے؟"

"بنگو کو بلادیں۔ اس سے ضروری کام ہے۔" میں نے نرم بلکہ خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"بنگو سالا دو دن سے غائب ہے۔ پتا نہیں کب آئے گا۔ شاید اسے پولیس والوں نے پکڑلیا ہے۔" دوسری طرف سے اسی لہجے میں جواب آیا اور میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اگر بنگو کسی چکر میں پکڑا گیا تھا تو امرتسر ہمارے لیے مخدوش ہوچکا تھا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ہم آسمان سے گر کر اچانک کھجور میں اٹک گئے ہوں۔

(جاری ہے)

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آرزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر ملکی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد ارزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آ گئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی، اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا، اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مالوتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ بھنک مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے، ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جہانگیر کا ماموں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس بی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں، میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہو گئی۔ کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم جان اسمتھ بھی نئی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں گرین کوبرا فائل کی جستجو میں تھے۔ اسی اثنا میں را کی خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے مجھ سے ٹکرائی اور بے باک تنہائی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے انل بسواس سے ملوا سکتی ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا گیا کہ وہاں مظفر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ رینا سے میری دوسری ملاقات بدمزگی کا شکار ہو گئی۔ اس کی ابتدا میں ہی را کے تندخو اور سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں رینا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پچھلی رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جا چکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے محتاط روی کا مشورہ دیا اور وہ فی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہو گئی۔ میں نے را کے دفتر میں انل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بڑا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کوبرا فائل نظر آ گئی۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی نے میرے حوصلوں کو مہمیز دی اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کر لیا۔ گوپال میرا ہم نوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اسمتھ کا کام تمام کرنے روانہ کر دیا۔ ہوٹل سمرات میں غزالہ سے ویرا ٹکرا گئی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے باآسانی جان اسمتھ کو شکار کر لیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی بی کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہو گیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگر نے اپنی ڈرامائی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا ہی دیا تھا مگر وہ خوشامد پسند اور انا پرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کا شکار ہو گیا۔ ہم وہاں سے مال غنیمت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کر دیا تھا۔ ناگر کی چتا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ وہاں ہماری پے در پے کامیابیاں قابل فخر تھیں مگر بھارتیوں کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔ میں غزالہ کے ہمراہ دہلی میں رک گیا اور فائلیں ویرا کے ذریعے پاکستان روانہ کر دیں۔ مجھے اپنی کارروائی کے بعد را کی صفوں میں ہونے والے بھونچال کا اندازہ تھا۔ انہوں نے مجھ سے بھی کڑی پوچھ گچھ کی مگر میری حاضر دماغی کے باعث انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ میری اور رینا کی فلم ضائع ہو چکی تھی جس کے بعد بیلا سنگھ نامی سکھنی کو میرے پیچھے لگایا گیا مگر اس کی ناکامی کے بعد مجھے اور غزالہ ہوٹل سے دور رکھنے کے لیے نریش اور انل بسواس نے اپنے دفتر میں ہم سے ملاقات کی اور اس عرصے میں ہمارے کمروں میں خفیہ کیمرے لگا دیے گئے۔ رینا کی مہربانی کے باعث را کا یہ وار بھی ناکام ہو گیا۔ نریش بری طرح جھنجلایا ہوا تھا مگر بے بس تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر ایک غنڈے کے ذریعے غزالہ کی بے حرمتی کی کوشش کی مگر غزالہ نے اپنی مشاقی و مہارت سے اس غنڈے کو زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ نریش کے اس اقدام نے میری اس سے نفرت میں اضافہ کر دیا۔ اسی وقت انل بسواس نے مجھے فون کرکے میری آزادی کا مژدہ سنایا اور میں نے آخری شکار کھیلنے کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ اب میں صرف انل بسواس کو نہیں بلکہ نریش شرما کو بھی نرک بھجوانے کا خواہش مند تھا۔ ہمارے ستارے یاور تھے اور دہلی میں ہمارے قیام کی آخری رات کو دونوں کا قصہ پاک کر دیا گیا۔ ہم دہلی سے امرتسر پہنچے اور میں نے بنگو سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو مجھے بتایا گیا کہ وہ گزشتہ دو دنوں سے غائب تھا اور شبہ تھا کہ اسے پولیس نے پکڑ لیا ہوگا۔ میرے قدموں تلے زمین نکلنے لگی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

دوسری طرف سے پولیس کے ہاتھوں بنگو کی گرفتاری کا امکان ظاہر ہوتے ہی میں سناٹے میں آ گیا۔ چند ثانیوں کے لیے میرے سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت معدوم ہو گئی۔ ذہن کی گہرائیوں میں بس ایک ہی خیال جم کر رہ گیا تھا

کہ دہلی سے کسی نہ کسی طرح نکل آنے کے باوجود ہم دونوں امرتسر میں پھنس گئے تھے۔

میرے مخاطب نے فون بند نہیں کیا تھا۔ میں بھی سکتے کے عالم میں ریسیور اپنے کان سے لگائے کھڑا تھا۔ مجھے اچانک احساس ہوا کہ میری خاموشی سے اکتا کر وہ بیزار صفت شخص فون بند کرسکتا تھا۔ میں نے ذہنی جھٹکے سے سنبھالا لے کر فوراً ہی بولنا شروع کردیا۔ "بنگو کے بارے میں تم کو کچھ تو معلوم ہوگا؟"

میں روانی میں وہ سوال کر بیٹھا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ اس کا کوئی معقول جواب نہیں مل سکے گا۔ کھیلے کے کام کرنے والے ہر قیمت پر رازداری برقرار رکھتے ہیں اور غیر ضروری طور پر کسی کو اعتماد میں نہیں لیتے۔ دہلی میں انٹیلی جنس بیورو کے تینوں ایجنٹ سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں مقیم تھے' اس کا فون استعمال کرتے تھے اور دہلی پہنچنے کے بعد میں نے اپنا پہلا پیغام اسی کے ذریعے عابد علی تک پہنچایا تھا مگر پھر بھی سرلا آئی بی والوں کی اصلیت اور ان کے اصل کام سے بے خبر تھی۔ شاید بنگو بھی اس شخص کو درمیانی رابطے کے لیے استعمال کررہا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ بنگو کی ساری مصروفیات سے باخبر رہا ہو۔

"وہ سالا پکّا چار سو بیس ہے۔ اپنے باپ کو بھی کچھ بتانے والا نہیں ہے...."

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" میں نے جلدی سے اس کی بات درمیان سے اچکتے ہوئے وضاحت کی "وہ تمہارے علاقے کا آدمی ہے۔ اسے پولیس نے پکڑا ہے تو وہ آس پاس کے کسی تھانے میں ہوگا۔ کیا تم پتا نہیں چلا سکتے کہ وہ کہاں بند ہے۔"

"وہ مجھے سسکا سسکا کر مہینے میں پانچ سو روپلّی دیتا ہے۔ اتنے پیسوں میں یہ کام نہیں ہوسکتا۔" اس کے لہجے میں بیزاری بدستور موجود تھی لیکن میں نے محسوس کیا کہ بنگو کے بارے میں اضطراب محسوس کرکے وہ پیسوں کے لالچ میں مبتلا ہوگیا تھا۔

"تم فکر نہ کرو۔ اس کا پتا چلا سکو تو میں تمہیں معقول انعام دوں گا۔" میں نے اسے دانہ ڈالا۔

"نہیں!" اس کی آواز میں بیزاری کے بجائے خوف عود کر آیا "بنگو بہت ظالم اور دست دراز آدمی ہے۔ وہ اپنے گاہکوں سے کسی کا لین دین پسند نہیں کرتا۔"

"اسے ہوا بھی نہیں لگے گی کہ میں نے تم کو کچھ دیا ہے۔"

"یہ نہیں ہوسکتا' میں تم کو پہچانتا ہوں نہ تم نے مجھے دیکھا ہے۔ بنگو ہم دونوں کی پہچان کا آدمی ہے۔ اس کے بغیر کوئی بات نہیں بنے گی۔"

"تم اپنا پتا بتا دو۔ میں تھوڑی دیر میں وہاں آجاتا ہوں۔"

"کیا پتا کہ اس وقت تک وہ بھی آجائے۔ اس نے تم کو میرے پاس دیکھ لیا تو میری کھال گرا دے گا۔" وہ بنگو سے کچھ زیادہ ہی خوف زدہ تھا۔

"وہ کہاں سے آجائے گا؟ ابھی تو تم نے کہا ہے کہ اسے پولیس نے پکڑلیا ہے۔" میں نے تنک کر کہا۔

"یہ میرا خیال تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اور چکر میں لگا ہوا ہو۔ تم اپنا پیغام دے دو۔ وہ آئے گا تو میں بتادوں گا۔"

"اور وہ آج بھی نہ آیا تو کیا ہوگا؟" میں نے اپنی جھنجلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"رام جانے.... میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" اس کی آواز میں بے بسی تھی۔

"رگھو بیر.... گرانڈ ہوٹل۔ اس کو یہ دو باتیں بتادینا۔ میں بے چینی سے اس کا انتظار کررہا ہوں۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں اپنا کام پورا کرتا ہوں۔ اس کے آتے ہی تمہارا پیغام اسے مل جائے گا۔"

میں نے فون بند کیا اور کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگالی۔

ہم نے دہلی میں اپنا کام بہت مہارت اور صفائی سے انجام دیا تھا۔ ہماری کامیابی میں دہلی کے سماجی اور معاشرتی حالات کا گہرا دخل رہا تھا۔ دہلی کے شہری ماحول میں بہت سی تبدیلیاں آجانے کے باوجود' شہر کی پرانی آبادیوں میں تحفظ کا گہرا احساس جاگزیں تھا۔ ایسی آبادیوں میں رہنے والے امرا اور بڑے افسران بھی اپنے گھروں کے دروازوں پر مسلح نگہبانوں کی موجودگی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ میں نے غزالہ کے ساتھ ایک روز پہلے اس آبادی کا چکر لگا کر یہ اندازہ لگالیا تھا۔ انل بسواس کے گھر پر ایک دو مسلح محافظ ہوتے تو شاید ہمارا کام اتنا آسان ثابت نہ ہوتا۔ ان سے تصادم کی صورت میں ہماری ناکامی کا خطرہ بھی پیدا ہوسکتا تھا۔

نریش شرما' انل بسواس سے بہت نچلے درجے کا آدمی تھا اس لیے اس کا گھر زیادہ بڑا تھا نہ وہاں کسی چوکیدار وغیرہ کی تعیناتی کی کوئی گنجائش یا ضرورت تھی۔ ہم نے ان دونوں گھروں میں پوری بے فکری سے اپنا کام کیا تھا۔ اپنا شکار کھیلتے ہوئے میں نے پوری احتیاط رکھی تھی کہ دونوں مقتولین کے اہل خانہ میں سے کسی کو زبردستی یا زیادتی کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ میں نے عابد کے ساتھ مل کر صرف اتنا اہتمام کیا تھا کہ انہیں بے ہوش کردیا تھا۔ انل بسواس کے گھر میں وہ

کارروائی بھی پوری طرح نہیں کی گئی تھی کیونکہ اس کے ملازم گھر سے الگ تھلگ بنے ہوئے کمرے میں سوئے ہوئے تھے۔

ان سب کی بے ہوشی صبح کے اجالے کے ساتھ ختم ہوجاتی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ سب سے پہلے انل بسواس کے ملازم نیند سے بیدار ہوئے ہوں گے اور گھر میں آنے پر ان کو علم ہوا ہوگا کہ ان کا آقا ان کا ساتھ چھوڑ کر نرک کی دہکتی ہوئی آگ اور سسکارتی ہوئی دلدلوں میں اتر چکا ہے۔

ان دونوں کی موت کی خبر جب تک شہر میں پھیلتی، ہماری پرواز دہلی سے دور نکل گئی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ دہرے قتل کی وہ وارداتیں را کے ساتھ دہلی کی انتظامیہ کو ہلا کر رکھ دیں گی اور تمام تر وسائل دستیاب ہونے کے باوجود وہ فوری طور پر یہ اندازہ نہیں لگاسکیں گے کہ انل اور نریش کی بدقسمتی کے کیا محرکات تھے۔

ان لوگوں کی وہ بے یقینی زیادہ دیر تک قائم رہنے والی نہیں تھی۔ جوں ہی بعض نکات واضح ہوتے' وہ اپنی ساری توجہ میری تلاش پر مرکوز کردیتے۔

دہلی میں چند روز کے دوران میں بہت سے ہولناک واقعات رونما ہوئے تھے جن میں کچھ یکسانیت تھی۔ وجوہ کچھ بھی رہی ہوں مگر یہ بات یقینی تھی کہ را والے اپنی ساری مغز زنی کے باوجود اسی یکسانیت کا سراغ لگانے میں ناکام رہے تھے۔

ویرا کے ہاتھوں انسپکٹر ڈیوڈ کی موت زہریلے نگینے والی انگوٹھی کے استعمال کے نتیجے میں ہوئی تھی پھر ناگر کو ٹھکانے لگانے کے لیے میں نے اسی قسم کی دوسری انگوٹھی استعمال کی۔ یہ اور بات تھی کہ ناگر کی مجروح لاش آخر کار بھیانک شعلوں میں جھلس گئی اور شاید اس کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی اس کی موت کے صحیح سبب کا تعین نہیں کرسکی۔ اسی رات غزالہ نے سی آئی اے کے زونل چیف پر تیسری انگوٹھی آزمائی۔ سمراٹ ہوٹل کے بند کمرے میں پائی جانے والی جان اسمتھ کی لاش کے بارے میں صحیح کہانی اخبارات میں آچکی تھی کہ وہ جلد کے ذریعے بدن میں اترنے والے زہر کے اثرات سے مرا تھا۔

را والوں کے لیے یہ بات سنسنی خیز اور خاصی بھیانک ہوتی کہ انل بسواس کو بالکل اسی طریقے سے مارا گیا تھا جس سے جان اسمتھ اور ڈیوڈ کو ہلاک کیا گیا تھا۔ محض وہ ایک نکتہ ان تمام واقعات کی کڑیوں کو یکجا کرنے کے لیے کافی تھا۔ بس ایک نریش ایسا تھا جو بیم گن کا نشانہ بنا تھا ورنہ ان دونوں گھروں میں بے ہوش کیے جانے والوں پر بھی ہولناک انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں میں چھپے ہوئے غیر مملک زہر استعمال کیے گئے تھے۔

بیم گن کے بارے میں یہ بات تمام عالمی ایجنسیوں کے علم میں آچکی تھی کہ شی کے بڑوں کا وہ ہتھیار میرے اور ویرا کے قبضے میں تھا۔ محض بیم گن کے استعمال کی بنا پر را اور سی آئی اے والے کئی بار میری اور ویرا کی جارحانہ کوششوں کے بارے میں صحیح اندازے لگاچکے تھے۔

اس بار نریش کی لاش دہلی میں ڈینی کی موجودگی کا کھلا اعلان ثابت ہوتی اور میری تلاش میں ہر طرف ہلچل مچ جاتی۔ ان کے لیے یہ انکشاف حیرت ناک ہوتا کہ بھارت کی سرزمین پر میں صرف بیم گن سے نہیں بلکہ ہلاک کردینے اور طویل بے ہوشی طاری کردینے والے زہروں سے بھی لیس تھا۔

اس وقت ان لوگوں کے سامنے کوئی واضح سراغ نہیں تھا۔ میں ان کی نظروں میں کبھی زیادہ مشتبہ نہیں رہا تھا لیکن اپنے دو اہم افسروں کو خاموشی سے گنوا دینے کے بعد را کے ذمے دار یہ سوچ سکتے تھے کہ ان کا وہ مقام اور وہ شخصیات بدترین انجام سے دوچار ہوئیں جن سے مظہر خان نامی پاکستانی کا رابطہ تھا۔

مجھے رینا اجیت رائے اور ناگر کے ذریعے را کے پاکستانی ونگ میں بلایا گیا اور قلیل سی مدت میں اس عمارت کا اہم ترین حصہ پر اسرار آتش زدگی کا شکار ہوگیا۔ اس آگ میں را والوں نے اہم ریکارڈ کے ساتھ ناگر جیسا کامیاب ایجنٹ بھی کھودیا۔ انل اور نریش، مظہر خان کے معاملے پیش پیش تھے اور وہ دونوں بھی مار دیے گئے۔

ان واضح امکانات پر توجہ مبذول ہوتے ہی را والے مظہر خان کی تلاش میں انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کی طرف دوڑ پڑتے جہاں سے میں پچھلی شام نکل چکا تھا۔ ہمارا وہ خاموش ترین فرار ہمارے دشمنوں کے شبہات کو مزید تقویت پہنچاتا۔ ڈینی اور مظہر خان کے دہرے ناموں کا راز فاش ہوجاتا اور ہر طرف ڈینی کی تلاش کا ایک کہرام برپا ہوجاتا۔

میری منصوبہ بندی میں رازداری کو ابتدا سے اولین اہمیت حاصل رہی تھی۔ ہوٹل والوں کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ میں وہاں سے نکل کر کس طرف گیا تھا۔ دہلی میں اپنے قیام کے دوران میں بار بار اس بات کا اظہار کرتا رہا تھا کہ غزالہ تاج محل دیکھنے کے لیے آگرہ جانا چاہتی ہے۔ اگر وہ بات نریش کے ذریعے اس کے دفتری ساتھیوں کے علم میں بھی آچکی تھی تو مجھے ہوٹل اور دہلی سے غائب پاکر وہ براہِ راست آگرہ کا رخ کرتے۔

حیرانی

مفتوحہ علاقے کی ایک لڑکی اپنی سہیلی کو بتا رہی تھی "کل دشمن کا ایک فوجی میرے گھر میں گھسا.... اس نے تلوار ڈھال اور زرہ بکتر اتار کر خاموشی سے ایک طرف رکھی.... میری عزت لوٹی... پھر اسی طرح ایک لفظ کہے بغیر رخصت ہوگیا۔ خدا ہی بہتر جانے وہ چاہتا لیا تھا؟"

عابد علی نے ہم دونوں کے لیے دہلی سے امرتسر کے فضائی سفر کے لیے ٹکٹ بنوانے میں انتہائی ہوش مندی سے کام لیا تھا۔ وہ ٹکٹ مظہر خان اور غزالہ کے بجائے دو مقامی اور فرضی ناموں پر بنوائے گئے تھے۔ دہلی سے روانہ ہونے والی پروازوں کے ریکارڈ سے کوئی سراغ نہ ملنے کے باوجود را کے ہیجان زدہ افسران سرحد پر بھی اپنی توجہ مرکوز کردیتے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ ساری کارروائیاں بہت تیزی سے عمل میں آنا تھیں۔

ہمارے لہو کے پیاسے ہمارے بچ نکلنے کی ہر راہ مسدود کرنے کی کوشش کرتے۔ ہمارے لیے بس اتنا ہی کافی تھا کہ ہم ان کے ہوش میں آنے سے پہلے کھلے بندوں فضائی سفر کرکے دہلی سے سیکڑوں میل دور آچکے تھے۔

دشمن کو سوچنے، سمجھنے اور اپنی صف بندی کرنے کی کچھ نہ کچھ مہلت مل چکی تھی۔ اس امر کے سارے واضح امکانات موجود تھے کہ ذہنی اور کسی بھیانک قاتل کی تلاش میں کوئی سرا ہاتھ میں نہ ہونے کے باوجود انہوں نے مظہر خان کا نام سرِ فہرست رکھ لیا ہو۔ را تیسرے درجے کی کوئی گئی گزری تنظیم نہیں تھی۔ وہ لوگ پیشہ ور اور اپنے کاموں میں ماہر تھے۔ یہ اور بات تھی کہ میرے مقابلے میں ان کے ستاروں نے ان کی یاوری نہیں کی تھی اور کچھ سمجھنے سے پہلے ہی، چند روز کی قلیل سی مدت میں وہ میرے ہاتھوں مار پر مار کھاتے چلے گئے تھے۔ یہ بات ان میں سے کسی کے گمان میں بھی نہیں آسکی تھی کہ مظہر خان جیسا دل پھینک اور ڈرپوک پاکستانی ایک خونخوار بھیڑیا بن کر ان کے اہم آدمیوں کو جہنم واصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

وہ جب تک غافل تھے، میری زنجیر لمبی تھی لیکن ایک بار میری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے کے بعد وہ بہت تیزی کے ساتھ، میرے بچ نکلنے کی ہر راہ مسدود کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ ان کا پہلا قدم یہ ہوتا کہ وہ بھارت کی سرحدوں سے نکلنے والے ہر زمینی اور فضائی راستے پر مامور عملے کو مظہر خان اور غزالہ کے کوائف سے آگاہ کردیتے تاکہ ہم ان کی آنکھوں میں مزید دھول جھونک کر بھارت سے فرار نہ ہوسکیں۔

وہ نتائج اخذ کرنے کے لیے کسی غیر معمولی بصیرت کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ دو اور دو چار جیسی سیدھی باتیں تھیں جو سامنے نظر آرہی تھیں۔ ایسے وقت میں جب را اور بھارت کی دوسری تمام ایجنسیوں کی نگاہیں سرحدوں کی کڑی نگرانی پر مرکوز ہوچکی ہوں، ہم اپنی سفری دستاویزات کے سہارے قانونی طریقے سے سرحد پار کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ہمارے لیے وہ سراسر موت اور تباہی کا راستہ ہوتا۔

میرے ذہن میں وہ خدشات پہلے سے موجود تھے جو ہمارے امرتسر پہنچنے کے بعد مستحکم ہوچکے تھے۔ اسی بنا پر میں نے بھارت کی سرزمین سے نکل کر پاکستان پہنچنے کے مشن میں بنگو سے مدد لینے کا فیصلہ کیا تھا لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ بنگو دو روز سے اپنے ٹھکانے سے غائب تھا۔

اس نئی صورتِ حال نے مجھے ذہنی طور پر بُری طرح الجھا کر رکھ دیا تھا۔ مجھے اس کے سوا کوئی راہ نظر نہیں آرہی تھی کہ ہم امرتسر کے گرانڈ ہوٹل میں تن بہ تقدیر ہوکر پڑے رہیں اور بنگو کی واپسی کے لیے دعائیں کرتے رہیں۔

میں اسی گہری فکر میں غلطاں تھا کہ غزالہ تازہ دم ہونے کے بعد اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔

وہ نئی افتاد سے بے خبر تھی اس لیے اس کے بشرے سے مسرت اور تازگی جھلک رہی تھی۔ اس نے میرے کمرے میں آتے ہی کہا "خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اپنے سب کام پورے کرلیے لیکن اب مجھے یہاں رکنے کے تصور سے وحشت ہورہی ہے۔ اگر بنگو راضی ہوجاتا ہے تو ہمیں اسی وقت اگلے سفر پر نکل جانا چاہیے۔"

میں نے اداس اور ہمدردانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور جواب میں سہلاتے ہوئے بولا "بنگو غائب ہے۔ میں نے تمہارے جاتے ہی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ دو دنوں سے کہیں نکلا ہوا ہے۔ اس کے آدمی کو خدشہ ہے کہ کہیں اسے پولیس نے نہ دھرلیا ہو۔"

میری زبان سے وہ بری خبر سنتے ہی غزالہ کا چہرہ دھواں ہوگیا "یہ کیا بری خبر سنا رہے ہیں آپ!" اس کی آواز سے بے یقینی مترشح تھی۔

"ضروری نہیں کہ خوش نصیبی ہر قدم پر ہمارا ساتھ دیتی رہے۔ سب کچھ جتنی آسانی سے ہوتا چلا آرہا تھا اس سے

میری چھٹی حس جاگ اٹھی تھی۔ میرے ذہن کے کسی گوشے میں کسی ناگہانی رکاوٹ کا خدشہ پچھلی رات سے چکرا رہا تھا۔"

"مگر یہ کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ہمارے لیے اب تک سرحدیں بند ہوچکی ہوں گی اور جگہ جگہ چوہے دان لگادیے گئے ہوں گے۔ ہمیں ہر قیمت پر چوری چھپے یہاں سے نکلنا ہوگا۔ یہ کام جلد از جلد ہونا ضروری ہے ورنہ امرتسر ہمارے لیے مقبرہ بن جائے گا۔" وہ بہت زیادہ ہراساں نظر آنے لگی تھی۔

"پاکستان اور بھارت کی سرحد کے دونوں طرف کڑا پہرا رہتا ہے۔ بنگو جیسے کسی جانے پہچانے شخص کی رہنمائی کے بغیر ہم ادھر کا رخ بھی نہیں کرسکتے۔" میں نے کہا۔

"تو آپ یہاں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کریں گے؟" اس نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ تمہیں کوئی متبادل راہ سوجھ رہی ہے تو وہ بتادو۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"میرا بھی دماغ کام نہیں کررہا لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہوٹل ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔ وہ سرحدیں بند کرنے پر اکتفا نہیں کریں گے۔ ہمارے بارے میں سرحدی حکام کو بریف کرنے کے ساتھ ہی شہروں میں چھاپے مارنے شروع کردیں گے۔ ہم یہاں ہر لمحہ سولی پر لٹکے ہوئے ہیں۔"

غزالہ نے درست بات کہی تھی۔ اس نے صحیح خطرے کی نشاندہی نہیں کی مگر صحیح سمت کی نشاندہی ضرور کی تھی۔ ہم نے دہلی سے امرتسر تک کا سفر فرضی ناموں سے کرکے بہت ہوشیاری کا مظاہرہ کیا تھا مگر گرانڈ ہوٹل میں کمروں کے حصول کے لیے جو کوائف درکار تھے' ان کا مہیا کرنا دشوار تھا۔ میں نے فرضی ناموں کی الجھن میں پڑے بغیر دونوں پاسپورٹوں کی مدد سے کمرے بک کرالیے تھے۔

غزالہ کی زبان سے آخری فقرہ ادا ہوتے ہی مجھے اپنی گردن سولی کے حلقے میں جاتی ہوئی نظر آنے لگی۔ یہ نچلی سطح سے اوپر تک کا اصول ہے کہ تفتیش کے دوران کسی مجرم کا سراغ نہ مل رہا ہو تو ہر کمزور اور مشتبہ شخص کو گھیرے میں لے کر پکڑلو۔ اسی اصول کے تحت میرے خلاف را کی کارروائی کا آغاز ہوچکا تھا۔ ان کے لیے میں سب سے بڑا مشتبہ ملزم ہوسکتا تھا جسے پکڑنے کے لیے سارے وسائل کو بروئے کار لانا ضروری تھا۔

مجھے یقین ہورہا تھا کہ انہوں نے مظہر خان اور غزالہ کے بارے میں صرف سرحدی اہلکاروں کو ہدایات دینے پر اکتفا نہیں کیا ہوگا۔ وہ ہمارے خلاف اخباروں میں خبریں اور اشتہار چھپوا سکتے تھے۔ ان خبروں اور اشتہاروں کی اشاعت میں تاخیر ہونے کا امکان تھا اس لیے غالب خطرہ یہ تھا کہ ہمارے بارے میں بھارتی شہریوں کا نیٹ ورک استعمال کرنے کے لیے وہ ریڈیو اور ٹیلی وژن پر اعلان کرادیں گے۔

وہ دونوں بہت موثر اور طاقت ور ذرائع تھے۔ ذرا سی دیر میں پورے بھارت میں ہمارے خلاف ایک محاذ کھڑا کیا جاسکتا تھا۔ ریڈیو اور ٹی وی کی رسائی ہر گھر' دفتر اور ہوٹل تک تھی۔ وہ اعلان سننے کے بعد گرانڈ ہوٹل کا بکنگ کلرک خاموشی سے پولیس کو مطلع کردیتا کہ مطلوبہ مجرم اس کے ہوٹل میں مقیم تھے۔

اس مخبری کے بعد ہمارا انجام کیا ہوتا۔ اس کا تصور ہی لرزہ خیز تھا۔

"بنگو کا انتظار کرنے سے بہتر ہوگا کہ ہم اپنے طور پر کوئی کام کا آدمی تلاش کرنے کی کوشش کریں۔" غزالہ نے کچھ دیر کے سکوت کے بعد کہا۔ وہ میرے ذہن میں اٹھنے والی آندھی کی نئی لہر سے بالکل بے خبر تھی۔

وہ ہمارے پورے حالات پر غور کیے بغیر مشورہ دے رہی تھی۔ یہ ٹھیک تھا کہ دنیا کے بیشتر سرحدی شہروں میں ایسے پیشہ ور اسمگلر موجود ہوتے ہیں جو بھاری معاوضہ لے کر انسانوں اور سازو سامان کو خفیہ راستوں سے سرحد پار پہنچادیتے ہیں۔ عام آدمی تو انہیں تلاش کرنے کا خطرہ مول لے سکتا تھا مگر ہم پہلے ہی مخدوش حالات میں گھرے ہوئے تھے۔ امرتسر جیسے اجنبی شہر میں اپنی بے خبری کی بنا پر کسی غلط آدمی سے ٹکرا جاتے تو آن واحد میں ہمارا کام تمام ہوسکتا تھا۔

بنگو کی پراسرار گمشدگی نے ہمیں اچانک ایک بند گلی میں دھکیل دیا تھا جہاں سے نکاس کی کوئی راہ نہیں تھی۔

میں نے خاموشی سے غزالہ کی بات سنی اور اپنی جگہ چھوڑ دی "کمرے سے اپنا سامان اٹھاؤ اور یہاں سے بھاگ نکلنے کی تیاری کرو۔"

میری سرگوشیانہ آواز سن کر وہ سراسیمہ ہوگئی "کیوں....؟ بیٹھے بیٹھے آپ کو اچانک کیا ہوگیا؟"

"ہوٹل میں ہم نے اپنے پاسپورٹ دکھا کر کمرے لیے ہیں۔ کسی بھی وقت دور درشن سے اعلان ہوگا کہ مظہر خان اور غزالہ نامی ایک پاکستانی جوڑا دہلی میں اہم افسروں کو قتل کرکے بھاگا ہے۔ بھارتی شہری ان کی طرف سے ہوشیار رہیں اور جہاں بھی انہیں دیکھیں' پولیس کو مطلع کردیں۔ صحیح خبر دینے والے کو اتنا انعام دیا جائے گا۔ ذرا تصور کرو کہ ہم

یہاں بے خبر بیٹھے ہیں۔ یہ اعلان نشر ہوا تو ہم کہاں ہوں گے؟" میں نے بیٹھی آواز میں اسے بتایا۔

غزالہ نے گھبرا کر اپنی جگہ چھوڑ دی "ہمیں یہ بات پہلے سوچ لینی چاہیے تھی۔ ہم سے بڑی سنگین غلطی ہوئی ہے۔"

"شدید دباؤ میں بہت سی اہم باتیں توجہ سے محروم رہ جاتی ہیں۔" میں نے متاسفانہ انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے جواب دیا "اس وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ بنگو اچانک غائب ہو جائے گا۔ میں اسے ایک فضول اور کاہل شخص سمجھ رہا تھا جو صرف آئی بی کے لیے کام کرتا ہے۔ میرے ذہن میں اس خطرے نے بھی سر نہیں ابھارا تھا کہ انل اور نریش کی موت کا راز کھلتے ہی را والے میرے اور تمہارے فرضی ناموں پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر دیں گے۔"

"مجھے اب بھی شبہ ہے کہ وہ اتنی سرعت سے ہمیں اتنی زیادہ اہمیت دیں گے۔ جن دونوں سے آپ کا براہِ راست رابطہ تھا وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ دوسروں کے لیے فیصلے کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ ہمارے ناموں کی باری ضرور آئے گی مگر میرا خیال ہے کہ اس میں وقت لگے گا۔"

"پھر ہمیں گھبرا کر ہوٹل سے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے پورے خلوص سے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "اگر بنگو لوٹ آیا تو ہمارے لیے پریشان ہونا پڑے گا۔ میں نے اس کے آدمی کو یہیں کا پتا دیا ہے۔"

"نہیں!" وہ بوکھلا کر بولی "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بس ہمیں امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ آپ کے ذہن میں ایک اندیشہ جنم لے چکا ہے تو اب ہم یہاں ٹھہرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ فیصلے کی ذرا سی لغزش ہماری موت کا سبب بن جائے گی۔"

وہ میری زندگی کا بہت سنگین اور نازک موڑ تھا۔ میں نے ہمیشہ خطرات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا اور کبھی حالات کے سامنے سپر نہیں ڈالی تھی لیکن اس وقت مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری خود اعتمادی ریزہ ریزہ ہو گئی ہو اور میں یکایک بہت کمزور ہو گیا ہوں۔

غزالہ نے بڑے فیصلے میں وقت لگنے کی امید دلائی تو میں ہوٹل سے فرار کا ارادہ ملتوی کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے کوئی خطرہ مول نہ لینے کا ارادہ ظاہر کر کے مجھے دوبارہ تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ میں نے اندر کی ٹوٹ پھوٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے دونوں امکانات کا موازنہ کرنا شروع کر دیا۔

میری کمان سے ایک تیر نکل چکا تھا جسے واپس لانا

میرے بس سے باہر تھا۔ گرانڈ ہوٹل کے رجسٹر پر یہ حقیقت ریکارڈ ہو چکی تھی کہ مظہر خان اور غزالہ اس ہوٹل میں پہنچ چکے ہیں۔ اس رجسٹر کے نذر آتش ہونے کے بعد بھی یہ بات ہوٹل کے کلرک کے دماغ میں جمی رہتی کہ پاکستانی پاسپورٹ رکھنے والا ایک مسلمان جوڑا اس کے ہوٹل میں ٹھہرا تھا۔ شاید اسے نام بھی یاد رہ جاتے کیونکہ اس سے میری کچھ ذاتی گفتگو بھی ہوئی تھی جو آگرہ سے دہلی تک بس کے سفر کے دوران ہمارے اسباب کی فرضی گمشدگی سے متعلق تھی۔

ہم ہوٹل میں رکے رہتے تو ایک بھیانک خطرہ ہر لمحے میرے اعصاب پر سوار رہتا۔ ہماری لاعلمی میں ٹی وی وغیرہ پر ہمارے خلاف کوئی اعلان نشر ہوتا اور مقامی پولیس ہوٹل کے عملے سے اطلاع ملتے ہی وہاں دھاوا بول کر ہمیں رنگے ہاتھوں دھر لیتی کیونکہ بیم گن اور سی ایس ڈی جیسی دو نایاب چیزیں میری تحویل میں تھیں جن سے میں دستبردار ہو سکتا تھا اور نہ ان کی موجودگی کے بارے میں بھارتی پولیس کو کوئی قابلِ قبول کہانی سنا سکتا تھا۔

ہم پاکستانی تھے۔ بھارتی پولیس کے مغلوب کیے ہوئے مجرموں کی حیثیت میں ہمارے ساتھ جو بھی بدسلوکی ہوتی وہ ناقابلِ برداشت ہوتی۔ میں تصور کر سکتا تھا کہ میرے مقابلے میں غزالہ کی جو تذلیل ہوتی اسے سہنا میرے یا اس کے لیے ہرگز ممکن نہ ہوتا۔ شاید وہ اس سے پہلے خود اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتی۔

دوسری راہ ہوٹل سے فرار کی تھی۔ میں ہوٹل کا رجسٹر چرا سکتا تھا نہ کلرک کے دماغ سے اپنا نام کھرچ سکتا تھا۔ اعلان کے نتیجے میں مخبری ہوتی تو امرتسر کی پولیس ہماری واپسی کی گھات میں ہوٹل کا محاصرہ کرکے بیٹھ جاتی اور دن بھر بیٹھی رہتی۔ جب ہم رات گئے تک واپس نہ لوٹتے تو ان کے کان کھڑے ہوتے اور شہر میں ہماری تلاش کی مہم شروع ہو جاتی۔ جس کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات مساوی تھے۔

ہوٹل سے فوری فرار کے نتیجے میں ہمیں دس بارہ گھنٹوں کی مہلت مل سکتی تھی جو مقامی پولیس ہمارے انتظار میں گزار چکی ہوتی۔ اس کے بعد یہ بات پورے بھارت میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی کہ دہلی کی خوں ریزیوں میں مطلوب جوڑا امرتسر میں کہیں روپوش ہے۔ اس کے بعد وہ متوسط درجے کا سرحدی شہر ساری توجہات کا مرکز بن جاتا۔ اگر ہم بدقسمتی سے اس شہر میں پھنسے رہ جاتے تو پھر ہمارا نکلنا محال ہو جاتا۔

فرار میں ایک نقصان یہ ہوتا کہ بنگو سے رابطے کی امید کمزور پڑ جاتی۔ میں نے کمرے میں چہل قدمی کرتے ہوئے، چند سگریٹیں پھونکنے کے بعد یہ سوچا کہ ہوٹل چھوڑنے کے بعد میں کہیں سے دوبارہ فون کرکے بنگو کے بیزار صفت ساتھی کو صرف اتنا بتا دوں کہ میں ہوٹل چھوڑ کر خریداری کے لیے بازار میں نکلا ہوا تھا۔ بنگو لوٹ آئے تو اسے روک لیا جائے۔ میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ رابطہ برقرار رکھ سکتا تھا۔

میں جتنا غور کرتا گیا، خطرات کے مہیب سائے اسی قدر گمبھیر ہوتے چلے گئے۔ ہوٹل میں رکنا ہر صورت میں مضر تھا۔ وہاں سے نکل جانے میں بھی کئی خطرے مضمر تھے لیکن پھر بھی وہ ہمارے لیے عافیت کی ایک بہتر راہ تھی۔

ہم دونوں نے اپنے مختصر اثاثے سمیٹے، غزالہ نے اپنے کمرے کا چکر لگایا اور پھر ہم دونوں دوسری منزل سے نیچے چل دیے۔ کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے سردار جی نے شناسائی کے انداز میں دور ہی سے مسکرا کر ہمارا استقبال کیا مگر میں اس مردود سے غافل نہیں تھا۔ اس کی غلیظ نگاہیں غزالہ پر زیادہ مرکوز تھیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میرا نام بھولے تو بھول جائے، غزالہ جیسی پرکشش خاتون کا نام مہینوں نہیں بھول سکتا تھا۔

میں نے دونوں کمروں کی چابیاں اس کے سامنے ڈالیں اور پھر ہم دونوں اپنے مختصر دستی سامان کے ساتھ باہر نکل گئے۔

''خیر سے تم دونوں کی واپسی کب تک ہوگی؟'' پیچھے سے اس کی آواز آئی۔

''بازار سے دیر سے آئیں گے۔'' میں نے پلٹ کر جواب دیا اور آگے بڑھ گیا۔

امرتسر بڑے شہروں کی طرح دیر سے بیدار ہونے والوں کا شہر نہیں تھا مگر پھر بھی وہ وقت وہاں کے بازاروں کے لیے نامناسب تھا۔ کچھ دکانیں کھلی ہوئی تھیں مگر بیشتر بازار بند تھا۔

میں نے گرانڈ ہوٹل چھوڑ دیا تھا جہاں ہم دونوں کے مختصر قیام کا ریکارڈ موجود تھا۔ میں اس ہوٹل اور اس سڑک سے جلد از جلد دور نکل جانا چاہتا تھا تاکہ ہمارا کوئی سراغ حاصل کرنے کا امکان باقی نہ رہے لیکن راستے میں ایک فون بوتھ پر نظر پڑتے ہی میرے قدم رک گئے۔

قریبی دکان سے فون کارڈ خرید کر میں نے بوتھ سے بنگو کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے وہی پرانی آواز سنائی دی۔

''میں رگھوبیر بول رہا ہوں۔ بنگو آیا؟'' میں نے اس کی آواز پہچان کر براہِ راست سوال کیا۔

''نہیں۔ ابھی تک وہ آیا نہ اس کی کوئی خبر آئی۔ تم فکر نہ کرو۔ تمہارا پیغام مجھے یاد ہے....''

''میں اس کے انتظار میں بندھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔ اب

بازار جا رہا ہوں۔"

"پھر میں اس سے کیا کہوں؟" میرے جواب پر وہ شاید الجھ گیا۔

"بس اسے روک لینا۔ میں ایک گھنٹے بعد پھر فون کروں گا۔" میں نے نرمی سے جواب دیا۔

"آ گیا تو ضرور روک لوں گا۔ ہمیشہ وہ کام کے انتظار میں رہتا ہے۔ آج پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ کام آیا ہے تو وہ غائب ہے۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔" میں نے مختصر سا جواب دے کر فون بند کر دیا۔

اس بار میں نے محسوس کیا کہ وہ بلاوجہ بات بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید کسی موٹی رقم کا لالچ ایک مرتبہ پھر اس کی نیت پر غالب آ رہا تھا مگر میں نے پچھلی گفتگو میں یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بہت ڈرپوک اور کم از کم میرے لیے ناقابلِ اعتبار آدمی تھا۔ وہ بنگو سے اس قدر ڈرتا تھا کہ اس کی ذرا سی ڈانٹ ڈپٹ پر میری اور اپنی گفتگو اس کے سامنے دہرا دیتا اور بنگو میری طرف سے بدظن ہو کر شاید میرا ساتھ دینے سے بھی انکار کر دیتا۔

میرے لیے بنگو کی سب سے بڑی افادیت یہ تھی کہ وہ بھارتی سرزمین پر شاید پاکستانی انٹیلی جنس بیورو کا واحد غیر مسلم ایجنٹ تھا۔ بظاہر وہ آئی بی کا تنخواہ دار نہیں تھا۔ اسے ہر کام کا ایک لگا بندھا معاوضہ دیا جاتا تھا۔ اس نے پوری حفاظت اور ذمے داری کے ساتھ ہمیں لاہور کے مضافات سے اپنی تحویل میں لینے کے بعد امرتسر پہنچایا تھا۔ اس کے پاس آئی بی والوں کا دیا ہوا ایک طاقت ور ٹرانسمیٹر موجود تھا جس پر وہ ضرورت کے وقت جلال یا اس کے کسی آدمی سے بات کر سکتا تھا۔ اس سے رابطہ ہونے کے بعد مجھے یہ تسلی ہو جاتی کہ جلال کو فوری طور پر یہ معلوم ہو جاتا کہ دہلی میں کہرام برپا ہونے سے پہلے ہم دونوں بحفاظت امرتسر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

امرتسر اور لاہور کے درمیانی راستوں کے بارے میں اس کی واقفیت مستند تھی۔ وہ ایسے کسی خفیہ راستے سے ہمیں نکال لے جانے کے بارے میں بہترین مشورہ دے سکتا تھا۔ سفر کے وقت کے تعین کے لیے اس کی صوابدید پر آنکھیں بند کر کے بھروسا کیا جا سکتا تھا۔

ہم دونوں کافی دیر تک امرتسر کی سڑکوں اور فٹ پاتھوں

پر پیدل چلتے رہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ شہر زیادہ وسیع نہیں تھا۔ گرانڈ ہوٹل سے بہت زیادہ دور نکلنا شاید ممکن نہیں تھا لیکن تنگ راستوں اور گنجان بازاروں کا سلسلہ میری توقع سے زیادہ طویل ثابت ہوا۔

گرانڈ ہوٹل سے زیادہ سے زیادہ دور نکلنے کی کوششوں میں، میں نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ میں ان بھرے پرے اور بارونق راستوں سے دور نہ بھٹکوں جہاں دوسروں کے درمیان ہماری انفرادیت نمایاں نہ ہو اور ہم کسی کی مخصوص توجہ سے بچے رہیں۔ اس کوشش میں ہمیں کئی بار پیچ در پیچ گلیوں میں بھی بھٹکنا پڑا۔ کچھ دیر بعد لسی کی ایک اونچی اور بڑی سی دکان کو تیسری بار اپنی نگاہوں کے سامنے پایا تو میں چونک پڑا۔ مجھے احساس ہوا کہ امرتسر کی اس کوچہ نوردی میں بھٹک کر میں سمتوں کا احساس کھو بیٹھا تھا اور بار بار ایک ہی بھول بھلیاں میں چکراتا پھر رہا تھا۔

بھٹکنے کی وجہ سے مجھے امرتسر کی وسعت کی خوش فہمی ہو رہی تھی لیکن لسی کی ایک ہی دکان کے سامنے سے تیسری بار گزرنے کے بعد میری یہ خوش فہمی دور ہو گئی۔ امرتسر میرے ابتدائی اندازے کے مطابق زیادہ بڑا شہر نہیں تھا۔ میں نے اپنی غلطی سے اس شہر کو بڑا بنا دیا تھا۔

اس مٹرگشت یا کوچہ نوردی میں، میں یہ دیکھ چکا تھا کہ تقریباً تمام ہی ہوٹل مردانہ تھے لیکن خریداری کے لیے اپنی سکھنیوں کے ساتھ نکلنے والے سرداروں کی سہولت کے لیے کئی ہوٹلوں کے باہر واضح طور پر لکھا ہوا تھا کہ وہاں فیملی کیبن دستیاب تھے۔ ہندی میں لکھی ہوئی تحریریں میرے لیے ناقابلِ فہم تھیں۔ بھارت سے اردو کو مدت پہلے دیس نکالا مل چکا تھا لیکن امرتسر آنے والے غیرملکیوں اور خصوصاً عیال دار پاکستانیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بہت سی دکانوں اور ہوٹلوں کے بورڈ انگریزی میں بھی لکھے ہوئے تھے۔ میرا سارا مشاہدہ ان انگریزی تحریروں تک محدود تھا۔

بازار میں بے مقصد بھٹکنے کا احساس ہوتے ہی مجھے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا اور یکایک تکان بھی محسوس ہونے لگی۔ میں سب سے پہلے نظر آنے والے اس ہوٹل میں گھس گیا۔ جہاں فیملی کیبن کی موجودگی کا اشتہار نمایاں تھا۔

وہ ہوٹل بس واجبی سا تھا۔ ہوٹل میں رکھے ہوئے ڈیک کے ذریعے اسپیکروں پر جگجیت سنگھ کا مشہور پنجابی گانا گونج رہا تھا جس میں منہ زور جوانی کے سامنے ململ کی کرتی کے چار دن میں بول جانے کا بازاری تذکرہ موجود تھا۔ شاید غزالہ کے احترام میں وہ گانا روک کر کیسٹ فوراً آگے بڑھا دیا گیا۔ میں میزوں کے درمیان سے گزرتا ہوا ان نام نہاد کیبنوں کی طرف بڑھ گیا جن کے ادھورے پارٹیشن فرش سے کم از کم ایک فٹ بلند تھے۔

پردے کے نام پر ایک میلے چیتھڑے سے گزر کر ہم اندر پڑی ہوئی چار میں سے دو کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

گرانڈ ہوٹل سے افراتفری میں فرار کے بعد اس وقت وہ کیبن غنیمت نظر آ رہا تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی کیسوں اور غزالی آنکھوں والے ایک نوخیز سکھ لڑکے نے پانی سے بھرا ہوا اسٹیل کا جگ اور دو گلاس میز پر رکھے اور ہمہ تن سوال بن کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر خواجہ سراؤں والی پھیکی سی مسکراہٹ جمی ہوئی تھی۔

گرانڈ ہوٹل والے سکھ کلرک کے مقابلے میں وہ لڑکا قطعی بے ضرر نظر آ رہا تھا بلکہ خود نقصان اٹھانے کے موڈ میں تھا۔ میں نے بس ایک بار اس کی طرف دیکھا اور شرمندہ ہو کر اپنی نظریں جھکا لیں۔ عجلت میں مجھے کچھ اور نہ سوجھ سکا۔ میں نے چائے اور بسکٹوں کا آرڈر دے کر اسے ٹال دیا۔

لڑکا چلا گیا تو مجھے بے اختیار سلطان شاہ یاد آ گیا۔ مجھے را کے چنگل میں پھنسوانے والے آدمی کی تلاش میں خود غائب ہو کر اس نے مجھے فکر اور تشویش میں مبتلا کر دیا تھا مگر غنیمت یہ ہوا کہ اول خان کے آدمیوں نے بروقت اسے تلاش کر کے اسٹیشن فور پہنچا دیا تھا جہاں وہ خیریت سے اور پرسکون تھا۔ وہ را اور بھارتیوں کے معاملے میں بہت زیادہ جذباتی بلکہ انتہا پسند واقع ہوا تھا۔ وہ ان کی توہین اور تذلیل کے ہر موقع سے استفادہ کرنا اپنا حق تصور کرتا تھا۔ غزالہ کے بجائے وہ امرتسر کے اس ہوٹل میں میرے ساتھ ہوتا تو ویٹر کے فرائض انجام دینے والا سکھ لونڈا اپنا مطلوب نقصان اور اس سے منسلک فوائد اٹھانے میں ضرور کامیاب ہو جاتا۔

میرا خیال تھا کہ دیرا کے پاکستان پہنچ جانے کے بعد سلطان شاہ کی وحشت اور تنہائی کے احساس میں کمی آ چکی ہو گی۔ جب تک ہم اپنا سفر مکمل کر کے کراچی پہنچیں گے، وہ اور اعتدال پر آ چکا ہو گا۔

چائے نوشی کے دوران میں میرا ذہن بار بار دہلی اور اسلام آباد کے درمیان بھٹکتا رہا۔ مجھے بتا دیا گیا تھا اور بعد میں یہ بات میرے تجربے میں بھی آ چکی تھی کہ دہلی میں مامور، آئی بی کے ایجنٹ پاکستانی سفارت کاروں سے دور بلکہ بالکل الگ تھلگ رہ کر اپنے فرائض انجام دیتے تھے کیونکہ پاکستانی مشن کے تمام چھوٹے بڑے اراکین ہمہ وقت بھارتیوں کی کڑی نگرانی میں رہتے تھے۔ ان سے میل جول رکھنے میں یہ خطرہ

تھا کہ آئی بی والے دشمنوں کے سامنے بے نقاب ہوجاتے اور کوئی سفارتی مراعت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ناقابلِ تصور صعوبتوں کا نشانہ بن جاتے۔

آئی بی والوں کی محتاط روی کی انتہا یہ تھی کہ وہ اپنی رپورٹوں کی ترسیل اور ہدایات کی وصولی کے لیے اپنے انتہائی خفیہ مگر آزاد ذرائع استعمال کرتے تھے۔ ان ٹھوس زمینی حقائق کے باوجود مجھے پورا یقین تھا کہ ہمارا سفارت خانہ ان کی سرگرمیوں سے بے خبر نہیں رہا ہوگا۔ دہلی میں انل اور نریش کی موت کی خبر سنتے ہی انہوں نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ وہ کارروائی کس سمت سے کی گئی تھی۔

وہ ہر لحاظ سے ایک بہت بڑا واقعہ تھا جس کی خبری اہمیت بھی تھی۔ اس پر رپورٹ لکھنے کا انداز مختلف اور رازدارانہ ہوسکتا تھا لیکن دوسروں کی طرح پاکستانی سفارت کاروں کو وہ خبر اپنے ملک تک پہنچانے کا حق حاصل تھا جسے استعمال کیا گیا ہوگا۔

وہ کسی بھی طرح رکنے والی خبر نہیں تھی۔ صرف جلال کو معلوم تھا کہ میں انل بسواس کی موت کا اہم ترین مقصد اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ خبر سنتے ہی وہ سمجھ لیتا کہ میں نے کسی نہ کسی طرح اپنا ہدف حاصل کرلیا ہے۔ اس خبر کے ساتھ ہی اسے میری اور غزالہ کی فکر ہوجاتی۔ اس کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جو اسے ہم دونوں کی تازہ ترین پوزیشن سے آگاہ کرسکے۔ اپنے پاس موجود ٹرانسمٹر کی وجہ سے صرف بنگو وہ خبر آگے بڑھانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو مجھے بنگو کے لیے دوسرا فون کیے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ میں نے چائے کی اپنی پیالی خالی کرکے غور سے غزالہ کی طرف دیکھا اور پوچھا "میں کچھ دیر کے لیے تمہیں اکیلا چھوڑ دوں تو تمہیں ڈر تو نہیں لگے گا؟"

"کھلے ہوٹل میں ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ کسی نے میری تنہائی سے فائدہ اٹھا کر بے تکلف ہونے کی کوشش کی تو مجھے کوفت ہوگی۔ اس نازک وقت میں، میں کوئی ہنگامہ کھڑا کرکے اپنی ذات کو تماشا اور دوسروں کی توجہ کا مرکز نہیں بنانا چاہتی۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

میں نے اطمینان سے کرسی چھوڑ دی "مجھے خوشی ہے کہ تمہیں حالات کی نزاکت کا گہرا ادراک ہے۔ مجھے تمہارے خوف اور کوفت کی کوئی پروا نہیں ہے۔ میں اپنے آدمی کو فون کرکے ذرا سی دیر میں واپس آتا ہوں۔" دھیمی آواز میں اسے مطلع کرنے کے بعد میں ہوٹل کے کیبن سے نکل گیا۔

اس ہوٹل میں داخل ہونے کا فیصلہ کرنے سے پہلے میں یہ دیکھ چکا تھا کہ اس کے قریب ہی ایک پبلک بوتھ موجود تھا۔ دوسری طرف فون کی پہلی گھنٹی بجی اور ریسیور اٹھالیا گیا۔ اس بار وہ پرانی اور بیزار آواز نہیں سنائی دی۔ بولنے والا کوئی پُرجوش اور جوان آدمی تھا۔ وہ آواز سن کر میں لمحے بھر کے لیے تذبذب میں پڑگیا۔ کہیں وہ کوئی غلط آدمی نہ ہو۔ اس سے بنگو کے بارے میں سوال کرنے سے کوئی گڑبڑ نہ ہوجائے۔

میں بیزار آواز والے کے نام سے بھی واقف نہیں۔ مجھے بنگو سے رابطے کے لیے صرف فون نمبر دیا گیا تھا۔ آدمی کی کوئی اہمیت ہوتی تو عابد علی نے اس کے بارے میں مجھے ضرور بریف کیا ہوتا۔ اس نے اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ اگر گڑبڑ ہونی تھی تو یہ بھی ہوسکتا تھا کہ پرانی اور بیزار آواز والا آدمی غلط رہا ہو۔ فون پر رابطہ برقرار تھا۔ میرے پاس سوچنے کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنا مدعا ظاہر کردیا "بنگو کو بلا دو!"

وہ اپنے کام کو سمجھنے والا ہوشیار آدمی تھا۔ مجھ سے کوئی جرح کرنے سے پہلے اس نے اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا "میں بنگو ہی بول رہا ہوں۔ تم کون ہو؟" اس کی آواز جذبات سے یکسر عاری مگر محتاط تھی۔

میرے لیے وہ بہت بڑی خوش خبری تھی کہ ہماری پاکستان واپسی کی سب سے مضبوط کڑی مل چکی تھی۔ میں نے بے ساختہ کہا "میں رگھوبیر ہوں۔ تم دو دن سے کہاں تھے؟ تمہاری آواز کو کیا ہوا؟ فون پر میں پہچان ہی نہیں سکا کہ تم بول رہے ہو۔"

عابد نے مجھے بتایا تھا کہ بنگو کے لیے رگھوبیر کوئی نام نہیں تھا۔ اس ظاہری نام میں ایک مکمل خفیہ پیغام پنہاں تھا کہ اس کے دوستوں سے تعلق رکھنے والا کوئی آدمی بھارت کے کسی اور شہر سے امرتسر آیا ہوا تھا اور اس سے جلد از جلد ملنے کا خواہاں تھا۔

"صبح سے تم دو بار فون کرچکے ہو۔ دونوں بار تمہارے پیغام الگ الگ تھے۔ اس وقت تم کہاں ہو؟" اس نے میرے سوالوں کو نظر انداز کرکے پوچھا۔

"میں یہاں کے علاقوں اور بازاروں سے واقف نہیں ہوں۔ بس یہ معلوم ہے کہ جس ہوٹل میں ہوں، اس کے بورڈ پر پروپرائٹر کا نام سردار گلاب سنگھ لکھا ہوا ہے....."

بنگو نے میری بات کاٹ دی اور جلدی سے بولا

''گلابے کا ہوٹل میرا دیکھا ہوا ہے۔ تم وہیں ٹھہرو۔ میں تھوڑی دیر میں پہنچتا ہوں... مگر سنو! میں تمھیں کیسے پہچانوں گا؟ کیا میں نے کبھی تم کو دیکھا ہوا ہے؟''

''یہ فون کی خرابی ہے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ''میں تمہاری آواز پہچان سکا نہ تم نے میری آواز پہچانی۔ چند روز پہلے تم ہی مجھے دو عورتوں کے ساتھ لائے تھے اور راستے میں ایک صوبے دار کو...''

''بس بس۔ مجھے یاد آگیا۔'' اس نے میری بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا ''میں آدھے گھنٹے میں آرہا ہوں۔ تم بھی خیال رکھنا۔ اس وقت میرا دماغ کچھ سنکا ہوا ہے۔ ایک لمبے بکھیڑے سے نمٹ کر آیا ہوں۔ تمہارا پیغام نہ ملا ہوتا تو اب تک لمبی تان کر سو گیا ہوتا۔''

میں نے اسے ملنے کی یقین دہانی کرائی اور فون بند کر دیا۔

درمیانی آدمی نے بنگو کے بارے میں جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ میرے لیے بہت ہولناک تھے کیونکہ انل اور نریش کے قتل کے بعد بنگو ہمارے فرار کا اکلوتا وسیلہ تھا۔ اگر وہ کسی ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوتا تو ہم دونوں ناقابلِ بیان مشکلات میں گھر جاتے۔ اس وقت فون پر بنگو سے بات کر کے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ ذہن سے ناامیدی کے بادل چھٹ گئے تھے اور میں اپنی مہم کے آخری مرحلے کے بارے میں ایک مرتبہ پھر اپنے دل کی گہرائیوں میں نیا جوش اور ولولہ ابھرتا محسوس کر رہا تھا۔

اس وقت تک مجھے کہیں ایسی کوئی علامت نظر نہیں آئی تھی جس سے یہ پتا چلتا کہ را والوں نے میرے بارے میں ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ پر کوئی ہمہ گیر مہم شروع کر دی ہے۔ دہلی میں جو کچھ ہو رہا تھا' غالباً روایتی سرکاری انداز میں ہو رہا تھا۔

بنگو سے رابطہ ہونے کے بعد مجھے کسی بات کی کوئی فکر نہیں رہی تھی۔ اگر را والے مظہر خان اور غزالہ کے خلاف کوئی اعلان کر بھی ڈالتے تو کم از کم آنے والی رات تک ہم بالکل محفوظ رہتے۔ بات گرانڈ ہوٹل کے عملے تک پہنچ جاتی اور انہیں پتا چل جاتا کہ را کے مطلوب قاتل اور پاکستانی دہشت گرد اسی صبح ان کے ہوٹل میں ٹھہرے ہیں تو وہ خالی اور مقفل کمروں میں کوئی تیر نہیں مار سکتے تھے۔ وہ ہر حال میں رات گئے تک ہماری واپسی کا انتظار کرتے۔ یوں ہمارے پاس بھارت کی منحوس سرزمین چھوڑنے کے لیے کافی وقت تھا۔ جب تک ہوٹل والے ہماری واپسی سے مایوس ہو کر یہ خبر پھیلاتے کہ پاکستانی دہشت گرد کچھ دیر کے لیے ان کے ہوٹل کے الگ الگ کمروں میں قیام کرنے کے بعد امرتسر کے پُرہجوم بازاروں میں کہیں گم ہو چکے تھے' ہم شاید پوری حفاظت سے پاکستان واپس پہنچ چکے ہوتے۔

بنگو نے مجھ سمیت کسی کو بھی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے مرعوب نہیں کیا تھا۔ وہ جسیم اور قد آور ضرور تھا لیکن ذہانت اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی وہ محض اپنی فرماں برداری کے سہارے آئی بی کے مضبوط نیٹ ورک کا ایک پرزہ بنا ہوا تھا۔ ابتدا میں اسے ہمارے مشن میں ایک معمولی مہرے سے زیادہ وقعت حاصل نہیں تھی لیکن ہماری واپسی کے منصوبے میں اس نے یک بیک کلیدی اور ناگزیر حیثیت اختیار کر لی تھی۔

ہوٹل کے کیبن میں میرے کچھ بولنے سے پہلے غزالہ نے بھانپ لیا کہ مجھے کوئی اہم کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ نیچی آواز میں بول پڑی ''آپ کا چہرہ تر و تازہ نظر آرہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنگو کا کوئی سراغ مل گیا ہے۔''

''اس کی گرفتاری کے خدشے سے میری جان نکلی ہوئی تھی۔ وہ کسی لمبے چکر میں الجھا ہوا تھا۔ اب لوٹ آیا ہے اور آدھے گھنٹے میں یہاں پہنچ رہا ہے۔'' میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے اسے بتایا ''میں فون پر اسی سے بات کر کے آرہا ہوں۔''

''اپنے بارے میں کیا بات ہوئی؟ را والے کیا سوچ رہے ہیں؟'' غزالہ نے پوچھا۔

''فون پر زیادہ بات نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ آئے گا تو کچھ پتا چلے گا۔''

ہم نے گرانڈ ہوٹل چھوڑنے کے بعد امرتسر میں بے مقصد آوارہ گردی کرتے ہوئے کئی گھنٹے گزار دیے تھے اور وقت کا پتا نہیں چلا تھا لیکن بنگو کے انتظار میں ایک ایک لمحہ رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت کی رفتار اچانک سست ہو گئی ہو۔

اس پارٹیشن کے داخلی راستے پر پڑا ہوا پردہ برائے نام تھا۔ غزالہ نے اپنی پشت اس طرف کر کے رسمی سے پردے کا اہتمام کر لیا تھا مگر میں نے اپنی کرسی دانستہ ایسے رخ سے رکھی تھی کہ ہوٹل میں آنے جانے والے میری نظروں میں رہیں۔

خدا خدا کر کے وہ وقت گزر ہی گیا۔ بنگو اپنے دیے ہوئے وقت سے چند منٹ پہلے ہی گلابے کے ہوٹل میں آپہنچا تھا۔

''وہ آگیا!'' میں نے زیرِ لب اضطراری سرگوشی میں

غزالہ کو مطلع کیا۔ اس کے چہرے پر جوش کی ہلکی سی سرخی پھیل گئی مگر اس نے مڑ کر اپنے پیچھے دیکھنے کی حماقت نہیں کی۔

بنگو اس وقت آدھی آستین والی، سیاہ رنگ کی چست ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس تھا۔ اس کے سر پر پی کیپ جمی ہوئی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں والی دھوپ کی عینک جمی ہوئی تھی۔ اس حلیے میں اس نے خود کو بلاوجہ ہی نمایاں کیا ہوا تھا۔

بنگو اس ہوٹل کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اس کے اندر گھستے ہی کئی افراد نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اس خبیث کی آنکھوں پر سیاہ عینک منڈھی ہوئی ہونے کی وجہ سے مجھے یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کس طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ہاتھ لہرایا۔ غنیمت ہوا کہ اس نے دیکھ لیا اور سر کی خفیف سی جنبش سے جوابی اشارہ کرکے کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ مجھے شبہ ہوا کہ شاید اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ دیکھ لیا ہوتا تو وہ باہر رکنے کے بجائے ہمارے کیبن کی طرف آتا۔

اس کے تیوروں سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کاؤنٹر والے سے ہی بات کرکے واپس لوٹ جائے گا۔

"وہ شاید یہاں اپنی رونمائی کے لیے آیا ہے۔" غزالہ نے دھیمی آواز میں کہا "ہمیں اس کے پیچھے نکلنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

میں پہلے ہی اپنی جیب ٹٹول رہا تھا اور ہوٹل سے اٹھنے کا ارادہ کرچکا تھا۔ میں نے اس سے کہا "تم اس کے پیچھے چلو۔ میں بل ادا کرکے آتا ہوں۔"

بنگو ہاتھ لہرا کر ہوٹل سے فٹ پاتھ پر اتر گیا۔ غزالہ کسی عجلت کا مظاہرہ کیے بغیر ہموار رفتار سے ہوٹل سے نکلتی چلی گئی۔ میں کاؤنٹر پر رک گیا۔ شاید کسی کو اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ بنگو کی آمد اور روانگی سے ہمارا کوئی تعلق تھا۔

میں ہوٹل سے نکل کر داہنی طرف ہولیا۔ اس وقت تک بازار کی رونق اپنے شباب پر آچکی تھی۔ اس بھیڑ میں دراز قامت بنگو نمایاں نظر آرہا تھا۔ غزالہ اس سے چند قدم پیچھے چل رہی تھی۔ میں نے اپنی رفتار قدرے تیز کردی پھر درمیان سے غزالہ کو اپنے ساتھ لیتا ہوا بنگو کے پہلو میں پہنچ گیا۔

"گڈ! بس یوں ہی میرے ساتھ چلے آؤ۔" بنگو نے

فوراً کہا۔ وہ بھیڑ میں چلنے کے باوجود اپنے گردوپیش سے پوری طرح باخبر تھا۔

مزید کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک قریبی گلی میں مڑ کر ایک صاف ستھری اور مقفل گاڑی کے قریب رک گیا جو پچھلی بار مجھے اس کی تحویل میں نظر نہیں آئی تھی۔ اس نے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، میں اس کے برابر میں بیٹھا۔ غزالہ پیچھے سوار ہوگئی۔ گاڑی کا انجن بیدار ہوا اور وہ آگے چل پڑی۔

"ہمارا ہوٹل میں ملنا مناسب نہیں تھا۔ اچھا ہوا کہ تم نے میرا اشارہ سمجھ لیا ورنہ مشکل ہوجاتی۔ وہاں کوتوال کے دو ٹاؤٹ بیٹھے ہوئے تھے۔" گاڑی کے حرکت میں آنے کے ساتھ بنگو کی زبان چل پڑی "یہ سالے بہت حرامی اور کائیاں ہوتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ میں پولیس سے بچ بچا کر کچھ ہیر پھیر کرتا رہتا ہوں۔ تم دونوں کو میرا گاہک سمجھ کر زبردستی ہزار، پانچ سو روپے لے مرتے۔ انہیں دیکھ کر میں نے تم سے ملنے کا پروگرام تبدیل کردیا تھا۔"

میں نے اسے یہ جتانا ضروری نہیں سمجھا کہ اس سے ملنا ہماری مجبوری تھی۔ وہ اگر پولیس کے ٹاؤٹوں کو دیکھ کر بگٹٹ دوڑ پڑتا تو اس تک پہنچنے کے لیے ہم بھی دوڑ لگانے پر مجبور ہوجاتے۔ میں بردباری کے ساتھ سر ہلا کر بولا "تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کہاں غائب تھے؟"

"وہ میرے اپنے دھندے تھے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مجھے کورا جواب دے دیا۔

"ہمارا فوری طور پر واپسی کا ارادہ ہے۔ اسی سلسلے میں تمہاری تلاش تھی۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ سڑک پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ آخر اس نے زبان کھولی "اس کام میں دو چار دن لگیں گے۔ پرسوں میری گاڑی مال سمیت پکڑی گئی تھی۔ میں اسی کو چھڑانے کے چکر میں لگا ہوا تھا۔ اب میں نے بہت زور لگایا تو بارڈر سیکیورٹی فورس والوں سے کل تک پیچھا چھوٹ سکے گا۔"

وہ ایک نئی اور بری خبر تھی۔ میں نے قدرے حیرت سے پوچھا "بارڈر سیکیورٹی فورس تو کشمیر میں ہوتی ہے۔ تم اپنی گاڑی میں وہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"کشمیر میں ان کے لیے بہت کام ہے لیکن ان کے کچھ دستے مشرقی پنجاب میں بھی ہیں۔ گاڑی میں دو ڈھائی لاکھ کا مال لدا ہوا ہے۔ میں اس بارے میں بہت پریشان ہوں۔"

"یہ کیسے ہوا کہ گاڑی پکڑی گئی اور تم آزاد ہو۔"

میرے لیے سرحدی اسمگلنگ کا وہ واقعہ نیا تھا۔

"میں گاڑی سمیت پکڑا گیا تھا۔ دس ہزار دے کر نکلا ہوں۔ گاڑی کا معاملہ طے نہ ہوا تو بی ایس ایف والے اپنے ریکارڈ میں یہ دکھا دیں گے کہ اسمگلر زبردست فائرنگ کے بعد رات کے اندھیرے میں گاڑی چھوڑ کر بھاگ گیا۔"

"تم اتنی مال دار اسامی نہیں ہو پھر تمہارے پاس دو ڈھائی لاکھ کا مال کہاں سے آگیا؟" پیچھے سے غزالہ نے چبھتا ہوا سوال کیا۔

"وہ میرا نہیں، پارٹی کا مال ہے۔ جو نقصان ہوگا وہ پارٹی کے سر جائے گا۔"

"پھر اس بارے میں تم کیوں پریشان ہو؟" میں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔ اس وقت ہمارے مسئلے کا حل اس کی پریشانی سے منسلک ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے مجرمانہ مسائل میں دلچسپی لینے پر مجبور تھا۔

"یہ اس دھندے کا بنیادی اصول ہے۔ پکڑے جانے والے مال پر کسی کا کوئی دعویٰ نہیں ہوتا۔ بات نہیں بنتی تو سمجھو کہ پارٹی کا مال گیا، میری پک اپ گئی۔ اپنی رہائی کے لیے دس ہزار پلے سے دینے پڑے۔ اس سے میری ساکھ خراب ہوگی۔ آگے کام ملنا بند ہوجائے گا۔ میں بھوکوں مرجاؤں گا۔"

"بی ایس ایف سے تمہاری کیا سودے بازی چل رہی ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"وہ پچیس ہزار مانگ رہے ہیں۔ پارٹی بیس پر اٹک گئی ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ اڑے ہوئے ہیں۔"

"پانچ ہزار اپنی گرہ سے ڈال دو۔ تمہاری پک اپ کسی طرح ساٹھ ستر ہزار سے کم کی نہیں ہوگی۔ سمجھ لینا کہ پانچ ہزار اس کے دے دیے!"

"اپنی رہائی کے دس ہزار میں نے قرض ادھار لے کر پورے کیے ہیں۔ میں بالکل کنگال ہوچکا ہوں۔ میری جیب میں ذرا سی بھی گنجائش ہوتی تو میں اب تک یہ قصہ صاف کرچکا ہوتا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر حسرت زدہ لہجے میں بولا "تم یہ بتاؤ کہ کس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہو۔ شاید تم نے گرانڈ ہوٹل کا نام بتایا تھا۔ میں تمہیں وہاں اتار دیتا ہوں۔ تم آرام کرو۔ میں کوئی جگاڑ کرتا ہوں۔ تمہیں پہنچانے کے بعد ماسٹر سے جو مال ملے گا، میں اس میں سے اپنا قرضہ ادا کردوں گا۔"

میں نے ذرا سی دیر کے لیے خاموشی اختیار کرکے اس کے کہے ہوئے الفاظ اپنے ذہن میں گھمائے اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ماسٹر کا لقب اس نے جلال کے لیے استعمال کیا تھا۔

ہمیں لاہور کے مضافات سے امرتسر تک پہنچانے کا معاوضہ اسے جلال سے ملا تھا۔ اس لیے وہ یہ بات فرض کرچکا تھا کہ ہمیں واپس پہنچانے کا معاوضہ اسے کام کی تکمیل ہونے پر، پاکستانی سرزمین پر ادا کیا جائے گا۔ تیسری اور اہم بات یہ تھی کہ وہ گرانڈ ہوٹل کو ہماری عارضی قیام گاہ سمجھے بیٹھا تھا جب کہ میں اس عمارت کے قرب و جوار میں جانے کا بھی روادار نہیں تھا۔

"ہم ہوٹل چھوڑ چکے ہیں۔ ہم سے کچھ دیر کے لیے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے ہو تو ہمیں بھینسوں والے باڑے میں یا کسی اور ٹھکانے پر پہنچا دو۔"

"اس ٹھکانے پر بھینسوں کے گوبر کی تیز بدبو واقعی کبھی کبھی ناقابل برداشت ہوجاتی ہے۔" اس نے میرے استہزائیہ تبصرے کا برا منائے بغیر کہا "اپنی ایک کشمیری رکھیل بھی ہے۔ اس کا گھر بہت صاف ستھرا ہے مگر جب سے مفلسی نے میرا گھر دیکھا ہے، میری رانی نے مجھے منہ لگانا چھوڑ دیا ہے۔ تم کو پرانے ٹھکانے پر ہی چلنا ہوگا۔"

اس وقت امرتسر میں ہمیں کسی محفوظ ٹھکانے کی شدید ترین ضرورت تھی۔ اس تحفظ کے لیے میں ہر سمجھوتا کرسکتا تھا "اسی طرف رخ موڑ لو۔ وہاں بیٹھ کر ہم زیادہ سہولت کے ساتھ بات کرسکیں گے۔" میں نے اس سے کھل کر کوئی بات نہیں کی۔ اس سے ہونے والی پچھلی ملاقات میں، میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ بہت حریص اور لالچی شخص تھا۔ اپنی شاہ خرچیاں پوری کرنے کے لیے اسے ہر وقت پیسے کی ضرورت رہتی تھی۔

میں کھل کر اس سے بات کرتا تو وہ اپنا تمام خسارہ پورا کرنے کے لیے مجھے لمبا چونا لگا سکتا تھا۔ جلال اس کا مستقل گاہک تھا۔ بنگو اس کا لحاظ کرتا تھا اور شاید اس سے ڈرتا بھی تھا۔ اسے یاد رکھنا چاہیے تھا کہ مجھ سے ہونے والے لین دین کا فائنل حساب جلال ہی کرے گا۔

"تم دہلی سے یہاں صبح ہی کو پہنچے ہوگے۔ وہاں سے کس وقت چلے تھے؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد بنگو نے پوچھا۔

وہ ایک نازک سوال تھا۔ میں نے ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں سوچا اور فیصلہ کرتے ہوئے کہا "وہاں سے ہم پرسوں نکلے تھے مگر راستے میں انبالہ میں رک گئے تھے۔ صبح کی ٹرین سے یہاں پہنچے ہیں۔"

"تم گرانڈ ہوٹل میں کمرا لے چکے ہو۔ وہ ایک رات کا کرایہ لیتے ہیں۔ تم آرام سے وہاں رہ سکتے تھے۔ ادھر کیوں نہیں جا رہے؟"

اس بار بنگو جیسے قابل اعتماد آدمی سے جھوٹ بولنا مناسب نہیں تھا۔ وہ امرتسر کا پرانا شہری تھا۔ لوگوں سے اس کے روابط بہت وسیع تھے۔ وہ ذرا سی کوشش کرکے گرانڈ ہوٹل کے عملے سے ہمارا سارا کچا چٹھا معلوم کرسکتا تھا۔ میں نے کہا "بس ایک چوک ہوگئی جس کی وجہ سے وہاں لوٹنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں آتے ہوئے ہمیں کوئی فکر نہیں تھی لیکن واپسی میں ہمیں احتیاط سے کام لے کر اپنی شناخت چھپانی تھی تاکہ کسی کو یہ پتا نہ چل سکے کہ ہم امرتسر سے گزرے ہیں۔ سفر کی تکان میں یہ بات میرے دماغ سے نکل گئی اور ہم نے ہوٹل والوں کو اپنے پاسپورٹ دکھا دیے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اپنی غلطی کا اندازہ ہوا تو میں نے بوکھلا کر ہوٹل چھوڑ دیا۔"

"کام میں کچے ہو۔" اس نے مربیانہ انداز میں کہا "تمہارا نام اور پاسپورٹ نمبر ہوٹل کے رجسٹر پر آگیا ہے۔ اب تم وہاں رہو یا نہ رہو، یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے کہ تم امرتسر آئے تھے۔ ایسے کاموں میں بہت سمجھ اور ہوشیاری کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ نانی یاد آجاتی ہے۔"

میں فدویانہ انداز میں ہنس کر رہ گیا "بس ہونے والی

آشنائی

اداکار افضل خان عرف جان ریمبو جہاز میں سفر کررہے تھے۔ ایک صاحب بہت دیر سے انہیں گھور رہے تھے۔ آخر بولے "آپ جان ریمبو ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

"آپ فلموں میں کام کرتے ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

"آپ لاہور میں رہتے ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

تب وہ صاحب خوشی سے تقریباً چلاتے ہوئے بولے "اوہو.... اب میں نے آپ کو پہچان لیا.... آپ وہی ہیں جن کی شادی صاحبہ سے ہوئی ہے۔"

بات تھی جو ہو گئی۔"

میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ گرانڈ ہوٹل میں قیام کے بعد میری سوچ میں اچانک تبدیلی رونما ہوئی تھی اور مجھے را کی کسی اشتہاری مہم کے نتیجے میں اپنے پکڑے جانے کا خطرہ سامنے نظر آنے لگا تھا۔ میرے کوائف گرانڈ ہوٹل کے ریکارڈ پر ضرور باقی رہ گئے تھے لیکن وہاں سے بھاگ نکلنے کے بعد میں بے خبری میں گرفتاری کے کسی خوفناک خطرے سے محفوظ ہو چکا تھا۔ میرے لیے وہ اطمینان ہی کافی تھا۔

"تم چاہو تو میں ہوٹل کے رجسٹر سے تمہارا نام اڑوا سکتا ہوں۔" بنگو نے سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ بہت بڑا کام ہوگا۔ میرے سر پر سے ایک بوجھ اتر جائے گا۔" میں نے خوش ہو کر جواب دیا۔

"مگر ہوٹل سے ملنے والی آدھی رقم میری ہوگی۔" اس نے شرط عاید کردی اور پوچھا "تم نے وہاں کتنے پیسے جمع کرائے تھے؟"

"تین ہزار۔" میں نے بے یقینی سے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نام اڑانے کے ساتھ وہ تمہیں آدھی رقم بھی لوٹا دیں۔"

"ہوٹل والوں کو اپنے کرایے پر بھاری ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ گرانڈ ہوٹل میں میرے جاننے والے ہیں۔ تمہیں چھوڑنے کے بعد میں ہوٹل جاکر بکنگ کینسل کرا دوں گا۔ آدھی رقم مجھے مل جائے گی۔ آدھی ہوٹل والوں کی جیب میں چلی جائے گی۔ رجسٹر پر تمہارے نام اور پاسپورٹ وغیرہ پر سفیدہ پھیر دیا جائے گا۔ اس پر وہ کسی نئے گاہک کا نام چڑھا لیں گے۔ ہوٹلوں کے ریکارڈ میں ایسی بھول چوک اور غلطیاں چلتی رہتی ہیں۔"

فوری طور پر مجھے اس کی تجویز ہر اعتبار سے بے داغ اور قابلِ عمل نظر آئی۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں ہیر پھیر کے ذریعے ٹیکس بچانے کی کوشش کرکے ہوٹل والے ایک جرم میں ملوث ہو جاتے۔ میرا اور غزالہ کا نام منظرِعام پر آنے کے بعد انہیں یاد آتا کہ ہم دونوں ان کے ہوٹل میں کچھ دیر تک قیام کے بعد خاموشی سے فرار ہو گئے تھے تو ان کے ہاتھ پیر کٹ چکے ہوتے۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں مشتبہ انداز میں ردوبدل کرکے وہ شریکِ جرم ہو چکے ہوتے۔ اپنی گردن بچانے کے لیے وہ بھول کر بھی یہ بات اپنی زبانوں پر نہ لاتے کہ بھارتی سرکار کو مطلوب پاکستانی دہشت گرد جوڑا ان کے ہوٹل میں بھی دیکھا گیا تھا۔

میری وہ خوش امیدی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکی۔ بنگو کی تجویز کی پُر زور تائید کرنے سے پہلے ہی مجھے اس تجویز کا تاریک ترین پہلو نظر آ گیا۔

اس وقت کی صورتِ حال جوں کی توں برقرار رہتی تو صرف ایک خطرہ تھا۔ یہ بات ہر طرف پھیل جاتی کہ ہم دونوں گرانڈ ہوٹل گئے تھے لیکن اس کے بعد کہاں غائب ہو گئے۔ یہ سراغ کسی کو نہیں مل سکتا تھا۔ بنگو کی تجویز پر عمل کرنے کے بعد صورت حال بالکل برعکس ہو جاتی۔ ہوٹل سے باہر کسی کو علم نہ ہو پاتا کہ ہم نے کچھ دیر کے لیے وہاں پناہ لی تھی مگر ہوٹل والوں کو یہ معلوم ہوتا کہ بنگو ہمارے ساتھ ملا ہوا تھا۔ ہوٹل چھوڑ دینے کے بعد بھی ہم اس کے رابطے میں تھے۔ امرتسر میں اس کی مشکوک سرگرمیاں بہت زیادہ ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔ اس کی گردن دبوچ کر اسے تیسرے درجے کے بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تو وہ کھایا پیا تک اگل دیتا۔

اس کے سینے میں صرف ہمارا راز پوشیدہ نہیں تھا۔ وہ آئی بی اور جلال کے بہت سے رازوں کا امین تھا۔ ان کے اہم ترین آپریشنز میں مڈل مین کا کردار ادا کر چکا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس کی تحویل میں آئی بی سے ملا ہوا وہ طاقت ور ایرئیس موجود تھا جو سو کلو میٹر کے حیطۂ عمل میں مواصلاتی رابطے کے کام آ سکتا تھا۔

بھارت کے خفیہ اداروں کے لیے آئی بی والوں کا وہ لاسلکی نشری آلہ اجنبی نہیں ہو سکتا تھا۔ بنگو کے لیے یہ جواب دہی مشکل ہو جاتی کہ پاکستانی انٹیلی جنس بیورو کا ایک حساس آلہ اس کی تحویل میں کب، کیوں اور کیسے آیا۔

وہ گرانڈ ہوٹل سے ہمارے فرار کے اصل پس منظر سے بے خبر تھا اس لیے وہ خطرات اس کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔

"گرانڈ ہوٹل کو بھول جاؤ۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "ڈیڑھ ہزار روپے کی کشش تمہیں کسی نادیدہ دلدل میں لے ڈوبے گی۔ یہ کوئی بڑا کھیل بھی ہو سکتا ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ یہاں کوئی بڑا کھیل شروع ہو چکا ہے۔" بنگو نے میری بات پر پوری طرح دھیان دیے بغیر کہا "میں نے تم سے اسی لیے پوچھا تھا کہ تم دہلی سے کب آئے ہو۔ سنا ہے کہ وہاں کے حالات بہت خراب ہیں۔ پچھلی رات کو را کے پانچ چھ بڑے افسر مار دیے گئے۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلا۔"

اس کی زبان سے پانچ چھ افسروں کے قتل کا ذکر سن کر میں بری طرح چونک پڑا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ شاید میری واپسی کے بعد بھی آئی بی کے تینوں ایجنٹوں نے اپنی

اپنی کارروائیاں جاری رکھی تھیں جن کے نتیجے میں وہ تعداد دو سے بڑھ کر پانچ یا چھ تک پہنچ گئی تھی۔

"یہ بات تم نے کہاں سے سن لی؟" میں نے پُرہیجان لہجے میں بنگو سے سوال کیا۔

"ابھی تک ریڈیو یا ٹی وی پر کوئی خبر نہیں آئی۔ سنا ہے کہ سرکار بدنامی سے بچنے کے لیے خبر دبا رہی ہے لیکن ہر طرف زبردست افواہیں پھیلی ہوئی ہیں۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ کوئی پاکستانی ایجنسی ہاتھ دھو کر را اور اس کے نامی گرامی افسروں کی تباہی کے پیچھے پڑگئی ہے۔"

خبریں دبائی جاتی ہیں تو افواہیں اسی طرح پھیلتی اور پھلتی پھولتی ہیں۔ بنگو کے اس بیان میں حقیقت کا سرا دور تک دستیاب نہیں تھا۔

"اتنی بڑی خبر آسانی کے ساتھ نہیں دبائی جا سکتی۔" میں نے بے یقینی سے کہا "یہ صرف افواہ ہو سکتی ہے۔" اسے جھٹلاتے ہوئے میں خود اپنے الفاظ کا کھوکھلا پن محسوس کر رہا تھا کیونکہ انل اور نریش کو میں خود اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار کر آیا تھا۔

"افواہیں اتنے زور سے گردش میں نہیں آتیں۔ امرتسر میں ہر شخص یہی کہانی سنا رہا ہے۔ تم کو اس بارے میں زیادہ معلوم ہونا چاہیے۔" اس نے نیچی آواز میں کہا۔

"وہاں کچھ ہوا ہے تو دہلی والوں کو معلوم ہوگا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں انبالہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں ایسی کوئی افواہ نہیں تھی۔" میں نے سادگی سے جواب دیا۔

اس بار ہم بند آہنی پک اپ کے بجائے کار سے سفر کر رہے تھے اس لیے راستے ہمارے سامنے تھے۔ آثار بتا رہے تھے کہ بنگو کی کار اس کے ٹھکانے کے قرب و جوار میں پہنچ چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد میرے نتھنوں میں وہ بو گھسنے لگی جو گایوں اور بھینسوں کے باڑوں کے آس پاس پائی جاتی ہے۔ ہم لوگ بنگو کے محفوظ ٹھکانے سے لحہ بہ لحہ قریب ہوتے جا رہے تھے اور وہ اپنے ماحول سے بے پروا' میرے ساتھ اس افواہ پر بحث میں مصروف تھا۔

ایک ناہموار سڑک اور پھر دھول میں اٹی ہوئی گلی سے گزرنے کے بعد بنگو کی کار اس وسیع احاطے میں پہنچ کر رک گئی۔ جہاں ہم نے اپنے قدموں سے پہلی بار بھارت کی زمین کو چھوا تھا۔ وہ احاطہ اپنی مختصر تعمیرات کے ساتھ جوں کا توں موجود تھا۔ احاطے میں داخلے کا راستہ بدستور کسی پھاٹک یا رکاوٹ سے محروم تھا۔

پچھلی بار ہم وہاں پہنچے تو ہمیں سرحد پار کرانے والی خستہ حال پک اپ سے پہلے ایک پرانی کار بھی کھڑی ہوئی تھی۔

✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣✣

ایک شہری کو کچھ دیر کے لیے دیہی علاقے میں ایک کھیت کے قریب رکنا پڑا۔ اس نے دیکھا ایک دیہاتی رسی کا ایک ٹکڑا لیے درخت سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس نے یونہی تجسس کے تحت پوچھ لیا "بھائی صاحب! یہ آپ کیا لیے کھڑے ہیں؟"

"یہ موسم کا حال معلوم کرنے کا آلہ ہے" دیہاتی نے جواب دیا۔

"کمال ہے...." شہری حیرت سے بولا "ایک رسی کے ٹکڑے سے بھلا موسم کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟"

"بہت آسان طریقہ ہے..." دیہاتی نے جواب دیا "جب یہ ادھر ادھر ہلنے لگتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ تیز ہوا چل رہی ہے اور جب یہ گیلا ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ بارش ہو رہی ہے۔"

⇨⇨⇨⇨⇨⇨⇨⇨⇨⇨⇨⇨⇨⇨⇨⇨⇨⇨⇨⇨

اس روز وہاں کسی دوسری گاڑی کا وجود نہیں تھا کیونکہ بنگو کی کہانی کے مطابق اس کی پک اپ بارڈر سیکیورٹی فورس نے پکڑی ہوئی تھی۔

بنگو ہمیں اپنے ساتھ لے کر اس مختصر کمرے میں پہنچ گیا جہاں ایک بستر اور دو سال خوردہ کرسیاں نظر آ رہی تھیں۔

"میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہ افواہ نہیں ہے۔" بنگو سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "میں اپنے چکروں میں الجھا ہوا تھا اور مجھے تم سے ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی اس لیے میں نے دہلی کی خبروں پر دھیان نہیں دیا تھا۔ اب میں باہر جاؤں گا تو دیکھوں گا۔ ہو سکتا کہ شام کے اخباروں میں کوئی بات چھپی ہو۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم پاکستانی ہو اور تمہیں یہ تک نہیں معلوم کہ تمہارے ساتھی یہاں کیا کر رہے ہیں۔"

"تم اور ہم' آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں مگر ہماری حکومتیں ایک دوسرے کے لہو کی پیاسی ہیں۔ وہ ایک

دوسرے کے خلاف ایسے الزامات لگاتی رہتی ہیں۔ تم کو اس طرح نہیں سوچنا چاہیے۔ میں دو روز پہلے دہلی سے نکلا تو وہاں خوں ریزی کا ایسا کوئی منصوبہ نہیں بن رہا تھا۔ اس قدر اہم لوگوں کو ٹھوک کے بھاؤ مارنے کے لیے بہت لمبی منصوبہ بندی، مشق اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔"

میں غزالہ کے ساتھ کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ کمرے میں تیسری کرسی نہ ہونے کی وجہ سے بنگو مسہری کے سرے پر ٹک گیا تھا۔

"جو ہونا ہے وہ ہو گیا۔ ہم کو اس سے کیا لینا۔ اب تم اپنے مطلب کی بات کرو۔ کل تک تم کو یہیں رک کر انتظار کرنا ہوگا۔ تم اس کے لیے تیار ہو تو میں بی ایس ایف والوں سے پک اپ چھڑانے کے لیے بھاگ دوڑ کرتا ہوں۔"

"مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تمہارا کام ہمارے مطلب سے زیادہ اہم ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں گاڑ کر کہا "ایمانداری سے بتاؤ کہ ماسٹر سے تمہیں ایسے کاموں کا کیا معاوضہ ملتا ہے؟"

"وہ بہت نرم دل اور سخی آدمی ہے۔ یہ سمجھ لو کہ مجھے اس سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔" اس نے چالاکی سے گول مول جواب دیا۔

"شاید تمہارے بھگوان نے تمہارا کام بنانے کے لیے ہمیں یہاں بھیجا ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "مجھے کھل کر بتاؤ کہ ہمیں امرتسر پہنچانے کے لیے تمہیں ماسٹر نے کتنی رقم دی تھی۔ یہ بات مجھے اس سے بھی معلوم ہو جائے گی۔"

"آتے ہوئے، گوری چمڑی والی این کا ویل بھی تمہارے ساتھ تھی۔ مجھے اس پھیرے کے پندرہ ہزار ملے تھے۔ تم چاہو تو میرے ایریئس پر کوشش کر سکتے ہو۔ ماسٹر مل گیا تو اسی سے بات ہو جائے گی۔ وہ جو کہے، وہی دے دینا۔ میں ابھی ایک گھنٹے میں اپنی پک اپ چھڑا لاؤں گا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ تمہیں کچھ رقم پیشگی مل سکتی ہے۔ لاؤ ایریئس نکالو۔" اس کی تجویز سن کر مجھے اپنے اوپر کچھ غصہ آیا کہ میں بنگو کی تحویل میں ایریئس کی موجودگی سے باخبر تھا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے ذریعے امرتسر میں بیٹھے بیٹھے آئی بی والوں سے بات کی جا سکتی تھی پھر بھی میں اسے بھولا ہوا تھا۔

بنگو نے پھیرے کی بات کر کے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا ورنہ وہ سیدھا سیدھا پانچ ہزار روپے فی کس کا حساب تھا۔ اس کی بات بھی اپنی جگہ درست تھی کہ آدمی ایک ہو یا پانچ،

اس کے لیے سفر کی طوالت اور خطرات کی سنگینی یکساں ہوتی ہے۔

بنگو مسہری کے سرے سے اٹھا اور ہمارے کمرے سے نکل کر برابر والے کمرے کے بند دروازے پر جا رکا۔

"اس کا مل جانا ہمارے لیے نعمت سے کم نہیں ہے۔" غزالہ نے اس کی غیر موجودگی میں دھیمی آواز میں کہا۔

"ذہن کو دھار سی لگ گئی ہے۔" میں نے اعتراف کیا "دہلی کی افواہوں کے بارے میں ابھی جلال سے پتا چل جائے گا۔"

"عملی طور پر ہم ابھی تک بھارت میں ہیں لیکن بنگو سے مل کر یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم لاہور پہنچ چکے ہوں۔" غزالہ بولی۔

"یہ مہلت کسی بھی لمحے ختم ہو سکتی ہے۔ اگر بنگو کو پتا چل جائے کہ دہلی کی خوں ریزی میں ہمارا ہاتھ تھا تو اس کا رویّہ بدل جائے گا۔ اگر انہوں نے ہماری گرفتاری میں مدد لینے والوں کے لیے کوئی بڑا انعام مقرر کر دیا تو بنگو کی نیت بھی ڈانواڈول ہو جائے گی۔ یہ پیسے کا بڑا لالچی ہے۔"

بنگو کی اس علاقے میں بہت زیادہ دھاک تھی یا پھر وہ بہت ہی کنگال آدمی تھا کہ اس کے احاطے میں کوئی پھاٹک نہیں تھا۔ ایک کمرے کا دروازہ غیر مقفل رہتا تھا۔ دوسرے کمرے کا مقفل دروازہ بھی اتنا کمزور تھا کہ ایک لات میں اپنی جگہ چھوڑ سکتا تھا پھر بھی کوئی وہاں ناجائز تصرف یا چوری چکاری نہیں ہوتی تھی۔ میرے لیے یہ بات اطمینان بخش تھی کہ اس نے آئی بی کا مخصوص ایریئس بے پروائی سے کہیں نہیں ڈالا ہوا تھا بلکہ احتیاط سے مقفل کمرے میں رکھا ہوا تھا۔

اسے ایریئس پر آئی بی کے کسی پاکستانی دفتر سے رابطے کے لیے اپنا خصوصی پاس ورڈ استعمال کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ پاس ورڈ اس کے لیے بہت اہم تھا جسے صیغہ راز میں رکھنا ضروری تھا۔ شاید اسی احتیاط کی وجہ سے اس نے احاطے میں کسی سے رابطہ قائم کیا پھر ایریئس کو بائیں ہاتھ میں اپنے چہرے کے قریب کیے کمرے میں آ گیا۔

"اب میں ایریئس رگھوبیر کو دے رہا ہوں.... اوور!" دوسری طرف کی پوری بات سن لینے کے بعد بنگو نے کہا اور ایریئس مجھے تھما دیا۔

لمحے بھر کے لیے لائن پر پُرشور ریڈیائی توقف برقرار رہا پھر میرے کانوں میں ایک بھاری مردانہ آواز گونجی "بی ایل تھری اسپیکنگ۔ تمہارا کیا حال ہے رگھوبیر۔ اوور!" میرے

لیے وہ آواز نئی اور نامانوس تھی۔

"میں ٹھیک ہوں اور واپسی کے لیے پابہ رکاب ہوں۔ بنگو سے کیا ڈیل ہوگی۔ اس وقت وہ مجھ سے کافی دور چلا گیا ہے.... اوور!" میں نے کن انکھیوں سے بنگو کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

بنگو نے خود تخلیے سے فائدہ اٹھا کر تنہائی میں ایریٹس پر رابطہ کیا تھا اور یوں اپنا پاس ورڈ ہم دونوں سے بچائے رکھا تھا۔ وہ اس لاسلکی گفتگو میں میری ضرورت سے باخبر تھا۔ اس کے سامنے میں اپنے نامعلوم مخاطب سے کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔ وہ خاموشی سے ٹہلتا ہوا باہر نکل گیا تھا اور میں نے وہی بات بی ایل تھری کو بتادی تھی۔

"دس ہزار.... ویسے جو کچھ مانگتا ہے، دے دو۔ ہر شخص خیریت سے تمہاری واپسی کا خواہاں ہے۔ تم کو ہر قیمت پر جلد از جلد وہاں سے نکل آنا چاہیے۔ دہلی سے پیغام ملا ہے کہ دو مہروں کے پٹ جانے کے بعد وہاں خوفناک انتقامی فضا بنتی چلی جارہی ہے اور کھل کر سارا الزام ڈینی پر لگایا جارہا ہے.... اوور!"

بنگو کے تعاون کے باوجود مجھے دہلی کے بارے میں کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ بنگو امرتسر میں پانچ چھ افراد کے قتل کی افواہوں کی کہانی سنا رہا تھا۔ فضا میں اضطراب اور بے یقینی کا راج تھا لیکن لاہور میں بیٹھا ہوا انٹیلی جنس بیورو کا کوئی افسر تازہ ترین حالات سے پوری طرح باخبر تھا۔ اس نے تصدیق کردی تھی کہ دہلی میں صرف دو افراد مارے گئے تھے۔ آئی بی والوں نے دہلی سے میری واپسی کے بعد مزید کوئی غیر ضروری کارروائی نہیں کی تھی۔

یہ بات عابد علی مجھے کئی بار بتا چکا تھا کہ بھارت میں وہ لوگ غیرضروری معرکہ آرائی اور ہیجان خیزی سے گریز کرتے ہوئے اپنی پوری توجہ اپنے محدود مقاصد کے حصول پر مرکوز رکھتے تھے۔ بے مقصد خوں ریزی ان کے فرائض میں کبھی بھی شامل نہیں رہی تھی۔ لاہور والا عابد کی اس بات کی تصدیق کررہا تھا۔

مجھے یہ جان کر مسرت آمیز حیرت ہوئی تھی کہ دونوں حکومتوں میں سخت کشیدگی کے باوجود لاہور والے دہلی کے تازہ ترین حالات سے باخبر تھے اور مجھے مشورہ دینے کی پوزیشن میں تھے۔ ان کو یہاں تک معلوم تھا کہ میں رگھوبیر کے پاس ورڈ کے ساتھ واپسی کا سفر طے کررہا تھا۔

اس نے مختصر لیکن جامع الفاظ میں مجھے بتادیا تھا کہ اس وقت میری واپسی ہر چیز پر مقدم تھی۔ مجھے بنگو کے ہر مطالبے کو قبول کرلینا چاہیے تھا۔ دل ہی دل میں، میں خود بھی اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا لیکن میرے ذہن میں یہ اندیشہ بھی براجمان تھا کہ بنگو کم و بیش مستقل بنیادوں پر جلال کے لیے کام کرتا رہتا تھا۔ کہیں میں اپنے اکلوتے کام میں فیاضی کا مظاہرہ کرکے ہمیشہ کے لیے شرحوں کو بگاڑنے کا سبب نہ بن جاؤں۔

مجھے اس کی زبان سے یہ سن کر حیرت ہوئی تھی کہ بھارتی حکام نے اپنی بے خبری اور ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لیے سارا الزام ڈینی کے سر ڈال دیا تھا۔ گو ان کا لگایا ہوا وہ الل ٹپ الزام حقیقت کے عین مطابق تھا لیکن اس کے لیے کوئی جواز یا ثبوت موجود نہیں تھا۔

"میں تمہارے خلوص کی قدر کرتا ہوں۔ تمہارے مشورے پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔" میں نے بی ایل تھری کو جواب دیا "کیا میں جلال سے بات کرسکتا ہوں۔ اوور!"

اس وقت میرے ذہن میں ہلکی سی جھنجلاہٹ طاری ہوگئی۔ ایریٹس پر ہونے والی ریڈیائی گفتگو سو فیصد محفوظ نہیں تھی۔ دہلی میں، میں اس تجربے سے گزر چکا تھا کہ ایوی ایشن ریسرچ سینٹر یعنی آرک کی ایک بھاری اور بکتربند اسکیننگ وین نے گشت کے دوران میں جامع مسجد کے علاقے سے ایک نامعلوم ایجنٹ کو ٹرانسمٹر استعمال کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑلیا تھا۔ گفتگو میں ہر احتیاط لازمی تھی لیکن میں نئے حالات کی پیش بینی نہیں کرسکا تھا ورنہ اس وقت جلال کا نام لینے کے بجائے کوئی متبادل کوڈ استعمال کیا جاسکتا تھا۔

"چیف اس وقت مرکز میں ہیں۔" بی ایل تھری کی آواز ابھری "ان سے بات ہونی ممکن نہیں ہے۔ تم میرے مشورے پر پورا اعتماد کرسکتے ہو۔ اوور۔"

"مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔" میں نے جلدی سے کہا "تمہاری فارمیشن کا ہر آدمی میرے لیے قابلِ قدر ہے۔ میں چیف سے کچھ ذاتی معاملات پر بات کرنے کا خواہاں تھا۔ اوور!"

"تم ایک خون آشام جال میں گھرے ہوئے ہو۔ گزرتے ہوئے ہر لمحے کے ساتھ خطرات گمبھیر ہوتے جارہے ہیں۔ اس وقت اپنی ساری توجہ اپنی واپسی پر مرکوز رکھو۔ حالات سازگار رہے تو تمہیں جلد ہی چیف سمیت ہر ایک سے ملنے کا موقع مل جائے گا.... اوور!"

"اس دردمندی کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ اوور!" میں جذبات سے مغلوب آواز میں اس سے آگے نہ بول سکا۔

اس کے کہے ہوئے چند پُر خلوص جملوں نے میرے دل کے نہ جانے کون سے تار چھیڑ دیے تھے۔ میرا دل اس کے لیے واقعی ممنونیت کے جذبات سے لبریز ہوگیا۔ اس نے کبھی مجھے دیکھا تھا نہ مجھ سے ملا تھا پھر بھی وہ میری سلامتی کے لیے فکر مند تھا۔ ہم دونوں کے جذبات کم وبیش یکساں تھے کیونکہ ہمارا مقصد ایک تھا۔ اس وقت ہم دونوں وطن کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ اطمینان سے اپنے دیس کی پُرسکون فضاؤں میں بیٹھا ہوا تھا اور میں دشمن کی سرزمین پر اپنی بقا کے لیے جدوجہد کررہا تھا۔ مقصد کی یکسانیت نے ہم دونوں کو لمحہ بھر میں ایک مضبوط اور نہ ٹوٹنے والے رشتے سے منسلک کردیا تھا۔

"اب ایرپیس بنگو کو دے دو۔ میں اس سے بات کرلوں اوور!" میرے کان میں بی ایل تھری کی آواز آئی۔

بنگو اس وقت بھی کمرے سے باہر تھا لیکن احاطے میں ایسی جگہ کھڑا ہوا تھا جہاں میں اسے دیکھ سکتا تھا۔ میں نے بے تابی سے ہاتھ ہلا کر اسے اشارہ کیا اور وہ تقریباً دوڑتا ہوا کمرے میں آگیا۔ اس بار وہ مجھ سے ایرپیس لے کر کمرے سے باہر نہیں گیا۔

"میں پوری کوشش کروں گا لیکن یہ بتادوں کہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے میں یہاں سے نہیں نکلوں گا۔" بنگو نے چند لمحوں تک بی ایل تھری کی بات سننے کے بعد کہا "رات کا اندھیرا ایسے کاموں کے لیے مہربان اور مددگار ثابت ہوتا ہے۔ دن کے اجالے میں ہر طرف خطرات ہی خطرات منڈلاتے رہتے ہیں۔ اوور!"

اس کے بعد وہ زیادہ تر دوسری طرف کی باتیں سنتا رہا اور درمیان میں مختصر جواب دیتا رہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں نو بجے کے قریب زیرو پوائنٹ پر پہنچنے کی پوری کوشش کروں گا اوور!" آخر میں اس نے کہا اور وہ کال منقطع کردی گئی۔

"کیا تم سرحد پار کرنے سے پہلے یہ ایرپیس ضرور استعمال کرتے ہو؟" میں نے بنگو سے پوچھا۔ اسے ایرپیس پر آئی بی کے کسی اہل کار سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھ کر اس کی ذات میں میرے اعتماد میں قابل قدر اضافہ ہوا تھا۔

"میں دوسروں کے لیے مال لاتا یا لے جاتا ہوں تو سب کچھ میری صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "ماسٹر کے کاموں کے لیے پلان بنانا پڑتا ہے۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ماسٹر کون ہے اور کیا کرتا ہے۔" میں نے اسے ٹٹولنے کے لیے دھیمی آواز میں سوال کیا۔

"پیسے پورے اور بروقت ملتے رہیں تو کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ میرا اندازہ ہے کہ چیف اپنے آدمی یہاں جاسوسی کے لیے بھیجتا ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ لوگ صرف دو کاموں کے لیے کوئی بھی سرحد پار کرتے ہیں۔ جاسوسی یا پھر اسمگلنگ۔"

"ہم لوگ اسمگلر بھی ہوسکتے ہیں۔" میں نے شوشا چھوڑا۔

"مظہر خان! میں اتنا نادان نہیں ہوں۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "اسمگلر خالی ہاتھ کبھی سفر نہیں کرتے۔ ہر پھیرے میں لمبا مال اِدھر اُدھر کرتے ہیں۔ تم لوگوں کے لیے میں نے آج تک کوئی کھیپ نہیں نکالی۔ ان باتوں کو رہنے دو اور اپنے کام سے کام رکھو۔"

وہ بے خبری میں جلال کا آلہ کار نہیں بنا ہوا تھا۔ اس موضوع پر بنگو سے مزید گفتگو کیے بغیر میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ جو کچھ کررہا تھا، سوچ سمجھ کر کررہا تھا۔ وہ ایک جگہ ٹک کر محنت سے کوئی کام کرنے کا عادی نہیں تھا۔ ہر وقت آسانی سے پیسوں کے حصول کے چکر میں لگا رہتا تھا کیونکہ اس نے اپنے اخراجات بہت زیادہ بڑھائے ہوئے تھے۔ بظاہر وہ اکیلا تھا، اس کا وہ ٹھکانا بے سروسامانی کا شاہکار تھا مگر میرا دل کہتا تھا کہ بنگو جیسا عیاش طبع شخص اپنے شب وروز بدبو میں گندھے ہوئے اس اجاڑ احاطے میں نہیں گزار سکتا تھا۔

وہ اس احاطے کو اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے ایک اڈے کے طور پر استعمال کرتا تھا اور ہم جیسے مہمانوں کو بھی اس سے آگے نہیں لے جاتا تھا۔ اس کی زندگی کا ذاتی روپ کہیں زیادہ حسین اور رنگین ہونا چاہیے تھا۔ بنیادی طور پر وہ ایک عیاش طبع آدمی تھا جو خوب صورت عورتوں، شراب اور جوئے کا رسیا تھا۔ وہ تینوں شوق ایسے تھے کہ انہیں پورا کرنے کے لیے قارون کا خزانہ بھی کم پڑسکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ناجائز ذرائع سے بھاری رقوم کمانے کے باوجود تنگ دستی کے عذاب میں مبتلا نظر آتا تھا۔

اس نے اپنے لیے زندگی کی جن راہوں کا انتخاب کیا تھا، وہاں کردار اور ضمیر کا کوئی دخل نہیں تھا۔ وہ ہر اعتبار سے ایک گھٹیا اور خود غرض آدمی تھا جو اپنے مفاد کے لیے اپنی ذات اور اپنے وطن سمیت سب کچھ بیچ سکتا تھا لیکن روز مرہ کی زندگی میں اس کی کوئی نہ کوئی افادیت بہرحال تھی۔ وہ کسی اور کے نہیں تو میرے اور جلال کے کام آرہا تھا۔ امرتسر کے نواحی علاقوں کے اسمگلروں کی خدمت کررہا تھا اور اپنی آمدنی سے نہ جانے کس کس کے روزگار کا وسیلہ بنا ہوا تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دہری زندگی گزار رہا تھا۔ تیسرے درجے کے بدمعاش کے طور پر وہ اجاڑ احاطہ اس کا مسکن تھا۔ فرصت کے لمحات وہ یقینی طور پر کسی آراستہ عشرت کدے میں گزارتا ہوگا جہاں اسے زندگی کی ساری آسائشیں دستیاب تھیں۔

”بی ایل تھری نے بتایا ہے کہ تم مجھے مال دو گے۔“ مجھے خاموش پاکر بنگو نے ٹوکا۔ غزالہ اپنا بیگ کرسی پر چھوڑ کر کمرے سے جاچکی تھی۔

”تمہارے حساب سے دو آدمیوں کے دس ہزار روپے ہوتے ہیں۔ ہمیں لانے کے لیے تم نے پانچ ہزار فی کس لیے تھے۔“ میں نے کہا۔

”میں نے اس پھیرے کے پندرہ ہزار لیے تھے۔ تم سے بھی وہی لوں گا۔“ اس نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا۔

”دس ہزار تو تم نے اپنی رہائی کے لیے دیے اور پانچ ہزار بی ایس ایف والوں کو دو گے۔ پندرہ ہزار کا نقصان مجھ سے پورا کرنا چاہ رہے ہو!“

”نقصان تمہارے سامنے ہے۔ قسمت سے تم آگئے ہو تو مجھے سودا کرنے کا پورا حق ہے۔“

”اور اگر میں تمہیں پیشگی کچھ بھی نہ دے سکوں تو تمہارا جواب کیا ہوگا؟ تم ہمارا کام کرو گے؟“ میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

”بنگو کام سے کبھی انکار نہیں کرتا۔ آگے آمدنی کی امید ہو تو میں کسی سے قرض لے کر بھی اپنا کام چلا سکتا ہوں۔“

”بس‘ تو پھر ماسٹر ہی تمہارا معاوضہ طے کرے گا اور ادائیگی بھی وہی کرے گا۔“ میں نے اسے آزمانے کے لیے کہہ ڈالا۔

وہ پُراعتماد انداز میں ہنسا اور بولا ”ٹھیک ہے۔ تم نہیں جانتے کہ ماسٹر کتنا دریا دل آدمی ہے۔ میں اسے اپنی پریشانی کے بارے میں بتاؤں گا تو وہ مجھے پندرہ کیا‘ بیس ہزار دے دے گا۔ وہ مرد کا بچہ ہے۔ اسے کام کی فکر ہوتی ہے۔ وہ پیسے کی پروا نہیں کرتا۔“

”تم پیسے کی بات اسی سے کرلینا۔ اب تم پک اپ واپس لانے کی تیاری کرو۔“ میں نے کہا۔

”پانچ ہزار کے لیے مجھے نہ جانے کس کس کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ بی ایل تھری کی باتوں سے پتا چل رہا تھا کہ تم میری طرح کنگلے نہیں ہو۔ مجھے کم سے کم پانچ ہزار تو دے دو تاکہ میں اپنے منحوس دوستوں کا منہ دیکھنے سے بچ جاؤں۔ پیسے مل جائیں تو میرا وقت بھی بچے گا۔“

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا پھر بریف کیس اپنی گود میں رکھ کر کھول لیا۔

میں نے ہزار کے نوٹوں والی گڈی سے گن کر پہلے پانچ ہزار اور پھر پندرہ نوٹ الگ کرلیے۔ بنگو اپنی ذات میں جیسا بھی تھا۔ ہمارے لیے اپنے ملک اور قوم کو بھولے بیٹھا تھا۔ اس نے ہماری خاطر اپنے ملک سے جو غداری کی تھی‘ اسے اس کا انعام ملنا چاہیے تھا۔

میں نے بریف کیس بند کرکے پندرہ ہزار روپے اس کی طرف بڑھا دیے۔

نوٹ گننے بغیر ہی اسے رقم کا اندازہ ہوگیا۔ اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر بے اختیار میرا ہاتھ چوم لیا۔ اس کی آنکھوں میں یکایک ایک چمک پیدا ہوچکی تھی۔ ”تم کچھی دیوی کے اوتار معلوم ہوتے ہو۔“ وہ نوٹوں کو چومتے ہوئے مسرت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا ”آج مجھے یقین ہوگیا کہ سخی کا دوست سخی ہوتا ہے اور سوم کا سوم۔ تم آڑے وقت پر میرے کام آئے ہو۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ میری دعا ہے کہ تم سدا کامیاب اور کامران رہو۔“

بظاہر وہ اس کی خوشامدانہ باتیں تھیں لیکن مجھے اندازہ تھا کہ وہ ایک ایک لفظ اپنے دل سے ادا کررہا تھا۔

”میری واپسی تک تم دونوں یہیں رہو۔ میں پک اپ نکلوانے کے بعد گودام میں مال اتاروں گا۔ واپسی پر تمہارے لیے کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر آؤں گا۔ مجھے ایک ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔“ اس نے میرے دیے ہوئے نوٹ احتیاط سے اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

باتھ روم سے غزالہ کی واپسی سے پہلے وہ عجلت میں وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اس کی مال سے لدی ہوئی ایک پک اپ زیادہ دیر تک بی ایس ایف والوں کے قبضے میں رہی تو چوری ہوتے ہوتے اس کا آدھا مال غائب ہوجائے گا۔

اسے رخصت کرکے میں دوبارہ کمرے میں آگیا۔ احاطے میں پھیلی ہوئی سورج کی تیز روشنی دھیرے دھیرے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کھلے ہوئے دروازے سے باہر تیز دھوپ اور دھول میں اٹا ہوا احاطہ دیکھ کر یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میں کسی کھلے میدان میں سایہ دار جگہ پر بیٹھا ہوا ہوں۔ میں نے دروازے کے پٹ بند کردیے۔

تھوڑی دیر بعد غزالہ بھی لوٹ آئی۔ اس کے بال نم تھے۔

''تم صبح ہوٹل میں نہائی تھیں تو یہاں دوبارہ غسل کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔
''مجھے بنگو کے قرب سے وحشت ہو رہی تھی اس لیے میں کمرا چھوڑ کر غسل خانے میں چلی گئی۔ یہ مجھے گھناؤنا آدمی معلوم ہوتا ہے۔'' غزالہ نے اپنے گیلے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔
''اور مجھے اس پر پیار آ رہا ہے۔ اس وقت وہی ہماری واپسی کی کلید ہے۔''
''کلید ضرور ہے مگر بھدی اور کریہہ ہے۔'' وہ ہنس کر بولی ''اس سے کب تک ہمارا پیچھا چھوٹے گا۔''
''وہ اپنی پک اپ کے مسئلے سے نمٹ لے تو پورا دن اسی کے ساتھ گزرے گا۔ رات بلکہ شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہماری روانگی قرین مصلحت نہیں ہوگی۔''
''بی ایل تھری بنگو کے بارے میں کیا بتا رہا تھا۔'' غزالہ اپنے بال سمیٹ کر بستر پر میرے قریب بیٹھ گئی۔
''آئی بی والے اس پر آنکھیں بند کر کے بھروسا کرتے ہیں۔ انہیں اس کی وفاداری پر ذرا بھی شبہ ہوتا تو اسے اپرنٹس نہ دیا جاتا۔''
''اور رقم کا کیا بنا؟ وہ پیسوں کے لیے سخت پریشان تھا۔''
''میں نے پندرہ ہزار روپے دے دیے۔ وہ خوشی سے نہال ہو گیا۔'' میں نے بتایا۔
''اب یہ بوجھ بھی آپ کے سر آ گیا۔ پندرہ ہزار روپے کم نہیں ہوتے۔ ہمارا یہ خرچ آئی بی کو ادا کرنا چاہیے تھا۔''
''بعض اوقات تم بہت چھوٹی باتیں سوچنے لگتی ہو۔ میں چاہوں تو جلال سے لاکھوں روپے لے سکتا ہوں۔ وہ منہ نہیں موڑے گا۔ تم کو یاد نہیں کہ رستم والے قصے میں، میں نے اپنے پاس سے جو خطیر رقم ادا کی تھی، وہ اول خان سے ایک چیک کی صورت میں واپس مل گئی تھی۔''
''اول خان کی اور بات ہے۔ جلال کے بارے میں مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے۔''
''رقم جلال ہی دیتا۔ میں نے یہ ادائیگی بنگو کی خوشنودی کے لیے کی ہے۔ اب وہ دل و جان سے ہمارے لیے کام کرے گا۔ تم کو اندازہ نہیں ہے کہ اس وقت میں کیسے ذہنی کرب سے گزر رہا ہوں۔ یہاں ہمارا ایک ایک لمحہ خوف میں گزر رہا ہے۔ پتا نہیں ہمارے دشمنوں کو کب مظہر خان کا خیال آ جائے۔''
''آپ بلاوجہ اتنا سنجیدہ ہو رہے ہیں۔ میں نے سرسری طور پر ایک بات کہہ دی تھی۔ ویسے بھی گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم بہت خطیر تھی۔ شاہانہ خرچوں کے باوجود اس میں کوئی نمایاں کمی نہیں ہوئی ہے۔''
''شاید وہی میری زندگی کا یادگار موڑ تھا۔ وسائل کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ کمانے کی فکر نہ ہو تو ہر شخص بہت بڑے کارنامے سرانجام دے سکتا ہے۔''
''ہر شخص والی بات بالکل غلط ہے۔'' اس نے مسکرا کر اعتراض کیا ''دنیا میں لاکھوں کروڑپتی ہیں لیکن وہ دن رات ارب پتی بننے کے چکر میں لگے ہوئے ہیں۔ کسی کو ملک اور قوم کا درد محسوس نہیں ہوتا۔ کارناموں کا تعلق نیت اور حوصلے سے ہوتا ہے۔''
''میں نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ اس کی بات بڑی حد تک درست تھی۔ انسان کے کچھ بننے یا کچھ بھی نہ بننے کا انحصار اس کی نیت اور ارادوں پر ہوتا ہے۔ بنگو کی مثال ہمارے سامنے تھی۔ وہ منصوبہ بندی، سازشوں اور جوڑ توڑ میں مہارت رکھتا تھا۔ محض اپنے ان خواص کی بنا پر وہ ایک کامیاب ترین سیکرٹ ایجنٹ بن سکتا تھا لیکن اس کی وہ سوچ ہی نہیں تھی۔ وہ سہل پسند اور کاہل آدمی تھا۔ کسی پر خطر پیشے میں جانے کے بجائے ذلتوں کی دلدل میں جا گرا تھا۔
اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ میرے دل میں اس کے لیے احترام کے جذبات پیدا ہو چکے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ ہماری دشمن قوم کا فرد ہونے کے باوجود ہمارا ہمدرد اور خیر خواہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ آخر کار انتہائی ذلت کی موت مارا جائے گا۔ اس کے کرتوتوں پر اس کا کوئی ہم نسب فخر نہیں کر سکتا تھا۔
جب تک بی ایل تھری سے رابطہ نہیں ہوا تھا، میں اپنے سفر کے بارے میں بہت سے تحفظات کا شکار تھا۔
دو پڑوسی ملکوں کے درمیان خوش گوار تعلقات ہوں تو سرحدی پٹی پر مامور نگرانوں اور فوجیوں کی زندگی بہت خوش گوار ہو جاتی ہے۔ وہ شہری پولیس کے انداز میں اپنی گشتی ڈیوٹیاں انجام دیتے ہیں اور پکنک جیسے رنگا رنگ ماحول میں اپنے شب و روز گزارتے ہیں لیکن جب دونوں طرف مخاصمانہ جذبات عروج پر ہوں تو یہ ماحول انتہائی کشیدہ اور خون آشام ہو جاتا ہے۔
پاکستان اور بھارت کے درمیان ایسی سرحدی تلخیاں شاید کبھی بھی کم نہیں ہو سکی تھیں۔ دونوں سرحدوں کے محافظ دن رات حالتِ جنگ میں رہنے کے عادی تھے اور پتا کھڑکتے ہی شاید بھڑک کر فائرنگ شروع کر دیتے تھے۔ ہمیں امرتسر سے لاہور پہنچنے کے لیے پہلے بھارت اور پھر پاکستان کے خطرناک فوجی علاقوں سے گزرنا تھا۔ اگر بنگو سے

اندازے کی کوئی سنگین غلطی نہ ہوتی تو وہ ہمیں آسانی کے ساتھ بھارتی فوجیوں سے بچالے جاتا۔ وہ انہیں جل دینے کے طریقوں سے واقف تھا اور ان سے لین دین کرنے کے گر سے بھی واقف تھا۔ پاکستانی علاقے میں اس کی یہ برتری ختم ہوجاتی کیونکہ وہ اس کے لیے اجنبی ملک تھا۔

اگر وہ کسی پیشگی بندوبست کے بغیر پاکستان کی سرحد عبور کرنے کی کوشش کرتا تو کہیں بھی پاکستانی فوجیوں کے نرغے میں آسکتا تھا۔ وہ اسے للکارتے اور وہ فرار ہونے کی کوشش کرتا جس کا نتیجہ بارودی آگ کی برسات کی صورت میں برآمد ہوسکتا تھا۔ میرے لیے یہ تصور سوہان روح تھا کہ دشمن کی سرحد پار کرنے کے بعد ہم اپنی زمین پر اپنے ہی رکھوالوں کی گولیوں کا نشانہ نہ بن جائیں۔ بی ایل تھری سے بنگو کی تفصیلی بات ہونے کی بعد مجھے یہ اطمینان ہوچکا تھا کہ پاکستان کے ایک ذمے دار افسر کو ہمارے پروگرام کا علم ہوچکا تھا۔ اس کی متوقع پیش بندیوں کی وجہ سے حادثاتی طور پر ہمارے مارے جانے کے اندوہناک امکانات ختم ہوگئے تھے۔

"جب سے بنگو نے دہلی میں پانچ چھ افسروں کے قتل کی افواہ سنائی ہے۔ مجھے عابد اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے تشویش ہورہی ہے۔" غزالہ نے کمرے میں چھایا ہوا سکوت توڑا "بعض اوقات ضرورت سے زیادہ پُرجوش ہونا مہلک ثابت ہوتا ہے۔"

میں دھیرے سے ہنس پڑا اور چونک کر بولا "میں اس بارے میں تم سے بات کرنا بھول ہی گیا تھا۔ بی ایل تھری نے تصدیق کی ہے کہ دہلی میں صرف دو آدمی مارے گئے ہیں۔ وہ انل اور نریش ہی ہوسکتے ہیں۔"

غزالہ کا چہرہ کھل اٹھا "میں اس وقت اسی نکتے پر سوچ رہی تھی۔ ذہن میں ایک خیال یہ بھی آرہا تھا کہ کہیں بے ہوش کیے جانے والوں میں سے تین چار ڈوز کی زیادتی کی وجہ سے نہ چل بسے ہوں۔ یہ بات آپ نے بنگو کو بھی نہیں بتائی۔"

"اس کے لیے دو یا چھ کے مرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے کہا "ویسے بھی وہ باہر کا آدمی ہے۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ جلال اور اس کے ساتھی دہلی کے معاملات میں اتنی گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ تم ائرپیس پر دونے والی دو طرفہ باتیں سن رہی تھیں۔ حیرت ہے کہ تم نے دہلی میں دو مہروں کے پٹنے کی بات نہیں سنی۔"

"اس وقت میری توجہ بنگو پر مرکوز تھی جو ائرپیس آپ کے حوالے کرتے ہی سر جھکا کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی سمجھ داری سے کام لے گا۔"

بنگو سے ملاقات اور پھر بی ایل تھری سے بات ہونے کے بعد ہمارے ذہنوں میں واپسی کا ایک واضح نقشہ ترتیب پاچکا تھا۔ ہم دونوں بنگو کی واپسی کے انتظار میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس وقت تک باہر سے کوئی بھی مخل نہیں ہوا تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے بنگو آس پاس رہنے والوں سے کوئی میل جول نہیں رکھتا تھا۔

وہ اپنے وعدے کے مطابق سوا گھنٹے میں لوٹ آیا۔ احاطے میں اس کی گاڑی کے انجن کی آواز سن کر میں نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ

اصل وجہ

مغرب میں بعض دکانوں پر لگے ہوئے بورڈز کے مضامین قابل غور بھی ہوتے ہیں اور قابل داد بھی۔ ایک دکان جس پر ان خواتین کی ضرورت کا سامان ملتا تھا جو ماں بننے والی تھیں.... اس پر بورڈ لگا تھا۔

"بہتر تو یہی تھا کہ اس رات آپ ٹی وی ہی دیکھتی رہتیں۔"

ایک دکان پر لکھا تھا "خواتین کے لیے یہاں پر ہر چیز دستیاب ہے.... سوائے مردوں کے۔"

جوتوں کی ایک دکان پر لکھا تھا "اندر آیئے.... جوتا حاضر ہے۔"

فرانس میں ایک دکان پر لکھا تھا "یہاں انگریزی اور فرانسیسی بولی جاتی ہے اور کیش زبان سمجھی جاتی ہے۔"

ایک نرسری پر لکھا تھا "ہمارے ہاں کے پودے بہت تیزی سے بڑھتے ہیں۔ بس پانی دیجیے اور چھاؤں میں بیٹھ جایئے۔"

نیویارک سے باہر ایک بورڈ لگا تھا "اب آپ نیویارک سے نکل رہے ہیں۔ سانس لینا شروع کردیجیے۔"

پک اپ کے بجائے اسی گاڑی سے واپس آیا تھا جس میں ہمیں اس اڈے تک لایا تھا۔

وہ اپنے ہاتھ میں کئی اخبارات لیے گاڑی سے برآمد ہوا اور ہاتھ لہراتا ہوا ہماری طرف چلا آیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں وزنی شاپنگ بیگ تھا۔

"دہلی میں صرف دو افسر مارے گئے ہیں۔" اس نے اخبار میری طرف بڑھاتے ہوئے اس انداز میں اعلان کیا جیسے چھ کے بجائے محض دو افراد کے قتل کی خبر سے اسے مایوسی ہوئی ہو۔ "میں تمہارے لیے شام کے انگریزی اخبار لے آیا ہوں۔"

میں نے ہندی اخباروں میں سے چار صفحوں کا انگریزی اخبار الگ کیا۔ اس کی شہ سرخی میں میری اصل عرفیت موجود تھی۔

اس اخبار نے اپنے قارئین میں سنسنی پھیلانے کے لیے قاتل ڈینی دہلی میں' کی سرخی جمائی تھی۔ میں نے کھڑے کھڑے وہ خبر پڑھنی شروع کردی۔ غزالہ متجسس انداز میں میرے ساتھ آکھڑی ہوئی تھی۔

میرے تعارف کے لیے اخبار نے پاکستانی ایجنسیوں کے پالے پوسے ہوئے سفّاک قاتل کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ صبح سات بجے انل بسواس کی لاش دریافت ہوئی تھی۔ اس کے پندرہ منٹ بعد یہ خبر آئی کہ نریش بھی اسی رات موت کے گھاٹ اتارا جاچکا تھا۔

بھارتی سرجنوں نے میری توقع سے کہیں زیادہ تیزی دکھائی تھی اور دونوں لاشیں دریافت ہونے کے ایک گھنٹے میں یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا کہ نریش کمار کی موت لیزر شعاعوں کے ذریعے اس کے دل میں ہونے والے سوراخ کی وجہ سے ہوئی تھی۔ خبر میں بیم گن کے لیے لیزر گن کی اصطلاح استعمال کی گئی تھی۔ را کے ذمے دار افسروں کا کہنا تھا کہ وہ جدید ترین اور مہلک ہتھیار ڈینی کی خاص پہچان بنا ہوا تھا۔ نریش کے قتل میں لیزر گن کا استعمال اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ خطرناک پاکستانی دہشت گردوں کے بھارت میں گھس آنے کی خبریں درست تھیں۔ ڈینی اپنے گروہ کے ساتھ دہلی میں موجود تھا اور خاموشی سے را کے مفادات کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے میں مصروف تھا۔

خبر میں دہلی کی انتظامیہ کو ملامت کی گئی تھی کہ ہوٹلوں کی کڑی چھان بین اور پاکستانیوں کی جانچ پڑتال کے باوجود وہ ڈینی جیسے مجرم کا سراغ لگانے میں بری طرح ناکام رہی تھی اور دہلی میں مرکزی حکومت کی ناک کے نیچے دہشت گردی کے واقعات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔

اخباری نمائندے کے مطابق یہ نتیجہ بھی اخذ کرلیا گیا تھا کہ اگر نریش کو مارنے کے لیے لیزر شعاعیں استعمال نہ کی گئی ہوتیں تو دہلی میں کسی کو علم نہ ہوتا کہ ڈینی اپنے مخصوص اہداف لے کر دہلی پہنچا ہوا ہے۔

دہلی پولیس کے ایک بڑے افسر نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی استدعا کے ساتھ یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ایک قتل میں ڈینی نے دانستہ لیزر گن استعمال کی تھی تاکہ اس طرح وہ دہلی میں اپنی موجودگی کا اعلان کرکے اعلیٰ سرکاری افسروں میں خوف و ہراس کی لہر دوڑا سکے۔

سانپ نکل چکا تھا اور دہلی کی انتظامیہ لکیر پیٹنے میں مصروف تھی۔ ڈینی کی بربریت کا متوقع نشانہ بننے والے سرکاری افسروں اور سرکردہ لیڈروں کے لیے فوری طور پر مسلح محافظوں کی ٹکڑیاں مامور کردی گئی تھیں اور دہلی کے اہم سرکاری علاقوں میں جنگ کا سا سماں نظر آنے لگا تھا۔

اخبار میں ایک طرف میری موجودگی کا اعلان تھا۔ دوسری طرف دہلی میں بڑے پیمانے پر پکڑ دھکڑ اور چھاپوں کی اطلاعات تھیں۔ سارے جرائم میرے سر تھوپ دیے گئے تھے اس لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ ساری کارروائیاں دہلی کے مسلمانوں کے خلاف نہیں تھیں مگر اخبار میں اس بد ترین مذہبی امتیاز کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

میں نے بہت غور سے اخبار کے چاروں صفحے دیکھ ڈالے لیکن مجھے کہیں بھی مظہر خان اور غزالہ کے نام نظر نہیں آئے۔ شہر میں ایک نامور مجرم کی موجودگی کے ہراس میں مبتلا ہوکر اعلیٰ افسروں نے چھوٹے موٹے مشتبہ افراد کو یکسر نظر انداز کردیا تھا۔

وہ قدرت کی طرف سے ایک غیبی تائید تھی۔ اشارے مل رہے تھے کہ ہم دونوں کو حفاظت کے ساتھ امرتسر بلکہ بھارت سے نکل جانے کی مہلت مل چکی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ جوں ہی کسی افسر کو یہ خیال آگیا کہ ڈینی کسی غیر معروف روپ میں دہلی کی عام آبادی میں روپوش ہے تو سب سے پہلے مظہر خان کا نام اس کی توجہ کا مرکز بنے گا اور پھر ہر طرف اسی نام کا شہرہ ہوجائے گا۔ میں نے اخبار ختم کرکے ایک طرف ڈال دیا۔

"یہ سالا ڈینی بھی کوئی چھلاوا لگتا ہے۔" بنگو نے بدمزگی سے کہا "اخبار والوں نے اسے بلاوجہ ہیرو بنایا ہوا ہے۔ ہر دو چار مہینے بعد اس کے نام کی سرخیاں لگتی ہی لگتی ہیں۔ کبھی وہ پاکستان میں ہمارے آدمی مار دیتا ہے' کبھی امریکا میں ان کا پیچھا کرتا ہے اور اب تو حد ہوگئی کہ وہ دہلی میں دندنا رہا ہے اور اسے پکڑ کر اس کا سر کچلنے کے بجائے اس کے نام سے

شریف لوگوں کو ڈرایا جا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے پولیس، را اور سی آئی ڈی میں سب نامرد ہو گئے ہیں۔"

"یہ سب سرکاری افسروں کا ڈراما ہے۔" غزالہ نے وثوق سے اسے مزید گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "وہ اپنی کھال بچانے کے لیے ایسے نام اور کردار گھڑتے رہتے ہیں تاکہ ہر ٹیڑھا جرم اس کے سر ڈال کر آرام سے بیٹھے رہیں اور کوئی ان سے باز پرس نہ کرے۔ تم میری بات لکھ لو کہ وہ کبھی ڈینی کو نہیں پکڑ سکیں گے۔"

"بھاڑ میں ڈالو ڈینی کو۔ اپنی پیٹ پوجا کی فکر کرو۔" اس نے اپنے لائے ہوئے شاپنگ بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

بنگو احاطے میں بنے ہوئے باورچی خانے سے پلیٹیں لے آیا۔ غزالہ نے کھانا نکالا اور جس کو جہاں جگہ ملی اس نے وہیں بیٹھ کر اپنی شکم پری شروع کر دی۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ تم ڈینی ڈراما شروع ہونے سے پہلے دہلی سے نکل آئے۔" بنگو نے لقمہ چباتے ہوئے کہا "پولیس والے اب مسلمانوں کا دہلی سے نکلنا مشکل کر دیں گے اور تم دونوں صرف مسلمان نہیں، پاکستانی بھی ہو۔ وہ تمہارے کپڑے تک اتروا دیتے۔"

"ہمیں ڈینی اور اس کے چکروں سے کیا لینا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا "تم آج ہمیں یہاں سے نکال دو پھر جو ہوتا ہے 'ہوتا رہے۔"

"سب اُلو کے پٹھے ہیں۔" بنگو اس ذکر میں دلچسپی لے رہا تھا "میری بات لکھ لو کہ کسی اور نے لیزر گن استعمال کر کے ڈینی کو مروانے کی کوشش کی ہے۔ دنیا کا کوئی مجرم اتنا بے وقوف نہیں ہوتا کہ واردات کے بعد اپنے خلاف کوئی کھلا ثبوت بھی چھوڑ دے۔"

"پھر تمہاری دانست میں یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے؟" میں نے اسے اکسایا۔

"لیزر گن، انفرا ریڈ چشمے اور دوربینیں پہلے فلموں میں دکھائی جاتی تھیں اب سنا ہے کہ امریکا میں عام ہیں۔ ڈینی کے پاس ایک گن ہو گی۔ سی آئی اے والے چاہیں تو سو گنیں لا سکتے ہیں یہ ان ہی کی حرکت ہو سکتی ہے۔ وہ پکے حرامی ہیں۔"

"وہ را کے افسروں کو کیوں ماریں گے؟ ان سے سی آئی اے کی گہری دوستی ہے۔"

"امریکی کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ وہ اپنے مطلب کے لیے دوستی کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ انل بسواس اور نریش نے سی آئی اے والوں کا کوئی حکم ماننے سے انکار کیا ہو

مکالمے

○... ایک صاحب نے ایک نہایت خوب صورت لڑکی کو دفتر میں ملازم رکھتے ہوئے کہا "جب تم یہاں دوسرے کارکنوں کی تیز تیز سانسوں کی آوازیں سننے کی عادی ہو جاؤ گی تو پھر تمہیں کام میں زیادہ دشواری محسوس نہیں ہو گی۔"

○... ایک خاتون ایک صاحب سے کہہ رہی تھیں "اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ایک نہایت رومینٹک شوہر ہیں لیکن اس وقت آپ غلط اپارٹمنٹ میں آ گئے ہیں..."

اور انہوں نے دونوں کو اس طرح مروا دیا کہ الزام ان کے س نہ آئے۔ تمہیں پورے اخبار میں کہیں سی آئی اے کا نام نہیں ملے گا۔"

"تم بلاوجہ ان باتوں میں اپنا سر کھپا رہے ہو۔" غزال نے اس کی جذباتی اور احمقانہ تاویل پر کہا "یہ بتاؤ کہ تمہاری پک اپ کہاں ہے۔"

"تئیس ہزار میں سودا بن گیا۔" اس نے فخر سے بتایا "میری جیب گرم تھی۔ میں نے دو ہزار توڑ لیے۔ نوٹ دیکھ کر بی ایس ایف کے کرنل کی رال ٹپکنے لگی تھی۔ گاڑی گودام میں خالی ہو رہی تھی ہے۔ میرا آدمی اسے لے آئے گا۔ میں تم دونوں کی وجہ سے جلدی لوٹ آیا۔"

"تمہارا آدمی پک اپ لے کر یہاں آئے گا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"پھر اور کہاں جائے گا۔ میرے پاس گاڑیاں کھڑی کرنے کے لیے یہی ایک جگہ ہے۔" اس نے شانے اچکا کے جواب دیا۔

"جب تک ہم دونوں یہاں ہیں، اپنے آدمیوں کو دور رکھو۔ ہم کسی کے سامنے آنا پسند نہیں کریں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ کوئی کمرے میں نہیں آئے گا۔ باہر سے گاڑی چھوڑ کر چلا جائے گا۔ ضرورت ہوئی تو میں باہر جا کر اس سے مل لوں گا۔" بنگو نے تسلی دی۔

"کیا رات کو ہمیں اسی پک اپ سے سفر کرنا پڑے گا؟" غزالہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ ایسے کاموں کے لیے میرے پاس وہی ایک گاڑی ہے۔" بنگو نے بے چارگی سے کہا "اس سفر میں

تمہیں بے آرامی تو ہوگی مگر پیچھے کے لوہے کے کیبن کی وجہ سے وہ محفوظ ہے۔ سفر بھی زیادہ لمبا نہیں ہے۔"

"پرسوں تم پکڑے گئے تھے۔ ایسا نہ ہو کہ آج پھر دھر لیے جاؤ۔" میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"آج تو میں نئی شان کے ساتھ جاؤں گا۔" اس نے اپنا سینہ پھلا کے کہا "پک اپ کا سودا ہونے کی وجہ سے کرنل سے میری دوستی ہوگئی ہے۔ رات کی راہ داری کے لیے میں نے اسے ہزار روپے دے دیے ہیں۔ اس کی ایک گاڑی ہمیں سرحد تک پہنچائے گی۔ بی ایس ایف والے مال بنانے کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

"تم نے اسے بتادیا ہے کہ آج تم دو آدمیوں کو سرحد پار لے جارہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"گاڑی لے جانے کی بات ہوئی ہے۔ اب یہ میری مرضی ہے کہ اسے خالی لے جاؤں یا اس میں ہیروئن بھرلوں۔"

"جانتے ہو کہ منوں ہیروئن کی مالیت کتنی بنتی ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بی ایس ایف والے ہم سے زیادہ کائیاں ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کروڑوں کا مال لے جانے کے لیے کوئی ایسی پھٹیچر پک اپ استعمال نہیں کرے گا۔ بڑے کاموں میں تیز رفتار والی نئی اور طاقت ور فور وہیل ڈرائیو گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں۔"

"تو کیا تم نے جان بوجھ کر اپنی پک اپ کو خراب حالت میں رکھا ہوا ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"کون کہتا ہے کہ میری پک اپ خراب حالت میں ہے" اس نے تیزی سے سوال کیا پھر خود ہی بولنے لگا "اس کا انجن بہت جان دار اور اچھی حالت میں ہے۔ باڈی میں نے کم پیسوں میں بنوائی ہے۔ بارڈر والے مال نہیں دیکھتے' گاڑی دیکھتے ہیں۔ مجھ سے انہوں نے کبھی دو چار ہزار روپے سے زیادہ کی امید نہیں کی۔ لینڈ کروزر ہو تو لاکھوں سے نیچے بات نہیں ہوگی۔ ان سالوں کی ذہنیت بہت خراب ہوتی ہے۔ میں نے تو سوچ لیا ہے کہ کبھی مقدر نے ساتھ دیا تو بھی پھیروں کے لیے گاڑی نہیں بدلوں گا۔ اسی کو ٹھیک ٹھاک کرالوں گا۔"

کھانے اور باتوں سے فارغ ہونے کے بعد بنگو اٹھ گیا۔ "تم دونوں آرام کرو۔ میں برابر والے کمرے میں ہوں' کوئی ضرورت ہو تو بلالینا۔"

وہ بدمعاش ضرور تھا مگر تہذیب سے یکسر عاری نہیں تھا۔ اس نے ہمارے سروں پر مسلط رہنے کے بجائے کمرے سے ٹل کر نہایت شائستگی کا ثبوت دیا تھا۔

"شام کو دارو پینے کا ارادہ ہو تو میرے کمرے میں آجانا" اس نے دروازے پر رک کر مجھے دعوت دی "آج میں نے تین ولایتی بوتلیں منگوائی ہیں۔ یہاں سے شہنشاہ بن کر سفر پر روانہ ہوں گے۔"

تین بوتلوں اور شہنشاہی کا ذکر سنتے ہی میرا ماتھا ٹھنک گیا اور میں نے سختی سے کہا "بنگو! آج تم شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ تم اپنی بادشاہی کی ترنگ میں کسی سے الجھ پڑو اور ہمارا سارا پروگرام درہم برہم ہوجائے۔"

وہ رک کر ہنسنے لگا "بس' اتنی سی بات سے ڈر گئے۔ تم نے آج کے کام کے پیشگی پیسے دے کر مجھ پر احسان کیا ہے۔ میں تمہاری بات مان لوں گا۔ شوق کا کیا ہے' وہ واپس لوٹ کر بھی پورا کیا جاسکتا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم سوکھے مسلمان ہو۔"

میں نے اٹھ کر اندر سے دروازہ بولٹ کیا اور مسہری پر دراز ہوگیا۔ غزالہ مجھ سے پہلے لیٹ چکی تھی۔

بنگو کا لایا ہوا کھانا ذائقے میں لذیذ اور مقدار میں وافر تھا اس لیے میں نے شکم سیر ہو کر کھایا تھا۔ خلوت اور سکون میسر آتے ہی میرے ذہن پر غنودگی طاری ہونے لگی اور میں اونگھتے اونگھتے نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔

غزالہ نے جھنجوڑ کر مجھے بیدار کیا تو کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ باہر دھندلکا گہرا ہوتا جارہا تھا کیونکہ راہوار مشرق اپنے دن بھر کے سفر کے آخری مرحلے پر تھکے تھکے انداز میں غروب ہو رہا تھا۔

میں نے ہڑبڑا کر مسہری چھوڑی اور کمرے سے نکل کر غسل خانے کی طرف ہولیا۔ بنگو اپنے کمرے کے سامنے' کھلے آسمان تلے کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ اس کی پک اپ واپس آچکی تھی اور اس کے وعدے کے مطابق دور تک کوئی چوتھا متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔

میں غسل خانے سے نکلا تو بنگو اپنی کرسی سمیت غائب تھا۔ اس کے روشن کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اپنے کمرے کے بجائے وہیں چلا گیا۔ وہ کمرا زیادہ صاف اور آراستہ تھا۔ مجھے افسوس ہوا کہ بنگو نے ہم دونوں کو وہاں آرام کرنے کی دعوت نہیں دی۔

بنگو زمانہ شناس آدمی تھا۔ میرے تیور بھانپ گیا اور جلدی سے بولا "میں تم کو یہی کمرا دیتا مگر میں نے سوچا کہ غزالہ برا نہ مان جائے۔ دراصل ان تصویروں کی وجہ سے میں نے

تم دونوں کو برابر والے کمرے میں رکھا تھا۔"

اس کے توجہ دلانے پر بات میری سمجھ میں آگئی۔ اس کمرے کی تین دیواروں پر مردوں اور عورتوں کی بڑی بڑی رومانی تصویریں آویزاں تھیں۔ ان رنگین تصاویر کی عریانیت کسی بگڑے ہوئے مرد کے ذوق نظر کی تسکین کا سبب بن سکتی تھی لیکن غزالہ جیسی خانہ دار عورت کے لیے وہ تصویریں خاصی فحش تھیں۔ بنگو نے سوچ سمجھ کر بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا۔ مجھے اس بات سے بھی خوشی ہوئی کہ اس کے کمرے کی فضا میں الکحل کی ذرا بھی بو نہیں تھی۔ اس کی منگوائی ہوئی تینوں بوتلیں الماری پر رکھی ہوئی تھیں۔

"اب نکلنے کی تیاری کرو۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہا تو تم دونوں رات کا کھانا لاہور میں کھاؤ گے" کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس نے کہا۔

"ہمیں تیار ہی سمجھو" یہ کہہ کر میں مسکراتا ہوا اس کے کمرے سے نکل گیا۔

ہمیں کسی فیشن شو میں نہیں، اپنے وطن واپس جانا تھا۔ وہ مرحلہ اس قدر اہم تھا کہ اس میں ہماری تیاری کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ہم جیسے اور جس حالت میں تھے، اسی میں سفر پر روانہ ہوسکتے تھے۔ میں نے بال سنوار کر موزے اور جوتے پہنے پھر ہم دونوں اپنے دستی سامان کے ساتھ باہر آگئے۔ میرے آواز لگانے پر بنگو بھی اپنے کمرے کی روشنی گل کرکے باہر آگیا۔ اتنی دیر میں باہر خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں نے احتیاط کے طور پر بیم گن بریف کیس سے نکال کر اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔

غسل خانے کی دیوار پر جلتے ہوئے بلب کی روشنی میں بنگو نے دونوں دروازے مقفل کیے اور ہم تینوں پک اپ کی طرف بڑھ گئے۔

وہ دیکھنے میں ہی بار برداری کی بد وضع گاڑی معلوم ہوتی تھی۔ سفر کی ابتدا سے ہی احتیاط ضروری تھی اس لیے ہم دونوں پک اپ کے پچھلے حصے میں سوار ہوگئے اور بنگو نے دروازہ بند کردیا۔ کھلی فضا کے مقابلے میں اندر گہری تاریکی تھی۔

چند ثانیوں بعد پک اپ کا انجن تیز غراہٹ کے ساتھ بیدار ہوگیا۔ وین نے وسیع احاطے میں یوٹرن لیا اور پھر ناہموار زمین پر سست روی کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ ہمیں جھٹکے لگنے کے اندیشے کی وجہ سے بنگو تیز رفتاری کے جوہر دکھانے سے گریز کررہا تھا۔

بنگو نے ہمیں ایک ایسے مکان میں رکھا تھا جہاں بھینسوں وغیرہ کے باڑے سے آنے والی بدبو کا راج تھا۔ پک اپ کے عقبی کیبن میں دونوں آہنی دیواروں کے ساتھ لمبی لمبی نشستیں نہ ہوتیں تو وہ بھی مویشیوں کو لانے اور لے جانے کے لیے زیادہ موزوں تھی۔ اس میں عجیب ملی جلی سی بساند رچی ہوئی تھی۔

جب تک وہ پک اپ امرتسر کے بارونق علاقوں سے گزرتی رہی، ہمیں باہر کی آوازیں وغیرہ سنائی دیتی رہیں۔ باڈی کی جھریوں سے چھن کر کیبن میں آنے والی ناکافی روشنی بھی اس گھور اندھیرے میں غنیمت معلوم ہورہی تھی۔ رونق اور آبادی کے وہ سارے آثار تھوڑی دیر میں ختم ہوگئے۔ مجھے پہلے سے اندازہ تھا کہ کسی ایک سمت میں سفر کیا جائے تو امرتسر کی شہری حدود زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دے سکیں گی۔ ویرانے میں پک اپ کافی دیر تک پختہ سڑک پر دوڑتی

سچ بیانی

رفاہی تنظیم کے صدر شہر کے امیر ترین مگر کنجوس ترین شخص کے پاس چندے کی اپیل لے کر پہنچے۔ کروڑپتی نے کہا "آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میری نوے سالہ والدہ پچھلے پانچ سال سے اسپتال میں داخل ہیں۔ میری ایک بیوہ بیٹی جس کے پانچ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ میرے پانچ نکھٹے بھائی ہیں جنہوں نے لاکھوں کے قرضے سر چڑھا رکھے ہیں....اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے۔ مدد پہلے اپنوں کی کی جاتی ہے۔"

"اوہ....مجھے معلوم نہیں تھا، آپ اتنی ذمے داریوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں" رفاہی تنظیم کے صدر نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

کروڑپتی نے روانی میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "آپ خود سوچیں کہ جب میں نے ابھی تک ان لوگوں کی کوئی مدد نہیں کی تو آپ کی کیا مدد کروں گا؟"

رہی۔ ہم دونوں، آمنے سامنے کی لمبی نشستوں پر، پائپ تھامے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

"مجھے یہ پورا سفر ایک خواب کی طرح محسوس ہو رہا ہے" کچھ دیر بعد غزالہ نے سکوت توڑا "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہم بھارت جا کر را والوں کے حلق میں ہاتھ ڈالیں گے اور مختصر سی مدت میں اتنی کامیابیاں حاصل کر کے لوٹ آئیں گے۔"

"خوابوں کے بجائے حقیقت کی دنیا میں رہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ سفر ابھی ختم نہیں ہوا۔ ہم اس کے سب سے خطرناک مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ دعا کرو کہ تھوڑی دیر بعد یہ امتحان خیر و خوبی سے مکمل ہو جائے۔ بھارت کی زمین کا آخری انچ بھی ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"بنگو کی باتیں امید افزا تھیں۔ وہ اس سفر کے لیے بارڈر سیکیورٹی فورس کے کرنل کو ایک ہزار روپے پیشگی دے چکا ہے۔ وہ اسی راہ سے گزرے گا۔ مجھے امید ہے کہ یہ سفر خیر و خوبی سے کٹ جائے گا۔ میں ابھی سے خود کو پاکستان میں محسوس کر رہی ہوں۔"

میں نے اس کی خوش فہمی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میری خواہشات غزالہ سے مختلف نہیں تھیں۔ سب باتیں بھی میرے سامنے تھیں لیکن امرتسر کی شہری حدود سے نکلتے ہی میرے دل پر ایک عجیب سا اضطراب طاری ہونے لگا تھا جو کسی ناگہانی خطرے کی آمد کا اعلان تھا۔

پک اپ کی رفتار کم ہونے لگی۔ میرا تجربہ بتا رہا تھا کہ پختہ سڑک ختم ہونے والی تھی۔

گاڑی ہلکے سے جھٹکوں کے ساتھ مڑ کر کچے راستے پر اتر گئی۔ چاروں طرف سے بند آہنی کیبن میں محصور ہونے کی وجہ سے میں باہر کی جھلک بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بس اندازے ہی اندازے قائم کیے جا سکتے تھے۔ میں دل ہی دل میں حساب لگا رہا تھا کہ ہمیں اگلے ایک گھنٹے سے بھی کم مدت میں پاکستانی علاقے میں اس زیرو پوائنٹ پر پہنچ جانا چاہیے تھا جہاں جلال گاڑی کے ساتھ ہمارا منتظر ہوتا۔

بند کیبن کی فضا میں یکایک خنکی کا احساس تیرنے لگا۔ شاید گاڑی آبادی اور ویرانوں کو پیچھے چھوڑ کر کسی خودرو سرحدی جنگل میں داخل ہو چکی تھی۔

پک اپ کی رفتار بہت کم ہو چکی تھی۔ ہچکولوں سے پتا چل رہا تھا کہ بنگو اسٹیئرنگ پر خاصی محنت کر رہا تھا۔ سفر جاری رکھنے کے لیے اسے بہت تیزی سے اور بار بار گاڑی کا رخ موڑنا پڑ رہا تھا۔ شاید وہ سفر کے کسی خطرناک زون میں داخل ہو چکا تھا جہاں گاڑی کے ہیڈ لیمپس بجھا دیے گئے تھے۔ رات کے اندھیرے میں نظر آنے کی حد میں کمی ہو جانے کی صورت میں ہر چھوٹی سے چھوٹی رکاوٹ اچانک سامنے آتی ہے اور راستہ بدلنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

کئی بار گاڑی اتنی تیزی سے گھومی کہ ہم دونوں اپنی جگہوں سے پھسل کر فرش پر گرتے گرتے بچے مگر ہم نے اُف تک نہیں کی۔ مجھے معلوم تھا کہ بنگو ہمیں دانستہ ہلکان نہیں کر رہا تھا۔ وہ رف ڈرائیونگ اس کی مجبوری بنی ہوئی تھی۔

"ہالٹ!" باہر انجن کے یکساں شور میں اچانک کوئی کرخت انسانی آواز گونجی۔

وہ آواز اتنی اونچی اور تحکمانہ تھی کہ بے اختیار میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ نہ جانے کون چیخا تھا اور کس پر چیخا تھا۔ مجھے پتا نہیں چل سکا۔ ہماری پک اپ بدستور اسی بے ڈھنگے انداز میں آگے ہی آگے رواں تھی۔

اونچی آواز کی بازگشت معدوم ہونے کے بعد خوف اور فضا پر وہی مہیب سناٹا چھا گیا جس میں پک اپ کے انجن کے شور کے سوا کوئی اور ہلچل نہیں تھی۔

"ہالٹ!" وہی آواز اس بار نیم وحشیانہ انداز میں گونجی۔ میں اپنی جگہ تن کر بیٹھ گیا۔

پک اپ چلتی رہی۔ اس بار للکار کی بازگشت ختم ہونے سے پہلے ہی کہیں سے لگاتار دو فائروں کی مہیب آواز سنائی دی۔ ان فائروں کا منبع ہماری پک اپ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ان دو دھماکوں کے ساتھ ٹائر پھٹنے کا تیسرا دھماکا سنائی دیا اور پھریوں محسوس ہوا جیسے قیامت سی آگئی ہو۔

پک اپ کو ٹائر پھٹنے سے زبردست جھٹکا لگا اور پھر وہ اچھلتے اچھلتے اچانک رک گئی۔ بنگو نے اس کا انجن بند کر دیا تھا۔

میں نے صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے تیزی سے نیچے اترنے کا ارادہ کیا مگر آہنی دروازے پر ہاتھ لگتے ہی یاد آیا کہ وہ دروازہ باہر سے بولٹ تھا۔ اس مضبوط بولٹ کو ہٹائے یا کاٹے بغیر ہم باہر نہیں نکل سکتے تھے۔

"خدا خیر کرے!" غزالہ کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی تشویش زدہ آواز برآمد ہوئی "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے فائر کر کے ہماری گاڑی کا اگلا ٹائر پھاڑ گیا ہے۔"

"فائر سے پہلے کسی نے بنگو کو دو مرتبہ للکارا تھا" میں

نے ہیجان آمیز سرگوشی میں کہا ”اس حرام زادے نے وارننگ کی پروا نہیں کی۔“
”ایسے جارحانہ انداز میں صرف سرحدی محافظ ہی روک سکتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم سرحد کے قریب پہنچ چکے ہیں۔“
”اس وقت سرحد، جنت اور جہنم، سب ہی قریب ہیں۔“ میں نے اضطراری انداز میں پچھلے دروازے پر زور لگایا جو بے سود تھا۔
”رکو اور ہاتھ اوپر اٹھالو!“ اس بار کوئی وحشیانہ انداز میں چیخا تھا ”ورنہ میں برسٹ مار کر گرا دوں گا۔“
پک اپ کا انجن بند ہونے کے ساتھ ایسا لگ رہا تھا جیسے کائنات کی نبض رک گئی ہو۔ ہر طرف گہرا اور مہیب سناٹا تھا جس میں ہر آواز اپنی اصل شدت اور تاثر کے ساتھ سنائی دے رہی تھی۔ باہر سے بنگو کے سانس کی آواز تک نہیں آئی۔ فضا دو افراد کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سے گونجنے لگی۔
دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں پھر وہ تھم گئیں۔
”اوئے! ماں کے خصم! تو نے ہمارا کاشن نہیں سنا تھا؟“ ایک اجنبی آواز کرخت پنجابی لہجے میں گونجی۔
”انجن کے شور میں میرے کان کام نہیں کر رہے تھے۔“ پہلی بار بنگو کی سہمی ہوئی اور مدافعانہ آواز سنائی دی۔
”ابھی تیری ہر چیز کام کرنے لگے گی۔“ وہ دوسری زہریلی آواز تھی ”ادھر سرحدی جنگل میں کہاں جا رہا ہے۔“
”میں نے بارڈر سیکیورٹی فورس کے کرنل بھوشن سے اجازت لی ہوئی ہے۔“
”کرنل اور جنرل مت بک۔ یہ بتا کہ تو کہاں جا رہا ہے؟ ایجنٹ ہے پاکستان کا؟“ پہلی کرخت آواز گونجی۔
گفتگو کے تیور یکایک بہت خوفناک ہو گئے تھے۔ بدقسمتی بنگو کا پیچھا کر رہی تھی۔ وہ ایک مرتبہ پھر غلط آدمیوں سے ٹکرا گیا تھا۔ میں نے بے چین ہو کر ایک مرتبہ پھر دروازے پر طبع آزمائی کی لیکن کوئی چیز ٹس سے مس نہ ہوئی۔ جب تک باہر کا فولادی کنڈا لگا ہوا تھا ہم دونوں میں سے کوئی باہر نہیں نکل سکتا تھا۔
دونوں نوواردوں کے درشت لب و لہجے نے شاید بنگو کے اوسان خطا کر دیے۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا ”مم...میں... کک... کسی کا ایجنٹ نہیں ہوں۔“
”پھر ادھر اپنی ماں کی گود میں جا رہا تھا۔“ کرختگی سے کہا گیا ”یا تیرا باپ بیٹھا ہے وہاں بفرزون میں۔“
”دد... دیکھو میرے ماں باپ تک مت پہنچو۔ تم نے ٹائر پھاڑ کر پہلے ہی میرا نقصان کر دیا ہے۔“
”ابھی ٹائر پھاڑا ہے تو نے زبان نہیں کھولی تو سب کچھ پھاڑ دیں گے۔“ کرخت آواز والا دہاڑا۔
”تم مجھے کرنل بھوشن کے پاس لے چلو۔ وہاں میں تمہاری ہر بات کا جواب دوں گا۔“ بنگو نے اصرار کیا۔
زمین پر وزنی قدموں کی مختصر سی چاپ سنائی دی پھر فضا بنگو کی چیخ سے لرز اٹھی۔ شاید ان دونوں میں سے کسی نے بڑھ کر بنگو کے جسم کے کسی حصے پر شدید ضرب لگائی تھی۔ میں پک اپ کے آہنی کیبن میں محبوس تھا۔ مجھے باہر رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا، جو کچھ تھا بس میرے اندازے تھے۔ ان کی بنا پر بھی میں کوئی قدم اٹھانے سے قاصر تھا۔
”کہاں جا رہا تھا اور گاڑی میں کیا ہے؟“ بنگو کی چیخ تھمنے پر کرخت آواز گونجی۔
”میں مر گیا۔“ بنگو اذیت ناک آواز میں کراہتے ہوئے بولا ”گاڑی میں کچھ نہیں ہے۔ تم خود پچھلا دروازہ کھول کر دیکھ لو۔“
”پہلے اس کی تلاشی لے لو۔ خطرناک ارادے سے نکلا ہے تو ہتھیار بھی ساتھ ہوگا۔“ زہریلی آواز میں مشورہ دیا گیا۔
کچھ دیر کے لیے فضا میں خاموشی چھا گئی۔ شاید بنگو کی جامہ تلاشی کا عمل شروع ہو چکا تھا۔
”بڑا ناز ہے تجھے اپنی نشانہ بازی پر گھر سے صرف چاقو لے کر نکلا ہے۔“ کرخت آواز میں طنز سے کہا گیا۔
فضا میں چٹاخ کی پُرشور آواز گونجی۔ اس زوردار تھپڑ کو بنگو خاموشی سے پی گیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا ”چاقو

رف پلٹا۔ غزالہ اسے زمین پر گرائے رکھنے کی جان توڑ
ششوں میں اس کے سینے پر سوار تھی۔
"ہٹو... الگ ہٹ جاؤ۔" میں نے سختی سے غزالہ کا شانہ
ڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔
وہ شاید میرے ہاتھوں پہلے فوجی کا انجام دیکھ چکی تھی۔
پھل کر اس کے ناپاک وجود سے الگ ہوگئی۔ اگلے ہی لمحے
ں نے دوسرے فوجی کے چہرے کے رخ سے اس کے دماغ پر
نگوں شعاعوں کی دھار ماری۔ دھاتوں کو پگھلا بلکہ جلا دینے
ی حرارت رکھنے والی شعاعیں اس کے دائیں چہرے سے
تی ہوئی پار نکل گئیں اور وہ بھی کسی اذیت کے بغیر پل بھر
ں اپنے ساتھی کے پاس پہنچ گیا۔
دہشت سے بنگو کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں وہ بے یقینی
ے میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔
"تت... تم... تت... تم تو تم... ڈ... ڈینی ہو!" اس کے
نٹوں سے اٹکتی اور سرسراتی ہوئی ایک خوف زدہ سرگوشی
آمد ہوئی۔
"ان دونوں کو رائفلوں سمیت پک اپ میں ڈالو اور
ری طور پر یہاں سے چل دو۔ فائرنگ سن کر ان کے ساتھی
ھر آنکلے تو نئی مصیبت ہمارے گلے پڑ جائے گی۔" میں نے
کراتے ہوئے اسے ہدایت کی۔ خوف اور بے یقینی کا
اب سر سے اترتے ہی میں خود کو بالکل نارمل اور ہلکا
ہوس کر رہا تھا۔
غزالہ نے بڑھ کر زمین پر پڑی ہوئی روشن ٹارچ اٹھائی
ر پھر دونوں خود کار رائفلیں اٹھا کر پک اپ میں ڈال دیں۔
"اس وقت میرے ہاتھ قابو میں نہیں ہیں۔" بنگو نے
رسراتی ہوئی شکستہ آواز میں کہا "میں نے تمہیں درندے کی
رح ان دونوں کو مارتے دیکھا ہے۔ تمہارے پاس لیزر گن
ہے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم ڈینی ہوگے۔"
"لاش اٹھاؤ۔" اس بار میں نے سختی سے کہا "ہمیں جلد
جلد آگے بڑھنا ہے۔"
بادل ناخواستہ اس نے ایک لاش کے دونوں پیر تھام
ہے۔ وہ دونوں فوجی صحت مند اور توانا تھے۔ ان کی لاشوں کو
نچی پک اپ میں منتقل کرنے کے لیے غزالہ کو بھی ہمارا
تھ دینا پڑا۔ ذرا سی دیر میں ہم اپنے کام سے فارغ ہو چکے
ے۔ لاشیں چڑھانے کے بعد ہم نے تیزی سے پھٹا ہوا اگلا
ز بھی تبدیل کر لیا۔
"تم ڈینی ہو نا؟" بنگو نے ایک مرتبہ پھر مجھ سے سوال
یا اور میں اندھیرے میں اسے گھور کر رہ گیا۔

ان واقعات کے بعد بنگو حواس باختہ ہو چکا تھا۔ وہ
ڈرائیونگ کیبن میں اکیلا ہوتا تو ہمیں کسی حادثے سے دوچار
کر سکتا تھا۔ میں علیحدگی میں غزالہ کو سمجھانے کے بعد بنگو
کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے چوں تک نہیں کی۔
غزالہ پچھلے کیبن میں دونوں لاشوں کے ساتھ موجود تھی۔
میں نے اسے کھلی چھوٹ دے دی تھی کہ وہ لاشوں کی تلاشی
لے کر رائفلوں کے فاضل میگزین بھی یکجا کر لے اور
ضرورت پیش آنے پر گولی چلانے سے دریغ نہ کرے۔
"اب ہم کدھر جائیں گے؟" بنگو نے انجن اسٹارٹ
کرنے سے پہلے پوچھا۔
"پروگرام کے مطابق چلتے رہو ہمیں ہماری منزل پہ
پہنچانے کے بعد تم اپنی مرضی کے مالک ہوگے۔" میں نے
کہا۔
"یہ لاشیں تم پاکستان میں اتارلو گے نا؟" اس نے انجن
اسٹارٹ کر کے جھجکتے ہوئے پوچھا۔
"انہیں میں نے نہیں بلایا تھا۔ لاشیں مل گئی ہیں تو یہ
پاکستان جائیں گی تم کو ان کے بارے میں فکر مند ہونے کی
ضرورت نہیں ہے۔"
بنگو نے پارکنگ لائٹس روشن کر کے پک اپ آگے
بڑھا دی اس وقت ہم خاصے گنجان جنگل میں تھے۔
چند منٹ بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ اتنی ناکافی روشنی میں
گاڑی چلانا کس قدر مشکل کام تھا۔ وہ بنگو ہی تھا جو اپنے غیر
معمولی مشاہدے کی مدد سے پک اپ کو ہر لمحے کسی درخت کے
تنے یا بڑے پتھر سے ٹکرانے سے بچا رہا تھا۔
کچھ دیر بعد دور سے گولیاں چلانے کی آوازیں آئیں تو
بنگو بولا "اتنی فائرنگ ہونے کے باوجود ان کا کوئی ساتھی
ادھر نہیں آیا۔"
"سرحدی علاقوں میں بلاوجہ بھی گولیاں چلتی رہتی ہیں
کبھی کبھی یہ لوگ اپنی اکتاہٹ دور کرنے کے لیے خیالی
سایوں پر بھی گولیاں چلا دیتے ہیں پھر یہ بہت لمبی سرحد ہے۔
گشتی پارٹیاں ایک دوسرے سے کافی دور رہتی ہیں۔ دور سے
یہ پتا چلانا مشکل ہوتا ہے کہ کہاں فائرنگ ہوئی ہے۔"
"یہ بی ایس ایف والے نہیں ہیں کیونکہ ان کی وردیاں
الگ ہوتی ہیں۔ پتا نہیں یہ کہاں سے ادھر نکل آئے۔"
"کبھی کبھی شامت بھی انسان کو گھیر کر کسی خاص مقام پر
پہنچا دیتی ہے۔ تم ان کے بارے میں کیوں فکر مند ہو؟"
"فکر مندی کی بات ہے میں اکثر ادھر آتا رہتا ہوں۔
اس راستے پر واقع ساری چوکیاں بی ایس ایف والوں کی

ہیں۔"

"کیا ہم وہاں سے گزر آئے ہیں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں۔ دس پندرہ منٹ بعد ہم وہاں سے گزریں گے۔ وہ ہمیں نہیں روکیں گے۔" اس نے بتایا "میرے راستے میں صرف ایک چوکی آئے گی۔"

"کسی کھلی جگہ پر گاڑی روک لینا۔" میں نے اس کا جواب سننے کے بعد اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "اس چوکی کے قریب سے گزرنے سے پہلے مجھے پچھلے دروازے کا بندوبست کرنا ہے۔ میں نے لیزر گن سے اس کا بولٹ کاٹ دیا تھا۔"

"تم واقعی حیران کن آدمی ہو میں ڈر رہا تھا کہ دونوں فوجی تمہیں اور غزالہ کو آسانی سے پکڑ لیں گے۔ لوگ تمہارے نام سے بلاوجہ خوف نہیں کھاتے۔ اب بات میری سمجھ میں آرہی ہے کہ تم راوالوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے دہلی گئے تھے۔ جس روز اپن کا ویل امرتسر سے نکلی اس سے پہلی رات را کے ایک دفتر کو آگ لگائی گئی تھی۔ وہاں ان کا ایک آدمی بھی مرا تھا۔ آج تم جا رہے ہو اور صبح دہلی میں را کے دو افسر مرے ہوئے تھے۔ سچ سچ بتادو کہ تم دہلی سے آئے تھے یا انبالہ سے۔"

"میں بار بار اپنی کہانیاں بدلنے کا عادی نہیں ہوں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "میں نے تمہیں سچ بتا دیا ہے اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ جو چاہو سوچتے رہو۔"

اس نے ایک کھلی جگہ پر گاڑی روک دی۔ میں نے اتر کر غزالہ سے خیریت دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ پچھلا دروازہ جھٹکوں سے بار بار کھل رہا تھا۔ وہ اندر سے اسے تھامے بیٹھی تھی اسے ڈر تھا کہ کسی غلط موقع پر دروازہ خود بہ خود کھل گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

"لاشوں کے جوتوں سے لمبے فیتے کھول لو اور دروازے کے پٹ اندر سے باندھ لو۔" میں نے اسے مشورہ دیا "تم کنارے پر بیٹھ کر سفر کرتی رہیں تو کسی جھٹکے سے خود بھی لڑھک کر نیچے آجاؤ گی۔ آگے ہمیں بی ایس ایف کی ایک چوکی سے بھی گزرنا ہے۔"

"ویری گڈ۔ آپ نے میری مشکل آسان کردی۔ میں خود بھی دروازہ تھامے تھامے پریشان ہوگئی تھی۔" وہ خوش ہو کر بولی۔

ہم ذرا سی دیر کے لیے وہاں رکے رہے۔ غزالہ نے دروازے کے پٹ فیتوں سے باندھ لیے تو میں نے باہر سے اس کی مضبوطی کا اندازہ لگایا اور دوبارہ بنگو کے ساتھ جا بیٹھا۔ اس دوران میں گاڑی کا انجن چلتا رہا تھا۔ بنگو نے دوبارہ گاڑی چلادی۔

اس وقت تک جو کچھ ہوا تھا وہ گڑبڑ کے باوجود ہمارے حق میں رہا تھا۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس تھا کہ مجھے دونوں بھارتی فوجیوں پر بیم گن استعمال کرنی پڑی تھی۔ اگر میں ان لاشوں کو وہیں چھوڑ دیتا تو اگلی صبح تک یہ کہانی عام ہوسکتی تھی کہ ڈینی دہلی میں انل اور نریش کا کام تمام کرنے کے بعد اسی راہ سے پاکستان فرار ہوا تھا۔ دہلی والوں کی سوچ کے مطابق بیم گن یا لیزر گن کا استعمال میری کہیں بھی موجودگی کا کھلا ثبوت تصور کیا جاتا۔

اس راہ سے گزرنے والوں کے بارے میں کڑی چھان بین ہوتی تو بنگو کا نام ضرور سامنے آجاتا۔ اس کی گرفتاری سے میرے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن انٹیلی جنس بیورو کے ذمے داروں کو ضرور تشویش ہوسکتی تھی۔

بھارتی سرزمین پر اپنے اس آخری سفر کے دوران میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں ان باتوں پر سوچ بچار کر کے کوئی صحیح فیصلہ کرپاتا۔ جب میں نے ان لاشوں کو پک اپ میں لادنے کا فیصلہ کیا تو میرے سامنے دو اہم ترین نکات تھے۔ اول یہ کہ کوئی دوسری گشتی پارٹی ان لاشوں کو دریافت کر کے پوری سرحدی پٹی پر ہائی الرٹ کی صورت حال پیدا نہ کرسکے۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ تھی کہ میں بنگو اور ان دونوں لاشوں کے مستقبل کا فیصلہ جلال سے مشورے کے بعد کرنا چاہتا تھا۔ اگر جلال کی رائے میں ان لاشوں کا بھارتی سرزمین پر پایا جانا ہر خطرے سے خالی ہوتا تو بنگو اپنی واپسی کے سفر میں ان لاشوں کو کہیں بھی پھینک سکتا تھا۔

وہ باتیں اپنی جگہ پر تھیں۔ جب سے بنگو نے مجھے ڈینی کی حیثیت سے پہچانا تھا اس کی طرف سے تذبذب کا شکار ہوگیا تھا۔ فوجیوں کے مقابلے کے دوران جو کچھ ہوا' وہ بہت تیزی سے اور غیر ارادی طور پر ہوتا چلا گیا۔ میں نے مجبوری کے عالم میں بیم گن استعمال کی کیونکہ میرے پاس کوئی اور ہتھیار موجود نہیں تھا مگر بنگو نے اسی بیم گن کو اہم ترین اشارہ سمجھ کر مجھے ڈینی کہنا شروع کردیا تھا۔

انٹیلی جنس بیورو کے لیے بنگو کی افادیت مسلمہ تھی۔ امرتسر یا اس کے قرب و جوار میں اس کا کوئی متبادل تلاش کرنا آسان نہیں تھا مگر وہ بنیادی طور پر بھارت کا ایک جرائم پیشہ شخص تھا جو کسی بھی وقت قانون کی گرفت میں آسکتا تھا۔ وہ میرے خلاف ایک مضبوط چشم دید گواہ بن گیا تھا۔ بھارتی نژاد اس اکلوتے گواہ کا وجود میرے لیے پریشان کن تھا۔

والے اسے کسی بھی وقت میرے خلاف میدان میں اتار
تے تھے۔
بنگو کی زندگی اور موت کا بہتر فیصلہ جلال ہی کر سکتا تھا۔
"میری جیب میں ساڑھے چار ہزار روپے پڑے ہوئے
ے وہ ان دونوں میں سے کسی کی جیب میں ہوں گے۔" کافی
ی کی خاموشی کے بعد بنگو نے شکوا کیا۔
"فکر نہ کرو۔ ان کی جیبوں سے ملنے والی ساری نقدی
یں دے دی جائے گی۔" میں نے اسے اطمینان دلایا۔
"تین دن سے میرے ستارے گردش میں آئے ہوئے
ں۔ وہ متاسفانہ لہجے میں بولا "پتا نہیں قسمت کی دیوی
رے ساتھ کیا کھیل کھیل رہی ہے۔ بس ایک اچھی بات
ئی ہے میں نے تم کو پہچان لیا ہے۔ تمہارا نام پڑھتے پڑھتے
ے بھی تم کو دیکھنے کا شوق ہو گیا تھا۔
"میں تم پر صرف رحم ہی کر سکتا ہوں۔ مجھ کو پہچاننے میں
سنگین غلطی کر رہے ہو۔"
"مجھے خود بھی یقین نہیں آرہا کہ اس وقت تم میرے
تھ اس چھکڑے میں سفر کر رہے ہو مگر میں اپنے دل کی بات
یں ٹال سکتا۔"
تمہارا یہ دل کسی وقت تمہیں مروا دے گا۔ تمہیں اس
ے بہکائے میں نہیں آنا چاہیے۔"
اچانک بنگو نے اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس روشن کر
یے اور رفتار بھی بڑھا دی۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا
۔ اسے بی ایس ایف کی چیک پوسٹ نظر آگئی تھی۔ میں نے
ں نظریں سامنے گاڑ دیں۔ چند ثانیوں بعد مجھے بھی اگلی چوکی
ی روشنیاں نظر آگئیں۔
"چوکی کے لیے اس جنگل میں بجلی کہاں سے آگئی!" میں
نے حیرت سے پوچھا۔
"بی ایس ایف کنگال فورس ہے مگر اس کے اہل کار مال
رہیں۔ یہ فورس سرحدوں کے لیے بنی ہے جہاں یہ خوب
ماتے ہیں اور چوکیوں کا عملہ اپنے ذاتی چندے سے جنریٹر لگا
اہے تاکہ مزے سے ڈیوٹی پوری کر سکے۔"
"فورس کا یہ حال ہے کہ تو پھر بھارت کا اللہ ہی نگہبان
سکتا ہے۔ یہ لوگ ملک کو لوٹ کر کھا جائیں گے۔"
"کھا رہے ہیں لیکن ہمارا ملک بہت بڑا ہے۔ اس کا کچھ
یں بگڑتا۔ یہ پچھن خاص خاص چوکیوں کے ہیں۔ بعض
ہوں پر حالات بہت خراب ہیں۔"
چوکی کی روشنیوں کے ابھرنے اور ڈوبنے کا سلسلہ ختم
گیا۔ ہموار راستہ آجانے کے سبب چوکی مسلسل ہماری
نظروں کے سامنے تھی۔ دور سے کسی گاڑی کے انجن کا شور
سن کر ایک رائفل بردار فوجی اپنے دفتر نما مورچے سے باہر
نکل آیا تھا اور ہاتھ ہلا کر ہمیں رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔
بنگو نے مناسب فاصلے سے گاڑی کی رفتار کم کرنی
شروع کر دی۔ باہر کھڑے ہوئے اہل کار نے آگے جھک کر شاید
رینگتی ہوئی گاڑی کی نمبر پلیٹ پر نظر ڈالی اور ہمارے رکنے سے
پہلے ہی ہمیں آگے جانے کا اشارہ کر کے دوبارہ اپنے مورچے
میں غائب ہو گیا۔
"میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ بی ایس ایف
والے ہم کو نہیں روکیں گے۔"
بارڈر سیکورٹی فورس والوں کی اس اکلوتی چیک پوسٹ
سے آگے درختوں کا سلسلہ چھدرا ہوتا چلا گیا تھا لیکن خود رو
پودوں اور جھاڑیوں نے زمین کو اپنی آغوش میں چھپایا ہوا
تھا۔ کچھ دور نکلنے کے بعد بنگو نے گاڑی کی تمام روشنیاں گل
کر دیں۔
"میرے لیے کچھ بھی دیکھنا ممکن نہیں تم ڈرائیونگ کیسے
کر رہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"کچھ ان راستوں کا تجربہ ہو گیا ہے اور میری آنکھیں
بھی اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی ہیں۔"
"یہاں کانٹے دار جھاڑیاں بھی چھپی ہوئی ہوں گی۔ کوئی
ٹائر پنکچر ہو گیا تو تم کیا کرو گے۔ اسپیئر ٹائر پہلے ہی لگ چکا ہے۔"
"میری گاڑی پرانی ہے مگر پانچوں ٹائر نئے ہیں۔ چھوٹے
موٹے کانٹوں کو یہ خود روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ آج
پہلی بار میری پک اپ کا ایک ٹائر پھاڑا گیا ہے ورنہ برسوں
سے اس میں پنکچر تک نہیں ہوا۔" اس نے فخر سے مجھے بتایا۔
"آج تمہارے ستارے گردش میں ہیں کچھ بھی ہو سکتا
ہے۔" میں نے اسے چھیڑا۔
"کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ جب تک اگلے دو ٹائر سلامت
رہتے ہیں، میں گاڑی چلاتا رہوں گا اور تمہیں منزل پر پہنچا
دوں گا۔"
ہیڈ لیمپس گل ہونے کے بعد پک اپ کی رفتار بہت کم
رہ گئی تھی۔ فضا میں جنگلی بھیڑیوں، سوروں اور دوسرے
جانوروں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ بی ایس ایف کی
چیک پوسٹ کی روشنیاں کافی پیچھے رہ گئیں تو بنگو نے بتایا کہ
ہم پاکستان میں داخل ہو چکے تھے۔
"یہاں دور دور تک ایک جیسا ویرانہ پھیلا ہوا ہے۔
تمہیں کیسے پتا چلا کہ نئی سرحد شروع ہو گئی ہے۔"
"اس علاقے میں بہت سی سرحدوں کا زمین پر وجود نہیں

ہے۔ وہ کاغذوں پر بنی ہوتی ہیں یا سینوں میں محفوظ ہیں۔ میں نے ایک چھوٹی نالی کی نشانی رکھی ہوئی ہے اسے ہم نے ابھی ابھی عبور کیا ہے۔"

میرے اعصاب پر ایک فرحت انگیز سرور سا چھانے لگا۔ دشمن کی سرزمین سے اپنی خاک پر لوٹ آنے کا احساس بہت عجیب اور کسی حد تک رقت آمیز تھا۔ وطن کی وہ ہوائیں میرا استقبال کر رہی تھیں جن کے لیے عابد علی، پرویز احمد اور عبداللہ مدتوں سے ترسے ہوئے تھے۔

"یہاں سے زیرو پوائنٹ کا فاصلہ کتنا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہیڈ لیمپس روشن کرلوں تو پانچ منٹ میں وہاں پہنچ سکتے ہیں مگر میں پاکستان میں گھسنے کے بعد ڈرتا ہوں۔"

"ماسٹر سے بات ہونے کے بعد تمہیں نہیں ڈرنا چاہئے۔ یہاں سب کو پتا ہوگا کہ آج رات تم آنے والے ہو۔"

"ماسٹر بھی یہی کہتا ہے پھر بھی میرا ڈر دور نہیں ہوتا۔ سنا ہے کہ پاکستانی فوجیوں کا نشانہ بہت کم خطا ہوتا ہے۔ یہ لین دین بھی نہیں کرتے۔"

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ بعض باتوں پر اسے قائل کرنا دشوار تھا۔

وہ راستہ بہت خراب اور سخت ناہموار تھا۔ پک اپ کو شدید جھٹکے لگ رہے تھے اگر بنگو گاڑی کے ہیڈ لیمپس بھی روشن کرلیتا تو بھی اس راستے پر زیادہ رفتار سے گاڑی چلانا ممکن نہیں تھا۔ وہ لمبے موڑ کاٹ کر دھیرے دھیرے بڑھتا رہا پھر اچانک ہی ہم ایک ٹیلے کے سر پر جا نکلے۔ آگے ایک بڑا نشیب پھیلا ہوا تھا، تاروں بھرے آسمان کی خوابناک روشنی میں اس وسیع نشیب کے وسط میں ایک تیجیرو کا ہیولا نظر آرہا تھا۔ اس کے قریب تین افراد ہمارے منتظر تھے۔

ویرانے کا یہ سماں میرے لیے جذبات آفریں تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہوگئیں۔

بنگو نے اپنی پک اپ آہستگی سے نشیب میں اتاری اور پھر اس کی رفتار میں قدرے اضافہ کردیا۔

پک اپ رکتے ہی میں نیچے اترا تو جلال والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ "تم واقعی بہت عظیم ہو۔" وہ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں میرے کان میں کہہ رہا تھا "تم نے ہم سب کے سر فخر سے بلند کردیے۔"

غزالہ کو سفر کے اختتام کا علم نہیں تھا۔ بنگو نے پیچھے جا کر اسے باہر آنے کی ہدایت کی۔ کچھ کھٹ پٹ ہوئی اور غزالہ بھی دروازہ کھول کر نیچے آگئی۔ جلال نے پک اپ کے پیچھے جا کر اس سے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور خوش آمدید کہا تھا۔

"یہ اندر کیا پڑا ہے۔" جلال نے پک اپ کے آہنی کیبن میں جھانکتے ہوئے اپنے آدمیوں سے کہا "ان کا سامان بھی اتار لو۔"

"یہ سامان نہیں، دو لاشیں ہیں ماسٹر! بنگو نے بوجھل آواز میں کہا "ڈینی استاد نے انہیں لیزر گن سے مارا ہے۔"

"ڈینی!" جلال نے بوکھلا کر دہرایا اور میری طرف دیکھا "تمہارے سفر میں ڈینی کہاں مل گیا۔"

"یہ احمق مجھے ڈینی سمجھ رہا ہے کیونکہ میں نے اسپارک پلگ مشین سے دو بھارتی فوجیوں کو مارا ہے۔" میں نے جلال کا بازو دبا کر کہا۔

"اوئے۔ ویری گڈ" جلال دھیرے سے ہنسا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا " بنگو! میں تم کو اتنا بے وقوف نہیں سمجھتا تھا۔"

"یہ بتاؤ کہ اب ان لاشوں کا کیا کرنا ہے۔" بنگو نے جلال کے تبصرے کا کوئی جواب دیے بغیر پوچھا۔

"آؤ میں تمہیں پوری بات سمجھاتا ہوں۔" میں جلال کو ایک طرف لیتا چلا گیا۔ خلافِ معمول غزالہ بھی ہمارے ساتھ چلی آئی۔

"تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" میں نے اس کی طرف مڑ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

"راستے میں، میں نے دونوں لاشوں کی تلاشی لی تھی۔ ایک فوجی کی جیب سے کافی رقم اور ایک ٹرانسمٹر ملا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے میں رقم نہیں گن سکی۔"

میں نے جلال کو اختصار سے اپنے نظریات اور خدشات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

"اس کا سیدھا سا حل ہے۔" جلال نے چند ثانیوں کے بعد جواب دیا "لاشیں روک لو۔ بنگو کو جانے دو۔ وہ ہمارے لیے بہت کار آمد ہے۔"

"وہ ایک آدھ روز میں دھر لیا جائے گا۔ اس کی پک اپ کی باڈی فوجیوں کے چلائے ہوئے راؤنڈز سے چھلنی ہوچکی ہے۔ جنگل میں پڑے ہوئے گولیوں کے خول اس مقام کی نشان دہی کردیں گے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ شاید وہاں کچی زمین پر بنگو کی گاڑی کے ٹائروں کے نشان بھی موجود ہوں۔"

"یہ بات مختلف ہوگئی۔ ذرا مجھے سوچنے دو۔" جلال نے

شہادت کی انگلی اٹھا کر کہا۔
''وہ پکڑا گیا تو زیادہ دیر تک اپنی زبان بند نہیں رکھ سکے گا۔'' غزالہ نے رائے دی ''ہر ایجنسی بدمعاشوں سے پوچھ گچھ کے لیے بہت سخت رویہ اختیار کرتی ہے۔ اس کے خلاف شہادتیں بھی ہوں گی۔ وہ اپنی پک اپ کو کہاں لے جائے گا۔ وہ پورے امرتسر میں اپنے نمونے کی اکلوتی گاڑی ہوگی۔''
''اس سے ہم بہت زیادہ کام نہیں لیتے لیکن جب بھی لیا ہے' اس سے بڑا کام ہی لیا ہے۔ تمہارے بھارت کے سفر کے دوران اسے زیادہ اہمیت ملی ہے۔ اگر وہ تمہاری سلامتی کے لیے خطرناک ثابت ہوتا ہے تو میں بے دریغ اسے اڑا دوں گا۔'' جلال نے دوٹوک لہجے میں کہا۔
''اور ان دونوں لاشوں کا کیا بنے گا؟'' میں نے پوچھا۔
''یہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو۔ پہلے ہمیں بنگو سے نمٹ لینا چاہیے۔ یہ اس کی بدنصیبی ہے کہ اس نے تمہیں پہچان لیا ہے۔''
''پہچاننے سے فرق نہیں پڑتا۔ مجھے دہلی میں بہت سے لوگ مظہر خان کے روپ میں قریب سے دیکھ چکے ہیں۔ ان میں را کی کئی لڑکیاں بھی ہیں جو مجھے دور سے پہچان لیں گی۔ اصل خرابی یہ ہے کہ وہ اندر کی بہت سی باتیں جانتا ہے۔ صرف مجھے پہچان لینے کی وجہ سے وہ ان باتوں کی کڑیاں ملالے گا۔ اسے چار چوٹ کی مار پڑے گی تو وہ آئی بی اور عابد علی سے لے کر این کا ویل تک کی پول کھول کر رکھ دے گا۔ وہ تمہارے کئی بڑے کاموں میں ملوث ہو چکا ہے۔''
''پھر بھی میرا فیصلہ برقرار ہے۔ آؤ!'' وہ مڑ کر گاڑیوں کی طرف ہولیا جہاں بنگو اس کے دونوں آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔
''فوجی کی جیب سے ملنے والی رقم بنگو کو دے دو۔'' جلال نے غزالہ کو ہدایت کی اور اس نے جیب سے نوٹ نکال کر بنگو کو دے دیے۔
اپنی رقم سے زیادہ پیسے پاکر بنگو کا چہرہ کھل اٹھا ''میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ ماسٹر دریا دل آدمی ہے۔'' اس نے مجھ سے تائید چاہی۔
میں سرہلا کر رہ گیا۔ میرے دل میں بنگو کے لیے ہمدردی کے جذبات اُمڈے چلے آرہے تھے مگر وہ گردنیں کاٹنے کا کھیل تھا۔ اسے چھوڑا جاتا تو دوسرے کئی اہم افراد مارے جاسکتے تھے۔ نہ جانے کتنے راز دشمنوں تک پہنچ جاتے۔
''میرا اپریٹس واپس دے دو۔'' جلال نے بنگو سے مطالبہ کیا۔
''کیوں؟'' وہ پریشان ہوگیا ''میں تم سے کیسے رابطہ کروں گا؟''
''چند روز میں تمہیں نیا اپریٹس مل جائے گا۔'' جلال نے اسے سمجھایا ''اس اپریٹس کی فری کوئنسی بھارتیوں نے پکڑلی ہے۔ اس کا استعمال جاری رکھا تو بھارتی کسی وقت ساری باتیں سن لیں گے اور تم بے موت مارے جاؤ گے۔ یہ تبدیلی بہت ضروری ہے۔''
بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ وہ تیزی سے اپنی پک اپ کی طرف گیا اور ڈلیش بورڈ پر سے اپریٹس اٹھالایا۔
جلال نے ٹرانسمیٹر لے کر اپنی جیب میں ڈال لیا اور کہا ''آج کے کام کا معاوضہ تمہیں مل چکا ہے۔ واپسی میں سرحد پار کر کے دونوں لاشیں کہیں بھی گرا دینا۔ چاہو تو ان کی رائفلیں تم اپنے ساتھ لے جاسکتے ہو۔''
بنگو نے بے ساختہ اپنے کان پکڑ لیے ''نہیں بابا۔ میرے پاس سے کبھی فوجی رائفل کیا' اس کی گولی بھی نکل آئی تو میں مارا جاؤں گا۔ رائفلیں وغیرہ تم رکھ لو۔''
جلال کے اشارے پر دونوں فوجیوں کے ہتھیار پک اپ سے نکال لیے گئے۔ بنگو نے اسے تاکید کی کہ اس کے لیے جلد ہی کوئی نیا کام نکالا جائے اور پھر انجن اسٹارٹ کرلیا۔ اس دوران میں جلال کا اشارہ پاکر اس کا ایک آدمی پجیرو سے ایک بھاری گن نکال چکا تھا۔
بنگو نے سب کی طرف ہاتھ لہرایا۔ جلال نے اس کے اشارے کا کوئی جواب نہیں دیا۔
اچانک جلال کے آدمی نے اپنی گن کی نال سیدھی کی اور وہ ویرانہ ایک ہولناک برسٹ سے لرز اٹھا۔ پلک جھپکتے میں کئی گولیاں ونڈ اسکرین کو ریزہ ریزہ کرتی ہوئی بنگو کے جسم اور چہرے کے کئی حصوں میں پیوست ہو چکی تھیں۔ اس کی پک اپ اچھلی اور ایک ہچکی لے کر بند ہوگئی۔
فضا اچانک اداس اور بوجھل ہوگئی۔ بنگو کے ناگزیر انجام پر کوئی بھی خوش نہیں تھا۔
چند منٹ بعد ہمارا پانچ نفری قافلہ پجیرو میں سوار ہو کر واپس روانہ ہو چکا تھا۔
''کیا وہ تینوں لاشیں اسی طرح پڑی رہیں گی؟'' میں نے جلال سے پوچھا۔
''نہیں۔ ابھی چیک پوسٹ پر بتا دوں گا۔ وہ گاڑی ان تین لاشوں سمیت کل بھارتیوں کو لوٹا دی جائے گی۔''

”بھارتیوں کو کیوں؟“ میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔
”گاڑی بھارت سے پاکستانی علاقے میں آئی تھی۔“ جلال نے دھیمی اور پر خیال آواز میں کہنا شروع کیا ”جوانوں نے اسے للکارا۔ اس نے رکنے کے بجائے بھاگنے کی کوشش کی اور گاڑی پر فائر کھول دیا گیا۔ ڈرائیور کے مرنے کے بعد پتا چلا کہ پک اپ کے پچھلے حصے میں دو نہتے فوجیوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔“
”وہ کیسے مارے گئے۔“ میں نے سوال کیا۔ میں جزئیات سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا تھا۔
”ہم نے سب کچھ امانت کے طور پر رات بھر کے لیے روک لیا۔ اپنے آدمیوں کے بارے میں بھارتی خود سر کھپائیں گے۔ اگر وہ لیزر گن کا نشانہ بنے تو وہ گن کہاں سے آئی اور کہاں گئی۔ ہماری سب سے بڑی سچائی یہ ہوگی کہ تین بھارتیوں کی لاشیں پاکستانی علاقے سے ان کے ایریا کمانڈر کے حوالے کی جائیں گی۔ اس معاملے میں شور مچا کر بھارتیوں کو خفت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ یہی سوچ سوچ کر ہلکان ہوتے رہیں گے کہ دونوں فوجیوں کی لاشیں میلوں دور کیسے پہنچ گئیں۔“
”یہ اونچ نیچ تم زیادہ بہتر طور پر سمجھتے ہو۔ میں ان حربی معاملات سے نابلد ہوں۔“
گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ دہلی میں میری اور آئی بی کی مشترکہ کامیابیوں کا خمار بنگو کے خون سے پھیکا پڑ گیا تھا۔
جلال کے دونوں آدمیوں میں سے ایک ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ دوسرا اس کے برابر والی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ جلال ہم دونوں کے ساتھ ہ جیرو کی پچھلی نشست پر تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جلال اپنے آدمیوں کی موجودگی میں کھل کر بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ مجھے اس کے کہے ہوئے یہ الفاظ بھلائے نہیں بھولتے تھے کہ ایک اچھا سیکرٹ ایجنٹ کبھی غیر ضروری طور پر کوئی بات نہیں کرتا اور نہ کسی کو اپنے رازوں میں شریک کرتا ہے۔
جلال کے دونوں آدمیوں کا تعلق بھی آئی بی سے رہا ہوگا لیکن ان کے لیے یہ سب جاننا ضروری نہیں تھا کہ میں دہلی کس لیے گیا تھا اور میں نے وہاں کیا تیر مارے تھے۔ ان دونوں نے ہماری واپسی پر بنگو کی زبان سے جو کچھ سن لیا تھا ان کے لیے وہی کافی تھا۔
آرمی کی پہلی چیک پوسٹ پر جلال گاڑی رکوا کر نیچے اتر گیا۔ چوکی پر مامور ایک افسر نے باہر آکر اس کا استقبال کیا۔ وہ دونوں کچھ دیر تک دھیمی آوازوں میں آپس میں باتیں کرتے رہے۔ جلال کے ہاتھوں کے اشاروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ فوجی افسر کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جواب میں اس کا مخاطب سر ہلاتا رہا۔ اسے بریفنگ دے کر جلال نے اس سے الوداعی مصافحہ کیا اور واپس لوٹ آیا۔
کھیتوں اور میدانوں میں ہمارے سفر کا سلسلہ ایک مرتبہ پھر شروع ہو گیا۔
واپسی میں، میں نے بھارتی علاقے میں سفر کا خاصا حصہ بنگو کے ساتھ اگلے کیبن میں بیٹھ کر طے کیا تھا اور یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ پورے بھارتی علاقے میں ہم بی ایس ایف کی صرف ایک چیک پوسٹ کے پاس سے گزرے تھے جبکہ پاکستانی علاقے میں جگہ جگہ چوکیوں اور مورچوں کا ایک مربوط جال پھیلا ہوا تھا۔
اس تضاد کے دو ہی اسباب ہو سکتے تھے۔ بنگو چوروں کی طرح چھپ کر سفر کر رہا تھا اس لیے وہ چوکیوں والے معروف راستے کو چھوڑ کر جنگل اور ویرانوں سے گزرتا ہوا سرحد تک پہنچا تھا۔ اس نے صرف ایک مقام پر چوکی کے قریب سے گزرنے کا خطرہ مول لیا تھا جہاں قدرتی زمینی رکاوٹوں کی وجہ سے شاید کوئی متبادل راستہ نہیں تھا۔ ایسی صورت میں ہمارا بھارتی دستوں سے واسطہ پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا جبکہ جلال اپنی سرزمین پر پورے قانونی اختیار کے ساتھ اور ڈنکے کی چوٹ پر مجھے واپس لے جا رہا تھا۔ اسے چور راستے استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ سرحدی پٹی کے سب سے بہتر راستے پر سفر کر رہا تھا اس وجہ سے ہمیں جا بجا پاکستانی فوجی چوکیاں نظر آ رہی تھیں۔
اس فرق کا دوسرا سبب جغرافیائی بھی ہو سکتا تھا۔ بھارتی جنگل اور ویرانے میں چوکیوں کی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔ پاکستان کے سرسبز اور ہموار میدانی علاقے میں، مقامی آبادی کے تحفظ کے لیے قابل ذکر فوجی موجودگی ضروری تھی۔
”اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ لمبے سکوت کے بعد میں نے جلال سے پوچھا۔
”آج تم لاہور میں ہمارے مہمان رہو گے۔“ گاڑی میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں جلال کی آواز ابھری ”لاہور کے ماڈل ٹاؤن کے ایک آرام دہ گھر میں تمہارے قیام کا بندوبست کیا گیا ہے۔ وہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“
”مگر میری خواہش ہے کہ میں جلد از جلد کراچی لوٹ

جاؤں۔" میرے ذہن میں اول خان اور سلطان شاہ کے پیکر ناچ رہے تھے۔

"جب تک ہم لاہور پہنچیں گے، صرف نائٹ کوچ کا وقت باقی رہ جائے گا۔ اس پرواز پر پوری رات کالی ہو جاتی ہے۔ تمہیں کراچی جانے کی اتنی ہی عجلت ہے تو رات لاہور میں گزار کر صبح کی پہلی پرواز سے کراچی لوٹ جانا۔ وہاں تمہیں کیا کام ہے؟"

"یہ کام سے واپس آئے ہیں۔ اب آرام کریں گے۔"

مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "دراصل انہیں اپنے چہیتوں سے بچھڑے ہوئے کافی دن ہو چکے ہیں۔ یہ اب جلد از جلد ان کے درمیان پہنچ جانا چاہتے ہیں۔ میں خود بھی ان لوگوں کو بہت زیادہ مس کر رہی ہوں۔"

غزالہ کی وضاحت پر جلال نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "اگر تم ویرا کی بات کر رہی ہو تو وہ ابھی تک لاہور میں ہی موجود ہے۔ اور ....."

میں نے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا "صرف ویرا نہیں، میں سب سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے وضاحت کی۔

"میں بھی یہی بتا رہا تھا۔ سلطان شاہ شام کی پرواز سے لاہور آ چکا ہے۔ وہ تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔"

"یہ اچھا ہوا پھر لاہور میں رات گزاری جا سکتی ہے۔" میں نے ہتھیار ڈال دیے اور تینوں ہنسنے لگے۔

سرحدی میدانی علاقہ پیچھے چھوڑ کر بجیرو لاہور کے مضافات میں داخل ہو گئی۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں گزرتے رہے پھر ہم باٹا پور میں داخل ہو گئے۔ وہ ایک قصبہ ہے لیکن وہاں زندگی کی چہل پہل اپنے عروج پر تھی۔

ہم گاڑی میں کسی اہم موضوع پر بات کرنے سے گریز کر رہے تھے۔ کئی بار میرے دل میں آئی کہ جلال سے انگریزی میں کچھ کہوں لیکن میں ہمت نہ کر سکا۔ اس کے دونوں آدمی اس کے لیے معمولی نوعیت کے کام کر رہے تھے لیکن اپنی صورتوں سے پڑھے لکھے، مہذب اور جہاں دیدہ نظر آ رہے تھے۔ وہ انگریزی سے واقف ہوتے تو مجھے ان کے سامنے خاصی سبکی کا سامنا کرنا پڑتا۔

ایسا نہیں تھا کہ جلال کو ان پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ یقینی طور پر اس کے قابل اعتماد اور محنتی کارندے تھے۔ اسی لیے وہ میرے استقبال کے لیے انہیں اپنے ساتھ لایا تھا۔ بات صرف احتیاط کی تھی اور میں حد سے بڑھی ہوئی اس احتیاط میں گھٹن کا شکار ہونے لگا تھا۔

خدا خدا کر کے بجیرو لاہور کی حدود میں داخل ہو گئی۔ ماحول اور راستوں کی رونق میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

جس وقت بجیرو ماڈل ٹاؤن کے ایک بڑے مکان کے بند پھاٹک کے سامنے رکی تو میری رسٹ واچ میں تقریباً دس بجے کا عمل تھا۔ ایک مسلح اور باوردی دربان نے پھاٹک کی ذیلی کھڑکی سے باہر جھانکا اور بجیرو کو پہچان کر پھاٹک کھول دیا۔ ڈرائیور گاڑی کو سبک رفتاری سے ڈرائیو وے میں پورچ تک لیتا چلا گیا۔

شاید اندر والوں کے کان کسی گاڑی کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ غزالہ کے بعد میں پوری طرح گاڑی سے اترنے بھی نہیں پایا تھا کہ اندر سے سلطان شاہ تقریباً دوڑتا ہوا برآمدے میں نمودار ہوا اور پھر رکے بغیر، بڑھ کر مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔

اس کے پیچھے پیچھے ویرا بھی آ گئی۔ اس نے اسی تپاک سے غزالہ کا استقبال کیا۔ بجیرو ہمیں پورچ میں اتار کر آگے بڑھ گئی۔

اس وقت لاہور کے اس وسیع و عریض مکان کے برآمدے میں مختصر سے جشن کا سا سماں ہو گیا تھا۔ ایک دوسرے کی مزاج پرسی ہو رہی تھی، گلے شکوے کیے جا رہے تھے، پوچھ گچھ شروع ہو گئی تھی مگر ہر لفظ اور فقرے میں خلوص ہی خلوص تھا۔

"راستے میں ڈینی سے میری بات نہیں ہو سکی۔" جلال نے اپنی بھاری آواز میں خوش دلی سے وضاحت کی "ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ تم لوگ مدتوں سے ایک دوسرے سے بچھڑے ہوئے تھے۔ میں تمہارے درمیان زیادہ دیر تک دیوار نہیں بنوں گا۔ ڈینی سے چند منٹ بات کر کے چلا جاؤں گا۔"

اس کی دخل اندازی پر مجھے احساس ہوا کہ ہم پانچوں برآمدے میں ہی اٹک کر رہ گئے تھے۔ میں نے سب کو اندر چلنے کا مشورہ دیا اور سلطان شاہ کی پیشوائی میں ہمارا قافلہ اس ستھرے اور پرشکوہ مکان میں داخل ہو گیا۔

اس وقت ہمارے درمیان کوئی اجنبی نہیں تھا۔ ویرا دہلی والے مشن میں بڑی حد تک ہماری شریک کار رہی تھی۔ جلال جانتا تھا کہ میرے اور سلطان شاہ کے درمیان برادرانہ مراسم استوار تھے۔ میں اس سے اور اول خان سے کوئی بات نہیں چھپاتا تھا۔ اس نے چلتے چلتے میرے برابر میں آ کر محبت سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور نیچی آواز میں بولا "مجھے افسوس ہے کہ میں بارڈر پر تم کو کھل کر مبارک باد نہیں دے

سکا۔ تم نے دہلی میں جو کچھ کیا ہے اسے سوچ کر ہی مجھے پسینہ آ گیا تھا۔ انل بسواس جیسے چیف موذی کو اس کے شہر بلکہ گھر میں گھس کر مارنا بہت دل گردے کا کام تھا۔ وہ پیغام ملا تو مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ تم اپنے مشن میں سرخ رو ہو چکے ہو۔"

"یہ صرف ڈینی کا کام نہیں تھا۔ اس میں تھوڑا بہت میرا ہاتھ بھی تھا۔" ویرا نے شوخی سے جلال کی تصحیح کی۔

"تم نے بھی لاجواب کام کیے ہیں لیکن تمہیں اپنی کارکردگی پر مناسب ترین خراج تحسین پیش کیا جا چکا ہے۔" جلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ڈینی کے آنے سے میری اہمیت کم نہیں ہو سکتی۔ میں نے...." ویرا نے بولنا چاہا لیکن سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہاں، ہاں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے جان اسمتھ کو ہوٹل میں تلاش کرنے اور پھر جہنم واصل کرنے میں غزالہ کی مدد کی تھی اور تم ہی نے را والوں کا کچھ اہم ترین ریکارڈ بھارت سے لاہور پہنچایا ہے۔ میرے آنے کے بعد سے تم یہ باتیں کئی بار دہرا چکی ہو۔"

"اچھا....!" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "ڈینی کو دیکھ کر اب تم بھی شیر ہو رہے ہو۔ یہ باتیں میں نے بتائی تھیں یا تم نے پوچھی تھیں!"

"ویرا، پلیز!" جلال نے ہاتھ اٹھا کر استدعا کی "مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں کے یہ جھگڑے چلتے رہتے ہیں۔ تم لوگوں کو ابھی تک ہوا بھی نہیں لگی تھی کہ ڈینی دہلی میں کیا کر کے آیا ہے۔" میں نے محسوس کیا کہ ویرا سے بات کرتے ہوئے جلال کے لہجے میں ہلکی سی لجاجت موجود تھی جو اس کے جھکاؤ کی غمازی کر رہی تھی۔

"ابھی تم بتا چکے ہو کہ ڈینی نے انل بسواس کا کام تمام کر دیا ہے۔" ویرا نے اپنی گردن ترچھی کر کے جلال کو یاد دلایا۔

"ڈینی یہاں سے اس کام کا بیڑا اٹھا کر نکلا تھا اور اسے پورا کر کے لوٹا ہے۔ میرے آدمی تین برس سے وہاں رہ رہے ہیں مگر وہ انل کے سائے کے قریب بھی نہیں پھٹک سکے تھے۔ یہ کام بے خوف منصوبہ بندی اور حوصلے کے بغیر نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

"تمہارے محکمے کو اس کارنامے پر ڈینی کو تمغہ دینا چاہیے۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا۔

"دکھ اسی بات کا ہے کہ سرکاری طور پر میرا محکمہ کچھ نہیں کر سکتا۔" جلال کی آواز متاسفانہ ہو گئی "معاملہ صرف بھارت کا ہوتا تو ہمیں پروا بھی نہ ہوتی لیکن ڈینی نے بدقسمتی سے امریکیوں سے بھی دشمنی مول لی ہوئی ہے۔ آج کی دنیا میں کوئی امریکا کے کسی دشمن کو اپنے گلے لگانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ امریکی ایسے تکبر میں مبتلا ہیں کہ اپنے دشمن کو چھوڑ کر سب سے پہلے اس کے ہمدرد کا نرخرا چبا ڈالیں گے۔"

"یہ بات تم کس حیثیت میں کہہ رہے ہو۔" ویرا یکایک بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئی۔

"م.... میرا مطلب ہے کہ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ محکمے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہاں جو کچھ ہوتا ہے، پالیسیوں کے مطابق ہوتا ہے۔" جلال بوکھلا کر بولا۔

ویرا نے اس کی بوکھلاہٹ پر زوردار قہقہہ لگایا اور کہا "میں ہمیشہ کہتی ہوں کہ میں خود امریکی ہوں اور اپنی قوم کو اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ یہ بہت بزدل ہوتے ہیں مگر اپنی بے پناہ طاقت کے بل پر عالمی داداگیر بلکہ بدمعاش بن چکے ہیں کیونکہ ان کے ظلم کی کہیں کوئی داد یا فریاد نہیں ہے۔"

"تم بات کسی اور طرف لے جاتی ہو۔" اس بار جلال کچھ جھلا کر بولا "میں ڈینی کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اس کے بلکہ تم تینوں کے کارناموں پر نیچے سے اوپر تک سب بہت خوش ہیں۔ گرین کو برا فائل کے ساتھ آنے والے ریکارڈ اور انل کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد بھارتی سازشوں کو شدید دھچکا لگا ہے اور وہ پندرہ بیس سال پیچھے چلے گئے ہیں مگر اس کے باوجود، مجھ سمیت کوئی بھی، تمہیں یا تم لوگوں کے کارناموں کو سرکاری طور پر نہیں اپنا سکتا۔ امریکا ڈینی کا دشمن ہے۔ وہ اس سے کسی کی دوستی برداشت نہیں کرے گا۔"

"دہلی میں تمہارے آدمیوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے میں نے تمہاری دوسری مجبوریوں کا بھی قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔ ہم نے اس مشن کا بیڑا کسی انعام یا تعریف کے لالچ میں نہیں اٹھایا تھا۔ یہ ہمارا فرض تھا جو ہم نے پورا کر دیا۔ ہمیں صلے کی تمنا ہے، نہ ستائش کی پروا۔"

جلال کے چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی اور اس نے دھیمے لہجے میں اپنی بات جاری رکھی "مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے۔ تم چاروں اور تمہارے ساتھ پانچواں اول خان ہے۔ تم سب بہت احترام اور عزت کے قابل ہو۔ میں نے ابھی جو کچھ بتایا وہ ہماری سرکاری پوزیشن ہے۔ میں اپنے بڑوں اور چھوٹوں کی طرف سے تمہارا ممنون ہوں۔ نجی سطح پر تمہیں ہر قسم کی مراعات حاصل رہیں گی۔"

باتیں کرتے ہوئے ہم ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ جس کو جہاں جگہ ملی وہ وہیں بیٹھتا چلا گیا لیکن غزالہ دروازے

سے اندر داخل ہو کر ایک طرف کھڑی رہی۔
"غزالہ! تم بھی بیٹھ جاؤ" جلال نے وسیع ڈرائنگ روم کے خالی صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"امرتسر سے یہاں تک کے سفر نے مجھے تھکا دیا ہے۔ پک اپ میں بیٹھے بیٹھے میرا جوڑ جوڑ ہل گیا تھا۔ میں کچھ دیر کے لیے اپنی کمر سیدھی کرنا چاہتی ہوں۔"
"اوہ!" جلال نے معذرت خواہانہ انداز میں اٹھتے ہوئے کہا "میں تمہیں تمہارا کمرا دکھاتا ہوں۔"
"تم بیٹھو' میں غزالہ کے ساتھ جارہا ہوں" سلطان شاہ نے اس کام کے لیے اپنی خدمات پیش کردیں۔
وہ غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکلا ہی تھا کہ ویرا نے بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی "کمر میں زیادہ درد ہے تو ڈینی کو ساتھ لے جاؤ۔ یہ تمہاری کمر دبادے گا۔"
"غزالہ کی کمر سے زیادہ اس وقت تمہارا گلا دبانے کی ضرورت ہے۔ ڈینی کو وہیں رہنے دو" سلطان شاہ نے مڑ کر جواب دیا اور وہ دونوں راہ داری میں غائب ہوگئے۔
"گرین کوبرا فائل میں پاکستان' بنگلا دیش' سری لنکا اور نیپال کے خلاف بھارت کے سازشانہ عزائم کا تفصیلی روڈ میپ موجود ہے" جلال نے پہلو بدل کر سنجیدگی سے بتانا شروع کیا "دوسرے کاغذات بھی بہت اہم ہیں۔ اس پلندے نے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔ بھارت کے مذموم اور جارحانہ عزائم ہماری توقعات سے کہیں زیادہ ہیں۔ گرین کوبرا فائل اور دوسرے کاغذات کا ملنا' انل بسواس کا کانٹا ہٹانے سے زیادہ اہم اور ضروری تھا۔"
"مگر مجھے اس بارے میں بریف نہیں کیا گیا تھا" میں نے دبے الفاظ میں شکوا کیا۔
"یہ ہمارے تصور میں بھی نہیں تھا کہ تم جیسا اجنبی دہلی میں چند روز گزارنے کے بعد یکایک را کے حلق میں ہاتھ ڈال دے گا۔ اس بار ہر بات انہونی ہوئی ہے۔"
"اس میں ہماری منصوبہ بندی سے زیادہ حالات کا دخل تھا۔ جو کچھ سامنے آرہا تھا' اس کی روشنی میں ہم تیزی سے فیصلے کرتے چلے گئے" میں نے کہا۔
"جان اسمتھ کو بھی بروقت ہٹایا گیا ہے" جلال بولا "گرین کوبرا پلان میں اس کے نام کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ وہ اس خطے میں ناپسندیدہ حکومتوں کو گرانے کے لیے جوڑ توڑ اور ڈالروں کے بے دریغ استعمال کا گندہ کھیل کافی آگے تک لے جاچکا تھا۔"
"تم یہ مان لو کہ وہ محض میری وجہ سے مارا گیا ہے" ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "میں اسے خوف زدہ کرکے کسی خارش زدہ چوہے کی طرح کراچی سے بھاگنے پر مجبور نہ کرتی تو وہ دہلی پہنچتا اور نہ غزالہ کے ہاتھوں مارا جاتا۔"
"اس میں کوئی شبہ نہیں ہے" اسے شرافت پر مائل پاکر میں نے بھی پوری سنجیدگی سے کہا اور پھر جلال کی طرف متوجہ ہوگیا "صرف یہی نہیں بلکہ ویرا کسی پروگرام کے بغیر سراٹ ہوٹل پہنچی۔ غزالہ پریشان تھی کہ وہ جان اسمتھ جیسے اجنبی کو اتنے بڑے ہوٹل میں کہاں تلاش کرے گی۔ ویرا نے اس کی بھرپور مدد کی اور وہ اپنے کمرے میں جانے کے بعد جہنم واصل ہوگیا۔"
"تم لوگوں نے دہلی کے اس دورے میں سارے بت گرا دیے۔ انل کے ساتھ تم نے دوسرے کس آدمی کو مارا ہے؟" جلال نے پوچھا۔
"وہ عہدے میں انل بسواس سے بہت کم تر ہے۔ اسے انل کا سینئر کلرک سمجھ لو۔ گرین کوبرا فائل سمیت ریکارڈ کی فائلوں کا ایک انبار اس کی تجوری میں دفن تھا۔ وہ سب لانا ممکن نہیں تھا اس لیے میں نے اس کے دفتر کو آگ لگادی تھی۔ جو کاغذ ہمارے کام نہیں آسکتے' وہ ان کے کام کیوں آئیں!"
"اس آگ میں ان کا ایک ایجنٹ بھی جل کر مرا تھا۔" جلال کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ دہلی میں تیزی سے رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں اس کی اطلاعات میں گہرائی نہیں تھی۔ اسے ہر بات معلوم تھی لیکن اندر کے پیچ اس کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔
"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے آدمی تمہیں تفصیل کے ساتھ کچھ نہیں بتاتے" میں نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔
"غنیمت یہ ہے کہ وہ بڑے واقعات سے باخبر کرتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس رابطے کا کوئی قابلِ اعتماد ذریعہ نہیں ہے" جلال نے سگریٹ کا کش لے کر فضا میں کثیف دھواں بکھیرتے ہوئے جواب دیا "فون اور فیکس استعمال نہیں کرسکتے۔ دہلی اور پاکستان کے کسی سرحدی شہر کے درمیان رابطے کے لیے دستی اریٹس دستیاب نہیں ہیں۔ وہاں سے ابھی تک انل اور نریش کے بارے میں خبر نہیں آسکی۔ جو کچھ معلوم ہوا ہے' سفارتی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے۔"
"دنیا کے ہر ملک میں ڈپلومیٹک بیگ کو تقدس کا درجہ حاصل ہے۔ دشمن بھی کسی کی سفارتی ڈاک کا تھیلا نہیں کھولتے" میں نے کہا "وہ اپنی رپورٹیں دہلی میں واقع پاکستانی

ہائی کمیشن کے ذریعے بھیج سکتے ہیں۔ ان کے لیے یہ سب سے سہل طریقہ ہے۔"

جلال کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی "یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ ہائی کمیشن کے ایک ایک ملازم کی دن رات نگرانی ہوتی ہے۔ میرے آدمی ان سے دور رہتے ہیں ورنہ وہ بھی بھارتی ایجنسیوں کی نظروں میں آجائیں گے۔ مکمل رازداری کے ساتھ دہلی میں تین برس گزارنا آسان کام نہیں ہے۔"

"یہ بہت بڑی مجبوری ہے" میں نے کہا "میری خواہش تھی کہ ہمیں وہاں سے پل پل کی خبریں ملتی رہیں۔ میں نے اپنی دانست میں اپنا کام پورا کرلیا جب تک ان کا ردِّعمل سامنے نہیں آئے گا' یہ پتا نہیں چل سکے گا کہ ہم کہاں تک کامیاب رہے ہیں۔"

"ذرا صبر سے کام لو۔ پچھلی رات کو تم نے انہیں مارا' صبح ان کی لاشیں دریافت ہوئیں۔ ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے اور وہ تمہاری تلاش میں نکل پڑے ہیں۔ یہ ان کی گھبراہٹ اور بدحواسی کی سب سے بڑی نشانی ہے۔"

"اگر وہ بیم گن کے استعمال پر اتنا زیادہ دھیان دے رہے ہیں تو اب انہیں یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ نریش کے دفتر کی تجوری لیزر سے کاٹی گئی تھی۔ نریش لیزر سے مارا گیا۔ انل کو اس کے ساتھ مارا گیا مگر اسے ختم کرنے کے لیے زہر استعمال کیا گیا۔ اس سے یہ بات سامنے آجائے گی کہ زہر اور لیزر گن ایک ہی فریق یا شخص استعمال کررہا ہے۔ وہ سارے الزامات میرے اوپر ڈال دیں گے۔"

"یہ حقائق ان کے ہوش اڑادیں گے" جلال نے زور دے کر کہا "ایک شخص دہلی میں بیٹھا ان کی بنیادیں کھوکھلی کررہا تھا اور وہ غافل بیٹھے ہوئے تھے۔"

"میرے سر پر ایک الزام ہو یا دس خون عائد کردیے جائیں' کیا فرق پڑتا ہے۔ اب میں باہر آچکا ہوں۔ جب تک بھارت میں پھنسا ہوا تھا' ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھا رہا تھا۔"

"تم اپنی اس حکمتِ عملی میں بھی پوری طرح کامیاب ہوگئے۔ را والے احمق نہیں ہیں۔ اگر را کے پاکستانی ونگ کی تجوری سالم ہوتی اور دفتر کو آگ لگادی گئی ہوتی تو انہیں زیادہ تشویش نہ ہوتی۔ کٹی ہوئی تجوری سے سارا ریکارڈ نکالے جانے سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ آنے والے کسی خاص چیز کی تلاش میں تھے۔ وہ چیدہ چیدہ ریکارڈ اپنے ساتھ لے گئے اور باقی ردی کے ڈھیر کو ان کے ایجنٹ کی چتا میں بدل

مقام شکر

انسان ہر حال میں کسی نہ کسی بات پر خدا کا شکر ادا کرسکتا ہے۔ مثلاً اگر آپ کے ذمے کچھ قرض ہے اور آپ اسے ادا نہیں کرپارہے ہیں تو آپ کو اس بات پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ آپ وہ آدمی نہیں ہیں جس کا آپ کے ذمے قرضہ ہے...!

دیا۔"

"سونے پر سہاگا یہ کہ یہ سب ڈینی کا کیا دھرا ہے" ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

"کل کی سفارتی ڈاک سے بڑے بڑے بھارتی اخبار آئیں گے۔ میں ایک دو تمہیں بھجوادوں گا۔ ان سے تمہیں دہلی کی تازہ ترین خبریں مل جائیں گی" جلال نے اپنی جگہ چھوڑدی "مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ ابھی میرا دل نہیں بھرا مگر مجبوری یہ ہے کہ گیارہ بجے مجھے دفترِ خارجہ کے ایک اجلاس میں شرکت کرنی ہے۔ میں وقت نکال کر ذرا فرصت سے تمہارے پاس آؤں گا تاکہ تم سے کچھ سیکھ سکوں۔ بے داغ منصوبہ بندی اور تیز فیصلے کرنے کی تمہاری صلاحیتیں قابلِ رشک ہیں۔"

باتیں کرتے کرتے اس نے اپنی جیب میں سے ایک مڑا ہوا لفافہ نکالا اور میری طرف بڑھادیا "یہ رکھ لو۔"

"اس میں کیا ہے؟" میں نے اس کے ہاتھ سے لفافہ لے کر متجسس لہجے میں پوچھا۔

"میرے جانے کے بعد دیکھ لینا۔ ابھی اسے اپنی جیب میں رکھ لو" اس نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے محسوس کرلیا تھا کہ اس کاغذی لفافے میں کوئی کاغذ ہی تھا۔ وہ میرے لیے کوئی پیغام ہی ہوسکتا تھا۔ میں نے روا روی میں لفافہ اپنی جیب میں ڈال لیا۔

جلال کے برآمدے میں اترتے ہی سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی پورچ میں رینگ آئی۔ جلال ہم دونوں سے ہاتھ ملاکر گاڑی میں سوار ہوا اور وہاں سے روانہ ہوگیا۔

"کھول کر تو دیکھو' لفافے میں کیا ہے؟" تخلیہ ہوجانے پر ویرا نے مجھے اکسایا۔

"تمہارے رشتے کا پیغام بھی ہوسکتا ہے۔ میں دیکھ رہا تھا

کہ آج جلال کی نظروں میں تمہارے لیے کوئی عجیب سی بات تھی۔"

اس نے ایک جان دار قہقہہ لگایا جیسے میرے تبصرے سے محظوظ ہوئی ہو پھر بولی "تم واقعی عقاب کی سی نگاہیں رکھتے ہو۔ میں نے جان بوجھ کر اسے تھوڑی سی راہ دی تھی۔ اب وہ مجھ سے بے تکلف ہونا چاہ رہا ہے مگر میں اس سے کھنچ گئی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ اندر ہی اندر تڑپ رہا ہوگا۔"

ہم دونوں ڈرائنگ روم میں آبیٹھے۔ نئے موضوع میں انہماک کے باعث لفافے کا معاملہ محو ہوگیا۔

"جب تمہیں اس سے مراسم نہیں بڑھانے تھے تو اسے راہ کیوں دی تھی؟ تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤگی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے ملامت کی۔

"میرے اوپر آنکھیں نہ نکالو" وہ غرائی "پہلے پوری بات سن لو۔ میں ٹرین سے فائلیں لے کر لاہور پہنچی تو وہ بہت جذباتی ہورہا تھا۔ اس نے مجھے سینے سے لگاکر کہا کہ وہ مجھے اپنی بہن سمجھتا ہے۔ یہ سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ وہ بلاوجہ پارسا بننے کی کوشش کررہا تھا۔"

"اس میں آگ لگنے کی کیا بات تھی۔ مجھے اس کی بات پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ وہ بہت شریف اور باکردار آدمی ہے۔"

"نامحرم عورت کو بہن اور بیٹی قرار دینا گالی کے برابر ہوتا ہے" وہ تنک کر بولی۔

"امریکا میں ہوتا ہوگا۔ مشرق میں یہ رشتے محبت اور احترام کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔"

"میں امریکا میں پلی اور بڑھی ہوں۔ تم کو یہ موٹی سی بات سمجھ لینی چاہیے کہ جب تم کسی خوبصورت عورت یا لڑکی کو بہن کہتے ہو تو اسے یہ جتانے کی کوشش کرتے ہو کہ تم اسے اپنی محبوبہ بنانے کے قابل نہیں سمجھتے۔ مجھے جلال کی یہی بات بری لگی تھی۔"

"سبحان اللہ .... کیا انوکھی منطق ہے تمہاری" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "یہ اس کا قصور نہیں بلکہ تمہارے دماغ کا گند ہے۔"

"ہوا کرے۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ میں یہ بتارہی تھی کہ میں نے اسی وقت اسے سلگانے کا ارادہ کرلیا تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں کسی کو ستانے کا ارادہ کرلیتی ہوں تو کس حد تک جاسکتی ہوں۔ میں کراچی جانے کے بجائے یہیں جم کر بیٹھی ہوئی ہوں۔ اس سے جڑ کر بیٹھتی رہی۔ بات کرتی تو اس پر اتنا جھک جاتی کہ بے چارہ اپنے چہرے پر آنے والے میرے گرم گرم سانسوں سے پریشان ہوجاتا۔ جوں ہی وہ پگھلا میں انجان بن گئی۔ اب اس کی ہمت نہیں ہوتی کہ کس طرح میرے قریب آئے۔ اسے سلگاکر مجھے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔"

"یہ بے ہودہ حرکتیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دماغ کی کوئی رگ ڈھیلی ہوچکی ہے۔"

"تم جو چاہو کہتے رہو۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ یہ میرا شغل ہے، اس سے مجھے تسکین ملتی ہے۔ یہ جاری رہے گا۔"

اسی وقت سلطان شاہ لوٹ آیا۔ غزالہ کو وہ شاید اس کے کمرے میں چھوڑ آیا تھا۔

"اوہو۔ یہاں تخلیے میں کیا ہورہا ہے" اس نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی مسرت سے پوچھا "بھائی جلال کہاں ہیں؟"

"وہ چلا گیا" ویرا چٹکی بجاکر بولی "میں ڈینی کو اسی کا قصہ سنارہی تھی۔ اب وہ مجھے بہن کہہ کر پشیمان ہے۔"

"دیکھو! یہاں ہم اسی کے مہمان ہیں۔ یہاں خفیہ مائیکروفونز وغیرہ بھی ہوسکتے ہیں" میں نے ویرا کو سمجھانے کی کوشش کی "اگر تمہاری اس فضول گوئی کی بھنک اس کے کانوں میں پڑگئی تو اسے صدمہ ہوگا اور ہمارے آپس کے تعلقات بگڑ جائیں گے۔ کوئی بھی اپنی کردار کشی برداشت نہیں کرے گا۔"

"میں تمہیں بتاکر اپنا دل ہلکا کرنا چاہ رہی تھی۔ تم خاموشی سے اسے دیکھتے رہنا۔ میں غزالہ سے اس بارے میں بالکل بات نہیں کروں گی۔"

میں نے اسے کوئی جواب دینے کے بجائے سگریٹ سلگالی۔

"وہ لفافہ تو کھولو" قدرے توقف کے بعد وہ چونک کر بولی "اپنا پیٹ ہلکا کرتے ہی اسے بھولا ہوا موضوع یاد آگیا تھا۔"

"یہ کس لفافے کا ذکر ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔

"یہ ہے!" میں نے لفافہ جیب سے نکالتے ہوئے اسے جواب دیا۔

لفافے کا فلیپ اسکاچ ٹیپ سے چپکا ہوا تھا۔ اس میں کوئی ہلکا پھلکا کاغذ ہی تھا۔ میں نے ٹیپ ہٹاکر لفافہ کھولا اور اندر نگاہ ڈالی تو بھونچکا رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔

جلال کے لفافے میں رکھا ہوا اکلوتا کاغذ میرا منہ چڑا رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

دشمن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کوانگ فوتامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں زیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد ائزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا‘ ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ زیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آ گئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی تو نصلیت کا ملازم او برائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی‘ اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا‘ اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا‘ جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب راٹیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار ننگر پارکر کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی‘ کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مارونی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا‘ اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ کرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے‘ ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں ہم نے ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبا کے انسداد کے لیے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد کی اور جلال کے تعاون سے جہانگیر کے ماموں سرچوہدری عظمت کی این جی او کا قلع قمع کر دیا۔ اس کے بعد ہم انڈیا روانہ ہو گئے۔ ہم نے جلال کی مدد سے سرحد عبور کی اور بآسانی دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کر لیا۔ میں اور غزالہ تاج محل میں تھے۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر را میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ ریتا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلوؤں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جا چکی تھی۔ مجھے اس کے بعد انل بسواس سے ملنا پڑا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور ریتا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کر دی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑا لیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلوخلاصی حاصل ہو گئی۔ میری ویڈیو ضائع ہو چکی تھی مگر اب ریتا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث را والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کر سکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہو گیا۔ واپسی کے سفر میں ہم سرحد عبور کرتے ہوئے دو بھارتی فوجیوں سے ٹکرا گئے جنہیں جہنم واصل کرنے کے بعد جلال کے لیے امرتسر میں خدمات انجام دینے والے بنگو کو بھی قربان کرنا پڑا۔ ہم پاکستان پہنچے جہاں ویرا اور سلطان شاہ ہمارے منتظر تھے۔ ہم اپنی قیام گاہ پر تھے اور جلال مجھ سے تھوڑی دیر کے لیے رخصت ہو رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے ایک لفافہ مجھے دے گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے لفافہ کھولا اور اندر رکھے کاغذ پر نظر پڑتے ہی مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ مار دیا ہو۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں نے وہ کاغذ لفافے میں نکالے بغیر دیکھا۔ وہ کوئی
ام کاغذ نہیں تھا۔ نیشنل بینک کی مقامی شاخ کا بیئرر چیک تھا
س پر دس لاکھ روپے کی خطیر رقم درج تھی۔ کوئی بھی شخص
ینے دو دستخطوں کے ساتھ وہ چیک بینک میں پیش کر کے دس
کھ روپے نقد حاصل کر سکتا تھا۔

میرے ذہن میں بے اختیار غزالہ کے وہ الفاظ گھوم گئے جو اس نے امرتسر میں بنگو کو رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں کہے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ امرتسر سے ہماری غیر قانونی واپسی کے لیے بنگو کو ادا کی جانے والی رقم جلال اور اس کے محکمے کے سر ہونی چاہیے تھی۔ غزالہ اپنی عملی زندگی میں بہت

فراخ دل اور بے پروا تھی۔ امرتسر میں پتا نہیں کیوں وہ چھوٹی بات اس کے ذہن میں آ گئی تھی۔ اس کے خود غرضانہ خیال نے اتفاق نہیں کیا تھا اور حساب کتاب کرنے کا... کوئی موہوم ترین خیال بھی اپنے ذہن میں لائے بغیر .ننگو کو پندرہ ہزار روپے اپنے پاس سے ادا کر دیے تھے۔

دوسری طرف وہ چیزیں جلال کی نظروں سے اوجھل نہیں تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ ہم آئی بی کی کسی مالی اعانت کے بغیر قومی مقاصد میں اس کے محکمے کی اعانت کر رہے تھے اور اس مد میں ہونے والے تمام اخراجات خود برداشت کر رہے تھے۔ اس نے شاید بھارت کے سفر میں ہونے والے ہمارے بھاری اخراجات اور خدمات کے صلے میں خطیر رقم کا وہ چیک مجھے دیا تھا مگر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میرے منہ پر تھپڑ دے مارا ہو۔

میں اپنے دل کی گہرائیوں سے سچا پاکستانی تھا۔ میرے پاس جو کچھ بھی تھا اسی ملک کے طفیل تھا۔ اگر میں اس ملک کی بقا اور سلامتی کے تحفظ کے لیے اپنی ساری جمع پونجی کے ساتھ اپنی جان بھی داؤ پر لگا دیتا تو اپنی زمین اور مٹی کا قرض ادا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سراسر میرا اور میرے وطن کا معاملہ تھا۔ جلال یا کسی اور کو اس کی قیمت لگانے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔

وطن سے محبت کا وہ سبق میں نے اپنا بہت کچھ کھو دینے کے بعد سیکھا تھا۔ اپنی سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائیوں کے انسانیت سوز سلوک کے سائے میں، میں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ بھوک، پیاس اور غربت کے دکھ جھیلے اور اپنی سگی ماں کی صحت یابی کے لیے کچھ نہ کر سکا۔ لاہور میں میرے لیے زمین تنگ ہو گئی تھی اور آسمان بہت دور تھا۔ میری ماں اپنے جوان بیٹے کی وہ بے بسی اور بے کسی زیادہ دن نہ دیکھ سکی اور ایک دن خالق حقیقی سے جا ملی۔ اس کے سانس کی لڑی ٹوٹتے ہی میری وہ وزنی زنجیر بھی ٹوٹ گئی جس نے مجھے لاہور کی مٹی سے باندھا ہوا تھا۔ ماں کے سوگ میں کسی اندھے، گونگے اور بہرے روگی کی طرح میں نے نہ جانے کتنا وقت چلتے چلتے گزارا اور پھر اپنے غدار شہر کو خیرباد کہہ کر کراچی کا رخ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کراچی میرے لیے اجنبی شہر تھا لیکن اس شہر نے شی کے ذریعے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بظاہر سوسائٹی فار ہیروئن ایریڈی کیشن منشیات کے انسداد کے لیے کام کر رہی تھی۔ اس کا سرغنہ جمی لائیڈ تھا جو ویرا کا بن بیاہا باپ بھی تھا۔ شی نے میری ہر مالی ضرورت فراخ دلی سے پوری کی اور میں نے مغرب کے نوجوانوں کو ہیروئن سے بچائے رکھنے کے لیے ابتدا میں مفت اور پھر کوڑیوں کے دام کراچی میں ہیروئن پھیلانی شروع کر دی۔ اس وقت میں اچھے اور برے کی تمیز کھو کر صرف دولت حاصل کرنے کا خواہاں تھا کیونکہ اسی کی محرومی کے سبب میری ماں قبل از وقت منوں مٹی تلے جا سوئی تھی مگر جب میں نے اپنی آنکھوں سے ہیروئن کی ہولناک تباہ کاریاں دیکھیں تو میرا رُواں رُواں کانپ اٹھا۔ وہ میری زندگی کا اہم ترین موڑ تھا جہاں سے میری کایا کلپ شروع ہوئی۔ میں نے شی اور اس کے مفادات کے خلاف تن تنہا ایک خفیہ جنگ شروع کر دی جو بڑھتے بڑھتے ایک کھلی لڑائی میں بدل گئی۔ میرے ارادے نیک تھے اس لیے مقدر میری یاوری کرتا رہا۔ اسی دوران میں مجھے منشیات فروشوں کی ایک گن بوٹ پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا جسے نامعلوم مجرموں یا شاید بحری قزاقوں کے ہاتھ فروخت کر کے میں نے اتنی بڑی رقم کمائی جو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ ایک مدت سے ہونے والے فراخ دلانہ اخراجات کے باوجود اس خزانے میں کوئی نمایاں کمی نہیں آئی تھی۔ بھارت کے سفر میں بھی وہی رقم بلکہ اس کا ایک حقیر سا حصہ میرا زادِ راہ رہا تھا۔ میں نے اسی میں سے .ننگو کو پندرہ ہزار روپے کی معمولی سی رقم دے کر اپنے اور غزالہ کے لیے گویا نئی زندگی خریدی تھی۔ میری دانست میں جلال پر اس کا کوئی بار نہیں تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو....؟ لفافے سے کاغذ باہر کیوں نہیں نکالتے!" سلطان شاہ نے شاید میرے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ کو دیکھ کر مجھے ٹوک دیا۔

میں نے سرد نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور لفافے میں سے چیک نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا "لو! جلال کی دی ہوئی گالی تم بھی پڑھ لو۔"

سلطان شاہ سے پہلے ویرا نے وہ چیک میرے ہاتھ سے اچک لیا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "اوہ خدا! یہ تو ایک ملین روپے کا چیک ہے۔ تم اسے گالی کہہ رہے ہو۔"

سلطان شاہ بھی لپک کر ویرا کے شانے سے جا لگا۔ نیشنل بینک کے چیک کی تحریر پڑھ کر وہ بھی حیران رہ گیا۔

"یہ گالی ہے۔" میں نے زور دے کر جتایا "میں نے کسی انعام یا معاوضے کے لالچ میں بھارت کا سفر نہیں کیا تھا۔"

"یہ کون کہہ رہا ہے کہ تم حریص یا معاوضے کے طلب گار تھے۔ تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ آئی بی والوں نے شایانِ شان طور پر تمہارے بلکہ ہم تینوں کے کارناموں کا

اعتراف کیا ہے۔" ویرا نے تحیر زدہ بے یقینی سے کہا۔
"میں یہ چیک پھاڑ کر، اس کے پرزے اسی لفافے میں جلال کو لوٹا دوں گا۔" میں نے اداسی سے کہا۔
"تم پاگل ہو گئے ہو۔" ویرا نے وہ چیک جلدی سے تہ کر کے اپنے بلاؤز میں اڑسا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "سرکار سے انعام میں چند روپے تو بڑی بات ہے، ایک روکھا سوکھا صداقت نامہ لینے کے لیے لوگ نہ جانے کیسے کیسے پاپڑ بیلتے ہیں۔ اپنی انا کا خون کر کے ہرایرے غیرے کی خوشامدیں کرتے پھرتے ہیں تاکہ گلے میں کوئی تمغا یا فائل میں کوئی سرٹیفکیٹ سجا سکیں اور تم ہو کہ اتنے بڑے انعام کو ٹھکرا رہے ہو۔"
"تم کو انعام اور مہربانی کا فرق معلوم ہونا چاہیے۔" میں نے بائیں ہاتھ سے اس کا شانہ دبوچ کر سختی سے کہا۔
"مہربانی مطالبہ کر کے طلب کی جاتی ہے۔ تم نے جلال سے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا۔ اس نے از خود تمہیں انعام دیا ہے۔" ویرا نے کہا۔
"اس نے کچھ نہیں دیا۔" سلطان شاہ نے گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا "وہ معزز، شریف اور ذمے دار افسر ضرور ہے مگر تنخواہ دار ہے۔ وہ اپنی گرہ سے اتنی بڑی رقم نہیں دے سکتا۔ یہ چیک سرکار کی طرف سے آیا ہے۔"
"تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو۔" ویرا اس کی بات ختم ہوتے ہی بول پڑی "جلال اور اس سے اوپر والے سب لوگ سرکاری ملازم ہیں جن کو عوام کے دیے ہوئے ٹیکسوں سے تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ یہ پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ یہاں چھوٹے موٹے سرکاری اہل کار بھی خود کو مالک و مختار اور شہنشاہ سمجھتے ہیں۔ مہذب ملکوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ جلال اس غیر مہذب معاشرے کا انتہائی مہذب افسر ہے۔ وہ کوئی احسان جتائے بغیر خاموشی سے لفافہ دے کر چلا گیا۔ اسے امانت دی گئی تھی۔ وہ اس نے تمہیں پہنچا کر امانت داری کی ایک روشن مثال قائم کی ہے۔۔۔"
اس بار سلطان شاہ نے ویرا کی بات درمیان سے اچک لی اور بولا "وہ چاہتا تو خود بھی یہ بیئرر چیک کیش کروا سکتا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں ایک بہت خوش گوار اور اچھا کام سرانجام دیا ہے۔ چیک کے پرزے اس کا دل توڑ دیں گے۔"
"سرکاری خزانے سے رقم آسانی سے نہیں نکلا کرتی۔" میرے کچھ بولنے سے پہلے ویرا کی زبان ایک مرتبہ پھر چل پڑی "پتا نہیں انعام کی اس تجویز پر کب سے کام ہو رہا ہو گا جو اب تمہیں بھارت سے لوٹتے ہی چیک ملا ہے۔ اسے لوٹا کر تم نہ جانے کس کس کی محنت پر پانی پھیر دو گے۔۔۔ یہ۔۔۔"
"بس!" میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا "تم دونوں اپنی اپنی بولیاں بولتے رہو گے یا میری بھی کچھ سنو گے۔ تم دونوں کی کچھ باتیں میری سمجھ میں آ رہی ہیں۔ چیک پھاڑنے سے جلال کو واقعی دکھ ہو گا۔ میں شکریے کے ساتھ چیک اسے لوٹانا چاہتا ہوں۔ لاؤ چیک مجھے دے دو۔"
میرے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر ویرا استہزا کے ساتھ ہنسی اور بولی "میں ہرگز نہیں دوں گی۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے اسے کہاں محفوظ کیا ہے۔ ہمت ہے تو نکال لو۔"
"آج تمہارے دماغ میں کچھ کیڑے رینگ رہے ہیں۔ مجھے تاؤ نہ دلاؤ ورنہ میں تم سے چیک چھین لوں گا۔"
"وہ چیک صرف تمہارا نہیں ہے۔ اس پر میرا اور غزالہ کا بھی حق ہے۔" ویرا آنکھیں نکال کر غرائی "میں تم جیسی ساہوکار نہیں ہوں جو اتنی بڑی رقم کو ٹھکرا دوں۔ میری آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے جب سے پاکستان آئی ہوں، تمہارے رحم و کرم پر پڑی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم غزالہ کو ڈرا دھمکا کر اپنا ہم نوا بنا لو گے مگر میں اپنے حق سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔ اس چیک کی رقم میرے کام آئے گی۔"
"میں اس سے زیادہ رقم تمہیں دے دوں گا، چیک مجھے دے دو۔" میں نے نرمی سے کہا "یہ چیک قبول کرنے سے میرا پندار ٹوٹ جائے گا کہ میں جان و مال سے اپنے وطن کی خدمت کر رہا ہوں۔ خدمت کرو۔ میں بہت دور تک سوچ رہا ہوں۔"
"تمہارا یہ پندار اس وقت مجروح کیوں نہیں ہوا جب تم نے اول خان سے ایک بڑی رقم وصول کی تھی۔" ویرا نے جل کر پوچھا۔
"وہ انعام یا معاوضہ نہیں تھا۔ وہ رقم میں نے رستم علی کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے نقد ادا کی تھی اور اول خان نے اسی وقت کہا تھا کہ وہ مجھے میری رقم واپس دلائے گا۔ وہ بالکل مختلف معاملہ تھا۔ اسے جلال سے مت ملاؤ۔"
"میں تمہاری ان من گھڑت باتوں میں نہیں آؤں گی۔ جلال سے کہہ دوں گی کہ تم سے وہ چیک میں نے لے لیا ہے۔ میں نے پاکستان کی خاطر امریکا کو چھوڑا ہوا ہے۔ دنیا جہان سے لڑتی پھر رہی ہوں۔ پاکستان پر میرا بھی کچھ حق بنتا ہے۔ جلال میری بات رد نہیں کر سکے گا۔ وہ عوام کے دیے ہوئے ٹیکسوں سے تنخواہ اور مراعات لیتا ہے۔ ایک انعام لینے کا

ت مجھ کو بھی ہے۔"
"جلال کے رد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"
سلطان شاہ نے جوش و خروش سے اس کی تائید کی "اس نے یہ رقم اپنی جیب سے نہیں دی۔ یہ ہم لوگوں کی خدمات کا انعام ہے۔ ڈینی ہمارا سربراہ ہے اس لیے چیک اس کو دیا گیا۔ اسے تذبذب ہے تو ہم سب چیک کے حق دار ہیں۔"
"اے..... ذرا سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے کہا "بیچ میں ٹانگ اڑانے کی کوشش نہ کرو ورنہ وہ ٹوٹ جائے گی۔ یہ چیک صرف اور صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو بھارت کے مشن پر گئے اور را کے سومنات کے کئی بڑے بت گرا کر سرخ روئی کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔"
ویرا کی چال بازی پر سلطان شاہ گڑبڑا گیا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا "ابھی تم نے خود کہا تھا کہ سرکاری خزانے سے رقم آسانی سے نہیں نکلا کرتی۔ پتا نہیں انعام کی تجویز پر کب سے کام ہو رہا ہوگا۔ اب تم بھارت جانے والوں کی....."
"ہاں ہاں۔ وہ میری اور ڈینی کی بات تھی۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ دی "ڈینی کو قائل کرنے کے لیے میں بہت سی بے سروپا باتیں کر جاتی ہوں۔ تمہیں ان سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ دس لاکھ کے انعام پر اب تمہاری رال ٹپک رہی ہے۔"
سلطان شاہ کی طبیعت میں لالچ نام کو نہیں تھا۔ بات کچھ ایسے رخ پر چلی گئی کہ وہ روانی میں سب کا ذکر کر بیٹھا جس کا جواز خود ویرا نے ہی فراہم کیا تھا۔ ویرا کی قلابازی اور پھر الزام تراشی پر سلطان شاہ کی کھوپڑی سنک گئی اور وہ بھنّا کر بولا۔ "دس لاکھ تو کیا میں دس کروڑ پر بھی پیشاب نہیں کرتا۔ میں..."
ویرا نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا اور سلگانے والے انداز میں بولی "کرو گے کیسے؟ تمہارا تو مثانہ ہی خراب ہے۔"
"لعنت ہے تم پر اور تمہاری حمایت کرنے والے پر۔"
سلطان شاہ پیر پٹخ کر دبی دبی آواز میں تقریباً چیخ پڑا۔ اس نے بے ساختہ اپنے دونوں کان مروڑتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "مجھ سے خطا ہوئی جو میں نے ڈینی کے بجائے تمہارا ساتھ دیا۔"
ویرا کے بے رحمانہ تبصرے سے سلطان شاہ کا دل ایسا خراب ہوا کہ وہ پھر وہاں نہیں رکا۔ بکتا جھکتا اور پیر پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔
ویرا نے مزید کچھ نہیں کہا۔ اسے مزید اشتعال دلانے کے لیے بے پروایانہ انداز میں مسکراتی رہی۔ جب وہ کمرے سے چلا گیا تو ویرا نے ہلکی سی انگڑائی لی اور مجھے آنکھ مارتے ہوئے بولی "یہ اس قدر احمق آدمی ہے کہ میں آسانی سے اسے اپنی انگلیوں پر نچالیتی ہوں۔ اس وقت میں اسے بھگانا چاہ رہی تھی اور دیکھ لو کہ وہ کتنی آسانی سے خود ہی چلا گیا۔ ویسے میں اس کی ہزار خوشامدیں کر لیتی تب بھی وہ یہاں سے نہ ہلتا۔"
"تم اس کے ساتھ بہت بے دردی سے پیش آتی ہو۔ تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے اس کا دل کھٹا ہو جائے گا۔" میں نے اسے ملامت کی۔
"میں جب چاہوں گی، ذرا سی دیر میں اسے منالوں گی۔" ویرا نے پورے اعتماد سے جواب دیا "میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں اور اس کی کمزوریاں جانتی ہوں۔"
"تمہاری حد سے بڑھی ہوئی یہ خود اعتمادی کسی دن تمہیں لے ڈوبے گی۔ تھوڑی دیر پہلے تم جلال کے بارے میں ایسی ہی خوش فہمیوں کا شکار تھیں۔ اس نے اگر تمہیں بہن کہہ دیا ہے تو تم کیسی ہی بدمعاشی پر اتر آؤ، وہ تم پر بری نظر نہیں ڈالے گا۔ میں اسے جانتا ہوں۔ اس ٹائپ کے افراد اپنے جذبات پر کنٹرول کے معاملے میں بہت سنگ دل ہوتے ہیں۔ اپنے ہر قسم کے جذبات کا گلا گھونٹ دیتے ہیں مگر اپنے مردانہ وقار اور کردار پر آنچ نہیں آنے دیتے۔"
"خوب..... اس وقت میری ساری باتیں سن رہے تھے۔ اب اس کی خوبیاں یاد آ رہی ہیں۔"
"سلطان شاہ کے لوٹ آنے کی وجہ سے میں خاموش ہونے پر مجبور ہو گیا تھا ورنہ تمہیں کھری کھری سنانے کا ارادہ کر چکا تھا۔" میں نے تلخی سے کہا۔

"وہ اتنا عظیم آدمی ہے تو تم اس کا چیک لوٹانے پر کیوں مصر تھے؟" ویرا نے پوچھا۔
"دو الگ الگ باتوں کو ملانے کی کوشش نہ کرو۔ لاؤ چیک مجھے دے دو۔"
اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے اپنی شوخ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کردیں۔ "تمہیں معلوم ہے کہ میں نے چیک کہاں رکھا ہے۔ نرمی اور محبت سے اسے نکال لو۔ میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی۔" دھیمے اور مخمور لہجے میں بولتے بولتے یکایک اس کی آواز سرگوشیانہ ہوگئی "میں تمہاری طلب میں اندر سے پھنکی جا رہی ہوں۔"
"اوہ!" اس بار میرے طنز کی باری تھی۔ میں نے کہا "تو یوں کہو کہ تمہارے دماغ میں گرمی چڑھی ہوئی ہے۔ جلال تمہارے لاشعور میں کہیں چپکا ہوا ہے اسی لیے وہ تمہیں اپنے اوپر رہ بجھتا نظر آرہا ہے۔ اس وقت تم نے مجھے بلاؤز سے دوسری مرتبہ چیک نکالنے کی دعوت دی ہے۔"
"اب زیادہ نہ بولو۔" وہ برا سا منہ بنا کے بولی "مجھ سے پہلے تم نے اس کی نظروں میں عجیب سی بات کا ذکر چھیڑا تھا۔"
"وہ مذاق کی بات تھی اور تم اسے لے اڑیں۔ میں نے تو یہ بھی کہا تھا کہ لفافے میں تمہارے رشتے کا پیغام تھا تو کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ جلال تم سے شادی کا خواہاں ہے؟"
"میں ضرورت کے بغیر جھوٹ نہیں بولتی۔ مردوں کا ذہن میرے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہوتا ہے۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔
"بات صرف اتنی سی ہے کہ تم نے بھارت سے گرین کوبرا فائل اور دوسرے کاغذات وہاں سے لاہور پہنچا کر اتنا اہم کام سرانجام دیا ہے کہ وہ تمہارا حد سے زیادہ احترام کرنے لگا ہے اور مجھے یہی بات عجیب محسوس ہوئی تھی۔ یہ قصہ ختم ہو چکا ہے۔ اس پر بحث میں میرا وقت برباد مت کرو۔"
وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اچانک میرے قریب آبیٹھی اور میرا ہاتھ اپنے گداز ہاتھ میں تھام کر ملتجی آواز میں بولی "تم مجھے بہت ترساتے ہو۔ میں کچھ وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔"
"خدا کا خوف کرو ویرا!" میں اچھل کر اس سے دور ہوگیا "ہم روح کو منجمد کردینے والے بھیانک خطرات سے گزر کر کچھ دیر پہلے ہی محفوظ سرحد میں داخل ہوئے ہیں۔ دو عارتی فوجیوں کی ادھڑی ہوئی لاشیں اور بنگو کا عبرت ناک انجام میرے اعصاب پر سوار ہے۔ ذرا کچھ سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"تم تھک گئے ہو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میں تمہاری خدمت کروں گی۔ بس...."
"کچھ نہیں۔" میں نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا۔ "میری سب سے بڑی خدمت یہ ہوگی کہ چیک مجھے لوٹا دو۔"
وہ سرسری مطالبہ کرتے ہوئے مجھے پورا یقین تھا کہ ویرا انکار کردے گی لیکن اس نے ذرا بھی توقف کیے بغیر اپنے کھلے گریبان سے بلاؤز میں انگلیاں ڈال کر، مڑا ہوا چیک نکالا اور میری طرف بڑھا دیا۔
"چیک ملنے کا مطلب ہے کہ تم میری ہم خیال ہو چکی ہو؟" میں نے تحیر آمیز بے یقینی سے کہا۔
"میری رائے میں بال برابر فرق نہیں آیا۔ میری دانست میں چیک واپس نہیں ہونا چاہیے۔"
"تمہیں معلوم ہے کہ میں یہ چیک جلال کو لوٹا دوں گا پھر تم نے اسے واپس کیوں کردیا؟"
"تاکہ تمہیں یہ شبہ نہ ہو کہ اس رقم پر میری نیت خراب ہوگئی ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ شی میں، میں کروڑوں روپوں میں نہیں ڈالروں میں کھیلتی تھی۔"
"مجھے سب کچھ یاد ہے اسی لیے میں بھی تمہارا احترام کرتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا۔
"آئندہ یہ نہ کہنا۔" ویرا یکایک بھڑک اٹھی "ایسی باتیں مجھے دوستوں کی زبان سے زہر لگتی ہیں۔ کسی لڑکی کو جیتے جی درگور کرنا ہو تو اس کا احترام کیے جاؤ۔ اس کے اندر بھڑکنے والی آگ کے طوفانی شعلوں کا درماں کرنے کے بجائے اس کی پوجا شروع کردو۔ وہ سسک سسک کر مرجائے گی۔ مجھے کسی عزت اور احترام کی ضرورت نہیں۔ میں صرف محبت کی پیاسی ہوں اور تم سے جواب میں یہی چاہتی ہوں۔ اپنا احترام کسی اور کے لیے اٹھا رکھو۔"
میں پُر تشویش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس وقت میرا کوئی کڑوا کسیلا جملہ اسے مزید بھڑکانے کا سبب بن سکتا تھا۔
"خاموش کیوں ہو؟ میں اپنی بات کا جواب سننا چاہتی ہوں۔" خاموشی کا وقفہ طویل ہوجانے پر وہ اضطراری انداز میں بول پڑی۔
"میرا جواب کانوں سے سننے کے بجائے اپنے دل سے محسوس کرنے کی کوشش کرو۔ تم خود مطمئن ہو جاؤ گی۔" میں نے سنجیدگی سے دھیمی آواز میں جواب دیا۔
"مجھے تم ہمیشہ سے بہلاتے آئے ہو۔ اپنی زبان سے اقرار کردیا کھل کر انکار کردو۔" اس نے ضد کی۔

"ہر نشیب و فراز کے باوجود ہماری دوستی برسوں سے برقرار ہے۔ اپنے بارے میں شکوے کرتے ہوئے تم یہ بات بالکل بھول جاتی ہو کہ غزالہ سے شادی ہوجانے کے بعد میری پوزیشن نازک ہوگئی ہے۔ اب میں پہلے کی طرح آزاد پنچھی نہیں رہا ہوں۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں اب تمہاری ان حیلہ سازیوں کو خوب سمجھنے لگی ہوں۔ مجھ سے کتراتے ہو تو غزالہ کی آڑ لے لیتے ہو۔ جب مہربان ہونے کا موڈ ہوتا ہے تو اسے یکسر نظرانداز کردیتے ہو۔ وہ دودھ پیتی بچی نہیں ہے۔ تمہارے سامنے زبان نہ کھولنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ میری اور تمہاری دوستی سے بے خبر ہے۔ بیوی بننے کے بعد ہر لڑکی کی چھٹی حس بہت تیز ہوجاتی ہے۔ وہ اپنے شوہر کی نظروں سے تاڑ لیتی ہے کہ اس کے آس پاس کیا کھیل ہو رہا ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "بھارت یاترا میں شاید تمہارے دماغ کا کوئی پرزہ ڈھیلا ہوگیا ہے جو ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کر رہی ہو۔ یہ سب جانتی ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ غزالہ کی چشم پوشی کا بھرم برقرار رہنا چاہیے۔"

وہ یکایک اداس ہوگئی۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگالی اور تھکی ہوئی آواز میں بولی "کبھی کبھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں تپتے ہوئے صحرا میں ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہوں جو کبھی میرے ہاتھ نہ آئے گا۔ اس تھکا دینے والی بھاگ دوڑ میں میرا سایہ تک میرے ساتھ نہیں ہے۔ میں بالکل تنہا ہوں۔ میرا کوئی بھی نہیں ہے۔"

"اس وقت تم مایوسی کی حالت میں احسان فراموشی کی مرتکب ہو رہی ہو۔" میں نے اسے ٹوکا "ہم چاروں ایک خاندان کی طرح اکٹھے رہتے ہیں۔ اول خان ہماری فیملی کا پانچواں رکن ہے۔ ہم سب ایک دوسرے کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ تمہیں علم نہیں ہے کہ دلی میں غزالہ تمہارے لیے کتنی فکرمند تھی۔"

"مجھ سے جہالت کی باتیں مت کرو۔" ویرا برہم ہو کر بولی "مغرب میں یہ سب بکھیڑا نہیں ہوتا مگر مشرق میں ماں باپ اپنی بیٹیوں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے ہیں پھر بھی کوئی اپنی بیٹی کو عمر بھر اپنے گھر میں نہیں رکھتا۔ اکثر اوقات آسودہ گھرانوں کی لڑکیاں اپنے میکے کی ساری آسائشوں کو تج کر غریب اور متوسط طبقے کے گھروں میں بہو بننا قبول کرلیتی ہیں۔ جانتے ہو کہ یہ سب کیوں ہوتا ہے۔"

"مجھے اپنے بے ہودہ فلسفوں میں الجھانے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے بے رخی سے کہا۔

"یہ کوئی فلسفہ نہیں، اس روئے زمین کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ لڑکی کسی کی بہن اور بیٹی بن کر سدا سکھی نہیں رہتی۔ تنہائی کا زہریلا ناگ اسے چپکے چپکے اور اندر ہی اندر ڈستا رہتا ہے۔ عورت کسی کی بیوی یا کم از کم محبوبہ بن کر ہی خود کو مکمل محسوس کرتی ہے۔"

"تم کو کس نے روکا ہے؟ تم شادی کے لیے آمادگی ظاہر کرو تو میں تمہارے لیے ایک سے ایک رشتہ تلاش کرسکتا ہوں۔"

"شادی تنہائی کا اکلوتا حل نہیں ہے۔ میں بارہا تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں نے دوسری راہ کا انتخاب کیا ہے۔ تمہاری شادی سے پہلے تم کو چاہتی تھی اور میں آج بھی اپنے اس فیصلے پر پورے خلوص سے قائم ہوں۔"

"ویرا! یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔ میں لمبے سفر سے تھکا ہارا واپس آیا ہوں۔" میں نے اس کے قریب ہو کر اسے سمجھایا۔

اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور میں بے ساختہ احمقانہ انداز میں مسکرا دیا۔

"ویری گڈ!" ویرا کو میری مسکراہٹ میں نہ جانے کیا نظر آیا کہ وہ یکایک خوش ہوگئی اور میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے صوفے سے اٹھ گئی "کبھی کبھی عہدِ وفا کی تجدید ہوتی رہے تو مجھے دلی سکون رہتا ہے ورنہ میں مضطرب ہوجاتی ہوں۔"

"تم سے زیادہ بے باک، خود غرض اور احمق لڑکی میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ تم نے نہیں دیکھی ہوگی" اس نے سنجیدگی سے کہا "تم میری محبت ہو اور غزالہ تمہاری محبت ہے۔ اس عجیب تکون میں تم میری زندگی کا حاصل ہو۔ جب بھی تم سے دور ہونے کا خوف لاحق ہوتا ہے، مجھے اپنی زندگی بے روح اور پھیکی محسوس ہونے لگتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ تمہیں قتل کردوں یا اپنی زندگی کا خاتمہ کرلوں۔"

آخری فقرے پر وہ خود ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی مگر میں اندر سے لرز کر رہ گیا۔ اس نے میرے روبرو پہلی مرتبہ اپنی اس سفاکانہ سوچ کا اظہار کیا تھا۔ میں اس کے مزاج کو خوب سمجھتا تھا۔ اس کے اعتراف سے پہلے مجھے اندازہ تھا کہ اس کی تحکمانہ اور قابضانہ ذہنیت مایوسی کی انتہا پر پہنچنے کے بعد کوئی بھی ایسا گل کھلا سکتی تھی کہ جس پر سب کی عقلیں دنگ رہ جائیں۔

وہ جوان، حسین، خوش کلام اور خوش بدن ضرور تھی مگر میرے لاشعور کے کسی کونے کھدرے میں ابتدا سے اس کے کسی بھیانک ردِعمل کا خوف پل رہا تھا۔ شاید اسے میرا عذرِ لنگ قرار دیا جائے مگر اس خوف کی وجہ سے میں نے ہمیشہ اسے خوش رکھنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے اس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنا پسند تھا نہ اپنے بچاؤ کے لیے اس کا خون بہانا گوارا تھا۔ پُرامن بقائے باہمی کے لیے یہ ضروری تھا کہ ویرا کے انتہاپسندانہ جذبات کو محبت سے مغلوب رکھا جائے۔

وہ میرے منہ سے انکار یا اقرار سننے پر تلی ہوئی تھی لیکن گفتگو کا سلسلہ چل نکلا تو وہ اس گورکھ دھندے میں اپنا مطالبہ بھول گئی۔ ہم دونوں خوش گوار موڈ میں باتیں کرتے ہوئے اس ڈرائنگ روم سے باہر نکلے تو راہ داری خالی پڑی ہوئی تھی۔ ڈرائنگ روم کا ایک دروازہ براہ راست برآمدے میں اور دوسرا اس اندرونی راہ داری میں کھلتا تھا۔

”تمہاری نظریں کسی کی تلاش میں بھٹک رہی ہیں۔ کسے ڈھونڈ رہے ہو؟“ راہ داری میں چند قدم بڑھنے کے بعد ویرا نے سوال کیا۔

”ہر طرف سناٹا ہے۔ یہاں کسی نہ کسی معاون یا خدمت گار کو موجود ہونا چاہیے تھا“ میں نے کہا۔

ویرا نے مجھے کوئی جواب دینے کے بجائے فضلو کہہ کر کسی کو پکارا اور قریبی ڈرائنگ روم کے حریری پردوں کے پیچھے سے ایک ادھیڑ عمر اور باریش شخص اچانک نکل آیا۔

”ہم کمرے میں جا رہے ہیں۔ کھانا لگوانے کی تیاری کرو۔“ ویرا نے اسے طلب کیا تھا اس لیے کوئی کام بتانا بھی ضروری تھا۔ ویرا کی ہدایت پر اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر فضلو دوبارہ اسی پردے کے پیچھے غائب ہو گیا۔

”آئی بی کے ڈرائیور، خانساماں اور فراش بھی پُراسرار ہیں“ فضلو کے چلے جانے پر ویرا نے ہنستے ہوئے مجھے بتایا ”ویسے ہر طرف سناٹے اور ویرانی کا راج نظر آتا ہے لیکن جب کسی کو پکارو، کوئی نہ کوئی آدمی کسی جن کی طرح کہیں سے نکل آتا ہے۔“

”یہ خطرناک بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فضلو نے میری اور تمہاری باتیں سن لی ہوں۔“

”اپنے بڑوں کے حکم کے بغیر وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ جلال کو ہم پر پورا بھروسا ہے۔“

اس خوبصورت مکان میں کل چار بیڈ روم تھے۔ ویرا مجھے میرا اور اپنا کمرا باہر سے دکھاتی ہوئی آگے نکل گئی۔ اس کا اندازہ تھا کہ سلطان شاہ غزالہ کے کمرے میں گھسا، اس کا مغز چاٹ رہا ہوگا کیونکہ دہلی میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں سب سے زیادہ تشنگی اسی کو ہو سکتی تھی۔

کمروں کے تعین سے ویرا باخبر تھی۔ اس نے غزالہ کے لیے مخصوص کیے ہوئے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور اندر سے سلطان شاہ کی اجازت پا کر اندر داخل ہو گئی۔

وہ دہرے بستر والا ایک وسیع و عریض کمرا تھا جہاں مسہری کے سوا ایک گوشے میں چار نشستوں والا صوفہ سیٹ بھی موجود تھا۔ سلطان شاہ، غزالہ کے ساتھ وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ غزالہ کے گیلے بالوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سلطان شاہ کے سوالات کا سامنا کرنے سے پہلے اس نے غسل کر کے سفر کی دھول اور تکان سے نجات حاصل کر لی تھی۔

”گریٹ... واقعی تم گریٹ ہو!“ مجھے دیکھتے ہی سلطان شاہ وفورِ جذبات سے بے قابو ہو کر میری طرف لپکا اور پھر میرے گلے میں جھول گیا۔

”ارے... یہ کیا حرکت ہے۔ میری گردن ٹوٹ جائے گی۔“ میں اس ناگہانی افتاد پر بوکھلا گیا۔

سلطان شاہ کو بھی فوراً احساس ہو گیا کہ وہ سیمیں بدن نہیں تھا۔ وہ والہانہ انداز میں میرے رخساروں کے بوسے لے کر الگ ہو گیا۔

”سب کچھ ہماری توقع سے بڑھ کر شاندار رہا لیکن بنگو کے انجام پر بہت دکھ ہوا“ سلطان شاہ کہہ رہا تھا۔

”بنگو کو کیا ہوا؟“ ویرا نے چونک کر پوچھا۔ ملاقات ہونے کے بعد اس نے ہماری مہم کے بارے میں کچھ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی اس لیے وہ مکمل تاریکی میں تھی۔

”پاکستان پہنچنے کے بعد اسے مار دیا گیا“ میں نے سگریٹ سلگا کر سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

”اسے کس نے مارا؟“ ویرا نے تحیر زدہ آواز میں بے ساختہ سوال کیا ”وہ ہمارے لیے بہت کارآمد تھا۔ جلال نے بتایا تھا کہ امرتسر سے وہی تم کو پاکستان لا رہا تھا۔“

”ہمیں اسی نے پہنچایا تھا مگر راستے میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ وہ مجھے پہچان گیا۔ اس کی پک اپ کی لوہے کی باڈی بھارتی فوجیوں کی چلائی ہوئی گولیوں سے چھلنی ہو چکی تھی اور دو فوجی مارے جا چکے تھے۔ وہ امرتسر جاتا تو اس کا پکڑا جانا یقینی تھا“ میں نے اس بار ذرا وضاحت سے بتایا۔

”وہ انٹیلی جنس بیورو والوں کا بہت پرانا اور پکّا انفارمر

پکڑا بھی جاتا تو کچھ نہ اگلتا۔ کیا اسے تم نے مار ڈالا؟"
ویرا کا ذہن اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔
"وہ سیکرٹ ایجنٹ نہیں، تیسرے درجے کا بدمعاش تھا پیسے کے لالچ میں جلال کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس کے بارے میں جلال نے میرے مشورے سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا اور آئی بی کے ایک آدمی نے اسے اڑا دیا۔ اسے نہ مارا جاتا تو امرتسر پہنچنے کے بعد وہ ہم سب کو مروا دیتا۔"
"تمہارا نام پہلے ہی جھنڈے پر چڑھا ہوا ہے۔ وہ تمہارا مزید کیا بگاڑ سکتا تھا؟" ویرا کی ہمدردیاں بدستور بنگو کے ساتھ تھیں۔
مجھے معلوم تھا کہ جب تک ویرا کو اپنے سوال کا تسلی بخش جواب نہیں ملے گا، وہ بار بار سوال کر کے تنگ کرتی رہے گی۔ میں نے اسے تفصیل سے وہ سارا پس منظر بتا دیا جو بنگو کے قتل کے فیصلے کے پس پشت کارفرما تھا۔ درمیان میں اس نے چند سوال بھی کیے جن کے مسکت جوابات موجود تھے۔ گفتگو مکمل ہونے پر وہ اس خیال سے متفق ہو چکی تھی کہ بنگو کو مارنے کا فیصلہ ناگزیر تھا مگر ہم سب کی طرح وہ بھی اس بھارتی بدمعاش کے انجام پر دل گرفتہ سی تھی۔
"بنگو بہت اہم آدمی تھا" میں نے آخر میں کہا "وہ نہ ہوتا تو مکمل ترین رازداری کے ساتھ ہمارا بھارت میں داخلہ ناممکنات میں سے تھا۔ اسی کی وجہ سے یہ ممکن ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور را کا دوسرا اہم ترین ریکارڈ بروقت بھارت سے نکال کر پاکستان پہنچا دیا گیا اور ہم دونوں کی بہ سلامت واپسی اس کے تعاون کے بغیر ناممکن تھی مگر یہ بہت بھیانک کھیل تھا جو انسانی لہو کا طلب گار تھا۔ اسے نہ مارا جاتا تو ہماری صفوں میں سے نہ جانے کون کون مارا جاتا۔ سب سے زیادہ خطرہ عابد علی اور اس کے دونوں ساتھیوں کی جانوں کو ہوتا۔ وہ تین برس سے پوری احتیاط کے ساتھ دہلی میں رہ رہے ہیں اور ان کے دامن بے داغ ہیں۔ بنگو کے پکڑے جانے کے بعد وہ کسی بھی لمحے چیونٹیوں کی طرح مسل دیے جاتے۔ را والے اپنے جہنم رسیدہ افسروں کے جوشِ انتقام میں اس وقت خونی بھیڑیے بنے ہوئے ہوں گے۔"
"یہ مجبوری تھی، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اب کوئی اور بات کرو" ویرا نے مضمحل آواز میں کہا۔
"فکر نہ کرو۔ میں نے غزالہ سے ہر بات پوچھ لی ہے۔ پتا نہیں تم ڈرائنگ روم میں اتنی دیر تک ڈینی سے کیا باتیں کرتی رہی ہو" سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "ان دونوں کو اب آرام کرنے کا موقع ملنا چاہیے۔ میں تم کو ان کی پوری کہانی سُنا دوں گا۔"
"مجھے ٹال کر اپنے نمبر بڑھانے کی کوشش مت کرو"
ویرا نے رکھائی سے اسے ڈانٹ دیا "میں ان کی کہانیاں ان کی زبان سے سننا چاہتی ہوں۔"
"بہت سی باتیں تمہیں معلوم ہیں کیونکہ تم خود دہلی میں موجود تھیں" سلطان شاہ نے ڈھٹائی سے کہا "درمیان کی جو باتیں رہ گئی ہیں، وہ میں پوچھ چکا ہوں۔"
"تم چغد ہو" ویرا جل کر بولی "مجھے جان اسمتھ کے قتل کے سوا کچھ معلوم نہیں۔"
"پھر اللہ تم پر رحم کرے" سلطان شاہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بزرگانہ انداز میں بڑبڑایا "معلوم ہوتا ہے کہ دہلی پہنچنے کے بعد تم باجی اللہ والی بن گئی تھیں۔"
"کیا تم کچھ دیر کے لیے خاموش نہیں رہ سکتے" ویرا نے درشتی سے کہا۔
"کوشش کروں تو شاید رہ سکتا ہوں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں کوشش کیوں کروں۔ جب تم نے دہلی میں ہوتے ہوئے ڈینی اور غزالہ کا ہاتھ بٹانے کی کوئی کوشش نہیں کی تو میں بھی بس اللہ پر توکل کیے لیتا ہوں۔ وہ صرف ایک بار آدمی کی زبان بند کرتا ہے اور یہ بندش قیامت تک کے لیے ہوتی ہے۔"
"خاموش نہیں ہو سکتے تو کچھ دیر کے لیے سنجیدہ ہی ہو جاؤ۔ میرے ذہن میں اس وقت ایک نیا خیال آیا ہے۔" ویرا نے زچ ہو کر کہا۔
"راگ، راگنیاں اور خیال یہاں لا اپنے کی کیا ضرورت ہے۔ کراچی جا کر یہ شوق پورے کر لینا" سلطان شاہ اسے عاجز کرنے پر تُل گیا تھا۔ "یہاں تم...؟"
ویرا کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت کوئی سنجیدہ بات کرنے کے موڈ میں تھی۔ میں نے تیکھی نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور وہ اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ کر یکایک یوں خاموش ہو گیا جیسے اس کی چابی ختم ہو گئی ہو۔
"تھینک یو ڈارلنگ!" ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "اسے تم ہی خاموش کرا سکتے تھے۔"
"میں اپنی مرضی سے خاموش ہوا ہوں۔ مجھے کسی نے نہیں گھورا تھا" سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔
"تم اپنی بات شروع کرو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے ذہن میں اب کیا خیال آیا ہے؟" میں نے ویرا سے کہا۔
"میرا خیال ہے کہ اپنا کھیل تم نے خود بگاڑا ہے ورنہ

ڈینی کا نام بھولے سے بھی سامنے نہ آتا" ویرا بولی۔
"بدترین حالات میں پھنس جانے کے بعد آدمی کے حواس زائل ہوجاتے ہیں اور وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے...." غزالہ نے کچھ کہنا شروع کیا مگر ویرا نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔
"میں تنقید نہیں کر رہی۔ ڈینی کوئی عام آدمی نہیں ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ مشکلات میں گھر جانے کے بعد اس کا ذہن زیادہ تیزی سے کام کرتا ہے۔ اب تک جو کچھ ہوچکا' اس کو واپس لوٹانا ناممکن ہے لیکن اپنے فیصلوں اور کارکردگی کا جائزہ لے کر کوئی سبق حاصل کیا جاسکتا ہے تو ہمیں اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔"
"میں تمہاری بات سننے سے پہلے کہہ رہی ہوں کہ انہوں نے ہر مرحلے پر اپنی حیران کن صلاحیتوں سے کام لیا ہے۔ زندگی اور موت کے دوراہے پر ان سے بہتر فیصلے کوئی نہیں کرسکتا۔"
"یہ بحث بے کار ہے تم بتاؤ کہ کیا کہنا چاہ رہی ہو" میں نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہا۔
"تم بھارت میں را کے مزید دس آدمیوں کو مار دیتے تب بھی انڈین پریس میں تمہارا نام نہیں آسکتا تھا۔ تم نے نریش شرما کو بیم گن سے ہلاک کرکے مسئلہ شروع کیا۔ لیزر گن یا بیم گن کا ذکر سامنے آتے ہی سب کا ذہن ڈینی کی طرف مبذول ہوگیا۔ تمہارے اس ہتھیار سے تمہارے دشمن دہشت زدہ رہتے ہیں۔ وہ بھارت کی سرزمین پر اس انوکھے ہتھیار کا پہلا استعمال تھا۔ بات واضح ہوگئی کہ ڈینی دہلی میں ہے اور نریش شرما کا قاتل ہے۔"
ویرا سانس لینے کے لیے رکی تو غزالہ جھٹ بول پڑی "وہ بھارت میں بیم گن کا پہلا نہیں' دوسرا استعمال تھا۔"
"میں جلال سے سن چکی ہوں کہ را کے پاکستانی ونگ میں نریش کی تجوری اسی سے کاٹی گئی تھی لیکن لوہے کی کسی تجوری کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوتا۔ آگ میں سب کچھ جھلس کر برباد ہوگیا تھا۔ ناگر کی لاش بھی جل کر کوئلہ ہوگئی ہوگی۔ یہ سمجھا گیا ہوگا کہ تجوری گیس کٹر سے کاٹی گئی تھی۔ اب نریش کا معاملہ سامنے آیا ہے تو اس تجوری کے جلے ہوئے حصوں پر بھی کام ہوگا اور یہ بات سامنے آجائے گی کہ تجوری مقفل کرنے کے پورے میکانزم کو انتہائی شدید حرارت سے پگھلایا گیا تھا۔ اتنی حرارت لیزر شعاعیں ہی پیدا کرسکتی ہیں۔" ویرا نے ایک باقاعدہ نظریہ قائم کرلیا تھا۔
"وہ تجوری پر سر کھپا کر نتائج اخذ کرتے رہیں۔ ہماری صحت پر کیا اثر پڑے گا؟" غزالہ نے تنک کر پوچھا۔
"چند روز میں وہ پتا چلالیں گے کہ ساری وارداتوں میں ڈینی کا ہاتھ تھا۔ اگر نریش پر بیم گن استعمال نہ ہوتی تو ڈینی کا نام پردے میں رہتا۔"
"تم کو اندازہ نہیں ہے۔ وہ خبیث مزاحمت پر تُلا گیا تھا۔ اس نے آئی بی کے ایک آدمی کو پکڑلیا تھا۔" میں نے اپنے فیصلے کا دفاع کرتے ہوئے کہا "انگوٹھی کا زہر استعمال کرنے کے لیے اس کے قریب جانا ضروری تھا۔ مجھے اپنے قریب پاتے ہی وہ کوئی گڑبڑ کرسکتا تھا۔"
"اگر آئی بی کا کوئی آدمی تمہارے ساتھ تھا تو وہ زندہ نہیں رہا ہوگا۔ وہ اسے گولی ماردیتا۔" ویرا نے بیزاری سے کہا۔
"اور فائر کی پُرشور آواز کے نتائج تم بھگت لیتیں!" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا "ویرا! بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ میں نے مجبوری کی حالت میں' بہت سوچ سمجھ کر' بیم گن استعمال کی تھی۔ اسے کسی اور ترکیب سے مارنے یا زیر کرنے کی کوشش کی جاتی تو ہمارا وہاں سے بچ نکلنا مشکل ہوجاتا۔"
"چلو' مان لیا کہ وہاں تم مجبور تھے لیکن ویران سرحدی جنگل میں کیا مشکل درپیش تھی۔ تم نے بھارتی فوجیوں پر بھی بیم گن چلادی۔"
"وہاں سب کچھ بہت تیزی سے ہوا۔ سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں تھی۔ وہ بنگو کو ماردیتے تو ہم اسی جنگل میں بھٹک جاتے اور ان کے ساتھی ہمیں پکڑلیتے۔ بس جو کچھ ذہن میں آتا چلا گیا' میں اس پر عمل کرتا چلا گیا۔"
"میں چشم دید گواہ ہوں۔" غزالہ بولی "وہ بہت بڑی اور ناگہانی مصیبت تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ ہم پک اپ کے آہنی پنجرے میں ہی پھنسے رہ جائیں گے لیکن ان کے حواس قائم تھے۔ اگر یہ بیم گن سے دروازے کا بیرونی کنڈا نہ کاٹتے تو بھارتی فوجیوں نے ہمیں زیر کرلیا تھا۔"
"وہاں ایکشن ہورہا تھا۔" میں نے ویرا کو بتایا "دونوں فوجیوں کے سروں پر خون سوار تھا۔ وہ بے تحاشا گولیاں برسا رہے تھے۔ انہیں جہنم واصل کرنے میں ذرا بھی تاخیر کی جاتی تو وہ مرتے مرتے بھی ہمیں گولیوں کی باڑ پر رکھ لیتے۔"
"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم نے اتنی شدید مجبوریوں کے عالم میں بیم گن استعمال کی ہوگی۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر ہتھیار ڈال دیے۔
"بھارت میں مجھے قدم قدم پر احساس تھا کہ بیم گن کا

استعمال میری موجودگی کا اشتہار بن سکتا ہے۔ میں حتی الامکان اس کے استعمال سے بچتا رہا لیکن اس بار بچنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔" میں نے ویرا کو بتایا "جب میں نے تمہیں رات کی آخری ٹرین سے دہلی سے نکل جانے کی ہدایت کی تو میں بھی صبح کی پہلی پرواز سے امرتسر جانے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ آئی بی والوں نے میرے اور غزالہ کے ٹکٹ بنوالیے تھے مگر میں نے محض اپنا نام اچھلنے کے اندیشے کی وجہ سے دہلی چھوڑنے کا ارادہ عین وقت پر ملتوی کردیا۔ جان اسمتھ کی موت اور نریش کے دفتر میں نقب زنی کے بعد میرا وہاں رکنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

"امرتسر میں عابد فائلوں کا پلندا لے کر آیا تو میں حیران ہوئی تھی کہ میرے اور تمہارے درمیان ایسی کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی پھر ایک اجنبی میرے کمرے پر کیسے پہنچ گیا۔" ویرا کسی عذر کے بغیر میری کہی ہوئی ہر بات مانتی جارہی تھی اور ساتھ ہی وہ درمیانی کڑیاں بھی جوڑتی جارہی تھی جو ہمارے درمیان کھلا رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت تک خلش کا سبب بنی ہوئی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی "اس وقت تم غائب ہوجاتے تو ادھم مچ جاتا کہ یہ سب کیا دھرا مظہر خان کا ہے۔ رات میں اپنا کام دکھاتے ہی وہ ہوٹل سے بھاگ گیا۔ را والوں نے ان معاملات میں تم کو پریشان تو کیا ہوگا۔"

"را والے زمین پر شیطان کے چیلے ہیں۔ میں اس وقت تمہیں صحیح و سلامت نظر آرہا ہوں تو یہ نہ سمجھو کہ میں دہلی میں عیش کرتا رہا ہوں۔ شدید ترین ذہنی تشدد کے ساتھ میں نے نریش کے ہاتھوں مار بھی کھائی ہے۔ اس کے ہر بے رحمانہ تھپڑ پر میرا خون کھول اٹھتا تھا مگر میں سر جھکائے پٹتا رہا تاکہ وہ مجھے پکا بزدل سمجھتا رہے۔"

"اس سؤر کے بچے نے تم کو تھپڑ لگائے تھے۔" سلطان شاہ صدمے اور حیرت سے بولا۔

"انتہائی کرارے اور ایسے زوردار کہ میری آنکھوں سے پانی نکل آیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"آپ کا صبر رائگاں نہیں گیا۔ اس سے ہونے والی آخری ملاقات میں آپ نے سارے بدلے چکا دیے۔" غزالہ بولی "یہ باتیں آپ نے مجھ سے بھی چھپائے رکھیں۔"

"یہ سن کر تمہارا حوصلہ ٹوٹ جاتا۔ آدمی مشکل حالات میں گھرا ہوا ہو تو حوصلہ اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔

"تم سن رہی ہو۔" غزالہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں ویرا کو مخاطب کیا "یہ سارے روگ اپنی جان پر لیے دشمنوں سے لڑتے رہے اور تم کہہ رہی ہو کہ انہوں نے غلطیاں کی تھیں جن کے نتیجے میں آج بھارتی پریس میں ان کے نام کا چرچا ہورہا ہے۔"

"میں کہہ رہی تھی!" ویرا نے بھویں چڑھا کر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا "اب میں اپنے الفاظ واپس لے چکی ہوں۔"

"نریش سؤر کا بچہ تھا۔ وہ اپنے صحیح انجام کو پہنچا ہے۔" سلطان شاہ نے غصے سے مغلوب لہجے میں کہا "وہ اپنی دانست میں مظہر خان نامی ایک پاکستانی کو مار رہا تھا۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ اس کے سامنے ڈینی موجود ہے تو دہشت سے اس کا پیشاب خطا ہوجاتا۔"

"سب سے زیادہ دلچسپ بات یہی ہے۔" میں نے ان کی گفتگو سے محظوظ ہوتے ہوئے زبان کھولی "وہ لوگ ڈینی سے ڈرتے ہیں اور مظہر خان کو ایک بزدل چوہا سمجھ رہے تھے۔ نریش کو بس اتنا شبہ تھا کہ کہیں مظہر خان کسی پاکستانی ایجنسی کے لیے کام نہ کررہا ہو۔"

"تم نے واقعی وہاں بہت دکھ اٹھائے۔ ان حالات میں جو کچھ تم نے کیا وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی۔" ویرا نے پہلی بار کھل کر اعتراف کیا۔

"میں مانتا ہوں کہ بیم گن کے استعمال نے ان کی عقلوں پر پڑے ہوئے پردے ہٹا دیے اور یکایک انہیں ہوش آگیا کہ ڈینی ان کی صفوں سے بہت قریب گھوم رہا ہے۔" ویرا کی فراخ دلی دیکھتے ہوئے میں نے بھی کسی عار کے بغیر کھلے دل سے حقیقت تسلیم کرلی "را والے غبی اور عقل سے پیدل نہیں ہیں۔ ان کے قریب رہ کر میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ان کی تربیت میں ذہانت، چالاکی اور مکاری کے جوہروں کو نکھارنے پر خاصا زور دیا جاتا ہے۔ بیم گن کا غلغلہ نہ اٹھتا تو انہیں واقعات کی کڑیاں جوڑنے میں کچھ وقت ضرور لگتا مگر وہ جان لیتے کہ دہلی میں ہم لوگ ہی ان کی پشت پر پیاز کتر کر چلے گئے ہیں۔"

"دیکھنا یہ ہے کہ اب وہ ڈینی اور مظہر خان کے درمیان تعلق جوڑنے میں کتنا وقت لیتے ہیں۔" غزالہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"شاید اس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" یہ پیش گوئی کرکے میں نے سگریٹ سلگالی۔

اسی لمحے غزالہ کے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے پر فضلو کا گمبھیر چہرہ نظر آیا۔ وہ میز تیار ہونے کی خبر لایا تھا۔

جب تک ہم بھارت کی سرزمین پر اپنی بقا کی جدوجہد

رہے تھے' بھوک اور پیاس کا دور دور تک نام و نشان نہیں
تھا لیکن بنگو کی زبان سے پاکستانی علاقے کا سفر شروع ہونے
کی خبر سنتے ہی میری بھوک شدت سے جاگ اٹھی تھی۔ اپنے
پرانے ساتھیوں کے حد سے بڑھے ہوئے جوش و خروش کی
وجہ سے میں نے اپنی اس خواہش کو دبالیا تھا لیکن فضلو کا
اعلان سننے کے بعد بھوک کا احساس میری برداشت سے باہر
ہوگیا۔ میں نے نئی جلائی ہوئی سگریٹ ایش ٹرے میں مسلی
اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ تینوں بھی میری تقلید میں خاموشی
سے میرے پیچھے ہولیے۔

میز پر انواع و اقسام کے کھانوں کی اشتہا انگیز بھاپ
اڑاتی ہوئی قابیں سجی ہوئی تھیں اور فضا خوشبوؤں سے بھری
ہوئی تھی۔ جلال کو میری اور غزالہ کی آمد کی پیشگی اطلاع مل
گئی تھی۔ اس لیے اس نے ہماری استقبالیہ دعوت کے
اہتمام میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ کمی تھی تو بس اتنی کہ
ہمارا میزبان اس دعوت میں موجود نہیں تھا۔

ابتدا میں میز پر تھوڑی سی ہلچل ہوئی لیکن پھر پلیٹیں
بھرنے کے ساتھ سکون ہوتا چلا گیا اور ہم چاروں خاموشی سے
کھانے میں مصروف ہوگئے۔

"ابھی تک تم نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔" پیٹ میں
کچھ چارا پڑجانے کے بعد ویرا نے اچانک مجھ سے مخاطب ہو
کر کہا۔

"اعتراض کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ سب کھانے بہت
لذیذ ہیں۔" میں نے لقمہ نگل کر جواب دیا۔

"یہ بات مجھے بھی معلوم ہے۔ میں کھانے کی نہیں'
کمرے کی بات کررہی تھی۔" ویرا نے میری تصحیح کی۔

"کمرے کو کیا ہوا؟" مجھ سے پہلے سلطان شاہ نے تجسس
کے ساتھ سوال داغ دیا۔

"سب کو معلوم ہے کہ ڈینی اور غزالہ کے درمیان میاں
بیوی کا رشتہ ہے پھر بھی جلال نے دونوں کی شب خوابی کے
لیے یہاں الگ الگ کمرے مخصوص کیے ہیں۔"

"اچھا!" غزالہ نے چونک کر سر اٹھایا اور بولی "تمہیں
یہ بات کس نے بتائی؟"

"میں یہاں تم دونوں سے سینئر ہوں۔" ویرا نے بات
شروع کی لیکن سلطان شاہ نے درمیان میں اپنی ٹانگ اڑا
دی۔

"یہاں قیام کے سلسلے میں' میں بھی ان دونوں سے سینئر
ہوں۔ مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔" اس نے اعتراض کیا۔

"کان اور آنکھیں کھلی رکھو تو تمہیں کچھ معلوم ہو۔"
ویرا نے منہ بنا کر کہا "ویسے بھی تمہیں آئے ہوئے چند گھنٹے
ہوئے ہیں۔ میں کئی دنوں سے یہاں رہ رہی ہوں۔ یہاں کام
کرنے والوں سے میری خاصی جان پہچان اور بے تکلفی ہوگئی
ہے۔"

"تم میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ تم ہر ایک سے
زبردستی بے تکلف ہونے پر تُل جاتی ہو بلکہ اس کے سر پر
سوار ہونے لگتی ہو۔"

"خاموش ہوجاؤ!" میں نے اکتا کر سلطان شاہ سے التجا
کی "تم دونوں اپنی بحث میں بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے
ہو۔ ذرا سکون سے کھانا کھالینے دو۔"

"الگ الگ کمروں کے بندوبست کے بارے میں
تمہاری کیا رائے ہے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ویرا
نے پھر شوشا چھوڑ دیا۔

"ضروری نہیں کہ ہر کام جلال نے خود کیا ہو۔" میں نے
بے پروائی سے کہا "اس نے اپنے ماتحتوں کو دو مہمانوں کی
آمد کے لیے تیار رہنے کی ہدایت کی اور انھوں نے دونوں کے
لیے الگ الگ کمرے مخصوص کردیے۔ یہ ضروری نہیں ہے
کہ ہم الگ الگ رہیں۔ ہم دونوں ایک کمرے میں ہی رات
بسر کریں گے۔"

"ہوں۔ اوں!" ویرا نے ہنکارا بھرا پھر بولی "اپنی اپنی
سوچ ہے۔ میرے نزدیک یہ بات اہم ہے کہ جلال نے اس
بندوبست میں ذاتی دلچسپی نہیں لی اور سارا کام اپنے آدمیوں
پر ڈال دیا۔"

"تمہاری آنکھوں سے شرارت ٹپک رہی ہے۔"
سلطان شاہ بے ساختہ بول پڑا "ڈینی کو جلال کے خلاف
اکسانے کی کوشش مت کرو۔"

سلطان شاہ کا وہ تجزیہ سو فیصد درست تھا۔ جلال نے
ویرا کو ایک خوب صورت' کج ادا اور دل نواز دوشیزہ کی سی
پذیرائی دینے کے بجائے اسے بہن قرار دے دیا تھا۔ جلال کی
اس مشرقی گستاخی پر ویرا بری طرح چڑی ہوئی تھی۔ وہ دانستہ یا
لاشعوری طور پر جلال کے خلاف زہر اگلنے پر تل گئی تھی۔ یہ
بات ویرا کے سوا ہم میں سے ہر ایک نے محسوس کرلی تھی اور
کوئی بھی اس کی باتوں میں آنے والا نہیں تھا مگر میں نے اس
وقت سلطان شاہ کی تائید میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔
مجھے اندازہ تھا کہ میری طرف سے ذرا سی حوصلہ افزائی ہوتے
ہی وہ فوراً بے لگام ہوجائے گا۔

ہم چاروں خاصے طویل وقفے کے بعد یکجا ہوئے تھے
اس لیے کھانے کے درمیان نوک جھوک کا سلسلہ چلتا رہا

لیکن کوئی بھی نکتہ زیادہ زور نہ پکڑ سکا۔ غزالہ کچھ زیادہ خاموش تھی مگر ویرا خوب چہک رہی تھی۔ غزالہ کی چھٹی حس نے شاید اسے یہ احساس دلا دیا تھا کہ اس شام ویرا میرے اوپر ضرورت سے زیادہ مہربان ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ بات ویرا نے خود ہی کہی تھی کہ شوہروں کے بارے میں بیویوں کی نگاہیں عقابی ہوتی ہیں۔ وہ ایک نظر میں بھانپ لیتی ہیں کہ ان کا شوہر کس کھونٹے کے گرد منڈلا رہا ہے لیکن پھر بھی ویرا غیر محتاط تھی۔ مجھ سے بے تکلف ہونے اور ہاتھا پائی کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کر رہی تھی۔

ویرا کی وہ بے ساختہ اور بہت زیادہ بے تکلفانہ ادائیں مجھے برانگیختہ کر رہی تھیں۔ میں پتھر یا فولاد کا بنا ہوا کوئی بے جان مجسمہ نہیں تھا۔ جیتے جاگتے اور بہتے ہوئے گرم لہو سے سرشار ایک انسانی پیکر تھا۔ ویرا کے گداز اور حسین سراپا کے ہر لمس سے میرے بدن میں گدگدیاں سی دوڑ رہی تھیں لیکن غزالہ کی غیر معمولی خاموشی مجھے ویرا کی شوریدہ سری کا جواب دینے سے روکے ہوئے تھی۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ آئی بی کے مہمان خانے میں میری وہ اکلوتی رات سکون سے گزر جائے۔

ویرا نے سب سے پہلے کھانے سے ہاتھ روکا مگر وہ میز پر جمی رہی۔ کوئی اور موقع ہوتا تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ وہ دوسروں کا ساتھ دینے کے لیے ازراہِ مروت میز پر بیٹھی ہوئی تھی مگر اس کا موڈ کچھ ایسا خطرناک ہو رہا تھا کہ میرے بارے میں کوئی بھی اس کے تیوروں کا صحیح اندازہ لگا سکتا تھا۔

کھانے کا دور ختم ہونے کے بعد ہم چاروں کچھ دیر تک میز کے گرد بیٹھے رہے۔ ویرا کے تیکھے اور معنی خیز جملوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر غزالہ نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا ”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں سے اٹھ جانا چاہیے۔ یہ کرسیاں زیادہ دیر تک ہمارا بوجھ نہیں سہہ سکیں گی۔“

”ہم میں سے کوئی بھی اتنا بھاری نہیں ہے کہ یہ کرسیاں ٹوٹ جائیں۔“ ویرا نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

”ہم بھاری نہیں ہیں۔ ہماری باتیں ہم سے زیادہ بھاری ہیں۔“ سلطان شاہ نے فوراً لقمہ دیا۔

غزالہ نے اپنی کرسی چھوڑ دی تھی۔ میں نے اس کی تقلید کی۔ سلطان شاہ بھی کرسی سے اٹھنے پر مجبور ہو گیا۔ ویرا نے آخر میں اپنی کرسی چھوڑی تھی۔

میں نے کھانے کے کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم کا رخ اختیار کرنا چاہا تھا لیکن غزالہ اس سے پہلے اپنے کمرے کی طرف ہولی۔ ویرا اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ میں نے اسے روکنا چاہا کہ ہم کچھ دیر کے لیے ڈرائنگ روم میں بیٹھیں گے مگر ویرا نے صاف انکار کر دیا۔ ”ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہم تھوڑی دیر کے لیے یہاں مہمان بن کر آئے ہوں۔ بیڈ روم میں بے تکلفی سے لیٹنے بیٹھنے کا مزہ ہی اور ہوتا ہے۔“

ویرا کے اس اصرار کے بعد مزید کچھ کہنا بے سود تھا۔ ہم چاروں دوبارہ غزالہ کے کمرے میں پہنچ گئے۔

ہمیں وہاں بیٹھے چند منٹ گزرے ہوں گے کہ فضلو نے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر کراچی سے آئے ہوئے فون کے بارے میں اطلاع دی۔ اس وسیع و عریض مکان میں ہر قسم کی سہولتیں میسر تھیں لیکن بیڈ رومز میں فون کی لائنیں نہیں تھیں۔ صرف ڈرائنگ روم میں ایک انسٹرومنٹ موجود تھا۔

کراچی سے فون کی اطلاع پاتے ہی میں نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہاں سے اول خان ہی فون کر سکتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اتنے قلیل سے وقفے میں اسے کیسے پتا چل گیا کہ ہم لاہور کے اس فون نمبر پر مقیم تھے۔

میں نے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر تپائی پر رکھا ہوا ریسیور اٹھا کر صرف ہیلو ہی کہا تھا کہ دوسری طرف سے اول خان کی زندگی سے بھرپور آواز گونجنے لگی ”مبارک ہو، آج میرا رواں رواں خوش ہے کہ تم دونوں خیر و عافیت سے اپنے وطن واپس لوٹ آئے۔“

”تمہیں اس خفیہ پروگرام کی سن گن کیسے مل گئی؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”آج صبح سے میرا دل تم سے بات کرنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ میں نے مضطرب ہو کر چیف کو اسلام آباد فون کیا تو اس نے بتایا تھا کہ تم دونوں آج رات کسی بھی وقت لاہور واپس آ سکتے ہو۔ چند منٹ پہلے جلال سے میری بات ہوئی تو اس نے تمہارا یہ نمبر دے دیا۔“

”جلال سے تمہارا کہاں رابطہ ہو گیا؟“ اول خان کے جواب پر میری حیرت دو چند ہو گئی۔

”وہ اسلام آباد میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا ہے۔ تم بہت بروقت وہاں سے نکل آئے۔ اس وقت میں نے آل انڈیا ریڈیو پر ایک اعلان سن کر جلال کو فون کیا تھا۔ بھارت میں تمہاری اور غزالہ کی تلاش شروع ہو چکی ہے۔ اطلاع دینے والے کے لیے پچاس ہزار روپے کا انعام رکھا گیا ہے۔“

”کیا تم نے یہ اعلان اپنے کانوں سے سنا ہے؟“ میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔ وہ اپنے ہر فقرے کے ساتھ میری

رت میں اضافہ کررہا تھا۔
"جب سے تم بھارت گئے تھے' میں آل انڈیا ریڈیو
قاعدگی سے سن رہا تھا۔ یہ اعلان کچھ دیر پہلے میں نے خود سنا
ہے۔" اس نے بتایا۔
"یہ ضروری تو نہیں تھا کہ ہمارے بارے میں ریڈیو وغیرہ
کوئی خبر نشر ہوتی۔" میں نے ہنستے ہوئے ماؤتھ پیس میں کہا۔
"ضروری نہیں تھا مگر تمہارا مشن بہت اہم تھا۔ میرا
ران کہہ رہا تھا کہ تم کامیاب رہو گے۔ تمہاری ہر
رروائی کی خبریں بھارتی ریڈیو اور ٹیلی وژن نے نشر کی ہیں۔
ا کے پاکستانی ونگ میں آتش زنی کی خبر میں دوردرشن پر سنی
ں۔"

بھارت میں رہتے ہوئے میرے شب و روز اتنے
سروف اور کٹھن تھے کہ میں ان باتوں پر دھیان نہیں دے
ا تھا۔ ریڈیو اس دور میں اپنی افادیت کھو چکا تھا۔ شہری
اقوں میں ریڈیو کی نشریات سننا ضروری نہیں رہا تھا کیونکہ
لی وژن پر خبر اور تصاویر کے انضمام نے ہر چیز پر سبقت
اصل کرلی تھی۔ ریڈیو دور افتادہ اور پس ماندہ دیہی علاقوں
ے باسیوں کا شغل بن کر رہ گیا تھا۔ دہلی میں ہمارے پاس اتنا
ت نہیں تھا کہ ہم ٹیلی وژن سے چپکے بیٹھے رہتے۔ اپنی
ارگزاریوں کا ردِ عمل جاننے کے لیے ہمارا تمام انحصار دہلی
ے شائع ہونے والے دو انگریزی روزناموں پر تھا جو انٹرکانٹی
ٹل ہوٹل میں ٹھہرنے والے مسافروں کو بلاقیمت کمروں
ں فراہم کیے جاتے تھے یا کمرے کے کرائے میں شامل تھے۔
مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اول خان ہمارے بارے
ں بہت زیادہ فکر مند تھا۔ اپنے ذاتی ذرائع کے ساتھ ساتھ
ابلاغ کے دوسرے ذرائع سے بھی ہمارے بارے میں خبریں
اصل کرتا رہا تھا۔ میرے لیے یہ خبر بہت اہم تھی کہ نریش
ر انل بسواس کی ہلاکت کے تقریباً بارہ گھنٹے بعد ہی دہلی کے
تیشی اداروں کی توجہ میری اور غزالہ کی طرف مبذول
چکی تھی۔
"میں دوردرشن اور آل انڈیا ریڈیو کی زہر فشانی سے
ے خبر ہوں مگر یہ بات ذومعنی ہے کہ بھارتیوں نے پورے زور و
ور سے مظہر خان اور غزالہ کی تلاش شروع کردی ہے۔
ہوں نے ریڈیو پر اس تلاش کا کوئی سبب بھی بتایا ہوگا۔"
ں نے پوچھا۔
"بھارت میں ہونے والی دہشت گردی کی کئی بھیانک
اردات کی چھان بین کے لیے تم دونوں کو اہم ملزم قرار دیا
یا ہے۔ میرے لیے یہ حیرت کی بات تھی کہ آج تم نے
بھارت کو خیرباد کہا اور آج ہی بھارتی ایجنسیوں کو تم دونوں کا
خیال آگیا۔"
"شاید تمہیں را کے انل بسواس اور نریش شرما کے
بارے میں پتا نہیں چل سکا۔" میں نے کہا۔
"صبح سے وہ خبر ٹیپ کے بند کی طرح باربار دہرائی جارہی
ہے۔" اول خان کی طرف سے کسی توقف کے بغیر جواب آیا
"ان دونوں کے جہنم واصل ہونے کی خبر سننے کے بعد ہی مجھے
تم دونوں کی سلامتی کی طرف سے فکر لاحق ہوئی تھی۔ ان
جیسے موذیوں کو مار کر بھارت سے نکل آنا آسان کام نہیں
تھا۔"
"مجھے نئی خبر کی تفصیل بتاؤ۔ کیا جلال کو معلوم ہے کہ
بھارتیوں نے ہماری تلاش کی مہم شروع کردی ہے۔"
"جلال باخبر نہ ہوتا تو مجھے صدمہ ہوتا۔ ایسی اطلاعات
سے واقف رہنا اس کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے۔"
"اپنے اعلان میں انہوں نے مظہر خان کو کس روپ میں
پیش کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"مظہر خان پاکستانی پاسپورٹ پر دہلی میں مقیم تھا۔ وہ
اسے پاکستانی دہشت گرد قرار دے رہے ہیں۔" اول خان
نے بتایا۔
"دوسری طرف انہیں ڈینی کی تلاش ہے جس نے اپنی
لیزر گن سے نریش شرما کو ماردیا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں
کہا۔
"ہاں' یہی ایک نکتہ ہے جو حوصلہ افزا ہے۔ ابھی تک
وہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ سمجھ رہے ہیں۔ میں
نے ان کا ہر نشریہ غور سے سنا ہے۔ بھارتی حکام نے ابھی تک
ایسی کوئی بات نہیں کی ہے جس سے یہ شبہ ہو کہ وہ ڈینی اور
مظہر خان کو ایک شخصیت کے دو روپ سمجھ رہے ہیں۔ یہ
باتیں میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ تم نے دہلی میں
اپنی بساط کیسے پھیلائی تھی کہ وہ ابھی تک اس ابہام کا شکار
ہیں۔"
"یہ لمبی کہانی ہے۔ آج کی رات گزر جانے دو۔ کل
کراچی آؤں گا تو سب کچھ بتادوں گا۔"
"دہلی سے لاہور تک تمہارا سفر کیسا رہا؟" اول خان
سب کچھ جان لینے کے لیے بے چین تھا۔
"ہولناک!" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر جواب دیا "یہ
کہانی بھی کل سن لینا۔ دو بھارتی فوجیوں نے ہمیں موت کے
دہانے تک پہنچادیا تھا۔"
"میں تمہیں ایک بات بتادوں!" اول خان کی آواز میں

یک بہ یک گہری سنجیدگی آ گئی "اس بار بھارتیوں کا لب ولہجہ خطرناک ہے۔ وہ دہلی میں پیش آنے والے واقعات کو زور دے کر اور تکرار کے ساتھ عالمی دہشت گردی کا حصہ قرار دے رہے ہیں۔"

"مجھے یہ سن گن مل چکی ہے۔" میں نے دل ہی دل میں اس گفتگو کو یاد کرتے ہوئے جواب دیا جو میرے اور رینا اجیت رائے کے درمیان ہو چکی تھی۔ "اس وقت بھارتی حکمراں بہت خطرناک راستے پر چل پڑے ہیں۔ ان کی پوری کوشش ہے کہ دہشت گردی کے خلاف پائے جانے والے عالمی غم وغصے کو بھرپور انداز میں پاکستان کے خلاف استعمال کیا جائے۔"

"ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ رویہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کرنے کا سبب بن جائے۔" اول خان کی آواز پُر تشویش ہو گئی۔

"کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ دہلی میں آج صبح تک جو کچھ ہوتا رہا وہ ہمارے لیے سود مند نہیں تھا۔" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اوہ...! تم نے تو اچانک بہت لمبی جست لگا دی۔" ایک گہرے سانس کے بعد اول خان کی آواز آئی "وہاں جو کچھ ہوا' اس کے لیے ایک مدت سے خواب دیکھے جا رہے تھے۔ تم نے چند دنوں میں ایسی کامیابیاں حاصل کی ہیں جن کے اثرات برسوں تک محسوس کیے جائیں گے مگر ہمارا حریف بہت خطرناک ہے۔ وہ اپنی اس ہزیمت میں بھی سرخ روئی کے پہلو تلاش کرنے کی تگ ودو کر رہا ہے۔ وہ ان واقعات سے سیاسی فائدے اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"یہ مجبوری ہے۔ ان کی حرکتوں کا کوئی نہ کوئی سدباب کرنا پڑے گا۔ ہر ہوشیار قیادت اپنے حریفوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہے۔ ہمیں اپنی کمزوریوں کا اعتراف کر کے عاجزانہ رویہ اختیار کرنے کے بجائے دبنگ ہو کر جارحانہ انداز میں ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔" میں نے اس کی تشویش کی نوعیت سمجھتے ہوئے کہا "میں اپنے ملک کے ان دشمنوں سے ہر محاذ پر لڑ سکتا ہوں لیکن سیاسی لڑائی میرے بس سے باہر ہے۔"

ریسیور پر اول خان کی ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی پھر اس نے کہا "میں اپنا اور تمہارا موازنہ نہیں کر رہا لیکن ہماری کمزوریاں کم وبیش یکساں ہیں۔ مجھے بھی سیاست کے نام سے الجھن بلکہ وحشت ہونے لگتی ہے۔ جھوٹ سچ بولنا اور جوڑ توڑ کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"یہ نہ کہو۔ دشمن کے چنگل میں پھنس جانے کے بعد ہر فریب سے کام لینا پڑتا ہے۔" میں نے نرمی سے جواب دیا "سیاسی جوڑ توڑ میں کوئی حصہ لیے بغیر میں ہزاروں بار جھوٹ سچ اور جوڑ توڑ سے کام لے چکا ہوں۔ اس کے بغیر زندگی بہت دشوار ہو جاتی ہے۔"

"یہ متنازع بات ہے۔ یہ بتاؤ کہ کراچی کب آ رہے ہو؟" اول خان نے فوراً ہی موضوع بدل دیا۔

"میں نے کہا نا کہ ہم کل کراچی پہنچ رہے ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

اول خان دھیرے سے ہنس دیا "ویرا واپس آ کر لاہور میں بیٹھ گئی ہے۔ میں نے سوچا کہ تم بھی وہاں لمبا قیام کرو گے۔"

"ویرا کی بات مختلف ہے۔ فائلیں اور را کے کاغذات لانے والے قاصد کی حیثیت سے لاہور میں اس کی ضرورت سے زیادہ آؤ بھگت ہو رہی تھی اس لیے اس کا یہاں دل لگا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کل وہ بھی ہمارے ساتھ کراچی لوٹ آئے۔"

"تمہاری غیر حاضری میں اس کا چراغ جل رہا تھا۔ تمہارے لوٹ آنے کے بعد صورتِ حال مختلف ہو جائے گی۔ اب وہ لاہور میں کیا کرے گی۔"

"یہ سوال اسی سے کرنا۔" اس سے مزید چند منٹ تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر سلسلہ ختم ہو گیا۔

"دہلی میں را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں کو ہوش آ گیا ہے۔" میں نے ویرا' غزالہ اور سلطان شاہ کی مستفسرانہ نگاہوں میں چھپے ہوئے سوال کو پڑھ کر ان کے زبان کھولنے سے پہلے کلیدی نکتہ بتا دیا۔ "وہاں مظہر خان اور غزالہ کی تلاش کی مہم شروع ہو چکی ہے۔"

"یہ ہونا ہی تھا۔" غزالہ نے سنجیدگی سے کہا "بس انہوں نے ذرا سی تیزی دکھائی ہے۔"

"اول خان کو یہ اطلاع کیسے مل گئی؟ جلال نے تو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔" ویرا نے اعتراض کیا۔

"جلال مصروف آدمی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تک وہ ہمارے ساتھ تھا۔ اس وقت اسلام آباد میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا ہے۔" اول خان کہہ رہا تھا کہ جلال اس بات سے واقف ہے کہ بھارتیوں نے ہماری تلاش کی مہم شروع کر دی ہے۔"

"یہ اس کے دفتر کا کون سا وقت ہے۔" سلطان شاہ نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر حیرت سے کہا۔

”ذمے دار سرکاری ملازم کے دفتر کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ جب بھی کوئی اہم کام درپیش ہو وہ دفتر میں موجود ہوتا ہے۔“ ویرا نے طنزیہ لہجے میں کہا ”سارے سرکاری افسر تمہاری طرح گھڑی دیکھ کر کام کرنے لگیں تو اس ملک کا اللہ ہی حافظ ہوگا۔“ سلطان شاہ کو سنانے کے بعد وہ مجھ سے مخاطب ہوگئی ”تم نے یہ نہیں بتایا کہ جلال اور اول خان کو اطلاع ملنے کے کیا ذرائع ہیں۔ دہلی میں موجود آئی بی والوں کے رابطے اتنے مؤثر تو نہیں ہیں کہ وہ پل پل کی خبریں اپنے بڑوں کو پہنچاتے رہیں۔“

”اول خان ہماری فکر میں آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن سنتا اور دیکھتا رہا ہے۔“ میں نے ہنس کر جواب دیا ”آئی بی والے بھی بھارتی نشریات کو مانیٹر کرتے ہوں گے۔ ہمیں ان فضول باتوں پر سر کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنا کافی ہے کہ اب وہ ہماری راہ پر لگ گئے ہیں۔“

”تو کیا انہوں نے واقعات کی ساری کڑیاں جوڑ لی ہیں؟“ سلطان شاہ نے متجسس انداز میں پوچھا۔

”یقین سے نہیں کہا جاسکتا۔ بس ایک بات واضح ہے کہ ابھی تک وہ ڈینی اور مظہر خان کو الگ الگ شخصیات سمجھ رہے ہیں۔“ میں نے بتایا۔

”تم نے یہ کیسے فرض کرلیا؟“ ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

”انہوں نے مظہر خان اور غزالہ کے بارے میں صحیح اطلاع دینے والے کے لیے پچاس ہزار روپے کے معمولی انعام کا اعلان کیا ہے۔“

”آپ کے لیے امریکیوں نے دس لاکھ ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔“ غزالہ نے فخر سے یاددہانی کرائی۔

”آثار یہ بتاتے ہیں کہ میرے ہم وطنوں کی وہ رقم ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ عام انسانوں کی طرح ڈینی بھی لازوال نہیں ہے۔ کبھی نہ کبھی اس کا وقت پورا ہوگا مگر اس میں اس کے لہو کے پیاسوں کا کوئی ہاتھ نہیں ہوگا۔ یہ اپنے فطری انجام سے دوچار ہوگا۔“ ویرا نے رائے ظاہر کی۔

کچھ دیر تک وہ محفل غزالہ کے کمرے میں جمی رہی پھر ویرا کے ایما پر چاروں دوبارہ ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ جہاں بڑی اسکرین والا رنگین ٹیلی وژن موجود تھا۔ خبرنامے کا وقت بہت پہلے نکل چکا تھا لیکن گیارہ بجے اہم خبروں کی نشریات متوقع تھیں۔ باتوں باتوں میں وہ وقت بھی گزر گیا۔ گیارہ بجے کی مختصر اور اہم خبروں میں چند مقامی اور عالمی واقعات کا ذکر تھا۔ بھارت میں رونما ہونے والے واقعات

وغیرہ وغیرہ

آفاقی صاحب، بٹ صاحب اور خان صاحب کا ہانگ کانگ جانے کا پروگرام بنا تو آفاقی صاحب نے ایک ہوٹل کو پیشگی ٹیلی گرام دے دیا۔

”ہمارے لیے ٹاپ فلور پر ایک سوئٹ بک کردیا جائے جہاں سے نظارہ بہت خوب صورت دکھائی دیتا ہو... سوئٹ تین کمروں پر مشتمل ہو.... اس میں تمام آسائشیں موجود ہوں... فرنیچر نیا اور آرام دہ ہو... وغیرہ وغیرہ... وغیرہ۔“

جب وہ مذکورہ ہوٹل پہنچے تو انہیں ان کا سوئٹ دکھایا گیا۔ واقعی بہت عمدہ تھا لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس میں تین خوبصورت لڑکیاں بھی موجود تھیں۔

”یہ کون ہیں؟“ آفاقی صاحب نے منیجر سے پوچھا۔

”یہ وغیرہ وغیرہ وغیرہ ہیں...“ منیجر نے جواب دیا۔

اور ان کے سرکاری ردِعمل کا کوئی نشان نہیں تھا۔ پاکستانی وزارت اطلاعات اور نشریات کے ذمے داروں کو ان خفیہ سرگرمیوں کا کوئی علم نہیں تھا جو بعض افراد کے تعاون سے بھارت میں جاری تھیں۔

خبریں ختم ہوتے ہی غزالہ اٹھ گئی۔ میں نے اس کا ساتھ دیا۔ امرتسر سے لاہور تک کے سفر کا شدید ذہنی اور جسمانی دباؤ اس وقت بستر کی ضرورت کا احساس دلا رہا تھا۔ شاید ویرا اور سلطان شاہ کو بھی ہماری تھکن کا احساس تھا۔ انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور میں غزالہ کے ساتھ اسی کے کمرے میں پہنچ گیا۔ دشمن کے ملک میں بھیانک شب و روز گزارنے کے بعد ہمیں اپنے وطن کی آزاد فضاؤں میں پہلی رات یکجا ہوکر بسر کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔

”مظہر خان اور غزالہ کی تلاش پر پچاس ہزار روپے کے انعام سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ بھارتی حکام کو ہمارے اس

روپ پر شک ہو چکا ہے۔" غزالہ باتھ روم میں کچھ وقت گزار کر شب خوابی کے حریری لباس میں برآمد ہوئی تو اس کے ہونٹوں پر سحر انگیز مسکراہٹ ناچ رہی تھی اور ذہن میں ایک نیا خیال موجود تھا۔

"کسی شبہے کے بغیر تلاش شروع نہ ہوتی۔ انہیں جلد از جلد کچھ نہ کچھ کر کے دکھانا ہوگا ورنہ بھارت میں را کی ساکھ بری طرح تباہ ہو جائے گی۔" میں نے کہا "اس وقت وہ پوری مستعدی سے ہر مشتبہ نام کا پیچھا کریں گے۔"

"میں نے یہ بات بھری چوپال میں نہیں چھیڑی ورنہ وہاں ہر ایک اپنی بولی بولنا شروع کر دیتا۔ آخر انہیں مظہر خان پر کیا شبہ ہو سکتا ہے۔"

"پس پردہ واقعات کو بھول کر سوچو تب بھی تم کو ان کی تلاش کا جواز مل جائے گا۔" میں نے بستر پر اپنے پہلو میں غزالہ کے لیے جگہ بناتے ہوئے جواب دیا "مظہر خان کو را نے اپنا مخبر بنانے کے لیے منتخب کیا تھا۔ وہ نریش شرما اور رانل بسواس سے قریبی رابطے میں تھا۔ ان دونوں نے اپنی بساط کے مطابق یہ یقین کر لیا تھا کہ مظہر خان کوئی جعلی نام نہیں تھا۔ نریش نے اپنے ذہنی اور جسمانی حربے آزما کر دیکھ لیے تھے مگر مظہر خان کی زبان سے کوئی منفی بات اگلوانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ درست ہیں مگر نریش اور رانل کی موت کا راز کھلنے کے ساتھ یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ مظہر اور غزالہ نے اس واقعے سے پچھلی رات اپنے ہوٹل کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ آگرے میں ان کا سراغ نہیں ملتا۔ اٹاری پر ان کی پاکستان واپسی کا کوئی اندراج نہیں ہے۔ دہلی میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ دونوں کہاں گئے۔ ان ناموں کو مشتبہ بنانے کے لیے یہ مواد کافی ہے۔"

"ایک طرف بھارتیوں نے سارا الزام ڈینی کے سر ڈال دیا ہے۔ دوسری طرف وہ مظہر خان کو تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔ کیا یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہیں؟" غزالہ نے ایک ادا کے ساتھ مسہری پر دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"مظہر خان سے رابطہ رکھنے والے را کے دونوں افسر جہنم واصل ہو چکے ہیں۔ ان کے سفاکانہ قتل کی تحقیقات کرنے والے یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ کام ایک دو آدمیوں نے سرانجام دیا ہوگا۔ ان کے دماغوں میں ڈینی کا گروہ گھسا ہوا ہے۔ وہ ڈینی کے ساتھ اس کے گروہ کے کارندوں کی بھی تلاش میں لگے ہوئے۔ وہ ہر اس شخص پر ہاتھ ڈال دیں گے جو ان کی دانست میں دشمن سے ذرا سا بھی تعاون کر سکتا تھا۔ ان میں مظہر خان کا نام اب سرفہرست ہے۔"

"بعض اوقات آپ واقعات کا اتنا اچھا تجزیہ کرتے ہیں کہ وکیل معلوم ہونے لگتے ہیں۔" غزالہ نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں ابھی تک ان دونوں باتوں کو ملا کر سوچ رہی تھی تو خوف آ رہا تھا۔ آپ کی وضاحت کے بعد یہ خوف کم ہو چکا ہے۔"

"خوف! اب ہم پاکستان کی محفوظ سرحدوں میں ہیں۔" میں نے اس کی طرف کروٹ لے کر پوچھا "یہاں تمہیں کس بات کا خوف ہے۔"

"یہ نہ کہیں، رسل و رسائل اور مواصلات کی سہولتوں نے آج کی دنیا کو واقعی ایک بڑے عالمی گاؤں میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ کوئی بھی کہیں بھی محفوظ نہیں ہے۔ خون کے پیاسے کسی کے لہو کی بو لگ پر جائیں تو واشنگٹن کے وائٹ ہاؤس میں بھی اس تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"آج ارسطو زندہ ہوتا تو وہ بھی ایسے بے بنیاد خوف کا علاج نہیں کر سکتا تھا۔" میں نے اس کے گلابی رخسار پر ہلکی سی چپت لگا کر کہا۔

"میرا خوف بے بنیاد نہیں ہے۔ آپ کو بھی ہوشیار رہنا چاہیے۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا "جب جلال امرتسر کے بنگو کو خرید سکتا ہے تو را والے بھی آپ کے خلاف کسی پاکستانی کو خرید سکتے ہیں۔ معاشروں کے لحاظ سے غداروں کی تعداد کم و بیش ہو سکتی ہے مگر یہ دنیا کے ہر خطے میں پائے جاتے ہیں۔"

غزالہ کا وہ اندیشہ بلاجواز نہیں تھا۔ وہ کم بولتی تھی لیکن جب بھی زبان کھولتی تھی، اس کی ہر بات کی پشت پر تجربہ کارفرما ہوتا تھا۔

"اور مجھے دہلی میں رہنے والے مظلوم مسلمانوں کی بھی فکر ہے۔" چند ثانیوں تک میرے سینے کے بالوں سے کھیلتے رہنے کے بعد غزالہ منمنائی "مشتبہ آدمیوں کی تلاش میں ان غریبوں کی شامت آ جائے گی جن کا کوئی والی وارث نہ ہو، لمبی مدت کے لیے بھارتی جیلوں میں سڑا دیے جائیں گے۔"

"بھارت میں یہ بربریت آئے دن ہوتی رہتی ہے۔ اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔ حد ہے کہ کشمیر میں ہونے والے واقعات کی سزا بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کو دی جاتی ہے۔ پاکستان میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہندوؤں پر ایک قوم اور ان کے مذہب کی بنا پر کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔ اس معاملے میں ہم سب مجبور ہیں۔ بھارت کی ان زیادتیوں کو نوشتہ دیوار سمجھ کر قبول کرنا پڑتا ہے۔ جب تک دونوں حکومتوں کے

…ان مفاہمت کی فضا پیدا نہیں ہوتی‘ ایسے واقعات ہوتے
…رہیں گے۔"

"ساری گڑبڑ مفاہمت نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔"
…نے کہا "جس دن دوستی ہو گئی‘ سب جھمیلے ختم ہو جائیں
…گے۔"

"تم نے دہلی کے مسلمانوں کا ذکر کر کے میری ذہنی رو کو
…سے اتار دیا ہے۔" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا "مظہر
…کے مشتبہ قرار پانے کے بعد سب سے زیادہ خطرہ رینا
…رائے کو ہے۔ یہ بات را کے ریکارڈ میں موجود ہو گی کہ
…کے ایما پر وہ مجھ سے کئی بار ملی تھی۔"

"پھر تو بیلا سنگھ کی باری بھی آنی چاہیے۔" غزالہ میری
…سے رینا کا ذکر سن کر خوش نہیں ہوئی۔

"بیلا سنگھ کو میں نے اپنے قریب آنے یا بے تکلف
…نے کا موقع نہیں دیا تھا۔" میں غزالہ کو کیسے بتاتا کہ ان
…سے میرے مراسم کی نوعیت مختلف تھی۔ بے خبری میں
…کے ساتھ میری ویڈیو فلم بنا لی گئی تھی جب کہ بیلا اپنی
…شوں میں بری طرح ناکام ہوئی۔

"آپ نے تو رینا کے بارے میں بھی کہا تھا کہ وہ ناکام
…تھی۔" غزالہ نے چونک کر مجھے یاد دلایا۔

میں گڑبڑا گیا۔ اپنی خانگی زندگی کے امن و سکون کو
…رار رکھنے کے لیے میں نے اپنے اور رینا کے مراسم کے
…پہلو غزالہ سے مخفی رکھے تھے۔ میں نے جلدی سے
…ب دیا "وہ دونوں میرے خلاف بلیک میلنگ کا مواد حاصل
…نے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھیں۔ بیلا کے بارے میں‘
…وشیار تھا۔ میں نے شروع سے اسے منہ نہیں لگایا تھا مگر
…جھ سے کچھ بے تکلف ہو گئی تھی۔ تمہیں معلوم ہے کہ
…نے کئی نازک مواقع پر ہماری بہت مدد کی تھی۔

غزالہ کھلکھلا کر معصومیت سے ہنس پڑی "آپ تو
…ے ذرا سے سوال پر اس طرح گھبرا گئے جیسے میں نے آپ
…کی چوری پکڑ لی ہو۔"

اس نے وہ بات مذاق میں کہی تھی مگر مجھے یوں محسوس
…یسے وہ تجاہل عارفانہ سے کام لے رہی ہو۔ بیوی ہونے
…تے سب کچھ جان گئی ہو لیکن انجان بن رہی ہو۔ میں
…س سے نظریں چرالیں اور اس نے بھی اپنے مذاق کو
…ینے کی کوشش نہیں کی۔

رینا اجیت رائے بھارت میں میرے متعلق سب سے
…حساس حیثیت کی مالک تھی۔ اس سے میرے سامنے
…ایک لغزش ہوئی تھی کہ اس نے دہلی کی کلاسیکل ڈانس

جدید لغت

ادھیڑ عمری... جب عورت کے سفید بال سیاہ ہونے لگتے ہیں۔

ماہر نفسیات ...وہ شخص جو اس وقت تک آپ کی بات نہایت توجہ سے سنتا ہے جب تک آپ احمقانہ اور بے سروپا گفتگو کرتے ہیں۔

ٹپ... وہ تنخواہ جو ہم دوسروں کے ملازموں کو دیتے ہیں۔

سڑک... وہ بے ہودہ راستہ جو اس طرف نہیں مڑتا جس طرف عورت گاڑی موڑتی ہے۔

اکیڈمی سے اپنے تعلق کا اقرار کیا تھا اور پھر میرے جال میں پھنس گئی تھی۔ آئی بی کے عابد علی نے مجھے بتا دیا تھا کہ اس اکیڈمی میں رقص کی تربیت دینے کے بہانے حسین و جوان سال بھارتی دوشیزاؤں کو داخلے دیے جاتے ہیں اور ہر کھیپ میں سے مجبور و بے سہارا آوارہ مزاج لڑکیوں کو چھانٹ کر الگ کر لیا جاتا تھا۔ انہیں مردوں کو رجھانے اور پھانسنے کے فن کی خصوصی تربیت دے کر میدان میں اتارا جاتا تھا۔ میں نے اپنی ان معلومات کی روشنی میں رینا کو دبایا اور اس نے نہ صرف سب کچھ اگل دیا بلکہ اپنی کہانی بھی سنا ڈالی۔

اپنی خفیہ معلومات کو اپنی ذات تک محدود رکھنا میری ضرورت تھی مگر بعد میں رینا کی دہشت دیکھتے ہوئے میں نے یہ ظاہر کیا کہ میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں اس کی کہی ہوئی باتیں نریش یا انل بسوا کے سامنے دہرانے کا ارادہ رکھتا ہوں تو وہ میرے قدموں میں آگری۔ اس نے مجھے میری زبان بندی کے لیے اپنی بیمار ماں کی علالت کا واسطہ دیا۔ اسے اپنی ماں کے علاج اور گھر چلانے کے لیے را کی نوکری کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے اس پر احسان جتاتے ہوئے خاموش رہنے کا وعدہ کر لیا۔

رینا میری اس خاموشی کے لیے میری ایسی احسان مند ہوئی کہ را کے مفادات کو بھول کر میری ہمدرد بن گئی۔ اس نے کئی مواقع پر مجھے یقینی خطرات سے بچایا۔ اس سے راہ و رسم برقرار رکھنا میرے لیے سودمند تھا اس لیے دہلی میں قیام کے دوران میں وہ مسلسل مجھ سے ملنے کے لیے آتی رہی۔ ہماری وہ ملاقاتیں ڈنکے کی چوٹ پر ہوتی تھیں لیکن ان

ملاقاتوں میں ہونے والی باتیں ہمارے درمیان محفوظ رہتی تھیں۔

کثرت سے ہونے والی ان ملاقاتوں کے حوالے سے رینا کی ذات را والوں کی نظروں میں آسکتی تھی۔ وہ میری احسان مند اور وفادار ضرور تھی مگر ایک کمزور لڑکی تھی۔ ذرا سے تشدد یا کسی کڑے نفسیاتی حربے کے سامنے ہتھیار ڈال سکتی تھی۔ اگر وہ زبان کھول بیٹھتی تو را کے گھاگ افسران اس کے دیے ہوئے اشاروں سے یہ نتیجہ اخذ کرسکتے تھے کہ ڈینی ہی مظہر خان کا روپ دھار کر دہلی پہنچا تھا اور سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر را کا اہم ترین ریکارڈ لے اڑا تھا۔

ڈینی اور مظہر خان کی دہری شخصیت کا راز کھلنے کے بعد جہاں نریش اور انل کے قتل کی گتھیاں سلجھ جاتیں وہیں را کے بڑوں کو یہ بھی معلوم ہوجاتا کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں رسوا کن مواد بھارتی اخبارات میں کیسے پہنچا تھا۔

میں نے اس بارے میں جتنا غور کیا' میری تشویش میں اسی قدر اضافہ ہوتا چلا گیا۔ را والے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی وہ باتیں نہیں جان سکتے تھے جو رینا ذرا سی دیر میں اگل دیتی۔ میرے رازوں کی حفاظت کے لیے اس لڑکی کا شکوک وشبہات سے بالا رہنا ضروری تھا۔

کمرے میں غزالہ نے اندھیرا کیا تو میرے اندیشے سایوں کے ڈراؤنے روپ دھار کر کمرے کے درودیوار پر ناچنے لگے۔ آخر میں نے یہ سوچ کر کہ میں را والوں کی دسترس سے بہت دور' پاکستان پہنچ چکا تھا' سب کچھ اپنے ذہن سے جھٹک دیا اور اپنی بھرپور توجہ غزالہ کے سحر انگیز سراپا پر مرکوز کردی۔

○☆○

جلال کو معلوم ہوچکا تھا کہ بھارتیوں نے مظہر خان کی تلاش شروع کردی تھی مگر وہ اسلام آباد میں نہ جانے کن چکروں میں الجھا ہوا تھا کہ اسے دوبارہ مجھ سے رابطہ کرنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ لاہور میں موجود اس کے عملے نے ہم چاروں کے لیے کراچی واپسی کی نشستوں کا بندوبست کیا اور تیسرے پہر ہم کراچی ائرپورٹ پر اتر گئے۔

کراچی کے قائداعظم ائرپورٹ پر طیارے سے کھلی فضا میں نکلے بغیر ہم گینگ وے سے ائرپورٹ کی خوب صورت اور جدید عمارت میں داخل ہوئے اور اپنا سامان لینے کے مرحلے سے گزر کر باہر آئے تو لوگوں کی بھیڑ میں اول خان کا جوش سے تمتمایا ہوا چہرہ الگ ہی نظر آرہا تھا۔

دوسروں کے عزیز اور دوست صرف لاہور سے آئے تھے لیکن اول خان کے تین شناسا جان لیوا خطرات کی دلدل عبور کرتے ہوئے دہلی سے براستہ لاہور' کراچی پہنچے تھے اس لیے اس کا جوش و جذبہ دیدنی تھا۔ میرے باہر نکلتے ہی وہ والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ اس نے گرم جوشی سے میرے رخساروں پر یوں چٹاچٹ بوسے دیے کہ قریب کھڑے ہوئے بہت سے پڑھے لکھے اور سنجیدہ لوگ چونک کر ہمیں دیکھنے لگے۔ کئی خواتین اور مردوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ عود کر آئی تھی۔ مجھے خفت کے ساتھ خود کو اول خان کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کرنا پڑی مگر وہ شیر زدنیا ومافیہا سے بے خبر' اپنے جوش وجذبے کے پُرخلوص اظہار میں مصروف رہا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت وہ اپنی غیر فوجی یونیفارم میں نہیں تھا ورنہ وہاں زیادہ بڑا تماشا بن جاتا۔

ائرپورٹ کی عمارت کے باہر انتہائی گرم جوشی سے ہمارا استقبال کرنے کے بعد اول خان واپس مڑا۔ میرا اور غزالہ کا سامان صرف دستی تھا۔ دہلی سے روانگی کے وقت دیرا بھی کم وبیش اتنے ہی اسباب کی مالک تھی لیکن اس نے لاہور میں اپنے چند روزہ قیام کے دوران میں کپڑوں اور اپنی ضروریات کی دوسری اشیا کی خریداری کرکے درمیانی سائز کا ایک سوٹ کیس تیار کرلیا تھا۔ سلطان شاہ کراچی سے ایک چھوٹا سوٹ لے کر ہم سے ملنے کے لیے لاہور پہنچا تھا۔ اس مشترکہ اسباب کی مقدار اتنی تھی کہ ایک عدد ٹرالی کا جواز پیدا ہوگیا تھا۔

قائداعظم ائرپورٹ کی نئی عمارت کے برآمدے کے آخری سرے پر وی آئی پی حضرات اور اہم سرکاری عہدے داروں کے لیے مخصوص قطار میں اول خان کا ڈرائیور اس کی بڑی جیپ لیے ہمارا منتظر تھا۔

جیپ ہمیں لے کر روانہ ہوئی تو اِدھر اُدھر کی باتیں ہورہی تھیں۔ گاڑی شارع فیصل پر آئی تو میرے ذہن میں چبھتا ہوا نکتہ سوال بن کر میری زبان پر آگیا "ہمیں لاہور کے مہمان خانے میں پہنچانے کے بعد جلال نے دوبارہ ہم سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟"

"وہ اسلام آباد میں بری طرح الجھا ہوا ہے۔ دہلی پولیس نے اس کے ایک آدمی کو سمراٹ ہوٹل کی عمارت میں مشتبہ انداز میں گھومتے ہوئے دھرلیا ہے۔ وہ اس کی طرف سے سخت فکرمند ہے۔" اول خان کے اس انکشاف نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

"کون پکڑا گیا؟ وہاں آئی بی کے صرف تین آدمی ہیں۔" میں نے اپنا سوال بھول کر پوچھا۔

"تم ان تینوں کے نام دہراؤ تو شاید مجھے یاد آجائے۔ میں نے نام پر زیادہ دھیان نہیں دیا۔ میرے لیے یہ خبر زیادہ اہم ہے کہ دہلی میں ایک پاکستانی ایجنٹ کے ستارے گردش میں آچکے ہیں۔ نام سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس وقت ساری اہمیت اس کی قومیت کی ہے۔"

"عابد علی، پرویز احمد اور عبداللہ!" میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے آئی بی کے تینوں ایجنٹوں کے نام دہرائے۔

"شاید عبداللہ ہے۔ دہلی میں وہ ولی رام کے نام سے رہ رہا تھا۔" اول خان کا جواب سن کر میرا دل بوجھل ہو گیا۔

"میں نے اس سے تمہارا نمبر لیتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ میں تمہیں فون کروں گا۔" وہ بے فکر ہو گیا ہو گا کہ میں تمہیں تازہ ترین خبروں کے بارے میں بتادوں گا۔ پاکستان لوٹ آنے کے بعد تم عبداللہ کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ جلال اپنے آدمی کی رہائی کے لیے فکر مند ہے۔"

"میں کچھ نہیں کرسکتا تو جلال یہاں بیٹھ کر اس کے لیے کیا کرے گا۔ میں نے ان تینوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ عبداللہ بھارتی پولیس کے ہاتھوں مرجانا گوارا کرلے گا مگر اپنی زبان نہیں کھولے گا نہ اپنے دونوں ساتھیوں کے بارے میں بتائے گا۔ سمراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ مارا گیا تھا۔ وہ جگہ بہت خطرناک ہوچکی تھی۔ عبداللہ کو ادھر کا رخ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وقت پورا ہوچکا تھا اور اس کی اجل اسے وہاں لے گئی ہے۔"

"ایسے بے رحمانہ کلمات اپنی زبان سے مت نکالو۔" اول خان شاہ نے میرے اندیشے پر برہم ہو کر کہا "پاکستان کو ایسے سرفروش سپوتوں کی ضرورت ہے۔"

"یہاں ان کے کئی آدمی آئی بی والوں کی نظر میں ہیں۔ جلال کی کوشش ہے کہ اسلام آباد میں سفارتی افسر کے بھیس میں کام کرنے والے را کے ایک ایجنٹ کو رنگے ہاتھوں پکڑ لے شاید اس طرح عبداللہ کی جان بچ سکے۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔" وہ مرا مایوسانہ آواز میں بولا "سفارتی افسر کی شناخت ہوجانے کے بعد اسے حراست میں نہیں رکھا جاسکتا۔ زیادہ سے زیادہ اسے ملک بدر کیا جاسکتا ہے۔ یہ بین الاقوامی سفارتی قانون ہے۔ اس کی گرفتاری سے عبداللہ کی خلاصی نہیں ہوگی۔"

"مجھے ان باریکیوں کا علم نہیں ہے۔" اول خان نے جھنجلا کر کہا "مجھے اتنا معلوم ہے کہ جلال اپنے آدمی کی رہائی کے لیے کسی جوڑ توڑ میں لگا ہوا ہے۔"

عبداللہ کی گرفتاری کی بُری خبر کی صورت میں مجھے یہ

مندرجہ ذیل الفاظ کو امریکا میں خوبصورت، حسین اور خوشگوار ترین سمجھا جاتا ہے۔

مجھے تم سے محبت ہے۔

کھانا لگ چکا ہے۔

میں نے سب کچھ معاف کردیا۔

دوپہر تک پڑے سوتے رہو۔

ریزگاری تم رکھ لو۔

مندرجہ ذیل الفاظ کو امریکا میں سب سے ناگوار، دل شکن اور اداس کردینے والے سمجھا جاتا ہے۔

مجھے یہ خرید دو۔

کار میں پیٹرول ختم ہوگیا۔

بل ادا نہیں کیے جاسکے۔

رقم ناکافی ہے۔

صرف بیرونی استعمال کے لیے۔

معلوم ہوچکا تھا کہ جلال کس الجھن میں گرفتار تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

شارع فیصل سے کارساز روڈ اور پھر نیشنل اسٹیڈیم سے ہوتے ہوئے ہم اپنے گھر پہنچ گئے۔ وہاں ایس ٹی ایف کا ایک سادہ پوش مگر مسلح سنتری پہرے پر مامور تھا جس نے اول خان کو دیکھتے ہی ہمارے لیے دروازہ کھول دیا۔

گھر کی حدود میں قدم رکھتے ہی مجھے نجات اور آزادی کا ایک عجیب سا احساس ہوا۔ یقین نہیں آرہا تھا کہ ہم دہلی میں اپنا خون آشام مشن مکمل کرکے اپنے ملک اور اپنے گھر میں واپس آچکے تھے۔ اس وقت وہ سب ایک خواب سا معلوم ہو رہا تھا۔

"عبداللہ والی خبر سننے کے بعد تم اداس اور خاموش ہوگئے ہو۔" ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد اول خان نے مجھے ٹوکا۔

"اداس ہی نہیں، میں اس جاں باز کے لیے دل گرفتہ ہوں۔" میں نے پرخیال آواز میں جواب دیا "آج کل کے دور میں اپنی جان کی پروا کیے بغیر مادر وطن کی خدمت کرنے

والوں کا کال ہے۔ اگر عبداللہ کو کچھ ہوا تو اس کا بوجھ یعنی اپنی گردن پر بھی محسوس کروں گا۔"

"تمہاری گردن اتنی مضبوط نہیں ہے کہ تم اس پر دنیا جہان کا بوجھ لادتے پھرو۔" ویرا نے قدرے ترشی سے کہا "سارا قصور اس کا ہے۔ جان اسمتھ جہنم واصل ہو چکا تھا تو عبداللہ وہاں کیا کرنے گیا تھا۔ اب جلال کو اپنے آدمیوں سے کہہ دینا چاہیے کہ وہ نرلیش اور رانل کے گھروں کے چکر لگانا شروع نہ کردیں۔ ان دونوں کی کلبلاتی ہوئی بد روحیں ایک عذاب بن کر آئی بی کے رہے سہے دونوں آدمیوں کو بھی نگل سکتی ہیں۔"

"وہ تفریح یا خودکشی کے ارادے سے وہاں نہیں گیا ہوگا۔" میں نے ویرا کو سرد نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا "میں ان تینوں کے بارے میں ایسی تلخ اور ناروا زبان برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ تینوں اپنے کاز کے لیے مرمٹنے کے جذبے سے دہلی میں رہ رہے ہیں۔ عبداللہ کسی کام سے ہی وہاں گیا ہوگا۔"

"تم دونوں عورتوں کے لوٹ آنے سے یہ گھر دوبارہ آباد ہوگیا ہے۔ کچن میں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ جلدی سے چائے لے آؤ۔" اول خان نے دخل اندازی کی۔

اس کی فرمائش پر ویرا نے ملتجی نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا اور غزالہ نے جھٹ اپنی نظریں ایک تصویر پر مرکوز کردیں۔

ناچار ویرا کو ہی باورچی خانے کا رخ کرنا پڑا۔ وہ برا سا منہ بنا کر زیر لب کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

دہلی میں پچھلے چند دنوں میں جو کچھ ہوا، اس کا نچوڑ اول خان کے علم میں تھا مگر وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ ہم نے وہاں کے بدترین مخاصمانہ ماحول میں وہ بڑی بڑی کامیابیاں کیسے حاصل کرلیں۔ واقعات کے دھارے سے الگ ہو کر وہ نتائج حیران کن ہی نہیں، محیرالعقول نظر آتے تھے۔ ہماری کامیابیوں میں بعض چھوٹی چھوٹی جزئیات نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا جنہیں الگ سے یاد کرکے بیان کرنا ممکن نہیں تھا۔

میں نے اول خان کی تسلی کے لیے جستہ جستہ نکات پر اس کے لیے سوالوں کے جوابات دینے شروع کردیے۔

ویرا بھارت میں ہماری ہم سفر ضرور رہی تھی لیکن دہلی میں حفاظتی نکتہ نظر سے اسے ہم دونوں سے بالکل الگ تھلگ رہنا پڑا تھا۔ وہاں اس سے ہمارا گہرا رابطہ بھی نہیں رہا تھا اس لیے اس کی ذہنی کیفیت اول خان سے بہت زیادہ مختلف نہیں تھی۔ اس نے لاہور میں ایک رات کے قیام کے دوران میں بہت کچھ جان لیا تھا مگر پھر بھی اس کی تشنگی دور نہیں ہوئی تھی۔ وہ چائے کی ٹرے لاکر جلد ہی ہماری گفتگو میں شامل ہوگئی۔

"را والے مٹی کے مادھو نہیں ہیں۔" چائے نوشی کے دوران میں دہلی کے واقعات کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے مظہر خان کا ذکر نکلا تو ویرا نے کہا "تمہارے ستارے یاوری کررہے تھے۔ آئی بی والے پس پردہ رہ کر تمہاری بھرپور مدد کررہے تھے۔ تمہاری مکاری کی وجہ سے رینا بلاوجہ تمہارے احسان کے بوجھ سے جھکی ہوئی تھی۔ تم ایک کے بعد دوسری کامیابی حاصل کرتے چلے گئے۔ حد یہ ہے کہ را کے رسوائے زمانہ اور خطرناک ترین ایجنٹ، ناگر کی عقل پر پردہ پڑ گیا اور وہ اپنے کسی چھوٹے بڑے کو اعتماد میں لیے بغیر آگ میں کود پڑا اور تمہارے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کی جلی ہوئی لاش نے معاملہ بہت الجھا دیا ورنہ تمہارا کھیل وہیں ختم ہوجاتا...."

"اس تقریر سے تم کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر بیزاری سے پوچھا۔

"را والوں کا دماغ چل پڑا ہے۔" ویرا نے چند ثانیوں تک اسے گھورنے کے بعد اپنی بات جاری رکھی "اب وہ تمہاری کارروائی کے بخیے ادھیڑ ڈالیں گے۔ اس کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے مظہر خان اور غزالہ کے جوڑے کی تلاش شروع کردی ہے۔"

"اگر تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ ڈینی کے ستارے گردش میں آگئے ہیں تو آنے دو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جب تک یہ لوگ بھارت میں تھے، انہیں ہر بات کی فکر تھی۔ پاکستان آنے کے بعد یہ ہر فکر سے بے نیاز ہوچکے ہیں۔"

"یہاں را والوں کے اپنے آدمی ہیں۔ ان کے زرخرید مخبر بھی ہوسکتے ہیں۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر گہرا کش لینے کے بعد جواب دیا "وہ ذرا سی محنت کرکے یہ کھوج نکال لیں گے کہ مظہر خان نے کبھی پاکستان سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ اس کے نام اور جعلی پاسپورٹ پر کسی اور نے بھارت کا سفر کیا تھا۔"

"سفر اور اس کے مقاصد پورے ہوگئے۔ اب یہ ساری تگ ودو سانپ گزرنے کے بعد لکیر پیٹنے کے مترادف ہوگی۔" میں نے ہنس کر ویرا کو جواب دیا اور پھر ایک فوری خیال کے تحت چونک کر اول خان کی طرف متوجہ ہوگیا "میری اس مہم کی کامیابی کا سنگِ بنیاد تم نے جانے سے پہلے کراچی میں رکھ

دیا تھا۔"

"تم کہہ رہے ہو تو درست ہی کہہ رہے ہو گے۔" اول خان نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

"جانے سے پہلے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرا پاسپورٹ اس قدر اہمیت اختیار کر جائے گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "را والوں نے مجھے ایک دل پھینک پاکستانی سمجھ کر میرے اوپر ہاتھ ڈالا تھا۔ اگر پاکستان سے میرے سفری کوائف کی تصدیق نہ ہوتی تو وہ میری طرف سے اچٹ جاتے اور مجھ پر اعتبار کرنے کے بجائے مشتبہ سمجھ کر پکڑ لیتے۔ کیا اس وقت تمہارے ذہن میں یہ بات تھی کہ میرے پاسپورٹ کے اندراجات حقیقت سے قریب ہوں۔"

"پاکستان اور بھارت کی روایتی دشمنی ہر وقت میرے پیش نظر رہتی ہے۔" اول خان نے پہلو بدل کر جواب دیا "تم ایک خاص مشن پر بھارت جا رہے تھے۔ میرے ذہن میں یہ خوف سوار تھا کہ اپنا کام کرنے کے دوران میں بھارتی پولیس یا کسی اور خفیہ ایجنسی کے ہاتھ لگ گئے تو کیا ہو گا۔ اس اندیشے کی وجہ سے میں نے مظہر خان کو تلاش کر لیا تھا۔"

"وہ کون ہے اور کہاں ہے؟" میں نے متجسس ہو کر سوال کیا۔

"یہ مجھ سے پوچھو۔ وہ حقیقی وجود رکھتا ہے اور اس وقت گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہے۔" سلطان شاہ نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر جواب دیا۔

"یہ کیا حماقت تھی کہ اس کے کوائف کی انکوائری کرنے والے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔

"بس، معاملہ تازہ تھا۔ تمہاری مخدوش پوزیشن کا علم ہوتے ہی میری کھوپڑی سنک گئی۔" اس نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ کہا۔

"تمہاری اس کوشش کا کیا نتیجہ نکلا؟" میرے تیور مزید سخت ہو گئے۔

"اتنا پتا چلا کہ مظہر خان اپنا گھر مقفل کر کے کہیں چلا گیا ہے۔ اس کی چھان بین کرنے والے کا سراغ نہیں ملا۔"

"کراچی انسانوں کا ایک سمندر ہے۔ یہاں کسی بے نام نشان شخص کو تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسے سمندر میں گری ہوئی پانی کی ایک بوند کی تلاش میں جھک مارنا۔" ویرا نے سخت اور ناصحانہ انداز میں اس سے کہا "شاید تمہیں اس حقیقت کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔"

"کوئی مظہر خان کا دوست بن کر اس کے گھر پہنچا تھا اور

ارادہ

ایک صاحب غصے کے عالم میں گھر سے نکلے۔ ہاتھ دے کر ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ گئے۔

"کہاں چلنا ہے جناب؟" ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔

"کسی اونچی پہاڑی پر لے چلو اور وہاں سے ٹیکسی سمندر میں گرا دو .... میں خودکشی کرنا چاہتا ہوں" جواب ملا۔

پڑوسیوں سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کر کے چلا گیا۔" سلطان شاہ نے بتایا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" میں نے اول خان سے مخاطب ہو کر دونوں کی بات کاٹ دی۔

"وہ مظہر خان ہے۔ اکیلا رہتا ہے اور پرانی گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے۔ میں نے تمہیں کوئی غلط بات نہیں بتائی تھی۔"

"میری روانگی کے بعد وہ کہاں غائب ہو گیا اور اب وہ کہاں ہے؟"

"وہ اپنے اصلی پاسپورٹ کے ذریعے دبئی چلا گیا اور اب وہیں ہے۔ سال چھ مہینے سے پہلے اس کی واپسی کی امید نہیں ہے۔"

"میری وجہ سے تم نے اس بے چارے کو بلاوجہ دبئی کے تپتے ہوئے ریگ زار میں بھیج دیا!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"دبئی اب ریگستان نہیں، گل و گلزار بن چکا ہے۔ وہاں کی آسائشوں اور تفریح گاہوں کی کشش ہر سال یورپ سے لاکھوں سیاحوں کو وہاں کھینچ لاتی ہے۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے میری معلومات میں اضافہ کیا "اسے میں نے کہیں نہیں بھیجا۔ وہ میرے گاؤں کا آدمی ہے۔ اس کا ایک رشتے دار دبئی میں پرانی گاڑیوں اور انجن والی کشتیوں کا

کاروبار کرتا ہے۔ اس نے اپنی مدد کے لیے مظہر خان کو وہاں بلایا ہے۔ وہ وہاں سیٹ ہوگیا تو کراچی کا مکان بیچ دے گا اور وہیں رہ جائے گا۔ اس کی کہانی میرے ذہن میں تھی۔ تمہارے بھارت کا پروگرام بنا تو میں نے اسی کا نام استعمال کر ڈالا۔ غزالہ کو تمہاری بیوی بن کر سفر نہیں کرنا تھا۔ اس لیے میرا کام اور آسان ہوگیا۔ کسی اکیلے آدمی کے پاس پیسے کی فراوانی ہو تو وہ اپنا دل بہلانے کے لیے کسی کو بھی اپنا ہم سفر بنا سکتا ہے۔"

"ویری گڈ!" میں اول خان کی دور اندیشی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ اندیشہ نہیں تھا کہ بھارت سے میری واپسی کے بعد را کا کوئی مقامی ایجنٹ میرے دھوکے میں اصلی مظہر خان کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔ وہ دبئی میں ہر خطرے سے محفوظ تھا۔

"بعض اوقات ذرا ذرا سی باتیں اچانک اہمیت اختیار کرلیتی ہیں۔" وہ بولا "میری کوشش ہوتی ہے کہ ہر وقت حقیقت سے قریب رہ کر چلوں۔"

"تم بھارت میں را والوں کی ایسی کی تیسی کر آئے۔ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی پر کیچڑ اچھال کر انہیں ان کے ملک میں رسوا کردیا۔ اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"بس، تمہارے اور ویرا کے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر ہے پھر حج کرکے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرلوں گا۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

میری بات پر ویرا اچانک بدک گئی۔ "میری نہیں، اپنے آوارہ سانڈ کی فکر کرو۔ اس کے ہاتھ پیلے بلکہ نیلے اودے کردو۔ میں شادی وادی کے جھنجٹ میں نہیں پڑوں گی۔"

"یہ مذاق کر رہے ہیں۔ تم بلاوجہ سنجیدہ ہو رہی ہو۔" غزالہ نے معصومانہ سنجیدگی سے چٹکی لی۔

"میں ایک مدت سے تم سب لوگوں کے تیور دیکھ رہی ہوں۔ تم لوگ مجھے بھی سلطان شاہ کی طرح اکیلا اور بے سہارا سمجھ کر مجھ پر ترس کھانے کی کوشش کرتے رہتے ہو۔ کان کھول کر سن لو کہ مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں رہی۔ میں اپنی ذات میں انجمن ہوں....."

سلطان شاہ زور سے ہنس پڑا "بے بنیاد دعوے مت کرو۔ تم کو تین دفعہ تولا جائے تو مشکل سے ایک انجمن بنے گی۔ انجمن اپنی ذات میں ویرا ہو سکتی ہے۔ دوسری صورت ممکن نہیں ہے۔"

"تم نے پھر میرے منہ لگنے کی کوشش کی۔" ویرا اس پر غرائی۔

"ابھی تم مجھے کیا کہہ رہی تھیں؟ میں نے تمہیں کون سے سینگ مارے ہیں جو تم مجھے سانڈ بنا رہی تھیں۔"

"جس دن مجھے سینگ مارنے کی کوشش کی، سینگ توڑ دوں گی۔"

"اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر ان دونوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ریسیور اٹھالیا۔

"کیا حال چال ہیں؟" ریسیور پر جلال کی تھکی تھکی آواز سن کر میں حیران رہ گیا۔

"تم اس وقت تھکے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔ سنا ہے کہ اسلام آباد میں کسی مصروفیت نے تمہیں گھیر لیا ہے۔" میں نے کہا۔

نہیں، اب میں کراچی میں ہوں۔" جلال کی مضمحل آواز آئی۔

"اوہ! تم کب آئے۔ اس وقت کہاں ہو۔ میں تم سے ملنے کے لیے بے چین ہوں؟" میں نے اضطراری انداز میں کہا۔

" بنگلو کا خون شاید رنگ لا رہا ہے۔ کل رات تمہارا استقبال کرتے ہوئے میں خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا کہ اب سکون کا سانس لینے کا موقع ملے گا لیکن پچھلی رات ہی دہلی سے پریشان کن خبریں آنا شروع ہوگئیں۔ میں عبداللہ کے لیے بہت پریشان ہوں۔"

"مقدر کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔" میں نے ہمدردی کا اظہار کیا "وہ بہت پرعزم اور جی دار لڑکا ہے۔ ساری صعوبتوں کو سہہ کر آخر کار سرخ رو رہے گا۔ اس کا معاملہ اب اللہ پر چھوڑ دو۔ اس کے بارے میں زیادہ فکر مند ہو کر ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ اسے کس الزام میں پکڑا گیا ہے۔"

"ابتدا میں کوئی الزام نہیں تھا۔ وہ محض شبہے میں پکڑا گیا تھا۔ تازہ ترین پوزیشن کے بارے میں، میں اندھیرے میں ہوں۔"

"وہ سمراٹ ہوٹل کی طرف گیا ہی کیوں تھا۔ وہ اس وقت تفتیشی ایجنسیوں کا گڑھ بنا ہوا ہوگا۔"

"کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ بات وہ بھی جانتا ہوگا۔ کوئی مجبوری اسے وہاں لے گئی ہوگی۔ تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کراچی کیوں آیا ہوں۔"

"کسی نہ کسی کام سے یا پھر ہم سے ملنے کے لیے آئے ہو گے۔" میں نے روا روی میں کہہ دیا۔

"را والوں کے ساتھ امریکی سی آئی اے بھی کھل کر

میدان میں آگئی ہے، انہیں ڈینی اور مظہر خان کی تلاش ہے۔"

جلال کا وہ انکشاف خطرناک تھا "را اور سی آئی اے کا اشتراک پرانی بات ہے مگر اس وقت ان کا یک جا ہونا ہمارے لیے سخت خطرناک ہے۔" میں نے اپنے دل کی گہرائیوں میں جنم لینے والے اندیشے کو بلا کم و کاست الفاظ کے روپ میں ڈھال دیا۔

"آج شام چار بجے مجھے ایک اہم اجلاس میں شرکت کرنی ہے۔" جلال نے اطلاع دی "سی آئی اے کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر اس اجلاس میں شرکت کے لیے استنبول سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ اس بار ان کے تیور جارحانہ نظر آرہے ہیں۔"

"تم پہلے ہی محتاط تھے۔" میں نے بے ساختہ کہا "تم نے کل رات کہہ دیا تھا کہ ذاتی طور پر پاکستان کا ہر انتظامی افسر ہمارا خیر خواہ اور دعاگو ہے لیکن سرکاری سطح پر ہمیں کہیں کوئی سرپرستی نہیں مل سکے گی۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس اجلاس میں تم کھل کر میرا دفاع نہیں کرسکو گے۔"

"میں مخمصے میں پڑگیا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ شام کو کیا ہوگا۔"

"اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ دو۔ اپنی پوزیشن کا دفاع کرتے ہوئے تم جہاں تک انہیں چکر دے سکتے ہو، دیتے رہو۔ تمہارے سر پر کوئی عذاب آنے لگے تو جو چاہو کر گزرنا۔ مجھے تم سے کوئی شکوا نہیں ہوگا۔ بس اتنی گزارش ضرور ہے کہ مجھے اجلاس کے نتیجے سے آگاہ کردینا تاکہ میں اپنے بچاؤ کا بندوبست کرسکوں۔"

"میری اس کال کا مقصد بھی یہی ہے کہ تم فوری طور پر زیر زمین چلے جاؤ۔ کسی کو یہ بھنک نہیں ملنی چاہیے کہ تم بھارت سے لوٹ آئے ہو۔"

"فکر نہ کرو۔ یہ بات میں سمجھ چکا ہوں۔" میں نے اسے اطمینان دلایا اور پھر چونک کر کہا "رات تم نے جو چیک دیا تھا، وہ ہم نے شکریے کے ساتھ قبول کرلیا ہے۔"

"اس کے لیے تمہیں کسی کا شکر گزار ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ تمہارا واجب الادا قرض تھا جو سیکرٹ فنڈ سے خاموشی سے لوٹا دیا گیا۔ اس سرکاری فنڈ کا کوئی باضابطہ حساب رکھا جاتا ہے نہ اس کا آڈٹ ہوتا ہے۔ مجاز اتھارٹی اپنی صوابدید کے مطابق ہر حق دار کو ادائیگی کرتی ہے اور بس!"

"مجاز اتھارٹی کو الہام نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی اس کی مدد کرتا ہوگا۔ تم نے ہماری نشان دہی کی۔ اس کے لیے میں تمہارا شکر گزار رہوں۔"

غلط فہمی

ہالی ووڈ میں ایک چھوٹی اداکارہ کو ایک فلم میں اہم رول مل گیا۔ فلم میں اس کی "کامن لا میرج" ہوچکی تھی۔ اداکارہ اپنے رول کو صحیح طور پر سمجھ نہیں پارہی تھی۔ آخر ڈائریکٹر اسے ایک طرف لے گیا اور بولا "تمہیں معلوم ہے کامن لا میرج کسے کہتے ہیں؟"

اداکارہ نے نفی میں سرہلایا تو ڈائریکٹر بولا "اس میں مرد اور عورت بالکل میاں بیوی کی طرح رہتے ہیں لیکن کاغذات میں اس شادی کا اندراج نہیں ہوتا اور قانونی طور پر دونوں کسی قسم کے حقوق کے پابند نہیں ہوتے۔"

"اوہ... اچھا..." اداکارہ کھل اٹھی "میں سمجھتی تھی اسے منگنی کہتے ہیں۔"

"یہ سب لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ یہ صرف تمہارا حق یا انعام ہے۔" جلال نے زور دے کر کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔" میں نے وہ تذکرہ وہیں گول کردیا۔ میں نے کن انکھیوں سے ان چاروں کی طرف دیکھا تو ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ ویرا سب سے زیادہ خوش تھی کہ میں نے اس کا مشورہ مان کر جلال کا دیا ہوا وہ چیک قبول کرلیا تھا جو اس وقت تک کیش نہیں کرایا گیا تھا۔

"آج لاہور چھوڑنے سے پہلے تم میں سے کوئی نیشنل بینک گیا نہ تم نے وہ چیک میرے کسی آدمی کو دیا۔" جلال فون پر کہہ رہا تھا "اسے پہلی فرصت میں کیش کرالینا کیونکہ فنڈ کا سارا انحصار بینک اسٹیٹ منٹ پر ہوتا ہے۔ چیک تمہاری جیب میں پڑا رہا تو بیلنس کی رقم کہیں اور کام آجائے گی۔"

"اس سنہرے مشورے کے لیے تمہارا مزید شکریہ!" میں نے ہنس کر کہا۔

اس وقت جلال اپنی الجھنوں میں گرفتار تھا جن کا تعلق ہم لوگوں کی سلامتی سے بھی تھا۔ وہ گفتگو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی اور فون کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

فون پر میری یک طرفہ گفتگو سن کر ان چاروں نے اندازہ لگالیا تھا کہ جلال سے میری بات چیت کا موضوع

خوشگوار نہیں تھا۔
"کیا کوئی نیا مسئلہ کھڑا ہوگیا؟" سوال کرنے میں ویرا نے پہل کی تھی۔
"وہی پرانا مسئلہ ہے۔ میرے خلاف امریکی ایک بار پھر سرگرم ہورہے ہیں۔ آج شام سی آئی اے کا کوئی ڈپٹی ڈائریکٹر کراچی پہنچنے والا ہے۔ دیکھنا ہے کہ وہ کیا شگوفے کھلاتا ہے۔ ہم لوگ بے فکری سے کبھی بھی وقت نہیں گزار سکتے۔"
"امریکی بدمعاش ہیں۔" ویرا برہم ہو کر بولی "پاکستانی افسروں کو انہیں کورا جواب دے دینا چاہیے۔ ان میں ہمت ہے تو وہ خود ڈینی کو تلاش کرکے پکڑلیں۔ اس معاملے میں پاکستان ان کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔"
"ملزموں کے بارے میں رائے عامہ کتنی ہی ہمدردانہ کیوں نہ ہو، سرکاری سطح پر ایسا رویّہ اختیار کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایک ملک کے ملزموں کو دوسرے ملکوں میں پناہ ملنے لگے تو یہ دنیا جرائم سے بھرے ہوئے ایک خوفناک جنگل میں تبدیل ہوجائے۔"
"لیکن ڈینی پر کیا الزام ہے؟" ویرا جوش میں آگئی "اپنے ملک اور معاشرے کے دشمنوں کو چن چن کر مارنا اگر جرم ہے تو یہ جرم ہر محب وطن شہری کرسکتا ہے۔"
"مجھ سے بحث نہ کرو۔ میں خود نئی اطلاع سے پریشان ہوں۔ امریکیوں کو سمجھانا اتنا آسان نہیں ہوگا۔"
اول خان یا اس کی اسپیشل ٹاسک فورس کے پاس بھی اس مسئلے کا کوئی حل نہیں تھا۔ خاصی دیر تک اس مایوس کن صورتِ حال پر تھکے تھکے انداز میں بات ہوتی رہی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکا۔ مجھے یقین تھا کہ سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر کراچی میں ہونے والے اجلاس میں اس خواہش کا اظہار کرے گا کہ پاکستانی حکام ڈینی کو تلاش کرکے امریکیوں کے حوالے کردیں تاکہ وہ گن گن کر مجھ سے اپنے بدلے چکا سکیں۔
چلتے وقت میں نے دس لاکھ روپے کا چیک اول خان کو دے دیا۔ وہ ایسے وسائل رکھتا تھا کہ کراچی میں بیٹھے بیٹھے لاہور کے بینک سے وہ رقم حاصل کرسکے۔
اول خان کو رخصت کرکے ہم چاروں ایک مرتبہ پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

○☆○

کراچی کے کمشنر ہاؤس کے ایک سجے سجائے اور آراستہ کمرے میں بڑی سی میز کے پیچھے پانچ ادھیڑ عمر اور سنجیدہ افراد گمبھیر چہروں کے ساتھ خاموش بیٹھے سگریٹ نوشی میں مصروف تھے یا پھر اپنے سامنے کھلے ہوئے کاغذوں میں سر کھپا رہے تھے۔ ان ہی میں جلال بھی تھا جو شاید عمر میں سب سے چھوٹا تھا۔ ان سب کے سامنے چائے یا کافی کی پیالیاں رکھی ہوئی تھیں۔
وہ بظاہر کھانے کی میز نظر آرہی تھی۔ جس کے گرد بارہ نفوس کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ سات کرسیاں اس وقت خالی پڑی ہوئی تھیں۔
کمشنر ہاؤس کی عمارت کے گرد اس شام غیر معمولی حفاظتی بندوبست کیا گیا تھا۔ معمول کے مطابق ڈیوٹی انجام دینے والے مسلح پولیس گارڈز کے علاوہ رینجرز کا ایک دستہ بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے سے عمارت کے گرد پہرے پر مامور تھا۔ وہ اہتمام دیکھ کر دور ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ عمارت میں کوئی خاص کام سرانجام دیا جارہا تھا۔
"اس سے پہلے بھی امریکی آتے جاتے رہے ہیں۔ وہ اپنے پورے وسائل کے ساتھ ڈینی کی تلاش میں مصروف ہیں مگر انہیں اپنی کوششوں میں ذرا بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔" ملٹری انٹیلی جنس کے کرنل شعبان نے سگار کا دھواں اڑاتے ہوئے نرم اور متحمل لہجے میں کہا "اب وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔"
"ایم آئی اس بارے میں کچھ نہیں کرسکتی۔" فیڈرل انوسٹی گیشن ایجنسی کے شاہد رانا نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا "اس معاملے میں صرف سویلین ادارے ہی کچھ کرسکتے ہیں لیکن پھر بھی یہاں پانچ اداروں کے سینیئر نمائندوں کی موجودگی ضروری سمجھی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ امریکی اب بڑے پیمانے پر کام کا آغاز کرنا چاہتے ہوں۔"
"امریکی اپنی دانست میں ہر کام کا آغاز بڑے پیمانے پر کرتے ہیں۔" انٹر سروسز انٹیلی جنس کے کرنل غفور نے قدرے بیزاری سے کہا "یہ اور بات ہے کہ ان کے شروع کیے ہوئے بیشتر کاموں کا انجام پھس پھسا اور بے معنی ہوتا ہے۔"
تقریباً سب کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ پھیل گئی۔
کراچی کے آئی جی نے بات آگے بڑھائی "شاید دہلی کے واقعات نے انہیں پریشان کردیا ہے۔ وہاں کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں جان اسمتھ کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔"
"جان اسمتھ یہاں نہیں مرا۔" کرنل شعبان نے تیکھے لہجے میں کہا "یہاں سے وہ اپنے پیروں سے چل کر دہلی گیا تھا۔

وہاں مارا گیا ہے۔ امریکیوں کو اگر کچھ کرنا ہے تو انہیں دہلی جانا چاہیے۔ یہاں آکر وہ اپنا اور ہمارا وقت برباد کریں گے۔ انہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میری ایجنسی ڈینی کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"اس کے بارے میں ہمارا ریکارڈ بھی بے داغ ہے۔" شاہد نے مسکراتے ہوئے کہا "جلال کی خاموشی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آئی بی والوں کو اس کی کچھ خیر خبر ہے۔"

"کیوں جلال! تم کیوں خاموش ہو؟" کرنل غفور نے جلال کو ٹوکا۔ وہ پانچوں ایک دوسرے کے پرانے شناسا اور آپس میں کسی حد تک بے تکلف نظر آرہے تھے۔

"میں خاموش نہیں ہوں۔ کچھ سوچ رہا ہوں۔" جلال نے مسکراتے ہوئے اپنا دفاع کیا۔

"ذرا بلند آواز میں سوچو تاکہ ہمیں بھی کچھ معلوم ہو سکے۔" آئی جی نے لقمہ دیا اور سب ہنس پڑے۔

"حیرت ہے!" کرنل غفور نے چونک کر کہا "آج یہاں اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی نمائندہ نظر نہیں آرہا۔"

"یہ کون سی فورس ہے؟" کرنل شعبان نے معصومانہ سادگی سے پوچھا۔

"اوہ.... کم آن یار کرنل!" آئی جی نے میز پر ہاتھ مار کر کہا "اب اتنے بھولے نہ بنو...."

کرنل شعبان نے اس کی بات کاٹ دی "جس چیز کا ہمارے ریکارڈ پر کوئی وجود نہ ہو۔ اس کے بارے میں انجان ہی رہنا ہی سود مند ثابت ہوتا ہے۔ جس طرح ہم ڈینی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اسی طرح ایس ٹی ایف کے وجود سے بھی بے خبر ہیں۔"

"میں اس میٹنگ میں نہیں تھا مگر میں نے سنا ہے کہ کافی عرصہ پہلے امریکیوں سے ہونے والی ایک میٹنگ میں ایس ٹی ایف کا اول خان اپنے ایک مشتبہ ماتحت کے ساتھ شریک ہوا تھا۔" کرنل شعبان نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" جلال نے اس کی تائید کی "امریکی ان دنوں ایس ٹی ایف کے بارے میں بہت زیادہ حساس ہو رہے تھے۔ ان کی فرمائش پر مجبور ہو کر ایس ٹی ایف کے نمائندوں کو بلایا گیا تھا۔ وہ میٹنگ قطعی آف دی ریکارڈ تھی۔"

"وہ میٹنگ آف دی ریکارڈ تھی تو تمہیں اس کا حوالہ نہیں دینا چاہیے۔" کرنل غفور نے جلال کو یاد دلایا۔

جلال کھسیائے ہوئے انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔ اسے علم تھا کہ اس وقت وہ اپنے اپنے شعبوں کے تجربے کار

سچائی

کچھ لوگوں کا خیال ہے اچھی عائلی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو اپنا ماضی بتادیں۔ ایک میاں نے سچ بولتے ہوئے بیوی کو بتادیا کہ میں ایک سائیکاٹرسٹ کے پاس جاتا رہا ہوں تو اس کی بیوی نے بھی بتادیا کہ وہ بھی ایک سائیکاٹرسٹ، ایک جرنلسٹ، دو انجینئروں اور ایک بزنس مین کے پاس جاتی رہی ہے۔

(خوشاب سے شان وشوکت کا تحفہ)

ماہرین کے درمیان موجود تھا۔ اگر وہ کوئی دلیل دینے کی کوشش کرتا تو اس کے ساتھ عذر گناہ بدتر از گناہ والا معاملہ پیش آسکتا تھا۔ وہ چاروں مل کر اس کی ٹانگ کھینچنا شروع کردیتے۔

"جان الیش کوف یہاں کتنے دن قیام کرے گا۔" شاہد رانا نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ ہمیں صرف آج کی میٹنگ میں اس سے ملنا ہے۔ اس کے بعد وہ یہاں رہے یا چلا جائے۔ یہ ہمارا دردِ سر نہیں ہوگا۔" کرنل شعبان نے بتایا۔

گھڑی کی سوئیاں چار بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔ وہ پانچوں اپنے مہمان کا استقبال کرنے کے لیے مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے وہاں پہنچ گئے تھے۔ چند منٹ بعد کمشنر ہاؤس کے دراز قامت اور باوردی دربان کے ساتھ دو امریکی اس کمرے میں داخل ہوئے۔ دربان انہیں پہنچا کر دروازے سے ہی لوٹ گیا۔

امریکیوں نے دور ہی سے ہیلو ہائے کے گرم جوش نعرے بلند کیے۔ وہ دونوں اس اجلاس کے بیشتر شرکا سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے۔ شاید اپنی اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے

سلسلے میں ان کی باہمی ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔
امریکیوں کی طرف سے گرم جوشی کے اظہار کے نتیجے میں انہیں پُرتپاک انداز میں خوش آمدید کہا گیا۔ کرنل شعبان نے جان اور لیری کا جلال سے تعارف کرایا۔ جان سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر تھا اور لیری اس کا چیف کلرک۔

وہ دونوں اپنی جگہیں سنبھال رہے تھے کہ کمشنر ہاؤس کا باوردی خانساماں چائے اور دیگر لوازم کی ٹرالی لے آیا۔ اس نے میز پر سے خالی پیالیاں اٹھائیں اور پھر ٹرالی پر سے سامان اتار کر میز پر سجانے میں مصروف ہوگیا۔ جب تک ساتوں افراد کو ان کی پسند کے مطابق چائے یا کافی پیش کی گئی، ذاتی مزاج پرسیوں اور خوش گپیوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ملازم کے واپس جانے کے بعد اس کمرے کی فضا یکایک تبدیل ہوگئی۔

"دہلی میں جان اسمتھ کے روح فرسا قتل کی خبر تم لوگوں نے سن لی ہوگی۔" جان الیش کوف نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بات شروع کی "میں اس کے قاتل کی تلاش کے مشن پر نکلا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اپنے دوستوں کے تعاون سے ہم اس مہم میں کامیابی حاصل کرلیں گے۔"

"جان اسمتھ کو مرے ہوئے کئی دن گزر چکے ہیں۔" کرنل شعبان نے رسانیت سے کہا "تمہاری اب تک کی پیش رفت کیا ہے۔"

"کل تک ہم اندھیرے میں ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ کل انڈین سیکرٹ سروس نے کچھ سراغ فراہم کیے ہیں۔ بھارت میں ڈینی سرگرم عمل ہے۔ اس کی موجودگی کا سب سے بڑا ثبوت بیم گن کا استعمال ہے۔ اس نے را کے ایک ذمّے دار افسر کو بیم گن سے ہلاک کیا ہے۔"

"تو یوں کہو کہ تمہیں را کے مجرم کی تلاش ہے۔" شاہد نے وقفہ پاکر کہا۔

"نہیں۔ اس واردات سے کچھ دیر پہلے را کے ایک کلیدی عہدے دار کو زہر کی سوئی استعمال کرکے ٹھکانے لگایا گیا تھا۔" جان نے اپنی بات جاری رکھی "ان دونوں مقامات پر بقیہ افراد پر ایسی سریع الاثر سوئیاں استعمال کی گئیں جن کے ذریعے جسم میں اترنے والا مواد انسان کو کئی گھنٹوں کی طویل مدت کے لیے بے حس و حرکت کردیتا ہے۔ اس سراغ سے یہ ثبوت مل گیا ہے کہ بیم گن اور زہریلی سوئیوں سے ہونے والی اموات میں ڈینی ملوث ہے۔"

"تم نے اب تک جان اسمتھ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ ہمیں را والوں کے انجام سے زیادہ ہمدردی نہیں ہے۔" کرنل شعبان نے کہا۔

"سچ پوچھو تو را کے دو افسروں کے مختلف انداز میں مارے جانے سے مجھے خوشی ہوئی ہے۔" جان نے بے لاگ انداز میں کہا "اسی کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دہلی میں ہونے والی ساری وارداتوں میں ڈینی کا ہاتھ ہے۔ جان اسمتھ کو ڈینی اور ویرا نے ایک سازش کے ذریعے مارا تھا۔"

"تم نے اتنا بڑا نتیجہ اتنی آسانی سے کیسے اخذ کرلیا؟" کرنل غفور نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میں ابتدا سے بتاؤں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ جان اسمتھ کے فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر کو سننے کے بعد پتا چلا ہے کہ ویرا فون پر آوازیں بدل بدل کر مجنونانہ انداز میں جان کو دھمکیاں دے رہی تھی کہ وہ بہت جلد اس کا نرخرا چیر دے گی اور اسے مار دے گی۔ وہ نیم پاگل اور مہم پسند لڑکی ہے۔ قتل و غارت گری ہمیشہ اس کا شوق رہا ہے۔ جان خوف زدہ ہوکر چھٹی پر دہلی چلا گیا وہاں شاید ڈینی بھی اس کے پیچھے پیچھے پہنچ گیا۔" جان الیش کوف نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر اپنا گلا تر کیا اور پھر تفصیل بتانے لگا "ڈینی نے زہریلی سوئی استعمال کرکے جان کو اس کے ہوٹل کے کمرے میں مار ڈالا۔ وہ طریقہ نیا تھا اس لیے ہم بھٹکتے رہے لیکن کل علی الصباح انل اور نریش کی لاشیں ملنے کے بعد را والوں نے زبردست کارکردگی دکھائی اور پتا چل گیا کہ ڈینی بھارت میں اپنے عزائم پورے کرنے کے لیے بیم گن کے ساتھ زہریلی سوئیاں بھی استعمال کررہا ہے۔"

جلال کے سوا بقیہ چاروں افراد کے لیے وہ بالکل نئی کہانی تھی۔ وہ توجہ سے جان کی بات سنتے رہے۔

"یہ براہِ راست ثبوت نہیں ہے پھر بھی یہ تعین ہوجاتا ہے کہ جان کا قاتل کس فریق سے تعلق رکھتا تھا۔" کرنل شعبان نے کہا۔

"آج صبح سویرے ایک سرحدی مقام پر پاکستانی فوج نے تین بھارتیوں کی لاشیں بھارتی فوج کے حوالے کی ہیں۔" جان نے پیالی سے چائے کا دوسرا گھونٹ لینے کے بعد بات جاری رکھی "وہ تینوں بھارتی ہیں۔ ایک امرتسر کا غنڈا ہے۔ دو بھارتی فوجی ہیں۔ فوجیوں کو بیم گن سے مارا گیا ہے۔ غنڈے کو اس کی پک اپ میں مارا گیا ہے۔ وہ مشتبہ انداز میں سرحدی علاقوں کا سفر کرتا رہتا تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اپنی گاڑی میں بھارتی فوجیوں کی لاشیں لے کر پاکستان کیوں آیا تھا۔"

"یہ سب واقعات بھارت میں ہوئے۔" جلال نے قدرے مضطرب ہوکر اپنی کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا "مجھے

اطلاع ملی ہے کہ سرحد پر ایسا واقعہ ہوا ہے۔ اس کی تفتیش کے لیے تمہیں بھارت کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"یہ واشنگٹن کا فیصلہ ہے۔" جان نے اپنا رخ جلال کی طرف گھمالیا "بھارتی ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچے لیکن ہمیں ڈینی کا ٹریک مل گیا۔ جب تک وہ دہلی میں رکا رہا' زہر میں بجھی ہوئی سوئیاں یا زہرا انجیکٹ کرنے کا طریقہ استعمال کرکے اپنے حریفوں کو قتل اور بے ہوش کرتا رہا۔ شاید دہلی کے ہوٹلوں میں ٹھہرے ہوئے کسی مشتبہ فرد کی تلاش میں ڈیوڈ نامی پولیس افسر نے اس کی کسی دکھتی رگ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ وہ بھی بدن میں زہر سرایت ہونے کی وجہ سے مرگیا۔ ڈینی خاموشی سے اپنا کام کرتا رہا۔ دہلی کی انتظامیہ اس کے وجود سے بے خبر رہی۔ اپنے قیام کے آخری مرحلے پر اس نے نریش کو مارا تو فاتحانہ انداز میں اپنی موجودگی کا اعلان کرنے کے لیے بیم گن استعمال کرڈالی۔ یہ ہر بڑے مجرم کی نفسیات ہوتی ہے کہ اسے اس کے کارناموں سے پہچانا جائے۔ ڈینی اس مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ اب پورے بھارت میں اس کی تلاش جاری ہے۔"

"اور تم اسے ڈھونڈنے کے لیے کراچی آئے ہو۔" جلال نے قدرے طنزیہ انداز میں کہا۔

"لینگلے میں سی آئی اے ہیڈ کوارٹرز میں بیٹھے ہوئے ماہرین نے ان تھک عرق ریزی کے بعد مجھے یہاں بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے جس کی منظوری صدر نے دی ہے۔" جان نے فخر آمیز لہجے میں بتایا "ان کی متفقہ رائے ہے کہ بھارت میں اب ڈینی کا سایہ بھی نہیں مل سکے گا۔ اتل اور نریش کو مارنے کے بعد ڈینی امرتسر پہنچا اور مقامی غنڈے کے ذریعے سرحد پار نکل گیا۔ اس کی گاڑی کو راستے میں روکنے کی کوشش کی گئی ہوگی مگر اس نے مزاحم ہونے والے دونوں فوجیوں کو بیم گن سے اڑا دیا۔ ان کی لاشیں پک اپ میں لادیں اور اپنا سفر جاری رکھا۔"

"وہ پک اپ چلانے والا بنگو نامی بدمعاش پاکستانی فوج کی فائرنگ سے مرا ہے۔" جلال نے زور دے کر کہا "ڈینی اس پک اپ میں تھا تو وہ کہاں گیا۔"

جلال کا ذہن اس وقت پوری سرعت سے کام کررہا تھا۔ جان کی تفتیشی کہانی سن کر اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں اور گلا خشک ہونے لگا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ پاکستان اور بھارت کی سرحد سے ہزاروں میل دور' فیرفیکس کے لینگلے نامی علاقے میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے کے ماہرین اتنی آسانی سے اصل کہانی تک پہنچ جائیں گے۔"

"یہ ملین ڈالر کا سوال ہے۔ اسی کا جواب تلاش کرنے کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔" جان نے اپنی پیالی خالی کردی۔

"بنگو والا واقعہ ریکارڈ پر ہے۔" کرنل غفور نے جان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "جس وقت اسے للکارنے کے بعد گولیوں کی باڑ ماری گئی' پک اپ میں دو لاشوں کے سوا کوئی اور متنفس نہیں تھا۔ صرف بنگو تھا اور وہ مارا گیا۔"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو' ڈیئر کرنل!" جان نے بہت رسانیت سے کہا "دونوں فوجی بیم گن کی لیزر سے مرے ہیں۔ یہ اس مخدوش علاقے میں ڈینی کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ وہ دہلی سے نکلا اور امرتسر ہوتا ہوا سرحدی ویرانے میں پہنچ گیا۔ وہ پاکستانی فوج کے ہاتھ نہیں آیا پھر کہاں گیا؟"

جلال کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی پیشانی عرق آلود ہوتی جارہی ہے۔ اپنے فیصلے کرتے ہوئے اسے ایک لمحے کے لیے بھی گمان نہیں ہوا تھا کہ میرا کوئی حریف اتنی آسانی سے کڑیاں ملالے گا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں ہمارے بیان پر یقین

جڑ

ایک خاتون اپنی بیٹی کے سلسلے میں پریشان تھیں۔ بیٹی صبح اٹھتی تھی تو اس کا سر بھاری ہوتا تھا۔ کئی ڈاکٹروں سے علاج کراچکی تھیں۔ آخر ایک مشہور اسپیشلسٹ کے پاس لے گئیں۔

"کیا آپ کی بیٹی سوتے وقت دودھ پیتی ہے؟" اسپیشلسٹ نے معائنے کے بعد پوچھا۔

"جی ہاں۔" ماں نے جواب دیا۔

"بس... یہی تو بیماری کی جڑ ہے..." ڈاکٹر صاحب فوراً بولے "بچی دودھ پی کر سوتی ہے۔ کروٹیں بدلتی ہے تو دودھ سے مکھن نکل آتا ہے۔ مکھن چربی میں بدل جاتا ہے۔ چربی شوگر میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ شوگر' الکحل بن جاتی ہے۔ چنانچہ بچی صبح اٹھتی ہے تو اس کا سر بھاری ہوتا ہے۔"

نہیں ہے۔" کرنل شعبان نے قدرے برہمی سے کہا۔
"میری بات سے غلط مفہوم اخذ نہ کرو۔" جان کا لہجہ ملتجیانہ ہوگیا "ڈینی ایک ملزم بلکہ مجرم ہے۔ اس کے ہاتھ بہت سے بے گناہ امریکیوں اور دوسروں کے خون سے داغ دار ہیں۔ وہ ہمارا یا تمہارا دوست نہیں ہو سکتا۔ ہمیں سر جوڑ کر اپنے اس مشترکہ دشمن کا کھوج نکالنا ہوگا۔"
اس کا لب ولہجہ اس قدر مفاہمانہ تھا کہ کوئی اس کی رائے سے اختلاف کرنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ سب سرہلا کر رہ گئے۔
چند ثانیوں کے لیے اس کمرے میں روح کو منجمد کر دینے والا بھیانک سکوت طاری ہوگیا جسے کرنل شعبان نے غیر ارادی طور پر اونچی آواز سے توڑا "اگر تمہارے اس نظریے کو درست مان لیا جائے تو اب ڈینی کہاں ہو سکتا ہے۔"
"یہاں!" جان نے اپنے داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے میز کی چوبی سطح ٹھوکتے ہوئے کہا "وہ پاکستانی شہری ہے۔ یہ ملک اس کے لیے بہترین پناہ گاہ ہے۔ رنگ، نسل، زبان اور اپنے خدو خال کی بنا پر وہ یہاں عام لوگوں میں گھل مل کر بے فکری سے اپنی زندگی گزار سکتا ہے۔ ہمارے پاس اس کی کوئی واضح اور نئی تصویر نہیں ہے جسے ہم لوگوں کے لیے مشتہر کر کے انہیں خبردار کر سکیں۔ ہم نے اس کے بارے میں خبر دینے والے کے لیے دس لاکھ ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔ اسے اور اس کے خاندان کو امریکی شہریت اور باعزت روزگار کی ضمانت دی ہے مگر ہماری یہ ساری کوششیں ناکام رہی ہیں۔ کیونکہ ہمارے پاس اسے ٹریک ڈاؤن کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"
"تم سب کچھ کہے جا رہے ہو لیکن تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ وہ ہمارے سرحدی دستوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر پاکستان کیسے پہنچ گیا۔" شاہد رانا نے بھی نرمی سے کہا۔
"اوہ ڈیئر! میں بار بار التجا کر رہا ہوں کہ میری کسی بات سے غلط مفہوم اخذ نہ کرو۔" جان نے خوشامدانہ انداز میں کہا "میں کسی پر کوئی الزام تراشی نہیں کر رہا۔ سب کی کوششیں اپنی جگہ پر ہیں لیکن ڈینی انہیں ناکام بنا کر پاکستان لوٹنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بنگو کی پک اپ سے کچھ دور پہلے اتر چکا ہو۔ اسے پاکستانی علاقے میں اتارنے کے بعد بنگو واپس جا رہا تھا۔ رات کے اندھیرے اور ویرانے کی یکسانیت کی وجہ وہ ذرا سا بھٹکا اور تمہارے فوجیوں کی نگاہ میں آگیا۔"

"اگر بنگو اور ڈینی کا یہی پروگرام تھا تو وہ بھارتی فوجیوں کی لاشیں اپنے ساتھ کیوں لیے پھر رہے تھے؟" جلال نے پوچھا۔
"لاشیں چھوڑ دی جاتیں تو وہ بھارتی فوج کے کسی دستے کی نگاہ میں آجاتیں۔ پوری سرحد پر کھلبلی مچ جاتی اور بنگو کی واپسی کی راہ مسدود ہو جاتی۔"
"امرتسر پہنچنے کے بعد بنگو ان لاشوں کو کہاں ٹھکانے لگاتا؟" جلال نے عاجلانہ انداز میں اگلا سوال داغ دیا۔
جان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی باتیں سن کر پانچوں پاکستانی افسر مضطرب سے نظر آنے لگے تھے۔ اس نے اپنے لہجے کی نرمی برقرار رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "اسے لاشیں امرتسر لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ واپسی پر وہ انہیں کسی بھی گڑھے میں پھینک دیتا اور بھاگ نکلتا۔ ہر گزرتا ہوا لمحہ اسے لاشوں کی دریافت کے خطرے سے دور اور امرتسر کے قریب پہنچا دیتا۔ یہ ایک نظریہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ لینگلے میں بیٹھے ہوئے افسروں نے بہت عرق ریزی اور دماغ سوزی کے بعد یہ کہانی تیار کی ہے۔ اس میں ہر سوال اور ہر امکان کا تحریری تجزیہ کیا گیا ہے۔ میں تم کو اسی کے مطابق جواب دے رہا ہوں۔ سب اس فائل میں لکھا ہوا ہے، خود پڑھ لو۔"
اپنی بات مکمل کر کے اس نے بریف کیس میں سے سرخ رنگ کی ایک فائل نکال کر میز پر ڈال دی۔
جلال کا دماغ چند ثانیوں کے لیے سن ہو کر رہ گیا۔ جان حرف بہ حرف صحیح کہانی سنا رہا تھا۔ اس نے لمحوں ہی لمحوں میں خود پر قابو پایا اور بولا "تم بتا رہے ہو کہ را والوں نے کل تمہیں انل اور نریش کے قتل کے طریقوں سے آگاہ کیا اور آج تم کراچی میں اپنے بڑوں کی تیار کی ہوئی جامع رپورٹ لیے بیٹھے ہو۔ اتنی جلدی یہ سب کیسے ہو گیا؟"
جان کی موت ہم سب کے لیے بہت بڑا صدمہ تھی۔ اس بھیانک واردات پر بہت سا کام کیا جا چکا تھا۔ کچھ کڑیاں غائب تھیں۔ گم شدہ کڑیوں کا سراغ ملنے کے بعد سب کام آسان ہو گیا۔"
"اب تم کیا چاہتے ہو؟" کرنل غفور نے جان ایلش کوف سے سوال کیا۔
"ڈینی کی تلاش۔ میں دہلی کا ایک چکر لگاؤں گا پھر یہاں ڈیرا ڈال دوں گا۔ میں پاکستان سے بھرپور مدد کا خواہاں ہوں۔"
"ابھی تم اپنے بڑوں کے تیار کیے ہوئے ایک نظریے پر

بات کر رہے تھے۔ اب ہمیں زمینی حقائق پر بھی نظر ڈال لینی چاہیے" کرنل شعبان نے سگریٹ سلگا کر ایسے سرد لہجے میں کہا کہ جلال چونک پڑا۔

"کیا زمینی حقائق ان باتوں سے مختلف ہیں جو میں کرتا رہا ہوں؟" جان نے پوچھا۔

"خاصے مختلف بلکہ شاید تلخ بھی ہیں" کرنل شعبان کے لہجے کی سرد مہری برقرار رہی۔

"اس وقت میں ہر بات سننے کے موڈ میں آیا ہوں۔ ہمارے دلوں میں اگر کچھ تلخیاں ہیں تو آج انہیں دھل جانا چاہیے" جان نے کھلی رواداری کا مظاہرہ کیا۔

"آج تم بہت نرم اور دھیمے لہجے میں بات کر رہے ہو۔ آج سے پہلے امریکیوں کا لب ولہجہ تلخ ہوا کرتا تھا" کرنل شعبان نے فیصلہ کن انداز میں لب کشائی کی "ڈینی کے بارے میں مختلف امریکی حلقے شروع سے اس بات کے شاکی رہتے ہیں کہ پاکستان کی بعض ایجنسیاں درپردہ ڈینی کی پشت پناہی کرتی ہیں۔"

"ایک شخص پے در پے جرائم کرتا چلا جائے اور قانون کی گرفت سے مسلسل بچتا رہے تو ایسے شکوک و شبہات کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔"

"ایسے چالاک مجرم ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔ امریکا میں سیکڑوں افراد ایسے ہوں گے جو برسوں سے قانون کو مطلوب ہیں لیکن کبھی گرفت میں نہیں آتے۔ ان کے بارے میں کیا کہا جاتا ہے۔"

"گرفتاری ہونے تک ان کی سرگرمی سے تلاش رہتی ہے۔ ڈینی کے خلاف پاکستان میں صرف ایک بار بھرپور مہم کا آغاز ہوا تھا۔ اس کے بعد مکمل خاموشی ہے۔ یہاں اسے مفرور مجرم قرار دیا گیا ہے نہ اس کی گرفتاری میں مدد دینے والوں کو ترغیب دلانے کے لیے کوئی انعام مقرر کیا گیا ہے۔"

"بس، میں یہی کہہ رہا تھا کہ تم بھی نرم لہجے میں الزام تراشی کے ارادے سے آئے ہو۔ پاکستان کو انعام مقرر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے" کرنل شعبان نے کہا۔

"میں الزام تراشی نہیں کر رہا۔ تمہاری بات کا جواب دے رہا ہوں" جان بولا۔

"تمہارے ایک ملین ڈالر کے انعام کا کوئی جواب نہیں ملا۔ تم نے بارہا مقامی اخباروں میں ڈینی اور ویرا کے خلاف اشتہار چھپوائے ہیں۔ ان کا کیا نتیجہ نکلا؟ اتنے بڑے انعام کے اعلان بعد کسی چھوٹے انعام کا اعلان مضحکہ خیز ثابت ہوگا۔ ہمارے غریب ملک کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ کسی ایک شخص کی گرفتاری کے لیے کروڑوں روپے کا انعام مقرر کیا جا سکے۔ تمہاری یہ دلیل بالکل بودی اور بے وزن ہے۔"

"ہم ڈینی اور مظہر خان کے بارے میں پاکستان کی مدد چاہتے ہیں" جان کا لہجہ سنجیدہ اور سخت ہو گیا۔ گفتگو آگے بڑھنے کے ساتھ اس کا صبر و سکون رخصت ہوتا جا رہا تھا۔

"مظہر خان!" کرنل غفور نے چونک کر پوچھا "یہ نام میں پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"یہ مشتبہ پاکستانی ہے جو باقاعدہ ویزا پر اٹاری کے راستے بھارت میں داخل ہوا تھا۔ دہلی میں وہ را والوں کی نگرانی میں تھا۔ انل اور نریش کے قتل والی رات وہ اپنی گرل فرینڈ سمیت اچانک دہلی سے غائب ہو گیا۔ ہوٹل کے ریکارڈ سے لیے گئے کوائف میرے پاس موجود ہیں۔"

"را والے اس کی نگرانی کر رہے تھے تو وہ کیسے غائب ہو گیا" شاہد رانا نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"یہ مجھے دہلی پہنچ کر معلوم ہوگا" جان نے خفت آمیز لہجے میں کہا "وہ مشتبہ ہے۔ ابھی اس کے جرائم کا تعین ہونا باقی ہے۔"

"یہ تو جانتے ہوگے کہ وہ کس سلسلے میں مطلوب ہے!" جلال نے موقع ملتے ہی جارحانہ انداز میں سوال کیا۔

وجہ تاخیر

ایک بڑے بزنس مین کے انتقال کے کئی دن بعد جب اس کے دفتری سامان کا جائزہ لیا گیا تو اس میں ایک خط بھی تھا جو پوسٹ ہونے سے رہ گیا تھا۔ اس کی مستعد اور فرض شناس سیکریٹری نے خط پوسٹ کر دیا لیکن خط کے آخر میں تاخیر کی وجہ بیان کرنا بھی بہتر سمجھا۔ اس نے خط میں باس کے دستخط سے پہلے یہ لائن ٹائپ کی!

"یہ خط ارسال کرنے میں تاخیر اس لیے ہوئی کہ خط لکھنے کے بعد میرا انتقال ہو گیا تھا۔"

"شبہ ہے کہ اس نے را کے مفادات کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے" جان نے بتایا۔

"سوری جان!" کرنل غفور نے دوٹوک لہجے میں کہا "تم مظہر خان کے کوائف ہمیں دے دو۔ ہم اپنے طور پر اس کی چھان بین کریں گے لیکن تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ را سے ہماری دیرینہ رقابت ہے۔ ہم ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جس سے ہمارے بدترین حریف کو کوئی فائدہ پہنچ سکے۔"

"سرد جنگ کا یہی سب سے بڑا نقصان ہوتا ہے" لیری نے پہلی مرتبہ پُرتشویش انداز میں اپنی زبان کھولی ورنہ وہ خاموشی سے ساری گفتگو سنتا رہا تھا۔

"تم ڈینی کے لیے یہ عذر کیوں پیش نہیں کرتے؟ اس نے بھی را والوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔" جان نے اعتراض کیا۔

"اس پر تم نے جان اسمتھ کے قتل کا الزام لگایا ہے۔ ماضی میں بھی اس پر کئی امریکیوں کے قتل کے الزامات لگائے جاتے رہے ہیں۔ امریکا ہمارا دوست ملک ہے۔ اس کی مدد کرنے کے لیے ہم بہت کچھ کرسکتے ہیں" کرنل غفور بولا۔

"اور اگر وہ امریکیوں کے خلاف ہونے والے جرائم میں ملوث پایا گیا تو تم اسے ہمارے حوالے کردو گے؟"

"تمہارا یہ سوال مفروضے پر مبنی ہے" کرنل شعبان نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "ہم کسی جال میں پھنسنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔ شہادتیں سامنے آنے کے بعد ہی تم لوگوں سے تعاون کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میری نیت کے بارے میں تمہارے کچھ تحفظات ہیں!" جان کا لہجہ پہلی بار تلخ ہوگیا۔

"مجبوری ہے جان!" کرنل غفور نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے جواب دیا "وقت نے ہمیں بہت کچھ سکھادیا ہے۔"

"دیکھو کرنل! تم صرف اپنے آس پاس دیکھتے ہو۔ ہم امریکی پوری دنیا کے حالات پر نظر رکھتے ہیں۔ ڈینی اور اس کے مددگار رفتہ رفتہ اس خطے کے لیے خطرہ بنتے جارہے ہیں۔ اب ان کی سرکوبی کا وقت آگیا ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ امریکی حکومت روئے زمین کے کسی بھی حصے میں موجود ہر امریکی کی جان اور اس کے مال کی حفاظت کی ضامن ہے۔ ہم اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ اپنے مفادات کو نقصان پہنچانے والے کی اینٹ سے اینٹ بجادیں۔ ہم نے عبرت کی ایسی کئی مثالیں قائم کی ہیں کہ اپنے ایک دو یا چار مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے چند سو یا چند ہزار بے قصور مردوں، عورتوں اور بچوں کو بھی اڑادیا۔ کسی بھی امریکی پر حملہ امریکا پر حملہ تصور کیا جاتا ہے اور جان اسمتھ بہت بڑا امریکی تھا۔ یہ محض دوستی اور رواداری کی بات ہے کہ میں یہاں میز پر بیٹھا تم سے مساویانہ انداز میں بات کررہا ہوں ورنہ ہمارے پاس اپنے مجرموں سے نمٹنے کے دوسرے طریقے بھی ہیں۔"

جان ایلش کوف نے تاؤ میں آکر اپنے لب ولہجے سے نرمی کا نقاب نوچ ڈالا تھا۔ وہ وہی زبان بول رہا تھا جو اس کے پیش رو بولتے چلے آئے تھے۔ جان کے روپ میں آنے والی اس ڈرامائی تبدیلی پر وہ پانچوں حیران رہ گئے۔ وہ سب کھاگ اور تجربے کار افسر تھے۔ انہوں نے اندازہ لگالیا کہ آخر کار جان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ اس پر مزید نشترزنی کی جاتی تو وہ آپے سے باہر ہوکر اس اہم میٹنگ کو ناکام بناسکتا تھا۔

آپس میں کوئی تبادلۂ خیال کیے بغیر وہ پانچوں بہ یک وقت ایک ہی فیصلے پر پہنچ چکے تھے۔

"اس بات سے کسی ہوش مند شخص کو انکار نہیں ہوسکتا کہ آج امریکا دنیا کی اکلوتی سپر پاور ہے" جلال نے سہلاتے ہوئے کہا "اب تم سنجیدہ ہوگئے ہو تو میں بھی پوری سنجیدگی سے تم کو بتارہا ہوں کہ ہم بھارت پر اعتبار نہیں کرسکتے۔ اپنے مفادات کے حصول کے لیے وہ امریکا کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ تم ان کی فراہم کی ہوئی معلومات پر انحصار کیے بغیر، اپنے طور پر ہم سے کوئی بات کرو گے تو ہم کو پوری طرح اپنا مددگار پاؤ گے۔"

"ان کی بدنیتی اسی ایک بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ مظہر خان ان کی نگرانی کے باوجود نکل گیا اور وہ ہم سے اس کی گرفتاری کے خواہاں ہیں" کرنل غفور نے کہا۔

"یہ صرف اکسانے والی حرکتیں ہیں" جان نے اعتراف کیا "اگر وہ اتنا ہی خطرناک تھا تو اسے دہلی میں دبوچ لیا جاتا مگر ڈینی بھارت کے ساتھ ساتھ ہمارا بھی مسئلہ ہے اس کے لیے تم لوگوں کو کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ تمہاری مدد کے بغیر اسے قابو میں کرنا ناممکن ہے۔"

بات بگڑتے بگڑتے سنبھلنے لگی تھی۔ جلال نے جان کی نظریں بچاکر کرنل شعبان کو اشارہ کیا اور وہ بولا "کھل کر بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"ہمیں ڈینی کے خلاف اشتہار دیے ایک مدت ہوگئی ہے اور اس کا دور دور تک پتا نہیں ہے۔ یہ ہمارے لیے بہت سبکی کی بات ہے۔ اپنے وقار کی بحالی کے لیے ہم ضروری

سمجھتے ہیں کہ اب اپنے سارے وسائل استعمال کریں اور اسے زندہ یا مردہ پکڑ لیں۔"

"اپنے وسائل کے بارے میں تم جانتے ہو۔ ہمیں ہمارا رول بتاؤ" کرنل شعبان نے کہا "شاید ہم کچھ کر سکیں۔"

"ہمیں ڈینی کی واضح تصاویر، فنگر پرنٹس اور اس کی آواز کا ٹیپ درکار ہے" جان نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا۔

کرنل شعبان ایک گہرا سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا "اس تک رسائی ہو جائے تو اس بکھیڑے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے پکڑ ہی نہ لیا جائے۔"

"یہ بگلے کے سر پر موم بتی جلا کر اسے پکڑنے والی بات ہے" شاہد رانا نے کہا۔

"وہ یہاں کا شہری ہے۔ کسی نہ کسی سرکاری ریکارڈ سے کچھ نہ کچھ مل سکتا ہے" جان نے اصرار کیا۔

"ڈینی کے مقابلے میں اس کی ان نشانیوں کی کیا افادیت ہے؟" جلال نے پوچھا۔

"ساری کوششیں اسے زیر کرنے کے لیے ہیں۔ زمین سے تقریباً چار سو کلومیٹر کی بلندی پر ہمارے کئی سیٹلائٹ گردش کر رہے ہیں۔ ہر سیٹلائٹ نوے منٹ میں ایک مرتبہ پاکستان کے اوپر سے گزرتا ہے۔ ڈینی کی تصویریں اس نظام میں ڈال دی جائیں تو چند روز میں اسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔"

"اوہ.... اب سمجھ میں آیا کہ تم کیا چاہ رہے ہو؟" کرنل غفور کے منہ سے نکلا "بدقسمتی سے ہماری کسی ایجنسی کے پاس ڈینی کا کوئی مصدقہ ریکارڈ نہیں ہے۔ وہ ایک سائے کی طرح بے آواز نمودار ہوتا ہے اور اپنی کارروائی کر کے چھلاوے کی طرح غائب ہو جاتا ہے۔ کہیں نہ کہیں اس کا کوئی ریکارڈ ضرور دفن ہوگا لیکن ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ وہ ریکارڈ کس نام سے ہوگا۔ اس کا اصل نام تنویر علی بتایا جاتا ہے۔ اسے ڈینی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ پتا نہیں اس نے کس نام سے بھارت کا سفر کیا ہوگا۔"

"تم لوگ مظہر خان کو بھی ضرور دیکھو" جان کی آواز ایک مرتبہ پھر نرم ہو گئی "میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ معلومات سی آئی اے کی تحویل میں رہیں گی۔ را یا کسی اور بھارتی ایجنسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی جائے گی۔"

اس بارے میں کچھ کرنا یا نہ کرنا ان لوگوں کی مرضی پر منحصر تھا۔ انہوں نے وہ موضوع ختم کرنے کے لیے سر ہلا دیے۔ جان شاید ان کی آمادگی کا ہی منتظر تھا۔ اس نے اپنے بریف کیس میں سے ایک لفافہ نکالا اور اس میں سے کمپیوٹر پر چھپے ہوئے ایک کاغذ کی نقول نکال کر ساتوں کو تقسیم کر دیں۔

اس کاغذ پر مظہر خان اور غزالہ کے پاسپورٹوں کے کوائف لکھے ہوئے تھے۔

"یہ غزالہ کون ہے؟" جلال نے کاغذ پر نظریں دوڑاتے ہوئے انجان بن کر پوچھا۔

"را والوں کا کہنا ہے کہ وہ مظہر کی گرل فرینڈ تھی مگر ہم اس لڑکی کو اس کے نام کی وجہ سے اہمیت دے رہے ہیں کیونکہ ڈینی کی بیوی کا نام بھی غزالہ ہے۔ ایک موہوم سا امکان ہے کہ ڈینی نے مظہر خان کا نام اختیار کر کے را والوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی ہو اور وہ اُلو کے پٹھے، دال خور ابھی تک اس لڑکی اور ڈینی کی بیوی کے نام کی مماثلت سے غافل ہیں۔"

پیشہ ورانہ لگن اور تجربہ یکجا ہو جائے تو بڑی سے بڑی گتھی پلک جھپکتے میں سلجھ جاتی ہے۔ جان نے ایک لمحے میں اس رمز کو پالیا تھا جو را والے ہفتہ بھر بلکہ اس کے بعد بھی بھولے ہوئے تھے۔ وہ دوسری سمتوں میں اپنی کارگزاری دکھا رہے تھے لیکن اصل نکتے کو نظرانداز کیے بیٹھے تھے۔

جلال کا ماتھا ٹھنک گیا۔ اس بار امریکیوں کے عزائم خطرناک تھے۔ وہ نئی لگن کے ساتھ میری اور غزالہ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔ زمین سے خلا تک، اپنے سارے وسائل کو میرے خلاف آزمانے پر تل گئے تھے۔

"تم فکر نہ کرو۔ اب مظہر خان کا نام بھی ہماری لسٹ پر رہے گا۔" کرنل غفور نے جان کو یقین دلایا۔ وہ اس بارے میں مخلص تھا کیونکہ مظہر خان کی اصلیت سے، ان ساتوں کی بھیڑ میں جلال کے سوا کوئی واقف نہیں تھا۔

"میں تمہیں ایک اور بات بتا دوں۔ را والوں کے شبہات بالکل بے بنیاد نہیں ہیں" میٹنگ کے مقامی شرکا کو تعاون پر آمادہ پا کر جان نے اپنی بات آگے بڑھائی "مظہر خان کے نام کی طرف متوجہ ہونے کے بعد انہوں نے بہت تیزی سے اپنا کام آگے بڑھایا ہے۔ اس کا اور غزالہ کا پاسپورٹ اسپیشل پولیس کی پڑتال میں دیکھا گیا تھا۔ اس ریکارڈ کے مطابق وہ دونوں پندرہ تاریخ کو اٹاری کی سرحد سے بھارت میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے پاسپورٹ نمبروں اور ناموں سے تحقیقات کی گئیں تو پتا چلا کہ اٹاری کے امیگریشن ریکارڈ کے مطابق پندرہ یا اس سے چند روز پہلے اور بعد کی تاریخوں میں اس نام کے پاکستانی وہاں سے نہیں آئے۔ ان کے پاسپورٹوں پر امیگریشن کی مہریں جعلی تھیں۔ پتا نہیں وہ

دونوں کس طرح بھارت میں داخل ہوئے تھے۔"

"اور واپس جانے والے مسافروں کا امیگریشن ریکارڈ کیا کہتا ہے" کرنل شعبان نے پوچھا۔

"وہ بھی سپاٹ ہے۔ زمینی، فضائی اور سمندری ریکارڈ میں کہیں ان دوناموں کا اندراج نہیں ہے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی تک بھارت میں پھنسے ہوئے ہوں" کرنل شعبان نے خیال ظاہر کیا۔

"یہ سوچنا سراسر خود فریبی کے مترادف ہے۔ اگر ڈینی ہی نے مظہر خان کا روپ دھارا ہوا تھا تو وہ بنگو کی مدد سے سرحد پار کر چکا ہے" جان نے اپنے ان الفاظ سے جلال کی رہی سہی خوش فہمی بھی رفع کر دی۔ اس کے اخذ کیے ہوئے نتائج حقیقت سے قریب ترین تھے۔

جلال کا اندازہ تھا کہ جان کو دہلی میں ذرا سا بھی سہارا مل گیا تو وہ وہاں تھوڑا سا وقت گزارنے کے بعد بالکل صحیح نتائج اخذ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور میری تلاش کی امریکی مہم میں یکایک بے انتہا تیزی پیدا ہو جائے گی۔

"ہم اپنی سرحدوں میں آنکھیں کھلی رکھیں گے۔ تم بھارت میں دیکھ لو۔ ہو سکتا ہے کہ جلد ہی کوئی راہ نکل آئے" آئی جی نے جان کی آمد کے بعد پہلی مرتبہ زبان کھولی کیونکہ ان تمام پس پردہ واقعات کے بارے میں اس کی معلومات سب سے زیادہ ناقص تھیں۔

"مجھے اندازہ ہے کہ ماضی میں ہمارے درمیان کافی تلخیاں رہی ہیں" جان نے اپنا بریف کیس سمیٹتے ہوئے کہا "اس میں کمی لانے کی کوئی مخلصانہ کوشش نہیں کی گئی مگر میں اس عزم کے ساتھ یہاں آیا ہوں کہ پاکستان اور پاکستانیوں کے تعاون سے ہم جلد از جلد ڈینی کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔"

"برابری اور احترام کی فضا میں ہم اپنے کام کو بہتر انداز میں آگے بڑھا سکیں گے" کرنل شعبان نے خوبصورت الفاظ میں اسے پیغام دیا کہ وہ بالادستی اور برتری کا خمار اپنے ذہن سے جھٹک دے تو اسے کسی نہ کسی حد تک قبول کیا جا سکتا تھا۔"

"یہاں میری ٹیم صرف لیری تک محدود ہے۔ تم کو ہم دونوں سے کوئی شکایت نہیں ہوگی" جان نے مفاہمانہ لہجے میں یقین دلایا۔

"اب تم بھارت کب جا رہے ہو؟" کرنل غفور نے گویا اجلاس کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے پوچھا۔

"جلد از جلد" جان نے اپنی کرسی چھوڑ دی "مجھے کمپیوٹر پر لینگلے سے کچھ مشورے کرنے ہیں۔ میں چارٹرڈ پرواز سے آیا ہوں۔ جس وقت بھی فرصت مل گئی، دہلی کے لیے نکل جاؤں گا۔ اس میٹنگ کے بعد دہلی میری اگلی منزل ہے۔"

چائے یا کافی کی صرف ایک پیالی پر وہ مذاکرات ختم ہو گئے۔ دوسرے لوازم میز پر دھرے کے دھرے رہ گئے۔ ساتوں افراد، کرنل غفور کی پیشوائی میں کمشنر ہاؤس کے اس آراستہ کمرے سے نکل آئے۔ برآمدے میں پہنچ کر جان اور لیری نے تشکر آمیز کلمات ادا کرتے ہوئے اپنے پانچوں میزبانوں سے پرتپاک الوداعی مصافحے کیے اور چند سیڑھیاں اتر کر اپنی بڑی سی سیاہ گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

ان کو رخصت کرتے ہوئے جلال فیصلہ کر چکا تھا کہ اسے فوری طور پر مجھ سے ملنا چاہیے۔

○☆○

ہم سب کو بہت بے چینی سے جلال کی آمد کا انتظار تھا۔ اس نے فون پر جو ذو معنی باتیں کی تھیں، ان کی وضاحت وہی کر سکتا تھا۔ اس سے ملاقات کے لیے اول خان بھی اپنی

دفتری مصروفیات سے فارغ ہو کر ہمارے گھر آگیا تھا۔ اسے ہم سب سے زیادہ تجسس تھا کہ شہر میں امریکیوں کے ساتھ ایسا کون سا اجلاس ہو رہا تھا جس میں اسپیشل ٹاسک فورس کی نمائندگی کو ضروری نہیں سمجھا گیا تھا۔

جلال اپنی میٹنگ سے فارغ ہو کر سوا چھ بجے ہمارے گھر آپہنچا۔ میں نے خود دروازہ کھول کر اس کا استقبال کیا۔

اس کا چہرہ اترا ہوا اور مضمحل نظر آرہا تھا۔ ہم سب اس کی آمد کے پس منظر سے واقف تھے اس لیے رسمی گفتگو زیادہ طویل نہ ہو سکی۔ ڈرائنگ روم میں آرام سے ایک صوفے پر بیٹھتے ہی اس نے پوری تفصیل سے اپنی کہانی سنانی شروع کردی۔ وہ تفصیل اس قدر دلچسپ اور سنسنی خیز تھی کہ ہم پانچوں کوئی مداخلت کیے بغیر پورے انہماک سے اس کی کہانی سنتے رہے۔

"وہ ایک دو روز میں دہلی سے لوٹ آئے گا۔ زیادہ دیر تک اسے ٹالنا ممکن نہیں ہوگا" اجلاس کی تفصیل سنانے کے بعد جلال نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے محکمے کے ڈسپلن کے خلاف نہیں جاسکتے۔ تمہیں اوپر سے کیا ہدایات ملی ہیں؟" میں نے ٹٹولنے والے لہجے میں پوچھا۔

"میرا پورا محکمہ تمہاری کارکردگی کا معترف ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس وضاحت میں تمہارے سوال کا جواب پنہاں ہے۔"

"یہ تمہاری بات ہے مگر وہاں اور لوگ بھی موجود تھے۔ ان کی پالیسی کیا رہے گی؟" اول خان نے سوال کیا۔

"ہم آپس میں ایک دوسرے کی محکمہ جاتی پالیسی پر بات نہیں کرتے" جلال نے سنجیدگی سے جواب دیا "مگر میں نے ان سے ذاتی گفتگو میں یہ محسوس کیا ہے کہ تمہارے تازہ ترین کارناموں سے باخبر ہوئے بغیر وہ سب تمہارے لیے ہمدردانہ جذبات رکھتے ہیں۔ پولیس کے محکمے سے بات پھیل سکتی ہے اس لیے شاید آئی جی کو اعتماد میں نہ لیا گیا ہو مگر دوسرے وقت گزارنے کی پالیسی پر عمل کریں گے۔ جان کے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ زیادہ دیر تک ٹال مٹول سے نہیں بہلے گا۔"

"اسلام آباد کے باخبر حلقوں میں یہ خبر گشت کرنے لگی ہے کہ را کا کچھ اہم ترین ریکارڈ پاکستان کے ہاتھ لگ چکا ہے" اول خان نے اسے بتایا۔

"میں جانتا ہوں۔ ایسی بڑی خبریں زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہتیں۔ ہمارے جوابی اقدامات سے بہت کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے چند روز میں گرین کوبرا فائل کا نام بھی باہر نکل جائے۔ امریکی ان باتوں سے بے خبر نہیں رہیں گے۔ تم نے بہت اہم نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے۔"

"سب سے پہلے ہمیں اس مسئلے کا توڑ سوچنا ہوگا۔ اگر ہم ڈینی سے اپنی لاتعلقی ظاہر کرتے ہیں تو پھر اس بات کا کیا جواز ہوگا کہ را کے پاکستانی ونگ کا مسروقہ ریکارڈ ہمارے قبضے میں آگیا اور ہم نے اس پر کام بھی شروع کردیا" اول خان بولا۔

"ہر دور میں فری لانس سیکرٹ ایجنٹ پائے جاتے ہیں" ویرا نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "یہ کہا جاسکتا ہے کہ گرین کوبرا فائل ایسے کسی ذریعے سے خریدی گئی ہے۔"

"بھارتی جانتے ہیں کہ وہ فائل نریش کے دفتر میں محفوظ تھی جو آتش زدگی کا شکار ہوگیا۔ وہاں سے وہ فائل ڈینی ہی نکال سکتا تھا..."

میں نے اول خان کی بات کاٹ دی "میرا خیال ہے کہ ہم اس مسئلے پر بلاوجہ اپنا سر کھپا رہے ہیں۔ ویرا کی تجویز بہت معقول ہے۔ اپنے تحفظ کی وجہ سے فری لانسر عام طور پر سامنے نہیں آتے ورنہ وہ مار دیے جائیں۔ مسروقہ ریکارڈ اور معلومات کا سودا بیچ کے آدمی کرتے ہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ دوسری ایجنسیوں کو بھی اس بارے میں بریف کردیا جائے تاکہ امریکیوں کو ہر طرف سے ایک ہی کہانی سننے کو ملے۔"

"اگر تم ویرا کی اس تجویز کی حمایت کر رہے ہو تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں" جلال نے خلوص سے جواب دیا "اس معاملے میں کوئی گڑبڑ ہوئی تو سارے اثرات تمہاری ذات پر پڑیں گے۔ میرے لیے تمہارے رائے سب سے مقدم ہے۔"

میں نے دیکھا کہ جلال کی شفاف نظروں میں ویرا کے لیے کوئی جھکاؤ نہیں تھا۔ وہ بہت اعتماد اور بے باکی سے ویرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہا تھا۔ اپنی ذات میں جلال کی عامیانہ دلچسپی کے بارے میں ویرا نے جو کچھ کہا تھا وہ اس کے اپنے ذہن کی اختراع یا پھر مخمور دماغی کا نتیجہ تھا۔ وہ اپنے وقار یا منصب کے منافی کوئی حرکت کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔

"یہ طے کرلو۔ دوسری طرف جان کو دہلی میں راہ سے ہٹانے کی کوشش بھی کی جاسکتی ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"نہیں ... میرے آدمی ایسے کسی کام میں ملوث نہیں

ہو سکتے" جلال نے میرے اندازے کے مطابق انکار کردیا "عبداللہ ویسے ہی بھارتیوں کے عتاب میں آیا ہوا ہے۔ پرویز اور عابد اس کے مستقبل کے بارے میں بہت پریشان ہیں۔ اس پر بہیمانہ تشدد ہو رہا ہے۔"

عبداللہ کے بارے میں وہ خبر سن کر میرا دل بھاری ہوگیا۔ بھارت کی سرزمین پر وہ تینوں بہرحال اجنبی تھے۔ انہوں نے وہاں قیام کے دوران میں اپنے جو رابطے استوار کیے تھے وہ زیادہ پرانے نہیں تھے۔ جب تک حالات ٹھیک چل رہے تھے، ان کے بہروپ برقرار تھے لیکن قانون کے شکنجے میں آنے کے بعد جب عبداللہ کے ماضی کو کھنگالا گیا ہوگا تو وہ یہ بتانے سے قاصر رہا ہوگا کہ بھارت میں تین برس سے پہلے اس کا کیا ماضی تھا اور وہ کہاں سے آیا تھا۔

وہ دہلی میں موجود آئی بی کے ہر ایجنٹ کی زندگی کا سب سے کمزور گوشہ تھا۔ ایک بار باز پرس کی چکی کا ایندھن بننے کے بعد ایسے ٹیڑھے سوالوں سے نجات ناممکن تھی۔

"بھارتی ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈستے جا سکیں گے" اول خان نے جلال کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "اپنے ملک میں جان اسمتھ کے دیدہ دلیرانہ قتل کے بعد بھارتی مزید حماقت نہیں کریں گے۔ وہ دوسرے جان اور لیری کے لیے حفاظت کا خاطر خواہ بندوبست کریں گے۔"

میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کرلیا کہ جان کو میں خود دیکھوں گا۔

"اسے تمہارے بارے میں مطلوب کوائف تو نہیں دیے جا سکتے لیکن کچھ دنوں تک بہلائے رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ بتانا ہوگا۔ وہ بہت چالاک اور مکار آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان معمولی باتوں سے ہی کوئی بڑا فائدہ اٹھالے۔ جب تک وہ یہاں رہتا ہے، تم کو بہت محتاط بلکہ زیر زمین رہنا چاہیے۔"

"اگر یہ تمہاری ہدایت ہے تو میں اسے مان لوں گا۔ مشورہ ہے تو میں شکریے کے ساتھ یہ بتانا چاہوں گا کہ میں وقت اور حالات کے تحت اپنے فیصلے کروں گا اور تم کو جوابی مشورہ دوں گا کہ اس دوران میں تم مجھ سے دور رہو۔ میں بھی تمہاری آئی بی سے الگ تھلگ رہوں گا۔"

"تم نے را سے جو کاغذات اڑائے تھے۔ ان کے سرسری مطالعے سے پہلی یہ بات سامنے آئی ہے کہ پڑوسی ملکوں کی سیاسی قیادت کو زیر کرنے کے لیے را تیزی کے ساتھ اس علاقے میں سی آئی اے کے ساتھ تعاون بڑھائے گی اور دو طرفہ مفادات کے اہداف کی نشاندہی کرے گی جس میں

گزارش

ایک اسکاٹ نے مرتے وقت اپنے عزیز ترین دوست سے کہا "اسکاچ کی وہ بوتل جو میں نے پچاس برس سے بچاکر.... اور چھپاکر رکھی ہوئی ہے.... میں چاہتا ہوں.... میرے مرنے کے بعد وہ تم میری قبر پر چھڑک کر خالی کردو...."

"میں تمہاری وصیت پر ضرور عمل کروں گا...."

دوسرے اسکاٹ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا "لیکن اگر تم برا نہ مناؤ تو میں اس اسکاچ کو چھڑکنے سے پہلے اپنے گردوں کی چھلنی سے گزار لوں؟"

سخت گیر سیاسی لیڈروں کا قتل بھی شامل ہے۔"

میں گرین کو برا فائل اور اس کے ساتھ آئے ہوئے دوسرے کاغذوں کو بھولا ہوا تھا۔ جلال نے ان کا ذکر چھیڑا تو مجھے نیپال یاد آگیا "ان کاغذوں میں نیپال کے بارے میں بھی کافی مواد تھا۔ وہاں را کیا کرنا چاہ رہی ہے؟"

"وہ ایک افسوس ناک باب ہے۔ نیپال میں بی بکرم شاہ بریندرا کی مضبوط حکومت کو را والے انتہائی غیر دوستانہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کھٹمنڈو کے شاہی محل میں خونی انقلاب لانے کے لیے محل کی حفاظتی فوج میں اپنے کافی آدمی شامل کردیے ہیں۔ وہاں سے کسی بھی وقت کوئی بری خبر آسکتی ہے۔ سب سے پہلے شاہ کو گولیوں کا نشانہ بنایا جائے گا۔"

"طاقت اور سازشوں کے بل پر کسی پڑوسی ملک کی حکومت کو اس طرح گرانا کیا بربریت نہیں ہے؟" اول خان نے غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے سوال کیا۔

"بربریت اور کھلی جارحیت ہے" ویرا نے اس کی تائید کی "امریکی ایجنسیاں اس سازش سے بے خبر نہیں ہوں گی مگر انہوں نے زبان اور آنکھیں بند کرلی ہیں۔"

"یہ سب اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ ہم نے اپنا پیغام شاہ تک پہنچانے کی کوشش کی ہے مگر ناکام رہے ہیں۔ شاہ کو جان کا خوف دلا کر بھارت کے ہمدردوں نے اپنے ایسے مضبوط حصار میں لے لیا ہے کہ ہمارا پیغام درمیان میں روک لیا گیا۔ شاہ کے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ اس کے گرد منڈلاتے

ہوئے لوگ کیا گل کھلا رہے ہیں۔"
"ایسے نازک وقت پر کوئی ایلچی ہی وہ حصار توڑ کر شاہ کو ہوشیار کر سکتا ہے" اول خان بولا۔
"یہ کوشش جاری ہے مگر ڈر ہے کہ مفاد پرست ٹولہ ایسی درخواست بالا ہی بالا رد کردے گا" جلال نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔
"عجیب بے بسی ہے" میں نے مایوسی سے کہا "سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ہم کچھ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔"
"وہ دور کی بات ہے۔ تم اپنا معاملہ دیکھ لو۔ بھارتیوں نے امریکیوں کے ساتھ مل کر تم کو ایسا بھیانک مجرم بنادیا ہے کہ ہم تمہاری حمایت میں زبان نہیں کھول سکتے ورنہ وہ ہم پر عالمی دہشت گردی کی پشت پناہی کا الزام عائد کردیں گے۔"
"بھارت اتنی بڑی طاقت نہیں ہے۔ امریکا اسے اپنے مذموم عزائم کے لیے پال پوس رہا ہے" ویرا نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا "وہ اس کی ہر جائز اور ناجائز روش پر مکمل چشم پوشی سے کام لیتا ہے۔"
"تمہاری یہ باتیں مایوسانہ سوچ کی چغلی کھارہی ہیں" میں نے ویرا سے کہا "اگر ہم ان حالات کو من و عن تسلیم کرلیں تو پھر ہاتھ پیر چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔ اپنے ملک کو حالات کے بے رحم اور ناموافق دھارے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں تاکہ جو کچھ اگلے دس برسوں میں ہونا ہے، وہ پانچ سالوں میں ہوجائے۔"
"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" ویرا نے جلدی سے کہا "کوششیں ہر حال میں جاری رہنی چاہئیں مگر حالات امید افزا نہیں ہیں۔"
"ابھی تک تم صرف ناموں پر غور کررہی ہو۔ تم نے ان کی اہمیت کے بارے میں نہیں سوچا۔" میں نے طنز سے کہا "را والے اپنے پالیسی ساز سے محروم ہوچکے ہیں۔ انل بسواس را میں منصوبہ سازی کا سب سے بڑا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اسی طرح جان اسمتھ سی آئی اے کا منصوبہ ساز دماغ تھا۔ وہ جنوبی ایشیا کے لیے اپنے ایک مہلک منصوبے کے ساتھ کراچی میں وارد ہوا تھا اور دہلی میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اپنے دو اعلیٰ دماغوں سے محروم ہونے کے بعد را اور سی آئی اے کا گٹھ جوڑ کم از کم دس پندرہ سال پیچھے چلا گیا ہے۔"
"تم صحیح کہہ رہے ہو۔" جلال نے جھٹ میری بات کی تائید کی "پاکستان کے ہر ہوش مند خیرخواہ کو ان دونوں کے عبرت ناک انجام سے خوشی ہوئی ہوگی۔"
"جلال نے ابھی ابھی بتایا ہے کہ جان الیش کوف نے اپنے مرنے والے ساتھی کو بہت بڑا امریکی قرار دیا تھا" سلطان شاہ نے یاد دلایا۔
"اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا "ہر مرنے والے کی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہی جاتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ جلال کی طرف متوجہ ہوگئی "ابھی تم جان الیش کوف کی بھی بہت زیادہ تعریفیں کررہے تھے اور اس کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کررہے تھے۔"
"وہ چالاک اور مکار پیشہ ور آدمی ہے۔ میں نے اس کی منصوبہ بندی کی صلاحیتوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ تفتیش کے فن کو بہت مہارت سے استعمال کررہا تھا۔ سی آئی اے کی من مانیوں کے خلاف بغض و عداوت رکھنے کے باوجود ہم میں سے کوئی بھی کھل کر اس سے اختلاف نہیں کرسکا تھا۔"
"اس میں صلاحیتیں ہیں۔ اگر اسے اپنی کارکردگی کے جوہر دکھانے کا موقع ملے تو وہ شاید اپنے پیش رو کو بھی پیچھے چھوڑ دے۔" ویرا بولی۔
"دنیا میں بڑے بڑے نامور لوگ مرگئے لیکن کاروبار زندگی کبھی نہیں رکا۔" اول خان نے کہا "بلکہ دنیا دن بدن ترقی ہی کررہی ہے۔ یہ ضرور ہوتا ہے کہ کسی کے ناگہانی مارے جانے سے اس کے کام کو دھچکا لگتا ہے۔ سی آئی اے ایک مدت تک جان اسمتھ کا نقصان نہیں بھلا سکے گی۔ اس نے اپنے مہرے سجائے ہوئے تھے۔ یہ بات صرف اس کے ذہن میں محفوظ تھی کہ اپنے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اسے کس مہرے سے کیا کام لینا ہے۔ شاید نئے آنے والے کو جان کی چھوڑی ہوئی فائلوں سے یہ پتا چل جائے کہ اب اسے کن خطوط پر کام کرنا ہے لیکن ہر کام کے لیے موزوں آدمیوں کے انتخاب میں اسے سخت دشواریوں کا سامنا کرنا ہوگا۔"
"یہ بات قابلِ فہم ہے۔ ہر مرنے والے کی اپنی کوئی نہ کوئی افادیت ہوتی ہے۔" ویرا نے تسلیم کیا۔
"میں یہ بات دعوے سے کہتا ہوں کہ را میں انل بسواس کا کوئی متبادل نہیں ہے۔" جلال نے پورے اعتماد سے کہا "اس شخص کی ذات سے پاکستان کو بہت سنگین خطرات لاحق تھے۔"
"ہم نے ان دونوں سے چھٹکارا ضرور حاصل کرلیا لیکن اب حالات کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے سامنے اپنے خول میں محصور ہونے اور سمٹنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ کیا اس طرح ان

فائدوں کے اثرات کم نہیں ہوجاتے؟"
"میرا خیال ہے کہ تم اس وقت بحث برائے بحث کررہی ہو ورنہ یہ بات تمہیں بھی معلوم ہوگی کہ بڑی کامیابیوں کے بعد تعطل کے ایسے وقفے ضرور آتے ہیں۔" جلال بولا۔
ویرا اپنی بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکی "میں واقعی تم لوگوں کو ٹٹول رہی تھی۔ مجھے اندازہ ہے کہ بھارت کی سر زمین پر حاصل ہونے والی کامیابیاں بے مثال تھیں۔ کسی کی کوئی بھی کوشش ان کامیابیوں کی اہمیت کم نہیں کرسکتی۔"
"یہ سوال اپنی جگہ برقرار ہے کہ اب کیا کیا جائے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔
"یہ تینوں بھارت میں بہت محنت کرکے آئے ہیں۔ دوسری طرف جان نئے عزم کے ساتھ میدان میں اتر چکا ہے۔ میرا یہ مشورہ اپنی جگہ برقرار ہے کہ تم لوگوں کو اپنی سرگرمیاں معطل کرکے کچھ دنوں کے لیے زیر زمین چلا جانا چاہیے تاکہ کچھ آرام کرسکو۔" جلال نے اپنی بات دہرائی۔
میں نے جلال کے مشورے کے اعادہ پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میں اپنے ذہن میں نئی راہِ عمل مرتب کرنے کی کوشش کررہا تھا۔
جلال کو کراچی میں کچھ اور کام درپیش تھے سب سے پہلے اسے اپنے چیف کو اجلاس کے بارے میں بریف کرنا تھا۔ اصولی طور پر اسے وہ کام اجلاس ختم ہوتے ہی اور پہلی فرصت میں کرنا چاہیے تھا لیکن وہ ہماری کہانی میں ایک نئے اور طاقت ور حریف کی شمولیت پر ایسے ہیجان کا شکار ہوا کہ سب کچھ بھول بھال کر ہماری طرف دوڑا چلا آیا۔ اس کی کراچی آمد ہنگامی طور پر ہوئی تھی کیونکہ اس کا پہلے سے کوئی پروگرام طے نہیں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کراچی آ ہی گیا ہے تو لگے ہاتھوں صدف مینشن کے بعض معاملات بھی نمٹا لے۔ ان مصروفیات کے پیش نظر اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ ہم سب کے مشترکہ اصرار کے باوجود وہ کھانے کے لیے رکنے پر آمادہ نہیں ہوا اور عجلت میں ہم سے رخصت ہوگیا۔
"جلال نے ہمیں کوئی اچھی خبر نہیں سنائی۔" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا نے منہ لٹکا کر کہا "نئے جان کی آمد کی خبر نے دہلی میں حاصل ہونے والی کامیابیوں کا خمار کرکرا کردیا ہے۔ پتا نہیں اب آنے والے دنوں میں کیا ہونے والا ہے۔"
"دن چڑھیں گے تو سب خود بخود سامنے آجائے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا "تم پاکستان لوٹ آئی ہو۔ تمہیں اپنی آزادی کا مزہ کرکرا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اپنی

بری عادتوں کے مطابق عیش کرو اور بے فکر رہو۔ جو ہوگا، اسے دیکھنے والے بہت ہیں۔"

ویرا نے ترچھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور دھیرے سے بولی "سورج ڈوب رہا ہے۔ دل میں امنگیں جوان ہو رہی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اب تم مولوی ہو چکے ہو۔ میں تمہیں پینے پلانے پر اصرار نہیں کروں گی لیکن میرے ساتھ تو بیٹھو گے نا۔"

میں مے نوشی میں جہانگیر جیسے گدھے کے ساتھ بھی بیٹھ جاتا تھا اور محض سگریٹیں پھونک کر اس کے جناتی گلاسوں کی تعداد گنتا رہتا تھا۔ ذہنی طور پر ویرا اس سے کہیں بہتر تھی۔ میں نے ہنستے ہوئے وعدہ کرلیا کہ اول خان سے مذاکرات سے فارغ ہونے کے بعد میں اس کے ساتھ کچھ وقت گزاروں گا۔

سورج کے ڈوبنے اور امنگوں کے جاگنے کے بارے میں ویرا نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ ماضی میں جب میں بھی بلا کا مے نوش ہوا کرتا تھا۔ مجھے بارہا یہ تجربہ ہوا تھا کہ کھلی فضاؤں میں اندھیرے کی چادر محیط ہوتے ہی شراب کی طلب بیدار ہونے لگتی تھی اور جب تک اعصاب کی تپش کو کندنی سیال کی ٹھنڈک فراہم نہ کی جائے' یہ طلب لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔

ویرا ہمارے ساتھ ڈرائنگ روم میں واپس نہیں آئی بلکہ اپنے ڈرائنگ روم میں جا گھسی جسے اس نے اپنے ستھرے ذوق کے مطابق سجایا ہوا تھا۔ میں اول خان کے ساتھ کمرے کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ سلطان شاہ نے غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم کا دوسرا گوشہ سنبھال لیا۔

سلطان شاہ کافی دنوں تک تنہا رہا تھا۔ اول خان اپنی دفتری مصروفیات کی وجہ سے اسے خاطر خواہ وقت نہیں دے پاتا تھا جس کی وجہ سے سلطان شاہ کے مزاج میں چڑچڑے پن کے ساتھ ہٹ دھرمی بھی عود کر آئی تھی۔ اپنی اسی رو کے تحت وہ بھڑک کر اس نابکار بھارتی ایجنٹ کی لاحاصل تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا جس نے راوالوں کے لیے کراچی میں مظہر خان کے کوائف کی تصدیق کی تھی۔

لاہور میں جلال کے مہمان خانے میں رات بھر کے قیام کے دوران سلطان شاہ اپنی خواب گاہ میں اکیلا محصور رہا تھا اس لیے اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا کوئی کھلا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ہمارے کراچی پہنچنے کے بعد کچھ ابتدائی وقت اول خان کی نذر ہوگیا۔ اس کے بعد جلال کا فون ہمارے اعصاب پر سوار رہا۔ ہم لوگ جلال کی آمد کے انتظار میں مسلسل اس کی دی ہوئی اطلاعات پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔

جلال کے جانے کے بعد سلطان شاہ کو پہلی بار فرصت میسر آئی تھی اور وہ دل کھول کر اس سے فائدہ اٹھا رہا تھا۔ وہ غزالہ کے ساتھ کچھ دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہا۔ جب اس نے مجھے اول خان کے ساتھ گفتگو میں منہمک پایا تو خاموشی کے ساتھ غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر کمرے سے کھسک گیا۔

"جان اسمتھ امریکی سی آئی اے میں بہت اہم پوزیشن کا حامل تھا۔ اس کے قتل کے ردِعمل میں امریکیوں کی غیر معمولی سرگرمی میرے لیے متوقع تھی۔" اول خان کہہ رہا تھا۔

"مجھے بھی یقین تھا کہ اس کی موت پر وہ خوف زدہ ہو کر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "مگر مجھے یہ امید نہیں تھی کہ دہلی کے واقعات کے بارے میں اتنی سرعت سے میرا نام ابھر آئے گا۔"

"اس میں ان لوگوں کے کمال سے زیادہ تمہاری بے احتیاطی کا دخل ہے۔" اول خان نے اپنی دو ٹوک رائے صادر کردی۔ "میں نے تمہاری کہانی بہت غور سے سنی تھی اور اب جلال کی زبانی بہت کچھ سنا ہے۔ یہ سارا فتور بیم گن کے استعمال سے پھیلا ہے۔ سی آئی اے والے تو پھر بھی ذہین ہوتے ہیں۔ تم نے بتایا تھا کہ بنکو نے تمہیں بھارتی فوجیوں پر بیم گن استعمال کرتے ہوئے دیکھ کر خوف زدہ ہونے کے باوجود' پہچان لیا تھا۔ دہلی اور پھر امرتسر کے مسافات میں پھیلے ہوئے سرحدی جنگل میں بیم گن کے استعمال سے تمہاری گزرگاہوں کی نشان دہی ہوگئی اور بات تیزی سے آگے بڑھ گئی۔"

"دونوں مواقع پر میرے لیے احتیاط کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ کسی متبادل طریقے کے استعمال کے لیے میرے ذرا سے تذبذب کی قیمت صرف اور صرف میری زندگی ہوتی ہے۔ میں بیم گن استعمال نہ کرتا تو حریفوں کے جوابی وار سے میرا بچنا محال ہو جاتا۔" میں نے اپنی صفائی پیش کی۔

"جو کچھ ہوگیا اس پر کفِ افسوس ملنا بے کار ہے۔ سمراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کے قتل کی خبر ملنے کے بعد مجھے دلی خوشی ہوئی تھی کہ روئے زمین سے ایک بہت بھاری فتنے کا صفایا ہوگیا اور اب اس بارے میں کبھی پاکستان پر الزام تراشی نہیں کی جاسکے گی مگر ایسا نہیں ہوسکا۔"

"یہ سب مقدرات کی باتیں ہیں جو اٹل ہوتی ہیں۔ انہیں بدلنا انسان کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ یہ واقعی ہماری

بدقسمتی ہے کہ بھارت کی سرزمین پر کھیلی جانے والی خون کی ہولی کا داغ بھارتیوں کی پیشانی کو آلودہ کرنے کے بجائے ہمارے دامن کو داغ دار کرتا ہوا نظر آرہا ہے۔"

"نیا جان اپنی پوری تھیوری تحریری شکل میں لے کر آیا ہے!" اول خان کی آواز تعجب آمیز تھی۔

"یہ جان کا کمال نہیں ہے۔ جلال بتا چکا ہے کہ وہ رپورٹ فیرفیکس کے علاقے میں بیٹھے ہوئے امریکی عہدے داروں نے سنی سنائی باتوں کی مدد سے مرتب کی ہے۔" میں نے کہا۔

"پھر بھی ان کی کوشش قابل تعریف ہے۔ جائے واردات سے ہزاروں میل دور بیٹھ کر اتنی صحیح رائے قائم کرنا آسان نہیں ہے۔"

"ابھی تم خود کہہ چکے ہو کہ اس کامیابی میں امریکیوں کی صلاحیتوں سے زیادہ میری بے احتیاطی کا دخل ہے۔"

اول خان بے ساختہ ہنس پڑا پھر بولا "سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ تم سنی ہوئی ہر بات یاد رکھتے ہو.... یہ بتاؤ کہ اب تم کیا سوچ رہے ہو۔"

"جان کی تحقیقات کو روکنا ضروری ہوگیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "اس کی کامیابی سے ہمارے دشمنوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔"

"اس کے کام میں روڑے اٹکانا آسان ہے مگر بات پھر وہیں آجاتی ہے کہ پاکستان میں اب کسی امریکی کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ اسی فیصلے کی وجہ سے ہم جان اسمتھ سے دور رہے تھے۔ اس کی موت اگر اسے دھکیل کر دہلی نہ لے جاتی تو وہ آج بھی زندہ ہوتا۔"

"جان ایلش کوف بھی دہلی جارہا ہے۔ مجبوری یہ ہے کہ ہم وہاں سے واپس آچکے ہیں اور آئی بی کے ایجنٹ کسی قیمت پر اس پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"رینا اجیت رائے دہلی میں تمہاری سب سے بڑی ہمدرد اور دوست تھی۔ کیا تم اس سے کوئی کام نہیں لے سکتے؟"

"وہ بے خبری میں میری آلہ کار بنی ہوئی تھی۔ اسے میرے اوپر شبہ بھی ہوجاتا تو وہ ہرگز میرے قریب نہ آتی اور اب تک تو وہ بے چاری بھی عتاب میں آچکی ہوگی۔ وہ دلکش اور جوان ضرور ہے مگر جذباتی لڑکی ہے۔ میرے ایک ذرا سے احسان سے مغلوب ہوکر میری ہمدرد، غم گسار اور رازدار بن گئی تھی۔ را کے باراں دیدہ بھیڑیوں نے اسے بھارت ماتا پر ڈینی کے ظلم وستم کی اندوہناک کہانیاں سنانی شروع کردیں تو وہ رو رو کر سب کچھ اگلتی چلی جائے گی اور پھر اپنی چمڑی ادھڑوا لے گی۔"

"میری خواہش ہے کہ جان کے خلاف کچھ نہ کچھ کیا جائے۔"

میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی اور کہا "یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ آج کے اجلاس میں ایس ٹی ایف شریک نہیں تھی اس لیے تمہارے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔"

"اس سے پہلے کہ ہمارے ہاتھ بھی بندھ جائیں، ہمیں کچھ نہ کچھ کرگزرنا چاہیے" اس نے میرے تبصرے کا برا منائے بغیر جواب دیا۔

"میرے ذہن میں کچھ کھچڑی سی پک رہی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ میں اسے نہیں پہچانتا۔ میں نے اسے لیس ... کے لیے آمادہ کرلیا اور اس نے اپنی جگہ کسی اور امریکی بندر کو بھیج دیا تو میں دھوکا کھا جاؤں گا۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔

"وہ سی آئی کا بہت پرانا افسر ہے اور ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچا ہے۔ وہ افغانستان پر روسیوں کی یلغار کے زمانے میں پاکستان آتا جاتا رہتا تھا اور کافی عرصے پشاور میں مقیم رہا تھا۔" میں نے اسے دیکھا ہوا ہے۔ پہلی نظر میں اسے پہچان لوں گا۔"

"شاید اسی لیے میٹنگ میں شریک ہونے والے پاکستانی افسروں سے اس کی بے تکلفانہ جان پہچان تھی۔ مجھے حیرت ہے کہ جلال نے اس کے پاکستان میں پچھلے قیام کا کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"اس کے پاس وقت کم تھا اور سر پر زیادہ مسائل سوار تھے، بھول گیا ہوگا۔"

"پشاور میں جان کیا کرتا رہا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"افغانستان میں درپردہ کئی امریکی ایجنسیاں افغانیوں کی دل کھول کر مدد کررہی تھیں۔ انہیں ہتھیار، گولا بارود اور رسد فراہم کی جارہی تھی۔ باہر سے آنے والے عرب اور دوسرے ایشیائی مجاہدین کی حوصلہ افزائی کی جارہی تھی اور پہاڑوں میں موجود قدرتی سرنگوں کے جال کو ایسے ناقابل شکست بنکرز وغیرہ میں تبدیل کیا جارہا تھا جہاں محصور ہوکر لمبی مدت تک روسیوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔ ان سرگرمیوں کے لیے سرمایہ درکار تھا۔ سی آئی اے کے فنڈز جان تقسیم کرتا تھا۔"

"پھر تو وہ پاکستان اور پاکستانیوں سے بڑی حد تک واقف ہوگا" میں نے رائے زنی کی۔
"یقیناً واقف ہے۔ اسی لیے اس کو پاکستان بھیجا گیا ہوگا۔ اجنبی چہروں کے مقابلے میں شناسا افسر زیادہ سہولت سے کام کرلیتے ہیں۔"
"جلال نے یہ بات خاص طور پر بتائی تھی کہ آج کے اجلاس کی فضا شروع سے آخر تک دوستانہ تھی۔"
"یہ باتیں بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔ ابھی تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہارے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔"
"ابھی تھوڑی دیر میں سب کچھ تمہارے سامنے آجائے گا۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت جان کہاں ہوسکتا ہے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔
"یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت امریکی قونصل خانے میں ہو۔ وہاں عام طور پر دیر تک کام ہوتا ہے۔ جلال بھی کہہ رہا تھا کہ اسے کمپیوٹر پر اپنے ہیڈ آفس سے رابطہ کرنا ہے۔ قونصل خانے میں ساری سہولتیں دستیاب ہوں گی.... یہ تو بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"
"فی الحال اسے فون کرنے کا ارادہ ہے۔ سی ایس ڈی کی موجودگی میں، میں کھل کر اس سے بات کرسکوں گا۔"
"کیا بات کرو گے؟" اول خان نے صوفے پر بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔
"اس کا انحصار اس کے موڈ اور رویے پر ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ فون پر آجائے۔"
"تو پھر قونصل خانے سے ہی ابتدا کرو۔ اس وقت تمہارے تینوں ساتھی بھی یہاں سے ٹلے ہوئے ہیں۔"
"ویرا اب ذرا بے شرم ہوگئی ہے۔ کسی بھی لمحے اپنے گلاس سمیت ناگہانی ٹپک پڑے گی۔ وہ غلط وقت پر آگئی تو اس کی مداخلت سے سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"
"اسے دیکھ لو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے شغل میں مگن ہو" اول خان نے مسکراتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔
میں ڈرائنگ روم سے اٹھ گیا۔ سلطان شاہ، غزالہ کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ وہ دونوں جوش و خروش سے باتوں میں مصروف تھے۔
"آؤ! تم بھی آجاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے اور اول خان کے رازونیاز ختم ہوگئے ہیں" دروازے پر میری جھلک دیکھتے ہی سلطان شاہ دھیمی آواز میں چہکا تاکہ اس کی آواز اول خان کے کانوں تک نہ پہنچ سکے "اس وقت غزالہ مجھے بیلا سنگھ کے بارے میں بتا رہی ہے، تم نے بہت سنگ دلی

سے اس بے چاری کا دل توڑا ہے۔"

"تم غزالہ سے دہلی کی حکایتیں سنتے رہو۔ ابھی میں مصروف ہوں اور مزید کچھ دیر کے لیے تخلیہ چاہتا ہوں" میں نے دروازے پر کھڑے کھڑے کہا۔

"باتوں میں مزہ آرہا ہے۔ جب تک خود نہیں بلاؤ گے' ہم دونوں میں سے کوئی تمہاری اور اول خان کی خلوت میں مخل نہیں ہوگا۔"

'وری گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "تم دونوں ہی سعادت مند بچے ہو۔"

انہیں نمٹا کر میں ویرا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا دروازہ بند تھا اور اندر پھیلی ہوئی مشرقی موسیقی کا دھیما دھیما آہنگ باہر راہ داری میں بھی سنائی دے رہا تھا۔ اس میں یہ خاص خوبی تھی کہ وہ مے نوشی کا شغل شروع کرنے سے پہلے اپنے دروازے کا پٹ بند کرلیتی تھی۔

میں نے لحظہ بھر توقف کے بعد بند دروازے پر دستک دی' ویرا نے یہ جانے بغیر کہ دروازے پر کون ہے' اندر سے کم ان کی ہانک لگادی۔ میں نے ہینڈل گھمایا تو دروازہ اندر سے مقفل یا بولٹ نہیں تھا۔ ذرا سے دباؤ سے اندر کھلتا چلا گیا۔

ویرا خاصے بے حجابانہ بلکہ اشتعال انگیز لباس میں اپنی مسہری پر اے کاچ کا گلاس لیے نیم دراز تھی اور دھیمی آواز میں کیسٹ پلیئر چل رہا تھا۔ اپنے دروازے پر مجھے دیکھ کر ویرا کا چہرہ کھل اٹھا اور گلاس میری طرف بلند کرکے بولی "آج میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ تم اپنے وعدے کا پاس کرو گے اور اپنا کچھ وقت میرے ساتھ ضرور گزارو گے۔ دیکھو' آج میں نے تمہارے لیے خاص طور پر یہ شان دار کپڑے پہنے ہیں..."

"میں تم سے کچھ دیر کی اجازت لینے آیا تھا" میں نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میں مزید دس پندرہ منٹ کے لیے اول خان کے ساتھ مصروف ہوں۔ اس سے نمٹ کر تمہارے پاس آؤں گا۔"

"میں انتظار کرلوں گی" اس نے خوشی سے میری معذرت قبول کرلی "تم اطمینان سے اس سے بات ختم کرلو۔"

"ان کپڑوں میں اپنے کمرے سے باہر نہ نکل آنا" میں نے بالواسطہ طور پر اس کی طرف سے عدم مداخلت کی یقینی دہانی چاہی "تماشا بن جاؤ گی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ پاکستان میں اتنی مدت گزار کر اب مجھے بھی اپنے بدن کی قدروقیمت کا اندازہ ہوگیا ہے۔ میں ایک لڑکی ہوں اور کسی لڑکی کو غیر ضروری طور پر اپنے بدن کی نمائش نہیں کرنی چاہیے۔ یہ امریکا اور مغرب کا گندا دستور ہے کہ وہاں مرد مستور رہتے ہیں اور عورتیں کھلی پھرتی ہیں۔"

"کبھی کبھی تم واقعی دانش ور بھی ہوجاتی ہو۔ بس میں ذرا سی دیر میں آتا ہوں" میں نے اس کی طرف ہاتھ لہرایا اور دروازہ بند کرکے واپس ڈرائنگ روم کی طرف ہولیا۔

ڈرائنگ روم میں اول خان کے سامنے کراچی کی ٹیلی فون ڈائریکٹری کی پہلی جلد رکھی ہوئی تھی۔ اس نے ڈائریکٹری سے امریکی قونصل خانے کے فون نمبر نوٹ کرلیے تھے۔

میں نے گھر پہنچنے کے بعد سی ایس ڈی کو پہلی فرصت میں فون لائن سے جوڑ دیا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم میں موجود انسٹرومنٹ سنبھالا اور ایک براہ راست نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔ دفتری اوقات ختم ہوجانے کی وجہ سے اس وقت ٹیلی فون کے سوئچ بورڈ سے جواب ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی۔

پانچویں گھنٹی بجنے کے بعد دوسری طرف سے جواب دینے کی ریکارڈنگ مشین چل پڑی۔ وہ خالص امریکی لب ولہجے میں ریکارڈ کیا ہوا ایک نسوانی معذرتی پیغام تھا جس کے آخر میں مخاطب سے اپنا نام اور پتا چھوڑنے کی درخواست کی گئی تھی۔ میں نے پورا پیغام سن کر فون بند کردیا۔

دوسرے نمبر سے فوری طور پر جواب مل گیا۔ پچھلا نمبر ملاتے ہوئے میں یہ فیصلہ کرچکا تھا کہ رابطہ قائم ہوجانے پر عربی لب ولہجے میں انگریزی بولوں گا۔ مقامی آواز کو شاید زیادہ اہمیت نہ دی جاتی' امریکی یا کسی یورپی لہجے کی نقل میرے لیے دشوار ہوتی کیونکہ میرا گفتگو کو طول دینے کا ارادہ تھا۔

"میں عبدالماجد الحسینی بول رہا ہوں۔ مجھے مسٹر جان ایشکوف سے بات کرنی ہے" میں نے روانی سے کہا۔

"یہ جان کا نمبر نہیں ہے اور دفتر کا وقت ختم ہوچکا ہے" خشک امریکی لہجے میں جواب دیا گیا۔

اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ جان کو نہیں جانتا یا وہ دفتر میں نہیں ہے۔ میں نے اصرار کیا "بات بہت ضروری ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ میں نے تمہیں زحمت دی۔ ہوسکے تو اس سے میری بات کرادو۔"

"میں نے دو باتیں بتائی ہیں۔ یہ جان کا نمبر نہیں ہے اور دفتر پانچ بجے بند ہوچکا ہے۔ میرا سوا بیشتر لوگ جا چکے ہیں۔"

"پھر جان سے کہاں رابطہ ہوسکے گا؟" میں نے کسی

کامیابی کی امید میں سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔

"میں اس نام کے کسی ملازم سے واقف نہیں ہوں" یہ کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔

میں نے ایک گہرا سانس لے کر ریسیور کو گھورا' کریڈل دبا کر لائن منقطع کی اور نمبر ری ڈائل کرنے والا بٹن دبا دیا۔

"ہیلو!" اس مرتبہ وہ بھنائی ہوئی آواز کتے کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔

"مجھے معلوم ہے کہ جان ایشکوف تمہارے دفتر میں ملازم نہیں ہے" اس بار میں نے کسی تمہید کے بغیر خوشامدانہ لہجے میں اپنی بات شروع کر دی "مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ آج شام استنبول سے کراچی پہنچے گا اور میرا نام سن کر مجھ سے بات کرنے پر ضرور آمادہ ہو جائے گا۔"

"تمہیں اس سے کیا کام ہے؟" اس بار میرے مخاطب نے کوئی دوٹوک جواب نہیں دیا تھا۔

"یہ میں کسی کو نہیں بتا سکتا" میں نے لجاجت بھری آواز میں کہا "یہ سمجھ لو کہ جان اسی سلسلے میں یہاں آیا ہے' میں اس کا کام آسان کر سکتا تھا۔"

وہ قونصل خانے کا کوئی باخبر ملازم تھا۔ میرے آخری فقروں میں پنہاں اشارے کو بلا تامل بھانپ گیا کہ میں ڈینی یا اظہر خان کے سلسلے میں کوئی بات جان تک پہنچانے کے لیے بے چین ہو رہا تھا کیونکہ جان صرف ان دونوں کی تلاش میں کراچی آیا تھا "اپنا فون نمبر لکھوا دو۔ جان چاہے گا تو تم سے رابطہ کر لے گا" اس نے ہدایت دی۔

"میں ایک چھوٹے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ وہاں صرف کاؤنٹر پر ایک فون ہے۔ جس پر رازداری سے بات نہیں ہو سکتی۔ میں ویسے بھی ایک کوچہ گرد سیلانی ہوں۔ اگر جان نے فون کیا اور میں ہوٹل میں موجود نہ ہوا تو میرا اور اس کا بھاری نقصان ہو جائے گا۔ اس وقت بھی میں ایک پبلک بوتھ سے بات کر رہا ہوں۔"

"سوری! میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اب تیسری بار فون کر کے میرا وقت برباد نہ کرنا" اس نے دوبارہ فون بند کر دیا۔

میں نے جھلا کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ اس امریکی کا رویہ سراسر سرد مہری اور بے اعتنائی پر مبنی تھا مگر اس نے جو گفتگو کی تھی وہ بے معنی نہیں تھی۔ اگر جان اس وقت قونصل خانے میں موجود ہوتا تو شاید وہ اس سے میری بات کرا دیتا۔ میرے فون نمبر پر اس کے اصرار سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ جان وہاں موجود نہیں تھا۔

ثبوت

فلم کے پریس شو کے بعد ایک نئے اداکار نے پرجوش لہجے میں ایک فلمی نقاد سے پوچھا "آپ نے میری فلم دیکھی؟"

"لگتا تو یہی ہے...." فلمی نقاد نے پیشانی مسلتے ہوئے جواب دیا۔ "کیونکہ سر میں کافی درد ہو رہا ہے۔"

اول خان کی یہ بات قرین قیاس نہیں تھی کہ جان کو محض فون یا کمپیوٹر کی وجہ سے قونصل خانے میں بیٹھنا پڑا ہوگا۔ وہ سہولتیں اوسط درجے کے بیشتر گھروں میں بھی پائی جاتی تھیں۔ جان کی عارضی قیام گاہ میں ان کا فقدان نہیں ہو سکتا تھا۔

"اب جان کو شہر میں کہاں ڈھونڈا جائے؟" اول خان نے فکرمندی سے کہا "کلفٹن اور ڈیفنس کے علاقے کی بہت سی عمارتیں امریکیوں کے زیر تصرف ہیں۔"

میرے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا۔ وہ اس وقت دہلی جانے کے ارادے سے عارضی طور پر کراچی آیا تھا لیکن اس نے مشترکہ اجلاس میں اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ دہلی سے واپسی پر وہ کراچی میں طویل قیام کرے گا تاکہ ڈینی کے فتنے کا سدباب کر سکے۔

ہمارا سابقہ تجربہ اس بات کا گواہ تھا کہ امریکا سے آنے والے افسروں کے لیے نئے مکان حاصل کرنے کے بجائے ان محفوظ گھروں کے استعمال میں تسلسل کو اولیت دی جاتی تھی جو پہلے سے کسی اور امریکی کے استعمال میں رہے ہوں۔ اوبرائن ڈی ہنٹ مارا گیا تھا تو چند روز بعد جان اسمتھ کو اس کا جانشین بنایا گیا تھا اور وہ اسی فلیٹ میں مقیم تھا جہاں اوبرائن رہتا تھا۔ جان اسمتھ کی موت کے بعد وہ فلیٹ خالی ہو چکا تھا۔ جان ایشکوف اگر اس کی جگہ لینے کا ارادہ رکھتا تھا تو اس کے لیے جان اسمتھ کے سجے سجائے فلیٹ سے بہتر قیام گاہ کا ملنا مشکل تھا۔

"وہاں کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے" اول خان نے میرے اس خیال سے واقف ہونے کے بعد کہا "تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔"

اس مکان کا نمبر مجھے زبانی یاد تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ کا نام لے کر وہ نمبر ملا لیا۔ دوسری گھنٹی بجنے کے بعد کلک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ رابطہ قائم ہوا لیکن لائن فوراً ڈراپ ہوگئی اور میرے کان میں دوبارہ فون کی ڈائل ٹون گونجنے لگی۔

"کسی نے فون اٹھایا تھا لیکن بات ہونے سے پہلے لائن کٹ گئی" میں نے اول خان کی مستفسرانہ نظروں کے جواب میں بتایا "میں دوبارہ کوشش کرتا ہوں۔"

"تمہارا یہ اندازہ درست ہے کہ وہ فلیٹ غیر آباد نہیں ہے۔ خدا کرے جان ہی وہاں موجود ہو" اول خان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

میرے دوسرے تجربے کا انجام بھی مختلف نہیں تھا۔ لائن ملی اور فوری طور پر کٹ گئی۔ اس بار میں چوکنا تھا۔ میں نے اپنے بیڈ روم میں واضح طور پر سی ایل ڈی کے بزر کی آواز سنی تھی۔ اس وقت میں ایک مشکل سے گزر رہا تھا اس لیے میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں چند ثانیوں تک ریسیور اپنے کان سے لگائے ڈائل ٹون سنتا رہا پھر بات سمجھ میں آگئی۔

میرے ریسیور پر ڈائل ٹون لوٹنے کا مطلب تھا کہ جان کی طرف کوئی گڑبڑ نہیں تھی۔ سلسلہ ملتے ہی سی ایل ڈی اپنا کام دکھا رہی تھی۔ اس کے فعال ہونے کا راز مجھے جلال کی زبانی معلوم ہو چکا تھا۔ اس نے اجلاس میں جان اسمتھ کے فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر کا ذکر کیا تھا جس پر ویرا کی دھمکی آمیز کالز ریکارڈ کرلی گئی تھیں۔ شاید ویرا کے پہلے فون کے بعد جان نے وہ بندوبست کیا تھا کہ ریسیور اٹھاتے ہی ٹیپ ریکارڈر بھی چل پڑے اور دونوں طرف کی آوازیں مقناطیسی فیتے پر محفوظ ہو جائیں۔ اس صورت میں ایک نمبر پر بیک وقت دو کنکشن مل جاتے تھے۔ ریسیور اور ٹیپ ریکارڈر کے ایک ساتھ فعال ہونے پر سی ایل ڈی خطرے کی گھنٹی بجا کر لائن کاٹ رہی تھی۔

مجھے تیسری بار ریسیور اٹھاتے دیکھ کر اول خان بولا "بار بار وقت کیوں خراب کر رہے ہو؟ یہ دو مرتبہ کیا گڑبڑ ہوئی ہے؟"

اول خان میرا قابل اعتماد شریک کار تھا۔ ہر کارروائی کے بارے میں اس کا اطمینان بھی ضروری تھا۔ میں نے اسے اپنے ذہنی تجزیے میں شریک کرلیا۔

"بعض اوقات تمہاری ذہانت کمال کرتی ہے۔ یہ باریک نکتہ میرے ذہن میں نہیں آسکتا تھا" اس نے کہا۔

"بس مجھے یہ یاد آگیا کہ اجلاس میں جان اسمتھ کے فون سے جڑے ہوئے ٹیپ ریکارڈر کا ذکر آیا تھا ورنہ میں بھی الجھا رہتا کہ یہ کیا کھیل ہو رہا ہے؟"

"بات واضح ہوگئی ہے تو اب نمبر ملانے سے پہلے سی ایل ڈی آف کردو تاکہ تیسری مرتبہ لائن ڈراپ نہ ہو" اس نے مشورہ دیا۔

"لاحول ولاقوۃ" میں نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ریسیور کریڈل پر رکھا اور اپنی جگہ چھوڑ دی "مسئلہ حل ہو گیا تھا اس لیے دماغ پھر کند ہو گیا۔"

میں نے اپنے بیڈ روم میں جا کر سی ایل ڈی کو آف کیا اور دوبارہ اول خان کے پاس لوٹ آیا۔

"کال ریکارڈ ہوگی کیا یہ بہترین نہیں ہوگا کہ تم یہاں کے بجائے باہر کے کسی بوتھ سے بات کرو" اول خان نے سوچ سمجھ کر مشورہ دیا۔

"گفتگو ضرور ریکارڈ ہوگی مگر جان کو ہمارے نمبر کا علم نہیں ہو سکے گا" میں نے کہا کیونکہ ان دنوں سی ایل آئی کی سہولت رائج نہیں ہوئی تھی۔

"امریکی ٹیکنالوجی دنیا سے بہت آگے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس کا بھی کوئی بندوبست کرلیا ہو۔ احتیاط ہر حال میں بہتر ہوتی ہے۔"

"آؤ! پھر باہر ہی چلتے ہیں" میں نے اس سے بحث کرنے کے بجائے اس کی تجویز مان لی۔ اول خان کی گاڑی گھر سے باہر کھڑی ہوئی۔ ہم اس میں قریبی بازار کی طرف چل دیے۔ پہلا فون بوتھ نظر آتے ہی اول خان نے گاڑی روک دی اور میرے ساتھ نیچے اتر آیا۔

"اب یہ نہ کہہ دینا کہ ہمیں گلشن اقبال کے بجائے کسی اور علاقے کا فون بوتھ استعمال کرنا چاہیے" میں نے کہا اور پھر اس کی بے ساختہ ہنسی میں شریک ہو گیا۔

بوتھ میں داخل ہو کر میں نے دل کی تیز دھڑکنوں کے ساتھ جان کا نمبر ملایا۔ پہلی گھنٹی ختم ہونے سے پہلے ہی عجلت میں ریسیور اٹھا لیا گیا اور میرے کانوں میں ایک مردانہ ہائے گونج اٹھی۔ وہ خالص امریکی طرز کی ہیلو تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میری اور اول خان کی مشترکہ جدوجہد رائگاں نہیں گئی تھی۔ ہم اپنے مطلوب آدمی سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستان عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجئے

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور
ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک نیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی
صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک نیل اس خطے
کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ
پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس
کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی
کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی
کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی، اس
نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا، اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل
کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے
اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ
ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے
ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار روب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف
بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا
جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار
ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا
کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے
ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک
پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی
نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس
کے بعد روی نے ہمیں بڑی چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی
میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی
لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں
کامیاب ہو گیا مگر اس کے وہ کرتے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے، ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں
کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں ہم نے ہیروئن
کی بڑھتی ہوئی وبا کے انسداد کے لیے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد کی اور جلال کے تعاون سے جہانگیر کے ماموں سر چوہدری عظمت کی این جی او کا قلع قمع کر دیا۔ اس کے
بعد ہم انڈیا روانہ ہو گئے۔ ہم نے جلال کی مدد سے سرحد عبور کی اور با آسانی دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے
ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کر لیا۔ میں اور غزالہ تاج محل میں تھے۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر را میری طرف
متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلووں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی
رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جا چکی تھی۔ مجھے اس کے بعد انل
بسواس سے ملنا پڑا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی
ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں
اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور رینا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی
اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کر دی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں
سے اڑا لیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں
سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلو خلاصی حاصل ہو گئی۔ میری ویڈیو ضائع ہو چکی تھی مگر اب رینا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے
غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث را والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کر سکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا
تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہو گیا۔ واپسی کے سفر میں ہم سرحد عبور کرتے ہوئے دو بھارتی فوجیوں سے ٹکرا گئے جنہیں جہنم واصل کرنے کے بعد جلال
نے لیے امرتسر میں خدمات انجام دینے والے بنگو کو بھی قربان کرنا پڑا۔ ہم لاہور میں مختصر قیام کے بعد کراچی پہنچ گئے۔ جلال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا تھا جسے تمام
ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کر لیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ڈینی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں
مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ڈینی کی
تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان الیشکوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ریسیور پر امریکی لب ولہجے میں ایک مردانہ آواز سن کر میرے ذہن میں جو ہیجان برپا ہوا تھا۔ وہ بس چند لمحوں کے لیے برقرار رہا پھر میں الجھ گیا۔ میں جذبات کی روانی میں جان الیشکوف سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر میں نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ میں اس سے کس حیثیت میں بات کروں گا۔

میں نے قونصل خانے میں جان کی موجودگی کا کھوج لگانے کے لیے عبدالماجد الحسینی کا نام استعمال کیا تھا اور انگریزی بولتے ہوئے عربی لب ولہجہ اختیار کرنے کی کوشش کی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے میں نے سوچا کہ میں اپنے کردار کا وہی تسلسل برقرار رکھوں۔ جان جس وقت اپنے دفتر سے رجوع کرتا تو اسے وہاں سے بتایا جاتا کہ کسی عبدالماجد نے اپنا کوئی

فون نمبر چھوڑے بغیر اس سے فون پر بات کرنے کی کوشش کی تھی پھر خیال آیا کہ کیوں نہ میں اپنے اصل نام سے اس سے بات کروں۔ میں اس سے کہہ سکتا تھا کہ میں بھارت سے بول رہا ہوں۔ اپنے اصل نام کو استعمال کرتے ہوئے میں جان سے زیادہ کھل کر بات کر سکتا تھا۔

اپنے دوسرے خیال کو میں نے فوراً مسترد کردیا۔ اس میں کئی خطرات مضمر تھے۔ ٹکنالوجی کے میدان میں امریکیوں کی ترقی اور مکمل بالادستی کے متعدد ثبوت میری نگاہوں میں آچکے تھے۔ چند ثانیوں قبل اول خان اندیشہ ظاہر کرچکا تھا کہ جان سے بات کرنے کے لیے گھر کا فون استعمال کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس وقت سی ایل آئی کی سہولت دستیاب نہ ہونے کے باوجود یہ شبہ تھا کہ امریکی اپنے جدید آلات کی مدد سے ہر اس نمبر تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں جہاں سے انہیں فون کیا جائے۔ ایک اور اہم تر نکتہ یہ تھا کہ جہنم واصل ہونے سے قبل اوبرائن ڈی ہنٹ نے میرا سراغ لگانے کے لیے ساؤنڈ یا وائس اسکیننگ کے حساس ترین آلات استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ آلات ریڈیائی لہروں میں بھٹکنے والی کروڑوں آوازوں میں کسی ایک آواز کو نہایت آسانی سے پکڑ کر یہ بتا سکتے تھے کہ بولنے والا اس وقت کہاں موجود تھا۔ اپنے ان آلات کی کامیابی کے لیے اوبرائن نے میرے بہروپ سے دھوکا کھا کر ہزاروں ننھے ننھے چپس میرے حوالے کردیے تھے جنہیں شہر کے مختلف علاقوں میں بکھیرنا تھا۔

ریت، مٹی اور کنکروں میں مل جانے کے بعد ان چپس کو الگ سے شناخت کرنا ناممکن تھا۔ وہ جہاں ڈالے جاتے، وہیں پڑے رہتے اور اپنے قرب و جوار کی آوازیں فضا میں نشر کرتے رہتے۔ ان صوتی اشاروں کو وائس اسکیننگ کے آلات پر مانیٹر کیا جاتا جہاں اوبرائن نے بہت چالاکی سے میری آواز محفوظ کی ہوئی تھی۔ جوں ہی اس کے آلات یہ نشان دہی کرتے کہ مطلوبہ آواز والا آدمی شہر کے کسی حصے میں موجود ہے، وہ ایک اشارہ کرتا اور امریکی قونصل خانے میں چھپا ہوا خوفناک کمانڈو اسکواڈ اپنے تمام تر ہتھیاروں سمیت میری طرف دوڑ پڑتا۔

وہ اوبرائن عرف اوبی کا ایک بھیانک منصوبہ تھا۔ یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ سارے چپس میرے ہاتھ آگئے اور میں نے ان حساس مواصلاتی سنگ ریزوں کو تباہ کردیا۔ اس وار سے بچ نکلنے کے بعد یہ ضروری ہوگیا تھا کہ میں اپنے اصل نام سے ان کے سامنے نہ آؤں ورنہ وہ میری آواز کا مزید ریکارڈ جمع کرلیتے۔

رابطے کی دو ناکام کوششوں نے یہ ثابت کردیا تھا کہ جان ایشکوف کے فون سے ٹیپ ریکارڈر منسلک تھا۔ وہ ریسیور اٹھا کر دوسری لائن پر آتا تھا اور سی ایس ڈی لائن منقطع کردیتی تھی۔ تیسری بار پبلک بوتھ میں سی ایس ڈی نہیں تھی۔ اسی وجہ سے رابطہ ہوگیا تھا۔

محض اپنی صوتی شناخت کو پوشیدہ رکھنے کے لیے میں نے اسی لمحے عبدالماجد الحسینی والے کردار کو آگے بڑھانے کا فیصلہ کرلیا۔

"میں عبدالماجد الحسینی ہوں۔" میں نے قدرے توقف کے بعد عربی لہجے سے مغلوب انگریزی میں جواب دیا "اور جان ایشکوف سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

جان کے لیے وہ اجنبی نام شاید بے ضرر تھا۔ اس نے کہا "میں جان بول رہا ہوں۔ جان ایشکوف!"

"میں نے سنا ہے کہ تم کسی خاص مشن پر استنبول سے کراچی آئے ہو۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

میرے اس اظہارِ خیال نے اسے چونکا دیا "یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟"

"جو شخص تمہارے نام اور موجودہ فون نمبر سے واقف ہو سکتا ہے وہ اور کچھ بھی جان سکتا ہے۔" میں نے دوستانہ لہجے میں بات ٹال دی "اس بارے میں تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ کہ میری معلومات کہاں تک درست ہیں؟"

"تم خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔" لمحے بھر کی خاموشی کے بعد جان کی متردد آواز ابھری "اب تمہارا تفصیلی تعارف حاصل کیے بغیر میں تم سے گفتگو جاری نہیں رکھ سکوں گا۔"

"میں تمہارا ہمدرد اور دوست ہوں۔" میں نے اسے یقین دلانا چاہا۔

"یہ کافی نہیں ہے۔" اس نے اعتراض جڑ دیا "یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"میں عبدالماجد الحسینی ہوں اور تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرا بھی کچھ فائدہ ہوسکے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم سعودی ہو؟" دوسری طرف سے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا گیا۔

"سعودی نہیں، میں یمنی ہوں۔" میں نے بے ساختہ کہہ ڈالا۔

"کس نیٹ ورک کے لیے کام کرتے ہو؟" جان نے اپنی

باقاعدہ جرح کا آغاز کردیا تھا۔
''میں کسی نیٹ ورک کے چکر میں نہیں پڑتا۔ صرف اپنے فائدے کے لیے کام کرتا ہوں۔''
''اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو تم اپنے نام سے مسلمان معلوم ہوتے ہو۔'' جان نے قیاس آرائی کی۔
''تمہارا اندازہ درست ہے۔ الحمدللہ' میں مسلمان ہوں۔'' میں نے فوری طور پر جواب دیا۔
''غیر ملکیوں کے لیے پاکستان کسی بھی طرح ایک پُرکشش ملک نہیں ہے۔ یہاں غربت ہے۔ سماجی پابندیاں بے شمار ہیں۔ الکحل کا استعمال خلافِ قانون ہے پھر تم یہاں کیا کررہے ہو؟''
''یہی سوال میں تم سے بھی کرسکتا ہوں۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔
''میں ایک سرکاری ملازم ہوں۔ ایک مشن پر یہاں آیا ہوں۔ یہ اشارہ تم خود بھی دے چکے ہو۔'' اس نے مجھے یاد دلایا۔
''میرا کوئی مشن نہیں ہے۔ میں ایک بے فکر سیلانی ہوں جسے شراب سے کوئی رغبت نہیں ہے۔''
''میں نہیں مان سکتا۔ پاکستان میں پائے جانے والے بیشتر عرب اور دوسرے غیر ملکی مسلمان کسی نہ کسی مشن سے وابستہ ہیں۔ تم القاعدہ کے آدمی تو نہیں ہو؟''
''ان میں میرا شمار ہوتا تو تم میرے نام سے ضرور واقف ہوتے۔ وہ تمہارے چہیتے اور پالے ہوئے ہیں۔''
دوسری طرف سے جان ایشکوف کی تلخ سی ہنسی سنائی دی پھر وہ بولا ''تم مسلمان لوگ استنجا کرتے ہو نا۔ اس کے لیے آس پاس سے کوئی بھی کنکر پتھر اٹھاتے ہو اور اسے استعمال کرنے کے بعد بے پروائی سے ایک طرف اچھال دیتے ہو۔ بعد میں بھول کر بھی اسے یاد نہیں کرتے۔ القاعدہ والے ہمارے استنجے کے پتھر تھے۔ افغانستان میں روسیوں کا سر کچلنے کے لیے ان کی ضرورت تھی۔ القاعدہ کے حریفوں سے اپنی بات منوانے کے لیے ہمیں ان کی حوصلہ افزائی کرنا تھی۔ ہم نے ان کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا....''
''تم نے ان کی پشت پر صرف ہاتھ نہیں رکھا' بہ نفسِ نفیس ان کی اوٹ میں موجود تھے۔'' میں اس کی بات کاٹے بغیر نہ رہ سکا۔
''ہم جس پر مہربان ہوتے ہیں' اس پر اپنی فیاضیوں کے سارے دروازے کھول دیتے ہیں۔ اسے زمین سے اٹھا کر اپنی سطح پر لے آتے ہیں۔ جب ہم اپنا کوئی مشن پورا کرنے کے لیے نکلتے ہیں تو مقصد حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ تم گزری ہوئی باتوں کے طعنے نہ دو۔ کل ہم نے اپنے ہاتھوں سے انہیں پروان چڑھایا تھا اور آج ہم ان کے لہو کے پیاسے ہیں کیونکہ یہ لوگ ہمارے احکام ماننے کے بجائے اپنی من مانیاں کرنے پر تل گئے ہیں۔ جب موقع ملا' ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔''
''یہ سب تم مجھے کیوں سنارہے ہو؟'' میں نے سادگی سے پوچھا۔
''میں کسی کو کچھ نہیں سناتا۔ تم نے القاعدہ کو ہمارا پالا ہوا کہہ کر مجھے مشتعل کیا تھا۔''
''ان کا حوالہ تم نے دیا تھا۔ بات کی ابتدا میں نے نہیں کی تھی۔'' میں نے اپنی یعنی عبدالماجد الحسینی کی صفائی پیش کی۔
''پاکستان میں آوارہ گردی کرنے والے بیشتر غیر ملکی مسلمان کسی نہ کسی نیٹ ورک سے منسلک ہیں۔ ایسے کسی مضبوط رابطے کے بغیر تم کو وہ باتیں معلوم نہیں ہوسکتی تھیں جو تم جانتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم کس کے لیے کام کرتے ہو؟''
''میں صرف اور صرف اپنے لیے کام کرتا ہوں۔ مہینوں سے دس لاکھ ڈالر کے انعام کے لیے سرگرداں ہوں۔''
''وہ خبیث ذہنی بھی کسی بہت مضبوط نیٹ ورک کا آدمی ہے۔ ہر بار چھلاوے کی طرح ہماری نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔ اس کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟''
''سب کچھ نہ سہی تب بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔'' میں نے پورے اعتماد سے کہا ''وہ غاروں میں نہیں' کھلی زمین پر رہتا ہے۔''
''اگر تم نے اسے پکڑوا دیا تو دس لاکھ ڈالر تمہارے ہوں گے۔'' میری توقع کے عین مطابق وہ مضطرب ہوگیا۔
''اگر کہہ کر تم نے شرط عائد کردی۔'' میں نے خشک لہجے میں اعتراض کیا ''اسے پکڑنا یا نہ پکڑنا تمہارا کام ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔''
''اس وقت سب سے اہم سوال یہی ہے کہ وہ مردود کہاں ہے۔'' جان نے روانی میں جواب دیا۔
''مقام کا تعین کرو اور رقم لے آؤ۔ میں بتادوں گا۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
''امریکی وعدہ خلاف نہیں ہوتے۔ تمہاری دی ہوئی اطلاع کی تصدیق ہوتے ہی تم کو پوری رقم ادا کردی جائے گی۔''
اس بار میں ہنس پڑا ''امریکی شاید سب سے بڑے جھوٹے اور دغا باز ہوتے ہیں۔ ابھی تم نے کہا تھا کہ آج تم اپنے ہی بنائے ہوئے نیٹ ورک کی اینٹ سے اینٹ بجا

دینے پر تل گئے ہو کیونکہ اشتیبجے کے ان ڈھیلوں سے تمہارا کام نکل چکا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم واقعی کسی نیٹ ورک کے آدمی نہیں ہو۔" ایک گہرے سانس کے ساتھ جان کی آواز آئی "تم نے کبھی کسی مشن پر کام کیا ہوتا تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ساری اہمیت مقصد کی ہوتی ہے۔ اس کے حصول کی راہ میں آنے والا ہر مہرہ بے رحمی سے پٹوا دیا جاتا ہے۔ کمزور مہرے خود ہی پٹتے چلے جاتے ہیں۔ اس علاقے میں ہمارے مقاصد کی بساط سمٹ رہی ہے۔ ہدف بدل گئے ہیں۔ ایسے میں سب کچھ جائز ہوجاتا ہے۔ اسے دغابازی نہیں کہا جاسکتا۔"

"تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے تو میں بھی تم پر اعتبار نہیں کرسکتا۔ دس لاکھ ڈالر بڑی رقم ہوتی ہے۔ کیا پتا کہ تم مجھے جعلی نوٹ تھما دو اور میں دھرلیا جاؤں۔ تمہاری دی ہوئی کرنسی کی اصلیت کی تصدیق ہونے کے بعد میں تمہیں اپنی معلومات سے آگاہ کروں گا۔"

"تم بلاوجہ بات بڑھا کر تلخی پیدا کررہے ہو۔" یک بیک اس کا لہجہ ناصحانہ ہوگیا "تم کو اندازہ نہیں ہے کہ ڈینی تک پہنچنے کے لیے تمہاری کیا کچھ ناز برداریاں کی جاسکتی ہیں۔ مجھ پر نہیں تو میری حکومت پر اعتبار کرو اور بتا دو کہ وہ جہنم کا کندہ کہاں ہے۔"

"وہ تمہارے دوستوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھا ہوا ہے اور تم اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہو۔" میں نے اپنے تصور میں اس کی مضطربانہ کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"تم کن دوستوں کی بات کررہے ہو۔ ہم پاکستانیوں کو بھی اپنا دوست تصور کرتے ہیں۔"

میں ہنس پڑا "یہ تمہارا ایک اور جھوٹ ہے۔ تمہارے دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ تم پاکستان میں پاکستانیوں کو بے وقوف بنانے کے لیے آئے ہو۔ روانی میں تم نے دوستی کی رٹی رٹائی بات دہرادی۔ یہ بھول گئے کہ میں پاکستانی نہیں، یمنی ہوں۔"

"یمن کے آدھے سے زیادہ لوگ ہمارے دوست ہیں۔" دوسری طرف سے ڈھٹائی سے کہا گیا "ایک روز پورے یمن پر ہمارے دوستوں کا راج ہوگا۔"

"میں سیاسی نہیں، معاشی میدان کا آدمی ہوں۔ کسی بدمعاشی کے بغیر اپنی روزی کمانا چاہتا ہوں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں کہ تم گول مول الفاظ میں اپنے خدشات اور تحفظات کا اظہار کررہے ہو۔ تمہاری دی ہوئی اطلاع کی تصدیق ہونے کی صورت میں تمہیں چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر انعام کی پوری رقم تمہاری سہولت کے مطابق مل جائے گی۔"

"تصدیق ہوجانے کے باوجود تم مجھے یہ بری خبر سنا سکتے ہو کہ میری دی ہوئی اطلاع غلط ثابت ہوئی۔"

"شاید میں ایسی بے ایمانی کراؤں۔ میری حکومت ایسی حرکت کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ اسے اپنی ساکھ ایک ملین ڈالر سے زیادہ عزیز ہے۔"

"بدقسمتی یہ ہے کہ میں اس وقت امریکی حکومت کے بجائے جان ایشکوف سے مخاطب ہوں۔"

"اس وقت میری حیثیت امریکی حکومت کے بااختیار نمائندے کی ہے..."

میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی "اور تم اپنی بے ایمانی کے امکان کو خود تسلیم کرچکے ہو۔"

"تم بلاوجہ حجت کررہے ہو۔" وہ میری جرح سے زچ ہو کر بولا "اب تک تمہیں بتا دینا چاہیے تھا کہ تم کیا جانتے ہو۔"

"میں نے تمہیں بتانے کے ارادے سے ہی فون کیا تھا مگر تم نے اپنی باتوں سے میرے دل میں شکوک و شبہات پیدا کردیے ہیں۔"

"اپنے دل سے ہر بدگمانی جھٹک دو۔ مجھ پر اعتبار کرو۔ میں تمہیں دھوکا نہیں دوں گا۔"

"فون پر میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "تم مجھ سے مل لو۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری آنکھوں میں

خبردار

اداکاری کی خواہش مند ایک نئی لڑکی کی ایک ڈائریکٹر سے ملاقات طے ہوئی تو ایک پرانی واقف حال نے اسے خبردار کیا۔ "سوچ سمجھ کر اس کے پاس جانا۔ اس شخصیت کی شہرت بہت خراب ہے۔ سنا ہے اکیلے کمرے میں اگر کوئی لڑکی اس کے پاس پہنچ جائے تو کپڑے پھاڑ ڈالتا ہے۔"

"بہت اچھا کیا تم نے مجھے خبردار کردیا..." نئی امیدوار نے شکرگزارانہ لہجے میں کہا "میں اب کوئی پرانا اور بے کار سا جوڑا پہن کر جاؤں گی۔"

مجھے بھروسے کی کچھ پرچھائیاں نظر آجائیں اور میں تمہیں اپنی معلومات میں شریک کرنے پر آمادہ ہوجاؤں۔"

"پاکستان میرے لیے ایک نیا ملک ہے۔ میں یہاں ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر یوں تم سے نہیں مل سکتا۔"

"پھر مجبوری ہے۔ میں تمہاری شرائط پر کوئی تعاون کرنے سے قاصر ہوں۔"

"تم کوئی تعاون نہیں کررہے۔" ریسیور پر اس کی تیز آواز ابھری "تمہیں ڈیپی کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔ ہم نے ان معلومات کی بولی لگائی ہوئی ہے اور تم ہمارے مقرر کیے ہوئے داموں پر اپنی معلومات بیچنا چاہتے ہو۔ یہ بالکل کھلا ہوا سودا ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔ میں یہ سودا اپنے اطمینان کے بعد ہی کروں گا۔"

لائن پر چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھاگئی پھر جان ایشکوف کی بھاری آواز ابھری "ٹھیک ہے۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں اس معاملے میں کسی پیش رفت سے پہلے تم سے ملنے کا خواہاں ہوں۔"

"کب اور کہاں ملنا چاہتے ہو؟" جان نے فیصلہ کن لہجے میں سوال کیا۔

میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا پھر کہا "کراچی کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں یہاں آتا جاتا رہا ہوں۔ پشاور میں میرا قیام خاصا طویل رہا ہے۔"

"تم نے اچانک پشاور کا ذکر کیوں نکال لیا؟" وہ موقع فراہم کررہا تھا تو مجھے گفتگو کو طول دینے میں کوئی عذر نہیں تھا۔

"یہ سلسلہ اس وقت سے چل رہا ہے جب پاکستان میں کراچی کے سوا کوئی اور بین الاقوامی ہوائی اڈا نہیں تھا۔ پشاور اور دوسرے عالمی شہروں کے درمیان آمدورفت کے لیے مجھے بار بار کراچی میں ٹھہرنا پڑتا تھا۔ میں اس شہر سے خاصی حد تک واقف ہوں۔"

"تم نے بندرگاہ کو شہر سے ملانے والا نیٹی جیٹی کا پل ضرور دیکھا ہوگا۔" میں نے پوچھا۔

"یہ نام میں پہلی بار سن رہا ہوں۔" اس نے کسی حیل و حجت کے بغیر اعتراف کرلیا۔

"تم نے بیچ لگژری ہوٹل کا نام ضرور سنا ہوگا۔ وہ کراچی کا بہت پرانا اور اچھا ہوٹل ہے۔"

"یہ نام کانوں کو مانوس معلوم ہوتا ہے۔ تم اپنا مدعا بتاؤ۔ میں کسی نہ کسی طرح تمہارے مقرر کردہ مقام پر پہنچ جاؤں گا۔" میرے کانوں میں اس کی اضطراری آواز گونجی۔ میرے اطمینان سے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جارہا تھا۔

"ایک راستہ نیٹی جیٹی کے پل کے اوپر سے گزرتا ہے۔ دوسرا بیچ لگژری ہوٹل کی طرف سے پل کے نیچے آتا ہے۔" میں نے اپنی یادداشت تازہ کرتے ہوئے کہا "اس دوسرے راستے پر سمندری کھاڑی کے کنارے مندر بنا ہوا ہے۔ تم کل رات نو بجے مجھے اس مندر کے آس پاس مل جاؤ۔"

"کل رات کے بجائے تم آج ہی وہاں کیوں نہیں آجاتے۔" اس نے اپنی بے چینی کا مظاہرہ کیا۔

میں اس کے اضطراب کا سبب سمجھ رہا تھا۔ میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے، بے پروائی سے کہا "آج میں مصروف ہوں۔ یہ ملاقات کل ہی بہتر رہے گی۔"

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ کل دن میں مجھے دہلی کے لیے روانہ ہونا ہے۔ میں اپنی روانگی ملتوی نہیں کرسکتا۔ تم آج کے لیے وقت نکالو۔"

کڑی سے کڑی مل رہی تھی۔ جلال کی فراہم کی ہوئی معلومات اور جان کے عذر سے یہ ثابت ہورہا تھا کہ اس کی دہلی روانگی کا پروگرام طے پاچکا تھا۔ میری تلاش کے سلسلے میں اسے لینگلے میں سی آئی اے کے افسران سے کمپیوٹرائزڈ رابطے کرنے تھے، وہ ہوچکے تھے۔ کراچی میں اپنے مختصر قیام کے مقاصد حاصل کرلینے کے بعد وہ اپنے چارٹرڈ طیارے سے دہلی روانگی کے لیے پابہ رکاب بیٹھا ہوا تھا۔ میری ٹیلی فون کال کے نتیجے میں اسے غیر متوقع طور پر اہم ترین معلومات حاصل ہونے کی امید ہوگئی تھی اس لیے وہ اپنے اگلے پروگرام کو خراب یا متاثر کیے بغیر مجھ سے جلد از جلد ملنے کے لیے بے چین ہوگیا تھا۔

"بہت مشکل ہوگا۔" میں نے بلاوجہ معذوری ظاہر کی "آج رات مجھے اپنے مالی وسائل کی بہبود کے لیے کچھ جستجو کرنی ہے۔"

"آج کی مصروفیات سے تمہیں کتنی آمدنی کی امید ہے؟" اس کی آواز میں بلا کا تجسس اُمڈ آیا۔

"ڈیڑھ دو لاکھ روپے تو مل ہی جائیں گے۔" میں نے سوچ سمجھ کر تیر اپنے نشانے پر پھینکا "میں پاکستان میں آوارہ گرد عرب کے طور پر پہچانا جانا پسند نہیں کرتا۔ اپنے گزارے کے لیے آمدنی کے کچھ نہ کچھ ذرائع ڈھونڈتا رہتا ہوں۔ تم

سے رابطہ بھی میری ان ہی کوششوں کی ایک کڑی ہے۔"

"اپنی آج کی مصروفیات منسوخ کردو۔" جان نے بے تابی سے کہا "نو بجے مندر کے پاس آجاؤ۔ میں تمہیں اپنے پاس سے دو لاکھ روپے دے دوں گا۔ یہ رقم تمہارے انعام میں سے نہیں کاٹی جائے گی۔ میرے لیے وقت بہت قیمتی ہے۔"

"مجھے پہلے سے یہ اندازہ ہوگیا ہوتا تو میں ڈیڑھ دو لاکھ کے بجائے دس پندرہ لاکھ کی بات کرتا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تم نے یہ موقع گنوا دیا۔ میں تمہیں دو لاکھ سے ایک روپیا بھی اوپر نہیں دوں گا۔ یہ بھی خاصی بڑی رقم ہے۔"

"قطعی بڑی رقم نہیں ہے۔ اسے ڈالروں میں تبدیل کرو گے تو یہ بہت زیادہ سکڑ جائے گی۔ تم یہ بھول رہے ہو کہ میں پاکستانی نہیں، یمنی ہوں۔ آمدنی کے ذرائع کی تلاش میں گھاٹ گھاٹ گھومتا رہتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے پیچھے میں بھی دہلی چل دوں۔ اس وقت میرے لیے دس لاکھ ڈالر کا حصول سب سے زیادہ ضروری ہے۔"

"میں دہلی میں زیادہ دیر تک نہیں رکوں گا۔ اپنا کام ختم کرتے ہی دوبارہ کراچی لوٹ آؤں گا۔" اس نے جلدی سے وضاحت کی۔

"ابھی ہماری ملاقات بھی نہیں ہوئی اور تم نے اپنی وعدہ خلافیوں کی داغ بیل ڈال دی۔" میں نے شکایت کی۔

"کیسی وعدہ خلافی؟ تم مجھ پر بلاوجہ الزام تراشی کیوں کررہے ہو؟" پہلی بار اس کا لہجہ ترش ہوگیا۔

"تم نے چوبیس گھنٹوں میں رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اگر ہم آج رات نو بجے مل لیتے ہیں تو یہ مدت کل رات کے نو بجے ختم ہوجائے گی۔ اب تم سنا رہے ہو کہ اس وقت تم دہلی میں بیٹھے ہوئے ہوگے تو میری رقم کون ادا کرے گا؟"

"اس وقت تم جان ایشکوف سے نہیں، امریکی حکومت کے ایک طاقت ور نمائندے سے بات کررہے ہو۔ میں کراچی سے چلا گیا تب بھی یہاں میرے اختیار اور وعدوں کا تسلسل برقرار رہے گا۔ کوئی دوسرا آدمی میرے وعدے پورے کرے گا۔"

"میں اس تک کیسے رسائی حاصل کروں گا؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"تم آج آنے پر اپنی آمادگی ظاہر کرو تو سب کچھ ہوجائے گا۔"

میں یوں خاموش ہوگیا جیسے تذبذب کا شکار ہوگیا ہوں پھر میں نے نیم دلی سے کہا "ٹھیک ہے۔ میں آجاؤں گا۔"

"گڈ!" جان کی آواز سے فتح کی مسرت جھلک رہی تھی "سب کچھ طے ہوگیا ہے تو اتنا اشارہ تو دے دو کہ وہ کس شہر میں ہوگا۔"

میں پانچوں سروسز کے نمائندوں کے ساتھ جان ایشکوف کی ملاقات کا تفصیلی احوال، جلال کی زبانی سن چکا تھا۔ مجھے یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ لینگلے نامی امریکی علاقے میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے کے ماہرین نے اپنی خداداد ذہانت سے کام لے کر یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا کہ ڈینی دہلی میں را اور سی آئی اے کے کلیدی عہدے داروں کے خون کی ہولی کھیلنے کے بعد امرتسر کے زمینی راستے سے بنگو کے ذریعے پاکستان پہنچ چکا تھا۔ ان کی قائم کی ہوئی یہ رائے اس قدر ٹھوس اور مستحکم تھی کہ انہیں کسی بھی طرح بہکانا یا بھٹکانا ممکن نہیں رہا تھا پھر بھی میں نے جان کے چٹکی لینے کا فیصلہ کرلیا۔

"اگر اس وقت میں یہ کہوں کہ وہ دہلی میں تمہارے دوستوں کے درمیان بیٹھا ہوا ہے تو....؟"

"اوہ نو!" اس کی غراتی ہوئی آواز نے میری بات کاٹ دی "اگر تمہاری معلومات کا یہ حال ہے تو میں نے بلاوجہ تم پر اپنا قیمتی وقت برباد کیا۔"

"یہ بات اتنی ناممکن نہیں ہے۔ تم اسے اتنی سختی سے کیوں مسترد کررہے ہو.... ویسے یہ مذاق کی بات تھی۔" میں نے کہا۔

"مذاق بھی کچھ قرینِ قیاس ہونا چاہیے۔ وہ جہاں جہاں سے گزرا ہے وہاں اس نے اپنی موجودگی کے ثبوت چھوڑے ہیں۔ اس حرام زادے کا خیال ہے کہ اس طرح وہ ہمیں اور بھارتیوں کو دہشت زدہ کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ یہ اس کی بھول ہے۔ وہ دہلی میں تھا اور پھر امرتسر سے پاکستانی علاقے میں نکل گیا۔ ہمارے پاس اس بارے میں ناقابلِ تردید واقعاتی شہادتیں موجود ہیں جنہیں کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔" جان ایشکوف کا نرم لہجہ یک بیک تلخ ہوگیا تھا۔

"میں اس کی کمین گاہ کے بارے میں قبل از وقت زبان کھول کر اپنے ہاتھ نہیں کٹوا سکتا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر، اس کی دی ہوئی گالی کو نظرانداز کرتے ہوئے جواب دیا "مجھے بھی معلوم ہے کہ وہ بھارت سے پاکستان آچکا ہے اور میں تم سے اپنے اسی علم کی قیمت وصول کرنا چاہتا ہوں۔"

"تھوڑی دیر پہلے بھی تم نے کہا تھا کہ وہ ہمارے دوستوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھا ہوا ہے اور ہم اس کی تلاش

میں بھٹک رہے ہیں۔ کیا اس وقت بھی دوستوں سے مراد بھارت والے تھے!" مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری کہی ہوئی بات یاد آنے پر وہ چونک پڑا تھا۔

"ظاہری طور پر تم ہر ایک کو اپنا دوست قرار دیتے ہو لیکن اپنی پالیسی کے ذریعے بہت سے دوستوں کی پشت میں خنجر گھونپنے کی تیاری کرتے رہتے ہو۔ تفصیل سنو گے تو تم خود حیران ہو جاؤ گے کہ ڈینی یہاں کن ہاتھوں میں محفوظ ہے۔"

میں نے جان بوجھ کر وہ پینترا بدلا تھا۔ جان کے لہجے کی تلخی ایک مرتبہ پھر تجسس میں بدل گئی "میں یہی پوچھ رہا تھا۔ مجھے کوئی اشارہ تو دے دو کہ وہ کہاں ہے؟"

"نہیں جان! میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔" میں نے سختی سے کہا "تم عیاری سے کام لے کر مجھ سے ہر بات اگلوانا چاہ رہے ہو لیکن تم نے اب تک اپنے اس نمائندے کا نام، پتا اور فون نمبر نہیں بتایا جو تمہارے دہلی جانے کے بعد مجھے انعام کی رقم ادا کرے گا۔"

"اگر تم باخبر ہو تو تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں آج ہی استنبول سے کراچی پہنچا ہوں۔ مجھے دیکھنا ہوگا کہ میرے خاص خاص آدمیوں میں سے کون موجود ہے اور کون چھٹی پر گیا ہوا ہے۔ مکمل رازداری کے ساتھ اتنی بڑی نقد رقم ادا کرنے کے لیے آنکھیں بند کر کے ہر ایک پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

"پھر تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ میں آج رات تم سے ملنے پر آمادہ ہو جاؤں تو تم مجھے رقم دینے والے کے بارے میں بتا دو گے۔"

"مجھ سے غلطی ہوئی۔ امید ہے کہ تم میری مجبوری کو سمجھ گئے ہو گے۔" اس کی آواز معذرت خواہانہ ہو گئی۔

"یہ یاد رکھنا کہ میرے ساتھ کوئی چال بازی کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ میرے ساتھی تمہاری بوٹیاں نوچ ڈالیں گے۔"

"ابھی تک تم کہہ رہے تھے کہ تمہارا کسی نیٹ ورک سے کوئی تعلق نہیں ہے پھر تمہارے خوں خوار ساتھی کہاں سے نکل آئے۔"

"ہم چند گہرے دوست ہیں جو ایک دوسرے کے جاں نثار ہیں۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا "ہم کسی تنظیم کے رکن نہیں ہیں۔"

"تم گہرے اور کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے درمیان کوئی لمبی مفاہمت ہو سکے۔"

"یہ یاد رکھنا کہ دس لاکھ ڈالر مل جانے کے بعد مجھے پیسے کی زیادہ پروا نہیں رہ جائے گی۔" میں نے اسے تادیب کی "کسی نے میری یہ رقم روکنے کی کوشش کی تو میں اس کے حلق میں ہاتھ ڈال کر کھایا پیا تک اگلوا لوں گا۔"

"میں یہ سب جانتا ہوں۔ اس طرح کے کاموں میں یہی سب ہوتا ہے۔ تم نے میرا بہت وقت لے لیا۔ باقی باتیں اب رات کو ہوں گی۔ یہ بتاؤ کہ میں تم کو کیسے پہچانوں گا؟" اس نے اپنی جانب سے گویا گفتگو کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہم لوگ گمنامی میں درویشی زندگی بسر کرتے ہیں۔ میں رات کو سرخ رنگ کی پرانی سوزوکی کیری میں آؤں گا جس کے سیاہ ہڈ کے اوپر سبز رنگ کا بلب جل رہا ہوگا۔ اس گاڑی کو دیکھتے ہی تمہیں میرے پاس آنا ہے۔ تمہاری کیا شناخت ہوگی؟"

"سیاہ ٹی شرٹ اور سیاہ جینز کے ساتھ میرے سر پر سیاہ پی کیپ ہوگی۔" اس نے بتایا پھر پوچھا "تم اکیلے آؤ گے یا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہوگا۔"

"یہ میرے موڈ پر منحصر ہے۔ اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ میں سوزوکی کیری چلاؤں گا۔ میرے برابر والی سیٹ خالی ہوگی۔"

"اوکے آب ڈل مے جد! نو بجے مندر کے پاس ملاقات ہوگی۔ گڈ لک!" دوسری طرف سے کریڈل کی کلک سن کر میں نے فون بند کر دیا۔

"خدا کی پناہ۔ تم اس سے یوں باتیں کیے جا رہے تھے جیسے کئی دنوں سے ان مکالموں کی ریہرسل کرتے رہے ہو۔ وہ بھی تمہاری باتیں سن رہا تھا۔" میرے فارغ ہوتے ہی اول خان نے گہرا سانس لے کر تحیر زدہ لہجے میں کہا۔

"دراصل وہ گفتگو کے آغاز میں ہی گہرے تجسس کا شکار ہو گیا تھا۔" میں نے اول خان کی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے جواب دیا "اس کے ذہن میں چھپا ہوا زہر اگلوانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ گفتگو کو طول دیا جائے۔ وہ باتیں کرنے پر آمادہ تھا اس لیے بات جاری رہی۔"

"ایک اجنبی کے فون پر سی آئی اے کے ایک منجھے ہوئے ڈپٹی ڈائریکٹر کا یوں فریب کھانا بہت عجیب محسوس ہو رہا ہے" اول خان اپنی گاڑی کا اسٹیئرنگ وہیل سنبھالتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

"اپنی دانست میں اس نے کوئی فریب نہیں کھایا بلکہ چالاکی سے کام لیا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ ڈینی اس کا مرغوب ترین موضوعِ سخن ہے" میں نے اسے یاد دلایا "اگر یہ لوگ ایسی

باتوں پر دھیان نہ دیں تو انہیں کسی بھی معاملے کا سراغ تک نہیں ملے گا۔ بعض اوقات ایسے رابطے بہت سودمند ثابت ہوتے ہیں۔"

"اسے فون کرنے تک تمہارے ذہن میں کوئی خاکہ نہیں تھا۔ کیا تم اس سے ملنے جاؤ گے؟" اول خان نے گاڑی آگے بڑھادی۔

"ضرور جاؤں گا۔ اس بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس نے تم سے تمہاری ساری نشانیاں پوچھ لی ہیں۔ اس کے میسنجر یا کمانڈوز دور سے ہی تمہیں بار پر لے لیں گے۔ یہ بہت خوں ریز اور مہلک تصادم ثابت ہو سکتا ہے۔" اول خان کی آواز سے گہری تشویش نمایاں تھی "ہمارے دوستوں نے ہمیں اس سے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے۔"

"میرا لڑنے مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ وہ بھی اپنی کھال میں رہے گا۔"

"میں تمہاری اس خوش فہمی کا سبب ضرور جاننا چاہوں گا۔" اول خان بولا۔

"وہ بہت چالاک اور خرانٹ آدمی ہے۔ میں اس سے کھیل رہا تھا۔ وہ مجھے اُلّو بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس نے میری باتوں پر اعتبار نہیں کیا ہوگا...؟"

"پھر اس نے تم سے اتنی لمبی بات کیوں کی؟" اول خان نے درمیان میں سوال کر ڈالا۔

"اسے کوئی سرا ملنے کی موہوم سی امید ہوئی ہوگی۔ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا" میں نے پورے اعتماد سے جواب دیا "مجھ سے ملاقات ہونے سے پہلے وہ میرے خلاف کوئی براہِ راست کارروائی نہیں کرے گا۔"

اول خان کی نظریں قریبی گلیوں اور راستوں پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ سرہلا کر بولا "ہاں' اسے کوئی شبہ ہو بھی چکا ہو تو تم سے ملے بغیر اسے یہ اندازہ کیسے ہو سکے گا کہ تم سچے ہو یا جھوٹ بول کر اسے بے وقوف بنا رہے ہو' وہ تم سے ملے بغیر کوئی منفی قدم نہیں اٹھائے گا۔"

"بس یہی ایک نفسیاتی نکتہ ہے جہاں مجھے اس پر برتری حاصل ہے۔ وہ ڈینی کے بارے میں ہر قیمت پر کچھ نہ کچھ جاننا چاہتا ہے۔ میں نے یہ امید دلا کر اسے اپنے جال میں پھانس لیا ہے۔ دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ وہ مجھے نہیں جانتا' میں تمہاری مدد سے اسے دور سے پہچان سکتا ہوں۔"

"تم نے اسے اپنی جو شناخت بتائی ہے وہ سن کر میں ہکا بکا رہ گیا تھا۔ کالے ہڈ والی سرخ سوزوکی کیری جس کے اوپر سبز بلب لگا ہوا ہو' کہاں سے آئے گی؟ ایسی گاڑی تم نے کہاں دیکھ لی تھی؟"

"گھر میں بیٹھ کر اطمینان سے بتاؤں گا" میں نے ہنس کر کہا کیونکہ ہم واپس گھر پہنچ چکے تھے اور اول خان نے اپنی گاڑی باہر روک دی تھی۔

"تم عجیب اور سمجھ میں نہ آنے والے آدمی ہو" وہ میرے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہوئے بڑبڑایا "بعض اوقات ایسی باتیں کرتے چلے جاتے ہو جن کا کوئی سر پیر نظر نہیں آتا۔ بعد میں ان کی اہمیت سامنے آتی ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔"

وہ مبالغانہ تبصرہ میری تعریف میں تھا اس لیے میں خاموش رہا۔

ڈوربیل کے جواب میں دروازہ کھلا تو ان تینوں کے اُڑے اُڑے اور پریشان چہرے دروازے کے پیچھے تھے۔

"کسی سے کچھ کہے سنے بغیر کہاں مر گئے تھے؟" ویرا نے غرّاتی ہوئی غصیلی آواز میں پوچھا۔ اس کی نیلی آنکھوں میں تیرتے ہوئے خمار کے ہلکے سرخ ڈورے یہ بتا رہے تھے کہ وہ سرور کے عالم میں تھی۔ ہم دونوں نے خاموشی سے گھر سے نکل کر اس کا موڈ غارت کر دیا تھا۔

"بے چارے ڈینی پر آنکھیں مت نکالو۔ ہم جان الیش کوف کو فون کرنے کے لیے ایک پبلک بوتھ تک گئے تھے" میرے کچھ بولنے سے پہلے اول خان بزرگانہ انداز میں بول پڑا۔ "اب ہمیں اندر آنے کا راستہ بھی دو گی یا یوں ہی اڑی کھڑی رہو گی؟"

"ہمیں اس سے غرض نہیں کہ آپ دونوں کہاں گئے تھے" غزالہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "جانے سے پہلے کسی کو تو کچھ بتا جاتے تاکہ ہم تینوں کو پریشانی نہ ہوتی۔ ہم سب آج کل بدترین خطرات سے دوچار ہیں۔ دشمن پوری قوت کے ساتھ میدان میں اُترے ہوئے ہیں۔ آپ دونوں کو اچانک غائب پا کر ہمارے ذہنوں میں بُرے بُرے خیالات آنے شروع ہو گئے تھے۔ مجھے بھارتیوں سے کبھی خوف نہیں آیا لیکن امریکیوں سے ڈر لگتا ہے وہ بہت سفّاک اور جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہیں۔"

"وہ ہمیں بیٹھے بیٹھے دھواں بنا کر تو نہیں اڑا سکتے تھے" میں نے بدمزگی سے کہا۔

"اس خوش فہمی میں نہ رہنا۔ وہ یہ بھی کر سکتے ہیں۔ لیزر سے چلنے والے جدید ترین ہتھیار دھاتوں تک کو چشم زدن میں بھاپ بنا کر اڑا دیتے ہیں۔ ان ہتھیاروں کے سامنے انسانوں

کے آبی بدن کی کوئی حقیقت نہیں ہے" ویرا نے فضا میں اپنی شہادت کی انگلی نچا کر کہا۔

"کم از کم اس وقت ایسا نہیں ہوا تھا" میں نے تلخی سے کہا "تم اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی موج اڑا رہی تھیں۔ تمہیں اپنے عشرت کدے سے باہر آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"سلطان شاہ اور غزالہ کو تمہارا ہوش تک نہیں تھا" ویرا نے ہمارے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے ترکی بہ ترکی جواب دیا "تم نے کچھ دیر بعد میرے کمرے میں آنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب خاصا وقت گزر گیا اور تم نہیں آئے تو میں تمہاری تلاش میں باہر نکلی۔ میری آوازیں سن کر ان دونوں کو بھی ہوش آ گیا۔"

"یہ درست کہہ رہی ہے۔ اس کے ڈکرانے کی آوازیں سن کر ہم چونکے تھے" سلطان شاہ نے سنجیدہ روئی سے ویرا کی تائید کی۔

"اگر میں اس وقت ڈکرا رہی تھی تو اس وقت تم رینگ رہے ہو" ویرا مشتعل ہو کر بولی۔

"اس وقت تمہارے سر پر لال پری سوار ہے" سلطان شاہ نے بے نیازی سے کہا "تم کو سات خون معاف ہیں۔ جو چاہو کہہ سکتی ہو۔"

"لال گلابی پری سے میرا کچھ نہیں بگڑتا" ویرا نے برہمی سے کہا "میں پوری بوتل پی کر بھی تم سے زیادہ ہوش مند رہتی ہوں۔ کسی کے ساتھ کمرے میں بند ہو کر دنیا ومافیہا سے بے خبر نہیں ہو جاتی۔ میرے منہ لگنے کی کوشش کرو گے تو میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔"

"الکحل کی بو والے منہ کی قربت سے مجھے متلی ہونے لگتی ہے" سلطان شاہ اسے چڑانے پر تل گیا۔

مجھے فضا میں فساد کے آثار منڈلاتے ہوئے نظر آنے لگے۔ ویرا اپنے ہوش و حواس میں تھی لیکن کسی حد تک مخمور تھی۔ اس وقت اس کی ذہنی رو بہک جاتی تو اسے سنبھالنا کافی دشوار ہو سکتا تھا۔ میں نے تیزی سے کہا "تم لوگ ہمیشہ اپنی بے وقت کی راگنی الاپنے میں مصروف رہتے ہو۔ کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ ہم دونوں جان ایشکوف سے فون پر بات کرنے کے لیے باہر گئے تھے۔ تمہاری نظروں میں اول خان کی دی ہوئی اس اطلاع کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"باہر جانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہاں سی ایس ڈی استعمال کر کے تم زیادہ مطمئن رہ سکتے تھے" ویرا نے مجھ سے کہا۔

میں ویرا کی احمقانہ تجویز کا کوئی جواب دینے والا تھا کہ اول خان نے خشک لہجے میں مجھے ٹوک دیا "وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ ان بے سروپا باتوں میں نو بج جائیں گے۔ تم اس رنگین سوزو کی کیری کے بارے میں کچھ بتانے جا رہے تھے؟"

"بس، ذرا ایک بات بتا دو" سلطان شاہ نے التجا کی "نو بجے کی کیا اہمیت ہے۔ یہ بات میرے علم میں آ جائے گی تو تم دونوں کی بقیہ باتیں خود بخود میری سمجھ میں آتی چلی جائیں گی۔"

"ڈینی نے پہلے سے کچھ طے کیے بغیر جان ایشکوف سے فون پر فی البدیہہ بات کی ہے اور اس سے نو بجے تیتی بیتی کے مندر کے قریب ملنے کا پروگرام طے کیا ہے۔ اب یہ اس سوزو کی کیری کے بارے میں بتائے گا جس میں اسے وہاں پہنچنا ہے۔"

اول خان مشینی انداز میں اپنی بات پوری کر کے میری طرف دیکھنے لگا۔

"کالے ہڈ والی کسی سرخ سوزو کی کیری کی سرے سے ضرورت نہیں ہے۔ میری کوشش تھی کہ وہ کسی طرح اپنی کمین گاہ سے نکل کر شہر کے کسی کھلے مقام پر آئے اور ہم وہاں اس کی خبر لے سکیں۔ نو بجے وہ میری بتائی ہوئی سوزو کی کیری ڈھونڈ رہا ہو گا اور میں تمہاری شناخت کے ذریعے اس کے سر پر پہنچ جاؤں گا۔ بے خبری میں اس کی ایسی گوشمالی ہو گی کہ وہ اسے زندگی بھر فراموش نہیں کر سکے گا۔"

"جلال نے ہمیں اس سے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے" اول خان نے سنجیدگی سے کہا "پاکستان کی سرزمین پر اسے کوئی گزند پہنچا تو ہمیں خواہ مخواہ امریکیوں کی بڑھتی ہوئی مخاصمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"اس کا مارا جانا امریکیوں کے اشتعال کا سبب بن سکتا ہے۔ میرا اسے مارنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اسے مار پیٹ کر کے چھوڑ دیا گیا تو امریکی محتاط رہ کر زبان کھولیں گے۔ انہیں میری تلاش کے لیے مقامی مدد کی شدید ضرورت ہے۔"

"جلال ضرور برہم ہو گا۔ تمہارا یہ منصوبہ اس کے لیے قابل قبول نہیں ہو گا۔"

"مجھے اس سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں" میں نے زور دے کر کہا "میں فری لانسر ہوں۔ اگر جان ایشکوف میری سرکوبی کے لیے اتنا سرگرم ہے تو پھر مجھے بھی اپنا دفاع کرنے اور اسے روکنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اس واقعے کے بعد میں یہاں واپس نہیں آؤں گا۔ شہر میں کہیں

روپوشی اختیار کرلوں گا۔ جلال تم میں سے کسی سے رابطہ کرے تو کہہ دینا کہ میں غائب ہوچکا ہوں۔ مجھ سے رابطہ کیے بغیر تم کچھ کہنے سے معذور ہو۔"

"اچھی طرح سوچ لو" اول خان نے مجھے تادیب کی "یہ تمہارے اندازے ہیں جو غلط بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"جان سے بات کرنے سے پہلے میں نے کچھ نہیں سوچا تھا لیکن اس کے بعد اپنے منصوبے پر مسلسل غور کرتا رہا ہوں۔ مجھے اس میں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ میرا خیال ہے کہ میں امریکیوں کے حوصلے توڑنے میں کامیابی حاصل کرلوں گا۔"

"تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو" ویرا نے کھل کر میری تائید کی "جو مارتا ہے، امریکی اس سے خوف کھاتے ہیں۔ ڈرنے والوں کو یہ پوری قوت سے دباتے چلے جاتے ہیں اور آخر کار اسے بند دیوار سے لگادیتے ہیں۔"

"وہ پٹے گا مگر زندہ رہے گا" میں نے اپنے ذہن میں منصوبے کے خدوخال مرتب کرتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ دہلی کے میراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کی ہلاکت کے بعد اس کا جانشین اس واقعے سے عبرت حاصل کرے گا۔"

"تمہارا یہ مفروضہ بے بنیاد ہے کہ وہ تمہارے جال میں پھنسنے کے لیے اکیلا ہی مقررہ مقام پر پہنچے گا۔ یقینی طور پر کچھ لوگ پوشیدہ رہ کر اس کی حفاظت کررہے ہوں گے۔ تم اس پر ہاتھ ڈالو گے تو وہ خاموش تماشائی نہیں بنے رہیں گے۔ تم پر آگ اور بارود کی برسات کردیں گے۔"

"ان کا جواب دینے کے لیے ہمارے پیچھے بھی مسلح نفری موجود ہوگی... چونکو نہیں۔ وہ تمہاری ٹاسک فورس کی نفری ہی ہوسکتی ہے۔ جب ہم ایک دوسرے سے گتھے ہوئے ہوں گے تو جان کے آدمی اسے گولی لگ جانے کے خوف سے نشانہ لے کر فائرنگ نہیں کریں گے۔ وہ مجھے خوف زدہ کرنے کے لیے صرف ہوائی فائرنگ کرسکتے ہیں۔ میں اسے ماروں گا اور اندھیرے میں کسی طرف بھاگ نکلوں گا۔"

"سمجھانا میرا فرض ہے۔ جو میں نے پورا کردیا" اول خان ایک گہرا سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا "میرے مشوروں کو ماننا یا نا ماننا تمہارا کام ہے۔ اس معاملے میں اسپیشل ٹاسک فورس کو الگ تھلگ رکھا گیا ہے اور میرے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ اگر تم من مانی پر تل گئے ہو تو میں تمہارا ساتھ دینے کے لیے مجبور ہوں۔ تم سے دوستی ہوجانے کے بعد میں نے ایک بار بھی تمہیں پیٹھ نہیں دکھائی۔"

"تمہارے اسی تعاون کی وجہ سے میں آج تک زندہ ہوں ورنہ میرے خون کے پیاسوں نے مجھے بہت پہلے ہی پیس ڈالا ہوتا" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں جواب دیا "میرا خیال ہے کہ جان کے خلاف اس کارروائی کے نتائج آنے پر تمہاری رائے بدل جائے گی۔ اگر اس موقع پر پولیس زخمی جان کی مدد کو پہنچ سکے تو کام مزید آسان ہوجائے گا۔"

"پولیس والوں کے اپنے ہی رنگ ڈھنگ ہوتے ہیں۔ ایسے افسران میرے رابطے میں ہیں جو یہ کام کرسکتے ہیں لیکن جوش میں وہ وقت سے پہلے آنکلے تو تمہارا پورا منصوبہ ٹھپ ہوجائے گا۔ تم جان کو ہاتھ بھی نہیں لگاسکو گے۔ پولیس کی مداخلت سے کیا فائدہ ہوگا۔"

"واقعہ ریکارڈ پر آجائے گا۔ جان کے لیے یہ بتانا دشوار ہوگا کہ وہ رات کے اندھیرے میں اس سنسان مقام پر کس پراسرار مقصد کے لیے آیا تھا" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "جب تک وہ اپنی شناخت ثابت کرے۔ پولیس اس کی جامہ تلاشی لے کر دو ڈھائی لاکھ روپے کی خطیر رقم برآمد کرچکی ہوگی۔ اسے یہ بتانا ہوگا کہ وہ اتنی بڑی رقم لے کر وہاں کس چور، قاتل یا اسمگلر سے سودا طے کرنے آیا تھا۔"

یکایک اول خان کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ بولا "یہ اس واقعے کا سب سے جان دار پہلو ہوگا۔ وہ شکایت کرنے کے بجائے مدافعانہ پوزیشن میں آجائیں گے۔ امریکی حکومت نے کراچی کو اپنے آدمیوں کے لیے مخدوش شہر قرار دیا ہوا ہے اور انہیں غیر ضروری طور پر پبلک مقامات کا رخ کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔ ان ہدایات میں اجنبیوں اور دور افتادہ یا ویران مقامات سے دور رہنے کا سخت مشورہ بھی شامل ہے۔"

"انگریزی اخبارات میں چند ہفتوں قبل چھپنے والا وہ اشتہار میرے ذہن میں تازہ ہے۔"

"لیکن تم کو وعدہ کرنا ہوگا کہ تم اسے نہیں مارو گے" اول نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"یہ بات میں بار بار واضح کرچکا ہوں۔ پیر کے نیچے بار بار دبنے کے بعد چیونٹی بھی پلٹ کر کاٹ لیتی ہے۔ طاقت کے اعتبار سے امریکیوں کا مقام بہت بلند ہے۔ دوسرے جان کے خون پر وہ جھنجلا کر کوئی بھی انتہائی قدم اٹھاسکتے ہیں۔"

"ان کے لیے ایک امریکی کے بدلے دس پانچ ہزار معصوم اور بے گناہ شہریوں کو ماردینا کوئی بڑی بات نہیں ہوگی۔ بحر ہند میں لنگر انداز کسی بھی جنگی جہاز سے وہ ایک میزائل فائر کریں گے اور اپنے انتقام کی وحشیانہ آگ کو سرد کرلیں گے۔"

"مائی ڈیر سر! تم اتنی وضاحتیں کیوں کررہے ہو؟ میں یہ

سب جانتا ہوں" میں نے اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

"آپ نے بھارت سے واپس آتے ہی پھر پاگل کتے کے منہ میں ہاتھ ڈالنا شروع کر دیا" سب کچھ طے ہوتا ہوا دیکھ کر غزالہ سراسیمہ آواز میں بولی "یہ کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ آپ بلاوجہ بڑھ چڑھ کر خطرات مول لینے لگے ہیں۔"

"جان ایشکوف کو میں نے استنبول سے نہیں بلایا ڈارلنگ! وہ خود یہاں آیا ہے اور میرا متلاشی ہے۔"

"یہ اس کا حق ہے" غزالہ نے زور دے کر کہا "دہلی میں مرنے والے اپنے ساتھی کے قاتل تک پہنچنے کی کوششیں کرنا اس کا فرض ہے۔ آپ بلاوجہ اس سے کیوں الجھنا چاہ رہے ہیں۔ آپ اسے اپنا سر کھپانے دیں اور خود خاموشی سے روپوش ہو جائیں۔"

"تم جانتی ہو کہ ایسا کرنا میرے مزاج کے خلاف ہوگا۔ وہ میری جان کا دشمن ہے۔ اس کی راہ میں روڑے اٹکانے کا حق مجھ سے نہ چھینو۔"

"آپ روپوش ہو جائیں گے اور ہم تینوں یہیں رہتے رہیں گے؟" چند ثانیوں کے بعد غزالہ نے پوچھا۔

"اس بارے میں اول خان سے پوچھو۔ اس کی رائے زیادہ صائب ہوگی" میں نے کہا۔

"تم تینوں کے یہاں رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ آج کل شہر میں رینجرز کے دستوں کے حفاظتی گشت کی ڈیوٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ ان کی آڑ میں میرے آدمی دور رہ کر تم تینوں کی دیکھ بھال کرتے رہیں گے۔ اس وقت سارا زور صرف ڈینی کی ذات پر ہے۔"

"ڈینی پر دباؤ ڈالنے کے لیے وہ لوگ ہماری طرف بھی متوجہ ہو سکتے ہیں" ویرا نے اپنی تشویش کا اظہار کیا "یہ بات اب کھل چکی ہے کہ ہم چاروں یک جا رہ کر ڈینی کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ہمارے دشمنوں کو ہمارے نام تک معلوم ہیں۔"

"انہیں بہت کچھ معلوم ہے۔ بس ہماری کمین گاہ کا علم نہیں ہے" سلطان شاہ نے امید افزا پہلو کی نشان دہی کی۔

"ہمیں عجلت اور گھبراہٹ میں الٹے سیدھے فیصلے کرنے کی ضرورت نہیں" اول خان نے حتمی طور پر اپنا فیصلہ صادر کر دیا "ڈینی آج رات جان ایشکوف سے اپنی مجوزہ ملاقات کے بعد یہاں نہیں آئے گا۔ بقیہ سب کچھ جوں کا توں رہے گا۔ حالات سازگار ہونے پر کچھ اور سوچا جائے

گا۔"

"تم کہاں جاؤ گے؟" ویرا نے پوچھا۔ باتوں میں الجھ کر وہ یہ بات بھول گئی تھی کہ اس کی مے نوشی کا دور نا تمام رہ گیا تھا "ہمیں تمہارے پتے ٹھکانے کا علم ہونا چاہیے تاکہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں تم سے مشورہ کیا جا سکے۔"

"میرے مشورے کی کیا ضرورت ہے۔ تم خود بقراط سے کم نہیں ہو" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہمیں اس موضوع پر زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں" سلطان شاہ بولا "ویسے یہ سامنے کی بات ہے کہ اس وقت ڈینی کے لیے اسٹیشن فور ہی سب سے محفوظ ٹھکانا ہو سکتا ہے۔ وہاں اول خان کی مرضی کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔"

"اتنی خوش فہمی اچھی نہیں ہوتی" اول خان نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا "اسپیشل ٹاسک فورس ایک بے ضابطہ ادارہ سہی لیکن اس کا ڈسپلن بہت زیادہ سخت ہے۔ میں سارے معاملات میں خود مختار نہیں ہوں۔ مجھے کسی کو جواب دہی کرنی پڑتی ہے۔ وہ چاہے تو مجھے اسٹیشن فور سے اٹھا کر بھی پھینک سکتا ہے۔ میں اخلاقی اور منصبی طور پر اسے اپنی ہر اہم کارروائی سے باخبر رکھنے کا پابند ہوں۔"

"یہ تمہاری فرض شناسی ہے مگر ہم لوگ جانتے ہیں کہ تمہارا چیف بھی ڈینی کی صحیح سوچ اور فیصلوں کا معترف ہے۔ وہ کبھی بھی اس کے مفاد کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔"

"یہ سب باتیں اس وقت تک درست تھیں جب تک ایس ٹی ایف کا وجود سیغۂ راز میں تھا۔ یہ موجود ہے مگر ریکارڈ اور فائلوں پر اس کا کوئی سراغ نہیں ہے۔ اس کے باوجود امریکی جان چکے ہیں کہ یہاں دستور سے ماورا ایک طاقت کام کر رہی ہے۔ ان کا دھیان اس طرف بھٹک گیا تو وہ اپنی ساری توجہ ایس ٹی ایف کے ٹھکانوں پر مرکوز کر دیں گے۔ وہ اس قدر بالادست ہیں کہ ان کے سامنے شدت سے بے بسی کا احساس ہونے لگتا ہے۔"

"ان میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں جو تم ان کے قصیدے پڑھ رہے ہو؟" ویرا کو اپنی قوم کی وہ تعریف پسند نہیں آئی۔

"یہ قصیدے نہیں، آج کے زمینی حقائق ہیں" اول خان نے افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "اسٹیشن فور کی جانچ پڑتال کے لیے انہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خلا میں زمین کے مدار پر گھومتے ہوئے مصنوعی سیارچوں میں لگے ہوئے حساس کیمروں سے دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی شخص یا چیز کی واضح تصویریں لے سکتے ہیں۔ روایتی طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ خلا سے کسی زمینی ریگستان میں گری ہوئی سوئی تک کا سراغ لگا سکتے ہیں۔ یہ سنی سنائی باتیں نہیں ہیں۔ آج کے اجلاس میں جان ایشکوف نے سب حاضرین کو امریکا کی ان صلاحیتوں کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ اپنے اسی بے مثال مواصلاتی نیٹ ورک کے ذریعے ڈینی کا سراغ لگانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے انہیں ڈینی کی تصاویر، فنگر پرنٹس اور دوسرے ڈیٹا کی ضرورت ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے یہ ریکارڈ اپنے کمپیوٹروں میں ڈال دیا تو ڈینی کے کھلے آسمان تلے آتے ہی مواصلاتی کیمرے اپنے زمینی اسٹیشنوں کو اطلاع دے دیں گے کہ مطلوبہ آدمی اس وقت فلاں مقام پر موجود ہے۔ اس کے بعد ہونے والی کارروائی کا انحصار امریکیوں کی مرضی پر ہوگا۔ وہ اس نشانے پر راکٹ داغیں، میزائل چلائیں، طیارے سے بمباری کریں یا کوئی چاق و چوبند زمینی دستہ بھیج کر اپنے شکار کو زندہ پکڑنے کی کوشش کریں۔"

"غزالہ جھرجھری لے رہی تھی۔" ویرا نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا پھر یک بہ یک سنجیدہ ہوگئی "تم نے بہت بھیانک منظر کشی کی ہے۔ اگر یہ سب درست ہے تو روئے زمین کا کوئی کونا امریکیوں کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے۔ وہ گھر بیٹھے سب کچھ جان لیتے ہیں۔"

"اکلوتی سپر پاور ہونے کے اسی زعم نے ان کا دماغ خراب کیا ہوا ہے اور وہ ہر ایک پر غراتے رہتے ہیں" سلطان شاہ بولا۔

"سوال یہ ہے کہ دنیا کے سارے ممالک اس بات پر احتجاج کیوں نہیں کرتے کہ امریکی سیارے ان کے اوپر سے گزرتے ہیں یا ان پر ٹھہرے ہوئے ہیں" غزالہ نے پوچھا۔

"ساری گڑبڑ یہ ہے کہ خلا تک دنیا کے چند گنے چنے ممالک کی رسائی ہے اور ایک عالمی معاہدے کے تحت خلا پر کسی جغرافیائی حد کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ترقی یافتہ ملکوں کو خلا میں امن کے نام پر من مانی کرنے کی آزادی حاصل ہے۔ زمین کے گرد پھیلے ہوئے فضائی غلاف کی کل اونچائی ڈھائی سو میل ہے جبکہ ساری فضائی سہولتیں دس پندرہ میل سے زیادہ اوپر نہیں جاتیں کیونکہ بلندی بڑھنے کے ساتھ ایندھن کو جلانے والی آکسیجن کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ ایسے میں کون ڈھائی سو میل سے آگے خلا میں جائے گا۔"

"تمہیں اس بارے میں خاصی معلومات حاصل ہیں۔ اس وقت امریکا کے گن گا رہے ہو؟" ویرا نے ہلکے سے استہزا کے ساتھ کہا۔

"یہ بہت موٹی موٹی اور بنیادی باتیں ہیں جو شاید سائنس پڑھنے والے بچے بھی جانتے ہوں گے۔ یہ باتیں کسی باریکی یا تکنیکی الجھن کے بغیر سمجھ میں آجاتی ہیں۔ پہلے ان خلائی ترقیوں میں روس، امریکا کا سب سے بڑا حریف ہوا کرتا تھا۔ جب سے امریکا نے مجاہدوں کی بھاری مالی اور فوجی مدد کرکے اسے افغانستان میں جوتے لگوائے ہیں، میدان خالی ہوگیا ہے اور امریکا اس میدان میں سب پر سبقت لے گیا ہے۔"

"جلال نے اجلاس میں جان کا جو رویہ بتایا ہے وہ آنے والے دنوں میں بھیانک واقعات کی غمازی کررہا ہے۔ القاعدہ اور اس کی قیادت کو سی آئی اے نے جان جیسے افسروں کے ذریعے پال پوس کر توانا کیا ہے۔ اب وہ ان کے خلاف زہر اگل رہے ہیں۔ یہ تیور اچھے نہیں ہیں۔" میں نے تشویش سے کہا۔

"اس وقت آپ اپنی ساری توجہ اپنے تحفظ پر مرکوز رکھیں۔" غزالہ نے چڑ کر کہا "سی آئی اے دنیا کی ایک ہزار پا بلا ہے جو جگہ جگہ اپنے پنجے گاڑے بیٹھی ہے۔ وہ ہر جگہ امریکی مفادات کے لیے کام کررہی ہے اور اس کے لیے مہرے آگے پیچھے کرتی رہتی ہے۔ آپ کو ان باتوں میں سر کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"غزالہ کا مشورہ بہت مناسب اور بروقت ہے۔ تمہیں ہر قیمت پر خود کو بچانا ہے۔ دوسری باتوں کو بھول جاؤ۔" اول خان نے کہا۔

"آج رات کی مہم پر ہم تینوں میں سے کون کون تمہارے ساتھ جائے گا؟" ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کوئی نہیں۔ مطلع صاف ہونے تک تم تینوں میرے سائے سے بھی دور رہو گے۔" میں نے اس کی مخمور آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہاری کمک کے طور پر ایس ٹی ایف کے کچھ مسلح آدمی پیچھے رہ کر حالات پر نظر رکھیں گے۔" سلطان شاہ نے لب کشائی کی "ہم تینوں ان کی صف میں شامل ہو کر آسانی سے خود کو پوشیدہ رکھ سکتے ہیں۔ ہماری واپسی بھی ان کے ساتھ ہوگی۔"

"نہیں۔ میں اس کے خلاف ہوں۔" اول خان نے سختی سے کہا "ڈینی کو متوقع خطرات کا صحیح ادراک ہے۔"

"ہم تم سے کہاں اور کیسے رابطہ کریں گے؟" ویرا کی نظروں میں تشویش کے سائے لرزاں تھے۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ کال سینسنگ ڈیوائس کی ڈبیا میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ جہاں سے موقع ملا، تم لوگوں سے رابطہ کرلوں گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اب سات بجنے والے ہیں۔ تم ان لوگوں کے ساتھ اپنی تیاری کرو اور مجھے تخلیہ فراہم کردو۔" اول خان نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "وقت کم رہ گیا ہے۔ مجھے نو بجے کے بے داغ پروگرام کے لیے کئی جگہ بات کرنی ہوگی۔ علاقہ پولیس کی شمولیت کا مرحلہ شاید سب سے دشوار ہوگا۔"

میں صوفے سے اٹھ گیا۔ اول خان کی بے لاگ ہدایت کے بعد ڈرائنگ روم میں کسی کے رکنے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

"اب تم جا ہی رہے ہو تو کچھ دیر کے لیے میرے ساتھ بیٹھو۔" ڈرائنگ روم سے باہر نکلتے ہی ویرا نے غزالہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر، ڈھٹائی سے میرا بازو تھام کر مطالبہ کردیا "بھارت کی تنہائی نے میرے ذہن میں خاصا غبار بھردیا ہے جس کا اب صاف ہونا ضروری ہوگیا ہے۔"

میں نے بے چارگی سے غزالہ کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر مجھے اجازت دے دی۔

"میرے لیے بس اتنی تیاری کردو جتنی دہلی کے لیے کی تھی۔" میں نے ویرا کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے غزالہ سے کہا "میرے بیگ میں سی ایس ڈی رکھنا نہ بھولنا۔"

"سب ہوجائے گا۔ مرے کیوں جارہے ہو۔" ویرا نے میرے بازو میں چٹکی لے کر سرگوشی کی۔

میں نے بے چارگی سے اس کی طرف دیکھا "کبھی کبھی تم مجھے سب کے سامنے تماشا بنادیتی ہو۔"

ویرا ہنس پڑی "میں تمہیں ذبح کرنے نہیں لے جارہی ہوں۔ تم نے اپنے چہرے پر مظلومیت کیوں طاری کرلی ہے۔"

"میرا یہ ردِعمل فطری ہے۔ تمہاری محبت سے بھی عجیب طرح کی سفاکی اور برتری جھلکتی ہے جو کبھی کبھی خوف زدہ کرنے لگتی ہے۔"

اس بار وہ پُرغرور انداز میں زیادہ زور سے ہنسی تھی۔ اس نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈالی اور دھیرے سے بولی "ابھی ایسی محبت کے اظہار کا وقت نہیں ہے۔ تم بار بار یہ بات بھول جاتے ہو کہ جب میں نے پہلی بار تمہیں پسند کیا تھا تو میں ویرا نہیں بنی تھی، تمہاری بلیک کوئن ہوا کرتی تھی جس کے نام سے بڑے بڑے بدمعاشوں کے پیشاب خطا ہوجاتے تھے۔ تم یہ سوچ کر خوش ہورہے ہو گے کہ تم نے بلیک کوئن کا

دل جیت لیا اور مجھے اس احساس سے لذت مل رہی تھی کہ میں اپنے ایک اور پسندیدہ مرد کو اپنے قدموں میں جھکانے میں کامیاب ہوگئی۔ مردوں کو رجھانا' اپنی خلوت میں لانا اور دل بھر جانے پر انہیں ٹھوکر مار کر نکال دینا میرا محبوب ترین مشغلہ تھا۔"

اس نے میرے اندر پہنچنے کے بعد کمرے کا دروازہ بند کرلیا تھا۔

"تم کو اپنے ماضی پر شرم آنی چاہیے۔ پتا نہیں کہ تم کس مٹی کی بنی ہوئی ہو کہ ان باتوں کو فخر سے یاد کرتی ہو۔" میں نے ملامت بھری نظروں سے اسے گھورا۔

"مجھے فخر ہے کہ میں وہی بنی جو میرے ناجائز باپ نے چاہا تھا۔ تم بھی میرے اسی ماضی کی دریافت ہو۔ غزالہ سے تمہاری شادی ہوجانے کے باوجود مجھے اپنے اس انتخاب پر کوئی ملال نہیں ہے۔ تم نے مجھے میرے ماضی سے نکال کر ویرا بنایا ہے۔ میں تمہیں ٹوٹ کر چاہتی ہوں۔"

وہ دروازے کی اوٹ میں یوں میرا راستہ روکے کھڑی تھی کہ باہر سے کوئی اچانک دروازہ کھول دیتا تو پٹ میرے پہلو سے ٹکرا کر رک جاتا اور آنے والا ہم دونوں کو اس حالت میں روبہ رو کھڑا ہوا نہ دیکھ پاتا۔

"معلوم ہے..... مجھے معلوم ہے۔" میں نے جھلا کر کہا "تم یہ بات موقع بے موقع کیوں جتاتی رہتی ہو؟"

"تاکہ تمہارا حافظہ تازہ رہے۔ تم غزالہ کے سحرانگیز وجود کی حرارت میں ڈوب کر مجھے بالکل فراموش کردیتے ہو اور میں اکیلی پڑی' رقابت کے انگاروں پر لوٹتی رہتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اچانک والہانہ انداز میں میرے سینے سے لپٹ گئی۔ اس نے اپنا چہرہ میرے سینے میں گھسالیا تھا۔

"خدا کا خوف کرو ویرا۔" میں نے اس کے جوان و رعنا وجود کی تپش سے گھبرا کر کہا "دروازہ مقفل نہیں ہے۔ کوئی آگیا....."

اس نے میری بات درمیان سے کاٹ دی اور ایک گہرا سانس لے کر سرگوشیانہ آواز میں بولی "میں نے تمہیں دھکیل کر دروازے سے لگا دیا ہے۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ اُف! کس قدر سکون مل رہا ہے تمہیں خود سے اتنے قریب پاکر۔"

میری چھٹی حس محسوس کرچکی تھی کہ اس کے تیور خراب ضرور تھے مگر بہت زیادہ خراب نہیں تھے۔ بات حد سے زیادہ بڑھنے کے امکانات نہیں تھے۔ میں نے اس خوب صورت بلا سے سختی برتنے کے بجائے نرمی سے اپنی بانہوں میں لیا اور الگ کردیا۔

وہ زبان سے کچھ کہے بغیر صوفے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے قدم تھکے تھکے سے تھے۔ میں بھی خاموشی سے صوفے پر الگ تھلگ جا بیٹھا۔ تپائی پر اسکاچ کی نصف بوتل کے ساتھ گلاس اور آئس پاٹ بھی رکھا ہوا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنے لیے نیا پیگ تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔

"تم یہاں اپنا شوق پورا کرنے کے ارادے سے آئی ہو۔ مجھے بلاوجہ کیوں روکا ہوا ہے؟" میں نے کچھ دیر کی خاموشی میں سگریٹ سلگا کر کہا۔

"تمہاری موجودگی سے میرے دل کو ڈھارس سی ملتی ہے۔ کچھ دیر یوں ہی بیٹھے رہو گے تو تمہارا کیا بگڑ جائے گا!"

"بہت کچھ بگڑ جائے گا۔ سب سے زیادہ اول خان بگڑے گا۔ وہ آیا ہوا ہے اور میں اسے اکیلا چھوڑ کر تمہارے ساتھ کمرے میں بند ہوگیا ہوں۔"

"وہ کیوں بگڑے گا۔ اس نے تو خود تخلیے کی خواہش ظاہر کی تھی۔" ویرا تیوریاں چڑھا کر بولی۔

"تخلیے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں اسے عضوِ معطل سمجھ کر بھول جاؤں۔ فون سے فارغ ہو کر وہ مجھ سے مشورہ کرنا چاہے گا۔"

"تمہیں چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔" گلاس سے ایک گھونٹ لینے کے بعد وہ کسمساتے ہوئے بولی۔

"تمہارا واحد اور اکلوتا مرض تنہائی ہے۔ میری بات مانو تو اپنا گھر بسالو۔ تمہاری ہر پریشانی دور ہوجائے گی۔"

"میں گھر بھی بسالوں مگر پسند کا کوئی مرد کہاں ہے!" اس نے عجلت میں گلاس سے دوسرا گھونٹ لے کر حسرت سے کہا "تم سے دل لگایا تو مکاؤ کے ڈون نے تمہاری اور غزالہ کی شادی کرادی۔ اگر اول خان کنوارا ہوتا تو میں اس سے شادی کرلیتی۔"

اس کا جواب سن کر میری کھوپڑی چکرا گئی۔ لاہور میں جلال اس کے سر پر سوار ہوگیا۔ اس وقت ویرا نے پہلی بار اول خان کے لیے کسی قسم کی ذاتی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "اول خان تمہیں اچانک کیسے یاد آگیا؟"

"مجھے مضبوط' بانکے اور سختی سے اپنا فیصلہ نافذ کرنے والے مرد اچھے لگتے ہیں۔ ان کی انا کو ختم کرکے جھکانا مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔"

"ایک بات تم بھول رہی ہو۔" میں نے طنز سے کہا "تمہاری پسند کے مرد کا شادی شدہ ہونا بھی ضروری ہے۔"

"یہ لاشعوری اتفاق ہو سکتا ہے یا شاید مرد کی مردانگی پر شادی کے بعد ہی صحیح نکھار آتا ہے۔" اس نے کسی شرمندگی کے بغیر جواب دیا "شادی شدہ مرد ایک عورت کی ذہنی اور جسمانی ضرورتوں کو زیادہ اچھی طرح سمجھتا ہے اور انہیں پورا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔"

"تم بہت تخریبی ذہن کی مالک ہو۔" میں نے ملامت سے کہا "ان باتوں سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اپنا گھر بسانے کے لیے کسی نہ کسی کا گھر اجاڑو گی۔"

"یہ ضروری نہیں ہے۔ تمہارے مذہب میں چار شادیوں کی اجازت کا فلسفہ اب میری سمجھ میں آ رہا ہے۔ یہ مرد کے ساتھ بعض عورتوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔"

میں اٹھ گیا "میں نے تمہیں کافی وقت دے دیا۔ تمہارے معدے میں اترنے والی تازہ الکحل اب نیا رنگ دکھا رہی ہے۔ تم پیو۔ میں اول خان کو دیکھتا ہوں۔"

وہ مجھے روکتی رہ گئی مگر میں اس کی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

میں نے ڈرائنگ روم میں جھانکا تو اول خان فون پر کسی سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ میں نے ٹھٹک کر واپس لوٹنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اول خان نے مجھے دیکھ کر اشارہ کیا اور میں خاموشی سے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔

وہ کسی کو ٹھیک سوا نو بجے مندر کے پاس پہنچنے کی تاکید کر رہا تھا۔ میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ پولیس کے محکمے کے کسی اعلیٰ افسر سے بات کر رہا تھا۔

"سب کچھ طے ہو گیا۔" اول خان نے فون پر بات ختم ہونے کے بعد مجھے آگاہ کیا "پولیس وہاں ٹھیک سوا نو بجے مداخلت کرے گی۔ تمہیں بہت کم وقت میں اپنا کام مکمل کر کے وہاں سے غائب ہونا ہے۔ تمہیں نکلنے میں تاخیر ہوئی تو پولیس تمہیں بھی دھر لے گی۔ تم نے وقت سے پہلے کام دکھا دیا تو جان اور اس کے ساتھیوں کو وہاں سے نکلنے کا موقع مل جائے گا اور یہ واقعہ اپنی پوری جزئیات کے ساتھ پولیس ریکارڈ پر نہیں آ سکے گا۔"

"اگر تمہارا بندوبست پکا ہے تو سب کچھ ذرا سی دیر میں ہو جائے گا۔" میں نے خوشی کے ساتھ جواب دیا "ہم کو یہاں سے آٹھ بجے نکل جانا چاہیے کیونکہ فاصلہ بہت لمبا ہے۔"

"وہ علاقہ ساڑھے آٹھ بجے سے میرے آدمیوں کی کڑی نگرانی میں آ جائے گا۔" اول خان نے بتایا "وہاں کوئی بھی غیر معمولی نقل و حرکت دیکھنے میں آئی تو وہ وائرلیس ٹرانسمیٹر پر فوراً مجھے خبر دے دیں گے۔ انہیں سختی سے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ فائرنگ میں پہل نہیں کریں گے۔"

"مجھے شبہ ہے کہ جان بھی کوئی بڑا خطرہ مول نہیں لے گا۔ اس کے آدمی پہلے سے اپنے مورچے سنبھال لیں گے۔ وہ کتنا ہی ڈفر ہو اس خام خیالی میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ عبدالماجد الحسینی سے ملنے میں اس کے لیے کوئی خطرہ پوشیدہ نہیں ہے۔"

"مجھے بس ایک ہی ڈر ہے۔" اول خان نے میری تردید کیے بغیر اپنے خدشے کا اظہار کیا "دونوں طرف سے عقابی نگاہیں رکھنے والے تجربے کار آدمی میدان میں اتارے جائیں گے اس لیے ڈر ہے کہ وہ ایک دوسرے کی موجودگی نو بجے سے پہلے بھانپ لیں گے۔"

"نو بجے سے پہلے وہ آپس میں ٹکرا گئے تو پورا کھیل تباہ ہو جائے گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"فائرنگ میں پہل نہ کرنے کا حکم دے کر میں نے اسی خطرے کا تدارک کیا ہے۔ اگر انہوں نے کسی بنا پر ایک فائر بھی کر دیا تو وہ پُرسکون ساحلی علاقہ بارودی نغموں سے گنگنا اٹھے گا۔" اول خان پر تشویش لہجے میں بولا۔

روانگی کا وقت سر پر چلا آ رہا تھا۔ اول خان نے چائے کے لیے آواز لگائی تو غزالہ دوڑی چلی آئی۔ ویرا اس وقت جن جہانوں کی سیر کر رہی تھی وہاں تک اول خان کی آواز کی رسائی نہیں تھی۔

اول خان کی سرکاری گاڑی بہت بہتر حالت میں تھی اور تیز رفتار تھی۔ اس کے پیشہ ورانہ فرائض کی نوعیت کی وجہ سے نشستوں کے نیچے ہتھیاروں اور فاضل میگزین کا خاصا ذخیرہ موجود رہتا تھا۔ طے یہ پایا کہ اس مہم میں اسی کی گاڑی استعمال کی جائے۔

ٹھیک آٹھ بجے ہم گھر سے باہر نکل چکے تھے۔ اس وقت تک ویرا کی آنکھوں کا خمار گہرا ہو چکا تھا مگر اتنا گہرا نہیں ہوا تھا کہ وہ ہمیں الوداع کہنا بھول جاتی۔ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے میرا دل چاہا کہ اسے شادی شدہ مردوں کی شکاری کے نام سے مخاطب کروں مگر از خود وہ ارادہ بدل دیا۔ اس نازک مرحلے پر وہ بھڑک اٹھتی تو فضا خاصی مکدر ہو سکتی تھی۔

اول خان نے اس رہائشی بلاک کی اندرونی گلیوں سے گاڑی مین روڈ پر نکالی اور ہم تیزی سے یونیورسٹی روڈ پر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

میرا خیال تھا کہ اس وقت شہر سے آنے والے راستوں پر گاڑیوں کا ہجوم ہو گا لیکن شہر جانے والی گاڑیوں کی تعداد بھی کم نہیں تھی۔ کچھ دور نکلنے کے بعد اول خان اپنی رفتار برقرار

نہ رکھ سکا۔ ٹریفک کی بھیڑ میں مجموعی رفتار سے تجاوز کرنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔

"وہاں دو پل ہیں۔" راستے میں، میں نے اپنی منزل کا نقشہ ذہن میں جماتے ہوئے کہا "پرانے متروک پل کے بائیں جانب مندر ہے جس کی سیڑھیاں سمندری پانی تک چلی گئی ہیں۔ اس سے اوپر نیا پل ہے جہاں دن رات کودی کا بھاری ٹریفک رواں رہتا ہے۔ تمہارے آدمی کہاں ہوں گے؟"

"دونوں جگہ۔" اول خان کا جواب تسلی بخش تھا۔ "وہ سب گداگروں اور ہیرو ئنچیوں کے روپ میں وہاں پھیلے ہوئے ہوں گے۔ نیا پل ان کا بہترین مورچا ثابت ہوگا۔ وہاں سے ان کی نگاہوں اور ہتھیاروں کی رینج میں بہت اضافہ ہوجائے گا۔ میرے آدمیوں پر گولی چلائی گئی تو جان کے ساتھیوں میں سے ایک بھی بچ کر نہیں جاسکے گا۔"

"ایسی مایوسانہ باتیں نہ کرو۔" آج کی رات گولیوں کے تبادلے کے بغیر سب کچھ نمٹ جائے تب ہی ہم خود کو کامیاب سمجھ سکتے ہیں۔"

مصروف پل کے کنارے چادروں اور کمبلوں میں لپٹے ہوئے گداگر جو اپنی گدڑیوں میں آتشیں ہتھیار چھپائے موقع کے منتظر ہوں اور پل کی بلندی سے دشمن کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں۔ وہ اول خان کے زرخیز ذہن کا شاندار منصوبہ تھا جو جنگی اعتبار سے ناقابل شکست تھا۔

ہماری گاڑی مولوی تمیز الدین خان روڈ سے ہوٹل بیچ لگژری کی طرف گھومی تو ٹریفک کا بہاؤ اچانک کم ہوگیا۔ اس وقت نو بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ اول خان نے راستے میں طے کیے ہوئے پروگرام کے مطابق اپنی گاڑی ہوٹل بیچ لگژری کے احاطے کے سامنے والی فٹ پاتھ کے کنارے پارک کردی۔ وہاں سے چند منٹ کا بقیہ راستہ ہمیں پیدل طے کرنا تھا۔

"میں نے بہت سی مہمات سر کی ہیں لیکن آج میں عجیب سی سنسنی محسوس کررہا ہوں۔" مندر کی طرف جانے والے راستے پر چلتے ہوئے اول خان بولا۔

"میری دانست میں آج تو سرے سے کوئی مہم درپیش ہی نہیں ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ اپنی اس رات کی منزل کے قریب پہنچ کر میں خود کو بہت ہلکا اور پرسکون محسوس کررہا تھا۔ ذہن پر چھائے ہوئے تفکرات کے بادل اچانک چھٹ گئے تھے اور ہر نکتہ بہت واضح نظر آرہا تھا۔

"یہی تو چکر ہے۔ ہمیں کسی کو اٹھانا ہے نہ مارنا ہے۔ بس ذرا سی بے ضرر ہاتھا پائی کرکے لوٹ آنا ہے۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔"

"ہوا کرے لیکن اللہ کی رضا سے پورا ہوگا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

راستہ زیادہ لمبا نہیں تھا۔ خم دار سڑک کے کنارے ٹہلتے ہوئے ہم مندر کے قریب پہنچے تو ہمارے درمیان فاصلہ پیدا ہوچکا تھا۔ اول خان آگے چلا جارہا تھا۔ میں اس سے چند قدم پیچھے، مستانہ انداز میں سگریٹ پیتا ہوا چل رہا تھا۔

اس خم دار سڑک سے آگے جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ متروک پل سے گزرتی ہوئی شاید کسی اگلی ریلوے لائن پر ختم ہورہی تھی۔ ہم دونوں اسی ترتیب سے آگے پیچھے چلتے ہوئے مندر سے آگے نکلے۔ اول خان ایک منڈیر پر بیٹھ گیا۔ میں بلاوجہ پان سگریٹ والے کیبن کے پاس جارکا۔

میری رسٹ واچ ٹی وی کے وقت سے ملی ہوئی تھی۔ اس میں نو بجنے میں صرف ایک منٹ باقی رہ گیا تھا۔ جان ایشکوف یا کسی اور سفید فام کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

میں دکان دار سے سگریٹ لے کر اسے پیسے ادا کررہا تھا کہ اول خان کی سیٹی کی مخصوص آواز سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے۔ میں نے اس آواز پر فوراً پلٹنے کی حماقت نہیں کی۔ دکان دار سے اپنا لین دین مکمل کرکے میں بے پروایانہ.... انداز میں گھوما تو سڑک کے کنارے ایک پیلی ٹیکسی کے قریب مجھے ایک دراز قامت اور تندرست سفید فام کھڑا نظر آیا۔ وہ جان ایشکوف کی بتائی ہوئی نشانیوں کے عین مطابق سر سے پیر تک سیاہ کپڑوں میں ملبوس تھا۔

پیلی ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ پر گھنگھریالے بالوں والا ایک مکرانی بیٹھا ہوا تھا جس کے بدن پر شاید قمیص شلوار رہی ہوگی۔ وہ اپنی نشست پر بیٹھا ہوا تھا اس لیے مجھے اس کا پورا لباس نظر نہیں آرہا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ جان ایشکوف نے اس مہم کے لیے ساری احتیاطی تدابیر کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک مقامی مکرانی کی ٹیکسی کا انتخاب کیا تھا۔

جان ایشکوف ٹیکسی سے اتر کر متجسسانہ انداز میں ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اسے کوئی بھٹکا ہوا فراخ دل سیاح سمجھ کر آس پاس سے دو بچے اور ایک شخص ہاتھ پھیلائے اس کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ میں تیزی سے اپنے شکار کی طرف بڑھ گیا۔

میرے خدوخال کسی بھی طرح یمنی نہیں تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے دیکھتے ہی بھڑکے گا۔ اسے وہاں سرخ سوزوکی کیری کی تلاش تھی جس کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

"جان! میں عبدالماجد الحسینی کا آدمی ہوں۔" میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔

نخوت سے اس کی بھویں تن گئیں اور اس نے میرے

بڑھتے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کر کے امریکی لہجے میں کہا "مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا بک رہے ہو۔"

"وہ اس طرف تمہارا منتظر ہے۔" میں نے سمندری پانی پر چمکتی ہوئی ریلنگ کی طرف اشارہ کیا۔

"ہینڈز اَپ یُو باسٹرڈ!" اچانک میرے کانوں کے نیچے کالے امریکیوں والے مخصوص لب و لہجے میں ایک تیز سرگوشی گونجی اور قمیص شلوار میں ملبوس امریکی میرے پہلو سے آلگا۔ اس کی جیب میں چھپے ہوئے پستول یا ریوالور کی بے رحم آہنی نال میرے کولہے میں چبھ رہی تھی۔

پیلی ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ طلسماتی طور پر اچانک خالی ہو چکی تھی۔ مجھے اپنے ہتھیار کی زد پر لینے والا کوئی مقامی مکرانی نہیں، خالص امریکی کالا تھا جس نے تیزی سے بولتے ہوئے ہر لفظ کا آخری حصہ حلق ہی میں روک لیا تھا۔ وہ واقعی بہت پھرتیلا تھا اور اس انداز میں مجھ سے لگا کھڑا تھا کہ تحیرزدہ بھکاریوں کو بھی بدلی ہوئی سنگین صورتِ حال کا ادراک نہیں ہو سکا تھا۔

"گو.... گٹ اوسٹ!" جان اینڈکوف نے بھکاریوں کی طرف زور سے ہاتھ لہرا کر اپنا ایک پیر سڑک پر مارا اور وہ تیزوں ڈر کر دور بھاگ گئے۔

میں نے کالے کے حکم پر اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھانے کے بجائے اپنے جسم سے ذرا آگے بڑھا کر ہتھیلیاں پھیلا دی تھیں۔ میری نگاہیں بہت تیزی کے ساتھ اول خان کو تلاش کر رہی تھیں مگر وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر کہیں غائب ہو چکا تھا۔

"بات نہ بگاڑو۔ یہاں سے ہٹ کر ہم بات کر سکتے ہیں۔ بلاوجہ لوگوں کی نظریں ہماری طرف اٹھ رہی ہیں۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

کالا اپنے کام میں ماہر تھا۔ وہ اس دوران میں میرے کپڑوں پر ہاتھ پھیر کر یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ میرے لباس میں کوئی ہتھیار پوشیدہ نہیں تھا۔ اس نے میری جامہ تلاشی ایسی ماہرانہ چابک دستی سے لی تھی کہ کسی دیکھنے والے کو اس کی اصل کارروائی کا اندازہ نہیں ہو سکا ہوگا۔

"اب اسی طرح میرے ساتھ چلتے رہو۔ تم نے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میرے ساتھی کی بے خطا گولی تم کو جہنم میں پہنچا دے گی۔" اس بار جان غرایا۔ میں نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ میں خود بھی ایسے کسی گوشے میں پہنچنے کا خواہاں تھا جہاں اندھیرے میں کوئی ہمیں نہ دیکھ سکے۔

میں جان کے ساتھ چل رہا تھا۔ کالا میرے بدن سے الگ ہو گیا تھا مگر قدموں کی چاپ بتا رہی تھی کہ وہ ہمارے پیچھے آرہا تھا۔

ہم اینٹوں کی شکستہ دیوار پار کر کے اس راستے پر بڑھ گئے جس کے دونوں طرف پائپ کی مضبوط ریلنگ چمک رہی تھی اور نیچے سمندر کا گہرا گدلا پانی موجود تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ میں کسی طرح جان کو کسی ریلنگ کے تاریک حصے تک لے جا سکوں۔

میرے ذہن میں گھڑی کی سوئیاں بھی ناچ رہی تھیں۔ وہ کھیل شروع ہوئے تقریباً دو منٹ ہو چکے تھے۔ صرف تیرہ منٹ بعد مقامی پولیس کو وہاں آجانا تھا۔ مجھے وہ مدت پوری ہونے سے پہلے پہلے اپنا کام مکمل کر کے وہاں سے نکلنا تھا۔

"اب بتاؤ کہ تم کس حرامی دغاباز کا ذکر کر رہے تھے۔" ایک نیم تاریک حصے سے گزرتے ہوئے جان نے سفاکی سے کہا۔

"کالے بڈ والی لال سوزوکی کیری خراب ہو گئی ہے۔ عبدالماجد اس پل کے نیچے سے گزرنے والے پائپوں پر...."

میری بات ادھوری رہ گئی۔ پیچھے سے تیز ہچکی اور دھمک کی آواز سن کر میرے ساتھ جان بھی بری طرح چونک پڑا۔

ہم دونوں ایک ساتھ پیچھے گھومے اور یہ دیکھ کر میرا دل خوشی سے بلیوں اچھل پڑا کہ اول خان نے نیم تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عقب سے سیاہ فام امریکی پر مارشل آرٹ کا کوئی خطرناک وار کیا تھا جس کے نتیجے میں سیاہ فام کوئی قابلِ ذکر آواز پیدا کیے بغیر تیورا کر نیچے ڈھیر ہو گیا تھا۔

اول خان کالے کو ڈھیر کرنے کے بعد رکا نہیں۔ دو لمبے ڈگ بھر کر ہمارے سر پر آ پہنچا "سیدھے ہو کر چلتے رہو ورنہ تمہیں بھی اس حشر کا سامنا کرنا ہوگا۔" وہ جان اینڈکوف کو گھورتے ہوئے انگریزی میں غرایا۔ اس کی آواز میں پتہ ایسی تاثیر تھی کہ جان کچھ کہے بغیر ایڑیوں پر گھوما اور میرے ساتھ ہو لیا۔

وقت تیزی سے گزرا جا رہا تھا۔ ہماری مہلت لمحہ بہ لمحہ کم ہو رہی تھی۔ سوا نو بجے پولیس کو دخل انداز ہونا تھا۔ میں تیزی سے ریلنگ کی طرف ہو لیا۔

"تم کون ہو؟" صورتِ حال تبدیل ہونے کے بعد جان کے لب و لہجے میں پہلی بار فکر و تشویش کا عنصر ابھر آیا۔

"عبدالماجد الحسینی کا ایک ادنیٰ خادم۔ سیدھے چلتے رہو۔ وہ تمہارا منتظر ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"تم سب فراڈ معلوم ہوتے ہو۔ تم یمنی ہو نہ عرب۔ یہ سب مقامیوں کا چلایا ہوا کوئی چکر معلوم ہوتا ہے۔" وہ بہت فکرمند تھا۔

"ہمارے گروہ میں عرب، امریکی، اطالوی اور مقامی۔ سب شامل ہیں۔ ہم ایک برادری کی طرح کام کرتے ہیں۔"

میں نے اسے الجھائے رکھنے کے لیے کہا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ میں خود الجھا ہوا تھا۔ اول خان کے چھپے ہوئے مسلح آدمیوں کی موجودگی میرے علم میں تھی۔ میرے لیے یہ ماننا ناممکن تھا کہ جان وہاں صرف ایک آدمی کے ساتھ آیا ہوگا۔ اس کی حفاظت کے لیے بھی کچھ نہ کچھ آدمی آئے ہوں گے۔ ان کی نگاہیں جان اور کالے پر لگی ہوئی ہوں گی۔ کالا گرا دیا گیا تھا اور جان ہم دونوں کے رحم و کرم پر رہ گیا تھا۔ اس کے آدمی اس نازک موڑ پر کیوں خاموش تھے؟ ان کی وہ پراسرار خاموشی مجھے اندیشوں میں مبتلا کررہی تھی۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ اس وقت جان کے آدمیوں کی خاموشی کا صرف ایک سبب میری سمجھ میں آرہا تھا کہ کالے کو گرائے جانے کے بعد بھی ہماری پیش قدمی کی سمت وہی تھی جس کا انتخاب ان دونوں نے اپنی مرضی سے کیا تھا۔ شاید جان کے پوشیدہ محافظ اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ کالے کے گرجانے کے بعد بھی حالات جان کے کنٹرول میں تھے۔ ان کے لیے کالے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس وقت جان کی سلامتی اور اس کے مشن کی کامیابی ان لوگوں کے لیے ہر چیز پر مقدم تھی۔ شاید جان نے انہیں محتاط رہنے کی ہدایت کی ہوئی تھی اور وہ اس وقت تک چھپے رہتے جب تک انہیں جان کے پھنسنے کا شبہ نہ ہوتا۔

ہم ریلنگ کے پاس پہنچ کر رک گئے۔ میں نے اضطراری انداز میں اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ نو بج کر دس منٹ ہوچکے تھے۔ مجھے وہاں سے اول خان کی کار تک پہنچنے کے لیے ابھی کچھ وقت درکار تھا۔ اول خان نے جان کی پشت سے مجھے اشارہ کیا اور پنجوں کے بل تیزی سے واپس ہولیا۔

جان خوف اور بے یقینی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

"تم وعدہ خلافی کرکے اپنے ساتھ مسلح آدمی لائے ہو اس لیے عبدالماجد الحسینی نے آخری لمحات پر تم سے ملنے کا ارادہ منسوخ کردیا ہے۔" میں نے اس ساری مشق کے جواز کے طور پر غرا کر اسے بتایا "مجھے سبق سکھانے کے لیے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہی میں نے فضا میں اچھل کر اس کی ناک پر ایک ٹکر رسید کی۔ وہ چیخ مار کر پیچھے جھکا پھر اس نے اپنے الٹتے ہوئے وجود کو سہارا دینے کے لیے پائپ کی موٹی ریلنگ تھام لی۔ اسی لمحے کہیں سے کوئی فائر ہوا۔ میرے پاس اس کی سمت دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔ اس ابتدائی فائر کی گونج ختم ہونے سے پہلے اس ساحلی ویرانے میں تڑاتڑ گولیاں چلنے لگیں۔

ماحول یکایک گمبھیر ہوگیا۔ فضا میں آگ کی لکیریں ادھر سے ادھر تیر رہی تھیں مگر کسی گولی کا رخ ہم دونوں کی طرف نہیں تھا۔ گولیاں برسانے والے ہر فریق کو یہ خوف لاحق تھا کہ ٹارگٹ شوٹنگ کی صورت میں اس کی گولی حریف کے بجائے حلیف کو نہ چاٹ جائے۔

میں نے جھکتے ہوئے جان ایشکوف کی ٹانگوں کے درمیان سے، پیچھے سے ہاتھ گزارا اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے، اسی ہاتھ کی ہتھیلی سے ریلنگ تھام کر پوری قوت سے اپنے بازو کو اوپر اچھالا۔ جسم کے نازک حصوں پر پڑنے والی اس شدید ضرب پر جان کی بے ساختہ چیخ بہت دلدوز تھی۔ اس کے پیر زمین سے اکھڑ گئے، ریلنگ ہاتھوں سے نکل گئی اور وہ فضا میں سمندر کے پرسکون پانی پر اڑتا ہوا آگے جانے لگا۔

اسی لمحے کوئی بھٹکی ہوئی گولی بجلی کے تار سے ٹکرائی۔ فضا میں تنا ہوا تار ٹوٹنے کا ترنم، تاروں کے آپس میں ٹکرانے کے ہولناک تڑاقوں سے دب گیا۔ تار ٹکرانے سے فضا میں شعلے کوند رہے تھے اور پگھلا ہوا تار شراروں کی صورت میں گر رہا تھا۔ علاقے میں جلنے والی روشنیاں کئی بار دھیمی اور تیز ہوئیں پھر ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔

میں نے جان کے قدم زمین سے اکھاڑتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر واپسی کی دوڑ لگا دی تھی۔ فائرنگ کے بھیانک شور اور برقی دھماکوں میں جان کی دہشت زدہ چیخیں بہت نمایاں تھیں۔ میں نے ہر طرف پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں جان کے پانی میں گرنے کا پُرشور چھپاکا سنا۔

جلال نے میرے ہاتھ باندھ دیے تھے۔ میں پاکستان میں اس سازشی کے خلاف کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن میں دل کھول کر اس کی تذلیل کرنے میں کامیاب ہوچکا تھا۔ اس کھاڑی میں سمندر متلاطم نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ بیشتر امریکیوں کی طرح جان بھی تیرنا جانتا ہوگا اور کسی نہ کسی طرح قریبی کنارے تک پہنچ جائے گا جہاں کسی بھی لمحے پولیس پہنچنے والی تھی۔ کھارے اور گندے سمندری پانی میں نہائے ہوئے جان ایشکوف اور پولیس افسران کی ملاقات خاصی دلچسپ ثابت ہوسکتی تھی۔

فضا میں اندھیرا پھیلتے ہی فائرنگ کا زور بڑھ گیا۔ دونوں فریقوں میں سے شاید کوئی کسی کے نشانے پر نہیں رہا تھا مگر دونوں طرف سے دل جمعی کے ساتھ گولیاں چلائی جارہی تھیں۔

میں اندھیرے میں کئی جگہ ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔ سڑک کے قریب پہنچنے تک میرے کانوں میں ان

خوف زدہ چیخوں کی آوازیں بھی آنے لگیں جو وہاں پھنس جانے والے راہ گیروں اور تماشائیوں کی دہشت کا نتیجہ تھیں۔

سڑک پر آنے کے بعد میری رفتار تیز ہوگئی۔ میں بگٹٹ دوڑے جارہا تھا۔ اول خان مجھ سے ذرا پہلے بھاگا تھا۔ اسے اندھیرا ہونے سے پہلے خاصی دور نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ میرے پہنچنے سے پہلے وہ گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرچکا ہوگا۔

وہ شاید دوڑ کا چیمپئن رہ چکا تھا۔ میرے پہنچنے سے پہلے ہی گاڑی اسٹارٹ کرکے سست رفتار سے میری طرف واپس آرہا تھا۔ میں نے دور سے گاڑی پہچان لی۔ اول خان نے بھی ہیڈ لیمپس کی روشنی میں مجھے دوڑ کر اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا اور میرے قریب گاڑی روک دی۔ میں دروازہ کھول کر پھرتی سے پسنجر سیٹ پر سوار ہوگیا۔ گاڑی نے تیزی سے یو ٹرن لیا اور پھر روشنیوں سے آراستہ ہوٹل کے سامنے سے گزرتی چلی گئی۔

فضا میں اس وقت بھی فائرنگ کا شور گونجتا سنائی دے رہا تھا لیکن اس کی شدت میں خاصی کمی آگئی تھی۔

"تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟" مولوی تمیزالدین خان روڈ پر آنے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"چہرے پر ایک ٹکر رسید کرکے سمندر میں پھینک دیا۔ سالے کے ہوش ٹھکانے آگئے ہوں۔"

"اسے پانی خاصا کیلا اور ٹھنڈا محسوس ہوا ہوگا" اول خان نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور ہم دونوں ہنس پڑے۔

"کالو مکرانی کو دیکھ کر میں پریشان ہوگیا تھا" کچھ دیر بعد اول خان بولا "وہ کسی چیتے کی سی پھرتی اور سرعت سے ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ کر تمہارے پیچھے پہنچا تھا۔"

"پہلے میں اسے مکرانی سمجھا تھا۔ وہ بولا تو پتا چلا کہ اس کا تعلق کالے امریکیوں سے ہے۔"

"یہ جان کی چالاکی تھی کہ وہ اسے اپنا ڈرائیور بنا کر قمیص شلوار میں وہاں لایا۔ وہ زبان نہ کھولتا تو ہر دیکھنے والا اسے مقامی ہی سمجھتا" اول خان نے کہا "سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کی احتیاطی تدابیر دھری رہ گئیں اور تمہارا منصوبہ کامیاب ہوگیا۔"

"دیکھنا یہ ہے کہ اوسان خطا ہونے کے بعد وہ پولیس والوں کو کیا کہانی سناتا ہے اس کے کالے ساتھی کو کئی گھنٹوں سے پہلے ہوش نہیں آئے گا۔"

"ہماری روانگی تک فضا میں فائروں کا شور گونج رہا تھا۔ تمہارے آدمی وہاں کیوں رکے ہوئے تھے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"انہوں نے نو بج کر چودہ منٹ پر فائرنگ روک کر واپسی کی راہ اختیار کرلی ہوگی۔ رہے سہے فائر جان کے آدمی کررہے ہوں گے۔ بجلی کے تار ٹوٹنے کے بعد ان کی ہر راہ مسدود ہوگئی تھی۔ ان کو پتا نہیں چل سکا ہوگا کہ سمندری کھاڑی میں گرنے کے بعد جان کدھر گیا؟"

"مندر میں اندھیرا ہوگیا تھا مگر اس طرف سے بیچ لگژری ہوٹل کی روشنیاں رہنمائی کررہی تھیں۔ جان ضرور نکل آیا ہوگا۔"

"تم نے جو کچھ سوچا تھا' اسے پورا کرلیا" اول خان نے کہا "اب اس بارے میں زیادہ نہ سوچو' وہاں کیا ہوا ہوگا؟ یہ تھوڑی دیر بعد معلوم ہوجائے گا۔"

"اب سے ڈیڑھ دو گھنٹے بعد تم سے کہاں رابطہ ہوسکے گا؟" میں نے پوچھا۔

"میں گھر پر ملوں گا' یہ بتاؤ کہ اب تم کہاں جاؤ گے" اول خان نے مجھ سے جوابی سوال کرڈالا۔

"میں محسوس کررہا ہوں کہ جان کی آمد کے ساتھ ہماری انتظامیہ پر امریکی دباؤ بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ میری تلاش کے سلسلے میں انتظامی سطح پر کچھ نہ کچھ سرگرمیاں شروع ہوجائیں گی۔ میرا ہوٹلوں سے دور رہنا میرے لیے سودمند رہے گا۔"

"ہوٹل کے سوا تم کہاں جاؤ گے؟" اول خان کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"میرا ارادہ مکمل آرام کرنے کا ہے۔ بیماری کا بہانہ کرکے چند روز کے لیے کسی اسپتال میں رہوں گا۔"

"بہت اچھوتا خیال ہے" اول خان میرے انکشاف پر خوش ہوگیا "اسپتال میں سب سے الگ تھلگ رہ کر تم ہر قسم کی سرگرمیوں سے دور رہو گے۔ روپوشی کے لیے گمنام بن کر کسی اسپتال میں جانا سب سے بہتر اور محفوظ طریقہ ہے۔ تم نے اپنے لیے کس اسپتال کا انتخاب کیا ہے؟"

"تم مجھے پی آئی ڈی سی ہاؤس کے پاس اتار دینا۔ اس کے بعد سوچوں گا کہ مجھے کہاں جانا چاہیے" میں نے کہا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں نے اس وقت تک اس بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔

"مجھے کیسے پتا چلے گا کہ تم کہاں ہو؟" اس نے فوری طور پر سوال داغ دیا۔

"میں دو گھنٹے بعد تمہیں فون کروں گا تو یہ بات بھی بتادوں گا" میرے جواب نے اسے مطمئن کردیا۔

اول خان مجھے میری کسی متوقع منزل پر اتارنے کے لیے مصر تھا مگر میں اپنے ابتدائی فیصلے پر قائم رہا۔ آخر اس نے ریلوے پل عبور کرنے کے بعد مجھے پی آئی ڈی سی ہاؤس کے سامنے اتار دیا۔ مجھ سے رخصت ہوتے ہوئے اس نے پرتپاک انداز میں مجھے ڈھیروں دعائیں دیں اور آگے روانہ ہو گیا۔

میرے پاس میرے مختصر سے سامان پر مشتمل تھیلا تھا جسے میں نے کندھے پر لٹکا لیا۔ میں نے ایک ہوٹل پر بیٹھ کر گرما گرم چائے کی ایک پیالی پی، سگریٹ سلگائی اور وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے روپوشی کے نئے تجربے کے لیے سول اسپتال کا رخ کرنا چاہیے۔

پی آئی ڈی سی ہاؤس سے سول اسپتال کا فاصلہ اتنا کم نہیں تھا کہ اسے آسانی سے پیدل طے کیا جا سکے مگر میں اپنی رو میں مگن پیدل چلتا رہا۔ پرل کانٹی نینٹل ہوٹل سے چندریگر روڈ کے چوراہے تک سیدھا چلتا ہوا میں شاہین کمپلیکس تک پہنچا۔ وہاں سے سڑک عبور کرکے ایس ایم لا کالج والے نکڑ سے داہنی طرف گھوم کر برنس روڈ کی سمت میں چل دیا۔ اتنی دور تک پیدل چلنے کی وجہ سے میرے بدن میں خاصی حرارت پیدا ہو چکی تھی۔

ایم اے جناح روڈ پر جامع کلاتھ مارکیٹ کے سامنے والی سڑک اختیار کرکے میں ذرا سی دیر میں سول اسپتال کے ایمرجنسی کے شعبے میں پہنچ گیا۔

غنیمت تھا کہ ان دنوں شہر میں قتل و غارت گری کا دور دورہ نہیں تھا ورنہ اسپتال زخمیوں اور جاں بہ لب مریضوں سے بھرے ہوئے نظر آتے تھے۔ ایمرجنسی اور حادثات کے شعبے میں اس وقت صرف چند مریض تھے۔ کچھ دیر کے انتظار کے بعد میری بھی باری آ گئی۔

اسپتالوں اور بیماریوں سے کبھی میرا کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔ ڈاکٹر نے باری آنے پر مجھ سے مرض کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے بے اختیار اپنڈکس کا نام لے دیا۔

نوجوان ڈاکٹر میرا جواب سن کر مسکرانے لگا "تم کو کیسے معلوم ہوا کہ تمہیں اپنڈکس کی شکایت ہے؟"

"پیٹ میں شدید درد ہو رہا ہے" میں نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"ہاتھ لگا کر بتاؤ کہ کس جگہ درد ہو رہا ہے؟" ڈاکٹر نے وہ سوال کرکے مجھے ایک امتحان سے دوچار کر دیا۔

مجھے اپنڈکس کے محل وقوع کا پتا نہیں تھا۔ ڈاکٹر کے سوال کا فوری جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے اپنے پیٹ پر ایک جگہ ہاتھ رکھ دیا۔

ڈاکٹر نے اپنے نرم ہاتھ سے میری بتائی ہوئی جگہ دبائی اور میں تکلیف ہونے کی اداکاری کرکے کراہنے لگا۔ ڈاکٹر نے میری پتلون میں سے قمیص باہر نکالی اور نرمی سے میرے پیٹ کے مختلف حصوں کو دبانا شروع کر دیا۔ اسی کے ساتھ وہ سوالات بھی کرتا جا رہا تھا۔ اس نے میری پسلیوں کے نیچے اور پیٹ کے نچلے حصے کو اچھی طرح ٹٹولنے کے بعد مجھے بستر سے اٹھایا اور اپنی مختصر سی میز کے پیچھے کرسی پر جا بیٹھا۔

"تمہیں اپنڈکس کیا، کوئی بھی تکلیف نہیں" نوجوان ڈاکٹر نے اپنی تشخیص کا نچوڑ ایک جملے میں سمیٹ کر مجھے حیران کر دیا "ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی ریاحی درد وغیرہ ہو۔ بازار سے یہ دو گولیاں لے کر پانی سے نگل لو۔ آرام آ جائے گا۔" اس نے نام اور عمر پوچھ کر نسخے پر اندراج کیا اور نسخہ میری طرف بڑھا دیا۔ اس پر پیناڈول لکھی ہوئی تھی۔

"مگر میں چاہتا ہوں کہ مجھے اسپتال میں داخل کرکے اچھی طرح دیکھ بھال کر لی جائے" میں نے اپنی خواہش ظاہر کی۔

"میں نے اچھی طرح دیکھ بھال کرکے ہی اپنی رائے دی ہے" اس نے خشک نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا "اسپتال کے بستر ضرورت مند مریضوں کے لیے ہیں۔ شوق یا خواہش پر کسی کو یہاں داخل نہیں کیا جا سکتا۔"

"میں پھر بھی یہ چاہوں گا کہ مجھے رات بھر کے لیے یہاں رکھ لیا جائے۔ بڑے ڈاکٹر نے بھی یہی رائے دی تو میں گھر چلا جاؤں گا" میں نے اصرار کیا۔

"بڑے ڈاکٹر صاحب اپنی کوئی رائے دینے سے پہلے مجھ سے جواب طلب کریں گے کہ میں نے تمہیں کیوں داخل کیا۔ تمہیں اسپتال میں داخلے کا ایسا ہی شوق ہے تو تم کسی پرائیویٹ اسپتال چلے جاؤ۔ تمہاری جیب میں پیسے ہیں تو وہ تمہیں داخل کر لیں گے۔"

وہ نوجوان ڈاکٹر اچھے اخلاق اور کردار کا مالک تھا۔ اس کی پیشہ ورانہ مہارت بھی شک و شبہے سے بالاتر تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس نے پرائیویٹ اسپتال کی راہ سجھا کر میری مشکل آسان کر دی تھی۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں نے اپنے مسئلے کے حل کے لیے سول اسپتال کا رخ کیا تھا۔

میں وہاں سے نکلا اور خون بیچنے والوں اور ان کے دلالوں کی بھیڑ سے نکل کر قریب سے ایک رکشا پکڑ لیا۔ ان دنوں شہر میں ایک بہت بڑے پرائیویٹ اسپتال کے نام کا

ڈ نکا بج رہا تھا۔ میں نے رکشا ڈرائیور کو اسی اسپتال کا نام بتادیا۔

شہر کی سڑکوں پر رواں ٹریفک کے ہجوم میں چابک دستی سے اپنا راستہ بناتے ہوئے رکشا ڈرائیور نے بہت جلد مجھے اسپتال کی پر شکوہ عمارت میں پہنچادیا۔

وہاں بھی میں ابتدائی طبی دیکھ بھال کے مرحلے سے گزرا۔ ڈاکٹر اپنی تشخیص سے زیادہ میری شکایت پر دھیان دے رہا تھا۔ اس نے میری مفروضہ تکلیف کے بارے میں اپنی کوئی رائے نہیں دی لیکن میری خواہش کے احترام میں مجھے اسپتال میں داخلے کا مژدہ سنادیا۔ اس کی رائے تھی کہ میرا پیچیدہ مسئلہ تفصیلی جانچ پڑتال کے بعد ہی حل ہو سکتا تھا۔

اسپتال میں داخلے کی باری آئی تو معلوم ہوا کہ وہاں جنرل وارڈ سے وی آئی پی روم تک کمروں کی پوری رینج حاضر تھی۔ میں نے پرائیویٹ روم کو ترجیح دی۔ اسپتال بہت شاندار تھا اور اس کے پرائیویٹ روم کا کرایہ اچھے ہوٹل کے یومیہ کرائے سے ذرا ہی کم تھا۔

اسپتال میں دس ہزار روپے جمع کرانے سے بھی کام چل سکتا تھا مگر میں نے بیس ہزار روپے دے دیے کیونکہ مجھے کئی دنوں تک وہاں رہنا تھا۔ مجھے امید تھی کہ حساب میں وافر رقم موجود ہوئی تو مجھے میری مرضی کے خلاف اسپتال سے رخصت نہیں کیا جائے گا۔ داخلے کے لیے میں نے نئے نام اور پتے کا سہارا لیا تھا۔

نووارد مریضوں کے لیے اسپتال کے آراستہ کمرے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ رقم ادا کرنے کے چند منٹ بعد ہی مجھے راہ داری اور پھر لفٹ کے ذریعے میرے پرائیویٹ روم میں پہنچادیا گیا جہاں ایک فرد کی ضرورت اور آسائش کے لیے بہت کچھ دستیاب تھا۔ میرے لیے اس کمرے میں ٹیلی وژن اور فون کی موجودگی زیادہ اہم تھی۔

مجھے حقیقت میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا کہ سول اسپتال کے نوجوان ڈاکٹر کی طرح اس اسپتال کے ڈاکٹر نے بھی اس رمز کو پالیا ہوگا۔ مجھ سے اسپتال میں داخلے کے پیسے لے لیے گئے تھے لیکن علاج معالجہ اگلی صبح تک التوا میں رہے گا۔

میں بے داغ، سفید چادر والے سرجیکل بیڈ پر آرام سے دراز ہو کر ٹیلی وژن پروگرام دیکھ رہا تھا کہ دروازے پر دستک دے کر ایک پختہ عمر والی خوش شکل نرس اپنے وارڈ بوائے کے ساتھ کمرے میں آگئی۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بہت سا طبی ساز و سامان موجود تھا۔

وارڈ بوائے سامان لگانے میں مصروف ہو گیا۔ نرس مجھ سے مسکرا مسکرا کر باتیں کرتی رہی۔ اس دوران میں ڈیوٹی ڈاکٹر کمرے میں آگیا۔ اس نے سر سے پیر تک میرا تفصیلی جائزہ لیا، مجھ سے بہت سے سوالات پوچھتا اور میڈیکل فائل پر نوٹ لیتا رہا۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد نرس نے اپنا کام شروع کیا۔

پہلے ایک سرنج میں میری کلائی کی نس سے خون کا نمونہ لیا گیا جو مختلف تجربات کے لیے لیبارٹری میں جانا تھا۔ سفید ٹائلوں سے آراستہ باتھ روم میں موجود شیشی میں یورین کا سیمپل دینے کی ہدایت کی گئی پھر مجھے بستر پر لٹا کر میرے بائیں ہاتھ کی نس میں کینولا اتار دیا گیا۔ اس اثنا میں وارڈ بوائے نے ڈرپ کی بڑی سی تھیلی اسٹینڈ سے لٹکادی تھی۔

"آپ کے ساتھ کمرے میں کوئی مددگار نہیں رہے گا؟" نرس نے ڈرپ کے قطروں کو میرے دورانِ خون میں رواں کرتے ہوئے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"آپ جیسے مخلص اور پیشہ ور عملے کی موجودگی میں کسی اور کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

اپنا کام مکمل کر کے اس نے مجھے کچھ ہدایات دیں، عملے کو طلب کرنے والی گھنٹی کے بارے میں بتایا اور وارڈ بوائے کے ساتھ کمرے سے چلی گئی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ مرد مریضوں کے کمروں میں ہر نرس کسی وارڈ بوائے کو اپنے محافظ کے طور پر ساتھ لے جاتی ہوگی تاکہ کوئی مریض اس سے ضروری یا غیر ضروری چھیڑ چھاڑ نہ کر سکے۔

میری خواہش پوری ہو چکی تھی۔ میں مریض بن کر امریکیوں کے کسی نئے عتاب اور نگاہوں سے محفوظ ہو چکا تھا۔ کمرے میں تنہائی میسر آنے پر میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو سوا گیارہ بج رہے تھے۔ جان کو سمندری کھاڑی میں پھینکنے کے بعد سوا دو گھنٹے کا وقت بہت تیزی سے گزر گیا تھا۔

میں نے اپنے سرہانے تپائی پر رکھا ہوا فون بستر پر اٹھالیا۔ بایاں ہاتھ ناگہانی ڈرپ کی گرفت میں آیا ہوا تھا۔ میں نے ریسیور گردن اور شانے کے درمیان دبا کر داہنے ہاتھ سے اول خان کے گھر کا نمبر ملالیا۔

اول خان فوراً ہی میری آواز پہچان گیا۔ اس وقت وہ بہت خوش تھا۔ "یہ بتاؤ کہ اس وقت کہاں اور کس حال میں ہو؟"

میں نے اسپتال کا نام اور اپنے کمرے کا نمبر بتانے کے بعد کہا "میں باقاعدہ مریض بنادیا گیا ہوں۔ اس وقت ڈرپ کا

قیدی ہوں اس لیے سی ایس ڈی نہیں لگا سکا۔"
اول خان میرا اشارہ بھانپ گیا "لگالو تو مجھے ضرور بتانا ..... تم اچھے خاصے تھے۔ تمہیں ڈرپ کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"
"مجھے نہیں، اسپتال والوں کو اس کی ضرورت تھی۔ یہ مریض کو مرعوب کرتی ہے اور بل بڑھانے میں قطرہ قطرہ مدد دیتی ہے۔ مجھے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ مجھے یوں باندھ کر بستر پر ڈال دیا جائے گا تو میں ہرگز ادھر کا رخ نہ کرتا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ڈرپ میں کچھ دوائیں بھی ملائی گئی ہیں۔"
"یہ سب کیا ہو رہا ہے، ایسا نہ ہو کہ تم واقعی بیمار پڑ جاؤ۔ یہاں تم نے اپنا پورا نام درج کرایا ہوگا۔"
وہ اول خان کا ڈھکا چھپا سوال تھا۔ وہ جاننا چاہ رہا تھا کہ میں اسپتال میں کس نام سے مقیم ہوں۔ میں نے جواب میں اپنا مفروضہ نام دہرا دیا "یہاں میرا وقت تو سکون سے گزر جائے گا لیکن یہ علاج معالجہ خطرناک ہے۔ کھانے پینے کی دوائیں ہوں تو آدمی نظر بچا کر تلف کردے۔ یہ براہِ راست ڈرپ اور انجکشنوں پر اتر آئے ہیں۔"
"تم نے یہاں کس مرض کے سلسلے میں رجوع کیا تھا؟" اول خان نے سوال کیا۔
"اپنڈکس کی شکایت کی تھی۔ اب وہی گلے پڑتی نظر آرہی ہے" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔
"تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اپنڈکس کو ڈاکٹر غیر ضروری بند آنت قرار دیتے ہیں جو کسی بھی وقت اچانک مسئلہ بن جاتی ہے۔ بہت سے لوگ کسی تکلیف کے ہونے سے پہلے اس کو نکلوا دیتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس تھیوری کے تحت تمہارا آپریشن بھی کردیا جائے" اول خان یکایک فکر مند ہوگیا۔
"یہ مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکیں گے۔ میں سوچنے کے لیے دو چار دن کی مہلت لے لوں گا۔ اس وقت تک فضا بدل جائے گی۔ یہ بتاؤ کہ اس قصے کا کیا رہا؟"
"ٹھنڈے پانی میں ڈبکیاں کھا کر اس کی طبیعت صاف ہوگئی تھی۔ اس نے پولیس کو ماجد کے فون سے لے کر آخر تک کی کہانی بلا کم و کاست سنا دی۔ وہ باتیں بھی دہرا دیں جو تم نے اس سے ماجد اور اس کے گروہ کے بارے میں کہی تھیں۔ اب پولیس ماجد یمنی کی تلاش میں ہے۔"
"اس خادم کے بارے میں موصوف نے کیا زہر اگلا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"تم کو ماجد کا خطرناک مقامی ساتھی کہا ہے۔ وہ تمہیں دوبارہ دیکھے گا تو پہچان لے گا۔"
"پھر تو اس نے ان دو لاکھ روپوں کے بارے میں بھی بتا دیا ہوگا جو اس کی جیب میں تھے۔"
"بتایا ہے لیکن یہ شکایت کی ہے کہ اسے بچانے والوں میں سے کسی نے لاکھ کی ایک گیلی گڈی اس کی جیب سے نکال لی۔"
"وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ پولیس کو دیکھتے ہی اسے لمبی گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔ وہ جھوٹ بولتا تو کہیں نہ کہیں پکڑا جاتا۔ اس نے سچ بول کر اپنی جان بچائی ہے۔"
"دوسرا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اب پولیس کو ماجد کو بھی تلاش کرنا ہوگا" اول خان کی آواز آئی۔
"یہ تازہ اور اہم واقعہ ہے۔ اچھا ہے کہ ان کی توجہ اس کی طرف مبذول رہے" میں نے امید ظاہر کی۔
"ناک سوجنے کی وجہ سے اس کا چہرہ بہت کریہہ ہوگیا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ چہرے پر پڑنے والی ٹکر نے اس کی ناک کی ہڈی توڑ دی۔"
"اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے تھا۔ اگر اس کا ساتھی اتنا پھرتیلا نہ ہوتا تو میں اس کا چہرہ مزید بگاڑ دیتا۔"
"زیادہ اونچی پرواز مت کرو" اول خان کی آواز دھیمی اور سخت ہوگئی "وہ لوگ فون کے ساتھ ایسے آلات استعمال کررہے ہیں کہ انہیں فون کرنے والے کا نمبر تک معلوم ہوجاتا ہے۔ وہ اسے کالر لائن آئڈنٹی فیکیشن کہتے ہیں۔ اس نے پولیس کو گلشن اقبال کے اس پبلک بوتھ کا فون نمبر دینے کا وعدہ کیا ہے جہاں سے اس کے بقول ماجد نے اسے فون کیا تھا۔"
"پبلک بوتھ کا بھی کوئی فون نمبر ہوتا ہے؟" میں نے حیرت سے کہا "یہ بات میں پہلی بار سن رہا ہوں۔"
"ہر فون کا کوئی نہ کوئی نمبر ہوتا ہے۔ پبلک بوتھ کے نمبر پوشیدہ رکھے جاتے ہیں تاکہ ان کا غلط استعمال نہ ہوسکے لیکن ان کے سی ایل آئی سسٹم پر اس پبلک بوتھ کا فون نمبر آگیا ہوگا۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ اس سے باہر سے رابطہ کیا گیا تھا۔"
"سی ایس ڈی کے بغیر یہ باتیں خطرناک ہیں۔ تم کب تک جاگ رہے ہو؟" میں نے چونک کر کہا۔
"آج سونے والی رات نہیں ہے۔ ابھی مجھے اسلام آباد کے ردِعمل کا انتظار ہے" اول خان نے بتایا۔
"پتا نہیں جلال کراچی میں ہے یا اسلام آباد واپس لوٹ گیا۔ اس سے تمہارا رابطہ ہوجائے تو بہت سی خبریں مل سکتی ہیں۔"

"اس وقت میں اسے چھیڑنا نہیں چاہتا۔ وہ بے حد مصروف آدمی ہے۔ اگر گھر پر آرام کر رہا ہے تو مجھے دخل انداز نہیں ہونا چاہیے۔ صبح میں اس کے دفتر میں بات کروں گا تاکہ اندر کی کوئی سن گن مل سکے۔ وہ بہت زیادہ باخبر آدمی ہے۔"

"اپنی طرف سے آج والے واقعے کا ذکر نہ چھیڑنا۔ اسے شبہ ہوجائے گا کہ ہم نے اس کی درخواست کو نظرانداز کردیا اور جان سے الجھ گئے۔"

"اس کا انحصار اخبارات پر ہے۔ اگر اس واقعے کو نہیں دبایا جاتا اور اخبارات میں خبریں لگ جاتی ہیں تو بات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات سے پوری طرح باخبر رہنا میری پیشہ ورانہ ذمے داریوں میں شامل ہے۔ دوسری صورت میں' میں محتاط رہوں گا۔"

"فی الحال خدا حافظ۔ میں ڈرپ کے جنجال سے اپنی جان چھڑا کے سی ایس ڈی لگانے کا بندوبست کرتا ہوں۔ صبح ہونے سے پہلے تم سے دوبارہ رابطہ کروں گا۔"

"تمہارا دوبارہ فون نہ آیا تو صبح میں تم سے ملنے کے لیے اسپتال آؤں گا۔"

"مجھے ایک اٹنڈنٹ کو دن رات اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت ہے۔ اگر تم گھر کا سکون چھوڑ کر یہاں کچھ وقت گزارنا چاہو تو اس وقت بھی یہاں آسکتے ہو۔ ہوٹل کے بجائے اسپتال میں روپوشی کا تجربہ میرے لیے خوشگوار نہیں رہا۔ مجھے ابھی سے وحشت ہونے لگی ہے۔"

"رات کو میرا آنا ممکن نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اندرونِ خانہ واقعات کوئی اور رخ اختیار کرلیں۔ ایسی صورت میں چیف کسی بھی وقت مجھ سے بات کرنے کی ضرورت محسوس کرسکتا ہے۔ میں رات کو گھر سے غائب رہا تو اسے خاصی کوفت ہوگی۔"

وہ اپنی مجبوریوں کو مجھ سے زیادہ سمجھتا تھا۔ میں نے اس کی آمد کے لیے اصرار نہیں کیا اور فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

فون پر اول خان سے بات کرنے کے بعد مجھے خاصا سکون محسوس ہوا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے سینے سے ایک بوجھ سا اتر گیا ہو۔ میرے لیے یہ احساس بھی طمانیت کا باعث تھا کہ جان کو زک دینے کے بعد میں تنہا نہیں رہا تھا۔ میرے ساتھیوں میں سے کم از کم اول خان کو یہ معلوم ہوچکا تھا کہ میں نے شہر کے کس اسپتال میں پناہ لی تھی۔

گھٹن کے اندرونی احساس سے نجات حاصل کرنے کے بعد میں کچھ دیر تک بستر پر دراز کچھ سوچتا رہا پھر میں نے اسپتال کے عملے میں سے کسی کو بلانے کے لیے اپنے سرہانے لگی ہوئی گھنٹی بجادی۔ اس اسپتال میں طبّی علاج اور پیشہ ورانہ دیانت کا جو بھی معیار رہا ہو' ذاتی دیکھ بھال کا معیار بہت اعلیٰ تھا۔ مجھے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ذرا سی دیر کے بعد ایک نیا مردانہ چہرہ میرے کمرے میں آموجود ہوا۔ وہ اپنے طور طریقوں سے میل نرس کے بجائے وارڈ بوائے نظر آرہا تھا۔

"سسٹر کو بلاؤ۔ مجھے سخت الجھن اور وحشت ہورہی ہے۔" میں نے اس سے کہا اور وہ الٹے قدموں لوٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پرانی نرس کے ساتھ آگیا۔ نرس کے ہونٹوں پر نرم اور مہربان مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"سسٹر! مجھے ڈرپ سے سخت وحشت اور گھبراہٹ ہورہی ہے۔ اسے نکال دو!" میں نے اس کی صورت دیکھتے ہی احتجاج کیا۔

وہ میرے بستر کے قریب آگئی اور ڈرپ کی نلکی کو چھیڑتے ہوئے بولی "اس میں ایسی کوئی دوا نہیں ہے جس سے آپ کو گھبراہٹ ہو۔ صبح تک آپ کو کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں دیا جائے گا۔ طاقت کے لیے رات بھر یہ ڈرپ چلے گی۔ ہوسکتا ہے کہ صبح ڈاکٹر صاحب معائنہ کرنے کے بعد آپ کے آپریشن کا فیصلہ کرلیں۔"

اس کے آخری فقرے نے میرے اوسان خطا کردیے "میں آپریشن نہیں کرواؤں گا۔ ڈاکٹر صاحب جو فیصلہ چاہیں' کرلیں مگر وہ مجھے میری مرضی کے خلاف آپریشن تھیٹر میں نہیں لے جاسکیں گے' میں کسی کو اپنے بدن پر نشتر زنی کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"یہ صرف میرا خیال ہے۔" وہ جلدی سے بولی "ہوسکتا ہے کہ سرے سے آپریشن کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ آپریشن کے لیے مریض کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ اس وقت آپ کی بہتری کے لیے ڈرپ دی جارہی ہے۔"

"ڈرپ میں سرنج سے کچھ دوائیں بھی شامل کی گئی تھیں۔" میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا "وہ کیا تھیں؟"

"ایک درد ختم کرنے والی دوا تھی۔ دوسری دوا سے آپ کو آرام سے نیند آجائے گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا۔

"میرا سارا درد ختم ہوچکا ہے۔" خواہش کے باوجود میں اسے یہ نہ بتاسکا کہ میرے پیٹ میں کہیں کوئی درد نہیں تھا

"مجھے مسکن دوا کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں خود ہی سو جاؤں گا۔ تم یہ ڈرپ نکال دو۔ اس نے مجھے مریض بنا دیا ہے۔ اس کام میں دیر نہ کرو۔"

اس نے لمحے بھر کے لیے سوچا پھر بولی "میں ڈاکٹر کی ہدایت کے بغیر کچھ نہیں کرتی۔ آپ ذرا سا صبر کریں۔ میں ڈیوٹی ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔"

وہ کمرے سے چلی گئی اور میں فکر مند ہو گیا۔ جس طرح سمندر میں رہ کر مگرمچھ سے بیر نہیں پالا جا سکتا تھا اسی طرح اسپتال میں رہ کر ڈاکٹر سے الجھنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مصیبت میری اپنی لائی ہوئی تھی اور میں جانتا تھا کہ اپنے کیے ہوئے کا کوئی علاج ممکن نہیں تھا۔ میرے پاس صبر اور انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

مریضوں کی ذاتی دیکھ بھال کی اعلیٰ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے وہ نرس جلد ہی ڈاکٹر کو ساتھ لے کر دوبارہ میرے کمرے میں آ گئی اور میرا بلڈ پریشر اور نبض چیک کرنے لگی۔

ڈاکٹر مجھے ڈرپ اور اس میں ملی ہوئی دواؤں کی افادیت سمجھانے پر مصر رہا اور میں کسی پیچیدہ نفسیاتی مریض کی طرح اپنی الجھن، وحشت اور گھبراہٹ کے اظہار پر زور دیتا رہا۔ اسپتال کے عملے کا کچھ نہیں بگڑ رہا تھا۔ بیل ٹوٹنے کے بعد ڈرپ اور دواؤں کی پوری قیمت میرے بل کا حصہ بن چکی تھی۔ ڈرپ اور دواؤں کے حملہ برے اور بھلے اثرات کا شکار میں ہو رہا تھا۔ میری بڑھتی ہوئی بحث سے ڈاکٹر کا منہ بن گیا اور اس نے نرس کو ڈرپ نکالنے کا ناخوشگوار حکم دے دیا۔

"آپ یوں ہی من مانی کریں گے تو علاج اور افاقہ کیسے ہوگا؟" ڈاکٹر نے ناگواری سے پوچھا۔

"مجھے کھانے اور پینے کی دوائیں دے دیں۔ ان پر میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔"

"ڈرپ آپ کی خواہش پر روکی گئی ہے۔ اب آپ سونے کی کوشش کریں۔ صبح ڈاکٹر امجد آپ کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔" اس نے روکھے لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے متبادل دوائیں دے دیں۔ وہ میں استعمال کر لوں گا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"میں نے بہترین علاج تجویز کیا تھا۔ میں اس سے کم پر سمجھوتا نہیں کر سکتا۔ یہ میرے پیشہ ورانہ اصول کے خلاف ہے۔ آپ صبح تک درد وغیرہ برداشت کریں۔ ڈاکٹر امجد آپ کو دیکھ کر اپنی رائے دیں گے۔ درد بڑھنے لگے تو بلا تکلف مجھے دوبارہ بلا لیں۔"

وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر کمرے سے چلا گیا۔ اس دوران میں نرس ڈرپ بند کر کے اس کی نلکی کو کینولا سے الگ کر چکی تھی۔ ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے وہ بھی کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس نے ڈاکٹر کے پیچھے رک کر مجھ سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میرے بدن کے کسی حصے میں دور دور تک کسی قسم کے درد یا تکلیف کا وجود نہیں تھا جسے برداشت کرنا پڑتا۔ میری ایک شکایت کو مفت کے سول اسپتال میں سرے سے مسترد کر دیا گیا تھا اور اس مہنگے اسپتال میں اسی شکایت کو من و عن تسلیم کر کے پیچیدہ علاج کی داغ بیل ڈال دی گئی تھی۔ وہ ہمارے معاشرے کا ایک بھیانک اور تکلیف دہ رخ تھا جو جان ایشکوف کی بدولت میری نظروں میں آ گیا تھا۔ یہ ہوس زر کی انتہا تھی کہ طب کے مقدس پیشے میں بھی پیسے کے حصول کی ہوس رکھنے والی کالی بھیڑیں در آئی تھیں۔

کپڑے کے مضبوط ٹیپ کے نیچے کینولا کی نرم اور لچک دار سوئی، میرے بائیں ہاتھ کی ایک نس میں بدستور اتری ہوئی تھی۔ میں کچھ دیر تک مسہری پر پڑا اپنی اس گھائل نس کو دھیرے دھیرے سہلاتا رہا پھر میں نے بستر چھوڑ دیا۔

میں نے آہستگی سے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کیا، سگریٹ سلگائی اور اپنے مختصر تھیلے کی طرف متوجہ ہو گیا جس میں سی ایس ڈی موجود تھی۔

میں نے سی ایس ڈی پر اپنے نئی تجربات کے بعد اسے ٹیلی فون لائن سے جوڑنے کا سہل اور ریڈی میڈ طریقہ دریافت کر لیا تھا۔ چند لمحوں میں سی ایس ڈی والی ڈبیا تاروں کے ذریعے لائن سے منسلک ہو کر میرے تکیے کے نیچے پہنچ چکی تھی۔ اس کا ہر وقت میری دسترس میں رہنا ضروری تھا تاکہ میں ضرورت پیش آنے پر بلا تاخیر اسے آن یا آف کر سکوں۔ شہر میں اپنے ساتھیوں سے محفوظ رابطے کے لیے اس آلے کا استعمال میرے لیے ناگزیر تھا۔

امریکا کی سرزمین پر میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنے والے بدری ناتھ کی ہڈیاں تک اس وقت تک گل سڑ کر ناپید ہو چکی ہوں گی۔ راکا وہ گھاگ ایجنٹ اپنی ساری چالاکیوں سمیت نیست و نابود ہو چکا تھا مگر اس کی دی ہوئی سی ایس ڈی اس وقت بھی کار آمد تھی۔ بدری کے کرتوت ایسے نہیں تھے کہ اسے زیادہ دنوں تک یاد رکھا جاتا لیکن سی ایس ڈی کے حوالے سے وہ مردود اکثر مجھے یاد آتا رہتا تھا جس کے ساتھیوں نے ایک عرصے سے میرا جینا اجیرن کیا ہوا تھا۔

مجھے کھانے کی قطعی کوئی حاجت نہیں تھی۔ اسپتال کی

نرس اپنی گفتگو کے دوران مجھے یہ اشارہ دے چکی تھی کہ اگلی صبح میری متوقع سرجری کی وجہ سے میرا کھانا پینا بند کر کے مجھے صرف ڈرپ پر رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ ویسے بھی اس وقت رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ کمرے میں عملے کے کسی فرد کی رضاکارانہ آمد کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ میں نے دروازہ بولٹ رہنے دیا اور نائٹ لیمپ روشن کر کے کمرے کی دونوں ٹیوب لائٹس گل کر دیں۔

وہ بندوبست کر کے میں نے اپنی دانست میں ہر بیرونی مداخلت کے خلاف باڑ کھڑی کر دی تھی۔ کمرے میں کوئی ایش ٹرے موجود نہیں تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ کمرے میں تمباکو نوشی کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی۔ میں نے کمرے میں ٹہل ٹہل کر سگریٹ ختم کی اور اس کا سلگتا ہوا آخری سرا باتھ روم کے کموڈ میں تلف کر کے دوبارہ بستر پر پہنچ گیا۔

میں نے اول خان سے دوبارہ رابطہ کرنے کے ارادے سے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ میرے ذہن میں غزالہ کا معصوم اور فکرمند چہرہ مجسم ہو گیا۔ مجھے احساس تھا کہ وہ میرے بارے میں فکرمند ہوگی۔ میں نے فوری طور پر گلشن اقبال میں اپنے گھر کا نمبر ملا لیا۔

گھنٹی بجنے پر دوسری طرف سے غزالہ نے ریسیور اٹھایا اور میری آواز سن کر اس کے لب و لہجے میں عجیب والہانہ سی مسرت سمٹ آئی۔ وہ کہہ رہی تھی ”میرا دل کہہ رہا تھا کہ اتنی دیر سے آنے والی یہ کال آپ ہی کی ہو سکتی ہے۔ آپ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟“

”سی ایس ڈی کو فعال کرتے ہی میں نے سب سے پہلے تمہیں فون کیا ہے۔ میں بالکل خیریت سے ہوں اور ایک اسپتال میں ہوں۔“ میں نے خوش دلی سے کہا۔

”اسپتال میں! مگر کیوں؟“ میرے انکشاف پر شاید اسے گہرا جھٹکا لگا تھا۔ پل بھر میں ہی اس کی آواز سے ساری بشاشت رخصت ہو گئی تھی۔ گھر میں کسی کو یہ علم نہیں تھا میں نے اس مرتبہ روپوش ہونے کے لیے کس قسم کے ٹھکانے کا انتخاب کیا تھا اس لیے غزالہ کا اسپتال کا نام سن کر چونکنا فطری تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں نے اسپتال کے کمرے کو اپنی خفیہ کمین گاہ کے طور پر منتخب کیا ہوگا۔ میری زبان سے اسپتال کا ذکر سن کر اسے اندیشہ ہوا ہوگا کہ میں جان ایشکوف سے تصادم میں مجروح ہو گیا تھا۔

”فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں“ میں نے اسے دلاسا دیا ”میں ہر قسم کی ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ ہوں۔ اپنے دشمنوں کی نگاہوں سے بچنے کے لیے ہوٹل کے بجائے اسپتال کے کمرے میں آ گیا ہوں۔ میری تلاش میں کوئی ادھر کا رخ نہیں کر سکے گا۔“

”خدا کا شکر ہے کہ آپ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں“ اطمینان کے ایک گہرے سانس کے بعد غزالہ کی پرسکون آواز آئی ”میں کوشش کے باوجود سونے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ میرا خیال مسلسل آپ کی طرف لگا ہوا تھا۔ آپ کے نو بجے والے کام کا کیا رہا؟“

سوال کرنے کے بارے میں وہ محتاط تھی مگر میں لائن پر سی ایس ڈی کے استعمال کی وجہ سے بے خوف تھا۔ میں نے کھل کر کہا ”اس کی ٹھکائی کر کے میں نے اسے بحیرہ عرب کے گندے ساحلی پانی میں پھینک دیا۔ وہ اپنی اس ہزیمت کو زندگی بھر نہیں بھلا سکے گا۔ اس پوری کارروائی میں اول خان اور اس کے آدمیوں کا کردار بے مثال تھا۔ ان لوگوں کے بغیر جان کو گھیرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ خبیث امکانی خطرات کا اندازہ لگا کر اپنی پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔“

”شاید کچھ ہلچل شروع ہو گئی ہے۔ ابھی پندرہ منٹ پہلے آپ کے لیے جلال کا فون آیا تھا۔“

”تم نے اسے کیا جواب دیا؟“ میں نے عجلت میں غزالہ کی بات درمیان سے اچک لی۔

”میں نے کہہ دیا کہ آپ نے اس سے ملاقات کے بعد گھر کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ میں آپ کے پتے ٹھکانے سے بے خبر ہوں۔“

”شاباش!“ میں نے اس کی تعریف کی ”اس وقت تمہارا بیان سو فیصد درست تھا۔ یہ یاد رکھنا کہ مرد کے ساتھ اچھی عورتوں کی بھی ایک زبان ہوتی ہے۔ اب بھی اپنے اسی بیان پر قائم رہنا‘ اسے یہ ہوا نہ لگنے دینا کہ میں نے فون پر تم سے بات کی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ جان کے بارے میں ناخوشگوار جرح کرے گا کیونکہ وہ اپنی سرکاری مجبوریوں کا قیدی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کی کڑوی کسیلی باتوں کے جواب میں میری زبان سے کوئی تلخ بات نکلے۔ ہم دونوں کا ایک دوسرے سے چند روز تک دور رہنا ہی بہتر ہے۔“

”آپ کے لیے وہ بہت کام کا آدمی ہے اور آپ کی عزت کرتا ہے۔ آپ کے اور اس کے درمیان کوئی بدگمانی نہیں ہونی چاہیے۔“

”کوئی بدگمانی پیدا نہیں ہو گی۔ دو چار دن میں جان کا قصہ دب جائے گا تو اس کے ذہن میں گھلی ہوئی تلخیاں خود بہ خود کم ہو جائیں گی۔ اس وقت میں اس کے سارے گلے شکوے دور کر دوں گا مگر ابھی معاملہ تازہ ہے۔ وہ مجھ پر برس پڑے گا۔“

”بہتر تو یہی ہے کہ آپ اس سے دور رہیں۔ اتفاق سے کوئی رابطہ ہو جاتا ہے تو آپ صاف انکار کردیں کہ آپ کا اور جان کا آمنا سامنا ہوا تھا۔“

”اول تو میں اس سے جھوٹ نہیں بول سکتا پھر وہ یہ بات بھی جانتا ہے کہ یہاں کسی میں اتنا دل گردہ نہیں ہے کہ جان کے رہتے کسی امریکی کو جال میں گھیر کر اس کی ناک کی ہڈی توڑ سکے۔ کسی نہ کسی وقت اسے دوسرے ذرائع سے پتا چل جائے گا کہ میں نے ایس ٹی ایف کے تعاون سے یہ کام کیا تھا۔ اس کی نظروں میں میری ساکھ گر جائے گی۔“

”آپ بالکل صحت مند آدمی ہیں۔ آپ کو اسپتال میں کس احمق نے لے لیا؟“ غزالہ کی چونکی ہوئی آواز آئی۔

”بعض پرائیویٹ اسپتالوں میں مریض کے مرض کے بجائے اس کی جیب دیکھی جاتی ہے۔ ان لوگوں نے اللہ شافی کہہ کر میرا باضابطہ علاج شروع کردیا ہے۔ بڑی مشکل سے میں نے ان کی لگائی ہوئی ڈرپ سے نجات حاصل کی ہے تاکہ فون لائن سے سی ایس ڈی جوڑ سکوں۔“

”آپ کس پرائیویٹ اسپتال میں ہیں؟“ غزالہ کا لہجہ تجسس آمیز ہوگیا۔

”میں نام نہیں لوں گا۔ وہ بڑے لوگ ہیں۔ مجھ پر ازالہ حیثیت عرفی کا بھاری دعویٰ دائر کردیں گے“ میں نے کہا ”اصولاً تم کو ان باتوں سے بے خبر رہنا چاہیے تاکہ تمہیں دوسروں کے سامنے جھوٹ بولنے کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔“

”سلطان شاہ میرے سامنے بیٹھا ہوا بہت توجہ سے ہماری باتیں سن رہا ہے۔ اس سے میں کچھ بھی نہیں چھپا سکتی۔“

”اس سے کہو کہ ہماری باتوں کے بجائے ویرا پر توجہ دے۔ وہ کسی کنوارے مرد کی طرف مشکل سے راغب ہوئی۔ جو کچھ تمہارے علم میں ہے وہ سلطان شاہ کو بھی بتایا جاسکتا ہے۔“

”یہ کنوارے مرد کی بات کہاں سے نکل آئی“ غزالہ نے تحیر زدہ آواز میں پوچھا۔ وہ میرے اور ویرا کے درمیان تخلیے میں ہونے والی باتوں سے بے خبر تھی اس لیے اس کا وہ سوال فطری تھا۔

”یہ میری رائے تھی۔ اسے سلطان شاہ تک نہ پہنچا دینا۔ میرا مشاہدہ ہے کہ شادی شدہ اور وجیہہ مرد ویرا کی کمزوری ہیں۔ اس وقت وہ کہاں ہے؟“

”اپنے کمرے میں مدہوش پڑی ہوئی ہوگی۔ آج اس نے کچھ زیادہ پی ہوئی ہے۔ جب بھی نشے کی جھونک سے ذرا باہر نکلتی ہے، جھومتی جھامتی کمرے سے باہر آتی ہے اور آپ کی خیر خبر لینے کے بعد دوبارہ اپنے کمرے میں لوٹ جاتی ہے۔ وہ آج زیادہ خوش ہے یا پھر ڈپریشن دور کرنے کی ناکام کوشش کررہی ہے۔ نارمل بہرحال نہیں ہے۔“

”یہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئی تو کسی دن شراب نوشی سے اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا“ میں نے دکھ سے کہا۔

”مشکل یہ ہے کہ اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ آپ کی بات بھی نہیں مانتی۔“

”اسے بھی میرے بارے میں بریف کردینا اور یہ بتادینا کہ میں اس کی بلانوشی سے ناراض ہوں۔“

”میں ضرور بتادوں گی مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ پتا نہیں وہ کس مٹی کی بنی ہوئی ہے؟“

وہ جو بھی مٹی رہی ہو، بہت زرخیز، خوشبودار اور دل آویز تھی مگر میں وہ باتیں غزالہ سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

”جلال کا دوبارہ فون آجائے تو میں اسے کیا بتاؤں؟“ غزالہ نے گفتگو کا اختتام قریب محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

”ابھی ذرا سی دیر پہلے بتایا ہے کہ زبان نہ بدلنا، جو کہہ چکی ہو، اسی پر قائم رہنا۔ اسے یہ بھی بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں کسی گھریا ہوٹل کے بجائے اسپتال میں پناہ گزین ہوں۔ وہ اپنے تمام وسائل بروئے کار لاکر مجھ تک پہنچ جائے گا۔“ میں نے اسے تاکید کی۔

”آپس کے معاملات آپ دونوں جانیں۔ میں آپ کی ہدایت پر پوری طرح عمل کروں گی۔“

کچھ دیر بعد غزالہ سے گفتگو ختم ہوگئی۔ لاہور سے ہماری کراچی آمد کے بعد جو کچھ ہوا، وہ بس ہوتا ہی چلا گیا۔ ہمارا اس دن کا ابتدائی حصہ نارمل انداز میں گزرا تھا مگر جان کے ساتھ ایجنسیوں کے نمائندوں کے مشترکہ اجلاس کے بعد جلال نے براہ راست ہمارے پاس پہنچ کر حالات کا رخ یکسر بدل دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ امریکی دباؤ کے تحت متوقع طور پر شروع ہونے والی میری تلاش کی مہم سے محفوظ رہنے کے لیے میری روپوشی ناگزیر ہوگئی تھی۔ میں نے بھی وہ فیصلہ اسی بنا پر کیا تھا لیکن جلال کے چلے جانے کے بعد ہم نے جان کے خلاف جو منصوبہ بنایا اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد میرا جلال سے بچنا بھی ضروری ہوگیا تھا۔

میں کچھ دیر تک بستر پر پڑا یہی سب سوچتا رہا، مجھے معلوم تھا کہ اول خان مجھے ازخود فون نہیں کرے گا۔ وہ اس انتظار میں بیٹھا رہے گا کہ میں اپنی ڈرپ سے نجات حاصل کرکے فون سے سی ایس ڈی جوڑوں اور پھر اس سے رابطہ کروں۔

بدیسی حساب سے رات کے بارہ بجے دن اور تاریخ کی تبدیلی عمل میں آگئی۔ اپنی رسٹ واچ کے ڈائل پر نگاہ پڑتے ہی مجھے اول خان کا خیال آگیا اور میں نے اس کا فون نمبر ملالیا۔

"میں بہت بے چینی سے تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا" اول خان مجھے ہیجان آمیز لہجے میں بتارہا تھا "کیا تم نے سی ایس ڈی لگالی ہے؟"

"اسے لگائے بغیر میں تمہیں ہرگز فون نہ کرتا۔ ہماری آپس کی باتیں خطرناک ہوتی ہیں جو کسی دشمن کے کانوں میں پڑجائیں تو ہمارے لیے مہلک ثابت ہوسکتی ہیں۔"

"جلال بہت سرگرمی سے تمہیں تلاش کررہا ہے۔ میں نے اس بارے میں اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔"

"وہ مجھ سے کیا چاہ رہا ہے؟" میں نے پر تشویش لہجے میں پوچھا۔

"میں اسے زیادہ نہیں کرید سکا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں تو ہماری افسرانہ انا آڑے آنے لگتی ہے۔ میں پوچھتے ہوئے جھجکتا ہوں۔ وہ ازخود کچھ بتانے سے گریز کرتا ہے۔ ویسے وہ اس وقت بہت خوش اور اچھے موڈ میں تھا۔" اول خان بھی وہ بات بتاتے ہوئے خاصا خوش تھا۔

اس کی پہلی بات قابل فہم تھی۔ وہ دونوں اپنی اپنی تنظیموں کے ذمے دار افسر تھے۔ فرق یہ تھا کہ جلال ایک دستوری ایجنسی سے وابستہ تھا جب کہ اسپیشل ٹاسک فورس کا وجود ہر قانون سے ماورا تھا۔ دونوں کی جداگانہ ذمے داریاں تھیں۔ ان کے درمیان کھلی گفتگو میں یہ جھجک مانع رہتی تھی کہ وہ کہیں اپنی حدود سے تجاوز کرکے دوسرے کے محکمہ جاتی رازوں کے بارے میں نہ پوچھ بیٹھیں اور دوسری طرف سے جواب دینے سے انکار کردیا جائے۔ اس کی دوسری بات حیران کن تھی۔ اگر وہ جان ایشکوف والے معاملے سے واقف ہوچکا تھا تو اس کا موڈ خراب ہونا چاہیے تھا۔ موڈ کی بہتری سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس واقعے سے بے خبر تھا۔

انٹیلی جنس بیورو کا شمار ملک کے حساس ترین خفیہ اداروں میں ہوتا تھا۔ یہ ناممکن سمجھا جاتا تھا کہ ملک کے داخلی یا خارجی محاذ پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہو اور آئی بی کے اہم کارپردازان اس سے بے خبر رہے ہوں۔

"تم نے اس کی مسرت کے سبب کے بارے میں کوئی اندازہ تو لگایا ہوگا؟" میں نے شہ دی۔

"اندازے اسی وقت لگائے جاسکتے ہیں جب کھلی کھلی باتیں ہوں۔ اس کی جگہ تم سے بات ہو رہی ہوتی تو میں جھٹ پوچھ لیتا کہ اس وقت کیوں چہک رہے ہو؟"

"اس نے گھر پر بھی فون کیا تھا۔ میں نے غزالہ کو سختی سے منع کردیا ہے کہ اسے کچھ نہ بتائے۔ اس سے دو چار دن بعد ہی ملنا بہتر ہوگا۔"

"اس نے کہا ہے کہ تم جہاں بھی ہو' اس سے رابطہ کرو۔ اس نے تم تک یہ پیغام پہنچانے کی ذمے داری مجھے سونپی ہے۔"

"پھر مجھے پورا یقین ہے کہ جان کی ناک ٹوٹنے کا اہم عالمی واقعہ اس کے علم میں نہیں ہے" میں نے پورے وثوق سے کہا۔

"یہ نہ ماننے والا مفروضہ ہے" اول خان نے بے تکلفی سے میری رائے مسترد کردی "آئی بی اور آئی ایس آئی کو حکومت کی نگراں آنکھیں کہا جاتا ہے۔ جان جب سے کراچی پہنچا ہے' سب سے بڑا موضوع سخن بنا ہوا ہے۔ آج کا واقعہ پولیس کے ریکارڈ پر آچکا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ جلال اس سے بے خبر ہو۔"

"اگر اس نے مجھ سے ذرا سی بھی تلخی سے بات کی تو میں پھٹ پڑوں گا اور ہمارے مراسم میں ہمیشہ کے لیے دراڑ پڑجائے گی" میں نے محتاط لب ولہجے میں کہا "میں اسی لیے اس سے سامنا یا کوئی رابطہ کرنے سے گریز کررہا ہوں۔"

"اس کے برعکس وہ ہر قیمت پر جلد از جلد تم سے بات کرنے کا خواہاں ہے" اول خان نے زور دے کر کہا۔

"وہ اس وقت کہاں ملے گا۔ میرے پاس اس کے اسلام آباد کے نمبر نہیں ہیں" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ اسلام آباد نہیں گیا۔ ابھی کراچی میں ہے اور رات کے دو بجے تک صدف مینشن کے نمبروں پر دستیاب رہے گا۔"

وہ ایک نیا انکشاف تھا۔ اگر وہ کراچی میں تھا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اتنا بے خبر ہوتا۔

"مجھے صدف مینشن کے نمبر لکھوادو۔ میں اس نکتے پ غور کروں گا۔ اگر مناسب ہوا تو اس سے بات کروں گا" می نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

اول خان میرے فون کا منتظر تھا اس لیے صدف مینش کے تین فون نمبر اپنے ساتھ لیے بیٹھا تھا۔ اس نے فوری ط پر وہ نمبر مجھے نوٹ کرادیے۔

"اس سے تمہیں اسلام آباد کے ردعمل کے بارے بھی کچھ معلوم نہیں ہوا ہوگا" میں نے اول خان سے پوچھا

"اس کا اسلام آباد جانا ہی نہیں ہوا تو کچھ پوچھنا بے سود تھا۔ وہاں سے خبریں لیک ہونے میں ذرا دیر ہوتی ہے لیکن ایک بار یہ سلسلہ چل نکلے تو ہر طرف سے خبروں، افواہوں اور بھروں کا ایک ریلا چل پڑتا ہے۔ اس کے لیے شاید ہمیں صبح تک انتظار کرنا ہوگا۔"

اول خان کی وہ بات منطقی تھی۔ رات کو آنے والی بڑی خبریں متعلقہ اہم افسروں کو ان کے گھروں یا دفتروں میں ملتی تھی جہاں بیشتر نچلا عملہ موجود نہیں ہوتا تھا۔ دن کے اجالے میں بھرپور دفتری سرگرمیوں میں چپراسی اور چوکیدار تک کھلے کانوں سے اپنے افسروں کی بہت سی خفیہ باتیں سن لیتے تھے اور دوسروں پر اپنی اہمیت جتانے کے لیے یا پھر فطری تجسس سے مجبور ہو کر ان خبروں کو کچھ مسالے کے ساتھ آگے بڑھا دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خبروں اور افواہوں کا طوفان دفتری اوقات میں زیادہ زور پکڑتا تھا۔ ان کو پھیلانے کے لیے کلرکوں اور بابوؤں کے پاس مفت سرکاری ٹیلی فون کی سہولت بھی دستیاب ہوتی تھی جس پر پسندیدہ رابطے کیے جا سکتے تھے۔

"وہ اسلام آباد نہیں گیا لیکن اس کا اپنے دفتر سے رابطہ تو برقرار ہوگا" میں نے کہا۔

"یار، کچھ ہوتا تو وہ خود ہی اگل دیتا۔ مجھے بلاوجہ اسے چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی!" میری مسلسل جرح سے اول خان کچھ چڑ گیا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں اس سے ایسی کوئی بات نہیں کرتا جس کا جواب نفی میں ملنے کا امکان ہو۔ تمہاری اور اس کی بات اور ہے۔ تم سے اس کی یاری ہو گئی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا انتظار جاری ہے" میں نے اس کی طبیعت کی بدمزگی کا اندازہ لگاتے ہی موضوع بدل دیا۔

"میں جاگ رہا ہوں۔ اگر تم جلال سے بات کرنے کا فیصلہ کر لو تو بعد میں مجھے بھی گفتگو سے آگاہ کر دینا۔" وہ بولا۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔ مجھے کسی صحیح فیصلے پر پہنچنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔ میں اس مرحلے پر جلال جیسے ہمدرد دوست سے محروم ہونا نہیں چاہتا۔"

اسپتال کے ٹیلی فون کے ذریعے رابطے قائم ہوتے ہی خبریں ملنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ غزالہ اور اول خان سے ہونے والی باتوں کا نچوڑ یہ تھا کہ جلال خوشگوار موڈ کے ساتھ کراچی میں موجود تھا اور مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کی پراسرار خوشی کے بارے میں، میں نے دو مفروضے قائم کر لیے تھے۔ اول یہ کہ دہلی کے حکمرانوں کی گرفت میں آئے ہوئے عبداللہ کو کسی نہ کسی طرح آزادی مل چکی تھی۔ دوسرا امکان یہ تھا کہ وہ جان والے واقعے سے بے خبر ہو۔

وہ میرے ساتھ اس قدر مخلص تھا کہ میں اپنے اندر اس کی آرزو کو مسترد کرنے کی ہمت نہیں پا رہا تھا۔ سوچتے سوچتے میں نے ایک صحیح فیصلہ کر ہی لیا۔ جلال میری تلاش میں سرگرداں تھا تو مجھے اس کو فون کر لینا چاہیے تھا۔ جب تک وہ ڈھنگ سے بات کرتا، گفتگو جاری رہتی اور جوں ہی وہ جان کے حوالے سے کسی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا، میں اس سے بحث کرنے یا الجھنے کے بجائے فون بند کر دیتا۔ اسے میرے ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔ وہ مجھے نہیں پکڑ سکتا تھا۔ اس سے اگلا رابطہ اسی وقت ہوتا جب میری خواہش ہوتی۔

نشتر روڈ پر واقع صدف مینشن کی پرہول اور آسیبی عمارت میری دیکھی بھالی تھی۔ اس کے اندرونی حصے کا ماحول پراسرار، نیم تاریک اور اس قدر اجاڑ رکھا گیا تھا کہ اندر قدم رکھتے ہی وحشت اور ڈراؤنے پن کے آسیبی سائے اعصاب پر مسلط ہو جاتے تھے۔ مجھے توقع تھی کہ جلال اس عمارت کے گراؤنڈ فلور کے اس دفتر میں بیٹھا ہوا ہوگا جہاں مناسب دفتری ماحول اور ساز و سامان دستیاب تھا۔

کچھ دیر تک سوچ بچار کے بعد میں نے اپنے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنا ڈالا۔ اس پر عمل کرنے کی صورت میں کسی خرابی کا امکان نہیں تھا۔

پہلی گھنٹی پر فون اٹھا لیا گیا۔ بولنے والا جلال تھا۔ اس کی آواز سے واقعی شگفتگی جھلک رہی تھی۔

"خیریت تو ہے؟ اس وقت تم کچھ سرور میں معلوم ہو رہے ہو ورنہ دن بھر کی تھکن آواز کی ساری تازگی نچوڑ لیتی ہے" میں نے کہا۔

"اوہو.... تو آخرکار تمہارا سراغ مل ہی گیا" میری آواز پہچان کر وہ شاید حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا تھا "اس وقت تم کہاں ہو؟"

"تمہارے مشورے کے مطابق مفرور ہوں اور ایک خفیہ ٹھکانے پر مقیم ہوں" میں نے خوش دلی سے کہا "تمہیں میری کیا ضرورت پیش آ گئی۔"

"بس، میں کراچی میں ہی رک گیا ہوں اور تم سے ملنا چاہ رہا ہوں۔ تم کتنی دیر میں اپنے گھر پہنچ سکتے ہو۔"

"گھر!" میں نے حیرت سے دہرایا "کیا جان ایشکوف والا قصہ اتنی جلدی نمٹ گیا؟"

"فی الحال اسے بھول جاؤ" ہلکے سے قہقہے کے ساتھ

جلال کی آواز آئی "سیانا کوا ہمیشہ گو کھاتا ہے۔ اس نے یہاں آتے ہی زبردست دوڑ لگانے کی کوشش کی تھی اور ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرا ہے۔ اب ان لوگوں کی توجہ تمہاری ذات سے ہٹ کر کہیں اور مرکوز ہوگئی ہے۔"

"وہ خاصا سنجیدہ اور متین نظر آتا ہے۔ اسے دیکھے بھالے بغیر اتنی تیز دوڑ لگانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں روانی میں کہہ گیا۔

"سنجیدہ اور متین!" اس بار جلال کے حیران ہونے کی باری تھی "اس خبیث کو تم نے کب اور کہاں دیکھ لیا؟"

مجھے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور میں نے بوکھلا کر اپنی تصحیح کرتے ہوئے کہا "میں اسے کہاں دیکھتا۔ میں تو تم سے سنی سنائی باتیں دہرا رہا تھا۔"

"وہ حقیقت میں نہیں، محاورتاً دوڑا تھا" جلال نے مطمئن ہو کر کہا "اس کا خیال تھا کہ وہ ایک ہی زقند میں آسمان سے تارے توڑ لے گا۔"

وہ جان سے بے خبر نہیں تھا۔ اس کی ناکامی کی کوئی تازہ ترین خبر سنا رہا تھا لیکن اس نے بیٹی جیٹی والے واقعے کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔ ادھر میں خود چند گھنٹوں میں اسپتال کے خشک ماحول سے بیزار ہوگیا تھا۔ میں نے محتاط لہجے میں کہا "میں گھر پہنچ کر تمہیں فون کردوں گا لیکن تم کو وعدہ کرنا ہوگا کہ کسی بات پر مجھ سے جھگڑا نہیں کرو گے۔"

"کیا میں نے پہلے کبھی تم سے جھگڑا کیا ہے؟" اس نے افسردہ آواز میں پوچھا۔ شاید میری شرط سن کر اسے رنج ہوا تھا۔

"پہلے نہیں کیا مگر اب امکان نظر آرہا ہے۔ تم..."

اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔ بیچ میں بول پڑا "بس تم گھر پہنچو۔ وہاں آمنے سامنے بات ہوگی۔ کتنی دیر میں پہنچو گے؟"

"کچھ دیر ہوگی۔ میرے میزبان کچھ مختلف قسم کے ہیں۔ اپنے چنگل میں پھنسے ہوئے مہمان کو کھال اتارے بغیر گھر نہیں جانے دیتے۔"

"یہ کون بدمعاش ہیں۔ مجھے بتاؤ، میں ابھی آکر تمہیں لے جاتا ہوں" میری بات پر وہ برہم ہوگیا۔

"نن.... نہیں" میں نے جلدی سے اسے منع کردیا "تمہیں دخل اندازی کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں آئندہ کے لیے ان سے مراسم استوار رکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ زبردستی میرے مدد کے لیے آنے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے بہت مشکل سے اسے سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا اور فون بند کردیا۔

کریڈل دبا کر میں نے اول خان کا نمبر ڈائل کیا تاکہ اسے اپنی نجات کی خوش خبری سنادوں مگر اس کی لائن مصروف تھی۔ میں نے سگریٹ سلگا کر کچھ دیر تک انتظار کیا اور دوبارہ نمبر ملایا۔ اول خان کا فون بدستور مصروف تھا۔ شاید وہ کسی سے ضروری گفتگو میں مصروف تھا۔ میں بستر پر دراز سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ پوری سگریٹ پھونک کر میں نے تیسری کوشش کی تو رابطہ ہوگیا۔

"ابھی جلال کا فون آیا ہوا تھا" اس نے مجھے ایک لفظ سے زیادہ بولنے کا موقع نہیں دیا۔ میری آواز پہچانتے ہی اپنی بات شروع کردی "اس نے مجھے اسی وقت تمہارے گھر بلایا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تم بھی تھوڑی دیر میں وہیں پہنچ رہے ہو؟"

"میں نے بھی تمہیں یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ جلال نے کیا گورکھ دھندا شروع کردیا ہے" میں نے کہا۔

"تھوڑی دیر کی بات ہے پھر سب سامنے آجائے گا۔ تم اس اسپتال سے کیسے جان چھڑاؤ گے؟"

"کوشش کرتا ہوں۔ وہ زبردستی مجھے نہیں روک سکتے" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

رات گہری ہوچکی تھی۔ میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو اسپتال کے صاف ستھرے کاریڈور میں خوابناک روشنیوں کا راج تھا۔ کاریڈور کے آخری سرے پر کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی ہوئی دو وردی پوش نرسیں سفید پریوں کی طرح نظر آرہی تھیں۔ میں اسی طرف چل پڑا۔ اسپتال میں آتے ہوئے میں نے دیکھ لیا تھا کہ ڈیوٹی ڈاکٹر کا کمرا اسی طرف تھا۔

میں نے ڈاکٹر کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا۔ ڈاکٹر ایک صوفے پر نیم دراز ٹیلی وژن دیکھنے میں مصروف تھا۔ اسکرین کا رخ مخالف سمت میں ہونے کی وجہ سے میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ اسکرین پر کیا پروگرام چل رہا تھا۔ ڈاکٹر میری صورت دیکھتے ہی سنبھل کر صوفے پر سیدھا ہوگیا اور ریموٹ کنٹرول دبا کر ٹیلی وژن آف کردیا۔ میں اس کی آنکھوں میں اپنے لیے ناپسندیدگی کے تاثرات دور سے پڑھ سکتا تھا۔

"میں اسپتال سے چھٹی چاہتا ہوں" میں نے اس کی پیش کش کا انتظار کیے بغیر اس کی میز کے پاس پڑی ہوئی کرسی سنبھال لی۔

"کیوں؟" اس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں

"کیا آپ صبح تک ڈاکٹر امجد کا انتظار نہیں کریں گے۔"

"صبح میں شہر کے کسی بہتر اسپتال سے رجوع کروں گا" میں نے بہتر پر زور دے کر کہا۔

"کیا یہاں آپ کو کوئی شکایت ہے؟" میرے تیور دیکھ کر وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"یا تو مجھے ڈرپ میں ملا کر دوائیں دی جا رہی تھیں۔ ڈرپ نکالنے کے بعد مجھے لاوارث چھوڑ دیا گیا ہے۔ یوں ہی پڑے رہنا ہے تو میں اپنے گھر پر زیادہ آرام سے رہوں گا۔"

"آپ کو صبح تک تو ہر حال میں انتظار کرنا ہوگا۔ ہمارا اکاؤنٹس آفس صبح نو بجے کھل کر پانچ بجے بند ہو جاتا ہے۔"

"مگر میں نے رات کے دس بجے کے قریب بیس ہزار روپے جمع کرائے تھے" میں نے تلخی سے کہا۔

"مریضوں کی سہولت کے لیے کیشیئر چوبیس گھنٹے موجود رہتا ہے۔ یہاں ہر وقت مریض آتے رہتے ہیں۔"

"آنے والے مریضوں کی سہولت کا اتنا خیال رکھا جاتا ہے تو جانے والے مریضوں کے لیے بھی کوئی بہتر بندوبست ہونا چاہیے۔"

"دیکھیے! میں ڈاکٹر ہوں۔ مریضوں کو دیکھتا اور علاج تجویز کرتا ہوں۔ ان انتظامی امور سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسپتال کا انتظامی عملہ بھی صبح نو بجے آتا ہے۔ آپ کی شکایت کا جواب وہی لوگ دے سکیں گے۔ یہ رات آپ یہاں بسر کریں کیونکہ آپ ابھی جائیں یا صبح جائیں، آپ کو ایک رات کے روم چارجز ادا کرنے ہوں گے" میری باتوں پر ڈاکٹر کی پیشانی شکن آلود ہوگئی مگر وہ پڑھا لکھا ڈاکٹر تھا۔ اس کی گفتگو تہذیب اور شائستگی کی حدود میں رہی۔

اپنی محدود ذمے داریوں کے بارے میں اس کا بیان درست تھا۔ میں نے اس سے الجھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور نرمی سے کہا "میں یہاں بہت مضطرب اور بے آرام ہوں۔ فی الحال میرا آپریشن کروانے کا ارادہ نہیں ہے۔ میں اسی وقت گھر جانا چاہتا ہوں۔"

"آپ ڈسچارج فارم پر دستخط کر کے اپنے رسک پر واپس جا سکتے ہیں" ڈاکٹر نے سپاٹ لہجے میں یہ خوش خبری سنائی "ڈپازٹ کی رسید احتیاط سے رکھیں۔ صبح آپ کا حساب بن جائے گا۔ پانچ بجے سے پہلے کسی بھی وقت آئیں اور رسید دکھا کر بقیہ رقم واپس لے لیں۔"

"میں یہی چاہ رہا تھا" میں نے ممنونیت سے کہا "مجھے اپنا آرام پیسوں سے زیادہ عزیز ہے۔"

دس منٹ بعد میں اسپتال سے نکل کر باہر سڑک پر پہنچ چکا تھا جہاں ٹیکسیاں اور رکشے موجود تھے۔ اسپتال کا کمرا چھوڑنے سے پہلے ... میں ٹیلی فون لائن سے سی ایل ڈی نکال کر محفوظ کرنا نہیں بھولا تھا۔ اسپتال سے ہمارے گھر کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ موسم خوشگوار ہوتا تو رات کے سکون اور سناٹے میں وہ راستہ پیدل بھی طے کیا جا سکتا تھا مگر وہ رات خنک تھی۔ میں نے ٹیکسی لی اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

میری بائیں ہتھیلی کی پشت پر کینولا کی سوئی سے چھیدی جانے والی نس پر لگا ہوا ٹیپ اسپتال کی اکلوتی نشانی کے طور پر میرے ساتھ تھا۔

میں نے اول خان کو اپنی واپسی کے پروگرام سے آگاہ کیا تھا، غزالہ کو خبر نہیں دی تھی مگر جب ٹیکسی گھر کے سامنے رکی تو میں اپنے گھر کی مکمل روشنیاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ خوابیدہ آبادی میں ہمارا گھر روشنیوں کے ایک جزیرے کی طرح جگمگا رہا تھا۔ رات کے سناٹے میں ٹیکسی کا انجن بند ہونے کی آواز سن کر سلطان شاہ دروازے پر آ گیا۔ میں ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے پلٹا تو وہ تینوں ہی پھاٹک کے پاس میرے منتظر تھے۔

ویرا کی آنکھیں سرخ اور متورم تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی باوقار مسکراہٹ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مے نوشی کی کثرت کے باوجود اس نے اس وقت اپنے اعصاب پر قابو پایا ہوا تھا "ویری گڈ! لوٹ کے بدھو گھر کو آئے" مجھے دیکھ کر اس نے برمحل تبصرہ کیا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔

"جلال کا فون آیا تھا۔ وہ بھی پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں اسے فون کر دوں کہ آپ آ گئے ہیں" غزالہ یہ کہہ کر دوڑتی ہوئی اندر چلی گئی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے" سلطان شاہ نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا "پہلے تمہیں بھگا دیا گیا۔ اب تم لوٹ آئے ہو، جلال بھی آ رہا ہے..."

"جلال ہی اس راز پر سے پردہ اٹھائے گا" میں نے اسے جواب دیا پھر ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا "آج تم نے پھر کم وقت میں بہت زیادہ پی ہے۔ آئینے میں صورت دیکھی ہے اپنی؟"

"تم آ گئے ہو تو تمہاری آنکھوں کے آئینوں میں اپنی تصویر دیکھوں گی" وہ گہری مسکراہٹ کے ساتھ بولی "اس سے پہلے میں خود فراموشی کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔"

"اس میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ زیادہ پی کر نشے میں شاعری کرنے لگتی ہے" سلطان شاہ چڑ کر بولا "میری اور

غزالہ کی مشترکہ رائے تھی کہ اس سوئے ہوئے جن کو نہیں اٹھائیں گے۔ پتا نہیں یہ ہماری آوازیں سن کر کیسے اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔"

"تمہاری آوازیں سن کر قبر سے مردے بھی باہر آسکتے تھے" ویرا نے اسے گھور کر تلخی سے کہا "ڈینی کی واپسی کی خبر سن کر تم اس بری طرح چیخے تھے کہ میں گھبرا گئی تھی۔"

"بس، اب زیادہ تکرار نہیں ہوگی" میں نے ہاتھ اٹھا کر مداخلت کی "جلال سے پہلے اول خان بھی آرہا ہے۔ ان لوگوں کی موجودگی میں یہاں کوئی تماشا نہیں بننا چاہیے۔"

"سب کے یک جا ہونے کا مطلب ہے کہ کوئی اہم اجلاس ہونے والا ہے" ویرا نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے چٹکی بجا کر کہا "میں دس منٹ میں بالکل فریش اپ ہو کر واپس آتی ہوں۔ ان دونوں کو یہاں پہنچنے میں اتنا وقت تو لگے گا۔"

وہ مڑی اور کچن کی طرف چلی گئی۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔

"اسے اپنی خواب گاہ کے باتھ روم میں جا کر نہانے کی ضرورت تھی۔ یہ کچن میں کیا کرنے گئی ہے" میں نے قدرے اونچی آواز میں خود کلامی کی۔

"نہانے سے پہلے وہ لیموؤں پر ہاتھ صاف کرے گی" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا "کبھی اسے جن میں نچوڑنے کے لیے لیموں کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی اسکاچ کا نشہ ہرن کرنے کے لیے لیموؤں کا شربت پیتی ہے۔ جب فرج کھولتا ہوں، لیموں غائب ہوتے ہیں۔"

غزالہ بھی آگئی۔ اس نے خواب گاہ کے انسٹرومنٹ سے جلال کو فون کردیا تھا، میری غیر متوقع واپسی پر اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

ویرا کی واپسی اور جلال کی آمد سے پہلے اول خان آگیا کیونکہ وہ ہمارے گھر سے قریب، جمشید روڈ پر رہتا تھا جب کہ جلال کو نشتر روڈ پر واقع صدف مینشن سے ہمارے گھر کی دوڑ لگانی تھی۔ ہمارے اس اجلاس کا اہم ترین شریک وہی تھا۔

موسم سرد تھا اور رات گہری ہو چکی تھی۔ ڈرائنگ روم بند ہونے کے باوجود موسم کے اثرات سے متاثر تھا۔ غزالہ نے کسی فرمائش کے بغیر چائے بنانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اول خان اور سلطان شاہ نے خلوصِ دل سے اس کی تائید کی اور وہ کچن کی طرف چلی گئی۔

"مجھے اندیشہ تھا کہ اسپتال والے آسانی سے تمہاری جان نہیں چھوڑیں گے" اول خان ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا "ایسے لالچی لوگ اپنے چنگل میں پھنسنے والے مریضوں کے خدائی خیر خواہ بن جاتے ہیں اور آسانی سے ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔"

"میں نے بیس ہزار روپے گروی رکھوا کر آزادی حاصل کی ہے۔ اس رقم کا حساب کل ہوگا" میں نے کہا۔

"رقم کے ذکر پر مجھے یاد آیا کہ میں نے تمہارا چیک لاہور بھجوا دیا ہے۔ کل لاہور میں چیک کیش ہوتے ہی ایک آدمی یہاں نقد رقم دے دے گا۔ اس کا کیا کرنا ہے" اول خان نے پوچھا۔

"میرا کہیں کوئی اکاؤنٹ نہیں ہے۔ سارے پیسے جہانگیر کی بیوی کے پاس پڑے ہوئے ہیں۔ یہ پیسے اپنے اکاؤنٹ میں ڈال لینا۔ اس میں سے دو لاکھ تمہارے ہیں" میں نے کہا۔

"میں اس میں سے ایک روپیا نہیں لوں گا۔" اول خان نے برہمی سے کہا "وہ رقم تم چاروں کی ہے۔ تم کو مبارک ہو۔ مجھے اپنے کام کی باقاعدہ تنخواہ ملتی ہے۔ میرے لیے وہی کافی ہے۔ میں یہ رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع نہیں کرا سکتا۔ کسی بدخواہ کو بھنک مل گئی تو میرے کردار پر حرف گیری کا سلسلہ چل نکلے گا۔"

"پھر وہ رقم گھر پر رکھ لینا" میں نے اپنی تجویز پر اصرار کے بغیر اس سے گزارش کی "مطلع صاف ہوگا تو یہ پیلٹ بھی سلمٰی کے پاس رکھوا دوں گا۔"

"کافی دنوں سے گولڈن فارمیسی کے سیٹھ اور اس کی بیوی کی کوئی خیر خبر نہیں ملی" سلطان شاہ نے یاد دلایا۔

"بھارت جانے سے پہلے میں ان سے ملا تھا۔ اب آیا ہوں تو دوسری ملاقات ہوگی۔ تم بھول رہے ہو کہ سلمٰی مجھے لاہور میں بھی ملی تھی۔"

"اوہ! یاد آگیا۔ چوہدری عظمت سلمٰی کا سگا ماموں تھا" وہ چونک کر بولا "اس کی گرفتاری پر وہ تم سے بہت ناراض ہوگی۔"

"میں نے لاہور میں ہی اسے بتا دیا تھا کہ میں بے بس ہوں۔ اس کے ماموں کے گھر سے ہیروئن کی بھاری مقدار برآمد ہوئی تھی۔"

غزالہ ٹرے میں چائے کے ساتھ کچھ سینڈوچ وغیرہ بھی بنا لائی۔ میرا خیال تھا کہ اس نے بلاوجہ تکلف کیا تھا لیکن جب دور شروع ہوا تو ذرا سی دیر میں سینڈوچ صاف ہوگئے۔ غزالہ کے حصے میں ایک ٹکڑا بھی نہیں آسکا تھا جبکہ میری سوئی ہوئی اشتہا جاگ اٹھی تھی اور مزید خوراک کی طلب گار تھی۔

وہ دور ختم ہونے سے پہلے جلال آگیا۔ وہ پوری طرح بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ ویرا بن سنور کر آگئی۔ میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے اتنی مہارت سے اپنی آنکھوں پر ہلکا سا میک اپ کیا تھا کہ اس کی مخمور آنکھوں کی سوجن بالکل چھپ گئی تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ نشے سے بدحال نظر آرہی تھی۔

"تھوڑی دیر پہلے تم فون پر چہک رہے تھے۔ اس وقت اداس اور خاموش ہو" میں نے جلال کو ٹوکا۔

"اس وقت میں اپنے موڈ کی بحالی کے لیے عمدہ چائے کی ایک پیالی کی ضرورت محسوس کررہا ہوں" جلال نے فرمائش کی اور اپنی بات جاری رکھی "چلتے چلتے ایک بری خبر ملی ہے۔ بھارتی درندوں کا تشدد سہتے سہتے آخر کار عبداللہ شہید ہوگیا۔ اللہ اس کی مغفرت کرے۔ وہ بہت محنتی اور جوشیلا کارکن تھا۔ بہیمانہ تشدد کی وجہ سے اس کے دونوں گردوں سے خون رواں ہوگیا اور وہ جاں بحق ہوگیا۔"

ڈرائنگ روم کی فضا یکلخت پرسوز ہوگئی۔ وہ انکشاف میرے لیے شدید صدمے کا باعث تھا کیونکہ میں نے دہلی میں رہتے ہوئے بہت قریب سے عبداللہ عرف ولی رام کی ذاتی خدمات اور صلاحیتوں سے استفادہ کیا تھا۔ اس کی شہادت نے یقینی طور پر عابد اور پرویز کے حوصلے توڑ دیے ہوں گے۔

اول خان نے "فاتحہ" کہہ کر دعا کے لیے دونوں ہاتھ فضا میں اٹھا دیے۔ سب نے اس کی تقلید کی۔ ان میں غیر مسلم ویرا بھی شامل تھی۔ ویرا کو آنکھیں موند کر ہاتھ اٹھائے دیکھ کر بے اختیار میرا جی چاہا کہ اس سے پوچھوں کہ فاتحہ کے نام پر وہ کیا پڑھ رہی تھی لیکن اس گمبھیر فضا میں ویرا سے ایسا کوئی سوال کرنے سے جلال کے نازک جذبات مجروح ہوسکتے تھے۔ میں نے زبان نہیں کھولی مگر دل ہی دل میں ویرا کی اداکاری کی داد دیتا رہا۔

فاتحہ کے بعد غزالہ نے ٹی پاٹ پر سے ٹی کوزی اتار دی اور جلال کے لیے چائے بنانے لگی۔ جلال کہہ رہا تھا "آج میں بہت خوش تھا۔ مجھے پہلی بار تجربہ ہوا کہ امریکی کتنے بزدل ہوتے ہیں مگر آخری اطلاع نے مجھے دل گرفتہ کردیا۔ شہید عبداللہ کے لیے میرا دل اداس ہے۔"

"اس کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی، اس کے خون کا بدلہ لیا جائے گا" سلطان شاہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"ہم سب کو اس کی موت کا گہرا دکھ ہے" اول خان نے لب کشائی کی "جو ہونا تھا وہ ہوچکا ہے۔ ہمارا یہ غم مرنے والے کو واپس نہیں لاسکتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کی قربانی سے ہم کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہمیں ماضی کے بجائے مستقبل پر نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔"

جلال نے غزالہ کی پیش کی ہوئی پیالی سے گرم اور تازہ چائے کا ایک گھونٹ لیا پھر کہا "آج کسی یمنی نے جان کو سخت مار لگائی ہے۔ وہ اپنے..."

جلال اصل حقیقت سے بے خبر تھا اور فاخرانہ انداز میں اس واقعے کا ذکر کرنے جارہا تھا۔ اول خان نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اس یمنی کا نام عبدالماجد الحسینی تھا۔ اس نے ڈینی کے بارے میں انعامی معلومات دینے کے لیے نوبجے جان کو نیتی جیتی والے مندر کے پاس بلایا پھر ناک توڑ کر اسے گہری کھاڑی میں پھینک دیا۔"

"اوہ!" جلال کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "کیا یہ تم لوگوں کا کوئی پلاٹ تھا؟"

"یہ عبدالماجد الحسینی ہے" اول خان نے میری طرف اشارہ کیا۔

جلال نے متاسفانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور بولا "مجھے یہ جان کر خوشی کے ساتھ افسوس بھی ہوا ہے کہ تم نے یہ شاندار منصوبہ بناتے ہوئے مجھے اپنے اعتماد میں نہیں لیا۔"

"یہ کوئی باقاعدہ منصوبہ نہیں تھا۔ ڈینی نے اسے چھیڑنے کے لیے فون نمبر آزمائے تھے۔ باتیں شروع ہوئیں تو یہ یکایک کسی اور ٹریک پر چل پڑا۔ اس کی باتیں حیران کن تھیں۔ جان شیشے میں اترتا چلا گیا اور یوں بیٹھے بٹھائے ایک سلسلہ چل نکلا۔"

"تم نے اسے آس پاس کے کسی پبلک بوتھ سے فون کیا تھا؟" جلال نے مجھ سے پوچھا۔

"اس کے فون سے ٹیپ یا کوئی اور آلہ منسلک تھا۔ یہاں سے سی ایس ڈی نے اس کی نشاندہی کی تو ہم پبلک بوتھ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔"

"تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ اس نے اپنی اور عبدالماجد کی پوری گفتگو کا ٹیپ کراچی کے ڈی آئی جی کو دیا ہے" جلال نے بتایا "مجھے حیرت ہے کہ اتنا کچھ ہوجانے کے بعد بھی وہ عبدالماجد کی تلاش میں ہے اور ہر قیمت پر اس تک پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔"

"اس نے تمہیں تصادم کا کیا سبب بتایا ہے؟" میں نے ایک نتیجے پر پہنچ کر سوال کیا۔

"عبدالماجد اس سے مل لیتا۔ وہ ماجد کو دینے کے لیے دو لاکھ روپے بھی اپنے ساتھ لایا تھا لیکن جان سے پہلے وہاں

مورچے سنبھالنے والے امریکی کمانڈوز ماجد کی نظروں میں آ گئے۔ وہ خود غائب ہوگیا۔ اس کے کسی آدمی نے جان کو گھیر کر اس کی درگت بنادی۔"

"تم میں سے کسی کو اس کی کہانی کمزور یا بودی محسوس نہیں ہوئی؟" میں نے پوچھا۔

"مضبوط اور مربوط کہانی ہے۔ اس میں کہیں کوئی جھول نہیں ہے۔ اس کا اصرار ہے کہ کراچی میں کام کرنے والے تمام عرب گروپوں کے سرغنوں کو پکڑ کر ان سے ماجد کے بارے میں کڑی بازپرس کی جائے اور وہ جہاں بھی ہے' اسے قابو میں کرلیا جائے کیونکہ وہ چالاک آدمی ذینی کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا ہے۔"

میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ تیر گئی "یہ ایک اتفاق ہے کہ کسی ارادے کے بغیر ایسی کہانی بن گئی جس کا تانابانا مضبوط ہے۔ اسے سمندری کھاڑی میں پھینکنے سے پہلے میں نے اسے بتایا تھا کہ ماجد کے نہ ملنے اور اس سے بدسلوکی ہونے کا کیا سبب ہے۔ میری وہ بات بھی اس نے ذہن نشین کرلی۔"

"میرے لیے یہ سب ناقابلِ یقین ہے۔ ناولوں اور کہانیوں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ جان جیسے کھاگ کھلاڑی کا دھوکا کھانا ناقابلِ فہم ہے" جلال بے اعتباری سے بولا "میری یہ شکایت اب بھی باقی ہے کہ اس پلان کے بارے میں تم لوگوں نے آخر تک مجھے اندھیرے میں رکھا۔"

"تمہاری پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ ناول اور کہانیاں آسمان سے نہیں اترتیں۔ گردوپیش کے واقعات کا آئینہ ہوتی ہیں۔ شکایت رہ جاتی ہے تو بات وہی ہے کہ یہ پلان نہیں تھا۔ شروع سے آخر تک' سب کچھ بلا سوچے سمجھے ہوتا چلا گیا۔ تمہاری سخت ہدایت تھی کہ جان سے دور رہا جائے۔ پاکستان میں جان کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ اپنے فی البدیہہ پلان پر قدم بہ قدم عمل کرتے ہوئے مجھے اندیشہ تھا کہ ہم تمہاری ہدایت سے انحراف کررہے ہیں۔ تفصیلات تمہارے علم میں آتیں تو تم سختی سے ہمیں روک دیتے۔ اب ہماری کارروائی کے مثبت نتائج سامنے آچکے ہیں تو تم ہماری بے اعتمادی پر اپنے قلق کا اظہار کررہے ہو۔"

جلال نے بہت غور سے میری بات سنی اور سرہلا کر بولا "شاید تمہارا تجزیہ بالکل درست ہے۔ نتائج سامنے آنے سے پہلے شاید میرا رویہ کچھ اور ہوتا۔"

"کیا تم محض اس وجہ سے پُرجوش تھے کہ جان اور اس کے سرپرستوں کی توجہ ماجد یمنی کی طرف مبذول ہوگئی ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"ہاں! ذینی سے ان کی پرانی پرخاش ہے پھر بھی وہ دوسرے نمبر پر چلا گیا ہے۔ انہیں یقین ہے کہ ماجد کراچی میں ہے۔ مقامی انتظامیہ اسے جلد پکڑلے گی۔"

"اسے گھیرنے کے لیے امریکی کمانڈوز بھی بھیس بدل کر نکل پڑے ہوں گے" سلطان شاہ نے اظہارِ خیال کیا۔

"وہ کمانڈوز باہر سے نہیں آئے۔ ان کا تعلق قونصل خانے کے حفاظتی عملے سے ہے۔ وہ اپنی ڈیوٹی پر لوٹ چکے ہیں۔ کمال کی بات یہ ہے کہ نیٹی جیٹی پر جان کی ناک ٹوٹنے کے سوا کسی کا خون نہیں بہا۔ گولیوں کے دھواں دھار تبادلے کے بعد پولیس پہنچی تو وہاں صرف گولیوں کے خول جا بہ جا بکھرے ہوئے تھے۔ کسی متنفس کا پتا نہیں تھا۔"

"ان لوگوں نے ماجد کو پکڑنے کا بوجھ مقامی انتظامیہ کے سر ڈال دیا ہے۔ خود جان کیا کررہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سب سے دلچسپ بات یہی ہے۔ وہ اس واقعے سے اتنا خوف زدہ ہوا ہے کہ آج رات ہی یہاں سے بھاگنے پر تل گیا ہے۔ ان تبدیلیوں کی وجہ سے میں نے اسلام آباد روانگی کا پروگرام ملتوی کردیا اور تمہاری تلاش شروع کردی تاکہ تم سب کو بریف کرسکوں۔ یہاں پتا چلا کہ تم مجھ سے دو ہاتھ آگے چل رہے ہو۔"

"یہاں ماجد پکڑا گیا تو اس کا کیا ہوگا؟" اول خان نے پوچھا۔

"تم لوگوں نے جو کچھ بتایا ہے وہ سننے کے بعد ماجد کی گرفتاری کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ جان کو خواہش تھی کہ اسے پکڑ کر ذینی کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے۔ کراچی میں پھیلے ہوئے عرب گروہوں سے اس کے قریبی مراسم معلوم ہوتے ہیں" جلال نے بتایا۔

"آج شام تک امریکی چراغ پا تھے.... پاکستانی حکام کی نیک نیتی پر شکوک و شبہات کا اظہار کررہے تھے۔ اب اچانک ایسی کیا تبدیلی آگئی کہ جان اپنا کام مقامی انتظامیہ کو سونپ کر یہاں سے بھاگنے کی فکر میں ہے" میں نے سوال کیا۔

"نیٹی جیٹی کے واقعے نے انہیں بدترین دفاعی پوزیشن میں دھکیل دیا ہے۔ ایک بار پھر سختی سے یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ نقل و حرکت میں سخت ترین احتیاطی تدابیر پر عمل کرنے کی ہدایات کے باوجود اہم امریکی افسر اور سفارت کار بار بار دور افتادہ ویرانوں میں جاکر مصائب کیوں مول لے رہے ہیں۔ ان کے عزائم مشکوک نظر آتے ہیں۔ اس طرح وہ

مقامی انتظامیہ کے لیے بھی امن و امان کے سنگین مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ وہ اپنی غیر ذمے دارانہ نقل و حرکت اور پراسرار سرگرمیوں کی وجہ سے نامعلوم اور ناپسندیدہ عناصر کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں تو پاکستان اور امریکا کے تعلقات میں تلخی پیدا ہونے لگتی ہے۔ امریکی اپنے افسروں کی حرکتوں کی پردہ پوشی کے لیے پاکستانیوں پر ناجائز دباؤ ڈالنے لگتے ہیں" جلال نے وضاحت سے صورت حال بیان کر دی۔

"یہ سوال کس نے اٹھائے ہیں؟" میں نے دھیمی مگر پرخیال آواز میں پوچھا۔

"دفتر خارجہ اور وزارت داخلہ والے امریکیوں پر سخت برہم ہیں۔ حالات نے انہیں اپنی برہمی کے اظہار کا کھلا موقع فراہم کر دیا ہے۔ رات کے گیارہ بجے امریکی سفیر کو دفتر خارجہ میں طلب کر کے ایک بہت سخت مگر خفیہ احتجاجی مراسلہ دیا گیا ہے کہ امریکی اہل کار پاکستان کے امن و امان کو برباد کرنے والی حرکتوں میں ملوث ہو رہے ہیں۔"

جلال کی وہ وضاحت سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے وجود میں ٹھنڈ سی پڑ گئی ہو۔ میں نے کہا "ان کے خلاف ثبوت ہیں اس لیے انہوں نے خاموشی سے پسپائی اختیار کر لی ہے تاکہ ان کے کرتوتوں پر پردہ پڑا رہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس واقعے کی دھول بیٹھ جائے گی تو وہ نئی مہم جوئی شروع کر دیں گے۔"

"یہ ایک مسلسل عمل ہے۔ جب تک ان کی نیت صاف نہیں ہوگی، ایسے واقعات رونما ہوتے رہیں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم جیسے عام لوگ ان کے خلاف صف آرا ہو کر بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں۔ آج تو کراچی کی پولیس نے بھی بروقت کارروائی کی اچھوتی مثال قائم کر دی۔ جان کو بھیگے ہوئے چوہے کی طرح کھاڑی کے گہرے اور نمکین پانی سے نکالا گیا تو پولیس پہلے سے اس کے استقبال کے لیے تیار تھی۔ اس کا ساتھی بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ پانی میں ڈبکیاں کھا کر وہ اتنا بدحواس ہو چکا تھا کہ اسے کوئی جھوٹ نہ سوجھ سکا۔ اس نے سارا سچ اگل دیا۔" جلال کہہ رہا تھا "اس بکھرے بکھرے سچ کی کڑیاں ہم لوگوں نے سر جوڑ کر ملائی ہیں۔"

"تمہاری آپس کی باتوں سے بہت کچھ سمجھ میں آگیا ہے۔" ویرا نے پہلی مرتبہ زبان کھولی "پھر بھی کئی باتیں وضاحت طلب ہیں۔"

"اس وقت صرف ایک ہی بات وضاحت طلب ہے۔ تم نے شہید عبداللہ کے لیے فاتحہ میں ہاتھ اٹھا کر کیا پڑھا تھا۔" سلطان شاہ نے اچانک وہ غیر متوقع سوال کر ڈالا۔ جلال سمیت ہر ایک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سب کی نگاہیں ویرا کے چہرے پر مرکوز ہو گئی تھیں۔

"میں نے عبداللہ کے لیے اپنی عقیدت اور احترام کے اظہار میں علامتی طور پر تمہارے ساتھ ہاتھ اٹھائے تھے۔" ویرا نے چند ثانیوں تک سلطان شاہ کو گھورنے کے بعد سکوت توڑا "مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا پڑھ رہے تھے مگر عیسائیوں کا خدا بھی تمہارے خدا کی طرح نیتیں دیکھتا ہے۔ اس وقت میری دعا تھی کہ خدا دوسرے جہان میں اسے اپنے انعامات اور لطف و کرم سے نوازے اور اس کے پس ماندگان کو صبرو استقامت کے ساتھ یہ سانحہ برداشت کرنے کی قوت عطا فرمائے۔"

"ویری گڈ ویرا۔۔۔!" جلال بے ساختہ بول پڑا "اپنے شہید ساتھی کے لیے میں تم سے اس سے بہتر دعا کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔"

"دراصل خدا ایک ہی ہے۔ یہ ہماری عقلوں کا فتور ہے کہ ہم نے اسے اللہ، خدا، گاڈ، بھگوان اور نہ جانے کیا کیا بنایا ہوا ہے۔" ویرا نے اعتماد سے کہا "خدا ایک ان دیکھی اور سب سے بالادست قوت کا نام ہے جو زندگی کی خالق اور خاتم ہے۔ اس نکتے پر سب متفق ہیں۔ اس سے آگے مذہبوں اور پھر فرقوں تک کا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ میں نے اسی نکتے پر اپنی توجہ مرکوز کر کے دعا کی تھی۔"

"مزید ویری گڈ!" سلطان شاہ سب سے پہلے بول پڑا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کسی مذہبی معاملے پر تمہاری سوچ اتنی واضح ہوگی۔" اس کے لب و لہجے میں ویرا کے لیے تضحیک کا شائبہ تک نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے اس کی توصیف کر کے اپنے سوال کی ندامت کو دھو دیا تھا۔

"تم اس وقت صدف مینشن میں بیٹھے کیا کر رہے تھے؟" قدرے سکوت کے بعد میں نے جلال سے پوچھا۔

"کئی معاملات تھے۔ سب سے اہم ایک تازہ قیدی تھا جو دو سال سے ایک بھارتی سفارتی افسر کا انفار مر بنا ہوا ہے۔ اس کا اعترافی بیان لینے کے بعد اس کی گرفتاری ڈکلیئر کر دی جاتی۔ اس اقدام کے نتیجے میں عبداللہ کے بچ جانے کی امید کی جا رہی تھی مگر ہمیں تاخیر ہو گئی۔ را نے اپنا کام دکھا دیا۔"

"اب اس قیدی کا کیا بنے گا؟" غزالہ نے دلچسپی کے ساتھ پوچھا۔

"پوچھ گچھ کے بعد اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ ایسے دسیوں آدمی ہماری نظروں میں ہیں مگر بڑی مچھلیوں کے شکار

کے لیے ان سے چشم پوشی برتی جاتی ہے۔ ہر ملک میں یہی ہوتا ہے۔ عبداللہ بھارتیوں کی قید میں زندہ رہتا تو ہم بھی سودے بازی کے لیے اسے نہ چھوڑتے۔"

"عبداللہ کو مارنے والا کون ہے؟" میں نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"ابھی مجھے اس کی شہادت کی ابتدائی خبر ملی ہے۔ ایک دو روز میں یہ بات بھی معلوم ہو جائے گی۔"

"جس طرح امریکیوں نے عبدالماجد الحسینی کے خوف میں مبتلا ہو کر ڈینی کو پس پشت ڈال دیا ہے، تم امریکیوں کے چکر میں پڑ کر اپنے بھارتی دشمنوں کو نہ بھلا دینا۔ ان سے نمٹنا ہماری پہلی ترجیح ہے کیونکہ ہمیں سب سے زیادہ نقصان وہی پہنچاتے ہیں۔ انہوں نے امریکیوں کے ذہنوں کو ہماری طرف سے زہر آلود کیا ہوا ہے۔"

"میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں اور اسی لیے میں تمہاری تلاش میں تھا۔ امریکی دباؤ میں عارضی کمی سے فائدہ اٹھا کر ہمیں بھارتیوں کو رگڑ دینا چاہیے۔" اس بارے میں جلال کا رویہ ابتدا سے ہی جارحانہ تھا۔ وہ اندر کی بہت سی باتیں جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ بھارتی کہاں کہاں ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

"میرا اندازہ تھا کہ تم نے ہمیں عبدالماجد والے قصے سے آگاہ کرنے کے لیے بلایا ہے۔" ادل خان بولا۔

"ساری بات وہیں سے شروع ہوئی ہے۔ کراچی سے جان کے قدم نہ اکھڑتے تو میں ڈینی کو بلانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ڈینی کی ذات کو جان نے اپنے لیے خصوصی موضوع بنایا ہوا ہے۔ اس کی اپنی رگڑائی نہ ہو گئی ہوتی تو وہ ڈینی پر عرصہ حیات تنگ کر سکتا تھا۔"

وہ دونوں غیر ضروری باتوں کی طرف بھٹک رہے تھے۔ میں نے جلال کو مخاطب کر کے کہا "بھارتیوں کے سلسلے میں تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"ان کو عبداللہ کی شہادت کا جواب جلد از جلد ملنا چاہیے۔ اس کے اصل قاتل کا سراغ ملتا رہے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا کام شروع کر دو۔" اس نے کہا۔

"میں وہی جاننا چاہ رہا ہوں کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے، زور دے کر کہا۔

"مجھے کچھ کہنے یا بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نریش نے تمہیں جو کام سونپا تھا وہ شروع ہو جانا چاہیے۔"

"اس نے مجھے جو فون اور فیکس نمبر دیے تھے ان پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش شاید اب کامیاب نہ ہو۔" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

"نتائج کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی کوشش کا آغاز کر دینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ کامیابی مل ہی جائے۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ دہلی سے امرتسر اور پھر لاہور کے راستے کراچی پہنچتے ہی واقعات کا ایک ایسا سلسلہ چل نکلا تھا کہ مجھے پیچھے دیکھنے یا سوچنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ وہ کراچی میں ہماری پہلی رات تھی۔ ہمیں شہر میں آئے ہوئے پورے چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ہمارے خلاف مسائل نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ واقعات کی وہ لہر جس حیرت ناک تیزی سے اٹھی تھی، اس سے کہیں زیادہ تیزی سے معدوم ہوتی چلی گئی تھی۔

اسپتال میں پناہ لیتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال راسخ تھا کہ مجھے کم از کم ایک آدھ ہفتے کے لیے وہاں محصور ہونا پڑے گا لیکن وہاں چند گھنٹے بسر کرنے کے بعد ہی جلال کی طرف سے خطرہ ٹلنے کا سگنل موصول ہو گیا اور میں گھر لوٹ آیا۔ وہ سب ناقابلِ یقین سا تھا اور مجھے ایک خواب کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔

ان واقعات کے ساتھ ساتھ مجھے یہ یاد تھا کہ کراچی میں بھارتی سفارتی کیڈر میں کوئی ایک ایسا فرد چھپا ہوا تھا جو پاکستان کے خلاف را کے مذموم عزائم کو آگے بڑھانے کے لیے کام کر رہا تھا۔ نریش نے مجھے دہلی میں ایک ماہ کا پیشگی مشاہرہ دے کر اپنا پابند کر لیا تھا۔ اس کی ہدایت کے مطابق مجھے اپنی رپورٹ اس نمبر پر فیکس کے ذریعے بھیجنی تھی۔ ٹیلی فون نمبر پر کسی بہت ہی اہم اور ناگزیر ضرورت کے وقت رابطہ کرنا تھا۔

جب تک میں دہلی میں تھا وہ باتیں اپنی جگہ اٹل تھیں۔ خود میرا منصوبہ تھا کہ میں کراچی واپس جاتے ہی اوٹ پٹانگ یا پھر اخباری اطلاعات پر مبنی رپورٹیں اس نمبر پر فیکس کر کے غداروں کی صف میں اپنی جگہ بناؤں گا اور پھر ان کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

بدقسمتی یہ ہوئی کہ ہمارے دہلی بلکہ امرتسر سے نکلنے کے بعد حالات تیزی سے بدلتے چلے گئے۔ انل اور نریش کی لاشوں کی دریافت نے دہلی میں ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ پاکستان کے خلاف را اور امریکی سی آئی اے کا گٹھ جوڑ نیا نہیں تھا۔ امریکی گرگوں کے تعاون سے را والوں کو یہ نتیجہ اخذ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ میں دہلی میں ہونے والی خوں ریزیوں میں سرگرم کردار ادا کر رہا تھا۔ انل اور نریش کو مارنے کے بعد میں امرتسر کے راستے پاکستان فرار ہو گیا تھا۔

بیم گن کا استعمال بھارت میں میری موجودگی کا ناقابلِ تردید ثبوت قرار پایا۔ را والوں کی تفتیش کا آخری موڑ یہ تھا کہ انہوں نے ڈینی کے ساتھ مظہر خان کی تلاش بھی شروع کردی تھی۔ میری آخری اطلاعات کے مطابق انہیں یہ شبہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ ایک ہی شخصیت کے دو نام تھے۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان سیاسی اور سفارتی تعلقات میں سرد مہری، مغائرت اور کشیدگی کا دور چل رہا تھا۔ یہ کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا کہ بھارت کے مطالبے پر پاکستانی حکام مجھے گردن سے دبوچ کر ان کے حوالے کردیتے۔ بھارتیوں کی وہ ضرورت پوری کرنے کے لیے فوری طور پر امریکی حرکت میں آگئے۔ جان ایشکوف بجلی کی سی سرعت سے ایک طیارہ چارٹر کرکے استنبول سے کراچی آپہنچا اور اس نے پاکستانی ایجنسیوں سے ڈینی اور مظہر خان کی گرفتاری کا مطالبہ کردیا۔

بھارتیوں نے مظہر خان کا نام مطلوب افراد کی فہرست میں ڈال دیا تھا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اس نام سے بھیجے ہوئے کسی فیکس پر یقین کرلیں گے پھر بھی ان سے رابطے کی ایک کوشش کرلینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ جلال نے اس نمبر کی نشان دہی کے سوا کوئی بات نہیں کی تھی لیکن ایک اشارہ ملتے ہی میرے ذہن نے کام کرنا شروع کردیا تھا۔ اگر میں اپنے پہلے ہی پیغام میں یہ واویلا مچا دیتا کہ میرے بھارت سے نکلتے ہی میرے ساتھ ظالمانہ امتیاز برتنا شروع کردیا گیا تھا۔ را کا تنخواہ دار رہتے ہوئے مجھے مشتبہ قرار دے دیا گیا تھا جس کے نتیجے میں پاکستان میں میری آزادانہ نقل و حرکت مخدوش ہوگئی تھی اور میں کراچی میں روپوش ہونے پر مجبور ہوگیا تھا تو را کے مقامی گماشتے کے دھوکا کھا جانے کی امید ہوسکتی تھی۔

جلال نے مجھ سے تفصیل سے بات نہیں کی تھی۔ شاید اس کا مدعا بھی یہی تھا کہ ایک کوشش کرلینی چاہیے۔ وہ اندھیرے میں چلایا ہوا تیر ہوتا۔ نشانے پر لگ جاتا تو کامیابی کے دروازے کھل جاتے ورنہ خطا ہونا اس کا مقدر تھا۔

”ہمارے کراچی پہنچتے ہی جو چکر چل پڑا وہ تمہارے سامنے ہے۔“ میں نے جلال سے کہا ”مہلت ملنے پر میں اس فیکس نمبر پر ایک کوشش ضرور کروں گا۔“

”اس کوشش کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ یک

طرفہ رابطہ ہے۔" ویرا بولی "ذینی کو پتا نہیں چل سکے گا کہ انہوں نے مظہر خان کے بھیجے ہوئے فیکس کو اہمیت دی ہے یا اسے مسترد کر کے ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا ہے۔"

جلال کی مستفسرانہ نظریں میری طرف اٹھ گئیں۔ میں نے کہا "بظاہر ویرا کا اعتراض درست نظر آتا ہے۔ لیکن فیکس وصول کرنے والا اپنے بھی کچھ نہ کچھ ذرائع رکھتا ہوگا۔ ایسے لوگ ناقابلِ یقین ذرائع سے رابطے کی کوئی نہ کوئی صورت نکال لیتے ہیں۔"

"رابطہ کرنے سے پہلے ہمیں اس پر بھی غور کر لینا چاہیے۔" ویرا نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"بچگانہ باتیں مت کرو۔" میں نے منہ بنا کر کہا "جب رابطہ کیا جائے گا تو یہ سب سوچ لیا جائے گا۔"

میں نے ویرا کو خاموش کر دیا مگر حقیقت یہ تھی کہ اس مسئلے کا حل اسی وقت میرے ذہن میں آیا تھا۔

میں ان لوگوں سے تبادلہ خیال کیے بغیر یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ میرے پہلے فیکس کا متن کسی رپورٹ کے بجائے میری داد و فریاد پر مشتمل ہوتا۔ سیدھی سی بات تھی کہ میں اس پیغام کے آخر میں یہ اضافہ کر دیتا کہ میں ایک مقررہ وقت پر فون کروں گا تاکہ مزید ہدایات لے سکوں۔

پہلے سے وقت کا تعین کر کے فون کرنے سے نرلیش کی وہ شرط پوری ہو جاتی تھی کہ وہ ٹیلی فون ناگزیر ضرورت کے وقت استعمال کیا جائے۔ مقررہ وقت پر کی جانے والی میری فون کال کے ساتھ ہونے والے سلوک سے پتا چل جاتا کہ را والے مظہر خان پر کس حد تک بھروسا کرنے کے لیے تیار تھے۔

میرے وہ فیصلے میری ذات تک محدود رہے۔ اس بارے میں کسی نے کوئی سوال نہیں اٹھایا اور عبدالماجد والا قصہ دوبارہ شروع ہو گیا۔

اس واقعے کی پوری تفصیلات میرے علم میں تھیں یا اول خان ان کا چشم دید گواہ تھا۔ جلال کی معلومات پولیس رپورٹ تک محدود تھیں۔ ان کوائف میں ماجد کی جگہ میرا نام رکھ کر وہ سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ بقیہ تینوں افراد نے ہمارے تبادلہ خیال میں دخل اندازی نہیں کی تھی مگر ان کے ذہنوں میں متعدد سوالات چکرا رہے تھے۔

"سچ پوچھو تو یہ قصہ بہت دلچسپ ہے۔" کچھ دیر کے سوال جواب کے بعد جلال نے اول خان سے کہا "میرے ذہن میں بھی کئی تشنہ سوال ابھر رہے ہیں۔ تم ایک دفعہ شروع سے آخر تک کے واقعات دہرا ڈالو۔ ہم سب کی تسلی ہو جائے گی۔"

ویرا اور سلطان شاہ نے پر زور انداز میں جلال کی تجویز کی تائید کی۔ غزالہ اپنے معمول کے مطابق خاموش بیٹھی مسکراتی رہی اور اول خان نے سی ایس ڈی والے فون کے ذریعے جان کے گھر سے رابطے میں ناکامی سے قصے کی ابتدا کر دی۔

سب لوگ انہماک اور گہری دلچسپی سے اول خان کی بتائی ہوئی تفصیل سن رہے تھے۔ وہ اس معاملے میں ابتدا سے آخر تک میرا شریکِ کار رہا تھا لہٰذا اس نے جزئیات کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا ذہن میں اپنے اس پیغام کا خاکہ مرتب کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو مجھے نرلیش دیے ہوئے نمبر پر فیکس کرنا تھا۔

اول خان کی وہ روداد ختم ہونے کے بعد کچھ دیر تک سوالات اور تعریف و تحسین کا سلسلہ چلتا رہا پھر جلال مجھ سے اجازت لے کر فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو رابطے کے لیے ہمارے گھر کا فون نمبر دینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ صدف مینشن کے تازہ ترین حالات سے باخبر رہنے کے لیے اس کی وہ کال ضروری تھی۔

فون پر گفتگو کے آغاز میں چند ثانیوں کے لیے اس کا لہجہ تیز ہوا پھر اسے خیال آیا کہ وہ اپنے دفتر میں نہیں، ہم لوگوں کے درمیان موجود تھا۔ اس کی آواز فوری طور پر اعتدال پر آ گئی۔ کچھ دیر تک بات کرنے کے بعد وہ ہمارے درمیان لوٹ آیا۔ اس کے چہرے سے افسردگی جھلک رہی تھی۔

"جب تم یہاں آئے تو اداس تھے۔ اب ایک بار پھر افسردگی نے تمہارے چہرے پر ڈیرے ڈال دیے ہیں۔" اس کے بیٹھنے کے بعد میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ماتحت جب اپنی حدود سے تجاوز کر جائیں تو مجھے شدید کوفت ہوتی ہے۔ عبداللہ کی موت کی خبر سن کر میرے آدمی اشتعال اور غصے میں تھے۔ میرے یہاں آنے کے بعد انہوں نے قیدی پر دل کھول کر تشدد کیا ہوگا۔ تو را کر گرنے سے اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا۔" جلال نے بتایا۔

"جو کچھ ہو گیا اسے واپس لوٹانا ممکن نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "تم بلاوجہ اپنا خون سا کا رہے ہو۔ غصہ تھوک دو۔ انتقام اور اشتعال انسانی خمیر کا حصہ ہے۔ بھارتیوں کے ہاتھوں اپنے ایک ساتھی کی موت کی خبر پا کر ان کا طیش میں آ جانا فطری تھا۔"

"میں یہ سب باتیں جانتا ہوں۔" اس نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ڈسپلن ایسے جذبوں کو لگام دینا سکھاتا ہے۔ مجھے اس انتقام سے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ ابھی

ہو جائے گی۔"

یہ بھی پتا چلا ہے کہ عبداللہ کو مارنے والے کا نام ونود ہے اور اسے پاکستان میں سیکنڈ سیکریٹری کے طور پر نامزد کیا گیا ہے۔ اسلام آباد سے اس کے کاغذات کی منظوری ملتے ہی اسے پاکستان بھیج دیا جائے گا۔"

"عبداللہ کے خون کا انتقام اسی سے لینا چاہیے پھر تو تمہارا قیدی مفت میں مارا گیا۔"

"صبر کا نتیجہ ہمیشہ بہتر نکلتا ہے۔ میری کوشش ہوگی کہ عبداللہ کا قاتل جلد از جلد پاکستان آئے تاکہ میں اس سے اپنا حساب بے باق کرسکوں۔"

رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا۔ اس وقت صبح کے تین بجنے والے تھے۔ اپنے آدمیوں سے بات کرکے جلال کا موڈ بدل گیا تھا۔ وہ جلد از جلد صدف مینشن پہنچ کر ذاتی طور پر صورتِ حال کا جائزہ لینا چاہتا تھا اس لیے وہ محفل ختم کردی گئی۔ جلال نے غزالہ کے سوا سب سے باری باری گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور ہم سے رخصت ہوکر واپس روانہ ہوگیا۔

اس نے جاتے جاتے مجھے تاکید کی تھی کہ حالات کا دباؤ کم ہونے کی وجہ سے مجھے اپنے گھر لوٹنے کی آزادی مل گئی تھی لیکن احتیاط کے طور پر مجھے بہت زیادہ محتاط رہ کر اپنی نقل و حرکت کو اہم ترین کاموں تک محدود رکھنا تھا۔

میں اول خان کے ساتھ جلال کو رخصت کرنے کے لیے باہر تک آیا تھا۔ اول خان نے خنک فضا میں اپنی دونوں ہتھیلیاں آپس میں زور زور سے رگڑ کر حرارت حاصل کرنے کی کوشش کی اور وہیں سے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ دوسروں کو الوداع کہنے کے لیے اندر جاتا تو اس کا مزید وقت برباد ہوسکتا تھا۔ وہ عیال دار آدمی تھا۔ اپنے فرائض کی بجا آوری کے لیے اپنے بیوی بچوں کو بھول کر تن دہی سے دن رات کاموں میں لگا رہتا تھا۔ میں نے اسے بھی رخصت کردیا۔

میں ان دونوں کو روانہ کرکے گھر میں داخل ہوا تو ڈرائنگ روم سے ویرا اور سلطان شاہ کی تیز آوازیں آرہی تھیں۔

"مہمانوں کے جاتے ہی تم دونوں نے ہنگامہ کیوں کھڑا کردیا؟" میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے اونچی

آواز میں مداخلت کی۔

"میں نے صرف اتنی سی بات پوچھ لی تھی کہ یہ اس وقت کس کے لیے بن سنور کر آئی تھی اور یہ ناراض ہوگئی۔" سلطان شاہ نے ویرا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

"تم کون سے میرے باپ یا شوہر لگتے ہو کہ یہ سوال کررہے ہو!" ویرا آنکھیں نکال کے غرائی۔

"تم دونوں بلاوجہ ہر وقت ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہو۔ مخلصانہ کوشش کرو تو تمہارے درمیان ان میں سے کم از کم ایک رشتہ پیدا ہوسکتا ہے۔" میں نے ان کے مکالمے سن کر ہنستے ہوئے اپنی رائے صادر کردی۔

"تم اسے ڈانٹنے کے بجائے ہنس رہے ہو۔ یہ ہر وقت مجھ سے بدتمیزی کرتا رہتا ہے۔ کیا باہر سے آنے والے مہمانوں کے لیے حلیہ درست کرنا بننا سنورنا کہلاتا ہے!"

"قطعی نہیں کہلاتا لیکن اس وقت تم نے کمال کردیا۔ آنکھوں کے میک اپ نے تمہاری بلانوشی کے اثرات کی بہت اچھی طرح پردہ پوشی کی ہوئی ہے۔"

"بس میں نے بھی یہی بات کہنی چاہی تھی۔" میرے خاموش ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا "الفاظ ذرا مختلف تھے۔ یہ بگڑ گئی حالانکہ اس میں بگڑنے والی کوئی بات نہیں تھی۔ یہ کہہ دیتی کہ مہمانوں کے استقبال کی تیاری کی ہے اور بات ختم ہوجاتی۔"

میں سلطان شاہ کی معصومیت کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "اب تم نے بھی پر پرزے نکالنے شروع کردیے ہیں۔ اپنی کھال میں رہا کرو۔ کسی وقت تلخیاں اتنی بڑھ جائیں گی کہ زندگی بھر پچھتاتے رہو گے۔"

"ڈینی کی باتیں غور سے سنو اور گرہ سے باندھ لو!" ویرا نے صوفے سے اٹھتے ہوئے، سلطان شاہ کو ہدایت دی "اس کے مشورے نظر انداز کرنے والوں کو میں نے سر پکڑ کر روتے دیکھا ہے۔"

ویرا ایک ادا سے اپنی کمر کو بل دے کر، فضا میں ہاتھ لہراتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اس نے عارضی طور پر اپنی مے نوشی کے ثبوت ختم کردیے تھے لیکن شراب کا خمار اس کے ذہن پر بدستور سوار تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس وقت وہ بستر کی طلب میں بے چین ہوگی۔

"ویرا کے سامنے تم ہمیشہ مجھے دبانے کی کوشش کرتے ہو۔" اس کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے مجھ سے شکوا کیا "تمہارے اس رویے سے اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔"

"عورت کی حمایت کرنا ہر مرد کی مجبوری ہوتی ہے۔" سلطان شاہ کی شکایت پر غزالہ نے جواب دے کر مجھے چونکا دیا "جب عورت ویرا جیسی ہو تو اس سے کوئی نہیں جیت سکتا۔"

غزالہ کی حمایت پاکر سلطان شاہ کا چہرہ کھل اٹھا۔

چند منٹ بعد وہ بھی اٹھ گیا۔ اسے احساس تھا کہ ہم دونوں کو آرام کی ضرورت تھی۔

اپنی خواب گاہ میں سونے کی تمام تیاریاں کرکے میں بستر پر دراز ہوا تو میرا ذہن ایک بار پھر جان کی طرف بھٹک گیا۔

میں نے اس کو فون کرتے ہوئے کسی مخصوص مقصد کے تحت عبدالماجد کا نام استعمال نہیں کیا تھا۔ میں اس سے کسی غیر ملکی کی حیثیت سے بات کرنا چاہتا تھا مگر جان نے میرے یمنی ہونے کے اعتراف پر برجستہ القاعدہ کا نام لیا تھا جو ان دنوں کھل کر منظرعام پر نہیں آئی تھی لیکن اس کی سرگرمیوں کا ہر طرف شہرہ تھا۔ ماجد کے نام اور شخصیت میں جان کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی دلچسپی حالات کے کسی نئے رخ کی نشان دہی کررہی تھی۔

وہ سی آئی اے کا ایک بڑا افسر تھا۔ اسے صرف میری گرفتاری کے لیے پاکستان بھیجنا قرین قیاس نہیں تھا۔ وہ یقینی طور پر کوئی خطرناک اور وسیع پلان لے کر آیا تھا جس میں میری سرکوبی کا مشن بھی شامل ہوسکتا تھا۔ ماجد یمنی کا نام سامنے آنے پر اس نے جس تیزی سے اپنی توجہ اس نام پر مرکوز کی تھی، وہ اس کے مذموم اور پوشیدہ عزائم کی نشان دہی کررہی تھی۔ ماجد کے مقابلے میں اس نے عارضی طور پر میرا نام پس پشت ڈال دیا تھا۔

وہ کن مقاصد کے لیے کراچی آیا تھا اور ماجد تک رسائی حاصل کرکے کیا کرنا چاہتا تھا، اس کا جواب آنے والا وقت ہی دے سکتا تھا۔

رات کے آخری پہر میں اپنے آرام دہ بستر پر دراز ہوکر میں اس بارے میں صرف دماغ سوزی کرسکتا تھا، کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے پہلو بدل کر غزالہ کے نرم شانے پر آہستگی سے ہاتھ رکھا تو اس کے بدن میں کوئی جوابی جنبش نہیں تھی۔ عورت ہونے کے ناتے وہ مجھ سے زیادہ تھکی ہاری تھی اور بستر پر دراز ہوتے ہی گہری نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی۔

میں نے اس کی نیند میں خلل انداز ہونے کا ارادہ ترک کردیا۔ میرا ذہن ایک مرتبہ پھر جان کی پس پردہ سرگرمیوں میں الجھ گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستان عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجئے

دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست، تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثرورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کرانہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوادیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتادھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلارہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپورخاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلارہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدرآباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں ہم نے ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبا کے انسداد کے لیے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد کی اور جلال کے تعاون سے جہانگیر کے ماموں سرچوہدری عظمت کی این جی او کا قلع قمع کردیا۔ اس کے بعد ہم انڈیا روانہ ہوگئے۔ ہم نے جلال کی مدد سے سرحد عبور کی اور باآسانی دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کرلیا۔ میں اور غزالہ تاج محل میں تھے۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر را میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلوؤں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل وڈیو تیار کی جاچکی تھی۔ مجھے اس کے بعد انل بسواس سے ملنا پڑا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور رینا اجیت رائے کی وڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی وڈیو فلم ضائع کردی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑالیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوادیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلوخلاصی حاصل ہوگئی۔ میری وڈیو ضائع ہوچکی تھی مگر اب رینا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث را والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کرسکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہوگیا۔ واپسی کے سفر میں ہم سرحد عبور کرتے ہوئے دو بھارتی فوجیوں سے ٹکراگئے جنہیں جہنم واصل کرنے کے بعد جلال کے لیے امرتسر میں خدمات انجام دینے والے بنگو کو بھی قربان کرنا پڑا۔ ہم لاہور میں مختصر قیام کے بعد کراچی پہنچ گئے۔ جلال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا تھا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ڈینی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ڈینی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان الیش کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ خلاف توقع اس سے رابطہ آسان ثابت ہوا۔ میں نے اس سے عبدالماجد الحسینی کے نام سے عربی لب ولہجے میں گفتگو کی۔ ڈینی کا نام ان کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا لہٰذا وہ آسانی سے میرے جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے مجھ سے سمندر کے کنارے ملاقات کا وعدہ کیا جہاں ایس ٹی ایف کی مکمل نگہبانی میں' میں نے اس سے پرتصادم ملاقات کی اور اسے شدید زخمی کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ جان الیش کوف بھی اپنے پیش رو جان اسمتھ کی طرح پاکستان سے خوف زدہ ہو کر بھارت فرار ہونے والا تھا۔ جلال نے میری اس کارروائی کی تعریف کی مگر اپنی بے خبری کا شکوا کیا لیکن میں اسے قائل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ حالات بظاہر قابو میں تھے مگر ان پر یک سوئی کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

صبح ناشتے کی میز پر ہم چاروں خوشگوار موڈ میں جمع تھے۔ رات کی تشویش اور پریشانی میں اندھیرا چھٹنے کے ساتھ نمایاں کمی آچکی تھی۔ میں نے بھی را کے مقامی ایجنٹ سے رابطے کے لیے ایک راہ متعین کرلی تھی۔ اس سے چھیڑ چھاڑ کرکے

پیش رفت کی کوئی نہ کوئی راہ سامنے آسکتی تھی۔
"مجھے رہ رہ کر خیال آرہا ہے کہ تم نے جان ایش کوف کو مار بھگانے کے لیے مار دھاڑ سے بھرپور، تیسرے درجے کی فلموں کا سا طریقہ اختیار کیا ہے۔" ویرا نے چائے کی پیالی سے ایک گرم گرم گھونٹ اپنے حلق میں اتارتے ہوئے کہا۔
"تم جو چاہو کہہ لو مگر تم کو یہ ماننا پڑے گا کہ ڈیٹی کا وہ طریقہ سو فیصد کامیاب رہا۔" سلطان شاہ نے جواب دیا۔
"بات ابھی بھی میری سمجھ میں نہیں آرہی۔ جان کوئی گھٹیا بدمعاش نہیں ہے۔ میں حیران ہوں کہ سی آئی اے کا ایک منجھا ہوا ایجنٹ ایسے عامیانہ جھانسے میں کیسے آگیا؟" ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "اس احمق کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اسے گھیرنے والوں نے اسے جان سے کیوں نہیں مارا۔ سمندری کھاڑی کے ٹھہرے ہوئے گندے پانی میں ڈبو کر کیوں چھوڑ دیا۔ یہ اس واقعے کا سب سے اہم اور مرکزی نکتہ تھا۔"
"بہت سی باتیں تم کہہ کر بھول جاتی ہو۔" غزالہ نے ہنس کر کہا "اپنے سوال کا جواب تم بارہا خود دے چکی ہو۔"
"اگر تم کچھ یاد دلا سکو تو میں تمہاری ممنون رہوں گی۔" ویرا سنجیدگی سے بولی۔
"اس وقت تم اس بارے میں اتنی فکرمند کیوں ہو رہی ہو؟" غزالہ نے سنجیدگی سے پوچھا "جو کچھ ہونا تھا وہ ہوگیا اور اب نتائج ہمارے سامنے ہیں جان بوکھلا کر کراچی سے فرار ہونے پر مجبور ہوگیا ہے۔ ہمیں اس بارے میں اپنے ذہن کو تھکانے کی کیا ضرورت ہے؟"
"میں نے ان واقعات پر خاصا غور کیا ہے۔ سی آئی اے کے ایک خرانٹ ڈپٹی ڈائریکٹر سے ایسی ناقص کارکردگی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔"
"یہ نکتہ تمہارے ذہن میں کب آیا؟" سلطان شاہ پوچھ بیٹھا۔
"ابھی صبح کی بات ہے۔" ویرا نے روا روی میں جواب دیا "منہ دھوتے ہوئے بھی یہ باتیں میرے ذہن پر بوجھ بنی ہوئی تھیں۔"
"خرابی یہی ہے۔" سلطان شاہ نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دیتے ہوئے تشویش سے کہا "رات کو تم گہرے سُرور میں تھیں۔ اسی وقت اپنے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چند چھپکے مار لیتیں تو تم کو اس وقت اپنے دماغ پر زور نہ دینا پڑتا۔ ہم رات کو ہی اس موضوع پر سر کھپا چکے ہیں۔"

مجھے توقع تھی کہ سلطان شاہ کے اس کڑوے کسیلے جواب پر ویرا چراغ پا ہوجائے گی لیکن وہ خلافِ توقع پرسکون رہی اور متاسفانہ لہجے میں بولی "کبھی کبھی ایسا ہوجاتا ہے۔ میں تم لوگوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی مگر میرا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔"
"اگر تمہارے دل میں یہ احساس زندہ ہے تو تم مے نوشی کی بُری عادت سے تائب کیوں نہیں ہوجاتیں!" غزالہ نے بڑی دردمندانہ آواز میں کہا۔
"یہ میرے بس سے باہر ہے۔" ویرا کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تیر گئی "یہ شاید میری زندگی کی کسی بڑی ناکامی کا ثمر ہے کہ شراب میرے دل و دماغ میں رچ بس گئی ہے۔" غزالہ کو جواب دیتے دیتے اس کی نگاہیں شکایتی انداز میں میرے چہرے پر ٹھہر گئیں "ہر شخص کی زندگی میں بہت سے سنہرے خواب ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنی زندگی کا مقصد اور محور تصور کرتا ہے۔ اگر کسی کے یہ خواب ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں تو وہ پوری زندگی میں کبھی نہیں سنبھل سکتا۔ شاید میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ہے۔ میں نے جسے چاہا تھا اسے پالیتی تو شاید آج میں ایک بالکل مختلف لڑکی ہوتی۔ ایسا نہیں ہوسکا اور آج میرا انجام تمہارے سامنے ہے۔"
"مجھے خوشی ہے کہ آج تم کسی آڑ موڑ کے بغیر بے لاگ انداز میں اپنی ذات کا تجزیہ کررہی ہو۔" سلطان شاہ کی آواز میں بھی تحیر زدہ سی ہمدردی سمٹ آئی "تم نے اپنی پوری بات میں صرف ایک جگہ تھوڑی سی غلط بیانی سے کام لیا ہے ورنہ سب سچ ہے۔"
"اس وقت میرا موڈ بالکل مختلف ہے۔ میں نے کوئی بات غلط نہیں کی۔" ویرا سگریٹ کا پیکٹ کھول کر سگریٹوں کے سروں کو گھمانے لگی۔
"یہ تمہاری خام خیالی ہے کہ آج بھی خود کو لڑکی کہتی ہو ورنہ تم ایک تجربے کار عورت کے روپ میں ڈھل چکی ہو۔" سلطان شاہ نے اپنی رائے دی۔
"تم خوش ہو تو یہی سمجھ لو۔" ویرا نے ایک سگریٹ منتخب کرکے اپنے یاقوتی ہونٹوں میں دبالی۔
"آج میرے لیے حیرتوں کا دن ہے۔" غزالہ مسرت آمیز لہجے میں بولی "تمہیں سلطان شاہ کی خوشی عزیز ہوگئی ہے۔"
"بس اسی سے اندازہ لگالو کہ وہ کون خوش نصیب ہے

جسے ویرا نے پسند کیا ہوگا مگر وہ اس کا نہ ہوسکا۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"تم ہر بات سے واقف ہو۔ کم از کم تم تو ایسی باتیں مت کرو۔" ویرا نے مجھ سے شکوا کیا "سلطان شاہ واقعی مجھے بہت عزیز ہے مگر اس میں کہیں کسی آنچ کی کمی ہے۔ یہ میرا تو کیا، کسی بھی معقول لڑکی کا محبوب نہیں بن سکتا۔"

"سن لیا تم نے۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا "جلد از جلد اس آنچ کی کسر پوری کرنے کی کوشش کرو پھر تمہاری بھی لاٹری نکل سکتی ہے۔" میری پوری کوشش یہ تھی کہ ویرا کے موڈ پر طاری ہونے والی سنجیدگی کو گمبھیر رخ اختیار نہ کرنے دوں۔

"میں اپنی ذات میں کسی قسم کی کوئی کمی محسوس نہیں کرتا۔" سلطان شاہ نے خفت آمیز، مدافعانہ لہجے میں جواب دیا "اگر جوہری کی آنکھوں میں موتیا اترا ہوا ہو تو اسے کوہ نور جیسے بے مثال ہیرے میں بھی کئی عیب نظر آئیں گے۔"

"ہیرا!" ویرا بے ساختہ ہنس پڑی "مکمل ہونے کا ایسا بڑا دعویٰ تو ڈینی کو بھی نہیں ہوگا۔ جو ہر لحاظ سے تم سے افضل ہے۔"

"تم بلاوجہ مجھے ڈینی سے بھڑانے کی کوشش مت کرو۔" سلطان شاہ خفگی سے بولا۔

"ہاں، یہ دوستانہ فضا خراب نہیں ہونی چاہیے۔" غزالہ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر مفاہمانہ انداز میں مداخلت کی "اس چھت کے نیچے ایسے خوشگوار لمحات بہت کم میسر آتے ہیں۔"

ویرا نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر دھواں فضا میں بکھیرا پھر بولی "میرا سوال غت ربود ہوگیا۔ جان ایلش کوف کی کھوپڑی پر رات کو برف کیوں جم گئی تھی۔"

"ڈینی تک رسائی کی امید نے اسے ہر خطرے سے بے نیاز کردیا اور وہ اپنی دانست میں پوری تیاری کرکے دوڑ لگا بیٹھا۔" سلطان شاہ نے ایک فقرے میں جواب دیا۔

"مان لیا۔" ویرا نے سگریٹ کے سرے سے خیالی راکھ جھاڑ کر اتفاق کیا "وہ جوش اور ہیجان میں بہت سی باتیں نظر انداز کر بیٹھا لیکن مندر کے پاس اپنی ناک کی ہڈی تڑوانے کے بعد اس کو سوچنا چاہیے تھا کہ اسے دغا دی گئی ہے۔ اس کے بجائے اس نے رختِ سفر باندھ لیا۔ کیوں؟"

"یہ تم گاہے گاہے بتاتی رہتی ہو کہ امریکی بنیادی طور پر بزدل ہوتے ہیں۔ مار کھانے کا اندیشہ ہو تو اپنے حریف کا جم کر مقابلہ کرنے کے بجائے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنے کو ترجیح دیتے ہیں۔" اس بار غزالہ نے اسے یاد دلایا تھا۔

"چلو، یہ بھی مان لیا جائے تو اب وہ ڈینی کی ذات کو پس پشت ڈال کر عبدالماجد کی تلاش میں کیوں ہیں؟" ویرا نے پوچھا۔

"یہ ڈینی کی حاضر دماغی اور برجستہ گوئی کا کمال ہے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "سمندر کے کھارے اور ٹھنڈے پانی میں ڈبکیاں کھانے کے باوجود جان کے اس یقین میں کوئی فرق نہیں آسکا کہ وہ عبدالماجد کی کسی سازش کا نشانہ بنا ہے۔"

"نظر بھی آرہا ہے۔" ویرا اپنا سر ہلاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولی "اگر جان اتنا نڈر ہے تو اسے سرے سے سی آئی اے میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پتا نہیں وائٹ ہاؤس میں بیٹھے ہوئے کن گدھوں نے ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے پر اس کی تقرری کی منظوری دی ہے۔"

میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس وقت اپنی زبان بند رکھنا سب سے بہتر تھا۔ میں نے گزرے ہوئے دنوں میں امریکی سی آئی اے کے بارے میں جو اہم باتیں معلوم کی تھیں ان میں یہ نکتہ سرفہرست تھا کہ وہ امریکا میں حکومت در حکومت بلکہ ایک متوازی حکومت کی حیثیت سے جڑ پکڑ چکی تھی۔ امریکی صدر کو سی آئی اے کے سربراہ کے تقرر کا اختیار تھا اور ہر امریکی صدر اپنے اس اختیار کے استعمال میں انتہائی احتیاط سے کام لیتا تھا۔ اس سے آگے سی آئی اے کا اپنا نظام تھا۔ اس کا ڈائریکٹر اپنی صوابدید سے تقرر، ترقی اور نئی بھرتیوں کے بارے میں فیصلے کرسکتا تھا۔ اس کے لیے فیصلے کرنا آسان تھا لیکن کسی فیصلے کو واپس لینا دشوار تھا کیونکہ سی آئی اے کے ہر رکن اور ایجنٹ کو امریکا کے وفاقی ملازم کی حیثیت سے بہت سے تحفظات میسر تھے۔ وہ سی آئی اے کا اندرونی کھیل تھا جس میں وائٹ ہاؤس والوں کا کبھی زیادہ عمل دخل نہیں رہا تھا۔

اچانک بج اٹھنے والی ڈور بیل نے میری خاموشی کا بھرم رکھ لیا۔ سلطان شاہ اٹھ کر دروازے تک گیا۔ گھر میں آنے جانے والوں کی دیکھ بھال کی ذمے داری اس نے رضاکارانہ طور پر سنبھالی ہوئی تھی۔ وہ واپس آیا تو اول خان اس کے ساتھ تھا۔

"خس کم جہاں پاک!" پرتپاک سلام دعا اور مزاج پرسی کے بعد اول خان نے ایک صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا جان ایلش کوف بھی مرگیا؟" ویرا نے چونک کر طنزیہ پیرائے میں پوچھا۔

"ایسی بددعائیں نہ مانگو۔" اول خان نے اسے گھورتے ہوئے تادیب کی "وہ کراچی میں بلکہ پاکستان میں کہیں بھی مارا گیا تو سیاسی سطح پر شدید مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔"

"پھر تم کس خس کی کمی کی خوش خبری سنا رہے تھے؟" ویرا اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی بول پڑی۔

"تم پوری بات سنے بغیر درمیان میں اپنی ٹانگ اڑا دیتی ہو۔" اول خان نے ہلکی سی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا "میں تم لوگوں کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ کراچی ائرپورٹ سے صبح چار بجے اس کا طیارہ دہلی کی طرف پرواز کر گیا۔ اب وہ یہاں نہیں ہے۔"

"بہت ہی کمینہ اور بزدل نکلا یہ جان بھی۔" ویرا نے نفرت سے کہا۔

"شاید جان نام کے سارے امریکی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ڈرپوک، خود غرض اور عیش کوش!" سلطان شاہ بولا۔

"کم از کم جان اسمتھ اور جان ایلش کوف کی حد تک تمہاری بات درست معلوم ہوتی ہے۔" غزالہ نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"جان نے یہاں سے جانے سے پہلے مجھے نظرانداز کر دیا۔ اب اس کی توجہ ماجد یمنی پر مرکوز ہے۔ اس کی تلاش کا کام بھی مقامی پولیس اور ایجنسیوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں کچھ دن بے فکری کے مزے لے سکتا ہوں۔" میں نے صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر جواب دیا۔

"اس بھول میں نہ رہنا۔ انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ اپنے طور پر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اب وہ ہمارے سر پر سوار ہو جائیں گے کہ ہم نے ان کے مطلوبہ آدمی کی تلاش کے سلسلے میں کیا کامیابی حاصل کی۔" اول خان بولا "خود کام کرنے کے بجائے دوسروں پر ذمے داری تھوپ دینے کا یہی فائدہ ہوتا ہے۔"

"یہاں کی ایجنسیاں ان کی ملازم نہیں ہیں۔" ویرا نے برہمی سے کہا "ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ ڈینی کی تلاش میں برسوں کا وقت اور بھاری سرمایہ خرچ کر کے انہوں نے کیا کامیابی حاصل کی ہے۔ ان کے پاس ڈینی کے بارے میں کوئی ریکارڈ تک نہیں ہے۔"

"ان فضول باتوں میں وقت برباد مت کرو۔ یہ یاد رکھو کہ را اور سی آئی اے والوں کو تین افراد کی تلاش ہے۔ ڈینی، مظہر خان اور ماجد یمنی۔" اول خان کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ ان کے نزدیک تینوں خطرناک اور خونی مجرم ہیں۔ ان تینوں شخصیات کا الگ الگ برقرار رہنا ضروری ہے۔"

"ماجد یمنی کا اب روئے زمین پر کہیں سراغ نہیں ملے گا۔" میں نے بے پروائی سے ہنس کر جواب دیا "وہ نظریۂ ضرورت کی ایک اضطراری پیداوار تھی۔ وہ عمر بھر اسے ڈھونڈتے رہیں، اس تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ مجھے دوبارہ یہ نام استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"اسے ہم بھی بھول جائیں گے....." اول خان نے اطمینان سے اپنی بات شروع کی لیکن میں قطع کلامی کر بیٹھا۔

"تم بار بار اپنا ذکر کیوں کر رہے ہو؟ کمشنر ہاؤس میں جان سے ہونے والی ملاقات میں تم تھے نہ تمہاری ایس ٹی ایف کا کوئی نمائندہ پھر تم بلاوجہ اپنی گردن کیوں پھنسا رہے ہو۔"

"میں ایم آئی، آئی بی، آئی ایس آئی، ایف آئی اے اور پولیس فورس کو خود سے الگ نہیں سمجھتا۔ ہم سب ایک مشین کے کل پرزے ہیں جنہیں مل جل کر چلنا ہوتا ہے۔ جب ہمارے سامنے امریکیوں یا بھارتیوں جیسے حریف ہوں تو ہمیں زیادہ گہرے اتحاد کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔"

اس کی بات سادہ اور قابلِ فہم تھی۔ میں نے جواب میں خاموشی اختیار کر لی۔

"لیکن ڈینی اور مظہر خان کے ناموں کو اتنی آسانی سے فراموش نہیں کیا جا سکے گا کیونکہ وہ دونوں زندہ حقیقت ہیں۔"

"جان اور لیری کو ٹال دینے کے بعد تمہیں یہ نام کیوں یاد آ رہے ہیں۔" سلطان شاہ نے پوچھا "اس بارے میں تو جلال نے بھی ایسے لہجے میں بات نہیں کی تھی حالانکہ وہ جان کے ساتھ کمشنر ہاؤس کے اجلاس میں خود شریک تھا۔"

"اس کے بعد سے کچھ تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ کل جان ان دونوں کا طلب گار تھا۔ آج بھارتی وزارت داخلہ نے دہلی میں باضابطہ طور پر ہمارے سفیر سے مطالبہ کیا ہے کہ بھارت کے ان دونوں مجرموں کو پکڑ کر ان کے حوالے کیا جائے۔"

"مظہر خان کے بارے میں صاف انکار کر دو۔" میں نے اول خان کو مشورہ دیا۔

"یہ ناممکن ہے۔" اول خان نے بے یقینی سے میری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "تم نے اس نام پر دہلی تک کا سفر کیا تھا۔ تمہارے پاسپورٹ کے کوائف انہوں نے فراہم کیے ہیں۔ ایک باضابطہ پاکستانی شہری کے بارے میں ہم کیسے اپنی لاعلمی ظاہر کر سکتے ہیں۔"

"تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ مظہر خان غیر قانونی طور

پر بھارت میں داخل ہوا تھا۔" میں نے کہا "اس کے پاسپورٹ پر بھارتی امیگریشن کی جعلی مہریں لگی ہوئی تھیں۔ اصلی پاسپورٹ بھارتیوں کے پاس نہیں ہے اس لیے وہ یہ ثابت نہیں کرسکتے کہ وہ مہریں جعلی تھیں۔ خود ان کو یہ حقیقت اس وقت معلوم ہوگی جب وہ اپنی اٹاری پوسٹ کے ریکارڈ کی دیکھ بھال کریں گے اور انہیں وہاں سے مظہر خان اور غزالہ نامی پاکستانیوں کے داخلے کا اندراج نہیں ملے گا۔"

"تم سوچتے ہو تو واقعی بہت دور کی کوڑی لاتے ہو۔ میرا دھیان اس طرف نہیں گیا تھا۔" اول خان نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"مظہر خان نے قانونی طور پر سرحد عبور کی یا غیر قانونی طریقے سے بھارت میں داخل ہوا' یہ بعد کی بات ہے۔ دہلی میں اس کی موجودگی کا اظہار کر کے بھارتیوں نے اپنے گلے میں ہڈی اٹکالی ہے۔ پہلے وہ بتائیں کہ مظہر خان کس راستے سے بھارت سے باہر نکلا۔ اس کے اخراج کے اندراجات دکھائیں۔ اس کے بعد ہی مظہر خان کے بارے میں پاکستان پر کوئی ذمّے داری عائد کی جاسکے گی۔ وہ دہلی میں تھا۔ اگر اس کی واپسی کا کہیں کوئی ریکارڈ نہیں ہے تو ایک پاکستانی کے غائب ہونے کی ذمّے داری بھارتیوں پر ہے۔ وہ بتائیں کہ وہ کہاں ہے' اسے کس جیل یا تھانے میں رکھا گیا ہے۔ پاکستان ان سے اپنے شہری کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔"

"گریٹ.... واقعی تم گریٹ ہو۔ یہی موقف غزالہ کے بارے میں بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔" پوری بات سمجھتے ہی اول خان خوشی سے اپنی جگہ پر اچھل پڑا "کاش جان والے اجلاس میں دوسروں کے ساتھ تم بھی موجود ہوتے تو جان اور لیری کے بخیے ادھیڑ ڈالتے۔ یہ بات ابھی تک کسی کے ذہن میں نہیں آئی ہے۔"

"مظہر خان کے پُراسرار طور پر اغوا ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ کراچی چھوڑنے کے بعد سے اب تک اس کا گھر ویران اور مقفل پڑا ہوا ہے۔" سلطان شاہ نے پُرجوش لہجے میں کہا "بات زیادہ بڑھائی گئی تو اس کے پڑوسی بین الاقوامی ایجنسیوں کے کارندوں کو بتائیں گے کہ جانے کے بعد وہ واپس نہیں لوٹا۔"

"زیادہ بغلیں نہ بجاؤ۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا "یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ را یا سی آئی اے والے اتنے احمق نہیں ہیں کہ محض ریکارڈ چھاننے میں لگے رہیں۔ وہ سخت پاکستانی جواب کے سامنے جھک جائیں گے اور کہہ دیں گے کہ مظہر خان' غزالہ کو لے کر چوری چھپے پاکستان چلا گیا ہے۔"

"اس سے پاکستان کی اخلاقی پوزیشن مستحکم ہوگی۔" اول خان ویرا کی بات ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "حکومتیں قانون کی عمل داری اور سر بلندی کی علامت ہوتی ہیں اور ہر لاقانونیت ان کی پیشانی کا داغ بن جاتی ہے۔ وہ اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے کہ ایک مشتبہ پاکستانی جوڑا دہلی میں روز اول سے را کے بڑے اور ذمّے دار افسروں کی نگرانی میں تھا' اچانک کوئی جادوئی چراغ استعمال کر کے بھارت سے کیسے غائب ہوگیا۔ میں نے ڈینی کی بتائی ہوئی ہر بات ذہن نشین کرلی ہے۔ اب دیکھ لینا کہ دہلی میں ہمارے سفیر کو دیا جانے والا مراسلہ بھارتیوں کے گلے پڑجائے گا۔ ڈینی نے اپنی چشم کشا باتوں سے ایک گائیڈ لائن فراہم کردی ہے۔ اس میں بہت سی باریکیاں ہمارے وہ بزرجمہر تلاش کرلیں گے جو دن رات قانون کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رہتے ہیں۔" اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر میرے شانے پر زور سے ہاتھ مارا اور بولا "اس وقت تم نے میرا دل خوش کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنے دل کی ہر بات تمہارے سامنے رکھ دیتا ہوں تو مجھے چین ملتا ہے۔"

"را والوں کو کراچی میں مظہر خان کے پتے کا علم ہے۔" غزالہ بولی "اس تصدیق کے بعد ہی نریش نے آپ پر ڈورے ڈالنے کی کوششیں شروع کی تھیں۔ شروع میں اسے بھنک بھی مل جاتی کہ کراچی کے پتے پر مظہر خان کا وجود نہیں ہے تو آج کی کہانی بالکل مختلف ہوتی۔"

"بالکل!" میں نے اس کی تائید کی "را والے اپنے ان ہی ذرائع سے یہ معلوم کرلیں گے کہ مظہر خان ابھی تک اپنے گھر واپس نہیں پہنچا۔ ان ساری کامیابیوں کی داغ بیل اول خان کی ڈالی ہوئی ہے۔ میرا پاسپورٹ بنواتے ہوئے ان باتوں کا خیال نہ رکھا جاتا تو یہ قدم قدم پر پریشان کرتیں۔"

"اب عبدالماجد یمنی غائب ہوگیا۔ مظہر خان کو بھارتیوں نے کہیں قید کیا ہوا ہے۔ تینوں میں سے صرف ڈینی رہ جاتا ہے۔" ویرا نے نشان دہی کی۔

"وہ بہت مشکل شکار ہے۔" اول خان نے ہنستے ہوئے جواب دیا "یہ بات را سے سی آئی اے اور موساد تک' سبھی جانتے ہیں۔"

"وقتی طور پر ہم نے مسائل کا تدارک کرلیا ہے لیکن ہم اپنے دشمنوں کی طرف سے غافل نہیں رہ سکتے۔ ان پر اگلا وار کرنے کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟" اول خان نے

پوچھا۔
”سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک فون اور فیکس نمبر ڈپٹی کے پاس موجود ہے۔ اسی کو دیکھنا چاہیے۔“ ویرا بول اٹھی۔
اول خان کے اس سوال کے نتیجے میں میرے ذہن میں ایک بے نام سا تاریک دھبا نمودار ہوا تھا لیکن مجھے اس پر غور کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ویرا کے پُریقین جواب نے میرے ذہن کو اس تاریک دھبے پر مرکوز نہ رہنے دیا اور بات آگے بڑھ گئی۔
”تم نے فیکس پر بھیجے جانے والے پیغام کے بارے میں کچھ نہ کچھ سوچ لیا ہوگا۔“ اول خان نے پوچھا۔
خاکہ میرے ذہن میں تیار تھا۔ میں نے وہ چند نکات ان چاروں کے سامنے دہرائے۔
وہ بہت سیدھی سی بات تھی۔ دہلی کے قیام کے دوران میں انل اور نریش سے میری مفاہمت ہوگئی تھی۔ ایک طے شدہ معاوضے پر مجھے ان کے لیے پاکستان میں کام کرنا تھا۔ یہ کام اتنا پکا تھا کہ مجھے ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی دے دی گئی مگر میرے پاکستان پہنچنے سے پہلے ہی مجھے بھارت میں اشتہاری مجرم قرار دے کر شور مچا دیا گیا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ را والے مجھے کس بڑے شکار کے لیے اپنا چارا بنانے کی کوشش کررہے تھے۔
”فیکس میں یہ بات ضرور لکھ دینا کہ تم کسی مقررہ وقت پر فون کرو گے تاکہ کھل کر بات کرسکو۔“ ویرا نے تاکید کی۔
فیکس محض ایک ابتدائی کوشش تھی۔ میرا اصل مقصد یہی تھا کہ میں نریش کے دیے ہوئے فون نمبر پر کسی سے کھل کر بات کرنے میں کامیابی حاصل کرلوں۔ ویسے بھی فون کی سہولت ہر جگہ میسر تھی جب کہ فیکس عام نہیں تھا۔ اس پر رابطہ کرنے میں سب سے پہلا خطرہ رازداری کو لاحق ہوتا کیونکہ فیکس مشین کا مالک پیغام پر سرسری نظر ڈال کر بھی ممکن ہے اتفاقاً کوئی اہم نکتہ ذہن نشین کرسکتا تھا۔
امریکی سی آئی اے میری ذات کے حوالے سے کسی شناخت کے لیے تڑپ رہی تھی۔ میں نے ناشتے کی میز پر بیٹھ کر اپنا پیغام تحریر کیا تو مجھے اندازہ تھا کہ میری تحریر بھی میری شناخت کا ایک ذریعہ بن سکتی تھی۔ اس پیغام کا من و عن دشمن کے ہاتھوں میں پہنچنا مخدوش تھا۔
میرے اس اندیشے سے آگاہ ہوتے ہی ویرا اور سلطان شاہ نے کھلے دل سے پیشکش کی کہ فیکس پر بھیجنے کے لیے وہ میری تحریر کی نقل کردیں مگر میرے ذہن میں ایک خدشہ جنم لے چکا تھا۔ میں اپنے کسی ساتھی کی تحریر کا نمونہ بھی را کے کسی ایجنٹ کو بھیجنے کا روادار نہیں تھا۔
میں انگریزی میں لکھا ہوا پیغام ٹائپ کرانے کے لیے اول خان کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔
کراچی کے حسن اسکوائر پر سوک سینٹر کی عمارت ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں تھی۔ متعدد شہری دفاتر کے اردگرد درخواستیں لکھنے اور ٹائپ کرنے والے صبح سے شام تک روزگار کی آس میں بیٹھے رہتے تھے۔ اس علاقے میں کسی ٹائپسٹ کا ملنا دشوار نہیں تھا مگر پارکنگ کے لیے جگہ ڈھونڈنا محال تھا۔ اول خان نے سوک سینٹر کی عقبی سڑک کے ایک دور افتادہ مقام پر اپنی گاڑی کھڑی کی اور ہم پیدل بارونق دفتری علاقے کی طرف ہولیے۔
ایک خستہ حال سوزوکی میں میز پر ٹائپ رائٹر اور کاغذوں کا پلندا میری نظروں کو بھلا معلوم ہوا۔ ہمیں دیکھ کر کرسی والے شخص نے مصروف نظر آنے کی کوشش کی مگر ہمارے بڑھتے ہوئے قدم دیکھ کر اسے اپنی نام نہاد مصروفیت ترک کرکے ہماری طرف متوجہ ہونا پڑا۔
میں نے اپنا لکھا ہوا کاغذ اسے دیا۔ اس نے فوراً ٹائپ رائٹر پر سفید کاغذ چڑھانا شروع کردیا۔
”اس کی کتنی نقلیں بنیں گی۔ پتا کس کا ہوگا؟“ اس نے رٹے رٹائے جملے دہرائے۔
”پتا کسی کا نہیں ہوگا۔ بس یہ مضمون ٹائپ کردو۔“ اول خان نے خشک لہجے میں کہا ”نقل کی کوئی ضرورت نہیں۔“
”کم از کم ایک کاپی ٹائپ کروالیں۔ کاربن اور ایک کاغذ کا کشن ملتا ہے تو حروف صاف چھپتے ہیں۔“ اس نے مشورہ دیا۔
ہم نقل تلف کرسکتے تھے۔ میں نے سرہلا کر رضامندی ظاہر کردی۔
اس پیغام کا متن مبہم سا تھا۔ ٹائپ کرنے والے نے پیشہ ورانہ انداز میں کئی مقامات پر ردوبدل کا مشورہ دیا جسے میں نے مسترد کردیا۔ را والوں کے لیے وہ سطور لکھتے ہوئے میں نے خیال رکھا تھا کہ کوئی اجنبی ٹائپسٹ کسی اہم بات سے آگاہ نہ ہوسکے۔
ٹائپنگ مکمل کرنے کے بعد اس نے کاغذ مشین سے اتارے بغیر مجھے پیغام پڑھنے کا مشورہ دیا تاکہ کسی غلطی کی اصلاح کی جاسکے۔ میں چھپے ہوئے کاغذ پر جھکا تو پہلی ہی سطر میں املا کی چار غلطیاں موجود تھیں۔ پورا مضمون غلطیوں سے

بھرا ہوا تھا مگر مفہوم بہرحال اپنی جگہ برقرار تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میں نے غلطیوں کی اصلاح کا مطالبہ کیا تو ہمارا کافی وقت برباد ہوجائے گا۔ میری رضا پا کر اس نے کاغذ رول سے اتارے، اپنا کاربن نکالا اور دو مطبوعہ کاغذ میرے ہاتھ میں تھما دیے۔

غلطیوں سے بھری ہوئی ان چند سطروں کی ٹائپنگ کا معاوضہ پچیس روپے طلب کیا گیا۔ بیس اصل کے اور پانچ روپے کاربن کاپی کے۔ میرے لیے رقم کی کبھی بھی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی لیکن بے ایمانی اور دھوکے بازی میری برداشت سے باہر تھی۔ اپنے کسی ناخوشگوار ردِّعمل کے مظاہرے سے پہلے مجھے خیال آگیا کہ غلطی میری تھی۔ میں نے ٹائپسٹ کو کام سونپنے سے پہلے پیسے طے نہیں کیے تھے۔ کام کرنے کے بعد اس نے جو کچھ مانگ لیا تھا، وہ دینا ضروری تھا۔ ویسے بھی وہ گردشِ روزگار کا ستایا ہوا ایک پریشان حال سفید پوش تھا۔ میں نے پچیس روپے کے بجائے پچاس روپے کا نوٹ اسے تھمایا اور اس کے ہاتھ سے وہ کاربن پیپر لے لیا جو میرے کام میں استعمال ہوا تھا۔

میں دیکھ چکا تھا کہ وہ کاربن پرانا تھا پھر بھی اس پر میرے پیغام کے کسی لفظ یا حصے کے پڑھے جانے کا احتمال تھا۔ میں نے کاربن پیپر کو اپنی مٹھی میں سمیٹا اور بقیہ پیسوں کی واپسی کا انتظار کیے بغیر وہاں سے چل دیا۔

چند قدم دور نکل آنے کے بعد میں نے کاربن پیپر اور پیغام کی نقل کے پرزے پرزے بکھیر کر فضا میں اڑا دیے۔

”تم فطری طور پر بہت زیادہ محتاط آدمی ہو۔“ آنے جانے والوں کی بھیڑ سے دور نکل کر اول خان نے معترفانہ انداز میں کہا ”میں بھول کر بھی پرانے اور سڑے ہوئے کاربن کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ شاید یہی عقابی نظریں تمہیں ان دیکھے خطرات سے بچاتی چلی آرہی ہیں۔“

”اب مسئلہ فیکس مشین کا ہے۔“ گاڑی میں واپسی کے دوران میں نے کہا۔

”قریب ہی کسی دکان سے فیکس کرلو۔ دس روپے میں کام ہوجائے گا۔“ اول خان نے مشورہ دیا۔

”پی سی او سے بھیجے گئے ہر فیکس پر دوسری طرف شناختی لائن بھی جاتی ہے۔ اسے بند کرانے پر بھی خدشہ رہے گا کہ دکان دار نے ہدایت پر عمل کیا ہے یا نہیں۔ را کے آدمی کو یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ اسے شہر کے کس علاقے سے فیکس کیا گیا ہے۔“ میں نے وضاحت کی۔

”پھر تم یہ پیغام مجھے دے دو۔ میں دفتر سے فیکس کردوں گا۔ اس کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلے گا کہ یہ کہاں سے فیکس کیا گیا ہے۔“ اس نے دھیرے سے کہا۔

”احتیاط کے طور پر سی ایل ڈی بھی لے لینا۔ ویسے فیکس پر کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں ہوگا۔“

میں نے دور تک سوچ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ نزلیش کے دیے ہوئے نمبر پر فیکس کرنے کے لیے گلشن اقبال کے علاقے کا کوئی پبلک فیکس آفس استعمال نہ کیا جائے۔ پچھلے روز ہم نے اپنی ہر احتیاط بروئے کار لاتے ہوئے گھر کے بجائے ایک پبلک کال آفس سے جان الیش کوف کو فون کیا تھا۔ وہ وہی موقع تھا جب میں نے عبدالماجد کے روپ میں اس سے بات کی تھی۔ بعد میں جلال نے رات گئے بتایا تھا کہ جان نے نہ صرف اس پبلک بوتھ کا نمبر معلوم کرلیا تھا بلکہ میری اور اپنی گفتگو کا مکمل ٹیپ بھی حکام کو دے دیا تھا۔ اس واقعے کے بعد دوبارہ یہ بات سامنے آتی کہ را کے کسی آدمی کو گلشن اقبال ہی سے فیکس کیا گیا تھا تو وہ علاقہ دشمنوں کی نگاہوں میں آجاتا اور ہمارے لیے وہاں ٹھہرنا مشکل ہوجاتا۔

اول خان اس وقت فیکس کے چکر میں ہماری طرف آیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ فیکس لینے کے بعد مجھے دروازے پر اتار کر اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوجائے گا لیکن گھر پہنچنے کے بعد میں نے اسے رکنے پر مجبور کردیا۔ گھر میں تینوں افراد اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ میں اول خان کو اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کھلے ہوئے ڈرائنگ روم کے مقابلے میں خواب گاہ کی خلوت میں بیٹھ کر ہم زیادہ آزادی اور بے فکری سے بات کرسکتے تھے۔

اول خان کا میرے ساتھ خواب گاہ میں آنا معمول سے ہٹا ہوا عمل تھا۔ ویرا ایسے معاملات میں بہت کائیاں تھی، وہ چونکے بغیر نہ رہ سکی اور چند ثانیوں بعد ہی کمرے میں آکر ہم دونوں کے ساتھ جم گئی۔

”تم یہاں کیوں آئی ہو۔ کچن میں جاکر غزالہ کا ہاتھ بٹاؤ۔“ میں نے اس کا ارادہ بھانپ کر خشک لہجے میں کہا۔

”میں غزالہ سے اجازت لے کر یہاں آئی ہوں۔ وہ بہت حوصلے والی لڑکی ہے۔ کام سنبھال لے گی۔“ مجھے سلگانے کے لیے اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اس وقت شاید تمہاری موجودگی ضروری نہیں ہے!“ اول خان نے میرے تیور بھانپ کر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”یہ تمہاری منکسر مزاجی ہے کہ ایسا کہہ رہے ہو“ ویرا ڈھٹائی سے بولی ”ورنہ میں اپنے فرض سے غافل نہیں

ہو سکتی۔ تم تھوڑی دیر کے لیے ہمارے مہمان بن کر آتے ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہاری آمد کو نظر انداز کر کے ہم سب اپنے اپنے کاموں میں لگے رہیں۔"

"اول خان کی میزبانی کے لیے میں یہاں موجود ہوں۔ تمہیں اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اپنا غصہ دباتے ہوئے کہا "تم جا کر اپنا کام کاج دیکھو۔ کوئی ضرورت ہوئی تو میں آواز دے کر تمہیں بلا لوں گا۔"

"نہیں!" وہ اٹھلا کر بولی "مجھے معلوم ہے کہ تم تکلف کرو گے۔ مجھے آواز نہیں دو گے۔"

اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے سلگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ میں نے زچ ہو کر کہا "میں قطعی تکلف نہیں کروں گا۔ خدا کے لیے اس وقت تم یہاں سے چلی جاؤ۔ میں تخلیے میں اول خان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو یوں کہو نا کہ تم مجھ سے نجات حاصل کرنا چاہ رہے ہو۔ اب تو میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔" اس نے مجھے چڑانے کے لیے کرسی کے دونوں بازو تھام لیے۔

"ایسی کیا بات ہے جو تم ویرا کے سامنے نہیں کر سکتے؟" اول خان نے معاملہ رفع دفع کرانے کی کوشش میں کہا اور ویرا نے اس کی بات اُچک لی۔

"خدا تمہارا بھلا کرے۔ تم نے حق بات کہہ دی ہے۔ جب ہمارا رہنا سہنا اور مرنا جینا ایک ساتھ ہے تو آپس میں ایسی پردہ پوشیوں کی کیا ضرورت ہے؟"

اپنی ذہنی رو کو قابو میں رکھنے کی کوشش میں، میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگا لی۔

اول خان نے بلاوجہ بزرگانہ انداز میں ویرا کو سمجھانا شروع کر دیا "اس طرح ہر جگہ ٹانگ اڑانا اچھا نہیں ہوتا۔ اگر تمہیں یہ یقین ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی تمہارے خلاف کوئی بات نہیں سوچ سکتا تو تمہیں ایسی دخل اندازی سے گریز کرنا چاہیے۔ اس طرح بلاوجہ کی بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔"

ویرا کے دماغ پر اس وقت تجسس اور شرارت کا بھوت سوار تھا۔ وہ معصومانہ سنجیدگی کے ساتھ یوں ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو گئی جیسے اس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ اپنے دل و دماغ پر نقش کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

اول خان نے اپنی لمبی چوڑی اصلاحی تقریر کے بعد پوچھا "میری یہ باتیں تمہاری سمجھ میں آ رہی ہیں نا۔"

"بالکل۔" ویرا نے سر ہلا کر اقرار کیا "میں نے انہیں گرہ سے باندھ لیا ہے۔ آئندہ تمہیں مجھ سے شکایت نہیں ہو گی۔"

"شاباش! تو اب باہر جاؤ۔ میں ڈینی کی باتیں سن کر یہاں سے جلد نکل جانا چاہتا ہوں۔"

"میں نے آئندہ کے لیے تم سے وعدہ کر لیا ہے مگر اس وقت یہاں سے نہیں جاؤں گی۔" ویرا مچل گئی "یہ میری توہین ہو گی کہ ڈینی مجھے اپنے کمرے سے نکال دے۔"

میں ویرا کا کہا ہوا ہر زہریلا لفظ سن رہا تھا مگر گونگا اور بہرا بنا ہوا، خاموشی سے اپنی سگریٹ پھونکے جا رہا تھا۔ اس کا آخری جواب سن کر میں نے اسے یکسر نظر انداز کر دیا اور اپنی کرسی کا رخ گھما کر اول خان کے بالکل سامنے ہو گیا۔

"میرے ذہن میں ایک بات بار بار بچھو کے ڈنک کی طرح چبھ رہی ہے۔" میں نے معتدل لہجے میں اپنی بات شروع کی "تم اس بات کے گواہ ہو کہ میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر، اچانک ہی عبدالماجد الحسینی کا نام استعمال کیا تھا مگر یہ نام اسی لمحے جان کی توجہ کا ایسا مرکز بنا کہ اب وہ ڈینی کی ذات کو پس پشت ڈال کر صرف اور صرف ماجد تک پہنچنا چاہ رہا ہے۔ آخر اس نام میں ایسی کیا تاثیر تھی؟"

اول خان نے فوری طور پر میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد سوچتے ہوئے بولا۔ "فون پر تمہارے یعنی ماجد کے بارے میں سوالات کرتے ہوئے اس نے یہ بھی پوچھا تھا کہ تم القاعدہ کے آدمی تو نہیں ہو؟"

"بالکل پوچھا تھا۔" میں نے اقرار کیا "بعد میں اس نے القاعدہ والوں کے لیے گندی اور ہتک آمیز زبان بھی استعمال کی تھی۔ میرے کان اس نام سے ضرور آشنا ہیں مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ امریکی ان سے اتنی نفرت کرنے لگے ہوں گے۔"

"یہ جنگ اور سرد جنگ کے کرشمے ہیں۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر سوچتے ہوئے جواب دیا "افغانستان میں روسیوں کی سرکوبی کے لیے لڑنے والوں میں ایک گروپ القاعدہ بھی تھا۔ اس وقت امریکی دل کھول کر ہر روس دشمن طاقت کی مدد کر رہے تھے۔ اس لڑائی میں کہیں کہیں امریکی بھی شریک تھے۔ وہ اور القاعدہ والے افغان سرزمین پر روسیوں سے شانہ بشانہ لڑے تھے مگر روس کی روسیاہی کے بعد حالات پلٹ گئے۔ راستے جدا ہو گئے۔ امریکی القاعدہ والوں کے خلاف ہو چکے ہیں۔ ان کو ڈر ہے کہ افغانستان کے عدم استحکام سے فائدہ اٹھا کر القاعدہ کے حامی برسرِ اقتدار آ گئے تو اس سرزمین پر امریکیوں کے لیے کوئی جگہ نہیں رہے

گی۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت جان ایش کوف ہی افغانستان کے معاملات کا نگراں ہو اور اپنے جوڑ توڑ کے ذریعے وہاں القاعدہ کی راہ روکنے کی کوششیں کر رہا ہو۔"

"اس میں ماجد یمنی کے کردار کی کیا اہمیت ہوسکتی ہے؟" میں نے الجھ کر سوال کیا۔ ان سیاسی نکات میں مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔

"کہا جاتا ہے کہ القاعدہ میں عرب اور یمنی بڑی تعداد میں ہیں۔ تم نے جان سے ڈینی کے بارے میں مخبری کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ شاید اس کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہو کہ ماجد القاعدہ کا کوئی اہم آدمی ہے جس پر ہاتھ ڈال کر وہ دہرا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

"اچانک سامنے آنے والے ایک سائے سے ایسی کیا امیدیں وابستہ کی جاسکتی تھیں؟" میں نے تلخی سے پوچھا۔

"اسے امید ہوگئی ہوگی کہ ماجد کے ذریعے ایک طرف وہ ڈینی کا سراغ لگا سکتا ہے اور دوسری طرف القاعدہ کی شکست و ریخت کے عمل میں غیر معمولی کامیابیاں حاصل کرسکتا ہے۔ یہی خوش فہمیاں اس کے لیے ایک آسیبی جال بن گئیں اور وہ تمہاری باتوں کے پھندے میں الجھ کر نیٹی جیٹی کے مندر تک پہنچ گیا۔ واقعات کی کڑیاں صرف اسی امکان کی نشان دہی کرتی ہیں ورنہ جان آسانی سے فریب کھانے والا آدمی نہیں تھا۔"

اس وقت تک ویرا بالکل خاموشی سے ہم دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی اپنی زبان کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کی مفاہمانہ خاموشی کی وجہ سے میرے وجود میں انگڑائیاں لیتا ہوا اشتعال سرد ہو چکا تھا مگر اس مرحلے پر ویرا نے اپنی خاموشی توڑ کر مجھے چونکا دیا "اگر تم دونوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو چند باتیں میں بھی کہہ ڈالوں۔"

اول خان کی مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے پر آکر رک گئیں اور میں نے ویرا کے چہرے پر سنجیدگی کی پرچھائیں دیکھ کر اسے بولنے کا اشارہ کردیا۔

"میرے ذہن میں یہ بات چبھ رہی تھی کہ سی آئی اے کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر اتنا احمق کیسے ہوسکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے اپنے سوال کا جواب مل چکا ہے۔ اسے یکایک اپنی دہری کامیابی کا خواب نظر آنا شروع ہوگیا تھا اور وہ اسی چکر میں ڈینی کے ہاتھوں سمندری کھاڑی میں جا گرا۔ میں اس بات کی چشم دید گواہ ہوں کہ شی میں میرے باپ کے اقتدار کے زمانے سے افغان علاقہ امریکیوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ڈینی محض ایک فرد کے طور پر ان کا سب سے بڑا دشمن ہے لیکن افغان علاقے ایک طویل عرصے سے خفیہ امریکی پالیسیوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔"

"اس وقت ہمارا مل بیٹھنا سودمند ثابت ہوا۔" میں نے اول خان سے کہا "ہم سب کے ذہنوں میں کچھ نہ کچھ شکوک و شبہات پل رہے تھے جواب صاف ہو رہے ہیں۔"

"اب بات واقعی قابلِ فہم ہوگئی ہے کہ ماجد یمنی کے فرضی نام نے اچانک اتنی اہمیت کیوں اختیار کرلی کہ ڈینی پسِ پشت چلا گیا۔" ویرا بولی۔

"سچ سچ بتانا کہ جان سے فون پر بات کرتے ہوئے تمہارے ذہن میں ماجد اور یمن کے نام کیوں آئے تھے۔" اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

"مجھے کوئی نہ کوئی فرضی نام لینا تھا۔ میں یہ سب بتا چکا ہوں۔ مقامی نام کو جان اہمیت نہ دیتا۔ غیر ملکی نام میں اس کے لیے کشش ہوتی۔ مغربی نام اپنا کر میں اس لب و لہجے میں زیادہ دیر تک انگریزی نہیں بول سکتا تھا۔ کہیں نہ کہیں مار کھا جاتا۔ جان کے عربی داں ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ میں عرب بن گیا۔"

"عرب ممالک کی تعداد کم نہیں ہے۔ تم نے خود کو یمنی بتانا کیوں پسند کیا؟"

"بس یوں سمجھ لو کہ وہ نہلے پر دہلا تھا۔ اس نے میرے سعودی ہونے کا قیاس کیا تھا۔ میرے لیے اس کی تردید ضروری تھی۔ جواب آں غزل کے طور پر میرے ذہن میں یمن کا نام آگیا۔"

"بس اس کے ستارے گردش میں آگئے تھے اس لیے ڈینی کا ذہن بالکل صحیح سمت میں کام کرتا چلا گیا۔" ویرا نے کہا۔

"آج کل القاعدہ بڑی حد تک گمنام ہے۔ اس تنظیم کے خلاف امریکیوں کی نفرت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آنے والے دنوں میں یہ ایک تہلکہ خیز نام بن کر ابھرنے والی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے اپنی رائے دی "جان کی باتوں میں اب مجھے مستقبل کی جھلکیاں نظر آنے لگی ہیں۔"

"میں سوچ رہی ہوں کہ اس وقت فیر فیکس میں کیا ہو رہا ہوگا۔" ویرا بڑبڑائی۔

میرا ذہن فوری طور پر اول خان کو دیے ہوئے فیکس کی طرف گیا لیکن زبان کھولنے سے پہلے مجھے یاد آگیا کہ وہ امریکی قصبہ سی آئی اے کا گھر تھا۔ میں نے لمحے بھر کے توقف کے بعد پوچھا "وہ لوگ بہت محنت سے صحیح سمت میں کام کر رہے

ہیں۔ میرے بارے میں ان کے بیشتر اندازے درست ہیں۔"

"اس سے مجھے انکار نہیں۔ وہ لوگ یہ سن کر اپنے سر پیٹ لیں گے کہ جان اسمتھ کے بعد جان ایش کوف بھی کراچی سے ڈر کر دہلی بھاگ گیا ہے۔ سی آئی اے کے منصوبہ ساز اپنے مستقبل کے منصوبوں کے لیے کراچی میں قدم جمانا چاہ رہے ہیں اور ان کے بھیجے ہوئے بھیڑیے، بھیڑوں کی طرح ممیاتے ہوئے دہلی کی طرف دوڑ لگا رہے ہیں۔"

"ان کی یہ افراتفری ہمارے لیے مفید ہے۔ وہ یکسوئی سے کام نہیں کرسکیں گے۔" اول خان نے کرسی چھوڑ دی۔

ہم دونوں نے دروازے تک آکر اسے رخصت کیا۔

"کبھی کبھی تم مجھ سے بہت زیادہ بیزار نظر آنے لگتے ہو۔" اول خان کو رخصت کرنے کے بعد ویرا نے راہداری میں دبی زبان میں شکایت کی "میں اب تمہیں اتنی زیادہ بری لگنے لگی ہوں تو میں یہاں سے اپنا منہ کالا کرلوں؟"

"تم پہلے بھی منہ کالا کرتی رہی ہو۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "یہ محاورہ ذرا احتیاط سے استعمال کیا کرو۔"

اس نے سلگ کر اپنی چٹکی سے میرے بازو کی جلد مروڑ کر رکھ دی۔ راہداری طے کرکے ہم سلطان شاہ کی نشست کے قریب پہنچ چکے تھے اس لیے ویرا کو جواب میں کچھ کہنے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ مجھے گھورتی رہ گئی۔

"فیکس کب تک بھیج دیا جائے گا؟" غزالہ نے کچن سے نکلتے ہوئے پوچھا۔ چولہوں کی حدت سے اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔

"اول خان اپنے دفتر میں پہنچتے ہی یہ کارِ خیر کر گزرے گا۔ کچھ خطرات نہ ہوتے تو میں اسی وقت کسی پبلک فیکس سے وہ پیغام بھیج دیتا۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ فریق ثانی کو اتنا وقت ملنا چاہیے کہ وہ پیغام ملنے کے بعد سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کرسکے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"بکواس مت کرو۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "ہر وقت اوندھی باتیں کرتے رہتے ہو۔"

"میں نے کون سی غلط بات کہہ دی؟" سلطان شاہ نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں اچھال کر احتجاج کیا۔

"دشمن سے غلط فیصلے کی امید رکھو۔" ویرا نے چٹکی بجا کر اسے آنکھ ماری "دشمن کا کوئی بھی صحیح فیصلہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔"

"میرا بھی یہی مطلب تھا۔" سلطان شاہ نے چیخ کر جواب دیا "میں دشمن کے ایسے کسی غلط فیصلے کی بات کررہا تھا جو ہمارے لیے صحیح ثابت ہو۔"

سلطان شاہ کی اس انوکھی توجیہہ پر غزالہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور گھر کی فضا یک بیک خوشگوار ہوگئی۔

مجھے امید تھی کہ اول خان میرا پیغام بارہ بجے سے پہلے را کے نامعلوم ایجنٹ کو فیکس کردے گا جبکہ میں نے اپنے پیغام میں سات بجے فون کرنے کا ذکر کیا تھا۔ اس طرح فریق ثانی کو کسی بھی قسم کی ذہنی تیاری کرنے کے لیے پورے سات گھنٹے کا وقت دستیاب تھا۔

نریش نے دہلی میں مجھے رابطے کے جو نمبر دیے تھے وہ دونوں شہر کے سول لائنز کے علاقے یا اس کے مضافات سے تعلق رکھتے تھے جس کا اظہار ان نمبروں کے تین ابتدائی ہندسوں کی یکسانیت سے ہوتا تھا۔ جب سے ہم لاہور کے راستے کراچی پہنچے تھے، اتنی مہلت نہیں ملی تھی کہ سکون سے بیٹھ کر اپنی پچھلی کارگزاری کا جائزہ لیا جائے اور پھر کچھ نکات پر تحقیق و تفتیش کے کام کو آگے بڑھایا جائے۔ مجھے وقت ملا ہوتا تو یہ پتا چلانا دشوار نہیں تھا کہ وہ دونوں فون نمبر کس کے نام پر تھے اور عملی طور پر کس کے تصرف میں تھے۔

کراچی میں بھارتی قونصل خانہ کم و بیش اسی علاقے میں، فاطمہ جناح روڈ پر واقع تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ نمبر قونصل خانے کے نہیں ہوسکتے تھے۔ دہلی میں نریش نے میری اداکاری سے جو بھی فریب کھایا ہو، وہ یہ سنگین غلطی نہیں کرسکتا تھا کہ اپنے ایک پاکستانی مخبر کو خفیہ سفارتی رابطوں کی کسی کڑی سے آگاہ کردے۔

جان سے گفتگو کے لیے استعمال کیے جانے والے پبلک فون بوتھ کے نمبر جان کے ہاتھ لگ جانے سے میرے اعتماد کو دھچکا لگا تھا۔ اس زمانے میں سی ایل آئی کی سہولت کے بارے میں نہیں سنا گیا تھا مگر یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ کم از کم... کراچی میں مقیم اہم امریکی افسران میں سے بعض کو اس سہولت تک رسائی حاصل تھی۔ ایسی صورت میں سی ایس ڈی کی افادیت بھی مشکوک ہوجاتی تھی۔ میرے تجربے کے مطابق وہ آلہ دورانِ گفتگو کسی تیسرے فریق کی مداخلت کا مکمل ترین انسداد کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ یہ بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی تھی کہ سی ایس ڈی ہمارے فون نمبر کو کسی قسم کی شناخت سے بھی محفوظ رکھ سکتی تھی۔

اس آلے کے بارے میں میرا تجربہ یہ تھا کہ اس کا استعمال کرتے ہوئے ہم کبھی کسی کی گرفت میں نہیں آئے تھے جبکہ ہم اس آلے کی مدد سے امریکی اور بھارتی سفارتی

افسروں سے بھی رابطے کرتے رہتے تھے پھر مجھے یاد آیا کہ ویرا نے بھی اسی آلے کے سائے میں جان اسمتھ کو پے در پے فون کرکے اتنا خوف زدہ کیا تھا کہ وہ دہلی کی طرف بھاگ نکلا تھا۔ اگر اس نے ویرا کے فون نمبر کا سراغ لگالیا ہوتا تو اسے کراچی سے بھاگنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ فون کا مجرمانہ استعمال ہر اعتبار سے خلافِ قانون تھا۔ جان اسمتھ کے ایک اشارے پر کراچی پولیس ذرا سی دیر میں ویرا کو ہمارے گھر سے اٹھا کرلے جاسکتی تھی۔

جان اسمتھ کے معاملے میں ایسا نہیں ہوا تھا۔ دوسری طرف جان الیش کوف نے پبلک بوتھ کا نمبر پکڑلیا تھا جبکہ وہ اسی گھر میں رہ رہا تھا جہاں جان اسمتھ کا قیام تھا۔ ان دونوں کا فون بھی ایک ہی تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ ہمارے گھر پر سی ایل ڈی نصب تھی جبکہ پبلک بوتھ اس آلے سے محروم تھا۔ شاید اس زمانے میں نمبر پکڑنے کے لیے سادہ آلات کے بجائے کوئی ایسی مشین استعمال کی جاتی تھی جو سی ایس ڈی جیسے حساس آلے سے نہیں بچ سکتی تھی۔

ویرا اور جان والے واقعات یاد آنے کے بعد مجھے سی ایل ڈی کی کارکردگی کی طرف سے دلی اطمینان تو ہوگیا مگر میں نے فیصلہ کرلیا کہ پہلی فرصت میں جلال یا اول خان کے ذریعے مزید معلومات حاصل کروں گا۔ اپنے تحفظ کے لیے میرا سی ایس ڈی کی کارکردگی سے پوری طرح باخبر ہونا بہت ضروری تھا۔

عارضی دلی اطمینان ہوجانے کے باوجود میں مزید تصدیق ہونے تک اپنا فون یا موبائل فون کسی دشمن سے رابطے کے لیے استعمال کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ دوسری طرف وہ سارا دن بیکار رہ کر گزارنا میرے لیے مشکل تھا۔ میں نے جلال اور ویرا کو امورِ خانہ داری میں مصروف چھوڑا اور سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

سلطان شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے تک کسی چون وچرا کے بغیر میری ہدایات پر عمل کیا لیکن سفر کا آغاز ہونے کے بعد اس کا تجسس سوالات کی صورت میں اس کی زبان پر آگیا۔ وہ جاننا چاہ رہا تھا کہ میں اس وقت کہاں اور کس ارادے سے جا رہا تھا۔

میرا کوئی خفیہ پروگرام نہیں تھا۔ میں کچھ دیر تک اسے ہنسی مذاق میں ٹالتا رہا پھر اسے بتادیا کہ میں اولڈ ٹاؤن کے کسی پبلک بوتھ سے نریش کے دیے ہوئے نمبر پر فون کرنا چاہ رہا تھا اور شام کے سات بجے سے پہلے اس فون نمبر کے بارے میں زیادہ آگاہی حاصل کرسکوں۔

میرا ساتھی بننے سے پہلے سلطان شاہ ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں کام کرتا رہا تھا۔ اسے ہلکی اور بھاری گاڑیوں کی ڈرائیونگ پر کامل مہارت حاصل تھی۔ وہ سڑکوں پر رواں، بھانت بھانت کی گاڑیوں کے ہجوم میں اپنا راستہ بناتا ہوا اولڈ ٹاؤن کی طرف بڑھتا رہا۔

"اس علاقے میں پہنچ کر ہمیشہ میری پرانی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں۔" کھارادر کی تنگ سڑکوں پر گاڑی چلاتے ہوئے سلطان شاہ نے جذباتی لہجے میں کہا "میں جس زمانے میں سیٹھوں کے لیے کام کررہا تھا تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے اپنے وطن کی خدمت کرنے کا ایسا بڑا موقع ملے گا۔"

"یہ دل کو سمجھانے کی باتیں ہیں ورنہ ان دنوں تم واقعی محنت کررہے تھے۔ آج کل تو ہم لوگ وقت گزار رہے ہیں۔" میں نے اسے چھیڑا۔

وہ اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ مار کر ہنس پڑا "را اور سی آئی اے والے گھامڑ نہیں ہیں کہ بلاوجہ دن رات تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ میں دہلی میں تمہارے کاموں کے بارے میں سوچتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ را کے دفتر میں گھسنا ہی دل حوصلے کا کام تھا۔ تم نے تو ان کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ گرین کوبرا کے ساتھ نہ جانے کیا کیا نکال لائے، ناگر کو مار ڈالا اور ان سالوں کے دفتر کو آگ تک لگا دی۔ وہ تمہارے گن گاتے رہے۔"

"میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔" میں نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا "جو لوگ اپنی کامیابیوں پر زیادہ ناز کرتے ہیں وہ رفتہ رفتہ اپنے سنہرے ماضی میں رہنے کے عادی ہوجاتے ہیں اور پھر اپنے اردگرد کے حالات سے غافل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ روش انہیں بہت مہنگی پڑتی ہے۔"

"میں نے بھی تمہارے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھا اور کیا ہے لیکن تم نے میری زبان سے کبھی اس بارے میں ایک لفظ نہیں سنا ہوگا۔ میں ہمیشہ تمہاری اور دوسروں کی بات کرتا ہوں۔" اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا "یہ مرض ویرا کو ہے کہ وہ ہر وقت اپنے راگ الاپتی رہتی ہے۔"

"پھر ویرا درمیان میں آگئی!" میں نے ہنس کر اسے ٹوکا "کسی وقت تو اسے بھلا دیا کرو۔"

"تم نے غور نہیں کیا۔ وہ واقعی اپنے ماضی کے تذکروں میں زیادہ مگن رہتی ہے۔"

"اسے معاف کردیا کرو۔ وہ بہت بدنصیب لڑکی ہے۔ اس نے بے مثال عروج کے بعد ایسا زوال دیکھا ہے کہ اب اپنی شناخت تک کھو بیٹھی ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ محرومیوں کا

شکار رہتے ہیں اور اپنے ماضی کی کامیابیوں کے تذکرے سے تسکین حاصل کرتے ہیں۔"

میرے ایما پر سلطان شاہ نے ایک قریبی پبلک بوتھ کے قریب گاڑی روک لی۔ بوتھ خالی تھا۔ میں نے اندر داخل ہو کر سلاٹ میں کارڈ لگایا اور ڈائل ٹون ملنے پر اللہ کا نام لے کر اپنا مطلوبہ نمبر ملالیا۔

دوسری طرف گھنٹی بجی۔ میں تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کسی جوابی آواز کا انتظار کرتا رہا لیکن لائن پر کوئی انسانی آواز نہیں سنائی دی۔ دوسری، تیسری، چوتھی اور پھر مسلسل گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ میں متذبذب انداز میں ریسیور اپنے کان سے لگائے کھڑا رہا۔ گھنٹیاں بجنے کی وجہ سے اندازہ نہیں ہورہا تھا کہ دوسری طرف کوئی موجود نہیں تھا یا پھر وہ فون خراب تھا۔

کافی دیر کے انتظار کے بعد میں نے مایوس ہوکر سلسلہ منقطع کردیا۔ بوتھ چھوڑنے سے پہلے میں نے احتیاط سے نمبر ملانے کی دوسری کوشش کی مگر اس کا بھی وہی نتیجہ رہا اور میں ریسیور کریڈل سے لٹکا کر باہر آگیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ناکام واپس آئے ہو۔" سلطان شاہ نے میرے بشرے سے اندازہ لگا کر آہستگی سے کہا۔

"کوئی جواب نہیں مل رہا۔ ہوسکتا ہے کہ مظہر خان پر شبہ ہوجانے کے بعد را کے ایجنٹ نے اپنا ٹھکانا بدل لیا ہو۔" میں نے سگریٹ سلگا کر پُرخیال لہجے میں جواب دیا۔

"ایسا ہے تو پھر اول خان کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔

اس بار میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے خیال آیا کہ فون نمبر پر رابطے میں ناکامی کے بعد مجھے فیکس نمبر پر بھی ایک کوشش کرلینی چاہیے تھی۔ بہت سے لوگ اپنے ایک ہی فون نمبر کو فون اور فیکس کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ رابطہ نہ بھی ہوتا تو ریسیور پر فیکس کی مخصوص آواز سن کر کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہوجاتا۔ اس دوسری کال کے لیے میں کوئی اور بوتھ بھی استعمال کرسکتا تھا مگر پہلی ناکامی نے میرے ذہن پر کچھ جھلاّہٹ سی طاری کردی تھی۔ میں نے اسی وقت اول خان سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

سلطان شاہ کو گھر کی طرف واپسی کی ہدایت دے کر میں نے اپنے موبائل فون پر اول خان کے دفتر کا نمبر ملالیا۔ وہ اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اس نے پہلی گھنٹی پر ہی ریسیور اٹھالیا اور میری آواز سن کر خوش دلی سے چہکنے لگا۔ "تم کہاں گھوم رہے ہو؟ میں نے گھر فون کیا تو پتا چلا کہ تم کسی سے کچھ کہے سنے بغیر باہر نکلے ہوئے ہو۔ میں نے تمہارے لیے ویرا کو پیغام دے دیا تھا۔ اس نے تمہیں بتادیا ہوگا۔"

"میں ابھی تک گھر سے باہر ہوں۔ اولڈ ٹاؤن کے کسی پبلک بوتھ سے نریش والے فون نمبر پر رابطہ کرنے کے ارادے سے نکلا تھا مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہ بتاؤ کہ فیکس کا کیا رہا؟" میں نے اپنی جھلاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے خوش گوار لہجے میں پوچھا۔

"فیکس چلا گیا۔ میں نے تمہارے گھر فون کرکے ویرا کو یہی اطلاع دی تھی۔" اول خان نے بتایا پھر پوچھا "فون مصروف تھا یا اس پر کوئی ریکارڈنگ چل رہی ہے؟"

"مسلسل گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ کوئی جواب نہیں مل رہا۔ میرا خیال ہے کہ کسی کو اس نمبر کی چھان بین پر لگایا جانا چاہیے۔"

"میں نے ٹی اینڈ ٹی والے شہزاد کو اس کام پر لگادیا ہے۔ یہ نمبر کس کے نام پر ہیں، کس کے استعمال میں ہیں اور اس وقت ان کی کیا پوزیشن ہے۔ یہ سب باتیں شام سے پہلے معلوم ہوجائیں گی۔ مجھے ان باتوں کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ سات بجے سے پہلے ہمارا باخبر ہونا ضروری ہے۔"

وہ واقعی دور اندیش اور فرض شناس افسر تھا۔ اسے بہت زیادہ بتانے اور سکھانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ سیدھے مسائل میں وہ ہمیشہ ہر پہلو کو نگاہ میں رکھتا تھا۔ جہاں جوڑ توڑ، جھوٹ، فریب اور سازشوں کا معاملہ ہو، وہاں وہ چکرا جاتا تھا پھر بھی صحیح سمت میں پیش قدمی کرنے کی مقدور بھر کوشش کرتا تھا۔

اول خان سے فون پر مختصر سی گفتگو کرلینے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

"وہ دونوں فون اور فیکس نمبر تمہیں دہلی میں نریش نے دیے تھے۔" سلطان شاہ کہہ رہا تھا "ان کے بارے میں یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ نمبر کراچی میں مقیم 'را' کے کسی ایجنٹ کے استعمال میں ہیں۔ اس بارے میں تم کو کسی تردّد میں نہیں پڑنا چاہیے۔ ان پتوں پر پہنچو اور بے رحمی سے اپنے دشمنوں کے گریبان پر ہاتھ ڈال دو۔ ایسے معاملات میں مدافعانہ پیش قدمی کے بجائے جارحانہ پیش رفت ہمیشہ سود مند ثابت ہوتی ہے۔"

"یہ باتیں میں بھی جانتا ہوں۔" میں نے اس کے مشورے کا برا منائے بغیر جواب دیا "اگر یہ نمبر بھارتی قونصل خانے کے کسی ملازم کے استعمال میں ہیں تو بات اتنی سادہ نہیں رہے گی۔ ہمیں بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔"

اپنے تازہ مسائل میں سر کھپاتے ہوئے ہم دونوں دو بجے سے پہلے گھر پہنچ گئے جہاں دونوں خواتین کچن کی مصروفیات سے فارغ ہو کر ہماری واپسی کی منتظر تھیں۔

ویرا نے اپنے مزاج کے مطابق کچھ برہمی کا اظہار کیا کہ میں اسے کچھ بتائے بغیر گھر سے نکل گیا تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر کہاں گیا تھا اور ویرا کا منہ پھول گیا۔

کھانے کی میز پر ویرا میرے اور سلطان شاہ کے ساتھ منہ ماری کرتی رہی۔ سلطان شاہ نے میرا رویّہ دیکھ کر ویرا کو چڑانا اور نظرانداز کرنا شروع کردیا۔ اس بے چارے کو ایسے سنہری مواقع بہت کم ملتے تھے جب میرا وزن ویرا کے بجائے اس کے پلڑے میں ہو۔

ساڑھے تین بجے اول خان وفورِ جوش سے تمتمایا ہوا آپہنچا۔ اس کے آدمی نے نریش کے دیئے ہوئے دونوں مقامی نمبروں کے بارے میں اہم معلومات فراہم کی تھیں۔

فیکس نمبر کراچی کے بھارتی قونصل خانے کے ایک مقامی ملازم چندن گرنانی کے نام پر تھا جو سول لائنز کے علاقے میں متوسط درجے کے ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔ فون نمبر پی آئی ڈی سی ہاؤس کے پیچھے ایک پرانی عمارت میں واقع ایک وکیل کے دفتر کا تھا۔ اس وکیل کا نام سنی کمار تھا۔ وہ محکمہ جاتی معلومات تھیں۔ ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف ڈپارٹمنٹ کے ریکارڈ میں برسوں سے وہ اندراجات اسی طرح چلے آرہے تھے۔ دونوں نمبر فعال تھے اور ان کے بل ادا کیے جارہے تھے۔ اول خان کے آدمی نے متعلقہ ایکس چینج کے سوئچ روم سے بھی چیک کرلیا تھا کہ ان میں سے کسی نمبر میں کوئی گڑبڑ نہیں تھی۔

”فیکس نمبر کا معاملہ بالکل صاف ہے۔ چندن گرنانی را کا ایجنٹ ہے اور اپنی فیکس مشین پر مقامی مخبروں سے رپورٹیں وصول کرتا ہے۔“ ویرا نے اپنا فیصلہ صادر کردیا۔

”بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔“ اول خان نے سرہلاتے ہوئے اس کی تائید کی ”اہم ترین بات یہ ہے کہ وہ پاکستانی شہری ہے۔ اسے کسی نہ کسی چکر میں گھیر گھار کر پکڑا جاسکتا ہے۔ اس پر ہاتھ ڈالنے کے نتیجے میں کسی بڑی پیچیدگی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔“

”پولیس کی مدد سے اس کے پاس سے چرس یا ہیروئن برآمد کروائی جاسکتی ہے۔“ سلطان شاہ بھی مشورہ دینے میں پیچھے نہیں رہا ”منشیات رکھنے کے جرم میں اسے آسانی سے دس پندرہ دنوں تک کسی حوالات میں رکھا جاسکتا ہے۔ وہاں کی خاطر تواضع اس سے سب کچھ اگلوالے گی۔“

”یہ کام اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ بیشتر سفارتی ملازمین کو بہت سے تحفظات حاصل ہوتے ہیں۔ اس خانہ پری کے بغیر چندن گرنانی کو پکڑا گیا تو بھارتی شور مچادیں گے۔ وہ اپنے اس اہم آدمی کو اتنی آسانی سے نہیں بھلائیں گے۔“

”چندن پیچ کا آدمی بھی ہوسکتا ہے۔ وہ فیکس لے کر کسی اور کو پہنچاتا ہوگا۔“ غزالہ نے کہا ”یہ نہ بھولو کہ فون نمبر کسی اور کا ہے۔“

”چندن پیچ کا آدمی ہے تب بھی کارآمد ہے۔ وہ بہت کچھ بتاسکتا ہے۔“ سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

”تم نے سنی کمار کے فون کے بارے میں مزید کچھ نہیں بتایا۔“ میں نے اول خان کو ٹوکا۔

”اس کی نوبت ہی کہاں آئی۔ سب نے چندن پر مغززنی شروع کردی۔“ وہ ہنستے ہوئے بولا ”یہ معلومات حاصل ہوتے ہی میں نے اپنے آدمیوں کو تصدیق کے کام پر مامور کردیا۔ چندن کے گھر والے اندرون سندھ رہتے ہیں۔ وہ فلیٹ میں اکیلا رہتا ہے۔ جمعہ کی رات کو عمرکوٹ جاتا ہے اور اتوار کی شام کو واپس لوٹ آتا ہے کیونکہ پیر سے جمعہ تک اسے مسلسل پانچ دن دفتر جانا ہوتا ہے۔ اس کے فلیٹ میں بھی وہی سب ہوتا ہے جو رنگین مزاج اکیلے مردوں کے گھروں میں ہوسکتا ہے۔“

”اس کے معمولات بہت معقول ہیں۔“ ویرا پھر بول پڑی ”اس پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے، اس کی غیر حاضری میں فلیٹ کی تلاشی لے کر بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا ہے۔“

”یہ سب بعد میں سوچا جائے گا۔ پہلے سنی کمار کی کہانی سن لو۔“ اول خان نے ہاتھ اٹھا کر کہا ”وہ ایک ادھیڑ عمر ہندو وکیل ہے۔ نچلی عدالتوں میں فوجداری کیس لیا کرتا تھا لیکن بیمار ہونے کی وجہ سے کئی مہینوں سے دفتر نہیں آرہا۔ اس نے اپنے عملے کو چھٹی دے دی ہے اور وہ دفتر کئی مہینوں سے مقفل پڑا ہوا ہے۔“

”اسی لیے فون نمبر پر گھنٹیاں بج رہی تھیں اور جواب نہیں مل رہا تھا۔“ سلطان شاہ نے کڑی سے کڑی ملائی۔

”احمقانہ باتیں مت کرو۔“ میں نے اسے ڈانٹ دیا ”اول خان بتارہا ہے کہ وہ دفتر کئی مہینوں سے بند ہے۔ نریش اس بات سے بے خبر نہیں ہوگا۔ اس نے تین چار روز پہلے مجھے یہ فون نمبر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دفتر بند ہو یا کھلا، فون پر کسی نہ کسی سے بات ہوسکتی ہے۔“

"لیکن تم کو کوئی جواب نہیں ملا۔" سلطان شاہ نے استقامت کے ساتھ اعتراض کیا۔

"فون کے بارے میں نرلیش کی ہدایت تھی کہ اسے صرف ایمرجنسی میں استعمال کیا جائے۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "فیکس کے برعکس فون کا مسئلہ ٹیڑھا ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ میرے دیے ہوئے وقت پر کوئی جواب دیتا ہے یا گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں۔"

"اگر وہ دفتر بند ہے تو کون تمہاری کال کا جواب دے گا؟" ویرا نے پوچھا۔

"میں نے ابھی بتایا ہے کہ فون نمبر دیتے وقت نرلیش کو بھی معلوم رہا ہوگا کہ سنی کا دفتر کئی ماہ سے بند ہے۔ میں فیکس پر پیشگی بتا چکا ہوں کہ میں سات بجے فون پر رابطہ کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت کوئی نہ کوئی میری بات سننے کے لیے موجود ہو۔"

"سات بجے میرے آدمی سنی کے دفتر کی خفیہ نگرانی کریں گے۔ اگر تمہاری مجوزہ فون کال سننے کے لیے کوئی وہاں آتا ہے تو اس پر گہری نگاہ رکھی جائے گی تاکہ ضرورت پیش آنے پر اسے قانون کی آہنی گرفت میں لیا جا سکے۔" اول خان نے بتایا۔

"اگر یہ محض ایک تجویز ہے تو مجھے اس سے پورا اتفاق ہے۔" میں نے کہا "اپنے آدمیوں کو اسی وقت ہدایات دے دو۔ سات بجے چندن پر بھی نظر رکھی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہی اپنے گھر سے نکل کر سنی کے دفتر میں گھس جائے۔"

"سنی کے دفتر کے اردگرد میرے آدمی منڈلا رہے ہوں گے۔ چندن کے بارے میں، میں ابھی کہے دیتا ہوں۔" اول خان اپنی بات پوری کرکے فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

جب تک اول خان فون پر بات کرتا رہا، کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ وہ فون پر اپنے کسی آدمی کو ہدایات دے کر فارغ ہوا تو ویرا بولی "ابھی ابھی مجھے خیال آیا ہے کہ نرلیش کے دیے ہوئے نمبر پر فیکس بھیج کر تم نے ایک سنگین غلطی کی ہے۔"

غلطی کا ذکر آتے ہی اول خان ہمہ تن گوش ہوگیا "یہ قدم سب کے مشورے سے اٹھایا گیا ہے۔ اب تمہیں اس میں کیا غلطی نظر آرہی ہے۔"

"بھارتی تمہاری حکومت سے ڈینی اور مظہر خان کی گرفتاری اور حوالگی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ کل طے ہوا تھا کہ مظہر کی پاکستان واپسی سے یکسر انکار کرکے بھارت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنی قید میں موجود مظہر نامی پاکستانی کو واپس کرے یا پھر اس کی واپسی کے کوائف سے آگاہ کرے۔" ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ آں!" اول خان نے عجلت میں کہا "پوری بات کہو، تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"سرکاری طور پر تم لوگوں کا مشورہ یہی تھا کہ تمہاری حکومت مظہر کی یہاں موجودگی سے صاف انکار کردے۔" ویرا نے دوبارہ تصدیق چاہی۔

"اب آگے بھی بکو گی یا تمہاری سوئی یہیں اٹکی رہے گی۔" میں نے بھنا کر کہا۔

"سرکاری سطح پر یہ جواب دیا جا چکا ہے۔ جوابی مراسلہ پڑھ کر بھارتی سفیر بوکھلا گیا تھا۔" اول خان نے کہا۔

"اور اب ڈینی بلکہ مظہر نے فیکس بھیج دیا جو پاکستان بلکہ کراچی میں اس کی موجودگی کا کھلا ثبوت ہے۔ بھارتی اس فیکس سے پورا فائدہ اٹھائیں گے۔" ویرا نے اپنی بات پوری کرڈالی۔

اول خان کے لیے ویرا کا اٹھایا ہوا وہ نکتہ شاید بہت اہم تھا۔ اس نے ویرا کو براہِ راست کوئی جواب دینے کے بجائے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھنا شروع کردیا۔

"جب بھارتیوں کے جواب کے بارے میں بات ہو رہی تھی تو یہ نکتہ میرے ذہن میں آیا تھا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا "میں نے فیکس کا پیغام لکھتے ہوئے اس بات کو پوری طرح ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ اس میں شروع سے آخر تک کہیں بھی میرا نام نہیں ہے۔"

"میں مانتی ہوں کہ تم نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اپنا نام نہیں لکھا، خط بھی تمہاری تحریر میں نہیں ہے بلکہ ٹائپ کیا گیا ہے مگر اس کا متن صاف نشاندہی کر رہا ہے کہ خط یا فیکس کس کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔"

"فیکس اصل تحریر کی فوٹو کاپی ہوتی ہے جس کی کوئی قانونی وقعت نہیں ہو سکتی۔ بھارتی اپنے سر سے بوجھ اتارنے کے لیے خود ہی وہ پیغام ٹائپ کرکے ایک نمبر سے دوسرے کو فیکس کر سکتے ہیں اور پھر اسے ثبوت کے طور پر نچا سکتے ہیں۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا "تمہارا اندیشہ بالکل بے بنیاد ہے۔ فیکس کا سہارا لے کر پاکستان کے موقف کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو بھارتیوں کو منہ کی کھانا پڑے گی۔"

"یہ تمہاری ہٹ دھرمی اور دیدہ دلیری ہے کہ تم فیکس کی اصلیت سے منحرف ہو رہے ہو۔" ویرا نے بیزاری سے کہا۔

"بھارتیوں کی عقل پر پردہ پڑ گیا تو وہ ضرور یہ قدم
اٹھائیں گے ورنہ ایسی حماقت کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں
ہے۔ اگر ذرا سی دیر کے لیے فیکس کے استعمال کا یقین کرلیا
جائے تو وہ اس کا متن کہاں لے جائیں گے؟ اس میں صاف
لکھا ہوا ہے کہ ایک پاکستانی شخص را کا تنخواہ دار مخبر بنا ہے
اور بھارتی حکومت اچانک ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئی
ہے۔ کیا وہ یہ الزام از خود اپنے سر لے لیں گے کہ وہ جاسوسی
کرانے کے لیے پاکستانیوں کو خریدتے ہیں۔"

"یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ساری دنیا میں ایسا ہوتا
رہتا ہے۔" ویرا اپنی جگہ پر اڑی ہوئی تھی۔

"ضرور ہوتا ہے لیکن کوئی بھی حکومت بروقت اپنی ان
حرکتوں کا اعتراف نہیں کرتی۔ دس بیس برس گزرنے کے بعد
ان رازوں پر سے پردہ اٹھتا ہے کہ ماضی میں کیا کچھ ہوتا رہا
تھا۔ اس وقت گڑے مردے اکھاڑنے کا کوئی فائدہ نہیں
ہوتا۔"

"ہر ملک میں برے یا بھلے قوانین ہوتے ہیں۔" اول
خان نے میری حمایت میں کہا "ان کے تحت سرکاری رازوں
کا افشا سنگین جرم شمار ہوتا ہے۔ یہ قوانین درحقیقت ایسے
سرکاری کاموں کی بھی پردہ پوشی کرتے ہیں جو معروف معنوں
میں قابلِ تعریف قرار نہیں پاتے۔"

"میں بلاوجہ بحث میں نہیں پڑتی۔" ویرا نے اکتائے
ہوئے لہجے میں کہا "میرے ذہن میں ایک بات آئی تھی جو میں
نے تم لوگوں کے سامنے رکھ دی۔ اب اس کے فائدے اور
نقصان کا اندازہ تم کو لگانا ہے۔ مجھے ڈینی کا آج والا فیکس گلے
پڑتا ہوا نظر آرہا ہے۔"

"تم کو زیادہ ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔" سلطان
نے اس کا مضحکہ اڑایا "ڈینی اور اول خان تم سے زیادہ
سمجھ دار آدمی ہیں۔ اگر ان کی دلیلیں بھی تمہیں مطمئن نہیں
کرسکیں تو تم بے فکر ہو جاؤ۔ جو ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔"

"تمہاری کھوپڑی میں بھس بھرا ہوا ہے۔" ویرا نے اپنی
کنپٹی پر شہادت کی انگلی رکھ کر جلے بھنے لہجے میں کہا "اپنی
عقل سے کچھ نہیں سوچتے۔ جو تمہارے آقا کہہ دیں' رٹے
ہوئے طوطے کی طرح وہی دہرانا شروع کر دیتے ہو۔"

"گندم اگر بہم نہ رسد' بھس غنیمت است۔" سلطان
کو وہ ثقیل فارسی محاورہ نہ جانے کیسے یاد تھا "خدا کا شکر
ہے کہ میری کھوپڑی میں کچھ نہ کچھ تو بھرا ہوا ہے۔ تمہارا سر
تو خالی ہے۔ بغیر سوچے سمجھے ہر بات میں ٹانگ اڑانا اپنا
حق سمجھتی ہو۔"

"اب تم دونوں میں سے کوئی کچھ نہیں کہے گا۔" اول
خان نے سختی سے کہا "ہمیں ان خرافات میں وقت برباد نہیں
کرنا چاہیے۔"

ان دونوں نے کینہ توز نظروں سے ایک دوسرے کو
دیکھا لیکن اپنی اپنی زبانیں بند رکھیں۔ وہی اس وقت کی
ضرورت تھی۔

پانچ بجے اچانک جلال آ پہنچا۔ ہم پانچوں نے تحیر زدہ
خوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

"میں نیپا میں ایک اہم میٹنگ سے فارغ ہو کر واپس
جارہا تھا تو سوچا کہ راستے میں تم لوگوں سے بھی مل لوں۔"
اس نے اپنی غیر متوقع آمد کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔

"اب کورم پورا ہے۔ اچھا ہوا کہ تم آگئے۔" اول خان
نے کہا "اس وقت ہم لوگ فون اور فیکس کے چکر میں الجھے
ہوئے تھے۔"

"کسی اور موضوع پر بات چل نکلنے سے پہلے تم یہ بتاؤ کہ
سی ایس ڈی کے بارے میں کیا جانتے ہو۔" میں نے جلال
سے پوچھا۔

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "پتا نہیں
تمہیں یہ سوال کیوں یاد آگیا۔ دراصل اس وقت نیشنل
انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن میں سی ایس ڈی کے
بارے میں کچھ جاپانی افسروں سے تفصیلی بات چیت ہوئی ہے
جو میرے ذہن میں تازہ ہے۔ گاڑی میں اس اپریٹس کے
بارے میں خفیہ لٹریچر بھی پڑا ہوا ہے۔"

"نیپا میں جاپانی افسر کیا کررہے ہیں۔" ویرا نے قدرے
حیرت سے پوچھا۔

"وہ پاکستان کا قومی تربیتی ادارہ ہے۔" جلال نے اسے
بتایا "وہاں بہت سے غیر ملکی افسر بھی تربیت کے لیے آتے
رہتے ہیں۔ سینئر حکام وہاں دعوت پر لیکچر دینے آتے ہیں۔ وہ
جاپانی وہاں مواصلات کے موضوع پر تربیتی لیکچر دینے کے لیے
آئے ہوئے ہیں۔"

"یہ بات حیران کن ہے کہ آج ہی تمہیں ان سے سی
ایس ڈی کے بارے میں بات کرنے کی ضرورت پیش آگئی۔"
میں نے تعجب سے کہا۔

"جب سے مجھے اس کے بارے میں پتا چلا تھا' میں اس
کے حصول کے لیے سرگرداں تھا۔ اب ریڈ آدمی والوں سے
سی ایس ڈی بنانے کے حقوق ایک جاپانی کمپنی نے خرید لیے
تھے تو اس آلے کا حصول ذرا آسان ہو گیا ہے۔ یہ ہمارے
ملکی اور غیر ملکی دفاتر کے لیے بہت ضروری ہے۔"

"ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سی ایس ڈی را والوں کے استعمال میں ہے۔" غزالہ نے ہنس کر تبصرہ کیا۔
"ہرگز نہیں۔" جلال نے پورے وثوق سے تردید کی "پتا نہیں بدری ناتھ کو یہ آلہ کہاں سے مل گیا تھا۔"
"تم جلال سے سی ایس ڈی کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے۔" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔
"یہ بات یقینی ہے کہ سی ایس ڈی دو طرفہ ٹیلی فونک گفتگو میں کسی تیسرے فریق کی مداخلت سے بچاتی ہے لیکن نمبر ٹریس کرنے والے آلات پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"یہ بہت اچھی بات ہے کہ کوئی بھی کار آمد نکتہ تمہارے ذہن سے محو نہیں ہوتا۔" جلال نے مسکراتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ تم یہ بات نہیں بھلا سکے کہ جان نے گلشن اقبال کے اس پبلک کال آفس کا نمبر ٹریس کر لیا تھا جہاں سے تم نے اس سے بات کی تھی۔"
"اس واقعے نے مجھے بہت زیادہ محتاط بنا دیا ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔
"سی ایس ڈی ایک لاجواب ڈیوائس ہے جو ایک وقت میں صرف دو لائنوں کو ملائے رکھتی ہے جوں ہی تیسری لائن یا تیسرا سرکٹ جڑنے کی کوشش کرتا ہے' سی ایس ڈی لائن کو ڈراپ کر دیتی ہے۔ یہ اس کے کام کرنے کا اصول ہے۔" جلال نے سہل الفاظ میں اپنی معلومات کا بیان شروع کر دیا "فون کی گھنٹی بجنے پر نمبر کا سراغ لگانے کے لیے بھی کوئی نہ کوئی سرکٹ ضرور استعمال ہوتا ہے۔ یہ تین سرکٹ یک جا نہیں ہو سکتے۔"
"اس کا مطلب یہ ہے کہ نمبر کا سراغ نہیں مل سکے گا۔" میں نے اس سے یقین دہانی چاہی۔
"میں اس کا عملی مظاہرہ دیکھ چکا ہوں۔ جاپانی کمپنی نے نمبروں کا سراغ لگانے والے پیچیدہ اور بھاری آلات بنائے ہیں۔ ننھی سی سی ایس ڈی انہیں ناکارہ کر دیتی ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آج تمہیں اچانک سی ایس ڈی کی کارکردگی کی تصدیق کرنے کا خیال کیوں آگیا۔"
"سات بجے میں را کے مقامی ایجنٹ کو فون کروں گا۔ سی ایس ڈی محفوظ ہے تو یہ کام گھر سے کیا جائے گا۔ اس بارے میں مجھے ذرا بھی شبہ ہوا تو میں کسی دور افتادہ پی سی او کے استعمال کو ترجیح دوں گا۔ کوئی خطرہ ہرگز مول نہیں لوں گا۔"
"تمہاری لائن کے آدمی کو اسی قدر محتاط ہونا چاہیے۔ تم دہلی سے بلاوجہ صحیح سلامت واپس نہیں آئے۔ تمہاری غیر مبہم سوچ ہر جگہ تمہاری ڈھال بنتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم بے خوف ہو کر سی ایس ڈی کے ساتھ اپنا فون استعمال کرو۔ ویسے بھی ٹیلی مواصلات کے شعبے میں را والے امریکیوں بلکہ ہم پاکستانیوں سے بھی پیچھے ہیں۔" جلال نے خوش دلی سے کہا "وہ اپنا پورا زور لگا دیں پھر بھی تمہاری گرد کو نہیں پہنچ سکیں گے۔"
"اس وقت تم نے یہاں آکر ایک بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے ورنہ چھ بجے میں گھر سے نکل جاتا۔" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔
"تم سات بجے فون تو کر رہے ہو۔ یہ بتاؤ کہ یہ پروگرام کیسے بن گیا؟" جلال نے کہا۔
میں بولنے بھی نہ پایا تھا کہ اول خان نے اسے میرے فیکس اور اس کے بارے میں اختیار کی جانے والی جزوی احتیاطی تدابیر کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔
"ویری گڈ!" اول خان کے خاموش ہونے پر وہ تحسین آمیز لہجے میں بولا "اس سے زیادہ مکمل اور بے داغ منصوبہ بندی انسانی بساط سے باہر ہے۔"
"مگر ویرا کو کچھ اعتراضات ہیں۔" اول خان کھلے دل کے ساتھ اسے پوری طرح اپنے اعتماد میں لینے پر آمادہ تھا۔ اس نے مختصر الفاظ میں وہ باتیں دہرا دیں جن پر ویرا معترض تھی۔
"ان باتوں میں وزن ہے۔" جلال نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا "تیر ہماری کمان سے نکل چکا ہے۔ اسلام آباد میں آج صبح ہی بھارتی سفیر سے مظہر خان اور غزالہ کی بہ حفاظت واپسی کا سخت مطالبہ کیا گیا ہے۔ یہ....."
اس بار اول خان نے اس کی بات درمیان سے اچک لی اور کہا "تم نے وہ فیکس نہیں پڑھا۔ اسے پڑھ لو پھر تم کسی صحیح نتیجے پر پہنچ سکو گے۔ اس نے اپنی جیب سے تہ کیا ہوا ایک کاغذ نکال کر جلال کی طرف بڑھا دیا۔
کاغذ کھول کر جلال نے اپنی نگاہیں تحریر پر مرکوز کر دیں۔ میرا اندازہ تھا کہ اس نے خاموشی سے کم از کم دوبارہ وہ پورا مضمون پڑھا پھر بولا "تحریر بہت نپی تلی ہے۔ اس میں کہیں مظہر یا غزالہ کا نام نہیں آیا بلکہ را کی حرکتوں کی پول کھولی گئی ہے کہ وہ بھارت جانے والے پاکستانیوں کو بہلا پھسلا کر اپنے جال میں پھانستے ہیں اور پھر ان کے خلاف شور کھڑا کر دیتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ را کے بڑوں میں ذرا بھی عقل ہے تو اس فیکس کی نقل کو منظرِ عام پر لانے کی حماقت نہیں کریں

گے۔"

اول خان کھل اٹھا "ویرا کے اعتراض پر میرا اور ڈینی کا جواب حرف بہ حروف یہی تھا۔"

"نہیں ویرا!" جلال نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا "جو کچھ ہوا ہے، بالکل صحیح سمت میں ہوا ہے۔ تمہیں اپنے ساتھیوں کی فہم و فراست پر ناز ہونا چاہیے۔"

"میری بھی یہی آرزو ہے کہ سب کچھ صحیح ہوا ہو۔ مجھے ایک شبہ ہوا تھا۔ میں نے اس کی نشاندہی کردی۔ امید اب بھی یہ ہے کہ میرا شبہ غلط ثابت ہو۔"

"میں نے ان دونوں نمبروں کی چھان بین پر اپنے آدمی لگادیے ہیں۔" قدرے توقف کے بعد جلال نے بتایا۔

"میرے آدمی کسی حد تک یہ کام کر چکے ہیں۔" اول خان نے وہ وضاحت کرتے ہوئے بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدلا تھا "اس وقت میرے آدمی سنی کے دفتر اور چندن کے گھر کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی غلط فہمی میں میرے اور تمہارے آدمی آپس میں ٹکرا جائیں۔"

"اس کا امکان کم ہے۔ ایجنسیوں والے کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔ ایس ٹی ایف والے نیم فوجی تو دور سے نظر آجاتے ہیں۔" جلال نے اطمینان سے کہا پھر پوچھا "یہ سنی اور چندن کون ہیں۔ ان کے بارے میں مجھے بریف تو کردو۔"

اول خان اسے اپنے آدمیوں کی کارگزاری سے آگاہ کرنے لگا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرے کاموں میں بہ یک وقت دو ایجنسیوں کی گہری دلچسپی کسی بھی وقت کسی ناگہانی سانحے کا سبب بن سکتی تھی، اس بارے میں جلال کی خوش گمانی حقیقت سے بہت دور تھی۔

اول خان کی روداد سن کر جلال نے اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا "تمہارے سامنے شام کے سات بجے کا ٹارگٹ موجود تھا۔ تمہارے آدمیوں نے تیزی سے کام کیا ہے۔ تمہارے کیے ہوئے بندوبست کے نتیجے میں سات بجے تک بہت کچھ سامنے آجائے گا۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اپنے آدمیوں کو ہٹالینا چاہیے۔۔۔"

میں نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا اور جلدی سے کہا "باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ یہ نیک کام فوراً کر ڈالو۔ اس بارے میں تمہارا اطمینان مجھے پریشان کر رہا تھا۔"

جلال ہنستا ہوا فون کی طرف بڑھ گیا جو گوشے میں تپائی پر رکھا ہوا تھا۔

جلال کو یہ جان کر حیرت نہیں ہوئی تھی کہ وہ دونوں نمبر دو ہندوؤں کے نام پر تھے اور ان میں سے ایک بھارتی قونصل خانے کا ملازم تھا۔ فون پر اپنے کسی ماتحت سے بات کرنے کے بعد وہ دوبارہ اپنی جگہ پر آیا تو تھکی ہوئی آواز میں بولا "یہ حقیقت بہت الم ناک ہے کہ بھارتی سفارت کار زیادہ تر پاکستانی ہندوؤں کو اپنا شکار بناتے ہیں۔ وہ خود کو سیکیولر کہتے ہیں لیکن اپنے ہم مذہب پاکستانیوں کا استحصال کرتے ہیں۔ سنی شاید بچ جائے لیکن اب چندن کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔"

"اسے بھارتیوں نے زبردستی اپنے جال میں نہیں پھانسا ہوگا۔" ویرا نے سرد مہری سے کہا "آج کل کے نوجوان راتوں رات دولت مند بننے کے چکر میں برے اور بھلے کی تمیز کیے بغیر ہر کام میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ انہیں اس لالچ کے منفی پہلوؤں کا بھی علم ہوتا ہے۔ چندن کو اپنے برے انجام کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"را والے بہت کمینے ہیں۔" میں نے نفرت سے کہا "وہ لوگوں کو پھانسنے کے لیے لالچ کے ساتھ گندی بلیک میلنگ کا سہارا بھی لیتے ہیں۔ دہلی میں، میں نے بہت قریب سے ان کی ایسی حرکتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان کے پھندے میں آیا ہوا شکار بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔" میں نے اپنے ذاتی تجربے کو دانستہ مشاہدے کا نام دے دیا تھا۔

"تم نے دہلی میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے خلاف جو محاذ کھولا تھا۔ وہ بہت کامیاب رہا ہے۔" جلال نے چونک کر مجھے بتایا "بہت بڑے بڑے گھرانوں کی لڑکیاں رقص کی تربیت لینے کے لیے وہاں جاتی تھیں۔ ان میں سے کئی بے راہ رو لڑکیوں کو را کے عیاش افسروں نے تباہ کردیا۔ اخباروں نے ایسا طوفان کھڑا کیا کہ اکیڈمی کو غیر معینہ مدت کے لیے بند کردیا گیا ہے۔ خبریں ہیں کہ اکیڈمی کے معاملات کی تحقیقات کے لیے ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیشن مقرر کیا جانے والا ہے۔"

"ایک نہ ایک دن یہ ہونا ہی تھا۔ میری کوششوں سے اکیڈمی وقت سے ذرا پہلے اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اس کام میں عابد علی نے میری بہت مدد کی تھی۔ اسے میں نے مواد فراہم کیا تھا۔ اخباری مہم کی ابتدا صرف اور صرف اس کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔"

"ان تینوں کی ٹیم بہت عمدہ تھی۔ وہ پوری رازداری کے ساتھ دہلی میں اپنے کام کیے جا رہے تھے۔" جلال نے افسردگی سے کہا "عبداللہ کی شہادت سے ان کی ٹیم کمزور پڑ چکی ہے۔ اب میں عابد اور پرویز پر کئی ہفتوں تک کسی کام کا بوجھ نہیں ڈال سکوں گا۔ اس وقت ان دونوں کی اولین ضرورت صرف

اور صرف بقا ہے۔"

"موت ہر ذی روح کا مقدر ہے اور اس کا ایک وقت بھی مقرر ہے۔ یہ اپنے وقت سے پہلے آتی ہے نہ آنے میں دیر کرتی ہے۔" اول خان نے گمبھیر آواز میں کہنا شروع کیا "جب یہ باتیں اس قدر یقینی ہیں تو انسان کو ہمیشہ بہتر سے بہتر انجام کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔ اپنے ملک کے لیے شہادت کے درجے پر فائز ہونے والے خوش نصیب ہوتے ہیں ورنہ لوگ تو بستر پر لیٹے لیٹے یا حادثے میں کچل کر مر جاتے ہیں۔ میرے سینے پر بھی اپنے بہت سے بے جگر ساتھیوں کی شہادت کے داغ ہیں مگر یہ سوچ کر تسلی ہوتی ہے کہ وہ مرے نہیں، شہید ہوئے ہیں۔ یہ سوچ کر تم بھی عبداللہ کی شہادت پر صبر کرو۔ اللہ اس کے درجات بلند کرے اور اس کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"

وہ عبداللہ کے لیے دعاؤں کا اعادہ تھا مگر نا مناسب نہیں تھا۔ جلال کو اس دلاسے کی ضرورت تھی۔

غزالہ ہم سب کے لیے چائے بنا کر لائی تو جلال خوش ہو گیا۔ "یہ تم نے ثواب کا کام کیا۔ میں سات بجے ڈینی کی فون پر بات ہونے تک یہیں بیٹھوں گا۔ اس وقت مجھے چائے کی ضرورت تھی۔"

چائے کے بہانے جلال کا پروگرام واضح ہو گیا۔ اس وقت تک میں تذبذب کا شکار تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کب تک بیٹھا رہے گا۔ اس سے یہ پوچھنا مناسب نہیں تھا کہ وہ کب تک ہمارے ساتھ بیٹھا رہے گا۔

"تم چندن والے معاملے میں کچھ زیادہ دلچسپی لے رہے ہو؟" میں نے جلال سے پوچھا۔

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟" اس نے محظوظ ہوتے ہوئے ایک جوابی سوال کر ڈالا۔

"تم بہت مصروف آدمی ہو۔ اسلام آباد میں ہر وقت ...ہاری ضرورت رہتی ہے۔ اپنے شہر کو چھوڑ کر تم کراچی میں ...کے ہو تو یہاں تم کو بہت سے ضروری کام ہوں گے مگر میرے اور چندن کے درمیان ہونے والی گفتگو سننے کے لیے تم نے ہر کام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔" میں نے کہا۔

"میری ساری بھاگ دوڑ کے صرف دو ہدف ہیں۔ سی آئی اے اور را کی سرگرمیاں۔"

"مگر تم نے ہمیں امریکیوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کا ...شورہ دیا تھا۔ سی آئی اے کے خلاف تم کیا کر رہے ہو؟"

"شاید میں تمہیں اپنی بات نہیں سمجھا سکا۔ ہم سی آئی ...ے کی سازش کا توڑ کرنے کے لیے ہر ممکنہ جتن کر رہے ہیں۔

ان سے صرفِ نظر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے لیے کھلا میدان چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ یہاں جو چاہیں کرتے پھریں۔ ہمیں اپنی ریاست کے خلاف ہونے والی ریشہ دوانیوں کے تار و پود بکھیرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ ہم اس حق کو اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ استعمال کر رہے ہیں مگر امریکیوں کے ساتھ ایسے براہِ راست تصادم سے حتی الامکان گریز کر رہے ہیں جس میں ان کا خون بہنے کا امکان ہو۔ تمہیں بھی میں نے خون ریزی سے روکا ہے۔ تم نے ماجد یمنی کا ساتھی بن کر جان کی ناک توڑ دی۔ اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ وہ یہاں سے بھاگ نکلا۔"

"مجھ سے تمہارا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی تھی۔" میں نے اعتراف کیا "اب بات واضح ہو گئی ہے۔ میں کھلے دل کے ساتھ اپنے فیصلے کر سکوں گا۔"

"را کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ گھٹیا دشمن ہیں۔ میں ان سے ان ہی کی سطح پر لڑتا ہوں۔ انہیں گھیرو، رگیدو اور مار ڈالو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں بلکہ خوشی ہوگی۔ میں تو اب اس دن کے انتظار میں ہوں۔ جب عبداللہ کا ونود نامی قاتل پاکستان آئے گا۔ اس نے عبداللہ کے گردوں سے خون بہایا تھا۔ میں اس کے بدن کے ریشے ریشے سے خون کی دھاریں بہا دوں گا۔ ہم اپنے آدمیوں کے خون کا بدلہ بہت سفاکی سے لیتے ہیں۔" جلال کا لہجہ سرد اور خوف ناک ہو گیا۔

"ایسی لڑائیوں میں یہی ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ اگر مجھے تمہاری آزردگی کا پاس نہ ہوتا تو نیٹی جیٹی سے جان کی بھی لاش ہی ملتی۔"

"میں جانتا ہوں۔" اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر کہا "زخمی کر کے چھوڑنے کے مقابلے میں دشمن کو مارنا آسان ہوتا ہے۔"

"میں اس وقت تک صبر کروں گا جب تک ہمیں اپنی آسانی کے مطابق کام کرنے کا موقع نہیں مل جاتا۔"

"تم نے اب تک گرین کوبرا اور دوسری فائلوں کے بارے میں کوئی بڑی خبر نہیں سنائی۔" اول خان نے اچانک ایک نیا ذکر نکال لیا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ دہلی سے ڈینی کی نکالی ہوئی ساری فائلیں بہت اہم ہیں۔ اسلام آباد والے آنے والے کئی برسوں میں بھارت کے اس خفیہ ریکارڈ تک رسائی کے بارے میں نہیں سوچ سکتے تھے۔ یہ ڈینی کی اسی خدمت کا صلہ ہے کہ کمشنر ہاؤس میں ہونے والے اجلاس میں جان کو بری طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کسی بھی پاکستانی ایجنسی کے

نمائندے نے ڈینی کے خلاف اس کا ساتھ نہیں دیا بلکہ اصولی نکات کی آڑ لے کر ڈینی کا ساتھ دینے کی کوشش کی۔ سرکاری سطح پر یہ بہت بڑا انعام ہے۔"

"اس انعام کی بات کرو جو تم چیک کی صورت میں دے چکے ہو۔" انعام کے ذکر پر مجھے اس کا دیا ہوا چیک یاد آ گیا "اول خان اس میں سے ایک روپیا بھی لینے کا روادار نہیں ہے۔ اسے بتاؤ کہ یہ بھی اس انعام میں سے حصہ لینے کا حق دار ہے۔"

"میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم پانچوں کے ذاتی معاملات بہت نازک ہیں۔ میں ان میں دخل نہیں دوں گا۔ سرکار نے وہ رقم تمہیں سونپ دی ہے۔ اپنی صوابدید کے مطابق تم جسے چاہو اپنا حصے دار بنا سکتے ہو۔ کسی کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اگر ڈینی اس انعامی رقم کا ایک حصہ تم کو دینا چاہے تو تمہارا کیا ردِ عمل ہوگا؟" اول خان نے موقع پا کر جلال سے براہِ راست پوچھ لیا۔

"میں شکریے کے ساتھ انکار کردوں گا۔" جلال نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔

"اور اس کا سبب کیا ہوگا؟" اول خان نے اگلا سوال بھی کر ہی ڈالا۔

"میں سرکار کا باقاعدہ تنخواہ دار ہوں۔ اپنے فرائض کی بجا آوری کے لیے جو کچھ کرتا ہوں اس کے لیے بھاری ماہانہ مشاہرہ اور مراعات لیتا ہوں۔ وہ انعامی رقم ڈینی اور اس کے ان بے لوث ساتھیوں کے لیے ہے جنہیں سرکار کچھ نہیں دیتی پھر بھی وہ تن، من، دھن سے سرکار کے کاموں کو آگے بڑھانے میں لگے رہتے ہیں۔"

اول خان نے فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا "میرے انکار کی بنیاد بھی یہی ہے۔ اب تم اس موضوع پر مجھ سے کوئی بات نہیں کرو گے۔"

"تمہاری حیثیت ذرا مختلف ہے۔" جلال نے اول خان کی تردید کر کے مجھے حیران کردیا "میں نے تمہارا مقصد بھانپ لیا تھا اسی لیے میں نے اپنے واسطے باقاعدہ تنخواہ دار کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ ایس ٹی ایف کا کوئی کاغذی یا قانونی وجود نہیں ہے۔ یہ آئین سے ماورا ایک فورس ہے جسے ناگزیر ضرورتوں کے تحت کھڑا کیا گیا ہے۔ تم لوگ بے قاعدہ تنخواہ دار ہو۔ تمہارے کوئی سروس رولز ہیں نہ تمہاری ملازمتوں کو کوئی تحفظ حاصل ہے۔ کچھ پتا نہیں کہ کب ایس ٹی ایف توڑ دی جائے۔ تم لوگ کتنا ہی بڑا کارنامہ انجام دے لو، حکومت تمہیں کوئی انعام یا اعزاز نہیں دے سکتی کیونکہ تمہارے وجود سے آگے تمہاری کوئی شناخت نہیں ہے۔"

"بولو...!" میں نے اول خان کو گنگ پا کر ٹوکا "اب تم کیا کہتے ہو۔"

"میں اپنے فرض کی دنیا میں مگن رہنے والا مسلمان ہوں۔" اس نے قدرے توقف کے بعد کہا "مجھے کسی انعام کی فکر ہے نہ اعزاز کی تمنا۔ جب تک ایس ٹی ایف قائم ہے اور مجھے کسی سیکرٹ فنڈ سے تنخواہ مل رہی ہے، میں باہر سے ایک پیسا بھی قبول نہیں کروں گا۔"

"یہ ایک مسلمان اور پٹھان کے الفاظ ہیں۔" جلال نے مجھ سے کہا "اب تم واقعی کچھ نہ کہنا۔"

"اب بولنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔" میں نے اپنے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھ لی۔ جلال کے سامنے اس بارے میں کھلی کھلی بات کر کے میرے ذہن سے بوجھ اتر گیا تھا۔

"فائلوں کا ذکر پھر درمیان میں رہ گیا۔" چند ثانیوں کے وقفے کے بعد اول خان نے جلال کو یاد دلایا۔

"وہ فائلیں واقعی بہت اہم ہیں اور متعلقہ افراد اور ادارے ان پر کام کر رہے ہیں۔ میں بھارت سے لائے ہوئے اس ریکارڈ کا امین تھا۔" جلال بتانے لگا "میں نے وہ امانت جوں کی توں آگے بڑھا دی۔ حکومتوں میں فردِ واحد کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ افراد کی متعدد ٹیمیں مل کر کسی بھی نظام کو چلاتی ہیں۔ پاکستان میں بھی یہی ہوتا ہے۔ میں نے اپنے حصے کا کام پورا کردیا۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ ان فائلوں پر کیا کام ہو رہا ہے۔ جیسے جیسے اوپر سے نئے احکام آئیں گے، اندازہ ہوتا جائے گا کہ فائلوں میں کیا تھا۔ مجھے چند موٹی موٹی باتوں کا علم ہے کہ نیپال پر بھارت کی بُری نظر ہے۔ وہ وہاں کے شاہ کو مروا کر اپنی پسند کے مہروں کو اقتدار میں لانا چاہتا ہے تاکہ نیپال کو اپنی طفیلی ریاست بنا لے۔ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کے خلاف وہ اسرائیل کے تعاون سے بیک وقت کئی منصوبوں پر کام کر رہے ہیں۔ پاکستان میں قوم پرستی کے رجحانات کو بھڑکانے کے لیے بے دریغ سرمایہ اور ہتھیار فراہم کر رہے ہیں۔ گرین کوبرا فائل میں بھارت کے ان تمام گھناؤنے منصوبوں کے بلیو پرنٹ موجود ہیں۔ جلد ہی ہمیں معلوم ہوجائے گا کہ ہمیں کہاں کیا کرنا ہے۔"

"یہ سب مستقبل کی باتیں ہیں۔" میں نے مزاحیہ انداز میں کہا "آج کی حقیقت یہ ہے کہ ہم چندن مہاراج کے فراق میں بیٹھے ہیں۔"

”اس سے تم کن خطوط پر بات کرو گے؟“ جلال نے بے تکلفی سے پوچھا۔

”شروع سے آخر تک مظلوم مظہر بنا رہوں گا۔ اسے یقین دلانا چاہوں گا کہ میں پورے خلوص کے ساتھ اس کے لیے کام کرنے پر آمادہ ہوں مگر شرط یہ ہے کہ میرے خلاف بنی ہوئی معاندانہ فضا کو صاف کیا جائے۔ یہ کام دہلی والے کر سکتے ہیں۔“ میں نے اپنے منصوبے کا خلاصہ پیش کر دیا۔

”کاش میں تمہارے ساتھ اس کی گفتگو بھی سن سکتا۔“ جلال نے حسرت سے کہا۔

”بلکہ ہم سب سن سکتے ہیں۔“ اول خان نے خوش ہو کر کہا ”ایسے مواقع کے لیے یہاں اسپیکر فون بھی موجود ہے۔“

”ویری گڈ۔ اس کی باتیں اسی کی زبان سے سننے میں مزہ آئے گا اور آج میں پہلی بار خود بھی سنوں گا کہ ڈینی کی... قلابازیاں کیا ہوتی ہیں۔“ جلال مسرت سے بولا۔

”ہرگز نہیں۔“ میں نے بوکھلا کر ان دونوں کی مخالفت کی ”کسی کو ذرا سی بھی چھینک یا کھانسی آگئی تو وہ بھڑک جائے گا۔ یہ اس سے میرا پہلا رابطہ ہے۔ اگر آج اسے میری نیت پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا تو یہ سلسلہ یہیں ختم ہو جائے گا۔“

”اس کی تم فکر نہ کرو۔ ہم اپنے گلے گھونٹ لیں گے، کوئی آواز نہیں نکلنے دیں گے۔“ ویرا بھی جوش میں آگئی۔

”نہیں!“ میں نے بے بسی سے کہا ”تم لوگ بلاوجہ جذباتی ہو رہے ہو۔ ذرا سی گڑبڑ سارا کام بگاڑ دے گی۔“

”ڈینی!“ جلال نے براہِ راست مجھے مخاطب کیا ”میں ذمے داری لیتا ہوں۔ کوئی مداخلت یا گڑبڑ نہیں ہوگی۔ تم اسپیکر فون منگوا لو۔“

”جب سب لوگ وعدے کر رہے ہیں تو آپ کیوں اڑے ہوئے ہیں۔“ غزالہ نے ان لوگوں کی سفارش کی ”اس کے باوجود کچھ ہو ہی جاتا ہے تو اسے بھی سنبھال لیا جائے گا۔ چندن ہماری نظروں میں آچکا ہے۔ وہ بچ کر کہاں جائے گا۔“

میں ان لوگوں کو اسپیکر فون کے استعمال سے باز رکھنے کے لیے جو کچھ کہہ رہا تھا وہ غلط نہیں تھا مگر میرے انکار کا اصل سبب یہ تھا کہ کہیں دورانِ گفتگو چندن اس ویڈیو فلم کا تذکرہ نہ نکال لے جس کے فیتے پر میری اور رینا اجیت رائے کی خلوت کی کہانی تحریر تھی۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اس فلم کو نریش کے دفتر میں نذرِ آتش کر دیا تھا مگر را والے مسلسل اس فلم کی موجودگی پر مصر تھے اور مجھ پر دباؤ ڈالنے کے لیے گاہے گاہے اس کے حوالے دیتے رہے تھے۔ چندن اس بھری محفل میں وہ ذکر چھیڑ دیتا تو بعد میں میرے لیے وضاحتیں کرنا دشوار ہو جاتا۔

میرے خلاف وہ سب یک زبان ہو چکے تھے۔ ایک سلطان شاہ خاموش تھا لیکن اس بشرے پر پھیلے ہوئے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی ان ہی کے ساتھ تھا۔ میں نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے اور سلطان شاہ نے لمبے تار سے جڑا ہوا اسپیکر فون کونے سے اٹھا کر میرے قریب والی چھوٹی میز پر رکھ دیا۔

”تم لوگوں کے پاس ضرورت کی ہر چھوٹی بڑی چیز موجود رہتی ہے۔ تمہارے کام کرنے کے سمٹے سمٹائے طریقوں سے میرا دل بہت خوش ہوتا ہے۔“ جلال نے جاپانی اسپیکر فون سیٹ اٹھا کر اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے بات اسپیکر فون تک آگئی ہے تو ہمیں ڈینی اور چندن کی باتیں ریکارڈ کرنے کا بندوبست بھی کر لینا چاہیے۔“ ویرا نے تجویز پیش کی ”یہ ٹیپ بعد میں چندن کے خلاف کام آسکتا ہے۔ تمہیں ثبوت حاصل کرنے کا یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے۔“

اول خان نے میری طرف دیکھا اور کہا ”تم سی ایس ڈی استعمال کرو گے۔ کیا ریکارڈنگ ممکن ہوگی؟“

”ہمیں ٹیلی فون لائن سے براہِ راست ریکارڈنگ کی ضرورت نہیں۔“ ویرا کے ذہن میں تجویز موجود تھی ”سلطان شاہ کے کمرے میں ٹیپ ریکارڈر موجود ہے جس پر یہ دن رات پشتو گانے سنتا رہتا ہے۔ اسپیکر فون کی آوازیں اس پر صحیح ریکارڈ ہو جائیں گی۔“

”تمہارے کمرے میں بھی ٹیپ ریکارڈر موجود ہے۔“ سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا ”تم اس پر اداس غزلیں سن کر روتی رہتی ہو۔ وہ کیوں نہیں لے آتیں!“ جلال کی موجودگی کی وجہ سے سلطان شاہ اپنے ردِ عمل کے اظہار میں بڑی حد تک محتاط رہا تھا۔

”دونوں میں سے کوئی بھی ٹیپ ریکارڈر آجائے گا۔“ بات بڑھتی ہوئی محسوس کر کے غزالہ نے مداخلت کی ”اس نکتے پر بحث غیر ضروری ہے۔“

بھارتی سرزمین پر اپنے خون کے پیاسوں کی بھیڑ میں رہ کر را کے خلاف کام کرنے کے تجربات بہت سنسنی خیز اور روح فرسا تھے۔ وہاں صحیح کام کرتے ہوئے بھی مجھے نتائج کا یقین نہیں ہوتا تھا۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کسی بھی لمحے کوئی گڑبڑ ہوگی اور ساری بساط سمٹ جائے گی۔ میں دہلی میں ہر قدم اپنی آخری بازی سمجھ کر اٹھاتا تھا اور مثبت نتائج کسی

اگلے کام کے لیے حوصلہ بڑھادیتے تھے لیکن اپنے شہر اور اپنے گھر میں بیٹھ کر را کے کارندوں کے خلاف سوچنے اور کام کرنے کی بات ہی مختلف تھی۔

میرے ذہن میں چندن سے گفتگو کا ایک مبہم سا خاکہ موجود تھا مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ میری اور اس کی گفتگو ان ہی خطوط پر جاری رہتی۔ سارا انحصار اس کے رویے پر تھا۔ وہ اپنے مقاصد کے پیش نظر کسی بھی رخ پر بات چیت کر سکتا تھا۔ میرے اور اس کے مفادات متصادم تھے۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ مجھے شدید دباؤ کا احساس دلانے کے لیے ہر اس منفی بات کا ذکر کرتا جو میرے خلاف جاسکتی تھی۔ اس میں میری اور رینا کی آتش زدہ ویڈیو فلم سرفہرست تھی۔

وہ فلم نریش کے شیطانی منصوبے کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی اور بلاشبہ نہایت شرمناک رہی ہوگی۔ یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ میں عابد علی کے ساتھ اس فلم تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا تھا اور پھر اسے نریش کے دفتر کی آگ میں جلا دیا تھا۔ دہلی میں میرے قیام کے آخری لمحات تک را والوں نے اس فلم کی تباہی کو مجھ سے چھپایا اور مجھے اس کی تشہیر کی دھمکیاں دیتے رہے۔ میں ان کی وہ گیدڑ بھبکیاں سن کر سہمنے کی اداکاری کرتا رہا۔ میں ان مردودوں کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میں نے ان کے دفتر میں نقب لگا کر اپنے ہاتھوں سے وہ فلم تباہ کردی تھی۔ انہوں نے اپنا بھرم برقرار رکھنے کی ناکام کوشش کی اور میں دانستہ خاموش رہا۔

وہ دہلی کی گھاتیں اور باتیں تھیں۔ نریش جہنم واصل ہوچکا تھا اور کراچی میں میرا واسطہ چندن سے پڑنے والا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ نریش نے اسے میرے بارے میں ہر بات بتا دی ہو مگر ویڈیو فلم والا معاملہ بہت اہم اور کلیدی نوعیت کا تھا۔ میں اس خوش فہمی کا شکار نہیں ہوسکتا تھا کہ چندن اس معاملے سے بے خبر ہوگا اور دوران گفتگو سرے سے اس کا ذکر نہیں آئے گا۔ را والوں کی دانست میں وہ ان کا ٹرمپ کارڈ تھا جس کے ذریعے وہ مجھے ہر لمحے زیر کرسکتے تھے۔

ان سب نے یک زبان ہو کر مجھے اسپیکر فون استعمال کرنے پر مجبور کردیا تھا اور میرا ذہن اپنی اس ناموجود فلم میں اٹک کر رہ گیا تھا جس کا حوالہ چندن کی زبان سے متوقع تھا۔

وہ فون پر اس فلم کے بارے میں کیا کچھ کہہ سکتا تھا۔ ان باتوں کو سن کر میرے ساتھیوں کے ذہنوں میں کیسے کیسے زہریلے سوال ناگوں کی طرح پھن کاڑھ کر ابھر سکتے تھے۔ میں ان کے جواب میں کیا کچھ کہہ سکتا تھا۔ میرا ذہن مسلسل ان ہی نکات میں الجھا رہا۔ اس دوران میں سلطان شاہ اپنے کمرے سے ٹیپ ریکارڈر اٹھالایا تھا۔

وہ لوگ پورے جوش و خروش سے اپنا ساؤنڈ ریکارڈنگ سسٹم جما رہے تھے۔ جلال نے اسپیکر فون پر اپنے کسی آدمی سے کچھ باتیں کیں۔ وہ گفتگو ریکارڈ کر کے بعد میں ٹیپ سنا گیا تاکہ آواز کی کوالٹی کا اندازہ لگایا جاسکے۔ وہ سب ان کاموں میں لگے ہوئے تھے اور میں خاموش بیٹھا اپنے خیالوں میں گم تھا۔

اپنے انہماک میں دوسروں نے میری طرف توجہ نہیں دی لیکن ویرا ہریل میرے طور طریقوں پر گہری نگاہ رکھتی تھی۔ سلطان شاہ کے کیسٹ ریکارڈر پر اسپیکر فون کی آوازوں کی ریکارڈنگ کے نتائج سننے کے بعد اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "کیا بات ہے؟ تم اچانک خاموش ہوگئے ہو۔ کیا ہماری کسی بات سے تمہیں صدمہ پہنچا ہے۔"

"ایک چھوٹے سے کام میں اتنے اہم افراد لگے ہوئے ہیں۔ میری کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے خاموشی سے الگ تھلگ بیٹھا ہوا ہوں۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ صرف خاموشی نہیں، کوئی اور بات ہے۔" اول خان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "جب سے اسپیکر فون کی بات ہوئی ہے، تم کو چپ لگ گئی ہے۔"

"مجھے اندازہ ہے۔" جلال نے صوفے پر نیم دراز ہو کر سگریٹ کا کش لیتے ہوئے تبصرہ کیا "وہ آگ اور خون کی ہولی تھی۔ دہلی میں ڈینی کا ایک ایک لمحہ تلوار کی تیز دھار پر گزرا تھا۔ کئی مواقع پر میرے آدمی اس کی زندگی سے مایوس ہوگئے تھے۔ ایسے روح فرسا حالات میں انسان اپنی بقا کے لیے جھوٹ اور سچ کے نہ جانے کیسے کیسے پاپڑ بیلتا ہے۔ اپنے دشمنوں کا اعتماد جیتنے کے لیے ڈینی کو ہم سب کے خلاف نہ جانے کیا کیا زہر اگلنا پڑا ہوگا۔ اس کی خلوتوں میں را کی بھیجی ہوئی حسین اور بے باک لڑکیاں آئی ہوں گی اور اسے ان کو یقین دلانا پڑا ہوگا کہ یہ ان کے رجھانے میں آگیا ہے۔ حسن جب کھلی ہوئی فیاضیوں پر اتر آئے تو تھوڑی دیر کے لیے پارسا بھی اپنی پارسائی بھول کر درندوں کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ ڈینی توان کے چنگل میں پھنسا ہوا ایک مجبور اور محصور قیدی تھا جو اپنی زندگی اور آزادی کی جنگ لڑ رہا تھا۔ وہ سب بڑی ناگفتہ کہانیاں ہوں گی، پتا نہیں چندن کو اس کے بڑوں نے کیا کچھ بتایا ہوا ہے۔ وہ گفتگو کے دوران میں ان میں سے کوئی بھی بات چھیڑ سکتا ہے۔ شاید ڈینی کو یہی فکر کھائے

جا رہی ہے۔"

جلال کی باتیں میرے لیے بہت حوصلہ افزا تھیں۔ وہ آئی بی کا ایک باراں دیدہ اور سمجھ دار افسر تھا۔ حالات اور ان کی پیدا کی ہوئی مجبوری کا صحیح ترین ادراک رکھتا تھا۔ اس نے میرے دل میں پلنے والے اندیشوں کو اپنی زبان پر لاکر میری تشویش میں بڑی حد تک کمی کردی تھی مگر میں ویرا اور غزالہ کی موجودگی میں کھل کر یہ اعتراف نہیں کرسکتا تھا کہ جلال نے میری دکھتی ہوئی رگوں کی صحیح نشان دہی کی ہے۔ میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "یہ چھوٹی موٹی باتیں بھی میرے لیے پریشان کن ہیں لیکن میری خاموشی کا سبب عبداللہ کی موت ہے۔ مجھے اچانک اس کا خیال آگیا تھا۔"

"یہ ہم سب کے لیے مشکل اور اہم وقت ہے۔ اس کی باگیں تمہارے ہاتھ میں ہیں۔" جلال نے سیدھا ہو کر کہا "اس وقت اپنے ذہن سے ہر بات جھٹک دو اور اپنی پوری توجہ چندن پر مرکوز رکھو۔ میری خواہش ہے کہ تم اس سے شیر ہو کر بات کرو۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ اس کی کہی ہوئی چھوٹی موٹی باتوں پر ہم میں سے کوئی تم سے ذاتی نوعیت کے سوال نہیں کرے گا۔"

وہ اپنے کام میں بہت ہوشیار تھا۔ مجھ سے عام سی گفتگو کررہا تھا لیکن اس کے نپے تلے فقروں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ میرے مسئلے کی تہ تک پہنچ گیا تھا اور رواروی کا انداز اختیار کرکے مجھے بنیادی یقین دہانیاں کرا رہا تھا۔

"ہاں یہ ہمارا وعدہ ہے!" اول خان اور سلطان شاہ نے یک زبان ہو کر جلال کی تائید کی۔

"اور تم دونوں کا کیا خیال ہے؟" جلال نے باری باری غزالہ اور ویرا کی طرف دیکھا۔

"میں دہلی میں ان کے ساتھ تھی۔" غزالہ نے بردباری سے جواب دیا "ان کے کرب کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کی مجبوریاں میرے سامنے تھیں۔ رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ کے جیتے جاگتے فتنے میری نظروں کے سامنے ناچتے پھرتے تھے۔ میں کوئی ناروا سوال کرکے ان کے دل کو ٹھیس پہنچانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔"

"اور تم!" اس بار جلال کی چبھتی ہوئی نظریں ویرا کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

"میں کسی کی دل آزاری نہیں چاہتی اور ڈینی تو مجھے بہت ہی عزیز ہے۔ یہ بات سب جانتے ہیں۔" ویرا نے کھل کر کوئی وعدہ کرنے کے بجائے گول مول سا جواب دیا۔

اس گفتگو اور وعدے وعید کی کوئی عملی اہمیت رہی ہو یا نہ رہی ہو' اتنا ضرور ہوا کہ میرے سر پر سوار بوجھ ہلکا ہوگیا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا چلا جارہا تھا' تیاریاں مکمل تھیں۔ چائے کا دوسرا دور چلا اور پھر فیصلہ کن گھڑی سر پر آگئی۔

جلال اضطراب کی سی کیفیت میں تھا۔ سات بجتے ہی اس نے اپنی ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر نئی سگریٹ سلگائی تاکہ میری اور اس کی گفتگو کے دوران جلال کو

ماچس پر دیا سلائی رگڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔
میں نے اسپیکر فون کا بٹن آن کر کے نریش کا دیا ہوا فون نمبر ملانا شروع کر دیا۔
پہلی گھنٹی بجتے ہی دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا اور ڈرائنگ روم کی فضا میں بھاری اور گمبھیر ہیلو گونج اٹھی۔ سنی کے مقفل دفتر سے آنے والی وہ اجنبی آواز سن کر سب پر جوش نظر آنے لگے۔
"میں مظہر بول رہا ہوں... مظہر خان۔ تم کون ہو؟" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔
"میں وہی ہوں جس سے تم بات کرنا چاہ رہے ہو۔ تم کہاں چھپے ہوئے ہو؟ تمہارا کہیں پتا نہیں ہے۔" دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ سخت ہو گیا۔
"میں دہلی میں تھا تو سکون سے تھا۔ یہاں آیا ہوں تو زمین اور آسمان میرے دشمن ہیں۔ ہر ایک میرے خون کی بُو پر لگا ہوا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ دہلی والوں نے میرا کون سا قصور پکڑ لیا ہے کہ ایک دم میرے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا دی ہے۔ میری نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔"
"قانون سے بھاگنے والوں کو روئے زمین پر کہیں بھی سکھ، چین اور قرار نہیں ملتا۔ اسی وقت اپنی روپوشی ختم کر دو اور خود کو قانون کے حوالے کر دو...."
"مگر کیوں؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر مضطربانہ لہجے میں پوچھا "میرا قصور کیا ہے؟ میں نے کیا جرم کیا ہے؟"
"تم دہلی سے اچانک غائب ہو گئے تھے؟" سرد لہجے میں سوال کیا گیا۔
"میں پاکستان آیا ہوں۔ میں نے نریش کو بتا دیا تھا۔ خود وہ بھی چاہتا تھا کہ میں جلد از جلد پاکستان واپس آ کر تمہارے ساتھ کام شروع کروں۔"
"سب کچھ صحیح ہے مگر تم کسی سے مل کر یا کسی کو بتا کر نہیں آئے۔ تم نے کسی چور اور مجرم کی طرح اچانک ہوٹل چھوڑ دیا۔"
"مجھے کسی کا پتا نہیں تھا۔ میرا دل گھبرایا اور میں نے ہوٹل چھوڑ دیا۔ صبح کی پہلی ٹرین سے ہم روانہ ہو گئے۔"
"تم کو معلوم ہے کہ دہلی میں اسی رات نریش اور رانل کو مار دیا گیا!" آواز میں کوڑے کی سی مار عود کر آئی تھی۔
"معلوم ہے!" میں نے رو دینے والی آواز میں کہا "مگر میرا اس سے کیا واسطہ؟ وہ دونوں خود ہی پکڑ پکڑ کر مجھے بلواتے تھے۔ میں ایک بے قصور اور شریف آدمی ہوں...."
"زیادہ مظلوم بننے کی کوشش مت کرو۔" اس نے غرا کر میری بات کاٹ دی "امرتسر اور اٹاری میں چھان بین کی گئی تھی۔ وہاں ہمارے آدمی تمہارے منتظر تھے مگر تم کہیں نظر نہیں آئے۔ تم کس راستے سے سرحد پار نکلے تھے؟"
"اور کون سا راستہ تھا میرے پاس؟ میں اٹاری سے لاہور پہنچا تھا" میں نے تحیر زدہ سادگی سے کہا۔
"تم جھوٹے ہو۔ ہمارے کارندے اتنے اندھے نہیں ہو سکتے کہ تم دونوں کو نہ پہچانتے۔ ان میں سے دو نے تم کو دہلی میں دیکھا ہوا تھا۔"
"مجھ پر الزام تراشی مت کرو۔" میں نے لجلجاتی ہوئی آواز میں کہا "تم میرا پاسپورٹ دیکھ سکتے ہو۔ اس پر اٹاری سے نکاسی کی مہر ہے۔"
"تم مسلسل روپوش ہو۔ جب تک سامنے نہیں آؤ گے، یہ تصدیق نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ خود کو مقامی قانون کے حوالے کر دو۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"
"مجھ پر ایسے بھیانک الزامات ہیں کہ پولیس کے تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"
"وہ تمہیں نہیں مار سکتے۔ جب تک ہمارے دو آدمیوں کا اصل قاتل نہیں ملتا، تم زندہ رہو گے۔"
"پولیس والے زندگی کو جہنم بنا دیتے ہیں۔ ان کا قیدی مر جانا چاہتا ہے لیکن موت اس سے کوسوں دور بھاگتی ہے۔ تم مجھے بہلانے پھسلانے کی کوشش نہ کرو۔ میں نے دہلی میں بھی بہت مار کھائی ہے۔ اب مجھ میں اور زیادہ پٹنے کی سکت نہیں ہے۔"
"اس وقت تم کہاں روپوش ہو؟" قدرے توقف کے بعد سوال کیا گیا۔
"یہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے نریش سے ایک مہینے کی تنخواہ لے کر میں نے اپنی زندگی اسے بیچ دی تھی۔ ڈراؤنی موت کے خوف سے میری رات کی نیندیں اڑ گئی ہیں۔"
"تم حالات کا شکار ہوئے ہو۔" اس بار بولنے والے کا لہجہ قدرے ہمدردانہ ہو گیا تھا "اگر تم بے قصور ہو تو تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔ تم پولیس کے پاس جانے سے ڈر رہے ہو تو اپنا پاسپورٹ لے کر کسی بڑے اخبار کے دفتر میں چلے جاؤ اور خفیہ معاملات کے سوا انہیں ہر بات بتا دو...."
"اس سے تمہیں کیا حاصل ہو گا؟ میری شامت آ جائے گی۔ بہت سے اخبار والے پولیس سے بھتا لیتے ہیں اور ان کے لیے مخبری کرتے ہیں۔ میں کسی غلط آدمی سے ٹکرا گیا تو اخبار میں میری سنائی ہوئی کہانی کا ایک لفظ بھی نہیں آئے گا،

میں مفت میں دھر لیا جاؤں گا۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔" اس بار وہ جھلا گیا "اس وقت کسی نہ کسی طرح یہ بات ظاہر ہونا ضروری ہے کہ تم زندہ ہو اور پاکستان میں ہو۔ باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔"

وہ مجھے پرانی کاروں کا ایک سادہ لوح تاجر سمجھ کر چالاک بننے کی کوشش کر رہا تھا مگر میں اس کی مکاری سمجھ رہا تھا۔ وہ کراچی میں بیٹھا ہوا کوئی مقامی ہندو تھا مگر اس کے قونصل خانے کے دہلی کے حکمرانوں کے ساتھ گہرے روابط تھے۔ اسے معلوم تھا کہ مظہر کے بارے میں پاکستان نے بھارت سے جوابی مطالبہ کردیا تھا جس کا بھارتی حکمرانوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ مجھے پیش کرسکتے تھے نہ ان کے کسی ریکارڈ میں میری واپسی کا اندراج تھا۔ اس وقت ان کے لیے ساری اہمیت اس بات کی تھی کہ پاکستان میں میری موجودگی ثابت کی جاسکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ نامعلوم شخص مجھے کراچی پولیس یا کسی اخباری دفتر سے رجوع کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ کسی بھی ذریعے سے ایک بار یہ خبر سامنے آجاتی کہ میں کراچی میں موجود تھا تو بھارتیوں پر آیا ہوا شدید سفارتی دباؤ یک لخت ختم ہو سکتا تھا۔

اس نے باتوں ہی باتوں میں مجھ سے میری واپسی کا راستہ پوچھ لیا تھا۔ میں اس کے ہر ٹیڑھے کا سوال کا سیدھا جواب دینے کے لیے تیار تھا۔ اس نے میرے دعوے کے جواب میں یہ انکشاف کرکے مجھے حیران کردیا تھا کہ جب میں امرتسر میں بنگو کا مہمان بنا ہوا تھا تو را کے ایجنٹ اٹاری سے واپس جانے والے پاکستانیوں کی بھیڑ میں میری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ اگر میں نے سرحد پار کرنے کے لیے بھول کر بھی اٹاری کا رخ کیا ہوتا تو وہاں موجود بھارتی گدھوں کے چنگل میں پھنس گیا ہوتا۔

"میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔" میں نے مصالحانہ لہجے میں کہا "تمہارے لیے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ پتا نہیں تم مجھے اپنے کس کھیل میں ایک مہرے کی طرح استعمال کرنا چاہ رہے ہو۔ مجھے اپنی جان بہت عزیز ہے۔ میں اپنے رشتے داروں کی پناہ میں زیادہ محفوظ ہوں۔ مجھے کچھ دن سکون سے گزار لینے دو۔"

"پھر تم نے مجھے فیکس پر اپنی فریاد کیوں بھیجی تھی؟" دوسری طرف سے غرا کر سوال کیا گیا۔ سوال سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بولنے والا چندن تھا۔

"میرا خیال تھا کہ یہ سارا چکر شاید کسی غلط فہمی کی وجہ سے چل رہا ہے۔ میں تم سے رجوع کروں گا تو میرا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"میں تمہیں حل بتا رہا ہوں مگر تم اپنی احمقانہ ضد پر اڑے ہوئے ہو۔"

"تمہارے بتائے ہوئے حل پر میرا دل نہیں ٹھک رہا۔ اس وقت میں سامنے آیا تو مارا جاؤں گا۔"

"تم کو مجھ پر بھروسا ہونا چاہیے۔ میں تمہیں غلط مشورہ نہیں دے سکتا۔" اس نے زور دے کر کہا۔

"میں نے کہا ناکہ تمہاری نیت پر مجھے شک نہیں ہے۔ بس میرا دل نہیں مان رہا۔"

"تو کان کھول کر سن لو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ میرا حکم ہے۔ اب مشورہ نہیں رہا۔"

"میں تمہارے ہر حکم پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم لوگوں سے پیشگی رقم لے چکا ہوں لیکن پہلے اپنی چمڑی بچاؤں گا۔"

"میں تمہیں چوبیس گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں۔" بولنے والے کی آواز سرد اور تحکمانہ ہوگئی "تم نے چوبیس گھنٹوں میں اپنی روپوشی ختم نہ کی تو تمہارا حشر خراب کردیا جائے گا۔"

"افہام و تفہیم کے بجائے اب تم دھمکیاں دینے پر اتر آئے ہو۔" میں نے رو دینے والی آواز میں شکوا کیا۔

میرے بزدلانہ خوف کا اندازہ کرکے وہ شیر ہوگیا "بس چوبیس گھنٹے۔ یہ یاد رکھنا۔ کل شام سات بجے تک تم منظرِعام پر نہ آئے تو تمہاری اور رینا کی وڈیو فلم کی سیکڑوں نقلیں کراچی کی دکانوں میں پھیلا دی جائیں گی۔ اس کے بعد کے ہولناک نتائج کا تم اندازہ کرسکتے ہو۔"

"نہیں۔ تم ایسا نہیں کرو گے۔ تم کیوں مجھے تباہ کرنے پر تل گئے ہو۔"

"یہ بات تمہیں دہلی میں بتا دی گئی تھی۔ ان لوگوں کو

معلوم تھا کہ رقم لینے والے سرحد پار کرنے کے بعد اپنے وعدوں کو بھول جاتے ہیں۔ ہم ہمیشہ اپنے آدمیوں کا حافظہ تازہ کرنے کا بندوبست رکھتے ہیں۔ تم نے جب بھی میرے کسی حکم سے سرتابی کی، فلم کی تشہیر تمہارا مقدر بن جائے گی۔"

"کچھ دن گزر جانے دو۔ یہ دھول بیٹھ جائے گی تو میں خود بخود سامنے آجاؤں گا۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"ہرگز نہیں۔ ہم احمق نہیں ہیں کہ تمہاری سہولت کے وقت کا انتظار کریں گے۔ چوبیس گھنٹے بعد فلم بازار میں آجائے گی۔ اسی کے ساتھ ہی ہمارے آدمی تمہاری تلاش میں نکل پڑیں گے۔ یہ نا سمجھنا کہ میرے حکم کے سرتابی کرکے تم زیادہ دیر روپوش رہ سکو گے۔ میرے آدمی تمہیں تمہاری کمین گاہ سے نکال کر کسی گندے تھانے کے سامنے ڈال دیں گے۔"

"میں اخبار پڑھتا رہا ہوں۔ تم لوگوں کی اصل دشمنی کسی ڈینی سے ہے۔ تمہیں اس کی تلاش تھی۔ دہلی والے بلاوجہ میرے پیچھے کیوں لگ گئے ہیں؟"

"اتنی دیر میں تم نے پہلی بار ڈھنگ کی کوئی بات کی ہے۔" میرے سوال پر اس کے لہجے میں یکایک تبدیلی اور نرمی آگئی "ڈینی اوّل درجے کا حرامی اور کتے کا پلا ہے۔ دہلی میں سارا گند اسی کا پھیلایا ہوا ہے۔ یہ تمہاری بدنصیبی ہے کہ جس وقت وہ دہلی کی ایک بستی میں خون ریزیاں کررہا تھا، اسی وقت تم دہلی چھوڑ رہے تھے۔ وہ پاکستانی ہے۔ تم بھی پاکستانی ہو۔ شبہات کا رخ تمہاری طرف ہوگیا۔ میں تم کو یقین دلا رہا ہوں کہ یہ عارضی حالات ہیں۔ وقت کے ساتھ تمہیں ہر پریشانی سے نجات مل جائے گی۔"

"جب تک ڈینی ہاتھ نہیں آئے گا، میرے سر پر تلوار لٹکتی رہے گی۔" میں نے بے یقینی سے کہا۔ اس کی دی ہوئی گالیوں کو میں نے خندہ پیشانی سے نظرانداز کردیا تھا جس پر جلال کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہوگئی تھیں۔

"اس کا وقت پورا ہوچکا ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ کون کون اس کا پیچھا کررہا ہے۔"

اس مرحلے پر جلال سے صبر نہ ہوسکا، اسپیکر فون آن ہونے کی وجہ سے وہ مجبور تھا اس لیے ہاتھوں کے تیز اشاروں اور لبوں کی خاموش جنبشوں سے مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس وقت میرا ذہن اپنی اور اس کی گفتگو پر مرکوز تھا۔ جلال کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔

"تمہارے ہر مشورے پر میرا دل ڈوب رہا ہے۔ تم مجھے کہیں مروا دو گے۔"

"یہ تمہارا وہم اور اندر کا خوف ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔" بولنے والے کی آواز مزید نرم اور ناصحانہ ہوگئی۔ اپنے شکار کو شیشے میں اترتا ہوا محسوس کرکے اس نے مفاہمت کی راہ اپنالی تھی۔

"وقت کم ہے۔ مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو۔" میرا وہ جواب سنتے ہی جلال مسرت سے اپنی جگہ پر اچھل پڑا۔ اس کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا تھا۔ شاید وہ اپنے مضطربانہ اشاروں سے مجھے وہی بات سمجھانا چاہ رہا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "چوبیس گھنٹے کا وقت بہت کم ہے۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ تم دلدل میں دھنستے چلے جاؤ گے۔ تم جتنی جلد فیصلہ کرلو، تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں تمہیں چوبیس کے بجائے اڑتالیس گھنٹے دے سکتا ہوں۔"

حقیقت یہ تھی وقت اسی کے لیے سب کچھ تھا۔ میرے لیے اس کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ اس کا نام اور پتا میری نظروں میں آچکا تھا۔ ایس ٹی ایف کے مستعد آدمی دونوں پتوں کی نگرانی کررہے تھے۔ میری وہ فون کال ختم ہونے کے بعد ذرا سی دیر میں علم ہوجاتا کہ سنی کمار کے مہینوں سے مقفل دفتر میں اس شام کون داخل ہوا تھا۔ اس کا مسلسل تعاقب جاری رہتا۔ جوں ہی ہم اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتے، اول خان یا جلال کے آدمی اس نامعلوم شخص کے نرخرے پر ہاتھ ڈال دیتے جو اس وقت سنی کے دفتر میں چھپا، مجھ سے بلی اور چوہے کا کھیل کھیلنے کی کوشش کررہا تھا۔

"تم مجھے وقت دے دو تاکہ میں بے فکر ہوکر کسی فیصلے پر پہنچ سکوں۔ میری کوشش ہوگی کہ میں جلد از جلد فیصلہ کرلوں۔ امید یہی ہے کہ میں تمہارے حکم کی تعمیل کرلوں۔ تم نے ویڈیو فلم کا ذکر کرکے مجھے لرزہ براندام کردیا ہے۔ میرا منہ کالا ہوجائے گا۔ میں کسی سے ملنے جلنے کے قابل نہیں رہوں گا۔"

میری مجبوریوں کا حسرت بھرا بیان مکمل ہوتے ہی اسپیکر فون پر رعونت آمیز ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ بولا "تم بہت سمجھ دار آدمی ہو۔ تمہیں ہر وقت یہ یاد رہنا چاہیے کہ دہلی والوں نے تمہیں بہت مضبوطی سے دوستی کے بندھن میں باندھا ہے۔ ہم سے منحرف ہوکر تم زیادہ دیر تک چین سے آزاد نہیں رہ سکتے۔"

"رفتہ رفتہ یہ باتیں میری سمجھ میں آتی جارہی ہیں۔" میں نے آزردہ سی آواز میں کہا "میں اڑتالیس گھنٹے پورے ہونے سے پہلے تمہیں فون پر اپنا فیصلہ سنادوں گا۔"

"ہرگز نہیں!" اسی لمحے جواب آیا "تم بھول رہے ہو کہ تمہیں یہ فون نمبر ایمرجنسی کے لیے دیا گیا ہے۔"

"میرے لیے اپنے فیصلے سے بڑی کیا ایمرجنسی ہو سکتی ہے۔" میں نے بے بسی سے پوچھا۔

"آج تمہارا پہلا فون تھا اس لیے میں نے گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھا لیا۔" وہ کہہ رہا تھا "ورنہ مجھ سے رابطے کے کچھ اصول ہیں۔ اس نمبر پر فون چھ بجے کے بعد وصول کیا جاتا ہے اور بارہ گھنٹیوں کے بعد میں ریسیور اٹھاتا ہوں۔"

"بارہ گھنٹیوں کے بعد کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ اس حیرت میں میری صداکاری کا کوئی دخل نہیں تھا۔

"میں کسی غلط آدمی سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ ہر شخص بارہ گھنٹیوں کا انتظار نہیں کرتا۔ دو چار گھنٹیاں بجا کر فون بند کر دیتا ہے۔ اتنا صبر وہی کرتا ہے جو میرا خاص آدمی ہوا اور اسے مجھ سے کوئی ضروری کام ہو۔ تم کو بھی ان باتوں کو یاد رکھنا ہوگا" "میں بارہ گھنٹیوں کے بعد فون نہ اٹھاؤں تو تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ میں موجود نہیں ہوں۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا مگر آج تو تم نے پہلی گھنٹی پر ہی فون اٹھا لیا تھا۔" میں نے اس کی ابتدائی وضاحت کے باوجود وہ سوال دہرایا۔

"اس لیے کہ یہ تمہارا پہلا فون تھا۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تم نے اپنے فیکس میں فون اور وقت کا ذکر کر دیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ ٹھیک سات بجے آنے والا فون تمہارا ہو سکتا ہے۔ تم نے فیکس میں فون کا ذکر نہ کیا ہوتا تو آج مجھ سے کسی قیمت پر تمہاری بات نہیں ہو سکتی تھی۔"

"سات بجے سے پہلے تم سے رابطے کے لیے کیا کیا جائے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔ میں اس سے اس کا پورا طریقہ کار اگلوانے کے لیے کوشاں تھا۔

"تم مجھے ہر وقت فیکس کر سکتے ہو۔" اس کا جواب میرے لیے متوقع تھا "اس کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔ فون کے لیے شام چھ بجے سے صبح چھ بجے تک کی پابندی ہے۔"

"فیکس پر میں اپنی بپتا سنا سکتا ہوں۔ تمہارے مشورے نہیں سن سکتا۔ اب یہی دیکھ لو کہ اس وقت ہم نے فون پر جتنی باتیں کر لیں وہ پچاس فیکس بھیج کر بھی نہیں ہو سکتی تھیں۔" میرے پاس اسے قائل کرنے کے لیے مضبوط نکتہ موجود تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔ وقت اور بارہ گھنٹیاں۔ یہ دو باتیں مجھ سے براہِ راست رابطے کے لیے ضروری ہیں۔"

"کیا تم اب بھی اپنا نام نہیں بتاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"ناموں میں کچھ نہیں رکھا۔ تم آواز سے مجھے شناخت کر لو گے۔ یہ فون میں ہی اٹھاتا ہوں۔ کسی اور کی اس تک رسائی نہیں ہے۔" اس نے لمحے بھر کے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی "جب تم منظرِ عام پر آجاؤ گے تو میں تم سے ضرور ملوں گا۔ اس وقت تم میرا نام بھی جان لو گے۔"

مجھے شبہ ہونے لگا کہ وہ چندن گرنانی نہیں، کوئی بہت زیرک اور چالاک بھارتی تھا جو اپنی ذات کو پوشیدہ رکھنے کے لیے چندن گرنانی کا فیکس نمبر استعمال کر رہا تھا۔ چندن کا کام بس اتنا تھا کہ وہ اپنی مشین پر آئے ہوئے پیغامات اس تک پہنچا دے۔

"اگر تم کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے تو میں مناسب وقت کا انتظار کروں گا۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"آج پہلی مرتبہ میری اور تمہاری بات ہوئی ہے۔ اعتماد رفتہ رفتہ پیدا ہوتا ہے۔ اپنا کام اور حوصلہ دکھاؤ۔ میں کام

کے آدمیوں کی بہت قدر کرتا ہوں۔"

"پھر مہلت میں مزید چند گھنٹوں کا اضافہ کر دو۔" میں نے اس سے بلاوجہ فرمائش کی "مجھے پرسوں کی ساری شام مل جائے تو بہتر ہوگا۔ چھ بجے تم فون پر آتے ہو، سات بجے تمہارا دیا ہوا وقت پورا ہو جائے گا۔ اس میں کچھ نہ کچھ گنجائش ہونی چاہیے۔"

"میری کہی ہوئی بات اٹل ہوتی ہے۔ فیکس پر تم ہر وقت مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر سکتے ہو۔ تمہیں فون کے وقت کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔"

وہ چالاک اور حاضر دماغ شخص تھا۔ میں نے اپنی نیم رضامندی کے اظہار کے ساتھ فون بند کر دیا۔ سلطان شاہ نے بھی ٹیپ ریکارڈر آف کر دیا۔

"شاندار!" جلال نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پرجوش انداز میں اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا اور بے تپاک انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے بولا "اپنے دشمن سے ایسی لچھے دار باتیں تم ہی کر سکتے ہو۔ اس کے لیے بہت ٹھنڈے ماتھے کی ضرورت ہوتی ہے۔ گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہونے والی بات تم پر پوری طرح صادق آتی ہے۔"

"اس وقت پاکستانی مطالبہ ان کے گلے کی ہڈی بن گیا ہے۔ کوئی مخالفانہ ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے مظہر کا درجہ ابھی تک ایک معزز پاکستانی شہری کا ہے۔ ہر ضابطے کی رو سے اس کے بارے میں جواب دہی بھارتی حکومت کا فرض ہے۔" ویرا کہہ رہی تھی "وہ بس یہ چاہ رہا تھا کہ ڈینی گھڑی کی چوتھائی میں اپنا سینہ ٹھونک کر میدان میں کود جائے تاکہ بھارتیوں کی پیشانی سے مظہر کی گمشدگی کا داغ مٹ سکے۔"

"میں اس سے اسی نکتے کے گرد کھیل رہا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ میں بھی تحمل سے اس کے ساتھ اتنے کامیاب مذاکرات نہیں کر سکتا تھا۔" جلال خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا "تمہارا ایک ایک لفظ سفید جھوٹ تھا مگر اس پر حقیقت کا گمان ہو رہا تھا۔ وہ اُلّو کا پٹھا چکرا کر رہ گیا ہوگا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ریکارڈر میں سے ہماری گفتگو کا کیسٹ نکال لیا۔

"بھارتی کسی بھی طرح بے وقوف نہیں ہوتے۔ وہ بہت ذہین، تجربے کار اور مکّار ہوتے ہیں۔" اول خان بولا "یہ ڈینی کا کمال ہے کہ جب وہ ہمارے شیر کے سامنے آتے ہیں تو اس کی باتوں کے ہیر پھیر میں پڑ کر ساری چوکڑیاں بھول جاتے ہیں۔ اس وقت ڈینی کے مخاطب نے کوئی بے وقوفی نہیں کی لیکن ڈینی نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اس سے بہت کچھ اگلوا لیا۔"

"دیکھنا ہے کہ ڈینی سے بات کرنے والا کون تھا۔ اگر یہ چندن تھا تو مجھے حیرت ہے۔ وہ اپنی باتوں سے پکا بھارتی معلوم ہو رہا تھا۔" ویرا نے کہا۔

"اگر اجازت ہو تو میں تھوڑی سی وعدہ خلافی کر لوں۔" اچانک، جلال نے مجھ سے پوچھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ بعد میں یہ مرحلہ بھی آئے گا۔" میں نے ہلکے سے طنز سے کہا "وعدہ کرنا آسان ہوتا ہے۔ اسے نباہنا سب سے مشکل کام ہے اور تم تو وعدہ کرنے والوں کے سرخیل بنے ہوئے تھے۔ تم اتنی جلدی اپنا وعدہ بھول گئے۔"

"اگر تم برا مان رہے ہو تو پھر جانے دو۔" جلال نے شائستگی سے کہا "تم بالکل صحیح پہنچے ہو۔"

"یہ بھارتیوں کی سطح کی گھٹیا باتیں ہیں۔" میں نے ان لوگوں کو سوالات کی اجازت دے کر بھڑوں کا چھتا چھیڑنے کی کوشش نہیں کی۔ از خود انہیں بتانا شروع کر دیا "میں غزالہ کو اپنی بیوی بنا کر نہیں لے گیا تھا مگر اسے اپنے کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ دہلی میں اتنی سی بات را والوں کے لیے پرکشش بن گئی۔ انہوں نے کچھ لڑکیوں کو میرے پیچھے لگا دیا۔ رینا نامی ایک لڑکی مجھے اپنے ساتھ ہوٹل کے ایک کمرے میں لے جانے میں کامیاب ہو گئی جہاں پہلے سے کیمرے چھپے ہوئے تھے۔ را والے اب تک جس فلم کی دھمکیاں دے رہے ہیں، وہ بنی ضرور تھی لیکن را کے دفتر میں دوسرے ریکارڈ کے ساتھ جلا دی گئی۔ وہ اس کے تلف ہونے کا اعتراف کرنے سے گریزاں ہیں۔ میں انہیں بتا نہیں سکتا کہ میں نے وہ ویڈیو کیسٹ اپنے ہاتھوں سے جلایا تھا۔"

"پھر تم بلاوجہ کیوں ان سے دب رہے ہو؟" ویرا نے بھڑک کر پوچھا۔

"مصلحت!" میں نے دھیرے سے جواب دیا "میں ان کی صفوں میں شامل رہ کر ان کی بیخ کنی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر ان کی خوش فہمی دور کر دوں تو وہ مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کریں گے۔ اس وقت را والوں کا سارا زور اسی فلم پر تھا۔"

"ہاں۔" اول خان نے اقرار کیا "محنت سے استوار کیے ہوئے رابطے اتنی آسانی سے ختم نہیں کیے جا سکتے۔ ان کی خوش فہمی کو برقرار رہنا چاہیے۔"

"ذرا اپنے آدمیوں کو دیکھو۔" جلال نے چونک کر اسے یاد دلایا "سات بجے کون سنی کے دفتر میں گیا تھا۔"

اول خان نے فون پر شاید اسٹیشن فور کے ریڈیو روم سے

رابطہ کیا۔ میری معلومات کے مطابق وہاں بیٹھا ہوا ڈیوٹی افسر شہر بھر میں ایس ٹی ایف کے کارکنوں کی جملہ سرگرمیوں سے باخبر رہتا تھا کیونکہ ہر ٹرانسمٹر پر ہونے والی گفتگو وہاں ضرور سنی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی ہر رکن وقفے وقفے سے وہاں اپنی کارکردگی کی رپورٹ دیتا رہتا تھا۔

اول خان فون پر بات کرکے مڑا تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس نے شکست خوردہ آواز میں بتایا کہ اس کے آدمی سنی کے دفتر کے قریب بیٹھے بیٹھے اکتا گئے تھے۔ سہ پہر سے اس وقت تک کوئی اس مقفل دفتر کے پاس نہیں پھٹکا تھا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔" میں نے حیرت سے کہا "سات بجے میں نے خود اس دفتر کے فون نمبر پر بات کی ہے۔ تم سب اس کے گواہ ہو۔"

"شاید تم ذہنی طور پر کہیں اور ہو۔" جلال نے کہا "مقابلہ را والوں سے ہو تو سب کچھ ممکن ہے۔"

"پھر یہ لمبا چکر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "سنی کے دفتر کا فون نمبر کہیں اور استعمال ہو رہا ہے۔"

اول خان کی آنکھیں چمک اٹھیں "تم نے بالکل صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے۔ چندن کے گھر اور سنی کے دفتر میں ڈیڑھ دو فرلانگ کا فاصلہ ہے۔ بیمار سنی کمار کے فرشتوں کو کچھ پتا نہیں اور اس کا فون را والے استعمال کر رہے ہیں۔ وہ لائن یقینی طور پر چندن کے گھر پر استعمال کی جا رہی ہے۔"

"تمہارے آدمی وہیں موجود ہیں۔ کسی سے کہو کہ تالا کھول کر دیکھے۔ کیا سنی کا فون ڈیڈ پڑا ہوا ہے۔" ویرا بولی۔

اگلی کسی کارروائی سے پہلے وہ یقین دہانی واقعی ضروری تھی۔ اول خان کا اپنے آدمیوں سے براہِ راست کوئی رابطہ نہیں تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اسٹیشن فور پر اپنے ڈیوٹی افسر کو ہدایات دیں اور ہمارے ساتھ باتوں میں شریک ہوگیا۔

"میں سمجھ رہا تھا کہ سنی کی را والوں سے ملی بھگت ہے مگر اب حالات کا دوسرا رخ سامنے آ رہا ہے۔" جلال کہہ رہا تھا "سنی اپنے گھر پر بیمار پڑا ہوا ہے۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا کہ اس کے فون کے ساتھ کیا بدسلوکی کی جا رہی ہے۔"

"وہ بے گناہ نہیں ہوسکتا۔" سلطان شاہ نے پہلی مرتبہ جلال سے اختلاف رائے کی جسارت کی اور جلال کی تیوریوں پر ہلکا سا بل آگیا۔

"تم اسے گناہ گار کیسے قرار دے رہے ہو؟" جلال نے اس سے پوچھا۔

"پتا نہیں یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے۔ فون کا بل بر

کمال

ایک صاحب فخر سے دوسرے صاحب کو بتا رہے تھے "میری شادی کو دس سال ہوگئے ہیں مگر آج بھی میں ڈیوٹی سے واپسی پر بس سے اترتا ہوں تو میری بیوی میرے انتظار میں بس اسٹاپ پر کھڑی ہوتی ہے۔"

"یہ کون سی خاص بات ہے..." دوسرے صاحب بولے "میری شادی کو بیس سال ہوچکے ہیں مگر میری بیوی کا بھی اب تک یہی معمول ہے۔"

تیسرے صاحب بولے "میرا خیال ہے میں آپ دونوں حضرات سے زیادہ داد کا مستحق ہوں۔ میں بھی بس اسٹاپ پر اترتا ہوں تو بیوی میرے انتظار میں کھڑی ہوتی ہے... اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ میں شادی شدہ نہیں ہوں۔"

وقت ادا نہ ہوتا تو فون کبھی کا کٹ چکا ہوتا۔ اگر سنی یا اس کا کوئی آدمی باقاعدگی سے بل ادا کرتا ہے تو اسے اندازہ ہوجانا چاہیے کہ فون دفتر کے بجائے کہیں اور استعمال ہو رہا ہے۔"

جلال نے سر ہلایا اور سوچ میں پڑ گیا۔ سلطان شاہ نے وہ کمزور اعتراض اتنی سنجیدگی سے اٹھایا تھا کہ کوئی فوری طور پر اس کے منفی پہلو پر توجہ نہیں دے سکا۔ میں نے ان لوگوں کا تجسس دور کرنے کا ارادہ کیا تو مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی۔

"بولنے سے پہلے کچھ سوچ بھی لیا کرو۔" ویرا کی آواز پر سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ سلطان شاہ سے کہہ رہی تھی۔ "فون کے بل میں اسی وقت اضافہ ہوتا ہے جب اس سے کوئی کال کی جائے۔ کال وصول کرنے میں کوئی خرچ نہیں ہوتا۔ اگر وہ لوگ اتنے چالاک ہیں کہ سنی کا فون چرا کر استعمال کر رہے ہیں تو وہ اسے صرف پیغام وصول کرنے کے لیے استعمال کرتے ہوں گے۔ انہوں نے یہ احتیاط رکھی ہوگی کہ اس نمبر سے کوئی فون نہ کیا جائے۔ سنی بے خبری میں ہر ماہ لائن رینٹ وغیرہ ادا کر رہا ہے۔"

"ہاں' یہ تو ہے۔" جلال نے ویرا کی تصدیق کی "ہم اس امکان کو کیوں بھول رہے ہیں۔ یہ امکان ہی نہیں حقیقت ہوسکتی ہے۔"

ویرا کے مربوط اعتراض پر سلطان شاہ کا چہرہ خفت سے

سرخ ہو گیا اور اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

"حیرت ہے کہ ایسی سامنے کی بات فوری طور پر کسی کے ذہن میں نہیں آسکی۔" جلال بڑبڑایا۔

جلال کی فرمائش پر غزالہ ایک مرتبہ پھر سب کے لیے چائے بنانے چلی گئی۔ اس مرتبہ ویرا بھی اس کے ساتھ کچن کی طرف گئی تھی۔

رات کے اس ابتدائی پہر میں سنی کے ویران اور مقفل دفتر میں گھسنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ ساری اہمیت صرف ایک بات کی تھی کہ اول خان کے آدمی قفل شکنی میں کتنے ماہر تھے۔ تھوڑی دیر بعد اسٹیشن فور سے کال آگئی۔ اول خان کے آدمیوں نے قفل شکنی کے بعد دفتر کو پہلے کی طرح دوبارہ لاک کردیا تھا۔ مہینوں کے گرد و غبار میں اٹے ہوئے دفتر کا فون بالکل بے جان تھا۔

"اگر اتنی چھان بین نہ کی جاتی تو سنی کھلا مجرم نظر آرہا تھا۔" جلال نے ہلکی سی غصیلی آواز میں کہا "اگر یہ لائن چندن کے فلیٹ میں پائی گئی تو میں اس باسٹرڈ کو ادھیڑ ڈالوں گا۔"

"ایک کام میں دو ایجنسیاں لگ جائیں تو کہیں نہ کہیں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔" میں نے جلال سے کہا "لائن کے سراغ پر تم کسی کو مامور کرو گے یا اول خان کے آدمی کام کرتے رہیں؟"

"میں نامعقول قسم کی دخل اندازیوں کا قائل نہیں ہوں۔" جلال نے جواب دیا "اول خان کی ٹیم کام کررہی ہے وہی کرتی رہے لیکن رزلٹ آج رات ہی مل جائے تو بہتر ہوگا۔"

"میں تمہاری بے چینی کو سمجھ رہا ہوں لیکن یہ کام کل کے لیے ٹال دیا جائے تو بہتر رہے گا۔" میں نے تجویز پیش کی۔

"آج رات اور کل میں کیا فرق ہے؟" اس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

"چندن یا فون چرانے والے نے کال کے لیے چھ بجے کا وقت دیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دن بھر اپنے ٹھکانے سے غائب رہتا ہے۔ چھ بجے ہر حال میں لوٹ آتا ہے اور پھر رات وہیں بسر کرتا ہے۔ دن میں وہ باہر ہوگا۔ ہر چیز کی اچھی طرح دیکھ بھال کرلی جائے گی۔"

"بالکل مناسب تجویز ہے۔ مجھے اس سے پورا اتفاق ہے مگر تاروں کے سہارے یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ نمبر کہاں لیا گیا ہے۔ اس گھر یا دفتر کی چھان بین کل دن میں کرلی جائے گی۔"

اول خان کے آدمیوں کو وہ کام سرانجام دینا تھا۔ وہ ہمیشہ ہمہ تن خدمت بنا رہتا تھا۔ اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ میں خاموش ہو گیا۔

ہم سب نے جلال کو کھانے کے لیے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ رکنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس کے پاس ہمیشہ اپنی مصروفیات کا عذر موجود رہتا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر فون اور فلیکس والا پراسرار معاملہ درپیش نہ ہوتا تو وہ ہمارے ساتھ اتنا وقت نہیں گزار سکتا تھا۔

ہمارے گھر سے اسے نشتر روڈ پر صدف مینشن کی طرف جانا تھا۔ اس نے یہ بتا کر ہم سب کو حیران کردیا کہ وہ ساری رات صدف مینشن کے نمبروں پر دستیاب ہوگا۔

صدف مینشن کی عمارت میری دیکھی بھالی تھی۔ گراؤنڈ فلور پر معقول دفتری سہولیات سے قطع نظر وہ ایک اجاڑ اور آسیبی عمارت تھی جہاں جا بہ جا چھوٹے بڑے قید خانے بنے ہوئے تھے۔ آئی بی والے اس عمارت کو اپنے انٹروگیشن سیل کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ وہاں پرانے اور ضدی مجرموں کو قید میں رکھ کر ایسے نفسیاتی اور جسمانی تشدد سے گزارا جاتا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنی روح کی گہرائیوں سے سچ اگلنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

"اس قید خانے میں تم ساری رات کیا کرتے رہو گے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ضرورت پڑتی ہے تو وہاں دن رات کام ہوتا ہے۔ اس وقت بھی وہاں چند اہم قیدی موجود ہوں گے جن کے اعصاب کسی بھی وقت جواب دے سکتے ہیں۔ ان سے تفتیش کے لیے میرا وہاں موجود ہونا ضروری ہے۔" اس نے خندہ پیشانی کے ساتھ وہ سفاکانہ حقائق بیان کر ڈالے۔

"خدا تمہاری حالت پر رحم کرے۔ اعصاب زدہ قیدیوں کی چیخوں میں وہاں گہری نیند سونا بھی دشوار ہے۔"

"یہ زندگی کے روپ ہیں جو پل پل میں بدلتے رہتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے ہم سب کو الوداع کہا اور روانہ ہو گیا۔

اول خان کا ارادہ تھا کہ سنی کے گم شدہ ٹیلی فون کنکشن کا سراغ لگانے کے لیے وہ خود متعلقہ علاقے میں پہنچ جائے جہاں محکمے کے افراد اس کی مدد کرکے لائن کے دوسرے سرے تک پہنچ سکیں گے مگر میری دانست میں اس کی وہ بھاگ دوڑ غیر ضروری ہوتی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ ٹیلی فون کے محکمے میں کھمبوں پر کام کرنے کے لیے سیڑھیوں کا استعمال متروک ہو چکا تھا۔ لائن مین سائیکلوں پر

پنے علاقے میں گھومتے رہتے تھے اور جہاں ضرورت ہوتی تھی، جوتے اتار کر بندروں کی طرح کھمبوں پر چڑھ کر اپنا کام پورا کرلیتے تھے۔

ان تکلیف دہ تماشوں میں محکمے کی مالی زبوں حالی کا دخل ہو یا نچلے ملازمین کی سہل پسندی کا، ایک بات طے تھی کہ ایسی مشقیں اول خان جیسے بردبار اور متین آدمی کے لیے ممکن نہیں تھیں۔ وہ تکنیکی کام تھا جسے متعلقہ اہل کار خوبی سے انجام دے سکتے تھے۔

اول خان نے ہمارے گھر سے ٹی اینڈ ٹی والے آدمی سے بات کی۔ ٹیلی فون لائن کی ایسی دیدہ دلیرانہ چوری کی شکایت سن کر وہ حیران ضرور ہوا مگر اس نے بتایا کہ شہر میں جھولتے ہوئے تاروں کے درمیان میں کہیں سے لائن کا متوازی طور پر چوری ہونا انوکھا نہیں تھا۔ ایسے واقعات ہوتے رہتے تھے۔

اول خان صبح سے اپنے گھر سے نکلا ہوا تھا۔ دفتر کا چکر لگا کر وہ دوبارہ ہمارے پاس لوٹ آیا تھا۔ اس کی بیوی بچے کراچی میں تھے اور اس کی توجہ کے حق دار تھے۔ جب اس نے اپنے گھر جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو کوئی بھی اسے روکنے کی ہمت نہیں کرسکا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ایک ایک کرکے دونوں رخصت ہوگئے ورنہ میرا تو دم سوکھ رہا تھا۔" اول خان کے چلے جانے پر ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"ان کی موجودگی سے تمہاری صحت پر کیا اثر پڑ رہا تھا؟" سلطان شاہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

"میری شام خراب ہورہی تھی۔" ویرا نے اپنی بائیں آنکھ دبا کر کہا "شام ہوئی اور رات آگئی لیکن غضب خدا کا کہ میرے منہ میں ایک بوند بھی نہیں گئی۔ سب بے فکر ہوکر یوں فرصت سے بیٹھے ہوئے تھے جیسے انہیں دنیا میں دوسرا کام ہی نہ ہو۔"

"باتیں کام کے سلسلے میں تھیں۔ یہاں گپ شپ نہیں ہورہی تھی۔" غزالہ نے اسے تادیب کی۔

"میں اس وقت کسی سے بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔" ویرا نے اٹھتے ہوئے کہا "پینے کے تصور سے ہی مزاج میں بلا کی نرمی اور ملنساری آجاتی ہے۔" میرے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے دانستہ مجھے کندھا مارا اور رک کر سرگوشی کی "تھوڑی دیر کے لیے میرے کمرے میں آجانا ورنہ میں بھری محفل میں سوالوں کی بھرمار کردوں گی۔"

وہ میرا جواب سنے بغیر لہراتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

"یہ تم سے کیا کہہ رہی تھی؟" سلطان شاہ نے میرے قریب آکر رازداری سے پوچھا۔

"وہ اول فول بکتی رہتی ہے۔ تم اس کے چکروں میں نہ پڑو۔" میں نے اسے ٹال دیا۔

ہم لوگوں نے کافی لمبا وقت بیٹھ کر گزارا تھا۔ میں اپنی کمر سیدھی کرنے کے لیے کمرے میں جاکر بستر پر دراز ہوگیا۔

معاملات آگے بڑھ رہے تھے لیکن ان کی رفتار سست محسوس ہورہی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے، خیالی گھوڑے دوڑا رہے تھے، موہوم سراغوں کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ مار دھاڑ یا کسی مقابلے کا دور دور تک امکان نظر نہیں آرہا تھا۔ ساری پیش رفت اطلاعات کے میدان میں ہورہی تھی۔

میں نے را کے نامعلوم ایجنٹ سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے فیلکس کے موضوع پر دانستہ بات نہیں کی تھی۔ میں مظہر کے روپ میں جس ذہنی سطح کا مظاہرہ کررہا تھا، اس کے لیے ایسی دور کی باتیں موزوں نہیں تھیں۔ یہ را والوں کی اپنی صوابدید تھی کہ وہ میرے بھیجے ہوئے اس پیغام کو کس طرح استعمال کرتے۔

بستر پر لیٹے لیٹے مجھے یہ بھی یاد آیا کہ اول خان نے اپنے آدمیوں سے سنی کے دفتر کی نہ صرف خیر خبر لے لی تھی بلکہ تلاشی تک لے ڈالی تھی لیکن چندن کے فلیٹ کی نگرانی کرنے والوں کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی کہ سات بجے وہاں کی کیا صورتِ حال تھی۔

سوچتے سوچتے مجھے غنودگی کی لہر نے آلیا لیکن میری وہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ کسی نے میرے داہنے پیر کا انگوٹھا جھنجوڑ کر مجھے بیدار ہونے پر مجبور کردیا۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو میرے پیروں کے قریب ویرا کھڑی دل آویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" میں نے غرا کر کہا "کسی کے بیڈ روم میں یوں گھس آنا بہت بے ہودہ حرکت ہے۔"

"غزالہ تمہارے ساتھ اس کمرے میں بند ہوتی تو میں ہرگز اندر نہ آتی۔ وہ اپنے بے بی فرینڈ کے ساتھ باہر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی ہے۔" ویرا پر میری پھٹکار کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟ کیا چاہتی ہو؟" میں نے کہنیوں کے بل اٹھ کر پوچھا۔

"غزالہ اور سلطان شاہ نے ٹیلی وژن کے سامنے اپنی جوڑی بنائی ہوئی ہے۔ میں اکیلی بور ہورہی ہوں۔ تھوڑی دیر

کے لیے میرے کمرے میں آجاؤ تو باتیں کریں گے۔"
میں اسے سخت سست کہنے والا تھا کہ مجھے اس کی دھمکی یاد آگئی۔ میں اس کے کمرے میں نہ جاتا تو غزالہ کے سامنے میری اور رینا کی وڈیو فلم کا ذکر چھیڑ کر میرے لیے خاصی خفت اور پریشانی کا سامان پیدا کر سکتی تھی۔
"چلو!" میں نے برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک جھٹکے سے بستر چھوڑ دیا۔
"اپنی نشیلی آنکھوں پر تھوڑا سا ٹھنڈا پانی مار لو تو تمہارے دماغ کی گرمی کم ہو جائے گی۔" اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے مشورہ دیا۔
میں ویرا کے مشورے کو ٹھکرا کر اسی حالت میں جانے پر آمادہ تھا لیکن پھر مجھے خیال آگیا کہ اس کی بے سروپا باتوں پر غصہ دکھا کر میں اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہا تھا۔ اس کا بہترین علاج یہ تھا کہ اسے ہنس ہنس کر سلگایا جائے۔
میں رخ بدل کر باتھ روم میں گھس گیا۔ میرا ارادہ منہ دھونے کا تھا لیکن ہتھیلیوں پر ٹھنڈے پانی کا لمس محسوس کر کے طبیعت غسل پر مائل ہو گئی۔
میں تازہ دم ہو کر غسل خانے سے نکلا تو میرا موڈ تبدیل ہو چکا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم کے سرے پر رک کر غزالہ اور سلطان شاہ سے کچھ چھیڑ چھاڑ کی اور پھر ویرا کے کمرے میں داخل ہو گیا۔
"تم آتے ہو تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میری کھوئی ہوئی توانائیاں واپس لوٹ رہی ہیں۔" ویرا نے مسکرا کر کہا۔
"تمہاری کوئی توانائی کہیں نہیں کھوئی۔ بس کبھی کبھی حواس کھو جاتے ہیں۔ آج زیادہ نہ پی لینا۔"
اس نے مجھے جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھی اپنے گلاس سے کھیلتی اور کچھ سوچتی رہی۔
"بت کی طرح خاموش کیوں بیٹھی ہو۔ میں یہاں تمہارا رخ روشن دیکھنے کے لیے نہیں آیا۔ بلایا گیا ہوں۔" میں نے جل کر اسے ٹوکا۔
"ہم لوگ جس سمت میں جا رہے ہیں، تم اس سے مطمئن ہو؟" اس کی زبان سے وہ گہرا اور سنجیدہ سوال سن کر میں حیران رہ گیا۔
"شروع سے ہماری سمت ایک ہی ہے۔ اس میں اب تک کوئی تبدیلی نہیں آئی۔" میں نے بھی سنجیدگی سے کہا۔
"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ پہلے ہم اپنے طور پر کام کرتے تھے۔ اول خان ہمارا معاون اور تمہارا دست راست ہوا کرتا تھا لیکن رفتہ رفتہ اور شاید بہت غیر محسوس طریقے سے یہ سب بدلتا جا رہا ہے۔ اپنی ابتدا کے مقابلے میں آج ہمارا رخ بہت زیادہ بدلا ہوا ہے۔"
"یہاں کوئی تیسرا نہیں ہے۔ پہیلیاں بجھوانے کے بجائے کھل کر بات کرو۔" میں نے الجھ کر اسے مشورہ دیا۔
"میرا احساس ہے کہ اب ہم دو پاکستانی ایجنسیوں کے آلہ کار بن چکے ہیں۔ ایک طرف ایس ٹی ایف ہے اور اب آئی بی کے ضابطے جگہ جگہ ہماری راہ روک رہے ہیں۔"
"ایسا نہیں ہے۔ وہ لوگ ہمیں مشورے دیتے ہیں۔ اپنی وسیع تر معلومات کی روشنی میں رہنمائی فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارا راستہ کبھی نہیں روکتے۔"
"تم میری طرح واقعات کا تنقیدی جائزہ نہیں لیتے اس لیے ان خوش فہمیوں میں مبتلا ہو۔"
"میرا خیال ہے کہ تم اپنی دلیل کے حق میں ایک بھی مثال نہیں دے سکتیں۔" میں نے وثوق سے کہا۔
"جان ایلش کوف کی تازہ ترین مثال تمہارے سامنے ہے۔ ہم اسے جہنم واصل کر دینا چاہتے تھے۔ جلال نے ہمیں روک دیا۔ ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "اسے تم کیا کہو گے؟ اب ہم قدم قدم پر اس کی اجازت کے محتاج ہوتے جا رہے ہیں۔"
"ہم اب بھی اپنی من مانی کر سکتے ہیں۔ وہ حکومتی حلقوں کا قریبی آدمی ہے۔ اس نے ہمیں یہ سمجھانا چاہا تھا کہ جان یا کسی اور اہم امریکی کو مار کر ہم پاکستان کی کوئی خدمت نہیں کریں گے بلکہ سنگین مسائل کھڑے کر دیں گے۔ ہمارا نصب العین اس ملک کی سربلندی ہے۔ ہم نے اس کی بات مان لی۔"
"تم نے اسے چھوڑ دیا لیکن کوئی عام بدمعاش اسے گولی مار دیتا تو تم یا حکومت کیا کر لیتی؟"
"قیاس آرائیوں کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ اپنے خیالی گھوڑوں کو لگام دو۔ بدمعاش کسی کو بلاوجہ نہیں مارتا۔ مارتا ہے تو سولی پر بھی لٹک جاتا ہے۔ جلال ہمارے ایسے انجام سے خوف زدہ ہے اسی لیے ہمیں سمجھاتا اور روکتا رہتا ہے۔ تم دیکھ لو کہ جان اسمتھ دہلی میں مارا گیا اور امریکی اس کے قاتل کو یہاں تلاش کر رہے ہیں۔"
ویرا اپنے گلاس سے اسکاچ کا ایک گھونٹ لے کر ہنس پڑی "امریکی کچھ نہیں کر رہے۔ وہ بزدل ہیں۔ ڈر کر بھاگ گئے اور تلاش کا طوق تمہاری پولیس کے گلے میں ڈال گئے۔"
"جان بھاگا ہے۔ اس کا چیف کلرک، لیری اب بھی

کراچی میں موجود ہے۔"
"لیری کراچی میں ہے۔" ویرا کی آنکھیں چمک اٹھیں "تو ہم اس کو کیوں نہیں رگڑ دیتے۔"
"اس وقت ہماری توجہ را پر مرکوز ہے۔ فی الحال لیری کو بھولی رہو۔ وقت آنے پر اس کے بارے میں بھی بات ہوجائے گی۔"
"ایسے لوگ بار بار تمہارے نشانے پر نہیں آئیں گے۔ سی آئی اے میں چیف کلرک کا عہدہ بہت اہم ہوتا ہے۔" ویرا نے مجھے سمجھانا چاہا۔
"نہیں ویرا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ یہ کھلی دہشت گردی ہوگی۔ اگر تم لیری کو صرف اس لیے ماردینا چاہتی ہو کہ وہ سی آئی اے میں چیف کلرک ہے تو پھر کون محفوظ رہے گا۔ ہر ممتاز امریکی تمہارے نشانے پر ہوگا۔ ہماری لڑائی ان سے ہے جنہوں نے ہم کو ڈسا ہے۔"
ویرا کی پیشانی پر بل آگئے۔ "پھر تم نے جان الیش کوف کو اسی نظریے کے تحت چھوڑا ہے۔ اس کے عزائم زہریلے ہیں مگر اس نے ابھی تک پاکستان کو عملی طور پر کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ تمہارے لیے یہ اس کی بے گناہی بلکہ معصومیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"
"اب تم طنز کلامی پر اتر آئیں۔ وہ مجھے زندہ یا مردہ پکڑنا چاہتا ہے۔ میرا دشمن ہے میں بھی اس کا دوست نہیں بن سکتا۔"
اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ اور لیا پھر بولی "چھوڑو.... یہ بات بہت دور نکل جائے گی۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری ویڈیو فلم کا کیا چکر ہے۔ اتنی اہم بات تم نے آج تک مجھ سے چھپائی ہوئی تھی۔"
مجھے خوشی ہوئی کہ ایجنسیوں کے آلہ کار بننے والی بات اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یا خامی یہی تھی کہ وہ جس موضوع پر اپنی بات منوانے میں ناکام ہوجاتی تھی' اسے جھٹ بدل دیتی تھی تاکہ اسے زیادہ خفت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ خفت یا ندامت سے اس کی اناپسندی مجروح ہوتی تھی۔
"اس میں چھپانے والی کوئی بات نہیں تھی۔ فلم ان کے قبضے میں ہوتی تو میں ضرور اس کا ذکر کرتا۔ ایک چیز جو بھڑکتی ہوئی آگ میں جل کر راکھ ہوگئی' اس کا ذکر کرنا بے سود ہے۔"
"یہ رینا اجیت رائے کون تھی؟" ویرا کے سینے میں تجسس اور اشتیاق کی آگ بھڑک رہی تھی۔

"ایک خوب رو اور بے کس لڑکی تھی جو اپنی بیمار ماں کے علاج کی خاطر را کے بھیڑیوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔"
"خاصی خوب صورت تھی؟" ویرا نے اپنا گلاس خالی کرکے پوچھا۔
"خاصی سے بھی کچھ زیادہ!" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ میں کیسے امتحان سے گزرا ہوں گا۔"
"مجھ سے بے پر کی ہانکنے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ تم شروع سے ہی عاشق مزاج ہو۔"
"بلاوجہ کی الزام تراشی نہ کرو۔" میں نے ترشی سے کہا "تم میرے کتنے معاشقوں سے واقف ہو؟"
"تم اب سدھرنے کی کوشش کررہے ہو تو اتنے پارسا نہ بنو۔ اپنے بارے میں تم میرے تجربات کو نہیں جھٹلا سکتے۔"
وہ سچ کہہ رہی تھی۔ اس کو جھٹلانا ناممکن تھا۔ میں اسے یہ نہیں بتا سکتا کہ میں نے ٹی میں اپنا مقام برقرار رکھنے کے لیے اس کی خواہشات کے سامنے سر تسلیم خم کیا تھا۔ اسباب کچھ بھی رہے ہوں' ویرا کے معاملے میں میرا دامن صاف نہیں تھا۔
"کیا تمہیں ان تلخ باتوں کے سوا کچھ نہیں سوجھتا؟" میں نے بے چارگی سے پوچھا۔
"میں تو رنگین باتیں کررہی تھی۔ اس میں تلخی تم نے گھولی ہے۔" اس نے مجھے آنکھ مار کر والہانہ انداز میں کہا "اب سچ سچ بتادو کہ رینا کا کیا قصہ تھا۔"
"وہ آگ اور تیل کا کھیل تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ خلوت میں بھی مجھے نہیں بہکا سکے گی مگر وہ را کی تربیت یافتہ تھی۔ شکار کو اپنے شکنجے میں کسنے کے فن میں طاق تھی۔ جب تیل اوپر سے نیچے بہہ رہا ہو تو ڈھلان میں دم توڑتے ہوئے انگارے بھی یکایک بھڑک اٹھتے ہیں۔ میں یکایک کمزور لمحوں میں گھر کر رہ گیا۔"
"اور پوشیدہ کیمروں نے تمہاری اور رینا کی فلم بنالی؟" ویرا نے مخمور اور دھیمی آواز میں پوچھا۔
"لاحول ولا قوۃ!" میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور جھلاتے ہوئے انداز میں کہا "ہاں' انہوں نے فلم بندی کرلی۔ بعد میں رینا نے یہ بات خود مجھے بتادی۔ جب دوسرے ذرائع سے اس کی تصدیق ہوگئی تو میں نے وہ فلم نیست ونابود کردی۔"
"رینا کو اپنے محکمے کا راز تم کو بتانے کی کیا ضرورت

تھی؟" میری برہمی بھی اس کا تجسس دور نہ کر سکی۔
"تم اتنی باریکیوں میں جاؤ گی تو یہ کہانی کئی دنوں تک ختم نہیں ہوگی۔ میں نے اسے شیشے میں اتار لیا تھا۔ وہ لڑکی میرے بہت کام آئی ہے۔"
"رینا اجیت رائے!" ویرا نے سختی سے دہرا دیا "اس وقت میرے دل میں رقابت کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ میرے بس میں ہوتا تو میں اسی وقت دہلی پہنچ کر اس کمینی کا چہرہ لہولہان کر دیتی۔ اسے تمہارے قریب آنے کی ہمت کیسے ہوئی۔"
میں اس کے لب و لہجے پر یکایک سنبھل گیا۔ مجھے معاملے کی نزاکت کا احساس ہو چکا تھا۔ اس وقت وہ ویرا نہیں رہی تھی۔ اس کے وجود میں سوئی ہوئی 'انا پرست اور منتقم مزاج بلیک کوئن جھرجھری لے کر بیدار ہو چکی تھی۔ بلیک کوئن اپنے پسندیدہ مرد پر کبھی کسی اور لڑکی کا سایہ پڑنا پسند نہیں کرتی تھی۔
"میرے معاملے میں اس کی پسند یا مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس کے بڑوں نے اسے حکم دے کر میری طرف دھکیلا تھا۔ وہ اپنا فرض پورا کر رہی تھی۔"
"میں نے اس لڑکی کا نام اپنے دل پر نقش کر لیا ہے۔" ویرا نے خلا میں تکتے ہوئے خواب ناک آواز میں کہا "جب بھی موقع ملا' میں اس لڑکی کو نہیں بخشوں گی۔"
مجھے اندازہ ہو گیا کہ ویرا اداکاری نہیں کر رہی تھی۔ میرے اور رینا کے بارے میں کوئی بات جان کر اسے شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا اور وہ اپنے حواس میں نہیں رہی تھی۔ میں تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر صوفے پر اس کے برابر میں جا بیٹھا۔
ویرا نشے میں ہرگز نہیں تھی لیکن اس وقت اس کی گھنی پلکیں آنکھوں پر جھکی پڑ رہی تھیں۔ گلابی پپوٹے بار بار اس کی نیلگوں آنکھوں کو اپنے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اپنے شانے پر میرے ہاتھ کا دوستانہ دباؤ محسوس کر کے ویرا نے پوری کوشش سے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ ایک آسودہ سی بے ساختہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر تیر گئی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے اپنا سر میرے شانے سے ٹکا دیا۔
چند منٹ تک ہم دونوں اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔ بس میں اپنے بازو پر اس کے دل کی دھڑکنیں محسوس کر رہا تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ویرا مجھ سے باتیں کرتے کرتے کسی ٹرانس میں چلی گئی ہو۔ چند منٹ بعد اس نے کسمسانا شروع کیا اور پھر آنکھیں کھول دیں۔
اس وقت ویرا کے دائیں ہاتھ میں تھما ہوا خالی گلاس اس کی گود میں تھا۔ اپنے ٹرانس سے باہر آتے ہی اس نے غیر ارادی طور پر اپنا داہنا ہاتھ اٹھایا اور خالی گلاس پر نگاہ پڑتے ہی تھکے ہوئے انداز میں ہنس پڑی "اوہ! گلاس خالی ہو گیا۔ مجھے کیا ہوا تھا؟ تم میرے پہلو میں کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟"
ویرا کو کچھ یاد نہیں تھا کہ پچھلے چند منٹوں میں وہ کس کیفیت سے گزری تھی۔ وہ اس پر شیزوفرینیا کا واضح حملہ تھا جس کا مظاہرہ میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ دہری شخصیت کی مریضہ تھی یا شدید ڈیپریشن اور صدمے کے باعث اس ذہنی حملے کا شکار ہو گئی تھی۔
"تمہیں کچھ نہیں ہوا تھا۔ تم نے فرمائش کی' میں تمہارے پہلو میں آ بیٹھا اور تم میرے شانے پر سر رکھ کر ذرا اونگھ گئیں۔"
"ہم کیا باتیں کر رہے تھے۔" اس نے اپنے ذہن پر زور دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "شاید تمہاری اور رینا کی ویڈیو فلم کی بات ہو رہی تھی۔"
"میں نے تمہیں ہر بات بتا دی تھی۔ تم ایس ٹی ایف کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔" میں نے اس سے الگ ہوتے ہوئے بتایا۔ میں رینا کی طرف سے اس کا ذہن ہٹانا چاہ رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ اس حسین بھارتی جاسوسہ کے بارے میں سوچتی رہی تو دوبارہ صدمے سے دوچار ہو جائے گی۔
"ہاں' ہم پہلے آزاد تھے جو چاہتے تھے' کر گزرتے تھے۔ میں کہتی ہوں کہ اب ان ایجنسیوں سے اپنا پیچھا چھڑاؤ۔"
"تمہاری باتیں سمجھ میں آنے والی ہیں۔ دوسروں سے مشورہ کر کے کوئی قدم اٹھاؤں گا۔ اچانک کنارہ کشی مناسب نہیں ہوگی۔"
اسی وقت دروازے پر تیز دستک ہوئی اور میں ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے سلطان شاہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ چکا تھا۔
"اول خان کا فون ہے۔ وہ تم سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔" سلطان شاہ نے اطلاع دی اور میں بلا توقف دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو غزالہ فون پر مصروف تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔
"ہاں خان! کیا خبریں ہیں۔" میں نے ریسیور کان سے لگاتے ہی پوچھا۔
"یہ بہت لمبا چکر ہے۔" میرے کانوں میں اول خان کی

جو شیلی آواز آئی ''اس کام میں ٹی اینڈ ٹی کا کوئی آدمی بھی چندن کا شریک ہے۔ سی والے پول میں فون کی لائن غائب ہے۔ اس لائن کو کیبنٹ سے ہی چندن کے گھر کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔''

''تمہیں پورا یقین ہے کہ یہ اطلاع درست ہے!'' میں نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''چندن کے گھر کے قریبی کھمبے سے انسٹرومنٹ لگا کر دیکھا گیا ہے۔ سی کے دفتر کے نمبر پر کی جانے والی کال کی گھنٹی وہاں بج رہی ہے۔''

''پھر چندن کو اس کے گھر سے اسی وقت اٹھالینا چاہیے۔ اسے مہلت مل گئی تو کام بگڑ سکتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ چاہو تو تم جلال سے بھی مشورہ کرسکتے ہو۔''

میرے ذہن میں ویرا کے کہے ہوئے الفاظ گونج اٹھے اور میں نے چڑ کر کہا ''تم ہر بات میں جلال کو درمیان میں کیوں لانے لگے ہو۔ وہ اپنی مجبوریوں اور مصلحتوں کا پابند ہے۔ یہ ایک سفارت کار کا معاملہ ہے۔ وہ اوپر سے کلیرنس کے بغیر کوئی کارروائی نہیں ہونے دے گا۔۔۔''

''تم بھول رہے ہو کہ وہ خود بھی چندن کی طرف سے بہت مشتعل ہے۔'' اول خان نے میری بات کاٹ کر کہا۔

''ایک سرکاری ملازم کا ذاتی اشتعال اس کی ذات تک محدود رہتا ہے۔ وہ اپنے محکمے کا ڈسپلن توڑ کر پالیسی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔ میں اسے جانتا ہوں۔ وہ ایک مثالی سرکاری ملازم ہے۔ اس وقت ہمیں روک دے گا۔''

''اس نے جان کے معاملے میں بھی شکوا کیا تھا۔'' اول خان نے دبی زبان سے کہا ''وہ ہم سے ناراض ہوسکتا ہے۔''

''میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم یہاں آجاؤ۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا اور فون بند کردیا۔

''یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم جلال کو نظر انداز کردو گے۔'' سلطان شاہ نے کہا جو میرے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔

''میں اسے نظر انداز نہیں کررہا' مشکلات سے بچا رہا ہوں۔ ہم اس سے جان الیش کوف کے بارے میں مشورہ کرتے تو وہ ہمیں ہرگز آگے نہ بڑھنے دیتا۔ تم نے دیکھا کہ بعد میں وہ ہمارے اقدام پر خوش تھا۔ اس کی بے خبری ہمارے اور اس کے لیے سودمند ثابت ہوئی۔''

''بار بار ایسا نہیں ہوسکتا۔ آپ اس سے مشورہ نہ لیں۔ اسے اپنے ارادے سے آگاہ کردیں تاکہ وہ چندن کے اٹھائے جانے کے بعد پیش آنے والے حالات کے بارے میں کوئی مناسب منصوبہ بندی کرسکے۔'' غزالہ نے سلطان شاہ کی تائید کرتے ہوئے کہا ''اپنے فیصلوں کے لیے آپ اس کے مشوروں کے پابند نہیں ہیں۔''

غزالہ نے بہت معقول رائے دی تھی۔ ہم لوگوں سے قریبی مراسم کے حوالے سے یہ جلال کا حق بنتا تھا کہ اسے کسی اہم پیش رفت سے قبل از وقت یا کم از کم بروقت آگاہ کردیا جائے۔ میں نے اسے فون کرنے کے ارادے سے ہاتھ بڑھایا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے جلال میری مزاج پرسی کررہا تھا۔

''بہت لمبی عمر ہے تمہاری۔'' میں نے بے ساختہ ہنستے ہوئے کہا ''ابھی تمہارا ذکر خیر ہورہا تھا۔ میں نے تمہیں فون کرنے کا ارادہ کیا اور ادھر تمہارا فون آگیا۔''

''یار! میں اپنے چکروں میں کچھ زیادہ ہی الجھ گیا ہوں لیکن تمہاری بھی فکر ہے۔ وہ فون والے معاملے کی رپورٹ ملی یا نہیں۔''

''لائن چندن کے گھر میں جارہی ہے۔ میں نے اسی وقت اسے اٹھالینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' جلال کے کہنے سننے سے پہلے میں نے اسے اپنے ارادے سے آگاہ کردیا۔

''اسے اٹھالو۔'' جلال کے وہ الفاظ سن کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ وہ کہہ رہا تھا ''یہ نازک سفارتی معاملہ ہے۔ میں اپنے ہاتھ صاف رکھنا چاہتا ہوں۔ میرا کوئی آدمی ادھر نہیں پھٹکے گا۔ میری مانو تو اول خان اور اس کے آدمیوں کو بھی الگ تھلگ رکھو۔ اس کام میں کسی ایجنسی کا نام نہیں آنا چاہیے۔''

جلال کے وہ الفاظ ہولناک تھے۔ وہ چندن کے قصے کو ریکارڈ سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ چندن کی رہائی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اسے قید میں رہنا تھا یا اپنے جرائم کی پاداش میں عبرت ناک موت کے گھاٹ اتر جانا تھا۔

''یہ کام میں خود کروں گا۔'' میں نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد جواب دیا ''مگر میرے پاس کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ اسے اس کی کمین گاہ سے نکالنے کے بعد میں اسے خان کے ہی حوالے کروں گا۔ وہاں اس کی بہترین خاطر تواضع ہوتی رہے گی۔''

''چندن بہت خطرناک آدمی ہے۔ اس نے کوئی نیا گل کھلایا ہے۔ وہ کسی رعایت کے قابل نہیں ہے۔''

''کیا کوئی مسئلہ کھڑا ہوگیا ہے؟'' میں نے چونک کر

پوچھا۔

"رات آٹھ بجے اطلاع ملی ہے کہ لیری کل صبح جلد از جلد ایجنسیوں کے نمائندوں سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس بار ایس ٹی ایف کے نمائندے کو بھی اجلاس میں شامل کیا جائے کیونکہ اسے ڈینی اور مظہر کے بارے میں کچھ نئے شواہد ملے ہیں۔"

"لیری!" میں نے حیرت سے دہرایا "کیا سی آئی اے کا یک چیف کلرک ایسی کسی ملاقات کی خواہش کرنے کا حق رکھتا ہے۔"

"حق کسی کو بھی نہیں ہے۔ اس نے رسمی طور پر درخواست کی ہوگی۔ یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ ہم ان لوگوں کی درخواست کو بھی اہمیت دینے پر مجبور ہیں۔ میرا بس چلے تو میں ذاتی طور پر اس ملاقات سے صاف انکار کردوں۔ ویسے امریکی پروٹوکول میں کلرک کا عہدہ خاصا اہم ہوتا ہے۔"

"تو انکار کیوں نہیں کردیتے۔" میں نے دانستہ وہ سوال کرڈالا۔

"سول سرونٹ کی ذات کچھ نہیں ہوتی۔ وہ حکم کا بندہ ہوتا ہے۔ یہ اجلاس کل گیارہ بجے کراچی میں ہونا ہے اور میں یہاں موجود ہوں اس لیے مجھ کو اپنے محکمے کی نمائندگی کے لیے نامزد کیا گیا ہے۔ بقیہ لوگ بھی شاید وہی ہوں گے جو اپنے پرفریب دشمنوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔" جلال کے جواب میں اس کے اندر کا کرب پنہاں تھا۔

"ایس ٹی ایف کی طرف سے کون آئے گا؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی بھی آسکتا ہے۔ یہ اسلام آباد والوں کی مرضی پر منحصر ہے۔" اس کے جواب سے بیگانگی مترشح تھی۔

"جان نے لیری کو جان بوجھ کر یہاں چھوڑا ہے تاکہ اس کے اشاروں پر وہ تمہیں ستاتا رہے۔"

"معلوم یہی ہوتا ہے۔ اجلاس کا چکر اچانک کھڑا ہوا ہے۔"

"ایس ٹی ایف غیر آئینی تنظیم ہے۔ اس کے نمائندے کس حیثیت میں آسکتے ہیں؟"

"یہ پہلے بھی ہوچکا ہے۔ اجلاس آف دی ریکارڈ ہوگا۔ امریکیوں کو ٹیکنالوجی میں ایسی برتری حاصل ہے کہ انہوں نے بہت سی قوموں کو زچ کیا ہوا ہے۔ وہ دوستی کا احسان جتا کر ایس ٹی ایف کا نام نہیں اچھالتے ورنہ اس کے وجود اور سرگرمیوں سے خاصی حد تک باخبر ہیں۔"

"پھر معلوم ہوتا ہے کہ قرعہ فال اپنے خان کے نام ہی نکلے گا۔ اس سے ابھی ابھی میری بات ہوئی ہے۔ وہ اجلاس سے بے خبر ہے۔"

"اگر اسے شریک ہونا ہے تو آج رات کسی ذریعے سے اسے پیغام مل جائے گا۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ چندن اور کل کے اجلاس میں کیا تعلق ہوسکتا ہے؟"

"ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے۔ صبح تم نے چندن کو فیکس بھیجا اور شام کو لیری نے مشترکہ اجلاس کا مطالبہ پیش کردیا۔ یہ اتفاق نہیں ہوسکتا۔ ان دونوں باتوں میں کوئی نہ کوئی چیز مشترک ضرور ہے۔"

"اجلاس کو تم دیکھ لینا۔ میں چندن کی خبر لیتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"جو کچھ بھی ہوتا ہے، مجھے باخبر ضرور رکھنا۔ آج میری رات صدف مینشن میں ہی کالی ہوگی۔"

"سارا قصہ ہی نمٹ گیا۔" میں نے غزالہ اور سلطان شاہ کو خوش خبری سنائی "وہ میرا فیصلہ سن کر خوش ہوگیا۔ ہم چندن کو اٹھائیں گے۔"

"وہ چندن کی گرفتاری میں مدد نہیں دے گا؟" ویرا نے پوچھا جو میری بات سنتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آگئی تھی۔

"وہ الگ رہے گا۔ اس کے مشورے پر اول خان کو بھی دور رکھا جائے گا۔" میں نے ان لوگوں کو مزید خوش خبری سنائی۔

ایک مرتبہ پھر سرگرمی سے باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ اس وقت تک ویرا اپنے جذباتی بحران پر قابو پاکر نارمل ہوچکی تھی۔ اس نے زیادہ شراب نہیں پی تھی اور کمزوری کے کسی اظہار کے بغیر پوری سرگرمی سے گفتگو میں حصہ لے رہی تھی۔

وہ تینوں میری اور جلال کی کہی ہوئی ہربات جان لینے کے خواہش مند تھے کیونکہ اس بات چیت نے جلال کی طرف سے میرا دل کسی آئینے کی طرح صاف کردیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اول خان بھی تیسری مرتبہ ہمارے گھر آپہنچا۔ اسے میری اور جلال کی گفتگو کا علم نہیں تھا اس لیے وہ ماحول میں گھٹن اور تلخی کی امید لے کر آیا تھا۔ اس نے ہم چاروں کو خلاف توقع ہشاش بشاش پایا تو اس کی آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی۔

بعد میں اسے یہ جان کر ازحد خوشی ہوئی کہ جلال نے میرے فیصلے کی مکمل توثیق کردی تھی۔ اس کی حد سے بڑھی

ہوئی خوشی کو اعتدال میں لانے کے لیے جب میں نے اسے یہ بتایا کہ وہ ہم سے دور رہے گا تو اس کا منہ لٹک گیا۔ عملی کاموں میں بھرپور حصہ لے کر اسے ہمیشہ عجیب سی آسودگی ملتی تھی۔

"پھر اب تمہارا کیا پلان ہے؟" سب کچھ سن لینے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ اس سے پہلے مجھے تمہاری بریفنگ کی ضرورت ہوگی۔" میں نے کہا۔

"تم مجھے اس آپریشن سے دور رکھ سکتے ہو لیکن میری فورس کے جوانوں کو ہر وقت اپنی دسترس میں پاؤ گے۔" اس نے فخر سے بتایا "اس وقت بھی میرے دو آدمی چندن کے گھر سے دور رہ کر اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ عام طور پر وہ گھر میں اکیلا رہتا ہے مگر آج اس کے پاس ایک لڑکی آئی ہوئی ہے۔ گھر میں ان کے سوا کوئی تیسرا فرد نہیں ہے۔"

"تمہارے وہ دونوں آدمی وہاں سے کب لوٹیں گے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ صبح آٹھ بجے آنے والوں سے اپنی ڈیوٹی بدلیں گے۔ میں ابھی انہیں احکام دیے دیتا ہوں۔ وہ تمہارے کام میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔"

"جلال تجربہ کار آدمی ہے۔ اس کا مشورہ ہے کہ ان اطراف میں کسی ایجنسی کا کوئی آدمی موجود نہیں ہونا چاہیے۔"

"جلال کے بارے میں یہی بات میں نے کہی تھی تو تم ناراض ہوگئے تھے ذرا سی دیر میں تمہاری سوچ میں تبدیلی کیسے آگئی۔" اول خان نے ہنس کر پوچھا۔

"اس کے بارے میں میری سوچ ہمیشہ بہت اچھی رہی ہے۔" میں نے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "اس وقت کسی نے میرے دماغ میں زہر بھر دیا تھا۔"

"میں اس کے دیے ہوئے مشورے کو رد نہیں کر سکتا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ ان دونوں کو نہ چھیڑو۔ وہ تمہارے پیچھے پیچھے وہاں سے لوٹ جائیں گے بلکہ تم چاہو تو یہ بندوبست بھی ہو سکتا ہے کہ تم راستے میں کہیں رک کر چندن کو ان کے حوالے کر دو۔ ان کے پاس نئی کرولا موجود ہے۔"

"جب انہیں تماشائی بنا رہنا ہے تو ان کی موجودگی کی کیا افادیت ہے۔" میں نے اس کی تجویز کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"خدانخواستہ عین وقت پر کوئی گڑبڑ ہوگئی تو وہ تمہاری مدد کر سکیں گے۔" اول خان نے پورے خلوص سے کہا اور میں نے اس کی بات مان لی۔

ہم لوگوں کو کراچی میں ایک ساتھ کوئی بڑی مہم سر کیے ایک عرصہ ہو چکا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس موقع پر ویرا ہمارے ساتھ چلنے کی ضد کرے گی لیکن وہ کچھ مضمحل سی ہو رہی تھی۔ اس نے اس موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں کہا اور ہم تینوں سر جوڑ کر پروگرام طے کرنے لگے۔

"اس چکر میں تم اول خان کو لیری والے اجلاس کے بارے میں بتانا بھول گئے۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا اور میں اول خان سے معذرت کر کے اس نئے مسئلے کے بارے میں بتانے لگے۔

جلال سمیت کوئی بھی اس اجلاس سے خوش نہیں تھا۔ اول خان کا خیال تھا کہ امریکی اس حکمتِ عملی کے ذریعے خود کو خفیہ اداروں کے سروں پر مسلط کرنے کی کوشش کر رہے تھے جس کے ردِ عمل میں وہ ان ایجنسیوں کے سرگرم تعاون سے محروم ہو سکتے تھے۔ اس وقت رات کے دس بجنے والے تھے لیکن اول خان کو اپنے ذرائع سے اجلاس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اس نے یہ فرض کر لیا کہ ایس ٹی ایف کی نمائندگی کے لیے کسی اور کو منتخب کر لیا گیا تھا۔

اول خان اپنی جان بچ جانے سے خوش تھا۔ اس کے شب و روز ہمارے درمیان گزرتے تھے۔ اگر اسے اجلاس میں شریک ہونا پڑتا تو اس کے لیے لیری کے اگلے ہوئے زہر کو ہضم کرنا مشکل ہو جاتا۔ وہ ایک سیدھا اور سچا پاکستانی تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اشتعال کے عالم میں اس کی زبان سے کوئی ایسی بات نکل سکتی تھی جو نقصان دہ ثابت ہوتی۔

ہم دونوں کافی دیر تک نئے مسائل پر سر کھپاتے رہے لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ظاہری طور پر صرف ایک امکان نظر آرہا تھا جس کی نشان دہی جلال کر چکا تھا۔ میں نے مظہر کی حیثیت سے چندن کو ایک فیکس بھیجا' اس نے وہ آگے بڑھا دیا۔ وہ تیز رفتار مواصلاتی سہولتوں کا زمانہ تھا۔ فیکس اور ای میل کے ذریعے ذرا سی دیر میں معلومات ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی تھیں۔ دہلی میں بیٹھے ہوئے حکام کے لیے وہ فیکس اس بات کا کھلا ثابت تھا کہ مظہر خان بھارتیوں کو جُل دے کر کسی طرح پاکستان نکل گیا تھا اور حالات سے پریشان ہو کر وہ کراچی میں روپوشی کے دن گزار رہا تھا۔

فیکس کے متن کی وجہ سے وہ ثبوت پاکستانیوں کے سامنے پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بھارتیوں نے اپنے امریکی

آقاؤں سے مدد لے لی تھی اور وہ فیکس دکھا کر انہیں یقین دلا دیا تھا کہ مظہر خان کراچی میں موجود تھا۔ پاکستانی حکام اسے پکڑنے میں دانستہ بے پروائی برت رہے تھے۔

دہلی میں جان کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا وہ فیکس دوبارہ کراچی آگیا تھا اور اس بار لیری کی تحویل میں تھا۔ شاید لیری نے اسی ثبوت کی بنا پر پاکستانی ایجنسیوں کے ساتھ ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔

میں نے اپنے مشن کے لیے رات کے بارہ بجے کا وقت منتخب کیا تھا۔ اس وقت سول لائنز کے رہائشی علاقے میں اتنا سناٹا ہوجانا چاہیے تھا کہ ہمیں چندن کو اس کے فلیٹ سے نکال کر واپس روانہ ہونے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

میرے ایما پر اول خان نے فون پر صدف مینشن سے رابطہ کرکے جلال کو اس پروگرام سے آگاہ کردیا۔ اگر سب کچھ توقع کے مطابق ہوتا چلا جاتا تو رات کے ایک بجے تک چندن کو ہر حال میں اسٹیشن فور پہنچ جانا چاہیے تھا۔

ان دونوں کے فون پر براہ راست مذاکرات ہوئے تو جلال کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اول خان کو سرے سے اجلاس کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا۔ وہ فکرمند تھا کہ ایس ٹی ایف کی طرف سے اجلاس میں شرکت کے لیے کسی نئے آدمی کو نامزد کیا گیا تو شاید وہ لیری کے سوالوں کا کامیابی سے سامنا نہ کرسکے مگر وہ اس بارے میں بے بس تھا۔ ایس ٹی ایف کے چیف تک کسی کی بھی رسائی نہیں تھی۔ وہ اپنے فیصلے خود کرنے کا عادی تھا۔

میں نے اول خان کو اپنے پاس بلاتے ہوئے یہ عندیہ دے دیا تھا کہ میں چندن کے خلاف کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے کا ارادہ کرچکا تھا اس لیے وہ اپنے ساتھ ایک اپریٹس بھی لیتا آیا تھا جو چندن کے گھر کی نگرانی کرنے والوں سے رابطے کے لیے کارگر تھا۔ اس نے ہمارے ڈرائنگ روم میں بیٹھے بیٹھے اپریٹس پر چارلی ون کے کوڈ پر اپنے آدمی سے رابطہ کیا اور تفصیل سے آگاہ کردیا کہ چارلی تھری کے کوڈ سے ایک شخص بارہ بجے میدان میں اترنے والا ہے۔ ان دونوں کو چندن کے گھر سے دور اور الگ تھلگ رہ کر چارلی تھری کی ہدایات کا انتظار کرنا ہوگا۔

چارلی ون کو وہاں صرف نگرانی کے کام پر مامور کیا گیا تھا۔ میری اور سلطان شاہ کی مہم جوئی اس کے لیے نئی چیز تھی۔ اسے اس کا محدود کردار سمجھانے میں اول خان کو خاصی دیر لگ گئی لیکن جب اس نے اپنی ہدایات کا سلسلہ مکمل کرکے اپریٹس آف کیا تو اسے اطمینان تھا کہ سب کچھ میری اور اس کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ اس کے آدمی کسی مرحلے پر میری راہ میں حائل ہونے کی کوشش نہیں کریں گے۔

”مجھے بہت عجیب محسوس ہورہا ہے کہ تم دونوں ایک مہم پر جارہے ہو اور میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔“ اول خان نے اپریٹس میرے حوالے کرتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ آج کی مہم بہت آسان ہوگی۔ شاید سرے سے کوئی مزاحمت ہی نہ ہو۔ تم کو فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔“ میں نے اسے تسلی دی۔

”اس بھول میں نہ رہنا کہ چندن نے اپنے فلیٹ میں کسی لڑکی کو بلایا ہوا ہے تو وہ دنیا و مافیہا سے غافل ہوگا۔“ اس نے مجھے آگاہ کیا ”اگر وہ واقعی پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ ہے تو سوتے ہوئے بھی دیکھ سکتا ہے۔ ایسے لوگ رنگین مزاج اور بہت

سفاک ہوتے ہیں۔ میں اسٹیشن فور پہنچ کر تمہارے لیے دعاگو رہوں گا۔"

"تمہیں اب گھر جانا چاہیے۔ اسٹیشن فور پر تمہاری موجودگی ضروری نہیں ہے۔ قیدی کو تمہارے آدمیوں کے حوالے کرکے ہم بھی گھر آجائیں گے۔ اس سے پوچھ گچھ کی ابتدا صبح کی جائے گی۔"

"تم گھر آؤ یا کہیں اور جاؤ، میں قیدی کے پہنچنے تک اپنے دفتر میں رہوں گا۔ تمہارا مشن مکمل ہونے کے بعد میں اپنے گھر یا آرام کے بارے میں سوچوں گا۔" اس نے دو ٹوک الفاظ میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"تمہارے پاس ایسے وسائل ہیں کہ گھر پر رہ کر بھی تم پل پل کے حالات سے باخبر رہ سکتے ہو....."

اول خان نے مجھے آگے بولنے کا موقع نہیں دیا "مشن تمہارا ہے۔ اس کے بارے میں فیصلے کرنے کا اختیار تم کو ہے۔ اب تم میرے فرائض میں دخل اندازی مت کرو۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ کس وقت کیا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ میں ان فرائض سے روگردانی نہیں کرسکتا۔"

"اول خان کی بات اصولی ہے۔" ویرا نے دخل انداز ہوتے ہوئے کہا "دونوں اپنے اپنے کام دیکھو۔ دوسرے کے کام میں خلل مت ڈالو۔"

اس گفتگو کے بعد وہ زیادہ دیر تک ہمارے ساتھ نہیں رکا۔ میں محسوس کررہا تھا کہ اس کا دل بوجھل ہو رہا تھا۔ اس وقت اسے دہری مار پڑی تھی۔ میں نے جلال کے ایما پر اسے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کردیا تھا۔ دوسری طرف اسے اگلے دن کے اجلاس میں نمائندگی کے سلسلے میں نظر انداز کردیا گیا تھا۔

کہنے کو اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی جان بچ جانے پر خوش تھا مگر میں جانتا تھا کہ آدمی زبان سے کچھ بھی کہتا رہے، اس کی پیشہ ورانہ انا کو اسی وقت تسکین ملتی ہے جب اس کے سر پر بھاری ذمے داریوں کا بوجھ ڈالا جائے۔ اس بار ایس ٹی ایف کے بڑے نے کسی اور کو اس بوجھ کا اہل سمجھ لیا تھا۔

اول خان کو رخصت کرنے کے بعد میں نے اپنی تیاری کے امکانات کا جائزہ لینا شروع کردیا۔ سلطان شاہ بہت خوش تھا کہ اس بار اسے ویرا پر فوقیت دی گئی تھی۔ وہ بھی کیل کانٹے سے لیس ہونے کے ارادے سے اپنے کمرے میں جا گھسا تھا۔

دونوں عورتیں بہت حوصلہ مند اور اپنی حفاظت کے معاملے میں خود کفیل تھیں پھر بھی انہیں گھر میں محصور رہنے کی ہدایات دے کر پونے بارہ بجے میں سلطان شاہ کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

سڑکیں اس وقت دور تک خالی نظر آرہی تھیں۔ سلطان شاہ نے مین روڈ پر آتے ہی گاڑی کی رفتار بڑھانی شروع کردی۔

اس وقت ایس ٹی ایف کے دو آدمی میری مدد کے لیے شکار گاہ کے اطراف میں موجود تھے۔ ان سے میرا کوئی تعارف نہیں تھا۔ میں نے ایرپیس آن کرکے چارلی ون کے لیے پیغام نشر کیا تو وہ اسی لمحے لائن پر آگیا۔ ریڈیو سگنلز کے شور میں اس آواز کو شناخت کرنا مشکل تھا۔

"ہم نکل چکے ہیں اور اس وقت جیل کے قریب سے گزر رہے ہیں۔ ادھر کی کیا پوزیشن ہے.... اوور!" میں نے اپنے مخاطب سے پوچھا۔

"گھر میں سکون اور خاموشی ہے سر! روشنیاں جل رہی ہیں۔ لڑکی ابھی بھی اندر ہے۔ سی جی اس کے ساتھ ہے.... اوور!"

"واپسی پر تم ہمارے پیچھے آؤ گے۔" میں نے اسے ہدایت کی "قائداعظم کے مزار کے پیچھے والی سڑک پر رک کر تم مجھ سے سامان لوگے اور پھر تیزی سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوجاؤ گے.... وہاں چیف صاحب تمہارا انتظار کریں گے۔ اوور اینڈ آل۔"

ہمارا سفر تیزی سے جاری رہا۔ میرے ذہن میں اول خان کا بتایا ہوا نقشہ محفوظ تھا۔ ہم پی آئی ڈی سی ہاؤس سے آگے نکل کر بغلی گلی میں مڑے تو رات کے بارہ بجنے میں صرف ایک منٹ باقی رہ گیا تھا اور اس سڑک پر دور تک سناٹے کا راج نظر آرہا تھا۔

کاروباری علاقے سے ملحق ہونے کی وجہ سے دن کے اوقات میں وہ سڑک گاڑیوں کے ہجوم سے ایسی اٹی ہوئی ہوتی تھی کہ وہاں سے گزرنا محال ہوجاتا تھا مگر اس وقت وہاں ویرانی کا راج تھا۔ سڑک کے کناروں پر کہیں کہیں اِکا دُکا گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔

میں اپنے بائیں ہاتھ پر عمارتیں گن رہا تھا۔ وہ شہر کا قدیم علاقہ تھا۔ وہاں کی دفتری اور رہائشی عمارتیں بھی پرانی ساخت کی تھیں۔ جدید طرز کی کثیرالمنزلہ عمارتوں کی تعمیر کا سلسلہ وہاں اس وقت تک شروع نہیں ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے ساتویں عمارت سے ذرا آگے گاڑی روک دی۔

اس سڑک پر آتے ہی میں نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ

وہاں عمارتوں پر الگ الگ چوکیدار مامور نہیں تھے۔ علاقے کے مکینوں نے اپنے مال و اسباب کے لیے شاید کسی گشتی چوکیدار پر انحصار کیا ہوا تھا۔ جو اس وقت آس پاس نظر نہیں آرہا تھا۔ ہم دونوں بیک وقت اپنی اپنی سمت کے دروازے کھول کر گاڑی سے نیچے اترے۔ میری متجسس نگاہیں اول نشان کے دونوں آدمیوں کی تلاش میں ہر طرف بھٹک رہی تھیں لیکن ان کا کہیں پتا نہیں تھا۔

ساتویں عمارت کے عین مقابل، چار دیواری میں گھرا ہوا ایک خالی پلاٹ گھور سیاہی میں ڈوبا ہوا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ایس پی ایف کے آدمیوں نے اسی پلاٹ کی تاریکی میں پناہ لی ہوئی تھی۔ وہاں سے وہ اپنے مطلوبہ مکان پر آسانی سے نظر رکھ سکتے تھے۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ ہم ایک خطرناک زون میں داخل ہوچکے تھے جہاں ہمارا کسی حریف کی نظروں میں آنا مہلک ثابت ہوسکتا تھا۔ وقت کے تیز ترین استعمال کے لیے میری نگاہیں بے چینی سے ساتویں عمارت اور اس کے قرب و جوار کا جائزہ لے رہی تھیں۔

وہ احاطے کی دیوار سے محروم ایک پرانی سی چار منزلہ عمارت تھی۔ اس کی حالت سے ظاہر ہورہا تھا کہ ابتدا میں تین منزلہ رہی ہوگی۔ اس کی چھت پر واقع چوتھی منزل بعد میں تعمیر کی گئی تھی کیونکہ اس کی ساخت بقیہ تین منزلوں سے یکسر مختلف اور قدرے جدید طرز کی تھی۔

بادی النظر میں یوں معلوم ہورہا تھا کہ اس عمارت کے داخلی زینوں کے ساتھ، ہر منزل پر دو رہائشی فلیٹ واقع تھے جو اگر کشادہ نہیں تھے تو تنگ بھی نہیں کہے جاسکتے تھے۔ کمروں کے سائز کا اندازہ سڑک کی سمت میں کھلنے والی کھڑکیوں اور روشن دانوں سے ہورہا تھا۔ عمارت کی ابتدائی تین منزلوں کی اونچائی مروج معیار سے زیادہ تھی۔ اونچی چھتوں والے ان کمروں میں تازہ ہوا کی مناسب گردش کے لیے بنائے ہوئے روشن دان خاصے منفرد نظر آرہے تھے۔

ایک سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ روشن کھڑکیوں اور روشن دانوں پر مضبوط آہنی گرل کا جال نظر آرہا تھا۔ اس رکاوٹ کی موجودگی میں یہ امکان نہیں رہا تھا کہ گراؤنڈ فلور پر واقع چندن کے فلیٹ کی کسی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر ہم اطمینان سے اندر داخل ہوسکیں۔

میرے لیے زیادہ دیر تک گاڑی کے قریب کھڑا رہ کر سوچنا خطرناک تھا۔ ہم دونوں کسی نادیدہ نگہبان کی نظروں میں آسکتے تھے۔

نقصان

ماہر نفسیات "مبارک ہو، آپ کا علاج ہوگیا۔ اب آپ بالکل ٹھیک ہیں۔"

دماغی مریض "کیا فائدہ ایسے علاج کا.... آپ کے پاس آنے سے پہلے میں فرانس کا بادشاہ تھا۔ اب میں ایک عام آدمی ہوں۔"

ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں بیم گن کے استعمال کا خیال آیا۔ ہم اس کی مدد سے بہت تیزی سے کسی تاریک کھڑکی کی گرل کاٹ سکتے تھے مگر اس عمل میں کئی خطرات پوشیدہ تھے۔ رات کی گہری تاریکی میں بیم گن کی تیز نیلگوں روشنی کو چھپانا ممکن نہیں تھا۔ اندھیرے میں چمکنے والی وہ غیر معمولی روشنی کسی کی بھی توجہ اپنی طرف مبذول کراسکتی تھی۔ وہ امکان خارج ہونے کے بعد واحد صورت یہ رہ جاتی تھی کہ چندن کے فلیٹ میں اس کے دروازے سے داخل ہونے کی کوشش کی جائے۔

میں سر کی ہلکی سی جنبش سے سلطان شاہ کو اپنی تقلید کا اشارہ کرتا ہوا عمارت کے اس راستے کی طرف بڑھ گیا جہاں سے زینے اوپری منزلوں کی طرف جارہے تھے۔ اس جگہ ایک بلب روشن تھا جو اس مختصر سی جگہ کی تاریکی دور کرنے کے لیے کافی تھا۔

"کیا دروازے پر دستک دینے کا ارادہ ہے؟" میرے ساتھ بڑھتے ہوئے سلطان شاہ نے ہذیانی انداز میں سرگوشی کی۔

"اس کے علاوہ اور کیا چارہ ہے؟" میں نے ازراہِ تمسخر کہا۔ اس خطرناک مرحلے پر یکایک میرا سکون بحال ہوچکا تھا اور شاید مزاح کی حس بھی جاگ اٹھی تھی۔

"دروازہ توڑ دو۔ اسے ہوشیار کرکے گھر میں گھسنا شامت کو دعوت دینے کے برابر ہوگا۔" اس نے اضطراری لہجے میں کہا۔

میں دل ہی دل میں اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ بات میرے ذہن میں پہلے سے بیٹھی ہوئی تھی کہ وہ خاصا گنجان آباد علاقہ تھا جہاں متوسط طبقے کے قانون پسند شرفا رہتے تھے۔ اگر چندن کو زیر دام آنے سے پہلے خطرے کا ذرا بھی ادراک ہوجاتا تو وہ شور مچا کر ایک ہنگامہ کھڑا کرسکتا تھا۔ اس کی ایسی کوئی ہنگامہ آرائی ہمارا پورا

منصوبہ ٹھپ کر سکتی تھی۔
میں نے جوں ہی عمارت کی حدود میں قدم رکھا' میرے ذہن میں اچانک ایک محفوظ ترکیب آگئی۔
وہ عمارت پوری طرح آباد ضرور تھی لیکن فلیٹوں کے مکین اپنے دروازوں پر بیٹھے ہوئے نہیں ہو سکتے تھے۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ ان میں سے بیشتر اپنی آرام دہ خواب گاہوں میں سو چکے ہوں گے جو جاگ رہے تھے' وہ بھی اپنے گھر کی حدود میں کہیں نہ کہیں مصروف ہوں گے۔ یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ کوئی ہم دونوں کو چندن کے فلیٹ کے دروازے پر موجود پاکر شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا۔
دوسری طرف چندن کے فلیٹ کی اندرونی صورتِ حال بھی میرے پیش نظر تھی۔ وہ اپنے بیوی بچوں کو عمر کوٹ چھوڑ کر کراچی میں رضاکارانہ تجرد کی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ ہفتے میں ایک بار اپنے گھر ضرور جاتا تھا لیکن اس کی حرکتوں سے اس کی اوباشانہ طبیعت کا کھلا اظہار ہوتا تھا۔ یہ بات ہمارے حق میں تھی کہ اس رات چندن نے اپنی دل بستگی کے لیے ایک لڑکی کو اپنے فلیٹ میں بلایا ہوا تھا۔ شراب اور شباب کی دستیابی نے اس کی سرگرمیوں کو یقینی طور پر خواب گاہ کے آرام دہ بستر تک محدود کیا ہوا ہوگا۔ ایسے میں اس کے فلیٹ کے داخلی دروازے کے قفل پر بیم گن آزمائی جاتی تو اس کے متوجہ یا ہوشیار ہونے کا امکان نہیں تھا۔
اس خیال کے ساتھ ہی میرا ہاتھ اپنی جیکٹ میں رینگ گیا۔ میں معمول کی رفتار سے راستہ طے کرتا ہوا چندن کے فلیٹ کے دروازے پر پہنچا تو میرا ہاتھ بیم گن کے سرد آہنی دستے پر جم چکا تھا۔ میں نے لمحہ بھر رک کر دوسرے فلیٹ کے بند دروازے اور اوپری زینوں پر نگاہ ڈالی پھر سرعت سے بیم گن کا نوزل ہضمی قفل کے کی ہول پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ چند ہی لمحوں بعد بیم گن دوبارہ میری جیب میں منتقل ہو چکی تھی۔
سلطان شاہ نے احتیاط سے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس رات چندن کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے۔ اپنی کسی خوش بدن مہمان کی بھرپور پذیرائی میں ڈوب کر وہ دروازے کو اندر سے بولٹ کرنا بھول گیا تھا۔
میں نے دروازے میں ہلکی سی جھری پیدا کر کے ڈرتے ڈرتے اندر جھانکا۔ روشن راہ داری سے کوئی متنفس نظر نہیں آیا لیکن ایک طرف سے کسی کے ابکائیاں لینے کی آواز آئی۔ چشم زدن میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ کھانے اور پینے میں بے اعتدالی چندن پر اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ وہ کہیں مدہوش پڑا قے کر رہا تھا۔ وہ گھر میں گھسنے کا بہترین موقع تھا۔

میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ بے آواز قبضوں پر پٹ گھومتے ہی ہمارے داخلے کی راہ ہموار ہوگئی۔ ہم دونوں پھرتی سے اندر گھس گئے۔ سلطان شاہ دروازہ بند کر کے بولٹ کرنے کے لیے رکا اور میں اتنی دیر میں ابکائی کی آوازوں کے سہارے چندن کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔
کمرے میں ہلکی اور خواب ناک روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کنگ سائز کی آرام دہ مسہری پر مرمریں بدن والی ایک نیم برہنہ لڑکی شرمناک حالت میں بے سدھ پڑی ہوئی تھی اور کمرے کی فضا الکحل اور جلے ہوئے تمباکو کے دھوئیں کی تیز بو سے بوجھل ہو رہی تھی۔ قالین پر لڑھکی ہوئی اسکاچ کی خالی بوتل ان دونوں کی گزری ہوئی مصروفیات کی داستان سنا رہی تھی۔
کمرے میں اس لڑکی کے سوا کوئی متنفس نہیں تھا۔ وہ اپنی آنکھیں موندے مدہوش پڑی ہوئی تھی۔ چندن باتھ روم میں گھسا الٹیاں کر رہا تھا۔ خواب گاہ کے نرم قالین پر میں بہت تیزی سے آگے بڑھا اور کمرے سے ملے ہوئے روشن غسل خانے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ وہ اپنے بدن پر صرف ایک ڈھیلا نیکر پہنے واش بیسن کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔
چندن کی نم آلود آنکھوں نے واش بیسن پر لگے ہوئے آئینے میں میرا عکس دیکھا تو اس کے چہرے پر یکایک خوف کی زردی پھیل گئی۔ اس نے تیزی سے میری طرف پلٹنا چاہا مگر میں نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ وہ نشے میں تھا اور میں پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔ میں نے واش بیسن کے سامنے ہی اس کی گردن دبوچ لی۔ اس کے حلق سے بس ایک مختصر سی بے معنی آواز نکلی اور پھر اس کے ہاتھ پیر جواب دیتے چلے گئے۔ وہ کھڑے کھڑے لڑکھڑا کر باتھ روم کے سفید ٹائلوں والے فرش پر ڈھیر ہوگیا۔
اول خان سے ملی ہوئی انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے سے چندن کے بدن میں اترنے والے سریع الاثر سیال نے اسے دیکھتے ہی دیکھتے پچھاڑ دیا تھا۔
میرے لیے چندن کا وہ انجام اتنا پُریقین تھا کہ میں نے اسے چھونے یا چھیڑنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں اس سے فارغ ہو کر دوبارہ خواب گاہ کی طرف پلٹا تو سلطان شاہ بہت برے برے منہ بناتا ہوا چندن کی خوش بدن مگر بے شرم مہمان کے برہنہ تن کو چادر سے ڈھانپ رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

"وہ مدہوش بلکہ بے ہوش پڑی ہوئی ہے تو بلاوجہ اس سے کیوں چھیڑچھاڑ کررہے ہو؟" میں نے دانستہ سلطان شاہ سے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ چندن کے فلیٹ میں گھسنے سے پہلے میں جس شدید اعصابی دباؤ میں مبتلا تھا' وہ یکایک ختم ہوچکا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس مشن کے اصل حریف کے زیر ہوتے ہی میری ظرافت کی سوئی ہوئی حس بیدار ہوچکی تھی۔

"میں چھیڑ رہا ہوں!" سلطان شاہ نے پھاڑ کھانے والے انداز میں دبی دبی سرگوشی کی "تم نے دیکھا نہیں کہ یہ بے شرم کیسی حالت میں بستر پر پڑی ہوئی تھی۔"

"تم درست کہہ رہے ہو" میں نے دھیمی آواز میں اطمینان سے جواب دیا "میں نے بھی اسے دیکھا تھا مگر بے ضرر سمجھ کر نظرانداز کردیا اور اپنے اہم شکار کی طرف بڑھ گیا۔ تم نے اسے دیکھا تو بس اسی میں الجھ کر رہ گئے۔"

"اسے بھی کسی نہ کسی کو دیکھنا تھا۔" سلطان شاہ نے لڑکی کی برہنہ پنڈلیوں پر چادر کا ایک گوشہ ڈالتے ہوئے اس بار قدرے بے پروائی سے جواب دیا "ہم دونوں ایک شکار پر پل پڑتے تو یہ سراسر وقت کا ضیاع ہوتا۔"

"چندن بے ہوش ہوچکا ہے۔ اب ہمیں ان دونوں کو یہاں سے نکال کر گاڑی میں پہنچانا ہے" وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے میں نے اپنے مذاق کو طول دینے کی کوشش نہیں کی۔ میری دانست میں وہ اگلا کام اس مہم کا مشکل ترین مرحلہ تھا۔

"میں چندن کو کندھے پر لادلیتا ہوں۔ تم لڑکی کو اٹھالو" سلطان شاہ نے جھٹ تجویز پیش کردی۔

میرے سرسری مذاق کے جواب میں اس کی وہ تجویز بری نہیں تھی۔ لڑکی کے نازک سراپا کے مقابلے میں چندن کا وجود خاصا بھاری تھا۔

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا اور میں چندن کی بے ہوشی کے بعد والی صورتِ حال کا ذہنی تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔

ہم اس گلی کی ساتویں عمارت کے زیریں فلیٹ میں موجود تھے۔ ہماری گاڑی عمارت کے قریب موجود تھی اور عمارت کے گرد کوئی احاطہ نہیں تھا' باہر دھندلائی ہوئی ناکافی روشنی بلکہ بڑی حد تک تاریکی کا راج تھا۔ اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے اور شہر کے کاروباری علاقے کے قلب میں رہنے والے بیشتر شرفا اپنے گھروں میں گھسے ہوئے تھے۔ باہر کسی گشتی چوکیدار کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ خطرہ کم ہی تھا کہ کوئی ہمیں دو بے حس وحرکت ہیولوں کے ساتھ چندن کے فلیٹ سے نکل کر گاڑی تک جاتے ہوئے دیکھ لیتا اور شور مچادیتا۔ ایسی کوئی نازک پوزیشن پیدا ہونے کی صورت میں تاریک پلاٹ کے احاطے میں چھپے ہوئے ایس ٹی ایف کے کارکن ہماری مدد کے لیے میدان میں کود سکتے تھے۔ وہ پیشہ ور لوگ تھے۔ لڑنے بھڑنے اور صاف بچ نکلنے کے فن میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ وہ ہوائی فائرنگ کرکے یا کسی اور حرکت کے ذریعے ایسی ہڑبونگ مچاسکتے تھے کہ ہمیں اپنی کار تک پہنچنے میں کسی مداخلت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

میں نے سلطان شاہ کے مشورے پر عمل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ برہنہ لڑکی کو میں بستر کی چادر میں سمیٹ کر آسانی سے باہر لے جاسکتا تھا۔ اسی لمحے میرے دماغ میں ایک کوندا سا لپکا اور میرے بڑھتے ہوئے قدم فرشی قالین میں گڑ کر رہ گئے۔

میں بیم گن سے دروازے کا قفل کاٹ کر فلیٹ میں داخل ہوا تو لڑکی چندن کی پلائی ہوئی شراب اور اپنے شباب کے نشے میں اتنی مدہوش تھی کہ اسے فلیٹ میں ہم دونوں کے داخلے کا علم ہوسکا تھا نہ وہ ہمیں دیکھ لینے کے قابل تھی۔ وہ ایک آبروباختہ اور شاید پیشہ ور لڑکی تھی جو چندن کا دل بہلانے کے لیے اس رات وہاں آئی ہوئی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوسکتا تھا کہ فلیٹ میں کون لوگ آئے تھے اور چندن کو کیوں اٹھاکر لے گئے۔

وہ سوفیصد ایک غیر متعلقہ فریق تھی جو محض اپنی بدقسمتی کی وجہ سے وہاں آن پھنسی تھی۔ ہمیں اپنے کام کے سلسلے میں اس سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ اس کے برعکس وہ اسٹیشن فور کے اہل کاروں کے لیے وبال بن سکتی تھی۔

میرے خیالات کی دوسری رو اتنی قوی تھی کہ میں نے اسی لمحے لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کردیا۔ سلطان شاہ باتھ روم کے دروازے پر کھڑا میرے اشارے کا منتظر تھا۔ میں لڑکی کو بھول کر اس کی طرف بڑھ گیا۔

"میں لڑکی کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا" مجھے باتھ روم کی طرف آتا ہوا دیکھ کر وہ مچل گیا "اسے تم اٹھاکر لے جاؤ گے۔"

"بک بک مت کرو" میں نے نیچی آواز میں اسے ڈانٹا "لڑکی ہمارے لیے بے کار ہے۔ وہ ہوش میں آنے کے بعد کسی کو کچھ نہیں بتاسکے گی۔"

"تم آگے چلو' میں بے ہوش مرد کو کندھے پر لاد کر لاتا ہوں" سلطان شاہ نے مستعدی سے کہا۔

لڑکی کا کانٹا دور ہو جانے کے بعد چندن کو پشت پر لاد کر باہر لے جانا مناسب نہیں تھا۔ ہم دونوں اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے صفائی سے اپنی گاڑی کی پچھلی نشست تک لے جاسکتے تھے۔ کوئی ہماری جھلک دیکھ بھی لیتا تو یہ سمجھ کر نظرانداز کر دیتا کہ دو مددگار کسی مریض یا شرابی کو سہارا دے کر عمارت سے لے جا رہے ہیں۔

چند لمحوں میں چندن کا وجود ہمارے شانوں کے سہارے درمیان میں جھول رہا تھا۔ ہم دونوں نے پیش قدمی شروع کی تو چندن کے بے جان پیر فرش اور پھر قالین پر نرمی سے گھسٹ رہے تھے۔

نکاس کے دروازے کے قریب میں ذرا آگے نکل کر ترچھا ہو گیا۔ فلیٹ چھوڑنے سے پہلے میں نے لمحہ بھر کے لیے اپنا سر دروازے سے باہر نکال کر عقابی نظروں سے قرب وجوار کا جائزہ لیا اور میدان صاف پا کر آگے بڑھ گیا۔

رات کے گہرے سناٹے میں کنکریٹ کے فرش پر چندن کے ننگے پیر گھسٹنے کی آواز خاصی نمایاں تھی۔ چندن کا قد ہم دونوں سے خاصا دبتا ہوا تھا۔ میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں سلطان شاہ کو ہدایت کی "اسے اوپر اٹھاؤ۔ پیر زمین پر نہ لگنے پائیں۔"

اس نے چند ثانیوں کے لیے رک کر زور لگایا۔ میں نے بھی کوشش کی مگر ہم دونوں اس وزنی لاش کو فضا میں معلق نہ کر سکے۔

زینوں والے بند اور قدرے روشن گلیارے سے کھلی فضا میں نکلتے ہی میرا بدترین اندیشہ حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آ گیا۔

اس عمارت میں کوئی چوکیدار نہیں تھا مگر علاقے میں رات کو گشت کرنے والا چوکیدار دور سے چلا آ رہا تھا۔ داہنی طرف دور سے سڑک پر اس کے ڈنڈے کی آواز آ رہی تھی۔

"تیز چلو" میں نے چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان کہا "اس کے پہنچنے اور کچھ سمجھنے سے پہلے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

ہم عمارت سے نکل کر بائیں طرف کھڑی ہوئی کار کی طرف مڑے تو چوکیدار ٹھیک ہماری پشت پر تھا۔ اس سڑک پر پھیلی ہوئی دھندلی روشنی میں شاید اس نے دور ہی سے دو افراد کے کندھوں پر جھولتے ہوئے تیسرے آدمی کو دیکھ لیا جس کے بدن پر کپڑوں کے نام پر صرف ایک نیکر نظر آ رہا تھا۔ پختہ سڑک پر چوکیدار کے قدموں اور ڈنڈا مارنے کی آوازوں میں یک بیک تیزی آ گئی اور اسی کے ساتھ میرے تنفس کی رفتار بڑھنے لگی۔

میں نے رک کر اپنا قیمتی وقت برباد کرنے اور مڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ بس پوری قوت مجتمع کر کے چند قدم دور کھڑی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف بڑھتا رہا۔ اس وقت وہ مختصر سا فاصلہ مجھے میلوں پر محیط نظر آنے لگا تھا۔ میری شدید ترین خواہش تھی کہ اس کارروائی میں کوئی بے گناہ ہمارے ہاتھوں مجروح نہ ہو لیکن وقت گزرنے کے ساتھ وہ امکان تیزی سے ختم ہوتا جا رہا تھا۔

مشتبہ صورتِ حال نے شاید چوکیدار کے دل میں تجسس پیدا کر دیا تھا اور اس کے قدموں کی قریب آتی ہوئی آوازیں بتا رہی تھیں کہ اس نے سڑک پر ہماری طرف دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

ہم اپنی کار تک پہنچ چکے تھے۔ اس کے دروازے ہم نے دانستہ مقفل نہیں کیے تھے۔ میں نے دل ہی دل میں اس فرض شناس اور بے جگر چوکیدار پر لعنت بھیجی اور پچھلا دروازہ کھول کر چندن کے جسم کو بے دردی سے اندر ڈال دیا۔

سلطان شاہ اپنے بوجھ سے نجات حاصل کرتے ہی تقریباً دوڑتا ہوا گاڑی کے گرد گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک فضا میں ٹھک کی ایک دبی دبی مگر واضح آواز سنائی دی، فضا میں ایک انسانی کراہ گونجی اور کوئی بھاری وجود دھم سے زمین پر گر گیا۔

پیچھے سے آنے والی وہ علامتی آوازیں اس قدر پُراسرار تھیں کہ میں بے ساختہ پیچھے مڑنے پر مجبور ہو گیا۔

چوکیدار کے قدموں اور ڈنڈے کی آوازیں یکایک مفقود ہو چکی تھیں۔ وہ ایک سکڑے ہوئے وجود کی صورت میں ہم سے دس پندرہ فٹ کے فاصلے پر سڑک کے کنارے پڑا ہوا تھا اور ایک دبلا پتلا شخص اپنے ہاتھ میں رائفل لیے دبے قدموں سے تاریک پلاٹ کے احاطے کی دیوار کی طرف دوڑا جا رہا تھا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس مسلح اور منحنی شخص نے کسی بندر کی سی پھرتی سے احاطے کی دیوار عبور کی اور پھر اندر کی تاریکی اسے نگل گئی۔

محاذ پر پیدا ہونے والی ہلچل ختم ہو چکی تھی۔ شاید ایس ٹی ایف کے کسی چھپے ہوئے کارکن نے چوکیدار کو ہم سے دور رکھنے کے لیے اپنی کمین گاہ سے باہر نکل کر اس کی کھوپڑی پر اپنی آہنی رائفل کا دستہ بجا دیا تھا۔

میرے لیے قیدی کے ساتھ وہاں رکنا خطرناک تھا۔ جو

کچھ ہوا تھا' وہ ہمارے حق میں تھا۔ میں گاڑی کا دروازہ کھول کر پھرتی سے پسنجر سیٹ پر سوار ہو گیا۔ سلطان شاہ انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ میرے سوار ہوتے ہی گاڑی نے تیزی سے یوٹرن لیا اور پھر اس گلی سے نکلتی چلی گئی۔

بے چارہ چوکیدار بدستور سڑک کے کنارے بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ اس کا موٹا اور لمبا ڈنڈا لڑھک کر اس سے دور چلا گیا تھا۔

"یہ کون پڑا ہوا ہے؟" چوکیدار کے قریب سے گزرتا ہوا سلطان شاہ تحیرزدہ آواز میں سوال کر بیٹھا۔ شاید وہ چندن کو سنبھالنے میں اتنا زیادہ منہمک تھا کہ اس نے اپنے عقب سے آنے والے صوتی تاثرات پر سرے سے دھیان نہیں دیا تھا۔

"گلی میں گشت کرنے والا رات کا چوکیدار معلوم ہوتا ہے" میں نے پیکٹ میں سے سگریٹ منتخب کرتے ہوئے سکون سے جواب دیا۔

"یہ اندازہ اس کے موٹے اور بھاری ڈنڈے سے میں نے بھی کر لیا تھا۔ وہ سڑک پر بے سدھ کیوں پڑا ہوا ہے؟ اسے کس نے مار دیا؟"

"پتا نہیں۔ میں تمہارے ساتھ کام میں لگا ہوا تھا" میں نے مختصر سا جواب دے کر اسے ٹالنا چاہا۔ حقیقت یہ تھی کہ چوکیدار کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا' مجھے بھی اس کا صحیح علم نہیں تھا۔ جو کچھ تھے میرے اندازے تھے۔ میں ان اندازوں کی بنا پر کوئی جواب دے کر بات کو طول نہیں دینا چاہ رہا تھا۔

وہاں جو کچھ ہوا تھا' اس کا صحیح جواب اول خان ہی دے سکتا تھا مگر میں اپنے قیاسات کی بنا پر دل میں ایس ٹی ایف والوں کی مستعدی کا معترف ہو چکا تھا۔ وہ جہاں بھی ہوتے تھے' بروقت حرکت میں آتے تھے اور دشمن پر کاری ضرب لگا کر لوٹ جاتے تھے۔ مجھے یاد نہیں تھا کہ کبھی کسی مہم میں ان کی شمولیت یا مداخلت کی وجہ سے مجھے کسی خسارے سے دوچار ہونا پڑا ہو۔ اس وقت بھی ان کا کوئی آدمی غیبی تائید کی صورت میں اچانک نمودار ہوا تھا۔ اگر علاقے کا چوکیدار ہم تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا تو خاصی الجھن اور بدمزگی پیدا ہو سکتی تھی۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا کہ ہماری کارروائی کا ایک چشم دید گواہ پیدا ہو جاتا' جس کے ذریعے چندن کے پُرتشدد اغوا کی کہانی آناً فاناً پھیل سکتی تھی۔

"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھے کیا سوچ رہے ہو؟" مین روڈ پر نکل آنے کے بعد سلطان شاہ نے مجھے ٹوکا۔

"تمہارے سوال کا صحیح جواب اول خان سے ملاقات ہونے پر مل سکے گا" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"تمہارے پاس اس کا دیا ہوا اپریٹس موجود ہے۔ اس پر چارلیوں سے بات کیوں نہیں کر لیتے۔"

میں کام میں الجھ کر چارلی ون اور ٹو سے رابطے کی سہولت کو سرے سے نظرانداز کر بیٹھا تھا۔ اس کے یاد دلاتے ہی میں نے ڈیش بورڈ کے نچلے خانے سے اپریٹس نکالا اور اس پر چارلی ون کے لیے پیغام نشر کر دیا۔ ان سے گفتگو کرنے کے لیے میرا کوڈ چارلی تھری مقرر کیا گیا تھا۔

دوسری طرف سے بلاتاخیر جواب مل گیا "چارلی ون سر! ہم لوگ آپ کے پیچھے آ رہے ہیں۔ درمیان میں کوئی دوسری گاڑی نہیں ہے۔ ہماری گاڑی کے روشن ہیڈ لیمپس آپ کو اپنے عقب نما آئینے میں نظر آ رہے ہوں گے.... اوور!"

اپریٹس سے ابھرنے والی آواز سلطان شاہ کے کانوں تک بھی پہنچ رہی تھی۔ اس نے فوری طور پر چارلی ون کی بات کی تائید کر ڈالی۔

"ویری گڈ!" میں نے سلطان شاہ کا جواب سننے کے بعد کہا "اسی طرح ہمارے پیچھے آتے رہو۔ چوکیدار کے ساتھ کیا ہوا تھا۔"

"سر! آپ لوگوں کے باہر آنے سے پہلے ہی ہم نے اس کا ڈنڈا بجانے کی آواز سن لی تھی اور اس کو عمارت کی طرف آتا ہوا دیکھ کر مضطرب ہو گئے تھے۔ آپ کو دیکھ کر اس نے اپنی رفتار تیز کی تو میں نے اسے وہیں روک دینے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ بہت گڑبڑ پھیلا سکتا تھا۔ میں نے خاموشی سے اس کے پیچھے پہنچ کر سر پر رائفل کی بٹ سے ضرب لگائی اور کام بن گیا۔ وہ آپ سے ٹکرا جاتا تو وہاں ایک ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔"

"تم دونوں کہاں چھپے ہوئے تھے؟" میں نے اس سے وہ رسمی سا سوال بھی پوچھ ہی لیا۔

"ساتویں بلڈنگ کے سامنے ایک ویران پلاٹ کے اندھیرے میں ہم نے پناہ لی تھی۔"

"او کے۔ تم اسی طرح ہمارے پیچھے آتے رہو۔ قیدی کو تمہاری گاڑی میں ڈالنے کا پروگرام اب ختم سمجھو" میں نے وہ آخری ہدایت دے کر سلسلہ وہیں ختم کر دیا۔

"کیا قیدی کو اسٹیشن فور کے بجائے صدف مینشن لے جانا چاہ رہے ہو؟" اپریٹس پر بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ نے سوال داغ دیا۔

"تمہارے ذہن میں یہ اچھوتا خیال کیسے آ گیا؟" میں

نے پرمزاح انداز میں پوچھا۔
"قائداعظم کے مزار کے پیچھے چندن کو ان کی گاڑی میں منتقل کرنے کا پروگرام تم نے کسی وجہ سے منسوخ کیا ہوگا۔"
میں نے سگریٹ سلگا کر سنجیدگی سے کہا "چندن گرنانی سے بازپرس کے لیے صدف مینشن اس شہر کی بہترین عمارت ہے' وہاں ملزموں سے پوچھ گچھ کے لیے تشدد سے کہیں زیادہ نفسیاتی حربوں سے کام لیا جاتا ہے جس کے لیے خصوصی عملہ موجود ہے۔ میں نے ان کے ساتھ وقت گزار کر ان کے طور طریقوں کا قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔ اندر کے بھیانک اور نیم تاریک آسیبی ماحول میں گھستے ہی آدمی کا دل بیٹھنا شروع ہوجاتا ہے۔"
"تم نے صدف مینشن کی بات شروع کردی' میں چندن کی پوزیشن جاننا چاہ رہا تھا" اس نے میری بات کاٹ کر اعتراض کیا۔
"میں تمہیں پورا پس منظر سمجھانا چاہ رہا ہوں تاکہ تم اس موضوع پر باربار سوالات کرکے مجھے تنگ نہ کرو" میں نے ترشی سے جواب دیا "مجھے انتخاب کرنے کا موقع میسر ہوتا تو میں چندن کو سیدھا صدف مینشن لے جاتا لیکن جلال اس معاملے سے بالکل الگ تھلگ رہنا چاہ رہا ہے تاکہ بعد میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں سے بچ سکے۔ یہ مجبوری ہے کہ ہمارے پاس اپنے قیدی کے لیے اسٹیشن فور کے سوا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔"
"تو اب تم خود اسٹیشن فور تک دوڑ لگانے کا ارادہ کرچکے ہو؟" اس نے دوبارہ قطع کلامی کی۔
"جب اول خان قیدی کے انتظار میں' اپنے بیوی بچوں کو بھول کر وہاں بیٹھا رہ سکتا ہے تو ہمیں وہاں جانے میں کیا قباحت ہے؟"
"کچھ بھی نہیں" وہ میرے جارحانہ لہجے پر بوکھلا گیا "اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ ہم خود قیدی کو اس کے پاس لے جائیں۔"
"میرے فیصلے کا اخلاق سے دور کا بھی سروکار نہیں ہے۔ ایسے کاموں میں اخلاقیات پر غور کرنے والے بے دردی سے ماردیے جاتے ہیں۔ چندن ہاتھ آگیا ہے تو اب میں جلد از جلد اس کی کہانی سننے کے لیے بے چین ہوں۔ شاید اول خان بھی اسی نیت سے اپنے دفتر میں جما ہوا ہے۔"
سلطان شاہ نے واپسی کے لیے ایم اے جناح روڈ کے بجائے شارع فیصل کا راستہ لینا پسند کیا۔ مجھے اس معاملے میں دخل دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ چندن پچھلے حصے میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ سلطان شاہ ڈرائیونگ میں مصروف تھا اور میرا ذہن آنے والے حالات وواقعات میں الجھا ہوا تھا۔
رات گئے شہر کی معروف سڑکیں بھی خالی خالی نظر آرہی تھیں۔ رات کے گہرے اندھیرے میں اسٹریٹ لائٹس کی تیز روشنی اور ہورڈنگز کی چکاچوند شہر کی خوبصورتی کو اجاگر کررہی تھی مگر کراچی کے باسی یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اوپری لیپا پوتی باہر سے آنے والے مہمانوں کی دلفریبی کے لیے تھی ورنہ پرانے اور نئے شہر کے بہت سے علاقے ہروقت گندگی' سیلن اور تاریکی کی آماجگاہ بنے رہتے تھے۔
سلطان شاہ سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی سے ہوتا ہوا شاہراہ قائدین پر نکلا اور پھر قائداعظم کے مزار کی عقبی سڑک پر ہولیا۔ وہ وہی مقام تھا جہاں ہمیں اپنے متروک پروگرام کے تحت رک کر قیدی کو اول خان کے آدمیوں کے حوالے کرنا تھا۔
شہر کے باسیوں کے لیے رات گہری ہوچکی تھی مگر سبزی منڈی پر زندگی کی ساری چہل پہل اپنے عروج پر تھی۔ دوردراز کے زرعی علاقوں اور مضافات سے پھل اور سبزیاں لانے والے بھانت بھانت کے ٹرکوں نے ٹریفک کے قوانین کی پروا کیے بغیر یونیورسٹی جانے والی سڑک تقریباً بند کی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ کسی پیشہ ور ڈرائیور کی طرح خود کلامی کے انداز میں پک اپ اور ٹرک والوں کو برا بھلا کہتا اپنا راستہ بناتا رہا۔
آخر کار ہم اپنے گھر کے قریب سے گزر گئے۔ راستے بھر مجھے بس ایک خوف دامن گیر رہا تھا کہ کہیں پولیس کی کسی گشتی پارٹی سے سامنا نہ ہوجائے۔ ہم اپنی گاڑی میں اوپری تن سے برہنہ چندن کی موجودگی کا کوئی جواز نہیں دے سکتے تھے۔ حسن اسکوائر کے چوراہے سے آگے نکلتے ہی میرا وہ خوف یکلخت کافور ہوگیا۔ پولیس کے خوف میں مبتلا ہوکر میں یہ بات بالکل فراموش کربیٹھا تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے دو آدمی اپنی نئی کرولا میں ہمارے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ پولیس والوں سے نمٹنے کے لیے ان کی موجودگی کافی تھی۔
ایس ٹی ایف والے فوجی تھے نہ شہری' ان کے وجود سے لے کر ان کی سرگرمیوں تک' سب کچھ اس قدر خفیہ تھا کہ ان کے بارے میں کہیں کوئی ریکارڈ نہیں تھا پھر بھی سینہ گزٹ کے ذریعے چلنے والی زبانی ہدایتوں کی بنا پر ایک خصوصی درجے کے ہر انتظامی افسر کو ان کا غائبانہ تعارف حاصل تھا۔ ایس ٹی ایف والے جب بھی کہیں کھل کر سامنے آتے تھے تو ہر نفری ان کی موجودگی کا احترام کرتے ہوئے موقع سے ٹل

جانے کو ترجیح دیتی تھی۔
یونیورسٹی روڈ ختم ہوگیا۔ ہم صفورا گوٹھ سے آگے نکل کر چھاؤنی کی حدود کی طرف بڑھنے لگے۔ آگے ہمیں ایک ملٹری چیک پوسٹ سے گزرنا تھا۔
معاً میرے ٹرانسمٹر پر چارلی ون کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ میں نے اسے لائن پر اپنی موجودگی کی اطلاع دی تو اس نے بتایا کہ وہ اپنی گاڑی ہم سے آگے نکال لے جانے کے خواہاں تھے تاکہ چیک پوسٹ پر وقت ضائع نہ ہو۔ ہم رکے بغیر' ان کے پیچھے چیک پوسٹ سے گزر جائیں۔
میں نے اس تجویز سے فوری اتفاق کرلیا۔ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی کی رفتار قدرے کم کی اور اسے بائیں طرف دبالیا۔ ایس ٹی ایف والوں کی کرولا زن سے ہم سے آگے نکل گئی۔
ایس ٹی ایف کے اہل کار فوجی جوانوں کے لیے اجنبی نہیں تھے۔ وہ رکے بغیر' محض رفتار قدرے کم کرکے آگے نکل گئے۔ وہاں سے گزرتے ہوئے ان میں سے کسی نے فوجی سنتری کو ہماری گاڑی کے بارے میں بتادیا تھا اس لیے ہمارے گزرنے تک رکاوٹ اٹھی رہی۔ فوجی نے بھی ہمیں ہاتھ کے اشارے سے گزر جانے کا سگنل دے دیا تھا۔
جس طرح فوج میں کور اور ڈویژن سے لے کر یونٹ کی سطح تک ہر چھوٹے بڑے گروپ کا اپنا حفاظتی نظام ہوتا ہے اسی طرح ملٹری چیک پوسٹ سے آگے ہر حساس علاقے میں داخلے کے لیے شاید جا بجا رکاوٹیں موجود تھیں مگر ایس ٹی ایف کی چیک پوسٹ ہمیشہ کی طرح ہمارے لیے کھلی ہوئی تھی۔
کھلے میدان میں گونجنے والی انجنوں کی آوازیں دور سے بیرکوں میں سنی جارہی تھیں۔ ہماری گاڑیاں اول خان کے دفتر کے سامنے پہنچیں تو وہ پہلے سے اپنی بیرک کے برآمدے میں کھڑا ہمارا انتظار کررہا تھا۔ اس سے ہماری آخری ملاقات کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا مگر وہ مجھ سے یوں تپاک سے ملا جیسے برسوں بعد ہماری ملاقات ہورہی ہو۔
وہ میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے دفتر کی طرف لے گیا۔ اس کے آدمی اسے فوجی سلام کرکے ہماری گاڑی میں پڑے ہوئے قیدی کی طرف متوجہ ہوچکے تھے۔ شاید انہیں پہلے ہی بتادیا گیا تھا کہ قیدی کو اپنے ٹھکانے پر لانے کے بعد اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے؟
"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ تمہارے آدمیوں کے ساتھ ہم یہاں کیوں چلے آئے" میں نے اس کے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے قدرے حیرت سے کہا۔
"میں خود چندن کے انتظار میں یہاں نہ بیٹھا ہوا ہوتا تو تم سے سوال ضرور کرتا۔ مجھے معلوم تھا کہ تجسس تمہیں چین سے گھر نہیں بیٹھنے دے گا۔ تمہاری اور چارلی ون کی گفتگو میرے ریڈیو روم میں سنی گئی تھی اور مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ تم یہاں آرہے ہو۔"
میں نے محسوس کیا کہ پچھلی ملاقات کے مقابلے میں اس وقت اول خان کا موڈ خوشگوار تھا لیکن میں اس سے ذاتی نوعیت کا کوئی سوال کرکے اس کی انا کو مجروح نہیں کرنا چاہتا تھا۔ را اور امریکی سی آئی اے کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے بارے میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے وہ عقدہ خود بخود کھل گیا۔ ایس ٹی ایف کے باس نے خود فون کرکے اول خان کو ہدایت کی تھی کہ وہ صبح چیف کلرک لیری کے ساتھ ہونے والے اجلاس میں ایس ٹی ایف کی غیر رسمی نمائندگی کرے۔
اپنے پچھلے تجربے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اول خان نے اپنے باس سے یہ اجازت لے لی تھی کہ اگر وہ اپنی مدد کے لیے کسی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہے تو لے جاسکے۔
"اب چندن کب تک ہوش میں آئے گا؟" میں نے کرسی پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔
"اس پر زہر کے توڑ آزمائے جارہے ہوں گے۔ کسی بھی لمحے کوئی خوش خبری مل سکتی ہے" اول خان نے بتایا۔
"میرا خیال ہے کہ اس سے پوچھ گچھ کی ابتدا ہم دونوں کو خود کرنی چاہیے" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔
اول خان بے ساختہ ہنس پڑا "تم فکر نہ کرو۔ یہ نیک کام ہم ہی سرانجام دیں گے۔ میرے آدمی صرف اسے ہوش میں لانے کی کوششیں کررہے ہیں۔ جیسے ہی وہ اپنی آنکھیں کھولے گا' میرے آدمی مجھے خبر کردیں گے اور ہم اس کے سر پر مسلّط ہوجائیں گے۔"
"پھر ٹھیک ہے" میں اطمینان سے ٹانگیں پسار کر صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔ اول خان کے کرسیوں والے کرخت مردانہ دفتر میں وہ نرم صوفہ نیا اضافہ تھا۔
"ابھی تک کسی کو کانوں کان بھی بھنک نہیں ملی ہے کہ چندن پر کوئی ناگہانی مصیبت نازل ہونے والی ہے" اول خان نے اپنے اردلی کو چائے لانے کی ہدایت دینے کے بعد کہا "میرا خیال ہے کہ صبح تک ہر طرف یہی بے خبری چھائی رہے گی۔"
"شاید اتنی دیر تک یہ خبر صیغہ راز میں نہیں رہے گی" مجھے اس کی رائے سے اختلاف تھا جو میں نے ظاہر کردیا۔

"اسے تم خاموشی سے اٹھا لائے۔ چوکیدار کو کسی مداخلت کا موقع نہیں مل سکا اور اسے ڈھیر کردیا گیا۔ صبح سے پہلے کس کو معلوم ہوگا کہ چندن غائب ہو چکا ہے؟"

"تم اس کی گرل فرینڈ کو بھول رہے ہو۔۔۔" میں نے اسے یاد دلانا چاہا مگر اس نے میری بات درمیان سے اچک لی۔

"اوہ۔۔۔ اسے تو میں بھول ہی گیا' اس کا کیا حشر ہوا؟"

"اپنا حشر وہ خود خراب کرچکی تھی۔ ہمیں اس کے بارے میں کچھ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی" یہ کہہ کر میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور اپنی بات جاری رکھی "اس کا بدن بے لباس تھا۔ سلطان شاہ نے بس اتنا کیا کہ اس کے ننگے بدن کو چادر سے ڈھانپ دیا۔"

"ہوں۔۔۔اوں!" اول خان نے تفہیمی انداز میں اپنا سرہلا کر ایک طویل ہنکارا بھرا اور بولا "وہ لڑکی خبر پھیلا دے گی۔"

"اس لڑکی کے بارے میں سوچ سوچ کر میرا خون کھول رہا ہے" سلطان شاہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "اگر وہ بے غیرت مسلمان تھی تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ جہاں بھی نظر آئی' اس کا نرخرا دبا دوں گا۔ بعد میں جو ہوگا وہ دیکھ لیا جائے گا۔"

"اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو" میں نے اسے گھورتے ہوئے سختی سے کہا "اس بات پر تاؤ کھانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ ایک مسلمان لڑکی کسی غدار ہندو کی عیاشی کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔ میری یہ بات یاد رکھو کہ آوارہ مردوں اور عورتوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ اس جھنجٹ میں پڑے بغیر صرف اور صرف جذبات سے بھٹکتے ہوئے جوان جسموں کے طلب گار ہوتے ہیں یا دولت کے حریص۔ ان دو کے سوا انہیں کسی تیسری بات سے غرض نہیں ہوتی۔ مذہب کی بنیاد پر کسی کی آوارگی پر مشتعل ہونا سراسر غلط ہے۔ آوارگی کسی کی بھی ہو' قابلِ نفرت ہے۔"

"خوب!" اول خان نے ہولے سے دوبار تالیاں بجائیں "تم اچھی تقریر کرلیتے ہو۔ لڑکی کے بارے میں میری بات رہ گئی۔"

"میں نے فلیٹ سے نکلتے ہوئے اس بات کا دھیان رکھا تھا کہ بعد میں دروازہ بند کردیا جائے" میں نے اسے بتایا "مگر وہ لڑکی رات بھر بے ہوش نہیں رہے گی۔ رات میں کسی وقت اس کا نشہ اترے گا تو وہ اپنے بوائے فرینڈ کو گھر سے غائب پاکر پریشان ہوجائے گی۔ وہ دیوانہ وار اسے ڈھونڈے گی۔ ناکامی کے بعد اپنا سامان سمیٹ کر خاموشی سے وہاں سے فرار ہوجائے گی تاکہ چندن کی گمشدگی کے سلسلے میں اس پر کوئی الزام نہ آسکے۔"

"الزام نہ بھی آیا تو اسے تفتیش میں ضرور شامل کیا جائے گا اور چھوٹے اخبار تصویروں کے ساتھ اس کا نام اچھالیں گے۔" سلطان شاہ بولا۔

"پھر چندن کے اغوا کی خبر کون پھیلائے گا؟" اول خان کا وہ سوال منطقی تھا۔

"چوکیدار ہوش میں آتے ہی پورے محلے میں اودھم مچادے گا اور لوگ اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ اس وقت تک چندن کی گرل فرینڈ اس کے فلیٹ میں ہو یا جاچکی ہو' پڑوسیوں کی مدد سے یہ بات کھل جائے گی کہ چندن اپنے فلیٹ سے غائب ہے" میں نے جواب دیا۔

"کھل جائے۔۔۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اسے تم اٹھا لائے ہو۔"

اسی وقت اول خان کا اردلی چائے کی ٹرے لے آیا اور ہم تینوں کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔

ہم جو کچھ کہہ رہے تھے وہ ہمارے قیاسات پر مبنی تھا۔ اصل حالات وقت گزرنے کے ساتھ واضح ہوسکتے تھے۔ چندن کے ہوش میں آنے کے انتظار میں ہم باتوں میں وقت گزارتے رہے لیکن میں اس دوران میں بھی ان سوالات کو اپنے ذہن میں یکجا کررہا تھا جو چندن سے پوچھے جانے تھے۔

چندن کراچی میں بھارتی قونصل خانے کا ملازم تھا اور پاکستانی شہریت کا حامل تھا۔ حب الوطنی کا جذبہ اسے چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔ اسی وجہ سے دہلی میں بیٹھے ہوئے را کے بڑے افسران رازدارانہ مراسلت کے لیے اس پر آنکھیں بند کرکے اعتماد کرتے تھے۔ کراچی میں پھیلے ہوئے را کے نیٹ ورک میں چندن گرنانی کی جو بھی حیثیت رہی ہو' ایک بات طے تھی کہ اس کے فون یا فیکس پر کوئی غیر معمولی سہولت دستیاب نہیں تھی۔

وہ میرا اندازہ نہیں تھا بلکہ حقائق اس کی تصدیق کررہے تھے۔ وہ پوری بے فکری کے ساتھ ایک بیمار ہندو وکیل کا فون نمبر چرا کر استعمال کررہا تھا۔ اس نمبر پر وہ صرف مخصوص اوقات میں کالز وصول کرتا تھا۔ غیر متعلقہ کالز سے بچنے کے لیے اس نے یہ اصول اپنایا ہوا تھا کہ بارہ گھنٹیاں بجنے کے بعد ریسیور اٹھاتا تھا۔ اسے کوئی غیر معمولی مواصلاتی

تحفظ دستیاب ہوتا تو اسے بارہ گھنٹیوں والی شرط عائد کرنے اور دوسرے کا فون چرا کر استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

ڈیڑھ بجے کے قریب میں نے چندن کے گھر فون کرنے کا فیصلہ کرلیا تاکہ وہاں پائی جانے والی صورتِ حال کے بارے میں کچھ اندازہ لگاسکوں۔ اول خان اور سلطان شاہ میں سے کسی نے میرے اس فیصلے پر اعتراض نہیں کیا اور میں نے اول خان کی میز پر رکھا ہوا فون اپنے قریب کھسکالیا۔

ریسیور میں پہلی گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔ دوسری گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے ریسیور اٹھالیا گیا۔

چندن گھر پر نہیں تھا۔ کسی اور کو بارہ گھنٹیوں والے اصول کا علم نہیں تھا۔ وہاں جو کوئی بھی تھا اس نے تجسّس' اضطراب اور نامعلوم خوف سے مغلوب ہوکر دوسری گھنٹی پر فون کا ریسیور اٹھالیا تھا پھر میرے کان میں ایک سرسراتی ہوئی' خوف زدہ نسوانی آواز گونج اٹھی "ہیلو۔۔۔ !کون بول رہا ہے؟" آواز میں خمار کے گہرے اثرات رچے ہوئے تھے۔

"تمہارے منحوس عاشق کا والد بزرگوار!" میں نے تلخی سے کہا "تم اب تک وہیں مری ہوئی ہو۔"

شراب کے اثرات اس کے ذہن سے صاف نہیں ہوئے تھے۔ وہ ڈری ہوئی تھی۔ میرے پُراعتماد لب ولہجے سے نہ جانے کیا سمجھی کہ مرعوب ہوگئی اور ریسیور پر اس کی رو دینے والی آواز سنائی دی "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں۔ میں یہاں پھنس کر رہ گئی ہوں۔ باہر گڑبڑ ہوگئی ہے۔ بہت سے لوگ جمع ہیں۔ اگر تم کچھ کرسکتے ہو تو رام کے لیے جلد از جلد یہاں آکر مجھے نکال لو۔ میں بھول کر بھی دوبارہ چندن سے نہیں ملوں گی۔"

اس نے بھول کر بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ چندن اس وقت کہاں اور کس حال میں تھا۔ نشے کی گرفت میں ہونے کے باوجود اسے صرف اپنی فکر تھی۔ دوسری اہم تر بات یہ ہوئی کہ میں اس کی زبان سے رام کا نام سن کر حیران رہ گیا۔ میں نے سلطان شاہ کو اشتعال سے روکنے کے لیے مذہب اور آوارہ مزاجی کے حوالے سے بہت کچھ کہہ ڈالا تھا مگر چندن کی گرل فرینڈ کی زبان سے رام کا لفظ سنتے ہی میری تجسّس کی رگ بھڑک اٹھی اور میری زبان بے ساختہ چل پڑی "تمہارا نام کیا ہے؟ تم کون ہو؟"

"میرا نام شہزادی ہے' میں ایک غریب ہندو لڑکی ہوں۔" اس نے درمیان میں میلوں فاصلہ ہونے کے باوجود گویا میرا ذہن پڑھ کر جواب دیا۔

اس کا جواب سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے وجود میں ٹھنڈک کی ایک فرحت انگیز سی لہر دوڑ گئی ہو۔ اس سے مجھے مزید کچھ معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔ اسے فون کرنے کا مقصد حاصل ہوچکا تھا۔ مضروب چوکیدار کے کھڑے کیے ہوئے ہنگامے کی وجہ سے شہزادی' چندن کے فلیٹ میں محصور ہوکر رہ گئی تھی۔

"جس طرح بھی ہوسکے وہاں سے نکل بھاگو ورنہ آدھے گھنٹے بعد تم زندہ نہیں رہوگی۔" میں نے ڈراؤنی آواز میں اسے دھمکایا۔

"تت ۔۔۔ تم کون ہو؟ چچ ۔۔۔ چندن کہاں ہے؟" میری دھمکی سن کر اس نے سہمی ہوئی آواز میں پہلی مرتبہ ڈھنگ کے سوال کیے۔

میں نے اس کے سوالوں کے جواب دیے بغیر فون بند کردیا۔

"کیا نام بتایا تھا اس نے اپنا؟" فون بند ہوتے ہی سلطان شاہ پر تجسّس انداز میں پوچھ بیٹھا۔

مجھے اس کے سوال کا سبب معلوم تھا۔ اس کے دل میں ایک خلش سی تھی جو محض نام سے دور نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ وہ ایک عام سا نام تھا جو مذہب کی عکاسی نہیں کرتا۔ کئی مسلمان شہزادیوں کے سوا میرے ذہن میں اس بانکی عورت کی یاد بھی تازہ تھی جو نام کی شہزادی ہی تھی مگر داؤد کے دفتر میں صفائی کا کام کرتی تھی۔ میں نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "غصہ تھوک دو۔ اس کا نام شہزادی ہے اور وہ ہندو ہے۔ چندن نے مرنے سے پہلے جو کچھ کیا' اپنی ہم مذہب کے ساتھ کیا۔ تم کو اس پر معترض ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"حیرت ہے کہ وہ لڑکی بہت جلد ہوش میں آگئی۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا "میں سوچ رہا تھا کہ بارہ کیا' پچاس گھنٹیوں کے بعد بھی تمہیں چندن کے فلیٹ سے کوئی جواب نہیں ملے گا۔"

"شبہ مجھے بھی تھا مگر حرکت میں برکت ہوتی ہے۔ تم دیکھ لو کہ میری کوشش بارآور ثابت ہوئی۔"

"لڑکی سے بات کرنے سے کیا فائدہ ہوا؟" سلطان شاہ نے مجھ سے پوچھا۔

"پہلا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے مذہب کے بارے میں جان کر تمہارے دل کی پھانس نکل گئی۔ دوسری طرف ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ اس وقت وہاں کیا ہورہا ہے۔ اب یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ چندن کے سرپرستوں کو صبح ہونے سے پہلے

اس کے اغوا ہو جانے کی خبر مل جائے گی۔" میں نے کہا۔

"ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوگا۔ یہ بات طے ہے کہ صبح کے آف دی ریکارڈ اجلاس میں لیری کسی بڈھے طوطے کی طرح وہی باتیں دہرائے گا جو را اور سی آئی اے کے مفاد میں جاتی ہیں۔ اجلاس میں کچھ تلخی ترشی بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد چندن کے اغوا کی خبر نکلتی تو بھارتی اسے کسی انتقامی کارروائی کا نام دے سکتے تھے۔" اول خان نے کہا۔

"وہ تنگ نظر اور متعصب ہیں۔ اب بھی کچھ نہ کچھ گند پھیلائیں گے۔" سلطان شاہ نے اپنا سر جھٹک کر کہا۔

"گند اور حقیقت میں بہت فرق ہوتا ہے۔" اول خان اس گفتگو سے محظوظ ہو رہا تھا "اس وقت کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ بھارتی قونصل خانے کا ایک مقامی ملازم ہماری قید میں موجود ہے۔"

"اسے بھارتی قونصل خانے کا مقامی ملازم نہیں، پاکستان کا غدار کہو۔" سلطان شاہ نے نفرت اور حقارت سے جواب دیا اور جذباتی انداز میں فرشی قالین پر ہاتھ مار کر اپنی بات جاری رکھی "اس زمین نے ہمیں جو کچھ دیا ہے، ہم اپنی جانیں نثار کر کے بھی اس کا کوئی حصہ نہیں لوٹا سکتے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی مٹی کا قرض اتارنے کے بجائے اسی مٹی کے سودے چکانے لگتے ہیں۔"

"چندن سے ملو گے تو یہ باریکی بھی تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔" میں نے نرمی سے کہا اور سلطان شاہ نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

تھوڑی دیر بعد اسٹیشن فور کے گارڈ روم سے اردلی کے ذریعے یہ خبر آئی کہ قیدی ہوش میں آرہا تھا۔

ہم تینوں اس اہم ترین خبر کے انتظار میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔ چندن کے ہوش میں آجانے کے بعد ہمارے بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اول خان کی قیادت میں ہم بیرک کے اس مخصوص کمرے کی طرف چل دیے جہاں چندن کو لے جایا گیا تھا۔

عام حالات میں فوجیوں کے معمولات بہت لگے بندھے ہوتے ہیں۔ ان کی سرگرمیوں کا آغاز صبح سویرے ہو جاتا ہے۔ اس لیے فوجی آبادیوں اور چھاؤنیوں میں رات کا سکوت جلد ہی اتر آتا ہے۔ اس وقت ایس ٹی ایف کے پورے کیمپ میں روح پرور سناٹے اور خاموشی کا راج تھا مگر اول خان کے دفتر والی بیرک کے آخری سرے پر خاصی چہل پہل نظر آرہی تھی۔

ان دنوں ایس ٹی ایف والے کسی وردی کے بجائے عام شہری لباس استعمال کر رہے تھے مگر اس لباس میں بھی ایسی خوش گوار یکسانیت تھی کہ مجھ جیسے قریبی لوگ انہیں دور سے پہچان سکتے تھے۔ ان میں سے تین افراد اپنے بھرے ہوئے ہتھیار ہاتھوں میں لیے برآمدے میں موجود تھے۔ انہوں نے ایڑیاں بجا کر اپنے چیف کو سیلوٹ کیا اور اول خان انہیں جواب دیتا ہوا کھلے ہوئے اکلوتے دروازے میں داخل ہو گیا۔

اس کمرے میں قدم رکھتے ہی مجھے پہلا ذہنی جھٹکا لگا۔ میرا اندازہ تھا کہ چندن کو کسی بستر پر ڈال کر ہوش میں لانے کی کوشش کی جارہی ہوگی مگر مسہری پر لگا ہوا بے داغ اور سفید بستر خالی تھا۔ چندن کنکریٹ کے کھردرے فرش پر اکڑوں بیٹھا خوف زدہ نظروں سے ان دونوں افراد کو دیکھ رہا تھا جو اس کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ پورا فرش گیلا ہو رہا تھا۔ قریب ہی ٹھنڈے پانی کی ایک بالٹی، ڈونگے سمیت رکھی ہوئی تھی۔ چندن کے سر کے بالوں سے نیکر تک ہر چیز پانی میں نہائی ہوئی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ہوش میں لانے کے لیے اسے فرش پر ڈال کر اس کے منہ اور بدن پر دل کھول کر ٹھنڈا پانی ڈالا گیا تھا۔

"سر!" کمرے میں موجود ایک آدمی نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "جب سے یہ ہوش میں آیا ہے، اس نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ تم لوگ کون ہو اور اس وقت میں کہاں ہوں۔" اس وقت چندن کی نظریں میرے اور اول خان کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کا سارا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔

"تم لوگ کیوں نہیں بتاتے۔" چندن غصے اور بے بسی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ غرایا "میرا کیا جرم ہے۔ تم لوگ مجھے کیوں اٹھا لائے ہو۔ میں ایک ذمے دار سفارتی افسر ہوں۔ تم میرے ساتھ کوئی من مانی نہیں کر سکتے۔"

"سفارتی افسر سے پہلے تم پاکستانی شہری ہو۔" اول خان نے اپنے آدمیوں کو چلے جانے کا اشارہ کرنے کے بعد چبھتی ہوئی آواز میں کہا "تمہاری سرگرمیاں......"

اول خان راست گو آدمی تھا۔ وہ چندن کو سب کچھ صحیح بتانے جا رہا تھا۔ میں نے چندن کے چہرے سے اندازہ لگا لیا کہ وہ ڈھیٹ اور ضدی قسم کا آدمی تھا۔ اسے آسانی سے راہِ راست پر لانا ممکن نہیں تھا۔ اسے کوئی چکما دے کر سچ بولنے پر آمادہ کیا جا سکتا تھا۔ میں نے اول خان کی بات درمیان سے اچک لی اور اس کے کہے ہوئے الفاظ کے تسلسل کو برقرار

رکھتے ہوئے جواب دیا "تمہاری سرگرمیاں ہمارے حق میں نہیں ہیں۔ تمہاری طرح ہم بھی پاکستانی ہیں۔ ہمیں یہاں اپنے طور طریقوں سے زندہ رہنے کا پورا حق ہے۔ جب یہاں کا قانون ہماری راہ نہیں روکتا تو تم کیوں ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔"

"مجھے پتا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ کوئی بات کرنا چاہتے ہو تو پہلے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"اگر تم از خود تعارف پر مصر ہو تو پھر یہ بھی سہی۔" میں نے سرہلا کر سلطان شاہ کو اشارہ کیا جو چندن کے قریب کھڑا دانت پیس رہا تھا۔ اسے غصہ آرہا تھا کہ ہم لوگوں نے اسے ادھیڑنے کے بجائے مذاکرات کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔

سلطان شاہ اس سے بہت زیادہ ناخوش تھا۔ اس سے پہلے کہ چندن تعارف کا مفہوم سمجھتا' سلطان شاہ کی لات چل گئی۔ اکڑوں بیٹھے ہوئے چندن کی ٹانگوں کے درمیان سے وہ ٹھوکر اس بری طرح اس کے بدن کے نچلے حصے پر پڑی کہ وہ ایک بے ساختہ اور کریہہ چیخ کے ساتھ پیچھے الٹ گیا۔

سلطان شاہ کی دوسری ٹھوکر نے اس کی داہنی پسلیاں ادھیڑ ڈالیں۔ چندن نے یہ اندازہ لگانے میں تاخیر نہیں کی کہ اس کے ستارے بری طرح گردش میں آئے ہوئے تھے۔ وہ صحت مند اور جی دار آدمی تھا۔ پنجوں اور ہتھیلیوں کا سہارا لے کر حیرت ناک سرعت سے اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔

سلطان شاہ چاہتا تو اس پر تابڑ توڑ وار کرکے اسے فرش سے اٹھنے مہلت نہ دیتا لیکن وہ چندن سے کھلا مقابلہ کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے موڈ میں نظر آرہا تھا۔

چندن کے اٹھتے ہی وہ گھونسا تان کر اس کی طرف جھپٹا۔ اگر اسے موقع مل گیا ہوتا تو وہ یقیناً چندن کا جبڑا ہلا کر رکھ دیتا لیکن اسی لمحے یہ نکتہ واضح ہوا کہ چندن باکسر بھی تھا۔ اس نے اپنی دونوں کہنیاں چہرے کے سامنے لاکر سلطان شاہ کا وار روک لیا۔

سلطان شاہ اس ناکامی پر جھنجلا کر غضب ناک ہوگیا۔ چندن کو موقع مل گیا اور اس نے سلطان شاہ کے بائیں جبڑے پر ایک جان دار مکا رسید کردیا۔

وہ ضرب شدید تھی۔ مجھے یقین تھا کہ سلطان شاہ کو تارے نظر آگئے ہوں گے۔ حریف سے مار کھا کر وہ بپھرے ہوئے انداز میں بڑھا اور نتائج کی پروا کیے بغیر چندن کو بے رحمی سے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ اس بار بدقسمتی سے چندن کے دونوں ہاتھ بھی اس کی گرفت میں پھنس گئے تھے۔

وہ عجیب سچویشن بس چند لمحوں تک برقرار رہی۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنے ہاتھ استعمال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے وحشیانہ انداز میں چندن کے چہرے پر زوردار ٹکر رسید کی۔ اس کے حلق سے ایک بے ساختہ چیخ نکلی اور اس کی ناک سے خون بہہ نکلا۔

اس بار سلطان شاہ نے اپنے حریف کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ پے در پے کئی ٹکریں مار کر چندن کو حواس باختہ کردیا۔ میں غور سے جائزہ لے رہا تھا کہ اس خون ریز مقابلے میں سلطان شاہ نے ایک گھونسے کے سوا کوئی مار نہیں کھائی تھی لیکن ان دونوں کے چہرے خون میں تر ہوچکے تھے۔ چندن بری طرح لہولہان ہوچکا تھا۔ اس کے زخموں سے بہنے والے جان دار خون نے سلطان شاہ کے چہرے کو بھی رنگین کردیا تھا۔

چھ سات ٹکروں میں ہی چندن کے سارے کس بل نکل گئے۔ اس نے اپنے ہاتھ چھڑانے اور سلطان شاہ کی گرفت سے نکل جانے کے لیے سارے جتن کر ڈالے مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ اس وقت سلطان شاہ جونک بن کر اس سے لپٹا ہوا تھا۔ وہ اس وقت را کے ایک اہم ایجنٹ سے برسرپیکار تھا اس لیے اس کے سر پر خون سوار ہوچکا تھا۔ ذرا سی دیر میں چندن نڈھال ہوگیا۔ عارضی طور پر اس میں مقابلے کی سکت نہیں رہی تھی۔ اسے سانس لینے کا موقع مل جاتا تو شاید وہ اپنی توانائیاں مجتمع کرکے مزید کچھ دیر کے لیے سلطان شاہ کا مقابلہ کرلیتا۔ وہ سلطان شاہ سے کم تر نہیں تھا لیکن اس کے جذبے کا مقابلہ کرنا چندن کی بساط سے باہر تھا۔

"اسے چھوڑ دو!" میری دخل اندازی سے، پہلے اول خان نے سلطان شاہ کو ہدایت کی "ورنہ یہ مرجائے گا۔"

سلطان شاہ کا جوش و خروش اپنی جگہ مگر وہ ڈسپلن کے مفہوم سے اچھی طرح آشنا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ پوچھ گچھ کیے بغیر چندن کو مار ڈالنا ہمارے مفاد میں نہیں تھا۔ اول خان کے حکم پر اس نے کسی روبوٹ کی طرح عمل کیا اور چندن کو چھوڑ دیا۔

وہ سنگ دلانہ گرفت سے رہائی پاتے ہی کئی بار لڑکھڑایا لیکن کسی نہ کسی طرح اپنے قدموں پر کھڑا رہنے میں کامیاب ہوگیا۔

"جاؤ اور جاکر ہاتھ منہ دھولو۔ اس کے خون کے چھینٹوں نے تمہارا چہرہ گندا کردیا ہے۔" اول خان نے سلطان شاہ کو مشورہ دیا۔

"یہ ہمارا ہلکا سا تعارف ہے۔ اب شرافت سے بتاتے چلے جاؤ کہ یہاں تم کیا بدمعاشیاں کررہے ہو۔" میں نے

چندن سے کہا۔
”میں کچھ نہیں کر رہا۔ ایک معزز سفارتی افسر کے ساتھ یہ زیادتیاں تمہیں مہنگی پڑیں گی۔“ اس نے فرش پر خون تھوکتے ہوئے جواب دیا۔
”اس بھول میں نہ رہنا کہ تم پولیس یا کسی ایجنسی کے قبضے میں ہو۔ ہم اپنے شکار کو قانون اور عدالتوں میں لے جانے کا کھیڑا نہیں پالتے۔ اپنے فیصلے خود کرتے ہیں اور بارودی گولیوں سے انہیں عملی جامہ پہنا دیتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ڈینی کے بارے میں تم کیا کر رہے ہو۔“
خون آلود پیشانی اور چہرے پر اس کی آنکھیں بھیانک انداز میں پھیل گئیں ”تم ڈینی کے ساتھی ہو؟“ اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔
”ساتھی نہیں، ہم اس کے خون کے پیاسے ہیں۔“ میں نے اس کا سوال سنتے ہی قلابازی کھانے کا فیصلہ کر لیا۔
”ہم بھی اس کے دوست نہیں ہیں۔ دونوں کا مقصد ایک ہے پھر تم مجھے کیوں اٹھالائے؟“
اول خان کے آدمی ہم لوگوں کے لیے کمرے میں تین کرسیاں لے آئے، میں اول خان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ سلطان شاہ منہ دھونے اور خون کے داغ صاف کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔
”وہ ہمارا شکار ہے۔ کوئی دوسرا اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا۔“
”اگر صرف اتنی سی بات ہے تو تم نے بلاوجہ مار مار کر میرا اتنا خون بہا دیا۔ اس سے تمہاری کیا دشمنی ہے۔“
”دشمنی ہے نہ دوستی۔ ہمیں ایک ملین ڈالر کی انعامی رقم کی سخت ضرورت ہے۔“
”پھر تو ساری بات ختم ہوگئی۔“ اس نے شہادت کی انگلی سے اپنا رخسار کھجاتے ہوئے جواب دیا ”ہمیں ڈینی کی ضرورت ہے۔ تمہیں رقم کی۔ ہم لوگ مل جل کر کام کر سکتے ہیں لیکن میں حیران ہوں کہ اس چکر میں تم مجھ تک کیسے پہنچ گئے۔“
وہ خاصا سخت جان تھا۔ ناک، پیشانی اور رخساروں کے زخموں سے بہنے والے خون نے اس کا چہرہ رنگا ہوا تھا۔ ان زخموں میں تکلیف کا ہونا بھی ایک فطری امر تھا لیکن کام کی بات نکلتے ہی اس نے گویا اپنے زخموں کو یکسر فراموش کر دیا تھا۔
اس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے مجھ سے جو سوال کیا تھا، اس نے چند لمحوں کے لیے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ یہ واقعی سوچنے والی بات تھی کہ ہمیں ڈینی کی تلاش تھی تو ہم نے اس پر کیوں ہاتھ ڈالا تھا۔ اس کے اگلے رویّے کا انحصار کلی طور پر میرے جواب پر ہوتا۔
میں ذرا سی دیر کے لیے الجھا پھر مجھے ایک کہانی سوجھ گئی ”تم کسی مظہر کو جانتے ہو؟ اس کا نام مظہر خان ہے۔“ میں نے پوچھا۔
میری زبان سے مظہر خان کا نام سن کر وہ چونک پڑا ”تم اسے کیسے جانتے ہو؟“ الٹا اسی نے مجھ سے سوال کر دیا۔
”وہ شہر میں ڈینی کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھر رہا تھا۔ مجھے سن گن مل گئی اور میں نے خاموشی سے اسے اٹھوا لیا۔ بندوں کو اٹھوانا میرا پرانا اور خاص کام ہے۔ وہ بہت بزدل اور کم ہمت آدمی نکلا۔ چار چوٹ کی مار پڑی تو اس نے سب اگل دیا اور ہم تمہارے گھر پہنچ گئے۔“
”سالا، حرام زادہ!“ چندن کے منہ سے بے ساختہ نکلا ”میرے بارے میں اس نے تمہیں کیا بتایا؟“
”تم را کے ایجنٹ ہو۔ وہ بھی دہلی کے کسی انل اور نریش کے لیے کام کر رہا تھا مگر وہ دونوں مار دیے گئے۔“ میں نے سرسری لہجے میں کہنا شروع کیا ”کراچی میں وہ تم کو جواب دہ ہے مگر جان کے خوف سے روپوش تھا۔ روپوشی کے باوجود وہ ڈینی کی تلاش میں لگا ہوا تھا۔ تم سے اس کا فون اور فیکس پر رابطہ تھا۔“
”فون اور فیکس کی بات درست ہے مگر اس کو میرا نام اور پتا معلوم تھا نہ اس نے کبھی مجھے دیکھا پھر تم مجھ تک کیسے پہنچ گئے؟“ مار کھانے کے بعد اس کے اوسان بحال ہو چکے تھے اور اس کا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔
اسی وقت سلطان شاہ منہ ہاتھ دھو کر واپس آیا اور خاموشی سے تیسری کرسی پر بیٹھ گیا۔
چندن کے بدن میں خاصا صحت مند خون دوڑ رہا تھا۔ بہ مشکل چند منٹ گزرے ہوں گے لیکن اس کے تکلیف دہ زخموں سے خون کا رساؤ بند ہو چکا تھا۔ ہر زخم کے دہانے پر خون کے جمے ہوئے لوتھڑے یہ نشاندہی کر رہے تھے کہ اس کا مختصر سا چہرہ کم از کم چار مقامات سے پھٹ گیا تھا۔
میرا ذہن بہت تیزی سے کام کرنے میں مصروف تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا ”اغوا کر کے تاوان وصول کرنے والے ایسے سراغوں پر کام کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ تمہارا فون نمبر جعلی ہے۔ وہ سنی کمار نامی کسی وکیل کے دفتر کا فون نمبر ہے۔ سنی بیمار ہے اس کا دفتر مہینوں سے بند پڑا ہوا ہے۔ فیکس نمبر تمہارے نام اور پتے پر ہے۔ وقت اور کچھ پیسے

خرچ کرکے ہم نے تمہیں تلاش کرلیا۔ اب یہ نہ کہنا کہ ہم سے کوئی چوک ہوئی ہے یا تم کچھ نہیں جانتے۔"

"میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔" چندن نے ایک گہرا سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں کہا "تم کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو.... اگر برا نہ مانو تو میرے لیے بھی ایک کرسی منگوالو۔ میں کھڑے کھڑے تھک گیا ہوں' بیٹھ کر تم سے اطمینان سے باتیں کرسکوں گا۔"

میرے چہرے پر رضامندی کے آثار دیکھ کر اول خان نے ایک آدمی کو آواز دے کر کرسی لانے کی ہدایت دے دی۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ میں نے چندن کو شیشے میں اتارنے کے لیے تشدد کے بعد فریب دہی کی راہ اختیار کرلی تھی جو بار آور ہوتی نظر آرہی تھی۔

"مظہر میرے لیے کام کررہا ہے لیکن وہ بہت بزدل آدمی ہے۔ کسی بھی قیمت پر سامنے آنے پر آمادہ نہیں ہے۔ ڈینی سے پہلے میں اس کا کھوج لگانا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے میں تمہیں منہ مانگی رقم دینے کے لیے تیار ہوں۔" کچھ توقف کے بعد چندن نے اپنی بات پوری کرڈالی۔

"کمال ہے۔ وہ تمہارا آدمی ہے اور تم مجھ سے اس کا سودا کرنا چاہ رہے ہو!" میں نے حیرت سے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ وہ میرا آدمی ضرور ہے مگر اس وقت ڈرا ہوا ہے۔ سمجھ رہا ہے کہ سامنے آیا تو پکڑا جائے گا...."

"آدمی بلاوجہ خوف زدہ نہیں ہوتا۔ اس کے خوف کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔" میں نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بن کر سوال کیا تاکہ میری کہانی میں کوئی جھول باقی نہ رہے۔ چندن مجھے اپنی توقع سے زیادہ چالاک اور بے خوف نظر آرہا تھا۔

"دہلی میں پیش آنے والے کچھ واقعات کے سلسلے میں اس سے پوچھ گچھ کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔" چندن نے مجھے اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کی جس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ مجھے ڈینی اور مظہر سے الگ' کوئی تیسری شخصیت ہی تصور کررہا تھا۔

"یہ پوچھ گچھ را والے کریں گے؟" میں نے سوال کیا۔

"ان کی شدید ترین خواہش یہی ہے کیونکہ مظہر کی دہلی موجودگی کے آخری لمحات میں اچانک ان کے دو اہم افسر مار دیے گئے۔"

"وہ ان وارداتوں کا کھوج لگانا چاہتے ہیں!" میں نے تفہیمی انداز میں سرہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ فطری بات ہے۔ سچ پوچھو تو مجھے امید نہیں تھی کہ مظہر مجھ سے رابطہ کرے گا۔ وہ سرے سے غائب ہوجاتا تو ہم سب کو یہ یقین ہوجاتا کہ وہ ڈینی کے ساتھیوں میں سے ہے اور دہلی میں را کو نقصان پہنچانے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے۔"

"تو کیا اب تمہارا یہ خیال بدل چکا ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"اب ہم تذبذب کے عالم میں ہیں۔ میری اس سے تفصیلی بات ہوئی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس کا خوف دور ہوجائے تو وہ سامنے آجائے گا۔ میں نے اسے سوچنے اور آخری فیصلہ کرنے کے لیے کچھ مہلت بھی دے دی ہے۔"

"پھر بھی تم مجھ سے اس کا سودا کرنا چاہ رہے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

اسی وقت ایک آدمی چندن کے لیے کرسی لے آیا۔ وہ ہولے سے کراہتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تمہارے دماغ پر ایک ملین ڈالر سوار ہیں اس لیے یہ باریک باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آسکیں گی۔ یہ سب ڈینی تک پہنچنے کی کڑیاں ہیں۔ اپنی کامیابی کے لیے ہم امریکیوں سے زیادہ رقم خرچ کرسکتے ہیں۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے جواب دیا۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ مظہر کراچی میں ہے تو را والے اس سے کیسے پوچھ گچھ کریں گے۔" میں نے اسے کریدنے کی کوشش جاری رکھی۔

"اس وقت ڈینی کے خلاف ہم سی آئی اے سے مل کر کام کررہے ہیں۔ مظہر ہمارے ہاتھ نہ آیا تو اسے یہاں کی پولیس پکڑلے گی۔ را کی طرف سے سی آئی اے والے اس سے سب کچھ اگلوالیں گے۔ پہلی شرط یہی ہے کہ وہ کسی کے ہاتھ آئے۔ تم اس کے پیسے کھرے کیوں نہیں کرلیتے۔"

"تمہاری یہ باتیں سن کر مجھے ملال ہورہا ہے کہ ہماری پہلے ملاقات کیوں نہیں ہوئی۔ مجھے یہ سب معلوم ہوتا تو میں ایک ملین سے پہلے بھی لمبا ہاتھ مارلیتا۔ مظہر کے لیے پانچ سات لاکھ روپے دے سکتے ہو؟" میں نے حریصانہ انداز میں پوچھا۔

"اسے لے آؤ۔ میں تمہیں دس لاکھ نقد کی گارنٹی دیتا ہوں۔" چندن نے بے چینی سے پیش کش کی۔

"اوہ!" میں نے اپنے دہانے سے ایک تاسف انگیز بے ساختہ سی آواز نکالی "پھر تو میرا بھاری نقصان ہوگیا۔"

"کیوں؟ کیا تم نے پوچھ گچھ کے بعد اسے چھوڑ دیا؟" چندن مضطربانہ انداز میں اپنی کرسی پر پہلو بدل کر بولا۔

"چھوڑنے میں کیا رکھا تھا۔ اسے پھر اٹھالیتا۔ میرا

اصول ہے کہ میں اپنے خلاف کوئی گواہ نہیں چھوڑتا۔ اچھی طرح نچوڑنے کے بعد میں نے اسے مار ڈالا۔"

"یہ تم نے کیا غضب کیا!" چندن نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا "وہ بہت کام کا آدمی تھا۔"

اس کی باتوں سے ثابت ہو رہا تھا کہ وہ مجبوری کے تحت یا لاعلمی میں پاکستان سے غداری نہیں کر رہا تھا۔ وہ را کے اس کھیل کا بہت اہم مہرہ تھا۔ اس کا کہا ہوا ہر لفظ اس کو لمحہ بہ لمحہ موت سے قریب تر لے جا رہا تھا۔

"تم مجھے اپنے کسی بڑے افسر سے ملواؤ۔ تم لوگ دل والے معلوم ہوتے ہو۔ پیسا ملتا رہے تو میں بہت جلد ڈینی کے گریبان پر ہاتھ ڈال دوں گا۔"

"میں کسی سے کم نہیں ہوں۔" چندن نے سر اٹھا کر جواب دیا "جب سے حالات خراب ہوئے ہیں کراچی میں ہم دو آدمی رہ گئے ہیں جو مقامی مخبروں سے کام لیتے ہیں۔ میں زیادہ سے زیادہ تم کو چوپڑہ جی سے ملوا سکتا ہوں۔ ہم تینوں مل بیٹھ کر ہر بات طے کر لیں گے۔"

چوپڑہ جی۔ وہ بھارتی قونصلیٹ میں سفارتی بھیڑوں کے درمیان چھپے ہوئے را کے ایک سفاک بھیڑیے کا نیا نام تھا جو چندن کی زبانی سامنے آیا تھا۔ میں نے پرسکون رہتے ہوئے پوچھا "تمہارے یہ چوپڑہ جی کون ہیں اور کہاں ہوتے ہیں۔"

"وہ قونصل خانے کے انفارمیشن آفیسر ہیں۔ میں کل ہی تمہیں ان سے ملوا دوں گا..... تم یہ بتاؤ کہ مظہر کی لاش کہاں ہے۔" اس کے ذہن پر مظہر کا نام بری طرح سوار تھا کہ وہ کسی طرح اسے بھولنے پر آمادہ نہیں تھا۔

"میوہ شاہ کی ایک پرانی قبر میں اس کی بے کفن لاش پڑی ہوئی ہوگی۔" میں نے پروایانہ سفاکی سے جواب دیا۔

"اب ہمارے درمیان دوستی ہوگئی ہے۔ میں ہر صورت میں تمہیں کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچانا چاہتا ہوں تاکہ ہمارا رشتہ مضبوط ہو۔ تم اس کی لاش نکال کر لے آؤ۔ میں تمہیں اس کے بھی دو لاکھ روپے دلوا دوں گا۔" اس نے کسی نئے خیال کے تحت پیش کش کی۔

میرے لیے وہ چونکنے کا موقع نہیں تھا۔ اس کی سوچ کا ہر دھارا بھارت کے رخ بہہ رہا تھا۔ مظہر خان کی لاش بھی بھارتیوں کے لیے کار آمد تھی۔ پاکستان نے سرکاری سطح پر مظہر اور غزالہ کی واپسی کے لیے جو دباؤ ڈالا ہوا تھا' اس کے خاتمے کے لیے مظہر کی لاش بھی کافی تھی۔ اس کی کراچی میں موجودگی ثابت ہوتے ہی بھارتی حکومت دباؤ سے نکل جاتی۔ وہ بہت دور کی بات تھی جو چندن نے بیٹھے بیٹھے سوچ لی تھی۔

"مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا تو سنا تھا۔ تم مرے ہوئے مظہر کی بولی دو لاکھ لگا رہے ہو۔ اس میں تمہارا کوئی کمیشن تو نہیں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کمیشن بیچ کے آدمی لیتے ہیں۔ میں مالک بن کر تم سے سودا کر رہا ہوں۔ تمہیں پوری رقم ملے گی۔"

شرافت سے کام لے کر اس سے جو کچھ اگلوایا جا سکتا تھا' وہ سامنے آچکا تھا۔ میں نے پینترا بدل کر کہا "مظہر کی لاش بھارتیوں کی ضرورت ہے۔ تم پاکستانی ہو۔ مالک کیسے بن گئے۔ تمہاری حیثیت بیچ کے ایک ذلیل اور بے ضمیر آدمی سے زیادہ نہیں ہے۔"

وہ بھڑک کر کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئی تھیں "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"اب تک تمہارے ساتھ ڈراما ہو رہا تھا۔" سلطان شاہ نے موقع غنیمت جان کر زبان کھولی "اصل اور صحیح باتیں یہی ہیں۔"

"تم سب فراڈ ہو۔ مجھے گھیر کر دہشت زدہ کر رہے ہو۔ اب میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کروں گا۔" وہ بوکھلا کر تقریباً چیخ پڑا۔

اس کے تیوروں سے نظر آرہا تھا کہ میرے تیور بدلتے ہی وہ بری طرح وحشت زدہ ہوگیا تھا اور موقع پاتے ہی دروازے کی طرف دوڑ لگا سکتا تھا۔ میں نے پھرتی سے بیم گن اپنی جیب سے نکالی اور کرسی سے اٹھ کر اس پر تان لی۔

وہ کسی کی پروا کیے بغیر دوڑ پڑا۔ میں نے للکار کر اسے روکنے کی کوشش کی مگر اس نے میری ایک نہ سنی۔

اس سے پہلے کہ ایس ٹی ایف کا کوئی جوان عقاب کی طرح اس پر جھپٹتا۔ میں نے نیکر کے نیچے سے جھانکتی ہوئی اس کی داہنی پنڈلی پر بیم گن فائر کرکے اپنے ہاتھ کو دائیں سے بائیں طرف خفیف سی جنبش دی اور دوڑتے دوڑتے اس کی وہ پنڈلی گھٹنے سے کٹ کر برآمدے میں اچھل کر دور جاگری۔ چندن چیختا ہوا منہ کے بل فرش پر گر گیا۔

ایک طرف چندن کی کٹی ہوئی زندہ پنڈلی فرش پر پھدک رہی تھی' دوسری طرف چندن کا حال ابتر تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ اس کے ساتھ یکایک کیا ہوگیا تھا۔ بیم گن کے ننھے سے نوزل سے خارج ہونے والی نیلگوں لیزر شعاعوں نے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اس کی داہنی ٹانگ کے دو کر دیے تھے۔

اس کے گرنے پر ہم تینوں بھی باہر نکل آئے۔ ایس ٹی

ایف کے چاروں آدمی حیرت اور بے یقینی سے چندن کی تڑپتی ہوئی پنڈلی کو دیکھ رہے تھے۔
"اسے اندر گھسیٹ لاؤ۔" میں نے ہدایت کی "پنڈلی بے جان ہوجائے تو اسے کہیں ٹھکانے لگا دینا۔"
"تم سب سفّاک درندے ہو" گھسیٹے جانے پر چندن بلبلا اٹھا "اپنے آدمیوں کے بل پر مجھ اکیلے کو ہراساں کررہے ہو۔"
"ان لوگوں کے نام بتاؤ جو یہاں تمہارے لیے کام کرتے ہیں۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں سوال کیا۔
"مَیں کچھ نہیں جانتا۔ میں تم حرامیوں کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ تم سب بھی ڈینی کے چیلے چانٹے لگتے ہو" وہ کراہتے ہوئے غرایا۔
سلطان شاہ نے اس کے جلے ہوئے گھٹنے پر ٹھوکر ماری۔ وہ تڑپ اٹھا۔ لیزر شعاعوں نے اس کی جلد سے ہڈیوں تک کو اس نفاست سے کاٹا تھا کہ سب کچھ دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہوگیا تھا۔ اس زخم سے خون کی ایک بوند بھی نہیں نکلی تھی مگر سلطان شاہ کی ٹھوکر پڑتے ہی اس سیاہ زخم سے خون جاری ہوگیا۔
"تم کسی چیلے سے نہیں، ابھی تک ڈینی عرف مظہر خان سے ہم کلام تھے۔" سلطان شاہ نے کاٹ دار لہجے میں اسے مطلع کیا۔
"ڈڈ... ڈڈ... ڈینی!" چندن کے ہونٹوں سے پھنسی پھنسی اور وحشت ناک آواز برآمد ہوئی۔ اس نے اپنا خون آلود چہرہ فرش سے اٹھاکر میری طرف دیکھا اور پھر مایوسی سے گردن ڈال دی "مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے زندہ نہیں چھوڑوگے۔ میرا کھیل ختم ہوگیا۔"
"میں نے تم سے نام پوچھے تھے" میں نے درشت لہجے میں پوچھا۔
"میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ مجھے تم مسلمانوں سے نفرت ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بھی مجھ سے نفرت کرتے ہو اور مجھے ماردوگے۔"
"ہم تم سے نفرت نہیں کرتے مگر تمہاری غداری سے ضرور نفرت کرتے ہیں" میں نے بیم گن کو اپنی انگلی پر نچاتے ہوئے تحمل سے جواب دیا۔ "تم پاکستان کے اکلوتے ہندو نہیں ہو۔ یہاں سندھ، پنجاب اور پورے پاکستان میں شاید لاکھوں ہندو رہتے ہیں۔ وہ آرام سے اپنی روزی کماتے ہیں اور سکھ چین سے رہتے ہیں۔ وہ اس زمین کے وفادار ہیں۔ زمین نے ان کو اپنی امان میں لیا ہوا ہے۔ تمہارے جیسی حرکتیں کوئی مسلمان کرے گا تو وہ بھی ہماری اتنی ہی نفرت کا نشانہ بنے گا۔ اپنی حرکتوں کی بات کرو، مذہب کو بیچ میں نہ لاؤ۔"
"مجھ سے بکواس مت کرو۔ میں نے تاریخ پڑھی ہے" وہ حلق کے بل ہذیانی انداز میں چیخا "ہند، ہندو کا تھا، ہندو کا ہے اور ہندو کا ہی رہے گا۔ تم مسلے باہر سے آئے ہوئے حملہ آور ہو۔ تمہارا اس مٹی پر کوئی حق نہیں ہے۔ ہم تمہیں اور تمہارے ناپاکستان کو مسل دیں گے۔"
مجھ سے پہلے سلطان شاہ طرارے میں آگیا اور اس نے بڑھ کر چندن کے محتاج وجود کو ٹھوکروں پر رکھ لیا "کتے! تو اتنی دیر سے ہمیں گالیاں دے رہا تھا مگر ہم برداشت کررہے تھے۔ اب تو نے ہمارے وطن کو گالی دی ہے تو میں تجھے نہیں بخشوں گا، تیرے ٹکڑے اڑادوں گا۔"
اس کے بدن پر نیکر کے سوا کوئی لباس نہیں تھا۔ شہزادی کی حرارت آگیں اور نرم و نازک آغوش سے نکل کر وہ اچانک اسٹیشن فور کی اس سنگلاخ کوٹھری میں پہنچ گیا تھا جہاں اس پر رحم کھانے والا کوئی نہیں تھا۔ سلطان شاہ کی ہر ٹھوکر سے اس کا بدن ادھڑتا جارہا تھا۔ ننگے بدن پر نیل اور تازہ زخم نمودار ہورہے تھے۔
چندن تکلیف اور اذیت سے تڑپتا اور بلبلاتا رہا لیکن اس کا گھمنڈ نہیں ٹوٹا۔ وہ چیخ چیخ کر ہمیں اور دنیا کے سارے مسلمانوں کو گالیاں دے رہا تھا، کوس رہا تھا۔ وہ ندامت کے اظہار پر آمادہ تھا نہ معافی کا طلب گار تھا۔ اس کے بارے میں میرا اولین اندازہ آخرکار صحیح ثابت ہورہا تھا۔
چندن پٹتے پٹتے نڈھال نہیں ہوا۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ شاید اسے امید رہی ہوگی کہ اس کی جگر خراش چیخیں سن کر کوئی نہ کوئی اس کی مدد کو پہنچے گا اور ہم اسے یوں ہی چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اسٹیشن فور کی حدود میں فولاد سے بنے ہوئے جوانوں کا نشیمن تھا جن کے دل اپنے دشمنوں کے لیے پتھر تھے۔
آخرکار سلطان شاہ اسے مارتے مارتے تھک گیا اور ہانپتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔
میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ چندن کو زندہ رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ اس قدر ہٹ دھرم اور ضدی تھا کہ کچھ بھی نہ اگلتا۔ اسے باتوں کا فریب دے کر جو کچھ اگلوالیا گیا تھا وہی کافی تھا۔ اگر اس کی لاش لیری والا اجلاس شروع ہونے سے پہلے منظرعام پر آجاتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔
"اٹھو اور اپنے ہاتھوں سے اسے کیفرِ کردار کو پہنچادو۔"

میں نے دھیرے سے سلطان شاہ سے کہا۔
اس نے اپنی سرخ اور سلگتی ہوئی آنکھوں سے ایک بار میری طرف دیکھا اور پھر اپنی نظریں جھکالیں۔ کرسی سے اٹھتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ریوالور نکال لیا جو چندن کے اغوا کی مہم سر کرنے کے لیے اس نے گھر سے اپنے ساتھ لیا تھا۔

چندن کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کے لیے مجھے کسی رازداری کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی میں نے سلطان شاہ کو نیچی آواز میں ہدایت دی تھی مگر قدموں کی بڑھتی ہوئی آہٹیں سننے کے لیے شاید چندن کے کان زیادہ حسّاس ہو چکے تھے۔ اس نے میری کہی ہوئی بات سن لی اور اس کی زبان سے غلیظ گالیوں کا ایک ثقیل دریا بہہ نکلا۔

سلطان شاہ کی چلائی ہوئی گولی اس کے سینے میں پیوست ہوئی تو اس کی زبان پر ہمارے لیے ماں کی آخری گالی تھی جو موت کی ہچکی میں ادھوری رہ گئی۔ وہ بس چند لمحوں کے لیے فرش پر تڑپا اور پھر بے جان ہو گیا۔

"آج میں نے جتنی گالیاں چندن سے کھائی ہیں، اتنی زندگی بھر نہیں کھائی ہوں گی" سلطان شاہ نے افسوس ظاہر کیا۔

"ہر بات کبھی نہ کبھی زندگی میں پہلی بار ہوتی ہے" اول خان نے پیٹھ تھپکتے ہوئے اسے تسلی دی "آدمی ماں کے پیٹ سے کوئی تجربہ لے کر اس دنیا میں نہیں آتا۔ چندن کی دی ہوئی ان گالیوں میں ہم بھی حصے دار تھے، تم اکیلے نہیں تھے۔"

"اس منحوس کی لاش کو اب کسی گٹر میں پھینک دینا چاہیے" سلطان شاہ نے حقارت سے مشورہ دیا۔
"گٹر بند ہو جائے گا اور شہر میں گندگی پھیلے گی" میں نے ہنس کر جواب دیا "سب سے پہلے اس کی داہنی ران کا کچھ حصہ کاٹنا ہوگا۔ پھر یہ لاش کسی کنڈی دان میں ڈال دیں گے۔"

"اس مردے کی ران کا کیا، کیا جائے گا؟" اول خان نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔
"میں امرتسر والی غلطی کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا۔ مشتعل ہو کر میں اس پر بیم گن فائر کر بیٹھا۔ یہ غلطی تھی۔ چندن کی لاش جوں کی توں پھینکی گئی تو جھلسا ہوا گھٹنا بہت کچھ ظاہر کر دے گا اور ہمارے دشمنوں کو کھل کھیلنے کا موقع مل جائے گا۔"

دونوں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ مجھ سے اتفاق کیا۔
اول خان قدرے جھلّا بھی گیا کہ ایسی اہم مگر ٹیڑھی باتیں اسے کیوں نہیں سوجھتیں۔
اول خان نے اپنے آدمیوں کو چندن کی لاش کے بارے میں ہدایات دیں۔ لاش سے الگ کیے جانے والے تازہ حصے کو داہنی ٹانگ کے ساتھ کسی محفوظ مقام پر دفن کرنا تھا تاکہ اس کا کبھی بھی سراغ نہ لگایا جاسکے۔ قطع برید کے بعد لاش کو شہر کے کسی کوڑے دان میں ڈال دینا تھا۔
میں مردوں کی بے حرمتی کا کبھی بھی قائل نہیں رہا تھا۔ مرنے کے بعد بڑے سے بڑے حریف سے بھی دشمنی ختم ہو جاتی تھی لیکن چندن کا معاملہ مختلف تھا۔ اس کا لیزر سے جلا ہوا گھٹنا جسم سے الگ نہ کیا جاتا تو پوسٹ مارٹم میں وہ راز فاش ہو جاتا۔ اس کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کو بھارت کے سفارتی افسران سے پوشیدہ رکھنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ ایک بار یہ بات منظر عام پر آجاتی کہ چندن کی ٹانگ بیم گن سے کاٹی گئی تھی تو کراچی میں میری تلاش کی مہم ایک مرتبہ پھر زور پکڑ جاتی جس کے نتیجے میں میری آزادیاں بری طرح متاثر ہو سکتی تھیں۔
سب کچھ طے ہو جانے کے بعد اسٹیشن فور میں ہم تینوں کا کام ختم ہو چکا تھا۔ میں نے اول خان سے رخصت چاہی تو اسے اچانک صبح کا اجلاس یاد آگیا۔
"اگر تم چاہو تو میرے ساتھ اس اجلاس میں شریک ہو سکتے ہو" اول خان نے کہا۔
"میری دلی آرزو ہے کہ میں لیری کے زہریلے خیالات اپنے کانوں سے سنوں لیکن بھارتیوں کے زخم تازہ ہیں۔ میں ابھی دہلی سے واپس آیا ہوں۔ وہاں کسی نے پہچان لیا تو میرے لیے ناقابلِ تصور دشواریاں پیدا ہو جائیں گی" میں نے فکر مندی سے کہا۔
اول خان ہنس پڑا "معلوم ہوتا ہے کہ چندن گرنانی کو جہنم واصل کرتے ہی تمہارے ذہن پر نیند نے حملہ کر دیا ہے" اس نے یہ کہہ کر اپنی رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈالی اور بات جاری رکھی "اس وقت ڈھائی بج رہے ہیں، یہ گہری نیند کا وقت ہوتا ہے۔"
"میں واقعی تھک گیا ہوں اور غنودگی محسوس کر رہا ہوں" میں نے اعتراف کیا۔
"وہاں لیری کے سوا سب اپنے آدمی ہوں گے۔ تم کو کون پہچانے گا؟ آج کل تمہارے کئی نام چل رہے ہیں، لیری کے لیے ایک نیا نام اور سہی!" وہ بولا۔
"ابھی میں چلتا ہوں۔ صبح فون پر بات ہو جائے گی" میں

نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔
"ٹھیک ہے۔ میں آٹھ بجے تم کو فون کروں گا" یہ کہہ کر اول خان نے مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھادیا۔
اس سے رخصت ہو کر ہم دونوں واپس روانہ ہو گئے۔

○☆○

کمشنر ہاؤس میں بڑی ٹیبل کے گرد ہم سات نفوس بیٹھے ہوئے تھے جن کو لیری کا انتظار تھا۔ ان میں آئی بی کا جلال بھی شامل تھا۔

وہ آف دی ریکارڈ اجلاس لیری کی خواہش پر بلایا گیا تھا اس لیے اس کی آمد سے پہلے کارروائی کے آغاز کا امکان نہیں تھا۔

"میں نے غیر رسمی اجلاسوں میں بارہا شرکت کی ہے۔ یہ آف دی ریکارڈ میٹنگز کا سلسلہ میرے لیے نیا ہے" کرنل غفور نے میز پر ہاتھ ٹکا کر الجھن آمیز لہجے میں کہا "پتا نہیں لیری یہاں آکر ایسی کون سی بات کہنا چاہتا ہے جو ریکارڈ پر نہیں لائی جاسکتی۔"

"یہ لیری کے موضوع سے زیادہ اسپیشل ٹاسک فورس کا مسئلہ معلوم ہوتا ہے" آئی جی نے کہا "تقریباً ایک سال پہلے امریکیوں نے ایسے آف دی ریکارڈ اجلاس کی درخواست کی تھی جسے قبول کرلیا گیا تھا۔ آج وہی واقعہ دہرایا جارہا ہے۔"

"ایس ٹی ایف کی وجہ سے آف دی ریکارڈ اجلاس!" کرنل غفور نے حیرت سے کہا "بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"یار سیدھی سی بات ہے" کرنل شعبان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "ایس ٹی ایف ہمارے آئین اور قانون سے ماورا فورس ہے جسے کسی فرد واحد نے تخلیق کیا ہے۔ ریکارڈ پر اس کا کہیں وجود نہیں ہے مگر امریکی اپنے انتہائی ترقی یافتہ ذرائع کی وجہ سے اس کے وجود سے باخبر ہیں۔ وہ سرکاری طور پر ہمارے انکار کو تسلیم کرتے ہیں لیکن غیر سرکاری طور پر اس کی سرگرمیوں کے بارے میں جاننے کی سرتوڑ کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ باقاعدہ اجلاس میں ایس ٹی ایف نہیں بلائی جاسکتی کیونکہ بات ریکارڈ پر آجائے گی۔ امریکیوں کو اس فنی مجبوری کا اندازہ ہے۔ لیری نے ایس ٹی ایف کے نمائندے سے کھل کر بات کرنے کے لیے اس بے قاعدہ اجلاس کی تجویز سوچی ہے۔"

کرنل شعبان کے جواب سے سب مطمئن ہوگئے مگر میرے لیے وہ وضاحت قابلِ قبول نہیں تھی۔ جان ایش کوف کے دہلی کی طرف فرار کے بعد لیری کی طرف سے اس غیر معمولی اجلاس کا سبب کچھ اور ہی تھا جس پر اس کی آمد کے بعد بات ہوسکتی تھی۔

اس اجلاس کے سب شرکا میرے لیے اجنبی تھے۔ میں جلال کی زبانی ان کے پچھلے اجلاس کی روداد سن چکا تھا جس میں ان کے ناموں سے آگاہی حاصل ہوگئی تھی۔ اس وقت جلال خود بھی وہاں موجود تھا۔ مگر میری طرف سے یوں اجنبی بنا ہوا تھا جیسے مجھ سے پہلی بار ملا ہو۔ میری ذات کو ہر قسم کے شکوک وشبہات سے بالا رکھنے کے لیے اس کا وہ رویہ بہت ضروری تھا۔ وہ لوگ اول خان سے پہلے سے متعارف تھے۔ اس نے مجھے کرنل داور کے نام سے مجھے ان لوگوں سے متعارف کرایا تھا۔

میرے نام کے ساتھ کرنل کا فرضی عہدہ لگانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اجلاس کے دوسرے شرکا میرے ساتھ برابری سے بات کرسکیں۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ تعارف کے بعد ان میں سے کسی نے میرے بارے میں کوئی بات کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ حد یہ تھی کہ دونوں حاضر سروس کرنلوں نے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ میرا تعلق فوج کے کس یونٹ اور شعبے سے رہا تھا یا میں کہاں سے ریٹائر ہوا تھا۔

میں ملٹری انٹیلی جنس کے کرنل شعبان کے پیش کیے ہوئے نظریے پر کوئی رائے زنی کرتا تو سب کی توجہ میری ذات پر مرکوز ہوسکتی تھی جبکہ میں اس اجلاس میں خود کو نمایاں کرنے کے حق میں نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد سی آئی اے کا لمبا تڑنگا چیف کلرک، لیری ہف اپنے ایک مددگار کے ساتھ آپہنچا۔

اجلاس میں اس کا سرد مہری سے استقبال کیا گیا۔ پاکستانیوں کے رویے میں گرم جوشی مفقود تھی۔ اس بارے میں پہلے سے کوئی تبادلہ خیال نہیں ہوا تھا۔ بس سب کے دلوں میں لیری کے خلاف بغض کا جذبہ تھا جو سرد مہری کی صورت میں سامنے آگیا تھا۔

اول خان سے ہاتھ ملا کر لیری رک گیا اور تعارف کے بعد بولا "ہائے اولڈ بوائے۔ تم گریٹ ہو۔ میری آرزو ہے کہ امریکا کوئی غیر جمہوری ملک ہوتا اور میں وہاں بھی تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس جیسا کوئی یونٹ بنا سکتا۔"

"تمہیں نازاں ہونا چاہیے۔" اول خان کے سٹپٹا جانے پر میں نے گفتگو میں دخل انداز ہونا ضروری سمجھا اور کہا "امریکی اپنی جمہوریت کے گن گاتے ہیں مگر ان کی ناک کے نیچے ایس ٹی ایف سے ہزار درجے زیادہ خود مختار طاقت ہر وقت فعال رہتی ہے۔"

"وہ کون سی طاقت ہے؟" لیری اول خان کا ہاتھ چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہوگیا "کیا میں تمہارا تعارف حاصل کر سکتا ہوں؟"

"کرنل داور فرام ایس ٹی ایف!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور لیری کا بڑھا ہوا ہاتھ اپنی داہنی ہتھیلی میں تھام لیا۔ رسمی کلمات ادا کرتے ہوئے' لیری نے مصافحے میں اپنی غیر معمولی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہا۔ میں نے گرم جوشی کی آڑ میں اس کے ہاتھ کو بے طرح دبا کر ایسا جھٹکا دیا کہ وہ گراں ڈیل امریکی سی کر کے رہ گیا۔

"میں سی آئی اے کی بات کر رہا تھا۔ تمہاری تنظیم بہت طاقت ور اور فعال ہے۔" مزاج پرسی کے بعد میں نے اپنی بات مکمل کر دی۔

"اوہ' نو!" اس نے اپنے سر کو زور سے بائیں طرف جھٹک کر کہا "سی آئی اے ایک جمہوری ملک کا مضبوط آئینی ادارہ ہے۔"

"ادارہ آئینی ہے مگر میں اس کی سرگرمیوں کی بات کر رہا تھا۔" میں نے کہا اور ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "سرکاری رازوں کے قوانین کے تحت مقرر کی ہوئی مدت ختم ہونے کے بعد جو باتیں منظرِ عام پر آتی رہتی ہیں' ان سے ثابت ہوتا ہے کہ سی آئی اے ایشیا' افریقہ اور جنوبی امریکا میں اپنے مینڈیٹ سے بڑھ کر سازشیں کرتی رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ سی آئی اے پر بعض امریکی صدور کی درونِ خانہ مخالفت کا الزام بھی ہے۔"

لیری نے اپنی خفت چھپانے کے لیے کھسیایا ہوا ایک بے جان قہقہہ لگایا اور بزرگانہ انداز میں میری پشت پر ہاتھ مار کر بولا "سی آئی اے کے بارے میں تم شاید بہت پڑھتے رہتے ہو۔ ہمارے یہاں اظہار خیال کی آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بہت سے مصنف رائی کا پہاڑ بنا کر سی آئی اے کے خلاف کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔ ان میں حقیقت سے کہیں زیادہ افسانے ہوتے ہیں۔ تم جیسے ذمّے دار اور عملی افسر کو ایسی ردّی کتابوں سے دور رہنا چاہیے۔"

مجھے جواب دیتا ہوا وہ اپنی نشست پر جا بیٹھا۔ اس کا مددگار اس کے بائیں ہاتھ پر تھا۔

"تم نے آج زیادتی کی ہے۔" کرنل شعبان نے لیری سے شکوہ کیا "آج میرے کئی اہم اپائنٹ منٹ تھے۔"

"کرنل داور نے اپنی باتوں سے اس زیادتی کا بدلہ لے لیا ہے۔" لیری نے دانت نکال کر خوش دلی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی مگر اس کی بات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری زہر میں ڈوبی ہوئی گفتگو اس کے دل میں تیر بن کر اتری تھی۔

"میں نے بدلہ نہیں لیا۔ تم نے پاکستان کو بالواسطہ طو
پر غیر جمہوری ملک قرار دے کر بات چھیڑی تھی۔ میں
صرف اس کا جواب دیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "
ہمارے مہمان ہو اور بہت معزز ہو۔ ہمارا اصول ہے کہ
بھی ہمارا مہمان ہو تو ہم اس کی بے توقیری نہیں کرتے۔"

لیری کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے سختی سے پوچ
"کیا اب تم بالواسطہ طور پر مجھے کتا نہیں کہہ رہے۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "می
صرف یہ جتانا چاہ رہا تھا کہ ہم کسی کتے کی تحقیر نہیں کر سکتے
تم جیسے معزز اور محترم مہمان سے کیسے بدلہ لے سکتے ہیں۔
تمہاری خام خیالی ہے۔ بدگمانی کو اپنے ذہن میں جگہ نہ دو۔"

لیری آیا تو فضا قدرے تلخ مگر خوشگوار تھی۔ میری او
اس کی جھڑپ ہوتے ہی فضا کا رنگ بدل گیا۔ یوں محسو
ہو رہا تھا جیسے میرے اور لیری کے سوا سب کو سانپ سونگھ گ
ہو۔ کوئی بھی اس نازک بحث میں زبان کھولنے پر آمادہ نہی
تھا۔ جلال کی پر امید نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میری نیت پاکستان کو غیر جمہوری ریاست قرار دینے
نہیں تھی۔" موقع کی نزاکت بھانپ کر لیری وضاحت پر ا
آیا "میں نے بس اتنی سی خواہش ظاہر کی تھی کہ کاش ام
میں بھی کسی کے ہاتھ اتنے کھلے ہوئے ہوتے کہ وہ ایس
ایف جیسی کوئی آزاد فورس بنا سکتا۔"

"اس خواہش کے اظہار کے لیے یہ جگہ مناسب نہی
تھی۔" اسے پسپائی پر آمادہ پا کر کرنل شعبان نے زبان کھو
"تم کو وائٹ ہاؤس کے صدر نشین کے سامنے یہ بات کہ
چاہیے۔"

"چھوڑو شابان۔" لیری پھیکے انداز میں ہنس دیا "
صدر کے سامنے جواب دہ ہیں۔ وہ کانگریس اور سینیٹ ک
سامنے مجبور ہے۔ سب کہیں نہ کہیں بندھے ہوئے ہیں۔
میں سے جس کسی کو میری بات سے تکلیف پہنچی ہو' میں ا
سے معافی کا خواستگار ہوں۔"

"میں بھی اپنی کسی نادانستہ غلطی کے لیے معذرت خو
ہوں۔" اخلاقی طور پر مجھے کہنا پڑا لیکن میرا لہجہ روکھا تھا۔

"تم یہ دیکھو کہ امریکا پاکستانیوں کی کتنی عزت کر
ہے۔" لیری نے معافی تلافی کے باوجود اپنی معذرت کا سلس
جاری رکھا "پاکستان سرکاری طور پر ایس ٹی ایف کے وج
سے انکار کرتا ہے اور ہم سب کچھ جانتے ہوئے بھی تمہار
اس موقف کا احترام کرتے ہیں۔ سرکاری سطح پر ہم نے کب

ایس ٹی ایف کا نام نہیں لیا۔ آج کا یہ آف دی ریکارڈ اجلاس پاکستان کے بارے میں ہماری نیت اور عزائم کا کھلا ثبوت ہے۔"

"کم آن لیری!" جلال نے بے تکلفی سے کہا "اب اس موضوع کو زیادہ نہ کھینچو۔ غنیمت ہے کہ تم کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ ہم پاکستانی اپنی مجبوریوں کے تحت بہت سی باتوں پر سمجھوتے کرلیتے ہیں لیکن بے حس نہیں ہوئے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ آج تم نے ہم سب کو کس تقریب میں بلایا ہے۔"

لیری کے اشارے پر اس کے مددگار نے پتلا سا چرمی بریف کیس اپنے قدموں سے اٹھا کر میز پر لیری کے سامنے رکھ دیا۔

"میں اپنی حکومت کی ہدایت پر یہ جاننا چاہتا تھا کہ ڈینی اور مظہر کے سلسلے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے۔" لیری نے سب کے چہروں پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"تمہاری حکومت تو خطرے کی بو پاتے ہی دہلی کی طرف چل دی۔ اب یہاں تم کو ایسی احمقانہ ہدایات کون دے رہا ہے۔" کرنل غفور نے پوچھا۔ اس کے لب و لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لیری کو خود سے کم تر اور جونیئر گردان رہا تھا جو شاید اس کا حق بھی تھا۔

بے ساختہ ہنسی میں لیری نے سب کا ساتھ دیا پھر سنجیدگی سے بولا "جان بہت اہم مشن پر دہلی گیا ہے مگر وہ ہر وقت مجھ سے رابطے میں ہے۔ وہ میرے اور واشنگٹن کے درمیان رابطے کی اکلوتی اور سب سے مضبوط کڑی ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں یہاں امریکی سفیر کے تابع ہوں۔"

"را اور سی آئی اے والے ان دونوں پر کام کر رہے ہیں۔ مہینوں بلکہ ڈینی کے خلاف سالوں میں کچھ نہیں کیا جاسکا۔ ہم دو دنوں میں کیا کرسکتے ہیں۔" کرنل شعبان نے پوچھا۔

"کوئی اشارہ... کوئی سراغ... کوئی امید! مجھے تم لوگوں کی طرف سے کسی خوش خبری کی توقع تھی۔"

"کچھ ہوا ہوتا تو بات تم تک پہنچ جاتی۔" فیڈرل انویسٹی گیشن ایجنسی کے شاہد رانا نے کہا "تمہارے دیے ہوئے کام پر ہم سب مل کر کام کر رہے ہیں۔ تم سے رابطے کی ذمے داری میری ہے۔ کہیں سے بھی کوئی خبر جنم لے گی تو وہ مجھ تک پہنچے گی۔ میں تمہیں مطلع کردوں گا۔"

"اور تم کیا کہتے ہو؟" اس بار لیری براہِ راست اول خان سے مخاطب ہوا تھا۔

"ایس ٹی ایف کو آج پہلی بار یہاں بلایا گیا ہے۔ میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" اول خان نے اسے دو ٹوک جواب دے دیا۔

"میرے لیے سب ایجنسیاں برابر ہیں۔" لیری نے کسی بات کی تمہید باندھی "اب میں جو کچھ کہنے جا رہا ہوں اس سے مجھے کسی کی تحقیر یا تعریف مقصود نہیں ہے۔ یہ پیشہ ورانہ رموز ہیں جنہیں ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ ایس ٹی ایف ماورائے قانون طاقت ہے۔ اپنے دشمنوں کو ان کی کمین گاہوں سے کھینچ کر نکالنے اور کیفرِ کردار تک پہنچانے کے سلسلے میں اس کی شہرت بے مثال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب ایس ٹی ایف ڈینی پر کام شروع کردے۔"

"ڈینی کے بارے میں ریکارڈ بالکل کورا ہے..." میں نے بات شروع کی مگر لیری درمیان میں بول پڑا۔

"ڈینی اور ایس ٹی ایف میں کم از کم ایک بات مشترک ہے۔ دونوں آج کی زندگی کی اٹل حقیقتیں ہیں مگر ریکارڈ پر ان کے بارے میں کچھ دستیاب نہیں ہے۔"

"تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ ایس ٹی ایف کے کسی

کارندے نے ڈینی کا روپ دھارا ہوا ہے!" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"جو بھی یہ کہتا ہے وہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔ ڈینی کی ایک تاریخ ہے۔ شی کے سربراہ نے پاکستان میں ہیروئن پھیلانے کے لیے اسے استعمال کیا تھا۔ وہ آج کی پیداوار نہیں ہے۔ امریکا کے صدارتی ریکارڈ میں برسوں سے اس کا نام چلا آرہا ہے۔ ہم یعنی سی آئی اے والے دیر سے اس کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔"

"اور ہم اب اس کے پیچھے لگیں گے۔" اول خان نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے بات مکمل کردی۔

"اس پر ایس ٹی ایف نے پہلے ضرور کام کیا ہوگا۔" لیری نے امید ظاہر کی۔

میں نے میز کے نیچے اول خان کی ران دبائی اور بھرپور نفی میں سرہلا دیا "ایس ٹی ایف کا ہدف وہ لوگ ہوتے ہیں جو پاکستانی مفادات کے خلاف کام کریں یا اس کی سلامتی کے لیے نقصان دہ ہوں۔ یہ اتفاق ہے کہ ڈینی کے خلاف ابھی تک ایسی کوئی شکایت یا شہادت سامنے نہیں آئی۔"

"یہ ڈینی کی مکاری ہے کہ خون کی ہولی کھیلنے کے باوجود ایس ٹی ایف سے دور رہتا ہے مگر تم ایک فرد نہیں، فورس ہو۔ تم صرف پاکستانی نہیں ہو۔ اس دنیا کے شہری بھی ہو۔ آج کے ترقی یافتہ زمانے میں دنیا سکڑ اور سمٹ کر ایک گلوبل ولیج میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اس گاؤں کے ہرباسی کا تم پر حق ہے۔ تم کو دوسروں کے لیے بھی کچھ کرنا چاہیے۔"

"لیری! یہ سب پڑھانے کی کوشش مت کرو اور اپنے ہدف تک محدود رہو۔ یہ بات چھڑ گئی تو بہت دور تک چلی جائے گی۔ ویت نام سے عراق تک امریکا کیا کرتا رہا ہے؟ اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے اس نے کیا کیا تباہی نہیں پھیلائی۔ کیا عراق میں امریکی بمباری سے مارے جانے والے بھوکے پیاسے اور شیر خوار بچوں کا امریکی فوجوں پر کوئی حق نہیں تھا؟ کیا وہ اس گلوبل ولیج کے رہنے بسنے والے نہیں تھے؟ اخلاقیات کا اگر اطلاق کر رہے ہو تو سب پر یکساں کرو۔ ایس ٹی ایف کو ہدف نہ بناؤ۔"

"کرنل داور! تم ذرا سی بات پر تلخ اور جذباتی ہو رہے ہو۔" اس بار لیری جھلا کر جوابی الزام تراشی پر اتر آیا "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تمہارے دل میں امریکا اور امریکیوں کے خلاف نفرت کا غبار بھرا ہوا ہے۔"

"تم غلط کہہ رہے ہو۔" کرنل غفور نے سختی سے کہا "ایسی تلخیاں پچھلے اجلاس میں بھی پیدا ہوئی تھیں۔ اس وقت ایس ٹی ایف کا کوئی نمائندہ شریک نہیں تھا۔۔۔"

"وہ پالیسی اختلافات تھے۔" لیری نے کرنل غفور کی بات کاٹ دی "آج کھل کر۔۔۔"

"خاموش رہو!" آئی جی نے ہاتھ اٹھا کر لیری کو خاموش کر دیا "تم نے کرنل غفور کی بات کاٹی ہے۔ پہلے اسے بات پوری کرنے دو۔"

لیری کسی بندر کی طرح منہ چلا کر رہ گیا مگر اس کی زبان نے جنبش نہیں کی۔

"اس وقت صرف ڈینی کا مسئلہ درپیش تھا۔" کرنل غفور نے دوبارہ سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہا "آج تم نے خود بات کو پھیلایا ہے۔ کرنل داور نے جو کچھ کہا، تمہاری باتوں کے جواب میں کہا ہے۔ تم اس کا جواب دے سکتے ہو تو ضرور دو۔"

"میں ویت نام کی جنگ کے خاتمے کے بعد اپنی جوانی کی سرحدوں میں داخل ہوا ہوں۔" لیری نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "عراق اور کویت کی جنگ میں سی آئی اے کے دوسرے لوگ کام کر رہے تھے۔ میں ان سوالوں کے جواب کیسے دے سکتا ہوں۔"

"یہ تمہارا عذر لنگ ہے۔" شاہد بولا "بات حکومتوں اور ان کی حرکتوں کی ہو رہی ہے۔ تم خود کو درمیان میں کہاں لے آئے۔ تاریخ میں ملکوں کے نام چلتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ملک میں کون سی پارٹی برسراقتدار تھی یا وائٹ ہاؤس میں کون صدر تھا۔"

"آج میری عقل ماؤف ہے یا تم سب میری ٹانگ کھینچنے کا ارادہ کیے بیٹھے ہو۔ اب ہمیں فضولیات سے نکل کر کام کی بات کرنی چاہیے۔"

"میں تمہیں یہ صائب مشورہ کافی دیر پہلے دے چکا تھا۔" جلال نے اسے یاد دلایا۔

"میں نے کام کی بات ہی شروع کی تھی مگر ہم موضوع سے بہک گئے۔" اس نے اپنا بریف کیس کھول کر ایک کاغذ نکالا اور اپنی بات جاری رکھی "اس وقت مظہر خان اور غزالہ کا جوڑا ہمارے لیے ایک سنگین مسئلہ بن گیا ہے۔ پاکستان نے باضابطہ طور پر بھارت سے ان دونوں کی واپسی کا مطالبہ کیا ہے۔ بھارتیوں کو کامل یقین ہے کہ وہ دونوں خاموشی سے سرحد پار کرکے پاکستان واپس آچکے ہیں۔"

"اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" شاہد نے پوچھا۔

"ہم پاکستان اور بھارت، دونوں کے دوست ہیں۔ ہم

کسی ایک کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس مسئلے کا حل چاہتے ہیں۔"

"حل ناممکن ہے۔" اول خان نے اعتماد سے کہا "دونوں موقف متضاد ہیں۔ ان میں سے ایک جھوٹا ہے اور جھوٹے کو جھوٹا کہنا چاہیے۔"

"یہ مشورہ بہت آسان ہے مگر اس پر عمل کرنا شاید سب سے کٹھن کام ہے۔" لیری بولا "مجھے آج ایک شہادت ملی ہے کہ مظہر کراچی میں روپوش ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ پاکستانی موقف غلط ہے؟" شاہد نے جھٹ سوال داغ دیا۔

"یہ نہیں کہا جاسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ مظہر نے تمہاری آنکھوں میں بھی اسی طرح دھول جھونکی ہو جس طرح وہ بھارتی ایجنسیوں کو فریب دے کر بھارت سے نکل آیا ہے۔ وہ چالاک آدمی ہے۔ تم سب کوشش کرو تو وہ گرفت میں آسکتا ہے۔"

اول خان میرے ساتھ دم سادھے بیٹھا رہا۔ اس مرحلے پر ہمارا خاموش رہنا ہی بہتر تھا۔

"اس کی تلاش کی کوششیں جاری ہیں۔ تم اپنی شہادت پیش کرو۔ شاید اس سے ہمیں کوئی رہنمائی مل سکے۔" کرنل غفور نے بے نیازی سے کہا۔

"یہ ایک متنازع شہادت ہو سکتی ہے کیونکہ اس فیکس کاپی میں مظہر کی مجرمانہ سرگرمیوں کا ذکر بھی ہے۔ اس سے را پر پاکستان میں مداخلت کا الزام آتا ہے۔ مگر تم جانتے ہو کہ یہ سب چلتا رہتا ہے۔ اس فیکس کے متن کی وجہ سے یہ اجلاس آف دی ریکارڈ رکھا گیا ہے تاکہ اس فیکس کی بنیاد پر پاکستان بھارت کو کوئی سخت احتجاجی مراسلہ نہ بھیجے۔ اگر تم لوگوں کو یہ شرط قبول ہے تو میرے پاس فیکس کی نقلیں موجود ہیں۔"

میرے بدترین اندیشے درست ثابت ہو رہے تھے۔ ہم نے چندن گرنانی کو بہت کم مہلت دی تھی مگر اس نے اسی سے فائدہ اٹھا کر فیکس کی نقل اپنے آقاؤں کو ارسال کر دی تھی۔ وہ متن نہ جانے کہاں کہاں سے ہوتا ہوا لیری کے ہاتھوں میں پہنچ چکا تھا اور اس وقت زیر بحث تھا۔

سب خاموش بیٹھے رہے۔ کانفرنس کے ہر شریک کو اس پراسرار فیکس کا متن جاننے کا تجسس تھا۔

"یہاں ہونے والی ہر بات سرکاری سطح پر بے وقعت ہوگی۔ تم فیکس دکھاؤ۔" خاصی طویل اور گمبھیر خاموشی کے بعد جلال نے سکوت توڑا۔

لیری کے مددگار نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سب کے

اتفاق رائے

فیملی ڈاکٹر ایک گھنٹے سے کمرے کے اندر مریض کے معائنے میں مصروف تھا۔ بیوی بچے دوسرے کمرے میں بے چینی سے انتظار کر رہے تھے کہ ڈاکٹر کیا خبر لے کر آتا ہے۔ آخر ڈاکٹر کمرے سے برآمد ہوا اور مریض کی بیوی کے پاس پہنچ کر بولا "میں اس وقت آپ کے شوہر کو جس حالت میں دیکھ کر آرہا ہوں.... مجھے وہ ٹھیک نہیں لگ رہے۔"

"مجھے تو وہ کبھی بھی ٹھیک نہیں لگے.... لیکن کیا کروں.... بچوں کی خاطر گزارا کر رہی ہوں۔" بیوی نے غم زدہ لہجے میں جواب دیا۔

ہاتھوں میں ایک ایک کاغذ پکڑا دیا۔

وہ میرے اسی بے نام و نشان خط کی نقل تھی جو میں نے چندن کو فیکس کیا تھا۔

"یہ کل دوپہر کسی نامعلوم مقام سے بھیجا گیا اور آج تمہارے پاس ہے۔" کرنل غفور نے خط پڑھ کر کہا۔

"ہاں۔ مجھے شبہ ہے کہ مظہر را کو ڈبل کراس کر رہا تھا۔ وہ تم میں سے کسی کا آدمی تو نہیں تھا؟" لیری نے پوچھا۔

سب انجان بن کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ سب سے زیادہ معصومیت اول خان کے چہرے پر تھی۔

"خط کے آخر میں کسی کا نام نہیں ہے مگر مضمون سے وہی بات ظاہر ہو رہی ہے جو تم نے کہی ہے۔" کرنل شعبان نے اپنی رائے دی اور کہا "آج کل ہمارے ملکوں کے درمیان کشیدگی بڑھی ہوئی ہے پھر بھی را والے آگ بجھانے کے بجائے بھڑکانے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ حرکتیں تلخیاں بڑھاتی ہیں۔ کاش ہم یہ خط استعمال کر سکتے۔"

"نہیں!" لیری نے سختی سے کہا "کسی مراسلت میں اس کا ذکر نہیں آئے گا۔"

"را والے روایتی ڈگر سے ہٹ کر مقامیوں میں گھسنے اور انہیں خریدنے کی خطرناک کوششیں کرتے ہیں۔ شاید یہ اسی کا شاخسانہ ہے کہ آج صبح سویرے ایک کوڑے دان سے بھارتی قونصل خانے کے کسی ملازم کی لنگڑی لاش برآمد ہوئی ہے۔" آئی جی نے قدرے برہمی سے وہ انکشاف کر کے سب

کو حیران کردیا "ان کی گھٹیا حرکتوں کی وجہ سے ہمارے لیے امن و امان کے سنگین مسائل پیدا ہوتے ہیں۔"

آئی جی کی بات پر ہر شخص چونک پڑا۔ لیری بھی چندن کے قتل سے بے خبر تھا۔ ہال میں سب نے بیک وقت بولنا شروع کردیا۔ ہر شخص ایک ہی سانس میں آئی جی سے بہت کچھ پوچھ لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

آئی جی کے بیان کے مطابق کوڑا اٹھانے والی ایک گاڑی کے عملے نے شہر کے کوڑے دان میں سات بجے وہ لاش دیکھی تھی جس کی داہنی ٹانگ ران کی ہڈی کے وسط سے کٹی ہوئی تھی۔ اس خبر نے ہر طرف سنسنی پھیلا دی۔ لاش کے بدن پر صرف نکر موجود تھا۔ جراحی کے مصنوعی عمل سے محرومی کے سبب متوفی غیر مسلم نظر آرہا تھا۔ تمام تھانوں کو کھڑکانے کے بعد پتا چلا کہ پچھلی رات سول لائنز کے علاقے میں رہنے والوں نے پولیس کو کسی گڑبڑ کی رپورٹ دی تھی۔ تفتیش کے نتیجے میں بھارتی سفارت خانے کا ایک افسر اپنے رہائشی فلیٹ سے غائب پایا گیا تھا۔ وہ سراغ اس وجہ سے مل گیا کہ فلیٹ کا تالا کسی باریک گیس کٹر سے ناکارہ کردیا گیا تھا۔

یہ بہت غنیمت ہوا کہ آئی جی نے گیس کٹر کی اطلاع دی تھی۔ کسی کا دھیان بیم گن کی طرف نہیں گیا تھا۔

آئی جی کو دفتر سے نکلنے کے بعد فون پر بتایا گیا تھا کہ لنگڑے مردے کو چندن گرنانی کے نام سے شناخت کرلیا گیا تھا۔

میں مسلسل گہری نظروں سے لیری کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ نئی خبر نے اسے پریشان ضرور کردیا تھا مگر چندن کے نام پر اس نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

"یہ بہت برا ہوا۔" لیری نے پوری بات سننے کے بعد مضطربانہ آواز میں کہا "اس واقعے سے پاکستان اور بھارت کے درمیان پائی جانے والی کشیدگی اپنی انتہا کو پہنچ جائے گی۔ بھارتی حکومت نے اس واقعے پر تحمل اور بردباری سے کام نہ لیا تو بھارت میں فسادات بھی پھوٹ سکتے ہیں۔"

"لاش بہت بری اور ادھڑی ہوئی حالت میں ملی ہے۔" آئی جی کہہ رہا تھا "مرنے والا اوباش اور رنگین مزاج تھا۔ ابھی تفتیش شروع نہیں ہوئی مگر ابتدائی اندازہ ہے کہ یہ رقابت کا کوئی چکر بھی ہوسکتا ہے۔"

"مجھے اس بات پر حیرت ہورہی ہے کہ تم نے یہ اہم واقعہ اتنی دیر سے بتایا۔" لیری نے آئی جی سے کہا۔

"میں امن و امان کے مسئلے پر یہاں رپورٹ دینے نہیں آیا تھا۔" آئی جی نے ترشی سے جواب دیا "تمہاری بات سننے کے لیے آیا تھا۔ اگر تم نے را کی طرف سے مظہر کو خریدنے والا فیکس نہ دکھایا ہوتا تو شاید میں اس واقعے کا ذکر ہی نہیں کرتا۔ کراچی میں روز جرائم ہوتے رہتے ہیں۔ ان خبروں سے صرف خوف و ہراس پھیلتا ہے۔ تفتیش میں کوئی مدد نہیں ملتی۔"

"اگر تم میری جسارت کو اپنے فرائض میں مداخلت تصور نہ کرو تو میں چندن والے قصے سے پوری طرح باخبر رہنا چاہوں گا۔" اس بار لیری نے غیر معمولی نرمی اور شرافت سے اپنی فطری خواہش کا اظہار کیا "اس سے مجھے اپنے مشن میں مدد ملے گی۔"

"میں وعدہ نہیں کرتا مگر کوشش ضرور کروں گا۔" آئی جی نے بھی نرمی سے اسے ٹال دیا۔

"بات گھوم پھر کر وہیں آجاتی ہے۔" لیری نے اپنا گلا صاف کرکے کہا "جس شہر میں ماجد یمنی، ڈیپی اور مظہر جیسے لوگ آزادی سے دندناتے پھر رہے ہوں اس شہر میں مجھ سمیت کوئی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔"

"تم کھلے دل سے ہمارا ساتھ دو۔ ہم انہیں پکڑلیں گے۔" شاہد رانا بولا۔

"ہم کھلے دل سے تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔ میں نے بھارتیوں کی مرضی کے خلاف ایک خفیہ فیکس کی کاپیاں تمہیں لادیں۔ تم ہم لوگوں سے اور کیا چاہتے ہو۔"

"یہ کاپیاں تم نے آف دی ریکارڈ دی ہیں۔ انہیں آن ریکارڈ کردو پھر دیکھو کہ پوری سازش کے تانے بانے کس طرح سامنے آتے ہیں۔" جلال نے کہا۔

"یہ نہیں ہوسکتا۔" لیری نے سختی سے انکار کردیا "تم اس مضمون کو بھارتیوں کے گلے کا ڈھول بنادو گے اور اسے دنیا جہان میں بجاتے پھرو گے۔"

"دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ بھارت دوسرے ملکوں میں کیا کر رہا ہے۔"

"آج کے ماحول میں سب نے ایک دوسرے کے ملکوں میں جاسوسی کے لیے اپنے جال بچھائے ہوئے ہیں۔" لیری نے جلال کی دلیل رد کردی "پتا نہیں بھارت میں تمہارے کتنے آدمی کام کررہے ہوں گے اور تم نے کس کس کو خریدا ہوگا۔"

"ہم پھر غیر ضروری باتوں میں الجھ رہے ہیں۔" شاہد نے لیری کو ٹوکا "تم یہ بتاؤ کہ جان دہلی سے کب آرہا ہے۔"

"تم کو جان کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" لیری نے اسے

گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"اگر تم ماجد یمنی کی گرفتاری میں ذرا بھی دلچسپی رکھتے ہو تو جان کو جلد از جلد یہاں ہونا چاہیے۔"

"ماجد یمنی آج بھی ہماری پہلی ترجیح ہے۔ اسے ہم نہیں بھول سکتے۔ اس کے لیے جان کیا کر سکتا ہے۔"

"اسے تم نے نہیں دیکھا۔ ہم میں سے کوئی اسے نہیں پہچانتا۔ ہم نے کئی مشتبہ افراد کو حراست میں لے لیا ہے۔ وہ یمن اور دوسرے عرب علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کے کاغذات میں مطلوب نام نہیں ہے۔ اگر ماجد کے کاغذات کسی اور نام سے بنے ہوئے ہیں تو کوئی اسے نہیں پہچان سکتا۔ صرف جان اسے شناخت کر سکتا ہے۔ وہ یہاں سے غائب ہے۔ اس کے انتظار میں ہم ان لوگوں کو غیر معینہ مدت تک قید نہیں رکھ سکتے۔"

"ہاں، جان کو یہاں ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے ملزم کو شناخت کر سکے۔" آئی جی نے شاہد کی تائید کی۔

"یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ تم ان لوگوں کی تصویریں مجھے بھجوا دو۔ وہ جان کو پہنچا دی جائیں گی۔"

"تصویروں سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔" آئی جی نے زور دے کر کہا "جان کا یہ بیان ریکارڈ میں موجود ہے کہ جائے واردات پر روشنی کم تھی اور اسے غور سے حملہ آور کو دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ایسے میں وہ تصویروں سے دھوکا کھا جائے گا۔ ملزم سامنے آئے گا تو وہ آسانی سے اسے پہچان لے گا۔"

"وہ کسی وقت واپس آسکتا ہے۔ میں اسے یاد دہانی بھی کرادوں گا مگر میں تمہیں ایک بات بتادوں کہ آج ایک بھارتی کے قتل کے بعد تمہارا شہر غیر ملکیوں کے لیے مخدوش ہوگیا ہے۔ کوئی بھی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر یہاں آنا پسند نہیں کرے گا۔"

"سب سے پہلے اپنی غلط فہمی دور کرلو۔" آئی جی نے نرمی سے کہا "چندن گرنانی ہندو ضرور تھا مگر وہ پاکستان کا شہری تھا۔ بھارت سے اس کا صرف اتنا تعلق تھا کہ وہ ان کے قونصل خانے میں ملازم تھا۔ رہی غیر ملکیوں کے تحفظ کی بات تو تم دونوں دو دن سے یہاں ہو اور بالکل محفوظ ہو۔"

"یہ قسمت کی بات ہے۔" لیری نے کسی پس و پیش کے بغیر کہا "مجھ سے پوچھو کہ میرا کیا حال ہے۔ ہر وقت کہیں سے گولی آنے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ میں ہوٹل میں اپنے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ کوئی مجھ پر حملہ نہ کردے۔"

وجہ دلچسپی

پروفیسر صاحب نے میڈیکل کے ایک نوجوان طالب علم کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "کیا بات ہے .... زچگی کے باب کو تم نے بڑی دلچسپی سے پڑھا ہے اور دوسرے مضامین کے نیسٹوں کی نسبت اس میں بہت اچھے نمبر لیے ہیں؟"

"سر....! بات یہ ہے ..." نوجوان اسٹوڈنٹ نے سنجیدگی سے جواب دیا "جب میں دل کی بیماریوں کے بارے میں پڑھ رہا تھا تو مجھے وہم ہونے لگا تھا جیسے میں خود بھی دل کا مریض ہوں۔ جب میں دمے کے بارے میں پڑھ رہا تھا تو مجھے شبہ ہونے لگا کہ مجھ میں بھی دمے کی علامات موجود ہیں۔ السر کے بارے میں پڑھتے وقت تو مجھے اچھا خاصا یقین ہونے لگا کہ مجھے بھی السر ہے .... زچگی واحد مضمون ہے جسے میں نے اطمینان اور بے فکری سے پڑھا ہے۔"

مجھے بے اختیار رویرا کا قول یاد آگیا۔ وہ بار بار کہتی رہتی تھی کہ امریکی نرے بزدل ہوتے ہیں جہاں جیت کا یقین ہو وہاں شیر ہوتے ہیں۔ پٹنے یا بازی برابر رہنے کا ذرا بھی اندیشہ ہو تو میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنے میں عار نہیں سمجھتے۔

"میں جانتا ہوں۔" شاہد نے ہنس کر کہا "تمہاری حفاظت کے لیے برابر کے کمرے میں دو امریکی میرین کمانڈوز رہ رہے ہیں جو تم سے پہلے باہر نکل کر گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہیں پھر دروازے پر خاص انداز میں دستک دے کر تمہیں میدان صاف ہونے کی اطلاع دیتے ہیں۔"

"اوہ!" وہ کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا "تو تمہارے آدمی میرے نگرانی کررہے ہیں۔"

"مجبوری ہے۔" شاہد نے بے پروائی سے اپنے شانے اچکا کے کہا "تم وی آئی پی ہو۔ تمہاری دیکھ بھال ہمارے فرائض میں شامل ہے۔"

"تم چاہو تو تمہارے کمرے کے باہر پولیس گارڈز بھی مامور کیے جاسکتے ہیں۔" آئی جی نے اس پر تفریحاً فقرہ کسا۔

"تو.... تھینک یو!" لیری نے برا مان کر سختی سے کہا

"میرے لیے امریکی گارڈز ہی کافی ہیں۔"

"آج کے اجلاس میں تم ہمیں صرف اشتعال انگیز فلمیں دکھانے آئے تھے!" جلال نے اس کے تیور بھانپ کر موضوع ہی بدل دیا۔

"ہاں۔ اصل مقصد یہی تھا۔ مگر ماجد یمنی اور ڈینی کے بارے میں یاد دہانی بھی ضروری ہے۔"

"میں پھر کہوں گا کہ سی آئی اے یا امریکی حکومت محض بھارتیوں کی خوشنودی کے لیے مظہر کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہی ہے۔" میں نے دانستہ کہا "اس کی ضرورت بھارتیوں کو ہے، تم کو نہیں۔ اب ہمیں یہ معلوم ہوگیا ہے کہ وہ را کا زر خرید آدمی ہے تو ہم اس کے پیچھے پاتال تک جائیں گے مگر تم اس معاملے میں اپنی ٹانگ مت اڑاؤ۔"

"اس پر دہلی میں پیش آنے والے واقعات میں ملوث ہونے کا الزام ہے۔" لیری نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تم پچھلے اجلاس میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت اس موضوع پر خاصی ناخوشگوار بحث ہوئی تھی۔ وہ ہماری بھی ضرورت ہے کیونکہ ہمیں جان اسمتھ کے قاتل کی تلاش ہے۔ اس کے لیے ہم ہر حد تک جانے کے لیے تیار ہیں۔ جان دہلی میں اپنے قیام کے دوران میں اپنے ہم نام کے قتل کی کڑیاں بھی یک جا کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"اس کے لیے کراچی کے مقابلے میں دہلی زیادہ مخدوش ہے۔ شاید وہ بھول رہا ہے کہ اس کے ہم نام سے پہلے اوبرائن ڈی ہنٹ نامی ایک اور اہم امریکی افسر دہلی میں حادثے کا شکار ہو کر مر گیا تھا۔"

"کرنل داور! امریکا اور امریکیوں کے بارے میں تمہارے مشاہدے قابل رشک ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے کرسی چھوڑ دی۔ وہ سات پاکستانی افسروں کے درمیان گھر کر بہت زیادہ بے آرامی محسوس کر رہا تھا۔

"ایک اچھا سیکرٹ ایجنٹ مثبت سے زیادہ منفی پہلوؤں پر نگاہ رکھنے کا عادی ہوجاتا ہے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"اسی لیے مجھے ایس ٹی ایف سے بہترین امیدیں ہیں۔ ماجد یمنی، ڈینی اور مظہر کے بعد اب چندن کا قاتل بھی تمہارے لیے چوتھا چیلنج بن گیا ہے۔"

"وہ ہمارا کام ہے۔" آئی جی نے اس کی تصحیح کی "ایس ٹی ایف والے پولیس کے فرائض میں دخل اندازی نہیں کرتے۔"

ہم ساتوں نے کانفرنس روم کے دروازے پر لیری اور اس کے مددگار کو رخصت کیا۔ لیری نے جاتے ہوئے ہم سے فلمیں کی نقول واپس نہیں لی تھیں۔

کرنل غفور فوری طور پر چلا گیا۔ دوسرے افراد دروازے پر کھڑے خوش گپیاں کرتے رہے۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر جلال کو ایک طرف لے گیا۔

"آج تم نے اس موٹے کے بخیے ادھیڑ کر میرا دل خوش کردیا۔" بھیڑ سے دور نکل آنے پر جلال نے مسرت سے کہا۔

"یہ باتیں ہوتی رہیں گی۔ آئی جی کو مشورہ دو کہ چندن کے قتل کو رقیبانہ انتقام کا رخ دینے کی کوشش کرے۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری رنگین لمحات شہزادی نامی کسی لڑکی کے ساتھ گزارے تھے۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"بس، میں سمجھ گیا۔ یہاں زبان پر قابو رکھو۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ میں کسی وقت گھر آؤں گا۔"

ہم دونوں دوبارہ اپنے ساتھیوں میں آملے۔ رفتہ رفتہ سب وہاں سے روانہ ہوگئے۔ بس آئی جی دروازے پر کھڑا رہ گیا۔ شاید اسے تازہ مذاکرات کے بارے میں کمشنر سے کچھ مشورے کرنے تھے۔

"یہ بہت برا ہوا کہ تم اپنی جارحانہ باتوں کی وجہ سے لیری ہف کی نظروں میں آگئے۔ اس نے چلتے چلتے طنزیہ انداز میں تمہاری تعریف کی تھی۔" کمشنر ہاؤس کی حدود سے گاڑی باہر نکال لے جانے کے بعد اول خان نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

"وہ سب باتیں ناگزیر تھیں۔ وہ لاجواب ہوگیا تھا۔" میں نے سگریٹ کا کش لے کر کہا "اب گھر جاکر یہ بات نہ دہرا دینا۔ غزالہ پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ جائے گی۔ وہ مجھ سے شاکی رہتی ہے کہ میں ہر وقت خود سے خطرات مول لیتا رہتا ہوں۔ میں لیری کی ناراضی سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں۔"

"وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ مجھے ڈر یہ ہے کہ وہ تمہارے بارے میں چھان بین شروع کروا دے گا۔ اسے تمہارا سروس ریکارڈ نہ ملا تو بہت بڑی مشکل کھڑی ہوجائے گی۔ کرنل داور کی ذات فوری طور پر شکوک و شبہات کی زد میں آجائے گی۔" اول خان اس بارے میں واقعی پریشان تھا۔

"مظہر کے نام سے میرا پاسپورٹ بنواتے ہوئے تم نے ایسی باتوں کا خاص دھیان رکھا تھا۔" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے دوران سوچنے کے بعد کہا "را والے میرے کوائف کی اس تصدیق سے دھوکا کھا گئے تھے۔ کیا اس بار تم نے ایسی کوئی احتیاط نہیں کی؟"

"میں نے اتنی ہی احتیاط کی ہے جتنی پاسپورٹ کے معاملے میں کی تھی۔ کرنل داور سکسٹی نائین فیلڈ کا افسر تھا جو ریٹائرمنٹ لینے کے بعد پچھلے کئی سال سے فوجی فاؤنڈیشن کی ایک فیکٹری میں کام کررہا ہے۔"

"بس' تو پھر یہی کافی ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ ساری عمر کسی فیکٹری میں کام کرتا رہے۔ اس موقع ملا اور وہ اس فیکٹری کی ملازمت چھوڑ کر اسپیشل ٹاسک فورس میں آگیا۔ اب تم کیوں فکر مند ہورہے ہو۔"

"سی آئی اے والے سور ہوتے ہیں۔" اول خان نے سڑک پر نظریں جمائے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "وہ بال کی کھال نکالنے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ کرنل داور کے سروس ریکارڈ کی نقل حاصل کرسکتے ہیں۔ اس میں داور کی تصویر بھی ہوگی۔"

"تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔" میں نے اس سے اتفاق کیا "اس علاقے میں اپنے تلخ تجربات کی بنا پر وہ بہت زیادہ محتاط ہوسکتے ہیں۔ ان سے ہر بات کی توقع کی جاسکتی ہے مگر تم کو اس بارے میں اتنا فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم بھی ریٹائرڈ فوجی ہو۔ فوج میں تمہارے گہرے مراسم ہوں گے۔ حفظ ماتقدم کے طور پر ریکارڈ میں کرنل داور کی تصویر بدلوا دو کیونکہ کرنل داور والا رول کچھ طول پکڑ سکتا ہے۔"

"مجھے اسی بات کی پریشانی ہے۔ اس نے تمہارا نام اور چہرہ ذہن نشین کرلیا ہے۔ مظہر کی طرح کرنل داور کو کہیں غائب نہیں کیا جاسکتا۔ اول تو آرمی ریکارڈ میں کسی قسم کا ردو بدل ناممکن ہے۔ کسی طرح یہ کام کرلیا جائے تو خطرہ یہ ہے کہ تمہاری تصویر ہمیشہ کے لیے ریکارڈ پر آجائے گی۔"

"تم بعض اوقات ضرورت سے زیادہ سوچنے لگتے ہو۔" میں نے ہنس کر کہا "ضروری نہیں کہ ریکارڈ میں میری اصل تصویر ہی جائے۔ تصاویر اور کوائف کا مرحلہ ہر ملازمت کی ابتدا میں چلتا ہے اور ریٹائرمنٹ تک وہی ریکارڈ برقرار رہتا ہے۔ مجھ سے ملتی جلتی کوئی بھی تصویر چلے گی۔ آج سے دس پندرہ برس پہلے میں آج سے بہت مختلف رہا ہوں گا۔"

"اوکھلی میں سر دیا ہے تو اب کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ میرے ذہن میں ایک خطرہ سر ابھار رہا تھا۔ میں نے تمہیں اس سے آگاہ کردیا۔ اب ہم مل بیٹھ کر اس کا کوئی نہ کوئی تدارک بھی کرلیں گے۔"

ہم دونوں نے خاموشی اختیار کرلی۔ گاڑی تیزی سے واپسی کے سفر پر گامزن تھی۔

○☆○

انکشاف

معروف اداکارہ نے تھانے میں رپٹ لکھوائی کہ چوہدری صاحب نے اس پر مجرمانہ حملہ کیا ہے۔

"چوہدری صاحب نے آپ پر مجرمانہ حملہ کب کیا؟" تفتیشی افسر نے پوچھا۔

"پچھلے ہفتے" اداکارہ نے جواب دیا۔

"تو پھر آپ نے رپورٹ پچھلے ہفتے کیوں درج نہیں کرائی؟" تفتیشی افسر نے حیرت سے کہا۔

"اس وقت تک ان کا دیا ہوا چیک ڈس آنر ہوکر بینک سے واپس نہیں آیا تھا" اداکارہ نے جواب دیا۔

پچھلی رات ہم چندن کے اغوا کے ارادے سے گھر سے روانہ ہوئے تو ہمارا ابتدائی پروگرام یہ تھا کہ چندن کو اس کے گھر سے نکالیں گے اور قائداعظم کے مزار کے عقبی سڑک پر پھیلے ہوئے سناٹے میں قیدی کو ایس ٹی ایف والوں کے حوالے کرکے گھر لوٹ آئیں گے۔

اسٹیشن فور میں بیٹھا ہوا اول خان خود ہی قیدی سے نمٹ لیتا۔ ہم دونوں بروقت اپنی اپنی خواب گاہوں میں پہنچ جاتے مگر عملی طور پر ایسا نہیں ہوسکا۔ کچھ میرا فطری تجسس تھا اور دوسری طرف اخلاقیات کی پاس داری کہ ہم دونوں خود ہی اسٹیشن فور پہنچ گئے۔

وہاں سے واپسی میں اتنی دیر ہوگئی کہ سلطان شاہ تھک ہار کر سوچکا تھا۔ ویرا کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ نشے کی زیادتی کی وجہ سے بے ہوش تھی یا اسے بھی نیند آگئی تھی۔ ہم گھر پہنچے تو وہ بظاہر غفلت کی گہری نیند سوئی ہوئی تھی' صرف غزالہ ہم دونوں کی واپسی کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ گھر پہنچ کر میں نے پسنجر سیٹ پر سوئے ہوئے سلطان شاہ کو جگایا تو وہ گھر میں گھستے ہی بستر کی طرف ہولیا۔

غزالہ مجھ سے میری مصروفیات کے بارے میں زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ میں گھر سے کسی مہم کے لیے نکلتا تو میری سلامتی کے لیے دعاگو رہتی تھی۔ میں صحیح وسلامت لوٹ آتا تو خدا کا شکر ادا کرتی تھی۔ میں نے سرسری طور پر اسے چندن

کے عبرت ناک انجام کے بارے میں بتادیا۔

چائے کے ساتھ ایک سینڈوچ لے کر میں بھی سونے کے لیے چلا گیا۔ صبح آٹھ بجے اول خان کا فون آیا تو ویرا بدستور گہری نیند سو رہی تھی۔ غزالہ میرے اور سلطان شاہ کے لیے ناشتا تیار کر چکی تھی۔ فون پر بات ہونے کے چند منٹ بعد اول خان راستے سے مجھے لیتا ہوا کمشنر ہاؤس کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہم کو اتنا وقت ہی نہیں مل سکا تھا کہ ان واقعات کے بارے میں بیٹھ کر کوئی بات کرتے۔ میں اجلاس سے نمٹ کر اول خان کے ساتھ گھر پہنچا تو ویرا اپنی پوری تیاری کے ساتھ میری واپسی کی منتظر تھی۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس نے غزالہ اور سلطان شاہ کو بھی میرے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔

"غنیمت ہے کہ تمہیں گھر آنے کا خیال آگیا" گھر میں قدم رکھتے ہی مجھے ویرا کی نشتر زنی کا سامنا کرنا پڑا "رات کو کہاں رہ گئے تھے؟"

"اول خان کے ساتھ مجرا دیکھنے چلا گیا تھا۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" میں نے سلگ کر پوچھا۔ غصہ مجھے اس بات پر آیا کہ سلطان شاہ اس کے ساتھ گھر میں موجود تھا۔ وہ پوری مہم میں میرا شریکِ کار رہا تھا۔ ویرا نے میری غیر حاضری میں اس سے سب کچھ پوچھ لیا ہوگا پھر بھی وہ میرے سامنے انجان بن رہی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں تم دونوں کے لیے کتنی پریشان تھی" ویرا نے احسان جتانے کی کوشش کی "تم اپنا موبائل فون بھی گھر پر بھول گئے تھے۔"

"تمہاری پریشانی کا اندازہ تمہاری گہری نیند سے ہو گیا تھا" میں نے گہرے طنز سے کہا مگر میں دل ہی دل میں اس کی نادانی پر ہنس رہا تھا۔ میں موبائل فون بھولا نہیں تھا۔ دانستہ گھر پر چھوڑ گیا تھا۔ اس چھوٹے سے شیطانی آلے کی جہاں بہت زیادہ افادیت تھی، ایک خرابی بھی تھی۔ اگر فون کھلا ہوا ہے تو آدمی کہیں بھی ہو، پکڑا جاتا ہے۔ ہمہ وقت رابطے کی وہ آزادی بعض نازک مقامات پر تکلیف دہ ہو سکتی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ چندن کے اغوا میں ایسے کئی نازک مقامات آئیں گے۔ اگر کسی غلط موقع پر موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی تو سارا کیا دھرا رہ جائے گا۔

"تم گھر سے کچھ طے کر کے جاتے ہو اور باہر جا کر ارادے بدل لیتے ہو۔ تم کو اندازہ ہے کہ غزالہ تمہارے لیے کتنی فکر مند رہتی ہے" اپنی بات کا منہ توڑ جواب سنتے ہی ویرا نے غزالہ کو بھی اس بحث میں گھسیٹنے کی کوشش کی۔

"یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ تمہیں اس میں دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

ویرا کی مستفسرانہ نظریں غزالہ کے چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ جواب میں صرف مسکرا کر رہ گئی۔

"میری طرف سے تم دونوں بھاڑ میں جاؤ۔ میرا کیا جاتا ہے" غزالہ کے خوشگوار ردِّعمل پر ویرا بھڑک اٹھی "یہ رات کو میرے ساتھ بیٹھی اس طرح ٹسوے بہا رہی تھی جیسے تھوڑی دیر میں تمہاری تدفین کی خبر آنے والی ہے۔ اب دانت نکال رہی ہے۔"

"ویرا!" اول خان نے تادیبی لہجے میں اسے پکارا "مہذب لب و لہجہ اختیار کرو۔ تم حد سے تجاوز کر رہی ہو۔"

ویرا کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ خاموش بیٹھی چند ثانیوں تک مجھے گھورتی رہی پھر بولی "رات کو کیا ہوا تھا؟"

"تم کو سلطان شاہ نے ہر بات بتادی ہوگی، میرا دہرانا ضروری نہیں ہے۔"

"میں نے ان دونوں کو ہر بات بتادی ہے" سلطان شاہ نے جھٹ میری تائید کی "ویرا کو اس بات پر سخت اعتراض ہے کہ ہم نے چندن کی گرل فرینڈ کو کیوں چھوڑ دیا؟ وہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارے اس نادر اندیشے کا سبب کیا ہے؟" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میں عورت ہوں اور عورتوں کو تم سے زیادہ جانتی ہوں۔ تمہیں دیکھ کر اسے اپنی جان خطرے میں نظر آئی اور اس نے اداکاری شروع کردی۔ اس نے اپنے مکر سے تم کو فریب دے دیا۔ وہ کہیں بھی تمہیں پہچان لے گی" ویرا نے دعوے سے کہا۔

"اگر صرف اتنی سی بات ہے تو اسے اپنے نازک دماغ سے جھٹک دو۔ وہ اس بری طرح مدہوش تھی کہ اسے اپنے تن کے کپڑوں کا بھی ہوش نہیں تھا۔"

"وہ نمفو مینیا کی مریضہ رہی ہوگی۔ ایسی عورتوں کو بے لباس ہو کر ہی سکون ملتا ہے" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

"تم نے کیا بے ہودہ باتیں شروع کردیں" سلطان شاہ نے چڑ کر اسے ٹوک دیا "وہ رات کی باتیں تھیں۔ رات گئی بات گئی۔ اس وقت یہ دونوں لیری سے مل کر آرہے ہیں۔ وہاں ہونے والی باتیں اس وقت سب سے زیادہ اہم ہیں۔"

ویرا نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی اور مجھ سے کہا "تم نے چوپڑہ کے بارے میں کیا کیا؟"

"کچھ خدا کا خوف کرو" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "ہم رات گئے واپس آئے۔ صبح سویرے کانفرنس میں چلے گئے۔ کچھ کرنے کا وقت کہاں تھا میرے پاس۔"

"ہوسکا تو اسے میں دیکھوں گی" وہ پرخیال انداز میں بولی "اب بتاؤ کہ لیری کو کیا تکلیف ہے؟"

"میرے بھیجے ہوئے فیکس نے یکایک بین الاقوامی اہمیت حاصل کرلی ہے" میں نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"وہ بے وقعت خط جس میں ٹائپنگ کی بے شمار غلطیاں ہیں؟" ویرا نے حیرت سے تائید چاہی۔

"چند گھنٹوں کی مدت میں وہ فیکس چندن سے لیری تک پہنچ گیا۔ وہ اندیشے درست ثابت ہوئے کہ بھارتی اور امریکی اس خط کو مظہر کی کراچی میں موجودگی کا کھلا ثبوت قرار دے رہے ہیں اور شدت سے اس کی گرفتاری کا مطالبہ کر رہے ہیں" میں نے بتایا۔

"یہ باتیں چلتی رہیں گی" اول خان نے بلند آواز میں غزالہ سے کہا "تم ذرا ہلکے پھلکے ناشتے کا بندوبست کرلو!"

غزالہ اول خان کی کسی فرمائش کو رد نہیں کرتی تھی۔ اپنی جگہ سے اٹھی اور کچن کی طرف چل دی۔

"اس فیکس کے بارے میں ہمارے خدشات درست ثابت ہوئے۔ چندن کی موت کی صورت میں ہم نے اس سے فائدہ اٹھالیا مگر اب خطرہ سامنے ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مظہر اور غزالہ کی واپسی کے بارے میں پاکستان کا مطالبہ بھی مسترد کر دیا جائے گا" ویرا نے پوچھا۔

"اس کا امکان نہیں ہے۔ فیکس کو اس کے حسّاس متن کی وجہ سے آف دی ریکارڈ رکھا گیا ہے۔"

"اوہ! تو وہ اجلاس اسی لیے آف دی ریکارڈ تھا" ویرا نے چونک کر کہا "میرا خیال تھا کہ ایس ٹی ایف کی نمائندگی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔"

"لیری کو ماجد یمنی، ڈینی اور مظہر کے بارے میں ایس ٹی ایف سے بہت توقعات ہیں" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کچھ دنوں بعد اس میں چوتھا نام بھی شامل ہوجائے گا۔ آج تم کس نام سے میٹنگ میں گئے تھے؟" ویرا نے پوچھا۔

"کرنل داور!" اول خان نے جواب دیا "ڈینی نے آج لیری کو بری طرح رگید کر رکھ دیا۔ کرنل داور اس کی نظروں میں آچکا ہے۔"

"کرنل داور بن کر تم آزادانہ نقل و حرکت کرسکتے ہو۔

افسانچہ

ایک خوب صورت لڑکی شام کے وقت ایک پارک سے گزر رہی تھی کہ فوارے کے قریب سے اس نے ایک دھیمی اور فریادی سی آواز سنی "ذرا سنیے.... ذرا سنیے۔"

وہاں کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو پتا چلا کہ ایک مینڈک اس سے مخاطب تھا۔ مینڈک درد بھری آواز میں مزید بولا "اے پیاری لڑکی! حقیقت یہ ہے کہ میں ایک ملک کا شہزادہ ہوں لیکن ایک جادوگرنی نے جادو کے زور سے مجھے مینڈک بنادیا ہے۔ اگر تم جیسی کوئی حسین لڑکی ایک رات نہایت پیار محبت سے مجھے اپنے ساتھ رکھے تو میں دوبارہ انسان کے روپ میں آجاؤں گا۔ یہی اس جادو کا توڑ ہے۔ خدا کے لیے میرے حال پر رحم کرو اور ایک رات کے لیے مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔"

لڑکی کو اس پر ترس آگیا۔ وہ اسے گھر لے آئی۔ پیار سے اپنے ساتھ رکھا۔ بستر میں اپنے ساتھ سلایا۔ صبح وہ مینڈک واقعی ایک خوش شکل نوجوان بن گیا۔

اس افسانچے کا المناک پہلو یہ ہے کہ لڑکی کی ماں نے لڑکی کی سنائی ہوئی اس کہانی پر یقین نہیں کیا۔

میرا مشورہ ہے کہ کچھ دنوں کے لیے اسٹیشن فور پر ہی منتقل ہوجاؤ۔ ہم لوگ اپنی دیکھ بھال خود کرلیں گے۔"

"تم کو اس کے منہ نہیں لگنا چاہیے تھا۔ تم جانتے ہو کہ دشمنی کے معاملے میں امریکی کتنے گھٹیا ہوتے ہیں" سلطان شاہ بولا۔

"میں خود اس اجلاس میں پس منظر میں رہنا چاہ رہا تھا مگر اس کی باتیں اشتعال انگیز تھیں۔"

"تم نے جلد بازی سے کام لیا" اول خان نے زبان کھولی "وہاں تم اکیلے نہیں تھے۔ دوسرے افسر بھی اس کی کھال ادھیڑنے پر تلے ہوئے تھے۔ امریکیوں کے حاکمانہ سلوک کی وجہ سے کوئی بھی ان کو پسند نہیں کرتا۔ تم خاموش رہتے تو

کوئی نہ کوئی اسے ضرور منہ توڑ جواب دیتا۔"
"جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب ہمیں خود کو آنے والے حالات کے مقابلے کے لیے تیار کرنا چاہیے۔ اس مرتبہ یہ لوگ اپنے ملزموں کو پکڑنے کا قصد کرکے میدان میں اترے ہیں اور کوئی بڑی چوٹ کھائے بغیر میدان سے نہیں بھاگیں گے" میں نے سگریٹ کا ایک کش لے کر کہا۔
"اور چندن کے تاریخی الفاظ بھی یاد رکھنا" سلطان شاہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "اس نے ایک چھوٹے سے جملے میں بھارتی سوچ کا نچوڑ سمو دیا تھا۔"
"نشے میں مار کھا کر بھی وہ ایسی باتیں کرنے کے قابل تھا!" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔
"وہ بہت سخت جان اور ضدی تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ہند ہندو کا تھا' ہندو کا ہے اور ہندو کا ہی رہے گا۔"
"پھر تو امریکا بھی ریڈ انڈینز کا ہونا چاہیے۔ سفید فام قوموں کے لوگ وہاں یورپ' برطانیہ اور آسٹریلیا سے گئے تھے" ویرا نے منہ بنا کر جواب دیا۔
"یہ آگ لگا دینے والی پر تشویش باتیں ہیں۔ وقتی طور پر اس نفرت کو کتنا ہی دبا لیا جائے' یہ کسی نہ کسی وقت اپنا رنگ ضرور دکھائے گی" اول خان کی آواز پر تشویش تھی۔
"بھارتی ریاست اور قیادت کی پھیلائی ہوئی یہ نفرت آئے دن اپنا کام دکھاتی رہتی ہے۔" ویرا نے متاسفانہ انداز میں کہا "وہاں ہندو مسلم فساد ہوتے رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں انتہا پسند ہندوؤں نے ایودھیا میں رام مندر بنانے کے لیے بابری مسجد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ پچھلے مہینے بڑودہ میں چالیس مسلمان مار دیے گئے۔ یہ سب اسی نفرت کا شاخسانہ ہے جس کے بیج بھارتی قیادت بوتی رہتی ہے۔"
"ہندو کا فلسفہ اب رفتہ رفتہ میری سمجھ میں آتا جارہا ہے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے کہا "دنیا میں بہتیرے مسلمان ملک ہیں لیکن بھارت کو کسی سے پرخاش نہیں ہے مگر وہ پاکستان کو ہر قیمت پر نیست و نابود کردینا چاہتا ہے۔ اس بھارتی سوچ کے پیچھے خالص ہندو ذہنیت کارفرما ہے۔"
"اور وہ ہندو ذہنیت کیا ہے؟" ویرا نے پوچھا۔
"روایتی ہندوانہ انا۔ یہ احساس آج بھی ان کے دل میں کچوکے لگاتا ہے کہ مسلمان باہر سے آئے اور ایک طویل مدت تک ان پر راج کرگئے۔"
"ان پر تو انگریزوں نے بھی راج کیا تھا۔ وہ ان سے محبت کیوں کرتے ہیں؟" ویرا بات بڑھانا جانتی تھی۔
"انگریز آیا اور چلا گیا۔ اس نے بھارت میں اپنا کوئی وطن نہیں بنایا۔ مسلمانوں نے عروج کے بعد زوال دیکھا اور آخر میں پاکستان بنالیا۔ متعصب ہندو پاکستان کو اپنے لیے گالی تصور کرتے ہیں۔ یہ ملک انہیں ہر وقت اس دور کی یاد دلاتا رہتا ہے جب وہ مسلمانوں کی غلامی کررہے تھے۔ وہ اس علامت کے دشمن ہیں۔"
"ان کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔" سلطان شاہ نے پُرعزم لہجے میں کہا "وہ اپنی سی پوری کوششیں کرتے ہیں مگر ہر بار منہ کی کھاتے ہیں۔ ابھی اٹل' نریش اور ناگر کی چتاؤں کی راکھ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ اب چندن کی ارتھی تیار رہے۔ یہ پے در پے ناکامیاں آخر کار ان کے حوصلے پست کردیں گی۔"
"میرا خیال ہے کہ تم لوگ سیاست اور تاریخ میں الجھ رہے ہو۔" میں نے اکتا کر کہا "یہ ہمارے موضوع نہیں ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آج کے مسائل کیا ہیں۔ سبب کچھ بھی ہو' مسائل اپنی جگہ اٹل ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی نہ کوئی حل نکالنا ہی پڑتا ہے۔"
"اور اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میز پر ناشتا تیار ہے۔" غزالہ نے آکر اعلان کیا۔ سب اٹھ گئے۔
ناشتے کی میز پر وہ لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ میں اپنے خیالوں کی دنیا میں کھویا رہا۔ اپنے بارے میں لیری کی کہی ہوئی باتیں رہ رہ کر میرے ذہن میں چبھ رہی تھیں۔ جذبات کی رو میں آکر میں نے اجلاس میں اس کی اچھی خاصی سرکوبی کرڈالی تھی لیکن ٹھنڈے دل سے سوچنے پر اندازہ ہورہا تھا کہ میں کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا۔ اپنی ذات کو درپیش خطرات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وہاں احتیاط ضروری تھا۔
"لیری کا یہاں سے بھاگنا ضروری ہوگیا ہے۔" کھانے کے بعد میں نے اول خان سے کہا۔
"اس میں کیا رکھا ہے۔ وہ ہر وقت اپنے کمرے میں بند نہیں رہ سکتا۔ اس پر چھوٹا موٹا مصنوعی حملہ کرادو۔ خود بھاگ جائے گا۔" ویرا نے بیچ میں اپنی ٹانگ اڑا دی۔
"احمقانہ باتیں تم سے سیکھنی چاہئیں۔" سلطان شاہ کو بھی بولنے کا موقع مل گیا "ابھی سن چکی ہو کہ ہر وقت دو امریکی کمانڈو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ مصنوعی حملے میں حصہ لینے والے مفت میں ان کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔"
"میرا خیال ہے کہ میں اپنے آدمیوں کو اس کے پیچھے لگا دوں۔" اول خان نے تجویز پیش کی "انہوں نے کسی بے نام و نشان گاڑی میں دو تین مرتبہ اس کا تعاقب کیا تو وہ خوف زدہ

ہو جائے گا۔ تم نے دیکھا کہ اس نے آئی جی کی طرف سے پولیس گارڈز کی پیشکش ٹھکرا دی تھی۔ وہ یہاں اپنے سائے سے بھی بھڑک رہا ہے۔ اسے یہ خوف دامن گیر ہو جائے گا کہ نامعلوم قاتل یا دہشت گرد اس کے پیچھے لگ گئے ہیں۔"

"تجویز معقول ہے مگر امریکی کمانڈوز گھبرا کر کوئی کارروائی کر بیٹھے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔" میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"زیادہ سے زیادہ وہ چلتی گاڑی سے فائرنگ کریں گے۔ ایسی گولیاں کبھی نشانے پر نہیں لگتیں۔ اندھا دھند فائرنگ کا مقصد صرف ہراس پھیلانا ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اول خان کے آدمی فرار کی راہ اختیار کرلیں گے۔" ویرا اپنی تجویز سے دست بردار ہو کر اول خان سے متفق ہوگئی۔

"بس ایک ڈر ہے کہ کہیں یہ حرکت جلال کی پالیسی سے متصادم نہ ہو۔" میں نے کہا۔

"پھر وہی جلال۔" ویرا تنک کر بولی "میں پوچھتی ہوں کہ تم اس کے اسیر کیوں ہو گئے ہو۔"

"ڈینی ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اول خان نے میری تائید کی "ہم لوگ کوئی کام اپنے ذاتی مفاد کے لیے نہیں کرتے۔ ہمارا ہر قدم اپنے ملک کے لیے اٹھتا ہے۔ اگر ہماری کسی کارروائی سے ملک کے کاز (CAUSE) کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو ہمیں اس سے احتراز کرنا چاہیے۔"

"بنیادی طور پر مجھے تعاقب کا مشورہ اچھا لگا۔ یہ اس پر دباؤ ڈالنے کی بے ضرر ترکیب ہے۔" میں نے کہا۔

"جلال سے بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔" اس بار سلطان شاہ ویرا کا ہم نوا بن گیا "جان ایش کوف والے معاملے میں بھی تم نے اسے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ بعد میں وہ تمہاری کارکردگی کے بارے میں جان کر خوش ہو گیا تھا۔ لیری کے لیے بھی اسی نسخے پر عمل کر ڈالو۔"

میں بے ساختہ مسکرانے پر مجبور ہو گیا "مجھے خوشی ہے کہ تم کارآمد مثالیں یاد رکھتے ہو۔"

"مجبوری ہے۔" وہ شانے اچکا کے بولا "تمہارے اور ویرا کے اختلافات کو رفع دفع کرانے کے لیے بہت کچھ یاد رکھنا پڑتا ہے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو۔" غزالہ بولی "تمہاری اور ویرا کی ایک پل بھی نہیں بنتی۔ اس وقت تم اس کے چہیتے بن رہے ہو۔"

"پھر میں اپنے آدمیوں کو ہدایات دے دوں۔" اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

"میں شام تک تمہیں فون پر بتا دوں گا۔ مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دے دو۔ لیری عجلت میں شاید کوئی قدم نہ اٹھائے۔"

وقت کی تنگی کی وجہ سے اول خان گھر سے دفتر جانے کے بجائے سیدھا میری طرف آگیا تھا تاکہ مجھے اپنے ساتھ لے کر کمشنر ہاؤس جا سکے۔ اس نے ہمارے گھر سے اپنے دفتر فون کرلیا تھا مگر وہ دفتر سے اتنی طویل غیر حاضری کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اپنی معمول کی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے دفتر میں اس کی موجودگی ضروری ہوتی تھی۔ وہ ہم لوگوں سے اجازت لے کر اپنے دفتر کے لیے روانہ ہو گیا۔

ویرا کو اپنی ذاتی ضروریات کی کچھ چیزیں خریدنی تھیں۔ وہ ہمیشہ تنہا باہر نکلنے پر اصرار کرتی تھی لیکن ان دنوں میں نے ذرا سخت رویہ اختیار کرلیا تھا اور اسے اکیلا باہر نہیں جانے دیتا تھا۔ جب سے جان نے گلشن کے اس پبلک ٹیلی فون بوتھ کا نمبر پکڑا تھا جہاں سے میں نے ماجد بن کر اس سے بات کی تھی، میں زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ ان دنوں ساری ملکی ایجنسیاں ہمارے ساتھ تھیں لیکن مجھے ڈر تھا کہ دشمن کے ہرکارے اس بوتھ کے قرب و جوار میں ماجد یمنی کی بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔

ویرا میرے اصرار پر سلطان شاہ کو ساتھ لے کر کسی قریبی بازار کی طرف چلی گئی۔

میں ان دونوں کو رخصت کرکے واپس لوٹا تو غزالہ الماری کھولے کپڑوں میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ میں نرم قالین پر دبے پاؤں چلتا ہوا اس کے پیچھے پہنچا اور اچانک اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

غزالہ کے حلق سے ایک اضطراری چیخ آزاد ہو گئی۔ میری حرکت سے وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔ اس نے پلٹ کر مجھے دیکھنے سے پہلے شاید میرے لمس کو پہچان لیا تھا۔ اس لیے اس کی بے ساختہ چیخ زیادہ بلند آہنگ نہیں ہو سکی تھی۔

"کیا آپ نے ان دونوں کو اس لیے ایک ساتھ بازار بھیجا ہے؟" اس نے میری بانہوں سے نکل کر تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"کبھی کبھی میں ان دونوں کے تسلّط سے اکتا جاتا ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"آپ بہت بے مروت ہیں۔ آپ چلے جاتے ہیں تو وہ دونوں پل پل آپ کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔"

"اور تم بے فکری سے اپنا منہ لپیٹ کر سو جاتی ہو۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے فضا

میں چاندی کی بہت سی گھنٹیاں گنگنا اٹھی ہوں۔

"وہ دونوں آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ آپ بھی کبھی بہت رکھائی سے انہیں جھڑک دیتے ہیں۔ وہ بچے نہیں ہیں۔ پتا نہیں کس دل گردے سے آپ کی جھڑکیاں برداشت کرلیتے ہیں۔ سگے بہن بھائی بھی آپ کو شاید اتنا پیار نہیں دے سکتے تھے۔" باتیں کرتی ہوئی وہ بستر پر جا بیٹھی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے غزالہ نے میرا کوئی دبا ہوا زخم کرید دیا ہو۔ بچپن میں، میں نے گھر کی خوشی دیکھی تھی نہ میرا لڑکپن بے فکری سے گزرا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد سوتیلے بھائیوں کے سلوک نے مجھے اپنی ماں کے ساتھ جس طرح راندہ درگاہ کیا تھا، وہ میرا دل ہی جانتا تھا۔

غزالہ نے نادانستگی میں بہن بھائی کا ذکر کرکے میری ان تلخ یادوں کے تار چھیڑ دیے تھے۔

"آپ دہلی سے سرخ رو لوٹنے کے بعد بھی بہت مصروف ہیں۔" کچھ دیر بعد اس کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے تلخ ماضی سے لوٹتے ہوئے پوچھا "کیا مجھے پنشن پر چلا جانا چاہیے؟"

"میں کہا یہ جا رہا تھا کہ انل بسواس کو راستے سے ہٹا دینے کے بعد را کی کمر ٹوٹ جائے گی۔"

"نتائج تمہارے سامنے ہیں۔ ان کی صفوں میں انتشار اور ابتری کے آثار پیدا ہو چکے ہیں۔"

"اور یہ چندن کہاں سے آگ آیا؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"انل کے قتل کا قصہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ یہ اسی واقعے کی دھول ہے جو اب تک اڑ رہی ہے۔ انل کے پس ماندگان کو اس کے قاتلوں کی تلاش ہے۔ ابھی انہیں ناکامی کا پہلا گھاؤ لگا ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی عقل ٹھکانے پر آجائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ یوں ہی ہر وقت مصروف رہیں گے۔"

"میں نے ہر وقت گھر میں رہنا شروع کردیا تو تم میری صورت دیکھ دیکھ کر اکتا جاؤ گی۔" میں نے اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگا کر کہا۔

"آپ کی صورت میرے دل پر نقش ہے۔ اسے میں ایک پل کے لیے بھی نہیں بھلا سکتی۔"

"تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ ہم نے دہلی میں ایک مرحلہ نہیں، کئی کٹھن معرکے کامیابی سے سر کرلیے۔ اب حالات و واقعات میں پہلے جیسی تیزی نہیں رہے گی۔ زندگی کا کوئی نہ کوئی خوشگوار معمول بن ہی جائے گا۔"

ازراہ کرم

ایک امریکی نے اپنی بیوی کی بے وفائی کا ثبوت حاصل کرنے کے لیے ایک سراغ رساں کی خدمات حاصل کیں۔ سراغ رساں نے اسے اس کی بیوی اور آشنا کی کچھ تصویریں کھینچ کر ثبوت کے طور پر لا کردیں۔ امریکی نے دوسرے روز تصویریں آشنا کے سامنے رکھتے ہوئے غصے میں غرا کر کہا "یہ دیکھو.... اس تصویر میں تم میری بیوی کے گلے میں باہیں ڈالے بیٹھے ہو.... اس میں تم میری بیوی کے ساتھ بیٹھے پی رہے ہو.... اس میں تم میری بیوی کے ساتھ بیڈ روم میں ہو.... تم اس سلسلے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟"

آشنا نے تصویریں دیکھ کر سر ہلایا پھر تیسری تصویر اٹھاتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے.... یہ میں لے لوں گا.... اس کے مجھے پندرہ پرنٹ نکلوا دو۔"

"بس مجھے اسی دن کا انتظار ہے۔ انل اور جان کا قصہ پاک ہوا تو دوسرا جان یہاں آگیا۔ وہ بھاگا تو لیری سر پر سوار ہے۔"

"یہ لوگ آتے جاتے رہیں گے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آج شہر کے کسی دوسرے حصے سے لیری کو بھی فون کرلوں۔"

"جان فلیٹ میں رہ رہا تھا۔" غزالہ نے سوچتے ہوئے تائیدی انداز میں کہا "اسے وہاں بہت سی سہولتیں دستیاب تھیں جن کے سہارے اس نے پبلک بوتھ کے نمبر کا سراغ لگالیا تھا لیکن لیری ہوٹل میں رہ رہا ہے۔ اسے کچھ پتا نہیں چلے گا۔"

مجھے یاد تھا کہ جان نے نہ صرف پبلک بوتھ کا فون نمبر بلکہ میری اور اپنی گفتگو کا ریکارڈ کیا ہوا کیسٹ بھی حکام کے حوالے کردیا تھا۔ لیری کو ایسی کوئی سہولت دستیاب نہیں تھی۔ میں نے کہا "یہ دونوں بازار سے لوٹ آئیں تو میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر خاموشی سے نکل جاؤں گا۔"

"آپ اس سے کیا بات کرنے کا ارادہ کررہے ہیں؟"

"وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے کوئی بات کی جائے۔ میں نے صرف ایک بات سوچی ہوئی ہے کہ اس سے بات کرتے ہوئے میرا نام عبدالماجد ہوگا۔" میں نے ہنس کر

کہا۔

وہ خوش ہوگئی "یہ سب سے بہتر رہے گا۔ اس پر دہرا دباؤ پڑے گا۔ ایک طرف ایس ٹی ایف والے اس کا پیچھا کریں گے، دوسری طرف ماجد یمنی کا فون ہوگا۔ وہ حواس باختہ ہوجائے گا اور زیادہ دیر یہاں نہیں ٹکے گا۔"

"لیری چلا جائے گا تو ہمارا وقت سکون سے گزرے گا۔ سی آئی اے والوں کی تسلی کے لیے ہماری ایجنسیاں کاغذی خانہ پری کرتی رہیں گی۔"

"آپ نے اپنی یہ تجویز ویرا کے سامنے نہیں رکھی۔" غزالہ نے پوچھا۔

"وہ کچھ چڑچڑی اور بد دماغ ہوگئی ہے۔ ہر بات میں بحث کا پہلو نکال لیتی ہے اس وقت وہ موجود نہیں تھی۔ ہم دونوں نے اطمینان سے ایک فیصلہ کرلیا۔ وہ بحث پر آمادہ ہوجاتی ہے تو اسے سمجھانا مشکل ہوجاتا ہے۔"

"اس کی عادتیں آپ نے بگاڑی ہیں۔ ہمیشہ اس کی اتنی نازبرداریاں کرتے ہیں کہ اس کی جگہ کوئی اچھی بھلی عورت ہو تو اس کا بھی دماغ خراب ہوجائے۔"

"میں تو تمہاری بھی نازبرداریاں کرتا ہوں۔ تمہارا دماغ کیوں خراب نہیں ہوتا۔"

"آپ مبالغے سے کام لے رہے ہیں۔" اس نے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا "دوسروں کے سامنے آپ مجھے نظرانداز کرتے رہتے ہیں۔"

"چلو اب خیال رکھوں گا۔ سب کے سامنے تمہیں اپنی گود میں اٹھالوں تو برا نہ منانا۔"

"اب میں تماشا بھی نہیں بننا چاہتی۔" وہ ہنس دی۔

ویرا کچھ بتا کر نہیں گئی تھی مگر میرا اندازہ تھا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں لوٹ آئے گی۔ جب دو بج گئے تو مجھے ان دونوں کی طرف سے تشویش ہونے لگی۔ اس تشویش میں بھڑکی ہوئی بھوک بھی دب کر رہ گئی۔

وہ دونوں گاڑی لے کر گئے تھے۔ واپس آکر گیٹ پر ہارن بجاتے اور ہمیں ان کی آمد کا علم ہوجاتا مگر ڈھائی بجے میرے اضطراب کا یہ عالم ہوگیا کہ میں بار بار دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ ان دونوں کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

پونے تین بجے گیٹ کے قریب ایک گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔ انجن کی آواز نامانوس تھی مگر میں نے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں دروازے کا بولٹ کھول رہا تھا تو ڈور بیل بج اٹھی۔ ویرا یا سلطان شاہ سے اتنی تہذیب کی توقع نہیں تھی۔ اپنے دروازے پر وہ دونوں گاڑی سے اترے بغیر ہارن بجانے کے عادی تھے۔

میں باہر نکلا تو پھاٹک پر جلال موجود تھا۔ میں نے اپنی دانست میں تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا مگر مجھ سے کوئی نہ کوئی ایسی حرکت سرزد ہوگئی کہ وہ میری پریشانی کو تاڑ گیا اور اس بارے میں سوال کر بیٹھا۔

میں اسے ویرا اور سلطان شاہ کی واپسی میں تاخیر کے بارے میں بتانے ہی والا تھا کہ گلی کے سرے مجھے ان کی کار مڑتی ہوئی نظر آئی اور میں نے بات ٹال دی "کچھ نہیں۔۔۔ آؤ تم اندر چلو۔ وہیں بیٹھ کر گپ شپ ہوگی۔"

میں نے پھاٹک کھلا چھوڑ دیا۔ ہمارے بیٹھتے ہی وہ دونوں بھی اندر آگئے۔

میرا خیال تھا کہ ویرا نے دل کھول کر خریداری کی ہوگی مگر سلطان شاہ کے ہاتھ میں صرف ایک شاپنگ بیگ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔

ویرا تھکے ہوئے انداز میں جلال سے دعا سلام کرکے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"میرا خیال ہے کہ میں غلط وقت پر آیا ہوں۔" اس آمدورفت پر جلال نے ندامت سے کہا۔

تم بالکل صحیح وقت پر آئے ہو۔ تم نہ آئے ہوتے تو میں ان دونوں کی تلاش میں نکل کر کھڑا ہوتا۔ یہ بہت دیر میں واپس آئے ہیں۔" میں نے سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کلینک میں دیر ہوگئی۔" سلطان شاہ نے وضاحت کی "ایک لڑکے نے چلتی موٹر سائیکل پر ویرا کا پرس چھیننے کی کوشش کی تھی۔ اس کا پیر مڑ گیا تو ڈاکٹر کے پاس جانا پڑ گیا۔ وہاں دیر ہوگئی۔"

"پرس اور لڑکے کا کیا ہوا؟" جلال نے دلچسپی سے پوچھا۔

"پرس بچ گیا۔ اس کا اسٹریپ ویرا کی کلائی میں لپٹا ہوا تھا۔ اس کے جھٹکے سے اس کا پیر مڑ گیا۔ لڑکا موٹر سائیکل پر فرار ہوگیا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔ سلطان شاہ اس واقعے کی بدمزگی اور ویرا کی تیمارداری سے اکتایا ہوا تھا۔ وہ بھی ڈرائنگ روم سے چلا گیا۔ غزالہ جلال سے مل کر سب سے پہلے کچن میں چلی گئی تھی۔

"اگر تمہیں ویرا سے کوئی بات کرنی ہے تو کرلو۔ میں انتظار کرلوں گا۔" جلال نے سگریٹ سلگا کر اطمینان سے کہا۔

"واقعے کی تفصیل معلوم ہو جانے کے بعد اب مجھے کسی چیز کی پروا نہیں ہے..."

"یار اس کی مزاج پرسی ہی کرلو۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "بے چاری کے پاؤں میں موچ آئی ہوئی ہے۔"

"موچ آئی ہوتی تو وہ اپنے قدموں پر چلتی ہوئی یہاں تک نہ آتی۔ تم سناؤ کیا خبریں ہیں۔"

"آج کا میلہ تم نے لوٹ لیا۔ تمہاری کاٹ دار باتوں نے سب کے دل موہ لیے۔ اب لیری کو بھی تمہاری فکر ہے۔"

"اس کو شروع سے میری فکر ہے۔ وہ تین ناموں سے مجھے تلاش کر رہا ہے۔ تم کس نام کی بات کر رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"کرنل داور۔ اس نے بہت مکّاری سے کام لیتے ہوئے کرنل شعبان سے تمہارا سروس ریکارڈ مانگا ہے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی سرعت سے جوابی وار کی تیاری شروع کردے گا۔ کرنل شعبان نے اسے کیا جواب دیا؟"

"کورا جواب دیا ہے کہ خفیہ ریکارڈ کسی کو فراہم نہیں کیا جاسکتا۔ لیری نے کوئی جوابی وار نہیں کیا۔ اس نے شعبان سے کہا کہ داور بہت ذہین اور طرار آدمی ہے۔ اس کا سروس ریکارڈ دیکھ کر سی آئی اے میں اس کی جگہ پیدا کی جاسکتی ہے۔"

میں اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر زور سے ہنس پڑا "یہ خدا کی قدرت ہے کہ مجھے سی آئی اے میں لینے کے بارے میں سوچا جارہا ہے۔"

"شعبان کو اس کہانی پر یقین نہیں آیا۔ یہ لیری کا بلف ہے۔ وہ دھوکے سے تمہارے مکمل کوائف حاصل کرنا چاہ رہا ہے۔"

"تو کیا اس کو مجھ پر شک ہو گیا ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ جلال کے الفاظ پر میرے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔

"اسے شک ہی کہیں گے۔ وہ تمہیں ڈپنی نہیں سمجھ رہا بلکہ اس بات سے نالاں معلوم ہوتا ہے کہ امریکا کے بارے میں تلخ سوچ رکھنے والے ایک شخص کو ایس ٹی ایف میں جگہ کیوں دی گئی ہے۔ وہ اس بارے میں کچھ نہ کچھ کر گزرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

"شعبان کے انکار کے بعد وہ ریکارڈ تک رسائی کے لیے دوسرے ذرائع استعمال کرے گا۔"

"اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ شعبان کا کہنا ہے کہ اس نے بات ختم کردی۔"

"اول خان نے کانفرنس میں معتبر بنانے کے لیے میرے نام سے پہلے کرنل کا دم چھلا لگادیا ورنہ کسی فرضی نام سے ہی کام چل سکتا تھا۔"

"اول خان نے بہت ذہانت سے کام لیا۔ سیکیورٹی کے معاملے میں امریکی بہت سخت اور کھردرے ہوتے ہیں۔

آمد کا مقصد

متحدہ کمیونسٹ روس کے زمانے میں وہاں کا ایک کتا خفیہ طور پر سرحد عبور کرکے مغربی جرمنی کے ایک کتے کے ہاں مہمان کے طور پر آگیا۔ مغربی جرمنی کے کتے نے دم ہلاکر اسے خوش آمدید کہا اور چبانے کے لیے اسے ایک ہڈی پیش کی۔ روسی کتا نفی میں سرہلاتے ہوئے بولا "میں یہ ہڈی نہیں کھاؤں گا۔ ہمارے ہاں کی کمیونسٹ ہڈیاں زیادہ لذیذ ہوتی ہیں۔"

میزبان کتے نے ذرا مرعوب ہوتے ہوئے کہا "اچھا... تو میرے پیالے سے تھوڑا سا دودھ ہی پی لو۔"

"نہیں... میں یہ بھی نہیں پیوں گا.... ہمارا کمیونسٹ دودھ زیادہ مزے دار اور غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے" روسی کتے نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"اچھا... تو پھر میرے دڑبے میں تھوڑی دیر آرام ہی کرلو" میزبان کتا خوش خلقی کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"نہیں... میں ایک سرمایہ دار کتے کے دڑبے میں آرام نہیں کرسکتا۔"

"اگر تم میری کوئی بھی چیز قبول نہیں کرسکتے تو پھر یہاں آئے کس لیے ہو؟" میزبان کتے نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک آدھ دن بھونکنے کے لیے..." روسی کتے نے جواب دیا۔

غنیمت ہے کہ اس نے ایس ٹی ایف کے دو نمائندوں کی موجودگی پر اعتراض نہیں کیا۔ میں اول خان کے ساتھ تمہیں دیکھ کر چونک پڑا تھا۔"

"وہاں دوسروں کی طرح تم بھی مجھ سے اجنبی بنے ہوئے تھے۔"

"اجنبی نہ بنا ہوتا تو اب مجھ پر ہر طرف سے سوالوں کی یلغار ہو رہی ہوتی۔"

"ذرا سی شناسائی اتنا زیادہ بوجھ نہیں بنتی۔" میں نے بے اعتباری سے کہا۔

"تم آرام سے گھر میں بیٹھ کر یہ کہہ سکتے ہو۔ اجلاس کے بعد سب فون پر ایک دوسرے سے تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ ہر ایک کو پورا یقین ہے کہ تم وہ نہیں ہو جو بنے ہوئے تھے مگر کوئی یہ بھی نہیں سوچ سکا کہ ڈینی ہر خطرہ مول لے کر بہروپ میں لیری کے سامنے پہنچ گیا۔" جلال نے پرجوش لہجے میں بتایا۔

"اب میرے لیے تمہارا کیا حکم ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پچھلے ڈیڑھ دو ہفتوں میں تم نے بہت کام کرلیا۔ اب کچھ دن آرام کرلو۔ چاہو تو چھٹی پر مری کی طرف نکل جاؤ۔"
اس نے دوستانہ انداز میں میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "ذرا آگے جاؤ گے تو بھوربن کے حسین پہاڑوں میں تمہیں زندگی کا لطف آجائے گا۔"

"اب طبیعت ایسے عیش و آرام کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ تم یہ بتاؤ کہ لیری یہاں سے کب واپس جا رہا ہے۔"

"لیری بہت فرصت سے آیا ہے۔ فی الحال وہ کہیں نہیں جائے گا۔ وہ خاصا بڑا ایجنڈا لے کر پاکستان آئے تھے مگر جان کو ماجد کی وجہ سے عجلت میں دہلی بھاگنا پڑ گیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ لیری کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے وہ کب پاکستان لوٹتا ہے۔"

"میں نے سنا تھا کہ اوبرائن ڈی ہنٹ سی آئی اے کا بہترین دماغ تھا جسے مخصوص مقاصد کے لیے کراچی میں تعینات کیا گیا تھا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "وہ دہلی میں پیش آنے والے ایک حادثے میں مارا گیا مگر سی آئی اے کی سرگرمیوں میں ذرا سی بھی کمی نہیں آئی' اس کی جگہ جان اسمتھ نے لے لی۔ یہ۔۔۔"

"اداروں میں یہی ہوتا ہے۔ کارکردگی کا تسلسل کسی نہ کسی سطح پر برقرار رہتا ہے مگر یہ دیکھو کہ اوبی لاکھوں ڈالر مالیت کا ساؤنڈ اسکیننگ سسٹم یہاں لایا تھا۔ سنگ ریزوں جیسے کروڑوں چپس شہر کی مٹی میں بکھیر دیے جاتے اور وہ دفتر میں بیٹھے بیٹھے آوازوں کی پہچان سے یہ معلوم کرلیتا کہ اس کے مطلوب آدمی کہاں کہاں موجود ہیں۔ تمہیں یعنی ڈینی کو پکڑنے کے لیے وہ ایک بھیانک جال تھا۔ اوبی کے مرتے ہی وہ کھیل ختم ہوگیا۔ اس کے لائے ہوئے کمپیوٹر اور ساؤنڈ اسکینر نہ جانے کہاں پڑے سڑ رہے ہوں گے۔"

جلال کے کہنے پر مجھے یاد آیا کہ اوبرائن نے مجھے ایس ٹی ایف کا باغی سمجھ کر اپنے اعتماد میں لے لیا تھا اور ڈینی کی تلاش کے لیے الیکٹرانک چپس کی ایک تھیلی مجھے بھی دی گئی تھی۔ اس وقت میں کرنل جمال دستی کے روپ میں کام کر رہا تھا۔ میرے ادا کیے ہوئے معاوضے پر رستم ایرانی نے اوبرائن کو دہلی کے حادثے میں مروایا تھا۔

جلال کی یہ بات سوفیصد درست تھی کہ تبدیلیوں کے ساتھ کارکردگی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ لیکن کام کا تسلسل ہر حال میں برقرار رہتا ہے۔ اوبرائن کے مرتے ہی اس کا منصوبہ ترک کردیا گیا تھا۔ اس کے جانشین نے اپنی استعداد کے مطابق دوسری سمتوں میں کام شروع کردیا تھا۔

آئے دن ہونے والی ان تبدیلیوں سے سی آئی اے کی کارکردگی بہت بری طرح متاثر ہوئی۔ اس کا سارا فائدہ ہمیں پہنچ رہا تھا۔

"یہ ملک پہلے بھی موجود تھا۔ یہاں امریکا کے مفادات بھی تھے مگر سی آئی اے اتنی سرگرم نہیں تھی۔ پچھلے ڈیڑھ دو سال میں کیا قیامت آئی ہے کہ پاکستان ہر ایک کی توجہ کا نشانہ بن گیا ہے۔" میں نے الجھ کر اس سے پوچھا۔

"روس کی شکست و ریخت کے بعد طاقت اور سیاست کے محور بالکل بدل چکے ہیں۔ شاید امریکا نے محسوس کرلیا ہے کہ اس پورے خطے کی مانیٹرنگ کے لیے پاکستان کی جغرافیائی سرحدیں سب سے زیادہ محفوظ اور موثر ہیں" جلال نے اپنے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں جواب دیا۔

"اگر امریکا کے مفادات پاکستان سے وابستہ ہیں تو وہ ہمارے خلاف بھارت کو کیوں شہ دیتا ہے؟"

"ہم پر دباؤ برقرار رکھنے کے لیے" جلال کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ تیر گئی "جو قومیں کسی مول بکنے کے لیے آمادہ نہ ہوں' انہیں ایسے حربوں سے جھکا دیا جاتا ہے۔"

"پھر سیدھی سی بات یہ ہوئی نا کہ امریکا کو بھارت ہم سے زیادہ عزیز ہے؟"

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے" جلال کے پاس میری تائید کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔

"امریکی ہماری شہ رگ پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں ہیں تو

ہم انہیں جوتے کیوں نہیں مارتے۔ ان کی راہ میں کیوں بچھے جا رہے ہیں" میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔

جلال نے میری آنکھوں میں جھانکا اور اپنا سر جھکا لیا۔ وہ چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر تھکی ہوئی آواز میں بولا "تم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہو۔ یہ بہت زیادہ عزت والی راہ نہیں ہے لیکن ہم مجبور ہیں کہ اپنی بقا کے لیے اسی راہ پر چلتے رہیں۔"

"میں ہمیشہ مجبوریوں کا ذکر سنتا ہوں لیکن یہ پتا نہیں چلتا کہ وہ مجبوری کیا ہے۔ ہم نے کون سا گناہ کیا ہے جس کی پاداش میں ہمیں ٹکے ٹکے کے امریکیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔"

"آج میری ایک بات سن لو اور اسے گرہ میں باندھ لو" اس بار جلال نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "میں چھوٹائی اور بڑائی یا کمزوری اور شہ زوری کا قائل نہیں ہوں۔ چیونٹی کا کوئی وجود نہیں ہوتا مگر وہ پیر کے نیچے دبتی ہے تو کاٹ لیتی ہے۔ ہاں، کوئی دور سے پھونک مار کر چیونٹی کو اڑا دے تو وہ بے چاری کچھ نہیں کر سکتی۔ ہم اسی حقیقت کے قیدی ہیں۔ ہم ہر وقت امریکا کی دسترس میں ہیں جب کہ امریکا کی سرزمین ہماری رسائی سے باہر ہے۔ میری اس بات پر جتنا غور کرو گے، نئے نئے مفہوم پاتے چلے جاؤ گے۔ تم لیری سے بہت بدظن نظر آ رہے ہو۔ تم نے اس کے ڈپٹی ڈائریکٹر کو مار کر بھگا دیا لیکن خدا کے لیے اسے ہاتھ نہ لگانا۔"

"ہاتھ تو کیا میں اسے پیر بھی نہیں لگاؤں گا" میں نے حقارت سے کہا۔

"یہ ہاتھ، پیر، انگلی یا گھونسے کی بات نہیں ہے۔ تم اس پر ہتھیار بھی نہیں اٹھاؤ گے" جلال نے اصرار کیا۔

"وہ مردار خور امریکی گدھ ہے۔ میں اس پر اٹھانا چاہوں تب بھی کچھ نہیں اٹھے گا۔ تم بے فکر رہو۔ تمہارا مہمان جب تک یہاں ہے، محفوظ رہے گا۔"

"وقت کی چکی بہت بے رحم ہوتی ہے۔ اس کا پاٹ چلتا ہے تو اس میں سب کچھ پس کر رہ جاتا ہے" جلال نے میری دل جوئی کرتے ہوئے کہا "یہ وقت یکساں نہیں رہے گا۔ قدرت نے فرعون کے محل سے موسیٰ کو اٹھایا تھا، نمرود کو ایک مچھر نے مارا تھا، آج کے عفریت کو سمندروں کی پناہ حاصل ہے مگر اس میں اندر سے ایسا بھونچال اٹھے گا کہ سب کچھ نہیں تو اس کا بہت کچھ تباہ ہو جائے گا۔"

اسی وقت ویرا ہلکی سی لنگڑاہٹ کے ساتھ نمودار ہو گئی۔ اگر سلطان شاہ نے اس کا پیر مڑنے کے بارے میں پہلے سے نہ بتا دیا ہوتا تو اس خفیف سی لنگڑاہٹ کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

"یہ کس عفریت کا ذکر خیر ہو رہا تھا؟" ویرا نے آتے ہی پوچھا۔ شاید اس نے جلال کے کہے ہوئے آخری فقرے سن لیے تھے۔

"تمہارے وطن کے پھیلائے ہوئے شر کا تذکرہ ہو رہا تھا" میں نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے جواب دیا۔

"تم امریکا کے خلاف ہو یا امریکیوں کے دشمن ہو؟" ویرا نے جلال سے پوچھا۔

"امریکیوں سے دشمنی ہوتی تو تم سے بھی دوستی نہ ہوتی" جلال نے چالاکی سے جواب دیا۔

"میری نگاہ میں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کسی ملک کا مزاج اس کے شہریوں سے بنتا ہے اور پھر امریکا میں سب سے زیادہ جمہوریت پائی جاتی ہے۔ وہاں عوام کی مرضی کے خلاف تنکا بھی نہیں ہلایا جا سکتا اس لیے آج امریکا جو کچھ ہے وہ امریکیوں کی خواہش کے عین مطابق ہے۔"

"یہ بات تم کہہ سکتی ہو کیونکہ تم خود امریکی ہو، ہم اتنے سفاک نہیں ہیں" جلال بولا۔

"تم مجھے سفاک کہہ رہے ہو؟" ویرا نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"جو کچھ امریکی ہیں، تم بھی وہی کہلاؤ گی۔ اپنے پہلو میں ایک درد مند دل رکھنے کے باوجود تم بدقسمتی سے امریکی ہو۔"

"ماں باپ امریکی تھے۔ میں وہیں پیدا ہوئی، وہیں ہوش سنبھالا مگر میری تعلیم و تربیت یورپ میں ہوئی تھی۔ وہاں کے لوگ امریکیوں کو قبول تو کر لیتے ہیں مگر اپنے دل کی گہرائی میں پسند نہیں کرتے۔ یہ ایک عجیب المیہ ہے اور امریکی تھنک ٹینک اس پر کبھی غور نہیں کرتے۔"

"ایک زمانے میں ہم سب موت کے سوداگر ہوا کرتے تھے" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "نشے کے خواص سے ہم سے زیادہ کون واقف ہو گا۔ نسلی، علاقائی یا فوجی برتری کا

گھمنڈ بھی ایک نشے کی طرح ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ اترتا ہے یا پھر کوئی حادثہ اسے ہرن کردیتا ہے۔ امریکی ابھی اپنی بڑائی کے نشے میں چور ہیں۔ انہیں ہر طرف بونے انسان اور حقیر و فقیر ملک نظر آتے ہیں۔ کسی دن کوئی بڑا حادثہ ہوگا جو ان کی انا پر کاری ضرب لگائے گا یا ان کی ساکھ تباہ کردے گا پھر یہ اونچی مسند سے ہم سب کی برابری کی سطح پر اتر آئیں گے۔"

غزالہ نے کھانے کی میز لگ جانے کی اطلاع دی۔ جلال لنچ سے فارغ ہوکر آیا تھا لیکن ہم سب کا ساتھ دینے کے لیے وہ بھی میز پر آگیا۔

وہ بحث ڈرائنگ روم سے کھانے کی میز پر منتقل ہوگئی۔ اس بار سب لوگ اس میں شریک تھے۔

اپنے ملک اور ہم وطنوں کے بارے میں ہمیشہ کی طرح ویرا کا رویہ بہت سخت بلکہ جارحانہ تھا۔ جلال اپنی مجبوریوں کی وجہ سے نرم گوشہ رکھنے پر مجبور تھا۔ بقیہ افراد کا رجحان ان دونوں کے بین بین تھا۔

اس وقت فضا بہت سازگار تھی اور میں کھل کر بات کرسکتا تھا مگر میں نے لیری کے بارے میں اپنے ارادے کا اظہار مناسب نہیں سمجھا۔ اس راز میں صرف غزالہ کی شراکت ہی کافی تھی۔ زیادہ سے زیادہ اول خان کو اعتماد میں لیا جاسکتا تھا۔

جلال نے اس دوران میں لیری کی اس چھان بین کا دوبارہ ذکر نہیں کیا جو وہ میرے بارے میں کررہا تھا۔

"مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے ہمارے اعصاب پر امریکا سوار ہو اور ہم امریکا زدہ ہوگئے ہوں" کھانے کے درمیان میں سلطان شاہ نے کہا۔

"ہم قریب سے ان کا سلوک دیکھ رہے ہیں اس لیے کچھ زیادہ حساس ہوگئے ہیں" ویرا نے جواب دیا۔

"ایک بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ ملک اتنا ہی خراب ہے تو دنیا بھر سے لاکھوں افراد وہاں کیوں جاتے ہیں اور جو جاتے ہیں وہ اس کے گن گاتے ہوئے کیوں واپس آتے ہیں؟" سلطان شاہ نے سادگی سے وہ سوال پیش کرکے سب کو چونکا دیا۔

"وہ اپنے ملک کو جنتِ ارضی بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہر طرف شان و شوکت اور تمول کا دور دورہ ہے" ویرا بتانے لگی "لوگ امریکا کی بے جا تعریف نہیں کرتے۔ وہاں کی ان رونقوں کے لیے دنیا کے دوسرے ملکوں کو اجاڑنے کی کوششیں قابل نفرت ہیں۔ میں ان کو برا کہتی ہوں۔"

سلطان شاہ کو وہ مسکت جواب ویرا ہی دے سکتی تھی۔ ہم میں سے کوئی اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ اس نکتے پر روشنی ڈال سکتا کیونکہ کسی نے امریکی معاشرے کو اتنے قریب سے دیکھا اور پرکھا نہیں تھا کہ اس پر کوئی حکم لگا سکتا۔

"بات گھوم پھر کر وہیں آجاتی ہے" سلطان شاہ، ویرا کی بات آسانی سے ماننے والا نہیں تھا "یہ قابل نفرت کوششیں کون کررہا ہے؟"

"میں تم سے پہلے ان کو برا کہہ رہی ہوں۔ میں اب بھی کہوں گی کہ جان نکل گیا تو کوئی بات نہیں۔ ہمیں لیری کو ماردینا چاہیے۔"

"نہیں ویرا!" جلال نے بے تابی سے اس کی بات کاٹ دی "دوسروں کے جذبات بھڑکانے کی کوشش مت کرو۔ کسی سیکرٹ ایجنٹ کی اپنے مشن میں ناکامی اور نامرادی اس کی موت بن جاتی ہے۔ یقین رکھو کہ لیری یہاں سے خالی ہاتھ جائے گا۔ اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکے گا۔"

"مگر اب چوپڑہ کی باری ضرور آئے گی۔" ویرا کی آواز پرعزم ہوگئی۔

میرے لیے یہ بات حیرت کا باعث بنی کہ ویرا نے جلال سے بحث نہیں کی تھی۔ اس کی بات مان کر لیری کے بجائے چوپڑہ کا ذکر نکال لیا تھا۔

"وہ تمہارا کھلا شکار ہے۔ اس کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

کھانے کا دور ختم ہوتے ہی جلال اجازت لے کر اٹھ گیا۔

میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو میز پر روک کر اسے رخصت کرنے کے لیے اس کے ساتھ باہر آگیا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ موقع نکال لیا" احاطے میں نکل کر جلال نے سرگوشی کے انداز میں کہا "کرنل داور کے سروس ریکارڈ میں تصویر کی تبدیلی کے امکان پر ضرور غور کرلینا اور لیری سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ ہونا۔ میں اس وقت تم کو یہی دو باتیں بتانے آیا تھا۔"

"میں دونوں باتیں اپنے دل پر نقش کرچکا ہوں" میں نے اس کا ہاتھ تھپتھپا کر جواب دیا۔

"کراچی میں میرا کام ختم ہونے والا ہے۔ آج کی آخری پرواز سے میں لاہور چلا جاؤں گا۔"

میں نے تپاک سے گلے مل کر اسے الوداع کہا اور وہ اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر تیزی سے روانہ ہوگیا۔

میں اندر واپس لوٹا تو وہ تینوں کھانے کی میز سے ڈرائنگ

روم میں واپس آ چکے تھے۔
"چوپڑہ کے بارے میں تم جلال سے کیا کہہ رہی تھیں؟" میں نے بیٹھتے ہی ویرا سے سوال کر دیا۔
"اسے میں دیکھوں گی۔ تم اس سے دور رہو گے" ویرا نے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔
"تم کیا کرنا چاہ رہی ہو۔ اگر تمہارا منصوبہ قابل عمل ہوا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا" غزالہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
"ابھی میں نے کچھ نہیں سوچا" اس نے ہنس کر کہا "یہ اطمینان رکھو کہ میں تم تینوں سے مشورہ کیے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔"
"میں تم سے یہی یقین دہانی حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔"
"ابھی صرف اتنا پتا چلا ہے کہ وہ قونصل خانے میں انفارمیشن آفیسر ہے۔ دوسرے کوائف کی چھان بین کے بعد اندازہ ہوگا کہ اس پر کسی سمت سے حملہ کرنا سود مند ہوگا۔"
"یہ چھان بین بھی تم خود کرو گی یا چھلنی ہمیں تھماد و گی" سلطان شاہ نے منہ بنا کر پوچھا۔
"یہ کام سب مل کر کریں گے۔ ضروری ہوا تو اول خان سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔"
میں ان لوگوں کو ٹالنے کی کوشش کرتا تو وہ گلے پڑ جاتے اور مجھے تخلیہ میسر نہ آنے دیتے۔ میں نے اپنے سر میں درد کا بہانہ کیا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے میں گھس کر اس وقت دروازہ بند کرنا مناسب نہیں تھا۔ غزالہ باہر مصروف تھی۔ ویرا موقع غنیمت جان کر کمرے میں بھی آ سکتی تھی۔ میں خاموشی سے اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ ویرا کے ذہن پر کوئی تجسس سوار ہو تو وہ باہر سے ہی اندازہ لگا لے کہ میں سونے کی کوشش کر رہا تھا۔
میرا ارادہ اداکاری کرنے کا تھا لیکن کھانے کے بعد بستر کی نرم آغوش میسر آئی تو میری آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔ ان میں نیند نہیں تھی اور میرا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔ اس کیفیت میں چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ایک آواز نے مجھے چونکا دیا۔
"ڈینی! کیا تم واقعی سو رہے ہو؟" وہ ویرا کی شرارت آمیز آواز تھی۔
غنیمت یہ تھا کہ اس نے دروازے پر رک کر وہ سوال کیا تھا۔ مجھے جھنجوڑا نہیں تھا۔ میں بستر پر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ میری سماعت قالین پر ویرا کی دور ہوتی ہوئی نرم آہٹوں کی منتظر تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ مایوس ہو کر جلد واپس لوٹ جائے گی۔ ویرا نے مزید ایک بار میرا نام پکارا اور پھر واپس چلی گئی۔
جب مجھے اس کی واپسی کا یقین ہو گیا تو میں نے اپنی آنکھوں میں ہلکی سی جھری پیدا کی۔ دروازہ خالی تھا۔ اگلے ہی لمحے غزالہ اندر آ گئی۔ میں پہلے سے کمرے میں موجود تھا اس لیے غزالہ نے اپنے معمول کے مطابق دروازہ بند کر کے تالے کی ناب دبا دی۔ میں نے فوراً بستر چھوڑ دیا۔
"مجھے حیرت تھی کہ آپ کو اس وقت نیند کیسے آ گئی؟" غزالہ نے خوش ہو کر کہا۔
"یہ ویرا سے بچنے کی ترکیب تھی۔ میں اول خان سے لیری کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"
"یوں کہئے کہ آپ نے اپنے لیے تخلیے کا بندوبست کیا ہے۔" اس نے شوخی سے کہا اور بستر پر آ گئی۔
میں نے قریب ہی سائڈ ٹیبل پر رکھا ہوا فون اٹھا کر اول خان کے دفتر کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔
دوسری طرف سے پہلی گھنٹی پر ہی جواب مل گیا۔ میرے استفسار پر یہ مایوس کن اطلاع ملی کہ اول خان اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔
جب سے موبائل فون کی سہولت عام ہوئی تھی، وہ اوقات کار میں یا باہر نکلتے ہوئے اپریٹس کے ساتھ موبائل فون بھی اپنے پاس رکھتا تھا۔ موبائل فون پر اس سے فوری رابطہ ہو گیا۔ وہ کسی اور کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔
اپنی مجبوری کے اظہار کے ساتھ اس نے چند لمحوں کے لیے معذرت چاہی تاکہ کسی گوشے میں جا سکے پھر وہ خود مجھ سے مخاطب ہو گیا۔
"مجھے تم سے کچھ اہم باتیں کرنا ہیں۔ کیا تمہارے پاس اتنا وقت ہے؟" میں نے تمہید اٹھائی۔
"تم کھل کر بات کر سکتے ہو۔ میرے پاس وقت ہے اور تنہائی بھی۔ یہاں کوئی سننے والا نہیں ہے۔"
"اس سفید موٹے کے پیچھے اپنے آدمی لگا دو" میں نے سی ایس ڈی کی سہولت زیر استعمال ہونے کے باوجود لیری کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے کہا "انہیں دور اور اس سے زیادہ محفوظ رہ کر صرف اس کا پیچھا کرنا ہے۔"
"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آخر کار تم میری تجویز سے متفق ہو گئے ہو" اول خان کی آواز مسرت آمیز تھی "زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے بعد میرے دو آدمی گاڑی سمیت اس کے ہوٹل پر پہنچ جائیں گے۔ ان کی حکمت عملی کیا ہوگی؟"
"میں نے تمہاری تجویز حرف بہ حرف قبول کر لی ہے۔

سب کچھ اس کے مطابق ہوگا۔"
"تمہارے یہ الفاظ میرے لیے بہت حوصلہ افزا ہیں۔ ابھی ابھی مجھے ایک اچھی خبر ملی ہے۔"
"چھوٹا آلہ کام کررہا ہے۔ تم بے فکر ہوکر خبر سنا سکتے ہو۔"
"مقتول کے بدن پر برسنے والی سلطان شاہ کی ٹھوکروں نے زبردست کام دکھایا ہے۔ اس تشدد آمیز واردات کو پولیس رقابت کا نتیجہ قرار دے رہی ہے۔ مقتول کے کئی لڑکیوں سے گہرے مراسم تھے، تفتیش اس سمت میں جارہی ہے۔"

اول خان کو یہ علم نہیں تھا کہ میں نے اس بارے میں جلال سے بات کی تھی۔ شاید جلال نے میری خواہش آئی جی تک پہنچادی تھی۔ یہ بات مقامی انتظامیہ کے مفاد میں تھی کہ چندن کے قتل کو کسی سازش کے بجائے ذاتی انتقام کا نتیجہ قرار دے دیا جائے۔ اس کے نتیجے میں ہر سطح پر بہت سی دشواریوں سے بچا جاسکتا تھا۔

"ویری گڈ۔ یہ بہت بڑی خبر ہے" مجھے اندازہ تھا کہ اول خان کے آدمیوں کی ماہرانہ مدد کے بغیر چندن کی لاش سے بیم گن کے اثرات ختم کرنا آسان نہیں تھا۔ چندن کے لیزر سے کٹے ہوئے گھٹنے سے اوپر، ران کا ایک حصہ الگ ہونے کے بعد ہی یہ ممکن تھا کہ اس واردات میں میرا نام ملوث کیے بغیر اسے رقیبانہ واردات کا نام دیا جاسکے۔ اس لاش پر بیم گن کے استعمال کا کوئی بھی نشان باقی رہ جاتا تو وہ یہ باور کرانے کے لیے کافی تھا کہ قتل میں میرا یعنی ڈینی کا ہاتھ تھا۔

"اور اب میں تمہیں ایک اور بات بتاؤں گا" میں نے قدرے توقف کے بعد سلسلہ کلام جاری رکھا "میں تھوڑی دیر بعد کسی پی سی او سے موٹے کو فون کروں گا۔"
"یہ غلطی نہ کرنا۔ وہ لوگ جدید ترین آلات کے مالک ہیں۔ تم پھنس سکتے ہو" اول خان کا اضطراری جواب آیا۔
"میں نے ہر نشیب و فراز پر غور کرلیا ہے۔ بھگوڑا اپنے گھر میں تھا۔ وہاں اسے ہر چیز میسر تھی۔ موٹا ہوٹل میں ہے۔ وہاں کچھ نہیں ہے۔"
"پھر بھی میں تمہیں فون کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔"
"یہ پرانی کال کا ایکشن ری پلے ہوگا۔ میں وہی نام استعمال کروں گا۔"
"اوہ!" ریسیور پر اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "اس صورت میں صرف ایک کامیابی حاصل ہوسکتی ہے کہ وہ خائف ہوجائے گا۔"
"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ وہ ڈر کر یہاں سے بھاگ جائے۔ میں اسے کہیں نہیں بلاؤں گا۔ برے انجام سے ڈ[illegible] کر فون بند کردوں گا۔"
"یہ اور بھی بہتر ہوگا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم اس [illegible] آڑنے کا ارادہ کرچکے ہو۔"
"میں چاہتا ہوں کہ وہ فون سے خوف زدہ ہوکر ہوٹل سے نکلے تو کوئی پراسرار گاڑی اس کا پیچھا کررہی ہو۔ یہ دونوں واقعات یک جا ہوجانے کے بعد شاید دوبارہ اپنے ہوٹل کا رخ کرنے کی ہمت بھی نہ کرسکے۔"
"یہ بالکل درست حکمت عملی ہوگی۔" اول خان نے خوش دلی سے کہا۔
"تمہیں اس کے کمرے کا نمبر معلوم ہو تو بتادو ورنہ نام سے بھی کال مل جائے گی۔"
"روم نمبر مجھے نہیں معلوم۔ میں ذرا سی دیر میں فون کرکے تمہیں بتاتا ہوں۔"
"میں صرف دس منٹ انتظار کروں گا پھر گھر سے نکل جاؤں گا" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔
"اب میں اپنے بدن میں حرارت سی محسوس کررہا ہوں" میں نے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"دشمن کی پسپائی آسان نظر آنے لگے تو ہر لڑاکے کا دل بڑھ جاتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے" وہ بولی۔
"میری واپسی تک تم ویرا کو اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتاؤ گی" میں نے اسے تاکید کی۔
"آپ بے فکر رہیں۔ میری شامت نے دھکا نہیں دیا ہے جو میں اسے کچھ بتاؤں۔ وہ ہاتھ دھوکر میرے پیچھے پڑجائے گی کہ میں نے آپ کے جانے سے پہلے اسے پوری بات کیوں نہیں بتائی۔ میں نیکی برباد گناہ لازم والا کوئی کام نہیں کرتی۔"

صرف پانچ منٹ بعد فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اول خان نے آئی جی سے لیری کے کمرے کا نمبر لے لیا تھا۔

ویسے تو کسی بھی ایجنسی کے نمائندے کے دل میں لیری کے لیے ہمدردی نہیں پائی گئی تھی مگر میں نے اندازہ لگایا کہ آئی جی ان لوگوں سے کچھ زیادہ ہی نالاں تھا۔ وہ ہر اس کام میں بھرپور تعاون کررہا تھا جو لیری اور اس کے ساتھیوں کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرسکے۔

اول خان سے بات ہوجانے کے بعد میرا گھر میں رکنا بے سود تھا۔ میرے بدن پر صبح والے کپڑے بدستور موجود تھے۔ مصروفیات کے تسلسل میں مجھے ان سے نجات حاصل کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ میں نے جوتے پہنے اور اپنی

خواب گاہ سے باہر نکل آیا۔

باہر ویرا سلطان شاہ کے ساتھ اس طرح بیٹھی ہوئی تھی جیسے کسی رازونیاز میں مصروف ہو۔ مجھے سر سے پیر تک تیار دیکھ کر اس نے طنز سے پوچھا "بڑی تیاری کے ساتھ نکلے ہو، کہاں کا ارادہ ہے؟"

"تم کو اس کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ باہر جا رہا ہوں۔"

"میں نے پہلے ہی بھانپ لیا تھا کہ تمہارا اس وقت کمرے میں گھسنا خالی از علت نہیں ہے۔ میں نے سلطان شاہ کو بتا دیا تھا کہ تم باہر آ کر کوئی نیا گل کھلاؤ گے۔ مجھے بتاؤ کہ تمہارے کیا ارادے ہیں ورنہ میں تمہیں گھر سے باہر نہیں جانے دوں گی۔"

سلطان شاہ نے میرے الفاظ پر اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ وہ اس وقت ایسے حلیے میں تھا کہ مزید کسی تیاری کے بغیر فوری طور پر میرے ساتھ روانہ ہو سکتا تھا۔ میں نے تیز نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا اور کہا "میرے پاس وقت کم ہے۔ بحث مت کرو۔ واپس آنے کے بعد بات ہو گی۔"

ویرا کی ضدیں اپنی جگہ پر تھیں لیکن وہ کام میں کبھی رخنہ اندازی نہیں کرتی تھی۔ اس وقت میرے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس نے اسے یہ احساس دلا دیا کہ میرے پیش نظر کوئی اہم معاملہ تھا۔ اس نے منہ لٹکا کر کہا "واپسی پر میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔"

میں اس کا شکریہ ادا کر کے سرعت سے دروازے کی طرف ہو لیا۔ سلطان شاہ میرے پیچھے تھا۔

میرا گاڑی چلانے کا قطعی کوئی موڈ نہیں تھا۔ میں نے چابی سلطان شاہ کے حوالے کر دی۔

"میں بالکل خالی ہاتھ ہوں" اس نے اگنیشن میں چابی لگاتے ہوئے بتایا "کہو تو اندر سے ریوالور ساتھ لے لوں؟"

"ہم کسی چاند ماری میں حصہ لینے نہیں جا رہے جو ہتھیار کی ضرورت ہو۔ بس اب یہاں سے نکل کر ائرپورٹ کی طرف چل دو۔"

میرے رویے سے سلطان شاہ بھی الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کر کے پوچھا "ائرپورٹ! وہاں کیا کام ہے؟"

"صرف ایک فون کرنے کے لیے میں یہ سارے پاپڑ بیل رہا ہوں۔ مجھے یک سو ہو کر کچھ سوچنے دو۔ بار بار سوال کر کے میرا دماغ مت چاٹو" میں نے ہلکی سی برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا اور اس نے چپ سادھ کر گاڑی باہر نکال لی۔

میں نے ائرپورٹ کا نام سمت کے تعین کے لیے لیا تھا لیکن گلشن اقبال سے راشد منہاس روڈ عبور کرنے تک ہمارا علاقہ تبدیل نہیں ہو سکا۔ راشد منہاس روڈ ختم ہونے کے بعد شارع فیصل تک ایسا کوئی بازار نہیں تھا جہاں پی سی او کی سہولت میسر ہو اور یوں ایک دور افتادہ پی سی او کی تلاش میں ہم ائرپورٹ کی حدود میں داخل ہو گئے جہاں لوگوں کی سہولت

کے لیے جابجا فون بوتھ موجود تھے۔
ائرپورٹ کی پارکنگ لاٹ میں گاڑی مقفل کرنے کے بعد ہم دونوں ٹرمنل کی عمارت کی طرف چل دیے۔
"شاید اب تک تم نے ہر بات سوچ لی ہوگی" سلطان شاہ نے جھجکتے ہوئے اپنی زبان کھولی "کہیں تم لیری کو تو فون نہیں کررہے؟"
سلطان شاہ انتہائی دلیر شخص تھا مگر مجھے اس کی طرف سے ذہانت کے کسی غیر معمولی مظاہرے کی کبھی توقع نہیں رہی تھی۔ اس نے براہِ راست لیری کا نام لے کر مجھے حیران کردیا۔ میں نے کہا "میں اسی کو فون کروں گا مگر تم نے کیسے اندازہ لگالیا؟"
"تمہاری اور ویرا کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ تم کوئی ٹیڑھا کام کرنے کا ارادہ کرچکے ہو۔ میدان ہر طرف سے صاف ہے۔ چوپڑہ کا ابھی تک صرف نام ہی نام لے دے کر صرف لیری رہ جاتا ہے۔ تم نے فون کا ذکر کیا تو میرے ذہن میں جان اور ماجد کی لڑائی کا منظر گھوم گیا۔"
"بس!" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اس وقت تمہارا دماغ ضرورت سے زیادہ کام کررہا ہے۔"
ائرپورٹ ٹرمنل کی عمارت میں نچلے فلور پر بین الاقوامی آمد والے حصے میں زیادہ بھیڑبھاڑ نہیں تھی۔ میں ایک خالی بوتھ میں گھس گیا۔ سلطان شاہ میرے قریب ہی کھڑا ہوگیا تاکہ میری یک طرفہ گفتگو سن سکے۔ ائرپورٹ پر ایک سے زیادہ افراد کا یوں بوتھ کے قریب جمع ہونا معیوب نہیں تھا۔ سلطان شاہ کی موجودگی سے فائدہ یہ تھا کہ اسے بوتھ خالی ہونے کا منتظر سمجھ کر کوئی غیر متعلقہ شخص ادھر کا رخ نہ کرتا اور میں آزادی سے اپنی بات مکمل کرلیتا۔
میں نے لیری کے ہوٹل کا نمبر ملا کر آپریٹر کو لیری کا نام اور کمرے کا نمبر بتایا۔ ریسیور پر چند ثانیوں کے لیے موسیقی کے سر گونجے پھر لیری کے کمرے میں فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ دو گھنٹیوں کے بعد ریسیور میں ہیلو کی بھاری آواز گونجی جو میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔
"لیری! تم کو یاد ہے کہ کراچی کے ایک ساحلی علاقے پر جان کے ساتھ کیا ہوا تھا؟" میں نے قدرے توقف کے بعد اس کے اعصاب کو شکستہ کرنے والا سوال کیا۔
"تت... تم کون ہو؟" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں ہکلا کر پوچھا۔
"میں تمہارا دوست نہیں ہوں۔ جان کے چلے جانے کے بعد اب تم میری زد میں ہو" میں نے سرد آواز میں کہا۔
"مگر کیوں؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" اس کی آوا
میں خوف عود کر آیا۔
"تم بہت کچھ بگاڑنا چاہتے ہو۔ یہ میری خوش قسمتی ہ
کہ تم کو اب تک کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔"
"سنو! اگر تم ماجد یمنی ہو تو تم کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ جا
کے چلے جانے کے بعد میں تم کو بھول چکا ہوں۔" وہ میری
بات کاٹ کر گڑگڑایا۔
ویرا کے قول کے عین مطابق لیری نے اپنے روایتی قو
کردار کا مظاہرہ کیا تھا۔ میری باتوں سے ڈر کر وہ بزدلانہ
جھوٹ پر اتر آیا تھا۔ میں نے اسے پھٹکار دیا "یہ اچھا ہوا ک
تم نے خود ہی مجھے پہچان لیا۔ تم اول درجے کے جھوٹے ہو۔
مجھے تمہاری ہر سرگرمی کی اطلاعات مل رہی ہیں۔ یہ نہ بھول
کہ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ میں چاہتا تو جان کے بجائ
سمندری کھاڑی سے اس کی لاش بھی برآمد ہوسکتی تھی مگر میں
تمہارے خون سے اپنے ہاتھ گندے نہیں کرنا چاہتا۔"
"میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں محصور ہوں۔ یقین کر
کہ میں تمہارے خلاف کچھ نہیں کررہا۔"
"یہ نہ سمجھنا کہ ہوٹل کے کمرے میں تم محفوظ ہو۔ جان
اپنے قدموں سے چل کر میرے پاس آیا تھا۔ تم کو میرے
آدمی اٹھا کر میرے سامنے لائیں گے پھر میں دیکھوں گا کہ تم
کتنے پانی میں ہو۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں اپنی بات پوری
کرکے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔
پہلے میرا خیال تھا کہ لیری میری دھمکیوں کے جواب میں
کوئی باوقار رویّہ اختیار کرے گا اور اسے دہشت زدہ کرنے
کے لیے مجھے اس پر خاصی محنت کرنی پڑے گی مگر وہ میری توقع
سے کہیں زیادہ بودا ثابت ہوا۔ میرے پہلے فقرے کے جواب
میں اس نے پسپائی اختیار کرلی تھی۔
"اتنی لمبی دوڑ لگانے کے بعد تم نے ذرا سی دیر میں فون
بند کردیا۔ کچھ مزہ نہیں آیا۔" میرے باہر نکل آنے پر سلطان
شاہ نے کہا۔
"مجھے خود بھی لطف نہیں آیا۔ میں نے اپنے ذہن میں
خاصی لمبی گفتگو کی تیاری کی ہوئی تھی۔"
"اس کے بارے میں تمہارا کیا اندازہ ہے۔ یہاں رک
رہے گا یا بھاگ جائے گا۔"
"وہ رکنے والا نظر نہیں آتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہ
"مجھے اندیشہ ہے کہ دہشت سے اس کی پتلون گیلی نہ ہوگئ
ہو۔"
"تم سے بات ہونے کے بعد اس کا ہوٹل میں رکنا محال

ہو جائے گا۔ اپنا بستر بوریا سمیٹ کر وہ قونصل خانے کا رخ کرے گا۔"

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں۔ وہ اپنے میرین کمانڈوز کے ساتھ نکلے گا تو ایک گاڑی اس کا پیچھا کرے گی۔ وہ مزید خوف زدہ ہو جائے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے اول خان کی تجویز قبول کرلی تھی!" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"چلنے سے پہلے میں نے اپنے کمرے میں بند ہو کر اول خان سے یہی بات کی تھی۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے جواب دیا "اس کے دو آدمی اب تک ہوٹل کے باہر اپنے مورچے سنبھال چکے ہوں گے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے اسے یہاں سے بھگانے کا پورا بندوبست کرلیا ہے۔" اس نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"اپنی کھال بچانے کے لیے یہ مشق ناگزیر ہوگئی تھی۔ وہ یہاں بیٹھ کر میرے لیے مسائل پیدا کرنے کے موڈ میں آگیا تھا۔"

گھر سے نکل آنے کے بعد میں فوری طور پر واپس جانے کے بجائے کھلی فضا میں وقت گزارنا چاہ رہا تھا۔ سلطان شاہ نے کچھ دیر کے لیے کلفٹن کے ساحلی علاقے کی سیر کا مشورہ دیا اور گاڑی کا رخ تبدیل کردیا گیا۔

راستے میں ہم دونوں کے درمیان حالات پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ معاملات رفتہ رفتہ کچھ ایسا رخ اختیار کرتے جارہے تھے جو ہمارے لیے کسی طرح سودمند نہیں تھا۔

ہم دونوں نے کلفٹن کے ایک ساحلی ریستوران میں بیٹھ کر چائے پی اور تقریباً ایک گھنٹا گزارنے کے بعد وہاں سے واپس روانہ ہوگئے۔

ہم تھوڑی دور ہی نکلے ہوں گے کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرا دھیان ویرا کی طرف گیا۔ شاید اس نے طویل انتظار سے اکتا کر مجھے فون پر تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے بٹن دبا کر کال وصول کی تو خلاف توقع دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا۔

"اس وقت دو اہم اور تازہ ترین خبریں ہیں۔" میری آواز سنتے ہی اول خان نے فون پر کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کردی "کراچی میں اس کوڑے دان کی ایک قریبی عمارت میں بم پھٹا ہے جہاں سے چندن کی لاش ملی تھی۔"

"اوہ!" اس بری خبر پر میں اپنے بے ساختہ ردِعمل پر قابو نہیں پاسکا "یہ لوگ ایک بار پھر درندگی پر اتر آئے۔ دھماکے میں جانی نقصان ضرور ہوا ہوگا۔"

تکلیف دہ

"کل رات میری لکڑی کی ٹانگ میرے لیے بڑی تکلیف کا باعث بنی۔"

"لکڑی کی ٹانگ بھلا تکلیف کا باعث کیسے بن سکتی ہے؟"

"میری بیوی نے وہ میرے سر پر دے ماری تھی۔"

"ابھی کچھ علم نہیں۔ یہ واقعہ چند منٹ پہلے پیش آیا ہے۔ ابھی میرے آدمی معلومات جمع کررہے ہیں۔"

"اور دوسری خبر کیا ہے؟" میں نے بے صبری سے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"لیری کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ اسے تھوڑی دیر پہلے سخت حفاظتی انتظامات میں ہوٹل سے دل کے اسپتال میں لے جایا گیا ہے۔"

وہ اہم خبر تھی مگر دھماکے کی اطلاع نے اس کی اہمیت کو بہت زیادہ گھٹا دیا تھا۔

ہم نے لیری کو ہاتھ نہ لگانے کا فیصلہ کرلیا تھا لیکن وہ ناگہانی طور پر مکافاتِ عمل کا شکار ہوچکا تھا۔ غالب امکان یہی تھا کہ موت کی دہشت نے اس کے دل کی دھڑکنوں کو بے ربط کردیا ہوگا۔

"اس کی بھی خیر خبر رکھو اور کوئی نئی بات معلوم ہو تو مجھے موبائل پر بتادو۔" میں نے فون پر کہا "میں اس وقت کلفٹن کے علاقے سے گزر رہا ہوں۔ ٹریفک کی بھیڑ کی وجہ سے مجھے گھر پہنچنے میں دیر ہوسکتی ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ میرے آدمی دونوں جگہ مامور ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ تم سے بات ہوتے ہی اسے دورہ پڑا تھا مگر وہ اپنے کمرے میں بے یارومددگار پڑا رہا۔ شاید اسے اسپتال لے جانے میں دیر ہوچکی ہے۔"

وہ اول خان کی خوش گمانی تھی۔ حقیقت کا علم کچھ دیر بعد ہی ہوسکتا تھا۔

وہ دونوں خبریں اول خان کی طرف سے آئی تھیں اس لیے ان کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ سلطان شاہ میری اور اول خان کی گفتگو کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھا۔ میں نے بھاری دل کے ساتھ اسے وہ دونوں خبریں سنادیں۔

"یہ دھماکا صاف بتا رہا تھا کہ اس میں را والوں کا ہاتھ ہے۔" سلطان شاہ نے غصیلی آواز میں کہا "مجھے پہلے ہی ڈر تھا کہ مار کھانے کے بعد وہ کوئی نہ کوئی گندی حرکت کر گزریں گے۔"

"یہ دھماکا ایک دو روز بعد ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ چندن کے قتل کے نتیجے میں دہشت گردی کی گئی ہے۔ ایسے واقعات اضطراری طور پر رونما نہیں ہوتے۔ ان کی پہلے سے منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔" میں نے سلطان شاہ کو وہ اہم نکتہ سمجھانے کی کوشش کی "اول خان سے بری خبر سننے کے بعد میرے ذہن میں بھی یہی خیال آیا تھا کہ را والوں نے چندن کے قتل پر جوابی کارروائی کی ہے مگر ذرا سے تجزیے کے بعد مجھے اپنا خیال بدلنا پڑا۔ وہ کئی روز پہلے سے اس دھماکے کی تیاریاں کر رہے ہوں گے۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔ یہ دلیل بہت وزنی ہے لیکن یہ بتاؤ کہ انہوں نے دھماکے کے لیے اسی علاقے کا انتخاب کیوں کیا جہاں سے آج صبح چندن کی لاش ملی ہے۔"

"یہ ایک اتفاق ہے۔" میں نے پورے یقین سے کہا "سوچنے کی بات یہ ہے کہ چندن کی لاش ملنے کے بعد وہ علاقہ پولیس اور دوسرے تفتیشی اداروں کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا ہوگا۔ آس پاس کی رہائشی اور دفتری عمارتوں کے مکین بھی خوف زدہ ہو کر چوکنا ہو گئے ہوں گے۔ ایسے میں را کے کسی ایجنٹ کو وہاں گھس کر بم نصب کرنے کے لیے بڑا دل گردہ درکار تھا۔ لوگ کسی بھی مشتبہ شخص کو بہت آسانی سے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیتے۔"

"اوہو۔ تمہاری اس بات کا مطلب یہ ہوا کہ بم کل شام یا رات کو ہی نصب کیا جا چکا تھا۔ آج وہ اپنے مقررہ وقت پر پھٹ گیا۔" وہ حیرت سے بولا۔

"حالات اسی سمت میں رہنمائی کر رہے ہیں۔" میں نے تشویش سے کہا "یہ را والوں کی بے مقصد دہشت گردی ہے۔ پتا نہیں اس سے وہ کیا نتیجہ حاصل کرنا چاہ رہے تھے۔"

"تمہارے اندازے اکثر درست ثابت ہوتے ہیں۔ اگر اس خون آشام دھماکے کا چندن کے قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے تو میں خود کو بہت ہلکا محسوس کروں گا۔ تمہارے منہ سے یہ خبر سن کر دل میں یہ مجرمانہ احساس جاگ اٹھا تھا کہ ہم نے چندن کو مار کر را والوں کو جوابی دہشت گردی پر اکسایا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا خیال غلط تھا۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ را کے بھیڑیے کسی وجہ کے بغیر ہی معصوم شہریوں کے خون کی ہولی کھیل سکتے ہیں۔"

"یہ میرا خیال ہے۔ آنے والے چند گھنٹوں میں اس کی تائید ہو جائے گی۔ ہمارے لیے اطلاعات کے دوسرے ذرائع سے کہیں زیادہ ایس ٹی ایف والے کار آمد ثابت ہوں گے۔"

"تو کیا وہ دھماکے والے مقام پر موجود ہیں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اول خان کو ان ہی سے خبر ملی ہے۔ اس کے دو آدمی لیری کے پیچھے بھی لگے ہوئے ہیں۔"

"لیری والی خبر عبرت ناک ہے۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا لیکن قدرت کی مار سے وہ نہیں بچ سکا۔"

"دل کے دورے میں بروقت طبّی امداد کی اولین ضرورت ہوتی ہے۔ اول خان کا خیال ہے کہ وہ کافی دیر تک ہوٹل کے بند کمرے میں پڑا تڑپتا رہا ہے۔ اسے اسپتال لے جانے میں خاصی تاخیر ہوئی ہے۔"

"کاش ایسا ہی ہوا ہو۔" سلطان شاہ نے حسرت سے کہا "جب تک دشمن اپنے کیفر کردار کو نہ پہنچے، دل کو چین نہیں ملتا۔ میں جب بھی جان کے بارے میں سوچتا ہوں، میرے دل میں ایک خلش سی پیدا ہو جاتی ہے۔"

"دعا کرو۔ تمہاری یہ خلش بھی شاید دور ہو جائے۔" میں نے سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا۔

اس نے خاموش ہو کر گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

"گاڑی گھر کے بجائے صدر کی طرف لے لینا۔" میں نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اسے ہدایت دی "ہم اس طرف آئے ہوئے ہیں تو ذرا اپنی نظروں سے ان کی بربریت کا جائزہ لے ڈالیں۔"

سلطان شاہ سر ہلا کر رہ گیا "اس اندوہناک بم دھماکے کے بارے میں اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی دوبارہ بجنے لگی۔ اس بار ویرا بول رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ جلال اسلام آباد سے دو بار میرے لیے فون کر چکا تھا۔

میں نے ویرا کا مختصر پیغام سن کر فون بند کر دیا۔ میری گمبھیر آواز سن کر ویرا نے بھی بات بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ موقع محل کا اندازہ لگا کر ہی وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی تھی۔ کام کے وقت اسے کام کے سوا کچھ اور نہیں سوجھتا تھا۔

مجھے جلال کے دفتر کا فون نمبر زبانی یاد تھا۔ میں نے موبائل فون پر وہ نمبر ملانا شروع کر دیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار ز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی اثنا میں موساد کے ایجنٹ رستم ایرانی کے انجام پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ اٹل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں ... ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں ہم نے ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبا کے انسداد کے لیے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد کی اور جلال کے تعاون سے جہانگیر کے ماموں سسر چوہدری عظمت کی این جی او کا قلع قمع کر دیا۔ اس کے بعد ہم انڈیا روانہ ہو گئے۔ ہم نے جلال کی مدد سے سرحد عبور کی اور بآسانی دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں اٹل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کر لیا۔ میں اور غزالہ تاج محل میں تھے۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر را میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلوؤں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جا چکی تھی۔ مجھے اس کے بعد اٹل بسواس سے ملنا پڑا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے اٹل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور رینا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کر دی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑا لیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلوخلاصی حاصل ہو گئی۔ میری ویڈیو ضائع ہو چکی تھی مگر اب رینا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث را والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کر سکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے اٹل بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہو گیا۔ واپسی کے سفر میں ہم سرحد عبور کرتے ہوئے دو بھارتی فوجیوں سے ٹکرا گئے جنہیں جہنم واصل کرنے کے بعد جلال کے لیے امرتسر میں خدمات انجام دینے والے منگو کو بھی قربان کرنا پڑا۔ ہم لاہور میں مختصر قیام کے بعد کراچی پہنچ گئے۔ جلال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا تھا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کر لیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ذیبی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ذیبی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان ایلش کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ خلاف توقع اس سے رابطہ آسان ثابت ہوا۔ میں نے اس سے عبدالماجد الحسینی کے نام سے عربی لب و لہجے میں گفتگو کی۔ ذیبی کا نام ان کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا لہٰذا وہ آسانی سے میرے جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے مجھ سے سمندر کے کنارے ملاقات کا وعدہ کیا جہاں ایس ٹی ایف کی مکمل نگہبانی میں' میں نے اس سے پر تصادم ملاقات کی اور اسے شدید زخمی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جان ایلش کوف بھی اپنے پیش رو جان اسمتھ کی طرح خوف زدہ ہو کر پاکستان سے بھارت فرار ہو گیا۔ اب میرے سامنے آنجہانی اٹل بسواس کا دیا ہوا فون اور فیکس نمبر تھا۔ اپنے ساتھیوں کے مشورے سے میں نے ایک پیغام فیکس کر دیا۔ اس سے پہلے یہ معلوم کرایا جا چکا تھا کہ فیکس نمبر بھارتی سفارت خانے میں ملازم ایک اہلکار چندن کا تھا جبکہ ٹیلی فون ایک بیمار ہندو وکیل کے دفتر پر نصب تھا۔ بھارتیوں نے مظہر خان کی سپردگی کا سوال اٹھایا تھا مگر انہیں صاف جواب دے دیا گیا کہ مظہر خان نامی پاکستانی شہری واپس نہیں پہنچا اور اب بھارتی اس کی سلامتی کے بارے میں آگاہ کریں۔ فیکس کے بعد میں نے اٹل بسواس کے دیے گئے نمبر پر فون کیا مجھ سے بات کرنے والے چندن نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فوری طور پر پولیس کے سامنے پیش ہو جاؤں۔ میرے آناکانی کرنے پر اس نے مجھے میری وڈیو فلم کی دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ چندن نے وکیل کا فون ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لے رکھا ہے۔ میں نے سلطان شاہ کی مدد سے چندن کو اٹھا لیا۔ اس سے پوچھ گچھ کے لیے میں نے خود کو ذیبی کا حریف ظاہر کیا اور وہ سب کچھ اگلتا چلا گیا۔ اس نے بھارتی تو مہلیٹ کے چوپڑا جی کی نشاندہی کی کہ وہ اس کا شریک کار ہے۔ وہ مجھ سے مظہر خان کا سودا کرنا چاہتا تھا اور اس کی لاش کے لیے بھی دو لاکھ روپے تک کی رقم دینے پر آمادہ تھا۔ میں نے اس کو ٹھکانے لگوا کر اس کی لاش کوڑے دان میں ڈلوا دی۔ امریکن تو مہلیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آ گیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو کیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کر کے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ بعد میں میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر دھمکیاں دیں جس کے نتیجے میں آخری اطلاع یہ آئی کہ لیری ہف کو دل کا دورہ پڑا تھا اور وہ اسپتال میں داخل تھا۔ مجھے پیغام ملا کہ جلال مجھ سے فون پر فوراً بات کرنا چاہتا ہے۔ میں نے جلال کا فون نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

جلال سے فون پر رابطہ کرنے کی دو کوششیں ناکام ہوگئیں۔ اس کا فون مصروف تھا۔

”پتا نہیں اس وقت کون اس کے فون سے چپکا ہوا ہے!“ میں غصے اور ہیجان کے عالم میں بڑبڑایا۔

"غصہ کرکے بلاوجہ اپنا خون نہ کھولاؤ۔" سلطان شاہ نے نرمی سے مجھے مشورہ دیا "وہ مصروف آدمی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسے بھی کراچی کی خبریں مل چکی ہوں۔ اتنی اہم اطلاعات ملنے کے بعد وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔"

سلطان شاہ کی بات اپنی جگہ پر درست تھی۔ میں نے تحمل سے لمحے بھر کے لیے اس کے فقروں پر غور کیا اور چند لمحوں میں میری جھلاہٹ خود بخود کافور ہوگئی۔

کراچی ملک کا سب سے بڑا شہر تھا جہاں کا نظم و نسق چلانے کے لیے ذمے دار اور خود مختار انتظامیہ موجود تھی۔ وہ لوگ شہر کے ہر گوشے میں رونما ہونے والے برے اور بھلے واقعات اور ان کے محرکات سے پل پل باخبر رہنے کی کوشش کرتے تھے لیکن را اور سی آئی اے کی زیر زمین سرگرمیوں کے بارے میں کراچی کی شہری انتظامیہ پوری طرح باخبر نہیں تھی۔ لیری ہف کے ساتھ ہونے والے اجلاس میں شامل انسپکٹر جنرل آف پولیس کو سی آئی اے کی پاکستان دشمن کارروائیوں کے بعض پہلوؤں سے واقفیت حاصل ہو چکی تھی مگر وہ اس بڑے کھیل کے ہر مہلک پہلو سے باخبر نہیں تھا۔

میرا اپنا قیاس تھا کہ سرکاری صفوں میں صرف جلال ہی ایسا افسر تھا جسے ہر بات کا علم تھا۔ دوسری ایجنسیوں کو بھی یہ معلوم تھا کہ آئی بی والے ہر سطح پر ان معاملات میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ ان حالات میں یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی کہ کراچی کی کسی عمارت میں مہلک دھماکا ہونے کے بعد جلال کے پاس فون کالز کا تانتا بندھ گیا ہو۔ کراچی ملک کا دھڑکتا ہوا دل تھا۔ وہاں پیدا ہونے والی ذرا سی بدامنی اور لاقانونیت درد مند پاکستانیوں میں تشویش کی لہر دوڑا دیتی تھی۔

"تم اپنی توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز رکھو اور فون مجھے دے دو۔" قدرے توقف کے بعد ابھرنے والی سلطان شاہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا "میں وقفے وقفے سے اس کا نمبر ملانے کی کوشش کرتا رہوں گا۔"

اس کی تجویز معقول تھی۔ میں نے خاموشی سے فون اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس وقت میرا ذہن غصے سے کھول رہا تھا۔ مجھے بھارتی درندوں کی اس بربریت پر سخت غم و غصہ تھا کہ سازشوں کے میدان میں ہمارے ہاتھوں زک اٹھانے کے بعد وہ ہر بار معصوم اور بے گناہ پاکستانی شہریوں کو اپنی درندگی کا نشانہ بناتے تھے اور اپنی نفرت کی قربان گاہ پر چند پاکستانیوں کے خون کی بھینٹ چڑھانے میں کامیاب ہوجاتے تھے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ صدر کی عمارت میں ہونے والا بم دھماکا چندن کی موت کا شاخسانہ نہیں تھا۔ اس کی کڑیاں دہلی میں ہونے والی خون ریزی سے ملتی تھیں۔

دہلی جیسے شہر میں جہاں ذہین ترین بھارتی افسر اور کارندے ہر وقت اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے مستعد بیٹھے رہتے تھے، یکے بعد دیگرے متعدد اہم ترین خفیہ ایجنٹ مار دیے گئے۔ اسی شہر میں 'ان کی ناک کے نیچے' سی آئی اے کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر بے بسی کی موت مار دیا گیا اور بھارتی اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود اپنے کسی ملزم کو نہیں پکڑ سکے۔ اپنی اس شرمناک ناکامی پر وہ کھسیائے ہوئے تھے اور کسی کھسیانی بلی کی طرح پاکستان میں بے مقصد دہشت گردی کرکے کھمبا نوچنے کی مثال قائم کر رہے تھے۔

سلطان شاہ کوشش کرتا رہا لیکن اسے بھی کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ ایک بار اس نے جلال کا فون انگیج ہونے کی ٹون سن کر موبائل بند کیا ہی تھا کہ گھنٹی بج اٹھی اور میں نے لمحہ بھر کے لیے سڑک پر سے اپنی توجہ ہٹا کر اس کے ہاتھ سے فون تقریباً چھین لیا۔

مجھے توقع تھی کہ شاید جلال نے ہی مجھ سے موبائل فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی ہوگی لیکن میں نے بٹن آن کیا تو دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا۔

"کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔" میری آواز سنتے ہی اس نے کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کردی "عمارت میں موجود تین افراد کو معمولی زخم آئے ہیں۔ انہیں مرہم پٹی کرکے اسپتال سے رخصت کردیا گیا۔"

"ویری گڈ۔" میں نے اپنے دل کی گہرائی سے جواب دیا "ابتدائی خبر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اب تم نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کردیا ہے۔"

"مجھے اندازہ تھا کہ تم پریشان ہوگئے ہوگے اس لیے میں نے تمہیں فون کرنا ضروری سمجھا۔ اس وقت تم کہاں سے گزر رہے ہو؟"

"میں سبیل والی مسجد کے قریب پہنچ رہا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں گھر پہنچ جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"اس وقت میں معلومات اکٹھی کر رہا ہوں۔ نمٹ کر سیدھا گھر آؤں گا۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی کیونکہ میرے ذہن میں ایک اہم سوال چکرانے لگا تھا "اگر یہ دھماکا اس قدر ہلکا تھا تو پھر اس میں را والوں کا ہاتھ نہیں ہوسکتا۔ ممکن ہے کہ یہ کوئی حادثاتی دھماکا رہا ہو۔ اپنی توجہ اس نکتے پر بھی مرکوز رکھو۔"

"بم ڈسپوزل اسکواڈ کے چیف آفیسر نے جائے واردات سے روسی ساخت کی ٹائمنگ ڈیوائس کے تباہ شدہ ٹکڑے

یک جا کیے ہیں۔" اول خان نے پر وثوق آواز میں کہا
"حادثاتی دھماکے کی بات سرے سے خارج از امکان ہے۔ یہ
دربات ہے کہ بم نصب کرنے والوں سے جگہ کے انتخاب
یں کوئی غلطی ہوئی ہو۔ یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ میں گھر
آؤں گا تو مل بیٹھ کر اس پر غور کریں گے۔ اب میں فون بند
کر رہا ہوں۔"

مجھے اس کی حد سے بڑھی ہوئی مصروفیات کا ادراک
قا۔ ہماری گفتگو وہیں ختم ہو گئی۔

جمشید روڈ سے گزرتے ہوئے سلطان شاہ کی کوشش بار
آور ہو گئی اور جلال کا فون مل گیا۔ اس نے دوسری طرف کی
گھنٹی سنتے ہی موبائل فون میری طرف بڑھا دیا۔

"تم کہاں ہو؟ تمہیں معلوم ہے کہ کراچی میں کیا ہوا
ہے۔" رابطہ ہونے پر ابتدائی رسمی کلمات کے بعد میرے کان
یں جلال کی ہیجان زدہ آواز گونجی۔

"شاید تم صدر کے علاقے میں ہونے والے دھماکے کی
بات کر رہے ہو۔" میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

"صدر کے مصروف رہائشی علاقے کی ایک عمارت میں
م پھٹا ہے۔ ابتدائی خبر بہت ہولناک تھی۔ اسلام آباد میں
سب دہل کر رہ گئے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ تازہ ترین خبریں
ریشان کن نہیں ہیں۔ اس دھماکے میں دو مردوں کے ساتھ
یک عورت مجروح ہوئی ہے۔ ان کے زخم زیادہ گہرے یا
خطرناک نہیں ہیں۔ کیونکہ بم کا دھماکا پانی کے پمپ کے پاس
ہوا جو عمارت کے بیرونی حصے میں لگا ہوا تھا۔"

تازہ ترین خبروں کے سلسلے میں وہ اول خان سے پیچھے
نہیں تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے
حکمراں دوسرے شہروں کے حالات سے پل پل باخبر رہتے
تھے۔

"ان کا یہ وار بہت اوچھا ثابت ہوا۔" میں نے دھیرے
سے کہا۔

"پانی کے زیر زمین ٹینک کی چھت بیٹھ گئی اور وہ اب
بھرے ہوئے سوئمنگ پول میں بدل چکی ہے۔ خبریں بتا رہی
ہیں کہ یہ کوئی حادثہ نہیں' دہشت گردی ہے۔ کام تیزی سے
ہوا ہے۔ وہاں سے کچھ اہم پرزے ملے ہیں جو ٹائم بم کی نشان
دہی کر رہے ہیں۔"

"اب تک تمہیں....." میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن جلال
نے میری بات کاٹ دی۔

"ذرا ہولڈ کرو۔ ہاٹ لائن پر کال آرہی ہے۔" اس نے
کہا اور پھر اس کی آواز پس منظر میں چلی گئی۔ میں نے اپنے
فون پر ہاٹ لائن کی گھنٹی کی آواز واضح طور پر سنی تھی۔

میرے کانوں میں جلال کی دبی دبی اور غیر واضح آوازیں
آرہی تھیں۔ اس کے الفاظ قابل فہم تھے نہ مفہوم سمجھ میں
آرہا تھا البتہ اس کی آواز کے اتار چڑھاؤ کی دھیمی سے گونج
سے یہ واضح ہو رہا تھا کہ ہاٹ لائن پر آنے والے پیغام نے
اسے حیران کر دیا تھا۔

میری توقع کے برعکس وہ جلد ہی دوبارہ مجھ سے مخاطب
ہو گیا "تمہیں معلوم ہے کہ لیری کو ہارٹ اٹیک ہو گیا!" اس
کے ایک ایک لفظ سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"تم نے مجھے ہولڈ کرنے کے لیے کہا تو میں تم سے یہی
پوچھنا چاہ رہا تھا۔" میں نے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے جواب
دیا۔

"تم دیکھ لو۔ قدرت کا اپنا نظام ہے۔ ہم نے اسے اس
کے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا لیکن قدرت نے اسے
معاف نہیں کیا۔ وہ اس وقت کارڈیو و۔سکیولر اسپتال میں
انتہائی نگہداشت کے شعبے میں کوما کی حالت میں بے سدھ پڑا
ہوا ہے۔ مجھے یہ خبر ابھی ابھی کراچی کی ہاٹ لائن پر ملی ہے۔"

"یہ خبر مجھے بھی مل چکی ہے۔ اب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے
پہلے میں نے اس سے فون پر بات کی تھی تو وہ اپنی آواز سے
پوری طرح صحت مند معلوم ہو رہا تھا۔ دور دور تک ایسی
علامت نہیں تھی کہ اس پر ہارٹ اٹیک ہو گا مگر خدا کی لاٹھی
بے آواز ہوتی ہے....."

"ذرا ایک منٹ!" جلال نے بے تابانہ لہجے میں میری
بات کاٹ دی "ابھی تم نے کیا کہا؟ ڈیڑھ گھنٹے پہلے تم نے
اسے فون کیا تھا۔"

"ہاں! میری اس سے کافی دیر تک بات ہوئی تھی۔"
میں نے اعتراف کیا۔

"وہ کہاں تھا؟" میرے کانوں میں جلال کی متجسانہ آواز
گونجی۔ شاید اس کے اندر چھپا ہوا سیکرٹ ایجنٹ جاگ اٹھا
تھا۔

"وہ بری طرح خوف زدہ ہے۔ اپنے ہوٹل کے کمرے
کے سوا اور کہاں ہو سکتا تھا۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"میں نے تمہیں اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے منع کیا
تھا!" جلال کی آواز سے ملال مترشح تھا۔

"چھیڑ چھاڑ تو کیا' میں نے اس کا سامنا تک نہیں کیا۔
بس ماجد یمنی کے نام سے اس سے کچھ مذاکرات کیے تھے۔"

"اوہ!" فون پر جلال کی بے ساختہ اور مضطربانہ آواز
ابھری "تم نے ضرور اسے دھمکیاں دی ہوں گی۔"

"میں بے بس تھا۔ اس کے سوا اور کیا کر سکتا تھا۔ وہ
تمہارا مہمان ہے۔ تم کو اس کی سلامتی کی فکر ہے۔ میں نے

تمہارے جذبات کا پاس کیا اور اسے للکارنے کا ہر ارادہ ترک کردیا۔ مجھے کم از کم شیخ چلی کی طرح کھوکھلی دھمکیاں دے کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا حق تو حاصل تھا۔"
"تم کو اندازہ نہیں ہے کہ تم سے کیا حرکت سرزد ہوئی ہے۔" جلال کا لہجہ خشک تھا "اس سے تمہاری بات مکمل ہوگئی تھی؟"
"وہ خوشامدوں پر اتر آیا تھا۔ اس کے دل کی باتیں شاید دل میں رہ گئی ہوں۔ میں نے اسے اپنا پورا پیغام پہنچا دیا تھا۔"
"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہاری گفتگو کے اختتام پر فون بند کرنے میں پہل کس نے کی تھی.... تم نے یا لیری نے؟" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر پوچھا۔
"میرے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اسے آخری دھمکی دے کر خود فون بند کردیا تھا۔"
"بس تو پھر تم نے ہی اسے اسپتال پہنچایا ہے۔" جلال کی آواز یکایک پرجوش ہوگئی۔
"تم نے کچھ سوچے سمجھے بغیر میرے اوپر اتنا بڑا الزام لگا دیا!" میں نے شکوہ کیا۔
"تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ میں بہت سوچ سمجھ کر اس فیصلے پر پہنچا ہوں۔" اس کی طرف سے جواب آیا۔
اگر میری دھمکیوں کی دہشت سے اس پر ہارٹ اٹیک ہوا تھا تو یہ واقعی میری بہت بڑی کامیابی تھی۔ میں نے پرسکون رہ کر اس سے پوچھا "اگر مناسب سمجھو تو اپنی سوچ سمجھ سے مجھے بھی آگاہ کردو۔"
"سارا فتور ایک فون کا ہی تھا" لمحہ بھر کے توقف کے بعد فون پر جلال کی آواز ابھری "موٹے کے پاس ایک فون آیا تھا۔ اس کے دس منٹ بعد اس کے لیے دوسری کال آئی تو آپریٹر نے دیکھا کہ موٹے کی ایکس ٹینشن مسلسل مصروف تھی۔ اس نے دوسری کال کرنے والے سے معذرت چاہی تو اس نے اصرار کیا کہ آپریٹر چند ثانیوں کے لیے موٹے کی پہلی کال میں مداخلت کرکے اس کا پیغام دے دے۔ آپریٹر نے انکار کردیا۔"
"وہ اس کی بدمعاشی تھی" میں نے بے ساختہ کہا "آپریٹر اپنے طور پر ہر ایک کی باتیں سنتے رہتے ہیں۔ کوئی مداخلت کی فرمائش کرے تو انکار کردیتے ہیں۔"
"اس سے ساکھ مجروح ہوتی ہے۔ ہوٹلوں میں کسی کو مہمانوں کی فون کالز سننے کی اجازت نہیں ہوتی۔ دوسری کال کرنے والا امریکی قونصل خانے کا فرسٹ سیکریٹری تھا۔ اس

مجبوری

اسمبلی کے ممبران کیفے ٹیریا میں بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ ایک ممبر نے جیب سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا "خفیہ شادیوں کے بارے میں آج اسمبلی میں بل پیش کیا گیا ہے۔ اس کا کیا کرنا ہے؟"
"میرا خیال ہے ادائیگی تو کرنی ہی پڑے گی"
دوسرے ممبر نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

نے غصے میں امریکی کمانڈوز سے کال ملوالی۔ اس کے ایما پر ایک میرین کمانڈو نے اپنے کمرے سے باہر نکل کر موٹے کے دروازے پر دستک دی پھر دروازہ پیٹ ڈالا مگر جواب ندارد۔ نیچے ہوٹل کے سوئچ بورڈ پر موٹے کی ایکس ٹینشن بدستور مصروف تھی۔ وہ صورت احوال تشویش ناک تھی۔ ہوٹل میں سنسنی پھیل گئی اور ہوٹل کا جنرل منیجر بھی دوڑا ہوا موٹے کے دروازے پر آن پہنچا۔ ماسٹر کی سے دروازہ کھولا گیا تو موٹا جان کنی کے عالم میں مسہری سے نیچے پڑا ہوا تھا۔ اس کے فون کا ریسیور سائڈ ٹیبل کے ساتھ جھول رہا تھا۔"
"حیرت ہے کہ تم اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ہو اور اتنے باخبر ہو" میں نے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔
"یہ کراچی میں مامور میرے عملے کی کارگزاری ہے۔ موٹے کے ہارٹ اٹیک کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔"
"اور تمہارے آدمیوں کو کھلی آزادی ہے۔ وہ سرکاری طور پر ہر جلی اور خفیہ بات جاننے کا حق رکھتے ہیں۔"
"میرے ذہن میں یہ رپورٹ سماتے ہی پوری بات واضح ہوگئی کہ تم سے بات کرتے ہی اس کو دل کا دورہ پڑ گیا۔"
"اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ بھاری بھرکم وجود رکھنے کے باوجود وہ بالکل بودا نکلا" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔
فون پر اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز ابھری "تم کو معذرت خواہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں خوش ہوں کہ تم نے اس سے دور رہ کر اسے محض اپنی باتوں سے اتنا دہشت زدہ کردیا کہ وہ لب گور جا پہنچا۔ اس حالت میں وہ مر بھی جائے تو مجھے ذرہ برابر افسوس نہیں ہوگا۔"
"اب میں مطمئن ہوں۔ اچھا ہوا کہ مجھے تمہارے خیالات سے آگاہی حاصل ہوگئی ورنہ یہ خبر سن لینے کے بعد میں پریشان تھا۔"

"تم کو اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ تمہارے ٹیلی فونک تشدد کا شکار ہوا ہے" جلال کی آواز ابھری۔
"اول خان کو شبہ تھا۔ تم نے ہر بات سیاق و سباق کے ساتھ بتا کر اس کے شبہات کی تصدیق کردی ہے۔"
"تو کیا اسے پوری رپورٹ نہیں مل سکی تھی؟" جلال نے قدرے حیرت سے پوچھا۔
"وہ لوگ پس منظر میں محتاط رہ کر کام کرتے ہیں اس لیے کبھی کبھی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اسے تفصیلات کا علم ہوگیا ہوتا تو اس کی بات شبہے تک محدود نہ رہتی۔ وہ تمہاری طرح کھل کر میرے اوپر الزام عائد کردیتا۔"
جلال ہنس پڑا "میں نے تم پر کوئی الزام تراشی نہیں کی۔ تم چاہو تو میں تمہیں اس کارنامے پر باقاعدہ مبارک باد پیش کرسکتا ہوں۔"
"غنیمت ہے کہ تم نے باضابطہ کی جگہ باقاعدہ کا لفظ استعمال کیا ہے" میں نے برجستہ کہا "ورنہ میں اسے تمہاری سرکاری مبارک باد سمجھ سکتا تھا۔"
"سرکار کا نام بھی نہ لینا۔ میری سرکاری مجبوریوں سے تم اچھی طرح واقف ہو۔"
اس گفتگو میں ہم دونوں کے دلوں کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ معلومات کے تبادلے کے بعد گفتگو کا وہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔
ہم دونوں گھر واپس پہنچے تو ویرا ڈرائنگ روم میں بساط بچھائے غزالہ کے ساتھ شطرنج کھیلنے میں مصروف تھی۔ سلطان شاہ نے اپنی چابی سے داخلی دروازے کا قفل اتنی خاموشی سے کھولا تھا کہ ان دونوں کو کانوں کان ہماری آمد کا علم نہیں ہوسکا تھا۔
"یا مظہر العجائب!" سلطان شاہ نے ان دونوں کے عقب میں پہنچ کر بلند آہنگ نعرہ لگایا اور وہ دونوں چونک کر اچھل پڑیں۔
"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ تم دونوں لڑاکا بلیوں کی طرح ایک دوسرے کو نوچنے کھسوٹنے کے بجائے ایسا امن پسندانہ کھیل، کھیل رہی ہو جو صبر اور تحمل کا سبق دیتا ہے" سلطان شاہ نے ان کے ردِعمل کی پروا کیے بغیر اپنی بات پوری کردی۔
سلطان شاہ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی ویرا کا منہ بن گیا اور اس نے بھنا کر بساط الٹ دی۔
"یہ کھلی بے ایمانی ہے" سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔
"معلوم ہوتا ہے کہ تم کو مات ہونے والی تھی۔"
"شہ پر شہ پڑ رہی تھی" غزالہ نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے مسکرا کر کہا "دو تین چالوں میں قصہ نمٹنے والا تھا۔"
"تم لوگوں کی شطرنج میری سمجھ میں نہیں آتی۔ میں یورپین اسٹائل کی عادی ہوں" ویرا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "یہ بتاؤ کہ اس وقت تم دونوں کہاں سے آرہے ہو، گھر سے بہت رازداری کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ تین گھنٹوں میں کیا تیر مار کر آئے ہو؟"
"آپ کی جلال سے بات ہوگئی؟" کسی کے کچھ بولنے سے پہلے غزالہ نے سوال کر ڈالا "وہ آپ سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔"
"اس سے بات ہوگئی۔" مجھ سے کیے ہوئے سوال کا جواب سلطان شاہ نے دیا پھر وہ ویرا سے مخاطب ہوگیا "ہم نے تیر نہیں مارا لیکن لیری کو اسپتال پہنچا آئے ہیں۔ امید ہے کہ وہ وہاں سے اوپر کا ٹکٹ کٹوالے گا" اس دوران میں ہم دونوں صوفوں پر بیٹھ چکے تھے۔
"تم لیری کے پیچھے گئے تھے!" ویرا نے مجھ سے پوچھا۔ اس کے چہرے سے نظر آرہا تھا کہ سلطان شاہ کے انکشاف سے اسے ذہنی جھٹکا لگا تھا۔
"میں نے اسے فون کیا تھا۔ اس وقت مجھ سے زیادہ وہ ماجد یمنی سے خوف زدہ ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا "میں نے فون پر اسے دھمکانے کے لیے یہی نام استعمال کیا تھا۔ اس اقدام کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے ہیں۔"
"یہ تو کہہ رہا ہے کہ لیری اسپتال پہنچ گیا۔" ویرا نے سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرکے کہا۔
"درست کہہ رہا ہے۔ میں نے اسے ذرا دھمکا کر فون بند کردیا۔ اسے اتنی مہلت بھی نہیں مل سکی کہ اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا ریسیور کریڈل پر رکھ دیتا۔ اسے دل کا شدید دورہ پڑا اور وہ کوما کی حالت میں چلا گیا۔"
"اتنی سی دیر میں یہ سب ہوگیا اور تمہیں اپنے فون کا صحیح نتیجہ بھی معلوم ہوگیا؟" ویرا نے بے اعتباری سے پوچھا۔
"یہ خبر اسلام آباد تک پہنچ چکی ہے۔ جلال کے آدمی لیری کے ہوٹل بلکہ کمرے میں موجود ہیں۔"
"اس کو آپ موٹا کہہ رہے تھے تو وہ تنومند اور گراں ڈیل رہا ہوگا۔ وہ اس قدر کمزور دل کا آدمی ہے کہ آپ کی باتوں سے اسے ہارٹ اٹیک ہوگیا۔" غزالہ نے حیرت سے کہا۔
"وہ ڈینی کی ہولناک باتیں تھیں جن میں لیری کے لیے دردناک موت کا پیغام پنہاں تھا۔ تم وہ مختصر اور خون آشام باتیں سن لیتیں تو تمہارا بھی نروس بریک ڈاؤن ہوسکتا تھا۔" سلطان شاہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ راستے میں مجھے بھی سلطان شاہ سے کھل کر بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ تینوں مجھ سے بہت کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے۔ میں نے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور ان کی جرح کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

ان کو بھی یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ دشمن کی طرف سے صدر کی عمارت میں کیا جانے والا دھماکا اپنے نتائج کے اعتبار سے بری طرح ناکام رہا تھا۔ لیری کے ہارٹ اٹیک کے اسباب پر جلال نے کافی روشنی ڈال دی تھی۔ اس بارے میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا تھا مگر بم دھماکے کے بارے میں بہت سی باتیں تشنہ تھیں۔ میرا خیال تھا کہ اول خان اپنی مصروفیات سے نمٹ کر ہماری طرف آئے گا تو وہ گتھی بھی سلجھ جائے گی۔

"یہ نہ سمجھنا کہ تم لیری کے شکار پر نکل گئے تھے تو میں گھر میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہوئی تھی یا صرف شطرنج کھیل رہی تھی۔" وہ طویل گفتگو ختم ہونے کے بعد ویرا نے چہکتے ہوئے کہا "میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ بھارتی قونصل خانے کا انفارمیشن آفیسر میرا شکار ہوگا۔ کوئی اسے ہاتھ نہیں لگائے گا۔"

"کیا تم یہاں بیٹھ کر اس پر جادو ٹونے آزما رہی تھیں!" سلطان شاہ نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"تلخ کلامی کر کے فضا کو مکدر کرنے کی کوشش مت کرو۔" ویرا نے ناصحانہ لہجے میں کہا "میں پورے خلوص دل سے لیری کی موت کے لیے دعا گو ہوں۔ تم چوپڑا کے وصال کی دعا کرتے رہو۔ میں اسے زیادہ دیر تک جہنم سے دور نہیں رہنے دوں گی۔"

"کیا کوئی طلسماتی کرسٹل بال تمہارے قبضے میں آگیا ہے جس پر تم بیٹھے بیٹھے باہر کی خبریں لے رہی ہو۔" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"میں نے تمہیں باہر کی کوئی خبر نہیں سنائی۔ تم کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا ہے۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم نے خود کہا تھا کہ تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے گھر میں نہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔"

"میں نے ٹھیک کہا تھا۔ اس کا اصل نام بدھو لعل چوپڑا ہے۔ اسے بڑوں کا رکھا ہوا نام پسند نہیں ہے اس لیے وہ اب بی ایل چوپڑا بن گیا ہے اور اپنی بیوی کے ساتھ کراچی میں مقیم ہے۔" ویرا نے چوپڑا کے بارے میں اپنی معلومات کا انکشاف کر کے ہم تینوں کو چونکا دیا۔

"تم نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا پھر یہ باتیں تمہیں کہاں سے معلوم ہو گئیں!" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کرسٹل بال۔" وہ آنکھ مار کر مسکرائی "سلطان شاہ پہلے ہی بتا چکا ہے۔"

غزالہ کے بیان کی روشنی میں یہ بات واضح تھی کہ ویرا ان معلومات کے حصول کے لیے گھر سے باہر نہیں نکلی تھی۔ اس نے یقینی طور پر فون استعمال کیا تھا۔ ایک مدت سے اس کے محدود رابطے ہماری نظروں میں تھے۔ ان میں کوئی ایسا باخبر نہیں تھا جو اسے بدھو لعل والی بات بتا دیتا۔ ہم نے اس پر ہر حربہ آزما لیا لیکن ویرا اپنی معلومات کے حصول کا ذریعہ ظاہر کرنے پر رضامند نہیں ہوئی۔

"میرے اوپر جمود طاری ہونے لگا تھا۔" ہمارے بہت زیادہ اصرار پر اس نے سنجیدگی سے کہا "اب میں نے اپنے خول سے باہر آنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں تم لوگوں کو اندھیرے میں رکھ کر کچھ کر گزروں اور اس کے نتیجے میں ماری جاؤں تو مجھے معاف کر دینا۔"

"اور نہ ماری گئیں تو کیا ہوگا؟" سلطان شاہ نے خفگی سے کہا۔

"میری کامیابی تمہارے لیے بھی خوشی کا باعث ہوگی۔" اس نے برجستہ جواب دیا۔

"تم الگ راہ کا انتخاب کر کے غلطی کر رہی ہو۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا "ابھی تک ہم ایک ساتھ چلتے آ رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی رو میں تم کسی غلط یا بالکل مخالف سمت میں چل پڑو۔"

"چوپڑا میرا پہلا تجربہ ہوگا۔ میں ناکام ہو گئی تو پھر پرانی راہ پر لوٹ آؤں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھ نہیں سکا کہ چوپڑا کے بارے میں تم کیا اور کیسا تجربہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔" میں نے الجھے ہوئے انداز میں اپنی تشویش ظاہر کی۔

"بہت جلد کچھ نہ کچھ سامنے آجائے گا۔ میں تمہیں اپنی کوششوں کے نتائج سے آگاہ کرتی رہوں گی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا کسی پرانے آدمی سے رابطہ ہو گیا ہے۔" میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی "کسی کسی وقت تم سے بات کرتے ہوئے بھی خوف آتا ہے۔ تمہارے اندازے بہت خطرناک ہوتے ہیں۔"

میں نے مزید کچھ نہیں کہا، خاموشی اختیار کر لی۔ میرا مزید اصرار ویرا کو ضد اور ہٹ دھرمی کی طرف مائل کر سکتا

تھا۔

دوپہر کو اول خان تھکا ہارا آیا اور آتے ہی نڈھال ہو کر صوفے پر گر گیا۔

"آج چولیں ہل کر رہ گئیں۔" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا "آج سمجھ میں آیا کہ شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار کس کو کہتے ہیں۔ ہر زبان پر ایک ہی سوال ہے کہ لیری جیسے ہٹے کٹے اور جان دار مسٹنڈے کو اچانک دل کا دورہ کیسے پڑ گیا۔"

"وہ زمانے ہوا ہوئے جب ادھیڑ عمری اور موٹاپے کے سبب دل کے دورے پڑتے تھے۔" ویرا نے جھٹ جواب دیا "اب تو دھان پان اور نوجوان عمر کے لوگوں کو دل کے دورے پڑتے ہیں۔ ہارٹ اٹیک کا کوئی وقت ہوتا ہے اور نہ معیار۔ کوئی بھی کسی وقت اس کی زد میں آسکتا ہے۔"

"یہاں سے امریکا تک رابطے ہو رہے ہیں تاکہ یہ پتا چلایا جاسکے کہ دورہ پڑنے سے پہلے وہ فون پر کس سے بات کر رہا تھا۔۔۔"

"احمقانہ بات ہے۔" میں نے ترشی سے کہا "وہ باہر کی کال ہوتی تو آپریٹر پہلے ہی بتا دیتی۔ لوکل کال کا سراغ ملنا ناممکن ہے۔" میری بات سو فیصد درست تھی کیونکہ اس زمانے میں فون پر سی ایل آئی کا تصور رائج نہیں ہوا تھا۔

"سب سے زیادہ امریکی افسران بولائے ہوئے ہیں۔ یہ موٹی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی۔"

"یہ خدا کا قہر ہے جو ان پر نازل ہوا ہے۔ انہوں نے ایران سے اپنے قیدی چھڑانے کے لیے خوف ناک کمانڈو مشن بھیجا تھا۔ صحرا میں ان کی گاڑیوں میں تصادم ہو گیا۔ تیز ہواؤں کے سبب دیو ہیکل ہیلی کاپٹر فضا میں ٹکرا کر تنکوں کی طرح پاش پاش ہو گئے۔ وہ بھی قدرت کی سزا تھی۔ امریکی جب زمین پر بسنے والے انسانوں کو اپنے زعم میں کیڑے مکوڑوں سے زیادہ حقیر سمجھنے لگتے ہیں تو قدرت انہیں ایسے تھپڑ لگاتی ہے مگر ان کی عقلیں طاقت کے نشے سے ماؤف ہیں۔ یہ آج تک اس غیبی سبق کو سمجھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔" سلطان شاہ نے ایک ہی سانس میں اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لی۔

"تمہاری باتیں عبرت آموز ہیں۔" اول خان نے سرہلاتے ہوئے کہا "یہ ضروری نہیں تھا کہ لیری کو دل کا دورہ پڑ جاتا۔ وہ جان کنی کے طویل عذاب سے گزر کر تھوڑی دیر پہلے ٹھنڈا ہو گیا۔ ہمارے ڈاکٹروں نے اسے دیکھتے ہی بتا دیا کہ اس کا بچنا محال ہے۔"

"میری دعا قبول ہو گئی۔" ویرا نے خوش ہو کر کہا "اب تم سب میرے شکار کے لیے بد دعا کرتے رہو۔"

"تمہارا شکار کون ہے؟" اول خان نے چونک کر پوچھا۔

"خرافات پر دھیان نہ دو۔ میں نے وہ بات وہیں اڑا دی۔ جو نظر میں آجائے وہی شکار ہو جاتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب لیری کی لاش کہاں ہے۔"

"وہ حادثاتی دورے کا شکار ہوا ہے۔ اس کا پوسٹ مارٹم ضروری ہے لیکن امریکی اہل کار زبردستی اس کی لاش اسپتال سے لے گئے۔ وہ بحرین کے امریکی اسپتال میں لیری کی لاش کا پوسٹ مارٹم کریں گے تاکہ اس کی موت کے صحیح اسباب کا تعین کیا جاسکے۔" اول خان نے بتایا۔

"صحیح اسباب کیا ہوں گے۔ اسے زہر دیا گیا نہ قتل کیا گیا۔" ویرا نے شانے اچکا کے کہا "وہ اسٹروک کا شکار ہوا ہے۔"

"امریکی بہت زیادہ خوف زدہ ہیں۔ ان کے لاشعور میں کہیں نہ کہیں یہ خوف جاگزیں ہے کہ لیری کی موت میں ڈینی یا ماجد یمنی کا ہاتھ ہے۔" اول خان نے اپنے اس مشاہدے سے محظوظ ہوتے ہوئے تمسخرانہ انداز میں بتایا۔

"ان کا یہ خوف بے بنیاد نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے کہا "یہ قدرت کا دستِ انتقام تھا جس نے لیری کی گردن دبوچی لیکن اس کی اصل بنیاد ڈینی کے فون نے ڈالی۔ یہ فون نہ کرتا تو شاید لیری اس وقت بھی زندہ ہوتا۔"

"اس کی مختصر سی کہانی ختم ہو گئی۔" میں نے گفتگو میں دخل اندازی کی "وہ آیا، ہم سے ملا اور مر گیا۔ اب بم دھماکے کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"ٹائم بم واٹر پمپ کے ساتھ کل رات سے موجود تھا۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر بتایا "اس وقت تک ہم اپنے ٹھکانوں پر تھے۔ ہم نے چندان گرنانی کے فلیٹ کا رخ نہیں کیا تھا۔ اس وجہ سے ان دونوں واقعات کو ایک دوسرے سے نہیں جوڑا جا سکتا۔"

"یہ کیسے پتا چلا کہ ٹائم بم وہاں گزشتہ رات سے نصب تھا۔" میں نے پوچھا۔

"اس کے لیے فلیٹوں کی زندگی کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ پمپ کی دیکھ بھال اور زیر زمین ٹینک سے پانی اوپر چڑھانے کی ذمے داری کسی ایک مکین کی ہوتی ہے۔ اس شخص نے بتایا کہ پچھلی شام پمپ کی مرمت کا کچھ کام ہوا تھا۔ اس نے رات کو پمپ چلایا تو وہاں لکڑی کا ایک گندا ڈبا رکھا ہوا تھا۔ وہ سمجھا کہ مستری کچھ بھول گیا ہے۔ اس نے ڈبے کو نہیں چھیڑا۔ وہ دیکھنے میں بے وقعت نظر آرہا تھا۔ بم ڈسپوزل

را والوں کو ٹائمنگ ڈیوائس کے ٹکڑے اسی چوبی ڈبے
باقیات سے لگے ہوئے ملے ہیں۔ کسی نے پچھلی رات کو
ع غنیمت جان کروہ بارودی ڈباوہاں رکھ دیا۔"
"بظاہر یہ دیوانگی معلوم ہوتی ہے۔ اس دھماکے کے
ی کوئی مقصد کارفرما ہوتا تو دھماکا تباہ کن اور مہلک ہوتا
"غزالہ بولی مگر سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔
"ہمارے ضمیر کے اطمینان کے لیے اتنا کافی ہے کہ بم
ھماکے اور چندن کے انجام میں کوئی تعلق نہیں ہے۔"
ی نے کہا "ہوسکتا ہے کہ دہشت گردوں سے جگہ کے
اب میں غلطی ہوگئی ہو یا پھر وہ اپنے مطلوبہ مقام تک پہنچنے
ناکام رہے ہوں تو انہوں نے واپس بم لےجانے کے بجائے
ے کہیں نہ کہیں استعمال کرڈالا۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان نے اس کی تائید کی
ہونا تھا' وہ ہوگیا۔ اب لکیر کو پیٹنا بے سود ہے۔"
"تم نے ابھی تک عبداللہ کے قاتل کے بارے میں کوئی
یں سنائی۔" ویرا کو اچانک بھولی ہوئی بات یاد آ گئی۔
عبداللہ جو اپنے مشن کی انجام دہی کے لیے دشمن کی
ٹن پر ولی رام بنا ہوا تھا' ناگہانی بھارتی درندوں کی گرفت
آ گیا تھا۔ وہ انٹیلی جنس بیورو کا ایک ہونہار کارکن تھا۔
نے دہلی میں میری بہت مدد کی تھی۔ جلال بھی دہلی میں کام
ے والے تینوں آدمیوں کی دل وجان سے قدر کرتا تھا۔
اللہ کے پکڑے جانے کی خبر نے اسے دل گرفتہ کردیا تھا۔
ٹن یہ خبر آئی کہ را والوں نے عبداللہ پر بہیمانہ تشدد کے
ے ریکارڈ توڑ دیے۔ ان کے ونود نامی درندے نے
اللہ کو ایسی مار ماری کہ اس بے چارے کے دونوں گردوں
خون رواں ہوگیا۔ زخمی گردوں کے ساتھ عبداللہ زیادہ
ت زندہ نہ رہ سکا اور بھارتیوں کی قید میں خالقِ حقیقی سے
ا۔

اس کی موت کی خبر ملنے کے بعد جلال نے عہد کیا تھا کہ
اللہ کا قاتل جس وقت بھی پاکستان آیا' وہ اس سے عبداللہ
خون کا بدلہ ضرور لے گا۔ اس کی اطلاعات کے مطابق
کو جلد ہی پاکستان آنا تھا۔ بعد میں اول خان نے بھی یقین
ئی کرائی تھی کہ پاکستان میں ونود کا تبادلہ ہوتے ہی وہ ہم
ں کو مطلع کردے گا۔ واقعات کے بہاؤ میں یہ بات سب
ذہنوں سے نکل گئی مگر ویرا ونود کو نہیں بھولی تھی۔
"شاید اس کی شامت اسے یہاں لا رہی ہے۔" اول
ں نے جواب دیا "تم کو صحیح وقت پر اس کا خیال آیا ہے۔ وہ
دہلی سے اسلام آباد پہنچے گا۔ دیکھنا ہے کہ سفارت خانہ
اسے کہاں تعینات کرتا ہے۔"
"دراصل ویرا نے ہم لوگوں سے الگ ہوکر بھارتیوں
سے ٹکرانے کا فیصلہ کیا ہے۔" سلطان شاہ میرے گھورنے
کے باوجود بولنے سے باز نہیں آیا۔ "پہلے یہ بدھو سے نمٹنے گی
پھر شاید ونود کی باری آئے گی۔"
"یہ میں کیا سن رہا ہوں؟" اول خان نے ویرا پر آنکھیں
نکالیں "اور یہ بدھو کون ہے؟"
"اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" ویرا خفت آمیز ہنسی
کے ساتھ بولی "بدھو لعل' چوپڑا کا اصل نام ہے۔ میری
خواہش ہے کہ میں اکیلی اس کا کام تمام کروں۔ میں تم لوگوں
سے الگ ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ پاکستان
میں تم لوگ ہی میرے دوست اور رشتے دار ہو۔"
اول خان عام طور پر میری ہربات کے سامنے سرِ تسلیم
خم کردیا کرتا تھا لیکن ہمارے گروپ میں اپنی عمر کی وجہ سے
اسے ایک خصوصی درجہ حاصل تھا۔ وہ بوڑھا نہیں تھا مگر پھر
بھی ہم سب کسی بزرگ کی طرح اس کا احترام کیا کرتے تھے۔
میری دانست میں سلطان شاہ نے بہت بھونڈے انداز
میں اس کے سامنے ویرا کی شکایت پیش کی تھی۔ ویرا کا
ندامت آمیز رویہ دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ لوہا گرم تھا۔ اس پر
اسی وقت چوٹ پڑنی ضروری تھی۔ وہ لمحات ہاتھ سے نکل
جاتے تو کسی دلیل سے ویرا کو سمجھانا محال تھا۔
"ہم لوگوں نے تم کو کبھی نہیں روکا۔" میں نے سرجھکا کر
کہا "دہلی میں تم نے بہت کچھ کیا۔ یہاں بھی تمہارے
کارنامے کم نہیں ہیں پھر تم چوپڑا کو سب سے الگ تھلگ
کیوں کرنا چاہ رہی ہو۔ وہ ہمارا مشترکہ دشمن ہے۔ سب مل کر
اسے گھیریں گے۔ مارنے کا وقت آیا تو تلوار تمہارے ہاتھ
میں ہوگی۔"
"لیری بھی ہم سب کا مشترکہ حریف تھا لیکن تم نے مجھے
اعتماد میں لیے بغیر' خاموشی سے اسے ماردیا۔"
اول خان کو شبہ ہوچکا تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور
ہے۔ ویرا کا جواب سنتے ہی وہ مسئلے کی جڑ تک پہنچ گیا اور
ڈرائنگ روم کی فضا اس کے ہلکے سے ناصحانہ قہقہے سے گونج
اٹھی "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ اسے کسی نے نہیں مارا۔ ڈینی
نے اسے صرف فون کیا تھا۔ وہ تو اپنی موت آپ مرا ہے۔"
"فون کرنے کے لیے یہ دونوں مجھے بھی اپنے ساتھ لے
جاسکتے تھے۔" ویرا نے شکوہ کیا۔
"نہیں ویرا' تمہاری شکایت میں کچھ مزہ نہیں آیا۔"
اول خان نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "یہ تم

کو بھی لے جاتے تو غزالہ کے پاس کون رہتا۔ آج کل کے مخدوش حالات میں کسی کو بھی گھر میں اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا۔ کسی کھلے مقام پر پبلک بوتھ پر ایک سے دوسرا آدمی، تو چل جاتا ہے، چار کی بھیڑ ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز بن جاتی۔ اگر تم نے اتنی سی بات کو اپنے دل میں جگہ دے دی ہے تو یہ تمہاری غلطی ہے۔"

"تم عمر میں ہم سب سے بڑے ہو۔ میں روانی میں کبھی کبھی کوئی غلط بات کہہ جاتی ہوں لیکن دل سے تمہاری عزت کرتی ہوں۔" اول خان کی موزوں ملامت پر ویرا کا لب ولہجہ مزید نرم بلکہ مدافعانہ ہو گیا "تم سچ سچ بتاؤ کہ اس بارے میں مجھے سرے سے اعتماد میں نہ لینے کا کیا جواز تھا۔"

اول خان کی گمبھیر اور مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"اس میں میری کسی بدنیتی کا دخل نہیں تھا۔" میں نے وہ معاملہ وہیں رفع دفع کرنے کے لیے کھلے جھوٹ کا سہارا لیا "میرے لیے وہ معمولی سی بات تھی۔ واپسی پر میں ویرا کو سب کچھ بتا دیتا۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری فون کال لیری کے لیے مہلک ثابت ہو گی۔"

"ایمانداری کی بات ہے کہ مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ ڈینی کی کال کے نتیجے میں لیری جہنم کے سفر پر روانہ ہو جائے گا۔" اول خان نے کہا۔

"اوہ... تو تمہیں معلوم تھا کہ ڈینی اسے فون کرے گا؟" ویرا نے حیرت سے بے ساختہ کہا۔

"مجبوری تھی۔" اول خان سے پہلے مجھے بولنا پڑ گیا "جس وقت میں نے لیری کو فون کیا' اول خان کے دو آدمی فرضی نمبر پلیٹ والی گاڑی میں اس کے ہوٹل کے باہر موجود تھے۔ ہمارا منصوبہ یہ تھا کہ وہ فون پر ہونے والی باتوں سے ڈر کر ہوٹل سے بھاگے تو اول خان کے آدمی خاموش تعاقب کر کے اسے مزید ڈرائیں تاکہ وہ بھی جان کی طرح' پہلی فرصت میں کراچی سے بھاگ جائے۔ اس کی بدقسمتی سے تعاقب کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ وہ اسپتال پہنچ گیا۔"

"اور وہاں سے عالم بالا کی طرف روانہ ہو گیا۔" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا "تم بلاوجہ اسے دل میں لیے بیٹھی ہو۔"

"میں کیوں اسے اپنے دل میں لیے بیٹھوں۔" ویرا نے تنک کر کہا "میرے حساب سے تو وہ آسان موت مر گیا۔ اس کا انجام چندن سے برا ہونا چاہیے تھا۔"

"آئندہ خیال رکھیں گے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تمہیں چوپڑا جی کا اصل نام کس نے بتایا؟" میں نے اول خان کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"ارے ہاں' یہ بات تو میں بھی بھول گیا۔" اول خان چونک کر بولا "بدھو لعل بڑا انوکھا نام ہے۔"

"پرانے زمانے میں ناموں میں زیادہ بکھیڑا نہیں ہوا کرتا تھا جو بچہ جیسا نظر آتا' اس کا ویسا ہی نام رکھ دیا جاتا۔ بدھو لعل' محمد شریف' گلاب خان' منگل سنگھ وغیرہ وغیرہ۔" ویرا سے جھگڑا نمٹ جانے پر سلطان شاہ یکایک اچھے موڈ میں آ گیا تھا۔

"یہ بات اور ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد ایسے بچے اپنے ناموں کے مخفف اختیار کر لیتے ہیں۔" غزالہ نے ہنس کر تبصرہ کیا۔

"یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔" اول خان نے ان دونوں کی فہمائش کی "اس وقت ڈینی کا ایک سوال باقی رہ گیا۔ کیوں بھئی ویرا! بدھو لعل کا انکشاف کس نے کیا تھا؟"

فضا کچھ ایسی سازگار ہو چکی تھی کہ ویرا' اول خان کی بات ٹال نہ سکی اور پھیکی ہنسی کے ساتھ بولی "مجھے اپنے تھیلا کی صفائی کرتے ہوئے پرانی ڈائری کا ایک بوسیدہ ورق مل گیا تھا جس پر شی کے نمک خواروں کے کئی نام اور فون نمبر لکھے ہوئے تھے۔ ان ہی میں سے ایک جوشی نام کا ہندو بدمعاش تھا۔ یہ اتفاق ہے کہ ایک لمبی مدت گزر جانے کے باوجود وہ آج بھی پرانے ٹھکانے پر رہ رہا ہے اور اس کا فون نمبر بھی تبدیل نہیں ہوا۔"

"تو کیا تم نے براہِ راست اسی سے پہلا رابطہ کیا تھا؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ آج کی نہیں' دہلی جانے سے پہلے کی بات ہے۔" ویرا نے بتایا "میں نے باری باری ہر نمبر آزمایا تھا۔ کہیں سے کوئی جواب نہیں ملا۔ بس جوشی سے بات ہوئی تھی۔ میں نے اس سے بلیک کوئین کی حیثیت سے بات کی تھی اور یہ جان کر میرا سینہ فخر سے پھول گیا کہ جوشی پہلے کی طرح میرا وفادار اور خادم تھا۔ میں نے اس کے مالی حالات کریدے تو اس نے بھگوان کا شکر ادا کیا کہ شی کے برے دنوں کا آغاز ہونے سے پہلے اس نے ہیروئن کی آمدنی سے اولڈ کراچی میں ایک پرانی جائداد خرید لی تھی جس کا کرایہ اس کی گزر اوقات کے لیے بہت کافی تھا۔ اسے میری مدد کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ میرے ہر کام کے لیے دل و جان سے تیار تھا۔"

ویرا کی زبان سے جوشی کی کہانی سن کر ہم سب حیران رہ گئے۔ جرائم کی زیر زمین دنیا میں ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے کہ کسی نامی گرامی بدمعاش پر برا وقت آ جانے کے باوجود اس کا

کوئی پرانا ساتھی اس سے وفاداری کا دم بھرتا رہے۔ وقت بدلنے کے بعد ہر بدمعاش اپنے بڑوں سے آنکھیں پھیرلیتا ہے۔ موقع ملے تو اپنے سابق باس کے مدِمقابل آنے سے بھی نہیں چوکتا۔

اس کی بے مثال وفاداری میرے لیے سبق آموز ہے۔

اول خان پر اس کہانی نے گہرا اثر ڈالا تھا۔ "اس نے تمہیں چوپڑا کے بارے میں کیا بتایا؟"

"ڈینی کے چلے جانے کے بعد غزالہ کچن میں مصروف ہوگئی تو میں نے آج اسے دوبارہ فون کیا تھا۔" ویرا بتانے لگی "میرا خیال تھا کہ وہ مطلوبہ معلومات فراہم کرنے کے لیے چند روز کی مہلت مانگے گا مگر وہ چوپڑا کا نام سنتے ہی سب کچھ بتاتا چلا گیا۔"

"ایک پرانے ہیروئن فروش کا بھارتی سفارت کار سے کیا تعلق ہوسکتا ہے!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"مجھے بھی حیرت ہوئی مگر جوشی کے جواب نے مجھے مطمئن کردیا۔" ویرا بولی "اس نے ہیروئن کے پیسے سے جہاں جائداد بنائی وہاں مذہب میں بھی سرمایہ کاری کی تھی۔ اس نے ایک مندر کی مرمت اور آرائش میں دل کھول کر پیسا لگایا تھا۔ چوپڑا بھارتی نہیں بلکہ پاکستانی ہندو ہے اور بھارتی قونصل خانے کا بہت پرانا ملازم ہے۔ وہ کلرک کے عہدے سے ترقی کرکے آج افسر بنا ہوا ہے۔ وہ شروع سے بہت سرگرم سماجی کارکن رہا ہے۔ وہ اس مندر کی کمیٹی کا عہدے دار تھا جہاں جوشی نے پیسا لگایا تھا۔ یوں ان دونوں میں بہت پرانی دوستی ہے۔"

"چوپڑا تو کہانی در کہانی ثابت ہورہا ہے۔ اس کا خاندان کہاں رہتا ہے۔" اول خان نے سوال کیا۔

"اندرونِ سندھ کہیں کے رہنے والے لوگ ہیں۔ کراچی میں وہ اکیلا رہتا ہے۔"

"تم تو کہہ رہی تھیں کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔" سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا۔

"ایک خوب صورت عورت اس کے ساتھ رہتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے ہاؤس میڈ رکھی ہوئی ہے۔ ان کے رہن سہن سے لوگوں کو شبہ ہے کہ وہ آپس میں شادی کرچکے ہیں۔ آپس کی جنگوں میں جب بھی سفارت خانہ بند ہوا ہے، چوپڑا کبھی بھارت نہیں گیا۔ کراچی میں اپنے سوشل ورک میں لگا رہا یا اس عورت کی نازبرداریاں کرتا رہا۔"

سب کچھ ایک دوسرے میں گڈمڈ تھا۔ یہ چلن ہر مذہب میں عام ہے کہ لوگ رشوت، چوری اور بلیک میں کمائی ہوئی رقم سے اپنے اپنے خدا کو خوش کرنے کے لیے عبادت گاہوں میں سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ ویرا کے پرانے نمک خوار نے ہیروئن کی کمائی سے مندر کو سجا اور سنوار کر اپنی عاقبت سدھارنے کی کوشش کی تھی اور اسی کے صلے میں اسے بدھو لعل چوپڑا جی سے خاص قرب حاصل ہوا تھا جو برسوں بعد ہمارے کام آنے والا تھا۔

مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ اس ملک کے بیشتر پڑھے لکھے نوجوانوں کی طرح، ابتدا میں میرا مستقبل بھی تاریک تھا۔ خانہ بدوشی، بھوک اور بے روزگاری کے ہولناک طوفان میں کہیں روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی اور پھر میں یکایک شی کے بڑوں کی نگاہوں میں آگیا اور یوں ہیروئن کی سوداگری کے طفیل میری خوش حالی کا سورج تیزی کے ساتھ طلوع ہوتا چلا گیا۔ اگر اس مرحلے پر مجھے شی کے روزگار کا سہارا نہ ملا ہوتا تو کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ میں کہاں اور کیا ہوتا۔

یہ سراسر بدقسمتی کی بات تھی کہ علم وہنر کا کوئی پرسان حال نہیں تھا، ہاں عیب کے بہت سے خریدار، بھری جیبوں کے ساتھ بازار میں گھوم رہے تھے۔

میرے کانوں میں کافی دنوں بعد ہیروئن کے الفاظ گونجے تھے۔ آخری مرحلہ اس وقت پیش آیا تھا جب میں نے این جی او کی آڑ میں ہیروئن کی تجارت کرنے والی ایک موٹی اسامی کو پکڑوایا تھا اور وہ شخص اتفاق سے جہانگیر کا سسرالی بزرگ ثابت ہوا تھا۔

ڈینی، جہانگیر، داؤد اور نادر۔ وہ شی کے عروج کے دنوں کے بڑے نام تھے جن کے ڈنکے ہر خفیہ بازار میں بجتے تھے۔ میں ان تینوں کا خفیہ مقامی سربراہ تھا اور مجھے اپنے اہم کارندوں کے بارے میں پوری خبریں دستیاب ہوتی تھیں۔ اس وقت میں نے ویرا سے گفتگو کے دوران میں اپنے ذہن پر بہت زور ڈالا لیکن جوشی کا نام کھنگالنے میں ناکام رہا۔

ویرا نے شاید میرے بشرے سے میری الجھن بھانپ لی اور مسکراتے ہوئے بولی "بلاوجہ اپنے ذہن پر زور نہ دو۔ کھوپڑی چٹخ جائے گی۔ جوشی کو میں نے اس وقت دریافت کیا تھا جب تم شی سے منحرف ہوچکے تھے اور میں تمہارے خون کی بو پر لگی ہوئی تھی۔"

ویرا کے انکشاف پر میرا ذہنی تناؤ اچانک دور ہوگیا اور میں نے مسکراتے ہوئے کہا "میں اسی الجھن میں تھا کہ جوشی کا نام میرے لیے اجنبی کیوں ہے۔"

"ابھی تک تم نے چوپڑا کے بارے میں بہت کم باتیں

ئی ہیں۔۔۔" سلطان شاہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن ویرا نے اس
بات اڑا دی۔

"مجھے جو کچھ معلوم تھا، میں نے بتا دیا۔ اس کے گھر کا پتا
ہ گیا ہے۔ کہو تو وہ بھی بتا دوں، چوپڑا آرام باغ کے سامنے رہتا
ہے۔"

"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی۔" سلطان شاہ نے
وچتے ہوئے کہا "ہم امریکیوں سے کھلا تصادم مول لینے سے
رہے ہیں لیکن بھارتیوں کے معاملے میں ایسی کوئی مجبوری
نہیں ہے پھر چندن کے قتل کو رقابت کا شاخسانہ قرار
ینے میں کیا عقل مندی پوشیدہ ہے۔"

"اس سے پولیس کا کام آسان ہو جائے گا۔ ہماری
زادیاں متاثر نہیں ہوں گی۔" میں نے جواب دیا "یہ
طرات نہ ہوتے تو ہمیں اس کی ران کٹوانے کی ضرورت
یں تھی۔ گھٹنے پر بیم گن کے زخم کے ساتھ اس کی لاش
ینک دیتے۔ ساری دنیا کو معلوم ہو جاتا کہ اسے ڈینی نے مارا
ہے۔ یہ نکتہ تمہیں اس وقت کیوں یاد آیا؟"

"ہم یہاں بیٹھے چوپڑا کے خلاف منصوبہ بندی کر رہے
ں۔ ایک دو روز میں اس کی گردن کا منکا بھی توڑ دیا جائے
۔ اس کی موت کا سبب کیا ہوگا؟" اس نے پوچھا۔

"یہ سب ظاہری باتیں ہیں۔ بھارتی مر کر بھی اس کہانی
یقین نہیں کریں گے کہ چندن کو اس کے کسی رقیب نے مارا
ہے۔ انہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ وہ کیوں مارا گیا ہے اور کچھ
یا نہ ہو، وہ یہ بات جانتے ہیں کہ مظہر کو چندن کے رابطوں کا
تھا۔ مظہر نے چندن کو ایک فیکس بھیجا مگر اپنی روپوشی ختم
ی کی۔ وہ سمجھ چکے ہوں گے کہ چندن کو مظہر یا اس کے کسی
تی نے مارا ہے۔ ان کو پیغام مل چکا ہے۔"

"اور چوپڑا کی موت بھی اسی کھاتے میں جائے گی؟"

"یقیناً۔" میں نے پورے وثوق سے کہا "چندن اور
پڑا ایک ہی لائن کے آدمی ہیں۔ چوپڑا کی لاش ملنے کے بعد
لی رہی سہی خوش گمانی بھی ختم ہو جائے گی۔"

"تم سے جوشی نے یہ ضرور جاننا چاہا ہوگا کہ تمہیں چوپڑا
ے کیا کام پڑ گیا۔" اول خان نے یکایک ایک نیا سوال کر
۔

"یہ فطری سوال تھا۔ میں نے سرسری لہجے میں بتا دیا
جوشی کی طرح چوپڑا بھی میرا پرانا واقف کار ہے مگر بدقسمتی
میرے پاس اس کا کوئی نمبر یا پتا نہیں ہے۔ ایسے معمولی
لات کو سنبھالنا میرے لیے مشکل نہیں ہوتا۔"

"وہ زیر زمین دنیا کا پرانا آدمی ہے۔ اس کے وہ رابطے

اب بھی برقرار ہوں گے۔ کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ بلیک کوئین کی گرفتاری میں مدد دینے والے کے لیے بہت بڑا انعام مقرر ہے۔" اس بار سلطان شاہ کو نیا سوال سوجھا تھا۔

"انعام ویرا الائیڈ کی گرفتاری پر ہے۔ امریکی اشتہاروں میں کہیں شی کی بلیک کوئین کا ذکر نہیں ہے کیونکہ شی امریکی صدر کے ذہن کی پیداوار تھی۔ یہ بات گنے چنے لوگوں کو معلوم ہے کہ میں بلیک کوئین بھی ہوا کرتی تھی۔ ہر کس وناکس کو اس راز کی خبر نہیں تھی۔"

"مگر یہاں بیٹھے ہوئے ہر فرد کو اس حقیقت کا علم ہے۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے شوشا چھوڑا۔

"اس کا سبب صرف ڈینی کی ذات ہے۔ اس نے میرے رازوں کو افشا کرنے اور مجھے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ دشمنی کے دور میں ہم ایک دوسرے کے بدترین دشمن تھے۔"

"اور آج تم دونوں کی دوستی قابلِ رشک ہے۔" اول خان نے سنجیدگی سے کہا "تم دونوں کے درمیان پائے جانے والے خلوص و محبت کو دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ماضی میں تم دونوں میں ایسی خون آشام دشمنی رہی ہوگی۔"

"خلوص کی بات ٹھیک ہے لیکن محبت کا لفظ یہاں مشکوک معلوم ہوتا ہے۔" سلطان شاہ نے پرتشویش لہجے میں اعتراض کیا "اگر ان دونوں کے درمیان کسی قسم کی محبت بھی پائی جاتی ہے تو اس سے میری موکلہ غزالہ کے حق کو زک پہنچتی ہے۔"

سلطان شاہ نے وہ اعتراض کچھ ایسے انداز میں کیا کہ سب بے ساختہ ہنسنے پر مجبور ہوگئے۔

"چندن اور چوپڑا کے بارے میں ابھی ڈینی نے جو کچھ کہا، میں اس کے ایک ایک لفظ سے متفق ہوں۔" چند ثانیوں بعد اول خان نے دوبارہ وہ موضوع چھیڑ دیا "ہم یہاں پیش آنے والے واقعات کو کتنا بھی کیموفلاج کریں، بھارتیوں کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں ہوگا کہ ان کے اہم ترین آدمی کیوں مارے جارہے ہیں اور ان خون ریزیوں کے پیچھے کس کا ہاتھ کارفرما ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم لوگ احتیاط کا دامن سرے سے چھوڑ دیں۔"

"میرا اصل سوال یہی تھا۔" سلطان شاہ نے زور دے کر کہا "تم نے یہ بات ذرا مختلف انداز میں کہی ہے۔"

"حتی الامکان احتیاط ہر صورت میں لازم ہے۔ ہم دیدہ دلیری سے کام لیں گے تو وہ اپنے ملک میں جوابی کارروائیاں شروع کردیں گے۔ ان کو ہر قسم کے بہیمانہ اقدامات کا کھلا جواز مل جائے گا۔ ہمیں اپنے ان سفارت کاروں کا خیال رکھنا ہوگا۔ جو ہر وقت بھارت میں رہ کر اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔"

"بھارتی اس بارے میں ہمیشہ انتہا پسند ثابت ہوئے ہیں۔" ویرا نے اسے یاد دلایا "وہ اکثر کسی اشتعال انگیزی کے بغیر کسی نہ کسی پاکستانی سفارت کار کو اغوا اور تشدد کا نشانہ بناتے رہتے ہیں۔ آج تک ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے کچھ نہیں کیا جاسکا۔"

"یہ سنگین بدقسمتی ہے۔" اول خان نے سر جھکا کر متاسفانہ انداز میں کہا "دنیا بھر میں سفارت کاروں کو ویانا کنونشن کے تحت بہت سے تحفظات حاصل ہیں۔ اس معاہدے کی روشنی میں یہ امکان نہیں ہے کہ سفارتی اہل کاروں کو ذرا بھی گزند پہنچے۔ اگر کوئی ملازم قانون شکنی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے سدّباب کے لیے ایک واضح طریقہ کار موجود ہے۔ شکایت ملنے پر متعلقہ ملک اپنے ملازم کے خلاف کارروائی کرنے کا پابند ہے۔ کسی ملک کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے طور پر غیر ملکی سفارتی عملے کو ہراساں کرے یا تشدد کا نشانہ بنائے۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہاری یہ باتیں یک طرفہ ہیں۔ ان اصولوں کا اطلاق ہم پر بھی ہوتا ہے۔" غزالہ نے نرمی سے اعتراض کیا۔

"ہم بڑی حد تک ان قوانین کا احترام کرتے ہیں۔" اول خان نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔

"پھر چندن کو کیوں مار دیا گیا؟" غزالہ نے سوال کیا "ہمیں اس کی مذموم حرکتوں پر سخت احتجاج کرنا چاہیے تھا۔"

اول خان غزالہ کے اٹھائے ہوئے اس مضبوط نکتے پر بوکھلا گیا مگر میں نے سختی سے کہا "تم بلاوجہ بال کی کھال نکال رہی ہو۔ اس کا جرم ثابت تھا مگر ہمارے پاس اس کے خلاف بہت زیادہ ثبوت نہیں تھے۔ چندن کے گھر میں سنی کمار فون کی مسروقہ لائن کی موجودگی کو پاکستانیوں کی سازش قرار دے دیا جاتا کیونکہ ٹیلی فون کی لائنیں ڈالنے کا کام بہرحال پاکستانی ادارہ اور عملہ سرانجام دیتا ہے۔ اس کے کرتوت ہمارے سامنے تھے اور وہ پاکستانی تھا۔"

"اس سے پہلے بھارتی قومیت رکھنے والے سفارتی ملازم بھی ہماری توجہ کا نشانہ بنے ہیں۔" ویرا نے اعتراض انداز میں کہا "بھارتیوں پر اعتراض کرتے ہوئے ہمیں ا دامن پر نظر ڈال لینی چاہیے۔"

"سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ ہم نے آج تک کسی بے گناہ بھارتی کو بلاوجہ پریشان نہیں کیا۔" میں نے دوٹوک لہجے میں جواب دیا "صرف ان لوگوں کی سرکوبی کی ہے جو مصدقہ طور پر ہمارے قوانین کی دھجیاں اڑا رہے تھے۔ بھارتی حکام اندھے ہوکر بے گناہ پاکستانیوں اور بھارتی مسلمانوں کو مارتے اور ہراساں کرتے ہیں۔"

"یہ بہت الجھا ہوا مسئلہ ہے۔" ویرا نے کہا "مرنے والوں کے جرائم کے بارے میں ہم جانتے ہیں یا گنتی کے چند بھارتی حکام جانتے ہوں گے۔ بھارتی پریس میں ہر مرنے والے مجرم کو ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔"

"مجھے تمہاری اس بات سے مکمل اتفاق ہے۔ یہ مسئلہ بہت الجھا ہوا ہے۔" میں نے ویرا کی تائید کرتے ہوئے کہا "اس کا نچوڑ یہ ہے کہ ہمارا کام مکمل ترین احتیاط کے ساتھ جاری رہنا چاہیے۔ احتیاط اور رازداری کے ذریعے ہم کامیابی حاصل کرسکتے ہیں۔ جہاں ہم نے احتیاط کا دامن چھوڑا، ہمارے ہاتھ اپنے ہم وطنوں کے خون سے آلودہ ہوجائیں گے۔"

"وہ خون ہمارے نہیں بلکہ بھارتیوں کے ہاتھوں بہے گا۔" ویرا نے میری بات میں گرہ لگائی۔

دنیا بھر میں منظم جرائم کے خلاف ایک طوفان برپا ہے۔ شور مچایا جاتا ہے کہ بڑے بڑے گروہ بند اپنی طاقت اور سازشوں کے بل پر دنیا بھر میں ہر روز اربوں ڈالر لوٹ لیتے ہیں۔ اس خطیر رقم میں جہاں چوری، ڈکیتی، لوٹ مار، فراڈ اور تاوان کی بڑی رقمیں شامل ہوتی ہیں وہاں سب سے بڑا حصہ منشیات کی غیر قانونی تجارت کا ہوتا ہے۔ یہ رقم ہر روز دنیا بھر کے باسیوں کے قانونی حسابات سے منہا ہوکر زیر زمین دنیا میں گردش میں آجاتی ہے جہاں ان رقوم کا بڑا حصہ شراب و شباب اور جوئے کی پُرشکوہ محفلوں پر خرچ ہوتا ہے یا پھر اپنی طاقت میں مہیب اضافے کے لیے جدید ترین ہتھیاروں اور مواصلاتی آلات کی خفیہ خریداریوں پر صرف ہوتا ہے۔

وہ جرائم عالمی ذرائع ابلاغ کی نظروں میں ہیں۔ ان کے بارے میں روزانہ اخبارات میں خبریں آتی رہتی ہیں لیکن جرائم کے سب سے بڑے عالمی نیٹ ورک کے بارے میں شاذو نادر ہی کوئی خبر منظر عام پر آتی ہے۔ وہ سفارتی جرائم کا شعبہ ہے جو دن رات فعال ہونے کے باوجود عام آدمی کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔

یہ ایک طے شدہ عالمی حقیقت ہے کہ دنیا بھر کے خفیہ ادارے جہاں دوسرے راستے اختیار کرتے ہیں وہاں وہ اپنے ملک کے سفارتی کیڈر کو بھی استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ اس رواج سے دنیا کا کوئی ملک مستثنیٰ نہیں ہے۔ سفارت کاروں کے بھیس میں چھپے ہوئے سیکرٹ ایجنٹ دوست اور دشمن کی تمیز کیے بغیر ہر ملک کی اہم اور خفیہ ترین دفاعی اور معاشی معلومات تک رسائی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

کم و بیش ہر ملک کے حکمراں جانتے ہیں کہ سفارتی مراعات کی آڑ میں ان کے ملک میں دندناتے والے سیکرٹ ایجنٹ کون ہیں اور اپنے ملک کی طرف سے کیا اہداف لے کر وارد ہوئے ہیں۔ ان کی جملہ سرگرمیوں پر محتاط انداز میں نگاہ رکھی جاتی ہے اور ایک مخصوص حد تک ان کے کاموں میں مداخلت نہیں کی جاتی۔ ایسی سرگرمیوں کو نظرانداز کرنا ہر ملک کی مجبوری ہے کیونکہ وہ بھی کہیں نہ کہیں ٹانگ اڑائے بیٹھا ہوا ہے۔

دوست ملک ایک دوسرے کے سیکرٹ ایجنٹوں سے اسی رواداری سے پیش آتے ہیں۔ کہیں وہ حد سے متجاوز ہونے لگیں تو انہیں چھیڑنے کے بجائے ان کے مخبر یا مقامی رابطے کو تاک کر راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے اور ان کا کام ادھورا رہ جاتا ہے۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اپنے ہی آدمیوں کو مخبر کے روپ میں بڑھاوا دیا جاتا ہے اور وہ غیر ملکی جاسوسوں کو غلط اور فرضی معلومات فراہم کرکے گمراہ کرنے کا مقدس قومی فریضہ انجام دینے لگتے ہیں۔

یہ مہذب دنیا میں جینے اور پنپنے کے سنہرے اصول ہیں۔ جن پر مشرق سے انتہائے مغرب تک، ہر ملک نیک نیتی سے کاربند ہے لیکن پاکستان اور بھارت کے درمیان دشمنی کی ریت ہی انوکھی ہے۔ بھارت کے کسی اہم سیاسی رہنما کو چھینک بھی آتی ہے تو دہلی کے حکمرانوں کو اس میں آئی ایس آئی اور آئی بی کی سازشیں نظر آنے لگتی ہیں۔ بھارتی سفارت کار بین الاقوامی ادب اور آداب کو بالائے طاق رکھ کر ہر قیمت پر اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ وہ مقامی سطح کے گھٹیا جرائم میں ملوث ہونے سے بھی نہیں چوکتے۔ جس کا نتیجہ سیاسی اور سفارتی تلخیوں کی صورت میں آئے دن سامنے آتا رہتا ہے۔

دہلی کی سرزمین پر انل اور نریش کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس کی پوری ذمے داری بھارتی پولیس اور حکام کے سر جاتی تھی۔ اسی طرح جان اسمتھ اور ناگر کا خون بھی ان کی نااہلی کا ثبوت تھا۔ اگر امن و قانون کے محافظ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے مستعد ہوتے تو مجھے اور میرے ساتھیوں کو وہاں کھل کھیلنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ بھارتی پولیس افسر نے

جب اپنی ابتدائی چھان بین میں مجھے مشکوک اور اوباش سمجھ لیا تھا تو انتظامی قاعدے کی رو سے مجھے اسی وقت بھارت سے نکال دیا جانا چاہیے تھا لیکن اس نے مجھے ڈھیل دے کر را والوں کے سپرد کردیا پھر وہاں وہ سب ہوتا چلا گیا جس نے بھارتیوں کے اوسان خطا کردیے۔

اگر بھارت میں نامعلوم اور خطرناک دہشت گردوں کے گھس آنے کی خبروں پر بھارتی پولیس محتاط رویّہ اختیار کرتی تو اسے کسی مشکوک غیر ملکی کو بھارت کی سرزمین پر نہیں ٹکنے دینا چاہیے تھا مگر ان کی عقلوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہم نے اپنے کام پورے کرلیے۔ یہ بھارتیوں کی ہٹ دھرمی اور بے شرمی تھی کہ انہوں نے اپنی نا اہلی کی پردہ پوشی کرنے کے بجائے پاکستان پر کیچڑ اچھالنی شروع کردی۔

وہ ان کی طرف سے نئی محاذ آرائی کی ابتدا تھی جس کا خمیازہ انہیں چندن کی موت کی صورت میں بھگتنا پڑا تھا۔ اگلی باری چوپڑا کی آسکتی تھی۔

○☆○

ویرا کے ساتھ مصالحت ہوجانے کے بعد چوپڑا کے بارے میں چھان بین کا کام اول خان کو سونپ دیا گیا۔ چوپڑا کا پورا نام اور پتا موجود تھا۔ اول خان کے آدمیوں کو اس تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ دو گھنٹے کی قلیل سی مدت میں ان کی رپورٹ ہم تک آگئی۔

چوپڑا خاندان برصغیر کی تقسیم سے پہلے میرپور خاص میں مقیم تھا۔ وہ نچلی ذات کے ہندو تھے۔ ان کا ماضی عسرت و افلاس کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ تقسیم کے بعد پاکستانی علاقوں میں بسی ہوئی ہندو آبادی میں ذات پات کا تعصب کمزور ہوا تو ان کو لکھ پڑھ کر ابھرنے کے مواقع مل گئے۔ یوں بدھو لعل میٹرک پاس کرکے بھارتی قونصل خانے میں ڈاک وصول کرنے والے کلرک کی حیثیت سے ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

وہ شادی شدہ اور دو لڑکوں کا باپ تھا۔ اس کا پورا گھرانا میرپور خاص میں مقیم تھا۔ اس کے بچے بھی وہیں پڑھ رہے تھے۔ وہ بدچلن اور آوارہ نہیں تھا لیکن اپنی فطری ضروریات اور گھر سے دوری کی بنا پر اس نے کراچی میں رہنے والی ایک خوب صورت کرسچین لڑکی سے دوستی کرلی تھی۔ بعد میں اس نے لڑکی کو اپنے گھر میں ہی ڈال لیا۔ وہ لڑکی عام طور پر دن رات گھر میں رہتی تھی۔ چوپڑا کی ساری ذاتی ضروریات کا وہ دھیان رکھتی تھی۔

ایس ٹی ایف کے آدمیوں کی تصدیق سے یہ ثابت ہوگیا کہ جوشی نے اپنی بلیک کوئن کو گمراہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جو کچھ اسے معلوم تھا' اس نے بلا کم و کاست ویرا کو بتادیا تھا۔ خرابی بس ایک ہوئی کہ اول خان کے بھیجے ہوئے آدمی لڑکی کو دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ خلافِ معمول گھر کا دروازہ مقفل تھا اور وہ کہیں گئی ہوئی تھی۔ ایک گھنٹے کے انتظار کے بعد بھی وہ واپس نہیں آئی تو وہ اول خان کے آدمی اس کا دیدار کیے بغیر لوٹ آئے۔

میرے لیے وہ نکتہ اہم تھا کہ دن رات گھر میں رہنے والی لڑکی بہت دیر سے گھر سے غائب تھی لیکن ویرا کی نظروں میں اس بات کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ گھر کا سودا سلف لینے کے لیے بازار کی طرف نکلی ہوگی' دیر سویر سے گھر لوٹ آئے گی۔ ویرا کی وہ تاویل قرین قیاس تھی۔ گھر میں اکیلی رہنے والی عورت کو گھربار کے ساتھ بازار بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ میں نے اپنی تشویش کو غیر ضروری سمجھ کر نظرانداز کردیا۔

ویرا تن تنہا وہ معرکہ سر کرنے کے چکر میں تھی لیکن اس نے جلد ہی مان لیا کہ ایک سے دو کا ہونا زیادہ بہتر رہے گا۔

اپنے کسی بھی دشمن سے مقابلے کے لیے ہمارے پاس بیم گن سے زیادہ موثر کوئی ہتھیار نہیں تھا لیکن اس کے استعمال میں سب سے بڑی یہ خرابی پیدا ہوگئی تھی کہ اس کا استعمال فوری طور پر پہچان لیا جاتا تھا۔ بیم گن کا نام آتے ہی حریفوں کی صفوں میں شور مچ جاتا کہ ڈینی واردات کے آس پاس منڈلا رہا ہے۔ کسی بھی مقام پر بیم گن کے استعمال کو میرے نام سے نتھی کردیا گیا تھا۔

میرے ایما پر ویرا نے بیم گن کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کردیا۔ اول خان سے تحفے میں ملی ہوئی' ہلاک اور بے ہوش کرنے والی انگوٹھیوں کی موجودگی میں ویرا کو زیادہ تیاری کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی اس نے مہم جوئی کے وہ لوازم اپنے ساتھ لے لیے جو اس کے اور سلطان شاہ کے لباسوں میں چھپائے جاسکیں۔

چوپڑا کے خلاف مہم میں شناخت کا پوشیدہ رہنا از بس ضروری تھا۔ ان دونوں نے گاڑی چھوڑ دی اور چھ بجے ہم کو الوداع کہہ کر گھر سے رخصت ہوگئے۔

سڑک پر پہنچ کر ویرا نے ٹیکسی لی اور ان دونوں کے سفر کا آغاز ہوگیا۔

ٹیکسی ڈرائیور اپنی وضع قطع سے انگریزی سے نابلد' ایک سادہ لوح اور باریش نوجوان تھا۔ ویرا نے جمود توڑنے

کے لیے سلطان شاہ سے انگریزی میں اپنے اس خیال کا اظہار کیا اور وہ اثبات میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

انگریزی ویرا کی مادری اور پدری زبان تھی۔ سلطان شاہ بھی میرے ساتھ نگر نگر کی خاک چھاننے کے بعد اچھی خاصی انگریزی بولنے پر قادر تھا۔ ان دونوں کے درمیان فوری طور پر مشاورت اور تبادلہ خیال کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

باتوں ہی باتوں میں سلطان شاہ کو خیال آیا کہ وہ دونوں چوپڑا کے انجام کے بارے میں ایک متفقہ نتیجے پر پہنچ چکے تھے لیکن لڑکی کے بارے میں انہوں نے سرے سے کچھ نہیں سوچا تھا۔ چوپڑا کے معاملے میں بھی وہی مسئلہ درپیش تھا جو چندن کے فلیٹ میں پیش آیا تھا۔ وہاں ہماری مشکل خود بخود آسان ہوگئی تھی کہ چندن کی گرل فرینڈ شراب کے نشے میں اس حد تک مدہوش تھی کہ کچھ دیکھنا یا سننا اس کی بساط سے باہر تھا۔ اس کے اخلاقی گناہ جو بھی رہے ہوں وہ چندن کے جرائم میں اس کی شریک کار نہیں تھی۔ ہم بلاوجہ اس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے پر آمادہ نہیں تھے اس لیے اسے اس کے حال پر چھوڑ کر چندن کو اٹھا لے آئے تھے لیکن چوپڑا کی ہاؤس میڈ کا معاملہ مختلف تھا۔

بظاہر وہ چوپڑا کی مستقل داشتہ تھی۔ یہ امکان کم تھا کہ وہ دونوں شام کو خوب شراب پی کر بہکنے کی عادت میں مبتلا ہوں۔ ویسے بھی شام تک وہ لڑکی بازار گئی ہوئی تھی۔ یہ امکان نہیں تھا کہ بازار سے لوٹتے ہی وہ شراب پی کر نشے میں اتنی دھت ہوجائے کہ ان کے پہنچنے تک اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہے۔

"وہ بالکل بے قصور ہے۔ اس پر میرا ہاتھ نہیں اٹھ سکے گا۔" اس مسئلے پر خاصا غور کرنے کے بعد سلطان شاہ نے تشویش سے کہا۔

"میں کب کہہ رہی ہوں کہ اسے مار ڈالو۔" ویرا نے تنک کر کہا "ہم اپنی کارروائی کا کوئی چشم دید گواہ چھوڑنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے۔"

"یہ بہت بڑا نکتہ ہے۔ ہمیں گھر سے نکلنے سے پہلے اس پر غور کرلینا چاہیے تھا۔" سلطان شاہ کا لہجہ متاسفانہ تھا۔

"گھر میں غور کرنے سے کیا فرق پڑجاتا جو یہاں کھلی فضا میں نہیں ہے۔"

"یہاں ہم ڈیبی اور غزالہ کی ذہانت سے محروم ہیں۔ کبھی کبھی غزالہ بھی بہت دور کی کوڑی لاتی ہے۔"

"بس، رہنے دو۔ وہ دونوں بھی اس مشکل کا کوئی آسانی سے حل نہیں نکال سکتے تھے۔"

کیسے؟

ایک صاحب ہوٹل میں پہنچے تو کلرک نے کہا "کمرا تو کوئی خالی نہیں ہے لیکن رات گزارنے کے لیے میں آپ کو ڈائننگ ہال میں چارپائی ڈلوا دیتا ہوں۔ وہاں دوسری طرف چارپائی پر ایک عورت بھی موجود ہے لیکن اگر آپ بتی نہیں جلائیں گے تو اسے آپ کی موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

اس شخص نے ہامی بھرلی۔ آدھے گھنٹے بعد ہی وہ گھبرایا ہوا دوڑا دوڑا کلرک کے پاس آیا اور بولا "وہ عورت تو مردہ ہے۔"

"مجھے تو معلوم ہے...." کلرک نے اطمینان سے بولا "لیکن آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"یہ تم کہہ سکتی ہو۔ میں ان دونوں کی عقل و دانش کا دل سے قائل ہوں۔"

"ان کے قصیدے پڑھنے کے بجائے مسئلے کا حل سوچو۔ ہم ہر لمحے اپنی منزل سے قریب ہوتے جارہے ہیں۔"

"ٹیکسی والا ہمیں چوپڑا کے فلیٹ میں نہیں اتارے گا۔ اسے فارغ کرکے بھی ہم کہیں بیٹھ کر سر کھپا سکتے ہیں۔"

"مگر وقت کے زیاں کا کیا فائدہ! میں کہتی ہوں کہ ابھی اور اسی وقت کوئی حل سوچو۔"

"صرف میں نے سوچنے کا ٹھیکا نہیں لیا ہوا تم بھی اپنی نرم و نازک کھوپڑی پر تھوڑا سا زور دو۔" سلطان شاہ نے منہ بنا کر کہا "میں ویسے بھی گن پوائنٹ پر سوچنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"تم میرا دماغ خراب کررہے ہو۔ اس سے بہتر تھا کہ میں اکیلی گھر سے نکل کھڑی ہوتی۔"

"ایک پیدائشی خرابی کو بلاوجہ میرے سر منڈھنے کی کوشش نہ کرو۔"

"اس لڑکی کی بات تم نے نکالی تھی!" ویرا نے چڑ کر اس پر الزام لگایا۔

"خدا کا شکر کرو کہ مجھے بروقت اس کا دھیان آگیا ورنہ عین موقع پر مسئلہ سامنے آتا تو دونوں کے ہوش اڑ جاتے۔"

"وقت پر جو ہوتا دیکھ لیا جاتا۔ تم نے اس کا ذکر کر کے میرا ذہن مکدر کردیا ہے۔"

"اسے بھول جاؤ اور شتر مرغ کی طرح ریت میں سر دے کر یہ سمجھ لو کہ طوفان ٹل گیا ہے۔ چوپڑا کے گھر میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

اس ہلکی پھلکی جھڑپ کے بعد ان دونوں نے بظاہر خاموشی اختیار کرلی مگر ان کے ذہن اسی لڑکی کے مسئلے میں الجھے ہوئے تھے۔

"میں تمہارے ساتھ چوپڑا کے گھر میں جاؤں گا یا باہر رک کر تم کو کور دوں گا؟" تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ نے رسانیت سے پوچھا۔

"بیٹھے بٹھائے تم کو اچانک یہ خیال کیوں آگیا؟" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اگر مجھے شروع سے آخر تک تمہارا ساتھ دینا ہے تو میں بھی کچھ سوچوں ورنہ بلا وجہ دماغ تھکانے سے کیا فائدہ۔ تم اکیلی گھر میں گھسیں تو تم وہی کرو گی جو تمہارے دماغ میں سمائے گا۔ میری ہر بات تمہارے لیے ناقابلِ قبول ہوتی ہے۔"

"ذمے داری سے بھاگنے کی کوشش مت کرو۔ ہم دونوں کو شروع سے آخر تک ایک ساتھ رہنا ہے... اور ہاں' یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ ہم دونوں کا پہلا مشترکہ مشن ہے۔ ناکامی ہوئی تو ہمیں ڈینی۔ کے سامنے سخت خفت اٹھانی پڑے گی۔"

"یہ واقعی مجبوری ہے۔ اب کچھ نہ کچھ سوچنا ہی پڑے گا۔" سلطان شاہ پرخیال انداز میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

وہ لڑکی ان کے گلے کی ہڈی تھی۔ جسے مارا جاسکتا تھا نہ اپنے خلاف چشم دید گواہ بنا کر زندہ چھوڑا جاسکتا تھا۔ میں ان دونوں کی جگہ ہوتا تو یہ فیصلہ کرتا کہ لڑکی سے سامنا ہوتے ہی' کسی عقاب کی طرح جھپٹ کر اس کو بے ہوش کردیا جائے۔ اسے اتنی مہلت نہ دی جائے کہ وہ کسی کا چہرہ وغیرہ ذہن نشین کرسکے۔

کچھ دیر کے غور و خوض کے بعد سلطان شاہ نے وہی تجویز پیش کر ڈالی "میرا خیال ہے کہ اس لڑکی کو کم سے کم وقت میں بے ہوش کردیا جائے۔ اول خان کی دی ہوئی انگوٹھی اس سلسلے میں سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوگی۔"

"میں بھی اسی راہ پر سوچ رہی تھی۔ یہ ہمارے مسئلے کا اکلوتا حل ہے۔" ویرا نے اس کی بھرپور تائید کی۔

"مگر تم اس تک کیسے پہنچو گی؟ اس بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟"

"ہمیں اس لڑکی کے سامنے آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔" ویرا نے روا روی میں جواب دیا۔

"اس بھول میں نہ رہنا۔ چوپڑا نے اسے ظاہری طور پر ہاؤس میڈ کی حیثیت دی ہوئی ہے۔ وہ خود گھر میں ہو یا نہ ہو' دروازہ لڑکی ہی کھولے گی۔ تم کو اسی لمحے اس پر وار کرنا ہوگا۔ ورنہ مصیبت کھڑی ہوجائے گی۔"

اس بار ویرا نے مفاہمانہ خاموشی اختیار کرلی۔ سلطان شاہ صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔

آرام باغ کے قریب انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور باغ کے سرے پر واقع ایرانی ہوٹل کے سامنے والی گلی کی طرف پیدل چل دیے۔

جوشی نے ویرا کو چوپڑا کے گھر کا پتا لکھوا دیا تھا۔ اس کی کوئی واضح پہچان نہیں بتائی تھی۔

پنساری کی دکان سے انہیں مول چند بلڈنگ کے بارے میں معلوم ہوگیا۔ چوپڑا اس کے دو نمبر فلیٹ میں مقیم تھا۔ خاصی سیدھی سی بات تھی کہ وہ نچلی منزل کا فلیٹ ہونا چاہیے تھا مگر قدیم طرز کی اس عمارت کے قریب پہنچ کر انہیں پتا چلا کہ اس سہ منزلہ عمارت کے ہر فلور پر دو فلیٹ واقع تھے جن کے نمبر اوپر سے شروع ہوئے تھے۔ گراؤنڈ فلور پر پانچ اور چھ نمبر والے فلیٹ واقع تھے۔

سلطان شاہ نے دور سے دیکھ لیا تھا کہ شہر کے رواج کے مطابق مول چند بلڈنگ کی چھت بھی آباد تھی۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہاں بھی دوسری منزلوں کی طرح دو خاندان آباد تھے یا پوری چھت کسی ایک کنبے کے تصرف میں تھی۔

عمارت کی قدامت باہر سے ہی ظاہر تھی لیکن اندر گھسنے پر اندازہ ہوا کہ عمارت کے مکین نفیس الطبع تھے۔ راہداری میں اور سیڑھیوں پر کہیں بھی گندگی یا کوڑے کا نام و نشان نہیں تھا مجموعی طور پر عمارت صاف ستھری اور پرسکون محسوس ہورہی تھی۔ فلیٹوں کے داخلی دروازے چوبی اور دوہرے چوپٹ والے تھے۔ جن پر باہر کی طرف کنڈی چھلکے لگے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ان معمولی باتوں کو نوٹ کرتے ہوئے دھیرے دھیرے تیسری منزل پر پہنچے تو دو نمبر فلیٹ کے دروازے پر جھولتا ہوا وزنی قفل ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

بے ساختہ ان دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں۔ کھلے ہوئے فلیٹ میں ان کے شکار کے ملنے کی امید ہوسکتی تھی لیکن بند فلیٹ میں ان کے لیے کچھ نہیں تھا۔ ویرا نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور وہ دونوں تیزی سے زینے اترنے لگے۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ان کا کسی سے سامنا ہوا نہ اترتے ہوئے کوئی ان سے ٹکرایا۔ پتلی سی راہداری عبور کر کے وہ دونوں بلڈنگ سے دور چل دیے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" ویرا نے کھسیائی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔

"ڈینی نے پہلے ہی شبے کا اظہار کیا تھا کہ لڑکی کا گھر سے غائب ہونا تشویش ناک ہے۔ تم نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔"

"ڈینی کی زبان کالی ہے۔ وہ جب کوئی بد فال منہ سے نکالتا ہے وہ پوری ہو جاتی ہے۔" ویرا نے چڑ چڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"وہ سہ پہر سے ہی شاید واپس نہیں لوٹی۔ اول خان کے آدمیوں نے ایک گھنٹے تک اس کی واپسی کا انتظار کیا تھا۔ وہ کہاں چلی گئی۔" سلطان شاہ واقعی فکر مند تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ آج اس کی خریداری کی فہرست لمبی ہو گئی ہو۔" ویرا اپنے اضطراب کو بہانوں میں چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"دو نفری گھرانے کے لیے کیا خریداری ہو سکتی ہے۔ مجھے کوئی گھپلا نظر آ رہا ہے۔ ادھر کا رخ کرنے سے پہلے ہمیں یقین کر لینا چاہیے تھا کہ وہ دونوں گھر میں موجود ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ آج ہمیں بے نیل و مرام واپس جانا ہوگا۔"

"ابھی صرف جھٹپٹا ہوا ہے۔ آگے لمبی رات پڑی ہے۔ بس انتظار کروں گی۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکی سے پہلے چوپڑا لوٹ آئے۔"

"ایسا ہوا تو ہماری ساری محنت وصول ہو جائے گی۔" سلطان شاہ نے بے ساختہ کہا "لڑکی کے جھنجٹ کا سامنا کیے بغیر ہم اسے مار لیں گے۔"

وہ دونوں بار بار عمارت میں داخل ہو کر چوپڑا کے فلیٹ کا جائزہ نہیں لے سکتے تھے۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ وہ ان دونوں کے چہروں سے واقف نہیں تھے۔ ان کے سامنے اکا دکا مردوں اور عورتوں کی عمارت میں آمدورفت ہوئی مگر انہیں علم نہیں ہو سکا کہ ان میں مطلوب افراد شامل تھے یا نہیں۔

ایسی صورت میں ان کا زیادہ دیر تک وہاں رکنا مخدوش تھا۔ وہ علاقے کے کسی بھی باسی کی نظروں میں آ سکتے تھے۔ باہمی مشاورت کے بعد وہ دونوں ٹہلتے ہوئے برنس روڈ کی طرف چل دیے۔

"مجھے آج کا کھیل ٹھپ ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔" گلی سے نکل آنے کے بعد ویرا نے پہلی بار اپنی مایوسی کا اظہار کیا۔

"عجلت اور انا پسندی کے زعم میں آج تم سے کئی غلطیاں ہوئی ہیں۔ میں حیران ہوں کہ مجھے ان باتوں کا خیال کیوں نہیں آیا۔"

"ایک گھنٹے بعد تم اوپر جا کر ان کے فلیٹ کا دروازہ دیکھو گے۔ اگر وہ مقفل نہیں ہوا تو مجھے راہداری کی گیلری سے اشارہ کر دینا۔ میں اوپر پہنچ جاؤں گی ورنہ تم نیچے آ جانا۔"

"آگے فریسکو کی مشہور دکان ہے۔ میں تمہیں وہاں کی گرم گرم جلیبیاں کھلاؤں گا تو تمہارا ذہن بہتر کام کرے گا۔"

"آج ہمارا دن نہیں ہے۔" ویرا نے مایوسی سے جواب دیا "ہر کام الٹا ہو رہا ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ وہ بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ آج نہیں تو کل چوپڑا کی باری آ جائے گی۔" سلطان شاہ نے اس کا دل رکھنے کے لیے کہا۔

"میں دور تک سوچ رہی ہوں۔ اگر لڑکی کا غائب ہونا ایک اتفاق ہے تو اب اس کو لوٹ آنا چاہیے۔ چوپڑا کو دفتر چھوڑے کافی دیر ہو چکی ہوگی....."

غلطی

ایک امریکی نوجوان کالج میں داخلے کا فارم بھر رہا تھا۔ جب وہ اس خانے پر پہنچا جس میں والد کا نام درج کرنا تھا تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس سے مراد اس کا سگا باپ تھا یا سوتیلا۔ چنانچہ اس نے خانے میں لکھ دیا "غیر یقینی" لیکن دوسرے ہی لمحے اسے احساس ہوا کہ یہ کچھ عجیب لگ رہا تھا چنانچہ اس نے ساتھ نوٹ لکھا "میرے پیدا ہونے کے بعد میری ماں نے شادی کر لی تھی۔"

پھر اسے احساس ہوا کہ بات اب بھی کچھ صحیح طرح واضح نہیں ہوئی تھی۔ اس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی چنانچہ اس نے لکھا۔

"لیکن میری ماں نے یہ شادی میرے باپ سے نہیں کی تھی۔"

"اب تم ہر بات کو منفی زاویے سے دیکھ رہی ہو۔"
سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی "وہ اپنے قونصل خانے کا انفارمیشن آفیسر ہے۔ ایسے مصروف لوگوں کا دفتر آنے کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ ان کی واپسی کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر واپس نہیں آسکتا۔"
"ڈینی کی طرح کبھی کبھی میرا وجدان بھی کام دکھانے لگتا ہے۔ آج کوئی کامیابی حاصل ہو گئی تو میں اسے بونس سمجھوں گی۔"

شام گہری ہو چکی تھی۔ سڑکوں، مکانوں اور دکانوں کی بیشتر روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ اس وقت فریسکو کی دکان پر خاصا ہجوم تھا۔ سلطان شاہ نے ویرا کو آگے بڑھا دیا۔ ان دونوں نے فٹ پاتھ کے کنارے کھڑے ہو کر جلیبیاں اور سموسے کھائے پھر آگے نکل گئے۔
ویرا کے لیے کراچی کبھی بھی اجنبی شہر نہیں رہا تھا مگر اس نے برنس روڈ کے علاقے کی کبھی اتنی تفصیلی سیر نہیں کی تھی۔ سلطان شاہ کے ساتھ اشتہا انگیز خوشبوؤں میں رچی ہوئی برنس روڈ کی خورد و نوش کی دنیا کی سیر میں اس کے لیے ایک نیا مزہ تھا جو چوپڑا کے تصور سے بار بار کرکرا ہو رہا تھا۔
سست روی سے ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد دوبارہ مول چند بلڈنگ کے نواح میں پہنچ گئے۔
پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ویرا ایک تاریک گوشے میں کھڑی رہی۔ سلطان شاہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا سیڑھیوں کی طرف چل دیا۔ اس نے ایک قدم میں دو دو سیڑھیاں پھلانگ کر زینے طے کیے اور تیسری منزل پر یہ دیکھ کر اس کا منہ لٹک گیا کہ چوپڑا کا فلیٹ بدستور مقفل تھا۔
وہ اس منزل پر رکے بغیر الٹے قدموں نیچے اترتا چلا گیا۔
"میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار ایسی بری نامرادی کا منہ دیکھا ہے۔" سلطان شاہ سے بری خبر سننے کے بعد ویرا نے آزردگی سے کہا "یہ سب ڈینی کی کالی زبان کا اثر ہے۔ وہ گئی اور ایسی گئی کہ اب تک لوٹ کر نہیں آئی۔"
"بار بار ڈینی کو الزام نہ دو۔ تھوڑی دیر پہلے تمہارا وجدان کچھ بتا رہا تھا۔" سلطان شاہ نے اس پر ہلکا سا طنز کیا۔
ویرا کا موڈ اچھا نہیں تھا پھر بھی وہ اس طنز کو خاموشی سے پی گئی۔

○☆○

ویرا اور سلطان شاہ کے رخصت ہونے کے بعد غزالہ کی مہربانی سے چائے کا ایک دور چلا پھر اول خان رخصت ہو گیا۔ اس نے چلتے چلتے مجھے تاکید کی تھی کہ ویرا اور سلطان شاہ کے واپس لوٹتے ہی میں موبائل فون پر اسے ان کی مہم کے نتیجے سے آگاہ کر دوں۔
اول خان کو رخصت کرنے کے بعد اس وسیع و عریض گھر میں ہم دونوں کے لیے خلوت ہی خلوت تھی۔ میرے دماغ پر غزالہ سے قرب کا سرور سوار ہونے لگا۔ اس وقت میرے ذہن پر کوئی فکر سوار نہیں تھی۔ ہم دونوں نے اپنی مرضی کے مطابق یادگار اور خوشگوار وقت گزارا پھر ہم ڈرائنگ روم میں ٹیلی وژن کے سامنے بیٹھ گئے۔
آٹھ بجے تک میرے اعصاب پرسکون رہے۔ گلشن اقبال سے آرام باغ تک کا فاصلہ خاصا طویل تھا۔ اگر حالات سازگار رہتے تو ان دونوں کو اپنا اصل کام نمٹانے کے لیے محض چند منٹ درکار ہوتے۔ میرے حساب سے انہیں آٹھ بجے تک کامیاب و کامران واپس لوٹ آنا چاہیے تھا۔
وال کلاک کی سوئیاں آٹھ سے آگے سرکیں۔ ان کے سفر کے ساتھ میری پریشانی میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ویرا اپنے ساتھ موبائل فون نہیں لے گئی تھی اس لیے ان دونوں سے رابطے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ میرے پاس صبر اور انتظار کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔
ساڑھے آٹھ بھی بج گئے۔ پرخوف اندیشوں اور وسوسوں کی وجہ سے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا، اعصاب پر سخت دباؤ آیا ہوا تھا، ذہن میں عجیب اور ہولناک اندیشے سر ابھار رہے تھے۔ دوسری طرف میرے کان باہر سے آنے والی ہر آہٹ پر جمے ہوئے تھے۔
"آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ ان دونوں کو ایک مدت کے بعد اس طرح آوارگی کا موقع ملا ہے۔ کوئی نہ کوئی گل کھلا کر واپس آئیں گے۔" غزالہ نے میری دل جوئی کے لیے کہا۔
"تم بھی ان کی طرف سے پریشان ہو۔ تمہارے خشک ہونٹوں پر پھیکی اور بے جان مسکراہٹ نظر آ رہی ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔
غزالہ عورت ذات تھی مگر وہ بہت حوصلے سے کام لے رہی تھی۔ مسلسل مجھے باتوں میں لگائے رکھنے کی کوششیں کرتی رہی۔ آخر کار نو بجے سے ذرا پہلے ہمارے گھر کے باہر کوئی گاڑی رکنے اور اس کا انجن بند ہونے کی آواز آئی۔ میں دوڑ کر دروازہ کھولتا ہوا باہر نکل گیا۔
یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ وہ دونوں بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔ ان کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔
ویرا کنڈا گھما کر پھاٹک سے اندر آ چکی تھی۔ سلطان

شاہ بھی ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے اندر آ گیا۔
"ساری بھاگ دوڑ اکارت گئی۔ وہ دونوں اپنے فلیٹ کو مقفل کر کے کہیں غائب ہو چکے ہیں۔" ویرا نے پژمردہ لہجے میں جواب دیا۔
"میرا ماتھا پہلے ہی ٹھنکا تھا۔" میں نے ان دونوں کے ساتھ گھر کی راہداری میں داخل ہوتے ہوئے جواب دیا "کہیں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔"
"کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔" سلطان شاہ نے ایک صوفے پر دراز ہو کر بے پروائی سے کہا "ویرا کا خیال ہے کہ تمہاری زبان کالی ہے۔"
"پیش بینی کرنے والوں کے لیے ایسا خطاب مناسب نہیں ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ مجھے اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں تھی کہ ان دونوں کا مشن غیر متوقع طور پر ناکامی سے دو چار ہوا تھا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ وہ دونوں صحیح و سلامت گھر واپس آ گئے تھے۔
"اس وقت اول خان کے آدمی کہاں ہوں گے؟" ویرا نے اچانک سوال کیا۔
"کون سے آدمی؟" میں نے پوچھا۔
"وہی جو چوپڑا کے بارے میں چھان بین کر کے آئے تھے۔" ویرا نے قدرے تیزی سے کہا۔
"وہ معلومات حاصل کر کے لوٹ آئے تھے۔ اب وہاں کوئی نہیں ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ کم از کم صبح تک اس فلیٹ کی نگرانی کروائی جائے تاکہ یہ پتا چل سکے کہ ان دونوں میں سے کوئی لوٹ کر گھر کا رخ کرتا ہے یا وہ زیر زمین چلے گئے ہیں۔"
"تم یہ بندوبست کرلو۔ میں ذرا جوشی سے بات کروں گی۔" ویرا نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔
"اب سب سے زیادہ اہمیت جوشی کی ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر کہا "یہ سوچنے کی بات ہے کہ تم نے اس سے چوپڑا کے بارے میں بات کی اور وہ اپنی ہاؤس میڈ سمیت گھر چھوڑ کر کہیں غائب ہو گیا۔"
"یہ بات میرے ذہن میں بھی چبھ رہی ہے۔ میں اپنے طور پر اسے ٹٹولنا چاہتی ہوں۔"
"وہ تمہارا معتمد تھا۔ تم اسے اچھی طرح جانتی ہو۔ بدقسمتی سے وہ میرے لیے اجنبی ہے۔ کس ٹائپ کا آدمی ہے وہ!"
"اپنے کام سے کام رکھنے والا اور بہت زیادہ وفادار۔ اس زمانے میں تم اسے حکم کا غلام بھی کہہ سکتے تھے۔"
"وقت انسان میں بہت سی تبدیلیاں لے آتا ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
"آج بلکہ برسوں سے میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی مگر آج ٹیلی فون پر اس کا لب ولہجہ سعادت مندانہ تھا۔ مجھے بالکل توقع نہیں تھی کہ وہ چوپڑا کو جانتا ہوگا۔ میں نے مایوسی اور بددلی کے ساتھ اس کا ذکر چھیڑا تھا اور جوشی نے ازخود اس کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔"
"وہ اس وقت تم سے کھلے دل سے بات کر رہا تھا لیکن اب بات الجھ گئی ہے۔ چوپڑا کی روپوشی نے جوشی کو مشکوک بنا دیا ہے۔ تم کو اس سے سنبھل کر بات کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر وہ تم سے پھر گیا ہے تو تمہیں ٹریپ کرنے کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔"
"میں سی ایس ڈی کی مدد سے اس سے اسپیکر فون پر بات کروں گی تاکہ تم اس کی گفتگو بھی سن سکو۔"
"تم تھک ہار کر واپس آئی ہو۔ تازہ دم ہو لو پھر اس سے بات کر لینا۔ اس سے پہلے میں اول خان کو بریف کر دوں۔"
ویرا نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی اور اٹھلا کر بولی "تم مہربان ہوتے ہو تو میری چھوٹی سے چھوٹی ضروریات کا بھی خیال رکھتے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ تازہ دم ہونے کے لیے مجھے غسل کے بعد تھوڑی سی لینی پڑے گی۔"

"تم اپنے کمرے کا دروازہ بند کرکے اندر کیا گل کھلاتی ہو، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تھوڑی دیر بعد تم باہر آؤ تو تمہارے ہوش و حواس بحال ہوں اور تم جوشی سے ذہانت سے بات کرسکو۔"

"دس پندرہ منٹ میں، میں بوتل خالی نہیں کرسکتی۔" اس نے برا ماننے کی اداکاری کی "ایک دو پیگ میری عقل اور ذہانت کو دھار لگا دیتے ہیں۔"

"بس اب جاؤ۔" سلطان شاہ فضا میں ہاتھ لہرا کر بیزاری سے بولا "یہ خیال رکھنا کہ دھار زیادہ باریک نہ ہونے پائے۔"

وہ تیزی سے ڈرائنگ روم سے چلی گئی۔ اس کی خواب گاہ کا دروازہ بند ہونے کی ہلکی دھمک سننے کے بعد سلطان شاہ نیچی آواز میں بولا "تم دونوں کمال کے آدمی ہو۔ اس وقت ویرا بہت زیادہ حسّاس اور چڑچڑی ہو رہی تھی۔ تم ناکامی کے حوالے سے اس پر ذرا سی بھی تنقید کرتے تو وہ پھٹ پڑتی۔ تم نے سرسری انداز اختیار کرکے اسے بہت حوصلہ دیا ہے۔ ورنہ وہ راستے بھر کڑھتی اور اپنے آپ کو برا بھلا کہتی آئی ہے۔"

"میں نے کوئی اداکاری نہیں کی۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "کامیابی اور ناکامی مقدر کا ایک حصہ ہوتی ہے لیکن زندگی بار بار نہیں ملتی۔ ہم دونوں تمہاری سلامتی کے لیے بہت فکر مند تھے۔"

"میں نے بہت غور کیا ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی کہ چوپڑا ایکایک کہاں غائب ہوگیا۔"

"اندرونِ سندھ نہ چلا گیا ہو۔" غزالہ نے اپنا خیال ظاہر کیا اور میں بے ساختہ ہنس پڑا۔ مجھے اپنے ایک پرانے دوست کے کہے ہوئے فقرے یاد آگئے۔ وہ ایک مشترک نوبیاہتا دوست کی طویل غیر حاضری کو ہمیشہ اندرون سندھ روانگی قرار دیتا تھا کیونکہ اس کی سسرال کا تعلق اسی علاقے سے تھا۔

سلطان شاہ بھی لباس تبدیل کرنے کے لیے اٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے میری ہنسی کا سبب نہیں پوچھا تھا۔

اس کے جاتے ہی میں نے اول خان کی تلاش شروع کردی۔ وہ دفتر یا گھر میں موجود نہیں تھا۔ موبائل فون پر اس سے رابطہ ہوگیا۔

"ویرا کے مشن کا کیا بنا؟" اس نے چھوٹتے ہی سوال داغ دیا۔

"لڑکی کے غائب ہونے کی اطلاع تمہاری آدمی دے چکے تھے۔ بدھو کا بھی کچھ پتا نہیں ہے۔ ساڑھے آٹھ بجے تک گھر پر تالا جھول رہا تھا۔" میں نے بتایا۔

"اوہ! تو تمہارا اندیشہ درست نکلا۔ تمہارا کیا اندازہ ہے۔ یہ کیوں غائب ہوگئے؟"

"کئی اسباب ہوسکتے ہیں۔ ابھی میرا ذہن صاف نہیں ہے۔ میرے دماغ پر ان دونوں کی فکر سوار تھی۔"

"وہ غائب تھے تو ان کے گھر کا رخ کرنے والوں پر حملہ بھی ہوسکتا تھا۔ تمہاری تشویش بجا تھی۔ انہیں تو کچھ نہیں ہوا۔"

"وہ کوئی زک اٹھائے بغیر لوٹ آئے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا کوئی آدمی اس گھر پر مامور کردو۔"

"میں اسی وقت آدمی لگا دوں گا لیکن چوپڑا کو خطرے کی بھنک مل گئی ہے تو وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔"

"لیکن کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ را کے نیٹ ورک میں چوپڑا کا اہم مقام ہے۔ اس کے گھر پر خاصا اہم ریکارڈ ہوسکتا ہے۔ وہ لوگ اسے نکال لے جانے یا وہیں تلف کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔"

اول خان میری رائے سے فوراً متفق ہوگیا "سیکرٹ ایجنٹ کا گھر بھی اس کا آدھا دفتر ہوتا ہے۔ جس نے بھی ادھر کا رخ کیا، رنگے ہاتھوں دھرلیا جائے گا۔ اگر تمہارا مشورہ ہو تو اس خفیہ نگرانی میں علاقے کی پولیس کو بھی شریک کرلیا جائے تاکہ مجرم کی گرفتاری براہِ راست ریکارڈ پر جاسکے۔"

"یہ بات میں تمہاری صوابدید پر چھوڑتا ہوں۔ یہ خیال رکھنا کہ نگرانی کا پروگرام قبل از وقت فاش نہ ہونے پائے۔"

"چوپڑا کے نکل جانے سے اندازہ ہورہا ہے کہ اس بار یہ لوگ بہت چوکنا ہیں۔ میں محتاط رہوں گا۔"

"بس اب ہمارا موبائل فون پر رابطہ رہے گا۔" میں نے گفتگو کے اختتام کا عندیہ دیا۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ چوپڑا کے بارے میں تم کیا کرو گے۔" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔

"ہوسکتا ہے کہ وہ اندرونِ سندھ چلا گیا ہو۔" میں نے دل ہی دل میں محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

اول خان اس مکالمے کے پس منظر سے واقف نہیں تھا اس لیے میری بات کا اصل مفہوم سمجھے بغیر بولا "اگر وہ میرپور خاص کی طرف فرار ہوا ہے تو وہاں بھی بہت آسانی سے گھیرا جاسکتا ہے۔ آج کل ایس ٹی ایف کا ایک یونٹ اس علاقے میں بھی مامور ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے جلدی سے اسے منع کردیا "یہ بات وہ بھی جانتا ہے کہ اس کے دشمن اس کے فلیٹ کے بعد اس کے آبائی گھر کا رخ بھی کرسکتے ہیں۔ ابھی تک میرا ذہن ماؤف تھا۔ تم بھی کچھ غور کرو۔ اس کے بارے میں بعد میں بات ہوگی۔"

اول خان سے بات ختم ہونے کے بعد میں سوچ میں پڑ گیا۔ ان دنوں حالات کچھ عجیب سی نہج پر جارہے تھے مشکل نظر آنے والے شکار لقمہ تر ثابت ہوئے تھے۔ جان اسمتھ جیسے خطرناک حریف کو غزالہ اور ویرا جیسی دھان پان سی عورتوں نے دہلی میں آسانی سے ٹھکانے لگا دیا تھا۔ انل بسواس اور نریش شرما اپنے بڑوں کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے ہر تحفظ سے محروم نکلے اور ممیاتے ہوئے بکروں کی طرح میرے ہاتھوں مارے گئے لیکن چوپڑا جیسا آسان حریف یکایک بہت دشوار روپ دھارتا جارہا تھا۔ مجھے نظر آرہا تھا کہ اسے گھیرنے کے لیے ہم لوگوں کو کوئی بڑا جال پھیلانا ہوگا۔

تھوڑی دیر بعد ویرا بن سنور کر اپنے کمرے سے نکل آئی۔ قدرت نے اسے بہت فیاضی کے ساتھ رنگ و روپ اور حسن سے نوازا تھا۔ وہ ہلکا پھلکا میک اپ بھی کرلیتی تھی تو بہت نمایاں نظر آنے لگتی تھی۔ اس کی نیلگوں آنکھوں کی گہری چمک چغلی کھا رہی تھی کہ اس نے غسل کے بعد اپنے پسندیدہ مشروب کے ایک دو پیگ ضرور لیے تھے۔

"غزالہ کے ساتھ فارغ بیٹھے ہوئے ہو؟" اس نے آتے ہی میرے اوپر فقرہ کسا "معلوم ہوتا ہے کہ اول خان سے تمہاری بات ہوگئی۔"

"میں نے اپنے حصے کا کام پورا کرلیا ہے۔ تم اپنا کام شروع کردو۔" میں نے اسپیکر فون کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"چوتھے کو بھی بلالو۔ وہ درمیان میں آکر گڑبڑ کردے گا۔" ویرا نے اپنی جگہ سنبھالنے کے بعد مجھے توجہ دلائی۔ میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے آواز لگائی اور اگلے ہی لمحے سلطان شاہ دوڑتا ہوا اپنے کمرے سے آپہنچا۔ وہ اس وقت اپنی قمیص کے بٹن لگا رہا تھا۔

"برا منائے بغیر مجھے بریف کردو کہ چوپڑا کے بارے میں اس سے کیا کہوگی۔" میں نے ویرا کو فون کی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر ٹوکا۔

"کہنا کیا ہے۔ اسے بتانا پڑے گا کہ چوپڑا اپنے گھر سے غائب ہے۔ اس کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکے گی۔" وہ بولی۔

"یہ سنگین غلطی ہوگی۔ تم کو اس سے یہ اعتراف کرنے کی ضرورت نہیں کہ تم چوپڑا سے ملنے کے لیے مری جارہی ہو۔ وہ تمہارا پرانا ساتھی ہے۔ اس سے خوشگوار ماضی کے حوالے سے بات شروع کرو۔ اس کا ذہن صاف ہے تو وہ ان یادوں میں بہہ جائے گا۔ دورانِ گفتگو تم سرسری طور پر اس سے یہ پوچھ سکتی ہو کہ اس کے دیے ہوئے فون نمبر پر چوپڑا کے گھر سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔ اس سے آگے وہ خود بولے گا۔"

"یہ بہتر رہے گا۔" ویرا کو میرا ساتھ دینا پڑا "وہ گھر پر نہیں ہے تو فون کون اٹھائے گا۔"

"بس پھر بسم اللہ کرو۔" سلطان شاہ نے نہایت متانت سے مشورہ دیا۔

ویرا نے فون کو غیر ضروری طور پر مزید کھسکایا اور اسپیکر فون آن کرکے جوشی کا نمبر ملالیا۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" اسپیکر پر ایک پختہ اور مضبوط مردانہ آواز گونجی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس شخص کی عمر پینتالیس سال سے کم نہیں تھی۔

"میں بلیک کوئن بول رہی ہوں ڈیر۔ تم کیا کررہے تھے۔" ویرا نے ہم سب کو آنکھ مار کر رجھانے والی آواز میں

مختصر مختصر

○— ایک کار کا نیا ماڈل اتنا آرام دہ ہے کہ اس میں ایک بٹن دبانے سے سب کام ہوجاتے ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس بٹن کو دبانے کے لیے بھی ایک بٹن موجود ہے۔

○— شوہر نے گھر میں داخل ہوکر بیوی سے کہا "مجھے وہ رقم دے دو جس کے بارے میں، میں نے تم سے کہا تھا کہ کسی بھی حال میں مجھے مت دینا۔"

○— گولف بہت اچھا کھیل ہے۔ اس میں آدمی یہ خطرہ محسوس کیے بغیر پیدل چل سکتا ہے کہ کوئی گاڑی اسے کچلتی ہوئی گزر جائے گی۔

○— کل اتنی سردی تھی کہ پانی کے گلاس میں پڑے ہوئے میرے دانت بجتے رہے۔

○☆○

لیا۔

"گڈ ایوننگ مادام!" دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ فوراً مودبانہ ہو گیا "کھانا کھانے کے بعد ٹیلی وژن دیکھ رہا تھا۔"

"تم سے بات کرنے کے بعد میرے ذہن میں ماضی کی یادوں نے ڈیرے ڈال دیے ہیں۔ یوں لگ رہا ہے جیسے میں اپنے ماضی میں رہ رہی ہوں۔"

"میں تمہارا ایک عاجز خادم ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ آج کل تم کیسی زندگی گزار رہی ہو۔ میں اس وقت کو جانتا ہوں جب تمہارے نام سے شہر کے بڑے بڑے بدمعاش تھراتے تھے۔ تم شعلہ بن کر اچانک کہیں بھی نمودار ہوتی تھیں اور سب کچھ خاکستر کر کے واپس لوٹ جاتی تھیں۔"

"وہ ماضی اب ایک سہانا خواب بن کر رہ گیا ہے۔" ویرا نے ایک گہری سانس لے کر اداسی سے کہا "اب میں یہاں انسانوں کے سمندر میں ایک عام سی عورت کی طرح زندگی بسر کر رہی ہوں۔ بازار میں نکلتی ہوں تو بے توقیر آدمی مجھے کندھے اور کہنیاں مارتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور میں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

"بھگوان کسی کا بنا ہوا وقت نہ بگاڑے۔" جوشی کی آواز فرطِ جذبات سے مرتعش تھی "دوپہر کو تم نے یہ بات نہیں بتائی تھی۔ مجھے یہ سن کر دکھ ہوا ہے۔ میں نے تمہارا رعب اور دبدبہ دیکھا ہوا ہے۔ جس عورت سے ایک جہان کانپتا رہا ہو اس کی یہ بے توقیری عذاب سے کم نہیں ہے۔"

"کبھی کبھی ماضی کی یادیں یلغار کرتی ہیں تو میں اداس ہو جاتی ہوں ورنہ اپنے حال میں خوش رہتی ہوں۔ میں نے اپنے پرشکوہ ماضی کی سب یادیں تلف کر دی ہیں۔ آج ایک پرانا کاغذ ہاتھ آ گیا تو میں تم سے رابطہ کر بیٹھی۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ برسوں کے بعد بھی میرا پرانا فون نمبر چل رہا ہے۔ اس وجہ سے مجھے تم سے ہم کلام ہونے کا موقع مل گیا۔ تم مجھے بتاؤ کہ کہاں رہ رہی ہو۔ میں خود تمہارے قدموں میں حاضری دوں گا۔ میں نے برسوں تمہارا نمک کھایا ہے، میں مرتے دم تک تمہارے احسانات فراموش نہیں کر سکتا۔"

جوشی بہت چالاک اور مکّار آدمی تھا اور شاید بلا کا صداکار بھی تھا۔ اس کے جذباتی فقروں پر شاید ویرا کا سینہ فخر سے پھول گیا ہو مگر میرے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ جب اس نے ویرا سے اس کا پتا دریافت کیا تو مجھے یقین ہونے لگا کہ وہ جانے بوجھے انداز میں گفتگو کو ایک خاص رخ پر لے جا رہا تھا

مگر میں خاموش بیٹھا رہا۔ اس مرحلے پر میں ویرا کو۔۔ لقمہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہا تھا۔

"میں نے تم سے چوپڑا کا فون نمبر لیا تھا۔ میں نے کئی مرتبہ اسے فون کیا مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔" ویرا بولی۔

"وہ گھر پر نہیں ہو گا۔ لڑکی شاید سو رہی ہو گی۔ مگر مادام! وہ شی میں تو کبھی نہیں تھا۔ اسے تم کیسے جانتی ہو۔"

"وہ میرا دوست تھا۔ دوستوں کی بات اور ہوتی ہے۔ اس سے میں کھل کر بات کر سکتی ہوں۔ تم میرے کارکن تھے۔ یہ تمہاری بڑائی ہے کہ تم آج بھی میرا ادب اور لحاظ کرتے ہو مگر میں تمہارے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال سکتی۔ رتبوں کا حجاب ہمیں ایک دوسرے سے کبھی بے تکلف نہیں ہونے دے گا۔"

"تم مجھے اپنا پتا بتاؤ۔ میں چوپڑا کو وہیں لے آؤں گا۔" اس نے بہت خوب صورتی کے ساتھ ذرا سی دیر میں ویرا سے دوسری بار اس کا پتا طلب کر لیا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر وہ گھر پر نہیں ہے تو میں اسے کہیں نہ کہیں ڈھونڈ لوں گا۔"

"ابھی تک تم نے چوپڑا کو فون نہیں کیا۔" ویرا نے اس کی پیشکش کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"ایک بار نمبر ملایا تھا۔ میں اسے تمہارے بارے میں بتانا چاہ رہا تھا مگر اس سے بات نہیں ہو سکی۔" جوشی کا لہجہ مخلصانہ تھا مگر مجھے اس میں منافقت کی بو آ رہی تھی۔ وہ اتنا سیدھا اور وفادار نہیں تھا جتنا ویرا سمجھ رہی تھی۔

"اس وقت میرے پاس پرانے لوگوں کے صرف دو نمبر ہیں۔ تمہارا اور چوپڑا کا۔ چوپڑا کا نمبر بھی تمہارا دیا ہوا ہے۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میرے لیے چوپڑا زیادہ عزیز ہے۔ تم اسے تلاش کرو۔ میں رات گئے تم کو پھر فون کروں گی۔ کسی پرانے دوست سے مل کر ہی میرے دل کا غبار ہلکا ہو سکے گا۔"

"تمہارے ایک اشارے پر میں تمہارے پیر بھی چاٹ سکتا ہوں۔" جوشی نے ذو معنی لہجے میں خوشامد کی انتہا کر دی۔ وہ ویرا کو جتا رہا تھا کہ اس کا دوست نہ ہونے اور ایک مرد ہونے کے باوجود وہ اس کی ہر خواہش پوری کرنے پر آمادہ تھا "تم مجھے صرف اپنا پتا بتا دو۔ میں تمہاری گود خوشیوں سے بھر دوں گا۔"

"تم بار بار میرے پتے کے لیے اصرار کر رہے ہو مگر میں مجبور ہوں۔" اس بار ویرا کو ناچار کہنا ہی پڑا "میں اس وقت ایک معزز گھرانے کی مہمان ہوں۔ وہ لوگ تمہارے طبقے کے

کسی آدمی کا اپنے گھر آنا پسند نہیں کریں گے۔ وہ میرے کسی مرد ملاقاتی کو بھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھیں گے۔ یہ ایک قدامت پسند، مسلمان گھرانا ہے۔ اس لیے میں کہہ رہی ہوں کہ تم مجھے چوپڑا کا کوئی سراغ بتا دو۔ میں اس سے پروگرام طے کرکے ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں گی۔ وہاں تم بھی پوری آزادی کے ساتھ مجھ سے ملنے کے لیے آسکو گے۔"

اسپیکر فون پر جوشی کے گہرے سانس کی آواز ابھری پھر وہ بولا "مادام! میں نے ہمیشہ تمہیں سر سے پیر تک سیاہ اور چست لباس میں دیکھا۔ میری آنکھیں تمہاری دید کے لیے ترس رہی ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اپنے ایک پرانے غلام کی آرزو پوری کرنے کے لیے باہر کہیں مجھ سے مل لو۔ تمہارے اس دوسرے فون نے مجھے بے کل کردیا ہے۔"

"آج تم چوپڑا کی تلاش جاری رکھو۔ وہ نہ ملا تو میں کل کچھ سوچوں گی۔ مجھے تمہاری تڑپ کا پورا پورا اندازہ ہے۔ ان دیکھی چیزوں کو دیکھ لینے کا جذبہ بہت منہ زور ہوتا ہے۔ اس پر قابو پانا کبھی کبھی آدمی کے بس سے باہر ہو جاتا ہے۔" جوشی کو وہ جواب دیتے ہوئے ویرا کے ہونٹوں پر ایک سفاکانہ مسکراہٹ تیر گئی تھی۔

"میں اس کے گھر فون کروں گا۔ یہ کوشش تم خود بھی کر سکتی ہو۔ صبح میں اس کے دفتر سے پتا کروں گا۔ وہ دیر تک گھر سے غائب رہنے والا آدمی نہیں ہے۔ اگر اس کے ساتھ لڑکی بھی غائب ہے تو پھر یہ تشویش کی بات ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان دونوں کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہو اور وہ اپنے قدموں پر چل کر گھر پہنچنے کے قابل نہ رہے ہوں۔" ویرا کی کمین گاہ کا پتا حاصل کرنے میں ناکامی کا یقین ہو جانے کے بعد جوشی نے پہلی بار اپنی چرخی کو الٹے رخ پر گھمانا شروع کردیا۔

"زبان سے ایسے برے کلمات نہ نکالو۔" ویرا نے اسے تادیب کی "اس سے میرا ملنا ضروری ہے۔"

"اپنا پتا نہیں بتا رہی ہو تو یہ بتا دو کہ آج کل تم کیا کر رہی ہو۔ نشے کی دنیا پر راج کرنے والی شی کو اچانک کیا زوال آگیا اور تم ہم لوگوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اچانک کہاں غائب ہو گئیں۔" پتے سے مایوس ہونے کے بعد جوشی کو یکایک دوسرے سوال یاد آنے لگے تھے۔

"میں گوشہ نشین ہوں۔ شی کو دشمنوں اور حاسدوں کی نظریں کھا گئیں۔ میری اور سپر آئی مین کی سلطنت تباہ ہو گئی۔ میں دنیا بھر میں اپنے دشمنوں سے مردانہ وار لڑتی رہی لیکن میرے ساتھی رفتہ رفتہ دغا دیتے چلے گئے۔ جب میں اکیلی رہ گئی تو میں نے لوٹ کر یہاں گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ میری اپنی جان سولی پر ٹنگی ہوئی تھی تو میں تم لوگوں کی کیا خبر گیری کر سکتی تھی۔ تم لوگوں کی وفاداری کا صلہ یہ تھا کہ جس کے پاس شی کا جتنا مال تھا وہ اسی کا ہو گیا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، تم میرے قریب تھے۔ تم کو بھی بہت مال ملا ہوگا۔ میں نے کڑا وقت بھی گزارا لیکن پلٹ کر کبھی تم لوگوں سے ایک تنکا تک طلب نہیں کیا۔"

ویرا کی وہ مختصر سی کہانی اتنی اثر انگیز تھی کہ چند لمحوں کے لیے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خاص بات یہ تھی کہ ویرا نے اپنی کتھا میں میرا یعنی ڈینی کا نام نہیں لیا تھا۔

"دشمنوں نے ہم پر بعد میں وار کیا۔ میں نے سنا ہے کہ اس سے پہلے ڈینی نے شی سے غداری کی تھی۔ وہ تالاب میں پھینکا جانے والا پہلا پتھر تھا۔ سب سانس روکے اس کے حشر کا انتظار کرتے رہے۔ جب اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوا تو سب گیدڑوں نے یک جا ہو کر شیر پر حملہ کردیا اور شی کا شیرازہ بکھر گیا۔"

"میں نے جان بوجھ کر ڈینی کا نام نہیں لیا کیونکہ وہ تمہارے آنے سے پہلے کی بات تھی۔ شی پر ساری تباہی اسی کی لائی ہوئی تھی۔ اس نے جس کام کی ابتدا کی تھی، دوسروں نے اسے مکمل کردیا۔" ویرا نے میری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ تمہارا بدترین دشمن تھا۔ تم نے اس کی خیر خبر ضرور رکھی ہوگی۔ اب وہ کہاں ہے؟" جوشی نے پوچھا۔

"یہ ماضی کی بھولی بسری کہانیاں ہیں۔ اب انہیں بھول جاؤ۔ ڈینی سے تمہیں کیا لینا ہے" ویرا نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

"مادام! اب اس میں وہ دم خم نہیں رہا ہوگا۔ اس کی گرفتاری پر پچاس لاکھ ڈالر کا انعام مقرر ہے۔" جوشی نے ملتجیانہ آواز میں کہا۔

ویرا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ جو بات میں کافی پہلے سے سمجھ رہا تھا وہ یکایک ویرا کی سمجھ میں بھی آگئی "جوشی! میرا خیال ہے کہ تم بہت گھما پھرا کر بات کر رہے ہو۔ مجھے کھل کر بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔"

ویرا کے بدلے ہوئے اور ترش لب و لہجے سے جوشی سہم گیا۔ اسپیکر فون پر اس کی خوف زدہ آواز ابھری "ایک غلام اپنی مالکن سے کیا چاہ سکتا ہے مادام! یہ میرا فون نہیں ہے۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ تم آدھے دن میں مجھے دوسری بار فون کروگی۔ میں سنی سنائی باتیں کر رہا تھا۔ پچاس لاکھ ڈالر کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے۔ مفت میں ہاتھ

آجائے تو کیا برا ہے۔ میری نسلیں عیش کریں گی۔"
بات کھلتے کھلتے رہ گئی۔ ویرا کے غصے کا اندازہ کر کے جوشی نے یکایک بات گھمادی۔ میں وہ سب سمجھ رہا تھا لیکن ویرا کے منہ میں الفاظ گھسیٹرنے سے مجبور تھا۔ خاموشی سے دم سادھے بیٹھا ان دونوں کے ٹیلی فونک مذاکرات سنتا رہا۔
"تم ہر قیمت پر چوپڑا کو تلاش کرو" ویرا تحکمانہ لہجے میں کہہ رہی تھی "مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ تمہاری بلیک کوئن ابھی اتنی مفلس نہیں ہوئی کہ انعام کے لالچ میں پولیس سے اپنے دشمنوں کی مخبری پر اتر آئے۔ ڈینی جہاں بھی ملا' میں اس سے اپنا حساب خود بے باق کروں گی۔ تم چوپڑا کو ڈھونڈو۔"
"میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا" اسپیکر فون پر جوشی کی ہراساں آواز ابھری۔
"میں بارہ بجے پھر فون کروں گی۔ یہ یاد رکھنا کہ تم نے چوپڑا کا سراغ لگالیا تو بلیک کوئن تمہیں اپنی آغوش میں سجالے گی" ویرا نے بٹن دبا کر فون بند کردیا۔
"تمہارے دیدوں کا پانی مرگیا ہے" سلطان شاہ نے فون بند ہوتے ہی اسے ملامت کی "ہم تینوں کی موجودگی میں اسے غیر ضروری کھلی پیشکش کرتے ہوئے تمہیں ذرا سی بھی شرم نہیں آئی۔ کیا ہوگیا ہے تم کو؟"
ویرا ڈھٹائی سے مسکرادی "یہ نفسیاتی حربے ہوتے ہیں۔ اپنے مقابل کے جذبات اور احساسات سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے ان کا استعمال بہت اہم ہوتا ہے۔ یہ بات تم نہیں سمجھ سکو گے کیونکہ ابھی بالغ نہیں ہوئے ہو' جس دن ایسی باتیں سمجھنے لگے پارس بہ۔ ہوجاؤ گے۔"
"یہ سراسر بے شرمی تھی۔ یہ باتیں میری برداشت سے باہر ہیں" سلطان شاہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر برہمی سے شکایت کی۔
"ایسے کاموں میں بعض اوقات اپنی سطح سے نیچے آنا پڑتا ہے" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی "ویرا' جوشی کی ذہنیت سے واقف ہے۔ اس نے اسی کے مطابق گفتگو کی ہے۔ یہ باتیں ہی باتیں تھیں۔ تم دیکھ لینا کہ وہ قابو میں آگیا تو ویرا ہی اسے جوتے لگائے گی۔"
"آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟" غزالہ نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔
"میرا خیال ہے کہ اس وقت ہم صرف جوشی کی بات کر رہے ہیں" میں نے ویرا سے تائید چاہی۔
"تو کیا آپ چوپڑا کے ساتھ اس پر بھی ہاتھ ڈالنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں؟" اس بار غزالہ قدرے متحیر نظر آئی تھی۔
"تم نے اس کی گفتگو سنی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش کر رہا ہے۔"
"بلیک کوئن کے لیے اس کا رویہ بہت فدویانہ تھا" سلطان شاہ نے زہریلی آواز میں کہا "وہ اس کے پیر چاٹنے کے لیے تیار ہے۔ خوشیوں سے اس کی گود بھرنے پر تلا ہوا ہے۔ اس کو اور کیا چاہیے۔"
"ویرا نے اپنے آخری فقرے میں اس کی ان ہی آرزوؤں کی تعبیر دکھانے کی کوشش کی تھی جس پر تمہارا منہ بن رہا تھا" میں نے کہا۔
"جوشی کبھی بھی بہت زیادہ چالاک نہیں رہا۔ وہ دی ہوئی ہدایات پر سختی سے کاربند رہنے والا آدمی ہے۔ اس وقت اس کی باتیں الجھی الجھی سی تھیں۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اور کی سکھائی ہوئی باتیں کر رہا ہے۔"
"اس نے میرے اوپر مقرر کی ہوئی انعامی رقم کا ذکر کردیا۔ کیا وہ اتنا ہی بھولا ہے کہ اسے تم پر مقرر کی ہوئی رقم کا علم نہیں!" میں نے تلخی سے پوچھا۔
"اب تم جذباتی ہو رہے ہو" ویرا نے اپنے لیے سگریٹ سلگا کر بے پروائی سے کہا "یہ بات شاید تم نے ہی کہی تھی کہ امریکیوں نے ویرا الائیڈ کو پکڑوانے پر انعام مقرر کیا ہے۔ ان کی تشہیر میں کہیں بھی بلیک کوئن کا ذکر نہیں آیا کیونکہ اس علاقے میں ہیروئن کی کھپت کے لیے شی اور اس کے مہرے امریکی صدر نے تخلیق کیے تھے۔"
"عام آدمی کو شاید علم نہ ہو کہ شی کی بلیک کوئن ویرا الائیڈ ہوا کرتی تھی۔ جوشی خود تمہارا ساتھی تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس راز سے واقف نہ ہو۔"
"میں معذرت اور پورے خلوص سے کہوں گی کہ اس وقت تمہارا حافظہ تمہارا ساتھ نہیں دے رہا۔ یہ راز کسی کو معلوم نہیں تھا۔ مفاہمت کے جذباتی لمحات میں' میں نے خود تمہیں اس حقیقت سے آگاہ کیا تھا۔ اس سے پہلے میں تمہارے لیے صرف بلیک کوئن ہوا کرتی تھی۔"
"یہ اس وقت کی باتیں تھیں۔ بعد میں تمہارے دہرے روپ کا بھانڈا پھوٹ گیا تھا" میں اپنی بات پر اڑا رہا۔
"تم یہ بات کہہ سکتے ہو۔ مجھے اس کا غم نہیں" ویرا نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے جواب دیا "میں جوشی کا دفاع نہیں کر رہی مگر یہ بات جانتی ہوں کہ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا ایک ان پڑھ بدمعاش ہے۔

ضروری نہیں کہ وہ ہر پسِ پردہ راز سے باخبر ہو۔"
"تم جو چاہو کہتی رہو۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ چوپڑا سے ملا ہوا ہے اور اب اس کے اشارے پر تم تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔"
"میں تمہارے اس تجزیئے سے سو فیصد متفق ہوں۔ اس کی گفتگو میں میرا پیاٹیپ کا بند بنا ہوا تھا۔ میں نے اس بارے میں اس کی بدنیتی بھانپ لی تھی۔ کافی دیر تک سوچنے کے بعد میں نے اسے ایسا جواب دیا کہ اس کے لیے مزید اصرار کی گنجائش نہیں رہی۔"
"تم دونوں نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا کہ وہ چوپڑا سے ملا ہوا ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔
"سامنے کی بات ہے۔ واقعات کی کڑیاں ملاؤ گے تو تم بھی اسی نتیجے پر پہنچو گے۔" ویرا بولی۔
"جوڑ توڑ کرنے اور کڑیاں ملانے میں تم دونوں زیادہ ماہر ہو۔ مجھے اس مشقت میں نہ ڈالو" سلطان شاہ نے کھلے دل سے کہا۔
"جوشی کے لیے میرا آج صبح کا فون بہت غیر متوقع اور سنسنی خیز ثابت ہوا" ویرا نے سمجھانے والے انداز میں اپنی بات شروع کی۔ "میرے ذرا سے استفسار پر اس نے چوپڑا کے بارے میں بہت کچھ بتادیا۔ مجھے اسی وقت سمجھ لینا چاہیے تھا کہ وہ میرے بارے میں چوپڑا کو ضرور بتائے گا۔ میں نے اس بارے میں اسے کوئی ہدایت نہیں دی۔ اس وقت چوپڑا اپنے دفتر میں رہا ہوگا۔ وہ جوشی کے مندر کی کمیٹی کا رکن ہے۔ دونوں میں گاڑھی چھنتی ہے۔ جوشی نے جوش میں آکر چوپڑا کو دفتر فون کیا ہوگا کہ شی والی بلیک کوئن اس سے ملنے کے لیے بے چین ہے اور چوپڑا کے کان کھڑے ہوگئے ہوں گے۔ وہ را کا آدمی ہے۔ وہ لوگ بہت کچھ جانتے ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ویرا لائیڈ اور بلیک کوئن ایک شخصیت کے دو رخ ہیں۔ اس نے یہ بات جوشی کو نہیں بتائی مگر اسے اکسایا کہ وہ کسی طرح بلیک کوئن کی کمین گاہ کا پتا چلالے تو پچاس لاکھ ڈالر مفت میں ہاتھ آسکتے ہیں کیونکہ بلیک کوئن 'ڈینی تک پہنچنے میں مدد دے سکتی ہے۔ جوشی کے لیے وہ تصور سحرانگیز تھا۔ پچاس لاکھ ڈالر بہت بڑی رقم ہوتی ہے۔"
"اوہ!" غزالہ اس کا فقرہ مکمل ہونے پر بے ساختہ بول اٹھی "تم ٹھیک کہہ رہی ہو' یہ سب اسی طرح ہوا ہوگا۔"
"چوپڑا کے لیے خطرے کی گھنٹی بج چکی تھی" ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "یہ اچھی بات نہیں تھی کہ ویرا اسے تلاش کررہی تھی۔ جوشی نے اسے یہ بتادیا ہوگا کہ اس نے اپنی بلیک کوئن کو چوپڑا کے گھر کا پتا اور فون نمبر دے دیا ہے۔ جوشی کے لیے اپنا گھر مخدوش ہوچکا تھا۔ اس نے وہاں سے غائب ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ دفتر سے فون کرکے اپنی داشتہ کو بھی گھر سے نکل جانے کی ہدایت دے دی اور یوں میدان صاف ہوگیا۔
"اب چوپڑا ویرا کی گھات میں لگا ہوا ہے" غزالہ نے مجھ سے تصدیق چاہی۔
"را والے ہم سب کو فنا کردینا چاہتے ہیں" میں نے کہا "چوپڑا نے جوشی کو یہی تاثر دیا ہے کہ بلیک کوئن کے ذریعے ڈینی کو پکڑوایا جاسکتا ہے۔ جوشی کی نگاہیں صرف ڈینی پر مرکوز تھیں۔ شاید اسے یہ علم نہیں ہے کہ ڈینی اور بلیک کوئن' دونوں پر انعامی رقوم مقرر ہیں۔ ہم دونوں میں سے کوئی ایک بھی ان کے ہاتھ آجائے تو وہ دوسرا خود بخود زیر ہوجائے گا۔ اس وقت چوپڑا کسی بہت بڑی کامیابی کا منتظر ہوگا۔ اس کے لیے ہم دونوں کی مالیت ایک کروڑ ڈالر ہے۔ عزت اور شہرت اس کے علاوہ ملے گی۔
"یہ سب بہت زیادہ الجھا ہوا ہے" سلطان شاہ نے اکتائے ہوئے' پرتشویش انداز میں کہا "میرے لیے اپنے ذہن پر اتنا زور دینا ممکن نہیں ہے۔"
"تمہارے پاس ذہن ہوتا تو اس پر زور دیتے' ذہن ہی نہ ہو تو زور کیا دوگے؟" ویرا نے اس کی بات پکڑلی۔
"تم زیادہ نہ بولو تو بہتر ہوگا۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا "تم نے جوشی سے جس بازاری انداز میں باتیں کی ہیں' اس سے میری طبیعت مکدر ہوگئی ہے۔"
"میری باتیں اتنی ناگوار لگ رہی تھیں تو خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے جاتے' یہاں بیٹھے مزے کیوں لے رہے تھے؟" ویرا نے چیخ کر کہا۔
"اسپیکر فون کی وجہ سے بیٹھا رہ گیا۔ تم عام فون پر بات کررہی ہوتیں تو میں اسی لمحے تمہارا بائیکاٹ کردیتا" سلطان شاہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
"تم دونوں نے پھر اپنی خرافات کا سلسلہ شروع کردیا" میں نے باری باری ان دونوں کو گھورتے ہوئے سرزنش کی "کیا تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ہم اس وقت کس نازک موڑ پر پھنسے ہوئے ہیں۔"
"میرا خیال ہے کہ ہم کہیں بھی نہیں پھنسے۔ بس ایک مقابلہ ہے جو چل رہا ہے" ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔
"ہاں... یہ آنکھ مچولی سی چل رہی ہے" سلطان شاہ کو

بھی بولنے کا موقع مل گیا۔ ”ہم کو چندن گرنانی کے بعد چوپڑا کی تلاش تھی لیکن وہ اپنا گھر چھوڑ کر کہیں روپوش ہو چکا ہے۔ وہ جوشی کے ذریعے ویرا پر اپنا جال پھینکنے کے چکر میں ہے۔ ویرا ہمارے ساتھ بیٹھی عیش کر رہی ہے۔ کسی کا کچھ نہیں بگڑا مگر سب اپنی اپنی جگہ پریشان ہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ اس سارے کھیل میں ہم سے ایک بنیادی غلطی سرزد ہو چکی ہے“ غزالہ کی آواز میں رچی ہوئی گہری سنجیدگی نے سب کو اس کی طرف متوجہ کر دیا۔

”یہ بہت اچھی بات ہے کہ رفتہ رفتہ تم بھی کھلتی جا رہی ہو اور مشترکہ مسائل پر اپنا سر کھپانے لگی ہو“ ویرا نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

”تم کو چوپڑا کے معاملے میں سب سے الگ تھلگ ہو کر اپنی راہ بنانے کی ضرورت نہیں تھی“ غزالہ نے براہِ راست اسی سے کہا۔

”چوپڑا پر ہاتھ ڈالنے کے لیے فوری طور پر کچھ نہ کچھ کرنے کی ضرورت تھی“ ویرا نے کمزور لہجے میں اپنا دفاع کرنا چاہا۔

”چوپڑا کوئی روپوش مجرم نہیں تھا جو کسی خفیہ پناہ گاہ میں چھپا ہوا تھا۔“ غزالہ نے اپنی بات کی وضاحت کی ”وہ ایک قونصل خانے کا ملازم ہے۔ شہری علاقے میں رہتا ہے۔ ہم اپنے طور پر بہت آسانی سے اس کا کھوج نکال سکتے تھے۔ وہ بے خبری کے عالم میں رہتا اور ہم خاموشی سے جھپٹ کر اس کا کام تمام کر دیتے۔“

”واہ! کیا بات کی ہے تم نے!“ سلطان شاہ بیٹھے بیٹھے اچھل پڑا ”یہ سنگین غلطی صرف ویرا کی ہے۔ تم ہم سب کو کیوں موردِ الزام ٹھہرا رہی ہو؟“

”میں کسی کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا رہی۔ ہماری کامیابیاں اور ناکامیاں مشترکہ ہوتی ہیں۔ ہم سارا الزام کسی ایک کے سر نہیں تھوپ سکتے۔“

”یہ تمہاری زیادتی ہے۔“ غزالہ کے مصلحت آمیز بیان پر سلطان شاہ کا منہ لٹک گیا ”اس بار ویرا نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانے کی کوشش کی تھی۔ اس کا سارا بار اسی کے سر جانا چاہیے تاکہ یہ آئندہ ایسی حرکتوں سے باز رہ سکے۔“

”گزرے ہوئے واقعات کو ایک دوسرے پر الزام تراشی کا محور نہ بناؤ۔ ان سے سبق سیکھ کر، آنے والے واقعات پر نگاہ رکھو۔“ میں نے انہیں ٹوکا۔

”میرا خیال تھا کہ میں جوشی کو اپنے ماضی کے سحر میں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں مگر وہ میری توقع سے بڑھ کر مکار اور خود غرض ثابت ہوا۔“ ویرا افسردگی سے کہہ رہی تھی ”مجھے امید نہیں تھی کہ وہ چوپڑا کو جانتا ہو گا۔ میں نے پرانا ساتھی سمجھ کر اندھیرے میں تیر چلایا تھا جو خطا ہو گیا۔“

”خطا ہو جاتا تب بھی غنیمت تھا۔ وہ تیر لوٹ کر تمہارے سینے کی طرف آیا ہے۔“ سلطان شاہ بولے بغیر نہیں رہ سکا ”خدا کا شکر کرو کہ قبلہ اول خان نے بروقت ہماری تم سے صلح کرا دی۔ تم جوشی پر انحصار کر کے آگے بڑھتی ہوتیں تو اب تک تمہاری چٹنی بن گئی ہوتی۔“

”میرا اندازہ ہے کہ دن میں ویرا سے فون پر بات کرتے ہوئے جوشی کے دماغ میں کوئی سازش نہیں تھی۔ ساری خرابی اس وقت پیدا ہوئی جب رابطہ ہونے پر چوپڑا نے اسے پچاس لاکھ ڈالر کا سبز باغ دکھایا اور اپنے جال میں پھانس لیا۔“ غزالہ نے کہا۔

”اب ان فضول باتوں پر سر کھپانا بے سود ہے۔“ میں نے ایک مرتبہ پھر وہ موضوع وہیں ختم کرنے کی کوشش کی مگر ویرا نے میری بات اچک لی۔

”میری غلطی کے نتائج سامنے آ چکے ہیں۔ اب ہمیں اس کا توڑ نکالنا چاہیے۔“ وہ بولی۔

”بس آج رات کا انتظار کرو۔“ میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ”بارہ بجے تم اسے فون کرو گی تو مجھے پورا یقین ہے کہ وہ چوپڑا سے کوئی رابطہ نہ ہونے کی کہانی سنائے گا۔ یہ جھوٹ اب اس کی مجبوری بن چکا ہے۔ چوپڑا اس سے پل پل کی خبریں لے رہا ہو گا۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے دفتر کی عمارت میں ہی چھپا ہوا ہو۔“

”بات کرتے کرتے تم بھی پٹڑی سے اترنے لگے ہو۔“ ویرا نے ہنس کر کہا ”ابھی تم نے رات کے انتظار کا مشورہ دیا تھا۔ رات کو کیا کرو گے؟“

”جوشی کی سرکوبی ناگزیر ہو گئی ہے۔ ابھی بات اس کی ذات تک محدود ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا تو شہر کے سارے بدمعاش اور شہدے سر اٹھانے لگیں گے۔ مجھے تمہاری اور اس کی گفتگو کا انتظار ہے۔ وہ ہوش میں نہ آیا تو پھر ہم آج رات کو ہی اسے اٹھا لیں گے۔“

”یہ عبرت کا مقام ہے۔“ سلطان شاہ آنکھیں موند کر بڑبڑایا ”صبح تک ہمارا مقابلہ امریکی سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر سے تھا۔ عالمی رجحانات اور سازشوں کی بحثیں ہو رہی تھیں اور اس وقت ہماری اوقات یہ ہے کہ ٹکے ٹکے کے

بد معاشوں کی شورش پر قابو پانے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ سچ کہا ہے کسی نے۔ اے عورت! تو چاہے تو مرد کو انتہائی بلندیوں تک لے جاسکتی ہے اور جب چاہے اسے چشم زدن میں تحت الثریٰ میں پہنچا سکتی ہے۔"

"اب مجھے تمہاری زبان کی خارش دور کرنے کے لیے کوئی مرہم تلاش کرنا ہوگا۔" ویرا نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تم بولنے پر آتے ہو تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں زہر فشانی سے نہیں روک سکتی۔ میں اپنی غلطی مان چکی ہوں تو اب تم وہی لکیر کیوں پیٹے جا رہے ہو۔"

"مجھے شرمندگی اس بات کی ہے کہ میں بھی تمہارے چکر میں آکر روندا گیا۔ بلاوجہ گھر سے تمہارے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ چوپڑا کو مارنے کے بجائے نری جھک مار کر گھر لوٹ آیا۔"

حالات نے یک لخت بہت تیزی سے پلٹا کھایا تھا۔ سی آئی اے اور را وغیرہ پس منظر میں چلی گئی تھیں اور جوشی کی حقیر سی ذات پورے منظر پر چھا گئی تھی۔ سلطان شاہ کا یہ کہنا درست تھا کہ ایک ذرا سی جذباتی لغزش نے ہمیں کہیں سے کہیں لا پھینکا تھا۔

میں ڈرائنگ روم میں بیٹھا ٹیلی وژن دیکھتا رہا۔ غزالہ کے ساتھ خلوت میں گزارے ہوئے سکون بخش لمحوں کا سرور میرے اعصاب پر حاوی تھا۔ میں جوشی پر اپنے خیالات مرکوز کرکے اس سرور کو غارت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرے دل میں جو خلش تھی' ناکامی کی یاد کے لیے وہی کافی تھی۔

دونوں عورتیں اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئیں کیونکہ رات کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ سلطان شاہ کو ان دنوں اپنی مادری زبان کے گانوں سے گہرا شغف ہو چلا تھا۔ شاید یہ ویرا کے پڑوس میں کمرا ہونے کے ثمرات تھے کہ آخرکار سلطان شاہ کو ساز و آواز سے رغبت ہو گئی تھی۔

میں نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ مجھے معلوم تھا کہ ویرا کسی نہ کسی حیلے بہانے سے غزالہ کو کچن میں اکیلا چھوڑے گی اور اپنے کمرے میں محصور ہو جائے گی۔ جوشی کو فون کرنے سے پہلے اس نے محض اپنے لب تر کیے تھے۔ کھانے سے پہلے اپنا کوٹا پورا کرنا اس کے لیے ضروری تھا۔ جس دن وہ کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے اس معمول سے ہٹنے پر مجبور ہو جاتی تھی' اس کی بھوک اڑ جاتی تھی۔

اس فرصت کو غنیمت جان کر میں نے اول خان کو فون کردیا۔ مجھے اس کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن میں اخلاقی طور پر اسے اپنے عزائم سے آگاہ رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔

جوشی کے بارے میں اس نے میری پوری بات تحمل سے سنی اور میرے پروگرام سے اتفاق رائے ظاہر کرنے کے بعد بولا "معلوم ہوتا ہے کہ آج کل امریکیوں کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ قسمت کہیں بھی ان کا ساتھ نہیں دے رہی۔"

"کیوں؟ اب کیا ہوا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ جوشی کے مقابلے میں وہ موضوع میرے لیے دلچسپ تھا۔

"لیری کی لاش بحرین لے جانے کے لیے امریکیوں نے اپنے انٹرپرائز نامی طیارہ بردار جہاز سے دو انجنوں والا ایک مال بردار طیارہ منگوایا تھا۔" اول خان فون پر بتانے لگا "کراچی سے بحرین کی طرف جاتے ہوئے اس جہاز کے ایک انجن میں آگ لگ گئی۔ اس وقت طیارہ گوادر پر پرواز کر رہا تھا۔ اسے انٹرپرائز پر واپس کی لینڈنگ کی ہدایت نہ کی جاتی تو جہاز بحیرہ عرب میں گر کر تباہ ہو جاتا۔"

"لیری کی لاش کے لیے سمندر کی تہ ہی بہترین مدفن ثابت ہوتی۔ یہ بصیرت والوں کے لیے عبرت کی کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔" میں نے مسرت آمیز لہجے میں کہا "ہم نے اسے اس کے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا مگر وہ مکافاتِ عمل کی گرفت میں آگیا۔ قدرت کی پکڑ اتنی سخت ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی اس سے آزاد نہیں ہوسکا۔"

"لیری کی ناگہانی موت پر اپنے اور پرائے' سب بھونچکا رہ گئے ہیں۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ اسے اچانک کیا ہو گیا۔"

"ہم لوگوں کے سوا صرف جلال کو اصل کہانی کا علم ہے۔ وہ ذہین اور سمجھ دار افسر ہے۔ اپنی زبان بند رکھے گا۔" میں نے امید ظاہر کی۔

"میں بارہ بجے سے پہلے تمہاری طرف آرہا ہوں۔" اول خان نے مجھے مطلع کیا۔

"تمہیں آنے کی کیا ضرورت ہے۔ جوشی سے ہم نمٹ لیں گے۔" میں نے کہا "تم اپنے گھر پر رہو۔ تمہاری حد سے بڑھی ہوئی مصروفیات پر تمہارے بیوی بچے ہمیں کوستے ہوں گے۔"

"ہم سب صبر و قناعت والے بندے ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بہت گہری بات کہہ گیا "میری ہر واپسی پر وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ میرے فرائض خطرناک ہیں۔ یہ خدشہ بھی ہوگا کہ کسی دن میں ان سے رخصت ہو کر دوبارہ زندہ نہ لوٹ سکوں۔ میں جب بھی گھر لوٹتا

ہوں، وہ خوش ہو جاتے ہیں۔"

وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ صابر اور قانع لوگ ہی اسپیشل ٹاسک فورس میں اعلیٰ ترین مقاصد کے لیے اپنی جانوں کی بازی لگا سکتے تھے۔ وہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم اسے آسانی سے اٹھا لاؤ گے مگر رات گئے کہاں لے جاؤ گے۔" اول خان فون پر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اس مہم میں درپیش مشکلات کی نشان دہی کر رہا تھا "راستے میں پولیس کی کسی گشتی پارٹی سے آمنا سامنا ہو گیا تو تمہارے لیے جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے پھر تم آجاؤ۔" میں نے ہتھیار ڈال دیے۔

جوشی ہندو ضرور تھا مگر اس عیال دار بدمعاش کا جرم اتنا سنگین نہیں تھا کہ اسے اس کے گھر میں گولی مار کر ہلاک کر دیا جاتا۔ شی کے اس پرانے نمک خوار کے لیے بازپرس اور تھوڑی سی گوشمالی ہی کافی تھی۔

رات کو بارہ بجنے سے چند منٹ پہلے اول خان ہمارے گھر آپہنچا۔ وہ چوپڑا اور جوشی کے معاملات میں زیادہ ملوث نہیں رہا تھا اس لیے اسے ہماری کوفت کا اندازہ نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے فون پر میری پوری بات سن لینے کے بعد کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا بلکہ اچانک لیری کی لاش لے جانے والے جہاز کی کہانی چھیڑ دی تھی۔

امریکیوں کی ہر شکست ہمارے لیے خوشی کا باعث ہوتی تھی۔ ان دنوں شاید عالمی رجحان بھی یہی تھا۔ امریکی حکمرانوں کے تکبر آمیز بیانات اور حد سے بڑھے ہوئے احساسِ برتری کی وجہ سے ان کے دوست بھی دل سے انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔ امریکا کی سلطنت دنیا کی واحد سپر پاور تھی اس لیے اس کی ہر کامیابی کو ایک مجبوری سمجھ کر رسمی طور پر تسلیم کر لیا جاتا ہے لیکن امریکا کی تضحیک، تذلیل اور توہین کے ہر واقعے پر دنیا بھر میں عوامی سطح پر خوشی کا اظہار کیا جاتا تھا۔ ہم لوگ عالمی دھارے سے الگ نہیں تھے۔ ہمارے جذبات بھی دوسروں جیسے ہوا کرتے تھے۔

اس زمانے میں صرف وہی لوگ امریکا کے گن گایا کرتے تھے جن کو ذرائع ابلاغ میں اپنی ساکھ زیادہ عزیز تھی یا پھر وہ بقراط تھے جن کے گھروں کے چولہے امریکا سے ملنے والے ڈالروں سے روشن ہوتے تھے۔

اول خان نے آتے ہی پھر مال بردار جہاز کا قصہ چھیڑ دیا "اس کریش لینڈنگ میں مال بردار جہاز کا ہوا باز اور انٹرپرائز کے رن وے اسٹاف کا ایک آدمی خاصا زخمی ہوا ہے۔ انٹرپرائز کے رن وے کو بھی نقصان پہنچا ہے۔"

"اب لاش کہاں ہے؟" میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"کریش لینڈنگ کرنے والا جہاز پرواز کے قابل نہیں تھا۔ زخمی لاش کو دوسرے طیارے سے بحرین روانہ کر دیا گیا۔"

"زخمی لاش؟" سلطان شاہ نے حیرت سے وہ انوکھی اصطلاح دہرائی "کیا یہ لاشیں بھی زخمی ہوتی ہیں؟"

"ہاں۔" اول خان نے اس سوال سے محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا "کریش لینڈنگ میں تابوت کے بند کھل گئے۔ جھٹکوں سے لیری کی گردن ٹوٹ گئی۔"

کچھ دیر تک اسی بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ انٹرپرائز نامی طیارہ بردار جہاز پاکستانی ساحل سے پچاس ناٹیکل میل دور، کھلے سمندر میں لنگر انداز تھا۔ اول خان کا خیال تھا کہ وہ اس علاقے میں امریکیوں کی اشتباہ آمیز سرگرمیوں کا ایک اور ثبوت تھا۔

وہ بحری، بری اور فضائی محاذوں پر پوری طرح سرگرم تھے۔ فضائی قوت اور صلاحیت میں ان کو ایسی برتری حاصل تھی کہ فضا کی محفوظ ترین بلندیوں میں جاری سرگرمیوں کے بارے میں کچھ جاننا آسان نہیں تھا۔

بارہ بجے ویرا نے جوشی کے لیے فون کرنے کا ذکر کیا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھے آزاد فضاؤں سے پکڑ کر زمین پر ٹیک دیا ہو۔

جوشی ایک جاہل بدمعاش تھا۔ شی کی شکست و ریخت کے آخری مرحلے پر آندھی کے بیروں کی طرح ایک بڑی دولت اس کے ہاتھ آئی تھی پھر بھی وہ مزید دولت اور بلیک کوئن کے قرب کا خواہاں تھا۔ وہ اس کی کال کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔

اس نے اسپیکر فون پر بات کرتے ہوئے ویرا کو بتایا کہ وہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود چوپڑا سے کسی قسم کا رابطہ کرنے میں ناکام رہا تھا۔

"چوپڑ سے تمہاری گہری دوستی ہے۔ مندر میں وہ تمہارا پرانا ساتھی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ تم اس کے ٹھکانے سے بے خبر ہو۔"

"مادام! تم کیسی باتیں کر رہی ہو!" جوشی کی مجروح آواز ابھری "میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟"

"وہ تمہارا دوست اور ہمراز ہے۔ تم اس کی باتیں مجھ سے چھپا رہے ہو۔" ویرا نے کھل کر اس پر الزام لگا دیا۔

"تم میری نیت پر شبہ کر رہی ہو۔ میں تم پر اپنی ہر دوستی

قربان کرسکتا ہوں۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم مجھے اپنا پتا یا ٹھکانا بتا دو۔ جیسے ہی میرا چوپڑا سے رابطہ ہوگا' میں اسے اپنے ساتھ لے کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"اب اتنے بھولے بننے کی کوشش نہ کرو۔ یہ خیال اپنے دل سے نکال دو کہ تم مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

"تم تک پہنچنا اور تمہاری خوشنودی حاصل کرنا اب میری دلی آرزو ہے۔ مجھ پر شک نہ کرو۔"

"تم بار بار میرا پتا جاننے کی کوشش کر رہے ہو۔ یہ تمہاری بدنیتی کا کھلا ثبوت ہے۔ چوپڑا کہیں چھپ کر تم کو میرے خلاف اکسا رہا ہے۔ شاید تم کو نہیں معلوم کہ وہ را کا ایجنٹ ہے۔ بہت بے رحمی سے تمہیں استعمال کرے گا' اپنا کام نکالے گا اور پھر سرد مہری سے تمہاری گردن کٹوا دے گا۔"

"وہ ایسا نہیں ہو سکتا۔" جوشی نے بے ساختہ کہا "تم یقین کیوں نہیں کرتیں کہ اس سے میری کوئی ملی بھگت نہیں ہے۔ جس طرح وہ تمہارا پرانا دوست ہے اسی طرح میری اور اس کی پرانی دوستی ہے۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ وہ کس کا ایجنٹ ہے۔ میں اسے بھارتی سرکار کا نوکر سمجھتا ہوں۔"

"تم انجان بن کر میرے قہر کو دعوت دے رہے ہو۔" ویرا لو اس کی پرفریب باتوں پر غصہ آنے لگا "تمہیں معلوم ہے ایبلیک کوبَن اپنے کسی معتوب کو موت سے کم سزا نہیں دیتی تھی۔ میں گوشہ نشین ضرور ہوگئی ہوں مگر آج بھی اپنی مرضی اور فیصلے کو نافذ کرنے کی پوری قوت رکھتی ہوں۔"

"مجھے یہ سب معلوم ہے۔ یہ باتیں دہرا کر تم مجھے خوف زدہ کیوں کر رہی ہو؟" اسپیکر فون پر اس کی پھنسی پھنسی آواز گونجی۔

"تم ہر بات سمجھ چکے ہو۔ چوپڑا میری تلاش میں لگا ہوا ہے اور میں اس کی فکر میں ہوں۔ تم ہم دونوں کے بیچ کے آدمی ہو۔ تم نے میرے بجائے چوپڑا کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ تم کو بہت جلد اپنے اس فیصلے کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔"

جوشی فون پر مادام' مادام کہتا رہ گیا لیکن ویرا نے اس نے مایوس ہو کر فون بند کر دیا۔

"تم نے صحیح کیا کہ اسے ہر بات جتا دی۔" میں نے ویرا سے کہا "وہ آسانی سے قابو آنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

"لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔" اول خان سر ہلاتے ہوئے بولا "میں نے اپنے تجربے کی بنا پر اس کی آواز سے اندازہ لگایا ہے کہ یہ عادی شرابی اور خوشامدی آدمی ہے۔ ہر طاقت ور کو جھک کر سات سلام کرے گا۔ کمزور کا خون پی جائے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے جلدی سے کہا "وہ ویرا کے پیر تک چاٹنے پر آمادہ تھا۔"

سلطان شاہ نے وہ بات اتنی سرعت سے اول خان کے کانوں میں ڈالی تھی جیسے تاخیر کی صورت میں اسے اپنا پیٹ پھٹنے کا ڈر ہو۔ سب ہنسنے لگے اور خفت سے ویرا کا چہرہ سرخ بھبوکا ہوگیا۔ اس نے غصے سے سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے کہا "بعض اوقات تم گھٹیا حرکتوں پر اتر آتے ہو۔"

"میں بڑھیا سے گھٹیا تک' ہر شخص کے مرتبے کا پورا خیال رکھتا ہوں۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے جواب دیا۔

اس بار کسی نے ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ ویرا نے وہ بات وہیں ختم کر دی۔

"چوپڑا روپوش ہو کر اپنی سرگرمیوں کا ثبوت دے چکا ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اول خان نے بولنا شروع کیا "ویسے بھی ویرا کے سوا کوئی جوشی کو نہیں پہچانتا۔ ہو سکتا ہے کہ اتنی طویل مدت گزر جانے کے بعد ویرا بھی پہلی نظر میں اسے نہ پہچان سکے۔ تم لوگوں میں سے کسی کا جوشی کی طرف جانا مناسب نہیں۔ میں اپنے کسی آدمی کو ساتھ لے کر اسے اٹھا لاؤں گا۔"

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا مگر کسی نے اول خان کی اس تجویز پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

"لیکن تم اسے لے کر سیدھے اسٹیشن فور کی طرف نکل جاؤ گے؟" میں نے اس سے استفسار کیا۔

"تم چاہو تو ادھر بھی آ سکتے ہیں۔" میں سمجھا کہ وہ مجھ سے مذاق کر رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی کا راج تھا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا۔ وہ بے ہوش ہوگا۔ چاہو تو کچھ دیر کے لیے اسے یہاں لایا جا سکتا ہے۔"

"راستے سے مجھے ساتھ لیتے جانا۔ را کے ہر مددگار کو مارنے میں عجیب لذت ملتی ہے۔"

"جوشی کو شاید را کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔" اس سے شدید ناراض ہونے کے باوجود ویرا نے اس کی وکالت کی "وہ چوپڑا سے اپنی دوستی نبھا رہا ہے۔"

"دوستی نبھا رہا ہے تو اسے ڈیفی پر مقرر کیے ہوئے پچاس لاکھ ڈالروں کے خواب کیوں آ رہے ہیں۔" سلطان شاہ نے

طنز سے پوچھا۔

"وہ فضول بات ہے۔" ویرا نے جواب دیا "رقم اتنی بڑی ہو تو ہر ایک کی رال ٹپک سکتی ہے۔"

اول خان نے روانگی کے ارادے سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

○☆○

بمبئی بازار کی وہ سڑکیں اور گلیاں جہاں دن میں کھوے سے کھوا چھلتا ہے، سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ دکانیں بند ہوئے دیر ہو چکی تھی۔ پتھاروں اور فٹ پاتھ پر رکھے ہوئے سامان پر رسیوں سے مضبوط ترپالیں بندھی ہوئی تھیں۔ عمارتوں کی سیڑھیوں اور بند دکانوں کے تھڑوں پر کہیں کہیں فلیٹوں کے مکین بیٹھے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

اول خان نے اپنے اندازے سے جیپ ایک جگہ روک دی اور طاہر کے ساتھ نیچے اتر گیا۔ طاہر اس کا ایک قابل اعتماد ماتحت تھا جو ہر آڑے وقت میں اس کے ساتھ رہتا تھا۔ اول خان نے اس مہم کے لیے زیادہ نفری کو اپنے ساتھ لینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

علاقے میں خورونوش اور پان کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں مگر ان کے سمٹنے کا وقت ہو چلا تھا۔ اول خان کے ایک آدمی نے سرِ شام ہی جوشی کے گھر کا محل وقوع دیکھ لیا تھا۔ اس وقت تک جوشی کو اغوا کرنے کا کوئی معاملہ زیر غور نہیں آیا تھا مگر اول خان کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اسے جلد یا بدیر اس گھر کا رخ کرنا ہوگا۔ اس نے احتیاط کے طور پر اپنے ایک آدمی کو علاقے کے سروے کے لیے بھیج دیا۔ اس وقت اول خان کی وہی احتیاط اس کے کام آ رہی تھی۔

ایک ڈھلوان سڑک چڑھ کر وہ دونوں جوں ہی داہنی طرف کی نیم تاریک گلی میں مڑے، سامنے پھیلی ہوئی تاریکی میں سے ایک ہیولا دوڑتا ہوا نکلا اور گلی کے دوسرے سرے پر پھیلی ہوئی تاریکی میں کہیں مدغم ہو گیا۔

"ہوشیار رہنا۔ یہاں آثار اچھے نہیں ہیں۔" اول خان نے طاہر کے کان کے نیچے سرگوشی کی۔

وہ دونوں محتاط انداز میں اس گلی میں آگے بڑھتے رہے جس کے دونوں طرف کئی منزلہ پرانی عمارتیں کھڑی ہوئی تھیں۔ اس گلی کا ابتدائی سرا نیم تاریک تھا لیکن آگے گہری تاریکی کا راج تھا۔ رہائشی فلیٹوں سے آنے والا روشنیوں کا انعکاس گلی میں پھیلے ہوئے اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

دوسری گلیوں کے برعکس آبادی کے اس حصے میں سناٹا تھا۔ گھروں سے باہر کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔ اول خان کو وہ سناٹا غیر فطری لگ رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سب لوگ کسی نامعلوم خوف سے اپنے گھروں میں محصور ہو گئے ہوں۔

ایک عمارت سے اچانک ایک پستہ قامت شخص ان دونوں کے سامنے آ گیا۔ وہ محتاط نہ ہوتے تو ان کا پستہ قامت سے ٹکرا جانا یقینی تھا۔

پستہ قامت نے رک کر چمکتی ہوئی خشک نگاہوں سے ان دونوں کو گھورا پھر پوچھا "تم کون ہو۔ یہاں رہنے والے تو نہیں ہو؟"

"ہم جوشی سے ملنے آئے ہیں۔" اول خان نے اپنے ذہن میں آنے والا پہلا عذر پیش کر دیا۔

"خدا خیر کرے۔" پستہ قامت خود کلامی کے انداز میں بولا "اتنی رات کو اس سے کیا کام پڑ گیا؟" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر دوبارہ بولا "پتا ہے کہ وہ کہاں رہتا ہے؟"

"ہاں، ہمیں پیلی بلڈنگ کی پہلی منزل پر جانا ہے۔" اس نے اپنی منزل کی طرف اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔" پستہ قامت یہ کہہ کر کہیں اور جانے کے بجائے دوبارہ اسی عمارت میں گھس گیا جہاں سے نمودار ہوا تھا۔

"یہ شاید ہمیں چیک کرنے کے لیے باہر نکلا تھا۔" طاہر نے پر تشویش آواز میں کہا۔

"معاملہ گڑبڑ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جوشی کے گھر کی حفاظت کی جا رہی ہے۔" اول خان نے اس کی تائید کی۔

وہ دونوں پیلی بلڈنگ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ فضا اچانک ایک فائر کے دھماکے سے لرز اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی آس پاس رہنے والوں کی کئی دہشت زدہ چیخیں تاریک فضا میں تیر گئیں۔ اول خان کو کچھ پتا نہیں چل سکا کہ وہ گولی کہاں سے آئی تھی اور کدھر گئی۔ اس نے طاہر کا ہاتھ تھاما اور دیوانہ وار دوڑ کر قریب ترین دیوار سے چپک گیا۔

گلی میں پھیلا ہوا اندھیرا یکایک گہرا ہو گیا۔ مکانوں کی روشنیاں بہت تیزی کے ساتھ بجھا دی گئی تھیں تاکہ اندھیرے میں تاک تاک کر گولیاں چلانے والے نامعلوم حملہ آوروں کی نشانے بازی سے بچا جا سکے۔ وہ بہت خوفناک صورتِ حال تھی۔ وہ دونوں کھلی فضا میں تھے۔ دشمن کو ان کی پوزیشن کا اندازہ تھا جب کہ وہ ہر بات سے بے خبر تھے۔ کچھ دیر کے لیے اول خان کا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔

پہلے فائر کے بعد فضا پر کئی سیکنڈ تک بھیانک سکوت چھایا رہا۔ جوشی کی رہائشی اور ملکیتی عمارت اور ان کے درمیان محض ایک دروازے کا فاصلہ تھا' اس درمیانی بلڈنگ کے سامنے سے گزر کر وہ پھرتی سے اپنی مطلوبہ عمارت میں داخل ہوسکتے تھے۔

"میں جارہا ہوں.... تم بعد میں آنا۔" اول خان نے مختصر انتظار کے بعد سرگوشی کی اور اسے مضطرب چھوڑ کر حرکت میں آگیا۔

وہ عمارت کے سائے سے باہر نکلا ہی تھا کہ فضا دوسرے اور پھر تیسرے فائر سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ فضا میں ایک گھٹی گھٹی بے ساختہ چیخ گونجی۔

دوسری گولی اول خان پر چلائی گئی تھی۔ اس کے ستارے اچھے تھے کہ گولی اس کے بائیں شانے پر سے گزر کر سڑک سے اچٹ گئی۔ تیسرا فائر طاہر نے کیا تھا۔ اس نے دوسرے فائر کا شعلہ بروقت دیکھ لیا تھا۔ اول خان پر جوشی کی بلڈنگ کے سامنے والی عمارت کی پہلی منزل سے گولی چلائی گئی تھی۔ طاہر کا نشانہ بے خطا رہا۔ اس نے فلیٹ میں چھپے ہوئے حملہ آور کو زخمی کردیا تھا۔

تیسرے فائر کے بعد بس چند لمحوں کے لیے سکون رہا پھر فضا میں فائرنگ کا شور بھرتا چلا گیا۔ اول خان طاہر کے ساتھ ایک قریبی عمارت میں گھس کر راہداری کی دیوار سے چپک گیا۔

وہ اول خان کے لیے نیا کھیل نہیں تھا۔ اس کی پوری زندگی گولا بارود اور ہتھیاروں سے کھیلتے ہوئے گزری تھی۔ اس نے پہلا راؤنڈ چلتے ہی اندازہ لگالیا کہ تیسرے فائر کے بعد کم از کم چار مختلف ہتھیاروں سے وحشیانہ فائرنگ کا آغاز کیا گیا تھا۔ فائرنگ کے ساتھ فضا خوف زدہ عورتوں اور بچوں کی بے ساختہ چیخوں سے بھی لرز رہی تھی۔

اول خان کے ذہن میں ایک تیز رفتار فلم چل پڑی۔ ویرا نے اسے بتایا تھا کہ شی کے بکھرنے پر جوشی کو اتنا مال ہاتھ آیا تھا کہ وہ اپنی پرانی سرگرمیوں سے تائب ہو کر شریفانہ زندگی کی طرف مائل ہوگیا تھا اور اپنی گزر اوقات کے لیے جائداد کے کرائے پر انحصار کرنے لگا تھا۔ اول خان کے پاس ویرا کی ان باتوں کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ دوسری طرف ان باتوں پر شبہ کرنے کا بھی کوئی سبب نہیں تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسی شام ایس ٹی ایف کے ایک آدمی نے جوشی کی بلڈنگ کا ایک چکر لگایا تھا۔ اگر جوشی کی شہرت خراب ہوتی یا وہ خطرناک آدمی ہوتا تو اول خان کا بھیجا ہوا آدمی یہ باتیں ضرور نوٹ کرتا۔ اس کی فراہم کی ہوئی معلومات میں ایسا کوئی نکتہ نہیں تھا جو اول خان کو چونکنے پر مجبور کردیتا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی غیر معمولی تیاری کے بغیر جوشی کے اغوا کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا۔

ان نامعلوم لوگوں کی طرف سے تقریباً ایک ڈیڑھ منٹ تک دھواں دھار فائرنگ ہوتی رہی۔ فائرنگ کے دھماکوں کی تعداد کے مقابلے میں پختہ سڑک پر آکر معدوم ہونے والے شعلوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ دہشت پھیلانے کے لیے ہوائی فائرنگ کر رہے تھے۔

جوشی اور اول خان کے درمیان کسی تیسرے فریق کی مداخلت خارج از امکان نہیں تھی۔ اس وقت چوپڑا کی وجہ سے را والے جوشی میں دلچسپی لے سکتے تھے۔ وہ جوشی کو چارے کے طور پر استعمال کرنا چاہ رہے تھے۔ چارے پر منہ مارنے والے کو شکار کرنا چاہتے تھے۔ کسی کو یہ اجازت نہیں دے سکتے تھے کہ وہ چارہ اٹھا کر چل دے۔

باہر سے ایک بند راہداری میں آجانے کے بعد وہ دونوں عارضی طور پر محفوظ ہوگئے تھے مگر اول خان جانتا تھا کہ وہ صورتِ حال زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہے گی۔ نامعلوم حملہ آور اپنے ہتھیار سنبھال کر عمارتوں سے باہر نکلیں گے اور پوری گلی میں پھیل جائیں گے۔

"یہاں سے نکل بھاگو ورنہ ہم دونوں مارے جائیں گے۔" اول خان نے خطرے کا ادراک کرتے ہی طاہر سے کہا اور وہ دونوں دروازے سے باہر نکل آئے۔

دروازے سے باہر رک کر اول خان نے اپنا پستول سیدھا کیا اور دیوار کے ساتھ دوڑتے ہوئے فضا میں گولیاں برسا دیں۔ اپنی اس حرکت سے وہ فریق ثانی کو کچھ دیر کے لیے خوف زدہ کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کا تعاقب نہ کیا جاسکے۔

اول خان کے پستول سے پہلی گولی چلتے ہی فضا پھر گولیوں کے شور سے گنگنا اٹھی۔ حریفوں کو میگزین لوڈ کرنے کی مہلت مل چکی تھی۔ انہوں نے دھواں دھار فائرنگ شروع کردی۔

اول خان نے صرف چار فائر کیے۔ وہ دونوں ویران گلی میں دیواروں کے ساتھ ساتھ سیدھے بھاگے جارہے تھے۔ انہیں اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی چاپ نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اول خان کی ترکیب کارگر رہی تھی۔ وہ ذرا سی دیر میں فائرنگ کے اعصاب شکن شور کو پیچھے چھوڑ آئے۔ آخر کار فائرنگ بھی تھم گئی۔ شاید ان کے حریفوں کو ہوش آگیا تھا کہ وہ یک طرفہ طور پر اپنے میگزین برباد کیے جارہے تھے جس

کا کوئی نتیجہ نہیں تھا۔

"مجھ سے دور رہ کر گاڑی تک پہنچو۔ اب یہ علاقہ مخدوش ہوگیا ہے۔" اول خان نے دوڑ لگانے کا سلسلہ ترک کردیا کیونکہ آگے اسٹریٹ لائٹس کا سلسلہ بحال نظر آرہا تھا۔

جوشی کے گڑھ سے فرار کے لیے انہوں نے وہ راہ نہیں لی تھی جس سے وہ اپنی منزل تک پہنچے تھے۔ اس علاقے کی ساری گلیاں یکساں تھیں۔ دور سے ابھرنے والے فائرنگ کے شور کی وجہ سے پورا علاقہ دور تک ویران ہوچکا تھا۔ صورتِ حال جاننے کے لیے لوگ اپنے فلیٹوں کے برآمدوں میں لٹکے ہوئے تھے۔ وہ انہیں نظرانداز کرتے ہوئے بڑھتے رہے۔ اول خان کو اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ راستہ بھٹک کر ایک دوسری سے ملی ہوئی متعدد بند گلیوں کی بھول بھلیوں میں پھنس چکا تھا لیکن اس کے ذہن میں سمت کا احساس باقی تھا۔ وہ کہیں بھی رکے بغیر تیزی سے چلتا رہا اور کافی دیر بعد وہ اس سڑک پر نکلنے میں کامیاب ہوگیا جس پر اس نے جیپ پارک کی تھی۔

وہ دونوں اپنی جیپ سے بہت دور نکلے تھے اور مزید بھٹک سکتے تھے مگر سمت کے احساس نے اول خان کی رہنمائی کی اور قدرے لمبی پیدل مسافت طے کرکے وہ جیپ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ روشنی میں سامنے آنے پر طاہر نے دیکھا کہ اس کے چیف کے چہرے پر دور دور تک شکست کا ملال نہیں تھا' وہ غصے میں سرخ ہورہا تھا۔

شہر کے ایک گنجان آباد علاقے میں نامعلوم شوریدہ سروں کی وہ کارروائی اول خان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ جیپ اسٹارٹ کرکے وہ سیدھا علاقے کے تھانے میں پہنچ گیا۔ وہاں رات کے گشت کی وجہ سے کچھ ویرانی سی تھی۔ ایس ایچ او کا کمرا بند پڑا ہوا تھا مگر جب اول خان نے ایک سب انسپکٹر کو اپنی شناخت کرائی تو وہ کمرا کھول کر ان دونوں کو اندر بٹھا دیا گیا۔ تھانے میں یکایک ہلچل سی پیدا ہوگئی تھی۔

اس وقت رات کا سوا بجا تھا۔ تھوڑی دیر بعد تھانے دار پوری وردی میں آموجود ہوا۔ اول خان اس وقت عام شہری لباس میں تھا مگر تھانے دار اتنا بوکھلایا ہوا تھا کہ اس نے آتے ہی اول خان کو سلیوٹ پیش کردیا۔

"میں اپنی فورس کے ایک مجرم تک پہنچنا چاہ رہا تھا لیکن وہاں کچھ مسلح آدمیوں نے محاصرے کی سی فضا پیدا کی ہوئی ہے۔" اول خان نے رسمی تعارف اور ابتدائی گفتگو کے بعد پولیس افسر کو بتایا "ابھی میں بھاری فائرنگ سے بچ کر نکلا ہوں۔ مجھے دوبارہ وہاں جانے کے لیے نفری درکار ہے۔"

"آدمی کیا۔ سر! وہ اسی کے ساتھی ہوں گے۔ ابھی چل کر انہیں دیکھ لیتے ہیں۔" افسر نے اپنی قابلیت بگھاری۔

تھانے میں زیادہ نفری موجود نہیں تھی۔ روزنامچے میں اندراج کے بعد' دو افسروں اور دو سپاہیوں کے ساتھ وہ پولیس موبائل میں دوبارہ جوشی کے گھر کی طرف چل دیے۔ اول خان نے اپنی جیپ تھانے میں ہی چھوڑ دی۔ تھانے دار اول خان کے ساتھ موبائل کی اگلی نشست پر بیٹھا واردات کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا رہا۔

مین روڈ سے ڈھلوان سڑک پر مڑتے ہوئے تھانے دار نے موبائل کا سائرن آن کرا دیا تاکہ لوگوں کو جائے واردات پر پولیس کی آمد کا علم ہوجائے۔

اگلا موڑ گھومتے ہی انہیں ایک اور پولیس موبائل نظر آگئی جو پہلے سے وہاں پہنچی ہوئی تھی۔

اس وقت وہ پتلی گلی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ پولیس کے آتے ہی سب لوگ گھروں سے باہر نکل پڑے تھے۔ گلی میں پھیلا ہوا اندھیرا بڑی حد تک دور ہوچکا تھا کیونکہ لوگوں نے رضاکارانہ طور پر اپنے فلیٹوں کی بیرونی روشنیاں جلا دی تھیں۔

پہلی موبائل کا انچارج ایک اے ایس آئی تھا۔ اپنے تھانے دار کو غیر متوقع طور پر جائے واردات پر موجود پاکر وہ مستعد نظر آنے لگا۔ پہلی پارٹی نے وہاں پہنچتے ہی تین لڑکوں کو باندھ کر موبائل میں ڈال دیا تھا۔ تین سپاہی جوشی والی بلڈنگ سے عورتوں کو لا رہے تھے۔

"سر کچھ پتا نہیں کہ یہاں کیا ہوا۔" اے ایس آئی اپنے تھانے دار کو بتا رہا تھا۔ یہاں کچھ دیر تک دھواں دھار فائرنگ ہوتی رہی۔ شور سنتے ہی ہم یہاں پہنچے تو فائرنگ ختم ہوچکی تھی مگر فضا میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔ پہلی بلڈنگ میں کہرام مچا ہوا تھا۔ ابھی ابھی پتا چلا ہے کہ کچھ مسلح بدمعاش وہاں سے جوشی نام کے ایک ہندو کو زبردستی اٹھا کر لے گئے۔"

اول خان' اے ایس آئی کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ جوشی کی بلڈنگ سے اس وقت واقعی عورتوں اور بچوں کے رونے پیٹنے کی صدائیں آرہی تھیں۔

جب تک اول خان اس گلی میں موجود تھا' جوشی کے گھر سے کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ اگر اس کہانی میں ذرا سی بھی حقیقت تھی تو پھر یہی ممکن تھا کہ را کے پالے ہوئے

بدمعاش اسے اٹھالے گئے ہوں۔ اول خان سوچ میں پڑ گیا۔ ان کو یہی کچھ کرنا تھا تو وہ اس کے پہنچنے سے پہلے بھی کرسکتے تھے۔ اغوا میں تاخیر کا سبب کیا تھا؟

جوشی کی بلڈنگ سے دو برہنہ عورتیں روتی اور بین کرتی ہوئی باہر آئیں تو اول خان چونک پڑا۔ ان کے پیچھے بندوق بردار سپاہی عمارت سے نکل رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔ تمہارے سپاہی عورتوں کو کہاں لا رہے ہیں؟" اس نے براہ راست اے ایس آئی سے پوچھا۔

"سر! تھانے میں ان کا بیان قلم بند ہوگا۔ ان میں سے ایک کے مرد کا اغوا ہوا ہے۔" اے ایس آئی نے جواب دیا۔ تھانے دار کے دبے دبے رویے سے اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ اول خان کوئی دبنگ آدمی یا بڑا افسر تھا۔

"عورتوں کو گھر میں واپس بھیجو!" اول خان نے تحکمانہ لہجے میں کہا "اور لیڈی پولیس کو بلا کر عورتوں سے ان کے اپنے گھر میں بیان لو۔ یہ مظلوم کی دادرسی کا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ اسی کو ہانک کر تھانے میں لے جاؤ۔"

اے ایس آئی نے پریشان اور استفسار طلب نگاہوں سے تھانے دار کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنی ٹوپی اتار کر سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "اس وقت وہی کرو جو صاحب کہتے ہیں۔ عورتوں کو ان کے گھر میں واپس بھیج دو۔ کاغذ پرچہ بعد میں ہوتا رہے گا۔"

"اس وقت نہیں، تھانے دار صاحب! بعد میں بھی عورتوں کو تھانے میں نہیں بلایا جائے گا۔" اول خان نے سختی سے کہا۔

"ٹھیک ہے سر!" اول خان کو جواب دے کر وہ اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہوگیا "اوئے! سن لیا تم سب نے، کان کھول کر۔"

"سر! آپ کا مجرم کہاں ہے، اب اسے پکڑلیں۔ ہمارے ساتھ آپ کیوں اپنی رات کالی کرتے ہیں۔" اپنے آدمیوں کو کچھ سمجھانے کے بعد تھانے دار دوبارہ اول خان کے پاس آگیا۔

"میرا مجرم جوشی ہی تھا ..." اول خان نے بتانا چاہا مگر تھانے دار نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی۔

"اوئے بیڑا غرق۔" تھانے دار نے زور سے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا "اور وہ اسی کو اٹھا کر لے گئے۔"

"وہ پہلے سے اس کی گھات میں یہاں چھپے ہوئے تھے۔ پہلے مجھ پر فائر کھولا۔ میں راستے سے ہٹ گیا تو وہ اسے نکال لے گئے۔"

"جوشی کوئی بڑا مجرم تھا سر؟" تھانے دار نے گھگیا کر پوچھا۔

"بس اب تمہارا کام سیدھا ہوگیا۔ جرم اور مدعی تمہارے سامنے ہے۔ کاغذوں میں میرا ذکر لانے کی ضرورت نہیں۔ اپنے مجرم کی تلاش شروع کردو۔ وہ ہاتھ آجائے گا تو تمہیں مغوی کے بارے میں ہر بات معلوم ہوجائے گی۔" اول خان نے اسے کورا سا جواب دے دیا۔

"سر! میں شرمندہ ہوں کہ آپ کی کوئی خدمت نہیں کرسکا۔ مجھے تو شبہ ہو رہا ہے کہ گرفتاری کے ڈر سے جوشی اپنے مسلح آدمیوں کے ساتھ نکل گیا۔ مجرم ہر حال میں مجرم ہوتا ہے۔ اس پر برا وقت آجائے تو وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے۔ عورتوں کو ذرا سا رگڑا دیا جائے تو وہ سب اگل دیں گی۔"

"نہیں۔ عورتوں پر زیادتی نہیں ہوگی۔ میں اس بات پر نگاہ رکھوں گا۔ یہ نہ سمجھنا کہ بات یہیں ختم ہوگئی۔ میں اس واقعے کے بارے میں تمہارے ڈی آئی جی کو بھی بتاؤں گا۔ ہم لوگ کہیں اور مداخلت کرتے ہیں تو اوپر والوں کو بھی اطلاع ضرور دیتے ہیں۔"

"سر! آپ فکر ہی نہ کریں .... ہمارے پاس دوسرے طریقے بھی ہیں۔ ایک دو روز میں سچ سامنے آجائے گا۔"

شکار ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ تھانے دار نے اپنی سہل کوشی میں جوشی کے فرار کا ذکر کرکے ایک نئے نظریے کو جنم دیا تھا۔ اس کی بات بہت زیادہ قرین قیاس تھی۔ خود کو بارود کی برسات میں پاکر جوشی اس قدر دہشت زدہ ہوا کہ اپنے ہمدردوں کے ساتھ بھاگ نکلا۔ ایسی صورت میں اس کی عورتوں کا رونا پیٹنا فراڈ ہونا چاہیے تھا۔

جلال نے ان عورتوں کو دور سے دیکھا تھا۔ ان کی گریہ وزاری میں بناوٹ کا کوئی دخل نہیں تھا۔

ایک قوی امکان یہ بھی ابھر رہا تھا کہ میدان صاف ہونے کے بعد را کے مسلح افراد محض مزاج پرسی کے لیے جوشی کے پاس گئے ہوں۔ وہ اس قدر خوف زدہ تھا کہ ان کے ساتھ ہولیا۔ اس کی روانگی خوف و ہراس اور افراتفری کے عالم میں ہوئی اس لیے عورتوں کو پتا نہیں چل سکا کہ کیا ہوا۔ مسلح افراد عجلت میں تھے۔ وہ جوشی کو اپنے ساتھ لے کر تیزی کے ساتھ اس کے گھر سے نکل گئے۔

تھانے دار موٹی اور روایتی سوچ رکھنے والا پولیس افسر تھا لیکن اس نے اپنے تجربے کی بنا پر اول خان پر سوچ کے نئے دریچے کھول دیے تھے۔ اس نے احترام کے ساتھ ادھیڑ

عمر پولیس افسر کو الوداع کہا اور اسی کی موبائل میں پولیس ڈرائیور کے ساتھ تھانے کی طرف چل دیا تاکہ وہاں سے اپنی جیپ لے سکے۔

○☆○

طاہر کو راستے میں ڈراپ کر کے اول خان سیدھا ہمارے گھر آپہنچا۔

ویرا اپنے کمرے میں تھی۔ غزالہ سو چکی تھی مگر سلطان شاہ میرے ساتھ بیٹھا کسی خبر کا منتظر تھا۔

خبر سے پہلے خبر ساز کو اپنے روبرو دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا۔ میرا اندازہ تھا کہ بے ہوش جوشی اس کی جیپ کے پچھلے حصے میں پڑا ہوا ہوگا مگر اول خان کے سپاٹ اور سرد چہرے نے میری ہر خوش امیدی پر اوس ڈال دی۔

وہ تھکے ہارے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ ہم دونوں ہمہ تن گوش ہوگئے۔

"جوشی کا نام ویرا کی ایک غیر محتاط فون کال کے نتیجے میں ہمارے سامنے آیا تھا۔" اول خان نے اپنی پوری روداد سنانے کے بعد کہا۔ "اب وہ دھیرے دھیرے اہمیت اختیار کرتا جارہا ہے۔ وہ کوئی ایسی بات جانتا ہے جو را یا کم از کم چوپڑا کے لیے مہلک ثابت ہوسکتی ہے۔"

"تم نے یہ رائے کیسے قائم کرلی؟" سلطان شاہ نے پر تجسس لہجے میں سوال کیا۔

"میرے لیے یہ مان لینا دشوار ہے کہ جوشی نے اپنی حفاظت کے لیے اپنی بلڈنگ کے گرد مسلح آدمی جمع کیے ہوئے تھے۔" اول خان نے فیصلہ کن انداز میں کہا "میرا دل کہہ رہا ہے کہ وہ چوپڑا سے مسلسل رابطے میں ہے۔ اس نے چوپڑا کو بلیک کوئین کے تیسرے فون کی رپورٹ دی تو اس نے اندازہ لگالیا کہ بات بگڑ چکی ہے۔ ویرا کسی بھی وقت جوشی پر ہاتھ ڈال دے گی۔ اس نے فوری طور پر کرائے کے بدمعاشوں کا ایک مسلح جتھا اس کے گھر پر مامور کردیا تاکہ کوئی بھی جوشی سے ملنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔"

"تم بتارہے ہو کہ آخر میں وہ لوگ اسے اغوا کر کے لے گئے۔ یہ کام تمہارے پہنچنے سے پہلے بہت خاموشی سے انجام دیا جاسکتا تھا۔ اس کے لیے انہیں اتنے پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے سگریٹ کا کش لے کر پر تشویش لہجے میں پوچھا۔

"پہلے میں بھی یہی سوچ رہا تھا لیکن گھاگ تھانے دار نے رواروی میں ایک نکتہ اٹھا کر میری سوچ کا رخ بدل دیا۔"

میرے استفسار پر اول خان نے تفصیل سے نیا نظریہ پیش کردیا جس کی داغ بیل تھانے دار نے ڈالی تھی۔

"یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے۔" میں نے اعتراف کیا "چندن گرنانی کو گھیر لینے کے بعد ہم مسلسل ناکامیوں کا منہ دیکھ رہے ہیں۔ آج کوئی اچھی خبر نہیں ملی۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔" اول خان بڑبڑایا "چوپڑا روپوش تھا۔ اب جوشی بھی ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا۔"

"اگر جوشی کوئی اہم بات جانتا ہے تو یہ سمجھ لو کہ اب اس کی زندگی خطرے میں ہے۔" سلطان شاہ نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔

"چوپڑا اس کا پرانا دوست ہے۔ وہ اسے نہیں مرواسکتا۔" اول خان نے بے یقینی سے کہا۔

"سلطان شاہ کا اندیشہ درست ہے۔" میں نے تائیدی لہجے میں کہا "یہ نہ بھولو کہ چوپڑا کسی کا دوست ہونے سے پہلے را کا سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ اگر جوشی اپنی معلومات کی بنا پر چوپڑا یا را کے لیے خطرہ بن سکتا ہے تو اسے نہیں پالا جائے گا۔ وہ سفاکی سے اپنے دوست کی گردن کاٹ دے گا۔"

"کچھ دیر کے لیے میں تمہاری بات مان بھی لوں تو فوری طور پر ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ چوپڑا چند روز انتظار کرے گا۔ کوئی اپنے جگری دوست کو ایسی سرد مہری سے نہیں مار سکتا۔ اس کے لیے برف جیسے ٹھٹھرا دینے والے خون اور پتھر جیسے دل کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرے آدمی چوپڑا پر کام کررہے ہیں۔ ایک دو روز میں پتا چل جائے گا کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ اس کے کن مقامیوں سے روابط ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہم جوشی کو اس کے قبضے سے چھڑانے میں کامیاب ہوجائیں۔"

"جوشی کوئی اہم بات جانتا ہے تو اس کا ہماری تحویل میں آنا ضروری ہے۔ یہ محض ایک معروضی بات ہے۔ مجھے اس بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔ وہ جوشی کو مارنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے یہ سنہرا موقع ہے۔ وہ اسے ضائع نہیں کریں گے۔"

"تم کس موقع کی بات کررہے ہو؟ جوشی ان کے قبضے میں ہے۔ وہ جب تک چاہیں اس کی خاطر مدارات کریں اور جب چاہیں اس کے دل میں سوراخ کردیں۔ ان کے لیے آج سے کئی مہینوں تک موقع ہی موقع ہے۔" اول خان نے کہا۔

"شاید میں اپنی بات واضح نہیں کرسکا۔ میں نے اپنا سر جھٹک کر کہا "آج صبح سویرے ایک کچرا کنڈی سے چندن کی لاش ملی۔ کل جوشی کی لاش ملتی ہے تو ان واقعات کو کراچی میں ہندوؤں کے منظم قتل کی سازش کا نام دیا جائے گا۔ کوئی

بھول کر بھی یہ نہیں سوچے گا کہ جوشی کے قاتل را کے بھارتی ہندو ہوں گے۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان یکایک بہت زیادہ مضطرب ہو گیا۔ "وہ اسے جلد از جلد مار دیں گے۔ موجودہ لہر میں ان کا دامن بے داغ رہے گا۔ ہمیں جوشی کو ان کے قبضے سے نکالنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے ورنہ ہم اس سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔"

"ہم بے بس ہیں۔ کیا کر سکتے ہیں؟ ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ اسے کہاں لے گئے ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم دونوں بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو۔" اول خان نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ سلطان شاہ بول پڑا۔

"ساری گفتگو سن لینے کے بعد تم یہ کہہ رہے ہو تو اس کا کوئی سبب بھی ہوگا۔" میں نے کہا۔

"انہیں جوشی کو مارنا ہوتا تو وہ اسے لاد کر کیوں لے جاتے۔ اتنے بکھیڑے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کے پروردہ غنڈوں کے ہاتھ لمبے ہیں۔ وہ جوشی کو اس کے گھر میں گولی مار کر لوٹ آتے۔ ذرا سی دیر میں قصہ ختم ہو جاتا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا دماغ کام نہیں کر رہا۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "ہم نے چند مفروضے قائم کیے ہیں جن میں سے پہلی بات یہ ہے کہ جوشی کو اغوا نہیں کیا گیا۔ وہ اپنی جان کے خوف سے خود ان لوگوں کے ساتھ چلا گیا۔ ان بدمعاشوں کو جوشی کو ناپسندیدہ ملاقاتیوں سے بچانا تھا۔ پہلے انہوں نے گولیاں برسا کر اول خان کو اس سے دور رہنے پر مجبور کیا۔ جب وہ ان کے ساتھ چلا گیا تو ملاقاتیوں کا مسئلہ سرے سے ختم ہو گیا۔"

"پھر یہ کہو کہ جوشی اپنی مرضی سے موت کے فرشتے کی طرف گیا ہے۔ ان بدمعاشوں کو اسے مارنے یا اغوا کرنے کی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔ وہ خود بھاگنے پر آمادہ ہوا تو بدمعاشوں کو اپنا کام آسان ہوتا نظر آیا اور وہ اسے اپنے ساتھ لے کر نکل گئے۔" سلطان شاہ نے تفہیمی انداز میں کہا۔

"اب تم صحیح لائن پر سوچ رہے ہو۔" میں نے اپنی بات جاری رکھی "جب تک جوشی اپنے گھر پر تھا، سارا معاملہ جوشی اور چوپڑا کے درمیان تھا۔ چوپڑا نے دوستی کا بھرم رکھتے ہوئے جوشی کے خلاف کوئی سخت فیصلہ نہیں کیا۔ اس کے بچاؤ کے لیے بدمعاش بھیج دیے۔ اب بات چوپڑا سے آگے نکل چکی ہے۔" میں اس موضوع پر ان دونوں سے زیادہ سے زیادہ باتیں کرنی چاہ رہا تھا کہ جوشی کی رہائی کی کوئی راہ سوجھ سکے مگر ہر راہ مسدود نظر آ رہی تھی۔

"چوپڑا سے آگے کیوں؟ وہ اب بھی چوپڑا کے آدمیوں کے قبضے میں ہے۔" سلطان شاہ نے ضد کی۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تنظیمی اداروں میں ہر فرد کسی نہ کسی کو جواب دہ ہوتا ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "چوپڑا بھی کسی کو جواب دہ ہے۔ وہ شخص جوشی کے بارے میں ہر قسم کے جذبات سے عاری ہو کر کوئی منطقی فیصلہ کرے گا۔"

"تمہاری دانست میں ایسا منطقی فیصلہ جوشی کی موت پر منتج ہوگا؟" اول خان نے پوچھا۔

"یقیناً!" میں نے زور دے کر کہا "را کا کوئی ذمے دار آدمی باہر کے ایک ایسے آدمی کا زندہ رہنا پسند نہیں کرے گا جو را یا اس کے کسی اہم عہدے دار کے بارے میں کوئی کلیدی بات جانتا ہو۔ جوشی کے گھر کے باہر مسلح بدمعاشوں کی دھواں دھار فائرنگ نے یہ ثابت کر دی ہے کہ وہ بہت کچھ جانتا ہے۔"

"کاش ہمیں تھوڑا سا وقت مل گیا ہوتا۔ اس وقت

ہمیں یہ پتا چل جائے کہ چوپڑا شہر کے کس بدمعاش سے ملتا رہا ہے تو مسئلہ حل ہوجائے گا۔" اول خان نے کف افسوس ملتے ہوئے حسرت سے کہا۔

"تمہارے کسی آدمی کو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوسکا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"میں نے انہیں آج شام کام پر لگایا تھا۔ انہیں وقت کہاں ملا؟"

"ایسے خفیہ رابطوں کا کھوج لگانا بہت زیادہ مشکل ضرور ہوتا ہے، ناممکن نہیں ہوتا۔" میں نے اول خان کو ترغیب دی۔

"مشکل کاموں کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ تم کہہ رہے ہو کہ صبح جوشی کی لاش مل سکتی ہے کیونکہ بھارتیوں کے لیے یہ وقت سازگار ہے۔"

"کیوں نہ جلال سے مدد لی جائے؟" سلطان شاہ کی اس تجویز سے میں اچھل پڑا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "آئی بی والے مشتبہ سفارت کاروں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ یہ ان کے فرائض کا حصہ ہے۔ وہ ہماری طرح بے خبر نہیں ہوسکتے۔"

"کبھی کبھی تم بہت کام کی بات کرجاتے ہو۔" میں نے سلطان شاہ کی پشت پر ہاتھ مار کر کہا "اس وقت ہمیں جلال سے بہتر آدمی نہیں مل سکتا۔"

"اس سے رابطہ کیسے کرو گے؟" اول خان بھی اچانک چاق وچوبند نظر آنے لگا۔ وہ اس وقت اپنے گھر میں خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہوگا۔ وہ مصروف اور محنتی آدمی ہے۔ دن بھر کا تھکا ہارا ہوگا۔ رات کے سوا دو بجے اسے جگانا ظلم ہوگا۔"

"تم فکر نہ کرو۔" میں نے بے پروائی سے کہا "وہ مصروف اور محنتی ہونے کے ساتھ فرض شناس بھی ہے۔ پورا مسئلہ سمجھ لے گا تو ہنسی خوشی یہ ظلم برداشت کرلے گا۔ اس نے ایسی کسی ناگزیر ضرورت کے لیے مجھے اپنے گھر کا فون نمبر دیا ہوا ہے۔"

اس کے دفتر کا نمبر مجھے زبانی یاد تھا۔ گھر کا نمبر مجھے ڈائری میں دیکھنا پڑا۔ جوشی کو بچانے کی ایک راہ نظر آجانے کے بعد میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے فوری طور پر اسلام آباد کے کوڈ کے ساتھ جلال کے گھر کا نمبر ملالیا۔

میں ریسیور اپنے کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ پہلی اور دوسری گھنٹی بھی بج گئی۔ میں بے چین ہونے لگا۔ میرے لیے ایک ایک لمحہ بہت صبر آزما تھا۔ دوسری طرف مجھے یہ احساس کھائے جارہا تھا کہ میں جلال اور شاید اس کی بیوی کی گہری نیند میں مخل ہو رہا تھا۔

تیسری گھنٹی کے بعد ریسیور میں جلال کی گہری نیند میں ڈوبی ہوئی ہیلو کی طویل آواز گونجی تو خوشی سے میرا دل اچھل پڑا "میں کرنل داور بول..."

اس نے جھلائی ہوئی آواز میں میری بات درمیان سے کاٹ دی "کک... کرنل داور! کیا میں تمہیں جانتا ہوں؟"

اس کا وہ خوابیدہ سوال خاصا زہریلا تھا۔ نیند کی جھونک میں اسے یہ یاد نہیں آسکا تھا کہ میں نے اسی نام سے لیری سے ملاقات کی تھی۔

"تم مجھے ڈینی کے نام سے جانتے ہو۔" میں نے اس کی تلخ نوائی کا برا منائے بغیر تعارف کی سیدھی راہ اختیار کرلی۔

"اوہ! ڈینی ڈیئر... یار معاف کرنا۔ میں نیند کی جھونک میں تھا۔ میری بیوی فون کی ہلکی سی آواز پر جاگ جاتی ہے لیکن میں گدھے گھوڑے بیچ کر سوتا ہوں۔ اس نے مجھے جھنجوڑ کر بہت مشکل سے اٹھایا ہے۔ ناوقت آنے والے فون میں خود سنتا ہوں۔ کہو کیا حال ہے تمہارا؟"

اس کی معذرت اور خوش کلامی نے مجھے پانی پانی کردیا۔ میں نے ندامت سے کہا "میں تمہاری اور بھابی کی نیند خراب کرنے پر دونوں سے معافی چاہتا ہوں۔ اگر تمہارے ذہن سے نیند کا خمار اتر گیا ہو تو میں تم سے انڈین قونصل ہاؤس کے بی ایل چوپڑا کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں؟"

"یار، نیند تو تمہاری آواز سنتے ہی ہوا ہوگئی تھی۔ یہ وہی ہے نا جو وہاں انفارمیشن آفیسر ہے؟"

"تمہاری یادداشت قابل رشک ہے۔" میں نے اسے سراہا "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آج کل اس کا زیر زمین دنیا کے کس آدمی سے میل جول ہے۔"

"اس وقت مشکل ہے۔ صبح دفتر کا ریکارڈ دیکھ کر بتاسکوں گا۔" میرے زیادہ تر آدمی اسی بیگار میں لگے رہتے ہیں کہ کون کہاں جارہا ہے، کن کن لوگوں سے مل رہا ہے۔"

"دیر ہوجائے گی۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا "وقت کی اہمیت نہ ہوتی تو میں اتنی رات گئے..."

"بس بس، سمجھ گیا۔" اس نے میری بات درمیان سے ہی کاٹ لی "مجھے صرف آدھا گھنٹا دے دو۔ میں کافی کی ایک کڑک پیالی پی کر اپنے دفتر جاتا ہوں۔ ریکارڈ دیکھ کر وہیں سے تم کو فون کروں گا۔ بدقسمتی سے ریکارڈ صاف ہوا تب بھی ہماری بات ضرور ہوگی۔ اوکے... بائے۔"

اس نے اپنی بات پوری کرکے فون بند کردیا۔ مجھے اس

سے ممنونیت کے اظہار کا موقع تک نہیں مل سکا۔

"بہت شاندار آدمی ہے۔" جلال کا پیغام سن کر اول خان نے خوشی سے کہا "سول سروس میں ایسے بے لوث افسروں کی تعداد بہت کم ہے۔"

"سب افسر اس کی طرح فرض شناس ہو جائیں تو اس ملک کی قسمت بدل سکتی ہے۔" سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔

"کچھ نہیں ہو سکتا۔" اول خان نے مایوسی سے کہا "ایک طویل مدت گزر جانے کے باوجود تحقیقی بنیادوں پر ہمارے قومی زوال کے اسباب اور ترجیحات کا تعین نہیں کیا جا سکا۔ ہر آنے والا الگ راگ الاپتا ہے۔ عوام، بیوروکریسی اور تاجروں سے لے کر عدالتی نظام تک کو ذمے دار قرار دیا جا رہا ہے لیکن سدھار کے لیے کچھ نہیں ہو سکا۔"

"صرف دو باتیں ہیں۔" میں نے اپنے داہنے ہاتھ کی دو انگلیاں اٹھا کر کہا "اس ملک میں سارا مسئلہ قانون کے احترام کا ہے۔ بیوروکریسی کرپشن کو بھول کر قانون کے بھرپور نفاذ میں سخت اور فعال ہو جائے۔ عدالتوں میں سزا اور جزا کا منصفانہ نظام تیز ہو جائے تو ہر چیز حیرت ناک تیزی سے سدھرتی چلی جائے گی۔"

اول خان کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو گئیں "بہت گہرا اور صحیح تجزیہ ہے تمہارا۔ ہر خرابی کی جڑیں ان ہی دو چیزوں سے ملتی ہیں۔ ٹریفک کا سپاہی قانون کی پاس داری سے زیادہ اپنی بالائی آمدنی میں دلچسپی لیتا ہے اس لیے ہر جگہ ٹریفک کا نظام درہم برہم ہے۔ ٹیکس چرانے والے بھاری سزاؤں کے خوف سے آزاد ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کے ہر جرم کی ایک واجبی سی ماورائے قانون قیمت ہے۔ جسے چکا کر وہ سرخرو رہیں گے۔ ملک کی آمدنی اور خوش حالی میں اضافہ کیسے ہوگا؟"

"ابھی تک میں نے صرف دو آدمی دیکھے ہیں جن کے دامن داغ دار نہیں ہیں۔ ایک تم اور دوسرا ڈیڈی۔" سلطان شاہ نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "اب تیسرا آدمی جلال ہے۔ ان کے سوا ہر ایک گندا ہے۔"

"تم ویرا اور غزالہ کو بھول گئے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"غزالہ گھریلو عورت ہے۔ ویرا سیماب صفت ہے۔ ہیر پھیر اس کے خمیر میں شامل ہے۔ پتا نہیں کب بے ایمانی پر اتر آئے۔" سلطان شاہ نے منہ بنا کر کہا "اس کے بارے میں یقین سے کچھ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں۔"

اس کی بات پر ہم دونوں ہنس پڑے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔

"جلال اس وقت کافی پی رہا ہوگا۔ ہم خالی بیٹھے ہوئے ہیں۔" اول خان نے معنی خیز لہجے میں سلطان شاہ سے کہا "اس وقت عورتوں کو جگانا مناسب نہیں ہے۔"

سلطان شاہ ایسی چھوٹی موٹی خدمات کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتا تھا۔ مجھے اس کی یہ ادا بہت پسند تھی کہ ضرورت پڑنے پر وہ کسی کام میں عار نہیں سمجھتا تھا۔ بے جھجک ہو کر ہر کام میں ہاتھ ڈال دیتا تھا۔

''اس وقت سلطان شاہ نے ہماری بہت بڑی مشکل آسان کردی۔'' سلطان شاہ کے چلے جانے کے بعد میں نے توصیفی لہجے میں کہا۔
''دعا کرو کہ جلال کا ریکارڈ صاف نہ ہو۔'' اول خان نے تفکر آمیز لہجے میں کہا ''میرے لیے یہ آدھا گھنٹا بہت دشوار ثابت ہوگا۔''
''جب تک سلطان شاہ نے جلال کا نام تجویز نہیں کیا تھا، میرے ذہن پر مایوسی کی گہری گہر چھائی ہوئی تھی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ جوشی کچھ اہم رازوں کو اپنے سینے میں چھپائے اس دنیا سے رخصت ہوجائے گا۔ را کے سفاک قاتل کسی قیمت پر اسے زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ اس وقت دور دور تک امید کی کوئی کرن نظر نہیں آرہی تھی۔ جب سلطان شاہ نے چوپڑا کے خفیہ رابطوں کے سلسلے میں جلال کا نام تجویز کیا تو میرے دل ودماغ میں امید کی ایک نئی کرن جگمگا اٹھی۔
میں نے جلال سے بات کرکے سلطان شاہ کی تجویز کو بلا تاخیر عملی جامہ پہنادیا تھا لیکن اس کے بعد میں تذبذب، بے یقینی اور اعصابی تناؤ میں مبتلا ہوگیا تھا۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ آدھے گھنٹے بعد جلال مجھے کیا خبر سنانے والا تھا۔
جلال کا دیا ہوا نصف گھنٹے کا وقت تین بج کر سات منٹ پر ختم ہونا چاہیے تھا۔ وہ انتظار کی گھڑیاں تھیں جو بہت تھم تھم کر گزر رہی تھیں۔ جلال سے گفتگو ختم کرکے ہم نے آپس میں بہت سی باتیں کرلی تھیں لیکن گھڑی میں صرف تین منٹ گزرے تھے۔
چند منٹ کی خاموشی کے بعد میں نے وقت گزارنے کے لیے اول خان کو چھیڑا ''خاموش رہ کر یہ آدھا گھنٹا گزارنا بہت دشوار ہوجائے گا۔''
''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جلال نے ہمیں کراچی کے کسی بدمعاش کا نام دے دیا تو ہم کیا کریں گے؟'' اس نے اپنی محویت ختم کرکے بتایا۔
''پھر ذرا بلند آواز میں سوچو تاکہ میں بھی تمہارا ساتھ دے سکوں۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔
چوپڑا بھارتی ملازم ہے۔ وہ روپوشی کے لیے قونصل خانے کی عمارت بھی استعمال کرسکتا ہے لیکن جوشی ایک عام شہری ہے۔ وہ لوگ اسے اپنی سرکاری عمارت میں لے جانے اور پھر وہاں سے ٹھکانے لگانے کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔''
''تمہاری بات درست ہے لیکن تم اس سے کیا نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کررہے ہو؟''
''وہ جب تک ایک زندہ قیدی ہے، ان ہی لوگوں کی تحویل میں رہے گا جو اسے اس کے گھر سے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ اگر میں کہیں غلطی کروں تو تم مجھے بلا تکلف ٹوک دینا۔''
''تم فکر نہ کرو۔ ایسے معاملات میں، میں کسی کی غلطی معاف نہیں کرتا۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔
''اب اگر جوشی زندہ ہے تو ان لوگوں کے درمیان ہوگا۔ اگر جلال ہمیں کوئی نام دے دیتا ہے تو ہمیں فوری طور پر حرکت میں آنا ہوگا۔''
''صرف حرکت میں آنے سے کام نہیں چلے گا۔ ہمیں اپنی پوری قوت کے ساتھ کارروائی کرکے پہلے ہی ہلے میں کامیاب ہونا پڑے گا۔ ایسا نہ کرسکے تو ہم اپنی جیتی ہوئی بازی ہار جائیں گے۔ ان کو جوشی کو ٹھکانے لگانے کا موقع مل جائے گا۔''
''ہماری اپنی طاقت اور نفری بھی کافی ہے لیکن پولیس کو ساتھ لینے میں ہمیں وردیوں کا سہارا بھی مل جائے گا۔'' اول خان نے جھجکتے ہوئے کہا ''یہ میرا تجربہ ہے کہ جرائم پیشہ لوگ اجنبی اور نامانوس سادہ پوشوں کے مقابلے میں پولیس سے خوف کھاتے ہیں۔''
''پولیس کا نام بھی نہ لینا۔'' میں نے تیزی سے کہا ''ان کا ایک لگا بندھا طریقہ کار ہوتا ہے۔ وہ تمہاری ہدایت پر اپنی گاڑیوں کے سائرن اور چکراتے ہوئے لیمپ بند کرلیں تب بھی کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کرگزریں گے جس سے مجرموں کو پولیس کی آمد کا علم ہوجائے گا۔ پولیس والے اپنے مسلح دشمنوں کو للکار کر مقابلے پر کودنے کے عادی ہوتے ہیں کیونکہ خاموش حملے میں بھاری جانی اتلاف کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ہمیں بہت خاموشی اور رازداری کے ساتھ ان کے سروں پر پہنچنا ہوگا۔''
''گڈ!'' اول خان مطمئن ہوکر بولا ''یہ بات طے ہوگئی کہ ہمیں جو کچھ کرنا ہے، اپنے بل بوتے پر کرنا ہے اور......''
''میں نے اس کی بات وہیں کاٹ دی ''تمہاری ساری نفری اور قوت ملیر چھاؤنی میں مرکوز ہے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ جوشی کو کہیں دور نہیں لے جایا گیا ہوگا۔ اسے شہر کی حدود میں رکھا گیا ہوگا تاکہ چوپڑا چاہے تو آسانی سے اس تک رسائی حاصل کرسکے۔ وقت بچانے کے لیے تم اپنی فورس کو شہر کے کسی منتخب علاقے میں کیوں نہیں بلا لیتے۔ ہم جلال کا پیغام ملتے ہی وہاں پہنچ کر آپریشن کا آغاز کردیں گے۔''
اول خان بے ساختہ ہنس پڑا اور بولا ''تم جذباتی ہورہے

ہو۔ اس وقت ہم صرف امکانات پر بات کر رہے ہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جلال کا ریکارڈ صاف ہو اور وہ کوئی نام دینے کے بجائے ہم سے معذرت کر لے۔ اتنی زیادہ تیاری کی ضرورت نہیں۔ میرا اسٹرائیک یونٹ صرف پانچ منٹ کے نوٹس پر کہیں بھی روانگی کے لیے تیار رہتا ہے۔ اس میں تین تیز رفتار گاڑیاں، دس بہترین نشانے باز اور ہر قسم کے ہلکے، بھاری اور درمیانی بارودی ہتھیار شامل ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنے ہدف تک پہنچنے میں دیر نہیں ہوگی۔"

میں نے اپنے نکتے پر اصرار نہیں کیا۔ رات کے سوا تین بجے پورا شہر سو جاتا ہے۔ شب بیدار رندوں کی محفلیں شاید جاگتی ہوں لیکن شہر بھر کی سڑکیں سنسان ہو جاتی ہیں جن پر تیز رفتاری سے سفر کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔ میں نے نرمی سے کہا "اپنے کاموں سے تم زیادہ واقف ہو۔ میں ہر طرف سے وقت بچانا چاہ رہا ہوں۔ اگر تم اسپیشل ٹاسک فورس کے انتظامات سے مطمئن ہو تو مجھے اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں تم کو یہ بتا دوں کہ ان لوگوں پر ذرا بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔ وہ سب مادر فروش ہیں۔ چند ٹکوں کے لیے دشمن کے ہاتھوں بکے ہوئے ہیں۔ ان میں سے جو بھی نشانے پر آیا، بے رحمی سے بھون ڈالا جائے گا۔ امان صرف جوشی کے لیے ہوگی جو ہمارا اصل ہدف ہے۔"

"اب وہ خبیث بھی ان ہی کا ساتھی نظر آ رہا ہے۔ اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔"

"اس سے ہمیں پوچھ گچھ کرنی ہے۔ یہ اگلوانا ہے کہ چوپڑا کے لیے وہ یکایک اتنا اہم کیسے ہو گیا۔ اس کے بعد تو اسے بھی چندن کے پاس پہنچنا ہے۔"

ان باتوں سے میرے دل کا بوجھ ذرا ہلکا سا ہو گیا اور میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا "اس بار عالم بالا میں ہمارے دشمنوں کی تعداد بہت تیزی سے بڑھی ہے۔ اتنی نفری ہو گئی ہے کہ وہ وہاں را اور سی آئی اے کے جہنمی شعبے قائم کر سکیں۔"

اول خان کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ تیرنے لگی۔

اسی وقت سلطان شاہ ٹرے میں بھاپ اڑاتی ہوئی کافی کے تین مگ تیار کر کے لے آیا۔ ہم دونوں نے خلوص دل سے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے مگ لے لیے۔ اگر وہ ہمت نہ کرتا تو ہمیں اتنی رات گئے وہ لطف میسر نہیں آ سکتا تھا۔

"کچن میں تم دونوں کی باتوں کی مسلسل بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی۔" سلطان شاہ نے اپنی جگہ سنبھالتے ہوئے کہا "مجھے ہٹا کر تم دونوں کیا مذاکرات کر رہے تھے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں تھی جس کے لیے تمہیں ہٹانے کی ضرورت پیش آتی۔" اول خان نے جلدی سے وضاحت کی "اس وقت جلال کی اگلی فون کال موضوعِ سخن تھی۔ اس کا جواب حوصلہ افزا ہوا تو ہمیں فوری طور پر حرکت میں آنا پڑے گا۔"

"اور دونوں عورتیں یوں ہی گہری نیند سوتی رہیں گی۔" سلطان شاہ نے برجستہ سوال کیا۔

"جب انہیں چائے یا کافی بنوانے کے لیے نہیں اٹھایا تو مہم جوئی کے لیے کیوں چھیڑا جائے گا؟" میں نے الٹا اسی سے سوال کیا۔

"صبح ویرا کو علم ہوگا تو وہ بپھر جائے گی۔" سلطان شاہ نے اپنی دانست میں مجھے ہوشیار کیا۔

"اس کی گنجائش نہیں ہے۔" میں نے اس کا خدشہ مسترد کر دیا "اس وقت وہ اتنے گہرے نشے میں ہوگی کہ ہمارا ساتھ نہیں دے سکے گی۔"

"اس کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔" اول خان نے اپنے مگ سے کافی کا گھونٹ لے کر جواب دیا "تم لوگوں کے ساتھ رہ کر اس میں بہت سی تبدیلیاں آ گئی ہیں۔ کیا تم نے کبھی اس کی مے نوشی چھڑانے کی کوشش کی ہے؟"

"کوشش کر کے اسے کسی کام پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کوئی عجیب مخلوق ہے۔ اپنی رو پر عمل کرتی ہے۔ جب تک وہ خود شراب نوشی ترک نہ کرنا چاہے، کوئی اسے اس کام پر آمادہ نہیں کر سکتا۔"

اچانک رات کے سناٹے میں ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز کسی آسیبی چیخ کی مانند گونج اٹھی بے ساختہ میری نظریں وال کلاک کی طرف اٹھ گئیں جہاں تین بجنے میں دو منٹ باقی تھے۔ جلال نے اپنے دیے ہوئے وقت کی ڈیڈ لائن سے ٹھیک دو منٹ پہلے فون کر لیا تھا۔

میں نے دوسری گھنٹی بجنے کی نوبت آنے سے پہلے ہی جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

"حیرت کی بات ہے۔" فون اٹھاتے ہی میرے کان میں جلال کی مضمحل سی آواز آئی "چوپڑا کا ریکارڈ بالکل صاف ہے۔ حالیہ دنوں میں اس کا کسی مشکوک مقامی آدمی سے کوئی رابطہ نہیں رہا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ بہت احتیاط سے کام کرنے والوں میں سے ہے۔"

میرے لیے جلال کا وہ جواب حوصلہ شکن تھا۔ میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا "کیا اس کے حوالے سے جوشی کا نام بھی تمہارے ریکارڈ پر نہیں ہے؟؟"

دوسری طرف چند ثانیوں کے لیے خاموشی رہی پھر جلال کی آواز ابھری "ہاں، مل گیا۔ اس کا تفصیلی حوالہ ہے۔ وہ دونوں اپنے علاقے کی ہندو پنچایت کمیٹی کے ارکان ہیں۔ ان کے قریبی مراسم ہیں۔ جوشی ماضی میں ایک بدنام اور مشہور منشیات فروش رہ چکا ہے۔ کراچی میں ہیروئن کے فروغ میں وہ بہت پیش پیش تھا۔ شبہ ہے کہ وہ شی یا ایسی ہی کسی دوسری زیر زمین سینڈیکیٹ کا رکن تھا۔ اس کا ماضی کھنگالا گیا لیکن وقت گزر جانے کی وجہ سے کوئی بات کھل کر سامنے نہیں آسکی کہ وہ کراچی میں ہیروئن فروشوں کے کس گروہ کے لیے کام کر رہا تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے وہ گوشہ نشین ہو......"

میں نے درمیان میں اس کی بات کاٹ دی "ایک منٹ ٹھہرو۔ کیا تم مجھے کسی فائل کے اقتباسات سنا رہے ہو؟؟"

"فائلیں اب فرسودہ ہو چکی ہیں۔" ہلکی سی، بے جان ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی "اس وقت میں کمپیوٹر پر جوشی اور چوپڑا کا ریکارڈ دیکھ رہا ہوں۔ چوپڑا کی وجہ سے جوشی ہماری نگاہوں میں آیا تھا پھر اس کے بارے میں کچھ چھان بین کی گئی تو پتا چلا کہ وہ اپنے ماضی سے دستبردار ہو کر گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا۔ مذہب اور مندر کے معاملات میں اس کا سارا وقت گزر جاتا تھا۔"

اس بار میں نے جلال کی گفتگو میں دخل اندازی نہیں کی اور وہ بولتا رہا۔

"وہ معمولی درجے کا بدمعاش ہوا کرتا تھا۔ نامعلوم لوگوں کی مضبوط پشت پناہی سے اس کی دھاک جمتی چلی گئی لیکن مالی طور پر وہ کبھی آسودہ حال نہیں رہا۔ یہ حیرت ناک بات ہے کہ منشیات فروشی سے تائب ہوتے ہی اس کے پاس پیسے کی ریل پیل ہوتی چلی گئی اور اس نے کراچی کے قدیم علاقے میں کئی جائدادیں خرید لیں۔ آج اس کا گزارہ صرف کرائے پر ہے۔ وہ اتنا خوش حال ہے کہ دل کھول کر اچھے کاموں میں سرمایہ کاری کرتا ہے۔"

جلال نے کوئی نئی بات نہیں بتائی تھی۔ جوشی کے بارے میں ان ہی کوائف کی تصدیق کی تھی جو ویرا ہمیں بتا چکی تھی۔

"اتنی رات گئے تمہیں اچانک جوشی اور چوپڑا کیسے یاد آگئے؟" اپنی معلومات دہرانے کے بعد جلال نے سوال کیا۔

"ان دونوں نے ہماری رات کالی کی ہوئی ہے۔" دونوں اچانک غائب ہو گئے ہیں۔" میں نے اسے مختصراً بتایا۔

"غائب ہو گئے ہیں؟" اس نے حیرت سے دہرایا "کہاں سے؟؟"

"چوپڑا کے گھر پر تالا پڑا ہوا ہے۔ جوشی کو کچھ نامعلوم آدمی گولیوں کی برسات میں اٹھا لے گئے۔" میں نے کہا "اب تم گھر جا کر آرام کرو۔ اس بارے میں صبح تفصیل سے باتیں ہوں گی۔ اس وقت ہم ان دونوں کی راہ پر لگے ہوئے ہیں۔"

"کوئی مہم درپیش ہو تو پھر میرے لیے دن اور رات میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ بستر سے نکل آنے کے بعد میری صبح ہو چکی ہے۔ میری پروا کیے بغیر تم اپنی کہانی سنا ڈالو" جلال نے پرزور لہجے میں اصرار کیا۔

"امریکیوں کے مقابلے میں تم نے ہمیں بے دست و پا کر دیا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "ان کے بعد ہمارے سامنے صرف بھارتی رہ گئے ہیں۔ ہم پر امن بقائے باہمی کے دعوے دار ہیں اس لیے بے گناہ بھارتیوں کے خون کی ہولی نہیں کھیل سکتے۔ مشتبہ بھارتیوں میں بدھو لال چوپڑا کا نام سرفہرست ہے جو ہمیں چندن گرنانی نے بتایا تھا۔ ہم اس کی بو پر لگے ہوئے تھے مگر وہ ہمیں جل دے کر کہیں روپوش ہو گیا۔"

"تمہارا خیال ہے کہ جوشی نے اسے پناہ دی ہوئی ہے۔" جلال نے بے صبری سے سوال کیا۔

جلال کے اس اندازے کی تردید کے لیے مجھے پوری کہانی سنانی پڑی۔ اختصار کے ساتھ وہ واقعات دہراتے ہوئے مجھے بار بار یہ خیال آرہا تھا کہ ویرا نے اپنے طور پر کوئی تیر مارنے کے چکر میں جوشی کو فون نہ کیا ہوتا تو وہ بکھیڑا اتنا نہ پھیلتا۔ ہم آسانی کے ساتھ چوپڑا کے گھر کا سراغ لگا کے، خاموشی سے اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے اور قصۂ زمین برسر زمین ہی نمٹ جاتا۔ ہمیں رات گئے جلال کو بستر سے نکال کر دفتر کی طرف نہ دوڑانا پڑتا۔

"یہ تمہاری ویرا بھی آفت کی پرکالہ ہے۔" میری پوری بات سن لینے کے بعد جلال کے تحسین آمیز تبصرے نے مجھے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا "جہاں ہاتھ ڈالتی ہے، کچھ نہ کچھ گند

نکال کر سامنے لے آتی ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ جوشی اسی کی دریافت ہے۔ وہ اس کا سراغ نہ نکالتی تو تم بدھو کو مار کر خوش ہوجاتے' وہ سنپولیا خاموشی سے پروان چڑھتا رہتا۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہ چلتا کہ وہ کیا گل کھلا رہا ہے۔"

"تمہاری یہ بات درست ہے۔" مجھے ہچکچاتے ہوئے اعتراف کرنا پڑا "وہ سامنے ضرور آگیا ہے مگر اس کی وجہ سے الجھنیں بڑھ گئی ہیں۔"

"بعد کی پریشانیوں سے یہ الجھنیں بہتر ہیں۔ اس وقت ایک کے بجائے دو حریف تمہارے سامنے ہیں۔ تم کسی بھی وقت ان دونوں کو اپنے نشانے پر لے لو گے۔" جلال ویرا کی کارکردگی کی تعریف پر تلا ہوا تھا۔

"بس' تم دعا کرتے رہو۔ میں نے بلاوجہ ہی تمہاری نیند برباد کی۔" میں نے مضمحل سی آواز میں جواب دیا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" جلال کی طرف سے جواب آیا "کمپیوٹر پر چوپڑا کی کمپیوٹر فائل کئی جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ میں تم سے بات کرتے ہوئے ہر جگہ اس کے ریکارڈ کی جانچ پڑتال کررہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی بات سامنے آجائے اور میری بھاگ دوڑ کا پھل مل جائے۔"

"تم آرام سے اپنا ریکارڈ دیکھ لو۔ میں گھر پر ہی ہوں۔ کام ختم کرکے مجھے دوبارہ فون کرلینا۔" میں نے مشورہ دیا۔

"ویری گڈ اور تھینک یُو! تمہارے مشورے ہمیشہ مناسب اور برمحل ہوتے ہیں۔" جلال کے اس جواب کے ساتھ ہی فون بند ہوگیا۔ ایک وقت میں دو کام کرنے کی وجہ سے شاید وہ اپنے کمپیوٹر پر پوری توجہ مرکوز کرنے میں دشواری محسوس کررہا تھا۔ اس نے فوری طور پر میرا مشورہ قبول کرلیا۔

"جلال سے بھی بات نہیں بن سکی۔ اب کیا کیا جائے۔" سلطان شاہ نے پرتشویش انداز میں کہا۔

"یہ کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ جوشی کا سراغ مل جائے گا۔ بس ذرا وقت صرف ہوگا۔" اول خان نے اسے دلاسا دیا "ہم سب اتنے گئے گزرے نہیں ہیں کہ شہر میں اپنے ایک مطلوب آدمی کا کھوج نہ لگاسکیں۔"

"یہ دعویٰ مت کرو۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے ٹوکا "امریکی اور بھارتی ایجنٹ اپنے پورے وسائل کے ساتھ ایک مدت سے مجھے تلاش کررہے ہیں لیکن ان کو ناکامی کے سوا کچھ نہیں ملا۔"

"ہر شخص ڈیِنی نہیں ہوتا۔" اول خان نے بے پروائی سے کہا "خود کو دو ٹکے کے اس بدمعاش سے مت ملاؤ۔ ایک آدھ روز میں اس کا ٹھکانا معلوم ہوجائے گا۔"

"تم واقعی مقدر کے دھنی ہو۔" سلطان نے سرہلا کر اول خان کی تائید کی "'را' ایف بی آئی اور سی آئی اے کے علاوہ نہ جانے کون کون تمہیں تلاش کررہا ہوگا۔ سب کی توجہ کا مرکز کراچی بنا ہوا ہے۔ تم یہاں ان کے سینے پر مونگ دل رہے ہو اور وہ بے بس ہیں۔"

"احتیاط اور محدود ترین روابط کی وجہ سے میں ان بھیڑیوں سے بچا ہوا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا "تم یہ دیکھو کہ میری سوشل لائف کیا رہ گئی ہے۔ تم چاروں کے سوا' بس جلال سے میل جول ہے۔ حد یہ ہے کہ یہاں آنے کے بعد میں نے اپنے پڑوسیوں سے ملنے کی زحمت بھی نہیں کی۔"

"پڑوسیوں کی بات رہنے دو۔" اول خان نے بیزاری سے کہا "تم نے زحمت نہیں کی تو کیا ان میں سے کسی نے تمہارے دروازے پر دستک دی؟ دردمندی اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کا جذبہ کراچی اور دوسرے شہروں کی صرف غریب آبادیوں میں پایا جاتا ہے۔ بڑے گھروں میں رہنے والے اپنی اپنی دنیا میں مگن رہتے ہیں۔ ان کو اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ ان کے پڑوس میں کون رہ رہا ہے' کیا کررہا ہے اور کس حال میں ہے۔"

"پڑوسیوں کے ہاتھوں ستائے ہوئے معلوم ہورہے ہو!" میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"میں اس روش سے اکتا گیا ہوں۔ ملنا چاہتا ہوں مگر پڑوسی دور بھاگتے ہیں۔ ایک فرعون تو ایسے ہیں کہ پندرہ منٹ دروازے پر کھڑے باتیں کرتے رہے۔ رسماً بھی ایک مرتبہ اپنے گھر میں بیٹھنے کی دعوت نہیں دی۔"

"ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو درگزر کردیا کرو۔" سلطان شاہ نے ناصحانہ لہجے میں اسے تلقین کی "یہ کراچی کے پانی کا اثر ہے۔"

"کراچی کے پانی کو کچھ نہ کہنا۔" اول خان اس پر آنکھیں نکال کر غرایا "یہ لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے ڈھکوسلے ہیں۔ کراچی والوں کی ملنساری کا احوال جاننا ہو تو لیاری' گولیمار' لیاقت آباد' نئی کراچی اور سرجانی والوں سے ملو۔ وہ تمہیں ایسی ایسی دل گداز باتیں سنائیں گے کہ تمہیں اپنے اوپر شرم آنے لگے گی۔"

"تم بلاوجہ ناراض ہوگئے۔ میں نے تو کراچی والوں کی ایک کہاوت دہرائی تھی۔" سلطان شاہ نے منہ لٹکا کے کہا۔

"یہ کہاوت سنگ دلوں اور خود غرضوں کی گھڑی ہوئی

ہے تاکہ اپنے کرتوت شہر کے پانی پر تھوپ دیں۔"

"ہم جذبات کی رو میں آکر بہک گئے۔ بات ہماری سوشل لائف کی ہو رہی تھی۔" میں نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"سوشل لائف میری اور ویرا کی تباہ ہوئی ہے۔" سلطان شاہ نے احتجاج کیا "تم غزالہ کے ساتھ مگن رہتے ہو۔ دل گھبراتا ہے تو گپ شپ کرنے کے لیے سلمیٰ اور جہانگیر کی طرف چلے جاتے ہو۔ ہم دونوں کے لیے اکتاہٹ' تنہائی اور بیزاری کے سوا کیا ہے۔"

"جہانگیر بے چارہ!" اس کا ذکر آتے ہی میرے ذہن پر ندامت کی ایک لہر سی چھا گئی "اس نے میری دوستی کی سب سے بھاری قیمت ادا کی ہے۔ اس کا اکلوتا بیٹا شیر خواری کے زمانے سے ہی ننھیال میں پل رہا ہے۔ اگر وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ہوتا تو آج ان دونوں کی زندگی کی ڈگر بہت مختلف ہوتی۔ اس بار تو مجھے ان سے ملے ہوئے کافی دن ہو گئے ہیں۔ شاید سلمیٰ بھی لاہور سے واپس آچکی ہو گی۔"

"وہ تمہارا مخلص دوست ہے۔ تمہیں کبھی کبھی اس سے مل لینا چاہیے۔" اول خان نے مجھے تلقین کی پھر وہ سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا "تم دونوں کو ٹھنڈے دل سے غزالہ کی تجویز پر غور کرنا چاہیے۔ تمہاری تنہائی اور بیزاری کا صرف ایک ہی علاج ہے۔"

سلطان شاہ کا منہ بن گیا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے دانستہ اسے چھیڑا "اول خان کا اشارہ تمہاری اور ویرا کی شادی کی طرف ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں' سب سمجھ رہا ہوں۔ اسی لیے خاموش ہوں۔" اس نے اپنے نتھنے پھلاتے ہوئے جواب دیا "شادی تو بہت دور کی بات ہے۔ میرا خیال ہے کہ ویرا کسی شریف آدمی کی دوستی کے قابل بھی نہیں ہے۔ بس گلے پڑ گئی ہے اس لیے دوسروں کی طرح میں بھی اسے برداشت کر رہا ہوں۔"

"اور اگر وہ بھی تمہارے بارے میں یہی خیالات رکھتی ہو؟" اول خان نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"کیا؟" سلطان شاہ یکایک بھڑک گیا "وہ کیا کہتی ہے میرے بارے میں؟"

اس اثنا میں اول خان مجھے آنکھ مار چکا تھا۔ میں نے جھٹ بات سنبھالتے ہوئے کہا "اس کا خیال ہے کہ تم سے شادی کرنے سے بہتر ہے کہ کسی شیر خوار بچے کو گود لے لیا جائے۔ اس کی ٹیاؤں ٹیاؤں فیڈر کا نپل دیتے ہی ختم ہو جائے

تشخیص

ایک شخص ڈاکٹر کے کلینک میں داخل ہوا تو اس کی حالت عجیب تھی۔ رنگت سبز نظر آرہی تھی جبکہ کان سرخ ہو رہے تھے۔ سانس تیز تیز چل رہی تھی۔ جسم میں درد کی لہریں بھی اٹھ رہی تھیں۔ تفصیلی معائنے کے باوجود ڈاکٹر صاحب کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیا مرض تھا۔ برابر کے کمرے میں جاکر انہوں نے میڈیکل کی کتابیں بھی دیکھیں مگر کوئی مدد نہ ملی۔ انہیں معلوم تھا کہ ہر مریض کی طرح یہ مریض بھی جاننا چاہے گا کہ اسے کیا ہوا ہے چنانچہ انہوں نے یہ نوبت آتے ہی سوال کیا "آپ کو یہ بیماری پہلے بھی ہوئی ہے؟"

"جی ہاں" مریض نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

"بس...وہی بیماری آپ کو دوبارہ بھی ہو گئی ہے" ڈاکٹر صاحب نے مدبرانہ انداز میں سرہلاتے ہوئے کہا۔

رشک

"شادی کے لیے مجھے ایسی لڑکی کی تلاش ہے جیسی لڑکی سے دادا جان نے شادی کی تھی۔"

"چھوڑو یار! آج کل کے زمانے میں ویسی لڑکیاں کہاں ملتی ہیں۔"

"کیوں نہیں ملتیں.... دادا جان نے دو ماہ پہلے ہی تو شادی کی ہے۔"

گی۔ تمہاری بک بک کو روکنا انسان کے بس سے باہر ہے۔"

وہ طیش میں آگیا "مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ میرے بارے میں اتنی گھٹیا باتیں کرتی ہے۔ میرے ساتھ تخلیہ ہوتا ہے تو ڈورے ڈالنے کی کوششیں کرتی ہے اور پیٹھ پیچھے اول فول باتیں کرتی ہے۔ اب میں اسے اچھی طرح دیکھ لوں گا۔"

"غصے کے بجائے پیار کی نظر سے دیکھو گے تو تم دونوں کی

تنہائی کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہوجائے گا۔ میں تم سے یوں ہی مذاق کررہا تھا۔ میری باتوں کو اپنے دل پر نہ لے بیٹھنا۔ ویرا تم سے بہت لگاؤ رکھتی ہے' وہ ایسی ویسی باتیں نہیں کرتی۔" میں نے جلدی سے وضاحت پیش کردی۔

سلطان شاہ شکایتی نظروں سے میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "مجھے توقع نہیں تھی کہ تم مجھ سے ایسا مذاق کروگے۔ میں ویرا سے کون سا خوش رہتا ہوں۔ ایسی کڑوی کسیلی باتیں مجھے اس سے ہمیشہ کے لیے متنفر کرسکتی ہیں۔"

"اسی لیے میں نے تمہیں یہ بتانے میں دیر نہیں لگائی کہ میں مذاق کررہا تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"غلطی مجھ سے بھی ہوئی ہے۔" اول خان نے فراخ دلی سے اعتراف کیا "ویرا اور سلطان شاہ کا معاملہ نازک ہے۔ ان کے بارے میں ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔ ایسا مذاق کسی سے منسوب نہیں کرنا چاہیے جو دوسرے فریق کی دل آزاری کا سبب بنے۔ بری باتیں دلوں پر فوری اثر ڈالتی ہیں۔"

میں نے اپنے دونوں کان پکڑلیے "ان دونوں کے بہترین مستقبل کی امید میں' میں غیرذمے دارانہ مذاق سے تائب ہوتا ہوں۔"

"بلاوجہ بات بڑھانے کی ضرورت نہیں۔" سلطان شاہ نے خشک لہجے میں کہا "ویرا خود کو بدلے گی نہ میں بدل سکتا ہوں۔ ریل کی یہ دونوں پٹڑیاں کتنی ہی دور نکل جائیں' ایک دوسرے سے نہیں مل سکتیں۔ اس بارے میں زیادہ سوچ کر تم بلاوجہ اپنے ذہن کو تھکا رہے ہو۔ یہ میرا....."

اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

جلال کی آواز خاصی پرجوش تھی "بدھولال چوپڑا بہت محتاط اور دوربین آدمی ہے۔ شاید اپنے کام فون سے چلاتا ہے۔ میں نے پورے سال کا ریکارڈ دیکھ ڈالا لیکن کچھ پتا نہیں چلا۔ کراچی کے غیر معمولی حادثات میں آج سے چار مہینے پہلے اس کا نام موجود ہے۔ راجا نامی ایک بدمعاش کی گاڑی سے بارہ سالہ ہندو لڑکی کچل کر مرگئی تھی مگر بات پولیس کے روزنامچے سے آگے نہیں بڑھی۔ چوپڑا بروقت تھانے پہنچ گیا۔ اس کی مداخلت پر لڑکی کے ورثا تاوان کی رقم لینے پر آمادہ ہوگئے اور راجا پولیس کیس سے بچ گیا۔"

"کمال ہے۔" میں نے کھلے دل سے اس کی تعریف کی "تم نے بہت باریکی سے چھان بین کی ہے۔"

"بس' مجھے اچانک خیال آگیا۔ میرے کمپیوٹر پر پاکستان کے ہر شہر اور قصبے میں رونما ہونے والے غیر معمولی واقعات کی تاریخ وار تفصیل موجود ہے۔ یہ واقعہ اس اعتبار سے غیر معمولی تھا کہ چوپڑا کے پہنچنے سے پہلے مشتعل ہندوؤں کی بڑی تعداد تھانے پر جمع ہوگئی تھی۔ وہ لوگ تھانے کو آگ لگا کر راجا کو مار ڈالنے پر تلے ہوئے تھے۔ چوپڑا کی مداخلت پر سب کچھ حیرت ناک سرعت سے قابو میں آتا چلا گیا۔ کراچی کی ہندو برادری میں اس کا اثر و رسوخ حیران کن ہے۔"

"راجا ہی ہمارا مطلوب آدمی ہوسکتا ہے۔" میں نے پُریقین لہجے میں کہا "وہ اپنے سارے کام فون کے ذریعے چلاتا ہے اس لیے تمہارے کسی آدمی کی نظروں میں نہیں آسکا۔ راجا کو غضب ناک ہندوؤں سے بچانے کے لیے ایک مرتبہ اسے راجا سے ملنا پڑا اور تمہارے کمپیوٹر نے وہ واقعہ اگل دیا۔ بمبئی بازار میں جن مسلح لوگوں نے جوشی کی عمارت کو گھیرے میں لیا ہوا تھا وہ راجا کے آدمی ہوں گے۔ یہ نام مجھے کچھ مانوس سا لگ رہا ہے۔"

"کاش میری یہ محنت تمہارے کام آسکے۔ مجھے نتیجے سے ضرور باخبر کرنا۔" جلال کی آواز میں اس کی دلی آرزو جھلک رہی تھی۔

"تم بے فکر رہو۔ آنے والا دن ہم سب کے لیے کوئی نہ کوئی خوش خبری لے کر طلوع ہوگا۔"

فون کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ ان دونوں کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ جلال نے اپنے کمپیوٹر کی یادداشت کھنگال کر ایک نام دریافت کرلیا تھا۔

میں عجلت اور خوشی میں جلال سے یہ پوچھنا بھول گیا کہ راجا کی گرفتاری کس تھانے میں ہوئی تھی۔ میں چاہتا تو مختصر سی کال کرکے اس سے یہ بات معلوم کرسکتا تھا مگر اول خان نے مجھے روک دیا۔

وہ اپنی نوعیت کا انوکھا اور منفرد واقعہ تھا۔ ایسے واقعات روز روز پیش نہیں آتے۔ اول خان کا اندازہ تھا کہ شہر کے اعلیٰ پولیس افسران اس واقعے کو دیر تک نہیں بھلاسکیں گے۔ ان سے تھانے کا سراغ ملتے ہی راجا کا سارا کچا چٹھا سامنے آجاتا۔

مطلوبہ ہدف کے حصول کے لیے فیلڈ ورک اول خان کے آدمیوں کو کرنا تھا مگر پولیس افسران کی مدد حاصل کرنے کے لیے اول خان خود پیش قدمی کرنا چاہتا تھا۔ وہ روایات پرست اور پروٹوکول کا سخت حامی تھا۔ اپنے کسی ماتحت کو اس کام پر لگا کر وہ پولیس افسران کو یہ سوچنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ ایس ٹی ایف کا اسٹیشن کمانڈر بددماغ ہوکر' خود کو

ان سے برتر سمجھنے لگا ہے۔

جلال سے ہونے والی میری گفتگو سن کر اول خان کو افسوس تھا کہ شہر میں رونما ہونے والا وہ اہم واقعہ اسے یاد نہیں تھا۔ بظاہر وہ بے پروائی کے نتیجے میں پیش آنے والا ایک مہلک حادثہ تھا مگر اس سے پیدا ہونے والی فرقہ وارانہ پیچیدگی نے اسے اہم بنا دیا تھا۔ اس سے بھی اہم تر بات یہ تھی کہ حادثے کے ذمے دار کے چیتھڑے اڑا دینے پر تلا ہوا' مشتعل ہندوؤں کا بپھرا ہوا ہجوم چوپڑا کی مداخلت کے بعد یکایک قابو میں آگیا تھا۔

وہ معلومات حاصل کر کے جلد ہی لوٹنے کا وعدہ کر کے ہم سے رخصت ہو گیا۔

"کچھ وقت مل گیا ہے تو کیوں نہ تھوڑی دیر آرام کرلیں۔" چند منٹ کی خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے بوجھل آواز میں تجویز پیش کی۔

"مشورہ صائب ہے۔ تم اپنے کمرے میں جا کر لیٹ جاؤ۔" میں نے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"اور تم کیا کرو گے؟" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میں یہیں لیٹ کر سگریٹیں پھونکتا رہوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میری آنکھوں میں دور دور تک نیند کا پتا نہیں ہے۔ بستر پر لیٹا تو کروٹیں بدل بدل کر غزالہ کی نیند بھی خراب کردوں گا۔ تم میری پروا نہ کرو اور کچھ دیر کے لیے اپنے کمرے میں جا کر کمر سیدھی کرلو۔"

"پھر میں اپنے کمرے میں جا کر کیا کروں گا۔ میں یہیں بیٹھ کر تمہارا ساتھ دوں گا۔"

میں نے اسے بھیجنے کے لیے اصرار نہیں کیا۔ اول خان جن تیوروں کے ساتھ ہم سے رخصت ہوا تھا ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنا کام پورا کرتے ہی واپس آئے گا۔ میرا اندازہ تھا اسے اسٹیشن فور کی طرف جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ کسی بھی قریبی تھانے میں پہنچ کر مطلوبہ معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ میرے اس حساب کے مطابق اس کی واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگنی چاہیے تھی۔ رات کا خاصا حصہ

باقی تھا۔ اگر اسے کامیابی حاصل ہو جاتی تو ہم سورج طلوع ہونے سے پہلے راجا تک رسائی حاصل کر سکتے تھے۔

"اول خان یہاں سے جائے بغیر بھی اپنا کام کر سکتا تھا۔" کچھ دیر کے توقف کے بعد سلطان شاہ نے سکوت توڑا۔

"شاید تمہارا مطلب ہے کہ وہ فون استعمال کر سکتا تھا۔" میں نے مستفسرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ظاہر ہے۔" اس نے اقرار کیا "یہ سہولت ایسی ہی ایمرجنسی میں کام آتی ہے۔"

"دن کی اور بات ہوتی ہے۔ رات کے تین بجے فون کی گھنٹیاں بجا کر کسی کو جگانا اور پھر سوالات کرنا معیوب لگتا ہے۔"

"نیند تو دروازے پر دستک دینے سے بھی خراب ہو گی...."

وہ بحث برائے بحث پر تلا ہوا تھا۔ شاید اس طرح وقت گزارنے اور نیند کی رو سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی "فون پر صرف آوازیں سنائی دیتی ہیں جن سے مخاطب کے موڈ کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ روبرو ملاقات کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تو فون، فیکس، ای میل اور سوفٹ کے آجانے کے بعد ساری ائرلائنز کا بزنس چوپٹ ہو گیا ہوتا۔ سارے کام گھر یا دفتر میں بیٹھے بیٹھے ہو جاتے۔"

"تھانوں میں تعینات افسران اور عملے کو ڈیوٹی پر سونے کی اجازت نہیں ہوتی۔ وہ کسی کے گھر جانے کے بجائے قریبی تھانے کا رخ کرتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔"

"وہ ایس ٹی ایف کا مقامی سربراہ ہے اور اتنی عقل رکھتا ہے۔ وہ کسی تھانے کی طرف ہی گیا ہو گا۔"

"پھر ٹھیک ہے۔" میرے جواب سے سلطان شاہ کچھ مطمئن سا ہو کر بولا "اس کا خود جانا ہی بہتر تھا۔"

ہمیں زیادہ دیر تک اول خان کی واپسی کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ بمشکل آدھے گھنٹے میں لوٹ آیا۔

"مجھے زیادہ لمبی دوڑ نہیں لگانی پڑی۔" اس نے آتے ہی مسرت آمیز لہجے میں بتایا "گھر سے نکل کر میں سوک سینٹر کے سامنے پولیس لائن میں چلا گیا۔ وہاں مجھے ایک ڈی ایس پی مل گیا جس نے سارا مسئلہ حل کر دیا۔"

"راجا کا وہ واقعہ اتنا اہم تھا کہ ہر ذمے دار پولیس افسر کو زبانی یاد ہو گا۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

"وہ واقعہ سعید آباد کے علاقے میں پیش آیا تھا۔ راجا کا ٹھکانا بھی وہیں ہے۔" اول خان نے انکشاف کیا۔

"تو دیر کس بات کی ہے۔ اپنے اسٹرائیک یونٹ کو روانگی کا حکم دے دو۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

"یہ نیک کام میں نے راستے میں موبائل فون پر کر لیا تھا۔ وہ لوگ حسن اسکوائر کے چوراہے سے ابن سینا روڈ پر مڑ کر ہمارا انتظار کریں گے۔ اب تم روانگی کی تیاری کرو۔"

"کہاں روانگی کی تیاری ہو رہی ہے۔" ویرا کی نیند سے بوجھل آواز سن کر میں بری طرح چونک پڑا۔

وہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے شب خوابی کے کپڑوں پر ڈھیلا سا گاؤن پہنا ہوا تھا۔ نیند کے خمار سے اس کی آنکھیں سرخ اور متورم ہو رہی تھیں لیکن اس نے اپنے بال سنوارے ہوئے تھے۔

"تم تو مُردوں سے شرط لگا کر سوئی ہوئی تھیں۔ اچانک کہاں سے نازل ہو گئیں؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"میں مری نہیں تھی، سوئی ہوئی تھی۔ میری آنکھ گھنٹی کی آواز سن کر کھلی تھی۔ ابھی کون آیا تھا؟"

"آنا جانا کس کو تھا۔ ہم تینوں یہاں بیٹھے گپ شپ کر رہے ہیں۔ تمہارے کان بجے ہوں گے۔" سلطان شاہ نے بے نیازی سے کہا۔ اس وقت وہ ویرا کو گھسنے کے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ میں نے ان کی باتوں میں مداخلت ضروری نہیں سمجھی۔

"میں اتنی مدہوشی کی نیند نہیں سوتی۔" ویرا نے اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے گھورتے ہوئے کہا "سچ سچ بتاؤ کہ کون آیا تھا؟"

"جس گھر میں ایک عورت شراب پیتی ہو وہاں رحمت کے فرشتے بھی نہیں آسکتے۔ یہاں اور کون آتا؟"

"تم کہیں گئے ہوئے تھے؟" اس بار ویرا نے براہِ راست اول خان سے سوال کیا۔ اس نے سلطان شاہ کے تبصرے کو یکسر نظرانداز کر دیا تھا۔

وہ ان دونوں کی بحث میں فریق نہیں تھا، انکار نہیں کر سکا "تم کھڑی ہوئی کیوں ہو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔ میں تھوڑی دیر کے لیے باہر گیا تھا۔"

ویرا نے ہلکی سی فاتحانہ مسکراہٹ سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور صوفے پر آن بیٹھی۔ اپنی نشست درست کر کے اس نے ایک سگریٹ سلگائی، نتھنوں سے اس کا دھواں خارج کرتے ہوئے وال کلاک پر نظر ڈالی پھر سلطان شاہ سے بولی "اس وقت صبح کے ساڑھے تین بج رہے ہیں اور تم مرچیں چبا رہے ہو۔ میں فکرمند ہوں کہ رات کے کھانے

میں تم نے کیا بے اعتدالی کی تھی کہ اس کے اثرات اب تک باقی ہیں۔"
"تمہیں دیکھ لینے کے بعد شہد میں بھی مرچوں کا مزہ آنے لگتا ہے۔" وہ بولا۔
"بس مرچیں چباتے رہو۔ ان کے اثرات معدے کے راستے دور تک پہنچیں گے۔" ویرا نے بے اعتنائی سے کہہ کر اپنا رخ دوبارہ اول خان کی طرف پھیرلیا "یہ بتاؤ کہ اتنی صبح تم کہاں روانہ ہونے کا پروگرام بنا رہے تھے۔"
اول خان نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ میں نے نرمی سے کہا "چوپڑا کے ایک رابطے کا سراغ مل گیا ہے۔ اس وقت ہم راجا نامی ایک بدمعاش کے اڈے پر دھاوا بولنے جا رہے ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ جوشی کو اسی کے آدمی اٹھا کرلے گئے ہوں گے۔"
ویرا کو ان واقعات کے ہیر پھیر کا علم نہیں تھا اس لیے اس نے قدرے حیرت سے پوچھا "رات اول خان کو جوشی کو پکڑنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔"
"جوشی ہاتھ آگیا ہوتا تو اس وقت ہم یہاں بیٹھے اپنا سر نہ کھپا رہے ہوتے۔" سلطان شاہ نے چڑ چڑے لہجے میں کہا "پتا نہیں تمہاری آنکھ کیوں کھل گئی۔ اب تمہیں شروع سے آخر تک پوری رام لیلا سنائی جائے۔"
"وہاں پہلے سے کچھ مسلح آدمی چھپے ہوئے تھے۔" اول خان نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "ہمارے پہنچنے کا اندازہ لگاتے ہی انہوں نے فائرنگ شروع کردی۔ وہ جوشی کو اٹھا لے گئے یا پھر وہ خود ہی ڈر کر ان کے ساتھ بھاگ گیا۔"
"آئی سی!" ویرا ہونٹ سکیڑ کر بے ساختہ بولی "فرار اور اغوا میں بہت فرق ہے مگر ایک بات صاف ظاہر ہے کہ چوپڑا کے لیے جوشی بہت اہم آدمی ہے۔ اسے تم سے بچانے کے لیے اس نے خاصا ڈرامائی قدم اٹھایا ہے۔"
"وہ سمجھ رہا ہے کہ ان حرکتوں کے ذریعے بچ جائے گا مگر وہ اپنی نجات کی راہیں خود مسدود کر رہا ہے۔" اول خان بولا۔
"کیا یہ ممکن ہے کہ میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلوں؟" ویرا نے خلاف معمول نرمی سے پوچھا۔
"چل سکتی ہو۔" میں نے جواب دیا "مگر بہتر یہ ہوگا کہ تم گھر پر رہو۔ یہاں غزالہ اکیلی رہ جائے گی۔"
"او تو کیا سلطان شاہ تمہارے ساتھ جا رہا ہے؟" اس نے چونک کر پوچھا۔
"یہ ہماری پوری منصوبہ بندی میں شریک ہے۔ اول خان کی اسٹرائیک فورس کے ساتھ اسے بھی ہونا چاہیے۔"

"اگر کوئی اسٹرائیک فورس بھی تم دونوں کے ساتھ ہے تو سلطان شاہ کا جانا غیر ضروری ہے۔" ویرا نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔
"مجھ سے تمہیں کیا چڑ ہے جو مجھے جانے سے روک رہی ہو۔" سلطان شاہ نے بھڑک کر پوچھا۔
"چڑ نہیں 'لگاؤ' ہے۔" ویرا نے مسکرا کر اسے آنکھ ماری "غزالہ گہری نیند سو رہی ہے اور وہ دیر تک سوتی رہے گی۔ میری نیند پوری ہوچکی ہے۔ میں اکیلی بیٹھی بور ہوتی رہوں گی۔ تم ہوگے تو میرا دل لگا رہے گا۔"
"میں تمہارا مصاحب تو نہیں ہوں۔ کیا تم نے مجھے اپنا کھلونا سمجھا ہوا ہے!" سلطان شاہ نے تنک کر کہا۔
"اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔" اول خان نے دخل دیتے ہوئے کہا "ایک سے دو آدمی ہوتے ہیں تو دونوں کا دل لگا رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم رک جاؤ۔ اس بحث میں ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ اسٹرائیک فورس طے شدہ پوائنٹ پر پہنچ چکی ہوگی۔"
"یہ میرے ساتھ سراسر زیادتی ہے۔" سلطان شاہ نے بے بسی سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"مجبوری ہے۔" میں نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے جواب دیا "یہ اول خان کا مخلصانہ مشورہ ہے۔ میں اس میں دخل نہیں دے سکتا۔"
سلطان شاہ دبی زبان سے احتجاج کرتا رہا لیکن بات طے ہوچکی تھی۔ اس کے احتجاج کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ہمارے درمیان کچھ ہی دیر پہلے اس کے اور ویرا کے نازک مراسم کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی تھی۔ وہ ویرا کی فرمائش کے سامنے سپر ڈالنے کو اپنی سبکی محسوس کر رہا تھا۔
اسٹرائیک فورس کی شمولیت کی وجہ سے ہمیں کسی بڑی تیاری کی ضرورت نہیں تھی۔ ضرورت کے اہم ہتھیار ہر وقت اول خان کی جیب میں موجود رہتے تھے۔ اول خان سے تحفے میں ملی ہوئی خطرناک انگوٹھیاں ہر وقت میری انگلیوں میں پڑی رہتی تھیں۔ میں فوری طور پر اول خان کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔
"ہمیں دور رہ کر پورے آپریشن کی کمان کرنی ہے۔" اول خان نے گاڑی میں اپنی نشست سنبھالنے کے بعد مجھے بریف کیا "ساری عملی کارروائی اسٹرائیک یونٹ والے کریں گے۔"
"کیا وہ راجا کے اڈے سے واقف ہیں؟" میں نے اس سے پوچھا۔

اول خان نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے نفی میں جواب دیا "میں نے جو کچھ سمجھا ہے اس کی روشنی میں وہ عمارت آسانی سے پہچان لی جائے گی۔ اس کی نشان دہی کا فریضہ مجھے ادا کرنا ہوگا۔ آگے کا کام میرے جوان سنبھال لیں گے۔"

"ان سے ہمارا رابطہ کیسے رہے گا؟" میرے ذہن میں عملی سوالات تیزی سے سر ابھار رہے تھے۔

اول خان نے ڈیش بورڈ سے ایک ایرپیس نکال کر میری گود میں ڈال دیا "یہ ٹی تھری ایرپیس سات سے دس کلومیٹر کی رینج میں زبردست کام کرتا ہے۔ ہم سب ایگل کے نام سے ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ ہر ایگل کا نمبر مختلف ہوگا۔"

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ اول خان ذرا سی دیر میں رہائشی گلیوں کو پیچھے چھوڑ کر اپنی جیپ کو یونیورسٹی روڈ پر لے آیا جو اس وقت دور دور تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔ چند ثانیوں میں ہم حسن اسکوائر پہنچ گئے۔ ٹریفک سگنل بند تھا لیکن راستہ صاف تھا۔ اس چوراہے سے داہنی طرف گھومتے ہی مجھے فوجی طرز کی وہ تین گاڑیاں نظر آگئیں جو لیاقت آباد کی سمت میں منہ کیے سڑک کے بائیں کنارے کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔

ایس ٹی ایف والوں کی عقابی نظروں نے اپنے چیف کی گاڑی دور ہی سے پہچان لی۔ ہمارے قریب پہنچنے سے پہلے چست کپڑوں میں ملبوس، دس مسلح اور چاق و چوبند افراد، ان تین گاڑیوں سے نکل کر دو صفوں میں کھڑے ہوچکے تھے۔

اول خان جیپ کا انجن بند کر کے جوں ہی نیچے اترا، پختہ فٹ پاتھ ان دسوں کے جوتوں کی ہم آواز دھمک سے گونج اٹھی۔ اگر ان کے جوتوں کے تلے ربر کے نہ ہوتے تو ان کے نیم فوجی سلام کی گونج رات کے سناٹے میں دور تک سنی جاتی۔

اول خان نے مجھے گاڑی سے اترنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ اس لیے میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ وہ قریب جاکر اپنے دونوں ہاتھوں کی مدد سے اپنے آدمیوں کو کچھ سمجھا رہا تھا۔

یہ بات بارہا میرے تجربے میں آچکی تھی کہ اسپیشل ٹاسک فورس سختی کے ساتھ فوجی ڈسپلن پر کاربند تھی۔ سینئر کی ہدایات پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنا ہر جونیئر اپنا فرض تصور کرتا تھا۔ اول خان کو اپنی بات ان کے ذہنوں میں بٹھانے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ ذرا سی دیر میں وہ ان سے فارغ ہوکر واپس آگیا۔

اس بار اول خان نے اپنی گاڑی آگے نکال لی تھی۔ اس کے اسٹرائیک یونٹ کی تینوں گاڑیاں اس کی تقلید کر رہی تھیں۔

لیاقت آباد دس نمبر اور پیٹرول پمپ کے بڑے چوراہوں کو عبور کرتا ہوا، وہ کارواں ناظم آباد سے گزر کر سائٹ کے علاقے میں داخل ہوگیا جہاں کی فضا میں شبینہ کارخانوں میں چلنے والی مشینوں کی گونج رچی ہوئی تھی۔ شہر کے مکین صبح کے ان اولین لمحات میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے لیکن اپنے بچوں کے لیے نان شبینہ کمانے کے آرزو مند مزدوروں نے کارخانوں کو آباد رکھا ہوا تھا جہاں سے حاصل ہونے والی پیداوار ملک کی شہ رگ کو قوتِ نمو فراہم کرتی ہے۔

سائٹ کی طویل اور سیدھی سڑک پر سفر کرتے ہوئے، ہم شیر شاہ کے علاقے سے داہنی طرف مڑ گئے۔ وہ راستہ مہاجر کیمپ اور سعید آباد سے ہوتا ہوا حب اور پھر آگے چلا جاتا تھا۔ دن میں اس سڑک پر گڈانی کے شپ بریکنگ یارڈ سے اسکریپ لانے والے ٹرکوں کا تانتا بندھا رہتا ہے مگر اس وقت وہ سڑک بھی خالی تھی۔

"یہاں سے سعید آباد کا علاقہ شروع ہوگیا۔" اول خان نے سڑک کے کنارے پولیس ٹریننگ اسکول کا بورڈ دیکھ کر مجھے آگاہ کیا، میں اس دل کی جوئی کے لیے ہنکارا بھر کر رہ گیا۔ وہ علاقہ میرے لیے نیا نہیں تھا۔ یہ اور بات تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہاں کافی تبدیلیاں رونما ہوگئی ہوں۔

کچھ دور نکلنے کے بعد اول خان نے اپنی گاڑی داہنی طرف ایک کشادہ سڑک پر موڑ دی۔ کچھ فاصلے پر ایک اور موڑ گھومنے پر ہم ایک میدان کے قریب جانکلے۔ میدان کی دیوار کے ساتھ ایک معقول سڑک نظر آرہی تھی۔ سڑک کے دوسرے کنارے پر، میدان کے متوازی مکانوں کی قطار تھی۔ کھلے راستوں سے اس علاقے میں آتے ہی میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ چاروں گاڑیوں کے انجنوں کی بھاری آوازیں اس علاقے کا سکون درہم برہم کرسکتی تھیں۔

گاڑیوں کے اس جلوس کو دیکھ کر کوئی بھی یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ ان اطراف میں کوئی کارروائی ہونے والی تھی۔

اول خان نے میرے ہاتھ سے ایرپیس لے لیا اور اسے اپنے منہ کے قریب لے جاکر دھیمی آواز میں بولا "ایگل ون کالنگ ایوری باڈی۔۔۔ اوور!"

"ایگل ٹو سر!" کسی توقف کے بغیر دوسری طرف سے جواب آیا۔ شاید ایگل ٹو ہی اسٹرائیک یونٹ کا کمانڈو تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ہم سب تیار ہیں۔ ہمیں بائیں طرف والی قطار کے آخری سفید مکان کا انتظار ہے۔۔۔ اوور!"

"مکان کسی بھی لمحے نظر آجائے گا۔ اب آگے نکل جاؤ اور محاصرہ کرلو۔ میں پیچھے آرہا ہوں اوور اینڈ آل!" اول خان نے اپنی جیپ کی رفتار کم کرلی اور تینوں گاڑیاں گڑگڑاتی ہوئی آگے نکل گئیں۔ آخری گاڑی کے آگے نکلتے ہی اول خان نے اپنی جیپ کو سڑک کے وسط میں لے کر اس کی رفتار بڑھادی۔

پھر مجھے اس قطار کا آخری سفید مکان نظر آگیا جو شاید دو ملے ہوئے پلاٹوں پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اپنے وسیع رقبے اور بلند عمارت کی وجہ سے وہ گھر شاید پوری آبادی میں سب سے نمایاں اور منفرد تھا۔

سب سے اگلی گاڑی اس مکان کے قریب پہنچتے ہی بغلی گلی میں غائب ہوگئی۔ ہم وہاں پہنچے تو بقیہ دو گاڑیاں رک کر مکان کے سامنے پوزیشن لے چکی تھیں۔

آس پاس کے مکانوں میں بس اِکّادُکّا روشنیاں نظر آرہی تھیں ورنہ پورے پورے گھر رات کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس کے برعکس سفید مکان کی نچلی اور بالائی منزل کی کئی کھڑکیاں روشن نظر آرہی تھیں۔ ان روشنیوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ راجا کے اڈے کے سارے مکین غفلت کی نیند نہیں سوئے ہوئے تھے۔

اچانک عمارت کی بالائی منزل کے کسی تاریک حصے سے پُرہول دھماکے کے ساتھ ایک شعلہ لپکا اور تاریکی میں سرعت سے تیرتا ہوا دوسری گاڑی کے کسی حصے میں پیوست ہوگیا۔ اسی لمحے میگافون پر ایگل ٹو کی بھاری اور تحکمانہ آواز گونجی "مقابلے کی حماقت مت کرو۔ تم سب محاصرے میں ہو۔ ہتھیار پھینک کر دونوں ہاتھ سروں سے اوپر اٹھاؤ اور باہر نکل آؤ۔ تم کو امان دے دی جائے گی۔"

یکایک سفید عمارت کی روشن کھڑکیاں بیک وقت تاریک ہوگئیں۔ شاید کسی نے عمارت کا مین سوئچ آف کردیا تھا۔

اندھیرا ہوتے ہی عمارت کی چھت اور پہلی منزل سے گولیاں اگلنے لگیں۔ اس وقت تک اسٹرائیک فورس نے کوئی فائر نہیں کیا تھا۔

"فائرنگ کرو" اول خان ایرپیس اپنے دہانے کے قریب لاکر غرایا "تمہیں کس کا انتظار ہے؟"

"فائر!" سفید عمارت سے ہونے والی دھواں دار فائرنگ میں کسی کی آواز گونجی اور پھر اسٹرائیک فورس کے ہتھیاروں نے بھی آگ اگلنی شروع کردی۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ لوگ اس طرح مقابلے پر جم جائیں گے" اول خان پر تشویش آواز میں بڑبڑایا۔

"یہ کوئی چال چلنے کی کوشش کررہے ہیں" میں نے اضطراری لہجے میں کہا "کہیں کسی طرف سے نکل نہ جائیں۔"

ان لوگوں کے برابر والے گھر میں کودنے کا خطرہ موجود تھا۔ اول خان نے گولیوں کی پروا کیے بغیر اپنی جیپ آگے بڑھائی اور پھر اسے تیزی سے بغلی گلی میں موڑ دیا۔

یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ پشت پر مکانات ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے۔ اس طرف ایک تنگ اور تاریک گلی تھی جس میں دو سائے سفید مکان کی عقبی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کررہے تھے۔ اس سمت میں موجود پہلی گاڑی کا عملہ انہیں اپنی فائرنگ سے کور کررہا تھا۔

اچانک فضا پہلی انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔ اس دردناک چیخ میں پنہاں دہشت سے ظاہر ہورہا تھا کہ مجروح ہونے والے کو اپنی فوری موت کا یقین ہوچکا تھا۔

"تمہارے آدمیوں میں کوئی راجا کو پہچانتا ہے؟" میں نے ہذیانی سرگوشی کے انداز میں اول خان سے پوچھا۔

"کوئی نہیں پہچانتا لیکن تم فکر نہ کرو' یہاں سے چڑیا کا بچہ بھی زندہ فرار نہیں ہوسکے گا۔"

فائرنگ کے کان پھاڑدینے والے شور میں ایک پرہول دھماکا ہوا اور اس بار مکان کی نچلی منزل کالے اور کثیف دھوئیں سے بھرنے لگی۔

"گڈ... ویری گڈ۔ ان کا یہی علاج ہے۔" اول خان خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو؟ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہاں کیا ہورہا ہے؟" میں نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"تماشا دیکھتے رہو۔ اسٹرائیک یونٹ نے اندر دھوئیں کا بم فائر کیا ہے' وہ زیادہ دیر تک اندر نہیں ٹک سکیں گے۔"

اول خان خود ہیجان زدہ تھا مگر مجھے تسلی دینے کی کوشش کررہا تھا۔

اسپیشل ٹاسک فورس والے روایتی لڑاکا نہیں تھے۔ وہ جم کر دشمن کا مقابلہ کرنے اور اسے سنبھلنے کا موقع دینے کے قائل نہیں تھے۔ ان کی ہر کارروائی کمانڈو ایکشن ہوتی تھی جس میں وہ اپنے حریف کو جلد از جلد ماردینے یا حیرت زدہ کرکے بے بس کرنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ قانون نافذ کرنے والے کسی اور ادارے کے متوجہ ہونے سے پہلے اپنے مقاصد حاصل کرکے جائے واردات سے دوراز دور نکل جائیں۔

اول خان نے اس مہم کی قیادت اپنے جس نائب کو سونپی تھی، اس کی صوابدید قابل تعریف تھی۔ اس نے سفید عمارت سے پہلی گولی چلتے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ راجا کے آدمی آسانی سے ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں تھے۔ وہ کنکریٹ کی پختہ اور دو منزلہ عمارت میں محصور تھے جس کی چھت اور پانی کی بلند ٹنکی ان کے تصرف میں آسکتی تھی جبکہ اسٹرائیک یونٹ کی نفری سڑک پر ان کے کھلے نشانے پر تھی۔ ان لوگوں کو اپنی مضبوط گاڑیوں کی اوٹ میسر تھی یا دوسری طرف کھیل کا وسیع میدان پھیلا ہوا تھا۔

سفید مکان میں رہنے والوں سے لمبا مقابلہ کر کے کوئی کامیابی حاصل کرنے کا تصور ذرا مشکل تھا۔ اس کی ایک ہی صورت ہو سکتی تھی کہ عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے اور اس دو منزلہ عمارت کو ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا جائے۔ وہ کام بھی آسان نہیں تھا۔

اسٹرائیک یونٹ کے کمانڈر نے عمارت پر دھوئیں کے بم فائر کرانے کا فیصلہ کر کے دانش مندی کا ثبوت دیا تھا۔ راجا کے ساتھی دھوئیں میں کچھ نظر نہ آنے کے سبب گھبرا کر باہر نکلنے پر مجبور ہو جاتے یا پھر کثیف دھوئیں میں دم گھٹنے کے سبب اندر ہی بے ہوش ہو جاتے۔

ایس ٹی ایف والوں نے دھوئیں کا صرف ایک بم پھینکنے پر اکتفا نہیں کیا۔ اول خان نے ایریٹس پر انہیں بڑھاوا دیا اور فضا یکے بعد دیگرے ویسے ہی تین مزید دھماکوں سے لرز اٹھی۔ نیچے سے اوپر تک وہ عمارت اس بری طرح دھوئیں میں گھری تھی کہ نظر ہی نہیں آرہی تھی۔ اس افتاد کی وجہ سے ان کی فائرنگ کا سلسلہ بھی موقوف ہو گیا تھا مگر ایس ٹی ایف والوں کے بارودی ہتھیار وقفے وقفے سے آتشیں نغمے گنگنا رہے تھے۔

"رات کے سناٹے میں ہونے والی اس دھواں دھار فائرنگ کی آوازیں دور تک سنی گئی ہوں گی" میں نے بے چینی سے اپنی جگہ پہلو بدلتے ہوئے کہا "اب پولیس کسی بھی وقت یہاں پہنچ کر بنا بنایا کھیل بگاڑ دے گی۔"

"پولیس نہیں آئے گی" اول خان نے وثوق سے کہا "آ گئی تو میں اسے سنبھال لوں گا۔ اس مرحلے پر وہ کام بگاڑنے کے بجائے ہمارے کام آئیں گے۔"

"پولیس کیوں نہیں آئے گی؟" میں نے پوچھا۔ اس وقت فائرنگ کا سلسلہ تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ ایس ٹی ایف والے اپنی ہیبت برقرار رکھنے کے لیے اِکّا دُکّا فائر کر رہے تھے۔

"بدمعاشوں کے اڈوں اور ڈیروں پر ہونے والے تصادم میں پولیس اس وقت آتی ہے جب خوں ریزیاں ختم ہو چکی ہوں" اول خان بولا "ایسے تصادم کو دو مضبوط گروہوں کا ٹکراؤ سمجھا جاتا ہے۔ جس میں مداخلت کرنے والے بلاوجہ مارے جاتے ہیں۔ بپھرے ہوئے درندوں سے ہر ایک دور رہتا ہے۔"

"اگر تم پولیس والوں کی طرف سے اتنے ہی پُرامید ہو تو میری دعا ہے کہ اب انہیں آجانا چاہیے" میں نے کہا "فائرنگ اور دھماکوں کا سلسلہ موقوف ہو چکا ہے۔"

اسی وقت ایریٹس پر ایگل فور کا پیغام آنے لگا۔ وہ بتا رہا تھا "میں ایگل نائن کے ساتھ عمارت میں موجود ہوں۔ تین آدمی اپنی رائفلوں کے ساتھ بے ہوش پڑے ہوئے ملے ہیں۔ ہم نے گیس ماسک لگائے ہوئے ہیں لیکن آکسیجن سلنڈر ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ دیر تک اندر نہیں ٹھہر سکیں گے۔ ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ اوور...!"

"ایگل ون کالنگ!" اول خان نے فوری طور پر اپنے ٹی تھری ایریٹس کا بٹن دبا کر کہا "اسموک بم کی کارکردگی دیکھ لینے کے بعد تمہیں زیادہ دیر تک وہاں رکنے کی ضرورت نہیں۔ دشمن کی کمر ٹوٹ چکی ہے۔ تم فوراً باہر نکل آؤ ورنہ تم بھی دھوئیں کا شکار ہو سکتے ہو... اوور!"

کھانسی کے ساتھ ایریٹس پر ایگل فور کی پھنسی پھنسی آواز آئی "یس سر! دھواں بہت تیزی سے اثر کر رہا ہے۔ ہمارے لیے یہاں ٹھہرنا دشوار ہو رہا ہے۔ ہم اسی لمحے واپس لوٹ رہے ہیں، اوور اینڈ آل!" اندر والوں کا پیغام مکمل ہوتے ہی ایریٹس پر چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"سر! ایگل فور کی حالت خراب معلوم ہوتی ہے" ایریٹس پر ایگل ٹو کی آواز نے سکوت توڑا "اجازت ہو تو اندر کمک بھیجی جائے... اوور۔"

"تم کمانڈر ہو۔ اپنے فیصلے خود کرو۔ تمہیں میری اجازت کی ضرورت نہیں ہے" اول خان نے رکھائی سے کہا "میرا خیال ہے کہ انہیں کسی کمک کی ضرورت نہیں۔ وہ خود باہر آجائیں گے، اوور۔"

اس بار ایگل ٹو سے پہلے ایگل فور خود لائن پر آگیا "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں سر! ہمیں کسی کمک کی ضرورت نہیں ہے... اوور!" اس نے کھانسی کے بے اختیار جھٹکوں کے درمیان اپنا پیغام پورا کیا۔ دھواں اس پر تیزی سے کام دکھا رہا تھا۔

"تم نے پیغام سن لیا" اول خان اس بار واضح طور پر ایگل ٹو سے مخاطب تھا "اب پانچ منٹ انتظار کرو۔ اتنی دیر میں دونوں آدمیوں کو باہر آجانا چاہیے۔ اس کے بعد پوری نفری کے ساتھ اندر گھس جاؤ اور ہر ایک کو بے دست و پا کر کے ایک جگہ لے آؤ... اوور اینڈ آل۔"

"پانچ منٹ ناکافی ہیں" میں نے اسے مشورہ دیا "اندر جانے والے دھوئیں کا شکار ہوجائیں گے۔"

"اس کثیف دھوئیں کے اثرات صرف دس منٹ تک برقرار رہتے ہیں اور پھر یہ تیزی سے فضا میں تحلیل ہوتا چلا جاتا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ پانچ منٹ بعد وہ اندر جائیں گے تو دھوئیں کے مضر اثرات بڑی حد تک زائل ہوچکے ہوں گے۔"

"کیا یہ کسی قسم کا زہریلا دھواں ہے؟" میں نے تجسّس سے پوچھا۔

"زہریلے کے بجائے تم اسے اعصاب شکن دھواں کہہ سکتے ہو" اول خان نے بتایا "یہ تنفس کی نالیوں کے ذریعے محض ایک سے ڈیڑھ منٹ میں اپنے شکار کے اعصاب مفلوج کرکے اسے بے ہوش کردیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب اندر کوئی مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہا ہوگا۔ کافی دیر سے ان کی طرف سے کوئی گولی نہیں چلائی گئی اس لیے میں اطمینان سے تمہارے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں۔ ان کی طرف سے فائرنگ کا آغاز ہونے پر میں گھبرا گیا تھا۔"

"یہ پہلا مقابلہ ہے جس میں ہم ابھی تک گاڑی سے اترے نہ ہم نے کوئی گولی چلائی اور قصہ ختم ہوتا نظر آرہا ہے" ایمان داری کی بات یہ ہے کہ اس وقت مجھے بھی اپنا ذہن ہر قسم کے دباؤ سے آزاد محسوس ہوا تھا ورنہ پہلے میں بھی فکر مند تھا۔

اول خان کی جیپ اس وقت بھی سفید عمارت کی بغلی سڑک پر ایسی جگہ کھڑی ہوئی تھی جہاں سے ہم عقبی گلی کی نگرانی کرسکتے تھے۔ اول خان کے دونوں آدمیوں کے انتظار میں میری نظریں بار بار اسی گلی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

جس وقت سفید عمارت گاڑھے اور سیاہ دھوئیں کی لپیٹ میں آئی تھی تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کالے دھوئیں کے وہ زمینی بادل گھنٹوں تک وہیں ٹھہرے رہیں گے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دھواں تحلیل ہوتا جارہا تھا۔ اس میں سے کہیں کہیں عمارت کے خدوخال جھانکنے لگے تھے۔

خدا خدا کرکے سفید مکان کے احاطے کی پچھلی دیوار سے یکے بعد دیگرے دو تاریک ترانسانی ہیولے تنگ و تاریک گلی میں کودے۔ ان کی حالت ابتر تھی اور وہ دہرے ہوکر لڑکھڑاتے ہوئے ہماری طرف آرہے تھے۔ یہ غنیمت تھا کہ وہ اس وقت بھی اپنے قدموں پر چلنے کے قابل تھے۔

میں ان کی مدد کے بارے میں سوچتا ہی رہ گیا۔ اندھیرے میں اچانک کہیں سے تین افراد نکلے اور دوڑتے ہوئے ان دونوں تک پہنچ گئے۔

اپنے تین ساتھیوں کی مدد سے وہ گلی کے سرے تک آئے تو اول خان نے انہیں اپنی گاڑی کی طرف بلالیا۔

ہم دونوں نے گاڑی سے اتر کر ان کا استقبال کیا۔ دونوں کے چہروں پر ماسک لگے ہوئے تھے۔ اول خان نے پیٹھ تھپک کر انہیں شاباشی دی اور کچھ دیر کے لیے انہیں اپنی گاڑی کے ائرکنڈیشنر کے سامنے بیٹھنے کا مشورہ دے کر رخصت کردیا۔

اسی لمحے ایریئس پر ایگل فائیو کی بھرائی ہوئی آواز گونجنے لگی۔ وہ اپنے ساتھیوں کو ایگل فور اور نائن کی واپسی کی خوش خبری سنا رہا تھا۔

سناٹے میں اچانک اسٹرائیک یونٹ کی ایک گاڑی کے انجن کی بھاری آواز گونجنے لگی۔ گاڑی کا ائرکنڈیشنر چلانے کے لیے انجن اسٹارٹ کرنا ضروری تھا غالباً اس طرف موجود گاڑی کے عملے نے اپنے ساتھیوں کی ابتدائی طبی امداد کے لیے اول خان کے مشورے پر عمل کرنا شروع کردیا تھا۔

"کچھ دیر پہلے تم پولیس والوں کی آمد کی دعائیں کررہے تھے؟" درمیان میں دوسرے مسائل آجانے کے باوجود اول

خان کو میری بات یاد تھی۔

"وہ آ گئے تو تمہارے آدمیوں کا کام آسان ہو جائے گا ورنہ یہاں سے قیدیوں کی لمبی کھیپ لے جانی ہو گی" میں نے کہا۔

"میں تمہاری بات نہیں سمجھ سکا۔ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اول خان نے الجھ کر پوچھا۔

"سیدھی سی بات ہے" میں نے جواب دیا "تم سمیت کوئی بھی راجا کو نہیں پہچانتا اس لیے سارے بے ہوش قیدیوں کو اسٹیشن فوراً لے جانا ہو گا۔ پولیس والے آ گئے تو وہ راجا کی نشاندہی کر دیں گے اور تمہارے آدمی بے مقصد محنت سے بچ جائیں گے۔"

اس وقت اپریٹس مصروف ہو چکا تھا۔ ایگل ٹو اپنے بقیہ ساتھیوں کو اندر گھسنے کے بارے میں فرداً فرداً ہدایات دے رہا تھا۔ اندر سے ہو کر واپس آنے والے دونوں آدمیوں کو اس نے باہر روک کر گاڑیوں کی نگرانی کی آسان ذمے داری سونپی تھی۔

فائرنگ کا شور تھمے کچھ دیر ہو چکی تھی اس لیے قرب وجوار کے مکانوں میں زندگی کے آثار پیدا ہونے لگے تھے۔ ہر شخص یہ جاننے کے لیے مضطرب ہو گا کہ راجا کے اڈے پر کیا ہوا تھا اور اس وقت کیا ہو رہا تھا۔ ان لوگوں کو ایک بار یہ یقین ہو جاتا کہ باہر نکلنے میں ان کی جانوں کو کوئی خطرہ نہیں تھا تو وہ ایک ایک کر کے گھروں سے باہر نکلنا شروع کر دیتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس گنجان آبادی میں ایسا جم غفیر جمع ہو جاتا کہ اسے سنبھالنا اور سکون سے اپنا کام جاری رکھنا دشوار ہو جاتا۔

میں نے اول خان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے پستول سے ایک ہوائی فائر کر دے اور وقفے وقفے سے ایسا ہی کرتا رہے تاکہ کوئی اپنے گھر سے باہر نکلنے کی ہمت نہ کر سکے۔ اول خان نے ایک لمحے کے لیے میرے مشورے کی افادیت پر غور کیا اور پھر کھڑکی سے داہنا ہاتھ باہر نکال کر آسمان کی طرف فائر کر دیا۔

فائر ہوتے ہی آس پاس کے مکانوں سے آنے والی آوازیں دم توڑ گئیں۔ یوں معلوم ہوا جیسے سب کو یکایک سانپ سونگھ گیا ہو۔

"تم بدترین لمحات میں بھی معمولی باتوں کو نظرانداز نہیں کرتے" فائر کرنے کے بعد اول خان نے ہنستے ہوئے کہا "مگر اس وقت ایک اہم بات بھول رہے ہو۔"

مجھے کبھی اپنی کارکردگی پر ناز نہیں رہا تھا پھر بھی مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت مجھ سے کوئی چوک ہوئی تھی۔

میں نے کہا "میں بھول رہا ہوں تو تم یاد دلا دو۔"

"ہمیں صرف راجا کی تلاش نہیں ہے، ہمارا اصل شکار جوشی ہے اور ہم ان دونوں کو نہیں پہچانتے۔ راجا کی نشاندہی پولیس کر سکتی ہے۔ جوشی کو کون پہچانے گا؟"

"ویرا نے بھی اسے برسوں پہلے دیکھا تھا۔ خیر یہ کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ راجا کا کوئی کمزور آدمی تھوڑے سے تشدد کے بعد یہ بھی بتا دے گا۔"

"شناخت ہو جائے گی۔ اس کے گھر کا کوئی فرد آ کر اسے پہچان سکتا ہے۔ میں صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ راجا پر کھیل ختم نہیں ہو گا۔"

اس کی بات درست تھی۔ دہلی میں انل بسواس تک رسائی کے مقصد سے شروع ہونے والا کھیل دھیرے دھیرے طول پکڑتا جا رہا تھا۔ انل سے نریش، چندن کرنانی اور چوپڑا سے ہوتے ہوئے ہم جوشی اور راجا تک پہنچ چکے تھے لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کھیل کی آخری کڑی کب ٹوٹے گی۔

"ایک طرف را والوں کی وہ مضبوط صف آرائی تھی تو دوسری طرف ان کے امریکی حلیف بھی ان کے شانہ بشانہ چل رہے تھے۔ دہلی میں انل اور نریش سے پہلے جان اسمتھ مارا گیا۔ جان ایشکوف کراچی سے ڈر کر بھاگ گیا۔ لیری پر دہشت سے جان لیوا ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ ان کا منظرنامہ اس وقت خالی تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ ان کی طرف سے کون سا نیا مہرہ ہمارے سامنے آتا ہے۔

ایگل ٹو کا دیا ہوا وقت پورا ہو چکا تھا۔ اسٹرائیک فورس کے دس میں سے آٹھ آدمی بیک وقت تین سمتوں سے سفید مکان کے احاطے کی طرف بڑھے اور ماہرانہ پھرتی کے ساتھ دیواریں عبور کر کے اندر کود گئے۔ ان میں سے دو افراد باہر رہ گئے تھے۔

وہ دونوں اپنے نظام تنفس پر دھوئیں کے اثرات سے اس حد تک گلوخلاصی حاصل کر چکے تھے کہ انہیں ائرکنڈیشنر کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ گاڑی کا انجن بند کر کے اپنی سب مشین گنیں تانے ایسی جگہوں پر پوزیشن لے چکے تھے جہاں سے سفید مکان کی تینوں سمتوں پر نظر رکھ سکیں۔

اول خان نے ایک مرتبہ پھر کھڑکی سے اپنا ہاتھ باہر نکالا اور دوسرا ہوائی فائر کر دیا۔ اس کے آدمیوں کو پہلے فائر کے ساتھ ہی اس کے ارادے کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس لیے اس بار بھی کہیں سے کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا۔ یہ ضرور ہوا کہ فائر کی دم توڑتی ہوئی گونج میں یکایک سائرن کی آواز سنائی دینے لگی۔

مجھے اپنے کانوں پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں پڑی

کیونکہ وہ آوازیں تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں۔ وہ یقینی طور پر دو سائرن تھے یا پھر کسی ایک گاڑی پر دو سائرن بج رہے تھے۔ مجھے اول خان کی کہی ہوئی بات یاد آگئی کہ پولیس والے غیر ضروری جانی نقصان سے بچنے کے لیے کہیں بھی اندھادھند مداخلت نہیں کرتے۔ موقع مل جائے تو کسی نہ کسی طرح اپنے حریف کو کسی طرح باخبر ضرور کردیتے ہیں کہ آنے والے لمحوں میں اس کا قانون کے محافظوں سے ٹکراؤ ہونے والا ہے۔ جن مجرموں کے دل میں قانون کا ذرا بھی خوف ہوتا ہے۔ وہ میدان چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کرلیتے ہیں اور اگر پولیس کے نرغے میں آجائیں تو مقابلہ کیے بغیر ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔

سعید آباد کے اس سفید مکان میں یقینی طور پر مجرموں کی ایک جمعیت بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ ان میں سے کوئی پولیس سے مقابلے یا فرار کی راہ اختیار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ لے دے کر وہاں اسپیشل ٹاسک فورس کا راج تھا جو خود قانون کے خفیہ محافظ کے درجے پر فائز تھی۔

اس وقت تک سفید عمارت کے گرد پھیلے ہوئے سیاہ دھوئیں کے بادل تحلیل ہوچکے تھے۔ اول خان کی حتمی رائے تھی کہ دھوئیں کا سیاہ بادل چھٹ جانے کے بعد وہ عمارت داخلے کے لیے محفوظ تھی۔ دم گھٹنے کے کسی خطرے کے بغیر اندر وقت گزارا جاسکتا تھا۔

"کیوں نہ ہم اندر چلیں" میں نے تجویز پیش کی۔

"میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا لیکن چند منٹ توقف کرو۔ اگر کوئی پولیس پارٹی ادھر آرہی تھی تو مجھ ہی کو ان سے بات کرنی پڑے گی" اول خان نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ اس کا پیش کیا ہوا عذر معقول تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

"سر! ہم اندر داخل ہوچکے ہیں" ایریٹس پر ایگل ٹو کی آواز آنے لگی "اس پہلے کمرے میں ایک آدمی بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ ہم اس کے ہاتھ پیر باندھ کر آگے بڑھیں گے۔ میں جیسے جیسے کوئی نئی چیز دیکھوں گا' آپ کو رپورٹ دیتا رہوں گا۔۔۔ اوور!"

"میں منتظر رہوں گا۔ اوور اینڈ آل!" اول خان نے مختصر سا جواب دے کر ایریٹس ڈیش بورڈ میں ڈال دیا۔

سائرن کی آوازیں اس قدر قریب آچکی تھی کہ ان سے وحشت ہو رہی تھی۔ ہم دونوں گاڑی سے اتر کر ٹہلتے ہوئے بغلی گلی سے میدان کے متوازی دوڑتی ہوئی سڑک پر نکل آئے۔ سڑک پر دور سے دو گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس اور کیبن کے اوپر چکراتی ہوئی سرخ اور نیلی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ گاڑیوں کی رفتار خاصی تیز تھی اور وہ اسی سمت سے آرہی تھیں جدھر سے ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچے تھے۔ اس اثنا میں سفید مکان میں روشنی آچکی تھی۔ شاید کسی نے مین سوئچ دوبارہ آن کردیا تھا۔

چند لمحوں میں وہ دونوں پولیس موبائلز' اسٹرائیک یونٹ کی تیسری گاڑی کے پیچھے رک گئیں اور متعدد مسلح سپاہی پچھلے حصوں سے دنادن سڑک پر کود گئے۔ ان میں سے کوئی بھی غیر مسلح نہیں تھا۔ ان کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ ذرا سا شبہ ہونے پر کہیں بھی فائر جھونک ماریں گے۔

میں نے پہلی ہی نظر میں یہ بھانپ لیا کہ موبائلز کی اگلی نشستوں سے اترنے والے افسروں میں سب انسپکٹر کے عہدے سے بڑا کوئی افسر نہیں تھا۔ میرے اور اول خان کے اطمینان نے انہیں تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ ان کے ہاتھ بیلٹ ہولسٹرز تک گئے مگر وہیں جم کر رہ گئے۔ اسٹرائیک یونٹ کی منفرد ساخت کی بکتربند گاڑی نے بھی پولیس والوں کو ہم سے مرعوب کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

"تم لوگ کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" ایک سب انسپکٹر نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر دبنگ لہجے میں پوچھا۔

اول خان نے داہنا ہاتھ فضا میں بلند کرکے کہا "ہم قانون کے نام پر یہاں آئے ہیں۔ تم قریب آؤ تو میں تم کو اپنی شناخت دکھا سکتا ہوں۔"

اول خان کی پیشکش پر وہ گڑبڑا گیا۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا پھر یکایک ہولسٹر سے ریوالور نکال کر ہم دونوں پر تان لیا "اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔ اگر تم درست ثابت ہوئے تو میں تم سے معافی مانگ لوں گا۔"

اول خان نے بلاتردد اس کی ہدایت کی تعمیل کی۔ میں نے بھی اپنے ہاتھ اوپر اٹھادیے۔

وہ ہماری طرف سے بہت چوکنا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اپنے پستول اور ریوالور نکال لیے تھے لیکن وہ اس قدر الجھے ہوئے تھے کہ ان میں سے کسی نے ہم پر ہتھیار تاننے کی ہمت نہیں کی تھی۔ اس وقت ہماری خود اعتمادی ہماری بے گناہی کا سب سے بڑا ثبوت تھی۔

وہ سب انسپکٹر سنبھل سنبھل کر ہماری طرف بڑھنے لگا۔ جب ہمارا اور اس کا درمیانی فاصلہ چند قدم رہ گیا تو اول خان کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی دھیمی آواز نکلی "ہم دونوں اسپیشل ٹاسک فورس کے آدمی ہیں۔"

ایس ٹی ایف کا نام اس سب انسپکٹر کے لیے نیا نہیں تھا۔ اول خان کا انکشاف سن کر اس کے ہاتھ یوں لرزے کہ ریوالور اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ اس نے مزید کوئی شناخت دیکھنے کا انتظار کیے بغیر ریوالور ہولسٹر میں اڑسا اور ایڑیاں بجا کر سیلوٹ کر ڈالا۔

اول خان نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ہاتھ گرا لیے۔ وہ اپنی جیب میں سے کچھ نکالتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے کوئی چیز سب انسپکٹر کے سامنے پیش کی۔ اول خان کی پشت میری طرف تھی۔ میں یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ کیا چیز دکھا رہا تھا۔ اس بار سب انسپکٹر نے دوبارہ اسے سیلوٹ پیش کر دیا۔

اس سینئر سب انسپکٹر کا نام زاہد تھا۔ باضابطہ شناخت کے بعد وہ اول خان کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھی اور سپاہی دوستانہ انداز میں ہمارے گرد سمٹ آئے تھے۔

"اس عمارت سے ہم پر دھواں دھار گولیاں برسائی گئی ہیں۔" اول خان نے دو منزلہ سفید گھر کی طرف اشارہ کر کے ان کو بتایا "ہم راجا اور جوشی نام کے ایک مغوی کی تلاش میں یہاں آئے تھے۔ انہوں نے ہماری گاڑیاں دیکھتے ہی فائر کھول دیا۔ انہیں دھوئیں کے بم فائر کر کے زیر کیا گیا ہے۔ میرے آدمی اندر گئے ہوئے ہیں۔"

میں اول خان کے ساتھ بہت سی مہمات میں شریک رہا تھا۔ کئی بار اس نے پولیس والوں کو اپنی شناخت کرائی تھی مگر میں کبھی یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ اپنی مشکل ترین شناخت کے لیے کیا شعبدہ استعمال کرتا تھا۔ یہ حیرت کی بات تھی کہ وہ ایک غیر تحریری اور ماورائے آئین فورس کا مقامی کمانڈر ہوتے ہوئے ایسی مستند شناخت کا حامل تھا جسے کوئی ذمے دار افسر مسترد کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

اول خان نے اس بارے میں مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا۔ میں نے بھی اس سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا لیکن میرے دل میں اس بارے میں گہرا تجسس جاگزیں تھا جو اس موقع پر دور ہونے کے بجائے مزید گہرا ہو گیا تھا۔

جب انسپکٹر زاہد کی ہدایت پر پولیس والوں کی نفری اس گھر کے گرد پھیل گئی۔ زاہد ہمیں اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ لے کر گھر کے کھلے ہوئے دروازے میں داخل ہو گیا۔ اس کے دونوں ماتحت عہدے میں اے ایس آئی اور ہیڈ کانسٹیبل تھے۔

اندر جانے سے پہلے میں اول خان کے ایما پر اس کی گاڑی میں سے اپریٹس نکال لایا تھا جو خاموش تھا۔ شاید ایگل ٹو نے ہماری غیر حاضری میں مجرموں کے بارے میں اپنی مکمل رپورٹ سنا دی تھی اور بندھے ہوئے مجرموں کو یکجا کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر اسٹرائیک یونٹ کا ایک مسلح کمانڈو مستعدی سے کھڑا ہوا تھا۔ اول خان کی موجودگی میں اس کی طرف سے کسی تعرض کی گنجائش نہیں تھی۔ اندرونی کمروں سے متعدد افراد کے بولنے اور چلنے پھرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مجرموں کو زہریلے دھوئیں کے اثر میں لا کر بے ہوش کیا جا چکا تھا اس لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ آوازیں اسٹرائیک یونٹ کے کمانڈوز کی تھیں۔

ایگل ٹو کو کسی طرح اطلاع مل گئی کہ اول خان کچھ پولیس افسران کے ساتھ اندر داخل ہو چکا تھا۔ اس نے راستے میں ہی ہم لوگوں کا استقبال کیا اور بتایا کہ عمارت کی نچلی اور اوپری منزل سے کل آٹھ بے ہوش افراد پکڑے گئے تھے۔ ان سب کے ہتھیار اور میگزین ان کے قریب سے ملے تھے۔ ان میں سے ایک قیدی کا داہنا شانہ بہت بری طرح زخمی تھا۔ درد کی شدت کی وجہ سے وہ زخمی، بے ہوشی کی حالت میں بھی رہ رہ کر کراہ رہا تھا۔

ایگل ٹو نے سب سے زیادہ سنسنی خیز خبر یہ سنائی کہ اوپر کے ایک کمرے میں ایک لاش ملی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ اس کے دہانے میں ہتھیار کی نال ڈال کر، کھوپڑی کی طرف اس طرح فائر کیا گیا تھا کہ چکراتی ہوئی گولی اپنے ساتھ پورا بھیجا نکال لے گئی تھی۔ متوفی کے زخم سے رواں تازہ خون سے پتا چل رہا تھا کہ اس کے قتل کو زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ میرے لیے وہ اس مہم کی سب سے اہم خبر تھی۔

مجھے پورا یقین تھا کہ ایگل ٹو کی دریافت کی ہوئی لاش جوشی کی ہوگی۔ اس رات راجا کے ہاتھوں وہی قتل ہو سکتا تھا۔ راجا، چوپڑا کے اشاروں پر چل رہا تھا۔ چوپڑا کی پوری کوشش تھی کہ جوشی کو اس کے دشمنوں کی دسترس سے دور رکھا جائے۔ حالات و واقعات کی بنا پر اس نے سمجھ لیا تھا کہ جس طرح وہ جوشی کے ذریعے ویرا اور پھر ڈینی تک پہنچنا چاہ رہا تھا، بالکل اسی طرح ویرا جوشی کو اپنا آلہ کار بنا کر چوپڑا کا کام تمام کرنا چاہ رہی تھی۔

راجا کے آدمیوں نے اول خان اور اس کے ساتھی کو کسی قیمت پر جوشی کے گھر تک نہیں پہنچنے دیا۔ درمیان میں ذرا سی مہلت ملتے ہی وہ جوشی کو زبردستی اٹھا لائے۔ متوفی کے بندھے ہوئے ہاتھ پیر اس بات کے گواہ تھے کہ وہ اپنی مرضی سے سعید آباد کے اس مکان میں نہیں پہنچا تھا۔

کسی وجہ سے جوشی اس قدر اہم تھا کہ چوپڑا ہر قیمت پر اسے زندہ رکھنا چاہتا تھا ورنہ کوئی بھی شخص نہایت بے خوفی سے جوشی کو اس کے گھر میں مار سکتا تھا۔ وہ لوگ اسے اٹھا کر سعید آباد لے آئے۔ وہاں ہمارے حملے کے بعد راجا کو ادراک ہو گیا کہ جوشی کا معاملہ اس کی توقع سے زیادہ سنگین ہے۔ اس کے پیچھے لگے ہوئے لوگ آسانی سے جان نہیں چھوڑیں گے۔ جب اس کے آدمی اسٹرائیک یونٹ کے ساتھ فائرنگ کا تبادلہ کر رہے تھے تو وہ یہ خطرہ بھانپ گیا کہ جوشی کسی بھی وقت اس کی گرفت سے نکل جائے گا۔ اسے ہماری تحویل سے بچانے کے لیے اس نے جوشی کو راہ سے ہٹانے کا ارادہ کیا اور اس کے حلق سے کھوپڑی میں گولی اتار دی۔

جوشی کے معاملے میں ہماری بھاگ دوڑ رائگاں گئی تھی۔ ہمارے حریف ہمیشہ کے لیے اس کا منہ بند کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

راجا کے ہاتھوں جوشی کی موت کا یقین ہو جانے کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ راجا کے لیے زندگی ایسی جہنم بنا دی جائے کہ وہ گڑگڑا کر اپنی موت کی دعائیں مانگتا رہے لیکن اس کی زندگی کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا جائے۔

اس کا یہ جرم ناقابلِ معافی تھا کہ وہ رقم کے لالچ میں را والوں کے ہاتھ بکا ہوا تھا۔ چند سکوں کے لیے اس نے اپنی لگام چوپڑا کے ہاتھوں میں دے دی تھی۔

میرا ذہن تیزی کے ساتھ کام کرتا رہا۔ اس دوران میں ایگل ٹو ہمیں اس کمرے میں لے گیا جہاں آٹھوں بے ہوش قیدی بندھے ہوئے پڑے تھے۔ زاہد نے ان قیدیوں پر پہلی نظر ڈالتے ہی مایوسی سے اعلان کر دیا کہ ان میں راجا شامل نہیں تھا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے سب انسپکٹر زاہد کا وہ انکشاف کسی گھونسے کی طرح میرے سینے پر پڑا ہو۔

"ان میں اس کے سارے خاص آدمی موجود ہیں۔" زاہد نے قیدیوں کا قریب سے جائزہ لیتے ہوئے کہا "مجھے حیرت ہے کہ اس کے باوجود وہ غائب ہے۔ ان میں کم از کم تین آدمی ایسے ہیں جو سائے کی طرح ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں۔"

"پھر وہ کہاں گیا؟" اول خان نے گھمبیر لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے شبہ ہے کہ ابتدا میں وہ یہیں تھا۔ اسی کی ہدایت پر تم لوگوں پر فائرنگ شروع ہوئی۔" زاہد نے پرخیال انداز میں اپنا نظریہ پیش کرنا شروع کیا "کسی مرحلے پر اس کو اندازہ ہو گیا کہ اس کے آدمی زیادہ دیر تک جم کر نہیں لڑ سکیں گے۔ وہ انہیں مقابلے میں مصروف چھوڑ کر خاموشی سے فرار ہو گیا۔"

"مگر کہاں اور کیسے؟" اول خان نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر پوچھا "باہر ہم موجود تھے۔ یہاں سے چڑیا کا بچہ بھی باہر نہیں گیا۔"

"تم نے مکان کو تین اطراف سے گھیرا ہوا تھا۔" زاہد نے تحمل سے جواب دیا "چوتھی سمت میں مکانوں کا سلسلہ ہے۔ وہ دیواریں پھلانگتا ہوا' اندر ہی اندر کہیں نکل گیا ہوگا۔ فضا زبردست فائرنگ سے لرز رہی تھی۔ علاقے کی پوری آبادی کونوں کھدروں میں دبکی' خوف سے کانپ رہی ہوگی۔ کسی کو ہوش نہیں ہوگا کہ راجا کس کس کے مکان سے ہوتا ہوا فرار ہوا ہے۔ یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس گھر میں تہ خانہ ہے نہ کوئی خفیہ راستہ۔ بھاگنے کے لیے اس نے پڑوس کے گھروں کی راہ اختیار کی ہوگی۔"

"وہ لاش کہاں ہے؟" اول خان نے ایگل ٹو سے پوچھا پھر خود کلامی کے انداز میں بولا "وہ لاش راجا کی بھی ہو سکتی ہے۔"

اول خان کے ذہن پر امید کا راج تھا۔ میں نے اس کی خوش گمانی دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لاش دیکھتے ہی زاہد سچ کا انکشاف کر سکتا تھا۔

اس بار اسٹرائیک یونٹ کے اراکین وہیں رکے رہے۔ زاہد نے بھی اپنے ماتحتوں کو وہیں رکنے اور قیدیوں کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے کا حکم دیا اور ہم تینوں ایگل ٹو کے ساتھ زینوں کی طرف چل دیے۔

"لاش کی حالت بہت خراب ہے۔" ایگل ٹو نے راستے میں ہمیں آگاہ کیا "کھوپڑی کا بیشتر حصہ اڑا ہوا ہے۔ بھیجا چھت پر چپکا ہوا ہے۔"

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید تینوں اپنی اپنی جگہ کچھ سوچ رہے تھے۔

پہلی منزل کا وہ کمرا واقعی کوئی قید خانہ نظر آ رہا تھا۔ وہاں برہنہ فرش پر پڑی ہوئی لاش کی حالت عبرت ناک تھی۔ عام آدمی کے لیے اسے نگاہ بھر کر دیکھنا محال تھا۔ پھٹا ہوا دہانہ بگڑا ہوا تھا۔ پیشانی موجود تھی مگر سر کا پچھلا حصہ گولی کے ساتھ اڑ کر چھت سے لوتھڑوں کی شکل میں چپک گیا تھا۔ میں نے جھک کر زخم پر نگاہ ڈالی تو وہ ہر لحاظ سے تازہ تھا۔ زخم پر جمے ہوئے خون کے لوتھڑوں کی سرخی' سیاہی میں تبدیل ہونا شروع نہیں ہوئی تھی۔

"مجھے افسوس ہے۔ یہ راجا نہیں ہے۔" زاہد نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا "میں اسے نہیں جانتا۔ آٹھوں زندہ قیدیوں سے میں کسی نہ کسی حد تک واقف ہوں۔"

"ہمارا کام ادھورا رہ گیا۔" اول خان نے متاسفانہ لہجے میں مجھ سے کہا "تمہاری دانست میں یہ لاش کس کی ہو سکتی ہے؟" یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے مایوسی کے غلبے کی وجہ سے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا ہو۔

"اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے ہیں۔ پیر بھی باندھے ہوئے ہیں۔ یہ جوشی ہو سکتا ہے۔"

"اگر تم مجھے اس لاش کے بارے میں کچھ بتا سکو تو میرا کام آسان ہو جائے گا۔" زاہد نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اگر میرا اندازہ درست ہے تو یہ بمبئی بازار میں رہتا تھا۔ اس علاقے کے تھانے سے تمہیں پوری تفصیل مل جائے گی۔" میں نے جواب دیا۔

"ساری محنت اکارت گئی۔ اسے قتل کر دیا گیا اور راجا بھاگ گیا۔" اول خان نے مایوسی سے کہا "اب یہ سیدھا سادا تمہارا کیس ہے۔"

"اس میں ایس ٹی ایف کا ذکر نہیں آئے گا۔" زاہد نے اس سے تائید چاہی۔

"ہرگز نہیں۔" اول خان نے سختی سے کہا "تمہارا یہ سوال غیر ضروری ہے۔ خیالی چیزوں کا کسی ریکارڈ میں ذکر نہیں آتا۔"

"سوری سر! میں پوری بات سمجھ گیا۔ اپنے افسران بالا کو بھی سمجھا دوں گا۔" زاہد نے مستعدی سے کہا۔

"تم ان قیدیوں کو جانتے ہو۔ ان کی زبانیں کھلواؤ۔ ہمیں علم ہونا چاہیے کہ راجا کہاں ہے۔" میں نے زاہد کو تلقین کی۔

"تم بے فکر رہو۔ راجا اس علاقے کا سب سے مضبوط بدمعاش ہے۔ کسی طرح گرفت میں نہیں آتا تھا۔ اب اس کے آدمیوں پر ہاتھ پڑ گیا ہے تو میں ان سے کھایا پیا تک اگلوا لوں گا۔ اگلے چوبیس گھنٹوں میں یہ طوطوں کی طرح بولنے لگیں گے۔"

ہم نیچے پہنچے تو قیدیوں کو ہوش میں لانے کی کوششیں جاری تھیں لیکن ان کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔

"یہ دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئیں گے۔ ان کے اعصاب ماؤف ہیں۔" اول خان نے پولیس والوں کو مشورہ دیا "یہ آٹھوں سرکاری مہمان خانے میں جا کر ہی آنکھیں کھولیں گے۔ انہیں یہاں سے لے جانے کی تیاری کرو۔"

"اس میں وقت لگے گا۔" زاہد نے اپنی مجبوری بیان کی "معاملہ قتل کا ہے۔ جب تک ڈی ایس پی وغیرہ لاش کا معائنہ نہ کر لیں ہم یہاں کی کسی چیز کو نہیں ہٹا سکتے۔"

اول خان نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور زاہد کے ساتھ باہر چل دیا۔

زاہد نے قیدیوں پر محنت کرنے کا وعدہ دہرا کر ہمیں بہت تپاک سے رخصت کیا۔ اسٹرائیک یونٹ کا اسکواڈ اول خان کی ہدایت پر تیزی سے اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہو گیا۔ اول خان کی گاڑی خاصے فاصلے سے ان کے پیچھے تھی۔

صبح کے ساڑھے چار بج چکے تھے۔ فضا میں نسیم سحری کے جھونکے تیر رہے تھے۔ کہیں کہیں سے پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں مگر آسمان پر بدستور رات کی گہری سیاہی کا راج تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم اجالا ہونے سے پہلے گھر واپس پہنچ جائیں گے۔

"وقت کچھ برا آ گیا ہے۔" راستے میں اول خان مضمحل آواز میں بڑبڑایا "ہر طرف سے مسلسل ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔"

"کبھی کبھی ایسا ہوتا رہتا ہے۔ جب مسلسل کامیابیاں حاصل ہو رہی ہوں تو ہم یہ نہیں سوچتے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔"

"بات توقعات کی ہوتی ہے۔ تم انل کو بہت مشکل شکار سمجھ کر بھارت کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ اسے آسانی سے مار کر تم کو سچی دلی خوشی حاصل ہوئی ہو گی۔ میں جوشی اور راجا کو کسی گنتی میں نہیں سمجھ رہا تھا لیکن دونوں ہمیں چونا لگا گئے۔ قلق صرف اس بات کا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"میں محسوس کر رہا تھا کہ راجا کے فرار کی خبر پاتے ہی تم اچانک بددل ہو گئے تھے ورنہ میں مزید کچھ وقت وہاں گزارنا چاہ رہا تھا۔ پولیس والوں کے ساتھ چھان بین میں شامل ہو کر ہم بہت سی نئی باتیں معلوم کر سکتے تھے جن سے آئندہ مدد مل سکتی تھی۔"

"سب بیکار تھا۔ ہم تفتیش، چالان اور مقدمے والے لوگ نہیں ہیں۔ اصل بات یہ تھی کہ راجا اپنے گھر کی حدود میں نہیں تھا۔ وہ کہاں سے اور کیسے نکل بھاگا، یہ جاننے سے ہمارے لیے کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ اپنی ناکامی پر میں واقعی بددل ہو گیا تھا۔"

"مجھے امید نہیں تھی کہ راجا اس قدر چالاک ثابت ہو گا۔" میں نے اعتراف کیا "تمہاری طرح میں بھی یہی سوچ

رہا تھا کہ ہم اچانک اسے گھیریں گے اور کسی خوف زدہ چوہے کی طرح پکڑ کر اسٹیشن فوراً لے جائیں گے۔ وہاں مار مار کر اس سے سب کچھ اگلوا لیا جائے گا۔"

"عام دادا گیر اور بدمعاش اتنے چالاک نہیں ہوتے۔" اول خان نے سڑک سے اپنی نظریں ہٹائے بغیر، پر خیال آواز میں کہا "وہ قانون کے محافظوں میں چھپی ہوئی کالی بھیڑوں کی ملی بھگت سے اپنے دھندے چلاتے ہیں اور گرد و پیش سے بہت زیادہ باخبر نہیں ہوتے۔ برا وقت آنے والا ہوتا ہے تو تنخواہ دار مخبر انہیں پہلے سے ہوشیار کردیتے ہیں اور وہ بروقت زیرِ زمین چلے جاتے ہیں۔ اچانک کوئی ناگہانی افتاد سر پر آن پڑے تو قانون کو للکارے بغیر ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ راجا کا معاملہ ہی مختلف نکلا۔"

"اس کے طور طریقے بڑے گروہ بندوں جیسے ہیں۔ تمہیں زاہد سے کریدنا پڑے گا کہ راجا کا ماضی بھی ایسا ہی رہا ہے یا وہ آج کل نئے طور طریقوں پر چل نکلا ہے۔ مجھے شبہ ہورہا ہے کہ اس کی پشت پر کوئی اور ہے جو اسے چلا رہا ہے۔"

"اب تک کے واقعات سے یہ بات کھل چکی ہے کہ چوپڑا نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ وہ دل کھول کر راجا کی مدد نہ کررہا ہوتا تو اس کے آدمی بمبئی بازار کی گنجان آبادی میں میرا مقابلہ نہ کرتے۔ بھارتیوں نے ہماری زندگی مفلوج کرنے کے لیے اپنی تجوریوں کے منہ کھولے ہوئے ہیں۔"

"چوپڑا ایک روایتی سفید پوش مجرم ہے۔ وہ راجا کو وسائل فراہم کرسکتا ہے لیکن قانون سے مقابلے اور فرار کے گر نہیں بتا سکتا۔ مجھے راجا کا معاملہ زیادہ گہرا اور پراسرار معلوم ہورہا ہے۔ اب ہمیں اس کی تہ تک پہنچنا ہوگا۔"

"تمہاری یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔" اول خان سہلاتے ہوئے بولا "جلال کے کمپیوٹر پر چوپڑا کا ریکارڈ بے داغ ہے۔ وہ پیسے کے زور پر اور اپنا دامن بچا کر کام نکالنا جانتا ہے لیکن مجرمانہ منصوبہ بندیوں کے رموز و نکات سے کھیلنا اس کے بس سے باہر ہے۔"

سڑک کا ہلکا سا خم طے کرتے ہی ہمیں آگے بھیڑ بھاڑ نظر آنے لگی اور اول خان نے بے ساختہ اپنی گاڑی کی رفتار کم کرلی۔

راجا کے اڈے کی طرف جاتے ہوئے ہم شیر شاہ سے گزرے تھے تو وہاں ہر طرف ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ ہم کسی رکاوٹ کے بغیر وہاں سے گھوم کر حب ریور روڈ پر مڑ گئے تھے لیکن اس وقت وہاں متعدد گاڑیاں رکی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ اسی کے ساتھ سڑک پر کافی افراد بھی موجود تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آگے کوئی حادثہ ہوگیا ہے۔" اول خان نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"رکنے کے بجائے اپنا راستہ بنا کر آگے نکلنے کی کوشش کرو یا پھر گاڑی واپس گھمالو۔ ہم اندر سے ہو کر نکل جائیں گے۔" میں نے مشورہ دیا۔

قریب پہنچنے پر راستہ بالکل مسدود ملا۔ لوگوں نے بوکھلاہٹ میں اپنی گاڑیاں سڑک پر بے ترتیبی سے روک دی تھیں۔ رہی سہی کسر آس پاس سے جمع ہونے والے لوگوں نے پوری کردی تھی۔ اول خان نے گاڑی روک کر ایک آدمی سے معلوم کیا تو ہمیں پتا چلا کہ کچھ دیر پہلے ایک تیز رفتار گاڑی ڈرائیور کے قابو سے باہر ہو کر تنگ چوراہے کی دیوار پر چڑھ گئی تھی۔ دھماکے کی آواز سن کر تھڑوں، دکانوں اور گھروں میں سوئے ہوئے سب لوگ ہڑبڑا کر باہر نکل آئے تھے۔ وہاں سے گزرنے والی اِکّا دُکّا گاڑیاں بھی جائے حادثہ پر رکتی چلی گئیں اور یوں تھوڑی دیر میں وہاں ٹریفک جام ہوگیا۔

حادثے کا شکار ہونے والی گاڑی کے زخمی ڈرائیور کو ایک ٹیکسی میں ڈال کر اسپتال لے جایا جاچکا تھا لیکن تماشائیوں کی چہل پہل برقرار تھی۔

غنیمت یہ تھا کہ صبح کی اولین ہواؤں کے خنک جھونکوں نے ہجوم کا موڈ نہیں بگڑنے دیا تھا۔ ہر شخص رضاکارانہ طور پر ہمیں راستہ دینے کے لیے تیار تھا۔ اول خان نے وہاں رک کر راستہ صاف ہونے کے انتظار میں اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے اسٹیئرنگ پر اپنے کمالات دکھانے کو ترجیح دی اور ہم رینگ رینگ کر انسانوں اور گاڑیوں کے اس انبوہ سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس مختصر سے حصے سے آگے سڑک دور دور تک صاف تھی۔

ہم افق پر اجالے کی کوئی کرن نمودار ہونے سے پہلے گھر پہنچ گئے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ویرا اور سلطان شاہ کا موڈ خوش گوار تھا۔ ان دونوں میں اگر کوئی جھڑپ ہوئی بھی تھی تو اس کے اثرات زائل ہوچکے تھے۔

"تم دونوں بہت جلد واپس لوٹ آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا؟" ویرا نے اپنی بے رحمانہ رائے کے اظہار کے لیے کسی تمہید کا تکلف کیے بغیر کہہ ڈالا۔

"یہ بڑی کامیابی ہے کہ ہم صحیح سمت میں کام کررہے

یں" اول خان نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا "راجا کوئی غیر
تعلق آدمی نہیں ہے، جوشی اسی کی تحویل میں تھا۔ راجا نے
خطرہ سر پر منڈلا تا دیکھ کر اسے مار ڈالا اور خود بھاگ گیا۔"

"تم ایک لاش کی دریافت کو کامیابی سمجھتے ہو تو سمجھتے
رہو میں تو اسے ناکامی کہوں گی کہ راجا تمہیں جل دے کر نکل
گیا" ویرا نے سگریٹ کا کش لے کر کہا۔

"وہ زیادہ دیر تک ہماری گرفت سے نہیں بچ سکے گا"
یں تلخی سے بولا "اب ہم اس کی راہ پر لگ چکے ہیں۔"

"یہ سب نفسا نفسی کی نحوست ہے جو ہم ایک کے بعد
دوسری ناکامی کا منہ دیکھتے چلے جا رہے ہیں" ویرا نے چیخ کر کہا
میں نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے کی کوشش کی تو چوپڑا
اپنے گھر میں دو من کا تالا ڈال کر غائب ہو گیا۔ اول خان نے
پنا جھنڈا بلند کرنا چاہا تو جوشی پھسل کر ہاتھ سے نکل گیا۔ اب
م دونوں مجھے چھوڑ کر راجا کے پیچھے گئے تو وہ جل دے گیا۔
یں تو اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ صرف اتفاق میں برکت ہے۔
ندھے سے کندھا ملا کر چلو گے تو کامیابیاں تمہارے قدم
میں گی۔"

"کیوں نہ زاہد کو فون کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اسے کچھ
باتیں معلوم ہوئی ہوں" میں نے ویرا کی تقریر کو نظرانداز
رکے اول خان سے کہا۔

"بے سود ہے" اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر
ل کر جواب دیا "ابھی وہ تھانے نہیں پہنچا ہو گا۔ لاش ملنے
کے بعد جائے واردات پر اس کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔"

"بے کار بیٹھ کر اپنے ذہنوں اور جسموں کو تھکانے سے
ز ہو گا کہ ہم چاروں بھی غزالہ کی طرح کچھ دیر آرام
لیں۔ یہ صبح اور رات کا آخری سنگم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ
یں نیند آ ہی جائے" سلطان شاہ نے ہلکی سی انگڑائی لے کر
یز پیش کی۔

اول خان نے یکایک اپنی جگہ چھوڑ دی اور کہا "میں بھی
سوچ رہا تھا، میں چلتا ہوں۔"

اول خان ایک طویل وقفے سے اپنے اہل و عیال سے
ڑا ہوا تھا۔ اس نے پوری رات ہمارے ساتھ گزار دی
ں۔ اسے مزید رکنے پر مجبور کرنا مناسب نہیں تھا۔ ویسے بھی
رے لیے فوری نوعیت کا کوئی کام نہیں رہا تھا۔ ہم تینوں
خوش دلی سے اسے رخصت کر دیا۔

"اب مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ وہاں کیا ہوا؟" اول خان
چلے جانے کے بعد ویرا مجھے پکڑ کر بیٹھ گئی۔ سلطان شاہ
بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نئی بازپرس کے سلسلے میں
وہ بھی ویرا کا ہم نوا تھا۔ میں نے اپنے کمرے کا رخ کرنے کے
بجائے ڈرائنگ روم کے صوفے پر اپنے ہاتھ پیر پھیلا دیے۔

○☆○

راجا کی نشاندہی کے سلسلے میں جلال نے اپنے معمولات
سے ہٹ کر میری غیر معمولی مدد کی تھی اور میں نے اس سے
وعدہ کیا تھا کہ اس بارے میں کوئی پیش رفت ہوتے ہی میں
اسے آگاہ کروں گا۔ میں نے ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر اس
کے دفتر کا فون ملایا تو اس وقت گیارہ بج چکے تھے۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ وہ اس وقت اپنے دفتر میں
موجود تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے فون پر چہکنا شروع
کر دیا۔

"میں نے رات کو تمہیں بہت پریشان کیا" میں نے
موقع پاتے ہی کہا "میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے ریکارڈ کی
چھان بین کر کے راجا کی نشان دہی کی۔ چوپڑا کے معاملات
میں وہ پوری طرح ملوث ہے۔ اس کے ستارے اچھے تھے کہ
آج صبح سویرے ہم اسے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔"

"مجھے رپورٹ مل چکی ہے" جلال کے اس انکشاف نے
مجھے حیران کر دیا "رات کو تم سے آخری بار بات کرنے کے
بعد میں نے اپنے اسٹاف کو راجا کی دور سے نگرانی پر مامور
کر دیا تھا۔ ان سے مجھے پتا چلا ہے کہ رات کو ایس ٹی ایف
والے چار گاڑیوں میں بارہ افراد کے ساتھ وہاں پہنچے تھے۔"

"پھر تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ وہاں ایک لاش موجود
تھی؟" اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے لقمہ دیا۔

"رات کو بلکہ آج منہ اندھیرے فوری طور پر اس کی
شناخت نہیں ہو سکی تھی لیکن پولیس کو اس بارے میں کوئی
ٹپ مل گئی تھی" صبح رونما ہونے والے واقعات دہرانے کے
بجائے اس نے نئی بات شروع کر دی۔ وہ کہہ رہا تھا "نو بجے
میٹھادر تھانے کا عملہ جوشی کے ایک بیٹے کو لے کر وہاں پہنچا
اور اس لڑکے نے اپنے باپ کو شناخت کر لیا۔ مجھے یقین ہے
کہ راجا نے اسے چوپڑا کی ہدایت پر مارا ہو گا۔"

"میں نے ابتدا میں محسوس کر لیا تھا کہ جوشی کوئی اہم
بات جانتا تھا اور چوپڑا اسے ہر قیمت پر اپنے دشمنوں سے دور
رکھنا چاہتا تھا۔ اس کی جوشی سے دوستی تھی۔ وہ اسے
مروانے پر آمادہ نہیں تھا لیکن کھیل بگڑتا دیکھ کر اسے وہ ناگزیر
فیصلہ کرنا پڑ گیا۔"

"ویری گڈ!" ریسیور پر اس کی تحسین آمیز آواز ابھری
"اس بارے میں میری اور تمہاری سوچ یکساں ہے۔ وہ جوشی

کو مروانا چاہتا تو اس کے گھر میں ہی مروا سکتا تھا۔ اسے وہاں سے اٹھوانے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"راجا کے ہاتھ آنے کے بعد یہ گتھی سلجھ سکے گی کہ جوشی کی کیا اہمیت تھی؟" میں نے کہا۔

"اس بارے میں شاید راجا کچھ نہیں بتا سکے گا۔ اصل جواب صرف چوہڑا دے سکتا ہے۔"

"اس کا کہیں کوئی پتا نہیں چل رہا۔ ایس ٹی ایف والے اس کے مقفل گھر کی نگرانی کر رہے ہیں۔ کسی نے ادھر کا رخ کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"وہ اپنے قونصل خانے میں دبکا ہوا ہوگا۔ کب تک وہاں چھپا رہے گا۔ کسی نہ کسی وقت اسے باہر آنا پڑے گا" جلال کی آواز میں تلخی در آئی "اب نئی اطلاع یہ ہے کہ ونود کی پوسٹنگ کراچی کے قونصل خانے میں کردی گئی ہے۔ وہاں ہمارے دو شکار جمع ہوگئے ہیں۔"

ونود کے بارے میں جلال مجھے پہلے بتا چکا تھا کہ وہ اپنے تقرر کی دستاویزات کے ساتھ اسلام آباد پہنچ چکا تھا۔ وہ آئی بی کے ایک بہت اہم اہلکار کا قاتل تھا۔ مجھے یاد تھا کہ جلال نے اس سے عبداللہ عرف ولی رام کے قتل کا بدلہ لینے کا عہد کیا ہوا تھا۔

"تم فکر نہ کرو۔ یہ دونوں کسی بھی وقت ہماری گرفت میں آجائیں گے۔ اس وقت مجھے راجا کی فکر ہے۔ اس کے فرار سے میں ذاتی طور پر اپنی سبکی محسوس کر رہا ہوں۔"

"کام کے سلسلے میں، میں ذاتیات کا قائل نہیں ہوں مگر راجا کے بارے مجھے بھی خلش ہے۔ وہ حرام زادہ ایک پاکستانی ہوتے ہوئے راوالوں کے ہاتھ بکا ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے شہر کے دوسرے بدمعاشوں کے لیے عبرت کی مثال بنا دیا جائے۔"

"اس پر تین سمتوں سے کام ہو رہا ہے" جلال کے اشتعال کا اندازہ لگا کر میں نے اسے دلاسا دیا "ایس ٹی ایف اس کی بو پر لگی ہوئی ہے۔ تمہارے آدمی اس پر کام کر رہے ہیں اور پولیس والوں نے بھی اس کی تلاش شروع کردی ہے۔ وہ زیادہ دیر تک آزادی کے سانس نہیں لے سکے گا۔"

ہمارے پاس معلومات کے تبادلے کے سوا کوئی بڑی خبر نہیں تھی۔ تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔

اس درمیان میں ویرا ڈرائنگ روم میں آبیٹھی تھی۔ وہ مجھ سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکی "کس سے بات ہو رہی تھی؟"

"جلال نے تصدیق کی ہے کہ راجا کے گھر سے ملنے والی لاش جوشی کی تھی" میں نے اسے بتایا۔

"اس میں کون سی نئی بات ہے۔ تم نے تو صبح سویرے مجھے بتا دیا تھا کہ وہاں جوشی کو مارا جا چکا تھا" ویرا نے اعتراض کیا۔

"وہ میرا اندازہ تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی جوشی کو نہیں جانتا تھا۔ میں نے لاش کے بندھے ہوئے ہاتھ پیروں سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ لاش جوشی کی ہوگی۔ اب جلال نے بتایا ہے کہ متوفی کو شناخت کیا جا چکا ہے۔"

"کیا یہ بات حیران کن نہیں ہے کہ وہ اسلام آباد میں بیٹھ کر بھی اتنا باخبر رہتا ہے" ویرا نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"وہ کوئی عام سرکاری افسر نہیں ہے، انٹیلی جنس بیورو کا ایک اہم عہدے دار ہے۔ وہ ملک میں درپردہ رونما ہونے والے واقعات سے بے خبر رہے تو مجھے صدمہ ہوگا۔ ہر اہم بات اور واقعے سے باخبر رہنا اس کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ یہ ذمے داری پوری خوش اسلوبی سے پوری کرتا ہے۔"

"وہ واقعی حیران کردینے والی صلاحیتیں رکھتا ہے" ویرا نے اعتراف کیا "سلطان شاہ نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے کتنی محنت سے اپنا سارا ریکارڈ کھنگال کر چوہڑا اور راجا کے درمیان تعلق کا سراغ نکالا تھا۔ یہ ذہانت ہر ایک کے پاس نہیں ہوتی۔"

"جو لوگ پورے خلوص سے کام کرنے پر یقین رکھتے ہیں، وہ اپنے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال لیتے ہیں۔"

"تم اس سے راجا کے سوا کن دونوں کی بات کر رہے تھے؟" ویرا نے یوں چونک کر پوچھا جیسے اسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔

"چوہڑا اور ونود" میں نے بتایا "اسے بھی اسلام آباد سے کراچی بھیج دیا گیا ہے۔"

"اوہ!" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "وہ سراسر عبداللہ کے خون کے انتقام کا معاملہ ہے۔ میں سمجھ رہی تھی کہ موجودہ واقعات کے سلسلے میں اچانک کوئی نیا نام تمہارے سامنے آگیا ہے۔ اس وقت ہماری توجہ کئی سمتوں میں بٹی ہوئی ہے۔"

"جوشی کے قتل سے ایک باب بند ہوگیا۔ اب ہماری توجہ کا مرکز صرف چوہڑا کی ذات ہے۔"

"تو کیا تم نے راجا کو اس کے حال پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"راجا اور چوہڑا ایک سلسلے کی دو کڑیاں ہیں۔ بار

ں ان دونوں کو ان کے انجام تک پہنچادیا جائے گا۔" میں
سختی سے کہا۔

"اس بار یہ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں پاکستانی ہیں۔ را
مشن کو آگے بڑھانے والوں میں کسی غیر ملکی کا نام
ے سامنے نہیں ہے۔"

"دونوں پاکستانی ہیں۔ ایک ہندو اور دوسرا مسلمان
۔ دونوں را کے ہاتھوں بکے ہوئے ہیں" وہ اعتراف کرتے
ئے میں نے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ راجا مسلمان ہے؟" ویرا نے وہ
ں پوچھ کر مجھے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہی تھی "اس کے نام سے
ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ کون ہے؟"

"یہ میرا قیاس ہے۔ میں اب اس کی تصدیق کرلوں گا"
نے دھیرے سے کہا۔

غزالہ اور سلطان شاہ اپنے اپنے چائے کے مگ اٹھائے
سے برآمد ہوئے اور آکر ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔

ہمارے درمیان گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا۔ پچھلے واقعات
بارے میں غزالہ کی معلومات سب سے کم تھیں اس لیے
ب سے زیادہ متجسس تھی۔ وہ بہت کم سوالات کرتی تھی
جب اس کی طبیعت میں تجسس بیدار ہوتا تھا تو وہ بال کی
ں نکالتی چلی جاتی تھی۔

ان باتوں کے درمیان اول خان کا فون آگیا۔ اس کی
سے خوشی پھوٹی پڑرہی تھی۔

"مبارک ہو۔ تمہارا گندا شکار آخرکار پھندے میں
گیا۔" اس کی مسرت سے مغلوب آواز میرے کانوں میں

"اس وقت کم از کم تین نام میرے سامنے ہیں۔ تم کس
ت کر رہے ہو" میں فوری طور پر اس کا اشارہ نہیں سمجھ

"مجھے سب سے زیادہ نفرت راجا سے ہے اور وہی اپنی
تی کے پھندے میں پھنسا ہے۔"

راجا کے بارے میں اول خان کے وہ الفاظ سن کر خوشی
میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ میں نے پرجوش لہجے
ہا "اب پہیلیاں بجھواتے رہوگے یا اس ملعون کے
ام آنے کے بارے میں کچھ اور بھی بتاؤ گے۔"

"صبح سعید آباد سے واپسی پر شیر شاہ میں نظر آنے والا
یڈنٹ تم کو یاد ہے؟" اول خان اس وقت میرے صبر کا
ن لینے پر تلا ہوا تھا۔

"اچھی طرح یاد ہے" میں نے جلدی سے کہا "وہ بھولنے
والا واقعہ نہیں تھا۔"

"راجا کی گاڑی کو وہ حادثہ پیش آیا تھا۔ گھر سے نکل کروہ
بدحواسی کے عالم میں فرار ہوا تھا۔ اس موڑ پر اپنی گاڑی پر
قابو نہیں رکھ سکا اور گاڑی چوراہے کی اونچی منڈیر توڑتی
ہوئی گھاس پر چڑھ گئی۔ وہ بہت بری طرح زخمی ہوا ہے۔"

"تم کو کیسے پتا چلا کہ حادثے کا شکار ہونے والی کار اسی
کی تھی؟" میں نے بے تابی سے سوال کیا۔

"ابھی ابھی میں زاہد سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوا
تھا۔ یہ خوش خبری اسی نے سنائی ہے۔"

"شیر شاہ کے علاقے میں ہونے والے حادثے کا سعید
آباد کے تھانے سے کیا تعلق نکل آیا؟" مجھے اس کی سنائی
ہوئی خبر پر یقین نہیں آرہا تھا۔

"بھاگتے ہوئے راجا کو اپنی کوئی گاڑی استعمال کرنے کا
موقع نہیں مل سکا۔ وہ چھتیں اور دیواریں پھلانگتا ہوا کافی
دور جانے کے بعد باہر نکلا اور گھر کے باہر کھڑی ہوئی کار چرا کر
لے بھاگا۔ فائرنگ کا طوفان تھمنے کے بعد لوگ گھروں سے
نکلے تو گاڑی کے اصل مالک کو چوری کا علم ہوا۔ اس نے اسی
وقت تھانے میں رپورٹ درج کرادی۔ حادثے کا شکار ہونے
والی گاڑی کے بارے میں چھان بین شروع ہوئی تو پتا چلا کہ
سعید آباد تھانے میں اس کی چوری کی رپورٹ درج ہے۔۔۔"

"اوہ! تو یوں کہو کہ زاہد کو مال مسروقہ کی شناخت کے
لیے شیر شاہ تھانے جانا پڑا تو اسے حقیقت کا علم ہوا ہوگا" میں
نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"ہاں۔ وہ بھی بہت خوش تھا اور کار کے حادثے کو
قدرت کا عتاب قرار دے رہا تھا۔"

"اب راجا کہاں ہے؟" اول خان کی گفتگو میں آنے
والے وقفوں سے مجھے سخت الجھن ہورہی تھی۔ میں اس
واقعے کی ساری جزئیات جلد از جلد جان لینے کے لیے بے
چین تھا اور وہ نپے تلے ٹکڑوں میں اپنی کہانی سنا رہا تھا۔

"حادثے کے بعد سے وہ اسپتال میں بے ہوش پڑا ہوا
ہے" اول خان نے ایک مرتبہ پھر مختصر جواب دینے پر اکتفا
کیا۔

"اس کی سخت ترین نگرانی کی ضرورت ہے" میں نے
مضطربانہ لہجے میں کہا "وہ بہت مکار آدمی ہے۔ ہوش میں
آتے ہی اسپتال سے فرار ہونے کی کوشش کرے گا۔"

"زاہد نے اپنے افسروں کو بتادیا ہے کہ وہ ایس ٹی ایف
کا مطلوب مجرم ہے۔ تم فکر نہ کرو، مسلح پولیس کے ساتھ
میرے چاق وچوبند آدمی بھی اسپتال کی نگرانی پر مامور ہیں۔

اسے وہاں سے نکال لے جانے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی اور نہ وہ خود وہاں سے فرار ہو سکتا ہے۔"

"تم اس معاملے کی اہمیت اور سنگینی سے واقف ہو۔ میں اپنی کسی بات پر زور نہیں دوں گا۔ بس اتنا ضرور کہوں گا کہ راجا کو کم تر نہ سمجھنا۔ وہ ہماری توقعات سے بڑھ کر کوئی بھی خطرناک قدم اٹھا سکتا ہے۔ اسے نکل بھاگنے میں ناکامی ہوئی تو وہ خودکشی کی کوشش کر سکتا ہے۔"

"اس کے بھاگ جانے کا خوف اپنے دل سے نکال دو" اس بار اول خان کی آواز اعتماد آمیز تھی۔ "حادثے میں اس کی داہنی پنڈلی ٹوٹ گئی ہے' چہرہ بری طرح زخمی ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد اپنی مرضی سے بستر سے ہل جل بھی نہیں سکے گا۔ تمہارا خودکشی والا اندیشہ درست ہے۔ میں اس کی مکمل جامہ تلاشی لینے کا بندوبست کیے لیتا ہوں۔ اس کے پاس سے ہر خطرناک اور مشتبہ چیز ہٹالی جائے گی۔"

"اسے اسٹیشن فور کب لایا جائے گا؟" میں نے پوچھا۔

"میڈیکل کلیرنس کے بعد میں اسے ایک لمحے کے لیے بھی اسپتال میں نہیں چھوڑوں گا۔"

"معاملہ طول پکڑ جائے گا۔" میں اندیشہ ظاہر کیا "وہ لاکھ ملزم یا مجرم سہی' اسپتال والے اس کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کا آپریشن ضرور کریں گے۔"

"سرجن کا یہی خیال ہے۔ حادثہ شدید تھا۔ آپریشن کے بغیر ٹوٹی ہڈی کا جوڑ بٹھانے کی کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔"

"یہ بلاوجہ وقت' پیسے اور طبّی سہولتوں کا ضیاع ہوگا" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

وہ میرا اشارہ سمجھ گیا "تم کیا چاہتے ہو؟" قدرے توقف کے بعد اس کی آواز آئی۔

"اس پر وسائل برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ اپنا انجام خود اسے بھی معلوم ہے۔ وہ جس حال میں ہے' اسی حال میں اسے اٹھالاؤ۔ پولیس تم سے کوئی تعرض نہیں کرے گی۔ ڈاکٹروں سے کہا جا سکتا ہے کہ تم اپنے طور پر اس کا علاج معالجہ کراؤ گے۔ اسپتال والے اسے روکنے پر اصرار نہیں کریں گے۔"

"خاصا ظالمانہ مشورہ ہے تمہارا مگر وہ غدار اسی سلوک کا حق دار ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ تمہارے مشورے پر عمل کیا جا سکے۔"

"ابھی تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ جوشی کے بیٹے نے اپنے باپ کی لاش پہچان لی ہے" میں نے اسے یاد دلایا۔

"راجا کے سامنے یہ سب خبریں ثانوی ہو کر رہ گئی ہیں۔ مم... مگر یہ بات تمہیں کس نے بتائی؟ میں نے تو اس کے بارے میں ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نہیں نکالا۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "میں بھی اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوں۔ میں نے جلال کو فون کیا تھا۔ یہ بات اسی نے بتائی تھی۔"

"اچھا... تو وہ وہاں بیٹھا اپنی ڈوریاں ہلا رہا ہے۔ شاید یہ ہم سب کی ملی جلی کوششوں کا ثمر ہے کہ راجا کے فرار کی کوشش ناکام ہوگئی ورنہ اس تک پہنچنے میں ہمیں دانتوں پسینہ آجاتا۔ اس کے آدمی اس کے خفیہ رابطوں سے بالکل بے خبر ہیں۔"

"اس کے آدمیوں کی بے خبری کے بارے میں تمہیں زاہد نے کچھ بتایا ہے یا یہ تمہارا اندازہ ہے" میں نے پوچھا۔

"زاہد بہت مخلص اور محنتی پولیس افسر ہے۔ اس نے ان آٹھوں سے کڑی بازپرس شروع کردی ہے۔ ابھی صرف اتنا پتا چلا ہے کہ راجا آج کل بڑے پیمانے پر ہیروئن کا دھندا کر رہا ہے۔ وہ اپنا مال مقامی مارکیٹ میں پھیلانے کے ساتھ یورپ اور امریکا اسمگل کر رہا ہے۔"

میں نے اول خان کی اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہیروئن کے گھناؤنے کاروبار سے شی کی عبرت ناک پسپائی کے بعد منڈیوں میں جو خلا پیدا ہوا تھا اسے پر کرنے کے لیے کئی مفاد پرست مقامی گروہ میدان میں کود پڑے تھے۔ اگر راجا اپنے حریفوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل گیا تھا تو وہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔

"اس کے گرد جمع ہونے والے پکے پیشہ ور ہیں۔ وہ آسانی سے زبان نہیں کھولیں گے" میں نے کہا "راجا ہماری براہ راست تحویل میں آجائے تو مجھے ذرا بھی فکر نہیں رہے گی کہ اس کے آدمی زبان کھولتے ہیں یا چپ سادھے رہتے ہیں۔"

"را' سی آئی اے اور ایف بی آئی کی سازشوں میں ہیروئن کا تذکرہ مجھے بھی بے جوڑ لگا تھا لیکن اب تک کے حقائق یہی ہیں۔"

"ہیروئن ان ایجنسیوں سے اتنی لاتعلق نہیں ہے۔ شی کا خمیر ہیروئن کے سرمائے سے اٹھا تھا اور وہ سی آئی اے کا ایک حصہ ہی ہوئی تھی۔"

"اس وقت اپنے ذہن کو اتنا نہ تھکاؤ۔ یہ دور کی باتیں ہیں۔ اس وقت ہمیں اپنی ساری توجہ راجا پر مرکوز رکھنی چاہیے۔"

"میں تمہاری طرف سے کسی اچھی خبر کا منتظر رہوں گا۔ یہ جان کر شاید تم کو بھی خوشی ہو کہ اب یہاں صرف چوپڑا نہیں ہے' اس کے ساتھ ساتھ ونود بھی کراچی آگیا ہے۔"

"اس خبر سے جلال کو زیادہ خوشی ہوگی۔ وہ عبداللہ کے قتل کے بعد اس پر خار کھائے بیٹھا ہے" ہنسی کے ساتھ اول خان کی آواز آئی۔

"مجھے یہ اطلاع اسی نے دی ہے۔ اب تم یک سو ہو کر اپنی توجہ راجا پر مرکوز کردو اور ہاں' یہ تو بتاؤ کہ راجا کا مذہب کیا ہے؟" بات ختم کرتے ہوئے مجھے اچانک ویرا کا اٹھایا ہوا نکتہ یاد آگیا جس کی نظری اہمیت تھی مگر عملی طور پر راجا کا مذہب غیر اہم تھا۔ بنیادی بات یہ تھی کہ وہ غدار اور اپنے وطن کا مجرم تھا۔ اس کے مذہب کو درمیان میں لائے بغیر ہمیں اس کو کیفر کردار تک پہنچانا تھا۔

"وہ جھوٹا اور دوغلا ہے۔ خود کو نومسلم کہتا ہے" اول خان بتا رہا تھا "پہلے عیسائی تھا تو کبھی گرجا نہیں گیا تھا۔ دو سال پہلے کسی ضرورت کے تحت مسلمان ہوا تو مسجد کی صورت تک نہیں دیکھی۔ مذہب کے حوالے سے مسلمان اس پر اعتبار کرتے ہیں نہ عیسائی' یہ بات تمہیں اچانک کیوں یاد آگئی؟"

"بس ویرا سے بحث ہوگئی تھی" میں نے ہنس کر گول مول سا جواب دیا۔

"اس سے بحث مت کیا کرو۔ اس لڑکی نے نکتہ آفرینی میں غضب کا دماغ پایا ہے۔ وکالت کا پیشہ اختیار کرلیتی تو اپنے حریفوں کا جینا اجیرن کردیتی۔"

"میں تمہاری اس نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ تم راجا پر اپنا کام شروع کردو۔"

سعید آباد سے واپسی پر راستے میں ایک حادثے کا منظر نظر آنا اس قدر معمولی اور لاتعلق واقعہ تھا کہ میں نے کسی سے اس کا ذکر کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ فون بند کرنے کے بعد میں نے ان تینوں کو راجا کے انوکھے حادثے کے بارے میں بتانا شروع کیا تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

یہ بات واقعی تعجب خیز تھی کہ ہم اپنے جس مجرم کو پکڑنے میں ناکامی کے بعد واپس لوٹ رہے تھے' وہ ہمارے راستے میں حادثے کا شکار ہوچکا تھا' ہم وہاں سے گزرے مگر ہم نے اس واقعے کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ ہم وہاں رک بھی جاتے تو ہمیں کچھ پتا نہ چلتا کہ قسمت کی ستم ظریفیاں کیا گل کھلا رہی تھیں۔ سب سے پہلی بات یہ تھی کہ ہم اپنے مجرم کو اس کے چہرے مہرے سے نہیں پہچانتے تھے اگر وہ جائے حادثہ پر پڑا ہوتا تب بھی ہم اسے نہیں پہچان سکتے تھے کہ وہ راجا تھا۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ تھی کہ اس وقت تک حادثے کے زخمی کو جائے حادثہ سے اسپتال کی طرف لے جایا جاچکا تھا۔

"یہ مقدر کی نیرنگیاں ہیں۔" ویرا سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے بولی "جو کبھی کبھی اپنا رنگ دکھاتی ہیں۔"

"جو ہوا وہی سب سے بہتر تھا۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے کہا "وہ ٹوٹی ہوئی پنڈلی کے ساتھ اسپتال کا قیدی بن گیا اور وہاں پولیس والوں نے اسے شناخت کرلیا۔ جب کسی مجرم کی شامت آتی ہے تو اس کے گرد اسی طرح گھیرا تنگ ہوتا ہے۔"

"اب اسٹیشن فور میں' میں اس کی خدمت کروں گا۔" سلطان شاہ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زور زور سے آپس میں رگڑتے ہوئے اعلان کیا "اسے اپنی چھٹی کا کھایا پیا تک یاد آجائے گا۔"

"میں تم سے متفق نہیں ہوں۔" غزالہ نے نرمی سے کہا "طاقت کے بل پر کسی کو زیر کرنا تیسرے درجے میں شمار ہوتا ہے۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے؟ ہم کو اس ملعون کی ضیافت کرنی چاہیے!" ویرا نے تیوریاں چڑھا کر پوچھا۔

"شاید ہم میں سے کسی نے اس کو نہیں دیکھا لیکن اب تک اس کے بارے میں جو باتیں سامنے آئی ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ وہ عمدہ منصوبہ بندی سے کام کرنے والا آدمی ہے۔ اس نے جوشی کو نکال لے جانے میں کامیابی حاصل کی' اپنے گھر سے کامیابی سے فرار ہوگیا۔ وہ تو اس کے ستارے گردش میں آگئے کہ اس کی چرائی ہوئی گاڑی حادثے کا شکار ہوگئی ورنہ ہم اس وقت اس کے نکل جانے پر اپنے ہاتھ مل رہے ہوتے۔" غزالہ نے دامن بچا کر جواب دیا۔

"تمہاری بات واضح نہیں ہے۔" ویرا نے فوراً اعتراض جڑ دیا "جو کچھ کہنا چاہتی ہو' کھل کر کہو۔"

میں نے ان تینوں کی گفتگو میں دخل دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ غزالہ کے ذہن میں کوئی نئی بات جنم لے چکی تھی۔

"ایک بار اول خان اسے اپنی تحویل میں لینے میں کامیاب ہوجائے تو وہ ہر وقت ہمارے رحم و کرم پر ہوگا۔" غزالہ کہہ رہی تھی "تم جب چاہو' اس پر ہاتھ اٹھا کر تشدد کا آغاز کرسکتی ہو لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ تشدد کے سامنے

جھکنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" سلطان شاہ بولا "بعض مجرم بہت سخت جان ہوتے ہیں۔ ہر تشدد سہہ لیتے ہیں لیکن اپنی زبان نہیں کھولتے۔ ابھی ہم نے راجا کا سامنا نہیں کیا اور نہ اس کے رویّے کے بارے میں کوئی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تم جو کچھ کہہ رہی ہو وہ نرے قیاس پر مبنی ہے۔"

"ایک بار تم نے اس کے ساتھ مار دھاڑ شروع کردی تو پھر اسے اپنے مفاہمانہ رویے کا یقین نہیں دلا سکو گے۔" غزالہ بولی۔

"تمہارا مشورہ ہے کہ ہم ابتدا سے ہی اسے پچکارنا شروع کردیں؟" ویرا نے پوچھا۔

"اس میں کیا قباحت ہے؟" غزالہ نے اس کے طنز کا اندازہ کرکے جوابی سوال کرڈالا "پیار کرکے کسی بھی لمحے تھپڑ رسید کیا جاسکتا ہے۔ یہ منطقی عمل ہوتا ہے۔ تھپڑ مار کر پیار کرنا قطعی غیر منطقی رویہ لگتا ہے۔ راجا سمجھ لے گا کہ اسے دھوکا دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔"

"اسٹیشن فور کی کسی سنگلاخ کوٹھری میں وہ ہمارے ہمدردانہ رویے پر اعتبار کرلے گا؟" اس بار سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"وہاں سب کمرے ایک جیسے نہیں ہیں۔ یہ تم پر منحصر ہے کہ تم اسے کہاں بند کرتے ہو۔" غزالہ نے بے پروائی سے جواب دیا۔

سلطان شاہ لاجواب ہوکر میری طرف دیکھنے لگا۔ ویرا اس کی اس حرکت سے چڑ کر بولی "اپنے گرو کی طرف کیا دیکھ رہے ہو۔ کبھی کبھی اپنی عقل بھی استعمال کرلیا کرو۔ تم اسے اتنی کفایت سے استعمال کرتے ہو کہ اسے زنگ لگ جائے گا۔"

"میں اسے استعمال کروں یا نہ کروں، میرے پاس عقل تو ہے۔" سلطان شاہ نے اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا "تم سرے سے اس نعمت سے محروم ہو۔"

"میرا حال تم جیسا ہوتا تو میں بہت پہلے تم تینوں کو کہیں مروا چکی ہوتی۔ یہ بات تم سے زیادہ ڈیڈی جانتا ہے۔"

"تم کو بھی اپنی بات کی تصدیق کے لیے میرے گرو کی تصدیق کی ضرورت ہے۔" سلطان شاہ نے زہر خند کے ساتھ کہا "درست کہا ہے کسی دانا نے کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں۔ اپنے قول سے اپنے ہر فعل کی تردید کرتی ہیں۔"

"عورتوں کو ناقص العقل نہ کہو۔ ابھی غزالہ نے تم کو لاجواب کردیا تھا۔"

"وہ ڈیڈی کی بیوی ہے۔ اس میں مردانہ وقار اور سمجھ بوجھ کے آثار ملتے ہیں۔ میں صرف تمہاری بات کررہا ہوں۔"

"فضول باتوں میں وقت برباد نہ کرو۔" میں نے ان دونوں کو تادیب کی "ہمیں جلد از جلد کسی فیصلے پر پہنچنا چاہیے۔ اول خان نے اسٹیشن فور لے جاتے ہی اس کی ٹھکائی شروع کرادی تو ہم کوئی دوسری راہ اختیار نہیں کرسکیں گے۔"

"تم بھی تو ساری باتیں سن رہے ہو۔ گھنّے کیوں بنے ہوئے ہو؟ اپنی بھی کوئی رائے دو۔" ویرا مجھ سے الجھ گئی۔

"میں سب کچھ سن رہا ہوں لیکن مصلحت کے پیشِ نظر خاموش ہوں۔ پہلے میں تمہاری رائے سننا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہاری مصلحت کا مطلب خوب سمجھتی ہوں۔ تم غزالہ کا ساتھ دینا چاہ رہے ہو۔"

"دریں چہ شک!" سلطان شاہ بے ساختہ بول پڑا "زندگی بھر کے ساتھی ہیں۔ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ تم کو کیا اعتراض ہے۔"

"مجھے کیوں اعتراض ہوگا۔" ویرا نے فوراً قلابازی کھائی "سوچی سمجھی حکمتِ عملی کے تحت ہم کچھ بھی کرسکتے ہیں۔ مجھے اعتراض راجا کی خاطر تواضع پر تھا۔ مجھے اس تصور سے گھن آرہی تھی کہ ہمیں ایک غدار کی ناز برداریاں کرنی پڑیں گی۔"

"الفاظ کے ہیر پھیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ناز برداریاں تو اب بھی کرنی پڑیں گی۔" سلطان شاہ نے اسے سلگانے کی کوشش کی۔

اس بار ویرا نے اپنی کھوپڑی قابو میں رکھی اور نرمی سے کہا "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بعد میں اس کے سر پر جوتے مار کر ناز برداری کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔"

ان تینوں کی اس طویل گفتگو میں میری ساری توجہ کام کے مرکزی نکتے پر مرکوز رہی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں انہوں نے مجھے ایک نئی راہ سجھائی تھی۔ میں نے مزید چند ثانیوں تک غزالہ کی تجویز کے مضمرات پر غور کیا اور پھر موبائل فون پر اول خان سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تاکہ اسے ابتدا سے ہی نئی پالیسی پر عمل پیرا ہونے کا موقع مل سکے۔

○☆○

ایس ٹی ایف کے فیلڈ اسپتال کا وہ کمرا بہت صاف ستھرا اور آرام دہ تھا۔ اونچی اور ڈھلوان چھت والی فوجی بیرک کے کسی حصے میں فالس سیلنگ لگا کر اس کمرے کی اونچائی

مناسب حد تک کم کردی گئی تھی تاکہ دیوار میں نصب ائر کنڈیشنز کو پوری طرح اپنی کارکردگی دکھانے کا موقع مل سکے۔
کمرے میں صرف ایک سرجیکل بیڈ پڑا ہوا تھا۔ سفید چادر والے بستر پر راجا بے ہوشی کی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اس کی پوری داہنی پنڈلی پر ٹخنے کے اوپر سے گھٹنے کے نیچے تک موٹا اور سفید پلاسٹر چڑھا ہوا تھا اور وہ آنکھیں موندے بستر پر پڑا ہوا تھا۔
اول خان اسپتال پہنچا تو راجا ہوش میں آچکا تھا۔ وہ درد اور تکلیف سے بری طرح کراہ رہا تھا۔ اس وقت راجا کی پنڈلی پر کچا پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ وہ اسپتال کے جنرل وارڈ میں کسی لاوارث مریض کی طرح اکیلا پڑا ہوا تھا جبکہ دوسرے مریضوں کے پاس ایک دو تیماردار موجود تھے۔ اسپتال کا طبّی عملہ راجا کی آہ و فغاں سے قطعی لاتعلق نظر آرہا تھا۔ وارڈ کے دروازے پر ایک مسلح سپاہی اپنی بندوق لیے بیٹھا تھا۔ اس کے دو ساتھی نیچے ٹہل رہے تھے۔
اول خان باہر موجود بھیڑ میں اپنے دو آدمیوں کو دیکھتا ہوا سیدھا آرتھوپیڈک اینڈ سرجیکل وارڈ کے ڈیوٹی ڈاکٹر کے کمرے میں پہنچا تھا۔ رسمی تعارف کے بعد وہ ڈاکٹر اسے اپنے ساتھ لے کر راجا کے بستر تک پہنچا اور اول خان کو بتایا کہ شدید ضرب کی وجہ سے راجا کی پنڈلی کی ہڈی تین جگہ سے ٹوٹ کر گوشت اور عضلات میں پیوست ہوگئی تھی۔ آپریشن اور اسٹین لیس اسٹیل کی پٹیوں کے سہارے کے بغیر ہڈیوں کو اصل جگہ پر جوڑنا ناممکن تھا۔
اسپتال والوں نے فرسٹ ایڈ میں کچا پلاسٹر چڑھا کر راجا کو درد کش دواؤں کے انجکشن دیے ہوئے تھے۔ شام کو اس کی پنڈلی کا آپریشن ہونا تھا۔
سب انسپکٹر زاہد کے ایما پر وہ پولیس کیس بن چکا تھا۔ راجا پر قانون کے محافظوں سے مسلح مقابلے، فرار، کار کی چوری، غیر محتاط ڈرائیونگ اور پھر حادثہ کرنے کے متعدد الزامات تھے۔ اس کو اسپتال کا عملہ اپنی صوابدید پر رخصت نہیں کرسکتا تھا۔
اول خان نے ڈیوٹی ڈاکٹر کو عندیہ دیا تھا کہ وہ اپنے طور پر راجا کی طبّی دیکھ بھال کا خواہاں تھا۔ اس نے اسپتال سے زاہد کو فون کیا۔ وہ تھانے میں موجود تھا۔ تھوڑی دیر میں اسپتال پہنچ گیا اور کاغذی خانہ پری کے بعد اول خان کو راجا کو لے جانے کی اجازت مل گئی۔
اس کے اسپتال پہنچنے سے پہلے موبائل فون پر میری اور اس کی تفصیلی بات ہوچکی تھی۔ وہ راجا کو اپنے ساتھ لانے کے بندوبست سے گیا تھا۔ اسپتال سے نکلنے کے بعد اس نے راستے سے ہی اپنے عملے کو قیدی کے قیام کے بارے میں بریف کردیا تھا۔ وہ اسٹیشن فور پہنچا تو راجا کے لیے وہ کمرا تیار تھا جہاں ویرا ایک نرس کے روپ میں موجود تھی۔
دور افتادہ اور دشوار گزار علاقوں میں مہمات سر کرتے ہوئے اس فیلڈ اسپتال کی بہت زیادہ افادیت ہوتی ہوگی لیکن کراچی جیسے شہر کے مضافات میں کیمپنگ کے دوران کبھی اس کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔
وہ یونٹ ایس ٹی ایف کا ایک لازمی حصہ تھا۔ راجا والے کمرے کے ساتھ ایک اور کمرے میں مزید دو بستر پڑے ہوئے تھے۔ جملہ تین بستروں والے اس مختصر سے یونٹ کو چلانے کے لیے کوئی طبّی عملہ یا ڈاکٹر نہیں تھا۔ ضرورت پیش آنے پر ایس ٹی ایف کے عام اراکین میں سے کسی کو بھی وہاں متعین کیا جاسکتا تھا کیونکہ فرسٹ ایڈ کی حد تک وہ سب ہی باقاعدہ تربیت یافتہ تھے۔ اسٹیشن فور کے عملے میں کم از کم چار افراد ایسے تھے جو ضرورت پیش آنے پر کسی بھی مریض کو ڈرپ یا انجکشن لگا سکتے تھے۔
راجا کو وہاں لاکر کسی کو بھی اس کا علاج کرانا مقصود نہیں تھا۔ بس نرمی سے اسے راہِ راست پر لاکر اس سے سب کچھ اگلوانا تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ راجا کو ابتدائی طور پر یہ یقین ہوجائے کہ وہ کسی اچھے اسپتال میں ماہر معالجین کی تحویل میں تھا۔
ویرا کو راجا کی دیکھ بھال پر مامور کرنے کی تجویز اول خان کی تھی۔ ویرا خوب صورت اور چالاک ہونے کے ساتھ ساتھ راجا کی آمد کے پورے پس منظر سے بھی واقف تھی۔ وہ موقع محل کے مطابق راجا سے بہت کچھ اگلوا سکتی تھی۔ اس کی مدد کے لیے اول خان نے اپنے عملے کے دو آدمی سفید وردیوں کے ساتھ ویرا کے ہمراہ لگا دیے تھے۔ اس سارے بندوبست کے بعد وہ کمرا کسی اچھے اسپتال کا حصہ معلوم ہونے لگا تھا۔
راجا کی داہنی پنڈلی کی ہڈی اس بری طرح مجروح ہوئی تھی کہ وہ اپنے طور پر بستر سے اترنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہ اس کمرے کی بند دیواروں کے علاوہ کچھ اور دیکھ لینے میں کامیاب ہوجاتا جس سے اس کے ذہن میں شبہات پروان چڑھنے لگتے۔
اسے کوئی بیماری نہیں تھی۔ اس کا اکلوتا مسئلہ درد اور اذیت کا تھا۔ اس کے تدارک کے لیے اول خان نے باتوں باتوں میں اسپتال کے ڈیوٹی ڈاکٹر سے معلوم کرلیا تھا کہ راجا کا

درد دور کرنے اور نیند لانے کے لیے کن دواؤں اور انجکشنوں کی ضرورت پڑے گی۔ اگلے دو دن کی ضروریات کے لیے وہ دوائیں خریدلی گئی تھیں۔

میں نے راجا کی نرسنگ کے بارے میں ویرا کو اول خان کی تجویز سے آگاہ کیا تو میرا اندازہ تھا کہ وہ چیخ کر اس خشک اور ناگوار کام سے انکار کردے گی مگر اس نے غیر معمولی خوشی کے ساتھ وہ ذمے داری قبول کرلی۔ اس وقت ویرا کی نگاہوں میں ایسی چمک عود کر آئی تھی جیسی شکار کو سامنے دیکھ کر بلی کی آنکھوں میں پیدا ہوجاتی ہے۔

راجا کو اسپتال سے روانگی کے وقت ایک مسکّن دوا کا انجکشن دیا گیا تھا جس کے زیر اثر وہ مسلسل بے ہوشی یا مدہوشی کی حالت میں تھا۔ ویرا اسے چھوڑ کر دو مرتبہ میرے اور اول خان کے پاس آچکی تھی۔ اسے راجا کی طویل بے ہوشی سے سخت کوفت ہورہی تھی۔

اس نے اپنی دوسری سگریٹ سے آخری کش لے کر بچے ہوئے ٹکڑے کو فرش پر ایڑی سے مسل دیا اور اپنی کرسی راجا کے سرہانے کی طرف کھسکالی۔

ویرا نے اپنا ہاتھ راجا کی پیشانی پر رکھا اور پھر ہولے ہولے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

چند منٹ میں ہی ویرا کی انگلیوں کے نرم نسوانی لمس کا کمال سامنے آگیا اور راجا نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

وہ بستر پر چت لیٹا ہوا تھا۔ کمرے میں اپنے ساتھ کسی اور کی موجودگی کا احساس کرکے سر گھمایا تو اس کی نظریں ویرا سے چار ہوئیں۔ ویرا کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ تیر گئی۔ اسے خوشی ہوئی کہ اس کا شکار ہوش میں آرہا تھا اور وہ اس سے کھیل سکتی تھی۔

ویرا کے حسین چہرے پر نظر پڑتے ہی راجا چند ثانیوں کے لیے کراہنا بھول گیا اور پلکیں جھپکا کر ویرا کو یوں دیکھنے لگا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔

"تت.... تم کون ہو۔ اس وقت میں کہاں ہوں؟" چند ثانیوں بعد راجا نے کمزور آواز میں پوچھا۔

"میں تمہاری خدمت گار ہوں اور تم اس وقت اپنے خیر خواہوں میں ہو۔" ویرا نے مسکرا کر اسے یقین دلایا۔

"تم بہت اچھی ہو۔ یہ وہ جگہ تو نہیں ہے جہاں میں پہلے پڑا ہوا تھا۔"

"وہ سرکاری اسپتال تمہارے لیے چوہے دان بن رہا تھا۔ صحت یابی کے بعد تمہیں وہاں سے کسی تھانے کی حوالات میں پہنچا دیا جاتا۔" ویرا نے اس کے قریب جھک کر سرگوشیانہ آواز میں کہا "بروقت پتا چل گیا اور تم کو وہاں سے نکال کر یہاں پہنچا دیا گیا۔"

"کیا یہ بھی کوئی اسپتال ہے؟" راجا کی نظریں مسلسل ویرا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کی ذات کا سحر راجا پر اتنی تیزی سے کام کررہا تھا کہ وہ کراہنا بالکل بھول گیا تھا۔ اس کے چہرے سے اذیت کے آثار جھلک رہے تھے مگر وہ اپنی تکلیف برداشت کررہا تھا۔

"ہاں.... آں!" ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا "پرائیویٹ اسپتال سمجھ لو۔"

"تم کون ہو اور کس کے لیے کام کررہی ہو؟" راجا کے ہونٹوں سے رازدارانہ آواز برآمد ہوئی۔

"یہ بات نہیں بتائی جاسکتی۔" ویرا نے اس کے سر سے اپنا ہاتھ ہٹالیا۔ راجا سے ابتدائی چند مکالموں کے تبادلے کے بعد اس نے مزید گفتگو کے بارے میں اپنا ذہن بنالیا تھا۔

"ابھی تم نے کہا تھا کہ میں اپنے خیر خواہوں میں ہوں۔ خیر خواہ ایک دوسرے سے ایسی رازداری نہیں برتتے۔" راجا کی آواز خوشامدانہ ہوگئی "دیکھو! تم کو نہیں معلوم کہ میں کتنے بڑے عذاب سے بچ کر نکلا ہوں۔ میں زخم کی تکلیف برداشت کرسکتا ہوں مگر اپنے ذہن پر چھائی ہوئی سنگین پریشانیوں کو برداشت کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ تم شریف اور نیک لڑکی ہو۔ خدا کے لیے میری مدد کرنے کی کوشش کرو۔"

"میں بس اسی حد تک تمہاری خیر خواہ ہوں کہ تمہیں کوئی ایذا نہیں پہنچاؤں گی۔ میں تمہیں اپنی شناخت نہیں بتاسکتی۔"

"پھر مجھے یہاں کیوں لائی ہو؟" راجا نے ایک مرتبہ پھر ویرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں "وہیں سرکاری اسپتال میں سڑنے دیتیں۔ وہاں سے میں حوالات اور جیل چلا جاتا۔ تمہیں میری پروا کرنے اور مجھے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"شاید چوٹوں نے تمہارے دماغ پر اثر ڈالا ہے۔" ویرا نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "میں تمہیں یہاں نہیں لائی۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم کو کس نے یہاں پہنچایا۔ میں کسی کی تنخواہ دار ہوں۔ اس نے مجھے یہاں آکر تمہاری دیکھ بھال کا حکم دیا اور میں یہاں آگئی۔"

"اگر تم صرف تیماردار ہو تو تمہیں یہ کیوں بتایا گیا کہ سرکاری اسپتال سے میری گرفتاری کا خطرہ تھا؟" راجا کی

آنکھوں سے الجھن جھانک رہی تھی۔
"اس کا جواب بتانے والوں کے پاس ہوگا۔ تم آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرو۔ زیادہ نہ بولو!"
"تم بہت اچھی اور ہمدرد ہو۔ خوب صورت بھی ہو۔" راجا نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا "تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔"
"میری تعریفوں کا شکریہ!" ویرا نے ایک ادا کے ساتھ مسکرا کے کہا "میرا نام روزی ہے۔"
"اوہ.... کس قدر خوب صورت نام ہے۔" ویرا نے اندازہ لگایا کہ وہ پینترا بدل کر اس کی خوشامدوں پر اتر آیا تھا۔ وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا "تم واقعی گلاب کی طرح خوب صورت ہو۔ تمہارا گلابی رنگ، حسین وجود، شیریں آواز اور مہربان نگاہیں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ تم میری تیماردار ہو۔"
"آج میری ڈیوٹی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کل کسی اور کو بھیج دے۔" ویرا نے بے حجابی سے کہا اور اپنی کرسی ذرا دور کھینچ لی۔
"تم کس کی بات کر رہی ہو۔ آخر اس کے بارے میں مجھے کیوں نہیں بتا رہیں۔ مجھے یہ جاننے کا حق ہے کہ میں کس کا مہمان ہوں۔"
"ابھی تو مجھے یہ بھی پتا نہیں کہ تم مہمان ہو یا قیدی۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوتے تو کوئی بات واضح ہوتی۔" غیر محسوس طور پر اسے اکسا کر، اس کی محدود حوصلہ افزائی کر کے ویرا نے پسپائی اختیار کرنی شروع کر دی تھی "اس وقت تم کسی معذور کی طرح بستر پر پڑے رہنے پر مجبور ہو۔"
"یہ میرے مقدر کی خرابی ہے کہ میری گاڑی چور راہے پر چڑھ گئی۔ تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں کہ جس نے مجھے یہاں لانے کے لیے اتنے پاپڑ بیلے ہیں، وہ میرا دشمن نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ ہم دونوں کسی ایک ہی شخص کو جواب دہ ہوں۔"
ویرا اس کی زبان سے ایسی ہی کوئی بات سننے کی منتظر تھی۔ اس نے کسی جوش کا مظاہرہ کیے بغیر دھیرے سے کہا "تم اپنے باس کا نام بتا دو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں سچ بتا دوں گی۔"
"کیا سچ بتاؤ گی؟" راجا نے بے چینی سے پوچھا۔
"یہی کہ میں تمہارے باس کے لیے کام کر رہی ہوں یا نہیں۔" ویرا نے سادگی سے کہا۔
"روزی! تم بہت چالاک ہو یا پھر سادہ لوح ہو۔ تمہارے ایک جواب سے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ جائے گا۔"
"اس وقت تم اپنی چوٹ کو بالکل بھولے ہوئے ہو۔" ویرا نے اس کی پنڈلی کے پلاسٹر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے یاد دلایا۔
"تم جیسی حسین لڑکی تیماردار ہو تو زخموں کی کسک ماند پڑ جاتی ہے۔ میں ویسے بھی جمال پرست ہوں۔ خوب صورت لڑکیاں کسی کی بھی دوست یا بیوی ہوں، مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ اگر تم کرسی چھوڑ کر میرے بیڈ پر بیٹھ جاؤ تو میرے زخموں کو زیادہ آرام ملے گا۔"
"میں ایک نرس ہوں اور اپنے مریض کی تکلیف کم کرنے کے لیے اس کی ہر جائز خواہش کا احترام کرتی ہوں۔" ویرا نے کرسی سے اٹھ کر کہا "تم کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کا وعدہ کرو تو مجھے تمہارے بستر پر بیٹھنے میں بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔"
"میں کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کروں گا۔ بس تمہارا ہاتھ چھونا چاہوں گا۔"
ویرا ہنستے ہوئے راجا کے بستر پر بیٹھ گئی اور اپنا داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔
"ہاں تو تمہارے باس کا کیا نام ہے؟" ویرا نے اپنا داہنا ہاتھ چھڑانے کی کوئی کوشش کیے بغیر پوچھا۔
"میں اس کا نام نہیں لے سکتا۔" راجا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔
ویرا نے نرمی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا "اس کا مطلب ہے کہ میری اور تمہاری مجبوری یکساں ہے۔"
"اسی سے مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ہم کسی ایک بڑے کو جواب دہ ہیں۔"
"پھر تم پہل کرو۔" ویرا نے اس سے مطالبہ کیا "میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم سے کوئی چال بازی کیے بغیر، تمہارے بتائے ہوئے نام کی تصدیق یا تردید کر دوں گی۔"
راجا نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ چھت کی طرف نظریں جما کر کچھ سوچتا رہا پھر فیصلہ کن انداز میں بولا "نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ تم کو میرا ہی امتحان لینے کے لیے یہاں بھیجا گیا ہو۔ میں بھول کر بھی اس کا نام نہیں لوں گا۔"
"تمہاری مرضی ہے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔ تم بھی مجھے مجبور مت کرو۔"

"میری اور تمہاری حیثیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں زخمی ہو کر معذور ہو چکا ہوں۔ تم آزاد ہو......"

ویرا نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا "ہماری مجبوریوں کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم نے ایک ہی رٹ لگا کر میرا موڈ زیادہ خراب کیا تو میں کوشش کروں گی کہ وہ آج رات کے لیے میری جگہ کسی اور کو یہاں مامور کر دے۔"

راجا نے اضطراری طور پر ویرا کا بازو تھام لیا اور خوشامدانہ انداز میں بولا "ایسا نہ کرنا۔ ذرا سی دیر کی باتوں کے بعد ایسا لگ رہا ہے جیسے میں مدت سے تمہیں جانتا ہوں۔ میں اس مسئلے کا کوئی اور حل سوچتا ہوں تاکہ ہم اپنے بڑے سے عہد شکنی کیے بغیر ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔"

"ضرور سوچو مگر پہلے میرا بازو چھوڑ دو۔" ویرا نے خشک لہجے میں کہا "ورنہ میں بستر سے اتر کر دوبارہ کرسی پر بیٹھ جاؤں گی یا کمرے سے چلی جاؤں گی۔"

راجا نے اسی لمحے ویرا کا بازو چھوڑ دیا۔ اس کے چہرے سے جھلک رہا تھا کہ اپنی چوٹ اور دوسری پریشانیوں کے باوجود وہ ویرا کی اداؤں پر ریشہ خطمی ہو چکا تھا۔

"میری ٹوٹی ہوئی ہڈی کے بارے میں تمہارے ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد راجا نے پوچھا۔

"انہوں نے پلاسٹر کے بعد لیے جانے والے ایکسرے دیکھے ہیں۔ جوڑ ٹھیک بیٹھے ہیں۔" ویرا نے سفید جھوٹ بولا۔

"پھر رہ رہ کر شدید ٹیسیں کیوں اٹھ رہی ہیں۔" راجا نے کراہ کر سوال کیا۔

"ہڈی تین جگہ سے ٹوٹی تھی۔" ویرا نے سنی سنائی بات دہرا دی "ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کی نوکوں نے اندر کا گوشت ادھیڑ ڈالا ہے۔ جب تک نسوں کے وہ زخم مندمل نہیں ہوں گے ٹیسیں اٹھتی رہیں گی۔ ان کو برداشت کرنا ہوگا۔"

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔ کیا مجھے فون مل سکتا ہے۔" راجا نے اچانک موضوع بدل دیا۔

"فون یہاں سے کافی دور ہے۔ اسے یہاں تک لانا ممکن نہیں ہے۔ اگر تم ذرا سی ہمت سے کام لو تو میں تمہیں وہیل چیئر پر وہاں تک لے جا سکتی ہوں۔" ویرا نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے روا روی میں جواب دیا۔

"خدا کا خوف کرو روزی!" وہ بے ساختہ بول پڑا "میں اپنے بیڈ پر ہلنے جلنے سے قاصر ہوں اور تم مجھے وہیل چیئر پر بیٹھنے کا مشورہ دے رہی ہو۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہاری حالت اتنی خراب ہے۔" ویرا نے سادگی سے کہا "تمہیں اسپتال سے یہاں بھی تو لایا گیا ہے۔"

"اسپتال سے منتقلی کے دوران میں بے ہوش تھا۔ ہوش کے عالم میں تکلیف ناقابل برداشت ہے۔ خدا ایسا دکھ دشمن کو بھی نہ دے۔" اس نے بستر پر کسمساتے ہوئے کہا پھر قدرے توقف کے بعد پوچھا "کیا تھوڑی دیر کے لیے کوئی موبائل فون نہیں مل سکتا۔ میری سب چیزیں گاڑی ہی میں رہ گئیں۔"

ویرا خود وہی تجویز پیش کرنا چاہ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اول خان نے راجا کے اس کمرے میں کئی حساس ترین ایف ایم مائیک لگائے ہوئے تھے جو سانسوں کے زیر و بم کی آوازیں بھی نشر کر سکتے تھے۔ ان مائیکرو فونز کے ذریعے اول خان اپنے دفتر میں میرے ساتھ بیٹھا ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔ اگر راجا فون پر کسی سے بات کرتا تو ویرا وہاں موجود ہوتی یا نہ ہوتی، ہم لوگوں کو راجا کے رابطوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔

راجا سے روبرو مل کر ویرا نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس مجرم کے بارے میں غزالہ کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ وہ بہت زیادہ محتاط اور سخت جان حریف تھا۔ اس پر براہِ راست تشدد کا آغاز کر دیا جاتا تو وہ مر جاتا لیکن اپنی زبان ہرگز نہ کھولتا۔

تشدد سے گریز کر کے ہم لوگوں نے جو متبادل راستہ اختیار کیا تھا وہ طویل ضرور ثابت ہو رہا تھا مگر بے ثمر نہیں تھا۔ ویرا نے اس کے ساتھ کچھ وقت گزار کر یہ اندازہ لگایا تھا کہ راجا شہر میں جو کچھ کرتا پھر رہا تھا اس کے لیے اسے کسی مضبوط شخص کی پشت پناہی حاصل تھی جس کے نام کا اظہار آسان نہیں تھا۔

"موبائل فون کے لیے میں کوشش کر سکتی ہوں۔" اس کی طرف سے خواہش کا اظہار ہونے پر ویرا کو اپنی شرائط عائد کرنے کا موقع مل گیا "لیکن کال لمبی نہیں ہوگی اور تم کو میری موجودگی میں فون کرنا ہوگا۔"

"اختصار کی شرط منظور ہے لیکن گفتگو کے دوران تم کو تخلیہ فراہم کرنا ہوگا۔"

"یہ میری مجبوری ہے۔" ویرا نے عذر پیش کیا "میں بہانہ کر کے اپنے لیے فون مانگوں گی۔ اسے میں نے تمہارے پاس چھوڑ دیا اور فون دینے والے نے دیکھ لیا تو مجھے سخت سُبکی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میری موجودگی سے تم کو کیا فرق پڑے گا۔"

"میں آزادی سے اور کھل کر بات نہیں کر سکوں گا۔" اس نے ویرا کی پشت پر ہاتھ مار کر کہا۔

ویرا نے اس کی حرکت پر کوئی اعتراض کیے بغیر جواب دیا "اتنی دیر مجھ سے کھل کر باتیں کر رہے ہو۔ فون پر بھی کرلینا۔ میں دوسری طرف کی آوازیں نہیں سن سکوں گی۔ تم جو بات چاہو' کر سکتے ہو۔"

ان دونوں میں اس نکتے پر کچھ دیر تک تو تکرار ہوتی رہی۔ اس وقت راجا مصیبت میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کی دانست میں ویرا اسے دھیرے دھیرے راہ دے رہی تھی۔ مجبور ہو کر اس نے اپنی رضامندی ظاہر کردی۔

"اب یہاں کیوں بیٹھی ہو۔" راجا نے بے تکلفی سے ویرا کو دونوں ہاتھوں سے ہلکے سے دھکیلتے ہوئے کہا "جاؤ اور جا کر موبائل فون لے آؤ۔"

ویرا ایک تجربے کار عورت تھی۔ وہ راجا کی ذہنی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ وہ تکلیف میں مبتلا تھا اور اپنی الجھن سے بھی دوچار تھا لیکن ویرا کا جادو اس کے سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ وہ ویرا کو چھونے اور چھیڑنے کا کوئی اضطراری موقع ضائع نہیں کر رہا تھا۔ ویرا ایک مغربی دوشیزہ تھی۔ اس کے لیے ایک مشرقی مرد کی وہ پیش رفت بے معنی تھی۔ راجا کے ہاتھوں کے لمس سے اسے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ بس یہ سوچ رہی تھی کہ ان حرکتوں کے سحر میں گرفتار ہو کر اس کی موجودگی میں اپنے آقا کو فون کال کرلے تو وہ اپنا بڑا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

اسے معلوم تھا کہ موبائل پر کیے جانے والے آخری فون نمبر اس پر اگلی کال تک محفوظ رہتے ہیں۔ محض ری ڈائل کا ایک بٹن دبا کر اس نمبر پر دوبارہ کال کی جاسکتی تھی۔ وہ راجا کو یہ موقع نہیں دینا چاہتی تھی کہ وہ اپنے آقا سے بات کرنے کے بعد کوئی فرضی نمبر ڈائل کر کے ایک اہم نمبر اڑا دے۔

جو کچھ کرنا تھا' فوری طور پر کرنا تھا۔ راجا کے آقا کے فون نمبر کا سراغ لگانے کے لیے اول خان کے موبائل کے اگلے بل کا انتظار نہیں کیا جاسکتا تھا۔

وہ کھلکھلاتی ہوئی راجا کی مسہری سے اتری اور اٹھلاتی ہوئی اس کمرے سے باہر نکل آئی۔

راجا ایک زخمی قیدی کی طرح کمرے میں پڑا رہ گیا۔ اس کی نگرانی کے لیے ملحق کمرے میں اول خان کے دو آدمی موجود تھے۔

○☆○

"وہ بہت گندی اور گھناؤنی ذہنیت کا مالک ہے" ویرا نے اول خان کے دفتر میں داخل ہوتے ہی کہا "میں اپنے دل پر جبر کر کے اس کے ساتھ وقت گزار رہی ہوں۔"

"اس بارے میں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اس موضوع پر سلطان شاہ مسکت بات کرسکتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ میں غلط بیانی سے کام لے رہی ہوں" ویرا نے غصے سے پوچھا۔

"ڈیئی کے مذاق کو مذاق رہنے دیا کرو" اول خان نے جلدی سے دخل اندازی کی "تم نے راجا کو بہت خوش اسلوبی سے زیر کیا ہے۔ اسے پچکارنے کی تجویز غزالہ کی تھی لیکن میرا خیال ہے کہ غزالہ اسے اتنی خوبصورتی سے ہینڈل نہیں کرسکتی تھی۔"

"اب اسے موبائل فون کی ضرورت ہے" ویرا نے اول خان سے کہا۔

"ہم اپنے ریسیور پر تم دونوں کی ساری گفتگو سن رہے تھے۔ تم نے کسی بریفنگ کے بغیر جس خوبصورتی سے راجا کو سنبھالا ہے' اس پر میرا دل خوش ہوگیا۔ ایسی برجستہ باتیں ہر کس و ناکس کو نہیں سوجھ سکتی تھیں" اول خان نے جواب میں دوبارہ اس کی تعریف کی اور میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "میرا فون پہلے سے میز پر تیار رکھا ہوا ہے۔ لے جاؤ اور اس کے حوالے کردو۔"

"میرے ساتھ ایسا ظلم مت کرو" ویرا یہ کہتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئی "اس کے ساتھ اتنا مغز کھپا کر آرہی ہوں۔ ایک پیالی چائے تو پلوادو۔"

"چائے تمہارے کہنے سے پہلے آرہی ہے۔ اسے یہ موقع نہ دینا کہ وہ فون کی میموری سے اپنا ملایا ہوا نمبر صاف کرسکے۔"

"میں نے محض اسی وجہ سے اس کے ساتھ رہنے پر اصرار کیا ہے" ویرا نے ہنس کر کہا۔

"جب یہ کھیل ختم ہو جائے گا تو وہ تمہارے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر بھونچکا رہ جائے گا" میں نے محظوظ ہوتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"اس کے ہوش اڑ جائیں گے" ویرا نے میری تائید کی "ابھی تک اسے ایک لمحے کے لیے بھی شبہ نہیں ہوا کہ اسے دھوکا دیا جارہا ہے۔"

"یہ تمہاری اداکاری کا کمال ہے' میں شروع سے اس کا اعتراف کر رہا ہوں" اول خان بولا۔

"سب سے زیادہ اثر تمہارے ننھے سے فیلڈ اسپتال کے ائرکنڈیشنڈ کمرے نے ڈالا ہے۔ اس کمرے میں رہ کر ہر لمحے یہ

احساس ہوتا ہے کہ ہم کسی بڑے اسپتال میں ہیں۔ یہ غلط فہمی اسے لے ڈوبی ہے ورنہ وہ ابتدا میں ہی بدک گیا ہوتا۔"

"مرکزی خیال پیش کرنے کا یہ سہرا غزالہ کے سر جاتا ہے" اول خان نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

ویرا نے اول خان کے آگے سے فون اپنی طرف سرکایا پھر ہاتھ کھینچ لیا۔

"کسے فون کرنا چاہ رہی تھیں؟ کرلو۔ دل کا بوجھ ہلکا ہوجائے گا" میں نے نرمی سے کہا۔

"غزالہ سے بات کرنا چاہ رہی تھی مگر ارادہ بدل دیا" اس نے نیم دلی سے جواب دیا "کہیں سلطان شاہ نے ریسیور اٹھالیا تو وہ میرا موڈ غارت کردے گا۔"

اول خان کا اردلی چائے کی ٹرے لے آیا۔ ویرا کے لیے اضافی پیالی ٹرے میں موجود تھی۔

چائے نوشی کے دوران میں اِدھر اُدھر کی باتیں چلتی رہیں۔ ویرا خوش تھی کہ اس نے راجا کے ساتھ مقابلے کا پہلا مرحلہ کامیابی سے سر کرلیا تھا۔ اسے اعتماد تھا کہ وہ اپنے حریف سے مقابلے کا دوسرا دور بھی جیت لے گی۔

چائے کی پیالی ختم کرنے کے بعد ویرا' اول خان کا موبائل لے کر دوبارہ فیلڈ اسپتال کی طرف چل دی اور میں نے سگریٹ سلگا کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگالی اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھا کہ راجا کس کے لیے کام کررہا ہوگا۔ میں اس بارے میں جتنا سوچ رہا تھا۔ چوپڑا کا نام اسی قدر ابھر کر ذہن کی سطح پر نمایاں ہورہا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ راجا کو چوپڑا کے نام کے بارے میں اتنی رازداری اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

اس وقت تک جو حالات ہمارے سامنے آئے تھے' ان کے مطابق چوپڑا اور راجا کا گہرا گٹھ جوڑ ثابت ہورہا تھا۔ بس جوشی کا کردار کہیں فٹ نہیں ہورہا تھا۔

اس دوران میں ریسیور پر خاموشی چھائی رہی تھی۔ زخمی راجا شاید اپنے بستر پر خاموش پڑا اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند تھا۔

چند منٹ بعد ایف ایم ریسیور پر قدموں کی چاپ اور پھر ویرا کی آواز ابھری "لو' میں تمہارے لیے موبائل فون لے آئی ہوں۔ بات کرتے ہی یہ ڈیوٹی ڈاکٹر کو واپس پہنچانا ہوگا۔ اسے کسی کی اہم کال کا انتظار ہے۔"

"تم واقعی بہت پیاری اور کام کی لڑکی ہو" راجا کی ہلکی سی رومان زدہ آواز سنائی دی "میری وجہ سے تمہیں کوئی شرمندگی نہیں ہوگی۔ بس چار پانچ منٹ بعد یہ فون اسے واپس پہنچادینا۔ میں صحت یاب ہوتے ہی ان خدمات کے صلے میں تمہیں خوش کردوں گا۔"

ویرا خاموش رہی۔ اس کی خواہش رہی ہوگی کہ راجا جلد از جلد فون کا استعمال شروع کردے۔

خاموشی کے وقفے کے بعد فون کی بہت مدھم بیپ سنائی دی۔ راجا کے ملائے ہوئے نمبر سے رابطہ ہوگیا تھا اور اس کے موبائل فون کے ریسیور پر دوسری طرف کی گھنٹی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اول خان نے اپنی کرسی چھوڑی اور لپک کر پنکھا بند کردیا۔

پنکھے کی مشینی گھوں گھوں بند ہوتے ہی بیپ قدرے واضح ہوگئی۔

"ہیلو...!" وہ دوسری طرف کی دھیمی' مردانہ اور خالص غیر ملکی آواز تھی۔

میں چونک پڑا۔ میں نے اول خان کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں بھی حیرت کے لہریے تیر رہے تھے۔

"سر! میں ڈی ون بول رہا ہوں" راجا نے انگریزی میں جواب دیا تھا۔ اس بار مجھے دہری حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔ شی کے عروج کے زمانے میں جہانگیر کا شناختی کوڈ ڈی ون ہوا کرتا تھا اور وہ کراچی کی حدود میں شی کے کاروباری لین دین کا نام نہاد نگراں ہوا کرتا تھا۔ اسے پس پردہ ہدایات دینے کی ذمے داری میری تھی۔ اس بھولے بسرے کوڈ کے اعادے کے سوا دوسری حیرت ناک بات یہ تھی کہ راجا جیسا بدمعاش بگڑی ہوئی لیکن خاصی قابلِ فہم انگریزی بول رہا تھا۔ اس کی صورت دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے ساری عمر کسی اسکول یا درسگاہ کی شکل نہیں دیکھی ہوگی۔

"یور آئی مین!" بہت باریک مگر واضح آواز سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اگر اول خان نے پنکھا بند کرکے کمرے میں سناٹا نہ کیا ہوتا تو راجا کو موبائل فون پر ملنے والا وہ جواب سننا دشوار تھا۔

میرے ذہن میں ماضی کے ہولناک ہیولے سر ابھارنے لگے۔ آئی مین شی کے علاقائی سربراہ ہوتے تھے جو کسی بھی وقت کہیں پہنچ کر شی کے اہل کاروں کی کارکردگی کا جائزہ لے سکتے تھے۔ ان کا کوئی نام ہوتا تھا نہ شخصیت۔ آئی مین ہونے کے لیے ایک عدد سلور آئی کا مالک ہونا ضروری تھا اور اسی کو دکھا کر ہر آئی مین اپنا اختیار منواتا تھا۔

سونے کے سکوں پر چاندی سے بنی اور ابھری ہوئی ایک خوبصورت آنکھ شی میں اقتدار و اختیار اور جبروت کی علامت

تھی۔ راجا کا مخاطب اگر خود کو آئی مین کہہ رہا تھا تو وہ کم از کم ایک سلور آئی کا مالک تھا۔
ہم را اور امریکی ایجنسیوں کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور ہماری بے خبری میں شی ایک بار پھر سر اٹھا رہی تھی۔ اس کا آئی مین کراچی میں فعال ہو چکا تھا مگر ہم غافل تھے۔ میں اپنی کہنیاں میز پر ٹکا کر ریسیور کے اوپر جھک گیا تاکہ ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن سکوں۔
"سر! میں مشکل میں پھنس گیا تھا۔ نظر آرہا ہے کہ میں اس مشکل سے نکل آیا ہوں۔ کیا میری یہ مدد تمہاری طرف سے آئی ہے؟" راجا نے اٹک اٹک کر انگریزی میں اپنا مفہوم ادا کیا تھا۔
"اس فریب میں نہ رہنا" دوسری آواز غراہٹ میں بدل گئی "مجھے تمہاری کسی مشکل کا علم نہیں ہے۔ کیا تمہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ تمہارے مددگاروں کو میں نے اس مہم پر بھیجا ہے؟" اس کا لب ولہجہ سراسر امریکی تھا اور آواز سے وہ گھاگ معلوم ہو رہا تھا۔
"نہیں سر!" راجا نے اس کی بات مکمل ہوتے ہی وضاحت کی "مجھے کسی نے کچھ باور کرانے کی کوشش نہیں کی۔ غیبی تائید کی وجہ سے حالات کچھ ایسے رخ پر چلے گئے ہیں کہ میرا دھیان تمہاری طرف چلا گیا تھا اور میں نے تم کو فون کر لیا۔"
"میں جانتا ہوں۔ تم بلاوجہ مجھے فون نہیں کرسکتے۔ میری یہ وارننگ یاد رکھنا کہ اس وقت تم تلوار کی دھار پر چل رہے ہو۔ ڈینی اور ویرا اس شہر میں ہو سکتے ہیں۔ وہ جہاں بھی ہوتے ہیں اپنے دشمنوں کے لیے سنگین خطرہ بن جاتے ہیں۔ اپنے اصل کام کے ساتھ تم کو ان کی سرکوبی کا خیال بھی رکھنا ہے۔"
"مجھے یاد ہے سر!" وہ جواب دیتے ہوئے راجا کو معلوم نہیں تھا کہ ویرا اس کی نرس کے روپ میں وہیں موجود تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "تم نے ان دونوں کی نشاندہی والے انعام میں سے کوئی حصہ نہ لینے کی یقین دہانی کرا کے مجھے زبردست تحریک دی ہے۔ میں نے ان تک پہنچنے کے لیے کچھ اور لوگوں سے مراسم استوار کر لیے ہیں لیکن اس وقت میری داہنی پنڈلی ٹوٹی ہوئی ہے۔ آج صبح میری گاڑی کو حادثہ پیش آگیا تھا۔"
"اوہ.... نو!" غراہٹ کی وجہ سے راجا کی بات ادھوری رہ گئی "مشکلات میں گھر گئے ہو تو تم کو مجھ سے دور اور الگ تھلگ رہنا چاہیے۔ میں خود تمہاری خیر خبر رکھوں گا اور فضا سازگار ہونے پر رابطہ کروں گا' اب تم مجھے فون نہ کرنا۔"

یکایک لائن ڈراپ ہوگئی۔ آئی مین خرانٹ آدمی تھا۔ اس نے بھانپ لیا تھا کہ راجا سے بات کرنے میں خطرہ پوشیدہ تھا۔ اس نے اپنا حکم صادر کرتے ہی فون بند کر دیا۔
"یہ اچانک آئی مین کہاں سے نکل آیا؟" لمحہ بھر کی خاموشی میں اول خان نے تحیر زدہ آواز میں پوچھا۔
اس کا جواب دینے کی نوبت نہیں آسکی کیونکہ ایف ایم ریسیور پر چھایا ہوا مختصر سکوت ٹوٹ چکا تھا۔
"لاؤ... مجھے دے دو" ویرا کی محتاط اور سنجیدہ آواز ابھری "تمہاری بات ہوگئی ہے۔ میں فون لوٹا دوں؟"
"یہ نمبر فون کی میموری میں چلا گیا ہے" اس بار راجا کا لہجہ بدلا ہوا تھا "اسے صاف کر دوں پھر فون لے جانا۔"
ویرا اسے احمق سمجھ رہی تھی۔ اس نے نمبر حاصل کرنے کے لیے خاصا جتن کیا تھا۔ راجا کا جواب سن کر اس کی کھوپڑی سنک گئی۔ ریسیور پر اس کی تلخ آواز ابھری "میں کہہ رہی ہوں فون واپس دو ورنہ میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔"
"اوہو .... اپنے ان نرم ونازک ہاتھوں سے منہ توڑو گی۔ میں ... مم ..." راجا کی استہزائیہ آواز یکایک بے معنی آوازوں میں بدل گئی۔ شاید بستر کے قریب کھڑی ہوئی ویرا نے فون چھیننے کے لیے اس پر حملہ کر دیا تھا۔
میری چھٹی حس پہلے ہی خطرے کا اعلان کر چکی تھی۔ میں کرسی سے اٹھ رہا تھا کہ ٹھک کے چند ثانیوں بعد کھٹاک کی بھاری آواز آئی اور میں نے اسی لمحے اول خان کے موبائل فون کی فاتحہ پڑھ لی۔ میرا اندازہ تھا کہ راجا نے ویرا کے جارحانہ تیور دیکھتے ہوئے موبائل دیوار پر دے مارا تھا۔
ہم دونوں ایک لمحے کے لیے دفتر میں نہیں رکے اور باہر دوڑ لگا دی۔ میں اول خان سے آگے فیلڈ اسپتال کی طرف دوڑ رہا تھا۔
ہمارے پہنچنے تک ویرا حالات پر قابو پا چکی تھی۔ ایس ٹی ایف کے دونوں اہل کار اس کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ راجا بستر پر اذیت سے تڑپتا ہوا چیخ چیخ کر مغلظات بک رہا تھا۔ اس کے پیروں کی طرف والی دیوار کے نیچے' فرش پر ٹوٹے ہوئے موبائل فون کے ٹکڑے اور پرزے بکھرے ہوئے تھے۔
"خاموش!" میں نے کمرے میں پہنچتے ہی اس کے رخسار پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔
دشمنوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے راجا کو نروس کر دیا۔ اس نے ہذیانی انداز میں چیخ کر کہا "اس چڑیل نے میرا گلا

دبا دیا۔ میرے پورے بدن کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ میری پنڈلی میں آگ بھر گئی ہے۔ کسی ڈاکٹر کو بلاؤ' ہائے میں مرا!"
"اداکاری کرنے کی ضرورت نہیں" اول خان نے ڈپٹ کر کہا "ہوش میں رہ کر بات کرو' یہاں کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔ تم نے ہوش کے ناخن نہ لیے تو ہم تمہاری ٹوٹی ہوئی پنڈلی کو ریزہ ریزہ کردیں گے۔"
"میری پنڈلی کو ہاتھ نہ لگانا" اول خان کی دھمکی پر وہ لرز کر رہ گیا اور گھگیانے لگا۔
"ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ سچ سچ بتاؤ کہ ابھی تم فون پر کس سے بات کر رہے تھے؟" میں نے سوال کیا۔
"تم دیکھ رہے ہو کہ میرا کیا حال ہے۔ میں کہاں پڑا ہوا ہوں۔ میں نے مدد کے لیے اپنے ایک دوست کو فون کیا تھا۔"
"یہ جھوٹا ہے۔ ڈی ون بن کر کسی بڑے سے بات کر رہا تھا" ویرا غصے سے دہاڑی۔
"تم خاموش رہو" میں نے ویرا سے کہا "ہم نے اس خبیث کی پوری گفتگو سنی ہے۔ شی والے حرام زادے یہاں پھر سر اٹھا رہے ہیں۔"
"تم جھوٹے ہو" وہ حلق کے بل چیخا "میں کسی شی کو نہیں جانتا' نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے۔"
اس بار اول خان خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نے جھپٹ کر راجا کا داہنا پیر تھاما اور اسے ایسا جھٹکا دیا کہ اس کی جان نکل گئی۔ اس سے نرمی سے جو کچھ اگلوایا جاسکتا تھا وہ ہمارے سامنے آچکا تھا۔ اس سے آگے وہ کچھ بولنے پر آمادہ نہیں تھا اس لیے تشدد کا آغاز ناگزیر ہوچکا تھا۔
راجا ایک بے ساختہ چیخ مارنے کے بعد خاموش ہوچکا تھا۔ اس کی آنکھوں سے دہشت اور اذیت ٹپک رہی تھی۔ نگاہیں ہم لوگوں کے چہروں پر ناچ رہی تھیں۔
میرے دل میں آئی کہ راجا کو اپنی اور ویرا کی اصلیت سے آگاہ کردوں تاکہ اس کا رہا سہا دم خم بھی ختم ہوجائے لیکن اسی لمحے میں نے اپنا وہ ارادہ ترک کردیا۔ ایسی باتیں بتادینے سے راجا کو یہ معلوم ہوجاتا کہ اسے کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑا جائے گا اور وہ سختی سے اپنی زبان بند کرلیتا۔ اس سے اسی وقت تک کچھ اگلوایا جاسکتا تھا جب تک اس کے دل میں اپنی زندگی کی کوئی آس برقرار رہتی۔ میں وہ آس توڑ کر معلومات حاصل کرنے کی راہ مسدود نہیں کرسکتا تھا۔
"سنو!" میں نے کچھ دیر کے توقف کے بعد نرمی سے کہنا شروع کیا "ہم امن پسند لوگ ہیں۔ تم سے تصادم نہیں تعاون چاہتے ہیں۔ یہاں سر اٹھانے والی غیر قانونی قوتوں کی نشاندہی میں ہماری مدد کروگے تو فائدے میں رہوگے ورنہ کتے کی موت مارے جاؤگے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم شی کے کسی آئی مین اور چوپڑا کے لیے کام کر رہے ہو۔ ہم ان کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں' اپنے مقدر کا فیصلہ کرنے کا اختیار تم کو ہے۔"
"تم چوپڑا اور آئی مین کے بارے میں جان چکے ہو تو مجھ سے اور کیا سننا چاہتے ہو؟" اس نے مایوسی سے کہا "مار ڈالو مجھے۔"
"تم پھر بہک رہے ہو" میں نے اپنی مصالحانہ پالیسی جاری رکھی "ہم تمہیں مارنا نہیں زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارے سامنے دو نام ہیں۔ ہم تم سے ان کے کرتوتوں کے بارے میں سننا چاہتے ہیں۔ تم ہمارا وقت برباد کروگے یا ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش کروگے تو بدترین خسارے میں رہوگے۔"
اس کا چہرہ تاریک پڑ گیا تھا اور آنکھوں میں دہشت کے سائے گہرے ہوگئے تھے۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر پوچھا "تم کون ہو؟"
"یہ بتانا رازداری کے منافی ہوگا۔ تم یہ سمجھ لو کہ ہمارا تعلق ایک خفیہ سرکاری ایجنسی سے ہے۔"
"صبح تم لوگوں نے میرے گھر پر دھاوا بولا تھا؟" اس نے خوف زدہ آواز میں پوچھا۔
میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کہا "تم اپنے آدمیوں کو دھوکے میں رکھ کر وہاں سے بھاگ گئے۔ اس کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ تم دیکھوگے کہ تمہاری طرح ایک دن ڈینی اور ویرا ابھی ہماری قید میں ہوں گے۔"
آخری فقرہ بروقت میرے ذہن میں آیا اور میں نے اسے الفاظ کے قالب میں ڈھال دیا۔ مجھے شبہ سا ہوا تھا کہ ڈینی اور ویرا سے اپنی مخاصمت کا اظہار کرکے میں اسے زیادہ آسانی سے شیشے میں اتار سکوں گا۔
"تم ایجنسی کے آدمی ہو' پھر بھی ڈینی اور ویرا کے دشمن ہو!" اس کے خوف زدہ لہجے میں حیرت سمٹ آئی۔
"یہ دشمنوں کا پروپیگنڈا ہے کہ ایجنسیاں ان دونوں کو پال رہی ہیں۔ ان کے نام بر سبیل تذکرہ آگئے۔ تم ان کو چھوڑو اور اپنی بات کرو" میں نے کہا۔
"میں کسی شی کو نہیں جانتا۔ ہیروئن کا لین دین کرتا ہوں۔ اس دھندے میں' میں اکیلا نہیں ہوں۔ یہاں سے قبائلی علاقوں تک ہزاروں لوگ ملوث ہیں۔ ان کو کوئی نہیں پوچھتا۔ کراچی میں مجھ کو پکڑنے کے بجائے تم قبائلی علاقوں

میں پوست کی فصلوں کو آگ کیوں نہیں لگاتے؟؟"
"ہمیں ہیروئن سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ پوست کی فصلوں سے۔ پہلے ہمیں چوپڑا کے بارے میں بتاؤ" میں نے خشک لہجے میں کہا۔
"وہ میرا خریدار ہے۔ ہمیشہ اچھے داموں پر بڑی مقدار لیتا ہے" اس نے بلا تامل جواب دیا۔
"وہ بھارت کا ایک ذمے داری سفارتی ملازم ہے' ہیروئن کا کیا کرتا ہے؟" میں نے اس انکشاف پر حیرت سے پوچھا۔
"مفت بانٹتا ہوگا۔ مجھے پتا نہیں کہ وہ اس کا کیا کرتا ہے۔ وہ میرا ایک اہم خریدار ہے۔"
وہ بھارتیوں کی مکاری کا ایک نیا ثبوت تھا۔ وہ جرائم پیشہ لوگوں سے براہِ راست مراسم بڑھانے کے بجائے ان کے کاروباری رفیق بنے ہوئے تھے اور آڑے وقت پر اس رفاقت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے تھے جس کا شاید واجبی سا معاوضہ دیتے ہوں۔
"اگر وہ صرف ہیروئن کا خریدار ہے تو تم جوشی کے خون کے پیاسے کیوں ہوگئے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔
وہ شاید پہلے سے اس سوال کی توقع کیے بیٹھا تھا۔ کسی توقف کے بغیر بولا "وہ ہیروئن کی لائن کا پرانا پاپی ہے۔ دھندا چھوڑ چکا ہے۔ مگر میں اب بھی اس کے قیمتی مشوروں سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ ہم تینوں ڈینی اور ویرا کے فراق میں بھی تھے۔ میری طرح چوپڑا اور جوشی کو بھی لاکھوں ڈالر کے انعام کا لالچ تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ دونوں گندی نالی کے کیڑے ہیں۔ کسی نہ کسی دن جرائم کی دنیا کا رخ ضرور کریں گے اور ہم انہیں پکڑوا دیں گے" اس نے خاموش ہو کر بے اختیار اپنی مجروح ٹانگ پر ہاتھ رکھا اور کراہنے لگا۔
شاید اس کے زخم میں کوئی ناقابلِ برداشت ٹیس اٹھی تھی۔ اول خان نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے اشارہ کیا کہ راجا نے آخر کار سچ اگلنا شروع کر دیا تھا۔ میں سر کی جنبش سے تفہیمی اشارہ کر کے رہ گیا۔ خود میرا بھی یہی خیال تھا کہ دھوکے میں بہت سی باتیں کھل جانے کے بعد راجا نے مجبور ہو کر سچ بولنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنی راست گوئی میں اسے زندگی کی خاصی امید نظر آ رہی تھی جو آخر کار عبث ثابت ہوئی تھی۔
"اول خان کے ایما پر اس کا ایک آدمی درد دور کرنے والی دوا کا انجکشن تیار کر کے لے آیا۔ راجا نے رضاکارانہ طور پر اپنا بازو پھیلا دیا۔

انجکشن لگتے ہی راجا کے درد میں کچھ کمی واقع ہوئی اور اس نے اپنی کہانی دوبارہ چھیڑ دی "پھر کسی وجہ سے ویرا خود جوشی کو فون کر بیٹھی۔ وہ اس سے چوپڑا کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ جوشی نے بے خبری میں اسے چوپڑا کا پتا بتا دیا پھر چوپڑا کو بھی فون کر دیا کہ اس کی بلیک کوئن اسے ڈھونڈ رہی ہے۔ چوپڑا اس پر ناراض ہوا اور اسے بتایا کہ اس کی بلیک کوئین ہی اصل میں ویرا ہے جوشی اسے پکڑوانے کی کوشش کرے۔
"چوپڑا اپنے گھر سے غائب ہو گیا۔ مشتبہ لوگوں نے اس کے گھر کے پھیرے لگانے شروع کر دیے۔ اسے شبہ تھا کہ اس تک پہنچنے میں ناکام ہونے کے بعد ویرا جھلا کر جوشی پر ہاتھ ڈالے گی۔ وہ کام چھوڑنے کے بعد بزدل ہو گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ چوپڑا مجھ سے ہیروئن لیتا ہے۔ چوپڑا کو ڈر تھا کہ وہ

پکڑا گیا تو سب کچھ اگل دے گا اور اپنے ساتھ ہم دونوں کو بھی مروادے گا۔ اس نے مجھ سے مدد کی التجا کی اور میں نے اپنے آدمی جوشی پر لگادیے۔ ہماری توقع کے خلاف ویرا بہت باخبر نکلی۔ اس کے آدمی کل رات جوشی پر چڑھ دوڑے۔ میرے آدمی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر اسے اغوا کرلائے۔ آج منہ اندھیرے تم لوگ آئے تو میں سمجھا کہ ویرا جوشی کی بُو سونگھتی ہوئی وہاں تک آگئی۔ میں قانون سے لڑنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ ویرا کے دھوکے میں' میں نے تمہاری گاڑیوں پر پہلی گولی چلادی۔ میرے کسی آدمی نے غصے میں جوشی کا بھیجا اڑادیا۔ سب کچھ الٹا ہوتا چلا جارہا تھا۔ میں خاموشی سے نکل آیا۔"

اس نے اپنی دانست میں ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے جوشی کے قتل کا الزام اپنے سر سے اتار پھینکا تھا۔ مجھے اس ذمے داری کے تعین کی ضرورت نہیں تھی اس لیے میں نے اس نکتے پر کوئی اعتراض کرنے کے بجائے پوچھا "تم نے ساری کتھا سناڈالی۔ یہ نہیں بتایا کہ چوپڑا کہاں ہے؟"

وہ چند ثانیوں کے لیے جھجکا۔ چوپڑا اس کا خریدار اور گہرا دوست تھا لیکن اس وقت معاملہ خود اس کی بقا کا تھا۔ اس نے ایک فیصلے پر پہنچ کر زبان کھولی "وہ اپنے قونصل خانے میں رہ رہا ہے۔ میرا اس سے وہیں رابطہ ہوتا ہے۔ تم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکوگے۔ ویسے بھی اس کا قصور کیا ہے؟"

"وہ پاکستانی ہے مگر را کے لیے کام کرتا ہے" میں نے وہ بری خبر اسے سنا ہی ڈالی "اگر وہ تم سے ہیروئن خریدتا تھا تو اسے مفت تقسیم کرتا ہوگا تاکہ یہاں رہنے بسنے والوں کو اجتماعی تباہی کی طرف دھکیل سکے۔ وہ کب تک قونصل خانے میں پناہ گزین رہے گا۔ ایک نہ ایک دن وہاں سے نکلے گا اور پھر اس سے حساب لے لیا جائے گا۔" میں نے چوپڑا کے بارے میں بات کرتے ہوئے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی تھی۔

"ہوسکتا ہے کہ ایسی نوبت آنے سے پہلے اس کا آتاشی اس پر مہربان ہوجائے اور اسے کہیں اور کی پوسٹنگ مل جائے" راجا بڑبڑایا "زیادہ سے زیادہ تم اس کے گھروالوں کو پکڑوالوگے اور تنگ کروگے۔ وہ بہت چالاک آدمی ہے' بچ نکلے گا۔"

"تم اس سے کم چالاک نہیں تھے۔ سب کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر ہیروئن کا دھندا کررہے تھے مگر آج ہمارے قبضے میں ہو" اول خان نے زبان کھولی۔

"میں اپنے کام کی وجہ سے کھل کر سامنے آنے پر مجبور تھا۔ وہ کبھی سامنے نہیں آتا تھا۔ اس نے مجھ سے کبھی براہِ راست لین دین نہیں کیا۔ ہمیشہ اس کا کوئی نہ کوئی آدمی پیسے دے کر مال لے جاتا تھا۔ وہ فون پر سودا طے کیا کرتا تھا۔"

مجھے یاد آیا کہ آئی بی کے ریکارڈ میں راجا کا نام بہت مشکل سے دریافت ہوسکا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا "وہ تم سے تو ملتا رہا ہوگا۔"

"بہت کم!" اس کے جواب نے مجھے جلال کی صداقت کا قائل کردیا "پچھلے کئی برسوں میں وہ مشکل سے دو تین بار مجھ سے ملا ہوگا۔ وہ ہماری سوشل ملاقاتیں تھیں جن میں کوئی کاروباری لین دین نہیں ہوا تھا۔"

"اس نے ایک حادثے کے بعد تم کو مشتعل ہندوؤں کے ہاتھوں مرنے سے بھی بچایا تھا۔"

میری زبان سے وہ تذکرہ سن کر اس کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں "یہ پرانی اور راز کی بات ہے۔ تم کو کیسے معلوم ہوئی؟ میرے اور چوپڑا کے تعلقات کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔"

"ہم بلاوجہ کسی کا پیچھا نہیں کرتے۔ وہ را کا آدمی ہے۔ تم اس سے میل جول کی وجہ سے عتاب میں آئے ہو۔ اسے اس کے بل سے نکال لاؤ۔ میں تمہیں فوری آزادی دلوادوں گا" اس بار میں نے فریب دینے کے بجائے پورے خلوص سے پیش کش کی۔

اس نے مایوسی سے اپنے سر کو جنبش دی "اس کے لیے میں کچھ نہیں کرسکتا۔ وہ کسی کی بات نہیں مانتا۔ ویسے بھی تم میری زندگی کا وعدہ کرچکے ہو۔ پتا نہیں میں کب تک معذور پڑا رہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنے وعدے کا پاس کروگے اور میں ایک بار پھر اپنی دنیا میں لوٹنے کے قابل ہوجاؤں گا۔"

"اس سے پہلے تمہاری دنیا کا چوپڑا اور آئی مین سے پاک ہونا ضروری ہے۔ وہ دونوں برائی کے تناور درخت ہیں جنہیں کاٹنا ہوگا۔"

"اگر چوپڑا واقعی را کا ایجنٹ ہے تو اس کو سزا ملنی چاہیے" راجا بولا "مگر آئی مین تو بے قصور ہے۔"

کچھ دیر پہلے وہ شی اور آئی مین سے اپنے تعلق کا اعتراف کرنے پر آمادہ نہیں تھا' اس وقت بے خیالی میں اس کی وکالت کربیٹھا تھا۔ میں نے اس تضاد پر زور دینا ضروری نہیں سمجھا۔ اس کے اعصاب کی شکستگی کے آثار نمایاں ہوچلے تھے۔ میرے حد سے بڑھتے ہوئے دباؤ کی وجہ سے اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوسکتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ میں تحمل سے

کام لے کر دھیرے دھیرے اس سے اپنے کام کی باتیں اگلواتا چلا جاتا۔

"تمہارے پاس آئی مین کی بے گناہی کا کیا ثبوت ہے؟" میں نے اس سے ایک آسان سا سوال پوچھا۔

"میرے پاس اس کی کہی ہوئی باتوں اور اس کی دریا دلی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے" آئی مین کے بارے میں اس کی مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔

"اس خبیث کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" اس بار میں نے قدرے تیزی سے سوال کیا۔

"میں حقیقت میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ میں نے آج تک اس کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ ہر بار وہ مجھے خود فون کرتا ہے اور بجٹ کے ساتھ ٹارگٹ دیتا ہے۔ رقم حیرت ناک ذرائع سے مجھ تک پہنچ جاتی ہے اور میں اس کا ٹارگٹ پورا کر دیتا ہوں۔ اس کے تعاون سے میرے کام نے بہت تیزی سے ترقی کی ہے" انجکشن سے اس کے بڑھتے ہوئے درد میں خاصا افاقہ ہوا تھا اور وہ قدرے سکون سے باتیں کر رہا تھا۔

"اس کے ٹارگٹ کیا ہوتے ہیں؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"ہر مہینے وہ مجھے دس ہزار روپے کلو کے حساب سے ایک بڑی رقم دیتا ہے۔ میں کھپت کے مطابق اتنا خالص مال مارکیٹ میں پھیلا دیتا ہوں۔ میرے بھاؤ دوسروں سے دس ہزار کم ہوتے ہیں جو مجھے اس سے پیشگی مل جاتے ہیں۔ ہر شخص میرے مال کی تلاش میں رہتا ہے۔"

میرے ذہن کے پرانے دریچے کھل گئے اور شی کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ ہم نے ابتدا میں ہیروئن کی پڑیاں مفت تقسیم کی تھیں تاکہ نشے بازوں کو ہیروئن کے نئے نشے کی لت لگ سکے پھر ہم نے مہنگی ہیروئن خرید کر سستے داموں بازار میں پھیلانی شروع کر دی۔ جب شہر میں ہر طرف ہیروئن کے نام کا ڈنکا بجنے لگا تو دام بڑھتے بڑھتے نفع بخش حدوں میں داخل ہو گئے۔ اس وقت شی کا مقصد صرف یہ تھا کہ پاکستان اور افغانستان کے سرحدی علاقوں میں تیار ہونے والی زیادہ سے زیادہ ہیروئن پاکستان کے بڑے شہروں میں کھپتی رہے تاکہ یورپ اور امریکا بھیجی جانے والی ہیروئن کی مقدار میں معتدبہ کمی آسکے۔

وقت بدل گیا تھا مگر شی کا ہدف نہیں بدلا تھا۔ شہر کی کسی معزز آبادی میں چھپا ہوا نیا آئی مین امریکی سرکار کے فنڈز سے سرمایہ کاری کر کے کراچی میں ہیروئن کے تھوک دام میں دس ہزار روپے فی کلوگرام کی کمی لا چکا تھا۔

اطمینان

صاحبزادے نے اپنی دوست کے ساتھ ڈرائیو ان سنیما جانے کے لیے والد صاحب سے کار کی چابیاں مانگیں۔ اس شام بہت دھند پھیلی ہوئی تھی۔

"اس دھند میں تم ڈرائیو ان میں فلم دیکھنے جاؤ گے؟" والد نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"فلم تو ہماری دیکھی ہوئی ہے..." صاحب زادے نے روانی میں جواب دیا۔

ہیروئن کی قیمت میں اس کمی کا مقصد یقینی طور پر اس کی مقامی کھپت میں اضافہ کرنا تھا تاکہ پاکستانی نوجوانوں کی قیمت پر مغرب کے بے راہ رو شہزادوں کو ہیروئن کی تباہیوں سے محفوظ رکھا جا سکے۔

میں نے اس سے کہا "کیا تم نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت کی ہے کہ تمہارا آئی مین اپنی گرہ سے لاکھوں روپے کی سرمایہ کاری کر کے کراچی میں ہیروئن کے دام گرانے کی کوششیں کر رہا ہے تاکہ یہ نشہ نادار طبقے کی دسترس میں بھی آسکے۔"

"مجھے سوچنے کی ضرورت نہیں ہے" اس نے آہستگی سے جواب دیا "یہ بات تو وہ خود مجھ سے کہہ چکا ہے کہ اسے پاکستان اور یہاں کے نادار نشے بازوں سے ٹوٹ کر محبت ہے۔ اگر اس کے وسائل اجازت دیں اور اس کا بس چلے تو وہ یہاں ہر ہیروئنچی کے لیے ہیروئن کی مفت ترسیل کا بندوبست کر دے۔ وہ بہت نرم دل اور دکھی انسان ہے۔ اس کے حالات سے واقف ہونے کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے۔"

مجھے راجا کی کم عقلی پر غصہ آگیا۔ سامنے کا ایک سازشی نکتہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ پوری بات جان لینے کے بعد بھی وہ اپنے آئی مین کی وکالت سے دستبردار نہیں ہوا تھا۔ میں نے ترش لہجے میں کہا "اس نے ایسی کون سی کہانی سنائی ہے جس نے تمہاری عقل پر پردے ڈال دیے ہیں۔"

"میری بات مان لو کہ وہ بہت دکھی انسان ہے" راجا نے اصرار کیا "وہ ہیروئن کے ہاتھوں اپنی دو جوان اولادوں کو کھو بیٹھا ہے۔ بڑی بیٹی نے ہیروئن کے سرور میں آکر اپنے سوئے ہوئے محبوب کا گلا تیز استرے سے کاٹ ڈالا اور جیل

میں پہنچ گئی۔ وہاں مقدمے کی سماعت کے دوران میں وہ ہیروئن نہ ملنے کے سبب تڑپ تڑپ کر مرگئی۔ دوسرا بیٹا بھی ہیروئن نے برباد کردیا۔ وہ ہیروئنچی لڑکیوں کی ایک ٹولی کے ساتھ ایسا غائب ہوا ہے کہ پانچ سال سے اس کی کوئی خیر خبر نہیں مل سکی۔ ان دونوں زخموں نے اسے اندر سے زخمی کرکے رکھ دیا ہے اور وہ ہر ہیروئنچی کے لیے اپنے دل میں درد محسوس کرنے لگا ہے۔"

"یہ کہانی سراسر جھوٹ اور بعید از قیاس ہے" میں نے جھلا کر اسے ڈانٹا "تم نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ اس کی محبت کے لیے کیا امریکا میں ہیروئنچیوں کا قحط ہے جو وہ دوڑا ہوا پاکستان چلا آیا ہے۔ امریکا میں ایسے امدادی پروگرام چلا کر وہ ایک دن اپنا کھویا ہوا بیٹا بھی تلاش کرسکتا تھا۔"

راجا لاجواب ہوگیا مگر بات بڑھانے کے لیے چند ثانیوں کے بعد بولا "تم اس پر یقین کیوں نہیں کرلیتے۔ اس سے ایسی باتیں کرنا سنگ دلی کے برابر ہے۔ اس کی باتیں بہت اثر انگیز تھیں جنھوں نے مجھے دل گرفتہ کردیا۔ شاید میں تمھیں اتنے موثر انداز میں یہ سب باتیں نہیں بتاسکا۔"

"وہ جھوٹا ہے۔ یہ کہانیاں ان لوگوں پر اثر انداز ہوسکتی ہیں جو شی کو نہیں جانتے۔ وہ لوگ پاکستانیوں کی تباہی کے درپے ہیں۔ امریکا کے سیکرٹ صدارتی فنڈ سے شی کو بھاری مالی مدد ملتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ گرانٹ دوبارہ جاری ہوگئی ہے۔ آئی مین اس گرانٹ کا ایک قلیل حصہ یہاں خرچ کررہا ہے اور باقی رقم خود پی جاتا ہے۔"

"تم اس کی طرف سے بدظن ہو۔ میں تم سے بحث نہیں کروں گا" اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"تم مجھے اس کا فون نمبر دو۔ میں تمھیں جلد ہی اس کا اصل چہرہ دکھادوں گا۔"

"فون نمبر میں کسی قیمت پر نہیں دے سکتا" اس نے تکیے پر اپنا سر ٹکاتے ہوئے کہا "میں نے اس سے حلف لیا ہوا ہے کہ میں اس کا نمبر کسی کو نہیں دوں گا۔"

"تم جھوٹے ہو" اسے اکھڑتا ہوا دیکھ کر میں اس پر برس پڑا "ایک مسلمان اور عیسائی کے درمیان حلف کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ تم ایک سیانے مجرم ہو۔ تم نے اس سے سامنا ہوئے بغیر اس سے سچا حلف نہیں لیا ہوگا۔"

"میری جان پر بنی ہوئی ہے۔ میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں مسلمان ضرور ہوا تھا مگر اب اپنے عقائد سے تائب ہوکر دوبارہ عیسائی ہوچکا ہوں۔"

"خوب! تم نے اپنے مفادات کے لیے مذہب کو بھی کھیل بنایا ہوا ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ اسلام میں مرتد ہونے والے کی سزا کیا ہے؟" میں نے طیش میں کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ مسلمان مرتد ہونے والے کو مار دیتے ہیں اسی لیے میں نے دوبارہ عیسائی ہونے کا اعلان نہیں کیا۔"

"مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ اس وقت تمھارا مذہب کیا ہے۔ مجھے آئی مین کا فون نمبر چاہیے ورنہ تمھارا حلیہ بگاڑ دیا جائے گا۔"

"مجھے دھمکیاں دے کر تم بدعہدی کررہے ہو۔ تم مجھے زندہ رکھنے کا وعدہ کرچکے ہو۔"

"میرا وعدہ مشروط تھا۔ تعاون کروگے تو زندہ رہوگے ورنہ مار دیے جاؤگے۔"

"تمھاری زندگی کسی مردے سے بدتر بھی ہوسکتی ہے۔" ویرا نے کافی دیر بعد پہلی بار زبان کھولی "تم میری قوت کا مظاہرہ دیکھ چکے ہو۔ ہم تم پر کوئی ہتھیار اٹھائے بغیر تمھارا حلیہ بگاڑ سکتے ہیں۔"

"آئی مین کو اپنے مقاصد کے حصول سے دلچسپی ہے" اسے خاموش پاکر میں نے لقمہ دیا۔ میں اس سے مزید کچھ کام لینے کا فیصلہ کرچکا تھا اس لیے اس وقت راجا پر تشدد شروع نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی "اس کو تم سے یا تمھاری زندگی سے ذرہ برابر دلچسپی نہیں ہے۔ جیسے ہی اسے یہ معلوم ہوا کہ آج کل تمھارے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں' اس نے تم کو خود سے دور رہنے اور فون نہ کرنے کا حکم دے ڈالا۔"

"تم نے کسی طرح میری اور اس کی گفتگو سن لی ہے تو یہ اندازہ بھی لگالیا ہوگا کہ میں اس سے انحراف نہیں کروں گا۔ مجھے مجبور نہ کرو" وہ بولا۔

اس کا لہجہ نرم تھا۔ لوہا گرم ہوچکا تھا۔ میں نے اگلی چوٹ لگائی "اس وقت تم ہماری تحویل میں ہو۔ اس کے فرشتے بھی تم تک نہیں پہنچ سکتے۔ مگر ہم تمھاری شہ رگ کے قریب ہیں۔ تمھارے ساتھ جو سلوک چاہیں کرسکتے ہیں۔"

"یہ لاتوں کا بھوت ہے۔ باتوں سے نہیں مانے گا۔" یہ کہہ کر ویرا دانت پیستی ہوئی آگے بڑھی اور میرے روکنے سے پہلے اس نے راجا کے منہ پر ایک زوردار گھونسا رسید کردیا۔ گھونسے سے بچنے کے لیے اس نے اضطراری طور پر اپنے بدن کو جھٹکا دیا تو اس کی زخمی پنڈلی پر زور پڑا اور بے اختیار اس کی ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

راجا سے میری صبر آزما اور طویل بازپرس اور پھر اس

کی ہٹ دھرمی سے ویرا یکایک اشتعال میں آگئی تھی اور اسے بری طرح رگید ڈالنا چاہتی تھی لیکن اس مرحلے پر راجا کے ساتھ تشدد آمیز سلوک میری حکمت عملی سے متصادم تھا اس لیے میں نے زبردستی اسے اپنے بازوؤں میں دبوچ کر راجا سے دور ہٹا دیا۔

"میں اپنی بابت کوئی وعدہ کرسکتا ہوں لیکن روزی جیسے اور لوگ بھی موجود ہیں۔ مجھے پتا نہیں کہ وہ تم سے کیا سلوک کریں گے۔" ویرا کو دور لے جانے کے بعد میں نے راجا کو سمجھانے کی کوشش کی "تم ہم سے بھرپور تعاون کر کے ہماری ہمدردیاں جیت سکتے ہو۔"

"یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری خاموشی سے آئی مین بچ جائے گا۔" اول خان نے تادیبی لہجے میں کہا "موبائل فون کی بلنگ نمبروں کے ساتھ ہوتی ہے۔ ذرا سی کوشش کر کے میں موبائل فون کمپنی سے تمہارا ملایا ہوا نمبر معلوم کرسکتا ہوں۔"

اول خان کی مضبوط دلیل سب سے زیادہ کارگر رہی اور وہ سوچ میں پڑ گیا۔

ہم تینوں میں سے کسی نے اسے ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ہم اس کی لب کشائی کے منتظر تھے۔

"تم اس کے نمبر کا کہیں سے بھی سراغ لگاؤ وہ یہی سمجھے گا کہ میں نے تمہیں فون نمبر دیا ہے۔" آخر کار راجا نے گہرا سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں اپنی زبان کھولی "تمہیں مجھ کو اس کی دسترس سے بچانا ہوگا۔"

"یہ ہماری بھی ضرورت ہے۔ تمہیں بچائے بغیر ہم اس کی سرکوبی نہیں کرسکیں گے۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"میں سرکاری اسپتال نہیں جاؤں گا۔ صحت یابی تک تم مجھے اسی اسپتال میں رکھو گے۔" اس نے اپنا مطالبہ پیش کردیا۔

اس احمق کو علم نہیں تھا کہ وہ فیلڈ اسپتال اس کے لیے ایک قید خانہ تھا اور ہم اس کی ذات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا صفایا کیے بغیر اسے چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔ میں نے نرمی سے جواب دیا "ہم تمہاری اس خواہش کا بھی احترام کریں گے۔"

اس نے شکست خوردہ انداز میں، رک رک کر آئی مین کا فون نمبر بتا دیا جو ویرا نے فوری طور پر ایک کاغذ پر نوٹ کرلیا۔ اس نمبر کے ابتدائی تین ہندسوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ آئی مین ڈیفنس یا کلفٹن کے علاقے میں روپوش تھا۔

"تم پہلے ہی راہِ راست پر آگئے ہوتے تو مجھے تم پر ہاتھ

حد

میٹرنٹی وارڈ کے باہر ایک صاحب بے تابی سے ٹہل رہے تھے اور سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہے تھے۔ آخر لیڈی ڈاکٹر باہر آئی اور ان صاحب کو بتایا "آپ ایک خوبصورت اور صحت مند بچے کے باپ بن گئے ہیں۔"

ان صاحب نے گہرا سانس لے کر شکریہ ادا کیا اور وہاں سے رخصت ہونے لگے تو ڈاکٹر نے انہیں واپس بلایا اور حیرت سے بولی "کیا آپ خوشی کے اس موقع پر اپنی بیوی سے دو چار باتیں نہیں کریں گے؟"

"جی نہیں..." وہ صاحب رکھائی سے بولے "پچھلے دو سال سے اپنی بیوی سے میری بول چال بند ہے۔"

"بول چال بند ہے اور آپ بچے کے باپ بن گئے؟" لیڈی ڈاکٹر نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

وہ صاحب گویا برا مناکر بولے "اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے؟ اب اتنی بھی ناراضگی نہیں ہے۔"

اٹھانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔" ویرا نے راجا سے رسمی سی معذرت کی۔

"ہاتھ ڈھیلا پڑے تو تمہارے ہاتھ سے پٹنے میں بھی مزہ آئے گا۔" راجا نے ہم دونوں کی موجودگی کی پروا کیے بغیر ڈھٹائی سے جواب دیا "مگر تم بہت سفاک ہو۔ ذرا سی دیر میں تم نے مجھ پر دوبارہ ہاتھ اٹھا کر اپنی خوب صورتی کو داغ دار کرلیا۔ اب مجھے تم سے خوف آرہا ہے۔"

"تمہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب میں تمہارے پاس نہیں آؤں گی۔" میں کمرے سے باہر نکل رہا تھا تو میرے کانوں میں ویرا کی آواز آئی۔

"ارے ڈارلنگ! ایسا غضب نہ کرنا۔" اس بار راجا کی

بے تابانہ آواز سنائی دی "میں تو مذاق کر رہا تھا۔ تمہاری تیمار داری سے میری صحت یابی کی رفتار تیز ہو جائے گی۔"

"آئندہ تم نے غصہ دلایا تو میں تمہاری دوسری پنڈلی بھی توڑ دوں گی۔" ویرا نے ہنس کر اسے سفاکی سے جواب دیا اور تیزی سے ہمارے پیچھے آگئی۔

اول خان نے اپنے دونوں آدمیوں کو راجا کی دیکھ بھال کے بارے میں سرسری ہدایات دیں اور ہم وہاں سے نکل کر اول خان کے دفتر کی طرف چل دیے۔

"کیا بات ہے۔ وہ تم سے پٹ کر بھی تمہارا گرویدہ ہے۔" میں نے راستے میں ویرا سے پوچھا۔

"جوتے پڑیں گے تو اس کی طبیعت صاف ہو جائے گی۔" ویرا نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ وضاحت کی "اوباش صفت مرد قبر میں پیر لٹکائے بیٹھا ہو تو تب بھی ہر خوب صورت عورت کو اپنا کھلونا بنانے پر تلا رہتا ہے۔ راجا ان ہی بد فطرت لوگوں میں سے معلوم ہوتا ہے۔"

"اس کے ساتھ تمہارا رویّہ بھی ناقابلِ فہم تھا۔" اول خان نے مجھ سے کہا "آخر میں مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے تمہارے دل میں اس کے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا ہو گیا ہو۔"

"اس ملک کے کسی غدار کے لیے میرے دل میں نرم گوشہ پیدا نہیں ہو سکتا۔" میں نے پرعزم لہجے میں جواب دیا "اسے قانون قدرت کے تحت اپنی بد عملی کی کڑی سزا مل چکی ہے۔ ہم اس کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کی کوئی سرجری نہیں کرائیں گے۔ ہڈیاں جہاں ہیں وہیں جڑ جائیں گی اور وہ ساری عمر اس عذاب سے گزرتا رہے گا۔ وہ کبھی تن کر اپنے دونوں پیروں پر فاخرانہ چال نہیں چل سکے گا۔"

"پہلے تم نے اس کے خاتمے کا فیصلہ کیا تھا۔" ویرا نے دبے لہجے میں مجھے یاد دلایا۔

"مگر پھر یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسے زندہ رکھ کر اس کی زندگی کو دوسروں کے لیے عبرت کا نمونہ بنا دیں گے۔"

"موت ہر گناہ پر تنسیخ کی لکیر کھینچ دیتی ہے اور لوگ بہت جلد سب کچھ بھول جاتے ہیں۔" اول خان نے میری تائید کی "چھوٹی بڑی ٹانگوں پر اچھل اچھل کر چلتا ہوا راجا ہر ایک کے لیے عبرت کا ذریعہ بنا رہے گا۔ اس کی نیم معذوری اس کی موت سے بہتر ہو گی۔"

ہم دوبارہ اول خان کے دفتر میں پہنچ گئے۔ اس نے اپنی کرسی سنبھالتے ہی سب سے پہلے ایف ایم ریسیور آف کیا جس پر راجا کے کمرے میں ابھرنے والی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ راجا اس وقت اپنی دیکھ بھال کرنے والوں سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔

"یہ بات صحیح ہے کہ زندہ رہ کر وہ عمر بھر دنیا کی تضحیک کا نشانہ بنا رہے گا مگر اس سے ہم کو کیا فائدہ ہو گا۔" بات جہاں ختم ہوئی تھی، ویرا نے وہیں سے شروع کر دی۔

"آئی مین سے نمٹنے کے لیے ہمیں راجا کی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی مگر چوپڑا کو اس کے بل سے نکالنے کے لیے ہمیں اس کو استعمال کرنا پڑے گا۔ تم نے سنا نہیں کہ چوپڑا اپنی جان کے خوف سے اپنے قونصل خانے میں روپوش ہے اور اپنے اتاشی کے ذریعے پاکستان سے باہر تبادلے کی کوششیں کر رہا ہے۔"

"اوہ!" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "یہ بات میں بھول ہی گئی تھی۔ چوپڑا آسانی سے باہر نہیں آئے گا۔ اسے راجا کے ذریعے پھانسنا ہو گا۔"

وہ بعد کی بات تھی۔ اس وقت دو باتیں فوری توجہ کی متقاضی تھیں۔ اول یہ کہ موبائل فون کمپنی سے یہ تصدیق کی جاتی کہ اول خان کے موبائل سے آخری فون کال اسی نمبر پر کی گئی تھی جو راجا نے ویرا کو لکھوایا تھا۔ اگر وہ تصدیق ہو جاتی تو پھر اس نمبر کے ذریعے آئی مین کی کمین گاہ کا سراغ لگانا تھا تاکہ وہاں بھرپور کارروائی کا آغاز کیا جاتا۔

ہماری بے ترتیبی سے پھیلی ہوئی بساط کے دو اہم مہرے آخر کار قابو میں آتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ دیکھنا یہ تھا کہ پاکستان میں شی کے احیا کے پیچھے کیا مقاصد کار فرما تھے۔ یہ میرے تجربے کی بات تھی کہ پاکستان میں جب شی پورے زور و شور سے کام کر رہی تھی تو امریکی خفیہ ایجنسیوں نے اس خطے کو فراموش کیا ہوا تھا۔ شی کے زوال کی ساتھ پاکستان سی آئی اے کی ریشہ دوانیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ انہوں نے پے در پے چوٹیں کھانے اور اپنے کئی اہم آدمی گنوانے کے بعد پسپائی اختیار کرنے اور شی کو دوبارہ میدان میں اتارنے کا فیصلہ کر لیا تھا تو وہ کوئی بڑی سازش ہو سکتی تھی جس کا سدباب کرنا ضروری تھا۔

اس وقت چوپڑا اور آئی مین ہماری توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے تو جلال کی نظریں بھارت سے آئے ہوئے ونود پر مرکوز تھیں جو عبداللہ کا قاتل تھا۔

اول خان نے اپنی ڈائری دیکھی اور موبائل فون کمپنی کا متعلقہ نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے

مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ڈینی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ڈینی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان الیش کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ خلاف توقع اس سے رابطہ آسان ثابت ہوا۔ میں نے اس سے عبدالماجد الحسینی کے نام سے عربی لب ولہجے میں گفتگو کی۔ ڈینی کا نام ان کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا لہٰذا وہ آسانی سے میرے جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے مجھ سے سمندر کے کنارے ملاقات کا وعدہ کیا جہاں ایس ٹی ایف کی مکمل نگہبانی میں، میں نے اس سے پرتصادم ملاقات کی اور اسے شدید زخمی کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ جان الیش کوف بھی اپنے پیش رو جان اسمتھ کی طرح خوف زدہ ہوکر پاکستان سے بھارت فرار ہوگیا۔ اب میرے سامنے آنجہانی انل بسواس کا دیا ہوا فون اور فیکس نمبر تھا۔ اپنے ساتھیوں کے مشورے سے میں نے ایک پیغام فیکس کردیا۔ اس سے پہلے یہ معلوم کرایا جاچکا تھا کہ فیکس نمبر بھارتی سفارت خانے میں ملازم ایک اہلکار چندن کا تھا جبکہ ٹیلی فون ایک بیمار ہندو وکیل کے دفتر پر نصب تھا۔ بھارتیوں نے مظہر خان کی سپردگی کا سوال اٹھایا تھا مگر انہیں صاف جواب دے دیا گیا کہ مظہر خان نامی پاکستانی شہری واپس نہیں پہنچا اور اب بھارتی اس کی سلامتی کے بارے میں آگاہ کریں۔ فیکس کے بعد میں نے انل بسواس کے دیے گئے نمبر پر فون کیا مجھ سے بات کرنے والے چندن نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فوری طور پر پولیس کے سامنے پیش ہوجاؤں۔ میرے آنا کانی کرنے پر اس نے مجھے میری وڈیو فلم کی دھمکیاں دینا شروع کردیں۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ چندن نے وکیل کا فون ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لے رکھا ہے۔ میں نے سلطان شاہ کی مدد سے چندن کو اٹھالیا۔ اس سے پوچھ گچھ کے لیے میں نے خود کو ڈینی کا حریف ظاہر کیا اور وہ سب کچھ اگلتا چلا گیا۔ اس نے بھارتی تو مملیٹ کے چوپڑا جی کی نشاندہی کی کہ وہ اس کا شریک کار ہے۔ وہ مجھ سے مظہر خان کا سودا کرنا چاہتا تھا اور اس کی لاش کے لیے بھی دو لاکھ روپے تک کی رقم دینے پر آمادہ تھا۔ میں نے اس کو ٹھکانے لگوا کر اس کی لاش کوڑے دان میں ڈلوا دی۔ امریکن تو مملیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آگیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو کیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کرکے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ بعد میں میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہوکر نقد جاں ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا، چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ شی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہوچکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے زخمی ہوکر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھالیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ڈی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آگئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھادی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جلال نے اطلاع دی کہ عبداللہ کا قاتل ونود کراچی پہنچ چکا تھا۔ اب ہمارے سامنے دو محاذ تھے۔ ونود اور شی کا آئی مین۔۔۔۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ہم بین الاقوامی سازشوں کا قلع قمع کرنے کے ارادے سے پاکستان کو خیرباد کہہ کر بھارت کے لیے روانہ ہوئے تھے اور وہاں اپنے شب و روز کا ایک ایک لمحہ اسی مشن کی تکمیل میں مصروف رہ کر گزارا تھا۔ وہاں ہمارے آخری ایام بہت سنسنی خیز اور بھیانک تھے۔ موت ایک سایہ بن کر ہمارا پیچھا کررہی تھی لیکن ہمارے ستارے یاور تھے۔ ہم جان توڑ کوشش کرکے وہاں سے پاکستان لوٹنے میں کامیاب ہوگئے۔

میرا اندازہ تھا کہ پاکستان واپس آنے کے بعد بھی ہمارا وقت ان ہی مصروفیات میں گزرے گا۔ بھارت میں حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں را کے پاکستانی نیٹ ورک کو توڑنا آسان کام نہیں تھا لیکن پاکستان میں ہمیشہ کی طرح بھارت کے مددگار موجود تھے۔ امریکی سی آئی اے کے ایک ڈپٹی ڈائریکٹر اور اس کے چیف کلرک کی کراچی میں موجودگی بہت سی پیچیدگیوں کی نشاندہی کررہی تھی۔

ان دونوں کے سروں پر مجھے اور ویرا کو پکڑنے کا بھوت سوار تھا۔ دوسری طرف وہ بھارتیوں کی فرمائش کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے کہ پاکستانی حکام مظہر خان کو تلاش کریں اور پکڑ کر بھارتیوں کے حوالے کردیں۔ پاکستان نے نہ صرف بھارتیوں کا مطالبہ مسترد کردیا تھا بلکہ یہ جوابی مطالبہ پیش کردیا تھا کہ بھارت میں لاپتا ہوجانے والے مظہر خان کو تلاش کرکے پاکستان واپس بھجوانا بھارتیوں کی اخلاقی اور قانونی ذمے داری تھی۔

لیری ہف کے ہارٹ فیل کی وجہ سے وہ قصہ ادھورا رہ گیا تھا۔ اس نے مظہر خان کی طرف سے چندن گرنانی کو بھیجے ہوئے فیکس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرنا چاہا کہ مظہر خان بھارت میں نہیں، کراچی میں موجود اور سرگرم تھا۔

لیری نے ایجنسیوں کے ساتھ ہونے والے مشترکہ اجلاس میں وہ نکتہ پوری شدومد سے اٹھایا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس معاملے میں امریکیوں اور پاکستانیوں کے درمیان تلخی پیدا ہوسکتی ہے مگر اس مرحلے پر میری ایک حرکت آڑے آگئی۔

ماجد یمنی کے نام سے لیری کو فون کرتے ہوئے یہ بات میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ اسے دہشت سے دل کا دورہ پڑجائے گا۔ میرا وہ منصوبہ صرف اتنا تھا کہ شاید وہ بھی اپنے آقا، جان الیش کوف کی طرح ماجد یمنی کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہوکر کراچی سے بھاگ جائے تاکہ مظہر خان کی تلاش کے بارے میں امریکیوں کا براہِ راست دباؤ ختم ہوسکے۔ میری فون کال کے نتائج میری توقع سے بڑھ کر ثابت ہوئے۔

لیری ہارٹ اٹیک کے باعث مرگیا۔ اس کے مرتے ہی بھارتیوں کی حکمتِ عملی کا سارا تسلسل خاک میں مل گیا۔ پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں سرد مہری بلکہ کسی حد تک کشیدگی ہونے کی وجہ سے براہِ راست غیر رسمی مذاکرات کا کوئی امکان نہیں تھا۔ رسمی نکات پر اسلام آباد اور دہلی کے درمیان خط وکتابت ہوتی رہتی ہوگی۔ بھارتی حکام کی مجبوری

یہ تھی کہ وہ میری طرف سے چندن کو بھیجے گئے فلیکس کو آف دی ریکارڈ رکھنا چاہتے تھے۔ کراچی میں میری موجودگی ثابت کرنے کے لیے فلیکس کو منظرِ عام پر لاتے تو پاکستان میں ان کے سیاہ کرتوتوں کا بھانڈا پھوٹ جاتا۔ فلیکس کو خفیہ رکھ کر وہ اپنے طور پر کچھ بھی نہیں کرسکتے تھے۔

اپنی اس مجبوری کی بنا پر بھارتیوں نے پہلے جان الیش کوف اور اس کے فرار کے بعد لیری ہف کو درمیان میں ڈالا تھا۔ لیری کی موت سے مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے ہمارا شاندار مشن اچانک پھسپھسا ہو کر رہ گیا ہو۔ پہلے ہم را اور سی آئی اے کے عالمی شہرت یافتہ ایجنٹوں کے خلاف صف آرا تھے۔ اس وقت ہمارا مقابلہ جوشی اور راجا جیسے تیسرے درجے کے مقامی مجرموں سے ہورہا تھا۔

اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ وہ مجرم بھی را کے مقامی رابطوں میں اہم مقام رکھتے تھے لیکن ان دونوں ناموں کے سامنے آنے کے بعد را یکایک پسِ پشت چلی گئی تھی۔ میرے دل میں یہ خلش پھانس بن کر چبھ رہی تھی کہ محض مصروف رہنے کے لیے ہم اپنے معیار سے بہت نیچے آگئے تھے۔

اول خان کی میز پر رکھے ہوئے ایف ایم مانیٹر پر راجا اور نامعلوم غیر ملکی کے درمیان ہونے والی گفتگو میں آئی مین کا نام سن کر میں بری طرح چونکا تھا۔ اس وقت مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ ہم اپنے معیار سے گرا ہوا کوئی کھیل نہیں کھیل رہے تھے۔ جوشی کی ذات ہماری کسی بڑی کامیابی کا پہلا زینہ بننے والی تھی۔ جوشی کی بُو سونگھتے ہوئے ہم راجا کے خطرناک ٹھکانے تک پہنچے تھے اور اس مکارِ اعظم کو اپنے دام میں الجھانے کے بعد شی کے کسی نامعلوم آئی مین کا نام ہمارے علم میں آیا تھا۔

اول خان جتنی دیر فون پر موبائل فون کمپنی کے کسی ذمے دار شخص سے گفتگو کرتا رہا' میرا ذہن ان ہی باتوں میں الجھا رہا۔ اول خان کو اپنا پرسنل آئڈنٹی فیکیشن نمبر یا پن کوڈ یاد نہیں رہا تھا اس لیے اسے فون پر اپنی شناخت میں قدرے دشواری ہوئی پھر اسے دوسری طرف سے وہ نمبر بتادیا گیا جس پر اس کے موبائل فون سے آخری کال کی گئی تھی۔ اول خان نے وہ نمبر پیڈ پر نوٹ کرکے دہرایا۔ نمبر کی تصدیق ہونے پر اس نے شکریے کے ساتھ فون بند کردیا۔

"یہ ہے تمہارے نئے آئی مین کا نمبر!" اول خان نے پیڈ میرے سامنے ڈال دیا۔

راجا کا بتایا ہوا نمبر میرے ذہن میں محفوظ تھا۔ میں نے پیڈ پر ایک نگاہ ڈال کر اندازہ لگالیا کہ راجا نے ہم سے غلط بیانی نہیں کی تھی۔ ہر طرف سے بری طرح گھر جانے کے بعد اس کے مضبوط اعصاب جواب دے گئے تھے۔ اس نے ہمارے سامنے شکست تسلیم کرلی تھی۔

"کیا تم اس نمبر پر کوئی وظیفہ پڑھ رہے ہو؟" ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"تم ہر وقت بے مقصد باتیں کرنے پر تلی رہتی ہو۔" میں نے خشک لہجے میں اسے ٹوکنا چاہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔

"یہ بے مقصد بات نہیں ہے۔ امریکا میں مشرقی عملیات کا بہت شہرہ ہے۔ تمہاری پیڈ پر جمی ہوئی نظروں سے شبہ ہورہا تھا کہ تمہارے عمل کے زور سے کسی بھی لمحے وہ گمنام آئی مین پیڈ پھاڑ کر باہر نکل آئے گا۔" ویرا کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

میں نے ویرا کے منہ لگنا مناسب نہیں سمجھا اور اول خان سے مخاطب ہوگیا "نمبر کی تصدیق ہوگئی ہے۔ چاہو تو تم فون کرلو۔"

"نہیں۔" اول خان نے بے ساختہ جواب دیا "یہ ٹیڑھا کام تم ہی کو مبارک ہو۔ مجھے شی اور اس کے بڑوں کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ میں زیادہ دیر تک بات نہیں سنبھال سکوں گا۔"

"تم ہی بہتر رہو گے۔" ویرا نے برجستہ اس کی تائید کی "وہ کراچی میں ہے۔ میری آواز سنتے ہی مجھے پہچان لے گا۔"

"وہ مردانہ آواز سن کر مجھے بھی پہچان لے گا۔۔۔"

"اس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ تم اس سے کس حیثیت میں بات کرتے ہو۔" اول خان نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔

اول خان نے واقعی ایک اہم نکتے کی نشاندہی کی تھی۔ راجا کے آئی مین کا ذکر سنتے ہی میرے ذہن میں نہ جانے کیوں یہ خیال سما گیا تھا کہ مجھے اس سے دوسرا آئی مین بن کر بات

کرنی چاہیے۔ ایسی صورت میں اس کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہ ہوتا کہ اس کے مخاطب کا نام ڈیتی ہے۔ شی سے میری بغاوت کے بعد جمی لائیڈ سے لے کر ہر چھوٹے بڑے کو یہ معلوم ہوچکا تھا کہ میرے ہاتھوں شی کے دو آئی مین مارے جاچکے تھے اور ان کی سلور آئیز میرے قبضے میں آچکی تھیں۔

جمی لائیڈ۔۔۔شی کا سربراہ تھا۔ یہ بات پوری طرح اس کے علم میں آچکی تھی کہ میں نے سلور آئیز پر قابض ہونے کے بعد ان کی مدد سے شی کے کئی شہ زوروں کو اپنی اطاعت پر مجبور کرکے ان کی گردنیں اڑا دی تھیں۔ اس نے پوری قوت کے ساتھ مجھے اپنے راستے سے ہٹانے کی کوششیں کیں لیکن محض میرے ناجائز تصرف کی وجہ سے سلور آئیز کی مقتدر حیثیت کو مجروح نہیں کیا۔ میرے ہاتھوں پے در پے بھاری نقصانات اٹھانے کے باوجود، دنیا بھر میں سلور آئی کو طاقت اور دبدبے کے علامتی سکے کے طور پر رائج رکھا تاکہ شی کی ساکھ کو کسی طرح کوئی نقصان نہ پہنچے۔

یہ جمی لائیڈ کی اسی پالیسی کا تسلسل تھا کہ اس کی موت کے ایک طویل عرصے بعد پاکستان میں کوئی نیا آئی مین آن موجود ہوا تھا۔ اگر وہ خود آئی مین ہونے کا دعوے دار تھا تو اس کے پاس سلور آئی کا موجود ہونا ضروری تھا۔

ہمیں اس سے رابطے کا نمبر مل چکا تھا مگر وہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں تھا۔ پوری حکمتِ عملی طے کیے بغیر اس سے رابطہ کرنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

''تم سوچ میں پڑ گئے۔'' مجھے خاموش پاکر اول خان نے ٹوکا ''اگر تم اس سے بات کرنے سے ہچکچا رہے ہو تو میں کرلوں گا۔''

میں آہستگی سے ہنس پڑا ''میرے پاس کئی راستے ہیں۔ میں اس سے اپنی اصل حیثیت میں بات کروں یا کوئی اجنبی نام اختیار کروں۔ یہ سوال مجھے تنگ کررہا ہے۔''

''آج کل تو ویسے بھی تمہارے چار نام چل رہے ہیں۔'' اول خان نے مذاق میں کہا۔

''ڈیتی، مظہر، ماجد یمنی اور کرنل داور ہونے کے ساتھ ساتھ تم آئی مین بھی ہو کیونکہ ایک سلور آئی آج بھی تمہارے قبضے میں ہے۔'' ویرا نے لقمہ دیا۔

''بات لمبی ہوجائے گی۔'' میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی ''کیوں نہ راستے میں اور گھر پہنچ کر یہ سب طے کرلیا جائے۔''

''میں خود بھی یہی چاہ رہا تھا۔'' اول خان نے خوش ہوکر کہا ''گھر کے اسپیکر فون پر ہم سب سکون سے تمہاری اور اس کی باتیں سن سکیں گے۔''

''تمہارے لیے اسپیکر فون دو ٹکے کی چیز ہے۔ اپنے دفتر کے لیے کیوں نہیں منگوا لیتے؟'' ویرا نے تیوریوں میں بل ڈال کر سوال کیا۔

''یہاں اس کی کوئی افادیت نہیں ہے۔ یہ چھاؤنی کا علاقہ ہے۔ ہر وقت کہیں نہ کہیں چاند ماری ہوتی رہتی ہے۔'' اول خان نے وضاحت کی ''پس منظر سے آنے والی شوٹنگ کی آوازیں سن کر فون پر ہر ایک اندازہ لگا سکتا ہے کہ فون کیسے علاقے سے کیا جارہا ہوگا۔ دوسری اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہماری اکلوتی سی ایس ڈی تمہارے گھر کے فون کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اب اس کے بغیر رازداری کا پورا یقین نہیں ہوتا۔''

میں نے وہاں سے روانگی کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ راجا پوری طرح ہمارے قابو میں آچکا تھا اور غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ کسی پرائیویٹ اسپتال کے کمرے میں زیرِ علاج تھا۔ اول خان کے ماتحت بہت سمجھ دار تھے۔ وہ جانتے تھے کہ روزی کی واپسی کے بعد انہیں قیدی کی نرسنگ کی ضروریات کس طرح پوری کرنی تھیں۔ آئی مین اور چوپڑا کے بارے میں کوئی فیصلہ ہونے تک اسے بستر تک محدود رہ کر اپنا وقت گزارنا تھا۔ اس کے لیے ہم میں سے کسی کا وہاں موجود رہنا ضروری نہیں تھا۔

اول خان نے کھڑے کھڑے اپنے فیلڈ فون پر اپنے کسی ماتحت کو اپنی روانگی سے آگاہ کرکے فون بند کردیا۔ میرے اندازے کے عین مطابق اسے راجا کے بارے میں ایک لفظ بھی کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

اسٹیشن فور سے واپسی پر ہمارے پاس دو گاڑیاں تھیں۔ میں گھر سے ویرا کو ساتھ لے کر اپنی گاڑی سے وہاں پہنچا تھا۔ اول خان اسپتال سے راجا کو لے کر سیدھا وہاں پہنچا تھا۔ میں نے اخلاقاً ویرا کو اول خان کے ساتھ روانہ کردیا اور خود ان کے پیچھے ہولیا۔

اسٹیشن فور سے واپسی کے اس سفر میں ہماری ٹیم بکھر گئی اور مذاکرات ادھورے رہ گئے مگر میرا ذہن مسلسل کام کرتا رہا۔ راستہ زیادہ طویل نہیں تھا۔ ہم تھوڑی دیر میں گھر پہنچ گئے۔ وہاں غزالہ اور سلطان شاہ اپنے سینوں میں تجسس کا ایک سمندر لیے ہمارے منتظر تھے۔

میرا یہ ارادہ خاک میں مل گیا کہ ہم گھر پہنچتے ہی سر جوڑ کر جلد از جلد کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔ غزالہ بہت سنجیدہ اور بردبار تھی۔ وہ موقع کی نزاکت اور اس سے بھی بڑھ کر میرے تیوروں کو سمجھتی تھی۔ شی کے کسی آئی مین سے راجا

کے تعلق کا انکشاف سن لینے کے بعد اس نے خاموشی اختیار کرلی لیکن سلطان شاہ کے سوالات کا سلسلہ نہ رک سکا۔

"اب تم کچھ دیر کے لیے اپنی چونچ بند کرلو۔" کافی دیر صبر کرنے کے بعد ویرا میری آنکھ کا اشارہ پاکر اس پر غرائی "ہم یہاں تمہاری جرح کا جواب دینے نہیں، کچھ اہم مسائل پر بات کرنے کے لیے آئے ہیں۔ تم نے اپنے سوالات سے ہمارا آدھا بھیجا خالی کردیا ہے۔"

"سب کو نہ گھسیٹو صرف اپنی بات کرو۔" ویرا کا اعتراض سنتے ہی سلطان شاہ کی ذہنی رو بدل گئی "عورتوں کے پاس ویسے ہی آدھا دماغ ہوتا ہے۔ وہ خالی ہوجانے کے بعد اب تمہارے پاس کچھ بھی نہیں رہا ہے۔ تم مسائل پر کیا بات کروگی۔"

ویرا نے اس مرحلے پر دانش مندی سے کام لیا اور بات بڑھانے کے بجائے تحمل سے بولی "چلو، میں نہیں بولوں گی مگر اول خان اور ڈینی کو تو بات کرنے دو۔"

"میں نے انہیں کب روکا ہے۔ یہ اپنی باتیں کرلیں۔ میں خاموش ہوا جاتا ہوں۔" سلطان شاہ نے ہتھیار ڈال دیے۔

"بھارتی اور امریکی، دونوں تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اول خان نے زبان کھولی "ویرا نے صحیح کہا تھا کہ آج ان کے لیے تمہارے ایک چہرے کے چار نام ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ تم اپنے کس روپ میں انہیں زیادہ خطرناک لگ رہے ہو۔"

"ہم پٹڑی سے اتر رہے ہیں۔" سلطان شاہ نے اسے ٹوکا "آئی مین کے مسئلے میں امریکی اور بھارتی کہاں سے آن ٹپکے!"

"یہ سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ کچھ دیر خاموش رہ کر ہماری باتیں سنو گے تو سب کچھ سمجھ میں آتا چلا جائے گا۔" میں نے اسے گھور کر کہا پھر اول خان سے مخاطب ہوگیا "یہ بات میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس وقت ماجد یمنی سے سب سے زیادہ دہشت زدہ ہیں۔"

"تم پہلے بھی یہ بات کہہ چکے ہو حالانکہ جان ایلش کوف اور لیری نے کھل کر ڈینی کے خلاف باتیں کی تھیں۔" ویرا نے اعتراض کیا۔

"وہ ایک مدت سے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور مجھے پکڑنے میں مسلسل ناکامیوں کا منہ دیکھ رہے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ پرانے زخم مندمل ہوتے جاتے ہیں۔ ماجد یمنی کا لگایا ہوا زخم تازہ ترین ہے۔ جان میرے ہاتھوں بننے والی

درگت کو عمر بھر فراموش نہیں کرسکے گا۔"
"میں ڈینی سے متفق ہوں۔" اول خان نے سہلا کر کہا "سی آئی اے کی مہم میں اب جان کی ذاتی پرخاش کا عنصر بھی شامل ہوگیا ہے۔ وہ ڈینی سے پہلے ماجد کو پکڑ کر کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہے گا۔ اس کے بعد ڈینی کی باری آئے گی۔ مظہر کے بارے میں امریکیوں سے زیادہ بھارتی بے چین ہیں۔"
"پھر تم کو ماجد بن کر آئی مین سے بات کرنی چاہیے۔ تمہارا اصل نام سنتے ہی وہ بدک جائے گا۔" ویرا نے فیصلہ سنادیا۔
وہ واقعی اس مسئلے کا سیدھا' آسان ... ترین اور منطقی حل تھا۔ مجھے لمحہ بھر کے لیے حیرت ہوئی کہ وہ بات میرے ذہن میں کیوں نہیں آسکی تھی۔
آدمی تنہا ہو تو مشکلات میں گھر کر کبھی کبھی خود کو بہت بے بس محسوس کرنے لگتا ہے لیکن اسے اپنے اعتماد کے ساتھیوں سے مشاورت کی سہولت حاصل ہو تو آپس کے بحث ومباحثے سے نہ صرف دل کو ڈھارس ملتی ہے بلکہ بعض مسائل کا آسان حل بھی سامنے آجاتا ہے۔
ماجد یمنی اچانک امریکیوں کے سامنے آنے والا ایک نیا نام تھا جس نے جان کو بری طرح دہشت زدہ کیا ہوا تھا۔ اگر راجا سے کام لینے والا آئی مین بھی شی کی پرانی روایات کے مطابق پاکستان میں کسی امریکی سازش کو پروان چڑھانے کے ارادے سے آیا تھا تو اسے بھی میری زبان سے ماجد کا نام سن کر چونکنا چاہیے تھا۔
جان کی طرح آئی مین بھی امریکی تھا۔ میں یمنی نژاد بن کر اسے آسانی سے اپنے لہجے سے دھوکا دے سکتا تھا۔
"کوشش کرو کہ وہ کسی طرح تم سے ملنے پر آمادہ ہوجائے۔" اول خان نے حسرت آمیز آواز میں مشورہ دیا۔
ویرا بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی "یہ اتنا آسان نہیں ہوگا۔ تم شی کے طریقہ کار سے واقف نہیں ہو اس لیے یہ بات کہہ رہے ہو۔ راجا اس کے لیے کام کررہا تھا لیکن اس نے بھی کبھی آئی مین کی صورت نہیں دیکھی۔ بس آواز سے پہچانتا ہے۔"
"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اسے گڑے مردے اکھاڑنے کی کیا ضرورت تھی۔" سلطان شاہ نے سوچتے ہوئے کہا "اس کے لیے یہ زیادہ آسان کام ہوتا کہ وہ اپنے آئی مین ہونے کا اعلان کیے بغیر کسی اور خفیہ نام سے اپنا کام شروع کردیتا۔"
"اس وقت تم نے غیر معمولی ذہانت کا مظاہرہ کیا ہے۔" میں نے اس کی تعریف کی "اول خان کے دفتر میں ایف ایم مانیٹر پر آئی مین کے الفاظ سنتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا اور میں غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ بڑے ارادے لے کر یہاں آیا ہے۔ راجا اور اس جیسے دوسرے بدمعاشوں کے ذریعے جب زیرِ زمین دنیا میں آئی مین کا نام گونجے گا تو شی کے پرانے نمک خوار خود بہ خود اس کے گرد جمع ہوتے چلے جائیں گے۔ وہ شی کے نام اور ساکھ کو استعمال کرکے جلد از جلد یہاں اپنا بڑا گروہ منظم کرنے کے چکر میں معلوم ہوتا ہے۔"
"آئی مین کا نام استعمال کرنے کا کوئی اور سبب نہیں ہوسکتا۔" غزالہ نے میری تائید میں لب کشائی کی "ہوسکتا ہے کہ اب کوئی جہانگیر کو بھی گھیرنے کی کوشش کرے۔ شی کے پرانے آدمیوں میں اس کا نام سرِفہرست ہے۔"
"اور وہ ڈینی کی وجہ سے دوسروں کے عتاب کا نشانہ بھی بنتا رہا تھا۔" ویرا نے ہنس کر یاد دلایا۔
"تم کو ہنستے ہوئے شرم آنی چاہیے۔" سلطان شاہ نے تلخی سے کہا "اسے سب سے زیادہ تم نے ستایا تھا۔ حد یہ ہے کہ اسے بلیک میل کرنے کے لیے اس کے شیر خوار بیٹے کو اغوا کرکے فرضی نام سے نرسری میں ڈال دیا تھا۔"
"کیا دن تھے وہ بھی!" پرانے دنوں کا ذکر چھیڑنے پر ویرا حسرت سے ایک گہرا سانس لے کر بولی "اس وقت میرے ذہن پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح ڈینی تک پہنچ جاؤں۔ اس جنون میں پتا نہیں کیا کیا کر گزری۔ اپنی ان زیادتیوں کا خیال آتا ہے تو مجھے ندامت ضرور ہوتی ہے۔"
"یہ سودا تمہارے سر سے نکل گیا مگر اب تمہارے دوسرے ہم وطنوں کے سروں میں سما گیا ہے۔" غزالہ نے ہلکے طنز سے کہا۔
"تم دونوں نے میرے ہاتھوں خاصے دکھ اٹھائے ہیں۔ تم کو اس تلخ نوائی کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اس کے ازالے کے لیے میں تم کو بس ایک دعا دے سکتی ہوں کہ ڈینی کے حاسدوں اور دشمنوں کو اس سے زیادہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے جتنا میں نے دیکھا تھا۔ تمہارا ڈینی پکّا چھلاوا ہے چھلاوا!" ویرا بولی۔
"معلوم ہورہا ہے کہ تم سب میری ٹانگ کھینچنے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہو۔" میں نے خفت سے کہا۔
"یہ تمہاری قصیدہ گوئی نہیں ہے۔ بات سے بات نکل رہی ہے۔" اول خان نے کہا "یہ واقعی اہم نکتہ تھا کہ نیا گروہ بنانا شی کی دوبارہ شیرازہ بندی سے زیادہ آسان اور محفوظ کام تھا۔ اس کے لیے پیچیدہ راہ کیوں اختیار کی گئی۔"

”اگر کوئی اور بات رہ گئی ہو تو وہ بھی صاف کرلو تاکہ میں آئی مین سے بات کرنے کے بارے میں سوچوں۔“
”بس یہ دھیان رکھنا کہ ابھی تک چوپڑا، جوشی، راجا اور آئی مین کے مراسم کے بارے میں گتھی نہیں سلجھی۔۔۔“
غزالہ نے اول خان کی بات درمیان سے اچک لی اور بولی ”چوپڑا اور جوشی کی دوستی کی بات پہلے ہی کھل چکی ہے۔ یہ بات بھی سامنے آچکی ہے کہ جوشی کی راجا سے دوستی تھی۔ راجا آئی مین کے لیے کام کررہا ہے۔“
”تم درست نتیجہ اخذ کررہی ہو مگر یہ بات نہیں معلوم ہوسکی کہ چوپڑا اور راجا کے مراسم کس نوعیت کے تھے۔“ اول خان اپنے موقف پر قائم رہا۔
وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ چوپڑا اور راجا ایک دوسرے سے بہت کم ملے تھے لیکن ان کے تعلقات میں گہرائی کا یہ عالم تھا کہ چوپڑا نے اسے ایک بہت بڑے عذاب سے بچایا تھا اور اس نے چوپڑا کے ایما پر جوشی کو پہلے اغوا اور پھر قتل کردیا تھا۔ موت کے ایک سوداگر اور اس کے عام سے خریدار کے درمیان اتنے گہرے تعلق کے اسباب کچھ اور ہی ہوسکتے تھے۔ ان تک پہنچنے کے لیے ہمیں ایک مرتبہ پھر راجا کی گوش مالی کرنے کی ضرورت تھی۔
میں اپنا ذہن بنا چکا تھا۔ وہ چاروں بھی میری اور آئی مین کی گفتگو سننے کے منتظر تھے۔ مجھے ان کے صبر کا امتحان لینے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں نے اسپیکر فون اپنی طرف کھسکایا اور آئی مین کا نمبر ملانا شروع کردیا۔
دوسری گھنٹی بجتے ہی ریسیور پر ایک شوخ اور زندگی سے بھرپور، نسوانی آواز سنائی دی۔ بولنے والی نے۔۔۔ صرف ہیلو کہا تھا لیکن اس ایک لفظ سے ہی ظاہر ہوگیا تھا کہ اپنے لب و لہجے سے وہ امریکی نژاد تھی۔
میں وہ اجنبی نسوانی آواز سن کر ایک لمحے کے لیے سٹپٹا گیا۔ میرے وہم میں بھی نہیں آسکا تھا کہ آئی مین کے سوا کوئی اور فون اٹھائے گا۔ فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس سے کیا کہوں پھر خیال آیا کہ وہ آئی مین کے گھر میں اگر فون اٹھانے پر مامور تھی تو کسی نہ کسی حد تک اس کی رازداں بھی رہی ہوگی۔ میں نے اپنی خاموشی کا دورانیہ اشتباہ حد تک طویل نہیں ہونے دیا۔
”میں آئی مین سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“ میں نے دھیمی اور گمبھیر آواز میں کہا۔
”اوہ، سر!“ لڑکی کی تحیر زدہ اور بے ساختہ آواز ابھری ”آپ کون بول رہے ہیں؟؟“

لڑکی کی پہلی آواز کی طرح اس کا وہ سوال بھی میرے لیے غیر متوقع تھا۔ ایسے رابطوں میں تفصیلی تعارف اور مذاکرات نہیں ہوا کرتے۔ اصولی طور پر اسے آئی مین کا نام سنتے ہی مزید باتوں کا سلسلہ موقوف کرکے اسے بلادینا چاہیے تھا۔
مجھے شبہ ہوا کہ میرا بتایا ہوا نام آئی مین کی طبیعت پر گراں گزرا تو وہ فون پر آنے سے ہی انکار کردے گا۔
فون نمبر کے سہارے اس کی کمین گاہ کا سراغ لگا کر وہاں دھاوا بولنا ہمارے لیے سب سے آسان اور محفوظ طریقہ تھا مگر میں ان معاملات کی تہ تک پہنچنے کے لیے تصادم کے بجائے پرفریب مذاکرات کی راہ اختیار کرنا چاہ رہا تھا۔
”تمہیں میرے نام اور نسب سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔“ میں نے برہمی سے کہا ”میں اس کا دوست بول رہا ہوں۔“
”سوری سر! یہاں ان کے دوستوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے اور میں فون پر ان سب کی آواز پہچان سکتی ہوں۔ آپ کی آواز نئی ہے اس لیے نام بتانا ضروری ہے۔“ اس کا جواب مہذب مگر سخت تھا۔ اس نے کھل کر اقرار نہیں کیا تھا مگر اس کی باتوں میں یہ امر پنہاں تھا کہ آئی مین اسی نمبر پر پایا جاتا تھا۔
”میں اس کا دوست اور خیرخواہ ہوں۔“ میں نے ترشی سے کہا ”اسے اتنا ہی بتادو۔ اگر وہ فون پر نہ آیا تو میں دوبارہ اسے رنگ نہیں کروں گا۔ مجھ سے بات نہ کرکے وہ سخت خسارے میں رہے گا۔“
”دوست اور خیرخواہ اپنے نام کے بارے میں اتنی رازداری سے کام نہیں لیتے۔“ اس کی آواز سنجیدہ ہوچکی تھی۔
”تم فی الحال مجھے الفریڈ ہچکاک کہہ سکتی ہو۔“ اس بار میرا لہجہ خاصا تلخ ہوگیا۔
”ذرا ہولڈ کریں میں دیکھتی ہوں کہ کیا صورتِ حال ہے۔“ بولنے والی کی آواز بدستور نرم رہی۔
مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ میرا نام جانے بغیر فون پر آنے سے انکار کردے گا مگر میرا وہ اندیشہ غلط ثابت ہوا۔ ”کون بول رہا ہے؟“ اس نے فون پر آتے ہی غراتی ہوئی آواز میں لڑکی کا سوال دہرایا۔ آواز میں نے پہچان لی کیونکہ میں اسے راجا سے بات کرتے ہوئے سن چکا تھا۔
”میرا نام ماجد ہے۔“ اس بار میں نے بلا تامل جواب دیا ”مجھے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں، میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔“
”میں نے تمہارا نام پہلی بار سنا ہے۔ اگر تم یہ سمجھ رہے

ہو کہ کسی سلسلے میں مجھے بلیک میل کرلو گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میں اپنا پیسا فالتو برباد نہیں کرتا۔"
"مجھے غلط نہ سمجھو۔" میں نے دردمندانہ آواز میں احتجاج کیا "میں بلیک میلر نہیں ہوں۔"
"پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں میرا فون نمبر کس نے دیا ہے۔" اس نے میرے احتجاج کو نظرانداز کر کے پوچھا۔
"یہ میرا کاروباری راز ہے۔ اسے افشا نہیں کیا جاسکتا۔ میرا کام ہی روپوش اور پوشیدہ لوگوں کا سراغ لگانا ہے۔ جس طرح میں نے تمہارا فون نمبر معلوم کیا ہے اسی طرح میں نے ڈینی کا کھوج نکالا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا پتا تم کو بتادوں۔"
"اور میں اپنی جیب سے انعامی رقم تمہارے حوالے کردوں؟" اس کی آواز طنزیہ ہوگئی۔
"یہ بات میں نے سب سے پہلے بتادی تھی کہ مجھے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے۔"
"ڈینی پر امریکی حکومت نے انعام مقرر کیا ہے۔ تم کو ان کے کسی افسر یا قونصل خانے سے رابطہ کرنا چاہیے۔" اس کی آواز میں طنز زیادہ نمایاں ہوگیا "ڈینی کے سلسلے میں تم مجھ پر مہربان کیوں ہو رہے ہو۔"
میں نے ایک گہرا سانس لیا اور جواب دیا "پہلے میں نے یہی کوشش کی تھی۔ جان ایلش کوف سے سودا کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس نے سنگین غلطی کی۔ مجھ سے ملنے کے لیے اپنے ساتھ مسلح آدمی لے آیا۔ گڑبڑ کی وجہ سے میں چھپا رہا، اپنے آدمی کو اس کے پاس بھیج دیا۔ بات بگڑتی چلی گئی اور ہمارے درمیان مفاہمت ہوتے ہوتے رہ گئی۔"
"اوہ! تو تم وہی عبدالماجد الحسینی ہو۔ وہ پورا واقعہ میرے علم میں ہے۔ اس میں غلطی تمہاری بھی تھی۔ راستے میں تمہاری سرخ سوزو کی خراب ہوگئی اور جان اسے ڈھونڈتا رہا۔ اس کا بھڑکنا عین فطری تھا۔"
"وہ سی آئی اے کا بہت بڑا افسر ہے۔ اس سے ٹکراؤ ہوجانے کے بعد امریکی میرے دشمن ہوچکے ہیں۔ میں نے دوبارہ ان سے رابطہ کیا تو وہ مجھے انعام دینے کے بجائے کسی گندے جال میں پھانس لیں گے۔ اس مجبوری کی وجہ سے میں نے تم سے رابطہ کیا ہے۔"
"تو تمہارا خیال ہے کہ میں امریکی نہیں ہوں۔" اس کی آواز چبھتی ہوئی تھی۔
"لہجے سے تم بھی امریکی معلوم ہو رہے ہو مگر تم ایک عام اور ذمے دار شہری ہو۔ وہاں کے سرکاری افسر میرے دشمن ہوئے ہیں۔" مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں ماجد کے روپ میں آئی مین کی نظروں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے میں کامیاب رہا تھا۔
"تم کراچی کے پولیس اسٹیشنوں میں سے کسی کا انتخاب کرسکتے ہو۔ تمہاری نظر مجھ پر کیوں پڑی؟" وہ ہر طرح سے اپنا اطمینان کرنا چاہ رہا تھا۔
"وہاں ضابطے کی لمبی کارروائیاں ہوں گی۔ رقم تو قونصل خانہ دے گا۔ وہ جاننا چاہیں گے کہ پولیس کا مخبر کون تھا۔ میں ان کے سامنے آیا تو بات بگڑ جائے گی۔" میں نے پورے صبر اور سکون سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "پولیس والوں سے ہوکر مجھ تک آتے آتے وہ رقم آدھی رہ جائے گی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجھ سے ڈینی کے بارے میں ہر بات معلوم کرنے کے بعد میرا ذکر سرے سے اڑا دیں اور ڈینی کی گرفتاری کی ٹوپی اپنے سر منڈھ کر انعام کے دعوے دار بن جائیں۔ میں ایک غریب الوطن یمنی ہوں۔ کراچی کی بگڑی ہوئی پولیس کا کیا بگاڑ لوں گا۔"
"تم یمنی ہو لیکن پاکستانیوں اور امریکیوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو۔" دوسری طرف سے طنز کیا گیا۔
"مجبوری ہے۔ لاکھوں ڈالر کے معاملے میں کوئی بھی بے ایمان ہوسکتا ہے۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا "میں نے بہت چھان بین کی اور اپنی معلومات کو سینے سے لگائے بیٹھا ہوں۔ وقت گزر گیا تو ڈینی اپنا ٹھکانا بدل لے گا۔"
مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ آئی مین جیسا خرانٹ شخص میری باتوں میں دلچسپی لینے اور گفتگو کو جاری رکھنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ سونے پر سہاگا یہ تھا کہ وہ جان ایلش کوف والے واقعے سے باخبر تھا۔ میں نے اس بارے میں کوئی غلط بیانی نہ کرکے کسی حد تک اس کا اعتماد جیت لیا تھا۔
"تم میرا نام نہیں جانتے، صرف میرے لقب سے واقف ہو۔ تم کو علم ہوگا کہ مجھ سے تمہاری ملاقات کا کوئی امکان نہیں ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔
"اس سودے کے لیے تم کو اپنا اصول توڑنا ہوگا۔ ملاقات کے بغیر بات نہیں بن سکے گی۔" میں نے اصرار کیا۔
"پھر شاید تم کو نہیں معلوم کہ آئی مین کیا منصب ہوتا ہے۔" اس کی آواز سے تکبر اور نخوت کی بو آرہی تھی۔
"مجھے سب معلوم ہے۔" میں نے اس کے غرور کو ختم کرنے کے لیے سرسری لہجے میں کہا "میں نے تمہیں بتایا ناکہ لوگوں اور خبروں کا کھوج لگانا آج کل میرا پیشہ ہے۔ تم سے رابطہ کرنے سے پہلے میں معلوم کرچکا ہوں کہ تم شی کے کوئی

بڑے ہو۔ دوسری جنگ عظیم میں شکست کے برسوں بعد بھی برما کے جنگلوں میں بہت سے جاپانی فوجی چھپتے پھر رہے تھے۔ ان کی دانست میں جنگ ختم نہیں ہوئی تھی اور وہ اپنے دشمنوں کے خلاف برسرِپیکار تھے۔ انہیں بہت مشکل سے یقین دلایا جاسکا کہ ان کے ملک نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ تم بھی شی کے بڑوں میں سے کوئی ایسے کمانڈر ہو۔ شی ایک مدت پہلے مرکھپ گئی۔ اس کے آدمیوں نے شی کے اثاثوں پر قبضہ کرلیا۔ آئی مین مارے گئے یا گوشہ نشین ہوگئے اور اب اچانک تم نمودار ہوئے ہو۔ شاید تم کو معلوم ہو کہ شی اس علاقے میں برسوں پہلے ختم ہوچکی تھی۔ شی کی بربادی میں ڈینی اور ویرا کا بہت ہاتھ تھا۔"

"اصل مجرم ڈینی ہے۔" آئی مین کی آواز نفرت آمیز ہوگئی "اسی نے ویرا کو ورغلا کر اسے اپنے باپ سے غداری پر مجبور کیا تھا مگر شی ختم ہونے کے لیے نہیں بنائی گئی تھی۔ کسی کی زندگی یا موت سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔ وہ یہاں سے ناسازگار ماحول کی وجہ سے سمٹی گئی تھی۔ اب میں آیا ہوں تو تم دیکھو گے کہ یہاں اس کا طوطی بولے گا۔ ڈینی اور ویرا کو میں اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کروں گا۔"

بات کا رخ شی کی طرف مڑ گیا تھا۔ میں نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "تم یہاں شی کی تنظیم نو کے لیے آئے ہو!"

"اپنی حد سے تجاوز مت کرو۔ بات وہیں تک رکھو جہاں سے شروع کی تھی۔ میرے آنے کا مقصد بہت جلد تمہارے اور سب کے سامنے آجائے گا۔"

اپنے لہجے کی سختی اور تحکم سے وہ مظلوم یا مجبور نہیں معلوم ہورہا تھا۔ اس کے الفاظ میں ایک عزم پنہاں تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس نے اپنی بیٹی اور بیٹے کے بارے میں راجا کو جو کہانی سنائی تھی، وہ من گھڑت تھی۔ وہ شی کے بارے میں کوئی نیا منصوبہ لے کر پاکستان میں وارد ہوا تھا۔

میں اس سے ماجد بن کر ایک مخصوص زاویے سے بات کررہا تھا۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں راجا کی بتائی ہوئی باتوں کا حوالہ دے کر اسے ذلیل کرتا یا شی کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کرکے اسے حیران کرتا۔ اس تک پہنچنے کے لیے اس کی ہرزہ سرائی سننی ضروری تھی۔

"ملین ڈالر کے عوض ڈینی!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "وہ امریکی حکومت کے ساتھ شی کو بھی مطلوب ہے۔ تم نے اس حقیقت کا اعتراف کرلیا ہے۔ مجھے یہ سب پہلے سے معلوم تھا اسی لیے میں نے جان سے بات بگڑنے کے بعد تم سے رجوع کیا ہے۔"

"میں تمہارے دیے ہوئے کسی پروگرام کے مطابق کہیں ملنے کا وعدہ نہیں کرسکتا..."

"پھر مجھے وقت اور جگہ بتادو۔ میں پہنچ جاؤں گا۔" میں نے اس کی بات درمیان سے اچک کر کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔" وہ آسانی سے کسی چکر میں آنے والوں میں سے نہیں تھا "ایک مرتبہ پھر تمہاری گاڑی خراب ہوسکتی ہے۔ عین موقع پر کوئی غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ جان جیسے کسی احمقانہ واقعے کا اعادہ ہو۔ اپنے ٹھکانے اور حلیے کے بارے میں بتاؤ اور سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔ میں جب مناسب سمجھوں گا، خود تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا اور ہم سکون سے بیٹھ کر معاملات طے کرلیں گے۔"

"میں ہر وقت ایک جگہ نہیں بیٹھا رہتا..." میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات اڑادی۔

"میں بھی اپنے وسائل رکھتا ہوں۔ تمہاری موجودگی میں تمہارے ٹھکانے پر آؤں گا۔"

"میں تمہیں کیسے پہچانوں گا؟" میں نے ہلکی سی جھلاہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں ابھی تمہیں ایک پاس ورڈ بتادوں گا۔ وہی ہماری باہمی پہچان ہوگا۔"

"تم مجھ پر بھروسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہو تو میں تم پر کیسے اعتماد کرسکتا ہوں۔" میں نے کہا "تم مجھ سے ملنے سے پہلے اپنے آدمیوں سے میرے بارے میں چھان بین کراؤ گے۔ اگر تمہیں کوئی بھی بات مشتبہ نظر آئی تو تم مجھے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتے ہو۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔"

"پھر یہ ڈیل نہیں ہوسکتی۔" آئی مین نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"اب تم کو مجھ سے شکوہ نہیں ہوسکتا۔ تمہارے انکار کے بعد اب میں ڈینی سے تمہارا سودا کروں گا۔ وہ شاید ملین ڈالر تو نہیں دے سکے گا مگر مجھے اس سے ایک بڑی رقم ضرور مل جائے گی۔ میری محنت رائگاں نہیں جائے گی۔" اس کا فیصلہ سنتے ہی میں نے پانسا پھینکا۔

"تم۔ تم اس کمینے سے میرا سودا کرو گے۔" حیرت اور غصے کی زیادتی سے اس کی ہکلاتی ہوئی آواز ابھری۔

"مجبوری ہے۔ میرا خیال تھا کہ تم ڈینی کا نام سنتے ہی ہر خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہوجاؤ گے مگر تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔ شی کے آئی مین شیر دل ہوا کرتے تھے مگر تم بزدل معلوم

ہوتے ہو۔" بات بگڑتی دیکھ کر میں طنزو تشنیع پر اتر آیا۔
"بزدلی اور احتیاط میں بہت فرق ہوتا ہے۔" اس کی آواز میں برہمی نہیں تھی۔ شاید اس نے مجھے ڈیل نہ ہونے کی کھلی دھمکی دی تھی ورنہ وہ خود مذاکرات جاری رکھنے کا خواہاں تھا۔ وہ پوچھ رہا تھا "تم میرے علاوہ شی کے کسی آئی مین کو جانتے ہو؟"
"میں نام نہیں بتا سکتا لیکن وہ اپنے حریفوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ بہت دلیر اور بے خوف آدمی تھا۔" میں نے... فی البدیہہ ایک خیالی پیکر تراش لیا "اسے معلوم تھا کہ اس کے دشمن کسی بھی وقت اسے مار دیں گے۔ اس کو ڈر تھا کہ اس کی سلور آئی دشمنوں کے ہاتھ لگ گئی تو شی کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔ اس نے فرار کی راہ اختیار کرنے کے بجائے اپنی سلور آئی میرے پاس رکھوا دی اور میدان میں ڈٹا رہا۔"
"اوہ! اس کی سلور آئی کہاں ہے؟" اسپیکر فون پر اس کی مضطربانہ آواز ابھری۔
"وہ امانت آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ میں چاہتا تو اس کی مدد سے خود آئی مین بن سکتا تھا مگر میں مردہ گھوڑے پر سواری کرنا پسند کرتا ہوں نہ کسی کی امانت میں خیانت کرنے کا تصور کر سکتا ہوں۔"
"تم ہر تھوڑی دیر بعد ایک نیا شوشا چھوڑ رہے ہو۔ میں تمہاری کسی بات پر بھروسا نہیں کر سکتا۔" اس کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔
"تم چاہو تو میں گول طلائی سکے پر دونوں طرف ابھری ہوئی نقرئی آنکھ دکھا سکتا ہوں۔ شرط یہ ہے کہ مجھ سے ملو۔"
"وہ سلور آئی مجھے دے دو۔ میں تمہیں بیس ہزار ڈالر دوں گا۔" اس نے مضطربانہ آواز میں پیشکش کی۔
"میں کسی قیمت پر امانت میں خیانت نہیں کروں گا۔" میں نے زور دے کر کہا۔ بقیہ لوگ خاموش تھے مگر ویرا کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تیر گئی تھی۔ وہ آئی مین کے اضطراب کا سبب سمجھ رہی تھی۔ نقرئی آنکھ والے دو طلائی سکوں کا مالک بن کر وہ ہر ایک کو باور کرا سکتا تھا کہ وہ سپر آئی مین ہے۔ ایسی صورت میں اسے دنیا کی کوئی طاقت شی کی سربراہی سے نہیں روک سکتی تھی۔
"امانت رکھوانے والے کی موت کے بعد تمہاری ذمے داری ختم ہو گئی۔ اب تم اسے بیچ دو تو یہ خیانت نہیں ہو گی۔"
"آمنے سامنے بیٹھ کر بات کیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔" میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"مجھے اپنا فون نمبر دے دو۔ میں آج یا کل تمہیں دوبارہ فون کروں گا۔"
"میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔" میں نے زہریلے لہجے میں جواب دیا "تم اس نمبر سے میرا کھوج لگا لو گے۔"
"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں میرا پتا معلوم ہو چکا ہے۔" اس کی آواز سے معلوم ہو رہا تھا کہ میرے جواب نے اسے بری طرح چونکا دیا تھا۔
"جو چاہو سمجھ لو۔" میں نے بے نیازی سے کہا "تم کو فون کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں کل دو بجے خود فون کروں گا۔"
"اس وقت ہم بہتر طور پر بات کر سکیں گے۔ تم نے مجھے فکر اور تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔"
"یہ یاد رکھنا کہ میں سلور آئی سے دستبردار ہونے سے زیادہ ڈینی کے معاملے میں دلچسپی لوں گا۔"
"تم بہت کچھ جانتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم کام کے آدمی ہو۔ کل ہم ڈیڈلاک کا کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔"
اس کی بات پوری ہونے پر میں نے کوئی جواب دیے بغیر فون بند کر دیا۔
"خدا کی پناہ!" سلطان شاہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر بولا "تمہارے مغز میں بہت دم ہے۔ اس جیسے ٹیڑھے آدمی سے اتنی دیر تک باتیں کرنا تمہارا ہی کام تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی گفتگو کو اتنا طول نہیں دے سکتا تھا۔"
"تم اس طرح بات سے بات نکال رہے تھے جیسے تم نے سب کچھ پہلے سے سوچا ہوا ہو۔" ویرا نے ہنستے ہوئے کہا۔
"ایک بات ثابت ہو گئی کہ وہ آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کل دو بجے وہ کوئی نیا شوشا کھڑا کر دے۔" اول خان نے اپنی رائے دی۔
"میں نے سوچ سمجھ کر اسے کل تک کا وقت دیا ہے۔ وہ جان والے واقعے سے باخبر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ امریکی عملے سے قریبی رابطے میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اب وہ براہِ راست جان الیش کوف کو فون کر کے اس سے ماجد کے بارے میں معلوم کرے۔"
"اب اسے چھوٹ نہیں دی جانی چاہیے۔" غزالہ نے پُرخیال انداز میں زبان کھولی "وہ موذی ہے۔ سی آئی اے والوں کے ساتھ مل کر کوئی نیا گل کھلا سکتا ہے۔"
میں نے غزالہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بس مسکرا کر رہ گیا۔ اس وقت میری اور اس کی سوچ بڑی حد تک یکساں تھی۔

"وہ موذی ہے اور میری رائے میں ڈینی سے صرف ایک غلطی سرزد ہوئی ہے جس سے وہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

ویرا بولی "تم نے اس سے ماجد بن کربات کی تھی تو تمہیں سلور آئی کا کوئی حوالہ نہیں دینا چاہیے تھا۔ ان دونوں کو یک جا کرکے وہ تمہاری طرف سے بدک سکتا ہے۔"

"یہ بہت بڑی غلطی ہے جو میں نے جان بوجھ کر کی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "یہ بات شی میں مشہور ہو چکی تھی کہ میں ایک سلور آئی پر قابض ہو چکا ہوں۔ اسے واپس لینے کے لیے جمی لائیڈ نے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ وہ بھاری نقصان اٹھا کر بھی کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کا ذہن میری اس غلطی کی طرف جائے گا تو وہ خود اسے اپنے ذہن سے جھٹک دے گا کہ اس سے گفتگو کرنے والا ڈینی ہوتا تو ایسی فاش غلطی نہ کرتا۔"

"سلور آئی کا حوالہ دینے سے تمہیں کیا فائدہ ہوا؟" ویرا نے اسی لہجے میں دوسرا نکتہ نکال لیا۔

"وہ اسے حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ اس کی بے چینی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ شی میں سربراہ کا منصب خالی ہے۔ دو سلور آئیز کا مالک بن کر وہ اس سربراہی کا حق دار بن سکتا ہے۔ شاید اسی ایک نکتے پر ہماری دوسری فون کال پر مفاہمت ہوئی ہے۔"

"اگر تم نے ان خطوط پر سوچتے ہوئے سلور آئی کا ذکر چھیڑا تھا تو پھر ٹھیک ہی تھا۔" ویرا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی "جمی لائیڈ وائٹ ہاؤس کے ڈرائیو وے پر کسی گمنام قاتل کی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ اس کے بعد آنے والے تمہارے ہاتھوں مارے گئے اور پھر شی کا شیرازہ بکھرتا چلا گیا۔ میرا کبھی کبھی پرانے لوگوں سے رابطہ ہوتا رہا مگر کہیں سے کسی سرگرمی کی خبر نہیں ملی۔ اب یہ نیا آئی مین آیا ہے تو میرا خیال ہے کہ اسی نے واشنگٹن میں شی کو زندہ کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ یہ کامیاب ہو جاتا ہے اور دو سلور آئیز حاصل کرکے اپنی صلاحیت منوا لیتا ہے تو پھر یہ میرے مردہ باپ کی جگہ بھی لے سکتا ہے۔"

"بس مبہم سا یہی خاکہ میرے ذہن میں ابھرا تھا۔ زیادہ سوچ بچار کا وقت نہیں تھا۔ میں نے سلور آئی کی بات نکال لی۔" میں نے کہا۔

"جو کچھ ہوا وہ ٹھیک تھا۔" غزالہ نے پُرسکون لہجے میں میرا ساتھ دیا "ابھی صرف راجا ہمارے قبضے میں آیا ہے۔ پتا نہیں آئی مین نے اور کس کس کو خرید لیا ہوگا۔ اب اسے مہلت دینا ایک موذی کو پالنے پوسنے کے مترادف ہوگا۔"

اول خان نے فون کا ریسیور اٹھا لیا "غزالہ کی تشویش بجا ہے۔ ہمیں اس کا پتا معلوم کرنا چاہیے۔"

شی کی تاریخ میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ بظاہر وہ سوسائٹی ہیروئن کے انسداد کے لیے بنائی گئی تھی اور عالمی پیمانے پر کام کرتی تھی۔ یورپ اور امریکا میں شی والے اپنے مقاصد سے اس حد تک مخلص ضرور تھے کہ اپنی دوسری غیر قانونی سرگرمیوں کے ساتھ ہیروئن کے انسداد کے لیے بھی کام کرتے تھے لیکن جنوبی ایشیا اور خاص طور پر پاکستان اور افغانستان میں شی کا کردار بالکل مختلف تھا۔

پاکستان میں شی کے شرمناک دھندوں کا میں چشم دید گواہ تھا۔ وہ امریکی سرمایے کے بل بوتے پر پاکستان کے گلی کوچوں میں ہیروئن کے آزادانہ استعمال کی سرپرستی کر رہے تھے۔ مہنگے داموں آنے والی ہیروئن سستے داموں پر ہیروئنچیوں کو فراہم کی جاتی تھی۔ فلسفہ یہ تھا کہ علاقے کی ساری پیداوار پاکستان کے راستے پوری دنیا میں اسمگل ہوتی تھی۔ اگر پاکستان میں اس موذی نشے کی مانگ بہت زیادہ بڑھ جاتی تو اسمگلنگ کی مقدار میں اسی قدر کمی ہو جاتی۔

پاکستان میں وہ لوگ صرف ہیروئن کو فروغ نہیں دیتے رہے تھے بلکہ حکومت سے برگشتہ گروپوں اور علیحدگی پسند عناصر کو رقوم اور ہتھیاروں کی صورت میں بھاری امداد فراہم کرتے رہتے تھے۔ ان کی ایسی کوششوں کو امریکی سفارت کاروں کی بھرپور پشت پناہی حاصل ہوتی تھی۔ مجموعی طور پر مجھے ایسا نظر آیا تھا جیسے شی والوں کو پاکستان کا وجود ایک آنکھ نہ بھاتا ہو اور وہ ہر طرح اسے تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہوں۔

اپنے ان اٹل مشاہدوں کی بنا پر میں نے شی سے بغاوت کا علم بلند کیا تھا۔ ان دنوں شی کا یہ نعرہ تھا کہ ان کے کسی باغی کے لیے روئے زمین پر کہیں کوئی جائے امان نہیں تھی۔ میں نے کامیابی کے ساتھ ان کی صفوں میں دراڑیں ڈال کر اس نعرے کو غلط ثابت کر دیا تھا۔ ان کے مفادات پر ایسی ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ آخر کار وہ پاکستان کی سرزمین سے اپنی بساط لپیٹنے پر مجبور ہو گئے۔

اب ایک اجنبی آئی مین شی کا پرانا نام لے کر میدان میں اترا تھا تو صاف نظر آ رہا تھا کہ اس کے عزائم نیک نہیں تھے۔ امریکی ایجنسیوں کی ریشہ دوانیاں ناکام ہونے کے بعد واشنگٹن کے حکمرانوں نے اپنے اہداف کے حصول کے لیے دوبارہ شی کے آزمودہ کردار کو استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اول خان کو چند منٹ میں معلوم ہو گیا کہ آئی مین کے

زیر استعمال فون ڈیفنس کے ساتویں فیز کے ایک مکان میں نصب تھا۔

آئی مین کے خلاف فوری کارروائی کی تجویز غزالہ کی تھی لیکن اس بارے میں اول خان زیادہ پرجوش تھا۔ اس کی دانست میں آئی مین پر ہاتھ ڈالنے کا وہ مناسب ترین موقع تھا۔ اسے ایک رات کی مہلت مل جاتی تو وہ اپنا ٹھکانا بدل کر ہماری دسترس سے دور نکل سکتا تھا۔

ہمارے لیے وہ محض ایک نام تھا۔ راجا سمیت کوئی بھی اس کی اصل شخصیت سے واقف نہیں تھا۔ کراچی کی بھیڑ میں ایسے بے نام و نشان شخص کو تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا۔

اس بار ہمارا مقابلہ بدمعاشوں کے کسی گروہ سے نہیں تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ آئی مین نے رازداری کی وجوہ کی بنا پر اپنے ساتھ زیادہ بھیڑ نہیں رکھی ہوگی۔ ڈیفنس کے مکان میں وہ اپنی کسی ہم وطن لڑکی کے ساتھ رہ رہا تھا۔ گھر کی خدمات اور دیکھ بھال کے لیے وہاں دو چار ملازمین ہوسکتے تھے۔ جن سے ہم لوگ آسانی سے نمٹ سکتے تھے۔ ہر شخص کی رائے تھی کہ اس مہم کے لیے ہمیں کسی اور مدد کی ضرورت نہیں تھی لیکن اول خان مصر تھا کہ اس کے دو چار تجربے کار آدمیوں کو ساتھ لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

ویرا اور سلطان شاہ کا تجربہ تھا کہ ہماری جن مہمات میں ایس ٹی ایف کے لڑاکا شریک ہوتے تھے ان میں لڑائی بھڑائی کا بیشتر بوجھ وہی اٹھاتے تھے۔ ہم لوگوں کا عملی کردار محدود اور مخصوص ہو کر رہ جاتا تھا۔ وہ دونوں بہت زیادہ منصوبہ بندی اور ذہنی مشقت کے عادی نہیں تھے اس لیے عملی میدان میں اپنے جوہر دکھانے کے لیے مضطرب رہتے تھے۔ انہوں نے اول خان کی تجویز کی سختی سے مخالفت کی اور اسے خاموش ہو جانا پڑا۔

اول خان اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے سلسلے میں ڈیفنس کے علاقے سے بڑی حد تک واقف تھا۔ اس کی رائے تھی کہ ان دنوں فیز سیون کا علاقہ زیادہ آباد نہیں ہوا تھا۔ وہاں کسی کارروائی کے آغاز کے لیے گہری رات کا انتظار بے سود تھا۔ شام کے ملگجے اندھیرے میں بھی وہاں کسی مداخلت کے بغیر دھاوا بولا جاسکتا تھا۔

شام ہو چلی تھی۔ غزالہ نے سب کے لیے چائے تیار کی۔ چائے کا دور ختم ہوتے ہی ہم روانگی کے لیے تیار ہوگئے۔

ہم پانچوں آسانی کے ساتھ ایک گاڑی میں سما سکتے تھے مگر موقع کی نزاکت کا تقاضا تھا کہ دونوں گاڑیاں ساتھ لی جائیں اور اول خان کی جیپ سے کچھ درمیانی ہتھیار ہماری گاڑی میں منتقل کردیے جائیں۔

خود کار رائفلوں کی رازدارانہ منتقلی کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہوگئے۔ ویرا اور غزالہ اول خان کی جیپ میں تھیں۔ میرے ساتھ سلطان شاہ سفر کررہا تھا۔ دونوں گاڑیوں میں باہمی رابطے کے لیے اول خان نے ایک ٹرانسمٹر میرے حوالے کردیا تھا۔ میرے ایما پر اس مہم کی سربراہی اس کے سپرد کردی گئی تھی۔

ہماری گاڑیاں شہر کے پرہجوم اور بارونق علاقوں سے گزر کر ڈیفنس کی حدود میں داخل ہوئیں تو سماں اچانک ہی بدل گیا۔ پرسکون رہائشی علاقوں میں ہلکا پھلکا ٹریفک رواں تھا۔ رہائشی علاقہ کسی بھی قسم کی دکانوں یا دفاتر سے پاک تھا۔ ڈیفنس میں اس قسم کی کاروباری سرگرمیوں کے لیے کمرشل علاقے مخصوص کردیے گئے ہیں۔ جہاں چھوٹے چھوٹے پلاٹوں پر تین اور کہیں چار منزلہ عمارات کھڑی کردی گئی ہیں۔ ان کی نچلی منزل پر دکانیں اور شوروم قائم ہیں۔ اوپری منزلوں پر رہائش اور کاروبار کے ملے جلے مراکز پائے جاتے ہیں۔

کمرشل علاقوں میں مصروف اور لدی پھندی دکانوں کے قریب سے گزرتے ہوئے زندگی کی بھرپور چہل پہل کا احساس ہوتا ہے۔ اس سے آگے رہائشی علاقوں میں پھر سکون اور خاموشی کا راج ہوجاتا ہے۔

علاقہ پوری طرح آباد اور خوب صورت مکانات سے بھرا ہوا ہے لیکن فیز سیون میں صورتِ حال واقعی مختلف تھی۔ سڑکوں، روشنیوں اور دیگر سہولتوں کا جال بچھا ہوا تھا لیکن بیشتر علاقہ ریتیلے میدان کا منظر پیش کررہا تھا۔ اس روشن ریتیلے ویرانے میں کہیں کہیں اِکا دُکا مکانات آباد تھے۔ بہت سی جگہوں پر زیر تعمیر مکانات مزدوروں وغیرہ سے آباد نظر آرہے تھے۔

آئی مین کی کمین گاہ کا پہلے سے سروے نہیں کیا گیا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اول خان اپنے قیاس کی بنا پر مطلوبہ مکان کی تلاش میں بھٹک رہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا جغرافیہ جواب دے گیا ہے۔ کیوں نہ کہیں رک کر کسی سے پتا معلوم کرلیا جائے۔" میں نے ایریئس پر اسے چھیڑا۔

"پتے سے مکان تلاش کرنے میں تھوڑی سی دقت ہوتی ہے۔ یہاں کوئی ہماری مدد نہیں کرسکے گا۔ ہمیں کمرشل ایریا

میں کسی اسٹیٹ ایجنسی سے رجوع کرنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ میں صحیح اسٹریٹ پر آگیا ہوں۔" اس جواب کے ساتھ اول خان نے اپنی جیپ ایک سڑک پر موڑی اور رفتار کم کرلی۔

"یہ عجیب علاقہ ہے۔" سلطان شاہ بڑبڑایا "ساری سڑکیں ایک جیسی نظر آرہی ہیں۔ اگر سڑکوں پر شناختی بورڈ نہ لگے ہوئے ہوں تو سپاٹ زمین پر پھیلی ہوئی ان سیاہ لکیروں میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔"

"اول خان کو اپنی یادداشت پر بھروسا نہ ہوتا تو وہ یوں سیدھا نہ چلا آتا۔"

کچھ دور چل کر اول خان نے ایک مکان کے سامنے اپنی گاڑی روک لی۔ میں نے مصلحتاً اس سے فاصلہ رکھا ہوا تھا۔ میں نے قریب جانے کے بجائے اپنی گاڑی دور روک لی۔ منزل آجانے کے احساس سے سلطان شاہ اپنی نشست پر کچھ بے چین سا ہوگیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں پہنچنے میں دیر ہوگئی۔" ایڈریس پر اول خان کی مایوسانہ آواز ابھری "گیٹ پر تالا لگا ہوا ہے۔ ساتھ ہی کرایے پر خالی ہے کا بورڈ بھی لٹکا ہوا ہے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تم صحیح پتے پر پہنچے ہو۔" میں نے بے یقینی سے پوچھا۔

"سو فیصد یہی مکان ہے۔ اس پر پتے کی تختی بھی لگی ہوئی ہے۔ میں حیران ہوں کہ یہ گھر خالی پڑا ہوا ہے۔"

وہ تینوں پتے کے بارے میں اتنے پُر یقین تھے کہ خالی ہاتھوں جیپ سے سڑک پر اتر آئے اور اپنے مطلوب مکان کی طرف بڑھنے لگے۔ میں نے اضطراری طور پر اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی جیپ کے پیچھے لے جاکر روک دی۔

سلطان شاہ نے پُر تشویش انداز میں میری اور اول خان کی گفتگو سننے کے بعد ریوالور سنبھال لیا تھا۔

گاڑی روک کر ہم دونوں بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔ میں نے گاڑی روکتے ہی دیکھ لیا تھا کہ اول خان درست کہہ رہا تھا۔ مقفل پھاٹک پر ٹولٹ کا لٹکا ہوا بورڈ ہمارا منہ چڑا رہا تھا۔ اس بورڈ کے نیچے رابطے کے لیے ایک فون نمبر دیا ہوا تھا۔

"یہاں کوئی گڑبڑ ہے۔" گاڑی سے اترتے ہوئے میرے کانوں میں غزالہ کی آواز آئی "یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے یہ مکان آباد تھا اور اب اس قدر ویران پڑا ہوا ہے۔ اتنی سی دیر میں وہ گھر خالی کرگیا اور دروازے پر ٹولٹ کا بورڈ بھی آویزاں کردیا گیا۔"

اس گھر کے سامنے دو گاڑیاں رکتی دیکھ کر قریبی زیر تعمیر مکان سے ایک مزدور باہر نکل آیا تھا۔ اول خان نے اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلاتے ہوئے کہا "کہیں یہاں بھی سنی کمار اور چندن والا چکر نہ چل رہا ہو کہ خالی مکان کا فون کہیں اور استعمال کیا جارہا ہو۔"

"محکمے کی ملی بھگت کے بغیر یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ یہ کوئی اور چکر معلوم ہوتا ہے۔" میں نے کہا ہم پانچوں ٹہلتے ہوئے اس تاریک مکان کے سامنے پہنچ گئے تھے۔

پٹھان مزدور ناخواندہ تھا۔ اس کی اردو کمزور تھی۔ اول خان نے چند لمحوں کے لیے اس سے پشتو میں بات کی اور ہمیں بتایا کہ اس مکان کے گیٹ پر وہ بورڈ پچھلے کئی ہفتوں سے لگا ہوا تھا لیکن پھاٹک پر تالا نہیں تھا۔ مزدور نے کبھی اس بات پر دھیان نہیں دیا تھا کہ وہاں کسی کی آمدورفت رہتی تھی یا مکان خالی پڑا رہتا تھا۔

مزدور اول خان کو سلام کرکے ہمیں حیران نظروں سے دیکھتا ہوا چلا گیا۔

"اندر چل کر دیکھتے ہیں۔ ذرا سی دیر میں سب کچھ سامنے آجائے گا۔" سلطان شاہ یہ کہہ کر مقفل آہنی پھاٹک کی طرف بڑھا اور کسی بندر کی طرح کنڈے پر پیر ٹکا کر تیزی سے اندر کود گیا۔ فرش پر اس کے کودنے کی دھمک خاصی تیز تھی۔ چند لمحوں کے لیے میرے دل کی دھڑکنیں بہت تیز ہوگئیں۔ سلطان شاہ مسلح اور پھرتیلا ضرور تھا لیکن اندھیرے میں گھات میں بیٹھا ہوا کوئی بھی دشمن بہت آسانی سے اسے اپنا نشانہ بنا سکتا تھا۔

اندر کودنے کے بعد شاید سلطان شاہ نے بھی کسی ردعمل کا انتظار کیا اور پھر اندر سے ذیلی راستے کی کنڈی کھول دی۔

میں دانستہ اونچی آواز میں بولتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ مدعا یہ تھا کہ گھر کی تاریکی میں اگر کوئی چھپا ہوا ہو تو ہماری نفری سے باخبر ہوجائے اور ہم سے مقابلہ کرنے کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔

مکان میں تاریکی کے ساتھ گہرے سناٹے کا راج تھا۔ سلطان شاہ ریوالور تھامے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا اور اس نے پورچ کی روشنی کا سوئچ آن کردیا۔

داخلی دروازہ مقفل تھا۔ میں اول خان کے ساتھ پورچ میں رکا رہا۔ وہ تینوں اندر داخلے کی کوئی راہ تلاش کرنے کے لیے داہنی طرف چل دیے۔

"مکان میں ہفتوں کی ویرانی کے آثار نہیں ہیں۔" اول خان نے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا "یہاں انسانی بو پائی جا رہی ہے۔"

وہ ساحل کا قریبی علاقہ تھا۔ اگر وہ مکان کئی ہفتوں سے بند اور غیر آباد ہوتا تو رچی ہوئی سیلن میں ناگوار سی بو ضرور پیدا ہو جاتی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ مکان پر ٹولٹ کا بورڈ دھوکا دینے کے لیے لٹکایا گیا تھا ورنہ آئی مین کچھ دیر پہلے وہاں موجود تھا۔

میں نے مقابلے کا خوف دور ہو جانے کے بعد سگریٹ سلگالی۔ ہم دونوں وہیں کھڑے تبادلہ خیال کر رہے تھے کہ چند کھٹکوں کی آوازوں کے بعد مکان کا داخلی دروازہ کھل گیا اور وہاں سے وہ تینوں نمودار ہو گئے۔

"وہ فون سے خوف زدہ ہو کر بھاگا ہے ورنہ تھوڑی دیر پہلے یہیں موجود تھا۔" ویرانے مکان سے برآمد ہوتے ہوئے پُرجوش لہجے میں اطلاع دی۔

"مکان پوری طرح فرنشڈ اور صاف ستھرا ہے۔ کچن میں کھانا پکانے یا گرم کرنے کی تازہ بو رچی ہوئی ہے۔" غزالہ نے اس کی تائید کی۔

اس مرتبہ ہم پانچوں ہی ایک ساتھ آگے بڑھے تھے مگر میں ایک فوری خیال کے تحت ٹھٹک گیا۔ تم تینوں اندر ہو آئے ہو۔ اب یہاں رک کر نگرانی کرو۔ میں اول خان کے ساتھ اندر کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔ تم کدھر سے اندر گھسے تھے؟"

"ساری کھڑکیوں پر مضبوط آہنی گرل لگی ہوئی ہے۔ میں نے ایک بیڈ روم کے ونڈو ائرکنڈیشنر کو اندر گرا کر داخلے کا راستہ بنایا تھا۔"

میں اسے توصیفی نظروں سے گھور کر مسکرا دیا۔ کسی خالی گھر میں داخل ہونے کے لیے اس سے بہتر اور آسان راستے کا انتخاب مشکل تھا۔

ان تینوں کو وہیں چھوڑ کر میں اول خان کے ساتھ مکان میں داخل ہو گیا۔

مکان بہت شوق اور نفاست سے سجایا گیا تھا۔ وہاں تین بیڈ روم تھے۔ دو کمروں کے بستر بالکل بے داغ اور ہلکی سی گرد میں اٹے ہوئے تھے۔ ماسٹر بیڈ روم بے ترتیب تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ گھر میں بس وہی ایک خواب گاہ استعمال کی جا رہی تھی یا پھر کھانے کی میز پراسرار مکینوں کے استعمال میں رہی تھی۔ ڈرائنگ روم کے صوفوں اور قالین پر بھی گرد کی ہلکی سی تہ جمی ہوئی تھی۔

دونوں خواتین کے مشاہدے کے مطابق کچن پوری طرح زیر استعمال اور خوشبوؤں میں رچا ہوا تھا۔ کہیں گرد و غبار کا نشان تک نہیں تھا۔ ریفریجریٹر مختلف اشیائے خورونوش اور مشروبات سے بھرا ہوا تھا۔ جس میں بیئر کے ڈبے بھی شامل تھے۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ فرج میں محفوظ کیا ہوا کھانا مقامی طرز کا نہیں ہر ڈش مغربی طرز کی نظر آ رہی تھی۔ یہ اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ وہاں غیر ملکی رہ رہے تھے۔

کچن کا جائزہ لینے کے بعد ہم واپس ماسٹر بیڈ روم میں لوٹ آئے۔ میں نے الماریوں اور درازوں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ اول خان نے اپنے موبائل فون سے آئی مین کا نمبر ملایا تو خواب گاہ میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سب کچھ درست تھا ہم اپنی تفتیش کے مطابق صحیح ٹھکانے پر پہنچے تھے مگر ساری تیزی دکھانے کے باوجود آئی مین اور اس کی مدد گار لڑکی کو کھو چکے تھے۔

اس گھر کا فون نمبر چیک کرنے کے بعد اول خان بھی میرے ساتھ شامل ہو گیا۔ ان لوگوں نے جاتے ہوئے اپنی ایسی کوئی ذاتی چیز نہیں چھوڑی تھی جس سے ان کی شناخت میں مدد مل سکے۔ میک اپ اور شیونگ کے ہلکے پھلکے سامان کو چھوڑ کر وہ اپنا سب اسباب سمیٹ کر لے گئے تھے جو یقیناً مختصر رہا ہو گا۔

"ہم ادھر کا رخ کرتے یا نہ کرتے' اسے فرار ہونا تھا اور وہ کامیاب ہو گیا۔" اول خان نے بجھی ہوئی آواز میں کہا "اس نے فون کے لیے کل دو بجے کا وقت صرف مہلت لینے کے لیے مقرر کیا تھا۔"

"کیا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس سے بات کرنے والا ماجد نہیں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ جرائم کی دنیا کا آدمی ہے۔ اس کو بھڑکانے کے لیے صرف یہ بات کافی تھی کہ ایک اجنبی اس کے ٹھکانے سے واقف ہو چکا ہے جو اپنا مطالبہ پورا نہ ہونے کی صورت میں اسے کوئی بڑا نقصان پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔ وہ غیر ضروری خطرات مول لینے والوں میں سے نہیں ہے۔ پہلی فرصت میں نکل بھاگا۔"

"وہ کہاں جائے گا۔ مالک مکان کو اس کے بارے میں بہت کچھ اگلنا پڑے گا۔" میں نے تلخی سے کہا "اس نے ایسے مشتبہ غیر ملکی کو اپنا مکان کیوں دیا جو دروازے پر ٹولٹ کا بورڈ لٹکا کر کسی چور کی طرح اندر چھپا ہوا تھا۔"

"بورڈ پر لکھا ہوا نمبر تمہیں یاد ہے یا میں دیکھ کر آؤں۔"

اول خان نے پوچھا۔
"وہ بھولنے والا نمبر نہیں تھا۔ میں نے دیکھتے ہی حفظ کرلیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔
ہم نے بیڈ روم کا ایک ایک کونا چھان مارا لیکن ایسا کوئی پرزہ تک حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے جس سے آئی مین یا اس کی ساتھی کی شناخت میں مدد ملتی۔ وہ دونوں بہت قلیل وقت میں فرار ہوئے تھے لیکن انہوں نے ہر ممکنہ احتیاط سے کام لیا تھا۔
اس کام سے نمٹ کر میں نے اسی گھر کے فون سے وہ نمبر ملانے کا فیصلہ کرلیا جس سے مکان کرائے پر لینے کے لیے رجوع کرنا تھا۔ ہم پانچوں ایک مرتبہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے تھے تو ہمیں کچھ نہ کچھ نتائج حاصل کرکے گھر لوٹنا چاہیے تھا۔
اس نمبر پر رابطہ ہوا تو یہ انکشاف ہوا کہ بورڈ پر دیا ہوا نمبر کسی گھر کے بجائے اسٹیٹ ایجنسی کا تھا۔ مکان کے خالی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اس نے میرے سوال کو گول مول جواب میں ٹال دیا اور دعوت دی کہ میں اس کے دفتر پہنچ کر اس سلسلے میں بات کرلوں۔ انشورنس اور جائداد کا کام کرنے والوں کو چھیڑنا عام طور پر اپنی شامت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ یہ لوگ سراپا اخلاق و انکسار بن کر اس ہمدردی کے ساتھ متبادل مشورے پیش کرتے ہیں کہ ان کا گاہک الفاظ کی بھول بھلیوں میں بھٹک کر اپنا مقصد فراموش کر بیٹھتا ہے۔ اسے ہوش اس وقت آتا ہے جب وہ ایک معقول رقم دے کر کسی کم تر سودے کا پابند ہوچکا ہوتا ہے۔
شاید اس کا مدعا بھی یہی رہا ہوگا۔ اگر میں واقعی ضرورت مند ہوتا تو وہ مجھے کوئی اور مکان کرائے پر دلوا کر اپنا کمیشن کھرا کرسکتا تھا۔
اس فون کال کے بعد ہمارا وہاں ٹھہرنا بے سود تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ہماری واپسی میں تاخیر سے وہ تینوں بے آرام ہورہے ہوں گے۔ ہم گھر کی بتیاں بجھاتے ہوئے صدر دروازے سے باہر نکلے تو وہ تینوں ہمہ تن ہمارے منتظر تھے۔
اسٹیٹ ایجنسی سے چھان بین کرنے کے لیے اتنے بڑے لشکر کی ضرورت نہیں تھی۔ پورچ سے باہر نکلتے ہوئے میں نے انہیں تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کیا اور سلطان شاہ کے ساتھ گھر واپس لوٹ جانے کا مشورہ دیا جو بے چون و چرا قبول کرلیا گیا۔
سلطان شاہ نے پھاٹک کے ذیلی دروازے کو اندر سے بولٹ کرنے کے بجائے باہر سے کنڈا لگانے پر اکتفا کیا۔ اگر اس مکان کا مالک حد سے زیادہ بے پروا تھا تو ہمیں اس کے اسباب کے بارے میں بہت زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔
سلطان شاہ دونوں عورتوں کو لے کر میری گاڑی میں گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں اول خان کے ساتھ اسٹیٹ ایجنسی کی طرف چل دیا۔
فون پر مجھے توحید کمرشل کا پتا دیا گیا تھا۔ وہ وہی علاقہ تھا جہاں ہم نے فریڈم انٹرنیشنل نامی این جی او کے تارو پود بکھیرنے کے لیے اپنا کافی وقت گزارا تھا۔
فیز فائیو کے اس کمرشل ایریا میں ہمیں اپنی مطلوبہ اسٹیٹ ایجنسی تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ المونیم کے فریم میں جڑے ہوئے تاریک شیشوں کے فرنٹ والا وہ دفتر باہر سے دیکھنے میں زیادہ چوڑا نہیں تھا لیکن اندر پہنچنے پر اندازہ ہوا کہ اس کی غیر معمولی گہرائی نے رقبہ معقول حد تک بڑھا دیا تھا۔
بیرونی دفتر میں پڑی ہوئی کئی میزوں میں سے صرف ایک کے پیچھے خوش لباس نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی عمر چغلی کھا رہی تھی کہ وہ اس دفتر کا مالک نہیں ہوسکتا تھا۔ اس نے خوش اخلاقی کے ساتھ ہم دونوں کو بیٹھنے کی پیش کش کرتے ہوئے ہماری ضرورت کے بارے میں سوال کیا۔
اس دوران میں' میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ اندرونی کمرے میں' تاریک شیشے کی دیواروں کے پیچھے کچھ غیر معمولی نقل و حرکت ہورہی تھی۔ میں نے بیٹھتے ہوئے لڑکے کو بتایا کہ ہم ایک خاص مکان کے بارے میں ایجنسی کے مالک سے ملنے کے لیے آئے تھے۔
بے ساختہ اس کی نظریں اندرونی کمرے کی طرف اٹھ گئیں۔ اس نے دوبارہ ہماری طرف دیکھا تو اس کی نگاہوں میں بے بسی رچی ہوئی تھی۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا "سر! میں آپ کی ہر خدمت کے لیے تیار ہوں۔ صاحب کے پاس مہمان آئے ہوئے ہیں۔ وہ مصروف ہیں۔"
"سنو لڑکے!" اول خان نے بزرگانہ تحکم سے کہا "ہم یہاں وقت برباد کرنے نہیں آئے۔ تمہارا صاحب شاید اس کمرے میں ہے۔ تم اسے نہیں بلا سکتے تو ہم وہیں چلے جاتے ہیں۔"
وہ نوجوان بوکھلا گیا "نہیں نہیں۔ آپ آرام سے بیٹھیں۔ میں دیکھتا ہوں۔"
اس نے ہم سے ہمارے نام جاننا چاہے تو اول خان نے

چیخ کر کہا "بتا دو کہ ہم ایک تحقیقاتی ایجنسی سے آئے ہیں۔"
ایجنسی کا لفظ سنتے ہی نوجوان کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس نے تیز دھار چھری کے نیچے آئے ہوئے بکرے کی طرح بے بسی سے ہماری طرف دیکھا اور میز پر سے فون کا ریسیور اٹھالیا۔ اس نے ایک بٹن دبا کر چند لمحوں تک انتظار کیا پھر بہت دھیمی آواز میں کسی کو بتایا کہ کسی ایجنسی کے دو افسران اس سے ملنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔
اس دوران میں میری نظریں اندرونی کمرے کی دیوار پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ بات ختم ہوتے ہی تاریک شیشوں کی دیوار کے پیچھے تاریک تر انسانی ہیولوں کی اضطرابی ہلچل نظر آئی۔ شاید وہاں کچھ بھگدڑ کی سی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔
چند لمحوں بعد اندرونی کمرے سے دو سہمی سہمی لڑکیاں اپنے لباس سمیٹتی ہوئی برآمد ہوئیں اور ہم سے نظریں چراتی ہوئی تیزی سے باہر نکلتی چلی گئیں۔ دفتر ائرکنڈیشنڈ تھا۔ وہ قریب سے گزریں تو میرے نتھنوں میں الکحل کی تیز بو آئی جو شاید ان کے سانسوں میں رچی ہوئی تھی۔
مجھے ان لڑکیوں کے بارے میں زیادہ دیر تک سوچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ لڑکیوں کو رخصت کر کے ایجنسی کا متوسط قامت مالک اندرونی کمرے سے نکل آیا۔
اس کی مخمور نگاہوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خاصی پیے ہوئے تھا۔ اول خان نے توہین آمیز لہجے میں کہا "اپنے کمرے میں گھس کر لڑکیوں کو شراب پلا رہے تھے۔"
اس نے بے بسی سے دانت نکال دیے "میں خود پی رہا تھا۔ وہ بے چاریاں تو ملازمت کے لیے انٹرویو دینے کے لیے آئی تھیں۔"
اول خان قدرے مذہبی رجحان رکھنے والا جذباتی آدمی تھا۔ اس کے بھڑکنے کا احساس ہوتے ہی میں نے ایجنسی کے مالک سے کام کی بات چھیڑ دی۔
ابتدا میں اس نے بتایا کہ بی باون کے نمبر سے معروف وہ مکان خالی ضرور تھا مگر مرمت کے کچھ کاموں کی وجہ سے فوری طور پر قبضہ دینے کے قابل نہیں تھا۔ جب اسے یہ دھمکی دی گئی کہ وہ مکان ہم دیکھ کر آئے تھے تو اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ ویسے بھی وہ مے نوشی کی وجہ سے کچھ اعصاب زدہ ہو رہا تھا۔ جھوٹ کے ترکش کا پہلا تیر ضائع ہوتے ہی سوچ بولنے پر آمادہ ہو گیا۔
وہ مکان کینیڈا میں مقیم ایک پاکستانی کی ملکیت تھا۔ اس نے اپنا روزگار مستحکم کرتے ہی اپنی فیملی کو کینیڈا بلالیا تھا۔ اپنا رہائشی مکان دیکھ بھال اور کرائے پر دینے کے لیے اس شخص کے حوالے کر دیا تھا۔ مکان زندگی کی تمام پر تعیش ضروریات سے آراستہ تھا اس لیے معقول کرائے پر چلا گیا۔ پچھلے مکینوں کے چلے جانے کے بعد وہ گھر خالی پڑا ہوا تھا کہ ایک مقامی نے ڈیڑھ ماہ پہلے اس سے رجوع کیا۔ وہ صرف تین ماہ کے لیے چالیس ہزار ڈالر کرایہ ادا کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔
وہ مدت اتنی کم تھی کہ اسٹیٹ ایجنٹ کو لالچ آ گیا۔ وہ مالک مکان کو اطلاع دیے بغیر پورے چالیس ہزار ڈالر ہضم کر سکتا تھا۔ اس نے ایک ماہ پہلے پوری رقم پیشگی لے کر مکان کی چابی نادر کے حوالے کر دی۔ خود اس کی نیت خراب تھی اس لیے کرایہ نامہ وغیرہ بھی نہیں لکھا گیا۔ اس نے نادر کو رقم کی کچی رسید دی اور اس سے مکان اور سامان کی فہرست پر دستخط لے لیے۔
بی باون کی طرف سے گزرتے ہوئے اس نے کئی بار دیکھا کہ مکان پر ٹولٹ کا بورڈ لٹکا ہوا ہے۔ وہ خاموش رہا۔ بورڈ کا لٹکا رہنا اس کے حق میں تھا۔ مالک مکان کا کوئی رشتے دار ادھر سے گزرتا تو وہ بھی یہ سمجھتا کہ مکان خالی پڑا ہوا ہے۔
اسٹیٹ ایجنسی والے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس مکان میں نادر کے بجائے کوئی اور رہ رہا تھا۔
اس کے پاس نادر کا پتا موجود تھا جو میں نے نوٹ کر لیا۔ وہ یقینی طور پر آئی مین کا کوئی قریبی ساتھی تھا جس کے لیے ہوئے مکان میں وہ پوری بے فکری سے رہ رہا تھا۔
اس سے سب کچھ معلوم کر لینے کے بعد جب اول خان نے اسے یہ بتایا کہ بی باون میں ایک خطرناک غیر ملکی مجرم رہ رہا تھا تو اس کے طوطے اڑ گئے۔ اس کا نشہ ہماری پوچھ کچھ کے باعث پہلے ہی ہرن ہو چکا تھا۔ وہ فوری طور پر چالیس ہزار ڈالر ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گیا۔
وہ حرام کا مال تھا جو اس نے کھلی بے ایمانی سے لوٹا تھا۔ اس رقم کا اس کے پاس رہنا اس کی حوصلہ افزائی کرنے کے مترادف ہوتا۔ میں نے ایدھی سینٹر کو حوالے کرنے کی نیت سے وہ چالیس ہزار ڈالر اس سے واپس لے لیے۔
ہم نے اسے یہ جتا دیا تھا کہ وہ اپنی بے خبری کے باعث ایک خطرناک چکر میں ملوث ہو چکا تھا۔ اگر اس نے ہماری آمد اور بی باون کے مکینوں کے بارے میں باز پرس کے سلسلے میں کہیں بھی اپنی زبان کھولی تو وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔
اس کے لیے وہ انکشاف لرزہ خیز ثابت ہوا اور وہ گھگیانے لگا۔
اس کا نوجوان ملازم اس وقت تک دفتر سے باہر تھا۔ وہ

ملازمت کے لیے انٹرویو دینے والی بے چاریوں کے پیچھے سر جھکا کر باہر نکل گیا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کا صاحب بہت غلط موقع پر رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ وہ خود بے قصور تھا اس لیے شرمندہ تھا۔

اسٹیٹ ایجنسی سے اس سے زیادہ معلومات حاصل ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ وہاں تسلی بخش طور پر اپنا کام پورا کر کے ہم واپس روانہ ہوگئے۔

"اس نے بہت مجبور ہو کر فرار کی راہ اختیار کی ہے۔" ڈیفنس سے کورنگی روڈ پر آنے کے بعد اول خان نے کہا "وہ پس پردہ رہ کر دوسروں پر فون کے ذریعے اپنا حکم چلانے کا عادی ہے۔ اب اس کے سارے رابطے ٹوٹ جائیں گے۔"

"شاید تمہارا خیال درست ہو۔ تم اس کی راجا سے ہونے والی گفتگو بھول رہے ہو۔ اس کے آدمی اسے ناگزیر ضرورت کے تحت فون کرتے ہیں ورنہ وہ خود فون کر کے انہیں ہدایات دیتا ہے۔"

"غزالہ نے ہمیں اس کا رخ کرنے کا مشورہ بہت بروقت دیا تھا مگر وہ پھر بھی بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا!" اول خان نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"نکل جائے مگر بکری کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ میرا خیال ہے کہ نادر اسے پہچان لے گا۔"

"کیوں نہ میں اسی وقت اپنے آدمیوں کو نادر کی راہ پر لگا دوں؟" اول خان نے چونک کر پوچھا۔

"اس نیک کام میں دیر نہ کرو۔ آئی مین نادر کی اہمیت سے غافل نہیں ہوگا۔"

اول خان نے اسی لمحے اپریٹس پر اسٹیشن فور کے ریڈیو روم سے رابطہ کیا اور آپریٹر کو نادر کے بارے میں ہدایات دینے میں مصروف ہوگیا۔

آئی مین کا نام سامنے آنے کے بعد ہم دو افراد پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ دونوں ہی اس کے صورت آشنا نہیں تھے۔ راجا اور اسٹیٹ ایجنٹ کے بعد صرف نادر ایسا آدمی تھا جو آئی مین کی شناخت پر روشنی ڈال سکتا تھا۔

○☆○

گھر کے باہر ایک نامانوس گاڑی کھڑی دیکھ کر میں چونک پڑا۔

"ڈرائیور کے ساتھ ہمارے گھر کون آیا ہوا ہے؟" میں نے پُرتشویش آواز میں کہا۔

اول خان نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ گاڑی ذرا آگے پہنچی تو اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر انتظار میں بیٹھے ہوئے شخص کو پہچان لیا۔ "یہ آئی بی کا ڈرائیور ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جلال آیا ہوا ہو۔"

"جلال!" میں نے حیرت سے کہا "صبح تو وہ اسلام آباد میں تھا!"

"اس کے لیے اسلام آباد اور کراچی ایک ہیں۔ ان لوگوں کے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ اسے پورے پاکستان میں دوڑ لگانی پڑتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ شام کی پرواز سے کراچی پہنچا ہو اور تمہارے لیے کوئی اہم خبر لایا ہو۔"

اول خان کی گاڑی کا ہارن سن کر سلطان شاہ نے دروازہ کھولا۔ ہم اس کے ساتھ اندر داخل ہوئے تو ڈرائنگ روم میں جلال اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔

وہ ہم سے بہت تپاک سے ملا۔ اس سے پہلے کہ میں اس سے فون نہ کرنے کے بارے میں کوئی معذرت کرتا، وہ خود ہی بول پڑا "اگر تم نے مجھے فون کیا ہوگا تو مایوسی ہوئی ہوگی۔ میں کسی کو کچھ بتائے بغیر کراچی کا رخ کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔"

"ایسی کیا مجبوری پیش آگئی۔" اول خان نے ہنس کر سوال کیا۔

"ہمیں ہر وقت مجبوریاں پیش آتی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم اپنی مرضی سے سوچ بھی نہیں سکتے۔" جلال نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا۔

"یہ سراسر فرض شناسی کی علامتیں ہیں اور فرض شناسی ایک مہلک بیماری ہے۔" سلطان شاہ نے بڑے حوصلے کے ساتھ تبصرہ کیا "میں نے تو ایسے سرکاری افسر بھی دیکھے ہیں جو اپنا وقت گزارنے اور تنخواہ لینے کے لیے دفتر آتے ہیں۔ کوئی کام کرنا ہی پڑ جائے تو اسے گناہ سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔"

"ایسے حرام خوروں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔" اول خان نے وثوق سے کہا "ان کی اولادیں بگڑ جاتی ہیں یا بیماریاں گھر دیکھ لیتی ہیں۔ انہیں گھریلو زندگی کا سکھ کبھی نہیں ملتا۔"

"یہ باتیں بعد میں ہوسکتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ آئی مین کا کیا بنا۔" جلال نے مجھ سے پوچھا۔

"اس بارے میں تمہیں کیسے پتا چلا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے پہلے یہاں آگیا تھا۔ ویرا اور سلطان شاہ نے آئی مین کے فرار تک کی آدھی کہانی سنا دی ہے۔"

"اسٹیٹ ایجنٹ ہماری کوئی مدد نہیں کرسکا۔ وہ مکان نادر نامی ایک شخص نے بھاری کرائے پر تین ماہ کے لیے لیا

تھا۔" میں نے بتایا اور اختصار سے وہاں پیش آنے والے واقعات دہرادیے۔

"اب تم نادر کے پیچھے جاؤ گے۔" جلال نے تصدیق چاہی۔

"اول خان نے اپنے آدمیوں کو اس کی تلاش پر مامور کردیا ہے تاکہ آئی مین کو اپنا کام دکھانے کا وقت نہ مل سکے۔"

"مجھے یہاں آکر پتا چلا ہے کہ شی دوبارہ سر اٹھا رہی ہے۔ میں بھی اپنے آدمیوں کو ہوشیار کردوں گا۔"

"اس فتنے کو ہم سب کو مل کر کچلنا ہوگا۔ ان لوگوں کو ایک مرتبہ پنپنے کا موقع مل گیا تو انہیں اکھاڑنا مشکل ہوجائے گا۔" ویرا نے کہا۔

"ان کے بارے میں تم سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔" جلال ہنس کر بولا۔

"اب تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کو اچانک کراچی کیوں آنا پڑا۔" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"کئی سبب تھے۔ ان میں سے ایک تم سے ملنا بھی تھا اور میں یہاں موجود ہوں۔"

"تم مجھ سے ملنے کی ضرورت محسوس کررہے تھے تو یقیناً کوئی خاص بات ہوگی۔"

"میرا خیال تھا کہ لیری کی موت کے بعد مظہر کا قصہ دب جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ دونوں ملکوں کے درمیان سفارتی سردمہری کی وجہ سے بھارتی کوئی عملی اقدام اٹھانے سے قاصر ہیں لیکن انہوں نے دل کھول کر امریکیوں کے کان بھرے ہیں۔ انہوں نے اب ایک نیا نعرہ لگایا ہے کہ پاکستان خطرناک بین الاقوامی مجرموں کی جنت بنتا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کھل کر تمہارا، مظہر، ویرا اور ماجد کا نام لیا ہے۔" جلال نے بتایا۔

"سارا چکر دو آدمیوں کا ہے۔ وہ ایک عرصے سے امریکیوں کے سر پر سوار ہیں۔" غزالہ نے کہا۔

"آدمی دو ہی ہیں لیکن ڈینی نے اپنے ہر بہروپ کو اتنی کامیابی سے نبھایا ہے کہ امریکی ابھی تک سب کو الگ الگ افراد سمجھ رہے ہیں۔" سلطان شاہ بولا۔

"انہوں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ جب تک یہ چاروں افراد پکڑ کر امریکی حکام کے حوالے نہیں کیے جاتے، ہر بین الاقوامی واردات کا ذمے دار پاکستان کو قرار دیا جائے گا۔" جلال نے اپنی بات جاری رکھی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ کیا ساری دنیا کی ذمے داری پاکستان

تازہ ترین

نوجوان کی شادی قریب تھی۔ ایک روز اس نے اپنی منگیتر سے کہا "میں تم سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں شادی سے پہلے تمہیں اپنے معاشقوں کے بارے میں بتادوں۔"

"تم دو ہفتے پہلے مجھے اپنے تمام معاشقوں کے بارے میں بتا چکے ہو اور میں نے تمہیں معاف کردیا تھا" منگیتر نے یاد دلایا۔

"وہ تو ٹھیک ہے.... لیکن وہ دو ہفتے پہلے کی بات تھی..." نوجوان بولا۔

پر ڈال دی جائے گی۔" اول خان نے تلخی سے کہا۔

"شاید مجھ سے غلطی ہوگئی، بات ساری دنیا کی نہیں تھی۔ وہ پاکستان میں آئندہ رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں پیش بندی کررہے ہیں۔" جلال نے اپنی تصحیح کی۔

"اس بارے میں ہم سب پہلے ہی محتاط ہیں۔ تم بتا چکے ہو کہ ہمیں امریکیوں سے دور رہنا چاہیے۔" میں نے اسے یاد دلاتے ہوئے کہا "مگر اب اچانک آئی مین سامنے آگیا ہے۔ تم خود بتاؤ کہ اسے کیسے نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔ اس کی موت پر وہ شور مچادیں گے کہ کراچی میں ایک اور معزز امریکی ماردیا گیا۔ ان کی اس بدمعاشی کا کیا علاج ہے۔"

"شہادتیں جمع کرتے رہو۔" جلال نے تلقین کی "راجا پہلا گواہ ہے۔ اسٹیٹ ایجنٹ اور بی باون کے آس پاس کام کرنے والے مزدور بھی کارآمد ثابت ہوسکتے ہیں۔ کوئی کیس بنتا ہے تو ہم اس کے انجام سے پہلے ذرائع ابلاغ میں خبریں پھیلادیں گے کہ ایک مشتبہ اور نامعلوم امریکی کراچی میں منشیات کے کاروبار پر قبضے کا پروگرام بنارہا ہے۔"

"بس اس میں ایک خرابی ہے۔ ہم راجا کو اپنی تحویل میں نہیں رکھ سکیں گے۔" اول خان نے کہا "ریکارڈ درست رکھنے کے لیے اسے باضابطہ طور پر پولیس کی تحویل میں دینا پڑے گا۔"

"اس وقت میں یہی چاہ رہا ہوں۔" [illegible] مہروں کو قانون کی روایتی گرفت میں جانے دو۔ [illegible] سامنے آجائے تو اسے ذبح کر ڈالنا۔ پہلے سے کیس تیار ہوگا تو یہ کہنے کی گنجائش رہے گی کہ آئی میں گروہ بندی والی [illegible] کا نشانہ بن کر مارا گیا۔"

اول خان کوئی جواب دینے کے بجائے میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے مسکراتے ہوئے جلال سے کہا "تمہیں سہولت ہے تو ایسا کرنے میں [illegible]۔ چاہو تو اسٹیٹ ایجنٹ کو بھی پکڑوا دو۔ اس [illegible] رقم بھی حاضر ہے۔" میں نے چالیس ہزار ڈالر کے نوٹوں کی [illegible] ہوئی گڈی اس کے سامنے ڈال دی۔

جلال نے میری پیش کش پر کسی ردِ عمل کا اظاہرہ کرنے کے بجائے اپنی بات جاری رکھی "کچھ نئے شواہد سامنے آئے ہیں اور ہم کسی تازہ کھیپ کے منتظر ہیں۔۔۔"

"کھیپ۔۔۔؟ کس چیز کی کھیپ؟" ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"جوشی درمیان کا بہت اہم آدمی تھا۔" جلال نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں حیران تھا کہ اس کی اتنی کیا اہمیت تھی کہ چوپڑا اور راجا اسے ہر قیمت پر تم لوگوں کی گرفت سے بچانے کی کوششیں کررہے تھے اور جب ہر داؤ ناکام ہوتا نظر آیا تو اسے مروا دیا گیا۔۔۔"

"تم سے چوپڑا اور راجا کے بارے میں بات ہوتی رہی لیکن شاید میں نے کبھی جوشی کا نام نہیں لیا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے کہا۔

"شاید تم نے اس کا ذکر نہ کیا ہو مگر میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہر شہر میں رونما ہونے والے اہم واقعات کی رپورٹیں مجھے باقاعدگی سے ملتی ہیں۔ بمبئی بازار میں نامعلوم حریفوں کے درمیان دھواں دھار فائرنگ کے تبادلے اور پھر جوشی کے اغوا کی خبر معمولی نہیں تھی۔ آج صبح سویرے راجا کے اڈے سے اس کی لاش برآمد ہوتے ہی میرے آدمیوں نے مجھے اطلاع دی تو میں نے انہیں کام پر لگا دیا۔ انہوں نے حیران کن تیزی دکھائی اور یہ پتا چلا لیا کہ جوشی دراصل چوپڑا اور راجا کے درمیان رابطے کا کام انجام دے رہا تھا۔"

"اور ویرا غلطی سے اس کو چھیڑ بیٹھی!" اول خان نے بے ساختہ لقمہ دیا۔

"کھیل یہی ہے کہ شی کے پرانے مہروں کو یک جا کرکے ایک بڑی طاقت میں تبدیل کیا جائے۔" میں نے کہا۔

"جلال کو اپنی بات مکمل کرنے دو۔" ویرا نے ہم دونوں کو ٹوکا۔ "میں جاننا چاہ رہی ہوں کہ وہ کس کھیپ کی بات کررہا ہے۔"

"را والے یہاں دل کھول کر پیسا خرچ کررہے ہیں۔" جلال نے اپنی بات جاری رکھی "وہ رعایتی داموں پر راجا یا شی سے ہیروئن لے کر جوشی کے ذریعے غریب بستیوں میں مفت بانٹ رہے ہیں اس خسارے کی بڑی رقم وہ ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ سے پوری کررہے ہیں۔"

"چوپڑا بھارت سے ایسیٹک ہائیڈ رائڈ اسمگل کررہا ہے!" ویرا نے بے یقینی سے پوچھا "اور ہم اس مکروہ دھندے سے بے خبر ہیں۔"

"اس کا طریقہ کار بے داغ ہے۔" جلال نے اعتراف کیا "بھارت سے کراچی اور اسلام آباد میں متعین سفارتی عملے کے لیے ڈیوٹی فری شرابیں آتی ہیں جو بانڈیڈ ویرہاؤسز میں ذخیرہ رہتی ہیں۔ سفارت خانے اور قونصل خانے والے اپنی ضرورت کے مطابق وہاں سے کریٹ منگواتے رہتے ہیں۔ کراچی آنے والی ایک خاص برانڈ کی بوتلوں میں شراب کے بجائے بھارتی کیمیکل ہوتا ہے۔ چوپڑا صرف واؤچر جاری کرتا ہے۔ گودام والے بے خبری میں آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ وہ اس برانڈ کی بوتلیں جوشی کے آدمی کو دے دیتے ہیں۔ وہ پورے کریٹ راجا کے اڈے پر پہنچا دیتا ہے۔ وہاں سے بوتلیں ہیروئن بنانے والوں کو بیچ دی جاتی ہیں۔"

"اور اب تم ان بوتلوں کی کسی کھیپ کو پکڑنے کے چکر میں ہو۔" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ اس گھناؤنے کام کو ختم ہونا چاہیے۔" جلال نے کہا "چوپڑا تمہاری دسترس سے دور، اپنے قونصل خانے میں چھپا بیٹھا ہے۔ وہ پاکستانی شہری ہے اس لیے ہم اسے ناپسندیدہ سفارت کار قرار دے کر ملک بدر نہیں کرسکتے۔ اگر ہم کیمیکل سے بھری ہوئی شراب کی سربند بوتلیں پکڑ لیتے ہیں تو نہ صرف گودام سیل ہوجائے گا بلکہ ہم چوپڑا کو باضابطہ وارنٹ کے تحت گرفتار کرسکیں گے۔ میرے لیے یہ معاملہ اچانک بہت اہم ہوگیا ہے۔"

"ہونا چاہیے۔" میں نے اقرار کیا "اس طرح تم ایک تیر سے کئی شکار کھیلو گے۔ سب سے بڑی کامیابی یہ ہوگی کہ قونصل خانے میں روپوش چوپڑا گرفتار ہوجائے گا، اس کا ہیروئن اور کیمیکل کی تقسیم کا کام چوپٹ ہوجائے گا۔ کیمیکل کی اسمگلنگ کی یہ خطرناک اور محفوظ ترین راہ ہمیشہ کے لیے مسدود ہوجائے گی اور کچھ عرصے کے لیے منڈی میں ہیروئن

سازی پر بر وقت آجائے گا کیونکہ کیمیکل کی سپلائی کا ایک لگا بندھا ذریعہ ختم ہو چکا ہوگا۔"

"اب تم بتاؤ کہ میں کراچی کیسے نہ آتا ؟" اس نے مسکرا کر سوال کیا۔

"تمہارا یہاں موجود ہونا ناگزیر تھا۔ اس بار تمہارے آدمیوں نے اپنی کارکردگی سے مجھے حیران کردیا ہے۔ اتنے کم وقت میں یہ سب معلوم کرنا آسان نہیں تھا۔ اول خان بولا۔

"اس کامیابی کی داغ بیل تم لوگوں کی ڈالی ہوئی ہے۔ چوپڑا کی روپوشی، راجا کے نام نہاد فرار اور جوشی کے قتل نے پورا منظر نامہ تیار کیا ہوا تھا۔ ہوتا یہ ہے کہ الجھی ہوئی گتھی اسی وقت تک پریشان کرتی ہے جب تک سرا ہاتھ نہیں آتا۔ ایک بار سرا ہاتھ آجائے تو پوری گتھی تیزی سے سلجھتی چلی جاتی ہے۔

"شاید جوشی کی ذات اس گتھی کا ایک سرا تھی۔" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"شی کا وہ پرانا پاپی پوری کہانی میں کہیں فٹ نہیں ہو رہا تھا۔ میرے آدمیوں نے اپنے کام کا آغاز اسی کی ذات سے کیا اور پتا چلا کہ مٹی کے مادھو کی طرح گوشہ نشینی کا سوانگ رچانے والا اپنی ہیرا پھیری سے باز نہیں آیا بلکہ پوری تن دہی سے موت کی سوداگری میں مصروف ہے۔"

"اپنے اسی کلیدی کردار کی وجہ سے وہ مارا گیا ورنہ کسی کو اس کی پروا بھی نہ ہوتی۔" ویرا بولی۔

"اور اس کی موت کی وجہ سے میری توجہ اس کی طرف مبذول ہوئی۔ اس وقت گودام میں کیمیکل والی بوتلیں نہیں ہیں جیسے ہی کوئی نئی کھیپ آئے گی ہم چھاپا مار کر گودام کو سربہ مہر کردیں گے اور ریکارڈ اپنے قبضے میں لے لیں گے۔ سب سامنے آجائے گا کہ بھارت سے آنے والی وہ بوتلیں کہاں جاتی تھیں۔ میں نے اپنے آدمیوں کو چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی پر لگادیا ہے۔"

"تم اس بار لمبا پلان لے کر آئے ہو۔ اسٹیٹ ایجنٹ پر ہاتھ ڈالو گے تو ان دو آوارہ لڑکیوں کو ضرور پکڑنا جو حقیقی ضرورت مند لڑکیوں کی پیشانی کا داغ بنی ہوئی ہیں۔" اس کی بات پوری ہوجانے پر ویرا نے پرزور لہجے میں مطالبہ کیا۔

"یہ کن لڑکیوں کا ذکر ہے؟" جلال نے حیرت زدہ ہوکر مجھ سے سوال کیا۔

میں نے جلال کو ان کے بارے میں بتادیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے بھی ان کے لیے اپنے دل میں نفرت کا زہر بھرتا ہوا محسوس کیا تھا۔

برائے علاج

حامد صاحب کے پڑوسیوں نے ان کی بیگم سے شکایت کی "آپ کے شوہر بہت شور مچاتے ہیں۔ وہ گھر میں اور گلی میں ہر وقت کڑک مرغی کی طرح کٹ کٹ کرتے پھرتے رہتے ہیں۔"

"میں تو خود ان کی اس عادت سے بہت تنگ ہوں۔" مسز حامد افسردگی سے بولیں "لگتا ہے ان کا ذہنی توازن درست نہیں۔ وہ خود کو مرغی سمجھتے ہیں۔"

"کیا آپ ان کا کچھ علاج نہیں کرسکتیں؟" ایک پڑوسی نے پوچھا۔

"علاج کے لیے ضروری ہے کہ انہیں انڈوں پر بٹھادیا جائے اور ہمارے گھر میں انڈے نہیں ہیں" مسز حامد نے بے بسی سے جواب دیا۔

"وہ بھی اہم ہیں۔ وہ گواہی دیں گی کہ دو سرکاری افسروں کی آمد کی اطلاع پا کر اسٹیٹ ایجنسی کے مالک نے انہیں اپنے کمرے سے نکال دیا تھا۔ اب بات قانون کے دائرے میں رہنے کی ہے تو ہم کو ہر نکتے سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں گے۔" سلطان شاہ نے مایوسی سے پوچھا۔

"اب ہم اتنے بے بس بھی نہیں ہیں۔ بس کشت و خون سے دامن بچا رہے گا۔ کیس سجا کر پولیس کی خدمت میں پیش کردیا جائے گا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔ یہاں پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔" ویرا نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

جلال نے چوپڑا کو اس کے بل سے نکالنے کی جو راہ سوچی تھی وہ بہت موثر نظر آرہی تھی۔ اس کے بعد ہمارے لیے راجا کی افادیت ختم ہوگئی تھی۔ جلال کی یاد دہانی پر اول خان نے اس سے وعدہ کرلیا کہ وہ اگلے روز راجا کو دوبارہ پولیس کی تحویل میں دے دے گا۔

"اسے تمہارے طفیل نئی زندگی مل رہی ہے ورنہ ہم نے اسے ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔" میں نے بوجھل لہجے

میں کہا۔

"تمہیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ منشیات فروشی تعزیرات پاکستان میں ایک سنگین جرم ہے۔ عدالت میں سب کچھ اسی طرح ثابت ہوتا چلا گیا تو اسے سزائے موت بھی مل سکتی ہے ورنہ عمر قید تو بالکل پکی ہے۔"

اس کی پنڈلی تین جگہ سے ٹوٹی ہوئی ہے۔ ان ہڈیوں کے جوڑ صحیح نہیں بیٹھ سکے۔ یہ خیال رکھنا کہ اس کی سرجری نہ ہونے پائے۔" میں نے اس پر اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا "ہڈیاں جس حال میں ہیں اسی طرح جڑ جائیں تاکہ وہ جب تک زندہ رہے، اکڑ کر اپنی صحیح چال نہ چل سکے۔"

"تمہاری اس خواہش میں انتقام سے زیادہ یہ جذبہ کارفرما ہے کہ وہ جب تک زندہ رہے، دوسروں کے لیے عبرت کا نمونہ بنا رہے۔" جلال نے گویا میرا ذہن پڑھ کر کہا۔

"بعض اوقات تم اصل بات سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگاتے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا "ویرا اس کی موت کی خواہاں تھی مگر میں چاہتا تھا کہ وہ آسان موت کے بجائے عبرت زدہ زندگی گزارے تاکہ اسے دیکھ کر دوسرے سبق حاصل کرسکیں۔"

"یہ تمہارا فلسفہ ہے ورنہ وہ بدترین موت کا حق دار ہے۔" ویرا اپنی بات پر اڑی رہی۔

اس رات جلال دیر تک ہمارے ساتھ بیٹھا اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ راجا اور آئی مین کے بارے میں کرید کرید کر وہ باتیں دریافت کرتا رہا جو اس کے علم میں نہیں تھیں۔ وہ بہت پرامید تھا کہ شی کی نئی کونپل کو وہ جلد ہی جڑ سے اکھڑتا ہوا دیکھے گا۔

اسے رہ رہ کر عبداللہ یاد آتا رہا جو دہلی میں راوالوں کے تشدد کے سامنے اپنی زندگی کی بازی ہار گیا تھا۔ اسے قلق تھا کہ عبداللہ کے قاتل کو پاکستان آئے ہوئے کئی دن گزر چکے تھے لیکن وہ اس کا بال بھی بیکا نہیں کرسکا تھا۔ میرے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ کافی دن گزر جانے کے باوجود وہ اپنے ایک مخلص کارکن کی موت کا صدمہ فراموش نہیں کرسکا تھا۔

کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر جلال بارہ بجے واپس چلا گیا۔

"مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہمارے پیروں میں پڑی ہوئی بیڑیوں کا وزن دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے۔" اس کے چلے جانے کے بعد اول خان نے مایوسی سے کہا۔

"اس کے سامنے تم نارمل تھے۔ تم نے اپنے ردِعمل کا اظہار کیوں نہیں کیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ اپنی مرضی کا مالک نہیں ہے۔ میں اس کی مجبوریوں کو سمجھتا ہوں اس لیے خاموش رہا۔" اول خان نے وضاحت کی "وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا۔ ہمیں اوپر سے آنے والے فیصلوں کی اطلاع دیتا ہے۔ میں ایسی کوئی بات کرنا پسند نہیں کرتا جو اس کی دل آزاری کا سبب بنے۔"

"یہ تمہارا وہم ہے کہ بیڑیوں کا وزن بڑھ رہا ہے۔ اچھا ہے کہ اب یہ لوگ قانون کے ہاتھوں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچیں گے۔" ویرا نے کہا۔

"قانون گواہ اور شہادتیں مانگتا ہے۔ وہ کہاں سے لاؤ گی؟ ان کمزوریوں کی وجہ سے بعض اوقات قاتل بری ہوجاتے ہیں۔ ابھی تک ہم اپنی صوابدید سے اپنے مجرموں کے مقدر کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اب ہم آزادی سے فیصلے نہیں کرسکیں گے۔ ہمیں ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہوگا۔"

"ہم میں سے کوئی اس کا تابع نہیں ہے۔" غزالہ بولی "یہ بات اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ ایس ٹی ایف کا اپنا ڈسپلن اور طریقہ کار ہے، تم کسی صورت میں اس سے انحراف نہیں کرسکتے۔ اس نے اپنی ایک مجبوری ہمارے سامنے پیش کی ہے۔ ہم نے مناسب سمجھا تو اس پر عمل کریں گے ورنہ اپنے فیصلے نافذ کریں گے۔"

چند لمحوں کے لیے عجیب صورتِ حال پیدا ہوگئی۔ غزالہ کی اس وضاحت پر سب نے بیک وقت بولنا شروع کردیا۔ پھر سب ہی ایک دوسرے کا خیال کر کے ایک ساتھ چپ ہوگئے۔ اس مضحکہ خیز سچویشن پر ویرا کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اول خان نے بولنا شروع کردیا۔

"ہم کافی عرصے سے اس طرح ایک جان دو قالب ہو کر کام کر رہے ہیں کہ اس کی ہر بات میرے دماغ میں بیٹھتی چلی گئی۔ ابھی حال ہی کی بات ہے کہ اس نے ہمیں جان سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا مگر ڈینی نے ماجد بن کر اس کی درگت بنادی۔ بعد میں وہ بھی اس کارروائی پر خوش ہوا تھا۔"

"اس کی دو شخصیتیں ہیں۔ ایک ذاتی اور دوسری سرکاری۔ ذاتی حیثیت میں وہ بھی بہت سے سرکاری فیصلوں کو پسند نہیں کرتا ہوگا۔" ویرا بولی۔

"جہاں تک ممکن ہوگا ہم اس کے مشورے کا خیال رکھیں گے ورنہ آزادی سے کام کریں گے۔" میں نے انہیں پالیسی کا نچوڑ سنادیا۔

ساڑھے بارہ بجے اول خان ہم سے رخصت ہوگیا اور اپنے اپنے کمروں کی طرف ہو لیے۔

غزالہ نے خواب گاہ کا دروازہ بند کرلیا لیکن اندر سے بولٹ نہیں کیا۔ ہم دونوں لباس تبدیل کرکے بستر پر دراز ہوئے تھے کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی پھر ویرا کی آواز سنائی دی۔ وہ غزالہ کو پکار رہی تھی۔

یہ ویرا کی خوبی تھی کہ ہمارے کمرے کا دروازہ بند ہوتا اور ہم دونوں اندر ہوتے تو وہ کبھی اجازت لیے بغیر اندر نہیں آتی تھی۔

غزالہ نے اٹھ کر دروازہ کھولنے کے بجائے بستر سے ہی کم اِن کی ہانک لگائی اور ویرا دروازہ دھکیل کر اندر آگئی۔

"کیا تم دونوں کو نیند آرہی ہے؟" اس نے اندر آتے ہی معصومیت سے سوال کیا۔

"خدا کا خوف کرو ویرا۔ یہ سونے کا وقت ہے۔ بہت سے گھروں میں اس وقت آدھی نیند لی جا چکی ہوگی۔" غزالہ نے اسے جواب دیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آج شام کو تمہیں بوتل سے شغل کرنے کا موقع نہیں ملا اس لیے نیند اچاٹ ہے۔" میں نے طنز سے کہا۔

وہ ڈھٹائی سے ہنس دی "یہی چکر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میں شراب کی عادی ہوتی جارہی ہوں۔"

اس بارے میں تمہیں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ تم عادی ہوچکی ہو۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"میں اس بحث میں نہیں پڑتی۔ میرا مسئلہ بے خوابی کا ہے۔"

"یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ ہمیں تنگ نہ کرو اور جاکر اپنے کمرے میں لیٹو۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا۔

"تم ڈینی کی فرماں بردار ہو۔ میرے ساتھ نہیں بیٹھو گی۔" ویرا نے غزالہ سے مخاطب ہوکر کہا۔

"تم عادی ہوگئی ہو تو انہیں کیوں تنگ کررہی ہو۔" غزالہ مسکراتے ہوئے بولی "جاکر اپنی بوتل سے دو چار پیگ لے لو۔ خود بخود نیند آجائے گی۔"

"تم نے کبھی پی ہی نہیں اس لیے ایسا مشورہ دے رہی ہو۔ شکم پری کے بعد وہسکی پی لی جائے تو آدمی الٹا ہوجاتا ہے۔"

"یہ باریکیاں تمہارے سمجھنے کی ہیں۔ یہ دن بھر کے تھکے ہارے ہیں۔ میں انہیں اکیلا چھوڑ کر تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔" غزالہ نے اسے کورا جواب دے دیا۔

بہ قدر ادائیگی

بعض لوگوں میں خوا مخواہ یہ تاثر عام ہے کہ دیہاتی بہت سیدھے سادے ہوتے ہیں۔ آج کل کے زمانے میں شہروں میں اور دیہاتیوں میں کوئی خاص فرق نہیں رہا۔ شہر کے ایک پراپرٹی ڈیلر نے دیکھا' ایک کسان کی زمین کے مستقبل قریب میں بڑی اہمیت اختیار کرنے کے آثار نظر آرہے تھے۔ اس نے اندازہ لگایا کہ گول مول سی پیشکش کرکے اور رقم کا لالچ دے کر وہ کسان سے کافی زمین ہتھیا سکتا ہے۔ اس نے کسان کے پاس پہنچ کر کہا "میں آپ سے کم از کم پانچ لاکھ کی زمین خریدنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے.... مجھے پانچ لاکھ کی زمین تمہارے ہاتھ بیچنے پر کوئی اعتراض نہیں..." کسان نے اطمینان سے کہا "ایسا کرو کل تم ایک بالٹی لے کر آجاؤ۔ میں پانچ لاکھ کی زمین تمہیں اس میں ڈال کر دے دوں گا۔"

"ویری گڈ!" یہ کہتا ہوا سلطان شاہ اچانک دروازے پر نمودار ہوگیا "تم کو ستانے سے پہلے یہ میرے پاس آئی تھی اور مجھے شطرنج کھیلنے کا جھانسا دے رہی تھی۔"

"تم تو تھکن سے مر رہے تھے۔ اب کیوں میرے پیچھے پیچھے آئے ہو؟" ویرا نے پلٹ کر تلخی سے پوچھا۔

"میں تمہارے پیچھے نہیں آیا۔ دو شریف آدمیوں کو ہوشیار کرنے آیا ہوں تاکہ ان کے ساتھ دھوکے کی کوئی واردات نہ ہوسکے۔"

میں نے محسوس کیا کہ اس وقت ہر ایک کا دماغ چل رہا تھا۔ نیند کا کسی کی آنکھوں میں پتا نہیں تھا۔ بس ہر ایک ویرا کو زچ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ غزالہ اسے کمرے میں بلاتے ہی بستر سے اتر گئی تھی۔ میں نے بھی بستر چھوڑا اور ننگے پاؤں ڈرائنگ روم کی طرف ہو لیا۔

"کیا تم نے ویرا کی نامعقول باتوں سے ہار مان لی؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"سب میرے کمرے میں جمع ہوگئے ہیں تو مجبوری بھی یہ ہے کہ میں باہر نکل آؤں تاکہ کوئی تصفیہ ہوسکے۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"آج کے دن کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔" ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر ٹک جانے کے بعد ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

"اچھا بلکہ بہت اچھا دن تھا۔ تمہیں اپنی بوتل کے بجائے دن کا خیال کیسے آگیا۔" میں نے تیوریاں چڑھا کر سوال کیا۔

"میری دانست میں آج ناکامیوں کا دن تھا۔ یہ انتہا ہے کہ میرے کمرے میں اسکاچ کے سوا کوئی اور شراب نہیں ہے۔ برانڈی ہوتی تو میں شکم پری کے بعد بھی کچھ نہ کچھ لے سکتی تھی۔"

"خدا کے لیے ہمیں سونے دو۔" سلطان شاہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر کراہا "اس وقت تمہاری دنیا صرف اور صرف بوتل کے گرد گھوم رہی ہے۔ تم اپنے ساتھ ہمیں کیوں چکرم بنا رہی ہو۔"

"کم از کم میں تمہیں کچھ نہیں بنا رہی۔ ذرا قد آدم آئینہ دیکھ لو۔ سلیپنگ سوٹ میں تم قدرت کی صناعی کا شاہکار نظر آرہے ہو۔ میں نے تمہیں معاف کردیا تھا۔

ہی بستر سے اٹھ کر میرے پیچھے ان کے کمرے میں پہنچے تھے۔

دونوں میں نوک جھوک شروع ہوچکی تھی۔ دن بھر کی سنجیدہ مصروفیات کے بعد شاید سب کو ایسی آزاد گوئی کی شدید ضرورت تھی۔

"میں تمہارے پیچھے نہیں آیا تھا۔" سلطان شاہ بھنا کر بولا "میں ڈینی کو ہوشیار کرنے کے لیے آیا تھا۔"

"ڈینی غفلت کے عالم میں بھی تم سے زیادہ ہوشیار ہوتا ہے۔ تم اسے کیا عقل دو گے۔" ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تم آج کی ناکامیوں کی بات کررہی تھیں۔" بات بڑھتے دیکھ کر غزالہ نے ان کی گفتگو میں دخل اندازی کی۔

"سارا دن بھاگتے دوڑتے گزر گیا لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا۔" ویرا مایوسی سے بولی۔

"نتیجہ تمہارا بھتیجا نہیں ہے کہ اتنی آسانی سے ہاتھ آجائے۔ اس کے لیے بھاگ دوڑ کی ضرورت ہوتی ہے۔" سلطان شاہ پھر بولے بغیر نہ رہ سکا۔

"تم تو بھاگ دوڑ کرکے بھی کچھ حاصل نہیں کرتے۔ میں خوب سمجھتی ہوں کہ تم نے انکار کے بعد اچانک بستر کیوں چھوڑ دیا۔" ویرا نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"دراصل تم کو عقل کا ہیضہ ہے اس لیے تم ہر بات وقت سے پہلے سمجھ لیتی ہو۔" سلطان شاہ غرایا۔

"مجھے بھی پتا چلے کہ سلطان شاہ نے اس وقت بستر کیوں چھوڑ دیا۔" میں نے سنجیدگی سے ویرا کو اکسایا۔

"یہ تمہارے سامنے بغلول بنا رہتا ہے اس لیے تم اسے معصوم سمجھتے ہو لیکن میں اس کے دماغی فتور سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اسے اچانک یاد آیا ہوگا کہ میں سلیپنگ سوٹ میں گھومتی پھر رہی ہوں اور اس نے مجھے گھورنے کا موقع گنوا دیا۔ یہ بستر سے اسپرنگ کی طرح اچھل کر باہر آگیا۔"

"یہ سراسر واہیات الزام تراشی ہے۔" سلطان شاہ نے اپنے دونوں کان چھو کر گالوں پر ہلکے تھپڑ لگاتے ہوئے کہا "زیادہ گرمی پڑتی ہے تو تم اس سے بھی کم لباس میں بے حیائی سے پورے گھر میں دندناتی پھرتی ہو، میں نے کبھی آنکھ اٹھا کر تمہاری طرف نہیں دیکھا۔"

"نہیں دیکھا تو پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں کب کتنا لباس پہنتی ہوں۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"تم خاموشی سے سن رہے ہو اور یہ گھٹیا باتیں کیے جارہی ہے۔" سلطان شاہ نے تیز آواز میں مجھ سے شکایت کی۔

"تم احمق ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "میں شادی شدہ ہوں۔ ویرا یہ سارے جتن تمہیں لبھانے کے لیے کرتی ہوگی اور تم۔۔۔"

ویرا نے غصے سے میری بات کاٹ دی "اسے لبھائے میری جوتی۔ مجھے الجھن نہ ہو تو میں اس کے سامنے برقع اوڑھنا شروع کردوں۔"

بے ساختہ غزالہ کی ہنسی چھوٹ گئی اور وہ دونوں آپس کا جھگڑا بھول کر اسے گھورنے لگے۔

"تم کس بات پر ہنس رہی ہو؟" سلطان شاہ نے اشتباہ آمیز لہجے میں اس سے پوچھا۔

"اپنی بدقسمتی پر ہنس رہی تھی کہ میں اس وقت تم دونوں کے درمیان پھنسی ہوئی ہوں۔" غزالہ نے ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

غزالہ کی بے موقع ہنسی سے ان دونوں کے تیور ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ جانتے تھے کہ زبانی جنگ میں وہ ایک دوسرے کو زیر نہیں کرسکتے اس لیے دو طرفہ پسپائی ہی سب سے بہتر تھی۔ میں نے اس مختصر سے سکوت کو غنیمت جانا اور اپنی بات

شروع کردی "تم آج کی کارگزاری سے مایوس کیوں ہو؟"

"ہم پہلے سے زیادہ الجھے ہوئے ہیں۔ مسائل میں اضافے پر خوش نہیں ہوا جاتا۔" ویرا صوفے پر پہلو بدل کر بولی۔

"راجا ہماری قید میں ہے اور آئی مین اپنے مسکن سے نکل کر فرار ہونے پر مجبور ہوگیا ہے۔ یہ مسائل میں اضافہ نہیں ہے۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"آئی مین کو ہمارے ہاتھ آنا چاہیے تھا۔" ویرا نے اصرار کیا "ہم نے غزالہ کے مشورے پر کسی تاخیر کے بغیر ادھر دوڑ لگائی تھی مگر وہ نکل بھاگا۔ یہ اتفاق نہیں، مقدر کی خرابی تھی۔ جب ستارے گردش میں آئے ہوں تو کامیابی اسی طرح ہاتھ آتے آتے نکل جاتی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ ساری کامیابیوں کا ٹھیکا ہم نے لیا ہوا ہے۔ دشمن کا ہمیشہ منہ کالا ہونا چاہیے۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر مجھ سے کہا۔

"تم پھر میری بات میں بولے۔" ویرا نے آنکھیں نکال کے کہا۔

"میں تم سے نہیں ڈینی سے بات کر رہا تھا۔" سلطان شاہ نے سکون سے جواب دیا "تم اپنی بولی بولتی رہو۔"

"بعض لوگ اس قدر ڈھیٹ ہوتے ہیں کہ بار بار منہ کی کھانے کے باوجود چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔" ویرا نے الفاظ چبا چبا کر کہا۔

"غزالہ!" سلطان شاہ نے خاص طور پر اسے مخاطب کیا "تم خود ایمانداری سے بتا دو کہ صوفے پر کون اپنے پیندے کے بل بار بار پہلو بدل رہا ہے۔"

اس سے پہلے کہ ویرا کوئی جواب دیتی، فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سب نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ جلال اور اول خان تھوڑی دیر پہلے ہمارے پاس سے اٹھ کر گئے تھے۔ وہ فون کس کا ہوسکتا تھا؟

میں نے ریسیور اٹھایا تو اول خان کی بوجھل آواز میرے کان میں گونجی "تم ابھی تک جاگ رہے ہو۔"

"مجبوری ہے۔ ویرا اور سلطان شاہ کا جھگڑا نمٹا رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تم بہت خوش نصیب ہو کہ تمہیں اتنے اچھے دوست اور ساتھی ملے ہوئے ہیں جو زندگی کو کبھی بے رونق نہیں ہونے دیتے۔"

"تم کو بستر سے اٹھایا جائے تو پتا چلے کہ خوشگواری کیا

ڈیوٹی

ٹرین میں ٹکٹ چیکر نے ایک صاحب کے ساتھ سفر کرتے ہوئے بچے کا آدھا ٹکٹ دیکھ کر کہا "اس کا پورا ٹکٹ لگے گا۔ اس کی عمر بارہ سال سے زیادہ ہے۔"

"اس کی عمر بارہ سال سے زیادہ کیسے ہوسکتی ہے۔ بارہ سال تو میری شادی کو ہوئے ہیں" وہ صاحب غصے سے بولے۔

"میرا کام ٹکٹ چیک کرنا ہے.... گناہوں کے اعترافات سننا نہیں" ٹکٹ چیکر نے جواب دیا۔

ہوتی ہے۔ انہیں لڑنے کے لیے بھی میرا کمرا ملتا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس وقت کیوں فون کیا ہے۔"

"نادر کو مار دیا گیا۔" اول خان کے وہ الفاظ میرے اعصاب پر بم کی طرح گرے۔ اس وقت آئی مین کے خلاف وہی ہمارا سب سے مضبوط ستون تھا۔ اس کے ہاتھ آجانے کی صورت میں ہم آسانی سے آئی مین کا پیچھا کرسکتے تھے۔ میرے لیے وہ بری خبر کسی صدمے سے کم نہیں تھی۔

"کیا ہوا۔ یہ کیسے ہوگیا؟" میں نے قدرے سکوت کے بعد مضمحل آواز میں پوچھا۔

"میرے دو آدمی شام سے اس کی تلاش میں لگے ہوئے تھے اور وہ گھر سے غائب تھا۔ کافی وقت گزر جانے کے بعد انہوں نے نادر کے گھر والوں سے بات کی تو پتا چلا کہ سات بجے کے قریب کسی گورے کا فون آیا تھا اور وہ عجلت میں گھر سے چلا گیا۔ میرے آدمیوں نے شہر کے تھانوں میں چھان بین شروع کردی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے انہیں کلفٹن تھانے سے پتا چلا کہ ویران ساحلی علاقے سے ایک لاش ملی ہے جس کے کاغذوں سے پتا چلتا ہے کہ اس کا نام نادر خان تھا۔ میرے آدمیوں نے اس کے گھر پر گمنام فون کرکے اطلاع دے دی۔ ان لوگوں نے کلفٹن تھانے پہنچ کر لاش شناخت کی تو میرے آدمیوں نے مجھے اطلاع دے دی۔"

اول خان کو ملنے والی وہ خبر مستند تھی۔ اس پر شک و شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا "اسے کیسے مار دیا گیا!"

"وہ بیم گن کا نشانہ بنا ہے۔" اول خان نے دوسرا دھماکا کیا "میرا خیال ہے کہ تم سے بات ختم کرتے ہی آئی مین نے پورا نقشہ سمجھ لیا تھا۔ تم فون نمبر سے گھر کا پتا چلا کر وہاں پہنچتے اور پھر اسٹیٹ ایجنٹ تک پہنچتے۔ وہ نادر کی نشان دہی کرتا اور آئی مین مشکل میں پڑ جاتا۔ اس نے بی باون چھوڑنے سے پہلے نادر کو ساحلی علاقے پر آنے کے لیے فون کیا ہوگا۔ گھر سے فرار ہو کر وہ مقررہ مقام پر پہنچا اور شاید اس کا انتظار کرتا رہا۔ نادر آیا تو آئی مین نے بے رحمی سے اسے اپنی بیم گن کا نشانہ بنا دیا۔ بیم گن کی مہلک شعاعوں نے نادر کی پیشانی سے کھوپڑی کی پشت تک آر پار سوراخ کر دیا ہے۔ وہ اتنی سرعت سے مرا ہے کہ حیرت کے آثار اس کے چہرے پر نقش ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"یہ بہت بری خبر ہے۔" میں نے پر تشویش لہجے میں کہا "اس خطے میں بیم گن کے استعمال کو میرے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اب نادر کا خون میرے نام لکھ دیا جائے گا۔"

"یہ نہیں ہوگا۔" فون پر اول خان کی سخت آواز آئی "وہ تمہارے نام کا فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ اب تم اس کی آڑ میں بے خوفی سے اپنی بیم گن استعمال کر سکو گے۔"

"کیا تمہارے ذہن میں اس بارے میں کوئی تجویز ہے؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"ابھی ایک خیال آیا ہے لیکن اب وقت گزر گیا۔ میں کل یہ کام کروں گا اور پرسوں کے اخبارات میں تصویروں کے ساتھ آئی مین کی کہانی موجود ہوگی۔"

"شی امریکا کی این جی او ہے۔ اخبارات والے ثبوت کے بغیر اس کے خلاف کوئی خبر نہیں چھاپیں گے۔"

"وہ امریکا اور یورپ میں این جی او ہوگی۔ یہاں زیر زمین کام کرتی رہی ہے اس لیے کسی رعایت کی حق دار نہیں ہے۔ اچھا ہوا کہ تم نے اس نکتے کی نشان دہی کر دی۔ میں خیال رکھوں گا کہ پوری کہانی میں شی کا نام نہ آنے پائے۔ پورا فیچر ایک خفیہ تنظیم کے آئی مین کے خلاف ہوگا جو نادر کا قاتل ہے اور بیم گن کا مالک ہے۔"

"یہ فیچر اخبارات میں آ گیا تو مجھ پر ذاتی احسان ہوگا۔ اس خبیث نے سامنا ہونے سے پہلے مجھے دفاعی پوزیشن دھکیل دیا ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو!" اول خان کی آواز میں خفگی عود کر آئی "یہ ہم سب کا مسئلہ ہے۔ میں جلال سے بھی بات کرتا ہوں۔ یہ فیچر پولیس کے بجائے آئی بی کی طرف سے جاری ہوا تو اسے زیادہ پذیرائی ملے گی۔ اس سلسلے میں ایس ٹی ایف سرے سے سامنے نہیں آ سکتی۔"

"امریکی افسران اس آئی مین کی آمد سے ضرور باخبر ہوں گے۔ فیچر کی اشاعت سے ان کے ارمانوں پر اوس پڑ جائے گی۔"

"وہ باخبر ہیں۔ تم بھول گئے کہ آئی مین نے تم سے بات کرتے ہوئے جان والے واقعے کا حوالہ دیا تھا۔ معلومات کا یہ تبادلہ باہمی تعاون کے بغیر ممکن نہیں تھا۔"

"شاید ویرا درست کہہ رہی تھی۔ آج ہمارا دن نہیں ہے۔ ہر طرف سے اعصاب شکن خبریں چلی آ رہی ہیں۔" میں نے نیم دلی سے کہا۔

"یہ خبریں اعصاب شکن نہیں، حوصلہ افزا ہیں۔ تمہاری ایک فون کال نے اسے حواس باختہ کر دیا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ خوف جاگزیں ہو چکا ہے کہ ماجد یمنی جیسا خطرناک اور ٹیڑھا آدمی اس کے پیچھے لگ گیا ہے۔ اس خوف میں وہ مدافعانہ پھرتی دکھا رہا ہے۔ یہ تیزی اسے لے ڈوبے گی۔ وہ کہیں نہ کہیں ٹھوکر کھائے گا اور ہم سب اس کی گردن دبوچ لیں گے۔"

"میری آنکھیں نادر پر لگی ہوئی تھیں۔ اس کی موت کے بعد ہمارا کام مشکل ہو گیا ہے۔"

"مشکل ضرور ہوا ہے، ناممکن نہیں ہے۔ ہمیں صبر و تحمل کے ساتھ اس کی کسی غلطی کا انتظار کرنا ہوگا۔ فیچر کی اشاعت کے بعد وہ بے یار و مددگار رہ جائے گا۔ امریکی افسران اس سے دوری اختیار کر لیں گے تاکہ ان پر کوئی الزام نہ آئے۔ پچھلے دنوں وہ ایسے معاملات میں کافی بدنامی اٹھا چکے ہیں۔"

"بہت اچھا کیا کہ تم نے اسی وقت مجھے یہ بری خبر سنا دی۔ میں بھی سوچتا ہوں کہ کیا کیا جائے۔"

"میں پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ آج کا دن خراب ہے۔" میری گفتگو کے اختتام پر ویرا بول پڑی۔ میرے جواب سے ان سب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اول خان نے مجھے کیا بتایا ہوگا۔

"ایک آئی مین کے اختیار کی دو علامتیں ہوتی ہیں۔ سلور آئی اور بیم گن۔ وہ دونوں کو استعمال کر رہا ہے۔" میں نے افسردگی سے کہا "فوری طور پر یہی کہا جائے گا کہ نادر کو میں نے مارا ہے۔"

"آپ اول خان سے کسی فیچر کے بارے میں کیا بات کر رہے تھے؟" غزالہ نے پوچھا۔

میں نے انہیں اپنی اور اول خان کی پوری گفتگو کا خلاصہ سنا دیا۔

"آئی مین بہت خطرناک اور پھرتیلا آدمی ہے۔" ویرا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ یہاں سے شی کا بستر بوریا گول ہونے کے بعد لالچی اور بے ضمیر پاکستانیوں نے شی کے کام کو آگے بڑھایا ہے۔ یہاں ہیروئن کی کھپت شی کے ہدف سے زیادہ بڑھ چکی ہے۔ جب تمہارے اپنے لوگ یہ کام کر رہے ہیں تو واشنگٹن سے کسی بقراط کو نیا آئی مین بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہاں آنے والے نے شی کا چکر صرف آزمودہ افرادی قوت کو یک جا کرنے کے لیے چلایا ہے ورنہ اس کا اصل مقصد کچھ اور ہے۔"

"وہ کیا ہو سکتا ہے؟" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میرا اور تمہارا خاتمہ!" ویرا نے سنجیدگی سے کہا "وہ لوگ اس علاقے کے سیاسی اور جغرافیائی منظرنامے میں جو رنگ بھرنا چاہتے ہیں اس کے لیے انہیں صاف میدان کی ضرورت ہے۔ ہم نے ایس ٹی ایف کے ساتھ مل کر ان کے کسی اہم آدمی کا یہاں رکنا اور زندہ رہنا محال کر دیا ہے۔ وہ فتنے کی ان جڑوں کو کاٹنے کے لیے شی کو میدان میں لائے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارا یہ خیال درست ہو۔" میں نے پوری نیک نیتی سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم مجھ سے پوری طرح متفق نہیں ہو مگر یہ میرا یقین ہے۔ میں خود امریکی ہوں۔ امریکی سوچ، حربوں اور سفاکی سے پوری طرح واقف ہوں۔ وہ اپنے طور پر ہم دونوں تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ خطرہ جہانگیر کی ذات کو ہے۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ویرا نے میرے سر پر لٹھ مارا ہو۔ اس کا وہ اندیشہ سو فیصد درست تھا۔ شی کے چار مقامی بڑوں میں سے دو مار دیے گئے تھے، میں باغی ہو گیا تھا، جہانگیر گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اگر آئی مین نے جو شی جیسے آدمی کو اپنے نیٹ ورک میں شامل کر لیا تھا تو وہ پرانے مہروں کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ اسے یہ معلوم رہا ہو گا کہ جہانگیر میرا جگری دوست تھا۔ میرا سراغ لگانے کے لیے وہ کسی بھی وقت اچانک اسے گھیر سکتا تھا اور میں اسے یکسر بھولا ہوا تھا۔

"تم نے بہت دور کی بات سوچی ہے۔" میں نے مضطربانہ لہجے میں اعتراف کیا "وہ گدھا شراب میں غرق ہو کر اپنی ساری ذہانت اور مکاری کو زنگ آلود کر چکا ہے۔ کسی وقت آئی مین اس کے سر پر سوار ہو گیا تو وہ بے موت مارا جائے گا۔"

"آپ اول خان سے بات کر کے اس کے گھر پر ایس ٹی ایف کے گارڈز لگوا دیں۔" غزالہ نے فکرمندی سے مشورہ دیا۔

"اسے بچانے کے لیے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "شاید وہ اب تک اس لیے بچا ہوا ہے کہ اس نے اپنے تمام پرانے رابطے ختم کر دیے ہیں۔ اپنی گولڈن فارمیسی چلاتا ہے یا اپنے گھر پر شراب سے شغل کرتا رہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آئی مین اس تک پہنچنے کی جستجو میں لگا ہوا ہو گا۔"

"ہم ہوش مندی سے کام لیں تو جہانگیر کا گھر آئی مین کے لیے چوہے دان بن سکتا ہے۔" سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کاش میں اس سے اسی وقت مل سکتا۔" میں نے متاسفانہ اضطراب کے ساتھ کہا "پتا نہیں میں اسے کیوں بھول گیا تھا۔"

"اپنے آپ کو ملامت کرنے کی ضرورت نہیں۔" غزالہ نے مجھے تسلی دی "آج دوپہر کو آپ کو آئی مین کے وجود کا علم ہوا ہے۔ بمشکل چند گھنٹے گزرے ہیں اور اس دوران میں آپ مسلسل مصروف رہے ہیں۔ اس سے اسی وقت ملنا چاہتے ہیں تو میں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔"

"مشکل یہ ہے کہ اس وقت وہ آدمیت کے جامے میں نہیں ہو گا۔ نشے میں دھت ہو کر سو رہا ہو گا یا سلمٰی کو ستا رہا ہو گا۔ صبح سے پہلے وہ بات کرنے کے قابل نہیں ہو گا۔"

"اپنے دوست کے یہ ذاتی مسئلے تم زیادہ بہتر جانتے ہو۔" ویرا بے اعتنائی سے بولی "تم چلتے ہو تو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ جہانگیر کی زندگی اور سلامتی ہم کو بہت زیادہ عزیز ہے۔"

"اس وقت ہمارا مل بیٹھنا کارآمد رہا۔" سلطان شاہ بولا "اول خان کا فون آ گیا اور جہانگیر کے بارے میں بھی اہم باتیں ہو گئیں۔"

"حرکت میں برکت ہے۔ میں بلانے آئی تھی تو تم سب چیخ رہے تھے۔" ویرا کو ہم تینوں پر وار کرنے کا موقع مل گیا۔

"تمہارا مقصد کچھ اور تھا۔ یہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں نہ آتے تو تم اپنے کمرے میں جا کر کوئی اوٹ پٹانگ شغل شروع کر دیتیں۔" غزالہ نے جواب دیا۔

وہ باتیں ساری رات جاری نہیں رہ سکتی تھیں۔ پہلے سلطان شاہ اپنے کمرے کی طرف کھسکا پھر ہم دونوں بھی ویرا

کو رخصت کرکے اپنے کمرے میں آگئے۔ بھٹّراس نکل جانے کے بعد ویرا کے دل کا بوجھ ہلکا ہوگیا تھا اور اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے وہ مطمئن نظر آرہی تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ ہم چاروں کی کچھ نہ کچھ افادیت ہے۔" میں نے کمرے میں پہنچ کر غزالہ سے کہا "ایک بات کسی کے ذہن سے محو ہو جاتی ہے تو دوسرا اسے یاد دلانے میں ذرا نہیں چوکتا۔ اس طرح ہر بات کے سارے پہلو نگاہ میں رہتے ہیں۔"

"ویرا نے اچانک جہانگیر کا ذکر نکال لیا ورنہ میرا ذہن بھی اس طرف نہیں گیا تھا۔" غزالہ نے خفت سے کہا۔

"مجھے ابھی تک رہ رہ کر قلق ہو رہا ہے کہ میں نے اس بے چارے کے بارے میں کیوں نہیں سوچا۔"

"آپ نے دانستہ اسے نظرانداز نہیں کیا تھا۔ اگر اسے کوئی نقصان پہنچ جاتا تو آپ کا ملال اپنی جگہ بجا ہوتا۔ دوپہر سے اب تک وقت ہی کتنا گزرا ہے۔"

"وہ برا بھلا جیسا بھی ہے، میرے دوستوں میں اکلوتا رہ گیا ہے اور مجھے بہت عزیز ہے۔"

"میں نے کچھ سوچ کر اس وقت چلنے کی تجویز پیش کی تھی جو آپ نے سرد مہری سے مسترد کردی۔"

"اس وقت وہاں جا کر کوفت ہوگی۔ پتا نہیں وہ مردود کون سی بولی بولنا شروع کردے۔" میں نے بدمزگی سے جواب دیا۔

"آپ سوچ لیں۔" غزالہ نے رسانیت سے کہا "آئی مین اس وقت بدکا ہوا ہے۔ پچھلے لوگوں کے عبرت ناک انجام کا خوف بھی اس کے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں چھپا ہوا ہوگا۔ وہ تیزی دکھا رہا ہے تاکہ اپنا کام جلد از جلد ختم کرلے۔ اسے سراغ مل گیا تو وہ اسی وقت جہانگیر کے فلیٹ پر پہنچ جائے گا۔"

میں نے لمحے بھر کے لیے اس خطرے پر غور کیا پھر فیصلہ کن انداز میں کہا "وہ اس وقت ادھر کا رخ کرنے کی حماقت نہیں کرے گا۔ فلیٹ ایک پنجرے کی طرح ہوتے ہیں۔ اول تو اتنی رات گئے وہاں کسی سفید فام کی آمد کو شبہے کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ وہ اندر پہنچنے میں کامیاب ہوگیا اور کوئی گڑبڑ ہوگئی تو وہاں سے بچ کر نہیں نکل سکے گا۔"

غزالہ ہنس دی "پتا نہیں آپ کس دنیا میں رہ رہے ہیں۔ کراچی کے فلیٹوں میں دن دہاڑے ڈاکے پڑتے ہیں۔ ڈاکو سب مال و اسباب سمیٹ کر صاف نکل جاتے ہیں اور پڑوسیوں کو کانوں کان پتا نہیں چلتا۔ وہ عام ڈاکو نہیں، آئی مین ہے۔"

"دن میں یہ سب ہو سکتا ہے کیونکہ رہائشی عمارتوں میں ہر قسم کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ کسی کا کچھ پتا نہیں چلتا لیکن اتنی رات گئے کوئی ہوش مند آدمی ایسا خطرہ مول نہیں لے گی۔"

"آپ کا خیال ہے کہ وہ دن میں ادھر کا رخ کرے گا۔" غزالہ نے پوچھا۔

"اگر اسے جہانگیر کا سراغ مل جاتا ہے تو میرا اندازہ ہے کہ وہ اس کے گھر کا رخ نہیں کرے گا۔ اسے کھلی دکان پر گھیرے گا۔"

میرے اس سوچے سمجھے جواب میں بہت سے پہلو پنہاں تھے جو غزالہ میری کسی وضاحت کے بغیر سمجھ گئی اور بولی "کل صبح جہانگیر کو فارمیسی نہیں جانا چاہیے۔"

"میں صبح فون کرکے اسے روک دوں گا۔" میں نے وثوق سے کہا۔

"پتا نہیں وہ کب گھر سے نکل کھڑا ہو۔ آپ کو یہ نیک کام اسی وقت کرلینا چاہیے۔ آپ اس کے بجائے سلمٰی سے بات کرسکتے ہیں۔ وہ آپ کی ہر بات دھیان سے سنتی ہے۔" غزالہ کے آخری فقرے پر میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا مگر اس کے چہرے پر دور دور تک طنزیا استہزا کا شائبہ نہیں تھا۔

وہ وقت نامناسب تھا مگر بات جب جان کی سلامتی کی ہو تو کوئی وقت نامناسب نہیں ہوتا۔ غزالہ کی یہ تجویز نہایت معقول تھی کہ میں سلمٰی سے بات کرکے اسے سمجھا دوں کہ وہ صبح جہانگیر کو دکان جانے سے روک دے۔

میں نے سرہانے رکھی ہوئی ٹائم پیس پر نظر ڈالی تو وہ دو بجا چکی تھی۔ میں نے چند ثانیوں کے لیے اپنے فیصلے پر غور کیا پھر ریسیور اٹھا کر جہانگیر کے گھر کا نمبر ملایا۔

دو گھنٹیاں بجنے کے بعد بھی دوسری طرف سے جواب نہیں ملا تو مجھے خدشہ ہوا کہ وہ دونوں میاں بیوی سوچکے تھے مگر تیسری گھنٹی بجتے ہی میرے کانوں میں سلمٰی کی سہمی ہوئی آواز آئی تو میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ میری کوشش ضائع نہیں ہوئی تھی۔

"سلمٰی! میں ڈینی بول رہا ہوں۔" میں نے اس کی تشفی کے لیے فوری طور پر اپنا نام بتا ڈالا۔

"ہائے اللہ! فون کی گھنٹی سن کر اس وقت میری جان نکل گئی تھی کہ پتا نہیں کس کا فون ہے.... اس وقت کیوں فون کیا ہے؟"

"میں کراچی میں ہوں۔ میں نے اس وقت بہت ضروری کام سے فون کیا ہے۔ صبح جہانگیر کو دکان نہ جانے دینا۔ وہاں خطرہ ہے۔"

وہ نہ جانے اپنے خیالات کی کس رو میں ڈوبی ہوئی تھی کہ میرے پیغام کو نہ سمجھ سکی اور پھنسی پھنسی آواز میں بولی "صبح کس نے دیکھی ہے۔ اس وقت تمہارے دوست نے میری زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ پتا نہیں آج رات کو سونا بھی نصیب ہوگا یا پوری رات عذاب میں گزر جائے گی۔"

میں نے اپنے پیغام پر اصرار کرنے کے بجائے اس کی دل جوئی ضروری سمجھی اور پوچھا "وہ اس وقت کیا کر رہا ہے؟"

"کیا بتاؤں کیا کر رہے ہیں۔ ایسی ایسی حرکتیں کر رہے ہیں کہ بتاتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔" فرطِ جذبات سے اس کی آواز روہانسا ہوگئی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ نشے میں دھت ہے۔"

"روز یہی ہوتا ہے۔ میں اس زندگی سے تنگ آگئی ہوں۔ جب تک نشے میں بے ہوش نہیں ہوجائیں گے، پیتے رہیں گے اور صبح سویرے مجھے بستر سے کھڑا کردیں گے۔ رات کی نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے اب ہر وقت میرا دماغ بوجھل رہنے لگا ہے۔۔۔ میں اپنے کسی یار سے نہیں، تمہارے یار ڈینی سے بات کر رہی ہوں۔" آخری فقرہ اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر شاید جہانگیر سے کہا تھا لیکن پھر بھی اس کی دبی دبی اور جلی کٹی آواز میری کانوں تک پہنچ گئی۔

"تم لاہور سے کب آئی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں اس واقعے کے بعد وہاں نہیں رکی۔ تم نے میری کوئی مدد نہیں کی۔ پورے گھر میں میری ناک نیچی ہوگئی۔ سب خاموش رہ کر سوجی ہوئی آنکھوں سے مجھے گھورتے تھے جیسے ماموں عظمت کو میں نے پکڑوایا ہو۔ ان کی گرفتاری سے پورے لاہور میں ہمارے خاندان کی عزت خاک میں مل گئی۔" لاہور کا ذکر سنتے ہی سلمٰی کے زخم ہرے ہوگئے۔

"وہ فیڈرل ایجنسیوں کا چکر تھا۔ تمہارے ماموں گردن تک اس دلدل میں غرق تھے۔ میں اس معاملے میں بالکل بے بس تھا۔"

"دیکھو! وہ بنکار رہے ہیں کہ میں فون انہیں دے دوں۔" جہانگیر نے مجھے مزید معذرتوں سے بچالیا۔ سلمٰی اس وقت واقعی مشکل میں پھنسی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

"فون اسے دینے سے پہلے یہ بتادو کہ تم نے میری ہدایت سن لی ہے نا۔" میں نے سلمٰی سے تصدیق چاہی۔

"میں نے کچھ نہیں سنا۔ میں اپنی پریشانیوں میں الجھی ہوئی ہوں۔ تم اپنی بات پھر دہرا دو۔"

"صبح جہانگیر کو دکان نہ جانے دینا۔ وہاں خطرہ ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اپنی بات دہرائی "صبح میں اسے فون کروں گا یا خود تمہارے گھر آؤں گا۔"

"کیا فارمیسی پر پھر کوئی گڑبڑ ہوگئی۔" میرا پیغام سمجھ کر اس بے چاری کی پریشانی اور بڑھ گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے اسے جھوٹی تسلی دی "بس یہ احتیاط ضروری ہے۔"

"دیکھو، وہ پھر ہنہنا رہے ہیں۔" سلمٰی کی آواز رو دینے والی تھی "اب تم خود ان سے بات کرلو۔"

قدرے توقف کے بعد فون پر جہانگیر کی بھاری اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز ابھری۔ "یار ڈینی جانی! تم کہاں مرے ہوئے ہو۔ میرے کان تمہاری آواز سننے کو ترس گئے ہیں۔۔۔ تم کو میرے اوپر ذرا بھی رحم نہیں آتا کہ کبھی آکر مجھ سے مل لو۔" وہ الفاظ کھینچ کھینچ کر ادا کر رہا تھا لیکن اس کی باتیں بے ربط نہیں تھیں۔ نشے میں ہونے کے باوجود اس کے حواس زائل نہیں ہوئے تھے۔

"تم بلاوجہ سلمٰی کو کیوں پریشان کرتے ہو۔ اتنی پی لیتے ہو کہ تمہیں سنبھالنا مشکل ہوجاتا ہے۔"

"سالی جھوٹ بولتی ہے۔۔۔" اس اُلو کی پٹھی نے میری زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ میں اتنی دیر سے سمجھا رہا ہوں کہ میں گھوڑا ہوں مگر یہ مان کر ہی نہیں دے رہی۔۔۔ تم نے تو گھوڑا دیکھا ہوگا۔ اسے سمجھاؤ کہ میں گھوڑا ہوں۔"

وہ ذرا سی دیر میں پٹڑی سے اتر گیا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں اپنی رائے بدلنی پڑگئی۔ میں نے غصیلی آواز میں کہا "تم گدھے ہو۔۔۔۔"

وہ بھی شاید تاؤ میں آگیا اور میری بات کاٹ کر اسی انداز میں غرایا "گدھا نہیں، میں گھوڑا ہوں گھوڑا!"

"آدمی کے بچے بنو اور اپنی کھال میں رہ کر بات کرسکتے ہو تو کرو ورنہ فون بند کردو۔" میں نے اسے ڈانٹا۔

نشے میں دھت ہونے کے باوجود اس کی خودی آسمانوں میں پرواز کر رہی تھی۔ اس نے یکایک فون بند کردیا۔

"کیا ہوا۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر غزالہ نے تجسس سے پوچھا۔

"وہ نشے میں دھت ہے اور اس وقت گھوڑا بننے کے خبط میں مبتلا ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔۔۔ آپ بھی شراب پیتے تھے لیکن کبھی نشے میں آپے سے باہر نہیں ہوئے۔ بعض لوگ اتنی زیادہ چڑھا لیتے ہیں کہ انسانوں سے جانور بن جاتے ہیں۔ ایسے مردوں کے ساتھ زندگی کا سفر طے کرنا ایک عذاب سے کم نہیں ہوتا ہوگا۔"

"تم کبھی ایسے تجربے سے نہیں گزریں پھر تمہیں یہ سب باتیں کیسے معلوم ہیں۔"

"آپ بھول رہے ہیں کہ میں لندن کے ایک پب میں نوکری کر چکی ہوں۔ وہاں ویک اینڈ پر میں نے انسانوں کو جانوروں سے بدتر حالت میں دیکھا تھا۔"

"تم نے سند دے دی۔ میں تمہارے مشاہدے کو چیلنج نہیں کرسکتا۔"

"آپ نے سلمٰی کو اپنا پیغام تو دے دیا ہوگا۔" غزالہ نے پوچھا۔

"میں نے اپنا پیغام دوبارہ دہرایا ہے۔ اچھا ہوا کہ جہانگیر نے مشتعل ہو کر خود فون بند کردیا ورنہ میں ڈر رہا تھا کہ وہ اپنی دھن میں گھنٹوں باتیں کرتا رہے گا۔"

"میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا۔ اب اجازت ہو تو روشنی گل کردوں؟" غزالہ نے مسکرا کر پوچھا۔

میں نے ہاتھ پکڑ کر اسے بستر پر دھکیلا اور دوسرے ہاتھ سے بیڈ سوئچ آف کردیا۔

○☆○

اگلی صبح میں نے پہلی فرصت میں جہانگیر کے گھر فون کیا تو مجھے ریسیور پر سلمٰی کی آواز سن کر خوشی ہوئی۔ اس نے بتایا کہ میرا دیا ہوا پیغام سن کر جہانگیر نے گولڈن فارمیسی جانے کا ارادہ ترک کردیا تھا اور اس وقت سکون سے باتھ روم میں نہا رہا تھا۔

میں نے سلمٰی سے کہا کہ وہ جہانگیر کو میرے فون کے بارے میں نہ بتائے۔ میں اپنے چند ضروری کاموں سے نمٹنے کے بعد دوپہر تک اس کے گھر پہنچوں گا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ وہ بہت وہمی ہیں۔ باتھ روم میں فون کی گھنٹی سن لی ہوگی۔ اب باہر آتے ہی پوچھیں گے کہ کس کا فون آیا تھا۔"

"کہہ دینا کہ رانگ نمبر تھا۔ اس بدھو کو کیا پتا چلے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

وہ کھلکھلا کر مترنم آواز میں ہنس پڑی "تم میرے منہ پر ان کو بدھو کہہ رہے ہو۔"

"وہ رات کو اپنے آپ کو گھوڑا کہہ رہا تھا۔ اس بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟"

"بس کبھی کبھی ان کو ایسی ہی اوٹ پٹانگ باتیں سوجھنے لگتی ہیں۔" اس کی خفت آمیز آواز سنائی دی "ان کا مطالبہ ماننے سے پہلے میری گلوخلاصی نہیں ہوئی۔"

"اس کا مطالبہ کیا تھا؟" میں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"یہی کہ وہ گھوڑا ہیں۔" اس نے روانی میں جواب دیا پھر کچھ سوچ کر اسی لمحے سٹپٹائی ہوئی آواز میں بولی "شاور سے پانی گرنے کی آواز تھم گئی۔ وہ باہر آتے ہوں گے۔ میں فون بند کررہی ہوں۔"

اور اس نے واقعی فون بند کردیا۔ وہ عجیب موڈی عورت تھی۔ تنہائی میں جب بھی ملتی تھی، اتنے جارحانہ تیوروں کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتی تھی کہ میں بوکھلا کر پسپا ہونے پر مجبور ہوجاتا تھا۔ میں نے دوست کی بیوی ہونے کے ناتے کبھی اس کی بے تکلفی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس وقت میں نے ذرا اس کی دل جوئی کے لیے خود پہل کی تو اس نے گھبرا کر فون بند کردیا۔ میری کوشش صرف اتنی تھی کہ لاہور میں چوہدری عظمت کی گرفتاری کے سلسلے میں اس کے دل میں جو گرہ پڑ چکی تھی۔ وہ دور ہوسکے۔

میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو غزالہ ناشتا تیار کیے میز پر میری منتظر تھی۔ ویرا ناشتے سے فارغ ہو کر اخبار بینی میں مصروف تھی۔ سلطان شاہ کی شاید صبح نہیں ہوئی تھی۔

"کوئی خاص خبر نظر آئے تو اونچی آواز میں پڑھ دینا۔" میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے ہانک لگائی۔

"خود اخبار پڑھ لینا' میں تمہاری ملازم نہیں ہوں۔" ویرا نے بے رخی سے جواب دیا۔

"ملازم نہیں لیکن دوست تو ہونا۔ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے تمہارے مشورے کے مطابق جہانگیر کی طرف جانا ہے۔" میں نے مسکرا کر اسے یاد دلایا۔

"تم بہت چالاک ہو۔ اپنی دم اونچی رکھنے کے لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کرلیتے ہو۔" اس نے اخبار نظروں کے سامنے سے ہٹا کر مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"تم بہانہ کہہ رہی ہو تو ٹھیک ہے۔ اب میں پورا اخبار چاٹ کر اس کی طرف جاؤں گا۔"

"بلاوجہ بحث مت کرو۔ اس وقت تک اس کی گردن کٹ سکتی ہے۔ تم کو ویسے ہی دیر ہوگئی ہے۔ اب تمہیں اس کے گھر کے بجائے دکان کا رخ کرنا ہوگا۔"

ویرا کو وہی کچھ معلوم تھا جو اس کے سامنے زیر بحث آیا

تھا۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ میں نے اپنے کمرے میں جانے کے بعد غزالہ سے کیا تبادلہ خیال کیا تھا۔ اس طرح اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں نے رات کو فون پر سلمٰی اور جہانگیر سے بات کرلی تھی۔

جب میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور کسل مندانہ انداز میں بہت دھیرے دھیرے ناشتا کرنے میں مصروف رہا تو اس نے زچ ہوکر دانت پیستے ہوئے بتایا کہ اخبار میں کلفٹن کے ویران ساحل سے ایک نامعلوم شخص کی لاش کی بازیابی کے سوا کوئی خاص خبر نہیں تھی۔

"مجھے ٹالنے کی کوشش مت کرو۔ غور سے دیکھو۔ اخبار میں ہمارے کام کی اور خبریں بھی ہوں گی۔" میں نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"میرے صبر کا امتحان مت لو ورنہ میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔" وہ غصے سے بولی "تم جان بوجھ کر ناشتا ختم کرنے میں دیر لگا رہے ہو۔"

غزالہ شاید ویرا کے وہ بے تکلفانہ فقرے برداشت نہیں کرسکی اور اس نے مسکراتے ہوئے قلعی کھول دی "یہ بلاوجہ تمہیں زچ کررہے ہیں۔ تم اپنا خون نہ کھولاؤ۔ انہوں نے رات کو ہی ان دونوں کو فون پر ہوشیار کردیا تھا۔ آج جہانگیر اپنی دکان کا رخ نہیں کرے گا۔ گھر پر رک کر ان کا انتظار کرے گا۔"

ویرا غصے میں اخبار میز پر پھینک کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ غزالہ کے ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ تیر گئی۔

اسے ویرا سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ وہ اس کی بعض حرکتوں سے چشم پوشی بھی کرلیتی تھی لیکن اندر سے وہ نری عورت تھی اور اپنے مرد پر ایک حد سے آگے کسی عورت کا حق برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ ویرا اس کے روبرو بیٹھ کر میرا سر پھاڑنے کی دھمکی دے رہی تھی۔ غزالہ نے اپنی کسی ناراضی کا اظہار کیے بغیر نہایت خوب صورتی بلکہ معصومیت سے ویرا کا یہ غرور توڑ دیا تھا کہ وہ غزالہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر میرے ساتھ من مانا سلوک کرسکتی ہے۔

"میں اس سے تفریح لے رہا تھا۔ تم نے بھانڈا پھوڑ کر اس کا موڈ خراب کردیا۔" میں نے غزالہ کو ٹٹولنے کی نیت سے کہا۔

"میں نے دانستہ اسے یہ جتادیا کہ آپ مجھے اس سے زیادہ اہم اور قابل اعتماد سمجھتے ہیں کیونکہ میں آپ کی بیوی ہوں اور وہ محض ایک دوست ہے۔ تفریح اور بدتمیزی میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ وہ میرے سامنے آپ کے ساتھ سلطان شاہ والا سلوک نہیں کرسکتی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم سلطان شاہ کو دوسروں سے کم تر سمجھتی ہو۔"

"سلطان شاہ اور ویرا میرے نزدیک ایک سطح پر ہیں کیونکہ دونوں غیر شادی شدہ ہیں۔ کسی تیسرے کے جذبات کو مجروح کیے بغیر پوری بے رحمی سے ایک دوسرے سے بدلہ لے لیتے ہیں۔ ویرا کی آپ سے دوستی اپنی جگہ اسے میرے جذبات کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے۔"

سلطان شاہ اپنے کمرے سے نکلتا ہوا نظر آیا اور ہماری آپس کی باتیں وہیں ختم ہوگئیں۔

گیارہ بجے جلال کا فون آگیا۔ وہ کراچی میں موجود تھا اور کہہ رہا تھا "ناکامیوں کے اندھیرے میں کامیابی کی پہلی مبارک باد ہو۔"

"کیا مال پکڑا گیا؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

"میں تمہارے گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور بھارتی فضائی کمپنی کا ایک جہاز کراچی ائرپورٹ پر اس مخصوص شراب کے پچاس کارٹن اتار رہا تھا۔ صبح وہ مال گودام میں پہنچتے ہی سب کچھ سیل کردیا گیا۔ یہ لمبی کہانی ہے۔ میں آؤں گا تو سناؤں گا۔"

میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا "چوپڑا کا کیا ہوا؟" مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ اپنی بات وہیں ختم کرنے والا تھا۔

"میں وہی بتا رہا تھا۔ بدھو لال چوپڑا کے وارنٹ دیکھ کر قونصل خانے والے سخت تذبذب میں پڑ گئے۔ وہ پاکستان کا شہری ہے اور یہیں ملازم رکھا گیا ہے۔ کافی مزاحمت کے بعد ابھی ابھی انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ چوپڑا کو بارہ بجے تک قانون کے محافظوں کے حوالے کردیا جائے گا۔"

"ان کی پسپائی سے ظاہر ہورہا ہے کہ کیس بہت مضبوط بنا ہے۔" میں نے اس کی جائز تعریف کی "اس وقت تقریباً گیارہ بجے ہیں اور کارروائی کافی آگے بڑھ چکی ہے۔ تم لوگوں نے بہت تیز رفتاری سے کام آگے بڑھایا ہے۔"

"کام رات سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ صبح ابتدا کی جاتی تو آج کا پورا دن برباد ہوجاتا۔" جلال اپنی کامیابی پر بہت مسرور تھا۔ "ہمیں چوپڑا کی گرفتاری کے لیے مال گودام میں پہنچنے کا انتظار تھا تاکہ ثبوت ہاتھ آسکے۔ گودام کو سیل کرتے ہی پولیس فورس بھارتی قونصل خانے پہنچ گئی تھی۔ ایس پی سیکنڈ سیکریٹری سے مذاکرات کے بعد اپنی ٹیم لے کر واپس آچکا ہے۔ بھارتی قونصل خانے کا کوئی افسر خود چوپڑا کو پولیس ہیڈ آفس پہنچائے گا۔"

”جب وہ اصولی طور پر اسے قانون کے حوالے کرنے پر آمادہ ہوگئے ہیں تو پھر ٹال مٹول کیوں کر رہے ہیں۔“

”وہ ان کے گندے کھیل کا ایک اہم مہرہ ہے۔ گرفتاری سے پہلے وہ اس کی بریفنگ کر رہے ہوں گے۔“ جلال کی آواز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس پچویشن کے بارے میں سوچ کر محظوظ ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ”ان پر یہ آفت اچانک نازل ہوئی ہے۔ اب وہ اسے سمجھا رہے ہوں گے کہ پولیس کے سامنے اسے کیا کچھ کہنا ہے اور کن موضوعات پر اپنی زبان بند رکھنی ہے۔ اس کی کوئی بھی لغزش ایک نئے اسکینڈل کو جنم دے سکتی ہے۔“

”وہ لاکھ مقامی سہی مگر سفارتی ملازم ہے‘ کیا اس کی گرفتاری میں ویانا کنونشن حائل نہیں ہوا۔“

”غیر ملکی سفارت عملے کو اس کنونشن کے تحت سو فیصد تحفظ حاصل ہے۔ ان کے خلاف مقامی حکومت کوئی کارروائی نہیں کرسکتی۔ تحریری شکایت پر ان کا اپنا ملک تفتیش کرکے فیصلہ کرتا ہے۔ مقامیوں کے بارے میں کہیں کہیں ابہام ہے۔ بین الاقوامی خیر سگالی کے لیے مقامی قوانین کو یکسر مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ بھارتی قونصل خانے والے اسے ہمیشہ کے لیے پناہ نہیں دے سکتے اور نہ ہی خاموشی سے اسے پاکستان سے نکال سکتے ہیں۔ اس کا جرم اتنا واضح اور سنگین ہے کہ وہ ہماری بات ماننے پر مجبور ہوگئے۔“

”شاید یہ پہلی بار ہوا ہے کہ روایتی طریقے پر کوئی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اب چوپڑا کو عقل آئے گی کہ جس شاخ پر انسان کا آشیانہ بنا ہوا ہو‘ اس کو کاٹنے کے نتائج کتنے سنگین ہوتے ہیں۔“

”وہ گرفتار ضرور ہوجائے گا مگر اس کی سیوا نہیں ہوسکے گی۔ قونصل خانے کا ایک افسر روزانہ اس سے ملے گا۔ ویسے بھی ہمارا قانون زیر تفتیش قیدیوں پر تشدد کی اجازت نہیں دیتا۔“

جلال کے اس جواب پر میں بے ساختہ ہنس پڑا ”تم بہت عجیب بات کر رہے ہو۔ یہاں آئے دن زیر تفتیش قیدی زخمی اور معذور ہوتے رہتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ مر بھی جاتے ہیں اور ان کی موت کو کوئی دوسرا رنگ دے دیا جاتا ہے۔ ان پر تشدد کے لیے کون قانون کی پروا کرتا ہے یا اس سے اجازت لیتا ہے۔“

”قیدیوں پر تشدد ایک عالمی مسئلہ ہے۔ تفتیش میں سے یہ عنصر نکال دیا جائے تو دنیا بھر میں سزا پانے والے مجرموں کی تعداد شاید دس حصے کم ہوجائے۔ قانون کے مندرجات کے ساتھ یہ عملی حقائق اپنی جگہ پر ہیں مگر چوپڑا ہر تشدد سے محفوظ رہے گا۔“

”اس کے بارے میں میری حسرتیں دل میں رہ جائیں گی۔ جمود سے بہتر ہے کہ اب وہ اپنے آقاؤں کے بجائے ہماری پولیس کی تحویل میں ہوگا۔ میری آرزو ہے کہ اسے اتنی لمبی سزا ہو کہ اس کے سارے کس بل نکل جائیں۔“

”قونصل خانے والے اس کے لیے سفارتی پناہ کا اعلان کرکے اسے بچاسکتے تھے۔“ قدرے سکوت کے بعد جلال کی آواز ابھری ”پتا نہیں انہوں نے یہ سدا بہار حربہ کیوں استعمال نہیں کیا۔“

”وہ ہندو ہے‘ پاکستانی ہے اور ایک سنگین جرم میں ملوث ہے۔ شاید اس کی وجہ سے ان کی ساکھ تباہ ہوجاتی۔ وہ جانتے ہیں کہ ہر سفارتی اسکینڈل کو دنیا بھر کے اخبارات خوب اچھالتے ہیں۔ بظاہر ان کے گریز کا یہی ایک سبب نظر آتا ہے۔“

”یہ ہاتھ آنے والا ہے۔ اب آئی مین رہ گیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ ایسے گمنام آدمی کے بارے میں کہاں سے کام کی ابتدا کی جائے۔“ جلال یکایک دوسرے اہم ترین موضوع پر آگیا ”مجھے رپورٹ ملی ہے کہ اس کے لیے کرائے پر مکان حاصل کرنے والا کلفٹن سے مردہ حالت میں ملا ہے۔“

”تم چوپڑا کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ ہم اس پر اپنا سر کھپا رہے تھے۔“ میں نے اسے بتایا ”ہم فوری طور پر کچھ تو نہیں کرسکتے لیکن ایک راہ نظر آئی ہے۔ اگر میرا اندازہ درست ہے تو اب وہ میرے ایک دوست پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔“

”اور تم اسے چارہ بناکر آئی مین کو پکڑنا چاہو گے۔“ جلال کا سوال بے ساختہ تھا۔

”میں ایسی حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔“ میں نے قدرے ترشی سے جواب دیا ”میں اسے بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگادوں گا۔ اگر وہ مجھ تک پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہے اور شی کے پرانے لوگوں کے بارے میں وسیع معلومات رکھتا ہے تو اسے ادھر کا رخ کرنا چاہیے۔“

”تمہارا حساب درست معلوم ہوتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس سلسلے میں میرے کراچی آفس کو کیا کرنا ہے۔“ اس نے کھلے دل سے اپنی خدمات پیش کردیں۔

”جہانگیر کے گرد زیادہ بھیڑ بھاڑ سے وہ چوکنا ہوجائے گا اور ہمارے جال میں پھنسنے کے بجائے کسی مناسب موقع کی

تلاش میں لگا رہے گا۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔ میں تمہاری پیش کش کی دل سے قدر کرتا ہوں مگر اپنے دوست کو میں خود دیکھوں گا۔"

"گڈ لک!" اس نے اپنی نیک خواہش کا اظہار کیا "وقت ملا تو میں شام تک دوبارہ فون کر کے تمہیں تازہ ترین حالات سے آگاہ کردوں گا۔"

"ہوسکتا ہے کہ میں تھوڑی دیر میں گھر سے نکل جاؤں۔" میں نے اسے بتایا "گھر کے نمبر کے بجائے مجھے موبائل پر فون کرلینا۔"

میں اس سے فون پر گفتگو کر کے فارغ ہوا تو ویرا اپنی کمر پر دونوں ہاتھ رکھے میرے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔

"تمہیں اچانک ویانا کنونشن کیوں یاد آگیا تھا؟" اس نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"چھپ کر کسی کی باتیں سننا اخلاقی عیوب میں شمار ہوتا ہے۔ میرے سر پر کھڑے رہنے کے بجائے تم سامنے کرسی پر بھی بیٹھ سکتی تھیں۔"

"چھپ کر سننے اور چوری کر کے کھانے کا مزہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔" اپنی کمر کو ہلکا سا بل دے کر وہ کرسی پر آبیٹھی "تمہاری باتوں سے اندازہ ہوا ہے کہ جلال چوپڑا کو پکڑنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ آج کے دن کا آغاز ایک اچھی خبر سے ہوا ہے۔"

"میرے لیے حیران کن بات یہ ہے کہ بھارتی قونصل خانے والے اسے اپنی پناہ سے نکال کر قانون کے حوالے کرنے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ ان کا کوئی افسر بارہ بجے تک چوپڑا کو پولیس ہیڈ آفس پہنچادے گا۔"

"تمہاری طرح میری حسرتیں بھی دل میں رہ جائیں گی۔ اس غدار پاکستانی کے سر پر پھٹے ہوئے جوتے برسائے بغیر مجھے چین نہیں آئے گا۔"

"تم بھول گئیں کہ وہ غدار پاکستانی ہونے کے ساتھ ہندو بھی ہے۔" سلطان شاہ نے اسے لقمہ دیا۔

"تم ہمیشہ کفن پھاڑ کر بات کرتے ہو۔" ویرا نے خوش دلی سے کہا "ہندو ہونا جرم نہیں ہے۔ پاکستان میں لاکھوں ہندو رہتے ہیں۔ تم نے کس کو پکڑا؟ چوپڑا کا سنگین جرم یہ ہے کہ وہ پاکستانی ہوتے ہوئے پاکستان سے غداری کا مرتکب ہو رہا تھا۔"

اس کے بارے میں ویرا کی رائے بالکل درست تھی۔ وہ دہرے جرم کا مرتکب ہوتا رہا تھا۔ ایک طرف وہ پاکستان میں چھپے ہوئے را کے مقامی اور غیر ملکی ایجنٹوں کا رابطہ افسر تھا۔ وہ سب چندن کے چرائے ہوئے فون اور اس کے اپنے فیکس نمبروں پر اپنی رپورٹیں ارسال کرتے تھے جو چوپڑا سفارتی ڈاک کے ساتھ پوری حفاظت سے دہلی روانہ کردیتا تھا۔ ان مخبروں کو وہ غالباً اسی طرح ہدایات بھی دیتا ہوگا۔ مجھے ایک فیکس بھیجنے کے بعد اس کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا اس لیے میں ہدایات کے اجرا کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا مگر فیکس رپورٹنگ ایک مسلمہ حقیقت تھی۔ وہ اس طریقے سے نہ جانے کتنے راز اپنے آقاؤں کو فراہم کرچکا تھا۔

اس کا دوسرا جرم بھی کم سنگین نہیں تھا۔ ہیروئن بنانے والوں کو ممنوع کیمیکل کی فراہمی اور ہیروئن کی مفت تقسیم کا جرم اس کے گلے کا طوق بن چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ عدالتی کارروائی میں اس کی غداری کے بارے میں کوئی نکتہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ وہ الزام کتنا ہی ٹھوس ہوتا' بھارتی اسے انتقام قرار دیتے۔ اس کی سزایابی کے لیے اس کا دوسرا جرم کافی تھا۔

چوپڑا کے بارے میں پوچھتے ہوئے مجھے ونود کا خیال آیا۔ اس قاتل کا نام جونک بن کر جلال کے ذہن سے چپکا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے اسے ایک لمحے کے لیے بھی فراموش نہیں کیا ہوگا مگر میں اس سے ونود کے بارے میں پوچھنا بھول گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ چوپڑا کا معاملہ طے ہوجانے کے بعد اس وقت میدان میں صرف دو دشمن رہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک جلال کے نشانے پر آیا ہوا تھا۔ دوسرے کے بارے میں' میں نے ذمے داری لی ہوئی تھی۔

"تمہاری باتیں سن کر کسی وقت مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا۔ سلطان شاہ ویرا سے کہہ رہا تھا۔ "جب تک تم بلیک کوئین ہوا کرتی تھیں تو پاکستان اور پاکستانیوں کے سائے تک سے جلتی تھیں۔ کایا پلٹ ہونے کے بعد تم ہماری سب سے بڑی ہمدرد بن گئی ہو۔"

"ڈینی کے دم کو دعائیں دو۔ اس کی وجہ سے میں نے پاکستان اور پاکستانیوں کو قریب سے دیکھا ہے اور ان کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے تم لوگ بہت مظلوم نظر آئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں تمہارا کوئی دوست نہیں ہے۔ سب کو تم سے کوئی نہ کوئی پرخاش یا شکایت ہے۔"

"تم یہ نہیں کہہ سکتیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے پھر بھی ہمارے دوست موجود ہیں اور ہم ان ہی کے سہارے زندہ ہیں۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔" ویرا نے اپنا سر جھٹک کر بے پروائی سے کہا "تم صرف اس لیے زندہ ہو کہ سخت جان بلکہ ڈھیٹ قوم ہو۔ ذرا مجھے بتاؤ کہ تم کن قوموں کو اپنا دوست تصور کرتے ہو۔" چوپڑا سے ان دونوں کی باتوں کا رخ یکایک عالمی فضا کی طرف ہو گیا۔

"عرب ہمارے دوست ہیں۔ پوری اسلامی دنیا ہماری ہم نوا ہے۔ ہم۔۔۔"

"بس یہ تکرار رہنے دو۔" ویرا نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا "تم فلسطینیوں سے زیادہ فلسطین کے وفادار رہو۔ کشمیر کا معاملہ اٹھتا ہے تو عرب بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ کبھی تمہارے حکمراں ان کی زیادہ خوشامد کریں تو ایک آدھ نیم دلانہ بیان جاری کر دیتے ہیں۔ وہ بھارت کے خلاف جا ہی نہیں سکتے کیونکہ ان کی بیشتر سستی درآمدات کا انحصار بھارت پر ہے۔ وہ تمہاری خاطر اس توازن کو کبھی خراب نہیں کریں گے۔"

میں خاموشی سے وہ گفتگو سنتا رہا۔ ویرا کی باتیں تلخ ضرور تھیں لیکن زمینی حقائق کی عکاسی کر رہی تھیں۔ یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے گردوپیش سے غافل نہیں رہتی تھی۔ اسے تازہ ترین عالمی حالات کا پورا احساس اور ادراک تھا۔

"تم افسانے تراش رہی ہو۔ عربوں نے ہر آڑے وقت میں ہماری مدد کی ہے۔" سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔

"یہ مدد ساہوکار والی ہوتی ہے۔ جانتے ہو وڈیرے اور ساہوکار کیا کرتے ہیں۔"

"آج تم انوکھی باتیں کر رہی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ گلشن اقبال کے کسی بازار میں کسی عرب نے تمہاری دم پر پاؤں رکھ دیا ہے۔"

"وڈیرے اور ساہوکار کسی غریب کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لیے دل کھول کر پیسا نہیں دیتے۔ انہیں ڈر ہوتا ہے کہ غریب خود کفیل ہو گیا تو ان کے چنگل سے نکل جائے گا۔ غریب کے گھر شادی ہو یا میت ہو جائے تو وہ اسے دل کھول کر قرضہ دیتے ہیں تاکہ غلامی کی زنجیریں مضبوط ہو جائیں۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ ایسے موقعوں پر دیا ہوا قرضہ غریب کے کسی کام نہیں آئے گا۔ رسموں میں برباد ہو جائے گا اور اس کی پشتیں بھی وہ قرض نہیں اتار سکیں گی۔ غریب کے بچے ان کے پیدائشی غلام ہوتے ہیں۔"

"ہائیں۔۔۔ اس وقت تو تم کسی کامریڈ جیسی باتیں کر رہی ہو۔" سلطان شاہ نے آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے کہا۔

"روس ٹوٹ گیا۔ اب ایسی باتیں بے اثر ہیں۔ چند برس تک پہلے یہ فیشن تھا کہ جو حق بات کرے اسے کامریڈ قرار دے کر اچھوت بنا دو۔ عرب تمہارے دوست نہیں، وڈیرے اور ساہوکار ہیں۔ آڑے وقت میں مدد دیتے ہیں جو فوراً کام آ جاتی ہے۔ مستقل بنیادوں پر تم سے تعاون نہیں کرتے کہ کہیں تم اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہو جاؤ۔ ذرا بھی غیر جذباتی ہو کر حالات کا تجزیہ کرو گے تو مجھ سے اختلاف نہیں کر سکو گے۔"

"مستقل بنیادوں پر وہ کیا تعاون کریں گے۔ تم چاہتی ہو کہ پاکستان ان کی زکوٰۃ اور خیرات پر چلتا رہے!"

"یہ گھٹیا باتیں ہیں۔ مدد کرنے کے باعزت طریقے بھی ہیں۔ وہ تم سے ساری فاضل کپاس، گندم اور چاول خرید سکتے ہیں۔ ضرورت کی ہزاروں چیزیں درآمد کر سکتے ہیں۔ اپنے اپنے ملکوں میں کام کرنے والے غیر ملکیوں میں پاکستانیوں کی تعداد بڑھا سکتے ہیں۔ اپنے اربوں کے ڈالر کے اثاثے یہودی بینکوں سے نکال کر ماہر پاکستانی بینکاروں کے سپرد کر سکتے ہیں۔ چند ہفتوں میں پاکستان کی قسمت بدل جائے گی۔ وہ تمہارے دوست ہوں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں مگر ان کو بھارت زیادہ عزیز ہے کیونکہ وہاں شراب کھلی ملتی ہے اور وہ عیاشی کے لیے ممبئی کا رخ کرتے ہیں جہاں کسی قسم کے اسلامی قوانین ان کی راہ نہیں روکتے۔"

"اس وقت تمہاری باتیں چوکھی ہیں۔ بس عربوں کے خلاف بولے جا رہی ہو۔ وہ ایک ایسے ملک کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر نہیں لگا سکتے جہاں استحکام نہ ہو۔ تمہاری باتیں جذباتی اور کھوکھلی ہیں۔ تم ہمارے ذہنوں میں زہر بھرنے کی کوشش کر رہی ہو۔"

ویرا تلخی سے ہنس پڑی "بس تمہاری ایک بات درست ہے کہ پاکستان میں استحکام نہیں ہے۔ یہ قصور تمہارے لیڈروں اور حکمرانوں کا ہے۔"

"اب تم سیاست پر لیکچر شروع کرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔" میں نے دخل انداز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے ابھی تک اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔ سلطان شاہ کی باتوں کا کھرا اور کڑوا جواب دیا ہے۔"

"مگر بیچارے کا قصور صرف اتنا ہے کہ اس نے چوپڑا کے ہندو ہونے کا ذکر کیا تھا اور تم اس پر چڑھ دوڑیں۔"

"میری باتیں تم کو بری لگ رہی ہیں تو میں اپنی زبان بند کیے لیتی ہوں۔ تمہاری ہاں میں ہاں ملاتی رہوں گی مگر میری ایک بات کہیں لکھ لو کہ کسی نہ کسی وقت تمہارا قومی شعور

جاگے گا اور ہر پاکستانی کی زبان پر وہی باتیں ہوں گی جو میں ابھی کہہ رہی ہوں۔"

"فکر مت کرو۔ مطلع صاف ہوجائے تو میں جلال سے سفارش کروں گا کہ تمہیں دفتر خارجہ میں نوکری دلوا دے۔ تم اچھی تقریر کرلیتی ہو۔" میں نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

"تقریر نہیں، یہ دل دکھانے والی باتیں ہیں جو میں اکثر سوچتی رہتی ہوں اور پھر اندر ہی اندر کڑھتی ہوں۔"

اس پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ میں نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے خاموشی اختیار کرلی۔

ویرا نے سگریٹ سلگائی اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر فضا میں دھوئیں کے کثیف مرغولے بکھیرنے لگی۔

"تم کب تک یہاں بیٹھے رہو گے۔ ایسا نہ ہو کہ جہانگیر تمہارے انتظار سے اکتا کر گھر سے نکل کھڑا ہو۔" کچھ دیر بعد ویرا نے چونک کر مجھے یاد دلایا۔

میں نے ویرا کو پوری بات نہیں بتائی تھی، میں اسے اپنے تمام خدشات سے آگاہ کردیتا تو سنسنی اور مہم جوئی کے شوق میں وہ میرے ساتھ رہنے پر مصر ہوجاتی۔ میں اپنے اور جہانگیر کے درمیان اس کی موجودگی زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتا تھا کیونکہ جہانگیر دل و جان سے اپنی سابقہ بلیک کوئین کو پسند کرتا تھا۔ وہ اس پر لٹو ہو کر جا و بے جا اس کی ناز برداریوں میں مصروف ہو کر مجھے نظر انداز کرنا شروع کردیتا جو مجھے گوارا نہیں ہوسکتا تھا۔

میں نے تھکے ہوئے انداز میں اپنی جگہ چھوڑی اور روانگی کے لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

○☆○

جہانگیر مجھ سے ایسے تپاک سے بغل گیر ہوا جیسے برسوں کا بچھڑا ہوا ملا ہو۔ گھنٹی کے جواب میں دروازہ اسی نے کھولا تھا۔ اس وقت سلمٰی شاید کہیں مصروف تھی۔ جہانگیر کی پرجوش خیر مقدمی آوازیں سن کر وہ بھی لپک کر دروازے تک آگئی۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک کوندنے لگی تھی۔

"یار مجھے اندر آکر بیٹھنے تو دو یا یہیں دروازے پر دبا دبا کر ڈھیر کردو گے۔" میں نے جہانگیر کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے احتجاج کیا۔

"اندر آنے دیں۔ آپ تو دروازے پر ہی لپٹ گئے۔" سلمٰی نے میری حمایت میں جہانگیر سے کہا۔

جہانگیر نے اپنی بیوی کے ایما پر مجھے آزاد کردیا اور بولا "کافی دنوں سے میری طبیعت بوجھل چل رہی تھی۔ ابھی اس وقت تمہیں دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہوگیا۔ اس بار تمہاری غیر حاضری بہت لمبی تھی۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں کراچی میں نہیں تھا۔ لاہور اور اسلام آباد وغیرہ گیا ہوا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" وہ اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے بولا "جب سلمٰی کے ماموں پکڑے گئے تو تم لاہور میں تھے۔"

"آپ نے پھر ماموں کا ذکر نکال لیا۔" سلمٰی برا مان کر بولی "اس وقت ان کا ذکر بیچ میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اب میں دن تاریخیں تو یاد نہیں رکھتا۔ یہ معلوم ہے کہ ماموں عظمت کی گرفتاری والے دن ڈینی لاہور میں تھا۔" جہانگیر نے معصومانہ بہانہ پیش کردیا مگر میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ دانستہ وہ ذکر نکال کر جہانگیر میرے سامنے سلمٰی کو ذلیل کرنا چاہ رہا تھا۔

"لاہور میں لوگ چوہدری عظمت کی عزت اور شرافت کی قسمیں کھاتے تھے۔" سلمٰی نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں مٹکا کے تلخی سے کہا "پتا نہیں کس نے ان سے دشمنی نکالی ہے۔ اب بھی لوگ کہتے ہیں کہ ان کے کسی دشمن نے گھر میں ہیروئن رکھوا کر پولیس میں مخبری کی تھی۔ تم دیکھ لینا کہ بڑے ماموں عدالت سے انشاء اللہ باعزت بری ہوں گے۔"

"ہاں ہاں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے بڑے ماموں بہت عزت دار ہیں۔" جہانگیر نے ڈرائنگ روم کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے تحقیر سے کہا "ہر مجرم پکڑے جانے پر ایسے ہی بہانے پیش کرتا ہے۔ میں خود سوچ سوچ کر حیران ہوتا تھا کہ وہ اپنی گرہ سے مال خرچ کرکے فلاحی کام کرتے رہتے ہیں تو ان کے پاس دولت کہاں سے بہہ کر آرہی ہے۔ مہنگائی کے اس زمانے میں حلال کی کمائی سے آدمی اپنے گھر کا خرچ چلالے تو یہی بہت ہوتا ہے۔"

"بس آپ کو تو موقع چاہیے۔ ہر وقت زہریلی باتوں کے نشتر چلا کر میرا سینہ چھلنی کردیا ہے۔ مجھے پتا ہوتا کہ آپ یوں میرا جینا دوبھر کردیں گے تو میں آپ کو بڑے ماموں والے قصے کی ہوا بھی نہ لگنے دیتی۔"

"چاند چڑھتا ہے تو دنیا دیکھتی ہے۔ چور پکڑا جاتا ہے تو سب کو خبر ہوجاتی ہے۔" جہانگیر نے بے سروپا سی مثالیں دہرائیں "تم لہ بتاتیں تو کیا کرتیں۔ سارے اخباروں میں تمہارے ماموں کی ہتھکڑیوں والی بڑی بڑی تصویریں چھپی تھیں۔ پہلے وہ صرف لاہور میں مشہور تھے اب پورے پاکستان میں مشہور ہوگئے ہیں۔"

"آپ نے کڑوی کسیلی باتوں میں عورتوں کو بھی مات دے دی ہے!" سلمیٰ نے اس کو ملامت کی۔
"میں لاہور گیا تو جیل میں تمہارے ماموں سے مل کر ضرور مشورہ کروں گا۔" جہانگیر نے اس کی بات سنی اَن سنی کرکے کہا "گولڈن فاریسی میں کچھ نہیں رکھا۔ دس بیس کلو ہیروئن اِدھر اُدھر کردوں گا تو عمر بھر کے لیے وارے کے نیارے ہوجائیں گے۔"
"مجھے معلوم ہے کہ اپنے جیتے دوست کو دیکھ کر آپ زیادہ بول رہے ہیں۔" سلمیٰ تنک کر بولی "آپ کی زبان یوں بند نہیں ہوگی۔ میں کچن میں جارہی ہوں۔"
وہ جانے کے لیے مڑی تو جہانگیر مجھے آنکھ مار کر شیطانی انداز میں مسکرانے لگا۔
"سالی! عزت دار کی بھانجی۔ چلی گئی نا آخر۔" اس نے میرا ہاتھ تھام کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔
"اس وقت میرے سامنے عظمت کا ذکر نکالنے کی کیا ضرورت تھی۔" میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔
"میں تم کو دکھانا چاہتا تھا کہ اب میں سلمیٰ سے نہیں دبتا۔ اس کا اونٹ پہاڑ تلے آچکا ہے۔" اس کی آواز سے دلی خوشی جھلک رہی تھی "یہاں ہم سرگوشیوں میں باتیں کریں گے اور وہ ہماری کنسوئیاں لیتی رہے گی۔ آؤ، بیڈ روم میں چلتے ہیں۔ دروازہ بند کرکے ائرکنڈیشنر چلالیں گے۔ وہاں کھل کر باتیں ہوں گی۔"
اس کی تجویز معقول تھی۔ وہ سلمیٰ اور اس کے خاندان کی برائیاں کرنے پر تلا ہوا تھا جب کہ مجھے اپنی باتوں کے لیے رازداری کی ضرورت تھی۔
"چائے وائے نہ بنانا۔" جہانگیر نے کچن کے قریب سے گزرتے ہوئے سلمیٰ کو چھیڑا "ہم بیڈ روم میں جارہے ہیں۔ ٹھنڈی بیئر کے دو چار ڈبے پئیں گے۔"
"ہائیں!" سلمیٰ حیرت سے میری طرف پلٹ پڑی "تم نے تو شراب چھوڑ دی تھی۔ کیا پھر شروع کردی؟"
"جہانگیر کا دماغ خراب ہے۔ میں چائے پیوں گا۔"
"چھوڑ یار!" جہانگیر نے اصرار کیا "بیئر شراب کہاں ہوتی ہے۔ پورے ڈبے میں اشک بلبل کے برابر الکحل ہوتی ہے۔"
"صرف چائے!" میں نے سلمیٰ کو تاکید کی اور ہم دونوں بیڈ روم میں داخل ہوگئے۔
جہانگیر نے خواب گاہ کا دروازہ بند کرکے ائرکنڈیشنر چلایا اور روم فرج سے بیئر کا ایک یخ بستہ ڈبا نکال کر کسی چوہدری کی طرح بستر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔
ڈبے کا کیپ اکھاڑتے ہوئے اس نے مجھے ایک مرتبہ پھر ترغیب دی لیکن میں نے مسکرا کر انکار میں سر ہلا دیا۔
"تم آدمی نہیں، جن ہو۔" اس نے ڈبے سے منہ لگا کر پہلا گھونٹ اپنے معدے میں اتارنے کے بعد کہا "مجھے یقین نہیں آتا کہ برسوں کی بلانوشی کے بعد تم نے اچانک شراب چھوڑ دی۔ میرا خیال ہے کہ غزالہ کو الکحل کی تیز بو ناگوار لگتی ہوگی۔"
"تمہاری ذہنیت بہت گندی ہے۔ میاں بیوی ہر وقت منہ سے منہ نہیں جوڑے رہتے۔ شراب میں نے اپنی مرضی سے چھوڑی ہے۔"
وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا "اپنی والی بدبو سے چڑتی ہے مگر میں اپنی مرضی سے پیتا ہوں۔"
"تم کون سی باتیں کرنے کے لیے مجھے اس کمرے میں لائے تھے۔" میں نے سوال کیا۔
"یار میری زندگی برباد ہوگئی۔" اس نے افسردگی سے سر ہلا کر کہا "میں نے عزت دار گھرانا دیکھ کر سلمیٰ سے شادی کی تھی اور ہمیشہ اپنی مشتبہ سرگرمیوں کو اس سے چھپاتا رہا۔ اپنے ماضی کی وجہ سے میں اس کے سامنے ہمیشہ خود کو کم تر سمجھتا رہا اور یہ مجھ پر حاوی ہوتی چلی گئی۔ ذرا ذرا سی بات پر میکے جانے کی دھمکی دے کر یہ مجھے جھکنے پر مجبور کردیتی تھی۔"
"یہ سب کہانیاں میری دیکھی ہوئی ہیں۔ تم دونوں کے درمیان کبھی اعتماد کا رشتہ قائم نہیں ہوسکا۔ آگے بکو کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔"
"اگر مجھے معلوم ہوجاتا کہ یہ ہیروئن کے اسمگلر کی بھانجی ہے تو مجھے اس سے ڈرنے یا دبنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اُلّو کی پٹھی سے برابر کا سلوک کرتا۔ زیادہ بکواس کرتی تو چٹیا کو تین بل دے کر گھر سے نکال دیتا اور پھر دیکھتا کہ یہ کہاں جاتی ہے۔" اس نے پرجوش لہجے میں کہنا شروع کیا لیکن میں نے دوبارہ اس کی بات کاٹ دی۔
"اپنی محرومیوں کا ذکر مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ اپنے اس غم کو تم شراب میں گھول کر پیتے رہے ہو۔ ان خیالی شکووں کے بجائے یہ بتاؤ کہ اب کیا حالات ہیں؟"
"بڑے ماموں کے اندر ہوتے ہی یہ اپنی اوقات پر آگئی ہے۔" وہ خوش ہو کر بتانے لگا "میں بھی چٹکیاں لینے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا۔ اس کی برین واشنگ کررہا ہوں۔ اس کے دماغ سے اپنی خاندانی بڑائی کا بھوت اتر جائے گا تو شاید میری زندگی میں بھی بہار آجائے گی۔"

"سلمٰی تمہاری بیوی اور تمہارے بیٹے کی ماں ہے۔ اس کے لیے تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔"

"وہ میری کچھ بھی نہ ہوتی تو تجھے اس کے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔" اس نے اپنے ڈبے سے ایک لمبا گھونٹ لے کر کہا "سارا چکر یہی ہے کہ اب وہ میرے گلے پڑی ہوئی ہے اور میرے مالک نے مجھے اس کو سیدھا کرنے کا ایک سنہرا موقع دیا ہے تو میں اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھاؤں۔"

اس وقت تک وہ اپنے اور سلمٰی کے بارے میں بولے جا رہا تھا لیکن اس سے آزادانہ انداز میں باتیں کرتے ہوئے مجھے اپنے ذہن سے تکان اور سستی دور ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ تھوڑا سا کند ذہن ضرور تھا مگر میرے ساتھ بہت مخلص اور مہربان تھا۔ میرا ہم سن ہونے کے باوجود یوں میرا لحاظ کرتا تھا جیسے میں اس کا بزرگ ہوں۔

"اگر تم نے اسے ضرورت سے زیادہ تنگ کیا اور وہ زچ آ کر لاہور چل دی تو کیا ہوگا۔" میں نے پوچھا۔

"اب لاہور کی کہانی ہوا ہوگئی۔" اس نے چٹکی بجا کر فخر سے جواب دیا "جب سے سالے ماموں کو رگڑا لگا ہے، پورے خاندان کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ لاہور میں ایک کہرام مچا ہوا ہے۔ یہ اپنی سلمٰی بیگم تم سے مدد کی آس لگائے بیٹھی تھیں۔ تم نے لاہور میں کورا جواب دے کر اسے کسی قابل نہیں چھوڑا۔ میکے جائے گی تو طعنے سن سن کر مر جائے گی۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم سلمٰی کے لیے اتنے سفاک اور سنگ دل ہو۔"

"ٹریفک دونوں طرف سے چلتا ہے۔ وہ مجھے خوش رکھے گی تو میں اسے خوش رکھوں گا۔ ابھی اس کے دماغ کے کیڑے پوری طرح نہیں جھڑے ہیں۔ ابھی تم نے سن لیا کہ وہ اپنے بڑے ماموں کو معصوم سمجھ رہی ہے۔ ان لوگوں کو ہوش اس وقت آئے گا جب اس حرامی کو عدالت سے لمبی سزا ملے گی۔"

اس بار میں جہانگیر سے اختلاف نہیں کر سکا۔ وہ اپنی بیوی کی نفسیات کو خوب سمجھتا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی اور سلمٰی میرے لیے چائے لیے ہوئے اندر آ گئی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے اپنی جوتی سے میرا پیر دبایا تو میں چونک پڑا۔ کمرا کافی کشادہ تھا۔ یہ امکان نہیں تھا کہ سلمٰی کا پیر غلطی سے میرے پیر پر پڑا ہو۔ لمحہ بھر میں اس نے اپنا پیر ہٹا لیا۔ میں اس کی معذرت کا منتظر تھا مگر وہ خاموش رہی۔ اس کا پیر میرے پیر پر غلطی سے پڑا ہوتا تو وہ فوراً معافی ضرور چاہتی۔ میں نے اس کی طرف نظریں اٹھائیں تو اس کی بڑی بڑی اور گہری آنکھوں میں کوئی نامعلوم سی التجا تھی۔ شاید مجھ سے تخلیے میں ملاقات کی آرزو اس کی نظروں میں ستاروں کی طرح جھلملا رہی تھی۔ میں نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدل کر جہانگیر کی طرف نگاہ ڈالی تو یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ اس نے سلمٰی کی نظربازی نہیں دیکھی تھی۔ وہ سلمٰی کو جلانے کے لیے بیئر کا ڈبا اپنے منہ سے لگائے ہوئے تھا۔

"فرج میں کئی ڈبے ہیں۔" سلمٰی نے مڑتے ہوئے جہانگیر سے کہا "اسے خالی کر کے چبا نہ جائیے گا۔"

"تم مرچیں چباتی رہو۔" جہانگیر نے ڈبا منہ سے ہٹا کر بے پروائی سے کہا "جب تک اپنا یار یہاں بیٹھا ہوا ہے مجھے تمہاری بکواس کی پروا نہیں ہے۔"

سلمٰی نے اسے نظرانداز کر کے مجھ سے پوچھا "میں تمہارے لیے اسپیشل ڈش بنا رہی ہوں۔ آج تم کھانا کھا کر جاؤ گے۔"

"تم دونوں ایک دوسرے سے زبان درازی کرتے رہے تو میرا رکنا مشکل ہوگا۔"

"یہ کھٹ پٹ چلتی رہتی ہے۔ تم ایک کان سے سنو، دوسرے سے اڑا دو۔ ہم عادی ہو گئے ہیں۔ ایک دوسرے کی گالیوں کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ تم بھی ہمیں برداشت کر لو۔ میں کھانا کھائے بغیر تم کو جانے نہیں دوں گی۔"

"ڈینی ابھی کہیں نہیں جا رہا۔" جہانگیر نے سلمٰی کو ڈانٹا "بلاوجہ اس کی چہیتی بننے کی کوشش نہ کرو اور جا کر پراٹھوں کے ساتھ کوئی ڈھنگ کا کھانا تیار کر لو۔"

سلمٰی زبان سے کچھ نہیں بولی۔ تیز نظروں سے اسے گھور کر زیرِ لب کچھ بڑبڑاتی ہوئی باہر چلی گئی۔

"تم نے دیکھ لیا۔ میں گھر میں رہتا ہوں تو دن بھر یہی ہوتا رہتا ہے۔ وہ مجھے سلگاتی ہے میں اسے جلاتا رہتا ہوں۔ کبھی کبھی تو رات کو بستر میں بھی زچ کر دیتی ہے۔"

رات کا ذکر آتے ہی میرا ذہن پچھلی رات فون پر ہونے والی گفتگو کی طرف مبذول ہو گیا اور میں نے تیزی سے پوچھا "رات کو تم نشے میں بالکل آؤٹ تھے۔"

"ہرگز نائیں!" اس نے سختی سے تردید کی "مجھے معلوم ہے کہ میں نے تم سے بات کر کے فون بند کر دیا تھا۔"

"پھر تم خود کو گھوڑا کیوں کہہ رہے تھے؟" میں نے حیران ہو کر سوال کیا۔

"یہ ذکر چھوڑو۔ کوئی اور بات کرو۔" وہ جھینپتے ہوئے

انداز میں ہنسنے لگا۔

"تم ہوش میں تھے تو مکاری کیوں کر رہے تھے۔ میں پریشان تھا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم اتنے بہکنے والے نہیں ہو۔"

"یہ نئی ترکیب ہے۔" وہ اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا "جب سالی میری بات نہیں مانتی تو میں مزید ایک دو پیگ چڑھا کر مدہوشی کی اداکاری شروع کر دیتا ہوں اور یہ ڈر جاتی ہے کہ نافرمانی پر میں اسے مارنا شروع نہ کر دوں۔ یہ اپنا تازہ سلیمانی نسخہ ہے۔"

"میں نے مان لیا کہ تم بدمعاش ہو گئے ہو اور اپنی بیوی سے مکاری کرتے ہو مگر گھوڑا بننے کی کیا تک تھی۔"

"آدمی سرور میں ہو اور مستی سوار ہو تو دماغ میں بڑے انوکھے خیال آتے ہیں۔" چند ثانیوں تک جھجکنے کے بعد وہ بولنے لگا "عورت اپنے مرد کو دیکھ دیکھ کر نہیں تھکتی لیکن مرد ہر روز پرانی عورت کو دیکھ کر بیزار ہو جاتا ہے۔ شاید اسی لیے ہم لوگوں کو چار شادیوں کی اجازت ہے کہ روز منظر بدلتا رہے۔۔۔"

"تم ایک بیوی کو خوش نہیں رکھ سکتے تو چار سے کیا انصاف کرو گے۔ یہ اجازت تم جیسے مردوں کے لیے نہیں ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"میں بھی ڈرتا ہوں۔ ایک نے یہ حال کیا ہوا ہے۔ دوسری بھی اس جیسی ملی تو مجھے کسی کنوئیں میں کودنا پڑے گا۔"

"تمہارے ساتھ یہی ہو گا۔ تم نے اپنی رات والی حرکت کے بارے میں بات گول کر دی۔"

اس کا منہ لٹک گیا "میں سمجھا تھا کہ تم بھول گئے۔ بس وہ میری ذہنی کج روی تھی کہ میں گھوڑا ہوں۔ میں جب تک آؤٹ نہیں ہوا' اس نے میری بات نہیں مانی۔"

اس کی بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ وہ اس کی خلوت کی بات تھی۔ وہ کھل کر بتانے سے ہچکچا رہا تھا۔ میں نے اپنا سوال تشنہ چھوڑ کر پوچھا "تم ہوش میں تھے تو تم نے میرے ساتھ بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فون کیوں بند کر دیا تھا۔"

"اس کے سامنے میں اداکاری کر رہا تھا' تمہارے ساتھ مکاری نہیں کر سکتا تھا۔" اس نے ایمان داری سے جواب دیا "تم نے مجھے گدھا کہا تو مجھے ناراضی کا اظہار کر کے فون بند کرنے کا موقع مل گیا۔"

"جہانگیر! تمہارے لچھن اچھے نہیں ہیں۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "اپنی بدسلوکیوں کی وجہ سے تم دھیرے دھیرے ازدواجی خودکشی کی طرف بڑھ رہے ہو۔"

"ازدواجی خودکشی!" اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دہرایا "یہ کیا ہوتی ہے۔"

"تنگ آکر وہ تمہیں چھوڑ دے گی یا چوری چھپے کسی اور سے دوستی کر لے گی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے وہ تلخ حقیقت کھل کر بیان کر دی۔

وہ جھرجھری لے کر رہ گیا اور سرگوشیانہ آواز میں بولا "نہیں یار! مجھے اتنی بے رحمی سے نہ ڈراؤ۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔"

اس بارے میں میری مزید لب کشائی خطرناک ہو سکتی تھی۔ میں نے اس سے جو کچھ کہا وہ میرے کئی تجربات اور مشاہدوں کا نچوڑ تھا۔ اگر اس کے پاس ذرا بھی عقل تھی تو اس کو میری بات پلے سے باندھ لینی چاہیے تھی۔

کچھ دیر تک ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ جہانگیر فرج سے نیا کین نکالنے کے لیے بستر سے اترا تو میں نے سگریٹ سلگا لی۔

بیئر کے دوسرے کین سے ایک گھونٹ لینے کے بعد وہ دوبارہ مسہری پر چڑھ گیا اور چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا "ڈینی! تم میرے عظیم دوست ہو۔ تم نے اپنے ایک جملے سے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ پیر کے نیچے آئی ہوئی چیونٹی بھی بے بس ہو کر کاٹ لیتی ہے پھر سلمٰی تو جوان اور خوش شکل عورت ہے۔ آج کے بعد میں پٹڑی بدل دوں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھے بہت زیادہ چاہتی ہے مگر میری کمزوریوں سے جلتی ہے۔ میں ان پر قابو پانے کی کوشش کروں گا۔"

اسے اندازہ نہیں تھا مگر میں جانتا تھا کہ جذبات کی رو میں بہہ جانے کی کمزوری بھی اس پر غالب تھی۔ اگر وہ اپنے فیصلے پر قائم رہتا تو اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔

"تم ایک بےجگر انسان ہو۔ تمہارا ماضی اس بات کا گواہ ہے۔ تم چاہو تو اپنی ہر کمزوری سے لڑ سکتے ہو۔" میں نے اسے حوصلہ دیا۔

"بس' اب کوئی اور بات کرو!" اس نے اپنا سر جھٹک کر کہا پھر قدرے توقف کے بعد بات جاری رکھتے ہوئے بولا "یہ بتاؤ کہ آج تم نے مجھے دکان جانے سے کیوں روکا ہے۔"

میں بےساختہ مسکرا دیا "یہ اہم ترین بات تمہیں اب یاد آئی ہے۔ میں شروع سے تمہارے اس سوال کا انتظار

کر رہا تھا۔"

"بس ذہنی رو بہکی ہوئی تھی۔" اس نے خفت آمیز لہجے میں کہا "میں نے پہلے سے سوچا ہوا تھا کہ تم آؤ گے تو تمہارے ساتھ مل کر سلفی کا خون سلگاتا رہوں گا۔ یہ چکر کچھ ایسا چلا کہ اصل بات دماغ سے نکل گئی۔ میری دکان پر اب تم کس قسم کے خطرے کی بو سونگھ رہے ہو؟"

"مطلع یکایک ابر آلود ہو گیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "طویل خاموشی کے بعد شی کا ایک آئی مین میدان میں اتر آیا ہے۔"

"کہاں...؟ کراچی میں؟" اس نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔

میں نے اثبات میں سرہلا دیا "تم کو معلوم ہے کہ وہ لوگ میرے خون کے پیاسے ہیں۔ وہ اپنے دوسرے کاموں کے ساتھ میری تلاش میں بھی ہے۔"

"میری اور تمہاری دوستی ان لوگوں کے علم میں ہے۔ تم تک پہنچنے میں ناکامی کی صورت میں وہ مجھے نشانہ بنا سکتے ہیں۔"

"میں نے اسی خطرے کی وجہ سے تمہیں دکان جانے سے روکا ہے۔ صورت حال واضح ہونے سے پہلے تم اپنی فارمیسی کا رخ نہیں کرو گے۔ وہاں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوگی۔"

"جب سے میں نے دکان کا پورا اسٹاک کمپیوٹر پر ڈالا ہے' چوری کا خطرہ ختم ہو گیا ہے۔ اسپرین کی ایک گولی بکتی ہے تو وہ بھی اسٹاک لیجر میں ڈالی جاتی ہے۔ دونوں ملازموں کو معلوم ہے کہ میں کسی بھی وقت دس بیس دواؤں کی مقدار کا کمپیوٹر بیلنس سے موازنہ کرتا رہتا ہوں۔ وہ چوری کرتے ہی پکڑے جائیں گے۔"

"پھر تم میری اگلی ہدایت تک گھر پر ہی رہو گے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"آئی مین کوئی معمولی آدمی نہیں ہوا کرتا تھا۔ وہ میرے پیچھے لگ گیا تو پھر گھر تک بھی آسکتا ہے۔" وہ ذرا بھی خائف نہیں تھا۔

"وہ نیا نیا آیا ہے اس کے رابطے محدود ہیں۔ میں نے اس پر وار کرنے میں پہل کر دی ہے۔ تمہارے گھر کا رخ کرنے سے پہلے وہ دس بار سوچے گا۔"

"میں نے صرف ایک امکان ظاہر کیا تھا۔ میں تمہارے ہر مشورے پر عمل کرنے کے لیے تیار رہوں۔"

"تمہارے پیش کیے ہوئے امکان کا علاج یہ ہے کہ تم گھر پر بھی محتاط رہو۔ دکان کا معاملہ میں خود دیکھوں گا۔"

"تم وہاں کیا کرو گے؟" اس نے اپنی متجسس نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے پوچھا۔

"دور سے نگرانی کروں گا۔ کوئی مشتبہ شخص میری نظروں میں آیا تو اس پر بلا تکلف ہاتھ ڈال دوں گا۔"

"کیوں بلاوجہ کی خواری مول لیتے ہو۔ چاہو تو میں دکان پر تمہارے بیٹھنے کا بندوبست کر سکتا ہوں۔ میرے دونوں ملازم پرانے ہیں اور تم کو پہچانتے ہیں۔ تم ان کی نگرانی بھی کرتے رہو گے۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ اس نئی تجویز کا فوری جواب دینا ممکن نہیں تھا۔

"اگر میری تجویز تم کو پسند نہیں آئی تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ تم جس طرح چاہو کام کر سکتے ہو۔" اس نے مجھے خاموش پا کر وضاحت کی۔

"ذرا کچھ دیر خاموش رہو۔ میں تمہاری تجویز پر غور کر رہا ہوں۔ اس کے جملہ مضمرات کا اندازہ لگائے بغیر میں اقرار یا انکار نہیں کر سکتا۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"ضرور غور کرو۔" وہ جلدی سے بولا "میرا تجربہ ہے کہ تم جب کسی بات پر غور کرنے لگتے ہو تو تمہاری کھوپڑی بہت تیزی سے کام کرتی ہے اور پھر کوئی نہ کوئی گل کھلا کر رہتی ہے۔ اب میں خاموش ہو کر اپنے دھندے میں لگا رہوں گا۔"

وہ دو تکیوں کو اوپر تلے رکھ کر اپنی مسہری پر نیم دراز ہوا اور بیئر سے لطف اندوز ہونے میں مصروف ہو گیا۔

گولڈن فارمیسی سے دور رہ کر دکان کی نگرانی کے مقابلے میں جہانگیر کی تجویز بہت بہتر تھی۔ دکان میں مالک کے نمائندے کی حیثیت سے بیٹھ کر میں ہر آنے جانے والے پر بہت قریب سے نظر رکھ کر' ضرورت کے وقت بہترین فیصلے کر سکتا تھا۔

اگر میری وہاں موجودگی کے دوران میں آئی مین یا اس کا کوئی آدمی جہانگیر کی تلاش میں دکان کی طرف آنکلتا تو میرے ہاتھوں سے اس کا بچنا محال تھا لیکن اس تجویز پر عمل کرنے میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ میں اپنے محفوظ ٹھکانے

مختصر مختصر

"کیا تم نے اپنی بیوی کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ جیسے چاہے کرے؟"

"نہیں... وہ میری اجازت کے بغیر ہی جیسے چاہے کرتی ہے۔"

سے نکل کر کھلے بازار میں جا بیٹھتا جہاں کوئی شناسا مجھے دور سے پہچان سکتا تھا۔

میرے حق میں سب سے مضبوط نکتہ یہ تھا کہ کسی کے ریکارڈ میں میری کوئی مصدقہ تصویر نہیں تھی۔ حد یہ تھی کہ سی آئی اے والوں نے بھی میری تلاش کی انعامی مہم میں میری ایک پرانی اور دھندلی تصویر کا سہارا لیا تھا جسے پہچاننا اپنی جگہ ایک مسئلہ تھا۔

اگر ان کے پاس میری کوئی پرانی تصویر ہوتی تب بھی وقت کے ساتھ ساتھ میرے چہرے کے خدوخال میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوچکی تھیں کہ مجھے آسانی سے شناخت کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں بہت سکون اور احتیاط سے ایک ایک کرکے ان امکانات کا جائزہ لے رہا تھا۔ میری یادداشت کے مطابق ماضی قریب میں، میں پاکستان میں اپنے ایسے کسی حریف سے نہیں ملا تھا جو ڈینی کی حیثیت میں مجھے شناخت کرسکے۔ ہر وہ دشمن جس سے میرا ٹکراؤ ہوا تھا، جہنم واصل ہوچکا تھا۔

اس وقت مجھے پہچاننے والے لوگ را میں بھارت کے لیے کام کررہے تھے۔ وہ مجھے صورت سے اچھی طرح پہچانتے تھے۔ ان لوگوں میں رینا اجیت رائے اور بیلا سنگھ کے نام سرفہرست تھے۔ ایک میری خلوت آشنا ہوچکی تھی دوسری کے ترکش کے سارے تیر ناکام ہوئے تھے۔

ان دونوں خوب صورت اور رنگین مزاج بھارتی لڑکیوں سمیت دہلی پولیس اور را کے جن لوگوں سے میرا واسطہ پڑا تھا، ان میں سے کسی کو یہ گمان نہیں ہوسکا تھا۔ میں اپنا نام بدل کر جعلی دستاویزات پر دہلی پہنچا تھا۔ وہ سب مجھے مظہر خان نامی دل پھینک پاکستانی کی حیثیت سے جانتے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ انل اور نریش کے قتل اور میرے دہلی سے فرار کے بعد مظہر خان کا نام تمام بھارتی ایجنسیوں کے مطلوب ملزموں کی لسٹ میں سرفہرست آچکا تھا۔

آئی مین چند ہفتے قبل پاکستان پہنچا تھا اور دھیرے دھیرے محتاط انداز میں اپنے رابطے استوار کررہا تھا۔ اسے پاکستان میں مضبوطی سے قدم جمانے کے لیے خاصا وقت درکار تھا۔ ان حالات میں یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ وہ مظہر کی تلاش کے لیے دہلی سے مدد طلب کرلیتا۔

دہلی کے حکام مظہر کی بو پر لگے ہوئے تھے۔ آئی مین کے لیے وہ نام غیر اہم تھا۔ اس نے میری ذات کو اصل ہدف بنایا ہوا تھا۔ جب تک اس راز سے پردہ نہیں اٹھتا تھا کہ مظہر اور ڈینی اصل میں ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں، آئی مین اور را والوں میں قریبی تعاون کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا۔

جہانگیر نے سادہ لوحی سے ایک آسان تجویز پیش کرکے مجھے یکایک ایک خطرناک دوراہے پر لاکھڑا کیا تھا جہاں سے ایک راستہ بھیانک انجام کی طرف جاتا تھا۔

"تم نے سوچنے میں کچھ زیادہ وقت لے لیا۔" جہانگیر نے کھنکار کر میرا انہماک ختم کرتے ہوئے کہا "بس میرا یہ کین خالی ہونے تک کوئی فیصلہ کرلو۔"

"یہ مشکل فیصلہ ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ میں ایک مدت سے ان سے چھپتا پھر رہا ہوں اور تم مجھے برسرِعام جا بیٹھنے کا مشورہ دے رہے ہو۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میری تجویز میں کوئی سنگین خطرہ پنہاں ہے تو اسے بھول جاؤ۔ وہ کام کرو جو تمہارے دل کو لگتا ہو۔"

پتا نہیں اس مردود کے لہجے میں کیا بات تھی کہ میں نے اسی لمحے ایک فیصلہ کرلیا اور کہا "تم اپنے آدمیوں کو فون کردو۔ میں اگلے دو چار دنوں تک تمہاری جگہ فارمیسی چلاؤں گا۔"

"زندہ باد!" اس کے لیے میرا وہ اعلان اس قدر غیر متوقع تھا کہ وہ مکا فضا میں لہرا کر بستر سے اچھل پڑا "اب کیا ہے نا تم نے مردوں والا فیصلہ۔ تم کو اتنی دیر سے تذبذب میں مبتلا دیکھ کر میرا دل مرجھا گیا تھا۔"

جہانگیر کے نعرے کی آواز اتنی بلند تھی کہ سلمیٰ گھبرا کر بیڈروم میں گھس آئی اور بوکھلائی ہوئی آواز میں بولی "کیا ہوا ... ابھی کوئی چیخا تھا!" اس کی ہراساں نظریں جہانگیر سے پھسلتے ہوئے میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں تھیں۔

"کچھ نہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ رات کو گھوڑا بننے کے خبط میں مبتلا تھا۔ اس وقت لنگور بننے کی مشق کررہا تھا۔"

رات کا ذکر آتے ہی سلمیٰ کا چہرہ تمتما اٹھا اور گلنار ہوگیا۔ وہ تیزی سے مڑی اور کچھ کہے بغیر بیڈروم سے نکل گئی۔

جہانگیر نے ہنستے ہوئے فون کا ریسیور اٹھایا اور گولڈن فارمیسی کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

مزید واقعات آئندہ شمارے میں پڑھیے

پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی ردی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ جس کی سرکوبی کے لیے مجھے انڈیا کا سفر کرنا پڑا۔ اس مہم میں جلال کے آدمیوں نے میری بڑی مدد کی۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کر لیا۔ میں مظہر خان کے فرضی نام سے غزالہ کے ساتھ تاج محل میں تھا۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر را میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ ریتا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلووں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جا چکی تھی۔ وہ مجھے انل بسواس سے ملوانا چاہتی تھی اور میں خود اس سے ملنے کو بے تاب تھا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور ریتا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کر دی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑا لیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلو خلاصی حاصل ہو گئی۔ میری ویڈیو ضائع ہو چکی تھی مگر اب ریتا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث را والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کر سکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہو گیا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر ادال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کر لیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ذیبی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ذیبی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان ایش کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ خلاف توقع اس سے رابطہ آسان ثابت ہوا۔ میں نے اس سے عبدالماجد الحسینی کے نام سے عربی لب و لہجے میں گفتگو کی۔ ذیبی کا نام ان کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا لہٰذا وہ آسانی سے میرے جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے مجھ سے سمندر کے کنارے ملاقات کا وعدہ کیا جہاں ایس ٹی ایف کی مکمل نگہبانی میں میں نے اس سے پر تصادم ملاقات کی اور اسے شدید زخمی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جان ایش کوف بھی اپنے پیش رو جان اسمتھ کی طرح خوف زدہ ہو کر پاکستان سے بھارت فرار ہو گیا۔ اب میرے سامنے آنجہانی انل بسواس کا دیا ہوا فون اور فیکس نمبر تھا۔ اپنے ساتھیوں کے مشورے سے میں نے ایک پیغام فیکس کر دیا۔ اس سے پہلے یہ معلوم کرایا جا چکا تھا کہ فیکس نمبر بھارتی سفارت خانے میں ملازم ایک اہلکار چندن کا تھا جبکہ ٹیلی فون ایک بیمار ہندو وکیل کے دفتر پر نصب تھا۔ بھارتیوں نے مظہر خان کی پردگی کا سوال اٹھایا تھا انہیں صاف جواب دے دیا گیا کہ مظہر خان نامی پاکستانی شہری واپس نہیں پہنچا اور اب بھارتی اس کی سلامتی کے بارے میں آگاہ کریں۔ فیکس کے بعد میں نے انل بسواس کے دیئے گئے نمبر پر فون کیا مجھ سے بات کرنے والے چندن نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فوری طور پر پولیس کے سامنے پیش ہو جاؤں۔ میرے آنا کانی کرنے پر اس نے مجھے میری ویڈیو فلم کی دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ چندن نے وکیل کا فون ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لے رکھا ہے۔ میں نے سلطان شاہ کی مدد سے چندن کو اٹھا لیا۔ اس سے پوچھ گچھ کے لیے میں نے خود کو ذیبی کا حریف ظاہر کیا اور وہ سب کچھ اگلتا چلا گیا۔ اس نے بھارتی تو نملیشت کے چوپڑا جی کی نشاندہی کی کہ وہ اس کا شریک کار ہے۔ وہ مجھ سے مظہر خان کا سودا کرنا چاہتا تھا اور اس کی لاش کے لیے بھی دو لاکھ روپے تک کی رقم دینے پر آمادہ تھا۔ میں نے اس کو ٹھکانے لگوا کر اس کی لاش کوڑے دان میں ڈلوا دی۔ امریکن تو نملیشت کے چیف کلرک لیری جف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آ گیا۔ اجلاس میں اس نے میرے، چندن کو کیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کر کے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ بعد میں میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری جف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر نقد جاں بار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا، چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ ثمی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہو چکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نیس ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھا لیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ڈی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے ثمی یاد آ گئی۔ ثمی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھا دی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کر کے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف تمام شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہر جاننے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر ٹیم گن استعمال کی تو اول خان کو نکتہ مل گیا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پر اسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب مجھے جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی۔ میں اس کے گھر پہنچ گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں گولڈ فارمیسی میں بیٹھ کر اپنے دشمنوں کی راہ دیکھوں گا....

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

جہانگیر فون پر بات کرتا رہا۔ میں نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے سگریٹ سلگائی اور اپنے خیالوں کی رو میں کھو گیا۔

مجھے اندازہ نہیں ہوا کہ جہانگیر فون پر کتنی دیر تک اور کیا بات کرتا رہا۔ میں اس وقت چونکا جب اس نے فون بند کر کے مجھے مخاطب کیا۔

”ہائے ڈیڈی ڈیر! کن خیالوں میں کھوئے ہوئے ہو؟“ اس نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہی بلند آواز میں نعرہ لگایا ”میں نے اپنے آدمیوں کو ہر بات سمجھا دی ہے۔“

پاتھ پر گھومتے ہوئے کسی نشانے باز کو کون سمجھائے گا!“ میں نے ایک گہرا سانس لے کر سوال کیا۔

”اوہ!“ اس کے ہونٹ تحیر زدہ انداز میں سکڑ گئے ”وہ لوگ تمہاری تلاش میں ہیں تو ان میں سے کوئی نہ کوئی تمہیں پہچانتا بھی ہو گا۔ اس نے تمہیں دیکھ لیا تو دور سے چلائی ہوئی کوئی بھی گولی پل بھر میں تمہارا کام تمام کر دے گی۔ حیرت ہے کہ اس بارے میں تم نے اب تک نہیں سوچا۔“

”دکان پر بیٹھنے کی تجویز میری نہیں تھی۔ میں نے تمہارا

”میں بار بار تم سے کہہ رہا ہوں کہ میرے مشورے میں کوئی سنگین خطرہ مضمر ہے تو اس کو مسترد کردو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ میرے لیے تمہاری سلامتی سب سے زیادہ اہم ہے۔“

”مجھے بھی اپنی جان پیاری ہے مگر میں تمہاری دکان ضرور جاؤں گا۔“

اس نے مضطربانہ انداز میں میرا بازو پکڑلیا اور بولا ”احمقانہ باتیں مت کرو۔ آئی مین کو پکڑنے کے ہزار مواقع مل جائیں گے لیکن تم نے اپنی کسی جذباتی حماقت سے اپنی جان گنوا دی تو اسے ڈھونڈنے کے لیے دوبارہ کبھی اس دنیا میں نہیں آسکو گے۔ خطرے کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔“

میں بے اختیار مسکرا دیا ”اللہ کی قدرت ہے کہ آج تم بقراط بنے ہوئے ہو اور مجھے صائب مشورہ دے رہے ہو۔“

”تمہارے اطمینان سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم نکتے کی کوئی بات مجھ سے چھپا رہے ہو۔“ اس کی آنکھوں میں شکوک کی پرچھائیاں تیرنے لگیں۔

”سب کچھ مجھ سے پوچھ لینا چاہتے ہو۔ اپنی عقل بھی استعمال کرو۔“

”اتنی دیر سے میں اپنی عقل ہی استعمال کررہا ہوں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم کوئی بات مجھ سے چھپا رہے ہو۔“

میں نے سکون سے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیا پھر کثیف دھوئیں کے مرغولے فضا میں بکھیرتے ہوئے جواب دیا ”ہم دونوں اپنی اپنی جگہ سو فیصد درست ہیں۔ تمہاری دکان کے کاؤنٹر پر بیٹھنے میں ہر لمحے یہ دھڑکا لگا رہے گا کہ نامعلوم سمت سے آنے والی کوئی گولی میرا کام تمام کردے گی مگر یہ اطمینان بھی ہے کہ میرے لہو کے پیاسوں میں سے کوئی بھی مجھ کو میری موجودہ ہیئت میں نہیں پہچان سکتا۔ وہ مجھے ڈھونڈتے رہیں گے اور میں اطمینان سے ان کی گھات میں بیٹھا رہوں گا۔“

”یہ وجہ ہے تمہاری بے خوفی کی۔“ وہ ایک گہرا سانس لے کر بول پڑا ”غنیمت ہے کہ تم نے وضاحت کردی ورنہ میرے سر پر ایک بوجھ سوار ہوگیا تھا۔ بات واضح ہوئی ہے تو میرے ذہن میں اس کا حل بھی موجود ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں دکان کی روز مرہ سرگرمیوں سے تو کوئی دلچسپی نہیں ہے!؟“

”مجھے دکان یا تمہارے کاروبار سے کیا لینا۔ تمہارے دھندے تم ہی کو مبارک ہوں۔“ میں نے بے رخی سے جواب دیا۔

”[illegible]!“ ۔۔ یہ کہہ کر [illegible] سے ہٹا کر ہنسا

پھر بولا ”تم نے صحیح لفظ استعمال کیا ہے۔ دور سے فارمیسی کا کام صاف ستھرا نظر آتا تھا مگر اس میں گھسنے کے بعد اندازہ ہوا ہے کہ اس کام میں بڑی زبردست جعل سازی ہو رہی ہے۔ مشہور برانڈز کی چلنے والی دوائیں دو نمبر بن رہی ہیں اور دھڑا دھڑ دکانوں پر بک رہی ہیں۔“

”جعلی دوائیں بک رہی ہیں!“ میں اس کے انکشاف پر بھونچکا رہ گیا ”کیا کہہ رہے ہو تم؟؟“

”اس طرح انجان مت بنو۔ تم بھی اس ملک اور اسی شہر میں رہتے ہو۔ تم کو اتنا بے خبر نہیں ہونا چاہیے۔“

”مجھے معلوم ہے کہ مال دار بننے کے چکر میں ہر طرف ملاوٹ اور جعل سازی ہو رہی ہے۔“ میں نے اعتراف کیا ”لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ زندہ درگور مریضوں کو شفا کا پیغام دینے والی دوائیں بھی اس وبا کی زد میں آچکی ہوں گی۔“

”جب روز مرہ کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ ہو رہی ہے تو دوائیں کون سی آسمان سے اترتی ہیں۔“ جہانگیر نے بے نیازی سے جواب دیا ”آٹے میں باسی ڈبل روٹیاں اور بھوسی ٹکڑوں کی بوریاں ملائی جارہی ہیں' چائے کی پتی میں چنے کے رنگے ہوئے چھلکے مل رہے ہیں۔ دھنیے میں لکڑی کا رنگین برادہ ملایا جارہا ہے۔ کالی مرچوں میں پپیتے کے بیج ملا دیے جاتے ہیں۔ گھی اور تیل میں ایسی ایسی سستی اور لرزہ خیز چیزیں ملائی جارہی ہیں کہ تیزی سے لوگوں کی بینائی خراب ہو رہی ہے' دل کے مرض پھیل رہے ہیں۔ ہر طرف یہ حال ہے تو دوائیں کیسے بچی رہ سکتی ہیں۔ ایک مشہور دوا کا اصلی پتا ہمیں دو سو سترہ روپے کا ملتا ہے۔ اسی کا دو نمبر صرف بیالیس روپے میں مل جاتا ہے۔ دونوں ایک دام پر بکتے ہیں۔ گاہک کے فرشتوں کو بھی شبہ نہیں ہوتا کہ وہ اصل دوا کے بجائے نقلی گولیاں خرید رہا ہے۔ کم و بیش ہر دکان دار اپنی روزی کمانے کے لیے اس دھندے میں لگا ہوا ہے۔“

”دکان دار اللہ کا نام لے کر اپنے گھر سے نکلتا ہے اور اسی کا نام لے کر گدی اور گلہ سنبھالتا ہے۔“ میں نے اسے ملامت کی ”اسے ایسی بے ایمانی بلکہ غداری کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔“

”میں دوسروں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کم از کم مجھے بہت شرم آتی ہے۔ میں گاہک سے صرف پیسے لیتا ہوں۔ جعلی دوائیں میرے ملازم بیچتے ہیں۔“ اس نے حقیقت کا اعتراف کرکے اپنی گردن کا بوجھ ہلکا کرلیا۔

”تمہارے ملازموں کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ گاہکوں کو دھوکے سے جعلی دوائیں بیچ رہے ہیں۔“

"ڈینی! توبہ کرو۔ انہیں کیسے پتا چل سکتا ہے۔ مجھے خود پتا نہیں ہوتا کہ کون اصلی دوا لے جا رہا ہے اور کس کے ہاتھ جعلی دوا بیچی گئی ہے۔"

"تمہارا یہ فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے غصیلی آواز میں کہا۔

"دو نمبر دوائیں اپنی پیکنگ اور پرنٹنگ کے بل پر چلتی ہیں۔ ان کاموں کے لیے ہانگ کانگ، تائیوان اور کوریا سے سستی مشینیں مل جاتی ہیں۔ بڑی بڑی کمپنیوں کے ماہر بھی لیبارٹری ٹسٹ کے بغیر جعلی دواؤں کو نہیں پہچان سکتے۔ دو نمبر مال آتا ہے تو میں اسے الگ نہیں رکھتا۔ ایمان داری سے اصلی دواؤں میں ملا دیتا ہوں۔ اب یہ آنے والے گاہک کی قسمت ہوتی ہے کہ اسے کیا ملتا ہے۔ میں جان بوجھ کر گاہکوں کو دھوکا نہیں دیتا۔ مارکیٹ میں تو اس سے بڑے فراڈ ہو رہے ہیں۔ اصل قیمت پر دو نمبر دوا ملتی ہے۔ اصل دوا بلیک ہوتی ہے۔"

ایمان داری اور دھوکے کے بارے میں جہانگیر کے نئے نظریات چونکا دینے والے تھے "تم کو یہ سب بتاتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔ تم اللہ کا نام لے کر اپنے کاروبار کا آغاز کرتے ہو اور کام میں اس قدر مکروہ حرکتیں کرتے ہو کہ شیطان بھی تم سے شرماتا ہوگا۔"

"بھائی، یہ دکان داری کے گر ہیں جو میں نے کافی مال گنوانے کے بعد سیکھے ہیں۔ تمہیں میرا احسان مند ہونا چاہیے کہ میں تمہیں یہ ساری باتیں مفت میں بتا رہا ہوں۔ ہم اللہ کا نام اپنی چمڑی بچانے کے لیے لیتے ہیں، توبہ کرنے کے لیے نہیں لیتے۔ ابھی تو توبہ کے لیے ساری عمر پڑی ہوئی ہے۔ تم دیکھ لو کہ میرے مولا نے ابھی تک مجھ کو بچایا ہوا ہے۔ آج تک کسی غلط قسم کے ڈرگس انسپکٹر نے میری دکان میں قدم نہیں رکھا۔ جو آتا ہے، لگی بندھی رقم لے کر سلام کرتا ہے اور سر جھکا کر چلا جاتا ہے۔"

وہ انکشافات اس قدر ہولناک تھے کہ تھوڑی دیر کے لیے آئی مین اور اس کا قابل نفرت کردار میرے ذہن سے محو ہو گیا۔ میں نے حیرت اور غصے سے پوچھا "کیا تم مجھے یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ مارکیٹ میں یہ سارا ہیر پھیر سرکاری ڈرگس انسپکٹرز کی ملی بھگت سے ہوتا ہے۔"

"یار ڈینی! میرے سامنے تم اتنے معصوم نہ بنو۔ سرکاری کارندوں کی ملی بھگت کے بغیر کبھی غیر قانونی دھندے نہیں پنپ سکتے۔"

"تم غلط ڈرگس انسپکٹر کس کو سمجھتے ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے پوچھا۔

"جو بھتا لینے کے بجائے دواؤں کے نمونے لینے پر اصرار کرے، وہ ہماری راہ کا روڑا ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں کراچی میں ایسا ہی ایک سرپھرا آگیا تھا۔ سب نے مل کر دو دنوں کی ہڑتال کی تو اس کا تبادلہ ہو گیا۔ جو خود کچھ نہیں لے گا وہ اپنے اوپر والوں کو کیا دے گا۔ اس کے افسر بھی اس سے خار کھائے بیٹھے تھے۔ سالے پر الٹا کیس بن گیا۔"

"کیسا کیس؟" ایک ایمان دار شخص کی اس بے رحمانہ درگت کا احوال میرے لیے عبرت اثر تھا۔

"اسے چھوڑو۔ تم کس کس کو روؤ گے۔ سب مل کر دونوں ہاتھوں سے دولت لوٹ رہے ہیں۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیا "پولیس، سی آئی اے، کوسٹ گارڈ اور کسٹم والوں کو کیا پتا نہیں کہ گل سینٹر، موتن داس مارکیٹ اور شہر بھر کی دکانوں میں اسمگلنگ کا سامان کہاں سے آتا ہے۔ ہر طرف بھتوں کا چکر چل رہا ہے۔ اپنی دواؤں کی ٹریڈ میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ دکان چل نکلے تو یہ ہیروئن فروشی سے اچھا دھندا ہے۔ پکڑ دھکڑ کے خوف کے بغیر عزت سے روٹی کمائے جاؤ.... لیکن تم بلا وجہ ان باتوں میں پڑ کر اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ تم کو کون سی فارمیسی چلانی ہے۔ بس وہاں جا کر اپنا اڈا جمانا ہے۔ یہ سارے کام میرے آدمی سنبھال لیں گے۔"

اس سے بات کر کے مجھے اندازہ ہوا کہ دوسری لائنوں کی طرح اس کے کام پر بھی ڈرگ مافیا کا راج تھا۔ یہ مانا کہ سب ایسے نہیں تھے لیکن مال و دولت کی دوڑ میں ایک بڑی تعداد بے ایمانیاں کر رہی تھی۔ میں وہ باتیں سن کر اپنا خون تو سلگا سکتا تھا، ڈرگس مافیا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں۔ دکان سے میں گھر چلا جاؤں گا۔ کوئی خاص بات ہوئی تو تم کو فون کر لوں گا۔" میں نے کہا۔

"تم نے اپنی جرح کے چکر میں ایک اہم بات میرے ذہن سے نکال دی۔" وہ اپنا سر جھٹک کر بولا۔

میں اس کی بھولی ہوئی بات کا منتظر رہا۔ اس نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی "خطرہ ہر حال میں خطرہ ہوتا ہے۔ تم کو اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ضروری نہیں کہ تم کاؤنٹر کے پیچھے میری اونچی کرسی پر بیٹھے رہو۔ میں نے آرام کرنے اور قیلولہ کرنے کے لیے دکان میں ایک کیبن بنوایا ہے۔ اس کے تاریک شیشے میں سے تم دکان میں آنے جانے والے ہر شخص پر نظر رکھ سکتے ہو۔ وہ کیبن تمہارے بیٹھنے لیٹنے کے لیے موزوں رہے گا۔"

"اس رہنمائی کا شکریہ۔ میرے جانے کے بعد سلمیٰ سے نہ الجھ بیٹھنا۔"

"میں اس سے کیا الجھوں گا۔" وہ مجھے آنکھ مارتے ہوئے مسکرا کر بولا "تم نے دیکھا نہیں کہ اب وہ مجھ سے ڈر گئی ہے۔ دو تین جھٹکوں میں تم سے آپ پر آگئی ہے۔ بیوی ذرا ادب سے بات کرے تو آدمی کا دل خوش ہو جاتا ہے۔ خوشی کی حالت میں کسی سے الجھا نہیں جاتا۔"

بات پوری کر کے اس نے کین میں بچی ہوئی بیئر اپنے دہانے میں انڈیلی اور خالی ڈبا ڈسٹ بن میں اچھال دیا۔

میں نے رخصتی مصافحہ کرنے کے لیے ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو اس نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور کہا "اس سالے آئی مین نے ہم دونوں کا دماغ خراب کیا ہوا ہے۔ میرے ساتھ تم بھی بھول رہے ہو کہ سلمیٰ تمہارے لیے پراٹھوں کا لنچ تیار کر رہی ہے۔ تم کھانا چھوڑ کر گئے تو وہ سخت ناراض ہو جائے گی۔"

"یار، تم اسے سنبھالینا۔" میں نے اس کی خوشامد کی "ہم نے ساری باتیں کر ڈالی ہیں۔ اب میرا وقت برباد ہوگا۔"

"ساری کہاں، ابھی تو باتیں شروع ہی نہیں ہوئیں۔" وہ اوفرانہ انداز میں مسکرایا "اب آئی مین کا چکر چل نکلا ہے تو اپنی بلیک کوئین بھی میدان میں اترے گی۔"

"میں کئی بار تمہیں سمجھا چکا ہوں کہ وہ خطرناک عورت ہے۔" میں نے دوبارہ اپنی جگہ سنبھالتے ہوئے کہا "تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ اس سے دور رہو۔"

"میں اس سے دور ہی رہتا ہوں۔ میں نے اس سے کون سی شادی کی فرمائش کی ہے۔" جہانگیر نے الٹا مجھ سے احمقانہ سوال کر ڈالا۔

"قرب کا مطلب صرف شادی نہیں ہوتا۔" میں نے غصے سے جواب دیا "تم ہر وقت اس کی جڑ میں گھسنے کے چکر میں رہتے ہو۔"

"واہ واہ...." میرے جواب پر وہ خوش ہو گیا "تم کو بھی کیا نادر خیال سوجھتے ہیں۔ مجھے تو آج تک ویرا کی جڑ نظر نہیں آسکی۔ تم...."

میں نے بھنّا کر اس کی بات کاٹ دی "اب آگے ایک لفظ نہ بولنا۔ میری یہ بات کہیں لکھ کر رکھ لو کہ تم ایک بار ویرا کی ناز برداریوں میں لگ گئے تو دھوبی کے کتے کی طرح گھر کے رہو گے نہ گھاٹ کے۔ تم سلمیٰ سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ مردوں کے معاملے میں ویرا بہت سفّاک ہے۔ وہ ان کو رجھا کر اپنے قدموں پر جھکاتی ہے پھر انہیں ٹھوکروں سے اڑانا شروع کر دیتی ہے۔ یہ اس کی سرشت ہے جسے بدلنا کسی کے بس کی بات نہیں۔"

وہ بے ڈھنگے پن سے ہنس پڑا "یار وہ اتنی خوب صورت، نفیس اور نرم و نازک لڑکی ہے۔ تم بلا وجہ اسے ہوّا بنا رہے ہو۔"

"میری بات مت مانو۔ خود تجربہ کر لو۔ جب تمہیں عقل آئے گی تو خود کو بالکل یکہ و تنہا پاؤ گے۔"

"تم نے کبھی اس کا ایسا ہوّا کھڑا نہیں کیا۔ اب آئی مین کے بہانے اس سے مل بیٹھنے کے آثار نمودار ہوئے ہیں تو تمہیں اس کے بارے میں ساری خطرناک باتیں یاد آنے لگی ہیں۔ کچھ خدا کا خوف کرو۔ یوں میرا خون تو نہ سکھاؤ۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" میں نے بے باکی سے کہا "میں گاہے گاہے یہ باتیں تمہارے کان میں ڈالتا رہا ہوں۔ اب تمہاری عقل پر ہی پردہ پڑ گیا ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ وہ ہمیشہ سے ایسی تھی، ایسی ہے اور ایسی ہی رہے گی۔"

"دیکھا جائے گا۔" وہ بے پروائی سے بولا "وہ تمہاری منظورِ نظر نہ ہوتی تو میں اب تک دس بار اس کی کلائی مروڑ کر اسے بے بس کر چکا ہوتا۔ وہ خود مجھ سے مذاق کرتی ہے۔ میں تمہارے لحاظ میں اسے طرح دے جاتا ہوں۔"

"میری وجہ سے اسے طرح دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کان کھول کر یہ بھی سن لو کہ وہ میری منظورِ نظر یا چہیتی نہیں ہے۔ میرے ماں کے لیے یہی کافی ہے کہ میں نے غزالہ کو خوش رکھا ہوا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے مجھے دنیا کی کسی عورت کی پروا نہیں ہے۔"

"اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ غزالہ ایک اچھی لڑکی اور تمہاری بہت اچھی بیوی ہے لیکن اپنی بیوی پر اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا۔ پتا نہیں تمہارے دل کو کب کوئی اور عورت بھا جائے یا پھر کسی وقت وہ اچانک ہی تمہارا ساتھ چھوڑ جائے۔" اس نے دبے لہجے میں کہا۔

اس نے الفاظ کے انتخاب میں احتیاط کی تھی مگر اس کی بات درست تھی۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ہم دونوں چند ثانیوں تک خاموش بیٹھے رہے۔ میں سگریٹ نوشی میں مصروف رہا۔ جہانگیر بیئر کا نیا کین نکالنے یا نہ نکالنے کے بارے میں تذبذب میں مبتلا تھا۔ سلمیٰ کی بروقت آمد نے ہم دونوں کا مسئلہ حل کر دیا۔ اس نے اپنا چہرہ وغیرہ صاف کر لیا تھا لیکن قمیض کے چست حصے کچن کی گرمی میں نکلنے والے پسینے میں شرابور ہو رہے تھے۔ اس نے مسرت آمیز لہجے میں ہمیں اطلاع دی کہ میز پر کھانا تیار تھا۔

کھانا بالکل تازہ، گرما گرم اور بہت لذیذ تھا۔ ہم آپس میں ہلکی پھلکی باتیں کرتے ہوئے شکم پری میں مصروف ہو گئے۔ کھانے کی مستطیل میز کی چوڑائی کے سامنے رکھی ہوئی اکلوتی کرسی پر سلمیٰ صدر نشین تھی۔ اس کے دائیں بائیں جانب والی سمتوں پر ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ باتوں کے درمیان کھانے کا دور چل رہا تھا کہ میرے گھٹنے سے کوئی گھٹنا قدرے زور سے ٹکرایا اور الگ ہو گیا۔ میں بری طرح چونک پڑا۔ میں نے دزدیدہ نظروں سے جہانگیر کی طرف دیکھا تو وہ سر جھکائے کھانے کی پلیٹ سے انصاف کرنے میں مصروف تھا۔ اگر وہ میری طرف متوجہ ہوتا تو میرے چہرے پر نمودار ہونے والی تبدیلی سے کسی گڑبڑ کا اندازہ لگا لیتا۔

وہ سلمیٰ جیسی تیز و طرار بیوی کا شوہر تھا لیکن اس کی طرف سے یوں غافل رہتا تھا جیسے وہ اس کی زرخرید باندی ہو اور اس سے انحراف کرنے کی ہر جرأت سے محروم ہو۔ سلمیٰ اس کی آنکھ بچا کر میرے ساتھ ہمیشہ کوئی نہ کوئی حرکت کر گزرتی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے اس نے اپنی خواب گاہ میں جان بوجھ کر میرا پیر دبایا تھا اور اس وقت کھانے کی میز پر گھٹنا لڑا دیا تھا۔ جہانگیر دونوں مواقع پر بے خبر رہا تھا۔ میں نے تیز نظروں سے سلمیٰ کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچ رہی تھی اور سیاہ آنکھوں میں شوخی رچی ہوئی تھی۔

کھونٹے سے بندھی ہوئی کسی بے بس گائے کی طرح اس نے گردن کو جنبش دی۔ کوئی مکالمہ نہ ہونے کے باوجود میں اس کا مدعا سمجھ گیا۔ وہ کوئی موقع نکال کر تخلیے میں مجھ سے بات کرنے کی خواہاں تھی۔ جہانگیر کی موجودگی میں میری پوزیشن مخدوش تھی۔ میں نے سلمیٰ کے اشارے کا کوئی جواب دیے بغیر اس سے نظریں چرا لیں۔

کھانے کا دور ختم ہونے کے بعد جہانگیر مجھے ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ سلمیٰ میز پر پھیلے ہوئے برتن سمیٹنے میں مصروف ہو گئی۔

میرا اندازہ تھا کہ سلمیٰ سے تخلیے میں ملاقات کا مرحلہ میری کسی کوشش کے بغیر ٹل جائے گا مگر اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ عورت اپنے مرد سے چوری پر تل جائے تو اسے ہوا لگنے دیے بغیر اس کی آنکھوں کا سرمہ بھی چرا سکتی ہے۔

سلمیٰ دیدہ دلیری سے ڈرائنگ روم میں آئی اور براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر دھیمی آواز میں بولی "تم نے اپنا سارا بوجھ بار میرے اوپر ڈال دیا ہے۔ کم از کم کبھی کبھار اپنی امانت کی رقم پر بھی نظر ڈال لیا کرو۔ میں کب تک اسے لیے بیٹھی رہوں گی۔"

"جب تک مجھے تم پر بھروسا ہے، مجھے رقم دیکھنے یا گننے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"چھمی دیوی سے ایسی بے نیازی اچھی نہیں ہوتی۔" جہانگیر نے ناصحانہ لہجے میں مجھ سے کہا "کبھی کبھی اس کے درشن کر لیا کرو۔ سلمیٰ ٹھیک کہہ رہی ہے۔"

"آؤ! میرے ساتھ آؤ۔" سلمیٰ نے مجھے حکم دیا پھر رواروی میں جہانگیر سے پوچھا "آپ بھی آ رہے ہیں؟"

"میں پرائے مال پر نظر ڈالنا بھی پسند نہیں کرتا۔ ڈینی کا مال اسی کو مبارک ہو۔ تم دونوں اپنا کام کر آؤ۔ میں ٹی وی دیکھوں گا۔"

سلمیٰ نے اس کے لیے ٹیلی وژن کا سوئچ آن کر دیا اور مڑ کر اپنی خواب گاہ کی طرف چل دی۔ دو خفیہ فرمائشوں کے بعد اس نے کھلا بہانہ تراش کر میرے فرار کی ہر راہ مسدود کر دی تھی۔ مجھے ناچار اس کے پیچھے جانا پڑا۔

اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہو کر میں نے جونہی دروازہ بند کیا، سلمیٰ تیزی سے میری طرف گھوم گئی "میں نے اشارے کیے تو تم مجھے گھور کیوں رہے تھے؟"

”جہانگیر تمہارا شوہر ہے۔“ اس کے سوال پر میں نے خود کو ہونق محسوس کرتے ہوئے کہنا شروع کیا ”وہ تمہاری اشارے بازیاں دیکھ لیتا تو مجھے اپنے گھر سے نکال کر تمہاری ہڈیاں توڑ ڈالتا۔ تم کو اس کا ذرا بھی خوف نہیں ہے۔“

”ان کے غصے سے میری جان نہ نکلتی ہوتی تو یہ گھر کب کا برباد ہو چکا ہوتا۔“

”سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتیں!“

”وہ تم کو مہاتما سمجھتے ہیں۔ تمہارے بارے میں بھول کر بھی کوئی غلط بات نہیں سوچ سکتے۔“

”اور تم اس کے اندھے اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتی ہو!“ میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

”کم از کم اس وقت میرا ارادہ نیک تھا۔“ سلمٰی نے شوخی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا ”میں دن بھر گھر پر رہتی ہوں۔ یہ باہر نہ جانے کیا کرتے پھرتے ہیں۔ کچھ دنوں سے میں بہت پریشان ہوں کیونکہ گھر میں آنے والی رقموں کی مقدار اچانک بڑھ گئی ہے۔“

”کن رقموں کی بات کر رہی ہو؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ کہتے ہیں کہ دکان کی آمدنی بڑھ گئی ہے۔ کسی جائز کاروبار میں یوں اچانک آمدنی نہیں بڑھا کرتی۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں انہوں نے کوئی ہیرا پھیری نہ شروع کر دی ہو۔ خدا خدا کر کے اب ہم ان کے ماضی کی دہشت سے آزاد ہوئے ہیں۔ اب کوئی نیا مسئلہ کھڑا نہ ہو جائے۔“

اس کی تشویش کا سبب جان کر میں بے ساختہ ہنس پڑا ”سنا ہے کہ عورتیں جائز اور ناجائز میں امتیاز نہیں کرتیں۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے مرد زیادہ سے زیادہ رقم کما کر گھر لائیں۔ تم عجیب عورت ہو کہ شوہر کی آمدنی میں اضافے سے پریشان ہو رہی ہو۔“

”میں بے تحاشا آنے والی دولت کا نتیجہ بھگت چکی ہوں اس لیے ڈرتی ہوں۔“

”وہ پیسے گھر کیوں لاتا ہے؟ اپنی پونجی بینک میں کیوں نہیں رکھتا؟“

”کالا دھن ہو گا۔ تم نے بھی تو اپنی بہت بڑی رقم میرے پاس رکھوائی ہے۔ تم دونوں کی بعض عادتیں اور حرکتیں بالکل یکساں ہیں۔“ اس نے منہ بنا کر کہا اور قدرے توقف کے بعد شکوہ کیا ”تم نے ان کی آمدنی میں اضافے والا معاملہ گول کر دیا۔“

”میں اس تبدیلی سے بے خبر تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے خود اعتراف کیا ہے کہ اب وہ اصل کے نام پر جعلی دوائیں بھی بیچ رہا ہے۔ ایسے گھناؤنے کاموں میں آمدنی خود بخود بڑھ جاتی ہے۔ وہ کوئی اور ہیر پھیر نہیں کر رہا۔“

”غضب خدا کا۔ اب اس سے بڑا اور کیا ہیر پھیر کریں گے۔ اب وہ ہیروئن تو بیچنے سے رہے۔“

اس نے روا روی میں پتے کی بات کہہ دی تھی۔ وہ اپنی شادی کی ابتدا سے ہی جہانگیر کی سرگرمیوں کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھی۔ وہ کبھی اپنے گھر میں کتوں کی فوج پال لیتا تھا تو کبھی اپنے پورے گھر میں دن رات چراغاں کیے رہتا تھا تاکہ مسلح حملہ آوروں کا کوئی جتھا اس کے گھر پر دھاوا بولنے کی ہمت نہ کر سکے۔ وہ ہر وقت اپنے گھر میں گھسا رہتا تھا۔ کبھی باہر نکلنا ہی پڑتا تو بیش قیمت بلٹ پروف گاڑی میں سفر کرتا تھا۔ اس نے اپنی مجبوریوں کے بارے میں کبھی بھی سلمٰی کو اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش نہیں کی۔ ہمیشہ اسے حقارت سے دھتکارتا رہا۔ اس کے دل کا چور کبھی اسے سلمٰی سے بہت زیادہ قریب نہیں ہونے دیتا تھا اور یوں دن بدن ان دونوں کے درمیان ذہنی خلیج بڑھتی چلی گئی۔ سلمٰی کے سارے شکوک و شبہات اپنی جگہ پر تھے مگر اسے پوری زندگی میں کبھی یہ شبہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کا مالدار شوہر ہیروئن فروشی کے منظم دھندے میں ملوث تھا۔

اس وقت سلمٰی ہیروئن فروشی کو بدترین اور قابلِ نفرت کام قرار دے رہی تھی مگر میرا خیال تھا کہ صحت بخش دواؤں میں کھیلنا ہیروئن فروشی سے بھی بڑا جرم تھا۔ ہیروئن لینے والے کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسا زہریلا نشہ خرید رہا ہے اور اس کے دل و دماغ پر کیسے مضر اور سنگین اثرات ہو سکتے ہیں۔ میڈیکل اسٹور پر وہ زخم خوردہ تیماردار آتے ہیں جن کے دلوں میں اپنے مریض کی زندگی کی کوئی آس ہوتی ہے۔ وہ پوری قیمت دے کر، صحیح علاج کی امید میں، دوا لیتے ہیں اور اپنے مریض کو دے دیتے ہیں پھر دوا کے معجزاتی اثرات کے انتظار میں اپنے رب سے لو لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ وہاں دوا نہیں، اس کا کوئی بے ضرر یا ضرر رساں متبادل ہوتا ہے۔ مریض کے سانسوں کی لڑی ٹوٹ جاتی ہے۔ کسی کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ موت کے کس سوداگر نے وہ جعلی دوا بنانے اور دولت لوٹنے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔

”میں نے اسے سمجھایا ہے اور مزید سمجھانے کی کوشش کروں گا۔“ میں نے سلمٰی سے کہا ”اس کا ہاتھ کھلا ہوا ہے جس طرح خرچ کرتا ہے، اسی طرح کمانے کے چکر میں غلط

راستے پر پڑ گیا ہے۔ میں اسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کروں گا۔''

''تم لمبے عرصے کے لیے غائب ہو جاتے ہو تو میرے دل میں اداسی ڈیرے ڈال دیتی ہے۔ ذرا آتے جاتے رہا کرو تو میرے دل کو ڈھارس رہے گی۔'' سلمیٰ کے تیور یکایک بدل گئے۔

''مم.... میں آؤں گا اور آتا رہوں گا۔'' میں نے بوکھلا کر وعدہ کیا ''کیا تم نے رقم دکھانے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔''

''وہ تو تم سے ملنے کا بہانہ تھا'' وہ ایک ادا سے مسکرا کر بولی ''دیکھنا چاہو تو میں چابی نکالتی ہوں۔''

میں نے گھبرا کر اسے روک دیا ''ہرگز نہیں۔ اس کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تم پر پورا اعتبار ہے۔''

اس کا ازار بند کے سرے پر بندھی ہوئی چابی کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ رک گیا۔ چابی کے گم یا چوری ہو جانے کے خوف سے اسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی۔ یہ بات مجھ پر امانت داری کے ابتدائی دنوں میں ہی منکشف ہو چکی تھی۔

سلمیٰ نے اپنا اصل مسئلہ مجھ سے بیان کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا تھا اور اس کے دماغ پر رومان کا ہلکا سا بھوت سوار ہونے لگا تھا۔ وہ صورتِ حال میرے لیے مخدوش تھی۔ میں نے اس کی دل جوئی کرنے کے بجائے، اس کی باتوں کے الٹے سیدھے جواب دے کر اپنی جان چھڑائی اور خواب گاہ سے نکل آیا۔

''میرا خیال تھا کہ سلمیٰ تم کو رقم گنوانے بیٹھ گئی تو تم ایک آدھے گھنٹے سے پہلے کمرے سے باہر نہیں آؤ گے۔'' مجھے دیکھتے ہی جہانگیر نے کسل مندی سے کہا اور میں بری طرح چونک پڑا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اسے ہم دونوں پر شبہ ہو چکا تھا اور وہ مجھ پر گہرا طنز کر رہا تھا۔

''وہ رقم اتنی بڑی ہے کہ اسے گننے کے لیے تمہاری مدد ضروری تھی۔'' میں نے سنبھل کر جواب دیا ''میں تمہاری بیوی کے ساتھ کلھیا میں گڑ نہیں پھوڑ سکتا تھا۔''

''مجھ سے اپنی رقم نہیں گنی جاتی، میں تمہارے ڈالر کیا گنوں گا۔'' اس کی بے پروائی سے مترشح تھا کہ اس نے جو کچھ کہا معصومانہ سادگی سے کہا تھا۔ اس کے فقرے میں طنز کا شائبہ نہیں تھا۔

میں نے ان دونوں سے اجازت لی اور ان کے فلیٹ سے نکل کھڑا ہوا۔

سڑک پر آ کر میں نے ٹیکسی پکڑی اور لی مارکیٹ کی طرف روانہ ہو گیا جہاں جہانگیر کی گولڈن فارمیسی واقع تھی۔

میرا بس چند بار اس دکان پر جانا ہوا تھا۔ وہ اس کا کاروباری ٹھکانا تھا۔ میں کبھی گپ شپ لڑانے کی نیت سے وہاں نہیں بیٹھا تھا۔ جس کام سے گیا تھا اسے پورا کرتے ہی وہاں سے لوٹ گیا تھا۔ مجھے اس کے ملازموں کے چہروں مہروں پر غور کرنے کا وقت اور موقع ہی نہیں ملا تھا مگر گولڈن فارمیسی میں قدم رکھتے ہی ان دونوں نے بڑھ کر میرا استقبال کیا تو میں نے بلا توقف انہیں پہچان لیا۔ ان کے چہرے میرے لاشعور کے کسی نہاں خانے میں بہت اچھی طرح محفوظ تھے۔

میں کاؤنٹر کے پیچھے داخل ہو کر تاریک شیشوں کی دیواروں والے مختصر سے کیبن کی طرف بڑھ گیا۔ ان دونوں میں سے قدرے معمر آدمی میرے پیچھے تھا۔

''جہانگیر صاحب کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گئی۔'' کیبن میں داخل ہوتے ہی معمر ملازم نے سوال کیا۔

''اس کی طبیعت ٹھیک ہے۔ چند دنوں کے لیے گھر پر آرام کرنے کا موڈ ہے۔ تمہیں گڑبڑ کا خیال کیوں آ گیا؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ کے آنے سے دس منٹ پہلے ان کا فون آیا تھا۔ کہہ رہے تھے کہ اب دکان پر صاف ستھری دوائیں بکیں گی۔ جعلی مال ضائع کر دیا جائے۔'' اس نے دھیمی آواز میں رازداری سے کہا۔

''یہ بہت اچھا فیصلہ ہے۔ کیا تم اس سے خوش نہیں ہو؟'' میں نے جہانگیر کے فیصلے سے اپنی بے خبری یا باخبری کا اعتراف کیے بغیر کہا۔

منیر نامی اس ملازم کے الفاظ سنتے ہی مجھے سلمیٰ کا خیال آیا تھا۔ میں نے دواؤں میں جعل سازی کے موضوع پر جہانگیر سے جو کچھ کہا تھا وہ خاصا سخت تھا لیکن اس ڈھیٹ شخص نے میری باتوں کا زیادہ اثر نہیں لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں نے اس دھندے کے بارے میں سلمیٰ کو باخبر کر کے ایک کارِ خیر کیا تھا۔ شاید وہ میری روانگی کے بعد جہانگیر سے الجھ گئی ہو گی کہ زیادہ پیسے کے لالچ میں وہ ایسے مذموم کام میں کیوں ملوث تھا۔

اس وقت جہانگیر کی رگ اتری ہوئی تھی۔ وہ اندر سے خوش تھا کہ اپنے ماموں کی بدنامی اور گرفتاری کے بعد سلمیٰ اپنے بلند مقام سے گر کر اسی مرتبے پر آ گئی تھی جہاں وہ ماضی کے ایک مجرم کے طور پر فائز تھا۔ اسے دوسری خوشی یہ تھی

کہ دماغ سے اپنی خاندانی برتری کا خمار اترنے کے بعد سلمیٰ کے رویے میں نمایاں تبدیلی آچکی تھی۔ یہ جہانگیر کے دل میں پیدا ہونے والی اسی نرمی کا کمال تھا کہ سلمیٰ کے اصرار پر وہ جعلی دواؤں کی فروخت کے دھندے سے تائب ہونے پر آمادہ ہوگیا۔

سلمیٰ اپنے شوہر کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جہانگیر کو زیادہ سوچنے سمجھنے کا موقع مل گیا تو وہ اپنی روش بدلنے سے منحرف ہوجائے گا۔ میرے چلے آنے کے بعد گھر میں تخلیے کا راج تھا۔ جہانگیر کے پیٹ میں بیئر کے کئی ڈبوں پر مرغن خوراک اتر چکی تھی۔ سلمیٰ نے یقینی طور پر اپنے ہر حربے سے کام لے کر جہانگیر کو مجبور کردیا ہوگا کہ وہ فون کرکے اسی وقت اپنے ملازموں کو جعلی دواؤں کی تلفی کا حکم دے دے۔ وہ بات ملازموں وغیرہ تک پھیل جانے کے بعد جہانگیر کے لیے فیصلہ لوٹانا مشکل ہوجاتا۔

"صاحب مجھ سے زیادہ کون خوش ہوگا۔ مجھے تو کام کرنا ہے اور تنخواہ لینی ہے۔ پیسے اتنے ہی ملیں گے۔ اچھا ہوا کہ مفت کے ایک گناہ سے جان چھوٹ گئی۔" منیر کہہ رہا تھا "پتا نہیں اللہ کے کس نیک بندے نے ہمارے صاحب کو یہ راہ سجھائی ہے۔ ایک بار کسی دکان دار کے منہ کو خون لگ جائے تو اس کا سدھرنا مشکل ہوتا ہے۔"

"اب جعلی دواؤں کے ڈبے ضائع کردو۔ یہ کام شام تک ہوجانا چاہیے۔" میں نے اسے ہدایت کی۔

"یہ کام زیادہ تر گولیوں میں ہوتا ہے۔ آپ آئے تو ہم سربند ڈبے الگ کررہے تھے۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

"اور جو ڈبے یا پتے اصلی دواؤں میں ملے ہوئے ہیں ان کا کیا ہوگا؟" میرے لیے اپنی باخبری کا اظہار کرنا ضروری ہوگیا تھا۔

منیر کی تحیر زدہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں "آپ کو سب معلوم ہے پھر تو یہ نیک مشورہ آپ نے ہی دیا ہوگا۔ ملی ہوئی دواؤں میں اصلی اور نقلی کا پتا چلانا ہمارے لیے بھی ناممکن ہے۔ جہانگیر صاحب کہتے تھے کہ بے ایمانی بھی پوری ایمان داری سے کی جانی چاہیے۔"

"ایسی ملی جلی دواؤں کی تعداد کتنی ہے؟" میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد سوال کیا۔

"ہمیں دو نمبر کام شروع کیے ہوئے آٹھ دس ہفتے ہوئے ہیں۔ ویسے بھی ہر دوا کی نقل نہیں بنتی۔ بہت زیادہ چلنے والی دواؤں میں ہیر پھیر کیا جاتا ہے۔ ہمارے پاس اس وقت سات دوائیں ملا جلا کر چل رہی ہیں۔"

"باقی اسٹاک میں کوئی گھپلا نہیں ہے؟" میں نے بے یقینی سے پوچھا۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی تھی کہ صرف سات دواؤں میں جعل سازی کے نتیجے میں جہانگیر کی آمدنی میں اتنا اضافہ ہوگیا تھا کہ سلمیٰ جیسی خانہ دار خاتون اس اضافے کو نوٹ کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"باقی اسٹاک صاف ہے۔" اس نے کھلے دل سے آگاہ کیا۔

"پھر ان ساتوں دواؤں کو بھی ضائع کردو۔ کل ان کا اسٹاک پورا کرلینا۔"

"صاحب! ان میں سے چار گولیاں بہت مہنگی ہیں۔ لاکھ روپے کے قریب نقصان ہوگا۔" وہ تشویش سے بولا۔

"پروا مت کرو۔ جہانگیر نے شور کیا تو ایک لاکھ روپے میں اپنی جیب سے دے دوں گا۔ اب ایمانداری پر کمر باندھی ہے تو پوری ایمان داری سے کام لو۔ اس لمحے کے بعد اس دکان سے ایک بھی جعلی گولی نہیں بیچی جائے گی۔ نہ جعلی دوائیں خریدی جائیں گی۔"

وہ سر جھکا کر خاموشی سے کیبن سے نکل گیا۔ اس دوران میں دوسرا ملازم دکان میں آنے والے گاہکوں کو نمٹانے میں مصروف رہا تھا۔

وہ کیبن مختصر لیکن آرام دہ تھا۔ چھوٹی میز پر کمپیوٹر اپنے لوازم سمیت موجود تھا۔ بیٹھنے والی آرام دہ کرسی بھی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ ایک دیوار کے ساتھ آرام کرنے کے لیے دیوان پڑا ہوا تھا۔ میں کرسی پر بیٹھا جھولتا اور باہر کا جائزہ لیتا رہا۔ میرے لیے آرام سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ حالات میں آئی مین کی طرف سے کوئی پیش رفت ہو۔

تھوڑی دیر بعد میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دوسری طرف سے جلال بول رہا تھا۔

"انہوں نے قدرے تاخیر کے ساتھ 'ایک بجے چوپڑا کو پولیس ہیڈ آفس پہنچا دیا۔" اس کی آواز سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"میرے لیے یہ آج کی بہت بڑی خبر ہے لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ اس کی مناسب خاطر تواضع نہیں کی جاسکے گی۔"

"مناسب کیا' اس پر ہاتھ اٹھانا بھی دشوار ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ بھارتی قونصل خانے کا ایک افسر روز اس سے ملنے آئے گا۔"

"پھر تم اس موذی کو یوں ہی پالتے رہو گے؟" میں نے مایوسی سے پوچھا۔

"جسمانی تشدد کے علاوہ ہمارے لیے پاس دوسرے نفسیاتی اور اعصابی حربے ہیں جن کا استعمال شروع کر دیا گیا ہے۔" اس نے مجھے خوش خبری سنائی "ہم ایسے معاملات سے نمٹنے میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ ضرورت پیش آئی تو اس پر تشدد کی بھی کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی۔"

"تفتیش کی ضروریات سے قطع نظر بھی وہ تشدد کا مستحق ہے۔ اس کا حشر کم از کم راجا جیسا ضرور ہونا چاہیے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ اس کا انجام راجا سے زیادہ ہوگا....."

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے ذہن میں کوئی تجویز جنم لے چکی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "تم مجھے کھل کر پوری بات کیوں نہیں بتاتے!"

ہلکی سی بے ساختہ ہنسی کے بعد اس کی آواز ابھری "وہ عمر کوٹ کا رہنے والا ہے۔ میں کسی بھی وقت اسے وہاں منتقل کرا دوں گا پھر دیکھتا ہوں کہ بھارتی قونصل خانے والے روزانہ اس کی خبرگیری کیسے کرتے ہیں۔"

"وہ اس کی عمر کوٹ منتقلی پر سخت شور مچائیں گے۔ وہ اتنے معصوم نہیں ہیں کہ تمہاری نیت اور ارادوں کو نہ سمجھ سکیں۔"

"اس احتجاج کی گنجائش نہیں ہوگی۔ یہ بتایا جائے گا کہ کچھ کڑیاں عمر کوٹ میں ہیں۔ کیس کی تیاری کے لیے ملزم کا وہاں لے جایا جانا ناگزیر ہے۔"

"یہ تمہارے معاملے ہیں۔ انہیں تم بہتر سمجھ سکتے ہو۔ میری دلی آرزو یہ ہے کہ وہ قانون کی گرفت میں آ ہی گیا ہے تو کوئی بھی تحفظ اس کے کام نہ آ سکے۔ اس کا وہی حشر اور انجام ہونا چاہیے جس کا وہ مستحق ہے۔" میں نے اپنے اشتعال پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔

ہلکی سی تفہیمی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری "میں تمہاری کیفیت کو خوب سمجھ رہا ہوں کیونکہ میں خود بھی ونود کے بارے میں اسی کیفیت سے گزر رہا ہوں۔ طبیعت یہ چاہتی ہے کہ پوری درندگی کے ساتھ اس کے بدن کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا جائے۔ غداری کی سزا اس سے کم نہیں ہونی چاہیے۔"

"جو لوگ بھارتی یا پھر غیر ملکی ہیں ان کی مجرمانہ اور سازشی سرگرمیاں قابلِ فہم ہوتی ہیں۔ ان کو اس زمین سے پیار ہوتا ہے نہ وہ یہاں رہنے والوں سے کوئی لگاؤ رکھتے ہیں۔ ان کے لیے دولت سب کچھ ہوتی ہے۔ بھارتی جاسوس یہاں کام کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہوں گے کہ وہ اپنے ہندو دیش کی سربلندی کے لیے ایک مسلمان ملک کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ غداروں کے سامنے ایسا کوئی مثالی خواب نہیں ہوتا۔ وہ صرف پیسے کے لیے ہر حد سے گزر جاتے ہیں۔"

شاید میں جذبات کی رو میں بہہ رہا تھا۔ میرا وہ فقرہ مکمل ہوتے ہی جلال نے غیر محسوس انداز میں میری بات کاٹ دی "تمہیں چوپڑا کے بارے میں فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔ اب تم میرے حق میں دعا کرو کہ میں ونود کو بھی گھیرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"یہ یاد رکھنا کہ وہ اسے چوپڑا کی طرح تھالی میں سجا کر تمہاری خدمت میں پیش نہیں کریں گے۔" میں نے اسے یاد دلایا "وہ بھارتی قومیت کا حامل ہے، را کا باقاعدہ ایجنٹ ہے اور اسے یہاں باقاعدہ سفارتی تحفظ حاصل ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ جہاں قانون بے بس ہو جاتا ہے وہاں دوسرے حربے کام آتے ہیں۔" جلال کی آواز پُراعتماد تھی۔

"میرا اندازہ ہے کہ تم ہر وقت قانون اور ضابطوں کی زنجیر میں بندھے رہتے ہو۔"

"مجھے میرے منصب کی مجبوریوں کا اتنی شدت سے احساس نہ دلاؤ۔ یہ مجبوریاں نت نئی راہوں پر چلنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ اپنی تمام سرگرمیوں کے باوجود تم آج تک کیوں آزاد ہو۔ قانون اور ہر دستور سے ماورا اسپیشل ٹاسک فورس کے تصور نے کس کے ذہن میں جنم لیا ہوگا۔ یہ اقتدار اور اختیار کے مالک اور دور اندیش لوگوں کے فیصلے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ملکی مفادات کے تحفظ کے لیے دشمنوں کا پیچھا کرنے والے ایک لکیر تک پہنچ کر رک جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس سے آگے انہیں ضابطوں کی آگ جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ اس لکیر سے آگے نکل جانے والے مجرموں کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے سایوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کی کوئی پہچان نہ ہو۔ ہماری سلامتی کے محافظ یہ گمنام سائے ایس ٹی ایف میں پلتے اور پروان چڑھتے ہیں جہاں ہمارے پر جلتے ہیں وہاں یہ فرشتے دشمن کو جلا کر راکھ کر دیتے ہیں۔"

پہلے میں جذباتی ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے ٹوک کر روکا تو میں نے غیر ارادی طور پر اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ جذباتی ہونے لگا۔ اس کی باتوں سے اس عزم کا اظہار ہو رہا تھا کہ ونود سے عبداللہ کا انتقام لینے کے لیے وہ کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لائے گا۔ بین السطور میں کچھ ایسا اشارہ بھی تھا کہ وہ اپنے سینے میں بھڑکنے والی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اسپیشل ٹاسک فورس سے مدد لے گا۔

بات ایسے نازک موڑ پر تھی کہ میں نے اسے کریدنا یا چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ ونود کے خلاف وہ جو کچھ کرتا اس کا

نتیجہ بہرحال سامنے آجانا تھا۔ میں نے زبردستی ہنس کر کہا "اس وقت تم سیاسی زبان استعمال کر رہے ہو۔ یہ بات ایک سیاسی لیڈر کہتا ہے کہ پاکستان کے ہر الیکشن میں انسان نہیں، فرشتے ووٹ ڈالتے ہیں۔"

"اور یہ فرشتے ایجنسیاں فراہم کرتی ہیں۔" اس نے فقرہ لگایا۔

"اور کہاں سے آئیں گے۔ ابھی تم نے خود ایس ٹی ایف والوں کو فرشتوں کا نام دیا ہے۔"

وہ ہنس پڑا "تم بات پکڑ لیتے ہو۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے الفاظ کو نظر انداز کر دیا کرو، مفہوم سمجھا کرو۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کہاں ہو۔"

میں بنسی ہاتھ میں لیے ایک تالاب کے کنارے بیٹھا ہوا ہوں۔ مچھلی ڈور میں لگے کانٹے پر منہ مارے گی اور میں گھر لوٹ جاؤں گا۔"

"میرا اندازہ ہے کہ تم اس وقت آئی مین کے شکار پر ہو سکتے ہو۔ کیا میرا اندازہ غلط ہے۔"

"اس وقت بساط پر ہمارے سامنے وہی ایک کلیدی مہرہ رہ گیا ہے۔ تمہارے اندازے بہت کم غلط ثابت ہوتے ہیں۔"

"پھر تو تم جہانگیر کی رہائش یا دکان کی نگرانی کر رہے ہو گے۔" اس کی طرف سے بے ساختہ تبصرہ آیا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ میں اپنے جگری دوست کو چارہ بنانا پسند نہیں کروں گا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"پھر تم کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو؟" اس کی آواز میں الجھن عود کر آئی۔

"میں گولڈن فارمیسی پر جہانگیر کی جگہ سنبھالے بیٹھا ہوں۔"

"اوہ!" اس کی آواز میں ہلکی سی حیرت تیر رہی تھی "اسے بچانے کے لیے تم نے اسے پوری طرح کیموفلاج کر دیا۔"

"اسے پورے معاملات کے سر پیر کا پتا نہیں ہے۔ وہ بے خبری میں بری طرح مارا جاتا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ اسے اٹھانے کے لیے فارمیسی پر چڑھائی کریں گے!"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "میرا وجدان بتا رہا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کریں، ان کا نشانہ جہانگیر کے بجائے دکان بنے گی۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ سرے سے جہانگیر کا رخ نہ کریں۔" جلال شاید اپنی تشفی کے لیے مجھ سے جرح کر رہا تھا۔

"حالات کا رخ تمہارے اس اندیشے کی نفی کر رہا ہے۔ آئی مین بہت زیادہ تیزی دکھا رہا ہے۔ اس نے جس انداز میں راجا اور جوشی کو گھیرا تھا اور اس کی روشنی میں اس کا اگلا ہدف جہانگیر ہی ہونا چاہیے۔ مجھے امید ہے کہ وہ فارمیسی کی طرف آنے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گا۔"

"میں ایک مرتبہ پھر اپنی پیشکش دہرا رہا ہوں۔ میری پوری نفری تمہارے ایک اشارے پر میدان میں اتاری جا سکتی ہے۔" اس کی آواز پر تشویش ہو گئی۔ اپنے طور پر وہ شی اور اس کے بڑوں کے طریقہ کار سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ لوگ اپنے حریفوں کو معاف کرنے والے لوگ نہیں تھے۔ اپنی گرفت میں آنے والے حریف کو بہت بے رحمی سے ذبح کر ڈالتے تھے۔ گردنیں کاٹنے کے اس کھیل میں میری طرف سے ذرا بھی کوتاہی ہوتی تو آئی مین وہیں میری گردن اتار کر رکھ دیتا۔

"تمہیں مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے اطمینان دلایا "میں نے ضرورت محسوس کی تو لمحہ بھر کے لیے بھی توقف نہیں کروں گا۔ بلا جھجک تم سے مدد مانگ لوں گا۔ اس وقت میں نے ایس ٹی ایف والوں کو بھی اس معاملے سے الگ تھلگ رکھا ہوا ہے۔"

"جیسی تمہاری مرضی!" اس کی آواز مضمحل سی تھی مگر میں نے اندازہ لگایا کہ وہ میرے جواب سے مطمئن ہو گیا تھا۔ شاید اسے یہ خلش ستا رہی تھی کہ میں آئی بی کی فیلڈ فورس کے مقابلے میں اول خان کے آدمیوں پر زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ میری وضاحت نے اس کی وہ خلش دور کر دی تھی۔

ہمارے مذاکرات ختم ہو گئے۔ میں فون آف کر کے کیبن سے باہر نکل آیا۔ اس وقت کاؤنٹر پر کئی گاہک موجود تھے اور جہانگیر کے دونوں ملازم مستعد سیلز مین بنے، گاہکوں کے نسخے اپنے ہاتھوں میں تھامے، تیزی سے دوائیں نکالنے میں مصروف تھے۔ میں اطمینان سے جہانگیر کی اونچی کرسی پر چڑھ کر بیٹھ گیا تاکہ گاہکوں سے رقوم وصول کر کے ان دونوں کا کام ہلکا کر سکوں۔

کرسی سنبھالنے کے بعد غیر ارادی طور پر میری نگاہیں دکان میں موجود گاہکوں کی طرف اٹھ گئیں۔ میں نے محسوس کیا کہ ان لوگوں میں موجود ایک مکرانی بہت غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا مگر میرے متوجہ ہوتے ہی وہ سٹپٹا کر کاؤنٹر کے شوکیس میں رکھی ہوئی دواؤں کو دیکھنے میں مصروف

ہو گیا۔
وہ دراز قامت اور صحت مند آدمی تھا جو قمیض شلوار میں ملبوس تھا۔ ایک بات جو اسے بہت زیادہ ممتاز کر رہی تھی وہ اس کی آنکھوں پر لگی ہوئی عینک تھی۔ بینائی کی عینک کے ساتھ وہ کوئی سنجیدہ اسکالر لگ رہا تھا۔
مکرانیوں کے لیے میں نے ہمیشہ اپنے دل کی گہرائیوں میں ایک عجیب سی محبت محسوس کی ہے۔ اپنی قدیم روایات کی امانت داری کرنے والے یہ لوگ بہت مخلص، سچے، محبت کرنے والے اور دلیر ہوتے ہیں لیکن معاشی مجبوریوں اور معاشرتی استحصال کی وجہ سے ماہی گیری اور دوسرے آبائی پیشوں سے چمٹے رہنے پر مجبور ہیں۔ بحیرہ عرب کی ساحلی پٹی پر بسنے والوں کے لیے محرومیاں ایک مدت سے مقدر بنی ہوئی ہیں۔ ان کے دور افتادہ علاقوں میں اسکول ہیں نہ شفا خانے۔ پینے کا صاف پانی میسر ہے نہ گندے پانی کی نکاسی کا نظام۔ ایسے سفاک اور پُر آشوب ماحول میں بھی خال خال مکرانی لکھ پڑھ کر مختلف شعبوں میں ملک و قوم کی جان سوز خدمت کر رہے ہیں لیکن یہ افسوس ناک المیہ ہے کہ اس معاشرتی اکائی میں تعلیم کا اوسط اتنا کم ہے کہ سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ ان لوگوں میں بھی ایک طبقہ مراعات یافتہ ہے لیکن اس کی تعداد بہت قلیل ہے۔ وہ اپنے طور طریقوں کی وجہ سے دور سے پہچانا جاتا ہے۔ خواص سے قطع نظر، عوام میں ایسی صورتیں عنقا ہیں جن پر لکھی علم کی لکیریں دور سے پڑھی جا سکیں۔
وہ سیاہ فام مجھے عام مکرانیوں جیسا لگا نہ اس میں خواص والا شاہانہ کروفر تھا۔ مونچھوں سے بے نیاز سنجیدہ چہرے اور کشادہ پیشانی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ غورو فکر کرنے کا عادی اور غالباً خاصا پڑھا لکھا تھا۔ اس پر میری نظر محض اس وجہ سے رکی تھی وہ بہت انہماک سے مجھے گھور رہا تھا۔ جوں ہی اس نے شوکیس سے نظریں ہٹائیں، میں اسی کی ترکیب استعمال کرتے ہوئے انجان بن گیا اور کیش بکس کا جائزہ لینے لگا۔
منیر نے اس کی مطلوبہ دوا پہلے نکال دی اور اکیس روپے بتائے۔ وہ مکرانی دوا کا ڈبا لے کر میری طرف آیا اور ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ پانچ سو روپے کا نوٹ میری طرف بڑھا دیا۔ جب اس نے اپنی جیب سے وہ نوٹ نکالا تو میں نے واضح طور پر دیکھا کہ اس کی جیب میں سو سو روپے کے کئی نوٹ بھی موجود تھے۔ معاً میرے ذہن میں سوال ابھرا کہ وہ خاموش کیوں تھا۔ اس نے میرے مشاہدے کے دوران اپنی زبان سے ایک لفظ ادا نہیں کیا تھا۔
اس سوال کے ساتھ میرے دل میں شدید خواہش ابھری کہ اسے بولنے پر مجبور کیا جائے۔ وہ خاموش کیوں تھا۔
"میرے پاس پانچ سو روپے کا کھلا نہیں ہے۔ کوئی چھوٹا نوٹ دے دو۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔
یہ دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ میرے الفاظ پر اس کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر نہیں ابھرا تھا۔ اس نے کسی بھیانک مشینی روبوٹ کی طرح اپنی پلکیں جھپکائیں پھر خفیف سی مسکراہٹ کے بعد اپنے دہانے اور بائیں کان کے قریب ہاتھ کے تیز اشارے کرنے لگا۔
وہ مجھے بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ گونگا اور بہرا تھا اس لیے میرا مفہوم سمجھنے اور اس کا جواب دینے سے قاصر تھا۔
میرے لیے اس کا وہ بہانہ قابل قبول نہیں تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ اس قبیل سے تعلق رکھنے والا ایک گونگا اور بہرا شخص اتنا زیادہ پڑھا لکھا نظر آئے۔
میں نے دوسرے گاہکوں کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی اپنی دواؤں کے انتظار میں دکان کے ملازموں کی طرف متوجہ تھے۔ میں نے اس کے ہاتھ سے پانچ سو روپے کا نوٹ لیتے ہوئے کاؤنٹر پر جھک کر دھیرے سے کہا "تم اُلّو کے پٹھے ہو!؟"
اس کے ہونٹوں پر یتیم سی مسکراہٹ تیر گئی۔ وہ منہ سے کچھ نہیں بولا۔
میں نے بالکل آخری لمحے پر اپنا ارادہ بدل کر اسے اردو میں وہ نرم سی گالی دی تھی ورنہ میں نے سوچا تھا کہ اس سے انگریزی میں کوئی تلخ اور زہریلا فقرہ کہوں اور پھر اس کے چہرے کے تاثرات میں رونما ہونے والی تبدیلی دیکھوں۔
اس پر پہلی نگاہ پڑتے ہی میرے ذہن میں جان الیش کوف والے تجربے کا خیال آیا تھا۔ وہ اپنی دانست میں عبدالماجد یمنی کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک امریکی نیگرو کو مقامی لباس پہنا کر اپنے ساتھ لایا تھا اور بری طرح ناکامی سے دوچار ہوا تھا۔
اگر گولڈن فارمیسی کا وہ گاہک بھی مکرانی ہونے کے بجائے کوئی امریکی نیگرو تھا تو میری زبان سے انگریزی میں کوئی گالی سنتے ہی سمجھ لیتا کہ اس کی چال بری طرح ناکام ہو چکی تھی اور میں نے اس کی صحیح قومیت پہچان لی تھی۔ وہ بدک کر اچانک کوئی بھی خطرناک حرکت کر سکتا تھا۔ اس زبانی مہم جوئی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا کہ وہ ڈراما طول پکڑنے کے بجائے اسی مرحلے پر ختم ہو جاتا اور آئی مین کے دیدار کی

حسرت میرے دل میں رہ جاتی۔
اپنی یتیمانہ مسکراہٹ کے باوجود وہ صحیح صورتِ حال کا ادراک کرنے سے قاصر رہا۔ بس اس نے کھڑے کھڑے قدم بدلے ورنہ پر سکون رہا۔ میں نے دانستہ اکیس روپے کے بجائے پچپن روپے کاٹ کر بقیہ رقم اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے اپنا اطمینان ظاہر کرنے کے لیے رقم گنی اور اپنی جیب میں ڈال لی۔ اس نے ایک بار بھی یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ دوا کے ڈبے پر چھپی ہوئی قیمت دیکھ کر مجھ سے مزید پیسوں کی واپسی کا مطالبہ کرے۔

اس کی حرکات سے اندازہ ہورہا تھا کہ اس کے لیے وہ دوا نئی تھی یا پھر اسے رقم کی کوئی پروا نہیں تھی۔

اس پر شبہ ہوجانے کے بعد میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو چکی تھیں۔ میری دانست میں اس شکار کا ہانکا شروع ہوچکا تھا جس کے لیے میں تیاری کیے بیٹھا تھا۔ میرے دل میں بہت شدت سے یہ خواہش ابھری کہ اس وقت میرے آس پاس کوئی مددگار موجود ہوتا تو میں اسے مشتبہ سیاہ فام کا پیچھا کرنے پر لگا دیتا۔

اس وقت دکان میں صرف تین افراد موجود تھے۔ ہم تینوں کو وہ مشتبہ سیاہ فام کاؤنٹر کے پیچھے دیکھ چکا تھا۔ اگر وہ ہمارا مطلوب شخص اور آئی مین کا آدمی تھا تو اتنا احمق نہیں ہوسکتا تھا کہ اپنے گردو پیش کی پروا کیے بغیر دکان سے نکلتا چلا جاتا۔ دکان سے فٹ پاتھ پر اترنے کے بعد بھی وہ مڑ مڑ کر یہ جائزہ لیتا رہا کہ کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کررہا۔ اگر اسے اپنے پیچھے آنے والی بھیڑ میں ہم تینوں میں سے کسی کی بھی صورت نظر آجاتی تو وہ بگٹٹ دوڑ لگا دیتا۔

ایسی صورت میں نہ صرف وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا بلکہ گولڈن فارمیسی کے عملے کی طرف سے بھی بھڑک جاتا۔ ہمارا اصل ہدف وہ سیاہ فام یا آئی مین کا کوئی گرگا نہیں تھا۔ میں ہر قیمت پر براہِ راست آئی مین کے گریبان پر ہاتھ ڈالنا چاہتا تھا کیونکہ وہی ساری خرابی کی جڑ تھا۔

آئی مین نے کسی امکانی خطرے سے اپنی گردن بچانے کے لیے جس سنگ دلی سے نادر کو بیم گن کا نشانہ بنایا تھا اس کے پیشِ نظر یہ قوی امکان تھا کہ وہ اپنی آزادی کے لیے اس بدنصیب سیاہ فام کو بھی ٹھکانے لگا دیتا جو اس کے دشمنوں کی نظروں میں آچکا تھا۔

ایک امکان یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ کوئی عام سیاہ فام نہیں بلکہ امریکی سیکرٹ سروس کا کوئی ایجنٹ ہو جو میری تلاش میں آئی مین کی معاونت کررہا ہو۔ اگر یہ مفروضہ درست ہوتا تو اس کا مارا جانا آسان نہیں تھا۔ آئی مین اپنے تحفظ کے لیے اسے منظرِ عام سے ہٹ کر روپوش ہوجانے یا پہلی دستیاب پرواز سے امریکا روانہ ہونے کا حکم دے سکتا تھا۔

ہر دو صورتوں میں ہمارے لیے اس کالے کی افادیت بالکل ختم ہو کر رہ جاتی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے مہرے کا ایک ایک نقش بہت اچھی طرح اپنے ذہن نشین کرلیا تھا۔ اسے اپنی کامیابی کی کوئی آس رہتی تو وہ ایک بار بلا رکاوٹ واپس لوٹنے کے بعد دوبارہ فارمیسی کا رخ کرسکتا تھا۔ اس وقت ہم بہتر اور بھرپور تیاری کے ساتھ اسے دبوچ سکتے تھے۔ اپنی کامیابی کا وہ در کھلا رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ ہم تینوں میں سے کوئی اس کے پیچھے نہ جائے۔

تاسف اور بے بسی کے اس مرحلے پر مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ میں نے ہر ایک کو خود سے دور رکھ کر سنگین غلطی کی تھی۔ اگر کوئی قرب و جوار میں موجود ہوتا تو اس وقت سیاہ فام کا پیچھا کرکے اس کا ٹھکانا ضرور معلوم کرسکتا تھا۔

○☆○

میرے گولڈن فارمیسی پر بیٹھنے کی بات سنتے ہی سلطان شاہ مضطرب ہوگیا تھا۔ اس کی ذاتی رائے تھی کہ میں آگ کے شعلوں سے کھیلنے کی نادانی کرنے جارہا تھا مگر اس نے میرے تیور دیکھ لیے تھے۔ میری برہمی کے خیال سے اس نے اپنی زبان بند رکھی اور دل ہی دل میں ان خطرات کا تدارک کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کردیا جو مجھے اس مہم میں پیش آسکتے تھے۔

وہ میرے اس خیال سے متفق تھا کہ فارمیسی کے گرد زیادہ بھیڑ بھاڑ ہونے کی وجہ سے ہمارا دشمن قبل از وقت چوکنا ہوجائے گا اور ایسا کوئی وار کرگزرے گا جس کا کوئی توڑ نہیں ہوگا۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ میرا بالکل یکہ و تنہا ہونا بہت خطرناک اور وقت کے تقاضوں کے خلاف تھا۔

وہ صبح چار بجے تک جاگتا اور بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ اس کے ذہن میں رہ رہ کر نت نئے وسوسے سر ابھار رہے تھے جن میں میری دردناک موت کا اندیشہ سب سے قوی تھا۔ آخر کار اس نے کسی کو اعتماد میں لیے بغیر اپنے طور پر ایک فیصلہ کرلیا کہ وہ مجھ سے اپنے اختلاف رائے کا اظہار کرکے مجھے ناراض نہیں کرے گا لیکن مجھے بالکل بے یارو مددگار بھی نہیں چھوڑے گا۔ اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد اس کی آنکھ لگ گئی۔

چند گھنٹوں کی نیند لینے کے بعد سلطان شاہ اس خوف

سے سات بجے بیدار ہو گیا کہ کہیں میں کسی سے کچھ کہے سنے بغیر، خاموشی سے جہانگیر کی طرف نہ چل دوں۔

اس نے اٹھ کر گھر کا جائزہ لیا، سب سو رہے تھے۔ وہ اپنی تیاری مکمل کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔

میرے اور ویرا کے ساتھ بھرپور گفتگو کے دوران بھی اس نے کسی کو اپنے ارادے کی بھنک نہیں لگنے دی۔ عربوں کی حمایت میں ویرا سے یوں جوش و خروش سے بحث کرتا رہا جیسے کرۂ ارض کی بقا کا دارومدار ہی اس بحث کے نتیجے پر ہو۔

میں جہانگیر کے گھر جانے کا ارادہ کر کے ان لوگوں سے رخصت ہوا تو چند منٹ بعد سلطان شاہ نے بھی شہر کی کوچہ نوردی کا ارادہ ظاہر کیا اور گاڑی لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ اسے اندازہ تھا کہ جہانگیر کے گھر پر مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اس سے کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد مجھے آخرِ کار گولڈن فارمیسی کا رخ کرنا تھا جہاں مقابلے کی اصل بساط جمنی تھی۔

اس نے مین روڈ سے ہٹ کر ایک ایسی گلی میں گاڑی پارک کی جہاں میری نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ وہ اس علاقے کی پُرہجوم فٹ پاتھ پر راستہ بناتا ہوا گولڈن فارمیسی کے سامنے سے گزرا اور پھر اسی کے آس پاس منڈلانے لگا۔

کچھ دیر بعد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ قرینے کے لباس میں زیادہ دیر تک وہاں موجود رہا تو کسی نہ کسی کی نظروں میں آجائے گا۔ اس نے خاموشی سے سڑک عبور کی اور لی مارکیٹ کے سرکاری پیشاب خانوں کی طرف بڑھ گیا۔

وہ وہاں سے برآمد ہوا تو اس کے حلیے میں نمایاں تبدیلی آچکی تھی۔ سنورے ہوئے بال بے ترتیب اور آوارہ ہو چکے تھے۔ اس نے اپنی قمیص پتلون سے باہر نکال لی تھی۔ گریبان کے دو بٹن کھول کر قمیص کے کالر کو اوباشوں کے انداز میں گردن سے پیچھے ڈھلکا لیا تھا۔ چمکتے ہوئے جوتوں پر گرد اور میلے چونے کی تہ آچکی تھی۔

اپنے نئے گیٹ اَپ کی ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار ایک پنواڑی سے ہلکے تمباکو کا ایک پان خریدا اور منہ میں دبا لیا۔

اپنی نئی ہیئت میں وہ اوباش اور آوارہ گرد نوجوان نظر آرہا تھا۔ وہ اپنی دانست میں خاصا وقت گزار کر آیا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر فارمیسی کے کاؤنٹر کے پیچھے نظریں دوڑائیں مگر میں وہاں نہیں پہنچا تھا۔

اچانک اسے ہلکے سے سرور کے ساتھ اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے زندگی میں کبھی پان نہیں کھایا تھا۔ اس وقت اپنی اداکاری میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے تمباکو والا پان منہ میں دبا بیٹھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ پان کی تہوں میں دبا ہوا تمباکو اس کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ مزید احتیاط کے طور پر اس نے گاہے گاہے منہ چلانے کا سلسلہ بھی موقوف کر دیا تھا۔ پان میں موجود اجزائے ترکیبی اس کے لعابِ دہن میں دھیرے دھیرے خود ہی گھل رہے تھے۔

اس نے پان خوروں کو اکثر گھناؤنے انداز میں ہر جگہ پچکاریاں مارتے دیکھا تھا اور ہمیشہ ان پر دل ہی دل میں ملامت کی تھی مگر اس وقت سلطان شاہ پر نظریۂ ضرورت پوری شدت کے ساتھ آشکار ہو رہا تھا۔ نامطلوب سرور کی پہلی لہر کے حملہ آور ہوتے ہی اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس نے فوری طور پر اس ملغوبے سے نجات حاصل نہ کی جو دھیرے دھیرے اس کے دہانے میں جمع ہو رہا تھا تو وہ تیورا کر کہیں بھی ڈھیر ہو جائے گا پھر آئی مین اور اس کے آدمی اسے روند کر بھی گزر جاتے تو اسے جلدی ہوش نہ آتا۔

وہ ہولے ہولے لہراتا ہوا بجلی کے ایک کھمبے تک پہنچا اور اس سے ٹیک لگا کر سڑک پر پیک کی ایک لمبی سی پچکاری مار دی۔ اس حرکت سے اسے فوری طور پر افاقہ ہوا۔ ہر وقت اور ہر جگہ تھوکنے کی عادت سے اجتناب کی وجہ سے اس نے ٹرانسپورٹ لائن میں دن رات کام کرنے کے باوجود کبھی نسوار نہیں چکھی تھی۔ اس لمحے اسے اندازہ ہوا کہ تمباکو اور نسوار کھانے والے ناشائستگی کے ارتکاب پر کیوں مجبور ہوتے ہیں۔

تمباکو والا پان اس کے لیے ایک بہانہ بن گیا۔ اس سے پیدا ہونے والی مجبوری کے نتیجے میں وہ جس کھمبے سے ٹکا تھا وہ اس کے لیے بہت موزوں تھا۔ وہاں کھڑے کھڑے اس نے ایک دراز قامت، صحت مند اور معنک سیاہ فام کو تیسری مرتبہ فٹ پاتھ سے گزرتے ہوئے، گولڈن فارمیسی میں جھانکتے دیکھا تو چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے پہلے اس نے مشتبہ آدمی کو مخالف سمت سے آتے دیکھا تھا۔

اس نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ کھمبے سے ٹیک لگائے، دھیرے دھیرے جگالی کرتا رہا۔ پے در پے پیک کی کئی پچکاریاں اگلنے کے بعد اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ اس کے دہانے میں جو کچھ باقی رہ گیا تھا اس میں تمباکو کا جوہر خاص نہ ہونے کے برابر تھا۔

اس معنک اور مہذب سیاہ فام نے اس کے ذہن میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ چوتھی بار گولڈن فارمیسی کے سامنے سے گزرتا ہوا نظر آیا تو وہ ضرور اس کے پیچھے جائے گا تاکہ اس کی حقیقت اور عزائم کے

بارے میں کچھ جان سکے۔
اسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ بھیڑ میں سب سے اوپر تیرتا ہوا' سیاہ فام کا چہرہ اسی سمت سے نمودار ہوا تھا جدھر وہ آخری بار غائب ہوا تھا۔ شاید وہ دو چار سو گز کے فاصلے میں وہیں منڈلاتا پھر رہا تھا۔ اس بار بھی شفاف عدسوں کے پیچھے چمکتی ہوئی سیاہ آنکھیں فارمیسی کی طرف نگراں تھیں۔
سیاہ فام کے قریب سے گزرتے ہوئے سلطان شاہ نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔
اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کالے سے اڑنے کے لیے کیا راہ اختیار کی جائے۔ اس وقت تک وہ اسے کوئی مقامی سمجھ رہا تھا مگر اسے یہ یقین ہو چلا تھا کہ وہ ان ہی لوگوں کے لیے کام کر رہا تھا جن کی تلاش میں' میں اپنا گھر چھوڑ کر گولڈن فارمیسی کی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہوا تھا۔
سلطان شاہ کو فوری طور پر اور کوئی راہ نہ سوجھی تو اس نے یکایک اپنی رفتار بڑھا دی اور اس کالے کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے اس زور سے شانہ مارا کہ وہ لڑکھڑا کر گرتے گرتے رہ گیا۔
''اوع.... یُو سن آف اے بچ!'' خالص امریکی لب ولہجے میں ایک دبی دبی بے ساختہ غراہٹ اس کے کانوں میں آئی مگر وہ مڑ کر دیکھے بغیر' اسی رفتار سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس کے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں' جسے وہ ایک مقامی مکرانی سمجھ رہا تھا وہ امریکی کالا نکلا تھا۔ اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ اس نے رکنے یا مڑنے کی حماقت نہیں کی تھی مگر کالے کی کسی متوقع جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔
ترقی یافتہ ملکوں کے شہری تیسری دنیا کے کسی پس ماندہ ملک کا رخ کرتے ہیں تو چھوٹی بڑی بدتمیزیوں کا سامنا کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوتے ہیں۔ کسی بدمزگی میں الجھ کر اپنی راہ کھوٹی نہیں کرتے۔ وہ کالا بس اپنی مادری زبان میں... بڑبڑا تا رہ گیا۔ اس نے سلطان شاہ کو عملی طور پر کوئی سبق دینے کی کوشش نہیں کی۔
سلطان شاہ اپنی کامیابی پر نازاں تھا۔ اس کالے کا غیر ملکی بلکہ امریکی ہونا اس امر کی دلیل تھا کہ وہ ڈینی کے خون کے پیاسوں کا ساتھی تھا۔ سلطان شاہ کا دماغ بادلوں سے بھی اوپر اڑ رہا تھا اور قدموں میں مزید تیزی آگئی تھی۔
بہت دور نکل آنے کے بعد اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا اور وہ رک کر پلٹ پڑا۔ اسے یقین تھا کہ دور نکل آنے کے باوجود اس نے کالے کو نہیں کھویا ہوگا۔ وہ کسی خاص مقصد کے تحت گولڈن فارمیسی کے گرد منڈلا رہا تھا۔ وہ اپنا مقصد حاصل کیے بغیر وہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔
آپس میں ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ اس کے ذہن میں محفوظ تھا۔ اسے یاد تھا کہ ویرا نے پچھلی رات پہلی بار جہانگیر کی ذات کو درپیش خطرے کی نشان دہی کر کے مجھے بے چین کر دیا تھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ وہ کالا جہانگیر کی آمد کا منتظر تھا۔ یہ اس کے مقدر کی خرابی تھی کہ میں جہانگیر کو اس کے گھر چھوڑ کر ادھر آرہا تھا۔
سلطان شاہ نے واپسی کے لیے کالے والی حماقت نہیں کی بلکہ سڑک پار کر کے فٹ پاتھ بدل لی۔
متعدد ٹھیلوں پر مشتمل ایک بازار کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کی نظر قمیصوں کے ٹھیلے پر پڑی۔ وہاں لنڈا بازار کی پرانی مگر صاف ستھری قمیصیں بیس بیس روپے میں بک رہی تھیں۔ اس نے اپنی نیلے رنگ کی چار خانوں والی قمیص پر نگاہ ڈالی اور سوچ میں پڑ گیا۔
حالات بتا رہے تھے کہ سورج ڈھلنے سے پہلے اس کالے سے ایک مرتبہ پھر سامنا ہونا ناگزیر تھا۔ سلطان شاہ کا زوردار کندھا کھانے کے بعد وہ اس کی صورت دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا لیکن اس کی مخصوص قمیص کو آسانی سے پہچان سکتا تھا۔ اس نے بس چند ثانیوں کے لیے سوچا اور پھر اس ٹھیلے کی طرف بڑھ گیا۔
اس نے ٹھیلے سے اپنے لیے نصف آستینوں والی ایک سفید بش شرٹ خریدی اور لوگوں کی موجودگی کی پروا کیے بغیر اپنی قمیص کی جیب خالی کر کے اسے اتارا اور سفید بش شرٹ پہن لی۔ ٹھیلے والا اس کی مردانگی اور ہمت کے قصیدے پڑھنے لگا۔ اس نے قیمت ادا کر کے اتاری ہوئی قمیص تھیلی میں ڈالی اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اس ریڈی میڈ تبدیلی کے بعد اسے پورا یقین ہو گیا تھا کہ دوبارہ سامنا ہونے پر وہ صورت حرام امریکی آسانی سے اسے نہیں پہچان سکے گا۔
واپسی پر کافی دیر تک وہ کالا اسے نظر نہیں آیا۔ اس دوران میں' میں فارمیسی پر پہنچ چکا تھا۔ مجھے دیکھ کر سلطان شاہ کی جان میں جان آئی۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کالا مجھے دیکھ لینے کے بعد وہاں سے غائب ہوا تھا یا اس سے پہلے ہی کہیں رفوچکر ہو گیا تھا۔
ایک طرف سلطان شاہ مجھے اس کے بارے میں ہوشیار کرنے کے لیے بے چین تھا۔ دوسری طرف اسے یہ اندیشہ تھا کہ کالا کسی بھی لمحے نمودار ہو جائے گا۔ وہ سلطان شاہ کو فارمیسی میں موجود یا آتے جاتے دیکھ لیتا تو کھیل بگڑ سکتا تھا۔ کالا اسے ٹکرانے والے کی حیثیت سے پہچانتا یا نہ پہچانتا' یہ

ضرور سمجھ لیتا کہ وہ میرا ساتھی ہے۔
سلطان شاہ سخت تذبذب کے عالم میں کافی دیر تک فارمیسی کے آس پاس گھومتا رہا۔ قمیص تبدیل کرنے کے بعد اس نے دوبارہ بجلی کے کھمبے کا سہارا نہیں لیا تھا۔ اسی دوران میں کالا اپنے ہاتھ میں ایک پرچا لیے نمودار ہوا اور بے دھڑک فارمیسی میں داخل ہو گیا۔
پتا نہیں وہ کیا منصوبہ لے کر وہاں پہنچا تھا۔ اس وقت میں کیبن میں تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ میں اس کی واپسی سے پہلے کیبن سے باہر نکل آتا۔ سلطان شاہ کو یقین ہو گیا کہ وہ کالا دکان میں میری موجودگی سے باخبر ہو چکا تھا اور صرف یہ جائزہ لینے کے لیے اندر گیا تھا کہ میرے اغوا کی واردات کی کامیابی کے کیا امکانات تھے۔
یہ ایک اتفاق تھا کہ میں امریکی سیاہ فام کی واپسی سے پہلے کاؤنٹر پر آگیا اور میری چھٹی حس نے مجھے اس کی طرف سے خبردار کر دیا۔
مجھ سے بقایا رقم لینے کے بعد وہ پراسرار امریکی گولڈن فارمیسی سے باہر نکلا تو سلطان شاہ نے اپنی کمین گاہ چھوڑ دی۔
اس نے کالے کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ کالے کے انداز میں ذرا بھی عجلت یا گھبراہٹ نہیں تھی۔ دوسری طرف سلطان شاہ کا خون کھول رہا تھا کہ اس کا ایک دشمن اس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر دیدہ دلیری سے واپس جا رہا تھا۔
اس نے اندازہ لگایا کہ وہ کالا جسمانی طور پر اس سے کم تر نہیں تو برتر بھی نہیں تھا۔ دست بدست مقابلہ ہوتا تو برابر کی لڑائی ہوتی۔ کالا ایسے کسی ٹکراؤ کے لیے تیار نہیں تھا۔ سلطان شاہ سر سے پیر تک آتش فشاں بنا ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ کالے کو بری طرح لہولہان کر دے گا۔
سوچتے سوچتے اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔ اس نے سوچا کہ ممکنہ نتائج پر زیادہ غور کر کے وہ اپنی مردانگی کو بٹا لگا رہا تھا۔ وہ کسی وحشی سانڈ کی طرح، لوگوں کو چیر کر اپنا راستہ بناتا ہوا آگے بڑھا اور پیچھے سے اڑنگا لگا کر کالے کو پُرشور آواز سے فٹ پاتھ پر گرا دیا۔
کالے کے جسم کے گرنے کا دھماکا بہت زوردار تھا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلنے والی بدیسی مغلظات کا طوفان بھی کم نہیں تھا۔ وہ سلطان شاہ کو لٹیرا اور جیب کترا قرار دے رہا تھا۔
سلطان شاہ کو اپنی ابتدائی فتح مندی کا پوری طرح ادراک کرنے کا موقع نہیں ملا۔ قرب و جوار کے لوگ اس واقعے پر اتنی تیزی سے سمٹے تھے کہ درمیان میں بس وہی دونوں رہ گئے تھے۔ کالے کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ اسے کس نے گرایا ہوگا۔ وہ حیرت ناک سرعت سے فٹ پاتھ سے اٹھا اور کسی پیشہ ور باکسر کی طرح مکے تان کر سلطان شاہ پر ٹوٹ پڑا۔
اسے اپنے حریف سے اتنی پھرتی کی توقع نہیں تھی۔ بائیں جبڑے پر ایک زوردار گھونسا کھا کر اس پر چودہ طبق روشن ہو گئے اور وہ لڑکھڑاتا ہوا دور چلا گیا۔ کالا دوبارہ اس پر جھپٹا تو اس نے داہنی لات اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں رسید کی۔ کالا اذیت سے بلبلاتا ہوا دہرا ہو گیا۔
سلطان شاہ نے بڑھ کر اسے لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا۔ وہ صحت مند ہی نہیں، سخت جان بھی تھا۔ خود کو سنبھالنے تک سکون سے مار کھاتا رہا۔ سلطان شاہ نے اس کے چہرے پر کئی جگہ سے خون نکال دیا تھا پھر وہ کسی کمانڈو کی طرح تیزی سے حرکت میں آیا۔ اس کے دونوں ہاتھ چل پڑے تھے۔ سلطان شاہ اس کے تابڑتوڑ حملوں سے بوکھلا گیا۔
وہ واقعہ فارمیسی سے کافی فاصلے پر پیش آیا تھا اس لیے دکان میں کسی کو پتا نہیں چل سکا کہ تھوڑی دور کیا تماشا ہو رہا تھا۔ ان دونوں کے گرد تماشائیوں کی بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ سب مبہوت ہو کر یوں وہ خونی مقابلہ دیکھ رہے تھے جیسے پیسے دے کر وہاں آئے ہوں۔ کسی نے دخل انداز ہونے یا انہیں الگ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔
”پکڑ لو اسے۔ یہ خطرناک بدمعاش ہے۔“ بازی ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر سلطان شاہ نے لوگوں کو اکسایا۔ اس کے پہلے فقرے پر مجمع میں کہیں کہیں تحریک سی ہوئی تھی لیکن کالے کی بدمعاشی کا اعلان سنتے ہی سب کے حوصلے دم توڑ گئے۔
”اڑے مارو سالے کو۔ یہ شیدی نائیں اے!“ ایک نوجوان کو طرارہ آیا اور اس کے ساتھ کئی تندرست آدمی کالے کی طرف لپکے۔
کالے کے لیے وہ تبدیلی تباہ کن تھی۔ وہ بہت ہوش مندی سے لڑ رہا تھا۔ اس نے بجلی کی سی سرعت سے اپنی جیب سے اپنا ہتھیار نکال لیا۔
اس کے ہاتھ میں بیم گن دیکھتے ہی سلطان شاہ کے فرشتے کوچ کر گئے۔ پیلے نوزل والی بیم گن کو وہ ہزاروں ہتھیاروں میں دور سے پہچان سکتا تھا۔
اس وقت کالے کے لیے سلطان شاہ کمزور حریف تھا۔ اسے اصل خطرہ ان تماشائیوں کی طرف سے تھا جو مشتعل ہو کر اس پر حملہ آور ہونے والے تھے۔
”رک جاؤ!“ وہ بیم گن کی نال لہرا کر حلق کے بل انگریزی میں دہاڑا ”ورنہ سب کو جلا کر راکھ کر دوں گا۔“
اس کی جان پر بن آئی تھی۔ اس نے اپنی دھمکی کے

نتیجے کا انتظار کیے بغیر بیم گن کا ٹریگر دبا دیا۔
لیزر شعاعوں کی زد میں آکر ایک شخص کا بایاں بازو کٹ کر نیچے گر گیا۔ وہ ایک اَن ہونا اور ناقابلِ یقین واقعہ تھا۔ تماشائیوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ شور مچاتے ہوئے بھاگ نکلے۔ کسی کو اپنا ہوش نہیں تھا۔ جدھر جس کے سینگ سمائے وہ اسی طرف ہولیا۔
کالا بھی وہاں نہیں رکا۔ تماشائیوں کے پیر اکھاڑتے ہی اس نے بھی ایک طرف دوڑ لگا دی۔
سلطان شاہ نے مجروح آنکھوں سے اس بے گناہ کو دیکھا جو کالے کے ہاتھوں اپنے بائیں بازو سے محروم ہو چکا تھا اور اس وقت فٹ پاتھ پر بری طرح چیخ چیخ کر تڑپ رہا تھا۔
واردات مکمل ہو چکی تھی۔ اصل مجرم موقع سے فرار ہو گیا تھا۔ وہ گنجان کاروباری علاقہ تھا۔ کسی بھی لمحے پولیس کی نفری وارد ہو سکتی تھی۔ اس وقت وہ واردات کا اکلوتا فریق تھا۔ گلو خلاصی کی نوبت آنے سے پہلے پولیس والے اس کا حشر خراب کر سکتے تھے۔ وہاں سے نکل جانا ہی اس کے حق میں بہتر تھا۔
اس نے فٹ پاتھ پر گری ہوئی چار خانے والی قمیص کی تھیلی اٹھائی اور سڑک پر دوڑتا چلا گیا۔
بھگدڑ کے نتیجے میں پیدا ہونے والا، تماشائیوں کا ایک ریلا گولڈن فارمیسی کے سامنے سے بھی گزرا۔ دونوں ملازموں نے لوگوں سے پوچھنا چاہا لیکن ہر ایک پر موت کی سی گھبراہٹ طاری تھی۔ کسی کو رک کر جواب دینے کا ہوش نہیں تھا۔ اس بھیڑ میں بہت سے لوگ ایسے تھے جن کو اصل واقعے کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ بس انہوں نے دوسروں کی دیکھا دیکھی سر پر پیر رکھ کر بھاگنا شروع کر دیا۔
اس وقت ہمیں صرف اتنا پتا چل سکا کہ آس پاس کوئی خطرناک جھگڑا ہو گیا تھا۔ دکان داروں نے تیزی کے ساتھ شٹر گرانے شروع کر دیے تھے۔
ادھر سلطان شاہ دوبارہ ایک سرکاری بیت الخلا میں جا گھسا تھا اور اپنے متورم چہرے کو سہلا رہا تھا۔ وہ اس کوٹھڑی کے استعمال کی سرکاری فیس پیشگی ادا کر کے اندر داخل ہوا تھا اس لیے اندر دھندلا سا اجالا پھیلا ہوا تھا جو مشترکہ چھت پر لگے ہوئے اکلوتے بلب کا مرہونِ منت تھا۔
سلطان شاہ نے متعفن باتھ روم کا بولٹ چڑھا کر اپنا جائزہ لیا تو سفید بش شرٹ پر تازہ خون کے کئی دھبے آچکے تھے۔ اس نے وہ بش شرٹ وہیں اتار دی اور اپنی چار خانے والی قمیص دوبارہ پہن لی۔
کسی شوقین مزاج جمعدار نے اس باتھ روم میں دروازے پر ٹیپ سے ایک ٹوٹا ہوا آئینہ چپکایا ہوا تھا۔ سلطان شاہ کو اس میں اپنے چہرے کا عکس دیکھ کر صدمہ ہوا۔ اس کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ کالے نے اسے اتنی بے رحمی سے مارا ہوگا۔
اس نے سفید بش شرٹ کی آستین پانی میں تر کر کے اپنے زخم صاف کرنے شروع کر دیے تاکہ باہر نکلنے کے قابل ہو سکے۔
اس وقت اس کے سامنے دو راستے تھے۔ باہر نکل کر اپنی گاڑی تک پہنچنے کی کوشش کرنے کے بجائے کوئی بھی سواری پکڑے اور سیدھا گھر لوٹ جائے یا اپنے بگڑے ہوئے چہرے کو لوگوں سے بچاتے ہوئے مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔
اس کے لیے دوسری راہ پسندیدہ تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ راستے میں پولیس سے سامنا ہو جاتا تو وہ ایک نئی آفت میں گرفتار ہو سکتا تھا۔
گولڈن فارمیسی میں اور اس کے آس پاس جو کچھ ہوا وہ اس قدر لرزہ خیز اور ناقابلِ یقین تھا کہ اس کا میرے علم میں آنا ضروری تھا۔ ایک سیاہ فام امریکی کا مقامی لباس میں مجھ تک پہنچنا اور پھر سرِعام بیم گن استعمال کرنا معمولی واقعات نہیں تھے۔ شی میں بیم گنز صرف آئی مین کے رتبے پر فائز لوگوں کو دی جاتی تھیں۔ سیاہ فام کے بیم گن چلانے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہی شی کا نیا آئی مین تھا جو میرے خلاف خم ٹھونک کر کراچی کے میدان میں اترا تھا۔
سلطان شاہ اپنے زخموں کی صفائی اور قمیص کی تبدیلی کے بعد بیت الخلا والے ہال سے باہر نکلا تو کسی نے اس پر دھیان نہیں دیا۔ ہر طرف خوف و ہراس اور سنسنی کا راج تھا۔ سامنے والی فٹ پاتھ پر سناٹا ہو چکا تھا۔ جائے واردات کے قریب واقع تمام دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ ٹھیلوں اور پتھاروں والے اپنا سارا سازو سامان جوں کا توں چھوڑ کر کہیں بھاگ چکے تھے۔ سڑک کے اس پار پولیس والوں کی وردیاں اور ٹوپیاں ہی ٹوپیاں نظر آ رہی تھیں جن میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ واردات اتنی سنگین تھی کہ شاید علاقے کے ذمے داروں نے وائرلیس پر رابطہ کر کے دوسرے علاقوں سے بھی کمک طلب کر لی تھی۔
پولیس والوں کی بوکھلائی ہوئی بھیڑ میں سلطان شاہ یہ نہیں دیکھ سکا کہ امریکی کالے کی بیم گن کا شکار ہونے والے کا کیا حال تھا۔ وہ ضابطے کی کارروائیوں کے انتظار میں فٹ پاتھ پر ہی پڑا ہوا تھا یا انسانی ہمدردی کی بنیاد پر اسے اسپتال لے جایا جا چکا تھا۔ اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

گولڈن فارمیسی کی سمت والی پوری فٹ پاتھ دور دور تک ویران ہو چکی تھی۔ کسی کسی بلڈنگ کے زینوں میں دو چار افراد کھڑے ہوئے نظر آرہے تھے لیکن سڑک کی دوسری جانب بھیڑ میں بتدریج اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ ہر شخص کی تجسس آمیز نظریں سڑک کے پار جمی ہوئی تھیں۔ اس بھیڑ بھاڑ اور افراتفری کی وجہ سے وہاں سے گزرنے والے ٹریفک کی رفتار بہت سست ہوگئی تھی۔ ٹریفک کے اِکا دُکا سپاہی اسے کنٹرول کرنے میں ناکام ہو چکے تھے۔

وہ ماحول سلطان شاہ کے لیے سازگار تھا۔ کسی کو اتنا ہوش نہیں تھا کہ وہ اس کے چہرے کے تازہ زخموں پر دھیان دیتا۔ وہ سڑک عبور کیے بغیر، بھیڑ میں اپنا راستہ بناتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

اس نے یہ بھانپ لیا تھا کہ گولڈن فارمیسی وہاں سے دور ہونے کی وجہ سے زیادہ افراتفری کی زد میں نہیں آئی تھی۔ پولیس والوں نے بھی اتنی دور تک پھیلنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اسی سمت میں چلتا ہوا گولڈن فارمیسی کے سامنے پہنچے گا اور موقع پا کر تیزی سے سڑک پار کر کے جہانگیر کی دکان میں پہنچ جائے گا۔ اسے پورا اطمینان تھا کہ ایک بار اس پناہ گاہ میں پہنچ جانے کے بعد وہ ہر خطرے سے محفوظ ہو جائے گا۔

○☆○

بھگدڑ اور افراتفری سے ہم تینوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس علاقے میں کوئی بڑی واردات ہوگئی ہے۔ یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ واردات کی نوعیت کیا تھی۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کسی کو قتل کر دیا گیا تھا یا ڈکیتی ہوئی تھی۔

دوسرے دکان داروں کے ساتھ ساتھ منیر نے پہلے بولا کر دکان کا پورا شٹر گرا دیا تھا اور خود باہر جم کر کھڑا ہو گیا تھا۔ میں دوسرے ملازم کے ساتھ دکان میں محبوس تھا۔ کچھ دیر تک جائزہ لینے کے بعد اس نے آدھا شٹر اٹھایا اور اندر آیا۔

میرے لیے دکان کے کیبن میں گھسے رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میرا ذہن مسلسل اس گونگے اور بہرے کالے میں الجھا ہوا تھا جو دکان میں آیا اور پراسرار انداز میں ایک دوا خرید کر لے گیا۔ اس وقت تک میرے ذہن کے کسی بعید ترین گوشے میں بھی یہ خیال نہیں تھا کہ اس علاقے میں ہونے والی گڑبڑ کا اس کی ذات سے کوئی تعلق رہا ہوگا۔

ہم تینوں ایک ساتھ کھڑے ہو کر اس واقعے کے بارے میں اپنی اپنی بساط کے مطابق قیاس آرائیاں کر رہے تھے کہ اچانک آہنی شٹر دھڑ دھڑایا۔ ہم تینوں چونک کر ادھر متوجہ ہوئے تو ایک شخص جھک کر اندر آتا ہوا نظر آیا۔

وہ دکان میں داخل ہو کر سیدھا کھڑا ہوا تو میں پہلی نظر میں اسے نہیں پہچان سکا۔ اس کا چہرہ جا بجا نیلا ہو رہا تھا۔ داہنے رخسار کی ہڈی پر جلد پھٹی ہوئی تھی۔ اسی آنکھ کے نیچے گہرا نیل پڑا ہوا تھا۔ سیدھا ہوتے ہی وہ تیر کی طرح میری طرف آیا تو میں بھونچکا رہ گیا۔

میں اسے گھر پر چھوڑ کر آیا تھا۔ مجھے شدید حیرت ہوئی کہ وہ اس وہاں کیسے آگیا تھا اور کس حال میں تھا۔

''یہ کیا ہوا؟ تم کس سے لڑ کر آرہے ہو؟'' میں نے بے اختیار اس کے دونوں شانے تھام کر پوچھا۔

میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس کی نظریں دونوں ملازمین کی طرف اٹھ گئیں جو ایک بگڑے ہوئے اجنبی چہرے کو بے اعتباری سے تک رہے تھے۔

میں نے اسے کاؤنٹر کے پیچھے بلایا اور اپنے ساتھ لے کر کیبن میں چلا گیا۔

تخلیہ میسر آنے پر اس نے میرے سوال کا انتظار کیے بغیر بولنا شروع کر دیا ''میں عینک والے کالے امریکی سے ٹکرا گیا۔ وہ کمانڈو نہیں تو اچھا باکسر ضرور ہے۔ میں نے بھی اس کی خاصی مرمت کی لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ وہ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔''

''تم کس امریکی کی بات کر رہے ہو؟ یہاں سے نکلنے والا کالیا تو گونگا اور بہرا مقامی تھا۔''

سلطان شاہ کے پھولے ہونٹوں پر ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ دھیرے سے بولا ''اس نے تمہارے سامنے اداکاری کی ہوگی۔ مجھ سے لڑتے ہوئے وہ بہت روانی سے انگریزی میں گالیاں بک رہا تھا۔''

''مگر یہ سب ہوا کیسے!'' میں نے اسے دیوان پر بٹھاتے ہوئے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا ''اس وقت تم یہاں کیا کر رہے تھے؟''

''رات کو تم نے اکیلے ہی شیر کی کچھار میں گھسنے کا ارادہ کیا تھا۔ میں تمہارے اس فیصلے سے مطمئن نہیں تھا۔'' اس نے صوفے پر نیم دراز ہو کر اپنی کہانی شروع کر دی۔

وہ ہم دونوں کی ذہنی ہم آہنگی کی ایک انوکھی مثال تھی۔ ادھر میں دکان میں خود کو تنہا اور پراسرار کالے کے مقابلے میں بے بس محسوس کر کے پچھتا رہا تھا اور ادھر سلطان شاہ میری بے خبری میں اس کی خبر لینے کے لیے اپنے مورچے میں موجود تھا۔

اگر سلطان شاہ نے اس شخص کو گھیرنے کی ناکام کوشش نہ کی ہوتی تو میں اس کے بارے میں مسلسل تذبذب میں مبتلا

رہتا۔ مجھے اس کے گونگے اور بہرے پن پر شدید حیرت ضرور ہوئی تھی مگر میں یہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ وہ جان الیش کوف کے ساتھی کی طرح امریکی نژاد ہوگا۔

میں نے آئی مین کے بارے میں ایک فیصلے پر پہنچنے کے بعد گولڈن فارمیسی سنبھالنے میں جتنی تیزی دکھائی تھی، آئی مین نے اس سے زیادہ پھرتی سے کام لے کر مجھے حیران کردیا تھا۔

"اب تمہارا یہاں بیٹھنا مخدوش ہوچکا ہے۔" اس نے اپنی کہانی سنانے کے بعد پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے اپنی مرہم پٹی کی فکر کرو۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

میں نے منیر کو آواز دے کر بلایا تو وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ زخمی اجنبی میرا قریبی دوست تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اندرونی ضربات اور بیرونی زخموں کے علاج کے لیے کون سی دوائیں زیادہ کارگر ثابت ہوسکتی ہیں۔

منیر نے میری مدد سے ذرا سی دیر میں سلطان شاہ کی چوٹوں پر دوائیں لگائیں اور پھر میرے اشارے پر باہر چلا گیا۔

"جو کچھ ہونا تھا، ہوگیا۔ اب تمہارا یہاں بیٹھنا غیر ضروری ہے۔ گاڑی گلی میں موجود ہے۔ خاموشی سے یہاں سے نکل چلو۔" منیر کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ نے مجھے پر زور لہجے میں مشورہ دیا "ہم وہاں مل بیٹھ کر نئی راہ کا تعین کرسکیں گے۔"

"چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ چل نکلا ہے تو اب مجھے یہاں موجود رہنا ہوگا۔ کچھ پتا نہیں کہ کب حالات کیا رخ اختیار کرلیں۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"آج کے تصادم کے بعد یہ امکان نہیں ہے کہ وہ پلٹ کر دوبارہ ادھر آئے۔"

"یہ تمہاری رائے ہوسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ان دونوں واقعات کو یک جا کرکے نہیں سوچ سکے گا۔"

"دونوں واقعات ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ وہ گولڈن فارمیسی میں قدم رکھتا نہ میں اس کے پیچھے جاتا۔"

"یہ تمہاری سوچ ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا سوچ رہا ہوگا۔"

"فارمیسی سے نکلتے ہی مجھ سے ٹکراؤ کو وہ اتفاق قرار نہیں دے گا۔" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

"تم کچھ بھول رہے ہو۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اسے یہ پتا نہیں چل سکا ہوگا کہ وہ میری بلکہ فارمیسی کے مالک کی آمد کے انتظار میں آس پاس منڈلا رہا تھا تو تم نے اس کی حرکتیں نوٹ کرلی تھیں۔ وہ اپنی دانست میں دامن بچا کر دکان کی نگرانی کرتا رہا اور میرے آنے کے بعد اندر گھس آیا۔ اس نے ایک دوا خریدی، اپنے گونگے اور بہرے ہونے کا بہانہ کیا اور پیسے ادا کرکے واپس لوٹ گیا۔ اس کے کام کا یہ حصہ بالکل شفاف تھا۔ وہ تمہاری ذات کو اپنی اس کارروائی سے نہیں ملا سکتا۔"

"تمہارے ذہن میں اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا۔" سلطان شاہ نے اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کردیں۔

"میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں ہے۔ تم نے خود بتایا کہ سنبھلنے کے بعد اس نے تمہیں لٹیرا اور جیب کترا قرار دیا تھا۔"

سلطان شاہ کی آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی "تمہارا خیال ہے کہ وہ سچ بول رہا تھا۔"

"غصے اور اضطراب کی حالت میں بڑے سے بڑا اداکار بھی سچ بولتا ہے جو کچھ اس کے ذہن میں آیا، اس نے بے ساختہ کہہ ڈالا۔"

"حیرت ہے۔ ایک بات میں نے تمہیں خود ہی بتائی اور وہ میرے دماغ سے نکل گئی مگر تم اسے نہیں بھولے۔"

"یہ بھولنے والی بات ہی نہیں تھی۔ صحیح فیصلے پر پہنچنے کے لیے حاضر دماغی بہت ضروری ہوتی ہے۔"

"شاید تمہارا فارمولا درست ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا "وہ سمجھا ہوگا کہ میں اس کو بدحواس کرکے اس کی جیبیں خالی کرانا چاہتا ہوں۔ وہ فٹ پاتھ سے اٹھا اور غصے میں مجھ پر ٹوٹ پڑا۔"

"اگر تم باقاعدہ اس کا مقابلہ کرنے پر نہ تل جاتے تو شاید وہ تم کو دو چار ہاتھ مار کر اپنی راہ ہولیتا۔"

"بالکل یہی ہوا ہے۔" سلطان شاہ نے اعتراف کیا "اپنے پہلے حملے میں اس کے تیور بہت ڈھیلے ڈھالے تھے اسی لیے میں اس کی مرمت کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ میرے ہاتھوں سے پٹنے کے بعد اس نے خطرناک تیوروں کے ساتھ سنبھالا لیا اور میرے اوسان خطا کردیے۔"

"اس کے حساب سے ساری گڑبڑ یہ ہوئی کہ تمہارا اور اس کا جھگڑا طول پکڑ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تماشائی تمہاری حمایت میں اسے مارنے پر کمربستہ ہوگئے۔"

"اس جھگڑے کا اہم ترین موڑ یہی تھا۔" سلطان شاہ بول پڑا "وہ نوبت نہ آتی تو وہ بیم گن نہ نکالتا۔ یہ پتا چلنا مشکل ہوجاتا کہ وہ آئی مین تھا یا اس کا آدمی۔"

سلطان شاہ کی اس دلیل میں خاصا وزن تھا۔ ظاہری طور پر اسے آئی مین ہی ہونا چاہیے تھا۔ وہ جس قدر رازدارانہ

انداز میں کراچی میں کام کر رہا تھا اس کی بنا پر یہ باور کیا جا سکتا تھا کہ جہانگیر کی تلاش کے لیے اس نے کسی پر اعتماد نہ کیا ہو اور کمر کس کے خود میدان میں کود پڑا ہو۔ اس نظریے کو اہمیت دینے کے ساتھ میں نے دوسرا امکان بھی نظر انداز نہیں کیا تھا کہ آئی مین کے بجائے اس کا کوئی معتمد معاون تھا جسے اس نے اپنی بیم گن بھی سونپ دی تھی۔

وہ کالا مشتعل تماشائیوں کے ہجوم میں پستول یا ریوالور جیسا کوئی روایتی ہتھیار استعمال کرتا تو یہ ممکن تھا کہ لوگ اس سے مرعوب ہونے کے بجائے زیادہ مشتعل ہو کر اس پر ٹوٹ پڑتے اور اس کی تکا بوٹی کر ڈالتے۔

یہ بیم گن کے استعمال کا کمال تھا کہ ایک شخص کا ہاتھ کٹتے ہی سب دہشت زدہ ہو کر بھاگ گئے۔

ہمارے لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ خود آئی مین تھا یا اس کا کوئی ساتھی تھا۔ اس واقعے میں بیم گن کے استعمال سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح ثابت ہو گئی تھی کہ ہمارا واسطہ شی کے کسی آئی مین سے ہی پڑا تھا۔

''میری بات مانو اور دکان بند کر کے گھر چلو۔ مجھے بھی آرام کی ضرورت ہے۔ آج یہاں کوئی نہیں آئے گا۔'' سلطان شاہ نے پھر اصرار کیا۔

میں اس کی بات سے متفق نہیں تھا لیکن مجھے بازار بند ہونے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ میں اسے کیبن میں آرام کرنے کی تاکید کر کے باہر نکل گیا۔

دکان کا آدھا شٹر بدستور گرا ہوا تھا۔ اندر بتیاں جل رہی تھیں۔ میں دکان سے باہر فٹ پاتھ پر نکل گیا۔

افراتفری ختم ہونے کے بعد وہاں خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ ہماری فٹ پاتھ ویران پڑی ہوئی تھی۔ میرا یہ خیال درست ثابت ہوا تھا کہ دکان دار طبقہ تھانے پولیس سے گھبراتا تھا۔ ہمارے آس پاس کی بیشتر دکانوں پر تالے پڑ چکے تھے جو لوگ موجود تھے وہ تیزی سے اپنا سامان سمیٹ رہے تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ اصل واقعے کی تفصیل جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔ دکان داروں کو خوف تھا کہ جو بھی دو پیسے کے لالچ میں بیٹھا رہا، وہ پولیس کی تفتیش کے نرغے میں آ جائے گا پھر دکان داری کرنے کے بجائے روزانہ تھانے میں پیشیاں بھگتانی ہوں گی۔

میں نے کچھ دور جا کر حالات کا گہرا جائزہ لیا اور واپس لوٹ کر فارمیسی بند کرنے کا اعلان کر دیا۔

اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ جہانگیر کسی بڑے سیٹھ کے انداز میں اپنی دکان چلا رہا تھا۔ چابیاں منیر کے پاس ہوتی تھیں۔ وہ دونوں آ کر دکان کھولتے اور اندر کی صفائی کرتے تھے۔ جہانگیر بس آ کر اپنی جگہ سنبھال لیتا تھا۔ مقررہ اوقات کے بعد دکان بند کرنے کی ذمے داری ان دونوں کی تھی۔

فارمیسی کا زیادہ بکھیڑا نہیں تھا۔ فٹ پاتھ پر رکھے ہوئے ایک دو بورڈ اندر اٹھا کر شٹر پر تالے ڈالنے تھے۔ میں نے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا تو منیر نے چند دواؤں کی تھیلی مجھے تھما دی۔ بیرونی علاج کے ساتھ وہ دوائیں سلطان شاہ کو تیزی سے صحت یاب کر سکتی تھیں۔

منیر اور اس کے ساتھی سے رخصت ہو کر ہم تیزی سے اس گلی کی طرف چل دیے جہاں جہانگیر کی گاڑی پارک تھی۔ جہانگیر کے فلیٹ کا رخ کرنا بے سود تھا۔ میں فون پر اسے پوری روداد سنا سکتا تھا۔ ہم لی مارکیٹ سے براہِ راست گلشن اقبال کے لیے روانہ ہو گئے۔

ہم گھر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ دونوں عورتیں تشویش، تجسس اور پریشانی کے عالم میں ہماری منتظر تھیں۔

سلطان شاہ کو دیکھتے ہی وہ دونوں صدمے سے چیخنے چلاتی رہ گئیں۔

''تم کہاں مر گئے تھے۔ کس حال میں گھر واپس آئے ہو!'' ویرا نے ملامت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''شامت نے دھکا دیا تھا۔ میں نے خاموشی سے ڈینی کی دیکھ بھال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ آج اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔'' سلطان شاہ نے سر جھکا کر کہا۔

''میں اسی لیے کہتی ہوں کہ ڈینی کی بات مت ٹالا کرو۔ اس کی زبان کالی ہے۔''

''لیکن آج مجھے جھاڑ نہیں پڑی۔ میری مداخلت کے نتیجے میں ہمارا دشمن کھل کر سامنے آ گیا ہے۔''

انہیں باتوں میں مصروف چھوڑ کر میں اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ اس وقت ان لوگوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ خاموش رہ کر مجھے فون کرنے دیں۔

میں نے اول خان کا نمبر ملایا تو وہ اسٹیشن فوری پر موجود نہیں تھا۔ موبائل فون پر اس سے رابطہ ہو گیا۔ اس وقت وہ اپنی گاڑی میں محو سفر تھا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اسے پوری کہانی سنا دی۔ اس وقت تک اسے اپنے ذرائع سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ وہ نہایت جوش و خروش سے ہنکارے بھر کر میری بات سنتا رہا اور میرے خاموش ہوتے ہی مسرت آمیز آواز میں بول پڑا
''آج تمہاری بہت بڑی مشکل آسان ہو گئی۔''

''میرا خیال ہے کہ میری ایک نہیں، کئی مشکلیں آسان ہوئی ہیں۔ تم کس مشکل کی بات کر رہے ہو۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر پوچھا۔

''تمہارے لیے بیم گن شجرِ ممنوعہ بنی ہوئی تھی۔ اس کا

استعمال جائے واردات پر تمہاری موجودگی کا کھلا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔ آج اس کالے نے برسرِعام بیم گن چلا کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ تمہیں بیم گن کے آزادانہ استعمال کا پروانہ مل گیا ہے۔"

"یہ پروانہ بہت مہنگا پڑا ہے۔ اس کے لیے ایک بے گناہ شہری کو اپنے ہاتھوں سے محروم ہونا پڑا ہے۔"

"بعض بڑے کاموں کے لیے اس سے زیادہ قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ تم اس کی پروا نہ کرو۔"

"آج اس نے دوسری بار بیم گن استعمال کی ہے۔ پچھلی رات اس نے کلفٹن کے ساحل پر نادر کو اسی سے مارا تھا۔"

"وہ ویران ساحل پر پیش آنے والا واقعہ تھا۔ ہمیں اس پر بہت محنت کرنی پڑتی۔ آج کا واقعہ خود بہ خود اچھلے گا۔" اول خان اپنی آواز سے مگن لگ رہا تھا۔

"وہ کالا بھی سلطان شاہ کے ہاتھوں کافی بری طرح پٹا ہے۔ ہوسکے تو اس کا کھوج لگانے کی کوشش کرو۔" میں نے اسے مشورہ دیا "وہ جو کوئی بھی ہے، کراچی میں مامور امریکی سفارت کاروں سے رابطے میں ضرور ہوگا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ آج کل امریکی اپنے سائے سے بھی خوف زدہ ہیں اور پاکستانی ایجنسیوں کی مدد لینے پر مجبور ہیں۔ ان کی حفاظت پر میری کچھ نفری بھی مامور ہے۔ میں تمہاری خواہش کے مطابق اسے بریف کردوں گا۔ وہ زیادہ دیر تک ہماری نظروں سے روپوش نہیں رہ سکے گا۔"

اس وقت اول خان کسی ضروری کام سے جارہا تھا۔ اپنی باتوں سے بے پروائی کا اظہار کرنے کے باوجود وہ یہ بات چھپانے میں ناکام رہا تھا کہ اس وقت اس کی توجہ کسی اور نکتے پر مرکوز تھی۔ میں نے بات وہیں ختم کردی اور فون بند کرکے جہانگیر کے گھر کا نمبر ملالیا۔

"دکان سے بول رہے ہو۔ سیل کیسی جارہی ہے؟"

میری آواز پہچانتے ہی اس نے چہکنا شروع کردیا۔

"سیل ٹھپ ہوگئی ہے۔ دکان میں تالے ڈالنے پڑے ہیں۔" میں نے اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"خدا مجھ پر رحم کرے۔ مجھے معلوم تھا کہ تمہارے قدم جہاں جاتے ہیں، وہاں کوئی نہ کوئی فتنہ ضرور سر اٹھاتا ہے۔ اب وہاں کیا ہوا ہے؟"

"منیر اور دوسرے ملازم سے تصدیق کرلینا۔ وہاں ہونے والے خون ریز بلوے میں میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔"

"تم نے کسی نہ کسی فساد کی بُو سونگھ کر ہی مجھے دکان جانے سے روکا تھا۔"

"میں نے تمہیں اس فساد کے بارے میں بتادیا تھا۔" میں نے وضاحت کی۔

"میں کب کہہ رہا ہوں کہ تم نے مجھے اندھیرے میں رکھا تھا۔" اس کی طرف سے بلا توقف جواب آیا "یہ بتاؤ کہ بلوہ کیوں ہوا؟"

"ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" میں نے دروغِ مصلحت آمیز سے کام لیتے ہوئے کہا مگر میری چھٹی حس بتارہی ہے کہ میں نے تمہیں بروقت دکان کا رخ کرنے سے روک لیا۔ آج کے حالات میں تمہارا وہاں ہونا مخدوش ثابت ہوسکتا تھا۔"

"میرے ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ کون سی میری تصویریں لیے گھوم رہے ہوں گے۔ میری جگہ تم نے لے لی ہے۔ وہ میرے دھوکے میں تم پر ہاتھ ڈال دیں گے۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ وہ نشے کی ترنگ میں نہیں تھا۔ اس کا ذہن پوری طرح کام کررہا تھا۔ میں نے کہا "آج گڑبڑ کی وجہ سے پورا بازار بند ہوگیا۔ آثار بتارہے ہیں کہ شی کے کسی بڑے نے اپنی لیزر گن استعمال کرکے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اگر وہ ان اطراف میں موجود تھے تو خطرہ ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔"

"ایسی بات ہے تو تم کیوں اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھر رہے ہو۔" ریسیور پر اس کی خائفانہ آواز ابھری "دکان کو بھاڑ میں ڈالو۔ کمانے کے لیے ساری عمر پڑی ہوئی ہے۔ دکان کو تالے لگا کر تم بھی گھر پر بیٹھ جاؤ۔ جب حالات سازگار ہوں گے تو دکان کھول لی جائے گی۔"

"بیٹے! دکان بند کرکے جان نہیں بچے گی۔ وہ تمہارے گھر کا کھوج لگانا شروع کردیں گے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "گھر اور بیوی کو چھوڑ کر تم کہاں جاؤ گے۔"

"گھر چھوڑ سکتا ہوں مگر آج بیوی کو چھوڑنے کی بات نہ کرو۔ پتا نہیں آج تم نے کیا جادو کیا ہے کہ وہ بات بات پر میرے صدقے واری ہورہی ہے۔"

"ہم پر بھروسا کرو گے تو زندگی بھر یوں ہی عیش کرتے رہو گے۔ شاید آج تم نے اسی لیے اس کی بات مان لی ہے۔"

"میں نے اس کی کون سی بات مانی ہے؟" جہانگیر کی آواز چونکی ہوئی۔

"دکان پہنچتے ہی مجھے خوش خبری ملی تھی کہ آج تم اچانک جعلی دواؤں کے کاروبار سے تائب ہوگئے ہو۔"

"ہاں.... آں، اس بارے میں سلمٰی نے بھی بات کی تھی مگر اصل راہ تم نے سجھائی تھی۔ اصولی طور پر میں نے تمہاری رائے مانی ہے۔"

"تم نرے گھامڑ ہو۔ عورت کی بات مان لینے سے مرد کی شان میں کمی نہیں آتی۔" میں نے اسے ملامت کی۔

اس کے کھلکھلا کر ہنسنے کی آواز آئی پھر وہ بولا "تم اس

کی یوں وکالت کر رہے ہو جیسے وہ میری نہیں تمہاری بیوی ہو۔"

اس نے وہ فقرہ مذاق میں کہا تھا لیکن میں چند ثانیوں کے لیے سناٹے میں آ گیا پھر میں نے کہا "بے ہودہ باتیں مت کرو۔"

"ان فضول باتوں کو چھوڑو اور کان کھول کر میری ایک بات سن لو۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "سلمٰی کا موڈ اچھا ہے تو اب گھر پر رہنے کا لطف آ رہا ہے۔ جب تک تم خطرہ بالکل ٹل جانے کی خبر نہیں سناؤ گے، میں دکان کا رخ نہیں کروں گا۔"

"یہ تمہارا مناسب فیصلہ ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ میدان صاف ہونے میں زیادہ سے زیادہ تین چار دن لگیں گے۔"

"یار، تم نے اس کے ماموں کو پکڑوا کر مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ میں زندگی بھر تمہاری غلامی کرتا رہوں تو تمہارے اس احسان کا بدلہ نہیں اتار سکتا۔" یکایک اس کی ذہنی رو بھٹک گئی اور اس نے رازدارانہ آواز میں وہ بھولا ہوا ذکر دوبارہ چھیڑ دیا۔

"جہانگیر! خدا کا خوف کرو۔ چوہدری عظمت اپنی حرکتوں سے پھنسا تھا۔ میں نے اسے نہیں پکڑوایا۔ سلمٰی نے تمہاری الزام تراشی سن لی تو وہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے بدظن ہو جائے گی۔ میرا اس معاملے سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم بہت مسکین بنتے پھرتے ہو مگر تمہاری پہنچ بہت دور تک ہے۔ پتا نہیں ماموں عظمت نے کب سے اینٹی این جی او کا چکر چلایا ہوا تھا اور بے حساب مال پیٹ رہا تھا۔ تمہارے لاہور پہنچتے ہی اس کے ستارے گردش میں آئے اور وہ مارا گیا۔ میں دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں کہ تمہارے یہ چکر نہ سمجھ سکوں۔"

"تمہارے دماغ میں بھس بھرا ہوا ہے۔ اس میں جو بات بیٹھ جاتی ہے، آسانی سے نہیں نکلتی۔ تم جو چاہو سمجھتے رہو، میرے ہاتھ صاف تھے۔"

"وہ پکڑا اس لیے گیا کہ تمہارے ہاتھ صاف تھے۔ تمہاری جگہ کوئی مک مکا کرنے والا ہوتا تو دس بیس لاکھ لے کر اس کی جان چھوڑ دیتا۔" جہانگیر اسی لکیر کو پیٹے جا رہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سلمٰی موجود نہیں ہے اس لیے تم اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے ہو؟"

"وہ غسل فرما رہی ہے۔" جہانگیر نے شہدے پن سے اعلان کیا۔

"تمہارا ذہن آوارہ ہو رہا ہے۔ اس وقت تم مزید بات کرنے کے قابل نہیں رہے ہو۔" میں نے اس کی مزید خرافات سے بچنے کے لیے فون بند کر دیا۔

میں دوبارہ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا بہت انہماک اور دردمندی سے سلطان شاہ کے زخموں کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔

"تم تو اس کے خون کی پیاسی ہو۔ اس وقت اس پر اتنی مہربان کیوں ہو؟" میں نے اپنی نشست سنبھالتے ہوئے طنز سے پوچھا۔

"یہ اپنی حماقت اور خوش فہمی کی وجہ سے مارا گیا۔ اگر اسے اپنی طاقت کا زعم نہ ہوتا تو یہ اس کالیے سے دور رہتا مگر میں نے اس کی یہ خطا معاف کر دی ہے۔"

"اس معافی کا سبب خاصا دلچسپ ہے۔ ذرا ویرا سے یہ تو پوچھ لیں کہ کیوں معاف کر دیا۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے مجھے اکسایا۔

"بتاؤ بھئی، تم نے اسے کیوں معاف کیا ہے۔" میں نے ویرا سے کہا۔

"صرف اس لیے کہ اس نے ساری حماقتیں تمہاری خاطر کی ہیں۔ میں اس کے اس جذبے کی قدر کرتی ہوں کہ اس نے کوئی کریڈٹ لینے کے بجائے خاموشی سے تمہاری حفاظت کا فیصلہ کیا اور مار کھا کر واپس لوٹ آیا۔" ویرا نے اس کے ابرو کے زخم پر مرہم لگاتے ہوئے کہا۔

سلطان شاہ بھڑک اٹھا "میں مار کھا کر نہیں آیا۔ میں نے بھی اسے بہت بری طرح مارا ہے۔"

"چلو، تم ٹھیک کہہ رہے ہو گے۔" ویرا نے بے اعتباری سے اسے پچکارا "وہ تمہارے ہاتھوں پٹا ہوتا تو بھیڑ میں سے بچ کر بھاگنے میں کامیاب نہ ہوتا۔"

"وہ صرف بیم گن کی وجہ سے بچ گیا۔ لوگوں نے اس ہتھیار کی تباہ کاری پہلی مرتبہ دیکھی تھی۔" سلطان شاہ نے تلملا کر جواب دیا۔

"وہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔" ویرا نے اپنے شانے اچکا کے بے بسی سے کہا "تم جو کچھ کہو گے، وہ ماننا پڑے گا۔ تم چاہو تو یہ دعویٰ بھی کر سکتے ہو کہ تم نے اس کے تین دانت توڑ دیے تھے۔"

"یہ بلاوجہ بکواس کیے جا رہی ہے۔" سلطان شاہ نے ویرا کا ہاتھ دور جھٹک کر مجھ سے شکایت کی "میں اس کا ادھار کھاتا ہوں جو اس سے جھوٹ بولوں گا۔"

"اچھا چلو، تم سچ بول رہے ہو۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے اس کے جبڑوں پر کتنے مکے مارے تھے۔" ویرا نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھا۔

سلطان شاہ نے غصیلے انداز میں دوبارہ اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور بے رخی سے بولا "سر سہلا کر میرا بھیجا کھانے کی

کوشش مت کرو۔ مجھے تمہاری کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کالا ایک مرتبہ ہمارے ہاتھ آجائے تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں نے اس باکسر کو کیسے مارا تھا۔"

"کیوں بلاوجہ چڑچڑے ہو رہے ہو۔" مجھے سلطان شاہ پر غصہ آگیا "ویرا جب چاہتی ہے، تم کو کھلونا بنا کر کھیلنا شروع کردیتی ہے اور تم اس کے چکر میں آجاتے ہو۔"

ڈور بیل کی آواز نے اس گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع کردیا۔ سلطان شاہ دروازے تک جانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ ویرا نے رضاکارانہ طور پر وہ ذمے داری اپنے سر لے لی۔ غزالہ بھی مشینی انداز میں اس کے پیچھے ہولی۔

تخلیہ میسر آتے ہی سلطان شاہ نے مجروح نظروں سے میری طرف دیکھا اور رنجی آواز میں بولا "تم اسے اچھی طرح جانتے ہو پھر بھی اس کا ساتھ دیتے ہو۔ جانتے وہ وہ کیا کررہی تھی؟ زخموں پر مرہم وغیرہ لگانے کے بہانے میرا سر اپنے پیٹ سے چپکائے کھڑی تھی۔ میں اس کی بے عزتی نہیں کرتا۔ سب کے سامنے کیا بتاتا کہ وہ کیا کررہی ہے۔ اس پر میرا غصہ بلاسبب نہیں تھا۔ تم کو نہیں معلوم کہ وہ میرے ساتھ کیا کیا حرکتیں کرتی رہتی ہے۔"

مجھے اس کے جواب میں کچھ کہنے کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ دونوں دروازے سے جلال کو اپنے ساتھ لے کر آگئیں۔

"تم لاجواب آدمی ہو۔" جلال نے پرجوش انداز میں مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "آخر کار تم نے انہیں کھل کر سامنے آنے پر مجبور کردیا۔"

"تم کس بات کررہے ہو؟" میں نے اس سے اپنے اندازے کی تصدیق چاہی۔

"میں شی کے آئی مین کی بات کررہا ہوں۔ تم وہاں جہانگیر کی فارمیسی پر بیٹھے نہ جانے کیا گل کھلا رہے تھے کہ اسے بیم گن استعمال کرنی پڑگئی۔"

"اس کارِ خیر کا سہرا سلطان شاہ کے سر جاتا ہے، یہ آج کا ہیرو ہے۔" میں نے کہا۔

جلال نے بڑھ کر گرم جوشی سے اسے اپنے سینے سے لپٹالیا اور کہا "اگر یہ کارنامہ تمہارا ہے تو تمہارا منہ چوم لیا جانا چاہیے۔"

"اس سے بس یہی نہ کہنا۔" ویرا ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولی "ایسی باتوں سے اس لاڈلے کو اختلاج ہونے لگتا ہے۔"

"تمہیں شی کے آئی مین کے بارے میں کیسے پتا چلا؟" میں نے جلال سے پوچھا۔

"موبائل پر بات ہونے کے بعد مجھے پتا تھا کہ تم شہر کے کس علاقے میں مصروف ہو۔ تھوڑی دیر پہلے یہ دھماکا خیز خبر ملی کہ ان ہی اطراف میں ایک کالے غیر ملکی نے اندھا دھند لیزر کا کوئی ہتھیار استعمال کیا ہے۔ میرے لیے نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا۔"

"اور وہ اطلاع سن کر تم ادھر دوڑے چلے آئے!"

"فون پر بات کرنے میں مزہ نہیں آتا۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ لی مارکیٹ کا متاثرہ بازار بند ہوگیا ہے۔ میں نے اسپتال میں لیزر گن کے مجروح کو دیکھا اور یہاں آگیا۔ یہ بتاؤ کہ سلطان کے چہرے کا حشر کیوں بگڑا ہوا ہے۔"

اسے وہ کہانی ایک بار پھر سنانی پڑی۔ وہ پورے انہماک اور توجہ سے ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔

"تم پنجرے کے قیدی کی طرح گولڈن فارمیسی میں بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔" پوری کہانی سن لینے کے بعد اس نے اعتراف کیا "اگر سلطان پہلے سے وہاں نہ پہنچا ہوا ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ وہ کالا اپنا جائزہ لے کر صاف نکل جاتا۔ اٹھارہ گھنٹے کی قلیل سی مدت میں کراچی میں بیم گن دوسری مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔ ہر طرف کھلبلی مچ گئی ہے۔ اس وقت سب سے زیادہ پریشانی ذمے دار امریکی افسران کو ہوگی۔ وہ یکایک مدافعانہ پوزیشن میں چلے جائیں گے۔"

"تم دعا کرو کہ دو تین روز میں آئی مین ہمارے ہاتھ آجائے تو مزہ آجائے گا۔"

"تو کیا تم اس پر اپنا کام جاری رکھو گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ ابتدا ہے۔ شکار نے چارے پر ایک بار منہ مار دیا ہے۔ اب اسے پھنسنا ہی چاہیے۔"

"اب ہم بھی میدان میں اتر آئیں گے۔ یہ یاد رکھنا کہ وہ پکڑا گیا تو سرکاری قیدی بنے گا۔"

"یہ نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے مایوسی سے احتجاج کیا "تم نے اسی طرح راجا کو بھی پولیس کے قبضے میں پہنچادیا ہے۔"

"یہ ابھی تک صرف وعدہ ہے۔ راجا ابھی تک اول خان کے قبضے میں ہے۔ وہ اسے نچوڑ کر پولیس کے سپرد کرے گا۔"

"اپنے قیدیوں کی مدارات کا اسے پورا حق حاصل ہے۔ تم کو راجا پر اکتفا کرنا چاہیے۔ آئی مین میرے ہاتھ آگیا تو میں بیم گن سے اس کے سارے بدن کو داغ دار کیے بغیر کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔ تم کو معلوم ہے کہ شی اور اس کے بڑوں سے میرا جھگڑا بہت پرانا ہے۔"

"وہ مبارک وقت آئے گا تو دیکھ لیا جائے گا کہ کیا کرنا چاہیے۔" بات بڑھانے کے بجائے جلال نے وہ قصہ وہیں

ختم کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "میں نے ایک فیصلہ کیا ہے کہ اب تم لوگوں کو تنہا نہیں چھوڑا جائے گا۔ میرے کمانڈو یونٹ کے دو چار آدمی ہر وقت تمہاری خفیہ حفاظت کریں گے۔"

"حفاظت یا نگرانی؟" ویرا نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ پوچھا۔

"میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔" جلال یک لخت سنجیدہ ہوگیا "نگرانی مشتبہ لوگوں کی جاتی ہے۔ حفاظت اثاثوں کی ہوتی ہے۔ تم چاروں کی ٹیم ایک قومی اثاثے کی حیثیت اختیار کرتی جارہی ہے۔ میں دل سے تم سب کی قدر کرتا ہوں۔ تمہیں کسی غفلت کی بھینٹ نہیں چڑھنے دیا جائے گا۔"

"میں تمہارے ان الفاظ کے لیے تمہارا شکرگزار ہوں مگر ہمیں کسی تحفظ کی ضرورت نہیں۔ آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ میں نے خود کو تنہا محسوس کیا اور وقت نے دکھا دیا کہ میرا ایک ساتھی اپنی کسی حیوانی جبلت کے تحت پہلے سے میرے نزدیک چھپا ہوا تھا۔"

"نہیں.... تم کو میری بات ماننی ہوگی۔" جلال بضد تھا۔

"پھر تم ایسا کرو کہ ہمیں قومی اثاثے کے بجائے ورثہ قرار دلوا دو۔" ویرا نے کہا "اور ہماری ممیاں بناکر کسی عجائب گھر میں رکھوا دو۔"

ویرا نے بے تکی بات کہہ ڈالی تھی۔ میں نے اس کے الفاظ کی سنگینی کم کرنے کے لیے زبردستی ایک قہقہہ لگایا اور لاابالی انداز میں کہا "ویرا صحیح کہہ رہی ہے۔ حفاظتی پہروں میں رہ کر کام کرنے سے بہتر ہوگا کہ ہم گوشہ نشینی اختیار کرلیں۔ ہمیں ہر وقت ایس ٹی ایف کا بھرپور تحفظ حاصل ہے لیکن ہم ناگزیر ضرورت کے بغیر اول خان کے کسی آدمی کو زحمت نہیں دیتے۔ تمہاری تجویز مان لینے کے بعد ہمیں اس سے بھی گارڈ لینے پڑیں گے۔"

"دشمن والے خونی درندے ہیں۔ جب تک ان کا قصہ نہیں نمٹ جاتا تم کو محتاط رہنا ہوگا۔"

"میں تمہاری اس بات سے متفق ہوں۔ میں نے جھٹ جواب دیا "محتاط رہنے اور زیر حفاظت آجانے میں بہت فرق ہے۔"

"بعض اوقات تم اپنی بات پر اڑ جاتے ہو۔" جلال نے بے بسی سے کہا "میں تمہارے بھلے کی بات کررہا ہوں۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے آدمی تمہاری آزادانہ نقل و حرکت میں ذرا بھی حارج نہیں ہوں گے اور نہ ہی تمہارے ایما کے بغیر کسی کارروائی میں مخل ہوں گے۔"

"میں نے تمہاری یہ پرخلوص تجویز نوٹ کرلی ہے۔ ضرورت پڑنے پر ہم اس پر دوبارہ بات کریں گے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"اب تم نے اپنی بات ایک دوسرے پیرایے میں دہرا دی۔ میں چاہ رہا ہوں کہ کل صبح تم گولڈن فارمیسی کا رخ کرو تو میرے آدمی تمہارے اردگرد موجود ہوں۔"

"اس طرح میرے لیے دشواریاں بڑھ جائیں گی۔" اسے قائل کرنے کے لیے مجھے خوشامدانہ لہجہ اختیار کرنا پڑا "ہمارا مقابلہ معمولی دشمن سے نہیں ہے۔ ان لوگوں کے اپنے وسائل ہیں۔ یہ بھیڑ انہیں چوکنا کردے گی۔ ابھی وہ مجھے جہانگیر سمجھ کر دھمکانے یا اغوا کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔ غیر معمولی حفاظتی انتظامات انہیں شک میں ڈال دیں گے۔"

جلال کا خلوص ہر شک و شبہے سے بالاتھا مگر میرے اپنے تحفظات تھے۔ میں نامعلوم آئی مین اور اس کی حکمتِ عملی کو سمجھ رہا تھا۔ میں وہ باتیں قبل از وقت اپنی زبان پر نہیں لاسکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس مقابلے میں کسی تیسرے طاقت ور فریق کی شمولیت پورا کھیل بگاڑ دے گی۔

ایک لمبی بحث کے بعد جلال کو ہتھیار ڈالنے پڑگئے اور میں دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرکے رہ گیا ورنہ اس کی ہمدردی کے روپ میں مجھے ایک بڑا مسئلہ کھڑا ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔ میرے لیے ایس ٹی ایف اور آئی بی والوں کی ہمدردیاں یکساں تھیں۔ فرق یہ تھا کہ ایس ٹی ایف والے قانون اور ضابطوں کی پروا کیے بغیر اپنی بہترین صوابدید کے مطابق فیصلے کرتے تھے اور پھر بے خوف و خطر ہوکر ان پر عمل کر گزرتے تھے۔ آئی بی وفاقی حکومت کا ایک ذمے دار اور باضابطہ ادارہ تھا اس لیے اس کے اراکین کو ہر ہر قدم پر اپنی حدود و قیود کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔ ایمان داری کی بات یہ ہے کہ اگر مجھے اپنے کام میں مدد کے لیے ضرورت پڑ ہی جاتی تو میں بے حساب آزادیوں کی بنا پر ایس ٹی ایف کے انتخاب کو ترجیح دیتا مگر یہ بات جلال سے کہنے والی نہیں تھی۔ تمام تر زمینی حقائق کے باوجود اسے میرے نظریے سے تکلیف پہنچنے کا امکان تھا۔

ہم اس کے ساتھ چائے نوشی میں مصروف تھے۔ سلطان شاہ نے مشتبہ کالے سے الجھ کر ایسا شان دار کارنامہ انجام دیا تھا کہ اس کی ذات اس روز کا موضوعِ سخن بن گئی تھی۔ جلال بھی اسے پہلی بار بہت زیادہ اہمیت دے رہا تھا۔

اسی دوران میں اول خان بھی آگیا اور ہماری محفل میں ایک نئی جان پڑگئی۔

اسے بھی سلطان شاہ کی حالت دیکھ کر صدمہ ہوا۔ اس کی آمد پر میں نے پہلی بار یہ بات نوٹ کی کہ نام کی ساخت اور

ترکیب کی وجہ سے ہم سب ہی غیر ارادی طور پر اس کا پورا نام لیا کرتے تھے لیکن جلال نے ہماری روایت کی تقلید نہیں کی تھی۔ وہ بار بار اس کا پہلا نام لے رہا تھا جو میرے کانوں کو کچھ ادھورا اور نامانوس لگ رہا تھا۔

سلطان شاہ سے بھرپور اظہارِ ہمدردی کے بعد موضوعِ سخن حالاتِ حاضرہ کی طرف منتقل ہو گیا۔

''اس بار میں ایک نئی بات محسوس کر رہا ہوں۔'' اچانک جلال نے کہا ''جب تک ہمارے دشمنوں کا ایک محاذ گرم رہتا ہے' دوسری سمتوں میں سناٹا چھایا رہتا ہے۔ جونہی وہ محاذ ٹھنڈا پڑتا ہے کوئی نیا فتنہ پوری قوت سے سر اٹھانے لگتا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ پچھلے دنوں را اور سی آئی اے' دونوں ہی حرکت میں آئی ہوئی تھیں۔'' ویرا بولی۔

''نہیں' ایسا نہیں تھا۔'' جلال نے وثوق سے اس کی تردید کی ''میرے آدمی دن رات' سایوں کی طرح ان کے مخبروں کا پیچھا کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں وہ دبکے ہوئے تھے کیونکہ ہم را کے خلاف کام کر رہے تھے۔ تم دونوں کی بھارت سے واپسی کے ساتھ ان کی سرگرمیاں دم توڑ چکی تھیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' اول خان نے اس کی بات کی تائید کی ''دہلی میں انل اور نریش کے انجام نے انہیں خوف زدہ کر دیا تھا۔ یہ ڈینی کی ذہنی اپچ تھی کہ اس نے فیکس پر اپنی رپورٹ بھیج کر چندن گرنانی کے گلے میں طوق ڈالنے کی راہ نکال لی۔ میری اطلاعات یہی ہیں کہ وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے تھے۔''

''میں بتا رہا تھا کہ را والے خوف زدہ ہو کر پسپا ہوئے تو سی آئی اے والوں نے دیدہ دلیری سے سر اٹھانا شروع کر دیا....''

جلال کی بات پوری ہونے سے پہلے ویرا بول پڑی ''شاید میری بات تم کو بری لگے لیکن سی آئی اے والوں کو ہم نے خود سر پر چڑھایا ہوا ہے۔ ضابطے کے کاموں میں کسی غیر رسمی اجلاس کی کیا گنجائش تھی۔ ہمیں انکار کر دینا چاہیے تھا تاکہ انہیں پتا چلتا کہ ہم بھی اپنے قانون کا احترام کرتے ہیں۔ یہاں جو کچھ ہوتا ہے' ریکارڈ پر ہوتا ہے۔ ریکارڈ سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کیا جاتا۔''

''زبانی طور پر یہ سب کہنا آسان ہے۔ عملی طور پر مجبوریاں آڑے آنے لگتی ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے خود واشنگٹن میں پینٹاگون کے انتہائی خفیہ ہال میں ایک آف دی ریکارڈ اجلاس میں شرکت کی تھی جہاں پاکستانی وفد کو امریکی سیٹلائٹ کی لی ہوئی وہ تصویریں دکھائی گئی تھیں جن سے پاکستان کی ایٹمی تیاریوں کے سارے راز فاش ہو رہے تھے۔ وہ فلم دکھانے کے بعد وفد سے پوچھا گیا تھا کہ ایسی ناقابلِ تردید شہادتوں کی روشنی میں پاکستان کیسے دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے اپنے خفیہ ایٹمی تجربات پر کام روک دیا ہے۔ وہ بڑی خراب صورتِ حال تھی مگر ہمارے وفد کے سربراہ نے سرکاری موقف سے ہٹ کر کچھ کہنے سے انکار کر دیا اور ہم لوٹ آئے۔ بعد میں کہیں ان تصویروں کا ذکر آیا نہ اخبارات میں ان کا چرچا ہوا۔ وہ سب آف دی ریکارڈ ہی رہا۔''

''یہی حال ہمارا ہے۔ ایس ٹی ایف اور اس کی سرگرمیوں کے بارے میں امریکی بہت کچھ جانتے ہیں لیکن سرکاری سطح پر ہمارے اس موقف کو مانتے ہیں کہ پاکستان میں آئین اور قانون سے ماورا کسی ادارے کا کوئی وجود نہیں ہے۔''

''ایسی مفاہمت دو طرفہ ہوتی ہے۔'' میں نے ویرا کو سمجھایا ''اگر امریکا والے ہم سے تعاون نہ کریں تو ہمارے دفترِ خارجہ کو بھی ان کے نخرے اٹھانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔''

''جان کیماڑی کے کھارے اور گندے پانی میں ڈبکیاں کھانے کے بعد بھاگ گیا' لیری دل کا دورہ پڑنے سے مر گیا تو اب آئی مین کھل کر سامنے آ گیا۔'' جلال نے اپنی بات وہیں سے جوڑی جہاں اس نے چھوڑی تھی۔

''آئی مین اچانک سامنے نہیں آیا۔ اسے سامنے آنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ اس سے چھیڑ چھاڑ میں پہل ہماری طرف سے ہوئی تھی۔'' غزالہ بولی۔ اس وقت ہم میں سے ہر ایک کی یادداشت بہت اچھی طرح کام کر رہی تھی۔

''یوں ہی سہی مگر اس کا وجود زیادہ پرانا نہیں ہے۔ چوپڑا کے گھر کا سراغ لگانے کے لیے ویرا اپنے طور پر جوشی کو فون نہ کرتی تو شاید آئی مین خاموشی سے اپنے کام میں لگا رہتا قابلِ غور بات یہ ہے کہ اسے ایک خاص وقت پر یہاں بھیجا گیا ہے۔''

''اور اب وہی ہمارے سامنے ہے۔ سی آئی اے اور را کے اہم کارندوں کا صفایا ہو چکا ہے یا انہوں نے فرار کی راہ اختیار کر لی ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ بہت اچھا ہے۔'' اول خان بولا ''ایک وقت میں ایک دشمن سے مقابلہ ہو تو توجہ اسی طرف مرکوز رہتی ہے۔''

''آئی مین کے جوش میں ہم ونود کو بھول رہے ہیں۔ وہ بھی را کا آدمی ہے۔'' غزالہ نے یاد دلایا۔

''اس کے بارے میں' میں نے ایک طریقہ سوچ لیا

ہے۔ کچھ دنوں تک اسے ڈھیل دی جائے گی تاکہ وہ پورے اطمینان سے اپنا روزانہ کا روٹین بنا لے پھر اچانک ہی اسے اٹھا کر کسی ویرانے میں جہنم واصل کردیا جائے گا۔" جلال زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"وہ جو کچھ بھی ہے، بہرحال ایک سفارتی افسر ضرور ہے۔" اول خان نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اسے عبداللہ کے خون کی قیمت چکانی ہے۔" جلال نے تلخی سے جواب دیا "میں نے سوچا ہے کہ اس کا انجام نادر جیسا ہو تاکہ اس کے قتل کے بارے میں زیادہ قیاس آرائیاں نہ ہوں۔ اس کے قتل کی گتھی کبھی نہیں سلجھ سکے گی۔"

"اگر آئی مین ان سے ملا ہوا ہے تو وہ انہیں اپنی بے گناہی کا یقین ضرور دلائے گا۔" اول خان بولا۔

"دلاتا رہے۔ وہ اس بات کا اعلان نہیں کرسکیں گے۔" جلال اپنی جگہ مطمئن تھا۔

"اس کے قتل کی ذمے داری آئی مین کے سر کیسے آجائے گی؟" سلطان شاہ نے الجھ کر سوال کیا۔

"وہ بیم گن سے مارا جائے گا۔" ویرا نے اسے بتایا "تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکے۔"

"اور وہ بیم گن میں تمہیں فراہم کروں گا۔" میں نے جلال سے تصدیق چاہی۔

"دعا کرو کہ اس وقت تک میرے آدمی آئی مین کو پکڑلیں تو میں تم سے ادھار لینے کی خفت سے بچ جاؤں گا۔ اسی کی بیم گن میرے کام آجائے گی۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ ادھار نہیں، تمہارا احسان ہوگا کہ تم را کے ایک موذی کو مارنے کے لیے میری بیم گن استعمال کرو گے۔" میں نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"وہ ہمارے مشترکہ دشمن ہیں۔ ان کو کچلنے کے لیے ہم سب کو دامے، درمے، سخنے مدد کرنی چاہیے۔" ویرا نے روایتی سی بات کہہ دی جو اس کے منہ سے بھلی معلوم ہوئی۔

"ان باتوں میں الجھ کر میں ایک اہم بات ابھی تک بھولا ہوا تھا۔" جلال نے چونکتے ہوئے کہا "میں نے بتایا تھا کہ سی آئی اے کے دونوں آدمی نے ہمارے غیر رسمی اجلاس میں تمہاری ذات کو مارک کرلیا تھا۔ اب واشنگٹن سے ایک فیکس موصول ہوا ہے۔ امریکا کے فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن کے چیف نے باضابطہ طور پر کرنل داور کا سروس پروفائل مانگا ہے۔"

"یہ خدشہ میں نے ابتدا میں ہی ظاہر کیا تھا۔" اول خان نے مجھ سے کہا "وہ ایک مرتبہ جس شخص کو تاک لیتے ہیں، ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑجاتے ہیں۔"

"پتا نہیں ایسے اجلاسوں میں تمہیں اپنے فرضی نام کے ساتھ فوجی عہدے لگانے کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ آدمی سیدھا نام استعمال کرے تو ٹالنے کے لیے دس بہانے ہوسکتے ہیں۔" ویرا نے وہ خبر سن کر اپنی ہلکی سی ناگواری کا اظہار ضروری سمجھا "ایس ٹی ایف میں آنے سے پہلے وہ کہیں کلرکی کررہا تھا۔ ماضی کا ریکارڈ دستیاب نہیں ہے اور بات ختم۔ فوج میں تو دھوبیوں تک کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہوگا۔ ایک ذمے دار رینک سے ریٹائر ہونے والے افسر کا سروس ریکارڈ نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"کسی بہروپ کو معتبر بنانے کے لیے ایسے حربے استعمال کرنے پڑتے ہیں۔" اول خان نے اس کے اعتراض پر وضاحت کرتے ہوئے کہا "تم کو اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ڈینی سے اس بارے میں بات کرچکا ہوں۔"

"یہ ابتدائی اطلاع ہے۔" جلال بولا "ایف بی آئی چیف کا فیکس ہمارے دفتر کو ملا ہے۔ ابھی اسے ٹال دیا جائے گا لیکن وہ مصر رہے تو بعد میں کسی نہ کسی مرحلے پر ان کو مطلوبہ معلومات فراہم کرنی پڑیں گی۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا۔ میں ڈینی کا ایک فرضی سروس پروفائل تیار کرائے لیتا ہوں۔" انہوں نے سرکاری طور پر فرمائش کی ہے تو اسے پورا کرنا پڑے گا۔"

"میں نے اپنے انتظامی شعبے کے نگراں سے بات کی تھی۔" جلال بتانے لگا "اس کا کہنا ہے کہ اس درخواست کو قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ ڈینی بلکہ کرنل داور کو ایف بی آئی یا سی آئی اے کے لیے منتخب کرنا چاہ رہے ہوں۔" ویرا نے حسب عادت قیاس آرائی شروع کردی "ایسا ہے تو ڈینی کے لیے ان کی صفوں میں پہنچنے کا بہت اچھا موقع ہے۔"

"ملکوں کی سطح پر ایسا نہیں ہوتا کہ اپنی پسند کے کسی آدمی کو مانگا جائے۔" جلال نے بتایا "یہ طریقہ تہذیب، رواداری اور شائستگی کے ہر معیار کے خلاف ہے۔ انہیں اپنے کسی ادارے کے لیے افرادی قوت کی ضرورت ہے تو وہ ہمیں تعداد، قابلیت اور اہلیت سے آگاہ کریں۔ آدمی ہم خود نامزد کریں گے۔"

"اس بہانے بات ٹل جائے تو بہتر ہوگا۔" میں نے جلال سے اتفاق رائے کرتے ہوئے کہا "مجھے کسی امریکی ادارے میں جانے کا شوق نہیں ہے۔ میں ان سے دور رہ کر

اپنا کام زیادہ بہتر انداز میں سرانجام دے سکتا ہوں۔"

○☆○

اگلی صبح کے اخبار کا پہلا صفحہ کئی سنسنی خیز خبریں لیے ہوئے تھا جو میرے لیے پرانی ہو چکی تھیں۔

خبروں میں واضح طور پر لکھ دیا گیا تھا کہ ایک بین الاقوامی زیر زمین تنظیم کے کچھ بڑے اپنے جدید ترین ہتھیاروں کے ساتھ پاکستان میں فعال ہو چکے تھے اور انہوں نے اپنی روپوشی کے لیے بے گناہ پاکستانیوں کے لہو سے ہولی کھیلنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

نادر کے قتل کے بارے میں کم لیکن بہت ٹھوس مواد شائع ہوا تھا جس میں اسٹیٹ ایجنٹ کا تصویری بیان کلیدی اہمیت کا حامل تھا۔ اسٹیٹ ایجنٹ نے اعتراف کیا تھا کہ اس نے ایک بڑی رقم کے لالچ میں کوئی چھان بین کیے بغیر اپنا مکان نادر کو کرائے پر دے دیا تھا جس میں نامعلوم لوگوں نے خفیہ طور پر رہائش اختیار کر لی تھی۔ خبر میں میرے اس تجربے کا کوئی ذکر نہیں تھا کہ اس گھر میں رہنے والے مشتبہ افراد میں کوئی عورت بھی شامل تھی۔

اس خبر کے ساتھ ہی شہر کے بدنام جرائم پیشہ شخص، راجا کی گرفتاری کی خبر تھی۔ شاید اول خان نے ہم سے رخصت ہونے کے بعد اسے پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔ راجا پر جوشی کے قتل کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ راجا کے اس بیان کو سرخی کی زینت بنایا گیا تھا کہ وہ شہر میں ہیروئن کے فروغ کے لیے ایک نامعلوم غیر ملکی کے لیے کام کر رہا تھا۔ راجا نے اس کی صورت نہیں دیکھی تھی لیکن اس نے اپنے غیر ملکی آقا کا جو فون نمبر پولیس کو بتایا، وہ وہی تھا جو نادر کے کرائے پر لیے ہوئے مکان میں نصب تھا۔

لی مارکیٹ میں ایک سیاہ فام غیر ملکی کی اندھا دھند لیزر فائرنگ کی خبر بہت بڑی اور نمایاں تھی۔ وہ ایک مصروف علاقے میں رونما ہونے والی بڑی واردات تھی جس کے متعدد چشم دید گواہ تھے۔ وہ گواہ پولیس کی دسترس میں آئے ہوں یا نہ آئے ہوں، اخباری نمائندوں نے اپنے ذرائع سے ان تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ ان گواہوں کی کہانیاں لرزہ خیز تھیں۔

نادر کے قتل کی واردات کا سراغ رات گئے اتنی تاخیر سے ملا تھا کہ اس کے بارے میں پچھلے روز کے صبح کے اخبارات میں ایک لفظ بھی نہیں چھپ سکا تھا۔ فوری طور پر وہ تاخیر مجھے گراں گزری تھی لیکن اخبار میں بیک وقت دو واقعات کی خبریں پڑھ کر میرا وہ شکوہ دور ہو گیا تھا۔

رہی سہی کسر طبّی ماہرین کی رپورٹوں نے پوری کر دی تھی۔ مقامی سرکاری اسپتالوں میں ایسے آلات دستیاب نہیں تھے جو دونوں واقعات کے متاثرین کا صحیح تجزیہ کر کے کوئی حتمی نتیجہ اخذ کر سکیں لیکن انہوں نے یہ بتا دیا تھا کہ دونوں واقعات میں بارود کا ایک ذرہ بھی استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ نادر کی کھوپڑی میں سوراخ کرنے اور دوسرے شخص کا بازو کاٹنے میں انتہائی شدید درجہ حرارت رکھنے والی تیز ترین شعاعوں کی کوئی پتلی سی دھار استعمال کی گئی تھی۔ جس نے گوشت کو جلانے یا چربی کو پگھلانے کے بجائے چشم زدن میں، بخارات میں تحلیل کر دیا تھا۔ مقامی ماہرین نظریاتی طور پر ایسے ہتھیاروں کی تیاری کے قائل تھے مگر ان کے وجود سے بے خبر تھے۔

میں ان خبروں کے مطالعے میں ڈوبا ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور میں چونک کر انسٹرومنٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ گھنٹی دوبارہ نہیں بجی جس کا مطلب تھا کہ کاؤنٹر پر فون اٹھا لیا گیا تھا۔ چند ثانیوں بعد دوسرے ملازم نے کیبن میں آکر رازدارانہ لہجے میں بتایا کہ وہ جہانگیر کی کال تھی۔

میں نے فوراً ریسیور اٹھا لیا۔ میری ہیلو کے جواب میں ریسیور پر جہانگیر کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری "یار، میں تو سمجھ رہا تھا کہ کوئی چھوٹی موٹی گڑبڑ ہوئی ہوگی مگر اخبار سے پتا چل رہا ہے کہ کل ادھر کوئی بہت بڑی مصیبت نازل ہوئی تھی۔ منیر بتا رہا تھا کہ میری دکان میں کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ واقعہ کافی دور پیش آیا تھا۔"

"منیر نے تم سے جھوٹ نہیں بولا۔ اب تم کیوں پریشان ہو۔"

"اتنی دور ہونے والے واقعے سے تم نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ تمہارا متوقع چکر چل پڑا ہے۔" اس نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

"اس واقعے میں بیم گن استعمال کی گئی تھی جو عام طور پر نہیں ملتی۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"شاید تم مجھے بتا چکے ہو کہ بیم گن ہر آئی مین کا خصوصی ہتھیار ہوتی ہے مگر یہ بھی تو فرض کیا جا سکتا ہے کہ کسی اور نے کہیں سے وہ گن حاصل کر لی ہو۔ آج کل جدید اور حساس ہتھیاروں کا حصول کوئی بڑا مسئلہ نہیں رہا ہے۔" وہ شترمرغ کی طرح اصل خطرے سے بے خبر رہنا چاہ رہا تھا۔

"میں ضرور فرض کر لیتا لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ جس شخص نے بیم گن استعمال کی وہ کچھ دیر پہلے گولڈن فارمیسی سے ایک دوا خرید کر نکلا تھا۔"

"ارے باپ رے!" جہانگیر کی بوکھلائی ہوئی اور بے ساختہ آواز ابھری "تم میری دکان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ

واقعہ اتنی دور پیش آیا۔ تم کو کیسے پتا چلا کہ بیم گن چلانے والا آدمی کون تھا اور کہاں سے آیا تھا۔"

"اب تم بلاوجہ بال کی کھال نکال رہے ہو۔ میں نے کوئی بات بلاوجہ نہیں کی تھی۔ اس شخص کا سلطان شاہ سے ٹکراؤ ہوا تھا۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ آثار اچھے نہیں ہیں۔ تم بھی پیچھے ہٹ جاؤ۔"

"میری فکر چھوڑ دو اور اپنا دل مضبوط رکھو۔ میں حیران ہوں کہ تم کچھ عرصے تک بیکار رہ کر اتنے ڈرپوک ہو گئے ہو۔ پہلے تم بہت شیر دل ہوا کرتے تھے۔"

"میں اب بھی وہی آدمی ہوں۔" اس نے دعویٰ کیا "بے خبری میں آنے والی ناگہانی موت سے ڈرنا بزدلی نہیں ہے۔ آدمی کو اپنا دامن بچا کر چلنا چاہیے۔"

"شاباش!" میں نے اس کا حوصلہ بڑھایا "کوئی برا وقت آیا تو تم کو پہلے کی طرح مردانہ وار لڑنا ہو گا۔"

"اس کی تم پروا نہ کرو۔ میں تم سے آگے ہی رہوں گا۔" اس نے مجھے یقین دلایا اور پوچھا "تم دکان کھلی رکھنے کے بارے میں سنجیدہ ہو۔"

"میری سنجیدگی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو گا کہ میں اس وقت یہیں موجود ہوں۔"

"مجھے اپنے اوپر شرم آ رہی ہے۔ تم میری جگہ لیے بیٹھے ہو اور میں گھر میں چھپا ہوا ہوں۔"

"میرے لیے یہی کافی ہے کہ تم اس طرح سوچ رہے ہو۔ اس وقت مصلحت کا یہی تقاضا ہے۔ میں تم پر کوئی احسان نہیں کر رہا۔ میرا خیال ہے کہ تمہاری دکان پر بیٹھ کر میں اپنے دشمنوں کے لیے زیادہ مضبوط چوہے دان تیار کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"تم سے بات کرکے میری الجھن دور ہو گئی ہے۔ میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا کرتا رہوں گا۔"

"پی کر دعا نہ کرنا۔ ایسی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔"

اس سے گفتگو ختم کرنے کے بعد میرے پاس پھر فرصت ہی فرصت تھی۔ میں نے دوبارہ اخبار سنبھال لیا۔

پچھلے روز سلطان شاہ نے دکان سے باہر رہ کر ایک نمایاں کارنامہ انجام دیا تھا۔ چہرے کے ورم اور زخموں کی وجہ سے وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ ذمے داری انجام دے سکے۔ میں نے مدد کے لیے جلال کی پیشکش کو خاصی دشواری کے بعد ٹال دیا تھا لیکن وہ محفل برخاست ہونے کے بعد میں نے پوری سنجیدگی سے یہ ضرورت محسوس کی تھی کہ گولڈن فارمیسی سے باہر بھی کسی نہ کسی کو موجود رہنا چاہیے۔

غزالہ اپنی ساری ذہانت اور دلیری کے باوجود ایک خانہ دار عورت تھی۔ ویسے بھی کسی علاقے میں کسی عورت کا دیر تک منڈلانا ہمارے معاشرے میں معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اس کام کے لیے دونوں میں سے کسی عورت کو باہر لانا ممکن نہیں تھا۔ لے دے کر اول خان اور اس کے آدمی رہ جاتے تھے۔ اس سے گفتگو کے بعد یہ طے ہو گیا تھا کہ اس کے دو آدمی دکان کھلنے سے بند ہونے تک مسلسل باہر موجود رہیں گے۔ ان سے رابطے کے لیے مجھے ایک اپریٹس دے دیا گیا تھا۔

بازار کی بھیڑ بھاڑ میں ان دونوں کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ٹرانسمٹر پر مجھ سے بات کرتے اس لیے ایمرجنسی کی صورت میں مجھے صرف بٹن دبانا ہوتا۔ اپنے اپریٹس پر اشارہ پا کر وہ دکان کے سامنے پہنچ جاتے اور میرے اشارے کے مطابق اپنی کارروائی کا آغاز کر دیتے۔ اگر اشارہ ملنے کے بعد وہ مجھے کاؤنٹر کے پیچھے موجود نہ پاتے تو ان کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ دکان میں گھس آئیں اور ہر قیمت پر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

اس بندوبست کے بعد مجھے پورا یقین تھا کہ مجھے کوئی بھی میری مرضی کے خلاف کہیں نہیں لے جا سکے گا۔

میں ان خیالات کی رو میں اخبار کا سرسری جائزہ لے رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ معمول کے مطابق منیر نے باہر فون اٹھایا اور کچھ وقفے کے بعد اندر آ کر مجھے اطلاع دی کہ اس بار کوئی انگریزی بول رہا تھا اور دکان کے مالک سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ وہ کال میرے نئے دشمن کی بھی ہو سکتی تھی۔ اگر میرے خلاف اس کے تیور زیادہ نہیں بگڑے تھے تو سیاہ فام کے ابتدائی جائزے کے بعد ٹیلی فون ہی رابطے کا بہتر ذریعہ تھا۔

میرا اشارہ پا کر منیر کیبن سے چلا گیا۔ قدرے توقف کے بعد میں نے ریسیور اٹھایا تو منیر نے فوراً اپنا فون بند کر دیا۔

"ہیلو... ! کون بول رہا ہے۔" میرے کانوں میں ایک مردانہ آواز گونجی۔

منیر ایک مقامی سیلزمین تھا اور اس کا ہر وقت مقامیوں سے رابطہ رہتا تھا۔ وہ زیادہ پڑھا لکھا بھی نہیں تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول اور سمجھ لیتا تھا۔ اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ اس نے اپنے مخاطب کی زبان پہچان کر مجھے بلا تاخیر اطلاع دے دی تھی۔ اس کے لیے بولنے والے کا لب و لہجہ غیر اہم تھا۔

میرے لیے ساری اہمیت لہجے کی تھی۔ وہ واضح طور پر

امریکی لب ولہجے میں بول رہا تھا۔ اس کی آواز پر غور کرتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ میرے کان اس کی آواز سے آشنا تھے۔ میں وہی یا اس سے ملتی جلتی آواز اپنے گھر کے اسپیکر فون پر سن چکا تھا۔

"میں اس دکان کا مالک بول رہا ہوں۔ کیا بات ہے؟ تم کون ہو؟" وہ آواز پہچان لینے کے باوجود میں نے اپنے ہیجان پر قابو پائے رکھا اور فون پر آواز بدل لی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے میرے سوال کو نظر انداز کرکے اپنا اگلا سوال داغ دیا۔

"جہانگیر!" میں نے اپنے دل کی تیز دھڑکنوں کے ساتھ جواب دیا۔ میں اس مرحلے پر اس سے الجھ کر فضا مکدر نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

میں اس کی پہلے سے سنی ہوئی آواز پہچان چکا تھا مگر وہ میری بدلی ہوئی آواز نہیں پہچان سکا۔ وہ اپنی دانست میں ایک نئے آدمی سے مخاطب تھا اس لیے اس نے اپنی آواز بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

اپنے کسی ان دیکھے دوست یا دشمن کو پہچاننے کے لیے اس کی آواز سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ کاش پچھلے روز دکان میں آنے والے سیاہ فام نے گونگے پن کی اداکاری نہ کی ہوتی تو میں اس کی آواز سنتے ہی سمجھ لیتا کہ وہ خود آئی مین تھا یا اس کا کوئی کارندہ تھا۔

دواؤں کی اس دکان میں گونگا بن جانا اس کی مجبوری تھی۔ وہ مقامیوں کی وضع قطع اختیار کرکے جاسوسی کرنے کے ارادے سے فارمیسی میں داخل ہوا تھا۔ دکان میں اپنی موجودگی کے جواز کے لیے اس نے ایک دوا کا رقعہ تھاما ہوا تھا۔ اس کا خیال رہا ہوگا کہ دوا دے کر اس سے خاموشی سے دام وصول کرلیے جائیں گے۔ وہ بولنے کی زحمت سے دوچار ہوئے بغیر اپنا جائزہ مکمل کرکے واپس لوٹ جائے گا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کے حلیے کے تضاد کی وجہ سے میں اس کی طرف سے شک میں پڑ گیا اور اس سے گفتگو کا آغاز کر بیٹھا۔

میری وہ حرکت غیر متوقع تھی۔ وہ میری بات پر انگریزی میں کچھ کہتا تو اسی لمحے سب کی توجہ کا مرکز بن جاتا۔ ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں خیال ابھرتا کہ وہ غیر ملکی تھا تو ایک مقامی کا روپ دھار کر وہاں کیا کررہا تھا۔

اس نے کوئی بھی خطرہ مول لیے بغیر برجستگی سے خود کو گونگا اور بہرا ظاہر کیا اور بظاہر کسی مشکل سے دوچار ہوئے بغیر دکان سے واپس لوٹنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ بعد کی بات تھی کہ اس نے اڑنگا کھانے کے بعد سلطان شاہ پر انگریزی میں گرجنا برسنا شروع کردیا۔

"جہانگیر! میں تم کو یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ تمہاری دکان میں بے ایمانی ہوتی ہے۔" ریسیور پر اس کی آواز ابھری۔

مجھے گمان ہوا کہ اب وہ پچھلے روز زیادہ پیسوں کی وصولی کی شکایت کرے گا۔ میں نے اس کی آواز سے مرعوب ہوئے بغیر خشک لہجے میں کہا "آواز سے تم غیر ملکی معلوم ہورہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ پچھلے کئی مہینوں سے ہم نے کسی انگریز یا امریکی کے ہاتھوں کوئی دوا نہیں بیچی۔ جب تم ہمارے خریدار نہیں ہو تو شکایت کس بات کی کررہے ہو؟"

"چلو' میں شکایت نہیں کرتا۔" اس نے یوں کہا جیسے میرا دل رکھنے کے لیے میری بات مان رہا ہو پھر بولا "لیکن میں یہ کہوں کہ تم ہیروئن بیچتے ہو تو تمہارا جواب کیا ہوگا۔"

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔" میں نے برہمی سے کہا۔

"میری باتوں پر چراغ پا ہونے کی ضرورت نہیں۔ ٹھنڈے دل سے ان پر غور کرنے کی کوشش کرو۔ میں تمہارا دشمن نہیں' دوست ہوں۔"

"دوست ایسی بے سروپا نشتر زنی نہیں کیا کرتے جیسی تم کررہے ہو۔"

"تم میری باتوں کو بے سروپا قرار دے رہے ہو؟" اس کی آواز اس بار تحیر زدہ سی تھی۔

"اور کیا قرار دوں؟" میں نے بے ساختہ پوچھا "تم کو دواؤں کی ایک صاف ستھری اور لائسنس یافتہ دکان میں ہیروئن بکتی نظر آرہی ہے۔"

"اب نہیں تو نہ سہی۔ کبھی تو ہیروئن بھی بیچتے تھے۔" وہ آہستہ آہستہ اپنے مطلب کی طرف آرہا تھا۔

"میرے یا اپنے ماضی کو کریدنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کیا چاہ رہے ہو۔" میں نے سختی سے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ میں تمہارا دوست اور بہی خواہ ہوں۔ میں تمہارا برا نہیں چاہ سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم بالکل فارغ آدمی ہو اسی لیے گھما پھرا کر باتیں کررہے ہو۔"

"تم ہیروئن فروشی سے اپنا تعلق تسلیم کرلو' میں اپنے مطلب کی بات پر آجاؤں گا۔"

"میرا ہیروئن فروشی سے کبھی تعلق نہیں رہا۔ تم غیر ضروری باتیں کرکے میرا اور اپنا وقت برباد کررہے ہو۔"

"یہ سفید جھوٹ مجھ سے نہیں چلے گا۔ میں تمہارے ماضی سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

"واقف ہو تو سامنے آکر بات کرو۔ فون پر کوئی اور بھی ہماری گفتگو سن سکتا ہے۔" میں نے یوں ظاہر کیا جیسے میں

اپنے ماضی کے بارے میں اس کی دھمکی سے ڈر گیا ہوں۔
وہ میری بات سے محظوظ ہو کر دھیرے سے ہنسا پھر بولا "تم کو اس بات پر یقین کرلینا چاہیے کہ میں تم سے زیادہ معزز اور معتبر ہوں۔ مجھے اپنی سلامتی بھی عزیز ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ میری اور تمہاری گفتگو کوئی تیسرا نہیں سن سکے گا۔"
"کیا تم نے ٹیلی فون پر کوئی آلہ لگایا ہوا ہے۔" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے خیال کو ایک طنزیہ سوال کا روپ دے دیا۔
"یہ بہت حساس اور جدید آلہ ہے جسے سی ایس ڈی کہتے ہیں۔ اس کی بے مثال کارکردگی تمہاری سمجھ میں نہیں آسکے گی۔" اس نے مجھے مطمئن کرنے کے لیے راز کی ایک بات بہت آسانی سے اگل دی "بس یہ سمجھ لو کہ کسی نے بھی ہماری باتیں سننے کی کوشش کی تو لائن خود بہ خود ڈراپ ہوجائے گی۔"
میں ایک گہرا سانس لے کر بولا "یہ کہو کہ تم نے کچھ ناگفتہ موضوعات پر گفتگو کرنے کی پوری تیاری کرکے مجھے فون کیا ہے۔"
یہ سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے تھے کہ میری طرح وہ بھی ایک عدد سی ایس ڈی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ میں نے مختصر سا وہ آلہ ایک خرانٹ بھارتی ایجنٹ سے حاصل کیا تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ اسے بھی وہ آلہ را کے کسی سینئر افسر نے تحفے میں دیا ہو تاکہ وہ پوری بے خوفی سے فون کو اپنے مذموم عزائم کے لیے استعمال کرسکے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ کراچی میں راجا کے سامنے آئے بغیر فون پر پورے اعتماد سے اپنا کام چلا تا رہا تھا۔
"کوئی بات ناگفتہ نہیں ہوتی۔" اس کا لہجہ ناصحانہ ہوگیا "ابھی میں صرف تمہاری بات کر رہا ہوں۔ میرے ماضی کے بارے میں سنو گے تو تمہیں اپنے اوپر شرم آنے لگے گی۔ تم خود کو بہت بونا پاؤ گے یا پھر شاید فرشتہ سمجھنے لگو گے۔"
"شاید تم مجھے یہ جتانا چاہ رہے ہو کہ تم کوئی بدنام خونی در قاتل ہو۔" میں نے کہا۔
"ضروری نہیں کہ ایک ہیروئن فروش سے بڑا آدمی قاتل ہی ہو۔ میں بادشاہ کبھی نہیں بنا مگر بادشاہ گر ضرور رہا ہوں۔ یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ ابھی تم میرے بارے میں پوچھنے کے بجائے اپنے بارے میں پوچھے جانے والے سوالوں کے جواب دو۔ میں نے تمہیں پرکھ لیا تو پھر میں بھی کھل کر بات کروں گا۔"
"جب تک تم اپنے بارے میں کوئی اشارہ نہیں دو گے، بات آگے نہیں بڑھے گی۔ میں اقبالی مجرم نہیں بننا چاہتا۔"
میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔
"تم مجھے جمی لائیڈ کا جانشین سمجھ سکتے ہو۔" اس نے مجھ سے طویل تر سکوت کے بعد جواب دیا "اب بتاؤ کہ تمہارا ہیروئن سے تعلق رہا ہے یا نہیں؟"
"تم نے سوال بدل دیا۔ ہیروئن فروشی میں، میں کبھی ملوث نہیں ہوا۔ ہیروئن سے میرا تعلق ضرور تھا۔ تم نے جمی کا نام لیا ہے تو تم کو میرے اس اقرار کا پس منظر بھی معلوم ہوگا۔"
"پس منظر سے آگاہ ہونے کے بعد ہی میں نے تم سے بات کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے اپنے اعتماد کے پرانے ساتھیوں کی تلاش ہے۔"
"میں جس دلدل سے بہت مشکل سے نکلا ہوں، اس میں دوبارہ گرنا نہیں چاہتا۔"
"یہ فیصلہ میں خود کروں گا کہ تم خود دلدل سے نکلے تھے یا تمہیں نکال پھینکا گیا تھا۔ تم بس جواب دیتے رہو۔ نتیجہ میں خود اخذ کرلوں گا۔ یہ بتاؤ کہ تم کسی فرد کے وفادار تھے یا تنظیم کے!؟"
"فرد آتے جاتے رہتے ہیں۔ تنظیمیں مدتوں چلتی ہیں۔" میں نے کہا "میرا عہد تنظیم کے ساتھ تھا۔"
"پھر تم نے جمی کے بعد تنظیم کو کیوں چھوڑ دیا؟" اس نے سوال کیا۔
"تم گڑے مردے کیوں اکھاڑ رہے ہو؟" میں نے ہلکی سی ناگواری سے کہا "اپنی بات اپنے مطالب تک محدود رکھو۔" میں اسے یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ ماضی کے حوالے سے میں اس سے بات کرنے پر آمادہ ضرور ہوگیا تھا مگر اس سے مرعوب نہیں تھا۔
اس نے خود کو جمی کا جانشین قرار دے کر مجھے اپنا منصب سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر میں اس کی طرف سے انجان بنا رہا۔ میں دل ہی دل میں فیصلہ کرچکا تھا کہ جب تک وہ کھل کر شی اور آئی مین کے الفاظ استعمال نہیں کرے گا، میں اس سے برابری کا رویہ اختیار کیے رہوں گا۔
"یہ گڑے مردے نہیں ہیں، بہت اہم اور کلیدی سوال ہیں۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تم میرے سوالات کا تسلسل بگاڑ رہے ہو۔"
"میں روبوٹ نہیں ہوں جو تمہاری مرضی کے مطابق چلتا رہوں۔ میرے اپنے تحفظات ہیں۔ میں ان کے منافی نہیں جاسکتا۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم مجھے بلیک میل کرکے اپنا ساتھ دینے پر آمادہ کرلو گے تو یہ تمہاری سنگین بھول ہے۔ میں بکنے اور جھکنے والے لوگوں میں سے نہیں

ہوں۔"

"میں پوچھ رہا تھا کہ تم تنظیم کے وفادار تھے تو پھر اسے کیوں چھوڑ دیا؟"

"میں دلدل میں گردن تک غرق ہوتا چلا گیا مگر ساتھ دیتا رہا۔ جمی کے بعد آنے والوں کا ساتھ دیا مگر وہ ایک ایک کر کے مارے گئے اور پھر میں اکیلا رہ گیا۔"

"آئی مین مارے گئے مگر تم بھی بڑے تھے۔ تم نے میدان کیوں چھوڑ دیا؟" اس نے مجھے اکسایا۔

"میں کبھی بھی ڈوبنے والے جہاز کا سوار نہیں رہا اسی لیے آج زندہ ہوں۔"

منیر نے دروازے پر آ کر حیرت سے اندر جھانکا اور خاموشی سے واپس چلا گیا۔ اسے امید نہیں رہی ہوگی کہ میرے لیے آنے والی وہ کال اتنی طویل ہوگی۔

"تم چاہتے تو اس شہر میں شی کا وجود باقی رکھ سکتے تھے۔" آخر کار وہ حسرت کے ساتھ شی کا نام لینے پر مجبور ہوگیا۔

"میں یہاں خود مختار نہیں تھا۔ بڑوں سے ہدایات لیتا تھا۔ بڑوں پر زوال آیا تو چھوٹوں نے مال کی آس میں میرا پیچھا لے لیا۔ میں مجبور ہو کر روپوش ہوا تھا۔"

"شی کے اس زوال کا ذمے دار تمہارا دوست ڈینی تھا۔" اس کی آواز تلخ ہوگئی۔

"کچھ نہ کچھ ذمے دار وہ بھی تھا مگر وہ اتنا طاقت ور نہیں تھا کہ شی کو ڈبو دیتا۔ شی کے بڑوں نے اپنی ناکامیوں کی پردہ پوشی کے لیے اسے ایک ہوّا بنا دیا۔ وہ میرا ساتھی تھا۔ میں نے بہت قریب سے اس کے کس بل دیکھے ہیں۔ وہ چھپ کر وار کرنے والوں میں سے ہے۔ آمنے سامنے جم کر مقابلہ کرنا اس کے بس سے باہر ہے۔"

"تم اس کے دوست ہو کر ایسا کہہ رہے ہو۔" دوسری طرف سے تحیر زدہ آواز آئی۔ اس نے اپنے ذرائع سے جہانگیر کے بارے میں جو معلومات یک جا کی ہوں گی' ان کی روشنی میں اسے میرا وہ تبصرہ بہت بے جوڑ اور چونکا دینے والا محسوس ہوا ہوگا۔

"میں اسے آج بھی اپنا دوست کہتا ہوں مگر اس سے الگ اور ہوشیار رہتا ہوں۔"

"تم اس کے بارے میں عجیب باتیں کر رہے ہو۔ میں تمہارے اس رویے کا سبب جان سکتا ہوں۔"

"وہ پکا انا پرست ہے۔ اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں گردانتا۔ شی کو دغا دی۔ دوستوں سے وفا نہیں کی۔"

"تمہارے ساتھ اس نے کیا زیادتی کی؟" اس نے تجسس آمیز ہمدردی کے ساتھ سوال کیا۔

وہ موقع غنیمت تھا۔ لوہا گرم تھا۔ میں مناسب ضرب لگا کر اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا تھا۔ میں نے آزردگی سے جواب دیا "یہ پوچھو کہ کیا رہ گیا۔ اس کی زیادتی کا بدلہ میں اس کی عورت سے ضرور لوں گا۔ وہ شی کا ہوا نہ میرا ہو سکا۔ اس کا وقت جلد ہی پورا ہونے والا ہے۔"

میں نے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی اسے بہت کچھ بتا دیا تھا۔ میرے الفاظ سے اس نے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا ہوگا کہ ڈینی نے جہانگیر کی بیوی کو ورغلانے کی کوشش کی ہوگی۔ یہ زخم ایسا ہوتا ہے جو کبھی مندمل نہیں ہوتا۔ زخم کھانے والا کچھ کر سکتا ہے نہ کسی سے کہہ سکتا ہے۔ سارا دکھ اپنی ذات میں جھیلتا ہے۔ اس کا درماں ایک ہی ہوتا ہے کہ کبھی مقدر یاوری کرے اور داؤ چل جائے تو وہ بھی وہی کچھ کر گزرے جو اس کے ساتھ کیا گیا تھا۔ وہ جہانگیر اور ڈینی کی ظاہری دوستی اور پس پردہ پرخاش کا مضبوط ترین جواز تھا جس پر وہ شبہ نہیں کر سکتا تھا۔

"میں تمہارا زخم نہیں کریدتا۔" اپنے تجسس کا جواب حاصل کرتے ہی اس نے گفتگو کا رخ یکایک موڑ دیا "تم بتا رہے تھے کہ تم نے لٹیروں سے محفوظ رہنے کے لیے مجبوراً روپوشی اختیار کی تھی۔"

"شی کا سفینہ ڈوب رہا تھا۔ ہوا خیزی کے اس دور میں لوٹ مار شروع ہوگئی جس کے ہاتھ جو لگا وہ لے بھاگا۔"

"کروڑوں کا دھندا یکایک ڈوبتا ہے تو یہی افراتفری دیکھنے میں آتی ہے۔" اس کی آواز متاسفانہ ہوگئی "کچھ نہ کچھ تمہارے ہاتھ بھی لگا ہوگا۔"

"بس پارسائی کی قسم نہیں کھا سکتا۔ لوٹ کے مال میں حصہ بنایا ہوتا تو آج گزارے کے لیے میڈیکل اسٹور نہ چلا رہا ہوتا۔ میں آخر تک شی کا وفادار رہا تھا۔"

"اور اب شی کے لیے تمہاری سوچ کیا ہے؟"

"جب شی کا وجود ختم ہوگیا تو میری سوچ بھی ختم ہوگئی۔ میں نے اپنی نئی زندگی سے سمجھوتا کر لیا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ شی ایک عالم گیر تحریک ہے۔ یہاں اس کی سرگرمیاں ختم ہوگئیں مگر دوسرے ملکوں میں وہ آج بھی کام کر رہی ہے۔"

"میں یہاں رہتا ہوں۔ یہاں کی بات جانتا ہوں۔ جمی امریکا میں قتل ہوا۔ اس کے جانشین یہاں مارے گئے۔" میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے گھیر کر کہاں لانا چاہ رہا تھا۔ شاید ان ہی حربوں سے اس نے جوشی کو رام کیا تھا۔ وہ یہ جاننے کا خواہاں تھا کہ شی دوبارہ ابھری تو میرا کردار کیا ہوگا۔ اسے اپنے جال میں پھانسنے کے لیے ضروری تھا کہ میں اسے اپنی حمایت کا

یقین دلاتا مگر اس کا اضطراب محسوس کر لینے کے بعد مجھے اس یقین دہانی کی عجلت نہیں تھی۔
"تمہاری ہر بات درست ہے مگر پھر بھی میں جاننا چاہتا ہوں کہ شی کو دوبارہ زندگی دینے کے لیے تم کیا کر سکتے ہو؟"
"میں ایک کارکن تھا۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ اس بڑے کام کا بیڑا کوئی آئی مین ہی اٹھا سکتا ہے۔"
"تم کو اندازہ نہیں ہے کہ اس وقت تم کس سے بات کر رہے ہو۔" وہ کھلنے پر مجبور ہو گیا "یہاں شی کا نام دوبارہ چمکے گا۔ میں سلور آئی کے ساتھ یہی قصد لے کر یہاں آیا ہوں۔"
"اوہ! تو تم آئی مین ہو!" میں نے تحیر اور خوف سے دہرایا۔
"میں نے تم سے بلاوجہ اتنی لمبی جرح نہیں کی۔ تمہارے جواب سن کر میں نے تمہارا دماغ پڑھ لیا ہے۔ اندر سے تم آج بھی شی کے وفادار کارندے ہو۔ مجھے اپنا کام آگے بڑھانے کے لیے تمہاری اور تم جیسے دوسرے ساتھیوں کی اشد ضرورت ہے۔ میری ٹیم بن جائے تو پھر میں تمہیں اپنے کمال دکھاؤں گا۔"
"اس کے ساتھ تمہیں ڈینی کو اپنے راستے سے ہٹانا ہو گا۔" میں نے پر خیال لہجے میں کہا۔ اس بار میری آواز احترام آمیز تھی۔
"اس کے بارے میں تمہارا تجزیہ سو فیصد درست ہے۔" اس نے منافقت سے کام لیتے ہوئے کہا "اسے کوئی دل جلا خود ٹھکانے لگا دے گا۔ ہمیں اس پر اپنی توانائیاں برباد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت تم ہی یہ کام کر گزرو۔"
اس کی خوش فہمی پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ میں نے سنجیدگی سے پوچھا "کیا تم نے ہیروئن کی بات اسی لیے چھیڑی تھی۔"
"وہ ہماری شہ رگ ہے۔ وسائل کے بغیر کوئی تنظیم زندہ نہیں رہ سکتی۔" اس نے کھل کر جواب دیا۔
"اس بارے میں تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے عاجزانہ لہجے میں پوچھا۔
"فی الحال صرف تمہارے تعاون کی یقین دہانی درکار ہے۔ تمہاری آواز سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم اپنے آئی مین کو کبھی مایوس نہیں کرو گے۔"
"سچ پوچھو تو یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے کہ میں ایک آئی مین سے ہم کلام ہوں۔ میں اپنی ان تلخ کلامیوں پر تم سے معافی چاہتا ہوں جو تمہارے تعارف سے پہلے میں کر گزرا ہوں۔"
"بس آئندہ شکایت کا موقع نہیں دینا۔ وفا کرو گے تو سراسر فائدے میں رہو گے۔"
"مگر میری ایک التجا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم اسے نظر انداز نہیں کرو گے۔" میں نے لجلجائی ہوئی آواز میں کہا۔
"کہہ ڈالو۔ میں سن رہا ہوں۔" اس کی آواز نخوت آمیز ہو گئی۔
"میں یہ یقین کرنا چاہتا ہوں کہ میں دھوکا نہیں کھا رہا۔ صحیح آدمی سے وفاداری کا اظہار کر رہا ہوں۔"
"کیا یہ کافی نہیں ہے کہ میں خود تم سے باتیں کر رہا ہوں۔" اس نے ہلکی سی تیزی کے ساتھ پوچھا۔
"شی کے اندرونی حالات سے واقفیت رکھنے والا کوئی بھی آدمی یہ سب باتیں کر سکتا ہے۔" میں نے عاجزی سے کہا "میں زخم خوردہ ہوں۔ برے دنوں میں شی کے نام پر میں نے بہت کچھ کھویا ہے۔ میرے بارے میں بیسیوں سوال کر کے تم نے اپنا اطمینان کر لیا۔ اب میری تسلی بھی کرا دو۔ میں شی کے نام پر دوبارہ دھوکا نہیں کھانا چاہتا۔"
"میرے سوا یہ باتیں اور ان میں پنہاں سچ جھوٹ کون بول سکتا ہے۔" اس کی آواز میں مزید تیزی آ گئی۔
"دیکھو، تم ناراض ہو رہے ہو۔" میں گڑگڑایا "ڈینی بدمعاش ہے۔ وہ بھی میرے ساتھ ایسی باتیں کر سکتا ہے۔"
"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔" اس کا پارا بتدریج چڑھتا جا رہا تھا۔
"میں اپنا اطمینان کرنا چاہتا ہوں کہ میری مفاہمت شی کے حقیقی آئی مین سے ہوئی ہے۔" میں نے اس کے چڑھتے ہوئے پارے کو یکسر نظر انداز کر کے اپنا التجائیہ لہجہ برقرار رکھا۔ ابتدا میں وہ میرے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اس وقت میں نے اس کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیا تھا۔
"میں اب بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تمہارا اطمینان کیسے ہو گا۔" اس بار وہ باقاعدہ غرایا تھا۔
"مجھے اپنی قدم بوسی کا ایک موقع دے دو....."
اس نے میری بات درمیان سے اچک لی "یہ نہیں ہو سکتا۔ ابھی ابتدا ہے۔ حالات غیر یقینی ہیں۔ میں کسی سے نہیں مل سکتا۔"
"تم بلیک کوئین کی طرح نقاب پہن کر اپنا چہرہ چھپا سکتے ہو۔ میں صرف سلور آئی دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہاری ہتھیلی پر سلور آئی دیکھ کر میں اپنے کانوں سے ایک بار تمہاری آواز سن لوں گا تو پھر عمر بھر تمہارا غلام رہوں گا۔ مجھ سے لغزش یا خطا ہو تو مجھے گولی مار دینا۔"

"بہت عجیب مطالبہ ہے تمہارا۔ مجھ سے آج تک کسی نے ایسی بات نہیں کی۔" اس کی آواز کا زور ٹوٹ چکا تھا۔

"شی میں اختیار کسی فرد کی ذات میں نہیں، سلور آئی میں ہوتا ہے۔ اس سے اجنبی چہروں کو نئی پہچان ملتی ہے۔ گئے دنوں میں مجھے یہی کچھ بتایا گیا تھا اور اب میں اسی پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے تم پر بے اعتمادی نہیں ہے اپنے اوپر یقین نہیں ہے کہ میں کہیں فریب نہ کھا جاؤں۔"

میری عاجزانہ بات بہت اصولی تھی۔ محض آواز اور ڈھنگ لہجے کی بنا پر کسی پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک بار اس کی شناخت بہت ضروری بلکہ ناگزیر تھی۔ میں اپنے ریف کے ان ہی کمزور ترین لمحات کے انتظار میں جہانگیر کی بلمہ سنبھالے بیٹھا تھا۔ اگر وہ مجھے اپنے ساتھ ملانے کے بارے میں سنجیدہ تھا تو وہ میرا مطالبہ پورا کرنے پر مجبور تھا۔ ایک بار وہ مجھ سے ملنے پر رضامندی ظاہر کر دیتا تو پھر میں اس کی کھال میں بھس بھروانے کا معقول بندوبست کر سکتا تھا۔ جب تک اس نے ایک سائے اور آواز کا روپ دھارا ہوا تھا، سب مل کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

"تم نے کبھی بلیک کوئین کو دیکھا تھا۔" طویل اور معنی خیز سکوت کے بعد اس کی آواز ابھری۔

"وہ جب چاہتی تھی اچانک کہیں بھی ہمارے سامنے نمودار ہوتی تھی اور اپنا فرمان سنا کر کسی چھلاوے کی طرح اندھیروں میں مدغم ہو جاتی تھی....."

"مجھے اس کی مدح سرائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں پوچھ رہا تھا کہ تم نے کبھی اس کا چہرہ بھی دیکھا ہے۔"

"کبھی نہیں۔" میں نے سفید جھوٹ بولا "وہ ہمیشہ سر سے پیر تک سیاہ نقاب اور چست کپڑوں میں غرق ہوتی تھی۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ وہ کون تھی؟" اس نے تحقیر آمیز لہجے میں سوال کیا تھا۔

"کہا جاتا ہے کہ وہ جمی لائیڈ کی ناجائز اولاد تھی۔ ڈینی کے ساتھ اس کا نام اکثر سننے میں آتا رہا ہے مگر ڈینی نے کبھی مجھے اس سے نہیں ملوایا۔"

"وہ بدنیت آدمی ہے۔" آئی مین نے میرا شکوہ سن کر کہا "اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو اس نے تمہاری عورت کو بہکایا یا ورغلایا ہوگا۔ ایسے گمراہ لوگوں کی نیت میں کھوٹ ہوتا ہے۔ دوسروں پر اعتبار نہیں کرتے۔ اپنی عورتوں کو دوسرے مردوں کی نگاہوں سے دور رکھتے ہیں۔ ویرا صرف عورت نہیں، ایک فتنہ ہے اور ڈینی کی داشتہ بنی ہوئی ہے۔"

"میں یہ سب سنتا رہا ہوں۔" میں نے اقرار کرتے ہوئے کہا "مگر کبھی اس سے ملنے یا اسے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اخباروں میں اس کی اشتہاری تصویریں دیکھی ہیں۔"

میں نے اس کے اندازے کی تصدیق یا تردید کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"ڈینی تمہارا غدار دوست ہے تو تم اس کی مخبری کیوں نہیں کر دیتے۔" یکایک اس نے سوال کر دیا "ان دونوں کی گرفتاری یا کامیاب مخبری پر بڑے بڑے انعام مقرر ہیں۔ تمہیں ڈسے جانے کی خلش سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔"

وہ اپنا دامن بچا کر نہایت بالواسطہ طور پر مجھے اس کام کے لیے اکسا رہا تھا جس کے لیے اس نے ساری خواری مول لی ہوئی تھی۔

"میں نے اس بارے میں کئی بار سوچا ہے مگر میں اپنے اندر اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی ہمت نہیں پاتا۔" میں نے جھجکتے ہوئے اسے آگاہ کیا "ڈینی بہت چالاک اور مکار ہے۔ وہ کسی کو اپنے ٹھکانے کی ہوا نہیں لگنے دیتا۔ ذرا بھی شبہ ہو جائے تو جگہ بدل لیتا ہے۔ اس پر میرا وار اوچھا پڑا تو وہ مجھے پیس کر رکھ دے گا۔"

"میں تمہارے دل میں بھڑکتی ہوئی انتقام کی آگ کی تپش اپنے سینے میں محسوس کر رہا ہوں۔ ضروری نہیں کہ تم اس کا پیچھا کرو۔ اسے دھوکے سے اپنے گھر بلاؤ اور مجھے خبر دے دو۔ میں اس کا ایسا بندوبست کروں گا کہ وہ زندہ نہیں نکل سکے گا۔"

"بلانے سے وہ کبھی نہیں آتا۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں جواب دیا "توقع کے خلاف اپنی مرضی سے آجاتا ہے اور پھر اچانک ہی چل دیتا ہے۔"

"وہ تمہاری غیر حاضری میں بھی تمہارے گھر آتا ہوگا۔" اس موضوع میں اس کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔

"مجھے اس کا علم نہیں ہے۔" میں نے مبہم سا جواب دے کر اسے بولنے کا مزید موقع فراہم کر دیا۔

"اس پر نگاہ رکھو اپنی بیوی کو اعتماد میں لو۔ اسے گھر کی تباہی سے ڈراؤ، دھمکاؤ۔ تمہاری زندگی سے اس فتنے کا خاتمہ از بس ضروری ہے۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر پرجوش لہجے میں کہا "تم میرے ساتھ ہو اور اب میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"کاش ہماری یہ امیدیں پوری ہو سکیں۔" میں نے حسرت سے کہا "بس تم میری التجا قبول کر لو۔ میں بے چوں و چرا تمہاری ہر بات مان لوں گا۔"

"اس پر میں غور کروں گا اور تمہیں بتاؤں گا۔" اس کی

آواز میں ایک بار پھر واضح تبدیلی رونما ہو گئی۔

"میں تم سے کہاں مل سکوں گا؟" میں نے پر اشتیاق لہجے میں کہا۔

"میرا رتبہ ڈینی سے بہت بلند ہے۔ اپنے ٹھکانے سے بس میں خود واقف ہوتا ہوں۔" اس کی پر غرور آواز میرے پردۂ سماعت سے ٹکرائی "ابھی میں نے تم سے ملنے یا نہ ملنے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے اس لیے تمہارا سوال قبل از وقت ہے۔"

"اگر تمہارا فیصلہ مثبت ہوا تو مجھے کچھ نہ کچھ جاننے کا شرف ضرور حاصل ہو جائے گا۔"

"آئی مین پہاڑی عقاب ہوتے ہیں جو اونچی اور کھلی چٹانوں پر بسیرا کرتے ہیں جہاں دور دور تک کچھ نہیں ہوتا۔ میں چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کردوں گا۔ ملنا ہوا تو دن' وقت' جگہ اور طریقے کے بارے میں تمہیں پہلے سے کچھ نہیں بتایا جائے گا مگر ملاقات ہو جائے گی۔"

"میں سچے دل سے اس مبارک وقت کا انتظار کروں گا۔" میں نے پہلی بار پورے خلوص سے کہا۔

دوسری طرف سے بائے کہہ کر اچانک فون بند کردیا گیا۔

میں نے خالی الذہنی کے سے عالم میں فون کا ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اس وقت جو کچھ ہوا' وہ میری توقعات اور اندازوں کے بالکل برعکس تھا۔ میں نے یہ سوچ کر گولڈن فارمیسی میں جہانگیر کی جگہ لی تھی کہ آئی مین میرا سراغ لگانے کے لیے جہانگیر کو اغوا کرنے یا دہشت زدہ کرنے کی کوشش کرے گا جس میں تشدد کے عنصر کا شامل ہونا یقینی تھا۔ یہ کام وہ مصروف بازار میں دکان پر نہیں کرسکتے تھے۔ اپنے مطلوبہ نتائج کے حصول کے لیے انہیں جہانگیر کو بہلا پھسلا کر دکان سے ہٹانا اور کہیں لے جانا پڑتا۔

جہانگیر کی جگہ لینے کے بعد میں اسی نوعیت کے کسی واقعے کے انتظار میں تھا لیکن آئی مین کی اس لمبی کال نے یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ اپنی سطحی سوچ کے ذریعے عارضی نتائج حاصل کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے بیدار مغزی کے ساتھ لمبی مدت کی منصوبہ بندی کی ہوئی تھی۔

اس کا اصل ہدف جہانگیر کی ذات تھی۔ اس نے مارپیٹ اور تشدد سے اسے مجبور کرنے کے بجائے مکاری سے اس کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اپنی پوری گفتگو میں اس نے شی کے احیا کو موضوع سخن بنائے رکھا تھا۔ میری یعنی ڈینی والی بات کو ضمنی حیثیت دے دی تھی۔

اس سے گفتگو کو آگے بڑھانے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔ میں نے ابتدا میں ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ جہانگیر اور اس کی مصروفیات کے بارے میں آئی مین کی معلومات کتابی حد تک محدود تھیں۔ وہ پاکستان میں نووارد تھا اور وہی کچھ جانتا تھا جو اسے شی کے ریکارڈ سے دستیاب ہوسکا تھا یا پھر اسے جوشی نے بتایا ہوگا۔

جوشی خود گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا اور باہر کے حالات سے زیادہ باخبر نہیں تھا۔ ویسے بھی ہم لوگوں میں سے کوئی شہر کے ہوٹلوں اور تفریح گاہوں میں جانے کا عادی نہیں تھا۔ اس وجہ سے ہمارے حلقے سے باہر کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ ہمارے مراسم کس نوعیت کے ہوں گے۔

میں نے آئی مین کی ناقص معلومات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ گفتگو کے دوران جہاں بھی موقع ملا' میں نے ایسے فرضی واقعات شامل داستان کردیے جو میرے اور جہانگیر کے درمیان وسیع ذہنی خلیج بلکہ کینے کی نشان دہی کررہے تھے۔

آئی مین میری ان باتوں کے چکر میں آگیا تھا۔ کم از کم اس وقت اسے یقین آگیا تھا کہ جہانگیر ڈینی کا ہمدرد نہیں تھا۔ اسے ذرا سی مضبوط پشت پناہی میسر آجاتی تو وہ میرے یعنی ڈینی کے دشمنوں سے مل کر اس کے کریا کرم کا بندوبست کرسکتا تھا۔

آئی مین واقعی تیزی دکھا رہا تھا۔ پچھلے روز اس کے بھیجے ہوئے آدمی نے ذاتی طور پر گولڈن فارمیسی کا جائزہ لیا تھا اور چوبیس گھنٹوں سے کم مدت میں آئی مین نے مجھ سے فون پر رابطہ کرلیا تھا۔ مجھے قوی امید تھی کہ وہ ملاقات کے لیے مجھے زیادہ انتظار میں مبتلا نہیں کرے گا۔ چوبیس گھنٹوں سے بھی کم مدت میں اس کی اگلی فون کال متوقع تھی۔

میں نے کرسی چھوڑی اور کیبن سے نکل کر ٹہلتا ہوا دکان کے دروازے پر آکر کھڑا ہوا۔ میری نگاہیں فٹ پاتھ پر رواں انسانی بھیڑ میں سیاہ فام غیر ملکی کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ آئی مین نے کسی نہ کسی کو دکان کی نگرانی پر مامور کیا ہوا ہوگا۔ اس کی طرف سے دکان میں میری آمد اور موجودگی کی تصدیق ہونے کے بعد ہی اس نے گولڈن فارمیسی فون کیا ہوگا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رانفل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد شریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ مراد شریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا لاہور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی، کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچایا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ جس کی سرکوبی کے لیے مجھے انڈیا کا سفر کرنا پڑا۔ اس مہم میں جلال کے آدمیوں نے میری بڑی مدد کی۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کر لیا۔ میں مظفر خان کے فرضی نام سے غزالہ کے ساتھ تاج محل میں تھا۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر را میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ ریتا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلوؤں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جا چکی تھی۔ وہ مجھے انل بسواس سے ملوانا چاہتی تھی اور میں خود اس سے ملنے کو بے تاب تھا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور ریتا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کر دی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑا لیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلو خلاصی حاصل ہو گئی۔ میری ویڈیو ضائع ہو چکی تھی مگر اب ریتا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث را والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کر سکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہو گیا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر لالی نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کر لیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظفر خان کے علاوہ ذیشی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ذیشی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان الیش کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ خلاف توقع اس سے رابطہ آسان ثابت ہوا۔ میں نے اس سے عبدالماجد الحسینی کے نام سے عربی لب و لہجے میں گفتگو کی۔ ذیشی کا نام ان کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا لہٰذا وہ آسانی سے میرے جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے الجھ کر سمندر کے کنارے ملاقات کا وعدہ کیا جہاں ایس ٹی ایف کی مکمل نگہبانی میں، میں نے اس سے پر تصادم ملاقات کی اور اسے شدید زخمی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جان الیش کوف بھی اپنے پیش رو جان اسمتھ کی طرح خوف زدہ ہو کر پاکستان سے بھارت فرار ہو گیا۔ اب میرے سامنے آنجہانی انل بسواس کا دیا ہوا فون اور فیکس نمبر تھا۔ اپنے ساتھیوں کے مشورے سے میں نے ایک پیغام فیکس کر دیا۔ اس سے پہلے یہ معلوم کرایا جا چکا تھا کہ فیکس نمبر بھارتی سفارت خانے میں ملازم ایک اہلکار چندن کا تھا جبکہ ٹیلی فون ایک بیمار ہندو وکیل کے دفتر پر نصب تھا۔ بھارتیوں نے مظفر خان کی سپردگی کا سوال اٹھایا مگر انہیں صاف جواب دے دیا گیا کہ مظفر خان نامی پاکستانی شہری واپس نہیں پہنچا اور اب بھارتی اس کی سلامتی کے بارے میں آگاہ کریں۔ فیکس کے بعد میں نے انل بسواس کے دیے گئے نمبر پر فون کیا مجھ سے بات کرنے والے چندن نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فوری طور پر پولیس کے سامنے پیش ہو جاؤں۔ میرے آنا کانی کرنے پر اس نے مجھے میری ویڈیو فلم کی دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ چندن نے وکیل کا فون ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لے رکھا ہے۔ میں نے سلطان شاہ کی مدد سے چندن کو اٹھا لیا۔ اس سے پوچھ گچھ کے لیے میں نے خود کو ذیشی کا حریف ظاہر کیا اور وہ سب کچھ اگلتا چلا گیا۔ اس نے بھارتی تو ملیٹ کے چوپڑا جی کی نشاندہی کی کہ وہ اس کا شریک کار ہے۔ وہ مجھ سے مظفر خان کا سودا کرنا چاہتا تھا اور اس کی لاش کے لیے بھی دو لاکھ روپے تک کی رقم دینے پر آمادہ تھا۔ میں نے اس کو ٹھکانے لگوا کر اس کی لاش کوڑے دان میں ڈلوا دی۔ امریکن تو ملیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آ گیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو بھیجے گئے فیکس کی نقل تقسیم کر کے مظفر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ بعد میں میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر جاں ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا، چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ شی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہو چکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے میں زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھا لیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ڈی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آ گئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھا دی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کر کے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف تمام شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہر جاننے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر ہم گن استعمال کی تو اول خان کو کھٹکا ہوا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پر اسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب بھی جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی۔ میں نے گولڈن فارمیسی میں بیٹھ کر دشمنوں کی راہ دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان شاہ نے مجھے بتائے بغیر میری حفاظت کا ذمہ لیا اور گولڈن فارمیسی کے اطراف میں پہنچ گیا۔ جہاں اس کا ٹکراؤ ایک مشکوک سیاہ فام امریکی سے ہوا جس میں الجھ کر جان بچانے کے لیے اس امریکی نے ہم گن استعمال کی اور ایک بے گناہ راہ گیر کا ہاتھ کٹ گیا۔ وہ امریکی گولڈن فارمیسی میں ہی آیا تھا اور میں بھی اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔ جلال نے آگاہ کیا کہ چوپڑا پولیس کی تحویل میں آ گیا تھا اور جلد ہی اسے کوٹ منتقل کیا جانا تھا۔ جہاں اس سے من مانا سلوک کیا جانا تھا۔ میں اپنے مورچے پر تھا اور وہیں جہانگیر سمجھ کر آئی مین نے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اس نے بتایا کہ وہ شی کے احیا کے لیے لیاری کے علاقے میں آیا ہے۔ اور اب جہانگیر اور دوسرے تمام کارکنوں کو اکٹھا کر رہا ہے۔ گفتگو کے دوران میں، میں نے جہانگیر کی حیثیت سے اس سے روبرو ملاقات کرنے کی رضامندی حاصل کر لی جو ان حالات میں بڑی کامیابی تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی دکان داری نہیں کی تھی لیکن دکان داروں کی عادات و حرکات کا ہمیشہ بہت غور سے مشاہدہ کیا تھا۔ یہ میری فطرت کی ایک خوبی یا خامی تھی کہ میں اپنے تجربے اور مشاہدے میں آنے والی کسی چیز یا بات سے سرسری گزرنے کا عادی نہیں تھا۔ ہر عمل کا ناقدانہ تجزیہ کرنا میری کمزوری یا مجبوری تھا۔ کبھی یہ عادت مجھے نقصان پہنچاتی تھی اور کبھی میں اس سے فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔

دکان داری کوئی عارضی مصروفیت نہیں ہوتی۔ اس میں آدمی کو ہر روز اور ہر پل اپنے ایک ہی ٹھیئے پر بیٹھا رہنا پڑتا ہے۔ یہ جمود دکان داری کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اس میں تنوع کے صرف دو راستے ہوتے ہیں۔ ہر لمحے رنگ رنگ

کے گاہک آکر اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں۔ ہر گاہک سے مختلف انداز میں، اس کی طلب یا ضرورت کے بارے میں بات کرنے سے دکان میں کام کرنے والوں کا دل بہلتا رہتا ہے۔ بازار میں مندی کا رجحان ہو تو دلچسپی مفقود ہو جاتی ہے۔ دکانوں والے اپنا دل بہلانے اور وقت گزارنے کے لیے اپنے پڑوسیوں سے گپ شپ اور چخ چخ شروع کر دیتے ہیں۔ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے ہیں اور خوش رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے کسی بقراط نے کہا ہے کہ ہر اچھا دکان دار ایک اچھا فقرے باز ہوتا ہے۔ وہ کوئی سنگین دل آزاری کیے بغیر اپنے مخاطب کو پسپائی پر مجبور کرنے کے فن میں طاق ہوتے ہیں۔ گاہک کی جھلک نظر آتے ہی وہ اپنی ان خوش گپیوں کا سلسلہ یک لخت موقوف کر کے، پوری سنجیدگی سے اپنے دھندے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

گولڈن فارمیسی جیسی اوسط درجے کی دکانوں میں پڑوسیوں سے آزادانہ اختلاط کا موقع نہیں ہوتا۔ دکان دار اپنے ملازمین پر پھبتیاں کس کر اپنا دل بہلاتا رہتا ہے۔ بے چارے ملازمین نظریۂ ضرورت کے تحت کھیسیں نکالنے اور ہروار سہ جانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جب اس شغل میں جان نہیں رہتی تو دکان دار اپنا ٹھیّا چھوڑ کر، کسل مندانہ انداز میں چل کر اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے خود کو تازہ دم کر لیتا ہے۔

اس وقت میرا انداز ایسے ہی کسی تھکے اور اکتائے ہوئے دکان دار جیسا تھا۔ باہر سے دیکھنے والا کوئی اجنبی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ میں فارمیسی کے دروازے پر کھڑا ہو کر راہ گیروں کے ہجوم میں کسی مشتبہ شخص کو تلاش کر رہا تھا۔

اپنی اداکاری میں حقیقت کا مزید رنگ بھرنے کے لیے میں نے اپنے پنجوں کے بل اچک کر دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر انگڑائی لی۔ میری اس حرکت کو بیٹھک کی تھکن اتارنے کا ایک بھونڈا انداز سمجھا جا سکتا تھا لیکن پنجوں کے بل اچکتے ہی یکایک میری نگاہوں کی رسائی میں کچھ اضافہ ہو گیا۔ مجھے فٹ پاتھ پر رواں بھیڑ میں چند ثانیوں کے لیے ایک شناسا اور سیاہ فام چہرہ نظر آیا۔ وہ مجھ سے کافی دور تھا اور اس کا رخ میری ہی طرف تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میں نے پورے ہوش و حواس کے ساتھ اسے دیکھا تھا لیکن وہ چند ثانیوں سے زیادہ میری نگاہوں کی گرفت میں نہیں رہ سکا۔ بھیڑ میں ملے جلے چہروں کی بھیڑ میں یکایک ابھرا اور پھر یوں معدوم ہو گیا جیسے اس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

میں اس کی ایک جھلک دیکھ کر مضطرب ہو گیا۔ انگڑائی اور اداکاری کو بھول بھال کر بار بار پنجوں کے بل اچک کر اسے دوبارہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگا مگر وہ کسی چھلاوے کی طرح مقامی چہروں کی بھیڑ میں کہیں گم ہو چکا تھا۔

وہ گولڈن فارمیسی پر دوا خریدنے کے لیے آیا تو گونگا اور بہرا بن کر، قمیص اور شلوار میں ملبوس ہو کر آیا تھا۔ اس کی آنکھوں پر لگی ہوئی شفاف عدسوں کی عینک اسے دوسروں سے ممتاز کر رہی تھی ورنہ وہ اپنی وضع قطع سے مکمل طور پر کوئی مقامی مکرانی معلوم ہو رہا تھا لیکن اس وقت وہ مجھے ایک نئے روپ میں نظر آیا تھا۔ میں نے صرف لمحہ بھر کے لیے اس کی جھلک دیکھی تھی لیکن مجھے اپنی بینائی پر پورا اعتبار تھا کہ میں نے جو کچھ دیکھا، اس میں کسی غلطی کا امکان نہیں تھا۔

وہ چہرہ ہو بہ ہو وہی تھا جو میں پہلے دیکھ چکا تھا مگر اس کی شفاف عدسوں کی عینک تبدیل ہو گئی تھی۔ اگر وہ عینک استعمال کرنے پر مجبور نہ ہوتا تو شاید اپنے حلیے میں تبدیلی لانے کے لیے اسے سرے سے ترک کر دیتا اور پھر اسے پہچاننا بہت زیادہ مشکل ہو جاتا۔ وہ ایسا نہیں کر سکا تھا۔ میں نے پہلی نظر میں اسے پہچان لیا تھا۔

اس وقت میں اس کی صحت مند گردن کے گرد کسے ہوئے کالر کے نیچے بندھی ہوئی ٹائی دیکھ چکا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ اس نے شلوار کے بجائے پتلون پہنی ہوئی ہو گی۔ اپنی اس جھلک میں وہ سو فیصد غیر ملکی بلکہ امریکی نیگرو نظر آیا تھا۔

وہ گولڈن فارمیسی میں اداکاری کر کے خاموشی سے لوٹنے میں کامیاب ہو گیا ہوتا تو میں اس کے بارے میں ہمیشہ تذبذب کا شکار رہتا۔ دکان سے نکلنے کے بعد، سلطان شاہ سے ہونے والے تصادم نے اس کے بارے میں بیک وقت کئی باتیں واضح کر دی تھیں۔

اس نے سلطان شاہ سے جھگڑے کے دوران میں بے ساختہ انگریزی زبان میں گالیاں دی تھیں اور نہایت روانی سے مسلسل وہی زبان استعمال کی تھی پھر خطرہ سر پر منڈلاتا دیکھ کر اس نے اچانک بیم گن نکال کر چلا دی تھی۔

یہ بات طے ہو چکی تھی کہ وہ امریکی نژاد کالا تھا جو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے کراچی آیا ہوا تھا۔ اس کے گولڈن فارمیسی میں پہنچنے سے یہ ظاہر تھا کہ وہ میرے دشمنوں سے تعلق رکھتا تھا اور جہانگیر پر ہاتھ ڈالنے کی نیت سے لی مارکیٹ کے اس بازار میں پہنچا تھا جہاں جہانگیر کی دکان واقع تھی۔ اس نے نرغے میں آ جانے کے بعد لیزر گن استعمال کر کے ہم سب کو شبہے میں ڈال دیا تھا اور یہ تعین کرنا دشوار

ہوگیا تھا کہ وہ خود ہی شی کا آئی مین تھا یا اس کا بھیجا ہوا کوئی خاص آدمی تھا۔

شی کے بارے میں میری اور ویرا کی معلومات قابلِ رشک تھیں۔ ہمیں شی کی اس روایت کا علم تھا کہ اس رسوائے زمانہ تنظیم کے ہر آئی مین کے پاس، اختیار کی علامت کے طور پر دو چیزیں ضرور ہوتی ہیں۔ سلور آئی اس کی شناخت ہوتی ہے اور بیم گن اس کی طاقت کی علامت ہوتی ہے۔

اس نابکار کالے نے جھگڑے میں بیم گن استعمال کر کے ایک سنگین الجھاؤ پیدا کردیا تھا جو اس کی دوسری جھلک دیکھتے ہی دور ہوگیا تھا۔

آئی مین چند منٹ پہلے تک فون پر براہِ راست مجھ سے گفتگو کررہا تھا۔ دورانِ گفتگو اس نے مجھے یہ یقین دہانی بھی کرائی تھی کہ فون پر کھل کر ہر قسم کی بات کی جاسکتی تھی کیونکہ اس کی لائن میں سی ایس ڈی کی موجودگی کی وجہ سے ہماری باتیں سن لیے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

یہ یقینی سی بات تھی کہ آئی مین لی مارکیٹ کے کسی پبلک فون بوتھ سے بات نہیں کررہا تھا۔ سی ایس ڈی ایک مختصر سا حیرت ناک آلہ تھا جسے آسانی کے ساتھ فون لائن سے جوڑا اور الگ کیا جاسکتا تھا لیکن کوئی ہوش مند آدمی کھلے بازار میں اسے پبلک فون کے ساتھ استعمال کرنے کا تصور نہیں کرسکتا تھا۔ آئی مین نے یقینی طور پر کسی محفوظ ٹھکانے سے مجھے فون کیا تھا۔ اس کے فوری بعد امریکی نیگرو کا نظر آنا اس حقیقت کی نشاندہی کررہا تھا کہ وہ دونوں الگ الگ حیثیت کے مالک تھے۔

وہ کالا شی کے آئی مین کا مقربِ خاص ہوسکتا تھا مگر خود آئی مین نہیں تھا۔ شاید اسی نے اپنے آقا کو یہ خبر دی تھی کہ گولڈن فارمیسی کا نام نہاد مالک دکان میں موجود تھا۔ وہ اطلاع پاتے ہی آئی مین نے مجھے فون کرڈالا۔

اس کی تلاش سے مایوس ہوکر میں دوبارہ کاؤنٹر کے عقب سے ہوتا ہوا اپنے کیبن میں جا بیٹھا۔ ان مخدوش حالات میں پوشیدہ دشمن کے کھلے نشانے پر سامنے آنا مناسب نہیں تھا۔ آئی مین نے میرے اوپر جو نیا جال ڈالا تھا اس میں آئی مین کو مکمل ناکامی ہونے تک مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ مجھے جہانگیر کے روپ میں کوئی بڑا نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا مگر پھر بھی مجھے ہر اعتبار سے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

میں نے گولڈن فارمیسی کے گرد انٹیلی جنس بیورو کے کمانڈوز کی موجودگی کی پیش کش کو بہت مشکل سے ٹالا تھا۔ جلال ایک شریف النفس اور بات کا دھنی آدمی تھا۔ مجھے امید تھی کہ آپس میں ایک فیصلہ ہوجانے کے بعد وہ اس پر پوری طرح عمل کرے گا اور اس کا کوئی آدمی کسی بھی طرح فارمیسی کا رخ نہیں کرے گا۔ اسے ٹال دینے کے بعد میں نے معروضی حالات میں اول خان کی پیش کش قبول کرلی تھی۔ ایس ٹی ایف والے آزاد فضاؤں کے بے خوف شکاری پرندے تھے جو کسی خوف اور رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتے جو ان کے من میں آئے، کر گزرتے ہیں۔ ان کی جسارتوں کے نتیجے میں کامیابی ان کے قدم چومتی ہے یا پھر موت انہیں اپنے گلے لگالیتی ہے۔

اس وقت بھی اول خان کے دو آدمی باہر پھیلی ہوئی بھیڑ میں موجود تھے۔ میں ان کو نہیں پہچانتا تھا مگر وہ مجھے اچھی طرح جانتے تھے۔ اس مشتبہ نیگرو کا ان کی عقابی نظروں سے بچنا آسان نہیں تھا۔ بس خرابی یہ تھی کہ اس نیگرو کو میں نے یا سلطان شاہ نے دیکھا تھا۔ اول خان کے آدمیوں کے لیے وہ اجنبی تھا۔ وہ لوگ اس کی مشتبہ حرکات و سکنات کی بنا پر اس کی طرف متوجہ ہوسکتے تھے۔

میں سگریٹ سلگائے اپنے خیالات کی دنیا میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک جہانگیر کا فون آگیا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تم سے میری بات ہوئی تھی۔ اب تمہیں کیا تکلیف ہے؟" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"تکلیف تو پہلے بھی تھی۔ پورا اخبار پڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جارہی ہے۔" اس نے میرے لہجے کا برا منائے بغیر جواب دیا۔

"تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی ہے تو یہاں آجاؤ۔ دو... مل بیٹھیں گے تو وقت اچھا گزرے گا۔" میں نے تلخی... کہا۔

"نہیں بابا۔۔۔ میں پاگل نہیں ہوں جو ادھر کا رخ کرو... گھر پر میرا وقت بہت اچھا گزر رہا ہے۔"

"تو میں پاگل ہوں جو تمہاری جگہ سنبھالے... ہوں۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں! میں نے تمہیں سمجھانے... کوشش کی تھی مگر تم اپنے سامنے کسی کو کچھ... گردانتے۔"

"یہ تمہاری عقل مندی نہیں بزدلی ہے جو تم سے... نامعقول باتیں کہلوا رہی ہے۔"

"میں ایسی عقل مندی پر لعنت بھیجتا ہوں جو آدمی...

کشی پر مجبور کردے۔"
"دشمن کا سر کچلنے کے لیے آگے بڑھنے اور خود کشی کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔"
"کچھ بھی ہو۔ میں اسے خود کشی ہی سمجھتا ہوں جو ہمارے مذہب میں حرام ہے۔"
اس کی زبان سے مذہب کا حوالہ سن کر میں سلگ اٹھا اور جلے کٹے لہجے میں بولا "اب تمہیں مذہب یاد آیا ہے۔ مذہب میں صرف یہی ایک حرکت حرام ہے۔ دوسری حرام خوریاں تمہاری نظروں سے اوجھل ہیں۔"
"بس اب تم اوچھے ذاتی حملوں پر اتر آئے۔ میں کوئی حرام خوری نہیں کرتا۔ زیادہ سے زیادہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ میں حرام نوشی کرتا ہوں۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ اس نے میرے شدید ردِّ عمل کا ذرا سا بھی اثر نہیں لیا تھا۔
"تو کیا تم نے محض میرا خون جلانے کے لیے فون کیا تھا؟"
"خبریں بہت سنگین ہیں۔" اس کی آواز میں یک لخت سنجیدگی اتر آئی "ایک طویل عرصے کے بعد اخباروں کی سرخیوں میں ہیروئن کا نام چنگھاڑتا ہوا نظر آیا ہے۔ خدا خیر کرے' ایسا لگ رہا ہے جیسے گزرے ہوئے خطرناک دن دوبارہ واپس آرہے ہیں۔"
"وہ دن اب واپس نہیں آسکتے۔" میں نے پورے اعتماد سے جواب دیا "اس وقت انہیں کھلا ہوا میدان ملا ہوا تھا۔ ان کے سارے زیرِ زمین دھندے کسی رکاوٹ یا مزاحمت کے بغیر چل رہے تھے۔ اب انہیں قدم قدم پر رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"
جہانگیر کو وہ جواب دیتے ہوئے میرے ذہن میں شی والوں کے لائیڈز کا ٹیج کی بھیانک تصویر گھوم گئی۔ لاہور میں جی لائیڈ کی بنائی ہوئی وہ وسیع و عریض جاگیر ایک قلعے سے کم نہیں تھی جس میں مقامی قانون کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ وہاں صرف جی لائیڈ کی مرضی یا اس کے بنائے ہوئے قانون چلتے تھے۔
"جوشی کا نام تو جانا پہچانا معلوم ہوتا ہے۔ اس نے شاید کچھ دنوں کے لیے میرے ساتھ بھی کام کیا تھا مگر یہ راجا کون ہے؟" جہانگیر فون پر پوچھ رہا تھا۔
"راجا نیا پنچھی ہے۔ اونچی اڑان کے چکر میں مارا گیا۔ آئی مین یہاں نئے اور پرانے مہروں کو یک جا کر کے اپنی نئی ٹیم بنانے کے چکر میں ہے۔"
"تو کیا ایک مرتبہ پھر ہیروئن کو پھیلانے کا کام زور پکڑ رہا ہے؟" جہانگیر کی آواز میں حیرت سمٹ آئی تھی۔
"یہ کام کبھی نہیں رکا۔ شی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی تو مقامی طالع آزماؤں نے یہ کام سنبھال لیا اور تھوڑی سی افراتفری کے بعد منڈی پر قبضہ جمالیا ہوگا۔ اب شاید شی کے میدان میں اترنے کے بعد منظر نامہ ایک بار پھر بدل جائے گا۔"
"پھر تو یہ تمہارا چکر ہی نہیں ہے۔" وہ بولا "آئی مین پرانے آدمیوں کو گھیر رہا ہے۔ وہ ہر قیمت پر مجھے بھی اپنے ساتھ ملانا چاہے گا۔ میں انکار کروں گا تو وہ میرے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔"
"اسی لیے تم گھر پر بیٹھے ہوئے ہو۔ تمہاری دہری اہمیت ہے۔ ہیروئن کا فروغ اور میری سرکوبی۔" وہ تمہیں توڑنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو ایک تیر سے دو شکار کرے گا۔ کل اس علاقے میں جو کچھ ہوا' وہ میرے اندازوں کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔"
"خبروں کی تفصیل پڑھ کر مجھے گھبراہٹ ہونے لگی تھی اور میں نے بوکھلا کر تمہیں فون کر ڈالا۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ اس بار ان کے تیور خطرناک ہیں۔ تم بھی خاموشی سے روپوشی اختیار کر لو۔ تمہارے پاس پیسے کی کمی نہیں ہے۔ بھابی کو ساتھ لے کر خاموشی سے کسی دور افتادہ اور پرسکون ملک یا جزیرے پر جا بسو۔ تمہاری زندگی سکھ سے گزر جائے گی۔ ان خطروں سے لڑتے لڑتے تم ایک دن تھک جاؤ گے اور تمہارے دشمن تم پر غالب آجائیں گے۔"
"بہت سے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ حالات سے سمجھوتا کر کے پہاڑ جیسی عمر گزار دیتے ہیں مگر یہ بات خمیر کی ہوتی ہے۔ میرے خمیر میں سمجھوتے نہیں ہیں۔ میں ان بزدل چوہوں سے ڈر کر اپنی زندگی تباہ نہیں کروں گا۔ ڈنکے کی چوٹ

پر یہیں رہوں گا اور انہیں پیس ڈالوں گا۔"

وہ جانتا تھا کہ مجھ سے اپنی بات نہیں منوا سکے گا مگر وہ اپنے مخلصانہ جذبات کے اظہار پر مجبور تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ بدنیت یا بزدل نہیں تھا۔ میں اسے دلاسے دیتا رہا تاکہ میری طرف سے اس کی فکر مندی میں کمی آسکے پھر فون بند کر دیا۔

جہانگیر سے فون پر بات کرتے ہوئے بھی میرا ذہن مشتبہ نیگرو میں الجھا رہا تھا۔ گولڈن فاریسی کے قرب و جوار میں اس کی موجودگی خطرے کا الارم بجارہی تھی۔ میرے کان اول خان کے دیئے ہوئے اپریٹس کے سگنل پر لگے ہوئے تھے۔ مجھے امید تھی کہ وہ نیگرو اپنی حرکتوں کی بنا پر ایس ٹی ایف کے دو آدمیوں کی نگاہوں سے نہیں بچ سکے گا۔ وہ کسی بھی لمحے مجھ سے رابطہ کر کے اس کے بارے میں کوئی اطلاع دے سکتے تھے۔

مجھے بہت زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اپریٹس پر کال کا سگنل آتے ہی میں نے اسے آن کیا تو دوسری طرف سے اول خان میری تلاش میں تھا۔

میں نے تحیر زدہ آواز میں اسے اپنی موجودگی کی اطلاع دی تو اس نے بتایا کہ وہ اس وقت سادہ لباس میں فاریسی کے قریب موجود تھا اور مجھ سے ملنا چاہ رہا تھا۔ وہ اول خان کی خواہش تھی جسے رد کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں نے کسی اونچ نیچ کی پروا کیے بغیر اسے اپنے پاس آنے کی دعوت دے دی۔

اس غیر متوقع پیغام پر میرا ذہن الجھ گیا۔ کسی پروگرام کے بغیر اول خان کیوں موجود تھا۔ وہ کیا کرتا پھر رہا تھا۔ اسے فوری طور پر مجھ سے ملنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ یہ سب ایسے سوالات تھے جن کے جواب وہی دے سکتا تھا۔

میں نے اول خان کے بارے میں ہدایت دینے کے لیے منیر کو آواز دی تھی کہ دکان کے دروازے سے اول خان اندر داخل ہوتا ہوا نظر آیا۔

کیبن کی دیواریں تاریک شیشوں پر مشتمل تھیں۔ میں آرام سے بیٹھ کر پوری دکان کا جائزہ لے سکتا تھا لیکن باہر والوں کو کیبن میں میری موجودگی کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے شیشے کے پار اول خان کی جھلک دیکھتے ہی منیر کو اشارہ کیا اور وہ میرے ایما پر اول خان کو ادب سے کیبن میں لے آیا۔

میں نے اپنی نشست سے اٹھ کر تحیر آمیز مسرت کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

"ویری گڈ!" اول خان نے ستائشی نظروں سے مختصر مگر آراستہ کیبن کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "اب مجھے اطمینان ہوا کہ یہاں تمہیں بیٹھنے کے لیے ایک قدرے محفوظ گوشہ میسر ہے۔ یہاں سے تم ہر آنے جانے والے پر نظر رکھ سکتے ہو۔ اس کالے کو بھی تم نے یہیں سے دیکھا ہوگا۔"

"تم بھول رہے ہو۔" میں نے اسے بٹھانے کے بعد خود بیٹھتے ہوئے کہا "میں نے تمہیں پوری کہانی سنائی تھی۔ اس سے میری روبرو ملاقات ہوئی تھی۔"

"وہ مجھے یاد ہے۔" اس نے ہنس کر بات سنبھالتے ہوئے جواب دیا "میرا مطلب تھا کہ پہلے تم نے یہیں سے اسے تاکا ہوگا پھر باہر جا کر اس کا امتحان لیا ہوگا۔"

"وہ آیا تو میں کیش پر بیٹھا ہوا تھا۔" میں نے نرمی سے کہا "آج میرا کاؤنٹر پر بیٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"تمہارے لیے کاؤنٹر پر بیٹھنا بہت غیر محفوظ ہے۔ یہ درست ہے کہ تم یہاں جہانگیر کے روپ میں بیٹھے ہوئے ہو مگر وہاں ہر آنے جانے والا تمہارا چہرہ ذہن نشین کر سکتا ہے۔ آگے چل کر یہ بات تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔"

"باہر تمہارے آدمی کیا کر رہے ہیں؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"دونوں اپنی جگہ مستعد ہیں اور ابھی تک ہر طرف خیریت ہی خیریت ہے۔"

"پھر تم اس وقت یہاں کیسے نظر آرہے ہو؟"

"فرصت تھی۔ ڈرائیو کرتا ہوا ادھر نکل آیا تاکہ گولڈن فاریسی کے درشن کر سکوں۔ آدمیوں سے خیریت کی رپورٹ ملی تو سوچا کہ لگے ہاتھوں تم سے بھی ملتا چلوں۔ تمہاری طرف سے گرین سگنل نہ ملتا تو میں واپس چلا جاتا۔"

"کچھ دیر پہلے مجھے باہر اسی نیگرو کی ایک جھلک نظر آئی تھی۔" میں نے قدرے توقف کے بعد اسے آگاہ کیا "پھر میری نگاہیں اسے تلاش کرتی رہ گئیں لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ آج وہ اپنی مغربی وضع میں تھا۔ تمہارے آدمی اسے نہیں پہچان سکے ہوں گے۔"

وہ انکشاف سن کر اول خان مضطرب ہوگیا۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔ اس نیگرو کے بارے میں' میں نے اپنے آدمیوں کو بہت اچھی طرح بریف کیا تھا۔ وہ کسی بھی حلیے میں ان کے سامنے سے گزرتا تو وہ اسے پہچان لیتے۔ تم نے بتایا کہ تم نے اس کی صرف ایک جھلک دیکھی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں مغالطہ ہوا ہو۔"

"مجھے اپنی نگاہوں پر پورا اعتماد ہے۔ وہ مغالطہ نہیں'

حقیقت تھی۔" میں نے اصرار کیا۔
"مگر وہ یہاں کیا کر رہا تھا؟" اول خان خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا "وہ کل ہی یہاں پٹا تھا۔ وہ اتنی جلدی ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔"
"وہ دکان میں میری آمد نوٹ کرنے کے لیے یہاں آیا تھا۔ اس نے اپنا کام کرلیا تھا۔ اس کے بعد وہ یہیں کہیں موجود تھا۔"
"یہ تم کیسے کہہ رہے ہو کہ وہ تمہاری نگرانی کر رہا تھا۔؟"
میں نے اسے آئی مین کے فون کے بارے میں بتایا تو وہ حیرت سے اچھل پڑا "تمہارا مطلب ہے کہ اس آئی مین نے اپنی آنکھوں سے تمہیں دکان میں آتے دیکھا اور پھر کسی قریبی بوتھ سے دکان کا نمبر گھما دیا۔"
"تمہارا سوال بہت سطحی ہے۔ پوری بات سنے بغیر تم کوئی صحیح نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"تم نے سنسنی خیز خبر سنائی ہے۔ مجھے پوری تفصیل بتاؤ۔" آئی مین سے میری براہِ راست گفتگو کے بارے میں سن کر وہ حیران رہ گیا تھا۔
میں نے پورے تسلسل کے ساتھ اسے تفصیلات سنانی شروع کر دیں۔
وہ آئی مین سے میری پہلی گفتگو نہیں تھی۔ اس سے پہلے بھی اس سے بات کر چکا تھا مگر وہ روپ کوئی اور تھا۔ راجا سے تشدد کے ذریعے آئی مین کا نمبر حاصل کرنے کے بعد ہم نے بہت تیزی سے اس پر کام کیا تھا۔
اول خان نے موبائل فون کمپنی سے تصدیق کی تھی کہ راجا کے ہاتھوں ٹوٹنے والے فون سے آئی مین کو آخری کال اسی نمبر پر کی گئی تھی اور پھر میں نے ماجد یمنی کا نام استعمال کرکے اس سے فون پر بات کی تھی۔ وہ گفتگو خاصی معنی خیز اور ڈرامائی رہی تھی۔ وہ امریکا کے بین الاقوامی نیٹ ورک کا ایک اہم مہرہ تھا اس لیے ماجد یمنی کا نام اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ میں نے اسے اپنے دام میں لانے کے لیے دو پانسے پھینکے تھے۔ اسے ڈینی کا سراغ بتانے کی کوشش کی تھی اور ایک مرے ہوئے فرضی آئی مین کی سلور آئی بیچنے کا عندیہ دیا تھا۔ اس کے لیے وہ دونوں سودے بہت پرکشش تھے مگر وہ حد سے زیادہ محتاط آدمی تھا۔ میری ایک بات سے اسے شبہ ہو گیا کہ میں اس کے فون نمبر کے ذریعے اس کی کمین گاہ کا پتا چلا چکا تھا۔ اس سے بات بنتے بنتے بگڑنے لگی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے آنے سے گریزاں تھے مگر آخر میں یہ طے ہوا کہ میں اگلے دن اسے فون کروں گا اور مل بیٹھنے کا کوئی ایسا محفوظ طریقہ طے کرلیا جائے گا جو دونوں کے لیے قابلِ قبول ہو۔
اس فون نمبر پر آئی مین کی موجودگی کا یقین ہو جانے کے بعد معاملے کو طول دینا وقت کی بربادی ہوتا۔ میں نے فوری طور پر اس کے گھر پر حملہ کرنے اور اسے پکڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ ہم بی باون پہنچے تو مقفل مکان ہمارا منہ چڑا رہا تھا۔ آئی مین ہماری توقع سے زیادہ چالاک اور پھرتیلا ثابت ہوا تھا۔ اس نے تیزی سے وہ ٹھکانا چھوڑ دیا تھا اور جاتے جاتے اس شخص کو بھی مار ڈالا تھا جس نے اسٹیٹ ایجنسی کی معرفت وہ مکان کرائے پر لیا تھا۔
وہ پوری کہانی اول خان کے ذہن میں تازہ تھی۔ اب آئی مین نے مجھے جہانگیر سمجھ کر فون کیا تھا۔ اول خان نے میری گفتگو میں کہیں دخل نہیں دیا۔ اپنے تجسس پر قابو رکھ کر خاموشی سے ساری تفصیل سنتا رہا۔ میری بات مکمل ہوتے ہی اس نے کہا "پہلے تم نے ماجد یمنی بن کر اس سے بات کی تھی۔ کیا وہ آج فون پر تمہاری آواز سن کر شبے میں نہیں پڑ گیا ہوگا؟"
"تم بھول رہے ہو کہ میں نے ماجد یمنی کے روپ میں آواز بدل کر اس سے بات کی تھی۔ میں اس معاملے میں بہت محتاط رہتا ہوں۔ آج بھی میں چوکنا ہو گیا تھا۔ منیر نے یہ بتا کر کہ کوئی فون پر انگریزی بول رہا ہے' مجھے ہوشیار کر دیا تھا۔ میں نے اپنی اصل آواز تبدیل کرلی تھی۔"
"یہ بہت بڑی پیش رفت ہے۔ تم اس کے پیچھے لگے ہوئے ہو اور وہ تمہارے فراق میں ہے۔ اس نے تم سے دوسری تمام باتیں دھوکا دینے کے لیے کی ہیں ورنہ وہ جہانگیر کو آلہ کار بنا کر تمہیں یعنی ڈینی کو پکڑنا چاہ رہا ہے۔"
"ہاں' اس نے اس معاملے کو ضمنی بنانے کی کوشش کی تھی۔ اسے یہ یقین ہو گیا ہے کہ مجھے جہانگیر سے ذاتی پرخاش ہے۔"
"پھر بھی اس کی دیدہ دلیری حیرت ناک ہے۔ کل اس کا ایک آدمی اس علاقے میں سلطان شاہ کے ہاتھوں پٹا ہے اور آج اس نے ڈھٹائی سے تمہیں فون کر ڈالا۔"
"میری طرح وہ بھی بے صبرا ہے۔ وقت کی بربادی میں یقین نہیں رکھتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"اب ایک بات ثابت ہو گئی ہے کہ وہ نیگرو آئی مین نہیں بلکہ اس کا کوئی خاص آدمی تھا۔" اول خان نے صحیح نتیجے پر پہنچتے ہوئے کہا۔

"اس نیگرو نے بیم گن استعمال کر کے مجھے سنگین مغالطے میں ڈال دیا تھا۔ آئی مین کے فون کے بعد میں نے خود اس کالے کی ایک جھلک نہ دیکھی ہوتی تو ابھی تک اسی غلط فہمی میں مبتلا رہتا۔ اب آئی مین کے علاوہ وہ کالا بھی ہماری نظروں میں آگیا ہے۔"

"آئی مین نے تم سے دکان میں کالے کی آمد کے بارے میں کوئی بات نہیں کی؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"میں توقع کر رہا تھا کہ وہ مجھے مرعوب کرنے کے لیے دکان میں اپنے کسی آدمی کی آمد کا حوالہ دے گا مگر اس نے ایک لفظ نہیں کہا۔ میری حیرانی کے لیے اس نے اسی ایک نکتے کو کافی سمجھا ہوگا کہ اس نے ایسے وقت پر فون کیا جب میں فارمیسی میں موجود تھا۔"

"اس نے نیگرو کی آمد کا ذکر کیا نہ اس کے جھگڑے کے بارے میں کچھ کہا۔ ان باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ سلطان شاہ اور کالے کے تصادم کو اس نے ایک الگ تھلگ اور اتفاقی واقعہ سمجھ لیا ہے۔ ان دونوں کڑیوں کو یکجا کر لینے کے بعد اس کا رویہ مفاہمانہ نہیں رہ سکتا تھا۔"

"ہمارے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ مار کھا کر خود کو فاتح سمجھتا رہے۔"

"یہ بتاؤ کہ آج وہ نیگرو کیسا لگ رہا تھا؟" اول خان نے قدرے توقف کے بعد چونک کر پوچھا۔

میں اول خان کے اس سوال کا سبب سمجھ گیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تم یقین کر لو کہ میں کسی فریب نظر کا شکار نہیں ہوا۔ میں نے اسی کو دیکھا تھا۔ وہ کل سلطان شاہ کے ہاتھوں پٹا تھا اس لیے اس کے چہرے پر کہیں کہیں ورم آیا ہوا تھا۔ اگر فاصلہ زیادہ نہ ہوتا تو شاید مجھے اس کے چہرے پر پڑے ہوئے نیل بھی نظر آجاتے۔"

"نیل آج کل زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہتے۔ تم فارمیسی چلا رہے ہو تو تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ بازار میں آج کل ایسے اسپرے آئے ہوئے ہیں جو تیزی سے جلد میں سرایت کر کے باریک شریانوں میں جمے ہوئے خون کو تحلیل کر دیتے ہیں۔ سوجن اپنے وقت سے ختم ہوتی ہے۔ اگر تم نے اس کا سوجا ہوا چہرہ دیکھ کر اسے پہچانا تھا تو پھر بات ختم ہو جاتی ہے۔ وہ وہی نیگرو رہا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ وہ حرام زادہ کہاں غائب ہو گیا۔"

"تم اس کے بارے میں بار بار سوال کیوں کر رہے ہو؟" میں نے ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"وہ اس علاقے میں ہے تو تفریح کرنے نہیں آیا ہوگا۔ اس کی دلچسپی اس دکان پر مرکوز ہے۔ تم ذرا سی دیر کے لیے دروازے پر گئے اور تم نے اسے دیکھ لیا۔ سوال یہ ہے کہ میرے آدمی اسے کیوں نہیں دیکھ سکے۔ وہ مسلسل تمہاری دکان کی نگرانی کر رہے ہیں۔"

"میری نہیں یہ جہانگیر کی دکان ہے۔" میں نے بے ساختہ اس کی تصحیح کی "بعض اوقات ایسا ہوجاتا ہے کہ آدمی مغالطے میں پڑ جاتا ہے۔ جو کچھ سامنے آتا ہے وہ نظر نہیں آتا۔ کل وہ کسی حد تک مشکوک حلیے میں تھا۔ آج مجروح چہرے کے باوجود معزز بنا ہوا تھا۔ تمہارے آدمیوں نے اس پر دھیان نہیں دیا ہوگا۔"

"میرے آدمیوں نے اسے سرے سے نہیں دیکھا تھا۔ تم سے سنے ہوئے حلیے کے مطابق میں نے انہیں بریف کیا تھا۔"

"تم نے مجھ سے سنا۔ انہوں نے تم سے سنا۔ یہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ والی بات ہوئی ہے۔ سنی سنائی باتیں کبھی چشم دید واقعے یا چیز جیسی نہیں ہوتیں۔ تمہاری بتائی ہوئی تفصیلات میں یقینی طور پر کوئی خاص بات رہ گئی ہوگی جس کی وجہ سے تمہارے آدمی اسے نہیں پہچان سکے۔"

"میں خود ایک چکر لگا کر دیکھتا ہوں۔ شاید میں اس خبیث کو پہچان لوں۔" اس نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔

میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روک لیا "اس کا کام پورا ہو چکا۔ اب تک وہ واپس جا چکا ہوگا۔ یہ معلوم ہوجانے کے بعد وہ نیگرو آئی مین نہیں ہے' وہ ہمارا ہدف نہیں رہا۔ ہمیں براہِ راست آئی مین پر ہاتھ ڈالنا ہے۔"

"ہاں ... آں!" اس نے پرخیال انداز میں سرہلا کر کہا "نیگرو کے ساتھ آج پھر کوئی گڑبڑ ہوئی تو آئی مین بدک سکتا ہے۔ اس کے ساتھ تمہارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ ابھی امید ہے کہ وہ جہانگیر کو رام کرنے کے لیے تمہارے جال میں پھنس سکتا ہے۔"

"اس سے چھیڑ چھاڑ کام بگاڑ دے گی لیکن اس کا پیچھا کر کے اس کے ٹھکانے کا پتا ضرور چلایا جاسکتا ہے۔ یہ بات طے ہے کہ وہ آئی مین کے اعتماد کا آدمی ہے۔"

"اعتماد کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آئی مین نے اپنی بیم گن اسے دی ہوئی تھی۔ ویرا نے کسی وقت بتایا تھا کہ ... میں سلور آئی اور بیم گن آئی مین کے دو اعزاز ہوتے ہیں۔ وہ کسی قیمت پر اپنی یہ دونوں نشانیاں کسی اور کو نہیں دیتے۔"

میں نے سرہلا کر اس کی تائید کی اور کہا "آئی مین کھٹکنے سے بھڑکنے والا محتاط ترین آدمی ہے۔ نیگرو کتنا ...

چالاک کیوں نہ ہو' اتنا محتاط نہیں ہو سکتا۔ اس کا ٹھکانا معلوم ہو جائے تو ہم اندھیروں میں بھٹکنے سے بچ جائیں گے اور مناسب موقع آنے پر کوئی بڑی کارروائی کر سکیں گے۔"

"کیوں نہ اس کے بجائے آئی مین پر توجہ مرکوز رکھی جائے؟" وہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں تم سے رابطہ کرے گا۔ میں تمہارے فون پر آبزرویشن لگوائے دیتا ہوں۔ اس کا فون نمبر ریکارڈ پر آنے کی بعد اس کا پتا معلوم کرنا بہت آسان ہو گا۔"

"آبزرویشن سے بات نہیں بنے گی۔" اس کی تجویز سن کر میں نے سنجیدگی سے کہا "کھلی کھلی باتوں پر میں نے اپنا خوف ظاہر کیا تو اس نے بتایا کہ اس کے فون پر سی ایس ڈی لگی ہوئی ہے۔ پتا نہیں وہ جادوئی آلہ اسے کہاں سے مل گیا۔ تم جانتے ہو کہ سی ایس ڈی کی موجودگی میں لائن پر کوئی تیسرا سرکٹ کام نہیں کرے گا۔"

اول خان کا منہ لٹک گیا "ابھی تک تمہارے سوا کسی اور کے پاس سی ایس ڈی کی موجودگی کا ثبوت نہیں ملا تھا۔ اب تم نے یہ خبر سنائی ہے ہو سکتا ہے کہ را والوں نے ہی آئی مین کو وہ تحفہ دیا ہو تاکہ وہ کراچی میں زیادہ آزادی کے ساتھ اپنی تخریبی کارروائیاں جاری رکھ سکے۔"

"میں حیران ہوں کہ سی ایس ڈی ایک مدت سے را والوں کے استعمال میں ہے۔" میں نے تعجب سے کہا "یہ میں نے امریکا میں بدری ناتھ سے حاصل کی تھی۔ سی آئی اے والے ابھی تک اس سے محروم ہیں حالانکہ وہ جدید ترین ایجادات کے استعمال میں خاصی شہرت رکھتے ہیں۔"

"سی ایس ڈی جاپان کی ریڈ آرمی کی ایجاد ہے۔ وہ ایسی خوف ناک زیر زمین تنظیم ہے کہ اس کے عام کارکنوں تک بھی رسائی محال ہے۔ یہ مقدر کی بات ہے کہ را والوں کا ان سے سودا ہو گیا۔ سی آئی اے والے بھی کسی نہ کسی تگ و دو میں لگے ہوئے ہوں گے۔"

"اب ہماری کامیابی کا دارومدار آئی مین کی کسی غلطی پر ہے۔ وہ مجھ سے دوبارہ رجوع کرے گا تو بات آگے بڑھے گی۔"

"اس عورت کا بھی کوئی سراغ نہیں مل سکا جس نے بی باون میں فون اٹھانے کے بعد تم سے جرح کی تھی۔" اول خان نے مایوسی سے کہا۔

"خواب گاہ میں کسی شوقین عورت کی موجودگی کے آثار پائے گئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آئی مین کی کوئی گرل فرینڈ ہے جسے وہ اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے اور ضرورت کے وقت اس سے اپنی سیکریٹری کا کام لیتا ہے۔ عورتیں عموماً مجرموں کی تباہی کا سبب بنتی ہیں۔ ابھی ابتدا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آئی مین سے پہلے وہ عورت یا لڑکی ہی ہمارے سامنے آجائے اور ہم اسے اپنی کامیابی کے زینے کے طور پر استعمال کر سکیں۔"

"اس دکان میں محبوس ہو کر تم میزبانی کے آداب بھول گئے ہو۔ کیا چائے نہیں پلاؤ گے؟" اول خان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی منگواتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"بیٹھے رہو۔" اول خان نے مضطرب ہو کر میرا ہاتھ تھام لیا "مجھے ایسی چائے درکار نہیں ہے جس کے لیے تمہیں جانا پڑے۔"

"یہ بازار میرے لیے نیا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "مجھے نہیں پتا کہ چائے کہاں سے آئے گی۔ یہ کام کوئی آدمی کرے گا۔ میں ذرا باہر کا چکر لگا کر آتا ہوں۔"

"باہر تمہیں کیا کام ہے؟" اول خان نے اشتیاق آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"بس دل کی ایک خلش دور کرنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نیگرو کہیں نظر آجائے۔"

"نظر آبھی گیا تو تم کیا کر لو گے؟ وہ تمہیں پہچان لے گا۔ تم اس کا پیچھا نہیں کر سکتے۔ ابھی ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ آئی مین کو گھیرنے کے لیے فی الحال نیگرو کو نظرانداز کرنا پڑے گا۔ اس علاقے میں اس کو دوبارہ ذرا سی زک پہنچی تو آئی مین پچھلے واقعے کو بھی اسی سے ملا لے گا۔"

"میرا کچھ کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ میں نے کہا تاکہ میں اپنے دل کی خلش دور کرنا چاہ رہا ہوں۔"

"اول خان نے بادل نخواستہ میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔" تم بہت ضدی آدمی ہو۔ تمہاری بعض باتیں میری سمجھ سے باہر ہوتی ہیں۔"

میں نے منیر کو دو پیالی چائے منگوانے کی ہدایت کی اور دکان سے نکلتا چلا گیا۔ باہر آکر میں غیر ارادی طور پر اسی سمت میں چل دیا جدھر میں نے نیگرو کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ راہ گیروں کی بھیڑ میں سے عام انداز میں گزرتے ہوئے میری نظریں ہر طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کافی دور تک نکل جانے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میری وہ کوشش بے سود تھی۔ اول خان کا یہ اندیشہ درست تھا کہ اگر وہ کہیں موجود بھی تھا تو مجھے پہچانتے ہی کسی گوشے میں چھپ جاتا۔

واپسی میں دکان کے آگے سے گزر کر دوسری سمت میں جانے کا ارادہ میں نے ترک کر دیا۔

میں دکان میں داخل ہو کر کیبن میں پہنچا تو چائے کی ٹرے میز پر موجود تھی اور اول خان میرے موبائل فون سے کھیل رہا تھا۔

"موبائل فون پر تمہارے لیے کال آئی تھی۔ پانچ گھنٹیوں کے بعد فون بند ہو گیا۔ میں نے کال وصول کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا۔"

میں نے فون اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھا تو ڈسپلے اسکرین پر آنے والی کال کا اجنبی نمبر موجود تھا۔ وہ کسی موبائل فون کا نہیں، عام فون کا نمبر تھا۔

یہ بہت بڑی سہولت ہے کہ موبائل فون پر گھنٹی بجتے ہی یہ پتا چل جاتا تھا کہ کس نمبر سے فون آرہا ہے۔ اس وقت تک عام فون پر سی ایل آئی کی سہولت میسر نہیں تھی۔ نمبر کا سراغ لگانے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا کہ ایکس چینج میں اپنے فون پر چند گھنٹوں یا چند دنوں کے لیے آبزرویشن لگوا لیا جائے۔ اول خان نے آئی مین کو فون نمبر کا سراغ لگانے کے لیے وہی تجویز پیش کی تھی جس پر عمل کرنا ممکن نہیں تھا۔

آئی مین کے فون پر سی ایل ڈی لگی ہوئی تھی۔ اس کی موجودگی میں آبزرویشن کا کامیاب ہونا ناممکن تھا۔ میرے ذہن میں خیال آیا کہ آئی مین گولڈن فارمیسی کے پتے اور فون نمبر سے از خود واقف ہو چکا تھا۔ اگر میں اسے ہمہ وقتی رابطے کے لیے اپنا موبائل فون نمبر دے دیتا تو شاید وہ آسانی سے گھیرا جا سکتا تھا۔ وہ جوں ہی موبائل فون پر رابطہ کرتا، اس کا فون نمبر میرے علم میں آجاتا، اس کی مدد سے آئی مین کی کمین گاہ تک پہنچا جا سکتا تھا۔

میرا خیال تھا کہ موبائل فون کے جدید ترین مواصلاتی نظام میں کسی تیسرے سرکٹ کے بغیر نمبر بتانے کا کوئی ایسا خود کار طریقہ موجود تھا کہ سی ایل ڈی کے ذریعے لائن بند نہ ہوتی۔ وہ خیال ذہن میں پیدا ہوتے ہی میں نے گھر کا نمبر ملا لیا جہاں فون کے ساتھ سی ایل ڈی منسلک تھی۔

آئی مین پر وہ حربہ آزمانے سے پہلے اس کا تجربہ کرنا ہر لحاظ سے بہتر تھا۔

دوسری طرف سے ویرا نے میری کال کا جواب دیا اور میری آواز سنتے ہی چہکنے لگی۔ "تم بہت فرض شناس دکان دار ثابت ہو رہے ہو۔ آج بھی وقت سے گئے ہو۔ میری مانو تو تم بھی سارے چکروں کو چھوڑ کر میڈیکل یا جنرل اسٹور کھول لو۔ ایمانداری سے خوب کماؤ گے اور وقت بھی آسانی سے گزرے گا۔"

"اپنے یہ سنہرے مشورے اپنے ہونے والے شوہر کے لیے محفوظ رکھو اور میری بات غور سے سنو....."

ویرا نے تنک کر میری بات کاٹ دی "یہ کیا بیہودگی ہے۔ ابھی ابھی غزالہ مجھے شادی کے فائدوں پر لیکچر دے رہی تھی۔ اب تم وہی بولی بول رہے ہو۔"

"سمجھ دار لوگ ہمیشہ یکساں اور سود مند مشورے دیتے ہیں۔"

"دیتے ہوں گے مگر میں ایسی کوئی بات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"میں فون بند کر رہا ہوں۔ ذرا تم سی ایل ڈی آن کر کے میرے موبائل کا نمبر ملاؤ۔"

"سی ایل ڈی اس وقت بھی آن ہے۔ تم اس وقت کہاں سے بول رہے ہو؟"

"دکان میں ہی ہوں۔" میں نے خود پر ضبط کر کے اسے ٹیڑھا جواب دینے سے گریز کیا۔ "اور ایک تجربہ کرنا چاہ رہا ہوں۔"

"جب تک تجربے کے بارے میں نہیں بتاؤ گے، میں فون نہیں کروں گی۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا۔ مجھے فون کرو۔" میں نے غرا کر فون بند کر دیا۔

اول خان کڑک اور خوشبودار چائے تیار کر چکا تھا۔ میں نے پیالی سے پہلا گھونٹ لیا تو مجھے یقین تھا کہ کسی بھی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھے گی۔ ہم دھیرے دھیرے چائے پیتے رہے۔ وقت گزرتا رہا لیکن میرے موبائل فون کی گھنٹی نہیں بجی۔

"ویرا کے دماغ پر کبھی کبھی بے مقصد ضد سوار ہو جاتی ہے۔ وہ فون نہیں کرے گی۔ تم کسی اور سے کہو۔" خاصی دیر کی خاموشی کے بعد اول خان بولنے پر مجبور ہو گیا۔

مجھے ویرا پر پہلے ہی تاؤ آرہا تھا۔ اول خان کے تبصرے نے ان انگاروں کو دہکا دیا۔ میں نے خالی پیالی رکھ کر فون کے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بٹن دبانے سے پہلے اسکرین پر اپنے گھر کا نمبر دیکھ لیا تھا۔

"میں مسلسل کوشش کر رہی تھی۔" میرے کان میں ویرا کی اکتائی ہوئی آواز آئی "سی ایل ڈی آن کر کے تمہارا نمبر نہیں ملا۔ آخری ہندسہ ڈائل کرتے ہی سی ایل ڈی کا بزر بولنے لگتا ہے اور لائن ملنے سے پہلے کٹ جاتی ہے اور انگیج

ٹون سنائی دینے لگتی ہے۔"
"پھر اب کیسے مل گئی؟" میں نے غصے کی رو میں پوچھا۔
"مجھے معلوم تھا کہ تم فون کے انتظار میں کھول رہے ہوگے۔ مجبور ہو کر میں نے سی ایس ڈی آف کر کے تمہارا نمبر ملایا ہے۔"
میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ ویرا ضدی اور ہٹ دھرم ضرور تھی مگر وقت اور موقع کی نزاکت کو پوری طرح سمجھتی تھی۔
"تمہارے اس تجربے سے میرا خدشہ درست ثابت ہوا ہے۔" میں نے اس کا تجسس دور کرنے کی نیت سے کہا "سی ایس ڈی ہر طرح فول پروف ہے۔ اسے استعمال کر کے آدمی اپنا نمبر پوری طرح محفوظ رکھ سکتا ہے۔"
"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، تم کو پہلے سے معلوم تھی۔"
"تم نے ابھی تک موبائل فون باقاعدگی سے استعمال نہیں کیا اس لیے تمہیں یہ باریکی نہیں معلوم ہوسکی۔ سی ایس ڈی آن کر کے کسی سے موبائل فون پر رابطہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس پر فون کرنے والے کا نمبر آجاتا ہے۔ چاہو تو بات کرو ورنہ گھنٹی بجنے دو۔"
"لیکن تمہیں اس تجربے اور تصدیق کی ضرورت کیوں پڑ گئی؟" ویرا کی آواز میں حیرت تھی۔
"مجبوری ہے کیونکہ آئی مین سی ایس ڈی استعمال کر رہا ہے۔" میں نے مایوسی سے جواب دیا۔
ویرا میرے جواب پر شاید چونک پڑی "تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔"
"اس نے خود بتایا تھا۔" میں نے دانستہ اختصار سے کام لیتے ہوئے کہا۔
"خود بتایا تھا!" ویرا کی تحیر زدہ آواز ابھری "کیا وہ کالا دوبارہ تمہاری طرف آیا تھا۔"
"کالا آئی مین کا ہرکارہ ہے۔ وہ خود پردے میں چھپا ہوا ہے۔ اس وقت میرے کان نہ کھاؤ۔ گھر آؤں گا تو سب بتادوں گا۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔
"میں اتنی دیر سے خاموش تھا مگر تمہارے تماشے دیکھ رہا تھا۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا "شاید تم آئی مین کو اپنا موبائل نمبر دینا چاہ رہے تھے۔"
"اب اس کا کوئی فائدہ نہیں، تجربہ ہر کامیابی کی نفی کر رہا ہے۔" مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے محض اپنے مشاہدے سے پوری بات سمجھ لی تھی۔
"سی آئی اے اور را والے اس وقت غیر معمولی طور پر خاموش ہیں۔" اول خان نے قدرے خاموشی کے بعد کہا "بھاری جانی اور جسمانی نقصان سے وہ پریشان ہوگئے ہیں۔ ان کے زیر زمین چلے جانے اور آئی مین کے ضرورت سے زیادہ فعال ہونے سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ انہوں نے اس وقت اپنی تمام سرگرمیوں کو پسِ پشت ڈال کر تمہاری ذات کو اپنا ہدف بنالیا ہے۔ آئی مین نے یکایک اپنی پوری توجہ تم پر مرکوز کردی ہے۔"
"یہ ان کی حکمتِ عملی ہوسکتی ہے۔ ہمارے سارے اہداف بدستور برقرار ہیں۔"
"دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گیا ہو تو تم کسے اپنا ہدف بناؤ گے۔" اس نے پوچھا۔
"یہ نہ سوچو کہ اس وقت ہمارا مقابلہ صرف آئی مین سے ہے۔ راجا پولیس کی کڑی بازپرس سے گزر رہا ہوگا۔ چوپڑا براہِ راست آئی بی والوں کی تحویل میں ہے۔ ونود کراچی آچکا ہے۔ جلال کے آدمی اس کے خلاف بھی کوئی نہ کوئی منصوبہ بنا رہے ہوں گے۔"
"میں اپنی اور تمہاری بات کر رہا تھا۔" اس نے اپنی بات کی وضاحت پیش کی "جو لوگ ہمارے ہاتھوں سے نکل کر پولیس اور آئی بی کی تحویل میں چلے گئے ان پر قانون لاگو ہوگا۔ اب وہ ہماری دسترس سے باہر ہیں۔"
"ابھی صرف ابتدائی خبریں آئی ہیں۔ ان کے اعترافات بہت سے راز کھول دیں گے۔ یہ بھی نہ بھولو کہ آج کل امریکی سفارت کاروں کی کڑی نگرانی ہو رہی ہے۔ اپنی حفاظت کے لیے انہوں نے امریکی کمانڈوز تعینات کیے ہوئے ہیں۔ ان گورے کمانڈوز کو دہشت گردی سے کون بچائے گا۔"
اول خان ہنس پڑا اور میری بتائی ہوئی صورت احوال سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا "جلال نے رات کو ہی بتایا تھا کہ امریکی اس وقت اپنے سایوں تک سے ڈرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی مدد کے لیے حکومت پاکستان سے رجوع کیا ہے اور یوں رضاکارانہ طور پر ہماری کڑی نگرانی میں آگئے ہیں۔"
"ہم پولیس، آئی بی اور دوسری سرکاری ایجنسیوں سے الگ نہیں ہیں۔ سب مل جل کر ایک ہی مقصد کے لیے کام کرتے ہیں۔ ہمارا کام دہشت گردی نہیں ہے۔ ہم اس کے انسداد کے لیے کام کرتے ہیں۔ ہمارے دشمن اگر مخبری اور جاسوسی کے کاموں تک محدود رہیں تو شاید کبھی خون ریزی کی نوبت نہ آئے۔ امریکا اور برطانیہ کے جاسوس ایک دوسرے کے ملکوں میں پیشہ ورانہ فرائض انجام دیتے ہیں۔ ایک مدت

گزر گئی لیکن ان کے درمیان کوئی تنازع کھڑا ہوا نہ مار دھاڑ کی نوبت آئی۔"

"امریکا اور برطانیہ جو کچھ کرتے ہیں، صرف اپنی سلامتی اور تحفظ کے لیے کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ملکوں میں دخل انداز نہیں ہوتے۔ یہاں سارا چکر یہ ہے کہ ہمارے دشمن ہمیں برباد کردینا چاہتے ہیں۔ یہاں سازشیں کررہے ہیں۔ سرکشی اور فتنوں کی پشت پناہی کررہے ہیں، منشیات فروشی کررہے ہیں، غیر قانونی طور پر مہلک ہتھیار لارہے ہیں۔" اول خان نے میری بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "ان کی حرکتوں سے کوئی بے ضمیر پاکستانی ہی چشم پوشی کرسکتا ہے۔"

اپنی بات پوری کرکے اول خان اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں کسی پروگرام کے بغیر ادھر آگیا تھا۔ اب چلتا ہوں۔"

"رات کو گھر آؤ گے؟" میں نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وعدہ نہیں کرتا۔ موقع ملا تو ضرور آؤں گا۔" وہ مجھ سے کیبن ہی سے رخصت ہوگیا۔ اسے چھوڑنے کے لیے میرا باہر تک آنا احتیاط کے منافی تھا۔

اول خان کو روانہ کرنے کے بعد وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ دوپہر کو بھوک محسوس ہوئی تو میں نے منیر سے مشورہ کرکے ایک قریبی ہوٹل سے لذیذ کھانا کھایا اور شکم سیر ہونے کے بعد کیبن ہی میں پڑے ہوئے دیوان پر دراز ہوگیا۔

میری آنکھوں میں دور دور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔ ذہن میں خیالات، امیدوں اور وسوسوں کی آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ میں آنکھیں موندے ہوئے تھا کہ کیبن کے دروازے پر ہلکی سی آہٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔

میں نے دیکھا کہ مجھے سوتا ہوا سمجھ کر منیر دروازے سے واپس جارہا تھا، میں نے آواز دے کر اسے بلایا۔

وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر آگیا اور جھجکتے ہوئے بولا "صاحب! آپ آرام کریں۔ میں ایسے ہی آگیا تھا۔"

مجھے اندازہ تھا کہ وہ مندے کا وقت تھا۔ دکان داری صبح اور شام کو چلتی تھی جب اسپتال اور مطب آباد ہوتے تھے۔ دوپہر میں بس اِکّا دُکّا گاہک آتے تھے جن کو نمٹانے کے لیے ایک آدمی بھی کافی تھا۔ شاید منیر اسی فرصت سے فائدہ اٹھا کر کچھ باتیں کرنے کے لیے میرے پاس آیا تھا لیکن غلط فہمی کی وجہ سے واپس لوٹ رہا تھا۔

"میں آرام نہیں کررہا۔ لیٹا ہوا کچھ سوچ رہا ہوں۔" میں نے نرم لہجے میں اس کی حوصلہ افزائی کی "کیا تم مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہے تھے؟"

"نن ... نہیں، بس ایسے ہی آگیا تھا۔" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔" میں نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود بھی اسی طرف کروٹ لے لی۔

وہ اس کے مالک کی کرسی تھی۔ اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار نظر آئے لیکن جب اس نے میرے چہرے کی سختی دیکھی تو جھجکتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ کہ کیا بات ہے۔" میں نے اس کے چہرے کی اُڑی اُڑی رنگت پر غور کرتے ہوئے کہا۔

"صاحب! مجھے کچھ پتا نہیں کہ یہاں کیا ہورہا ہے۔ صاحب نے فون پر اتنا بتایا تھا کہ وہ چند دنوں تک دکان پر نہیں آئیں گے۔ ان کی جگہ آپ بیٹھیں گے۔ ہم کو آپکے ساتھ پورا تعاون کرنے کا حکم ملا تھا جو ہم کررہے ہیں۔"

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگیا تو میں نے اسے ٹوکا "تمہیں یہاں کے بارے میں کیا پتا نہیں؟"

اس نے مجھ سے نظریں چراتے ہوئے جواب دینے کے بجائے سوال کیا "صاحب! آپ کو ہم دونوں سے کوئی شکایت تو نہیں ہے نا؟"

"اب تک نہیں تھی لیکن اس وقت تم جیسی الجھی الجھی باتیں کررہے ہو اس کے بعد شکایت ضرور پیدا ہوجائے گی۔" میں نے تادیبی لہجے میں کہا۔

"تھوڑی دیر پہلے میں کھانا کھانے کے لیے باہر گیا تھا تو ایک چمکتی ہوئی گاڑی میں بیٹھی ہوئی عورت نے مجھے بلا کر پوچھ گچھ کی تھی اور یہ روپے دیے تھے!" اس نے اپنی جیب سے ہزار روپے کے دو نوٹ نکال کر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے میری طرف بڑھا دیے۔

میں اچھل کر دیوان پر سیدھا ہوکر بیٹھ گیا "وہ عورت تم سے کیا پوچھ رہی تھی۔" میں نے نوٹوں پر دھیان دیے بغیر بے چینی سے پوچھا۔

"میں بے قصور ہوں۔" وہ رو دینے والی آواز میں بولا "اس کے جانے کے بعد مجھے خیال آیا کہ اس نے مجھے رشوت دی تھی۔ وہ پوچھ رہی تھی کہ تمہارے صاحب اپنے گھر کب واپس جاتے ہیں۔"

میرا دورانِ خون یک بہ یک تیز ہوگیا اور دل کی دھڑکنیں اپنی کنپٹیوں میں سنائی دینے لگیں۔ اس کے رک رک کر بولنے سے میں خلجان میں مبتلا ہورہا تھا۔ میں نے دانت پیس کر نیم ہذیانی انداز میں اسے ڈانٹا "تمہاری زبان

کیوں اینٹھ رہی ہے۔ جلدی پوری بات بتاؤ۔"

میں منیر کا مزاج آشنا نہیں تھا۔ اضطرار کے عالم میں' میں نے اسے بری طرح جھاڑ دیا تھا مگر اسی لمحے یہ خوف میری رگوں میں تیر گیا کہ کہیں وہ میری برہمی سے خوف زدہ ہو کر جھوٹ بولنا نہ شروع کر دے۔ میں نے کسی توقف کے بغیر' اپنی سخت کلامی کا مداوا کرتے ہوئے' اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "تم کو بلاوجہ ڈرنے یا جھجکنے کی ضرورت نہیں۔ جو ہونا تھا' وہ ہو گیا۔ اب مجھے ایک سانس میں پوری بات بتا ڈالو۔"

"اس کے سوال پر میں چکرا گیا کہ وہ کس کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ آپ کے یا جہانگیر صاحب کے بارے میں۔ بب.... بات یہ ہے کہ میرے صاحب کے پاس کئی عورتیں آتی رہتی ہیں جن کو کیبن میں بٹھا کر وہ باتیں کرتے ہیں اور انہیں پیسے بھی دیتے ہیں مگر کار والی عورت ان میں سے نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ وہ آپ کی ملنے والی ہوگی۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ صاحب کا اپنی گھر والی سے جھگڑا ہے وہ دیر سے گھر جاتے ہیں۔" نیچی آواز میں وہ روداد سناتے ہوئے اس نے میرے آگے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور گھگیاتے ہوئے بولا "صاحب! اس میں میری بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ بس جو دماغ میں آیا' بول دیا۔ میں اس جھوٹ پر آپ سے معافی چاہتا ہوں۔"

اس کا جواب سن کر میری جان میں جان آئی کہ اس عورت کی چلائی ہوئی گولی میرے کان پر سے نکل گئی تھی۔ منیر پورے پس منظر سے واقف نہیں تھا۔ اگر وہ عورت کو جہانگیر کی دوست سمجھ کر اس سے یہ کہہ دیتا کہ اس کا صاحب ان دنوں گھر پر آرام کر رہا ہے' اس کی جگہ اس کا دوست دکان کی دیکھ بھال کر رہا ہے تو میرے لیے اسی لمحے تباہی کا آغاز ہو سکتا تھا۔ وہ اجنبی عورت یقینی طور پر میرے دشمنوں سے تعلق رکھتی تھی اور میرے بارے میں گہری چھان بین کا ارادہ لے کر آئی تھی۔ اسے اچھی طرح معلوم ہوگا کہ گولڈن فارمیسی میں دو ملازم کام کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کے نظر آتے ہی اس نے اپنا داؤ چل دیا۔

یہ منیر کی زبردست ہوش مندی تھی کہ اس نے اجنبی عورت کو مجھ سے منسوب کر کے ایک من گھڑت جواب دے دیا اور بات بگڑنے سے بال بال بچ گئی۔ وہ اس عورت کو صحیح جواب دے کر میری دکان میں موجودگی کا راز فاش کر دیتا تو اس کا کوئی قصور نہ ہوتا۔ دونوں ملازمین کو بریفنگ کرتے ہوئے میرے یا جہانگیر کے ذہن میں کسی بعید ترین گوشے میں بھی یہ شبہ موجود نہیں تھا کہ دکان کی حدود سے باہر کوئی اجنبی کسی ملازم سے پوچھ گچھ کر سکتا ہے۔

میں گولڈن فارمیسی میں اپنا کھیل پوری رازداری کے ساتھ چلا رہا تھا۔ ملازمین کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی کہ میں وہاں ڈینی کے بجائے جہانگیر بنا ہوا تھا۔ وہ مالک کے لیے آنے والی فون کالز مجھے ضرور دے رہے تھے کیونکہ چند روز کے لیے جہانگیر نے مجھے اپنی دکان کا مالک بنایا ہوا تھا۔ اس سے آگے وہ بے خبر تھے۔

میرے ذہن میں اس کار سوار عورت کے بارے میں بیک وقت متعدد سوالات ابھرنے لگے۔

وہ بعد کی باتیں تھیں۔ اس وقت سب سے زیادہ اہمیت منیر کے مکمل انٹرویو کی تھی۔ میں نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کر کے کہا "تم کس بات سے اس قدر خوف زدہ ہو اور معافی مانگ رہے ہو؟"

"میں آپ کی گھر والی کو نہیں جانتا مگر میں نے اس کے بارے میں جھوٹ بول دیا۔ میرے دماغ میں یہ بات گھسی ہوئی تھی کہ کسی خطرے یا گڑبڑ کی وجہ سے جہانگیر صاحب نے اپنے گھر بیٹھ کر آپ کو اپنی دکان پر بھیجنا شروع کیا ہے اس لیے مجھے کسی نئے مرد یا عورت کو اصل بات نہیں بتانی چاہیے۔ میرے دل میں خوف تھا کہ آپ میری بات سن کر ناراض ہو جائیں گے اور میں مفت میں نوکری سے نکالا جاؤں گا۔"

"تمہارا جواب بہت موزوں تھا۔" میں نے اس کی پشت پر تھپکی دے کر کہا "کیا اس نے اتنی سی بات پر تمہیں دو ہزار روپے دے دیے؟"

"ہاں صاحب' وہ عجیب پاگل یا مشکوک سی عورت تھی۔ بہت امیر معلوم ہو رہی تھی۔ چپکے سے نوٹ مجھے تھماتے ہوئے اس نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں کل دو بجے اسی جگہ اس کا انتظار کروں۔ شاید اس نے سوچا ہوگا کہ میں پیسوں کے لالچ میں کل اس سے ملوں گا مگر میں ایسے پیسوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میرا اس نوکری میں گزارہ ہو رہا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے ہزار روپے کے دو نوٹ میرے آگے ڈال دیے۔

"رکھ لو۔ یہ میری طرف سے تمہارا انعام ہے۔" میں نے نوٹ اٹھا کر اسے لوٹا دیے۔ "تم اس عورت کو دوبارہ دیکھو تو پہچان لو گے؟"

"ہاں۔ وہ بہت بنی سنوری اور خوب صورت عورت تھی۔ اس نے مردوں کی طرح قمیص پتلون پہنی ہوئی تھی۔ چہرے سے بہت چالاک لگ رہی تھی۔" منیر نے کسی مزاحمت

کے بغیر میرے ہاتھ سے دو ہزار روپے لے کر اپنی جیب میں ڈال لیے۔

"اس کی گاڑی کون چلا رہا تھا؟" میں نے اپنی نرم جرح جاری رکھی۔

"وہ خود ہی چلا رہی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ کوئی خراب عورت ہے جو آپ کے چکر میں ہے۔"

"وہ میرے نہیں، جہانگیر کے چکر میں ہوگی۔ تمہارا صاحب عورتوں کا رسیا ہے۔ میں ان سے دور رہتا ہوں۔"

"جی! ہو سکتا ہے۔" اس نے سر جھکا کر دھیمی آواز میں کہا۔

"تم بتا رہے تھے کہ جہانگیر یہاں بھی عورتوں کو بلاتا رہتا ہے۔" میں نے اس سے پوچھا۔

اس کے چہرے پر خوف کا ایک سایہ آکر گزر گیا اور اس کی پھٹی پھٹی نظریں میری طرف اٹھ گئیں "میں نے جان بوجھ کر آپ سے کوئی شکایت نہیں کی۔ بس یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ کاروالی یہاں آنے والیوں میں سے نہیں تھی۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات بتادی۔ جہانگیر کی ملنے والیوں میں سے کوئی دکان پر آجائے تو اسے کاؤنٹر سے ہی ٹال دینا۔ میں اس کی کسی دوست سے ملنا پسند نہیں کروں گا۔ ایسی کسی عورت کے ذریعے یہ بات پھیل سکتی ہے کہ جہانگیر کے بجائے اس کا کوئی دوست یا رشتے دار دکان چلا رہا ہے۔"

"اوہ!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "تو کیا یہ بات بھی چھپانی ہے کہ آپ کون ہیں؟"

"بالکل۔" میں نے زور دے کر کہا "اپنے ساتھی کو بھی یہ سمجھا دینا۔ کسی کو یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ جہانگیر دکان سے غائب ہے۔"

"یع... یعنی آپ جہانگیر صاحب ہیں؟" اس نے حیرت سے منہ پھاڑ کر سوال کیا۔

"ہاں۔ اس وقت یہی صورت ہے۔ بات بگڑی تو میرے ساتھ تمہاری بھی شامت آسکتی ہے۔" میں محسوس کر رہا تھا کہ اس ڈرامے کے بارے میں دونوں ملازمین کو اعتماد میں لینا بہت ضروری ہو گیا تھا۔ بے خبری میں وہ کسی بھی وقت گڑبڑ کر سکتے تھے جسے سنبھالنا دشوار ہو جاتا۔"

"لیکن صاحب، پاس پڑوس کے دکان دار تو جہانگیر صاحب کو پہچانتے ہیں۔"

"اجنبیوں کے لیے میں جہانگیر ہوں۔" میں نے اس کے شانے پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا "پڑوسیوں سے تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ان میں سے کوئی پوچھے تو کہہ دینا کہ تمہارے مالک نے عارضی منیجر رکھا ہوا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ دوسروں کی نگاہوں سے دور رہ کر اپنا زیادہ وقت کیبن میں گزاروں۔"

"اب میں ساری بات سمجھ گیا۔ میں قمر کو بھی سمجھا دوں گا کہ وہ کہیں بے وقوفی نہ کرے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔

اسی دوران میں، میں مسلسل یہ سوچتا رہا کہ اس پراسرار عورت کی شناخت کے بارے میں منیر سے کیا کچھ کریدا جاسکتا تھا۔ اس عورت کے چہرے مہرے اور حلیے کے بارے میں وہ جو کچھ بھی بتاتا، وہ شہر کی ہزاروں عورتوں پر صاد آسکتا تھا۔ لے دے کر صرف گاڑی کا نمبر رہ جاتا تھا جس کے سہارے اس عورت کا کوئی سراغ لگایا جاسکتا تھا مجھے اندیشہ تھا کہ منیر بدحواسی کے عالم میں گاڑی کا نمبر دیکھنا بھول گیا ہوگا۔ اسی خوف کے تحت میں وہ سوال پوچھنے سے گریز کر کے اس عورت کی شناخت کے دوسرے ذرائع کے بارے میں غور کرتا رہا مگر ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آرہی تھی۔

"تم نے اس عورت کی کار کا نمبر تو دیکھ لیا ہوگا۔" میں نے ڈرتے ڈرتے وہ سوال پوچھ ہی لیا۔

"میں اپنے ہاتھ میں اچانک دو ہزار کی بھاری رقم دیکھ کر بھونچکا رہ گیا تھا۔" اس نے اپنی تمہید سے میرا آدھا خون خشک کر دیا اور اپنی بات جاری رکھی "اس کی گاڑی آگے بڑھ جانے کے بعد مجھے ہوش آیا اور میں نے بروقت گاڑی کا نمبر دیکھ لیا ورنہ وہ ٹریفک کی بھیڑ میں گم ہو جاتی۔"

خوشی سے میرا دل بلیوں اچھل پڑا۔ میں نے اس کا بتایا ہوا نمبر فوراً پیڈ پر نوٹ کر لیا۔

"تم بہت ذہین اور سمجھ دار آدمی ہو۔" میں نے اس کی جائز تعریف کرنا ضروری سمجھا "تم نے کہیں کوئی غلطی نہیں کی بلکہ اس عورت کی گاڑی کا نمبر نوٹ کر کے ایک کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہ دو ہزار روپے صرف تمہارے ہیں۔ یہ واقعہ قمر کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اسے تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔" اس نے منہ لٹکا کر کہا "میں آپ کی ناراضی سے ڈرا ہوا تھا۔ دماغ سن ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے اپنی الجھن اسے بتائی تو اسی نے مشورہ دیا کہ میں نے آپ کو اندھیرے میں رکھا تو میں نمک حرامی کروں گا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔ وہ مجھے حوصلہ نہ دیتا تو شاید میں اس وقت بھی آپ کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کرپاتا۔ وہ بھروسے کا آدمی ہے۔ کسی کو کچھ نہیں بتائے گا۔"

میں نے اپنی جیب سے پانچ پانچ سو روپے کے دو نوٹ

نکالے اور اس کی طرف بڑھا دیے "یہ اسے دے دینا۔ وہ سمجھے گا کہ یہ دو ہزار میں اس کا حصہ ہے۔"

"نہیں صاحب!" وہ زور سے اپنی گردن ہلا کر بولا "اس کی ضرورت نہیں۔ ہم دونوں کے لیے ہزار ہزار بھی بہت ہیں۔"

وہ قمر کو پہلے ہی اعتماد میں لے چکا تھا تو امکان یہ تھا کہ قمر کے کان کیبن سے لگے ہوئے ہوں گے۔ جہانگیر نے اپنی نجی مصروفیات کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس مختصر کیبن کو ہر اعتبار سے محفوظ بنانے کی پوری کوشش کی تھی لیکن شیشے کی پتلی دیواروں کے لیے آوازوں کو مکمل طور پر روکنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے تاریک شیشے میں سے دیکھا کہ وہ کاؤنٹر کے آخری سرے کے پیچھے اسٹول پر سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے وہ نوٹ منیر کی جیب میں اڑسے اور اسے واپسی کا حکم دے دیا۔

اس کے اٹھتے ہی میرا ذہن آئی مین کی سیکریٹری کی طرف بھٹک گیا اور میں نے اسی لمحے منیر سے پوچھ لیا "وہ عورت پاکستانی تھی یا غیر ملکی لگ رہی تھی۔"

"اس کا رنگ گورا ضرور تھا مگر وہ پکی پاکستانی تھی۔ غیر ملکی ہوتی تو اس سے میری بات ہی نہیں ہو سکتی تھی۔" اس نے رک کر جواب دیا "میری تعلیم واجبی سی ہے۔ ساری انگریزی دواؤں کے نام پر ختم ہو جاتی ہے۔"

"بہت سے غیر ملکی بھی روانی سے اردو بول لیتے ہیں۔" اسے یہ بات یاد دلاتے ہوئے میرے ذہن میں ویرا کا پُر فریب پیکر ابھر آیا۔

"نہیں صاحب' اس کا ناک نقشہ اور بول چال ہماری عورتوں جیسی تھی۔ میں اس بارے میں دھوکا نہیں کھا سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم جا کر باہر بیٹھو۔" میں نے اسے رخصت کر دیا۔

میں نے شیشے کے عقب سے دیکھا کہ وہ میرے پاس سے سیدھا قمر کے پاس گیا اور سر جوڑ کر اسے کچھ بتانے میں مصروف ہو گیا۔

میرے حساب سے وہ ایک کامیاب دن تھا۔ میری پہلی کوشش میں آئی مین' ماجد یمنی پر بھروسا کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے بھڑکنے اور تیزی سے ٹھکانے بدلنے کا بنیادی سبب یہ تھا کہ اس وقت رابطہ قائم کرنے میں پہل میری جانب سے ہوئی تھی مگر اس روز آئی مین نے جہانگیر پر ڈورے ڈالنے کے لیے فون کیا تھا جس کے نتیجے میں میرے اور اس کے پر پیچ مذاکرات ہوئے تھے۔ اس گفتگو کے نتیجے میں میری کئی غلط فہمیاں رفع ہو چکی تھیں۔

منیر کے ذریعے سامنے آنے والی پراسرار عورت کے کردار کی دریافت بھی کم اہم نہیں تھی۔ ابتدا میں ہمارے لیے آئی مین صرف ایک نام تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کے دو مہرے ہماری نظروں میں آ گئے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ نیگرو اور خوب رو عورت کے پتے ٹھکانے کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا۔

منیر کو رخصت کرنے کے بعد میرے دل پر اضطراب طاری ہونے لگا کہ میں جہانگیر کے کیبن کے قفس سے نکل کر اپنے گھر کی آزاد فضا میں پہنچوں اور اپنا کام آگے بڑھانے کی کوششیں شروع کر دوں مگر آئی مین کی طرف سے کسی فون کال کے انتظار میں میرا دکان میں موجود رہنا ضروری تھا۔

کچھ دیر کے غور و فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ آئی مین کے پیغام کے انتظار میں میرا وہاں رکنا قطعی ضروری نہیں تھا۔ اس نے اپنا فیصلہ سنانے کے لیے چوبیس گھنٹوں کی مدت مقرر کی تھی جس میں آنے والی رات بھی شامل تھی۔ یہ تصور ہی احمقانہ تھا کہ فون کے انتظار میں رات بھر دکان کھلی رکھی جاتی۔ اس نے ایک ذمے داری اپنے سر لی تھی تو یہ اس کا فرض تھا کہ ایسے وقت فون کرے جب میں دکان میں موجود ہوں۔

کسی بھی مضبوط عذر کے ساتھ میں اسی وقت دکان سے رخصت ہو سکتا تھا۔

میں نے اپنا مختصر سا سامان سمیٹا اور باہر آ کر ان دونوں کو بتایا کہ میرے لیے کوئی بھی فون آئے تو یہ کہہ دیا جائے کہ میں دواؤں کی خریداری کے لیے مارکیٹ کی طرف گیا ہوا تھا جہاں سے واپسی میں مجھے تاخیر بھی ہو سکتی تھی۔

دکان کھولنا اور بند کرنا ان دونوں کے معمولات میں شامل تھا اس لیے مجھے چابیوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔ انہیں ہدایت دینے کے بعد میں تیزی سے دکان سے باہر نکلا اور فٹ پاتھ پر رواں بھیڑ میں شامل ہو کر اس گلی کی طرف چل دیا جہاں میں نے گاڑی پارک کی ہوئی تھی۔

لی مارکیٹ سے گلشن اقبال تک کا فاصلہ خاصا طویل ہے۔ میں طویل اور بھیڑ بھاڑ والے راستوں سے بچتا ہوا گھر کے قریب پہنچا تو اول خان اور جلال کی گاڑیاں گھر کے سامنے کھڑی دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

میرے دل میں پہلا خیال یہ آیا کہ گھر پر کوئی واردات ہو گئی تھی جس کے بعد وہ دونوں وہاں پہنچے تھے۔ یہ ایک غیر

معمولی بات تھی کہ وہ ہمارے گھر پر موجود تھے اور ان میں سے کسی نے مجھ سے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں گاڑی باہر ہی بند کر کے اترا تو پھاٹک والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ میں اندر داخل ہوا تو غزالہ انجن کی آواز پہچان کر گھر کا دروازہ کھولے میری منتظر تھی۔ یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ اس کے چہرے پر دور دور تک ملال یا افسردگی کا شائبہ نہیں تھا۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی اس کے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ تیر گئی۔

"خیریت تو ہے۔ یہ دونوں کیسے آئے ہیں؟" میں نے خلوت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے لبوں کی شیرینی چرا کر سرگوشی میں پوچھا۔

"خود آکر دیکھ لیں۔ وہ آپ کے منتظر ہیں۔" اس نے لجا کر دھیرے سے کہا۔

ڈرائنگ روم سے ان لوگوں کے ہنسنے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں راہداری طے کر کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو جلال نے اٹھ کر نہایت تپاک سے میرا خیر مقدم کیا۔ اول خان سے میں کچھ دیر پہلے دکان پر مل چکا تھا۔ ویرا منہ پھلائے اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

"خیریت تو ہے۔ آج یہ اہم اجتماع سیارگان کیسا ہے؟" میں نے ایک الگ صوفے پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری دوائیں کہاں ہیں۔" جلال نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"دوائیں!" میں نے حیرت سے دہرایا "کیسی دوائیں؟"

"سننے میں آیا ہے کہ تم دواؤں کی خریداری کے لیے نکلے ہوئے تھے۔" جلال نے بات جاری رکھی۔

مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اسے وہ اطلاع فاریمی سے ملی ہوگی، میں نے پوچھا "تم نے دکان پر فون کیا تھا۔"

"ظاہر ہے۔" ویرا خشک لہجے میں بول پڑی "تمہاری مصروفیات کے بارے میں کسی کو الہام تو نہیں ہو سکتا تھا۔"

"میں الجھن میں پڑ گیا تھا کہ تمہارا انتظار کروں یا واپس لوٹ جاؤں۔ اول خان کے آجانے کے بعد میں نے کچھ دیر تک انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ فاریمی کے لیے خریداری کرنے کے لیے گئے ہو گے۔ وہاں سے مجھے غلط اطلاع کیوں دی گئی؟"

"مجبوری تھی۔" میں نے شانے اچکا کر کہا "دکان پر کسی بھی وقت آئی مین کا فون آسکتا ہے۔ ملازمین کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ فون کرنے والے سے جرح کریں یا آئی مین کی آواز پہچان لیں۔ میں خود کہہ کر آیا تھا کہ وہ ہر ایک کو مارکیٹ جانے کی یکساں اطلاع دیں۔ تم نے مجھے موبائل پر فون کیوں نہیں کر لیا۔"

"بس باتیں چھڑ گئیں ورنہ جانے سے پہلے موبائل پر بات ضرور کرتا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا "یہ کہو کہ آئی مین کا دوسرا فون آنے والا تھا۔"

بے اختیار میری استفسار طلب نگاہیں اول خان کی طرف اٹھ گئیں اور اس نے اعترافی انداز میں اپنا سر سہلاتے ہوئے کہا "اس کے پہلے فون کا واقعہ بہت اہم تھا۔ میں نے ان لوگوں کو پوری تفصیل بتا دی ہے۔"

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ تمہارے پھیلائے ہوئے جال اکثر کامیاب رہتے ہیں۔" جلال نے کہا "ایمان داری کی بات یہ ہے کہ جب تم نے فاریمی پر جہانگیر کی جگہ لینے کا فیصلہ کیا تو مجھے تمہاری کسی کامیابی کی امید نہیں تھی مگر تمہارے دونوں دن بار آور رہے ہیں۔ مجھے یہ سن کر مایوسی ہوئی ہے کہ سلطان شاہ کے ہاتھوں پٹنے والا نیگرو آئی مین نہیں بلکہ اس کا کوئی قریبی کارکن ہے۔"

"مگر سلطان شاہ کہاں ہے؟" اس کا ذکر آتے ہی میں بے ساختہ چونک پڑا۔

"میں نے دھوکے سے اسے خواب آور دوا کھلا کر سلا دیا ہے۔ اس کی گردن میں شدید درد ہو رہا تھا" ویرا نے شرافت سے جواب دے کر مجھے حیران کر دیا۔ "وہ جاگتے رہنے پر مصر تھا۔ میرا خیال تھا کہ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ اب وہ اپنے کمرے میں پڑا آرام سے سو رہا ہے۔"

"تم کو دواؤں کی زیادہ شد بد نہیں ہے۔ مسکن دوائیں خطرناک ہوتی ہیں۔ تم کو یہ تجربہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"مجھے معلوم ہے کہ اب تم دوا فروش ہو گئے ہو مگر مجھے سبق پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ اتنی فاریمی میں بھی جانتی ہوں کہ ایمرجنسی میں کسی کو دوا تجویز کر سکوں۔" ویرا نے خوش دلی سے اعتراض کیا "میں سلطان شاہ کی بد خواہ نہیں ہوں۔"

"اول خان نے بتایا ہے کہ اس نے تمہیں دوبارہ شی میں شمولیت کی دعوت دی ہے۔" جلال نے پوچھا۔

"مجھے نہیں، اس نے اپنی دانست میں یہ دعوت جہانگیر کو دی ہے۔" میں نے اس کی تصحیح کی "وہ میرے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔"

"تم نے اپنی اور جہانگیر کی مخاصمت کے بارے میں اسے کوئی گندی کہانی بھی سنائی ہے۔" جلال نے مجھ سے تصدیق چاہی۔

”مجبوری تھی۔ اسے یہ باور کرانا ضروری تھا کہ ظاہری دوستی کے باوجود ہم دونوں کے درمیان خوف ناک رقابت پروان چڑھ رہی ہے۔“

”دراصل ڈینی نے خود اسے راہ دی ہے۔“ اول خان نے وضاحت کی ”اس نے منافقت سے کام لیتے ہوئے اپنی بنیادی خواہش کو ثانوی درجہ دے دیا ہے اور یوں ظاہر کیا ہے جیسے ڈینی کے خلاف جہانگیر کا ساتھ دے کر وہ اس پر احسان کرے گا۔“

”بہرحال میں تمہاری حاضر دماغی کی داد دینے پر مجبور ہوں۔ جلال نے کہا ”تم نے اس کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے زبردست وار کیا ہے۔ ایسے موذی شخص سے غیر متوقع طور پر بات کرتے ہوئے یہ سب سوچنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب وہ تمہیں اپنی سلور آئی دکھانے کے لیے کیا طریقہ اپناتا ہے۔“

”بس دعا کرتے رہو کہ میرا ذہن کام کرتا رہے اور وہ زیر ہوجائے۔ اس وقت مجھ سے اس کی دہری بلکہ تہری امیدیں وابستہ ہیں۔“

”یہ تیسری امید کہاں سے نکل آئی؟ تم نے مجھے صرف دو باتیں بتائی تھیں۔ وہ تمہیں شی کا کارندہ بنالے اور تمہاری مدد سے تمہیں یعنی جہانگیر کی مدد سے ڈینی کو ٹھکانے لگادے۔“ اول خان نے پوچھا ”تیسری بات کیا ہے۔“

”کسی مرے ہوئے فرضی آئی مین کی سلور آئی جو جہانگیر کے قبضے میں ہے۔“ میں نے کہا۔

”اوہو! یہ اس کے لیے بڑی پرکشش ترغیب ہوگی۔“ جلال نے تعریفی لہجے میں کہا ”میری معلومات کے مطابق ایک سلور آئی رکھنے والا شی کا آئی مین ہوتا ہے۔ کسی کے پاس دو سلور آئیز ہوں تو وہ سپر آئی مین بن جاتا ہے۔ دوسری سلور آئی مل جانے سے اس کے منصب میں خود بہ خود ترقی ہوجائے گی۔“

”یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ملاقات ہونے پر تم اپنی سلور آئی دکھا کر اس کی برابری کا دعویٰ کردو۔“ اول خان نے ایک انوکھی راہ تجویز کی۔

”بالکل ہوسکتا ہے۔ شی کے میثاق کے تحت وہ میرا احترام کرنے پر مجبور ہوگا۔“

”یہ امریکی پکے بدمعاش ہوتے ہیں۔“ ویرا نے میری بات کاٹ کر حقارت سے کہا ”اپنے مفاد کی بات ہو تو اعلیٰ ترین اخلاقی اور قانونی اقدار کی تبلیغ کریں گے جہاں ان کا مفاد نہ ہو، یہ ہر قانون اور میثاق کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں۔

وہ کسی چیز کا کوئی احترام نہیں کرے گا۔ تم نے ایسی کوئی حماقت کی تو وہ تمہاری گردن کاٹ کر تمہاری سلور آئی چھین لے گا تاکہ اپنے اقتدار کا خواب پورا کرسکے۔“

”میں بھی یہی کہہ رہا تھا۔“ میں نے وضاحت کی ”شی کا ضابطہ اپنی جگہ پر ہے۔ آئی مین کی نیت کچھ بھی ہوسکتی ہے۔ مجھے یہ خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں۔ میں تو آخر تک اس پر یہی ظاہر کروں گا کہ میں اس سے مرعوب ہوچکا ہوں۔“

”تم بالکل صحیح خطوط پر چل رہے ہو۔ میں تمہاری کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔“ جلال نے کہا۔

”تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ ادھر کیسے آئے ہو اور تمہاری طرف کیا خبریں ہیں۔“

”اس وقت مطلع صاف ہے۔ ہر طرف سے اچھی خبریں آرہی ہیں۔ راجا اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہے اور خود بہ خود سب کچھ اگل چکا ہے۔ اس کی نشان دہی پر پولیس نے شہر کے کئی ٹھکانوں پر ریڈ کرکے ہیروئن کی بھاری مقدار برآمد کی ہے۔ کئی اہم مہروں کے ساتھ چھوٹے موٹے منشیات فروش بھی پکڑے گئے ہیں۔ مارکیٹ میں ہیروئن کا قحط پڑنے کی صورت میں عادی ہیروئنچیوں کی حالت ابتر ہوجائے گی۔ عبدالستار ایدھی سے طے کیا گیا ہے کہ اگلے چند روز میں شہر کے سارے آوارہ ہیروئنچیوں کو ٹرکوں میں بھر کر سہراب گوٹھ پر اپنا گھر میں پہنچادیا جائے گا جہاں ماہرین ان کا علاج کریں گے۔“

”یہ آسان کام نہیں ہوگا۔“ اول خان نے تشویش سے کہا ”اس مہم کی کامیابی کے لیے خطیر فنڈز درکار ہوں گے۔ شہر میں آوارہ ہیروئنچیوں کی تعداد ہزاروں سے بھی متجاوز ہے۔ ان کے کھانے پینے کا بڑا خرچہ ہوگا۔ علاج معالجہ اس کے علاوہ ہے۔“

”حکومت نے فراخ دلی سے فنڈز فراہم کرنے کی پیش کش کی ہے جسے ایدھی نے قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔ وہ سب کچھ اپنے ذرائع اور مخیر شہریوں کی مدد سے کریں گے۔“ جلال نے بتایا ”سمجھ میں نہیں آتا کہ اس شخص کو اس قدر پیسہ کہاں سے مل جاتا ہے۔ حکومت ہر سال اپیلیں کرتی ہے۔ قانون کا ڈنڈا چلاتی ہے۔ پھر بھی کسی سال ٹیکسوں کی وصولی کا ہدف پورا نہیں ہوتا۔ ایدھی ایک فرد ہے۔ وہ جس کام کا بیڑا اٹھالیتا ہے‘ لوگ اسے پورا کرنے میں اس کی مدد کرتے ہیں۔“

”یہ نیتوں کا فرق ہے۔“ ویرا نے کہا ”ایدھی پر لوگوں کو اعتبار ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کی دی ہوئی رقوم صحیح مدوں

میں خرچ ہوں گی۔ ٹیکس کے معاملے میں لوگ بھاگتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ بیورو کریسی بیشتر رقمیں اللے تللے اڑانے میں صرف کردیتی ہے۔ ان رقوم کو بہت بے رحمی سے لوٹا اور ضائع کیا جاتا ہے۔ کوئی اپنا پیسہ برباد کرنا پسند نہیں کرتا۔ ایدھی کا کوئی حساب کتاب نہیں رہتا مگر اعتبار ہر روز توانا ہو رہا ہے اور وہ کامیاب ہے۔"

"پھر تو ایدھی صاحب کو تجرباتی طور پر وزیر خزانہ بنادینا چاہیے۔" اول خان نے ہنس کر کہا۔

"تمہارا نظام کرپٹ ہے۔" ویرا یہ کہہ کر اچانک جلال سے مخاطب ہوگئی "میں تم سے معذرت چاہتے ہوئے کہوں گی کہ ہماری بیورو کریسی چند ہفتوں میں اس مخلص اور سادہ لوح سماجی رہنما کو سربازار رسوا کردے گی۔ اس نظام میں کسی ایمان دار آدمی کے چلنے کی گنجائش نہیں ہے۔"

"ہم اپنے موضوع سے بھٹک گئے۔" میں نے گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "بات جلال کی خبروں کی ہو رہی تھی۔"

"راجا کے خلاف سنگین فرد جرم تیار کی جارہی ہے۔" سب کو خاموش پاکر جلال نے اپنی بات شروع کی "ویرا کی یہ بات بالکل غلط ہے کہ ہمارے کرپٹ نظام میں کسی ایمان دار آدمی کی گنجائش نہیں ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ہمارا نظام بہت بگڑا ہوا ہے مگر اس میں خوفِ خدا رکھنے والے نیک بندے بھی ہیں جو اس ملک کی بہتری کے لیے شب و روز انتھک محنت کررہے ہیں۔ یہ ان کی کوششوں ہی کا ثمر ہے کہ یہ ملک پیچھے جانے کے بجائے رینگ رینگ کر آگے بڑھ رہا ہے اور کسی بھی وقت ایک ایٹمی طاقت ہونے کا اعزاز حاصل کرسکتا ہے۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم بیورو کریٹ ہو۔ میری بات تمہیں ضرور بری لگے گی۔" ویرا ہنستے ہوئے بولی "میں خلوصِ دل سے اپنے بیان پر معذرت چاہتی ہوں۔ ایمان داری سے کام کرنے والے بے ایمانی کے جہنم میں بھی اپنے گلزار بنالیتے ہیں۔ شاید تمہارا ملک ان کی کوششوں سے ہی زندہ ہے۔"

"شکریہ ویرا۔" جلال نے فراخ دلی سے اس کی معذرت قبول کرلی "تم کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ چوپڑا کو نہایت قلیل مدت میں ہر اس تحفظ سے محروم کردیا گیا ہے جو اسے بھارتیوں سے ہونے والے مذاکرات کے نتیجے میں حاصل ہوا تھا۔ اب وہ اندرونِ سندھ میں عذاب سے گزر رہا ہے۔ اس کے انکشافات ہوش ربا ہیں۔"

"اس کے انکشافات کی روشنی میں ملک دشمنوں کے خلاف کارروائی بھی ہو رہی ہوگی!" ویرا نے پوچھا۔

"زبردست کریک ڈاؤن ہو رہا ہے مگر اس کی خبریں فی الحال روک لی گئی ہیں تاکہ کوئی افراتفری نہ پھیلے۔" جلال نے کہا "چوپڑا پاکستانی نژاد ہوتے ہوئے بارہ برس سے را والوں کے پے رول پر تھا۔ انہوں نے اسے مستقل طور پر کراچی میں تعینات کیا ہوا تھا۔ اس پوری مدت میں وہ بھارت سے تعینات ہوکر آنے والے کئی افسروں کے ساتھ کام کرچکا تھا۔ اس نے کئی ایسے ہندو اور مسلمان غداروں کے ناموں کا انکشاف کیا ہے کہ ہم چونک پڑے ہیں۔ ان کو ایک ایک کرکے پکڑا جارہا ہے۔"

"ایسے غدار بھارتی ایجنٹوں سے زیادہ سنگین مجرم ہیں جو ظاہری طور پر پاکستان کا دم بھرتے ہیں لیکن اندرونِ خانہ دشمنوں کے لیے کام کرتے ہیں۔" اول خان نے نفرت بھرے لہجے میں کہا "ان کو چن چن کر مار دینا چاہیے۔"

"تمہارے لیے یہ کہنا آسان ہے مگر ہم ایسا نہیں کرسکتے۔ ان سب کو قانون کے حوالے کردیا جائے گا۔" جلال نے کہا۔

"تم ہمیشہ قانون شکنی سے دامن بچاتے ہو اور ضابطوں وغیرہ کے حوالے دیتے رہتے ہو تو پھر تمہیں بیم گن کی کیا ضرورت ہے۔" ویرا نے اچانک اس سے ایک چبھتا ہوا سوال کرڈالا۔

"یہ یکایک بیم گن کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟" میں نے حیرت سے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دراصل اس وقت میں بیم گن لینے کے لیے یہاں آیا تھا۔" جلال نے وضاحت کی "غزالہ کی اجازت سے ویرا نے تمہارا پورا کمرا چھان مارا مگر اس کا کہیں سراغ نہیں مل سکا۔ اس کے لیے میں تمہارا انتظار کررہا تھا۔"

"فارسیی پر مجھے کسی بھی وقت غیر متوقع خطرات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا پڑتا ہے اس لیے میں بیم گن اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔" میں نے اپنی جیب سے بیم گن نکال کر میز پر رکھ دی اور کہا "تم کو اس کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"ونود کراچی میں ہے۔" جلال نے گمبھیر سنجیدگی سے جواب دیا "وہ سمجھ رہا ہے کہ یہاں اس کا ریکارڈ بے داغ ہے۔ وہ نیا نیا آیا ہے۔ اس لیے کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوگا۔ وہ پوری بے فکری اور بے خوفی سے کراچی کی تفریح گاہوں میں گھومتا پھر رہا ہے۔"

"اوہ.... تو تم نے اسے ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" میں نے تحیر زدہ سرگوشی میں پوچھا۔

"عبداللہ کا لہو انتقام کا طلب گار ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں ونود کو زندگی بھر معاف نہیں کروں گا۔" جلال کا لہجہ سرد ہو گیا۔

"تمہارے کڑے اصولوں کے مطابق یہ قانون سے انحراف ہوگا۔ اسے پکڑ کر عدالت کے کٹہرے میں پہنچانے کے بعد تمہارا کام ختم ہو جانا چاہیے۔" ویرا نے کہا۔

میں نے ویرا کو کڑی نظروں سے گھورا۔ میری دانست میں وہ حد سے تجاوز کر رہی تھی۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے اپنی توجہ دوسری طرف مبذول کرلی۔

جلال کہہ رہا تھا "میرے اصول اب بھی اپنی جگہ پر ہیں۔ یہ آئی بی کا نہیں، میرا ذاتی فیصلہ ہے۔ میں گوشت پوست کا بنا ہوا ایک عام انسان ہوں جس کے سینے میں دل کے ساتھ گہرے احساسات بھی دھڑکتے ہیں۔ میں عبداللہ کے خون کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اپنی ذاتی حیثیت میں ونود سے اس جرم کا بدلہ ضرور لوں گا جس کے خلاف پاکستان کی عدالتوں میں کوئی ثبوت یا گواہی پیش نہیں کی جاسکتی۔"

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس بار ویرا نے جلال کے جواب میں کوئی کڑوی کسیلی بات نہیں کہی تھی۔ اس نے نرمی سے کہا تھا "میں بھی یہی بات کہتی ہوں کہ ہم سب گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان ہیں، مشینی روبوٹ نہیں ہیں۔ ہم سب کے اپنے جذبات اور احساسات ہیں۔ تم کو اپنے جذبات پر بہت زیادہ اختیار حاصل ہے کیونکہ تمہارے ہاتھوں میں تمہاری منصبی ذمے داریوں کی ہتھکڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ ہم آزاد اور بے لگام ہیں۔ ہم مشتعل ہوتے ہیں تو جو دل میں آتا ہے، کر گزرتے ہیں۔ تم ہمیشہ خود پر قابو پا کر قانون کا سہارا لیتے ہو لیکن ظلم کی کوئی حد ہوتی ہے۔ تم دیکھ لو کہ عبداللہ کے سفاکانہ قتل نے تمہارے حساب سے وہ حد توڑ دی۔"

"تمہاری ہر بات اپنی جگہ درست ہے۔ میں منافق نہیں ہوں کہ اپنے دل کی بات اپنے خیر خواہوں سے پوشیدہ رکھوں۔ میں نے جو فیصلہ کیا ہے، اس پر عمل ضرور کروں گا۔ اس بارے میں، میں بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔" جلال نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"یہ تمہارا ذاتی فیصلہ ہے تو اس پر عمل درآمد کے لیے تم اپنی ایجنسی کے کسی فرد سے مدد نہیں لو گے۔" میں نے پوچھا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم سب میرے ڈسپلن سے باہر کے ہمدرد ہو، قانون کے بجائے اپنے ضمیر کے فیصلوں پر عمل کرتے ہو، اس لیے میں نے تمہیں اپنے عزائم سے آگاہ کر دیا ہے ورنہ میرے کسی آدمی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلے گا کہ ونود کے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

"یعنی تم عبداللہ کی شہادت کا بدلہ خود لو گے؟" اول خان نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ارادہ یہی ہے مگر ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میرے اشارے پر یہ کام کوئی اور کر گزرے۔ اس کا انحصار آخری لمحات پر پیش آنے والے واقعات اور حالات پر ہوگا۔ اس بارے میں، میں پیشگی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"میں تمہارا مددگار بلکہ دست راست بننے کے لیے تیار ہوں۔" اول خان نے پر خلوص لہجے میں پیش کش کی "میں کوئی سوال کیے بغیر تمہاری ہدایات پر عمل کروں گا اور اس کام کو جرم کے بجائے فرض سمجھ کر انجام دوں گا۔"

"میں تمہاری اس پیش کش کی دل سے قدر کرتا ہوں مگر اسے قبول کرنے سے قاصر ہوں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں اپنے فیصلے پر کوئی بحث کرنا پسند نہیں کروں گا۔ میرا خیال ہے کہ بات بڑھا کر ہم بحث کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔"

میں نے اول خان کو آنکھ سے اشارہ کیا اور اس نے خاموشی اختیار کرلی۔ میں اندازہ لگا چکا تھا کہ جلال اس وقت ہم لوگوں سے نہایت سرد اور سپاٹ لہجے میں بات کر رہا ہے لیکن عبداللہ کے ظالمانہ قتل اور اس کے متوقع انتقام کا ذکر کرتے ہوئے اس کے سینے میں جذبات کا ایک جوالا مکھی ابل رہا تھا جس پر وہ مشکل سے قابو پائے ہوئے تھا۔ ایسے نازک وقت میں اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔

"بس، اب اس بارے میں کوئی ایک لفظ بھی نہیں کہے گا۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے یقین دلایا۔

"گڈ!" اس نے سر جھکا کر سپاٹ لہجے میں کہا "اب اجازت ہو تو میں تمہاری بیم گن مستعار لے لوں۔"

میں نے جلدی سے میز پر سے گن اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دی اور کہا "دعا کرو کہ میں آئی مین کو ٹھکانے لگا کر اس کی بیم گن بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"اس نے میرے ہاتھ سے بیم گن لے کر اپنی جیب میں ڈال لی اور کہا "کام ہوتے ہی یہ تمہیں واپس مل جائے گی۔ مجھے معلوم ہے کہ آئی مین سے برابری سے مقابلہ کرنے کے لیے تمہیں کسی بھی وقت اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ اس کے ساتھ مکاری کا کھیل چل رہا ہے۔ میرا بیم گن کے بغیر بھی گزارا ہو جائے گا۔"

"آثار بتا رہے ہیں کہ تم اسے جلد ہی زیر کر لو گے۔ مجھے

اڑتی اڑتی سی غیر مصدقہ خبر ملی ہے کہ یہاں امریکی قونصل خانے میں جیک اسمتھ نامی ایک سیاہ فام امریکی کو دیکھا گیا ہے جس کے چہرے پر کئی شدید ضربات کے نشان ہیں۔ وہ آئی مین کا مددگار ہو سکتا ہے۔ میں اس کے بارے میں مزید معلومات جمع کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"آئی مین شہری کمین گاہ میں رہ رہا ہے۔ اگر اس کا ساتھی قونصل خانے میں دیکھا گیا ہے تو سی آئی اے یا ایف بی آئی کا کوئی افسر ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"جیسے ہی کوئی تازہ خبر ملی، میں تم کو آگاہ کر دوں گا۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری طرف سے اچھی خبروں کا منتظر رہوں گا۔" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور اسے رخصت کرنے کے لیے نکاس کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے پر اول خان نے میرے ساتھ مل کر اسے الوداع کہا۔ اس کے چلے جانے کے بعد اول خان نے کہا "آج جلال کے تیور اچھے نہیں تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ بالکل ٹل گیا ہے اور اب ونود کا وقت پورا ہو چکا ہے۔"

"خون ناحق سر چڑھ کر بولتا ہے۔" میں نے جواب دیا "ونود کے گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ اس کا عبرت ناک انجام اسے دہلی سے اسلام آباد کے راستے کھینچ کر کراچی لایا ہے۔ وہ بے فکری سے یہاں موج اڑا رہا ہے۔ شاید کل اس کی لاش موضوع سخن بنی ہوئی ہو گی۔"

آخری الفاظ میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہے تھے جو ویرا کے کانوں میں پڑ گئے اور وہ اول خان سے پہلے بول پڑی "وہ ہر وقت ہمیں امن اور قانون پروری کے سبق سکھاتا رہتا ہے۔ آج اسے قائل کرنے کا بہترین موقع تھا جو تم نے ضائع کرا دیا۔"

"اپنے منصب پر رہتے ہوئے اسے وہی کچھ کہنا چاہیے جو وہ کہتا رہتا ہے۔ تم یہ دیکھو کہ اس نے کبھی ہمارا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں جب تک فوج میں رہا، سختی سے ڈسپلن کی پابندی کرتا رہا۔ آج میرا فلسفہ بالکل بدلا ہوا ہے۔" اول خان نے اسے سمجھایا۔

"تم ہر بات میں اپنی مثال نہ دیا کرو۔ تم ہمیشہ عملی زندگی سے بہت قریب رہے ہو۔"

"وہ بھی عملی دنیا کا ایک زیرک آدمی ہے۔" اول خان نے کہا "اس وقت اس کا دبا دبا ردِ عمل دیکھ کر مجھے محاذ پر لڑتے ہوئے اپنے وہ جوان یاد آ رہے تھے جو دشمن کی گولا باری سے اپنے ایک ساتھی کی شہادت کے بعد دیوانہ وار جوابی کارروائی پر تل گئے تھے۔ کافی بعد میں ہمیں پتا چلا کہ اس روز کے تصادم میں میری کمپنی نے ایک جوان کے بدلے دشمن کے سات سپاہیوں اور ایک افسر کو جہنم واصل کر دیا تھا۔ آج جلال انتقام کی ایسی ہی آگ میں جھلس رہا تھا۔"

جلال کی موجودگی میں غزالہ اِدھر اُدھر مصروف رہی تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد وہ بھی ہمارے ساتھ آ بیٹھی۔ موقع پا کر اس نے پوچھا "آج آپ پھر جلدی لوٹ آئے۔۔۔"

ویرا نے جھٹ اس کی بات درمیان سے اچک لی اور کہا "ڈینی کو تمہارا چہرہ دیکھتے رہنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ دکان پر دل نہیں لگا ہو گا۔"

"یہ بات تو سامنے آ گئی کہ جلال بیم گن لینے کے لیے یہاں آیا تھا لیکن تم کو یہاں دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی ہے۔" میں نے ویرا کے بیہودہ تبصرے کو نظر انداز کر کے اول خان کو بتایا "میں یہ سوچ کر آیا تھا کہ فون کر کے تمہیں گھر بلا لوں گا۔"

"تم نے مجھے بلانے کے بارے میں سوچا اور میں یہاں پہنچ گیا۔ اسے شاید ٹیلی پیتھی کہتے ہیں۔" اول خان نے ہنس کر جواب دیا "میں ایک عجیب خبر لے کر آیا تھا۔"

"مجھے ہر وقت خبروں کا انتظار رہتا ہے۔ تم اب تک خاموش کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟"

"جلال کے دماغ پر اپنی دھن سوار تھی۔ میں نے اس کے سامنے زبان کھولنا مناسب نہیں سمجھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ آج ایک چالاک اور خوب رو عورت نے تمہاری فارمیسی کے ایک ملازم سے ملاقات کی تھی اور شاید اسے کوئی رقم بھی دی تھی۔"

اول خان کی زبان سے وہ ذکر سن کر میں حیران رہ گیا۔

"تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟"

"میرے دو آدمی وہاں موجود ہیں۔ تمہارے ساتھ انہوں نے دونوں ملازمین پر بھی نظر رکھی ہوئی ہے۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ دکان کے باہر بھی کسی نہ کسی کی موجودگی ضروری ہے۔ تم کو اس ملاقات کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔"

"جہانگیر کے دونوں ملازم وفادار ہیں۔ وہ عورت منیر نامی ملازم سے ملی تھی۔ اس نے واپس آ کر پوری بات بتانے کے ساتھ وہ دو ہزار روپے بھی میرے حوالے کر دیے جو عورت نے اسے دیے تھے۔ اس نے ہوشیاری یہ کی کہ اس کی گاڑی

کا نمبر نوٹ کرلیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ تم اس نمبر کے ذریعے اس پراسرار عورت کا کھوج لگالو گے۔"

"میں نمبر بھی چیک کرالوں گا۔ ایسے چکروں میں گاڑیوں کے نمبر عام طور پر جعلی ثابت ہوتے ہیں یا پھر گاڑی کسی اور کے نام رجسٹرڈ ہوتی ہے۔ درمیان میں کئی ہاتھوں سے گزرنے کے بعد اوپن لیٹر آف اتھارٹی پر آخری خریدار کے استعمال میں ہوتی ہے۔"

"فارمیسی پر روز کچھ نہ کچھ ہورہا ہے۔" غزالہ نے پر تشویش لہجے میں کہا "اس عورت نے رشوت دے کر منیر سے کیا پوچھا تھا۔"

"وہ بہت خطرناک وار تھا۔ منیر سے ذرا بھی چوک ہوجاتی تو وہ عورت یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوجاتی کہ جہانگیر کی جگہ کسی اور نے لی ہوئی ہے۔"

"یہ خطرہ تو اب بھی برقرار ہے۔ ملازموں کو معلوم ہونا چاہیے کہ تم بعض نامعلوم لوگوں کے لیے جہانگیر بنے ہوئے ہو۔" ویرا نے بے ساختہ کہا۔

"میں نے اب انہیں اعتماد میں لے لیا ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس عورت نے کل دو بجے دوبارہ آنے کے لیے کیوں کہا ہے۔ اس نے دو ہزار روپے دے کر شاید یہ فرض کرلیا ہوگا کہ منیر مجھے کچھ نہیں بتائے گا۔ کل وہ بچ کر نہیں جاسکے گا۔ اس پراسرار عورت نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"تمہیں اس کی طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ اسے پکڑنے کے لیے کل تک انتظار کی ضرورت ہے۔ چاہو تو تھوڑی دیر میں اسے یہاں لایا جاسکتا ہے۔"

میں نے حیرت سے اول خان کی طرف دیکھا اور پوچھا "کیا وہ تمہارے آدمی کو اپنا پتا بتا گئی ہے؟"

"دو آدمی مامور کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ ایک اس عورت کے پیچھے نکل گیا۔ وہ کلفٹن کے ساحلی علاقے میں ایک کثیر المنزلہ عمارت کی آٹھویں منزل کے فلیٹ میں رہتی ہے اور میڈم کے نام سے خاصی مشہور بلکہ بدنام ہے۔"

"تمہارے آدمی واقعی بہت فرض شناس ہیں۔" میں نے خوش ہوکر کہا "میڈم کے بارے میں اور کیا معلوم ہوا۔"

"وہ قطعی پراسرار نہیں ہے۔ انتہائی بے ضمیر اور قابلِ نفرت عورت ہے۔" اول خان کے لہجے سے تنفر جھلک رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "کسی زمانے میں وہ خود کال گرل رہی ہوگی۔ عمر ڈھل جانے کے بعد اس نے اپنی زندگی کا ڈھب بدل دیا ہے۔ اس کا فلیٹ ولایتی شراب اور دیسی لڑکیوں کی سپلائی کے اڈے کے طور پر بدنام ہے۔ پڑوسی اس سے عاجز ہیں لیکن مجبور ہیں کیونکہ وہ فلیٹ میں کرائے دار نہیں، اس کی مالکن ہے۔"

غزالہ شرمیلی نہیں تھی لیکن وہ تذکرہ اتنا گھناؤنا تھا کہ وہ ازخود ڈرائنگ روم سے ٹل گئی۔

"وہ ایسا گندا کاروبار کررہی ہے تو اسے کسی نہ کسی بڑے پولیس افسر کی سرپرستی بھی حاصل ہوگی۔" ویرا نے کہا۔

"اس کے بغیر ڈنکے کی چوٹ پر غلط کام نہیں کیے جاسکتے۔" اول خان نے کہا "یہ ابتدائی معلومات ہیں۔ میرا آدمی میڈم کے کوائف جمع کررہا ہے۔"

"اس نے منیر سے جو کچھ پوچھا اس سے ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ پست ذہنی سطح کی عورت ہے۔ اس میں ذرا سی بھی ذہانت ہوتی تو وہ منیر سے بہت کچھ اگلوا سکتی تھی۔ وہ آئی مین کے ساتھیوں میں سے نہیں ہوسکتی۔ کسی خاص مقصد کے لیے کرائے پر اس کی خدمات حاصل کی گئی ہوں گی۔"

"کیوں نہ آج شام اس کے اڈے کا چکر لگالیا جائے۔" ویرا نے تجویز پیش کی۔

"یہ ممکن نہیں ہوگا۔" اول خان نے اس کی تجویز سنتے ہی مسترد کردی۔ "پڑوسیوں نے تھانے میں اس کے خلاف کئی درخواستیں دی ہیں لیکن پولیس والوں نے محض اس بنا پر ہر بار کوئی کارروائی کرنے سے انکار کردیا ہے کہ وہاں مردوں کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر ہے۔"

"پھر اس کا کاروبار کیسے چلتا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"بدی کے قدیم ترین پیشے پر قانونی پابندیوں نے ہمیشہ نت نئی راہوں کو جنم دیا ہے۔" اول خان نے خفگی سے کہا "وہاں سرِشام لڑکیاں جمع ہوتی ہیں اور بن سنور کر اپنی نامعلوم منزلوں پر گاہکوں سے ملاقات کے لیے روانہ ہوجاتی ہیں۔ میڈم کسی مرد کو اپنے فلیٹ میں نہیں آنے دیتی۔"

"اور اس کا مے خانہ کیسے چلتا ہے؟" ویرا نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

"اس کے دونوں دھندے فون پر چلتے ہیں۔ اس نے دو جوان لڑکوں کو ملازم رکھا ہوا ہے جو موٹر سائیکلوں پر شراب کی بوتلیں لاد کر خریداروں کے گھر اور دفاتر تک پہنچاتے ہیں۔ یہ اس کے کام کے کھلے راز ہیں جو عمارت کے چوکیدار تک کو معلوم ہیں۔ میرے آدمی کو ان معلومات کے حصول میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔"

"تم نے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر تشکر آمیز لہجے میں کہا "میں یہ سوچ کر

آیا تھا کہ کار کے نمبروں کے ذریعے اس کی موجودہ مالکن تک پہنچنے کے لیے تم کو خاصی تگ ودو کرنی پڑے گی مگر یہاں سب کچھ تیار ہے۔"

"تم لوگوں کا اس کے گھر جانا ممکن نہیں تو اسی کو اٹھوالو" ویرا نے متبادل تجویز پیش کر دی "ایسی بے حیا عورتیں کسی بھی زیادتی پر شور نہیں مچاتیں۔ ہر لمحے اور ہر قیمت پر سمجھوتا کرنے کے لیے تیار رہتی ہیں۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے یہاں بھی لایا جا سکتا ہے۔"

"فی الحال اسے چھیڑنا مناسب نہیں ہوگا۔ سب کچھ گڑبڑ ہو سکتا ہے" میں نے کہا۔

"تم اس عورت کو آئی مین سے ملا کر سوچ رہے ہو۔ ضروری نہیں کہ ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق ہو۔ وہ تم کو چوبیس گھنٹے کا وقت دے چکا تھا تو اسے میڈم کو تمہاری طرف بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ غالب امکان یہ ہے کہ میڈم کو بھیجنے والا کوئی اور رہا ہوگا۔" ویرا میڈم کے خلاف فوری کارروائی پر مصر تھی۔

"اگر بات ڈینی کی ہوتی تو کچھ بھی سوچا جا سکتا تھا" اول خان نے میرا ساتھ دیتے ہوئے ویرا کو سمجھایا "اس کے ہزار دشمن ہیں لیکن گولڈن فارمیسی کے حوالے سے اس وقت ہمارے سامنے صرف ایک حریف ہے۔ اسے نظر انداز کر کے دوسری سمتوں میں دماغ لڑانا حماقت ہے۔"

"تم ایک اہم نکتے کو نظر انداز کر رہے ہو" ویرا بحث پر اڑی ہوئی تھی "تم نے بتایا ہے کہ آئی مین نے کوئی فیصلہ کرنے کے لیے چوبیس گھنٹے کا وقت مقرر کیا ہے۔ وہ ڈیڈ لائن دو بجے سے بہت پہلے ختم ہو جائے گی۔ میڈم دو بجے منیر سے ملنے کے لیے آئے گی تو آئی مین کوئی نہ کوئی فیصلہ کر چکا ہوگا پھر اس کے لیے میڈم کی آمد کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔"

"چوبیس گھنٹوں میں وہ کوئی فیصلہ کرے گا۔ مجھ سے ملنے کے لیے نہیں پہنچ جائے گا" میں نے غصے سے کہا "ہو سکتا ہے کہ ملاقات کی صورت کی بارے میں میڈم کی کوئی افادیت ہو۔"

"تم اس نابکار عورت کو ڈھیل دینا چاہ رہے ہو تو تمہاری مرضی، میں تمہارا وقت بچانا چاہ رہی تھی" ویرا نے معصومیت سے کہا اور چپ سادھ لی۔

غزالہ گھرداری میں وقت برباد کرنے کی قائل نہیں تھی۔ ڈرائنگ روم سے جانے کے بعد اس نے اپنا وقت کچن میں گزارا تھا اور پھر چائے کی میز لگا دی تھی۔

ہم چاروں میز کے گرد بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ سلطان شاہ بیدار ہو کر اپنے کمرے سے نکل آیا۔ اس کے چہرے کی ضربات حیرت ناک سرعت کے ساتھ معمول پر آ رہی تھیں لیکن نیند سے بیداری کے سبب اس کی آنکھیں متورم تھیں۔

اس نے قریب آ کر سب کو سلام کیا اور پھر میز سے کچھ دور رک کر دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی کینہ توز نگاہیں ویرا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"کیا کوئی برا خواب دیکھ کر آئے ہو جو مجھے یوں گھور رہے ہو" ویرا نے اس کی نگاہوں سے بے چین ہو کر پوچھا۔

"تم نے مجھے کون سی دوا دی تھی؟" سلطان شاہ نے غراتے ہوئے سوال کیا۔

"پہلے بھی دس دفعہ بتا دیا تھا کہ وہ درد کی دوا تھی" ویرا نے اس سے جان چھڑانے کے لیے تنک مزاجی کا مظاہرہ ضروری سمجھا۔

"تم جھوٹی ہو۔ گولیوں کا پیکٹ میرے سرہانے بھول آئی تھیں۔ میں نے ابھی اس کا پرچہ پڑھا ہے۔ وہ نیند کی تیز دوا ہے۔"

"ہوگی" ویرا نے ڈھٹائی اور بے پروائی سے کہا "یہ بتاؤ کہ سونے سے تم کو آرام ملا یا نہیں۔"

"آرام گیا جہنم میں..... میں سونا نہیں چاہ رہا تھا اور تم نے مجھے دھوکے سے سلا دیا" وہ غصے سے بولا۔

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی "یہ بات کسی اور کے سامنے نہ کہہ بیٹھنا۔ وہ ذہنی طور پر تمہیں شیر خوار بچہ سمجھے گا۔"

"یہاں ویرا کے علاوہ ہم لوگ بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ تم اس پر اپنا وقت کیوں برباد کر رہے ہو؟" میں نے اسے ٹوکا۔

سلطان شاہ کے چہرے پر پھیلی ہوئی سختی یک لخت کافور ہو گئی اور اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا "خیریت ہے۔ اس وقت تم دونوں یہاں کیسے نظر آ رہے ہو؟"

"تھوڑی دیر پہلے تمہاری مدہوشی کافور ہو جاتی تو تمہیں جلال بھی یہاں نظر آتا" ویرا بولنے سے باز نہیں رہ سکی۔

"میں تم سے بات نہیں کر رہا۔ تم چپ رہو" سلطان شاہ نے اسے جھڑک دیا۔

"شاید تمہارے دماغ پر ابھی تک یہ خمار سوار ہے کہ کل تم نے آئی مین کی ٹھکائی کی تھی" ویرا نے طنز سے کہا۔ "اپنی یہ خوش فہمی دور کر لو۔ تم نے چیک اسمتھ نامی ایک امریکی کو مارا تھا جو آئی مین کا ایک معمولی غلام ہے۔"

سلطان شاہ کی استفسار طلب نگاہیں بے ساختہ میری

طرف اٹھ گئیں۔
"اگر اس کا نام جیک ہی ہے تب بھی وہ معمولی آدمی نہیں ہے۔" میں نے اسے تسلی دی "یہ بات طے ہے کہ وہ نیگرو آئی مین نہیں تھا۔"
بیدار ہونے کے بعد وہ شاید منہ ہاتھ دھو کر آیا تھا۔ خاموشی سے ہمارے ساتھ چائے نوشی میں شریک ہوگیا۔
گھر آنے کے بعد مجھے کسی سے کوئی بات دہرانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ میرے پہنچنے سے پہلے اول خان نے سب کو ہر بات بتادی تھی۔ ان میں سلطان شاہ شامل نہیں تھا۔ چائے نوشی کے دوران غزالہ نے اسے نئے واقعات سے باخبر کرنا شروع کردیا۔
ویرا نے کئی مرتبہ ان دونوں کی گفتگو میں دخل انداز ہونے کی کوشش کی مگر وہ دونوں اسے مسلسل نظر انداز کرتے رہے۔ یہ بات اول خان بھی جانتا تھا کہ غزالہ کا جھکاؤ ہمیشہ ویرا کے بجائے سلطان شاہ کی طرف ہوتا تھا۔
جلال اپنا کام کرکے واپس جاچکا تھا۔ اول خان نے بھی میڈم کے بارے میں سب کچھ بتا کر اپنے ذہن کا بوجھ ہلکا کرلیا تھا۔ کچھ دیر کی گپ شپ کے بعد وہ بھی گھر سے رخصت ہوگیا۔
اول خان کی روانگی کے بعد ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان پائی جانے والی تلخی دھیرے دھیرے دور ہوتی چلی گئی۔ میں نے یہ خاص بات ہمیشہ نوٹ کی تھی کہ ہم چاروں کے درمیان کسی پانچویں فرد کی موجودگی میں سلطان شاہ، ویرا کے تبصروں کے بارے میں زیادہ حسّاس اور تلخ ہوجاتا تھا۔ آپس کے دوستانہ ماحول میں ویرا کی بڑی بڑی باتیں ہنس کر پی جاتا تھا۔ یہ اس کے مزاج کا ایک انوکھا اور کسی حد تک ناقابلِ فہم پہلو تھا۔
ایک چھت کے نیچے رہنے والے خوش مزاجی کے موڈ میں ہوں تو وقت بہت اچھے انداز میں اور تیزی سے گزرتا چلا جاتا ہے۔ ہم چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھے ٹیلی وژن دیکھتے اور واقعات پر تبصرے کرتے رہے۔ کسی کے پاس کہنے کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ بس وقت گزارا جارہا تھا۔ اسی اثنا میں رات کے کھانے کا وقت ہوگیا۔ سلطان شاہ کو قریبی ہوٹل سے گرم گرم روغنی نان لانے کے لیے بھیج دیا گیا۔ غزالہ اپنے بنائے ہوئے کوفتوں کو سنبھالنے کے لیے کچن میں جا گھسی۔ ویرا میرے ساتھ بیٹھی رہ گئی۔
"آؤ! کمرے میں چلتے ہیں" ویرا نے مجھے آنکھ مار کر دھیمی آواز میں دعوت دی۔
"تمہارے یہ لوفرانہ انداز مجھے زہر لگتے ہیں" میں نے تلخی سے کہا "اس وقت تم کلفٹن والی میڈم سے بھی گئی گزری لگ رہی ہو۔"
"میرے یہ انداز ہر ایک کے لیے نہیں ہیں۔ آؤ کمرے میں چلتے ہیں۔ جلدی سے دو تین گلاس لے لوں گی تو غزالہ کے بنائے ہوئے کوفتوں کا لطف دوبالا ہوجائے گا۔"
مجھے معلوم تھا کہ میں نے اس کی فرمائش پر عمل نہ کیا تو وہ گلاس اور بوتل لے کر ڈرائنگ روم میں آبیٹھے گی۔ وہاں سے ہماری آوازیں غزالہ کے کانوں میں پڑسکتی تھیں۔ ویرا اپنی رو میں بہہ کر بعض اوقات ایسی ذومعنی باتیں کہہ جاتی تھی جن کا غزالہ کے کانوں میں نہ پڑنا ہی بہتر تھا۔
"آؤ!" میں نے نیم دلی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی۔
"مائی گاڈ!" وہ تحیر زدہ آواز میں تقریباً چیخ پڑی "آج میرے ستارے واقعی یاوری کررہے ہیں۔ تم نے اتنی آسانی سے میری بات مان لی۔"
ویرا کی آواز اتنی بلند تھی کہ غزالہ گھبرا کر کچن سے ڈرائنگ روم میں آگئی اور بوکھلائی ہوئی آواز میں بولی "کیا ہوا .....؟ ویرا کیوں چیخی تھی؟"
"ستارے آسمان پر اپنی گردش میں مصروف رہتے ہیں۔ آدمی ان کے چکر میں زمین پر گھن چکر بنا رہتا ہے۔ ویرا سمجھ رہی ہے کہ سارے ستارے اسی کی خوش نصیبی کے لیے حرکت میں آئے ہوئے ہیں کیونکہ میں نے اس کے کمرے میں جانے پر اپنی رضامندی ظاہر کردی ہے۔"
"آپ اس کے کمرے میں کیوں جارہے ہیں؟" غزالہ نے بظاہر مسکراتے ہوئے سوال کیا تھا مگر اس کے الفاظ میں پنہاں شکوہ مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔
"تمہارے کوفتوں سے انصاف کرنے کے لیے یہ کچھ پینا چاہ رہی ہے۔"
"یہ روز ہی پیتی ہے۔ آپ اسے فیڈر میں ڈال کر چسنی سے تو نہیں پلائیں گے" یہ کہتے ہوئے غزالہ کے نازک لبوں پر ایک بے رحمانہ مسکراہٹ تیر گئی۔
"اچھا آئیڈیا ہے۔ کسی دن یہ ترکیب بھی آزماؤں گی" ویرا جلدی سے بولی۔
غزالہ نے نگاہ بھر کے مجھے دیکھا اور دوبارہ کچن کی طرف چلی گئی۔ ویرا نے میرا ہاتھ تھاما اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اسے قطعی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ غزالہ کو اس وقت میرا فیصلہ پسند نہیں آیا تھا۔ بعض اوقات وہ میرے اور ویرا کے مراسم کے بارے میں بہت زیادہ حسّاس ہوجاتی تھی۔

ویرا نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر تیزی سے دروازہ بند کیا اور اس سے اپنی پشت ٹکا کر مجھے بے خبری میں اپنی طرف کھینچ لیا۔

وہ بلاشبہ بہت پرکشش عورت تھی۔ اس کے وجود کے بھرپور لمس سے میرے بدن میں پھریریاں سی دوڑ گئیں۔ میں نے بوکھلا کر اس سے الگ ہونا چاہا لیکن اس نے کسی بھوکی شیرنی کی طرح مجھے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ یکایک کمرا چٹ چٹ کی دو آوازوں سے گونج اٹھا۔

"الگ ہٹو' یہ کیا وحشیانہ پن کر رہی ہو" میں نے پوری قوت صرف کر کے اس کے بازوؤں کا حصار توڑ دیا۔

اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے شوخ نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا "تم مسلمان لوگ اپنے مال میں سے صدقہ خیرات نکالتے ہو۔ اپنی اور غزالہ کی محبت میں سے میرے لیے بھی کچھ صدقہ نکالتے رہا کرو۔ میں اسی میں خوش رہوں گی۔ سچ بتا رہی ہوں کہ اس وقت زبردستی چھینے ہوئے چند لمحے مجھے ہفتوں مزہ دیتے رہیں گے۔"

"تم بے شرم ہو گئی ہو۔ اس وقت تمہارے دماغ پر شیطان سوار ہے' میں تمہارے ساتھ نہیں بیٹھوں گا۔"

اس نے میرا بازو تھام لیا "شیطان تمہارے مردانہ ہونٹوں کی تپش سے جل گیا۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب تمہیں نہیں چھیڑوں گی۔"

وہ اپنے بستر پر چلی گئی جہاں پینے کے لوازم ہر وقت اس کے سرہانے موجود رہنے لگے تھے۔ میں بستر سے دور ایک الگ تھلگ کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس نے بلیک لیبل کی بوتل سے آتشیں سیال گلاس میں انڈیلنا شروع کیا تو میری نظریں اسی طرف مرکوز تھیں۔ وہ رکے بغیر اسکاچ گلاس میں انڈیلتی رہی۔ مقدار دیکھ کر میرے دماغ میں تشویش سر ابھارنے لگی۔ وہ ایک ہی گلاس میں اپنا کام تمام کرنے پر تلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

وہ گلاس اسکاچ سے آدھا بھر گیا تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور میں نے اپنی خاموشی توڑ دی "ویرا! کچھ خدا کا خوف کرو۔ اس تکلف سے تو بہتر تھا کہ تم براہِ راست بوتل ہی اپنے منہ سے لگا لیتیں۔"

ویرا رک گئی۔ اس وقت تک آدھا گلاس بھر چکا تھا۔ اس نے بوتل بند کی۔ آئس پاٹ سے پگھلی ہوئی برف کا ٹھنڈا پانی ملا کر گلاس کو پورا کیا اور بستر پر نیم دراز ہو گئی "میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ تم نہیں ٹوکو گے تو بوتل سے پورا گلاس بھر لوں گی۔"

"اب تم کھانے کے دوران میں ہی بہکنا شروع کر دینا" میں نے جل کر کہا۔

"میں بہکنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ بس' پی کر ذرا کڑوا سچ بولنے لگتی ہوں" اس نے گلاس اپنے منہ سے لگا کر ایک لمبا گھونٹ اپنے معدے میں اتار لیا۔

"یہ ڈی لکس اسکاچ ہے۔ دھیرے دھیرے اثر کرتی ہے۔ ذرا گلاس جلدی ختم کر لو۔ سلطان شاہ گاڑی سے گیا ہے' ذرا سی دیر میں لوٹ آئے گا۔"

"واہ! آج تم اپنے پرانے تجربوں کی باتیں دہرا رہے ہو۔ تم سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ظالم تو نے پی ہی نہیں۔"

وہ مسلسل بولتی رہی۔ میں گفتگو میں اس کا ساتھ دیتا رہا تاکہ گھر کی فضا بدستور خوشگوار رہے۔ بڑی بات یہ تھی کہ اسے اپنے وعدے کا پورا پاس تھا۔ اس نے مجھے ہاتھ لگایا نہ میرے قریب آنے کی کوشش کی۔ ویسے میں اس کے کسی دوسرے ہوش ربا حملے سے اپنا بچاؤ کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

سلطان شاہ کی گاڑی پورچ میں بند ہونے کی آواز آئی تو ویرا کا گلاس ختم ہونے والا تھا۔ اس نے آخری گھونٹ لے کر خالی گلاس سائڈ ٹیبل پر رکھا اور بستر سے اتر آئی۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑی اور تیزی سے بڑھ کر دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل گیا۔ اس وقت لیڈیز فرسٹ والے اصول کا لحاظ کرنا میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

غزالہ نے کھانا لگایا تو پورا گھر کوفتوں کی اشتہا انگیز خوشبو سے مہک اٹھا۔

ویرا سرور کے عالم میں تھی۔ اس نے کوفتوں کا پہلا لقمہ لیتے ہی غزالہ کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانا شروع کر دیے۔

شاید دس بجے کا عمل تھا۔ کھانے کا دور چل رہا تھا کہ پھاٹک کے باہر لگی ہوئی گھنٹی بج اٹھی۔ سلطان شاہ نے گاڑی اندر لا کر پھاٹک بولٹ نہ کیا ہوتا تو شاید اندرونی ڈور بیل ہی بجائی جاتی۔ سلطان شاہ اپنی جگہ چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

ہم تینوں کی توجہ کھانے سے زیادہ دروازے کی طرف مبذول ہو گئی۔ نہ جانے اس وقت کون آیا تھا۔

سلطان شاہ کو واپسی میں دیر نہیں لگی۔ اس کے ہاتھ میں ایک تھیلی جھول رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میں نے بھانپ لیا کہ وہ کوئی ہتھیار لایا تھا۔

وہ تھیلی میز پر رکھ کر دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "جلال آیا تھا۔ شکریے کے ساتھ بیم گن دے کر چلا گیا۔"

"تم نے اسے اندر نہیں بلایا؟" میں نے ہلکی سی ترشی سے پوچھا۔

"میں نے بہت اصرار کیا مگر وہ نہیں رکا۔ عجلت میں نظر آرہا تھا کیونکہ اس کی گاڑی کا انجن چل رہا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ونود کا کام ہوگیا" ویرا نے اپنے نرخرے پر انگلی پھیر کر کہا۔

"کام نہ ہوا ہوتا تو وہ ابھی بیم گن نہ لوٹاتا" سلطان شاہ بولا "دیکھتے ہیں کہ صبح کا اخبار کیا خبر لاتا ہے۔"

کھانے کے دوران میں ہی ویرا کی نیلی آنکھوں میں خمار کے گہرے لہریے تیرنے لگے۔ شکم پری کے ساتھ ساتھ الکحل کا اثر بڑھتا جارہا تھا لیکن ویرا بلانوش تھی۔ اس کی آواز میں کوئی لکنت پیدا ہوئی تھی نہ باتوں میں بہکنے کی علامت نمودار ہوئی تھی۔ یہ ضرور ہوا کہ کھانا ختم ہونے کے بعد وہ کرسی چھوڑ کر اٹھنے لگی تو لڑکھڑا گئی۔ اگر سلطان شاہ تیزی سے اسے نہ سنبھال لیتا تو وہ بائیں پہلو کے بل قالین پر ڈھیر ہوجاتی۔

"اسی لیے کہتے ہیں کہ اپنے ظرف سے زیادہ مت پیا کرو" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بولا "اب سارے گھر میں لڑکھڑاتی اور گرتی پھرو گی۔"

"ان باتوں پر تمہیں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ صرف ڈینی اتھارٹی رکھتا ہے۔ اس سے پوچھ لو کہ میرا ظرف بہت بڑا ہے" وہ اپنی بڑی بڑی آنکھیں گھماتے ہوئے بولی۔

"مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ ہے، وہ سامنے نظر آرہا ہے" سلطان شاہ نے اس کے شانے چھوڑ دیے۔

ویرا ہم تینوں کو شب بخیر کہہ کر ہموار مگر قدرے مستانہ چال کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

"بے چاری!" غزالہ ترحم آمیز آواز میں بڑبڑائی "پتا نہیں اسے شراب پی کر کیا ملتا ہے؟"

"خود فراموشی!" میں نے از خود جواب دے ڈالا "اس عالم میں انسان اپنے ہر دکھ سکھ کو بھول کر دنیا کو اس رنگ میں دیکھنے لگتا ہے جس میں وہ اسے پسند کرتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے دکھ آنسوؤں کی لڑیوں کی صورت میں آنکھوں سے بہہ نکلتے ہیں مگر یہ سب خود فریبی ہوتی ہے۔ نشہ اترتا ہے تو اسے اپنے گرد و پیش کی دنیا پہلے سے زیادہ سنگین اور بے رونق نظر آنے لگتی ہے۔"

"ایک بات کا اطمینان ہے کہ اب وہ ہماری رات کالی نہیں کرے گی" سلطان شاہ نے تشکر آمیز لہجے میں کہا "بستر پر گر کر گہری نیند سوجائے گی۔"

ہم تینوں ہاتھ دھو کر ڈرائنگ روم میں آگئے۔

"مجھے اب بھی یقین نہیں آرہا کہ جلال نے ونود کو مار دیا ہوگا" کچھ دیر کے بعد غزالہ نے بے یقینی سے کہا۔

"بیم گن کی واپسی تمہارے اس شبے کی تردید کررہی ہے" میں نے جواب دیا۔

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ آخری لمحات پر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا ہو" سلطان شاہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"اس کا امکان کم ہے۔ اس نے ارادہ بدل دیا ہوتا تو اس وقت اتنی عجلت میں نہ ہوتا۔ کچھ دیر کے لیے ہمارے ساتھ ضرور بیٹھتا۔"

دونوں نے میری اس دلیل کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی توجہ ٹیلی وژن پر مرکوز کردی۔ ہمیشہ کی طرح اسکرین پر موسیقی کا ایک خشک اور بے روح پروگرام چل رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں غزالہ اکتا کر اٹھ گئی۔ سلطان شاہ نے ٹیلی وژن کے ذمے داروں کو برا بھلا کہتے ہوئے ٹی وی بند کردیا۔

محفل برخاست ہوگئی۔ ویرا کے کمرے کی طرف سکوت کا راج تھا۔ سلطان شاہ اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ میں غزالہ کو لے کر اپنی خواب گاہ میں داخل ہوگیا۔

○☆○

اگلی صبح کے اخبار میں پہلے صفحے پر چار کالمی ذیلی سرخی میں ونود کے عبرت ناک انجام کی خبر موجود تھی۔

وہ شہر کے ایک بڑے ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں اپنی گاڑی کے قریب مردہ حالت میں پایا گیا تھا۔ اس کے سینے پر بائیں جانب ایک آرپار سوراخ تھا جو بری طرح جھلسا ہوا تھا۔ اس کے بدن سے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہا تھا اور وہ کوئی چیخ مارے بغیر ختم ہوگیا تھا۔ پارکنگ لاٹ کے نگراں اور دو چوکیداروں میں سے کسی نے وہاں کوئی غیر معمولی انسانی آواز یا چیخ نہیں سنی تھی۔

ونود کا قتل کلفٹن کے ویران ساحل پر نادر کے قتل کی طرح لیزر گن کے استعمال کا نتیجہ قرار دیا گیا تھا۔ دونوں وارداتوں میں یکسانیت کی بنا پر یہ بات وثوق سے لکھی گئی تھی کہ ونود نامی بھارتی سفارتی افسر کو اسی بین الاقوامی دہشت گرد نے مارا تھا جو نادر کے ذریعے حاصل کیے ہوئے مکان میں چوری چھپے روپوش ہوا تھا۔ نادر کے قتل کا ایک سبب سامنے تھا کہ اسے قاتل کے بارے میں بہت کچھ معلوم تھا لیکن ونود کے قتل کی وجوہ کا تعین نہیں کیا جاسکا تھا۔

ایک دن کا وقت مل جانے پر اخبار والوں نے ایک جامع

کہانی تیار کرلی تھی جس کی بنیاد راجا کے بیان پر رکھی گئی تھی۔
راجا نے پولیس کی تحویل میں یہ اعتراف کرلیا تھا کہ وہ شی کے ایک آئی مین کے لیے کام کررہا تھا جو اسے شہر میں ہیروئن پھیلانے کے لیے ڈالروں کی صورت میں بھاری معاوضہ دے رہا تھا۔ وہ آئی مین وہی تھا جو نادر کی معرفت ڈیفنس کے بی باون بنگلے میں چھپا ہوا تھا۔ نادر دو روز پہلے تک بی باون کے نمبر پر فون کرکے آئی مین کو اپنی رپورٹیں دیتا رہا تھا لیکن نامعلوم وجوہ کی بنا پر آئی مین بی باون سے نکل گیا۔
شی کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ وہ امریکا کی ایک باقاعدہ این جی او تھی جو وہاں ہیروئن کے انسداد اور اس کے عادیوں کے علاج کا مشن سرانجام دے رہی تھی۔ اس تنظیم کو امریکا میں اس قدر اثر و نفوذ حاصل تھا کہ اس کے سربراہ کو صدر کے سیکریٹ فنڈ سے براہِ راست بھاری گرانٹ دی جاتی تھی۔ پاکستان میں شی کا کوئی باضابطہ دفتر یا نمائندہ نہیں تھا مگر اس کے آدمی زیرزمین کارروائیوں کے ذریعے پاکستان میں ہیروئن کی کھپت بڑھانے کی کوششیں کرتے رہے تھے تاکہ پاکستان کے راستے اسمگل ہوکر امریکا جانے والی ہیروئن کی مقدار کم کی جاسکے۔
کچھ عرصہ پہلے شی پاکستان کی سب سے بڑی اور طاقت ور زیرزمین تنظیم رہی تھی لیکن آپس کے جھگڑوں اور چند برسوں کی بغاوت کے بعد اس کا شیرازہ تیزی سے بکھرتا چلا گیا اور کچھ عرصے کے لیے شی قصۂ پارینہ بن گئی لیکن گزشتہ کچھ دنوں سے اس کی شیرازہ بندی کے لیے دوبارہ زیرزمین سرگرمیاں زور پکڑ گئی تھیں۔ ان سرگرمیوں کا ذمے دار شی کا وہ پراسرار آئی مین تھا جو نادر کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ چکا تھا۔ نادر کے بعد اس نے دوسرا وار نوو پر کیا تھا۔
امریکا سے باہر شی کے ہر بڑے کا لقب آئی مین تھا۔ اس کی شناخت سلور آئی تھی اور اس کی طاقت لیزر گن تھی۔ اخبار نے اس روز پہلی بار کھل کر وہ سب باتیں لکھ ڈالی تھیں جو اس سے پہلے سینہ بہ سینہ چلتی رہی تھیں لیکن ریکارڈ پر کچھ بھی موجود نہیں تھا۔
اخبار نے آئی مین کی تیسری واردات کا حوالہ بھی دیا تھا جس میں ایک غیر ملکی سیاہ فام شخص نے لی مارکیٹ کے مصروف علاقے میں لیزر گن چلا کر ایک شخص کو ہمیشہ کے لیے اس کے بازو سے محروم کردیا تھا۔
ان تمام نکات کے مطالعے کے بعد ذہن میں یہ تصویر بن رہی تھی کہ لی مارکیٹ کے جھگڑے میں بیم گن استعمال کرنے والا سیاہ فام ہی شی کا آئی مین تھا۔ کہیں بھی اس تاثر کی نفی کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی کیونکہ اس کے خلاف کوئی مواد دستیاب نہیں تھا۔
اخبار کے پہلے صفحے کے ایک گوشے میں امریکی قونصل خانے کے افسر اطلاعات کا مختصر سا تردیدی بیان موجود تھا۔ اخباری نمائندے نے اپنی اطلاعات کی تصدیق کے لیے اس سے رابطہ کیا تو اس نے اتنا کہا کہ شی صرف امریکا میں' قانون کی حدود میں رہ کر کام کررہی تھی۔ اسے دوسرے ملکوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اگر پاکستان میں کچھ مجرم شی کا نام اور اس کے طریقے استعمال کررہے تھے تو ان کا امریکی این جی او سے کوئی تعلق نہیں تھا۔
اخباری مواد کا تسلسل بتا رہا تھا کہ وہ فی البدیہہ اطلاعات نہیں تھیں۔ ان کو کڑیوں کی صورت میں یکجا کرنے کے لیے کوئی بہت ذہین شخص کام کررہا تھا۔
ان خبروں نے امریکیوں کو بدترین دفاعی پوزیشن میں دھکیل دیا تھا۔ وہ واقعاتی شہادتوں کو جھٹلا کر آئی مین کی حمایت نہیں کرسکتے تھے۔ ان کے لیے اکلوتی راہ وہی تھی جو ان کے افسر اطلاعات نے اختیار کی تھی کہ آئی مین کی پشت پناہی سے دستبردار ہوکر غیر جانبداری اختیار کرلیں۔
اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے مجھے جیک یاد آیا۔ جلال نے اس کے بارے میں کوئی مصدقہ اطلاع نہیں دی تھی۔ محض ایک شبے کا اظہار کیا تھا۔ اگر کسی طرح اس شبے کی تصدیق ہوجاتی تو سرکاری طور پر یہ مطالبہ کیا جاسکتا تھا کہ جیک کو شناخت کے لیے لی مارکیٹ کے اس علاقے میں لایا جائے جہاں لیزر گن سے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹنے کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اپنی کھلی شناخت اور چہرے کے زخموں کی وجہ سے جیک کے پاس کوئی راہ نہ رہتی۔ اس کے خلاف مقامی طور پر کوئی قانونی کارروائی نہیں کی جاسکتی تھی۔ اسے امریکی خود واپس بلا لیتے یا پھر زیادہ سخت اقدام کے طور پر اسے ناپسندیدہ قرار دے کر پاکستان سے نکال دیا جاتا۔
میں نے اخبار پوری طرح دیکھ کر ایک طرف ڈال دیا۔ ناشتا کرکے میں پہلے ہی روانگی کی تیاری کرچکا تھا۔ ویرا اور سلطان شاہ عام حالات میں دیر تک سونے کے عادی تھے اور گھر پر ہماری مکمل خلوت کا راج تھا۔ میں نے غزالہ کو نرمی سے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر الوداعی بوسہ دیا اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔
میں اپنی مخصوص گلی میں گاڑی پارک کرکے دکان پر پہنچا تو دونوں بے چینی سے میرے منتظر تھے۔ اس وقت کاؤنٹر پر کئی گاہک موجود تھے مگر منیر ان کو قمر پر چھوڑ کر میرے پیچھے

پیچھے کیبن میں آگیا۔ اپنے چہرے سے وہ کچھ گھبرایا ہوا سالگ رہا تھا۔
"کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان نظر آرہے ہو" میں نے اسے دیکھتے ہی سوال کیا۔
"اس کا دو دفعہ فون آچکا ہے۔ کل آپ کے جانے کے بعد فون آیا تو میں نے کہہ دیا۔ مالک گو مارکیٹ پر چیز۔ شاید وہ میری بات سمجھ گیا اور فون بند کردیا" وہ ایک ہی سانس میں رکے بغیر بولتا چلا گیا" ابھی تھوڑی دیر پہلے پھر اس کا فون آیا تھا۔ میری زبان سے نو کم سنتے ہی اس کا پارا چڑھ گیا اور اس نے اول فول بکتے ہوئے فون بند کردیا۔"
"تم نے دونوں مرتبہ بالکل صحیح جواب دیے" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' اس کی غرض ہے تو وہ پھر فون کرے گا۔"
منیر کے چہرے پر رونق اور بحالی کے آثار لوٹ آئے اور وہ مجھے سلام کرکے کیبن سے چلا گیا۔
میں گیارہ بجے دکان پر پہنچا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں دھیرے دھیرے اپنا سفر طے کرتی ہوئی بارہ پر پہنچیں تو میں نے پہلی گھنٹی پر ہی فون اٹھالیا۔ میرے ساتھ منیر نے بھی فون اٹھالیا مگر میری ہیلو سنتے ہی اس نے ریسیور رکھ دیا۔
"تم دکان چلا رہے ہو یا نوابی کر رہے ہو" میرے کانوں میں آئی مین کی زہریلی آواز آئی "کل جلدی چلے گئے۔ آج پونے گیارہ بجے تک تمہارا پتا نہیں تھا۔"
"دکان کے مسائل کے لیے مجھے باہر بھی جانا پڑتا ہے۔" میں نے اس کے تحکم آمیز لہجے کو نظرانداز کرتے ہوئے عاجزی سے کہا "اگر تم نے کوئی وقت مقرر کردیا ہوتا تو میں تمہیں موجود ملتا۔"
اس سے بات کرتے میرے ذہن میں بات چبھ رہی تھی کہ وہ سی ایل ڈی استعمال کر رہا تھا تو دکان پر دو لائنیں اٹھائے جانے پر رابطہ منقطع کیوں نہیں ہوا۔ نہیں وہ سی ایل ڈی کا بلف تو نہیں کر رہا تھا مگر اسی لمحے بات میری سمجھ میں آگئی۔ اے سی ایل ڈی کے بارے میں جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ شاید اس نے ڈیوائس آف کرکے نمبر ملایا تھا اور جب مجھ سے گفتگو کا آغاز ہوگیا تو اس نے سی ایل ڈی کو آن کردیا۔
"تمہارے ملازموں میں کوئی اس قابل بھی نہیں ہے کہ صحیح انگریزی میں معقول جواب دے سکے۔"
"مجبوری ہے۔ ہمارے ملک میں تعلیم کی شرح بہت گری ہوئی ہے۔"
"میں نے تمہارے مطالبے پر غور کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میرے بارے میں تمہیں اپنا اطمینان کرنے کا پورا حق ہے" اس بار آئی مین کا لہجہ نرم تھا۔
"اس فیصلے کے لیے میں تمہارا ممنون ہوں۔ سلور آئی دیکھ لینے کے بعد میں پوری یکسوئی سے تمہاری تابع داری کرتا رہوں گا" میں نے اپنی حقیقی اور دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا "اس عزت افزائی کے لیے تم نے کوئی وقت ضرور سوچ لیا ہوگا۔"
"یہ مت بھولو کہ میں تمہارا آئی مین ہوں۔ میں تمہارا نہیں تم میرے پابند ہو۔ آج شام چھ بجے تک تم دکان سے کہیں نہیں جاؤ گے۔"
"ٹھیک ہے۔ میں بھی یہی جاننا چاہ رہا تھا" میں نے بوکھلانے کی صداکاری کی "تم جب چاہو آسکتے ہو۔"
"تم شی کے پرانے نمک خوار ہو۔ تم کو خیال رکھنا ہوگا کہ میری آمد پر کوئی گڑبڑ نہ ہو۔"
"تم بالکل بے فکر رہو۔ میری دکان میں غریب اور متوسط طبقے کے لوگ آتے ہیں۔ تمہارا دبدبہ دور سے نظر آئے گا۔ میں سلور آئی دھوکے سے بچنے کے لیے دیکھنا چاہتا ہوں ورنہ مجھے معلوم ہے کہ تم آئی مین ہو۔"
"تم اخبار پڑھتے ہو؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے اچانک ایک غیر متعلق سوال کرڈالا۔
"بس دیکھ لیتا ہوں" میں نے اپنے دل کی بڑھتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ جواب دیا۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ اپنے بارے میں چھپنے والے تازہ ترین مواد نے اسے پریشان کردیا ہوگا۔ وہ اسی بارے میں کچھ جاننا چاہ رہا تھا۔
"تم نے ونود کے قتل کے بارے میں پڑھا ہے؟" اس کے اگلے سوال نے میرے اندازے کی تائید کردی۔
"پڑھا ہے۔ وہ تمہارا اپنا فیصلہ تھا مگر خبروں میں تمہارا نام نہیں آنا چاہیے تھا۔" میں نے منکسرانہ لہجے میں میٹھی سی چٹکی لی۔
"یہ تم کیا بک رہے ہو۔" وہ مجھ پر برس پڑا "وہ میرا شکار نہیں تھا۔ یہ مجھے پھانسنے کی سازش کی گئی ہے۔"
"میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میری ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اس بارے میں تم سے کوئی بات کروں۔"
"اس شہر میں دوسری بیم گن ڈینی کے پاس ہے۔ یہ گھٹیا حرکت وہی کرسکتا تھا۔"
"لیکن ونود سے اسے کیا پرخاش تھی۔ اسے مار کر ڈینی کو کیا ملا ہوگا۔"

”وہ خونی درندہ ہے۔ ہر بھارتی کا خون بہا کر اسے کسی قسم کی تسکین ملتی ہے۔ موجودہ حالات کا فائدہ اٹھا کر اس نے ونود کو مار ڈالا تا کہ اس قتل کو بھی وارداتوں کے تازہ سلسلے کا حصہ سمجھ لیا جائے۔ اس کا منصوبہ کامیاب رہا ہے۔“

”نادر کو بھی اسی نے مارا ہوگا۔“ میں نے دانستہ وہ ذکر چھیڑ دیا ”وہ نیگرو والا چکر بھی اسی کا چلایا ہوا ہوگا۔“

”ہوائیاں اڑانے کی کوشش مت کرو۔ میں تم سے صرف ونود کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔“

”کیا یہ ممکن نہیں کہ فون پر خطرہ مول لینے کے بجائے ہم ملاقات ہونے پر اس بارے میں بات کرلیں۔“

”میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرا فون محفوظ ہے۔ میرا اور تمہارا رابطہ صرف فون پر رہے گا۔“ اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ”میں آج تم سے مذاکرات کرنے نہیں آ رہا۔ چند سیکنڈ میں سلور آئی کی ایک جھلک دکھا کر لوٹ جاؤں گا۔“

”میں اپنی پرانی لائن سے بالکل کٹا ہوا ہوں۔ جب تک رابطے بحال نہیں ہوتے، میں شہر میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”یہ پتا چلانے کی کوشش کرو کہ ڈینی آج کل کہاں ہے۔“ اس نے حکم دیا۔

”میں پوری کوشش کروں گا مگر یہ آسان کام نہیں ہے۔ کچھ دن پہلے ماجد یمنی نامی ایک عرب بھی اسے ڈھونڈتا ہوا مجھ تک پہنچا تھا۔۔۔“

”ماجد یمنی!۔۔۔ وہ بدمعاش تمہارے پاس آیا تھا!“ میری بات کاٹ کر اس نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا تھا۔

”میرا چلایا ہوا تیر صحیح نشانے پر بیٹھا تھا۔ میں نے سپاٹ آواز میں مایوسی سے کہا ”پتا نہیں کیا بات ہے کہ ڈینی کا ہر دشمن مجھے اس کا گہرا دوست سمجھتا ہے اور یہ فرض کر لیتا ہے کہ مجھے اس کے ٹھکانے کا علم ضرور ہوگا۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔ اگر کوئی آدمی اس تک پہنچ سکتا ہے تو وہ تم ہو۔ وہ اس قدر مکّار ہے کہ کسی پر بھروسا نہیں کرتا۔“

”اس بارے میں بار بار کی یاد دہانی کے بغیر مجھے اپنا فرض یاد ہے۔ اس کا سراغ ملتے ہی میں تم کو اطلاع دوں گا۔“

”میں اب محتاط ہو گیا ہوں۔ ماجد یمنی نے کسی طرح میرا نمبر معلوم کر کے سارا کام بری طرح بگاڑ دیا۔ تم مجھے اطلاع نہیں دے سکو گے۔“

”کل کے اور آج کے اخباروں کے مطابق تمہارا فون نمبر پولیس کے پاس پہنچ چکا ہے۔“

”وہ پرانا نمبر ہے۔ مجھے عجلت میں وہ ٹھکانا چھوڑنا پڑا تھا۔“ اس نے جھوٹ بولنے کی کوشش کیے بغیر جواب دیا ”اب میں اپنا نمبر کسی کو نہیں دے رہا۔ خود فون کر کے رپورٹ لیتا ہوں۔“

”اور اسی کے ساتھ سی ایس ڈی بھی استعمال کر رہے ہو۔“ میں نے خوشامدانہ لہجے میں پوچھا۔

”دودھ کا جلا چھاچ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔“ اس نے مجھے متبادل انگریزی محاورہ سنایا ”ماجد نے مجھے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ وہ پکا بلیک میلر ہے۔ اس کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔“

”وہ کسی طرح ڈھونڈتا ڈھانڈتا ہوا میری دکان پر پہنچا تھا۔ وہ ڈینی کے سراغ کے لیے ایک بڑی رقم کا لالچ دے رہا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ مجھے پتا ہوتا تب بھی میں ماجد کو کچھ نہ بتاتا۔ ڈینی خطرناک آدمی ہے۔ اسے کوئی بھنک مل جاتی تو وہ رقم ملنے سے پہلے میری گردن اتار لیتا۔“

”لیکن ماجد کو کہیں سے مطلوبہ معلومات مل چکی ہیں۔ وہ مجھ سے ان کا سودا کرنا چاہ رہا تھا۔“ آئی مین نے بتایا۔

”تمہاری کسی مصلحت نے تمہیں اس سودے سے روک دیا ہوگا۔“ میں نے محتاط انداز میں قیاس آرائی کی۔

”اس نے فون نمبر کے ذریعے گھر کا پتا چلانے کا ذکر کر کے مجھے چونکا دیا اور مجھے وہ جگہ چھوڑنی پڑ گئی۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ وہ خبیث کہاں ملے گا۔“

”ماجد مل جائے تو تمہارا آدھا کام آسان ہو سکتا ہے۔ ڈینی کو راستے سے ہٹانے کے بعد تم اپنے کام کو آسانی سے آگے بڑھا لو گے۔“

”اب وہ میرا نہیں تمہارا بھی کام ہوگا۔ ہم نئے انداز میں پرانا کام چلائیں گے۔“

”بس آج تمہارے دیدار کے بعد میں تمہارا غلام ہو جاؤں گا۔“ میں نے غیر ضروری مسرت کا اظہار ضروری سمجھا۔

”یہ یاد رکھنا کہ مجھے ماجد اور ڈینی، دونوں کی تلاش ہے۔ ان میں سے جو پہلے مل گیا، میں اس پر بھرپور ہاتھ ڈال دوں گا۔“

”تم فکر نہ کرو۔ یہ بات میں سمجھ چکا ہوں۔ تم ماجد کے ذریعے ڈینی کا گریبان پکڑنا چاہتے ہو۔ ڈینی پہلے ہی ہاتھ آ جاتا ہے تو پھر ماجد کی افادیت ختم ہو جائے گی۔“

"شاباش!" فون پر اس کی تحسین آمیز آواز ابھری "تم میری توقع سے زیادہ ذہین اور سمجھ دار ہو۔"

"تمہاری ذرہ نوازی ہے' میں کسی قابل ہوتا تو آج یہ چھوٹی سی دکان نہ چلا رہا ہوتا۔"

"ہم کامیاب رہے تو چند ہفتوں میں پرانے دن لوٹ آئیں گے اور تم اپنی دکان کو بھول جاؤ گے۔ تم روزانہ دکان کس وقت بند کرتے ہو؟"

"دکان صبح دس بجے سے رات آٹھ بجے تک کھلی رہتی ہے۔ میں دیر سے آتا ہوں اور جلدی چلا جاتا ہوں۔"

"میں روز شام کو پانچ بجے تم کو فون کروں گا۔ اس وقت تم کو ہر حال میں دکان میں موجود رہنا ہوگا۔" اس نے اپنا حکم سنایا۔

"میں اس ہدایت کی پابندی کروں گا۔" میں نے پورے خلوص سے کہا "تم چاہو تو کسی اتفاقی ضرورت کے لیے میرا موبائل فون نمبر بھی لے سکتے ہو۔"

"نمبر دے دو مگر میں اس پر بات نہیں کروں گا" اس کے جواب سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سی ایس ڈی کے خواص سے پوری طرح باخبر تھا۔

میں نے اسے اپنا موبائل فون نمبر بتانے کے بعد کہا "تم کہہ رہے تھے کہ تمہارا فون محفوظ ترین ہے۔ ابھی میرے ساتھ میرے آدمی نے بھی فون اٹھالیا تھا۔ میری آواز سن کر وہ ریسیور نہ رکھ دیتا تو ہماری پوری گفتگو سن سکتا تھا۔"

"وہ زیادہ دیر تک ریسیور اٹھائے رکھتا تو لائن کٹ جاتی۔ یہ میرے مسائل ہیں۔ تم کو ان پر دماغ سوزی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ میں آج کسی بھی وقت آسکتا ہوں اور کل سے شام کے پانچ بجے تک تم کو دکان میں موجود رہنا ہے۔"

اس نے اپنی ہدایات دہرا کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

آئی مین سے گفتگو ہونے سے پہلے میں شدید اعصابی تناؤ میں مبتلا تھا۔ اس سے بات ہونے کے بعد مجھے فکر ہوگئی کہ اس کی آمد کے لیے کیا بندوبست کیا جائے۔ مجھے یقین تھا کہ میری وزنی دلیل کے سامنے مجبور ہو کر وہ ایک بار پھر مجھ سے ملنے کے لیے آرہا تھا۔ دوبارہ اس سے ایسی سنگین بے احتیاطی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ یہ ضروری ہوگیا تھا کہ اسے دکان میں داخل ہوتے ہی دھر لیا جائے۔ مختصر ترین نوٹس پر ایسی کارروائی کا بندوبست اول خان ہی کر سکتا تھا۔

اپرٹیس پر اول خان کے آدمیوں سے رابطہ کیا جاسکتا تھا مگر وہ خود مختار نہیں تھے۔ میں نے براہِ راست اول خان سے موبائل فون پر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

پہلی گھنٹی بجنے پر ہی مجھے اس کی طرف سے جواب مل گیا۔ فون پر گاڑیوں اور انسانوں کی ملی جلی آوازوں کا تیز شور سنائی دے رہا تھا جیسے اول خان کسی مصروف بازار سے گزر رہا ہو۔ اس نے میری آواز پہچان کر کہا کہ وہ خود مجھے فون کرے گا۔ اس کی طرف سے اس مختصر پیغام کے بعد فون بند ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد اپرٹیس پر کال سگنل آنے لگا۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ اول خان ہی ہو سکتا تھا۔ وہ اپنے فطری تجسس سے مجبور ہو کر شاید اسی علاقے میں موجود تھا۔

"میں تمہاری دکان سے آگے ہوٹل پر کھڑا ہوا تھا جہاں بہت شور تھا" ٹرانسمٹر پر رابطہ ہونے کے بعد وہ بتانے لگا "اب میں گاڑی میں ہوں۔ یہاں سے میں بے فکر ہو کر' پورے اطمینان سے بات کر سکتا ہوں۔"

"تمہارے مہمان کا فون آگیا تھا۔ وہ آج کسی بھی وقت آسکتا ہے" میں نے اسے وہ سنسنی خیز خبر سنا ڈالی۔

"اوہ! مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ اپنا وعدہ وفا کرے گا۔ آج کی اخباری اطلاعات نے اسے بری طرح پھنسا دیا ہے۔"

"اس نے اخباروں کا خاص طور پر ذکر کیا تھا۔ وہ ونود کے قتل کے بارے میں پریشان ہے اور اس واردات کو میرے سر تھوپ رہا ہے۔"

"تمہارے سر تھوپ رہا ہے؟" اول خان کی تعجب آمیز آواز آئی "اور پھر بھی تم سے ملنے آرہا ہے۔"

"دہرے کردار میں یہی خرابی ہوتی ہے کہ بعض اوقات بات الجھ جاتی ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا "یوں سمجھ لو کہ وہ جہانگیر سے ملنے آرہا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ونود کو ڈینی نے ٹھکانے لگایا ہے کیونکہ شہر میں دوسری بیم گن اسی کے پاس ہے۔"

"تمہارا نام اس کے اعصاب پر سوار ہوگیا ہے۔"

"میں سمجھ رہا تھا کہ وہ قصہ ختم ہوچکا ہے لیکن اسے ماجد کی بھی تلاش ہے۔"

"یہ سب باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ پہلے اس کے استقبال کے بارے میں کچھ سوچو" اول خان بولا "کہو تو میں کچھ دیر کے لیے تمہارے پاس آجاؤں۔"

"بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا" میں نے جلدی سے کہا "یہی کافی ہے کہ کل تم آگئے تھے۔ وہ عام امریکیوں کی طرح بڑبولا ضرور ہے مگر احمق نہیں ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ آج صبح سے اس کے دو چار آدمی ان اطراف میں منڈلا رہے ہوں گے۔"

”ہمیں ابھی تک ایسا کوئی مشتبہ آدمی نظر نہیں آیا“ اس نے جواب دیا۔

”وہ کسی ... تحفظ کے بغیر دندناتا ہوا اکیلا آگیا تو میں اسے پاگل تصور کروں گا۔ جیک اور سلطان شاہ کے مقابلے کو وہ کتنا ہی اتفاقی سمجھ لے، نظرانداز نہیں کر سکتا۔ وہ ہر ممکنہ احتیاطی تدبیر اختیار کرے گا۔“

”پھر تم کیا سوچ رہے ہو؟“ اول خان نے پوچھا۔

”سوچنے کے لیے ہی تمہیں فون کیا ہے۔ وہ بہت مصروف علاقہ ہے۔ یہاں اس کے آدمیوں سے کوئی کھلا مقابلہ ہوگیا تو متعدد بے گناہ راہ گیر مارے جائیں گے۔ اس کے خلاف تمہیں بہت تیز کمانڈو ایکشن کرنا ہوگا۔“

”میں تم سے متفق ہوں“ اول خان کی طرف سے بلا توقف جواب آیا ”تم دکان میں میرے کتنے آدمیوں کو چھپا سکتے ہو؟“

”شاید ایک کو بھی نہیں“ میں نے اسے ایمان داری سے کورا جواب دے دیا ”وہ کوئی معمولی آدمی نہیں، شی کا آئی مین ہے۔ اول تو اس بونگی دکان میں میرے کیبن کے سوا، چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جگہ ہوتی تب بھی میں انکار کر دیتا۔ اس کے آدمی اس کی آمد سے پہلے اس بات پر بھی نگاہ رکھیں گے کہ فارمیسی میں داخل ہونے والے اندر ہی غائب نہ ہونے لگیں۔ وہ آنے اور جانے والوں کا پورا حساب رکھیں گے۔“

”بس، میں باہر سے کارروائی کی تیاری کرتا ہوں“ آئی مین کے بارے میں اطلاع پاکر اس کے ذہن پر عجلت سوار ہو چکی تھی۔

”یہ خیال رکھنا کہ وہ ذہین ہے تو آنے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گا تاکہ اس کے خلاف ہمیں کسی تیاری کا موقع نہ مل سکے۔ اس جیسے لوگ آنکھیں بند کر کے کسی پر اعتماد نہیں کرتے۔“

”تم نے آنے جانے والوں کے حساب کی بات کر کے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہ ٹھیک دو بجے آئے گا۔“

اول خان کے اس حساب پر میرا چونکنا فطری تھا ”تم نے یکایک یہ حساب کیسے لگا لیا؟“

”تم بھول گئے کہ حرافہ میڈم نے منیر کو ملاقات کے لیے دو بجے کا وقت دیا ہے۔ ابھی تک میڈم کا کردار کہیں فٹ نہیں ہو رہا تھا۔ آئی مین نے ملاقات کے وقت کا تعین کل ہی کر لیا تھا اور پھر اپنے کسی گرگے کے ذریعے میڈم کو تمہاری طرف بھیج دیا۔ وہ نہ جانے کتنی دیر سے تمہاری دکان کے کسی ملازم کا انتظار کر رہی ہوگی۔ دو بجے کھانے کا وقت ہوتا ہے۔ دھوپ کی وجہ سے بازار کی رونق ماند پڑ جاتی ہے۔ منیر میڈم سے مل رہا ہوگا تو دکان میں تمہارے ساتھ صرف ایک آدمی رہ جائے گا۔ آئی مین کی آمد کے لیے وہ وقت موزوں ترین ہوگا۔ وہ آوارہ عورت منیر کو کچھ دیر تک باتوں میں الجھانے کے بعد رخصت ہو جائے گی۔“

”تم کو اس کا بندوبست بھی کرنا ہے“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ اس وقت اسے جہنم میں ڈالو۔ اس پر ہم ہر وقت ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی ساری توجہ آئی مین پر مرکوز رکھنی ہے۔ وہ ایک مرتبہ آکر نکل گیا تو دوبارہ ہاتھ نہیں آسکے گا۔“

”ٹھیک ہے۔ تم اپنا بندوبست کرو۔ ہمیں باتوں میں وقت برباد نہیں کرنا چاہیے۔“

”اوکے اینڈ تھینک یو!“ اول خان کی طرف سے سلسلہ موقوف ہوگیا۔

ریسیور رکھ کر میں خالی الذہنی کے عالم میں اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اول خان نے اپنی دانست میں میڈم نامی عورت کا ایک عملی کردار دریافت کر لیا تھا مگر پھر بھی بہت سی باتیں میرے لیے ناقابل فہم تھیں۔ وہ سارا منصوبہ میرا بنایا ہوا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس میں منصوبہ بندی کا سرے سے کوئی دخل نہیں تھا۔ آئی مین سے ہونے والی گفتگو میں، میں اسے شبہے کا موقع دیے بغیر بولتا چلا گیا۔ وہ ایک بات کہتا تھا تو میرے پاس اس کا برجستہ جواب موجود ہوتا تھا۔ ٹیلی فون پر دو مرتبہ ہونے والے مذاکرات کے نتیجے میں جو کچھ سامنے آیا تھا، وہ مجھے یکایک کچھ حیرت ناک نظر آنے لگا تھا۔

اگر آئی مین بلا سوچے سمجھے ہمارے بنائے ہوئے چوہے دان کی طرف چلا آرہا تھا تو ذہنی طور پر وہ شخص اس قابل نہیں تھا کہ شی جیسی عالم گیر تنظیم میں کوئی مرکزی ذمے داری ادا کر سکے۔ اس نے ہمارے لیے سب کچھ اس قدر سہل بنا دیا تھا کہ مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔

وہ شہر کے اس گنجان علاقے میں اپنے ساتھ کتنی بھی نفری لے آتا، اس کے لیے زندہ بچ نکلنا ممکن نہیں تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اسے مار گرانے کی کوششوں میں ایس ٹی ایف کو بھی جانی نقصان کا سامنا کرنا پڑتا۔ راہ چلتے جو لوگ زخمی ہوتے یا مارے جاتے، وہ اس مقابلے کو زیادہ خونین بنا دیتے۔ میں اپنے دل میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ آئی مین ان خطرات کی طرف سے آنکھیں بند کیے بیٹھا ہوگا۔

وہ دنیا بھر میں خطرات سے دن رات کھیلنے والا ایک مہم جو مجرم تھا۔ میری کامیاب ترین گفتگو اور صدا کاری کے باوجود وہ آزمائش کے بغیر مجھ پر سو فیصد اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ اگر اس کے دل میں بے اعتباری کی ذرا سی بھی رمق تھی تو اس کا آخری پیغام بالکل احمقانہ تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ وہ ایک بڑی اور اہم مہم تھی۔ اول خان کو اس کی تیاری کے لیے وقت درکار تھا۔ اسے جلد از جلد مطلوبہ نفری کا بندوبست کرنا تھا۔ میں نے فون یا ایریئس پر دوبارہ رابطہ کر کے اس کا وقت خراب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے اعصابی تناؤ کے ساتھ، کیبن میں بیٹھا سگریٹیں پھونکتا رہا۔

ایک بجے اول خان نے ایریئس پر رابطہ کر کے بتایا کہ اس نے پہلے سے موجود دو آدمیوں کے علاوہ اسٹیشن فور سے چار کمانڈوز طلب کر لیے تھے تاکہ زیادہ بھیڑ بھاڑ کے بغیر اور کم سے کم جانی نقصان کے ساتھ آئی مین کو زیر کیا جا سکے۔ ان میں سے ایک آدمی میڈم کو سنبھالنے پر مامور کیا گیا تھا۔ بقیہ پانچ افراد کو اول خان کی کمان میں رہ کر فاریسی میں اپنی تیز ترین کارروائی کرنی تھی۔

اول خان اس وقت بہت زیادہ پر امید اور پر جوش تھا۔ میں نے اس پر اپنے نئے اندیشوں کا اظہار نہیں کیا۔

اس وقت کی اہم ترین صورت حال یہ تھی کہ وہ منظر نامہ میرا پیدا کیا ہوا تھا اور میں جذباتی طور پر اس سے قطعی الگ تھلگ ہو چکا تھا۔ اول خان شروع سے میرے مشیر اور مبصر کے طور پر شریک رہا تھا لیکن وہ جذباتی طور پر ان واقعات میں پوری طرح ملوث ہو چکا تھا۔ اسے وہ تاریک گوشے نظر نہیں آ رہے تھے جو میری نظروں میں آ چکے تھے۔

کسی ہنگامی صورت حال میں باہمی رابطے کے لیے وہ سب اسی ساخت کے ٹرانسمٹرز سے لیس تھے جو میرے پاس موجود تھا۔ اسے آن رکھ کر میں ان کے درمیان ہونے والی پوری گفتگو سن سکتا تھا لیکن فیصلہ کن لمحات میں یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔

وقت گزرتا رہا۔ میں نے دو مرتبہ کیبن سے کاؤنٹر پر آ کر باہر کا جائزہ لیا۔ وہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا، کہیں کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آ رہی تھی۔

پونے دو بجے منیر جھجکتا ہوا میرے کیبن میں آ گیا اور نیچی آواز میں بولا "صاحب! میں کھانا کھانے جا رہا ہوں، میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"جاؤ مگر جلدی لوٹ آنا۔" میں نے روانی میں کہہ دیا۔

"اس عورت نے مجھ سے دو بجے ملنے کا وعدہ لیا تھا، میں اس سے ملوں یا نہ ملوں؟" اس نے پوچھا۔

آئی مین کی پیدا کی ہوئی الجھنوں میں گھر کر میں نے میڈم کو فراموش کر دیا تھا۔ اس کے یاد دلانے پر میں نے جلدی سے کہا "اس سے ضرور ملو۔ اب تم کو بہت سی باتیں معلوم ہو چکی ہیں۔ تمہاری زبان سے نکلا ہوا کوئی غلط لفظ مجھے یا جہانگیر کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ میں پوری احتیاط کروں گا" اس نے ادب سے کہا۔

میں اسے شیشے میں سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ باہر کیش اور کاؤنٹر پر قمر تنہا رہ گیا تھا۔ اس وقت دکان گاہکوں سے خالی ہو چکی تھی۔

دو بجنے کے قریب میرا اعصابی تناؤ اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ وقت کے تعین کے بارے میں اول خان کی بات محض اس کے قیاس پر مبنی تھی مگر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دو بجے ہی کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔

ے ساتھ چلے آؤ" اول

میری نگاہیں شیشے کے پار دکان کے داخلی دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ اچانک ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ میں نے یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ وہ اپنے لباس اور شکل وصورت سے کوئی معقول مقامی نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنی قمیص کے کالر پر سیاہ ٹائی باندھی ہوئی تھی۔ اس نے ایک پرچہ قمر کو تھمایا اور اطمینان سے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہوگیا۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی کسی آسیبی چیخ کے مانند گونجی۔ قمر نئے گاہک کے ساتھ مصروف تھا۔ میں نے ریسیور اٹھالیا۔

"جہانگیر! میں نے اپنا پروگرام بدل دیا ہے" ریسیور پر آئی مین کی شناسا آواز سن کر میں یک لخت سناٹے میں آگیا۔ وہ موبائل فون سے بول رہا تھا کیونکہ اس کی آواز میں گھٹتی بڑھتی ہوئی ریڈیائی گونج شامل تھی۔

"میں انتظار میں تھا کہ آج تم سے میری ملاقات ضرور ہوگی..."

"ملاقات ضرور ہوگی" اس نے میری بات درمیان سے کاٹ کر کہا "ذرا دیکھو، تمہارے کاؤنٹر پر سیاہ ٹائی میں ملبوس ایک گاہک پہنچا ہوگا۔ وہ میرا بھیجا ہوا آدمی ہے۔ اب میں تمہارے پاس نہیں آرہا، تم کو اس کے ساتھ میرے پاس آنا ہے۔"

میرے وجود میں بے یقینی کی ایک سرد سی لہر سرایت کرگئی۔ آخر کار میرے اندیشے درست ثابت ہوئے تھے۔ آئی مین نے عین وقت پر قلا بازی کھائی تھی۔ میں نے کہا "تم اپنے وعدے سے انحراف کررہے ہو۔ تم کو آنا تھا۔ اب مجھے بلا رہے ہو۔ پتا نہیں تم میرے ساتھ کیا سلوک کروگے۔ تمہارا آدمی اس وقت کاؤنٹر پر موجود ہے۔"

"کوئی بدسلوکی نہیں ہوگی۔ تم سلور آئی دیکھ کر لوٹ جانا۔ میرا ابتدائی وعدہ ملاقات کا تھا۔ یہ طے نہیں ہوا تھا کہ ہم میں سے کون کس کے پاس آئے گا۔ تمہاری دکان کے آس پاس کا ماحول میرے لیے مخدوش ہے۔ تم کو میری طرف سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میں نے ابتدائی جھٹکے کے بعد سنبھالا لیا اور جلدی سے کہا "مجھے بدسلوکی کا ڈر نہیں ہے۔ تمہارے غصے کا خوف ہے، شاید تم کو میری یہ بات پسند نہیں آئی کہ میں نے تم سے سلور آئی دکھانے کا مطالبہ کیا ہے۔ تم یقین کرو کہ اس خواہش میں میری کسی بدنیتی کا دخل نہیں ہے۔"

"میں تمہاری محتاط روی سے خوش ہوا ہوں اسی لیے میلوں کی مسافت طے کرکے یہاں آیا ہوں۔ میری گاڑی ایک گلی میں موجود ہے۔ تم چند منٹ میں پیدل چل کر آسکتے ہو۔ میرا آدمی زیادہ دیر تک تمہارا انتظار نہیں کرے گا۔ دوائیں خرید کر پانچ منٹ میں دکان سے نکل جائے گا۔"

میں نے اسی لمحے کاؤنٹر کی طرف دیکھا۔ شاید اس کا نسخہ لمبا تھا۔ قمر کاؤنٹر کے پیچھے بنے ہوئے شیلف سے دوائیں نکال رہا تھا، کالی ٹائی والا پورے اطمینان سے اپنی جگہ پر کھڑا ہوا تھا۔

وہ بہت نازک موڑ تھا۔ میرے لیے یہ بات خوش آئند تھی کہ مجھے آئی مین کے کسی ٹھکانے پر نہیں جانا تھا۔ ہماری ملاقات ایک گلی میں ہونے والی تھی۔ اس تبدیلی نے مجھے اول خان کے انتظام کی طرف سے مضطرب کردیا تھا۔ اس نے فارمیسی پر کارروائی کرنے کی تیاری کی ہوئی تھی۔ میرے پاس اتنی مہلت نہیں تھی کہ اسے بدلی ہوئی صورت حال سے آگاہ کرتا۔ فون پر آئی مین بات کررہا تھا۔ باہر کاؤنٹر پر اس کا مقامی ہرکارہ کھڑا ہوا تھا۔ میں اس کے ساتھ جانے کا فیصلہ کرنے میں تاخیر کرتا تو سیاہ ٹائی والا خاموشی سے لوٹ جاتا اور آئی مین میری طرف سے بدظن ہوجاتا۔

مجھے یہ امید تھی کہ اول خان کے نزدیک دو بجے کا وقت اہم تھا۔ اس وقت دو بجے سے چند منٹ اوپر ہوئے تھے۔ اگر وہ مجھے کالی ٹائی والے کے ساتھ دکان سے باہر نکلتا ہوا دیکھتا تو ضرور چونک پڑتا اور خاموشی سے میرا پیچھا کرنا شروع کردیتا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کی پوری نفری اس کے ساتھ حرکت میں آتی۔ وہ میرے پیچھے پیچھے آئی مین کی گاڑی تک پہنچ کر اصلیت کا ادراک کرتا تو کوئی مضبوط کارروائی کرنے کی پوزیشن میں نہ ہوتا۔ آئی مین پر ادھا وار کرتا یا پھر ہاتھ ملتا رہ جاتا۔

"آئی مین نے اپنے پروگرام میں تبدیلی کرکے ہم سب کو ایک کٹھن امتحان میں ڈال دیا تھا۔ اس کے بارے میں ہمارے سارے اندازے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔

"بس میں آرہا ہوں" میرے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔

میرے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ کالی ٹائی والا اپنی دوائیں خرید چکا تھا۔ میں نے ریسیور کریڈل پر رکھا تو وہ واپسی کے لیے مڑ چکا تھا۔ مجھے اپنی حماقت پر غصہ آیا کہ میں نے چند منٹ کی وہ مہلت آئی مین سے بے نتیجہ بحث میں ضائع کردی۔ میں وہ وقت بچالیتا تو چند لمحوں میں اول خان کو بدترین خطرے کے بارے میں کوئی پیغام دے سکتا تھا۔ میں تیزی سے کیبن سے باہر نکلا اور بھائی صاحب کہہ کر ٹائی والے کو دکان اترنے سے روک دیا۔

وہ سنجیدگی سے مڑ گیا۔ میں قمر کو ہکا بکا چھوڑ کر اس کی

طرف ہولیا اور اس کے قریب پہنچ کر رازداری سے پوچھا "ہمیں کتنی دور جانا ہے۔"

"تمہیں فون پر بتادیا گیا ہوگا" اس نے بے پروائی سے کہا اور دکان سے نکل گیا' میں اس کے پیچھے ہولیا۔

دکان کا فرش فٹ پاتھ سے خاصا بلند تھا۔ اس بلندی سے مجھے اول خان یا اس کا کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔ وہ سب نہ جانے کہاں چھپے ہوئے تھے۔ دیکھے جانے کی امید میں' میں نے سر کھجانے کے بہانے اپنا ہاتھ سر تک اٹھایا اور پھر ہلا دیا۔ کالی ٹائی والا مجھ سے آگے تھا اس لیے میری اس حرکت سے بے خبر رہا۔

دکان سے چند سو قدم دور نکل آنے کے بعد وہ یکے بعد دیگرے دو گلیوں میں مڑا اور پھر میں نے وہ اکلوتی سیاہ کار دیکھی جو اس سنسان گلی کے وسط میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس کار کے پچھلے شیشے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کار کے سارے شیشے سیاہ تھے جن میں سے اندر کا جائزہ لینا' ممکن نہیں تھا۔

"کالی کار کے بائیں طرف کی پیچھے والی کھڑکی تمہاری ہے" کالی ٹائی والے نے مجھے بتایا اور اپنی رفتار بڑھادی۔

میری جیب میں صرف بیم گن پڑی ہوئی تھی۔ داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں اول خان کی دی ہوئی وہ دو انگوٹھیاں موجود تھیں جن کے کھوکھلے نگینے زہریلے سیال اگلتے تھے۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ میرے پیچھے کون کون آرہا تھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کار والے اپنے عقب نما آئینے میں پوری توجہ سے میرا جائزہ لے رہے ہوں گے۔ اگر میں ان کی نامعلوم نفری کے خلاف اپنے طور پر کوئی قدم اٹھاتا تو اس کا کوئی خوش گوار نتیجہ نکلنے کی امید نہیں تھی۔

کالی ٹائی والا میرے پہنچنے سے پہلے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ کار کا انجن اسٹارٹ تھا۔ دروازہ کھلنے پر ٹھنڈی ہوا کے جھونکے میرے وجود تک آئے تھے۔ گرم موسم میں گاڑی کا ائیر کنڈیشنر چلانے کے لیے انجن رواں رکھنا ضروری تھا۔

میں بائیں طرف کی پچھلی کھڑکی کے قریب رکا تو خود بخود شیشہ آہستگی سے قدرے نیچے پھسلا اور میرے کانوں میں آئی مین کی پرسکون آواز آئی "جھک کر اندر جھانک لو۔ سلور آئی میری ہتھیلی پر موجود ہے۔ میں نے اپنی طرف سے تمہیں مطمئن کر دیا ہے۔"

میں نے بڑھ کر شیشے کی کشادہ جھری میں سے اندر جھانکا اندر خاصا اندھیرا تھا مگر دن کی روشنی کے انعکاس میں آئی مین کی سفید ہتھیلی پر سلور آئی چمکتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اس دوران میں' میں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ کار کی عقبی نشست پر آئی مین اکیلا تھا۔ اس تنومند سفید فام کی آنکھوں پر بڑے شیشوں کی سیاہ عینک چڑھی ہوئی تھی۔ سر پر ہیٹ جما ہوا تھا اور چہرہ ایک رنگین رومال میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے اپنی شناخت چھپانے کی ہر ممکنہ کوشش کی تھی۔

"تمہاری سلور آئی کہاں ہے؟" میرے جھکتے ہی آئی مین نے سرد آواز میں سوال کیا۔

"پروگرام بدل جانے کی وجہ سے وہ دکان کی تجوری میں رہ گئی" میں نے بوکھلائی ہوئی آواز میں فی البدیہہ جھوٹ بولا حالانکہ وہ میری جیب میں پڑی ہوئی تھی۔

"تم گندے سور ہو" اندر سے اس کی غراتی ہوئی آواز ابھری اور کھڑکی کا شیشہ سرک کر بند ہوگیا۔

میں تیزی سے کار سے دور ہٹ گیا۔ میرے ہٹتے ہی کہیں سے پہلی گولی چلی اور کار کی پچھلی ونڈ شیلڈ پر پڑ کر اچٹ گئی۔ گولی ٹکرانے کی پرشور آواز بتا رہی تھی کہ سیاہ کار کے شیشے بلٹ پروف تھے۔ میں ایک چبوترے کی اوٹ میں زمین پر گر گیا۔

دھماکا ہوتے ہی کار حرکت میں آئی تھی۔ اسی لمحے یکے بعد دیگرے دو مزید فائر ہوئے۔ اس بار کار کا ایک پچھلا ٹائر پھٹ گیا۔ مگر ڈرائیور نے رکنے کا خطرہ مول نہیں لیا۔ اس کی اگلی کھڑکی سے میں نے ایک سیاہ گولا فضا میں اچھلتے دیکھا۔ اس کے زمین پر گرتے ہی کانوں کے پردے پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا اور پوری فضا گہرے سیاہ دھوئیں سے بھرتی چلی گئی۔ جو میرے اور کار کے درمیان حائل ہو چکی تھی۔ میں آئی مین کی گاڑی سے قریب ہوتے ہوئے بھی کچھ نہ کرسکا۔

فائرنگ اور دھماکے کے بعد وہ سنسان گلی شور اور چیخوں سے گونج اٹھی۔ لوگ دہشت زدہ ہو کر گھروں اور کارخانوں سے نکل بھاگے تھے۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑی تو اول خان کو دیکھا۔ وہ پھیلتے ہوئے دھوئیں سے بچ کر مجھے تلاش کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ممنوعہ بور کی رائفل دبی ہوئی تھی۔ اس نے یقینی طور پر مجھے کار سے دور ہٹتے ہوئے دیکھ لینے کے بعد پہلا فائر کیا تھا لیکن شاید فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے جگہ کا تعین نہیں کرسکا تھا۔

ہم دونوں دوڑتے ہوئے' بدحواس لوگوں کے ہجوم سے گزرتے چلے گئے۔ اول خان کی رائفل کی جھلک دیکھ کر بھیڑ کائی کی طرح پھٹ رہی تھی۔

"اب دکان کا رخ نہ کرنا۔ میرے ساتھ چلے آؤ" اول خان نے ہدایت کی۔

فائرنگ اور بم کے دھماکے کی آوازیں دور دور تک سنی گئی تھیں۔ گلیوں سے مین روڈ تک شدید بھگدڑ اور افراتفری کا عالم تھا۔

اول خان مجھے اپنے ساتھ لے کر اپنی گاڑی تک پہنچ گیا۔ اپنی رائفل کی وجہ سے وہ ہر ایک کی نگاہوں میں آچکا تھا۔ بہت سے لوگ حیرت اور خوف کے عالم میں ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے انجن اسٹارٹ کر کے فوری طور پر گاڑی آگے بڑھائی اور بائیں ہاتھ سے ایریئس اٹھا کر اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے لگا۔ میں نے اپنی تمام تر وحشت کے باوجود یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ اس نے عورت کو فوری طور پر اسٹیشن فور پہنچانے کی ہدایت کی تھی۔

"یہ بہت برا ہوا" اپنے کام سے نمٹ کر اول خان نے پرملال آواز میں پہلا تبصرہ کیا۔ "وہ ہماری توقع سے زیادہ چالاک ثابت ہوا۔ اس نے آخری لمحات پر اپنا پروگرام بدل کر ہمیں مات دے دی۔ کیا تم کو اتنا وقت بھی نہیں ملا کہ مجھے ہوشیار کر دیتے؟"

"آئی مین فون پر تھا اور اس کا آدمی کاؤنٹر پر کھڑا ہوا تھا۔ میں چلنے میں ذرا سی تاخیر کرتا تو بات بگڑ جاتی۔"

"مجھے معلوم ہے" وہ سرہلاتے ہوئے بولا "تم کو ذرا سی بھی مہلت مل جاتی تو اس وقت کا نقشہ مختلف ہوتا۔"

"سب کچھ اس قدر اچانک ہوا کہ مجھے سوچنے سمجھنے یا کچھ کرنے کا موقع نہیں ملا" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا پھر پوچھا "اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"میڈم کو پکڑ لیا گیا ہے۔ میرے آدمی اسے اپنے ساتھ اسٹیشن فور لائیں گے، ہم بھی ویرا کو لے کر اسی طرف جائیں گے۔"

"یہ بھی مجبوری ہے۔ اس وقت وہ عورت اکلوتی کڑی ہے۔ اس کے سہارے شاید ہم آگے بڑھ سکیں۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ آئی مین نے اپنا جو پروگرام دیا ہے، وہ اس پر عمل نہیں کرے گا۔"

"چوک ہو گئی۔ ہم دوسروں کے دماغ پڑھنے سے قاصر ہیں۔ کہیں نہ کہیں رسک لینا پڑتا ہے۔"

اگر اس گاڑی پر تین فائر نہ کیے گئے ہوتے تو بات نہ بگڑتی۔ وہ مجھے سلور آئی دکھا کر لوٹ جاتا اور میں بعد میں کسی موقع پر اسے دوبارہ گھیر سکتا تھا۔ فائرنگ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ میں آئی مین کے مخالفوں میں سے تھا اور اسے دانستہ پھانسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے وہ بات اول خان سے نہیں کہی ورنہ وہ دل گرفتہ ہو جاتا۔ اس نے اضطراری طور پر وہی کچھ کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ اس میں اگر مگر کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

میں نے راستے سے فارمیسی فون کیا تو وہاں گھنٹیاں
رہیں، کوئی جواب نہیں ملا۔ گھر فون کیا تو پتا چلا کہ اتنی د
میں جہانگیر کو اس واقعے کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ مجھ
بات کرنے کے لیے سخت بے چین تھا۔ اس کی زبانی
معلوم ہوا کہ ایک آدمی مجھے دکان سے اٹھا لے گیا تھا۔
کے بعد وہ علاقہ فائرنگ اور بم کے دھماکے سے گونج اٹھا
والے میری خیریت کی طرف سے فکرمند تھے۔ خیریت مع
ہو جانے کے بعد ویرا واقعات کی تفصیل جاننے پر مصر ہو گئ
میں نے اسے تیار رہنے کی ہدایت کی اور سمجھایا
اسٹیشن فور کے راستے میں اسے سب کچھ بتا دیا جائے
دوسری ضروری ہدایت سلطان شاہ کے لیے تھی۔ بھگدڑ
میری گاڑی لی مارکیٹ میں ہی رہ گئی تھی۔ اس کا وہاں
ہٹایا جانا ضروری تھا۔

ہم گھر پہنچے تو ویرا تیار تھی۔ میں نے غزالہ کو اخت
سے وہ واقعہ سنایا اور رکے بغیر ویرا کو ساتھ لے کر اول
کے ہمراہ اسٹیشن فور کی طرف چل دیا۔ ویرا اپنی عادت
مطابق راستے بھر مجھ سے سوالات اور جرح کرتی پھر اس
بے دھڑک وہ بات کہہ ڈالی جو میں اپنے دل میں لیے
تھا۔ مجھے اول خان کی دلجوئی کا خیال تھا لیکن ویرا ا
رواداری کی قائل نہیں تھی۔

"تم نے صحیح نشان دہی کی ہے۔ فائرنگ نہ ہوتی
معاملات نہ بگڑتے" اول خان نے افسردگی سے اعتراف
"مجھے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ کار کے شیشے بلٹ پروف ہیں تو
گولی نہ چلاتا۔ میں نے پہلا فائر پچھلے شیشے پر کیا تھا۔ وہ
جاتا تو کار میں موجود ہر فرد لہولہان ہو جاتا اور وہ فرار
قابل نہ رہتے۔"

"تم اپنی جگہ درست تھے" میں نے اس کی تائید
"کوئی قدم اٹھانے کے بعد ہی اس کی خوبیاں اور خامی
سامنے آتی ہیں۔ اب یہی دیکھ لو کہ جو شخص مجھے دکان
اٹھا کر کار تک لے گیا، صورت سے شریف اور تعلیم یافتہ
آ رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ کرائے کا آدمی ہو گا مگر وہ ا
گاڑی کا تیسرا سوار تھا۔ اسی نے اپنی کھڑکی سے دھوئیں
پھینک کر تمہاری راہ مسدود کر دی ورنہ وہ گاڑی دور
تمہاری رینج میں رہتی۔"

"اس کو میں ہزاروں کی بھیڑ میں بھی پہچان لوں گا" ا
خان نے تلخی سے کہا "اگر اچانک دھوئیں کا بادل نہ
جاتا تو میں گاڑی پر مزید گولیاں چلاتا۔ پیچھے کا دوسرا ٹائر
پھٹ جاتا تو وہ فرار نہیں ہو سکتے تھے۔ سڑک کی رکا

ٹائروں میں آگ لگ جاتی۔"

"تم کو انہیں تلاش کرنا چاہیے تھا" ویرا نے ایک اور شوشا چھوڑا "تین ٹائروں پر وہ زیادہ دور نہیں نکلے ہوں گے۔ کہیں رک کر انہوں نے ٹائر بدلا ہوگا۔"

"تم گھاس کھا گئی ہو" میں نے چڑ کر کہا "تم نے شاید وہ علاقہ نہیں دیکھا۔ سڑکوں اور گلیوں کی بھول بھلیوں میں ان کو تلاش کرنا آسان نہیں تھا۔"

"آسان نہیں تو ایسا ناممکن بھی نہیں تھا۔ ایک کوشش ضرور کی جاسکتی تھی" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"وقت پر صحیح فیصلہ کرنے اور بعد میں کیڑے نکالنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ آئی مین کے پہلے فون کے بعد سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ عقل ماؤف ہوکر رہ گئی تھی۔ یہ غنیمت ہے کہ اول خان نے مجھے دیکھ کر میرا پیچھا کرلیا ورنہ مجھے کہیں سے مدد کی امید نہیں تھی" میں نے اسے جواب دیا۔

"میں نے دکان پر مستقل نظر رکھی ہوئی تھی۔ میں چاہتا تو اپنی پوری نفری کو ساتھ لے لیتا مگر میں سمجھ ہی نہیں سکا کہ وہ آدمی تمہیں کہاں لے جارہا ہے۔ یہ عقدہ سیاہ کار دیکھنے کے بعد کھلا۔ اس وقت میں اپنے آدمیوں سے بہت دور آچکا تھا۔"

"مجھے امید ہے کہ اب میڈم کام کی کوئی نہ کوئی بات اگلے گی" میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

"تم دیکھنا کہ میں اس سے کس طرح کھایا پیا تک اگلواتی ہوں۔" ویرا نے فخر سے دعویٰ کیا۔

ہم اسٹیشن فور پہنچے تو اول خان کے ساتھی اس عورت کو ایک کمرے میں بند کرچکے تھے۔ ہم تینوں وقت ضائع کیے بغیر وہیں پہنچ گئے۔

میڈم اس وقت چست جینز اور قمیص میں ملبوس تھی۔ وہ ادھیڑ عمر مگر طرح دار عورت تھی۔ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے، سراسیمگی کے عالم میں فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہم لوگوں کے قدموں کی آہٹیں سن کر اس نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں سخت ہراس تھا۔

"میں بے قصور ہوں۔" ہمیں دیکھتے ہی وہ رونے لگی "میں ایک آدمی سے پتا پوچھ رہی تھی۔ یہ لوگ مجھے بلاوجہ پکڑ لائے۔"

ویرا اسے گھورتی ہوئی آگے بڑھی اور پھر اس کے بال جکڑ کر اسے فرش سے اٹھا دیا۔ اگلے ہی لمحے ویرا فضا میں اڑتی نظر آئی۔ اس کی داہنی ایڑی پوری قوت سے میڈم کے جبڑے پر پڑی اور وہ ایک کریہہ چیخ کے ساتھ اچھل کر دور جاگری۔ ویرا اپنے قدموں پر سیدھی ہوتے ہی اس کی طرف لپکی اور اس کے سینے پر سوار ہوکر اس کے چہرے پر مکے برسانے شروع کردیے۔ میڈم لڑاکا عورت نہیں تھی۔ وہ رو رو کر اپنا بچاؤ کرتی رہی۔ ویرا اسے ادھیڑتی رہی۔ مقابلہ بالکل یک طرفہ تھا۔

جب ویرا اسے مارتے مارتے تھک گئی تو اس کے سینے سے اتر آئی۔ اس نے اپنی شکار کو ادھ موا کردیا تھا۔

"ہم وقت برباد نہیں کریں گے۔ اگر تم نے زبان نہیں کھولی تو تمہاری زندگی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ تم غداری جیسے سنگین جرم میں ملوث ہوئی ہو۔" اول خان نے قریب ہوکر اسے دھمکایا۔

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ مجھے خالد نے مروایا ہے۔" اس نے روتے اور کراہتے ہوئے کہا "اس نے کہا تھا کہ مجھے ایک معمولی اور بے ضرر کام کرنا ہے۔"

"رونا بند کرو اور اپنا نام بتاؤ۔" اول خان نے اسے ڈانٹا۔

"میرا اصل نام فرزانہ ہے مگر اب سب میڈم کہتے ہیں۔" اس نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے روہانسی آواز میں بتایا۔

"اور یہ خالد کون ہے؟" اس بار میں نے سوال کیا۔

اس نے جو کچھ کیا وہ ہمارے سامنے تھا۔ اس سے بہت زیادہ معلومات حاصل ہونے کی توقع نہیں تھی۔ کلیدی بات یہ تھی کہ اسے کس نے منیر کو الجھانے کے کام پر مامور کیا تھا۔ ہمارا اگلا شکار وہی شخص ہونا تھا۔

"میرا پرانا دوست ہے۔ ناظم آباد میں رہتا ہے۔" اس نے اپنی گلو خلاصی کے لیے ایک قدم آگے تک جواب دے ڈالا۔

"ہمیں اس کا پتا درکار ہے تاکہ اس سے تمہارے بیان کی تصدیق کی جاسکے۔" میں نے سختی سے کہا۔

"میں نے کبھی اس کا گھر نہیں دیکھا۔" فرزانہ سہمی ہوئی آواز میں بولی "اسی نے بتایا تھا کہ وہ ناظم آباد میں رہتا ہے۔ مجھے اس کا فون نمبر یاد ہے۔"

اس نے نمبر بتایا جس کے ابتدائی تین ہندسے ناظم آباد کی نشان دہی کررہے تھے۔

"اب تم دیکھ لو کہ یہ اپنی دوسری سرگرمیوں کے بارے میں کیا بتاتی ہے۔" میں نے ویرا سے کہا اور اول خان کو اشارہ کرکے باہر نکل گیا۔

اول خان بھی میرے پیچھے باہر آگیا "ہمیں فوری طور پر خالد تک پہنچنا چاہیے۔" اس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے کہا "ہوسکتا ہے کہ وہ کسی تیسرے کی نشان دہی کرے۔ ہمیں ان

لوگوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔"

میں خود اسی فلسفے کا قائل تھا۔ دشمن کو ذرا بھی مہلت دینے کا مطلب اپنی موت کو دعوت دینا ہوتا ہے اور آئی مین ہماری توقع سے کہیں زیادہ چالاک ثابت ہوا تھا۔ اس کے آدمیوں کو پہلی فرصت میں کچلنا تھا تاکہ وہ اپنے ناپاک عزائم کو آگے بڑھانے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

اپنے دفتر میں آکر اول خان نے ٹیلی فون کے محکمے میں اپنے دوست کو فون کرکے فرزانہ کا بتایا ہوا نمبر دے دیا اور اس سے جلد از جلد پتا دینے کا وعدہ لے کر فون بند کردیا۔

میں جہانگیر کو آئی مین کے بارے میں بتا چکا تھا۔ جو رہ گیا تھا وہ اس نے صبح کے اخبارات میں خود پڑھ لیا ہوگا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اپنے دونوں ملازمین سے ملنے والی ادھوری معلومات پر وہ کس قدر پریشان ہوگا۔ اسے یہ بتانا بھی ضروری تھا کہ مطلع صاف ہونے تک وہ دکان بند کرا کے اپنے دونوں آدمیوں کو گھر بٹھا دے تاکہ آئی مین کی کسی جوابی کارروائی میں مال کے ساتھ ساتھ جانی نقصان بھی نہ اٹھانا پڑے۔

اول خان کے دفتری فون پر خالد کے پتے کے بارے میں کال آنے والی تھی اس لیے میں نے موبائل فون پر جہانگیر کے گھر کا نمبر ملا لیا۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تمہاری آواز سننے کو ملی۔"

میری آواز پہچانتے ہی اس کی مسرت سے لبریز آواز سنائی دی "منیر اور قمر نے مجھے جو تشویش ناک خبریں سنائی تھیں' ان سے میں پریشان ہوگیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں دشمنوں نے تمہیں اغوا نہ کرلیا ہو۔"

"یہ سب تمہارے کرتوتوں کا خمیازہ ہے جو میں بھگت رہا ہوں۔"

"میں نے کون سے کرتوت کیے ہیں جن کا تم طعنہ دے رہے ہو؟" اس کی گھٹی گھٹی آواز آئی۔

"کیا تم دکان پر عورتوں کو بلا کر ان کے ناز و نخرے نہیں اٹھاتے تھے؟"

"یار' خدا کا خوف کرو۔ وہ بے چاری یتیم لڑکیاں اور غریب بیوائیں ہوتی ہیں جو مدد لینے کے لیے میرے پاس آتی ہیں۔"

"بہت شوق ہے۔ تمہیں ایسی عورتوں اور لڑکیوں کی مدد کا۔ کیا لڑکے یتیم اور بے سہارا نہیں ہوتے۔ ایسا کرو کہ اپنی دکان کا نام بدل کر گولڈن فارمیسی اینڈ یتیم خانہ رکھ لو تاکہ شہر کے سارے ضرورت مندوں کو تم تک پہنچنے میں آسانی ہو۔"

"تم بلاوجہ بات کا بتنگڑ بنا رہے ہو۔ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ کیا ہوا ہے۔"

"منیر سے پوچھ لو۔ ایک عورت ہماری شامت بن کر وہاں نازل ہوئی اور ہم کو بھاگنا پڑا۔ اب ملوں گا تو تم کو تفصیل بتاؤں گا۔"

"سنا ہے کہ وہاں فائرنگ ہونے کے ساتھ بم بھی چلے ہیں۔"

"یہ پوچھو کہ کیا نہیں ہوا۔ بس زندگی تھی جو بچ گئی۔ اب دکان کو تالا لگا دو۔ میری اگلی ہدایت تک تم یا تمہارے آدمی دکان کا رخ نہیں کریں گے۔ میری اس ہدایت کی خلاف ورزی کی تو ہر نقصان کے تم خود ذمے دار ہوگے۔"

"کیا یہ وہی شی والا چکر چل رہا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"وہی چکر ہے۔ وہ لوگ خوں خوار تیوروں کے ساتھ میدان میں اترے ہیں۔ دیکھو یہ سلسلہ کہاں جاکر ختم ہوتا ہے۔"

"ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ تازہ مصیبت کسی عورت کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔"

"شی کا چکر تھا مگر اس میں عورت کا رول اہم تھا۔" میں نے بلاوجہ اس پر رعب گانٹھا "اسی لیے کہتا ہوں کہ غیر عورتوں سے دور رہا کرو۔"

"میں دور رہوں گا لیکن یہ بتاؤ کہ نیا چکر کب تک ختم ہوگا۔" اس کی آواز پر تشویش تھی۔

"یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ آج آئی مین میدان چھوڑ کر بھاگ جائے تو آج ہی یہ قصہ ختم ہوسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

اسی وقت اول خان نے انگلی کے اشارے سے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور میں اس کی بات سمجھ کر سنبھل گیا۔ کچھ عرصے سے سی ایس ڈی کے مسلسل استعمال کے سبب ہماری عادتیں بگڑ گئی تھیں اور ہم فون پر غیر محتاط گفتگو کرنے لگے تھے جو اس وقت کے حالات میں مناسب نہیں تھا۔ میں اس وقت اپنے موبائل پر بات کر رہا تھا جو غیر محفوظ تھا۔ اول خان نے اشارہ کرکے مجھے یہی یاد دلایا تھا کہ مجھے براہِ راست شی اور آئی مین وغیرہ کے ذکر سے گریز کرنا چاہیے۔

"تم گھر کا چکر کب لگا رہے ہو؟ مجھے نظر آرہا ہے کہ اب وہ تمہارا فریب سمجھ جائے گا اور براہِ راست مجھ تک پہنچنے کی کوششیں شروع کردے گا۔"

"اس کی تم پروا مت کرو۔ یہ نکتہ میری نگاہ میں ہے۔ تمہاری حفاظت کا بندوبست ہوجائے گا لیکن اب بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلنا۔ زخمی گیدڑ آدم خور شیر سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔"

اول خان کے فون کی گھنٹی بجنے پر میں نے جہانگیر سے

اپنی گفتگو اسی وقت ختم کردی۔ میں نے اسے اہم ترین ہدایات دے دی تھیں۔ وہ ان پر عمل کرتا تو آنے والے نادیدہ خطرات سے بڑی حد تک محفوظ رہ سکتا تھا۔

اول خان اپنے ٹیلی فون والے دوست سے بات کررہا تھا۔ اس نے دوسری طرف سے بتایا ہوا پتا اپنے پیڈ پر نوٹ کرکے وہ پیڈ میری طرف سرکا دیا۔ میں نے اس تحریر پر ایک نظر ڈالی تو فون نمبر کے نیچے لکھا ہوا پتا ہر اعتبار سے مکمل نظر آیا۔ اپنا کام پورا ہوجانے کے بعد اول خان اپنے دوست کی مزاج پرسی کررہا تھا۔ چند بے تکلفانہ فقروں کے تبادلے کے بعد اس نے فون بند کردیا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" اس نے اپنی دونوں کلائیاں میز پر ٹکا کر متجسس لہجے میں پوچھا۔

"خالد کی گردن میں طوق ڈالنا ہے۔ فرزانہ بیکار عورت ہے۔ یہی کافی ہے کہ اس نے خالد کا نام اگل دیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وہ بھی کسی گمنام فون کال کی کہانی نہ لے بیٹھے۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا "اب ہمیں ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہوگا۔"

"ویرا کو بہت دیر ہوگئی۔" اول خان نے چونک کر کہا "وہ اب تک وہاں کیا کررہی ہے۔"

"آؤ! اسے دیکھتے ہیں۔" میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا "ناظم آباد کا رخ کرنے سے پہلے فرزانہ سے ایک اور ملاقات ضروری ہوگئی ہے۔"

"کیا کوئی بات رہ گئی ہے؟" اس نے میز کے پیچھے سے نکلتے ہوئے پوچھا۔

"صرف نام سے بات نہیں بنتی۔ ہم کو خالد کا حلیہ وغیرہ بھی معلوم ہونا چاہیے جو فرزانہ بتا سکتی ہے۔"

"ہاں۔ یہ بات تو درست ہے۔" اس نے اپنے دفتر سے باہر آنے کے بعد پرخیال لہجے میں میری تائید کی "پوچھ گچھ کرنے کے بجائے، خالد کی شناخت کے لیے اسی کو اپنے ساتھ کیوں نہ لے لیا جائے۔"

اول خان سادہ لوح اور دلیر آدمی تھا۔ میرے سامنے پر پیچ باتیں نہیں کرتا تھا۔ جو بات اس کے دماغ میں آتی، اسے من و عن الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے یہی کیا تھا۔ اپنی تجویز کی اونچ نیچ پر غور کیے بغیر بول پڑا تھا۔

"ویرا نے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا "پتا نہیں ہمارے آنے کے بعد اس نے فرزانہ کا کیا حال کیا ہو! اتنی بری حالت میں ہم اسے اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے۔ ہوسکتا ہے کہ اپنے دروازے پر ایک زخمی عورت کی موجودگی کی خبر پاکر وہ گھر سے باہر نکلنے کے بجائے کسی اور راستے سے فرار ہوجائے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اس نے جلدی سے کہا "فرزانہ کو گاڑی میں چھوڑ کر ہم اپنی کارروائی کریں گے۔ خالد کو پکڑ لینے کے بعد فرزانہ سے وہیں اس کی شناخت کروائی جاسکتی ہے۔ اس طرح ہم کسی وسوسے کے بغیر وہاں سے کامیاب ہوکر لوٹیں گے۔"

اس طرف میرا دھیان نہیں گیا تھا۔ پوری جزئیات کے ساتھ اول خان کا مشورہ صائب اور قابلِ عمل تھا۔

"یہ طریقہ زیادہ بہتر رہے گا۔" میں نے اپنے پچھلے تبصرے کا ازالہ کرتے ہوئے کہا "اسے قابو میں رکھنے کے لیے ویرا ہمارے ساتھ رہے گی۔"

"اب مجھے محسوس ہورہا ہے کہ ایس ٹی ایف میں دو چار عورتیں بھی ہونا چاہئیں۔" راستے میں اول خان نے کہا "عورتوں سے نمٹنے کے لیے عورتیں ہی بہتر رہتی ہیں۔ کم از کم میرا کوئی آدمی عورتوں پر بے رحمی سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔"

"چاہو تو ویرا کو ان عورتوں کی کمان کی پیشکش کرسکتے ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "مصروفیت میں اس کا وقت اچھا گزرے گا۔"

ہم فرزانہ والے کمرے میں پہنچے تو ویرا وہیں کرسی ڈالے بیٹھی ہوئی تھی۔ فرزانہ بہت ابتر اور زخمی حالت میں فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر شدید درد اور اذیت کے سائے لہرا رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وہ اس وقت بہت مظلوم نظر آرہی تھی اور قابلِ رحم حالت میں تھی۔

"تمہاری بازپرس ختم ہوگئی ہو تو مجھے چند سوالات پوچھنا ہیں۔" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں ویرا سے پوچھا۔

"میرا کام ختم ہوچکا ہے۔ یہ اپنے بگڑنے کی کہانی سنا رہی تھی۔" یہ کہتے ہوئے ویرا نے کرسی چھوڑ دی۔

"خالد کا حلیہ کیا ہے۔ اسے کس طرح پہچانا جاسکتا ہے؟" میں نے فرزانہ سے پوچھا۔

فرزانہ نے رک رک کر اور سوچتے ہوئے خالد کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔ وہ متوسط قامت کا ایک سبک اندام شخص تھا۔ جو اپنے چہرے سے شریف اور شائستہ نظر آتا تھا۔ وہ تعلیم یافتہ بھی تھا۔ اسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ اس کا کسی جرم سے کوئی تعلق ہوگا۔ وہ کم و بیش چالیس سالہ مرد تھا اور کئی برس پہلے فرزانہ سے متعارف ہوا

تھا۔ اس کی شرافت اور دریا دلی کی وجہ سے دونوں کی دوستی گہری ہوتی چلی گئی۔ فرزانہ اپنی عمر کے اس مرحلے میں تھی جہاں رنگین مزاج مرد اسے صرف احترام کی نظروں سے دیکھنا پسند کرتے تھے۔ اس نے خالد کو اپنی ذات کا سہارا بنالیا۔

خالد نے اسے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا' اس کے مطابق وہ شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ تھا۔ اسے ایکسپورٹ کے کاروبار سے معقول آمدنی تھی لیکن بیوی کی بد مزاجی کی وجہ سے گھریلو سکون نایاب تھا۔ فرزانہ کے لیے وہ شخص خاصی اہمیت رکھتا تھا۔ وہ اس کے بارے میں اور بھی بہت کچھ بتانا چاہ رہی تھی مگر میں نے اسے روک دیا۔ مجھے خالد کی شناخت سے آگے' اس کی نجی اور ازدواجی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

میں اس کمرے سے نکلا تو اول خان اور ویرا نے بھی میری تقلید کی۔

"تم خالد کو گھیرنے جارہے ہو تو میں بھی ساتھ چلوں گی۔" باہر آتے ہی ویرا نے اپنا مطالبہ پیش کردیا۔

"فرزانہ ہمارے ساتھ جائے گی۔ اس کو تم ہی سنبھال سکتی ہو۔" میری زبان سے وہ الفاظ سن کر ویرا خوش ہوگئی۔

اول خان نے وہیں کھڑے کھڑے اپنے ایک آدمی کے ذریعے ایک ڈبل کیبن پک اپ منگوالی جس کی اگلی دو نشستوں پر بیک وقت پانچ چھ آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ پچھلے بند حصے کو کسی قیدی وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاسکتا تھا۔

کسی شخص کو اس کے گھر سے اٹھانے کے لیے زیادہ بھیڑ ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ فرزانہ کو قابو میں رکھنے کے لیے ویرا کافی تھی۔ واپسی پر خالد کو سنبھالنے کے لیے اول خان اپنے ڈرائیور کو استعمال کرسکتا تھا۔ ہم دونوں پک اپ کی پچھلی نشست پر سوار ہوئے۔ باہمی مشورے کے مطابق فرزانہ کو ساتھ لے کر ویرا پک اپ کے عقبی حصے میں چلی گئی اور ہمارا قافلہ تیزی کے ساتھ اسٹیشن فور سے روانہ ہوگیا۔

ہمیں ناظم آباد جانا تھا۔ ڈرائیور نے گاڑی مغربی راستے پر ڈال دی جو ملیر چھاؤنی سے صفورا گوٹھ ہوتا ہوا یونیورسٹی روڈ پر نکلتا تھا۔

"اگر وہ گھر پر موجود نہ ہوا تو کیا ہوگا؟" یونیورسٹی روڈ پر نکل آنے کے بعد اول خان نے سکوت توڑا۔

"رک کر اس کی واپسی کا انتظار کریں گے۔ اس وقت وہ ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے ذریعے ہم اپنی پیش رفت تیز کرسکیں۔"

اول خان نے خاموشی اختیار کرلی۔ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

حسن اسکوائر سے ڈرائیور نے گاڑی ابن سینا روڈ پر موڑلی۔ غریب آباد اور لیاقت آباد سے ہوتے ہوئے ہم ناظم آباد میں داخل ہوئے تو پل عبور کرنے کے بعد مطلوبہ بلاک ہمارے داہنے ہاتھ پر تھا۔ ڈرائیور نے ایک مقام سے گاڑی اسی طرف موڑلی۔

وہ صاف ستھرا اور معززین کا رہائشی علاقہ تھا۔ ڈرائیور نے ایک جگہ گاڑی روک کر لانڈری سے اپنے مطلوبہ پتے کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور گاڑی میں واپس آکر پورے اعتماد سے ایک طرف چل دیا۔ دو موڑ گھومنے کے بعد اس نے ایک جگہ گاڑی روک دی۔

"وہ سامنے والا چوتھا یا پانچواں مکان ہوسکتا ہے۔" اس نے انجن بند کرکے نشان دہی کی۔ وہ ایس ٹی ایف کا تجربے کار آدمی تھا اس لیے اس نے اپنی گاڑی خالد کے دروازے تک لے جانے کی حماقت نہیں کی تھی۔

میری اور اول خان کی نگاہیں چار ہوئیں پھر ہم دونوں اپنی اپنی سمت کے دروازے کھول کر پک اپ سے اتر گئے خالد کے دروازے پر جاکر اسے گھیرنا ہم دونوں کی ذمے داری تھی۔

وہ بڑے پلاٹ تھے اور بیشتر مکانوں پر نام پتے کی تختیاں کندہ یا آویزاں تھیں۔ ان کی مدد سے ہم آسانی کے ساتھ سیاہ پھاٹک والے مکان کے سامنے پہنچ گئے جو خالد کا مسکن تھا۔

اول خان نے ستون میں لگا ہوا بٹن دبا دیا۔ مکان کے کسی اندرونی حصے میں گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی اور ہم کسی کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ اس وقت میں اپنے وجود میں اضطراب کی بے نام سی لہریں دوڑتی ہوئی محسوس کررہا تھا۔

چند منٹ بعد اندر کے پختہ فرش پر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر آہنی پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھل گیا۔ آنے والے نے ہمیں اور ہم نے اسے دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گئے۔

میرے سامنے وہی شخص کھڑا ہوا تھا جو مجھے گولڈن فارمیسی سے اٹھا کر آئی مین کی گاڑی تک لے گیا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا‘ ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی اثنا میں موساد کے ایجنٹ رستم ایرانی کے انجام پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رافیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد شریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ مراد شریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر یہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی‘ کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا‘ اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ جس کی سرکوبی کے لیے مجھے انڈیا کا سفر کرنا پڑا۔ اس مہم میں جلال کے آدمیوں نے میری بڑی مدد کی۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بسواس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کر لیا۔ میں مظہر خان کے فرضی نام سے غزالہ کے ساتھ تاج محل میں تھا۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترکہ کمرے میں رہائش کی بنا پر را میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ رینا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلووں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جا چکی تھی۔ وہ مجھے انل بسواس سے ملوانا چاہتی تھی اور میں خود اس سے ملنے کو بے تاب تھا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بسواس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور رینا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر اپنے حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کر دی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑا لیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ویرا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد گلو خلاصی حاصل ہو گئی۔ میری ویڈیو ضائع ہو چکی تھی مگر اب رینا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث را والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کر سکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بسواس اور نریش شرما دونوں کو شکار کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہو گیا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر لالی نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کر لیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ذیلی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ ان سے اجلاس کے دوران میں معلوم ہوا کہ انہیں ذیلی کی تلاش تھی۔ جلال نے اجلاس کی مکمل رپورٹ مجھے دے دی۔ اب ہمارے سامنے جان ایلش کوف تھا اور میں اس سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ خلاف توقع اس سے رابطہ آسان ثابت ہوا۔ میں نے اس سے عبدالماجد الحسینی کے نام سے عربی لب و لہجے میں گفتگو کی۔ ذیلی کا نام ان کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا لہٰذا وہ آسانی سے میرے جال میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے مجھ سے سمندر کے کنارے ملاقات کا وعدہ کیا جہاں ایس ٹی ایف کی مکمل نگہبانی میں‘ میں نے اس سے پر تصادم ملاقات کی اور اسے شدید زخمی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جان ایلش کوف بھی اپنے پیش رو جان اسمتھ کی طرح خوف زدہ ہو کر پاکستان سے بھارت فرار ہو گیا۔ اب میرے سامنے آنجہانی انل بسواس کا دیا ہوا فون اور فیکس نمبر تھا۔ اپنے ساتھیوں کے مشورے سے میں نے ایک پیغام فیکس کر دیا۔ اس سے پہلے یہ معلوم کرایا جا چکا تھا کہ فیکس نمبر بھارتی سفارت خانے میں ملازم ایک اہلکار چندن کا تھا جبکہ ٹیلی فون ایک بیمار ہندو وکیل کے دفتر پر نصب تھا۔ بھارتیوں نے مظہر خان کی سپردگی کا سوال اٹھایا مگر انہیں صاف جواب دے دیا گیا کہ مظہر خان نامی پاکستانی شہری واپس نہیں پہنچا اور اب بھارتی اس کی سلامتی کے بارے میں آگاہ کریں۔ فیکس کے بعد میں نے انل بسواس کے دیے گئے نمبر پر فون کیا مجھ سے بات کرنے والے چندن نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فوری طور پر پولیس کے سامنے پیش ہو جاؤں۔ میرے آنا کانی کرنے پر اس نے مجھے میری ویڈیو فلم کی دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ چندن نے وکیل کا فون ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لے رکھا ہے۔ میں نے سلطان شاہ کی مدد سے چندن کو اٹھا لیا۔ اس سے پوچھ گچھ کے لیے میں نے خود کو ذیلی کا حریف ظاہر کیا اور وہ سب کچھ اگلتا چلا گیا۔ اس نے بھارتی تو ملیٹ کے چوپڑا جی کی نشاندہی کی کہ وہ اس کا شریک کار ہے۔ وہ مجھ سے مظہر خان کا سودا کرنا چاہتا تھا اور اس کی لاش کے لیے بھی دو لاکھ روپے تک کی رقم دینے پر آمادہ تھا۔ میں نے اس کو ٹھکانے لگوا کر اس کی لاش کوڑے دان میں ڈلوا دی۔ امریکن تو ملیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آ گیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو کیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کر کے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ بعد میں میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر نقد جاں ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا‘ چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ شی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہو چکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھا لیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ذی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آ گئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھا دی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کر کے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف تمام شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہر جاننے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر ہیم گن استعمال کی تو اول خان کو نکتہ مل گیا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پراسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب مجھے جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی۔ میں نے گولڈن فارمیسی میں بیٹھ کر دشمنوں کی راہ دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان شاہ نے مجھے بتائے بغیر میری حفاظت کا ذمہ لیا اور گولڈن فارمیسی کے اطراف میں پہنچ گیا۔ جہاں اس کا ٹکراؤ ایک مشکوک سیاہ فام امریکی سے ہوا جس میں الجھ کر جان بچانے کے لیے اس امریکی نے ہیم گن استعمال کی اور ایک بے گناہ راہ گیر کا بازو کٹ گیا۔ وہ امریکی گولڈن فارمیسی میں ہی آیا تھا اور میں بھی اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔ جلال نے آگاہ کیا کہ چوپڑا پولیس کی تحویل میں آ گیا تھا اور جلد ہی اسے عمر کوٹ منتقل کیا جانا تھا۔ جہاں اس سے من مانا سلوک کیا جانا تھا۔ میں اپنے مورچے پر تھا اور وہیں جہانگیر سمجھ کر آئی مین نے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اس نے بتایا کہ وہ شی کے احیا کے لیے اس علاقے میں آیا ہے۔ اور اب جہانگیر اور دوسرے تمام کارکنوں کو اکٹھا کر رہا ہے۔ گفتگو کے دوران میں‘ میں نے جہانگیر کی حیثیت سے اس سے روبرو ملاقات کرنے کی رضامندی حاصل کر لی جو ان حالات میں بڑی کامیابی تھی۔ مجھے امید تھی کہ وہ مجھ سے ملاقات کرنے سے پہلے اپنے شایان شان استقبال کا موقع ضرور فراہم کرے گا مگر وہ میری توقع سے ... زیادہ کائیاں تھا۔ اس نے ایک طرف جہانگیر کے ایک ملازم کو دکان سے باہر ایک عورت کے ذریعے الجھانے کا پروگرام بنایا۔ اس طرح وہ عورت ایس ٹی ایف والوں کی نظروں میں آ گئی۔ دوسری طرف اس نے ملاقات کی منصوبہ بندی اس طرح کی کہ مجھے ایک لمحے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ اس کا فرستادہ دکان میں موجود تھا اور میں تاریک کیبن میں آئی مین سے ٹیلی فون پر گفتگو میں مصروف تھا۔ اس نے مجھے فوری طور پر اپنے ہرکارے کے ذریعے طلب کیا تھا۔ چار و ناچار مجھے اس ہدایت پر عمل کرنا پڑا۔ ایس ٹی ایف اور اول خان میرے نگراں تھے ان کی جلد بازی کے باعث آئی مین مجھ سے اچٹ گیا تاہم اس سے قبل وہ مجھے سلور آئی کا دیدار کرا چکا تھا۔ اب ہمارے پاس صرف اس مشکوک عورت کا سراغ موجود تھا جس نے جہانگیر کے ایک ملازم کو الجھانے کی کوشش کی تھی۔ ہم نے اسے اٹھوایا اور پھر ذرا سی محنت کے بعد خالد نامی ایک شخص کا پتا معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے جس نے اسے یہ کام سونپا تھا۔ ہم خالد کے دروازے پر پہنچے۔ کال بیل کے جواب میں جس شخص نے دروازہ کھولا وہ وہی تھا جس کے ساتھ میں آئی مین سے ملاقات کے لیے دکان سے باہر آیا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حیرت میں گم تھے۔

چند گھنٹوں پہلے میرا اور اس کا سامنا ہوا تھا۔ وہ دواؤں کے ایک عام خریدار کے بہروپ میں کالی ٹائی باندھے "گولڈن فارمیسی کے کاؤنٹر پر پہنچا تھا اور اسی لمحے مجھے آئی مین کا فون موصول ہوا تھا کہ مجھے فارمیسی میں آئے ہوئے کالی ٹائی والے کے ساتھ فوری طور پر جانا تھا۔

میں نے اسے اور اس نے مجھے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ کسی بھی طرح یہ امکان نہیں تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو پہچاننے میں کوئی غلطی کرتے۔ میں خالد نامی کسی نامعلوم شخص کی تلاش میں اس دروازے پر پہنچا تھا' وہ گھنٹی بجانے والے سے ملنے کے لیے باہر آیا تھا۔ ہم دونوں کا آمنا سامنا بالکل اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا تھا۔ چند ثانیوں کے لیے ہم دونوں ہی بھونچکا سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔

پھر شاید اس کی کھوپڑی پر جمی ہوئی برف کچھ پگھلی اور وہ دروازہ بند کرنے کی پروا کیے بغیر اچھل کر اندر بھاگ گیا۔

وہ شرفا کی آبادی تھی۔ بظاہر وہ گھر بھی کسی عزت دار اور عیال دار شخص کا ٹھکانا معلوم ہو رہا تھا مگر میرے لیے وہ لمحات بہت اہم اور نازک تھے۔ میں کسی قسم کے تکلف اور لحاظ میں پڑ کر آئی مین کے اس خطرناک ساتھی کو پکڑنے کا موقع ضائع نہیں کر سکتا تھا۔

میڈم فرزانہ نے ویرا کے ہاتھوں خاصی مار کھانے کے بعد خالد کی نشاندہی کی تھی۔ اس کے بیان کے مطابق خالد اس کا کئی سال پرانا آشنا تھا جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ناظم آباد میں رہائش پذیر تھا۔ میں نے عجلت میں فرزانہ سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ خالد نے اسے کس طرح منیر کے پیچھے لگایا تھا۔ میرے لیے یہ جان لینا کافی تھا کہ فرزانہ جیسی آوارہ صفت عورت نے خالد کو اپنے مصائب کا ذمے دار قرار دیا تھا۔

خالد کے گھر کے دروازے پر نمودار ہونے والا شخص آئی مین کا اس قدر قریبی ساتھی تھا کہ وہی مجھے دکان سے آکر آئی مین کی سیاہ بلٹ پروف گاڑی تک لے گیا تھا اور پھر اول خان کی طرف سے پہلا فائر ہوتے ہی' اسی گاڑی میں آئی مین کے ساتھ فرار ہو گیا تھا۔ میں نے اچھی طرح دیکھا تھا کہ آئی مین کی چلتی ہوئی کار کی اسی کھڑکی سے سیاہ دھوئیں کا بم پھینکا گیا تھا جس کے ساتھ وہ شخص بیٹھا ہوا تھا۔

خالد کے گھر سے اس خطرناک شخص کے نمودار ہونے کے بعد یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ خود ہی خالد تھا اور اسی نے وہ سارا چکر چلایا ہوا تھا۔ فرزانہ نے بالکل درست بتایا تھا کہ متوسط قامت کا وہ سبک اندام شخص اپنے چہرے مہرے اور وضع قطع سے شریف ہی نہیں بلکہ تعلیم یافتہ بھی نظر آتا تھا لیکن اس کے کرتوت ہمارے سامنے تھے۔ آئی مین کے ساتھ قریبی تعاون کر کے وہ اپنے ملک سے غداری جیسے سنگین جرم کا مرتکب ہو رہا تھا۔

وہ سب سوچتے ہوئے بس میں ایک لمحے کے لیے جھجکا مگر اول خان نے ذرا سی بھی تاخیر نہیں کی۔ وہ قطعی واقف نہیں تھا کہ خالد اور کالی ٹائی والے میں کوئی تعلق تھا۔ اس نے تو شاید کالی ٹائی والے کو قریب سے دیکھا بھی نہیں تھا مگر اس کی چھٹی حس بہت تیز تھی۔ وہ خالد کے پیچھے بہت تیزی سے گھر میں گھس گیا۔

"پکڑلو اس کو۔" میں نے دوڑ لگاتے ہوئے اونچی آواز میں کہا "یہی کالی ٹائی والا حرامی ہے۔"

"میں اسے پہچان چکا ہوں۔" اول خان نے مکان میں داخلے کے بند دروازے پر زور آزمائی کرتے ہوئے کہا "میں نے تم سے کہا تھا کہ میں اسے ہزاروں کی بھیڑ میں پہچان سکتا ہوں۔ یہاں تو یہ بالکل اکیلا ہے۔"

اس اثنا میں' میں بھی اول خان کے قریب پہنچ گیا۔ وہ مکان کشادہ ضرور نظر آ رہا تھا مگر بہت وسیع نہیں تھا۔ احاطے کی دیوار اور مکان کے دروازے کے درمیان مشکل سے بارہ یا پندرہ فٹ کا صحن رہا ہوگا پھر اچانک مکان کی سنگین دیواروں نے راہ مسدود کی ہوئی تھی جن میں سے گزرنے کے لیے صرف ایک چوبی دروازہ تھا جو پھاٹک سے ہمیں کھلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ خالد مجھے پہچان لینے کے بعد گیٹ سے تو بگٹٹ بھاگا تھا لیکن گھر میں گھستے ہی اس نے بہت تیزی سے دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا تھا۔

میں نے اول خان کے قریب پہنچ کر جوش میں دروازے پر زور سے لات ماری۔ دروازہ مضبوط تھا۔ اس کا کچھ بھی نہ بگڑا مگر اس مکان کے اندرونی حصے سے دو خوف زدہ نسوانی چیخیں سنائی دیں۔ میرا تجربہ بتا رہا تھا کہ ان میں سے ایک چیخ کسی پختہ عمر والی عورت کی تھی۔ دوسری آواز کسی نوعمر لڑکی کی تھی۔

فرزانہ نے بتایا تھا کہ خالد شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ تھا۔ بچوں کے بارے میں یہ تفصیل معلوم نہیں کی گئی تھی کہ ان کی جنس کیا ہے۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کے بچوں میں ایک لڑکی ضرور ہوگی۔ وہ دونوں نسوانی چیخیں خالد کی بیوی اور بیٹی کی ہوسکتی تھیں۔

خالد کی دہشت زدہ انداز میں واپسی' بھاگ دوڑ اور پھر

دروازے پر دھماکے کی آواز نے اس گھر کے مکینوں کو خوف زدہ کردیا تھا۔ کسی بھی شریف گھرانے کے لیے وہ حالات سہما دینے والے تھے۔

میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا۔ اگر ہم چار دیواری کی حرمت کا پاس کرتے تو خالد کو ہمیشہ کے لیے کھوسکتے تھے۔ وہ خبیث شخص خوب جانتا تھا کہ وہ کیا کررہا تھا۔ اسے ذرا سی بھی مہلت ملتی وہ تو پچھلے راستے سے گھر سے فرار ہوجاتا۔ بیوی بچوں سے اسے کوئی خاص رغبت نہیں تھی۔ اس کا کھلا ثبوت یہ تھا کہ اس نے میڈم کے نام سے معروف ایک فاحشہ کے ساتھ بہت قریبی مراسم استوار کیے ہوئے تھے۔ ایک بار وہ نکل جانے میں کامیاب ہوجاتا تو کراچی میں پھیلے ہوئے' انسانوں کے سمندر میں اس کا کھوج لگانا دشوار ہوجاتا۔

میں تیزی سے چند قدم پیچھے ہٹا۔ اول خان نے میرا ارادہ بھانپ کر خاموشی اور بہت تیزی سے میری تقلید کی۔ کچھ فاصلے پر رک کر ہم دونوں تیزی سے دوڑ پڑے۔ ہمارے شانے پوری قوت کے ساتھ تقریباً ایک ساتھ دروازے سے ٹکرائے۔ قبضوں اور کیلوں نے پُرشور آواز کے ساتھ اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔

ہم نے بروقت سنبھالا نہ لے لیا ہوتا تو اپنی جھونک میں دروازے کے ملبے کے ساتھ اندر گر کر زخمی ہوگئے ہوتے۔

گھر میں دہشت زدہ نسوانی چیخیں گونجنے کا سلسلہ جاری تھا۔ میں ٹوٹے ہوئے دروازے کے ملبے پر اول خان سے آگے نکل گیا۔ وہ ڈرائنگ روم تھا اور بالکل خالی پڑا ہوا تھا۔ اس کے پار ایک مختصر سی لابی تھی جس میں کئی دروازے کھلے ہوئے تھے۔

ایک دروازے کے پیچھے ایک عورت اپنی تیرہ چودہ سالہ لڑکی کے ساتھ اچھل اچھل کر خوف ودہشت سے چیخے جارہی تھی۔ ان دونوں کے چہرے خوف سے سفید ہورہے تھے۔ وہ مشینی انداز میں فضا میں دونوں ہاتھ ہلائے جارہی تھیں۔ مجھے اور اول خان کو دیکھ کر ان کی چیخیں مزید بلند ہوگئیں۔

"خاموش!" میں نے مصنوعی غراہٹ کے ساتھ کہا اور وہ دونوں سہم کر ایک دم خاموش ہوگئیں۔

اس وقت اول خان میرے ساتھ نہیں تھا۔ وہ اپنے شکار کی تلاش میں کسی اور سمت میں نکل گیا تھا۔

"خالد کہاں ہے؟" میں نے مختصر ترین توقف کے بعد اس عورت سے پوچھا جو بادی النظر میں اس کی بیوی معلوم ہورہی تھی۔

"وہ.... وہ.... پیچھے گئے ہیں..... بھاگتے ہوئے!" اس نے خوف سے پھنسی پھنسی آواز میں جواب دیا۔

اس وقت تک ان دونوں کی چیخیں اپنا رنگ دکھا چکی تھی۔ مکان کے باہر سے کئی ملی جلی مردانہ آوازیں سنائی دینے لگی تھیں اور کوئی خالد بھائی کہہ کر اندر کے حالات کے بارے میں استفسار کررہا تھا۔ شاید ان لوگوں کے پڑوسی اندر گھسنے سے پہلے یقین کرنا چاہ رہے تھے کہ گھر والوں کی مدد کے لیے ان کی مداخلت ناگزیر ہوچکی تھی۔

میرے لیے وہ آثار اچھے نہیں تھے۔ ہم دونوں عام شہری لباس میں تھے اس لیے کسی کا ہم سے مرعوب ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ براہِ راست آمنا سامنا ہونے پر ان کا کوئی بھی مسلح پڑوسی ہمیں چور یا ڈاکو سمجھ کر گولی مار سکتا تھا۔

میں اندازے کی بنا پر اس سمت میں بڑھ گیا جدھر مکان کا پچھواڑا ہوسکتا تھا۔

"جلدی آؤ۔" اول خان کی پُرجوش آواز نے میری رہنمائی کی "دروازہ کھلا ہوا ہے۔ وہ پیچھے سے باہر بھاگ گیا ہے۔"

میری موجودگی کی دہشت سے چھٹکارا حاصل کرتے ہی دونوں عورتوں نے نہ صرف چلانا شروع کردیا تھا بلکہ اپنے پڑوسیوں کو مدد کے لیے پکارنا بھی شروع کردیا تھا۔ میں ان کی پروا کیے بغیر اول خان کی آواز اور اس کے قدموں کی دھمک کے سہارے پیچھے کے کھلے ہوئے دروازے تک پہنچ گیا۔

میں مکان کی آخری دہلیز پر تھا کہ فضا اچانک ایک ہولناک فائر سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ کسی بھاری جسم کے زمین پر گرنے کی دھمک سنائی دی۔ لمحہ بھر کے لیے میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ اول خان کے بڑے بور کے ریوالور کی آواز ہرگز نہیں تھی۔

"وہیں اوٹ میں رہنا۔" کھلی ہوئی عقبی گلی سے آنے والے بدبوں کے جھونکوں میں اول خان کی اضطراری آواز آئی "وہ ایک آڑ میں ہوگیا ہے اور مسلح ہے۔"

میں نے پھرتی سے اپنا ریوالور بھی نکال لیا۔ بہتر یہی ہوتا کہ اس گنجان آباد رہائشی علاقے میں کوئی گولی چلائے بغیر ہمارا کام ہوجاتا لیکن حریف نے فائرنگ کی ابتدا کردی تھی تو پھر دو چار مزید فائر ضروری ہوگئے تھے۔ ان گولیوں سے خالد کا کچھ بگڑتا یا نہ بگڑتا' محلے کے وہ خدائی فوج دار ضرور خوف زدہ ہوجاتے جو عورتوں کی چیخوں پر بے چین ہوکر' ان کی مدد کے لیے اپنے گھروں سے نکل آئے تھے اور خالد کے دروازے پر

جمع ہوگئے تھے۔ وہ کسی بھی لمحے مجھ تک پہنچ سکتے تھے۔

وہی واردات شہر کے کسی متمول علاقے میں ہوئی ہوتی تو فلک شگاف چیخوں پر کوئی دوسروں کے معاملات میں اپنی ٹانگ اڑانے کی ضرورت محسوس نہ کرتا مگر بدقسمتی یہ تھی کہ خالد شہر کی ایک متوسط آبادی میں مقیم تھا جہاں پڑوسیوں کے درمیان بڑھتی ہوئی بیگانگی کے باوجود لوگ کسی نہ کسی حد تک اپنی معاشرتی ذمے داریوں کا ادراک رکھتے تھے۔ ان لوگوں کا جذبہ بہت نیک تھا مگر ہماری کارروائی کے مقاصد نیک ترین تھے۔ ہماری کامیابی کے لیے ان لوگوں کا خوف زدہ ہوکر فرار ہوجانا ہی سب سے بہتر تھا۔

میں نے اپنے ریوالور کی نال آسمان کی طرف بلند کی اور کھلے ہوئے دروازے سے باہر دو فائر کردیے۔ اس بار فضا دو بھیانک بارودی نغموں سے گنگنا اٹھی۔ وہ ہوائی فائر تھے۔ میرے سامنے کوئی نہیں تھا' نہ کسی کا نشانہ لیا گیا تھا مگر خالد کے گھر کی خواتین کی مدد کے لیے اندر گھس آنے والوں کی بے ساختہ چیخیں نکل گئیں۔

اسی دوران میں اول خان نے اپنے حریف کے فرار کی راہ مسدود کرنے کے لیے ایک گولی چلادی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے خالد کے گھر کے اندرونی حصے میں بھگدڑ مچ گئی ہو اور لوگ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے واپس بھاگ نکلے ہوں۔

وہ مقابلہ دن دیہاڑے ہو رہا تھا۔ اس کے طول پکڑنے سے ہم سراسر خسارے میں رہتے۔ ویسے بھی میں زیادہ دیر تک خالد کے مکان کی دہلیز کے اندر نہیں رہ سکتا تھا۔ میں نے سینے کے بل فرش پر لیٹ کر کہنیوں کے بل آگے سرکنا شروع کردیا۔

غنیمت یہ تھا کہ رہائشی مکانوں کی وہ عقبی گلی اتنی گندی نہیں تھی جتنی بدبو وہاں پھیلی ہوئی تھی ورنہ میں غلاظت میں لتھڑ کر رہ جاتا۔

اول خان میرے دائیں طرف تھا۔ ہمارا حریف اس سے آگے کہیں چھپا ہوا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ جب وہ گھنٹی بجنے کے جواب میں پھاٹک پر ہمارے سامنے آیا تو بالکل غیر مسلح تھا مگر ہر مجرم کی طرح وہ بھی ناگہانی طور پر کسی برے وقت کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ اس نے اپنے گھر سے فرار ہوتے ہوئے کہیں سے بھرا ہوا پستول اٹھالیا تھا۔

ہم اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے اس لیے شاید اسے فاضل راؤنڈز یا میگزین ساتھ لینے کا موقع نہ مل سکا ہو۔ اگر کسی طرح اس کی چھ سات گولیاں ضائع کرا دی جاتیں تو پھر اسے بہت آسانی کے ساتھ گھیر کر پکڑا جاسکتا تھا۔

گلی میں نکلتے ہی میں نے سر اٹھا کر اول خان سے آگے کی صورت حال کا جائزہ لینا چاہا تو مجھے ایک دیوار کے پیچھے سے انسانی سر کا کچھ حصہ نمودار ہوتا نظر آیا۔ وہ اسی دیوار کے عقب میں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے ہاتھ سیدھا کیا اور بلا جھجک اپنے نشانے پر گولی چلادی۔

ادھر سے ابھرنے والی چیخ نے ذرا سی دیر کے لیے میرا دل خوش کردیا۔ مجھے گمان ہوا تھا کہ میری چلائی ہوئی گولی نے شاید اپنے ہدف کو چاٹ لیا تھا مگر میری وہ خوش فہمی اس لمحے رفع ہوگئی جب دوسری طرف سے ایک جوابی فائر کردیا گیا۔ میری گولی نشانے پر نہیں مگر اس سے بہت قریب ضرور لگی تھی جس کے نتیجے میں خالد کے حلق سے ایک اضطراری چیخ برآمد ہوگئی پھر شاید اس نے اپنی اس غیر ارادی کمزوری پر جھلا کر ایک بے مقصد جوابی فائر جھونک مارا۔

اس کی چلائی ہوئی گولیوں کی گونج سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ اس کے چیمبر یا میگزین میں کل چھ گولیاں رہی ہوں گی۔ دو وہ ضائع کرچکا تھا۔ وہ ایسی جگہ پھنسا ہوا تھا جہاں سے ہماری زد میں آئے بغیر بھاگنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ وہ آڑ لینے کے لیے گولیاں چلاتا تو ذرا سی دیر میں تنہا رہ جاتا۔

دن کے اجالے میں' میں صاف ستھری زمین پر رینگتا ہوا تیزی سے اول خان تک پہنچ گیا۔ یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ گولی سے بال بال بچ جانے کے بعد خالد دوبارہ کمین گاہ سے باہر جھانکنے سے کئی بار سوچنے پر مجبور ہوگا۔

''تم نے دو گولیاں کس پر چلائی تھیں؟'' میری موجودگی کا احساس ہوتے ہی اول خان نے پوچھا۔

''ہوائی فائر تھے۔ اس کے گھر پڑوسی جمع ہونا شروع ہوگئے تھے۔ اب سب اپنے گھروں میں واپس پہنچ چکے ہوں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہ ہمیں دھوکا دے کر کہیں نکل نہ جائے۔'' اول خان پر تشویش آواز میں بڑبڑایا۔

''کہاں نکلے گا؟ آڑ سے نکلتے ہی میری یا تمہاری چلائی ہوئی کسی گولی کا نشانہ بن جائے گا۔''

''دونوں طرف مکانوں کی قطاریں ہیں جن کے دروازے اس طرف بھی کھلتے ہیں۔ اسے کوئی بھی دروازہ کھلا ہوا مل گیا تو وہ اس میں گھس کر دوسری طرف نکل جائے گا۔ اور ہم اس کا انتظار کرتے رہ جائیں گے۔''

وہ نکتہ میں واقعی فراموش کرچکا تھا مگر مجھے امید تھی کہ پہلے فائر کے ساتھ ہی علاقے کے مکینوں نے اپنے بیرونی دروازے مضبوطی سے بند بلکہ مقفل کرلیے ہوں گے۔ ان

میں سے کوئی بھی رضاکارانہ طور پر کسی مسلح آدمی کو راہ دینے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا خواہ وہ اس کا شناسا یا پڑوسی ہی کیوں نہ ہو۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ دیوار کی آڑ میں رہتے ہوئے ہمارا حریف زیادہ دور نہیں نکل سکتا تھا۔ بہ مشکل دو تین فٹ کے فاصلے پر دیواروں اور دروازوں کی قطار دوبارہ نظر آ رہی تھی۔

اس وقت تک کل چھ فائر ہوئے تھے۔ میں خالد کو پناہ فراہم کرنے والے ابھار پر اگلا فائر کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ فضا اچانک کسی خودکار رائفل کی تڑاتڑ سے لرز اٹھی۔ کسی نامعلوم شخص نے یکایک ہلکا سا برسٹ فائر کیا تھا۔

تیسرے فریق کی شمولیت پر ہم آپس میں کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ وہی رائفل دوبارہ گولیاں برسانے لگی۔

اس بار ہمارا شکار اپنے اعصاب پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نے دوڑ لگانے کی کوشش کی مگر میں نے اسی لمحے اس کی متحرک پنڈلیوں کی شست باندھ کر گولی چلادی۔ بھاگتے بھاگتے وہ چیخ کر زمین پر گرا اور دور تک لڑھکتا چلا گیا۔

ہمارے لیے وہ بہترین موقع تھا۔ ہم دونوں نے اپنی جگہیں چھوڑ کر پوری قوت سے دوڑ لگادی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرتا، ہم اپنے اپنے ریوالور تانے اس کے سر پر سوار ہو چکے تھے۔

میں نے پہلی نظر میں بھانپ لیا تھا کہ اس وقت خالد کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ اس کا پستول یا ریوالور گرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور گندی گلی کے کسی گوشے میں ناکارہ پڑا ہوا تھا۔

اول خان نے ایک ٹھوکر رسید کی۔ خالد بلبلا کر دہرا ہوگیا۔ اول خان نے اس کا کالر پکڑا اور بے دردی کے ساتھ اسے زمین سے اٹھاتا چلا گیا۔

میری بے خطا گولی نے اس کی داہنی پنڈلی لہولہان کر دی تھی لیکن ہڈی شاید سلامت تھی کیونکہ کراہتے اور لڑکھڑانے کے باوجود وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

اچانک فضا رائفل کے تیسرے برسٹ سے گونج اٹھی۔ اس وقت آوازوں کی سمت بدلی ہوئی تھی اور وہ بہت قریب سے آئی تھیں۔ میں نے بوکھلا کر گلی کے سرے کی طرف دیکھا تو وہاں ہماری گاڑی کا ڈرائیور ایک خودکار رائفل اٹھائے کھڑا تھا۔ اس کی رائفل کی دھواں اگلتی ہوئی نال کا رخ اوپر کی طرف تھا۔

"بہادر خان!" اول خان نے اپنی گونجیلی آواز میں اسے پکارا۔

اس کا آدمی اپنی پوری رفتار سے دوڑتا ہوا ہمارے قریب آپہنچا۔

"اسے اپنے کندھے پر لادو اور فوراً گاڑی تک پہنچادو۔" اول خان نے اس کے ہاتھ سے رائفل لیتے ہوئے حکم دیا۔

بہادر خان جسیم اور توانا آدمی تھا۔ اس نے سبک اندام خالد کو بکری کے کسی بچے کی طرح اپنے کندھے پر لادلیا۔

ہر طرف سناٹا ہو چکا تھا۔ خوف اور ہیبت کی رہی سہی کسر بہادر خان کی رائفل کی فائرنگ نے پوری کر دی تھی۔ ہمیں اپنے قرب وجوار میں کسی ذی روح کا سایہ تک نظر نہیں آرہا تھا۔ ہم کسی بھی مداخلت کے بغیر اپنی ڈبل کیبن پک اپ تک پہنچ گئے۔

وہ شخص خلاف توقع ہمارا شناسا نکلا اس لیے فرزانہ سے اس کی شناخت کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔ میرے ایما پر اسے پک اپ کے عقبی حصے میں ڈال دیا گیا تھا۔ میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود اول خان بھی اسی حصے میں سوار ہوگیا۔ اس کا خیال تھا کہ فرزانہ اور خالد کو ایک ہی وقت میں سنبھالنا اویرا کے لیے دشوار ثابت ہو سکتا تھا۔

وہ بحث کا وقت نہیں تھا۔ اپنے مجرم کو پکڑ لینے کے بعد ہمارا وہاں سے جلد از جلد روانہ ہونا ضروری ہو گیا تھا۔ میں نے اول خان کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور خود ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر آبیٹھا۔ انجن اسٹارٹ ہوا اور گاڑی تیزی سے آگے روانہ ہوگئی۔

"تم اچانک رائفل لے کر میدان میں کیوں آگئے؟" گلیوں سے مین روڈ پر نکل آنے کے بعد میں نے پوچھا۔

"صاحب! میں ریٹائرڈ فوجی ہوں۔ جب جنگ کا بگل بجتا ہے تو کوئی خالی نہیں بیٹھتا۔" اس نے منکسرانہ لہجے میں جواب دیا "جب پہلی گولی چلی تو مجھے معلوم ہوگیا کہ تم لوگوں کی دشمن سے لڑائی شروع ہوگئی ہے۔ تمہارے پاس کھلونوں جیسے دو ریوالور میں نے دیکھ لیے تھے۔ بات بڑھ جاتی تو وہ راؤنڈز کم پڑجاتے۔ تمہارے میگزین اور ہتھیاروں کا سارا خزانہ تو پک اپ میں میرے پاس تھا۔ پانچ چھ گولیاں چلنے کے بعد مجھ سے صبر نہ ہوسکا اور میں میدان میں آگیا۔"

"ہوائی فائرنگ کر کے تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے تھے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"تیز فائرنگ مجرم کا دل کمزور کرتی ہے، وہ گھبرا جاتا ہے اور پھر تماشا دیکھنے والے بھی بھاگ جاتے ہیں۔" اس نے معصومیت سے جواب دیا "میں سمجھ گیا کہ تم لوگ اپنے شکار

کے پیچھے گھر کے پیچھے پہنچے ہوئے ہو کیونکہ گھر میں ایک بھی گولی نہیں چلی تھی۔ میں اپنی رائفل سے برسٹ مارتا ہوا اسی طرف چل دیا۔"

وہ سادہ لوح تھا مگر اس کی منطق بہت سیدھی اور سچی تھی۔ کسی چالاک آدمی کے لیے نازک موقع پر ایسا سہل فیصلہ کرنا آسان نہیں تھا۔

اول خان نے واپسی کے بارے میں ڈرائیور کو پہلے ہی بریف کیا ہوا تھا۔ راستے میں مجھے کوئی ہدایت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور ہم تھوڑی دیر بعد اسٹیشن فور پہنچ گئے۔ ڈرائیور نے گاڑی اول خان کے دفتر کے سامنے روکی تھی۔

اول خان اور ویرا کو گاڑی کے پیچھے حصے سے اترتا دیکھ کر ایس ٹی ایف کے جوان کچھ حیران نظر آئے پھر ان میں سے کچھ پک اپ میں گھس گئے۔ اول خان نے انہیں ہدایت دی کہ دونوں قیدیوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھا جائے اور ہمیں ساتھ لے کر اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔

اس کے دفتر میں پہنچتے ہی ویرا نے اپنا ہینڈ بیگ میز پر چھوڑا اور ٹوائلٹ میں جا گھسی۔

"اس وقت تم نے اپنے معمول کے خلاف سستی کا مظاہرہ کیا ہے۔" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اول خان سے کہا۔

"کیسی سستی؟" اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر سوال کیا۔

"خالد خطرناک مجرم ہے۔ میرا خیال تھا کہ ہمیں وقت ضائع کیے بغیر اس پر اپنا کام شروع کر دینا چاہیے۔"

وہ بے اختیار ہنس پڑا "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے مگر کہیں بس ضروریات آڑے آجاتی ہیں۔"

"ایسی کیا ناگزیر ضرورت پیش آ گئی تھی؟" میں نے بیزارگی سے پوچھا۔

"ویرا تمہارے سامنے واش روم میں گئی ہے۔" اس نے مجھے یاد دلایا اور میں اپنا سر جھٹک کر رہ گیا۔

"راستے میں اس نے کچھ نہ کچھ تو اگلا ہوگا۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میں نے امید ظاہر کی۔

"اس کی نوبت نہیں آئی۔" وہ بولا "فرزانہ کو اندازہ ہو گیا ہے کہ نادانستہ طور پر وہ کسی لمبے چکر میں پھنس گئی ہے۔ خالد کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر وہ بے قابو ہو گئی تھی۔ سارے راستے وہ دونوں آپس میں لڑتے اور ایک دوسرے کو مارتے اور نوچتے ہوئے آئے ہیں۔ میں بھی خاموشی سے وہ تماشا دیکھتا رہا۔"

"تمہاری خاموشی کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور رہا ہوگا۔"

"لڑائی کے دوران میں ان کے بے ساختہ مکالمات میرے لیے اہم تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ انہیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع دے کر میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ فرزانہ کی کہانی میں کوئی جھول نہیں ہے۔ وہ خالد پر بری طرح برس رہی تھی۔ اس نے دھوکے سے فرزانہ کو مروایا ہے۔"

"پھر کیوں نہ اسے الگ کر دیا جائے؟" میں نے تجویز پیش کی۔

"یعنی اس کا قصہ تمام کر دیا جائے۔" اول خان نے مجھ سے وضاحت چاہی۔

"میں بے مقصد خون ریزی سے ہمیشہ گریز کرتا ہوں۔ فرزانہ کا نادانستہ جرم اتنا سنگین نہیں ہے کہ اسے کوئی بڑی سزا دی جائے۔ دیکھا جائے تو ہم اسی کی بے وقوفی کی وجہ سے خالد جیسے اہم مہرے پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس کو رہا کر دینا بہتر رہے گا۔"

اس وقت تک فرزانہ بوکھلائی ہوئی تھی۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کن لوگوں کے ہاتھوں پکڑی گئی تھی اور اصل چکر کیا تھا۔ اگر اس کو خالد کے ساتھ ہونے والی بازپرس میں شریک رکھا جاتا تو بہت سی باتیں اس کے علم میں آسکتی تھیں۔ ایک حل یہ بھی تھا کہ خالد سے پوچھ گچھ میں اسے سامنے نہ لایا جائے لیکن اسے بلاوجہ قید میں رکھ کر پالنا بے سود تھا۔ اس سے کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا تھا۔ اول خان مناسب وقت پر اسے رہا کرنے پر رضامند ہو گیا۔

"ایک بات میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔ دو بجے جب تم نے آئی مین کی گاڑی پر رائفل سے گولی چلائی تو کیا اس کی آواز تمہارے کمانڈوز نے نہیں سنی ہوگی۔" فرزانہ کے مستقبل کے بارے میں بات ختم کرنے کے بعد یکایک مجھے خیال آیا۔

"وہ آوازیں دور دور تک سنی گئی تھیں لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ کیا ہوا تھا۔ ان کی ساری توجہ گولڈن فارمیسی پر مرکوز تھی جہاں حالات معمول کے مطابق تھے۔ مجھ سمیت ہر شخص کے دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ اس وقت جو کچھ ہونا تھا، گولڈن فارمیسی پر ہونا تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ تمہیں دکان سے نکلتے دیکھ کر میں نے تمہارا پیچھا شروع کر دیا۔ ابتدا میں میرا خیال تھا کہ تم کسی کام سے باہر نکلے ہو۔ یہ بات آخری لمحات پر سمجھ میں آئی کہ آئی مین نے عین وقت پر اپنا

پروگرام بدل دیا تھا۔"
آئی مین نے ہماری ہر منصوبہ بندی کو تقریباً مات دے دی تھی۔ اپنی گاڑی پر فائرنگ ہونے اور ایک ٹائر پھٹنے کے باوجود وہ صحیح سلامت نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ خالد نے اس کے اصل منصوبے سے ہٹ کر، دکان کے ایک ملازم کو الجھانے کے لیے فرزانہ کو استعمال کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا، وہ ناکام نہ ہوتا تو ہم کسی کی گرد بھی نہیں پا سکتے تھے۔
اسی اثنا میں ویرا تازہ دم ہو کر واش روم سے نکل آئی۔ اس نے اپنے سر کی خفیف سی جنبش کے ساتھ مسکراتے ہوئے سوری کہا پھر بولی "وہ دونوں راستے بھر کتے اور کتیا کی طرح لڑتے رہے۔ اب دیکھو کہ وہ کیا کہانی سناتے ہیں۔"
"فرزانہ کا کردار ختم ہو گیا۔" میں نے اول خان کے دفتر سے نکلتے ہوئے اسے آگاہ کیا "اسے کسی بھی وقت رہا کر دیا جائے گا۔ اب ہماری ساری توجہ خالد پر مرکوز رہے گی۔ اس کے ذریعے ہم آئی مین کا کوئی نہ کوئی سراغ نکال لیں گے۔"
"اس عورت کا کردار گھناؤنا بلکہ قابلِ نفرت ہے لیکن میں نہ جانے کیوں اپنے دل میں اس کے لیے ہمدردی کے جذبات محسوس کر رہی ہوں۔"
میں نے ویرا کی وہ رائے خاموشی سے سن لی۔ سلطان شاہ وہاں موجود ہوتا تو کوئی تلخ تبصرہ کیے بغیر نہ رہتا۔
ہم تینوں قیدی کے کمرے میں پہنچے تو خالد کمرے کے فرش پر نیم دراز تھا۔ اس کی داہنی پنڈلی کے زخم کی ڈریسنگ کر دی گئی تھی۔ چہرے کی خراشوں وغیرہ پر بھی کوئی رنگین دوا لگا دی گئی تھی جس کی وجہ سے خالد کا چہرہ ضرورت سے زیادہ بگڑا ہوا اور خوف ناک نظر آ رہا تھا۔
اس کمرے میں فرنیچر نام کی کوئی شے نہیں تھی لیکن ہم تینوں کے لیے فوری طور پر کرسیاں فراہم کر دی گئیں۔
"تم لوگ کون ہو اور بلاوجہ میرے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہو؟" اس نے ہم تینوں کی معنی خیز خاموشی سے گھبرا کے پوچھا۔
"تم گولڈن فارمیسی سے دوائیں لینے کے بعد بل ادا کیے بغیر لوٹ گئے تھے۔ ہمیں وہ بل وصول کرنا ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔
"میں وہاں سے کچھ نہیں لایا تھا۔ میں نے دواؤں کی تھیلی کاؤنٹر پر چھوڑ دی تھی۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہاری آنکھوں سے جھلکتی ہوئی سفاکی سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تمہارے عزائم کچھ اور ہیں۔ تم مجھے غیر قانونی حراست میں رکھ کر ہراساں کر رہے ہو۔"
"فارمیسی کے کاؤنٹر پر تختی لگی ہوئی ہے کہ خریدی ہوئی دوائیں واپس نہیں لی جاتیں۔ وہ تھیلی تمہاری تھی۔ اسے چھوڑا تو یہ تمہارا قصور تھا۔ ہم کو اپنے پیسوں سے سروکار تھا لیکن تم ایسے بدنیت ہو کہ میری صورت دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور پھر ہمارے اوپر گولی بھی چلا دی۔" میں نے پرسکون مگر طنزیہ لہجے میں کہا۔
اس کی آنکھوں میں الجھن اور خوف کے سائے لہرانے لگے "دد.... دیکھو، میں ایک شریف اور عیال دار آدمی ہوں۔ میرا کسی چکر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں کالی گاڑی والوں کو نہیں جانتا۔ ان میں سے ایک نے مجھے دو ہزار روپے دے کر فارمیسی پر بھیجا تھا۔ مجھے وہاں سے ایک آدمی کو گاڑی تک لانا تھا۔"
"اور وہ دو ہزار روپے تم پہلے ہی فرزانہ کو دے چکے تھے جو اس نے دکان کے ایک ملازم کے حوالے کر دیے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی نفع یا نقصان کی پروا کیے بغیر محض خوفِ خدا کی وجہ سے مجرموں اور قاتلوں کی مدد کرتے پھرتے ہو۔"
"میں بے قصور ہوں۔" وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر چیخ پڑا "آخر تم سیدھی طرح کیوں نہیں بتاتے کہ تم نے مجھے کیوں پکڑا ہے اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"
"دواؤں کے تین سو اسّی روپے!" میں نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تم اتنی سی رقم بچانے کے لیے اِدھر اُدھر کی ہانک رہے ہو۔"
میرے مبہم اور نرم رویے کے تسلسل پر ویرا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ اچانک بول پڑی "اگر تم نے اسی وقت تین سو اسّی روپے ادا نہ کیے تو میں مار مار کر تمہارا بھرکس نکال دوں گی۔ تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم تم سے کیا چاہتے ہیں۔"
"رقم کا بہانہ مت کرو۔ تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اپنے گھر سے بے سروسامانی کے عالم میں بھاگا ہوں۔ میری جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ ان حیلوں میں الجھانے کے بجائے مجھ سے اصل معاملے پر بات کرو۔ میں تمہیں یقین دلا رہا ہوں کہ میں کرائے کا آدمی ہوں...."
ویرا نے بجلی کی سی سرعت سے اپنی جگہ چھوڑی اور پھر اس کی ٹانگ چل گئی۔ پسلیوں میں پڑنے والی ٹھوکر پر وہ دہرا ہو کر بلبلانے لگا۔
"اسی طرح، بہت دھیرے دھیرے تمہارے جسم کی ساری ہڈیاں توڑ دی جائیں گی اور تم اس عذاب کے ساتھ

زندہ رہو گے۔" اول خان نے اسے آگاہ کیا۔
"میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ میں بیچ کا آدمی تھا۔ معاوضے پر اس کے لیے کام کر رہا تھا۔ وہ....."
"ہمیں تمہاری اس فضول تقریر سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ بتاؤ کہ وہ کون ہے اور شہر میں کہاں چھپا ہوا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔
"میں یہ سب نہیں جانتا....." اس کے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ پر اٹکی ہوئی تھی۔ میں نے درشتی سے اس کی بات دوبارہ کاٹ دی۔
"تم بیچ کے آدمی ہوتے تو تم سے کام لینے کے بعد وہ تم کو کسی آوارہ کتے کی طرح گولی مارتا اور نکل جاتا۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ میری اور اس کی مختصر گفتگو کے دوران میں تم کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ تم نے ہماری باتیں سنی تھیں۔"
"مجھے معلوم ہے کہ تمہارے درمیان سلور آئی کے بارے میں کچھ بات ہوئی تھی لیکن میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"
میں نے ویرا کو آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ خطرناک تیوروں کے ساتھ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں اس خبیث کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ ویرا کے ہاتھوں مار کھانے سے اس کی غیرت بھی جاگ سکتی تھی۔
ویرا کو اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر وہ تیزی سے اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر وحشت ناچ رہی تھی۔ ویرا اس سے بہ مشکل ایک قدم کے فاصلے پر رہی ہوگی کہ وہ غیر متوقع طور پر وحشیانہ انداز میں اس سے لپٹ گیا۔ ویرا کی پشت میری جانب تھی۔ وہ اپنے بازو خالد کی مضبوط گرفت سے چھڑانے کی سرتوڑ کوشش کر رہی تھی کیونکہ وہ کسی درندے کی طرح اپنا منہ کھول کر ویرا کا دایاں کان چبا ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔
اپنی کنپٹی اور گردن پر خالد کے دانتوں کے لمس سے ویرا کو اندازہ ہوگیا تھا کہ خالد کیا کرنا چاہ رہا تھا۔ اچانک ویرا کا داہنا گھٹنا تیزی سے فضا میں بلند ہوا اور خالد ایک کریہہ چیخ مار کر پیچھے الٹ گیا۔ ویرا نے اسے تڑپا دینے والی ضرب لگائی تھی۔
اس بار ویرا نے اپنے سینڈل کے تلے سے خالد کی گردن دبا دی۔ خالد نے دونوں ہاتھوں سے ویرا کے پیر کو جھٹکا دیا اور اس وار سے بچنے میں کامیاب ہوگیا۔
"تم لوگ درندے ہو۔" وہ دیوار سے ٹک کر اپنا گلا سہلاتے ہوئے کراہا "پولیس والے اپنے قیدیوں کو ایسی بے دردی سے نہیں مارتے۔"
"تم کو کیسے الہام ہوا کہ ہم پولیس والے ہیں۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے پوچھا۔
"میں بار بار یہی پوچھ رہا ہوں کہ تم لوگ کون ہو....."
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں نے ایک مرتبہ پھر اس کی بات کاٹ دی "تمہارے لیے صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ تم ہمارے سامنے بے بس ہو اور ہمارے قیدی ہو۔ اگر تم نے شرافت سے زبان نہ کھولی تو ایسی ناقابلِ تصور اذیتوں سے گزرو گے کہ تمہاری زندگی ایک عذاب بن جائے گی۔"
"میں مرنے سے نہیں ڈرتا لیکن بدنامی کی زندگی سے خوف کھاتا ہوں۔ تم لوگ مجھے عدالتوں میں دھکے کھلواؤں گے اور میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔"
"یہ باتیں تو تم کو اس وقت سوچنی چاہیے تھیں جب تم غلط کاموں میں ہاتھ ڈال رہے تھے۔" اول خان نے کہا۔
"یہ مجبوریاں تم نہیں سمجھ سکو گے۔ ایک پڑھے لکھے اور بال بچوں والے آدمی کو اچانک نوکری سے جواب مل جائے اور گھر میں فاقوں کی نوبت آنے لگے تو انسان ہر کام کر گزرنے پر تل جاتا ہے۔ شاید اسے کسی کا خون بہاتے ہوئے بھی شرم نہیں آتی۔ میں نے ایسا کوئی گھناؤنا کام نہیں کیا۔"
وہ عتاب میں آیا ہوا تھا، بری طرح پٹ رہا تھا لیکن اس کا دماغ پوری طرح کام کر رہا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ بری طرح گھر جانے کے بعد اس نے اپنی مظلومیت کی ایسی تمہید باندھی تھی جو اس کی گلوخلاصی کی راہ بنا سکے۔ میں نے اس کے پھینکے ہوئے جال کو اسی پر ڈالنے کا فیصلہ کرلیا۔
"تم کو ابھی تک یہاں کوئی وردی یا سرکاری نشان نظر نہیں آیا ہوگا۔" میں نے قدرے نرمی اختیار کرتے ہوئے کہا "ہمارے ہاتھوں میں اتنی قوت ہے کہ ہم پولیس اور قانون سے مدد لیے بغیر اپنے دشمنوں سے اپنا حساب بے باق کرسکتے ہیں۔ تم سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بیچ کے آدمی ہو مگر اہم آدمی ہو اور بہت سی باتیں جانتے ہو۔ میری لڑائی ان لوگوں سے ہے جن کے لیے تم کام کرتے ہو۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہاتھیوں کی لڑائی میں کودنے والے مینڈک بے رحمی سے روندے جاتے ہیں۔ تم اس برے انجام سے بچنا چاہتے ہو تو اب تم کو بدلے ہوئے حالات سے سمجھوتا کرلینا چاہیے۔ تم بساط کے ایک پٹے ہوئے مہرے ہو۔ تمہارے پاس کوئی متبادل راہ نہیں ہے۔ اگر

تمہیں اپنے بیوی بچوں سے ذرا سی بھی ہمدردی ہے تو تم کو ہمارے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ یہ زندگی اور عافیت کی اکلوتی راہ ہے۔ دوسرا راستہ دردناک موت کی طرف جاتا ہے۔"

"تم میری زبان کھلوانے کے بعد مجھے مار دو گے!" اس نے پرتشویش آواز میں اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"ہم تمہیں مارنا چاہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نہیں روک سکے گی۔ میں تمہیں لفظوں کا کوئی فریب نہیں دینا چاہتا۔"

"تم نے مجھے چھوڑ دیا تو تمہارے ہاتھوں کی چوٹ کھانے کے بعد وہ مجھے مروا دے گا۔ یہ بات اس سے چھپی نہیں رہ سکے گی کچھ لوگ مجھے گھر سے زبردستی اٹھالائے تھے۔"

"تم چاہو تو اس کی مکمل سرکوبی تک ہمارے مہمان رہ سکتے ہو۔ شرط یہی ہے کہ شرافت سے سب کچھ اگلتے چلے جاؤ۔"

اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری پیش کش پر وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ مجھے اس سے خوف آتا ہے۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس نے اپنی زبان کھولی "تم یہ بتاؤ کہ تمہارا دشمن کون ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارا حریف کوئی اور ہو۔ میں بلاوجہ ہی مارا گیا ہوں۔"

مجھے دل ہی دل میں تسلیم کرلینا پڑا کہ وہ بلا کا مکار تھا۔ اس کے ذہن میں کوئی نئی کہانی سر ابھار رہی تھی۔ میں نے سخت لہجے میں کہا "اب تم اتنا معصوم بننے کی کوشش مت کرو۔ تم کسی اتفاق کے نتیجے میں ہمارے ہاتھ نہیں لگے۔ تم کو باقاعدہ گھیر کر پکڑا گیا ہے۔ سلور آئی کا ذکر بھی تم سے پوشیدہ نہیں ہے۔"

"آئی مین کا بس چلا تو وہ مجھے کچا چبا جائے گا" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔

"اب تم راہِ راست پر آئے ہو۔" میں نے اس کی زبان سے آئی مین کا نام سن کر کہا "میری اصل لڑائی اسی سے ہے۔"

"وہ بہت تیز و طرار اور چالاک شخص ہے۔" خالد کی آواز خوف سے عاری نہیں تھی۔ "میں تمہیں ہر بات سچ بتاؤں گا لیکن تم اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاسکو گے۔ اسے جیسے ہی پتا چلے گا کہ میں غائب ہو چکا ہوں، وہ خطرہ سونگھ کر اپنا ٹھکانا بدل لے گا۔"

"اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ وقت ضائع نہ کرو۔ آئی مین کا قصہ پاک ہو گیا تو میں تمہیں نوکری دلوا دوں گا۔"

"اب میں حرام کی روزی نہیں کماؤں گا۔" اس نے بے ساختہ دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "یہ روزی تباہی کے راستے پر لے جاتی ہے۔ میں حق حلال کی روزی کماؤں گا۔"

اول خان مذہبی رجحانات کا حامل تھا۔ اس نے خالد کے جواب میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا "تم محنت کرکے تنخواہ لیتے ہو۔ تمہیں اس سے کیا غرض کہ تمہارا آجر کیا کررہا ہے۔"

خالد کا جواب عبرت ناک تھا۔

اس نے آخری دو نوکریاں ایسے آجروں کے پاس کی تھیں جو معاشرے کے سفید پوش مجرم تھے۔ ایک گارمنٹس اور دوسرا مسالوں کی برآمد کی آڑ میں منشیات کی اسمگلنگ کا دھندا کرتا تھا۔ دونوں جگہ اسے اس کی صلاحیت اور توقع سے کہیں بڑھ کر تنخواہ دی جاتی تھی کیونکہ وہ کھیل کا کلیدی مہرہ ہوا کرتا تھا۔ پہلی مرتبہ آمدنی میں بھرپور اضافہ ہوا تو اسی حساب سے اس کا معیار زندگی بلند ہوتا چلا گیا۔ گھر کے اخراجات بے تحاشا بڑھ گئے اور اس نے شراب نوشی بھی شروع کردی۔

مے نوشی اور ذاتی مصروفیات کی وجہ سے بچوں کی طرف توجہ کم ہوئی تو وہ ڈھیل سے فائدہ اٹھا کر دھیرے دھیرے بگڑنے لگے۔ پھر ایک دن مال پکڑا گیا۔ آجر زیرزمین چلا گیا۔ دفاتر کو تالے لگ گئے۔ وہ پکڑ دھکڑ سے بہ مشکل بچ سکا۔ اندھی کمائی نے اس کی آنکھوں پر بھی پردے ڈال دیے تھے۔ سمجھتا تھا کہ زندگی اسی ڈگر پر چلتی رہے گی۔ جو آتا تھا خرچ ہوجاتا تھا۔ جمع پونجی کچھ نہیں تھی۔ نئی ملازمت کے لیے تو توقعات بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ کہیں بات نہ بن سکی۔

گاڑی بکنے کی نوبت آگئی۔ گھر کا چولہا روشن رکھنے کے لیے اثاثے بیچنے کا تجربہ اس کے لیے بہت اذیت ناک تھا۔ مہینے تک شہر بھر میں جوتیاں چٹخانے کے بعد اسے مسالوں کے کارخانے میں نوکری ملی تو وہاں بھی منشیات کا گندا کھیل تھا۔ تنخواہ پرکشش مگر کام گندہ تھا۔ اس نے اپنی مجبوریوں کا سودا کرلیا۔

وہ کاغذ کی ناؤ تھی۔ جب تک تیرتی رہی، تیرتی رہی اور پھر ایک دن اچانک ڈوب گئی۔ دوسری نوکری ملنے کے بعد تیزی سے پرانا تجربہ بھول گیا تھا اور دوبارہ پرانے ڈھب پر آگیا تھا۔ دوسرا جھٹکا لگنے کے بعد اسے ایک سال تک دھکے کھانے پڑے پھر ایک پرانے آدمی کی معرفت چار ماہ پہلے آئی مین سے ملاقات ہوئی۔ وہ امریکی گورا تھا۔ مکمل رازدار

اور وفاداری کے لیے بھاری ماہانہ رقم دینے کے لیے تیار تھا۔
وہ پہلا آجر تھا جس نے منشیات کے بارے میں خالد کے ماضی کے تجربوں میں گہری دلچسپی لی تھی اور وہ اس تجربے کا خریدار بھی تھا۔ یوں خالد اس کا ساتھی بن گیا۔
ماضی کے برعکس، اس بار گاڑی چار ماہ کی قلیل مدت تک چل سکی تھی۔ اسے نظر آرہا تھا کہ وہ دوبارہ بے کاری کی گہری اور بھیانک دلدل میں گرنے والا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس بار اس نے آئی مین کی فیاضیوں کے طفیل کچھ پس انداز کرلیا تھا۔ گھر کا کوئی اثاثہ بیچے بغیر کفایت سے بے روزگاری کا طویل عرصہ گزار سکتا تھا۔ اس نے اندھی آمدنی اور بے حساب اخراجات کے فارمولے کے بجائے جائز آمدنی اور محدود اخراجات میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔
”یہ تمہارے ذاتی فیصلے ہیں جو مستحسن ضرور ہیں لیکن ہمارے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔“ اس کی پوری کہانی سن لینے کے بعد میں نے بے پروائی سے کہا ”اب آئی مین کے بارے میں بولتے چلے جاؤ۔“
”وہ بوٹ بیسن کے علاقے میں ایک ایسے مکان میں رہ رہا ہے جس کی پشت پر کچا برساتی نالہ ہے۔“ خالد بتانے لگا ”اس سے پہلے وہ ڈیفنس کے علاقے میں بی باون کے نام سے مشہور ایک گھر میں مقیم تھا۔ اس کے وہاں سے منتقل ہونے کی کہانی اخباروں میں آچکی ہے۔“
”تم اس سے ملنے کے لیے بی باون بھی جاتے رہتے تھے؟“ میں نے سوال کیا۔
”ایک بار گیا تھا۔ حفاظت کے معاملے میں وہ اپنے سائے سے بھی بدکتا ہے۔ کسی کو غیر ضروری طور پر اپنے قریب نہیں آنے دیتا۔“
”نادر کو کس نے مارا تھا؟“ میں نے پوچھا۔
”کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس سے اس کے کاموں کے بارے میں کوئی سوال کرسکے۔ اخباروں میں اس بارے میں اپنا نام دیکھ کر وہ خاموش رہا تھا لیکن آج نمود نامی بھارتی ہندو کے قتل میں اپنا نام آنے پر بھڑکا ہوا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نادر کو اسی نے اپنے راستے سے ہٹایا تھا۔“
”اس کے ساتھ اور کون کون رہتا ہے؟“ اس بار ویرا نے سوال کیا تھا۔
”کیلی اس کے ساتھ رہتی ہے۔ ان دونوں کو اپنے کام خود کرنے کی عادت ہے۔“
”کیلی کون ہے؟“ اس موضوع کے بارے میں ویرا کا تجسس جاگ اٹھا۔
”اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ وہ اس کی بیوی، بیٹی، سیکریٹری یا صرف گرل فرینڈ بھی ہوسکتی ہے۔ وہ گھر میں رہتی ہے۔ آئی مین باہر نکلتا ہے تو تنہا ہوتا ہے۔ آج کل ہر شخص کو وہ خود فون کرتا ہے۔ جب اسے فون کیے جاتے ہیں تو اس سے پہلے کیلی فون اٹھا کر اپنا اطمینان کرتی تھی کہ فون صحیح آدمی کا ہے۔“
”حیرت ہے کہ ان دونوں کو دیکھ لینے کے باوجود تم ان کے درمیان رشتے کا تعین نہیں کرسکے۔ بیوی اور بیٹی کی عمروں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔“
”دراصل آئی مین جب بھی میرے سامنے آیا۔ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں تھا۔ چہرے پر نقاب ہونے کی وجہ سے کبھی اس کی عمر کا اندازہ نہیں ہوسکا۔“
”میں نے اس کی آواز سنی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ ادھیڑ عمر ہے۔“ میں نے کہا۔
”میرا اندازہ بھی یہی ہے لیکن اندازے غلط ہوسکتے ہیں۔“ اس نے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا ”ویسے امریکی عمر کے چور ہوتے ہیں۔ پاکستانیوں کے مقابلے میں بہت زیادہ صحت مند اور توانا نظر آتے ہیں۔ آواز پر جاؤ تو آئی مین کو کم از کم پچپن سالہ ہونا چاہیے۔“
”ابھی تم نے ایک غلط بیانی کی ہے۔“ خیال آنے پر میں نے چونک کر کہا ”آج دو بجے آئی مین نقاب میں نہیں تھا۔“
”گاڑی کے شیشے سیاہ تھے پھر بھی اس نے سیاہ لباس پہننے کا خطرہ مول نہیں لیا مگر اس نے اپنا چہرہ اور پورا بدن ڈھکا ہوا تھا۔“ خالد نے زور دے کر کہا ”اس کے چہرے پر ماسک چڑھا ہوا تھا۔ سر پر ہیٹ تھا اور ہاتھوں پر موٹے دستانے موجود تھے۔“
”اپنی روزی کی کہانی سناتے ہوئے تم نے کہا تھا کہ آئی مین امریکی گورا ہے۔“ میرا ذہن اس کے بیان کے تضادات تلاش کرنے میں مصروف تھا۔
”اس وقت بھی وہ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں میرے سامنے آیا تھا۔ اس کی بول چال سے معلوم ہورہا تھا کہ وہ امریکی ہے۔ ان لوگوں کی انگریزی ساری دنیا سے الگ اور منفرد ہوتی ہے۔ مجھے تو اس کی آواز پر بھی بھروسا نہیں ہے۔ وہ اتنا محتاط ہے تو ضرور آواز بدل کر بولتا ہوگا۔“
خالد کا آخری فقرہ قابلِ غور تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ میں اسے ادھیڑ عمر تصور کیے بیٹھا تھا۔
”سیاہ گاڑی کون چلا رہا تھا؟“ میں اس سے ہر بات پوچھ

لینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔
"وہ میرے لیے نیا آدمی تھا۔ میں نے اسے آج پہلی بار دیکھا ہے۔"
"اس سے پہلے تم نے کسی اور کو بھی دیکھا ہے؟"
"میرے لیے شی آئی مین اور کیلی پر ختم ہے۔ ان دونوں کے سوا میرا کسی تیسرے آدمی سے واسطہ نہیں پڑا یا پھر آج ڈرائیور سامنے آیا تھا۔"
"اس کے ساتھ کوئی نیگرو بھی ہوا کرتا ہے۔" میرے ذہن میں جیک اسمتھ کا نام کلبلا رہا تھا۔
"ہوتا ہے تو اس سے میرا کبھی سامنا نہیں ہوا۔" خالد نے بلا توقف جواب دیا "آئی مین کا کام کرنے کا اپنا طریقہ ہے۔ وہ اپنے آدمیوں کو غیر ضروری طور پر ایک دوسرے کے سامنے نہیں لاتا۔ ہر بات خود طے کرتا ہے۔ اس سے اگلے رابطوں کی ذمے داری اور معاوضوں کی ادائیگی کام کرنے والے کے سر ہوتی ہے۔ اس سے آئی مین کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"
"میرا خیال تھا کہ تم بہت کچھ جانتے ہوگے مگر تم آئی مین کی ذات کے بارے میں بھی بہت کم جانتے ہو۔" میں نے مایوسی سے کہا۔
"یہ اس کے طریقہ کار کی خوبی یا خامی ہے کہ کوئی بھی شخص سب کچھ نہیں جانتا۔ ہر شخص صرف اپنے کام کے بارے میں جانتا ہے۔"
"شی میں تمہارا کیا کام ہے۔" میں نے اس کی روز مرہ ذمے داریوں کے بارے میں جاننا چاہا۔
"ہیروئن کی مارکیٹ کا سروے۔ مجھے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ شہر کے مختلف اڈوں کو کون لوگ کتنی مقدار فراہم کررہے ہیں۔"
"یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ اس غیر قانونی کام کے اعداد و شمار تمہیں کون دیتا ہوگا۔"
"کوئی نہیں دیتا۔ لوگ یہ باتیں چھپاتے ہیں۔ مجھے اپنے طور پر صحیح ترین اندازے لگانے پڑتے ہیں۔ کئی مرتبہ اس نے درشت انداز میں میرے اعداد و شمار کی تصحیح کی ہے۔"
"اس کا مطلب ہے کہ وہ صرف تم پر انحصار نہیں کرتا۔ یہی کام دوسرے لوگوں سے بھی لے رہا ہے۔"
"ہو سکتا ہے۔" اس نے نیم دلی سے جواب دیا "میرے دیے ہوئے اعداد و شمار کی تصحیح سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔ میں اپنا بیشتر وقت گھٹیا اور سستے اڈوں پر گزارتا ہوں مگر آج تک میرا کسی ایسے آدمی سے سامنا نہیں ہوا جو میری طرح ہیروئن کی آمد اور ترسیل پر دھیان دے رہا ہو۔ بازار کی خبریں کچھ اور بتاتی ہیں۔"
"میں وہی جاننا چاہ رہا ہوں۔ مجھے تم سے اندر کی معلومات درکار ہیں۔" میں نے زور دے کر کہا۔
"سنا ہے کہ اب کوئی بڑی پارٹی مارکیٹ میں اتری ہوئی ہے جو شی ہی ہو سکتی ہے۔ اس کے آدمی سستا مال دے رہے ہیں۔ سارے ڈیلرز تیزی سے ان کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ اگر خسارے کی یہ رقم شی دے رہی ہے تو یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ غبن نہیں ہو رہا۔ کم و بیش اتنا مال مارکیٹ میں پھینکا جارہا ہے جس کے لیے آئی مین خسارہ ادا کررہا ہے۔"
وہی کڑی درست تھی جو خالد نے اپنے براہ راست تجربات سے جوڑی تھی۔ بے اختیار میرا ذہن راجا کی طرف چلا گیا جس نے خود اعتراف کیا تھا کہ آئی مین اسے بازار میں سستی ہیروئن پھیلانے کے لیے بھاری مالی امداد دے رہا تھا۔ اس امداد کے ساتھ اس کا یومیہ ہدف بھی مقرر تھا۔
خالد نے شی کا جو نیا ڈھانچا بتایا تھا اس کے مطابق اس بار ٹیم ورک پر انحصار نہیں کیا جارہا تھا۔ پچھلے ناکام تجربات کی روشنی میں آئی مین ایک شخص، ایک کام کے اصول پر عمل کررہا تھا۔ راجا کو سستی ہیروئن بیچنے کا کام دیا گیا تھا تو دوسرے اس میں دخل اندازی نہیں کرسکتے تھے۔ راجا کئی دنوں سے پولیس کی تحویل میں تھا تو سستی ہیروئن کی دستیابی کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ میں نے خالد سے پوچھا "تمہاری پچھلے دو تین دن کی رپورٹیں کیا ظاہر کررہی ہیں۔"
خالد نے چونک کر میری طرف دیکھا اور سر جھکا کر بولا "بازار میں بحران ہے۔ سستا مال اچانک ناپید ہو گیا ہے۔ اس بارے میں تمہاری معلومات واقعی قابل رشک ہیں۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ آج آئی مین اسی بحران کا کوئی توڑ کرنے کے لیے میدان میں نکلا ہے۔"
اخبارات میں وہ معاملات اتنے اچھالے گئے تھے کہ خالد سے کچھ چھپانا بے سود تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا "پہلے شی کے ایک سوداگر کو پولیس نے پکڑا، اب اس کا سرور ہمارے قبضے میں ہے۔ ٹیم ورک کے بغیر ایسے کام دور تک نہیں چل پاتے۔"
"میرے پکڑے جانے کے بعد معاملہ زیادہ گمبھیر ہو گیا ہے۔ کیا شی کے میدان میں اترنے کی وجہ سے تمہارا کاروبار متاثر ہو رہا تھا؟"
"کسی حد تک کہہ سکتے ہو۔" میں نے گول مول سا

جواب دیا۔
"تمہاری اور آئی مین کی پرخاش کی یہی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ اس کے دوسرے دشمن سرکاری ادارے ہو سکتے ہیں۔" خالد نتیجے اخذ کرنے میں خاصا تیز تھا۔
"اپنی یہ قیاس آرائیاں اپنی کھوپڑی میں محفوظ رکھو۔" اول خان نے تیزی سے کہا "ہماری نرمی کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہماری برابری کرنے کی کوشش کرو۔"
خالد کی فریادی نظریں میری طرف اٹھ گئیں "تم نے کہا تھا کہ ہر بات سچ سچ بتا دینے کے بعد میں تمہارا مہمان بن جاؤں گا۔"
"تم فضا صاف ہونے تک ہماری حفاظت میں رہو گے لیکن اس دوران میں محتاط رہو۔" میں نے اسے آنکھ سے اشارہ کرکے کہا۔
"مجھے اس ننگے فرش سے کب نجات مل سکے گی؟" اس نے مایوسی سے پوچھا "میرے زخموں کی دیکھ بھال بھی ضروری ہے۔"
"فرش پر گدا فراہم کردیا جائے گا مگر تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔ ہمارے پاس اس سے بہتر کمرا نہیں ہے۔" اس بار اول خان نے ہی جواب دیا "گولی تمہاری جلد اور گوشت کو چھاڑتی ہوئی گزری ہے۔ تم زخم کی فکر مت کرو۔ یہ دو چار دن میں مندمل ہوجائے گا۔ چہرے کی خراشیں بہت معمولی ہیں۔"
گفتگو ختم کرکے ہم تینوں اس کمرے سے نکل آئے۔ اول خان اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے کے لیے رک گیا۔
"مجھے تو یہ سب باتیں بے سروپا معلوم ہو رہی ہیں۔" ویرا نے خالد کے کمرے سے کچھ دور نکل آنے کے بعد اپنی بے لاگ رائے کا اظہار کردیا "یا پھر شی کے نئے آئی مین کا دماغ چل گیا ہے جو وہ ٹیم ورک کے بنیادی اصول سے انحراف کرکے اپنی نئی راہ بنانے کی کوشش کررہا ہے۔"
"اس کا دماغ نہیں چلا۔ وہ بہت شاطرانہ انداز میں اپنا کھیل آگے بڑھا رہا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے پر تشویش لہجے میں جواب دیا "اس وقت وہ سرمایہ صرف کرکے اپنی مضبوط ٹیم بنا رہا ہے۔ اس نے کرائے پر حاصل کیے لوگوں کو مصروف رکھنے کے لیے مختلف کاموں میں الجھا دیا ہے۔ اس طرح وہ محض وقت گزار رہا ہے اور ہیروئن کی مارکیٹ میں بحران پیدا کررہا ہے۔ اس کا ہر آدمی شی کے نئے لیڈر کے خواب دیکھ رہا ہے لیکن آئی مین کا ہدف کچھ اور ہے۔" اس وقت تک اول خان دوبارہ ہمارے ساتھ شامل ہو چکا تھا۔
"اگر آئی مین نے اس بارے میں تمہیں کچھ بتایا ہے تو اس سے ہمیں بھی آگاہ کردو۔" ویرا نے جل کر کہا۔
"تم بلاوجہ مرچیں چبا رہی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "یہ بات تمہاری سمجھ میں بھی آجانی چاہیے کہ ان طور طریقوں سے ہیروئن کی مارکیٹ پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ قصہ کسی اور مقصد کو چھپانے کے لیے چلایا گیا ہے۔"
"لاکھ ڈالر کا سوال یہ ہے کہ آئی مین کا وہ اصل مقصد کیا ہے۔" اس بار ویرا کا لہجہ استہزائیہ تھا۔
"اپنے ذہنوں پر بوجھ ڈالنا ایک اچھی عادت ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اس وقت تم دونوں بلاوجہ یہ مشق کررہے ہو۔ اس سوال کا جواب ہمیں آئی مین ہی دے سکتا ہے۔"
"کیوں نہ خط لکھ کر اس سے اس سوال کا جواب مانگ لیا جائے۔" ویرا بے ساختہ بولی۔
"خط لکھنے کی ضرورت نہیں۔ خالد اس کے ٹھکانے کی نشان دہی کرچکا ہے۔ ہمیں جلد از جلد ادھر کا رخ کرنا چاہیے۔" اول خان کی سنجیدگی برقرار رہی۔
ویرا کھسیانے انداز میں خاموش رہی۔ میں نے اول خان سے کہا "تمہاری بات درست ہے۔ تم ذرا ایک بار پھر خالد سے مل آؤ۔ اس مکان کا صحیح پتا معلوم کرلو۔ فون نمبر بھی پوچھ لینا۔ دوسری باتوں میں الجھ کر ہم مکان کا صحیح محل وقوع وغیرہ پوچھنا بھول گئے۔ اندھیرا ہوتے ہی ہمیں وہاں دھاوا بول دینا چاہیے تاکہ اسے زیادہ وقت نہ مل سکے۔"
اول خان میری ہر بات پر بہت سنجیدگی سے کان دھرتا تھا۔ میری پوری بات سنتے ہی واپس لوٹ گیا۔
"تمہارا کیا اندازہ ہے۔ آئی مین یہاں کیا کرتا پھر رہا ہے۔" اول خان کے دفتر کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے، ویرا نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔
"فی الحال افراتفری پھیلا رہا ہے۔ تم بار بار گھما پھرا کر ایک ہی سوال پوچھ رہی ہو۔"
"میرا خیال ہے کہ اپنے اس سوال کا جواب مجھے معلوم ہے۔ وہ میرے ذہن میں موجود ہے مگر اس وقت سوجھ نہیں رہا۔" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولی۔
"کچھ دیر کے لیے خاموش رہ کر اپنا ذہن اسی ایک سوال پر مرکوز کردو۔ تھوڑی دیر میں عقدہ کھل جائے گا۔" میں نے اسے مخلصانہ مشورہ دیا۔
"اس وقت مجھے شدت سے سلطان شاہ یاد آرہا

ہے....."

میں نے درمیان سے اس کی بات اچک لی "یہ خوشی کی بات ہے کہ اس کی طرف سے تمہارے دل میں گنجائش پیدا ہو رہی ہے۔ اسے یہ جان کر بہت خوشی ہو گی۔"

"میری بات کو غلط معنی پہنانے کی کوشش مت کرو۔ دراصل وہ بہت بولتا ہے۔ صحیح اور غلط کی پروا کیے بغیر مسلسل بولتا رہتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس کے مخاطب کا ذہن خود بخود تیزی سے کام کرنے لگتا ہے اور بعض دور کی باتیں آسانی سے سوجھ جاتی ہیں۔"

"پتا نہیں جیک کے مکوں کی ضربات سے اب اس کے جبڑوں کا کیا حال ہے۔" میں نے افسردگی سے کہا۔

"جبڑے رواں ہیں۔ بولنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہو گی۔ ہاں شاید مزید مار کھانے کی گنجائش نہ ہو۔" اس نے ہنستے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا۔

ہم دونوں اول خان کے دفتر میں جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود بھی خالد سے پوچھ کچھ کر کے لوٹ آیا۔

"فون نمبر لے کر تم کیا چاہ رہے تھے؟" اول خان نے آئی مین کے نئے فون نمبر والا پرچہ میرے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی اس کا کوئی مصرف نہیں ہے۔ وہ جتنی احتیاط سے کام لے رہا ہے اس کے پیش نظر اسے فون پر چھیڑنا مناسب نہیں ہو گا۔ وہ ہوشیار ہو جائے گا۔"

"اگر اسے گھیرنا ہے تو ہمیں ابھی سے تیاری شروع کر دینی چاہیے۔" ویرا نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کہا۔

"کتنے آدمی کافی رہیں گے؟" اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

اس وقت تک آئی مین کے بارے میں جو معلومات ہمارے سامنے آئی تھیں۔ ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے گرد غیر ضروری بھیڑ بھاڑ رکھنے کا عادی نہیں تھا۔ اس کی کمین گاہ پر اس کے سوا صرف کیلی کی موجودگی متوقع تھی۔ مکان کا محل وقوع ایسا تھا کہ صرف دو اطراف سے نگرانی کر کے انہیں گھیرا جا سکتا تھا۔ ان دنوں وہ علاقہ زیادہ آباد نہیں تھا۔ آئی مین کے مکان کے ساتھ ایک مکان بنا ہوا تھا۔ دوسری طرف خالی پلاٹ تھا۔ گھر کے سامنے سڑک اور پیچھے ویران اور خشک برساتی نالہ تھا جس میں جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔

ہم تینوں یکجا تھے اس لیے ہمارا جانا ضروری تھا۔ ویرا کسی صورت میں بھی رکنے پر آمادہ نہ ہوتی۔ اس آپریشن کے لیے کم از کم دو گاڑیوں کا ہونا ضروری تھا۔ طے یہ پایا کہ ہم تینوں کے ساتھ مزید دو افراد کو شامل کر لیا جائے۔ اس طرح ہماری کل نفری پانچ ہو جاتی جو بہت کافی تھی۔

سات بجے روانگی کا پروگرام طے کرنے کے ساتھ یہ فیصلہ بھی کر لیا گیا کہ فرزانہ کو فوری طور پر رہا کر دیا جائے۔ اس کا براہِ راست آئی مین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ویرا کے مشورے پر میں نے گھر فون کر کے غزالہ کو بھی تبدیلیوں اور نئے فیصلوں سے آگاہ کر دیا۔

اس کے لیے یہ بات حیران کن ثابت ہوئی تھی کہ فرزانہ کی نشان دہی پر ہم جس شخص تک پہنچے وہی مجھ کو دکان سے آئی مین تک پہنچا چکا تھا۔ اس وقت سلطان شاہ بھی مجھ سے بات کرنے کے لیے مضطرب تھا۔ میں جانتا تھا کہ ایک مرتبہ اس سے گفتگو شروع ہو گئی تو سلسلہ دراز ہوتا چلا جائے گا جبکہ ہمارے پاس زیادہ وقت باقی نہیں رہ گیا تھا۔

مجھے توقع تھی کہ غزالہ مجھے جلال کے بارے میں کوئی اطلاع دے گی مگر وہ کہیں غائب تھا۔ شاید وہ دہلی میں عبداللہ کے خونِ ناحق کا بھرپور انتقام لے کر آرام کر رہا تھا اور دونوں کے بارے میں ہم میں سے کسی سے تبادلہ خیال کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

آئی مین اور اس کے کارندوں کے بارے میں دو تازہ ترین تجربات ہمارے سامنے تھے۔ خالد ایک سوکھا سڑا اور بے ضرر سا آدمی نظر آتا تھا لیکن خطرہ اپنے سر پر منڈلاتا دیکھ کر وہ بے خوفی سے ہتھیار اٹھا کر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ وہ حرکت کرتے ہوئے اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اس کے ایسے کسی اقدام سے اس کے گھر والوں پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ دوسری طرف خود آئی مین ہمارے سامنے تھا۔ اس نے خود کوئی حرکت نہیں کی تھی لیکن وہ دھوئیں کے بموں تک سے لیس ہو کر لی مارکیٹ کے گنجان علاقے میں مجھ سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ اس نے بھی خطرہ بھانپتے ہی دھوئیں کا دستی بم استعمال کر ڈالا تھا اور صاف نکل جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

وہ تجربات بتا رہے تھے کہ ہمارا حریف ہر قسم کے تباہ کن ہتھیاروں وغیرہ سے لیس تھا۔ وہ لوگ مدافعانہ راہ اختیار کرنے کے بجائے لڑنے مرنے پر تلے ہوئے تھے۔ پوری تیاری کے بغیر ان کا سامنا کرنا خودکشی سے کم نہیں تھا۔

اول خان نے دورانِ گفتگو ہی ان دو آدمیوں کا انتخاب کر لیا تھا۔ جنہیں گاڑیاں لے کر ہمارے ساتھ چلنا تھا۔ اس نے انہیں بلا کر ہتھیاروں کی نوعیت اور تعداد وغیرہ کے

بارے میں ہدایات دے ڈالیں۔ ان کے جاتے ہی اس کا اردلی چائے اور دیگر لوازم کی ٹرے لے لیا۔

ہم تینوں کے لیے وہ دن بہت طویل ہوچکا تھا۔ اس دوران میں کہیں کچھ کھانے پینے کا موقع بھی نہیں مل سکا تھا۔ ذرا سی دیر میں پوری ٹرے صاف ہوگئی۔

چائے کی پیالی خالی کرکے رکھنے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بٹن دبا کر کال ریسیو کی تو دوسری طرف سے جلال بول رہا تھا۔

"اوہو! تم کہاں ہو۔ کل سے ایسے غائب ہوئے ہو کہ تمہارا کوئی سراغ ہی نہیں مل رہا۔" میں نے اس کی آواز سنتے ہی سوال کیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں ایک اہم کام میں مصروف تھا۔" میرے موبائل فون پر سی ایس ڈی کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے اس نے مبہم انداز میں جواب دیا۔

"مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے اپنا کام خوش اسلوبی سے مکمل کرلیا۔ دوسرے ذرائع سے اس کی اطلاعات مل چکی ہیں۔"

"یہ باتیں ملاقات ہونے پر ہوں گی۔ ابھی میں نے تمہارے گھر فون کیا تھا تو پتا چلا کہ تم صبح سے غائب ہو....."

"تم کو معلوم ہے کہ آج کل دکان داری ہورہی ہے آج کسی سے ملاقات کا وقت بھی طے تھا۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ تم گھر جاکر فون پر مجھ سے رابطہ کرلو۔ اس وقت تم کہاں ہو؟" جلال کی آواز میں عجیب سا اضطراب شامل تھا۔

"میں اول کے ساتھ ہوں۔" میں نے غیر روایتی طور پر اول خان کا ادھورا نام لے کر جواب دیا "مجھے اس وقت ایک کام درپیش ہے۔ شاید دس بجے سے پہلے میں فارغ نہ ہوسکوں۔"

"یہ بہت ضروری ہے۔ کیا تم اپنا کام کچھ دیر کے لیے ملتوی نہیں کرسکتے؟"

میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھ سے کوئی ضروری بات کرنی چاہ رہا تھا جس کے لیے راز داری ناگزیر تھی۔ موبائل فون پر وہ کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔ اسے اندازہ رہا ہوگا کہ جب میں اپنے کسی کام کا ذکر کررہا تھا تو وہ بہت ضروری کام بلکہ مشن ہوسکتا تھا۔ میرے کام کی اہمیت اس لیے اور بھی بڑھ جاتی تھی کہ یہ بات جلال کے علم میں تھی کہ اسی روز دن کے دو بجے میری اور آئی مین کی ملاقات متوقع تھی۔ یہ امکان منیر سے فرزانہ کی ملاقات کے بعد پیدا ہوا تھا۔ وہ بات اتنی سیدھی نہیں تھی کہ آسانی سے سمجھ میں آجاتی۔ پچھلی شام جلال کے جانے کے بعد اس موضوع پر خاصی دماغ سوزی کے بعد وہ امکان نظر آیا تھا مگر آئی مین سے طے ہونے والی چوبیس گھنٹوں کی مہلت کی بات اس کے علم میں تھی۔

میں الجھن میں پڑگیا۔ وہ کوئی بہت ہی اہم معاملہ تھا ورنہ جلال یوں اصرار نہ کرتا۔

کہتے ہیں کہ آدمی کسی بدترین دباؤ میں آجائے تو اس کے اعصاب اور عضلات سے لے کر اعضا تک اپنی غیر معمولی توانائی اور صلاحیتوں کے ساتھ کام کرنا شروع کردیتے ہیں۔ مجھے خیال آیا کہ وہ مسئلہ اتنا سنگین نہیں تھا۔ ہم ملیر کینٹ کی حدود میں واقع اسٹیشن فور میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے مابین سارے معاملات طے پاچکے تھے۔ ہم کو دو گاڑیوں میں مختصر سی پانچ نفری فورس کے ساتھ کلفٹن میں بوٹ بیسن کے علاقے میں جانا تھا جہاں آئی مین روپوش تھا۔

راستے میں نیشنل اسٹیڈیم کے پیچھے ہمارا گھر تھا جہاں میرے فون کے ساتھ سی ایس ڈی منسلک تھی۔ اگر میں اسی وقت اپنی گاڑی سے گھر کے لیے روانہ ہوجاتا تو اطمینان سے کھل کر جلال سے بات کرسکتا تھا۔ سات بجے اول خان اسٹیشن فور سے نکل کر راستے سے مجھے اپنے ساتھ لے لیتا۔

آپریشن کو کسی التوا میں ڈالے بغیر جلال سے فون پر گفتگو ہونے کا امکان ذہن میں ابھرتے ہی میں نے گرمجوشی سے کہا "تم سے مذاکرہ زیادہ ضروری ہے۔ تم مجھے اپنا نمبر لکھوا دو۔ میں آدھے گھنٹے میں تم سے رابطہ کرتا ہوں۔"

جلال نے اپنا فون نمبر بتایا اور سلسلہ منقطع کردیا۔ وہ یقینی طور پر کسی بڑی الجھن کا شکار ہوچکا تھا۔

"میں گھر جارہا ہوں۔ جلال سی ایس ڈی کے بغیر ہونے والی گفتگو کو غیر محفوظ تصور کررہا ہے۔" میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آئی مین کے خلاف آپریشن کا پروگرام منسوخ کردیا جائے!" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ پروگرام اپنی جگہ برقرار ہے۔ ابھی ہمارے پاس تقریباً ایک گھنٹا ہے۔ اس سے زیادہ سے زیادہ چند منٹ تک بات ہوگی۔ جب تم مجھے لینے کے لیے آؤ گے، میں فارغ ہوچکا ہوں گا۔ وہ مجھ سے کوئی بہت اہم اور ضروری بات کرنا چاہ رہا ہے۔"

"تم نے مجھے تجسّس میں ڈال دیا ہے۔ اس سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ مجھے موبائل پر بتادینا۔" اول خان نے بھی

اپنی کرسی چھوڑ دی۔

"میں وعدہ نہیں کرتا۔ کوشش ضرور کروں گا۔" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اگر پروگرام کی یہ تبدیلی اتنی آسان ہے تو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ میرے مسلّط رہنے سے اول خان کے کام میں خلل پڑے گا۔" ویرا نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

کسی نے ویرا کی رائے کی تردید نہیں کی۔ وہ اسٹیشن فور پر موجود رہتی تو اول خان بھی اس کی میزبانی کے تکلفات میں اُلجھا رہتا اور شاید تیاری کا کوئی پہلو تشنہ رہ جاتا۔ اول خان نے میری گاڑی تک آکر ہم دونوں کو رخصت کیا۔

اس روز آئی مین سے تصادم کے بعد ایسی افراتفری مچی تھی کہ اول خان مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر اسٹیشن فور لے آیا تھا۔ گولڈن فارمیسی کی ایک قریبی گلی میں کھڑی ہوئی میری کار ایس ٹی ایف کے ایک ڈرائیور نے کسی وقت وہاں پہنچا دی تھی۔

"جلال کیا کہہ رہا تھا؟" اس نیم فوجی کیمپ کی حدود سے باہر نکلنے کے بعد ویرا نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"بہت کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن سی ایس ڈی کا تحفظ میسر نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں کہہ سکا۔" میں نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

"ونود کے بارے میں کیا بات ہوئی؟" اس بار ویرا نے براہِ راست سوال کر ڈالا۔

"ارے بابا' کہہ تو رہا ہوں کہ اس سے کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہو سکی اسی لیے اب میں گھر جا رہا ہوں۔"

"مجھے کچھ گڑبڑ نظر آ رہی ہے۔ اس نے جوشِ انتقام میں ونود کو جہنم واصل تو کر دیا لیکن اس کے ستارے گردش میں آ گئے ہیں۔"

ویرا کے لیے خاموش بیٹھنا ممکن نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ جب تک میں جواب دیتا رہوں گا' وہ کچھ نہ کچھ پوچھ کر میرا دماغ چاٹتی رہے گی۔ میں نے مکمل خاموشی اختیار کر لی۔

ہمارا گھر لوٹنے کا پروگرام نہیں تھا۔ میں نے فون پر غزالہ کو اپنی نئی مصروفیت کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔ مجھے گھر میں دیکھ کر وہ خوشی سے کِھل اٹھی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سات بجے والا پروگرام منسوخ کر دیا ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ سات بجے کے قریب اول خان ہمیں لینے کے لیے آ جائے گا۔ وہ پروگرام بدستور اپنی جگہ قائم ہے۔" میں نے زور دے کر کہا "میں اس وقت جلال سے بات کرنے کے لیے آیا ہوں وہ تم سے کیا کہہ رہا تھا؟"

"اس کی آواز بجھی بجھی سی تھی۔ بس آپ کے بارے میں پوچھ کر سلام دعا کے بعد فون بند کر دیا۔"

"اور سلطان شاہ کہاں ہے؟" میں نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں پڑا سو رہا ہوگا۔ پتا نہیں ویرا نے اسے کون سی خواب آور دوا دی تھی کہ اسے لینے کے بعد سے سلطان شاہ پر رہ رہ کر نیند کے لمبے دورے پڑ رہے ہیں۔ وہ جب بھی بیدار ہوتا ہے' ویرا کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتا ہے۔" غزالہ نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"یہ میری دی ہوئی دوا کے اثرات نہیں ہو سکتے۔" ویرا نے وثوق سے کہا "اس کے دماغ میں کوئی اندرونی ضرب آئی ہے۔"

"مجھے ایسی کسی ضرب کا علم نہیں جو آدمی کو کسی ایک فرد سے متنفر کر دے۔" میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے کہا "تم سے ایک سنگین حماقت سرزد ہوئی ہے۔ اب اس کا دفاع کر کے مزید حماقت کرنے کی کوشش مت کرو۔"

"اسے اس کے حال پر چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ میں ابھی کمرے میں جا کر اسے جگاتی ہوں۔"

"یہ حرکت تم نہ کرنا۔ وہ تمہاری جان کو آ جائے گا۔" میں نے بیزاری سے کہا "اب کچھ دیر کے لیے چین سے بیٹھی رہو تاکہ میں جلال سے یکسوئی سے بات کر سکوں۔"

"اسپیکر فون آن کر لیں۔" خلافِ معمول غزالہ نے نرمی سے فرمائش کی "جلال کی طرف سے میں بھی تجسس میں پڑ گئی ہوں۔"

"شاباش!" ویرا نے اسے اکسایا "اس وقت تم نے میرے دل کی بات کہہ دی ہے۔"

میں نے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اسپیکر فون آن کر لیا۔ غزالہ نے بتایا سی ایس ڈی پہلے ہی آن تھی۔

میں نے جلال سے لیا ہوا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے اسی نے کال وصول کی اور میری آواز سن کر حیران رہ گیا "ابھی آدھا گھنٹا بھی پورا نہیں ہوا اور تم اپنے گھر آ گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے وہاں سے گھر آنے میں تیز رفتاری کے سارے جوہر دکھا ڈالے۔"

"آج تم نے غیر معمولی انداز میں بات کر کے مجھے بے چین کر دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح پر لگاؤں اور اڑ کر گھر پہنچ جاؤں۔" میں نے نرم اور ہموار لہجے میں کہا "سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ خیریت تو ہے نا؟"

"میں مکمل خیریت سے ہوں۔ کیا میری آواز یہ بتانے

کے لیے کافی نہیں تھی کہ ادھر خیریت ہے۔" میری تشویش پر وہ ہنس پڑا۔

"ونود کا معاملہ بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ کم از کم اخباری خبریں یہی بتا رہی ہیں۔"

"اس کا معاملہ میری توقع سے زیادہ آسان ثابت ہوا۔ وہ یوں اطمینان سے مارا گیا جیسے کبھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔"

"اخبارات نے اس کے خون کی ذمے داری آئی مین اور اس کی بیم گن پر ڈال دی ہے۔ وہ اس الزام تراشی پر سخت بھنّایا ہوا تھا۔"

"اوہ!" یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس اطلاع سے محظوظ ہوا ہو۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی "معلوم ہوتا ہے کہ آج پھر اس سے تمہاری گفتگو ہوئی ہے۔ آج دوپہر میں اس کی دی ہوئی چوبیس گھنٹے کی مدت بھی پوری ہو رہی تھی۔ تمہاری اس سے ملاقات کا کیا رہا؟"

"آج میرے لیے تاریخی دن ہے۔ اس سے دو مرتبہ فون پر بات ہوئی اور پھر ملاقات بھی ہو گئی۔"

"تو کیا وہ بے خوفی سے گولڈن فارمیسی پہنچ گیا تھا۔" جلال کا وہ سوال بے ساختہ اور تحیر آمیز تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی پُرسکون اور نارمل آواز سن کر غزالہ اور ویرا کے چہروں پر چھائی ہوئی تشویش اور مردنی دور ہو چکی تھی۔

"بالکل آخری لمحات پر اس نے اپنا پروگرام بدل دیا تھا۔" یہ کہہ کر میں نے اختصار کے ساتھ اپنی اور اس کی گفتگو سے ملاقات اور پھر تصادم کے واقعات دہرانے شروع کر دیے۔ ان میں سے بعض تفصیلات ویرا کے لیے نئی تھیں جبکہ غزالہ تو سرے سے بے خبر تھی۔

"ڈینی اور دوسری سلور آئی نے اسے دیوانہ کیا ہوا ہے ورنہ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ تم سے ملنے کی ہمت نہیں کرے گا۔"

"مگر اس سے ایک ملاقات کے بعد میرا حوصلہ بڑھ چکا ہے۔ میں اس سے اگلی ملاقات کی تیاری کر رہا ہوں۔"

"کہیں سات بجے تم اس کی تلاش میں تو نہیں جا رہے!" وہ میری اطلاع پر چونک پڑا تھا۔

"یہ بعد کا موضوع ہے۔ میں نے تمہیں اصل بات بتا دی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے بات کرنے کے لیے اتنے مضطرب کیوں تھے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔ شکار سامنے ہے مگر میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔"

"ونود کے معاملے میں تم آزاد روی کا مزہ اٹھا چکے ہو۔ دوبارہ حوصلہ کر کے دیکھو۔" میں نے پوری بات جانے بغیر اسے اکسایا۔

"وہ برابر کا مقابلہ تھا۔ میرے سامنے صرف ونود تھا۔ اس بار معاملہ مختلف ہے۔"

"کہیں تم جیک اسمتھ کی بات تو نہیں کر رہے۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کمال ہو گیا۔" اس کی بے ساختہ آواز آئی "بعض اوقات تمہارے درست اندازے مجھے حیران کر دیتے ہیں۔ اس وقت کسی حوالے کے بغیر تمہارا ذہن اس مردود کی طرف کیسے چلا گیا۔"

"اس وقت ہم دونوں کی نگاہوں میں وہی ایک مشتبہ شخص ہے جو امریکی قونصل خانے کی سفارتی پناہ میں چھپا ہوا ہے۔ یہ بات تم ہی نے مجھے بتائی تھی۔"

"وہ سیاہ فام امریکی ہے۔ اگر مقامی لباس پہن لے تو قریب سے دیکھنے پر بھی پڑھا لکھا مکرانی نظر آئے گا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے چہرے پر تازہ زخموں کے نشانات تھے۔ محض اسی ایک نکتے کی وجہ سے میں نے اس پر اپنی غیر معمولی توجہ مرکوز کی ہوئی تھی۔"

"اس کے بارے میں کوئی نئی بات سامنے آئی ہے؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ مسلسل امریکی قونصل خانے کی حدود میں چھپا ہوا تھا۔ دن رات وہیں مقیم تھا اور میرے آدمیوں کو اس پر اپنا کام آگے بڑھانے میں دقت ہو رہی تھی۔ آج صبح ایک چارٹرڈ پرواز سے کراچی ائرپورٹ کے پرانے ٹرمینل کے راستے امریکی ڈیلٹا فورس کے چھ کمانڈوز یہاں پہنچے تو میں نے اپنا کام ذرا تیز کر دیا۔ کافی عرق ریزی کے بعد پتا چلا کہ وہ چھ کمانڈوز جیک اسمتھ کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔ ان میں سے دو کمانڈوز آٹھ آٹھ گھنٹے کی تین شفٹوں میں دن رات اس کے ساتھ رہیں گے۔"

"تو کیا اس نے قونصل خانے کی حدود سے باہر نکلنے کا ارادہ کر لیا ہے؟"

"صرف ارادہ ہی نہیں کر لیا، اس وقت وہ باہر نکلا ہوا ہے۔ اس سارے بندوبست سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ کوئی بڑا کھیل کھیلنے کا ارادہ کیے بیٹھا ہے۔ اس وقت بھی دو دیوزاد کمانڈوز سایوں کی طرح اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔"

"یہ بہت اچھے آثار ہیں۔ سمجھ لو کہ یہ کمانڈوز اس کی شامت بن کر نازل ہوئے ہیں۔ وہ ان پر بھروسا کر کے باہر نکلتا رہے گا تو جلد ہی مارا جائے گا۔"

"مشکل ہے۔ میں اس کام میں ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ تم میری مجبوریوں سے واقف ہو۔"

"تم نے ونود کے بارے میں اپنے اصول توڑ کر مجھے حیران کردیا ہے۔ تم مجھے دوبارہ بھی حیران کرسکتے ہو۔"

"یہ ایک اور تین کا معاملہ ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ ڈیلٹا فورس کے ہر رکن پر امریکی ناز کرتے ہیں۔ یہ لوگ صحراؤں، دریاؤں، پہاڑوں اور برف زاروں میں ہر قسم کی جنگی اور چھاپا مار کارروائیوں کے لیے تیار کیے گئے ہیں۔ ہر کمانڈو مارشل آرٹس کا ماہر ہوتا ہے۔ ان کی موجودگی کی وجہ سے ذرا بھی اوچھا پڑ جائے تو الٹی آنتیں گلے پڑ جائیں گی۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ میں نے تمہیں اطلاع دے دی ہے۔ اب کچھ کرنا یا نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔"

"تم نے بتایا تھا کہ جیک اسمتھ ایک امریکی افسر ہے۔ اس کا تعلق کس ڈسپلن سے ہے۔"

"وہ اپنے اصل نام سے سرکاری پاسپورٹ پر آیا ہے۔ اس نے ائرپورٹ امیگریشن کاؤنٹر پر اپنا فارم جمع کرایا تھا۔ اس کے مطابق وہ فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن کا ڈپٹی ڈائریکٹر ہے۔ اس سے زیادہ مصدقہ اطلاع اور کوئی نہیں دے سکتی۔"

"میرا یہ شبہ درست نکلا کہ وہ کالا کوئی بڑا امریکی افسر ہے جو آئی مین کی پشت پناہی کررہا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"یہ ایک ٹھوس اور افسوس ناک حقیقت ہے جس پر مشتعل ہونا تمہارے لیے قابلِ فہم ہونا چاہیے۔"

"مجھے تمہارے جذبات کا پورا پورا احساس ہے۔ اب ہمارے آدمی اس کا پیچھا کررہے ہیں یا تم نے بددل ہوکر اس معاملے سے ہاتھ اٹھالیا ہے؟" میں نے رسانیت سے پوچھا۔

"کسی سنگین معاملے میں خاموش تماشائی بنے رہنا بہت اعصاب شکن کام ہوتا ہے لیکن یہ میری مجبوری ہے۔ میرے آدمی اس وقت بوٹ بیسن کے اس بنگلے کے باہر موجود ہیں جس میں وہ تینوں پانچ بجے سے گھسے ہوئے ہیں۔"

اچانک میری کھوپڑی میں دھماکا سا ہوا۔ وہ مجھے ساری رام کہانی سنائے جارہا تھا۔ کام کی بات دل میں لیے بیٹھا تھا۔ میں نے بے ساختہ ہیجان زدہ لہجے میں پوچھا "بوٹ بیسن کے اس مکان پر فالکن ہاؤس کی تختی تو آویزاں نہیں ہے؟"

"تم اس بارے میں کیا جانو۔ سچ سچ بتاؤ کہ اس عمارت کا نام تمہیں کس نے بتایا؟"

"مائی ڈیئر جلال۔ فالکن ہاؤس اس وقت آئی مین کی کمین گاہ ہے۔ بی باون کے بعد اس نے وہیں پناہ لی اور سات بجے ہم وہیں جارہے ہیں۔"

"اوہ نو.... یہ تو کمال ہوگیا۔" جلال کی آواز سے بے پایاں مسرت کا اظہار ہونے لگا "آج دو بجے وہ بھاگ نکلا تھا پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ فالکن ہاؤس میں مقیم ہے۔"

میں نے فرزانہ اور خالد کے پکڑے جانے کی کہانی چھیڑ دی۔ ہم دونوں کی معلومات یک جا ہونے کے بعد حالات نے اچانک سنسنی خیز موڑ لے لیا تھا اس لیے میں نے ان واقعات کی جزئیات کو دانستہ نظرانداز کردیا۔

"یہ ماننا پڑتا ہے کہ قسمت کی مہربانیوں کے ساتھ تمہاری کوششیں اور دماغ سوزیاں ہر جگہ بار آور ثابت ہوتی ہیں۔ ایک ہی دن میں تم نے قابل رشک کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ میں تمہاری مزید سرخ روئی کے لیے دعاگو ہوں لیکن یہ بات یاد رکھنا کہ اس وقت فالکن ہاؤس میں دو نہیں پانچ افراد ہیں جن میں دو خطرناک جنگ جو ہیں جو کسی بھی مقابلے کا رخ

بدل دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"
"بہت اچھا ہوا کہ اس وقت تم سے بات ہوگئی ورنہ ہم بے خبری میں سات بجے وہاں پہنچ جاتے۔ آئی مین اور کیلی کے لیے ہم نے واجبی سی تیاری کی تھی اب ہمیں اپنے پورے پروگرام پر نظرثانی کرنی پڑے گی۔"
"اگر تم آج ہی وہاں جانے کے ارادے پر قائم ہو تو میں اپنے آدمی وہاں سے ہٹالوں۔ ان کے رہنے سے کوئی سنگین پیچیدگی پیدا ہوسکتی ہے۔"
"وہ صرف نگرانی پر مامور ہیں تو تم سات بجے انہیں ہٹالو۔ اگر کسی وجہ سے ہمارا پروگرام ملتوی ہوا تب بھی کچھ نہیں بگڑے گا۔ جیک گمنام آدمی نہیں ہے۔ وہ آئی مین کی طرح روپوشی اختیار نہیں کرے گا۔"
میں سی ایس ڈی کے بغیر کھل کر یہ ساری باتیں نہیں کرسکتا تھا۔ اب میرے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں رہا۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ جو گلی میرے لیے بند ثابت ہورہی تھی، تم نے اس میں اپنی راہ بنالی ہے۔ میں اسی فون پر کسی اچھی خبر کا منتظر رہوں گا۔"
"تم فکر نہ کرو۔ میں اشاروں کنایوں میں تمہیں کچھ نہ کچھ ضرور بتادوں گا۔"
"میں نے فون بند کردیا اور اضطراری طور پر اپنی جیب سے پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگالی۔
"یہ حیران کن واقعہ رونما ہوا ہے۔ دونوں اپنے اپنے طور پر کام کررہے تھے مگر آخر میں منزل ایک ہی ثابت ہوئی ہے۔" ویرا بولی۔
"جلال میں بڑے سرکاری افسروں والی رعونت نہیں ہے۔ اس کی سب سے اچھی عادت یہ ہے کہ چلتا ہے تو پوری ٹیم کو لے کر چلتا ہے۔" میں نے کہا۔
"اس وقت وہ ذرا بھی کسل مندی سے کام لیتا تو ہم فالکن ہاؤس میں جیک اور اس کے ساتھیوں کی موجودگی سے بے خبر رہتے اور ہمارا مشن ناکام ہوجاتا۔"
میں نے سی ایس ڈی آف کی اور اسپیکر فون آن کرنے کے بجائے ریسیور اٹھا کر اول خان کا موبائل نمبر ڈائل کرنا شروع کردیا۔
اس وقت سات نہیں بجے تھے۔ مجھے امید تھی کہ وہ اسٹیشن فور سے نہیں نکلا ہوگا مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اپنے دفتر میں موجود ہوتا۔ موبائل فون پر اس سے فوری رابطہ ہوگیا۔
اول خان کے لیے وہ خبر سنسنی خیز ضرور تھی مگر تشویش ناک بھی تھی۔ میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے اسے صرف اتنی بات بتائی کہ ہمارا کالا دشمن اپنے دو مسلح محافظوں کے ساتھ ہمارے مطلوبہ مکان میں موجود تھا۔
اس نے مجھ سے فوری طور پر گھر آنے کا وعدہ کرلیا۔ وہ پہلے سے طے کیے ہوئے پروگرام کے مطابق دو آدمیوں اور دو گاڑیوں کے ساتھ آرہا تھا۔ باہمی مشاورت کے بعد حکمت عملی میں کوئی تبدیلی طے پاتی تو وہ ایک فون کرکے اپنے کیمپ سے مزید نفری طلب کرسکتا تھا۔
ہم تینوں کو زیادہ دیر تک اس کی آمد کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ آیا تو اس کے چہرے پر کسی قسم کے جوش و خروش کے بجائے فکر اور پریشانی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔
"ہاں، اب بتاؤ کہ جلال کیا کہہ رہا تھا۔" اس نے آتے ہی مطالبہ کردیا۔
میں نے اسے پوری بات سے آگاہ کردیا۔ اس کا سرد رویہ دیکھ کر مجھے مایوسی ہوئی تھی۔
"جیک جب تک وہاں موجود ہے، ہمیں ادھر کا رخ کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔" میرے خاموش ہونے پر اس نے اپنا فیصلہ صادر کردیا۔
"کیا یہ بات ہمارے حق میں نہیں ہے کہ اس وقت فالکن ہاؤس میں ایک کے بجائے ہمارے دو حریف موجود ہیں؟" میں نے پوچھا۔
"آئی مین کی بات الگ ہے۔ وہ ایک عام امریکی ہونے کے باوجود ہمارا ملزم بن چکا ہے۔ اس کے خلاف اخباروں میں کافی مواد چھپ چکا ہے۔ اس کے خلاف کارروائی ہوتی ہے تو باہر سے کوئی مداخلت کرے گا نہ اس کے حق میں کوئی آواز بلند ہوگی۔ جیک اور ڈیلٹا فورس والوں کی موجودگی معاملات کو بگاڑدے گی۔"
"ان تینوں کی موجودگی کی وجہ سے تمہیں کس بگاڑ کا خوف ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔
"وہ سرکاری آدمی ہیں۔ اپنی مدد کے لیے پولیس یا اپ قونصل خانے سے فون پر مدد طلب کرسکتے ہیں۔ کوئی بھی آ سے انکار نہیں کرے گا۔"
اسی وقت سلطان شاہ آگیا۔ اس کی آنکھیں سرخ او سوجی ہوئی لگ رہی تھیں۔ موڈ بہت خراب تھا جو ویرا کو د کر مزید خراب ہوگیا۔ اس نے آتے ہی ویرا کو مخاطب کر کہا تھا "تم نے دھوکا دے کر میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ دوا کے بد اثرات ابھی تک بھگت رہا ہوں۔"
"میں نے تمہارے ساتھ ہمدردی اور بھلائی کی تھی"

ویرا نے خلاف توقع نرمی سے جواب دیا ”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم پڑ جاؤ گے۔“

”یہ بتاؤ کہ اب تم کیسا محسوس کر رہے ہو۔ چاہو تو کسی ڈاکٹر کو دکھایا جا سکتا ہے۔“ میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

”غزالہ بھی ضد کر رہی تھی۔ میں کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جاؤں گا۔ وہ طبیعت کو اور بگاڑ دے گا۔ دوائیں مجھے راس نہیں آتیں۔ ایک دو روز میں میری طبیعت خود ہی سنبھل جائے گی۔ یہ غنیمت ہے کہ ویرا کی مہربانی کے باوجود میں زندہ نظر آ رہا ہوں۔“

اس پر قنوطیت طاری تھی۔ اس کی آمد کی وجہ سے ایک اہم موضوع پس پشت چلا گیا تھا۔ میں نے غزالہ کو اشارہ کیا اور وہ اول خان کی طرف سے مزاج پرسی کے بعد سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی۔

”وہ سرکاری آدمی ضرور ہیں مگر اپنے پیش رووں کی طرح اس وقت بہت غلط مقام پر آئی مین کے ساتھ موجود ہیں۔ پتا نہیں یہ لوگ ماضی کے تجربات سے سبق لینے کے بجائے خود سری کے مظاہرے پر کیوں تلے رہتے ہیں۔ اس وقت ان کی پوزیشن مخدوش ترین ہے۔ وہ کسی کو اپنی مدد کے لیے بلانے کے بجائے فالکن ہاؤس سے نکل بھاگنے کی کوشش کریں گے اور مارے جائیں گے۔ متبادل راستہ انہیں مزید تباہی کی طرف لے جائے گا۔“ میں نے اول خان کی بات کا جواب دیا۔

”میرے ذہن میں ایک اندیشے نے جنم لیا تھا۔ میں نے تمہیں اس سے آگاہ کر دیا۔ اب اکثریت جو فیصلہ کرے گی، میں اسے تسلیم کر لوں گا۔“

”اس کا مطلب ہے کہ میرا جواب تمہارے لیے قابل قبول نہیں ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”تم حالات کو اپنی عینک سے دیکھ رہے ہو۔ ضروری نہیں کہ وہ لوگ بھی ان ہی خطوط پر سوچیں۔ جب موت سر پر منڈلانے لگتی ہے تو انسان اس بلا کو ٹالنے کے لیے ہر جتن کرتا ہے۔ مجھے اس مہم جوئی میں سخت خطرہ نظر آ رہا ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لیے کمک طلب کر لیں لیکن وہ مختار کل نہیں ہیں۔ ان کے اوپر والے ہر بات سے باخبر ہوں گے۔“ ویرا نے ساتھ دیتے ہوئے کہا ”ان کو علم ہوگا کہ جیک کس سے ملنے کے لیے بوٹ بیسن گیا ہے۔ وہ کھل کر اس گندے کھیل میں ملوث نہیں ہوں گے۔“

”مجھے اس آپریشن میں کوئی خطرہ نظر نہیں آ رہا۔“ میں نے نرمی سے کہا ”زیادہ سے زیادہ ہم یہ احتیاط کر سکتے ہیں کہ

ہوس

جج :۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے ایسی حماقت کیوں کی؟ تم اچھے عہدے پر فائز تھے، گھر میں خوش حالی تھی۔ تمہارا مستقبل مزید روشن تھا۔ اس کے باوجود تم نے کمپنی میں غبن کیوں کیا؟

ملزم :۔ بس جناب! کیا عرض کروں.... انسان کے پاس جتنا ہوتا ہے اس سے زیادہ کی ہوس رہتی ہے۔

جج :۔ ٹھیک ہے.... میں تمہیں دس سال قید کی سزا دے رہا ہوں۔ زیادہ کی ہوس ہو تو بتا دینا۔“

انہیں للکار کر مقابلے کو طول دینے کی کوشش نہ کریں۔ ان پر اچانک وار کریں اور ان کو دبوچ لیں۔“

اول خان کی آنکھوں میں اطمینان کی ایک لہر سی دوڑتی ہوئی نظر آئی۔ شاید میری آخری تجویز میں اسے کوئی تسلی بخش نکتہ نظر آ گیا تھا۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ بولا ”ہماری تیاری بہت کافی ہے۔ نفری میں کچھ اضافہ کرنا ہوگا۔“

آپس میں اتفاق رائے ہونے کے بعد ہم نے اس مشن کے لیے نئے سرے سے افرادی ضروریات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

○☆○

بوٹ بیسن کا علاقہ دن کے اجالے میں قدرے اجڑا اجڑا اور بے رونق سا نظر آتا ہے لیکن اندھیرا گہرا ہونے کے ساتھ ساتھ وہاں روشنیوں اور تفریح کے متلاشیوں کا ایک سیلاب آ جاتا ہے جو کھانے پینے کی مختلف اشیا کی دکانوں کے گرد رات گئے تک رواں رہتا ہے۔

ہمارا کارواں چوراہے کے ایک کونے پر دور تک پھیلے ہوئے فوڈ سینٹرز کے سامنے سے گزرا تو وہاں زندگی اپنے شباب پر آئی ہوئی تھی اور فضا دور دور تک پکتے، بھنتے اور تلتے ہوئے کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے رچی ہوئی تھی۔

سڑک کے بائیں کنارے پر موڑ آتے ہی یہ رونق یکایک ختم ہو گئی اور اس علاقے کی مخصوص رہائشی ویرانی کا راج شروع ہو گیا جسے وہاں رہنے والے اپنی اصطلاح میں سکون کا

نام دیتے تھے۔

وہ علاقہ میرے لیے نیا نہیں تھا۔ اپنے نئے پروگرام کے تحت ہم ٹھیک نو بجے فالکن ہاؤس کے نواح میں پہنچ چکے تھے۔ آج کل کے مقابلے میں اس زمانے میں وہ علاقہ پوری طرح آباد نہیں ہوا تھا۔ بہت سے پلاٹ خالی پڑے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں تعمیراتی سامان بکھرا ہوا تھا۔ خاص طور پر فالکن ہاؤس والے حصے میں خاصے کم مکانات بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے بھی کچھ غیر آباد تھے اور تاریکی یا ناکافی روشنی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

گاڑیاں فالکن ہاؤس سے دور، ایک تاریک اور خالی پلاٹ پر روک کر انجن بند کیے گئے تو فضا میں شیریں سرائیکی نغمے کی دھیمی سی ریڈیائی گونج سنائی دی۔ وہ زیادہ دور کی آواز نہیں تھی۔ شاید کسی زیر تعمیر مکان میں رہنے والے مزدور دن بھر کی تکان دور کرنے کے لیے ریڈیو پر اپنے پسندیدہ گلوکاروں کے نغمے سن رہے تھے۔ وہ بارسوخ امرا اور شرفا کا رہائشی علاقہ تھا اس لیے اس بستی میں عارضی پڑاؤ ڈالنے والے مزدور ڈرے سہمے رہتے تھے۔ تاریک اور خوش گوار فضا میں تیرتی ہوئی مدھر آواز انہوں نے دھیمی رکھی تھی تاکہ وہ علاقے کے مستقل مکینوں کی سماعت پر گراں نہ گزرے پھر بھی مجھے وہ نغمہ اپنے میٹھے بولوں کے ساتھ صاف سنائی دے رہا تھا۔

ایک طرف زندگی کی وہ بے فکری اور بے ثباتی تھی جہاں مزدور دنیا و مافیہا کی ہر فکر سے بے پروا ہو کر پرائی چھت کے نیچے نان شبینہ سے سیر ہو کر آرام کر رہے تھے اور دوسری طرف فالکن ہاؤس کا غلیظ ماحول تھا جہاں بگڑے ہوئے ذہنوں والے فرعون صفت بدمعاش سر جوڑ کر انسانوں کو بگاڑنے اور تباہ کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ شی اور اس کے پشت پناہوں کے رویوں سے ایسا ظاہر ہوتا تھا جیسے ان میں سے ہر ایک کو اپنے نہ مرنے کا پورا یقین ہو۔ وہ سب کچھ مسخر کر کے اپنے اقتدار و اختیار کا سکہ چلانے کے آرزومند تھے اور ہم اللہ کے بے لوث شیروں کی ایک مختصر سی ٹکڑی کے ساتھ ان کے ارادوں کو ملیا میٹ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

اس تاریک اور سنسان پلاٹ پر اترنے کے بعد اول خان کو کسی کو کوئی ہدایت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ پہلے سے دیے ہوئے نمبروں کی ترتیب کے مطابق اس کے آدمی ایک ایک کر کے وہاں سے فالکن ہاؤس کی طرف بڑھتے رہے۔ ان میں سے ہر ایک پوری طرح مسلح تھا۔ ان کے شانوں پر چھوٹی مگر طاقت ور خود کار رائفلیں جھول رہی تھیں۔ پشت پر چھوٹے اور وزنی تھیلے لدے ہوئے تھے جن میں فاضل میگزین سے دستی بموں تک، ضرورت کا ہر ہلکا اور تباہ کن ہتھیار موجود تھا۔

فالکن ہاؤس کے ایک طرف مکان بنا ہوا تھا جو دور ہی سے آباد نظر آ رہا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس والوں کو مکمل خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس عمارت کو بقیہ تینوں سمتوں سے اپنے حصار میں لینا تھا تاکہ وہاں سے کوئی بچ کر فرار نہ ہو سکے۔

آخری آدمی کے روانہ ہو جانے کے بعد اس پلاٹ کی تاریکی میں ہم چار افراد کھڑے رہ گئے۔ میں، ویرا اور اول خان کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ کارواں کی ان تینوں گاڑیوں کی دیکھ بھال کی ذمے داری پر مامور سنتری یا سپاہی ہم سے دور مودب کھڑا ہوا تھا۔

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم دونوں ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔ تم بہت بڑا خطرہ مول لینے جا رہے ہو۔" میدان صاف ہو جانے کے بعد اول خان نے دبی دبی سرگوشیانہ آواز میں کہا "میں برے وقت سے ڈرتا ہوں۔ اندر صرف دشمن کا راج ہے۔ باہر میرے مسلح آدمی تیار ہو رہے ہیں۔ تم دونوں ان کے درمیان گھر جاؤ گے۔ براہ راست اور بھاری تصادم کی نوبت آئی تو تم اپنوں کی گولیوں کا نشانہ بن سکتے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس خطرے کو کیسے ٹالا جا سکے گا۔"

"میں بھی تمہیں بتا رہا ہوں کہ آج کی رات بہت اہم ہے۔" میں نے بھی نیچے لہجے میں کہا "آئی مین اور جیک کو یہاں سے ہر قیمت پر زندہ یا مردہ پکڑنا ہے۔ ہماری وجہ سے تم کسی مرحلے پر نہیں ہچکچاؤ گے۔ ہو سکتا ہے کہ باہر سے کسی کی مداخلت کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ وہ لمحہ آ جائے تو پھر جھجکنے کی ضرورت نہیں۔"

"زندگی بار بار نہیں ملتی۔" اندھیرے میں ویرا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیرتی نظر آئی "اس کا بہترین مصرف یہی ہے کہ اسے کسی بڑے اور نیک مقصد کے لیے داؤ پر لگا دیا جائے۔ وقت نہیں آیا تو توپ کے گولے بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ موت آنی ہے تو بستر پر لیٹے لیٹے بھی آ جاتی ہے۔"

"تم دونوں ہم خیال اور ہم زبان ہو جاتے ہو تو تمہیں سمجھانا مشکل ہو جاتا ہے۔" اول خان اپنی مسلسل ناکامی پر زچ آ کر بولا "موت کے برحق ہونے کے بارے میں میرا عقیدہ تم دونوں سے زیادہ مضبوط ہے مگر ریل کی پٹڑی پر لیٹ کر

یہ توقع رکھنا کہ قریب آنے پر وہ تمہیں کاٹنے اور روندنے کے بجائے فضا میں اڑتی ہوئی گزر جائے گی، نری حماقت ہے۔"

"بقیہ باتیں اس مہم سے نمٹنے کے بعد ہوں گی۔" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "اب ہمیں چل دینا چاہیے۔"

اول خان نے بے اختیار مجھے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا "اس جذباتی معانقے کے بعد اس نے پورے تپاک سے ویرا سے ہاتھ ملایا اور ہم دونوں وہاں سے چل دیئے۔ اول خان کو ہمارے چلے جانے کے بعد اپنی جگہ سنبھالنی تھی۔

"تم نے کبھی غالب کو پڑھا ہے؟" میں نے خاموشی سے کچھ دور نکلنے کے بعد ویرا سے پوچھا۔

"پڑھا نہیں لیکن نام سنا ہے۔ وہ تمہاری اردو کا کوئی بڑا شاعر تھا۔" ویرا نے اپنی روایتی بے نیازی سے جواب دیا "اس وقت وہ کیوں یاد آ گیا۔"

"اس نے کہا ہے' بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب' تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں۔"

ویرا ہنس پڑی۔ تاروں کی چھاؤں میں پھیلے ہوئے سناٹے میں مجھے اس کی وہ ہنسی بہت سادہ اور معصومانہ محسوس ہوئی "ہم نے فقیروں کا روپ دھارا ہوا ہے تو تمہیں غالب کی شاعری یاد آ رہی ہے۔ اس وقت تم یوں لنگڑا رہے ہو جیسے تمہارا یہ عیب پیدائشی ہے۔"

"تم نے بھی بہترین سوانگ رچایا ہے۔ بس اپنی اجلی رنگت سے مار کھا رہی ہو ورنہ پکی فقیرنی لگ رہی ہو۔"

ہمارے پیچھے ایک تیز رفتار کار اپنے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی بکھیرتی ہوئی نمودار ہوئی اور زن سے ہمارے قریب سے گزر گئی۔

"کسی اور دروازے پر سوال کرنے کا ارادہ ہے یا سیدھے وہیں چلو گے؟" ویرا نے پوچھا۔

"بس چلتی رہو۔ یہاں کے رہنے والے اپنے مکانوں میں اس طرح محصور ہیں کہ انہیں باہر کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ دوسروں کے آرام میں خلل انداز ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے ذرا سی دیر میں فالکن ہاؤس کے بند چوبی پھاٹک تک پہنچ گئے جہاں ایک ستون میں اندر سے رابطہ کرنے کے لیے انٹرکام لگا ہوا تھا۔ فقیروں کے روپ میں انٹرکام استعمال کرنا ناموزوں تھا۔ میں نے بڑھ کر چوبی دروازے پر لگا ہوا بیرونی کنڈا بجا دیا۔

سناٹے میں وہ آواز پر شور ثابت ہوئی۔ اندر سے کسی مقامی نے فوراً ہی "کون ہے؟" کا نعرہ لگایا تھا۔ ہمارے لیے یہ انکشاف تھا کہ فالکن ہاؤس میں پانچ غیر ملکیوں کے علاوہ ایک چوکیدار بھی موجود تھا۔ خالد نے باز پرس کے دوران میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

"اللہ کے نام پر دو روٹی بابا!" میرے کہنی مارنے پر ویرا نے اپنی سریلی آواز میں ہانک لگائی۔

"بھاگ جاؤ۔ یہاں کچھ نہیں ہے۔" اندر سے وہی آواز آئی۔

"دو وقت کے بھوکے ہیں کچھ دے دو بابا۔ اللہ بھلا کرے گا۔ ویرا نے کنڈا کھڑکا کر التجا کی۔

اندر سے کسی کے بڑبڑانے اور پھر پختہ فرش پر چلنے کی آواز آئی۔ شاید اس نے سمجھ لیا تھا کہ بھکارن ڈھیٹ تھی۔ آسانی سے پیچھا چھوڑنے والوں میں نہیں تھی۔

چوبی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھلی اور اس کے پیچھے ایک ذہین اور نوجوان شخص قمیص شلوار میں ملبوس کھڑا نظر آیا۔ اس نے ویرا کو وحشت ناک نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "کیا ایک دفعہ کی بات سمجھ میں نہیں آتی جو کنڈا بجائے جا رہی ہو۔"

میں نے کسی چندھیائے ہوئے آدمی کی طرح اپنی آنکھیں نیم وا کی ہوئی تھیں۔ میں نے دروازے نما کھڑکی سے پورچ میں کھڑی ہوئی دونوں گاڑیاں دیکھ لی تھیں جن میں سیاہ بلٹ پروف کار دوپہر میں آئی مین کے استعمال میں تھی۔ اس کے پیچھے کھڑی ہوئی لینڈ کروزر میں شاید جیک وہاں پہنچا تھا۔

"دے دے۔ اللہ تیرے دل کی مراد پوری کرے گا۔ تجھے چاند سی لڑکی ملے گی۔" ویرا نے بے تکلفی سے نوجوان چوکیدار کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "دوسرے ہاتھ سے اس نے اپنی بغل میں کھجانا شروع کر دیا تھا۔ چوکیدار نے ویرا کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ویرا کے دعوت آمیز انداز سے کچھ مسحور سا ہو گیا تھا۔

میرے لیے وہ قیامت کے لمحات تھے۔ ہمارے اگلے کھیل کا سارا دارومدار ہماری کامیابی یا ناکامی پر تھا۔ ہمیں بھیک کے بہانے وہاں ٹکنے یا اندر پہنچنے کا موقع مل جاتا تو ہم تیزی سے اپنا کام آگے بڑھا سکتے تھے۔ وہاں پیر جمانے میں ناکامی ہوتی تو ہم فالکن ہاؤس کے مکینوں کو کوستے ہوئے آگے بڑھ کر اول خان سے جا ملتے اور پھر متبادل منصوبے پر عمل درآمد کا آغاز ہو جاتا۔

"باہر کون ہے؟" روشن پورچ سے امریکی لب و لہجے میں

کسی نے انگریزی میں سوال کیا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ امریکی ڈیلٹا فورس کا کوئی کمانڈو تھا جو جیک کی حفاظت کے لیے فالکن ہاؤس کے اگلے حصے کی نگرانی کر رہا تھا۔

مجھے معلوم تھا کہ ویرا کا جو ہاتھ نوجوان چوکیدار کے کندھے پر رکھا ہوا تھا۔ اس کی ایک انگلی میں زہریلے نگینے والی انگوٹھی اپنی صحیح ترین پوزیشن پر تھی۔ میرے ذرا سے اشارے پر وہ اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھا کر اس نوجوان کو موت کے گھاٹ اتار سکتی تھی مگر ہمارا ہدف وہ چوکیدار نہیں تھا۔ جب تک ہمیں یہ یقین نہ ہو جاتا کہ اسے ٹھکانے لگانے کے بعد ہم اپنی پیش قدمی جاری رکھ سکیں گے، اسے مارنا بے سود تھا۔ وہ اس گھر کا دربان ضرور تھا مگر زیادہ قصوروار نہیں تھا۔

"جوان لڑکی ہے.... کچھ مانگ رہی ہے۔" چوکیدار نے پلٹ کر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں جواب دیا اور ویرا کا ہاتھ اس کے شانے سے ڈھلک کر الگ ہو گیا۔

سوال کرنے والا جواب سننے سے پہلے ہی حرکت میں آچکا تھا۔ اندر کے فرش پر اس کے وزنی قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ چند لمحوں میں وہ سامنے آگیا۔ وہ دراز قامت اور گراں ڈیل امریکی نوجوان تھا۔ اس کے بدن پر چست خاکی وردی چڑھی ہوئی تھی اور ہاتھ میں ایک سب مشین گن کسی کھلونے کی طرح جھول رہی تھی۔

اس نے ندیدی اور ناقدانہ نظروں سے ویرا کا جائزہ لیا۔ ویرا کے بال الجھے ہوئے تھے۔ لباس بھی بوسیدہ تھا لیکن اس نے اپنے کپڑوں کو دانستہ کئی ایسے نازک مقامات سے پھاڑا ہوا تھا کہ بلاوجہ ہر مردانہ نگاہ کا وہاں ٹکنا ناگزیر تھا۔

وہ وردی پوش مجھے نظرانداز کر کے پوری بے حیائی سے ویرا بلکہ پھٹے ہوئے کپڑوں سے جھانکتے ہوئے اس کے بدن کے حصوں کو گھورے جا رہا تھا۔ ویرا خود امریکی قومیت سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کو امریکی صنفِ مخالف کے رویّوں کا گہرا ادراک تھا۔ اس نے وہ بہروپ اختیار کرتے ہوئے یہ مفروضہ پیشِ نظر رکھا تھا کہ جیک نے دونوں کمانڈوز کو مکان کے احاطے میں چھوڑا ہوا ہو گا اور وہ اپنی تیاری اور کوششوں سے ان میں سے کسی کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

میں نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ ویرا کا گندہ حلیہ شاید ان میں سے کسی کے ذوق کے معیار پر پورا نہ اتر سکے تو اس نے اعتراض ہنس کر اڑا دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ دل پھینک امریکی اپنے جذبوں کی آسودگی کے لیے کسی چیز کی پروا نہیں کرتے۔ گندگی تک کو چاٹ جاتے ہیں۔

وہ سفید فاموں کی منافقت پر بڑی بے رحمی سے تنقید کرتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ پالتو جانوروں کے ساتھ سرِعام ہونے والی معمولی سی زیادتی پر سراپا احتجاج بن جانے والے بعض گھٹیا لوگ خلوت میں اپنے پالتو جانوروں کے ساتھ ایسی بدسلوکیاں کرتے ہیں کہ گھن آنے لگتی ہے۔

نوجوان چوکیدار نے سفید فام کمانڈو کی دلچسپی کا اندازہ لگا لیا تھا اس لیے اس کے پیچھے خاموشی سے کھڑا ہوا تھا۔ ویرا کے تفصیلی جائزے سے فارغ ہو کر اس نے ایک سرسری نگاہ میرے اوپر ڈالی اور پھر مڑے بغیر چوکیدار سے پوچھا "کیا اس کا ساتھی اندھا ہے؟"

چوکیدار نے وہی سوال اردو میں مجھ سے دہرایا "کیا تم اندھے ہو؟"

"بس اندھا ہی سمجھو۔ ان آنکھوں سے اتنا کم نظر آتا ہے کہ سہارے کے بغیر دو قدم چل بھی نہیں سکتا۔ ٹھوکر کھا کر گر جاتا ہوں۔"

چوکیدار نے شکستہ انگریزی میں سفید فام کے سوال کی تصدیق کر دی۔

وہ کمانڈو مقامی بھکاریوں کے مطالبوں کی وسعت سے بے خبر تھا۔ اسے شہر میں آئے ہوئے بہ مشکل آدھا دن ہوا تھا۔ اس نے چوکیدار سے پوچھا کہ ہم دونوں کیا چاہ رہے تھے۔ جب روکھی سوکھی روٹی کی بات اس کے سامنے آئی تو اس نے دروازہ چھوڑ کر چوکیدار کو ہدایت کی کہ وہ ہم دونوں کو اندر بلا کر لان پر بٹھا دے اور کچن سے ڈبل روٹی وغیرہ لا کر ہمیں دے دے۔

میں ان باتوں سے ان جان بنا ویرا کے ساتھ کھڑا رہا۔ سفید فام کی ہدایت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گھر میں چوکیدار کے علاوہ کوئی اور ملازم نہیں تھا ورنہ وہ خانساماں کا ذکر ضرور کرتا۔ دوسری بات یہ بھی ہو سکتی تھی کہ فالکن ہاؤس میں وہ اس کمانڈو کی پہلی آمد تھی اس لیے وہ اندر کی نفری سے بے خبر رہا ہو۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ وہاں اس کمانڈو کا رویّہ مہمان والا نہیں تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تحفظ کی چھتری میسر آنے کے بعد جیک اسمتھ اپنے محافظوں سمیت امریکی قونصل خانے سے فالکن ہاؤس منتقل ہو گیا ہو۔

ہمارا داؤ چل گیا۔ مشکل ترین مرحلہ فالکن ہاؤس میں داخلے کا تھا جس کی اجازت مل چکی تھی۔ کمانڈو کے خاموش ہونے کے بعد چوکیدار نے ہم دونوں کو بلا کر گھرے سبز لان پر بٹھا دیا جہاں برآمدے سے کافی روشنی آ رہی تھی۔

مجھے یقین تھا کہ اول خان نے اپنی انفراریڈ دوربین کے ذریعے واضح طور پر ہمیں فالکن ہاؤس میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہوگا اور سکتے کے سے عالم میں رہ گیا ہوگا۔ جب تک ہم باہر تھے' اس کی نظروں میں تھے۔ اندر جانے کے بعد اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے تھے۔ ہمارے اس راست اقدام کے بارے میں اس کے اپنے تحفظات تھے جن سے اس مہم کے خاتمے تک چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اس کی ذہنی پریشانیاں دور کرنے کے لیے میں صرف اتنا کرسکتا تھا کہ اس بساط کو جلد از جلد سمیٹ لوں۔

اندر قدم رکھتے ہی میرے سارے حواسوں نے اپنی پوری صلاحیت کے ساتھ کام کرنا شروع کردیا تھا۔ میں نے سماعت پر زور دے ڈالا مگر اندر سے آنے والی کوئی آواز سننے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اگر جیک آئی مین سے ملنے کے لیے آیا تھا تو وہ دونوں کسی اندرونی اور دور افتادہ کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جیک کے مستقل بنیادوں پر منتقل ہونے کی صورت میں یہ امکان قوی تھا کہ وہ اپنے الگ کمرے میں آرام کررہا ہو۔

ہمارے سامنے موجود کمانڈو کے تحکمانہ بلکہ مالکانہ رویّے سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ وہ لوگ مستقل طور پر فالکن ہاؤس میں آگئے تھے۔

ہمیں لان پر بٹھانے کے بعد چوکیدار مکان میں چلا گیا۔ میں نے ہر طرف نظریں دوڑائی تھیں مگر مجھے کمانڈو کا دوسرا ساتھی کہیں نظر نہیں آیا۔ غالب امکان یہ نظر آرہا تھا کہ وہ احاطے کے عقبی حصے میں جما ہوا ہو۔ جدھر دیوار کے پیچھے کچا برساتی نالہ تھا۔

چوکیدار کے جاتے ہی سفید فام کمانڈو تیزی سے ویرا کے برابر میں اس سے بالکل جڑ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا بایاں ہاتھ ویرا کے داہنے شانے اور گردن کے پیچھے سے گزار کر دوسرے شانے پر جمادیا تھا۔ وہ اُلّو کا پٹھا مجھے بالکل اندھا سمجھ رہا تھا۔

"تم اس قدر حسین اور گوری ہو کہ کپڑے بدل لو تو میرے دل کی رانی بن سکتی ہو۔" اس نے داہنے ہاتھ سے ویرا کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر جذباتی لہجے میں کہا۔

ہم دیسی فقیر بنے ہوئے تھے۔ اس وقت بدیسی زبان کا سمجھنا ہمارے لیے قیامت سے کم نہ ہوتا مگر لہجوں اور حرکتوں کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ ویرا کے ہونٹوں پر اس خبیث کے لیے ایسی والہانہ مسکان ابھری کہ میرا خون سلگ اٹھا۔ وہ مصلحت کے تحت کمانڈو کو رجھانے کی پوری کوشش کررہی تھی۔

ویرا کی حوصلہ افزائی سے سفید فام کمانڈو کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا اور اس کا چہرہ ویرا کے رخسار کی طرف جھک گیا۔

میں نے بہت تیزی سے اردگرد کا جائزہ لیا۔ قاتل زہر کے نگینے والی انگوٹھی کا رخ درست کیا اور میدان صاف پاتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر اس کمانڈو کی گردن ناپ لی۔ وہ اس وقت ویرا کو اپنے بائیں بازو میں دبوچے اس کے بے پناہ حسن کو خراج عقیدت پیش کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔

کھلے نگینے میں بھرا ہوا زہر نکیلی سوئی کے راستے اس کی گردن میں اترا اور اس کی وحشیانہ پیش دستی جہاں تھی وہیں رہ گئی۔

اس کی گرفت کی زندگی سے بھرپور سختی ختم ہوتے ہی ویرا نے پلک جھپکتے میں سمجھ لیا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ سرعت کے ساتھ کمانڈو کے پہلو سے نکل گئی۔

کمانڈو نے ویرا پر دست درازی میں بے صبری کا مظاہرہ کرکے ہمارے کام کو سہل اور بہت تیز کردیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ چوکیدار کو کچن سے کچھ لے کر آنے میں چند منٹ ضرور لگیں گے۔ ہم دونوں نے دیو قامت کمانڈو کی وزنی لاش کو بے دردی سے گھاس پر گھسیٹ کر بڑے بڑے گملوں کے پیچھے پہنچادیا جہاں سے اس کا آسانی سے دیکھ لیا جانا ممکن نہیں تھا۔ ویرا نے دوڑ کر اس کی سب مشین گن اٹھائی اور وہ بھی لاش کے اوپر' وہیں پھینک دی۔

وہ کمانڈو حیرت ناک سرعت اور آسانی کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچا تھا۔ ویرا نے شوخ انداز میں مجھے آنکھ ماری۔ میں جواب میں آنکھیں کھول کر مسکرایا اور پھر ہم دونوں پھرتی سے اپنی پرانی جگہ پر لوٹ کر مسکینوں کی طرح بیٹھ گئے۔

مجھے حیرت ہورہی تھی کہ ویرا کس حد تک اپنے ہم وطنوں کی نبض شناس تھی۔ مایہ ناز ڈیلٹا فورس کا ایک کمانڈو ذلت اور موت کے بالکل اسی گڑھے میں گرا تھا جو ویرا نے اس کے لیے پہلے سے تیار کیا ہوا تھا۔

"چوکیدار آئے تو اس سے کیا کہنا ہے؟" ویرا نے میری طرف متوجہ ہوئے بغیر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں سوال کیا۔

"اشارے کرتا ہوا پیچھے گیا ہے۔" میں نے بلا توقف کہا۔

چوکیدار نے اندر جانے کے لیے مکان کا صدر دروازہ استعمال نہیں کیا تھا۔ وہ کونے سے مڑ کر کچن یا کسی راہداری میں کھلنے والے دروازے سے اندر گیا ہوگا۔ کئی

منٹ کے بعد وہ اسی سمت سے نمودار ہوا تو مسلح کمانڈو کو نہ دیکھ کر دور ہی سے اس کا ماتھا ٹھنک گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈبل روٹی کی تھیلی تھی۔ دوسرے ہاتھ میں سالن یا شوربے کی پلیٹ تھی۔ وہ ہمارے لیے بھکاریوں والا کھانا' بالکل اسی انداز میں لے کر آرہا تھا اور اس کی نگاہیں ہر طرف چکرا رہی تھیں۔

"ٹامی کہاں ہے؟" درمیان میں چند فٹ کا فاصلہ رہ جانے پر اس نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"پیچھے گیا ہے۔ کچھ اشارے کررہا تھا۔ شاید اسے پیشاب آرہا تھا۔" ویرا نے برجستگی سے جواب دیا۔

چوکیدار نے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے' شوربے کی پلیٹ ہماری طرف بڑھا دی۔ اس وقت تک وہ ہماری رسائی سے دور تھا۔

اپنی لائی ہوئی چیزیں ہمیں تھما کر وہ پختہ روش کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ٹامی نامی کمانڈو کے بارے میں مضطرب نظر آرہا تھا۔

ہمیں اپنے ڈرامے کا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے زبردستی وہ کھانا زہر مار کرنا پڑا۔ غنیمت یہ تھا کہ بے مزہ شوربے میں نمک یا مرچوں کی زیادتی نہیں تھی۔ وہ مکان کے دوسرے بغلی گلیارے میں نظر ڈال کر لوٹا تو میں نے اپنے دہانے میں موجود لقمہ چباتے ہوئے اسے مخاطب کرلیا۔

"تمہارا یہ گورا بری نظر والا آدمی ہے۔ تمہارے جانے کے بعد میری عورت کو چھیڑ رہا تھا۔"

وہ رک گیا اور بیزاری سے بولا "جوان بیوی کو پھٹے پرانے کپڑوں میں لے کر در در جھانکتے پھرو گے تو ہر کوئی شوق سے تماشا دیکھے گا۔ دل میں آئے گی تو اس سے چھیڑ چھاڑ بھی کرے گا۔ کیا تمہارے ساتھ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا؟"

"کھانا دے دیا ہے تو اس سے دس بیس روپے بھی دلوا دو۔ اللہ تمہارا بھلا کرے گا۔" میں نے اس کی خوشامد کی۔

"پیسوں کی ہوا میں نہ رہنا۔ کھانا کھاؤ اور جلدی سے کھسک جاؤ۔" اس نے زہریلے لہجے میں کہا "اندر والوں کو تمہاری اس دعوت کی بھنک بھی مل گئی تو تم دونوں کو پکڑ کر رات بھر کے لیے کسی کوٹھری میں بند کردیں گے اور صبح پولیس کے حوالے کردیں گے۔"

"تم مائی باپ ہو' میرے ساتھ ایسا ظلم نہ کرنا۔" میں رو دینے والے انداز میں اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر اچانک اس کے قدموں پر گر پڑا۔

اس نے گھبرا کر مجھے جوتوں سے پیچھے ہٹانا چاہا لیکن میں تو دیر سے موقع کی تلاش میں تھا۔ میں نے گڑگڑا کر اس کی دونوں پنڈلیاں پکڑلیں۔ اس کے لیے میں نے موت کے بجائے بے ہوشی کی سزا تجویز کی ہوئی تھی۔ وہ ایک غریب مقامی تھا جس کا آئی مین کی سازشوں سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ شاید روزگار کے چکر میں وہاں پھنس گیا تھا۔ اس بار بے ہوشی کے زہر والا نگینہ میری ہتھیلی کے رخ پر تھا۔ اس کی پنڈلیوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے میں نے اپنی انگوٹھی والی انگلی کو ذرا سی جنبش دی۔ سریع الاثر زہر اسی لمحے اس کی پنڈلی کے راستے اس کے بدن میں سرایت کرگیا اور وہ کھڑے کھڑے کسی وزنی شہتیر کی طرح نیچے آرہا۔

اگر میں پہلے سے اسے سنبھالنے کے لیے تیار نہ ہوتا تو اس کے گرنے کی آواز پُرشور آواز دور تک سنی گئی ہوتی۔ میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں میں سنبھال کر آہستگی سے گھاس پر ڈالا۔ ویرا کھانا چھوڑ کر تیار ہوچکی تھی۔ وہ اس کے پیر پکڑ کر اسے بھی گھسیٹتے ہوئے گملوں کی اوٹ میں لے گئی جہاں وہ ہوش میں آنے تک آرام کرسکتا تھا۔ اپنے پچھلے تجربات کی بنا پر مجھے امید تھی کہ وہ تین چار گھنٹوں سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔

میں نے سالن کی پلیٹ اور ڈبل روٹی کی تھیلی ان دونوں پر ڈال دی۔ بڑے بڑے گملوں میں لگے ہوئے اونچے اور گنجان پودوں نے ہمیں بہت آسانی سے ایک انسانی کوڑا دان فراہم کردیا تھا جہاں دو آدمی محفوظ ہوچکے تھے۔ اندر کی کوئی خیر خبر لینے سے پہلے ہمیں تیسرے شخص کو تلاش کرنا تھا۔ وہ ہماری کامیابی کی راہ میں آخری رکاوٹ تھا۔

اس مکان کی بیرونی دیواروں پر لگی ہوئی خاصی لائٹس روشن تھیں جن کی وجہ سے لان یا احاطے کے کسی حصے میں

گھری تاریکی نہیں تھی۔ کہیں خاصا اجالا تھا تو کہیں روشنی قدرے کم تھی۔ ایسے میں یہ امید عبث تھی کہ ہم دونوں میں سے کوئی اندھیرے کی آڑ لے کر پیچھے جا نکلے۔

"کیوں نہ میں لان پر کھلے عام چلتی ہوئی پیچھے پہنچنے کی کوشش کر ڈالوں۔" ویرا نے دونوں سمتوں کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔

"اگر دو افراد اپنی غلطیوں کی بنا پر نشانہ بن چکے ہیں تو اب اتنی اونچی اڑان لینے کی کوشش نہ کرو۔"

"دور ہی سے نظر آ جائے گا کہ میں عورت ہوں۔ دوسرا کمانڈو فریب میں آسکتا ہے۔" وہ پر امید تھی۔

"ڈیلٹا فورس امریکا کی ایلیٹ فورس ہے۔ اس میں سب ٹامی جیسے ڈفر اور عورت کے رسیا نہیں ہوسکتے" میں نے دھیمی اور غصیلی آواز میں اسے ڈانٹا "یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری پہلی جھلک دیکھتے ہی کسی وارننگ کے بغیر فائر کردے۔ تم بے موت ماری جاسکتی ہو۔"

"پھر کیا' کیا جائے؟ ان دونوں نے شاید اپنی ڈیوٹیاں بانٹی ہوئی تھیں۔ یہ امکان نظر نہیں آتا کہ وہ از خود ادھر آ نکلے" ویرا مضطرب تھی۔

مجھے اچانک اپنا ایریٹس یاد آ گیا۔ فقیرانہ رول ادا کرتے کرتے میں اسے بالکل بھول بیٹھا تھا۔ میرے پھٹے پرانے کرتے کی جیب میں ایک بہت چھوٹا اور ہلکا ٹرانسمٹر موجود تھا جس کی رینج صرف دو کلومیٹر تھی۔ اس پر میں صرف اول خان سے رابطہ کرسکتا تھا۔ اسی کے ساتھ میری کمر سے بیم گن اڑسی ہوئی تھی۔ اس کے سوا ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا جو زیادہ فاصلے تک کام کرسکے۔

اندر رونما ہونے والی تبدیلیوں سے باہر والوں کا باخبر رہنا ضروری تھا۔

دوسرے کمانڈو کی تلاش کے کام کو ملتوی کر کے میں ویرا کو ساتھ لیتا ہوا' لان کے ایک نیم روشن حصے کی طرف بڑھ گیا جو احاطے کی دیوار کے قریب تھا۔ وہاں پودوں کے کنج میں بیٹھ کر میں قدرے سکون کے ساتھ بات کرسکتا تھا۔

اول خان کو توقع نہیں تھی کہ مجھے فالکن ہاؤس میں گھسنے کے بعد ایریٹس سے کام لینے کا موقع مل سکے گا۔ وہ میری آواز سن کر کھل اٹھا۔ کافی دیر ہو جانے کی وجہ سے وہ ہم دونوں کی عافیت کے بارے میں خاصا فکر مند ہو گیا تھا۔

میں نے اسے اندر کے حالات کے بارے میں بریف کیا تو وہ خوش ہو گیا "اس وقت تمہارا پلہ بھاری معلوم ہو رہا ہے۔"

"یہ صورتِ حال زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہے گی۔ اب مکان کی پشت پر ایک کمانڈو موجود ہے۔ ادھر کچا نالہ واقع ہے۔ عمارت کے گرد اپنے آدمیوں کا گھیرا تنگ کر دو۔ نالے میں اترنے والی پارٹی باہر سے کوئی گڑبڑ کرسکے تو دوسرا کمانڈو بھی زیر ہوسکتا ہے۔"

"یہ تمہارا حوصلہ تھا کہ تم ویرا کو لے کر شیر کی کچھار میں گھس گئے' میں اپنے کسی آدمی کو ناحق نہیں مرواؤں گا۔ پچھلی دیوار پر چڑھنے والے اس کمانڈو کے کھلے نشانے پر ہوں گے۔"

"کسی کو دیوار پھاندنے کی ضرورت نہیں۔ کچھ لوگ چوکنا رہیں اور ایک آدمی دیوار کے قریب زمین کھودنی شروع کردے تو وہ تشویش میں مبتلا ہو جائے گا" میں نے کہا۔

"میں سمجھ گیا۔ وہ اس دھمک کا سبب جاننے کے لیے دیوار پر آیا اور مارا گیا۔ یہ خیال رکھنا کہ پھر فائر کی آواز اندر والوں کو بھی ہوشیار کردے گی۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ ہمیں خطرات کا پورا اندازہ ہے۔ انہیں اس کا ادراک نہیں ہے۔ ہم ان کی بے خبری سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"

"ابھی تک تم کامیاب ہو لیکن میرا دل ڈوب رہا ہے۔ تم ان سے اس قدر قریب ہو کہ کسی بھی وقت کچھ ہوسکتا ہے۔"

"خطرات زندگی کا حصہ ہیں۔ تم بے پروا ہو کر میرے پلان پر عمل کر ڈالو۔ ہم دونوں اپنی حفاظت کرلیں گے۔"

اس وقت ایک ایک لمحہ اہم تھا۔ ہم اپنے اندیشوں اور وسوسوں پر تبادلہ خیال کر کے زیادہ وقت برباد نہیں کرسکتے تھے۔ میں نے ایریٹس آف کر کے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

اس مکان کے سامنے والے لان پر ہم موجود تھے۔ ١١ لان ایل کے انگریزی حرف کی صورت میں گھر کی داہنی جانب بھی پھیلتا چلا گیا تھا۔ ہمارے لیے فقیرانہ کھانا لانے کے لیے چوکیدار اسی طرف سے مکان کے اندر گیا اور پھر واپس آیا تھا۔ بائیں طرف پورچ کا تسلسل احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک پختہ گلیارے کی صورت میں بنا ہوا تھا۔ اسی سمت میں دوسرا مکان بنا ہوا تھا۔ داہنی طرف خالی پلاٹ تھا جس پر اول خان کے آدمی آسانی سے دیوار تک آسکتے تھے۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا کہ ہم دونوں بٹ کر ان دونوں سمتوں کو سنبھال لیں لیکن میں نے اس خیال کو فوراً اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ ہمارے پاس بیم گن کی صورت میں صرف ایک ہتھیار تھا جو دونوں کو الگ الگ تحفظ فراہم

نہیں کر سکتا تھا۔ ویرا نے ابتدا میں ہی یہ فرض کرلیا تھا کہ وہ جواں سال فقیرنی کا جو روپ دھار رہی تھی' اس میں اس کے ساتھ جسمانی چھیڑ چھاڑ کا ہونا ضروری تھا۔ اس کے بغیر وہ کسی کو اپنے چکر میں نہیں پھانس سکتی تھی۔

اگر اس کے جسم پر کوئی ہتھیار موجود ہوتا تو چھیڑ چھاڑ میں اس کا بھانڈا پھوٹ جاتا اور وہ مشکل میں پڑ جاتی۔ اسی طرح میری بھاری اور لٹکتی ہوئی جیب آسانی سے شکوک و شبہات کو جنم دے سکتی تھی اور ہتھیار کا لے جانا بھی ضروری تھا۔ میں نے سمجھوتے کے طور پر بیم گن اپنے ساتھ لے لی تھی جو بھاری ہونے کے باوجود کسی پستول یا ریوالور سے کہیں زیادہ ہلکی تھی۔

میں نے بس چند ثانیوں کے لیے سوچا پھر داہنی طرف سے پیچھے بڑھنے کا فیصلہ کرلیا۔ اگر ہماری قسمت ساتھ دیتی اور ادھر کا دروازہ کھلا ہوا مل جاتا تو ہم دونوں دوسرے کمانڈو کو اول خان کی نفری کے رحم و کرم پر چھوڑ کر براہ راست فالکن ہاؤس میں داخل ہو سکتے تھے۔

اس وقت ویرا نے اپنی فطری ضد اور تکرار کو یکسر فراموش کردیا تھا اور بے چون و چرا میری ہدایات پر عمل کررہی تھی۔ میرے ایک اشارے پر وہ کوئی سوال کیے بغیر میرے ساتھ ہولی۔

ہمارے پیروں میں ربر کی پھٹی ہوئی سستی جوتیاں تھیں جن کی وجہ سے ہمیں اپنی پیش قدمی میں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لینا پڑ رہا تھا۔ بیم گن میں نے نکال لی تھی تاکہ کسی حریف سے اچانک سامنا ہونے کی صورت میں ہمیں بروقت دفاع کا تحفظ حاصل رہ سکے۔

مکان کی اس بغلی دیوار میں تین کھڑکیاں اور دو ائرکنڈیشنر نظر آرہے تھے جس کا واضح مطلب تھا کہ ادھر کم از کم دو خواب گاہیں موجود تھیں۔ پہلا ائرکنڈیشنر بند تھا۔ ہم دونوں دیوار سے قریب رہ کر دھیرے دھیرے بڑھتے ہوئے اس دروازے تک پہنچ گئے جو چوکیدار نے استعمال کیا تھا۔

اسی وقت مجھے زمین پر ہلکی سی دھمک محسوس ہوئی اور میں رک کر کھڑا ہوگیا۔ کافی غور کرنے کے باوجود مجھے کہیں سے کوئی موہوم ترین آواز بھی نہیں سنائی دی لیکن میرے قدموں کے نیچے زمین میں دھمک کا سلسلہ جاری تھا جیسے کوئی کہیں زوردار ضربات لگا رہا ہو۔

شاید اول خان کے آدمیوں نے ندی کی سمت سے تیزی سے پیش قدمی کرکے فالکن ہاؤس کے احاطے کی دیوار کے نیچے کھدائی شروع کردی تھی۔

نقصان

ہوٹل میں عامر صاحب کو ان کے ایک شناسا نے اداس' غم زدہ اور منہ لٹکائے بیٹھے دیکھا تو ہمدردانہ انداز میں سبب پوچھا۔ عامر صاحب بولے "دو ماہ پہلے میرے ایک خالو کا انتقال ہوا۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ انہوں نے ترکے میں میرے لیے چھ لاکھ روپے چھوڑے۔"

"تو اس میں اداس ہونے کی کیا بات ہے؟ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے" ان کے شناسا نے کہا۔

"پچھلے مہینے میرے ایک چچا مر گئے تھے۔ انہوں نے میرے لیے دس لاکھ چھوڑے" عامر صاحب نے گویا ان سنی کرتے ہوئے بتایا۔

"تو پھر آخر آپ منہ لٹکائے کیوں بیٹھے ہیں؟" شناسا نے حیرت سے ایک بار پھر پوچھا۔

"بھئی... یہ پورا مہینا ختم ہونے کو آرہا ہے.... ابھی تک کہیں سے مزید کوئی خبر نہیں آئی۔" عامر صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

مکان کا داخلی دروازہ بند تھا۔ اگر چوکیدار اندر آنے جانے کے لیے چابی استعمال نہیں کرتا تھا تو دروازہ مقفل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دروازے کی ناب گھماتے ہوئے اندر کی طرف ہلکا سا زور لگایا اور دروازے نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

فالکن ہاؤس کی فضا پر چھایا ہوا گہرا سکوت اچانک مجروح ہوگیا۔ کہیں قریب ہی سے گرج دار آواز کے ساتھ ایک فائر ہوا تھا اور اسی کے ساتھ ایک دل دوز انسانی چیخ فضا کا سینہ چیر کر موت کے سناٹے میں ڈوبتی چلی گئی۔ میں تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ ویرا میرے پیچھے تھی۔

ہم دونوں کھلی فضا سے یکایک ایک کشادہ اور بند راہ داری میں پہنچ چکے تھے جس کے کسی دروازے کے پیچھے

ہمارے شکار موجود تھے۔ میں نے ویرا کو دیکھنے کے لیے گردن گھمائی تو باہر کھلنے والا دروازہ خود بخود بند ہو رہا تھا۔
باہر سے اکلوتے فائر کے بعد کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس والوں نے اپنے شکار کو مار گرایا تھا۔ وہ زندہ ہوتا تو پہلی گولی کا جواب ضرور دیا گیا ہوتا۔

میں نے محتاط انداز میں دوسرا قدم بڑھایا تھا کہ اچانک راہ داری کا ایک دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک مسلح نیگرو باہر نکلا۔ وہ خاصا تنومند سیاہ فام تھا۔ اس کے جسم پر دھاری دار سلیپنگ سوٹ چڑھا ہوا تھا، داہنے ہاتھ میں بڑے بور کا پستول دبا ہوا تھا۔

میں نے اس کے زخمی چہرے کی پہلی جھلک دیکھتے ہی اسے پہچان لیا کہ وہ وہی شخص تھا جو سب سے پہلے گونگا اور بہرا بن کر گولڈن فارمیسی سے دوائیں خریدنے آیا تھا۔ میں اسے آئی مین کے دستِ راست کی حیثیت سے پہچانتا تھا۔ جلال نے مجھے بتایا تھا کہ فالکن ہاؤس میں ایف بی آئی کا ڈپٹی ڈائریکٹر جیک اسمتھ پہنچا ہوا ہے۔ اس بدمعاش کے بدن پر موجود لباس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کمانڈوز مل جانے کے بعد اس نے اپنا ٹھکانا قونصل خانے سے فالکن ہاؤس منتقل کر لیا تھا۔

اس نے لی مارکیٹ کے علاقے میں سلطان شاہ سے ہاتھا پائی کے دوران میں جس بے رحمی سے بیم گن استعمال کی تھی اس سے اس کی سفاکانہ ذہنیت کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ بہت خطرناک آدمی تھا۔ اسے ذرا سی بھی مہلت نہیں دی جا سکتی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ راہ داری میں اپنے دائیں بائیں دیکھتا، میں نے اس کے پہلو کا نشانہ لے کر بیم گن چلا دی۔ ہدف بہت قریب تھا۔ نیلگوں پتلی دھار اس کے بازو پر پڑی تو اس نے حیرت سے اپنی گردن گھما کر ادھر دیکھا اور اسی حالت میں راہ داری میں ڈھیر ہو گیا۔ ان چند لمحوں میں لیزر شعاعیں اس کی پسلیوں سے گزر کر دل کے پار نکل چکی تھیں۔

جیک نامی وہ نیگرو بھی بہت صحت مند تھا۔ وہ پختہ فرش پر گرا تو دھماکے کی آواز بہت بلند تھی۔ اچانک پورا گھر گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔ مجھے قالین پر ایک سے زائد افراد کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سنائی دی جو تیزی سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

میرے اور ویرا کے لیے فالکن ہاؤس کی وہ عمارت بالکل اجنبی تھی۔ گہرے اندھیرے میں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہم کدھر جائیں۔ ہمارے آگے جیک کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس سے آگے کہاں کیا تھا، یہ ہمیں معلوم نہیں تھا۔ بے خبری میں مارے جانے سے کہیں بہتر تھا کہ پسپائی کی راہ اختیار کر لی جاتی۔

باہر کی فضا وزنی جوتوں کی تیز دھمک سے گونج رہی تھی۔ اکلوتی گولی چلنے کے بعد کہیں سے کوئی فائر نہیں ہوا تھا۔

"آؤ!" میں نے ویرا کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر راہ داری کا بیرونی دروازہ کھولتا ہوا دوبارہ کھلی فضا میں نکل گیا۔

کہیں قریب ہی پھر ایک گولی چلی۔ اس بار سریلی سی چیخ بلند ہوئی اور میں چونک پڑا۔

"فالکن ہاؤس میں اس وقت صرف دو عورتیں ہیں۔ میں یا کیلی!" ویرا نے سرگوشی کی۔ ہم دونوں دروازے کے قریب دیوار سے لگے ہوئے کھڑے تھے کیونکہ اول خان کے پُرجوش آدمیوں کی آمدورفت کا سلسلہ بہت تیزی سے جاری تھا۔ ان میں سے کسی نے ہم سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ شاید ان کے درمیان یہ خبر گردش کر چکی تھی کہ فقیروں کا جوڑا ان کے ساتھیوں میں شامل تھا جس سے کسی کو الجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

پھر شاید ایس ٹی ایف کا آخری جوان بھی دوڑتا ہوا ہمارے سامنے سے گزر کر فالکن ہاؤس کے عقبی حصے کی طرف چلا گیا اور ہمارے آس پاس سناٹا چھا گیا۔ مکان کے دوسرے حصوں سے نقل و حرکت کرنے اور تیز تیز بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

کسی نے مکان کا مین سوئچ تلاش کر کے آن کر دیا۔ مکان میں دوبارہ ہر طرف روشنی پھیل گئی۔ اس افراتفری میں ہمیں یہ پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ اول خان کہاں تھا اور دوسری گولی سے زخمی ہونے والی عورت کون تھی۔

"تم ٹرانسمٹر پر اس سے بات کیوں نہیں کرتے۔ وہ آس پاس ہی کہیں موجود ہوگا" ویرا نے مجھے ٹھوکا دے کر کہا۔

واقعی میری عقل ماؤف ہو کر رہ گئی تھی۔ جب تک ہم دونوں نے محاذ سنبھالا ہوا تھا۔ سب کچھ ہمارے کنٹرول میں تھا۔ اندھیرا پھیلتے ہی فالکن ہاؤس میں ایسی ہڑبونگ مچی تھی کہ کسی کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔

"تم کہاں ہو۔ داہنی طرف کے لان پر ہم دونوں کے سوا چڑیا کا بچہ بھی نہیں ہے مگر ہر طرف سے ملی جلی آوازیں آ رہی ہیں۔"

"اوہ....! میں تم دونوں کے لیے پریشان تھا۔ میرے آدمی عمارت میں گھس گئے ہیں۔ تم بائیں طرف کے گلیارے

میں آؤ۔ یہاں کیلی زخمی پڑی ہوئی ہے۔"
"اندر جیک کی لاش تمہارے آدمیوں کا استقبال کرے گی" میں نے اپنی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا "اپنے ایک دو آدمی اگلے لان پر بھیج دو۔ وہاں گملوں کے پیچھے ایک لاش، ایک بے ہوش قیدی اور سالن کی پلیٹ چھپی ہوئی ہے۔"
"میں دو آدمیوں کو بھیج رہا ہوں۔ تم انہیں کام بتاتے ہوئے سیدھے میرے پاس آجاؤ۔ اب تمہارا یہاں ٹھہرنا خطرناک ہے۔"
"اوکے!" گفتگو مکمل کرکے میں نے دوڑ لگادی۔
"قصہ نمٹتے ہی تمہارا دماغ چلنا شروع ہوگیا" ویرا نے میرے ساتھ دوڑتے ہوئے کہا۔ "لاش اور قیدی کے ساتھ تمہیں سالن کی پلیٹ بھی یاد آرہی تھی۔"
اول خان سے بات ہونے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ مجھے بس ایک فکر تھی کہ اول خان نے کیلی کے زخمی ہونے کی خبر دی تھی۔ آئی مین کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ مکان خاصے وسیع رقبے پر بنا ہوا تھا پھر بھی بہت بڑا نہیں تھا۔ میں ذرا سی دیر میں خود موقع پر پہنچ کر سب کچھ معلوم کرسکتا تھا۔
اگلے لان پر اول خان کے دونوں آدمی ہم سے پہلے پہنچے ہوئے تھے اور انہوں نے گملے کے پیچھے چھپی ہوئی لاش دریافت کرلی تھی۔ وہ لوگ اپنے کام پر عبور رکھتے تھے۔ ہمیں وہاں رکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم مکان کے اگلے حصے کا چکر کاٹ کر روش سے آگے جانے والی پختہ گلی میں مڑ گئے۔
میرے اندازے کے مطابق ایک دروازہ ادھر بھی بنا ہوا تھا۔ پکے فرش پر ایک جواں سال اور سفید فام عورت بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ وہ بلاشبہ بہت حسین تھی مگر کولہے کے خون آلود زخم کی وجہ سے اس کا حسن داغ دار ہوچکا تھا۔ زخم گہرا تھا اور اس سے خون بہے جارہا تھا۔
"یہ دیوار پر چڑھتے ہوئے گرائی گئی تھی۔ اس کے ساتھ شاید آئی مین تھا۔ وہ دیوار پھاند کر برابر والے مکان میں کود گیا۔ ان دونوں نے اندھیرا کرکے فرار ہونے کی کوشش کی تھی" اول خان نے مجھے دیکھتے ہی کسی تمہید کے بغیر مجھے پوری بات بتا ڈالی۔ اس وقت اس کے ساتھ اس کا صرف ایک آدمی موجود تھا۔
"یہاں سے وہ اندھیرے میں نکل گیا۔ برابر کے گھر سے کہاں جائے گا۔ کسی کو ادھر بھیجا ہے تم نے؟" میں نے متاسفانہ لہجے میں پوچھا۔
"تین آدمی اسی کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ یہاں کی فکر نہ کرو۔ آج ہم نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ یہاں تین لاشیں، ایک زخمی اور ایک بے ہوش قیدی موجود ہے" اس نے اپنے پاس تیزی سے یکجا ہونے والی معلومات دہراتے ہوئے کہا "آئی مین کی تلاش جاری ہے۔ تم پولیس کے آنے سے پہلے میری گاڑی میں جمال کے ساتھ نکل جاؤ۔ اس حلیے میں تم ٹیکسی وغیرہ سے نہیں جاسکو گے۔"
وہ دور کی بات سوچ رہا تھا۔ جیک کی موت اور آئی مین کے فرار نے معاملات کو بہت الجھادیا تھا۔ انہیں ایس ٹی ایف والے ہی سنبھال سکتے تھے۔ میرا اور ویرا کا وہاں موجود رہنا کسی بھی طرح ٹھیک نہیں تھا۔ اول خان نے تین لاشوں کا ذکر کرکے دوسرے کمانڈو کے بارے میں میرا تجسّس دور کردیا تھا۔
"یہاں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ بس ایک بات کا دھیان رکھنا کہ جیک بیم گن سے مارا گیا ہے۔ یہ کام آئی مین کے کھاتے میں جانا چاہیے" چلتے چلتے مجھے وہ اہم بات یاد آگئی۔
"میں اندر کمروں کی تلاشی لینے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ بیم گن چھوڑ نہ گیا ہو" اول خان نے پُرامید لہجے میں کہا۔
"یہ ناممکن ہے!" میں نے پورے وثوق سے کہا "بیم گن اور سلور آئی کو وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوگا۔ اسے کہیں نہیں چھوڑے گا۔"
"اصل کہانی دونوں قیدیوں کے بیان سے سامنے آئے گی۔ دیکھنا ہے کہ کیلی کیا کہتی ہے؟"
"تم نے جیک کے بارے میں میری بات کا جواب نہیں دیا؟" میں نے بے چینی سے اسے ٹوکا۔
"میرے ذہن پر مختلف مسائل نے یلغار کی ہوئی ہے۔ تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات آئی ہے تو جلدی سے بتادو اور یہاں سے نکل جاؤ" وہ ہم دونوں کو دھکے دے کر نہیں بھگا سکتا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ میری وہاں موجودگی سے پریشان تھا۔
"اس کے بائیں بازو سے لیزر جسم میں داخل ہوئی ہے اور اس کے جسم کا وہ حصہ لان کی طرف کھلنے والے دروازے کی طرف ہوگا۔ اس وقت وہ کمرے سے باہر آرہا تھا۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے سمجھایا "پولیس کے آنے سے پہلے لاش کی پوزیشن کو بالکل گھمادو۔ ایسا کرنے سے یہ معلوم ہوگا کہ وہ اپنے کمرے میں گھس رہا تھا کہ باہر سے گھس آنے والوں کے بجائے گھر میں پہلے سے

موجود کسی آدمی نے اسے بیم گن کا نشانہ بنادیا۔ وہ پہلے سے اندر موجود تھا۔ پختہ گلی سے نکل کر بھاگا ہے اور کیلی بھی اسی سمت میں زخمی ہوئی ہے۔ کوئی بھول کر بھی ان کی طرف کھلنے والے دروازے پر دھیان نہیں دے گا۔ جیک کا خون آئی مین کے سر چلا جائے گا۔"

"میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ اب تم جاؤ" اول خان نے میرے شانے پر تھپکی دے کر اضطراری لہجے میں کہا۔

اس کے ساتھ کھڑا ہوا آدمی پھاٹک کی طرف چل دیا۔ ہم دونوں اس کے پیچھے ہولیے۔

پھاٹک سے باہر سڑک پر بدستور گہرا سناٹا تھا۔ کھلی فضا میں دو فائروں کی آوازیں دور دور تک سنی گئی ہوں گی لیکن آسودہ حالوں کی اس نیم آباد بستی میں کسی نے باہر نکل کر صورتِ احوال جاننے کا خطرہ مول نہیں لیا تھا۔

ہم سڑک پار کرکے تاریک پلاٹ پر کھڑی ہوئی گاڑیوں تک جا پہنچے۔ وہاں چوکیداری پر مامور آدمی اپنی جگہ پر مستعد اور مضطرب تھا۔

"فکر نہ کرو۔ اپنی سب خیر ہے" جمال نے ایک گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر سوار ہوتے ہوئے اسے تسلی دی "ادھر دشمن کا نقصان ہوا ہے۔ اپنے سارے بندے سلامت ہیں۔"

"شکر ہے خدا کا" گاڑیوں کے نگراں کے ہونٹوں سے بے ساختہ آواز نکلی۔

وہ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ روز مرہ بول چال میں لوگ کسی گہرائی کے بغیر ایسے تشکر آمیز کلمات محض عادت کے طور پر استعمال کرتے رہتے ہیں لیکن ایس ٹی ایف کے اس اہلکار کے لہجے میں دوسروں سے اپنائیت اور اپنے رب کی بندگی کا اس قدر گہرا اعتراف پنہاں تھا کہ بے اختیار میرا دل بھاری ہوگیا۔

ہم دونوں کے لباس مضحکہ خیز بلکہ بہت زیادہ فقیرانہ تھے۔ ہم نشستوں پر بیٹھتے تو سارے راستے لوگوں کی تحیر زدہ یا تضحیک آمیز نگاہوں کا نشانہ بنے رہتے۔ ہم اگلی نشست عبور کرکے خاموشی سے عقبی پائیدان میں بیٹھ گئے۔ جمال نے انجن اسٹارٹ کیا اور جیپ ناہموار زمین پر اچھلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

فالکن ہاؤس میں بہت کچھ ہوا تھا۔ جیک اور اس کے دونوں کمانڈوز کی موت کے واقعات تہلکہ خیز تھے۔ کیلی کے پکڑے جانے کا واقعہ بھی معمولی نہیں تھا مگر مجھے ان مشترکہ کامیابیوں کی زیادہ خوشی نہیں تھی۔ مجھے آئی مین کے نکل جانے کا صدمہ تھا۔ مجھے پوری امید تھی کہ وہ اول خان کے آدمیوں کو فریب دے کر غائب نہیں ہوسکے گا مگر فیصلہ کن خبر ملنے تک میری تشویش دور نہیں ہوسکتی تھی۔ شی کے آئی مین ہمیشہ سے اپنی طلسماتی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے آئے تھے۔ وہ بھی ان میں سے ایک تھا۔

○☆○

ہمارا کارواں گھر سے بوٹ بیسن کی طرف روانہ ہوا تو سلطان شاہ کو یہ علم نہیں ہوسکا کہ ویرا کس بھیس میں ہمارے ساتھ گئی تھی اور میرا کیا بہروپ تھا۔ غزالہ نے اسے زبردستی غسل کرنے کے لیے بھیج دیا تھا تاکہ اس کے ذہن پر چھائی ہوئی کھولت دھل سکے اور وہ تازہ دم ہوجائے۔

واپسی پر ہم جیپ سے اترتے ہی گھر میں گھس گئے تھے۔ ضرورت کے تحت ہم سب کچھ کر گزرے تھے لیکن ایسے شرمناک حلیوں میں پڑوسیوں کی نظروں میں آنا کوئی خوشگوار تجربہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ضرورت ختم ہوجانے کے بعد شرمندگی کا وہ احساس یکایک بیدار ہوا تھا۔

گھر میں گھستے ہی سلطان شاہ نے ایک بے ساختہ قہقہے سے ہمارا استقبال کیا تھا پھر اس نے اپنی ساری توجہ ویرا پر مرکوز کردی "ویری گڈ۔ آج تم نے پہلی بار اپنا شایانِ شان لباس استعمال کیا ہے۔ غزالہ نے مجھ سے تم دونوں کے بہروپ کے بارے میں سرسری سا ذکر کیا تھا تو میں اتنی بڑی تبدیلی کا تصور نہیں کرسکا تھا۔ معلوم ہوتا کہ دشمنوں نے ڈینی سے زیادہ تم کو نوچا کھسوٹا ہے۔ تمہارا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا ہے۔"

"ویرا یہاں سے اسی وضع میں گئی تھی۔" غزالہ نے سلطان شاہ کو لقمہ دیا۔

"تم یقین کرو کہ اس حلیے میں تم سوئمنگ کاسٹیوم سے زیادہ ابھر رہی ہو۔ پیرس چلی جاؤ تو تمہارے یہ کپڑے فیشن بن جائیں گے۔"

"زیادہ بک بک مت کرو۔ میں کپڑے بدل کر دو منٹ میں اپنے پرانے روپ میں آسکتی ہوں۔ تم دو دنوں میں اپنے بگڑے ہوئے چہرے کی تراش خراش نہیں کرواسکے۔"

ویرا کا وہ جواب بہت زیادہ ذاتی اور جارحانہ تھا۔ سلطان شاہ کے ہونٹ جڑ کر رہ گئے۔

ویرا ہولے ہولے سیٹی بجاتی ہوئی اپنے کمرے میں جا گھسی تو میں نے سلطان شاہ سے دھیرے سے کہا "فکر نہ کرو۔ آج ہم نے کالیے سے تمہارا بھرپور بدلہ لے لیا ہے۔ کل کے اخبار میں تمہیں پوری کہانی مل جائے گی۔ لباس کے بارے

میں اب ویرا سے کچھ نہ کہنا۔ اپنی گھٹیا حرکتوں سے آج اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔"

"عورت مجسم تباہی ہے۔" سلطان شاہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "اس نے بڑے بڑے شاہوں اور جرنیلوں کو مروایا ہے۔ ویرا نے اپنی ذرا سی سترنمائی سے کالیے کو مروا دیا تو یہ حیرت کی بات نہیں ہے۔ عورت بڑے بڑے مردوں کو مرواتی آئی ہے۔"

میں نے مزید تفصیل میں جانا مناسب نہیں سمجھا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

مجھے لباس تبدیل کرنے میں چند منٹ صرف ہوئے ہوں گے کہ غزالہ نے باتھ روم کا دروازہ پیٹ کر اول خان کے فون کی اطلاع دی۔

میں قمیص کے بٹن بند کیے بغیر، ہڑبڑا کر باہر نکلا اور خواب گاہ میں موجود انسٹرومنٹ کا ریسیور اٹھالیا۔ میری آواز سنتے ہی اول خان نے بولنا شروع کردیا "آئی مین کا دماغ الٹ گیا ہے۔ میرے آدمی اس تک پہنچنے کی کوششوں میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ وہ فالکن ہاؤس سے تیسرے مکان میں ایک ملازم کو ہلاک کرکے وہاں سے گاڑی لے بھاگا ہے۔"

"یہ بہت بری خبر ہے اول خان.... ! اس کا پکڑا جانا ضروری تھا۔" میں نے افسردگی سے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔" اس نے اعتراف کیا "اسی لیے میں نے تمہیں فون کیا ہے۔" اس کی ڈوبتی اور ابھرتی ہوئی آواز سے اندازہ ہورہا تھا کہ اس نے سنسنی اور ہلچل کے ماحول سے الگ ہٹ کر کسی گوشۂ عافیت سے اپنا موبائل فون استعمال کیا تھا۔

"وہ اپنی قبر خود کھود رہا ہے۔ اسے زیادہ دیر تک آزاد رہنا نصیب نہیں ہوسکے گا۔" میں نے تلخی سے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

"اس قتل میں اس نے بیم گن استعمال کی ہے۔ وہ جیک کے قتل کے الزام سے اپنی گردن نہیں بچاسکے گا۔"

"تمہارے فون سے ظاہر ہورہا ہے کہ پولیس کی آمد کے بعد تم نے تیزی سے علیحدگی اختیار کی ہے۔"

"یہ ضروری تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ کاغذوں پر اسپیشل ٹاسک فورس کچھ بھی نہیں ہے۔" اس کی آواز سے مجبوری کا اظہار ہورہا تھا۔

ان واقعات سے بری الذمہ ہونے کے باوجود اس کی مصروفیات اہم تھیں۔ اپنی فورس کو پس پردہ رکھتے ہوئے اسے پولیس افسران کو پوری طرح بریف کرنا تھا کہ اس رات وہاں کیا ہوا تھا تاکہ قانونی کارروائی کے تمام تقاضے پورے کیے جاسکیں۔ اس نے اجازت چاہی تو میں نے گفتگو کو وہیں ختم کردیا۔

میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا مجھ سے پہلے تیار ہوکر، بنی سنوری وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں اسکاچ کا گلاس دبا ہوا تھا جسے اس نے اپنی گود میں ٹکایا ہوا تھا۔

"تم اس اُمّ الخبائث سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں تو کم ازکم اسے میرے سامنے نہ لایا کرو۔" سلطان شاہ نے برا منہ بنا کر کہا تھا۔

"تم اسے پدر الخبائث یا ابوالخبائث کیوں نہیں کہتے۔" ویرا نے اپنی علمیت جھاڑتے ہوئے اعتراض کیا "کیا یہ ضروری ہے کہ ہر بری چیز کو عورتوں سے منسوب کیا جائے۔"

"مجبوری ہے۔ شراب اور وہسکی، دونوں مونث ہیں۔ ایک مونث کو باپ کا درجہ کہیں نہیں دیا جاتا۔" اس وقت سلطان شاہ بھی اپنی قابلیت کے مظاہرے پر تل گیا تھا۔

"ویرا! یہ بدتمیزی ہے۔" میں نے مداخلت کرتے ہوئے اسے ٹوکا "تمہیں دوسروں کے جذبات کا پاس کرنا چاہیے۔ کچھ عرصے سے تم نے کبھی کبھی کمرے سے باہر نکلنا بھی شروع کردیا ہے۔"

"یہاں دوسرا کون ہے۔ سب اپنے ہیں۔" ویرا ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے بولی "کوئی آیا تو یہ میرا وعدہ ہے کہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی جاؤں گی۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد میں اس وقت بہت شدت سے طلب محسوس کررہی تھی۔"

"تم یہ شوق اپنے کمرے میں پورا کرسکتی تھیں۔ اس بدبو کو پورے گھر میں پھیلانے کی کیا ضرورت تھی؟" سلطان شاہ نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔

"اس وقت معافی دے دو۔ آئندہ میں خیال رکھوں گی۔" ویرا نے مصالحانہ رویہ اختیار کرکے مجھے حیران کردیا۔ اس پر مزید کسی اعتراض کی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے فوراً ہی گلاس سے ایک گھونٹ لے لیا۔

"فقیرنیوں کے دن پھرتے ہیں تو وہ اسی طرح شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر اپنے شوق پورے کرتی ہیں۔" سلطان شاہ نے خاص طور سے کسی کو مخاطب کیے بغیر کہا۔

"میں اس وقت سے شراب پی رہی ہو جب تم چسنی سے دودھ پیا کرتے تھے۔" ویرا نے تاؤ میں آکر جواب دیا "شرم و حیا دیکھنی ہے تو کسی وقت جاکر میڈم فرزانہ سے اس کے فلیٹ پر مل لینا۔ وہ کلفٹن میں رہتی ہے۔ میری طرح امریکی نہیں،

تمہاری ہم وطن ہے۔"

"یہ کون ذات شریف ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"یہ کل والی وہی عورت ہے جس نے فاریسی کے ایک ملازم کو دو ہزار روپے دے کر کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ آج کا دن بہت ہنگامہ خیز گزرا ہے۔ غزالہ نے تمہیں اس بارے میں بتا دیا ہوگا۔ وہ عورت آج دو بجے پھر وہیں آئی تھی اور آئی مین کے فرار کے بعد دھرلی گئی۔"

"کمال ہے۔ وہ ایسا کیا کام کرتی ہے جو ویرا مجھے اس کے پاکستانی ہونے کا طعنہ دے رہی ہے؟" سلطان شاہ اپنا سر جھٹک کے بولا۔

"یہ پوچھو کہ وہ کیا نہیں کرتی۔" میں نے خفت آمیز لہجے میں کہا "شراب فروشی اور قحبہ گری اس کے محبوب ترین پیشے ہیں مگر آج وہ ہمارے لیے بہت کار آمد ثابت ہوئی ہے۔" میں نے ان دونوں کے درمیان تلخی بڑھنے سے پہلے ہی موضوع کو غیر محسوس انداز میں تبدیل کر دیا۔

"بعد کے واقعات کے بارے میں، میں بھی بے خبر ہوں۔" غزالہ نے مجھے جتایا "آپ دوبارہ آئے تو عجلت میں تھے..."

میں نے غزالہ کی بات کاٹ دی اور کہا "اس وقت جلال سے بہت اہم باتیں ہوئیں۔" میں ان لوگوں کو اختصار کے ساتھ اس شام کے واقعات کے بارے میں بتاتا چلا گیا۔

"تو کیا جیک واقعی مارا جا چکا ہے!" سلطان شاہ کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا۔

"اب بننے کی کوشش نہ کرو۔ میں نے کمرے میں جانے سے پہلے یہ بات تمہیں بتا دی تھی۔" میں نے لقمہ دیا۔

"میں سمجھا تھا کہ تم میری دل جوئی کے لیے مذاق کر رہے ہو۔ میرے لیے یہ بہت بڑی خبر ہے۔ میری آرزو تھی کہ وہ کالا میرے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچتا۔"

"وہاں لمحوں کی بھی مہلت نہیں تھی۔ میں ذرا بھی چوکتا تو وہ ہمیں مار کر آئی مین کی طرح صاف نکل جاتا۔"

"آئی مین اکیلا اور پیدل تھا۔ وہ ایس ٹی ایف کی بھاری نفری کو جل دے کر کیسے نکل گیا؟" ویرا نے چونک کر پوچھا۔

"یہ بری خبر ابھی ابھی اول خان نے فون پر سنائی ہے۔ وہ فالکن ہاؤس سے تیسرے مکان میں ایک شخص کو بیم گن سے ہلاک کر کے گاڑی لے بھاگا۔ اول خان کے آدمی اپنے پیدل شکار کی تلاش میں اس علاقے کی خاک چھانتے رہ گئے۔"

"اس کے فرار سے شروع ہونے والا قصہ اس کے دوبارہ فرار پر ختم ہو گیا۔" سلطان شاہ نے سر ہلا کر تاسف سے کہا "تم لوگوں کی ساری محنت برباد ہو گئی۔"

"تم بھول رہے ہو کہ اس دوران میں جیک مارا گیا۔ ڈیلٹا فورس کے دو کمانڈوز کام آئے۔ کیلی ایک چوکیدار کے ساتھ حراست میں ہے۔" ویرا نے اسے یاد دلایا۔

"یہ کامیابیاں اپنی جگہ پر ہیں مگر مجھے آئی مین کے نکل جانے کا قلق رہے گا۔ ہمارے سارے مجرم ایک چھت کے نیچے جمع ہو گئے تھے۔ یہ ان کی سرکوبی کا بہترین موقع تھا۔ اب آئی مین کے لیے ہم کو از سر نو محنت کرنی پڑے گی۔" میں نے کہا۔

"اب اس کے پاؤں اکھڑ چکے ہیں۔ اس کے آدمی ایک ایک کر کے ٹوٹ چکے ہیں۔" ویرا نے اپنے گلاس سے دوسرا گھونٹ لے کر تفکر آمیز انداز میں کہا "راجا پولیس کی قید میں ہے۔ خالد کو ہم نے پکڑ لیا۔ جیک تھوڑی دیر پہلے مارا گیا۔ اگر اول خان نے تمہارے مشورے کے مطابق جیک کا قتل آئی مین کے سر منڈھنے میں کامیابی حاصل کر لی تو وہ فوری طور پر امریکیوں کی تائید سے بھی محروم ہو سکتا ہے۔"

"میں عجلت میں ایسی کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونا پسند نہیں کروں گا۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ آج فالکن ہاؤس میں پیش آنے والے واقعات کو کس زاویے سے دیکھا جا رہا ہے۔ اگر آئی مین یہاں امریکی مفادات کے لیے کام کر رہا ہے تو وہ اتنی آسانی سے اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے۔" میں نے انہیں اپنی رائے سے آگاہ کر دیا۔

"وہ اپنے آقاؤں کے سامنے جیک کے قتل کا کیا جواز دے سکے گا؟" ویرا نے پوچھا۔

"اسے جواز دینے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے قدرے بدمزگی سے کہا "تم کو معلوم ہے کہ وہ میرے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ آئی مین یہی کہے گا۔ خود کو فریب دینے کی کوشش نہ کرو۔ سب کچھ سامنے آنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ آئی مین کے نام کی آڑ میں، میں نے اپنا کام تیز کر دیا ہے۔ کل ونود مارا گیا۔ اخبارات میں الزام آئی مین پر عائد کیا گیا ہے۔ اصل کام جلال نے دکھایا تھا مگر امریکی سمجھیں گے کہ وہ میری حرکت تھی۔ معاملات بہت زیادہ الجھ گئے ہیں۔ ہر امریکی ڈفر نہیں ہوتا۔ ان کے بہترین دماغ بہت جلد نتائج اخذ کر لیں گے اور ہمارے لیے نئی مشکلات کا آغاز ہو جائے گا۔ ابھی تک ہمارے ساتھ یہی ہوتا چلا آیا ہے۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" غزالہ نے میری تائید کی "آپ لوگوں کی ہر کامیابی عارضی اور ناپائیدار ثابت

ہوتی ہے۔ ایک فتنے کا سر کچلتے ہیں تو دوسری کوئی بڑی پریشانی سر اٹھانے لگتی ہے۔ یہ سلسلہ کہیں رکتا ہوا نظر نہیں آرہا۔"

"ہمارے چکروں میں جہانگیر بے سبب رگڑا جاتا ہے۔"

سلطان شاہ کو اچانک جہانگیر یاد آگیا "اسے تم سے دوستی کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ اس کی بھی خبر لیتے رہا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بے خبری میں بے موت مارا جائے۔"

"اگر ڈینی نے بروقت اس کی جگہ گولڈن فارمیسی نہ سنبھال لی ہوتی تو وہ اب تک مارا جاچکا ہوتا۔" ویرا نے کہا "اس قدر پُر پیچ اور سازشی فضا میں اس کے لیے صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کرنا دشوار ہوجاتا۔ کئی برسوں سے جمود کی زندگی گزارنے کے باعث اس کے اعصاب کمزور ہوگئے ہیں۔"

میں نے دن میں اول خان کے دفتر سے فون کرکے اسے تاکید کردی تھی کہ وہ میری اگلی ہدایات تک اپنی دکان کو بھول کر گھر تک محدود ہوجائے مگر وہ گفتگو تشنہ رہی تھی۔ ان تینوں کی موجودگی میں، میں اس سے کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اپنے کمرے میں اسے ضرور فون کروں گا۔ اس کے بارے میں ویرا کا تجزیہ سو فیصد درست تھا۔ ایک طرف وہ جمود اور تنہائی کا شکار تھا تو دوسری طرف اس کی بسیار نوشی اس کے اعصاب پر برے اثرات مرتب کررہی تھی۔

واقعات پے در پے رونما ہوتے جارہے تھے۔ ہمارے حصے میں کامیابیاں اور ناکامیاں، دونوں ہی آئی تھیں لیکن آئی مین کی ساری سرگرمیوں کا پس منظر واضح ہوکر سامنے نہیں آرہا تھا۔ ابتدا میں ہماری سوچی سمجھی رائے تھی کہ پاکستان میں شی کو دوبارہ زندہ کرکے ہیروئن کے فروغ کے لیے تیاری کی جارہی ہے مگر راجا اور پھر خالد کے بیانات نے یہ بات بالکل واضح کردی تھی کہ وہ صرف سطحی سرگرمیاں تھیں۔ ان کے پیچھے کیا مقصد کارفرما تھے، یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔

بازار میں ہیروئن کی فراہمی کی ذمے داری راجا کی تھی۔ اس نے اعتراف کیا تھا کہ پراسرار آئی مین اسے ہیروئن کی فروخت پر خسارے کی بھاری رقم ادا کرتا تھا۔ راجا کے پکڑے جانے کے بعد منڈی میں سستی ہیروئن نایاب ہوگئی تھی۔ ہر شخص کو متبادل بندوبست کا انتظار تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہر میں اچانک ہیروئن کا کال پڑگیا۔ چھوٹی چھوٹی پڑیاں خرید کر اپنے نشے کی لت پوری کرنے والے آوارہ گردوں کا نشہ ٹوٹا تو انہوں نے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں شہر میں توڑ پھوڑ اور ہنگامہ آرائی کی کارروائیاں شروع کردیں۔ نظم و ضبط کا مسئلہ پیدا ہوتے ہی پولیس حرکت میں آگئی۔

پھر وہی ہوا جو جلال نے بتایا تھا۔ فساد پر آمادہ ہیرو نئچیوں کو ٹرکوں میں بھر بھر کر سپر ہائی وے پر واقع ایدھی ہوم پہنچایا جانے لگا۔ وہاں ان کی تعداد بڑھی تو نشے کے بجائے دوائیں ملنے پر وہ چراغ پا ہوگئے۔ ایدھی ہوم میں توڑ پھوڑ کرکے سپر ہائی وے پر نکل آئے۔ سڑک پر لیٹ کر ٹریفک جام کردیا۔ ان پر ایک جگہ قابو پایا جاتا تھا تو وہ دوسری جگہ سر اٹھانے لگتے تھے۔ ایک چھوٹے سے مسئلے نے بڑھ کر ایک سنگین صورت اختیار کرلی تھی۔

معاشرتی ماہرین سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور اس مسئلے کے حل میں سرگرداں ہوگئے۔

آئی مین کو یوں سانپ سونگھ گیا تھا جیسے ہیروئن کی وافر مقدار میں سستے داموں فراہمی سے اسے کوئی سروکار نہ ہو۔ وہ پورا منصوبہ صرف راجا کی ذات کے گرد گھوم رہا تھا۔ جب تک وہ آزاد تھا، دھندا چل رہا تھا۔ اس کے بند ہوتے ہی سب چوپٹ ہوگیا۔

ہیروئن بحران کی زد میں آئی ہوئی تھی اور آئی مین بھی میدان میں تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اسے اس بحران سے دلچسپی نہیں تھی تو وہ کراچی میں بیٹھا کیا کررہا تھا۔

میرے ذہن میں دوسرا خیال یہ آیا کہ آئی مین کا اصل ہدف صرف اور صرف میری ذات تھی۔ امریکی ایجنسیاں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود مجھ پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھیں۔ اس کا سبب صرف یہ نہیں تھا کہ میں بہت زیادہ تیز و طرار تھا۔ میری آزادی اور آزاد روی میں اول خان اور جلال جیسے بہت سے مہربانوں کا بھرپور حصہ تھا۔ وہ امریکی اثر و نفوذ کی وجہ سے کھل کر میرا ساتھ نہیں دے سکتے تھے مگر پس پردہ ہر نازک وقت میں میرے مددگار رہے تھے۔

سرکاری ناکامیوں کے بعد آئی مین شی کے احیا کا نعرہ لے کر میدان میں اترا تھا۔ اس نے براہِ راست جہانگیر کو تلاش کرنے کے بجائے شی کے پرانے آدمیوں کو بھاری معاوضوں پر بک جا کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اسے امید رہی ہوگی کہ بات پھیلے گی تو جہانگیر خود اس سے رجوع کرے گا۔ جب ایسا نہیں ہوا تو اس نے خود جہانگیر کی فارمیسی کا کھوج نکال لیا۔ وہ خطرہ میں نے پہلے سے بھانپ لیا تھا۔ آئی مین کے معاون نے فارمیسی میں پہلا قدم رکھا تو میں اس کے استقبال کے تیار تھا۔

معاملات قتل و خوں ریزی کی حدود میں داخل ہوچکے

تھے۔ میں یہ بات اپنی زبان پر نہیں لا سکتا تھا کہ آئی مین نے وہ لمبا بکھیڑا صرف میرے لیے پھیلایا ہوا تھا۔ جس دن بھی وہ مجھے پکڑنے یا مار لینے میں کامیاب ہو جاتا' اپنے سارے مددگاروں کو بھول بھال کر سیدھا امریکا چلا جاتا۔ ویرا منہ پھٹ اور زبان دراز تھی۔ وہ میرے اس نظریے کو خود پسندی قرار دے کر یکسر مسترد کر دیتی۔ میں خود کو ایسی کسی صورت حال میں نہیں پھنسانا چاہتا تھا جہاں ذاتی تصادم کی نوبت آجائے۔

کھانے کے دوران میں میرا ذہن اسی گورکھ دھندے میں الجھا رہا۔ میز پر وہ تینوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے مگر میں خاموشی سے کھانے سے انصاف کرتا رہا۔

کھانے کے بعد ہم چاروں کچھ دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھے ٹیلی وژن دیکھتے رہے۔ گیارہ بجے میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔

میں نے جہانگیر کے گھر کا فون نمبر ملایا تو دوسری طرف سے سلمیٰ کی آواز سنائی دی۔ اس کی آواز مرجھائی ہوئی سی تھی۔

رسمی مزاج پرسی کے بعد اس نے کھلے دل سے اپنی تشویش کا اظہار کر دیا "آج دوپہر کو تم سے بات ہونے کے بعد سے یہ بہت خاموش اور فکر مند ہیں۔ تم نے ان سے کیا کہہ دیا تھا؟"

"میں نے کچھ نہیں کہا۔ آج کل فاریسی دشمنوں کی نگاہوں میں آئی ہوئی ہے۔ جہانگیر کو کسی مصیبت سے بچانے کے لیے میں نے اس کی جگہ لی ہوئی ہے۔ وہ لوگ جہانگیر سمجھ کر میرے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ تین دن سے وہاں روز کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہو رہی تھی۔ آج میں نے غیر معینہ مدت کے لیے فاریسی پر تالے ڈلوا دیے ہیں۔"

"تو کیا اب یہ دوبارہ گھر بیٹھ جائیں گے؟" سلمیٰ کی آواز سے فکر مندی جھلک رہی تھی۔

"چند روز میں حالات قابو میں آجائیں گے تو فاریسی دوبارہ کھل جائے گی۔" میں نے اسے سمجھایا اور پوچھا "جہانگیر کہاں ہے؟"

"وہ سو چکے ہیں۔ آج ان کی باتوں سے مایوسی کی بُو آرہی تھی۔ کہہ رہے تھے کہ ماضی کبھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔"

"اسے سمجھاؤ کہ ایسا نہیں ہوتا۔ اسے ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جو لوگ فاریسی تک پہنچ سکتے ہیں وہ کسی وقت ہمارے دروازے پر بھی دستک دے سکتے ہیں۔" سلمیٰ نے خدشہ ظاہر کیا۔

"اس کا بندوبست کر لیا گیا ہے۔ تمہاری حفاظت کے لیے آج دوپہر سے ایک مسلح گارڈ مامور کر دیا گیا ہے۔ وہ نیچے چوکیدار کے ساتھ رہے گا۔" وہ بندوبست اول خان نے کیا تھا۔ دوپہر میں جہانگیر سے میری بات ہونے کے بعد ہی محسوس کر لیا گیا تھا کہ جہانگیر کی غیر معمولی دیکھ بھال ضروری ہو گئی تھی۔

"وہ نیچے رہے گا۔ یہاں ہم دونوں دن رات ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہیں گے۔ اس وقت تمہاری ذات کو بھی خطرات لاحق ہوں گے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم چند روز کے لیے ہمارے پاس آجاؤ۔ تینوں کا وقت بہت اچھا اور بے فکری میں گزرے گا۔"

"میں پہلے بھی تم کو بتا چکا ہوں کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ میرے پیچھے ہزار بکھیڑے لگے ہوئے ہیں۔ تمہارا صرف ایک مسئلہ ہے۔ میں تم لوگوں سے آن ملا تو میری وجہ سے تمہارے لیے بھی سنگین مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ میں یہ گوارا نہیں کروں گا۔"

"تم بلاوجہ مجھے بہلانے کی کوشش کر رہے ہو۔ سچ بات کیوں نہیں کہتے کہ تم غزالہ سے ڈرتے ہو۔"

"ہر شریف آدمی اپنی بیوی سے ڈرتا ہے لیکن تمہارے معاملے میں مجھے اس سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"اتنے بھولے نہ بنو۔ وہ ہم لوگوں سے تمہارا زیادہ میل جول پسند نہیں کرتی۔ ہر وقت تمہیں گھیرے رکھتی ہے۔"

میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا "میرے اور تم لوگوں کے میل جول پر بھلا اسے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہم ملتے ہیں تو کسی کی چوری نہیں کرتے۔"

"ہمارے دل لاکھ صاف ہوں مگر ہم دوسروں کی سوچ پر پابندی تو نہیں لگا سکتے۔" سلمیٰ کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔

"غزالہ اتنی تنگ نظر نہیں ہے۔ تم ویرا کے بارے میں یہ بات ضرور کہہ سکتی ہو۔"

"عورت کی نظروں کو ایک عورت ہی پہچان سکتی ہے۔ میں تم سے شرط لگا سکتی ہوں کہ غزالہ دل ہی دل میں ویرا سے بھی نفرت کرتی ہوگی۔ وہ ہر اس عورت کو ناپسند کرے گی جو تم سے قریب ہو۔ اس کے لیے مراسم کی کسی خاص نوعیت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ وہ اس گفتگو کو دانستہ طول دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ شاید اس کو ان باتوں سے کوئی حظ

حاصل ہو رہا تھا۔ میں نے یکایک بے اعتنائی اختیار کرتے ہوئے رکھائی سے کہا "تم جو چاہو کہہ سکتی ہو۔ میرا تمہارے گھر منتقل ہونا مشکل ہے۔"

"تم میری بات کبھی نہیں مانتے۔" سلمٰی کی آواز میں اپنائیت کا خمار اُمڈ آیا "ہمارے ساتھ رہ نہیں سکتے تو کم از کم چکر لگاتے رہا کرو۔ تم آتے ہو تو چھیڑ چھاڑ سے ہمارے گھر کا ماحول بالکل بدل جاتا ہے۔"

"میں کوشش کروں گا کہ آتا جاتا رہوں۔ فی الحال یہ بھی مشکل ہے کیونکہ کچھ لوگ میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔"

"میں ہر وقت تمہاری صحت اور سلامتی کے لیے دعائیں کرتی رہتی ہوں۔ تمہاری ذات سے مجھے بڑی ڈھارس رہتی ہے۔"

"بس، میں نے یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ تم دونوں کی مناسب دیکھ بھال ہو رہی ہے۔ تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک احتیاط ضرور کرنا کہ اگلے چند روز تک جہانگیر کو گھر سے باہر نہ نکلنے دینا۔ باہر کی فضا اس کے لیے سازگار نہیں ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔" وہ کھنکتی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولی "آج کل ہمارے درمیان مفاہمت ہو گئی ہے اور اچھا وقت گزر رہا ہے۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ سلمٰی سے بات کر کے میرے ذہن سے ایک ذمے داری کا بوجھ اتر گیا تھا۔

امور خانہ داری سے نمٹ کر غزالہ کمرے میں آئی تو میں مسہری پر نیم دراز ہو کر ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔

"جلال سے آپ کی کیا بات ہوئی؟" اس نے آتے ہی اتنے اعتماد سے سوال کیا کہ میں حیران رہ گیا۔

"میری جلال سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں نے جہانگیر کے گھر فون کیا تھا۔"

"میرا خیال تھا کہ آپ جلال کو فون کرنے کے لیے اپنے کمرے میں آئے ہیں۔ شام کو آپ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ پہلی فرصت میں اسے تازہ ترین صورت احوال سے باخبر کریں گے۔" غزالہ نے بستر پر میرے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

میں نے جذبات سے مغلوب ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور کھلے دل کے ساتھ اس کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا "بیوی اگر سمجھ دار ہو تو آدمی کو سیکریٹری کی ضرورت نہیں رہتی۔ بیوی اس کی ہر ضرورت، سہولت اور آسائش کا خیال رکھتی ہے۔"

"جلال کو فون کر لیں۔" غزالہ نے میرے تیور دیکھ کر مسکراتے ہوئے، نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا "وہ آپ کی کال کا انتظار کر رہا ہوگا۔"

میں نے جلال کا نمبر ملا لیا۔ وہ بہت بے چینی سے میری کال کا انتظار کر رہا تھا "تم کہاں غائب ہو۔ میری اطلاع کے مطابق تمہیں فالکن ہاؤس سے نکلے بہت دیر ہو چکی ہے۔"

"تم نے تو اپنے آدمی وہاں سے ہٹا لیے تھے۔ اس کے بارے میں تم کیا جانو!" میں نے حیرت سے کہا۔

"آدمی ہٹانے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں نے اس طرف سے اپنی آنکھیں موند لی ہیں۔ بس میرے آدمی غیر فعال ہوئے تھے ورنہ وہاں رونما ہونے والے واقعات پر ان کی گہری نظر تھی۔ وہ مجھے سنسنی خیز خبریں سناتے رہے ہیں۔"

"پھر تو تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ میں وہاں کس روپ میں گیا تھا۔"

"صحیح اطلاع نہیں مل سکی مگر میرا خیال ہے کہ فقیروں کی جوڑی میں سے ایک تم تھے۔"

"اگر صحیح اطلاع نہیں ملی تو تم نے میرے بارے میں کیسے اندازہ لگا لیا؟" اس کے ہر جواب میں سے کوئی نہ کوئی سوال نکلا چلا آ رہا تھا۔

"پوری ٹیم میں صرف ایک عورت تھی جو فقیرنی کا روپ دھارے ہوئے تھی۔ وہ ویرا کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ اس کے ساتھ تم سب سے پہلے فالکن ہاؤس میں گھسے ہو گے۔"

"یوں کہو کہ تمہیں دور دور سے خبریں مل رہی تھیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"میں یہی کہہ رہا ہوں۔ اندر کیا ہوا، اس بارے میں میری معلومات صفر ہیں۔"

"صفر سے زیادہ ہوں گی۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"آئی مین کے فرار کی خبر ہر طرف پھیل گئی تھی۔"

"ایس ٹی ایف والے اس کی تلاش میں بوکھلائے پھر رہے تھے۔ یہ چھپنے والی بات نہیں تھی۔" اس نے اعتراف کیا۔

"کیا اس اطلاع میں کوئی وسیع تر مفہوم پنہاں نہیں تھا؟" میں نے پوچھا۔

"تم مجھے بلاوجہ الجھا رہے ہو۔ یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ فالکن ہاؤس میں تمہاری ٹیم کامیاب رہی ہے اور آئی مین بھاگ نکلا ہے۔ یہ بتاؤ کہ دوسروں کا کیا بنا۔"

"وہاں کم از کم دو فائر ہوئے تھے اور کچھ چیخیں بھی گونجی تھیں.....

اس نے میری بات درمیان سے اڑا دی "وہاں چار دیواری میں جو کچھ ہوا وہ پردے میں ہے۔ پولیس افسران سخت رازداری سے کام لے رہے ہیں۔"

"تو کیا دوسری ایجنسیوں کو اس قصے سے الگ تھلگ رکھا جارہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرے آدمی اپنی باضابطہ شناخت ظاہر کرکے اندر تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں مگر میں نے روک دیا ہے۔ میں آئی بی کو اس چکر میں ملوث نہیں کرنا چاہتا۔"

"تم چاہو یا نہ چاہو' مجھے یہ معاملہ پولیس کے بس سے باہر نظر آرہا ہے۔ یہ خالص آئی بی کا کیس ہے۔"

"اوپر سے آرڈرز آئیں گے تو دیکھا جائے گا۔" اس کا جواب بے پروایانہ تھا "اس وقت میں جو کچھ پوچھ رہا ہوں وہ میری ذاتی تسکین اور دلچسپی کے لیے ہے۔ ابھی میں گاڑی نکال کر فالکن ہاؤس کے پھاٹک پر پہنچ جاؤں تو کوئی مجھے اندر جانے سے نہیں روکے گا مگر میں ایسا نہیں کرنا چاہتا۔"

"یہ تمہاری اپنی مصلحتیں ہیں جو میری سمجھ سے باہر ہیں۔ اگر تم آئی مین کے فرار کو بھول سکو تو آج کا آپریشن بہت بھرپور اور کامیاب رہا ہے۔"

"اسے کیسے بھلایا جاسکتا ہے؟ وہ تم لوگوں کا اصل ہدف تھا۔"

"اس وقت میں ناکامی کا یہی سوگ منا رہا تھا۔ کچھ بھی نہ ہوتا مگر وہ ہاتھ آجاتا تو مجھے بہت خوشی ہوتی۔"

"تمہاری فقیرنی تو شراب سے اپنا غم غلط کررہی ہوگی!" اس نے ویرا کا نام لیے بغیر پوچھا۔

"تم لاہور میں اس کی میزبانی کرچکے ہو۔ اس کی یہ بری عادتیں تمہارے علم میں ہیں۔" میں نے بے بسی سے کہا "شرابی کی خوشی کے ساتھ غم کی انتہا بھی بھرے ہوئے پیمانے پر ہوتی ہے۔ فرق صرف ہنسنے اور رونے کا ہوتا ہے۔ اسے بھی آئی مین کے نکل جانے کا قلق ہے۔"

"جیک کا کیا بنا؟" جلال کو براہِ راست وہ سوال کرنا پڑ گیا۔ میں واقعات کے تیز بہاؤ میں الجھ کر یہ بنیادی نکتہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ فالکن ہاؤس میں جیک اور ڈیلٹا فورس کے کمانڈوز کی موجودگی کی اطلاع اسی نے دی تھی اور ہم نے بروقت اپنے منصوبے پر نظرِ ثانی کرلی تھی۔ جیک کی وہاں موجودگی میں اگر ہم محض پانچ نفری ٹیم کے ساتھ اور کوئی سوانگ رچائے بغیر مہم جوئی کی کوشش کرتے تو ہمارے لیے حالات پر قابو پانا ناممکن ہوجاتا۔

"وہ میرے ہاتھوں بیم گن سے مارا گیا۔" میں نے اسے برجستہ جواب دیا۔

"براوو...!" میرے کانوں میں جلال کی بے ساختہ اور مسرت آمیز آواز گونجی "یہ آئی مین کے پکڑے جانے سے زیادہ بڑا کام ہوا ہے۔ اس کی لاش اس کی وہاں موجودگی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ ہم یہ پوچھنے کے حق دار ہوگئے ہیں کہ ایف بی آئی کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر آئی مین کے اڈے پر کیا کررہا تھا۔"

"وہی نہیں۔ اس کے دونوں کمانڈوز بھی اسی عبرت ناک انجام سے دوچار ہوئے ہیں۔" میں نے اسے مطلع کیا۔

"کیا وہ بھی بیم گن کا شکار ہوئے ہیں؟" جلال نے تیزی سے متجسس لہجے میں دریافت کیا۔

میں نے اسے ہلاک اور قید ہونے والوں کے بارے میں پوری تفصیل ایک ہی بار بتادی۔

"تم اسے ناکامی کہہ رہے ہو' شاید یہ تمہاری سب سے شاندار کامیابی ہے۔ تم نے ان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔ صرف ایک گڑبڑ ہوئی ہے کہ جیک کی موت کے بعد فالکن ہاؤس میں دوسری بیم گن کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت شہر کے ہر باخبر آدمی کو معلوم ہے کہ آئی مین کے علاوہ دوسری بیم گن تمہارے پاس ہے۔"

"یہ بات میں نے بھی محسوس کرلی تھی۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "میں نے کوشش کی ہے کہ لاش کی پوزیشن بدل کر یہ ظاہر کیا جائے کہ جیک کو آئی مین نے مارا ہے۔"

"ایسا ہوجائے تو اسے لینے کے دینے پڑجائیں گے۔" جلال خوش ہوگیا۔ تفصیلات جاننے کے ساتھ اس کی آواز میں ایک نیا ولولہ پیدا ہوگیا تھا۔ "ذرا ایک مرتبہ ترتیب وار سارے واقعات بتاتے چلے جاؤ تاکہ میں اپنے ذہن میں کوئی نقشہ جماسکوں۔ سنا ہے کہ کچھ دیر کے لیے وہ عمارت اندھیرے میں ڈوب گئی تھی۔"

وہ واقعی بے خبر تھا اور پوری طرح میرے فون پر انحصار کیے بیٹھا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ باتوں میں الجھ کر وہ اپنا وہ ابتدائی سوال بھول گیا تھا جو میرے فون میں تاخیر کے بارے میں تھا۔

ان واقعات کے بارے میں میری یادداشت بالکل تازہ تھی۔ میں اپنے ذہن پر کوئی زور ڈالے بغیر اسے تسلسل کے ساتھ پوری کہانی سناتا چلا گیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اتنی تفصیل کیوں کرید رہا تھا۔ ایس ٹی ایف والوں نے اپنی کارروائی کا سہرا عارضی طور پر پولیس کے سر پر سجا دیا تھا مگر پولیس والے اپنے تمام وسائل بروئے کار لاکر بھی اس

معاملے کو نہیں سنبھال سکتے تھے۔ بین الاقوامی سازشوں کی کڑیاں ملانا ان کی بساط سے باہر تھا۔ آخر کار وہ معاملہ آئی بی کے سپرد ہوتا نظر آرہا تھا۔ وہ مرحلہ آنے سے پہلے جلال پوری طرح باخبر رہنا چاہ رہا تھا تاکہ کیس اس کے محکمے کے پاس آجانے کے بعد اسے مبتدی کی طرح اندھیرے میں ہاتھ پیر نہ مارنے پڑیں۔

''وہاں جو کچھ ہوا ہے اس سے بہتر نہیں ہو سکتا تھا۔ اول خان ہوشیار آدمی ہے۔ وہ تمہارا مقصد سمجھ گیا ہوگا۔ جیک کی لاش کی بدلی ہوئی پوزیشن گواہی دے گی کہ اسے گھر کے اندر سے 'اندر ہی کے کسی آدمی نے مارا ہے۔''

''وہ لوگ اس شہادت پر آئی مین کے بیان کو ترجیح دیں گے۔'' میں نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ وہ لاکھ انکار کرتا رہے' جیک کے افسران اس پر اعتبار نہیں کریں گے۔ وہ اسے زیادہ سے زیادہ یہ رعایت دے دیں گے کہ اس نے جان بوجھ کر جیک کو نہیں مارا ہوگا۔ وہ اندھیرے یا غلط فہمی کی وجہ سے آئی مین کی بیم گن کا نشانہ بن گیا۔''

''یہ نظریہ ہمارے حق میں جائے گا۔ ان کی توجہ میری طرف مبذول نہیں ہوگی۔''

''تم نے خود کو بہت کامیابی سے چھپایا ہوا ہے۔ آئی مین کو قطعی اندازہ نہیں ہو سکا ہے کہ تم خود میدان میں موجود ہو اسی وجہ سے اس نے اپنی پوری توجہ جہانگیر اور اس کی فارمیسی پر مرکوز کی ہوئی تھی۔ اب دیکھنا ہے کہ وہ آج کے واقعات پر کس ردِ عمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔''

''آج بھی اس کی شخصیت کا راز اپنی جگہ برقرار رہا۔ ہم میں سے کوئی اس کا چہرہ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔'' میں نے افسوس کا اظہار کیا ''ابھی تک کوئی ایسا شخص ہاتھ نہیں آسکا جو اس کے نام و نشان پر کوئی روشنی ڈال سکے۔ ہمارے لیے وہ بس ایک نام بنا ہوا ہے۔ آئی مین سے آگے ہم کچھ نہیں جانتے۔''

''یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ان کے لیے تمہارے نام کی یہی حیثیت ہے۔ وہ تمہارے بارے میں کیا جانتے ہیں؟''

''کیلی اس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ میری ساری توقعات اس کی ذات سے وابستہ ہیں۔ وہ بہت سے رازوں پر سے پردہ اٹھا سکتی ہے۔''

''تم درست سمت میں سوچ رہے ہو۔ اسے صحیح طریقے سے ہینڈل کیا گیا تو بہت کام کی عورت ثابت ہو سکتی ہے۔''

جلال نے میری تائید کی۔

''اسے پولیس کی تحویل کے بجائے صدف مینشن میں پہنچنا چاہیے۔'' میں نے جلال کے مقامی قید خانے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ''پولیس والے تشدد کے ذریعے ملزموں کی زبان کھلوانے کا فن جانتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں شاید باریک نفسیاتی حربوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔''

''مجھے ایک بات سے تسلی ہے کہ کیلی کوئی سفارتی ملازم نہیں ہے۔ وہ آئی مین کے ساتھ ماری ماری پھر رہی تھی۔ شاید عام شہری کی حیثیت سے پاکستان آئی ہوگی۔ اسے پولیس کی قید سے بھی فوری طور پر رہائی نصیب نہیں ہو سکے گی۔ اول خان اس پر ایسی دفعات لگوا سکتا ہے کہ ریمانڈ پورا ہو جانے کے بعد بھی اس کی ضمانت نہ ہو سکے۔ ممکن ہے کہ اس دوران میں تمہارے اندازے درست ثابت ہوں اور کیس ہمارے پاس آجائے۔'' جلال نے کہا۔

''آئی مین کی ذات سے اسرار کے پردے سرک جائیں تو اس پر ہاتھ ڈالنا آسان ہو جائے گا۔''

''فکر نہ کرو۔'' جلال کی آواز ناصحانہ ہو گئی ''میں تمہارے اضطراب کو سمجھ رہا ہوں۔ جال میں پھنسا ہوا شکار جس قدر زیادہ اچھل کود کرتا ہے' جال میں اتنا ہی زیادہ پھنستا چلا جاتا ہے۔ آئی مین کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تیزی نے اسے یہاں تک پہنچا دیا ہے۔ چند روز میں وہ پکڑا جا سکتا ہے۔ کیلی کی حالت نازک تو نہیں تھی؟''

''دیوار پر چڑھتے ہوئے اس کے کولہے پر گولی لگی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ہڈی کو بھی نقصان پہنچا ہو۔'' میں نے اسے بتایا ''میرے چلنے تک اس کے زخم سے خاصا خون بہہ رہا تھا اور وہ بے ہوش ہو چکی تھی لیکن اس کے مرنے کا کوئی آثار نہیں تھے۔''

''ہمیں پرامید رہنا چاہیے۔'' کیلی کی بات کرتے کرتے اس نے چونک کر موضوع بدل دیا۔ ''آئی مین تمہاری مصروفیات سے بے خبر ہے اور جہانگیر کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اپنے دوست کا خیال رکھنا۔ اس وقت وہ براہِ راست سنگین خطرات کی زد میں آیا ہوا ہے۔''

''وہ ایک محفوظ اپارٹمنٹ میں رہتا ہے۔ وہاں ایس ٹی ایف کے ایک مسلح گارڈ کا اضافہ کر دیا گیا ہے.....''

''کافی ہے۔'' وہ میری بات کاٹ کر بولا ''خطرے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ تمہارے دوست کے خلاف لشکر کشی کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی خطرناک شکاری اس تک پہنچنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اسے روکنے کے لیے ایک ہوشیار گارڈ

بھی کافی ہوگا۔ کراچی کی نئی رہائشی عمارتوں کا حفاظتی سسٹم مجھے بہت پسند آیا ہے۔"

"تم کراچی میں کب تک مقیم ہو؟" میں نے پوچھا۔ اس کی طویل گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا کہ اپنے معمول کے برعکس اسے اس وقت کوئی اور مصروفیت درپیش نہیں تھی۔

"آج رات نائٹ کوچ سے اسلام آباد نکل جاؤں گا۔ مجھے یہاں رکے ہوئے کئی دن ہو چکے ہیں۔"

"شاید تم ونود سے نمٹنے کے لیے یہاں رکے ہوئے تھے!" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"وہ بھی ایک سبب تھا۔" اس نے اقرار کیا "مگر مجھے دوسرے کام بھی درپیش تھے۔"

"پھر آئی مین کے کیس کا کیا بنے گا؟" اس کی واپسی کی وجہ سے وہ سوال ضروری ہو گیا تھا۔

"میں ہمیشہ کے لیے نہیں جا رہا۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری "جب ضرورت ہوئی، کراچی لوٹ آؤں گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ کراچی میں ہمارا باقاعدہ کیمپ آفس موجود ہے۔ احکامات آنے پر مقامی پولیس سے وہی کیس لے گا۔ ملزموں بلکہ مجرموں کا مہمان خانہ تم دیکھ ہی چکے ہو۔"

"آج تم نے چوہڑا کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" مجھے اچانک وہ بھولا ہوا موضوع یاد آ گیا۔

"آئی مین کی وجہ سے وہ پس منظر میں چلا گیا ہے.... فی الحال تم اسے بھولے رہو تو بہتر ہوگا۔" جلال نے مشورہ دیا۔

"کم از کم پتا تو چلنا چاہیے کہ اس پر محنت کرنے کا کیا نتیجہ برآمد ہوا ہے۔" میں نے اصرار کیا۔

"جب تک وہ کراچی میں تھا، اکڑ فوں دکھا رہا تھا۔ اندرونِ سندھ منتقلی کے بعد اسے رام یاد آ گیا ہے اور اس نے سب کچھ اگلنا شروع کر دیا ہے۔"

"وہ بارہ برس سے خفیہ طور پر را کے لیے کام کر رہا ہے تو اس کا سینہ بہت سے ناموں اور رازوں کا مدفن ہوگا۔"

"بہت کچھ سامنے آ چکا ہے۔ وہ مزید بولے گا۔ تفصیل میں بعد میں بتاؤں گا۔ باتوں ہی باتوں میں بہت وقت گزر چکا ہے۔ ابھی مجھے گیسٹ ہاؤس جا کر اپنا سامان بھی اٹھانا ہے۔" میری خواہش تھی کہ گفتگو کا وہ سلسلہ مزید کچھ دیر تک چلتا رہے لیکن میں اسے مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اس کا عذر قبول کر لیا۔

"تم کراچی کے کس گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرتے ہو؟" میں نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"قصرِ ناز میرا پسندیدہ سرکاری ٹھکانا ہے۔ وہاں بہت سے شہروں سے آئے ہوئے دوستوں سے ملاقات بھی ہو جاتی ہے۔ سروس میں تبادلوں اور کیڈر کی تبدیلی کی وجہ سے سب لوگ پورے ملک میں دور تک بکھر گئے ہیں۔ بس کبھی کبھی اسی طرح ملاقات ہو جاتی ہے۔"

چوہڑا کے بارے میں ہماری گفتگو تشنہ رہ گئی اور پرجوش الوداعیہ گفتگو کے بعد وہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ غزالہ تیزی سے بستر سے اتر کر کرسی پر جا بیٹھی۔ میں نے آواز لگائی اور ویرا دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے؟" میں نے منہ بنا کر بے اعتنائی سے پوچھا۔

"کس سے باتیں ہو رہی تھیں فون پر؟" اس نے میرے طنز کو نظرانداز کر کے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تو تم دروازے سے کان لگا کر ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہی تھیں؟" مجھے اس پر واقعی غصہ آ گیا۔

"میں اتنی جاہل اور بدتہذیب نہیں ہوں۔ تم سے کچھ پوچھنے کے لیے آئی تھی۔ فون پر بات کرنے کی آوازیں سنیں تو دروازے پر رک گئی۔"

"کسی خواب گاہ کے بند دروازے پر کھڑا ہونا ہی کھلی بدتہذیبی ہے۔ کیا پوچھنا تھا تم کو؟" میں نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ کیلی کو پولیس کی تحویل سے نکال کر اسٹیشن فوراً پہنچا دیا جائے؟" اس نے سوال کیا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس وقت یہ نادر خیال تمہارے ذہن میں کیوں آیا؟"

"ہماری فالکن ہاؤس سے روانگی تک وہ بے ہوش تھی۔" اس نے مسہری کے ایک سرے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی تک بے ہوش ہو۔ اس کے ساتھ ہم راجا والا ڈراما کر سکتے ہیں۔ پولیس والوں کی جرح پر وہ خوف زدہ ہو کر شدید مزاحمت کرے گی۔ دوستانہ فضا میں آئی مین کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتی ہے۔"

"شاید آج تم نے زیادہ پی لی ہے۔ یہ موٹی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ راجا شہر کا ایک معروف بدمعاش ہے، جس پر جوشی کے قتل کا الزام تھا۔ اسے ہم من مانے طریقے سے رگڑ سکتے تھے۔ کیلی غیر ملکی ہے۔ اس کے ساتھ جانے والی کوئی بھی خلافِ قانون حرکت ہمارے گلے پڑ سکتی ہے۔"

"ہاں! یہ بات تو ہے۔" میری پہلی ہی دلیل پر ویرا کا

سارا جوش رخصت ہو گیا اور اس کا منہ لٹک گیا۔
"بس تو پھر جا کر آرام کرو۔" میں نے بے رخی سے کہا۔
"یہ یاد رکھنا کہ اس وقت کیلی' آئی مین کے خلاف سب سے مضبوط گواہ ہے۔"
"یہ بات ہر وہ شخص جانتا ہے جس کے پاس ذرا سی بھی عقل ہے۔" میرا جارحانہ لہجہ برقرار رہا۔
"تم کس سے بات کر رہے تھے؟" اس نے کسی خراب ردِ عمل کا مظاہرہ کیے بغیر تحمل سے پوچھا "میں نے تمہاری زبان سے دو تین بار کیلی کا نام سنا تھا۔"
"تو میرا خیال ٹھیک تھا کہ تم دروازے سے لگی' کن سوئیاں لے رہی تھیں۔"
اس بار ویرا چیخ کر بستر سے اتر گئی "معلوم ہوتا ہے کہ میں غلط موقع پر آئی ہوں۔ تم بلاوجہ مرچیں چبا رہے ہو۔"
وہ میرے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے سے نکلتی چلی گئی۔ اس نے دروازہ بند کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ میں اس پر دانت پیس کر رہ گیا۔
"یہ عورت بعض اوقات آپ کو بھی زچ کر دیتی ہے۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا۔
"ہمیشہ ہی وہ ایسے رویّے کا مظاہرہ کرتی ہے۔" میں نے تلخی سے کہا "میں اسے طرح دے جاتا ہوں۔ کبھی کبھی میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔"
"آپ نے خود ہی ڈھیل دے کر اسے سر چڑھایا ہے۔ اب اس کی حرکتیں اور باتیں آپ کو ناگوار گزرنے لگی ہیں۔" غزالہ کو ویرا کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالنے کا موقع مل گیا "اس کے لیے سلطان شاہ ٹھیک ہے۔ وہ اسے کبھی معاف نہیں کرتا۔"
"وہ دوسری انتہا پر چل رہا ہے۔ کبھی کبھی اس کے جارحانہ تیور میرا موڈ خراب کر دیتے ہیں۔"
"یہ نہ کہیں۔ وہ ویرا کی صلاحیتوں کی دل سے قدر کرتا ہے لیکن اس کے بڑبولے پن سے عاجز آیا ہوا ہے۔ بس ... سے زیادہ بولنے نہیں دیتا۔ میں ایمان داری سے یہ سمجھتی ہوں کہ صرف ایک طریقے پر عمل کر کے اس گھر کا ماحول بہتر ...ایا جا سکتا ہے۔"
"میں نے تمہاری ہر معقول تجویز پر عمل کیا ہے۔" اس ... سے باتیں کرتے ہوئے میرا پارا دھیرے دھیرے نیچے آ رہا تھا ... تمہارے ذہن میں کیا حل ہے۔"
"ہمیں بلاوجہ ایک دوسرے پر مسلط رہنے کے بجائے ...نی فطری اکائیوں میں تقسیم ہو جانا چاہیے۔"

المیہ یا طربیہ؟

افضل خان عرف جان ریمبو فلموں میں آئے تو کسی نے پوچھا "آپ کی پہلی فلم کامیڈی ہے یا ٹریجڈی؟"

"اگر ہٹ ہو گئی تو کامیڈی .... ورنہ ٹریجڈی ...." انہوں نے جواب دیا۔

"ہائیں۔" میں نے آنکھیں نکال کر حیرت سے کہا "اب تم نے اچانک اتنی گاڑھی اردو بولنی شروع کر دی۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا!"
"بلاوجہ بننے کی کوشش نہ کریں۔ میری بات آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔"
"قسم لے لو جو میں خاک بھی سمجھا ہوں۔" میں نے ایمان داری سے جواب دیا۔
"میرے اور آپ کے درمیان بہت مضبوط رشتہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا...."
وہ آگے کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی "مضبوط رشتے صرف وہی ہوتے ہیں جو خون سے تعلق رکھتے ہیں۔ باقی کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جب تک سانس میں سانس ہوتا ہے' میاں بیوی کا رشتہ سب سے گہرا نظر آتا ہے۔ ایک فریق کے سانس کی لڑی ٹوٹ جائے تو وہ دوسرے کے لیے اسی لمحے نامحرم ہو جاتا ہے' ہر تعلق اور رشتہ ٹوٹ جاتا ہے...."
"آپ بہت زیادہ باریکی میں چلے گئے۔" وہ اپنا سر جھٹک کر ایک ادا سے ہنستے ہوئے بولی "میں اتنا آگے کی بات نہیں کر رہی تھی۔"
"جب سے آئی مین کا چکر چلا ہے میں زیادہ دور تک سوچنے لگا ہوں۔" میں نے ہنس کر اقرار کیا۔
"وہ دونوں اکیلے ہیں اور آپس کے اختلافات کے باوجود ان میں اچھا نبھاؤ ہو رہا ہے۔ یہ مکان ان دونوں کے حوالے کر کے ہمیں ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔ وہ بھی خوش رہیں گے اور ہماری زندگی بھی پرسکون ہو جائے گی۔"
"اس بارے میں شاید پہلے بھی بات ہوئی تھی اور ویرا یکایک جذباتی ہو گئی تھی۔"
"آپ کو اس کے جذبات کی پروا کیے بغیر ایک بار سختی سے اپنا فیصلہ نافذ کر دینا چاہیے۔" اس نے اپنی دو ٹوک

رائے دے دی۔

"میں اس نکتے پر غور کروں گا۔" میں نے بات آگے بڑھانے کے بجائے وہ موضوع وہیں ختم کردیا۔

ویرا کا مسئلہ اتنا سیدھا اور سہل نہیں تھا جتنا غزالہ سمجھ رہی تھی۔

ہم لوگوں سے ویرا کے مراسم کی جڑیں بہت گہری تھیں اور شی کے عروج کے دنوں میں پھلی پھولی تھی جب وہ بلیک کوئین کے روپ میں ہماری مطلق العنان حاکم ہوا کرتی تھی۔ وہ عزت، شرم اور حیا کے مشرقی تصور سے یکسر نا آشنا تھی کیونکہ اس کے ناجائز باپ نے اس کی تربیت روم کے رنگین مزاج امرا کے ان عشرت کدوں میں کی تھی جہاں خوب صورت لڑکی کو ایک کھلونا تصور کیا جاتا ہے جس سے ہر ایک حسب توفیق کھیلتا تھا اور دل بھر جانے پر کسی نئے کھلونے کی طرف متوجہ ہوجاتا تھا۔

وہاں جمی لائیڈ نے ڈان مرسیانو کے گندے روپ میں اتالیق بن کر ویرا کو یہ گر سکھا دیا تھا کہ زندگی کی دوڑ میں وہی عورتیں کامیاب ہوتی ہیں جو مخمور و مسحور مردوں کے قدموں میں جھکنے کے بجائے انہیں اپنے قدموں میں جھکانا جانتی ہوں۔ ویرا نے اپنی اداؤں سے کھیلنا شروع کردیا اور رفتہ رفتہ مردوں کی شکاری بن گئی۔

کھلونا کھلاڑی بن جائے تو سب کچھ بدل کر رہ جاتا ہے۔

ویرا اپنی پسند کے مردوں کو لبھاتی، رجھاتی، جھکاتی اور پھر یکسر فراموش کردیتی تھی۔ نہ جانے کس بنا پر اس کی نگاہِ انتخاب مجھ پر بھی پڑ گئی اور اس نے ڈان مرسیانو سے سیکھے ہوئے گر میرے اوپر آزمانے شروع کردیے۔

اس نے ہر جتن کر ڈالا مگر ناکام رہی اور پھر انتقام کے طور پر پکا ایک کھلونا بن گئی کیونکہ وہ ہر قیمت پر مجھے زیر کرلینا چاہتی تھی۔

ہماری دوستی بڑھتی چلی گئی مگر وہ صرف دوستی ہی رہی۔ ویرا... اپنے ذہن میں سپنوں کے نہ جانے کون کون سے مندر بناتی رہی۔

میں اپنے بارے میں اس کے جذبات سے کبھی بے خبر نہیں رہا۔ وہ بھی جانتی تھی کہ میں دل وجان سے غزالہ کو چاہتا تھا۔ اس نے غزالہ کو مجھ سے دور کرنے کی ہر کوشش کی مگر بری طرح ناکام رہی اور آخر کار مکاؤ میں مافیا کے ایک ڈان نے زبردستی میرا اور غزالہ کا نکاح پڑھوا دیا۔

غزالہ سے شادی کے بعد ویرا نے ہار مان لی مگر مجھ سے قریب رہنے کی آرزو کو اپنے دل سے نہ نکال سکی۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے وہ جمی لائیڈ اور شی سے بغاوت تک پر آمادہ تھی۔

میں نے شی پر کاری ضرب لگانے کی نیت سے ویرا کو ایک قریبی دوست کے روپ میں قبول کرلیا۔

میری نیت اور فیصلے کے اسباب کچھ بھی رہے ہوں، ویرا محض میری وجہ سے ہمارے ساتھ ملی تھی۔ وہ کبھی یہ گوارا نہ کرتی کہ میں اسے الگ کرکے سلطان شاہ کے رحم وکرم پر چھوڑ دوں۔ وہ ہر وقت میرے قرب کے سرور میں کھوئی رہتی تھی۔ اس کی زبانی بے اعتدالیوں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ عملی طور پر وہ محتاط رہتی تھی لیکن کبھی کبھی، تنہائی میں موقع ملنے پر اچانک بے لگام اور بے نیام ہوجاتی تھی۔

میں نے محض غزالہ کا دل رکھنے کے لیے اس کی تجویز کو التوا میں ڈالا تھا ورنہ میں جانتا تھا کہ اس پر عمل کرنا ناممکن تھا۔ ویرا کو بھنک بھی مل جاتی کہ میں اس سے پیچھا چھڑانا چاہ رہا تھا تو وہ بدک کر خود ہی ہمارا ساتھ چھوڑ دیتی۔ حسین اور مہربان ہونے کے ساتھ وہ منتقم مزاج بھی تھی۔ لڑنے مرنے کے ہر فن میں طاق تھی۔ ہمارے ساتھ رہ کر ہماری ہر کمزوری سے واقف ہوچکی تھی۔ وہ ہمارے دشمنوں سے جاملتی تو ہمارے لیے نئے مصائب پیدا ہوسکتے تھے۔

میں وہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

اچانک گھر میں گونجنے والی ڈور بیل کی آواز نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔ خواب گاہ کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے سے کسی کا سایہ گزرا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ سلطان شاہ رہا ہوگا۔ وہ گھر میں موجود ہوتا تھا تو آنے والوں کی پیشوائی کا فرض خود ہی سنبھالتا تھا۔

مختلف آہٹوں اور آوازوں کے بعد میرے کانوں میں اول خان کی آواز آئی تو میں نے اچھل کر بستر چھوڑ دیا۔

اول خان سلطان شاہ کے ساتھ ڈرائنگ روم کی طرف آرہا تھا۔

اول خان نے تھکی ہوئی اور مجروح آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور پھر مضمحل سی آواز میں بولا "آئی مین نے جوابی وار کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ کسی نے گولڈن فاریسی میں پیٹرول ڈال کر آگ لگادی ہے۔ دکان دھوئیں اور شعلوں میں گھری ہوئی ہے۔"

وہ بہت بری خبر تھی۔ میں سناٹے میں رہ گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

وہ کوئی معمولی خبر نہیں تھی۔

شہر میں آئے دن آتش زنی کی کتنی ہی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں۔ کہیں بجلی کے شارٹ سرکٹ سے آگ لگ جاتی ہے تو کہیں اتفاق سے مٹی کے تیل کا چولھا بھڑک اٹھنے سے آگ بے قابو ہو کر بہت تیزی سے پھیل جاتی ہے۔ شہروں میں ایسا نہیں ہوتا کہ ایک فریق اپنے شاہانہ غرور میں چور ہو کر مخالفوں کے گھر بار یا جائے روزگار کو آگ لگوا دے اور دور کھڑے ہو کر ان کی بے بسی اور مظلومیت سے محظوظ ہوتا رہے۔

ہم کسی لاقانون جنگل یا اس سے ملحق گاؤں میں نہیں رہ رہے تھے اس لیے اول خان کی لائی ہوئی اس خبر نے ہمیں بھونچکا کر دیا۔ یہ بدمعاشی اور دیدہ دلیری کی انتہا تھی کہ ایک غیر ملکی ہمارے شہر میں پوری آزادی کے ساتھ دندناتا اور من مانیاں کرتا پھر رہا تھا اور ہم باریک قانونی موشگافیوں میں الجھ کر اسے لگام دینے سے قاصر تھے۔

میرے اور جہانگیر کے بارے میں وہ ضرور بے بس تھا مگر دوسری کارروائیوں میں کوئی اسے روک نہیں سکا تھا۔ بی باون میں اس کی روپوشی کا راز فاش ہونے کے بعد اس نے راہِ فرار ضرور اختیار کر لی تھی لیکن اس کے تیور مزید جارحانہ بلکہ خطرناک ہو گئے تھے۔ اس نے پوری بے خوفی کے ساتھ اپنی دانست میں جہانگیر کو گولڈن فارمیسی سے اٹھالے جانے کا منصوبہ بنایا تھا جو محض اس وجہ سے ناکام ہو گیا کہ جہانگیر خانہ نشین ہو گیا تھا اور میں نے اس کی جگہ سنبھال لی تھی۔

لی مارکیٹ کے مخدوش علاقے سے افراتفری کے عالم میں فرار ہونے کے بعد آئی مین نے ذرا بھی توقف نہیں کیا تھا۔ فالکن ہاؤس کی محفوظ چار دیواری میں محصور ہو کر وہ جیک اسمتھ کے ساتھ کسی نئی اور مکّارانہ سازش میں مصروف ہو گیا تھا۔

یہ اس کے ستاروں کی گردش تھی کہ اسے فالکن ہاؤس میں زیادہ دیر تک پناہ نہ مل سکی۔ ہم لوگ اس کی بے خبری میں وہاں ٹوٹ پڑے۔ فالکن ہاؤس کے احاطے میں چوکیدار اور ایک کمانڈو پر کیا گزری، اس کی اندر والوں کو بھنک تک نہیں مل سکی۔ ہمارے اندر گھسنے کے بعد ہی اسپیشل ٹاسک فورس والوں نے میری ہدایت کے مطابق دوسرے کمانڈو کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ایس ٹی ایف والوں نے امریکی ایلیٹ فورس کے دوسرے کمانڈو کو مارنے کے لیے گولی چلائی تھی۔ اس فائر کی پُرہول گونج سے بوکھلا کر جیک اپنی خواب گاہ سے باہر نکلا اور میری بیم گن کا نشانہ بن گیا۔

امریکا کی ڈیلٹا فورس کے دو کمانڈوز کی فالکن ہاؤس میں موجودگی پر شاید جیک اور آئی مین کو بہت گھمنڈ تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ اندھیرے اور اجالے کی پروا کیے بغیر، اپنے جدید ترین ہتھیاروں سے دشمن پر موت برسانے والے دونوں کمانڈوز آسانی سے مار لیے جائیں گے اور ان کے نامعلوم دشمن ان کی کمین گاہ میں گھسنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس رات وہ ان ہونی بات ہو ہی گئی تھی۔ جیک کو اپنے غرور کی قیمت موت کی صورت میں ادا کرنی پڑی مگر آئی مین لومڑی کی طرح چالاک بلکہ مکّار ثابت ہوا۔ اس نے فضا میں بارودی دھماکے کی آواز سنتے ہی مکان کی بجلی منقطع کی اور کیلی کے ساتھ بھاگ نکلا۔

کیلی کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ زخمی ہو کر پکڑی گئی مگر آئی مین مکھن میں سے بال کی طرح صاف نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔

فرار ہوتے ہوئے اسے قطعی علم نہیں ہو سکا ہوگا کہ اس نے ہمارے ہاتھوں کتنا نقصان اٹھایا تھا مگر اسے یہ اندازہ ضرور ہو گیا ہوگا کہ امریکا سے درآمد کیے ہوئے ڈیلٹا فورس کے کمانڈوز کی ناکامی معمولی بات نہیں تھی۔ آنے والے ان کی لاشوں پر سے گزر کر ہی اندر گھسے ہوں گے۔

وہ حقائق اتنے سنگین تھے کہ آئی مین کے اوسان خطا ہو جانے چاہییں تھے۔ کوئی نیا وار کرنے کے بجائے اسے اپنی جان بچانے کی فکر لاحق ہونی چاہیے تھی مگر اول خان کی لائی ہوئی خبر سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ آئی مین فولادی اعصاب کا مالک تھا۔ فالکن ہاؤس کے بدترین تجربے سے گزرنے کے بعد بھی اسے اپنے کسی ساتھی کی سلامتی یا زندگی کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ صرف اور صرف اپنی ذات کا پجاری تھا اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ خود فالکن ہاؤس سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ان دنوں وہ صرف گولڈن فارمیسی پر کام کر رہا تھا اور جہانگیر کے دھوکے میں براہِ راست مجھ سے پنجہ آزمائی میں مصروف تھا۔ اس نے فرار ہوتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ فالکن ہاؤس پر حملے کا ذمے دار جہانگیر ہے۔ اس نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر جہانگیر کو زک پہنچانے کا فیصلہ کر لیا اور زیادہ وقت برباد کیے بغیر گولڈن فارمیسی کو آگ لگوا دی۔

اول خان نے آتے ہی نپے تلے الفاظ میں مختصر سی خبر

سنائی تھی مگر میرے ذہن میں وہ پورا خاکہ گھوم گیا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اگر ایک طرف آئی مین ہم پر ہر وقت اپنا وار کر گزرنے کے لیے تلا بیٹھا تھا تو دوسری طرف اول خان بھی ایک لمحے کے لیے غافل نہیں ہوا تھا۔

"کیا تم لی مارکیٹ سے آ رہے ہو؟" میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

اول خان کے ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ تیر گئی "میں جمشید روڈ پر واقع اپنے گھر سے آ رہا ہوں۔"

"گولڈن فارمیسی میں آتش زنی کی خبر تمہیں کس ذریعے سے ملی؟" میں نے اس سے اگلا سوال کیا۔

"فارمیسی پر چند روز کے لیے تالا ڈالنے کا فیصلہ ہوتے ہی میں نے اپنے ایک آدمی کو دکان کی نگرانی پر مامور کر دیا تھا۔"

وہ کچھ اور بھی کہنا چاہ رہا تھا مگر میں نے اس کی بات وہیں کاٹ دی "کیا تمہیں وہاں کسی گڑبڑ کا اندیشہ تھا؟"

"میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ عادت کے تحت وہ فیصلہ کر گزرا تھا۔" اس نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد جواب دیا "یہ عادت مجھے طویل فوجی سروس سے ورثے میں ملی ہے۔ دشمن کے چھوڑے ہوئے مورچوں پر اچانک قبضہ کیا جاتا ہے نہ اپنے مورچوں کو یکایک خالی کیا جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں نگرانی اور نقل و حرکت کی پوری پوری منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ اس کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جاتا۔"

اس وقت مجھے اول خان کی بتائی ہوئی تفصیلات سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے اپنے سیدھے سے سوال کا جواب درکار تھا جو مل گیا تھا۔

"یہ اطلاع تم فون پر دے سکتے تھے۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "اتنی رات گئے تم کو بستر چھوڑ کر یہاں تک کی دوڑ لگانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"دکان کو آگ لگانے کے بعد وہاں ایک چلتی گاڑی سے جلی ہوئی دکان پر اندھا دھند فائرنگ بھی کی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ ابھی بھی ان اطراف میں منڈلا رہے ہوں۔"

وہ خبر واقعی حیران کن تھی۔ وہ تفصیل سن کر محسوس ہو رہا تھا کہ آئی مین کا معاشرے کے معزز اور مہذب طبقے سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ مجھ سے منہ کی کھانے کے بعد اس نے فارمیسی کو آگ لگا کر اور بعد میں وہاں بے مقصد گولیاں چلوا کر اپنی جاگیردارانہ انانیت کا مظاہرہ کیا تھا۔

اول خان کی زبان سے دوسری خبر سنتے ہی میرے خون میں گرمی پیدا ہو گئی۔ میرے دل میں آئی کہ اسی لمحے مہلک ترین ہتھیاروں سے لیس ہو کر اول خان کے ساتھ لی مارکیٹ کی طرف چل دوں مگر اگلے ہی لمحے میں نے وہ خیال اپنے دل سے نکال دیا۔

اگر آئی مین انتقام کے جوش میں اندھا ہو کر نہایت پست سطح تک گر گیا تھا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے میں بھی خود کو اسی سطح تک گرا لوں۔ ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ پچھلے کئی روز سے لی مارکیٹ کا وہ مخصوص اور محدود حصہ فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ دوپہر کو ایک قریبی گلی میں اول خان نے گولیاں برسائی تھیں اور جواب میں آئی مین نے بلا تامل دھوئیں کا بم استعمال کر ڈالا تھا۔ اس پس منظر میں وہاں رات گئے ہونے والی گولیوں کی بوچھاڑ کو کوئی ذی ہوش شخص نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ گولیاں چلنے کے بعد پولیس کی سائرن بجاتی ہوئی کسی نہ کسی گاڑی نے اس علاقے کا گشت لگایا ہوگا۔ اگر گولیاں برسانے والے اپنی حرکت کے کسی متوقع ردِعمل کے انتظار میں، وہاں رکے بھی ہوں گے تو پولیس کی نفری کو دیکھتے ہی موقع سے رفو چکر ہو گئے ہوں گے۔ ہمارا عجلت میں اس طرح جانا قطعی بے سود ثابت ہوتا۔

"پھر اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد پوچھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ اب وہاں کچھ نہیں ملے گا لیکن گولڈن فارمیسی کا ایک چکر لگا لینے میں کیا حرج ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کوئی حرج نہیں۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی پھر چونک کر پوچھا "تم دو اور دو چار کر رہے ہو۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ دکان کو آئی مین ہی نے آگ لگوائی ہے؟"

"کوئی ثبوت نہیں ہے۔" اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "آگ لگتے ہی فضا میں پیٹرول کی تیز بو پھیلی تھی۔ عام آگ رفتہ رفتہ سلگتی اور پھر بھڑکتی ہے۔ پیٹرول کے شعلے یکایک آگ اور دھوئیں کے بڑے بڑے مرغولے بناتے ہیں۔ آئی مین کے سوا کسی اور کو وہاں آگ لگانے کی کیا ضرورت تھی پھر وہاں آگ لگانے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا۔ دھڑا دھڑ جلتی ہوئی دکان کے ملبے پر وحشیانہ انداز میں گولیاں برسائی گئیں۔ یہ حرکتیں اس کے سوا اور کون کر سکتا تھا۔ تم کو شبہ کیوں ہو رہا ہے؟"

"شبہ کسی کو نہیں ہے۔" ڈیزا نے درمیان میں ٹانگ اڑائی "دوسروں کی ٹانگ کھینچنا ڈیزی کا مشغلہ ہے۔"

"بعض اوقات تم بے سروپا باتیں کہہ جاتی ہو۔" غزالہ

نے برا سا منہ بنا کر کہا "آپس میں ہونے والی ان باتوں سے ہم نے اکثر کامیاب نتائج حاصل کیے ہیں۔"

"آئی مین نے دکان کو آگ لگوا کر بہت بڑی کمینگی کی ہے۔ یہ خبر جہانگیر کے لیے صدمے کا باعث بنے گی۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ اس وقت میں ویرا سے بحث کے موڈ میں نہیں تھا۔

"اس نے بہت مشکل سے ایک جائز کاروبار پکڑا تھا۔ نئی رقابتوں نے اسے بھی آگ لگا دی۔" غزالہ کا لہجہ ہمدردی سے بھرپور تھا۔

"تم اسے جائز کاروبار کہہ رہی ہو!" ویرا نے حیرت سے پوچھا "وہ وہاں جعلی دوائیں بیچ رہا تھا۔"

"وہ بھی اسی معاشرے کا ایک فرد ہے۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی غلط راستے پر چل پڑا تھا لیکن ڈینی کی تنبیہہ پر وہ اس غلط کام سے تائب ہوگیا۔" اول خان نے جہانگیر کی صفائی پیش کی "اب ان غلطیوں کا ذکر مت کرو جن سے وہ سچے دل سے توبہ کر چکا ہے۔"

"ڈینی اتفاق سے اس کے معاملات میں ملوث نہ ہوا ہوتا تو وہ آج بھی ڈنکے کی چوٹ پر جعلی دوائیں بیچ رہا ہوتا۔" ویرا ہٹ دھرمی پر تلی ہوئی تھی۔

"ڈینی تم سے نہ ٹکرایا ہوتا تو تم بھی آج شی میں ہیروئن اور ہتھیاروں کا گھناؤنا دھندا کر رہی ہوتیں۔" سلطان شاہ نے جل کر کہا۔

"تم تو میرے لہو کے پیاسے ہو۔ شر پھیلانے والے ہر غلط کام کے پیچھے تمہیں میرا نام کارفرما نظر آتا ہے۔" ویرا جھنجلا گئی۔

"تم سراپا شر ہو۔" سلطان شاہ بھی اسے سلگانے پر تل گیا "تم سے کبھی خیر کا کوئی عمل سرزد ہو جائے تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔"

"تم تو کسی کو حیران ہونے کا موقع بھی نہیں دیتے۔ مجھ پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے اپنے گریبان میں بھی جھانک لیا کرو۔"

"میرے گریبان کے پیچھے ایک شفاف سینہ ہے جس کے پیچھے ایک دردمند دل دھڑک رہا ہے۔" سلطان شاہ نے سینہ پھلا کر فخر سے کہا۔

"یہ بحث بند کرو!" میں نے خشک لہجے میں ان دونوں کو ڈانٹ دیا "ہم لی مارکیٹ جا رہے ہیں۔"

"اوہ.... تو کیا ہم سب وہاں جائیں گے؟" ویرا نے اپنا غصہ بھول کر مسرت آمیز لہجے میں پوچھا۔ اس نے میری بات سے وہی مطلب اخذ کیا تھا جو میں اسے سمجھانا چاہ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر یکایک خوشی ناچنے لگی تھی۔

پورا دن گزر چکا تھا۔ اس وقت ہمیں سونے کے سوا کوئی اور کام نہیں تھا۔ میں نے یہ سوچ کر سب کو اپنے ساتھ لے جانے پر رضامندی ظاہر کی تھی کہ اس بہانے غزالہ کو میرے ساتھ ہوا خوری کا موقع مل جائے گا۔

ہم چاروں اول خان کی گاڑی میں آسانی سے سما سکتے تھے۔ سب بستروں سے نکل کر یک جا ہوئے تھے۔ اس لیے معمولی سی تیاری ضروری تھی۔ چند منٹ بعد ہماری گاڑی گلشن اقبال سے نشتر روڈ پر آچکی تھی جو لی مارکیٹ تک پہنچنے کی مختصر ترین راہ تھی۔

"اس وقت ہمارا اور آئی مین کا اسکور برابر ہے۔" راستے میں ویرا نے زبان کھولی۔ گاڑی کی کھلی ہوئی کھڑکی سے لگنے والی خوش گوار ہوا نے اس کا رہا سہا نشہ بھی زائل کر دیا تھا۔

"تم کس اسکور کی بات کر رہی ہو؟" سلطان شاہ کی آواز سے خفگی مترشح تھی "اس کے ریکارڈ پر ان گنت بدمعاشیاں ہیں۔ ہم ان سے اجتناب کرتے ہیں۔"

"ارے!" ویرا کی تحیر زدہ اور بے ساختہ آواز گونجی "اس وقت تمہیں اردو کا ہیضہ ہو چکا ہے۔ اجتناب کا لفظ میں نے پہلی بار تمہاری زبان سے سنا ہے۔"

"آدمی سے کبھی کبھار غلطی ہو جاتی ہے۔ اسے معاف کر دیا کرو۔" غزالہ نے ویرا سے سفارش کی اور بات قہقہوں میں دب گئی۔

"تم کس اسکور کی بات کر رہی تھیں؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اول خان نے ویرا سے سوال کیا۔

"میرا اشارہ بیم گن کے استعمال کی طرف تھا۔ اس نے نادر کے بعد آج بھاگتے ہوئے ایک گھریلو ملازم کو نشانہ بنا کر اسکور برابر کر لیا ہے۔"

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ہماری طرف سے جلال نے ونود کو مارا تھا اور میں نے فالکن ہاؤس میں سیاہ فام جیک اسمتھ کو بیم گن کے ذریعے موت کی نیند سلا دیا تھا۔

"کوئی اور سمجھے یا نہ سمجھے، صبح تک آئی مین اندازہ لگا لے گا کہ اس وقت ڈینی جہانگیر کی مدد کے لیے میدان میں اترا ہوا ہے۔" اول خان نے پرخیال لہجے میں کہا "دوسرے لوگ اس کشمکش و پیچ میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ کہیں آئی مین نے دھوکے سے اندھیرے میں جیک کو نشانہ نہ بنا لیا ہو لیکن آئی مین...."

میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی "ابھی تک

اسے علم نہیں ہوا ہوگا کہ فالکن ہاؤس میں کیسی خوں ریزی ہوئی ہے۔ وہ اپنی شکست پر جھلّایا ہوا ہے جب اسے صبح کے اخبارات سے یہ علم ہوگا کہ جیک کے قتل کا الزام اس کے سر پر ڈالا جا رہا ہے تو اس کا ذہنی توازن خراب ہو جائے گا۔"

آپس میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے ہم لی مارکیٹ کے اس علاقے میں پہنچ گئے جہاں گولڈن فارمیسی واقع تھی۔

اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے لیکن اس گنجان آباد علاقے کے بیشتر مکین خوف و ہراس کے عالم میں گھروں سے نکل کر آتش زدہ دکان کے سامنے سے گزرنے والی سڑک پر جمع ہو گئے تھے۔ دکان کے سامنے دو فائر انجنوں کا عملہ ملبے کے سلگتے ہوئے حصوں کی چنگاریاں سرد کرنے میں مصروف تھا۔ فضا میں دھویں اور جلی ہوئی متفرق اشیا کی تیز اور ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ آگ کے شعلے سرد ہو چکے تھے لیکن دو منزلہ عمارت جل کر سیاہ ہو چکی تھی۔ بھیڑ میں کہیں کہیں پولیس والوں کی ٹوپیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔

مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ آئی مین کی بربریت کا عذاب دور تک نہیں پھیلا تھا۔ فارمیسی جل کر راکھ ہو گئی تھی۔ اوپری منزل کے چوبی دروازوں اور کھڑکیوں وغیرہ کی جگہ جا بجا انگارے چٹختے ہوئے نظر آ رہے تھے لیکن غنیمت یہ تھا کہ آگ کے شعلوں نے اردگرد کی دکانوں وغیرہ کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس علاقے کا فائر اسٹیشن فارمیسی سے زیادہ دور نہیں تھا۔ عملے کے افراد فضا میں بھڑکتے ہوئے شعلے اور دھویں کے بادل دیکھتے ہی جائے واردات پر پہنچ گئے تھے۔

"اس وقت یہاں انسانوں کا سمندر نظر آ رہا ہے جس وقت آگ لگائی گئی' یہاں خاصا سناٹا تھا۔" اول خان بڑبڑایا۔

وہ سڑک ٹریفک کے لیے بلاک کردی گئی تھی۔ بسیں اور ہر قسم کی گاڑیاں متبادل گلیوں میں گھس رہی تھیں۔ اول خان نے جگہ دیکھ کر اپنی گاڑی کنارے سے لگا دی۔ وہاں سناٹا تھا۔

"کیا ارادہ ہے تمہارا؟" ویرا مضطربانہ لہجے میں سوال کر بیٹھی۔

"فارمیسی کے اوپر رہائشی مکان تھا۔" اول خان نے تفکر آمیز آواز میں کہا "ذرا پتا کرلوں کہ کوئی جلا تو نہیں ہے۔"

"یہ بات تم اپنے آدمی سے بھی معلوم کر سکتے ہو۔" ویرا بولی "یہاں رکنے یا اترنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں جو کچھ دیکھنا تھا' دیکھ لیا۔ اب یہاں سے نکل چلو۔"

"میرے اترنے سے تمہیں کیا وحشت ہو رہی ہے؟" اول خان نے دبی دبی مگر تیز آواز میں پوچھا۔

"اس بے ہنگم بھیڑ میں اس کے آدمی موجود ہو سکتے ہیں۔ بلاوجہ ان کے نشانے پر جانے کی کوشش مت کرو۔"

"وہ ہمیں نہیں جانتے۔ ہم انہیں نہیں پہچانتے۔ اس بھیڑ کا ہمیں بھی اتنا ہی فائدہ حاصل ہے جتنا انہیں ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ کچھ نہیں ہوگا۔" یہ کہہ کر اول خان ویرا کی مزید کوئی بات سنے بغیر تیزی سے گاڑی سے اتر گیا۔

"یہ مرد بڑے سرکش ہوتے ہیں۔ اپنے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔" ویرا کی آواز ابھری۔ شاید وہ غزالہ سے اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

"سرکشی اور دلیری میں فرق ہوتا ہے۔" سلطان شاہ نے دخل اندازی کو اپنا حق تصور کرتے ہوئے کہا "دلیری اور حوصلے کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"اول خان دلیر تھا اور گاڑی روک کر اتر گیا۔ تم کیوں چوہے دان میں چھپے بیٹھے ہو؟" ویرا نے تڑخ کر بھرپور وار کر ڈالا۔

"لو' میں بھی اتر جاتا ہوں۔" سلطان شاہ نے اپنی سمت کا دروازہ کھولا اور گاڑی سے اتر کر اسی سمت میں ہو لیا جدھر اول خان گیا تھا۔ ویرا کا طنز اس قدر بھرپور اور بے رحمانہ تھا کہ سلطان شاہ کے پاس کوئی متبادل چارہ نہیں رہا تھا۔

"دیکھو اب یہ دونوں دلیر کیا جھک مار کر آتے ہیں۔" ویرا کی آواز سے برہمی مترشح تھی۔

"خدا کے لیے یہ زہر افشانی بند کردو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم میں سے کوئی اور گاڑی سے اتر کر ان دونوں کے پیچھے چل دے۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"عورتیں تو بے چاری بزدل ہوتی ہیں۔" ویرا نے استہزائیہ انداز میں جواب دیا "یہ احمقانہ حرکت تم کر سکتے ہو کیونکہ اس وقت گاڑی میں اکلوتے مرد صرف تم ہی ہو۔"

ویرا کے جواب پر میں بھنّا کر رہ گیا مگر میں نے اپنی زبان بند رکھی۔ میں جانتا تھا کہ میں کچھ کہوں گا تو وہ میرے جواب میں مزید اشتعال انگیزی کرے گی اور میرا غصہ قابو سے باہر ہو جائے گا۔ اول خان نے جہاں اپنی گاڑی پارک کی تھی وہ جگہ تماشائیوں کی بھیڑ کے مقابلے میں سنسان پڑی ہوئی تھی مگر پھر بھی قرب و جوار سے متعدد بوکھلائے ہوئے متجسس افراد گزر رہے تھے جو آتش زدگی کے بارے میں شاید سب کچھ جان لینا چاہتے تھے۔

میں اونچی آواز میں کوئی بات کہہ کر اس گاڑی کے سواروں کو بدحواس راہ گیروں کی توجہ کا مرکز نہیں بنانا چاہتا

تھا۔ میں بلاوجہ ہی ویرا کی تلخ نوائی کی زد میں آگیا ورنہ میری مصالحانہ کوشش سے پہلے اس نے اپنی ساری توجہ سلطان شاہ پر مرکوز کی ہوئی تھی۔

شاید ویرا نے بھی اندازہ لگالیا کہ لڑنے کے لیے وہ جگہ موزوں نہیں تھی۔ وہ کھڑکی سے سر نکال کر خاموش بیٹھ گئی۔

گولڈن فاریسی میں آگ لگنے کی وجہ سے اس علاقے کے برقی تار بھی شارٹ سرکٹ سے جل چکے تھے اور ایک وسیع علاقہ گہرے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس تاریکی میں ایک بڑے ہجوم کے پیش منظر میں دکان والی عمارت کی دھواں اگلتی اور انگارے چٹخاتی ہوئی آگ خاصی بھیانک نظر آرہی تھی۔

اول خان اضطراری طور پر گاڑی روک کر اترا تھا اور پھر اندھیرے میں تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔ کسی ناگہانی ضرورت کے پیش نظر اس نے چابی اگنیشن ہی میں لگی ہوئی چھوڑ دی تھی۔ اسے اپنے پیچھے کسی کی آمد کا علم نہیں تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ سلطان شاہ اندھیرے میں دور تک پھیلی ہوئی بھیڑ میں بھٹکتا رہے گا لیکن اول خان تک نہیں پہنچ پائے گا۔ میرے ذہن پر یہ سوچ سوچ کر جھنجلاہٹ طاری ہونے لگی کہ اول خان کے لوٹ آنے کے بعد ہمارا وقت سلطان شاہ کے انتظار میں بلاوجہ ضائع ہوگا۔

مجھے اس ذہنی کوفت سے زیادہ دیر تک نہیں گزرنا پڑا۔ اِدھر اُدھر سے منعکس ہونے والی دھندلی روشنی میں مجھے دھوئیں جیسی بھیڑ میں سے اول خان کا ہیولا نمودار ہوتا ہوا نظر آیا تو میرا دل خوش ہوگیا۔ مزید خوشی اس وقت ہوئی جب سلطان شاہ بھی اس سے چند قدم کے فاصلے پر آتا ہوا نظر آیا۔

"دونوں سورما آرہے ہیں۔" ویرا کی زبان کی خارش نے اسے خاموش نہیں رہنے دیا۔ وہ خود کلامی کے انداز میں' اونچی آواز میں بڑبڑائی تھی "دیکھتے ہیں کہ یہ کون سی توپ پر تیر مار کر آئے ہیں۔"

"اس بار میں نے ناگواری کے کسی موہوم ترین احساس کے بغیر اس کی بات سنی اَن سنی کردی۔

اول خان نے آتے ہی اپنی نشست سنبھال کر انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس اثنا میں سلطان شاہ پچھلی سیٹ پر سوار ہوچکا تھا۔ غزالہ' اس کے اور ویرا کے درمیان دبی ہوئی بیٹھی تھی۔ شاید اس نے ان دونوں کے درمیان نوچ کھسوٹ کے امکانات کے پیش نظر اپنے لیے وہ جگہ منتخب کی تھی۔

"کیا خبریں لائے ہو؟" گاڑی کا یوٹرن مکمل ہوتے ہی ویرا نے سوال داغ دیا۔

"ایسے مواقع پر خبریں کم ملتی ہیں۔ افواہیں زیادہ ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ دو بچوں کے جھلسنے کی اطلاع درست ہوسکتی ہے۔" اول خان نے سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

"دو معصوم بچوں کے جھلسنے کا خیال بھی خاصا دردناک ہے۔" غزالہ بولی "ان کا کیا قصور تھا۔ ان خون آشام بھیڑیوں نے دکان کو آگ لگاتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچا کہ اوپر عورتوں اور بچوں کے ساتھ کوئی رہتا ہے۔ پیٹرول کی آگ تیزی سے بھڑکی تو کیا ہوگا۔"

"اس قسم کے وحشیانہ تصادم میں کوئی ان باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔" ویرا نے بے پروایانہ لہجے میں کہا "دشمن کو بری طرح پیس ڈالنے کا انتقامی جذبہ سب سے پہلے عقل اور ہوش کو اپنی خوراک بناتا ہے اور گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔"

"دکان کے ساتھ پوری عمارت بھی تباہ ہوگئی۔" غزالہ متاسفانہ لہجے میں بولی "اس کے کھنڈرات مرمت کے قابل نظر نہیں آتے۔"

"اچھا ہے۔ اب اس کی جگہ پلازا بن جائے گا۔" ویرا کی آواز میں صدمے کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "اس علاقے کی بیشتر عمارتیں بہت پرانی اور بوسیدہ نظر آتی ہیں۔ ہر مالک انہیں گرا کر نئی اور اونچی عمارتیں بنانا چاہتا ہوگا مگر کرائے داروں سے آسانی سے نجات ملنی ممکن نہیں ہے۔ آگ کے بہانے بلڈنگ خود بہ خود خالی ہوجائے گی۔"

"اب یہ نہ کہہ دینا کہ آئی مین اس بلڈنگ کے مالک کے اشاروں پر ناچ رہا ہے۔" سلطان شاہ نے گہرے طنز سے کہا۔

"میں چاہوں تو ذرا سی دیر میں یہ بھی ثابت کرسکتی ہوں۔" ویرا اس کی طنزیہ بات کو فوراً دوسرے پیرائے میں لے گئی اور چیلنج کرتے ہوئے بولی "میں پانچ منٹ میں تم کو قائل نہ کردوں تو میرا نام بدل دینا۔ کرتے ہو بحث مجھ سے؟"

"تم سے بحث کرنے کے لیے بیل کا مغز چاہیے جو میرے پاس نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے ہتھیار ڈال دیے۔

"دو بچوں کے جلنے کے بارے میں ایک فائر مین نے بتایا ہے۔" اول خان کا ذہن مسلسل اسی واردات میں الجھا ہوا تھا۔ "یہ لوگ بہت تجربے کار ہوتے ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ان میں سے ایک بچہ بہت بری طرح جلا ہے۔ خدا اسے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔"

"جب سے اس کا نام سامنے آیا ہے' ہم نے اسے ایک جگہ ٹکنے نہیں دیا۔ وہ مسلسل بھاگ رہا ہے۔۔۔۔" میں نے کہنا چاہا مگر ویرا نے میری بات درمیان سے اچک لی۔

"ابھی تک اس کے ستارے اس کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں اس لیے تم اسے بھگا رہے ہو۔ اسے اپنے قدم جمانے کا موقع مل گیا تو وہ بہت خطرناک ثابت ہوگا۔ میری چھٹی حس بتارہی ہے کہ یہ پچھلے سپر آئی مینوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔"

"یہ مینوں کیا چیز ہوتی ہے؟" اس بار سلطان شاہ کا لہجہ معصومانہ تھا "مین کی جمع مین ہوتی ہے۔ تم سپر آئی من بھی کہہ سکتی تھیں۔"

"تم لوگ اردو میں استعمال ہونے والے ہر انگریزی لفظ کا یہی حشر کرتے ہو۔ تمہارے ساتھ رہ کر میری عادت بھی بگڑ گئی ہے۔" ویرا بولی۔

"تم پڑھی لکھی اور امریکی ہو۔ یہ بدکلامی تمہیں زیب نہیں دیتی۔" سلطان شاہ اصول سے ہٹ کر اچانک ذاتیات پر آگیا۔

"پھر ٹیبل' موٹر' انجن' ٹرین اور ایسے سیکڑوں الفاظ کے لیے تم کون سی جمع استعمال کروگے۔ بات سننے والے کے سر پر سے گزر جائے گی۔"

"آج تم دونوں بار بار بہک رہے ہو۔" اول خان نے ہلکی سی خفگی سے کہا۔

"یہ ان کو ایک ساتھ کھلی ہوا میں باہر نکالنے کا نتیجہ ہے۔ اپنے اپنے کمروں میں یہ نارمل رہتے ہیں۔" میں نے تلخی سے لقمہ دیا۔

"وہ ہمارے کمرے ہیں' پنجرے نہیں ہیں۔" ویرا میرے لہجے پر برا مان کر بولی۔

"میں نے بھی کمروں کا ذکر کیا تھا' پنجروں کی بات نہیں کی تھی مگر اب اس امکان پر بھی غور کرنا پڑے گا۔" میں نے تفہیمی انداز میں جواب دیا جیسے ویرا نے میری کوئی الجھن آسان کردی ہو۔

اول خان کا قطعی موڈ نہیں تھا مگر ویرا کے اصرار پر اسے گاڑی صدر کی طرف موڑنی پڑ گئی جہاں بوہری بازار کے قریب نکڑ پر بلوچ آئس کریم کی مشہور دکان واقع ہے۔ آئس کریم کھانے کے سوال پر سلطان شاہ اور غزالہ نے بھی اختلاف بھلا کر ویرا کا پورا ساتھ دیا تھا۔

گھر سے روانہ ہوتے ہوئے کسی نے مناسب تیاری کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ نامناسب لباس کی وجہ سے دونوں عورتیں گاڑی سے اترے بغیر آئس کریم سے لطف اندوز ہوتی رہیں۔ سلطان شاہ نے ان کا ساتھ دیا۔ میں گاڑی سے اتر کر اول خان کے ساتھ تبادلہ خیال میں مصروف ہوگیا۔

وہاں سے روانگی تک میرے ذہن میں یہ یقین سماچکا تھا کہ آئی مین کے گرد ہمارا گھیرا تنگ ہوگیا تھا اور اس کا خاتمہ کسی بھی لمحے ہوسکتا تھا۔

جب تک میڈم فرزانہ ہماری گرفت میں نہیں آئی تھی' آئی مین کی رسی دراز تھی۔ اس کی ذات اسرار کے دبیز پردوں میں چھپی ہوئی تھی۔ لقب کے سوا اس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا۔ چوپڑا کو اپنے طور پر گھیرنے کے چکر میں ویرا اگر جوشی کو فون پر نہ چھیڑتی تو شاید ہمیں کانوں کان بھی پتا نہ چلتا کہ آئی مین ہمارے شہر میں بیٹھ کر اطمینان سے اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے۔

جوشی ہمارے ہاتھ نہیں آسکا۔ وہ اپنے راز سینے میں لیے' راجا کے ہاتھ واصل جہنم ہوگیا لیکن ہم راجا کی راہ پر لگ چکے تھے۔ یہ ویرا کی نرسنگ کا کمال تھا کہ راجا ہم سے دھوکا کھا گیا۔ اس کے ذریعے پہلی بار نئے آئی مین کا نام ہمارے سامنے آیا۔ آئی مین کا نام لینے کے بعد وہ پھنس گیا اور آخر کار اسے وہ فون نمبر بتانا ہی پڑ گیا جس پر وہ آئی مین کو اپنی رپورٹ دیا کرتا تھا۔

وہ فون نمبر ڈیفنس کے بی باون بنگلے کا تھا۔ اپنی چھٹی حس کی کسی کارگزاری کے تحت آئی مین وہاں سے بروقت فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ ہم پہنچے تو خالی مکان ہمارا منہ چڑا رہا تھا۔ اس کا وہ سراغ کھودینے کے بعد ہم اندھیرے میں ہاتھ پیر مارتے رہ جاتے لیکن آئی مین کی عجلت نے سوکھے دھانوں پر پانی ڈال دیا۔

اسے مجھے یعنی ڈینی کو ٹھکانے لگانے کی عجلت تھی۔ اسی عجلت میں اس نے گولڈن فارمیسی میں جہانگیر پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی اور مجھ سے سامنا ہوجانے کے باوجود وہ دوبارہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس بار ہمیں کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں روپوش تھا۔

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ایک معمولی بات نے ہماری مدد کی۔ ایک روز پہلے فارمیسی کے منیر نامی ملازم کو دو ہزار روپے دینے والی فرزانہ بظاہر غیر اہم نظر آرہی تھی لیکن ہم نے اس پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کرلیا جس وقت آئی مین اول خان کی فائرنگ سے خوف زدہ ہوکر بھاگ رہا تھا' ایس ٹی ایف کا ایک جوان متوقع مقام سے میڈم فرزانہ کو اپنی گرفت میں لے چکا

تھا۔ وہ ہماری اس روز کی کاوشوں کا پہلا ثمر تھا جو ہمارے ہاتھ آیا تھا۔

فرزانہ اس گروہ سے باہر کی عورت تھی جو آئی مین کے بارے میں سرے سے کچھ نہیں جانتی تھی لیکن مصیبت سر پر آجانے کے بعد اس نے خالد کی نشاندہی کی جس نے فرزانہ سے اپنے دیرینہ مراسم کی بنا پر اسے منیر کو ایک مقررہ وقت پر کچھ دیر کے لیے باہر الجھائے رکھنے کے اہم کام پر مامور کیا تھا۔ ابتدا میں یہ بات سرے سے میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی کہ ایک فیشن ایبل عورت نے چند بے سروپا باتوں کے عوض منیر کو دو ہزار روپے کی رشوت کیوں دی تھی مگر بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ خالد نے وہ سرمایہ کاری بلاسبب نہیں کی تھی۔ اسے اگلے دن دو بجے فارمیسی پر پہنچنا تھا۔ اپنی اس حرکت کے ذریعے اس نے کوشش کی تھی کہ اس کے آنے کے وقت دکان میں دو کے بجائے صرف ایک ملازم موجود ہو تاکہ وہ گڑبڑ کے کسی خطرے کے بغیر اپنا کام پورا کرسکے۔

فرزانہ سے ہمیں براہِ راست کوئی کارآمد بات معلوم نہیں ہوسکی لیکن اس کی نشاندہی پر ہم نے ایک مقابلے کے بعد خالد کو پکڑلیا۔

خالد شی کے مقامی سربراہ کے لیے کام کررہا تھا۔ وہ کچے آدمیوں کو اپنے ساتھ نہیں ملاتا تھا۔ راجا کی طرح خالد نے بھی قلابازیاں کھانے کی کوشش کی لیکن ویرا کی بے رحمانہ مار نے کچھ ہی دیر میں اس کے سارے کس بل نکال دیے اور وہ یہ بتانے پر مجبور ہوگیا کہ بی باون سے فرار ہونے کے بعد آئی مین بوٹ بیسن کے علاقے میں کچے برساتی نالے کے کنارے بنے ہوئے ایک مکان میں روپوش تھا۔

بعد میں پتا چلا کہ آئی مین کی نئی کمین گاہ فالکن ہاؤس کے نام سے موسوم تھی۔ آئی مین ان لوگوں میں سے تھا جن پر پتا کھڑکا' بندہ بھڑکا والی مثال صادق آتی ہے۔ وہ تیزی سے ٹھکانے بدلنے کا عادی تھا۔ اسے ذرا بھی بھنک مل جاتی کہ خالد کسی کے ہتھے چڑھ گیا ہے تو وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر فالکن ہاؤس سے بھاگ جاتا۔ اس اندیشے کے پیش نظر ہم نے وقت ضائع کیے بغیر' اسی شام فالکن ہاؤس پر دھاوا بول دیا۔

یہ ہمارے مقدر کی خرابی تھی کہ فالکن ہاؤس میں کئی کامیابیاں حاصل ہونے کے باوجود آئی مین بچ نکلا مگر کیلی زخمی حالت میں ہمارے ہاتھ آگئی تھی۔ آئی مین نے گولڈن فارمیسی کو آگ لگا کر جس وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا' اس سے صاف نظر آرہا تھا کہ آئی مین کو سرعت سے لگام نہ دی گئی تو وہ شہر میں بہت کچھ کر گزرے گا۔

فرزانہ کے پکڑے جانے کے بعد پیش آنے والے واقعات کافی حوصلہ افزا تھے۔ خالد دوپہر کو آئی مین کا ہم سفر تھا لیکن یہ بات حیران کن تھی کہ اس نے کبھی بھی آئی مین کو نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اپنے طور پر یہ اطمینان کرلیا تھا کہ خالد اس بارے میں جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ راجا کے لیے آئی مین محض ایک آواز کا نام تھا جو وہ فون پر سنتا تھا۔ آئی مین نے کبھی اس کو اپنے سامنے نہیں بلایا تھا مگر خالد کی بات مختلف تھی۔ اسے میں نے خود آئی مین کے ساتھ' اس کی گاڑی میں فرار ہوتے دیکھا تھا مگر خالد کا کہنا تھا کہ آئی مین سے جب بھی اس کا سامنا ہوا' وہ سر سے پاؤں تک سیاہ اور چست لباس میں ملبوس ہوتا تھا۔ اس دوپہر کو بھی اس نے اپنے جسم کا ہر حصہ چھپایا ہوا تھا۔ چہرہ چھپانے کے لیے اس نے گاڑی میں ماسک لگایا ہوا تھا۔ اس ماسک کے ساتھ وہ تاریک شیشوں والی گاڑی میں سفر کرسکتا تھا مگر نیچے اتر کر لوگوں میں گھل مل نہیں سکتا تھا۔ اپنی اسی مجبوری کو مدِنظر رکھتے ہوئے آئی مین نے اپنی سیاہ گاڑی سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ خالد کو فارمیسی پر بھیج کر مجھے اپنے پاس طلب کرلیا تھا۔

ہم اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ مجھے ذاتی طور پر اس کی ایک جھلک دیکھنے کا موقع مل چکا تھا لیکن اس کے خدوخال سمیت اس کی کوئی ایسی شناخت میری نظروں میں نہیں آسکی تھی جس کی بنا پر اسے الگ سے پہچانا جاسکے۔

صرف اس کی آواز اور لہجے کی بنا پر یہ کہا جاسکتا تھا کہ وہ امریکی نژاد ہے ورنہ اس کی اور کوئی پہچان ہمارے پاس نہیں تھی۔

بی باون کے نمبر پر فون کرنے کے بعد مجھے یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ کیلی دن رات اس کے ساتھ رہتی تھی اور آئی مین کے لیے آنے والا ہر فون پہلے وہی سنتی تھی۔ بعد میں خالد نے بھی میرے اس اندازے کی تائید کردی تھی۔ وہ یہ بتانے سے قاصر رہا تھا کہ کیلی اور آئی مین کے درمیان کیا رشتہ تھا مگر میں بڑے مجرموں کے ساتھ پیش آنے والے تجربات کی بنا پر یہ بات سمجھ چکا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی پاکیزہ رشتہ ہرگز نہیں ہوسکتا تھا۔

ہر بڑا اور خطرناک مجرم دولت کے انبار لگانے کی دھن میں لگا رہتا ہے اور یہی ہوس ہر جرم کی محرک بنتی ہے۔ مجرم اپنے بال بچوں کے لیے کالا دھن کماتا ہے اس کی فطری

خواہش ہوتی ہے کہ وہ لوگ مصیبت کے سائے تک سے محفوظ رہیں۔ وہ یہ خطرہ مول نہیں لیتا کہ خطرناک مہمات پر انہیں اپنے ساتھ لیے پھیرتا رہے۔ مجھے یقین تھا کہ اگر آئی مین عیال دار تھا تو اس کے بیوی بچے کسی امریکی ریاست میں امن وسکون سے پر تعیش زندگی گزار رہے ہوں گے۔ وہ اپنے حیوانی جذبوں کی تسکین کے لیے ایک خوب صورت لڑکی کو اپنے ساتھ لیے پھر رہا تھا جو عام حالات میں اس کی سیکریٹری کے فرائض انجام دیتی تھی اور خلوت میں شاید اس کی خوش ادا داشتہ بن جاتی تھی۔

کیلی سے میری بہت سی امیدیں وابستہ تھیں۔ میں نے ان دونوں کے مراسم کے بارے میں جو اندازہ لگایا تھا اس کی بنا پر مجھے امید تھی کہ کیلی اس کی شناخت کے بارے میں بہت کچھ بتا سکے گی۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ آئی مین اس کے سامنے شب و روز نقاب پہنے رہتا ہو۔

ہم گلشن اقبال میں اپنے گھر والی گلی میں داخل ہوئے تو مجھے دور ہی سے اپنے دروازے کے سامنے جلال کی گاڑی نظر آئی اور میں چونک پڑا۔ اس وقت اس کی آمد خالی از علت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ اسی رات کی پرواز سے اسلام آباد واپس جانے والا تھا۔

"ارے! ہمارے گیٹ کے سامنے کس کی گاڑی کھڑی ہوئی ہے؟" ویرا کی تحیر زدہ آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"مجھے یہ جلال کی گاڑی نظر آرہی ہے۔ آج کل وہ ہمارے گھر کے کافی پھیرے لگانے لگا ہے۔" سلطان شاہ نے جواب دیا۔

مجھے شبہ تھا کہ سلطان شاہ مزید کوئی تبصرہ کرے گا لیکن اس نے اپنی بات آگے نہیں بڑھائی۔ اس دوران میں ہمارا اور جلال کی گاڑی کا درمیانی فاصلہ کم ہو چکا تھا۔ سلطان شاہ قدرے توقف کے بعد پھر بول پڑا "جلال نظر نہیں آرہا۔ گاڑی میں صرف ڈرائیور بیٹھا ہوا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ جلال نے اس کے ہاتھ کوئی چیز بھیجی ہو۔" ویرا نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"کسی خوش گمانی میں نہ رہنا۔" سلطان شاہ بولا "اس نے تمہارے لیے گلدستہ نہیں بھیجا ہوگا۔"

"مجھے اس کے کسی گلدستے کی پروا بھی نہیں ہے۔ ڈرائیور کوئی پیغام بھی لا سکتا ہے۔" ویرا نے چیخ کر کہا۔

"جلال شادی شدہ ہے۔ وہ تمہارے لیے پیغام کیوں بھیجے گا؟"

"اب تم نے کوئی بدتمیزی کی تو میں جھانپڑ مار دوں گی۔"

ویرا نے بجا طور پر برہمی کا مظاہرہ کیا۔

بات وہیں ختم ہو گئی کیونکہ اس اثنا میں اول خان اپنی گاڑی جلال کی کار کے پیچھے روک چکا تھا۔ جلال کا ڈرائیور اپنی نشست چھوڑ کر نیچے آگیا تھا۔

"تم کب سے آئے ہوئے ہو؟" میں نے اتر کر جلال کے ڈرائیور سے پوچھا۔

"بس جی، کوئی دس پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

اس کا جواب تشنہ اور تذبذب میں مبتلا کرنے والا تھا۔ میں نے قدرے جھجکتے ہوئے پوچھا "کیسے آنا ہوا؟"

"صاحب کے ساتھ آیا ہوں۔" ڈرائیور نے اسی اطمینان کے ساتھ کہا۔

"صاحب کہاں ہیں؟" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

"اندر ہوں گے۔" میں یہیں بیٹھا ان کا انتظار کر رہا ہوں۔" ڈرائیور نے بے چارگی سے بتایا۔

وہ چاروں ہمارے گرد کھڑے حیرت سے یہ باتیں سن رہے تھے۔ کسی کے گمان میں نہیں تھا کہ جلال مقفل گھر میں پہنچ چکا ہوگا۔

ہم تیزی سے احاطے میں داخل ہوئے تو گھر کا دروازہ کھل گیا۔ گاڑی رکنے کی آواز سن کر جلال مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ نمودار ہو چکا تھا۔

"تم اس وقت یہاں؟ اندر کیسے پہنچے؟" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے متحیر ہو کر پوچھا۔

"چند گھنٹیاں بجانے کے بعد اندر سے جواب نہیں ملا تو میں تذبذب میں پڑ گیا۔" اس نے ہنستے ہوئے بتایا "تمہاری گاڑی احاطے میں موجود تھی۔ یہ امکان بھی نہیں تھا کہ تم چاروں سو گئے ہو۔ پھر میرا خیال اول خان کی طرف ہی گیا تھا۔ شاید یہ تمہیں ہوا خوری کے لیے لے گئے ہوں گے۔ میں نے گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کرنے کے بجائے پرانی تربیت کا ایک گر آزمایا اور تمہارے گھر کا تالا جواب دے گیا..."

"تم نے بہت اچھا کیا۔" ویرا محظوظ ہوتے ہوئے بولی "اپنائیت اسی کو کہتے ہیں۔"

"میں نے اپنائیت کا حق محدود پیمانے پر استعمال کیا ہے۔" جلال نے ہم لوگوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے بتایا "تالا کھول کر ڈرائنگ روم میں آیا اور ٹیلی وژن آن کر لیا۔ میں اپنے پیشے کی وجہ سے پرائیویسی کا سختی سے قائل ہوں۔ میں نے تم میں سے کسی کے کمرے میں نہیں

جھانکا۔"

"جھانک بھی لیتے تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ ہمارے کمروں میں کیا رکھا ہے!" ویرا نے بے نیازی سے کہا۔

"کم از کم تم یہ نہیں کہہ سکتیں۔" جلال نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "لاہور میں تمہاری میزبانی کے دوران میں مجھے تمہارے ہر شوق کا علم ہو چکا ہے۔"

"لو، وہ بھی کہہ رہے ہیں ...." سلطان شاہ نے برجستہ ایک مشہور مصرع پڑھا اور دانستہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"آج نائٹ کوچ سے تمہاری واپسی ہونی تھی مگر تم یہاں نظر آ رہے ہو...." میں نے اصل موضوع چھیڑتے ہوئے بات شروع کی لیکن جلال نے میری بات درمیان سے اچک لی۔

"اندرونِ خانہ حالات نے بہت تیزی سے کروٹ لی ہے۔ میری واپسی کا پروگرام ملتوی ہو گیا ہے۔"

"یہ متوقع تھا۔" اول خان بولا "فالکن ہاؤس میں جیک اور ڈیلٹا فورس کے دو کمانڈوز کے مارے جانے کے بعد معاملات نازک رخ اختیار کر گئے ہیں۔"

"پہلے ایک پیالی کڑک اور کھولتی ہوئی چائے پھر دوسری باتیں ہوں گی۔" جلال نے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمائش کی۔

غزالہ مہمان داری کے معاملے میں بہت فراخ دل واقع ہوئی تھی۔ کسی پس و پیش کے بغیر اپنی جگہ سے اٹھی اور کچن کی طرف چل دی۔

"تم اپنی بات جاری رکھو۔" ویرا نے جلال سے کہا "غزالہ کو ان جھگڑوں اور جھمیلوں سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔"

"مگر اپنی بات شروع کرنے سے پہلے یہ ضرور سن لو کہ ہم ہوا خوری کے لیے نہیں گئے تھے۔" اول خان نے درمیان میں دخل اندازی کی "کچھ دیر پہلے کسی نامعلوم آدمی نے پیٹرول بہا کر جہانگیر کی دکان کو آگ لگا دی۔ بعد میں جلتی ہوئی دکان پر ایک چلتی ہوئی کار سے فائرنگ بھی کی گئی۔"

"اوہ! یہ حرام زادہ آہنی اعصاب کا مالک معلوم ہوتا ہے۔" جلال نے بے ساختہ کہا "شاید تم لوگ اسی طرف گئے تھے۔ تمہارے کپڑوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم چاروں کسی خاص تیاری کے بغیر اول خان کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے تھے۔"

"دکان کے ساتھ اوپری منزل بھی جل کر تباہ ہو گئی ہے۔" میں نے افسردگی سے کہا "کم از کم دو بچے بھی جھلسے ہیں۔"

"اسے اپنی سفاکی کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔" جلال نے سرد لہجے میں کہا اور قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "امریکی سفارت کار اس واقعے کی تفصیلات جاننے کے لیے سخت مضطرب ہیں۔"

"کراچی ایک وسیع شہر ہے۔ ان کو کیا معلوم کہ فالکن ہاؤس میں کیا ہوا ہے۔" اول خان نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"اس معاملے میں سخت ترین رازداری برتی گئی ہے لیکن امریکی بے خبر نہیں ہیں۔" جلال نے کہا۔

"یہ بالکل سامنے کی بات ہے۔" اول خان نے کہا "آئی مین وہاں سے پٹ کر بھاگا تھا۔ اس نے جاتے ہی اپنے آقاؤں کو کھیل بگڑنے کی اطلاع دی ہوگی۔"

"اصل بات یہی ہے اور یہی ان کی مجبوری ہے کہ وہ آئی مین کی دی ہوئی اطلاع کا کوئی حوالہ نہیں دے سکتے۔"

"ویسے بھی تم کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ اب امریکی ایجنسیوں نے پاکستان میں جاسوسی اور سراغ رسانی کے جدید ترین آلات کا استعمال بھی شروع کر دیا ہے۔" اول خان نے کہا۔

"آواز کے ذریعے ڈینی کو پکڑنے کے لیے ماضی میں انہوں نے ساؤنڈ اسکیننگ سسٹم استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کی تھی۔ اب وہ ایسے الیکٹرانک آلات بھی میدان میں لے آئے ہیں جو کنکریٹ کی دیواروں کے پیچھے ہونے والی سرگرمیوں کو دیکھ کر ریکارڈ کر سکتے ہیں۔" جلال نے اس کی تائید میں بتایا۔

"کیا یہ سب مجھے پکڑنے کے لیے کیا جا رہا ہے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ان کی نظروں میں تم اس خطے میں ان کے سب سے بڑے دشمن ہو مگر یہ تیاریاں کسی اور سمت کی نشاندہی کر رہی ہیں۔ وہ پاکستان کے قرب و جوار میں کہیں کسی بہت بڑی کارروائی کا آغاز کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔" جلال نے کہا۔

"ایران کو امریکی قیادت اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کرتی ہے۔" ویرا نے تائید طلب انداز میں کہا۔

"یہ بات پرانی ہو گئی۔ آج کی دنیا میں معاملات اور ترجیحات میں بہت تیزی سے تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اس وقت افغانستان پر ان کی گرفت بہت تیزی سے کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ وہ اس خطے سے دست بردار ہونا گوارا نہیں کریں گے۔"

"مگر افغانستان میں تو وہی لوگ حکمراں ہیں جن کو امریکا

نے پالا پوسا تھا۔" ویرا نے حیرت سے کہا۔
"وہ امریکا کی ضرورت تھی۔ روس کو افغانستان سے مار بھگانے کے لیے اسے ہر عسکری سہارے کی ضرورت تھی۔ اس نے کھل کر تمام جہادی قوتوں کی سرپرستی کی، ان کو ضرورت سے زیادہ مالی اور جنگی وسائل مہیا کیے، مذہبی انتہا پسندی کو ہوا دی اور جب افغانستان میں روس کا کریا کرم ہوگیا تو امریکا نے حالات کو پرانی پوزیشن میں واپس لے جانا چاہا۔ اس وقت تک عسکری جتھے تجربے کار اور خود کفیل ہوچکے تھے۔ انہوں نے امریکی برتری کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ اب امریکا ان کا سر کچلنے کے لیے کسی بہانے کی تلاش میں ہے۔ اسی کے ساتھ اس نے درپردہ اپنی بھرپور تیاریاں شروع کی ہوئی ہیں۔ آنے والے دن مجھے اچھے نظر نہیں آرہے۔" جلال نے اختصار کے ساتھ بھیانک حالات کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا۔
"بعد میں جو ہوگا وہ تو ہونا ہی ہے۔ اس وقت یہ سارے وسائل ہمارے خلاف استعمال ہورہے ہیں۔" ویرا نے کہا۔
"میں تمہاری اس بات سے اختلاف نہیں کرسکتا۔" جلال نے اعتراف کیا "ڈینی کے ساتھ اس وقت ہم سب تلوار کی تیز دھار پر چل رہے ہیں۔ جو ڈگمگایا وہ مارا جائے گا۔"
"تم سرکاری آدمی ہو۔ تمہیں پھر بھی تحفظ حاصل ہے۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا "ہم بے یارومددگار بلکہ اشتہاری لوگ ہیں۔ مارے گئے تو کوئی رونے والا بھی نہیں ہوگا۔"
"یہ نہ کہو۔" جلال نے تڑپ کر جواب دیا "میں اور میری پوری ایجنسی تمہارے ساتھ ہے۔"
"میں جانتی ہوں۔" ویرا نے ہاتھ اٹھا کر اس کی تائید کی اور بولی "اپنی ذاتی حیثیت میں تم دل وجان سے ہمارے معاون ومددگار ہو مگر اپنی سرکاری کرسی پر بیٹھ کر تم ویرا اور ڈینی کے حق میں ایک لفظ بھی نہیں بول سکتے کیونکہ امریکا نے ہمیں اپنا قومی مجرم قرار دیا ہوا ہے۔ تم کسی مجرم کی حمایت نہیں کرسکتے۔"
غزالہ چائے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اور سب کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔
ویرا کی یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی کہ ہم مارے گئے تو کوئی رونے والا بھی نہیں ہوگا۔ اس وقت نشست گاہ میں کل چھ نفوس موجود تھے اور وہی آپس میں ایک دوسرے کے مونس وغم خوار تھے۔ اس تعداد میں زیادہ سے زیادہ جہانگیر اور سلمٰی کا اضافہ کیا جاسکتا تھا۔ اس سے آگے ہر طرف سناٹا ہی سناٹا نظر آتا تھا۔
غزالہ نے بہت لذیذ اور ذائقے دار چائے بنائی تھی۔ اس سے زیادہ مزہ وہ گرم سینڈوچ دے رہے تھے جو اس نے عجلت میں تیار کیے تھے۔ چائے نوشی کے دوران میں اول خان کو اچانک دھیان آگیا اور اس نے چونک کر جلال سے پوچھا "سرکاری طور پر امریکی سفارت کار فالکن ہاؤس کے واقعے سے بے خبر ہیں تو وہ اس بارے میں اپنے اضطراب کا کس طرح اظہار کررہے ہیں؟"
"سیاست اور سفارت کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں۔ امریکی قونصل خانے کا سیکنڈ سیکریٹری پچھلے چند گھنٹوں میں ہماری وزارت داخلہ کے انڈر سیکریٹری کو دو مرتبہ گھر فون کرچکا ہے۔ دونوں مرتبہ اس نے کراچی کے حال احوال دریافت کیے ہیں۔" جلال نے بتایا۔
"ہمارے انڈر سیکریٹری نے اس سے یہ تو ضرور پوچھا ہوگا کہ کراچی کے حالات کے بارے میں اسے اتنی تکلیف کیوں ہے۔" میں نے سوال کیا۔
"یہ ایک فطری سوال تھا جس کا جواب غیر متوقع نہیں تھا۔ قونصل خانے کے افسر نے بتایا کہ اسے اپنے ذرائع سے دہشت گردی کی کسی بڑی واردات کی منصوبہ بندی کی اطلاع ملی ہے اس لیے وہ کراچی کے حالات کے بارے میں بہت زیادہ فکرمند ہے۔"
"پھر اسے کیا جواب دیا گیا؟" اول خان نے بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔
"دونوں مرتبہ اسے سرد مہری سے آرام کرنے اور بے فکر رہنے کا مشورہ دیا گیا۔ یہاں کے حالات اور واقعات سے نمٹنے کی ذمے داری ہماری ہے۔ امریکی یہاں کے ٹھیکے دار نہیں ہیں کہ وہ ہر معاملے میں اپنی ٹانگ اڑاتے پھریں۔"
"ویری گڈ! اس کا یہی جواب ہونا چاہیے تھا۔" جلال کا جواب سن کر اول خان خوش ہوگیا۔
"مگر یہ ساری رازداری رات بھر کی ہے۔" میں نے ان کو یاد دلایا "اخباری رپورٹر جناتی وسائل رکھتے ہیں۔ وہ کہیں نہ کہیں سے کچھ نہ کچھ لے اڑیں گے اور صبح کے اخبارات میں فالکن ہاؤس کے واقعے کے بارے میں بھانت بھانت کی خبریں آجائیں گی۔"
"وہ خبریں نہیں، انفرادی تبصرے ہوں گے۔" سلطان شاہ نے تصحیح کی۔
"جب صحیح خبریں دستیاب نہیں ہوتیں تو افواہوں اور

قیاس آرائیوں سے اخبار کا پیٹ بھرا جاتا ہے۔ اخبارات والے اپنے قارئین کو ہر روز پڑھنے کے لیے نیا مواد فراہم نہ کریں تو چند روز میں ان کا کاروبار بالکل ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔" خاصی دیر کی خاموشی کے بعد ویرا نے لب کشائی کی۔

"اول تو فالکن ہاؤس والا علاقہ شہر سے خاصا الگ تھلگ اور اخباری نمائندوں کی آزادانہ آمدورفت سے محفوظ ہے۔ اگر کسی کو کوئی سن گن مل بھی جاتی ہے تو اخباری قیاس آرائیوں کے تدارک کے بارے میں سوچ لیا گیا ہے۔" جلال نے اپنی چائے کی پیالی خالی کرتے ہوئے جواب دیا "یہ بہت نازک اور حساس معاملہ ہے۔ غیر ذمے دارانہ قیاس آرائیاں تلخیاں پیدا کرنے کا سبب بن سکتی ہیں۔ اس بارے میں بالکل آخری لمحات پر، رات کے دو بجے سب ایجنسیوں کو پریس ریلیز جاری کیا جانے والا ہے۔"

"دو بجے کا وقت مقرر کرنے میں کوئی مصلحت ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"بڑے اخباروں کی چھپائی ساڑھے تین بجے تک شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے پہلے انہیں پریس ریلیز مل جائے گا۔" جلال نے کہا "کم اشاعت والے چھوٹے اخبارات دیر سے فائنل ہوتے ہیں اس لیے ان میں تاخیر سے ملنے والی بعض خبریں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔"

"یہ سب معاملات پولیس اور اطلاعات کے صوبائی محکموں سے متعلق ہیں۔ اس انتظام کے لیے تمہارا کراچی میں رکنا تو ضروری نہیں تھا!" میں نے قدرے حیرت سے کہا۔

جلال کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی اور اس نے دھیرے سے کہا "اب تم نے کام کی بات کی ہے۔ میں دیر سے منتظر تھا کہ کوئی کراچی میں میری موجودگی کے بارے میں سوال کرے۔"

"تم پھر خاموش ہو گئے۔" ویرا نے اسے ٹوکا "اس کا مطلب ہے کہ تم مزید کسی سوال کے منتظر ہو۔ میں پوچھ لیتی ہوں کہ اس وقت تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

جلال خوش دلی سے ہنس پڑا اور بولا "اب تک جو باتیں ہوتی رہیں، وہ کسی نہ کسی طرح تم لوگوں کے علم میں آ ہی جاتیں۔ میرے کراچی میں رکنے اور یہاں آنے کا سبب کچھ اور ہے۔ اخبارات کو پریس ریلیز جاری ہونے تک سارے معاملات جوں کے توں رہیں گے یعنی فالکن ہاؤس کا قصہ صوبائی حکومت اور مقامی پولیس کی تحویل میں رہے گا۔ ڈھائی بجے یہ وفاقی معاملہ بن چکا ہوگا۔"

"کیا وقت کے اس مخصوص تعین سے کوئی نمایاں فرق پڑے گا؟" اول خان نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"ابھی تک امریکی قونصل خانہ معلومات حاصل کرنے کی خفیہ کوششیں کر رہا ہے۔ پریس ریلیز جاری ہونے کے بعد اخباری نمائندے ان کی طرف دوڑ لگا دیں گے اور ان کو کھل کر بات کرنے کا موقع مل جائے گا۔ ان کا سارا دباؤ صوبائی محکموں پر رہے گا۔ جب تک پوری بات کھلے گی، ہم اپنا کام مکمل کر چکے ہوں گے۔"

"پریس ریلیز جاری ہونے کے بعد ان کا سیکنڈ سیکریٹری شور نہیں مچائے گا کہ تمہارے انڈر سیکریٹری نے جھوٹ بول کر اس کو ٹالنے کی کوششیں کی تھیں۔" ویرا نے پوچھا۔

"انڈر سیکریٹری مختار کل نہیں ہوتا، دوسروں کے احکام کا تابع ہوتا ہے۔ اس سے کوئی شکوہ کرنا بے سود ہوگا۔" جلال نے یہ کہہ کر سگریٹ سلگا لی۔

"تمہارے قول کے مطابق یہ باتیں بھی کسی نہ کسی طرح ہمارے علم میں آ جاتیں۔" میں نے کہا "یہ بات نہیں کھل سکی کہ تمہاری آمد کا اصل مدعا کیا ہے۔"

"میں وہی بتانے والا تھا۔" جلال نے سرمئی دھویں کے مرغولے فضا میں بکھیرتے ہوئے جواب دیا "مجھے پہلی مرتبہ افسوس ہوا ہے کہ لیری ہف ماجد یمنی کی دہشت سے مر گیا۔ آج وہ زندہ ہوتا تو مزہ آ جاتا۔"

"کیوں گڑے مردے اکھیڑ رہے ہو۔ جو مر گیا اس کا مر جانا ہی بہتر تھا۔"

"دراصل ہماری ایجنسیوں کے غیر رسمی اجلاس کی آخری فرمائش اسی کی تھی۔ اب میں امریکی نمائندوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس بلانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" جلال نے انکشاف کیا۔

میں اس کی تجویز سن کر ششدر رہ گیا۔ وہ بہت دور کی کوڑی لایا تھا۔ اس کی تجویز کے پورے خدوخال سے واقفیت کے بغیر مجھے اندازہ تھا کہ ایسے کسی غیر رسمی اجلاس میں بہت سے تکلیف دہ سوالات کے جواب مل سکتے تھے۔

"تم کن امریکی نمائندوں کو بلانے کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"جان اسمتھ، جان ایلش کوف، لیری ہف اور جیک اسمتھ آتے جانے والے لوگ ہیں۔" جلال نے تمباکو نوشی ترک کر کے جواب دیا "ہمارے علم میں ہے کہ کم از کم تین امریکی ایجنسیوں کے نمائندے باضابطہ طور پر پاکستان میں مقیم رہتے ہیں۔ وہ ادھر سے آئیں گے۔ اپنی طرف سے صرف تم

میرا ساتھ دو گے۔"

"تم بار بار مجھے کیوں ان کے سامنے لانا چاہتے ہو؟" میں نے عاجزی سے پوچھا۔

"چبھتے ہوئے اور تیکھے سوال ہر شخص کو بروقت نہیں سوجھتے۔" جلال نے پوری فراخ دلی سے کہا "میں نے تمہاری بے رحمانہ جرح پر لیری ہف کی پیشانی پر پسینے کی موٹی موٹی بوندیں پھوٹتی دیکھی تھیں۔ تم کو ایک مرتبہ پھر میرا ساتھ دینا ہوگا۔"

"یہ ڈھیٹ اور بے شرم قوم ہے۔" میں نے تلخی سے کہا "ان کا مفاد ہو تو یہ اپنی ماں کو بھی بے دھڑک ہو کر بیچ ڈالیں گے۔ پسینے کی چند بوندوں سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔"

"اے!" ویرا نے اچانک ہانک لگائی "میرے سامنے تم میرے ہم وطنوں کو برا نہیں کہہ سکتے۔"

"ڈینی کو اپنے دل کی بھڑاس نکال لینے دو۔" اول خان نے نرمی سے اسے سمجھایا "اس وقت یہ ایک مشہور امریکی سیاست داں کی بات کا جواب دے رہا ہے۔"

"میں بھی اس سے یہی کہہ رہی ہوں کہ انہیں صرف برا نہیں بلکہ بہت برا کہو۔" ویرا نے ہنس کر کہا "انہوں نے اپنے اوپر ایسی گھناؤنی قیادت مسلط کرلی ہے جو طاقت کے نشے میں چور ہو کر دنیا بھر میں ہنکارتی پھر رہی ہے اور عام امریکی کی ذلت و رسوائی کا سبب بن رہی ہے۔"

"یہ بات تم ہی کہہ سکتی ہو۔ ہم نے کہی تو امریکی ہم پر ڈیزی کٹر بم برسا دیں گے۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ فرعون کا وقت پورا ہوتا ہے تو وہ موسیٰ کی پرورش شروع کر دیتا ہے۔ ویرا نے تلخی سے جواب دیا "ابھی جلال نے افغانستان کے بارے میں اپنے جن خدشات کا اظہار کیا ہے اگر وہ درست نکلے تو تم دیکھ لینا کہ فرعون کی کہانی دہرائی جائے گی۔ امریکا کے پالے ہوئے عسکری گروہوں میں سے کوئی ایسا دیوزاد ابھرے گا جس کا تصور اقتدار کے امریکی ایوانوں میں بیٹھنے والوں کی نیندیں حرام کر دے گا۔"

"تم کو سیاست بہت مرغوب ہے۔ ہر بات کے ڈانڈے اسی سمت میں ملا دیتی ہو۔" اول خان نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"جو لوگ روزگار کی یاسی اور مجبوری کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ان کی سیاست میں دلچسپی بہت بڑھ جاتی ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ میں بھی غریب الوطن ہوں۔ امریکا گئی تو اپنے خون کے پیاسوں سے زیادہ دنوں تک نہیں چھپ سکوں گی۔ وہ مجھے ڈھونڈ کر مار ڈالیں گے۔"

ویرا کے ان جذباتی فقروں کے بعد چند لمحوں کی تعزیتی خاموشی ناگزیر تھی۔ اس کی مدفون سلامتی کے احترام میں کچھ دیر تک سب ہی خاموش رہے پھر میں نے وہ سکوت توڑتے ہوئے جلال سے پوچھا "امریکی سفارت کاروں کو وفاق اور صوبے کے چکر میں الجھا کر تم اپنا کوئی کام مکمل کرنے کا ذکر کر رہے تھے۔"

"اوہ! تو یہ بات تمہیں یاد ہے۔" میری یاد دہانی پر وہ مسکرا کر بولا "مضبوط حافظہ تمہاری دوسری بڑی خوبی یا خرابی ہے۔ سنی ہوئی کوئی بھی بات تم بہت مشکل سے بھولتے ہو۔ میں نے وہ تذکرہ کیلی کے حوالے سے کیا تھا۔"

"تو کیا تم اس کی برین واشنگ کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"یہی سمجھ لو۔ اس کے ذہن سے آئی مین کا خوف نکال کر اپنی دہشت بٹھانے کا مرحلہ بہت کٹھن ثابت ہو سکتا ہے۔ ہم سے ڈرے بغیر وہ اپنی زبان نہیں کھولے گی۔"

"اس وقت ہمارے کھیل کا سارا دارومدار اسی کے انکشافات پر ہے۔" اول خان نے لقمہ دیا۔

"پولیس والے اس سے کچھ نہیں اگلوا سکتے۔ میری یہ بات کہیں لکھ لو۔" ویرا نے اٹل لہجے میں اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

"کہیں لکھنے کی ضرورت نہیں۔" جلال نے رسانیت سے جواب دیا "رات کے ڈھائی بجے کیس وفاق کو منتقل ہوتے ہی دونوں قیدی انٹیلی جنس بیورو کی تحویل میں آ جائیں گے۔"

"دوسرا قیدی کون ہے؟" سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کیا۔ جلال کا جواب سن کر ویرا کے ہونٹ جڑے رہ گئے تھے۔

"فالکن ہاؤس کا مقامی چوکیدار بے ضرر اور بے قصور آدمی تھا۔ اسے صرف بے ہوش کیا گیا تھا۔ اب وہ بھی پولیس کی تحویل میں ہوگا۔" میں نے اسے بتایا پھر جلال کی طرف متوجہ ہو گیا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ آج رات ڈھائی بجے صدف مینشن آباد ہو جائے گا۔"

"ہمارے دشمنوں اور حریفوں کی مہربانیوں سے وہ کبھی غیر آباد نہیں رہتا۔" جلال نے انکشاف کیا "اس وقت بھی چوپڑا وہاں مقیم ہے۔"

"چوپڑا؟" میں نے چونک کر پوچھا "وہ وہاں کب آ گیا؟

تم تو آخر تک اس کے اندرونِ سندھ سفر کی کہانیاں سنا رہے تھے۔"

وہ ہنسنے لگا "کراچی سے صرف ایک گھنٹے کی مسافت پر اندرونِ سندھ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ چوپڑا کو وہاں لے جانا یا وہاں سے لانا کون سا مشکل کام ہے۔"

"پھر بھی انڈین قونصلیٹ والے ہر روز اس سے ملنا چاہ رہے تھے۔ ان کے اسی مطالبے کی وجہ سے تم نے تفتیش کے بہانے اسے کراچی سے دور منتقل کیا تھا۔"

"وقت کے ساتھ ترجیحات بدلتی رہتی ہیں۔ اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔" جلال نے بے فکری سے جواب دیا۔

"بھارتی اس کے بدن پر تشدد کے نشانات دیکھتے ہی شور مچا دیں گے۔" اول خان نے خدشہ ظاہر کیا۔

"بھارتی تو کیا، ابھی خود چوپڑا کو علم نہیں ہے کہ اسے کراچی واپس لایا جا چکا ہے۔ ویسے بھی اس پر خفیہ تشدد کیا گیا ہے۔ اس کا بدن بالکل بے داغ ہے۔ تھپڑوں اور کولھوں پر پڑنے والی پشاوری چپلوں کے نیل مندمل ہو چکے ہیں۔ آئی بی کے آدمی ہر کام انصاف اور قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے کرتے ہیں۔"

"میں آج تک یہ بات نہیں سمجھ سکی کہ انصاف اور قانون کے الفاظ ایک ساتھ کیوں استعمال کیے جاتے ہیں۔" ویرا اچانک بول پڑی "کیا معنوی طور پر یہ دونوں الفاظ یکساں نہیں ہیں؟ دنیا بھر میں قانون ہی انصاف فراہم کرتا ہے۔"

"قانون اندھا ہوتا ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "وہ شہادتوں پر چلتا ہے۔ چار جھوٹے گواہ مل جائیں تو ایک بے گناہ پھانسی کے پھندے پر لٹک جاتا ہے۔ شہادت میسر نہ ہو تو قاتل کو باعزت بری کر دیا جاتا ہے مگر انصاف اندھا نہیں، دانا و بینا ہوتا ہے۔ وہ شہادتوں پر نہیں، قدرت کے اٹل قوانین پر چلتا ہے۔ انصاف کہتا ہے کہ چوپڑا جیسے پرانے غدار کے بدن کے چیتھڑے اڑا ڈالو۔ قانون مقدمہ چلائے بغیر فیصلہ صادر نہیں کرے گا۔ ہم جیسے لوگ انصاف کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں....."

"لیکن آئی بی قانون کی پوری پوری پاس داری کرتی ہے۔" جلال نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

میں سرہلا کر رہ گیا۔ اس موضوع پر جلال سے بات کرنا مناسب نہیں تھا۔ حالات کے تحت وہ خود اپنے فیصلے کرتا تھا۔ ونود اس کی تازہ مثال تھا۔

"چوپڑا نے کیا بتایا ہے؟" اول خان نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

"یوں سمجھ لو کہ اس نے اپنا کھایا پیا تک اگل دیا ہے۔ دہشت گردوں کے نیٹ ورک سے اس کے قریبی رابطے رہے ہیں۔ اس نے اسلام آباد اور کراچی میں ہونے والے بم دھماکوں کے تین مجرموں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ آج رات وہ تینوں حوالات کے قیدی بن جائیں گے۔"

"ان تینوں کی قومیتیں کیا ہیں؟" اول خان کے لیے وہ نکتہ ہمیشہ سے اہم رہا تھا۔

"ایک مسلمان کہا جاتا ہے۔ بقیہ دو را کے تربیت یافتہ ایجنٹ ہیں جو غیر قانونی طور پر سرحد پار کر کے پاکستان میں داخل ہوئے اور پچھلے کئی سالوں سے جعلی کاغذات پر یہاں کے نجی اداروں میں نوکریاں کر رہے ہیں۔"

"شاید اس کے اعترافات تازہ ہیں۔ جب ہی وہ تینوں اب تک آزاد پھر رہے ہیں۔" ویرا نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"وہ سب کچھ جھیل کر بھی خاموش تھا لیکن جب اسے خطرناک برین شاک دیے گئے تو وہ یکایک بولتا چلا گیا۔"

"کیا اس کے دماغ کو برقی جھٹکے دیے گئے تھے؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ نہ کریدو تو بہتر ہے۔ کچھ باتیں ہمارے پیشہ ورانہ رازوں کے زمرے میں آتی ہیں۔ اس کے دماغ کو کرنٹ لگتا تو وہ پاگل ہو کر ناکارہ بھی ہو سکتا تھا۔"

"اے این ایچ نامی کیمیکل کی اسمگلنگ کے بارے میں بھی اس نے اقرار کر لیا ہوگا؟" ویرا نے پوچھا۔

"میں نے کہا نا کہ اس نے کھایا پیا تک اگل دیا ہے۔" جلال نے اپنی بات دہرائی "اس نے سب سے بھیانک بات یہ بتائی ہے کہ کراچی میں بدامنی کی نئی لہر پیدا کرنے کے لیے چار افراد کو مامور کیا گیا ہے۔ چوپڑا نے ان کے نام بتا دیے ہیں لیکن وہ ان کی کمین گاہ سے لاعلم ہے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا "وہ دن رات دہشت گردوں سے رابطے میں رہا ہے تو ان کے ٹھکانوں سے بھی ضرور واقف ہوگا۔"

"اس نے جس ہوٹل کی نشان دہی کی تھی، وہاں سے وہ لوگ دو دن پہلے نکل چکے ہیں۔ میرے آدمی ان کی تلاش میں پورا شہر چھان رہے ہیں۔ وہ چاروں را کے بھارتی ایجنٹ ہیں۔ انہیں کسی مقامی کے پاس آسانی سے پناہ نہیں ملے گی۔ وہ جلد ہی پکڑے جائیں گے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ چوپڑا کی گرفتاری کی خبر پاتے ہی انہوں نے اپنا ٹھکانا بدل لیا۔" سلطان شاہ نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"ہر ایجنٹ یہی کرتا ہے۔ خطرہ بھانپتے ہی ٹھکانا بدلنے کی تدبیر سیکڑوں سال پرانی ہے۔" ویرا نے سلطان شاہ کی بات کی اہمیت کم کرنے کے لیے بولنا ضروری سمجھا۔

"اس وقت میرے لیے وہ چاروں سب سے زیادہ اہم ہیں۔ ان پر بروقت ہاتھ ڈال کر ہم کراچی والوں کو بھاری جانی و مالی نقصان سے بچاسکتے ہیں۔ متوقع دہشت گردی کے خطرے سے پولیس کو بھی آگاہ کردیا گیا ہے۔"

"اگر اس شہر میں خدانخواستہ کچھ ہوجائے تو پھر چوپڑا کو زندہ نہ چھوڑنا۔" سلطان شاہ غصیلے لہجے میں بولا۔

"یہ نہیں ہوسکتا۔" جلال نے اس کا جذباتی مشورہ مسترد کردیا "وہ ریکارڈ پر آیا ہوا قیدی ہے۔ وہ اہم مہرہ ضرور ہے مگر منصوبہ کسی اور کے دماغ کی پیداوار ہے۔ بس یہ دعا کرتے رہو کہ میرے آدمی جلد از جلد ان لوگوں کے گریبان تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں۔"

سلطان شاہ خاموشی سے اپنے ہونٹ ہلا کر رہ گیا۔

بات میں سے بات نکلتی چلی آرہی تھی مگر چوپڑا کا موضوع بھی تازہ اور بہت اہم تھا۔ میں اس گفتگو کا سلسلہ منقطع نہیں کرسکا۔ اس چکر میں آئی مین والی بات پھر ادھوری رہ گئی تھی۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ میں کچھ دیر کے لیے چوپڑا سے تنہائی میں مل لوں؟" اول خان نے جلال سے پوچھا۔

"بے سود ہے۔ تم اس سے ایک بھی نئی بات نہیں اگلوا سکو گے۔ اسے بہت اچھی طرح نچوڑلیا گیا ہے۔ اس کی کہی ہوئی اہم باتیں میں نے دہرا دی ہیں۔ اس کے بارے میں ہم بعد میں بات کریں گے۔ پہلے ہمیں کل کے بارے میں کچھ طے کرلینا چاہیے۔ میری خواہش ہے کہ یہ غیر رسمی ملاقات کل ہی ہوجائے۔"

"چوپڑا کے بارے میں تمہیں آتے ہی بتا دینا چاہیے تھا مگر تم آخر تک خاموش رہے۔ صدف مینشن کا ذکر چھڑنے پر تمہیں وہ یاد آیا تھا۔" ویرا نے اس سے شکوہ کیا۔

"میرے ذہن پر آئی مین اور جیک کی موت سوار تھی۔" جلال نے اپنی صفائی پیش کی "چوپڑا کا قصہ پرانا ہے۔ اس پر کام ہورہا ہے۔ نتائج آخر کار تمہارے سامنے آہی جاتے۔"

اس کی بات اپنی جگہ پر درست تھی۔ چوپڑا کے بارے میں جو کچھ اس نے بتایا' وہ ہم نے سن لیا تھا۔ اس بارے میں ہم کچھ کرنے سے قاصر تھے کیونکہ چوپڑا سرکاری قیدی تھا۔ اس کے بتائے ہوئے مجرموں کی گرفتاری کے لیے جس نیٹ ورک کی ضرورت تھی وہ ہمارے پاس موجود نہیں تھا۔ آئی بی والے مقامی پولیس کے تعاون سے آسانی سے ان چاروں روپوش مجرموں تک پہنچ سکتے تھے۔ اس وقت ہماری ساری توجہ آئی مین اور اس سے متعلقہ معاملات پر مرکوز رہنی ضروری تھی۔

"کیا تم اس غیر رسمی اجلاس سے کسی ٹھوس نتیجے کی توقع کررہے ہو؟" اول خان نے وہ سوال کرکے موضوع کا رخ یکسر تبدیل کردیا۔

"اس سطح پر کوئی ٹھوس نتیجہ حاصل کرنے کی امید نہیں ہے۔ ان سب کی ڈوریاں واشنگٹن سے ہلائی جاتی ہیں۔ جب تک وہاں بیٹھنے والوں کی سوچ تبدیل نہیں ہوگی' کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔ یہ ضرور ہوگا کہ ندامت اور شرمندگی اٹھانے کے بعد یہاں ان کی سرگرمیاں ماند پڑجائیں۔"

"جان ایش کوف کے فرار اور لیری ہف کے جان لیوا ہارٹ اٹیک کے بعد وہ بالکل خاموش ہوگئے تھے۔" ویرا نے یاد دلایا۔

"وہ مصلحت آمیز خاموشی تھی۔ انہوں نے خود پسپائی اختیار کرکے آئی مین کو آگے بڑھنے کا موقع دیا تھا۔ پتا نہیں وہ مردود کب سے یہاں چھپا بیٹھا تھا۔"

"آئی مین تنہا ہوتا تو بات اتنی سنگین نہ ہوتی۔" میں نے اعتراض کیا "اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ایف بی آئی کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر یہاں اس کی پشت پناہی کررہا تھا۔"

"خط و کتابت میں ہر سوال کا جواب دیا جاسکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کے تاثرات کا مشاہدہ کروں۔"

"میں تیار ہوں۔" پندرہ منٹ کے نوٹس پر میں کہیں بھی چل سکتا ہوں۔"

"مجھے امید تھی کہ تم آمادہ ہوجاؤ گے۔ اس بار میں زیادہ لوگوں کو جمع کرنا نہیں چاہتا۔ میٹنگ کے شرکا کی تعداد زیادہ ہو تو بعض اوقات سارے مذاکرات اپنے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ ہم دو افراد ہوں گے تو ساری کارروائی ایک ہی رخ پر آگے بڑھتی رہے گی۔"

"مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس بار میرا رول کیا ہوگا۔" میں نے پیکٹ سے سگریٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"تم کو پچھلا تسلسل برقرار رکھنا چاہیے۔ ایس ٹی ایف کے کرنل داور کی حیثیت سے تم لیری سے مل چکے تھے۔"

کسی نئے روپ کے مقابلے میں وہ پرانا بہروپ واقعی بہتر رہتا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا "تم بتا رہے تھے کہ لیری میری

ذات میں دلچسپی لے رہا تھا۔"

"وہ اس کی ذاتی بات تھی۔ شاید میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ اب بات اس سے بہت آگے نکل چکی ہے۔ امریکی باضابطہ طور پر کرنل داور کا سروس پروفائل مانگ چکے ہیں۔ اس بارے میں یاد دہانی بھی کرائی گئی ہے مگر اعلیٰ سطح پر معذرت کرلی گئی ہے۔"

"میرے بس میں ہوتا تو میں اس ایڈونچر سے ضرور لطف اندوز ہوتی۔ دشمن کے دہانے میں بیٹھ کر اس کی شہ رگ کاٹنے کا تجربہ میرے لیے انوکھا ثابت ہوتا۔"

"اس مرتبہ ڈیٹی کے بجائے تم اجلاس میں چلی جاؤ۔" سلطان شاہ نے طنزیہ لہجے میں اسے مشورہ دیا "وہ تمہاری بے مغز باتوں پر شاید کان بھی نہیں دھریں گے۔ انہیں کرنل داور کی شخصیت نہیں، ذہانت پسند آئی ہے۔"

"جب دو بڑے بات کر رہے ہوں تو بیچ میں بولا نہیں کرتے، خاموشی سے سنتے ہیں۔" ویرا نے اتنی سنجیدگی سے کہا جیسے وہ واقعی کسی بچے کو سمجھا رہی ہو۔

جلال بے ساختہ ہنس پڑا۔ دوسروں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ ہنسی رکنے سے پہلے جلال نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس کے پاس کام کی کثرت تھی۔ ہمارے انتظار میں اس کے پندرہ بیس منٹ پہلے ہی ضائع ہو چکے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ فالکن ہاؤس والے کیس کی مقامی پولیس سے آئی بی کی طرف منتقلی کے چکر میں اس کی پوری رات کالی ہوسکتی تھی۔ میں اسے لے کر نکاس کے راستے کی طرف بڑھا تو کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

ہم سب کا باہر جا کر اسے رخصت کرنا مناسب نہیں تھا۔ بلاوجہ وہ پڑوسیوں کی توجہ کا مرکز بن جاتا۔ ہم نے پھاٹک سے باہر جانے کے بجائے اسے گھر کے دروازے سے ہی رخصت کر دیا۔

اس کی گاڑی کا انجن خفیف سی آواز کے ساتھ بیدار ہوا اور پھر وہ آواز تیزی سے دور ہوتی چلی گئی۔

"اوہ! ایک اہم بات تو رہ گئی۔" گاڑی کی آواز معدوم ہونے کے بعد ویرا اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔

"سر کے بال منڈوا دو۔ یادداشت بہتر ہو جائے گی۔" سلطان شاہ نے پُرخلوص انداز میں اسے مشورہ دیا۔

"مجھے ضد نہ دلانا۔" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے کہا "میں اپنا سر بھی منڈوا دوں گی۔ یورپ کی لڑکیوں میں یہ فیشن آتا جاتا رہتا ہے۔ تم میرے ساتھ چلنے میں تماشا بن کر رہ جاؤ گے۔"

"اپنی تصحیح کرلو۔ اپنی عمر اور تجربے کی بنا پر اب تم لڑکی نہیں رہی ہو، خاتون بن چکی ہو۔" اس بار سلطان شاہ نے دھیمی آواز میں کہا تھا مگر وہ فقرے میرے کانوں سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ میں نے کڑی نظروں سے اسے گھورا اور اس نے مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی اپنا سر جھکا لیا۔

"تم کو کون سی بھولی ہوئی بات یاد آ رہی تھی؟" غزالہ نے ویرا سے پوچھا۔

"کیلی کا کیا حال ہے اور اس سے بازپرس کی ابتدا کب ہوگی۔" ویرا نے اسے بتایا۔

"اس وقت وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں ہوتا تو ضرور کہتا۔" اول خان نے ڈرائنگ روم میں کھڑے کھڑے کہا "آف دی ریکارڈ میٹنگ کا وقت طے ہو جانے کے بعد ہی وہ کسی اور طرف توجہ دے سکے گا۔ اس سے رابطہ ہو تو مجھے ضرور باخبر رکھنا۔ اب میں چلتا ہوں۔"

وہ خوش مزاج اور مجلسی آدمی تھا۔ سب نے ہی اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ رکنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ اس کا پورا دن بہت سخت گزرا تھا۔ آنے والے دن کے آثار بھی کچھ اچھے نہیں تھے۔ ہم نے جلال کے بعد اسے بھی رخصت کر دیا۔

جلال کی لائی ہوئی خبریں بہت اہم اور امید افزا تھیں۔ ان پر کسی پیش رفت کے لیے اگلے دن کا انتظار ضروری تھا۔ اسے اور جلال کو رخصت کرنے کے بعد میرا ذہن ایک مرتبہ پھر جہانگیر کی طرف بھٹک گیا۔ اگر گھر پر جلال ہمارا منتظر نہ ہوتا تو میں اسی وقت جہانگیر کے گھر جا کر اسے آتش زنی کی بری خبر سنانے کا ارادہ کر چکا تھا لیکن تاخیر ہو جانے کے باعث میں تذبذب کا شکار ہو گیا۔

جہانگیر ان دنوں بسیار نوشی کی جس بری عادت میں مبتلا ہو چکا تھا اس کے پیش نظر غالب امکان یہ تھا کہ وہ اپنے کمرے میں مدہوش پڑا، سلمیٰ کا کھلونا بنا ہوا ہو۔ بس ایک موہوم سی امید یہ کی جا سکتی تھی کہ سلمیٰ کے ماموں، چوہدری عظمت کے ہیروئن کیس میں پکڑے جانے کے بعد جہانگیر کے دل میں رچا ہوا مجرمانہ احساسِ کمتری ختم ہو گیا تھا۔ سلمیٰ کے نام نہاد معزز گھرانے کی مالی آسودگی کا راز کھلتے ہی جہانگیر اور سلمیٰ کے مراسم برابری کی سطح پر آ گئے تھے۔ شاید اس خوشگوار انقلاب کی وجہ سے جہانگیر نے زیادہ نہ پی ہو اور میاں بیوی ہنس بول رہے ہوں۔

میں نے اس بارے میں کچھ دیر تک سوچا اور پھر جہانگیر کو فون کرنے کا ارادہ کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

دوسری گھنٹی پر سلمٰی نے میری کال وصول کی اور میری آواز سنتے ہی فون پر چہکنے لگی "آج کل اٹھتے بیٹھتے میرے دل سے تمہارے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ تم نے ان کو گھر میں محدود کر کے میرے اوپر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ دو تین دن میں یہ بالکل ہی بدل گئے ہیں۔"

"اتنی تعریفیں نہ کرو کہ میرا دماغ خراب ہو جائے۔ ذرا جہانگیر سے میری بات کرا دو۔ وہ کہاں ہے؟" میں نے کسی خوش دلی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اپنے لہجے میں گہری سنجیدگی برقرار رکھی۔ میری خواہش تھی کہ میرے زبان کھولنے سے پہلے وہ اندازہ لگالے کہ میرے پاس اسے یا جہانگیر کو سنانے کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔

میری توقع پوری ہوئی۔ میرے کانوں میں سلمٰی کی چونکی ہوئی آواز گونجی "کیا بات ہے، تمہاری آواز سے سنجیدگی بلکہ اداسی جھلک رہی ہے۔ کیا آج کسی سے لڑ کر آئے ہو۔"

"بس کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔" میں نے اسے مبہم سا جواب دیا "ہر روز آدمی کے ستارے یاوری نہیں کرتے۔ تم نے جہانگیر کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"وہ ڈرائنگ روم میں ٹیلی وژن کے سامنے پاؤں پسارے بیٹھے ہیں۔ میں انہیں ابھی بلاتی ہوں۔ پہلے تم مجھے بتاؤ کہ کیا ہوا ہے۔ آج کل دکان تم ہی چلا رہے ہو۔ وہاں سب خیریت ہے نا؟"

وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار نکلی۔ اس نے براہِ راست ایک نازک سوال کر کے میری مشکل آسان کر دی تھی۔ میں نے بوجھل آواز میں کہا "خیریت ہوتی تو میں اس وقت فون نہ کرتا۔ وقت برباد کرنے کے بجائے جہانگیر کو بلا دو۔ وہ میری بات آسانی سے سمجھ سکے گا۔"

"توبہ ہے میری۔ کبھی کبھی تم دونوں ایسی الجھی ہوئی باتیں کرتے ہو کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ تم ہولڈ کرو۔ میں انہیں بلاتی ہوں۔"

میں ریسیور کان سے لگائے جہانگیر کی آواز کا منتظر تھا کہ غزالہ نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ وہ ان دونوں کو شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آئی تھی۔ میں کسی کی مداخلت کے خوف کے بغیر فون پر بات کر سکتا تھا۔

"جہانگیر کو خبر کرنی ضروری ہے۔" غزالہ کے آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھے جانے والے سوال کے جواب میں، میں نے ریسیور پر ہاتھ رکھے بغیر کہا "سلمٰی اسے بلانے گئی ہے۔"

"اس وقت وہ اپنی دنیا میں مگن ہوگا۔ آپ کی کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔" غزالہ یہ کہتی ہوئی باتھ روم میں چلی گئی۔

اسی لمحے جہانگیر فون پر آگیا "تم کہاں ہو؟ میں شام سے تمہارے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ سلمٰی بتا رہی ہے کہ اس وقت تم پریشان ہو۔"

"تمہاری بیوی پیٹ کی بہت ہلکی ہے۔" میں نے مصنوعی ناراضگی سے کہا "اس نے ذرا سی دیر میں تمہارے کان بھر دیے۔"

"کان نہیں بھرے۔ اس نے جو محسوس کیا، مجھے بتا دیا۔ آج کل ہم دونوں کے تعلقات بہت اچھے ہو گئے ہیں۔" اس کی دبی دبی آواز آئی۔

"میں نے شاید تم سے پہلے بھی کہا تھا اور اب پھر اپنی بات دہرا رہا ہوں کہ میری وجہ سے تمہارا جو بھی نقصان ہوا یا ہوگا، اسے میں اپنی جیب سے پورا کروں گا۔" میں نے اسے حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے تمہید باندھنی شروع کی مگر اس نے مجھے آگے نہیں بولنے دیا۔

"نفع نقصان کو جہنم میں ڈالو۔ یہ تو چلتا ہی رہتا ہے۔" اس کے خوشگوار لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھی "اب تم سے کیا پردہ۔ تم کو معلوم ہے کہ میرے باپ نے کوئی ورثہ نہیں چھوڑا تھا۔ تمہاری طرح میں بھی کنگال تھا۔ میں نے جو کچھ کمایا ہے، کالے دھندے سے کمایا ہے۔ اس میں سے کچھ مال برباد ہو جائے تو مجھے ذرا بھی ملال نہیں ہوگا۔ تم بات بتاؤ کہ ہوا کیا ہے۔"

"یہ تمہاری فراخ دلی اور بڑائی ہے مگر میری پیشکش اپنی جگہ قائم ہے۔ میں تمہارا ہر نقصان پورا کروں گا۔" میں اسے اصل واقعہ بتانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارے لاکھوں ڈالر سلمٰی کی تجوری میں موجود ہیں لیکن تمہارا بھائی بھی کچھ کم مالدار نہیں ہے۔ اب منہ سے کچھ پھوٹو کہ ہوا کیا ہے۔ فارمیسی لٹ گئی یا وہاں ڈاکا پڑا ہے؟"

"خطرات حد سے زیادہ بڑھتے جا رہے تھے۔ جانی نقصان کا خطرہ سر پر منڈلاتا دیکھ کر میں نے آج دوپہر کو تمہاری دکان پر تالے ڈلوا دیے تھے مگر آئی مین کمینہ خصلت ثابت ہوا۔ اس نے اپنی پے در پے ناکامیوں سے جھلا کر، کرائے کے آدمیوں سے کچھ دیر پہلے فارمیسی کو آگ لگوا دی۔ میں ابھی

وہیں سے آرہا ہوں۔"

"میرا کیا گیا؟ سالے نے شی کے مال کو آگ لگوائی ہے۔ مال حرام بود' بجائے حرام رفت۔ وہاں چھ سات لاکھ سے زیادہ کا اسٹاک اور فرنیچر نہیں تھا۔ اس کی مجھے پروا بھی نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس آگ میں کوئی جلا تو نہیں۔ دکان کی اوپر والی منزل پر ایک بڑی فیملی رہتی ہے۔"

"کسی کے جلنے کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" میں نے دانستہ جھوٹ بولا "میں نے اتنا ضرور دیکھا ہے کہ اس دکان کی دونوں منزلیں جل کر کوئلہ ہوگئی ہیں۔"

"بہت اچھا ہوا کہ تم نے مجھے بتا دیا۔ اب بے فکر ہو کر سوجاؤ۔ میں بھی سکھ کی نیند سوؤں گا۔ جب سے فارمیسی شروع کی تھی' روپوں اور پیسوں کے خواب آنے شروع ہوگئے تھے۔ میں منیر اور قمر کو کل ہی دو چار مہینوں کی تنخواہیں دے دوں گا۔ جب مالک جائداد دکان بنوا دے گا تو سوچوں گا کہ کیا کرنا ہے۔"

میرے لیے جہانگیر کی وہ دریا دلی حیران کن تھی۔ میں نے کبھی بھول کر بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اتنے کھلے دل کا مالک ہوگا۔ اس سے میری دوستی بہت پرانی اور گہری تھی لیکن اس سے ذاتی طور پر کبھی مالی لین دین کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ دوسری بڑی بات یہ تھی کہ اسے اپنے اثاثوں پر کوئی گھمنڈ نہیں تھا۔ اس نے کسی عار کے بغیر اپنی آمدنی کے ذرائع کا کھلا اعتراف کرلیا تھا۔ میرے لیے اس کے اس اعتراف کی بس اتنی اہمیت تھی کہ اس نے میرے سامنے کوئی بھرم رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی' اپنی زبان سے وہ بات دہرا دی تھی جو پہلے سے میرے علم میں تھی۔

"مجھے ڈر تھا کہ دکان کو آگ لگنے کا صدمہ تمہارے لیے ذہنی جھٹکے کا سبب بنے گا۔" میں نے کہا۔

"اگر وہ تمہیں دکان میں بند کرکے آگ لگواتا تو شاید میرا ذہنی توازن ہی برقرار نہ رہتا۔ دکان کی مجھے پروا نہیں ہے۔ تم دعا کرو کہ اس آگ نے کسی کی گود نہ اجاڑی ہو۔"

میں نے اسے فون کرنے سے پہلے ذہنی تیاری کرلی تھی کہ اس کی کس بات کے جواب میں مجھے کیا جھوٹ بولنا تھا لیکن جہانگیر کی بے نیازی کے سامنے میری وہ تیاری دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ اس نے کچھ پوچھا اور نہ مجھے کوئی بہانہ تراشنے کی ضرورت پیش آئی۔

"پوری تفصیل صبح کے اخباروں سے ہی معلوم ہوگی۔ دکان کا حشر دیکھنے کے بعد میں فکر مند ہوگیا تھا کہ تمہیں یہ خبر کیسے سناسکوں گا۔"

"سنو! جب تک گھر والی سے اَن بن رہتی تھی' گھر کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ وقت گزاری کے لیے مجھے مجبور ہو کر فارمیسی کے بارے میں سوچنا پڑا۔ ایمان داری سے کام لیا تو روپیہ روپیہ کرکے شام تک چند سو روپے کا منافع جمع ہوتا تھا۔ جعلی دوائیں بیچے بغیر خرچے پورے کرنے مشکل تھے۔ اس دھندے کو تم نے سلمٰی سے مل کر بند کرا دیا' سچ پوچھو تو مجھے دو چار ہزار روپے روزانہ کی آمدنی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بینک سے ہر مہینے ڈپازٹ پر اتنا سود مل جاتا ہے کہ آرام سے گزر بسر ہو رہی ہے۔"

وہ ایک بے تکلف دوست اور ساتھی کی کھلی کھلی باتیں تھیں جو کسی اور ذریعے سے کبھی سامنے نہیں آسکتی تھیں۔ لوگ چور بازاری کرکے ہزاروں بلکہ لاکھوں کماتے ہیں اور سیکڑوں کا حساب بتاتے ہیں۔ بنکوں سے سود کماتے ہیں اور اسے توڑ مروڑ کر نفع کا نام دینے کی ناکام کوششیں کرتے ہیں۔ اس حمام میں ہر ایک ستر پوش بننے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک جہانگیر ایسا نر تھا جو میرے سامنے ننگا ہو رہا تھا۔ اسے اپنی کسی برائی کو تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ آج کل تم گھر میں موج اڑا رہے ہو!" دل کا بوجھ ہلکا ہوجانے کے بعد میں نے مزاحیہ لہجے میں کہا۔

"ایسی ویسی موج.... یوں سمجھو کہ شادی کا لطف اب پہلی بار آیا ہے۔ اس کا سارا کریڈٹ تم کو جاتا ہے۔ تم نے اس سالے' ماموں عظمت کو رنگے ہاتھوں نہ پکڑوایا ہوتا تو اپنی سلمٰی بیگم آج بھی اپنی ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دیتیں اور میری زندگی عذاب بنی رہتی۔"

"اب تم خوش ہو کہ تم نے ہیروئن کی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئے تو تمہارا سسرالی گھرانا بھی اسی میں اشنان کر رہا تھا۔"

"واہ! کیا بات کی ہے تم نے!" جہانگیر پھڑک اٹھا "کبھی بات نکلی تو میں یہ جملہ سلمٰی کو ضرور سناؤں گا۔"

"حماقت کی ضرورت نہیں' وہ مجھ سے بدگمان ہوجائے گی۔" میں نے سنجیدگی سے اسے ڈانٹا۔

"تم سے کیوں بدگمان ہوگی۔ میں اسے یہ تھوڑی بتاؤں گا کہ یہ بات تم نے مجھے سجھائی ہے۔ وہ اس جملے کو میرے دماغ کی پیداوار سمجھ کر سناٹے میں رہ جائے گی۔"

میرا ذہن مسلسل اس کی بے اندازہ فیاضی اور فراخ دلی میں الجھا ہوا تھا۔ میں نے اچانک خیال آنے پر چونک کر اس سے پوچھا "مجھے ایک بات بتاؤ کہ تم نے دکان کا بیمہ تو نہیں کرایا ہوا تھا۔"

"بڑی بڑی پارٹیوں کے سوا کوئی انشورنس نہیں کراتا یا پھر وہ لوگ مجبور ہوجاتے ہیں جو اپنے اسٹاک وغیرہ پر بینکوں سے قرض لیتے ہیں۔ میرا شروع سے ایمان داری سے کام کرنے کا ارادہ تھا اس لیے میں نے یہ فالتو خرچ نہیں پالا تھا۔ تمہیں اچانک یہ خیال کیوں آگیا۔"

"ایسے ہی پوچھ لیا۔ بیمہ ہوتا تو تمہارا نقصان بڑی حد تک پورا ہوسکتا تھا۔"

"لعنت بھیجو اس نقصان پر۔ میں دوستی کی خاطر اس سے بڑا نقصان برداشت کرسکتا ہوں۔ کہیں تم یہ تو نہیں سوچ رہے کہ میں بیمے کی وجہ سے دکان کی طرف سے بے فکر ہوں۔"

وہ بالکل ہی بے مغز نہیں تھا۔ اس نے میرے دل کی بات پکڑلی تھی۔ میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا "ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ ویسے بھی تمہارا نقصان دوستی کی خاطر نہیں، دشمنی کی وجہ سے ہوا ہے۔"

"آئی مین قابو سے باہر ہوا جارہا ہے۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم نے بروقت مجھے دکان سے نہ ہٹایا ہوتا تو کیا ہوتا۔"

"وہ بہت آسانی سے تمہیں اپنے چنگل میں لے لیتا۔ وہ اس قدر خودغرض آدمی معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں بلیک میل کرنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔"

"آخر اس کا قصہ تمام ہوگا یا یہ ہمارے لیے یوں ہی عذاب بنا رہے گا۔"

"بس یہ سمجھ لو کہ اس کے دن گنے جاچکے ہیں۔ صبح کے اخبار دیکھوگے تو تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی۔"

"کئی دنوں سے اخبار اس کے خلاف خاصا زہر اگل رہے ہیں۔ وہ اب تک اپنی لیزر گن سے دو آدمیوں کو ہلاک کرچکا ہے۔"

"تم میرے لیے دعا اور اس کے لیے بددعا کرتے رہو۔ کسی بھی وقت اچھی خبر سننے کو مل سکتی ہے۔"

آئی مین کا تصور اس کے لیے خوف آور اور تکلیف دہ تھا۔ وہ خاصی دیر تک اس کے بارے میں بات کرتا رہا۔ میں اس کی دل جوئی کی خاطر اس کے ہر سوال کا جواب دیتا رہا۔ آخر کافی دیر بعد ہماری گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

○☆○

اگلے دن کے اخبار میں فالکن ہاؤس میں پیش آنے والے خون ریز واقعے کی خبر پہلے صفحے پر جلی سرخیوں سے چھاپی گئی تھی جس میں شہر میں ہونے والی مزید خوں ریزی کا ذمے دار پراسرار آئی مین کو ٹھہراتے ہوئے تین امریکیوں کی ہلاکت کو نمایاں انداز میں اچھالا گیا تھا۔

وہ خبر میرے لیے دلچسپی کا مرکز تھی۔ میں نے ابتدا سے آخر تک پوری تفصیل پڑھ ڈالی۔ اخباری اطلاعات میں تین تبدیلیاں بہت نمایاں تھیں۔ ایس ٹی ایف کے کردار کو پولیس سے بدل دیا گیا تھا۔ تینوں مقتولین کے ناموں اور شناخت کے اظہار سے یکسر گریز کرتے ہوئے انہیں تین نامعلوم غیر ملکی قرار دیا گیا تھا۔ سیاہ فام غیر ملکی کی لیزر گن سے ہلاکت کو آئی مین کے سر تھوپ دیا گیا تھا۔ اخبار میں سب کچھ وہی تھا جو میں چاہتا تھا۔

مرنے والے تینوں افراد کی شناخت چھپنے والی نہیں تھی۔ ان میں سے کسی مرنے والے کی تحویل سے کوئی ایسا کاغذ برآمد نہیں ہوا تھا جس سے اس کی شناخت پر روشنی پڑتی اس لیے ان کے ناموں کی اشاعت التوا میں ڈال دی گئی تھی۔ یہ بات یقینی تھی کہ دن طلوع ہونے کے بعد امریکی حکام اپنے اثر و رسوخ سے کام لیتے ہوئے سرکاری اسپتال کے مردہ خانے پہنچتے اور تینوں لاشوں کو شناخت کرکے اپنے ساتھ لے جاتے۔ مرنے والوں کے نام اگلے دن ان ہی کے حوالے سے منظرعام پر لائے جاسکتے تھے۔

"شاندار خبریں ہیں۔" ویرا نے اخبار دیکھ لینے کے بعد مسرت آمیز لہجے میں کہا "رات کو جلال نے پریس ریلیز کی بات کی تھی تو مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے لیے اس قدر بھرپور اور جامع مضمون تیار کیا گیا ہوگا۔ اخبار میں آئی مین کے فرار ہوجانے کا ذکر موجود ہے مگر کیلی یا چوکیدار کی گرفتاری کا تذکرہ سرے سے گول کردیا گیا ہے۔"

"یہ بھی آئی بی والوں کی کوئی مصلحت ہوسکتی ہے۔ ان کے ہمدرد ایک دو روز تک یہ سوچ کر خاموش رہیں گے کہ شاید کیلی بھی کسی طرف فرار ہوگئی ہو اور مطلع صاف ہونے پر اپنے کسی طے شدہ ٹھکانے پر پہنچ جائے۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔

اس وقت تک سلطان شاہ بیدار نہیں ہوا تھا اور غزالہ کچن میں مصروف تھی۔ میں ویرا کے ساتھ ناشتے کے انتظار میں میز پر بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ نہ کہو۔ تم نے بتایا تھا کہ کیلی، آئی مین کے پیچھے دیوار چڑھ رہی تھی۔ گولی لگتے ہی وہ چیخ مار کر گری تھی۔ آئی مین کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ زخمی ہوجانے کے بعد وہ فرار میں اس کا ساتھ نہیں دے سکے گی۔ آئی مین نے اپنے ہمدردوں کو یہ بات بھی بتادی ہوگی۔"

"ضرور بتائی ہوگی۔" میں نے اعتراف کیا "مگر وہ بد

حواسی کے عالم میں تیزی سے فرار ہوا تھا۔ اسے یہ خوش فہمی ہوسکتی ہے کہ شاید کیلی زخم کھانے کے بعد کسی اور سمت میں فرار ہوگئی ہو۔ یہ محض میرا اندازہ ہے ورنہ گرفتاریوں کا ذکر گول کرنے کا اصل مقصد پریس ریلیز تیار کرنے والے ہی جانتے ہیں۔"

"اب تم راہ پر آئے ہو۔ پہلے اس طرح بات کررہے تھے جیسے ان دونوں نے تم سے مشورہ کرکے فرار کا منصوبہ بنایا ہو۔" ویرا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب دیکھنا ہے کہ جلال کا فون کب آتا ہے۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

ناشتے کے دوران میں اس موضوع پر غزالہ سے بھی سیر حاصل تبادلہ خیال ہوا۔ اس کی نپی تلی رائے تھی کہ اس مرحلے پر محدود خبروں کا جاری ہونا ہی سب سے بہتر تھا تاکہ ہمارے حریف غیر یقینی اور ہیجانی کیفیت میں مبتلا رہیں اور ان کی طرف سے غلطیوں کے ارتکاب کا امکان برقرار رہے۔

دس بجے جلال کا فون آگیا۔ اس کا ڈرائیور مجھے لینے کے لیے نکل چکا تھا۔ میری دانست میں اس کا یہ تکلف غیر ضروری تھا۔ اس کی ہدایت پر میں ذرا سی دیر میں شہر کے کسی بھی حصے میں پہنچ سکتا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ کوئی تکلف یا اہتمام نہیں تھا۔ میں اپنی گاڑی میں اس کے مطلوب مقام تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ عمارت شہر کے انتہائی حسّاس اور ممنوعہ علاقے میں واقع تھی۔

پچھلی رات اس سے روبرو ملاقات میں دوسری باتوں کے درمیان، میں یہ پوچھنا بھول ہی گیا تھا کہ امریکی عہدے داروں سے اس کی مجوزہ ملاقات میں گفتگو کا ایجنڈا کیا ہوگا۔ میرے لیے پہلے سے یہ جاننا بہت ضروری تھا تاکہ میں پہلے سے کچھ ذہنی تیاری کرسکوں۔ میرے استفسار پر اس نے اختصار کے ساتھ اپنی حکمتِ عملی بیان کردی۔ اس سے گفتگو ختم ہوتے ہی میں تیار ہونے کے لیے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ مجھے دونوں عورتوں کو کچھ بتانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ مجھے جلال کے پاس پہنچنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جلال کا ڈرائیور گاڑی لے کر آپہنچا اور میں اس کے ساتھ روانہ ہوگیا۔

ڈرائیور آئی بی کا باقاعدہ ملازم اور جلال کے اعتماد کا آدمی تھا لیکن اس سے کسی نازک موضوع پر بات کرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ سفر خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ گاڑی گلشن اقبال سے نیشنل اسٹیڈیم کی طرف مڑی اور کارساز روڈ پر ہولی۔ چند منٹ کے مختصر سے سفر کے بعد گاڑی بحریہ کے ایک

زمینی مستقر کے پھاٹک کے سامنے رکی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اجلاس کا مقام میری قیام گاہ سے بہت قریب تھا۔ پھاٹک پر بحریہ کے ایک چاق وچوبند گن مین نے ڈرائیور کا کارڈ دیکھا اور گاڑی کے اندر داخلے کے لیے پھاٹک کھول دیا۔

کارساز روڈ سے اس پھاٹک میں داخل ہوتے ہی کشادگی، نفاست اور ڈسپلن کی ایک نئی دنیا نظر آئی جہاں رہنے بسنے والوں کے قرینے ہی مختلف تھے۔ کئی دفتری عمارات کے سامنے سے گزرنے کے بعد ڈرائیور نے گاڑی ایک طرف موڑی اور ایک پرشکوہ سہ منزلہ عمارت کے پورچ میں لے جاکر روک دی جہاں پختہ گزرگاہ کے اطراف میں زمین اور گملوں میں سجے ہوئے سبزے اور پھولوں کی حیرت انگیز بہتات تھی۔ میں جیسے ہی... دروازہ کھول کر نیچے اترا، برآمدے سے جلال لپک کر میری طرف بڑھ آیا۔

"وہ دونوں مقررہ وقت سے پہلے ہی پہنچے ہوئے ہیں۔" اس نے پرتپاک انداز میں میرا استقبال کرتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ان کے لیے ایک ایک پل گزارنا دوبھر ہورہا ہوگا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج وہ بے بس ہیں۔ انہیں بری طرح رگڑ دینا ہے۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

میں خاموش رہا۔ ان لوگوں پر بلا سبب چڑھائی نہیں کی جاسکتی تھی۔ یہ دیکھنا ضروری تھا کہ دوران گفتگو وہ کیا موقف اور رویہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں جلال کے جذبات میرے لیے قابل فہم تھے۔ میں خود بھی ان کا ہمدرد نہیں تھا مگر ہم کو ان پر دیکھ بھال کر ہاتھ ڈالنا تھا۔

اس بار کسی لمبے چوڑے کانفرنس ہال کے بجائے ایک کشادہ کمرے کا انتخاب کیا گیا تھا جو شاید چھوٹی موٹی رسمی ملاقاتوں کے لیے ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ کمرا ائرکنڈیشنڈ اور خاصا آراستہ تھا۔ ہم سے پہلے دو تجربے کار سفید فام وہاں موجود تھے۔

جلال ان سے پہلے مل چکا تھا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر اندر داخل ہوا تو دونوں امریکیوں کو اخلاقاً اپنی جگہ سے اٹھنا پڑا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ مجھے ان پر ابتدا سے ہی نفسیاتی برتری حاصل ہوگئی تھی۔ وہ بہت معمولی سا نکتہ تھا لیکن اپنی جگہ پر اس کی بڑی اہمیت تھی۔

جلال نے پروگرام کے مطابق مجھے کرنل داور کی حیثیت میں ان سے متعارف کرایا۔ ان میں سے ایک کا نام ٹام پیٹرک اور دوسرے کا نک ہاروے تھا۔ وہ دونوں ایف بی آئی

اور سی آئی اے کے مقامی نمائندے تھے جو بظاہر قانونی حدود میں رہ کر اپنے فرائض سرانجام دیتے تھے۔
"مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی۔" ایف بی آئی کے نک نے مجھ سے گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "میں نے اسپیشل ٹاسک فورس کا بہت شہرہ سنا ہے۔ مجھے اشتیاق تھا کہ اس کے کسی ذمے دار افسر سے مل سکوں۔ آج میری یہ خواہش پوری ہو رہی ہے۔"
"مجھے بھی خوشی ہوئی۔" میں نے کسی جوابی گرمجوشی کے مظاہرے کے بغیر سرد مہری سے جواب دیا "کچھ دن پہلے ایک آف دی ریکارڈ اجلاس میں تمہارے چیف کلرک لیری ہف سے ملاقات ہوئی۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ ایک ہارٹ اٹیک میں مرگیا۔ زندہ ہوتا تو شاید آج وہ بھی تمہارے ساتھ آیا ہوتا۔"
میرے اس جارحانہ تبصرے پر نک نے نگاہیں بھر کر میری طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ کافور ہوگئی "طبی رپورٹ کے مطابق اس کی موت ہارٹ اٹیک کا نتیجہ تھی لیکن اس کے فون کا ریسیور کریڈل سے گرا ہوا تھا۔ یہ بات ابھی تحقیق طلب ہے کہ اسے آخری فون کس نے کیا تھا۔ اس کی موت پراسرار حالات میں واقع ہوئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ کسی نے اسے فون پر کوئی خوفناک دھمکی دی ہو اور لیری یہ جھٹکا برداشت نہ کرسکا ہو۔"
باتیں کرتے ہوئے ہم اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ چکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ لیری ہف کی موت قصہ پارینہ بن چکی تھی لیکن اس کے ساتھیوں کے سینوں میں وہ زخم ہرا تھا۔ وہ اتنے بے وقوف نہیں تھے جتنے سمجھے جاتے تھے۔ نک نے کچھ معلوم نہ ہونے کے باوجود لیری کی موت کے بالکل صحیح سبب کی نشان دہی کی تھی۔
"میں تمہاری اس رائے سے متفق نہیں ہوں۔" جلال نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے، نک سے کہا "کسی سیکرٹ سروس میں کام کرنے والا اتنا بزدل نہیں ہوسکتا کہ فون پر دھمکی ملتے ہی تڑپ کر لوٹ لگائے اور اپنی جان دے دے۔ لیری فطری موت مرا تھا۔"
جلال کے اس بے رحمانہ تبصرے پر میرا دل باغ باغ ہوگیا۔ اصل گفتگو کا آغاز نہیں ہوا تھا اور نک دباؤ میں آچکا تھا۔
"تم مبالغے سے کام لے رہے ہو۔" نک سٹپٹا کر رہ گیا تھا۔ ٹام نے اس کی مدد کے لیے بات سنبھالنے کی کوشش میں جلال سے کہا "اس کی موت اتنی ڈرامائی اور ہتک آمیز بھی نہیں رہی ہوگی۔ یہ بات یقینی ہے کہ اس کی موت کا آخری فون سے کوئی نہ کوئی گہرا تعلق تھا۔ ہم بہت جلد اس کا کھوج لگالیں گے۔"
"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ وہ میرا ہم پیشہ تھا۔ اس کی موت پر مجھے دکھ ہوا تھا۔" جلال نے منافقت سے کام لیتے ہوئے ہمدردی ظاہر کی۔
"دراصل پچھلے کافی عرصے سے پاکستان کی فضا امریکی اہلکاروں کو راس نہیں آرہی۔ یہ حقیقت اب تشویش ناک رخ اختیار کرگئی ہے۔" نک نے سنبھل کر کہا۔
"صرف پاکستان نہیں، بھارت بھی اس صف میں شامل ہے۔" میں نے اس کی تصحیح کی "پہلے اوبرائن ڈی ہنٹ ٹریفک کے ایک مشتبہ حادثے میں، دہلی میں مارا گیا پھر حال ہی میں دہلی کے ایک ہوٹل کے کمرے سے جان اسمتھ کی لاش برآمد ہوئی ہے۔ دہلی کی فضا میں بھی تمہارے افسران زیادہ محفوظ نہیں ہیں۔"
"ہم لوگوں کے بارے میں تمہارا حافظہ قابلِ رشک ہے۔" ٹام نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "مناسب وقت آنے پر ان کی کہانیاں بھی بے نقاب ہوں گی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بادل کہیں سے اٹھتے ہیں اور برسات کہیں اور ہوتی ہے۔ را کے ذمے دار افسروں کا خیال ہے کہ جان، نریش اور انل کا خون تمہاری طرف سے بھیجے ہوئے تجربے کار قاتلوں کی گردن پر ہے۔"
"پاکستان اور بھارت میں روز اول سے روایتی دشمنی چلی آرہی ہے۔ وہ ایسے گمراہ کن اشارے دے سکتے ہیں۔" جلال بولا "ان کے یہاں کسی اہم آدمی کو چھینک بھی آتی ہے تو وہ پاکستان پر شبہ کرنے لگتے ہیں۔ وہ لوگ پاکستان فوبیا کا شکار ہوچکے ہیں۔"
"یہ متنازع موضوعات ہیں۔" نک نے خشک لہجے میں کہا۔ "ہم ان میں الجھ گئے تو وقت برباد ہوگا۔ آج کے اس اجلاس کا ایجنڈا کیا ہے؟"
"آج کے لیے فالکن ہاؤس کے سوا اور کیا ایجنڈا ہوسکتا ہے!" جلال نے سنجیدگی سے کہا۔
"وہاں جو کچھ ہوا، وہ بہت تباہ کن ثابت ہوسکتا ہے۔ واشنگٹن میں....." ٹام نے بات شروع کی مگر میں نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی۔
"کیا تم کوئی دھمکی دینے کی کوشش کررہے ہو؟"
"یہ دھمکی نہیں، حالات کا بیان ہے۔" ٹام کا لہجہ یکایک نرم پڑگیا "تم مجھ سے اتفاق کروگے کہ امریکا اور پاکستان کے

درمیان سرکاری سطح پر مفاہمت اور دوستی کی سازگار فضا پائی جاتی ہے۔ ایسے واقعات سے یہ فضا مجروح ہو سکتی ہے۔"

"مائی ڈیر ٹام! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے واقعات کیوں رونما ہوتے ہیں؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"یہ جواب تم کو بلکہ جلال کو دینا چاہیے۔ تم قانون سے ماورا ہو۔ جلال ایک قانونی ڈسپلن کا پابند ہے۔" مجھ سے بات کرتے کرتے وہ یکایک جلال کی طرف متوجہ ہو گیا "اس ملک میں تمہارا قانون چلتا ہے۔ تم اس کے نفاذ کے ذمے دار ہو۔ تم کو بتانا چاہیے کہ یہاں غیر ملکیوں اور خاص طور پر امریکیوں کو تحفظ کیوں حاصل نہیں ہے۔"

میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ ٹام کا مجھ سے بات کرتے کرتے یکایک جلال سے مخاطب ہو جانا ہتک آمیز تھا۔ وہ مسلسل جلال کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ چند ثانیوں کے گہرے اور اعصاب شکن سکوت کے بعد میں نے زبان کھولی "بنیادی سوال میرا تھا اس لیے تمہاری بات کا جواب میں ہی دوں گا۔ ایس ٹی ایف قانون سے ماورا ضرور ہے مگر قانون کو پامال نہیں کرتی۔ امریکی ادارے اپنے ملک اور دوسرے ملکوں کے قوانین کو پامال کر کے اپنی من مانیاں کرتے ہیں جس سے بڑی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کل رات تمہارا ڈپٹی ڈائریکٹر فالکن ہاؤس میں کیا کر رہا تھا۔"

"وہ وہاں جو کچھ بھی کر رہا ہو، کسی کو یہ حق نہیں تھا کہ اسے جان سے مار دے۔" اس نے میرے سوال کا جواب ٹالتے ہوئے کہا۔

"میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔" میں نے سر کی تائیدی جنبش کے ساتھ کہا "مجرم کبھی کسی اتھارٹی سے اپنے جرم کے ارتکاب کی اجازت نہیں لیتے۔ وہ جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ کیا نیویارک اور واشنگٹن میں قتل اور ڈکیتیوں کی وارداتیں نہیں ہوتیں۔ سارے مجرم وفاق یا ریاست سے اجازت لے کر جرائم کرتے ہیں؟"

"جان اور ڈیلٹا فورس کے دو کمانڈوز کا خون بہت بھیانک ہے۔ ہمارے لوگ ہل کر رہ گئے ہیں۔" نک نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"شاید سرکاری سطح پر کبھی علم نہ ہو سکے کہ وہ تینوں فالکن ہاؤس میں کیا کر رہے تھے۔ میں ان کی آف دی ریکارڈ مصروفیات کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" جلال نے اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔

"اور شاید آج کے اجلاس کا یہی مقصد ہے!" نک نے اس سے تائید چاہی۔

"ظاہر ہے۔ ہم اس واقعے کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس کی تہ تک جانا ہوگا۔"

"فی الحال ہم بھی اندھیرے میں ہیں۔" نک نے ڈھ ہوئے گلاس میں سے منرل واٹر کا ایک گھونٹ لے کر قدرے توقف کے بعد کہا "ہمارے اپنے ذرائع کراچی میں دہشت گردی کے کسی بڑے واقعے کی منصوبہ بندی کی نشان دہ کرتے رہے تھے۔ ہمارا سفارتی عملہ رات گئے تک صوبا وزارت داخلہ سے رابطے میں تھا لیکن کہیں سے کچھ نہیں بتایا گیا۔ رات کے دو بجے پریس ریلیز جاری ہونے کے بع ہمیں ادھوری خبر ملی۔ یہ ہولناک انکشاف لاشوں کو دیکھ کے بعد ہوا کہ مرنے والے تینوں افراد ہمارے اپنے تھے۔"

"کوئی کسی کو کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔" ا بار میں نے جواب دیا "مرنے والوں کے چہرے بتا رہے کہ وہ غیر ملکی تھے لیکن ان کے وطن یا ناموں کی شناخت ناممکن تھی۔ وہ تینوں آئی مین کی کمین گاہ کی حدود میں مارے گئے تھے اس لیے ہر چھوٹا بڑا افسر ضرورت سے زیادہ محتاط ورنہ وہ واردات چھپانے والی نہیں تھی۔"

"رات کے آپریشن کا سہرا پولیس کے سر ڈالا گیا ہے کیا یہ درست ہے؟" نک نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ ایس ایف کے کام کرنے کی حدود کچھ اور ہیں۔"

"جان بیم گن سے مرا۔ ایک کمانڈو گولی کا نشانہ بن دوسرے کو زہریلی سوئی استعمال کر کے مارا گیا۔ بیم گن ساتھ زہریلی سوئی سے ہونے والی اموات دہلی کے ریکارڈ بھی ہیں۔ را والے ان دونوں طریقوں کو ڈینی سے منسو کرتے ہیں۔ وہ رات کو وہاں کیا کر رہا تھا؟" نک میرے د ہوئے ابتدائی جھٹکوں سے سنبھل چکا تھا۔

اس کی زبان سے براہِ راست اپنا نام سن کر میرا د اچھل کر حلق میں آگیا مگر میں نے مضبوط لہجے میں "پاکستان کے ساتھ ڈینی کا نام بھی را والوں کے اعصاب سوار ہے۔ اگر وہ دہلی میں تھا تو اب کہاں ہے۔ اس سوال جواب را والوں کو دینا چاہیے۔ رات کو وہاں صرف پولیس فورس تھی۔"

"پاکستانی پولیس نے بلو پائپ جیسے زہریلے ہتھیار کی سے استعمال کرنا شروع کر دیے؟" نک کا لہجہ بھی زہریلا ہ

"اس کمانڈو کی گردن پر سوئی چبھنے کا نشان بہت واضح ہے۔

"ہمارے ذرائع نے تصدیق کی ہے کہ ڈینی وہاں موجود تھا۔" ٹام نے پرزور لہجے میں کہا۔

نک کے سوال نے مجھے لاجواب کردیا تھا لیکن ٹام کے بولتے ہی مجھے ان کو گڑبڑانے کا موقع مل گیا۔ میں نے قدرے اونچی آواز میں کہا "تم کن ذرائع کی بات کررہے ہو؟ وہاں سے صرف آئی مین فرار ہوا تھا۔ اسی نے تمہارے کانوں میں یہ زہر بھرا ہوگا۔"

"تم الزام تراشی کررہے۔" نک بھڑک کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا "تم کو اپنے الفاظ واپس لینا ہوں گے۔"

بات یکایک الجھ گئی۔ چاروں نے ایک ساتھ بولنا شروع کردیا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ فضا برقرار رہی تو ذرا سی دیر میں نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ جائے گی مگر جلال جہاں دیدہ آدمی تھا۔ اس نے حالات کے بگڑتے ہوئے تیور بھانپ لیے اور ان دونوں کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ بیٹھ جانے کے بعد نک مجھے کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا۔

"شہر کے حالات مخدوش ہیں۔ تمہارے سفارت خانے نے یہاں رہنے والے اپنے شہریوں کو نقل و حرکت محدود کرنے کی ہدایت کی ہوئی ہے۔ تمہارے افسر معمول سے ہٹ کر کہیں جاتے ہیں تو مقامی انتظامیہ ان کو مسلح گارڈ فراہم کرتی ہے پھر جیک اسمتھ خاموشی سے فالکن ہاؤس کیوں گیا۔ اس کے عزائم کیا تھے؟" جلال نے نرمی اور تحمل سے کہا۔

"تم اپنا نکتہ نظر پیش کرتے چلے جاؤ۔ ہم بعد میں بات کریں گے۔" ٹام نے سگریٹ سلگا کر کہا "ہم نے بحث جاری رکھی تو یہ اجلاس بے نتیجہ ثابت ہوگا۔"

"ہمیں جیک کی نیک نیتی پر شبہ ہے۔" جلال نے رسانیت سے کہا۔

"مختصر الزام لگا کر ہمارے صبر کا امتحان مت لو۔" جلال کی خاموشی پر ٹام نے اسے ٹوکا "اس کے حق میں کوئی دلیل رکھتے ہو تو وہ بتاؤ۔"

"جیک آئی مین کی سرپرستی کررہا تھا۔" جلال کا اشارہ پا کر میں نے بولنا شروع کیا "شاید تمہیں لی مارکیٹ میں رونما ہونے والا وہ واقعہ یاد ہو جس میں ایک سیاہ فام غیر ملکی نے لیزر گن استعمال کرکے ایک بے گناہ راہ گیر کا بازو اس کے جسم سے الگ کردیا تھا۔ اس راہ گیر نے جیک کی لاش شناخت کرلی ہے۔ لیزر یا بیم گن فائر کرنے سے پہلے اس کا کسی مقامی سے جھگڑا ہوا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو بری طرح مارا تھا۔ جیک کے چہرے پر ان زخموں کے نشانات ابھی تک موجود ہیں۔"

"کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ جیک لی مارکیٹ کے علاقے میں کیا کررہا تھا۔" ٹام نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"وہاں اس کے کچھ نہ کچھ مفادات ضرور رہتے تھے۔ کل اسی علاقے کی ایک قریبی گلی میں ایک سیاہ کار پر فائرنگ ہوئی۔ کار سوار دھوئیں کا بم پھینک کر فرار ہوگئے۔ اس گاڑی کے نمبر نوٹ کرلیے گئے تھے۔ وہ سیاہ کار فالکن ہاؤس کے پورچ میں موجود ہے۔ غالب امکان یہ ہے کہ وہ کار آئی مین کے استعمال میں تھی۔"

"پہلے آئی مین پر بیم گن استعمال کرنے کا الزام تھا۔ اب تم جیک کی کہانی سنا رہے ہو۔ کیا وہ کسی اور بیم گن کا مالک ہے؟" نک مسلسل خاموش تھا۔ سارے سوالات ٹام کررہا تھا۔

"غالب امکان یہ ہے کہ ایک بیم گن دونوں کے استعمال میں تھی۔ ان دونوں کے درمیان بہت قریبی تعاون تھا۔"

"اس کے باوجود جیک بیم گن کا نشانہ بن گیا۔" ٹام نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"آئی مین نے گھر میں اندھیرا کردیا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے وہ جیک کو نہیں پہچان سکا۔ گھبراہٹ میں اسے اپنا دشمن سمجھ کر مار دیا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"ویری گڈ۔ تم بات سے بات خوب جوڑتے ہو۔ وہ ایک دوسرے کے مددگار تھے پھر بھی آئی مین نے جیک کو مار دیا اور اس کا سبب اندھیرے میں پیدا ہونے والی غلط فہمی تھی۔ تم نے ابھی تک اس کمانڈو کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جسے زہر سے مارا گیا ہے۔" ٹام نے کہا۔

"اس کی لاش لان پر پودوں کے کنج کے قریب پائی گئی ہے۔ وہ علاقہ نیم آباد ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سانپ یا کسی اور زہریلے کیڑے کا شکار ہوا ہو۔"

"یہ بات یہاں کبھی صاف نہیں ہوسکے گی۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی مبہم رہے گی۔ امریکا میں جیک کا پوسٹ مارٹم ہوگا تو پتا چل جائے گا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔" ٹام نے طنز سے کہا "کیڑے کے کاٹنے اور سوئی چبھنے میں زمین آسمان کا فرق ہونا چاہیے۔ باریک زخم کی گہرائی سب کچھ واضح کردے گی۔"

اسے معلوم نہیں تھا کہ ڈیلٹا فورس کا ایک کمانڈو جس سوئی کا شکار ہوا' وہ ایس ٹی ایف کے اول خان کی دی ہوئی انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں جڑی ہوئی تھی۔ نگینے میں بھرا ہوا زہر اس قدر سریع الاثر تھا کہ اس کی خفیف سی مقدار

جسم میں سرایت کرتے ہی دل کے سارے عضلات یک لخت ناکارہ ہوجاتے تھے اور شکار کی فوری موت واقع ہوجاتی تھی۔ اس مقصد کے لیے نگینے میں پوشیدہ سوئی کا سرا بس جلد کو ذرا سا چھید تا تھا۔ سوئی کا بدن میں گہرائی تک اتارنا قطعی ضروری نہیں تھا۔ اس نشان کو محض زہریلے ڈنک کے نشان کے طور پر پہچانا جاسکتا تھا۔

"فی الحال وہ ایک معمّا ہے۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "یہاں طبّی اور تحقیقی سہولتیں ناکافی ہیں۔ تمہارا یہ خیال درست ہے کہ امریکا میں جیک کی لاش کے پوسٹ مارٹم کے بعد اس کی موت کے صحیح سبب کا تعین ہوسکے گا۔"

"تم بہت مضبوطی سے اس مفروضے پر قائم ہو کہ آئی مین اور جیک کے درمیان ساز باز تھی!" اس بار نک نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"فالکن ہاؤس میں جیک کی لاش ملنے کے بعد اس نظریے پر نظر ثانی کی ضرورت نہیں رہتی۔" مجھ سے پہلے جلال بول پڑا "شاید وہ مجھے براہِ راست نک سے مخاطب ہونے سے بچانا چاہ رہا تھا۔ وہ میری باتوں پر ایک بار مشتعل ہوچکا تھا۔ دوبارہ ایسی کوئی صورتِ حال پیدا ہوجاتی تو بدمزگی کے ساتھ اجلاس کے خاتمے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا۔

"تم نے جیک کے خلاف اپنے ترکش کے اتنے تیر چلالیے ہیں تو یہ بھی بتادو کہ وہ لی مارکیٹ کے ایک مخصوص علاقے میں گہری دلچسپی کیوں لے رہا تھا۔ اس کے لیے وہاں کیا رکھا ہوا تھا۔"

"یہ بات ہمارے لیے بھی الجھن کا سبب بنی ہوئی تھی۔" ٹام کے اس سوال کے جواب میں' میں نے کہا "کل رات اسی علاقے میں دواؤں کی ایک دکان پر نامعلوم لوگوں نے پیٹرول چھڑک کر آگ لگا دی۔ بعد میں اس جلتی ہوئی دکان پر فائرنگ بھی کی گئی۔ تحقیقات سے پتا چلا ہے کہ وہ دکان جہانگیر نامی شخص کی ملکیت ہے جو کسی زمانے میں ڈینی کا گہرا دوست تھا۔ یہ پورا جھگڑا ڈینی اور آئی مین کا معلوم ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آئی مین نے اس دکان کو آگ لگوا کر جہانگیر کو کوئی پیغام دینے کی کوشش کی ہو۔"

"یہ ڈینی اور آئی مین کا جھگڑا تھا تو جیک کو اس میں ملوث ہونے کی کیا ضرورت تھی؟" ٹام نے بے ساختہ پوچھا۔

"اب اتنے انجان نہ بنو ٹام!" اس بار مجھے اس پر طنز کرنے کا موقع مل گیا "ڈینی امریکی حکومت کو مطلوب ہے۔ اس کی گرفتاری یا موت پر بہت بڑا انعام مقرر ہے۔"

"میں انجان نہیں بن رہا۔ یہی کہہ رہا ہوں کہ جب آئی مین ڈینی کے پیچھے لگا ہوا تھا تو جیک کو اس پر اپنا وقت برباد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"آئی مین یہاں بدنام ہوچکا ہے۔ اس ہوا خیزی کے ساتھ امریکی حکومت نے اس پر سے ہاتھ اٹھالیا ہے۔ ان کے ریکارڈ پر شی ایک صاف ستھری این جی او ہے جو امریکا میں ہیروئن کے انسداد کا کام کررہی ہے۔ عالمی جرائم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے نہ پاکستان میں اس کی کوئی شاخ رہی ہے۔ ایسے حالات میں آئی مین یہاں زیادہ دنوں تک نہیں ٹک سکتا۔ جیک اس کی مدد کے لیے میدان میں اتر آیا تاکہ ڈینی کے فتنے کو جلد از جلد کچلا جاسکے۔"

"یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جیک کو بڑی انعامی رقم کا لالچ لے ڈوبا ہو۔" جلال نے میری بات پوری ہوتے ہی لقمہ دیا۔

"تم کو کوئی اور بات یاد آرہی ہو تو وہ بھی کہہ ڈالو تاکہ کچھ باقی نہ رہے۔" ٹام نے خاص طور پر مجھ سے کہا۔

"اتنا کچھ جان لینے کے بعد بھی تم تشنگی محسوس کررہے ہو تو میں افسوس کے اظہار کے سوا کیا کرسکتا ہوں۔" میں نے مایوسی سے جواب دیا۔

"آئی مین کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ ہمارے لیے ابھی تک وہ ایک مفروضہ شخصیت سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔" ٹام نے قدرے توقف کے بعد کہا "مگر کسی نادیدہ ہاتھ کے اشارے پر چند روز سے یہاں کے اخبارات اس کے نام کی آڑ لے کر امریکیوں کے خلاف خطرناک مہم چلا رہے ہیں۔ جس طرح ہر مجرم پولیس سے نفرت کرتا ہے اسی طرح ترقی پذیر اور پس ماندہ ملکوں کے بیشتر لوگ امریکا کو پسند نہیں کرتے۔ یہ ایک افسوسناک عالمی رجحان ہے جس کے ازالے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ ہماری حکومت یہ پسند نہیں کرتی کہ کسی دوست ملک میں اس رجحان کو ہوا دینے کی کوششیں کامیاب ہوں۔ میں نک کے ساتھ یہاں رہتا ہوں۔ شاید ہماری پے در پے رپورٹوں کے بعد جیک کو تحقیقات کے لیے یہاں بھیجا گیا ہو۔ اس نے ہم سے الگ رہ کر ذاتی طور پر آئی مین کے بارے میں کام شروع کردیا۔ لاشوں کی شناخت کے بعد ہمیں پتا چلا ہے کہ فالکن ہاؤس کیلی بائرن نامی امریکی عورت نے کرائے پر لیا ہوا تھا۔ جیک اپنے محافظوں کو لے کر اس سے ملنے گیا تاکہ آئی مین کے بارے میں کچھ مواد حاصل کرسکے۔ وہاں پولیس یا پھر اسپیشل ٹاسک فورس نے گھیرا ڈالا اور وہ تینوں بے موت مارے گئے۔ تمہاری کہانی میں کیلی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔"

ٹام نے وہ جوابی کہانی شاید اسی وقت سوچی تھی۔ میں نے تلخی سے کہا "کیلی کا ذکر بھی آجائے گا۔ فی الحال یہ سوچو کہ جیک کو فالکن ہاؤس کے بارے میں کیا الہام ہوا تھا۔ آئی مین مفروضہ شخصیت ہے تو نادر، ونود، جیک اور پھر فالکن ہاؤس کے پڑوس میں ایک ملازم کو بیم گن سے مارنے والا سفید فام مرد کون ہے۔"

"یہ شوشا کہاں سے چھوڑا گیا کہ بیم گن چلانے والا سفید فام مرد ہے؟" ٹام نے چونک کر مجھ سے پوچھا۔

"ملازم کو مار کر بدحواسی میں گاڑی لے بھاگنے والے کو اس گھر کے مالک اور چوکیدار نے دیکھ لیا تھا۔" میں نے گہرے طنز سے کہا "کیا تم اب بھی اصرار کرو گے کہ وہ فرضی شخصیت ہے؟"

"میں نے "ابھی تک" کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ کوئی ٹھوس شہادت سامنے آگئی تو ہم اسے مان لیں گے۔" اس نے عیاری سے جواب دیا "اگر فالکن ہاؤس میں آئی مین یا کوئی اور موجود تھا تو اس کے بارے میں کیلی ہی کچھ بتا سکتی ہے۔ وہ کہاں ہے؟"

اس نے کیلی کے بارے میں دوسری بار سوال کیا تھا۔ میں نے کہا "وہ محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ اس کی گرفتاری کو خفیہ رکھا جارہا ہے۔ اندیشہ ہے کہ منتقم مزاج آئی مین اپنے خلاف اس واحد گواہ کو جان سے مارنے کی کوشش کرے گا۔ کیلی کی زبان چل پڑی تو بہت کچھ کھل کر سامنے آجائے گا۔"

"ہم دونوں کیلی سے مل سکتے ہیں؟" نک نے اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"اس آف دی ریکارڈ اجلاس میں ایسی کوئی بات طے نہیں کی جاسکتی۔ باضابطہ درخواست کر کے اسلام آباد سے اجازت لے لو۔ کیلی سے تمہاری ملاقات ہوجائے گی۔"

"شاید جیک کو کہیں سے یہ ٹپ مل گئی تھی کہ کیلی سے آئی مین کے بارے میں معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔ وہ شخص پاکستان میں ہمارے ملک کو بدنام کر رہا ہے۔ وہ جیک کے قابو میں آجاتا تو جیک اسے تم ہی لوگوں کے حوالے کردیتا۔ تمہاری باتوں سے اب شبہ ہورہا ہے کہ یہاں کوئی نہ کوئی شی کے نام کی آڑ میں گند پھیلا رہا ہے۔" نک نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

"مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ تم لوگ ترقی پذیر اور پس ماندہ ملکوں کے عوام میں امریکا کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت سے واقف ہو۔ یہ اور بات ہے کہ تم اس نفرت کو اپنے زاویے سے دیکھتے ہو جب کہ اس کے اسباب دوسرے اور بالکل حقیقی ہیں۔"

"یہ حکومتوں کے معاملات ہیں۔" ٹام نے فراخ دلی سے کہا "اس بارے میں وہی فیصلے کر کے اپنی پالیسیاں بنا سکتی ہیں۔"

"تم کو جہانگیر پر بھی ہاتھ ڈالنا چاہیے۔" نک بولا "ہوسکتا ہے کہ آئی مین نے اس سے رابطہ کیا ہو اور اختلافِ رائے کے بعد اس کی دکان کو آگ لگادی گئی ہو۔"

"تم بے فکر رہو۔ اسے دیکھا جارہا ہے۔ ہم جلد از جلد اس خوں ریزی کا خاتمہ چاہ رہے ہیں۔" میں نے اسے یقین دہانی کی۔

"وہ ڈینی کے بارے میں بھی جانتا ہوگا۔ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"ڈینی خطرناک آدمی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ اس کا آزاد رہنا زیادہ خطرناک ہے مگر جس انداز میں اسے گھیرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں وہ پسندیدہ نہیں ہیں۔"

"یہ حیرت ہے کہ وہ ایک فرد ہوتے ہوئے متعدد اداروں کی گرفت میں کیوں نہیں آتا۔"

"بات وہی ہے کہ عام لوگ امریکا سے نفرت کرتے ہیں۔ امریکا جس کا دشمن ہو، لوگ اسے ہیرو بنادیتے ہیں۔ پاکستان میں بہت سے لوگ اسے دیکھے بغیر دل و جان سے چاہتے ہیں کیونکہ وہ امریکی مفادات پر کاری ضربیں لگانے کی شہرت رکھتا ہے اور امریکا نے اس کی گرفتاری کے لیے بڑا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔"

"اور رویرا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟" نک دوستانہ فضا پیدا ہونے کے بعد اس سے فائدہ اٹھانا چاہ رہا تھا۔

"اس کے بارے میں تمہاری معلومات مجھ سے زیادہ ہونی چاہئیں۔ وہ ایک انا پرست اور ضدی لڑکی ہے۔ کبھی ڈینی کے ساتھ رہتی ہے تو کبھی اس سے علیحدگی اختیار کرلیتی ہے۔ ہمیں اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔"

"تمہیں دلچسپی ہو یا نہ ہو مگر وہ ہمیں مطلوب ہے۔ اس پر بھی برابر کا انعام رکھا گیا ہے۔" نک نے مجھے ترغیب دلائی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم اسے سزا دے کر دوسرے امریکیوں کے لیے عبرت بنانا چاہ رہے ہو مگر اس کے لیے تمہیں خود کام کرنا ہوگا۔ انعام کے لالچ میں ہم جیک کی طرح اپنی حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔"

"جیک نے اپنی حدود سے کون سا تجاوز کیا تھا؟" اس

نے حیرت سے پوچھا۔
"یہاں رہ کر کام کرنے کے لیے اسے ہم لوگوں پر اعتماد کرنا چاہیے تھا۔ اس نے بالا ہی بالا سب کچھ کر گزرنے کی کوشش کی اور بے بسی کی موت مارا گیا۔ تم دونوں کو بھی میرا یہی مشورہ ہے کہ پاکستان میں کوئی کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو مقامی انتظامیہ کو اپنے ساتھ لے کر چلو ورنہ تم بھی جیک جیسے انجام سے دوچار ہو سکتے ہو۔"
"ہمارے تجربات کچھ تلخ ہیں۔ مقامی ایک خاص حد تک ہمارا ساتھ دیتے ہیں پھر عین وقت پر دغا دے جاتے ہیں۔" اس نے شکوہ کیا۔
"تم عام مقامیوں کو خرید کر پیش قدمی کرنے کی کوشش کرتے ہو اور مار کھا جاتے ہو۔" جلال نے میری بات کی وضاحت کی "کرنل داور قانون کے محافظوں کی باضابطہ اور بلامعاوضہ خدمات حاصل کرنے کا مشورہ دے رہا ہے۔ وہ تمہارے لیے سلامتی اور عافیت کی راہ ہوگی۔"
"اگر ڈینی اور ویرا پر مقرر کیے ہوئے انعامات واپس لے لیے جائیں تو ان دونوں کی عوامی حمایت میں کمی آسکتی ہے؟" ٹام نے پوچھا۔
"نمایاں کمی آنی چاہیے۔" جلال نے بے ساختہ جواب دیا "تجربہ یہی بتاتا ہے۔"
"میں نے تمہاری یہ تجویز نوٹ کرلی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بات کسی بڑے کی سمجھ میں بھی آجائے۔ ہر ملک کی عوامی نفسیات الگ ہوتی ہے۔"
"تم مجھے لیری کے مقابلے میں زیادہ ذہین اور سمجھ دار نظر آتے ہو کیونکہ تم نے ابھی تک بھارتی مفادات پر زیادہ بات نہیں کی۔" میں نے ان دونوں کو چڑھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "لیری بھارتی مطالبات منوانے کے لیے ہر حد سے گزر جانے پر آمادہ تھا۔ تم لوگوں کی یہ پالیسی پاکستان میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔" اس طرح تم یہاں بسنے والے کروڑوں لوگوں کا انفرادی اور اجتماعی غم وغصہ مول لیتے ہو جب کہ تمہیں مطلوبہ مقاصد بھی حاصل نہیں ہوتے۔"
"اب ہم اپنے ایجنڈے سے بھٹک رہے ہیں۔" نک نے اجازت طلب نظروں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تمہارے بلائے ہوئے اس اجلاس کے مقاصد پورے ہوچکے ہوں تو ہم اجازت چاہیں گے۔"
جلال نے اپنی کرسی چھوڑ دی جو اجلاس کے خاتمے کے اعلان کے مترادف عمل تھا۔

"میرا خیال ہے کہ آئی مین' کیلی' ڈینی اور ویرا کے سلسلے میں ہمارے درمیان کافی مفاہمت ہوگئی ہے۔ میں اپنی پیدا کی ہوئی ابتدائی تلخی پر معذرت خواہ ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان چاروں اہم افراد کے بارے میں ہمارے درمیان اہم معلومات کا تبادلہ شروع ہوجائے گا۔" نک نے میرے ساتھ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔
"تم بھول رہے ہو کہ اس ملاقات کی کوئی بات ریکارڈ پر نہیں آئے گی۔ اسی لیے کھل کر بات کی گئی ہے۔ معلومات کے جو ذرائع چل رہے ہیں تمہیں ان ہی سے سب کچھ معلوم ہوتا رہے گا۔"
"کرنل داور! تم عظیم آدمی ہو۔" اپنی رفتار دھیمی کرکے نک نے اچانک میرے کان میں سرگوشی کی "ہم نے وزارت خارجہ کے ذریعے تمہارا سروس پروفائل مانگا تھا جو آج تک نہیں مل سکا۔ میری ایجنسی فخر سے تمہیں اپنی صفوں میں جگہ دے گی۔"
"شکریہ نک! میں اپنی بے نوا تنظیم میں بہت خوش ہوں۔" میں نے نارمل آواز اور لہجے میں جواب دیا۔
جلال اور ٹام آگے تھے۔ میری آواز سن کر جلال چونک پڑا "کس بات پر نک کا شکریہ ادا کر رہے ہو؟"
"نک مجھے امریکی ایجنسی میں ملازمت دلوا رہا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے' نک کی سرگوشیانہ پیشکش کا اعلان کردیا۔
چاروں بے ساختہ ہنس پڑے۔ آغاز کے مقابلے میں اجلاس کی اختتامی فضا بہت سازگار تھی۔
وہ مراعات یافتہ اور امریکا کے سرکاری اہل کار ضرور تھے مگر سفارت کار نہیں تھے۔ اس لیے عام شہری نمبر پلیٹ والی کار میں ڈرائیور کے ساتھ آئے تھے۔ پورچ سے انہیں رخصت کرکے جلال مجھے برآمدے میں چھوڑ کر چند منٹ کے لیے اندر گیا اور بحریہ کے متعلقہ افسران کا شکریہ ادا کرنے کے بعد لوٹ آیا۔ جب تک ہم لوگ باتوں میں مصروف رہے' بیرونی گارڈز کے سوا ہمیں کسی فوجی وردی کی جھلک نظر نہیں آئی تھی۔ گارڈز سے ہاتھ ملا کر جلال اپنی گاڑی میں سوار رہوا اور میں بھی اس کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوگیا۔
"تمہارے ڈرائیور کی موجودگی میں کھل کر بات کی جاسکتی ہے؟" کارساز روڈ پر نکل آنے بعد میں نے انگریزی میں جلال سے پوچھا۔
جلال بے ساختہ ہنس پڑا "اس کی وضع قطع پر نہ جاؤ۔ یہ میرا پرسنل اسسٹنٹ ہے اور سیاسیات میں ایم اے ہے۔" اس نے اردو میں جواب دیا "تم اس کی پروا نہ کرو۔ یہ میری

ہدایات کے بغیر کچھ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے مگر پستول سے نشانہ بے خطا لگاتا ہے۔ کیوں اکبر! میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نو سر.... بس مہربانی ہے آپ کی۔" اکبر نے سڑک پر سے اپنی توجہ ہٹائے بغیر کہا۔

"آج کا اجلاس معرکے کا رہا۔ کاش یہ آف دی ریکارڈ نہ ہوتا۔" میں نے حسرت سے کہا "آج ان دونوں نے اپنا تھوکا ہوا چاٹا ہے۔"

"ہم چاروں اپنے اپنے تحفظات کے ساتھ آئے تھے اس لیے آغاز میں سب کی کھوپڑیاں اچانک گرم ہوگئیں مگر بعد میں سب کچھ اعتدال پر آتا چلا گیا۔" جلال نے ہنس کر کہا۔

"لیری کے مقابلے میں یہ دونوں بہت معقول اور اعتدال پسند تھے۔ دلائل کے سامنے کٹ حجتی سے کام نہیں لیا۔"

"مگر آخر میں چال چل گئے کہ آئی مین' جیک کے ہاتھ آجاتا تو وہ اسے ہمارے حوالے کردیتا۔"

"اس کے سوا وہ اور کیا کہہ سکتے تھے.... مگر اس وقت ہم کہاں جارہے ہیں؟" بات کرتے کرتے میں نے چونک کر پوچھا۔

"فکر نہ کرو۔ میں تمہیں اغوا نہیں کررہا۔ ہم صدف مینشن جارہے ہیں۔"

"کیلی کہاں ہے؟ اس کا کیا حال ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اسے رات کو ہی صدف مینشن منتقل کردیا گیا تھا۔ اس کے کولھے کی ہڈی محفوظ ہے۔ گولی جلد اور گوشت کو پھاڑتی ہوئی نکل گئی ہے۔"

"تو پھر زخم معمولی ہے۔ اس سے باز پرس کی جاسکتی ہے۔" میں نے کہا "اس سے تمہاری ملاقات ہوچکی ہے؟"

"مجھے ادھر جانے کا وقت نہیں مل سکا۔ میرے لیے نک اور ٹام سے ملاقات بہت زیادہ اہم تھی۔ بہت سی ایسی ناگفتہ باتیں جو سرکاری طور پر کسی امریکی افسر سے نہیں کہی جاسکتیں۔ ہم نے وہ تمام باتیں ان دونوں کے ذریعے آگے پہنچادی ہیں۔ شاید اب وہ لوگ سمجھ لیں گے کہ جیک کے قتل پر زیادہ شور کرنا بے سود ہوگا۔"

راستہ خراب تھا اور ٹریفک کا ہجوم بھی زیادہ تھا۔ جلال نے کھڑکیوں کے شیشے چڑھا کر کار ائرکنڈیشنر چلوا دیا۔ باہر کا شور دب گیا تو ہمارے درمیان باتوں کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا۔ اس دوران میں اس نے بتایا کہ پچھلی رات فالکن ہاؤس کے چپے چپے کی تلاشی لی گئی مگر وہاں سے روزمرہ استعمال کی اشیا اور ملبوسات کے سوا کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس سے کیلی اور آئی مین کے بارے میں معلومات حاصل ہوتیں۔ اس کے آدمیوں کو وہاں خاص طور پر پاسپورٹوں کی تلاش تھی جو ناکام رہی۔

کچھ دیر بعد ہم صدف مینشن کی پُرہول آسیبی عمارت میں تھے۔ اس قدیم عمارت کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ وہاں سورج کی کرنوں کا سرے سے کوئی گزر نہیں تھا۔ دھیمی روشنی والے قمقموں کی ٹمٹماتی ہوئی زرد روشنی میں یہ پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ وہ دن کا وقت تھا یا رات گہری ہوچکی تھی۔ باہر کے مقابلے میں اندر وقت ٹھہرا ہوا تھا۔

اندر پہرا دینے والے دونوں مسلح محافظوں سے سلام دعا کرتا ہوا جلال زیریں منزل کے اس سیل کے دروازے پر پہنچ گیا جہاں کیلی اپنے ستے ہوئے چہرے کے ساتھ ایک چارپائی پر بے دست و پا پڑی ہوئی تھی۔ اس کے چاروں ہاتھ پیر چارپائی کے فریم کے ساتھ اس طرح کسے ہوئے تھے کہ وہ اپنی مرضی سے ہل جل بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کے بدن پر وہی خون آلود لباس نظر آرہا تھا جو وہ پچھلی رات ہماری کارروائی کے دوران پہنے ہوئے تھی۔

پچھلی رات کی افراتفری میں بھی میں کیلی کے حسن کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اسے دیکھ کر ماننا پڑا کہ صنف نازک کے معاملے میں آئی مین بہت نفیس ذوق کا مالک تھا۔ اس وقت کیلی کا سفید چہرہ خوف سے قدرے زرد پڑا ہوا تھا۔

"میں بہت اذیت میں ہوں۔" وہ ہمیں دیکھتے ہی دردناک آواز میں کراہی "تم نے مجھے کسی چوپائے کی طرح باندھ کر کیوں ڈالا ہوا ہے؟"

"اپنے اس انجام کے اسباب سے تم اچھی طرح واقف ہو۔" میں نے سرد مہری سے کہا "ہمیں تمہاری دلکش ذات سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ تم اس چارپائی پر پڑے پڑے سوکھ کر مر بھی جاؤ تو ہمیں کوئی پروا نہیں ہوگی۔ ہمارے چلے جانے کے بعد اگلے چوبیس گھنٹوں تک تم کسی انسان کی شکل نہیں دیکھ سکو گی۔"

تنگ و نیم تاریک اور متعفن سیل میں پڑی ہوئی کیلی کے لیے وہ باتیں میری توقع سے کم دہشت ناک ثابت ہوئیں۔ اس نے چیخنے چلّانے کے بجائے خوف زدہ آواز میں کہا "تم یہاں کے کوئی سرکاری آدمی ہرگز نہیں ہو۔ سرکاری قید خانے اتنے ویران اور وحشت ناک نہیں ہوتے۔ جب

تمہیں میری ذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے تو مجھے باندھ کر یہاں کیوں ڈالا گیا ہے۔"

"کیلی بائرن!" میں نے دانستہ اس کا پورا نام لے کر کہا "ہمیں تمہارے ساتھی کے بارے میں مکمل معلومات درکار ہیں۔"

"میرا کوئی ساتھی نہیں ہے۔ میں فالکن ہاؤس میں تنہا رہ رہی تھی۔" اس نے بلند آواز میں احتجاج کیا۔

"اس جھوٹ پر قائم رہو گی تو تمہارے کولھے کی ڈریسنگ کھول کر اس زخم میں مرچیں بھر دی جائیں گی۔ ہم دونوں میں سے کوئی تمہارے وجود کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ ایک عورت یہاں آکر تمہارا دماغ درست کردے گی۔ اس بھول میں نہ رہنا کہ تم اپنی اداؤں سے ہمیں اپنے کسی دام میں پھانس لو گی۔"

"تم مجھے زیادہ دیر تک اپنی قید میں نہیں رکھ سکتے۔" وہ چیخی "مرد ہو کر تمہیں ایک عورت کو دھمکاتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔"

مجھے یہ احساس اس سیل میں پہنچنے کے بعد ہوا تھا کہ کیلی ایک نرم و نازک سی عورت تھی۔ اس سے وہ باتیں کرتے ہوئے میں سبکی محسوس کر رہا تھا۔ اس ڈھیٹ عورت سے پوچھ گچھ کے لیے ویرا یا غزالہ ہی موزوں ہو سکتی تھی۔ اس وقت میں پیش قدمی کر چکا تھا۔ میری پسپائی کیلی کو شیر کر دیتی۔ میں نے کہا "اس بھول میں نہ رہنا کہ کوئی یہاں آکر تمہیں چھڑا لے گا۔ اس جگہ ہماری مرضی کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ ہم چھوئے بغیر تمہیں سڑا کر ختم کر دیں گے۔"

جلال نے شاید میرے چہرے پر تذبذب کی پرچھائیاں دیکھ لیں۔ اسے معلوم تھا کہ میں مردانہ لڑائیوں کا عادی تھا۔ عورتوں سے الجھنا میرے بس سے باہر تھا مگر اسے ہر جنس کے مجرموں سے نمٹنا پڑتا تھا۔ وہ اس کی پیشہ ورانہ مجبوری تھی۔ اس نے میری بات پوری ہونے پر سفاکانہ لہجے میں کہا "میرا ساتھی شاید تم پر ہاتھ نہ اٹھائے مگر میں تھپڑ مار مار کر تمہارا چہرہ لہولہان کر دوں گا۔"

وہ ہاتھ اٹھا کر کیلی کے سرہانے کی طرف بڑھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اس کی کھوکھلی دھمکی تھی۔ جلال کی رفتار سست تھی۔ کیلی کی آنکھوں کے ڈھیلے خوف سے کشادہ ہو گئے اور وہ مچل کر رسیوں سے اپنے ہاتھ آزاد کرانے کی کوشش کرنے لگی۔

جلال نے اس کے سر پر پہنچ کر ہاتھ فضا میں اٹھایا ہی تھا کہ وہ چیخ پڑی "ٹھہرو، مجھے ہاتھ نہ لگاؤ، مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ تم دونوں کے پاسپورٹ کہاں ہیں؟" جلال نے اپنا ہاتھ گرائے بغیر دھمکی آمیز لہجے میں پوچھا۔

"وہ کچن میں مسالے کے ایک ڈبے میں رکھے ہوئے ہیں۔" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔

جلال کا فضا میں اٹھا ہوا ہاتھ نیچے گر گیا اور وہ خاموشی سے میرے پاس لوٹ آیا۔ اس نے بہت ذہانت سے کام لے کر ایک سوال میں متعدد سوالوں کے جواب پوچھ لیے تھے۔ اگر ان دونوں کے پاسپورٹ ہمارے ہاتھ آجاتے تو تصویر کی مدد سے آئی مین کو شناخت کرنا اور پکڑنا بہت آسان ہو جاتا۔

وہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ پچھلی رات آئی مین کی مکمل بے خبری میں فالکن ہاؤس میں آپریشن کیا گیا تھا۔ وہ بہت عجلت اور گھبراہٹ کے عالم میں عین وقت پر اپنی اس کمین گاہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا تھا۔ وہ اس کے لیے خطرے کی گھڑی تھی اور وہ شاید بیم گن کو اپنے سرہانے رکھ کر سوتا تھا اس لیے اسے اپنا وہ نادر ہتھیار ساتھ لے جانے کا موقع مل گیا تھا جس کی مدد سے اس نے اپنی راہ میں رکاوٹ بننے والے پڑوسی کے ملازم کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بیم گن کے سوا اسے کوئی اور چیز اپنے ساتھ لے جانے کا موقع نہیں ملا۔ اس کی چھوڑی ہوئی چیزوں میں پاسپورٹ سب سے زیادہ اہم تھا۔

"تمہارے ساتھی کا نام کیا ہے اور وہ کب سے یہاں آیا ہوا ہے؟" جلال نے چند ثانیوں بعد کیلی سے دوسرا سوال کیا۔

پہلے سوال کا جواب دینے کے بعد کیلی کی مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ اس نے بے جان آواز میں کہا "ہم تین مہینے سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اس کا نام بن ڈیوڈ ہے۔" کیلی کی زبان سے آئی مین کا نام سنتے ہی میرے کان کھڑے ہو گئے۔ اپنے نام سے وہ یہودی معلوم ہوتا تھا۔ شاید اسی لیے پاکستان اور پاکستانیوں کا کٹر دشمن تھا۔

وہ دونوں کوائف ایسے تھے جو ہمیں آئی مین کے پاسپورٹ سے مل سکتے تھے لیکن جلال کو اپنی پوچھ گچھ کی ابتدا کرنے کے لیے کسی نہ کسی سوال کا انتخاب کرنا تھا۔ اس نے مناسب یہ سمجھا کہ بنیادی بات سے آغاز کیا جائے۔ اس کے پہلے سوال کا جواب چشم کشا تھا۔ بن ڈیوڈ کی پاکستان آمد اور جیک کے ساتھ اس کے قریبی مراسم کی وجہ سے یہ بات بھی عیاں تھی کہ امریکی انتظامیہ پر یہودی کس حد تک اثر و نفوذ

رکھتے ہیں۔ اس مذہب سے تعلق رکھنے والوں کی پاکستان سے دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی تھی۔

"یہ تین مہینے تم نے کہاں گزارے؟" جلال نے اس کے پہلے جواب پر کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے نیا سوال کیا۔

"بی باون میں۔" اس بار کیلی نے بلا توقف جواب دیا "ہم نے کراچی آنے کے بعد پہلے تین دن ایک ہوٹل میں گزارے پھر ایک ہی وقت میں بی باون اور فالکن ہاؤس کرائے پر لے لیے۔ ڈیوڈ کا خیال تھا کہ کبھی ہمیں ہنگامی حالات میں بی باون سے نکلنا پڑا تو ہم اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے فالکن ہاؤس میں پناہ لے سکیں گے مگر تم نے ہمیں وہاں سے بھی بے گھر کر دیا۔"

"تم کو معلوم ہے کہ وہ تمہارے زخمی ہونے کی پروا کیے بغیر وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔"

"مجھے اس کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش مت کرو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "مجھے معلوم ہے کہ اس کی مصروفیات خطرناک تھیں۔ وہ خطروں سے کھیلنے والا سورما ہے۔ جب دشمن بری طرح غالب آنے لگے تو بہادری یہی ہے کہ اپنی جان بچالی جائے۔ وہ فرار نہ ہوتا تو شاید تم اسے مار ڈالتے۔ تمہارے لیے مجھے مارنا مشکل تھا کیونکہ تمہیں ڈیوڈ کے بارے میں اپنے بہت سے سوالوں کے جواب درکار تھے جو صرف میں فراہم کر سکتی تھی۔"

"وہ کن خطرناک سرگرمیوں میں ملوث تھا؟" جلال نے اپنی جرح جاری رکھی۔ میں نے اپنی زبان بند رکھی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم۔ بس اتنا پتا تھا کہ وہ کوئی خطرناک چکر چلا رہا ہے۔ مجھے اس کی محبت درکار ہے۔ اس کے کاموں سے مجھے کوئی سروکار نہیں رہا۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔ بی باون میں اس کے لیے آنے والے فون پہلے تم سنتی تھیں۔ تمہارے اطمینان کے بعد وہ کسی سے بات کرتا تھا۔"

"مجھے دو نام معلوم تھے ان کے سوا وہ کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔" گھمنڈ ٹوٹ جانے کے بعد کیلی روانی سے ہر سوال کا جواب دیتی چلی جا رہی تھی۔

"میں وہ دونوں نام جاننا چاہتا ہوں۔" جلال نے مطالبہ کیا۔

"چوپڑا اور راجا۔" کیلی نے چوپڑا کا نام لے کر ہم دونوں کو چونکا دیا۔ میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ را کا کوئی ایجنٹ آئی مین کے قریبی رابطے میں بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس وقت چوپڑا جلال کی قید میں تھا۔ ہم آسانی کے ساتھ اس سے اپنا حساب بے باق کر سکتے تھے۔

"یہ دونوں کون ہیں اور کیا کرتے ہیں؟" جلال نے انجان بن کر اس سے پوچھا۔

"میں بتا چکی ہوں کہ مجھے ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میں ان کے نام اور آوازیں پہچانتی تھی۔ باقی باتیں وہ خود کرتا تھا۔"

"وہ تمہارا ہم وطن ہے۔ شاید ہم مذہب بھی ہوگا۔" جلال نے صیہونیت کا ذکر درمیان میں لائے بغیر سوال کیا اور کیلی کی گردن اثبات میں ہل گئی۔

"اب وہ کہاں مل سکے گا؟" جلال نے مجھے سگریٹ پیش کرتے ہوئے کیلی سے اگلا سوال کیا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ وہ زخمی شیر کی طرح شہر میں کہیں پڑا ہوا پیچ و تاب کھا رہا ہوگا۔ میری یہ بات یاد رکھنا کہ وہ پلٹ کر تم سے ضرور بدلہ لے گا۔"

"جب تک تم ہماری قید میں رہوگی۔ وہ ہمارا رخ نہیں کرے گا۔ اسے معلوم ہے کہ اس کی اچھل کود تمہیں مہنگی پڑے گی۔"

"شاید وہ میری بھی پروا نہ کرے۔" کیلی نے نیم دلانہ لہجے میں کہا "غصے میں وہ اندھا ہو جاتا ہے۔"

مجھے حیرت تھی کہ کیلی مسلسل سچ بولے جا رہی تھی۔ ڈیوڈ یا آئی مین نے گولڈن فارمیسی کو آگ لگوا کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ نتائج کی پروا کیے بغیر من مانی کر گزرنے والوں میں سے ہے۔ اس واقعے سے دوسری بات یہ سامنے آئی تھی کہ اس کے ایسے لوگوں سے بھی روابط تھے جن کے وجود سے کیلی بے خبر تھی۔ ایسا نہ ہوتا تو جہانگیر کی دکان کو آگ لگا کر فائرنگ کرنے والے کہاں سے آتے۔ چوپڑا اور راجا قید میں ہونے کی وجہ سے ایسی کوئی منصوبہ بندی کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

بی باون میں فون نمبر کی وجہ سے ایک چوٹ کھانے کے بعد ڈیوڈ نے اپنا طریقہ کار بدل دیا تھا۔ اس نے اپنے اعتماد کے آدمیوں کو بھی فالکن ہاؤس کا فون نمبر نہیں دیا تھا۔ وہ ان کے پیغام وصول کرنے کے بجائے انہیں فون کر کے خود رپورٹیں لینے لگا تھا۔ شاید اسی دوران میں اس نے نئے رابطے استوار کیے تھے جن میں خالد کا کردار کلیدی ہو سکتا تھا۔ راجا اور چوپڑا کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد وہی ایک ایسا مقامی رہ گیا تھا جس پر ڈیوڈ اعتماد کرتا تھا۔

خوش قسمتی سے اس وقت آئی مین کے سارے اہم مہرے ہمارے قبضے میں آ چکے تھے۔ کیلی کے بیان کی روشنی میں ان سے کئی نئی باتیں اگلوائی جا سکتی تھیں۔ اس کام کے لیے وقت درکار تھا جس کی ہمارے پاس کمی تھی۔ دکان کی

آگ لگانے والوں سے بعد میں نمٹا جا سکتا تھا۔ اس وقت ہماری پہلی ترجیح ڈیوڈ کی ذات تھی۔ وقت مل جانے پر وہ شہر میں کوئی بھی بڑی واردات کرسکتا تھا۔ کیلی کے ذریعے ڈیوڈ اور چوپڑا کے مراسم کا راز فاش ہونے کے بعد یہ امکان بھی نظر آنے لگا تھا کہ چوپڑا نے اپنے چار آدمیوں کو ڈیوڈ کے ایما پر تخریب کاری کا مشن سونپا ہو۔

"تم نے زبان کھول کر خود کو کچھ رعایتوں کا حق دار بنالیا ہے۔ فی الحال تمہاری رسیاں کھول دیں جائیں گی اور تمہیں کھانا بھی فراہم کیا جائے گا۔" جلال نے کیلی سے کہا۔

"میں رعایتوں کے بجائے آزادی چاہتی ہوں۔" اس نے تیزی سے کہا "تمہاری باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ڈیوڈ کے کسی جوابی وار کو روکنے کے لیے تم مجھے یرغمال بنائے رکھو گے۔"

"میں نے صرف ایک امکان ظاہر کیا تھا۔ ہم اپنے بچاؤ کے لیے دشمن کی عورتوں کو آڑ لینے والوں میں سے نہیں ہیں۔" جلال نے ترشی سے جواب دیا "فالکن ہاؤس کے کچن سے دونوں پاسپورٹ ملتے ہی تم کو رہا کردیا جائے گا۔ تم آزادی ملنے پر کہاں جانا پسند کرو گی؟"

"ابھی میں چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ میں کسی ہوٹل کے بجائے اپنے قونصل خانے سے رجوع کرنا چاہوں گی۔"

"یہ بہت اچھا ہوگا۔" جلال نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "ٹام اور نک یہ جان کر خوش ہوں گے کہ ہم نے کیلی کو ان کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"یہ دونوں کون ہے؟" سیل کی گھٹی گھٹی فضا میں کیلی کی اشتباہ آمیز آواز ابھری۔

"فکر نہ کرو۔ دونوں امریکی ایجنٹ ہیں اور تمہارے خیر خواہ ہیں۔" جلال نے اپنی دانست میں بات ختم کرتے ہوئے کیلی کو یقین دلایا۔

"ہم جیک اسمتھ اور اس کے آدمیوں کو بھول رہے ہیں۔" میں نے جلال کو یاد دلایا۔

"ہاں۔" میری بات پر وہ چونک کر دوبارہ کیلی سے مخاطب ہوگیا "جیک اور اس کے دونوں آدمی فالکن ہاؤس میں کیا کر رہے تھے۔"

"جیک کچھ دنوں سے ڈیوڈ کا مشیر بنا ہوا تھا۔ وہ ڈیوڈ سے ملنے کے لیے آتا رہتا تھا۔ پرسوں یا شاید اس سے ایک دن پہلے کسی نے اسے بہت بری طرح مارا تھا۔ وہ امریکا سے محافظوں کے آنے تک ڈر کر کہیں چھپ گیا تھا۔ آج اس کے لیے چھ کمانڈوز آئے جن کو تین شفٹوں میں باری باری اس کے ساتھ رہنا تھا۔ جیک نے وہ تجویز مسترد کردی۔ کل شام دو کمانڈوز کو لے کر مستقل طور پر فالکن ہاؤس آگیا تاکہ ہر وقت ڈیوڈ سے رابطے میں رہ سکے۔۔۔۔ وہ کہاں ہے؟"

"تم ڈیوڈ کی سرگرمیوں سے بے خبر ہو۔ وہ سب کچھ جانتا ہوگا۔" جلال نے پوچھا۔

"سب کچھ نہیں تو بہت کچھ ضرور جانتا ہوگا۔ وہ دونوں بہت تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آئے تھے۔"

"اگر تم نے سچ بولا ہے تو اب ہم دوبارہ تمہارے پاس نہیں آئیں گے۔ چند گھنٹوں میں تمہیں آزادی مل جائے گی۔" جلال یہ کہہ کر واپس مڑ گیا۔

"ذرا اب چوپڑا کے جبڑے ہلادیں۔ وہ کس طرف بند ہے۔" میں نے راہ داری میں پہنچتے ہی کہا۔

"جذباتی ہونے کی کوشش نہ کرو۔" جلال نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے سمجھایا "اس وقت ہمیں صرف ڈیوڈ پر دھیان دینا چاہیے۔"

میں چپ رہا۔ جو بات جلال کہہ رہا تھا، وہی میں چند منٹ پہلے سوچ رہا تھا۔ شاید وہ کیلی کے سامنے ناکامی کی جھنجلاہٹ تھی جو میں لاشعوری طور پر چوپڑا پر اتارنی چاہ رہا تھا۔ جلال راہداری کے اس کونے کی طرف جا رہا تھا جہاں مختصر سی لائبریری اور دفتر کے ساتھ ریٹائرنگ روم بنا ہوا تھا۔

جب جلال نے دفتر میں موجود چپراسی کو کیلی کے بارے میں ہدایات دینا شروع کیں تو میں ان کی نوعیت سن کر پریشان ہوگیا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ آئی بی میں کوئی بھی وہ نہیں تھا جو نظر آرہا تھا۔

چپراسی کیلی کی رسیاں کھولنے گیا تو جلال نے ریسیور اٹھا کر ایک فون نمبر ملایا اور اپنے کسی آدمی کو فالکن ہاؤس کے کچن میں پاسپورٹوں کی تلاش کے بارے میں بریف کرنے لگا۔ قرائن یہ بتا رہے تھے کہ پاسپورٹ ملنے تک وہ صدف مینشن میں رکھنے کا ارادہ کرچکا تھا۔

وہ فون پر گفتگو سے فارغ ہو کر میری طرف متوجہ ہوگیا اور بولا "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیلی کا کیا کیا جائے۔"

"تم اس سے وعدہ کرچکے ہو کہ پاسپورٹ ملنے پر اسے رہا کردو گے۔" میں نے حیرت سے کہا "کیا اسے رہا کرنے سے ڈیوڈ اور جیک کے بارے میں گواہی کمزور نہیں ہوجائے گی۔ وہ اس گھناؤنے کھیل کے خلاف مضبوط ترین گواہ کی حیثیت رکھتی ہے۔"

"صدف مینشن کے ہر سیل میں آوازیں اور تصویریں ریکارڈ کرنے کا خودکار نظام نصب ہے۔ میں نے کیلی کا پورا بیان ریکارڈ کیا ہے۔ میں ٹام یا نک سے یہ یقین دہانی ضرور لوں گا کہ کیلی کو میری کلیرنس کے بغیر پاکستان سے باہر بھیجنے کی

کوشش نہیں کی جائے گی۔ اس طرح یہ معاملہ یہیں دب جائے گا۔"

"وہ ڈیوڈ، جیک اور چوپڑا کے خلاف بہترین گواہ ہے۔ جیک مر گیا۔ ڈیوڈ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ چوپڑا کا کیس تمہارے گلے کی ہڈی بنا ہوا ہے۔"

"تم غلط اندازہ لگا رہے ہو۔ وہ میرے گلے کی ہڈی نہیں بنا۔ اس کے خلاف اتنا مضبوط کیس ہے کہ کیلی کی گواہی کے بغیر اسے سزائے موت تک ہو سکتی ہے۔"

"پھر تم اس کے بارے میں کیوں فکر مند ہو؟ آنکھیں بند کر کے اپنے پروگرام پر عمل کر ڈالو۔"

"اسے رہا کرنا ہی ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ نک وغیرہ کو بیچ میں نہ ڈالا جائے۔ وہ سمجھیں گے کہ ہم ان کی دھمکیوں سے مرعوب ہو گئے ہیں۔"

"تم غلط اندازہ لگا رہے ہو۔ پوری گفتگو کی روشنی میں وہ ایسا سوچ ہی نہیں سکتے۔ اسے براہِ راست قونصل خانے بھجوانے سے بہتر ہے کہ ان دونوں پر احسان رکھا جائے۔"

"میرے پاس تیسرا متبادل بھی ہے۔ میں اسے بے ہوش کر کے کسی پارک میں ڈلوا دوں گا۔"

"وہ زخمی ہے۔ کوئی بھی خدا ترس پاکستانی اسے اس کے قونصل خانے تک پہنچا دے گا۔ اس وقت وہ ہر دسترس اور یقین دہانی سے آزاد ہوگی۔"

"تو تمہارا مشورہ ہے کہ میں اسے نک کے حوالے کردوں۔ وہ ایف بی آئی کا آدمی ہے۔ بہتر رہے گا۔"

"اللہ کا نام لے کر یہی کر گزرو۔ کیا تم نک کو یہاں بلاؤ گے؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"خدا کا نام لو ڈیئر۔ انہیں میں صدف مینشن کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گا۔ کیلی کو بے ہوش کر کے اسٹریچر پر یہاں سے نکالیں گے اور ایمبولینس میں لے جا کر کسی مقررہ مقام پر اس کے حوالے کر دیں گے۔"

"یہی بہتر رہے گا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "سنا ہے کہ صدف مینشن میں آنے جانے والی ایمبولنسوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ آس پاس رہنے والے اس عمارت کے سائے سے بھی بچ کر گزرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہاں دن رات مردے آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"یہ گنجان آباد علاقہ ہے۔ قیدیوں کو لانے اور لے جانے کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

اسی لمحے جلال کے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس کی ابتدائی باتوں سے ہی اندازہ ہوگیا کہ فون پر کوئی اچھی خبر نہیں سنائی گئی تھی۔

"دیکھ لو۔" مختصر سی گفتگو ختم کرتے ہی اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا "میں کہہ رہا تھا کہ ہمارے پاس وقت کم ہے۔ دشمن بہت تیزی دکھا رہا ہے۔ ابھی چند منٹ کے وقفے سے شہر میں دو بم دھماکے ہوئے ہیں۔ کم از کم گیارہ افراد کے زخمی ہونے کی اطلاع ہے۔"

"ڈیوڈ اتنی تیزی نہیں دکھا سکتا۔" میں نے بے یقینی سے کہا "وہ غصیلا ضرور ہوگا مگر لومڑی کی طرح چالاک اور محتاط ہے۔ اس کے رابطے بھی بہت محدود ہیں، ہو نہ ہو، یہ کام چوپڑا کے تیار کیے ہوئے دہشت گردوں کا ہی ہو سکا ہے۔ وہ سرکاری قیدی نہ ہوتا تو میں اسی وقت اس کی گردن توڑ دیتا۔"

"اس خبر نے میری طبیعت مکدر کردی ہے۔ کیلی کی زبان کھلوانے کی ساری خوشی کافور ہوگئی۔" جلال نے غم و غصے سے کہا۔

"ہمارے ساتھ کچھ عرصے سے یہی ہو رہا ہے۔ جب بھی ہم کوئی بڑی کامیابی حاصل کرتے ہیں، دشمن جھلا کر ایسی کوئی اوچھی کارروائی کر گزرتا ہے۔"

"ان دو دھماکوں کے بعد ایک مشتبہ شخص کا نام سامنے آیا ہے۔ پوری تیزی سے اس کی تلاش جاری ہے۔ وہ پکڑا گیا تو بہت کچھ سامنے آجائے گا۔"

تھوڑی سی خوشی کے ان ہلکے پھلکے لمحات میں ملنے والی اس بری خبر نے میرا دل بھی اداس کر دیا۔ میں مجرموں کا لہو بہانے کے معاملے میں جس قدر سفاک تھا، بے گناہوں کی خوں ریزی کے معاملے میں اس سے زیادہ نرم دل اور حساس تھا۔ گیارہ آدمیوں کے بارے میں وہ خبر آئی تھی۔ صبح اخبارات نے تصدیق کردی تھی کہ گولڈن فاریسی کی آگ میں دو بچے جھلس گئے تھے جن میں سے ایک کی حالت تشویش ناک تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہمارے حریفوں نے ایکا کر کے شہر میں زخم ہی زخم بکھیرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد صدف مینشن کے فون پر فالکن ہاؤس سے خبر آئی کہ کچن سے کیلی بائرن اور بن ڈیوڈ کے ناموں کے دو امریکی پاسپورٹ مل گئے تھے۔

"بن ڈیوڈ کی تصاویر کی نقلیں بنوا کر پورے فیلڈ اسٹاف میں پھیلا دو" جلال نے دونوں پاسپورٹ مل جانے کی نوید مجھے سنا کر ماؤتھ پیس میں اپنے آدمی سے کہا "ڈیوڈ بہت خطرناک اور بے رحم قاتل ہے۔ وہ جہاں بھی نظر آجائے، سائے کی طرح اس کا پیچھا کیا جائے۔ ہر شخص دفتر کو رپورٹ کرے گا۔ میں دفتر سے رابطے میں رہوں گا۔"

"کام کچھ سمٹتا ہوا نظر آرہا ہے" اپنے اور اس کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے میں نے جبری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "جب تک ڈیوڈ ہمارے ہاتھ نہیں آجاتا' میں کام کو سمٹا ہوا نہیں سمجھ سکتا" اس نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"یہ نہ کہو۔ کچھ دیر پہلے ہمیں اپنے بدترین حریف کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس وقت اس کے کوائف کے ساتھ تصویر بھی ہمارے پاس آچکی ہے۔ یہ کوئی چھوٹی کامیابی نہیں ہے۔"

"بس اب زیادہ نہ چھیڑو۔ جس کامیابی میں انسانی خون کی سرخی شامل ہو' اس کا خمار ختم ہوجاتا ہے۔"

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ بظاہر سنگ دل' سفاک اور بے مہر نظر آنے والا وہ شخص ہر سیکرٹ ایجنٹ کی طرح اندر سے بہت حسّاس تھا۔ ایسے لوگ جب دشمن سے ٹکراتے ہیں تو ان کے دل جذبات سے عاری ہوکر فولاد کے بن جاتے ہیں۔ خون کی ندیاں بہاتے ہوئے انہیں ذرا بھی ملال نہیں ہوتا۔ اس کشت وخون کو وہ شاید اپنی کامیابی سمجھ کر نازاں رہتے ہیں لیکن جب کوئی بات ان کے مضراب دل کے تاروں کو چھیڑدیتی ہے تو وہ اس قدر نرم دل اور حساس ہوجاتے ہیں کہ ان سے بات کرتے ہوئے بھی خوف آنے لگتا ہے۔ اس وقت بہتر یہی تھا کہ میں جلال کو نہ چھیڑوں۔ اسے اس کے حال پر چھوڑدوں۔ غم واندوہ کی لہر گزرجانے کے بعد وہ دھیرے دھیرے خود ہی نارمل ہوسکتا تھا۔

جلال نے اپنی میز میں لگا ہوا گھنٹی کا بٹن دبانے کے بجائے آواز دے کر اپنے آدمی کو بلایا جو چپراسی کے روپ میں باہر موجود تھا۔

"سر! لڑکی کے ہاتھ پیر کھول دیے ہیں۔ وہ بہت خوش ہے کہ اس سے کیا ہوا ایک وعدہ کسی تاخیر کے بغیر پورا ہوگیا ہے۔ اس نے چارپائی سے اترنے کی کوشش کی تھی لیکن زخم میں تکلیف کی وجہ سے اپنی ٹانگوں پر کھڑی ہونے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔"

"یہ اچھا ہے۔ وہ جب تک یہاں ہے' اپنے سیل میں پڑی رہے گی۔ اس کی شکم پری کا بندوبست کرنے سے پہلے اسے ایک شاٹ دے دو تاکہ کھانا کھاتے ہی وہ غفلت کی گہری نیند سوجائے۔ تھوڑی دیر بعد میں اسے یہاں سے نکال لے جاؤں گا" جلال کی بات سن کر اس نے اپنے سر کو ہلکا سا خم دیا اور دفتر سے چلا گیا۔

"تم نے اسے یہ نہیں بتایا کہ لڑکی کو بے ہوش کرنے کے بعد ایمبولینس میں منتقل کرنا ہے" چپراسی کے جانے کے بعد میں نے کہا۔

"ان باتوں کو باربار دہرانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ جانتا ہے کہ بے ہوش لڑکی کو عام گاڑی میں لے جانے کی کوشش کی گئی تو صدف مینشن کے باہر تماشا دیکھنے والوں کا ٹھٹ لگ جائے گا۔ ہم باہر نکلیں گے تو ایمبولینس روانگی کے لیے تیار ہوگی" جلال نے ہنس کر کہا۔ اس کے ذہن پر چھا جانے والی اداسی کی کہر ڈھلنا شروع ہوگئی تھی۔

"جب میں یہاں آہی گیا ہوں تو چوپڑا کا دیدار تو کرادو" میں نے فرمائش کی "ابھی تک میں نے اس کا نام ہی سنا ہے۔ اس خبیث کی صورت نہیں دیکھی۔"

جلال نے اپنی ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی اور کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا "آؤ' ایک نظر اسے بھی دیکھ لیں۔"

ہم دونوں راہ داری میں نکلے تو میرا خیال تھا کہ چوپڑا اسی منزل کی کسی کوٹھری میں' کیلی کے پڑوس میں بند ہوگا لیکن جلال پوری راہ داری طے کرکے خستہ چوبی زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

زینوں کے پرانے اور گھسے ہوئے تختے ہم دونوں کے بوجھ تلے چرچرائے تو میں دانستہ جلال کے پیچھے ہوگیا۔ میری اس حرکت پر جلال نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "فکر نہ کرو۔ ہمارے بوجھ سے یہ تختے نہیں ٹوٹیں گے۔ اس عمارت کی ہر چیز پختہ اور مضبوط ہے۔ یہاں کی ظاہری حالت کو دانستہ وحشت ناک اور خوف آور رکھا گیا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے" میں نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے جواب دیا "صدف مینشن میرے لیے اجنبی نہیں ہے۔ تمہاری عنایت سے میں پہلے بھی یہاں وارد ہوچکا ہوں۔"

اوپر کا حال نیچے سے زیادہ ابتر نظر آرہا تھا۔ چھت اور دیواروں سے مکڑیوں کے بڑے بڑے اور گندے جالے لٹکے ہوئے تھے۔ کئی جگہ موٹی موٹی چھپکلیاں شکار کی گھات میں دیواروں سے چپکی ہوئی تھیں۔ دھول میں اٹے ہوئے کمزور بلب اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کررہے تھے۔ چھت کی کڑیوں سے کہیں کہیں چمگادڑیں الٹی لٹکی ہوئی بسیرا کررہی تھیں۔ دن اور رات کا اندازہ لگانے کے لیے ان کی حیوانی جبلت بلب کی روشنی یا کسی اور چیز کی محتاج نہیں تھی۔

سیڑھیوں کی احتجاجی آوازوں اور ہمارے قدموں کی چاپ نے چوپڑا کو چوکنا کردیا تھا۔ وہ ایک کشادہ اور کھلے کمرے میں فرش پر ٹانگیں لمبی کرکے بیٹھا ہوا تھا۔ بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے بالوں اور بے خوابی سے متورم سرخ آنکھوں نے اس کا چہرہ ڈراؤنا بنادیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس کا شیو کئی دن کا بڑھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں آہنی

ہتھکڑی کا جوڑا اور پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ لمبی مدت کا سرکاری قیدی تھا اس لیے اسے بالکل بے دست و پا کر کے نہیں رکھا گیا تھا۔ وہ ایک محدود دائرے میں نقل و حرکت کر سکتا تھا۔

"تت... تم پھر آ گئے!" ناکافی روشنی میں جلال کے چہرے پر نظر پڑتے ہی چوپڑا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی، آسیب زدہ سی آواز خارج ہوئی۔

"جب تک تم میرے مہمان ہو میں تمہاری خبر گیری کرتا رہوں گا" جلال نے ہڈیوں میں اتر جانے والی سرد آواز میں کہا "اس دور سے گزرتے ہوئے تم کو ایک ایک کر کے اپنے سارے گناہ یاد آ جائیں گے۔"

"میں بھگوان کی سوگند کھاتا ہوں، میں نے تم کو ہر بات بتا دی ہے" رندھی آواز میں جواب دے کر وہ یکایک رو پڑا۔

"راکشش! اپنے منہ سے بھگوان کا نام نہ لے" میں نے بڑھ کر بائیں ہاتھ سے اس کے بال تھامے اور داہنے ہاتھ سے اس کے رخسار پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کر دیا۔

صدف مینشن کے در و دیوار اس کی روح فرسا چیخ سے لرز اٹھے۔ کڑیوں سے الٹی لٹکی ہوئی چمگادڑیں خوف زدہ ہو کر ٹرچ ٹرچ کی آوازیں نکالتی ہوئی، فضا میں پھڑپھڑانے لگیں۔

جلال نے ہولے سے میرا بازو دبا کر مجھے یاد دلانے کی کوشش کی کہ میں نے وہاں آنے سے پہلے اس پر ہاتھ نہ اٹھانے کا وعدہ کیا تھا۔ اپنا وہ وعدہ مجھے بھی یاد تھا لیکن موت کے اس ہرکارے کی منحوس شکل دیکھ کر میرے لیے اپنے اوپر قابو پانا دشوار ہو گیا تھا۔

میں اس خبیث چہرے کو ذہن نشین کرتا ہوا الٹے قدموں پیچھے ہٹ آیا۔

"مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ تم لوگ کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ تم مجھ سے جو کچھ سننا چاہتے ہو، میں بتانے کے لیے تیار ہوں لیکن مجھے نہ مارو۔ میرا رواں رواں اور جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے" اس نے رو دینے والی آواز میں فریاد کی "مجھے پتا ہوتا کہ تم لوگ اتنے ظالم ہو تو میں شروع سے ہی سب کچھ بتاتا چلا جاتا۔"

ہم دونوں میں سے کسی نے اس کی باتوں کا جواب دینے کی زحمت نہیں کی۔ جلال اس کی رونمائی کے لیے آیا تھا۔ میں نے اسے دیکھ لیا تھا۔ ہم دونوں اس اجاڑ زنداں سے واپس چل دیے۔

"کاش تم اس پر کوئی الزام ثابت نہ کر سکو اور یہ عدالت سے بری ہو جائے" دوبارہ دفتر میں پہنچنے کے بعد میں نے دعائیہ انداز میں کہا۔

"کیوں؟ کیا اس کی ابتر حالت دیکھ کر تمہیں اس پر رحم آ رہا ہے؟" جلال نے چونک کر پوچھا۔

"اسے قانون اور عدالت سے رہائی مل جائے تو میں اپنے ہاتھوں سے اس کے بدن کے چیتھڑے اڑاؤں گا۔ ہم لوگوں سے ہونے والی لڑائی میں یہ بے گناہ پاکستانیوں کا خون پی کر پروان چڑھ رہا ہے" میں نے اپنے غصے کی لہر پر قابو پاتے ہوئے کہا "پتا نہیں تم نے میرا ہاتھ کیوں روک دیا۔"

"مجھے بھی اس سے ہمدردی نہیں ہے۔ دراصل خوف اور دہشت کی وجہ سے اس کا بلڈ پریشر مسلسل گرا ہوا ہے۔ لیری ہف کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ فون پر تمہاری دھمکیاں سن کر اس پر دل کا دورہ پڑا اور وہ آناً فاناً مر گیا۔ میں نہیں چاہتا کہ چوپڑا بھی اسی طرح ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے۔ سچ پوچھو تو اس وقت میں مجبور ہو کر اس کمینے کی تیمارداری کر رہا ہوں۔ بہتر غذاؤں کے ساتھ اسے دوائیں بھی دی جا رہی ہیں لیکن ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے انجام نظر آ جانے کے بعد اس کی بھوک اور پیاس اڑ چکی ہے۔"

"اسے شراب پلاؤ!" میں نے سنجیدگی سے مشورہ دیا "نشے کی ترنگ میں یہ اپنے سارے دکھ درد بھول جائے گا۔ اس کی بھوک بھی چمک اٹھے گی۔"

"تم نے بالکل صحیح مشورہ دیا ہے۔ یہ لوگ شراب کے عادی ہوتے ہیں۔ میرا دھیان اس طرف نہیں گیا تھا۔"

جلال نے ایک مرتبہ پھر چپراسی کو بلا لیا۔ اس سے پوچھنے پر پتا چلا کہ صدف مینشن میں الکحل کا وجود نہیں تھا۔ جلال نے اسے چوپڑا کے لیے ریڈ لیبل اسکاچ کی ایک بڑی بوتل کا بندوبست کرنے کے لیے کہا۔ اس وقت پتا چلا کہ ملک بھر میں شراب ممنوع ہونے کے باوجود نشتر روڈ کے اطراف کی گنجان آبادیوں میں اس کی فراوانی تھی۔ ہر گلی میں کوئی نہ کوئی دکان دار یا پان والا چوری چھپے دیسی اور ولایتی شراب اور اسمگل کی ہوئی سگریٹوں کا دھندا کر رہا تھا۔ بعض دکانوں پر کولڈ ڈرنک کی بوتلوں میں ملا کر گاہکوں کو کھلی ہوئی شراب بھی بیچی جاتی تھی۔

جلال کو فالکن ہاؤس سے آنے والے دونوں پاسپورٹوں کا بے چینی سے انتظار تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کا آدمی غیر ضروری طور پر ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرے گا۔ اس وقت سے فائدہ اٹھانے کے لیے میں نے اسے نک سے فون پر بات کرنے کے لیے کہا۔ جلال نے اپنی رسٹ واچ دیکھی اور سرہلا کر فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں دفتر سے باہر نکل گیا۔

میرے لیے صدف مینشن کی وہ عمارت ابتدا سے ہی خیال انگیز رہی تھی۔ آئی بی والوں نے وہاں گھٹن، وحشت

اور سراسیمگی کا جو سماں پیدا کیا ہوا تھا' وہ بدترین جیلوں میں بھی عنقا تھا۔ اصل خوبی یا خرابی اس عمارت کی قدیم طرز کی بناوٹ میں تھی۔ اپنے محل وقوع اور بیرونی ساخت کے اعتبار سے وہ ایک رہائشی عمارت نظر آتی تھی جسے کسی پردے دار ہندو خاندان نے اپنے لیے بنوایا تھا۔ چوبی اور وزنی صدر دروازے کے اوپر بنی ہوئی مورتیاں اس عمارت کے اصل مالکوں کی عکاسی کرتی تھیں۔ عمارت بناتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھا گیا تھا کہ باہر سے گزرنے والوں کو اندر کے بارے میں کوئی سن گن نہ مل سکے۔ باہر سے سپاٹ سنگی دیواروں کا قلعہ نظر آنے والی اس عمارت میں ہر رہائشی سہولت دستیاب تھی جسے آئی بی والوں نے ردوبدل کے بعد اپنے کام میں لیا ہوا تھا۔

میں دفتر سے نکل کر ٹہلتا ہوا داخلی ہال تک گیا جہاں سے چوبی زینے اوپر جا رہے تھے۔ گپ شپ میں مصروف محافظ مجھے دیکھتے ہی مستعدی سے سیدھے کھڑے ہوگئے۔ چند ثانیوں بعد میں نے محسوس کیا کہ میں نے اس خشک ماحول میں ان دونوں کی دلچسپ خلوت میں مداخلت بے جا کی تھی۔ میں پلٹا اور کیلی کے سیل میں پہنچ گیا۔

اس کے ہاتھ پیر آزاد تھے مگر وہ بدستور چارپائی پر پڑی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں امید کی ہلکی سی چمک پیدا ہوگئی۔ اس نے کمزور آواز میں کہا "اچھا ہوا کہ تم آگئے۔ تم شریف اور نرم دل آدمی ہو۔ تمہارا ساتھی بہت بے رحم ہے۔ ذرا مجھے سہارا دے کر نیچے اتار دو۔ اس ڈھیلے بستر پر پڑے پڑے میری بوٹیاں دکھنے لگی ہیں۔ میرے لیے کھانا آنے والا ہے۔ میں نیچے بیٹھ کر کھانا چاہتی ہوں۔"

"میرے ایک سوال کا جواب دے دو تو تمہیں بستر سے اتارا جاسکتا ہے" میں نے کہا۔

"میں تمہارے ساتھی کے ہر سوال کا جواب دے چکی ہوں۔ کچھ رہ گیا ہے تو تم بھی پوچھ لو" وہ تھکی تھکی آواز میں بولی۔

"ڈیوڈ پاکستان میں کیا مشن لے کر آیا تھا؟" میں نے آہستگی سے پوچھا۔

"میں بتا چکی ہوں کہ مجھے اس کی سرگرمیوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اڑتی اڑتی کچھ باتیں میرے کانوں میں پڑجاتی تھیں جن پر میں زیادہ دھیان نہیں دیتی تھی۔ مجھے اتنا اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ یہاں ہیروئن کا کوئی چکر چلا رہا ہے اور ڈینی نامی کسی شخص کو مارنے کی فکر میں ہے۔"

"ڈینی تک پہنچنے کے لیے وہ دوسروں کے فراق میں بھی رہا ہوگا؟" میں نے اس سے تائید چاہی۔

"میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ہمارے درمیان ایسی باتوں پر کوئی گفتگو نہیں ہوتی تھی۔"

اس کی باتوں کا نچوڑ پہلے ہی سامنے آگیا تھا۔ میں نے براہِ راست سوال کرکے اپنی خلش دور کرلی۔ اس نے حتمی طور پر کچھ نہیں بتایا لیکن ڈیوڈ کی دلچسپی کے دو نکات کا ذکر کرکے اس نے بالواسطہ طور پر بہت کچھ کہہ دیا تھا۔

ہیروئن کے کاروبار کے بارے میں راجا اور خالد نے جو کچھ کہا تھا' اس کی روشنی میں وہ ایک بے سروپا دھندا نظر آتا تھا۔ راجا کو اپنی گرہ سے دس ہزار روپے فی کلو دے کر ڈیوڈ ہیروئن کی مارکیٹ میں کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ راجا بدنیتی پر اتر آتا تو ایک بڑی رقم آسانی سے ہضم کرسکتا تھا۔ خالد بازار کے چکر لگاکر اس کی بے ایمانی نہیں پکڑ سکتا تھا۔ ایک ایسا کام جس کا انحصار صرف دو افراد پر ہو' شی جیسی بڑی تنظیم کا ہدف نہیں ہوسکتا تھا اور نہ اس کے لیے ڈیوڈ کو امریکا سے پاکستان آنے کی ضرورت تھی۔ ایسی صورت میں کیلی کے بیان کا صرف دوسرا نکتہ رہ جاتا تھا جس کے بارے میں وہ خود زیادہ پر یقین نہیں تھی۔

میں دروازے کی طرف پلٹا تو کیلی نے میری وعدہ خلافی پر احتجاج کرتے ہوئے مجھے میرا وعدہ یاد دلایا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں نے اسے بستر سے اتارنے کی بات ضرور کی تھی' یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ اسے خود بستر سے اتاروں گا۔ مجھے معلوم تھا کہ کیلی کو کھانا کھلانے کے بعد بے ہوشی کی حالت میں آخرکار بستر سے اتارا بلکہ لے جایا جانے والا تھا۔

وہ جھلّا کر مجھے برا بھلا کہتی رہ گئی مگر میں اس کی کسی بات پر کان دھرے بغیر وہاں سے نکل کر دفتر کی طرف چل دیا۔

اس دوران میں جلال نے نک سے بات کرلی تھی۔ وہ بارہ بجے کیلی کو لینے کے لیے کلفٹن کے ویران ساحلی علاقے میں پہنچنے والا تھا۔

مجھے نک کے بارے میں بات آگے بڑھانے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ ایک گارڈ بند خاکی لفافہ لے آیا۔ آئی بی کا آدمی صدف مینشن کے صدر دروازے پر ہی وہ وزنی لفافہ دے کر واپس چلا گیا تھا۔ ہم دونوں کو بے چینی سے اس لفافے کا انتظار تھا۔ جلال نے فوراً ہی اسے کھول لیا۔ میں تجسس سے مغلوب ہوکر اس کے قریب پہنچ گیا۔

کوائف سے پہلے میری نظر بن ڈیوڈ کی تصویر پر جم گئی۔ بھوری آنکھوں اور حلق تک پھیلی ہوئی خشخشی داڑھی والا وہ مکّارانہ چہرہ اس کے نسلی امتیاز کی نشان دہی کررہا تھا۔ میں نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔ کوائف پر ایک نظر ڈالی تو اس کا قد ۶ فٹ ۳ انچ پایا۔ میں اس کی ایک جھلک دیکھ چکا تھا۔ وہ واقعی

مضبوط جسم اور دراز قامت کا مالک تھا۔ میں ایک گہرا سانس لے کر اپنی جگہ پر واپس آگیا۔
میرا خیال تھا کہ جلال بھی اس پاسپورٹ کو دیکھ کر ایک طرف رکھ دے گا لیکن وہ اس مختصر سی کتاب کو اپنے ہاتھ میں تھامے' سکتے کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی ساکت نگاہیں مسلسل کھلے ہوئے پاسپورٹ کے صفحات پر جمی ہوئی تھیں۔ یوں نظر آرہا تھا جیسے وہ تصویر کو ذہن نشین کر رہا ہو۔
"بہت غیر معمولی چہرہ ہے" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد جلال کا غیر معمولی انہماک ختم کرنے کے لیے کہا "اسے ایک مرتبہ دیکھ کر بھلانا ناممکن ہے۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" جلال نے پاسپورٹ بند کر کے میز پر ڈالتے ہوئے کہا "یہ چہرہ میرے دماغ کے کسی نہاں خانے میں نقش ہے۔ ذہن میں کلبلاہٹ ہو رہی ہے مگر یہ یاد نہیں آرہا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا تھا۔"
"تم اس کو دیکھ چکے ہو؟" میں نے تحیرزدہ آواز میں کہا۔
"اس کا چہرہ بہت غیر معمولی ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں اسے دیکھ چکا ہوں... مگر کہاں....؟" وہ کھوئی ہوئی آواز میں بولا۔
"اپنے ذہن پر زور دیتے رہو۔ سب کچھ یاد آجائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارا حافظہ بہت اچھا ہے۔"
لفافے میں پاسپورٹوں کے ساتھ ایک لفافے میں بن ڈیوڈ کی چار رنگین تصاویر بھی موجود تھیں جو شاید تھوڑی دیر پہلے بنوائی گئی تھیں۔ وہ جلال نے میرے حوالے کر دیں "یہ اول خان اور اپنے ساتھیوں کو دے دینا' اب کسی نہ کسی کو اس تک پہنچنا پڑے گا۔"
"حالات کی وجہ سے میرے ساتھی سوشل نہیں رہے۔ یہ تصویریں اول خان کے لیے زیادہ کارآمد رہیں گی" میں نے تصویریں دیکھ کر لفافہ اپنی جیب میں رکھ لیا۔
"جسے مناسب سمجھو' دے دینا۔ مجھے ڈر ہے کہ جہانگیر کی دکان کو آگ لگانے کے بعد وہ چین سے نہیں بیٹھے گا۔ کوئی نہ کوئی تخریب کاری کرتا رہے گا۔"
"خرابی یہ ہے کہ اس کے سر پر امریکیوں کا ہاتھ ہے۔ تم نے دیکھ لیا کہ وہ کیلی کے بارے میں کتنے بے چین ہو رہے تھے' ابھی نک خوش ہو گیا ہو گا!"
"میری پیش کش پر وہ حیران ہو گیا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ ملاقات کے چند گھنٹوں بعد میں کیلی کو اس کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔"
"وہ یہاں بیٹھے اپنے محکموں کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ تم ان سے متعارف نہیں تھے۔"
"ان دونوں کے نام میرے ریکارڈ پر ہیں۔ مجھے ان کی سرگرمیوں کی رپورٹیں بھی ملتی رہتی ہیں لیکن کبھی ان سے ملاقات ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ آج پہلی بار ان سے سامنا ہوا تھا" جلال نے کہا "پہلے وہ کلفٹن آنے کے ذکر پر خوف زدہ سا ہو گیا تھا۔ چند روز پہلے وہاں سے ملنے والی نادر کی لاش کی وجہ سے لوگ ویران ساحل پر جانے سے کترانے لگے ہیں۔"
"تم اس سے ملنے کے لیے شہر میں کسی دوسرے مقام کا تعین کر سکتے تھے" میں نے جواب دیا۔
"سناٹے کی وجہ سے وہی علاقہ بہتر ہے۔ ایمبولینس سے ایک بے ہوش عورت کو کسی کار میں منتقل کرنا آسان کام نہیں ہے۔ کوئی پولیس کو بھی بلا سکتا ہے۔"
"حیرت ہے کہ تم آئی بی کے افسر ہوتے ہوئے پولیس والوں کی طرف سے متفکر تھے۔"
"مجھے کوئی فکر یا تشویش نہیں تھی۔ جو کام خاموشی کے ساتھ انجام دیا جا سکتا ہے' دوسروں کو اس کی طرف متوجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ساحل پر پورا کام اطمینان سے ہو جائے گا۔"
"اور نک کو کس بات کا خوف تھا؟" میں نے ذرا طنزیہ لہجے میں پوچھا۔
"اس کا خوف نفسیاتی ہے۔ جب تک امریکیوں کو کوئی بڑی کامیابی نہیں مل جاتی' وہ پاکستان بلکہ کراچی میں خائف رہیں گے۔ وہ یہاں اپنے کئی اہم آدمی گنوا چکے ہیں۔ اس نے کھل کر مجھ سے کچھ نہیں کہا لیکن ساحل کے بجائے کہیں اور ملنے کی بات کر رہا تھا۔"
"ایمبولینس کون لے جائے گا؟" میں نے پوچھا۔
"میرا تنہا جانے کا ارادہ ہے" اس نے سرسری لہجے میں کہا "تم چاہو تو میرے ساتھ چل سکتے ہو۔ فی الحال تم ان کے لیے ڈینی نہیں' کرنل داور ہو۔"
"میں ضرور چلوں گا' کتنی دیر میں نکلنے کا ارادہ ہے؟" میں نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔
اس سے ملاقات کے لیے ایک بجے کا وقت طے ہوا تھا۔ ساڑھے بارہ بجے کیلی کو بے ہوشی کی حالت میں باہر کھڑی ہوئی ایمبولینس میں منتقل کیا جا چکا تھا۔ باہر نکل کر جلال نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی' میں اس کے برابر میں بیٹھا اور ایمبولینس تیزی سے آگے روانہ ہو گئی۔
"وہ اکیلا آئے گا یا اس کے ساتھ محافظ وغیرہ بھی ہوں گے؟" میں نے راستے میں پوچھا۔
"محافظوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ دو

مددگار ضرور لائے گا جو کیلی کو ایمبولینس سے کار میں منتقل کرسکیں۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ میں اس عورت کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

"اور صدف مینشن میں اس کا چہرہ لہولہان کرنے کا ارادہ رکھتے تھے؟" میں نے ہنس کر اسے یاد دلایا۔

"وہ دھمکی تھی جو کام کر گئی" اس نے میرے اندازے کی توثیق کردی "وہ نہ بولتی تو میں خاموشی سے لوٹ آتا۔ دراصل میں نے کہیں پڑھا تھا کہ مغربی عورتیں شدت پسند ہوتی ہیں۔ ہلکے پھلکے تشدد کے بغیر وہ کوئی کام رغبت سے نہیں کرتیں۔ میں نے تمہاری شرافت کا انجام دیکھ لیا تھا اس لیے خود دوسرا روپ اپنالیا۔"

شہر سے کلفٹن کی ساحلی پٹی پر پہنچتے ہی جلال نے ایمبولینس بائیں طرف موڑلی۔ ساحل کے متوازی پختہ سڑک پر سفر کرتے ہوئے ہم ذرا سی دیر میں ویرانے میں جا نکلے جہاں ہمیں ریتیلے حصے میں دور ہی سے ایک سفید کار کھڑی ہوئی نظر آگئی۔ چند ثانیوں بعد وہ تینوں سفید فام بھی واضح ہوگئے جو ایمبولینس کو پہچان کر بے تابی سے فضا میں ہاتھ لہرا رہے تھے۔ جلال نے رفتار کم کرکے ایمبولینس کو پختہ سڑک سے ریتیلے راستے پر اتارا۔ اس کا رخ سفید کار کی طرف تھا۔

نک وہاں کسرتی بدن والے دو سادہ پوش ہم وطنوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ ان دونوں کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ عام آدمی نہیں، پیشہ ور لڑاکا تھے۔ جو کسی برے وقت میں نک کی مدد کرسکتے تھے۔

ہم دونوں ایمبولینس کا انجن بند ہونے پر نیچے اتر آئے۔ جلال کے اشارے پر نک نے اپنے دونوں آدمیوں کو تیزی سے کام مکمل کرنے کی ہدایت کی اور وہ ایمبولینس کے پچھلے حصے کی طرف متوجہ ہوگئے۔ نک دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ڈالے، اطمینان سے ہمارے ساتھ کھڑا رہا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تمہاری پولیس نے رات کو کیلی کو پکڑا اور اب وہ تمہارے لیے ناکارہ ہو چکی ہے۔ کیا اس نے اتنی آسانی سے سب کچھ اگل دیا؟" نک بولا۔

"کیلی ایک جنس زدہ لڑکی ہے جو بن ڈیوڈ کی مردانہ وجاہت اور طاقت کی دیوانی ہے" جلال نے بے پروائی سے جواب دیا "اس کی بے سروپا باتوں میں سر کھپانا فضول تھا۔"

"بن ڈیوڈ .... یہ کون ہے؟" نک کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز ابھری جس سے حیرت سے زیادہ بے یقینی جھلک رہی تھی۔

"آئی مین! پاسپورٹ کے مطابق وہ اسی نام پر پاکستان میں داخل ہوا ہے" شاید جلال نے فون پر نک کو آئی مین کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

"اس کا پاسپورٹ تمہیں کہاں سے مل گیا؟" نک پر گویا حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے پڑ رہے تھے۔

"میرے آدمیوں نے فالکن ہاؤس کے کچن سے دونوں پاسپورٹ برآمد کرلیے تھے۔ میرے استفسار پر کیلی نے بھی اسی مقام کی نشاندہی کی۔ وہ ایک بڑا سچ تھا۔ میں نے اس کی ہر بات پر اعتبار کرتے ہوئے اسے رہا کرنے کا فیصلہ کرلیا" جلال نے سچ میں جھوٹ کی آمیزش کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تم نے اس سے یہ تو ضرور پوچھا ہوگا کہ ڈیوڈ فالکن ہاؤس سے فرار ہوکر کہاں گیا ہے!" نک نے پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"وہ کچھ نہیں بتا سکی۔ ڈیوڈ ایک آوارہ بھونرا ہے۔ وہ آزاد کلی کا رس چوستا رہا۔ صیاد سر پر آیا تو کہیں اڑ گیا۔ ہوسکتا ہے کہ وقت ملنے پر وہ دوبارہ کیلی کو تلاش کرلے۔"

"کیلی کو اپنی قید میں رکھ کر تم ڈیوڈ کو اپنے کسی جال میں پھانس سکتے تھے؟" نک نے کریدا۔

"وہ میری اور تمہاری طرح ایک سیکرٹ ایجنٹ کا مزاج رکھتا ہے" جلال نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے، ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "اس کے لیے اپنی حفاظت ہر چیز پر مقدم ہے۔ وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرتا جہاں کیلی کو رکھا گیا تھا۔ وہاں آنے والے مارے جاتے ہیں مگر اپنی مرضی سے واپس نہیں جاتے۔"

"اسی لیے تم چاہتے ہو کہ کیلی کو فی الحال پاکستان سے باہر نہ نکالا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ کیلی کی آزادی ڈیوڈ کو دوبارہ اس کی طرف راغب کردے۔"

"یہ بھی ایک حکمت عملی ہوسکتی ہے۔ ہم اس کو ہر قیمت پر پکڑنے کی کوشش کریں گے" جلال نے اسے ڈراوا دیا۔

"ہم کیلی کو غیر معینہ مدت تک اپنا مہمان نہیں رکھ سکتے۔ اس کے زخم مندمل ہوتے ہی اسے آزاد کردیں گے۔ اس پر تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟"

"جب تک وہ پاکستان میں رہتی ہے، ہمیں کسی بات پر اعتراض نہیں ہوگا۔"

میں ان دونوں کے قریب کھڑا سگریٹ پھونکتے ہوئے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ کسرتی جسموں والے امریکیوں نے بہت آسانی کے ساتھ کیلی کو ایمبولینس کے اسٹریچر سے اٹھا کر سفید کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا تھا۔ وہ اہم کام مکمل ہوجانے کے بعد ہم کسی بھی لمحے واپس روانہ ہوسکتے تھے۔

"ہم بھی اپنے طور پر اس سے پتا کریں گے کہ ڈیوڈ کہاں

مل سکے گا؟" جلال کے کسی مطالبے کے بغیر نک نے ازخود پیش کش کی۔ "ہم کسی امریکی شہری کو یہ آزادی نہیں دے سکتے کہ وہ پاکستان میں رہتے ہوئے یہاں کے قانون کو پامال کرے۔"

"بس نک! اب ہمارے زخموں پر نمک پاشی نہ کرو۔ بن ڈیوڈ مجرم ہے اور جیک ایک ذمے دار افسر تھا۔ اس نے ہمارے کس قانون کی پاسداری کی؟" جلال نے کاٹ دار لہجے میں کہا "جو ہوگیا سو ہوگیا۔ کوشش کرنا کہ کم از کم سرکاری سطح پر ایسے واقعات کا اعادہ نہ ہو۔"

"یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے۔ اگر فالکن ہاؤس میں بن ڈیوڈ روپوش تھا تو پھر اس بات کی پوری تحقیقات کی جائیں گی کہ جیک اپنے دو محافظوں کے ساتھ وہاں کیوں گیا تھا۔"

"وہ صرف گیا نہیں تھا، کیلی نے تصدیق کی ہے کہ وہ اسی شام فالکن ہاؤس میں مستقل رہائش کے ارادے سے منتقل ہوا تھا۔" جلال بولا "اس کی لاش پر موجود کپڑوں پر ایک نظر ڈال لینا۔ وہ شب خوابی کے لباس میں مارا گیا تھا۔ اس کے کپڑے کیلی کی کہانی کی تصدیق کرتے ہیں۔"

"پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ کیلی کی باتوں پر کہاں تک اعتبار کیا جاسکتا ہے۔" نک نے مکاری سے بات ٹال دی۔

"بن ڈیوڈ کے بارے میں کچھ کہنا محال ہے لیکن جیک کی ہربات کھل کر سامنے آچکی ہے۔ وہ تم سے بڑا تھا۔ تم اس پر گرفت کرنے کے مجاز نہیں تھے۔ اس سے اوپر والوں کو یہ سب سوچنا چاہیے۔ میں زیادہ تفصیل دہرا کر صبح والی بدمزگی کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا۔"

نک نے خود بات چھیڑی تھی اور پھنس گیا تھا۔ جلال نے اسے راہ دی تو اس نے فوراً ہی مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا "اوکے جلال۔ اب ہم چلتے ہیں مجھے واپسی میں دیر ہوگئی تو سب فکرمند ہوجائیں گے۔ جیک کے واقعے کے بعد ہمارے سیکیورٹی چیک بہت بڑھ گئے ہیں۔"

وہ تینوں اپنی کار میں تیز رفتاری سے روانہ ہوگئے۔ ان کے پیچھے ہماری ایمبولینس تھی۔ دونوں گاڑیوں کا درمیانی فاصلہ تیزی سے بڑھتا جارہا تھا۔

○☆○

"اول خان کے آدمی ضرور اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔" کھانے کی میز پر ویرا نے پورے وثوق سے اپنی امید ظاہر کی۔

"لاکھوں کی آبادی میں کسی ایک آدمی کا کھوج لگانا اتنا آسان نہیں ہے۔" غزالہ نے بردباری سے اسے جتایا "وہ ویسے بھی اپنی رونمائی سے بھاگتا ہے۔ کچھ روز کے لیے خاموشی سے گوشہ نشین ہوگیا تو اول خان کے آدمی جھک مارتے رہ جائیں گے۔"

"یہ زیادتی ہے کہ کھانے کے چکر میں تم نے اول خان کو فون نہیں کیا۔ وہ بے چینی سے تمہاری نک اور ٹام کے ساتھ میٹنگ کے نتیجے کا انتظار کررہا ہے۔" سلطان شاہ نے ایک بالکل نئی بات چھیڑ دی "تمہاری طویل غیرحاضری میں وہ دو مرتبہ فون کرچکا ہے۔ اسے تشویش تھی کہ تم کہاں رہ گئے ہو۔"

"کھانے کے بعد میں سب سے پہلے اسے فون کروں گا اور وہ یہاں دوڑا چلا آئے گا۔" میں نے کوفتے کا لقمہ بناتے ہوئے جواب دیا "میں کھانے سے پہلے اسے فون کرتا تو اس وقت ہم میز کے گرد بیٹھے کھانا نہیں کھا رہے ہوتے، ڈرائنگ روم میں اس کی آمد کے انتظار میں سوکھ رہے ہوتے۔"

"تم ہمیشہ نئی منطق سامنے لاتے ہو" ویرا تنک کر بولی "کبھی تم کو کام کی خاطر اپنے سر پیر کی بھی پروا نہیں ہوتی، اس وقت پیٹ کی خاطر سب کچھ پس پشت ڈال دیا ہے۔"

"ویرا! تم کو معلوم نہیں کہ پیٹ بڑا بدکار ہے۔ انسان اسی کی خاطر سب کچھ کرتا ہے۔"

"مجھے سب معلوم ہے۔ مجھ سے فلسفہ بگھارنے کی کوشش مت کرو۔ میں بحث پر اتر آئی تو تمہارا مغز خالی کردوں گی۔"

"امریکی تم کو اسی لیے واپس لے جانا چاہتے ہیں۔" سلطان شاہ بے ساختہ بول پڑا "ان کے سائنس داں برسوں کی محنت کے باوجود ایسی کوئی مشین بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکے جو انسان کا مغز خالی کردے۔ تم یہ کام ذرا سی دیر میں کردیتی ہو۔"

"خاموشی سے کھانا کھاؤ۔ اس وقت تم عقل کے بجائے معدے سے بول رہے ہو۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

میں نے ان تینوں سے پہلے کھانے کی میز چھوڑ دی اور ہاتھ دھو کر سیدھا فون کی طرف چلا گیا تاکہ اول خان کی بے چینی دور کرسکوں۔ اس کا اردلی میری آواز پہچانتا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ذرا سی دیر پہلے میری طرف روانہ ہوا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری فون کال سے پہلے وہ ہمارے گھر پہنچ گیا تو کس قدر خفا ہوگا۔ میں نے کریڈل دبا کر اس کا موبائل نمبر ملالیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہاری آواز میرے کانوں میں آئی۔" وہ میری آواز سن کر کہہ رہا تھا "مجھے تشویش ہورہی تھی کہ تم کہاں رہ گئے ہو۔"

"تم میرے یا جلال کے موبائل فون پر رنگ کرسکتے تھے۔ دراصل ہم دونوں یکایک بہت زیادہ مصروف ہوگئے

تھے۔"

"مجھے کچھ نہ کچھ اندازہ تھا۔ موبائل پر بے وقت گھنٹی بجا کر میں تم دونوں کی مصروفیات میں خلل نہیں ڈال سکتا تھا۔ میں اس وقت تمہاری طرف آرہا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ میٹنگ کیسی رہی۔"

"اتنی کھلی کھلی باتیں ہوئیں کہ ہاتھا پائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔" میں نے ہنس کر کہا "جلال نے بروقت بات بگڑنے سے بچالی۔ اس سے بڑی خبر یہ ہے کہ آئی مین کا پاسپورٹ جلال کے قبضے میں آگیا ہے۔ اس کی مدد سے بن ڈیوڈ کی بہت سی رنگین تصاویر بنوالی گئی ہیں جو اب تک آئی بی کے فیلڈ اسٹاف میں پھیلائی جاچکی ہوں گی۔"

"ویری گڈ۔ ایک آدھ تصویر تم بھی لے لینا۔ ہوسکتا ہے کہ اس بار ایس ٹی ایف والوں کے ستارے یاوری کرجائیں اور وہ ہمارے ہاتھ لگ جائے۔" اول خان کی آواز خوشی سے لبریز تھی "تم کو پاسپورٹ سے ہی پتا چلا ہوگا کہ اس کا اصل نام بن ڈیوڈ ہے۔"

"میرے پاس اس کی ایک نہیں، چار تصاویر ہیں۔ بس تم آجاؤ تو بات ہوگی۔"

"ذرا میری ایک خلش تو دور کردو۔ اس کا نام کچھ یہودیوں جیسا لگتا ہے۔ وہ موساد کا آدمی تو نہیں ہے؟"

"اس کا پاسپورٹ امریکی ہے۔ امریکا والے ہی اس کی پشت پناہی کررہے ہیں اور شی ویسے بھی امریکا کے ایک صدر کے ذہن کی پیداوار ہے۔ بن ڈیوڈ کے امریکی ایجنٹ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی مذہبی ہمدردیوں کی وجہ سے اسرائیل کے لیے بھی کوئی کام کررہا ہو۔ امریکا کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔

"میں پہنچ رہا ہوں۔ باقی باتیں ملنے کے بعد ہوں گی۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر بات وہیں ختم کردی۔

جب تک وہ تینوں کھانے سے فارغ ہوتے اور ویرا میز پر پھیلے ہوئے برتن سمیٹ کر صفائی کرتی، اول خان آن پہنچا۔ میں نے دروازے پر ہی تصویروں والا لفافہ اسے دے دیا۔

"یہ بتاؤ کہ اس کا پاسپورٹ جلال کو کہاں سے مل گیا؟" اول خان نے رسمی مزاج پرسی کے بعد، بیٹھتے ہی سوال کیا۔ لفافے کی تصویروں پر اس نے راہ داری میں نظر ڈال لی تھی۔

"کیلی بائرن نے اس جگہ کی نشان دہی کی تھی جہاں دونوں پاسپورٹ چھپائے تھے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیلی!" سب کے منہ سے تحیر زدہ آوازیں نکلیں پھر ویرا نے پوچھا "تم نے تو نک اور ٹام سے ملاقات کی کہانی سنائی تھی۔ یہ بیچ میں کیلی کہاں سے ٹپک پڑی؟"

مجھے احساس ہوا کہ غلطی میری ہی تھی۔ میں نے پاسپورٹوں کے بارے میں جس انداز سے ذکر کیا تھا اس سے یہی تاثر لیا جاسکتا تھا کہ آئی بی والوں نے اپنے طور پر وہ کامیابی حاصل کی ہوگی۔ میری ساری بریفنگ آف دی ریکارڈ اجلاس کی کارروائی پر مرکوز رہی تھی۔ اس دوران میں کہیں بھی کیلی کا کوئی ذکر نہیں آیا تھا۔

"میٹنگ کے بعد ہم دونوں نے کیلی پر کچھ وقت صرف کیا تھا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر ان کو بتایا "وہ ہماری توقع سے زیادہ آسان ہدف ثابت ہوئی اور جو کچھ جانتی تھی، بتاتی چلی گئی۔"

اول خان سمیت سب کو کیلی کی ذات سے گہری دلچسپی تھی کیونکہ وہ آئی مین کی قریبی ساتھی تھی۔ ان لوگوں نے مل کر سوالات کا ایک طویل سلسلہ شروع کردیا۔ انہوں نے اس وقت تک میری جان نہیں چھوڑی جب تک انہیں ہر بات معلوم نہ ہوگئی۔ اول خان کے لیے مجھے میٹنگ کا احوال دہرانا پڑا جو زیادہ طویل نہیں تھا۔

"تمہاری پوری کہانی سامنے آگئی۔ اس پر مزید کوئی بات کرنے سے پہلے میں ایک بری خبر سنانا چاہتا ہوں۔" اول خان نے یکایک سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "تمہارے بشروں سے ظاہر ہورہا ہے کہ تم سب اس خبر سے لاعلم ہو۔ آج شہر میں دو پلاسٹک بموں کے دھماکے ہوئے ہیں۔ گیارہ آدمی زخمی ہوئے تھے جن میں سے ایک چل بسا۔"

"کہیں یہ فالکن ہاؤس پر ایکشن کا شاخسانہ تو نہیں تھا؟" ویرا نے بے ساختہ سوال کیا "رات کو اس نے فارمیسی کو آگ لگا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی تھی۔ اب بم چلا دیے۔"

"یہ بات جلد ہی کھل جائے گی۔ ایک مشتبہ آدمی ہاتھ آگیا ہے۔ دو ایجنسیاں اس سے تفتیش کررہی ہیں۔" اول خان کے پاس اس بارے میں تازہ ترین معلومات تھیں۔ جلال مرنے والے کے بارے میں بے خبر تھا۔ اس وقت تک مشتبہ آدمی کی بھی تلاش جاری تھی۔

"مجھے جلال سے دھماکوں کی اطلاع مل گئی تھی۔" میں نے اسے بتایا "اگر مشتبہ آدمی پکڑلیا گیا ہے تو بات جلد ہی کھل جائے گی۔"

"یہ ایک ضمنی اطلاع تھی!" اول خان نے ہاتھ اٹھا کر ویرا کو بولنے سے روک دیا "اس وقت پہلا اور اہم ترین مسئلہ آئی مین کا ہے۔ پہلے اس پر بات ہوگی۔"

"جلال نے کیلی پر اعتبار کرکے سنگین غلطی کی ہے۔" ویرا اعتراض کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتی تھی "اگر کیلی نے

آسانی سے زبان کھولی ہے تو اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں پاسپورٹ بھی گمراہ کن ہوں اور کسی آڑے وقت کے لیے دانستہ مسالے دان میں چھپائے گئے ہوں۔"

"یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔" اول خان بولا۔ وہ بہت جلد ویرا کی باتوں میں آجاتا تھا "اس کی صرف ایک بات درست ثابت ہونے پر اسے سچا تسلیم کرنا قابل فہم نہیں ہے۔"

"یہ بات کیلی کو سمجھائی گئی تھی۔ حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔" میں نے زور دے کر کہا "اسے قید میں رکھنے کی کوئی افادیت نہیں تھی۔ آئی مین کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوپاتا کہ وہ کہاں قید ہے۔ اس کی زندہ گرفتاری کا معاملہ پریس میں آچکا تھا۔ اس لیے اسے مارنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ اب آئی بی والے اس کی نگرانی کرکے آئی مین تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

"یہ بات کسی حد تک سمجھ میں آتی ہے۔" اول خان سر ہلا کر بولا پھر ویرا کی طرف متوجہ ہوگیا "تم نے پاسپورٹوں کو گمراہ کن کیسے قرار دے دیا؟"

"کون پورے یقین سے کہہ سکتا ہے کہ یہ آئی مین ہی کا پاسپورٹ ہے یا اس کا نام بن ڈیوڈ ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

وہ عجیب سوال تھا۔ لمحہ بھر کے لیے میں سٹپٹا گیا پھر میں نے جھلّا کر کہا "کیا یہ کافی نہیں کہ وہ کیلی کے پاسپورٹ کے ساتھ ملا ہے؟"

"آئی مین کے ساتھ کیلی بھی بدمعاش ہے۔ ان دونوں نے شروع ہی سے کیلی کے اصل پاسپورٹ کے ساتھ کوئی فرضی یا چرایا ہوا پاسپورٹ رکھ دیا ہوگا۔"

"کیونکہ ان کو پہلے سے الہام تھا کہ فالکن ہاؤس پر کل شام ریڈ ہوگی۔ کیلی زخمی ہو کر پکڑی جائے گی اور آئی مین فرار ہوجائے گا۔" غزالہ نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

غزالہ کی تلملاہٹ پر ویرا ہنس پڑی "اپنے شوہر کی محبت میں تمہارا یہ غصہ قابل معافی ہے لیکن ٹھنڈے دل سے سوچو۔ وہ یہاں غیر قانونی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ کبھی ان کے پکڑے جانے کا بھی خطرہ ہے۔ کیلی عورت اور آئی مین کی محبوبہ ہے۔ وہ آسانی سے اپنی بے گناہی ثابت کرسکتی تھی اور کرچکی ہے۔ اس کے ساتھ آئی مین پکڑا جاتا تو سارا کھیل وہیں ختم ہوجاتا۔ اصلی اور نقلی پاسپورٹ میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ آئی مین نے اس مفروضے پر کام کیا کہ وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوجائے گا۔ کل وہ نکل گیا۔ کیلی کے سوا کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ تم پاسپورٹ حاصل کرکے اپنی بغلیں بجا رہے ہو۔ تصویر کی نقلیں شہر میں بٹوا رہے ہو۔ یہ سب خوش فہمی ہے۔ ان دونوں نے تمہیں چکما دیا ہے۔"

"اف خدا!" غزالہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا "فضول باتوں پر تم کس قدر سر کھپاتی ہو۔ اس قدر کھینچ تان کر اپنی بات ثابت کرنے کے بجائے تم یہ کیوں نہیں مان لیتیں کہ بن ڈیوڈ ہی آئی مین ہے۔"

"آئی مین فالکن ہاؤس سے اچانک بھاگا تھا۔" میں نے ترشی سے کہا "یہ مانا جاسکتا ہے کہ وہ سلور آئی اور بیم گن اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے اور یہ دونوں چیزیں اپنے ساتھ لے کر بھاگ نکلا مگر اس کا اصلی پاسپورٹ کہاں ہے؟"

"گھر ہی میں ہوگا یا پھر وہ اپنے ساتھ لے گیا ہوگا۔" ویرا بے پروائی سے بولی۔

"گھر میں کہاں ہوگا؟ پولیس اور ان کے بعد آئی بی والوں نے پورا گھر چھان مارا ہے۔" میرا پارا چڑھنا شروع ہوگیا۔

"ان بے چاروں کو تو کیلی کی نشان دہی کے بغیر جعلی پاسپورٹ بھی نہیں ملا تھا۔" وہ اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

میں بھنا کر رہ گیا۔ میرے پاس ویرا کی اس ہٹ دھرمی کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اسی لمحے سلطان شاہ نے اس سے سوال کرڈالا "تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ وہ پاسپورٹ اپنے ساتھ لے گیا ہوگا۔ اپنی محبوبہ کے ساتھ رات بسر کرتے ہوئے اس نے پاسپورٹ کیا اپنے ازاربند سے باندھا ہوا ہوگا۔"

"تم تینوں مل کر مجھے تاؤ دلانے کی کوششیں کر رہے ہو۔" ویرا اپنی جگہ پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی "ٹھنڈے دل سے سوچو گے تو ہر بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔ مغربی سیاحوں میں ایسی چوڑی بیلٹ بہت مقبول ہے جس میں پاسپورٹ، ٹکٹ اور نقدی آسانی سے سما جاتی ہے۔ سستے ہوٹلوں میں راتیں بسر کرنے والے ان چیزوں کو ایک لمحے کے لیے بھی اپنے بدن سے الگ نہیں کرتے کیونکہ ایسے ہوٹلوں میں چوریاں عام ہیں۔ دور جانے کے بجائے اپنے ملک سے جانے والے حاجیوں کی مثال لے لو۔ ان چیزوں کی حفاظت کے لیے وہ بھی ایسی بیلٹ استعمال کرتے ہیں۔ آئی مین بہت عیار اور چوکنا آدمی ہے۔ وہ وقت سے پہلے خطرہ بھانپ کر اپنی جگہ چھوڑ دیتا ہے۔ اس سے کوئی بھی احتیاط بعید نہیں ہے۔ ہم اس کے بارے میں آسانی سے نتائج اخذ نہیں کرسکتے۔"

سب کو سانپ سونگھ گیا۔ ویرا نے ذرا سی دیر میں بازی الٹ کر رکھ دی تھی۔ اس کے دلائل میں جان تھی۔ سب

سے بڑی مشکل یہ تھی کہ آئی مین کے اصل نام اور چہرے کی شناخت کے لیے ہمارے سامنے کیلی کے سوا کوئی نام نہیں تھا۔ اگر ویرا کے شبہات درست تھے اور کیلی ہمارے ساتھ مکاری کر گزری تھی تو یہ بات طے تھی کہ وہ بھی کوئی خطرناک مجرمہ تھی جس کے ساتھ کوئی رو رعایت نہیں کی جاسکتی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ جلال نے اس کو نک کے حوالے کرتے ہوئے یہ یقین دہانی حاصل کرلی تھی کہ اسے اجازت کے بغیر پاکستان سے باہر نہیں بھیجا جائے گا۔ ویسے بھی ویرا کی تھیوری کے مطابق کیلی کا اصل پاسپورٹ جلال کے قبضے میں تھا۔

"تم نے ہم سب کو تذبذب میں ڈال دیا ہے۔" اول خان نے اس بحث کے دوران میں پہلی بار اپنی زبان کھولی "تم ہر بات کے منفی پہلوؤں پر کیوں نظر رکھتی ہو۔"

"مجبوری ہے۔ اس کے بغیر کسی مثبت پہلو سے قرار واقعی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔" اس نے شانے اچکا کے جواب دیا۔

"ویرا کی باتیں آپ کی سمجھ میں آرہی ہیں؟" غزالہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"امکانات یہ بھی ہوسکتے ہیں بلکہ بہت کچھ ہوسکتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ حقیقت کیا ہے؟" میں نے گول مول سا جواب دیا۔

"میں نے ہوائی باتیں نہیں کیں، دلائل دیے ہیں۔ تم کسی ایسی دلیل سے میرے خدشے مسترد کردو۔ میں بن ڈیوڈ کو آئی مین مان لوں گی۔" ہم لوگوں کے تیور ڈھیلے پڑجانے سے ویرا کو احساس ہوگیا تھا کہ وہ اپنے زور زبان ہمارے دلوں میں شکوک و شبہات کے بیج بونے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

"جلال نے دیکھ لیا تھا کہ کیلی اور بن ڈیوڈ کے پاسپورٹوں پر پاکستان میں داخلے کی مہریں ایک ہی تاریخ کی تھیں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"پھر طے ہے کہ بن ڈیوڈ کا پاسپورٹ جعلی نہیں بلکہ مسروقہ ہے۔" ویرا نے بلا تامل فیصلہ دے دیا۔ وہ خاصی شیر ہوچکی تھی۔

"تم ایک بات سنتی ہو اور نتیجہ اخذ کرلیتی ہو۔ یہ کیسے طے کردیا تم نے؟" اول خان نے پوچھا۔ شاید اسے ویرا کا لہجہ پسند نہیں آیا تھا۔

"ان دونوں نے امیگریشن کے مرحلے کے بعد اپنے کسی ہم وطن اور ہم سفر کا پاسپورٹ چرایا ہوگا۔" ویرا نے بے دھڑک جواب دیا۔

"گویا وہ سب کچھ پہلے سے طے کرکے آئے تھے؟" اول خان نے اس سے الجھنا شروع کردیا۔

"بالکل!" ویرا نے پر زور لہجے میں کہا "شی اور امریکی ایجنسیوں نے یہاں بھاری نقصان اٹھائے ہیں۔ آئی مین ایک طویل مدت کے بعد یہاں آرہا تھا اس لیے اس نے ہر خطرے سے نمٹنے کی پیشگی منصوبہ بندی کی ہوگی۔ پاکستان کی سرزمین پر اترنے سے پہلے انہوں نے اپنے منصوبوں پر عمل کرنا شروع کردیا ہوگا۔"

"مہریں کئی ماہ پرانی ہیں۔ اصلی بن ڈیوڈ نے اپنے سفارت خانے کو پاسپورٹ کی گمشدگی سے آگاہ کیا ہوگا۔ وہاں سے ایسی کسی رپورٹ کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔"

"اصولاً تمہاری بات درست ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بن ڈیوڈ کو ڈپلی کیٹ امریکی پاسپورٹ جاری کردیا گیا ہو مگر تم کو اس کی ہوا بھی نہیں لگ سکے گی۔" اس وقت ویرا کا دماغ تیزی سے کام کررہا تھا۔

"ان کا سفارت خانہ قانونی طور پر ایسی رپورٹ کی تصدیق کرنے کا پابند ہے۔" اول خان نے اسے آگاہ کیا۔

"وہ دوسرے کسی قانون کی کب پروا کرتے ہیں جو اس قانون کی پابندی کریں گے۔ یہ نہ بھولو کہ امریکی آئی مین کی پوری پوری پشت پناہی کررہے ہیں۔ وہ اس کے ہر قول اور فعل کو بھرپور تحفظ فراہم کریں گے۔ ان سے یہ توقع مت رکھو کہ وہ آئی مین کی کسی غلطی کی نشان دہی کریں گے۔ ان سوؤروں کو تمہارے قانون کا ذرا بھی پاس ہوتا تو جیک دو فوجیوں اور سازو سامان کے ساتھ فالکن ہاؤس میں ڈیرے ڈالنے کے لیے نہ پہنچا ہوتا۔"

"بن ڈیوڈ کی تلاش شروع ہوچکی ہوگی۔" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلانے والے انداز میں اضطراب سے کہا۔

"پاکستان میں عام امریکیوں کے لیے کچھ نہیں رکھا۔" ویرا بولی "ان کی پسند کی ہر چیز یہاں حرام ہے۔ وہ دوسرا پاسپورٹ لے کر دو چار روز میں یہاں سے چلا گیا ہوگا۔ بدقسمتی سے وہ یہاں رکا ہوا ہے تو آئی بی والے اسے بہت جلد پکڑلیں گے۔ اس وقت تمہیں پتا چلے گا کہ بن ڈیوڈ بے گناہ ہے۔ کیلی نے تمہیں زبردست چکما دیا ہے۔"

"تم ایک ایک کرکے ہر بات مسترد کرتی جارہی ہو۔" میں نے زچ آکر کہا "یہ ہوّا تمہارا کھڑا کیا ہوا ہے۔ تمہارے دماغ میں اس کا کیا حل آتا ہے۔"

"کیلی کو جلد از جلد دوبارہ پکڑلو۔ وہ غائب ہوگئی تو تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔" ویرا شاید پہلے سے وہ تجویز سوچے بیٹھی تھی۔

"وہ اس وقت چلنے پھرنے بلکہ کھڑی ہونے سے بھی معذور ہے۔" میں نے اعتماد سے کہا "تین چار دنوں تک وہ

کہیں غائب نہیں ہو سکتی۔ نک نے جلال سے وعدہ کیا ہے کہ جب تک وہ کلیرنس نہیں دے گا' کیلی پاکستان سے باہر نہیں جائے گی۔"

"جن بدمعاشوں کو قانون کی پروا نہیں ہوتی وہ اپنے وعدے کو کہاں نبھائیں گے۔ کیلی جلال کی قید میں پھنسی ہوئی تھی' اسے چھڑانے کے لیے نک ہر وعدہ کر لیتا۔ حیرت ہے کہ اتنے تجربات سے گزرنے کے بعد بھی تم ان کی باتوں پر اعتبار کر رہے ہو۔"

"اگر تمہارا یہ اندیشہ درست ہے تو اسے کیلی کی واپسی سے انکار کر دینا چاہیے۔" میں نے ویرا سے تصدیق چاہی۔

"بالکل انکار کرے گا۔ کیلی نے اسے اپنے اوپر ہونے والے ظلم و ستم کی کہانی سنائی ہوگی۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ وہ اپنی ایک شہری کو ایسے لوگوں کی تحویل میں نہیں دے سکتا جو قیدیوں سے غیر انسانی سلوک کرتے ہیں۔" ویرا کی باتوں نے مجھے دھیرے دھیرے فکرمندی اور تشویش میں مبتلا کرنا شروع کر دیا تھا۔

"ہم ویرا کے اندیشوں کو بے سروپا قرار دے کر مسترد نہیں کر سکتے۔" چند لمحوں کے بوجھل سکوت کے بعد اول خان نے پر تشویش انداز میں کہا۔

"اور انہیں قبول کر کے کوئی اندھا دھند قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔" غزالہ نے فوراً لقمہ دیا۔ اس وقت وہ ویرا سے خاصی ناخوش نظر آ رہی تھی۔

"تم لوگ جو چاہو' فیصلہ کرو۔ میں اپنے دل و دماغ کا بوجھ ہلکا کر چکی ہوں۔ میرے ضمیر میں یہ خلش نہیں رہے گی کہ میں نے ایک غلط تجویز خاموشی سے من و عن تسلیم کر لی تھی۔" ویرا نے نرمی سے کہا "شاید میرا لہجہ یا انداز کسی کو برا لگا ہو مگر میری نیت بالکل صاف ہے۔"

اس نے اپنا آخری فقرہ واضح طور پر غزالہ کے بارے میں کہا تھا لیکن غزالہ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"پھر تم کیا کہہ رہے ہو؟" چند لمحوں بعد ویرا نے سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے اول خان سے پوچھا۔

"ذرا سوچنے کی مہلت دو۔ ہونے والی بات ہو چکی ہے۔" اول خان نے رسانیت سے جواب دیا "ڈینی ابھی کیلی کو اس کے حوالے کر کے آیا ہے۔ وہ اتنی دیر میں کہیں نہیں بھاگ گئی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں کو سوچنے کے لیے تخلیہ درکار ہے۔" وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی "میرے جانے کے بعد مل کر سوچ لو گے۔"

"یہی سمجھ لو اور کچھ دیر کے لیے اپنے کمرے میں جا کر آرام کر لو۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "تمہاری بعض باتوں سے دماغ اتنا تپ جاتا ہے کہ کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے۔"

"میں اپنی زبان بند رکھوں گی لیکن یہاں سے نہیں جاؤں گی۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "میرے مشورے پر دل کھول کر تنقید کر لو مگر مجھے اپنا فیصلہ سنا دو۔ میں چلی جاؤں گی۔"

میں چند ثانیوں تک اسے گھورتا رہا پھر بے بسی سے بولا "تم نے ہمیں مخمصے میں ڈال دیا ہے۔ یہ معاملہ میرے بس سے باہر ہے۔ مجھے جلال سے بات کرنی پڑے گی۔"

"جلال تمہاری کیا مدد کر سکتا ہے؟" اس بار ویرا کے تیور جارحانہ نہیں تھے۔

"کیلی کے بارے میں جلال نے نک سے ڈیل کی تھی۔ اب وہی کیلی کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔"

"تم نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے۔" اول خان نے بے ساختہ میری تائید کی۔

"وہ اس معاملے میں اول سے آخر تک شریک رہا ہے۔ اس طرح اس کی رائے بھی سامنے آ جائے گی۔" غزالہ نے تائیدی لہجے میں کہا "وہ ذہین آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے بات کرنے کے بعد ویرا کی پیدا کی ہوئی گرہ خود بخود کھل جائے۔"

ان دونوں کی رائے سامنے آنے کے بعد میری استفسار طلب نگاہیں سلطان شاہ کے چہرے پر جم گئیں۔

"اسے فون کرنے سے سب کی تسکین ہو جائے گی۔ ہو سکے تو تم کو یہ کام ابھی کر لینا چاہیے۔" وہ بھی مجھ سے متفق تھا۔

ویرا اس معاملے میں از خود ایک فریق کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ سب کی رائے سننے کے بعد بولی "میں بھی یہی کہہ رہی تھی کہ ہمیں بن ڈیوڈ کی تصویریں دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے کوئی عملی قدم اٹھانا چاہیے۔ جلال تمہارا ساتھ دے گا ورنہ کوئی متبادل راہ بتائے گا۔"

مکمل اتفاق رائے ہو چکا تھا۔ مجھے اول خان سے تبادلہ خیال کرنے کے لیے ویرا کی موجودگی سے نجات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ میں نے ڈرائنگ روم میں موجود اسپیکر فون آن کیا اور جلال کا موبائل فون نمبر ملانا شروع کر دیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

یہ بہت زیادہ پرانی بات نہیں تھی کہ پاکستان کے بڑے شہروں میں بھی فون کی سہولت ہر کس و ناکس کی دسترس میں نہیں تھی۔ ایک فون کنکشن حاصل کرنے کے لیے برسوں تک انتظار کا عذاب جھیلنا پڑتا تھا۔ خدا خدا کرکے وہ مدت پوری ہوتی تھی تو ڈیمانڈ نوٹ کے اجرا کے لیے دفاتر کے چکر لگانے کے ساتھ نذرانے دینے پڑتے تھے۔ جو خوش نصیب سارے متعلقہ اہلکاروں کی دل جوئی کے مراحل طے کرلیتا تھا' اس کے گھر میں نئے ٹیلی فون کی گھنٹی خوش نصیبی کی صدا بن کر گونجنے کی نوبت آتی تھی۔

پھر وہ رسمیں تیزی سے متروک ہوتی چلی گئیں۔ ملک نے کسی اور شعبے میں ترقی کی ہو یا نہ کی ہو' مواصلات بلکہ ٹیلی مواصلات کے شعبے میں اتنی تیزی سے ترقی کی کہ ملک میں ہر قسم کے فون کی سہولتیں عام ہوتی چلی گئیں۔ فون کنکشن آسانی سے ملنے لگے۔ رشوتوں کا بازار ٹھنڈا ہوتا چلا گیا پھر رہی سہی کسر موبائل فون نے پوری کردی۔ اس کہانی کے یہ واقعات جس دور سے تعلق رکھتے ہیں اس وقت تک موبائل فون کا حاصل کرنا اور پھر استعمال کرنا بہت مہنگا تھا۔ آج کی طرح' یہ سہولت ہر ایک کی بساط میں نہیں تھی مگر اول خان اور جلال جیسے مصروف اور ذمے دار اہلکاروں کے لیے ان کے محکموں نے یہ سہولت مہیا کی ہوئی تھی جو اپنی کارکردگی کی بنا پر روایتی لاسلکی ٹرانسمیٹرز سے بدرجہا بہتر تھی۔

کراچی میں آئی بی کا ایک باضابطہ دفتر موجود تھا۔ میرے پاس صدف مینشن کے ساتھ اس دفتر کے نمبر بھی موجود تھے مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ جلال ان میں سے کسی ایک ٹھکانے پر موجود ہوتا۔ وہ اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے ہروقت متحرک رہتا تھا اور خاص طور پر کراچی میں قیام کے دوران میں تیزی سے اپنے ٹھکانے بدلتا رہتا تھا۔

ویرا نے اپنی بے تکان نکتہ آفرینیوں سے میرے ذہن میں اضطراب کی جو آگ بھڑکا دی تھی' وہ وقت کے کسی زیاں کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔ میں نے زمینی فون پر جلال کی تلاش میں وقت ضائع کرنے کے بجائے براہِ راست اس کا موبائل نمبر ملانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ جہاں بھی تھا' فوری رابطے میں آسکتا تھا۔

پاکستان کی تیز تر مواصلاتی ترقی کے طفیل میں چند لمحوں میں جلال سے میرا رابطہ ہوگیا۔ میری آواز پہچانتے ہی وہ حیران ہوگیا۔

''خیریت تو ہے۔ تمہیں اس وقت فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی!'' کمرے میں اس کی تحیرزدہ آواز گونجی۔

''۔۔۔ کو ۔۔۔ ہاں ہوں۔ میں تمہاری کسی مصروفیت میں مخل تو نہیں ہوا؟'' میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''تم بے فکر ہوکر اپنی بات کرو۔'' اس نے میرے لہجے سے میری الجھن کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا ''میں بالکل فارغ ہوں۔''

''تم نے کیلی والے معاملے پر دوبارہ کچھ سوچا ہے؟'' میں نے دھیرے سے پوچھا۔ وہ چاروں سانس روکے' خاموشی سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کو اندازہ تھا کہ جلال کے پسِ پشت دل کی بھڑاس نکال لینا آسان تھا' اس سے براہِ راست کوئی ہلکی بات کرنا آسان نہیں تھا۔

''تمہیں یہ خیال کیوں آیا۔ اس کے بارے میں دوبارہ کیا سوچنے کی ضرورت ہے؟'' جلال اپنے فیصلے کے بارے میں پوری طرح مطمئن تھا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ آئی مین کو صرف کیلی نے دیکھا ہے۔'' میں نے تمہید باندھی ''ہمارے پاس اس بات کی تصدیق کا کیا ذریعہ ہے کہ بن ڈیوڈ ہی آئی مین ہے۔''

اسپیکر فون پر ہلکی سی ہنسی سنائی دی پھر وہ بولا ''واقعی یہ بہت اہم سوال ہے۔ میرا مشاہدہ ہے کہ تم کو ایسے چبھتے ہوئے سوالات بروقت اور برجستہ سوجھتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ آج تمہیں بہت دیر سے اس نکتے کا خیال آیا ہے۔''

''یہ نکتہ میں نے نہیں' ویرا نے اٹھایا ہے۔'' میں نے صاف دلی سے اقرار کرلیا۔

''کیا اس کے اطمینان کے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ کیلی بائرن اور بن ڈیوڈ کے پاسپورٹ کیلی کی نشان دہی پر فالکن ہاؤس کے کچن میں رکھے ہوئے ایک مسالے دان سے برآمد ہوئے ہیں۔ ان پر پاکستان میں داخلے کی مہریں ایک ہی تاریخ کی ہیں!''

''ویرا کا خیال ہے کہ کیلی نے معصوم بن کر ہمیں فریب دینے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس کے پاس ان اتفاقات کے خلاف مضبوط دلائل ہیں۔ میں فون پر وہ ساری باتیں نہیں دہرا سکتا۔ کیلی کے معاملے پر شاید ہمیں نظر ثانی کرنے کی ضرورت پیش آجائے۔''

''میں اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔'' ایک گہرے سانس کے بعد جلال کی پرسکون آواز سنائی دی ''کیلی سے جو کچھ اگلوایا جاسکتا تھا وہ ہم نے معلوم کرلیا۔ اس کے بعد وہ میرے لیے ناکارہ ہوگئی تھی۔ اسے رہا کرنا بہترین فیصلہ تھا۔ اس کے مثبت نتائج بہت جلد سامنے آجائیں گے۔''

مجھے حیرت ہوئی کہ جلال نے ویرا کے اٹھائے ہوئے

ملنے کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی تھی۔ میں نے رسمی طور پر پوچھا "تمہاری دانست میں ویرا کے اندیشے بے بنیاد ہیں۔"

"ڈیئی! میری ساری عمر ایسے ہی کاموں میں گزری ہے۔ میں بڑے بول بولنے کا عادی نہیں ہوں لیکن فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ بشری تقاضوں کے تحت مجھ سے کبھی کبھار اندازے کی غلطی ہوجاتی ہے مگر مجھ سے فیصلے میں کبھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ میں نے کیلی کے بیان پر آنکھیں بند کرکے یقین نہیں کیا تھا۔ وہ دونوں پاسپورٹ چیکنگ کے لیے میں امیگریشن والوں کو بھجوا چکا ہوں۔ شام تک ان کی رپورٹ آجائے گی اور دودھ کا دودھ 'پانی کا پانی ہوجائے گا۔"

میں نے تیکھی نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا۔ وہ جلال کے الفاظ سن کر شرمسار سی نظر آنے لگی تھی اور اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ میں نے اس کے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا "بس میں یہی جاننا چاہ رہا تھا کہ تم نے کیلی کے بیان پر اندھا دھند اعتبار نہیں کیا۔ اس کے بیان کی تصدیق کروا رہے ہو۔"

"ہمارے کام کرنے کے اپنے طریقے ہیں۔" اس بار مجھے جلال کی آواز میں ہلکا سا طنز محسوس ہوا "ان کے بارے میں ہمیں کبھی کسی کے مشورے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کوئی بھی نئی بات ہمارے سامنے آتی ہے تو ہم ہر ممکنہ ذریعے سے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہی اصول کیلی کے بیان پر لاگو کیا گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم نے ویرا کی اس رائے زنی کا برا نہیں منایا ہوگا۔" میں نے نرم لہجے میں کہا "ہم میں سے کوئی بھی تمہارے طریقۂ کار سے واقف نہیں ہے۔ اگر ویرا کو یہ معلوم ہوتا کہ تم کیلی کے بیان کی تصدیق پر کام کر رہے ہو تو اس کا ذہن ان منفی نکتوں کی طرف نہ جاتا۔"

"میری طرف سے اسے سمجھا دینا۔ اس کا ذہن منفی باتوں میں زیادہ الجھتا ہے۔ وہ معاملات کے روشن پہلوؤں پر اپنی توجہ مرکوز رکھا کرے۔ میری عمر ٹیڑھے مجرموں سے مقابلہ کرتے ہوئے گزری ہے۔ میں اپنے تجربے کی بنا پر شرط لگا سکتا ہوں کہ امیگریشن والوں کی رپورٹ کیلی کے بیان کی تصدیق کرے گی۔"

"تم کچھ تلخ ہو رہے ہو۔ شاید میری باتیں تمہیں گراں گزری ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہم سب کی نیتیں صاف ہیں۔ بس اپروچ کا فرق ہے۔ ویرا ذہین لڑکی ہے مگر بچپن سے جوانی تک شی کے زیرِ سایہ رہنے کی وجہ سے اس کی سوچ نے ایک خاص رخ اختیار کرلیا ہے۔ وہ ہر بات کو اپنے زاویے سے دیکھنے کی عادی ہوگئی ہے۔ یہ اس کا قصور نہیں ہے۔"

"اب تم سے کب ملاقات ہوگی؟" میں نے گفتگو کا موضوع بدلنے کے لیے سوال کرڈالا۔

"مجھے کراچی میں اپنا قیام لمبا ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔ ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔ شاید تم کو پتا چل چکا ہوگا کہ کراچی میں ہونے والے دو دھماکوں کا ایک زخمی چل بسا ہے۔"

"ہاں۔ اول خان نے بتایا ہے کہ ایک مشتبہ آدمی بھی پکڑا گیا ہے۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"وہ صرف ایک نام تھا۔ سی آئی اے والوں نے بہت تیزی کے ساتھ اس کا کھوج لگایا ہے اور اب وہ ان کے مرکز میں کڑی بازپرس کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ جب تک وہ زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوتا' اس کی گرفتاری سے اچھے نتائج کی توقع نہیں کی جاسکتی۔"

"چوپڑا تمہاری تحویل میں ہے۔ میری دانست میں یہ خون سراسر اس کی گردن پر ہے۔ اب تم اس کی ہڈیاں توڑ دو۔"

"میں تم سے زیادہ مشتعل ہوں مگر اس کی خبرگیری کرنے پر مجبور ہوں۔ جب تک اس کا بلڈ پریشر نارمل نہیں ہوجاتا' میرے آدمی اس پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔ وہ ہماری تحویل میں مر مرا گیا تو بھارتی لابی کو شور مچانے کا ایک نیا بہانہ مل جائے گا۔"

"آئی مین کے ساتھ اس کے مراسم کا راز کھل جانے کے بعد وہ کسی رعایت کا حق دار نہیں ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ بہت سے دوسرے لوگ بھی رگڑے جائیں گے۔"

میں اس سے گفتگو کو آگے بڑھانا چاہ رہا تھا مگر اس نے دوبارہ ملنے کا وعدہ کرکے خود ہی بات ختم کردی۔

"مبارک ہو!" اسپیکر فون بند ہوتے ہی سلطان شاہ' ویرا سے مخاطب ہوکر چہکا "آج جلال نے بھی تم جیسی پختہ کار خاتون کو لڑکی قرار دے دیا۔"

"بلاوجہ میرے منہ لگنے کی کوشش نہ کرو۔" ویرا پہلے سے بھری بیٹھی تھی۔ ایک دم پھٹ پڑی "میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"جب تک شادی نہ ہوجائے لڑکی 'لڑکی ہی رہتی ہے۔" اول خان نے موقع کی نزاکت بھانپ کر خوش دلی سے تلخی کم کرنے کی کوشش کی "ویرا کا تجربہ اپنی جگہ مسلم ہے مگر وہ آج

بھی ایک لڑکی ہی ہے۔ اس کے لیے کسی کی سند یا جواز کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس وقت اندرونی غصے سے ویرا کا چہرہ بھبوکا ہو رہا تھا۔ وہ مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے اٹھی اور پیچ و تاب کھاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

"آج جلال نے اس کی دم پر پاؤں رکھ دیا۔ دیکھتے ہیں کہ اس کا موڈ کب ٹھیک ہوتا ہے۔" ویرا کے کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سن لینے کے بعد میں نے کہا۔

"اسپیکر فون نے ساری گڑ بڑ کردی۔" اول خان بولا "یہی بات اس نے ریسیور پر کہی ہوتی تو ویرا کے فرشتوں کو بھی اس بدمزگی کی ہوا نہ لگتی۔"

"ویرا کے موڈ کا انحصار امیگریشن والوں کی رپورٹ پر ہے۔" غزالہ نے اپنی رائے دی "جلال کا اندازہ درست ثابت ہوا تو ویرا کا پارا خود بخود نیچے آجائے گا۔"

"یہ باتیں چلتی رہتی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔" اول خان دوبارہ سنجیدہ ہوگیا۔

اس وقت معاملات خاصے الجھے ہوئے تھے۔ را کے تین تربیت یافتہ دہشت گرد پولیس کی تحویل میں تھے۔ ان میں سے دو بھارتی ہندو تھے۔ ایک مقامی مسلمان تھا۔ یہ بات طے تھی کہ وہ کتنے ہی سخت جان کیوں نہ ہوں، زیادہ دیر تک پولیس والوں کی روایتی مار نہیں سہہ سکیں گے اور اپنی اپنی چمڑیاں ادھڑوانے کے بعد آخر کار ہر بات اگلنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ وہ یقینی طور پر کراچی میں ہونے والی دہشت گردی کی متعدد وارداتوں میں ملوث رہے ہوں گے اس لیے ان کا کیفرِ کردار تک پہنچنا ناگزیر تھا۔

ان تینوں کے علاوہ را کے چار تربیت یافتہ آدمی بھارت سے کراچی آئے ہوئے تھے اور عام شہریوں میں گھل مل کر نجی اداروں میں نوکریاں کر رہے تھے۔ وہ پیشہ ور ایجنٹ تھے اس لیے چوپڑا کے گرفتار ہوتے ہی اپنے ٹھکانوں سے غائب ہوگئے تھے۔ ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ کہاں روپوش تھے اور کیا کر رہے تھے۔ اس روز ہونے والے دو دھماکوں کے بعد گرفتار ہونے والے مشتبہ شخص کے بارے میں صرف امید ہی کی جاسکتی تھی کہ اس کا تعلق را والوں کے چار رکنی، روپوش گروہ سے ہو اور اس کی نشان دہی پر بقیہ تین بھی پکڑے جائیں۔

وہ چوپڑا اور را کے آدمیوں کی کہانی تھی جو پولیس اور سی آئی اے والوں کے درمیان بٹے ہوئے تھے۔ کیلی جیسی اہم ترین مجرمہ کو جلال اپنے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت رہا کرچکا تھا۔ چوپڑا صدف مینشن کا قیدی تھا۔ آئی مین کے دو آدمیوں میں سے راجا زخمی حالت میں پولیس کا قیدی تھا۔ لے دے کر صرف خالد اسپیشل ٹاسک فورس کے قبضے میں تھا جس تک ہماری ہر وقت رسائی تھی۔

ہماری اس مہم کی کامیابی کی داغ بیل ڈالنے والی فرزانہ کے بارے میں ابتدا ہی میں اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ دنیا کے قدیم ترین پیشے سے اپنی وافر روزی کمانے والی ایک فاحشہ تھی جس کی اس سے زیادہ کوئی وقعت نہیں تھی کہ خالد نے اسے ایک مقررہ وقت پر چند منٹ کے لیے 'گولڈن فارمیسی' کے ایک ملازم کو دکان سے دور الجھائے رکھنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ اس کا آئی مین کے گرگوں اور را کے دہشت گردوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد اسے رہا کیا جاچکا تھا کیونکہ ایس ٹی ایف والے کسی ناکارہ مہمان کی میزبانی کے قائل نہیں تھے۔

اہم ملزم بلکہ مجرم پولیس، سی آئی اے یا پھر آئی بی کی تحویل میں تھے۔ ہماری طبع آزمائی کے لیے اس وقت صرف خالد دستیاب تھا جو آئی مین سے بہت قریب ہوتے ہوئے بھی اس سے اتنا دور تھا کہ اس کی تصویر کی شناخت میں ہماری کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔

"ہم خالد کی مزید خدمت کرنے سے زیادہ اور کیا کرسکتے ہیں۔" میں نے اول خان سے جوابی سوال کر ڈالا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان نے پُرتشویش لہجے میں کہا "اس وقت ہم ایک بند گلی میں اس کے ساتھ پھنسے ہوئے ہیں۔"

"پھر کیوں نہ اسی پر مزید کچھ محنت کی جائے۔" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"وہ سب کچھ اگل چکا ہے۔ اب اس سے مل کر کیا حاصل ہوگا؟" غزالہ نے پوچھا۔

اس نے واقعی بلا کم و کاست سب کچھ اگل دیا تھا اور ہم اسے رہا کرنے کا فیصلہ کرچکے تھے مگر خالد اپنے آقا کے انتقام سے بہت خوف زدہ تھا۔ اسے ڈر تھا کہ آزاد فضاؤں میں پہنچتے ہی وہ آئی مین کے عتاب کا نشانہ بن جائے گا۔ اس کی التجا پر اول خان نے دھند صاف ہونے تک اسے اسٹیشن فور پر رکھنے کی اجازت دے دی تھی۔

"کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہوگا کیونکہ حرکت میں برکت ہے۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر جواب دیا "تم بھول رہی ہو کہ بظاہر سب رابطے ٹوٹ جانے کے باوجود آئی مین نے پچھلی رات کچھ ایسے لوگوں کا بندوبست کرلیا تھا

جنہوں نے گولڈن فارمیسی کو آگ لگا دی۔"
"پیٹرول چھڑک کر کہیں آگ لگانے کے لیے کسی لشکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔" اول خان بولا "ہوسکتا ہے کہ یہ کام اس نے خود کیا ہو۔" اول خان بولا۔
"اس معاملے میں جزئیات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "وہ افراتفری اور بے سروسامانی کے عالم میں فالکن ہاؤس سے فرار ہوا تھا۔ اس کے سامنے سب سے پہلا مسئلہ اپنے بچاؤ کا تھا۔ نفسیاتی طور پر وہ کہیں آگ لگانے جیسا خطرہ مول لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس نے یقینی طور پر کہیں نہ کہیں پناہ لینے کے بعد کسی کو وہ گندہ کام کر گزرنے کی ہدایت کی ہوگی۔ فرار ہونے کے محض دو گھنٹے بعد اس کا دوبارہ میدان میں اترنا قرینِ قیاس نہیں ہے۔"

"تم عام آدمیوں کی بات کررہے ہو۔" اول خان نے مجھ سے اختلاف کرتے ہوئے کہا "آئی مین عام آدمی نہیں ہے۔ ہمارے تجربات نے ثابت کیا ہے کہ وہ آہنی اعصاب کا مالک ہے اور بدترین حالات میں بھی کچھ نہ کچھ کر گزرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہم اس کی ذات کے اس خصوصی پہلو کو نظرانداز نہیں کرسکتے۔"

"اگر یہ مان لیا جائے کہ آگ اس نے لگائی تھی پھر بھی کچھ نہ کچھ لوگ اس کے ساتھ تھے جنہوں نے چلتی ہوئی گاڑی سے فارمیسی پر گولیاں برسائی تھیں۔" میں نے کہا۔
"ہاں۔ یہ بات تو ہے۔" اول خان کا لہجہ کمزور پڑگیا "میں جلتی ہوئی دکان پر گولیاں برسانے والوں کو بھولا ہوا تھا۔"

"وہ ایک بے مقصد اور وحشیانہ کارروائی تھی جس کا مقصد صرف اور صرف طاقت کا مظاہرہ کرنا تھا۔ وہ خبر دیتے ہوئے تم نے یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ آتش زنی اور فائرنگ کر گزرنے کے بعد بھی کچھ لوگ ان اطراف میں موجود ہوسکتے تھے۔"

"تم بالکل درست کہہ رہے ہو۔ یہ امکان سرے سے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔" اول خان نے میری آخری دلیل کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔
"یہ باتیں میرے علم میں نہیں تھیں۔" غزالہ بولی "ان حالات میں خالد سے دوسری ملاقات بار آور ثابت ہوسکتی ہے۔"

میں صدف مینشن میں موجود تھا تو کیلی اور ربن ڈیوڈ کے پاسپورٹ آجانے کے بعد ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے آئی مین کا کھیل بہت جلد ختم ہوجائے گا۔ گھر پہنچنے کے بعد ویرا نے اپنی موشگافیوں کا سلسلہ شروع کیا تو کامیابی کی امید دھندلاتی چلی گئی۔ جلال اپنے ابتدائی اندازوں کے بارے میں بہت زیادہ پُرامید تھا۔ اسے یقین تھا کہ امیگریشن والوں کی رپورٹ اس کی رائے کی تصدیق کردے گی مگر اس سے پہلے ہم خالد سے مزید کچھ نہ کچھ معلوم کرسکتے تھے۔
ویرا ہم لوگوں سے برہم ہو کر اپنے کمرے میں بند تھی۔ میں نے اسے بلا کر اپنے ارادے سے آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھا اور اسی وقت اول خان کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگیا۔

راستے میں، میں نے اس پورے قضیے پر دوبارہ غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ کیلی کے بیان کے بعد اس کیس سے تعلق رکھنے والے ہر زیرِ حراست مجرم سے دوبارہ اور تفصیلی بازپرس ضروری ہوگئی تھی ہمارے پاس صرف خالد تھا اور ہم اس پر کام کرنے جارہے تھے۔ دوسرے قیدیوں کے بارے میں جلال کو اعتماد میں لینا ناگزیر تھا۔
دورانِ سفر اول خان خاموش رہا۔ وہ اپنے خیالات کی رو میں ڈوبا ہوا تھا۔ شاید اس کے ذہن پر یہ خفت بھی سوار تھی کہ اس نے کسی ردّوکد کے بغیر میری تجویز سے اتفاق کیوں نہیں کرلیا۔ ابتدائی مخالفت کے بعد رضامندی بہرحال اس کے لیے قدرے سبکی کی بات تھی۔
اسٹیشن فور پر خالد کی حیثیت قیدی کی نہیں رہی تھی۔ اسے خطرات ٹلنے تک وہاں رہنے کی اجازت دی گئی تھی اس لیے اسے سیل سے نکال کر بیرک کے ایک ایسے کمرے میں منتقل کردیا گیا تھا۔ جہاں صاف ستھرے بستر کے ساتھ بہتر ماحول بھی میسر تھا۔ کمرے میں منتقل کرتے ہوئے یہ احتیاط کی گئی تھی کہ اسے اسٹیشن فور کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ اس کے کمرے کا دروازہ باہر سے مقفل تھا۔ کھڑکیوں پر تختے جڑے ہوئے تھے۔ تازہ ہوا کی آمدورفت کے لیے اونچی دیواروں کی بلندی پر بنے ہوئے روشن دان کھلے ہوئے تھے۔
دروازے پر تالا کھلنے کی آوازیں سن کر وہ ہوشیار ہوچکا تھا۔ تالا کھول کر اول خان پہلے اندر داخل ہوا۔
"کیا ہوا؟ آئی مین کے بارے میں تم کیا خبر لائے ہو؟" خالد نے اس کی صورت دیکھتے ہی بے تابانہ انداز میں سوال کیا۔
"کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔" اول خان نے کہا "وہ ابھی تک آزاد ہے۔" اول خان نے اختصار سے کام لیتے ہوئے

کہا۔

"تم نے فالکن ہاؤس میں اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش تو ضرور کی ہوگی!" اس نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"اپنی کھال میں رہو۔ اس سے باہر آنے کی کوشش مت کرو۔" میں نے خفگی سے کہا "ہم نے کیا کیا ہے اور کیا نہیں کیا، تم کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ تم سے جو کچھ پوچھا جائے اس کا صحیح جواب دو۔"

"تم لوگ بہت شریف النفس اور مہربان ہو۔" اس نے یکایک بھرائی ہوئی اور جذبات سے مغلوب آواز میں کہا "پچھلی بار تم نے کہا تھا کہ مجھے اسی ننگے قید خانے میں رہنا ہوگا۔ بس وہاں ایک گدا دے دیا جائے گا۔ میں نے بھی صبر کرلیا تھا مگر یہ تمہارا احسان ہے کہ تم نے مجھے اس آرام دہ کمرے میں منتقل کردیا۔ میں نے اب تک تم سے سچ بولا ہے۔ آئندہ بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"تمہارے سوا آئی مین کے روابط اور کن لوگوں سے تھے؟" قدرے توقف کے بعد میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے لیے آئی مین اور کیلی ہی سب کچھ تھے۔ شی ان سے شروع ہو کر ان ہی پر ختم ہوجاتی تھی۔"

"اس سیاہ کار کا ڈرائیور کون تھا جس میں تم لوگ لی مارکیٹ گئے تھے؟"

"میں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ میرے لیے اجنبی تھا۔" اس نے بے بسی سے جواب دیا۔

"آئی مین نے اس کے ساتھ سفر کیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس کا قریبی آدمی تھا۔" میں نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔

"آئی مین خطرناک حد تک محتاط ہے۔ وہ بھروسے کا آدمی نہ ہوتا تو وہ اس کے ساتھ ہرگز سفر نہ کرتا۔"

شاید خالد سچ بول رہا تھا۔ آئی مین کے روابط صرف اسی تک محدود نہیں تھے۔ اس کے مقابلے میں راجا آئی مین سے زیادہ قریب تھا۔ اس نے آئی مین کو دیکھا نہیں تھا مگر لین دین کے معاملات کی وجہ سے وہ اس سے بہت زیادہ رابطے میں رہتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ کالی گاڑی کا ڈرائیور اسی کے آدمیوں میں سے رہا ہو۔

آئی مین نے اپنے کام کے لیے راجا کو براہِ راست اپنے رابطے میں رکھا تھا لیکن اس بات کا قوی امکان تھا کہ اس نے کسی آڑے وقت کے لیے راجا سے دو چار قابلِ اعتماد آدمیوں کے نام اور فون نمبر وغیرہ لے رکھے ہوں تاکہ راجا کی عدم دستیابی کی صورت میں، کسی آڑے وقت پر ان میں سے کسی کو طلب کرسکے۔ وہ امکان ذہن میں آتے ہی مجھے خالد کی افادیت معدوم ہوتی نظر آنے لگی۔

میں نے اپنی جیب سے بن ڈیوڈ کی ایک رنگین تصویر نکالی اور اس کی طرف بڑھا دی "اسے پہچانتے ہو؟"

میری نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں اس کے عضلات کی ایک ایک جنبش کا جائزہ لے رہا تھا۔ بن ڈیوڈ کی تصویر دیکھ کر اس کے چہرے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس کی سپاٹ آنکھیں چند ثانیوں تک اس تصویر پر مرکوز رہیں پھر اس نے مایوسی سے اپنے سر کو منفی جنبش دیتے ہوئے کہا "یہ چہرہ میرے لیے نیا ہے۔ یہ تصویر تمہیں کہاں سے ملی؟"

"بکواس بند کرو۔" میں نے غصے سے اسے ڈانٹا اور وہ لرز کر رہ گیا۔ وہ ہر جواب دینے کے ساتھ کوئی نیا سوال کرنے کی بری عادت کا شکار تھا "میں نے تمہیں سوالات کرنے سے منع کیا ہے۔"

میں نے رکھائی سے وہ تصویر اس کے ہاتھ سے چھین کر اپنی جیب میں رکھ لی اور پھر اس سے اپنا فیصلہ کن سوال پوچھ لیا جو کافی دیر سے میرے ذہن میں کلبلا رہا تھا "تم شی میں آئی مین اور کیلی کے سوا کم از کم ایک اور آدمی کو جانتے ہو۔ مجھے اس کا نام اور پتا درکار ہے۔"

"میں قسم کھا سکتا ہوں کہ میں اور کسی کو نہیں جانتا!" اس نے بوکھلا کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور گھگیائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم جھوٹے ہو یا پھر تمہارا حافظہ بہت کمزور ہے۔" میں نے اسے آزمانے کے لیے سختی سے کہا۔

"اگر میں کوئی بات بھول رہا ہوں تو تم یاد دلا دو۔ میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔" اس نے التجا کی۔

"وہ کون ہے جس نے تمہاری اور آئی مین کی پہلی ملاقات کرائی تھی؟" میں نے قدرے توقف کے بعد سرد لہجے میں پوچھا۔

"اوہ... !" اس کے منہ سے ایک بے ساختہ آواز نکلی پھر اس نے کہا "وہ گوڈین ہے۔ مقامی عیسائی ہے اور مدتوں سے چوری چھپے دیسی شراب بنانے کا دھندا کرتا ہے۔"

"اور کبھی نہیں پکڑا گیا؟" اول خان بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

"وہ پولیس والوں سے مل کر کام کرتا ہے۔ کوئی کڑا وقت

آتا ہے تو پولیس والے اسے ہوشیار کردیتے ہیں اور وہ کچھ دنوں کے لیے اپنا کام بند کردیتا ہے۔"
"ایسے آدمی کا باہر سے آئے ہوئے آئی مین سے کیا تعلق ہوسکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس سے میری دوستی ہے۔ وہ میرے حالات سے واقف تھا۔ اس نے ہمدردی کے ساتھ مجھے ایک اچھی پارٹی سے ملنے کا مشورہ دیا۔ ایک سال کی بے روزگاری کا عذاب جھیلنے کے بعد میں ہر کام کرنے کے لیے تیار تھا۔ یوں گوڈین نے دوسرے دن مجھے بی باون بھیج دیا جہاں سر سے پیر تک سیاہ لباس میں ملبوس آئی مین سے میری پہلی ملاقات ہوئی اور میں نے شی کے فیلڈ سروے کا کام شروع کردیا۔"
وہ کہانی قرین قیاس معلوم ہوتی تھی۔ گوڈین بنیادی طور پر منشیات فروش تھا اور اس کے ہیروئن فروشوں سے بھی قریبی روابط رہے ہوں گے۔ شاید آئی مین امریکا سے ہی اس کا نام اور پتا اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ جو شی اور چوپڑا کی طرح اس نے آتے ہی گوڈین کو بھی اپنے اعتماد میں لیا ہوگا۔
وہ ایک نئی کڑی تھی جو سامنے آئی تھی۔ جس طرح گوڈین نے خالد کو آئی مین کی طرف بھیجا تھا اسی طرح وہ دوسرے لوگوں کو بھی آئی مین سے ملوا سکتا تھا۔ یہ قطعی ضروری نہیں کہ آئی مین سے ملنے والے ایک دوسرے سے واقف ہوتے لیکن گوڈین کا ایسے متعدد لوگوں سے واقف ہونا ناگزیر تھا۔
میں نے گوڈین کے بارے میں کرید کرید کر خالد سے متعدد سوالات کیے۔ ان کی روشنی میں، میں اس نتیجے پر پہنچا کہ گوڈین اپنی ذات میں مگن رہنے والا ایک عادی شرابی تھا۔ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ اپنا وقت اپنی برادری کی اسمارٹ اور پرکشش لڑکیوں کے ساتھ گزارتا تھا۔
شراب نوشی میں بھانت بھانت کے تجربات کے نتیجے میں وہ شراب سازی کی طرف شوقیہ مائل ہوا تھا۔ بعد میں خطیر آمدنی کے امکانات نے اسے پیشہ ور شراب ساز بنا دیا "اس کام میں اسے اتنی بھاری آمدنی تھی کہ بھتے وغیرہ دینے کے بعد بھی وہ خوش حال تھا اور بیشتر وقت بالکل فارغ رہ کر اپنی دنیا میں مگن نظر آتا تھا۔
مجھے یقین تھا کہ اس بار میں نے خالد کے ذہن کے ہر گوشے کو اچھی طرح ٹٹول لیا تھا۔ اس سے نمٹ کر ہم اول خان کے دفتر میں لوٹے تو وہاں ایک حیرت ہماری منتظر تھی۔
ویرا نہایت اطمینان سے ایک کرسی میں نیم دراز سگریٹ کے کش لے رہی تھی۔
"تت۔۔۔ تم یہاں کیسے آگئیں!" میں نے آنکھیں پھاڑ کر تحیر زدہ لہجے میں اس سے پوچھا۔
"تمہارا خیال تھا کہ تم مجھے اشتعال دلا کر مجھ سے اپنا پیچھا چھڑا لوگے اور شہر میں اپنا کام کرتے پھرو گے مگر میں اتنی آسانی سے تمہارا پیچھا چھوڑنے والی نہیں ہوں۔"
"باہر گاڑی نظر نہیں آرہی، کیا تم ٹیکسی سے آئی ہو؟" اول خان نے سوال کیا۔
"مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا کہ میں ٹیکسی سے یہاں آتی۔ ڈینی کو تم اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ میں اس کی گاڑی لے آئی۔ اسے میں نے دانستہ اوٹ میں کھڑا کیا ہے کہ کہیں تم گاڑی دیکھ کر دور ہی سے رفوچکر نہ ہوجاؤ۔" اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔
"تم جلال کی باتیں سن کر برہم ہوگئی تھیں۔ تمہاری برہمی اتنی جلدی کیسے کافور ہوگئی؟" میں نے پوچھا۔
"ڈرائی جن کا ایک گلاس پینے کے بعد مجھے خیال آیا کہ میرا غصہ بے سود ہے۔ امیگریشن والوں کی رپورٹ صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنے میں خاصی مدد دے گی۔"
"خاصی مدد!" میں نے حیرت سے دہرایا "میری دانست میں وہ رپورٹ فیصلہ کن ہوگی۔"
"اگر وہ چرایا ہوا پاسپورٹ ہے تو امیگریشن والے پورے وثوق سے اس کی تصدیق کریں گے۔ بن ڈیوڈ اسی پرواز سے کراچی پہنچا ہوگا جس سے کیلی اور آئی مین یہاں آئے تھے۔"
"تمہارے دماغ کا فتور ابھی تک دور نہیں ہوا۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "بن ڈیوڈ کا یہاں آنا کافی نہیں ہے۔ وہ اس کی واپسی کا ریکارڈ بھی دیکھیں گے۔"
"مجھے توقع نہیں کہ تمہارے سرکاری اہلکار اتنے ذہین ثابت ہوں گے۔ وہ متبادل پاسپورٹ پر یہاں سے نکل گیا ہوگا۔"
"تم نے مرغے کی ایک ٹانگ کی رٹ لگا رکھی ہے۔" اول خان بولا "ایسا ہوا ہوگا تو اس کی آمد کے ریکارڈ کے سامنے یہ ریمارک ضرور لکھا گیا ہوگا کہ بن ڈیوڈ فلاں تاریخ کو ڈپلی کیٹ پاسپورٹ پر پاکستان سے واپس چلا گیا۔"
"چلو، میدان دور ہے نہ گھوڑا۔ شام تک پتا چل جائے گا کہ تم لوگ کتنے فرض شناس ہو۔ یہ بتاؤ کہ تم دونوں یکایک ادھر کیوں آگئے۔"
"کیلی کے بیان کے بعد خالد سے دوبارہ ملنا ضروری ہوگیا

تھا۔" میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے جواب دیا "ہم آئی مین کا سراغ کھو چکے ہیں۔ اس تک رسائی کے لیے ہمیں نئے سرے سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔"

"اس کے ذریعے گوڈین کا نیا نام سامنے آیا ہے۔" اس سے پہلے کہ ویرا، کیلی کے بارے میں کوئی زہر فشانی شروع کرتی، میں نے اسے بتا دیا۔

"گوڈین!" ویرا نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے وہ نام دہرایا پھر قدرے توقف کے بعد بولی "یہ وہی سدا بہار کنوارا کرنٹا تو نہیں ہے جو بہت عمدہ دیسی شراب بنانے کے لیے مشہور ہے۔"

ہم دونوں ویرا کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ ہم مقامی ہوتے ہوئے گوڈین کے نام سے بے خبر تھے اور وہ غیر ملکی ہوتے ہوئے اس کا پورا نسب دہرا رہی تھی۔

"وہی ہے۔ اسی نے خالد کو آئی مین کے پاس بھیجا تھا۔" میں نے اقرار کیا۔

"ضرور بھیجا ہوگا۔ شی کے اچھے دنوں میں وہ میرے لیے بھی کام کرتا رہا ہے۔ آئی مین کو واشنگٹن والوں نے اس کا نام دیا ہوگا۔" ویرا نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے بتایا "وہ شی کے بہت پرانے نمک خواروں میں سے ہے۔ اس پر اسی وقت ہلہ بول دو" "وہ سولجر بازار میں اپنے پر تعیش مکان میں ہی پایا جاتا ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "میں نے خالد کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ گوڈین ایک عیش کوش اور امن پسند آدمی ہے۔ اپنے دو آدمیوں کو اس کی طرف بھیج دو۔ وہ خاموشی سے اسے اٹھا لائیں گے۔ وہ مزاحمت نہیں کرے گا۔"

"تم نے اس کے بارے میں بالکل صحیح اندازہ لگایا ہے۔" ویرا بے ساختہ بول پڑی "وہ قانون سے لڑنے کے بجائے مل کر چلنے کے اصول کا قائل ہے۔ شاید اپنی عافیت اور بے فکری کے لیے اپنی آمدنی کا بڑا حصہ بھتوں کی مد میں دے دیتا ہوگا۔"

اول خان کے لیے اتنے اشارے کافی تھے۔ اس نے ریسیور اٹھایا اور انٹرکام پر اپنے کسی آدمی کو ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔

میں نے اپنی کرسی چھوڑ کر ویرا کے شانے پر ہاتھ مارا اور وہ اٹھ کر خاموشی سے میرے ساتھ ہو لی۔

"تم بلاوجہ لمبے چکر میں پڑ رہے ہو۔ اس وقت آئی مین نے امریکی قونصل خانے میں پناہ لی ہوئی ہوگی۔ اگر ہمت ہے تو وہاں جاؤ اور اسے پکڑ لو۔" بیرک کے برآمدے میں ٹہلتے ہوئے ویرا نے مشورہ دیا۔ اس وقت برآمدے سے باہر، کھلے میدان میں چکا چوند کر دینے والی چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

"یہ بات میں بھی جانتا ہوں۔ اس وقت شہر میں اس کے لیے ایک وہی جائے امان ہے اور اس عمارت کو سفارتی تحفظ حاصل ہے۔ ہم اس کی طرف انگلی بھی نہیں اٹھا سکتے۔"

"وہ اس عمارت میں مسلسل روپوش نہیں رہ سکتا۔ قونصل خانے کی نگرانی کا بندوبست کرو جوں ہی وہ باہر نکلے، اس کا پیچھا کرو اور اسے کہیں بھی گھیر کر پکڑ لو۔" ویرا نے نہایت پرخلوص انداز میں مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تمہاری عقل دھوپ چرنے گئی ہوئی ہے۔ مسئلہ یہی ہے کہ ہم میں سے کوئی اسے نہیں پہچانتا۔ بن ڈیوڈ کی تصویروں سے ایک آس بندھی تھی، اسے تم نے تذبذب میں ڈال دیا ہے۔ تصویر کی تصدیق ہونے تک ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتے۔"

"میں نے کسی کو تذبذب میں نہیں ڈالا۔ میرے ذہن میں جو بات آئی تھی، وہ میں نے کہہ ڈالی۔" وہ بولی "تم کیا سوچ رہے ہو۔ کیا گوڈین تمہارا یہ تذبذب دور کر سکے گا؟"

"یہ سب درمیانی کڑیاں ہیں۔ فی الحال مجھے اس ڈرائیور کی تلاش ہے جو آئی مین اور خالد کو کالی گاڑی میں لی مارکیٹ لے گیا تھا۔ ڈرائیور بہت قریبی اور اندر کا خدمت گار ہوتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ آئی مین کا صورت آشنا ضرور ہوگا۔"

"یہ محض ایک مفروضہ ہے۔ تم اس پر ضرورت سے زیادہ محنت کر رہے ہو۔ تم کو یہ وقت چوپڑا پر صرف کرنا چاہیے تھا۔"

برآمدے کے آخری سرے سے واپس لوٹتے ہوئے میں نے کہا "خالد کی کہانی آئی مین اور کیلی کے ناموں پر ختم ہو گئی تھی۔ یہاں تک دوڑ لگائی تو گوڈین کا نام سامنے آیا ہے۔ ہمیں ان سنپولیوں کے سر بھی کچلنے ہیں جو یہاں کا کھاتے ہیں اور یہیں سے غداری کرتے ہیں۔ گوڈین آئے گا تو وہ بھی کچھ نئے نام اگلے گا۔"

"وہ شاید تمہیں نہ پہچانتا ہو۔ مجھے دیکھ کر بھونچکا رہ جائے گا۔"

"کیا وہ تمہیں پہچانتا ہے؟" میں نے چونک کر حیرت سے پوچھا۔

"ابھی بتا تو چکی ہوں کہ ماضی میں وہ میرے لیے کام کرتا رہا تھا۔"

"مگر اس زمانے میں تو تم بلیک کوئین ہوا کرتی تھیں۔ سر سے پیر تک چست سیاہ لباس پہن کر سامنے آتی تھیں۔"
"ہیرا وہ روپ شی کے عام کارندوں پر اپنی دہشت قائم رکھنے کے لیے تھا۔ خاص آدمی مجھ کو عام عورت کی طرح دیکھتے تھے۔"
"اس کا مطلب یہ ہوا کہ گوڈین تمہارے خاص مقربین میں شامل تھا!"
"تمہیں اس سے بھی بڑا درجہ حاصل تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولی "تم نے تو اسی بلیک کوئین والے دور میں مجھے لباس فطرت میں بھی دیکھا تھا۔"
"تم بے شرم ہوگئی ہو۔ تمہارے دماغ میں کہیں نہ کہیں کوئی ٹیڑھ ہے جو شاید کبھی نہ نکل سکے۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔
"مجھے اس ٹیڑھ پر کوئی ندامت نہیں ہے۔ میں نے اپنی زندگی بھرپور انداز میں 'اپنی مرضی سے گزاری ہے۔ انسان کو زندگی صرف ایک بار ملتی ہے۔ اس سے جس قدر لذتیں کشید کرسکتے ہو' کرلو۔ یہ موقع دوبارہ کسی کے ہاتھ نہیں آتا۔" اس نے بے باکی سے جواب دیا۔
"یہ تمہارا بلکہ آج کے مغرب کا فلسفہ ہے۔ جہاں مادی آسائشوں کی دوڑ لگی ہوئی ہے' مشرق اور خاص طور پر اسلام کا فلسفہ بالکل الگ ہے۔"
"جہاں کچھ نہیں ہوتا وہاں کے بسنے والے قناعت پسندی کی گود میں پناہ لینے لگتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔"
"یہ نہ کہو' مشرقِ وسطیٰ میں کس چیز کی کمی ہے۔ امارت میں بہت سے عرب ملک امریکا سے آگے ہیں...."
ویرا نے میری بات درمیان سے ہی اچک لی۔ "اپنے ملکوں میں بھی وہ بہت سے گل کھلاتے ہیں مگر پھر بھی وہاں اپنے قانون کے اسیر ہوتے ہیں۔ ان امیر زادوں کا اصل روپ دیکھنا ہو تو یورپ اور امریکا کے کیسینو اور مہنگے نائٹ کلب دیکھو۔ ان میں سے بیشتر ان ہی کے دم قدم سے آباد ہیں۔"
"موت کے بعد زندگی کے بارے میں تم نے کچھ سوچا ہے۔" میں نے دوسرے رخ سے سوال کیا۔
"بچپن میں مجھے اس بارے میں بتایا گیا تھا۔" اس نے بے پروائی سے کہا "مشکل یہ ہے کہ اس بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے...."
"کیا جو کچھ بتا دیا گیا ہے وہ کافی نہیں ہے۔" میں نے تیکھے لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔
"بات یہیں ختم کردو۔ یہ سلسلہ جاری رہا تو مذہب کی بات نکل آئے گی۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مسلمان اپنے عقائد کے بارے میں کتنے کٹر ہوتے ہو۔ خود اپنے عقائد اور تعلیمات پر عمل کرو یا نہ کرو' دوسروں کی تنقید برداشت نہیں کرسکتے۔"
میں کڑی نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا۔ جواب میں کچھ نہیں بولا کیونکہ ہم اول خان کے دفتر کے سامنے پہنچ چکے تھے۔
ہماری غیر موجودگی میں اس نے اپنا کام نمٹالیا تھا اور اس وقت آرام سے اپنی کرسی پر بیٹھا ہمارا منتظر تھا۔
"میں نے اپنے دو آدمی سولجر بازار کی طرف روانہ کردیے ہیں۔ اس نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی تو وہ اسے جوتے مار کر لے آئیں گے۔"
"اس کے آنے تک ہمیں یہیں رکنا ہوگا؟" میں نے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں گھر میں کسی سے کچھ کہے سنے بغیر نکلی تھی۔ وہاں کوئی میرا انتظار نہیں کرے گا۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔
"یہ کیا احمقانہ حرکت کی تم نے!" میں نے تیزی سے پوچھا "تم کو دیر ہوگئی تو غزالہ اور سلطان شاہ کو تشویش ہوگی۔ تمہیں ان کو بتا کر آنا چاہیے تھا۔"
اس کے انکشاف کے بعد گھر فون کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ میری آواز سنتے ہی غزالہ نے مجھے بتانا چاہا کہ ویرا ناراضی کے عالم میں گھر سے نکل کھڑی ہوئی تھی مگر میں نے اس کی بات کاٹ کر اس کی وہ پریشانی رفع کرتے ہوئے بتا دیا کہ وہ اسٹیشن فور میں تھی اور ہم دونوں کو واپسی میں دیر ہوسکتی تھی۔
کھانے کا وقت ہوگیا تھا۔ اول خان نے اپنے اردلی کو کھانے کا بندوبست کرنے کی ہدایت کی اور ہم تینوں باتوں میں الجھ گئے۔
اسٹیشن فور کے نیم فوجی میس کا کھانا سادہ مگر لذیذ تھا۔ اول خان کے اصرار پر ہم دونوں نے سیر ہو کر کھایا پھر ویرا کی فرمائش پر گرم گرم چائے آگئی۔ چائے نوشی کے دوران میں ہی انٹر کام پر اطلاع ملی کہ اول خان کے آدمی گوڈین کو پکڑ لائے تھے اور اسے لاک اپ میں ڈال دیا تھا۔
مجھے معلوم تھا کہ اسٹیشن فور میں لاک اپ کی اصطلاح فرنیچر سے عاری ان وحشت ناک کمروں کے لیے رائج تھی

جن میں سے ایک میں خالد کو رکھا گیا تھا۔
چائے پینے کے بعد ہم تینوں اول خان کے دفتر سے اٹھ کر گوڈین کی طرف چل دیے۔ ویرا کمرے کے باہر رک گئی۔ میں اول خان کے ساتھ اندر چلا گیا۔
وہ گہرے سانولے رنگ اور گٹھے ہوئے جسم والا ایک پستہ قامت شخص تھا۔ اس کے بدن پر نفیس کپڑے نظر آرہے تھے' ایک انگلی میں بیش قیمت ہیرے کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ اس نے کسی اعصاب زدگی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ فکر مندی کے ساتھ ایک دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا ہوا تھا۔
"میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر مجھے کسی عادی مجرم کی طرح یہاں لایا گیا ہے۔" ہمارے اندر داخل ہوتے ہی اس نے شائستہ لہجے میں احتجاج کیا "کیا میں جان سکتا ہوں کہ میں کن لوگوں کے قبضے میں ہوں اور مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔"
"تمہاری حیرانی بجا ہے۔" میں نے سرد مہری سے کہا "تمہارے دوستوں نے تمہیں خطرے کا کوئی سگنل نہیں دیا اور تم ناگہانی مصیبت میں آگئے۔ ہم جانتے ہیں کہ تم ایک مدت سے اپنے گھر میں دیسی شراب بنانے کی بھٹی چلا رہے ہو مگر ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا کہ یہاں سے تم کوئی بھتا دے کر نہیں نکل سکو گے۔ ہمیں اپنے چند سوالوں کے جواب درکار ہیں۔ یہاں سے تمہاری گلوخلاصی کی صرف ایک صورت ہے کہ تم سے جو کچھ پوچھا جائے' بتاتے چلے جاؤ۔"
اس کی نظریں میرے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ چند ثانیوں تک وہ خاموش رہا پھر سکون سے بولا "تم نے میری بھٹی کا حوالہ شاید مجھے بلیک میل کرنے کے لیے دیا ہے۔ اس کے بجائے تم سوال کرو تاکہ مجھے تمہارے عزائم کے بارے میں کچھ پتا چل سکے۔"
وہ ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ مضبوط اعصاب کا بھی مالک تھا۔ میں نے پوچھا "دو اور دو کتنے ہوتے ہیں۔"
"میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہارا غیر قانونی قیدی ہوں اور تم کو مجھ پر بہت زیادہ بالا دستی حاصل ہے ...."
"آئی مین کب سے یہاں آیا ہوا ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔
"میں کسی آئی مین کو نہیں جانتا۔" اس نے پورے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔
"پھر تم نے خالد کو کس کے پاس بھیجا تھا؟" میں نے جارحانہ لہجے میں اگلا سوال کیا۔
"یہ نام بھی میرے لیے اجنبی ہے۔" اس کے اطمینان میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔
اسی لمحے ویرا کھلے ہوئے دروازے میں سے اندر گھس آئی۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی گوڈین کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا پڑیں اور وہ ہڑبڑا کر اپنے قدموں پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔
"وی.... وی.... ویرا .... تم یہاں.... ان لوگوں کے ساتھ!"
"پہلے انہوں نے مجھے بھی تمہاری طرح اغوا کیا تھا۔ میں تمہاری طرح اپنے کس بل دکھاتی رہی یہ بہت سفاک اور بے رحم لوگ ہیں۔ انہوں نے ایسی مار لگائی کہ اب میں ان کی ہر ہدایت پر بے چون وچرا عمل کرتی ہوں۔ میرا مشورہ ہے کہ مار سے بچنے کے لیے تم بھی ان کے ہر سوال کا جواب دیتے چلے جاؤ۔"
گوڈین کے چہرے پر پہلی بار سراسیمگی کے آثار نظر آئے۔ اس نے تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تمہارے بارے میں یہاں بلاوجہ اشتہار نہیں چھپے تھے۔ تم واقعی یہاں موجود ہو۔ یہ لوگ شاید تمہارے اشارے پر مجھے یہاں لائے ہیں۔"
"اس بارے میں اپنا ذہن صاف کرلو۔" ویرا نے اسے مشورہ دیا "یہ لوگ میرے تابع نہیں ہیں۔ میں ان کے لیے کام کررہی ہوں۔"
"میں نے آئی مین کا نام سنا ہے' اس سے ملا ہوں مگر یہ حقیقت ہے کہ میں اسے نہیں جانتا۔ وہ مجھ سے نقاب لگا کر ملا تھا۔" ویرا کو دیکھتے ہی گوڈین کے غبارے کی ہوا نکل گئی اور اس نے ایک ہی سانس میں بولنا شروع کردیا "میں نے خالد کو اس سے ملنے کے لیے بھیجا تھا۔ شاید وہ اب بھی اس کے لیے کام کررہا ہو مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں نے اس کے لیے کوئی جرم کیا ہے نہ کسی کا خون بہایا ہے۔ اخباروں میں چھپنے والے واقعات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"
"ویری گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "یہ خوشی کی بات ہے کہ ویرا کو دیکھتے ہی تمہارا حافظہ واپس لوٹ آیا۔ اب یہ بتاؤ کہ آئی مین سے تمہاری آخری ملاقات کب ہوئی تھی۔"
"اس سے میری پہلی اور آخری ملاقات ڈیفنس کے بی باون نمبر بنگلے میں ہوئی تھی۔ وہاں اس نے مجھے سلور آئی دکھائی تھی اور پانچ ہزار ڈالر دیے تھے۔ بعد میں' میں نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ کبھی کبھی مجھے فون کرتا رہتا ہے۔" گوڈین نے روانی سے بولنا شروع کردیا تھا۔

وہ ہمارا پہلا قیدی تھا جس نے ذرا سی بھی مار کھائے بغیر سوالوں کے جواب دینے شروع کر دیے تھے۔ ذرا سی لیکن رونمائی ہوتے ہی اس کا سارا حوصلہ جواب دے گیا تھا۔

"اس نے تم کو آخری فون کب کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے دن اور تاریخ تو یاد نہیں لیکن یہ یاد ہے کہ اس کے فون کے اگلے ہی دن اخباروں میں اس کا نام آیا تھا۔ اس پر کلفٹن کے علاقے میں کسی کو مارنے کا الزام تھا۔"

"اس کی گاڑی کون چلاتا ہے؟" میں نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد پوچھا۔

"میں نے کہا نا کہ اس سے میری صرف ایک ملاقات ہوئی تھی۔ وہ کس سے کیا کام لیتا ہے۔ اس بارے میں مجھے علم نہیں ہے۔" اس نے بے چینی سے اپنا وزن دوسری ٹانگ پر منتقل کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تم اس کے ریکروٹنگ ایجنٹ تھے۔ تم نے کتنے آدمیوں کو اس کے پاس بھیجا تھا۔"

"خالد کے علاوہ اس نے دو پرانے آدمیوں کے فون نمبر دیے تھے۔ یہ تین چار مہینے پہلے کی بات ہے۔ جب وہ نیا نیا کراچی آیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان میں سے کس نے اس سے رابطہ کیا ہوگا۔"

"جب شی یہاں مرکھپ چکی ہے تو وہ یہاں کیا لینے کے لیے آیا ہے؟" اس بار ویرا نے اس سے سوال کیا تھا۔

اس بار وہ چند ثانیوں تک خاموش رہا۔ اندرونی ذہنی کشمکش کے وہ لمحات گزر جانے کے بعد اس نے تھکی ہوئی اور دھیمی آواز میں کہا "اسے تمہاری اور ڈینی کی تلاش ہے۔ وہ تم دونوں کو ہر قیمت پر زندہ یا مردہ پکڑنا چاہتا ہے۔"

جب سے آئی مین کا نام سامنے آیا' ہمارے لیے سب سے بڑا مسئلہ اسی سوال کا تھا۔ سر توڑ کوششوں کے باوجود ہم اس سوال کا جواب پانے میں ناکام ہو چکے تھے لیکن گوڈین نے بہت مختصر اور جامع الفاظ میں اس سوال کا جواب فراہم کر دیا تھا۔

وہ ویرا کو اچھی طرح پہچانتا تھا مگر میری اصلیت سے بے خبر تھا۔ اس سے یہ خطرہ نہیں تھا کہ ایس ٹی ایف کے چنگل سے نجات حاصل کرنے کے بعد وہ مجھے کوئی زک پہنچا سکے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ کراچی میں ویرا کی موجودگی کی تصدیق کر دیتا۔ وہ کوئی ایسی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ ہمارے دشمنوں کو ابتدا سے ہی اندازہ ہو چکا تھا کہ ہم لوگ کراچی کو اپنا مرکز بنا کر نیویارک سے دہلی تک اپنی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی ساری توجہ کراچی پر مرکوز کی ہوئی تھی۔ یکے بعد دیگرے ان کے اہم ترین افراد کراچی آتے اور اپنی زندگیاں گنواتے رہے تھے۔ ان میں صرف جان الیش کوف ایسا خوش نصیب تھا جو بروقت کراچی سے فرار ہو کر دہلی میں جا بیٹھا تھا اور زندہ تھا۔ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنے کی وجہ سے اس کی ریشہ دوانیاں پس پردہ چلی گئی تھیں۔ اس کی کمی کو دور کرنے کے لیے آئی مین پہلے سے کراچی میں براجمان تھا اور آنے والے وقت کے لیے اپنے اردگرد شی کے پرانے جاں نثاروں کو یکجا کر رہا تھا۔

میں نے گوڈین کو آئی مین بلکہ بن ڈیوڈ کی شناخت کے لیے اٹھوایا تھا۔ اس سلسلے میں اس سے سرے سے کوئی مدد ملنے کی امید نہیں تھی لیکن اس نے کراچی میں آئی مین کی موجودگی کا سبب بیان کر کے ہر بات کا ازالہ کر دیا تھا۔

گوڈین کے بیان کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ راجا جیسے گروہ بند بدمعاش کو دس ہزار روپے فی کلو گرام کا زر تلافی دے کر خالد کو اس کے پیچھے لگانے کے مقاصد بہت زیادہ پیچیدہ نہیں تھے۔ وہ آئی مین کا قلیل مدت کا ایک منصوبہ تھا جس کا ظاہری مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اپنے گرد جمع ہونے والے اپنے حواریوں کو سوچنے کا کوئی موقع دیے بغیر مصروف رکھ سکے اور کسی آڑے وقت کے لیے انہیں آزمائشوں سے گزارتا رہے۔

"میں تمہارے سامنے ہوں۔ ڈینی بھی کہیں عیش کر رہا ہوگا۔ وہ کسی خارش زدہ کتے کی طرح شہر میں جگہ جگہ چھپتا پھر رہا ہے۔" ویرا نے گوڈین کو جواب دیا "جس طرح گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے اسی طرح تمہارے آئی مین کی موت اسے امریکا سے کراچی لائی ہے۔ تم میری بات لکھ لو کہ جلد ہی وہ بے موت مارا جائے گا۔ اسے پاکستان کے کسی کونے میں امان نہیں مل سکے گی۔"

"میں اس کا ملازم ہوں۔ پانچ ہزار ڈالر دے کر وہ مجھے خرید چکا ہے۔ تم کو میرے سامنے اس کے بارے میں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے۔ تم میرے مزاج سے واقف ہو۔ میں جس کا نمک کھاتا ہوں' آخری دم تک اس کا وفادار رہتا ہوں۔"

"میں یہ باتیں اسی لیے بتا رہی ہوں کہ یہاں سے واپسی کے بعد تم میرا پیغام اس تک پہنچا دو۔" ویرا نے تلخی سے کہا۔

گوڈین نے بے ساختہ اپنے دونوں کان پکڑ لیے اور بولا

"یہ پیغام رسانی میرے بس سے باہر ہے۔ غنیمت یہ ہے کہ تمہارے آدمی بہت شرافت اور خاموشی سے مجھے گھر سے لائے تھے۔ یہاں سے رہا ہو کر میں گھر پہنچوں گا تو کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ مجھے کچھ دیر کے لیے اغوا کیا گیا تھا۔ آئی مین کو بھنک مل گئی کہ تم نے مجھ پر ہاتھ ڈالا ہے تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس نے ہر اس آدمی کو اپنے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا ہوا ہے جو اس کی سلامتی کے لیے ذرا بھی خطرہ پیدا کر سکے۔"

"ہمیں چکما دینے کی کوشش مت کرو۔" میں نے درشت لہجے میں کہا "یہاں سے تمہاری گلوخلاصی اتنی آسان نہیں ہے۔ اپنی باتوں کے ہیر پھیر سے تم ویرا یا کسی اور کو فریب نہیں دے سکتے۔ تم کو کچھ دنوں کے لیے ہمارا مہمان رہنا ہوگا۔"

"پھر میں آئی مین کی واپسی تک تمہاری پناہ میں رہنا چاہوں گا۔" اس نے مزید کسی بحث میں پڑے بغیر براہِ راست وہی بات کہی جو اس سے پہلے خالد بھی کہہ چکا تھا "میری واپسی میں دیر ہوئی اور یہ بات پھیل گئی کہ مجھے اغوا کیا گیا تھا تو خبر اس کے کانوں تک پہنچ جائے گی۔ وہ میرے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔"

"وہ تمہارا خون پیئے یا تمہاری نازبرداری کرے، یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ تمہاری آسانی کے لیے ہم کوئی خطرہ مول نہیں لیں گے۔" میں نے اپنے لہجے میں درشتی برقرار رکھی۔

گوڈین کی ملتجیانہ نگاہیں ویرا کی طرف اٹھ گئیں۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم کو دغا نہیں دوں گا۔ اس کے ساتھ میں تم کو بھی جانتا ہوں۔ تم سے وعدہ خلافی کروں تو اپنے ہاتھ سے میری گردن کاٹ دینا۔ میں اُف تک نہیں کروں گا۔"

"ابھی اسی کمرے میں آرام کرو۔" ویرا نے سپاٹ آواز میں کہا "دیکھتے ہیں کہ تمہارے لیے کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"خالد کے علاوہ تم نے جن دو آدمیوں کو آئی مین کے پاس بھیجا تھا، ان کے نام پتے کیا ہیں؟" میں دوبارہ کام کی بات پر آ گیا۔ یہ بات میرے ذہن میں سرایت کر چکی تھی کہ اس بار ہر اس آدمی کو قرار واقعی سزا ملنی چاہیے جس نے آئی مین جیسے خطرناک مجرم کا ذرا سا بھی ساتھ دیا ہو۔

اول خان ڈسپلن کا آدمی تھا۔ اس کی جیب میں قلم کے ساتھ جیبی نوٹ بک بھی موجود تھی۔ اس نے گوڈین کے بتائے ہوئے دونوں نام اور پتے نوٹ کر لیے۔

گوڈین سے ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔ میں نے اول خان کو آنکھ سے اشارہ کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" اول خان نے کمرے سے کچھ دور نکل آنے کے بعد پژمردہ آواز میں کہا۔

"تم نے دھیان نہیں دیا۔ گوڈین نے آئی مین کی آمد کا مقصد واضح کر دیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ بات میں شروع سے ہی سمجھ رہی تھی۔" ویرا نے درمیان میں دخل اندازی کی "مگر میں نے زبان نہیں کھولی کہ تم لوگ اسے خوش فہمی اور مبالغہ آرائی قرار دے کر میرا مذاق اڑاؤ گے۔ سچ بات یہ ہے کہ اس وقت میرے اور تمہارے ناموں نے امریکا میں بڑے بڑوں کی نیند اڑائی ہوئی ہوگی۔"

"یہ عجیب بات ہے کہ آئی مین کے حوالے سے آنے والا ہر قیدی یہاں رکنے پر مصر ہے۔" اول خان بڑبڑایا "پہلے خالد تھا، اب یہ آ گیا۔"

"اسی سے تم اندازہ لگا لو کہ نیا آئی مین کتنا خونخوار ہے۔ اس نے اپنے ہر زر خرید کے دماغ میں اپنی دہشت بٹھائی ہوئی ہے۔" ویرا بولی۔

"نتیجہ سامنے آئے بغیر کوئی کسی سے یوں دہشت زدہ نہیں ہوتا۔" میں نے اول خان کے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے کہا "اس ملعون کے فرمودات اپنی جگہ خاصے سنگین رہے ہوں گے۔ ان میں دہشت کا عنصر پچھلے چند روز کی سنسنی خیز اخباری کہانیوں نے بھرا ہے۔ اس کے بارے میں شائع ہونے والے مواد سے یہ تاثر ابھرا ہے کہ وہ اپنے لیے خطرہ بننے والے ہر شخص کو اپنے اور پرائے کی تمیز کیے بغیر کسی خون آشام بھیڑیے کی طرح چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ویرا بلا توقف مجھ سے متفق ہو گئی "میرا ذہن اخباروں کی طرف نہیں گیا تھا مگر میں حیران تھی کہ اس کے لیے کام کرنے والے اس سے اس قدر دہشت زدہ کیوں ہیں۔ اب بات سمجھ میں آ گئی ہے۔"

"گوڈین کے بارے میں تم کیا سوچ رہی ہو؟" اول خان نے قدرے توقف کے بعد پوچھا "چلتے چلتے تم نے اس سے امید افزا بات کی تھی۔"

"گوڈین کی آمدنی کے ذرائع غیر قانونی ہیں مگر بنیادی طور پر وہ ذہین اور شریف آدمی ہے۔"

"سلیس اردو میں اسے شریف بدمعاش کہا جا سکتا ہے۔" میں نے مزاحیہ انداز میں لقمہ دیا "گوڈین سے بات کرنے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے ذہن سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔"

"اس شریف بدمعاش نے ماضی میں میری سفاکی کے

ہرے بھی دیکھے ہیں۔ اگر ہم اس کی تجویز مان لیں تو میرا خیال ہے کہ وہ ہم سے وعدہ خلافی کرکے اپنی قبر کھودنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ ہم ہر وقت اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔"

"اس کے آدمیوں کو بند رکھ کر ہم اسے خوف زدہ کرسکتے ہیں۔ میں تو سوچ رہا ہوں کہ رات ہونے سے پہلے ان دونوں آدمیوں کو بھی اٹھوالوں جن کی نشاندہی گوڈین نے کی ہے۔ آئی مین کو رابطوں میں ہر طرف ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا تو اس کا دماغ الٹ جائے گا اور وہ کوئی نہ کوئی غلطی کربیٹھے گا جو ہمیں اس کی شہ رگ تک پہنچادے گی۔" اول خان نے فکر آمیز لہجے میں اپنی رائے دی۔

"پھر تو ہم نے کیلی بائرن کو چھوڑ کر سب سے بڑی غلطی کی ہے۔" ویرا نے برجستہ کہا "آئی مین امریکی قونصل خانے میں چھپا ہوا ہے۔ کیلی بھی وہیں لے جائی گئی ہے۔ اپنی مادہ کو اپنے پہلو میں پاکر اسے ناقابلِ بیان ذہنی سکون حاصل ہوا ہوگا۔"

"میں یہ نہیں جانتا کہ کیلی اس کے پہلو میں گئی ہے یا کسی بستر پر پڑی ہوئی ہے۔" میں نے تیکھے لہجے میں جواب دیا "یہ ضرور جانتا ہوں کہ کیلی کی پوزیشن دوسروں سے مختلف تھی۔ وہ باضابطہ سرکاری قیدی تھی۔ یہ ایس ٹی ایف کے شکار ہیں۔ ان کے ساتھ ہم من مانا سلوک کرسکتے ہیں۔"

"تم جو سلوک کرنا چاہو کرو۔ میں تمہیں نہیں روکوں گی۔ میری بے لاگ رائے یہ ہے کہ گوڈین کو رہا کردو۔"

"گوڈین، خالد اور ان جیسے دوسرے لوگ ہمارے لیے زیادہ اہم نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں ویرا کی بات مان لینی چاہیے۔" اول خان اچانک اپنے موقف سے دست بردار ہوگیا اور میں اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

"یہ تمہیں کیا ہوگیا۔ تھوڑی دیر پہلے اپنی بولی بول رہے تھے۔ اب ویرا کے ہم نوا بن گئے!" میں نے کہا۔

اول خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھری "ویرا کی سفارش کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ وہ گوڈین کو ہم دونوں سے زیادہ جانتی ہے۔ آئی مین کو اعصاب زدہ کرنے کے لیے گوڈین کو یہ ہدایت کی جاسکتی ہے کہ وہ اگلے تین دنوں کے لیے اپنے ٹیلی فون کے تار نکال دے۔"

"تار اب فرسودہ ہوگیا۔ وہ خطرناک دھندا کرتا ہے۔ اس کے پاس یقینی طور پر موبائل فون موجود ہوگا۔" میں نے اعتراض کیا۔

"یہ اور بھی آسان بات ہے۔ موبائل فون کھو بھی سکتا ہے۔ گھنٹیاں بجتی رہیں اور وہ جواب نہ دے۔ موبائل فون بند بھی کیا جاسکتا ہے۔" اول خان نے ویرا کی وکالت شروع کردی۔

اول خان کی ہر تجویز مصائب تھی۔ گوڈین اپنی گلوخلاصی کے لیے وہ بے ضرر شرائط تسلیم کرسکتا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو آسانی سے کسی سے کوئی وعدہ نہیں کرتے اور جب وعدہ کرلیتے ہیں تو پوری طرح اس کا پاس کرتے ہیں۔

"ٹھیک ہے۔ اس کے بارے میں تم جانو اور ویرا جانے۔ اب مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ وہ اتنا اہم آدمی نہیں ہے کہ اس کے فون سے جواب نہ ملنے پر آئی مین اپنی جان جوکھم میں ڈال کر اس سے ملنے کے لیے نکل کھڑا ہو۔ ہمارا اصل ہدف وہی ہے۔ وہ اپنے قونصل خانے میں دبکا رہے گا۔ ہمیں صبر کے ساتھ اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"دراصل میں بھی یہی کہنا چاہ رہی تھی۔" ویرا بولی "گوڈین کو روکنے سے آئی مین کے معاملے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ آئی مین کے ان حاشیہ برداروں پر بعد میں ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔ اس وقت ہمیں اپنی توجہ آئی مین پر مرکوز رکھنی چاہیے۔"

"جلال کی طرف سے کوئی خیر خبر ملی تو میں تمہیں بتادوں گا۔" گوڈین کا قصہ طے ہوتے ہی میں نے کرسی چھوڑ دی۔ میرے ساتھ ویرا بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں کوشش کروں گا کہ خالد سے بھی جان چھوٹ جائے۔" اس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا پھر میرا ہاتھ تھامے تھامے اپنی میز کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔

میں نے لاکھ کوشش کی کہ وہ تپتی ہوئی دھوپ میں باہر نکلنے کے بجائے ہم دونوں کو برآمدے سے ہی رخصت کردے لیکن وہ نہ مانا۔ برآمدے سے اتر کر بیرک کی اوٹ میں کھڑی ہوئی گاڑی تک ہمارے ساتھ آیا اور ہمارے روانہ ہونے تک وہیں کھڑا رہا۔

"کیا میں جان سکتا ہوں کہ تم گوڈین پر اتنی مہربان کیوں ہورہی تھیں؟" اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ سے کھلی سڑک پر نکل آنے کے بعد میں نے استہزائیہ لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"تمہارا لہجہ تضحیک آمیز ہے۔" اس نے نرمی سے کہا "وہ پاکستانی ہے اور سب سے بڑھ کر میرا ہم مذہب بھی ہے۔"

"دوسرے عیسائیوں سے تم نے کبھی ایسے لگاؤ کا مظاہرہ

نہیں کیا۔" میں نے تلخی سے سوال کیا "اس میں ایسی کیا خاص بات ہے۔"

"تم بلاوجہ اس کی طرف سے حسد اور رقابت کا شکار ہو رہے ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔" اس نے کھنک دار ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔

"مجھے یہ پٹی پڑھانے کی کوشش نہ کرو۔ تم خود بتا چکی ہو کہ اس نے تمہیں نقاب کے بغیر دیکھا ہوا تھا۔"

"اس میں بھی کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اپنے اعتماد کے کئی ساتھیوں سے میں عام حیثیت میں ملا کرتی تھی۔"

"یہ سراسر غلط بیانی ہے۔ میں شی میں سی ون ہوا کرتا تھا پھر بھی میں اس وقت تک تمہارا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا جب تک تم مجھ پر خود مہربان نہیں ہوئیں۔ جہانگیر ڈی ون تھا مگر اسے آخر تک پتا نہ چل سکا کہ بلیک کوئین کون ہے۔"

"آخر تم ان باریکیوں میں کیوں الجھ رہے ہو۔ اعتماد عہدوں پر نہیں، افراد پر کیا جاتا ہے۔" اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی آسودہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی جیسے گوڈین کے خلاف میرے خیالات جان کر وہ دل ہی دل میں محظوظ ہو رہی ہو "یہ میرا ذاتی معاملہ تھا۔ تمہیں اس سے کیا لینا ہے۔"

"ویرا!" میں نے لمحے بھر کے لیے سڑک پر سے نظریں ہٹا کر اسے گھورا پھر دوبارہ سڑک پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے کہا "میں نے اپنی زندگی کسی خانقاہ میں نہیں گزاری۔ میں مردانہ خباثتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تمہاری طرف دیکھتے ہوئے اس مردود کی آنکھوں میں ایک عجیب سی پرامیدی اور چمک نظر آنے لگتی تھی.... سچ سچ بتانا کہ وہ تمہاری کسی خلوت کا ساتھی تو نہیں تھا۔"

آخری سوال کسی آتش گیر لکیر کی طرح میرے ذہن میں کوندا اور بے ساختہ الفاظ کی صورت میں میری زبان پر آ گیا۔ ویرا کی دبی دبی فخر آمیز ہنسی سن کر مجھے احساس ہوا کہ اس وقت میں نے اپنے مردانہ وقار کے منافی بات کی تھی۔ وہ خیال ذہن میں آ ہی گیا تھا تو اسے زبان پر نہیں آنا چاہیے تھا۔

"تو یہ کہو کہ تم اس سے رقابت محسوس کر رہے ہو۔" اس نے نرمی سے میرا بایاں بازو دباتے ہوئے کہا "میں نے تمہارے سامنے کبھی پارسائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ میرا ماضی کسی کھلی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے۔ تم سے ملنے سے پہلے میں مردوں سے مٹی کے کھلونوں کی طرح کھیلنے کی عادی تھی، ایسے کھلونے جن سے بچے اپنا دل بہلاتے ہیں اور جب اکتا جاتے ہیں تو انہیں کوڑے دان میں پھینک کر ہمیشہ کے لیے بھول جاتے ہیں مگر گوڈین کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔"

"تم میرے تجربے کو جھٹلانے پر تل گئی ہو تو میں تمہاری بات مانے لیتا ہوں۔" میں نے اپنا سر جھٹک کر کہا "مگر میں یہ جانتا ہوں کہ گوڈین کی نظروں میں تمہارے لیے بے انتہا اپنائیت تھی۔ اس وقت میرا دل چاہ رہا تھا کہ انگلیاں مار کر اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دوں۔"

"ڈینی!" اس نے میرا بازو تقریباً نوچتے ہوئے تحیر زدہ خوشی کے ساتھ پوچھا "کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ آپس کی باتوں میں، میں جھوٹ نہیں بولتا۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"اس وقت میں خوش ہوں۔ بہت.... بہت ہی زیادہ خوش ہوں کہ آج پہلی بار پتھر کو جونک لگی ہے۔ تمہاری آنکھیں ہمیشہ مجھ سے کچھ کہتی رہتی ہیں لیکن تم نے اپنا مردانہ بھرم رکھنے کے لیے اپنی زبان پر خاموشی کے وزنی قفل ڈالے ہوئے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آج تم کچھ بولے ہو۔ میری وجہ سے تمہیں کسی مرد پر غصہ آیا ہے۔ یہ میرے لیے فخر اور غرور کا مقام ہے۔"

"ایک ذرا سی بات کو افسانہ نہ بناؤ۔ تم ہماری امان میں آئی ہوئی ہو۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی مرد تم پر بری نظر ڈالے۔"

ویرا معنی خیز انداز میں ہنس پڑی اور میرے پہلو میں چٹکی لیتے ہوئے بولی "اب بات بنانے کی کوشش مت کرو۔ حقیقت بے ساختہ الفاظ کا روپ دھار کر تمہارے لبوں پر آ گئی تھی۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اسے تم کسی طرح واپس نہیں لوٹا سکتے۔ تمہارا جھوٹا بھرم ٹوٹ گیا ہے تو اسے یوں ہی رہنے دو۔ اپنے وقار کا مسئلہ نہ بناؤ۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی کہ آج تم گوڈین سے کیوں اور کیسی نفرت محسوس کر رہے تھے۔ تمہارے الفاظ میری زندگی کا قیمتی اثاثہ بن چکے ہیں۔ مجھ سے میرا یہ اثاثہ چھیننے کی کوشش مت کرو۔"

چٹکی مروڑ کر اس نے میرے بائیں پہلو میں گدگدی کر ڈالی۔ میں ڈرائیونگ سیٹ میں بل کھا کر رہ گیا اور تیزی سے بولا "یہ کیا کر رہی ہو۔ ٹریفک کی بھیڑ میں حادثہ ہو جائے گا۔"

اس نے اپنے پرس میں سے پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگائی اور میرے لبوں میں تھما دی۔ اپنے لیے دوسری سگریٹ سلگاتے ہوئے اس نے ہلکی سی مخمور آواز میں کہا

"آج حادثوں کا دن ہے۔ حادثاتی طور پر تمہارے دل کا چور کھل گیا۔ اب گاڑیاں لڑ بھی جائیں تو مجھے پروا نہیں ہوگی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پورے سکون سے مر سکوں گی۔"

"ایسے منحوس اور بے رحمانہ کلمات منہ سے نہ نکالو۔ میرے ساتھ کچھ ہوا تو غزالہ رو رو کر اپنی جان دے دے گی۔"

"تم چکی کے دو پاٹوں میں پھنسے ہوئے ہو۔" وہ پیار سے میرا بدن سہلاتے ہوئے بولی "ایک تم ہو کہ آج گوڈین کی ذرا سی نظریں برداشت نہیں کر سکے۔ میرا حوصلہ دیکھو کہ میں دن رات تمہیں غزالہ کے ساتھ خوش دیکھ کر خود بھی خوش ہوتی رہتی ہوں۔ کبھی شکوے کا ایک حرف اپنی زبان پر نہیں لاتی۔"

اس کی ذہنی رو ایک خطرناک رخ پر بہک چلی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں نے بات بڑھانے کی کوشش کی تو وہ بہت کچھ کہہ ڈالے گی۔ میں نے خاموشی اختیار کر کے گاڑی کی رفتار قدرے تیز کر دی تاکہ وہ سفر جلد از جلد ختم ہو جائے۔

"تم بولتے کیوں نہیں.... چپ کیوں ہو؟" میری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے مجھے ٹوکا۔

"تم سب کچھ جانتی اور سمجھتی ہو۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میری خاموشی ہی سب سے بہتر ہے۔"

"شاید تمہارے دل کو پچھتاوا لگ گیا ہے کہ غیر ارادی طور پر تمہارے دل کی بات تمہاری زبان پر کیوں آگئی۔" وہ مجھے بولنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس وقت میرا ذہن آئی مین اور بن ڈیوڈ میں الجھا ہوا ہے۔ پتا نہیں اس معمے کا کیا حل سامنے آئے گا۔" میں نے مکاری سے کام لیتے ہوئے وہ بات چھیڑ دی جس میں ویرا اس روز حد سے زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔

"تم دیکھ لینا کہ جلال کو مایوسی ہوگی۔" وہ میری چال بازی کو نہیں سمجھ سکی اور پھندے میں آگئی۔

میرا مقصد اسے دوسری باتوں میں الجھانا تھا تاکہ اس کے ذہن سے محبت اور اپنائیت کا خمار اتر سکے۔ میں نے جلال کی کوششوں کی کامیابی کی توقع ظاہر کر دی۔ نتیجہ وہی نکلا جو میں چاہتا تھا۔ ویرا نے زور و شور سے بحث کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس بار میں مباحثے میں پوری سرگرمی سے حصہ لے رہا تھا۔

○☆○

میرا خیال تھا کہ جلال اپنی حد سے بڑھی ہوئی مصروفیات کی وجہ سے مجھے فون پر اپنی کوششوں کے نتیجے سے آگاہ کرے گا مگر وہ چھ بجے خود ہمارے گھر آپہنچا۔ اس کے متین اور باوقار چہرے پر خوشی یا افسوس کی کوئی ایسی علامت نہیں تھی جس سے اس کی کامیابی یا ناکامی کا اندازہ لگایا جا سکتا۔

"تمہارے بشرے سے تھکن کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا دن بھاگ دوڑ میں گزرا ہے۔" میں نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

"فرائض کی ادائیگی میں یہی ہوتا ہے۔ ہمیں تنخواہ اسی بات کی ملتی ہے۔" اس نے ہنس کر خوش دلی سے جواب دیا "اب اگر گرما گرم چائے کی ایک پیالی مل جائے تو دن بھر کی ساری تھکن ذرا سی دیر میں کافور ہو جائے گی۔"

"میں ابھی دو منٹ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" ویرا نے اس پر خلوص پیش کش کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس وقت غزالہ نہانے کے لیے غسل خانے میں گئی ہوئی تھی۔ اس کی غیر حاضری میں ہلکی پھلکی میزبانی کی ذمے داری ویرا کو ہی اٹھانی تھی۔

"اس وقت تمہارے اطوار کچھ پراسرار سے ہیں۔" ویرا کے جانے کے بعد میں نے سرگوشیانہ لہجے میں جلال سے کہا "تم نے خلافِ معمول ابھی تک کام کی بات شروع نہیں کی۔ امیگریشن انکوائری کا کیا رہا؟"

"ابھی کوئی بات نہیں ہوگی۔" کچن سے ویرا کی آواز آئی "میں آ رہی ہوں۔" شاید اسے میری سرگوشی کی بھنک مل گئی تھی۔

"ویرا کو آ جانے دو۔" جلال نے بلند آواز میں کہا "یہ تصدیق ہو گئی ہے کہ بن ڈیوڈ ہی آئی مین ہے۔"

"میرے لیے جلال کا وہ جواب کافی تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے ہر پہلو سے جائزہ لیے بغیر اس تصدیق پر اعتبار نہیں کیا ہوگا۔ میں نے اسے گوڈین کی کہانی سنانی شروع کر دی تاکہ کچن سے ویرا کی آمد تک باتوں کا سلسلہ چلتا رہے۔

"یہ بھی ایک پہلو تھا۔ اچھا ہوا کہ تم نے اسے دیکھ لیا۔ اس وقت ہم کامیابی کے کسی موہوم ترین امکان کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔" اس نے پوری روداد سننے کے بعد کہا "آئی مین مختلف ذرائع سے آدمیوں کو یکجا کر رہا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے کون اس کا ڈرائیور تھا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ گوڈین نے آئی مین کی یہاں آمد کا سبب بتا دیا۔ شاید اس نے ابتدا میں اپنے ساتھ ملنے والوں پر ذرا زیادہ اعتماد کیا تھا۔"

ویرا نے چائے بنانے میں غیر معمولی پھرتی دکھائی اور ٹرے میں چار پیالیاں لیے ڈرائنگ روم میں آگئی۔

"چائے پھیکی ہے۔ چینی اپنی اپنی مرضی کے مطابق ڈال لینا۔" اس نے ٹرے تپائی پر رکھتے ہوئے اعلان کیا۔

چائے نوشی کا آغاز ہونے تک آپس میں چند فقروں کا تبادلہ ہوا اور پھر ویرا کی تجسس کی رگ پھڑک اٹھی "ابھی تم ڈینی کو بتا رہے تھے کہ آئی مین کے پاسپورٹ کی تصدیق ہوگئی ہے۔" اس نے جلال سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میں نے یہ نہیں کہا تھا۔" جلال نے مسکرا کر اس کی تصحیح کی "میں نے بتایا تھا کہ بن ڈیوڈ ہی آئی مین ہے۔"

"اوہ.... " ویرا نے ہونٹ سکیڑ کر کہا "یہ تو اور بھی آگے کی بات ہے۔ یہ بات امیگریشن والے نہیں بتا سکتے تھے۔ یہ نتیجہ تم نے اخذ کیا ہوگا۔"

"مختلف ذرائع سے ملنے والی رپورٹوں کو یک جا کر کے صحیح ترین نتائج اخذ کرنا ہی میرا اصل کام ہے۔ امیگریشن والوں نے یہ تصدیق کی ہے کہ وہ پاسپورٹ اصلی ہیں۔ کیلی اور بن ڈیوڈ میں سے کسی نے ابھی تک پاکستان نہیں چھوڑا ہے۔"

"اگر تم برا نہ مناؤ تو میں اس بارے میں کچھ بات کرلوں۔" ویرا نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ڈینی نے مجھے فون پر تمہاری رائے سے آگاہ کردیا تھا اسی لیے میں خود یہاں آیا ہوں۔ تمہارے کچھ کہنے سے پہلے میں تمہیں چند باتیں بتا دوں تاکہ تمہیں میرے اخذ کیے ہوئے نتیجے کی بنیاد کا علم ہو سکے۔ میں مفروضوں پر کام کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ ہر وقت ٹھوس حقائق پر نظر رکھتا ہوں۔"

"ضرور.... یہ کام تمہارا ہے مگر میں محض معلومات کے لیے کچھ جاننا چاہ رہی تھی۔" ویرا جلدی سے بولی۔

"ان میں سے کوئی پاسپورٹ مسروقہ نہیں ہے۔ کراچی آمد کے وقت دونوں کے امیگریشن کارڈ یکساں تحریر میں پر کیے گئے ہیں۔ بس دستخط الگ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوران سفر وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔"

"اور تم بتا رہے ہو کہ ان دونوں میں سے کسی نے ابھی تک پاکستان نہیں چھوڑا۔" ویرا نے تائید چاہی۔

"ہمارے یہاں ابھی خود کار طریقے رائج نہیں ہوئے مگر پاکستانی اہل کار موٹے موٹے رجسٹروں پر محنت سے کام کرتے ہیں۔ آنے والے ہر مسافر کی روانگی کا اندراج اس کی آمد کے سامنے ہوتا ہے۔ ان دونوں کو لانے والی پرواز سے کل سترہ غیر ملکی پاکستان آئے تھے۔ پندرہ واپس جا چکے ہیں۔ یہ دونوں یہاں مقیم ہیں۔ ان کے اصل پاسپورٹ میرے قبضے میں آچکے ہیں۔"

ویرا کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا اور وہ بے اختیار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی "اگر بن ڈیوڈ کے نام سے کوئی باہر نہیں گیا اور وہ دونوں یہیں مقیم ہیں تو ہر بات واضح ہے۔ بن ڈیوڈ ہی یہاں آئی مین بنا ہوا ہے۔"

جلال کا جواب جامع اور مسکت تھا۔ ویرا کو اپنے دل کی باتیں آگے بڑھانے کا کوئی موقع نہیں مل سکا۔ اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ ویرا کے شبہات بہت زیادہ قرین قیاس تھے اور ان کا بروقت دور ہونا ضروری تھا۔ جلال نے پاسپورٹ برآمد ہوتے ہی بن ڈیوڈ کی تصاویر فوری طور پر ہر طرف پھیلا دی تھیں لیکن اسی کے ساتھ اس نے ان سفری دستاویزات کی کڑی اور فول پروف چھان بین کا بھی بندوبست کر لیا تھا۔ دونوں کی کارکردگی میں یہ فرق تھا کہ جلال خاموشی سے اپنے کام میں لگ گیا تھا۔ ویرا نے اپنے شبہات کا نقارہ بجا کر ہم سب کو تذبذب اور بے یقینی کی دلدل میں دھکیل دیا تھا۔ جلال نے اپنی کوششوں سے ہر ابہام دور کر دیا تھا۔

"تم نے کوئی انوکھی بات نہیں سوچی تھی۔" میں نے ویرا کو اخلاقی سہارا دینے کے لیے نیم مزاحیہ انداز میں کہا "جلال کے ذہن میں بھی اسی قسم کے شبہات رینگ رہے تھے۔ اس نے کیلی سے روبرو بات کی تھی اس لیے وہ اپنے اندازوں کے بارے میں پر اعتماد تھا۔ تم دور تھیں اس لیے تمہارا یقین بہت کمزور تھا۔"

"شکوک و شبہات کے بادل چھٹ گئے ہیں تو اب ہمیں بھرپور وار کر دینا چاہیے۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ویرا بولی۔

"بھرپور وار کرنے کی تیاریاں جاری ہیں۔" جلال نے بتایا "میری ایک ٹیم کے ارکان باری باری امریکی قونصل خانے سے نکاس کے ہر راستے کی نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ چوبیس گھنٹے وہاں موجود رہیں گے اور بن ڈیوڈ کی جھلک دیکھتے ہی اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیں گے...."

"وہ بہت تیز اور متحرک آدمی ہے۔ میری اور ویرا کی سرکوبی کے لیے یہاں آیا ہے۔ وہ زیادہ دیر تک اپنے قونصل خانے کے چوہے دان میں بند ہو کر نہیں بیٹھے گا۔" میں نے جلال کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر پُر خیال لہجے میں کہا۔

"مجھے بھی اسی وقت کا انتظار ہے۔ وہ باہر نکلے گا اور پکڑا جائے گا۔" جلال نے امید ظاہر کی۔

"یہ خطرہ اس کے ذہن میں بھی موجود ہوگا کہ قونصل خانے کی نگرانی کی جائے گی۔ ٹام اور نک سے کھلی کھلی باتیں ہونے کے بعد بن ڈیوڈ اور اس کے سرپرست بہت زیادہ محتاط ہوجائیں گے۔" میں نے ذرا محتاط رہتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ میں اپنی کسی بات سے جلال کو بھڑکانا نہیں چاہتا تھا۔

"شاید تم کچھ کہنا چاہ رہے ہو مگر کہتے ہوئے جھجک رہے ہو۔" جلال بلا کا ذہین آدمی تھا۔ فوراً میری ہچکچاہٹ کو تاڑ گیا۔

"امریکی قونصل خانے کے پاس بند گاڑیوں کا پورا بیڑا موجود ہے جس میں سبک رفتار بکتربند گاڑیاں بھی شامل ہیں۔ وہ کسی بند اور محفوظ گاڑی میں اسے نکالنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"میں نے بتایا ناکہ میرے ایک دو آدمی نہیں، پوری ٹیم وہاں نگرانی پر مامور کی گئی ہے۔ جن بند گاڑیوں کے سوار نظر نہیں آئیں گے، ان کا بھی منزل تک پیچھا کیا جائے گا۔ میں نے اپنی منصوبہ بندی میں ہر پہلو کو اپنے پیش نظر رکھا ہے۔ اس کے باوجود کہیں چوک ہوجائے تو یہ ہمارے مقدر کی خرابی ہوگی مگر یہ سارا بندوبست عارضی ہے....."

"یہ اقدام سفارتی آداب کے منافی ہیں۔ انہیں بھنک مل گئی تو وہ احتجاج کا ایک طوفان کھڑا کردیں گے۔" ویرا نے تشویش سے کہا۔

"انہوں نے اپنی حرکتوں سے ہمیں اس بندوبست پر مجبور کیا ہے۔ جب تک بن ڈیوڈ کے پاسپورٹ کی تصدیق نہیں ہوئی تھی میں قدرے بے فکر تھا۔ میں نے ابھی تک اسلام آباد والوں کو نگرانی کے کام سے آگاہ نہیں کیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہاں سے پسپائی کی ہدایات آجائیں گی۔ میری یہ تشویش مجھے یہاں لائی ہے۔"

"امریکا ایک اہم ملک ہے۔ اس سے کھل کر محاذ آرائی مول نہیں لی جاسکتی۔" میں نے اپنی تشویش کا اظہار کیا "اسلام آباد سے رجعت کے احکام آئے تو بات پھیل جائے گی۔ میرا مشورہ ہے کہ تم خاموشی سے اپنے آدمیوں کو ہٹالو۔ یہ مورچا ایس ٹی ایف سنبھال لے گی۔ شاید اسی لیے تم اس بندوبست کو عارضی کہہ رہے تھے۔"

"فاکلن ہاؤس میں جیک اسمتھ کی موت کے بعد حالات تیزی سے تبدیل ہوئے ہیں۔ کراچی میں مقیم امریکیوں کو آج پہلے سے زیادہ تحفظ کی ضرورت ہے۔" ویرا نے ڈھٹائی کے ساتھ اپنی خفت کو فراموش کردیا تھا اور پوری سرگرمی سے گفتگو میں حصہ لے رہی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ہوسکتا ہے کہ رات کے سناٹے میں ان اطراف میں ہونے والی غیر معمولی نقل و حرکت زیادہ دیر تک پوشیدہ نہ رہ سکے۔ ایسی صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بدلتے ہوئے حالات میں وہاں حفاظتی نفری بڑھادی گئی ہے۔"

"یہ سب ممکن ہے۔ اس وقت میں مخمصے میں ہوں۔ جیک کے قتل کا معاملہ آئی بی کے پاس ہے اور آئی مین ہمارا مجرم ہے۔ سارے شواہد بتارہے ہیں کہ وہ اپنے قونصل خانے میں پناہ گزین ہے مگر ہمارے پاس اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔" جلال نے الجھی الجھی باتوں کا جال توڑتے ہوئے کھل کر کہا "ثبوت ہو تو ہم ان سے بن ڈیوڈ کو اپنے حوالے کرنے کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔ میں نے واقعات کی روانی میں اپنے آدمی وہاں مامور کردیے ہیں لیکن وہ زیادہ دیر تک وہاں نہیں ٹھہرسکیں گے۔"

"ان سے یہ توقع عبث ہے کہ ثبوت ہوگا تو وہ بن ڈیوڈ کو شرافت سے تمہارے حوالے کردیں گے۔" میں نے افسوس کے ساتھ کہا "قانون اور ضابطوں نے تمہارے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں۔ میری رائے میں اب تمہیں خاموشی سے پیچھے ہٹ جانا چاہیے۔ بن ڈیوڈ کو اس کے چوہے دان سے نکال کر پکڑنے کا کام ہمارے اور ایس ٹی ایف کے لیے چھوڑ دو۔ اس کی مصدقہ تصاویر ہمارے قبضے میں ہیں۔ وہ ہماری آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکے گا۔"

وہ بہت گہرا آدمی تھا۔ ہمارے گھر پہنچا تو یوں پُرسکون نظر آرہا تھا جیسے اس کے ذہن پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ آنے کے بعد اس نے چائے نوشی اور ویرا سے سرسری بحث میں خاصا وقت اطمینان سے گزار دیا تھا لیکن اس وقت امریکی قونصل خانے کے اطراف کے حالات زیر بحث آنے پر اندازہ ہورہا تھا کہ وہ شدید ذہنی دباؤ میں آیا ہوا تھا۔ وہ قانون کا پابند اور محتاط افسر تھا۔ پچھلی طویل رفاقت میں، میں نے بارہا یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ کبھی بھی اپنے اختیارات کی حدود سے تجاوز نہیں کرتا تھا۔ اپنے مجرموں کی سرکوبی کے لیے قانون کے دائرے میں رہ کر کام کرنے کا عادی تھا۔

اس پوری مدت میں اس نے صرف ایک بار قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ اسے دہلی میں را والوں کے ہاتھوں عبداللہ کے بہیمانہ قتل پر گہرا دکھ تھا۔ اسے اپنے ذرائع سے پتا چل گیا تھا کہ دہلی میں را کے ونود نامی آدمی نے عبداللہ کو اپنی درندگی کا نشانہ بناکر موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ جلال نے اسی وقت عہد کیا تھا کہ وہ ونود سے عبداللہ کے قتل کا انتقام

ضرور لے گا پھر ونود کے ستارے گردش میں آگئے۔
دہلی سے تبادلہ کر کے اسے اسلام آباد بھیجا گیا۔ وہاں سے نکراچی کے بھارتی قونصل خانے میں آگیا۔ جلال نے اسلام آباد میں بھی اس پر نگاہ رکھی تھی مگر اسے وہاں اپنے دشمن پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ونود کراچی آیا تو جلال نے اس کے معمولات پر گہری نظر رکھی اور پھر ایک شام مجھ سے بیم گن ادھار لے کر اس نے ایک ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں اس وحشی درندے کو نہایت صفائی سے جہنم واصل کر دیا۔
قانون سے تجاوز کا وہ اکلوتا واقعہ شاید جلال کے منصبی فرائض کے ذیل میں نہیں آتا تھا۔ وہ ایک خالص ذاتی معاملہ تھا۔ ونود نے جلال کے منظور نظر، عبداللہ کو اپنے وطن میں مارا جلال نے اپنی سرزمین پر ونود کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر اپنا بدلہ لے لیا۔
بن ڈیوڈ سے اس کی کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ اس نے آئی مین کے روپ میں پاکستان میں بیٹھ کر سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا تھا۔ وہ معاملہ نیچے سے اوپر تک، ہر ذمے دار سرکاری اہل کار کے علم میں تھا۔ اس کو ونود کی طرح راستے سے ہٹانا، جلال کے لیے ممکن نہیں تھا۔
''میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔'' جلال نے میری تجویز کے جواب میں کہا ''ہم کسی سفارتی عمارت کی باضابطہ نگرانی کے مجاز نہیں ہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ایس ٹی ایف جلد از جلد وہاں کا چارج سنبھال لے۔ وہاں سے نکلنے کے چار راستے ہیں۔ فوری طور پر ایس ٹی ایف کے چار ہوشیار آدمی وہاں پہنچ جائیں تو میں اپنی پوری ٹیم کو وہاں سے ہٹا سکتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں شام کو اپنی رپورٹ بھیجوں تو اس میں ٹیم کی تعیناتی کے ساتھ واپسی کا ذکر بھی آجائے تاکہ مجھے کسی سبکی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔''
''چھوٹے ملکوں کے بڑوں کی سوچ بھی چھوٹی ہوتی ہے۔'' ویرا نے گہرے طنزیہ لہجے میں کہا ''تم سے تمہارے بڑے شاید ان چند گھنٹوں کی نگرانی پر بھی جواب طلب کر سکتے ہیں۔ امریکا کو دیکھو کہ وہاں کا صدر، کانگریس، سینیٹ اور عوام کے کسی بھی احتساب سے بے خوف ہو کر پورے اعتماد سے تشی کی سرپرستی کر رہا ہے جو پاکستان کے علاوہ نہ جانے کس کس ملک میں تباہیاں پھیلا رہی ہے اور کوئی اس پر کھل کر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کر سکتا کیونکہ پوری امریکی انتظامیہ ان کی پشت پناہ ہے۔''
''ان چند گھنٹوں کی نگرانی کے لیے میں کوئی نہ کوئی جواب دے دوں گا۔ مجھے اس کی فکر نہیں ہے۔ تشویش آنے والے وقت کے بارے میں ہے۔'' جلال نے خفیف سی جھنجلاہٹ کے ساتھ جواب دیا ''ہم پس پردہ رہ کر سب کچھ کر سکتے ہیں، سامنے آکر کچھ نہیں کر سکتے۔''
''نگرانی کے لفظ کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔'' میں نے اسے مشورہ دیا ''تم آسانی سے یہ موقف اختیار کر سکتے ہو کہ قونصل خانے کے قرب و جوار میں کسی تخریبی کارروائی کے اندیشے کے پیش نظر تم نے وہاں خفیہ حفاظتی انتظامات کیے تھے جو مطلع صاف ہونے پر ختم کر دیے گئے۔''
''ویری گڈ۔'' جلال نے بے ساختہ کہا ''نگرانی کو تحفظ کا نام دینے سے ہر جواب دہی کا اندیشہ ختم ہو جائے گا۔ تمہارا یہ مشورہ بہت برمحل ہے۔ حفاظتی انتظام کے لیے کوئی بھی جواز ہو سکتا ہے۔ مشتبہ افراد کی غیر معمولی نقل و حرکت کی عام سی کہانی ہر ایک کے لیے قابلِ قبول ہوگی۔''
''اب تم کو اول خان سے بات کر لینی چاہیے۔'' اس کی بات پوری ہونے پر میں نے کہا۔
''میرا خیال تھا کہ وہ تمہارے پاس آیا ہوا ہوگا۔ وہ آج کل اپنی اکثر شامیں تمہارے ساتھ گزارتا ہے۔''
''ابھی فون پر دیکھ لیتے ہیں کہ وہ کہاں ہے۔'' میں نے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔
''ذرا ایک منٹ!'' ویرا بے تابی سے بولی ''ایک بات تشنہ رہ گئی۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ بھرپور وار کرنے کی تیاریاں جاری ہیں اور تمہارے آدمی چوبیس گھنٹے قونصل خانے کی نگرانی کریں گے۔ کیا اس وقت تمہارے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ تمہارا محکمہ اس کارروائی کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھے گا۔''
''میری بات ڈینی نے درمیان سے اچک لی تھی۔'' جلال نے وضاحت کی ''میں اسی کے ساتھ اپنی مجبوری بیان کرنے والا تھا۔ یہ بات ابتدا سے میرے ذہن میں چبھ رہی ہے کہ آئی بی اپنی قانونی حدود میں رہ کر ان کے غیر قانونی ہتھکنڈوں کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ جب سفارت کار اپنی مراعات کی آڑ میں جرائم کا ارتکاب کرنے لگیں تو صورتِ حال بہت دشوار ہو جاتی ہے۔ انہیں کھل کر للکارنا پڑتا ہے جس سے بدمزگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے یا پھر مصلحت آمیز خاموشی اختیار کرنا پڑتی ہے۔ موجودہ حالات میں ہم امریکا سے کھلی محاذ آرائی مول نہیں لے سکتے اور یہی ایک نکتہ میرے بڑوں کو بے بس کیے ہوئے ہے ورنہ وہ خود بھی امریکیوں سے نالاں ہیں۔''

میں نے موبائل فون پر اول خان کا نمبر ملایا تو وہ گھر پر موجود تھا۔

"تم وہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو' جلال تمہاری تلاش میں یہاں آیا ہوا ہے۔" رسمی سلام دعا کے بعد میں نے کہا۔

"یہ بتاؤ کہ آئی مین اور بن ڈیوڈ کا معما حل ہوا یا جوں کا توں ہے۔" جلال کا نام سنتے ہی اسے وہ مسئلہ یاد آگیا۔

"دونوں ایک ہیں۔ اب بن ڈیوڈ کی تصویریں اسے کیفرِ کردار تک پہنچا دیں گی۔"

ریسیور پر اول خان کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر وہ بولا "خدا کا شکر ہے کہ یہ بوجھ سر سے اترا۔ ویرا نے اپنی موشگافیوں سے میری آدھی جان نکال دی تھی۔ میں حیران تھا کہ کیلی تمہارے اور جلال جیسے خرانٹ آدمیوں کو دھوکا دینے میں کیسے کامیاب ہوگئی۔"

"بس یہ اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔" میں نے کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب وہ بھی شرمندہ ہے۔"

ویرا میری یک طرفہ باتیں سن رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں ہوسکا کہ میں نے وہ فقرہ اس کے بارے میں کہا تھا۔

"اگر جلال کے پاس وقت ہو تو میں دس منٹ میں تمہارے گھر پہنچ سکتا ہوں۔" اول خان فون پر کہہ رہا تھا۔

"اس وقت وہ تم سے ملنے آیا ہے۔ انتظار کرے گا۔ تم فوراً آجاؤ۔" میں نے یہ کہہ کر فون بند کردیا۔

"بن ڈیوڈ کا معاملہ اول خان کو سونپ دینے کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے؟" میں نے جلال کو اول خان کی آمد سے آگاہ کرنے کے بعد پوچھا۔

"میرے پاس ہر وقت بہت سے بکھیڑے موجود رہتے ہیں۔ اس وقت سرکاری طور پر جیک' بن ڈیوڈ اور کیلی کا کیس میری ایجنسی کے پاس ہے۔ میں اس سے کنارہ کش نہیں ہو رہا۔ اس کی تفتیش کا کام چلتا رہے گا۔ صرف قونصل خانے کی نگرانی کا معاملہ ٹیڑھا ہے جو میں ایس ٹی ایف کے سپرد کردوں گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے آدمی پس پردہ رہ کر صورت حال پر نگاہ رکھیں گے۔" میں نے پوچھا۔

"بالکل۔ ایک مرتبہ وہ وہاں سے نکل آیا تو میرے آدمی پوری طاقت کے ساتھ اسے گھیرنے کی کوشش کریں گے۔"

"ایسا نہ ہو کہ کسی غلط فہمی کی بنا پر تمہارے آدمی بن ڈیوڈ کے بجائے ایس ٹی ایف سے ٹکرا جائیں۔" میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"اول خان سے بات کرکے ایسے کسی امکان کا انسداد کرلیا جائے گا۔" اس نے قدرے بے پروائی سے جواب دیا "اس دوران میں' میں چوپڑا اور اس کے آدمیوں پر کچھ محنت کروں گا۔ صدر سے پکڑا جانے والا مشتبہ آدمی بھی اب سی آئی اے کے بجائے ہمارا قیدی ہے۔"

"اس وقت دونوں محاذ ساتھ ساتھ کھلے ہوئے ہیں۔" غزالہ بولی۔ وہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد ہمارے ساتھ شامل ہوگئی تھی۔

"دونوں کے مقاصد ایک ہیں۔" جلال نے سگریٹ سلگاتے ہوئے جواب دیا "دونوں یہاں عدم استحکام اور خوف و ہراس کی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ابھی تک وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہیں جہاں چاہتے ہیں' وار کر گزرتے ہیں۔"

"وہ اتنے کامیاب بھی نہیں ہیں۔ اس وقت را کے کم از کم پانچ آدمی تمہارے قیدی ہیں۔" ویرا بولی۔

"پانچ کون؟" سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کیا۔ وہ ابتدا سے خاموش بیٹھا ہماری باتیں سن رہا تھا۔ اس وقت اس نے پہلی بار اپنی زبان کھولی تھی۔

"تین آدمیوں کا گروہ پہلے پکڑا گیا تھا جس میں ایک مقامی مسلمان بھی شامل تھا۔ چوتھا چوپڑا ہے۔ پانچواں وہ مشتبہ آدمی ہے جسے کل کے دو دھماکوں کے بعد سی آئی اے نے پکڑا تھا اور اب وہ جلال کے محکمے کا قیدی ہے۔" ویرا نے گنتی گنوا دی۔

"ان تین آدمیوں کی قسمت کا فیصلہ ہوگیا۔ حرص اور لالچ میں اندھا ہو کر ان کا ساتھ دینے والا مسلمان سلطانی گواہ بننے پر آمادہ ہوگیا ہے۔ شاید اس کا ضمیر جاگ گیا ہے۔" جلال نے افسردگی سے کہا "اس نے کراچی اور سندھ کے دوسرے شہروں میں کئی خون ریز وارداتوں کا اعتراف کیا ہے۔ وہ تینوں ہماری تحویل میں نہیں تھے۔ ان کا چالان پولیس عدالت میں پیش کرے گی۔ اس وقت ہمارے دو قیدی ہیں۔ ایک چوپڑا اور دوسرا دھنی لال۔"

"پھر بھی تم کہہ رہے ہو کہ وہ کامیاب جا رہے ہیں۔" ویرا نے اعتراض کیا۔

"واردات ہوجانے کے بعد مجرم کو پکڑ لینا میری نظروں میں کامیابی نہیں ہے۔ ایسے معاملات میں اصل کامیابی اس وقت شمار کی جاتی ہے جب وارداتوں کا سلسلہ یکسر موقوف ہوجائے۔ ابھی ہم اس منزل سے دور ہیں۔ بن ڈیوڈ نے گولڈن فارمیسی کو آگ لگوادی۔ اس کی اوپری منزل پر دو بچے جھلس گئے۔ را والوں نے شہر میں دو بم چلا دیے۔ دس بے

گناہ شہری زخمی ہوئے' ایک بے چارہ بے موت مارا گیا۔ یہ ان کی کامیابیاں ہیں۔ وہ اپنا ہدف حاصل کر رہے ہیں۔"

"چوپڑا پیچ کا آدمی ہے۔ وہ خود کچھ نہیں کرتا' دوسروں کی ڈوریاں ہلاتا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "اس کو ہدایات دہلی سے ملتی ہیں جہاں انل بسوس کی جگہ کوئی اور آگیا ہوگا۔ میدان میں اصلی تباہی پھیلانے والے وہ لوگ ہیں جو یہاں پکڑے گئے ہیں۔ ان میں آخری مشتبہ شخص سب سے زیادہ اہم ہے۔ چوپڑا نے تم کو اپنے چار آدمیوں کے نام دیے تھے جو ایک ہوٹل میں روپوش تھے اور چوپڑا کے گرفتار ہوتے ہی زیر زمین چلے گئے۔ کیا وہ ان میں سے ایک نہیں ہے۔"

"سی آئی اے والوں کو پس منظر کا علم نہیں تھا اس لیے وہ تشدد کر کے اس کی زبان کھلوانے کی کوششیں کرتے رہے۔ ہم بعض فنی مجبوریوں کی وجہ سے منتظر رہے۔ اب وہ ہمارے پاس آگیا ہے تو اس کی اصلیت کھل جائے گی۔ اس نے اپنا جو نام بتایا ہے وہ چوپڑا کے دیے ہوئے چار ناموں میں شامل نہیں تھا۔"

"شاید چار ایجنٹوں کی یہ آخری کھیپ تھی جو انل نے پاکستان بھیجی تھی۔" ویرا نے کہا "ان کی سرکوبی ہو جائے تو شہر میں کافی دنوں کے لیے سکون ہو جائے گا۔"

"ہم بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہے ہیں۔ انل کا جانشین معاملات پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے وقت لے گا۔" جلال نے جواب دیا "شہری آبادیوں میں قتل و خوں ریزی گھٹیا حرکتیں ہیں۔ اصل فرق بڑے منصوبوں پر پڑے گا۔ انل کی موت کے بعد بھارتی شاید کوئی بڑی سازش نہیں کر سکیں گے۔"

"یہ خوش فہمی اپنے دل سے نکال دو۔" ویرا کسی تردد کے بغیر بولی "بھارت والے سازشوں کے شہزادے ہیں۔ انہوں نے تمہارے ملک کو آج تک کھلے دل سے تسلیم نہیں کیا۔ وہ تمہاری بیخ کنی کے لیے نت نئے منصوبے بناتے رہیں گے۔ اس کا بہترین جواب یہی ہے کہ تم ان کے حلق میں اپنی انگلیاں ڈالتے رہو۔"

وہ سب معاملات ساتھ ساتھ چل رہے تھے اس لیے گفتگو کا رخ بن ڈیوڈ سے را کی طرف ہو گیا۔ اول خان کی آمد تک ہم پانچوں را والوں کی سرکوبی کے امکانات پر سر کھپاتے رہے۔ اول خان کے آتے ہی فضا بدل گئی اور روئے سخن دوبارہ بن ڈیوڈ کی طرف ہو گیا۔

"میری رائے ہے کہ کچھ دیر کے لیے ان دونوں کو تنہا چھوڑ دیا جائے۔" ان کی ابتدائی گفتگو کے ابہام کے پیش نظر میں نے چند منٹ بعد تجویز پیش کی "تاکہ یہ کھل کر بات کر سکیں۔ بعد میں ضروری باتیں خود ہی ہمارے علم میں آجائیں گی۔"

ہم چاروں نے بیک وقت اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ جلال نے نیم دلی سے ہمیں روکنا چاہا مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ رسمی تکلف سے کام لے رہا تھا' اول خان سے جملہ معاملات طے کرنے کے لیے اسے تخلیے کی ضرورت تھی۔ غزالہ ڈرائنگ روم سے نکل کر کچن کی طرف چلی گئی۔ ہم تینوں ویرا کے کمرے کی طرف ہو لیے۔

"مجھے ان واقعات پر اب کچھ جمود سا طاری ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔" ویرا کے کمرے میں پہنچ کر سلطان شاہ نے پر تشویش لہجے میں کہا "بن ڈیوڈ امریکی سفارت کاروں کی گود میں جا بیٹھا ہے چوپڑا صدف مینشن میں پڑا سڑ رہا ہے اور مشتبہ آدمی اپنی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے۔"

"کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔" ویرا نے تسلی دی "زیادہ دیر تک یہ سب ایسا نہیں رہے گا۔ کسی نہ کسی مرحلے پر ان کے اعصاب جواب دے جائیں گے۔"

"ایک بات یاد رکھو کہ سیکرٹ ایجنٹ اگر پیشہ ور ہو تو دشمن کی تحویل میں مرجاتا ہے مگر اپنی زبان نہیں کھولتا۔" میں نے اسے سمجھایا "تشدد کر کے کسی کو مار دینا بہت آسان کام ہے لیکن اسے زندہ رکھ کر لب کشائی پر مجبور کرنا بہت مشکل کام ہے۔"

"چوپڑا نے آئی بی کے قبضے میں آنے کے بعد سب کچھ اگل دیا۔ کیلی نے آج ہی تم لوگوں کو بہت کچھ بتایا ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

"ان دونوں میں سے کوئی بھی سیکرٹ ایجنٹ نہیں ہے۔ چوپڑا بھارتی سفارت خانے کا ایک عام سول سرونٹ ہے۔ کیلی ایک بڑے مجرم کی داشتہ ہے۔ کیلی کی لب کشائی میں دو عناصر بہت اہم تھے۔ ایک صدف مینشن کا ڈراؤنا ماحول اور دوسرا جلال کا نفسیاتی جھٹکوں کا حربہ۔"

"یہ را والوں کی باتیں ہیں جو چلتی رہیں گی۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "امریکی سفارت کاروں کو اب یہ احساس دلانا ضروری ہو گیا ہے کہ ہم لوگ ان کے قونصل خانے میں بن ڈیوڈ کی موجودگی سے پوری طرح باخبر ہیں اور ان کی یہ حرکت ان کی سفارتی بدنامی کا سبب بن سکتی ہے۔"

"ٹام اور نک سے ہونے والی ملاقات میں ان پر بہت کچھ واضح کر دیا گیا ہے۔"

"وہ غیر رسمی اور آف دی ریکارڈ باتیں تھیں۔ ان سے باضابطہ احتجاج کیا جانا چاہیے۔" ویرا نے اصرار کیا۔

"تم احتجاج کی بات کر رہی ہو۔ میں نے ان دونوں سے ملاقات میں صرف اتنا کہا تھا کہ فالکن ہاؤس کے واقعات کے بارے میں ان کی معلومات کا ذریعہ آئی مین کی ذات ہے تو وہ دونوں شائستگی کو فراموش کر کے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔" میں نے کہا۔

"وہاں سب کچھ ہو سکتا تھا۔ باضابطہ مراسلے کے جواب میں وہ ایسی کوئی حرکت ریکارڈ پر نہیں لائیں گے۔ تم جلال کو مشورہ دو کہ وہ متعلقہ حکام کے ذریعے قونصل خانے پر تحریری دباؤ ڈالے کہ وہ اپنی سفارتی عمارت میں روپوش مجرم کو مقامی حکام کے حوالے کریں۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "جلال دودھ پیتا بچہ نہیں ہے کہ اسے میرے مشورے کی ضرورت ہو۔ وہ ایک ذمے دار اور فرض شناس افسر ہے۔ میرے کسی مشورے کا برا بھی مان سکتا ہے کہ میں اس پر مسلط ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"اس میں مسلط ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس وقت وہ از خود اس معاملے پر اول خان سے مشورہ کر رہا ہے۔"

"شاید تمہارے خون میں الکحل کی مقدار کم ہو گئی ہے جس سے تمہاری یادداشت پر برا اثر پڑا ہے۔ تمہیں یاد نہیں کہ وہ ثبوت کے بغیر امریکیوں سے کسی باضابطہ مطالبے کے حق میں نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں' اس نے یہ تو کہا تھا۔" ویرا کا لہجہ کمزور پڑ گیا "کسی ثبوت کے بغیر وہ ایسے مطالبے کو الزام تراشی قرار دے دیں گے۔"

"میں یہی کہہ رہا تھا کہ جلال ذمے دار اور ذہین افسر ہے۔ وہ معاملات کے ہر پہلو پر گہری نگاہ رکھتا ہے۔ تمہاری طرح جذبات کی روانی میں نہیں بہتا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔" ویرا نے ایک تپائی پر سے اسکاچ کی بوتل اٹھاتے ہوئے کہا "مجھے تھوڑی سی الکحل کی ضرورت ہے۔"

"میری موجودگی میں تو یہ بدبو دار بوتل نہ کھولو۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"تم بدذوق آدمی ہو۔ اپنی ناک بند کر لو۔" ویرا نے گلاس میں اسکاچ انڈیلتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہو۔ تو یہاں یہ ہو رہا ہے۔" اسی وقت غزالہ دروازے پر نمودار ہو گئی۔

"اس گندے کمرے میں اکثر یہی ہوتا رہتا ہے۔" سلطان شاہ نے غزالہ کو اکسایا "میں تو کہتا ہوں کہ اس چھت کے نیچے یہ حرام نوشی بند ہونی چاہیے۔ جب ڈینی یہ بری عادت ترک کر سکتا ہے تو ویرا کو بھی اس برے کام کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔"

"گلاس میں نے اپنے لیے بنایا ہے اور نشے میں تم بہک رہے ہو۔" ویرا نے زہر خند کے ساتھ کہا اور وہسکی میں پانی ملا کر ایک گھونٹ حلق سے اتار لیا۔

"تم کو اس بارے میں سوچنا چاہیے۔" غزالہ نے کمرے میں ایک نشست سنبھالتے ہوئے کہا "یہ کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔"

"ایسی بری بھی نہیں ہے۔ ایک اکیلی عورت کو اس سے بہت سہارا ملتا ہے۔ خود فراموشی کے عالم میں جتنا وقت گزار لیتی ہوں وہ بہت لطف دیتا ہے ورنہ میری زندگی میں تنہائی یا پھر بھاگ دوڑ اور مار دھاڑ کے سوا کیا رکھا ہے۔"

"تم یہاں رہ کر اپنا وقت ضائع کر رہی ہو۔ اسی کے ساتھ ڈان مرسیانو کی ساری محنت بھی برباد ہو رہی ہے۔" سلطان شاہ نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا "میلان چلی..."

"شٹ اَپ!" ویرا غصیلی آواز میں غرائی۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں غصے سے ابل رہی تھیں۔ وہ برہمی سے کہہ رہی تھی "تمہاری بدتمیزیاں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔ اب یہ میری برداشت سے باہر ہیں۔ مجھ سے اپنی حدود میں رہ کر بات کیا کرو۔"

میں بس ایک لمحے کے لیے حیران ہوا پھر بات میری سمجھ میں آ گئی۔ تنہائی میں بلکہ میری موجودگی میں بھی وہ سلطان شاہ کی بڑی بڑی باتیں برداشت کر لیتی تھی لیکن غزالہ کی موجودگی میں ڈان مرسیانو اور میلان کے حوالے سے وہ اپنی توہین برداشت نہیں کر سکی۔

اس نے اپنے ماضی کے بارے میں کھل کر ہر بات غزالہ کو بتائی ہوئی تھی جس میں ڈان مرسیانو کی دی ہوئی آوارہ مزاجی کی تربیت اور میلان کے امیر زادوں کی شب بیدار' رنگین محفلوں کے تذکرے بھی شامل تھے۔ ان میں سے ہر لفظ شرافت اور پاکیزگی کے دامن پر ایک بدنما داغ تھا۔

سلطان شاہ کو بھی ویرا کے غیر معمولی ردِّ عمل سے اندازہ ہو گیا کہ غزالہ کے سامنے وہ باتیں دہرا کر وہ غلطی کا مرتکب ہوا تھا۔ اس نے ویرا کو ترکی بہ ترکی کوئی جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔ کچھ دیر کے لیے ہم تینوں خاموش

بیٹھے رہے۔ اس خاموشی میں ویرا کا غصہ خود بخود تحلیل ہوتا چلا گیا۔

اس نے اپنے گلاس میں وہسکی اور پانی کی مقدار برابر رکھی تھی جس کے نتیجے میں گلاس کا تلخ اور تیز ہونا ناگزیر تھا۔ ویرا نے دو گھونٹ لیے پھر اسی گلاس میں مزید پانی ملا کر جھلملاتے ہوئے طلا رنگ محلول کو ہلکا کرلیا اور پھر سگریٹ سلگانے لگی۔

"میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی ہے۔" خاصی طویل خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے وہ گمبھیر سکوت توڑا۔

"کس کی بات کررہے ہو؟" ویرا نے سگریٹ کا کش لگا کر پرسکون آواز میں پوچھا۔ سلطان شاہ کی معاملہ فہمی نے شاید اسے بھی دل ہی دل میں نادم کردیا تھا کہ سلطان شاہ کی غلطی کے ردِ عمل میں وہ اس کے ساتھ زیادتی کی مرتکب ہوئی تھی۔

"امریکیوں کے علم میں آنا چاہیے کہ ہم بن ڈیوڈ کی کمین گاہ سے باخبر ہیں۔" سلطان شاہ نے اسے جواب دیا۔

"میں اس بارے میں ہر معقول تجویز کا خیر مقدم کروں گا۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"جلال سے فون نمبر لے کر تم نک یا ٹام سے براہِ راست بات کرو..." سلطان شاہ نے بولنا شروع کیا ہی تھا کہ ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"براہِ راست بات کرنے کا مطلب ہے کہ اپنی گردن پھنسوالو اور..."

"ذرا سلطان شاہ کو اپنی بات پوری کرلینے دو۔" میں نے ویرا کو درمیان میں ٹوکا "میرا خیال ہے کہ میں اس کی بات سمجھ رہا ہوں۔"

ویرا خاموش ہوگئی۔ سلطان شاہ نے اپنی بات جاری رکھی "تم کرنل داور کی حیثیت میں اس سے مل چکے ہو۔ اسے معلوم ہے کہ تم ایس ٹی ایف کے افسر ہو۔ ایس ٹی ایف ریکارڈ رکھنے والی فورس نہیں ہے۔ جلال کے برعکس تم اس سے بہت کچھ کہہ سکتے ہو۔ اسے بتاؤ کہ تم قونصل خانے میں بن ڈیوڈ کی روپوشی سے باخبر ہو۔"

"بہت معقول تجویز ہے۔" ویرا نے اسے سراہا "کبھی کبھی تمہاری کھوپڑی واقعی معجزے اگلنے لگتی ہے۔"

"اس بارے میں جلال کو اعتماد میں لینا ہوگا۔" غزالہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ وہ شروع سے ہماری گفتگو میں شریک نہیں رہی تھی لیکن سلطان شاہ کی تجویز سن کر پوری بات سمجھ گئی تھی۔

"یہ ضروری نہیں ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "وہ خود اس معاملے سے جزوی علیحدگی اختیار کر رہا ہے۔ ایک مرتبہ یہ تبدیلی عمل میں آجائے اور ایس ٹی ایف والے آئی بی کی ٹیم کی جگہ لے لیں تو پھر بن ڈیوڈ کو اس کے بل سے باہر نکالنے کے لیے ہمیں اپنی حکمتِ عملی اختیار کرنے کا حق مل جائے گا۔ جلال سے مشورہ لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنی ذمے داری کا کچھ نہ کچھ بوجھ اس کے کندھوں پر ڈال دیں۔ اس کا الگ رہنا سب سے بہتر رہے گا البتہ میں اول خان کو یہ بات ضرور بتادوں گا۔"

"اس کو بتانا ضروری ہے کیونکہ یہ فون ایس ٹی ایف کی طرف سے کیا جائے گا۔" ویرا نے میری تائید کی۔

غزالہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ گھر کی فضا میں اول خان کی بلند آہنگ آواز گونجی۔ وہ ہم لوگوں کو بلا رہا تھا۔

"تم دونوں کے مذاکرات بہت جلد ختم ہوگئے۔" میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"سوچ یکساں ہو تو زیادہ بحث و تمحیص کی گنجائش نہیں رہتی۔ ٹیم کی تبدیلی کا عمل تھوڑی دیر میں شروع ہوجائے گا۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں میرے آدمی اپنی جگہوں پر پہنچ جائیں گے اور آئی بی والے وہاں سے ہٹ جائیں گے۔" اول خان نے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے کہ صرف مذاکرات مکمل نہیں ہوئے، ان پر عمل درآمد کا مرحلہ بھی شروع ہوگیا۔" ویرا بولی۔

"ہم دونوں ہی آج کا کام کل پر چھوڑنے کے عادی نہیں ہیں۔" جلال نے کہا "دونوں راضی تھے۔ فون موجود تھا پھر دیر کیوں کی جاتی۔"

اس بندوبست میں جلال کی طرف سے عجلت ناقابلِ فہم نہیں تھی۔ جب تک بن ڈیوڈ کی تصویر کی تصدیق نہیں ہوئی تھی، بات دیگر تھی۔ بن ڈیوڈ کے آئی مین ثابت ہونے کے بعد صورتِ حال یکسر بدل گئی تھی۔ وہ پہلے ہی اپنی اس خواہش کا اظہار کرچکا تھا کہ وہ بن ڈیوڈ کا سراغ کھو دینے کا کوئی خطرہ مول لیے بغیر، جلد از جلد اپنے آدمیوں کی واپسی کا خواہاں تھا تاکہ شام کو اسلام آباد بھیجی جانے والی فیکس رپورٹ میں وہ قصہ ختم ہوجائے۔

"تم سے معاملات طے ہوگئے۔ اب مجھے کچھ اور کام نمٹانے ہیں۔" جلال نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا اور واپسی کے لیے اٹھ گیا۔

"قدرت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔" جلال کو رخصت کرنے کے بعد اول خان نے تشکر آمیز لہجے میں کہا "میں سوچ رہا تھا کہ اس بار میدان آئی بی والوں کے ہاتھ رہے گا۔ میری فورس تماشائیوں کی طرح کھڑی رہ جائے گی لیکن دیکھو کہ وہ خود آیا اور ذمے داری مجھے سونپ کر چلا گیا۔"

"آدمیوں کی تبدیلی کا کام ایک گھنٹے میں مکمل ہوگا تو مجھے بھی اسی وقت ٹام یا نک کو فون کرنا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"لیکن تم نے جلال سے ان دونوں کے فون نمبر نہیں لیے۔" ویرا نے اپنی دانست میں مجھے یاد دلایا۔

"میں نے دانستہ اس سے فون نمبر نہیں پوچھے۔ وہ مجھ سے سوال جواب کرتا اور بات کھل جاتی۔ وہ ان معاملات سے الگ تھلگ رہنا چاہ رہا ہے تو میں اسے کسی گند میں نہیں گھسیٹوں گا۔ ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی تو مناسب وقت آنے پر اسے سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔"

"ٹام، نک اور فون کا کیا معاملہ ہے؟" اول خان نے حیرانی سے پوچھا "کیا تم لوگ بھی الگ بیٹھ کر کوئی نئی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔"

"ان دونوں کے فون نمبر تو تمہارے پاس بھی ہوں گے۔" اپنا مدعا بتانے کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"دفتر سے مل جائیں گے۔" اس کا جواب سن کر میرا دل خوش ہوگیا "وہ دونوں یہاں اپنی ایجنسیوں کے باقاعدہ نمائندے ہیں اس لیے ان کے دفاتر اور گھروں کے نمبر میرے دفتری ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔"

"تم اسے کب فون کرو گے؟" اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"آٹھ بلکہ ساڑھے آٹھ بجے۔ اس وقت تک تمہاری تبدیلیاں مکمل ہوچکی ہوں گی۔" میں نے اپنی گھڑی دیکھ کر جواب دیا۔

"پھر میں چلتا ہوں۔" وہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھ گیا "ان تبدیلیوں کے دوران مجھے ان ہی اطراف میں موجود رہنا ہوگا تاکہ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ کام مکمل ہوتے ہی میں تمہیں فون کردوں گا۔ میری کلیرنس کے بعد تم کسی بھی وقت ان کو فون کرسکتے ہو۔"

"چلنے سے پہلے ان کے نمبر تو دیتے جاؤ۔" میں نے اسے یاد دلایا اور وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔

اپنے دفتر فون کرکے اس نے دونوں کے نمبر لیے تو ایک نیا انکشاف ہوا۔ ان دونوں کے دفاتر کے نمبر مختلف تھے لیکن

رہائشی نمبر ایک ہی تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دونوں ایک ساتھ رہتے تھے۔ یہ ایک اچھی بات تھی۔ ان دونوں کو الگ الگ دھمکانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ایک کو دیا ہوا پیغام بلا تاخیر دوسرے تک پہنچ سکتا تھا۔

اس کام سے نمٹ کر اول خان بھی ہم سے رخصت ہو گیا۔ اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں وہ دن اور رات کے کسی بھی وقت کی پروا کیے بغیر مستعدی کا مظاہرہ کرتا تھا۔ سستی اور کاہلی نام کی کوئی خصلت اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔

اول خان کی آواز پر ویرا اپنا آدھا گلاس کمرے میں چھوڑ آئی تھی۔ دروازے سے اسے رخصت کر کے وہ دوبارہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔ بعد میں، میں بھی اس کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ کھڑے کھڑے بے تابی سے ایک لمبا گھونٹ لے رہی تھی۔

"پینی ہی ہے تو بیٹھ کر آرام سے پیو۔ کوئی تم سے یہ گلاس چھین نہیں لے گا۔" میں نے اسے ہلکی سی سرزنش کی۔

"حیرت ہے کہ تم پرانے پاپی ہوتے ہوئے مجھے یہ مشورہ دے رہے ہو۔" اس نے گلاس اپنے یاقوتی لبوں سے الگ کرتے ہوئے، مسکرا کر کہا "یہ وہ شے ہے کہ سامنے ہو تو پھر صبر نہیں ہوتا۔ دل چاہتا ہے کہ ایک ہی گھونٹ میں پوری بوتل اپنے معدے میں انڈیل لی جائے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمہارے اور سلطان شاہ کے درمیان تلخی بڑھنے سے پہلے ختم ہو گئی۔" میں نے کرسی پر بیٹھ کر کہا۔

"وہ ہر وقت اول فول بکتا رہتا ہے۔ اس نے یہ خیال بھی نہیں کیا کہ غزالہ کمرے میں آچکی تھی۔"

"غزالہ کے آنے سے کیا فرق پڑ گیا۔ وہ غیر نہیں، ہم ہی میں سے ہے۔"

"یہ بات شاید تم نہیں سمجھ سکو گے۔ مجھے اس پر اچانک غصہ آ گیا تھا۔"

"ویسے تو میں بھی وہاں موجود تھا۔" میں نے ٹٹولنے والے پر تجسس لہجے میں پوچھا۔

"تمہاری اور بات ہے۔ تم کو میں اپنے آپ سے الگ نہیں سمجھتی۔ غزالہ ایک عورت ہے۔ میں اس کے سامنے اپنی سبکی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"اس کے لیے کوئی بات نئی نہیں تھی۔ تم اسے اپنی پوری کتھا خود سنا چکی ہو۔"

"مختصر مختصر"

- حیرت انگیز باتوں کے بارے میں ایک حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ نئی نسل کے لیے بالکل حیرت انگیز نہیں ہوتیں۔
- دنیا میں جو چیزیں ہمیں مشقت سے بچانے میں سب سے اہم کردار ادا کرتی ہیں وہ مسترد شدہ تجاویز ہیں۔
- پانچ سال پہلے میرا بہترین دوست میری بیوی کو بھگا کر لے گیا تھا۔ لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ میں نے اس کی حرکت کی وجہ سے ہی اسے اپنا بہترین دوست سمجھا تھا۔" (ایک امریکی کا مکالمہ)

"وہ فضا کچھ اور رہی ہو گی۔ اس وقت کی بات دوسری تھی۔" وہ پہلو بدل کر بولی "حرامی بچہ اپنا نام کچھ بھی رکھ لے، وہ حرامی ہی رہتا ہے لیکن کوئی اسے اس نام سے پکارے تو وہ اسے گالی سمجھ کر مرنے مارنے پر تل جاتا ہے۔"

اس نے اپنی بات واضح کرنے کے لیے اتنی کھلی مثال دی تھی کہ مجھے خاموش ہو جانا پڑا۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ آج رات ہم دونوں کہیں باہر جا سکیں؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس نے وہ سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔

"باہر جا کر تمہیں کیا مل جائے گا؟" میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"خلوت اور تنہائی جو اس گھر میں میرے اور تمہارے لیے نایاب ہے۔" اس نے ٹھنڈا سانس لے کر حسرت سے کہا "میں گوڈین کی احسان مند ہوں کہ اس کی وجہ سے تم نے میرے لیے اپنائیت کا ایسا اظہار کیا جسے سننے کے لیے میں ترسی ہوئی تھی۔" وہ وہسکی کے گلاس کو اپنی لمبی لمبی، مخروطی انگلیوں میں گھما رہی تھی اور اس کی نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "آج تک میں سمجھتی رہی کہ صرف میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ تمہارے دل میں

میرے لیے ہمدردی ضروری ہے لیکن اس سے زیادہ نرم کوئی گوشہ نہیں ہے۔ آج تم نے گوڈین کی آنکھیں پھوڑ ڈالنے کا عندیہ دے کر میرا دل خوش کردیا۔ میں تمہارے ساتھ باہر نکل کر اس خوشی کا جشن منانا چاہتی ہوں۔"

میں نے اس کی کسی خوش گمانی کی تردید نہیں کی۔ یہ ضرور کہا کہ اس رات ہم سب کا دستیاب رہنا ضروری تھا۔ بن ڈیوڈ کے بارے میں کسی بھی لمحے کہیں سے کوئی اطلاع آسکتی تھی۔ وہ عذر اتنا معقول تھا کہ ویرا کے لیے بحث کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور چمکتی ہوئی پرامید نگاہیں میرے چہرے پر گاڑدیں۔

"اس طرح کیا گھور رہی ہو۔ کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں۔" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"سچ سچ بتانا۔ کبھی غزالہ نے بھی تم سے میری شکایت کی ہے کہ میں تمہیں عجیب نظروں سے دیکھتی ہوں۔" ویرا نے ایک بے تکا سا سوال کردیا۔

"عورت کی بری نظریں دوسری عورت فوراً تاڑ جاتی ہے۔ ایک بار نہیں، غزالہ نے کئی بار یہ شکایت کی ہے کہ تم عجیب والہانہ نظروں سے میری طرف دیکھتی رہتی ہو۔ یہ میری محتاط روی کا نتیجہ ہے کہ بات صرف شکایتوں تک محدود ہے۔ کبھی اس سے آگے نہیں بڑھی ورنہ تم نے ہمارے درمیان فساد کا بیج بونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"

"یہ سب بے اختیار چیزیں ہوتی ہیں۔ مجھے اکثر ماضی کے وہ رنگین لمحات یاد آتے ہیں جب تم میرے قریب ہوتے تھے اور..." وہ جذباتی لہجے میں بولنے لگی مگر میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔

"ماضی کے ان فتنوں کو نہ کریدو۔ جو گزر گیا وہ اچھا وقت تھا۔ اب آج کے بارے میں سوچو۔ ماضی میں یہ بھی ہوا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور ہمارے درمیان کئی بار گولیوں کا تبادلہ بھی ہوا تھا۔"

ویرا کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اسکاچ کا ایک گلاس ختم کرکے اس نے دوسرا تیار کرلیا۔ وہ بلانوش تھی۔ نشے سے نہیں بہکتی تھی مگر اس وقت ماضی کو یاد کرکے بار بار بہک رہی تھی۔ اسی دوران میں سلطان شاہ وہاں آگیا۔

"کیا بات ہے؟ آج ویرا کے کمرے میں تمہارا خاصا دل لگ رہا ہے۔" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"اس کی تنہائی دور کررہا تھا۔ تم آگئے ہو تو اب میری چھٹی۔" یہ کہہ کر میں اٹھا اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ مجھے بے چینی سے اول خان کے فون کا انتظار تھا۔ میرا ذہن مسلسل عبداللہ ہارون روڈ پر واقع امریکن قونصلیٹ میں الجھا ہوا تھا۔ میری چشم تصور اس کے اردگرد آئی بی اور ایس ٹی ایف والوں کی بھاری نقل و حرکت دیکھ رہی تھی۔

آٹھ بجے اول خان کا فون آگیا "ساری کارروائی مکمل ہوگئی۔ چاروں راستوں پر میرے آدمی نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔" اس نے اطلاع دی۔

"دوسری ٹیم وہاں سے ہٹ چکی ہے؟" میں نے پوچھا "یا ابھی کچھ کنفیوژن ہے۔"

"سب کچھ بہت منظم طریقے سے ہوا ہے۔ میرے آدمی وائرلیس پر ان سے مسلسل رابطے میں تھے۔ ان کی گاڑیاں جاچکی ہیں۔"

اول خان سے مزید چند باتیں ہوئیں پھر میں نے کریڈل دبا کر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔ ریسیور ہاتھ سے چھوڑے بغیر میں چند ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھا رہا پھر میں نے ٹام اور نک کا رہائشی فون نمبر ملالیا۔ ان دنوں ہمارے فون سے منسلک سی ایس ڈی ہر وقت آن رہتی تھی۔

تیسری گھنٹی پر دوسری طرف سے ہیلو کی آواز آئی اور میں نے پہچان لیا کہ وہ ٹام تھا۔ ان دونوں کی آوازیں میرے ذہن میں اچھی طرح محفوظ ہوچکی تھیں۔

"کیا میں نک ہاروے سے بات کرسکتا ہوں۔" میں نے اپنی طرف سے شناسائی کے کسی اظہار کے بغیر کہا۔

"تم کون بول رہے ہو؟" اس بار ٹام کی آواز محتاط اور اشتباہ آمیز تھی۔

"میرا نام کرنل داور ہے۔" میں نے رواں انگریزی میں جواب دیا "وہ مجھے جانتا ہے۔"

اس نے بھی یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ ٹام تھا اور خود بھی میرے نام سے واقف تھا۔ اس نے مجھے ہولڈ کرنے کی ہدایت کی اور لائن پر سناٹا چھا گیا۔

چند ثانیوں بعد میرے کانوں میں نک کی مسرت آمیز آواز آئی "ہائے کرنل...! تم کیسے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ آج میں دوسری مرتبہ تمہاری آواز سن رہا ہوں۔ اس وقت تم نے میری پیشکش کا کورا جواب دے دیا تھا لیکن بعد میں تم نے اس پر غور کیا ہوگا۔ یہ تمہارے لیے بہت پرکشش موقع ثابت ہوگا۔"

اس احمق نے میرا نام سن کر یہ سمجھ لیا تھا کہ میں نے اس کی پیشکش پر مذاکرات کرنے کے لیے اسے فون کیا تھا۔

میں نے نرمی سے کہا "نک! میں تمہاری پیشکش اور عزت افزائی پر ایک مرتبہ پھر شکر گزار ہوں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ پیسہ میرے لیے بے وقعت ہے۔ مجھے اپنے ملک کے لیے کام کرکے سچی خوشی ہوتی ہے۔"

"ڈیئر! یہ سب جذباتی باتیں ہیں۔ پیسہ اس دور کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ سائنس کے کمالات نے دنیا کو اتنا سمیٹ دیا ہے کہ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون کہاں رہتا ہے۔ آج سب ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ ہم ایک عالمی گاؤں کے باشندے ہیں جس کے ایک حصے کا نام امریکا ہے اور دوسرے بازار کا نام جاپان ہے۔ یہ گاؤں ہم سب کا ہے۔ ملک اور وطن ماضی کے خواب تھے جو اب رفتہ رفتہ دفن ہوتے جارہے ہیں۔"

"اس بارے میں، میں تمہارا ہم خیال نہیں ہوں۔" میں نے رسانیت سے کہا "عالمی گاؤں کا نعرہ تمہارے ملک سے اٹھا ہے جو کافی بڑا اور سب سے زیادہ طاقت ور ملک ہے۔ شاید اس طرح تم وطنیت کا احساس مٹا کر اس گاؤں کی چوہدراہٹ حاصل کرنا چاہتے ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میرے ملک کو یہ اعزاز آج بھی حاصل ہے جسے چھیننے کی کوشش کرنے والے کمیونسٹوں کے خواب خاک میں مل چکے ہیں۔" اس کی آواز کی ساری گرمجوشی یک لخت کافور ہوگئی۔ اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا "تمہیں میرے گھر کا فون نمبر کہاں سے مل گیا۔"

"پاکستان میں ٹھہرے ہوئے مہمانوں کے بارے میں آگاہ رہنا میری ایجنسی کی ذمے داری ہے۔ تم اپنے ملک کے سرکاری آدمی ہو۔ ہمارے لیے تمہارے گھر اور دفتر کے کوائف سے آگاہ رہنا ضروری ہے۔"

"یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ یہاں غیر ملکی نمائندوں کی اتنی گہری جاسوسی کی جاتی ہوگی۔"

"اسے جاسوسی نہیں، باخبری کہتے ہیں۔ جاسوسی کے بارے میں، میں ابھی بات کرتا ہوں۔"

"تم نے اس وقت مجھے کیوں فون کیا ہے؟" اس بار نک کی آواز سے الجھن مترشح تھی۔

"کیا تم یہ گوارا کرلو گے کہ واشنگٹن میں کوئی غیر ملکی سفارت خانہ امریکی قانون کو مطلوب کسی مجرم کو پناہ دے؟" میں نے سوال کیا۔

"تم عجیب باتیں کررہے ہو۔ مقصد کیا ہے تمہارا؟"

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا مگر میں جانتا ہوں کہ کوئی حکومت اسے نظرانداز نہیں کرے گی۔ یہاں تمہارے قونصل خانے نے بن ڈیوڈ نامی ایک امریکی کو پناہ دی ہوئی ہے جو جیک اور تمہارے دو کمانڈوز کے قتل کے الزام میں ہمیں مطلوب ہے۔"

"یہی بات صبح تم نے گھما پھرا کر کہی تھی۔" اس کا لہجہ تلخ ہوگیا "اب پھر اسے دہرا رہے ہو۔ تم چاہتے کیا ہو؟"

"بن ڈیوڈ یا آئی مین کے سر پر سے اپنا ہاتھ اٹھالو۔ اسے ہمارے حوالے کردو یا کم از کم قونصل خانے سے باہر نکال دو۔" میں نے مطالبہ کیا۔

"شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ تم بے بنیاد الزام تراشی کررہے ہو۔ تمہارے پاس اپنے دعوے کا کیا ثبوت موجود ہے۔" اس کا لہجہ اشتعال آمیز ہوگیا۔

"ثبوت تمہیں نہیں، عالمی پریس کو دیا جائے گا۔" میں نے پراعتماد لہجے میں کہا "میرے پاس کم از کم دو ناقابلِ تردید ثبوت ہیں جنہیں کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔"

"کیسے ثبوت ہیں وہ؟" اس نے سوال کیا۔ میرے اعتماد نے اسے تذبذب میں ڈال دیا تھا۔

"وقت آنے پر تم کو پتا چل جائے گا۔" میں نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ان کی نوعیت کیا ہے۔ وہ تصویریں ہیں یا آوازوں سے بھرا ہوا کوئی کیسٹ ہے۔"

اس نے بہت بودا سوال کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوگیا تھا کہ بن ڈیوڈ کے بارے میں ہمارے اندازے سو فیصد درست تھے۔ میں نے اسے اس کی غلطی کا احساس دلانے کے بجائے سکون سے کہا "تم لاکھ سوالات کرلو، مجھ سے ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں اگلوا سکو گے۔"

"ثبوت ہیں تو تم ڈنکے کی چوٹ پر ہم سے اس کی واپسی کا باضابطہ مطالبہ کیوں نہیں کرتے۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ایس ٹی ایف ایک بے ضابطہ فورس ہے۔ ہم ضابطوں کے بکھیڑوں میں نہیں پڑتے۔ ان کے بغیر اپنا کام نکال لیتے ہیں۔"

"یہاں دوسری ایجنسیاں ہیں۔ تم اپنا مواد ان کے ذریعے ریکارڈ پر لاسکتے ہو۔" اس نے متبادل تجویز پیش کردی۔ اس کے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ اٹکی ہوئی تھی۔

"ہم اپنا سہرا دوسروں کے سر پر سجانے کے قائل نہیں ہیں۔"

"فالکن ہاؤس کے واقعات تم نے زبردستی پولیس کے سر منڈھ دیے۔ ہمیں اطلاعات ملی ہیں کہ پولیس وہاں کافی دیر بعد آئی تھی۔"

"شور کرسکتے ہو تو ضرور کرو۔ یہ بات بالکل غیر اہم ہے کہ وہاں کارروائی کرنے والے کون تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہارے محکمے کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر دو ایلیٹ کمانڈوز کے ساتھ وہاں مارا گیا' کیلی زخمی ہونے کے بعد پکڑی گئی اور بن ڈیوڈ بھاگ کر تمہاری پناہ میں پہنچ گیا۔"

"تم بہت زہریلے اور خطرناک آدمی ہو۔ اس وقت میرے سامنے ہوتے تو میں تمہارا منہ توڑ دیتا۔" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دانت پیس کر بول رہا تھا۔ اس کی بات جاری رہی "یہ سب نری بکواس ہے۔ تم مجھے ہراساں کر رہے ہو۔ تمہارے آدمیوں نے قونصل خانے کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ میں نام لے کر تمہاری شکایت کروں گا۔"

"تم کو یہ الہام کیسے ہو گیا کہ میری فورس نے قونصل خانے کا گھیراؤ کیا ہوا ہے۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

"عمارت پر لگے ہوئے خفیہ کیمروں نے ایسے افراد کی تصاویر لی ہیں جو صبح سے مسلسل وہیں موجود ہیں۔" وہ مجھے نیچا دکھانے کی روانی میں کہہ گیا۔

"یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔" میں نے اس کا کہا ہوا ایک فقرہ من و عن دہرا دیا "ہم کمانڈو ایکشن کرتے ہیں۔ ایسی صبر آزما کارروائیاں ہمارے کسی ایکشن پلان میں شامل نہیں ہیں۔"

"تم کو ان تصویری شہادتوں کے بارے میں جواب دینا پڑے گا تو تمہارے پسینے چھوٹ جائیں گے۔" اس نے مجھے دھمکی دی۔

میں نے اپنے ثبوتوں کی بات کر کے اس کو فریب دیا تھا مگر اس نے جوش میں آکر جو انکشاف کیا تھا وہ غلط نہیں ہو سکتا تھا۔ جلال کے آدمیوں نے اسی روز قونصل خانے کی نگرانی کا آغاز کیا تھا اور عمارت پر لگے ہوئے خود کار' خفیہ کیمروں کی گرفت میں آگئے تھے۔

"تم اپنی تصویروں کے ساتھ احتجاج کرو' ہم براہ راست پریس میں جائیں گے۔ نتیجہ خود تمہارے سامنے آجائے گا۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے اس وقت فون کر لیا۔" اس کی زہریلی آواز ابھری "مجھے تمہارے مذموم عزائم کا اندازہ ہو گیا ہے۔ یہ تصویریں تمہارے تابوت کی آخری کیل ثابت ہوں گی۔ پہلے تم اپنے سارے کارڈز کھیل لو۔ میں اس کے بعد اپنا ٹرمپ کارڈ کھیلوں گا۔ دیکھتا ہوں کہ تم پریس کے ذریعے کیا فرضی مواد سامنے لاتے ہو۔ ہم آسانی سے اس کا توڑ کر لیں گے۔"

"مگر تم بن ڈیوڈ کی سرپرستی کا سلسلہ ترک نہیں کرو گے۔" میں نے اسے مزید تاؤ دلانے کی کوشش کی۔

"اپنے دماغ سے یہ بات نکال دو۔" اس کی آواز بھیڑیے کی غراہٹ سے مشابہ ہو گئی "وہ قونصل خانے میں نہیں ہے۔ اسے شہر میں کہیں اور تلاش کرو۔"

"جلال نے کیلی کو تمہارے حوالے کر کے غلطی کی ہے۔ وہ مجھ سے بات کرتا تو میں اسے ہرگز یہ مشورہ نہیں دیتا۔ اسے چارہ بنا کر بن ڈیوڈ کو آسانی سے گھیرا جا سکتا تھا۔ میں اس سے کہوں گا کہ وہ کیلی کو دوبارہ اپنی تحویل میں لے لے..."

"یہ ناممکن ہے۔" اس نے میری بات درمیان سے اڑا دی "تم لوگوں نے اس نرم و نازک لڑکی پر بڑے ستم ڈھائے ہیں۔ اسے کسی چوپائے کی طرح بستر کے فریم سے باندھ کر رکھا گیا تھا۔ ہم اپنی ایک لڑکی ایسے وحشیوں کے حوالے نہیں کر سکتے جو تہذیب اور تمیز تک سے ناآشنا ہیں۔"

"وہ تمہاری ماں' بیوی یا بیٹی نہیں ہے نک!" میں نے طنز سے کہا "ایک بڑے مجرم کی داشتہ ہے۔ اپنے قیدیوں کی زبان کھلوانے کے لیے تم اس سے زیادہ بدسلوکیاں کرتے ہو۔ کئی کئی دن کے بھوکوں کے سامنے کھانا رکھتے ہو۔ وہ اس پر لپکتے ہیں تو پلیٹیں اٹھا لیتے ہو۔ پیاسے قیدی پانی مانگتے ہیں تو تمہارے ٹامی ان کے دہانوں پر پیشاب کی دھاریں مارتے ہیں۔ ہم نے کیلی کے ساتھ ایسا کوئی رویہ اختیار نہیں کیا۔ وہ تمہارے پاس جلال کی امانت ہے۔ تمہیں اس کو لوٹانا ہو گا۔"

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔" ریسیور پر اس کی آواز وحشیانہ دہاڑ سے مشابہ تھی۔ اس نے صبر و تحمل کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ اس سے فون پر ہونے والی لفظوں کی سرد جنگ بڑھ کر تصادم کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "جب تک کیلی کا زخم نہیں بھر جاتا وہ ہماری تحویل میں رہے گی۔ ہم اسے دوبارہ جانے بوجھے جہنم میں نہیں جھونکیں گے۔"

اس کا وہ جواب میرے لیے بہت پہلے سے متوقع تھا۔ میں نے اس کی نیت آزمانے کے لیے اس وقت دانستہ کیلی کا نام لے کر اسے چھیڑا تھا اور وہ کھل کر سامنے آگیا۔

"صبح تمہارے تیور بہت دوستانہ تھے۔ اس وقت تم بہت زیادہ بھڑکے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔ کیا میں تمہارے اس رویے کو دوستی کے خاتمے کا اعلان سمجھ لوں۔"

"تمہارے لیے میرے تیور کبھی دوستانہ نہیں تھے۔ تم سے لیری دھوکا کھا گیا تھا۔ اچھا ہوا کہ تم نے میری پیشکش رد کر دی۔ تمہیں ایف بی آئی میں لے جانے سے بہتر ہے کہ ہم

اپنے دفاتر میں کوئی زہریلا کوبرا پال لیں۔ تم بہت تنگ نظر اور متعصب آدمی ہو۔ تم جیسے لوگ ہی یہاں سرکاری صفوں میں چھپ کر ویرا اور ڈینی جیسے بدمعاشوں کی سرپرستی کرتے ہیں۔"

"تمہارا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ ویرا اور ڈینی کو یہاں کسی کی سرپرستی حاصل نہیں ہے۔ انہوں نے ہم کو تگنی کا ناچ نچایا ہوا ہے۔ تمہارے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تمہارے پاس جدید ترین وسائل کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ ہو سکے تو تلاش کر کے ان دونوں کو پکڑلو۔ کوئی تمہارا ہاتھ نہیں روکے گا۔"

"بن ڈیوڈ کے بارے میں میرا جواب بھی یہی ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے۔ تم خود اسے تلاش کرلو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ مجھے پریس میں جانا پڑے گا۔" میں نے اسے ایک مرتبہ پھر دھمکایا۔

"ضابطے کی کارروائیوں کو نظرانداز کر کے تم نے براہِ راست پریس سے رجوع کیا تو اس کا انجام بہت برا ہوگا۔"

اس کے جواب نے میرے اس اندازے کی تائید کردی کہ وہ پریس جیسے حسّاس اور موثر ہتھیار سے بہت زیادہ خائف تھا۔

"انجام کچھ بھی ہو' پوری دنیا کو تمہارے سفارت کاروں کا بھیانک چہرہ نظر آجائے گا۔" میں نے اسے اسی کمزور نکتے پر رگیدنا شروع کردیا۔

"میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ تم نے یہ حرکت کی تو ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوگا۔ دونوں ملکوں کے تعلقات بگڑ جائیں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری ایس ٹی ایف کو ایسی بے لگام آزادی کس نے دے دی ہے کہ تم ہر پروٹوکول کی دھجیاں اڑانے پر تل گئے ہو۔ یہ حرکت تمہیں ذاتی طور پر بھی بہت مہنگی پڑے گی۔"

"اخباروں میں میرا یا ایس ٹی ایف کا کوئی ذکر نہیں آئے گا۔" میں نے اس کی ابتر ہوتی ہوئی ذہنی کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "پوری خبر اخبار کے اپنے ذرائع سے منظرعام پر آئے گی۔ ہمارے ملک میں صحافت آزاد ہے۔ اخبار کو اپنی معلومات کا ذریعہ ظاہر کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکے گا۔"

"تم کسی دو ٹکے کے رپورٹر کو خریدو گے تو پھر ہم بھی تم پر اوچھے وار کریں گے۔ نگرانی کرنے والوں کو سرکاری دہشت گرد قرار دیں گے۔ تم بھول رہے ہو کہ سپرہائی وے کے اڈے پر تمہاری ایس ٹی ایف کا کیا حشر ہوا تھا۔ تم ہمارے سیٹیلائٹ نیٹ ورک سے زیادہ دور نہیں ہو۔ تمہارے ٹھکانوں کا سراغ لگا کر انہیں نیست و نابود کردیا جائے گا۔ تمہاری لاشوں پر کوئی رونے والا بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ تمہاری حکومت سرکاری سطح پر ایس ٹی ایف کے وجود سے انکاری ہے۔"

اس کی وہ ہولناک باتیں قرین قیاس تھیں۔ مجھے یاد تھا کہ بحیرۂ عرب میں لنگرانداز کسی امریکی طیارہ بردار جہاز سے اڑ کر آنے والے کمانڈوز نے اسٹیشن فور کو بمباری سے تباہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ سہراب گوٹھ سے آگے کا سنگلاخ ویرانہ ان کا قبرستان بن گیا تھا۔ اس مہیب امریکی حملے کے بعد سے ہی اسٹیشن فور عارضی طور پر ملیر چھاؤنی کے فوجی اور زیادہ محفوظ علاقے میں قائم تھا۔

میں جوں جوں اخبارات والی بات کو ہوا دے رہا تھا' نک کا غصہ بڑھتا جارہا تھا' اس کی دھمکیوں میں شدت آتی جارہی تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ مجھے ہر قیمت پر اخبارات سے رجوع کرنے سے روکنا چاہتا ہو۔ اس کی پہلے سے کہی ہوئی دو باتیں میرے ذہن میں تازہ ہونے لگیں۔

صبح کے اجلاس میں اس نے امریکا کے خلاف منفی اخباری اطلاعات کی غیر ضروری تشہیر کے بارے میں اپنی حکومت کی تشویش کا اظہار کیا تھا اور تھوڑی دیر پہلے یہ بھی کہہ ڈالا تھا کہ وہ خفیہ کیمروں کی لی ہوئی تصاویر کو ٹرمپ کارڈ کے طور پر استعمال کرے گا۔ میں نے اخبارات سے رجوع کیا تو وہ میری الزام تراشی کی سنگینی کو مدّنظر رکھتے ہوئے' بعد میں وہ تصاویر کسی موزوں کہانی کے ساتھ سامنے لائے گا۔ وہ ایک ڈھکی چھپی دھمکی یا پیشکش تھی۔ میں بن ڈیوڈ کے بارے میں خاموش رہتا اور وہ خفیہ کیمروں کی تصاویر دبائے رہتا۔

میرے پاس رکھا ہی کیا تھا۔ بن ڈیوڈ کے بارے میں صرف اندازے ہی اندازے تھے۔ ثبوت کے نام کی کوئی شے ہمارے پاس نہیں تھی۔ وہ ایک کھوکھلی دھمکی تھی جو مقدر کی یاوری سے کام کرگئی تھی۔ اس دھمکی سے خوف زدہ ہو کر نک نے بہت کچھ اگل دیا تھا۔ بظاہر بن ڈیوڈ کے اپنے بل سے باہر آنے کا کوئی امکان پیدا نہیں ہوا تھا لیکن مجھے قوی امید تھی کہ مجھ سے فون پر ہونے والی گفتگو کے بعد وہ لوگ اپنی سفارتی اور سیاسی ساکھ کو داؤ پر لگانے کے بجائے بن ڈیوڈ کو جلد از جلد کسی متبادل اور محفوظ مقام پر منتقل کرنے کی کوشش کریں گے۔

وہی میرا اصل مقصد تھا۔ ہم کھلے میدان میں رہ کر ان کا مقابلہ کررہے تھے تو بن ڈیوڈ کو بھی سفارتی چھتری کے سائے سے نکل کر میدان میں آنا چاہیے تھا۔ امریکیوں کے لیے

قابلِ غور نکتہ یہ تھا کہ وہ غیر معینہ موت تک بن ڈیوڈ کو تحفظ فراہم نہیں کرسکتے تھے۔ اس کا پاسپورٹ جلال کے قبضے میں تھا وہ اتنے کھلے حقائق تھے کہ بن ڈیوڈ کا نام بدل کر جعلی کاغذات پر پاکستان سے نکل جانا ناممکن تھا۔ وہ ایک چوہے دان میں پھنس کر خود کو محفوظ تصور کررہا تھا جس کے باہر بد نصیبی اس کی منتظر تھی۔

بن ڈیوڈ پس منظر میں چلا گیا تھا اس لیے وہ ان نزاکتوں سے بالکل بے خبر تھا۔ وہ وہی کچھ کرنے پر مجبور تھا جس کے بارے میں اس کے مربی اسے ہدایت دیتے۔ وہ لوگ باہر کی دنیا سے بھرپور رابطے میں تھے۔ میرا پیغام ان کے لیے چشم کشا ثابت ہونا چاہیے تھا۔ وہ ایسے لوگ تھے جو اپنے کسی بڑے فائدے کے لیے اپنے آدمیوں کو مروا دینے اور پھر انہیں قومی ہیرو کا درجہ دینے میں عار نہیں سمجھتے تھے۔ بن ڈیوڈ کو اپنے گلے میں پھنسی ہوئی ہڈی سمجھ کر انہیں اس کو اگل دینا چاہیے تھا۔

میں نے یک دم اپنی حکمتِ عملی بدل ڈالی اور فون پر نک سے کہا ”اس وقت تم غیر ضروری اور خوفناک باتیں کررہے ہو۔ میری اور تمہاری گفتگو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ تم ایس ٹی ایف کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو لیکن یہ ظلم ہے کہ تم ایک ذرا سی بات پر ایس ٹی ایف کے خلاف اپنے سارے وسائل کو متحرک کرنے کی دھمکی دے رہے ہو۔“

اس بار نک نے میرے لہجے میں سرسراتی ہوئی خوف کی لہر کو واضح طور پر پڑھ لیا اور توانا آواز میں بولا ”اخبارات میں امریکا کے خلاف بے سروپا اور گندہ پروپیگنڈا کرنا معمولی بات نہیں ہے۔ تم یہ حرکت کرکے دیکھو۔ پاکستان میں ایس ٹی ایف کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے گا۔“

اس نے اخبارات کا حوالہ دے کر ایک مرتبہ پھر میرے اندازے کی تائید کردی۔ وہ الزام تراشی سے خائف نہیں تھا، اس کی تشہیر سے خوف زدہ تھا۔ میں نے دھیمی اور شکست خوردہ آواز میں کہا ”تم نے بن ڈیوڈ کی بہت زیادہ بولی لگا دی ہے۔ ایس ٹی ایف اس کی یہ قیمت ادا نہیں کرسکتی۔ تمہارے خلاف ثبوتوں کی تشہیر کے بارے میں مجھے ایک بار پھر سوچنا ہوگا۔“

”تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔ اس لڑائی میں تمہیں خسارے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔“

”فی الحال میں کچھ نہیں کروں گا۔“ میں نے اسے یقین دلایا ”سوچ سمجھ کر ایک دو روز میں دوبارہ تم کو فون کروں گا۔“

”یہ اچھی بات ہے کہ تم خطرناک ہونے کے ساتھ ذہین بھی ہو۔ نوشتۂ دیوار آسانی سے پڑھ لیتے ہو۔ یہ یاد رکھنا کہ مجھے دھوکے میں رکھ کر تم نے پریس کا رخ کیا تو پھر وہی ہوگا جو میں بتا چکا ہوں۔ تمہاری تسلی کے لیے میں یہ بتادوں کہ جس طرح تم اپنے ملک میں آنے والے میزبانوں کے کوائف سے باخبر رہنا اپنا فرض سمجھتے ہو اسی طرح ہم کہیں جانے سے پہلے اپنے میزبانوں کے بارے میں مکمل آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ ایف بی آئی کے ریکارڈ کے مطابق پاکستان کے مختلف شہروں میں ایس ٹی ایف کے دس مراکز ہیں۔ گیارہواں تمہارا ہیڈ آفس ہے جو اسلام آباد میں کام کرتا ہے۔“

نک کے وہ الفاظ سن کر میرے پورے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ ایس ٹی ایف کے بارے میں امریکیوں کی خفیہ معلومات میری توقع سے کہیں زیادہ تھیں!

امریکیوں کی طاقت سے کون واقف نہیں ہے۔ ان کے جہاز طیارہ شکن توپوں کی پہنچ سے زیادہ بلندی پر ریڈار کی آنکھ سے پوشیدہ رہ کر پرواز کرسکتے ہیں۔ ان جہازوں سے گرائے جانے والے گائیڈڈ میزائل اور بم اپنے نشانوں پر بے خطا گرتے ہیں اور اپنی زد میں آنے والے ہر ذی نفس کو چاٹ جاتے ہیں۔ اپنی سائنسی ترقی کے طفیل وہ اپنے ہر ہدف پر تاک تاک کر نشانہ لگانے میں شہرت رکھتے ہیں۔ نک کے الفاظ نے مجھے پل بھر میں وہ سب یاد دلا دیا تھا۔

میں نے اپنی بدلی ہوئی حکمتِ عملی کے تحت کہا ”ہمارے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔ اب وہ ثبوت میرے پاس محفوظ رہیں گے۔ کبھی اخبارات تک نہیں پہنچ سکیں گے۔“

”اب تم راہِ راست پر آئے ہو۔ ستھری لڑائی لڑتے رہو۔ تم بن ڈیوڈ کو ڈھونڈتے رہو۔ ہم ویرا اور ڈینی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ شاید کہیں ہمارے راستے ایک دوسرے کو کاٹتے ہوں۔ کام ہوتا ہے تو تصادم ہوتے رہتے ہیں اور کئی کئی جانیں ان کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ یہ سب ستھرے کھیل کا حصہ ہوتا ہے۔ جب تک میں یہاں ہوں، ہم کو بلیک میل کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ اس کا انجام تمہارے حق میں بہت برا ہوگا۔“

”ہمارے درمیان ایک شریفانہ بات طے ہوگئی ہے۔ لڑائی جاری رہے گی مگر ابلاغِ عامہ کا محاذ خالی رہے گا۔ میں اسے یاد رکھوں گا۔“ میری آواز کھلی شکست کی غمازی کررہی تھی ”اب یہ نہ کہنا کہ تمہارے قونصل خانے کے گرد

منڈلانے والوں کو واپس بلالیا جائے۔“

”ان سے ہماری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ضرورت پیش آئی تو تم خود انہیں ہٹالو گے۔ کوئی بھی سورما بے آواز اور نادیدہ رائفلوں کے سامنے نہیں نکلتا۔ ان میں سے دو چار گریں گے تو باقی خود کونوں کھدروں میں گھس جائیں گے۔“ اس کی آواز میں غصے اور جھلاہٹ کی جگہ بلا کا متکبرانہ اعتماد سمٹ آیا تھا۔

”ٹھیک ہے نک! پھر کبھی بہتر حالات اور ماحول میں ملاقات ہوگی۔“ میں نے اس کا رسمی جواب سن کر فون بند کر دیا۔

”کیا بات ہے۔ اس نے کیا کہہ دیا۔ پچھلے کئی منٹ سے تمہاری پیشانی عرق آلود ہو رہی ہے۔“ ویرا نے گمبھیر سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔

بے اختیار میری داہنی کلائی اپنی پیشانی کی طرف اٹھ گئی۔ میں نے آستین سے صاف کر کے اپنا ہاتھ نیچے کیا تو آستین واقعی تر تھی۔

میں نے غور سے ویرا کی طرف دیکھا اور کوئی جواب دیے بغیر اول خان کا موبائل فون نمبر ملانے لگا۔

”اس سے میری بات ہوگئی ہے۔“ اول خان کے بے ساختہ سوال کے جواب میں میں نے کہا ”اس کی بعض باتوں نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔“

”خدا خیر کرے۔ تمہارے یہ الفاظ میرے لیے مایوس کن ہیں۔“

”ایس ٹی ایف کے بارے میں وہ لوگ ہر بات جانتے ہیں۔ وہ مجھے ہیڈ آفس اور دس مراکز کو تباہ کرنے کی دھمکی دے رہا تھا۔“

”اوہ... نو!“ اول خان کی بے ساختہ آواز اس کے دل کی دبی دبی چیخ جیسی تھی ”یہ کیسے ہو سکتا ہے!“

”ایس ٹی ایف پاکستانیوں کے لیے ایک پراسرار راز ہو سکتی ہے۔ امریکیوں سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔

”مجھے معلوم تھا کہ وہ بہت کچھ جانتے ہیں لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس حد تک جانتے ہوں گے۔ یہ ہم جیسے غریب ملکوں کی مجبوریاں ہیں کہ ہم اس کھلے آسمان کے نیچے رہتے ہیں جس کی وسعتوں میں امریکا کے مواصلاتی سیاروں کا راج ہے۔“ غم و غصے کی شدت سے اول خان کی آواز بھنچی بھنچی سی تھی ”اسے یہ سب کہنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔“

”میں بعد میں یہ سب بتادوں گا۔ اس وقت تمہیں یہ

معیار

جگو بدمعاش نے جنگل میں خفیہ بھٹی لگائی اور ٹھرا تیار کرنا شروع کیا۔ پہلی بار آزمائش کے طور پر اس نے ایک بوتل اپنے ایک جاننے والے دیہاتی کو بھیجی اور دوسرے روز اس سے رپورٹ مانگی ”کیسا تھا ہمارا ٹھرا؟“

”ٹھرا تو اچھا تھا...“ دیہاتی نے ہانپتے ہوئے جواب دیا ”بس اسے پیتے ہوئے مجھے ذرا کھانسی آئی تو میری مونچھوں میں آگ لگ گئی...“

معلوم ہونا چاہیے کہ قونصل خانے کی عمارت پر لگے ہوئے خفیہ کیمرے نگرانی کرنے والوں کی تصاویر بنا رہے ہیں۔ نک کو معلوم ہے کہ صبح سے نگرانی ہو رہی ہے۔ وہ لوگ رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر کسی بھی وقت بے آواز رائفلوں سے باڑ مار سکتے ہیں۔“

”میں اپنے آدمیوں کو محفوظ فاصلے تک دور ہٹالیتا ہوں۔“ اول خان کی آواز میں گھبراہٹ عود کر آئی ”ضرورت پڑنے پر وہ اپنی دوربینیں استعمال کرلیں گے۔“

”آدمیوں سے کہو کہ وہ منظم طریقے سے پیچھے ہٹنے کے بجائے یوں ظاہر کریں جیسے افراتفری میں وہاں سے واپس لوٹ رہے ہیں اور جگہیں بدل کر محفوظ فاصلے پر چلے جائیں۔“

”تم ان کو یہ تاثر دینا چاہتے ہو کہ خوف زدہ ہو کر نگرانی ختم کرا دی گئی ہے؟“ اول خان نے پوچھا۔

”یہ بہت ضروری ہے ورنہ ان کے کیمروں اور رائفلوں کو ہمارے آدمیوں کی تلاش رہے گی۔ میدان صاف دیکھے بغیر وہ بن ڈیوڈ کو وہاں سے نہیں نکالیں گے۔“

”اس سے تمہاری کیا بات ہوئی ہے؟“ اول خان نے پرتجسس لہجے میں سوال کیا۔

دیکھا جائے تو وہ سرے سے کوئی بات ہی نہیں تھی۔ میں نے ایک بے سروپا شوشا چھوڑ کر اسے اشتعال دلایا تھا اور وہ غصے میں بہت کچھ بکتا چلا گیا۔ جب بات قابو سے باہر ہوتی نظر آنے لگی تو میں نے مصنوعی خوف کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی بات واپس لے لی۔ اس دوران میں نک کی زبانی کئی حیران

کن باتیں سامنے آچکی تھیں۔ میں نے اول خان کو وہی خلاصہ بتا دیا اور اس نے ان لوگوں کے عزائم پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فون بند کردیا۔

غزالہ، ویرا اور سلطان شاہ نے میری اور اول خان کی گفتگو سے بہت کچھ سمجھ لیا تھا لیکن وہ تینوں میری زبان سے براہِ راست پوری کہانی سننے کے منتظر تھے۔ میں نے تفکر آمیز انداز میں انہیں اپنی اور نک کی گفتگو کا اعادہ سنا دیا۔

"وہ اپنے ملک کی بدنامی سے خوف زدہ ہے۔" غزالہ نے پوری بات سن کر کہا "اس کے رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بن ڈیوڈ کو قونصل خانے میں روکنے اور پناہ دینے کا فیصلہ اسی کا ہے اور اس فیصلے کے منفی نتائج کی ذمے داری سے بچنے کی کوشش کررہا ہے۔"

"فالکن ہاؤس پر خالد کی نشان دہی اور جلال کی مخبری کے بعد اچانک چھاپہ مارا گیا تھا۔ نک کو اس کا اندازہ نہیں تھا جو وہ بن ڈیوڈ کے بارے میں پہلے سے فیصلہ کرلیتا۔" ویرا نے اعتراض کیا۔

"ظاہر ہے کہ بن ڈیوڈ افراتفری کے عالم میں فرار ہوا تھا۔ وہ سیدھا قونصل خانے پہنچا ہوگا اور نک نے صورت حال جاننے کے بعد اسے وہیں رکنے کی ہدایت کی ہوگی۔" غزالہ بولی۔

"اسے معلوم ہے کہ ایس ٹی ایف آسانی سے پیچھے نہیں ہٹے گی۔" سلطان شاہ نے کہا "بن ڈیوڈ کی وہاں موجودگی کی وجہ سے کوئی ناخوشگوار واقعہ بھی پیش آسکتا ہے۔ وہ میدان صاف دیکھ کر بن ڈیوڈ کو جلد از جلد وہاں سے نکالنے کی کوشش کریں گے۔"

"میں ان کو یہ موقع دینا چاہتا ہوں اسی لیے میں نے اول خان کو اپنے آدمیوں کی واپسی کا ڈراما رچانے کے لیے کہا ہے۔" میں نے سلطان شاہ کی تائید کی۔

"ہوسکتا ہے کہ وہ آج رات ہی میں ایسی کوئی کوشش کریں۔" ویرا نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

اسی وقت میرے موبائل فون پر جلال کی کال آگئی۔ وہ مجھے آئی بی کے آدمیوں کی واپسی کی اطلاع دے رہا تھا۔

"مجھے اول خان سے یہ خبر مل گئی تھی۔ اس کے بعد نک سے میری طویل گفتگو ہوئی ہے۔" اس مرحلے پر اسے اس بات سے آگاہ کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

"نک سے... اس سے کیا بات ہوئی تمہاری؟" اس کی تحیرزدہ آواز ابھری۔

میں نے اسے پوری بات بتا دی۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا پھر بولا "میری روانگی تک تم نے اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔"

"مجھے بعد میں خیال آیا کہ ان دونوں میں سے کسی سے رابطہ سود مند ثابت ہوسکتا ہے۔ میں معذرت چاہتا ہوں کہ کیلی کے بارے میں مجھے تمہارے نام کا سہارا لینا پڑا۔"

"تم نے ضرورت کے تحت ایسا کیا ہوگا۔ تمہارا یہ اندیشہ بھی درست نکلا کہ وہ کیلی سے دستبردار نہیں ہوگا۔"

"میں نے اس بارے میں شاید تم سے کچھ نہیں کہا تھا۔" میں نے حیرت سے کہا۔ مجھے یاد تھا کہ میری وہ بات ویرا سے ہوئی تھی۔

"کہیں کوئی ذکر آیا تھا۔" اس نے سرسری لہجے میں کہا "شاید کسی اور نے تمہاری یہ رائے بتائی ہو۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ نک کو چھیڑ دیا۔ جمود ٹوٹا ہے ورنہ ہمیں ادھر کی کوئی خبر نہیں تھی۔"

"اس نے اقرار نہیں کیا کہ بن ڈیوڈ قونصل خانے میں پناہ گزین ہے مگر قرائن یہ بتا رہے ہیں کہ وہ وہیں ہے۔"

"وہ وہاں نہ ہوتا تو اسے اخبارات والی دھمکی پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ وہیں چھپا ہوا ہے۔ میرے لیے یہ بات تشویش ناک ہے کہ ایس ٹی ایف کے بارے میں وہ بہت زیادہ جان چکے ہیں۔ اپنی مصلحتوں کی وجہ سے وہ اس بارے میں زبان بند رکھے ہوئے ہیں۔" جلال نے کہا۔

"اس بارے میں ہم سب بے بس ہیں۔ یہ ان کی بالادستی ہے کہ وہ دنیا بھر میں ہونے والی بیشتر باتوں سے باخبر رہتے ہیں۔"

"خلائی مواصلات کا یہ استعمال نیا نہیں ہے لیکن اپنی حریف قوتوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ اس میدان کے بے تاج بادشاہ بن گئے ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں، اپنے خلائی کیمرے مرکوز کردیتے ہیں اور ہر بات کا ناقابلِ تردید ثبوت حاصل کرلیتے ہیں۔"

میرے لیے وہ بات نئی نہیں تھی۔ میں بہت پہلے، چوکنڈی کے قبرستان میں اس تجربے سے گزر چکا تھا جب میری زمینی لڑائی کا ایک ایک لمحہ خلائی آنکھوں سے دیکھا جارہا تھا۔ اس وقت قسمت نے میرا ساتھ دیا تھا کہ میں اس خون ریز مقابلے میں اپنے حریف پر غالب رہا تھا۔

"ہم ان کی ہر بات کا جواب دے سکتے ہیں لیکن ان کی اس استعداد کا مقابلہ کرنا ہمارے بس سے باہر ہے۔"

"میرے آدمیوں کے میدان سے ہٹتے ہی واقعات میں تیزی آگئی ہے۔ اب نک تمہارا جانی دشمن ہوگیا ہوگا۔"

جلال بولا۔

"ہمارے درمیان خاصی گرما گرمی اور تلخی ہوئی لیکن اس نے فون بند نہیں کیا..."

"کیسے کرتا؟ گفتگو کو طول دینا اس کے اپنے مفاد میں تھا۔" جلال نے میری بات کاٹ کر کہا "وہ تمہیں خوف زدہ کرکے تمہیں روکنا چاہ رہا تھا۔"

"میں یہی بتا رہا تھا۔ میں نے اسے مایوس نہیں کیا۔ آخر میں اس کا لب ولہجہ فاتحانہ ہوگیا تھا۔ اس کی دانست میں' میں اس کی دھمکیوں سے ڈر کر مفاہمت پر آمادہ ہوا تھا۔ اس انجام کے ساتھ ساری تلخی بھی ختم ہوگئی تھی۔ یہ بھی طے ہوگیا تھا کہ ہم بن ڈیوڈ کے خلاف اپنا کام جاری رکھیں گے۔" میں نے اسے بتایا۔

"اس بارے میں وہ تم پر کوئی قدغن لگاتا تو یہ بات کھل جاتی کہ وہ اس کی حمایت کررہا ہے۔ اس وقت مرکزی نکتہ یہی ہے کہ وہ اپنا دامن صاف رکھنا چاہ رہا ہے۔ فالکن ہاؤس میں جیک کی موت کی وجہ سے یہ معاملہ ان کے لیے بہت سنگین اور نازک ہوگیا ہے۔" جلال بولا "میرے لیے تشویش کی بات یہ ہے کہ انہوں نے میرے کچھ آدمیوں کی تصویریں محفوظ کرلی ہیں۔ یہ اچھا نہیں ہوا۔"

"اس وقت تم کہاں ہو؟ خاصی فرصت میں معلوم ہورہے ہو۔" میں نے پوچھا "ادھر کیوں نہیں آجاتے۔ دونوں کے دل کے بوجھ ہلکے ہوجائیں گے۔"

"بہت خشک اور بے فیض کام میں لگا ہوا ہوں۔ دھنی لال کی دھنائی کرکے واپس آیا ہوں۔ چاہو تو تم بھی صدف مینشن آجاؤ۔ شاید تمہارے قدموں کی برکت سے وہ ملعون بولنا شروع کردے۔ اس نے سختی سے اپنی زبان بند رکھی ہوئی ہے۔" جلال نے مجھے جوابی دعوت دی "یہاں کام کے ساتھ ساتھ باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔"

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ رات بھاری پڑنے والی تھی۔ اول خان کے آدمیوں کی طرف سے کسی بھی لمحے کوئی اہم پیغام آسکتا تھا۔ موبائل فون کی موجودگی میں میرے لیے گھر میں بندھ کر بیٹھنا ضروری نہیں تھا۔ میں ہر وقت اور ہر جگہ اول خان سے رابطے میں رہتا۔ میں نے ماؤتھ پیس میں کہا "میں کھانے کے بعد گھر سے نکلتا ہوں۔"

"اب تم کہاں جاؤ گے؟" فون بند ہوتے ہی ویرا نے شکی انداز میں سوال کیا۔

"صدف مینشن۔ وہاں مشتبہ قیدی میرے مبارک قدموں کا منتظر ہے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

غزالہ نے سن لیا تھا کہ مجھے کھانا کھانے کے بعد جانا تھا۔ وہ ویرا کو بازو سے تقریباً کھینچتی ہوئی' اپنے ساتھ کچن کی طرف لے گئی۔

○☆○

"تمہارے آنے کی وجہ سے قیدی کو لمبا آرام مل گیا ہے۔" جلال نے صدف مینشن میں میرا استقبال کرتے ہوئے کہا "تم آنے کا وعدہ نہ کرتے تو اس وقت میں اسی کے سر پر سوار ہوتا۔"

"تو اب دیر نہ کرو۔ آؤ اس کو دیکھتے ہیں۔" میں نے کھڑے کھڑے کہا۔

"اب اتنی بھی عجلت نہ کرو۔ ذرا سی دیر کے لیے بیٹھ جاؤ۔ تمہاری اور نک کی گفتگو نے میرے ذہن میں ایک بھونچال پیدا کیا ہوا ہے۔" اس نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا "اگر وہ لوگ سراغ رسانی کے معاملے میں اس حد تک آگے بڑھ چکے ہیں تو اس وقت روئے زمین پر ان سے زیادہ باخبر قوم کوئی نہیں ہے۔"

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنے دوستوں اور دشمنوں کی کسی بھی کارگزاری پر نظر رکھ سکتے ہیں۔ اول خان یہ جان کر بے ساختہ چیخ پڑا تھا کہ وہ پاکستان میں ایس ٹی ایف کے مراکز کی کل تعداد سے پوری طرح باخبر ہیں۔ یہ معلومات طویل اور بھرپور نگرانی کے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتی تھیں۔"

"یہ لوگ کینہ پرور ہیں۔ جس کے پیچھے پڑجاتے ہیں اس کا پاتال تک پیچھا کرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ایس ٹی ایف صرف خفیہ فورس ہی نہیں ہے' اس کے مراکز کی آسانی سے شناخت بھی ممکن نہیں ہے۔ یہ کھوج لگانے کے لیے صرف مواصلاتی سیارے کافی نہیں ہیں۔ وہ زمین سے فراہم کی جانے والی اطلاعات پر اور زمینی عملے کے اشاروں پر کام کرتے ہیں۔ ان کو حرکت میں لانے سے پہلے انہوں نے پورے ملک میں ایس ٹی ایف پر بھرپور طریقے سے کام کیا ہوگا۔" اس نے فکرمندی کے ساتھ کہا "حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمیں کانوں کان خبر نہیں ہوسکی۔"

"سرکاری طور پر انہیں ترجیحی دوست ملک کا درجہ حاصل ہے۔ ان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھائیں گے۔"

"پے در پے تجربات نے ثابت کردیا ہے کہ جب وہ کسی کے قانون کا پاس نہیں کرتے تو ان کے لیے اعتماد' عزت اور

وعدوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اپنے مفاد کے لیے وہ جب چاہتے ہیں، ہر مفہوم کو بدل ڈالتے ہیں۔ ان پر بھروسا کرنے والے بے موت مارے جاسکتے ہیں۔"

"اب ایسا بھی نہیں ہے۔ ان کو ہر وقت اور ہر جگہ اپنے جدید ترین وسائل دستیاب نہیں ہوتے۔ ایسا نہ ہوتا تو ہمیں ان کے خلاف کوئی کامیابی حاصل نہ ہوتی۔ ہم ان کے دوستوں میں بھی شامل ہیں اور ان سے ہماری درپردہ لڑائی بھی چلتی رہتی ہے۔"

"یہ بات میں بھی سمجھتا ہوں۔" وہ بولا "وسائل کو یکجا کرنے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ اچانک نازل ہونے والی افتاد کے سامنے وہ بے بس ہوتے ہیں۔"

"اس بارے میں ہمیں زیادہ سر نہیں کھپانا چاہیے۔ اس وقت جو معاملہ درپیش ہے اس پر اپنی پوری توجہ مرکوز رکھنی چاہیے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ سر جھٹک کر کھڑا ہوگیا "یہ ایک روگ ہے جو شاید کبھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس وقت ہمیں دھنی کو دیکھنا چاہیے۔"

وہ اوپری منزل پر پہلے کمرے میں بند کیا گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ چوپڑا بھی اس کے پڑوس میں پڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں باتیں کررہے ہوں گے مگر صدف مینشن کی فضا پر گہرے سکوت کا راج تھا۔ چوپڑا اور وہ دونوں خاموش تھے۔

"چوپڑا کو انجکشن دے کر کچھ دیر کے لیے بے ہوش کردیا گیا ہے۔" جلال نے چوبی زینے طے کرتے ہوئے بتایا "تھوڑی دیر بعد وہ ہوش میں آجائے گا۔"

"اسے دیکھ کر دھنی کا حوصلہ پست ہوسکتا ہے۔" میں نے کہا "ہوسکے تو دونوں کو یکجا کرکے ان کی تواضع کرنی چاہیے۔"

"اس کی بے ہوشی ختم ہونے والی ہے۔ اتنی دیر اسے دیکھ لیتے ہیں۔"

دھنی اپنے تنگ اور نیم روشن سیل میں فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے بھی چوپڑا کی طرح بیڑیوں اور ہتھکڑیوں میں باندھ کر رکھا گیا تھا۔ اس کا چہرہ سوجا ہوا تھا۔ کئی ضربات سے خون رس کر اس کے رخساروں پر پھیل گیا تھا جس کی وجہ سے اس کا چہرہ خاصا بھیانک نظر آرہا تھا۔

"تم پھر آگئے۔" وہ جلال کو دیکھتے ہی کراہا "میں تم کو بتاچکا ہوں کہ میرا کوئی ساتھی نہیں ہے، نہ میں نے کراچی میں کوئی دھماکا کیا ہے۔"

جلال نے بڑھ کر اس کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ اس کے حلق سے ایک بے ساختہ کراہٹ سی نکلی اور وہ اپنی جگہ پر ہل کر رہ گیا "میں نے تم سے پوچھا تھا کہ تم اپنے پرانے شہر اور گاؤں کا نام بتاؤ جہاں تم پیدا ہوئے تھے تاکہ یہ تصدیق ہوسکے کہ تمہارا نام دھنی ہے اور تم پاکستانی ہو۔"

"مجھے کچھ نہیں معلوم، میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھ سے جانوروں جیسا سلوک مت کرو۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

"تھوڑی دیر میں تمہیں سب کچھ یاد آنا شروع ہوجائے گا۔" میں نے اس کے کسرتی بدن اور تنگ پیشانی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا اور پھر یکایک جلال سے مخاطب ہوگیا "ذرا لوہے کی کوئی چیز منگوالو۔ میں ایک ایک کرکے اس کے سارے دانت توڑ ڈالوں گا۔"

"نہیں!" اس بار وہ حلق کے بل چیخ پڑا "تم ایسا نہیں کرسکتے۔"

"یہاں ہمیں روکنے والا کوئی نہیں ہے۔" میں نے بے رحمی سے کہا "یہاں آکر بے جان لاشیں بھی بولنے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔"

جلال نے باہر سے ایک وزنی اور زنگ خوردہ آہنی تالا لاکر مجھے تھمادیا۔ میں نے تالے کے کنڈے میں انگلی پھنسا کر اس کا وزن تولا اور پھر اسے زور سے اس کے بائیں جبڑے پر دے مارا۔ اسے مجھ سے اتنی پھرتی کی توقع نہیں تھی۔ وہ خود کو تالے کی ضرب سے نہیں بچاسکا۔ وہ سر کو زور زور سے جھٹکتے ہوئے چیخنے لگا تھا۔ اس کے کئی دانت ٹوٹنے کی کڑکڑاہٹ مجھے واضح طور پر سنائی دی تھی۔

"اس حرام زادے کے ہاتھ پیر کھول دو تاکہ یہ اپنے قدموں سے چل کر اپنے باپ کو دیکھ لے۔" میں نے جلال سے کہا۔ اس نے اپنی جیب سے چابیاں نکال کر اسے آزاد کردیا۔ ہاتھ کھلتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ تھام لیا اور پھر لہراتا ہوا اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔

ٹوٹے ہوئے دانتوں کو اس نے فرش پر تھوکا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا "میں بتارہا ہوں کہ میں سندھی ہوں۔ تم میری بات مان کیوں نہیں لیتے۔"

جلال نے اس کی پشت پر ایک زوردار لات رسید کی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ "باہر نکل اور برابر والے کمرے میں دیکھ کہ کون پڑا ہوا ہے۔" جلال غرایا۔

وہ کراہتا ہوا سنبھلا اور لڑکھڑاتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ میں اس سے پہلے سیل سے باہر جاچکا تھا۔ میں نے اس

کا گریبان پکڑ کر اسے چوپڑا والے سیل کی طرف دھکیل دیا۔ وہ دھکے کے زور میں منہ کے بل فرش پر گرتے گرتے بچا۔ سیدھا ہوتے ہی اس کی نظریں بے ہوش چوپڑا پر پڑیں اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔

"بدمعاش! عورتوں جیسی حرکتیں مت کر۔ ابھی تیرا باپ زندہ ہے۔ یہ آنکھیں کھولے گا تو تیرا نام ہی نہیں پورا شجرۂ نسب بتا دے گا۔" جلال نے اسے پھٹکارا۔

مجھے حیرت ہوئی کہ جلال کو وہ بات اتنی دیر سے کیوں یاد آئی۔ اگر چوپڑا کو بے ہوش نہ کیا جاتا تو وہ نئے قیدی کی صورت دیکھتے ہی بہت کچھ بتا سکتا تھا۔ مجھے بعد میں پتا چلا کہ چوپڑا کو نئے قیدی کی آمد سے پہلے خاموش کرنے کے لیے زبردستی بے ہوش کر دیا گیا تھا کیونکہ وہ بہت زیادہ غل غپاڑہ مچا رہا تھا۔ وہ کئی گھنٹے پہلے کی بات تھی اور انجکشن کے خواب آور اثرات کچھ دیر بعد زائل ہونے والے تھے۔

چند ثانیوں تک اپنا سر پیٹنے کے بعد دھنی نے کچھ دیر کے لیے توقف کیا۔ وہ خاموش کھڑا چوپڑا کا چہرہ تکتا رہا پھر اس نے یکایک اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کے منہ پر تابڑ توڑ مکے برسانے شروع کر دیے۔ میں نے جلال کی طرف دیکھا اور وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ ہمارے لیے وہ دونوں قیدی یکساں سلوک کے مستحق تھے۔ اگر ایک دوسرے کو مار رہا تھا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔

دھنی کی اس حرکت کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ پے در پے ضربات نے چوپڑا کے خفتہ حواس میں سرسراہٹ پیدا کر دی۔ پہلے اس کا بدن بندشوں میں کسمسایا پھر اس نے اپنی بوجھل آنکھیں کھول دیں۔ شاید اس کی بصارت دھندلائی ہوئی تھی۔ وہ آنکھیں کھول کر فوری طور پر دھنی کو نہیں پہچان سکا۔

دھنی نے اس کے داہنے جبڑے پر آخری زوردار مکا رسید کیا اور اس کے منہ پر تھوک کر اس کے سینے پر سے اتر گیا۔

"خبردار! جو تو نے کچھ کہا۔" دھنی ہانپتے ہوئے دہاڑا "خود ڈوبا ہے اب اپنے ساتھ سب کو لے ڈوبے گا۔"

"وجے! تو یہاں!" چوپڑا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔

"یہ نام اس کے دیے ہوئے چار ناموں میں شامل ہے۔" جلال نے فوری طور پر مجھے آگاہ کیا۔

"میرے وجود میں اطمینان کی لہر سرایت کر گئی۔ یہ خوشی کی بات تھی کہ ہم نے کسی بے گناہ کو تشدد کا نشانہ نہیں بنایا تھا۔

"چوپی! میں نے تجھے بہت مارا ہے۔" وجے بھرائی ہوئی جذباتی آواز میں چوپڑا سے کہہ رہا تھا "مجھے معلوم تھا کہ تو پکڑا گیا ہے۔ یہ بری خبر سننے کے بعد میں چھپ گیا مگر آج میری بدقسمتی نے مجھے گھیر لیا۔ میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں۔ تجھے اس حال میں دیکھ کر میرا دماغ الٹ گیا تھا۔"

"میرا پورا منہ دکھ رہا ہے۔" چوپڑا نے اپنی گردن جھٹکتے ہوئے کہا "اتنی بے دردی سے ان لوگوں نے بھی مجھے نہیں مارا۔"

"میں تجھ سے معافی مانگ رہا ہوں' کہہ رہا ہوں کہ میرا دماغ الٹ گیا تھا۔ تو میرا ہیرو تھا۔ تجھے زیرو بنا دیکھ کر میں اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکا۔"

ان لمحوں میں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دونوں ہماری موجودگی کو یکسر بھول گئے ہوں۔ وہ بے تکلفی سے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اس گفتگو کی روشنی میں نیا قیدی اپنے پرانے دعووں پر قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ میں نے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور سرد لہجے میں کہا "اب یاد آیا کہ تو کون ہے؟"

اس نے داہنے ہاتھ سے اپنا رخسار سہلاتے ہوئے سر جھکا لیا اور بولا "چوپڑا کی حالت بتا رہی ہے کہ تم لوگوں نے اس سے بہت کچھ معلوم کر لیا ہوگا۔ اب میں ضد نہیں کروں گا۔ میرا نام وجے ہے۔"

"تو را کا ایجنٹ ہے؟" میں نے وہیں کھڑے کھڑے اگلا سوال کیا۔ اس نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔ زبان سے کچھ نہیں بولا۔

"یہاں کب آیا تھا' تیرے ذمے کیا کام تھے؟" میں نے اپنے غصے پر قابو رکھتے ہوئے تحقیر آمیز انداز میں پوچھا۔

"دو مہینے پہلے آیا تھا۔ میرے کام وہی تھے جو یہاں سے بھارت جانے والے ایجنٹ کرتے ہیں۔" چوپڑا سے بات ہونے کے بعد اس کے تیور بالکل ڈھیلے پڑ گئے تھے لیکن وہ میرے ہر سوال کا مختصر جواب دے رہا تھا جو ایک سیکرٹ ایجنٹ کی تربیت کا بنیادی خاصا ہوتا ہے۔

"تیرے کاغذات وغیرہ کہاں ہیں' پاسپورٹ کہاں ہے؟"

"مجھے فوجیوں نے رات کے اندھیرے میں سرحد پار کرائی تھی۔ میرے کوئی کاغذات نہیں ہیں۔"

"کہاں رہ رہا تھا۔ تیرے تینوں ساتھی کہاں ہیں؟" مجھے اس کے مختصر جوابات پر غصہ آنے لگا تھا۔ اس کی اس حرکت

سے میرے ذہن پر سوالوں کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔
"میں بلو اسٹار ہوٹل میں تھا۔ دوسروں کے بارے میں مجھے علم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔"
"بکواس کرتا ہے۔" بے اختیار میرا ہاتھ چل گیا۔ تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ وہ لڑکھڑا کر چوپڑا پر جا پڑا۔
"یہ نہ بھولو کہ بھارت میں بھی تمہارے قیدی ہیں۔" اس نے اٹھ کر منہ سہلاتے ہوئے کہا "قیدیوں کے تبادلے میں کبھی نہ کبھی میری رہائی کی باری بھی آئے گی۔ میں واپس جا کر تمہارے قیدیوں سے اپنے سارے بدلے لے لوں گا۔ میں تمہارے سوالوں کے جواب دے رہا ہوں تو مجھ پر ہاتھ کیوں اٹھا رہے ہو۔"
"تم چاروں ایک دوسرے کے ساتھی ہو۔ دو روز پہلے ایک ہوٹل میں ایک ساتھ رہ رہے تھے۔ اب تو کہہ رہا ہے کہ تجھے نہیں پتا کہ انہیں زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔"
"میں سچ کہہ رہا ہوں چوپڑا کے پکڑے جانے کے بعد ہم کو اپنے لیے خطرہ نظر آنے لگا تھا۔ ہم الگ الگ ہو گئے۔ ایک دوسرے کا ٹھکانا اس لیے معلوم نہیں کیا کہ کہیں ایک کی وجہ سے چاروں نہ پھنس جائیں۔"
"اب یہ نہ کہنا کہ روپوشی کے بعد سے تم چاروں نے ایک دوسرے کی صورت نہیں دیکھی!" چوپڑا نے فرش پر پڑے پڑے ہانک لگائی "یہ لوگ بہت ظالم ہیں۔ مارتے ہیں پھر پچکار کر علاج معالجہ کرتے ہیں اور دوبارہ مارنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تیرا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں گے۔"
وجے نے بے چارگی سے میری طرف دیکھا اور میں نے برہمی سے کہا "چوپڑا صحیح کہہ رہا تھا۔ وہ تینوں کہاں ہیں؟"
"مجھے نہیں پتا کہ وہ کہاں ہیں مگر الگ ہونے سے پہلے ہم نے آپس میں طے کیا تھا کہ روز پانچ سے ساڑھے پانچ بجے تک فریئر ہال کے پارک میں آیا کریں گے۔ جس کو دوسروں سے دور رہنا ہو یا کسی وجہ سے نہ ملنا ہو، وہ وہاں نہ آئے۔ کل ہم چاروں وہاں ملے تھے۔ آج اس کی نوبت نہیں آئی۔"
"آج کے ایک دھماکے سے ذرا پہلے تجھے بھاگتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ دوسرا دھماکا کس نے کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔
"میرے ساتھ ترپاٹھی تھا۔" اس نے سہمی ہوئی مایوسانہ آواز میں بتایا "دوسرے ٹائم بم کی ذمے داری راجو اور سیٹھی کی تھی۔"
وجے، ترپاٹھی، راجو اور سیٹھی۔ چوپڑا نے وجے سے پہلے را کے بھارت سے آئے ہوئے چار ہندو ایجنٹوں کے یہی نام بتائے تھے۔ یہ شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ وجے جھوٹ بول رہا ہوگا۔ وہ اپنے مشن کی کامیابی کی خاطر اپنی جان پر کھیل جانے والوں میں سے نہیں تھا۔ اسے اپنی زندگی سے پیار تھا جسے وہ ہر قیمت پر بچانا چاہتا تھا۔
"آؤ!" جلال بے پروائی سے واپسی کے لیے مڑ گیا "نیچے چلتے ہیں۔"
"یہ سانڈ یوں ہی کھلا پھرتا رہے گا۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"یہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کوئی گارڈ اسے باندھ دے گا۔ یہ یہاں خود کو زخمی کر کے صرف خودکشی کر سکتا ہے، ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"
جلال اس عمارت کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لیا۔
"تم اگر جانا چاہو تو اب جا سکتے ہو۔" سیڑھیاں اترنے کے بعد جلال نے رک کر کہا "میں کچھ دیر کے لیے یہاں رکوں گا۔"
"تم یہاں رک کر کیا کرو گے۔ ایک ساتھ چلتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اول خان کا کوئی پیغام آ جائے۔"
"مجھے ضابطے کی کچھ کارروائی کرنی ہے۔ ابھی تک وجے کی گرفتاری کہیں بھی ریکارڈ نہیں ہوئی ہے۔ اس نے اپنی زبان کھول دی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ نالے کی مار اور دانت ٹوٹنے کا کمال تھا۔ اب اس کا ابتدائی بیان ریکارڈ کرنا بھی ضروری ہو گیا ہے۔" اس نے ایک سانس میں اپنی کئی مجبوریاں گنوا دیں۔
میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور صدف مینشن سے باہر نکل آیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وجے کی گرفتاری اور بیان کو ریکارڈ پر لا کر وہ اگلے دن فریئر ہال سے را کے بقیہ تین ایجنٹوں کو پکڑنے کی کارروائی کی داغ بیل ڈالنا چاہ رہا تھا۔ شہر کو مزید کسی خوں ریز دہشت گردی سے بچانے کے لیے وہ کارروائی بہت ضروری تھی۔
صدف مینشن سے نکلتے ہی میرے ذہن پر اول خان کی فکر سوار ہو گئی۔ امریکی قونصل خانے کی نگرانی کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے میرے ذہن میں دور دور تک کوئی خطرناک امکان موجود نہیں تھا لیکن نک سے بات ہونے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ لوگ آئی بی والوں کو ہٹا کر خود موت کے دہانے پر جا بیٹھے ہوں۔
میں نے اول خان کو فوری طور پر متوقع خطرات سے آگاہ کر دیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ حالات پر پوری طرح قابو پا لینے کے بعد وہ اولین فرصت میں مجھ سے بات کرے گا مگر

کئی گھنٹے گزر جانے کے باوجود اس کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا تھا۔ جس سے مجھے تشویش ہو رہی تھی۔ میں اپنی طرف سے اسے فون نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کس سچویشن میں پھنسا ہوا تھا۔ میری فون کال اس کی کسی اہم مصروفیت میں خلل انداز ہو سکتی تھی۔ میں اپنی طرف سے اس کے لیے کوئی مشکل نہیں کھڑی کرنا چاہتا تھا۔

میں گھر پہنچا تو گیارہ بج رہے تھے۔ میں نے جاتے ہی اول خان کے کسی پیغام کے بارے میں دریافت کیا اور مایوسی ہوئی۔ اس نے مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔

"آج کا پورا دن کسی خاص پیش رفت کے بغیر گزر گیا۔" میری روداد سننے کے بعد غزالہ نے ہمدردی سے کہا "آپ تھک کر چور ہو گئے ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم نے آج بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ نک اور ٹام سے ملاقات ہوئی پھر نک سے فون پر بات ہوئی جس کے نتیجے میں وہ لوگ کھل کر سامنے آ چکے ہیں۔ کیلی کا بیان' بن ڈیوڈ کے پاسپورٹ کا حصول' وجے کی گرفتاری۔ میں تمہیں اور کیا کیا گنواؤں۔ میرا خیال ہے کہ یہ ایک دن کے لیے غیر معمولی کارکردگی ہے۔ بھاگ دوڑ کے صحیح نتائج حاصل ہوتے ہیں تو تھکن کا احساس نہیں ہوتا۔ ناکامیوں کی صورت میں تھوڑی سی جدوجہد بھی بری طرح تھکا دیتی ہے۔"

"تھکے تم اور نیند ویرا کو آ رہی ہے۔" سلطان شاہ بولا "نو بجے کے بعد سے وہ گدھے گھوڑے بیچ کر سوئی ہوئی ہے۔"

"اوہ... تب ہی گھر میں سکون کی فضا پائی جا رہی ہے۔" میں نے سلطان شاہ کی دی ہوئی وہ اطلاع مذاق میں ٹال دی۔

ویرا نے سرِ شام سے جس انداز میں مے نوشی کا آغاز کیا تھا اس کے نتیجے میں اسے کھانا کھاتے ہی مدہوش ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ زیادہ پی کر بہکتی نہیں پھرتی تھی۔ سکون اور وقار کے ساتھ اپنے کمرے میں بند ہو کر خاموشی سے سو جاتی تھی۔ میرے لیے وہ اطلاع غیر متوقع نہیں تھی۔

ایک بجے تک ہم ڈرائنگ روم میں ٹیلی وژن کے سامنے بیٹھے کارڈز کھیلتے اور چائے پیتے رہے۔ غزالہ کے اناڑی پن اور سلطان شاہ کی بے ایمانیوں نے کھیل میں جان ڈالی ہوئی تھی۔ تھوڑا بہت شور بھی ہو رہا تھا لیکن ویرا کا کمرا مکمل سکوت میں ڈوبا ہوا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ وہ صبح کی خبر ہی لائے گی۔

ایک بجے سلطان شاہ کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے تیرنے لگے۔ اس نے اپنے کارڈز تپائی پر پھینکے اور خواب گاہ میں جانے کے ارادے سے اٹھ گیا۔

اس کے کمرے میں چلے جانے کے بعد ہم دونوں کا ڈرائنگ روم میں بیٹھے رہنا ضروری نہیں تھا۔ ہم نے اپنی خواب گاہ میں آ کر کپڑے تبدیل کیے اور بستر پر دراز ہو گئے۔ بستر پر غزالہ کے بدن کے نرم اور حیات آفریں لمس کے نتیجے میں میرے ذہن سے ہر فکر دور ہوتی چلی گئی۔

ڈیڑھ بجے میرے سرہانے رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی اور میں نے غزالہ کو بھول کر تیزی سے ریسیور اٹھا لیا۔

"تم کہاں غائب ہو؟ تم نے مجھے فکر اور تشویش میں ڈال دیا ہے۔" ریسیور پر اول خان کی آواز سنتے ہی میں نے سوال داغ دیا۔

"تم نے بہت بروقت فون کیا تھا۔ یہاں کے حالات واقعی مخدوش ہیں۔ میرے آدمیوں نے تمہاری ہدایت کے مطابق تیزی سے واپسی کا ڈراما کیا۔ نو بجے تک ہم سب اپنی نئی جگہیں سنبھال چکے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے حساس اور خودکار کیمرے بھی ہم میں سے کسی کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکیں گے...."

"میں پوچھ رہا ہوں کہ تم کہاں غائب تھے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر بے چینی سے پوچھا "اس دوران میں تم ایک مختصر سی کال تو کر سکتے تھے۔"

"میں وہی بتا رہا تھا۔ دس بجے میں اپنے آدمیوں کی چاروں پوزیشنوں کا جائزہ لے کر فارغ ہوا تو تمہیں فون کرنے کے ارادے سے موبائل نکالا۔ اس کی بیٹری ڈاؤن تھی۔ ابھی ابھی بیٹری دوبارہ چارج ہو کر آئی ہے تو میں تم سے بات کر رہا ہوں۔ یہاں آزادانہ نقل و حرکت خطرناک ہے۔ آس پاس کوئی پبلک کال آفس بھی نہیں ہے۔"

"تمہیں خطرے کا ادراک کیسے ہو گیا؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"قونصل خانے کی چھت کی اونچی دیوار کے پیچھے مسلح گارڈ موجود ہیں۔ گیارہ بجے میں نے وہاں سے فریڈ ہال کی سمت میں ایک بے آواز شعلہ تیرتا دیکھا تھا۔ میرا تجربہ بتا رہا تھا کہ وہ کسی بے آواز رائفل کا فائر تھا۔ فائر کے ساتھ کوئی چیخ وغیرہ نہیں سنائی دی۔ اس سے کوئی نقصان سامنے نہیں آیا۔ قونصل خانے کی عمارت اس وقت گہری تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس کے سب دروازے بند ہیں۔"

"وہ فائر چھپے ہوئے دشمنوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے کیا گیا ہوگا۔" میں نے سنسنی کے احساس کے ساتھ کہا "نک

نے صاف کہہ دیا تھا کہ ان کے گارڈ دو چار آدمیوں کو گولی ماریں گے تو نگرانی کرنے والوں کی ساری بھیڑ راہِ فرار اختیار کرلے گی۔ اس وقت کوئی ان کے سامنے نہیں ہے اس لیے وہ بے ضرر فائرنگ بھی کرسکتے ہیں۔"

"وہ نگرانی کرنے والوں .... دیکھو ابھی ابھی وہیں سے دو بے آواز شعلے فضا میں تیرتے ہوئے خالی سڑک کی دونوں سمتوں میں گئے ہیں۔" کوئی بات کرتے کرتے اس نے اچانک ادھوری چھوڑ دی اور ہیجان زدہ آواز میں مجھے اپنے تازہ مشاہدے سے آگاہ کرنے لگا" ابھی تک فضا میں کوئی جوابی چیخ نہیں سنائی دی۔ بے آواز فائروں کا مقصد اگر کسی کو دہشت زدہ کرنا ہے تو وہ بہت مشاقی سے گولیاں چلا رہے ہیں۔ اس گنجان علاقے میں اس وقت بھی سناٹا ہے۔ نشانہ کچا ہو تو بھٹکی ہوئی گولی اتفاق سے کسی کو ہلاک یا زخمی بھی کرسکتی ہے۔"

"اول خان! تمہارا ذہن شاید تھک گیا ہے۔ یہ گولیاں صرف اور صرف تم لوگوں کو بھگانے کے لیے چلائی جارہی ہیں۔ جہاں ہو، وہیں دبکے رہو۔ ان کی نگاہوں میں آئے تو مارے جاؤ گے۔"

"میں پوچھ رہا تھا کہ ان کے ہاتھ صاف ہیں تو یہ نگرانی کرنے والوں سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہیں۔"

"آنکھیں کھلی رکھو۔ شاید وہ آج بن ڈیوڈ کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کریں۔" میں نے کہا "وہ عمارت میں نے کبھی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی نہیں دیکھی۔"

"جب سے میرے آدمیوں نے یہاں کا چارج سنبھالا ہے کئی عام گاڑیاں اندر آئی اور گئی ہیں۔ ان میں سے کسی میں وہ نہیں تھا۔"

"وہ اسے لے جانے کے لیے عام گاڑی استعمال نہیں کریں گے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "وہ کسی بھی گاڑی کے پائیدان میں لیٹ کر وہاں سے نکل سکتا ہے لیکن وہ یہ خطرہ نہیں مول لیں گے۔ عام گاڑیوں کو گولیوں سے چھلنی کیا جاسکتا ہے۔ تم بلٹ پروف یا ایسی ہی ساخت کی کسی گاڑی کے نکلنے کا انتظار کرو۔ وہ نظر آئے تو بہت احتیاط اور خاموشی سے اس کا پیچھا کرو۔ ہمیں ان کی نظروں میں آئے بغیر یہ جاننا ہے کہ ایسی مشتبہ گاڑی قونصل خانے سے نکل کر کہاں جاتی ہے۔"

"ہم کسی مقابلے کے لیے بھی تیار ہیں لیکن تمہاری ہدایت پر عمل کیا جائے گا۔ ہم حتی الامکان کسی تصادم سے گریز کریں گے۔"

"میں آج رات تمہاری کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔ اب تم اپنے کام پر دھیان دو۔ مجھے امید ہے تمہارے موبائل کی بیٹری رات بھر چلتی رہے گی۔"

"بیٹری کی فکر نہ کرو۔ یہ کم از کم بارہ گھنٹے ضرور نکال لے گی۔" اول خان نے اس یقین دہانی کے ساتھ فون بند کردیا۔

قونصل خانے کی عمارت تاریک تھی اور اس کی چھت پر چھپے ہوئے نشانے باز وقفے وقفے سے بے مقصد چاند ماری کررہے تھے۔ وہ آثار بتا رہے تھے کہ میرے فون نے نک کے ذریعے قونصل خانے کے ذمے داروں کو خاصا ہراساں کردیا تھا۔ وہ عجلت میں بن ڈیوڈ کو اس عمارت سے نکالنے کی تیاریاں کرچکے تھے۔

"مجھے حیرت ہورہی ہے کہ آج آپ نے اول خان کو اکیلا چھوڑ دیا اور خود یہاں آرام کررہے ہیں۔" غزالہ میرے کان کے نیچے منمنائی۔

"میں سوچ رہا تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کو مامور کرکے لوٹ آئے گا مگر وہاں کے حالات پیچیدہ ہیں۔ نکاس کے چاروں راستوں کی نگرانی کی جارہی ہے۔ چاروں ٹیموں کے درمیان ہم آہنگی کے لیے کسی مرکزی کمان کی موجودگی ضروری ہے۔ اول خان نے وہ کمان خود سنبھالی ہے۔ اگر وہاں آج رات کچھ ہونے والا ہے تو اس کا وہاں موجود رہنا بہتر ہے۔"

"نگرانی دن رات ہوتی رہے گی۔ معاملہ طول پکڑ گیا تو وہ کب تک وہاں بیٹھا رہے گا۔" غزالہ نے میرے قریب سرک کر پوچھا۔

"وہ کوئی نہ کوئی متبادل بندوبست کرے گا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ آج کچھ نہ کچھ ہوکر رہے گا۔"

"کیا وہ کیلی کو بھی اس کے ساتھ لے جائیں گے؟" غزالہ میرے کان کی لو سے کھیلتے ہوئے بولی۔

"کیلی کو باضابطہ طور پر ان کے حوالے کیا گیا ہے۔ اس کی وہاں موجودگی سے انہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ زخمی بھی ہے۔ بن ڈیوڈ اپنی کھال بچانے کے چکر میں اس کی دیکھ بھال نہیں کرسکتا۔ اسے وہ روکیں گے۔ ایک آدھ روز میں وہ اس کے پاسپورٹ کی واپسی کا مطالبہ بھی کرسکتے ہیں تاکہ سفر کے قابل ہوتے ہی اسے واپس بھیج دیا جائے۔"

"آپ کی باتوں سے ظاہر ہورہا ہے کہ بن ڈیوڈ کو کسی محفوظ مقام پر منتقل کرنے کے بعد وہ اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے۔"

"وہ اب کھل کر سامنے نہیں آئیں گے۔ پس پردہ رہ کر اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ یہ بن ڈیوڈ کی

بدقسمتی ہے کہ وہ جیک کے قتل میں بری طرح ملوث ہوا ہے۔ کیلی کی رنگے ہاتھوں گرفتاری اور اعتراف کے بعد کوئی بن ڈیوڈ کی بے گناہی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔"

"وہ کہہ سکتے ہیں کہ ملزم اور مقتول' دونوں امریکی ہیں۔ وہ بن ڈیوڈ کو امریکا لے جا کر مقدمہ چلائیں گے۔"

"جرم پاکستان کی سرزمین پر ہوا ہے' مقدمہ یہیں چلے گا۔ یہی واقعہ امریکا میں ہوا ہوتا اور بن ڈیوڈ یہاں آکر ہمارے ہتھے چڑھ جاتا تب وہ اپنے ملزم یا مجرم کی واپسی کا مطالبہ کر سکتے تھے۔"

"اب بات واضح ہوگئی۔ میں آج تک یہ سمجھ ہی نہیں سکی تھی کہ مجرموں کی واپسی کا مطالبہ کس بنیاد پر کیا جاتا ہے۔" وہ مترنم آواز میں ہنستے ہوئے بولی "میں سمجھتی تھی کہ جرم کہیں بھی ہوا ہو' اس پر مقدمہ اسی ملک میں چلایا جاتا ہے جہاں کا وہ شہری ہو۔"

"بین الاقوامی قانون وہی ہے جو میں نے ابھی بتایا ہے۔ یہ ملکوں کی مفاہمت پر منحصر ہے کہ خیر سگالی کے طور پر کسی بھی مجرم کو دوست ملک کے حوالے کر دیا جائے۔" میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا "میرے برابر میں لیٹ کر مجھ سے قانون سیکھنے کی کوشش نہ کرو۔ اس میدان میں' میں خود مبتدی ہوں۔ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرو تاکہ مجھے سکون مل سکے۔"

وہ سعادت مند بیوی تھی۔ اس کی گداز مخروطی انگلیاں اسی لمحے میرے کاسۂ سر کو گدگدانے لگیں۔

پہلے میں اول خان کے فون کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔ اس کا فون آیا تو میری نیند اڑ گئی۔

ڈھائی بجے اس کا دوسرا فون آیا۔ اس نے ہیجان زدہ اور دھیمی آواز میں بتایا کہ قونصل خانے کے بغلی گیٹ سے چھوٹی جیپ کے سائز کی ایک بکتر بند گاڑی رینگتی ہوئی باہر آئی تھی۔ اس نے اپنے ایک آدمی کے ساتھ اس گاڑی کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میرے لیے اول خان کے اس حوصلہ مندانہ فیصلے سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

وہ خبر بہت اہم تھی۔ میرا دورانِ خون یک بیک تیز ہوگیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو غزالہ معصومیت سے آنکھیں بند کیے گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے آہستگی سے بستر چھوڑا اور ایک گوشے میں جا کر اپنے لیے سگریٹ سلگائی۔ آخر کار وہ لمحات آہی گئے تھے جن کے بارے میں میرا دل گواہی دے رہا تھا۔

اول خان سابق فوجی افسر تھا۔ وہ جیپ اور بکتر بند گاڑی

مجبوری

فلم کی ریلیز سے پہلے ہی اس کی اتنی شہرت ہو چکی تھی کہ مہینوں پہلے کی ایڈوانس بکنگ چل رہی تھی۔ فلم لگی تو پہلے شو میں ایک پچھلی قطار میں دو خواتین بیٹھی تھیں مگر ان کے درمیان سیٹ خالی تھی۔ انٹرول میں ایک خاتون نے بات چیت شروع کرتے ہوئے دوسری خاتون سے کہا "میں نے یہ فلم دیکھنے کے لیے آٹھ مہینے پہلے بکنگ کرائی تھی۔"

دوسری خاتون بولیں "عجیب اتفاق ہے.... میں نے بھی آٹھ مہینے پہلے بکنگ کرائی تھی۔"

پہلی خاتون بیچ کی خالی سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں "لیکن نہ جانے یہ کون بدنصیب تھا جو بکنگ کرانے کے باوجود فلم دیکھنے نہیں آسکا؟"

"یہ سیٹ بھی میری ہے" دوسری خاتون نے غم زدہ لہجے میں کہا "دوسرا ٹکٹ میں نے اپنے شوہر کے لیے لیا تھا لیکن اس دوران میں ان کا انتقال ہو گیا۔"

"اوہ... بڑا افسوس ہوا سن کر" پہلی خاتون نے ہمدردی سے کہا "لیکن آپ اپنی کسی دوست یا رشتے دار کو ساتھ لا سکتی تھیں۔"

"خیال تو مجھے بھی آیا تھا" دوسری خاتون نے تاسف سے کہا "لیکن کسی کو بھی لانا مشکل تھا۔ وہ سب تو میرے شوہر کے جنازے میں شرکت کے لیے گئے ہوئے ہیں۔"

کی شناخت میں غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ بکتر بند گاڑی تھی تو اس میں بن ڈیوڈ کی موجودگی قرین قیاس تھی۔

میں کمرے کے فرشی قالین پر ننگے پاؤں ٹہلتا اور یہ سوچتا رہا کہ اس بکتر بند گاڑی نے شہر کے کس حصے کا رخ

کیا ہوگا۔ میری دانست میں ان لوگوں کے لیے ڈیفنس اور کلفٹن کے رہائشی علاقے ان کے مقاصد کے لیے موزوں ترین تھے۔ اس سے پہلے بن ڈیوڈ ڈیفنس کے بی باون بنگلے میں اور پھر کلفٹن کے فالکن ہاؤس میں رہ چکا تھا۔ ان علاقوں کے مکینوں کی بیگانگی اور ایک دوسرے کے معاملات سے غیر معمولی لاتعلقی کی بنا پر غیر ملکیوں میں وہ آبادیاں زیادہ مقبول تھیں۔

معاً مجھے خیال آیا کہ اس وقت اول خان اپنی کمین گاہ سے نکل کر امریکی بکتر بند گاڑی کے پیچھے لگ چکا تھا۔ اسے کوئی مجبوری درپیش نہیں تھی۔ اس کے ساتھ اس کا ایک معاون موجود تھا۔ میں اسے کسی زحمت سے دوچار کیے بغیر فون پر اس سے بات کر سکتا تھا۔

کمرے سے بات کرنے کی صورت میں غزالہ کی نیند خراب ہونے کا امکان تھا۔ میں نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور خاموشی سے خواب گاہ کا دروازہ کھول کر دبے قدموں باہر نکل گیا۔ کمرے کا دروازہ احتیاط سے بند کرکے میں سیدھا ڈرائنگ روم میں پہنچا اور اول خان کا موبائل فون نمبر ملا لیا۔

"تم کہاں ہو؟ بکتر بند گاڑی کدھر جا رہی ہے۔" میں نے اس کی آواز سنتے ہی سوال کیا۔

"گاڑی کی رفتار سست ہے۔ وہ میٹروپول ہوٹل والے چوراہے سے بائیں طرف مڑ کر سیدھی جا رہی ہے۔" اول خان کی آواز سپاٹ اور پرسکون تھی "گاڑی نکلتے ہوئے میں نے ونڈ شیلڈ کے پیچھے دو آدمیوں کی جھلک دیکھی تھی۔ پوری گاڑی خاکستری رنگ کی فولادی چادروں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے پچھلے حصے میں کتنے آدمی ہیں۔"

گاڑی کی سمت کے بارے میں جانتے ہی مجھے خیال آیا کہ وہ باتھ آئی لینڈ کی طرف جا رہے تھے۔ پی آئی ڈی سی کے پل کے دوسری جانب واقع اس آبادی کے بعض حصے بھی ویرانی کی حد تک پرسکون تھے۔ میں اول خان سے کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ توقف کے بعد اس کی آواز دوبارہ آنے لگی "عبداللہ ہارون روڈ اور کلب روڈ سے گزرنے کے بعد اب وہ گاڑی چوہدری خلیق الزماں روڈ پر بائیں طرف مڑی ہے۔ اس کی رفتار غیر معمولی حد تک سست ہے ... اب انہوں نے پھر پایاں انڈی کیٹر جلا دیا ہے۔ شاید وہ کراچی کلب سے پہلے واپس اپنی عمارت کی طرف جا رہے ہیں۔"

"وہ علاقے کی ریکی پر نکلے ہیں۔ سست روی کے ساتھ وہ قرب و جوار کا جائزہ لے رہے ہیں۔ آس پاس کا چکر لگا کر وہ گاڑی شاید دوبارہ اندر چلی جائے۔"

"میرا اور ان کا درمیانی فاصلہ خطرناک حد تک کم ہے۔ میں ان کے پیچھے نہیں جا سکتا۔ سیدھا جا رہا ہوں۔ آگے سے گھوم کر دوبارہ اپنی جگہ پر پہنچتا ہوں۔"

"میں لائن ہولڈ کر رہا ہوں۔ وہاں پہنچ کر مجھے صرف اتنا بتا دینا کہ وہ گاڑی اندر گئی یا کہیں اور نکل گئی۔"

"اپنی پوزیشن سے میں زیادہ بات نہیں کر سکوں گا۔" اول خان کی آواز معذرت خواہانہ تھی۔

میں خاموشی سے ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ جس میں گاڑی کے انجن کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ اس وقت میرا خالی ذہن شیطانی کارخانہ بنا ہوا تھا۔ میرے ذہن میں خیالات کی بھرمار ہو رہی تھی۔ اسی دوران میں ایک ہولناک خیال حملہ آور ہوا کہ کہیں وہ بکتر بند گاڑی ڈمی نہ ہو۔ نگرانی کرنے والوں کو دھوکا دینے کے لیے نکلی ہو۔ اول خان پورے جوش و خروش سے اس کے پیچھے ہو لیا۔ اسے جگہ سے ہٹاتے ہی وہ لوگ اندر سے کسی دوسری گاڑی میں بن ڈیوڈ کو لے کر نکلے اور خاموشی سے اپنی طے شدہ منزل کی طرف چل دیے۔

غنیمت یہ ہوا کہ میرے اعصاب پر وہ اندیشہ زیادہ دیر تک سوار نہ رہ سکا۔ اول خان مختصر سا چکر کاٹ کر بہت سرعت سے اپنی جگہ پر پہنچا۔ میں نے ریسیور پر کچھ سرگوشیانہ آوازیں سنیں پھر اول خان کی آواز آئی "سب ٹھیک ہے۔ گاڑی اندر چلی گئی۔ وہ ریکی پر ہی نکلے تھے۔"

"میں جاگ رہا ہوں۔ ضرورت پڑتے ہی فون کر لینا۔" جلدی سے یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

میں چند ثانیوں تک ڈرائنگ روم ہی میں بیٹھا رہا پھر اٹھ کر راہداری میں آ گیا۔ ویرا اور سلطان شاہ کے کمروں کے بند دروازوں کی نچلی درز کے پیچھے پھیلا ہوا اندھیرا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ دونوں سو چکے تھے۔ میں اپنے اس جائزے سے فارغ بھی نہیں ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے پلٹ کر دوڑ لگا دی۔

دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے میں ریسیور اپنے کان سے لگا چکا تھا۔

"ابھی ابھی ویسی ہی دو بکتر بند گاڑیاں بہت تیزی سے نکل کر مین روڈ پر داہنی طرف مڑی ہیں۔ میں ان کے پیچھے جا رہا ہوں، دعا کرنا۔"

اول خان کی ہیجانی آواز معدوم ہوتے ہی فون بے جان ہو گیا۔ میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وال کلاک اس وقت رات یا صبح کے پونے تین بجا رہا تھا۔ پورا شہر گہری نیند

کے مزے لے رہا تھا۔ سازشی عناصر رات کے سناٹے اور اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر اپنے مذموم منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ اس دھرتی کے کچھ خیر خواہ ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

آخر کار میری چھٹی حس کی پیش بینی درست ثابت ہوئی تھی۔ پہلے انہوں نے خاموش فائرنگ سے ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کو ہراساں کر کے بھگانے کی کوشش کی۔ اپنے اس وار کے بارے میں نک نے مجھے پہلے سے وارننگ دے دی تھی پھر انہوں نے بکتر بند گاڑی میں اپنے علاقے کا گشت کر کے یہ اطمینان کیا کہ قونصل خانے کے قرب و جوار میں کوئی مشتبہ شخص موجود نہیں تھا۔ ہر طرف سے تسلی ہو جانے کے بعد وہ بن ڈیوڈ کو بہت برق رفتاری سے وہاں سے نکال لے گئے تھے۔

ان کی طرف سے مقابلے کے آغاز کا بگل بج چکا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ رات کے گہرے سناٹے میں کراچی کی روشن سڑکوں پر اول خان کے تعاقب کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

میں نے اپنا جائزہ لیا اور اپنی ہیئت کذائی پر دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ بستر اور غزالہ کے وجود کی شکنوں سے آلودہ سلیپنگ سوٹ ایک عجوبہ بن چکا تھا۔ میں اٹھ کر دوبارہ خواب گاہ کی طرف چل دیا تاکہ اس فرصت میں لباس تبدیل کر کے اپنا وقت بچا سکوں۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اول خان کی طرف سے کوئی حوصلہ افزا پیغام ملا تو میں اپنے تینوں ساتھیوں میں سے کسی کی نیند خراب کیے بغیر خاموشی سے گھر سے روانہ ہو جاؤں گا۔

غزالہ بدستور گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ میں نے ہینگر سے اپنے وہی کپڑے اتار لیے جو دن بھر میرے بدن سے چپکے ہوئے تھے۔ اس وقت کسی دوسرے لباس کے لیے مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ میں غزالہ کو گہری نیند سے جگا دوں۔ کپڑے بدل کر میں دوبارہ ڈرائنگ روم میں آگیا۔ جوتے چند لمحوں میں پہنے جا سکتے تھے۔

چند منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ اول خان کی کال ہو گی۔

"ہم نے کلفٹن کا پل عبور کر لیا ہے۔ اس مرتبہ دونوں بکتر بند گاڑیاں بہت برق رفتاری سے دوڑ رہی ہیں۔ سڑک بالکل ویران ہے۔ اِکّا دُکّا گاڑیاں آجا رہی ہیں۔ میں نے کافی فاصلہ رکھا ہوا ہے مگر مجھے ڈر ہے کہ اس ویرانی میں وہ میری موجودگی نوٹ کر لیں گے۔ فاصلہ برقرار رکھنے کے لیے میں بھی

انقلاباتِ زمانہ

ہالی وڈ کے قریب ایک گلی کے کونے پر دو کتوں کی ملاقات ہوئی۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میں اپنی دوست کا انتظار کر رہا ہوں" دوسرے کتے نے جواب دیا۔

"کیسی ہے وہ؟" پہلے کتے نے تجسس سے پوچھا۔

"سفید رنگ کی ہے... ٹیریئر ہے... دو فٹ لمبی ہے... دم چھوٹی ہے... لیڈی کہہ کر آواز دو تو متوجہ ہوتی ہے" دوسرے نے کہا۔

"اچھا... اچھا... اس کی پیشانی پر سیاہ دھبا ہے اور ذرا لنگڑا کر چلتی ہے؟" پہلے کتے نے مزید نشانیاں بتائیں۔

"ہاں... ہاں... وہی" دوسرے نے تائید کی۔

"میں تو خود اسی کا انتظار کر رہا ہوں" پہلا کتا بولا۔

دوسرے نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا "کیا زمانہ آگیا ہے... ہماری مائیں بھی ہالی وڈ کی عورتیں ہوتی جا رہی ہیں۔"

ایک سو کلو میٹر فی گھنٹا سے زیادہ رفتار سے گاڑی دوڑا رہا ہوں۔"

"یہ مجبوری ہے۔ تم اپنی طرف سے پوری احتیاط کرو۔ اس کے باوجود کوئی گڑبڑ ہو جاتی ہے تو یہ اللہ کی مرضی ہے۔ اس کے آگے ہم بے بس ہیں۔"

"اس وقت صرف تعاقب ہو رہا ہے۔ میں فون بند نہیں کر رہا تاکہ ہمارے درمیان مسلسل رابطہ برقرار رہے!"

"یہی بات میں کہنے والا تھا۔ مجھے معلوم رہے گا کہ تم کیا کر رہے ہو اور تمہاری پوزیشن کیا ہے... ہاں، ایک بات تو بتاؤ کہ قونصل خانے کی چھت سے تین کے بعد مزید گولیاں تو نہیں چلائی گئی تھیں؟" اچانک یاد آجانے پر میں نے وہ بھولا

ہوا سوال بھی پوچھ لیا۔
"ایک اور پھر اس کے بعد دو فائر ہوئے تھے۔ اس کے بعد کم از کم میری سمت میں کوئی گولی نہیں چلائی گئی۔ دوسری سمتوں کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"
"کیوں، تمہارے آدمی تقریباً ہر رخ پر پوزیشن لیے ہوئے ہیں!"
"فائر بے آواز تھے۔ ضروری نہیں کہ ہر ایک کی نگاہیں چھت کی طرف مرکوز رہی ہوں۔ ان بے آواز شعلوں کو دیکھنے اور پہچاننے کے لیے توجہ کا ارتکاز ضروری تھا۔"
"مجھے خوشی ہے کہ آج تمہارا وہاں رکنا رائگاں نہیں گیا۔ کچھ نہ کچھ ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔"
"ہم تین تلوار سے گزر رہے ہیں۔ ساحل قریب ہے۔ یہ تعاقب جلد ہی کہیں نہ کہیں ختم ہوجائے گا۔ واپسی پر کیا حکمتِ عملی ہوگی۔"
"قونصل خانے کی بکتر بند حفاظتی گاڑیاں عام طور پر احاطے سے باہر نہیں نکلتیں۔ وہ لوگ اپنی منزل پر زیادہ دیر نہیں ٹھہریں گے۔ اپنا کام پورا کرتے ہی تیزی سے واپس لوٹیں گے اور اپنے ٹھکانے کا رخ کریں گے۔ تمہیں ان کے ساتھ واپس لوٹنے کی ضرورت نہیں۔ ان کی منزل پر رک کر عمارت کی نگرانی کرتے رہنا۔"
"ہاں، میں یہی جاننا چاہ رہا تھا کہ مجھے وہاں رکنا ہوگا یا گاڑیوں کے ساتھ واپسی ہوگی۔"
میرا اور اول خان کا رابطہ برقرار رہا۔ دونوں بکتر بند گاڑیاں اپنی نامعلوم منزل کی طرف رواں تھیں۔ اس وقت تک ان لوگوں کی طرف سے ایسی کوئی حرکت نہیں کی گئی تھی جس سے گمان ہوتا کہ انہیں اپنے تعاقب کا شبہ ہوچکا ہے۔
دونوں بکتر بند گاڑیاں شاید امریکی ڈرائیور چلا رہے تھے کیونکہ وہ مڑنے کے لیے ہر بار انڈی کیٹر استعمال کر رہے تھے۔ ان کی جگہ مقامی ڈرائیور ہوتے تو اس ہنگامی مہم میں ٹریفک کے ہر اصول اور ضابطے کو فراموش کردیتے۔ ان کے اس قرینے سے اول خان کو آسانی ہورہی تھی۔ کوئی موڑ یا چوراہا آنے سے پہلے اسے معلوم ہوجاتا تھا کہ وہ کس سمت میں جانے والے تھے۔
دو تلوار کے چوراہے سے آگے پھٹنے والی دو سڑکوں میں سے وہ بائیں طرف والی سڑک پر ہولیے۔
"اوہ .... وہ اچانک بائیں طرف، اولڈ کلفٹن جانے والے راستے پر مڑ گئے۔ میرا ادھر مڑنا مشکل ہے۔ وہ دیکھ لیں گے۔" فون پر یکایک اول خان کی مضطربانہ آواز ابھری۔
"گاڑی کہیں کنارے سے لگا کر روک دو اور پیدل اسی سڑک پر چلے جاؤ۔" میں نے اضطراری انداز میں بلا توقف جواب دیا "یہ تمہاری مہم کا اہم ترین حصہ ہے۔ وہ سڑک سیدھی ہے اور زیادہ لمبی نہیں ہے۔ تمہیں کہیں نہ کہیں وہ دونوں بکتر بند گاڑیاں کھڑی ہوئی نظر آجائیں گی۔"
"اوکے ڈیڈی!" اول خان کی طرف سے جواب آیا "میں اسی طرف جارہا ہوں۔ بولتے ہوئے اس کے تنفس کی تیزی نمایاں تھی۔ موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے اس نے شاید دوڑ لگادی تھی۔
"سڑک دور تک صاف پڑی ہوئی ہے۔" چند لمحوں کے بعد اس نے ہانپتے ہوئے اطلاع دی "میں سیدھا جارہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ آخری سرے پر کسی مکان کے سامنے رکے ہوں۔"
میرے دل کی دھڑکنیں یک لخت تیز ہوگئیں۔ امریکی نرے ڈفر نہیں تھے۔ عین ممکن تھا کہ انہیں تعاقب کا شبہ ہوا ہو اور وہ اس گلی میں گھس کر یوٹرن لیتے ہوئے دوسری سڑک سے باہر نکل گئے ہوں۔ ان کی وہ حرکت اول خان کی گاڑی میں بیٹھے ہوئے اس کے آدمی سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی مگر وہ ان کے پیچھے نہیں جاسکتا تھا کیونکہ اول خان گاڑی سے اتر کر، بکتر بند گاڑیوں کی تلاش میں اندر بھٹکتا پھر رہا تھا۔
"ذرا تیز دوڑو.... دیکھو، وہ جل دے کر نکلنے نہ پائیں!" میں نے تیز آواز میں کہا۔
"میں پوری سڑک پار کرکے دوسرے سرے پر نکل آیا ہوں۔ سمندر میرے سامنے ہے مگر ان بکتر بند گاڑیوں کا کہیں کوئی پتا نہیں ہے۔"
"واپس اپنی جگہ پر پہنچو اور اپنے آدمی سے پوچھو کہ وہ برابر والی گلی سے تو نہیں نکل گئے!"
اول خان کو واپس جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس مہم پر آئے ہوئے اس کے سارے آدمی وائرلیس ٹرانسمٹرز سے لیس تھے۔ اپنے آدمی سے بات کرکے اس نے مجھے بتایا کہ وہ دوبارہ مین روڈ پر نکلتے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔
"بس، تو پھر وہ وہیں کسی گھر میں گھسے ہیں۔ انہیں تلاش کرو۔" میں نے کہا اور بے اختیار صوفے کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ اس وقت میں یکایک اپنے اعصاب پر دباؤ محسوس کرنے لگا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

سخت کردی۔ پہلی ہی رات انتہائی غیر معمولی حالات میں بکتر بند گاڑیاں تو مملیٹ سے برآمد ہوئیں اور نامعلوم منزلوں کی طرف روانہ ہوگئیں۔ اول خان اپنے ایک ماتحت کے ہمراہ ان کے تعاقب میں تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ان دونوں بکتر بند گاڑیوں کے اچانک غائب ہوجانے کے بارے میں ملنے والی اطلاع نہایت مایوس کن تھی۔ میرے ذہن میں ان آخری راستوں کا نقشہ تازہ ہونے لگا جن پر سفر کرتے ہوئے امریکیوں کی دونوں بکتر بند گاڑیاں اچانک غائب ہوگئی تھیں۔

دو تلوار والے چوراہے سے متعدد سڑکیں ملتی تھیں جن کی تعداد چار سے زائد تھی۔ کلفٹن کی اس چورنگی سے ڈیفنس میں زمزمہ جانے والی سڑک بھی ایک مختصر سی چورنگی پر دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ داہنی طرف والی سڑک پر زمزمہ کے کمرشل علاقے کی قلبی سڑک تھی۔ بائیں طرف والا راستہ نیول کالونی میں لے جاتا تھا۔ اس طرح کلفٹن جانے والا راستہ' پارک کے نکڑ پر بنے ہوئے پیٹرول پمپ سے دائیں اور بائیں طرف پھٹ گیا تھا۔ آگے جاکر وہ دونوں سڑکیں کلفٹن کی آخری چورنگی پر مل جاتی تھیں۔ داہنی طرف والی سڑک کے اطراف میں اہم سفارتی دفاتر وغیرہ کے ساتھ ستر نمبر کا وہ عالی شان مکان بھی تھا جو ایک دور میں پورے ملک میں ستر کلفٹن کے نام سے مشہور تھا۔ بائیں طرف والی سڑک لہراتی اور بل کھاتی ہوئی کلفٹن کے تھانے کے سامنے سے گزرتی تھی۔ اسی سڑک پر کچھ دور جانے کی بعد وہ سڑک تھی جو اولڈ کلفٹن کی خوب صورت اور پُر فضا چوٹی پر لے جاتی تھی۔ کسی زمانے میں اس چوٹی کے قدموں میں سمندر کا پانی لہریں لیا کرتا تھا اور کراچی آنے والے سیاح کلفٹن کی اس چھوٹی سی چٹان سے سمندر کی پُر فریب لہروں کا نظارہ کیا کرتے تھے پھر امتداد زمانہ اور انسان کے ہاتھوں وہ پانی رفتہ رفتہ پیچھے ہوتا چلا گیا۔ آخر کار کلفٹن اور ساحلی لکیر کے درمیان خاصی جگہ پیدا ہوگئی جہاں اگنے والی خود رو جھاڑیوں کی باقیات سے ذرا آگے خوب صورت رہائشی مکان وجود میں آچکے تھے مگر اس بلندی سے سمندر کا نظارہ بھی ممکن تھا جو اپنے پرانے ساحل سے بہت دور پتھریلی دیوار سے سر ٹکراتا رہتا تھا۔

اولڈ کلفٹن کے پارکنگ ایریا سے وہی سڑک یُو کی شکل میں گھوم کر موہٹا پیلس اور میوزیم کی تاریخی عمارت کے سامنے سے ہوتی ہوئی دوبارہ مین روڈ سے آملتی تھی۔

اگر وہ دونوں بکتر بند گاڑیاں اولڈ کلفٹن کی چٹان سے نیچے کھاڑی میں نہیں گری تھیں تو ان کو یو نما سڑک پر واقع کسی بڑے مکان کے احاطے میں موجود ہونا چاہیے تھا۔

اول خان کا ساتھی اپنی گاڑی اور ایریئس سمیت مین روڈ پر موجود تھا۔ وہ خود سڑک کے دوسرے سرے پر تھا۔ وہاں آنے والے اِکّا دُکّا تفریحی جوڑوں اور موالیوں وغیرہ کی سرگرمیاں معمول کے مطابق جاری تھیں۔ اول خان کچھ دیر کے لیے وہاں حیران و پریشان کھڑا رہا پھر دوبارہ واپس چل دیا۔

"مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ حرام زادے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ ادھر آئے ہیں۔ کسی گھر کے مکین ان کی آمد کے منتظر تھے۔ کسی ایریئس وغیرہ پر ان کی آمد کا اشارہ ملتے ہی گھر کا پھاٹک کھول دیا گیا اور دونوں بکتر بند گاڑیاں رکے بغیر اس احاطے میں گھس گئیں۔" اول خان نے بھنّائی ہوئی آواز میں اپنے موبائل فون پر کہا۔

"تم اپنے کام میں لگے ہوئے ہو۔ وہ بھی ایک اہم مشن پر نکلے تھے۔ ایسی تیاری اور احتیاط نہ کرتے تو ناکام ہوسکتے تھے۔" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "ان کی مکاری پر اپنا خون کھولانے کے بجائے انہیں تلاش کرو۔ ابھی وہ کہیں غائب نہیں ہوئے' کہیں نہ کہیں نظر آجائیں گے۔ ایسے مکان کو تلاش کرو جس کے احاطے کی دیواریں غیر معمولی طور پر اونچی ہوں اور پھاٹک بھی بلند ہو۔ بکتر بند گاڑی کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو' عام جیپ سے زیادہ اونچی ہوگی۔ وہ گاڑیاں ایسے ہی کسی مکان میں چھپ سکتی ہیں۔"

"وہ مارا۔" میرے کانوں میں اول خان کی مسرت آمیز آواز آئی "ایسا ایک مکان ادھر آتے ہوئے میری نظروں میں چبھا تھا مگر میں نے اسے اہمیت نہیں دی۔ خدا کی قسم' ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم اپنے گھر میں بیٹھ کر کسی جادوئی دوربین سے یہاں کا سارا منظر دیکھ رہے ہو۔ میں ابھی اس مکان کو دیکھتا ہوں۔"

اس کی آواز میں یکایک پیدا ہوجانے والے زیر و بم سے اندازہ ہو رہا تھا کہ مجھ سے بات کرتے کرتے' اس نے جوش میں آکر اچانک دوڑنا شروع کردیا۔

"یہ بہت بڑے رقبے پر پھیلا ہوا وسیع مکان ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد ریسیور پر اس کی ہانپتی ہوئی آواز ابھری۔ وہ کہہ رہا تھا "سڑک کے رخ پر احاطے کی دیوار کسی فصیل کی طرح کھڑی ہوئی ہے۔ اس کی بلندی کسی طرح دس فٹ سے کم نہیں ہوگی۔ کمال ہے کہ اتنی غیر معمولی بات کو میں نے نظر انداز کردیا۔ اس کا لوہے کا پھاٹک بھی اتنا ہی اونچا ہے۔ گھر کیا ہے' باہر سے قلعہ معلوم ہو رہا ہے۔ کچھ پتا

نہیں چل رہا کہ احاطے کی دیوار کے پیچھے کس طرز کا مکان بنا ہوا ہے۔ باہر کوئی متنفس نہیں ہے۔ ذرا میں کسی جھری میں سے اندر جھانکنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر وہ دونوں بکتر بند گاڑیاں کسی گھر میں گھسی ہیں تو وہ گھر یہی ہو سکتا ہے۔"

"اس بھول میں نہ رہنا کہ باہر کوئی نظر نہیں آرہا۔" میں نے اسے وارننگ دی۔ "اگر یہ امریکیوں کا کوئی خاص ٹھکانا ہے تو یہاں بھی خفیہ کلوز ڈسرکٹ کیمرے کام کر رہے ہوں گے۔ وہ لوگ اندر بیٹھ کر باہر کی پوری صورتِ حال پر پوری طرح نگاہ رکھے ہوئے ہوں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ یہ علاقہ دن میں بھی سنسان رہتا ہے۔ اس وقت یہاں ہر طرف سناٹا ہے۔ خوش قسمتی سے اسٹریٹ لیمپس بھی کمزور ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں کچھ دیر کے لیے چوپایہ بن کر ان کے خفیہ کیمروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔"

"موبائل فون بند نہ کرنا۔" میں نے جلدی سے اسے ہدایت دی "میں تمہاری طرف سے کسی اگلے پیغام کی وصولی تک خاموش رہوں گا۔ کوئی ہنگامی ضرورت پیش آگئی تو تم وقت کے زیاں کے بغیر مجھ سے رابطہ کرسکو گے۔"

"اوکے۔ میں اسی کے برابر والے مکان کی دیوار تک پہنچ گیا ہوں اور اب چاروں ہاتھ پیروں پر جارہا ہوں۔"

"فی امان اللہ۔" میں نے بے ساختہ کہا اور لائن پر سکوت چھا گیا۔

وہ خاصی خطرناک اور ہیجان آمیز صورتِ حال تھی۔ اگر ہم دونوں کے اندازے درست تھے اور امریکی بکتر بند گاڑیاں بن ڈیوڈ کو لے کر اس کے احاطے میں داخل ہوئی تھیں تو اول خان کا تنِ تنہا ان کے پھاٹک تک جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

اگر ان کو اپنے احاطے کے آس پاس کسی غیر معمولی چوپائے کی موجودگی کی بھنک مل جاتی تو وہ صحیح صورتِ حال کا اندازہ لگانے کے لیے باہر نکل سکتے تھے۔ اس کے علاوہ دوسرا امکان بھی موجود تھا۔ وہ اپنی بکتر بند گاڑیوں میں سوار ہو کر مستقل قیام کے ارادے سے وہاں نہیں آئے تھے۔ قیاس کہتا تھا کہ وہ لوگ ایف بی آئی کے مقامی نمائندے تک ہاروے کے ایما پر بن ڈیوڈ کو امریکی قونصل خانے سے نکال کر بہ حفاظت وہاں چھوڑنے کے لیے آئے تھے۔ ان کا وہ کام بہت محدود اور مختصر تھا جسے سرانجام دے کر وہ کسی بھی لمحے وہاں سے واپسی کا سفر شروع کرسکتے تھے۔ ادھر اول خان اندر کی سن گن لینے کے لیے ان کے پھاٹک پر پہنچتا اور ادھر وہ واپسی کے لیے چل پڑتے۔ اگر وہ اسے رنگے ہاتھوں اپنے پھاٹک کے قریب پکڑ لیتے تو اول خان کے پاس اپنی وہاں موجودگی کا کوئی جواز نہ ہوتا اور حالات اس کے خلاف ہوجاتے۔

کچھ دیر کے لیے فون لائن پر اعصاب شکن سکوت چھایا رہا پھر عف عف کی دو ہلکی آوازیں میرے پردۂ سماعت سے ٹکرائیں۔ شاید اول خان ہتھیلیوں اور گھٹنوں کے بل سڑک یا فٹ پاتھ پر چلتا ہوا اس مکان کے آہنی پھاٹک تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے منہ سے کتے جیسی عف عف کی آواز نکال کر شاید مجھے اپنی خیریت سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے کوئی خطرہ درپیش ہوتا تو وہ ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر مجھ سے براہِ راست گفتگو ضرور کرتا۔

اعصاب کو چٹخا دینے والا وہ سکوت مزید کچھ دیر برقرار رہا۔ میں سگریٹ پھونکتے ہوئے اندازہ لگا رہا تھا کہ اول خان آہنی پھاٹک کی نچلی یا کسی عمودی جھری سے اندر کے روشن صحن، پورچ یا دالان کا جائزہ لے کر وہاں سے جلد از جلد کسی محفوظ مقام تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوگا تاکہ وہاں سے مجھے رپورٹ دے سکے۔

آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ میرے کان سے لگے ہوئے بے جان ریسیور میں اول خان کی دبی دبی اور پُرجوش آواز گونجنے لگی "وہ دونوں گاڑیاں اسی مکان کے پورچ میں ہیں۔ تین گورے عام کپڑوں میں ملبوس ہیں۔ وہ بکتر بند گاڑیوں کے قریب کھڑے کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ چار باوردی امریکی کمانڈوز عجیب ساخت کے ہتھیار لیے ان کے گرد پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ پوری طرح چاق وچوبند ہیں۔ ان کے تیور بتا رہے ہیں کہ ذرا سا بھی خطرہ ہوا تو وہ خونریزی سے گریز نہیں کریں گے۔"

"یہ سب تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟" میں اضطراری طور پر پوچھ بیٹھا۔ اسی لمحے مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوگیا۔ اس نے وہ سب بہ چشم خود نہ دیکھا ہوتا تو مجھے کیوں بتاتا۔ شاید مجھے اعتبار نہیں آسکا تھا کہ اندھیرے میں بھٹکتے بھٹکتے ہم یوں اچانک کامیابی کے قریب پہنچ جائیں گے۔ میری وہ بے اعتباری بے ساختہ سوال بن کر میری زبان پر آگئی تھی۔

"کیا بات کر رہے ہو۔" اول خان کی آواز میں ایک تڑپ سی عود کر آئی "دیکھے بغیر میں تمہیں یہ سب کیسے بتا سکتا تھا۔ اندر کے احوال بہت پراسرار ہیں۔ آثار بتا رہے ہیں کہ بکتر بند والے زیادہ دیر تک اس مکان میں نہیں رکیں گے۔ اپنی بات پوری کرتے ہی چل دیں گے۔"

"کیا ان میں بن ڈیوڈ نہیں ہے؟" میں نے اس کے

ابتدائی جواب کی تلخی کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔
"مجھے خاص طور پر اس کی تلاش تھی۔ مجھے اس کی کوئی جھلک نظر نہ آسکی۔"
"چاروں کمانڈوز تو یقیناً بکتر بند سے آئے ہوں گے۔ بقیہ تینوں میں اہلِ خانہ کتنے تھے؟" میں نے سوچتے ہوئے اگلا سوال کیا۔
"کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ امریکیوں میں ٹی شرٹ اور جینز کا چلن اس قدر مقبول ہے کہ گھر سے باہر تک وہ ہر جگہ یہی لباس پہنتے ہیں۔ اس حلیے میں کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ ان میں سے کون میزبان ہے اور کون بکتر بند کے ساتھ وہاں پہنچا ہے۔"
"انہیں صرف مذاکرات کرنے ہوتے تو وہ اتنی لمبی دوڑ لگانے کے بجائے فون یا کسی لاسلکی آلے کی مدد لے سکتے تھے۔ قونصل خانے سے دو بکتر بند گاڑیوں کی آمد اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے ساتھ بن ڈیوڈ کو وہاں لائے ہیں۔ اسے گاڑی سے اتارتے ہی اندر بھیج دیا گیا ہوگا۔"
"میرا دل بھی یہی کہہ رہا ہے۔ مکان کے باہر نشیمن کی تختی لگی ہوئی ہے۔ مکان کا یہ نام کوئی امریکی نہیں رکھ سکتا جب کہ اس وقت پورچ میں موجود ساتوں افراد امریکی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی اہم امریکی سیکرٹ ایجنٹ نے یہ مکان کرائے پر لیا ہوا ہو۔ ہمیں اس کو اسی وقت گھیر لینا چاہیے۔"
"کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا لیکن اس میں اتنی عجلت اچھی نہیں ہے...."
اس بار اول خان نے مضطربانہ انداز میں میری بات درمیان سے اڑا دی "واپسی پر ہمیں بکتر بند گاڑیوں کا پیچھا کرنا ہے یا یہیں رکنا ہے؟"
اول خان کا اضطراب بے جا نہیں تھا۔ وہ اس لمحے کا اہم ترین سوال تھا۔
مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث امریکی سفارت کاروں سے اپنی گہری نفرت اور بے زاری کے باوجود ہم چشم پوشی کرنے اور انہیں ڈھیل دینے کے لیے مجبور تھے۔ وہ لوگ بار بار منہ کی کھانے کے باوجود بے شرمی اور ڈھٹائی پر تلے ہوئے تھے۔ اپنے قومی مفاد کے حصول کے لیے انہوں نے جائز و ناجائز اور قانونی و غیر قانونی راستوں کی تمیز مٹادی تھی۔ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر وہ شرمسار ہونے کے بجائے پاکستانی حکام کے سخت اور غیر دوستانہ رویے کی شکایتوں کے دفتر کھول لیتے تھے۔ ان کے منہ لگنا اپنے وقت کی بربادی کے مترادف تھا۔ ویسے بھی ہمارا اصل نشان بن ڈیوڈ تھا جو شی کے

پراسرار آئی مین کے روپ میں کراچی آیا ہوا تھا۔
شواہد بتا رہے تھے کہ مسلح کمانڈوز کی کڑی نگرانی اور حفاظت میں بکتر بند امریکی گاڑیوں نے اسے قونصل خانے سے نکال کر نشیمن میں پہنچا دیا تھا۔ اپنا مشن مکمل کرنے کے بعد دونوں بکتر بند گاڑیوں کو اپنے عملے سمیت واپس قونصل خانے میں جانا تھا ان کا تعاقب بے سود تھا۔ نگرانی نشیمن کی ہونی چاہیے تھی جہاں بن ڈیوڈ لایا جاچکا تھا۔
مجھے یاد تھا کہ کراچی اور سندھ کے دوسرے علاقوں میں امن و امان کی خرابی کے دور میں امریکیوں نے چھ بکتر بند گاڑیاں ڈیٹرائٹ سے کراچی منگوائی تھیں۔ ہنگامی طور پر بڑے ٹرانسپورٹ طیاروں سے لائی جانے والی ان گاڑیوں کے مخصوص اور محدود مقاصد بیان کیے گئے تھے۔ ان میں اہم ترین کلیدی نکتہ یہ تھا کہ حالات اچانک قابو سے باہر ہونے کی صورت میں امریکی کمانڈوز ان بکتر بند گاڑیوں میں سوار ہوکر شہر اور صوبے کے دوسرے متاثرہ حصوں سے امریکی شہریوں کو نکال کر بہ حفاظت قونصل خانے لاسکیں جہاں سے ان کی امریکا واپسی کا بندوبست کیا جاسکے۔
وہ بدامنی کی ایک شدید لہر تھی جسے سیاسی شورہ پشتوں کی تائید و حمایت حاصل تھی۔ پھر را والوں نے بھی اس شورش کی آگ کو بھڑکا کر اسے مسلح بغاوت بنانے کی ناکام کوششوں میں سردھڑ کی بازی لگائی ہوئی تھی۔ قانون نافذ کرنے والی مقامی ایجنسیوں نے ان عناصر پر ہاتھ ڈالا تو حالات تیزی سے سدھرتے چلے گئے اور کہیں سے کسی ایک بھی غیر ملکی کے انخلا کی ضرورت پیش نہیں آئی مگر امریکی سفارت خانے کی منگوائی ہوئی بکتر بند گاڑیاں ان کے کراچی کے مرکز میں موجود رہیں۔ اس پورے عرصے میں وہ بکتر بند گاڑیاں شاذونادر ہی کراچی کی سڑکوں پر دیکھی گئیں لیکن اول خان کی زبان سے ان کی برق رفتار کارکردگی کا احوال سننے کے بعد مجھے یہ ماننا پڑا کہ امریکی قونصل خانے کے موٹر ٹرانسپورٹ ورکشاپ والوں نے ان قیمتی گاڑیوں کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ضرورت پیش آنے پر بکتر بند گاڑیاں پوری طرح فعال تھیں۔
"بکتر بند گاڑیوں کے پیچھے جانا بے سود ہوگا۔" میں نے وہ سب سوچتے ہوئے فون پر اول خان کو جواب دیا "وہ اپنا کام پورا کرچکے ہیں۔ ان کا لایا ہوا کام نشیمن میں موجود ہے۔ ہمیں اپنی پوری توجہ اس عمارت پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ بن ڈیوڈ یہاں سے بچ کر نہیں نکلنا چاہیے۔"
"مجھے محسوس ہورہا ہے کہ بکتر بند گاڑیوں کی نقل و حرکت سے تم نے بہت زیادہ امید وابستہ کرلی ہے۔ ہوسکتا

ہے کہ ان کے ذریعے بن ڈیوڈ کو نہ لایا گیا ہو۔۔۔۔“

اول خان کا لہجہ ناصحانہ تھا۔ وہ میری تمام توقعات پر پانی پھیرنے والی باتیں تھیں۔ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ”بکتر بند گاڑیاں بلاوجہ نہیں نکالی گئیں۔ ان کے ذریعے کچھ نہ کچھ اِدھر اُدھر ہوا ہے۔ یہ بات تم کو مان لینی چاہیے۔“ میں نے اپنی بات بہت زور دے کر کہی تھی۔

”مجھے یہ تسلیم ہے کہ کچھ نہ کچھ ہوا ہے مگر تم نے بن ڈیوڈ کو پکڑنے کی آس باندھ لی ہے۔ فرض کرو کہ وہ نشیمن میں نہ ہوا تو کیا ہوگا۔“

”اس وقت ان کے سامنے بن ڈیوڈ کے سوا اور کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ اسی کی خاطر اپنی بکتر بند گاڑیاں حرکت میں لا سکتے ہیں۔“ میں نے اصرار کیا۔

”یہ تمہارا موقف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ اور ہی سوچ رہے ہوں۔“ واپسی پر بکتر بند گاڑیوں کا تعاقب نہ کرنے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد اول خان پُرسکون ہو کر فون پر باتیں کر رہا تھا۔ اس کے لہجے میں عجلت اور تیزی باقی نہیں رہی تھی۔

”تم بھی دماغ لڑاؤ۔ فون پر میری اور نک کی گفتگو کے بعد وہ اور کیا سوچ سکتے ہیں۔“ میں نے اسے دعوت دی۔

”وہ تمہارے اور ویرا کے بارے میں سب سے زیادہ پریشان ہیں اور ان کی اولین ترجیح تمہاری گرفتاری ہے۔“ اول خان نے نکتہ آفرینی کی۔

”میں نشیمن میں نہیں ہوں۔ بکتر بند گاڑیاں اسٹیشن فور کی طرف گئی ہوتیں یا پھر کراچی کی سڑکوں پر بے مقصد دوڑتی پھر رہی ہوتیں تو میں یہ ضرور سمجھ لیتا کہ وہ میرے یا کسی اور دشمن کے بارے میں پریشان ہیں۔ نشیمن میں ان کو پوری راز داری کے ساتھ خوش آمدید کہا گیا ہے۔ یہ ان کے کسی دشمن کا مسکن ہو سکتا ہے نہ وہ اس کی تلاش میں ادھر آ سکتے ہیں۔“ میں نے کسی بڑی خبر کے انتظار میں خاموش رہ کر وقت گزارنے کے بجائے اول خان کو جوابی دلیل دی۔

”اگر ہم کو ان کا پیچھا کرنے کے بجائے یہاں رک کر نشیمن پر چڑھائی کرنے کی تیاری کرنی ہے تو شاید مجھے اپنا کام شروع کر دینا چاہیے۔“ اول خان کی آواز قدرے سکوت کے بعد ابھری۔ اس نے میری بات کا جواب سرے سے گول کر دیا تھا۔

”سب سے پہلے اپنے ساتھی کو بتا دینا کہ اسے تمہارے ساتھ رکنا ہے۔“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”جب تک میں اسے ہدایت نہیں دوں گا۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔ قونصل خانے والوں کی طرف سے مکمل خاموشی ہے۔ میں ادھر بھی دیکھوں گا کہ کیا ہو رہا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔ بکتر بند گاڑیاں روانہ ہوں تو مجھے میرے موبائل فون پر بتا دینا۔“ میں نے کہا۔

”اوہ!“ اول خان کی چونکی ہوئی آواز ابھری ”تو کیا تم گھر سے روانہ ہو رہے ہو؟“

”یہ اچھی بات نہیں ہے کہ تم اکیلے شکار کھیلتے پھرو اور میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر گھر میں بیٹھا رہوں۔“ میں نے خوش دلی سے جواب دیا ”میں تمہاری طرف آ رہا ہوں۔“

اول خان نے فون بند کر دیا۔ میں نے زیرو واٹ کے بلب کی مدھم روشنی میں جوتے اٹھائے اور خاموشی سے اپنی خواب گاہ سے باہر نکلا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ویرا ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر آرام سے بیٹھی سگریٹ کے کش لگا رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی چمک دار آنکھیں ہماری خواب گاہ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

”تم تو شام سے بہت زیادہ پی لینے کے باعث نو بجے اپنے کمرے میں بند ہو کر گہری نیند سو گئی تھیں۔“ میں نے اس کے قریب جا کر حیرت سے دبی دبی آواز میں کہا ”اس وقت تم یہاں بالکل ترو تازہ بیٹھی ہوئی نظر آ رہی ہو۔ خیریت تو ہے نا؟“

”میں فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل لینے کے لیے کچن میں آئی تھی۔“ اس نے بے نیازی سے سگریٹ کا گل قالین پر گرانے کے بعد مسکراتے ہوئے جواب دیا ”تمہارے کمرے کے بند دروازے کے پیچھے یوں محسوس ہوا جیسے تم ٹہل رہے ہو پھر میرے نتھنوں میں سگریٹ کے جلتے ہوئے تمباکو کی بو بھی آئی۔ میں نے تمہارے بند دروازے کے قریب فرش سے کان لگایا تو اندر کے قالین پر کسی کے قدموں کی ہلکی ہلکی دھمک سنائی دی۔ غزالہ بے چاری سیدھی سادی لڑکی ہے۔ وہ ایسی احمقانہ اور فلسفیانہ حرکتیں نہیں کرتی۔ نیند نہیں آتی تو بستر بلکہ کمرے سے باہر نکل کر خود کو کسی کام میں مشغول کر لیتی ہے۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ حرکت تمہاری ہو سکتی ہے۔ تم سگریٹیں پھونک پھونک کر اندر ٹہلتے رہو گے اور پھر باہر آؤ گے۔ خیریت تو ہے نا!“ آخر میں اس نے وہ فقرہ بالکل میرے انداز میں دہرانے کے بعد اپنی بات جاری رکھی ”تمہارے بدن پر جانے کا لباس ہے اور ہاتھ میں جوتے لٹک رہے ہیں۔ کہاں کا ارادہ ہے؟“

”ابھی تمہاری نیند پوری نہیں ہوئی۔“ میں نے اس کی

آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے تیرتے ہوئے دیکھ کر کہا "اپنے کمرے میں جاکر سوجاؤ۔ صبح واپس آنے کے بعد پوری کہانی سنادوں گا۔"

"میں چار پانچ گھنٹے سوچکی ہوں۔" اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا "تم میری فکر نہ کرو۔ پوری بات بتاؤ۔ اگر یہ اسی منحوس بن ڈیوڈ کا کوئی چکر ہے تو میرا اور تمہارا ایک ساتھ جانا ضروری ہے۔"

"قطعی ضروری نہیں ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئی سختی سے کہا "میں اولڈ کلفٹن کی سیر کے لیے جارہا ہوں۔"

"ضروری ہے۔" وہ مجھے آنکھ مار کر مسکرائی "میں دیکھوں گی کہ رات کے دو ڈھائی بجے تم وہاں جاکر کیا کرتے ہو۔ آج کل تم نے کلفٹن کے بہت زیادہ پھیرے لگانے شروع کردیے ہیں۔"

"اگر تم میرے جوتے پہننے تک لباس اور اپنا حلیہ درست کرکے آسکتی ہو تو آجاؤ ورنہ میں تمہیں چھوڑ جاؤں گا۔" میں نے بے رخی سے کہا اور ایک صوفے پر ٹک کر موزے پہننے شروع کردیے۔

ویرا اپنی جگہ سے اٹھ کر تیر کی طرح اپنے کمرے کی طرف گئی۔ اس نے کسی ہرنی کی طرح زقندیں لگاتے ہوئے اتنی تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا تھا کہ میں حیران رہ گیا۔

موزے پہننے کے بعد میں جوتے کے تسمے باندھ رہا تھا کہ ویرا نہایت برق رفتاری سے لوٹ آئی۔ ویرا کے بائیں ہاتھ میں اس کے جوتے تھے۔ داہنے ہاتھ سے اس نے اپنی کھلی ہوئی جینز سنبھالی ہوئی تھی۔ اسی ہاتھ میں بال سنوارنے کا برش دبا ہوا تھا۔

"دیکھ لو' میں تمہارے تیار ہونے سے پہلے آگئی۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"اس حلیے میں تم باہر جانے کے قابل نہیں ہو۔ آئینہ دیکھا ہے تم نے!" میں نے متاسفانہ انداز میں سرہلاتے ہوئے پوچھا۔

ویرا نے جوتے نیچے ڈالے اور پھرتی سے اوپری بٹن لگا کر جینز کی زپ بند کرلی۔ پھر اس نے اپنی ٹی شرٹ میں کسے ہوئے سبک جسم کو عجیب سے انداز میں جنبش دی اور اوپری زیر جامے کی غیر موجودگی کے جملہ اثرات کشش ثقل کے تحت خود بہ خود درست ہوگئے۔ اس نے مسکراتے ہوئے فخر سے اعلان کیا "میں تیار ہوں۔ تم ابھی تک لیس باندھ رہے ہو۔"

"کیا کلفٹن کی ریت پر ننگے پاؤں دوڑنے کا ارادہ ہے؟" میں نے طنز سے پوچھا۔

"جوتے گاڑی میں پہن لوں گی۔ کلفٹن کا فاصلہ کافی ہے۔ اس دوران میں مجھے بال سنوارنے کے ساتھ ہلکے سے میک اپ کا موقع بھی مل جائے گا۔" اس نے اپنے سینڈل دوبارہ اٹھالیے۔

اول خان سے فون پر بات کرتے ہوئے میرا کسی کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ نہیں تھا۔ ویرا سوتی رہتی تو میں ہرگز اس کی نیند میں مخل نہ ہوتا لیکن اسے بیدار پاکر مجھے ہلکی سی خوشی ہوئی تھی۔ اس پر اپنی مصنوعی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے مجھے یہ اندازہ تھا کہ اس کے ساتھ وقت اچھا گزرتا تھا اور ضرورت پیش آنے پر وہ ایک دلیر ساتھی ثابت ہوتی تھی۔

میں نے اپنے کمرے سے چابی جیب میں ڈال لی تھی۔ صدر دروازے کے ہضمی قفل کا اندرونی بٹن دبا کر میں نے آہستگی سے دروازہ مقفل کیا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

"اس وقت ہم کہاں جارہے ہیں؟" گھر سے نکل جانے کے بعد ویرا نے اپنے بالوں میں برش پھیرتے ہوئے پوچھا۔

ہمیں ایک سنگین اور پرُ خطر مہم درپیش تھی۔ اس وقت مذاق میں وقت ضائع نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں نے اسے اولڈ کلفٹن کے نشیمن نامی مکان میں بن ڈیوڈ کی موجودگی کے امکانات سے آگاہ کردیا اور وہ بھی یک لخت سنجیدہ ہوگئی۔

"میں عجلت میں اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہیں لاسکی۔" اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا "روبرو مقابلے کی نوبت آگئی تو میرے پاس سنگ باری کے سوا کوئی متبادل راستہ نہیں ہوگا۔"

"اس کی بھی ضرورت نہیں۔ بس تم انگلیاں چٹخا چٹخا کر انہیں کوسنا شروع کردینا۔ دو چار موقع پر ہی ڈھیر ہوجائیں گے۔"

اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی اور میں نے بٹن دبا کر وہ آلہ اپنے کان سے لگالیا۔

"دونوں بکتر بند گاڑیاں ابھی ابھی تیزی سے واپس گئی ہیں۔" وہ بتا رہا تھا۔ "مکان کا آہنی پھاٹک شاید برقی موٹروں سے کھلتا ہے اور بند ہوتا ہے۔ پھاٹک بہت تیزی سے کھلا' گاڑیاں برق رفتاری سے ریورس ہوئیں اور ان کے روانہ ہونے سے پہلے وہ پھاٹک پلک جھپکتے میں بند ہوچکا تھا۔"

"بس میں حسن اسکوائر سے آگے نکل چکا ہوں ویرا میرے ساتھ ہے اور کیا خیر خبر ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں نے اپنے اسٹرائیک یونٹ کی ایک گاڑی یہاں

بلالی ہے۔ اس میں چار آدمی ہوں گے۔"
"ویری گڈ! یہ عقل مندی کی بات ہے۔ ہمیں زیادہ بھیڑ کی ضرورت نہیں ہے۔ قونصل خانے کا کیا احوال ہے؟"
"چھت کے اندھیرے میں چھپے ہوئے مسلح کمانڈوز کے دماغ چل گئے ہیں یا وہ اپنے نادیدہ دشمنوں سے بہت زیادہ خوف زدہ ہیں۔" اس کی آواز آئی "وہ تھوڑے تھوڑے سے وقفے سے مختلف سمتوں میں فائر کررہے ہیں۔ ان کی چلائی ہوئی گولیوں کے بے آواز شعلے بہت دور تک جاتے ہیں لیکن کمال بات یہ ہے کہ ان کی لمبی رینج کے ہتھیاروں سے ابھی تک کسی کے ہلاک یا زخمی ہونے کی رپورٹ نہیں ملی۔ وہ بس خوف زدہ کرنا چاہ رہے ہیں اور اپنی دانست میں ان کوششوں میں کامیاب ہیں۔"
"ان میں سے ایک آدھ کو زخمی کرنے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے پوچھا۔
"بہت مشکل ہے۔ وہ بلندی پر چھت کے گرد بنی ہوئی دیوار کے پیچھے چھپ کر، بلندی سے نیچے فائر کررہے ہیں۔ میرے آدمیوں کے لیے انہیں اپنے نشانے پر لینا ممکن نہیں ہے۔ نشیب سے بلندی کی طرف لیا جانے والا نشانہ مشکل سے لگتا ہے اور پھر انہیں دیوار کی آڑ بھی حاصل ہے۔"
"پھر انہیں بھول جاؤ۔ تمہارے آدمیوں کی بے مقصد فائرنگ ان کی خوش فہمی دور کردے گی۔ انہیں سمجھنے دو کہ ان کی بے آواز گولیوں سے ڈر کر ان کے حریف میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ ہم کو اب اپنی ساری توجہ نشیمن پر مرکوز رکھنی چاہیے۔"
اول خان وہاں فارغ نہیں بیٹھا ہوا تھا۔ بکتر بند گاڑیوں کی واپسی کے بعد اس نے اپنے ساتھی کو کام پر لگا دیا تھا۔ گاڑی اول خان کے قبضے میں تھی۔ اس کا معاون نشیمن کے عقبی حصے کی طرف چلا گیا تھا تاکہ ادھر سے دیوار پھاند کر فرار ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ وہ خود اس عمارت کے سامنے جما ہوا تھا۔ اسی کے ساتھ وہ اپنے اس اسٹرائیک یونٹ سے بھی رابطے میں تھا جو نشیمن کے قریب پہنچنے کے لیے اسٹیشن فور سے روانہ ہوچکا تھا۔
"تم کیا کہہ رہے تھے؟" میرے نمٹتے ہی ویرا نے میرے بائیں شانے پر ہاتھ رکھ کر ترشی سے پوچھا "میں انہیں کوسنا شروع کردوں!"
"ہتھیار نہیں ہے تو مجبوری ہے۔" میں نے شانے اچکا کے بے پروائی سے جواب دیا "ویسے تم عورت ذات ہو، خوب صورت اور بانکی ہو۔ چاہو تو انہیں اپنی تیکھی نظروں کے تیروں سے بھی گھائل کرسکتی ہو۔"
"نظریں کیا، میرے ترکش کے سارے تیر کند ہوچکے ہیں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تم غزالہ کے جادو کے ایسے اسیر ہوئے ہو کہ اب تم کو میری ذات میں کوئی کشش نظر نہیں آتی۔"
"وہسکی کے اثرات شاید ابھی تمہارے دماغ سے زائل نہیں ہوئے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تم پھر بہک رہی ہو۔"
"تم نے مجھے بہکنے کے قابل بھی نہیں چھوڑا۔ آدمی بہکتا ہے تو اپنی کچلی ہوئی خواہشوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے۔ میں یہ بھی نہیں کرسکتی۔ بس رنگین خوابوں اور موہوم امیدوں کے سہارے جیے چلی جارہی ہوں کہ شاید کبھی تمہارے پتھر سے دل میں میری چاہت کی جونک لگ سکے!"
"ہائیں!" میں نے حیرت سے کہا "یہ تم نے یکایک اتنی ثقیل اردو کیوں بولنی شروع کردی۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"
وہ بے بسی سے ہنس پڑی اور بولی "تم بہت سفاک ہو۔ ایسی بے..."
"بس آگے کچھ نہ کہنا۔" میں نے جلدی سے اسے اپنی بات پوری کرنے سے روک دیا "ساری خرابی یہ ہے کہ جب تم غزالہ سے اپنا موازنہ کرنا شروع کردیتی ہو تو اداس ہونے لگتی ہو۔ شام کو میں نے تمہیں بہت اچھے موڈ میں چھوڑا تھا۔"
"میں نے غزالہ سے اپنا موازنہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں آچکی ہے کہ وہ آسمان کی بلندیوں پر چمکتا ہوا چاند ہے اور میں گندے جوہڑ میں اس کے دھندلائے ہوئے عکس سے زیادہ نہیں ہوں۔ جب جوہڑ کی سطح متلاطم ہوتی ہے، یہ عکس بھی ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے، اپنی اصل میں کچھ بھی نہیں رہتا۔"
"ویرا! کچھ خدا کا خوف کرو۔ ہم بن ڈیوڈ کا مقابلہ کرنے جارہے ہیں۔ یہ تم نے کہاں کی باتیں نکال لیں!"
"مجھے مشورے نہ دو۔ تم اپنے خدا کا خوف کرو۔ تم فخر سے خود کو مسلمان کہتے ہو تو مسلمان بن کر دکھاؤ۔ ایسے معاملات میں تمہیں چار شادیوں تک کی چھوٹ حاصل ہے۔"
ویرا کی وہ بات سن کر میں سناٹے میں آگیا۔ وہ اشاروں کنایوں میں مجھ سے بہت کچھ کہتی رہتی تھی لیکن اس کی زبان

سے شادی کا وہ مطالبہ میں پہلی بار سن رہا تھا۔ چند ثانیوں تک مجھے اس کے بے ساختہ مطالبے کا کوئی جواب نہیں سوجھ سکا مگر میری کھوپڑی منجمد نہیں تھی۔ میں نے توقف کے بعد بولنا شروع کردیا ''یہ حکم نہیں ہے۔ ایک چھوٹ ہے جسے مرد کی اہلیت، ضرورت اور پھر صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔'' میں نے پھونک پھونک کر الفاظ کا انتخاب کرکے اپنی بات کا آغاز کیا تھا ''اگر مرد چاہے یعنی اس کو ضرورت ہو تو وہ ایک سے زیادہ نکاح کرسکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ سب بیویوں کے ساتھ پورا پورا انصاف کرسکے جو بہت ہی مشکل کام ہے۔''

''یہ کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو، کرنے والے کر گزرتے ہیں۔'' اس نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

''ضرور کرلیتے ہیں مگر وہ ہوس کاریاں ہوتی ہیں۔ تم نے ایسے گھروں کا حال بھی دیکھا ہوگا۔ مرد پرانی بیویوں سے اکتا کر نئی شادیاں کرتے ہیں پھر پرانی کو بھول کر نئی بیوی کی دل جوئیوں میں لگ جاتے ہیں جس کے نتیجے میں دن رات کی جوتم پیزار شروع ہوجاتی ہے۔ مجھے ایسا عذاب مول لینے سے دلچسپی نہیں ہے۔''

''پھر یہ مان لو کہ تمہیں اپنے اوپر اعتماد نہیں ہے۔ تم ڈرتے ہو کہ میرے سامنے غزالہ کا چراغ نہیں جل سکے گا۔''

''لاحول ولا قوۃ!'' میں نے جھلا کر کہا ''تم جو چاہو، سمجھ لو۔ میں اس موضوع پر بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔''

ویرا استہزائیہ انداز میں دھیرے سے ہنس پڑی ''میں تمہیں بہت دلیر سمجھتی تھی۔ تم ڈرپوک ہی نہیں بزدل بھی ہو۔''

''تمہاری یہ زہریلی چٹکیاں مجھے کسی غلط فیصلے پر مجبور نہیں کرسکتیں۔'' میں نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

''یہ تمہاری کمزوری نہیں، دنیا کے ہر خطے کا دستور ہے۔ مرد ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ عورتوں سے زندگی کی ساری رعنائیاں نچوڑ لینا چاہتے ہیں لیکن ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیوی کا بوجھ نہیں اٹھانا چاہتے۔ اب تو مغرب میں وہ اس اکلوتے بوجھ سے بھی بھاگنے لگے ہیں۔ دوستی کے نام پر اپنی گرل فرینڈ سے سب کچھ مل جاتا ہے، تو شادی کون کرے گا۔''

''اب تم نے ذرا ڈھنگ کی بات کی ہے۔ ہم لوگ اپنی مغربی برادری سے بہت بہتر ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں، پوری ذمے داری سے کرتے ہیں اور پھر ساتھ نبھاتے ہیں۔''

''تم نے یہ نہیں بتایا کہ میں خالی ہاتھ رہ کر کیا کرسکوں گی۔'' میری توقع کے برعکس ویرا نے اچانک موضوع بدل دیا۔

''ابھی تم سن چکی ہو کہ اول خان وہاں موجود ہے۔ اس کے اسٹرائیک یونٹ کی ایک گاڑی وہاں پہنچ رہی ہے۔ ان لوگوں کے پاس ہروقت فاضل ہتھیار اور میگزین موجود رہتے ہیں۔ منزل پر پہنچنے کے بعد تمہیں مسلح کردیا جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنی کارکردگی سے کسی کو مایوس نہیں کروگی۔''

''پورے شہر کی صاف ستھری دیواروں پر پیروں، فقیروں اور آستانوں کی طرف سے صاف لکھا ہوا ہے کہ مایوسی کفر ہے۔ میں کم از کم تمہیں مایوس نہیں کروں گی۔'' اس کے دماغ پر چھائی ہوئی قنوطیت حیرت ناک سرعت سے دور ہوکر اس کے مخصوص اور فطری انداز میں ڈھل رہی تھی۔

''میں شہر کی دیوار گیر مایوسیوں کی بات نہیں کررہا۔ میرا اشارہ...''

''بس، بس۔ رہنے دو۔'' ویرا نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا اور پہلے سے بول پڑی ''مجھے معلوم ہے کہ وہ ویاگرا سے دور ہونے والی مایوسیاں ہیں۔ امریکا میں سیکڑوں ہوس کار بڈھے اس دوا کے ری ایکشن کا شکار ہوکر مرچکے ہیں مگر پھر بھی وہاں اس کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب جلد ہی پاکستانی بڈھوں کی باری آنے والی ہے۔''

''کیا تم اس وقت بے سروپا باتیں نہیں کررہی ہو؟'' میں نے اس کی مداخلت سے چڑ کر سنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔

''انسانی ذہن کمپیوٹر نہیں ہے جس کا ایک بٹن دباتے ہی سب کچھ بدل جاتا ہے۔ میں کوشش کررہی ہوں کہ اس وقت تمہارے کسی ناپسندیدہ موضوع پر بات نہ کروں۔ تمہارا دماغی انتشار پوری مہم کا بیڑا غرق کرسکتا ہے۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتی۔'' اس نے مجھ سے زیادہ سنجیدگی سے جواب دیا۔

''پھر کچھ دیر کے لیے خاموش بیٹھی رہو۔ میرے لیے تمہاری خاموشی زیادہ سکون آور ثابت ہوگی۔'' میں نے کہا۔

وہ واقعی خاموش ہوگئی اور اپنی جانب کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

موہٹا پیلس سے پہلے والی بغلی سڑک پر مڑتے ہی اونچے احاطے والا مکان میری نظروں میں آگیا۔ اسے کسی بھی طرح نظرانداز کرنا ممکن نہیں تھا۔ سست رفتار سے اس مکان کے سامنے سے گزرتا ہوا، میں اولڈ کلفٹن کے پختہ پارکنگ ایریا میں پہنچ گیا جہاں اول خان کی جیپ موجود تھی۔ اس کا رخ اسی مکان کی طرف تھا۔ گاڑی روکنے اور انجن بند کردینے

کے بعد میں نے مڑ کر دیکھا کہ اونچی دیواروں والا پورا مکان اس جگہ سے بھی صاف نظر آرہا تھا۔ شاید اول خان نے اپنی جیپ پارک کرنے کے لیے اسی وجہ سے اس جگہ کا انتخاب کیا تھا۔

"تمہارے آجانے سے مجھے بہت تقویت ملی ہے۔ یوں معلوم ہورہا ہے جیسے میرے کندھوں سے کوئی بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔" اول خان نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "نشیمن کے تینوں طرف مکان واقع ہیں۔ پشت پر گندی گلی کے بجائے مکان ہے جس کے احاطے میں خوں خوار کتوں کا راج ہے۔ جو کچھ ہونا ہے' سامنے کے رخ پر ہی ہوگا۔"

"تم اکیلے ہو۔ اس وقت تمہارا معاون کہیں نظر نہیں آرہا۔" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"میں نے اسے پچھلی سڑک پر مامور کردیا ہے۔ اس بار میں فالکن ہاؤس والے واقعے کا اعادہ نہیں ہونے دوں گا۔ اسٹرائیک یونٹ آتا ہی ہوگا۔ وہ چاروں ہمارے ساتھ رہیں گے۔"

کچھ دیر پہلے اول خان کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ شاید بکتر بند گاڑیوں میں بن ڈیوڈ کو وہاں نہ لایا گیا ہو تو میں نے اس کے قیاس کی پر زور تردید کی تھی مگر اپنی تیاریوں کے اس مرحلے پر میرے ذہن میں شبہات سر ابھارنے لگے کہ بن ڈیوڈ ہمارے ہاتھ نہ آیا تو کیا ہوگا۔ وہ لوگ بکتر بند گاڑیوں میں اس کے سوا کسے لاسکتے تھے؟

"کیا بات ہے۔ تم اچانک کسی گہری سوچ میں پڑ گئے ہو۔" ویرا کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔

"کچھ نہیں' میں آنے والے وقت کے بارے میں کچھ سوچ رہا تھا۔" میں نے خجالت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ ہم تینوں تاروں کی چھاؤں میں' کھلے آسمان کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔ اسٹیل کے اونچے کھمبوں پر لگے ہوئے اسٹریٹ لیمپس کے دھیمے انعکاس میں مجھے ویرا کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک نظر آئی۔ وہ مسلسل میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"نہیں!" ویرا نے پورے وثوق سے کہا "تمہاری آنکھوں سے تذبذب جھلک رہا ہے۔ سچ بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے تھے۔"

میں چند ثانیوں تک پُر خیال نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا "تمہارا اندازہ درست ہے۔ غالب امکان یہ ہے کہ انہوں نے آج بن ڈیوڈ کو قونصل خانے سے نکالا ہوگا لیکن ایسا نہ ہوا تو کیا ہوسکتا ہے۔"

"پھر انہوں نے کیلی کو وہاں سے نکالا ہوگا۔" ویرا نے بے ساختہ کہا "سفارت کار عام طور پر ایسے بکھیڑوں میں نہیں الجھتے جن میں ان کے ملک کی بدنامی کا ڈر ہو۔ ذرا تصور کرو کہ عالمی پریس کے نمائندوں کی موجودگی میں آئی مین کو ان کے قونصل خانے سے پکڑا جاتا تو ان کا کیا حشر ہوتا۔ وہ فالکن ہاؤس سے بھاگ کر قونصل خانے ہی پہنچا ہوگا مگر وہ لوگ گھاگ ہیں۔ اس کی کہانی سنتے ہی اسے وہاں سے روانہ کردیا ہوگا۔ وہ جانتے ہیں کہ ایک مجرم کو سفارتی پناہ دینے کے نقصانات کیسے تباہ کن ہوسکتے ہیں...."

"تمہاری یہ دلیل مان لی جائے تو ڈینی کی پریس جانے کی دھمکیوں سے نک خائف کیوں ہوگیا تھا؟" اول خان نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔" ویرا نے شہادت کی انگلی سے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا "اس وقت تک بن ڈیوڈ وہیں تھا۔ نک نے تم سے بات ختم کرتے ہی اسے وہاں سے بھگا دیا یا شاید نکال دیا۔"

"پھر بعد کی ساری بھاگ دوڑ کی کیا ضرورت تھی۔" اول خان نے سوال کیا "ان کے آدمی گولیاں چلا رہے ہیں۔ دو بکتر بند گاڑیاں تھوڑی دیر پہلے یہاں سے گئی ہیں۔"

"یہ قابل غور مسئلہ ہے۔ کیلی زخمی ہے۔ چل پھر نہیں سکتی۔ ہوسکتا ہے کہ اسے نشیمن میں لایا گیا ہو۔"

اچانک اول خان کے ایرپیس پر اشارہ موصول ہونے لگا اور وہ بات وہیں رہ گئی۔

اس کا اسٹرائیک یونٹ آچکا تھا۔ اول خان کی ہدایت کے مطابق وہ مین روڈ پر ہی رک گئے تھے۔ ہم تین افراد پہلے سے وہاں جمع تھے۔ مزید چار افراد ہمارے ساتھ آملتے تو وہ نفری بلا وجہ ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن سکتی تھی۔ ان چاروں کا ہم سے دور رہ کر آپریشن میں حصہ لینا بہتر تھا۔

ہمارے درمیان اس آپریشن کی جزئیات کے بارے میں بات نہیں ہوئی تھی۔ میں اول خان کی ہدایات کو دھیان سے سنتا رہا۔ ہمیں ان چاروں کو اپنی اپنی جگہوں پر پہنچنے کے لیے صرف پانچ منٹ کا وقت دینا تھا۔ اس دوران میں اول خان نے میرے ایما پر اپنی جیپ سے نکال کر بڑے بور کا ایک لوڈڈ پستول فاضل میگزین سمیت ویرا کے حوالے کردیا۔

پانچ منٹ پورے ہوتے ہی اول خان کو اسٹرائیک یونٹ کی طرف سے آل اوکے کا پیغام مل گیا۔

"اول خان اچھل کر اپنی جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ

گیا۔ ویرا میرے ساتھ چپک کر پسنجر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ جیپ کا انجن غرا کر بیدار ہوا اور اول خان نے آہستگی سے گیئر ڈال دیا۔ نشیمن ہماری نگاہوں کے سامنے تھا۔ اول خان نے چشم زدن میں جیپ اس کے مہیب فولادی گیٹ کے سامنے روک کر ہارن بجا دیا۔

گیٹ اپنی جگہ ساکت رہا۔ چند ثانیوں بعد اس کی ذیلی کھڑکی کھلی اور ایک تنومند پٹھان نے باہر جھانکا۔

"گیٹ کھولو! ہم اندر جانا چاہتے ہیں۔" اول خان نے رعب دار آواز اور تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"صاب! تم کون لوگ ہے۔ کس سے ملنا ہے؟" نوجوان چوکیدار نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنی پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

"دروازہ کھولو۔ ہم سرکاری آدمی ہیں!" اول خان نے کڑک کر کہا۔

اس بار چوکیدار اس کے لہجے کی تاب نہ لا سکا اور پھرتی سے اندر غائب ہوگیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ رعب میں آکر فوری طور پر پھاٹک کھول دے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ اپنے مالک کی اجازت کے بغیر وہ شاید کچھ کرنے کا عادی نہیں تھا۔ وہ ایک اصولی عادت تھی۔ شاید اسی وجہ سے دیکھ بھال اور چوکیداری کے کاموں کے لیے ان پڑھ پٹھان بہت مقبول تھے۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں۔ مجھے خدشہ تھا کہ اندر سے اچانک محاذ آرائی شروع کردی جائے گی۔ آہنی چادروں والی بند جیپ میں ہم قدرے محفوظ تھے مگر دو تین نشانے باز چاند ماری شروع کردیتے تو ہمارا بچنا محال تھا۔ وہ ایک ناگزیر خطرہ تھا جسے مول لیے بغیر نشیمن میں داخل ہونے کا کوئی دوسرا امکان موجود نہیں تھا۔

ہمارا وہ صبر آزما انتظار زیادہ طویل نہیں رہا۔ چوکیدار نے شاید انٹرکام پر اپنے مالک سے اجازت لی اور آہنی پھاٹک کے دونوں پٹ ایک مشینی جھٹکے کے ساتھ اندر کی طرف کھلتے چلے گئے۔ اول خان کا اندازہ درست تھا کہ وہ پھاٹک کسی برقی موٹر سے کھلتا اور بند ہوتا تھا۔ اندر ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

کھلے ہوئے پھاٹک میں سے وسیع و عریض پورچ نظر آرہا تھا جس میں کم از کم تین گاڑیاں برابر برابر کھڑی ہوسکتی تھیں۔ پھاٹک کے اندر کھلنے کی وجہ سے ڈرائیو وے اور پورچ کی گہرائی بھی کم نہیں تھی۔ اس کشادہ جگہ میں اس وقت صرف ایک گاڑی کھڑی ہوئی تھی جو حقیر معلوم ہورہی تھی۔ ہماری جیپ اندر پہنچنے کے بعد گیٹ بند کردیا گیا۔

اول خان نے جیپ تیزی سے آگے بڑھائی اور پورچ کے تقریباً وسط میں روک دی۔ ہم گاڑی سے اتر رہے تھے تو عمارت کے صدر دروازے سے جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس ایک دراز قامت سفید فام نمودار ہوا۔ اس نے بے پروائی سے اپنے دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے ہوئے تھے اور اس کی پیشانی پر نظر آنے والی شکنیں اس کی ناگواری کا اظہار کررہی تھیں۔

"ہے... تم لوگ کون ہو۔ کس سرکاری محکمے سے آئے ہو؟" اس نے برآمدے میں رک کر اونچی اور تحقیر آمیز آواز میں پوچھا۔ اس کا انگریزی لب و لہجہ امریکیوں جیسا تھا۔

وہ ٹیڑھا سوال تھا۔ میں نے اول خان کی طرف دیکھا۔ اس کے لیے شاید وہ سوال نیا نہیں تھا۔ اس نے پورے اعتماد سے کہا "ہم اسپیشل فورس سے آئے ہیں۔ ہمیں چند مفرور غیر ملکی مجرموں کی تلاش ہے۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ وہ یہاں روپوش ہیں۔"

اس نے غلط بیانی نہیں کی تھی بس درمیان میں سے ٹاسک کا لفظ اڑا دیا تھا۔ گورے کا منہ بن گیا "کس اتھارٹی کے تحت میرے گھر میں داخل ہوئے ہو۔ کوئی وارنٹ لائے ہو یا اونٹ کی طرح منہ اٹھا کر یہاں گھس آئے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرا نام پروفیسر ڈونلڈ آرمسٹرانگ ہے اور میں تمہارے اسٹیٹ بینک میں اکنامک کنسلٹنٹ کے طور پر کچھ پروجیکٹ فائنل کرنے آیا ہوں۔"

"ہمیں تمہارے نام اور عہدے سے غرض نہیں ہے۔" اول خان نے اس کے ابتدائی سوالات کے جواب گول کرتے ہوئے پورے اعتماد سے کہا "گھر کی تلاشی لیں گے۔ کچھ نہ ملا تو تم سے دست بستہ معذرت کرکے واپس چلے جائیں گے۔"

گفتگو کے دوران اول خان نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی تھی جبکہ ڈونلڈ اپنی جگہ جما رہا تھا۔ نتیجے میں ہم تینوں برآمدے تک پہنچ چکے تھے۔

"یہ کھلی غنڈا گردی ہے۔ میں احتجاج کروں گا اور یہاں سے چلا جاؤں گا۔" اس نے دھمکی دی۔

"یہ تمہاری مرضی ہے کہ جو چاہو وہ کرو۔" اول خان نے اپنے بغلی ہولسٹر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا "ہم جو کام کرنے آئے ہیں وہ کرکے واپس جائیں گے۔ ہمیں اندر جانے کا راستہ دو!"

وہ کوئی تشدد پسند غنڈا نہیں تھا۔ خاموشی سے علامتی

طور پر ایک طرف سرک گیا مگر اس کی زبان چلتی رہی "تم لوگ اس طرح دندناتے ہوئے آئے ہو جیسے میں کوئی چور یا بدمعاش ہوں۔ مجھے معلوم ہوتا کہ اس گھٹیا ملک میں آنے والی غیر ملکی شخصیات کے ساتھ ایسا من مانا سلوک کیا جاتا ہے تو میں ہرگز ادھر کا رخ نہ کرتا۔"

"اب معلوم ہو گیا تو آئندہ احتیاط رکھنا۔" ویرا زہریلے لہجے میں اچانک بول پڑی "تم اس ملک پر احسان کرنے نہیں آئے۔ ان سے اپنے وقت کی بھاری قیمت وصول کرو گے۔ یہ صرف سفید چمڑی کا کمال ہے کہ تمہاری کوئی ضرورت پیدا ہوئی ورنہ پاکستان میں تم سے زیادہ قابل، ماہر اور تجربے کار اکنامسٹ موجود ہیں جو تم جیسے دس پروفیسروں کو اپنی ٹانگوں کے نیچے سے نکال کر کوڑے میں پھینک سکتے ہیں۔"

"اوہ! اپنے لب و لہجے سے تم امریکی معلوم ہوتی ہو۔ حیرت کی بات ہے کہ تم ان گندے لوگوں کی وکالت کر رہی ہو۔" وہ تحیرزدہ آواز میں بولا۔

"میں امریکا میں آوارہ مردوں کے اشاروں پر ناچنے والی تتلی تھی۔ میں نے ان گندے لوگوں میں آ کر زندگی کا صحیح مفہوم سمجھا ہے۔ میری زبان سے ان کی ترجمانی سن کر تمہیں حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ دونوں ہاتھ جیبوں میں رکھو اور آگے چل پڑو۔" ویرا نے اچانک اپنی جیب سے ریوالور نکال کر اس پر تان لیا۔

پروفیسر کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ "کک..... کیا کر رہی ہو۔ اس کی نال نیچے گراؤ۔ یہ چل بھی سکتا ہے۔"

"بالکل چل سکتا ہے مگر اشارے کے بغیر نہیں۔ چلو آگے بڑھو۔" ویرا نے ریوالور کی مہیب نال کو جنبش دے کر اسے للکارا "چلتے رہو اور بولتے رہو۔ اس گھر میں تمہارے سوا اور کون ہے؟"

میں چوکیدار کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ پتا نہیں اس کی تعلیمی استعداد کیا تھی۔ وہ انگریزی میں ہونے والی باتیں سمجھ رہا تھا یا کورا تھا۔ کم از کم یہ غنیمت تھا کہ ویرا کے پستول نکالنے پر اس نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ شاید اول خان کی زبان سے اسپیشل فورس کا نام سننے کے بعد اس نے ٹکراؤ میں غیر جانب دار رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا ورنہ پستول برآمد ہوتے ہی وہ اپنے کندھے سے رائفل اتار کر ہم تینوں کو آسانی سے اپنے نشانے پر لے سکتا تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ اول خان بھی اس سے غافل نہیں تھا۔ پروفیسر کے پیچھے مکان میں داخل ہونے سے پہلے اس نے مڑ کر چوکیدار سے کچھ کہا۔ وہ دو تین مختصر فقرے تھے جنہیں سن کر چوکیدار تفہیمی انداز میں سر ہلاتا ہوا بند گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی بڑبڑاہٹ میرے لیے ناقابلِ فہم تھی۔

"پٹھان بے غیرتوں اور غداروں سے نفرت کرتے ہیں۔" اول خان نے اردو میں مجھے بتایا "میں نے چوکیدار کو اس کے مالک کے یہی دو خواص بتائے ہیں۔ اب اندر کسی کو ذبح بھی کر دیا جائے تو وہ پھاٹک سے نہیں ملے گا۔ یہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔"

"پتا نہیں تم کو کس کی تلاش ہے۔" ادھر پروفیسر ڈونلڈ جھلائی ہوئی آواز میں ویرا سے کہہ رہا تھا "اس گھر میں میرے تین ملازموں اور ایک بیمار مہمان کے سوا کوئی نہیں ہے ہم سب بے ضرر لوگ ہیں۔ تم بلاوجہ ہمارے ذہنی سکون کو برباد کر رہے ہو۔"

"پاکستان میں رہ کر تم نے پاکستانیوں کو حقارت سے گندہ کہا ہے۔ یہ تمہاری بیمار اور گندی ذہنیت کا ثبوت ہے۔" ویرا نے جواب دیا "اگر یہاں سے کچھ بھی نہ ملا تب بھی تم کو تمہاری اس جسارت کی سزا ضرور ملے گی۔ اپنے ذہنی سکون کی بربادی کو اس سزا میں شمار کر لینا۔ حساب برابر ہو جائے گا۔"

"اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو تو ویرا ہو..... ویرا لائیڈ۔" پروفیسر کو خاصی تاخیر سے وہ نکتہ یاد آیا۔ "میں واشنگٹن کے اخباروں میں تمہارے بارے میں پڑھتا رہا ہوں۔ اپنے وطن کی دشمنی میں تم اتنی آگے جا چکی ہو کہ اب پاکستانیوں سے زیادہ پاکستانی سمجھی جاتی ہو۔ میں غیروں کو برا کہہ رہا تھا۔ تم تو اپنے لوگوں کے خلاف زہر اگلنے کی مشین بن چکی ہو۔ تمہارے لیے تجویز کی جانے والی ہر سزا تمہارے جرم کے مقابلے میں کم تر رہے گی۔"

"ایک اکنامسٹ پروفیسر کو پیشہ ور ہونا چاہیے۔ اسے ویرا یا کسی اور کی ذات سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔" اس بار میں نے زبان کھولی تھی۔ "اگر تم میری ساتھی کی باتوں کی بنا پر اسے ویرا سمجھ رہے ہو تو پھر تم صرف پروفیسر نہیں ایک بہروپیے ہو جو روپ بدل کر یہاں اپنے مقاصد کے لیے کام کر رہے ہو۔"

"تم جھوٹے ہو۔" وہ غرایا "یہاں میرا کوئی خفیہ مقصد کارفرما نہیں ہے۔"

اس تکرار میں وہ ڈرائنگ روم سے گزرتا ہوا ایک لابی سے نکلا اور پھر ایک کھلے روشن کمرے کی طرف ہو لیا۔

بڑھتے بڑھتے اسے اچانک کوئی خیال آیا اور وہ اڑیل ٹٹو کی طرح ایک جگہ رک گیا "اب میں ایک قدم بھی آگے

نہیں بڑھوں گا۔ پہلے اپنے قونصل خانے کو تمہاری آمد کی خبر دوں گا۔"

"حلق کے بل چیخو۔ تمہارا کوئی نہ کوئی ہمدرد تمہاری آواز سن لے گا۔

"بکومت۔ میں فون کرنا چاہتا ہوں۔" وہ بے ساختہ چیخ پڑا۔

میں زہریلے انداز میں ہنس پڑا۔ "ہمارے کچھ آدمی باہر بھی موجود ہیں۔ وہ تمہارے فون کے تار کاٹ چکے ہوں گے۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں میرے پاس سیلولر فون موجود ہے۔" اس نے جیب سے اپنا داہنا ہاتھ باہر نکالا تو اس میں مختصر سا موبائل فون دبا ہوا تھا۔

"خبردار جو اسے آپریٹ کیا' یہ فون نیچے پھینک دو۔" اول خان نے اضطرابی انداز میں اسے حکم دیا۔

وہ نہ مانا۔ اس کی انگلیاں اس فون کے پیڈ پر متحرک ہو چکی تھیں۔ اچانک ویرا فضا میں اچھلی اور اڑتی ہوئی اس کے قریب سے گزر گئی۔ پروفیسر کے حلق سے ایک کریہہ چیخ برآمد ہوئی اور اس کا موبائل فون اڑتا ہوا' اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کی داہنی کلائی پر ویرا کی بھرپور لات پڑی تھی۔

پروفیسر کا فون مختصر ہونے کے ساتھ نازک بھی تھا۔ وہ دیوار سے ٹکرا کر قالین پر گرا تو اس کے پرزے بکھر کر رہ گئے تھے۔

وہ اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ کر میری طرف لپکا تو ویرا نے اس کی گردن پر ایک زوردار ہاتھ رسید کر دیا۔ وہ صحت مند ضرور تھا لیکن زیادہ توانا نہیں تھا۔ کراہتا ہوا نیچے ڈھیر ہو گیا۔

"اوہ گاڈ..... یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ڈونی! تم کہاں ہو؟"

اچانک روشن کمرے سے ایک خوف زدہ نسوانی آواز بلند ہوئی اور میرے کان کھڑے ہو گئے اگر مجھ سے اندازے میں غلطی نہیں ہوئی تھی تو وہ آواز سو فیصد کیلی بائرن کی تھی۔

میرے لیے رکنا محال ہو گیا۔ میں نے ڈونلڈ کو ویرا کے رحم و کرم پر چھوڑ کر روشن کمرے کی طرف دوڑ لگائی۔

کیلی نرم اور شاندار بیڈ پر دراز تھی۔ اس کے چہرے پر نقاہت اور تکلیف کے ساتھ خوف کے آثار بھی ابھر آئے تھے۔ اپنے کولہے کے زخم کے باعث وہ ملنے جلنے سے معذور تھی لیکن اس نے میرا چہرہ دیکھ لیا اور پھر خوف سے اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

"اوہ میرے خدا! تم کسی عفریت کی طرح میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو۔ یہاں بھی پہنچ گئے۔" اس کے حلق سے دبی دبی

خوف زدہ سی چیخ کی صورت میں آواز برآمد ہوئی۔
وہ صدف مینشن میں مجھے جلال کے ساتھ دیکھ چکی تھی۔ اس ملاقات کی یادیں اس کے ذہن میں تازہ تھیں۔ اس نے ایک جھلک دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا۔
"آدمی کے اعمال قبر تک بلکہ اس کے بعد بھی اس کا پیچھا کرتے ہیں اور اسے جنت یا جہنم میں پہنچا کر چھوڑتے ہیں۔ اسی طرح میں تمہارے اور بن کے جرائم کی سزا ہوں۔ جب تک تم دونوں اپنے اپنے کیفرِ کردار کو نہیں پہنچ جاتے' میں بار بار تمہارے سامنے آتا رہوں گا۔" میں نے اسے دہشت زدہ کرنے کے لیے سفّاکانہ لہجے میں کہا۔
"تم میرے ساتھ بدعہدی نہیں کرسکتے۔" وہ رو دینے والی آواز میں گڑگڑائی۔ "مجھے جو کچھ معلوم تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔ خدا کی قسم مجھے اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں۔ مجھ زخمی عورت کو زیادہ ہراساں مت کرو۔ میں نے تمہیں یہ تک بتا دیا تھا کہ ہمارے پاسپورٹ کہاں چھپے ہوئے ہیں۔"
"ہمیں پاسپورٹ نہیں چاہیے' بن ڈیوڈ درکار ہے' وہ کہاں ہوگا؟" میں نے ڈپٹ کر پوچھا۔
اول خان میرے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ باہر سے ڈونلڈ کی دبی دبی چیخوں اور کراہوں کی آواز آرہی تھی۔ شاید ویرا اس مکار اکنامسٹ کی درگت بنا کر اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔
ڈونلڈ سے امریکیوں نے جس انداز میں کام لیا تھا اس سے ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کی انجام دہی کے ساتھ امریکی ایجنسیوں کا آلہ کار بھی تھا۔ نک نے کیلی کو اپنے قونصل خانے کے لیے خطرہ سمجھ کر اسے اطمینان سے ڈونلڈ کے گھر ڈال دیا تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے امریکی نژاد اقتصادی مشیر کا گھر غیر ملکی مجرموں کی پناہ گاہ کے طور پر استعمال ہو رہا ہوگا۔ وہ پڑھا لکھا آدمی تھا۔ بدمعاشی اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔ میں نے بلند آواز میں ویرا کو ہدایت کی کہ اسے خاموش کردے۔
ڈونلڈ کی چیخ و پکار ختم ہونے کے بعد میں کیلی سے زیادہ یک سوئی کے ساتھ جرح کرسکتا تھا۔ وہ میری ذات سے خوف زدہ تھی۔ یہ خوف آسانی سے اس کی زبان کھلوا سکتا تھا۔
"اسے چیخنے اور سسکنے دو۔ میں اس حرام زادے سے مزہ لے رہی ہوں۔" چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان ویرا کی آواز آئی۔ "تم اپنا کام کرو۔ میں اپنا کام کر رہی ہوں۔ بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی ہے پھر یہ فر فر بولنا شروع کردے گا۔"
"مجھے نہیں معلوم کہ بن اس وقت کہاں ہوگا۔" کیلی نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا۔
"تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔ یہ بہت زیادہ ضروری ہے۔" میں نے دھیمی اور ڈراؤنی آواز میں کہا "تمہارے حافظے نے تمہارا ساتھ نہ دیا تو میں تمہیں ایک بار پھر اسی قید خانے میں لے جاؤں گا جہاں میرا بدتمیز ساتھی بھی ہوتا ہے۔ وہ میری طرح عورتوں سے کوئی رعایت نہیں کرتا۔ انہیں زیادہ آسانی سے اذیت پہنچاتا ہے۔"
"نہیں..... مجھے نہیں معلوم۔" وہ اپنی آنکھیں بھینچ کر بے بسی سے اپنا سر دائیں بائیں جھٹکنے لگی۔
"تم یہاں آنے سے پہلے کہاں تھیں؟" میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد ایک نئے تسلسل کا پہلا سوال کیا۔
"نک اور ٹام نے مجھے قونصل خانے پہنچایا تھا۔ میں وہیں ایک کمرے میں زیرِ علاج تھی۔" اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
"وہاں بن ڈیوڈ سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔
اس نے اپنے سر کو اثبات میں خفیف سی جنبش دی اور نحیف آواز میں بولی "وہ دو مرتبہ میرے پاس آیا تھا۔ باتیں کر کے چلا گیا۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ وہیں رہ رہا تھا یا کہیں اور سے آیا تھا۔"
"وری گڈ! اپنی یادداشت پر زور دے کر اسی طرح بولتی رہو گی تو بڑے عذاب سے بچو گی۔ یہاں تمہیں کون لایا تھا؟"
"مجھے نہیں معلوم۔" اس کی آواز رندھی ہوئی سی ہوگئی "میں سو گئی تھی یا شاید مجھے وہیں بے ہوش کردیا گیا تھا۔ ابھی چند منٹ پہلے مجھے ہوش آیا تو میں یہاں موجود تھی۔ ڈونی میرے سرہانے موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ نک اپنے آدمیوں کی معیّت میں مجھے یہاں چھوڑ کر گیا تھا۔
"تم چند منٹ کی بات کر رہی ہو لیکن ڈونلڈ کو اتنی بے تکلفی سے ڈونی کہہ کر پکار رہی ہو جیسے اس سے برسوں پرانا ساتھ ہو۔"
"تم کو معلوم ہے میں جھوٹ نہیں بولتی۔" اس نے سہم کر کہا "مجھے معلوم ہے کہ تم کیسے لوگ ہو۔ میں تمہیں دھوکا دینے کی کوشش نہیں کرسکتی۔ ڈونی سے واقعی میرے پرانے مراسم ہیں۔ لاس اینجلس میں ہم دونوں دو سال تک ایک ہی بوڑھی کے گھر میں پے انگ گیسٹ کے طور پر رہ رہے تھے۔ میں اچانک اسے اپنے قریب دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔"
"ڈونلڈ کیا کرتا ہے؟" میں نے دوٹوک لہجے میں پوچھا۔

باہر سے آنے والی چیخوں اور کراہوں کا سلسلہ اس وقت تک موقوف ہو چکا تھا۔ ویرا اور ڈونلڈ کے بولنے کی آوازوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا نے آخر کار اپنے حریف کے سارے کس بل نکال دیے تھے۔

"اس نے معاشیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہے۔ کسی بڑے سرکاری عہدے پر کام کرتا ہے۔"

"یہ بات وہ ظاہر کرتا ہے۔ میں اس کی خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"وہ..... وہ طالب علمی کے زمانے سے سرکاری ایجنٹوں کے لیے کام کرتا رہتا تھا۔ لاس اینجلس میں وہ فخر سے مجھے بتایا کرتا تھا کہ ایف بی آئی، سی آئی اے اور دوسری ایجنسیوں کے افسراس سے ملنے کے لیے گیسٹ ہاؤس آتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے کام کر کے وہ اتنے ڈالر کما لیتا تھا کہ تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے بعد شاہانہ زندگی گزارتا تھا۔ اس زمانے میں اس نے کنور ٹیبل جیگوار جیسی مہنگی اور شان دار گاڑی رکھی ہوئی تھی۔" کیلی ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔

"وہ اب بھی ان کے لیے کام کر رہا ہے!" میں نے کیلی سے تصدیق چاہی۔

"اگر نک نے مجھے یہاں پہنچایا ہے تو وہ ضرور اس کے لیے کام کر رہا ہوگا۔" اس نے کمزور لہجے میں جواب دیا "ابھی اس سے اس بارے میں میری بات نہیں ہوئی۔"

"تم نک کو کیسے جانتی ہو؟" بات میں سے بات نکلتی چلی آ رہی تھی۔

"وہ بن کے قریبی دوستوں میں شامل ہے اور ایف بی آئی کا تنخواہ دار افسر ہے۔ پاکستان آنے سے پہلے مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ یہاں تعینات ہے۔ یہاں وہ بن سے ملتا رہا تھا۔"

"اور پھر تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں بن کی اصل مصروفیات کا علم نہیں ہے۔" میں نے طنز سے پوچھا۔

"میں قسم کھا سکتی ہوں کہ مجھے اس بارے میں بالکل علم نہیں ہے۔ اس کی رازدارانہ سرگرمیوں اور مشتبہ لوگوں سے میل جول کی وجہ سے بس اتنا اندازہ ہے کہ وہ یہاں کوئی غلط یا غیر قانونی کام کر رہا تھا۔ اس کی زیادہ تر سرگرمیاں خفیہ ہوتی ہیں اور وہ بلا ضرورت باہر نکلنے سے کتراتا ہے۔" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں جواب دیا۔

"وہ یہاں کن لوگوں سے ملتا جلتا رہتا تھا؟" میں نے اس کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑ کے پوچھا۔

ارادے

ایک پاگل کو علاج کے بعد صحت یاب قرار دے کر پاگل خانے سے رخصت کیا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر نے پوچھا "باہر کی دنیا میں جا کر اب تمہارا کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

"میرے سامنے کئی راستے ہیں۔" سابق پاگل نے متانت سے کہا "ایک تو میں سوچ رہا ہوں پہلے ہی کی طرح ڈاکٹر کے طور پر پریکٹس شروع کر دوں۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ میں اخباری رپورٹر بن جاؤں یا پھر میں سوچ رہا ہوں کہ کیتلی کے طور پر ہی کام کرتا رہوں جیسا کہ میں یہاں کر رہا تھا۔"

"میں تمہارے پر ہول قید خانے میں اس سوال کا جواب دے چکی ہوں۔ مجھے صرف دو نام معلوم تھے۔ چوپڑا اور راجا۔ وہ ان سے بات کرتا تھا۔ ان کے فون آتے تھے۔ میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

"ابھی تم نے بتایا ہے کہ نک اس سے ملتا رہتا تھا۔ تم دونوں کو پاکستان آئے تین مہینے ہو چکے ہیں۔ اس دوران میں وہ کتنی بار آیا تھا؟"

"تین یا شاید چار بار۔" اس نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے جواب دیا "میں اسے بن کا دوست سمجھتی تھی۔ مجھے یہ اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کسی خفیہ کام کے چکر میں بن کے پاس آتا ہے۔" یکایک اس کی آواز خوف سے کمزور ہو گئی "کیا نک یہاں کوئی گڑبڑ کر رہا ہے؟"

"نک تمہارے بن کا سرپرست ہے۔ سب کچھ اسی کے ایما پر ہو رہا ہے۔"

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میرے ہاتھ صاف ہیں۔ میں کسی گندے کھیل میں شامل نہیں ہوں۔ تم مجھے معاف کر کے رہائی دے چکے ہو۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ نک مجھے یہاں چھوڑ گیا اور میں دوبارہ تمہارے سامنے آ گئی۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب موقع ملا تو میں بن کو سمجھا بجھا کر یہاں سے واپس نکال لے جاؤں گی۔ نک کی وجہ سے ہم اپنی زندگیاں داؤ پر نہیں لگا سکتے۔ یہ بات اب بن کی سمجھ میں

آجانی چاہیے کہ پاکستان ہم لوگوں کے لیے خطرناک ملک ہے۔ ہمیں امریکا میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ جس کے لیے ہم دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں۔"

اسی وقت ویرا' ڈونلڈ کو دھکے دیتی ہوئی اسی کمرے میں لے آئی۔ ڈونلڈ کی حالت ابتر تھی۔ اس کے چہرے یا جسم پر کوئی بڑا یا کاری زخم نہیں آیا تھا مگر ویرا نے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ اس کا پورا چہرہ ضربات اور خراشوں سے بھرا ہوا تھا۔ زخموں سے رسنے والے خون نے اس کا چہرہ بھیانک بنا دیا تھا۔ کمال کی بات یہ تھی کہ اپنے حریف کا جغرافیہ بدل دینے کے باوجود ویرا تر و تازہ نظر آرہی تھی۔ اس کے جسم یا لباس پر کوئی خراش آئی تھی نہ کوئی داغ دھبا نظر آرہا تھا۔

"جو کچھ بکا ہے اب وہ دہرانا شروع کردو۔" ویرا نے اپنے سینڈل کی نوک سے اس کی پشت پر ہلکی سی ضرب لگا کر کہا۔

اس تذلیل پر ڈونلڈ تلملا کر رہ گیا اور تقریباً چیختے ہوئے بولا "ان چیرہ دستیوں کے لیے تم کو جواب دہ ہونا پڑے گا۔ میں دیکھوں گا کہ تمہارے پروجیکٹ کیسے مکمل ہوتے ہیں۔"

کیلی پر تشویش نظروں سے اس کی طرف دیکھے جارہی تھی۔ اس نے خوف سے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا "ڈونی ڈارلنگ! غصہ تھوک دو اور ہوش سے کام لو۔ یہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ میں ان کو بھگت چکی ہوں۔ تم نے ان کا قید خانہ دیکھ لیا تو دہشت سے تمہارا پیشاب خطا ہوسکتا ہے۔"

"مم... میں لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہوں۔" وہ ہانپتے ہوئے بولا "یہ بہت ذلیل لڑکی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک عورت ذات مجھ پر ایسا شرمناک تشدد کرسکتی ہے۔ یہ لوگ مجھ سے دور رہ کر شرافت سے بات کریں تو میں ان کی ہربات کا جواب دینے کے لیے تیار رہوں۔"

اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ اس نے وہ باتیں کیلی سے کہی تھیں لیکن ویرا اس وقت ڈونلڈ کے حق میں خدائی فوجدار ثابت ہورہی تھی۔ غرا کر بولی "ابھی میں دور ہوں' مگر زیادہ دیر تک تم سے دور نہیں رہ سکوں گی۔ شرافت سے اور تیزی سے اپنی کہانی دہرانی شروع کردو۔"

فوری طور پر ڈونلڈ کی زبان نہیں چل سکی۔ وہ گومگو کے عالم میں تھا کہ ویرا نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور وہ ہذیانی انداز میں بلبلاتا ہوا یوں دہرا ہوگیا جیسے ویرا اس کے جسم کے وسطی حصے پر کوئی کاری ضرب لگانے والی ہو۔ اس نے آگے جھک کر اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں میں پھنسا لیے تھے۔

"میں لکھنے پڑھنے والا شریف آدمی ہوں۔" ویرا کو اپنی جگہ پر رکتا دیکھ کر ڈونلڈ نے فوری طور پر بولنا شروع کردیا "مجھ پر تم لوگوں کا عذاب نک ہاروے کی وجہ سے نازل ہوا ہے۔ اس کا مجھ پر صرف اتنا احسان تھا کہ اس نے کسی زمانے میں میرا تعلیمی خرچ پورا کرنے میں میری مدد کی تھی۔ وہ رقم اس نے مجھے عطیے میں نہیں دی تھی۔ مجھ سے مخبری کے چھوٹے موٹے اور بے ضرر کام لیے تھے۔ بعد میں اس نے مجھے ٹیڑھے کام سونپے تو میں نے انکار کردیا۔ اس وقت اس نے مجھے بتایا کہ میرے پرانے کام بھی معمولی اور بے ضرر نہیں تھے۔ وہ جرائم ثابت ہونے پر امریکا کی کوئی بھی عدالت کم از کم سات سال کے لیے مجھے اندر کرسکتی تھی۔ خدا اسے غارت کرے۔ وہ پکا بلیک میلر ہے۔ وہ میرے کیریر کی ابتدا تھی۔ مجھے عدالت سے ایک گھنٹے کی بھی سزا ہوجاتی تو میرا مستقبل تباہ و برباد ہوجاتا۔ میں اس کے لیے کام کرنے پر مجبور ہوگیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن' نک ہمزاد کی طرح میرے سر پر مسلط ہے۔ مجھے پیسے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں بے حساب دولت کما رہا ہوں مگر میں اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے امریکا کی وزارتِ خزانہ بھی نک کی غلام ہے۔ میرا کہیں بھی' دنیا کے کسی بھی ملک میں تبادلہ ہوتا ہے تو نک مجھ سے پہلے اپنے کسی مشن پر وہاں موجود ہوتا ہے۔ وہ میری انا اور مقام کا کوئی لحاظ کیے بغیر بے دردی سے مجھے استعمال کرتا ہے اور پھر کچھ عرصے کے لیے غائب ہوجاتا ہے۔ شروع شروع میں' میں تبادلوں پر خوش ہوا کرتا تھا کہ امریکا سے باہر رہ کر میں نک کے آسیبی سائے سے محفوظ رہوں گا۔ وہ نائیجیریا' گھانا اور آسٹریلیا میں مجھ سے ٹکرایا تو میں اسے اتفاق سمجھا تھا مگر پھر وہ بار بار سامنے آتا چلا گیا۔ اس مردود نے میری شہ رگ پر ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ اس کے لیے ہر نیا کام کرنے کے بعد مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرے گرد اس کے جال کی ڈوریاں اور کس چکی ہیں....."

"زیادہ اونچی اڑان لینے کی کوشش مت کرو۔" ویرا نے اسے ڈانٹ دیا۔ "ابھی تک وہ تمہارا چہیتا آقا تھا۔ اب تم اس کے خلاف زہر اگل رہے ہو۔ یہ نہ سمجھو کہ اس پر لعن طعن بھیج کر تم ہماری نظروں میں خود کو بے گناہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوجاؤ گے۔"

"تمہارے لیے یہ سب جاننا ضروری ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "میں حالات کا شکار ہوا ہوں۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ سیکرٹ ایجنٹ کس طرح معصوم اور بھولے بھالے نوجوانوں کو اپنے چنگل میں پھانستے ہیں' میں اپنی اس

دہری زندگی سے تنگ آیا ہوا ہوں۔ زبان کھولنے پر مجبور کر دیا گیا ہوں تو کھل کر سب کچھ بتا رہا ہوں۔"

"ڈونی! کیا نک واقعی برا اور خطرناک آدمی ہے؟" کیلی کے ہونٹوں سے سہمی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

"وہ شاید اس سے بھی زیادہ برا اور خونی آدمی ہے۔" ڈونلڈ نے نفرت آمیز لہجے میں جواب دیا "میں نے بات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے اس لیے اسے زیادہ کھل کر سامنے آنے کا موقع نہیں مل سکا۔ جو لوگ مزاحمت کرتے ہوں گے، ان سے وہ بہت طرح پیش آتا ہوگا۔"

"چلو، کچھ دیر کے لیے ہم مانے لیتے ہیں کہ اس نے جھوٹ اور مکاری سے کام لے کر تمہیں غلط راستے پر ڈال دیا ورنہ تم پیدائشی معصوم تھے۔" اول خان نے اس سے ویرا کے انداز میں کہا "اب آگے کی کہانی سناؤ۔ کیلی یہاں کیسے نظر آرہی ہے۔"

"کچھ دیر پہلے نک نے فون کیا تھا۔" اس نے قدرے توقف کے بعد دوبارہ بولنا شروع کیا "اس نے بتایا کہ وہ دو اہم مہمانوں کو لے کر یہاں آرہا ہے۔ وہ دو چھوٹی بکتر بند گاڑیوں میں مسلح کمانڈوز کے ساتھ آیا اور کیلی کو میری تحویل میں دے کر چلا گیا۔ یہ اس وقت اسٹریچر پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔"

"دوسرا مہمان کون تھا؟" ویرا نے متجسانہ لہجے میں سوال کیا۔

"وہ بن تھا۔ بن ڈیوڈ!" ڈونلڈ نے ایک گہرا سانس لے کر بتایا "وہ اسے بھی یہاں چھوڑنے کے ارادے سے اپنے ساتھ لایا تھا لیکن راستے میں اسے شبہ ہو گیا کہ کوئی بکتر بند گاڑیوں کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس نے کیلی کو چھوڑ دیا، بن کو اپنے ساتھ لے گیا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یکایک میرے بھرے ہوئے غبارے کی ہوا نکل گئی ہو۔ بے اختیار میری مستفسرانہ نگاہیں اول خان کی طرف اٹھ گئیں۔ اس نے عین موقع پر نشیمن کے پھاٹک کی جھری سے اندر جھانکا تھا اور یہ تصدیق کی تھی کہ احاطے میں بکتر بند گاڑیوں کے پاس تین غیر ملکی موجود تھے جن میں بن ڈیوڈ شامل نہیں تھا جب کہ پروفیسر ڈونلڈ نک کے ساتھ بن کی آمد کی سنسنی خیز کہانی سنا رہا تھا۔ میرے پاس ڈونلڈ کے بیان پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

"کیا بن ڈیوڈ کو پہلے سے جانتے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا۔

"ہاں، میں کئی بار اس سے مل چکا تھا۔ وہ کیلی سے ملنے کے لیے آتا رہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کیلی کا اکلوتا بوائے فرینڈ ہے۔"

"اور یہ بھی معلوم تھا کہ بدمعاش ہے، اس کا مشتبہ لوگوں سے میل جول ہے؟"

"یہ سب نہیں معلوم تھا لیکن اس کے طور طریقے اچھے نہیں تھے۔ میرے لیے وہ کبھی بھی پسندیدہ ملاقاتی نہیں رہا تھا۔"

میں نے اپنی جیب سے تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھا دی اور پوچھا "کیا تم اسے پہچانتے ہو؟"

ڈونلڈ نے تصویر دیکھتے ہی اپنا سر اثبات میں ہلا دیا "یہ بن ہے، پکا یہودی ہے۔ اسے حلق تک بڑھی داڑھی کی خوبصورتی پر بہت ناز تھا مگر آج اس نے اپنے حلیے میں نمایاں تبدیلی لانے کے لیے داڑھی صاف کرائی ہوئی تھی۔ اس کے ستارے آج کل گردش میں آئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔"

میں نے تصویر جیب میں رکھ لی۔ بات صاف ہو گئی تھی کہ بن ڈیوڈ کی داڑھی صاف ہو جانے کی وجہ سے اول خان اسے نہیں پہچان سکا اور یوں وہ ہمارے سامنے آکر نکل

قابلِ غور

○.... جو لڑکیاں دولت کی خاطر شادی کرتی ہیں، عموماً زندگی بھر قرض دار سی نظر آتی ہیں۔

○.... انسان کبھی بھی عمر کی اس منزل کو نہیں پہنچتا کہ اپنی مرضی سے سب کچھ کر سکے۔

○.... اللہ کے چند احکامات کو نافذ کرنے کے لیے دنیا والوں نے تقریباً ساڑھے تین لاکھ قوانین بنائے پھر بھی ان چند احکامات کو نافذ نہیں کر سکے۔

○.... بہت سے لوگوں کی قبر پر کچھ اس مضمون کا کتبہ نصب ہونا چاہیے تھا "تیس سال کی عمر میں مرا .... ساٹھ سال کی عمر میں دفن ہوا۔"

○.... بوڑھے ہونے کے بعد ترغیبات سے بچنا مشکل نہیں ہوتا۔ ترغیبات تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے۔

جانے میں کامیاب ہوگیا۔ ہم نے اپنی پوری مہم کی بنیاد اس مفروضے پر رکھی تھی کہ نک بوکھلا کر بن ڈیوڈ کو قونصل خانے سے نکال کر کہیں اور پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ میں نے اس امکان کو نظرانداز کر دیا تھا کہ بکتربند گاڑیوں کے تعاقب کا شبہ ہونے کے بعد وہ بن ڈیوڈ کو اپنے ساتھ واپس بھی لے جا سکتا تھا۔

کیلی ان لوگوں کی پس پردہ سرگرمیوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ جو کچھ اس کے علم میں تھا وہ صدف مینشن میں اگل چکی تھی یہ بات نک اور ٹام، دونوں کے علم میں تھی۔ وہ اس کو نشیمن میں چھوڑ گئے تھے۔

کیلی کو وہاں اتار کر انہوں نے ایک نیا تلا خطرہ مول لیا تھا۔ نک جانتا تھا کہ اس کا تعاقب کرنے والے کیلی تک پہنچ بھی گئے، تو اس سے کوئی نئی بات معلوم نہیں کر سکیں گے جب کہ بن ڈیوڈ ان کے نامعلوم منصوبے میں کلیدی اہمیت رکھتا تھا۔ اس کے بارے میں وہ کوئی موہوم ترین خطرہ بھی مول لینے کے لیے تیار نہیں تھے مجھے پورا یقین تھا کہ نک اسے واپس قونصل خانے نہیں لے گیا ہوگا۔ نشیمن میں خطرہ بھانپ لینے کے بعد اسے کہیں اور پہنچا دیا گیا ہوگا۔ اس نے ہمیں اپنی ہوشیاری اور بیدار مغزی سے گہری زک پہنچائی تھی۔

"بن اور کیلی کو کون کون لایا تھا؟" میں نے اپنی خلش دور کرنے کے لیے ڈونلڈ سے پوچھا۔

"بس نک ہی چار محافظوں کے ساتھ آیا تھا۔ کیلی کا اسٹریچر رکھنے کے بعد ان چھوٹی گاڑیوں میں زیادہ آدمیوں کے سوار ہونے کی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ گاڑیاں اندر پہنچنے کے بعد محافظوں نے اپنا کام سنبھال لیا تھا اور تم ان دونوں کے ساتھ پورچ میں کھڑے باتیں کر رہے تھے؟"

"کمال ہے!" ڈونلڈ تحیر زدہ آواز میں بولا "تم تو ایسے بتا رہے تھے جیسے تم نے خود ہمیں باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہو؟"

میں اسے کیا بتاتا کہ ان تینوں کو میں نے نہیں، اول خان نے ضرور دیکھا تھا۔ پہلی غلطی یہ ہوئی کہ اول خان اس داڑھی کٹے یہودی کو نہیں پہچان سکا دوسری اور بنیادی غلطی یہ تھی کہ نشیمن سے بن ڈیوڈ کی واپسی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔

"ہم شروع سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔" چند ثانیوں کے سکوت میں ایک حیلہ سوچ لینے کے بعد میں نے زبان کھولی "ہم نک کی بکتربند گاڑیوں اور مسلح محافظوں کی موجودگی میں مداخلت کرتے تو بہت خون ریز تصادم ہوتا۔ کئی بے گناہ مارے جاتے جن میں تمہارا نام سرفہرست ہوتا۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ تمہارے گھر پر کوئی ایسی خوف ناک محاذ آرائی ہو جو کل اخباری سرخیوں کی زینت بن جائے۔ ہمیں یقین تھا کہ ان لوگوں کے لوٹ جانے کے بعد ہم کسی نہ کسی طرح تمہیں مفاہمت پر آمادہ کر لیں گے۔"

"نشیمن میں گھسنے سے پہلے تمہیں میری حیثیت کا علم تھا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ نارمل ہوتا جا رہا تھا۔

"ہم ہوم ورک کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔" میں نے پورے اعتماد سے سفید جھوٹ بولا "اگر تم ابتدا میں مخاصمانہ رویہ اختیار نہ کرتے تو تمہاری پٹائی کی نوبت نہ آتی۔ مجھے امید ہے کہ تمہارے سارے زخم سطحی نوعیت کے ہیں۔ ایک دو روز میں مندمل ہو جائیں گے۔"

"کاش ایسا ہو سکے۔ اب میں یہاں نہیں رکوں گا۔ کل ہی امریکا کے لیے نکلنے کی کوشش کروں گا۔ جب تک نک یہاں موجود ہے، میرے لیے فضا سازگار نہیں ہو سکتی۔" ڈونلڈ نے اپنا فیصلہ سنا دیا اور ہم سب کو ہاتھ کا اشارہ کرتا ہوا کیلی کے کمرے سے نکل گیا۔

ڈونی! مجھے اکیلا چھوڑ کر تم ان سب کو کہاں لے جا رہے ہو؟" کیلی نے اس کا اشارہ دیکھ کر فریاد کی۔

"کہیں نہیں کیلی۔ میں ان کو روانہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" اس نے اونچی آواز میں جواب دیا۔ میں نے ڈونلڈ کی آنکھوں سے مترشح بے اعتباری کی جھلک دیکھ لی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ ہم سے کچھ باتیں کیلی کی غیر موجودگی میں کرنا چاہتا تھا۔

"تم کئی بار اپنے پڑھے لکھے اور پروفیشنل ہونے کی بات کر چکے ہو۔" اس خواب گاہ سے باہر آتے ہی اول خان نے اس سے کہا "میرا تجربہ بتا رہا ہے کہ تم نک اور بن کی غنڈہ گردیوں میں برابر کے شریک رہے ہو۔ حد یہ ہے کہ تم نے ہماری ساتھی کو ویرا کا خطاب دینے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا......"

"مجھے بتایا گیا ہے کہ اس وقت پاکستان کی سرزمین پر ایسے افراد روپوش ہیں جن کی زندہ یا مردہ گرفتاری امریکا کے قومی مفادات کے تحفظ کے لیے ناگزیر ہو چکی ہے۔" اس نے دھیمی آواز میں بولنا شروع کیا۔ "یہی بات نک نے بھی بتائی تھی۔ اس دو نفری گروہ کا سرغنہ ڈینی نامی کوئی پاکستانی ہے ویرا لائیڈ نامی ایک دلیر امریکی لڑکی اس پر مرمٹی ہے اور سا

کچھ چھوڑ کر پاکستان آ گئی ہے۔ ڈینی نے اس کی برین واشنگ کر کے اسے بھی امریکا کا بدترین دشمن بنا دیا ہے۔ تمہاری ساتھی نے پاکستانیوں کو گندہ کہنے پر شدید اعتراض کیا تو اس کے امریکی لب و لہجے سے مجھے شبہ ہوا تھا کہ کہیں وہ ویرا ہی نہ ہو۔ اگر میرا اندازہ غلط تھا تو میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔"

"افراد کبھی قوموں کے لیے خطرہ نہیں بنا کرتے۔ یہ پرانے دور کی باتیں ہیں جو تاریخ کی وزنی کتابوں میں دفن ہو چکی ہیں۔ زندہ قومیں اپنے عزم اور ولولے سے زندہ رہتی ہیں۔" ویرا نے پُرجوش لہجے میں اس کی تردید کرتے ہوئے کہا "یہ ہمارے حکمرانوں کی ناکامی ہے کہ انہیں ہر کمزور قوم پر چڑھ دوڑنے کا شوق ہو گیا تھا۔ اس شوق نے امریکیوں کو مُردار خور چیلوں کی صف میں شامل کر دیا ہے جو گوشت خوری کی ہوس میں ہر قریب المرگ چوپائے کے سروں پر منڈلانے لگتی ہیں۔"

ڈونلڈ جھرجھری لے کر رہ گیا۔ "تمہارے ایک ایک لفظ سے سفاکی کی بو آ رہی ہے۔ کیا تم بھی امریکی ہو؟"

یہ وہ دور تھا جب افغانستان..... روسی درندوں اور ان کے مشینی جاہ و جلال کا کھلا قبرستان بن چکا تھا۔ سائبیریا کے خونی ریچھ کو شکست دینے کے بعد مسلمان اس سرزمین پر فتح و نصرت کے پھریرے لہرا رہے تھے۔ اسامہ بن لادن کو کھلی امریکی سرپرستی اور حمایت حاصل تھی۔ اس کے جانبازوں نے امریکی ہتھیاروں کی مدد سے برفانی ریچھ کو اس کے خون میں نہلایا تھا۔ پروفیسر ڈونلڈ سے وہ باتیں کرتے ہوئے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آنے والے دنوں میں تاریخ پھر ایک کروٹ لے گی۔ افغانستان کے بے آب و گیاہ اور بے رحم پہاڑوں میں بکری کے دودھ پر گزارا کرنے والا اسامہ بن لادن امریکیوں کے لیے ایک ڈراؤنا خواب بن جائے گا۔ ایک فرد کو کچلنے کے لیے وہ پوری پوری آبادیوں اور شہروں کو جنون کے عالم میں خاک و خون سے نہلا دیں گے اور جب اس جور و ستم کے باوجود کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو گی تو امریکی عالم اسلام کے خلاف صف آرائی شروع کر دیں گے۔

"ارے چھوڑو اور تم اپنی بات کرو۔ تمہارے اعترافات سامنے آ چکے ہیں۔ بتاؤ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" میں نے بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔

"تم خود بھی جانتے ہو کہ میں سرکاری طور پر وی آئی پی ہوں۔ قانونی طور پر تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ زیادہ سے زیادہ مجھے اپنے وطن بھجوا سکتے ہو۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "دمن مانی پر اُتر آؤ تو میری کھوپڑی میں پگھلا ہوا سیسہ

بھی اتار سکتے ہو۔ میں نے تمہارے دلوں میں رحم اور درگزر کا جذبہ جگانے کے لیے سچ بولا ہے۔ میری کسی بات میں جھوٹ کی ملاوٹ نہیں ہے۔ میری قسمت کا فیصلہ آخر کار تم کو کرنا ہے۔"

"تم ہمیں کمرے سے باہر کیوں لائے ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"کیلی جنس زدہ کتیا ہے۔ وہ ہر بات بن کو بتا دے گی۔" ڈونلڈ نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی!" اول خان حیرت اور بے یقینی سے بول پڑا۔ "اس کے سامنے تم نے نک اور بن کے خلاف کافی زہر اگلا ہے......"

"زہر نہیں اگلا' حقائق بتائے ہیں۔" اس نے اول خان کی بات کاٹ کر تصحیح کی "یہ بات نک بھی جانتا ہے کہ وہ مجھ سے میری مرضی کے خلاف کام لے رہا ہے۔ مجھے اپنی جان بچانے کے لیے راست گوئی کا پورا حق حاصل ہے۔"

"پھر تم ہم سے یہاں کیا خاص بات کرنا چاہ رہے تھے۔" اس کی متضاد باتوں نے اول خان کو الجھا دیا۔

"یہ بعد کی بات ہے۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم نے میرے اور کیلی کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔" اس نے شرط عائد کر دی۔

میں نے اسی لمحے بھانپ لیا کہ وہ کسی نکتے پر سودے بازی کے چکر میں تھا۔ اس پر دباؤ برقرار رکھنا بلکہ بڑھانا ضروری تھا میں نے فوری طور پر کہا "تم کو معلوم ہے کہ آج کل یہاں امن و امان کے حالات کچھ بگڑے ہوئے ہیں۔ دہشت گرد تاک تاک کر غیر ملکیوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ اپنے خلاف دو مضبوط گواہ چھوڑنے سے بہتر ہے کہ ہم ان حالات کا فائدہ اٹھائیں۔ پولیس جب بھی آئے' اسے اندازہ ہو گا کہ نامعلوم ڈاکوؤں نے تم دونوں کو مار کر گھر کا صفایا کر دیا ہے۔ یہ ہماری مجبوری ہے۔"

"ہم تمہارے ناموں سے واقف ہیں نہ تم نے اپنے محکمے کا صحیح نام بتایا ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ میرے یا کیلی کے نام سے کوئی شکایت ریکارڈ پر نہیں آئے گی۔ میں خاموشی کے ساتھ جلد از جلد پاکستان چھوڑ دوں گا۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم کو بن کی تلاش ہے۔ تم ہماری جانیں بخش دو تو شاید میں تمہاری تھوڑی سی مدد کر سکتا ہوں۔"

ہمارے لیے وہ دونوں بے کار اور بے ضرر تھے۔ انہیں پکڑنے کا کوئی فائدہ تھا نہ انہیں مار کر کچھ حاصل کیا جا سکتا تھا بلکہ ان کے قتل سے کشیدگی اور پیچیدگی میں اضافہ ہونے کا قوی امکان تھا۔ میں نے تفکر آمیز انداز اختیار کرتے ہوئے کہا "دیکھنا پڑے گا کہ تم واقعی مددگار ثابت ہو سکتے ہو یا اپنی جان بچانے کے لیے ہمیں فریب دے رہے ہو۔"

"بن تمہیں کراچی کی سی نائین نامی کسی عمارت سے مل سکتا ہے۔" اس نے ہماری طرف جھک کر سرگوشی کی۔ "یہاں آتے ہوئے نک اور بن الگ الگ دو گاڑیوں میں سوار تھے۔ میرے پورچ میں کھڑے ہو کر انہوں نے تعاقب کے خدشے پر بات کی تھی۔ سی نائین کی تجویز نک نے پیش کی تھی جسے بن نے قبول کر لیا تھا۔ وہ ڈیفنس نامی کسی علاقے کی عمارت کا نام یا نمبر ہے۔ تم باوسائل معلوم ہوتے ہو۔ کچھ محنت کرو تو اس عمارت کا کھوج لگا سکتے ہو۔ ہم دونوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ کر تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

"عزت مآب پروفیسر ڈونلڈ آرمسٹرانگ میرے اس نظریے کی تائید فرما رہے ہیں کہ بیشتر امریکی فطری طور پر بزدل ہوتے ہیں۔" ویرا نے اچانک اردو میں اعلان کیا "یہ ہر کمزور کو پھاڑ کھانے پر تلے رہتے ہیں' طاقت ور کے تلوے چاٹنے میں بھی عار نہیں سمجھتے۔"

"یہ......یہ کیا کہہ رہی ہے؟" ڈونلڈ نے خوف سے ہکلاتے ہوئے سوال کیا۔

"ڈرو نہیں' یہ تمہاری تائید کر رہی ہے۔" میں نے اسے دلاسا دیا "اس کا خیال تھا کہ تم دونوں کو بے ہوش کرنا کافی ہو گا۔"

یوں تو میں ان دونوں کے بارے میں فیصلہ کر چکا تھا مگر ذہن میں اس کے نتائج و عواقب کا جائزہ لے رہا تھا۔

ان دونوں میں سے صرف کیلی نے مجھے صدف مینشن والے آدمی کے طور پر پہچانا تھا۔ وہاں وہ آئی بی والوں کی قیدی تھی اور جلال ہی نے اسے بے ہوشی کی حالت میں ٹام اور نک کے حوالے کیا تھا۔ کیلی کی نئی کہانی سن کر وہ یہی سمجھتے کہ نشیمن پر دھاوا بولنے والے آئی بی کے آدمی تھے۔ شائد جلال کے لیے وہ پوزیشن قابلِ قبول نہ ہوتی لیکن میری مجبوری تھی۔

ڈونلڈ کے ساتھ ہونے والی مار پیٹ کھیل کا حصہ تھی۔ اس کے سوا ہم نے دونوں امریکیوں کو کوئی قابلِ ذکر نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ کیلی کی نئی کہانی سننے کے بعد نک کو یہ ماننا پڑتا کہ آئی بی والے اپنے کام سے غافل نہیں تھے۔ نشیمن میں مشکوک نقل و حرکت کی ابتدا ہوتے ہی وہاں پہنچ گئے تھے اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔

میں نے کرنل داور کے روپ میں نک سے فون پر بات

کرتے ہوئے کیلی کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا جسے اس نے سختی سے مسترد کر دیا تھا۔ اسے یہ جان کر شدید حیرت ہوتی کہ آئی بی والوں نے نشیمن میں کارروائی کے دوران کھلا موقع دستیاب ہونے کے باوجود کیلی کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کیلی کی آزادی سے وہ اس تذبذب میں پڑ جاتا کہ دوسری ملاقات میں کیلی نے آئی بی والوں کے سامنے وہ اہم باتیں اگل دی تھیں جنہیں جاننے کے لیے کرنل داور اسے واپس لینا چاہ رہا تھا۔

الجھنیں نک اور بن ڈیوڈ کے سر رہتیں۔ ہمارے ہاتھ صاف رہتے۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ اداروں کے ناموں کی عملی گڑبڑ پر جلال کوئی اعتراض نہ کرے۔

”تم کسی اور زبان میں کیوں بات کر رہی ہو؟“ ڈونلڈ براہِ راست ویرا سے مخاطب ہو گیا ”انگریزی میں بتاؤ کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“

”مجھے افسوس ہے ڈونی کہ میرے ہاتھوں تمہارے اعضائے رئیسہ وخبیثہ کو خاصا نقصان پہنچا ہے۔“ ویرا نے اپنی بے ساختہ ہنسی کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے انگریزی میں کہا ”اب تمہیں کسی سرزنش کی ضرورت نہیں رہی۔ یہ بتاؤ کہ ویرا اور ڈینی کے بارے میں تمہیں کیا بتایا گیا تھا؟“

”ان دونوں سے تمہیں کیا لینا۔ وہ اچھی باتیں نہیں ہیں۔“ ڈونلڈ نے اسے ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

ویرا نے کہا ”مجھے بہت کچھ لینا ہے۔ ان دونوں کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر بڑی رقم کا انعام مقرر ہے۔ مجھے اس پیسے کی ضرورت ہے۔“

”مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ کہیں تم ویرا نہ ہو۔“ ڈونلڈ نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”تم امریکی ہو، پاکستانیوں کی بہت زیادہ خیر خواہ ہو اور انگریزی کے سوا اور دوسری زبانیں بھی بول سکتی ہو۔“

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی۔ ”کاش میں ویرا ہوتی تو اسی وقت خود کو گرفتار کرا دیتی۔“

”وہ کیلی اور بن سے زیادہ ٹیڑھا جوڑا ہے۔“ ڈونلڈ سوچتے ہوئے بولا ”ویرا نے ڈینی کی خاطر ہر آسائش کو لات مار کر خوفناک بین الاقوامی جرائم کی راہ اپنا لی ہے جو آخر کار اس کے لیے تباہ کن ثابت ہوگی۔ ڈینی کے چکر میں پڑ کر اس لڑکی نے اپنا مستقبل تباہ کر لیا ہے۔“

”تو کیا وہ ڈینی سے شادی کر چکی ہے؟“ ویرا نے بڑا اشتیاق لہجے میں پوچھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے ڈونلڈ کی زبان سے میرے اور اپنے بارے میں باتیں سننے میں اسے مزہ آرہا ہو۔

”سنا گیا ہے کہ وہ میاں بیوی کی طرح رہتے ہیں۔ چاہت اتنی زیادہ ہو تو شادی بے معنی سی ہو کر رہ جاتی ہے۔“ اس نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر مختصر الفاظ میں امریکی طرزِ معاشرت کا نچوڑ پیش کر دیا۔ ہم چاروں باتیں کرتے ہوئے دوبارہ کیلی کے کمرے میں داخل ہو چکے تھے۔

”یہ بے سروپا باتیں چھوڑو اور کہیں آرام سے لیٹ جاؤ۔“ میں نے ڈونلڈ کو مشورہ دیا۔ ”ہمیں واپس بھی جانا ہے۔“

اس نے چھری کے نیچے آئے ہوئے بکرے کی طرح میری طرف بے بسی سے دیکھا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ”تم مجھے کیسے بے ہوش کرو گے؟“

”فکر نہ کرو۔ تمہیں کوئی تکلیف ہوگی نہ پتا چلے گا اور تم بے ہوش ہو جاؤ گے۔“ ویرا اپنی دونوں ہتھیلیاں آپس میں رگڑتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

وہ کافی عرصے سے غیر فعال تھی لیکن بہرحال مارشل آرٹس میں تربیت یافتہ تھی۔ اس نے ڈونلڈ کی کرسی کے پیچھے

عجیب

ریستوران میں ایک صاحب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اس دوران میں ایک شخص آیا، اس نے چائے پی، بل ادا کیا پھر اٹھ کر دیوار پر چڑھ گیا۔ اس کے بعد وہ الٹا چلتا ہوا چھت عبور کر کے دوسری طرف کی دیوار پر چلتا ہوا نیچے اترا اور دروازے سے نکل کر رخصت ہو گیا۔

کھانا کھاتے ہوئے صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ وہ ہکلاتے ہوئے کاؤنٹر پر بیٹھے شخص سے مخاطب ہوئے ”حیرت انگیز... ناقابل یقین... یہ تو واقعی بہت عجیب آدمی تھا...!“

”ہاں... واقعی...!“ کاؤنٹر پر بیٹھے شخص نے منہ بنا کر کہا ”کم بخت، جاتے وقت کبھی خدا حافظ بھی نہیں کہتا...!“

پہنچ کر دونوں ہتھیلیوں سے اس کی کنپٹیاں رگڑیں اور پلک جھپکتے میں ڈونلڈ کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ اس کے پپوٹے بوجھل ہو کر آنکھوں پر جھک آئے تھے۔
اس کی وہ حالت دیکھ کر کیلی خوف زدہ ہو کر چیخ پڑی۔
"خدا تمہیں غارت کرے.... تم نے ماردیا اسے!"
"یہ مرا نہیں، صرف بے ہوش ہوا ہے۔ اب تمہاری باری ہے۔" ویرا یہ کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تو اس نے ہذیانی انداز میں چیخنا شروع کردیا۔ اسے یقین نہیں آسکا تھا کہ ویرا نے ڈونلڈ کو صرف بے ہوش کرنے پر اکتفا کیا تھا۔
کیلی نرم و نازک اور ویرا سے کمزور تھی۔ اس کی مزاحمت کے باوجود ویرا نے اسے چند لمحوں میں خاموش کر دیا۔
مجھے حیرت تھی کہ اس پوری کارروائی میں ڈونلڈ کے بقیہ ملازمین سامنے نہیں آئے تھے۔ شاید وہ خوف سے کہیں دبکے ہوئے تھے۔ صرف چوکیدار سے ہمارا سامنا ہوا تھا۔ اسے اول خان نے خاموش کردیا تھا۔
ہم کسی کی مداخلت کے بغیر دوبارہ پورچ میں پہنچ گئے۔ چوکیدار بے چینی سے ہماری واپسی کا منتظر تھا۔ اول خان نے اسے اپنی مادری زبان میں کچھ سمجھانا شروع کردیا۔
چند منٹ بعد ہم نشیمن سے باہر نکل کر اول خان کی جیپ میں دوبارہ اولڈ کلفٹن کے ویران پارکنگ ایریا میں پہنچ چکے تھے جہاں میری گاڑی پارک تھی۔
اس وقت صبح کے تین بجے کا عمل تھا۔ پورا شہر گہری نیند سو رہا تھا۔ اس علاقے سے گداگر اور نشے باز بھی غائب ہو چکے تھے۔ شاید سب نے اپنے مخصوص کونوں کھدروں میں پناہ لے لی تھی۔ اس سناٹے میں صرف کتوں کے ایک رومان زدہ غول کا راج تھا جو ہم سے دور، دھیمی دھیمی آوازیں نکالتے ہوئے ایک دوسرے پر جھپٹ رہے تھے۔
"اس چٹان کا سویرا واقعی سحرانگیز ہے۔" ویرا نے بہت دور سے آنے والی لہروں کے بہت ہلکے ہلکے شور پر کان جما کر کہا۔ دن کے شور و غل میں سب کچھ دب کر رہ جاتا تھا۔ مگر اس پہر کے گہرے سکوت میں سمندر کا مدھم شور وہاں تک سنائی دے رہا تھا۔
پوری تیاریوں سے شروع ہونے والی مہم ختم ہو چکی تھی۔ اول خان نے اپنے اسٹرائیک یونٹ کے کمانڈر کو اسٹیشن فور کی طرف واپسی کا حکم دیتے ہوئے یہ ہدایت بھی دی کہ وہ اول خان کے ہمراہی کو اپنے ساتھ لیتا جائے۔
"یہاں سے تم اکیلے جاؤ گے؟" اس کی بات ختم ہونے پر ویرا نے حیرت سے پوچھا۔
"میں تمہارے گھر چل رہا ہوں۔ وہاں سے اپنے گھر جاؤں گا۔ اتنی رات گئے اس بے چارے کو راستے میں سے ملیر چھاؤنی کے لیے کوئی سواری نہیں ملتی۔" اس نے بتایا۔
"اول خان ہمارے گھر کیوں جا رہا ہے؟" وہاں سے روانگی کے بعد ویرا نے مجھ سے سوال کیا۔
"اس کو خلش ہے کہ ہماری یا اس کی کسی غلطی کے بغیر اس واقعے میں آئی بی کا نام لیا جائے گا۔" میں نے حالات کی ستم ظریفی پر دل ہی دل میں ہنستے ہوئے کہا۔
"مجبوری تھی۔ کیلی تم کو آئی بی کے آدمی کی حیثیت سے پہچانتی تھی۔ اس بارے میں اول خان ہمارے گھر جا کر کیا کر سکے گا؟"
"وہ چاہے گا کہ میں وقت ضائع کیے بغیر جلال کو پوری صورتِ احوال سے آگاہ کردوں تاکہ اسے بعد میں کوئی شکایت نہ ہو۔" میں نے جواب دیا اور گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔
"اس وقت مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ شہروں کی بھاگ دوڑ میں سحرخیزی کی عادت کو ترک کر کے ہم لوگ کتنا نقصان اٹھا رہے ہیں۔" کافی دیر بعد ویرا نے سکوت توڑا۔ "اس وقت ہوا اتنی تروتازہ ہے کہ بے اختیار گہرے سانس لینے کو طبیعت چاہ رہی ہے۔"
"قدرت کے اٹل اصولوں سے انحراف میں سراسر نقصان ہے۔ خرابیوں کے ساتھ جرائم بھی اسی انحراف سے جنم لیتے ہیں۔"
ویرا ہولے سے ہنس دی۔ "تم مجرموں سے لڑ کر آرہے ہو۔ اس فضا میں بھی تمہارے ذہن پر جرم سوار ہیں۔"
ہم گھر پہنچے تو غزالہ، سلطان شاہ کے ساتھ جاگ رہی تھی۔ رات کے کسی پہر اس کو بستر میں میری غیر موجودگی کا احساس ہوا اور وہ ہڑبڑا کر بیدار ہوگئی۔ اس نے کمرے سے نکل کر پورے گھر کا طواف کیا مگر میں کہیں موجود نہیں تھا۔ ویرا کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کے شب خوابی کے کپڑے بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے اور وہ بھی غائب تھی۔ غزالہ نے پریشان ہو کر سلطان شاہ کو جگا دیا جو اس وقت تک خاصی نیند لے چکا تھا۔
"تم نے سوچا ہو گا کہ ہم دونوں ظالم سماج سے بغاوت کر کے کہیں فرار ہو گئے۔" ویرا نے قہقہہ لگا کر ان دونوں کی پریشانی کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔
"تمہارے بارے میں بہت کچھ سوچا جا سکتا تھا۔ ان

کے بارے میں، میں کوئی بری بات نہیں سوچ سکتی تھی۔" غزالہ نے سنجیدگی سے جوابی چوٹ کر ڈالی پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو گئی۔ "میں نے جلال کو فون کیا تھا۔ وہ بھی پریشان ہو گیا۔ اسے فون کر کے بتا دیں کہ آپ لوٹ آئے ہیں۔"

"اتنی رات گئے تم دونوں کہاں نکل گئے تھے۔ میری جان نکل گئی تھی۔" سلطان شاہ نے منہ پھلا کر ویرا سے کہا۔

"آرام سے پڑے سوتے رہتے۔ اپنی ننھی سی جان کو ایسے امتحانوں میں کیوں ڈالتے ہو۔" ویرا چہکنے لگی۔

"ان فضول باتوں میں وقت برباد نہ کرو۔" اول خان نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "جلال کو فون کرو۔ میں صرف اسی کام کے لیے یہاں آیا ہوں۔"

ہم پانچوں میں وہ سب سے سینئر تھا۔ اس کی بات کا احترام کیا جاتا تھا۔ سب خاموشی سے ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے اور میں نے اسپیکر فون پر جلال کا موبائل نمبر ملانا شروع کر دیا۔

"کہاں غائب تھے تم؟ کسی سے کچھ کہے سنے بغیر نکل کھڑے ہوتے ہو۔ یہ کیا طریقہ ہے تمہارا!" وہ بھرا بیٹھا تھا۔ میری آواز سنتے ہی پھٹ پڑا۔

"دشمن کے ٹھکانے سے بکتربند گاڑیاں نکل کر سڑک پر دوڑنے لگیں تو کسی سے کچھ کہنے سننے کا موقع نہیں رہتا۔" اس کے تیور ٹھنڈے کرنے کے لیے مجھے ڈرامائی انداز اختیار کرنا پڑا۔

"کیا ہوا۔ تم کیا کر کے آئے ہو؟" میری توقع کے عین مطابق اس کا لب ولہجہ بدل گیا۔

میں نے اسے قونصل خانے سے نشیمن تک کی روداد سنانی شروع کر دی۔ آخر میں یہ خدشہ بھی ظاہر کر دیا کہ آئی بی کو الگ تھلگ رکھنے کے بارے میں اس کی کوششیں بار آور ثابت نہیں ہو سکی تھیں۔ کیلی نے مجھے پہچان لیا تھا اور اگلے روز وہ کارروائی آئی بی کے سر ڈالی جانے والی تھی۔

"اس کی مجھے پروا نہیں۔" میری پوری بات سن لینے کے بعد اس نے جواب دیا۔ "میں قونصل خانے کی نگرانی کے الزام سے بچنا چاہ رہا تھا۔ میں نے اپنی دانست میں اپنے آدمیوں کو وہاں سے بروقت ہٹا لیا تھا مگر تم بتا چکے ہو کہ ان کے حساس کیمرے میرے عملے کی تصاویر لے چکے تھے۔ نشیمن کا قصہ میں سنبھال لوں گا۔ وہ کوئی سفارتی عمارت نہیں ہے۔"

"اب ہمیں سی نائین کا کھوج لگانا ہے....." درمیان میں جلال کی مداخلت کی وجہ سے میں اپنی بات پوری نہیں کر سکا۔

"یہ ڈیفنس کے کسی کمرشل پلاٹ کا نمبر ہے۔ وہاں ہر فیز کا ایک کمرشل ایریا ہے۔ وہ اس نمبر کی دس بیس عمارتوں میں سے ایک ہو گی۔ میرے آدمی اس کا سراغ لگا لیں گے مگر ضروری نہیں کہ وہ وہاں سے ہاتھ آ جائے۔ وہ بہت پھرتیلا ہے۔ ہمیں اسے گھیرنے کے لیے دوسرے طریقے بھی آزمانے پڑیں گے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"تم کوئی دوسرا طریقہ تجویز کرو تو میں اس پر عمل کرنے کے لیے تیار رہوں۔" میں نے پیشکش کی۔

"قونصل خانے کا کیا حال ہے۔ وہاں کی نگرانی ہو رہی ہے؟" جلال نے پوچھا۔

"بالکل ہو رہی ہے۔ وہ خوف زدہ ہیں اور وقفے وقفے سے بے آواز فائر کر رہے ہیں۔"

"آدمیوں کو وہاں سے ہٹا لو۔ ان کی تعیناتی کا مقصد حاصل ہو چکا ہے۔ ہمارا مجرم وہاں سے نکل کر کھلے میدان میں آ چکا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان وحشیوں کی کوئی بھٹکتی ہوئی گولی ہمارے کسی آدمی کو چاٹ لے۔ اب مجھے نئے سرے سے حالات کا جائزہ لینا ہو گا۔ تم سے صبح بات ہو گی۔"

"صبح تو ہونے والی ہے۔ میں کم از کم چار گھنٹے کی نیند لوں گا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"تم بے فکری سے سو سکتے ہو۔ دفتری صبح نو بجے ہوتی

صحیح طریقہ

ڈیفنس میں نئے نئے آباد ہونے والے دو پڑوسی اپنے اپنے لان کے مسائل پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ ایک بولا "لان پر جب پودے نمودار ہونا شروع ہوتے ہیں تو صحیح پتا نہیں چلتا کہ وہ واقعی پودے ہیں یا بے کار جھاڑیاں اور جڑی بوٹیاں..."

"میں تو نمودار ہونے والے سارے پودوں کو زمین سے اکھاڑ لیتا ہوں۔ اگر وہ دوبارہ اگ آئیں تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ وہ بے کار جھاڑیاں اور جڑی بوٹیاں ہیں" دوسرے پڑوسی نے بتایا۔

ہے جب سارے دفاتر آباد ہوتے ہیں۔"
میں نے فون بند کر دیا۔ اول خان ایرپیس سنبھالے، میری گفتگو کے اختتام کا منتظر تھا۔ اسپیکر فون آف ہوتے ہی اس نے پیغام رسانی کی کوششیں شروع کر دیں۔
اول خان کو ادھر سے اطلاع ملی کہ دونوں میں سے صرف ایک بکتر بند گاڑی وہاں واپس لوٹی تھی۔ دوسری کا پتا نہیں تھا۔ وہ شائد نک کے استعمال میں تھی۔ سی نائین نامی ٹھکانے پر بن ڈیوڈ کے قدم جمانے کے بعد ہی اس کی واپسی ممکن تھی۔ اول خان نے کہا کہ دوسری گاڑی کے واپس لوٹتے ہی اسے پیغام دے کر جگہیں چھوڑ دی جائیں اور عملے کے سب لوگ واپس اپنی اپنی جگہوں پر چلے جائیں۔ اس معقول اور واضح حکم میں کسی ردوبدل کی گنجائش نہیں تھی۔
"اب میں بھی چلتا ہوں۔" اول خان ایرپیس جیب میں ڈالتا ہوا اٹھ گیا۔ "آج میں تھک کر چور ہو چکا ہوں۔"
"چائے نہیں پیو گے؟" غزالہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا "ابھی دو منٹ میں بنا لاتی ہوں۔"
"اس وقت چائے پی لی تو نیند اڑ جائے گی۔ پتا نہیں کب موقع ملے۔ میں گھر جا کر سونا چاہتا ہوں۔" اس نے خوبصورتی سے معذرت کر لی۔
"سی نائین میں آئی مین کا وجود نہیں ملے گا۔" اول خان کے رخصت ہونے کے بعد سلطان شاہ نے پُرزور لہجے میں کہا۔ "اتنی معمولی سی بات تم دونوں کیوں نہیں سمجھ سکے کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے تم دونوں کو ایک بے بنیاد مفروضے میں الجھا دیا ہے۔"
"شاید تم ابھی تک اونگھ رہے ہو یا پھر کسی نشے میں ہو۔" ویرا چیخ کر بولی "ڈینی نے بتایا ہے کہ اس کی طرف سے سی نائین کے انکشاف سے پہلے ہم انہیں زندہ چھوڑنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔"
"تم نے فیصلہ کر لیا ہو گا مگر وہ الو کا پٹھا اس سے واقف نہیں تھا۔ اس کی دانست میں ان دونوں کی جان خطرے میں تھی۔"
سلطان شاہ کا اعتراض منطقی طور پر درست تھا۔ ویرا اس پر بلاوجہ چراغ پا ہو رہی تھی۔ اصل نکتہ یہ تھا کہ سلطان شاہ الفاظ پر فیصلہ کر رہا تھا۔ ہم نے اپنا فیصلہ پوری فضا کو مدِنظر رکھتے ہوئے کیا تھا۔ ڈونلڈ اس وقت ہمیں فریب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔
میں ان دونوں کو بحث میں الجھا ہوا چھوڑ کر وہاں سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی۔
بستر پر دراز ہونے کے بعد دیر تک میرا ذہن اسی معاملے میں الجھا رہا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کہیں کوئی گڑبڑ تھی جو میرے ذہن کی گرفت میں نہیں آ رہی تھی۔ غزالہ میرے پہلو میں لیٹی کچھ دیر تک چھیڑ چھاڑ کرتی رہی۔ میری توجہ نہ پا کر اس نے سونے کی کوششیں شروع کر دیں۔
پھر یکایک میرے ذہن میں روشنی سی ہو گئی۔ یہ بات بہت اہم تھی کہ دونوں ملاقاتوں میں کیلی نے مجھے میرے چہرے سے پہچانا تھا۔ میرا نام سرے سے اس کے علم میں نہیں تھا۔ فالکن ہاؤس سے گرفتاری، پولیس کی تحویل اور آئی بی کی قید سے لے کر رہائی تک اس کو یہ علم نہیں ہو سکا کہ آخر میں وہ کس کی قیدی تھی بے ہوشی کی حالت میں ٹام اور نک کے پاس پہنچنے کے بعد ان دونوں کی زبانی اسے معلوم ہوا ہو گا کہ اسے انٹیلی جنس بیورو والوں کی قید سے چھٹکارا ملا تھا اور یوں اس نے مجھے آئی بی کا آدمی سمجھ لیا۔ اس پورے قصے میں کہیں بھی اسپیشل ٹاسک فورس یا کرنل داور کا نام نہیں آیا تھا۔
میں کرنل داور بن کر اس بارے میں نک سے چھیڑ چھاڑ ضرور کر سکتا تھا لیکن یہ ظاہر نہیں کر سکتا تھا کہ نشیمن میں میں نے اپنی ٹیم کے ہمراہ ڈونلڈ اور کیلی کو گھیرا تھا۔ وہ نکتہ صاف ہوتے ہی میرے ذہن پر نیند کا خمار حاوی ہوتا چلا گیا۔ ایک لاشعوری الجھن تھی جو دور ہو چکی تھی۔ ذرا سی دیر میں میری آنکھ لگ گئی۔

○☆○

غزالہ نے اپنی نیند رات کی دو قسطوں میں مکمل کر لی تھی اس لیے وہ مجھ سے پہلے بیدار ہو گئی تھی۔ آٹھ بجے میں جاگا تو جلال کا پیغام میرا منتظر تھا۔ وہ صبح سویرے صدف مینشن پہنچا ہوا تھا اور مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔
طبیعت کا تکدر اور کم خوابی کی کسل مندی کو دور کرنے کے لیے میں نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور کمرے سے برآمد ہوتے ہی فون سنبھال لیا۔
جلال فون پر موجود نہیں تھا مگر چند لمحوں میں لائن پر آگیا۔ "رات کا اندھیرا بہت خیال انگیز اور انوکھا ہوتا ہے۔ بستر پر مجھے خیال آیا کہ آئی مین کے پیچھے لگ کر ہم نے چوہڑا کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔ آئی مین کو گھیرنے کے لیے وہ بھی کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ میں چند گھنٹے گزارنے کے بعد صبح سویرے ادھر آگیا تھا۔"
"چوہڑا اور راجا کا اس سے فون پر قریبی رابطہ ہو

تھا۔" میں نے اعتراف کیا۔

"میرے سامنے بس یہی ایک اشارہ تھا۔ چوپڑا اندر سے اس قدر ٹوٹ چکا ہے کہ وہ زیادہ دیر تک مار نہیں سہ سکا۔ اس نے تسلیم کرلیا ہے کہ را کے چاروں ایجنٹ اس کے علاوہ بن ڈیوڈ سے بھی براہِ راست ہدایات لیتے تھے۔ اب پتا چلا ہے کہ اس کی اصل قوت کہاں مرکوز تھی اور گولڈن فارمیسی کو آگ لگانے والے کون تھے۔"

"یہ اس قصے کی گمشدہ کڑی تھی۔ مجھے یہی پریشانی لاحق تھی کہ جب اس کے سارے اہم مہرے ہمارے قبضے میں آچکے تھے تو کون لوگ اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ وجے کی تواضع کی جائے گی تو وہ اگل دے گا کہ جہانگیر کی دکان کو کس نے آگ لگائی تھی۔ یہ درندے ایک طرف شہر میں بموں کے دھماکے کر رہے تھے اور دوسری طرف آئی مین کے ہاتھ مضبوط کر رہے تھے۔ ان چاروں کے آئی مین سے رابطے کی کیا صورت تھی۔"

"امریکی ساخت کے ایم ففٹی ٹرانسمٹرز۔" اس نے انکشاف کیا۔ "یہ پچاس کلومیٹر کی رینج میں بہت اچھا کام کرتے ہیں۔ چاروں کے پاس اپنا اپنا اپریٹس تھا۔"

"لیکن گرفتاری کے وقت وجے کے پاس سے ایسا کوئی مواصلاتی آلہ برآمد نہیں ہوا تھا۔" میں نے قدرے حیرت سے کہا۔

"اسے بعد میں پھینٹوں گا۔" ابھی میں چوپڑا کو نچوڑ رہا ہوں۔ اسے نظرانداز کر کے ہم نے جو غلطی کی ہے اس کا بھرپور ازالہ ہونا ضروری ہے۔" جلال کی تفکر آمیز آواز آئی۔ "ہو سکتا ہے گرفتاری کا خطرہ اپنے سر پر منڈلاتا ہوا دیکھ کر اس نے اپنا اپریٹس پھینک دیا ہو۔"

"بہت دلچسپ صورتِ حال ہے۔ میں ناشتا کر کے وہیں آرہا ہوں۔ ٹام اور نک کی کیا خیر خبر ہے؟"

"نک دو مرتبہ کراچی آفس فون کر چکا ہے۔ وہ مجھ سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔" جلال نے ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔ "اس کے پاس میرے دوسرے نمبر نہیں ہیں ورنہ وہ اب تک موبائل پر مجھ سے رابطہ کر چکا ہوتا۔ تمہاری رات والی کارگزاری نے اس کے ہاتھ پر پھلا دیے ہوں گے۔"

"اسے میں دیکھ لیتا ہوں۔ تم یکسوئی سے چوپڑا اور وجے پر اپنا کام جاری رکھو۔"

"ذرا یہ یاد رکھنا کہ تم ایس ٹی ایف والے ہو۔ رات کی کارروائی آئی بی اسٹاف نے کی تھی۔" اس بار جلال کی آواز تمسخرانہ تھی۔

"یہ مذاق کی نہیں بہت اہم بات ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ نکتہ میرے دماغ کے کسی گوشے میں مسلسل چبھ رہا تھا۔ رات کو غور کرنے کے بعد سمجھ میں آیا ہے کہ مجھے کہاں موجود اور کہاں غیر حاضر رہنا ہے۔ اس کے بغیر بات گڑبڑ ہو سکتی تھی۔"

"مجھے معلوم ہے کہ اب نک کے پاس ہمارے لیے کچھ نہیں ہے۔ وہ اپنا تجسّس دور کرنا چاہ رہا ہو گا....."

میں نے اس کی بات درمیان سے اڑا دی۔ "یہ نہ کہو۔ عجلت میں بن کو قونصل خانے سے نکال کر ان لوگوں نے اپنا دامن صاف کرلیا ہے۔ اب وہ پریس کی دھمکی سے مرعوب نہیں ہو گا۔ اس کے پاس ان لوگوں کی تصاویر ہیں جو کل صبح قونصل خانے کی نگرانی کر رہے تھے۔ وہ انہیں ہوا دے سکتا ہے۔"

"پہلے میں اس بارے میں فکرمند تھا۔ تم نے اپنی تجویز سے میری مشکل آسان کر دی۔ تصویروں کا معاملہ اچھلا تو جواب تیار ملے گا۔ میں نے نامعلوم مشتبہ افراد کی نقل و حرکت کی خبریں ملنے کے بعد...... اپنے اسٹاف کو اس عمارت کی حفاظت پر مامور کیا تھا۔ موجودہ حالات میں میرے اس اقدام پر انگشت نمائی نہیں کی جا سکے گی۔"

"گڈ!" اس بار میں ہنسے بغیر نہیں رہ سکا۔ "ہم دونوں کو اپنے اپنے سبق اچھی طرح یاد ہیں۔"

"بس پھر جلدی آجاؤ۔ میں بھی ناشتا کیے لیتا ہوں۔ گھر سے چائے کی صرف ایک پیالی پی کر صدف مینشن آگیا تھا۔"

اس سے گفتگو ختم کر کے میں نے تیزی سے ناشتا کیا۔ اس وقت تک ویرا سو رہی تھی اور سلطان شاہ اپنے کمرے میں مصروف تھا۔ میں دوبارہ اپنے کمرے میں گھس گیا تاکہ نک سے بات کر سکوں۔

"ہائے نک! کیا حال ہیں؟" فون پر اس کی آواز سنتے ہی میں نے شگفتہ لہجے میں رسمی سا سوال کیا۔

"تمہارے کیا حال ہیں۔" اس نے بھی رسمی جواب دیا اور پوچھا۔ "جلال کہاں غائب ہے۔ میں پچھلے ایک گھنٹے سے اس کی تلاش میں ہوں۔"

"دفتر کا وقت نو بجے شروع ہوتا ہے لیکن وہ زیادہ فرض شناس ہے۔ بیدار ہوتے ہی کہیں نہ کہیں مصروف ہو جاتا ہے۔"

"گزری ہوئی رات کے واقعات کے بارے تمہیں کچھ علم ہے۔" نک نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔ قونصل خانے کے محافظ اعصاب زدہ تھے۔ وہ ساری رات اپنی چھت سے بے آواز رائفلوں کے فائر کرتے رہے۔ یہ رجحان بہت تشویش ناک ہے۔"

"وہ بے نام سایوں پر بھی گولیاں چلانے پر مجبور تھے۔ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ ہمارے خفیہ کیمروں نے ایسے مشتبہ آدمیوں کی تصاویر لی تھیں جو صبح سے مسلسل قونصل خانے کے آس پاس منڈلا رہے تھے۔ ان میں سے کم از کم ایک آدمی کو پہچان لیا گیا ہے۔ وہ آئی بی کا عرفان ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ قصہ ہماری کل کی گفتگو میں نمٹ گیا تھا۔" میں نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کل یہ مسئلہ صرف کل کے لیے نمٹا تھا۔ آج پھر تازہ ہے۔" اس نے مکاری سے جواب دیا۔ "تم چاہو تو اب بن ڈیوڈ کے بارے میں پریس کانفرنس کر سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"تم سمجھ رہے ہو کہ بن ڈیوڈ اور کیلی کو وہاں سے نکال دینے کے بعد ان کی وہاں موجودگی کے سارے ثبوت بھی ختم ہو چکے ہیں تو یہ تمہاری کم فہمی ہے۔ میری پریس کانفرنس تمہارے لوگوں کے لیے سنگین مسائل کھڑے کر سکتی ہے۔" میں اسے ڈراوا دیا۔

"خوب!" اس کی آواز میں ہلکا سا طنز تھا۔ "میں اسی معاملے کے سلسلے میں جلال سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔ تم بھی ان واقعات سے باخبر معلوم ہوتے ہو۔ میرا اندازہ ہے کہ اس وقت تم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کام کر رہے ہو۔"

"ہم مل جل کر ہی کام کرتے ہیں۔ اسی طرح جیسے تم ٹام کے ساتھ ایک ہی دفتر میں بیٹھتے ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"کل رات آئی بی والوں نے کیلی کو پھر ہراساں کیا ہے۔" اس نے شکایت کی۔

"آئی بی والے اپنے مجرموں کا دور تک پیچھا کرتے ہیں۔ ابھی تک کیلی کی بے گناہی ثابت نہیں ہوئی ہے۔ گاہے گاہے اس کی پڑتال ہوتی رہے گی۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تم نے اپنی پناہ میں آئی ہوئی ایک بے یار و مددگار امریکی عورت کو اچانک کھلی دھوپ میں کیوں ہانک دیا۔ یہ آئی بی والوں کا احسان ہے کہ وہ اسے اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔"

"وہ اتنے نرم دل اور انسان دوست نہیں ہیں۔ کیلی نے ان کے مطلب کی باتیں بتا دی ہوں گی۔ اس کے بعد اسے لے جانا بے سود تھا۔"

"یہ تم جانتے ہو کہ کیلی تم لوگوں کی سرگرمیوں کے بارے میں کیا کچھ جانتی ہے۔" میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

"کیلی کے ساتھ اس کا میزبان بھی تھا۔ جب ان دونوں کی ضرورت نہیں تھی تو ان لوگوں کو وہاں کیوں بھیجا گیا۔" نک کے ذہن پر کوئی نہ کوئی الجھن سوار تھی لیکن وہ مجھ سے کھل کر اور براہ راست کوئی سوال کرنے کے لیے موزوں الفاظ کا انتخاب نہیں کر پا رہا تھا۔

"اب اتنے معصوم اور بھولے نہ بنو۔ وہ مشق بن ڈیوڈ کے لیے تھی۔ اسے نشیمن میں نہیں اتارا گیا۔ تم ڈاج دے کر اسے کہیں اور لے گئے۔ وہ وہاں ہوتا تو ضرور پکڑا جاتا۔"

"تم کیا جانو کہ اسے کون لے کر گیا تھا۔" اس نے تحیر زدہ آواز میں بے ساختہ سوال کیا۔

"تم سے مراد تم ہی ہو۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "کیلی کو اسی لیے چھوڑ دیا گیا کہ اسے بے ہوشی کی حالت میں وہاں لایا گیا تھا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا لیکن پروفیسر ڈونلڈ بگڑا ہوا شریف آدمی ہے۔ اس نے تمہاری آمد اور بن ڈیوڈ کے ساتھ روانگی کی کہانی بلا کم و کاست سنا دی۔ تم کو اندازہ ہو جانا چاہیے کہ اس وقت تم کہاں کھڑے ہوئے ہو۔"

"ڈونلڈ بھی رات کے واقعات سے پریشان ہو گیا ہے اور اس نے یہاں کام کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ تمہاری وزارت خزانہ اس کی واپسی کو پسندیدگی کی نگاہوں سے نہیں دیکھے گی۔" نک کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ "تم لوگ اپنی حرکتوں سے دوسرے شعبوں کے لیے دشواریاں پیدا کر رہے ہو۔"

"سہولتوں کے نام پر تمہارے آدمیوں کو کھلی چھوٹ نہیں دی جا سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تم کب تک بن ڈیوڈ کو قانون کی گرفت سے بچاتے ہو۔"

"بن ڈیوڈ کے بارے میں تم من گھڑت باتیں کر رہے ہو۔ اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔" اس کی آواز میں رکھائی تھی۔

"کل تم اس کے بارے میں پریس کانفرنس طلب کرنے پر مجھے سنگین نتائج کی دھمکی دے رہے تھے۔ آج نئی قلابازی کھا رہے ہو۔ شاید تمہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ قونصل خانے سے بن ڈیوڈ کی روانگی کے بعد تمہارے لیے کوئی بڑی پریشانی پیدا نہیں ہو سکے گی مگر یہ تمہاری بھول ہے...."

"ہوش مند آدمی سے غلطی صرف ایک بار ہوتی ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "اب ایسی کسی غلطی کا اعادہ نہیں ہوگا جس سے تمہارے ہاتھ مضبوط ہو سکیں۔"

"ایک بار بن ڈیوڈ ہمارے ہاتھ آجائے تو پھر تمہیں سب پتا چل جائے گا۔ سفارتی تحفظات کی وجہ سے کچھ ہو یا نہ ہو۔ کم از کم تم کو پاکستان سے نکال دیا جائے گا۔"

"یہاں سے تبادلے کا حکم آنے پر مجھے خوشی ہوگی۔ یہ ملک رہنے کے قابل نہیں ہے جہاں الکحل پر پابندی ہے' عورتوں کی آزادی پر ایسی سنگین اور ناروا پابندیاں عائد ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی پسند کے کسی مرد سے نہیں مل سکتیں' تفریح گاہیں وجود زن سے خالی اور بے رونق نظر آتی ہیں۔"

"ایسی آزادیاں تم ہی کو مبارک ہوں جن کے نتیجے میں لاکھوں امریکی باپ دوسروں کی اولادوں کو پالنے پوسنے پر مجبور ہیں۔"

"یہ ہر دور میں اور ہر جگہ ہوتا آیا ہے۔ اگر امریکا میں ایسے واقعات کی شرح زیادہ ہے تو اسے بنیاد بنا کر عورتوں کو کچلا نہیں جا سکتا۔ یہ بہت لمبی بحث ہے کہ اقدار اور فرد کی آزادی میں سے کس چیز کو مقدم ہونا چاہیے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت فون کیوں کیا تھا۔"

"تم کو جلال کی تلاش تھی۔ وہ کہیں مصروف ہے۔ اس نے مشورہ دیا تھا کہ میں تمہاری بات سن لوں۔"

"رات کے واقعے سے ثابت ہو رہا ہے کہ اب تمہیں کیلی کی ضرورت نہیں رہی۔ کیا میرا یہ قیاس درست ہے؟" اس نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"فی الحال یہ کہا جا سکتا ہے۔" میں نے محتاط لب و لہجے میں جواب دیا۔

"میں طویل دفتری کارروائی میں نہیں الجھنا چاہتا۔ مجھے کیلی اور بن کے پاسپورٹ درکار ہیں۔"

"میں کوئی وعدہ نہیں کر رہا۔ شائد کیلی کا پاسپورٹ تم کو واپس کر دیا جائے۔ بن کا پاسپورٹ نہیں لوٹایا جا سکتا۔"

"وہ مجھے کب مل جائے گا۔" اس نے بن ڈیوڈ کے پاسپورٹ کی واپسی پر اصرار کیے بغیر پوچھا۔

"میں جلال سے بات کیے بغیر اس سلسلے میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"ڈونلڈ یہاں سے بدظن ہو چکا ہے اور ایک لمحے کے لیے پاکستان میں رکنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ میری خواہش ہے کہ کیلی بھی اسی کے ساتھ وطن چلی جائے۔ وہ راستے میں اس کی دیکھ بھال کرتا رہے گا۔"

"تم نے کہا تھا کہ کیلی زخمی ہے اور ابھی سفر کے قابل نہیں ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ تنہا سفر نہیں کر سکتی۔ جب تک وہ یہاں رہے گی لوگ اسے ہراساں کرتے رہو گے۔ اسے واپس بھیج کر [illegible] یک سو ہو جاؤں گا۔"

"شائد تم ان دونوں کی طرف سے بے فکر ہو کر ا[illegible] ساری توجہ بن ڈیوڈ پر مرکوز کرنا چاہ رہے ہو۔"

"میں نے کہہ دیا کہ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں [illegible] وہ ایسی جگہ روپوش ہے کہ تمہارے ہاتھ اس تک نہیں [illegible] سکتے....."

میں اس کی تضاد بیانی پر ہنس پڑا۔ "تم کو ذہنی علاج [illegible] لیے کسی مسکن دوا کی ضرورت ہے۔ ایک طرف اس [illegible] اپنی لاتعلقی کا اعلان کر رہے ہو اور اسی سانس میں اس [illegible] ٹھکانے کے بارے میں بے سروپا دعوے کر رہے ہو۔"

"اس کے بارے میں' میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ میر[illegible] اندازوں پر مبنی ہے۔"

"کل تم اس کے سب سے بڑے حامی اور مددگار [illegible] اب اس سے بالکل انجان بن رہے ہو۔ تم کو معلوم ہے ک[illegible] اپنی بے سروپا اور دوغلی باتوں سے مجھے فریب نہیں د[illegible] سکتے۔ اگر شترمرغ کی طرح اپنے آپ کو دھوکا دینے کی کوش[illegible] کر رہے ہو تو اور بات ہے۔"

"کل میں نے اس کی حمایت نہیں کی تھی۔ اس [illegible] حوالے سے تمہیں بے بنیاد الزام تراشی سے روکا تھا....."

"اس لیے کہ اس وقت وہ تمہارے قونصل خانے [illegible] پناہ گزین تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"وہ کبھی بھی وہاں نہیں تھا۔ تم جھوٹے ہو۔" اس [illegible] آواز اشتعال آمیز ہوگئی۔

"تم مجھے جھوٹا کہہ سکتے ہو۔ کیلی کے بارے میں کیا [illegible] گے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"کیا اس نے اس بارے میں تم لوگوں سے کوئی بات تھی؟" میرے سوال نے اسے چونکا دیا۔

"میں تو سرے سے نشیمن گیا ہی نہیں تھا۔" میں [illegible] وضاحت ضروری سمجھتے ہوئے کہا "اس نے آئی بی والوں [illegible] دیا ہے کہ قونصل خانے میں قیام کے دوران میں آئی مین [illegible] وہاں موجود تھا اور کئی بار اس سے ملا تھا۔ تمہارے لیے ا[illegible] کو جھٹلانا آسان نہیں ہوگا۔"

"وہ کتیا کی بچی ہے۔" میرے کانوں میں اس کی بے سا[illegible] غصیلی آواز آئی۔ "وہ اُلو کی پٹھی ملنے جلنے سے معذور [illegible] اسے کیا پتا کہ جب بن نے دو مرتبہ اس سے ملاقاتیں کیر[illegible] وہ کہاں تھی۔ اس کی کوئی بات قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

مسلسل ہوش اور بے ہوشی کی حالت سے گزر رہی تھی۔ اسے کچھ نہیں معلوم کہ وہ کہاں کہاں رہی ہے۔"

"تم کسی جھوٹے وکیل کی طرح نکتہ طرازی کررہے ہو۔ وہ مشکل سے چند گھنٹوں تک تمہاری تحویل میں رہی ہے۔ تم نے اسے کتنی بار بے ہوش کرلیا ہوگا۔ میں ایسی کسی دوا سے واقف نہیں ہوں جو آدمی کو بے ہوش کردے اور اس کا اثر ذرا سی دیر میں زائل ہوجائے۔ مجھ سے کچھ ہوش کی باتیں کرو۔"

"مجھے اندازہ تھا کہ کیلی کی کہی ہوئی باتوں کا دہرانا اس کے حق میں مضر ثابت ہوگا لیکن مجھے کیلی سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ وہ مجرمہ نہ رہی ہو تب بھی ایک بڑے مجرم کی دوست اور ساتھی تھی۔ میں اس کے انجام سے بالکل بے پرواہ ہوکر اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھا۔

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ کیلی کی کسی بات کا اعتبار مت کرو۔" وہ تخیل پرست عورت ہے۔ تمہاری نظروں میں اہمیت حاصل کرنے کے لیے اس نے من گھڑت باتیں کی ہیں۔ بن ڈیوڈ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ اسے تلاش کرو۔ اگر تم نے... اسے پکڑ لیا تو ہم اسے بچانے کی کوئی کوشش نہیں کریں گے۔ دنیا کے ہر مجرم کو کسی لحاظ کے بغیر اپنے انجام کو پہنچنا چاہیے۔ یہ ہمارا ریاستی اصول ہے اور ہم اس پر سچے دل سے عمل کرتے ہیں۔"

"اس وقت تمہاری ہر بات تضاد پر مبنی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے مجھ سے بن کے پاسپورٹ کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے بن تمہاری تحویل میں ہو اور تم کیلی کے ساتھ اسے بھی جلد سے جلد پاکستان سے باہر بھیج دینا چاہتے ہو۔"

"یہ تمہارے ذہن کا فتور ہے کہ تم میری ہر بات کا غلط مطلب نکال رہے ہو۔ پاسپورٹ ہماری قومی دستاویز ہے۔ اسے ہمارے قبضے میں آنا چاہیے۔ اس کا بن کے فرار ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے تم سے ایک سرسری سا مطالبہ کیا تھا۔ اس پر کوئی اصرار نہیں کیا تھا۔"

"ڈونلڈ نے بتایا ہے کہ کل رات تم دونوں بکتر بند گاڑیوں میں نشیمن گئے تو بن ڈیوڈ بھی تمہارے ساتھ تھا۔"

"میں نے کب اس بات سے انکار کیا۔ اس کی موجودگی کا ذکر تم نے پہلی بار نکالا ہے۔" میں اس کی ڈھٹائی پر حیران رہ گیا۔

"کیلی کو تم نے نشیمن میں چھوڑ دیا۔ وہ کہاں گیا؟" میں نے پوچھا۔

"واپسی پر اسے راستے میں اتار دیا گیا۔ اس نے کیلی کی خیروعافیت معلوم کرنے کے لیے ہم سے خود رابطہ کیا تھا۔ وہ دونوں پردیس میں آئے ہوئے امریکی شہری ہیں۔ ہم نے اسے اس شرط پر آنے کی اجازت دے دی تھی کہ وہ کوئی شرارت یا غیر قانونی حرکت نہیں کرے گا۔ کیلی سے مل کر چلا جائے گا۔" نک نے ایک طویل وضاحت پیش کردی۔ اسے معلوم تھا کہ قونصل خانے کی نگرانی کی جارہی تھی پھر کیلی اور ڈونلڈ بازپرس کے مراحل سے گزرے تھے۔ انہوں نے بہت کچھ بتا دیا ہوگا۔ اس نے کیلی کی ایک بات کو جھٹلا دیا تھا۔ اس کے لیے ہر بات کو جھٹلانا ممکن نہیں تھا۔

"وہ تمہارے قبضے میں آگیا تھا تو تمہیں اپنے وعدے کے مطابق اس کو ہمارے حوالے کردینا چاہیے تھا۔" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"ہم نے اپنے طور پر اسے پکڑا ہوتا تو ضرور اسے تمہارے قانون کے حوالے کردیتے لیکن وہ ہم سے واپسی کا وعدہ لے کر آیا تھا۔ ہم وعدہ شکنی نہیں کرسکتے تھے۔"

"تم ہمیں خبر کردیتے تو تمہارا وعدہ پورا ہونے کے بعد اسے راہ چلتے پکڑا جاسکتا تھا۔"

"ہنگامی حالات میں کیے جانے والے فیصلوں میں بہت سے پہلو تشنہ رہ جاتے ہیں۔ بروقت فیصلہ کرنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ ان فیصلوں پر بعد میں ہزار تنقیدیں کی جاسکتی ہیں۔ تمہارا نکتہ اپنی جگہ پر درست ہے لیکن شاید وقت پر کسی کو اس کا خیال نہیں آیا ہوگا۔"

دل ہی دل میں وہ سب کچھ سمجھ رہا ہوگا لیکن بولنے کے معاملے میں بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "شائد تم اپنے منصب کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے ہو اس لیے گول مول باتیں کررہے ہو لیکن اس وقت تم نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ تم کہاں کھڑے ہو۔"

"یہی بات میں تمہارے بارے میں بھی کہہ سکتا ہوں۔" اس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔

"شائد اب تمہیں جلال کی تلاش نہیں رہے گی۔" میں نے اس کی تصدیق چاہی۔

"نہیں..... کچھ باتیں تشنہ تھیں جن کے جواب مل گئے۔ مجھے امید ہے کہ اب تمہاری طرف سے ڈونلڈ اور کیلی کو تنگ نہیں کیا جائے گا۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ بن ڈیوڈ کو وہاں نہ لے جایا گیا ہوتا تو ہم ادھر کا رخ بھی نہ کرتے۔ اس وقت ہم صرف اس کی بو پر لگے ہوئے ہیں۔ وہ جلد ہی ہمارے جال میں آجائے گا۔"

میں نے کسی بھی مرحلے پر اسے یہ ہوا نہیں لگنے دی کہ ڈونلڈ نے رازدارانہ طور پر ہمیں سی نائین کے بارے میں بتادیا تھا۔
"کیلی کا پاسپورٹ مجھے کب مل سکتا ہے؟ اس نے پوچھا۔
"میں کہہ چکا ہوں کہ یہ جلال کی صوابدید کا معاملہ ہے۔ اسے اعتراض نہ ہوا تو شاید تمہیں آج ہی لفافہ مل جائے گا۔"
اس سے خاصی طویل گفتگو ہو چکی تھی۔ کم و بیش ہر اہم نکتے پر تبادلہ خیال ہو چکا تھا۔ میں نے فون بند کردیا۔
یہ بات روزِ اول سے ہی سامنے آچکی تھی کہ آئی مین کو امریکی حکومت اور ایجنسیوں کی بھرپور سرپرستی میں پاکستان کے میدان میں اتارا گیا تھا۔ ابتدا میں اس کے مقاصد سامنے نہیں تھے کیونکہ اس نے شہر میں شی کے پرانے روابط سے کام لے کر ہیروئن فروشی کا محدود جال پھیلا لیا تھا مگر جلد ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اپنے سارے وسائل بروئے کار لا کر مجھے اور ویرا کو گھیر کر مارنے کے لیے پاکستان آیا تھا۔ اس کے خلاف اخبارات میں بہت سا مواد شائع نہ ہوا ہوتا تو شائد امریکی کھل کر اس کی حمایت پر اتر آتے لیکن بی باون والے واقعے کے بعد ہی اول خان نے اپنے دوستوں کے تعاون سے آئی مین کے خلاف اتنی بھرپور اخباری مہم چلائی تھی کہ امریکی سفارت کاروں کو آئی مین کی کھلی حمایت کا ارمان پورا کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔
وہ لوگ دنیا کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتے تھے لیکن میرا تجربہ اس بات کا شاہد تھا کہ امریکی افسران پریس سے خوف کھاتے تھے۔ شائد واٹر گیٹ اسکینڈل میں صحافت کا بھرپور کردار سامنے آنے کے بعد وہ خوف پوری امریکی حکومت اور انتظامیہ کے دلوں میں سرایت کر گیا تھا۔
مجھے خوشی تھی کہ غیر ملکی دشمنوں کے خلاف اس مہم میں ہمیں اس موثر ذریعے کی پوری تائید و حمایت حاصل تھی۔
میں تیار ہو کر صدف مینشن کے لیے روانہ ہو گیا جہاں جلال میرا منتظر تھا۔
جلال نے صدف مینشن کے مختصر اور سادہ سے دفتر میں میرا استقبال کیا اور میں نے رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد اپنی اور نک کی گفتگو کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ درمیان میں تبصرے کرتا جا رہا تھا لیکن اس نے کسی نکتے پر اعتراض نہیں کیا تھا۔
"کیلی کے پکڑے جانے کے بعد حالات نے ایک دم پلٹا کھایا ہے۔" میری کہانی ختم ہونے پر اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "آئی مین کی ذات جو اسرار کے پردوں میں لپٹی ہوئی تھی، تیزی سے بے نقاب ہو چکی ہے۔ اس نے یہاں کافی ہاتھ پیر پھیلا لیے ہیں۔"
"کیا اس کے بارے میں کوئی نئی بات سامنے آئی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔
"چوہڑا بہت گہرا آدمی ہے۔ میرا خیال تھا کہ اس سے سب کچھ اگلوا لیا گیا ہے مگر وہ آئی مین سے اپنے آدمیوں کے براہِ راست رابطے کے بارے میں خاموش تھا۔ آج میں نے اسے بہت بری طرح مارا تھا۔ اس کی کم از کم دو پسلیاں ٹوٹ چکی ہیں۔"
"ایسے مجرموں کو مار مار کر لنگڑا لولا بنا دینا ہی سب سے بہتر ہوتا ہے۔ قانونی سزائیں ان کی اصلاح کے لیے ناکافی ثابت ہوتی ہیں۔" میں نے نفرت سے کہا پھر پوچھا "میں نے تم سے کسی نئی بات کی دریافت کے بارے میں پوچھا تھا۔"
"ہاں، وجے نے گرفتاری کا خطرہ اپنے سر پر منڈلاتا ہوا دیکھ کر اپنا تھیلی میں لپٹا ہوا ایم ٹی ففٹی برنس روڈ کے نالے میں پھینک دیا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔
"یعنی تم نے اس پر بھی ہاتھ صاف کر لیا۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔
"خالی بیٹھا ہوا تھا۔ تمہارے آنے میں دیر ہوئی تو میں وجے کے سر پر پہنچ گیا۔ وہ بھی بہت ڈھیٹ آدمی ہے۔"
"پھر میرے لیے یہاں کیا رہ گیا۔ باتیں بعد میں بھی ہو سکتی تھیں۔"
"بموں کے دہرے دھماکے آئی مین کی ہدایت پر کیے گئے تھے۔ وہ خون بھی اس کی گردن پر ہے۔" اس نے بتایا۔
"اور گولڈن فارمیسی کی آتش زنی کے بارے میں وہ کیا کہتا ہے۔" میں نے تجسس سے پوچھا۔
"وہ ذکر آتے ہی اس کا منہ اتر گیا تھا کیونکہ وہاں جلنے والا ایک بچہ ہلاک ہو چکا تھا۔ وہاں ان چاروں نے مل کر آگ لگائی تھی۔ بعد میں گولیاں برساتے ہوئے چلے گئے تھے۔ کسی لاسلکی رابطے کے بغیر یہ ناممکن تھا کہ فالکن ہاؤس سے آئی مین کے فرار کے ڈیڑھ دو گھنٹے میں کوئی جوابی واردات کی جا سکتی۔
جلال میرے پہنچنے سے پہلے ہر کام سے نمٹ چکا تھا مگر اسے اندازہ تھا کہ ان دونوں خبیثوں کی طرف سے میرے دل میں خاصا غبار جمع ہو چکا تھا۔ مجھے مزید جھنجلاہٹ یہ تھی کہ آئی مین کا نام سامنے آنے کے بعد ہم نے ہر طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ چوہڑا اور وجے کو نظرانداز کر کے اپنی ساری توجہ آئی مین کے تعاقب پر مرکوز کر دی تھی جب کہ وہ

سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے تھے اور پاکستان کے خلاف مثالی یک جہتی کے ساتھ سرگرم عمل تھے۔

جلال مجھے اپنے ساتھ لے کر اوپر چلا گیا۔ چوپڑا اور وجے کو ایک سیل میں یک جا کیا جا چکا تھا۔ وہ ننگے فرش پر بہت ابتر حالت میں پڑے ہوئے کراہ رہے تھے۔ ہمارے قدموں کی چاپ سن کر وجے نے اپنی جگہ بدل کر اور جسم کو حرکت دے کر ہمیں دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر چوپڑا اس قابل نہیں تھا۔ ٹوٹی ہوئی پسلیوں نے اسے ہلنے جلنے سے معذور کردیا تھا۔

ان دونوں کے چہرے اپنے خون میں نہائے ہوئے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ جلال ان درندوں کو قرار واقعی سزا دے رہا تھا۔ ان دونوں میں چوپڑا زیادہ بد نصیب تھا کیونکہ وہ پاکستانی ہوتے ہوئے سو فیصد بھارتی نمک خوار تھا۔

ایک طرف وہ بھارتی ہائی کمیشن کا ملازم تھا تو دوسری طرف را کا تنخواہ دار تھا۔ اس کی باضابطہ گرفتاری پر بھارتی ہائی کمیشن نے خاصے ہاتھ پیر مارے تھے اور متعلقہ مجسٹریٹ سے یہ اجازت لے لی تھی کہ ان کا ایک آدمی چوبیس گھنٹے میں ایک بار اس سے مل کر یہ اطمینان کرتا رہے گا کہ اسے بے جا تشدد یا بد سلوکی کا نشانہ نہیں بنایا جارہا۔ وہ احتیاط صرف دو دنوں کے لیے چوپڑا کی جان بچا سکی پھر اسے تفتیش کے بہانے اندرون سندھ منتقل کردیا گیا جہاں کسی بھارتی کی رسائی نہیں تھی۔

را والوں کے لیے اپنے آدمیوں کی اہمیت مشین کے کسی پرزے سے زیادہ نہیں تھی۔ چلتا رہتا تھا تو اس کی ہر طرح دیکھ بھال ہوتی تھی۔ گھس جاتا یا خراب ہوجاتا تو اسے نکال کر کوڑے دان میں پھینک کر بھلا دیا جاتا ہے۔ اس کی جگہ کوئی نیا پرزہ لے لیتا ہے۔ دوسری طرف یہ عالم تھا کہ جلال نے اپنے اصولوں کے برخلاف عبداللہ کے خون کا انتقام اپنے ہاتھوں سے لیا تھا۔

چوپڑا کی اندرون سندھ سے خاموش واپسی کے بعد انڈین ہائی کمیشن کے کسی رکن نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ کہاں تھا۔ نتیجے کے طور پر وہ صدف مینشن میں بے یارومددگار پڑا ہوا، اپنے برے بلکہ گھناؤنے اعمال کی سزا بھگت رہا تھا۔

ان دونوں خطرناک قیدیوں کے ہاتھ پیر ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں بندھے ہوئے تھے۔ میں نے بڑھ کر دانستہ چوپڑا کی پسلیوں پر جوتے سے ہلکی سی ضرب لگائی اور وہ بلبلا کر چیخ اٹھا۔ اس کے بارے میں جلال کا یہ اندازہ درست تھا کہ اس کی پسلیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑا اور وجے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

وجے میرے تیور بھانپ گیا اور ذبح ہونے والے کسی بکرے کی طرح حلق پھاڑ کر چیخنے لگا "مجھے ہاتھ نہ لگانا، مجھے نہ مارنا۔ اپنے ساتھی سے پوچھ لو۔ میں نے اسے ہر بات بتادی ہے۔ میں نے کچھ نہیں چھپایا۔ اگر تم کو کچھ پوچھنا ہے تو تم بھی پوچھ لو۔ جو بات مجھے معلوم ہے وہ میں بتادوں گا۔ میں اس کے خلاف کروں تو جو چاہے کرلینا۔"

میں نے بڑھ کر اس کی گردن پر جوتے کا تلا رکھ دیا۔ وہ بے دست و پا ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے جھک کر اس کے چہرے پر گھونسے ٹکائے اور الگ ہوگیا۔ اسے مار کر میری کسی جبلی خواہش کی تسکین ہوگئی تھی۔

"پہلی فرصت میں وہ ایم ٹی ففٹی حاصل کرنے کی کوشش کرو جو وجے نے نالے میں پھینکا ہے۔" وہاں سے لوٹتے ہوئے میں نے جلال سے کہا۔

"اس پختہ نالے کا بیشتر حصہ خشک رہتا ہے۔ جہاں ہیروئنچیوں کی ٹولیوں کا راج رہتا ہے۔ وہ اپریٹس اب وہاں نہیں ہوگا۔ کسی نے موبائل فون سمجھ کر اٹھالیا ہوگا۔"

"تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ تھیلی میں لپٹا ہوا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"نشے باز پورے کوڑے کا پوسٹ مارٹم کرتے ہیں۔ وہ ان کی دست برد سے نہیں بچا ہوگا۔" جلال مایوسی سے بولا۔

یہ بات وہ بھی جانتا تھا کہ آئی مین کے آئندہ عزائم سے آگاہ ہونے کے لیے وہ اپریٹس کتنا اہم تھا۔ اس پر ہم ان چاروں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ہر لفظ سن سکتے تھے۔

سب سے اہم بات یہ تھی کہ بموں کے دھماکوں کے سلسلے میں ایک مشکوک آدمی کا حوالہ اخبارات میں شائع ہوا تھا لیکن وجے کو بہت خاموشی سے پکڑا گیا تھا۔ اس کی گرفتاری کی خبر کسی اخبار میں میری نظروں سے نہیں گزری تھی۔ اپنے تینوں ساتھیوں اور آئی مین سے اس کا رابطہ ٹوٹ چکا تھا مگر یہ امکان پھر بھی باقی تھا کہ وہ اس کی گرفتاری سے بے خبر ہوں۔

میرے اصرار پر جلال برنس روڈ کی طرف دوڑ لگانے کے لیے آمادہ ہوگیا۔ نشتر روڈ سے وہاں تک کی مسافت چند منٹ سے زیادہ نہیں تھی۔

لڑکیوں کے کالج کے سامنے والی گلی میں گاڑی پارک کرکے ہم نالے میں اترنے کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ کرکٹ کے شوقین بچوں کی ایک ٹولی نے ہماری رہنمائی کی۔ وہ اپنے سازو سامان کے ساتھ، نالے کی ایک جگہ ٹوٹی ہوئی

دیوار سے اندر اتر رہے تھے۔
جلال نے مجھے کہنی ماری اور ہم دونوں اسی طرف ہولیے۔
وسیع و عریض نالے کا پختہ اور ڈھلان دار فرش خشک تھا۔ درمیان میں بنی ہوئی چوڑی نالی میں گندہ پانی رواں تھا۔ اس وقت نالا خاصا آباد تھا۔ سڑک کے نیچے والے سایہ دار حصے میں بہت سے چرسی اور ہیرو ئنچی لیٹے بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک دو ٹولیاں گندی چادروں میں لپٹی زہریلے دھوئیں کے کش لگا رہی تھیں۔ پختہ فرش پر بہت سے بچے چوبی پیٹیوں اور دوسری اشیا کی وکٹیں بنائے' پورے جوش و خروش سے کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے۔
ٹوٹی ہوئی دیوار پار کرتے ہوئے میں بس لمحہ بھر کے لیے ہچکچایا۔ ذہن میں یہ گمان ہوا تھا کہ دو خوش پوش افراد کو اس گندے نالے میں اترتا دیکھ کر لوگ کیا سوچیں گے مگر وہ گمان اسی لمحے دم توڑ گیا۔ ہمیں دیکھنے والے ہمارے دوست یا رشتے دار نہیں تھے جو ہمیں پہچان لیتے۔ اجنبیوں کے کچھ بھی سوچنے سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ میں نے دیوار کا ملبہ پار کرلیا۔
وجے کی بتائی ہوئی جگہ پر نالے کی دیوار کے ساتھ کوڑے کا ایک بڑا انبار جمع تھا۔ شاید آنے جانے والوں کو وہاں کوڑا پھینکنے میں سہولت رہتی تھی۔ کوڑے کی اس چھوٹی سی ڈھلوان چٹان سے سخت بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے مگر ہیروئن کے نشے میں دھت لڑکوں اور بوڑھوں کو اس کی پروا نہیں تھی۔
میں نے اس ڈھیر پر چڑھنے کے ارادے سے اپنی رفتار تیز کی تھی کہ جلال نے میرا بازو تھام کر مجھے روک دیا اور خود آگے بڑھ گیا۔
وہ فرض کی لگن تھی کہ اسے کسی چیز کی پروا نہیں رہی تھی۔ میرے دل میں اس اعلیٰ سرکاری افسر کی قدرو منزلت بڑھ گئی۔ پاکستان کی بیورو کریسی کو کوسنا ملک میں ایک رواج بن چکا ہے۔ کسی تقریب میں کوئی افسر پھنس جائے تو اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ اپنے اور دوسروں کے حوالے سے ایسے ایسے تجربات دہرانا شروع کردیتے ہیں کہ وہ بے چارہ شرم سے پانی پانی ہوجائے۔ لوگ ایسی چٹکیاں لیتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ اسی بیورو کریسی میں ایسے فرض شناس اور ایمان دار افسر بھی موجود ہیں جن کے دم قدم سے سارا نظام چل رہا ہے۔
وہاں تھیلوں اور کوڑے کا ایک انبار جمع تھا۔ جلال اسے جوتوں سے اِدھر اُدھر کرکے اپنی مطلوبہ چیز کی تلاش میں لگا رہا۔ میں کھڑے کھڑے اکتا گیا۔ اسے کوڑے میں گھسے دس منٹ ہوچکے تھے۔ اچانک وہ دیوار کے ساتھ جھکا اور پھر سیدھا ہوا تو اس کے ہاتھ میں ایک میلی سی خاکی تھیلی موجود تھی۔
اس نے وہیں کھڑے کھڑے تھیلی کا منہ کھول کر اندر جھانکا اور پھر تقریباً دوڑتا ہوا اس متعفن ٹیلے سے اتر آیا۔
اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔ اس نے دور ہی سے ہانک لگائی۔ جونہی وہ قریب آیا' ہم دونوں آگے چل دیے۔
اس نے تھیلی کا منہ کھول کر میرے سامنے کردیا۔ تھیلی اندر سے صاف تھی۔ میں نے وزنی ایریٹس نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ جلال نے تھیلی ہوا میں اڑا دی اور برا سا منہ بنا کر اپنے دونوں ہاتھ جھاڑنے میں مصروف ہوگیا "بدبو سے حلق تک کڑوا ہوگیا ہے۔ پہلے میں کہیں ہاتھ منہ دھو کر کلیاں کروں گا۔"
"آج تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔" میں نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا "میں اتنی دیر تک اس غلاظت میں نہیں رک سکتا تھا۔"
"تم دباؤ نہ ڈالتے تو میں ادھر نہ آتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ برنس روڈ کے ہیرو ئنچی آج کل خوش حال ہوگئے ہیں۔" اس نے خوش دلی سے کہا "بہت سا کوڑا جوں کا توں پڑا ہوا ہے۔ ان پر کڑا وقت آتا ہے تو یہ اپنا پیٹ بھرنے اور بیچنے والی اشیا جمع کرنے کے لیے سارے کوڑے کو تلپٹ کرڈالتے ہیں۔"
نالے سے نکل کر ہم فریر روڈ کے بجائے تغلق ہاؤس کی طرف چل دیے۔ جلال کے ستارے یاور تھے کہ ہمیں اس سرکاری عمارت کے پچھواڑے ایک سرکاری نل نظر آگیا جس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ جلال نے بہت اچھی طرح ہاتھ منہ دھو کر رومال سے چہرہ خشک کیا اور ہم گاڑی کی طرف واپس چل دیے۔
راستے میں مجھے ایریٹس کا خیال آیا۔ میں نے اسے جیب سے نکالا تو وہ آف تھا۔ میں نے اسے آن کردیا تاکہ کوئی پیغام ضائع نہ ہوسکے۔
"یہ تم رکھو گے یا مجھے دو گے۔" جلال نے مجھے ایریٹس جیب میں رکھنے کا موقع دیے بغیر پوچھا۔
"تم رکھ لو۔" میرے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔ ویسے بھی وہ افرادی قوت اور وسائل تک رسائی رکھتا تھا۔ ایریٹس پر کوئی بھی پیغام سن کر اس کی نزاکت کے مطابق فوری کارروائی کرسکتا تھا۔

جلال یہی چاہ رہا تھا۔ اس نے ٹرانسمٹر میرے ہاتھ سے لے کر اپنی جیب میں ڈال لیا "شکریہ! دیکھو کہ اب کب ان کی باتیں سننے کا پہلا موقع ملتا ہے۔"

"بن ڈیوڈ کی گرفتاری کا معاملہ خاصا طول پکڑ گیا ہے۔ اب اس قصے کو ختم ہونا چاہیے۔" واپسی کے سفر میں، میں نے کہا۔

"بڑے مجرموں کے ساتھ عام طور پر یہی ہوتا ہے۔" جلال نے مجھے دلاسا دیا "وہ اپنی ذہانت اور مکاری کی وجہ سے ہاتھ نہیں آتے۔ تم دیکھو گے کہ بن کا قصہ بھی اچانک نمٹے گا۔"

"سی نائن کی تلاش پر تم نے اپنے آدمی مامور کر دیے ہوں گے۔ ایس بی ایف والے بھی لگے ہوئے ہیں۔" مایوسی کے عالم میں مجھے وہ امید افزا بات یاد آئی۔

"پہلا کام وہی تھا۔ ایریٹس ہاتھ لگ جانے کے بعد میں انتظار کو کسی اندھا دھند کارروائی پر ترجیح دوں گا۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا "اس بار ہمیں پوری تیاری اور منصوبہ بندی کے ساتھ اس پر ہاتھ ڈالنا ہوگا تاکہ وہ بچ کر نہ نکل سکے۔"

بقیہ سفر خاموشی سے طے ہوگیا۔ گلی میں گاڑی پارک کرنے کے بعد ہم صدف مینشن میں داخل ہوئے تھے کہ جلال کی جیب میں پڑے ہوئے ایریٹس پر کال کا اشارہ موصول ہونے لگا۔ اس نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر ٹرانسمٹر جیب سے نکال کر اس کی آواز کھول دی۔

"جو بھی لائن پر ہے جواب دے۔" میں نے پہچان لیا کہ وہ بھاری اور تحکم آمیز آواز آئی مین کی تھی۔ وہ امریکی لب ولہجے میں انگریزی بولتا تھا۔

جلال نے مجھے آنکھ ماری اور اپنی رفتار تیز کردی۔ وہ سیدھا دفتر کی طرف جا رہا تھا۔

"نمبر ٹو سر!" قدرے خاموشی کے بعد مقامی لب ولہجے میں انگریزی میں جواب آیا۔

"میرے لیے تم سب ایک ہو۔ تمہارے نمبر تھری کی کیا خیر خبر ہے؟" آئی مین نے پوچھا۔ اس وقت تک ہم دونوں دفتر میں داخل ہو کر کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ جلال نے نالے سے حاصل کیا ہوا ایریٹس میز پر رکھ دیا تاکہ دونوں کو سننے میں آسانی رہے۔

"کچھ پتا نہیں چل رہا۔ وہ شہر میں کہیں نظر آرہا ہے نہ اس کے ایریٹس سے جواب مل رہا ہے۔"

"اس شہر میں آدمی کتوں بلیوں کی طرح مرتے رہتے ہیں۔ کہیں وہ کسی بس یا ٹرک کے نیچے تو نہیں کچلا گیا۔" آئی مین کی آواز میں غصہ تھا۔

"نہیں سر! ایسا ہوا ہوتا تو اخبار میں خبر ضرور آتی۔ میں اخبار بہت باقاعدگی سے دیکھتا ہوں۔"

"دھماکوں کے بعد اخبار میں ایک مشکوک آدمی کی خبر آئی تھی۔ ایسا تو نہیں کہ وہ پکڑ لیا گیا ہو۔"

"ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ وجے بہت تیز آدمی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ گرفتاری کا خطرہ بھانپ کر شہر سے کہیں اور نکل گیا ہو۔ فاصلہ بڑھ جانے کی وجہ سے اس کا ایریٹس کام نہیں کر رہا ہوگا۔ وہ پکڑا جاتا تو کسی نہ کسی اخبار میں یہ خبر ضرور چھپتی۔"

"وہ اُلّو کا پٹّھا ہے۔" آئی مین کا لہجہ مسلسل تضحیک آمیز تھا "وہ شہر سے بھاگ رہا تھا تو اسے ہم میں سے کسی کو اطلاع دینی چاہیے تھی۔ مجھے ایسے غیر ذمے دار آدمی پسند نہیں ہیں۔ مجھے ہر وقت تم لوگوں کے بارے میں باخبر رہنا چاہیے۔"

"ہم احتیاط رکھیں گے۔" نمبر ٹو کی آواز پر مردنی چھا گئی۔

"دوسرے کام کا کیا ہو رہا ہے؟" آئی مین نے پوچھا۔ بظاہر اس نے وجے کے بارے میں نمبر ٹو کا نظریہ قبول کرلیا تھا۔ ان کی باتوں سے یہ پتا چل چکا تھا کہ اس ڈسپلن میں وجے نمبر تھری کے کوڈ سے پہچانا جاتا تھا۔ وہ چار کی ٹولی تھی جو را کی طرف سے آئی مین کے لیے کام کر رہی تھی۔ بقیہ کے کوڈ نمبر ون اور نمبر فور ہوسکتے تھے۔

"نمبر ون لگا ہوا ہے۔ آج وہ کسی نہ کسی طرح جہانگیر کے گھر کا کھوج لگا لے گا۔" اس آلے پر جہانگیر کا نام سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے۔ جلال بھی چونک پڑا تھا۔ ہم دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور جلال معنی خیز انداز میں اپنا سر ہلانے لگا۔

آئی مین نے گولڈن فارمیسی کو پھونک کر ایک بچے کی جان کی بھینٹ لے لی تھی مگر وہ جہانگیر کو نہیں بھولا تھا۔ جس سے اس کا سرے سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔

"جہانگیر بہت کم آمیز آدمی ہے۔" نمبر ٹو اٹک اٹک کر جواب دے رہا تھا "آس پاس کے دکان داروں سے اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا۔ دکان جل جانے کے بعد سے وہ ادھر نہیں دیکھا گیا۔ شاید ڈر کر گھر میں بیٹھ گیا ہے۔"

"یہ چند گھنٹوں کا کام تھا جسے تم لوگ لے کر بیٹھ گئے ہو۔" آئی مین کی غراہٹ ابھری۔

"سر! آج وہ انشورنس ایجنٹ بن کر مالک دکان سے ملے گا۔ دکان میں ہونے والے نقصان کا تخمینہ لگانے کا بہانہ کرکے وہ اس سے جہانگیر کے گھر کا پتا معلوم کرلے گا۔"

"دیر ہوچکی ہے۔ اب صرف پتے سے کام نہیں چلے گا۔ مجھے اس کے مکان کی سروے رپورٹ بھی درکار ہے کیونکہ اسے وہاں سے اٹھانا ہے۔"

"میں اسے بتا دوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت وہ ہماری باتیں سن رہا ہو۔"

"نمبر فور! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟" آئی مین نے اسی لمحے سوال نشر کردیا۔

"یس سر! میں سن رہا ہوں۔" ایریئس پر تیسری توانا آواز ابھری "نمبر ٹو کی رپورٹنگ لفظ بہ لفظ درست ہے۔"

"سب کان کھول کر سن لو۔ میں تیزی سے کام کرنے کا عادی ہوں۔ سست روی مجھے پسند نہیں۔ پتا نہیں چوپڑا تم سے کیسے کام لیتا ہے۔"

"سر، ہم اپنی کارکردگی بڑھانے کی کوشش کریں گے۔" اس بار نمبر فور نے ہی جواب دیا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ چوپڑا کے اندر ہوجانے کے بعد سے تم چاروں زیر زمین چلے گئے ہو۔ تمہاری اپنی مجبوریاں ہیں لیکن میں بھی مجبور ہوں۔ مجھے جلد از جلد اپنا کام ختم کرکے واپس لوٹنا ہے۔ جہانگیر ہمارا اصل ہدف نہیں ہے۔ اس کے ذریعے ہم ڈینی کو گھیریں گے۔ اگر تمہارے کام کرنے کی رفتار یہی رہی تو مہینوں کی نوبت آسکتی ہے۔ تم سمجھے میری بات!"

"اب تم کو شکایت نہیں ہوگی۔ دہرے دھماکوں کے بعد یہاں کی پوری انتظامی مشینری حرکت میں آگئی تھی۔ ادھر چوپڑا جی اندر ہوچکے تھے۔ ہم بہت مشکل وقت سے گزر رہے ہیں۔ میں اس وقت ایک گداگر کا روپ دھارے ہوئے ہوں۔ رات ہوتی ہے تو کسی پل پلیا کے نیچے ٹھکانا بنالیتا ہوں۔"

"دھماکوں کا تسلسل برقرار رکھو تاکہ یہاں والے اسی چکر میں الجھے رہیں اور تم کو دوسرے کام نمٹانے کا موقع مل جائے۔" آئی مین کی آواز دھیمی مگر مزید تحکمانہ ہوگئی۔

"ہمارے پاس صرف تین بم رہ گئے ہیں!" گداگر کے روپ میں پھرنے والے نمبر فور کا وہ انکشاف لرزہ خیز تھا "اس کے بعد سناٹا ہوجائے گا۔ چوپڑا جی کے ہٹ جانے سے ہماری سپلائی لائن کٹ گئی ہے۔ ہم تمہارے محتاج ہوگئے ہیں۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات واضح کردی۔ میں تمہیں ضرورت کی ہر چیز مہیا کروں گا۔ ہوسکے تو تم ایک ہی دن میں تینوں بم استعمال کرڈالو۔ پورا شہر ہل کر رہ جائے گا۔"

"سپلائی لائن کٹ جانے کی وجہ سے ہم تذبذب میں تھے۔ تمہاری یقین دہانی کے بعد ایسا ہی ہوگا۔"

ہم دونوں مسلسل ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ٹرانسمیٹر پر ہونے والی وہ خون آشام گفتگو ہمارے لیے خوفناک تھی۔ ہماری مٹی کے دشمن ہمارے لوگوں کے لہو سے ہولی کھیلنے کی باتیں کررہے تھے اور ہم بے بسی سے وہ سب سننے پر مجبور تھے۔

آئی مین شاید پاکستانیوں کے خون کا پیاسا تھا۔ وہ شہر میں بموں کے مزید دھماکے کرانا چاہ رہا تھا۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ دھماکے کہاں کیے جائیں۔ اس بارے میں اس نے را کے ایجنٹوں کو کھلی چھوٹ دے دی تھی۔ وہ خود ہم سے بچنے کے لیے بے سروسامانی کے عالم میں شہر میں بھاگا پھر رہا تھا مگر را والوں کو اسلحے کی بھرپور فراہمی کی یقین دہانی کرا رہا تھا۔ یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ اپنے پشت پناہوں اور سرپرستوں کے بل بوتے پر وہ ہرزہ سرائی کررہا تھا۔

اسے پورا یقین تھا کہ اس کے مذموم مقاصد کے لیے پاکستان میں موجود وہ اسلحہ آسانی سے مل جائے گا جو امریکیوں کی تحویل میں تھا کیونکہ وہ خود اس پوزیشن میں نہیں رہا تھا کہ اپنی کمین گاہ سے نکل کر کھلے بازار سے ایک نارنگی بھی خرید سکے۔

"یہ کام کب تک ہوجائے گا؟" آئی مین اپنے غلام سے پوچھ رہا تھا۔

"تم نے حکم دیا ہے۔ یہ کام جلد از جلد ہوجائے گا۔ تم بے فکر رہو۔" اس بار نمبر فور کی آواز میں خود اعتمادی تھی۔

"یہ کام کسی بارونق اور بھرے پرے علاقے میں ہونا چاہیے جہاں دور دور تک لاشوں کے چیتھڑے بکھرے ہوئے نظر آئیں۔" آئی مین کے وہ وحشیانہ اور خون آشام الفاظ سن کر میں اندر سے دہل کر رہ گیا۔ اسے بے گناہوں کے خون کی حرمت کا ذرا بھی پاس نہیں تھا۔ وہ یہودی النسل تھا اور پاکستانی مسلمانوں کے خون سے اپنی پیاس بجھانے کے لیے بے چین نظر آرہا تھا۔

یہودی مسلمان کی جان کا اور عیسائی ایمان کا دشمن ہوتا ہے۔ چند گھنٹوں میں وہ دونوں باتیں درست ثابت ہوچکی تھیں۔ بن ڈیوڈ را کے ایجنٹوں کو ہمارے خون کی ہولی کھیلنے پر اکسا رہا تھا جبکہ تھوڑی دیر پہلے تک پاکستان میں شراب،

شباب اور بے حیائی پر پابندیوں کے خلاف احتجاج کر رہا تھا۔ بن یہودی تھا اور رنک عیسائی۔ دونوں کی اپنی اپنی سوچ تھی جو جان و ایمان کی میزان پر پوری اتر رہی تھی۔

"یہ پابندی عائد نہ کرو تو بہتر ہے۔" نمبر فور کے الفاظ میرے کانوں میں امید کی نوید بن کر گونجے۔ وہ آئی مین سے کہہ رہا تھا "بارونق علاقے میں دھماکا کر کے نکلنا دشوار ہوجائے گا۔ جہاں بھی موقع ملا ہم اپنی کارروائی کر گزریں گے۔ خون ضرور بہے گا۔ بس ہم اپنی حفاظت کو مقدم رکھیں گے۔"

"اتنی آزادی مانگ رہے ہو تو یہ کام آج ہی ہوجانا چاہیے۔" اس بار آئی مین کی آوازیں پرسکون تھی جیسے اسے اس کا پسندیدہ کھلونا ملنے کی خوش خبری سنادی گئی ہو۔

"ہم تینوں اپنی پوری کوشش کریں گے کہ کراچی کی فضا خون اور بارود کی بُو سے بھر جائے۔" اس بار نمبر فور نے الفاظ سے کھیل کر اپنے آقا کو خوش کرنے کی کوشش کی تھی۔

"پاکستانی بہت چالاک اور پھرتیلے بنتے ہیں۔ ان کو سبق سکھانا ضروری ہوگیا ہے۔ اب میں کسی اچھی خبر کے بعد تم سے رابطہ کروں گا۔"

یکایک انسانی آوازیں معدوم ہوگئیں اور ٹرانسمٹر پر ہلکا ہلکا ریڈیائی شور گونجتا رہ گیا۔

"شرمناک... اس کا دماغ الٹ چکا ہے۔" جلال غصے میں میز پر مکا مار کر بولا "میں اس خونی کھیل کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔"

"وہ چاروں روپوش ہیں۔ ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں!" میں نے مایوسی سے کہا۔

"ڈینی! میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تمہارے ایما پر میں نے یہ ایریٹس حاصل کرلیا اور اس پر بروقت ان کے ناپاک عزائم کی کہانی سن لی۔" وہ یک بیک جذباتی ہوگیا "میں ان کے دھماکوں کو روکنے کے لیے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دوں گا۔ شہر میں آج ریڈ الرٹ ہوگی۔ میں خود سڑکوں کا گشت کروں گا۔"

"ریڈ الرٹ ضرور ہونی چاہیے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "باقی باتیں جذباتی ہیں۔ تمہیں کیا پتا کہ وہ درندے کدھر کا رخ کریں گے۔"

"پھر میں ایریٹس پر بن ڈیوڈ سے خود بات کرتا ہوں۔" جلال بپھرنے لگا "میں اسے بتادوں گا کہ آج شہر میں کوئی واردات ہوئی تو رات ڈھلنے سے پہلے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ سی نائین اس کا مقتل بنا دیا جائے گا۔ وہ وہاں سے زندہ نہیں نکل سکے گا۔"

جذبات کی رو میں اس کا ذہن غلط راہ پر چل نکلا تھا۔ آئی مین کو پکڑنے کے لیے ضروری تھا کہ اسے اس بات کی ہوا بھی نہ لگے کہ ہمیں سی نائین کے بارے میں معلوم ہوچکا تھا۔ ڈیفنس کے کمرشل علاقوں میں دس بیس عمارتوں کی اوپری منزلوں پر رہنے والوں کی چھان بین کا کام زیادہ مشکل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ صرف چند گھنٹوں میں پتا چل سکتا تھا کہ آئی مین کس علاقے کے سی نائین میں روپوش ہوسکتا تھا۔ ایک بار اس کا وہ ٹھکانا ہمارے علم میں آجاتا تو اس کے گلے میں طوق ڈال کر اسے مجبور کیا جاسکتا تھا کہ وہ را کے ایجنٹوں کو درندگی سے روکنے کے لیے ٹرانسمٹر پر ان سے بات کرے۔

جلال ایک نازک اور حسّاس پیشے سے وابستہ ہونے کے باوجود صاف ستھرے پیشہ ورانہ مقابلے کا قائل تھا۔ را کے دو ایجنٹوں سے بن ڈیوڈ کے خون آشام مذاکرات سننے کے بعد وہ اس قدر مشتعل ہوا کہ دیر تک انتہا پسندانہ باتیں کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہا اور میں محض اس کی دل جوئی کے لیے اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ کمال کی بات یہ تھی کہ

جلال کی انتہا پسندی میں بھی کھلی خوں ریزی کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔
شاید یہ آئی بی کی پالیسی نہ ہوتی لیکن غصے میں وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ کراچی میں کچھ ہوا تو اس کے آدمی دہلی یا کول کتا کے شہریوں سے اس کا انتقام لیں گے لیکن ایسی کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آئی۔ وہ آئی مین اور را کے ایجنٹوں کے سر کچلنے کی بات بار بار دہرا تا رہا۔
وقت غصے کو بہت آرام سے پی جاتا ہے۔ آخر کار جلال کا غصہ بھی تشویش میں ڈھل گیا۔
"تم اتنی دیر سے بیٹھے ہوں ہاں کر رہے ہو۔ انہیں روکنے کے لیے تمہاری کیا رائے ہے!" آخر اس نے پُر تشویش آواز میں مجھے ٹوکا۔
"نمبر فور نے آئی مین کو خوش کرنے کے لیے وہ ساری باتیں کی ہیں۔ دشمن کی سرزمین پر کوئی بڑی واردات کرنے کے لیے جس دل اور جگر کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان کے پاس نہیں ہے۔" میں نے کہا۔
"دل گردہ نہ ہونے کے باوجود وہ شہر میں دو دھماکے کر چکے ہیں۔" جلال بولا۔
"ان کا نتیجہ وجے کی صورت میں اوپر قید ہے۔ اس میں ہمت اور حوصلہ نام کو نہیں ہے۔ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کا خوف آسان کام کو بھی مشکل بنا دیتا ہے۔ تم شہر میں صرف ریڈ الرٹ ڈکلیر کرا دو۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن سے چند اعلانات جاری کرا دو۔ مجھے یقین ہے کہ را کے وہ تینوں چوہے اپنے بلوں سے باہر آنے کی ہمت نہیں کریں گے۔"
جلال نے چند ثانیوں کے لیے میری بات پر غور کیا پھر سر ہلاتے ہوئے فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لائن ملنے پر پتا چلا کہ وہ سندھ کے ہوم سیکریٹری سے بات کرنے والا تھا۔
وہ اپنی کسی بات میں مجھ سے کوئی پردہ داری نہیں کرتا تھا لیکن وہ اس کی سرکاری فون کال تھی جس میں منصب کے تقاضوں کے مطابق کچھ اونچ نیچ ہو سکتی تھی۔ میں اپنی جگہ چھوڑ کر ٹہلتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس وقت صدف مینشن کا گراؤنڈ فلور قیدیوں سے خالی تھا۔
میں سگریٹ سلگا کر ٹہلتا ہوا محافظوں تک جا پہنچا۔ وہ دونوں مؤدب ہو کر اپنی جگہوں سے کھڑے ہو گئے۔ میں نے ان کی مزاج پرسی کی ابتدا سے بات شروع کر دی۔
شاید وہ گفتگو زیادہ طول پکڑ گئی کیونکہ جلال اونچی آواز میں مجھے پکار رہا تھا۔
"ایک سے دو گھنٹے میں کام مکمل ہو جائے گا۔" میرے دفتر میں پہنچنے کے بعد اس نے مسرت آمیز لہجے میں بتایا۔ "پورے شہر کی پولیس تھانوں کو چھوڑ کر سڑکوں پر آجائے گی۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن سے شہریوں کو اگلے چوبیس گھنٹوں میں دہشت گردی کی کسی بڑی واردات سے ہوشیار کرنے کے اعلانات کیے جائیں گے۔ ان تیاریوں کے بعد وہ شاید ہی باہر نکلنے کی ہمت کر سکیں۔"
"بس یہ ٹائمنگ خطرناک ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا "بن ڈیوڈ ذرا سا بھی ذہین ہے تو سمجھ لے گا کہ اس کی گفتگو کہیں سنی گئی ہے جس کے نتیجے میں یہ تیاریاں کی گئی ہیں۔"
"سمجھ لے۔ اس سے ہمیں کیا فرق پڑے گا۔ اس وقت میں ہر قیمت پر را والوں کو روکنا چاہتا ہوں۔"
"وہ رک جائیں گے۔ اگر بن نے یہ اندازہ لگا لیا کہ وجے کے ساتھ اس کا ایریٹس بھی مقامی حکام کے قبضے میں آچکا ہے تو وہ ٹرانسمٹر کا استعمال ترک کر دے گا۔"
"ہر ایک تمہاری طرح شاطر نہیں ہوتا جو اتنی آسانی سے صحیح اندازے لگا لے۔" وہ ہنس کر بولا "میرا خیال ہے کہ ہم نے اس کی بہت کھلی کھلی گفتگو سنی ہے۔ نشیمن سے بھاگنے کے بعد وہ پہلی بار را والوں سے بات کر رہا تھا۔ آئندہ ہم اس سے زیادہ بھرپور گفتگو نہیں سن سکیں گے۔"
"اپنی کئی ناکامیوں کی وجہ سے اس کے دل میں ہمارے لیے نفرت پیدا ہوئی ہے۔ اس سے پہلے شاید اس نے اتنی بڑی تباہی پھیلانے کے بارے میں نہیں سوچا ہو گا۔"
"میرا دل مطمئن ہے کہ میں نے تمہارے مشورے پر صحیح ترین قدم اٹھایا ہے۔ اب جو ہونا ہے وہ ہوتا رہے۔ میرے دل پر کوئی بوجھ نہیں رہے گا۔"
"بس یہ یاد رکھنا کہ تم نے اپنے کانوں سے آج جو ہولناک گفتگو سنی ہے اس کا بیج چوہڑا کا بویا ہوا ہے اور وجے اسی ٹولی کا آدمی ہے۔"
"چوہڑا ایک باضابطہ قیدی ہے۔ چار دن بعد اس کا ریمانڈ ختم ہونے والا ہے۔ شاید اس میں ایک توسیع اور مل جائے۔ اس دوران میں اسے مزید سزا دینے کے بجائے مجھے اس کی ٹوٹی ہوئی پسلیوں پر توجہ دینی پڑے گی۔"
"وجے کے بارے میں تم نے کچھ نہیں کہا۔" اسے خاموش پا کر میں نے ٹوکا۔
"وجے!" وہ آنکھیں چڑھا کر خطرناک انداز میں مسکرایا "اس سے کھیلیں گے۔ وہ مر بھی گیا تو فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی گرفتاری کا کہیں کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔"
"حیرت ہے کہ تم اس وقت اپنے ڈسپلن کے خلاف بول

رہے ہو۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا "وہ ہماری تحویل میں فطری موت بھی مر سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے مارا جائے۔"

میں نے اس سے بحث نہیں کی۔ میں نے اس کے تیور بھانپ لیے تھے۔ وہ وجے کے حق میں جلاّد ثابت ہو سکتا تھا۔

پچھلی رات تک سب کچھ سمٹ کر آئی مین کی ذات میں مرکوز تھا لیکن لیکن امریکی قونصل خانے سے نکلنے والی دو بکتر بند گاڑیوں کے سفر کے ساتھ واقعات نے بہت تیزی کے ساتھ پھیلاؤ اختیار کرنا شروع کر دیا تھا اور سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

ایک طرف پروفیسر ڈونلڈ نے باہمی اعتماد کے نام پر سی نائین کی نشاندہی کی تھی جہاں بن ڈیوڈ روپوش ہو سکتا تھا پھر وجے کے تین ساتھی تھے جو اپنے بموں کے ساتھ کراچی میں آزاد پھر رہے تھے۔ یہ حقیقت تھی کہ چوپڑا کی گرفتاری کے بعد وہ دربدر ہو چکے تھے، شہر میں ان کے لیے کوئی جگہ محفوظ نہیں رہی تھی اور وہ اپنے بچاؤ کے لیے سوانگ رچا کر پھرتے رہنے پر مجبور ہو گئے تھے مگر بنیادی نکتہ یہ تھا کہ وہ ہماری یا قانون کی گرفت سے دور اور آزاد تھے اور کسی بھی وقت شہر کے کسی حصے میں تباہی پھیلا سکتے تھے۔ جب تک وہ ہمارے ہاتھ نہ آجاتے، ان کی دہشت گردی کی تلوار شہریوں کے سر پر لٹکتی رہتی۔ ان کو پکڑنے کا ایک موقع اسی شام پانچ بجے آسکتا تھا۔ وجے کے بیان کے مطابق انہیں اسی وقت فریر ہال کے لان پر جمع ہونا تھا۔ وہ لازمی ڈیوٹی نہیں تھی۔ کوئی خطرہ بھانپ لیتا تو موقع سے غائب ہو سکتا تھا مگر ہم کو وہاں پوری تیاری کے ساتھ موجود رہنا تھا۔

ترپاٹھی، راجو اور سیٹھی ہمارے لیے صرف نام تھے۔ ہم میں سے کوئی انہیں نہیں پہچانتا تھا۔ آئی مین نے اپنی سہولت کے لیے انہیں نمبر دیے ہوئے تھے۔ وہ ان نمبروں کو آوازوں سے پہچانتا تھا۔ ان میں سے دو آوازیں ہم دونوں نے بھی سن لی تھیں۔ مجھے امید تھی کہ ان آوازوں کو ہم آسانی سے شناخت کر سکتے تھے۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ وہ فریر ہال میں کب بولنا شروع کرتے۔

ان سب سے زیادہ تشویش انگیز خبر یہ تھی کہ آئی مین کے حکم پر را کا ایک آدمی جہانگیر کے گھر تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی دکان کے قرب و جوار سے رہائشی پتے کے حصول میں ناکامی کے بعد اس شخص نے بہت صحیح راستے کا انتخاب کیا تھا۔ وہ کسی بھی وقت جہانگیر کے دروازے پر دستک دے سکتا تھا۔

وہ مسائل ہی مسائل تھے جن کے حل کے لیے سب کا سر جوڑ کر بیٹھنا ضروری تھا۔ میں جلال سے یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا اس کے ساتھ جو پروگرام طے ہونا تھا وہ ہو گیا تھا۔ میں نے اس سے روانگی کی اجازت چاہی تو اس نے حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے میرا ہاتھ تھام لیا۔ "کیا تم میری کسی بات پر ناراض ہو گئے ہو؟"

"تمہیں یہ نامعقول خیال کیوں آگیا؟" میں نے جوابی سوال کر ڈالا۔

"ہم نے ابھی تک جہانگیر کے بارے میں کچھ طے نہیں کیا اور تم جا رہے ہو۔" اس نے شکوہ کیا۔

میں اس کی سادگی پر ہنس پڑا "میرا خیال تھا کہ میں تمہیں پہلے ہی اس کے بارے میں بتا چکا ہوں۔ اس عمارت کا مرکزی سیکیورٹی سسٹم بہت عمدہ ہے اور ایس ٹی ایف کا ایک نہ ایک آدمی دن رات وہاں موجود رہتا ہے۔ اس کا معاملہ اول خان کے ساتھ مل کر دیکھ لوں گا۔"

"یہ تمہارا ذاتی فیصلہ ہے۔ پھر بھی کوئی ضرورت پیش آجائے تو میں ہر وقت مدد کے لیے تیار رہوں گا۔" اس نے پیش کش کی۔

"روکا ہے تو یہ بتا دو کہ شام پانچ بجے کا کیا پروگرام

ہے۔" میں نے اٹھتے ہوئے سوال کیا۔
"تازہ ترین حالات کی روشنی میں وہ ادھر کا رخ نہیں کریں گے مگر میں پھر بھی پوری تیاری کے ساتھ وہاں جاؤں گا۔ ان تینوں خونی درندوں کی شناخت کے لیے وجے میرے ساتھ ہوگا۔ چاہو تو تم اور اول خان بھی دور رہ کر تماشا دیکھ سکتے ہو۔ مجھے وہاں کسی کامیابی کی امید نہیں ہے۔"
کھڑے کھڑے میں نے ایک فوری خیال کے تحت کہا "جب ان کے پاس آئی مین کے دیے ہوئے ایریئس موجود ہیں تو انہیں فرییر ہال میں ملنے کا پروگرام طے کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"
"تمہیں یہ خیال خاصی دیر سے آیا۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ایم ٹی ففٹی خاص ٹرانسمٹرز ہیں جو امریکی افواج کے کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم کے لیے خاص طور پر بنائے گئے ہیں۔ وہ براہِ راست بن ڈیوڈ سے ہر وقت بات کرسکتے ہیں۔ اس کے ذریعے آپس میں بات بھی ہوسکتی ہے لیکن بن ڈیوڈ کے درمیان میں آئے بغیر براہ راست ایک دوسرے سے بات نہیں کرسکتے۔"
"یعنی وجے کے ایریئس پر بن سے بات کی جاسکتی ہے۔ ترپاٹھی وغیرہ سے رابطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔"
"بالکل یہی بات ہے۔ میں یہ بات جانتا تھا اس لیے میں نے اس بارے میں وجے سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔"
"یہ بہت عجیب سی بات ہے۔ اس سسٹم کی کیا افادیت ہوسکتی ہے۔"
"جب ان میں آپس میں رابطے کی کوئی صورت نہیں ہے تو پھر نمبر فور کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ نمبرون جہانگیر کے گھر کا سراغ لگانے کے لیے نکلا ہوا ہے۔" میرے پاس اگلا سوال تیار تھا۔
"اس وقت تم بال کی کھال نکال رہے ہو۔" جلال پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا "ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں ایک ساتھ ہی ہوں۔ بہرحال ایم ٹی ففٹی کا سسٹم یہی ہے جو میں نے بتایا ہے۔"
"فرصت کے اوقات میں وائرلیس ٹرانسمٹرز پر اپنے دور افتادہ دوستوں سے گپ شپ لڑانا فوجیوں کا ایک معمول ہوتا ہے۔ ایم ٹی ففٹی سیریز میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہر متعلقہ شخص ہر لمحے اپنے کمانڈر کی براہ راست دسترس میں رہتا ہے۔ جدید فوجی نظام میں ایک سیکنڈ کی تاخیر بھی بعض بھیانک نتائج پیدا کرسکتی ہے۔ یہ سسٹم اس سے خامی سے پاک ہے۔"
بات واضح ہوگئی کہ ان لوگوں نے پاکستان میں اپنی ترین سہولتوں کا استعمال شروع کردیا تھا۔
میں نے جلال سے اندر ہی ہاتھ ملانا چاہا لیکن وہ ہاتھ تھامے صدف مینشن کے صدر دروازے تک آیا۔ نے مجھ سے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ اعتراف کیا کہ محض میری موجودگی کی وجہ سے وہ وجے کا ٹی ففٹی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا ورنہ وہ آلہ بر روڈ کے گندے نالے کے کنارے پڑا پڑا تباہ ہوجاتا۔ اس وجہ سے اسے بہت مدد ملی تھی۔
جب تک میں جلال کے ساتھ بیٹھا رہا، میرا ذہن سمتوں میں الجھا ہوا تھا۔ ہر مسئلہ مجھے اپنا مسئلہ نظر آرہا لیکن صدف مینشن کی آسیبی عمارت سے باہر نکلتے ہی میر ذہن سے ہر بات محو ہوتی چلی گئی۔ دماغ میں صرف جہانگ نام ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن کر چکرا رہا تھا۔
میرے ذہن پر جہانگیر کو درپیش خطرے کا دباؤ اتنا شد تھا کہ میں نے گھر واپس جانے کے بجائے گاڑی کلفٹن راستے پر ڈال دی۔
عمارت میں قدم رکھتے ہی میں نے ایس ٹی ایف باوردی اور مسلح جوان کو پہچان لیا جو سیکیورٹی ڈیسک قریب ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ مجھے اول خان کے دوس کی حیثیت سے اچھی طرح پہچانتا تھا لیکن اس موقع کے لحا سے اس نے کوئی غیر معمولی تپاک دکھانے کے بجائے سر ہلکی سی جنبش سے سلام کرنے پر اکتفا کیا۔
سیکیورٹی ڈیسک والے محافظ نے میرا نام پوچھ کر انٹرکا پر جہانگیر کے فلیٹ سے رابطہ کیا۔ میرے لیے ڈینی کا نام ا معروف ہوچکا تھا کہ اپنا اصل نام مجھے اجنبی سا لگتا تھا مگر میں جہانگیر کی عمارت میں داخلے کے لیے ہمیشہ اپنا نام تنویر ہی بتا تھا۔ اوپر سے اجازت پاکر سیکیورٹی افسر نے لفٹ کی طرف ہاتھ اٹھا دیا۔
اول خان سے طے ہوا تھا کہ اس کا آدمی عمارت کے باہر رہ کر نگرانی کرے گا۔ وہ کوئی معقول بندوبست نہیں تھا۔ باہر کھڑے ہوئے گارڈ کو دبیز شیشوں کی دیوار کے پیچھے رونما ہونے والی صورت حال کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اول خان نے کوئی جوڑ توڑ کرکے اپنے آدمی کو صحیح ترین مقام پر مامور کردیا تھا۔
لفٹ کے بجائے میں مختصر سے زینے طے کرکے اوپر پہنچا تو ساڑی میں ملبوس سلمیٰ اپنے فلیٹ کا دروازہ کھولے میری

منتظر تھی۔

"پوری تیاری میں ہو۔ کیا کہیں جانے کا ارادہ ہے؟" میں نے اس کا سرتاپا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"اندر آجاؤ! آج کل ایک نئی کہانی چل پڑی ہے۔ مجھے ہروقت پورا بناؤ سنگھار کرکے تیار رہنے کا حکم ملا ہوا ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔

سلمٰی کی زبانی اس سے زیادہ جاننے کی نوبت نہیں آسکی کیونکہ جہانگیر ڈرائنگ روم سے برآمد ہوکر مجھ سے راہ داری میں ہی اچانک بغل گیر ہوگیا۔ "یار آج تو کوئی بڑا دن ہے کہ تم یہاں نظر آرہے ہو۔ مجھے معلوم ہوتا کہ یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے تو کوئی ڈھنگ کی دعا مانگتا۔ سوچا بھی تو کیا سوچا کہ کاش تم آجاؤ اور تم آگئے۔"

"برا لگ رہا ہوں تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ کوئی دوسری دعا مانگ لو۔ شاید کوئی خوب صورت بنجارن آجائے۔" میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ اس وقت سلمٰی ہمیں معانقہ میں مصروف چھوڑ کر آگے نکل چکی تھی۔

"سبحان اللہ۔ کیسی اچھی بات کہی ہے تم نے۔" وہ جھوم کر بولا "تم غائب ہوجاتے ہو تو میں ایسی دعاؤں کو ترس جاتا ہوں۔" وہ مجھے گرم جوشی کے ساتھ اپنے ڈرائنگ روم میں لے گیا۔

"سب سے پہلے تو میں ہاتھ جوڑ کر معافی چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے تمہاری دکان کو آگ لگی۔"

"اسے بھول جاؤ۔ مجھے اس بچے کا قلق ہے جو اس آگ میں جل کر مرگیا۔ وہ کون ظالم لوگ تھے جنہوں نے کسی کی جان کی پروا کیے بغیر دکان کو آگ لگادی۔"

"ان ہی کی تلاش میں لگا ہوا ہوں۔ تم گئے تھے اپنی جلی ہوئی دکان کا ملبہ دیکھنے۔"

"جو جل گیا اسے کیا رونا۔" اس نے برجستہ اپنا ایک محاورہ ایجاد کرلیا "وہاں جاکر بلاوجہ دل خراب کرنے سے کیا فائدہ ہوتا۔"

"دکان تمہاری اپنی تھی یا کرائے پر لی ہوئی تھی۔" موقع مناسب دیکھ کر میں نے وہ سوال داغ دیا "اس کے منہ سے الکحل کی بو ضرور آرہی تھی مگر خوشی کی بات یہ تھی کہ وہ نشے میں بے خود نہیں تھا۔ سلمٰی سے صلح ہوجانے کے بعد اس کے پینے کی رفتار میں نمایاں کمی آئی تھی۔

"پگڑی پر لی تھی۔ چار سو روپے مہینہ کرایہ ہے اس کا۔" اس نے فخریہ لہجے میں بتایا۔

"مالک دکان کو تمہارے گھر کا پتا تو معلوم نہیں ہے۔" میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

"نہیں۔ اس کو رسید بدلی کے بیس ہزار دے کر دکان اپنے نام کرالی تھی۔ گھر سے اسے کیا لینا تھا۔"

"ویری گڈ۔ پھر بھی کسی اجنبی کو اوپر اپنے فلیٹ میں نہ آنے دینا۔ نیچے سیکیورٹی ڈیسک کے ساتھ اول خان کا ایک مسلح آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ ضرورت پیش آنے پر اسے تمہاری مدد کرکے دلی خوشی حاصل ہوگی۔" میں نے کہا۔

"یہ سالے کون لوگ ہیں جو میرے پیچھے لگ گئے ہیں۔" اس نے برا سا منہ بناکر پر تشویش لہجے میں پوچھا۔

"دکان کو آگ لگانے کے بعد اب وہ تمہارے گھر کی تلاش میں ہیں۔ تمہیں کسی نئے آدمی سے ملنے کی ضرورت ہے نہ باہر جانے کی۔"

"باہر تو خیر میں جاتا ہی نہیں۔ شراب سے سبزی تک ہر چیز سلمٰی لے آتی ہے۔" اس نے بے پروائی سے بتایا۔

"خدا تم کو غارت کرے۔ تمہارے لیے شراب بھی وہ خرید کر لاتی ہے۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"اسے زیادہ دور نہیں جانا پڑتا۔" جہانگیر نے اپنی صفائی پیش کی "قریب ہی کی ایک بلڈنگ میں کوئی میڈم رہتی ہے۔ بہت نیک عورت ہے۔ سلمٰی فون کرکے جاتی ہے۔ اس کا آدمی گاڑی میں بوتل پہنچاکر پیسے لے جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے آرام ہوگیا ہے۔"

اس کی زبان سے میڈم کا لفظ سنتے ہی میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور میں نے پوچھا "اس کا نام فرزانہ تو نہیں ہے؟"

"فرزانہ اور دیوانہ معلوم نہیں۔ سب اسے میڈم کہتے ہیں۔" وہ بائیں آنکھ دبا کے بولا "سنا ہے کہ ڈھلتی عمر کی زور

دار عورت ہے۔"

وہ اپنی دنیا میں مگن رہنے والا آدمی تھا۔ اسے کچھ سمجھانا لاحاصل تھا۔ اگر وہ اپنی بیوی سے شراب منگوا کر خوش ہوتا تھا تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میں بس دعا کر سکتا تھا کہ میڈم رسم و راہ بڑھا کر کہیں سلمیٰ کو اپنی راہ پر نہ لگا لے۔

میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگائی پھر اس سے پوچھا۔ "سلمیٰ کے بناؤ سنگھار کا کیا چکر ہے؟ اسے دلہن بنا کر اپنے ہنی مون کی یاد تو تازہ نہیں کر رہے۔"

"سچ پوچھو تو اپنا ہنی مون عظمت ماموں کی گرفتاری کے بعد اب شروع ہوا ہے۔ اصل ہنی مون تو لڑائی جھگڑے کی نذر ہو گیا تھا۔" اس نے اپنی بپتا شروع کر دی۔ "ان عورتوں کا باوا آدم نرالا ہے۔ گھر میں اپنے مردوں کے سامنے سر جھاڑ منہ پہاڑ بنائے رہتی ہیں۔ باہر نامحرموں میں جانے لگتی ہیں تو سولہ سنگھار کر کے، چھمک چھلو بن کر جاتی ہیں۔ میں نے سلمیٰ سے کہہ دیا ہے کہ گھر میں بن سنور کر رہا کرے۔ باہر جاتے ہوئے میک اپ بگاڑ لیا کرے۔ اب وہ اسی ٹھاٹ سے کھانا پکاتی اور برتن دھوتی ہے۔"

"اپنی پوری زندگی میں آج تم نے عقل کی بات کی ہے۔" میں نے اس کی تائید کی۔ "عورت کو صرف اپنے مرد کے سامنے بن سنور کر رہنا چاہیے۔ دوسروں سے اسے کیا لینا۔"

اس نے بردباری سے اثبات میں اپنا سر ہلایا اور جھک کر صوفے کے نیچے سے اپنا گلاس نکال لیا جو آدھا خالی تھا۔

"تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ پھر دن دیہاڑے اسکاچ چڑھا رہے ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"چکھ کر دیکھ لو۔" اس نے اپنا گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ "اسکاچ برائے نام ہے۔ پورا گلاس نرا پانی ہے۔"

"اس کے بعد تم نے دوسرا گلاس بنایا تو میں یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤں گا۔" میں نے غراتے ہوئے اسے دھمکی دی۔ "دور ہٹاؤ اس گلاس کو۔"

"یہ اسی قابل ہیں۔" سلمیٰ نے کچن سے میری تائید کی۔ "میں کہتی ہوں کہ تم ہفتے عشرے کے لیے یہاں آجاؤ تو یہ بالکل سدھر جائیں گے۔"

"تم کھانا پکا رہی ہو یا ہماری باتیں سن رہی ہو!" وہ کھڑا ہو کر خفگی سے دہاڑا۔

"دونوں کام کر رہی ہوں۔ چاہو تو آکر دیکھ سکتے ہو۔" سلمیٰ کا لہجہ سلگانے والا تھا مگر جہانگیر پر اس کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوا۔ وہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھا اور گلاس اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

"تم صبح اٹھنے کے بعد شراب نوشی کرتے ہو تو کسی ندیدے کی طرح سونے تک پیتے رہتے ہو۔ یہ بہت بری عادت ہے۔"

"تم وقت اور پینے کو دیکھ رہے ہو۔ مقدار کو دیکھو۔ میں تمہیں سچ بتا رہا ہوں کہ میں شراب کم اور پانی زیادہ پیتا ہوں۔ تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ میرے گلاس کا رنگ کتنا ہلکا ہے.... اچھا یہ بتاؤ کہ تمہاری دانست میں، میں دن بھر میں کتنی پی لیتا ہوں گا۔"

"تمہارا ایک بوتل سے زیادہ کا یومیہ اوسط ہو گا۔" میں نے محتاط تخمینہ لگا کر بتایا۔

"ایک لیٹر کی بوتل پورے دو دن چلتی ہے۔" اس نے فاتحانہ انداز سے بتایا۔ "یقین نہ ہو تو سلمیٰ سے پوچھ لو۔ ساری خریداری اسی کے ہاتھ میں ہے۔"

سلمیٰ میرے لیے چائے اور کچھ گرما گرم اسنیکس کی ٹرے لے کر آئی۔ اس نے جہانگیر کی بات سن لی تھی۔ میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئی بولی۔ "یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ان کی مقدار کم ہوئی ہے مگر میں کہتی ہوں کہ یہ دن بھر کا سلسلہ ٹھیک نہیں ہے۔ لت پڑ ہی گئی ہے تو شام کو اپنا شوق پورا کر لیا کریں۔"

"بس، اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔" جہانگیر نے بے رخی سے کہا۔ "میں اپنے مسئلے خود جانتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہیں یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ لاہور سے تمہارے میکے کا کوئی مہمان یہاں آ گیا تو مجھے دیکھ کر کیا سوچے گا۔ کان کھول کر سن لو مجھے اپنے بارے میں چرس اور ہیروئن بیچنے والوں کی رائے کی کوئی پروا نہیں ہے۔"

"دیکھ لیا۔" سلمیٰ نے بے بسی سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "زیادہ سمجھاتی ہوں تو یہ ایسی گھٹیا باتوں پر اتر آتے ہیں جن کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا۔"

"سر پیر کیوں نہیں ہوتا۔ کیا لاہور میں تمہارے عظمت ماموں ہیروئن کی اسمگلنگ کے چکر میں نہیں پکڑے گئے۔ بے چارے ابھی تک اندر ہیں۔" جہانگیر کے آخری فقرے میں ہمدردی سے کہیں زیادہ تضحیک کا پہلو نمایاں تھا۔

سلمیٰ روہانسی ہو کر اٹھ گئی۔ "کبھی کبھی تم بہت سنگ دل ہو جاتے ہو۔ تمہیں میری خوشی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ یہاں میری موجودگی پسند نہیں ہے تو میں کچن میں اپنا منہ جھونکنے جا رہی ہوں۔"

"منہ نہ جھونکنا۔ ہانڈی چڑھا دینا۔ ڈینی کو ڈیڑھ بجے

کھانا تیار ملنا چاہیے۔ یہ ہمارے ساتھ کھانا کھا کر جائے گا۔" اس نے سلمٰی کے پیچھے ہانک لگائی۔
"میں کھانے کے لیے نہیں رکوں گا۔" میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ "میں بہت مشکل سے وقت نکال کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ میں تمہیں ذاتی طور پر فضا میں منڈلانے والے خطرات سے آگاہ کرنا چاہ رہا تھا۔ میں چائے پیتے ہی چلا جاؤں گا۔ مجھے دوسرے کام بھی نمٹانے ہیں۔"
اس نے اپنی تجویز پر اصرار نہیں کیا۔ نرمی سے بولا۔
"یہ شی کا چکر کب تک چلتا رہے گا؟"
"نئے آئی مین کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ اس کے بارے میں تم کسی بھی وقت اچھی خبر سن لو گے۔"
"اچھی خبر کیا خاک سن لوں گا۔" وہ منہ بنا کر بولا۔ "تین چار دن تک اس کے بارے میں اخباروں میں دھواں دار خبریں آتی رہیں۔ اب ایک لفظ بھی نہیں آ رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اخبار والے اس سے ڈرتے ہیں یا پھر انہوں نے مال بٹور کر اپنا منہ بند کر لیا ہے۔"
"ان دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھایا۔ "اسے بھڑکانے اور اشتعال دلانے کے لیے خبروں کا سلسلہ شروع کرایا گیا تھا۔ اب ہم نے جان بوجھ کر خاموشی اختیار کر لی ہے۔ اخبار والوں کی اس تک کوئی رسائی نہیں ہے۔ ان کو جو مواد مل جاتا ہے نمک مرچ لگا کر چھاپ دیتے ہیں۔"
"تم کہتے ہو تو میں مانے لیتا ہوں۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔
چائے نوشی کے دوران میں، میں نے دیکھا کہ اپنے ہلکے گلاس سے وہ لمبے وقفوں سے چھوٹی چھوٹی چسکیاں لے رہا تھا۔ اس کے پینے کا دورانیہ پورے دن پر محیط تھا لیکن اس کے معدے میں اترنے والی شراب کی مقدار میں نمایاں کمی آ چکی تھی۔ شاید نصف لیٹر یومیہ کے بارے میں اس نے غلط بیانی نہیں کی تھی۔
چائے ختم کرتے ہی میں اٹھ گیا۔ گھر پہنچ کر مجھے اول خان کو تلاش کرنا تھا۔ اس سے جملہ مسائل پر تبادلہ خیال کرنے کے ساتھ شام پانچ بجے کا پروگرام بھی طے کرنا تھا۔
وہ دونوں میاں بیوی مجھے روکتے رہ گئے مگر میں وہاں سے روانہ ہو گیا۔
گھر پر وہ تینوں چائے کا دور چلا رہے تھے۔ انہوں نے جس انداز میں میرا استقبال کیا اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ میری ذات ان کے درمیان موضوعِ سخن بنی ہوئی تھی۔
"جلال کو اتنے سویرے تمہاری کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔" ویرا نے تیکھے لہجے میں پوچھا "معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں اس کا دل نہیں لگتا۔"
"کیسے لگے گا۔ اس کی گھر والی اسلام آباد میں ہے۔ یہاں وہ خود بے گھر ہے۔ اپنا کام جلد از جلد ختم کر کے واپس جانا چاہ رہا ہے مگر ہر بار کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے کہ اسے رکنا پڑ جاتا ہے۔ تم لوگ بے خبری کے بازار میں بیٹھے ہوئے ہو۔ ذرا ٹیلی وژن آن رکھو۔ اس پر کوئی اہم اعلان آ سکتا ہے۔"
سلطان شاہ نے فوری طور پر ٹیلی وژن آن کر دیا۔ ویرا اس اعلان کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھی۔ میں اسے نظر انداز کر کے فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔
اول خان اسٹیشن فور پر نہیں تھا۔ کسی گشت پر نکلا ہوا تھا۔ میں نے موبائل پر اسے پکڑ لیا۔
"اس وقت گشت پر کیسے نکل کھڑے ہوئے؟" رابطہ ہونے پر میں نے سوال کیا۔
"تھوڑی دیر پہلے فون آیا تھا۔ شہر میں ریڈ الرٹ ڈکلیئر کر دی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ہونے والا ہے۔" اس نے بتایا "وہ پیغام سننے کے بعد سے میری طبیعت مضطرب ہے۔ پتا نہیں روشنیوں کا یہ شہر خطروں کی دلدل سے کب نکلے گا۔"
"یہاں آ جاؤ۔ میں اسی بارے میں کچھ تبادلہ خیال کرنا چاہتا ہوں۔ اس ریڈ الرٹ کا محرک جلال ہے۔ میں ابھی ابھی اسی سے مل کر آ رہا ہوں۔"

موت وحیات

گھنٹی بجی تو مبین صاحب گھر سے نکلے۔ انہوں نے چند باریش حضرات کو دروازے پر کھڑے پایا۔ ایک صاحب نے بات شروع کی "جناب! آپ نے کبھی سوچا کہ زندگی کتنی ناپائیدار چیز ہے اور موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے فرار ممکن نہیں..."
"جی ہاں.... میں تو سارا دن یہی سوچتا رہتا ہوں کیونکہ میں ایک انشورنس ایجنٹ ہوں" مبین صاحب نے جواب دیا۔

"ایسی بات ہے تو میں دس پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" اس کا وہ پیغام سن کر میں نے فون بند کر دیا۔

"تم اس سے کس ریڈ الرٹ کی بات کر رہے تھے۔" ویرا نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"بات ذرا لمبی ہے۔ چھری کے نیچے دم لو۔ اول خان آجائے تو ایک بار ہی سب کچھ بتا دوں گا۔"

"کیا یہ بن ڈیوڈ کا کوئی چکر ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"ہاں.... اس کے سر پر جنون سوار ہو چکا ہے۔ کاش ہم اسے روکنے میں کامیاب ہو سکیں۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس بار جلال سے بات ہوئی۔

"ریڈ الرٹ کے آرڈرز کا اجرا ہو چکا ہے۔ مگر ریڈیو اور ٹی وی سے کوئی اعلان نہیں ہو سکے گا۔" وہ بتا رہا تھا۔

"شہریوں کو جلد از جلد ہوشیار کرنے کے لیے یہ ضروری ہے۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"ہم معاملے کا صرف ایک رخ دیکھ رہے ہیں۔ وزارت داخلہ والے ایسے معاملات کو ہم سے بہتر سمجھتے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ ایسے اعلانات کے بہت منفی اثرات ہوں گے۔ شہر میں خوف و ہراس پھیل جائے گا۔ افراتفری مچے گی۔ لوگ دفاتر اور دکانیں بند کر کے گھروں کو چلے جائیں گے۔ پوری شہری زندگی درہم برہم ہو کر رہ جائے گی جس کے معاشرتی اثرات پر کئی روز تک قابو نہیں پایا جا سکے گا۔ ہم نے ردِ عمل کے اس پہلو کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ اعلیٰ انتظامی عہدوں پر کہیں کہیں عمدہ سوجھ بوجھ رکھنے والے ذہین افسر مامور تھے جو لکیر کے فقیر نہیں تھے۔ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اس کی اونچ نیچ پر اچھی طرح غور کر لیتے تھے۔ میں نے کہا "ایسا ہونا عین ممکن ہے بلکہ یہی ہوگا۔ سراسیمگی اور خوف و ہراس پھیلنے لگے تو پھر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

"بس میں نے تم کو یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ ہمارے آدھے فیصلے پر عمل ہوا ہے۔"

"ریڈیو اور ٹی وی کے اعلانات راوالوں کو روکنے کے لیے تھے۔" میں نے کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ان کو خوف زدہ کرنا بھی ضروری ہے۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ جب شہر کی سڑکوں پر باوردی پولیس کی کثرت نظر آتی ہے تو ہر جرائم پیشہ شخص گڑبڑ کا اندازہ لگا لیتا ہے۔ وہ تینوں تربیت یافتہ اور تجربے کار ہیں۔ قدم باہر نکالتے ہی اندازہ لگا لیں گے کہ ان کے لیے موسم ساز گار نہیں ہے۔"

"اب میں گھر پر ہی ہوں۔ کہیں سے کوئی خبر ملے تو مجھ سے یہیں رابطہ کر لینا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ موبائل فون کا رواج ہو جانے کے بعد باہمی رابطے آسان ہو گئے ہیں۔ ضرورت پڑی تو میں تم کو پکڑ لوں گا۔"

ویرا میرے فارغ ہونے کے انتظار میں بے چینی سے بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ جلال سے میری گفتگو ختم ہوتے ہی بول پڑی "پتا نہیں اول خان کتنی دیر میں آئے۔ تم اپنی کہانی شروع کر دو۔ میں اب زیادہ دیر تک صبر نہیں کر سکتی۔"

"میں ایک شرط پر یہ دہری مشقت برداشت کر سکتا ہوں کہ تم اپنے ہاتھ سے مجھے عمدہ چائے بنا کر پلاؤ۔" میں نے کچھ وقت گزارنے کے لیے وہ شرط عائد کر دی ورنہ مجھے مزید چائے پینے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ میں جہانگیر کے گھر سے چائے پی کر ہی ادھر آیا تھا۔

"میں چائے بنا دوں گی۔ تم شروع ہو جاؤ۔" وہ بولی۔

"پہلے چائے۔ اس کے بعد باتیں ہوں گی۔" میں دو ٹوک لہجے میں یہ کہہ کر اٹھ گیا۔

میں غسل خانے سے نمٹ کر آیا تو میرے لیے چائے تیار تھی اور ویرا منہ پھلائے میرا انتظار کر رہی تھی۔

"ابھی تک ہم بن ڈیوڈ کے گرد گھوم رہے تھے۔" میں نے چائے کا پہلا گھونٹ لے کر بات شروع کی "اب کہانی خاصی پھیل چکی ہے۔"

اچانک ڈور بیل دو تین مرتبہ بج اٹھی اور ہم سب چونک کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ ہمارے پاس آنے والوں میں سے کوئی اتنا بدتمیز یا عجلت پسند نہیں تھا کہ اس طرح بار بار گھنٹی بجانا شروع کر دے۔ میں نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔

میں نے خود کو کسی ناگہانی آفت سے محفوظ رکھنے کے لیے بہت احتیاط سے دروازہ کھولا اور پھر اول خان کو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ اس کا داہنا شانہ زخمی تھا جس سے رسنے والے خون نے اس کی پوری آستین کو سرخ کر دیا تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے زخم کو دبایا ہوا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ ہم دونوں کو دھکیل کر اندر گھس آیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہمارے علم میں آیا کہ دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کا کرنل انل بسواس پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے۔ جس کی سرکوبی کے لیے بھارت کا سفر ناگزیر تھا۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر لال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ڈیزی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ امریکن قونصلیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا جس میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آگیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو کیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کر کے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر نقد جاں ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا' چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ شی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہو چکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھالیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ڈی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آگئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھادی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کر کے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوگئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف تمام شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہر جاننے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر بیم گن استعمال کی تو اول خان کو نکتہ مل گیا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پراسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب مجھے جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی۔ میں نے گولڈن فارمیسی میں بیٹھ کر دشمنوں کی راہ دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان شاہ نے مجھے بتائے بغیر میری حفاظت کا ذمہ لیا اور گولڈن فارمیسی کے اطراف میں پہنچ گیا۔ جہاں اس کا ٹکراؤ ایک مشکوک سیاہ فام امریکی سے ہوا جس میں الجھ کر جان بچانے کے لیے اس امریکی نے بیم گن استعمال کی اور ایک بے گناہ راہ گیر کا بازو کٹ گیا۔ وہ امریکی گولڈن فارمیسی میں ہی آیا تھا اور میں بھی اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔ جلال نے آگاہ کیا کہ چوپڑا پولیس کی تحویل میں آگیا تھا اور جلد ہی اسے عمر کوٹ منتقل کیا جانا تھا۔ جہاں اس سے من مانا سلوک کیا جانا تھا۔ میں اپنے مورچے پر تھا اور وہیں جہانگیر سمجھ کر آئی مین نے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اس نے بتایا کہ وہ شی کے احیا کے لیے اس علاقے میں آیا ہے۔ اور اب جہانگیر اور دوسرے تمام کارکنوں کو اکٹھا کر رہا ہے۔ گفتگو کے دوران میں میں نے جہانگیر کی حیثیت سے اس سے روبرو ملاقات کرنے کی رضامندی حاصل کرلی جو ان حالات میں بڑی کامیابی تھی۔ مجھے امید تھی کہ وہ مجھ سے ملاقات کرنے سے پہلے اپنے شایان شان استقبال کا موقع ضرور فراہم کرے گا مگر وہ میری توقع سے تنہا زیادہ کائیاں تھا۔ اس نے ایک طرف جہانگیر کے ایک ملازم کو دکان سے باہر ایک عورت کے ذریعے الجھانے کا پروگرام بنایا۔ اس طرح وہ عورت ایس ٹی ایف والوں کی نظروں میں آگئی۔ دوسری طرف اس نے ملاقات کی منصوبہ بندی اس طرح کی کہ مجھے ایک لمحے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ اس کا فرستادہ دکان میں موجود تھا اور میں تاریک کیبن میں آئی مین سے ٹیلی فون پر گفتگو میں مصروف تھا۔ اس نے مجھے فوری طور پر اپنے ہرکارے کے ذریعے طلب کیا تھا۔ چار و ناچار مجھے اس ہدایت پر عمل کرنا پڑا۔ ایس ٹی ایف اور اول خان میرے نگراں تھے ان کی جلد بازی کے باعث آئی مین مجھ سے اچٹ گیا تاہم اس سے قبل وہ مجھے سلور آئی کا دیدار کرا چکا تھا۔ اب ہمارے پاس صرف اس مشکوک عورت کا سراغ موجود تھا جس نے جہانگیر کے ایک ملازم کو الجھانے کی کوشش کی تھی۔ ہم نے اسے اٹھوایا اور پھر ذرا سی محنت کے بعد خالد نامی ایک شخص کا پتا معلوم کرنے میں کامیاب ہوگئے جس نے اسے یہ کام سونپا تھا۔ ہم خالد کے دروازے پر پہنچے۔ کال بیل کے جواب میں جس شخص نے دروازہ کھولا وہ وہی تھا جو مجھے آئی مین سے ملوانے گولڈن فارمیسی پر آیا تھا۔ خطرہ بھانپ کر اس نے فرار ہونے کی ناکام کوشش کی۔ اس کوشش میں وہ زخمی حالت میں ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ تفتیش کے دوران میں اس نے بتایا کہ آئی مین ڈیفنس کے علاقے سے نکل کر بوٹ بیسن میں واقع فالکن ہاؤس میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے فوری طور پر وہاں دھاوا بولنے کا ارادہ کرلیا۔ ہم ان تیاریوں میں تھے جب جلال نے بتایا کہ سیاہ فام امریکی۔ سفارت کار جیک اسمتھ بھی فالکن ہاؤس میں دو امریکی کمانڈوز کے ساتھ موجود ہے۔ وہ از خود کوئی کارروائی نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس نے ایس ٹی ایف کے جاں بازوں کی مدد سے وہاں کارروائی کر ڈالی۔ مقابلہ بھرپور انداز میں ہوا جن میں دو امریکی کمانڈوز اور سیاہ فام جیک اسمتھ کام آگئے جبکہ آئی مین کے ساتھ رہنے والی مشکوک امریکی عورت اور ایک مقامی چوکیدار ہمیں زندہ حالت میں مل گئے۔ آئی مین فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جیک اسمتھ میری بیم گن کا شکار ہوا تھا مگر میں نے کوشش کی کہ اس کا الزام آئی مین پر آئے۔ ہم اپنی مہم کی ناکامی اور کامیابی کے بارے میں سوچ رہے تھے جب اول خان نے اطلاع دی کہ گولڈن فارمیسی کو نامعلوم افراد نے نذر آتش کر دیا ہے۔ آئی مین کی طرف سے اس قدر برق رفتاری اور سفاکی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ بہرحال بوٹ بیسن سے قیدی کے طور پر ہاتھ آنے والی کیلی بائرن ہمارے پاس تھی اور ہم اس سے مفید معلومات حاصل کر سکتے تھے۔ ان حالات میں جلال نے امریکیوں کے ساتھ ایک غیر رسمی بے ضابطہ میٹنگ کا پروگرام بنایا۔ میں نے بھی اس میں شرکت کی۔ ابتدائی طور پر ان کے تیور جارحانہ تھے مگر ہماری پچی اور مبنی بر حقیقت باتوں نے اس کے کس بل نکال دیے اور وہ مفاہمت پر مجبور ہوگئے۔ کیلی سے پوچھ گچھ شروع ہوئی تو اس نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیے اور اس کی نشان دہی پر آئی بی نے بوٹ بیسن کے بنگلے سے کیلی بائرن اور آئی مین کے پاسپورٹ برآمد کر لیے جس کے مطابق اس کا نام بن ڈیوڈ تھا۔ وہ بن ڈیوڈ کی سرگرمیوں کے بارے میں زیادہ باخبر نہیں تھی اسے اپنے پاس رکھ کر کھٹ راگ پالنے سے بہتر تھا کہ اسے امریکیوں کو واپس کر دیا جاتا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں نے یہ ساری تفصیل اپنے ساتھیوں کو بتائی تو ویرا نے نیا نکتہ نکال لیا۔ اس کا موقف تھا کہ کیلی بائرن ہمیں نہایت صفائی سے بے وقوف بنا گئی ہے وہ کیلی کی کسی بات پر یقین کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ میں نے جلال سے رابطہ کر کے اسے ویرا کے خدشات سے آگاہ کیا تو اس نے میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ ہمارا اندازہ تھا کہ بن ڈیوڈ امریکی قونصلیٹ میں روپوش تھا مگر وہ زیادہ عرصہ وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ قونصلیٹ والے اسے جلدی ہی کہیں منتقل کرنے پر مجبور ہونے والے تھے۔ ہم نے وہاں کی نگرانی سخت کردی۔ پہلی ہی رات انتہائی غیر معمولی حالات میں بک بند گاڑیاں قونصلیٹ سے برآمد ہوئیں اور کلفٹن کی طرف روانہ ہوگئیں۔ اول خان ان کے تعاقب میں تھا۔ وہ بکتر بند گاڑیاں ایک وسیع و عریض بنگلے میں تھوڑی دیر کر واپس چلی گئیں۔ رات گئے اس اطلاع نے مجھے پوری طرح چوکس کر دیا تھا۔ اول خان کوئی قدم اٹھانے میں متذبذب تھا۔ میں اس کی مدد کے لیے گھر سے روانہ ہوگیا۔ ویرا میرے ساتھ تھی۔ اس بنگلے میں داخلے کے بعد علم ہوا کہ وہاں ایک امریکی معیشت دان رہائش پذیر تھا۔ پہلے تو اس نے عدم تعاون کا مظاہرہ کیا مگر جلد ہی راہ راست پر آگیا۔ ہمیں معلوم ہوگیا کہ بن ڈیوڈ ان بکتر بند گاڑیوں میں وہاں آیا تھا مگر شاید چھٹی حس کے اشارے پر وہاں رکا نہیں تھا البتہ کیلی بائرن ہمیں وہاں سے مل گئی۔ ان دونوں کے بیان کے مطابق بن ڈیوڈ کراچی کے کسی سی تا مین عمارت میں موجود ہو سکتا تھا۔ ہم اس کے بعد اندھیرے میں تھے۔ اس دوران میں "را" کے پکڑے گئے ایجنٹوں سے تفتیش سے علم ہوا کہ ان سب کی ڈوریاں بن کے ہاتھوں میں تھیں اور وہ ایک ٹرانسیٹر پر ان کو احکامات جاری کیا کرتا تھا۔ ہماری خوش قسمتی سے ہمیں ایک ایجنٹ کا ٹرانسیٹر بھی مل گیا۔ اس پر سنی جانے والی گفتگو نہایت خوف ناک تھی۔ بن قتل و غارت گری اور سفاکانہ دہشت کے ذریعے شہری نظام کو تلپٹ کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے اپنے طور پر اس کی روک تھام کے اقدامات کر لیے تھے۔ ان تمام تفصیلات سے غزالہ' ویرا اور سلطان شاہ لاعلم تھے میں انہیں یہی بتانے والا تھا جب اول خان زخمی حالت میں ہمارے گھر پہنچا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"اوہ خدایا! یہ کیا ہو گیا۔" ہمارے پیچھے سے غزالہ کی سہمی ہوئی اور تحیر زدہ آواز ابھری۔ تواتر سے بجنے والی گھنٹیوں سے متجسس ہو کر وہ ہمارے پیچھے پیچھے چلی آئی تھی اور اول خان کی خون آلود آستین پر نظر پڑتے ہی پریشان ہو گئی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا۔" اول خان نے حوصلہ مندی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا "بس ایک گولی بازو کی جلد کو چھوتی ہوئی گزر گئی۔ مجھے حیرت ہے کہ اس معمولی خراش سے اتنا زیادہ خون کیسے بہہ نکلا۔"

مجھے اندازہ تھا کہ وہ غزالہ کی دل جوئی کے لیے جھوٹ بول رہا تھا مگر میں نے اس کی تردید کرنے کی ضرورت نہیں

سمجھی۔ گولی کا وہ زخم معمولی ہوتا تو وہ اضطراب کے عالم میں بار بار ہماری ڈور بیل ہرگز نہ بجاتا۔ سکون سے ایک بار بٹن دبا کر جواب کا انتظار کرتا۔

اپنے دشمنوں کے خلاف مہمات میں کئی بار ہم لوگوں نے زخم کھائے تھے اور اپنا خون بہایا تھا۔ یہ ہم پانچوں کے مقدر کی یاوری تھی کہ اپنے خون آشام اور درندہ صفت دشمنوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود ہم سب نہ صرف زندہ تھے بلکہ کسی تکلیف دہ معذوری کے شکار بھی نہیں ہوئے تھے۔ اول خان کا وہ خون آلود زخم تازہ تھا اس لیے سب کی توجہ اسی پر مرکوز ہوگئی۔ ویرا نے کسی پیشہ ور اور جابر نرس کے سے انداز میں اول خان کی ہر بات سنی ان سنی کر کے اسے زبردستی ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر لٹا دیا۔

اول خان پر پہلی نظر پڑتے ہی میرے ذہن میں یہ سوال ابھرا تھا کہ اسے وہ زخم کیسے آیا' وہ کس کی چلائی ہوئی گولی کا شکار ہوا تھا مگر وہ اس وقت ان سوالات کا نہیں تھا۔ اس وقت اول خان کے بازو کے زخم کی دیکھ بھال اور فوری طبی امداد کی فراہمی ہر سوال پر مقدم تھی۔

ویرا نے آستین اتارنے کے چکر میں پڑے بغیر خون آلود کپڑا کاٹ کر اول خان کا داہنا بازو برہنہ کر دیا۔ گولی اس کے بازو کی جلد اور گوشت کو پھاڑتی ہوئی گزری تھی۔ گولی ذرا اوپر لگی ہوتی تو اس کے شانے اور بازو کے جوڑ کی ہڈی کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔

زخم کے اردگرد جگہ کو انگلیوں سے اچھی طرح دبانے اور ٹٹولنے کے بعد جب ویرا اور غزالہ کو اطمینان ہو گیا کہ گولی زخم میں موجود نہیں تھی تو انھوں نے ڈیٹول کی مدد سے زخم کی صفائی کر کے اس کی ڈریسنگ کر دی اور اول خان صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"میں اس ہمدردی کے لیے تمہارا ممنون ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا "لیکن اس چکر میں تم نے مجھے کارٹون بنا دیا۔" اس نے بائیں ہاتھ سے اپنے برہنہ ہاتھ اور ڈریسنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس حالت میں لی ہوئی میری سادہ سی تصویر بھی بہترین کارٹون کا انعام جیت سکتی ہے۔"

"یہ ہوا کیسے؟ تم پر گولی کس نے چلائی؟" دیر سے اٹکا ہوا سوال آخر زبان پر آ گیا۔

"میں سڑک پر اپنی توجہ مرکوز کیے' ڈرائیونگ کر رہا تھا کہ اچانک میرے اس بازو میں آگ سی بھر گئی۔ وہ بے آواز فائر تھا۔ بوکھلاہٹ کی وجہ سے میں کسی طرف دھیان نہیں دے سکا۔ بس اتنا دیکھ سکا کہ گہرے نیلے رنگ کی ایک کار بہت تیزی کے ساتھ میرے برابر سے گزر کر آگے نکلتی چلی گئی۔ اس وقت آغا خان اسپتال والی سڑک خالی تھی۔ مجھے شبہ ہے کہ مجھ پر اسی نیلی کار سے گولی چلائی گئی تھی۔" اول خان نے مزے لے لے کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ہنسو نہیں' یہ بہت سنگین واقعہ ہے۔" ویرا تشویش سے بولی "نامعلوم حملہ آور نے تمہارے بازو کا نہیں کھوپڑی یا گردن کا نشانہ لیا ہوگا۔ یہ تمہاری خوش قسمتی تھی کہ تم بال بال بچ گئے۔ تم نے بوکھلاہٹ کے باوجود کار چلانے والے کو تو دیکھا ہوگا۔"

"مہلت ہی نہیں ملی اس کی رفتار بہت تیز تھی میں ناگہانی طور پر اسٹیئرنگ پر اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا۔ مجھے عجلت میں بریک لگا کر اپنی گاڑی کی رفتار کم کرنا پڑی۔ اتنی دیر میں وہ گاڑی بہت تیزی سے دور نکل چکی تھی۔" اس نے بتایا۔

"تم نے کچھ تو دیکھا ہوگا وہ کون تھا۔ کوئی مقامی تھا یا میرا کوئی ہم وطن کار چلا رہا تھا۔" ویرا نے اصرار کیا۔

"وہ کوئی مقامی ہی رہا ہوگا۔" اول خان نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اس کی چمڑی سفید ہوتی تو یہ بات لاشعوری طور پر میرے ذہن میں کہیں نہ کہیں اٹک جاتی۔"

"مقامی کون ہو سکتا ہے؟" غزالہ خودکلامی کے انداز میں بڑبڑائی "اس وقت ہمارے سارے حریف غیر ملکی بلکہ امریکی ہیں۔"

تم را والوں کو فراموش کر رہی ہو۔" ویرا نے یاد دلایا "ان دنوں وہ بھی امریکیوں کی مدد کر رہے ہیں۔"

"آپ ذرا سی دیر پہلے کہانی کے پھیل جانے کی بات کر رہے تھے۔" غزالہ کو اچانک بھولی ہوئی بات یاد آ گئی۔

"ہاں.... اب تو تم میرے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے بھی پی چکے ہو۔" ویرا نے اس کا ساتھ دیا "اپنی کتھا سناؤ تاکہ ساری کڑیاں یک جا ہو سکیں۔ واقعات نے پھیلاؤ اختیار کیا ہے تو پھر کہیں سے کوئی نہ کوئی سراغ بھی مل سکتا ہے۔"

"ویرا صحیح کہہ رہی ہے۔ یہ ریڈ الرٹ کا کیا چکر چل پڑا ہے؟" اول خان نے اپنی تکلیف کو بھول کر پوچھا۔

میں نے اپنی کہانی چھیڑ دی۔ اس کی ابتدا معمولی سی تھی۔ میری اور جلال کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں کوئی نئی بات ضرور سامنے آتی تھی اور جب اس روز کے واقعات سامنے آنے شروع ہوئے تو حیرت سے ان چاروں کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

وہ سب اس قدر پُرتجسس تھے کہ ان لوگوں کے لیے

خاموش رہنا محال تھا مگر میں نے سختی کے ساتھ انہیں اپنی گفتگو میں مداخلت سے روک دیا۔

میں نے شہر میں ہنگامی حالات کے اعلان سے محکمہ داخلہ کے انکار کی تفصیل بتاتے ہوئے اپنی بات ختم کی تو ویرا نے پوچھا "شاید تمہاری بات مکمل ہو چکی ہے۔ اب ہمیں سوالات کرنے کی اجازت مل جانی چاہیے۔ حیرت ہے کہ اتنا کچھ ہو گیا اور ہم بے خبر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے سگریٹ سلگائی اور اپنے سر کی خفیف سی جنبش سے اسے مزید بولنے کی اجازت دے دی۔

"چوپڑا اور وجے' دونوں جلال کی قید میں ہیں۔ وہ ان سے بازپرس بھی کر چکا تھا پھر اس نے ایم ففٹی کی تلاش کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کی؟" ویرا نے ترشی سے پوچھا۔

"تمہارا یہ سوال نہایت احمقانہ ہے۔ اس کا جواب جلال دے سکتا ہے...."

"اس سوال کا جواب کوئی نہیں دے سکے گا۔" اول خان نے میری بات کاٹ کر وضاحت کی "وجے نے جلال کو اپنے ایم ففٹی کی تلفی کے بارے میں بتایا اور جلال نے فرض کر لیا کہ وہ حساس مواصلاتی آلہ تباہ یا غائب ہو چکا ہو گا۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ اس کی جگہ میں ہوتا تو شاید میں بھی یہی رائے قائم کرتا کہ ایم ففٹی میرے ہاتھ نہیں آسکے گا۔"

"میرا خیال ہے یہ بالکل غیر متعلقہ سوال ہے۔" غزالہ بولی۔

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ہر ٹیڑھی بات ڈینی کو ہی کیوں سوجھتی ہے۔" ویرا کی آواز پر بدمزگی کا عنصر غالب تھا "یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہر شخص اپنی دکان سجائے صرف ڈینی کی آمد کا منتظر رہتا ہے۔ یہ وہاں جاتا ہے اور اپنی پسند کی چیز چن لیتا ہے جو اتفاق سے اہم ترین ہوتی ہے۔"

"اس بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔" سلطان شاہ نے اپنے شانے اچکا کے جواب دیا "سراغ موجود تھا۔ جلال نے اسے نظر انداز کر دیا۔ ڈینی نے وہاں پہنچنے کے بعد کام کو آگے بڑھایا اور کامیابی حاصل کر لی۔ تم کو اس سے حسد کرنے کے بجائے اس کی کامیابی اور حاضر دماغی پر رشک کرنا چاہیے۔"

"برنس روڈ کا علاقہ میرا دیکھا ہوا ہے۔ وہاں ہر وقت میلے اور گندے ہیروئنچیوں کی بھرمار رہتی ہے۔ دکانوں کے باہر رکھا ہوا سامان تک ان کی دست برد سے محفوظ نہیں رہتا۔ نظر بچتی ہے اور وہ کوئی نہ کوئی چیز اٹھا کر لے بھاگتے ہیں اور اپنا نشہ پورا کرنے کے لیے اسے اونے پونے بیچ دیتے ہیں۔ وہاں نالے میں پھینکا ہوا قیمتی ٹرانسمٹر کیسے مل سکتا تھا!" ویرا بولی۔

"یہ تمہارا دوسرا سوال ہے۔ ٹرانسمٹر کا ملنا یا نہ ملنا بعد کی بات ہے۔ تمہارا پہلا سوال یہ تھا کہ جلال نے اس ٹرانسمٹر کو اہمیت کیوں نہیں دی۔" سلطان کا لہجہ قدرے جارحانہ اور اشتعال انگیز تھا۔ وہ ویرا سے پوچھ رہا تھا "تمہیں پہلے کس سوال کا جواب درکار ہے۔"

"تم جو چاہو' بکتے رہو۔ میرے لیے یہ دونوں باتیں ناقابلِ فہم ہیں۔"

"کھوپڑی پر بالوں کا غیر ضروری بوجھ عقل کو کند کر دیتا ہے۔" وہ غزالہ کو آنکھ مار کر بولا "عورتوں کے بال بڑے ہوتے ہیں اسی لیے وہ کم عقل قرار دی جاتی ہیں۔ سر پر استرا چلوالو۔ ہر بات خود بخود تمہارے سامنے واضح ہو جائے گی۔"

"زیادہ بک بک کرو گے تو میں ہاتھ مار دوں گی۔" ویرا غرائی "میں تم سے بات نہیں کر رہی۔ تم خاموش رہو۔"

"بات حیرت ناک ضرور ہے مگر خوش کن ہے۔" اول خان نے معاملے کی نزاکت کا اندازہ لگاتے ہوئے دخل اندازی کی "ہر بات پر ہر شخص کا ردِ عمل مختلف ہوتا ہے اور نتائج کا انحصار اسی ردِ عمل پر ہوتا ہے۔ جلال نے وجے سے ایک بات سنی اور اسے نظر انداز کر دیا۔ ڈینی نے اسی بات کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا اور پیش قدمی کر کے حیران کن نتائج حاصل کر لیے۔ یہ بنیادی نکتہ ہے مگر اس سے زیادہ اہمیت بعد کے حقائق کی ہے۔ آئی مین سے را کے آدمیوں کا براہِ راست رابطہ تشویشناک ہے۔"

"ہمیں چوپڑا کا سر کچل دینا چاہیے۔ را کے چاروں ایجنٹ اسی کے پالے ہوئے ہیں۔" ویرا پہلو بدل کر بولی۔

"تم جذباتی ہو رہی ہو۔" اول خان نے دھیمی آواز میں کہا۔ "یہ سارے ناگ اسی کے پالے ہوئے ہیں۔ جب تک وہ زندہ ہے' زندگی کی امید میں کچھ نہ کچھ اگلتا رہے گا۔ اسے مار کر ہم اپنی معلومات کے ایک اہم ذریعے سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ تمہاری سوچ غلط ہے۔"

"اگر انہوں نے کراچی میں تین دھماکے کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تو کیا ہو گا؟" ویرا نے بے ساختہ پوچھا۔

"ان کی کارکردگی کا چوپڑا کی زندگی یا موت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ براہِ راست بن ڈیوڈ کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ان کو روکنے کے لیے شہر میں ریڈ الرٹ کا نفاذ کیا جا چکا ہے۔ یہاں آتے ہوئے میں نے اپنی آنکھوں سے پولیس والوں کی گاڑیوں کی غیر معمولی تعداد میں سڑک پر دیکھی ہے۔

یہاں آنے کے بعد پتا چلا کہ ان کی نقل و حرکت کا سبب ریڈ الرٹ کا نفاذ ہے۔"

"وہ را کے گھاگ دہشت گرد ہیں۔ ناساعد حالات میں بھی اپنا کام کر سکتے ہیں۔ اگر ریڈیو اور ٹیلی وژن پر ہنگامی حالات کے نفاذ کا کھلا کھلا اعلان کر دیا جاتا تو وہ تینوں پکڑے جانے کے خوف سے اپنی کمین گاہوں سے نکلنے کی ہمت نہ کر پاتے۔"

"ڈینی نے تمہارے سامنے محکمہ داخلہ والوں کی سوچ بتا دی ہے۔ ان کا فیصلہ صحیح ہے۔"

"شہر کی افراتفری ایک دو روز میں معمول پر آسکتی ہے لیکن دشمنوں کا نشانہ بننے والے کبھی واپس نہیں آسکیں گے۔" ویرا بولی۔

"تم اس وقت الجھی ہوئی ہو اس لیے ایسا سوچ رہی ہو۔ اس وقت بھی ان کا باہر نکلنا مشکل ہے۔" اول خان نے کہا۔

"تم کیوں گھنے بنے بیٹھے ہو؟ بولتے کیوں نہیں؟" ویرا لاجواب ہو کر میرے اوپر برس پڑی۔

"جو کچھ ہوا، صحیح ہوا ہے۔" میں نے اسے چڑانے کے بجائے سنجیدگی سے جواب دیا "اب ہمیں بہتری کی امید کے ساتھ انتظار کرنا چاہیے۔"

میں نے اسے مطمئن کرنے کی پوری اور مخلصانہ کوشش کی تھی مگر اندر سے میں خود مضطرب تھا۔ میرے ذہن میں یہ اندیشہ کچوکے لگا رہا تھا کہ را کے ایجنٹ عام آدمی نہیں تھے۔ حالات کی غیر معمولی تبدیلی سے ایک عام آدمی ڈر کر اپنی راہ تبدیل کر سکتا ہے لیکن را کے تجربے کار ایجنٹوں کو محض پولیس کے اضافی گشت سے خوف زدہ کر کے مشن کی انجام دہی سے نہیں روکا جا سکتا تھا۔ وہ پاکستان کی سرزمین پر بھارتی عزائم کے حصول کے لیے بھیجے گئے تھے تو ان کا دلیر، ذہین اور سفاک ہونا ضروری تھا۔ ایسے لوگ معمولی رکاوٹوں کی پروا کیے بغیر اپنا کام کر گزرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ میں ایک عام سا شہری تھا۔ عینی شاہد ہونے کی بنا پر میں ایسے معاملات پر اپنی کوئی بھی رائے قائم کرنے کے لیے آزاد تھا مگر اپنی رائے کے نفاذ کی قانونی طاقت سے یکسر محروم تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ محکمہ داخلہ والوں نے جلال کے ذریعے بھیجی جانے والی میری تجویز پر اپنی جس سوچی سمجھی رائے کا اظہار کیا تھا، وہ اپنی جگہ اٹل تھی۔ وہ شہری یا شاید صوبائی انتظامیہ کے سرکردہ افسر تھے، شہری نظم و نسق کو چلانے کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ ان کو اپنی رائے تبدیل کرنے پر آمادہ کرنا آسان کام نہیں تھا۔ بہتر یہی تھا کہ میں ویرا کی ہم نوائی کرنے کے بجائے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتا۔

میں نے ایم ففٹی اپریٹس پر را کے ایجنٹ اور آئی مین کی جو گفتگو سنی تھی اس سے بہرحال یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ را والے اپنے تحفظ کے معاملے میں بہت محتاط تھے۔ وہ پھونک پھونک کر ہر قدم اٹھا رہے تھے۔ ان میں سے کسی سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ شہر میں دن دیہاڑے کوئی واردات کرنے کی کوشش کرے گا۔

میرا خیال تھا کہ ان لوگوں نے آئی مین سے اسی دن تینوں بم استعمال کرنے کا وعدہ کر لیا تھا تو وہ اپنا دامن بچا کر ان بموں کو کہیں نہ کہیں چلا دیتے۔ را والے نے پُرہجوم علاقے سے فرار میں مشکل کا ذکر کر کے پہلے ہی پیش بندی کر لی تھی۔ ان سب نکات کی روشنی میں کچھ یوں نظر آ رہا تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد را والے کسی بھی سنسان علاقے میں کسی اِکا دُکا گاڑی یا راہ گیر پر بم پھینک کر آئی مین کے حکم کی تعمیل کرنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ معاملہ ان کے تحفظ کے ساتھ حکم کی تعمیل کا بھی تھا۔

رات ہونے میں خاصی دیر باقی تھی۔ اس سے پہلے پانچ بجے والا مرحلہ درپیش تھا۔ جب وجے کے بیان کے مطابق اس کے بقیہ تینوں ساتھیوں کو باہمی مشاورت کے لیے فریر ہال کے لان پر ملنا تھا۔ چوپڑا کی گرفتاری کے نتیجے میں ہوٹل سے فرار ہونے کے بعد وہ چاروں شہر میں آزادانہ بھٹکتے پھر رہے تھے۔ ان کا باہمی رابطہ منقطع تھا۔ یہ وجے کی بدقسمتی تھی کہ وہ آئی بی والوں کے ہاتھ آ چکا تھا۔ بظاہر یہ امکان غالب تھا کہ را کے بقیہ تین ایجنٹ نئے حالات کی روشنی میں اپنی حکمتِ عملی طے کرنے کے لیے اس شام فریر ہال میں ضرور آئیں گے۔

پانچ بجے کے لیے جلال پوری طرح تیار تھا۔ میں صرف امید ہی کر سکتا تھا کہ را کے تینوں ایجنٹ شہر میں کوئی کارروائی

کرنے سے پہلے آئی بی کی ٹیم کے ہاتھوں پکڑے جائیں گے۔
وہ چاروں آپس میں باتیں کرتے رہے اور میں خاموش بیٹھا رہا۔ آخر کار ویرا نے مجھے ٹوکا "کیا بات ہے۔ تم کس سوچ میں کھوئے ہوئے ہو؟"
"اندیشے ستا رہے ہیں۔ دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ شہر میں آج کی رات کوئی گڑبڑ نہ ہو۔" میں نے جواب دیا۔
"میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ رات خیریت سے گزرے گی۔" اول خان نے کہا "اور را کے باقی تینوں ایجنٹوں کا انجام برا ہو گا۔ ایم ففٹی ان کی شامت بن کر تمہارے ہاتھ آیا ہے۔ ہم لوگ ان کی ہر سازش سے پیشگی آگاہی حاصل کر سکیں گے۔"
"یہ سب کیا دھرا تمہارا تھا پھر وہ اپرٹیس جلال کے پاس کیوں ہے؟" ویرا نے پوچھا۔
"وہ ان کی گفتگو سن کر اپنے اختیار سے اہم فیصلے کر سکتا ہے۔ وہ اسی کی تحویل میں بہتر ہے۔"
"یہ ضروری نہیں کہ وہ اپرٹیس پر سنی جانے والی ہر بات سے تمہیں مطلع کرتا رہے۔"
"قطعی ضروری نہیں۔ پھر بھی وہ اہم باتیں ضرور بتائے گا۔"
"آئی مین نے گپ شپ لڑانے کے لیے وہ فوجی اپرٹیس انہیں نہیں بانٹے ہوں گے۔" ویرا منہ بنا کر بولی "اس پر صرف اہم باتیں ہی کی جاتی ہوں گی۔"
اس بار میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس وقت ویرا چڑچڑی ہو رہی ہو۔
کچھ دیر تک ڈرائنگ روم میں خاموشی رہی۔ ہر ایک اپنے اپنے خیال میں کھویا ہوا تھا۔ پہلے غزالہ اٹھ کر گئی پھر ویرا بھی کسی سے کچھ کہے سنے بغیر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اس کا موڈ خراب ہو رہا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ اپنے مزاج کی بحالی کے لیے اسے الکحل کی خوراک کی ضرورت تھی۔
"ابھی تک سی نائین کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں آئی۔" طویل توقف کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔
"میرے آدمی ڈیفنس کے مختلف علاقوں میں اس نمبر کی سات عمارتوں کی دیکھ بھال کر چکے ہیں۔ کہیں سے کوئی مشتبہ رپورٹ نہیں ملی۔" اس نے بتایا۔
"اس بارے میں ڈونلڈ کا بیان غلط نہیں ہو سکتا۔ جلد یا بدیر' بن اسی نمبر کی کسی عمارت سے ملے گا۔"
"کوششیں جاری ہیں۔ آئی بی والے بھی اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ شام تک کوئی نہ کوئی نتیجہ سامنے آ جانا چاہیے۔"
میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "سب کچھ شام کے لیے جمع ہوتا جا رہا ہے۔ میرے لیے آج کا دن گزارنا مشکل ہو جائے گا۔"
اول خان اچانک اٹھ گیا "میں چلتا ہوں۔ چار بجے تک واپس لوٹ آؤں گا۔"
"تھوڑی دیر کے لیے جا کر کیا کرو گے۔ یہیں میرے کمرے میں لیٹ کر آرام کر لو!" سلطان شاہ نے اسے پیش کش کی۔
"بازو کا زخم سطحی سا ہے لیکن اب اس میں درد شروع ہو گیا ہے۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے بتایا "میں ابھی جا کر درد کو ماؤف کرنے والا کوئی انجکشن لگواؤں گا تاکہ پانچ بجے کی مہم میں آسانی سے شریک ہو سکوں۔"
"پھر تم اکیلے نہیں جاؤ گے۔" میں نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا "ڈرائیونگ سے زخم میں شروع ہونے والا درد بڑھے گا۔ سلطان شاہ تمہیں لے جائے گا۔"
"بچوں جیسی بات نہ کرو۔ درد بہت زیادہ نہیں ہے۔ میں بس احتیاط کرنا چاہ رہا ہوں۔"
شاید اس کی بات درست رہی ہو۔ وہ اکیلا جانے پر مصر تھا مگر اس کی ایک نہ چلی اور میں نے اسے سلطان شاہ کے ساتھ روانہ کر دیا۔
چاروں طرف سے مکمل فرصت میسر آنے پر میں صوفے پر ہی دراز ہو گیا۔
آئی مین' سی نائین' ڈونلڈ اور را کے تین ایجنٹوں کے بارے میں سوچتے سوچتے میرا ذہن جہانگیر کی طرف بھٹک گیا۔ اپنے بھلے دنوں میں وہ بہت چست و چالاک اور حاضر جواب ہوا کرتا تھا لیکن پھر میری وجہ سے شی کے خون آشام شکاری اس کی بو پر لگ گئے۔ ان کے خوف سے جہانگیر نے کافی عرصہ روپوشی کی زندگی بسر کی اور دنیا سے کٹ کر رہ گیا۔ رفتہ رفتہ اس کی کل کائنات اس کے گھر اور اس کی بیوی کی ذات تک سمٹ کر رہ گئی۔
اس گوشہ نشینی نے جہانگیر کو ذہنی اور اعصابی طور پر بڑی حد تک ناکارہ کر دیا تھا۔ وہ صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کرنے کی اپنی فطری صلاحیت کھو چکا تھا۔ اس کے اعصاب اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ وہ حالات کی ذرا سی گڑبڑ سے بُری طرح بوکھلا جاتا تھا۔ رہی سہی کسر اس کی شراب نوشی کی عادت نے پوری کر دی تھی۔

میری اور اس کی دوستی ہمیشہ سے اتنی مثالی رہی تھی کہ میرے دوستوں اور دشمنوں تک کو اس کا علم تھا۔ جن دنوں شی اور ویرا سے میرا تصادم چل رہا تھا' ویرا اور اس کے نمک خواروں نے مجھ تک رسائی کے چکر میں کئی بار اسے اذیتوں سے دوچار کیا تھا۔ تازہ ترین صورت احوال یہ تھی کہ بن ڈیوڈ نے میرے ہاتھوں پے درپے زک اٹھانے کے بعد جھلا کر را کے ایک آدمی کو جہانگیر کے گھر کا سراغ لگانے پر مامور کر دیا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ گولڈن فارمیسی کے مالک جائیداد سے پڑوسی دکان داروں تک کسی کو جہانگیر کے گھر کا علم نہیں تھا۔ را کا آدمی آسانی سے اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا مگر پھر بھی مجھے اس کی طرف سے ڈبکا لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ اپنی کسی غلطی سے کوئی مصیبت مول نہ لے بیٹھے۔

گھر کے لیے عورتوں کی خریداری کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بہت سے گھروں کا سودا سلف عورتیں ہی لاتی ہیں مگر اس روز مجھے جہانگیر کی زبانی یہ سن کر حیرانی ہوئی تھی کہ اس کے لیے شراب بھی سلمیٰ خرید کر لانے لگی تھی۔ اس کے ساتھ یہ بات پھر ثابت ہوئی کہ دنیا کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہو' بہت مختصر سی ہے۔

بن ڈیوڈ یا آئی مین نے مقامی طور پر جن لوگوں کی خدمات حاصل کی ہوئی تھیں' ان میں خالد کا نام سرفہرست تھا۔ بن ڈیوڈ اسی کو ساتھ لے کر مجھ سے ملنے کے لیے گولڈن فارمیسی کے نواح میں آیا تھا۔ خالد ہی نے اس روز کے لیے کلفٹن کی میڈم فرزانہ کو اپنے جال میں پھانسا تھا۔ اس کا کام بہت محدود اور مختصر سا تھا لیکن بعد میں اس کا کردار بہت اہم ثابت ہوا تھا۔ وہ میڈم فرزانہ ہی تھی جس کے ذریعے ہم خالد اور پھر اس کی نشان دہی پر فالکن ہاؤس پہنچے تھے۔

یہ عجیب حسن اتفاق تھا کہ سلمیٰ اسی میڈم فرزانہ کے اڈے سے جہانگیر کے لیے شراب لاتی تھی۔

اول خان اسٹیشن فور کو یتیم خانہ نہیں بنا سکتا تھا۔ اس نے خالد اور فرزانہ کو وہاں سے روانہ کر دیا تھا۔ ان دونوں کی اس قدر سخت گوشمالی کی گئی تھی کہ ان کے دوبارہ کسی چکر میں ملوث ہونے کے بہت کم امکانات رہ گئے تھے۔

خالد اپنی جان کے بارے میں بدترین خوف میں مبتلا تھا۔ وہ آئی مین کا قصہ تمام ہونے تک اول خان کی محفوظ تحویل میں رہنے پر مصر تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اسٹیشن فور سے رہائی پانے کے بعد اس نے بھول کر بھی اپنے گھر کا رخ نہیں کیا ہو گا بلکہ آئی مین کی دسترس سے بچنے کے لیے کہیں روپوش ہو گیا ہو گا۔ وہ منظرِ عام پر ہوتا تو میڈم فرزانہ جہانگیر کے لیے خطرہ بن سکتی تھی۔

سوا چار بجے وہ دونوں واپس لوٹ آئے۔ اول خان کے بشرے پر اضمحلال کے بجائے تازگی نظر آ رہی تھی۔

گفتگو کے دوران میں ہر ایک کو اندازہ ہو چکا تھا کہ فریر ہال کے لیے صرف میرا اور اول خان کا جانا کافی تھا۔ ہمیں دور رہ کر تماشا دیکھنا تھا۔ باقی کام آئی بی والوں کے ذمے تھا۔

ہم چار بجے گھر سے روانہ ہوئے تو ویرا سمیت' تینوں نے ہمیں خوش دلی سے رخصت کیا۔ کسی کی پیشانی پر کوئی شکن نہیں تھی۔

شہر سے آنے والے راستوں پر اس وقت بہت بھیڑ بھاڑ تھی لیکن اس طرف جانے والی سڑکوں پر ٹریفک کا رش نہیں تھا۔ اول خان مہارت اور تیز رفتاری سے گاڑی دوڑاتا ہوا' مقررہ وقت سے پہلے فریر ہال پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ انجکشن لینے کے بعد اس کے بازو کا درد بہت کم ہو چکا تھا۔ وہ خود ہی گاڑی چلانے پر مصر تھا۔

گاڑی سے اترتے ہی میری نظر غیر ارادی طور پر امریکی قونصل خانے کی طرف اٹھ گئی۔ اس وقت تک حفاظتی وجوہ کی بنا پر احاطے کے آہنی جنگلے کو کنکریٹ کی اونچی دیوار سے تبدیل کیا جا چکا تھا۔ بظاہر وہ وسیع و عریض عمارت سکون اور سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دیوار کے ساتھ 'فٹ پاتھ پر ریت کی بوریوں سے بنے ہوئے مورچوں کے قریب پولیس کے مسلح جوان مستعدی سے کھڑے ہوئے تھے۔ باہر سے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ باہر کی نگرانی کے لیے عمارت کے کن حصوں میں خفیہ کیمرے نصب کیے گئے تھے یا مسلح کمانڈوز کو کہاں مامور کیا گیا تھا۔

اگر اس وقت بھی کمانڈوز اپنی ڈیوٹی پر تھے تو وہ چھت پر بنی ہوئی دیوار کے پیچھے پوشیدہ تھے۔ سڑک یا سبزہ زار سے ان کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

"کہاں کھو گئے؟" اول خان نے میرے پہلو میں کہنی مار کر مجھے چونکا دیا "اتنے غور سے ادھر مت دیکھو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی کیمرا تم کو زُوم اِن کر لے۔"

میں فوراً اس کے ساتھ ہو لیا۔ چند ثانیوں بعد ہم دونوں فریر ہال کے سرسبز لان میں داخل ہو چکے تھے۔

وہ لان بہت خوبصورت اور وسیع و عریض تھا۔ وہاں لوگوں کی خاصی تعداد تھی لیکن خانہ دار لوگوں کے ساتھ آنے والی خواتین اور بچوں کی گہما گہمی شروع نہیں ہوئی تھی۔ پیش قدمی کے ساتھ نظر دوڑاتے ہوئے میں نے دور سے جلال کو دیکھ لیا۔

وہ دو آدمیوں کے ساتھ پھولوں کی ایک کیاری کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس شام معاملہ را کے تین ایجنٹوں کو گھیرنے کا تھا۔ اس لیے یہ بات یقینی تھی کہ آئی بی کی مزید نفری وہیں کہیں موجود ہوگی۔ پھر جلال نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ ہمارے درمیان دور ہی سے نظروں کا تبادلہ ہوا اور پھر مجھے وجے نظر آگیا۔ وہ جلال کی ٹولی سے دس گیارہ گز دور' گھاس پر اکیلا لیٹا ہوا تھا۔

ترپاٹھی' راجو اور سیٹھی... یہ را کے ان تینوں ایجنٹوں کے نام تھے جو اس وقت شہر میں آزاد پھر رہے تھے اور آئی مین کے ایما پر اسی رات شہر میں دہشت گردی کی کوئی کارروائی کر گزرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ان کو گھیرنے کے لیے جلال نے راجو کو چارہ بنایا تھا۔

اول خان نے بھی جلال کو تاڑ لیا تھا' اس نے راجو کو سرے سے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے دھیمی آواز میں اسے راجو کے بارے میں بتا دیا پھر ہم دونوں ایک ایسی جگہ جم گئے جہاں سے ہمیں دونوں حریف صاف نظر آرہے تھے۔ میں نے یہ احتیاط بہرحال ملحوظ رکھی تھی کہ راجو کی نظر مجھ پر نہ پڑنے پائے۔

گھڑی کی سوئیاں دھیرے دھیرے اپنا سفر طے کرتی رہیں۔ درمیان میں خاصا فاصلہ حائل ہونے کے باوجود میں جلال کی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔

"یہاں رفتہ رفتہ لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔" اول خان پُرتشویش لہجے میں بولا "اگر آپس میں مقابلے کی نوبت آگئی تو یہاں خاصا جانی نقصان ہوگا۔"

"مجبوری تھی۔" میں نے کہا "اس مقام کا انتخاب جلال نے نہیں کیا۔ انہوں نے یہاں ملنے کا پروگرام پہلے سے طے کیا ہوا تھا۔"

"تمہارے درمیان کوئی بات تو ہوئی ہوگی کہ مقابلے سے بچ کر انہیں کیسے پکڑا جائے گا۔" اول خان بے چین ہوا جا رہا تھا۔

"میں اس سے ایسی کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ایک تجربہ کار افسر ہے اور اپنے سینے میں مجھ سے زیادہ دردمند دل رکھتا ہے۔ میں اس کی حکمت عملی میں غیر ضروری طور پر دخل انداز ہونے کی کوشش کرتا تو ہمارے درمیان بدمزگی پیدا ہو سکتی تھی۔ اس نے یہاں آنے سے پہلے ہر پہلو پر غور کر لیا ہوگا۔"

ٹھیک پانچ بجے وجے گھاس پر سے اٹھا اور پھرتی سے اپنے قدموں پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کا انداز بالکل نارمل تھا۔ دور سے دیکھنے پر قطعی یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ اسے کسی کی آمد کا انتظار تھا۔ جلال اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ بدستور سرسبز گھاس پر بیٹھا ہوا تھا۔

بمشکل چند ثانیے گزرے ہوں گے کہ کسی سمت سے قمیص پتلون میں ملبوس' چھریرے بدن والا ایک چاق و چوبند شخص تیزی سے بڑھتا ہوا وجے کی طرف آیا۔ دونوں نے سرسری انداز میں ہاتھ ملائے اور کھڑے کھڑے باتوں میں مصروف ہو گئے۔ ان دونوں کے انداز میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جس کی بنا پر' ان پر کسی قسم کا شبہ کیا جاتا۔

ان دونوں کے یک جا ہوتے میرے دل کی دھڑکنیں یکایک تیز ہو چکی تھیں آئی بی والوں نے را کے ایک ایجنٹ کو پکڑا ہوا تھا۔ اس وقت دوسرا خود ہی سامنے آچکا تھا۔

"یہ بالکل عام سا آدمی ہے۔" میرے کانوں میں اول خان کی دھیمی آواز آئی "خدوخال اور چال ڈھال سے یہیں کا شہری معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگوں میں گھل مل جائے تو کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ کسی غیر ملکی ایجنسی کا ایجنٹ ہے۔"

"پانچ بجے اس کا وجے سے ملنا اس بات کا پکا ثبوت ہے کہ یہ را کا آدمی ہے۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"مجھے معلوم ہے۔" وہ جلدی سے بولا "یہ ہمارے شکار کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ابھی تک ان کے بقیہ دو ساتھی نہیں آئے۔"

"ابھی وقت ہے۔ دعا کرو کہ وہ بھی آجائیں تو ان چاروں کا قصہ نمٹ جائے گا۔"

"تم نے بتایا تھا کہ جسے خطرہ درپیش ہوا' وہ غائب ہو جائے گا۔" اس نے مجھ سے تصدیق چاہی۔

"وجے نے یہی بتایا تھا۔ اپنے اس پروگرام کے مطابق وہ پہلے یہاں مل چکے ہیں۔"

"دونوں اتنے اطمینان سے کھڑے باتیں کر رہے ہیں' جیسے انہیں کسی اور کی فکر نہ ہو۔ یہ کب تک یوں کھڑے رہیں گے؟"

"شاید تم بھول گئے کہ ان لوگوں نے اتفاقات اور حادثات کی رعایت رکھتے ہوئے پانچ سے ساڑھے پانچ بجے تک کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ یہ دونوں کم از کم ساڑھے پانچ بجے تک یوں ہی وقت گزارنے کی کوشش کریں گے۔ تھک گئے تو خود ہی گھاس پر بیٹھ جائیں گے۔"

"اوہ... اوہ... دیکھو! وہ کیا ہو رہا ہے!" اچانک اول خان کے ہونٹوں سے اضطراری آواز برآمد ہوئی۔

وہ اول خان کا اضطراری اور بے ساختہ ردِّعمل تھا ورنہ

میں اس وقت ہمہ تن ان ہی دونوں کی طرف متوجہ تھا۔ آپس میں باتیں کرتے کرتے اچانک وجے نے وہاں چلنے کی کوشش کی تھی لیکن نووارد نے لپک کر مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا جیسے وجے کو زبردستی وہاں روکنا چاہ رہا ہو۔

ہم ان کی آوازیں سننے سے قاصر تھے لیکن ان کی حرکات و سکنات سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ کسی بات پر ان کے درمیان تلخ کلامی کا آغاز ہو چکا تھا۔ وجے اس ملاقات کو اسی وقت ختم کرنا چاہ رہا تھا مگر اس کا ساتھی اسے اپنے پاس روکنے پر تلا ہوا تھا۔

وہ عجیب و غریب صورت حال تھی۔ واقعہ اس کے الٹ ہوا ہوتا تو ضرور قابل فہم ہوتا۔ وجے کو ہر حال میں ساڑھے پانچ بجے تک وہیں رکنا چاہیے تھا تاکہ آخری لمحات پر وہاں پہنچنے والا اس کا کوئی ساتھی بھی آسانی سے اس تک پہنچ سکے۔ ٹھیک ساڑھے پانچ بجے آئی بی والے انہیں گھیرے میں لے کر پکڑ لیتے اور کھیل ختم ہو جاتا۔

"مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ بات کچھ بگڑ گئی ہے۔" اول خان نے اشتباہ آمیز لہجے میں بات شروع کی "وجے زخمی ہے۔ شاید وہ اپنے ساتھی کو مطمئن نہیں کر سکا کہ وہ کیسے زخمی ہوا۔ ان دونوں کے درمیان شبہات جنم لے چکے ہیں اور وجے اپنے ساتھی کی کسی بات پر ناراض ہو کر وہاں سے بھاگنا چاہ رہا ہے مگر ساتھی نے اسے روک لیا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس نے ابھی تک وجے کا ہاتھ پکڑا ہوا ہے۔ وجے اس سے زبردستی ہاتھ چھڑا کر بھاگا تو تماشا بن جائے گا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ وجے سنک گیا ہے جب اسے ساڑھے پانچ بجے تک وہاں رکنے کا حکم دیا گیا ہے تو وہ بھاگنے پر کیوں تلا ہوا ہے۔ اسے اندازہ نہیں ہے کہ جلال کی حکم عدولی کی صورت میں اسے کیسے عذاب سے گزرنا پڑے گا۔ مجھے دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔" اول خان بدلتی ہوئی صورتِ حال سے خاصا ناخوش تھا۔

"بظاہر وجے نے ہتھیار ڈالے ہوئے ہیں۔ نووارد نے اس کا ہاتھ بدستور پکڑا ہوا ہے۔ وجے نے ابھی تک اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے زور نہیں لگایا۔"

"اجنبی بھاگتا اور وجے ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیتا تو یہ بات سمجھ میں آ جاتی۔ یہاں تو معاملہ الٹا ہے۔ آخر کیوں؟"

"یہ لاکھ روپے کا سوال ہے۔" میرے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔ درپیش حالات نے مجھے چکرا کر رکھ دیا تھا۔

پھر ان دونوں نے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ یہ بات میرے مشاہدے سے نہیں بچ سکی کہ نووارد وجے کو اپنی مرضی کی سمت میں لے جا رہا تھا۔

"شاید ان دونوں کے درمیان تکرار بڑھ گئی ہے۔ اجنبی بھیڑ بھاڑ سے نکل جانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"اور دیکھو، جلال نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی ہے۔" اول خان نے عجلت سے کہا۔

میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ نووارد کو وجے پر شبہ ہو چکا تھا۔ وہ وجے سے زیادہ چالاک تھا۔ یہ بات سمجھ گیا تھا کہ وجے کو مار کر زخمی کرنے والے، اسے چارہ بنا کر اس کے ساتھیوں پر ہاتھ ڈالنے کے لیے اسے وہاں لائے تھے۔ ایک بار وجے سے ملنے کے بعد وہ اس جال میں پھنس چکا تھا۔ اگر وہ وجے کو چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کرتا تو کسی صورت میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے لیے بس ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ وہ وجے کو اپنا یرغمالی بنا کر ساڑھے پانچ سے پہلے وہاں سے نکل جائے۔ اگر کوئی اس کی راہ روکنے کی کوشش کرتا تو وہ وجے کو جان سے مارنے کی دھمکی دے کر اپنا بچاؤ کر سکتا تھا۔

یہ حالات کی ستم ظریفی تھی کہ جلال کی حکمت عملی کے نتیجے میں را کے دو ایجنٹ آپس میں ٹکرا گئے تھے۔ ان کے درمیان محاذ آرائی کی جو صورتِ حال رونما ہو چکی تھی اسے دیکھ لینے کے بعد را کا تیسرا اور چوتھا ایجنٹ ان دونوں کے سایوں کے قریب بھی نہ پھٹکتا۔

لان کے قدرے سنسان حصے میں پہنچنے کے بعد ان دونوں کے درمیان کشمکش تیز ہو گئی۔ وجے باقاعدہ مزاحمت پر تل گیا تھا۔ اچانک نووارد نے وجے کا ہاتھ چھوڑا... اور پوری قوت سے اس کے منہ پر مکا رسید کر دیا۔ وجے ایک کریہہ چیخ مار کر پیچھے الٹ گیا۔ فضا میں وہ چیخ دور تک گونجی اور ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔

پھر جلال نے یکایک اپنا پستول نکال لیا اور دوڑتے ہوئے نووارد کو للکار بیٹھا۔

نووارد اپنے گرد کستے ہوئے جس جال کو توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا آخری پھندا اس کی شہ رگ تک پہنچ چکا تھا۔ بس اس کے ہاتھوں نے جنبش کی اور پوری فضا ایک ہولناک بارودی دھماکے سے لرز اٹھی۔

ہر طرف قیامت کا سماں برپا ہو گیا۔ جائے واردات سیاہ اور کثیف دھوئیں میں گھر گئی ہر شخص اس سے دور بھاگ رہا تھا مگر میں نے اول خان کے ساتھ اس طرف دوڑ لگا دی۔

دونوں کو جلال کی فکر تھی جو دھماکے کے وقت را کے دونوں ایجنٹوں سے خاصا قریب تھا۔

دھویں کا بل کھاتا ہوا آسیبی بادل' انگڑائیاں لیتا ہوا فضا میں پھیل رہا تھا۔ پھر دھویں سے پہلے ہمیں جلال نظر آ گیا۔ دھماکے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ہوا کے شدید جھونکے نے اس کے بال منتشر کر دیے تھے۔ وہ اپنا پستول والا ہاتھ اپنے پہلو پر لٹکائے' حسرت بھری نظروں سے دھویں کے بادل کو دیکھے جا رہا تھا۔

ہمارے ساتھ آئی بی کے کم و بیش آٹھ دس آدمی مختلف سمتوں سے دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ وہ سب مسلح تھے۔

"مجھے یہی ڈر تھا۔" میری صورت پر نظر پڑتے ہی جلال مایوسانہ آواز میں بولا "ان کی کشمکش دیکھ کر میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اپنے ساتھ وجے کو بھی لے مرے گا۔"

ہمارے سامنے نوارد کا کوئی وجود نہیں تھا۔ وہ شاید شہر میں دھماکا کرنے کے لیے اپنے لباس میں بم چھپا کر لایا تھا جسے اس نے نکالے بغیر چلا دیا۔ اس کے بدن کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ اس کی قمیص ایک قریبی جھاڑی پر جھول رہی تھی جس میں اس کا ایک لہولہان بازو پھنسا رہ گیا تھا۔ وہ دھماکا اس قدر شدید تھا کہ وجے بھی اس کی زد میں آ گیا تھا۔ اس کی سالم لاش گھاس پر پڑی ہوئی تھی مگر جگہ جگہ سے داغ دار ہو چکی تھی۔ بم سے اڑنے والے مہلک ٹکڑوں نے اس کے پورے بدن میں گہرے زخم ڈال دیے تھے۔

مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ہم ناکام ہو گئے تھے۔ بہت سی پیش بندیوں کے باوجود شہر میں بم کا ایک دھماکا ہو چکا تھا۔ را کے دو دہشت گرد اپنے مزید بموں کے ساتھ شہر میں آزاد گھوم رہے تھے اور ہم ان کے نام و نشان تک سے بے خبر تھے۔

ذرا سی دیر میں فریر ہال خالی ہو چکا تھا۔ وہ حسّاس علاقہ تھا اس لیے آناً فاناً میں پولیس کی نفری بھی جائے واردات پر پہنچنا شروع ہو گئی۔

"خدا کا شکر ہے کہ ہمارا کوئی شہری اس دھماکے کی زد میں نہیں آیا۔" جلال نے اردگرد کا جائزہ لیتے ہوئے افسردہ لہجے میں کہا۔ "افسوس یہ ہے کہ وہ دونوں ہمارے ساتھ آتے آتے رہ گئے۔"

"سر! انہیں وقت مل گیا۔" اس کے ماتحتوں میں سے کسی نے کہا "ہم ان پر ذرا پہلے ہاتھ ڈال دیتے تو وہ پکڑے جاتے!"

"نو.... باری صاحب نو!" جلال نے سختی سے اس کی تردید کی "بھاگنے سے پہلے وہ بھیڑ میں تھے۔ آپ نے سنا نہیں کہ دھماکا کتنا شدید تھا۔ خطرہ سر پر دیکھ کر اسے یہی کرنا تھا۔ اپنے ساتھ وہ نہ جانے اور کتنے لوگوں کو اڑا دیتا۔"

"تم رکو گے یا ہمارے ساتھ چلو گے؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت' دھیمی آواز میں جلال سے پوچھا۔

"یہ میرا آپریشن تھا' مجھے رکنا ہوگا۔" اس کی مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔

"ایم ففٹی مجھے دے دو۔ شاید میں بقیہ دو دھماکے ٹال سکوں۔" میں نے سرگوشی کی۔

اس نے بس لمحہ بھر کے لیے میری آنکھوں میں جھانکا اور پھر اپنی جیب سے را والوں کا ٹرانسمیٹر نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

اس کے ماتحتوں میں چند چہرے میرے شناسا تھے' بیشتر اجنبی تھے۔ وہ سب رشک اور حیرت بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

ہم دونوں جلال سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوئے تو پولیس سمیت کسی نے ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ شہر کے ہر سطح کے انتظامی حلقوں میں جلال کی ذات معروف تھی۔

بم دھماکے کی وجہ سے اس پورے علاقے میں بھگدڑ اور افراتفری کے بعد سناٹا چھا گیا تھا۔ دفاتر اور دکانوں کو تالے لگ گئے تھے۔ دھماکے کا اصل مجرم خود موت کی آغوش میں پہنچ چکا تھا جس کا جلال عینی شاہد تھا اس لیے کہیں کسی کو روکنے یا ناکا بندی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔

اول خان نے اپنی گاڑی فریر پارک کے پارکنگ ایریا سے نکالی اور تیزی سے واپس گلشن اقبال کی طرف روانہ ہو گیا۔

"ایم ففٹی' تم کس لیے لائے ہو؟" سڑک پر نکل آنے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"اس پر صرف ایک آدمی سے براہِ راست بات کی جا سکتی ہے۔ میں بن ڈیوڈ سے بات کروں گا۔"

میرا جواب سن کر اول خان خاموش ہو گیا۔ اس کی نظریں سڑک پر جمی ہوئی تھی۔

بم دھماکے کی آواز شہر کے بارونق مرکزی علاقے میں بہت دور تک سنی گئی تھی جس کے نتیجے میں ہر طرف افراتفری اور سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی۔ جابجا لوگ ٹولیوں کی صورت میں جمع تھے اور ایک دوسرے سے استفسار کے ساتھ شاید رائے زنی بھی کرتے جا رہے تھے۔ ہم کہیں رکے بغیر

سیدھے نکلتے چلے گئے۔

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ لمبی ڈرائیونگ سے تمہارے بازو میں دوبارہ درد شروع ہوجائے گا۔ گاڑی مجھے دے دو۔" میں نے ایک مرتبہ پھر اسے ٹوکا۔

"مجھے بار بار یاد نہ دلاؤ کہ میرا بازو زخمی ہے۔ اب میں اس زخم کو بھول چکا ہوں اور بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں۔" اس نے ٹکا سا جواب دے کر مجھے خاموش کردیا۔

اس وقت جو کچھ رونما ہوا وہ اس لحاظ سے بہتر تھا کہ حادثے میں کوئی مقامی ہلاک یا زخمی نہیں ہوا۔ مارے جانے والے دونوں افراد را کے چھٹے ہوئے ایجنٹ تھے۔ مجھے قلق صرف اس بات کا تھا کہ ہمیں دوسرے ایجنٹ پر اپنی طبع آزمائی کا کوئی موقع نہیں مل سکا۔ حد یہ تھی کہ ہمیں اس کا نام تک نہیں معلوم ہوسکا تھا۔

اول خان نے مجھ سے کوئی سوال کیے بغیر گاڑی حسن اسکوائر سے داہنی طرف موڑلی۔

میرے لیے اول خان کی ذات مثالی تھی۔ وہ اپنی ذات' گھربار اور بال بچوں کی پروا کیے بغیر دن رات کام میں لگا رہتا تھا۔ شاید اس کی بیوی بھی حالات سے یہ سوچ کر سمجھوتا کر چکی تھی کہ وہ قوم کی خدمت کے مشن میں مصروف تھا۔ اس کے ہاتھ ان گردنوں تک پہنچ جاتے تھے جہاں قانون کی سولی نہیں پہنچ سکتی تھی۔

گھر کے آخری موڑ پر گاڑی گھومنے کے بعد میں نے اول خان نے پوچھا "تم نے اپنی گھروالی کو زخم کے بارے میں بتادیا ہے۔"

وہ فراخ دلی سے ہنسا پھر بولا "میں نے اس بے چاری پر پہلے ہی گھر کے سارے کام کاج لادے ہوئے ہیں۔ بچوں کے اسکول کے مسائل سے بھی اسی کو نمٹنا پڑتا ہے۔ پھر میں اس کی پریشانیوں میں بلاوجہ کیوں اضافہ کروں۔ کوئی ہڈی وڈی ٹوٹ گئی ہوتی تو مجبور ہوکر اسے بتانا پڑتا۔ اب کیا ضرورت ہے۔" وہ پھر ہنسا اور اپنی بات دوبارہ جوڑتے ہوئے بولا۔ "میری تو پوری کوشش ہوگی کہ اسے زخم کی ہوا تک نہ لگے۔ وہ شوہر کی ذرا سی پریشانی پر بہت زیادہ پریشان ہوجانے والی بہترین بیوی ہے۔"

"یہ اچھی بات نہیں ہے۔ آخر کو وہ تمہاری بیوی ہے اسے کسی طرح پتا چل گیا کہ تمہارے بازو میں گولی لگی ہے تو وہ تم سے ناراض ہوجائے گی۔ ایسی رازداریاں آپس میں بے اعتمادی کو جنم دیتی ہیں اور گھریلو زندگی خراب ہونی شروع ہوجاتی ہے۔"

ثبوت

پہلوان جی چھٹی منزل سے گرنے کے بعد اسپتال میں تھے۔ ان کا ایک پڑوسی عیادت کے لیے پہنچا۔ انہیں سر سے پاؤں تک پٹیوں میں لپٹا اور بے حس وحرکت لیٹا دیکھ کر پڑوسی نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا "پہلوان جی! کیا آپ مرچکے ہیں؟"

"ہاں" پٹیوں میں سے آواز آئی۔

پڑوسی گہرا سانس لے کر بولا "پہلوان جی! آپ تو بڑے جھوٹے آدمی ہیں... بول رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ میں مرچکا ہوں۔"

"میرے مرنے کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ تم مجھے جھوٹا کہہ رہے ہو.... اگر میں زندہ ہوتا تو تم میرے منہ پر مجھے جھوٹا کہہ سکتے تھے؟" پہلوان جی کی تکلیف زدہ آواز سنائی دی۔

تعاقب

انسپکٹر کرم داد ایک روز ڈیوٹی پر روانہ ہونے کے لیے تھانے سے نکلے تو ان کے سامنے سے ایک ٹیکسی سست رفتاری سے گزر رہی تھی۔ وہ اچھل کر اس کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے بولے "یہ جو تمہارے آگے آگے دوسری ٹیکسی جارہی ہے اس کا پیچھا کرو... یہ مجھے مشکوک لگتی ہے۔"

"مجھے تو ہر حال میں اس کا پیچھا ہی کرنا ہے صاحب جی!" ڈرائیور نے عاجزی سے کہا "وہی ٹیکسی تو میری ٹیکسی کو ٹو کر کے لے جارہی ہے۔"

"ان باتوں پر مجھے سبق نہ پڑھاؤ۔ میں تم سے سینئر ہوں اور ازدواجی زندگی کے سارے رموز سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

گاڑی گھر کے سامنے رک چکی تھی۔ وہ انجن بند کرکے نیچے اتر گیا۔

وہ را کے ایجنٹوں کو گھیرنے کا معاملہ تھا۔ کسی کو امید نہیں تھی کہ ہم اتنی جلدی گھر لوٹ آئیں گے۔ اس لیے تینوں بے فکری سے ڈرائنگ روم میں تاش کی بازی جمائے بیٹھے تھے۔ ویرا شاید ہار رہی تھی ہمیں دیکھتے ہی اس نے پتے ملادیے اور سلطان شاہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر رہ گیا۔

"کتنے آدمی ہاتھ آئے۔" ویرا نے شوخی سے سوال کیا۔

"ایک بھی نہیں۔" اول خان نے منہ بنا کر مایوسی سے جواب دیا "جو ہاتھ آیا ہوا تھا وہ بھی صاف نکل گیا۔"

"نہیں۔" ویرا نے بے اعتباری سے کہا اور اس کی نظریں میرے چہرے پر جم گئیں۔

"اول خان کو تم سے مذاق کرنے کی عادت نہیں ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہ کیا ہوا ... کیسے ہوا؟" ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"آپ بتا کیوں نہیں دیتے۔" غزالہ نے مجھ سے فرمائش کی "کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے مگر آپ دونوں اسے گھما پھرا کر بتا رہے ہیں۔"

"تین میں سے صرف ایک شکار آیا تھا۔ شبہ ہوجانے پر اس نے اپنے لباس میں موجود بم سے اپنے ساتھ وجے کو بھی اڑا دیا۔" اول خان نے بتایا۔

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا۔" ویرا اپنے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بولی "جو ہاتھ آیا ہوا تھا، وہ بھی مارا گیا۔ ان دونوں کے ساتھ کوئی اور تو زخمی نہیں ہوا۔"

ہم دونوں نے دور سے جو مشاہدہ کیا تھا وہ دہرا دیا۔ اس سے زیادہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا کیونکہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی باتیں سننے والا کوئی تیسرا نہیں تھا۔ اپنی باتیں اپنے سینے میں لے کر وہ دونوں جہنم واصل ہوچکے تھے۔

"یہ واقعی چوک ہوگئی۔ اگر تشدد سے اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا تو یہ بات سوچنے والی تھی۔" ویرا بولی۔

"پہلے سے یہ بات ہمارے سامنے نہیں تھی کہ اسے کسی اور کے سامنے جانا پڑے گا۔" اس کی تواضع فراخ دلی سے کی گئی تھی۔ ایم فففٹی والی گفتگو آج اچانک سامنے آئی اور ہم نے محض ایک امید میں وجے کو وہاں لے جانے کا فیصلہ کرلیا۔" میں نے کہا۔

"ان دونوں سے کوئی چوک نہیں ہوئی جو کچھ ہوا، بہت اچھا ہوا۔" اول خان نے میری بات آگے بڑھائی "پہلے را کا ایک ایجنٹ آئی بی کی تحویل میں تھا آج دو مارے گئے ان کا خون کسی کی گردن پر نہیں ہے۔ وہ آپس کی باتوں کی بنا پر خود کشی کا شکار ہوئے ہیں۔ یہ ناکامی نہیں، بہت بڑی کامیابی ہے کہ ایک وقت میں دو فتنوں کا صفایا ہوگیا۔"

"ہا... آں!" ویرا نے سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا "یہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ اب ان میں سے صرف دو درندے آزاد رہ گئے ہیں۔"

"اس وقت کا تجربہ یہ بتا رہا ہے کہ ریڈ الرٹ کا اعلان ان کے عزائم پر اثر انداز نہیں ہوسکا۔" میں نے قدرے سکوت کے بعد کہا "آئی مین کی ہدایت کے مطابق آج بقیہ دو دھماکے ہونے کا قوی امکان نظر آرہا ہے۔ میں اس وقت یہ سوچ کر لرز رہا ہوں کہ نووارد ایجنٹ کو وجے پر شبہ نہ ہوا ہوتا تو کیا ہوتا۔ اگر وہ بم اس پارک میں تاک کر استعمال کیا گیا ہوتا تو نہ جانے کتنے معصوم اور بے گناہ شہری خاک اور خون میں نہا گئے ہوتے۔"

"یہ تصور ہی لرزہ خیز ہے۔" ویرا پھریری لے کر بولی۔

"اس لحاظ سے تو جو کچھ ہوا، اچھا ہی ہوا۔"

"میں نے اختصار کے ساتھ یہی بات کہنے کی کوشش کی تھی۔" اول خان نے وضاحت کی "جو کچھ ہوا، بہت اچھا ہوا۔ اس پر پچھتانا بے سود ہے۔"

"بقیہ دو ایجنٹوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" ویرا نے اس بار براہِ راست مجھ سے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ دونوں بھی فریر ہال پہنچے ہوں گے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ملنے کا منظر دیکھا اور وہی نتائج اخذ کیے جو ہم اخذ کررہے تھے۔ ان کے پاس ساڑھے پانچ بجے تک کا وقت تھا۔ انہوں نے فوری طور پر یکجا ہونے کے بجائے کچھ انتظار کرنے کا فیصلہ کیا ہوگا۔ یوں وہ رہ گئے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ چاروں اکٹھے ہوجاتے تو صورت حال مختلف ہوتی۔"

"کچھ کہا نہیں جاسکتا۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

کم از کم خودکش بم دھماکا نہ ہوا ہوتا۔" ویرا نے اپنی رائے دی "وہ صرف دو تھے اس لیے نئے آنے والے کو اپنے فیصلے پر عمل کر گزرنے کی آزادی حاصل تھی۔ ان کی تعداد زیادہ ہوتی تو شدید ترین اختلافات رائے پیدا ہونے کے باوجود بم دھماکے کی نوبت نہ آتی۔"

"اپنی مرضی سے مرنا بہت مشکل کام ہے۔" غزالہ بولی۔ "آج دھماکا کرنے والا کچھ زیادہ ہی نڈر تھا جو متوقع گرفتاری سے بچنے کے لیے اپنی جان پر کھیل گیا ورنہ اب تک کے تجربات یہی بتاتے ہیں کہ بھارتیوں کو اپنی زندگی سے بہت زیادہ پیار ہوتا ہے۔ وہ موت سے ڈرتے ہیں' زندہ رہنے کے لیے ہر سودے بازی کر گزرتے ہیں۔"

"چاروں کے یک جا ہونے کی صورت میں یہی ذہنیت کام دکھاتی۔" میں نے اس کی تائید کی "ہوسکتا ہے کہ وہ آپس میں لڑ مرتے۔"

"وہ اکٹھے نہیں ہوئے۔ دو بم کے ساتھ اڑ گئے۔ دو آزاد ہیں۔ اب تمہیں کیا صورت بنتی ہوئی نظر آرہی ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"بھگدڑ کی آڑ لے کر وہ نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگئے ہوں گے۔ اس وقت وہ آئی مین کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ فریر پارک کا دھماکا آئی مین کی مرضی کے مطابق نہیں تھا۔ وہ بڑے پیمانے پر پاکستانیوں کا خون بہانا چاہتا ہے۔ اس دھماکے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوا' ہوسکتا ہے کہ وہ بقیہ دونوں ایجنٹ اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں۔" میں نے اپنا تجزیہ ان چاروں کے سامنے پیش کردیا۔

"کیا ہم ان کی راہ روک سکتے ہیں؟" ویرا نے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔

"یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہم ..." میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ میری جیب میں پڑے ہوئے ایم ففٹی ایریئس پر کال سگنل آرہا تھا۔

میں نے پھرتی سے تھرتھراتا ہوا ایریئس جیب سے نکال کر آن کردیا۔

"سر! میں نمبر ٹو بول رہا ہوں۔" ایریئس آن ہوتے ہی فضا میں ایک شناسا آواز گونجنے لگی۔ اول خان کے سوا بقیہ تینوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس وقت تک انہیں یہ بتانے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ہم جلال سے ایم ففٹی ایریئس لے آئے تھے۔

"ابھی سوا پانچ بجے ون اور تھری اپنے ہی کیے ہوئے دھماکے میں مارے گئے۔" نمبر ٹو نے اپنی بات مکمل کی۔

"میں نے یہ نہیں کہا تھا۔ ان کے ساتھ اور کتنے لوگ مارے گئے؟" بن ڈیوڈ کی آواز زخم کھائے ہوئے سانپ کی پھنکار سے مشابہ تھی۔

"ابھی کچھ پتا نہیں چل سکا۔ شاید کچھ لوگ زخمی ہوئے ہوں۔"

"تم ان دونوں کی موت کے بارے میں اتنے پُریقین کیوں ہو؟" بن ڈیوڈ اس اطلاع پر بری طرح بھنایا ہوا تھا۔

میں نے وہ افسوس ناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔" نمبر ٹو کی آواز میں مردنی رچی ہوئی تھی۔

"تم ڈفر ہو۔ جب چاروں الگ الگ روپوش ہو تو پھر سب کو ایک جگہ جمع ہونے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ برہم ہوگیا۔

"بس اتفاق تھا۔ وہ دونوں کسی ضرورت کے تحت ایک دوسرے سے ملے تھے' میں ان سے دور تھا۔"

"میں نے کہا تھا کہ ایک دوسرے سے دور اور بے خبر رہو۔" بن ڈیوڈ غصے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا "کوئی ایک مصیبت میں پڑے تو اپنے ساتھ دوسروں کو بھی نہ لے ڈوبے۔ اس وقت ایک دوسرے سے دوری تمہارے اپنے مفاد میں تھی۔ تم نے دیکھ لیا کہ وہ دونوں یک جا ہوئے اور موت انہیں نگل گئی۔ پتا نہیں تم انڈینز اتنے بے وقوف کیوں ہوتے ہو۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے بھارتیوں کے لیے اجتماعی طور پر ایک ناروا لفظ استعمال کیا تھا۔ وہ ایک متعصب گورا تھا۔ اس کے دل میں ایشیائیوں کے خلاف عناد ہونا تعجب انگیز نہیں تھا۔

"ہم دو رہ گئے ہیں۔ اب پوری احتیاط کریں گے۔ وہ نمبر ٹو کا جواب تھا۔ اس نے یہ بات سرے سے گول کردی تھی کہ روزانہ شام پانچ اور ساڑھے پانچ بجے کے درمیان فریر پارک میں ملنا ان کا پہلے سے طے شدہ پروگرام تھا۔ اسی کے تحت نمبر ون اور تھری وہاں اکٹھے ہوئے تھے۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" بن ڈیوڈ کی آواز سے برہمی اور بیزاری مترشح تھی۔

"شہر میں ریڈ الرٹ ہے۔ پولیس کا گشت بڑھا ہوا ہے پھر بھی ہم اپنا کام کریں گے۔"

"نمبر فور! کیا تم سن رہے ہو؟" بن نے تیسرے آدمی کو پہلی بار مخاطب کیا۔

"یس سر! تمہاری ہدایت کے مطابق میرا ایریئس ہر وقت فعال رہتا ہے۔ میں اپنا کام پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔"

ان کے درمیان گفتگو سمٹتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔ میرا دل چاہا کہ اسی وقت ان کی گفتگو میں مداخلت کرکے نمبر ٹو اور فور کی مکاری کا بھانڈا پھوڑ دوں مگر میں نے وہ ارادہ ملتوی

کردیا۔ باہمی مشورے کے بغیر اب کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں تھا۔ ایم ففٹی کے ذریعے میں جب چاہتا، بن سے رابطہ کرسکتا تھا۔

"یہ پتا چلا کہ نمبر تھری مرنے سے پہلے کہاں مرا ہوا تھا؟"

"نو سر! میں نے بتایا ناکہ میں دور تھا۔ نمبرون نے اس بارے میں ضرور اس سے کچھ نہ کچھ پوچھا ہوگا۔ وہ میرے علم میں نہیں ہے۔"

"یہ کیسے ہوا کہ ان دونوں نے خود کو اڑا لیا۔ صرف نمبر ون بم سے لیس تھا۔ یہ کام وہی کرسکتا تھا۔"

"ہوسکتا ہے اس نے کوئی سنگین خطرہ بھانپ لیا ہو۔ وہ بہت بڑے دل گردے کا مالک تھا۔ اس نے موت کو اپنی گرفتاری پر ترجیح دی۔"

"تو کیا کچھ لوگوں نے ان دونوں کو گھیرنے کی کوشش کی تھی؟" بن نے تعجب سے پوچھا۔

"میں دور کا تماشائی تھا۔ میرے مشاہدے میں ایسی کوئی بات نہیں آسکی۔" نمبر ٹو کی آواز سے بے بسی عیاں تھی۔

"بات کچھ کچھ صاف ہورہی ہے۔" بن کی خیال انگیز آواز ابھری "نمبر تھری غائب تھا۔ شاید نمبرون کو شبہ ہوا ہوگا کہ وہ پکڑے جانے کے بعد کسی پاکستانی ایجنسی کا ٹاؤٹ بن چکا ہے اور اسے بھی مروا دے گا۔ پاکستان والے را کے ایجنٹوں کا بہت برا حشر کرتے ہیں۔ اس نے اپنے ساتھ نمبر تھری کو بھی اڑا دیا۔"

"ہوسکتا ہے کہ یہی ہوا ہو۔" نمبر ٹو کی آواز محتاط تھی اس نے آئی مین کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ دھماکے سے پہلے وہاں کیا ہوتا رہا تھا۔

"میں شرط لگاسکتا ہوں کہ یہی ہوا ہوگا۔ کوئی بھی آسانی سے موت کو گلے نہیں لگاتا۔" اس بار بن کا لہجہ پُریقین تھا "اب تم دونوں بہت محتاط رہو۔ پورے شہر کا بوجھ تمہارے کندھوں پر آچکا ہے۔ کل میں تمہیں نئی کھیپ کے بارے میں بتاؤں گا کہ وہ کہاں اور کیسے ملے گی۔"

"تم مطمئن رہو۔ میں نے آج کے واقعے سے بہت بڑا سبق سیکھا ہے۔"

"اوکے۔ اوور اینڈ آل۔" بن ڈیوڈ کی طرف سے گفتگو کے خاتمے کا اعلان کردیا گیا۔

میں نے ایرپیس کی آواز بند کردی اور اس پر رہ جانے والا ہلکا سا ریڈیائی شور معدوم ہوگیا۔

"نمبر ٹو غلط بیانی کررہا تھا۔ تم کو دخل انداز ہونے کا بہترین موقع حاصل تھا۔" اول خان بولا "حیرت ہے کہ تم خاموش رہے۔"

"ایرپیس کے ذریعے میں ہر وقت دخل اندازی کرسکتا ہوں۔ مجھے یہ خیال آگیا کہ آج کے چکر میں پکڑ کر ہم لمبی مصیبت اپنے گلے میں ڈال لیں گے۔ بن سفید فام امریکی ہے۔ وہ اپنے مسکن سے نکل کر میدان میں نہیں اترسکتا۔ را والے اس کے دست وبازو بنے ہوئے ہیں۔ انہیں کاٹنا ضروری ہے۔"

"کاٹنے کے بجائے تم انہیں ایک دوسرے سے بدظن بھی کرسکتے ہو۔ بن ڈیوڈ ان سے بھڑک جائے تو ان کے درمیان خلیج پیدا ہوجائے گی۔"

"تلخی پیدا ہوسکتی ہے، خلیج پیدا نہیں ہوگی۔" ویرا نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا "بن اچھی طرح جانتا ہے کہ مقامیوں یا بھارتیوں کی مدد کے بغیر اپنے پاؤں نہیں جماسکتا۔"

"میری دانست میں اس وقت میرا دخل انداز نہ ہونا ہی سب سے بہتر تھا۔" میں نے جواب دیا "را کے باقی رہ جانے والے دونوں آدمی صرف بن کے معاون نہیں۔ ہمارے بڑے مجرم ہیں۔ ان کا پکڑا جانا ضروری ہے جب تک وہ آزاد رہیں گے، کوئی نہ کوئی سازش کرتے رہیں گے۔"

"اس وقت دخل انداز نہ ہوکر تم نے کون سا مقصد حاصل کرلیا؟" ویرا نے منہ بناکر مجھ سے پوچھا۔

"ابھی تک ہم سایوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ ہمیں ان کی صورتوں سے شناسائی ہے نہ ہم ان کے ٹھکانے سے واقف ہیں۔ میں دخل اندازی کرتا تو وہ باہمی رابطوں کے لیے ایرپیس کا استعمال ترک کردیتے۔۔۔"

"کردیتے۔ اس سے بن کو بڑا نقصان ہوتا۔ پہلے وہ چوپڑا کو استعمال کررہا تھا۔ اب چوپڑا اندر ہے۔ وہ بھرے شہر میں ان دونوں کو کہاں تلاش کرتا۔" ویرا میری بات کاٹ کر بولی۔

"یہ صورت چند دنوں سے زیادہ برقرار نہ رہتی۔ وہ شہر کے آوارہ گردیا جرائم پیشہ نہیں ہیں جو زیرزمین چلے جائیں تو ان تک رسائی ناممکن ہوجائے گی۔ وہ را کے ایجنٹ ہیں۔ چوپڑا کے بعد اپنے قونصل خانے میں کسی نہ کسی کو جواب دہ ہوں گے۔ بن زیادہ دیر تک پریشان نہیں رہے گا۔ اس درمیانی رابطے کے ذریعے وہ دوبارہ را والوں تک رسائی حاصل کرلے گا۔ ہم سراسر خسارے میں رہیں گے۔"

"پھر تم اب کیا کروگے؟" میرا جواب سن کر ویرا نے پوچھا۔

"یہ اتفاق ہے کہ ابھی ابھی بن نے ان دونوں کو کسی نئی کھیپ کے بارے میں بتایا ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تم بالکل صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے

بے ساختہ میری تائید کرتے ہوئے کہا "اس نے انہیں آج اپنے بم استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد ان کے تباہ کن ہتھیار ختم ہوجائیں گے۔ کل وہ یقیناً انہیں نئے ہتھیاروں کے بارے میں کچھ بتائے گا۔"

"ہدایات فون یا ای میل پر دی جاسکتی ہیں۔ ہتھیاروں کی وصولی کے لیے دونوں طرف کے کچھ افراد کو موجود ہونا ہوگا۔ ہم نے مناسب منصوبہ بندی اور تیاری کے ساتھ اس وقت کارروائی کی تو ہم نسبتاً بڑی کامیابی حاصل کرسکیں گے۔ آج کے لیے بس دعا کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوں۔" میں نے کہا۔

"نمبر ٹو نے پہلے ہی اپنی کمزوری ظاہر کردی ہے کہ شہر میں ریڈ الرٹ ہے۔ موت دنیا کی بہت بھیانک حقیقت ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے اپنے دو ساتھیوں کے چیتھڑے اڑتے دیکھے ہیں۔ وہ کوئی بہت بڑا خطرہ مول نہیں لے گا۔ دھماکے ہوئے بھی تو زیادہ تباہ کن نہیں ہوں گے۔" ویرا بھی میری ہم خیال ہوگئی۔

"میں اپنا تبصرہ واپس لیتا ہوں۔" اول خان مسکراتے ہوئے بولا "تمہارے فیصلے دور رس اور درست ہوتے ہیں۔"

"ابھی تک یہ عقدہ نہیں کھل سکا کہ اول خان پر گولی کس نے چلائی تھی۔" غزالہ نے ایک اہم سوال اٹھایا۔

وہ واقعی ایک معمّا تھا۔ ایک بات بہرحال صاف ہوچکی تھی کہ اول خان پر کیے جانے والے ناکام قاتلانہ حملے میں آئی مین اور اس کے چاروں بھارتی معاونوں میں سے کسی کا ہاتھ نہیں تھا۔ وجہ ہماری قید میں تھا ٹیم کے بقیہ ارکان میں سے کوئی اس حملے میں ملوث ہوتا تو ای میل میں ہونے والی گفتگو میں اس کا کوئی نہ کوئی ذکر ضرور ہوتا۔

"اس وقت میدان میں ہمارا وہی ایک حریف تھا۔ جس نے دو چہرے اپنا ہوئے تھے۔ ایک چہرہ بن ڈیوڈ کا تھا دوسرا نک اور ٹام کی ٹیم کا تھا۔ اندر سے وہ سب آپس میں ملے ہوئے تھے مگر ظاہری طور پر نک نے بن سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کیا ہوا تھا۔

ہم چاروں پس پردہ رہ کر ایک مدت سے کام کرتے چلے آرہے تھے۔ ہمارے بارے میں صرف ہمارے دشمن ہی کچھ نہ کچھ جانتے تھے۔ عام لوگوں کو ہمارے بارے میں کوئی علم نہیں تھا لیکن جلال اور اول خان کی بات بہت مختلف تھی۔

وہ دونوں ایک تسلسل کے ساتھ اپنی ذمے داریاں نبھا رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں بہت سے لوگ اپنے کیفر کردار کو پہنچے تھے۔ ان ہی میں کوئی ایسا کینہ پرور شخص تبھی ہوسکتا تھا جس نے کبھی اول خان کے ہاتھوں کوئی زک اٹھائی ہو اور بدلہ لینے کے لیے اسی روز اول خان پر حملہ کر بیٹھا ہو۔ شہر میں اول خان کے ہاتھوں پٹے ہوئے ایسے کسی شخص کا سراغ لگانا آسان نہیں تھا۔

"شہر میں میرے پچاس دشمن ہوں گے۔" اول خان نے ہنستے ہوئے بہت سرسری انداز میں وہی بات کہہ دی جو میرے دل میں تھی "ان میں سے کوئی بھی گیدڑ ایسا اوچھا وار کرسکتا ہے..... میں تو بس اس بات پر اپنے رب کا شکرگزار ہوں کہ وہ شخص اپنے ارادے میں ناکام رہا اور مجھے اپنی قوم کی خدمت کے لیے مزید زندگی مل گئی۔"

"عام طور پر چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ نہ جانے کتنے لوگ پولیس والوں کے ذریعے مجرموں کے کٹہرے میں جاتے ہیں اور عدالتوں سے سزایاب ہوتے ہیں۔ ان میں بہت سے مغلوب الغضب لوگ بھی ہوتے ہیں جو فیصلے سن کر لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں مگر قید میں گزارا ہوا وقت ان کے سارے کس بل نکال دیتا ہے۔ اگر بدلہ لینے کے لیے ایسا جنگل کا قانون چل پڑے تو پولیس افسروں اور منصفوں کے لیے معاشرے میں اپنا وجود برقرار رکھنا مشکل ہوجائے۔" اول خان کا جواب سن کر غزالہ نے ایک لمبی چوڑی جذباتی تقریر کرڈالی۔

"تم مہذب معاشروں کی بات کررہے ہو۔ ہم نیم مہذب معاشرے میں رہ رہے ہیں۔" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا۔

"کولمبیا اور جنوبی امریکا کے کئی اور ملک مہذب گنے جاتے ہیں لیکن وہاں ججوں اور پولیس والوں کی زندگیاں ہر وقت خطرے میں رہتی ہیں۔" ویرا نے سگریٹ کا کش لے کر کہا "جج آئے دن مارے جاتے ہیں۔ مجرم کبھی ہاتھوں میں نہیں آتے' شاید اب یہاں بھی یہی ہونے والا ہے۔"

"وہ ملک مہذب ضرور ہیں مگر وہاں ڈرگ مافیا راج کرتی ہے۔ ان کا بجٹ قومی بجٹ سے بڑا ہوتا ہے۔ پیسے کے بل پر وہ ہر ایک کو خریدنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کے ہاتھوں بکنے سے انکار کردے' بے رحمی سے ماردیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں یہ صورتِ حال نہیں ہے۔" اول خان نے نرمی سے اس کی تردید کی۔

"تم جو چاہو کہہ لو مگر اس بات سے انکار نہیں کرسکتے کہ امریکی ایجنسیاں ڈرگ مافیا سے کم نہیں ہیں۔" سلطان شاہ نے اول خان سے کہا "یہ جس ملک میں اپنے پنجے گاڑ دیتی ہیں وہاں امن وامان کے سنگین مسائل پیدا ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔"

"یہ صرف ان ملکوں میں ہوتا ہے جہاں ان کو حسبِ منشا سرکاری تعاون نہیں ملتا۔" ویرا بولی۔

"ہم خود کو ان کا دوست کہتے ہیں۔ ان سے پورا پورا

تعاون کرتے ہیں مگر وہ چاہتے ہیں کہ ان کے لیے یہاں قانون کی بساط لپیٹ دی جائے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" غزالہ نے اعتراض کیا۔

"تم لوگ بلاوجہ بحث کر رہے ہو۔ ساری لڑائی ڈینی اور ویرا کے لیے ہے۔" اول خان نے بات سمیٹنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی انتظامیہ تم دونوں کی بھرپور پشت پناہی کرتی ہے جس دن تم دونوں کو پابند سلاسل کر کے ان کے حضور پیش کر دیا گیا۔ سارے تنازعات ختم ہو جائیں گے۔"

"یہ بات اتنی سی ہے تو میں اسی وقت خود کو ان کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہوں۔" ویرا نے پیش کش کی "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ مجھے امریکا لے جانے کے بعد وہ یہاں اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا سلسلہ ختم کر دیں گے۔"

"تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ وہ بھارت کے ساتھ اپنی دوستی نبھانے کے لیے ہمارے خلاف نئی محاذ آرائیاں کرتے رہتے ہیں۔ جب کچھ بھی نہیں رہتا تو ہماری ایٹمی استعداد اور تنصیبات کا نقارہ پیٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ انڈیا سے اڑائی جانے والی را کی فائلوں کی کہانیاں ہوش ربا ہیں۔" اول خان بولا۔

"کیا ان فائلوں کے اندراجات سامنے آ گئے ہیں۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ کبھی سامنے نہیں آئیں گے۔ سینہ بہ سینہ چلنے والی کہانیوں میں بہت سی سچائیاں پنہاں ہوتی ہیں۔ وہ کچھ کم نہیں ہیں۔"

"ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ بات تمہارے اوپر ہونے والے فائر کی ہو رہی ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"فی الحال اسے بھول جاؤ۔ مناسب وقت آنے پر یہ عقدہ بھی کھل جائے گا۔" اول خان کو اس موضوع میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی "اس وقت ہمارا ہدف آئی مین ہے۔ ہماری پوری توجہ اس پر مرکوز رہنی چاہیے۔"

چائے وغیرہ پینے کے بعد اول خان چلا گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر تسلی ہوئی تھی کہ اس کے بازو کا زخم اسے زیادہ نہیں ستا رہا تھا۔

فرصت میسر آئی تو انتظار کی کوفت شروع ہو گئی۔ میرا اندازہ تھا کہ جلال فریر پارک والے قضیئے سے نمٹتے ہی مجھ سے رابطہ کرے گا۔ جہانگیر کے بارے میں میری تشویش کم ہو چکی تھی۔ آئی مین نے را کے جس آدمی کو جہانگیر کے گھر کا سراغ لگانے پر مامور کیا تھا' وہ اپنے ہی چلائے ہوئے بم کا نشانہ بن چکا تھا۔ فوری طور پر آئی مین کی نفری نصف رہ گئی

تھی۔ وہ نمبرون کی جگہ کسی اور کو مقرر نہیں کر سکتا تھا۔

وقت گزاری کے لیے میں نے نک کو چھیڑنے کا ارادہ کر لیا۔

گھر کا نمبر مل جانے پر فون اسی نے اٹھایا تھا۔

"میں کرنل داور بول رہا ہوں۔" اس کی آواز پہچان کر میں نے اپنی پچھلی گفتگو کا تسلسل برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"ابتدائی پسندیدگی کے بعد سے میں تمہیں ناپسند کرنے لگا ہوں۔ سرکاری دفتروں میں' میں جس سے بات کرتا ہوں وہ بے خبر نکلتا ہے۔ تمہارے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔ تم اپنے ساتھ دوسروں کی سرگرمیوں پر بھی گہری نظر رکھتے ہو۔ یہ اچھا ہے کہ تم مجھے فون کر لیتے ہو۔" اس کی طرف سے ایک طویل جواب ملا۔

"یہی کچھ میرا بھی حال ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے چکر دینے کی کوشش کرتے ہو پھر بھی تم سے بات کر کے مجھے سکون ملتا ہے کیونکہ تم ذہین آدمی ہو۔"

"سب سے پہلے جلال کا شکریہ ادا کر دینا۔ آج مجھے کیلی کا پاسپورٹ واپس مل گیا۔ کل وہ پروفیسر ڈونلڈ کے ساتھ امریکا چلی جائے گی۔"

"شاید امریکا میں ڈونلڈ کی درگت بنائی جائے گی کہ اس نے آئی بی والوں کے سامنے خفیہ باتیں کیوں اگل دیں۔"

"یہ ہمارا وتیرہ نہیں ہے۔ ہم اپنے پڑھے لکھے شہریوں سے کام لیتے ہیں تو ان کی عزت اور تکریم بھی کرتے ہیں۔ ان کو ذلیل نہیں کرتے۔ اس نے اپنی زبان بند کی ہوئی ہے۔ کوئی شکایت نہیں کی مگر میں سمجھ چکا ہوں کہ تم نے اسے ہراساں کیا ہوگا۔"

"مائی ڈیئر نک! تم یہ بات بھول رہے ہو کہ وہ ہمارا نہیں' تمہارا شہری ہے۔ ہم نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا ہے جو تم امریکا میں موجود' اس قماش کے کسی پاکستانی شہری کے ساتھ کرتے۔ تھوڑے سے تشدد کے بغیر شرفا بھی اپنی زبان نہیں کھولتے۔"

"جب اسے تم سے شکایت نہیں ہے تو میں بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم نے کیوں فون کیا ہے۔"

"تم کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ تمہارے قونصل خانے کے سامنے والے پارک میں کچھ دیر قبل ایک بم پھٹا ہے۔"

"مجھے خبر مل چکی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس واقعے میں صرف دو افراد مارے گئے ہیں اور کوئی زخمی نہیں ہوا۔" اس نے میری معلومات میں اضافہ کیا "بھیڑ بھاڑ والے مقامات پر رونما ہونے والے واقعات میں لوگوں کی کثیر تعداد ہلاک اور زخمی ہوتی ہے۔"

"مرنے والوں میں سے ایک کے لباس میں بم پوشیدہ تھا۔" میں نے اسے بتایا کیونکہ یہ چھپنے والی بات نہیں تھی۔
"تو کیا اس وقت تم وہیں موجود تھے؟" اس کی تحیر زدہ آواز ابھری۔
"میرے اپنے وسائل ہیں۔" میں نے اسے گول مول سا جواب دیا "یہ اطلاع مصدقہ ہے۔"
"خود کش بم دھماکے زیادہ جان لیوا ہوتے ہیں۔ اسرائیل میں ایسے حملوں میں مرنے اور زخمی ہونے والوں کی تعداد دو ہندسوں سے کبھی کم نہیں ہوتی۔"
"اسرائیل کا درد ہر امریکی اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔"
"طنز کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے صرف موازنے کے لیے یہ مثال دی تھی۔"
"میں یہی تو کہہ رہا ہوں کہ تم امریکیوں کو مظلومیت کی ہر مثال بھی اسرائیل میں ملتی ہے۔"
"اسرائیل خود کش حملوں کا بہترین نشانہ ہے۔ وہاں آئے دن ایسا کوئی نہ کوئی واقعہ ہوتا رہتا ہے۔ تم بلاوجہ میری بات کو بدمزگی کی راہ پر لے جارہے ہو۔"
"اسرائیل پر تنقید سے تمہاری طبیعت بدمزہ ہو رہی ہے تو کچھ اور بات کرتے ہیں۔"
"میں نہیں مان سکتا کہ اس وقت تم نے مجھے بلاسبب فون کیا ہوگا۔" اس کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔
"تم نے کہا تھا کہ مقابلہ جاری رہنا چاہیے۔ تم ویرا اور ڈینی کی تلاش میں لگے رہو گے۔ ہم بن ڈیوڈ کو ڈھونڈتے رہیں۔"
"تو کیا تم نے اس کے ٹھکانے کا سراغ لگالیا؟" اس نے سوال کیا۔
"ہم کسی بھی وقت اس تک پہنچ جائیں گے۔ اگر تم نے اسے جعلی پاسپورٹ پر یہاں سے نہ نکالا تو وہ پکڑا جائے گا۔"
"وہ اپنے طور پر کچھ بھی کر سکتا ہے۔ میں جعل سازی میں اس کی مدد نہیں کروں گا۔"
"تمہیں معلوم ہے کہ اس کے چکر میں اب تک کئی مقامی پکڑے جاچکے ہیں۔"
"اس حد تک باخبر رہنا میرا فرض ہے۔ ان میں تمہارا اہم ترین ملزم کوئی چوپڑا ہے جو یہیں کا شہری ہے مگر بدقسمتی سے ہندو اور مزید بدقسمتی سے بھارتی قونصل خانے کا ملازم ہے۔ اسے وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنانے کے لیے تم کراچی سے نکال کر اندرون سندھ لے گئے ہو۔"
"تمہاری معلومات قابل رشک ہیں۔ تمہیں یہ جان کر خوشی نہیں ہوگی کہ اس گونگے نے اب بولنا شروع کر دیا ہے۔"
"پھر تو تمہیں بہت کچھ معلوم ہو چکا ہوگا۔" اس کی طنزیہ آواز ابھری۔
"اسے نہیں معلوم کہ آئی مین کا اصل نام کیا ہے مگر اس نے یہ بتایا ہے کہ را کے آدمی آئی مین کے لیے کام کرتے رہے ہیں۔"
"اگر تمہیں اس کی بکواس پر یقین ہے تو سب کو پکڑو اور ان کی گردنیں اڑا دو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ یہاں کا قانون ویسے ہی اسپیشل ٹاسک فورس والوں پر کوئی پابندی نہیں لگاتا۔ تم ہر طرف سے پوری طرح آزاد ہو۔ اچھا ہے کہ تمہارے بیشتر مسائل نمٹ جائیں گے۔"
"آئی مین یہاں یہ گند پھیلا رہا ہے تو تمہیں ضرور اس کا علم ہوگا۔"
"میں تم کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ آئی مین یا بن ڈیوڈ سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اگر وہ یہاں جرائم میں ملوث ہے تو اسے تلاش کرنا تمہاری ذمے داری ہے۔ ہم کہیں آڑے نہیں آئیں گے۔ اپنی ان کوششوں میں بھول کر بھی ہماری سفارتی عمارات کا رخ نہ کرنا۔ تم کو معلوم ہے کہ اب وہاں حفاظتی انتظامات کا کیا لیول ہے۔"
"تم اقرار کر چکے ہو کہ پچھلی رات بن تمہارے قونصل خانے میں تھا اور بکتربند گاڑی میں تمہارے ساتھ وہاں سے نکلا تھا۔" زچ ہو کر میں ایک پرانی بات دہرانے پر مجبور ہو گیا۔
"اسی کے ساتھ یہ بھی بتا دیا تھا کہ میں نے اسے راستے میں اتار دیا تھا۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ مفروضوں اور غلط سمت میں اپنا سر نہ کھپاؤ۔ تھک جاؤ گے۔"
"شاید تم ہماری فورس کے اول خان سے واقف ہو!"
"میرے لیے یہ نام نیا نہیں ہے۔ اکثر سنتا رہتا ہوں اور شاید اس سے مل بھی چکا ہوں۔" اس کی آواز میں بے نیازی رچی ہوئی تھی۔
"آج سہ پہر اس پر ایک چلتی کار سے قاتلانہ حملہ کیا گیا ہے۔"
"تو یہ کہو کہ تمہیں اس حملہ آور کی تلاش ہے۔ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہاں اس کے پچاسیوں دشمن ہوں گے۔"
"وہ کہیں راہ دیتا نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے تھک ہار کر کہا "ٹھیک ہے نک! پھر کسی وقت بات ہوگی۔"
میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ فریریا پارک میں مرنے والے آدمی را کے ایجنٹ تھے۔ مناسب وقت پر اسے وہ بات اخبارات سے معلوم ہو سکتی تھی اور اس خبر کی

اشاعت کے لیے انٹیلی جینس بیورو والوں کی کلیرنس ضروری تھی۔ جلال کی رضامندی کے بغیر وہ خبر اخبارات میں نہیں آسکتی تھی۔

فون بند کرکے میں نے اپنا داہنا بازو پیشانی پر رکھا اور آنکھیں موندلیں۔

کافی دیر بعد میں اپنے ہاتھ پر کسی کالمس محسوس کرکے ہڑبڑایا تو ویرا میرے سرہانے کھڑی ہوئی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ خاصے تھکے ہوئے تھے جو صوفے پر آنکھ لگ گئی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے آنکھیں مل کر رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں صرف آدھے گھنٹے کے لیے سویا تھا۔

"فرصت اور بے کاری سے طبیعت کچھ بیزار سی ہورہی تھی۔" میں نے صوفہ چھوڑ کر جواب دیا "سب اپنے اپنے کمروں میں جا گھسے تھے۔ میں بھی سو گیا۔"

"تم اسے فرصت اور بیکاری کہہ رہے ہو۔ صبح سے تم مسلسل مصروف تھے۔" اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"وہ صبح اور شام کی باتیں تھیں۔ اس وقت تو میں بیکار ہی تھا۔" میں اسے ٹالتا ہوا اپنے کمرے کی طرف ہولیا۔

○☆○

سات بجے جلال آیا تو خاصا خوش تھا۔ اس کا یہ ملال دور ہوچکا تھا کہ اس کے ہاتھ آیا ہوا ایک شکار چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتر گیا تھا۔

غزالہ نے خاصے اہتمام سے اس کے لیے چائے دیگر لوازم کے ساتھ پیش کی اور پھر مجھ سے اجازت لے کر سلطان شاہ کے ساتھ بازار کے لیے نکل کھڑی ہوئی جہاں سے اسے گھرداری کی بعض اہم ضروریات کی خریداری کرنی تھی۔

نمبرون اور وجے کی ملاقات میں جو کچھ ہوا' وہ ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ ابتدا سے بم کا مہلک دھماکا ہونے تک اس کے مشاہدات بھی وہی تھے جو ہمارے رہے تھے۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ نمبرون نے پکڑے جانے کے بدترین اندیشوں کے تحت اپنے وجود کو چیتھڑوں کی صورت میں اڑانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"ابھی تک اس کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔" اس نے گہرا سانس لے کر کہا "یہ سنگین واقعہ اس قدر حساس مقام پر پیش آیا تھا کہ آئی جی کے ساتھ کراچی ڈویژن کا کمشنر اپنے سارے ڈپٹی کمشنرز کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا۔ انتظامی اصطلاح میں اسے وی آئی پی ایریا قرار دیا جاتا ہے۔"

"پھر تو یہ کیس پولیس کے سپرد کردیا گیا ہوگا۔" میں نے تائید چاہی۔

"یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا ہے کہ مارے جانے والے دونوں آدمی را کے ایجنٹ تھے۔ فی الحال میرا اسٹاف ہی کیس پر کام کررہا ہے۔ مناسب مرحلے پر اسے پولیس کے حوالے کردیا جائے گا۔"

"وہ مناسب مرحلہ شاید نمبرون کے نام کی تصدیق کا ہوگا۔"

"تم بار بار دوسرے آدمی کو نمبرون کیوں قرار دے رہے ہو۔ وہ نمبر ٹو یا فور بھی ہوسکتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایم ففٹی پر سنی جانے والی گفتگو میں وجے کے لیے نمبر تھری کے الفاظ استعمال کیے گئے تھے۔"

"میں نے ایم ففٹی پر ان لوگوں کی تازہ ترین باتیں سنی ہیں۔ مرنے والے ون اور تھری تھے۔"

جلال بے اختیار آگے جھک آیا "کمال ہے۔ تم نے ان کی باتیں سنی ہیں اور انہیں اپنے دل میں لیے بیٹھے ہو۔ اس وقت میں صرف ایریئس لینے کے لیے آیا تھا تاکہ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر اندازہ لگاسکوں کہ وہاں کیا ہوا تھا اور اس بارے میں بن کا کیا ردِعمل ہے۔"

"میری غلطی تھی۔ میں معذرت چاہتا ہوں۔"

"غلطی نہیں' یہ تمہاری شرارت تھی۔" ویرا نے جلال کو اکسانے کی کوشش کی۔

میں نے اپنی یادداشت کے مطابق ہر بات حرف بحرف دہرانے کی کوشش کی اور جلال کے ساتھ تبادلہ خیال شروع کردیا۔ وہ باتیں بہت سیدھی اور واضح تھیں۔ ان سے اخذ کیے ہوئے نتائج کے بارے میں دو رائیں نہیں ہوسکتی تھیں۔

"ایریئس تم رکھو گے یا مجھے دو گے؟" جلال نے پوری بات سن لینے کے بعد پوچھا۔

"اصولی طور پر اب اسے تمہارے پاس رہنا چاہیے تاکہ تم اس پر ملنے والی اطلاعات کی روشنی میں بروقت کوئی فیصلہ کرسکو۔ میں اس خیال سے یہ آلہ مانگ لایا تھا کہ تمہارے لیے وہاں اس پر دھیان دینا ممکن نہیں تھا۔ مجھے یکایک تمہاری مصروفیات بڑھنے کا اندازہ ہوگیا تھا۔"

"مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم ایریئس پر بن سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کر بیٹھو۔" وہ ہنس کر بولا۔

"میرا ارادہ یہی تھا مگر میں نے نئی کھیپ کا ذکر سنتے ہی اپنا ارادہ ملتوی کردیا۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"قدرت بھی ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔ اچھا ہوا کہ ابھی تک سی نائین کا پتا نہیں چل سکا۔" ویرا سوکھا سامنہ بنا کے بولی۔

ویرا کی اس بات پر جلال چونک پڑا "کیا تم کسی قسم کا طنز کرنے کی کوشش کررہی ہو؟"

"طنز نہیں، میں نے حقیقت بیان کی ہے۔" وہ مدافعانہ لہجے میں بولی "سی نائین کا پتا چل جاتا تو ہم وقت ضائع کیے بغیر ادھر چل دیتے۔ بن ہمارے ہاتھ آتا یا نہ آتا، یہ بعد کی بات تھی۔ را کے بچے ہوئے دونوں ایجنٹوں کا قصہ کھٹائی میں پڑجاتا۔"

را کے دونوں آدمیوں کو پکڑ لینے کے بعد کامل یکسوئی سے بن کو پکڑلینا قرین قیاس تھا۔ پہلے اسے پکڑنے کی صورت میں را والے صاف بچ نکلتے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ حالات کو ناسازگار پاکر کراچی چھوڑ دیتے اور اولین فرصت میں کہیں سے سرحد پار کرکے بھارت میں نکل جاتے۔

"نمبرون پکا سیکرٹ ایجنٹ تھا۔" جلال نے وجے کے ساتھ مرنے والے کے بارے میں بتانا شروع کردیا "اس کی جیبوں سے کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی جس سے اس کا کوئی بھی سراغ ملتا۔ اس کی لاش بری طرح مسخ ہوکر ٹکڑوں اور چیتھڑوں میں بدل گئی تھی جنہیں یکجا کرنا مشکل ہے۔"

"قمیص میں پھنسا ہوا ایک ہاتھ میں نے جھاڑی سے لٹکا ہوا دیکھا تھا۔" میں نے کہا۔

"چھ سات بڑے ٹکڑے ہیں۔ باقی چیتھڑے دور تک بکھر گئے تھے۔" جلال نے اقرار کیا۔

"چہرے کی کیا حالت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم ہمیشہ ایسی نازک باتوں پر دھیان دیتے ہو۔" وہ ہنس کر بولا "ٹکڑے دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا ہے کہ جدید ترین ساخت کا تباہ کن لیکن چھوٹا بم اس نے اپنے پیٹ سے چپکایا ہوا تھا۔ دھڑ کا حشر خراب ہوگیا مگر چہرہ قابلِ شناخت ہے۔ تم کو اس کا خیال کیوں آگیا۔"

"چوپڑا نے پہلی نظر میں وجے کو پہچان لیا تھا۔ وہ نمبرون کو بھی پہچان سکتا ہے۔"

"یہی ہو رہا ہے۔ دس بجے تک پوسٹ مارٹم مکمل ہوجائے گا۔ میری آدمی اسی وقت صدف مینشن سے چوپڑا کو لے کر سرکاری مردہ خانے آئیں گے اور مرنے والے کی شناخت کروالیں گے۔"

"اس کا نام معلوم ہوجانے سے ہمیں یہ پتا چل جائے گا کہ اب بچے ہوئے دونوں آدمیوں کے نام کیا ہیں۔"

"بالکل۔" ویرا نے میری تائید کی "مرنے والے سے کیا لینا۔ وہ تو جہنم واصل ہو ہی گیا تھا۔ ناموں کے تعین سے ان دونوں کی تلاش میں مدد مل سکے گی۔"

"سی نائین کے بارے میں ابھی تک کوئی بات سامنے نہیں آئی۔" میں نے سی نائین کا قصہ چھیڑ دیا۔

"میرے آدمی لگے ہوئے ہیں۔ یہ کام میرے اندازے سے زیادہ دشوار ثابت ہوا ہے۔" جلال نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "اس نمبر کی ہر عمارت میں دو چار دکانیں اور چھ سے نو تک چھوٹے فلیٹ ہیں۔ ان سب کی بے خبری میں ان کے کوائف کی چھان بین آسان نہیں ہے۔ وہ ایک وقت میں ہر طرف پھیلنے کے بجائے ہر عمارت کو باری باری دیکھ رہے ہیں۔"

"تم نے ڈیفنس اتھارٹی کے ریکارڈ سے اس بات کی تصدیق کرلی ہے کہ سی نمبر والے پلاٹ کمرشل ہی ہیں۔" میں نے توثیق چاہی۔

"ہم قیاسات اور اندازوں پر اسی وقت کام کرتے ہیں جب ریکارڈ دستیاب نہ ہو۔ یہ نکتہ کنفرم کرلیا گیا ہے۔"

"پھر کب تک نتیجہ سامنے آنے کی امید ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"یہ کام کل شام تک ہوجانا چاہیے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا "اس وقت تک نئی کھیپ کا راز کھل چکا ہوگا۔"

"اور تم کو یہ بھی بتا دوں کہ آج دوپہر میں کسی نے اول خان پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اس کے ستارے اچھے تھے جو گولی اس کے داہنے بازو کو ادھیڑتی ہوئی گزر گئی۔" میں نے کہا۔

"یہ بات تم مجھے اتنی دیر سے بتا رہے ہو۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"شام کو وہ فریر پارک آیا تو ٹھیک ٹھاک نظر آرہا تھا۔"

"وہ درد دور کرنے والا انجکشن لگوا کر آیا تھا۔ واقعہ بہت سنگین تھا مگر زخم زیادہ گہرا یا خطرناک نہیں ہے۔"

"میں فون پر اس سے بات کروں گا۔ تم میری طرف سے

نقصان

شریف صاحب محلے کی کریانے کی دکان پر چیزوں کی قیمتوں کے سلسلے میں بحث و تکرار کررہے تھے۔ مجید صاحب پاس ہی کھڑے تھے، وہ بولے "شریف بھائی! سب دکانوں سے آپ سودا ادھار لیتے ہیں .... اور ادھار آپ نے آج تک چکایا نہیں ... تو پھر قیمتوں پر بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اصل میں یہ دکاندار بہت اچھا آدمی ہے... میں چاہتا ہوں اس کا نقصان کم سے کم ہو... اس لیے چیزوں کی قیمتیں کم کرارہا ہوں۔" شریف نے جواب دیا۔

افسوس کا اظہار کردینا۔ اس نے گولی چلانے والے کو دیکھا تھا۔"

"ایسے واقعات پر سوالات اور مشورے بہت سے سامنے آتے ہیں لیکن حقیقت وہی جانتا ہے جس پر قیامت گزری ہو۔ گولی لگتے ہی اس کے اوسان خطا ہوگئے تھے۔"

"میں چلتی ہوئی گاڑی میں ڈرائیور کے اچانک زخمی ہوجانے کی سنگینی کا اندازہ کرسکتا ہوں۔ اس بارے میں تمہارے کیا رائے ہے۔"

وہ ایک انوکھا اور ناگہانی واقعہ تھا۔ اس کے بارے میں کسی کی کوئی رائے نہیں تھی۔ ہمارے درمیان جو باتیں ہوتی رہی تھیں وہ جلال کو بھی بتادی گئیں۔ اس نے ہربات کو غور سے سنا اور آخر میں مایوسی سے اپنا سرہلا کر رہ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ سی نائین کی تلاش کے معاملے کو غیر ضروری التوا میں ڈالا جارہا ہے۔" اچانک ویرا نے ایک نئی قلابازی کھائی اور میں حیرت سے اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

"یہ التوا غیر ضروری نہیں، ناگزیر ہے۔" جلال نے اس کی بات کا برا منائے بغیر نرمی اور تحمل سے کہا۔

"ایسا نہ ہو کہ بعد میں ہم لکیر کو پیٹتے رہ جائیں۔" اس کے الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔

"تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" میں نے قدرے حیرت اور ترشی سے پوچھا "کھل کر کہو۔"

"آئی مین اس وقت چھلاوا بنا ہوا ہے۔ وہ کسی جگہ زیادہ دیر تک نہیں ٹک رہا۔"

میں نے اس کی بات وہیں کاٹ دی "تم غلط کہہ رہی ہو۔ وہ اپنی مرضی سے نہیں بھاگ رہا۔ اسے بھگایا جارہا ہے۔ اس نے بی بادن چھوڑنے میں دیر کی ہوتی تو ہمارے ہتھے چڑھ گیا ہوتا۔ فالکن ہاؤس پر چھاپے کے بعد اس نے اپنا وہ ٹھکانا چھوڑا تھا۔ قونصل خانے سے اس کے نکلنے کا قصہ ابھی تازہ ہے۔"

"وجہ کچھ بھی ہو۔ وہ ٹھکانے بدل رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جب ہم سی نائین پہنچیں تو وہ وہاں سے نکل چکا ہو۔ ویرا کے پاس اپنے دوسرے نظریے کے حق میں بھی دلائل موجود تھے۔

وہ اس اعتبار سے ٹھیک کہہ رہی تھی کہ بن ڈیوڈ امرا کے بگڑے ہوئے طبقے سے تعلق رکھتا تھا اور بڑے، پُر آسائش مکانوں میں رہنے کا عادی تھا۔ ہم لوگ فریڈم انٹرنیشنل والے چکر میں ڈیفنس کے کمرشل ایریا زمیں بنی ہوئی عمارتوں کی محدود مکانیت بہت اچھی طرح دیکھ چکے تھے۔ بن عارضی طور پر ایسی عمارت کے کسی حصے میں پناہ لے سکتا تھا۔ زیادہ دیر تک وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔

"بہت اچھا ہوا کہ تم نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ اس کا بھی دھیان رکھا جائے گا۔" جلال نے اس کا نکتہ تسلیم کرلیا۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔ ہمارے ساتھ کھانا کھا کر جانا۔" میں نے اسے پیشکش کی۔

"میں اسلام آباد سے باہر رہتا ہوں تو میرے پیروں میں چکر رہتا ہے۔ میں چلوں گا دیکھو کھانا کہاں نصیب ہوتا ہے۔"

"تم کراچی آتے ہو تو بس یہاں پھنس کر رہ جاتے ہو۔ اس بار بھی تم چند گھنٹوں کے لیے آئے تھے اور ابھی تک رکے ہوئے ہو۔ دیکھو، واپسی کب ہوتی ہے۔ تمہاری ان غیر یقینی مصروفیات سے تمہاری وائف کو شکایت رہتی ہوگی۔" ویرا نے اس کے جواب سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"بیویاں ان مجبوریوں کو نہیں سمجھتیں۔" جلال نے خوش دلی سے جواب دیا "ان کا بس چلے تو اپنے شوہروں کو گھر سے نہ نکلنے دیں۔ کھٹ پٹ ہوتی رہتی ہے مگر صورت حال قابو سے باہر نہیں ہوتی۔" ویرا کو جواب دے کر وہ میری طرف متوجہ ہوگیا "بات بہت معمولی سی ہے۔ تم نے اس کا حل بھی تجویز کردیا ہے لیکن یہ بات مسلسل میرے ذہن میں چبھ رہی ہے کہ میرے کچھ آدمیوں کی تصاویر امریکی قونصل خانے کے خفیہ کیمروں نے محفوظ کرلی ہیں اور ان میں سے عرفان کو پہچان بھی لیا ہے۔"

"اسے بھول جاؤ۔ شاید نک بھی اسے بھول جائے گا اور وہ فلمیں ریکارڈ میں دفن ہوجائیں گی۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے اس سے بات کی تھی۔ اس نے ان تصویروں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"اسے کیوں فون کیا تھا تم نے؟" جلال نے چونک کر پوچھا۔

"وقت گزارنے کے لیے اسے چھیڑ بیٹھا تھا۔ وہ فریر پارک کے دھماکے سے باخبر تھا اور کیلی کا پاسپورٹ واپس مل جانے پر تمہارا شکر گزار بھی تھا۔"

"آئی مین کے بارے میں کوئی بات ہوئی؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"وہ اسی بیان پر اڑا ہوا ہے کہ کیلی سے ملوانے کے بعد اسے راستے میں اتار دیا تھا۔"

"کیلی نشیمن میں رہ رہی ہے یا دوبارہ قونصل خانے کی مہمان ہوگئی ہے؟"

"اس بارے میں، میں نے کچھ نہیں پوچھا۔ وہ از خود یہ بتا رہا تھا کہ کیلی کل ڈونلڈ کے ساتھ امریکا واپس چلی جائے

گی۔"

"اس سے تمہارا وہی کرنل داور والا پروٹوکول چل رہا ہے یا اب میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟"

"فی الحال وہی سلسلہ جاری ہے۔ اگر معاملہ طول پکڑ گیا تو کسی وقت ڈینی بن کر اس سے بات کروں گا۔ شاید میرا نام سن کر اس کی سٹی گم ہوجائے گی۔"

سب ہنسنے لگے اور اسی خوشگوار ماحول میں وہ ہم سے رخصت ہوگیا۔

ویرا اندر رکی رہی۔ میں جلال کو الوداع کہنے کے لیے پھاٹک تک آیا۔ اس کی گاڑی روانہ ہونے کے بعد میں ذیلی کھڑکی بند کر رہا تھا کہ داہنی طرف سے آتی ہوئی ایک دراز قامت، خوب صورت اور خوش پوش لڑکی نے بے تابی سے فضا میں ہاتھ لہرا کر مجھے رکنے کا اشارہ کیا اور اپنی رفتار بڑھا دی۔ اس کے ہاتھ میں ایک فولڈر بھی دبا ہوا تھا۔

اپنی مخصوص سرگرمیوں کی وجہ سے ہماری شناسائی کا حلقہ بہت محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ گھر پر آنے جانے والوں میں اول خان اور جلال کے سوا تیسرا کوئی نام نہیں تھا۔ میں نے اپنے ذہن پر خاصا زور دیا لیکن اس لڑکی کے بارے میں مجھے کچھ یاد نہیں آسکا کہ میں نے پہلے کبھی اسے دیکھا ہو۔ وہ میرے لیے سراسر اجنبی تھی مگر اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے ملنے آرہی تھی۔ اس وقت میں اپنے گھر کے دروازے پر نہ کھڑا ہوا ہوتا تو پورے خلوص سے اس نئی ملاقاتی کو خوش آمدید کہتا مگر اس وقت حالات مختلف تھے۔

"سر! میں کنزیومر سروسز سے آئی ہوں۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو میں اپنے سروے کے سلسلے میں آپ سے چند سوالات کرنا چاہوں گی۔" اس نے اپنے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے، نہایت تہذیب سے التجا کی "ہم اس علاقے میں منتخب گھروں سے رابطہ کر رہے ہیں۔"

اس کا انداز اتنا نرم اور ملتجیانہ تھا کہ میں انکار نہیں کرسکا "میں تمہیں چند منٹ دے سکتا ہوں۔ کیا پوچھنا چاہتی ہو؟"

اس نے اپنے بائیں ہاتھ میں دبا ہوا فولڈر کھولا۔ اس میں کنزیومر سروسز کے سادہ اور بھرے ہوئے فارموں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ اس نے فولڈر میں سے ایک سادہ فارم نکالا، اسے فولڈر کی سخت جلد پر رکھ کر بال پین سنبھالا اور پوچھا "آپ کے گھر میں کس برانڈ کی چائے کی پتی استعمال ہوتی ہے؟"

میں چکرا گیا۔ وہ خالص خانہ داری کا معاملہ تھا جس میں، میں بالکل کورا تھا۔ میں نے کہا "بی بی! جو سوال تم مجھ سے پوچھ رہی ہو وہ کسی عورت سے پوچھنا چاہیے۔"

"سر! اگر آپ کی مسز مجھے چند منٹ دے سکیں۔" اس نے شائستگی سے التجا کی "مجھے بس آخری ایک دو فارم مکمل کرنے ہیں۔ اندھیرا ابھی پھیل چلا ہے۔"

"تم اکیلی یہ سروے کرتی پھر رہی ہو یا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔" میں نے اسے اشتباہ آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"سر! ہم دو لڑکیاں گھر گھر سروے کر رہی ہیں، ڈرائیور ہمارے ساتھ ہے۔ گاڑی کونے پر کھڑی ہوئی ہے۔" اس نے گلی کے سرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

میں ہر نئی چیز یا بات کے ظاہر پر اعتبار کرنے کا عادی نہیں رہا تھا۔ میں چوکھٹ سے دو قدم باہر نکلا تو مجھے لڑکی کی بتائی ہوئی سمت میں سرخ رنگ کی پک اپ کھڑی ہوئی نظر آگئی۔ میں نے ایک مرتبہ پھر لڑکی کو تیز نظروں سے گھورا اور وہ مسکین انداز میں مسکرانے لگی۔

مجھے اس پر ترس آگیا۔ وہ پڑھی لکھی اور مہذب لڑکی تھی۔ گردش روزگار نے اسے نہ جانے کیسے اس ملازمت کی راہ پر دھکیل دیا تھا جہاں صبح سے شام ڈھلے تک وہ گھر گھر دھکے کھاتی پھر رہی تھی۔ میں انکار کردیتا تو شاید اس کا دل ٹوٹ جاتا۔ اسے کوئی اور دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا۔ وہاں بھی مجھ جیسا کوئی شکی مزاج شخص رکھائی سے اسے ٹال دیتا تو اسے

انتظار

ریستوران میں ایک صاحب نے کھانا منگوا کر کھانا شروع کیا تو انہیں احساس ہوا کہ اردگرد کی میزوں پر بیٹھی ہوئی بہت سی لڑکیاں ایک ٹک ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے قدرے پریشان ہو کر ویٹر کو بلایا اور ان کے بارے میں پوچھا تو ویٹر کچھ ہچکچاتے ہوئے بولا "سر، دراصل بات یہ ہے کہ اس ریستوران کے برابر میں ہی ایک کمیونٹی ہال ہے جہاں کھانے پکانے کی کلاسیں ہوتی ہیں... یہ کھانا وہاں سے آیا ہے... اگر آپ نے کھانا پورا ختم نہ کیا... یا آپ کھانا کھا کر لمبے لیٹ گئے... تو یہ لڑکیاں امتحان میں فیل ہوجائیں گی۔"

تیسرے در پر جانا ہوتا۔ وہ اس کے ساتھ زیادتی ہو جاتی۔ اندر ویرا موجود تھی۔ وہ چند منٹوں میں اسے خوب صورتی سے نمٹا سکتی تھی۔

"اندر آ کر دو منٹ کے لیے خاتون سے مل لو۔" میں نے اسے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔

وہ ممنونیت سے لبریز لہجے میں میرا شکریہ ادا کرتی ہوئی میرے پیچھے پیچھے اندر آ گئی۔

ویرا کے کان بہت تیز تھے۔ اس نے میرے قدموں کی چاپ کے ساتھ نسوانی سینڈلوں کی ہلکی کھٹ کھٹ بھی سن لی۔ ہم دونوں راہداری میں داخل ہوئے تو ویرا سامنے سے چلی آ رہی تھی۔

"یہ کس کو گھر میں لیے چلے آ رہے ہو؟" میرے ساتھ ایک بنی سنوری اور خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر ویرا کی بھویں تن گئیں۔

"بے چاری سروے کے لیے گھر گھر ماری ماری پھر رہی ہے۔ چند سوالوں کے جواب دے کر اس کی مشکل آسان کر دو۔"

"یہ کوئی وقت ہے سروے کا۔" ویرا نے مجھ سے تیز آواز میں بات کر کے اپنی برہمی کا اظہار کیا پھر جارحانہ انداز میں جھ سے آگے نکل کر، عملاً لڑکی کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور لڑکی کو لیکچر دینا شروع کر دیا۔

"دیکھو، تم جوان اور خوبصورت ہو۔ دو پیسے کی نوکری کے چکر میں تم رات کے اندھیرے میں گھوم رہی ہو۔ یہ تو شریف آدمی ہیں۔ ان کی جگہ کوئی آوارہ مرد ہوتا تو تمہیں اندر لا کر دروازہ بند کرتا اور پانچ منٹ میں تم کو بے آبرو کر ڈالتا۔ اس وقت تمہارا گھروں کے اندر جانا مناسب نہیں ہے۔"

"شکریہ میڈم! آئندہ میں محتاط رہوں گی۔" لڑکی روہانسی آواز میں بولی۔ اس کے چہرے سے خوش دلی اور مسکراہٹ کافور ہو چکی تھی۔

"کوئی سروے فارم لائی ہو یا زبانی کلامی معلومات جمع کرو گی؟" ویرا کا لہجہ بدستور اکھڑا اکھڑا سا تھا۔

لڑکی نے سہم کر فولڈر سے نکالا ہوا سادہ فارم ویرا کی طرف بڑھا دیا۔ میں ڈرائنگ روم کی طرف جاتے جاتے رک گیا تھا۔ ویرا کا موڈ بگڑا ہوا تھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ لڑکی کی کسی بات پر بگڑ کر اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیتی۔ ایسے کسی سانحے کو ٹالنے کے لیے میری موجودگی ضروری ہو گئی تھی۔

ویرا نے فارم لے کر اس پر سرسری نظریں دوڑائیں۔

فارم کو دیوار پر رکھا اور لڑکی فارم بھرنے میں مصروف ہو گئی۔

مجھے تجسس ہوا اور میں فارم کے اندراجات پڑھنے کے لیے خاموشی سے ویرا کے پیچھے پہنچ گیا۔ نیلی سیاہی سے مطبوعہ اس فارم پر کنزیومر سروسز کا نام جلی حروف میں چھپا ہوا تھا۔ ویرا نے چائے کے برانڈ کے خانے میں ایک مشہور نام لکھا تھا۔ اس کے بعد اس کی ذہنی رو بھٹک گئی۔ چائے کے استعمال کی ماہانہ مقدار دس ٹن، گھر میں چائے پینے والے افراد کی تعداد پچاس اور نہ پینے والے افراد کی تعداد بھی پچاس ہی لکھی گئی تھی۔ اس نے دھیان دیے بغیر کئی خانوں میں الل ٹپ ٹک کے نشانات لگائے، نیچے نام کی جگہ نامعلوم لکھ کر وہ فارم لڑکی کو لوٹا دیا۔

فارم پر نظر ڈالتے ہی اس لڑکی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ "مم... میڈیم، کیا آپ نے دس ٹن کی مقدار لکھی ہے۔"

"ہاں!" ویرا نے پھاڑ کھانے والے انداز میں جواب دیا "کیا تم اتنا بھی نہیں پڑھ سکتیں۔"

"جج... جی... اور یہ چائے پینے والوں کی تعداد شاید پانچ ہے!" لڑکی نے بوکھلا کر پوچھا۔

"تم بالکل جاہل معلوم ہوتی ہو۔" ویرا تیز آواز میں غرائی "یہ میرا گھر ہے میں جانتی ہوں کہ یہاں پانچ نہیں، پچاس آدمی چائے پیتے ہیں۔ فارم سنبھالو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ باہر نکلنے کے بعد اس پر جو چاہو، لکھ لینا۔ گٹ آؤٹ!"

ویرا کے نادر شاہی ارشادات سن کر وہ لڑکی بس لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکی تھی۔ ویرا کی زبان سے آخری فرمان سن کر اس نے واپسی کے لیے تقریباً دوڑ لگائی اور گرتی پڑتی باہر نکل گئی۔

"جاؤ۔ اب ذیلی کھڑکی کو اچھی طرح بند کر کے آؤ!"

ویرا برا سا منہ بنا کر مجھ سے بولی "پتا نہیں خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر ہر مرد ریشہ خطمی کیوں ہو جاتا ہے۔"

"ٹھہر جاؤ! میں جا رہا ہوں۔" میں سر جھکائے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ویرا کی اونچی آواز سن کر میں بھی اس لڑکی کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"اس وقت تم نے نہایت جاہلانہ سلوک کا مظاہرہ کیا ہے۔" میں نے واپس آ کر ڈرائنگ روم کی طرف جاتے ہوئے تلخی سے کہا "میں اسے اپنی خواب گاہ میں نہیں لے جا رہا تھا، تمہارے پاس لا رہا تھا۔"

"مگر کیوں؟" ویرا نے آنکھیں ڈال کر سوال کیا "تم تو بہت ذہین اور نظر شناس آدمی ہو۔ اس دو ٹکے کی لڑکی کے سامنے تمہاری ذہانت کہاں چلی گئی تھی؟ تم کو نہیں معلوم کہ

آج کل ہم سب کن خطرناک حالات سے گزر رہے ہیں۔ دوپہر میں اول خان پر حملہ ہو چکا ہے اور تم ایک اجنبی لڑکی کو گھر میں گھسائے لا رہے ہو۔ صرف اس لیے کہ وہ جوان اور خوبصورت تھی۔ بن ٹھن کر آتی تھی۔"

"وہ حالات کی ستائی ہوئی ایک تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔ بلاوجہ اس کی تذلیل کر رہی ہو۔" میں نے احتجاج کیا۔

"لوگ ایسی ہی مجبور لڑکیوں کو خریدتے ہیں... میڈم فرزانہ کیا اس سے مختلف تھی؟ خالد نے اسے کتنے میں خریدا تھا؟ تمہارے دشمن شہر کے ہر کونے میں تمہاری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ مجھے اور تم کو بچانے کے لیے سب نے اپنی جان کی بازیاں لگائی ہوئی ہیں اور تم...."

ویرا نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ میں نے اپنی خفت کو کم کرنے کے لیے خاموشی سے سگریٹ سلگائی، اس کا گہرا کش لے کر دھواں فضا میں بکھیرا پھر اس سے پوچھا "لڑکی پر تمہیں کیوں شبہ ہو رہا ہے؟"

"گھریلو سروے دن کے اجالے میں کیا جاتا ہے۔ یہ سروے کا کوئی وقت نہیں تھا۔ وہ مشتبہ نہ ہوتی پھر بھی ایک اجنبی لڑکی کو گھر میں لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں شرط لگاتی ہوں کہ وہ اس گلی کے کسی اور گھر میں نہیں گئی ہوگی۔" وہ تاک کر یہاں آئی تھی۔ تم اتفاق سے پھاٹک پر نہ ہوتے تو وہ گھنٹی بجا کر اندر آتی۔ وہ گھر کا جائزہ لینے آئی تھی۔"

وہ پہلا موقع تھا کہ ویرا میرے ساتھ گھر میں تنہا تھی اور اس کے ذہن پر رومان پرور جراثیم کا حملہ نہیں ہوا تھا۔ کسی قسم کی جذباتی گفتگو کرنے کے بجائے وہ لڑکی کے معاملے میں مجھ سے الجھ رہی تھی۔

"تم بلاوجہ لڑکی کی طرف سے بدگمان ہو رہی ہو۔ اصولی طور پر تمہاری بات درست ہے کہ مجھے اس کو اندر نہیں لانا چاہیے تھے۔ احتیاط ہر حال میں بہتر ہوتی ہے۔" میں نے اس ناخوشگوار بحث کو ختم کرنے کے لیے بہت زیادہ نرمی سے کہا "مجھے اس پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"میرے سامنے تم ایسی بوکھلاہٹوں اور غلطیوں کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ اس لڑکی میں تمہیں ایسی کیا باتیں نظر آئی کہ تم پگھل گئے۔"

"پھر وہی لڑکی، لڑکی، لڑکی۔ میں کہہ رہا ہوں کہ اب یہ بحث ختم کرو۔" میں نے جھلا کر کہا۔

ویرا نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور دوہرے صوفے پر میرے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ میں بظاہر چھت کی طرف متوجہ تھا۔ لیکن کن انکھیوں سے مجھے نظر آ رہا تھا کہ وہ گہری پر سوچ نظروں سے مسلسل میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔

ماہر نفسیات

ایک بڑے ہوٹل میں کنونشن کے دوران میں ایک روز دو ماہرین نفسیات ایک راہداری میں ایک دوسرے کے پاس سے گزرے۔ دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ ایک نے مسکرا کر دوسرے کو "ہیلو" کہا۔ دوسرے نے کوئی جواب نہیں دیا اور کافی آگے جا کر ایک ستون کی آڑ میں کھڑے ہو کر سر کھجاتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا "آخر اس کا ہیلو کہنے کا مقصد کیا تھا؟"

دو گھنٹے وہ وہیں کھڑا اس سوال پر غور کرتا رہا تب جا کر اس کی سمجھ میں آیا کہ دوسرے نفسیات داں کے "ہیلو" کہنے کا مقصد صرف ہیلو کہنا ہی تھا!

میں نے دل ہی دل میں بلاؤں سے تحفظ کی دعا شروع کر دی۔ اس پر روایتی جراثیم حملہ آور ہوتے نظر آ رہے تھے۔

"اے!" اچانک اس نے میرے رخسار پر چٹکی لے کر کہا "ذرا ادھر دیکھو، میری طرف، میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرو۔"

"تمہیں اس لڑکی کی آمد اس لیے گراں گزری تھی کہ اس کی موجودگی میں تم یہ حرکتیں نہیں کر سکتی تھی۔" میں نے یکایک اس کو گھورنا شروع کر دیا۔

ویرا نے سختی سے میرا بازو تھام لیا اور دبی دبی آواز میں بولی "اس لڑکی کی ایسی کی تیسی۔ میں غزالہ کے سوا کسی کی پروا نہیں کرتی۔" وہ میرے اوپر سوار ہوئی جا رہی تھی۔

ویرا نے اپنا ریکارڈ خراب نہیں کیا۔ غزالہ یہ سوچ کر بازار کے لیے نکلی تھی کہ ہمارے ساتھ جلال موجود تھا۔ مگر وہ کچھ زیادہ ہی عجلت میں تھا۔ اس کے چلے جانے کے بعد سرور لڑکی کی صورت میں غیبی امداد آئی تھی لیکن ویرا نے اسے دھتکار کر بھگا دیا۔

اس کے ساتھ دھینگا مشتی اور ہاتھا پائی کرتے ہوئے مجھے سخت دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ میری وہ مشقت زیادہ طول نہیں پکڑ سکی۔ ہمارے دروازے پر گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی اور ویرا نے زور آزمائی ترک کر کے فوری طور پر

اپنی جگہ سنبھال لی۔

چند ثانیوں بعد سلطان شاہ سامان کے تھیلوں سے لدا پھندا اندر آگیا۔ غزالہ کے ہاتھ میں بھی چند تھیلے جھول رہے تھے۔ اس نے اندر آنے کے لیے چابی استعمال کی تھی۔

ابتدا میں ویرا نے سروے کے لیے آنے والی لڑکی کے بارے میں جو باتیں کہیں، میں نے انہیں سنجیدگی سے لیا تھا اور اپنی کوتاہی پر دل ہی دل میں ندامت محسوس کر رہا تھا مگر بعد میں ویرا نے جس طرح نظربازی اور جسمانی زور آزمائی شروع کی، مجھے یقین ہو گیا کہ اس نے بہانے کے طور پر وہ اعتراضات شروع کیے تھے جن کی کوئی بنیاد نہیں تھی۔

غزالہ اور سلطان شاہ کے سامنے ویرا نے وہ ذکر چھیڑا، نہ میں نے کوئی بات نکالی۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ایک بے سروپا سی بات اچانک ظہور پذیر ہوئی ہے اور از خود رفع ہو گئی ہو۔ اس کے بارے میں کچھ سوچنا بالکل بے سود تھا۔

ویرا اور غزالہ میز پر کھانا لگانے کی تیاریوں میں مصروف تھیں کہ اول خان کا فون آگیا۔

"خیریت ہے۔ زخم کے درد کا کیا حال ہے؟" میں نے اس کی آواز سنتے ہی مزاج پرسی کی۔

"درد ٹھیک ٹھاک ہے مگر ایک نیا مسئلہ سر ابھار رہا ہے۔" اس کی آواز پر تشویش تھی۔ وہ عام طور پر ایسے لہجے میں بات نہیں کرتا تھا۔ اس پر میرا چونکنا لازمی تھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ ایسے پراسرار انداز سے مجھے الجھن ہونے لگتی ہے۔ کھل کر بتاؤ کہ کیا معاملہ ہے۔"

"مجھے شبہ ہے کہ آج دن میں میرا تعاقب کیا گیا ہے میرے اوپر ہونے والا فائر بھی اسی سلسلے کی کڑی تھا۔"

"تم نے تو بتایا تھا کہ فائر کرنے کے بعد نیلی گاڑی تیزی سے آگے نکل گئی تھی۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"اس وقت کار کی تیز رفتاری کی وجہ سے مجھے شبہ ہوا تھا۔ میں عقب نما آئینوں کی موجودگی کے باوجود یہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ وہ بے آواز فائر کس گاڑی سے کیا گیا تھا؟"

"رات کے اندھیرے میں فائر کی روشنی بہت کافی ہوتی ہے۔ دن کا اجالا فائر کے شعلے کو نگل لیتا ہے۔"

"تعاقب کا سلسلہ فائر سے پہلے سے جاری ہے، میرا قیاس ہے کہ اس فائر کا مقصد مجھے ہلاک کرنا نہیں تھا۔ گولی پیچھے سے آئی اور باہر نکلے ہوئے بازو کو زخمی کرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ ان کا ارادہ مجھے مارنے کا ہوتا تو وہ گاڑی میرے برابر میں لا کر فائر کرتے۔ نشانہ خطا ہوتا تو گولی بازو کی ہڈی توڑ کر اندر تک پیوست ہو جاتی۔"

"یہ بالکل سامنے کی باتیں ہیں۔ حیرت ہے کہ ہم میں سے کسی نے ان پر غور نہیں کیا۔"

"کون غور کرتا!" پھیکی سی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی "میں نے جو کچھ بتایا، تم لوگوں نے اس پر من و عن یقین کر لیا۔ میری طرف سے ذرا بھی شبہے کا اظہار کیا جاتا تو سب سر جوڑ کر بال کی کھال نکالنے میں مصروف ہو جاتے۔"

"ویرا بہت تجربہ کار بنتی ہے۔ زخم دیکھ کر اسے فائر کی سمت کا اندازہ کر لینا چاہیے تھا۔ تمہیں ساری طبی امداد اسی نے فراہم کی تھی۔ پیچھے سے گولی ونڈ شیلڈ توڑتی ہوئی آتی تو اسے قاتلانہ حملہ سمجھا جا سکتا تھا۔ باہر سے گزرنے والی گولی تو کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھی۔ تم نے صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے۔ وہ تمہیں زخمی کیوں کرنا چاہ رہے تھے؟"

"یہ سب میرے اندازے ہیں۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا "شاید دیر سے میرا پیچھا کیا جا رہا تھا اور میں شہر کی سڑکیں ناپتا پھر رہا تھا۔ انہوں نے مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے وہ بے خطا گولی چلا دی جس کا مقصد مجھے معمولی زخم لگانا تھا۔ زخم کھاتے ہی میں قریب ترین ٹھکانے کی طرف ہو لیا۔ وہ یہی چاہتے تھے۔ انہوں نے میرا تعاقب کر کے تمہارا گھر دیکھ لیا۔"

"نہیں... یہ نہیں ہو سکتا۔" میں نے بے اعتباری سے کہا "زخمی ہونے کے بعد تم آغا خان یا لیاقت نیشنل اسپتال جا سکتے تھے۔ یہ ضروری تو نہیں تھا کہ تم ہمارے یا اپنے گھر جاتے۔"

"ڈینی! میں کہہ رہا ہوں نا کہ یہ میرا نظریہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

"تمہارے ذہن میں اچانک ہی یہ نظریہ کیوں ابھر آیا؟" میں نے تشویش سے پوچھا۔

"کچھ دیر پہلے دہلی سے ایک خبر ملی ہے۔ وہاں افواہیں ہیں کہ دہلی میں تمہاری اور ویرا کی طوفانی کارروائیوں کا جواب دینے کے لیے بھارت سے بلیک کیٹس کے دو مایہ ناز کمانڈوز پاکستان بھیجے گئے ہیں۔ وہ اطلاع ملنے کے بعد سے میں واقعات کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔"

"بلیک کیٹس والے یہاں موجود ہوتے تو آج شام را کے دو ایجنٹ فریر پارک میں خودکشی کرنے پر مجبور نہ ہوئے ہوتے۔"

"بلیک کیٹس را کا کمانڈو ونگ ہے مگر وہ سب سے الگ رہ کر اپنے انداز میں کام کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ را والوں سے ملنے میں انہیں اپنی سلامتی کے لیے خطرہ نظر آیا ہو۔"

"انہوں نے یہاں اپنی کسی نہ کسی اتھارٹی سے تو رجوع کیا ہوگا!" میں نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے کہ نہ کیا ہو۔ دہلی میں تم کس پاکستانی

سفارت کار سے ملے تھے۔ خاموشی سے وہاں گئے، اپنا کام کیا اور لوٹ آئے۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ مجھے خاموش پا کر اول خان نے ٹوکا تو میں نے کہا "میں یہ سوچ رہا ہوں کہ دہلی سے آنے والی خبر میں کتنی صداقت ہے۔"

"الفاظ پر احتیاط سے غور کرو ڈینی! یہ نازک ترین معاملہ ہے۔ یہ خبر نہیں افواہ ہے۔"

"ایسی افواہیں بے بنیاد نہیں ہوتیں۔ ان میں کوئی نہ کوئی وزن ضرور ہوتا ہے۔ اگر یہ افواہ درست ہے اور آج تمہارا تعاقب بھی ہوا ہے تو سمجھ لو کہ بلیک کیٹس نے یہاں آتے ہی اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج کی رات ہمارے گھر پر حملہ ہو جائے۔"

"میں ابھی اسی امکان پر سوچ رہا تھا۔ میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ میرا ایک اسٹرائیک یونٹ تم لوگوں کی حفاظت کے لیے نکل چکا ہے۔"

"آٹھ بجے ایک لڑکی سروے کا بہانہ کر کے ہمارے گھر کا جائزہ لینے آ چکی ہے۔" میں نے کڑیاں یک جا کرنے کے بعد وہ بات بھی کھول دی۔

اس لڑکی کی آمد اور روانگی کی تفصیلات اول خان کے لیے حیران کن ثابت ہوئیں۔ لڑکی کی اہمیت سامنے آنے کے بعد میں خود یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ویرا بہت بروقت برہم ہوئی تھی۔ وہ اس لڑکی کی راہ نہ روکتی تو وہ ڈرائنگ روم تک آ کر پورے گھر کا جائزہ لے ڈالتی۔ اسے یہ بھی پتا چل جاتا کہ اس وقت گھر میں میرے اور ویرا کے سوا کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔

ویرا نے چائے پینے والوں کی تعداد پچاس لکھ کر حیران کر دینے والی ذہانت کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ انتہائی غیر معمولی تعداد سروے کرانے والوں کو یہ باور کرانے کے لیے کافی تھی کہ اہل خانہ نے لڑکی کی اصلیت بھانپ لی تھی اور اسے ہوش ربا اعداد و شمار دے کر ڈیوڑھی سے بھگا دیا تھا۔

وہ ویرا کا قطعی غیر ارادی فعل تھا۔ جو اس کے غصے کی وجہ سے رونما ہوا تھا۔ لیکن بدلے ہوئے واقعات کی روشنی میں ویرا کی ہر حرکت سو فیصد فٹ بیٹھ رہی تھی۔ خرابی بس یہ ہوئی تھی کہ سروے کرنے والی عورت جو کسی نہ کسی کے ایما پر ہمارے گھر آئی تھی، یہ دیکھنے میں کامیاب ہو گئی تھی کہ اس چھت کے نیچے ایک ایسی سفید فام عورت رہ رہی تھی جو کسی اہل زبان کی طرح اردو بولنے پر قادر تھی۔ ہمارے باخبر دشمنوں کے لیے وہ نکتہ ویرا کی موجودگی سے کھلے ثبوت سے کم نہیں تھا۔

"ابھی تک میں صرف حیران تھا۔ اب پریشان بھی ہو گیا ہوں۔" اول خان کی آواز فکر مندی سے بوجھل تھی۔ "میرے اور تمہارے تجربات شہر میں کسی نئی قوت کی موجودگی کی نشان دہی کر رہے ہیں۔ اب یقین ہو رہا ہے کہ دہلی سے آنے والی خبر درست ہے۔"

"تمہارے جانے کے بعد جلال بھی آیا تھا۔ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔" میں نے اسے بتایا۔

"ان کے ذرائع مختلف ہیں۔ یہ اتنی اہم خبر ہے کہ زیادہ دیر تک اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔" اول خان نے مجھے یقین دلایا۔

"باہر تمہارا اسٹرائیک یونٹ ضرور موجود ہوگا مگر ہم گھر میں محصور ہو جائیں گے۔ کیوں نہ ہم بھی باہر نکل کر ان کی آمد کا انتظار کریں۔"

"گھر چھوڑ کر تم چاروں کہاں جاؤ گے؟ اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"ہماری گاڑی ہمارا ساتھ دے گی۔ اس میں ہتھیار اور میگزین ڈال لیں گے۔"

"یہ فیصلے میں تمہاری صوابدید پر چھوڑتا ہوں۔ جو فیصلہ کرو، مجھے موبائل پر اس سے آگاہ ضرور کر دینا۔"

"اس وقت تم کہاں موجود ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں اضطراب کی حالت میں اپنے دفتر چلا آیا۔ ہنگامی حالات درپیش ہوں تو مجھے یہاں زیادہ سکون ملتا ہے۔"

"سوالاً جواباً"

★ "ڈاکٹر نے تمہیں مرغن اور پرتکلف کھانے کھانے، شراب اور سگریٹ پینے سے منع کیا تھا۔ اس سے کچھ فائدہ ہوا؟"

○ ہاں ... اسی طرح تو اتنے پیسے بچے کہ میں ڈاکٹر کا بل ادا کرنے کے قابل ہو سکا۔

★ ماں اپنی جوان بیٹیوں کے ساتھ سیر کے لیے جائے تو بھلا کون اعتراض کر سکتا ہے؟

○ جوان بیٹیاں۔

★ شبنم کس قسم کی فلموں میں کام کرتیں تو زیادہ اچھی لگتیں؟

○ خاموش فلموں میں۔

"شہر میں کہیں کوئی اور دھماکا تو نہیں ہوا؟"
"ابھی تک ایسی کوئی خبر نہیں آئی۔ اس شہر نے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ اب یہاں اور خون نہ بہے۔ یہاں رہنے والے خون اور لاشوں سے عاجز آ چکے ہیں؟"
"ہر درد مند پاکستانی کی دعا یہی ہوگی مگر تم جانتے ہو کہ انسانوں کی ساری دعائیں باریاب نہیں ہوتیں۔"
"کیا یہ محض اتفاق ہے کہ آج کی رات دہرے خطرات منہ کھولے کھڑے ہیں۔ را کے دو آدمی شہر میں مہلک بم لیے گھوم رہے ہیں اور بلیک کیٹس تمہاری گھات میں آنے والے ہیں۔"
"یہ منصوبہ بندی نہیں، سراسر اتفاق ہے۔ میں سروے کے لیے آنے والی لڑکی کو گھر میں نہ لے جاتا تو شاید یہ بات اتنی آگے نہ بڑھتی۔ سروے فارم پر ویرا کے لکھے ہوئے جوابات کو وہ خبیث اپنے لیے چیلنج تصور کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا رکنا مشکل ہو جائے گا۔"
"وہ لڑکی اور اسے لانے والی گاڑی بھی مشتبہ ہے۔ ان کی تلاش شروع ہو جانی چاہیے۔"
"لڑکی کو بھول جاؤ۔ وہ مظلوم اور حالات کی ستائی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ نوکری کرنے والوں کو بسا اوقات سرے سے علم ہی نہیں ہو پاتا کہ ان کا آجر ان سے کیا کام لے رہا ہے۔ گاڑی کو میں نے دور سے دیکھا تھا۔ شہر میں سرخ رنگ کی سیکڑوں سوزکی پک اپس موجود ہوں گی۔ تم کس کس کو دیکھو گے۔"
"جب سے میرے ذہن میں یہ نظریہ راسخ ہوا ہے، مجھے اپنے پیچھے آنے والی ہر گاڑی پر شبہ ہو رہا ہے کہ کہیں وہ میرا پیچھا نہ کر رہی ہو۔"
"احتیاط بہت اچھی چیز ہے لیکن اس وہم کو ذہن سے نکال دو۔" میں نے نرم الفاظ میں اسے مشورہ دیا ورنہ میں حقیقت میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اول خان شاید اپنی زندگی میں پہلی بار اس قسم کے کسی گمنام حملے کی زد میں آیا تھا جس کے نتیجے میں اس کی خود اعتمادی مجروح ہوئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی بھی درجے کے مجرم اسے یوں راہ چلتے اپنی گولی کا نشانہ بنائیں گے اور فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اسے دوسرا ذہنی دھچکا اپنی سوچ سے پہنچا تھا۔ وہ کسی بھی بات کے بارے میں پریقین نہیں تھا لیکن یہ نکتہ اس کے دماغ میں بیٹھ گیا تھا کہ نامعلوم حملہ آور اسے زخمی کر کے اس کے کسی ٹھکانے کی طرف ہانکنا چاہتے تھے تاکہ اس کا پیچھا کر کے اس ٹھکانے کا سراغ لگا سکیں۔ وہ آغا خان اسپتال کے قریب حملے کا شکار ہوا تھا۔ اس کے پاس بہترین متبادل تھا کہ وہ بھرپور طبی امداد کے لیے اس سڑک پر واقع دو بڑے اسپتالوں میں سے کسی ایک سے رجوع کرتا۔ یوں حملہ آور اپنے مقصد میں ناکام ہو سکتے تھے مگر اول خان نے زخمی ہونے کے بعد متبادل راہ اختیار کرنے کے بجائے وہی کچھ کیا جو اس کے دشمن چاہ رہے تھے اور وہ انہیں اپنے پیچھے لگا کر ہمارے گھر تک لے آیا۔
"یہ اول خان کے وہم ہیں۔ وہ اپنے اوپر ہونے والے فائر کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہا ہے۔" پورا پس منظر سن کر غزالہ نے اپنی رائے دی۔
"میں تم سے متفق ہوں۔" ویرا نے گرمجوشی سے اس کی ہم نوائی کی۔ "اول خان اس بارے میں بہت زیادہ سوچ رہا ہے۔ منفی باتوں پر زیادہ غور کرنے سے آدمی مایوسانہ سوچ کا شکار ہو جاتا ہے۔ میں ان باتوں کو زیادہ اہمیت نہیں دوں گی۔"
"شاید میرا رویہ بھی یہی ہوتا لیکن کچھ دیر پہلے آنے والی پراسرار سرویر، اول خان کے خدشات کو تقویت دے رہی ہے۔" میں نے کہا۔
"وہ کون تھی؟ اس کا کیا چکر ہے.... تم دونوں نے ہمیں اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" سلطان شاہ بولا۔
"وہ ایک ڈراما تھا۔ ایک فراڈ لڑکی یہاں آئی تھی۔ میں نے اسے دروازے سے ہی بھگا دیا۔" ویرا نے اختصار سے ذکر کر کے بات کو ٹالنا چاہا لیکن کامیاب نہیں ہو سکی۔ ان دونوں کے اصرار پر اس نے وہ واقعہ دہرا دیا.... وہ اتنی سمجھ دار تھی کہ اس نے اپنی ساری تلخ کلامیاں حذف کر دی تھیں۔
"ایسا کبھی نہیں ہوا۔" غزالہ سوچتے ہوئے بولی۔ "دونوں الگ الگ واقعات ہیں۔ اول خان کو اس لڑکی کی آمد کا علم نہیں تھا۔ یہ ٹائمنگ خطرے کی نشان دہی کر رہی ہے۔"
"خطرات ہو سکتے ہیں مگر وہ اتنے سنگین نہیں ہوں گے جتنے اول خان کو نظر آ رہے ہیں۔" ویرا بولی۔
"میری رائے مختلف ہے۔ میں آج کی رات اس گھر سے باہر بسر کرنے کو ترجیح دوں گا۔" میں نے دھیرے سے کہا۔
"اگر دہلی سے نکلنے والی افواہیں درست ہیں تو وہاں سے صرف دو آدمی آئے ہیں۔ وہ کتنے ہی تیز و طرار ہوں، مداری یا جادوگر نہیں ہو سکتے کہ یہاں اپنا پٹارا کھولتے ہی ہر طرف اپنی کارگزاریاں دکھانی شروع کر دیں۔ انہیں یہاں جمنے اور اپنے ہاتھ پھیلانے میں کچھ نہ کچھ وقت لگے گا۔"
"اول خان کو خبر آج ملی ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ آج

ہی آئے ہوں۔" میں نے اپنی بات آگے بڑھائی "ہماری بے خبری میں وہ نہ جانے کب سے یہاں آئے بیٹھے ہیں اور خاموشی سے اپنا کام کر رہے ہیں۔ افواہیں فوری طور پر جنم نہیں لیتیں۔ اس میں وقت لگتا ہے۔"

"ڈینی! حقیقت پسندی سے کام لو۔ وہ یہاں اجنبی ہیں۔ رازداری کی وجہ سے اپنے ساتھیوں اور سفارتی افسروں سے الگ تھلگ رہ کر کام کر رہے ہیں۔ اتنی تیزی کیسے دکھا سکتے ہیں۔" ویرا نے ناصحانہ لہجے میں کہا "انہوں نے اول خان کو زخمی کر کے اس کا پیچھا کیا پھر تھوڑی دیر بعد کرائے کی ایک لڑکی کو یہاں بھیج دیا۔ انہیں سرخ پک اپ والے کو بھی خریدنا پڑا ہوگا۔ اجنبی باشندے ایک حریف ملک میں پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے ہیں۔ اتنی سرعت سے پیش قدمی نہیں کرتے۔"

"تم بھول رہی ہو کہ وہ نک، ٹام یا بن ڈیوڈ نہیں ہیں۔ بھارتی شہری ہیں۔ ہمارے اور ان کے خدوخال مشترک ہیں۔ وہ مقامی پہناوا اختیار کرلیں تو انہیں شناخت کرنا مشکل ہوگا۔ امریکیوں کے برعکس وہ باہر نکل کر اپنا کام کر سکتے ہیں۔ کوئی ان پر شبہ نہیں کرے گا۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے وہ دل کھول کر پیسہ خرچ کر رہے ہوں گے۔ سوزوکی والے کو کیا علم ہوگا کہ وہ لڑکی کو لے کر کیا کرنے جا رہا تھا۔ معقول کرایہ ملنے کی امید پر وہ ان کا آلہ کار بن گیا۔ اسی طرح وہ لڑکی تھی۔ اسے اپنے ہزار دو ہزار روپے کی فکر تھی۔ اسے کیا پڑی تھی کہ وہ سروے کے مقاصد پر غور کرتی۔ یہ آج کل کا رواج ہے کہ بہت سے ادارے پڑھے لکھے لڑکوں لڑکیوں کے ذریعے براہِ راست صارفین سے رابطے کو ترجیح دیتے ہیں۔ زیادہ مشاہرے پر عارضی نوکریاں دیتے ہیں، ہدف پورا ہونے پر چھٹی کر دیتے ہیں۔ اس آڑ میں کسی کے لیے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔" اس بار میں نے اپنا نکتہ نظر ذرا تفصیل سے بیان کر دیا۔

"یہ سب سے اہم بات ہے کہ وہ امریکیوں کی طرح مختلف ہیں اور نہ ہماری زبان سے نابلد ہیں۔ یہ دونوں باتیں ان کے حق میں جاتی ہیں۔" سلطان شاہ نے اقرار کیا۔

"مل گئے پھر تم ڈینی سے!" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"یہ محاذ آرائی کی بات نہیں ہے۔" میں نے اسے ٹوکا "ہمیں مل جل کر کسی نتیجے پر پہنچنا ہے۔"

"دیکھو۔۔۔ تم اس لڑکی کے فریب میں آگئے تھے۔ اسے میں نے ڈانٹ پھٹکار کر بھگا دیا تھا۔ میں تمہاری ہاں میں ہاں ملا کر سارا کریڈیٹ خود لے سکتی ہوں مگر میری عقل یہ بات ماننے سے قاصر ہے کہ وہ دو عدد بھارتی یہاں آکر فوراً نہ سہی تو دو چار روز میں اتنے ہاتھ پھیلا سکتے ہیں۔"

"پھر بھی ہمیں رسک نہیں لینا چاہیے۔" میں نے اصرار کیا۔ بحث کو طول دینے کے بجائے میں کسی فیصلے پر پہنچنا چاہ رہا تھا۔

"میں یہ ہرگز پسند نہیں کروں گی کہ ایک دور از کار امکان سے خوف زدہ ہو کر ہم اپنی ساری رات گاڑی میں اونگھ کر بسر کر دیں۔ اور مچھر ہمارے جسموں کو بھنبھوڑتے رہیں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر آخری رائے سنا دی۔ "اگر ان کو آنا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ آج ہی ادھر کا رخ کرلیں۔ وہ اپنا پروگرام کل، پرسوں یا چند روز کے لیے ملتوی کر سکتے ہیں۔ کیا ہم ان کے آنے تک اپنی راتیں یوں ہی گاڑی میں بیٹھ کر کالی کرتے رہیں گے۔"

میں نے پورے تحمل سے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیا۔ جب وہ فاتحانہ انداز میں بات مکمل کر کے خاموش ہوئی تو میں نے رسانیت سے کہا "میں ان سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ تم نے شاید میری اور اول خان کی گفتگو پر دھیان نہیں دیا۔ کسی متوقع محاذ آرائی کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کا ایک اسٹرائیک یونٹ ہمارے گھر کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ باہر ایک مرتبہ تصادم شروع ہو گیا تو ہم گھر میں محصور ہو کر رہ جائیں گے باہر نکل کر مقابلے میں شریک نہیں ہو سکیں گے۔ اگر وہ آتے ہیں تو میں انہیں اپنے ہاتھوں سے فنا کرنا چاہوں گا۔"

"بہتر یہی ہے کہ ہم خاموش تماشائی بنے رہنے کے بجائے خود بڑھ کر مقابلہ کریں۔" سلطان شاہ نے میری تائید کی۔

"تم تینوں کے گٹھ جوڑ کے سامنے میں بے بس ہوں۔ جو چاہو کرتے رہو۔" ویرا نے ہتھیار ڈال دیے۔

ویرا کی اکثر حرکتیں اشتعال آور ہوتی ہیں۔ دوسروں کے ساتھ وہ ہمیشہ بہت مہذب اور شائستہ پیرایے میں بات کرتی تھی، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں لیکن جب ہم چاروں آپس میں مل کر بیٹھتے تھے تو اس کا لب ولہجہ بالکل مختلف اور ناقدرانہ ہو جاتا تھا۔ اس نے میری تجویز کی کھل کر مخالفت کی تھی لیکن آخر میں اس نے جن الفاظ اور جس انداز میں پسپائی اختیار کی تھی وہ ترحم انگیز تھے۔ مجھے خواہ مخواہ اس پر ترس آنے لگا۔

"یہ بات صحیح ہے کہ ہم گاڑی میں راتیں گزار کر غیر معینہ مدت تک ان کا انتظار نہیں کر سکتے۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میں نے زبان کھولی تو اپنے موقف کی تائید سن کر ویرا کا چہرہ کھل اٹھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم بلاوجہ مجھے غصہ دلانے کی کوشش

کر رہے ہو۔" ویرا نے شوخ آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر کہا اور میں نے بوکھلا کر نظریں دوسری طرف پھیر لیں۔ اس وقت ویرا کی نگاہوں میں تخلیے والے موڈ کا تسلسل نظر آ رہا تھا جو غزالہ آسانی سے پڑھ سکتی تھی۔

"ہم گھر میں رہ کر ان کی آمد کا انتظار کریں گے۔" میں نے دانستہ سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "وہ اناڑی نہیں ہیں کہ کسی خطرے کی پروا کیے بغیر، ہمارے گھر پر اندھا دھند چڑھائی کر دیں۔ وہ آنے سے پہلے یہاں کے گرد و پیش کا جائزہ لیں گے تو انہیں مطلع ابر آلود نظر آئے گا۔ اسٹرائیک یونٹ والے کیسی ہی احتیاط کر لیں، ان کی موجودگی محسوس کر لی جائے گی۔"

"ایسی صورت میں وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔" میرا فقرہ مکمل ہوتے ہی ویرا بول پڑی۔

"میں یہی کہنا چاہ رہا تھا۔ کسی پھندے میں پھنسنے کے بجائے وہ انتظار کو ترجیح دیں گے...."

"مجھے ایک بات بتاؤ۔" ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "وہ یہاں کیوں آئیں گے؟ انہوں نے صرف یہ گھر دیکھا ہے۔ انہیں کیا معلوم کہ یہاں کون رہتا ہے۔ زخمی ہونے کے بعد اول خان کسی بیت الخلا کا رخ کرتا تو کیا وہ اسی پر ٹوٹ پڑتے؟"

"یہاں رہنے والوں کی جانچ پڑتال کے لیے انہوں نے ایک لڑکی کو سرویئر بنا کر بھیجا تھا۔" غزالہ نے اسے یاد دلایا۔

"وہ لڑکی کوئی تیر مارے بغیر لوٹ گئی۔ ہم اس کی وجہ سے کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔" ویرا نے اسی سے پوچھا۔

"وہ تمہیں دیکھ کر گئی ہے۔ پاکستان میں اس وقت روانی سے اردو بولنے والی ایک ہی امریکی عورت موجود ہے اور وہ تم ہو، سرویئر لڑکی نے کچھ اور کیا ہو یا نہ کیا ہو، یہ تیر ضرور مارا ہے۔ بلیک کیٹس اسی ایک بات سے یہ سمجھ لیں گے کہ اس گھر میں تم رہتی ہو۔ تم یہاں ہو تو ڈینی بھی یہاں ہو گا۔ وہ اس گھر کو اہمیت دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔" سلطان شاہ نے کہا۔ وہ نکتہ میرے ذہن میں بھی چکرا رہا تھا۔

"میری عقل زیادہ کام کر رہی ہے یا پھر تم تینوں کی عقلیں چوپٹ ہو گئی ہیں۔ اس لڑکی کو تم نے نہیں دیکھا۔ میں نے اور ڈینی نے اسے دیکھا تھا۔ وہ اتنی ذہین ہوتی کہ صورت دیکھ کر کسی کی قومیت کا اندازہ لگا سکے تو کسی ڈھنگ کی جگہ نوکری کر رہی ہوتی، یوں ماری ماری نہ پھرتی۔ میرے چہرے پر کہیں یہ نہیں لکھا ہوا کہ میں امریکی ہوں۔"

"تو پھر تم کیا ہو؟" سلطان شاہ اس سے اڑ گیا۔

"قمیص شلوار پہن کر اردو بولنے والی ہر سفید فام عورت امریکی نہیں ہوتی۔ تمہارے ملک کے شمالی علاقوں میں سرخ و سفید، گورے چٹے اور دراز قامت لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ میں نے وہاں چادروں میں لپٹی ہوئی، نیلی آنکھوں والی ایسی ایسی حسین عورتیں دیکھی ہیں، جو مجھ سے بڑھ کر خوب صورت ہیں...."

"ویرا پلیز!" سلطان شاہ نے بے صبری سے اس کی بات کاٹ دی "ذرا اپنی غلط فہمی کی تصحیح کر لو۔ میں نے تمہیں حسین ہرگز قرار نہیں دیا۔ تمہارے رنگ روغن کی وجہ سے تمہیں امریکی کہہ رہا تھا۔"

ویرا اسے قہربار نظروں سے گھور کر رہ گئی اور کسی نئی بحث میں پڑے بغیر قدرے تیزی سے بولی "میں بھی صرف یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ وہ سرویئر کوئی عاقلہ فاضلہ نہیں تھی۔ مجھ سے بات کر کے مجھے پٹھانی عورت سمجھی ہو گی۔ تم لوگ بلاوجہ اپنی داڑھی کا تنکا ٹٹول رہے ہو۔"

"ہر مرد اور عورت کو اپنے بارے میں خوش فہم رہنے کا حق حاصل ہے لیکن یہ خوش فہمی معقول حدود میں رہنی ضروری ہے۔" سلطان شاہ نہایت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا "تم حسن کا کوئی معیار نہیں ہو۔ ہمارے ملک کے بہت سے حصوں میں ایسی ایسی حسین عورتیں پائی جاتی ہیں جو..."

"بس! میں نے بات کاٹ کر سختی سے اسے خاموش کر دیا۔" اس وقت ہم ایک سنجیدہ موضوع میں الجھے ہوئے ہیں۔ یہ وقت فضول باتوں کا نہیں ہے۔"

سلطان شاہ نے شرارت بھری نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا اور اپنے کان کی لو سہلاتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"اگر ان بلیک کیٹس میں ذرا سی بھی عقل ہے تو وہ کسی سنی سنائی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کریں گے۔" ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "اگر میری قومیت کے بارے میں کوئی مشتبہ بات ان کے سامنے آئی تو وہ خود اس کی چھان بین کریں گے۔ اس کے بعد کوئی قدم اٹھائیں گے۔"

باہمی تبادلہ خیال میں گرہیں کھل رہی تھیں، ابہام دور ہو رہے تھے اور حالات کی سنگینی میں نمایاں کمی کا احساس ہونے لگا تھا۔

یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ سروے کرنے والی لڑکی ہمارے گھر میں کسی خاص بات کی تصدیق کرنے نہیں آئی تھی۔ اول خان کے تعاقب کے نتیجے میں اگر ہمارا گھر ان کی نظروں میں آ گیا تھا تو انہوں نے اس لڑکی کو محض عمومی جانچ پڑتال کے لیے بھیجا ہو گا۔ کمپیوٹر پر ذرا سی دیر میں کچھ فرضی سروے فارم تیار کرنا مشکل کام نہیں تھا۔ اپنے مطلب کے فارم تیار کر کے انہوں نے معقول معاوضے پر لڑکی کی خدمات حاصل کیں اور اسے ہماری طرف بھیج دیا۔

وہ جس چھان بین کا ارادہ لے کر آئی تھی اس پر ویرا

نے پانی پھیر دیا۔

"ہم دونوں زیادہ دیر کے لیے باہر نہیں رہے تھے پھر وہ لڑکی کب آئی تھی؟" غزالہ نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ بار بار ویرا کی تیکھی اور شوخ نظروں کا جائزہ لے رہی تھی اور اس کی طرف سے کچھ بے آرام سی ہو رہی تھی۔

"وہ آٹھ بجے کے قریب آئی ہوگی۔ میں نے چند منٹ میں اسے چلتا کر دیا۔" ویرا نے بتایا۔

"اس وقت جلال بھی یہاں موجود رہا ہوگا؟" غزالہ نے تصدیق چاہی۔

"وہ جا چکا تھا۔ اس وقت گھر میں صرف ہم دونوں رہ گئے تھے۔"

"ہوں... اوں!" غزالہ نے سرہلا کر معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا پھر دوبارہ ویرا کی طرف متوجہ ہوگئی "میں یہ سوچ کر باز آ گئی تھی کہ وہ کچھ دیر کے لیے تم دونوں کا ساتھ دے گا مگر وہ جلدی چلا گیا۔ وہ آیا تو دیر تک بیٹھنے کے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔"

ویرا کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ غزالہ کے ذہن میں کچھ شکوک و شبہات کلبلا رہے تھے۔ اس نے جواب دیا "وہ عجلت میں تھا۔ ہم نے کھانے کے لیے روکنا چاہا مگر وہ نہیں رکا۔ ایم ففٹی لینے کے لیے آیا تھا وہ لیا' کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کیں اور چلا گیا۔"

"کمال ہے۔ ذرا سی دیر میں وہ چلا گیا' لڑکی آئی اور وہ بھی چلی گئی۔ ہم زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے باہر رہے ہوں گے!" اس نے سلطان شاہ سے تصدیق چاہی۔

ایسے مواقع پر سلطان شاہ شرپسندی سے نہیں چوکتا تھا۔ اس نے سرہلا کر پورے خلوص سے غزالہ کی تائید کر ڈالی "ہمیں تیس پینتیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے ہوں گے۔ جلال چلا گیا تھا۔ یہ دونوں گھر میں اکیلے رہ گئے تھے۔ سر جوڑ کر دنیا کی بے ثباتی پر غور کر رہے ہوں گے کہ لڑکی نے آ کر رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔ ویرا کا غصہ فطری تھا۔ غنیمت ہے کہ اس نے مداخلتِ بے جا کے الزام میں اس کے سر پر جوتے نہیں لگائے اور اسے محض دھتکار کر گھر سے بھگا دیا۔"

"کھل کر کہو کہ تم کیا بکنا چاہ رہے ہو!" ویرا اس پر آنکھیں نکال کر غرائی۔

"ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ جلال کے جانے کے بعد تم گھر میں تھیں' لڑکی کو جانا ہی تھا۔" اس بار سلطان شاہ محتاط ہو گیا۔

"اور ابھی ڈینی کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے۔"

"میں کیا کہوں گا۔ تم نے خود بتایا تھا کہ لڑکی جلال کے جانے کے بعد آئی تھی۔"

"غلط فہمیاں پیدا نہ کرو۔ ڈینی پھاٹک پر جلال کو الوداع کہہ رہا تھا تو وہ لڑکی آ ئی۔ ڈینی اسے اندر لے آیا۔ میں نے اسے بھگا دیا اور قصہ ختم۔"

"اوہو۔ اب سمجھا پھر تو لڑکی کو بھگانے کے وقت سے تم دونوں ایک دوسرے سے خاصی دیر تک بور ہوتے رہے ہو گے!" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔ چبا چبا کر باتیں کر رہے ہو اور غزالہ کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو رہا ہے۔ تم بلاوجہ کیوں دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کر رہے ہو!"

"میں شکوک و شبہات پیدا کر رہا ہوں!" اس نے حیرت سے کہا "مجھے تو تم دونوں کی تنہائی اور بوریت پر رحم آ رہا ہے۔"

"میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش نہ کرو۔ تم غزالہ کو کوئی ذو معنی بات باور کرانا چاہ رہے ہو۔"

"توبہ توبہ' میری توبہ!" سلطان شاہ نے دونوں کان تھام کر ہولے سے اپنے گالوں کو چھوا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میری یہ مجال کہ میں ایسی کوئی حرکت کروں۔ اگر تم خود ہی اپنی داڑھی میں کوئی تنکا تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہو تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔"

ویرا نے اپنی جگہ چھوڑنے کی کوشش کی تھی لیکن سلطان شاہ اس کا ارادہ تاڑ کر بلا تاخیر ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

"وہ بہت معصوم اور سادہ لوح ہے۔" غزالہ نے ویرا سے کہا "تم بلاوجہ اس کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔"

"تم نے سنا نہیں کہ وہ کیسی زہریلی باتیں کر رہا تھا۔ تم اسے معصوم کہہ رہی ہو۔"

"اس کی باتیں تمہیں بری لگتی ہیں۔ مجھے ان باتوں پر پیار آتا ہے۔"

"یہ بات تم کہہ سکتی ہو کیونکہ اس نے تمہیں اپنی منہ بولی بہن بنایا ہوا ہے۔ میں اتنی بدذوق نہیں ہوں کہ اس کے لیے ایسے الفاظ استعمال کر سکوں۔"

"ابھی تم پاکستان کے شمالی علاقوں میں رہنے والوں کی تعریف کر رہی تھیں۔ وہ ان ہی اطراف کا رہنے والا ہے۔"

"پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ ان میں برے بھلے لوگ بھی ہیں۔" ویرا نے بیزاری سے کہا اور اٹھ گئی۔

"آیئے! ہم بھی کچھ دیر کے لیے اپنے کمرے میں ستا لیں۔" غزالہ نے میرا ہاتھ تھام کر کہا اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس وقت میں نے اس کی آنکھوں میں اس کے دل کی

تحریر پڑھ لی تھی۔ وہ بہت ذہین لڑکی تھی۔ اس نے مجھ سے کوئی شکوہ نہیں کیا تھا لیکن اس کے دل میں شک کا بیج نمو پا چکا تھا۔ وہ خواب گاہ کی خلوت میں میرے قریب ہو کر یہ یقین کر لینا چاہتی تھی کہ میرے بدن میں کسی اور کے وجود کی مہک تو نہیں رچی ہوئی تھی۔

خواب گاہ کا دروازہ بند کر کے غزالہ نے اندر سے بولٹ کیا اور والہانہ انداز میں میرے سینے سے آ لگی۔ وہ نہایت چاہت بھرے انداز میں اپنا چہرہ میرے سینے اور شانوں سے رگڑ رہی تھی۔ اس کے تنفس کی بڑھی ہوئی اور ناہموار رفتار چغلی کھا رہی تھی کہ اس کے سانس کسی اجنبی خوشبو کی تلاش میں تھے۔

○☆○

اگلے دن جلال سرسری انداز میں وہی خبر لے آیا۔ اس نے بھی دہلی میں پھیلی ہوئی افواہ کے حوالے سے وہ خبر سنائی تھی۔

جلال نے اس خبر یا افواہ کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ دہلی میں را کے رسوائے زمانہ افسروں کی خوں ریزی کے نتیجے میں را کے عملے میں جو بد دلی اور مایوسی پیدا ہوئی تھی' اس کا ازالہ کرنے کے لیے را کے بڑوں نے جان کر وہ افواہ اڑائی تھی تاکہ ان کے پست حوصلوں کو سہارا مل سکے۔

میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ پچھلی رات ہمارے لیے وہ افواہ یکایک کس قدر گرما گرم موضوع سخن بن گئی تھی۔ رات خیریت سے گزر جانے کے بعد میرے ذہن میں اس لڑکی کی اہمیت بھی ماند پڑ گئی تھی جو چائے نوشی کے سروے کے بہانے ہمارے گھر آئی تھی۔ میں نے جلال سے اس کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ اسی کے انداز میں اسے اتنا ضرور بتا دیا کہ دہلی میں اڑی ہوئی افواہ پچھلی رات ہی اول خان کے کانوں تک پہنچ چکی تھی۔

"میرے لیے سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ کل فریر پارک کے دھماکے کے بعد پورے شہر سے کہیں پٹاخہ چھٹنے کی بھی خبر نہیں آئی۔ ہر طرف سکون رہا۔" اس نے اطلاع دی۔

"شہر میں کیے گئے غیر معمولی حفاظتی انتظامات نے ان کے حوصلے پست کر دیے ہوں گے۔" ویرا نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"حفاظتی انتظامات سے زیادہ حوصلہ شکن نمبرون اور تھری کا انجام تھا۔ ایسے عبرت اثر مناظر انسان کو زندگی بھر بھلائے نہیں بھولتے۔" میں نے کہا۔

"سبب کچھ بھی رہا ہو' مجھے خوشی ہے کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز رہے۔"

"ان کی خاموشی پر بن کا پارا بہت چڑھا ہوا ہوگا۔" میں نے محظوظ ہوتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔

"وہ خونی بھیڑیا ہے' غصے سے پاگل ہو رہا ہوگا۔ مجھے حیرت ہے کہ کل سے ایم ففٹی خاموش ہے۔ اسے ان دونوں کو لعن طعن تو کرنی چاہیے تھی۔"

"چاہو تو تم رابطہ کر کے اسے چڑا دو کہ را والوں نے اس کا نام ڈبو دیا ہے۔" ویرا مجھ سے بولی۔

"سوتے ہوئے آدم خور کا سوتے رہنا ہی ٹھیک ہے۔ ہماری طرف سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں ہونی چاہیے۔" جلال جلدی سے بول پڑا۔

"اس وقت تم ادھر کیسے نکل آئے۔ کل شام تو تم ہوا کے گھوڑے پر سوار تھے۔" غزالہ نے اس سے پوچھ لیا۔ اس کے جلد واپس چلے جانے کا واقعہ اس کے ذہن پر سوار تھا۔ جلال روبرو آ گیا تھا تو غزالہ نے وہ بات صاف کرنے کا موقع پیدا کر لیا تھا۔

"میں کراچی میں ناگزیر مجبوریوں کے تحت رکتا ہوں۔" جلال نے بتایا "کل شام مجھے کئی ضروری کام نمٹانے تھے۔ میں تمہارا پکایا ہوا کھانا چکھنے کے لیے بھی نہیں رک سکا۔"

غزالہ کے چہرے پر طمانیت کی ایک ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ جلال کی واپسی میں ویرا کی کسی سازش کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس نے جلال سے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا "آج تمہیں جانے کی عجلت نہ ہو تو دوپہر کا کھانا کھا کر جانا۔ میں گردوں کا سالن بنا رہی ہوں۔"

"ویری گڈ۔" اس نے خوش ہو کر چٹکی بجائی "مغز اور گردے میری کمزوری ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر ڈالی اور چند ثانیوں کے توقف کے بعد دوبارہ بولا "آج میں ذرا فرصت سے آیا ہوں۔ دو بجے تک بالکل فارغ ہوں۔ اس وقت سے پہلے کھانا تیار ہو جائے تو ضرور کھا کر جاؤں گا۔"

غزالہ خوش ہو گئی "میں ایک بجے میز لگا دوں گی۔"

"حالات نارمل ہوں تو میں ایک ڈیڑھ بجے تک لنچ کرتا ہوں۔ صبح سات بجے ناشتا کرنے کے بعد بھوک ذرا جلدی چمک اٹھتی ہے۔" اس نے بتایا اور غزالہ اسی وقت اٹھ کر کچن کی طرف چل دی تاکہ کھانے کی تیاری کے عمل کو کچھ تیز کر سکے۔

"مرنے والوں کی لاشوں کی شناخت کا کیا بنا؟" ویرا نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"چوپڑا نے مردہ خانے میں پڑی ہوئی' اپنے آدمی کی بے گور و کفن لاش کا چہرہ پہچان لیا۔ وہ تڑپا بھی تھا۔ اب را جو اور

سیٹھی باقی رہ گئے ہیں۔"
"ان میں سے کس کا کیا نمبر ہے؟" ویرا پھر پوچھ بیٹھی۔
"چوہڑا اس سسٹم سے لاعلم ہے۔ نمبروں کا سسٹم شاید اس کی گرفتاری کے بعد رائج ہوا ہے۔ پہلے وہ اپنے ناموں سے ہی بن ڈیوڈ کے لیے کام کرتے تھے۔"
"اب ان لاوارث لاشوں کا کیا بنے گا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔
"کوئی دعوے دار سامنے آئے گا تو انہیں سمیٹ کرلے جائے گا ورنہ وہ لاشیں ایدھی کے حوالے کردی جائیں گی۔"
"وہ غیر قانونی طور پر سرحد پار کرکے آئے تھے۔ ان کا کوئی دعوے دار سامنے نہیں آئے گا۔ وہ آخر کار ایدھی والوں کے سر پڑیں گی۔" میں نے کہا۔
"ایدھی والے مسلمان ہیں۔ وہ ان کی تدفین اپنے طریقے سے کریں گے۔" سلطان شاہ بولا۔
"مجبوری ہے۔ انہیں کیسے بتایا جاسکتا ہے کہ مرنے والے را کے ہندو ایجنٹ ہیں۔ وہ لاوارث ہیں اور لاوارث ہی رہیں گے۔"
"کیا ان کو بتانے یا نہ بتانے سے کوئی فرق پڑے گا؟" سلطان شاہ نے حیرت سے سوال کیا۔
"وہ انسانوں کی فلاح کے لیے کام کرتے ہیں۔ مرنے والوں کا مذہب اور مسلک معلوم ہو تو پورے احترام سے ساری رسوم پوری کرتے ہیں جن مردوں کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو ان کو اسلامی طریقے سے دفن کردیا جاتا ہے۔" ویرا نے وہ وضاحت کرکے مجھے حیران کردیا۔
"تم ان لوگوں کے بارے میں خاصی باخبر معلوم ہوتی ہو۔" میں نے حیرت سے کہا۔
"میں نے امریکا میں ان پر ایک جامع مضمون پڑھا تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ جملہ انسانوں کی فلاح کے لیے کام کرتے ہیں۔" مجھے جواب دے کر ویرا یکایک جلال کی طرف متوجہ ہوگئی اور داہنے ہاتھ کا انگوٹھا نکال کر ہونٹوں کی طرف لے جاتے ہوئے بولی "فرصت سے آئے ہو تو میرے کمرے میں چلو۔ بعد میں گردے کھانے کا مزہ آجائے گا۔"
"میں قانون کے سخت ترین نفاذ کا علم بردار ہوں، نجی زندگی میں بھی قانون کا احترام کرتا ہوں۔ یہاں مسلمانوں کے لیے شراب خلافِ قانون ہے۔ میں اس سے دور رہتا ہوں۔" جلال نے مکمل ترین جواب دے کر بہت شائستہ انداز میں ویرا کی پیش کش رد کردی۔ "ویسے میں تمہارا کمرا ضرور دیکھوں گا۔ سنا ہے کہ اسے تم نے اپنے ذوق کے مطابق سجایا ہے۔"
ہم چاروں اٹھ کر ویرا کے کمرے کی طرف چل دیے۔

سلطان شاہ کو معلوم تھا کہ گردے پکنے کی نوید سن لینے کے بعد ویرا پینے سے باز نہیں آئے گی اس لیے وہ ویرا کے کمرے کے دروازے سے واپس لوٹ گیا۔ ہم دونوں ویرا کی رہنمائی میں اندر پہنچ گئے۔
اپنی مجبوریوں اور رازداری کی وجہ سے ہم گھریلو کام کاج کے لیے کوئی ملازم نہیں رکھ سکتے تھے اس لیے ہر ایک اپنے کمرے اور سامان کی دیکھ بھال خود ہی کرتا تھا۔ ویرا کا آراستہ، سمٹا ہوا اور صاف ستھرا کمرا دیکھ کر جلال کی طبیعت خوش ہوگئی۔
"خوش شکل لوگ اگر بدذوق نکلیں تو بہت کوفت ہوتی ہے۔ تم ایسی نہیں ہو۔" جلال نے نہایت خوب صورتی سے ویرا کے حسن کی تعریف کرنے کی راہ نکال لی۔
"اس دہری تعریف کے لیے میں تمہاری ممنون ہوں۔" ویرا چوکنے والی نہیں تھی "تھوڑی دیر پہلے سلطان شاہ کی رائے تھی کہ میں کسی تعریف کے قابل نہیں ہوں۔"
"اس کی شکایت اسی کے سامنے کرتیں تو میں کوئی جواب دیتا۔ اس وقت میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" جلال کا جواب بہت درست اور تیکھا تھا۔
"میں بھی اس کی غیبت نہیں کررہی۔ پس پشت میں محتاط رہتی ہوں۔ منہ در منہ اسے بہت کچھ کہہ جاتی ہوں۔" ویرا نے گیند واپس اچھالنے میں ذرا سی بھی تاخیر نہیں کی۔ اس کی خوبی یہی تھی کہ وہ بات زبان سے نکلتے ہی اس کی تہ تک پہنچ جاتی تھی۔
ویرا نے جلال سے اجازت لے کر جن کی بوتل کیبنٹ سے نکال کر تپائی پر رکھی تو جلال کو اپنا ایم ففٹی یاد آگیا۔ اس نے اپریٹس اپنی جیب سے نکال کر بوتل کے برابر میں کھڑا کردیا "اسے بھی سامنے رہنا چاہیے۔ پتا نہیں یہ کب بولنا شروع کردے۔"
"تم نے اس کی آواز کم کی ہوئی ہے۔" ویرا نے اپنا گلاس تیار کرتے ہوئے جلال سے پوچھا۔
"بات شروع ہوگی تو آواز بڑھادوں گا۔ غیر ضروری اور مسلسل ریڈیائی شور تمہارے سرور میں خلل انداز ہوگا۔"
"پیتے نہیں لیکن پینے کے رموز جانتے ہو۔" ویرا نے اپنا کام پورا کرکے بوتل بند کرتے ہوئے کہا۔
"تم جیسے دوستوں سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔" ویرا کے کمرے میں پہنچتے ہی موضوعِ سخن یکسر تبدیل ہوگیا تھا۔
میرے دل میں کئی بار آئی کہ رات کو رونما ہونے والی اعصابی صورت حال کے بارے میں اسے کچھ نہ کچھ بتادوں لیکن میں زبان نہیں کھول سکا۔ صرف قیاسات پر مبنی وہ

خطرات اتنے موہوم تھے کہ میں ان کے ذکر میں اپنی سبکی محسوس کررہا تھا۔
''اول خان کے زخم کا کیا حال ہے؟'' جلال کا دھیان اچانک ادھر چلا گیا۔
''بہت بہتر ہے۔ زخم کے مندمل ہونے کی رفتار سے شبہ ہورہا ہے کہ وہ قاتلانہ حملہ نہیں تھا۔ کوئی اس کو زخمی کرکے خوف زدہ کرنا چاہتا تھا۔'' میں نے محتاط لب و لہجے میں کہا۔
''گولی چلانے والے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کئی محاذوں کا آزمودہ افسر ہے۔ جس نے محاذ جنگ پر موت سے آنکھ مچولی کھیلی ہو وہ ایک آدھ گولی سے کیا خوف زدہ ہوگا۔''
جلال نے خود بات آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی اور میں نے بھی خاموشی اختیار کرلی۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اس بارے میں بات آگے بڑھتی تو میں جلال کو اتنا اشارہ ضرور دے دیتا کہ اول خان کو پچھلے روز اپنے تعاقب کا اندیشہ تھا مگر وہ نوبت آنے سے پہلے بات ختم ہوگئی۔
''تم نے کبھی کسی سے عشق کیا ہے؟'' ویرا نے اچانک جلال سے وہ ٹیڑھا سوال کیا تو میں چونک پڑا۔ بے اختیار میری نظریں اس کے گلاس کی طرف گئیں۔ اس نے جن اور ٹانک واٹر کے مرکب کا صرف ایک آدھ گھونٹ لیا تھا جو اونٹ کے منہ میں زیرے کے مترادف تھا۔ اس سے ویرا کو نشہ نہیں ہوسکتا تھا۔
''میں نے شادی کے بعد اپنی بیوی سے عشق کیا ہے۔'' جلال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''مجھے اس سے زیادہ تجربہ نہیں ہے۔''
''یہ عجیب شے ہے۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ ''ڈینی نے پہلے عشق کیا پھر شادی کرلی۔''
''کس سے عشق لڑایا تھا تم نے؟'' جلال نے بائیں آنکھ دبا کر مجھ سے پوچھا۔
میرے کچھ کہنے سے پہلے ویرا بول پڑی ''اپنی ہونے والی بیوی یعنی غزالہ سے۔ میں اس عشق کی عینی شاہد ہوں۔''
''یہ تو میری اور ڈینی کی بات ہوئی۔ اس بارے میں تمہارا اپنا تجزیہ کیا ہے۔'' جلال کا وہ سوال منطقی اور تہذیب کے دائرے میں تھا۔
''حسرتوں کو پال پال کر جوان کردیا اور کہیں سے کچھ نہیں ملا۔'' ویرا نے گلاس اٹھا کر ایک ہی سانس میں خالی کردیا اور اپنے گلابی ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''جس پتھر کو چومنا چاہا وہ پہلے ہی کسی کی چوکھٹ پر گرا ہوا تھا۔''
ویرا دوبارہ اپنی بوتل کی طرف متوجہ ہوگئی۔ جلال مسکراتی ہوئی معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

ویرا کے کنایئے اس کے لیے ناقابلِ فہم نہیں تھے۔
عشق تمہارے مشرق کا ایک ممنوعہ موضوع ہے۔ ویرا دوسرا گلاس بنانے کے بعد بولی ''ایک عورت کی زبان سے یہ لفظ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ تم سوچ رہے ہوگے کہ میں نے یہ ذکر کیوں نکالا ہے۔''
''سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' جلال نے اس کی حوصلہ افزائی کی ''انسان دوستوں کے سامنے دل کی ہر بات کرلیتا ہے اور ہم گہرے دوست ہیں۔''
''کبھی کبھی میرا ناکام عشق ایک عذاب بن کر میرے دماغ پر سوار ہوجاتا ہے اور میں کرب میں مبتلا ہوجاتی ہوں۔ تم دونوں کامیاب آدمی ہو۔ شاید میرے اس کرب کا اندازہ نہیں کرسکتے۔''
''تم کچھ کہنا چاہتی ہو لیکن جھجک رہی ہو۔'' جلال بولا۔ ''آنکھیں بھینچ کر سب کو بھول جاؤ۔ خود کو اپنی ذات میں محصور کرو اور جو کہنا چاہتی ہو کہہ ڈالو۔''
اس نے یکایک زور سے اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔ میں ڈر گیا کہ اب وہ بولنا شروع کردے گی لیکن اس کے لبوں میں کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ دو تین سیکنڈ بعد اس نے آنکھیں کھول دیں جو ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنا گلاس اٹھالیا .... اور اس کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے بولی ''نہیں جلال' یہ ممکن نہیں ہے۔ زبان بند رہے تو بہتر ہے۔ لب کشائی کرکے کچھ پالینے کی امید نہ ہو تو زبان بندی سب سے بہتر ہوتی ہے۔''
''تمہاری آنکھوں میں نمی کیوں تیر رہی ہے ویرا؟'' میں نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔
اس نے مجروح نظروں سے میری طرف دیکھا اور دھیرے سے بولی ''ڈینی! کم از کم تم تو یہ سوال نہ پوچھو۔'' پھر وہ یکایک جلال کی طرف متوجہ ہوگئی ''یہ دکھ کے نہیں' خوشی کے آنسو ہیں جو نمی بن کر بے اختیار میری آنکھوں میں تیر آئے ہیں۔ کبھی کبھی نہ پانے کا دکھ پالینے کے سکھ سے زیادہ مزہ دیتا ہے۔''
''تم نے زیادہ شراب نہیں پی پھر بہکی بہکی باتیں کیوں کررہی ہو؟'' میں نے اس کا بازو سختی سے پکڑ کر پوچھا۔
''دل چاہ رہا تھا۔'' اس نے میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں گمبھیر اداسی رچی ہوئی تھی۔'' مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میرا دل پھٹ جائے گا۔ میں غزالہ اور سلطان شاہ کے سامنے یہ سب نہیں کہہ سکتی۔ وہ میری باتوں کے انوکھے مفہوم تراشنے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ جلال ہمارا دوست مگر باہر کا آدمی ہے۔ میں اس کے سامنے دل کا بوجھ ہلکا کررہی ہوں۔'' اس نے دوسرا گلاس اپنے ہونٹوں سے

لگالیا۔
اس پر غصہ دکھانا بے سود تھا۔ وہ اندر سے زخمی تھی۔ اس کے زخم کا مواد الفاظ کی صورت میں بہہ جانا ہی بہتر تھا۔ میں نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔
"یہ تمہاری اور ویرا کی باہمی غلط فہمیوں کا نتیجہ لگتا ہے۔" جلال نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی کہ ویرا میری وجہ سے پاکستان میں رکی ہوئی تھی۔ میں جلال کی اس رائے پر اثبات میں سرہلا کر رہ گیا۔
اچانک تپائی پر رکھے ہوئے ایم ففٹی نے بولنا شروع کردیا۔ اس پر بن ڈیوڈ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ نمبر ٹو پکار رہا تھا۔
"یہ نمبر ٹو کہاں مرگیا؟" پیغام کی تیسری تکرار سن کر جلال بڑبڑایا۔ ایم ففٹی کا بٹن دبائے بغیر ہماری آواز کسی تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ یہ بات جلال ہم سے زیادہ جانتا تھا۔
بن نے چوتھی بار وہی الفاظ دہرائے تو جواب نمبر فور کی آواز میں آیا "میں نمبر فور ہوں سر!"
"وہ کتے کا بچہ کہاں مرگیا؟" بن کی بپھری ہوئی آواز آئی۔ اس نے روانی میں انگریزی کی وہ عامیانہ گالی دی تھی۔
"اسے رات سے ملیریا ہوگیا ہے۔ وہ پل کے نیچے پرانے کپڑوں میں لپٹا ہوا کانپ رہا ہے۔ میں اس کے لیے اسٹور سے دوا لینے آیا تھا۔"
"تم نے میری چوتھی کال پر جواب دیا ہے۔ نمبر ٹو کی علالت کی خبر بن کا غصہ کم نہیں کرسکی تھی۔"
"مجھے اشارہ مل رہا تھا مگر میں اسٹور میں تھا۔ اب ایک محفوظ کونے سے بات کررہا ہوں۔"
"میں نے تمہیں الگ الگ رہنے کے لیے کہا تھا۔ تم پھر اکٹھے ہوگئے ہو۔ کیا میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔"
"ہم الگ الگ ہی تھے مگر دور سے ایک دوسرے پر نظر رکھ رہے تھے۔ وہ بخار میں پھنکنے لگا تو مجھے مجبور ہوکر اس کے قریب جانا پڑا۔"
"اسے کام کے نام سے بخار چڑھ گیا۔ تم کیوں کامیاب نہیں ہوئے؟ آج کے اخباروں میں کوئی خبر نہیں ہے۔"
"حالات سازگار نہیں تھے۔ کل شہر سے ایسے گداگروں کو بھی اٹھالیا گیا ہے جو مشتبہ سمجھے گئے۔ میں تمہارے لیے کام ضرور کررہا ہوں لیکن ہماری پہلی ترجیح اپنی حفاظت ہے۔"
"شاید اس پُرمشقت روپوشی نے تمہارے اعصاب پر برا اثر ڈالا ہے۔" بن کا لہجہ طنزیہ مگر قدرے نرم ہوگیا۔ اس نے نمبر فور کے جواب سے اس کی خفگی کا اندازہ لگالیا تھا۔ وہ لوگ بن یا کسی امریکی ایجنسی کے نمک خوار نہیں تھے۔ محض مقاصد کی یکسانیت کی وجہ سے بن کے لیے کام کررہے تھے۔ وہ بن سے برابر کے نہیں تو قدرے بہتر سلوک کی توقع کرنے میں حق بہ جانب تھے۔
"زندگی کی آسائشوں کو خیرباد کہہ کر فقیر کے روپ میں دن رات پڑے رہنا آسان کام نہیں ہے سر! رہی سہی کسر کل شام پوری ہوگئی۔ وہ ہمارے پرانے ساتھی تھے۔" نمبر فور نے بہت مختصر اور ڈھکے چھپے الفاظ میں بن کو اپنے جذبات سے آگاہ کردیا۔
"مجھے اندازہ ہے۔ کام کرنے کے لیے ایسی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ ٹو کا بخار کب تک اترے گا۔"
"میں نے ملیریا کا پورا کورس لے لیا ہے۔ ابھی چار گولیاں دوں گا۔ وہ کام کرگئیں تو وہ شام تک چلنے کے قابل ہوجائے گا۔"
"تم کس پل کے نیچے ہو؟" بن کا لہجہ بتدریج نرم ہوتا جارہا تھا۔ شاید یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی کہ راوالوں کی تضحیک کرکے وہ ان کے تعاون سے محروم ہوسکتا ہے۔
"یہ کریم آباد کا پل کہلاتا ہے۔ ہم ریلوے لائن سے دور اس کونے میں پڑے ہوئے ہیں جہاں پل کی ڈھلان زمین سے ملتی ہے۔ یہ خاصی تاریک، غلیظ اور متعفن جگہ ہے۔"
"تمہارے آس پاس بہت سے چرسی اور ہیروئنچی بھی موجود ہوں گے۔" بن نے پوچھا۔ اس کی آواز میں ایک نئی دلچسپی عود کر آئی تھی۔
"تمہارا اندازہ درست ہے۔" نمبر فور کی آواز سے ہلکی سی حیرت مترشح تھی "ان نشے بازوں سے ہمیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"
"اپنے دونوں ہتھیار ان میں سے کسی کو دے کر وہاں سے نکل آؤ۔ چھیڑ چھاڑ کرتے ہی وہ پھٹ جائیں گے۔ اور پل کے ساتھ بہت کچھ برباد ہوجائے گا۔"
"یہاں بہت سے غریب اور مسکین فقیر مارے جائیں گے۔" نمبر فور کی آواز جذبات سے عاری اور سپاٹ تھی۔ اسے فقیروں سے ہمدردی نہیں تھی وہ اسے شماریات سے آگاہ کررہا تھا۔
"ہمارا ٹارگٹ کوئی طبقہ نہیں، تعداد ہے۔۔۔" بن کہہ رہا تھا۔
"باسٹرڈز!" جلال غصیلی آواز میں غرایا "میں یہ نہیں ہونے دوں گا۔ تم ان کی بکواس سنو، میں آتا ہوں۔ وہ اپنا موبائل فون نکالتا ہوا ویرا کے کمرے سے نکل گیا۔
"اس وقت ہتھیار لے کر شہر میں گھومنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔" اپرنٹس پر بن کی بات جاری تھی "میں نے نتیجہ

اخذ کیا ہے کہ بہتر کارکردگی کے لیے تم دونوں کو بہتر ماحول اور سہولتوں کی ضرورت ہے۔ فقیر بن کر تم فقیروں جیسے کام کرتے رہو گے۔ اپنے حلیئے درست کرو اور شام چار بجے کے لیے تیار رہو۔"

"کیا شام کو دوسری کھیپ ملنے والی ہے؟" نمبر فور نے اسے باربار سر کہنا ترک کردیا تھا۔

"پہلے تمہاری کمیں گاہ کا بندوبست ضروری ہے۔ ایسی جگہ جہاں تم بے فکری سے رہ سکو۔ باہر نکل کر اپنی کارگزاری دکھاؤ اور تیزی سے وہیں لوٹ جاؤ۔"

"ہم ایسی جنت کے لیے ترس گئے ہیں' چوپڑا کے بعد ہم مسلسل برے وقت سے گزر رہے ہیں۔"

"پانچ بجے تم کسٹم ہاؤس پہنچو۔ وہاں سڑک کے کنارے ایک نیلی ڈاج کھڑی ہوگی۔ وہ تمہیں نئے ٹھکانے پر پہنچا دے گی۔"

"اس کی مزید کوئی شناخت!" نمبر فور نے سوال کیا۔ اسی لمحے جلال دوبارہ کمرے میں آگیا۔

"نیلی ڈاج۔ اس میں صرف ڈرائیور ہوگا۔ یہ کافی ہے۔ شہر میں ایسی دوسری گاڑی نہیں ہوگی۔ نمبرون اور تھری کے اپریٹس کہاں ہوسکتے ہیں۔"

"وہ ان کے ساتھ اڑ گئے ہوں گے۔ میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"یاد رکھنا۔ پانچ بجے۔ کسٹم ہاؤس۔ نیلی ڈاج۔ پاس ورڈ ڈاکٹر ہوگا۔ اوور اینڈ آل۔"

"کریم آباد کے لیے میں نے پارٹی دوڑا دی ہے۔" جلال نے تیز لہجے میں بتایا "ان دونوں کا قصہ ابھی نمٹ جائے گا۔"

"کریم آباد یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ باہر اولِ خان کا ایک اسٹرائیک یونٹ بھی مامور ہے چاہو تو وہاں پہنچ سکتے ہو۔"

جلال سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے اپنا سر نفی میں ہلا دیا "میں موت سے نہیں ڈرتا لیکن خودکشی کو حرام سمجھتا ہوں۔ وہاں کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ وہ پکڑے جاسکتے ہیں اور بم بھی پھٹ سکتے ہیں یہ سب اس بات پر منحصر ہے کہ کس کو کتنا وقت ملتا ہے۔ ہم سب کا وہاں یک جا ہونا مصلحت کے خلاف ہوگا۔"

"تمہارے آدمی کہاں سے جائیں گے اور را والوں کو کیسے پہچانیں گے؟" ویرا نے پوچھا۔

"ملیریا سے لرزتا ہوا فقیر سب سے بڑی نشانی ہے۔" وہ آدمیوں کی تلاش میں زیادہ وقت برباد نہیں کریں گے۔ سب سے پہلے بموں پر قبضہ کرکے انہیں ناکارہ بنائیں گے۔"

"ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ اس آپریشن کا نتیجہ کیا رہا۔"

ویرا آپریٹس پر گفتگو سننے کے بعد خیالی دنیا سے نکل آئی تھی۔

"وہ سب باہمی رابطے میں رہیں گے۔ مجھے موبائل پر خبر مل جائے گی۔ دعا کرو کہ میرے آدمیوں کے پہنچنے سے پہلے وہ دونوں نہ نکلنے پائیں اور ان کا کام بھی تمام ہوجائے گا۔"

"نمبر فور زیادہ بولڈ نکلا۔ آج اس نے بن سے زیادہ کھل کر بات کی۔" میں نے کہا "اس کی وجہ سے کافی باتیں سامنے آگئیں۔"

"ان لوگوں کے پاس کس ساخت کے بم ہیں جو بدن پر رکھے رکھے پھٹ جاتے ہیں۔" ویرا نے جلال کے کچھ بولنے سے پہلے ایک نیا سوال کھڑا کردیا۔

"معلوم ہوتا ہے اب تمہاری طبیعت بحال ہو رہی ہے۔" جلال نے پرامید لہجے میں کہا "جب ہی تم نے یہ سوال کیا۔"

"الکحل میرے لیے ہمیشہ سود مند ثابت ہوتی ہے۔ میرے ذہن سے ڈپریشن کی کہر دھیرے دھیرے چھٹ رہی ہے۔"

جوں ہی اس نے ڈپریشن کا لفظ استعمال کیا میرے ذہن میں اس کی طبیعت کا اضمحلال کا سبب واضح ہوگیا۔

اس نے غزالہ اور سلطان شاہ کی غیرحاضری سے فائدہ اٹھا کر میرے ساتھ جو شوخیاں کی تھیں' وہ میری اور اس کی ذات تک محدود تھیں۔ وہ کبھی کبھی جذبات کی رو میں بہہ کر میرے ساتھ زیادہ بے تکلف ہوجاتی تھی۔ کبھی کبھی کے ان خوش گوار تجربات کو میں نے کبھی ناپسند نہیں کیا تھا۔ نہ ہی ویرا کو اس حوالے سے دوسروں کے سامنے شرمندہ کرنے کی کوئی کوشش کی تھی مگر اس روز سلطان شاہ نے بازار سے واپس آنے کے بعد مذاق ہی مذاق میں کچھ ایسی چبھتی ہوئی باتیں کہہ ڈالی تھیں جو حقائق کے عین مطابق تھیں۔ میرے اور اپنے تخلیئے کی ان باتوں کا سلطان شاہ کی زبانی ذکر سن کر ویرا کی انا کو ٹھیس پہنچی تھی۔ وہ ان دونوں کے سامنے اعتراف کرکے خود کو مزید مذاق کا نشانہ نہیں بنوا سکتی تھی۔ وہ غبار اپنے دل میں لیے بیٹھی رہی اور جب اپنے کمرے میں آنے کے بعد اسے جلال کے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا پہلا موقع میسر آیا' اس نے بلا تکلف اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلیا۔

چند منٹ پہلے اس نے خود کہا تھا کہ وہ غزالہ اور سلطان شاہ کے سامنے وہ سب نہیں کہہ سکتی تھی کیونکہ وہ دونوں اس کی باتوں اس کی باتوں کے انوکھے مفہوم تراشنے میں مصروف ہوجاتے تھے۔ جلال ویرا کا دوست مگر باہر کا آدمی تھا۔ اس نے جلال کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلیا تھا۔ ویرا کے کہے ہوئے ان فقروں کا مفہوم کافی دیر بعد میری سمجھ میں آیا۔

تھا۔

"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" ویرا نے جلال کو ٹوکا "میں نے بموں کے بارے میں کچھ پوچھا تھا۔"

"بم بہت سی قسموں کے ہوتے ہیں ..." جلال نے بتانا شروع کیا مگر ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"فریر پارک میں مرنے والے کے پاس موجود بم کے بارے میں بتاؤ۔ یہ مبادیات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"لوگ ہر پھٹنے والی چیز کو بم کہہ دیتے ہیں لیکن وہ ڈیٹونیٹر تھا جو برقی سرکٹ مکمل ہونے سے پھٹتا ہے۔"

"پھر تو اس کا کوئی ریموٹ کنٹرول بھی رہا ہوگا۔" ویرا نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"وہ اس کے پاس موجود تھا۔ اس نے بٹن دبایا اور ڈیوائس پھٹ گئی۔"

"ٹھیک!" ویرا نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دی "وہ سرکٹ برقی طاقت سے مکمل ہوتا ہے یا چھیڑ چھاڑ میں کسی غلطی سے بھی مکمل ہو سکتا ہے۔ بن نے کریم آباد میں دھماکوں کے لیے دوسرے طریقے پر انحصار کرنے کو فوقیت دی ہے۔"

"یہ اس کی درندگی ہے۔ ریموٹ سے اسے چلایا گیا تو کچھ پتا نہیں کہ اس کے آس پاس کوئی ہوگا یا نہیں۔ جب نشے بازوں کا ہجوم ان خطرناک کھلونوں کو توڑنے کی کوشش کرے گا تو لامحالہ ایک بڑی تعداد دھماکے کی زد میں آکر ہلاک اور زخمی ہوگی۔"

ویرا اپنے جذباتی ابال سے نکل چکی تھی اور اعتدال کے ساتھ جن اور ٹانک کا تیسرا گلاس لے رہی تھی۔ میں نے خاص طور پر دھیان رکھا تھا کہ ویرا کے کسی بھی گلاس میں جن کی مقدار زیادہ نہیں تھی۔

جلال کے لیے وہاں بیٹھے بٹھائے ایک کام پیدا ہو گیا تھا ورنہ وہ اپنے طور پر دو بجے تک فارغ تھا۔ وہ بار بار اپنی گھڑی پر نظریں ڈال رہا تھا اور مضطرب تھا کہ اس کے کریم آباد جانے والے آدمیوں کی طرف سے کوئی خبر نہیں آرہی تھی۔ اس دوران میں اس نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا تھا کہ بن ڈیوڈ نے وجے اور ترپاٹھی کے ایم فقشی کی فاتحہ پڑھ لی تھی۔ اسے یہ شبہ نہیں ہو سکا کہ اس کا ایک اہم مواصلاتی آلہ وجے کے ذریعے آئی بی والوں کے پاس پہنچ چکا تھا۔

سوا بارہ بجے جلال کے موبائل فون پر وہ کال آگئی جس کا اسے بے چینی سے انتظار تھا۔ اس کے آدمی بروقت کریم آباد کے پل کے نیچے پہنچے تھے۔ وہاں ہیروئنچیوں کا ایک بڑا گروہ آہنی کیس میں بند چھپے بارودی ڈیٹونیٹر کو ریل کی پٹڑی پر رکھ کر پتھر سے توڑنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ را کے دونوں آدمی سرعت کے ساتھ وہاں سے فرار ہو چکے تھے۔ دوسروں نے یہ تائید کی کہ پچھلی شام سے ایک گداگر کونے میں پڑا، سردی سے چڑھنے والے تیز بخار میں مبتلا تھا۔ اس وقت وہ غائب تھا۔

جلال کے آدمیوں نے ان تباہ کن ڈیوائسز کو اپنی تحویل میں لیتے ہی ناکارہ کردیا تھا۔ جب تک وہ فعال تھا، ان کو مخصوص فاصلے سے ریموٹ کے ذریعے پھاڑا جاسکتا تھا۔ کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی تھی لیکن شہر ایک اہم پل کی تباہی سے بال بال بچ گیا تھا۔

"یہ بہت برا ہوا کہ وہ مردود نکل گئے۔" فون پر بات مکمل کرنے کے بعد جلال نے متاسفانہ لہجے میں کہا "اب پانچ بجے پھر دوڑ لگانی ہوگی۔ ان کا قصہ ابھی نمٹ جاتا تو شام کے چکر سے جان چھوٹ جاتی۔"

"ناشکرے پن کا ثبوت مت دو۔" میں نے اسے دلاسا دیا "یہ بڑی بات ہے کہ ایک تباہی ٹل گئی۔ تم کو معلوم ہے کہ ہیروئنچیوں میں اپنی برادری کی حد تک کتنا اجتماعی شعور ہوتا ہے۔ سب چیونٹیوں کی طرح ہر چیز کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ دھماکا ہوتا تو پلک جھپکتے میں دس بیس اڑ جاتے۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے تم نے ایس ٹی ایف کے کسی اسٹرائیک یونٹ کی بات کی تھی۔ وہ یہاں کیا کررہا ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا جیسے اسے اچانک وہ بات یاد آگئی ہو "میں نے یہاں آتے ہوئے مٹیالے رنگ کی ایک جیپ دیکھی تھی۔ وہ لوگ گاڑی سائے میں کھڑی کرکے ستا رہے تھے۔"

جلال کے اس براہ راست سوال کے جواب میں میرے لیے جھوٹ بولنا ممکن نہیں تھا۔ بعد میں کوئی واقعہ رونما ہوتا اور بات کھل جاتی تو جلال کو یہ جان کر ناقابل تلافی صدمہ پہنچتا کہ میں نے کسی بھی وجہ سے اس سے غلط بیانی کی تھی۔

میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا اور کہہ دیا "وہ یہاں دیکھ بھال کررہے ہیں کہ کوئی مشتبہ آدمی یا گاڑی ہماری طرف نہ آسکے۔"

"پہلے ایسا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ اب اس کی ضرورت کیوں محسوس کررہے ہو؟"

"اب جلال کو ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔ پوری بات بتادو!" ویرا نے لقمہ دے کر مجھے بالکل مجبور کردیا۔

"تم یہ باتیں مجھے بتاتے ہوئے کیوں ہچکچا رہے تھے۔" وہ کہانی سن لینے کے بعد جلال نے تعجب سے پوچھا۔

"ٹھوس بات سامنے نہیں ہے۔ دہلی سے اڑائی جانے والی ایک افواہ کی بنیاد پر ہمارے ذہنوں میں یہ فتور سمایا تھا۔"

"یہ فتور نہیں، وجدان یا چھٹی حس کی کارفرمائیوں کے بارے میں تم بھی جانتے ہوگے۔"

"میں یہ سب کچھ جانتا ہوں، کل رات کو ایک بھیانک خطرہ

سر پر منڈلاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ آج بیدار ہونے کے بعد سارے وسوسے بے بنیاد محسوس ہونے لگے۔ اسی وجہ سے میں نے تم سے ان باتوں کا ذکر نہیں کیا۔ سوچ رہا ہوں کہ اول خان سے بات کر کے اس یونٹ کو لوٹا دوں۔" میں نے کہا۔

"ایسی غلطی مت کرنا۔ یہاں کی دیکھ بھال کے لیے ہر وقت کچھ محافظوں کی ضرورت تھی۔ اچھا ہوا کہ اب یہ بندوبست بھی ہو گیا۔"

"میں اس کی ذرا سی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔"

"میں ذرا شام والے چکر سے نمٹ لوں پھر اس موضوع پر بات ہو گی۔ شاید تم بلیک کیٹس سے واقف نہیں ہو۔ یہ را کی سب سے شاطر اور خوں خوار فورس ہے۔ یہ اپنے شکار کو سفاکی سے ختم کرتے ہیں اور تیزی سے غائب ہو جاتے ہیں۔ ان کے نام سے سب تھراتے ہیں۔"

"ہم بھی یہی کرتے ہیں۔ سب اپنا اُلّو سیدھا کر کے راہ لیتے ہیں۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

فوری طور پر میں بھی ایس ٹی ایف والوں کو واپس نہیں بھیج رہا تھا۔ میں نے وہ پروگرام اگلے دن کے لیے رکھا ہوا تھا۔ جلال مطمئن ہو گیا اور وہ بات اگلے دن کے لیے ٹل گئی۔

اسی دوران میں ایک اچھی بات یہ ہوئی کہ ویرا نے تیسرا گلاس ختم کرنے کے بعد جن کی بوتل واپس کیبنٹ میں پہنچا دی تھی۔ اس کی طرف سے مے نوشی کے دور کے اختتام کا وہ رسمی اعلان اس اعتبار سے خوش آئند تھا کہ اس کے اعصاب پر الکحل کا خمار گہرا نہیں ہوا تھا۔ وہ خاصے خوشگوار موڈ میں آ چکی تھی۔

"مزید پینے کا ارادہ نہ ہو تو ڈرائنگ روم میں چلیں۔" میں نے ویرا سے پوچھا "یہاں ہم غزالہ اور سلطان شاہ سے بالکل کٹے ہوئے ہیں۔"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی "پتا نہیں وہ دونوں میری شراب نوشی کے دوران مجھ سے دور دور کیوں رہتے ہیں۔"

"ڈرتے ہوں گے کہ کہیں تم انہیں زبردستی نہ پلا دو۔" جلال کا موڈ بحال ہو رہا تھا۔

"تم اکثر میرا ساتھ دیتے ہو۔" ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر بولی "ان دونوں نے میرے خلاف محاذ بنایا ہوا ہے۔ ہر موقع پر ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ میری حمایت کرنا جرم سمجھتے ہیں۔"

"یہ تمہارا خیال ہے۔ اسے اپنے ذہن سے نکال دو۔" جلال نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "غزالہ بہت فراخ دل بیوی ہے۔ میں اس کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ وہ نہ چاہتی تو تم ایک دن بھی اس گھر میں نہیں رہ سکتی تھیں۔ طعنے دے دے کر وہ تمہاری اور ڈینی کی زندگی حرام کر دیتی۔ تم دونوں کے بارے میں پھیلی ہوئی کہانیوں سے وہ سب سے زیادہ واقف ہو گی۔"

غزالہ کی بڑائی کے اس پہلو پر میں نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ میں دل ہی دل میں جلال کے تیز مشاہدے اور تجزیے کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

"مجھے کب انکار ہے کہ وہ گریٹ نہیں ہے مگر اس کے دل میں میرے خلاف کوئی نہ کوئی کسک ضرور ہے۔" ویرا نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

جلال نے ویرا کا کمرا اور اس کے رنگ ڈھنگ اچھی طرح دیکھ لیے تھے۔ ہم تینوں ڈرائنگ روم میں اٹھ آئے۔

"محفل ختم ہو گئی۔" غزالہ نے خوش مزاجی سے ہمارا استقبال کیا "میری ہنڈیا تیاری کے آخری مراحل میں ہے۔ اول خان بھی آتا ہی ہو گا۔ میں نے اسے فون کر دیا ہے۔"

"مجھے خیر خیریت کے لیے اسے فون کر لینا چاہیے تھا۔" جلال نے ندامت سے کہا "وہ اس وقت کہاں ہو گا۔"

"دفتر سے نکل کر ادھر آ رہا ہو گا۔ تم اسے موبائل پر فون کر سکتے ہو۔" ویرا نے مخلصانہ مشورہ دیا۔

جلال نے فون اٹھانے کی زحمت کرنے کے بجائے مجھ سے اول خان کا نمبر پوچھا اور اپنے موبائل سے ملایا۔ اسی وقت دروازے پر گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔

"اوہو۔ تو تم یہاں پہنچ چکے ہو۔ تمہارے زخم کا کیا حال ہے؟" جلال فون پر کہہ رہا تھا۔

اسی وقت ڈور بیل بج اٹھی اور کسی کے ملنے سے پہلے سلطان شاہ اٹھ کر تیزی سے دروازے کی طرف چل دیا۔ موبائل فون پر جلال کی گفتگو جاری رہی۔ چند ثانیوں بعد اول خان موبائل اپنے کان سے لگائے سلطان شاہ کے ساتھ اندر چلا آ رہا تھا۔ جلال نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اپنا موبائل فون بند کر کے کشن پر ڈال دیا۔

وہ دونوں آپس میں نہایت تپاک سے ملے۔ جلال نے تفصیل سے اس کی مزاج پرسی کی۔ اس دوران میں ان دونوں کے درمیان کام کی کوئی بات نہیں ہوئی لیکن جب اول خان کے زخمی ہونے کا ذکر چلا تو بات باہر موجود اسٹرائیک یونٹ کی طرف ہو گئی۔

"ڈینی ان کی واپسی پر مصر تھا۔ میری رائے ہے کہ انہیں یہاں رہنا چاہیے۔ ہمارے لیے یہ چاروں قیمتی اثاثہ ہیں۔ ان کی ہر قیمت پر حفاظت ضروری ہے۔" جلال نے

کہا۔

"ڈینی کہتا رہے۔ وہ یہاں سے نہیں جائیں گے۔ بارہ بارہ گھنٹے دو پارٹیاں ڈیوٹی دیں گی۔" اول خان نے سختی سے بتایا۔

"یہ غیر ضروری ہے۔" میں نے احتجاج کیا "یہاں ان کا وقت برباد ہوگا۔"

"اس بارے میں تمہارا خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ ہم تمہاری طرح آہنی اعصاب کے مالک نہیں ہیں۔" ان دونوں کی شہ پر ویرا کو بھی بولنے کا موقع مل گیا "میں صبح سویرے تک خوف سے نہیں سو سکی۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ بلیک کیٹس دیوار پھاند کر گھر میں گھس آئیں گے۔"

"بک بک نہ کرو، میں جانتا ہوں کہ تمہارے اعصاب کتنے کمزور ہیں۔" میں نے اسے گھور کر کہا "یہ باتیں تم کسی اور کو سنانا جو تمہیں نہیں جانتا ہو۔"

میں اکیلا تھا۔ وہ سب یک زبان ہو گئے اور مجھے خاموش ہونا پڑا۔ اس دوران میں جلال نے اول خان کے اندیشوں کا کوئی ذکر نہیں چھیڑا۔ وہ سارا کھٹ راگ اول خان کا پھیلایا ہوا تھا۔ جلال کو اندازہ تھا کہ اس بارے میں کہی جانے والی ہر بات اول خان کے لیے کوفت اور بے آرامی کا سبب بنے گی۔

"بس ایک احتیاط کر لو۔" میری خاموشی کو نیم رضامندی تصور کرتے ہوئے جلال نے اول خان کو مشورہ دیا "اپنے آدمیوں کو کیموفلاج کر دو۔"

"میں نے جان بوجھ کر انہیں سرعام گشت کرنے کی ہدایت دی ہے۔" اول خان نے وضاحت کی "ان مسلح آدمیوں کے گشت کے دوران کوئی مشتبہ شخص ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔"

"ایسا ظلم نہ کرو۔ ان بیچاروں کی محنت رائیگاں جائے گی۔ وہ یہاں سے پسپائی اختیار کر کے تمہاری مکمل بے خبری میں کہیں اور وار کر گزریں گے۔ تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔" جلال نے دوستانہ انداز میں اسے مشورہ دیا "مجھے تمہاری موجودہ حکمت عملی سے اتفاق نہیں ہے۔"

کہیں اور وار ہو جانے والی بات اول خان کے دل کو لگ گئی "بے خبری میں مار کھانے سے بہتر ہے کہ سوچا سمجھا مقابلہ کیا جائے۔"

"میں یہی کہہ رہا ہوں۔ ہمیں اپنے لوگوں کو بچانے کے ساتھ انہیں پکڑنا ہے۔ ان کے لیے راستے کھلے رکھو۔ ایک بار وہ ادھر گھس آئیں تو انہیں گھیر کر بھون ڈالنا۔ یہ میرا مشورہ ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے فرائض میں دخل اندازی کر رہا ہوں یا میرے آدمی بھی اس آپریشن میں گھس آئیں گے۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔ میرے آدمی آج ہی پس پردہ چلے جائیں گے۔ ان کی گاڑی بھی یہاں سے ہٹا دی جائے گی۔"

"ایک آدمی کے ساتھ گاڑی مدرسے والے میدان میں چھوڑی جا سکتی ہے تاکہ ضرورت پڑنے پر اس میں سے ہتھیار وغیرہ نکالے جا سکیں۔" غزالہ نے بھی اپنا مشورہ پیش کر دیا۔

بات طے ہو گئی۔ اول خان کے آدمی ہر مہم میں مخصوص فری کوئنسی والے ٹرانسمیٹر کے ذریعے باہمی رابطے میں رہتے تھے۔ اسی قسم کا ایک اپریٹس گھر میں رکھا جاتا تھا کہ کسی ہنگامی صورت حال میں گھر والوں کا ایس ٹی ایف کے عملے سے رابطہ ہو سکے۔

"میری دلی آرزو ہے کہ بلیک کیٹس یہاں ہوں تو جلد از جلد ادھر آئیں اور تمہارے آدمیوں کے شکار ہو جائیں۔" جلال نے دعائیہ انداز میں کہا۔ غزالہ آمین کہتی ہوئی ڈرائنگ روم سے کچن کی طرف چل دی۔

اول خان نے مستفسرانہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے سر ہلا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔ اپنے توہمات کے بارے میں ذکر کو از خود آگے بڑھانا موزوں نہیں تھا۔

"کچن سے آنے والی آوازیں بتا رہی ہیں کہ ابھی کھانے میں دیر ہے۔" ویرا بولی "کیوں نہ اول خان کو کریم آباد والے تازہ واقعے کے بارے میں بتا دیا جائے۔"

"ضرور بتاؤں گا مگر یہ شرم کی بات ہے کہ اتنی دیر سے غزالہ اکیلی کھانا پکانے میں مصروف ہے۔ تم نے پھلی بھی پھوڑ کر نہیں دی۔" جلال کو ایک دم دھیان آ گیا۔

"میں اس کٹ کٹ سے گھبرائی ہوں۔" ویرا نے صاف گوئی سے کہہ دیا "یہ ہمارا خاموش سمجھوتا ہے کہ وہ کھانا پکاتی ہے۔ میز پر لگانا، سمیٹنا اور برتن دھونا میرا کام ہے۔"

"میں نے دیکھا کہ اکثر وہی چائے بنا کر ہمیں سرو کرتی ہے۔" جلال بہت سنجیدہ تھا۔

"چائے بنانا اس کا کام ہے۔ چار برتن ٹرالی پر رکھ کر ڈرائنگ روم میں لے آتی ہے تو کیا کمال ہے۔ وہ برتن میں ہی دھوتی ہوں۔" ویرا نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"تم کہاں ان فضولیات میں الجھ گئے۔" اول خان نے چڑ کر کہا "یہ عورتوں کے معاملات ہیں، ان ہی کے درمیان رہنے دو۔ یہ بتاؤ کہ کریم آباد کا کیا قصہ ہے۔"

"فریر پارک میں وجے کے ساتھ مرنے والا تریا ٹھی تھا۔ راجو اور سیٹھی ہمارے ہاتھ آنے سے بال بال بچ گئے۔" جلال نے وہ کہانی چھیڑ دی۔

"بن نے عادی نشے بازوں کی ایک بڑی تعداد کو مروانے کی کوشش کی تھی۔" اول خان جھرجھری لے کر بولا "یہ لوگ قابلِ رحم ہوتے ہیں۔ ان کو مارنا کھلی درندگی ہے۔ کل کے اخبار جب پل کی تباہی کی خبر سے خالی ہوں گے تو بن ڈیوڈ اپنا سر پیٹ لے گا۔"

"اس سے پہلے شام ہونے والی ہے۔ پانچ بجے اس کے تین مہرے پٹ جائیں گے۔" جلال بولا۔

"ضرور پٹیں گے۔" اول خان نے اس کی تائید کی "پانچ بجے کا وقت ان کو کبھی راس نہیں آسکے گا۔ کل پانچ بجے وجے اور ترپاٹھی مرے تھے۔ ٹھیک چوبیس گھنٹے گزرنے کے بعد ان کے باقی دو ساتھیوں کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اب تباہی نے ان کا گھر دیکھ لیا ہے۔"

"مجھے اس خوش فہمی سے زیادہ فکر یہ ہے کہ ابھی تک پہل بن ڈیوڈ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنی من مانیاں کرنے کی کوششیں کر رہا ہے اور ہم ان کا توڑ کرتے پھر رہے ہیں۔ ابھی تک وہ مرحلہ نہیں آیا جب ہم تیزی سے بڑھ کر اس کا سر کچل سکیں۔"

میرے دل میں آئی کہ ان دونوں سے سی نائین کے بارے میں پوچھوں لیکن میں نے اس خواہش کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ دونوں اپنے تمام تر دستیاب وسائل کے ساتھ بن ڈیوڈ کی کمین گاہ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔ کہیں سے بھی کوئی آس بندھی ہوتی تو وہ از خود اس کا ذکر کرتے۔ اس بارے میں انہیں چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔

غزالہ نے کچن سے ویرا کو آواز دی اور وہ کسی فرماں بردار معاون کی طرح ایک آواز پر دوڑی چلی گئی۔ گھر کی فضا کھانے کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔ شاید غزالہ نے گردوں کے ساتھ بریانی بھی تیار کی تھی۔ اشتہا انگیز خوشبوؤں میں بریانی کی خوشبو زیادہ نمایاں تھی۔

میز پر کراکری کھنکنے کی آوازیں آئیں اور پھر غزالہ نے اپنے روایتی انداز میں ایک پلیٹ پر چمچا بجا کر کھانا لگ جانے کا اعلان کر دیا۔

○☆○

جلال ساڑھے چار بجے کسٹم ہاؤس کے قریب موجود تھا۔ دفتری اوقات کار میں سڑک پر پارکنگ کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے اس نے اپنی کار سرے پر روک لی تھی۔ وہاں سے اس یک طرفہ سڑک پر آنے والے سارے ٹریفک پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔

وہ دفتری علاقہ ہے بہت سے دفاتر پانچ بجے بند ہوتے ہیں۔ بعض دیر تک کھلے رہتے ہیں۔ راستوں اور فٹ پاتھوں پر دن میں لوگوں کا زیادہ ہجوم ہوتا ہے۔ دوپہر میں بینک کے اوقات کار ختم ہو جانے اور کسٹم ہاؤس میں بعض شعبے بند ہو جانے کی وجہ سے اس بھیڑ بھاڑ میں نمایاں کمی آجاتی ہے۔ جلال بہت غور سے آنے جانے والوں کا جائزہ لے رہا تھا لیکن اسے ان میں کوئی مشکوک آدمی نظر نہیں آیا تھا۔ اس کے پانچ آدمی اس سے پہلے اس علاقے میں پھیل چکے تھے۔ وائرلیس ٹرانسمٹر پر آخری رابطہ ہونے تک وہ بھی کسی مشتبہ شخص کو نوٹ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ آنے جانے والوں کی کثرت اور اولڈ کسٹم ہاؤس کے سامنے واقع دکانوں کی بھیڑ ان کے کاموں میں حارج ہو رہی تھی۔

جلال اپنا ایئرپیس ہاتھ میں لیے آرام سے سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ٹریفک کانسٹیبل نے اسے اپنی گاڑی ہٹانے کی ہدایت کی۔ جلال وجیہہ اور رعب دار شخصیت کا مالک تھا۔ جب اس نے گھمبیر لہجے میں آن ڈیوٹی کے دو الفاظ کہے تو وردی پوش سپاہی خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔

معاشرے میں موبائل کا چلن تیزی سے عام ہونے کی وجہ سے چھوٹے ایئرپیس لے کر پھرنا بھی مشکل نہیں تھا لیکن گاڑی میں بیٹھ کر اس کا استعمال احتیاط کا متقاضی تھا۔ موبائل فون کان سے لگا کر بات کی جاتی ہے' ٹرانسمٹر کو منہ کے قریب لا کر بولنا پڑتا ہے۔ جلال نے اسی نزاکت کی وجہ سے ٹرانسمٹر استعمال نہیں کیا تھا۔ اسے تھامے اپنے آدمیوں کی باتیں سن رہا تھا جو کارآمد نتائج اخذ کرنے کے لیے کافی تھیں۔

پانچ بجنے میں پانچ منٹ پر ریلوے برج کے پہلو سے نیلے رنگ کی ایک ڈاج ڈارٹ کار نمودار ہوئی اور آگے بڑھتی چلی گئی۔ اس میں صرف ایک مقامی چہرہ نظر آیا جو سادہ شہری لباس کے اوپر چمک رہا تھا۔ وہی اکلوتا سوار اس گاڑی کا ڈرائیور تھا۔ گاڑی پر عام شہری نمبر پلیٹ لگی ہوئی تھی۔

نیلی گاڑی چمکیلی اور صاف ستھری تھی وہ آگے جا کر اولڈ کسٹم ہاؤس کی عمارت کے سامنے فٹ پاتھ سے لگ گئی۔ جلال کے ایئرپیس پر آوازوں کا سیلاب آگیا۔ اس کے آدمی ایک دوسرے کو گاڑی کی آمد کی اطلاعات دے رہے تھے لیکن مشتبہ افراد کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ ان پانچوں نے پہلے سے طے شدہ حکمت عملی کے تحت جلال سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

جلال نے سست روی سے اپنی گاڑی آگے بڑھا دی۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے اسے کسی پتے کی تلاش ہو۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ ٹھیک پانچ بجے ہی نیلی ڈاج تک پہنچے۔ اس نے سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی اس گاڑی کی ہلکی سی لرزش سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ڈرائیور نے نیلی ڈاج کا انجن بند نہیں کیا تھا۔

اچانک ڈاج کے قریب ہی فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے ایک راہ گیر نے زقند لگائی اور پلک جھپکنے میں گاڑی کا دروازہ کھول

کراس کی عقبی نشست میں گھس گیا۔ اس نے وہ حرکت اتنی سرعت سے کی تھی کہ اسے روکنے کے لیے کوئی حرکت میں نہیں آسکا۔ اس کی ٹائمنگ بہت شاندار تھی۔ فٹ پاتھ پر راہ گیروں کی بھیڑ میں مل کر چلتا یا شاید ٹہلتا ہوا وہ عین وقت پر نیلی ڈاج تک پہنچا تھا۔ اسے بس گاڑی میں سوار ہونے کے لیے پھرتی سے کام لینا پڑا تھا ورنہ فاصلہ کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔

جلال کا دورانِ خون یک بیک تیز ہوگیا۔ ایک شکار ہر پیش بندی کو مات دے کر اپنی منزل تک پہنچ چکا تھا۔ اسی لمحے حلیم کے ٹھیلے پر کھڑے ہوئے دوسرے آدمی نے پلیٹ ایک طرف پھینک کر ڈاج کی طرف دوڑ لگائی اور گاڑی کے قریب منڈلاتے ہوئے، آئی بی کے دو آدمیوں نے جھپٹ کر اسے دبوچ لیا۔

ان کی گرفت میں آنے پر وہ چیخ کر پوری قوت سے اچھلا تھا۔ ڈاج کے ڈرائیور کو اندازہ ہوگیا کہ وہ ساری اچھل کود کے باوجود اپنے حریفوں کی عقابی گرفت سے نہیں نکل سکے گا۔ اس نے جھک کر پسنجر سیٹ کی کھڑکی سے ہاتھ نکالا۔ فضا فائر کی ہولناک آواز سے گونج اٹھی۔ ڈاج کا ڈرائیور بے خطا نشانہ باز تھا۔ اس کی چلائی ہوئی گولی نے آدمیوں کی گرفت میں اچھلتے ہوئے آدمی کی کھوپڑی میں ناک کے راستے سوراخ کردیا۔

را کا اچھلتا ہوا قیدی بے جان ہو کر آئی بی والوں کے ہاتھوں میں آرہا۔ نیلی ڈاج کا ڈرائیور دوبارہ اپنی جگہ پر جم چکا تھا۔

وہ سب پلک جھپکتے میں ہوگیا۔ جوں ہی جلال کو یہ ادراک ہوا کہ ڈرائیور اپنے رہ جانے والے آدمی کو مار کر بھاگ رہا تھا، اس نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ وہ اپنی گاڑی کا بایاں حصہ نیلی ڈاج کے ڈرائیور والے دروازے سے پیوست کردینے کا ارادہ کرچکا تھا مگر تصادم سے ذرا پہلے ڈاج حرکت میں آگئی۔ جلال کی گاڑی اس کے عقبی دروازے سے ٹکرائی تھی۔ اس پرشور تصادم کے باوجود نیلی ڈاج نہیں رکی۔ اس کی رفتار یکلخت تیز ہوگئی۔

پہلا مہلک فائر ڈاج کے ڈرائیور نے کیا تھا۔ ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ جس کا جدھر منہ سمایا وہ ادھر دوڑ پڑا۔ پھر مزید دو فائر ہوئے۔ جو ڈاج کے ٹائروں پر کیے گئے تھے۔ ڈاج نہیں رکی۔ شاید دونوں نشانے خطا ہوگئے تھے کیونکہ سڑک اور فٹ پاتھوں پر لوگ بگٹٹ دوڑے جارہے تھے۔

اس سے پہلے کہ ہراساں لوگوں کا سڑک پر دوڑنے والا ریلا اس کی راہ مسدود کردیتا۔ جلال نے ہارن بجاتے ہوئے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ اسے امید تھی کہ اس کے آدمی اس کے پیچھے آنے میں تاخیر نہیں کریں گے۔ وہ نیلی ڈاج کو ہر قیمت پر روکنے کا تہیہ کرچکا تھا۔

پانچ بجے کا وقت را والوں کو راس نہیں آیا تھا۔ جلال کے ذہن میں اول خان کے الفاظ گونجے۔ پچھلی شام را کے دو ایجنٹوں نے خودکشی کی تھی۔ اس شام تیسرا اپنے مددگار کے ہاتھوں مارا جاچکا تھا۔ چار میں سے صرف ایک باقی رہ گیا تھا جو ڈاج میں دبکا ہوا اپنے انجام کا منتظر تھا۔

جلال کے ایرپیس پر تیز تیز آوازیں آرہی تھیں۔ مختصر پیغامات کا تبادلہ بتا رہا تھا کہ اس کے تین آدمی ایک گاڑی میں اس کے پیچھے آرہے تھے۔ دو افراد کی گاڑی ٹریفک اور ہجوم میں پھنس کر بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ پانچوں کی جستجو تھی کہ جلال سے پہلے نیلی ڈاج کو جالیں۔ اس فکر میں انہوں نے را کے ایجنٹ کی لاش وہیں چھوڑ دی تھی۔

اگلے چوراہے سے ڈاج داہنی طرف مڑ گئی۔ اس کی رفتار تیز تھی۔ اچانک ڈاج نے اپنی راہ میں آنے والی ایک موٹر سائیکل کو ٹکر مار کر گرا دیا۔ جلال کی کوشش تھی کہ جلد از جلد درمیانی فاصلہ طے کرلے۔ انجن پوری طرح اس کا ساتھ دینے پر آمادہ تھا مگر اس مصروف سڑک پر آزادانہ ڈرائیونگ ممکن نہیں تھی۔ وہ نیلی ڈاج کے ڈرائیور کی طرح سفاک نہیں تھا کہ اپنی راہ میں آنے والے ہر شخص کو کچلتا ہوا آگے بڑھ جائے۔ اگلے ٹریفک سگنل پر سرخ روشنی کی پروا کیے بغیر ڈاج پھر داہنی طرف گھوم گئی۔ بسوں اور گاڑیوں کے ہجوم میں سے گزرتے ہوئے جلال کو صرف یہ فکر رہ گئی کہ ڈاج اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

ٹاور سے ڈاج پھر داہنی سمت گھومی اور پل پر چڑھ گئی۔ وہاں جلال کو اپنی گاڑی بھگانے کا موقع مل گیا۔ اس وقت پانچ بج کر صرف چند منٹ ہوئے تھے۔ شام کے ٹریفک کا روایتی ریلا کسی بھی لمحے شروع ہوسکتا تھا۔ پل سے تمیز الدین خان روڈ پر اترتے ہوئے دونوں گاڑیوں کا فاصلہ کافی کم ہوچکا تھا۔ پل کی ڈھلان ختم ہوتے ہی سڑک کافی کشادہ ہوگئی۔ دونوں گاڑیوں کی رفتار میں اضافہ ہوگیا۔ جلال کو عقب نما آئینے میں اپنے آدمیوں کی جیپ بہت قریب نظر آرہی تھی۔ وہ لوگ کسی بھی لمحے جلال کی گاڑی سے آگے نکل سکتے تھے۔

وہ دوڑ بس کچھ دیر تک جاری رہی پھر نیلی ڈاج یکایک ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ آگ اور سیاہ دھویں کے گولے میں بدل گئی۔ اگر جلال پوری قوت سے بریک لگا کر اسٹیئرنگ نہ کاٹتا تو وہ اپنی گاڑی سمیت اس بھڑکتے ہوئے ملبے میں جا گھستا۔ اس ہولناک حادثے سے بچنے کی کوشش میں اس کی گاڑی کا انجن بند ہوچکا تھا۔

اس کی پیشانی پر ٹھنڈا پسینہ نکل آیا اور اس نے بے بسی سے اپنا سر اسٹیئرنگ وہیل پر دے مارا۔ اس کی ساری محنت برباد ہوگئی تھی۔ موت نے شکار کو اس کے ہاتھوں سے جھپٹ

لیا تھا۔
اس نے اپنی گود میں پڑا ہوا ایرپیس اٹھایا اور رواں پیغام ختم ہوتے ہی بٹن دبا کر بولنا شروع کر دیا "کھیل ختم ہو گیا۔ میرے لیے یہاں کچھ نہیں رہا۔ پانچوں رک کر پتا چلاؤ کہ ڈاج کیسے تباہ ہوئی اور موبائل پر مجھے رپورٹ دو۔ میں جا رہا ہوں۔ اوور اینڈ آل۔"
دونوں طرف ٹریفک رک چکا تھا۔ لوگ گاڑیوں سے اتر کر ڈاج کے دھڑا دھڑ جلنے کا منظر دیکھ رہے تھے۔ جلال کی گاڑی سب سے آگے تھی۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور ڈاج کی بھڑکتی ہوئی چتا کی بائیں جانب سے آگے نکلتا چلا گیا۔
"ڈاج میں بہت خوفناک آگ لگی تھی۔ سب جل کر راکھ ہو گیا ہو گا۔ میرے لیے وہاں کچھ نہیں بچا تھا۔" اس نے اپنی پوری کہانی ختم کرنے کے بعد افسردگی سے سر ہلاتے ہوئے کہا "میں وہاں سے سیدھا تم لوگوں کی طرف چلا آیا تاکہ اپنے دل کا بوجھ کچھ ہلکا کر سکوں۔"
"تم ڈاج کے بالکل پیچھے تھے۔ تمہیں کچھ تو اندازہ ہوا ہو گا کہ اس میں آگ کیسے لگ گئی۔" میں نے نرمی سے پوچھا۔
"پہلے میں سمجھا تھا کہ اس کا انجن پھٹ گیا لیکن وہ انجن پھٹنے کی آواز نہیں تھی، بہت زبردست بارودی دھماکا تھا۔"
"پھر آتش گیر مواد گاڑی میں چھپایا گیا ہو گا۔" ویرا نے رائے دی "وہ لوگ خیریت سے واپس لوٹ جاتے تو اس مواد کو خاموشی سے نکال لیا جاتا۔ ان کا کھیل بگڑ گیا تھا۔ تم مسلسل پیچھا کر رہے تھے۔ ان کے بچنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔ اس واقعے کی لمحہ بہ لمحہ رپورٹ لینے والے نے کہیں ریموٹ کنٹرول کا ایک بٹن دبایا اور ڈاج اپنے سواروں سمیت بارودی دھماکے سے اڑ گئی۔"
"بن ڈیوڈ پر برا وقت آیا ہوا ہے۔ وہ خود روپوش ہے۔ ایسی زبردست تیاری اس کے بس کی بات نہیں تھی۔" میں نے کہا۔
"اس کی ڈور امریکی ایجنسیاں ہلا رہی ہیں۔" ویرا بولی "یہ ان کا خاص طریقہ واردات ہے۔ اپنے کسی آدمی سے ان کو کوئی سنگین خطرہ درپیش ہوتا ہے تو وہ خاموشی سے اسے مروا کر وہ گناہ کسی اور کے سر منڈھ دیتے ہیں۔"
"یہ بات زیادہ دیر تک پردۂ راز میں نہیں رہ سکے گی۔ میں نے ڈاج کا نمبر نوٹ کر لیا تھا۔ میں پتا چلاؤں گا کہ اس کا مالک کون ہے۔" جلال نے کہا۔
"شاید اس مشقت سے کچھ بھی حاصل نہ ہو۔" میں نے مایوسی سے کہا "گاڑیاں اوپن لیٹر پر دس بار بک چکی ہوتی ہیں۔ ان کا رجسٹریشن پرانے مالک کے نام پر ہوتا ہے۔ اکثر اوقات آخری مالک تک پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔"
"سب کچھ جانتا ہوں لیکن اس وقت میرا ذہن ماؤف ہے۔ مایوسی اور بے بسی کے احساس نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لی ہے۔" وہ پھیکی اور بے جان مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔
"تم بلاوجہ بد دل ہو رہے ہو۔ میں تمہیں اتنا جذباتی نہیں سمجھتی تھی۔" ویرا نے اسے سمجھانا چاہا "بڑی لڑائیوں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔"
"یہ سب بن ڈیوڈ کے نام پر ہو رہا ہے۔ وہ ہاتھ آ گیا تو میں اس کا حشر خراب کر دوں گا۔" وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کر بولا۔
"سی نائن کی تلاش پر آدمیوں کی تعداد بڑھاؤ۔ وہ وہیں سے ہاتھ آ سکتا ہے۔" میں نے مشورہ دیا۔
"ڈینی نے صحیح مسئلے کی نشاندہی کی ہے۔" ویرا نے پرزور انداز میں میری تائید کی "را والوں کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔ اب ہمیں یکسو ہو کر بن کے پیچھے لگ جانا چاہیے۔"
"مجھے اپنے آدمیوں سے ڈاج کے بارے میں رپورٹ مل جائے تو میں کچھ کرتا ہوں۔" اس نے پرعزم لہجے میں کہا۔
وہ گفتگو جاری تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا "مبارک ہو۔ میرے آدمیوں نے سی نائن کا سراغ لگا لیا ہے اور عمارت کی نگرانی شروع کر دی ہے۔ جلال سے بات یا ملاقات ہو تو پوچھ لینا کہ اسے آئی بی اٹھائے گی یا میں پیش قدمی شروع کر دوں۔"
وہ اس دن کی سب سے بڑی خبر تھی لیکن ڈاج کے واقعے نے میری طبیعت مکدر کی ہوئی تھی۔ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "جلال یہاں موجود ہے۔ آ کر خود پروگرام طے کر لو۔"
"وہ آ گیا؟" میرے کان میں اول خان کی تحیر زدہ آواز گونجی "راجو اور سیٹھی کا کیا رہا۔"
"وہ بھی جہنم واصل ہو گئے۔ تمہاری پیش گوئی پوری ہو رہی ہے۔ بس تم جلدی آ جاؤ۔ ہم سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ باقی کہانی جلال سے سن لینا۔"
"میں گھر پر ہوں، دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" اول خان نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا اور میں ایک نئی سوچ میں ڈوب گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

چوپڑا نے انٹیلی جنس بیورو والوں کی کڑی گرفت میں آنے کے بعد اپنے جس نیٹ ورک کی نشاندہی کی تھی اس کا قلع قمع ہو چکا تھا۔ را کے پاکستانی کارندے پکڑے گئے تھے۔ بھارت سے آئے ہوئے' را کے چاروں ایجنٹ ایک ایک کر کے خود ہی اپنے عبرت انگیز انجام سے دوچار ہو چکے تھے۔ وجے کو جلال نے اپنا قیدی بنایا ہوا تھا مگر اسے تریا ٹھی باغ جناح یا فریر پارک والے ہولناک دھماکے میں اپنے ساتھ لے مرا۔ راجو اور سیٹھی میں سے ایک کراچی کسٹم ہاؤس کی پر شکوہ عمارت کے سامنے اپنے دوسرے ساتھی کے ہاتھوں کتے کی موت مارا گیا۔ دوسرے کو نیلی ڈاج کا خوفناک دھماکا اپنے ساتھ لے اڑا۔

وہ کل چار تھے۔ ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا۔ معنیٰ خیز بات یہ تھی کہ ان میں سے کسی پر ہم نے ایک گولی بھی نہیں چلائی تھی پھر بھی وہ سب ہمارے پسندیدہ انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ شاید یہ قدرت کی طرف سے ایک غیبی اشارہ تھا کہ تقدیر ہمارا ساتھ دے رہی تھی۔ موت ہمارے دشمنوں کا از خود پیچھا کر رہی تھی۔ ہمیں ان کے خون سے اپنے ہاتھ گندے کرنے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ اگر وہی صورت حال مزید چند روز تک جاری رہتی تو شاید بن ڈیوڈ بھی ان چاروں کی طرح از خود کیفر کردار کو پہنچ جاتا۔

ان چاروں کے ساتھ' نیلی ڈاج کا ڈرائیور بے موت مارا گیا تھا۔ وہ ہمارے مجرموں کا ساتھی ضرور تھا لیکن کسی سنگین جرم میں ملوث نہیں تھا۔ جب اس کے آقا نے نیلی ڈاج میں کسٹم ہاؤس سے دو مہمانوں کو لانے کے لیے روانہ کیا ہوگا تو یہ بات دور دور تک اس کے وہم و گمان میں نہیں رہی ہوگی کہ اس ڈیوٹی میں اسے کوئی حادثہ بھی پیش آ سکتا تھا۔ میرا قیاس تھا کہ وہ سفید پوش اور غالب طور پر امریکی مجرموں کا ملازم تھا۔ وہ امریکی یقینی طور پر سی آئی اے کے سفاک افسران رہے ہوں گے جن کے نزدیک ہر قیمت پر اپنے مقاصد کا حصول اولین اہمیت رکھتا ہے وہ اپنا کام پورا کرنے کے لیے کسی اخلاقی یا قانونی حد کی پابندی کرتے ہیں نہ انسانی خون کی حرمت کا پاس کرتے ہیں۔ جو ان کی راہ میں حائل ہوتا ہے اسے نہایت بے رحمی اور سفاکی سے روندتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اپنے مشن کی تکمیل کے چکر میں وہ اتنے اندھے اور سرد مہر ہو جاتے ہیں کہ اپنے اور پرائے کی بھی پروا نہیں کرتے۔

میرے ذہن میں ویرا کے کہے ہوئے تازہ الفاظ کی بازگشت گونجنے لگی۔ اس نے صحیح کہا تھا کہ امریکی ایجنسیوں کو اپنے کسی آدمی سے کوئی سنگین خطرہ لاحق ہوتا ہے تو وہ خاموشی سے اسے مروا کر اس کا خون کسی اور کے سر منڈھ دیتے ہیں۔

ڈرائیور کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا۔ اسے بارود کے ڈھیر پر سوار کر کے کراچی کسٹم ہاؤس کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ وہ مشن بہت اہم تھا۔ ڈرائیور کو را کے دو گھاگ ایجنٹوں کو اپنے ساتھ کسی نامعلوم مقام پر لے جانا تھا جہاں بن ڈیوڈ کی خواہش کے مطابق انہیں تباہ کن ہتھیاروں کی ایک نئی کھیپ فراہم کی جانی تھی جس کے ذریعے وہ کراچی میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر سکیں۔

میں نے جتنا غور کیا' ویرا کی رائے سے اسی قدر متفق ہوتا چلا گیا۔

اول خان کی آمد سے پہلے جلال کے اپریٹس پر اس کے لیے کال آ گئی۔ اس درمیان میں اس کے آدمیوں کے درمیان بھی کوئی مکالمہ نہیں ہوا تھا۔

"سر! آگ بجھا دی گئی ہے۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ کے چیتھڑے اڑ گئے ہیں۔" اس کے آدمی نے اس طرف سے جواب ملنے پر کسی تمہید کے بغیر رپورٹ دی۔

"ایکسپرٹ کیا کہتا ہے؟" جلال کی آواز سے فکر مندی مترشح تھی۔

"کم از کم پانچ کلو گرام بارودی قوت کا مواد پچھلی سیٹ کے نیچے چھپا ہوا تھا جسے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے چلتی کار میں اڑا دیا گیا۔ دھماکا پیٹرول کی ٹینکی کے ساتھ ہوا تھا۔ بارود پھٹتے ہی پیٹرول نے آگ پکڑ لی۔ کار میں دو لاشیں موجود ہیں جو جل کر بری طرح مسخ ہو گئی ہیں۔"

"لاشیں سالم حالت میں ملی ہیں!" جلال کی آواز میں ہلکی سی حیرت عود کر آئی۔

"دھماکے سے دونوں بری طرح زخمی ہوئے ہوں گے اور اسی وجہ سے مرے ہوں گے مگر ان کے بیشتر اعضا صحیح سلامت رہ کر جلے ہیں۔ ڈرائیونگ سیٹ والے کی موت سر کی شدید چوٹ کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے کی پسلیوں میں آہنی چادر کا ایک بڑا ٹکڑا آر پار اترا ہوا ہے۔ یہ ابتدائی اندازے ہیں۔ صحیح کہانی لاشوں کے پوسٹ مارٹم کے بعد سامنے آ سکے گی۔"

گاڑی میں دھماکا ہونے کے بعد کسی سوار کا زندہ بچ جانا معجزے سے کم نہ ہوتا۔ دھماکے کے نتیجے میں اڑنے والے ملبے کے ٹکڑوں نے تیز دھار چھریوں کی طرح دونوں سواروں

کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہو گا۔

"دوسرے کی لاش کیسے سالم رہ گئی؟" اپنے آدمی کی پوری بات سنتے ہی جلال نے بے ساختہ کہا "دوسرا آدمی تو کار کے پچھلے دروازے سے اندر گھسا تھا۔" وہ اعتراض کرتے ہوئے اسے خود ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اس نے اپنی بات کی تصحیح کرتے ہوئے بلا توقف بات جاری رکھی۔ "گاڑی میں صرف وہ دونوں تھے۔ بھاگ دوڑ کا آغاز ہوتے ہی وہ پیچھے سے اچک کر پینجر سیٹ پر آ گیا ہو گا۔ ایک دوسرے کے برابر میں موجود رہ کر وہ دونوں حالات کا بہتر انداز میں مقابلہ کر سکتے تھے۔ لاشیں اگلی نشستوں سے ملی ہوں گی۔"

"نشستیں کیا، بس پچکے اور جھلسے ہوئے آہنی فریم رہ گئے تھے۔ آثار اس بات کی کھلی تائید کر رہے ہیں کہ وہ دونوں آگے بیٹھے ہوئے تھے۔" بولنے والے کے انداز و لب و لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ جلال کا ماتحت ضرور تھا لیکن کوئی نہ کوئی ذمے دار افسر تھا۔

"ریموٹ کنٹرول والے نظریے میں کتنی جان نظر آتی ہے؟" جلال نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"دھماکے کی صرف دو صورتیں ممکن تھیں۔ اگر یہ باغ جناح کے کل والے واقعے کی طرح خودکش بم کی واردات ہوتی تو ان دونوں میں سے کم از کم ایک کی لاش کے چیتھڑے بھی مشکل سے ملتے۔ دوسری صورت ریموٹ کنٹرول کی رہ جاتی ہے۔ گاڑی کے ڈھانچے سے کافی فاصلے پر آہنی چادر کا ایک جھلسا ہوا بکس ملا ہے جس میں جلے ہوئے تاروں کا گچھا اور پگھلا ہوا پلاسٹک بھی موجود ہے۔ بم ایکسپرٹ کو قوی شبہ ہے کہ دھماکے خیز مادے کا ریموٹ کنٹرول اسی بکس میں نصب تھا۔" دوسری جانب سے جواب آیا۔

"او کے دلاور۔ یہ بہت بڑی چوٹ ہو گئی۔ ان دونوں کو زندہ ہمارے ہاتھ آنا چاہیے تھا۔"

"ہاتھ آنے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی۔ میں آپ کی گاڑی کے پیچھے اسکوٹر پر آ رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ کہیں بھی آپ نیلی ڈاج کو روکیں گے اور ہم ان دونوں کو گھیر لیں گے۔ اس دھماکے کے بارے میں، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ سڑک پر برق رفتار سے دوڑتی ہوئی گاڑی اچانک شعلوں کی چتا میں بدلی تو میں بھونچکا رہ گیا تھا۔"

جلال نے دعائیہ کلمات کے ساتھ اس کال کا سلسلہ ختم کر دیا۔

"اور کچھ ہوا یا نہ ہو، یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ بن ڈیوڈ اور اس کے سرپرستوں کو اپنے اوپر اعتماد نہیں ہے وہ ہر قدم ڈرتے ہوئے اٹھا رہے ہیں۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"اتنی بڑی بات تم نے اتنی آسانی سے کیسے کہہ دی؟" سلطان شاہ نے فوراً اعتراض جڑ دیا۔

"سامنے کی بات ہے۔" ویرا اس کے لہجے کو ذرا بھی اہمیت دیے بغیر بے پروائی سے بولی "انہیں اپنے مشن کی کامیابی کا پورا یقین ہوتا تو وہ نیلی ڈاج میں ریموٹ کنٹرولڈ بارود بھر کر نہ بھیجتے۔ ڈرائیور مقررہ وقت پر وہاں پہنچتا اور را والوں کو اپنے ساتھ لے جاتا۔ انہیں ڈر تھا کہ ہم یہ گٹھ جوڑ ناکام بنا سکتے ہیں..."

"شاید اسے ان کی بے اعتمادی سے زیادہ ان کی محتاط روی کہنا چاہیے۔" جلال نے میرے دل کی بات کہہ دی "وہ بہت گھاگ اور مکار ہیں۔ بساط پر معمولی مہروں کو حرکت دیتے ہوئے بھی پورے چونسٹھ خانوں پر نظر رکھتے ہیں اپنی احتیاط کی وجہ سے انہوں نے اس بار ہمارے جال کی ہر ڈوری کاٹ دی اور ہم ہاتھ ملتے رہ گئے۔"

"یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کو خود مار ڈالیں گے۔" سلطان شاہ اپنی بات پر اڑا رہا۔

"وہ سب کچھ کر گزرنے کے اہل ہیں۔" ویرا کے لہجے میں ہلکی سی تلخی آ گئی۔ "امریکا میں لوگ آج بھی اپنے صدر جان ایف کنیڈی کے قتل کی واردات کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کی ایک قابل لحاظ تعداد کو آج بھی پوری نیک نیتی سے یقین ہے کہ کنیڈی کا برسرِعام اور سفاکانہ قتل اس کی اور سی آئی اے کی چپقلش کا شاخسانہ تھا۔ روس اور امریکا کی بدترین سرد جنگ کے اس دور میں سی آئی اے نے امریکی صدر کو اپنے ملک کے لیے سیکیورٹی رسک سمجھتے ہوئے مروا دیا۔"

"تم یہ باتیں اتنے اعتماد سے کرتی ہو جیسے وائٹ ہاؤس میں پل بڑھ کر جوان ہوئی ہو!" سلطان شاہ نے اس پر گہرا طنز کیا۔

"میں وہاں نہیں رہی لیکن میرے باپ کو کسی روک ٹوک کے بغیر، ہر وقت صدر تک رسائی کی آزادی حاصل تھی۔" ویرا نے فخر سے بتایا "یہ نہ بھولو کہ جمی لائیڈ کو وائٹ ہاؤس کی اندرونی گزرگاہ پر کسی نادیدہ رائفل کا نشانہ بنایا گیا تھا۔"

"اور تمہارے ابا حضور تمہیں امریکی صدر سے ہونے والی پوری گفتگو سے آگاہ کر دیا کرتے تھے!" سلطان شاہ بولا۔

"سب کچھ نہیں تو بہت کچھ میرے علم میں ضرور آ جاتا

تھا۔" ویرا آسانی سے شرمندہ ہونے والوں میں سے نہیں تھی۔ جو بات کہہ گزرتی تھی، آخری دم تک اس کا دفاع کرتی تھی۔

"بڑے اور دیدہ دلیر مجرم اپنی دھاک بٹھانے کے لیے ایسی افواہیں پھیلاتے رہتے ہیں۔ مقتدر لوگوں سے ان کے قریبی مراسم کی سینہ بہ سینہ چلنے والی کہانیاں دوسروں کو ان سے خوف زدہ کیے رکھتی ہیں اور انہیں اپنا کام آگے بڑھانے میں کوئی بڑی دقت پیش نہیں آتی۔" اس وقت سلطان شاہ کو بھی دور کی سوجھ رہی تھی۔

چند ثانیوں کے لیے ویرا کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سلطان شاہ کے جواب میں پھٹ پڑتی، میں نے بات سنبھال لی اور سلطان شاہ سے کہا "یہاں تم سے غلطی ہو رہی ہے۔ تم بھول رہے ہو کہ شی کی تخلیق امریکا کے ایوان صدر میں ہوئی تھی اور سپر آئی مین صدر خود نامزد کرتا تھا۔"

"مجھے سب معلوم ہے لیکن ویرا کے لیے کوئی تو جواب ہونا چاہیے۔" اس نے جل کر کہا۔

سلطان شاہ کے جوابی لہجے پر غزالہ ہنس پڑی۔ جلال کے ہونٹوں پر بھی ایک بے جان مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"تم جو چاہو کہتے رہو، میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" ویرا کسی قدر جذباتی لہجے میں بولی "ڈینی درست کہہ رہا ہے۔ آئی مین اور سپر آئی مین ہونے کے لیے ایک یا دو سلور آئیز کا ہونا کافی ہے۔ ان کے سہارے ایک بزدل چوہا بھی شی کے اصل کارندوں سے اپنا اختیار منوا سکتا ہے۔ شی کی سربراہی کچھ اور معنے رکھتی تھی۔ جمی لائیڈ کو امریکا کے صدر نے شی کے سربراہ کے منصب پر مقرر کیا تھا اور پھر صدر کے اشارے پر جمی لائیڈ کو مار دیا گیا۔ اسی کے ساتھ شی کا وہ سنہرا دور ختم ہو گیا۔ اب شی، شی نہیں رہی۔ یہاں بن ڈیوڈ جیسا چھچھورا اس کی سربراہی کا خواب لے کر آیا ہے۔ میرے لیے یہ تصور ہی اذیت ناک ہے کہ بن اس طرح میرے مرے ہوئے باپ کی عظمت کو داغ دار کرتا پھرے اور میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے تماشا دیکھتی رہوں۔"

سلطان شاہ کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا کو کوئی چبھتا ہوا جواب دینے کے لیے اس کے دماغ میں کیڑے کلبلا رہے تھے مگر اس وقت ویرا کو چھیڑنا قیامت سے کم نہ تھا۔ اس کے باپ نے عملی طور پر اس تعلیم اور تربیت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اپنی زندگی میں اسے کبھی کسی مالی محرومی کا احساس نہیں ہونے دیا، حد یہ تھی کہ لڑکپن کی سرحد سے

جوانی کے دور میں داخلے کے وقت وہ خود ڈان مرسیانو نامی نوابی اتالیق کا بہروپ دھار کر روم اور میلان کے اطالوی شبستانوں میں ویرا کو مردوں کا شکار کھیلنے کی تربیت دیتا رہا۔ مگر اس نے اپنی پوری زندگی میں کبھی برسرِعام ویرا کو اپنی جائز یا ناجائز بیٹی تسلیم نہیں کیا۔ اس کے باوجود ویرا کے دل میں اپنے باپ کے لیے بے پناہ پیار تھا۔ وہ اس کے بارے میں کوئی ناشائستہ یا تضحیک آمیز بات برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

میں نے ویرا کو عملی طور پر بہت قریب سے دیکھا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس کا مزاج بالکل اپنے باپ پر گیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں، چپکے چپکے اپنے باپ سے محبت کرتی تھی مگر سامنا ہونے پر سرکشی دکھاتی تھی۔ اس کے احکام سے سرتابی کرتی تھی۔ حد یہ تھی کہ جب شی کے خلاف میری کارروائیاں ایک حد سے تجاوز کر گئیں اور جمی لائیڈ نے مجھے شی کا باغی قرار دے کر میرے قتل کا فرمان جاری کر دیا تو ویرا اپنے باپ سے بغاوت کر کے میرے ساتھ مل گئی۔ ان دنوں زیر زمین دنیا میں یہ کہانی زبان زد خاص و عام تھی کہ جمی لائیڈ کی بیٹی اپنے باپ کے بدترین دشمن پر مرمٹی ہے۔ ویرا کو اس بات کی پرکاہ کے برابر بھی پروا نہیں تھی کہ دنیا اس کے بارے میں کیا کہہ رہی تھی۔ وہ زندگی بھر من مانیاں کرنے کی عادی رہی تھی۔ اس کے باپ نے خود اسے سکھایا تھا کہ کسی کے سامنے جھکنے کے بجائے اسے جھکانے کی کوششوں میں اپنی جان پر کھیل جانا ہر اعتبار سے باعث فخر و عزت ہوتا ہے۔ میرے معاملے میں اس نے اپنے باپ کی ایک نہ مانی اور اپنے دل کے فیصلے پر چل پڑی۔

جمی لائیڈ سے اس بغاوت کے نتیجے میں ویرا کچھ بھی حاصل نہ کر سکی۔ اسے یہ زعم تھا کہ وہ اپنے باپ کے سکھائے ہوئے طور طریقوں سے کام لے کر مجھے بہت آسانی سے زیر کر لے گی۔ اس دور میں مجھے شی کی صفوں میں اپنے کسی ہمدرد اور ہم نوا کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے اپنی ضرورت کے تحت ویرا کی اس خوش فہمی کو دل کھول کر ہوا دی اور بظاہر اس کے سامنے سپر ڈال دی۔ نتیجہ وہی نکلا جو میں چاہتا تھا۔ جمی لائیڈ کے ساتھ ویرا کا رویہ سخت تر ہوتا چلا گیا اور آخر کار ایک ایسا وقت آ گیا جب ویرا بھی میری طرح جمی لائیڈ کے عتاب کا نشانہ بن گئی۔

ویرا میرے بارے میں سنجیدہ تھی۔ میں بظاہر اس کا کھلونا بن کر اس سے کھیل رہا تھا۔ وہ کھیل زیادہ دنوں تک نہیں چل سکا۔ لیکن میں نے ویرا کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل

کر لیے لیکن وہ اپنے مقصد کے حصول میں یکسر ناکام رہی۔ میرے دل میں غزالہ پہلے سے بسی ہوئی تھی۔
ویرا کی ذاتی زندگی حسرتوں اور ناکامیوں سے عبارت تھی۔ میرے بلکہ ہم سب کے دلوں میں اس کی قدر صرف اس لیے تھی کہ میری چاہت میں اس نے پاکستان کو اپنے وطن سے زیادہ چاہنا شروع کر دیا تھا۔ وہ امریکیوں اور ان کی بیشتر خصلتوں سے متنفر ہو چکی تھی۔ انتخاب کے ہر موقع پر اس نے امریکا کو ٹھکرا کر پاکستان کی حمایت کی تھی۔ وہ کھری اور سچی حمایت تھی جس کے جواب میں اس بے چاری کو کچھ بھی نہیں مل سکا تھا اور نہ اسے کچھ پانے کی امید رہی تھی۔
ہم تینوں محض اس کی دل جوئی کر کے اسے خوش رکھ سکتے تھے۔ ہماری ان کوششوں کو اکثر سلطان شاہ کی طرف سے زک پہنچتی رہتی تھی۔ وہ دل کا برا تھا نہ بدزبانی اس کی عادت تھی۔ نہ جانے کیا بات تھی جب بھی اس کے اور ویرا کے درمیان کوئی گفتگو شروع ہوتی تھی تو موضوع سخن حیرت ناک سرعت سے تلخ و ترش ہوتا چلا جاتا تھا۔ مجھے اس وقت بھی کچھ ویسی ہی صورت حال رونما ہوتی دکھائی دے رہی تھی اس لیے میں نے آنکھ کے اشارے سے سلطان شاہ کو خاموش کر دیا۔
یہ اس کی سعادت مندی یا معاملہ فہمی تھی کہ وہ میرے اشاروں کنایوں کو کبھی نظرانداز نہیں کرتا تھا۔ اس نے ویرا کے جواب میں اپنی زبان بند کر لی۔
"میرے لیے یہ نئی اطلاع ہے کہ جمی لائیڈ نے امریکی صدر کے اشارے پر شی کی داغ بیل ڈالی تھی۔ ہمارے ریکارڈ میں ایسی کسی بات کا ذکر نہیں ملتا۔" جلال نے حیرت ظاہر کی۔ اس کے سامنے وہ موضوع پہلی بار زیر بحث آیا تھا۔ اس سے کوئی بات کیے بغیر میں نے یہ فرض کیا ہوا تھا کہ وہ شی کے بارے میں سب کچھ جانتا ہو گا۔
"اس بارے میں تمہارا ریکارڈ کیا کہتا ہے؟" ویرا نے تیکھے انداز میں پوچھا۔
"جمی لائیڈ زیر زمین دنیا کا ایک ممتاز فرد تھا۔ یہ سب کیا دھرا اسی کا ہے۔ ہمارے پاس شی کی یہی تاریخ ہے۔"
"شی کی اصل تاریخ میں ہوں۔" ویرا نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا "سب کچھ میرے سینے میں دفن ہے تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ شی نے پاکستان سے ایک پیسہ نہیں کمایا۔ مہنگے داموں خریدی ہوئی ہیروئن کو سستے داموں یہاں پھیلانے میں لاکھوں ڈالر خرچ کیے ہیں۔"
"شی کے بارے میں سوچتے ہوئے سب سے پہلے یہی بات چونکاتی ہے۔" جلال نے اعتراف کیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ویرا کا روئے سخن سلطان شاہ کے بجائے جلال کی طرف ہو گیا تھا۔
"پھر شی کے پاس وہ فنڈ کہاں سے آ رہے تھے۔ مجرم گھاٹے کی سرمایہ کاری کبھی نہیں کرتے!" ویرا نے سوال کیا۔
"اس بارے میں کئی نظریے ہیں۔ زیادہ تر قیاس یہ ہے کہ ایک مشہور امریکی فاؤنڈیشن امریکا کی نئی نسل کو ہیروئن سے بچانے کے لیے شی کو بھاری سرمایہ فراہم کر رہی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے خیراتی ادارے بھی شی کی مدد کر رہے ہوں گے۔"
"یہ افواہ حقائق کو چھپانے کے لیے پھیلائی گئی تھی۔ شی کو اصل سرمایہ امریکی صدر کے سیکرٹ فنڈ سے فراہم کیا جاتا تھا۔ اس فنڈ کا ریکارڈ ہوتا ہے نہ آئینی طور پر اس کا آڈٹ ہو سکتا ہے۔" ویرا نے پر زور لہجے میں بتایا "ہو سکتا ہے صدر کے ایما پر خیراتی ادارے بھی ایسا کرتے ہوں۔"
"حیرت یہ ہے کہ امریکا جیسے جمہوری ملک میں صدر کو ایسے اختیارات حاصل ہیں۔"
"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے سیکرٹ فنڈ ہر ملک میں ہوتا ہے۔ ان رقوم سے سیاسی مخالفین کو خریدا جاتا ہے۔ امریکا میں طویل جمہوری تسلسل پایا جاتا ہے۔ وہاں حکومت کو کبھی اپنے چار سالہ دور میں سنگین سیاسی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ یہ فنڈ دوسری مدوں میں استعمال ہوتا ہے بیشتر حصہ سی آئی اے کھا جاتی ہے۔"
"تمہارا انکشاف سنسنی خیز اور خیال انگیز ہے۔"
"یہ بہت پرانی باتیں ہیں جو تمہیں نئی معلوم ہو رہی ہیں۔ میں اپنے باپ کا دفاع نہیں کر رہی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ امریکا کے صدر نے اسے شی کی تشکیل پر آمادہ کیا تھا اور آج بھی بن ڈیوڈ شی کی آڑ میں جو مشن لے کر پاکستان آیا ہے اسے صدر کی پوری حمایت حاصل ہو گی۔"
"تم ان باتوں کو دہرا کر ہمارے حوصلے پست کر رہی ہو۔" غزالہ نے شکایت کی۔
"کیوں؟ ان باتوں سے تمہارا حوصلہ کیوں پست ہو رہا ہے؟" ویرا نے پوچھا۔
"جلال اور اول خان کسی نہ کسی حیثیت میں سرکاری اہل کار ہیں۔ ان کو الگ کر دو تو ہم چار نفوس رہ جاتے ہیں۔" غزالہ بولی "میرے لیے یہ خیال بہت تکلیف دہ ہے کہ ہم چار آدمی ایک سپر پاور سے اپنا سر ٹکرا رہے ہیں۔"

"یہ نفسیاتی معاملہ ہے۔" ویرا ہنس کر بولی "تم اپنی توجہ بن تک مرکوز رکھو۔ اس سے آگے نہ سوچو۔"

"ہمارا ہدف وہی ہے۔" جلال نے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر کہا "ہم اس کے پشت پناہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"جمی لائیڈ کو مروانے کے بعد اب شاید شی میں صدر کی گہری دلچسپی ختم ہو چکی ہے۔ خطے میں پیدا ہونے والی افیم کی بیشتر مقدار ہیروئن کے سفوف میں ڈھل کر پاکستانی شہروں میں کھپ جاتی ہے۔ نئے کام میں ہر بڑا عہدے دار بڑھ چڑھ کر دلچسپی لیتا ہے۔ روٹین میں آ جانے کے بعد وہ کام از خود دوسروں کی نگرانی میں چلا جاتا ہے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ اب سی آئی اے والے شی کو چلا رہے ہیں۔ بن ڈیوڈ ان کا مہرہ ہے۔"

فالکن ہاؤس میں جیک اسمتھ کی موت کے بعد یہ بات ہر شک و شبہے سے بالاتر ہو چکی ہے۔" جلال نے ویرا کی تائید کی "اگر تمہاری باتیں درست ہیں تو اب صدر کی ذات پس منظر میں چلی گئی ہے۔ شی کو سی آئی اے والے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔"

"اسی کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ شی اب اپنا پرانا بھرم کھو چکی ہے۔ اس پر نو آموزوں کا قبضہ ہو چکا ہے جو صرف پیسہ کمانے کے لیے اسے الٹا سیدھا چلا رہے ہیں۔ جب تک شی چل رہی ہے ان کا حلوہ مانڈہ بھی چلتا رہے گا۔" غزالہ نے رائے دی۔

"بن ڈیوڈ کو تم نو آموز نہیں کہہ سکتیں۔ وہ بہت گھاگ اور شاطر ہے۔ آنے والے خطرے کو بروقت بھانپ لیتا ہے اور ہم منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔" سلطان شاہ بولا۔

"معززین کی طرح ہر مجرم کی ایک ساکھ اور دھاک ہوتی ہے۔ بن ڈیوڈ کتنا بھی زور لگا لے وہ پرانے لوگوں کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔" ویرا کا ذہن بدستور شی کے تابناک ماضی کے سحر میں الجھا ہوا تھا۔ اس بار مجھے پھر سلطان شاہ کو آنکھ مار کر خاموش کرنا پڑا ورنہ وہ کفن پھاڑ کر کچھ بولنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔

شاید وہ گفتگو طول پکڑ جاتی مگر اول خان کی آمد سے بات وہیں ختم ہو گئی۔ اس وقت سب ہی کو شدت سے اس کا انتظار تھا۔

"میرے لیے یہاں تک پہنچنا دشوار ہو گیا۔ دل چاہ رہا تھا کہ پر لگیں اور میں اڑ کر یہاں پہنچ جاؤں۔" اول خان نے آتے ہی کہا۔

"تم پکے مسلمان ہو۔" جلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "محبوبہ پالنے کے قائل نہیں ہو۔ صرف بیوی پر اکتفا کرتے ہو جو گھر پر بیٹھی ہو گی۔ یہاں کون تھا جس سے ملنے کے لیے اتنے بے تاب ہوئے جا رہے تھے۔"

جلال کبھی کبھی اپنی سنیارٹی کا فائدہ اٹھا کر زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ کر جاتا تھا مگر اول خان ہمیشہ اس کا لحاظ کیا کرتا تھا۔ اس نے کسی جوابی شوخی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے سنجیدگی سے کہا "مرد اپنی روزی کمانے کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو کام پورا کرنے سے پہلے اسے گھر یا گھر والی کی یاد نہیں آتی۔ میرا کام ابھی ادھورا ہے۔"

"جلال نے یہی تو پوچھا ہے۔ یہاں تم کس سے ملنے کے لیے اتنے بے چین تھے۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے لقمہ دیا۔

"کم از کم وہ تم نہیں ہو۔ اس وقت میرے لیے جلال سے ملنا سب سے زیادہ ضروری تھا۔" اول خان نے اسے لاجواب کر دیا۔ یہ اس کا مزاج تھا کہ وہ متانت سے گفتگو کرتا تھا۔ نوک جھونک اور فقرے بازی سے حتی الامکان گریز کرتا تھا کیوں کہ اس طرح کسی کی دل آزاری ہو سکتی تھی۔ وہ دل رکھنے والوں میں سے تھا۔ اپنی باتوں سے کسی کا دل دکھانے کو گناہ سمجھتا تھا جب کہ ویرا اور سلطان شاہ کی طبیعتیں اس سے بالکل مختلف بلکہ متضاد تھیں۔

"تم نے بالکل صحیح کہا تھا۔ پانچ بجے شام کا وقت را والوں کو راس نہیں آیا۔ دو کل اسی وقت مارے گئے تھے۔ دو آج آگے پیچھے جہنم واصل ہو گئے۔ چوبیس گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں چاروں حیرت ناک سرعت کے ساتھ اپنے اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گئے۔" جلال بولا۔

"آثار یہ بتا رہے تھے کہ اگلے چوبیس دنوں میں بھی ان کا سراغ نہیں مل سکے گا۔ ہوتا یہی ہے۔ یہ قدرت کا اٹل اصول ہے۔ وہاں دیر ضرور ہوتی ہے' اندھیر نہیں ہوتا۔ قدرت کی لاٹھی ایک بار گردش میں آجاتی ہے تو بڑے بڑوں کا بھیجا باہر نکال دیتی ہے۔ چاروں چٹ پٹ مر گئے۔" اول خان نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

"کسی اور بات سے پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارے بازو کا زخم کیسا ہے؟" جلال نے چونک کر پوچھا۔

"ہلکی ہلکی ٹیسیں رہ گئی ہیں۔ زخم گہرا ہوتا تو شاید نام پوچھ لیتا۔" اول خان ہنس کر بولا "مجھے رہ رہ کر ندامت ہو رہی ہے کہ میں اتنے معمولی سے زخم سے اس قدر بدحواس ہوا کہ بالکل وہی کچھ کر گزرا جو وہ لوگ چاہتے تھے۔ مجھے اپنی اس حماقت پر زندگی بھر افسوس رہے گا۔"

"تم بلاوجہ یہ بات دل میں لیے بیٹھے ہو کہ تمہاری غلطی

کی وجہ سے بلیک کیٹس یا ان کے کسی آدمی نے یہ گھر دیکھ لیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محض ہمارا وہم ہو۔" جلال نے مربیانہ انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس نے جلال کی بات درمیان سے اچک لی۔

"یہ وہم نہیں، حقیقت ہے۔ آج دن میں، میرے آدمیوں نے اس نکتے پر کام کیا ہے، مخصوص برانڈ کی چائے کمپنیوں کے ذمے دار افسروں نے شہر میں ہونے والے کسی بھی سروے سے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ ایسی تشہیری یا سروے اسکیمیں کمپنی کی رضامندی کے بغیر شروع نہیں کی جاتیں۔" اول خان نے کہا۔

"بڑی کمپنیاں ایسے کام خود نہیں کرتیں۔ ان کے لیے اشتہاری ادارے اور مارکیٹنگ کنسلٹنٹ یہ سارے کام انجام دیتے ہیں۔" ویرا نے بے پروائی سے تبصرہ کیا۔

"تم مجھے احمق سمجھ رہی ہو یا پھر بلاوجہ بہلانے کی کوشش کر رہی ہو۔" اول خان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں مبتدی نہیں ہوں۔ یہ سارے نکات میرے ذہن میں تھے۔ اوپر سے نیچے تک مکمل بلیک آؤٹ ہے۔ سروے کے لیے آنے والی لڑکی بالکل فراڈ تھی۔ وہ صرف اس گھر کا جائزہ لینے کے لیے آئی تھی۔"

"پھر بھی تم کو خوش ہونا چاہیے۔" میں نے اس کی خلش دور کرنے کے لیے کہا "ویرا نے اپنی موروثی بد دماغی کا مظاہرہ کر کے اس کی کوشش کو ناکام بنا دیا۔ تم بلاوجہ یہ قصہ لے بیٹھے ہو۔ اس وقت کا اہم ترین مسئلہ بن ڈیوڈ ہے۔ تم نے فون پر بتایا تھا کہ تم نے اس کی کمین گاہ کا سراغ لگا لیا ہے۔"

"میں نے یہ نہیں بتایا تھا۔" اس نے سنبھل کر میری تصحیح کی۔ "میں نے صرف اتنی بات کہی تھی کہ میں نے سی نائین کا سراغ لگا لیا ہے اور اس کی نگرانی شروع کرا دی ہے ابھی تک ایسی کوئی ٹھوس شہادت سامنے نہیں آئی جس کی بنا پر یہ بات وثوق سے کہی جا سکے کہ وہ اندر ہی موجود ہے۔"

"ہائیں.... اب تم نئی بات کہہ رہے ہو۔" میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا "فون پر تو تم مجھ سے یہ پوچھ رہے تھے کہ اسے آئی بی والے اٹھائیں گے یا تمہارے آدمی پیش قدمی شروع کر دیں۔"

"پورے ڈیفنس میں مجھے اب تک وہی ایک عمارت مشتبہ نظر آئی ہے۔ اس میں گھسے بغیر کچھ پتا نہیں چل سکے گا۔" اول خان نے جواب دیا "مجھے غالب امکان نظر آ رہا ہے کہ وہ اندر موجود ہو گا۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم محتاط اور ڈسپلن کے آدمی ہو۔ ایک سسٹم کے تحت کام کرتے ہو اور سوچے سمجھے بغیر کوئی بات اپنی زبان سے نہیں نکالتے۔ تم کسی نہ کسی بنیاد پر ہی اس مکان پر اپنی توجہ مرکوز کرنے پر مجبور ہوئے ہو گے۔" جلال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا "مجھے رپورٹ ملی ہے کہ نمبروں کے اعتبار سے ڈیفنس کے کمرشل ایریا خاصے الجھے ہوئے ہیں۔ ہر فیز کا اپنا الگ کمرشل ایریا ہے اور ہر کمرشل ایریا میں ایک ہی نمبر کی کئی کئی عمارتیں ہیں۔

"یہ بات الجھن کا سبب بنی تھی مگر اب ہر بات واضح ہو گئی ہے۔ پلاٹ نمبر کے ساتھ اسٹریٹ کا نام معلوم ہونا ضروری ہے ورنہ آدمی بھٹکتا رہے گا۔" وہ بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ایک ہی علاقے میں ہر اسٹریٹ پر سی نائین پایا جائے گا۔" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اتنی دیر سے یہی بات کہی جا رہی ہے۔" اول خان نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"ہم دور نکل گئے۔ میں نے تم سے تمہارے شبہے کی بنیاد کے بارے میں پوچھا۔" جلال نے اول خان کو ٹوکا۔

"وہ نئی بنی ہوئی ایک مکمل عمارت ہے جو نیچے سے اوپر تک غیر آباد ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ حال ہی میں تیار ہوئی ہو اور اس کا مالک مناسب گاہکوں کے انتظار میں ہو۔" سلطان شاہ بے صبری سے درمیان میں بول پڑا۔

"دکانیں پہلے ہی بن گئی تھیں۔ رنگ روغن کرنے والوں کی نفری کو وہاں سے نکلے دو ماہ گزر چکے ہیں۔" اول خان نے معنی خیز لہجے میں بتایا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ دو ماہ سے اسے انتظار میں خالی رکھا گیا ہے کہ جب بن کو امریکی قونصل خانے سے بھاگنا پڑے گا تو وہ وہاں گوشہ نشین ہو جائے گا۔" ویرا کا لہجہ تمسخر آمیز تھا۔

"یہ تمسخرانہ بات نہیں ہے۔" جلال نے اسے گھور کر کہا "کیلی بائرن کی زبانی یہ بات ہم سب کے سامنے آ چکی ہے کہ بن نے کراچی میں آمد سے پہلے ہی بی باون کے ساتھ فالکن ہاؤس کو کرائے پر لے لیا تھا تاکہ کسی آڑے وقت میں کسی تردد کے بغیر تیزی سے اپنا ٹھکانا بدل سکے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اسی طرح شہر میں مزید عمارتوں کا بندوبست کیا ہوا ہو۔"

"یہ باتیں ویرا کی موٹی عقل میں آنے والی نہیں تھیں۔" سلطان شاہ بغیر بولے نہ رہ سکا۔

''تم اپنی زبان بند رکھو۔ اگر سی نائین کو دو مہینے سے کسی ہنگامی ضرورت کے لیے خالی رکھا گیا تھا تو امریکی قونصل خانے سے نکلنے کے بعد اسے پروفیسر ڈونلڈ آرمسٹرانگ کے گھر کیوں جانا پڑا۔ وہ براہِ راست سی نائین کیوں نہیں گیا؟'' ویرا چیخ کر بولی۔

''سی نائین عام راستے پر واقع ایک کھلی عمارت ہے جہاں دو بکتر بند گاڑیوں کی آمد ایک تماشا بن جاتی۔'' اول خان نے تحمل سے کام لیتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کی ''وہاں زخمی کیلی کو اسٹریچر پر اتارا جاتا تو وہ منظر بہت سے لوگوں کی نظروں میں آجاتا۔ نشیمن کا احاطہ اتنا وسیع اور محفوظ ہے کہ دونوں بکتر بند گاڑیاں اندر جانے کے بعد پھاٹک بند ہو گیا تو میں چکرا کر رہ گیا۔ مجھے خاصی دیر تک پتا نہیں چل سکا کہ وہ دونوں گاڑیاں کہاں غائب ہو گئی تھیں۔''

''یعنی نک صرف کیلی کو وہاں اتارنے گیا تھا؟'' ویرا نے جرح کرنے والے انداز میں پوچھا۔

''اگر اسے اپنے تعاقب کا شبہ نہ ہوا ہوتا تو وہ دونوں کو وہیں چھوڑ دیتا۔'' اس بار میں نے ویرا کو جواب دیا۔

''شبہ ہو گیا تھا تو اسے دونوں کو کہیں اور لے جانا چاہیے تھا۔'' ویرا اپنے موقف پر اڑی رہی۔

''کیلی کو وہ سی نائین لاکر تماشا نہیں بنا سکتا تھا۔ اس لڑکی کی پوزیشن صاف ہو چکی تھی۔ جلال نے میرے ساتھ اسے ٹام اور نک کے حوالے کیا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ کیلی دوبارہ ہمارے ہاتھ آگئی تب بھی کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوگا۔ انہوں نے اسے نشیمن میں ڈونلڈ کے حوالے کر دیا۔ اصل خطرہ بن کو درپیش تھا۔ اسے وہ وہاں سے نکال لے گئے۔''

''اور سی نائین میں چھپا دیا!'' ویرا کا طنز کے زہر میں ڈوبا ہوا استفسار مجھے پسند نہیں آیا۔ میں نے سر ہلا کر اس کی تائید کر دی۔

''جب بکتر بند گاڑی بن کو لے کر سی نائین پہنچی ہو گی تو تماشا نہیں بنا ہوگا!'' ویرا نے ہاتھ فضا میں نچا کر پوچھا۔

''کیلی زخمی اور اسٹریچر پر تھی۔ بن صحت مند تھا۔ اسے بکتر بند گاڑی سے بھی کسی محفوظ علاقے میں اتار دیا گیا ہو گا۔ اسے اوپر پہنچانے کے لیے کسی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ نک کو بکتر بند گاڑیوں کے تعاقب کا شبہ نہ ہوا ہوتا تو ان دونوں کے لیے نشیمن بہت بہتر اور محفوظ پناہ گاہ ثابت ہوتا۔''

میرا وہ جواب سن کر ویرا خاموش ہو گئی۔ اسے فوری طور پر کوئی اعتراض نہیں سوجھ سکا تھا۔

''ہاں، تو تم دو ماہ کی بات کر رہے تھے۔'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد جلال نے اول خان کو یاد دلایا۔

''علاقے کے اسٹیٹ ایجنٹوں سے پتا چلا ہے کہ سی نائین کی دکانوں وغیرہ کے کافی خریدار آرہے تھے۔ کمیشن کے چکر میں ایجنٹ کئی مرتبہ چوکیداروں سے رابطہ کر چکے تھے۔ نگران سے کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا۔ وہ ہر بار یہ کہہ کر ٹالتے رہے کہ مالک آئے گا تو اس کو بتا دیں گے۔''

''ان کے پاس مالک کا نام پتا تو ہوگا۔'' میں نے پوچھا۔

''ان کی ہر بات اب مشکوک نظر آرہی ہے۔'' اول خان ایک گہرا سانس لے کر بولا ''میرے دو آدمی پراپرٹی ایجنٹ بن کر چوکیداروں سے ملے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ سی نائین کا مالک امریکا میں ہے تعمیر اس کے لاابالی بھانجے کی نگرانی میں ہوئی ہے۔ شاید اس کا ماموں بہت مال دار ہے۔ وہ فلیٹ اور دکانیں بیچنے یا کرایے پر اٹھانے میں دلچسپی نہیں لے رہا۔''

''بائی دا وے..... سی نائین نامی حویلی کتنے ایکڑ پر پھیلی ہوئی ہے۔'' ویرا نے معصومیت سے پوچھا مگر اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

اول خان اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ سادگی سے جواب دے بیٹھا ''ڈیفنس کے سارے کمرشل پلاٹس دو سو گز کے ہیں۔''

''یہی میرا خیال تھا۔ وہ عمارتیں میری دیکھی ہوئی ہیں۔'' ویرا نے کہا ''اس ذرا سی عمارت میں دو چوکیداروں کی کیا ضرورت ہے؟''

''یہ بھی شبے کا ایک سبب ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ دن اور رات میں باری باری ڈیوٹی دیتے ہیں۔ خالی بلڈنگ میں دن کو کرنا ہی کیا ہوتا ہے۔ تالا ڈال کر رات کا چوکیدار آرام سے اپنی نیند پوری کر سکتا ہے لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ وہ دونوں پوری ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں۔''

''خدا کرے تمہارے شبہات درست ثابت ہوں اور وقت برباد نہ ہو۔'' جلال نے دعا دی۔

''چھوٹی چھوٹی کئی باتیں شبہات کو تقویت پہنچا رہی ہیں۔ کوئی واضح شہادت سامنے نہ ہونے کی وجہ سے میرے آدمیوں نے جزئیات پر بہت زیادہ دھیان دیا ہے۔ دو دن سے خریداری کرنے والے چوکیدار کے اخراجات میں نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ وہ قریبی اسٹور سے دودھ، پنیر اور مکھن خرید رہا ہے۔ بسکٹوں کے پیکٹ بڑی تعداد میں عمارت میں لے جائے گئے ہیں۔ اس کی خریداری کی بدلی ہوئی نوعیت اور مقدار اس بات کی نشاندہی کر رہی ہے کہ عمارت میں کوئی

مہمان آیا ہوا ہے۔"

"تمہارے آدمیوں نے اس عمارت کا کھوج لگانے میں واقعی محنت کی ہے۔" جلال نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"میں اپنے کام کے سلسلے میں ہمیشہ پر امید رہتا ہوں لیکن بدترین نتائج کے قبول کرنے کے لیے تیار رہتا ہوں۔ میں نے اسی لیے پوچھا تھا کہ کارروائی کون کرے گا۔"

"ایسے کاموں میں تسلسل کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ میری طرف سے تمہیں کھلی اجازت ہے۔ میرے آدمی دور رہیں گے جنہوں نے اس کا سراغ لگایا ہے وہی اسے پکڑیں گے۔"

"تمہیں تو شاید چھاپے مارنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"غیر معمولی حالات میں، کسی مجرم کی گرفتاری کے لیے ہم سب کچھ کر سکتے ہیں لیکن اس میں لمبے چکر پڑ جاتے ہیں۔ ہمیں علاقے کی پولیس کو کسی نہ کسی حد تک اپنے اعتماد میں لینا پڑتا ہے۔"

"پولیس!" سلطان شاہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "وہاں سے ہر بات قبل از وقت نکل جاتی ہے۔"

"ان پر یوں بے رحمی سے نہ ہنسو۔ دو تین ہزار روپے تنخواہ دے کر کسی سپاہی سے فرض شناسی کی امید نہیں کی جا سکتی۔ کبھی ٹھنڈے دل سے ان کی مجبوریوں پر غور کرو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ اپنے گھروں کے چولہے روشن رکھنے کے لیے یہ بے چارے جرائم پیشہ لوگوں سے ربط ضبط رکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ متبادل راستے اختیار نہ کریں تو ان کے بال بچے بھوکے مر جائیں۔"

"تنخواہ کم ہے تو لوگ اس محکمے کی معمولی معمولی نوکریوں کے پیچھے کیوں مارے مارے پھرتے ہیں؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"یہ بڑی بدنصیبی کی بات ہے کہ ہمارے معاشرے سے حلال اور حرام کا امتیاز بہت تیزی سے ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ہر شخص اپنی ضروریات پوری کرنے کی اندھا دھند دوڑ میں شامل ہے۔ لوگ ان نوکریوں کے پیچھے صرف اس لالچ میں اپنے جوتے چٹخاتے پھرتے ہیں کہ یہاں تنخواہیں کم ہونے کے ساتھ اختیارات زیادہ ہیں جن کے سہارے کچھ نہ کچھ رشوت بٹوری جا سکتی ہے۔"

"نہیں۔ یہ صرف ضروریات کا مسئلہ نہیں ہے۔" غزالہ بولی "اخباروں میں بارہا لکھ پتی پولیس افسروں کی کہانیاں چھپ چکی ہیں۔"

"ایسے بھی ضرور ہوں گے مگر ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ ان کا ماضی کریدو تو تمہیں پتا چلے گا کہ انہوں نے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے رشوت خوری کی ابتدا کی تھی۔ یہ مقدر کی بات ہے کہ انہیں مواقع میسر تھے اور قدرت نے ان کی رسی دراز کر دی۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ اس کی ضروریات آسانی سے پوری ہونے لگیں تو وہ مال و زر کی ہوس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع ہر پولیس والے کو نہیں ملتے ان کی بھاری اکثریت دال روٹی کے چکر میں پوری عمر گزار دیتی ہے۔"

"تم سرکاری ملازم ہو اس لیے اپنی برادری کا بچاؤ کر رہے ہو۔" ویرا نے کہا "مغرب میں دیکھو کہ پولیس کی کیا ساکھ اور دھاک ہے۔ کوئی ان کو رشوت کی پیشکش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" جلال نے ویرا کو جواب دیا۔ "جس مغرب کی تم بات کر رہی ہو وہاں پولیس والوں کو سب سے زیادہ تنخواہیں ملتی ہیں اور ان کے اختیارات محدود ہیں۔ ذرا سی لغزش ہو تو وردی اتروا کر ان کو لاک اپ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہاں کے حالاتِ کار کا تم ان سے موازنہ نہیں کر سکتیں۔"

"یہ پولیس ریفامز کمیشن کا اجلاس نہیں ہے۔ ہمیں بن کے بارے میں کچھ طے کر لینا چاہیے۔" سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔

"میں اپنا فیصلہ دے چکا ہوں۔ جو کچھ کرنا ہے اول خان کو کرنا ہے۔" جلال نے اپنے شانے اچکا کر بے پروائی سے جواب دیا۔

اول خان نے چند ثانیوں کے لیے میری آنکھوں میں جھانکا پھر رسانیت سے بولا "میرا خیال ہے کہ رات گہری ہونے کے بعد سی ناکین کو گھیر لیا جائے۔"

"کسی بھیڑ بھاڑ کی ضرورت نہیں۔" میں نے بلا توقف کہہ ڈالا "وہاں تمہارے جو آدمی ہیں۔ وہی کافی ہوں گے۔ ان کی تعداد کیا ہے؟"

"ایک گاڑی کے ساتھ چار آدمی سی ناکین کی نگرانی پر مامور ہیں۔" اس نے بتایا۔

"یہ بھی زیادہ ہیں۔" ویرا منہ بنا کر بولی۔ "نگرانی کے لیے ایک ہی آدمی کافی تھا۔" اس کا انداز مجھے چڑانے والا تھا۔

"وہاں کسی نئے چہرے کی زیادہ دیر تک موجودگی نوٹ کی جا سکتی ہے۔" اول خان نے وضاحت کی۔ "وہ باری باری

ڈیوٹی بدل کر اپنا کام انجام دیں گے۔"
"چہرہ بدلنے کے لیے کوئی ماسک، مصنوعی داڑھی یا ریڈی میڈ میک اپ استعمال کیا جا سکتا ہے۔" ویرا بے نیازی سے بولی۔
اول خان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور فوری طور پر پوری بات سمجھتے ہوئے نرمی سے بولا "چڑنے کے بجائے ڈینی کی کہی ہوئی بات کی روح تک پہنچنے کی کوشش کیا کرو۔"
"میں ایسے چکروں میں نہیں پڑتی کہ خود میری روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے۔"
جلال ہنستے ہوئے اٹھ گیا "تم لوگوں کی آپس کی باتیں بہت دلچسپ ہوتی ہیں۔ میں یہاں بیٹھ کر کبھی بور نہیں ہوا۔"
"پھر اٹھ کیوں گئے؟ کہاں جا رہے ہو؟" ویرا نے بے ساختہ پوچھا۔
"دھماکے کے ساتھ سب کچھ تباہ ہو گیا تھا۔ میرا وہاں رکنا بے سود تھا۔ اب دیکھنا ہو گا کہ قانونی صورت کیا بنتی ہے۔ سب سے اہم مرحلہ ڈرائیور کی شناخت کا ہے۔ وہ کون تھا اور کس کی ملازمت میں تھا۔"
"نیلی ڈاج میں بارود چھپانے والوں نے یہ خیال ضرور رکھا ہو گا کہ مرنے کے بعد ڈرائیور کے پاس سے ایسی کوئی چیز برآمد نہ ہو جو اس کی شناخت میں مدد دے سکے۔" میں نے کہا۔
"نہ ہو۔ اخباروں میں تصویر چھپے گی تو اس کا کوئی نہ کوئی والی وارث سامنے آ جائے گا۔" جلال نے بے پروائی سے کہا۔
مجھے شبہ تھا کہ نیلی ڈاج میں ہونے والے خوفناک بارودی دھماکے اور پھر آتش زدگی کے بعد دونوں میں سے کوئی لاش اس قابل رہ سکے گی کہ اسے تصویر سے شناخت کیا جا سکے۔ دوسری طرف لاش کی پہچان نہ ہونے کا سارا فائدہ امریکیوں بلکہ سی آئی اے والوں کو پہنچتا کیونکہ ان کے گناہوں پر پردہ پڑا رہتا۔ کسی کو یہ پتا نہ چل پاتا کہ نیلی ڈاج کو بھیجنے والے کون لوگ تھے۔ اس بارے میں ہمارے پاس اکلوتا ثبوت یہ تھا کہ جلال نے اپنے کانوں سے ایم ففٹی پر بن ڈیوڈ اور را کے ایک کارندے کی گفتگو سنی تھی جس میں پورا پروگرام طے کیا گیا تھا۔
وہ نرے الفاظ تھے جو ایم ففٹی نامی ایریئس سے ریڈیائی لہروں کی صورت میں خارج ہو کر فضا میں تحلیل ہو چکے تھے۔ ایک بار سننے جانے کے بعد ان لفظوں کا کوئی وجود باقی نہیں رہا

تھا۔ اس گفتگو کا اکلوتا گواہ جلال تھا جو اس معاملے میں ایک فریق کی حیثیت رکھتا تھا۔ اپنے دشمنوں کے خلاف اس کے کسی بیان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔
نیلی ڈاج کے ذریعے دو انسانوں کے قتل میں ملوث افراد تک پہنچنے کے صرف دو امکانات باقی رہ گئے تھے۔ کار کے موجودہ مالک کی صحیح نشان دہی ہو جاتی یا پھر مرنے والے ڈرائیور کے ورثا اپنی ساری شہادتوں کے ساتھ سامنے آ جاتے۔
مجھے پورا یقین تھا کہ ان لوگوں نے اس طے شدہ واردات کے لیے وہ نیلی ڈاج بہت سوچ سمجھ کر استعمال کی تھی۔ وہ یقینی طور پر اوپن ٹرانسفر لیٹر پر بازار میں گردش کرنے والی گاڑی تھی جو نہ جانے کتنے ہاتھوں سے گزر چکی تھی۔ اس کے اصل مالک کا سراغ لگانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔
دوسری طرف ڈرائیور کی شناخت کا مسئلہ اس سے زیادہ ٹیڑھا تھا۔ گاڑی کے اندر ہونے والے طاقت ور بارودی دھماکے نے دونوں سواروں کو کس حد تک مجروح یا مسخ کر دیا ہو گا، اس کا اندازہ لگانے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی۔ رہی سہی کسر پیٹرول کی ہولناک آگ نے پوری کر دی ہو گی۔ آگ میں جلنے کے بعد ان دونوں لاشوں کے بس ڈھانچے ہی باقی رہ گئے ہوں گے۔ خدوخال کے نام پر کسی چیز کا بچنا محال تھا۔ ایک یا ایک ہزار میں سے کسی ایک استخوانی ڈھانچے کو کوئی ماہر ہی شناخت کر سکتا تھا۔ وہ کام کسی عام آدمی کے بس کا نہیں تھا۔
اصل مجرموں تک رسائی کی تیسری راہ ڈرائیور کے ورثا پیدا کر سکتے تھے مگر ان کی طرف سے بھی کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔ مجرموں کے بارے میں یہ بات بارہا میرے تجربے میں آ چکی تھی کہ وہ بہت دور بین اور دور اندیش تھے۔ ہر پہلو پر غور کر کے کوئی منصوبہ بناتے تھے اور پوری سفاکی سے اس پر عمل کر گزرتے تھے۔
وہ بظاہر معزز اور باحیثیت لوگ سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے ڈرائیور کو اس خطرناک مشن پر ایسی گاڑی میں نہیں بھیجا ہو گا جو اس سے پہلے ایک بار بھی ان میں سے کسی کے استعمال میں رہی ہو۔ ان کی اس احتیاط کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلتا کہ نیلی ڈاج کی تباہی کا ذکر اخبارات میں پڑھ لینے کے باوجود ڈرائیور کے اہل خانہ کے کانوں پر جوں نہ رینگتی۔ انہیں زیادہ سے زیادہ یہ پریشانی ہوتی کہ ان کا آدمی رات کو اپنے گھر واپس کیوں نہیں لوٹا۔

گھر والے، آجروں میں سے کسی سے رابطہ کرتے تو میری دانست میں یہ نپا تلا جواب انہیں خاموش کر دیتا کہ ڈرائیور کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں اچانک شہر سے باہر جانا پڑ گیا تھا۔ اس بھول میں چند دن گزارنے کے بعد وہ ڈرائیور کی پراسرار گمشدگی کا اعلان کر دیتے۔

غیر تعلیم یافتہ اور ناخواندہ طبقے میں قانون اور پولیس سے گریز کی عمومی نفسیات کار فرما نظر آتی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی براہِ راست کسی در پر دستک نہیں دیتا۔ وہ سارا کام ڈرائیور کے معزز آجروں پر چھوڑ دیتا جو انہیں دلاسے اور امدادی رقوم دے کر بہلاتے رہتے اور یوں رفتہ رفتہ وہ قصہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو جاتا۔

"پہلے تم لاشیں دیکھ لو پھر کوئی قیاس آرائی کرنا۔" میں نے ہنس کر جلال سے کہا "پیٹرول کی آگ بہت بے رحم ہوتی ہے۔ ان کے جسموں کا ایک ایک ریشہ چاٹ گئی ہوگی۔"

"دیکھتا ہوں کہ اب کیا بنتا ہے۔" وہ رکنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ وہ اس وقت بن ڈیوڈ کا اہم معاملہ تمہارے اوپر چھوڑ کر چلا گیا۔" جلال کے چلے جانے کے بعد ویرا نے کہا۔

"دوستی اپنی جگہ پر ہے۔ اس کی خاطر وہ اپنے کام کرنے کے ضابطوں کو پامال نہیں کرتا۔" اول خان نے جواب دیا۔

"اس کے یہاں رکنے کا کون سا ضابطہ پامال ہو جاتا؟" ویرا نے چڑ کر پوچھا۔

"کیا تم نے یہ نوٹ نہیں کیا کہ سی نائین کا معاملہ میرے سپرد کر دینے کے بعد اس نے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا؟" اول خان نے ویرا کی بات کا جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کر ڈالا۔

"ہاں...... موضوع یکایک پولیس والوں کی طرف ہو گیا تھا۔" ویرا نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"بس یہی اس کا اصول ہے۔ ایس ٹی ایف کسی کام میں ہاتھ ڈال دیتی ہے تو ہر ایجنسی اس سے دور رہتی ہے۔ یہی جلال کا اصول ہے۔ وہ جانتا ہے کہ آئینی اور آئین سے ماورا ادارے ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ نہیں چل سکتے۔ اب وہ غائب ہو جائے گا۔ بن کی خبر دینے کے لیے مجھے اس کو تلاش کرنا پڑے گا۔"

"اس کے دماغ کی یہ ٹیڑھ تم ہی سمجھ سکتے ہو۔" ویرا نے شانے اچکا کر اپنی بے زاری کا مظاہرہ کیا۔ "وہ ہمارے ساتھ بیٹھتا ہے۔ باتیں اور مشورے کرتا ہے۔ کام کا وقت

آتا ہے تو اپنی راہ لیتا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ گڑ کھاتا ہے تو گلگلوں سے پرہیز کیوں کرتا ہے۔"

"تمہاری اردو تشویش ناک حد تک بہتر ہو رہی ہے؟" میں نے حیرت سے کہا "یہ نت نئے محاورے تم کہاں سے سیکھ رہی ہو؟"

"بازار جاتی ہوں تو کتابیں بھی دیکھ لیتی ہوں۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا "تمہارے یہاں تو کوئی کتابوں کو سونگھتا بھی نہیں۔ میں نے ردی میں سے صرف دس روپے میں ایک پرانی مجلد کتاب خریدی ہے جس میں اردو محاوروں کے ساتھ ان کی تخلیق کا پس منظر بھی لکھا ہوا ہے۔ بعض کہانیاں تو واقعی بہت دلچسپ ہیں۔"

"میں نے کبھی تمہیں کوئی کتاب پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔" سلطان شاہ نے اسے گھور کر کہا۔

"میں تمہیں دکھانے کے لیے نہیں پڑھتی۔ پیتے ہوئے میں اکیلے میں کچھ نہ کچھ ضرور پڑھتی ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ! پی کر پڑھتی ہو تو کیا خاک سمجھ میں آتا ہو گا۔" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"میں نے پوری بائبل ہلکے سے سرور کے عالم میں دھیرے دھیرے ختم کی ہے اور اس کے بعض اہم اقتباس مجھے آج بھی یاد ہیں۔" ویرا نے اسے چڑایا۔

"بس اب آگے نہ بولنا۔ یہ تمہارے دین دھرم کے مسائل ہیں۔ تمہارا کوئی پادری تمہیں جوتے لگائے گا۔"

ویرا نے ہاتھ جھٹک کر اسے خاموش کیا اور اول خان سے بولی "تم جلال کی دماغی ٹیڑھ کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔"

"اس کا اصول دوطرفہ ہے۔ وہ اپنے کسی کام میں ایس ٹی ایف کو شریک کرتا ہے نہ ہمارے کام میں شامل ہوتا ہے۔ رہی مشوروں کی بات تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ اس کی بہت اچھی عادت ہے کہ وہ مشورے دینے اور قبول کرنے کے معاملے میں بخیل نہیں ہے۔" اول خان نے اپنی پوری بات کو ایک جواب میں سمو دیا۔

"یہاں یہ چکر چلتے رہیں گے۔ اگر تم کو آج رات کچھ کرنا ہے تو کسی گوشۂ عافیت میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ یہاں ایک فاضل بیڈ روم بھی ہے۔" میں نے اول خان سے کہا۔

"کیا اس پروگرام میں میری کوئی گنجائش نہیں ہو گی؟" سلطان شاہ نے مایوسی سے پوچھا۔

"ناممکن!" میں نے سر کو نفی میں جنبش دی "اگر وہ کہیں اور ہوتا تو ہمیں ضرور نفری کی ضرورت پڑتی۔"

"پھر شاید میری شمولیت بھی خارج از امکان ہے!" ویرا پوچھ بیٹھی۔

"اس وقت تمہارا پس منظر میں رہنا بہتر ہے۔ سروے کرنے والی مشتبہ لڑکی تمہیں دیکھ چکی ہے۔ میں نہیں چاہوں گا کہ وہ سڑک پر کہیں بھی تمہیں پہچان لے۔"

"میں ویسے ہی گوشہ نشینی میں ہوں۔ اب مزید گوشے میں چلی جاتی ہوں۔ میرا کمرا میرے لیے بہترین پناہ گاہ ہے۔" وہ اٹھ کر چلی گئی۔

"اب تم بتاؤ کہ تم بن ڈیوڈ کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو۔" تخلیہ ہو جانے کے بعد اول خان نے میری طرف جھک کر پوچھا۔

"اس کی موت اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ اس وقت وہ اکیلا ہے۔ یہ اسے گھیرنے کا بہترین موقع ہے۔ ہمیں وقت ضائع کیے بغیر اس پر ہاتھ ڈال دینا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"تم یہ سب درست کہہ رہے ہو لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ وہیں چھپا ہوا ہو گا۔" اول خان اس بارے میں خاصا فکر مند تھا۔

"ادھر کا رخ کرنے سے پہلے اس سے تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کرنی ہو گی۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا ایم ففٹی استعمال کرو گے؟" اول خان کا وہ سوال فطری تھا "وہ تو جلال کے پاس ہے۔"

"میرے ذہن میں مبہم سا خاکہ بن رہا تھا۔ چلتے ہوئے میں نے اس سے ایڈریس لے لیا تھا۔ اس وقت ہمارے پاس بن سے رابطے کا وہی ایک ذریعہ ہے۔"

"ابھی تک میں تمہاری تائید کرتا رہا ہوں لیکن وہاں زیادہ نفری لے جانے میں کیا حرج ہے۔ ذرا ویرا وغیرہ کے خون میں بھی تھوڑی سی گرمی آجائے گی۔"

"ویرا کا تو خیر نام بھی نہ لو۔ ہدف کو اپنے قریب پا کر وہ اچانک بے قابو ہونے لگتی ہے اور اسے روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی زیادہ نفری کے زیادہ مسائل ہوتے ہیں۔ سی نائین کے زیادہ سے زیادہ دو راستے ہوں گے۔ وہ کدھر سے بھاگے گا۔"

"ہوں.... اوں! اول خان اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا "وہ کسی کھڑکی وغیرہ سے باہر کودا تو ہاتھ پیر تڑوا بیٹھے گا۔"

"ایسی صورت میں زیادہ نفری لے جانا مناسب نہیں ہو گا۔ ویسے تو خطرناک مجرم کو گھیرنے کے لیے ہر پیمانے کی تیاری ناکافی ہوتی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ بن بھاگتے بھاگتے تھک چکا ہے۔ اگر اسے مناسب انداز میں گھیرا جائے

تو وہ آسانی سے پسپائی کی راہ اختیار کر کے ہتھیار ڈال دے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ صرف تم میرے ساتھ چلو گے۔" اس نے تصدیق چاہی۔

"چاہو تو مجھے بھی اپنے ساتھ نہ لے جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ تم یہ مہم سنبھال لو گے۔ بس ایک بار یہ یقین ہو جانا چاہیے کہ وہ سی نا ئین کی مشتبہ عمارت میں ہی روپوش ہے۔ اپنے دو آدمیوں کو اس عمارت کے دونوں راستوں پر مامور کر کے تم اسے للکارو گے تو وہ ذرا سی مزاحمت کے بعد راہ راست پر آجائے گا۔"

"میرے اپنے طور طریقے ہیں۔ اپنی فوجی زندگی میں میرا زیادہ تر جنگی قیدیوں سے واسطہ پڑتا رہا۔ ان کی زبان کھلوانے کا ایک لگا بندھا طریقہ ہوتا ہے وہ مار کھاتے ہیں اور اپنی زبان بند رکھتے ہیں۔ جب ان کی قوتِ برداشت جواب دے جاتی ہے تو وہ ٹیپ ریکارڈر کی طرح بولتے چلے جاتے ہیں۔ تم سے ملاقات ہونے سے پہلے میرا زیادہ تر کام جنگلوں اور ویرانوں میں چھپے ہوئے قاتلوں اور ڈاکوؤں کو پکڑنے تک محدود رہا تھا۔ میری اور تمہاری پہلی ملاقات بھی اسی چکر میں ہوئی تھی۔ ان کو گھیر کر کسی بند علاقے کی طرف ہانکا جاتا تھا۔ پھر وہ لڑتے لڑتے مرجاتے تھے یا پھر گرفتار ہو جاتے تھے۔ ان کی گرفتاری کے بعد میرا کام ختم ہو جاتا تھا۔ انہیں پولیس کے حوالے کر کے ہم لوٹ آتے تھے۔"

"تم مجھے کیا بتانا چاہ رہے ہو؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔ کیونکہ اس نے اپنے پیشہ ورانہ تجربات کی تفصیل مجھے پہلی بار سنائی تھی۔ نہ جانے اسے وہ ان کہی باتیں دہرانے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔

"میں نے بارہا تم کو یہ سب بتانا چاہا لیکن کبھی مجھے موقع نہیں ملا' میں نے اپنی طویل پیشہ ورانہ زندگی میں کبھی شہری علاقوں میں یا شہری مجرموں کے خلاف کام نہیں کیا تھا۔ تم سے ملنے کے بعد میں نے ان سب بکھیڑوں میں ہاتھ ڈالنا شروع کیا۔ میں آج بھی پوری ایمان داری سے یہ سمجھتا ہوں کہ تمہاری مدد کے بغیر میرے لیے ان الجھنوں کو سلجھانا مشکل ہے۔"

"مطلب کی بات تم نے ابھی تک نہیں بتائی۔" میں نے اسے ٹوکا۔

"سیدھی سی بات ہے۔ بن چکر باز آدمی ہے۔ تم ساتھ رہو گے تو میرا کام آسان ہو جائے گا۔ دوسری صورت میں یہ ممکن ہے کہ وہ مجھے غچا دے کر صاف نکل جائے۔"

میرا ارادہ تھا کہ میں بن سے اسی وقت ایم ففٹی پر رابطہ کرتا لیکن اول خان کے وہ الفاظ سننے کے بعد میں نے اپنا فیصلہ تبدیل کر دیا۔ اس کی مبینہ کمین گاہ سے قریب رہ کر اسے ہراساں کرنا زیادہ مناسب تھا۔

"تمہارے چار آدمی وہاں موجود ہیں۔ یہاں سے ہم دونوں چلیں گے۔ ایک کے مقابلے کے لیے یہ نفری کافی ہونی چاہیے۔" میں نے کہا۔

"ایک نہیں' تین کے مقابلے میں چھ کہو۔" اس نے میری تصحیح کی "اگر وہاں کوئی اور نہ ہوا تب بھی دو چوکیدار ضرور ہیں۔ وہ اپنے پُراسرار مہمان کے بارے میں اتنی رازداری سے کام لے رہے ہیں تو اس کی حمایت میں ہم سے لڑنے مرنے پر بھی آمادہ ہو سکتے ہیں۔"

"وہ مقامی ہیں۔ اگر انہوں نے ہمارے مقابلے پر آنے کی کوشش کی تو میں انہیں ٹانگوں پر کھڑا نہیں رہنے دوں گا۔ اپنے آدمیوں کو ہدایت دے دینا کہ بلا تکلف ان کی پنڈلیوں پر گولیاں چلا دیں۔ ان کو اپنی جسارت کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔"

"اس کے باوجود انہوں نے مزاحم ہونے کی کوشش کی تو مارے جائیں گے۔" اول خان نے سرد لہجے میں کہا "وہ مقامی ہیں تو ہوا کریں۔ غداروں کا ساتھ دینے والوں کا انجام غداروں کے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔"

میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی اور میں نے تیزی سے ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف سے جہانگیر میری آواز پہچانتے ہی چہکنے لگا۔

"تنویر خان! مبارک ہو۔ اب تو شہر میں لونڈیاں تم کو ڈھونڈتی پھر رہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سالے اس شہر کی ہر خوبصورت لڑکی کم از کم تمہارا نام ضرور جانتی ہے۔"

"یہ کیا بے وقت کی راگنی الاپ رہے ہو۔" میں نے بے دھیانی سے اسے جھاڑ دیا "اپنی پینک میں تم کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میں خان نہیں ہوں۔"

"مجھے سب یاد ہے۔ میں خان بن کر تمہیں عزت دینا چاہ رہا تھا۔ یہ تمہیں راس نہیں آرہی تو میں خطاب واپس لیے لیتا ہوں۔"

"یہ لونڈیوں کا کیا ذکر کر رہے تھے تم۔" میں نے چونک کر پوچھا "اس کی سرسری انداز میں سنی ہوئی وہ بات میرے دماغ کے کسی گوشے میں جا لگی تھی۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک خوب صورت لڑکی پرفیوم بیچنے آئی تھی۔ وہ تمہارے بارے میں پوچھ رہی تھی۔"

میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ ”میں سمجھا نہیں کہ تم کس لڑکی کی بات کر رہے ہو۔“ میں نے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

”لڑکیاں آتی رہتی ہیں۔ کبھی کوئی سروے کے لیے آتی ہے تو کوئی کچھ بیچنے یا مفت بانٹنے کے لیے آجاتی ہے۔“

”مفت بانٹنے.... کیا بک رہے ہو تم۔“ مجھے اس کے عامیانہ فقرے پر غصہ آگیا۔

”بھڑک کیوں رہے ہو؟“ میرے کان میں اس کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی ”کسی کمپنی کی مصنوعات کا مفت بانٹنا کوئی جرم تو نہیں ہے۔“

”اوہ! تو یہ گند تمہاری بلڈنگ میں بھی چلتا ہے۔“ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”میرا خیال تھا کہ تمہارا سیکیورٹی سسٹم بہت اچھا ہے۔“

”الحمد اللہ! بہت اچھا ہے مگر خوش رو سروے اور سیلز گرلز کو وہ خود اندر آنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ ان سے بلڈنگ میں رونق رہتی ہے۔ آج تک کسی نے ان کے بارے میں کوئی شکایت نہیں کی۔“

”تمہارے پاس کوئی پرفیوم بیچنے کے لیے آئی تھی؟“

”ہاں، میرے اور سلمیٰ کے لیے مفت میں دو سیمپل دے گئی ہے۔ بعد میں ہم نے اس سے ایک بوتل خرید لی۔“

”مجھے تمہاری خریداری سے کوئی دلچسپی نہیں۔ کیا تم نے مجھے یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا؟“

”یہ ذکر تو یوں ہی نکل آیا۔ میں تمہیں مبارکباد دے رہا تھا کہ وہ بھی تمہارے جاننے والی نکلی۔“

”وہ کسی کی جاننے والی نہیں تھی۔ اب اگر تم بن پئے بھی مدہوش رہنے لگے تو تمہارا اللہ حافظ ہے۔ میں تمہیں ہوشیار کر چکا ہوں کہ آئی مین کے آدمی میرے چکر میں تمہارے گھر تک پہنچ سکتے ہیں مگر لڑکیوں کو دیکھ کر تمہاری عقل ٹخنوں میں اتر جاتی ہے۔ اب اس کے ساتھی تم سے کچھ نہ کچھ جنوانے کے لیے آئیں گے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ میری پھٹکار سن کر اس کی عقل ٹھکانے پر آگئی۔ ”وہ حرافہ تھی۔ مجھے جل دے گئی۔ میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ بلڈنگ سے کیسے نکلے گی۔ ابھی سیکیورٹی والوں کو انٹرکام کرتا ہوں کہ وہ میرا بٹوا چرا کر لے گئی ہے۔“

”فضول باتیں مت سوچو۔ اب دور دور تک اس کا سایہ بھی نہیں ملے گا۔“ وہ تمہاری پشت پر پیاز کتر کر چلی گئی اور تم ابھی تک مدہوش ہو۔ کسی سے کوئی ہلکی بات کی تو خود تماشا بن جاؤ گے۔ لڑکی پھر بھی ہاتھ نہیں آئے گی۔“

”یہ برا بلکہ بہت ہی برا ہوا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آئی مین اتنا حرامی ہو گا کہ لڑکیوں کو تمہارے پیچھے لگا دے گا۔ بس یار، اس کی کچھ دار باتوں سے میری عقل پر پردہ پڑ گیا تھا۔ تمہاری سلمیٰ بیگم اس سے باتیں کرنے میں پیش پیش تھیں۔ تمہارا بھانڈا اُن ہی نے پھوڑا ہے۔“

میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس پر غصہ کرنا بے سود تھا۔ جو ہونا تھا، وہ ہو گیا تھا۔ اس وقت یہ معلوم کرنا ضروری تھا کہ ان دونوں نے نامعلوم لڑکی سے میرے بارے میں کیا باتیں کی تھیں۔

”بس خوشبوؤں کے سیمپل ٹیسٹ کراتے کراتے اس نے اچانک پوچھا تھا کہ ڈیبی صاحب کس فلیٹ میں رہتے ہیں اور سلمیٰ بیگم بول پڑیں کہ وہ یہاں نہیں گلشن میں رہتے ہیں۔“

”اس سے کہو کہ میرے گھر کا نمبر اور پتا بھی اس چہیتی کو بتا دیا ہوتا۔“ میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”اسے معلوم ہوتا تو وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ بتاتی چلی جاتی۔ وہ تو مجھے خیال آگیا کہ وہ تمہارا نام کیسے جانتی ہے۔“

”پھر اس نے کیا بتایا؟“ میں نے بے تابی سے سوال کر ڈالا۔

”کہہ رہی تھی کہ کچھ روز پہلے اس نے تم کو ہماری بلڈنگ سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس وقت وہ کمپنی کی گاڑی میں سڑک سے گزر رہی تھی۔ اس نے بلڈنگ کا نام نوٹ کر لیا۔“

”تم چغد ہو۔ اس نے تم کو اُلو بنا کر اپنے مطلب کی بات معلوم کر لی۔ تم نے اس سے یہ تو پوچھا ہوتا کہ وہ مجھے کب سے جانتی ہے۔“

”سوچا تھا مگر پھر خاموش ہو گیا۔ تمہاری کون سی بات مجھ سے ڈھکی چھپی ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ سلمیٰ کے سامنے کوئی ایسی ویسی بات کہہ دی تو بلاوجہ تمہاری سبکی ہو گی۔ سلمیٰ تمہاری بہت عزت کرتی ہے بلکہ تم کو بہت شریف آدمی سمجھتی ہے۔“

میں دل ہی دل میں بل کھا کر رہ گیا۔ اس سے وہ ساری حماقتیں اس لیے ہوئیں کہ وہ نازک حملہ ایک لڑکی نے کیا تھا۔ اس کی جگہ کوئی مرد ہوتا تو جہانگیر اس کی زبان سے میرا نام سنتے ہی اس کی گردن دبوچ لیتا اور اس وقت تک اسے نہ چھوڑتا جب تک اس کا اطمینان نہ ہو جاتا۔

”اس لڑکی کا حلیہ کیا تھا؟“ میں نے اپنے گھر میں چائے

کے سروے کے لیے آنے والی لڑکی کا تصور کرتے ہوئے پوچھا۔

"بھرے بھرے بدن والی دراز قامت اور خوب صورت لڑکی تھی تم اسے دیکھ لیتے تو ذرا سی دیر کے لیے چوکڑی بھول جاتے۔ سالی کے داہنے رخسار پر ایسا قیامت کا تل تھا کہ اس پر سے نظر ہی نہیں ہٹ رہی تھی۔ اس نے تمہارا نام نہ لیا ہوتا تو میں کسی بہانے سے اسے دوبارہ ضرور بلاتا۔"

"فکر نہ کرو بیٹے۔ تمہاری بیوی نے جو گل کھلایا ہے اس کے بعد وہ دوبارہ ضرور آئے گی اور اس بار اکیلی نہیں آئے گی۔"

"آ کے دیکھے.... میں آج ہی شکایت کر کے ہرایرے غیرے کی آمد پر پابندی لگوا دوں گا۔" اس کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

مجھے اس کے انکشاف پر فوری طور پر بہت غصہ آیا تھا لیکن بات آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ میرے غصے میں کمی آتی جا رہی تھی۔ مجھے اپنے بارے میں ہر خطرے کا مکمل ادراک تھا مگر میں سروے کے لیے آنے والی لڑکی کے فریب میں آکر اسے گھر میں لے آیا تھا۔ اگر ویرا بپھر کر اسے راہ داری سے نہ بھگا دیتی تو شاید میں اسے دیر تک ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اس کا دیا ہوا سوال نامہ پورے خلوص سے پر کرتا رہتا۔ میرے مقابلے میں جہانگیر اور سلمٰی نے بات کو زیادہ پھیلنے نہیں دیا تھا۔

"سلمٰی کہاں ہے؟ اس وقت تم کھل کر بول رہے ہو!" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"نہا رہی ہے۔" جہانگیر کی آواز سے بے زاری مترشح تھی۔" تاکہ اپنے بدن کو نئے پرفیوم کی جادوئی خوشبو میں رچا کر مجھے پاگل کر سکے.... پاگل کہیں کی!"

"گھر میں رہو' ہوشیار رہو اور ہو سکے تو عمارت میں اجنبیوں کے داخلے پر پابندی لگوا دو۔ میری یہ بات یاد رکھو کہ اس وقت ہم دونوں بہت مشکل وقت سے گزر رہے ہیں۔ ہماری ذرا سی لغزش ہمارے لیے زندگی بھر کا روگ بن سکتی ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ اب مجھ سے غلطی نہیں ہوگی۔ حسینۂ عالم بھی سوئمنگ کاسٹیوم پہن کر میرے سامنے آگئی تو میں اپنی آنکھیں بند کر کے اسے بھگا دوں گا۔ اس عمارت میں رہنے والوں کو حق ہے کہ وہ اجنبیوں کو اندر آنے سے روک دیں۔ ہماری ڈھیل کی وجہ سے لڑکیاں آتی ہیں کل سے کوئی نہیں آئے گی۔"

"یہ بھی دھیان رکھنا کہ عمارت میں داخل ہونے میں ناکامی کی صورت میں وہ فون پر تم سے رابطہ کریں گے۔ اس میں بھی ناکامی ہوئی تو سلمٰی کو باہر آتے جاتے ہوئے تنگ کر سکتے ہیں۔ نیا آئی مین بہت گھٹیا اور خبیث آدمی ہے۔ اس سے ہر حربے کی توقع کی جا سکتی ہے۔"

"اچھا ہی ہوا کہ میں نے تم کو فون کر لیا۔" اس کی تفکر آمیز آواز ابھری۔ "میرا ارادہ تم سے تھوڑی سی دل لگی کرنے کا تھا لیکن تم نے تو میری آنکھیں کھول دیں۔ تم سے میری بات نہ ہوتی تو میں دوبارہ اس لڑکی کے جال میں پھنس سکتا تھا۔ دوسری مرتبہ وہ زیادہ سے زیادہ تیاری کے ساتھ آتی۔"

"اس وقت کسی معمولی سے معمولی بات کو بھی نظرانداز نہ کرو اور مجھ سے مسلسل رابطے میں رہو۔ میں فکرمند ہو گیا ہوں کہ آخر کار انہوں نے تمہارے گھر کا سراغ لگا لیا ہے۔ وہ بہت تیزی اور جانفشانی سے کام لے رہے ہیں۔ ہم کو ان کی زد سے بچنا چاہیے۔"

لڑکی کے نام کے بارے میں جہانگیر نے کچھ بتایا نہ میں نے وہ غیر ضروری سوال پوچھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس لڑکی نے جہانگیر کو اپنا فرضی نام بتایا ہوگا۔

جہانگیر نے پرفیوم بیچنے والی کا جو نقشہ کھینچا وہ ہمارے گھر کے سروے کے لیے آنے والی لڑکی سے یکسر مختلف تھا۔ ہمارے دشمنوں نے دو مختلف کاموں کے لیے ایک ہی لڑکی کو استعمال کرنے کی غلطی نہیں کی تھی۔ اس طرح آلۂ کار بننے والی لڑکی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ اسے کسی مشتبہ کام کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا۔ وہ اپنے شبہے کا اظہار باہر کے کسی آدمی پر کر دیتی تو ان لوگوں کے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔

ایک آدمی' ایک کام کے اصول پر کاربند رہ کر انہوں نے بہت کامیابی کے ساتھ میرے اور جہانگیر کے قریبی تعلق کا سراغ لگا لیا تھا۔ جو وقت کے دھندلکے میں ایک طویل مدت سے دھندلایا ہوا تھا۔

جہانگیر سے فون پر میری گفتگو کے دوران بھی اندر سے کسی نے دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ وہ لوگ میری اس فون کال کو بھی میرے اور اول خان کے سنجیدہ مذاکرات کا ایک حصہ سمجھ رہے ہوں گے۔ میں نے فون بند کیا تو اول خان ہمہ تن میری طرف متوجہ تھا۔

میری یک طرفہ گفتگو سے اس نے بہت کچھ سمجھ لیا تھا لیکن اس پر سب کچھ واضح نہیں ہوا تھا۔ اسے یہ جان کر

حیرت ہوئی کہ جہانگیر پر بالکل وہی وار آزمایا گیا تھا جو پچھلے روز ہم پر کیا گیا تھا۔
"ویسے تو سبھی دشمنوں کو بہت شدت سے ہماری تلاش ہے لیکن کل یہاں آنے والی لڑکی کو شاید بلیک کیٹس کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ جہانگیر کے پیچھے بن کے آدمی لگے ہوئے ہیں۔ ان کو بھی تمہاری ہی تلاش ہے مگر وہ اس میں جہانگیر کو ایک آسان زینہ سمجھ رہے ہیں۔"
میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا اور کہا "تمہاری اس بات سے کیا یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ بلیک کیٹس کے دونوں کارندے یہاں بن سے رابطے میں ہیں۔"
اول خان نے چند ثانیوں کے لیے خاموش رہ کر اپنے بیان پر غور کیا پھر اثبات میں سر ہلا دیا "رابطہ نہ ہوتا تو دونوں ایک طریقہ کیسے استعمال کر سکتے تھے؟"
"ڈیوڈ اس وقت سی نائین میں روپوش ہے۔ وہ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ ایسی کوئی کارروائی کر سکے۔"
"بن ڈیوڈ ایک مہرہ ہے جسے ہوا بنا کر میدان میں اتارا گیا ہے اس کی پشت پناہی کرنے والے ٹام اور نک شہر میں آزاد پھر رہے ہیں۔ وہ اس کے نام پر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"
"نہیں اول خان! یہ مشکل نظر آ رہا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک ان کی ساری توجہ را کے بچے ہوئے ایجنٹوں پر مرکوز تھی۔ وہ بلیک کیٹس کو کہاں تلاش کر سکتے تھے۔ تم خود بتا چکے ہو کہ بلیک کیٹس طویل مقابلے نہیں کرتے۔ کہیں بھی پہنچ کر خاموشی سے کمانڈو ایکشن کرتے ہیں اور تیزی سے لوٹ جاتے ہیں۔"
"ہو سکتا ہے کہ بلیک کیٹس نے خود سی آئی اے والوں سے رابطہ کیا ہو۔" اول خان نے اپنا خیال ظاہر کیا۔
"یہ ناممکن ہے۔ سی آئی اے والے مغرور اور بددماغ ہیں۔ انہوں نے وجے اور اس کے تینوں آدمیوں کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے وہ ہر بھارتی ذمہ دار کے علم میں آ چکا ہوگا۔ بلیک کیٹس اپنے ہاتھوں سے غلامی کا یہ طوق اپنے گلے میں نہیں ڈالیں گے۔ یہاں را کے ہوتے ہوئے ان کو بھیجا گیا ہے تو وہ امریکیوں سے دور رہ کر اپنا ہدف پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔"
"مجھے معلوم ہے کہ میں تم سے بحث میں نہیں جیت سکتا۔ میں مانے لیتا ہوں کہ تمہاری ہر بات ٹھیک ہے مگر اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔"
"اس وقت امریکیوں کی ساری توجہ بن کو بچانے پر مرکوز ہے۔ ہمیں اصل خطرہ بلیک کیٹس سے ہے۔ وہی جہانگیر تک پہنچے ہیں۔ لڑکیوں کے استعمال کا مشترک طریقہ کار یہ بتا رہا ہے کہ دونوں جگہ ایک ہی دماغ کام کر رہا تھا۔ انہیں عجلت ہے۔ وہ جلد از جلد مجھ تک پہنچنا چاہ رہے ہیں۔"
"کچھ دیر کے لیے میری یہ بات مان لو کہ آئین سے ماورا سہی لیکن میں ایک سروس کا افسر ہوں۔ متعدد اجلاسوں میں شریک ہو چکا ہوں۔ مجھے بہت سے امریکی اور بعض بھارتی پہچانتے ہیں۔ اسی وجہ سے مجھ پر دانستہ ایک اوچھا حملہ کیا گیا۔ میری حماقت سے حملہ آوروں نے یہ گھر دیکھ لیا اور مزید چھان بین کے لیے ایک لڑکی کو سروے بنا کر یہاں بھیج دیا۔ یہاں تک بلیک کیٹس کی کارکردگی قابل فہم ہے۔ وہ بیٹھے بیٹھے یکایک جہانگیر تک کیسے پہنچ گئے۔"
"اس کا جواب تمہاری اپنی باتوں میں پوشیدہ ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "جو بھارتی افسر تمہیں پہچانتے ہیں وہ میرے اور میرے رابطوں کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ معلومات رکھتے ہیں۔ ویرا، غزالہ اور جہانگیر۔ یہ تین نام ایسے ہیں جو میرے دشمنوں کے لیے نئے نہیں ہیں بلکہ سلطان شاہ بھی میری وجہ سے موت کے منہ میں جاتے جاتے بچ چکا ہے۔ ان لوگوں نے بلیک کیٹس کو جہانگیر کی طرف متوجہ کر دیا ہوگا۔"
"نہیں ڈیئی، بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" اول خان نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "جب انہوں نے یہ گھر دیکھ لیا تھا، ایک لڑکی تمہارے ساتھ ویرا سے مل کر جا چکی تھی تو پھر ان کو جہانگیر کے گھر جانے کا خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت رہ جاتی تھی۔ اگر وہ پہلے جہانگیر کے گھر گئے ہوتے پھر ادھر آتے تو کچھ بات بن سکتی تھی۔"
"اسے یوں سمجھ لو کہ ہمارے گھر کے سروے کے لیے آنے والی لڑکی بالکل ناکام لوٹی۔" میں نے اس کی الجھن کا ادراک کرتے ہوئے جواب دیا۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ویرا جیسی امریکی خدوخال والی سفید فام عورت کو شستہ اردو بولتے دیکھ کر حیران نہ ہوئی ہو۔"
"میں پرانی بات دہراؤں گا کہ وہ اسے پٹھان وغیرہ سمجھی ہوگی۔" میں نے زور دے کر کہا "میں اس لڑکی سے ملا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ شریف اور ضرورت مند تھی مگر چالاک نہیں تھی۔ اسے سروے کے صحیح مقصد کا علم نہیں تھا اس لیے اس نے ویرا کو نظرانداز کر دیا۔"
"ہو سکتا ہے تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" اول خان نے بے بسی سے کہا۔

"مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ ویرا کی جارحانہ مداخلت نے اس سرویر کو حواس باختہ کر دیا۔ وہ کوئی صحیح نتیجہ اخذ کیے بغیر یہاں سے رفو چکر ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری وہ رات خیریت سے گزر گئی اور بلیک کیٹس نے ادھر کا رخ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی مگر آج ان کا کام بن گیا ہے۔ سلمٰی نے گلشن اقبال میں میری رہائش کا ذکر کر کے انہیں دوبارہ اس مکان کی طرف متوجہ کر دیا ہے۔ اب وہ کسی بھی وقت ادھر آ سکتے ہیں۔"

"کیا اس بارے میں جلال سے کوئی مدد مل سکتی ہے۔" اول خان نے قدرے خاموشی کے بعد بوجھل آواز میں پوچھا۔

"وہ ادھر آ ہی گئے تو ہمیں خود ان کا مقابلہ کرنا ہو گا۔" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اس بارے میں جلال ہماری کیا مدد کر سکتا ہے۔"

"پھر بھی اس کا باخبر رہنا ضروری ہے۔ ہم جس طرح مل جل کر کام کر رہے ہیں اس کا تقاضا ہے کہ تازہ ترین حالات سے ایک دوسرے کو باخبر رکھا جائے۔ نیلی ڈاج کو آگ لگنے کے بعد وہ سیدھا ہمیں خبر دینے آیا تھا۔ اسے بعد میں پتا چلا تو وہ برا مانے گا۔"

وہ چھپنے والی بات نہیں تھی۔ کراچی میں بلیک کیٹس کی موجودگی ایک اہم واقعہ تھی۔ وہ بھارتی سیکرٹ ایجنٹ ہی نہیں، تربیت یافتہ دہشت گرد تھے جو کمانڈو ایکشن کے ذریعے ملک کے کسی بھی حصے میں امن و امان کو تہ و بالا کر سکتے تھے اور ان کو روکنے کی ذمہ داری شاید جلال کے محکمے کے سر ہی جاتی تھی۔

میں نے سگریٹ پھونکتے ہوئے اس بارے میں خاصا غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ جہانگیر کی فون کال کے ذریعے سامنے آنے والی باتوں نے صورتِ احوال کو یکایک ایک نیا موڑ دے دیا تھا۔ جلال کا ان حالات سے بروقت باخبر ہونا ضروری تھا۔

موبائل فون کی وجہ سے ہر وقت ذاتی رابطہ کی سہولت موجود تھی۔ میں نے اسی وقت جلال کا موبائل نمبر ملایا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔" رابطہ ہوتے ہی وہ بول پڑا "دونوں ڈھانچے ناقابلِ شناخت ہیں۔ آگ اتنی شدید تھی کہ ان کی ہڈیاں تک کوئلہ ہو گئی ہیں۔"

"ایک اعتبار سے یہ اچھا ہے کہ دونوں لاشیں لاوارث اور گمنام رہیں گی تو کوئی اسکینڈل کھڑا نہیں ہو گا۔"

"یہ بات اتنی سیدھی نہیں ہے جتنی تم سمجھ رہے ہو۔ ان کا تیسرا ساتھی کسٹم ہاؤس پر مارا گیا تھا۔ اس کی لاش بالکل صحیح سالم ہے، را والوں کی غیر معمولی احتیاط کے سبب اس کے کپڑوں سے بھی ایسی کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی جو اس کی شناخت پر روشنی ڈال سکے مگر اس کی تصویر ہر متعلقہ آدمی پہچان لے گا...."

"پہچاننے کو تو انہیں سب کچھ معلوم ہے کہ انہوں نے کیا کھیل کھیلا تھا اور اس کا انجام کیا ہوا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "بات کسی اور فریق کے شور مچانے کی ہے۔ وہ غریب ڈرائیور کے ورثا ہو سکتے تھے۔ اب وہ بے خبر اور خاموش رہیں گے۔ سب کچھ وزنی فائلوں میں دفن ہو جائے گا۔"

"نیلی ڈاج کے مالک اور ڈرائیور کی شناخت سے ان کے لیے دشواریاں کھڑی ہو سکتی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس بارے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔" بات کرتے کرتے اس نے اچانک چونکی ہوئی آواز میں کہا "ارے، میں نے اپنی کہانی شروع کر دی۔ یہ بتاؤ کہ تم نے کیوں فون کیا تھا۔"

میں نے اسے جہانگیر کے فلیٹ میں رونما ہونے والے حالات کے بارے میں بتا دیا۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ اس نے تمہیں بروقت باخبر کر دیا۔ ابھی تم کیا کہہ رہے تھے؟ جہانگیر کے گھر آنے والی لڑکی کے داہنے رخسار پر کوئی تل تھا۔"

اس کا غیر معمولی لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ کوئی بہت اہم بات تھی۔ میں نے کہا "ہاں! جہانگیر عورتوں کے معاملے میں ذرا جمال پرست واقع ہوا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ لڑکی کے تل پر سے اس کی نگاہ نہیں ہٹ رہی تھی۔ وہ اس لڑکی کی شناخت کا بہت نمایاں حصہ ہے۔"

"میں اسی لیے چونکا تھا۔ مجھے کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ... دو تین برس پہلے وہ لڑکی لاہور میں کافی سرگرم رہی ہے۔ وہ را کی ایجنٹ ہے۔ لاہور میں اس نے کئی اہم افسروں پر ڈورے ڈال دیے تھے۔ بات پھیلی تو وہ سرحد پار فرار ہو گئی۔ میں ریکارڈ دیکھ کر اس کے بارے میں تمہیں بتاؤں گا۔"

وہ ایک نیا انکشاف تھا۔ ہمارے گھر ایک مقامی سرویر بھیجی گئی تھی۔ شاید یہ اس کی ناکامی کا نتیجہ تھا کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر معلومات حاصل کرنے کے لیے را کی اس چالاک لڑکی نے خود خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا تھا۔

"یہ کام جلد ہو جائے تو بہتر ہو گا۔" میں نے اپنے وجود میں ابھرنے والے ہیجان پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ وقت ملتے ہی یہ کام

کر گزروں گا۔"

"بس تو پھر میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔"

"واقعات کی رفتار اچانک تیز ہو گئی ہے۔ بن اور سی آئی اے والے مل کر کوئی نیا گل کھلانے کے چکر میں ہیں۔ ادھر بلیک کیٹس کی آمد کی خبریں ہیں۔ اب تم تل والی لڑکی کی کہانی سنا رہے ہو۔ کوئی بھی فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا۔"

"بن کا قصہ تو شاید آج ہی پاک ہو جائے۔ ہم ادھر جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"

"ٹھنڈے دل سے اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ تم اس طرف جاؤ اور بلیک کیٹس تمہارے گھر پر ٹوٹ پڑیں۔ تم جانتے ہو کہ پیشہ ور ایجنٹوں کا کمانڈو ایکشن کس قدر تیز اور خطرناک ہوتا ہے۔ اس وقت ان کا مقابلہ زیادہ اہم ہے۔"

"تمہاری یاد دہانی کا شکریہ۔ میں دیکھتا ہوں کہ کون سا قدم اٹھانا ہمارے لیے سود مند رہے گا۔"

اس سے بات ختم ہو گئی۔ اول خان نے جہانگیر کے گھر آنے والی لڑکی کے بارے میں جلال کی رائے سنی تو اس نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا "مجھے بھی کچھ کچھ یاد آ رہا ہے۔ را کے خطرناک ایجنٹوں سے ایس ٹی ایف باخبر رہتی ہے تاکہ پاکستان کی سرزمین پر ان کی حرکتوں کا انسداد کر سکے۔ وہ لڑکی لاہور میں بہت تیز و طرار ثابت ہوئی تھی۔"

"تم بھی یاد کرنے کی کوشش کرو۔ رفتہ رفتہ یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ بلیک کیٹس یہاں موجود ہیں۔ ویسے حیرت ہے کہ اس بار انہوں نے ایک لڑکی کو یہاں بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔" میں نے کہا۔

"شاید انہیں توقع ہو گی کہ مردوں کی بھیڑ میں وہ آسانی سے اپنی راہ بنا سکے گی۔" اول خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی۔ "تم نے دیکھ لیا کہ وہ جہانگیر کے گھر میں بیٹھ کر کچھ نہ کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس کی جگہ مرد ہوتا تو جہانگیر اسے دروازے سے ہی رخصت کر دیتا۔"

"پھر اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"بن کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کر دو اور گھر میں رک کر آنے والوں کا انتظار کرو۔"

"ضروری نہیں کہ وہ آج ہی ادھر آ جائیں۔ ہم کب تک ان کے انتظار میں رکے رہیں گے؟" میرے یہاں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ باہر تمہارے ایک اسٹرائیک یونٹ کے آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔ اندر تین دلیر نفوس موجود رہیں گے۔ آنے والوں کے لیے یہ نفری کافی ہو گی۔"

"تمہیں رکنے کا مشورہ دینے کا سبب بھی وہی ہے جو تمہیں ساتھ لے جانے کا ہے۔ تمہاری موجودگی سے دل کو ڈھارس رہتی ہے۔ تم صحیح وقت پر تیزی سے صحیح فیصلے کر کے حالات کو اپنے حق میں ڈھال لیتے ہو۔ شاید اپنی اسی صلاحیت کی وجہ سے تم آج تک اپنے دشمنوں سے بچے ہوئے ہو۔"

"بلیک کیٹس یہاں ہم سے مذاکرات کرنے کے لیے نہیں آئیں گے۔ وہ بارود اور گولیوں کی زبان میں بات کریں گے۔ اس کا جواب دینے کے لیے صرف دلیری اور بے خوفی درکار ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ ہماری پوری نفری ان صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔"

"تم بن کی طرف جانے پر مصر ہو؟" اس نے براہِ راست پوچھ لیا۔

"ایک غیر یقینی مقابلے کے انتظار میں ہم یقینی شکار کو آزاد چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ وہ مسلسل بھاگتا چلا آ رہا ہے اور اب صرف دو چوکیداروں کے رحم و کرم پر ہے۔ خدا خدا کر کے سی نائین کا سراغ ملا ہے تو ہمیں ادھر چل دینا چاہیے۔ یہ بن پر ہاتھ ڈالنے کا بہترین موقع ہے۔ یہ ہاتھ سے نکل گیا تو ہم دیر تک پچھتاتے رہیں گے۔"

آخر کار ہم نے رات کا کھانا جلد کھا لینے کے بعد دس بجے گھر سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔

○☆○

وہ ڈیفنس کا ایک کمرشل علاقہ تھا جہاں بیشتر دکانیں وغیرہ بند ہو چکی تھیں۔ لیکن بیکریاں اور سودا سلف کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ مجموعی طور پر وہاں وہ رونق مفقود تھی جو بھرے پرے بازاروں میں نظر آتی ہے۔ ہر چیز پر ایک جمود اور ٹھہراؤ ساطاری نظر آ رہا تھا۔

سی نائین ایک دہری سڑک پر کئی خالی پلاٹوں کے درمیان کھڑی ہوئی ایک اکلوتی عمارت تھی۔ وہاں قرب و جوار کی عمارتوں کی زیریں دکانوں میں بیشتر موٹر ورکشاپ وغیرہ تھے جو اس وقت بند ہو چکے تھے۔ ان کے باہر کھڑی ہوئی بھانت بھانت کی گاڑیاں اپنی زبانِ حال سے یہ اعلان کر رہی تھیں کہ وہاں انجنوں کی دیکھ بھال سے رنگ و روغن کی مرمت تک کا کام ہوتا تھا۔ وہاں کھڑی ہوئی گاڑیوں کی تعداد زیادہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہاں ساری سہولتیں آس پاس ہی دستیاب تھیں۔

میں نے سست روی سے سی نائین کے سامنے سے گزرتے ہوئے عمارت کا ناقدانہ جائزہ لیا تو اس کا مین روڈ کا دروازہ بند تھا۔ باہر کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ عمارت کی تعمیر میں بہت فراخ دلی سے شیشہ استعمال کیا گیا تھا۔ اس وقت تمام شیشوں کے پیچھے گہرے اندھیرے کا راج تھا۔ ظاہری طور پر اس عمارت کے آباد ہونے کے کوئی آثار نہیں تھے۔

اول خان مجھ سے پہلے اس خم دار' دہری سڑک سے گزر چکا تھا جہاں سی نائین کے سامنے کھیل کا تاریک میدان پھیلا ہوا تھا۔ اول خان کا ارادہ اسی میدان کے کسی تاریک حصے میں اپنی گاڑی چھوڑنے کا تھا۔ ہمیں اپنے آپریشن کے دوران پیدل رہ کر عمارت تک پہنچنا تھا۔

ایس ٹی ایف کے آدمیوں کی فراہم کی ہوئی معلومات کے مطابق اس کمرشل ایریا میں دو سو گز رقبے کے پلاٹوں کی قیمت بہت زیادہ تھی جس کی وجہ سے تعمیری منصوبہ بندی میں زیادہ فراخ دلی سے کام لینا ممکن نہیں تھا۔ بیشتر عمارتوں میں داخلی راستہ زینوں کے ساتھ ہی عقبی گلی میں رکھا گیا تھا۔ اس طرح سامنے کے رخ پر ایک دکان کی زیادہ جگہ نکل آتی تھی لیکن سی نائین سمیت بہت سی ستھری عمارتوں میں ایک فاضل دکان کی قربانی دے کر آمدورفت کا راستہ سامنے کے رخ پر رکھا گیا تھا تاکہ اوپر کے فلیٹوں میں رہنے والے مکینوں کو ہر وقت پچھلی گلی کے تنگ اور گندے ماحول میں سے نہ گزرنا پڑے۔

میں نے اپنی گاڑی کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی زیر مرمت گاڑیوں کے ساتھ پارک کر کے مقفل کر دی۔

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو ساڑھے دس بجنے میں چند سیکنڈ باقی تھے۔ میں منتظر رہا اور جوں ہی روشن ڈائل پر ساڑھے دس بجے میں نے اندھیرے میں کھڑے کھڑے' ایس ٹی ایف کے اپریٹس کا بٹن دبا کر اسٹرائیک یونٹ والوں کے ساتھ اول خان کے لیے پیغام نشر کر دیا کہ میں اپنی جگہ سے پیش قدمی کے لیے تیار تھا۔

اپریٹس جیب میں واپس رکھتے ہوئے مجھے اچانک بیم گن یاد آئی جو میں نے گھر سے روانگی سے پہلے اپنی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی تھی تاکہ چلتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لے لوں لیکن اس بے نظیر ہتھیار کا کسی جیب میں کوئی پتا نہیں تھا۔ میں گھر سے چلتے ہوئے اپنا وہ ہتھیار ساتھ لینا بھول گیا تھا۔

مجھے یکایک اپنے اوپر غصہ آ گیا۔ وہ میری سنگین بھول تھی۔ اس اہم معرکے میں بیم گن کا میرے ساتھ ہونا بہت ضروری تھا۔

ہمارا بزدل دشمن کسی چوہے کی طرح اپنی کمین گاہ کے اندھیرے میں دبکا ہوا بیٹھا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ ہمیں اندر گھس کر اس پر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔ اپنی ابتدائی منصوبہ بندی میں ہم نے اس نکتے کا خاص طور پر خیال رکھا تھا۔ بن سے دست بدست لڑائی میں بیم گن ایک بہترین ہتھیار ثابت ہو سکتی تھی۔

اتنا وقت نہیں تھا کہ میں گھر فون کر کے سلطان شاہ کے ذریعے بیم گن منگواتا۔ گھر پر دو عورتوں کے ساتھ وہ اکلوتا مرد رہ گیا تھا۔ گھر پر بلیک کیٹس کی طرف سے حملے کا اندیشہ قوی تھا۔ اگر وقت ہوتا تب بھی سلطان شاہ کو اس وقت گھر سے ہٹانا آسان نہ ہوتا۔

میں نے تن بہ تقدیر ہو کر بیم گن کا خیال اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ میرے پاس فاضل راؤنڈز کے ساتھ ایک بھرا ہوا ماؤزر اور دوسرا پستول موجود تھا۔ وقت پڑنے پر وہ میرے لیے کافی ثابت ہو سکتے تھے۔ ویسے بھی میں ایک وقت میں ایک سے زیادہ ہتھیار استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

دس بج کر پینتیس منٹ پر اچانک فضا ایک ہولناک فائر کی آواز گونج اٹھی۔ فائر کی گونج کے ساتھ شیشہ ٹوٹنے کا پُرشور چھناکا ہوا اور ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑے سی نائین کی اوپری منزل سے چھنا چھن نیچے آ رہے۔ اول خان نے پہلی گولی چلا کر مقابلے کا آغاز کر دیا تھا۔

''اوئے خدائی خوار! کون ہے؟'' سی نائین کی تین منزلہ عمارت کی چھت سے ایک ڈری ڈری' بھاری چیخ ابھری۔

یہ یقین ہو گیا کہ دو میں سے کم از کم ایک چوکیدار عمارت کی چھت پر موجود تھا۔ غالب امکان یہی تھا کہ اس کا دوسرا ساتھی بھی اسی کے ساتھ ہو اور ان دونوں کا پراسرار مہمان عمارت کی کسی نچلی منزل پر چھپا ہوا ہو۔ اس وقت تک ہمارے سامنے اس مہمان کی موجودگی کا کوئی کھلا ثبوت نہیں آیا تھا۔

پروفیسر ڈونلڈ کی زبان سے سی نائین کا تذکرہ اور پھر سی نائین کے چوکیداروں کی غیر معمولی خریداری سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی تھی کہ ہمارا مطلوبہ آدمی اس عمارت میں چھپا ہوا تھا' جس پر اول خان نے اپنی چاند ماری کا آغاز کر دیا تھا۔ مقابلے میں کوئی دو طرفہ کیفیت پیدا ہونے کے بعد ہی صحیح صورتِ حال سامنے آ سکتی تھی۔

اول خان کی طرف سے دوسری گولی چلائی گئی۔ اس مرتبہ پھر شیشے بکھر گئے۔ میں نے دور سے دیکھا کہ اس علاقے کی کھلی ہوئی دکانیں تیزی سے بند ہو رہی تھیں اور لوگوں نے

اندھی گولیوں کی زد سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے مخالف سمتوں میں دوڑ لگا دی تھی۔

میرے ساتھ اول خان بھی اس رائے سے متفق تھا کہ ٹام اور رنک نے بن کو سی نائین میں بالکل بے یار و مددگار نہیں چھوڑا ہوگا۔ اسے یقینی طور پر رابطے کا کوئی ایسا آلہ دیا ہوگا جس پر وہ ہنگامی صورت حال میں ان دونوں سے رابطہ کر سکے۔ میرا اندازہ تھا کہ بن ڈیوڈ اس وقت بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے سرپرستوں کو درپیش حالات سے آگاہ کر رہا ہوگا۔

اسے خوف زدہ کرنے کے لیے دو فائر کیے جا چکے تھے۔ ان کے بعد اول خان کا ایک آدمی سی نائین کے بند دروازے پر پہنچ کر اسے پیٹ رہا تھا۔ بقیہ تین میں سے ایک نے سی نائین سے ملحق خالی پلاٹ پر جا کر اپنی جگہ سنبھال لی تھی۔ اسٹرائیک یونٹ کے بقیہ دو کارندے اپنی باریوں کے منتظر تھے۔

میں نے طے شدہ پروگرام کے مطابق ایم ففٹی نکالا اور بٹن دبا کر بن کو اس کے نام سے مخاطب کرنا شروع کر دیا۔

میرے تیسرے پیغام کے بعد اس کی پُرسکون آواز سنائی دی۔ ”تم کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟“ اس نے آواز کی حد تک پرسکون رہنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کی آواز سے سارا تحکم رخصت ہو چکا تھا۔ ”میں تمہاری کمین گاہ کے نیچے موجود ہوں۔ تعارف کے لیے تمہارا اتنا جاننا کافی ہے۔“

”پتا نہیں تم کیا بک رہے ہو۔ کیسی کمین گاہ۔ میں آرام سے اپنے گھر پر ہوں۔ تم کون ہو اور تم کو یہ ٹرانسمیٹر کہاں سے ملا۔“

”آج کسٹم ہاؤس پر ایک نامعلوم اور مشتبہ آدمی کو کسی نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ یہ ایرپیس مقتول کے قبضے میں تھا۔“

”اس کا مطلب ہے کہ تم کوئی پولیس افسر ہو۔ تم کو میرا نام کیسے معلوم ہوا۔“

”یہ بات اب پورے شہر کو معلوم ہو چکی ہے کہ تم آئی مین کا روپ دھار کر یہاں غیر قانونی حرکتیں کرتے پھر رہے ہو۔“

”یہ سراسر بکواس ہے۔ مجھے اگر معلوم ہوتا کہ پاکستان کے شہری اتنے خبیث ہیں تو میں بھول کر بھی ادھر نہ آتا۔“

”تمہاری شامت تمہیں یہاں لے آئی ہے تو اب نتیجہ بھگتنے کی بھی تیاری کر لو۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم سی نائین کے کسی کمرے میں موجود ہو۔“ یہ کہہ کر میں نے بٹن چھوڑ دیا۔

اچانک فضا سب مشین گن کے مختصر سے نغمے سے گنگنا اٹھی۔ میری پوری توجہ ایرپیس پر مرکوز تھی۔ فائرنگ کی وہ آواز ایرپیس سے بھی سنائی دی اور پھر معدوم ہو گئی۔ شاید بن نے بات کرنے کا ارادہ کرنے کے بعد ملتوی کر دیا تھا۔ یہ بات وہ بھی جانتا تھا کہ اس کی آواز کے ساتھ فائرنگ کا شور بھی ریڈیائی لہروں پر نشر ہوگا اور اس کے اس دعوے کا بھانڈا پھوڑ دے گا کہ وہ سی نائین کے بجائے کسی اور محفوظ مقام پر روپوش تھا۔

”تمہاری آواز کے ساتھ مجھے کچھ فائرنگ کی آوازیں بھی آئی تھیں۔ کیا تم مجھے ریکارڈنگ سنا کر ڈرانا چاہ رہے ہو۔“ اس کی آواز ابھری پھر وہ غرایا ”کیا سب مر گئے ہو۔ کوئی یہ بکواس نہیں سن رہا۔“

”مائی ڈارلنگ بن! واقعی سب مر چکے ہیں۔ وجے‘ ترپاٹھی‘ سیٹھی اور راجو میں سے کسی ایک کا ایرپیس میرے ہاتھ آیا ہے۔ باقی تین‘ مرنے والوں کی لاشوں کے ساتھ ضائع ہو گئے۔ اب اس ایم ففٹی پر صرف ہم دونوں رابطے میں رہ گئے ہیں۔“

”تم نے مجھے کیوں چھیڑا ہے۔ مجھ سے تم کیا چاہتے ہو؟“

”سی نائین بھاری محاصرہ میں ہے۔ ابھی شیشے ٹوٹ کر گر رہے ہیں پھر کنکریٹ کے ڈھیر گرنے لگیں گے اور تم ان میں دفن ہو کر رہ جاؤ گے۔ شرافت سے خود کو ہمارے حوالے کر دو۔“

”میں ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ تم پوری عمارت کو ملبے کے ڈھیر میں بدلنے کے بعد بھی میرا سراغ نہیں لگا سکو گے کیونکہ میں یہاں نہیں ہوں۔ اب میں ایرپیس آف کر رہا ہوں۔ اس پر مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا۔“

اس کی آواز معدوم ہونے کے بعد میں نے اسے مزید تاؤ دلانے کی کوشش کی مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میری کال نے اسے ذہنی خلفشار میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے بوکھلا کر اپنا ایرپیس واقعی آف کر دیا تھا۔ باہر سے چلنے والی گولیوں نے میری باتوں کا وزن بہت زیادہ بڑھا دیا تھا۔

دورانِ گفتگو اس نے مجھے جھٹلانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن آخر میں اس سے نفسیاتی چوک ہو گئی تھی۔ اس نے ’میں یہاں نہیں ہوں‘ کے الفاظ استعمال کر کے لاشعوری طور پر بات اگل دی تھی کہ وہ سی نائین میں ہی موجود تھا۔ اس کا ثبوت اگلے ہی لمحے سامنے آ گیا۔ سی نائین کی تیسری

منزل سے دو پُر شور شعلے اس ویران میدان کی طرف گئے تھے جہاں اول خان موجود تھا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر بن سے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس بار بھی انتظار کے باوجود ناکامی ہوئی۔

اس دوران میں دروازے پر موجود شخص نے اندر سے کوئی جواب نہ پا کر گولی سے دروازے کا قفل توڑ دیا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پھرتی سے اپنے قدم بدلے اور یکایک دروازے کے سامنے آکر گولیوں کا ایک تیز برسٹ زینوں کی بلندی کی طرف فائر کر دیا۔ وہ کھلا اعلان تھا کہ بن کے شکاری اس کے دروازے پر پہنچ گئے تھے۔

اچانک فضا ایک شدید دھماکے سے لرز اٹھی۔ سڑک کے کنارے' میدان سے دھول اور کنکروں کا ایک زبردست غبار پھیلا جو میرے بدن تک بھی آیا۔ غنیمت یہ ہوا کہ سی نائین سے پھینکا جانے والا وہ ہینڈ گرینیڈ سڑک سے زیادہ دور تک نہ جا سکا ورنہ اول خان ملبے کی زد میں آکر بری طرح زخمی ہو سکتا تھا۔

ہینڈ گرینیڈ کا استعمال بن کے جنون کی نشان دہی کر رہا تھا۔ میں نے ایس ٹی ایف والے ایریئس پر مخصوص کوڈ نشر کیا۔ اسی لمحے سی نائین میں بھونچال آگیا۔ ایس ٹی ایف والوں نے عمارت پر آنسو گیس کے دو گولے داغ دیے تھے اندھیرے میں کچھ زیادہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ زینے سے عمارت میں گھسنے کی کوشش خودکشی کے مترادف ہو سکتی تھی۔ میں نے خالی پلاٹ پر موجود آدمی کی طرف دوڑ لگائی۔ وہ اپنے گرد و پیش میں ہونے والے دھماکوں سے یکسر بے پروا ہو کر سی نائین کی دوسری منزل کے ایک بغلی روشندان میں وزنی آنکڑا پھنسانے میں کامیاب ہو چکا تھا اور بے فکری سے زور لگا کر آنکڑے کے ذریعے زمین تک آئی ہوئی مضبوط رسی کا جائزہ لے رہا تھا۔

اوپر سے چند ثانیوں کے وقفے سے مزید دو بم پھینکے گئے اور زمین دور تک لرز اٹھی۔ وہی بم ہاتھ کے بجائے کسی لانچر وغیرہ سے داغے گئے ہوتے تو آسانی سے اول خان کے چیتھڑے اڑا ڈالتے۔ ان کی رسائی پہلے دستی بم سے بہت زیادہ نہیں تھی۔ وہ بن کے لیے بہت کڑا وقت تھا۔ وہ تحفظ کے خیال سے اس عمارت میں اکیلا تھا اس لیے وہ زیادہ پیچیدہ دفاعی ہتھیاروں سے لیس نہیں تھا۔ اسے اس کے مربیوں نے ایسے ہتھیاروں سے لیس کیا تھا جن کو وہ اپنی مرضی سے آزادانہ استعمال کر سکے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ بن کی کمین گاہ کو نرغے میں لے لیا جائے گا۔ اس لیے اسے لانچر وغیرہ سے چلائے جانے والے بڑے اور طاقت ور ہتھیار شاید نہیں دیے گئے تھے۔

ایس ٹی ایف کے آدمیوں نے ٹھک ٹھک کی پُر شور آوازوں کے ساتھ آنسو گیس کے مزید آٹھ گولے قلیل سی مدت میں سی نائین میں پھاڑ دیے۔

باہر سے شاید دیکھ لیا گیا تھا کہ بن کہاں تھا اس لیے گولوں کا رخ دوسری اور تیسری منزل کی طرف تھا۔

اول خان اور اس کے آدمیوں کو یہ کھلی برتری حاصل تھی کہ وہ کھلی فضا میں آزادی سے نقل و حرکت کر سکتے تھے جب کہ بن ڈیوڈ سی نائین کے پنجرے میں بند تھا۔ عمارت میں آنسو گیس کے آٹھ گولے پہنچانے کے بعد ایس ٹی ایف والے وقفے وقفے سے فائرنگ پر اکتفا کر رہے تھے۔ بن بھی اسی انداز میں اِکّا دُکّا فائر کر کے انہیں یہ جتا رہا تھا کہ آنسو گیس اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ وہ اپنی مرضی سے نقل و حرکت اور فیصلے کرنے کی پوزیشن میں تھا۔

میں نے اپنا پورا وزن ڈال کر اوپر پھنسے ہوئے آنکڑے کی گرفت اور رسی کی مضبوطی کا اندازہ کیا اور پھر افقی دیوار پر پیر جما کر' رسی کے سہارے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

وہ تجربہ میرے معمولات کا حصہ نہیں تھا۔ پوری زندگی میں شاید ایک آدھ بار ہی ایسی کسی کوشش کی نوبت آئی ہو گی۔ مگر مجھے یہ اچھی طرح یاد تھا کہ اسکول میں اسکاؤٹنگ کی تربیت کے دوران مجھے رسی کے ذریعے بلندی پر چڑھنے کی مشق کرائی گئی تھی اس کے اہم نکات میرے ذہن کے کسی گوشے میں محفوظ تھے۔ اس وقت معاملہ بن ڈیوڈ کا تھا اس لیے میری ساری صلاحیتیں خود بخود بروئے کار آ رہی تھیں۔ میں پیر دیوار پر ٹکاتا اور تاریک فضا میں ہچکولے کھاتا ہوا تیزی سے اوپر جانے لگا۔

رسی سے تنگ روشندان میں داخل ہونے میں مجھے خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری طرف گہرا اندھیرا تھا اور فضا میں آنسو گیس کی ہلکی سی بو بھری ہوئی تھی۔

میں نے روشن دان میں اپنی پوزیشن مضبوط کر کے نیچے جھانکا اور رسی کو خفیف سا جھٹکا دیا۔ خالی پلاٹ کی تاریکی میں کھڑا ہوا اکلوتا انسانی ہیولا حرکت میں آیا اور دیوار کے سائے میں غائب ہو گیا۔ اس کے دیوار سے چپک جانے کے بعد نیچے میدان صاف ہو گیا تھا۔

میں نے رسی کے سرے سے بندھا ہوا پلاسٹک کا نکیلا اور وزنی آنکڑا روشن دان کی چوکھٹ سے نکالا اور فضا میں دور اچھال دیا۔

ادھر سے فارغ ہوتے ہی میں کود کر فرش پر اتر گیا۔
آنکھوں کو اس اندھیرے سے مانوس ہونے میں چند لمحے لگے۔ اس دوران میں مجھے یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ نئے مکان کا غیر استعمال شدہ باتھ روم تھا۔
اپنے چڑھے ہوئے سانس بحال کرنے کے بعد میں نے باتھ روم کا دروازہ کھولا تو آنسو گیس کی تیز بو کے ساتھ آنکھوں میں شدید جلن ہونے لگی۔ میں نے بہت مشکل سے اپنی غیر ارادی چیخ روکی ہی تھی کہ اچانک میرے جبڑے پر ایک زوردار مکا لگا اور اندھیرے میں کوئی مجھ پر ٹوٹ پڑا۔
میں نے بہت سرعت سے خود کو سنبھالا' آنکھوں اور نتھنوں میں شدید سوزش ہو رہی تھی۔ میرا حریف پہل کا فائدہ اٹھا چکا تھا پھر بھی میں اس سے لپٹ گیا اور پہلے زور میں اسے دھکیل کر باتھ روم کے دروازے سے دور لے گیا۔
ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہونے کی وجہ سے ہاتھ چلانے کے امکانات معدوم ہوگئے تھے۔ میرے دراز قامت اور توانا حریف نے میری پیشانی پر ٹکر رسید کی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے چہرے پر گیس ماسک چڑھا ہوا تھا۔ اتنی دیر میں میرے لیے اپنی آنکھیں کھلی رکھنا دشوار ہوگیا تھا۔
میرا حریف انگریزی میں دبی دبی غراہٹوں کے ساتھ مجھے رگیدے ڈال رہا تھا۔ اچانک میرا داہنا گھٹنا چل گیا۔ اس کے پیٹ کے نچلے حصے پر اچانک پڑنے والی وہ ضرب اتنی شدید تھی کہ وہ ایک بے ساختہ چیخ مار کر دہرا ہوگیا۔
میں نے بڑھ کر اس کے چہرے پر کئی تابڑ توڑ مکے برسادیے۔ ان ضربات کے نتیجے میں اس کا گیس ماسک اس کے چہرے سے اتر گیا اور اس پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔
"تم .... حرام زادے .... میں تم کو زندہ نہیں چھوڑوں گا" وہ انگریزی میں غرایا اور بات واضح ہوگئی کہ وہ بن ڈیوڈ تھا۔
میرا خیال تھا کہ وہ کھانستا ہوا سیدھا ہوگا تو میں اس کے چہرے کی مزید تواضع کروں گا لیکن اس نے ایک حیران کن حرکت کی اور پلٹ کر اچانک ایک طرف دوڑ پڑا۔
وہ فلیٹ نیا اور غیر آباد تھا اس لیے وہاں کوئی سازوسامان نہیں تھا۔ میں بن کا پیچھا کرتا ہوا سیڑھیوں پر آگیا۔ آنسو گیس اس کے لیے سخت اذیت کا باعث بن رہی تھی اس لیے وہ بند فلیٹ سے نکل کر اوپر جا رہا تھا۔
میں دوسری منزل سے اس عمارت میں گھسا تھا۔ وہ تیسری منزل پر بھی نہیں رکا تو میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ چھت کی کھلی فضا میں پہنچنا چاہ رہا تھا۔ میں سائے کی طرح اس کے پیچھے لگا رہا۔
وہ آخری سیڑھیوں پر تھا کہ اچانک اس کی بائیں پنڈلی میرے ہاتھ میں آگئی۔ میں نے اسے وہیں دبوچ لیا اور وہ منہ کے بل' پورے زور میں' کنکریٹ کے زینوں پر گر گیا۔ بن کے حلق سے نکلنے والی دوسری بے ساختہ چیخ بہت بلند آہنگ اور کریہہ تھی۔
میں نے بڑھ کر اس کے بال پکڑے اور ایک مرتبہ پھر اس کا چہرہ زینوں پر دے مارا۔ زینوں پر اس سے لڑنا خطرناک تھا۔ میں اسے دوسری زک پہنچاتے ہی کھلی چھت پر نکل گیا۔
تازہ ہوا میں نکل آنے کے باوجود میری آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی اور آنسوؤں کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ مجھ سے بس لمحہ بھر کی چوک ہوئی۔ میں پستول نکالنے ہی والا تھا کہ بن کسی دیوپیکر عفریت کی طرح ایک بار پھر میرے اوپر آپڑا۔
اس کا چہرہ لہولہان ہوچکا تھا۔ اس نے گیس ماسک نوچ کر دور پھینک دیا تھا۔ اس بار اس کے جسم میں نہ جانے کہاں کی طاقت اُمڈ آئی تھی کہ اس نے مار مار کر ذرا سی دیر میں مجھے نڈھال کردیا۔
اس دوران میں عمارت کے دونوں چوکیدار سہمے ہوئے انداز میں ایک طرف کھڑے رہے۔ ان میں سے کسی نے ہماری لڑائی میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان کی چھٹی حس نے شاید انہیں یہ بتادیا تھا کہ کسی چور کی طرح چھپے ہوئے گورے کے مقابلے میں آنے والے سرکاری آدمی ہوسکتے ہیں جن سے الجھنا ہمیشہ مہنگا پڑتا ہے۔
"روشنی کرو!" میں نے چیخ کر کہا اور اگلے ہی لمحے چھت روشن ہوگئی۔ بے ضرر کام کرنے میں چوکیداروں کو کوئی تامل نہیں تھا۔
شاید میرے پھیپھڑوں میں آنسو گیس کی بھاری مقدار پہنچ چکی تھی۔ میرے ہاتھ پیر کافی سست ہو رہے تھے۔ مواقع ملنے کے باوجود میں بن کو زیر کرنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس نے آنسو گیس سے بھرے ہوئے فلور پر گیس ماسک پہنا ہوا تھا اس لیے اس کی حالت زیادہ ابتر نہیں تھی۔
آخر کار وہ مجھے سینے کے بل فرش پر گرا کر میری پشت پر سوار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ مقابلے کے دوران میں ہی اس نے میری بھری ہوئی جیبیں تاڑلی تھیں۔ اس نے میری سب جیبیں خالی کیں' ماؤزر اور پستول کے ساتھ دونوں ایرپیس لے کر وہ اچانک میری پشت سے اتر گیا۔
اس مار دھاڑ میں اس کا ہتھیار شاید کہیں گر چکا تھا۔ فضا میں رہ رہ کر فائرنگ کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

اول خان اور اس کے آدمی میرے کسی اشارے کے انتظار میں اپنی جگھوں پر رکے ہوئے تھے۔

"ہینڈز اَپ!" مجھے فرش سے اٹھتا دیکھ کر بن نے اچانک میرے اوپر ماؤزر تان لیا "ذرا بھی حرکت کی تو گولی ماردوں گا۔"

اس کا خون میں نہایا ہوا زخمی چہرہ اس وقت بہت بھیانک لگ رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ ہر طرف سے خطرے میں گھرا ہوا تھا۔ مجھے گولی مارنے میں تامل نہیں کرے گا۔ میں نے خاموشی سے اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھادیے۔

بن ڈیوڈ اناڑی نہیں تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے ایم ففٹی اور پستول کو جیب میں رکھ لیا پھر ایس ٹی ایف والے اپریٹس کو اپنے منہ کے قریب لاکر' ٹرانسمٹنگ بٹن دباتے ہوئے بولا "تم جو بھی ہو' کان کھول کر سن لو کہ فائرنگ بند نہیں ہوئی تو میں تمہارے آدمی کو گولی ماردوں گا' میں نے اسے پکڑلیا ہے۔"

دوسری طرف سناٹا چھایا رہا۔ وہ بری خبران لوگوں کے لیے صدمے سے کم نہیں تھی۔ ہمارے اپریٹس پر بن کی آواز اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ سچا تھا۔

فضا میں سناٹا چھا گیا۔ ایس ٹی ایف والے فائرنگ بند کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔

"تمہارا آدمی مسلسل میرے نشانے پر ہے۔ اس کی زندگی چاہتے ہو تو یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ میں اسے ریوالور کی نال پر یرغمال بناکر اتروں گا اور نکل جاؤں گا۔" بن نے خاصے انتظار کے بعد دوسرا پیغام نشر کیا "کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟"

"ہم نے تمہارے دونوں پیغام سنے ہیں" اول خان کی مجروح سی آواز ابھری "کیا میں اپنے آدمی سے بات کرسکتا ہوں؟"

"ہرگز نہیں" بن نے سختی سے انکار کردیا "اس وقت میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ میں صرف اپنے حکم کی تعمیل چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم جارہے ہیں" اول خان کے پاس اپنی شکست تسلیم کرنے کے سوا کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی "تم یہاں سے کتنی دیر میں نکل جاؤ گے؟"

"یہ میری مرضی پر منحصر ہے۔ تم لوگ جاؤ' صبح تک اس علاقے میں کوئی مشکوک سایہ نظر نہیں آنا چاہیے۔"

"زیادہ دیر تک رک کر تم ہمارے آدمی کی زندگی خطرے میں ڈال دوگے۔ گولیاں رکنے کے بعد تماشائی سی نائین کو گھیرلیں گے۔"

"مجھے سبق پڑھانے کی کوشش مت کرو" بن غصے میں دہاڑا "جب تک میں خطرے سے نہیں نکل جاتا' مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔"

"ہمارے آدمی کو تم کہاں چھوڑوگے؟" اول خان کی آواز سے مایوسی جھلک رہی تھی۔

"سب کچھ اس کے اپنے اوپر منحصر ہے" بن نے ہڈیوں نے اترجانے والی سرد آواز میں کہا "اس نے چالاکی دکھانے کی کوئی کوشش کی تو مارا جائے گا۔"

"اوکے بن! ہم اسی وقت واپس جارہے ہیں" اول خان کے پاس کوئی دوسرا جواب نہیں تھا۔

بن نے اپریٹس اپنی پہلے سے بھری ہوئی جیب میں اڑس لیا۔

"اب بتاؤ کہ تم کون ہو' ڈینی سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" اس نے ماؤزر کی نال کو سفاکی سے جنبش دیتے ہوئے سوال کیا۔

ناکامی کے اس گھور اندھیرے میں وہ میری پہلی کامیابی تھی کہ وہ از خود مجھے ڈینی ماننے سے منکر تھا۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی اس خوداعتمادی نے میرا اعتماد کسی حد تک بحال کردیا تھا۔

"میں کسی ڈینی کو نہیں جانتا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں پولیس کے لیے کام کرتا ہوں۔"

"پولیس ٹاؤٹ ہو؟" اس نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا "تم نے مجھے سخت مایوس کیا ہے۔ پتا نہیں تم کو اپنی منحوس صورت لے کر یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم پر ہاتھ ڈالتے ہوئے مجھے خوشی ہوئی تھی کہ میں نے ڈینی کو پکڑلیا ہے مگر تم نے میری امیدوں پر پانی پھیردیا۔"

میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ میرے ڈینی نہ ہونے کے بارے میں اتنا پُریقین کیوں تھا مگر میں اس سے براہِ راست وہ سوال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ میں نے پژمردہ آواز میں جواب دیا "ڈینی کا نام میرے لیے اجنبی ہے۔ اگر میرے ڈینی ہونے سے تم کو خوشی ہوسکتی ہے تو تم مجھے شوق سے ڈینی کہہ سکتے ہو۔ ویسے بھی لڑائی ہارجانے والے کا کوئی نام نہیں ہوتا۔"

"ڈینی!" وہ عجیب اور بھیانک آواز میں ہنسا اور بولا۔ "کسی وقت وہ بھی اپنے چاروں ہاتھ پیروں پر چلتا ہوا میرے سامنے آئے گا۔ میں نے بیم گن کی امید میں تمہاری جامہ تلاشی لی تھی۔ وہ ڈینی کی پہچان ہے۔ اگر تمہارے پاس سے وہ

گن مل جاتی تو میں تمہارا بھیجا اڑا چکا ہوتا۔ تم جیسے دو ٹکے کے آدمی کو میں اس کا متبادل نہیں سمجھ سکتا۔"

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ دونوں صحت مند چوکیدار بتوں کی طرح ایک ہی پوزیشن میں گم صم کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سی نائین میں اچانک کیا کھیل شروع ہوگیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ انہوں نے اندھادھند اپنے سفید فام مہمان کا ساتھ دینے کے بجائے غیر جانبداری اختیار کی ہوئی تھی۔ شاید زبان کے مسئلے کی وجہ سے بن ڈیوڈ انہیں اپنے اعتماد میں لینے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ بس اشاروں کنایوں کے ذریعے ان سے اپنی ضروریات پوری کروالیتا تھا۔

پورے تصادم میں' میں نے صرف ایک بار ان کو روشنی کرنے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے مشینی انداز میں اس کی تعمیل کی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ مزید کوئی ضرورت پیش آئی اور میں ان کی ہمدردیاں جیتنے میں کامیاب رہا تو وہ بن کے مقابلے میں میرا ساتھ دیں گے۔

"یہ میری دہری بدقسمتی ہے کہ میں تم سے ہار گیا اور تم مجھے وقعت دینے پر بھی آمادہ نہیں ہو۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم معمولی ٹاؤٹ ہوکر بھی اتنی اچھی انگریزی بول لیتے ہو؟" اس نے گہرے طنز سے کہا۔

"سر! یہ غریب ملک ہے۔ یہاں پڑھے لکھے لوگ اس سے بھی گھٹیا کام کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔" میں نے اس کی انا کو ابھارنے کے لیے فوری خیال کے تحت اسے سر کا رتبہ دے ڈالا۔

"تم یہاں کتنی نفری کے ساتھ آئے تھے؟" بن نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر پوچھا۔

"میرے ساتھ تین آدمی اور تھے۔ کچھ لوگ پہلے سے چھپے ہوئے ہوں تو مجھے پتا نہیں۔"

"ان لوگوں کو یہاں بھیجنے کے لیے صرف تم ملے تھے' پولیس کمانڈو کہاں مر گئے تھے؟"

مجھے ڈینی تسلیم نہ کرتے ہوئے بھی وہ میری طرف سے پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ میں نے نیچی آواز میں کہا۔

"انہوں نے اپنے آدمی کو بچاکر مجھے قربانی کا بکرا بنایا ہے۔ دیکھ لو کہ میں تمہارے ہاتھوں پکڑا گیا۔ میری جگہ کوئی پولیس والا ہوتا تو وہ مارا جاتا..... در..... دراصل میں کمند ڈال کر اونچی بلڈنگوں میں چوریاں کیا کرتا تھا۔ میرے اس ریکارڈ نے آج مجھے مروادیا۔"

اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مترشح تھی لیکن وہ زبان سے کچھ نہیں بولا۔

اس دن میری ایک بھول یا غلطی میرے کام آئی تھی۔ اگر میں نے گھر سے نکلتے ہوئے اپنی ڈریسنگ ٹیبل سے بیم گن اپنے ساتھ لے لی ہوتی تو اس وقت تک نہ جانے کیا کچھ ہوچکا ہوتا۔ جو حالات یکایک رونما ہوئے تھے ان میں بیم گن سے کوئی مدد نہیں لی جاسکتی تھی مگر وہ میری گردن ضرور پھنسوادیتی۔

یہ غیبی تائید تھی کہ اس وقت میری بھول کسی حد تک میری عافیت کا ذریعہ بن گئی تھی۔

"تم عمارت سے باہر نکلتے ہوئے اپنے ہاتھ نیچے گرالوگے لیکن یہ یاد رکھنا کہ میری انگلی ہر لمحے ماؤزر کے ٹریگر پر تیار رہے گی۔ میری ہدایت کے مطابق چلتے رہنا۔ تم گاڑی سے آئے ہو؟"

آخری سوال اس نے اچانک پوچھا تھا لیکن میں نے پلک جھپکتے میں جواب سوچ لیا "میں پولیس والوں کی وین میں آیا تھا۔"

"ٹھیک ہے' پھر تم میری گاڑی چلاؤگے" اس نے بتایا۔

"ہمیں کہاں جانا ہوگا؟" میں نے اس کے پروگرام کے تسلسل سے فائدہ اٹھا کر سوال کر ڈالا۔

"بس میری ہدایات پر عمل کرتے رہنا۔ انحراف کیا اور گولی چلی" اس نے مجھے دھمکی دی پھر ماؤزر کی نال سے زینے کی طرف اشارہ کرنے لگا۔

باہر سے ایس ٹی ایف والوں نے فائرنگ روک دی تھی۔ اول خان نے بن سے واپس لوٹ جانے کا وعدہ بھی کرلیا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ ان لوگوں نے ایک مجرم سے کیے ہوئے وعدے کی پاس داری نہیں کی ہوگی۔ وہ سی نائین کے قرب وجوار میں چھپ کر موقع کی تلاش میں رہے ہوں گے۔ بن ذرا بھی چوکتا تو وہ اس پر ٹوٹ پڑتے۔ اس کا موقع نہ ملتا تو ہمارا پیچھا ضرور کیا جاتا۔

روشن چھت سے تاریک زینوں پر اترتے ہوئے ہمیں بہت سنبھلنا پڑ رہا تھا۔ وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے بن نے چوکیداروں کو بے جان مجسموں سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ ان کی طرف ہاتھ لہرا کر فاتحانہ انداز میں میرے پیچھے ہولیا تھا۔

اسے اپنے زخمی اور داغ دار چہرے کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ ہر قیمت پر جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہ رہا تھا۔

دوسری منزل پر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ لمحہ بھر کے لیے کہیں رکا ہو۔ میں چونک کر مڑا تو وہ میرے پیچھے آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی وزنی بریف کیس وغیرہ آچکا تھا۔

اندھیرا زیادہ تھا۔ بن نے کہیں بھی روشنی کرنے کی زحمت نہیں کی تھی کیونکہ اس طرح باہر سے اندر کی نقل وحرکت دیکھ لیے جانے کا خطرہ تھا۔ اندھیرے میں مجھ پر نگاہ رکھنے کے لیے وہ مجھ سے صرف ایک یا دو زینوں کے فرق سے نیچے اتر رہا تھا۔ سی نائین کی فضا میں آنسو گیس کی بو کم ہونے لگی تھی۔

باقی رہ جانے والے چند زینے میرے لیے امید کی آخری کرن تھے۔ ایک بار کھلی فضا میں نکل جانے کے بعد میں ہر لمحے بن ڈیوڈ کے کھلے نشانے پر ہوتا۔ وہ مجھے اپنی گاڑی میں شہر کے کسی بھی محفوظ ویرانے میں لے جاتا اور میدان صاف پاکر وہاں مجھے گولی ماردیتا۔ ویرانے کا خیال میرے ذہن کو اس لیے ڈس رہا تھا کہ ایسے کسی مقام پر جائے بغیر بن کو یہ یقین نہیں ہوسکتا تھا کہ کوئی گاڑی اس کے پیچھے نہیں آرہی تھی۔ وہ مجھے ڈینی نہیں سمجھ رہا تھا پھر بھی مجھے اس کے ہاتھوں اپنے کسی بہتر انجام کی امید نہیں تھی۔

میں نے اپنے کان اس کے قدموں کی چاپ پر جمادیے۔ ٹھک ٹھک کی ان آوازوں کا ایک مخصوص آہنگ تھا۔

میں قدموں کی آواز کو سنتا اور گنتا رہا۔ میں نے ایک خطرناک فیصلہ کرلیا تھا۔ سی نائین سے ہماری واپسی خاموشی سے نہیں ہونی چاہیے تھی۔ ویرانے میں جاکر بن کے ہاتھوں مرنے سے بہتر تھا کہ میں اسی وقت کچھ کر گزرتا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز اور بے ترتیب ہورہی تھیں۔ ہم پہلی منزل سے بھی گزر چکے تھے اور اس وقت سی نائین کے آخری زینے طے کررہے تھے جن کے اختتام پر کھلا ہوا چوبی دروازہ ہمارا منتظر تھا۔

سیڑھیاں اترتے اترتے اچانک میں زینے پر رک کر بیٹھ گیا۔ بن اپنی رو میں اترا چلا آرہا تھا۔ اس کا ایک پیر خاصے زور سے میری پشت سے ٹکرایا' اس کے منہ سے بوکھلائی ہوئی آوازیں نکلیں اور وہ میرے اوپر سے اڑتا ہوا اوندھے منہ آخری زینوں پر جاگرا۔

گرنے سے پہلے ہی اس کے ماؤزر سے یکے بعد دیگرے دو گولیاں چل گئیں جو بالکل بے مقصد تھیں۔ مجھے ان سے کوئی گزند نہیں پہنچا۔

میں نے اپنے زخمی ہونے کی پروا کیے بغیر بن ڈیوڈ پر چھلانگ لگادی اور اسے رگیدتا ہوا دروازے تک لے گیا۔

بن کسی گینڈے کی طرح سخت جان تھا۔ سیڑھیوں پر دوسری بار اوندھے منہ گرتے ہوئے اس نے اپنی بے ساختہ چیخ کو بہت ضبط کے ساتھ ایک غضب ناک غراہٹ تک محدود رکھا تھا لیکن رات کے سناٹے میں اس کی وہ آواز دور تک سنی گئی تھی۔

ایس ٹی ایف والے عقابوں کی طرح اس دروازے کے دائیں بائیں شاید ایسی جگہوں پر دبکے ہوئے تھے جہاں سے حسب ضرورت غائب بھی ہوسکیں۔ ان کے کان ہر آواز پر جمے ہوئے تھے۔ بن کی غراہٹ انہوں نے سنی تو سمجھ گئے کہ کوئی کھیل شروع ہوچکا تھا۔ میری آواز سے ان کے کان آشنا تھے اس وقت سی نائین سے بلند ہونے والی دوسری آواز بن ہی کی ہوسکتی تھی۔

ہم دونوں ایک دوسرے کے وزنی وجود میں الجھے ہوئے دروازے سے باہر نکلے اور زور آزمائی کرتے ہوئے اپنے قدموں پر اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اچانک اول خان للکارتا ہوا داہنی طرف سے نمودار ہوا' اس کے تینوں مسلح آدمی بائیں طرف سے نکل آئے۔ چوتھا اس کے پیچھے تھا۔

آنے والے تینوں میں سے ایک نے وفورِ جوش میں ایک ہوائی فائر بھی کردیا۔

بن ڈیوڈ نے غصے اور جھلاہٹ میں اپنی داہنی لات گھمائی۔ میں نے اس کی زد سے بچتے ہوئے اس کی پنڈلی پکڑلی اور وہ بائیں ٹانگ پر سنبھلنے کی کوشش میں دھول میں جاگرا اور اس کے ساتھ اول خان اور اس کے ساتھیوں کے پانچ ہتھیاروں کی نالیں بن کے جسم سے لگ گئیں۔

باہر پھیلی ہوئی روشنی اندر کے گھور اندھیرے کے مقابلے میں مجھے چاندنی معلوم ہورہی تھی۔ گو بن کا چہرہ خون اور زخموں سے بھرچکا تھا مگر پھر بھی وہ اپنی تصویر کے عین مطابق نظر آرہا تھا۔ اس کے چہرے پر حلق تک پھیلی ہوئی داڑھی کی کمی تھی جو اس نے خود صاف کرادی تھی۔

میرا ماؤزر اور بن ڈیوڈ کا بریف کیس زینوں میں کہیں پڑا رہ گیا تھا۔ اول خان کے دو آدمی اندر گھسے تو میں نے انہیں وہ دونوں چیزیں یاد دلا دیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ چھت پر ڈرے اور سہمے ہوئے دونوں چوکیدار بھی موجود تھے۔

اس سے آگے کے کام کے لیے اول خان کے آدمیوں کو کسی ہدایت کی ضرورت نہیں تھی۔ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے بن کی ساری پھولی ہوئی جیبیں صاف کردیں۔

”میں ایریٹس پر اس ملعون کی آواز سن کر دہل گیا تھا۔“ اول خان نے میرے قریب آکر سرگوشی کی ”اس وقت میرا دل بہت خوش ہے کہ تم نے نہ صرف خود کو بچایا بلکہ اسے بھی زیر کرلیا۔“

میری شہادت کی انگلی بے اختیار کھلے آسمان کی طرف اٹھ گئی۔ یہ اس کی دین تھی کہ اس نے میری جاتی ہوئی زندگی مجھے واپس لوٹا دی ورنہ میں خود اپنی فاتحہ پڑھ چکا تھا۔

میرے ایما پر بن کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے اول خان کی گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈال دیا گیا۔ اس کے منہ میں بہت سا کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ میں اول خان کے برابر میں پسینجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس کے آدمی میری اور اپنی گاڑی میں بٹ کر ہمارے پیچھے ہولیے۔

”اسے بے ہوش کردو۔“ اول خان نے اردو میں کہا۔ ”فاصلہ لمبا ہے۔ یہ راستے میں تنگ کرے گا۔“

میں نے اول خان سے ملی ہوئی انگوٹھی کا رخ درست کیا اور اگلے ہی لمحے بن کا قد آور وجود بے ہوشی کی گہری دلدلوں میں ڈوب چکا تھا۔

میرے پاس سب کچھ موجود تھا بس بیم گن نہیں تھی لیکن بن سے ہونے والے مختصر اور خون آشام مقابلے میں مجھے اپنا کوئی ہتھیار استعمال کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ شاید آنسو گیس نے میرے اعصاب پر خاصا برا اثر ڈالا تھا۔ میں سی نائین سے باہر نکل آیا تھا مگر میری آنکھیں بدستور جل رہی تھیں۔ ان سے ازخود آنسو رواں تھے اور منہ کا ذائقہ حلق تک بگڑا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

میں سمجھ رہا تھا کہ بن کو بے ہوش کروانے کے بعد اول خان مجھ سے کھل کر باتیں کرے گا لیکن کافی دیر تک گاڑی میں خاموشی برقرار رہی۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی نظریں سڑک پر مرکوز تھیں اور آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

اسے دیکھ کر میرا بھی دل بھر آیا۔ میں نے مزید چند ثانیوں تک خاموش رہ کر خود کو سنبھالا پھر اس سے مخاطب ہوگیا ”تم چپ کیوں ہو؟“ میں نے محسوس کیا کہ اس وقت میری آواز خود خاصی گمبھیر ہوگئی تھی۔

”میں چپ نہیں ہوں' اپنے رب کا شکر ادا کررہا ہوں۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا ”کہو کیا کہہ رہے ہو؟“

”آج زندگی اور موت میں بس ایک اڑنگے کا فاصلہ رہ گیا تھا؟“ میں نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔

”میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس نے تمہیں اتنی آسانی سے کیسے گھیرلیا۔“

”تمہاری چھوڑی ہوئی آنسو گیس نے میرا کام تمام

کردیا۔ اس نے ماسک پہنا ہوا تھا۔" میں نے بتایا "غنیمت یہ ہوا کہ زبان یا کسی اور مسئلے کی وجہ سے چوکیداروں نے اس کا ساتھ نہیں دیا ورنہ وہ مجھے چھت پر ہی پیس کر رکھ دیتا۔"

"یوں نہیں، ذرا پوری کہانی سناؤ۔ آج کا واقعہ میں زندگی بھر فراموش نہیں کر سکوں گا۔"

وہ میری ہر بات غور اور خاموشی سے سنتا رہا۔ میں خاموش ہوا تو اس نے بے ساختہ کہا "یوں کہو کہ آج ہیم گن نہ لے جانے کی وجہ سے تمہاری جان بچ گئی ورنہ وہ تمہیں مار دیتا۔"

"اب سے کچھ دیر پہلے میرا بھی یہی خیال تھا جو اب بدل چکا ہے۔"

"کیوں؟ کیا کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی ہے۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"قیدی کو زندہ رکھنا اس کی مجبوری تھی۔ مجھے مار کر اسے خود بھی مرجانا پڑتا۔ اسے سی نائین سے فرار ہونے کے لیے ایک زندہ یرغمالی کی ضرورت تھی جو صرف مفتوح قیدی پوری کر سکتا تھا۔"

"بالکل ٹھیک!" اس نے پُرجوش لہجے میں میری تائید کی۔

"ایک بار وہ یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو جاتا تو پھر قیدی کی خیر نہیں تھی۔ اس کے لیے اپنی روپوشی مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ وہ قیدی کو اپنے گلے کا ہار بنا کر کہاں لیے پھرتا۔ جیسے ہی اسے یقین ہوتا کہ اس کا پیچھا نہیں کیا جا رہا، وہ قیدی کو مار دیتا۔"

"اسے تم نے بہت سادہ سی ترکیب سے گرا دیا۔ اس پر عمل کرنا دل گردے کا کام تھا۔ اسے سنبھلنے کے لیے ایک لمحہ بھی مل جاتا تو تمہاری خیر نہیں تھی۔"

"میں جانتا تھا۔ میں اس کے اترنے کی رفتار گن رہا تھا۔ میں نے اسے مہلت کا وہ لمحہ نہیں دیا۔"

"اب اس کا کیا کیا جائے گا؟" قدرے سکوت کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"موت اس کے لیے سب سے بہتر رہے گی۔ اسے تفتیش کے لیے زندہ رکھا گیا تو یہ ہمارے لیے عذاب بن جائے گا۔ اس کی رہائی کے لیے سفارتی دباؤ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔" میں نے اسے اپنی دو ٹوک رائے سے آگاہ کر دیا۔

"ہو سکتا ہے کہ جلال اسے زندہ رکھنا چاہے!" اول خان نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"میں اسے اس غلطی کا مشورہ نہیں دوں گا۔ اچھا ہوا کہ اس وقت وہ ہمارے ساتھ نہیں ہے۔"

اس وقت جو کچھ ہوا، وہی سب سے بہتر تھا۔ اگر حالات اس کے برعکس ہوتے اور بن مجھے وہاں سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو جاتا تو بڑی الجھنیں سر ابھار سکتی تھیں۔ اس نے مجھے ڈینی سمجھنے سے انکار کر دیا تھا مگر وہ مجھے زندہ رکھتا یا مار دیتا۔ دونوں صورتوں میں نک اور ٹام ضرور مجھ سے ملتے یا اخباروں میں میرے بے جان چہرے کی تصاویر دیکھتے اور مجھے کرنل داور کے طور پر پہچان لیتے۔ ان کی اس شناخت سے یہ بات تو پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی کہ ایس ٹی ایف آخر کار آئی مین تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن اس کے دوسرے نتائج خوش گوار نہ ہوتے۔

میں نے اول خان سے آسانی سے کہہ دیا تھا کہ بن ڈیوڈ کو مار دینا چاہیے لیکن اس سے پہلے اس سے بہت کچھ اگلوانا ضروری تھا۔ میں خاموش سفر کے دوران ان نکات کے بارے میں سوچتا رہا اور آخر کار ہم اسٹیشن فور کی حدود میں داخل ہو گئے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر اول خان کی موجودگی کی وجہ سے گاڑی کو کہیں نہیں روکا گیا تھا۔

اسٹیشن فور پہنچتے ہی میں نے سب سے پہلے گھر فون کیا۔ دوسری طرف سے غزالہ نے جواب دیا بلکہ جوابی سوال کر ڈالا۔

"آپ دونوں کہاں ہیں اور کیا ہو رہا ہے۔ ہم آپ کی طرف سے فکرمند ہیں۔"

"بن اسٹیشن فور کے ایک کمرے میں بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ باقی سب خیریت ہے۔"

"فی الحال یہاں بھی سکون ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ رات کیسے گزرتی ہے۔ آپ کب تک آئیں گے؟"

"میری واپسی کا انحصار بن کے رویے پر ہے۔ ابھی اس سے مذاکرات باقی ہیں۔ تم بے فکر ہو کر اپنے کمرے میں لیٹو۔ اللہ نے چاہا تو خیریت رہے گی۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ اول خان نے بن کے بریف کیس کا تالا کھولنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

ہم میں سے کسی نے سی نائین کی تلاشی میں وقت برباد کرنے یا کسی کو وہاں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بن ایک بھگوڑا مجرم تھا۔ اپنی ساری ضروریات کو کہیں یک جا کر کے ہر وقت کوچ کے لیے تیار رہنے کا عادی رہا ہوگا۔ مجھے امید تھی کہ بریف کیس سے بہت کچھ برآمد ہوگا۔

اول خان کی میز پر وہ تمام چیزیں اکٹھی تھیں جو بن کے

لباس کی جیبوں سے برآمد ہوئی تھیں۔ ان میں وہ اشیا بھی شامل تھیں جو اس نے میری جامہ تلاشی میں میری جیب سے برآمد کی تھیں۔ ان میں صرف ایک چیز میرے لیے پرکشش تھی۔ وہ ہتھیلی میں سما جانے والا ایک ننھا سا ٹرانسمٹر تھا۔

وہ نئی ساخت پہلی بار میرے مشاہدے میں آئی تھی۔ اس کی نیم پلیٹ کے اندراجات کو کھرچ کر مٹا دیا گیا تھا۔ وہ اپریٹس بن کی جیب سے برآمد ہوا تھا۔ اس لیے مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ وہی آلہ اس کے اور دوسروں کے ہنگامی روابط کے لیے کام آتا ہوگا۔

ذرا سی محنت کے بعد بریف کیس بھی کھل گیا۔ میری توقع کے برعکس اس میں کوئی کاغذی ریکارڈ بھی نظر نہیں آیا۔ اس میں جدید ترین مواصلاتی آلات، مختصر ہتھیار اور ان کے میگزین وغیرہ بھرے ہوئے تھے۔ اپنے اجزائے ترکیبی کی بنا پر وہ کسی مجرم کا دستی اسلحہ خانہ تھا جس میں چند حسّاس ترین اسپائی کیمرے بھی شامل تھے۔

”ہم بلاوجہ یہ بوجھ لاد لائے۔ اس میں ایک بھی کام کی چیز نہیں ہے۔“

میں نے ہنستے ہوئے ایک ڈبیا بریف کیس سے نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔ ”یہ آج کی بھاگ دوڑ پر تمہارا انعام ہے۔ حیرت ہے کہ تم سی ایس ڈی کو نہیں پہچان سکے۔“

اول خان نے اشتیاق سے اسے اٹھالیا۔ ”تمہاری سی ایس ڈی بیڈ روم میں لگی ہوئی ہے۔ وہاں تک میری رسائی نہیں ہے۔“

اس نے سی ایس ڈی کو گھما پھرا کر دیکھا اور پھر احتیاط سے اپنی میز کی دراز میں رکھ لیا۔

ہم دونوں گھر سے کھانا کھا کر نکلے تھے۔ اس وقت چائے کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔ اول خان کے اردلی نے ذرا سی دیر میں چائے تیار کر دی۔ چائے نوشی کے دوران میں اول خان نے ٹی اور آئی مین کے بارے میں بات نکالنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے خاموش کر دیا۔ بن کے مقدر کا خفیہ فیصلہ ہو چکا تھا۔ اسے سب کچھ اپنے سینے میں لے کر سوئے جہنم روانہ ہو جانا تھا۔ ہم بے فکر ہو کر اس کے سامنے ہر موضوع پر آزادی سے بات کر سکتے تھے۔

چائے کا دور ختم ہونے کے چند منٹ بعد بن کے ہوش میں آنے کی خبر آگئی۔ میں نے بن کی جیب سے برآمد ہونے والا آپریٹس اٹھایا اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔

وہ ایس ٹی ایف کی سرکاری مہمان داری کی عمومی

بچاؤ

اخباری رپورٹر نے عمر رسیدہ دیہاتی کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا ”آپ کی عمر اسّی سال ہے اور آپ نے زندگی میں کبھی کوئی دوا استعمال نہیں کی ....یہ کیسے ممکن ہوا؟“

”اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے جی ...؟“ دیہاتی نے سادگی سے کہا ”تیس سال کی عمر تک تو مجھے کبھی کسی دوا کی ضرورت ہی نہیں پڑی.... اس کے بعد ایک روز راستے میں کسی بات پر میرا گاؤں کے ڈاکٹر صاحب سے جھگڑا ہو گیا اور میں چالیس سال تک ان کے کلینک کے پاس سے بھی نہیں گزرا .... اور دس سال ہوئے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ یوں میں دوا سے بچا رہا۔“

روایات کے مطابق کمرے میں موجود بستر پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر کھول دیے گئے تھے۔ زینوں پر منہ کے بل دو مرتبہ گرنے کی وجہ سے اس کے چہرے پر شدید زخم آئے تھے۔ بائیں رخسار کا ورم ظاہر کر رہا تھا کہ وہ نازک ہڈی بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی ہوگی مگر میں نے ابتدا سے اس وقت تک بن کو ایک مرتبہ بھی کراہتے ہوئے نہیں سنا تھا۔

ہمیں دیکھتے ہی اس کے کٹے پھٹے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”تم لوگ تھوڑے سے بامروت اور مہمان نواز معلوم ہوتے ہو۔ آزاد ہاتھ پیروں کے ساتھ کمر کے نیچے بستر کی موجودگی کا احساس خاصا فرحت انگیز ہے۔“ وہ بولا۔

”ہماری یہ عنایات بلا سبب نہیں ہیں۔ ہم تمہیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تم زندہ رہنا چاہو تو رہ سکتے ہو۔“ میں نے سرد لہجے میں کہا۔

”یہ باتیں تمہارے منہ سے اچھی نہیں لگیں۔“ اس نے منہ بنا کر حقارت سے کہا ”میرے کسی ہم رتبہ شخص کو سامنے لاؤ۔ میں ڈینی کے سوا کسی سے بات نہیں کروں گا۔“

”ڈینی تمہارے اسی خادم کو کہا جاتا ہے۔“ میں نے

اپنے سر کو ہلکا سا خم دے کر استہزائیہ انداز میں کہا۔

"ہائیں!" وہ حیرت سے بھونچکا رہ گیا اور بے اختیار بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا "تت.... تم ڈینی ہو۔"

میں اس کی بے اعتباری پر ہنس پڑا "ہاں! یہ تمہاری بدقسمتی تھی کہ آج میں یہم گن اپنے گھر بھول آیا تھا۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی زخمی پیشانی پیٹ لی "یہ صرف مقدر کی خرابی ہے۔ مجھے ذرا سا شبہ ہو جاتا تو میں اسی وقت تمہیں گولی مار دیتا۔"

پیشانی کے زخموں سے خون کے جمے ہوئے لوتھڑے ہٹ جانے سے تازہ خون پھر رسنے لگا۔

"مجھے گولی مار دیتے تو تمہیں فرار ہونے کے لیے یرغمالی کہاں سے ملتا؟ تم تو فطرت کے اعتبار سے بھگوڑے ہو۔ مقابلے سے مسلسل بھاگ رہے تھے۔"

"مجھے صرف تمہاری تلاش تھی۔ میں کسی اور چکر میں پڑ کر اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تمہیں مارنے کے بعد میری زندگی کا ایک مشن پورا ہو جاتا۔ میں خوشی سے اپنے سر میں گولی مار لیتا۔ تم نے امریکا میں یہودی کاز کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ گیپ کی اصل فائل بہت اہم تھی۔ تم لوگوں نے اس کی نقلیں ساری دنیا میں پھیلا دی ہیں۔"

اس کی زبان سے وہ انکشاف سن کر مجھے خوشی ہوئی کہ ہماری وزارتوں میں کچھ لوگ تن دہی سے کام کر رہے تھے۔ وہ فائل لانے کے بعد پتا ہی نہیں چل سکا تھا کہ اس پر کیا کام ہوا تھا۔ سب کچھ وقتی اور جذباتی باتوں میں دفن ہو کر رہ گیا تھا۔

"آخر کار تم نے اگل ہی دیا کہ گیپ کا لکھا سچ ہے اور تم بھی عالمی صیہونیت کے پکے ایجنٹ ہو۔"

"میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔" وہ بستر سے نیچے اتر آیا اور پھر کسی چیتے کی طرح جھپٹ کر میری طرف آیا تھا۔

مجھے اس کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ میں بروقت اس کے راستے سے ہٹ گیا۔ وہ اپنے پورے زور میں دیوار سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر ٹیک کر خود کو بچا لیا تھا۔ میں نے پلٹ کر اس کی پشت پر زوردار لات رسید کی اور وہ پھسل کر فرش پر گر گیا۔

"یہ تمہاری اصل اوقات ہے ایک کتے سے بھی بدتر!" میں نے نفرت سے کہا۔

"اس وقت تم بالا دست ہو۔ جو چاہو کہہ سکتے ہو مگر میں تم کو بتا رہا ہوں کہ گنتی پوری ہو چکی ہے۔ تمہارا وقت کسی بھی لمحے ختم ہو سکتا ہے۔ یہودیوں کے ساتھ تم نے امریکیوں کی بھی دشمنی مول لی ہے۔ وہ تمہیں ہرگز نہیں بخشیں گے۔ مار مار کر تمہارا بھرکس نکال دیں گے۔"

"امریکی اور یہودی اپنی اپنی طاقت کے نشے میں دھت ہیں۔ ایک کو اپنی فوجی برتری کا گھمنڈ ہے' دوسرے کو اپنی معاشی گرفت پر ناز ہے۔ یہ دونوں خدا کو بھولے ہوئے ہیں۔ وہ طاقت جوش میں آ گئی تو یہ دونوں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گے۔ دور دور تک انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔"

وہ اٹھ کر دھیرے دھیرے چلتا ہوا اپنے بستر پر جا بیٹھا اور طنزیہ لہجے میں بولا "کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔ ہر کمزور بدمعاش اپنی حرکتوں کی وجہ سے مار کھاتا ہے تو اسی طرح کلکلا کر مارنے والے کو کوستا ہے لیکن اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔"

"جب ہی تم اس وقت اس چھوٹے سے کمرے میں نظر آ رہے ہو!"

"اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں ہے۔ غلطی میری تھی کہ میں تم جیسے موذی کو نہیں پہچان سکا۔ مجھ سے یہ چوک نہیں ہوئی ہوتی تو تمہارا قصہ سی نائین میں ہی تمام ہو جاتا۔ تم مجھے اپنی بکواس سنانے کے لیے زندہ نہ رہتے۔"

"تم کو اندازہ ہے کہ تمہارا انجام کیا ہو سکتا ہے!" میں نے اسے ڈرانا چاہا۔

"تم مجھے بلیک میل کر کے زندہ رکھنا چاہو گے مگر ایسا نہیں ہو سکے گا۔ تمہارے پاس دوسری راہ یہ رہ جائے گی کہ تم مجھے مار دو۔" اس نے بے خوفی سے کہا۔

"یہاں تم کو کس کس کی سرپرستی حاصل تھی؟" قدرے خاموشی کے بعد اول خان نے سوال کیا۔

"مجھے ہر انصاف پسند انسان کی سرپرستی حاصل تھی۔ لوگ تم جیسے بنیاد پرست مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں جو اپنی قتل و غارت گری کی حرکتوں کو اللہ کی مرضی سے موسوم کر کے خود بے گناہ بننے کی قابلِ نفرت کوششیں کرتے ہیں۔" بن کی آواز میں بلا کا زہر رچا ہوا تھا۔ "تمہاری خون آشام عادتوں اور عقیدوں سے دنیا کا ہر مہذب آدمی خوف زدہ ہے۔"

"تم ہم دونوں کی بات کر رہے ہو یا دنیا کے سارے مسلمانوں کو گالیاں دینے کی کوشش کر رہے ہو؟" اول خان نے تلخی سے پوچھا۔

"مشرق سے مغرب تک، ہر مسلمان ایک فتنہ ہے اور میری نظروں میں قابلِ سزا ہے۔ مذہب کی آڑ لے کر تم لوگوں نے عالمی غنڈا گردی شروع کی ہوئی ہے۔ اب دنیا پر رفتہ رفتہ یہ عقدہ کھل رہا ہے کہ تمہارا جہاد کا نظریہ عالمی امن کے لیے کتنا خطرناک ہے۔ تم دونوں فرشتے نہیں ہو، اسی عالمی فتنے کا ایک سرگرم حصہ ہو۔"

وہ نئی باتیں نہیں تھیں۔ ڈھکے چھپے الفاظ میں وہ سب عالمی پریس کی زینت بنتا چلا آرہا تھا لیکن ایک ممتاز اور متعصب یہودی کی زبان سے وہ مربوط باتیں اس وقت ہولناک معلوم ہورہی تھیں۔ صاف نظر آرہا تھا کہ مغرب کے مقتدر حلقوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اندر ہی اندر لاوا ایک رہا تھا۔

"دنیا بھر کی ترجمانی کے دعوے چھوڑ دو۔" میں نے اسے تاؤ دلانے کی نیت سے کہا "اپنی بات کرو۔ تم نے ہمارے ہاتھوں سے جوتے کھائے ہیں اس لیے اب تمہیں ہمارے مذہب میں بھی کیڑے نظر آنے لگے ہیں۔ جہاد ایک ٹھوس حقیقی نظریہ ہے۔ یہ مظلوم اور حق کے خلاف نہیں ہوتا۔ اللہ کا نام سربلند رکھنے کے لیے ظالموں اور باطل قوتوں سے پوری قوت سے ٹکرا جانے کو جہاد کہا جاتا ہے۔"

"یہ میں نہیں کہہ رہا، دنیا کہہ رہی ہے۔ تم لوگوں کی برہمی کی وجہ سے اخباروں میں کچھ نہیں آتا ورنہ مغرب میں دانش ور اور اسکالر سر جوڑے بیٹھے ہیں کہ مسلمانوں میں جہاد کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو کیسے ختم کیا جائے۔ دوسرے مذاہب اس سے خوف زدہ ہیں۔ اس صدی کے وسط تک یہ تمہارے ملاؤں تک محدود تھا۔ آج پڑھے لکھے اور روشن خیال مسلمان بھی اس سے متاثر ہورہے ہیں۔ یہ ایک خوف ناک علامت ہے۔ مغرب اس وبا کے قابو سے باہر ہونے سے پہلے اسے ختم کرنا چاہتا ہے۔ آج مغرب بلکہ دنیا بھر کی سربراہی امریکا کے پاس ہے اس لیے وہ بنیاد پرست مسلمانوں کی سرکوبی کی مہم میں سب سے آگے ہے اسی لیے وہ تمہیں اپنا دشمن نظر آتا ہے۔"

"تم نے یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ مغرب کی حد سے بڑھی ناانصافیوں اور ظلم کے خلاف اس جذبے کا احیا ہورہا ہے۔" میں نے بات بڑھائی۔

"کہیں کوئی ظلم نہیں ہورہا۔ تم سب مسلمان بدمعاش ہو۔" اس نے برہمی سے کہا "یہودیوں کو ان کے وطن سے بے دخل کرکے فلسطین بنانا چاہتے ہو۔ کشمیر پر قبضے کے خواب دیکھ رہے ہو، انڈونیشیا میں عیسائیوں کو فنا کردینا چاہتے ہو، یورپ کے قلب میں دوبارہ اسلامی سلطنت کی داغ بیل ڈالنے کے چکر میں ہو۔ سب سے بڑے ظالم ہو۔ تم سے ہر مذہب کے پیروکار خوف زدہ ہیں کیونکہ جب تم ہتھیار اٹھا لیتے ہو تو پھر کسی کو نہیں بخشتے۔ تمہارے نام نہاد مجاہد خودکش بم کے ساتھ تل ابیب کی تفریح گاہوں میں گھستے ہیں تو انہیں ہنستے کھیلتے ہوئے امن پسند یہودیوں پر ذرا بھی رحم نہیں آتا۔ وہ اپنے ساتھ ان سب کو لے مرتے ہیں۔"

"یہ ان پر یہودیوں کے مسلسل مظالم کا ردِعمل ہے۔ جب تمہارے ٹینک اور بلڈوزر عرب آبادیوں کو روندتے ہیں، ان پر زمین اور آسمان سے بارود برساتے ہیں تو تمہارا دل نہیں دکھتا۔"

"وہ فلسطینیوں کے ظلم کی سزا ہوتی ہے جو سب کو بھگتنی پڑتی ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا پھر اچانک ہاتھ آگے بڑھا دیا "ہوسکے تو مجھے ایک سگریٹ دے دو۔ تم لوگوں نے میری جیبوں میں کوئی تنکا تک نہیں رہنے دیا۔"

اس کی وہ فرمائش پوری کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ میں نے اپنے ہونٹوں سے لگا کر ایک سگریٹ سلگائی اور اس کی طرف اچھال دی۔ اس نے سگریٹ لپک کر اپنے ہونٹوں سے لگائی اور دھویں کا ایک گہرا کش اپنے سینے میں اتار لیا۔

"تم ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہو۔" اس بار اول ل خان نے نرمی سے کہا "یہ پہلے انڈا یا پہلے مرغی والی بحث

مصرف

پالتو پرندوں کی دکان میں پہنچ کر ایک دیہاتی نے تمام پرندوں کا جائزہ لینے کے بعد ایک مینا کی قیمت پوچھی۔

"پانچ سو روپے" دکان دار نے بتایا۔

"پانچ سو روپے..." دیہاتی حیرت سے چلّا اٹھا "اتنے سے پرندے کی اتنی قیمت...!"

"یہ بہت خاص نسل کی مینا ہے جناب! گانے گاتی ہے۔" دکان دار نے بتایا۔

"مجھے گانے وانے سے کوئی دلچسپی نہیں۔" دیہاتی بولا "یہ بتاؤ اس کا گوشت لذیذ ہوگا یا نہیں؟"

ہے۔ ہٹ دھرمی سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوگا۔ یہودیوں پر ہٹلر نے مظالم کیے تھے۔ وہ اللہ کی اس معتوب قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا تھا۔ جنگ جیت کر اتحادیوں نے یہودیوں کو امریکا یا جرمنی کے بجائے عربوں کے قلب میں بسا کر اسرائیل بنا دیا۔ نفرت کی شجرکاری اسی وقت شروع ہوگئی تھی۔"

"میں تاریخ دان نہیں ہوں۔" اس نے اپنے سینے میں رکا ہوا دھواں اگلتے ہوئے جواب دیا "میں آج کی دنیا میں جی رہا ہوں اور اسی کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ سوچ کر دہشت سے پھریریاں آنے لگتی ہیں کہ اگر دنیا کے کروڑوں مسلمانوں نے معقولیت کی راہ چھوڑ کر ہتھیار اٹھاتے ہوئے جہاد کا نعرہ لگا دیا تو اس دنیا کا کیا بنے گا۔"

"مسلمان کبھی کسی پر بلاوجہ ہتھیار نہیں اٹھاتا۔" اول خان نے مضبوط لہجے میں کہا "ہر طرف ظلم اور چیرہ دستیوں کا راج ہوگا تو ضرور ایسا وقت بھی آجائے گا۔"

"مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔ یہ سب تمہارے مذہبی طبقے کے کرشمے ہیں۔ انہوں نے جہاد کو ایک طلسم اور سحر بنا دیا ہے۔ اس میں مرجانے والوں کو شہادت کا رتبہ دیا جاتا ہے اور شہید کے لیے ناقابلِ تصور انعامات کی نوید سنائی جاتی ہے۔ چکر سارا یہ ہے کہ موت ہماری زندگی کی سب سے اٹل حقیقت ہے۔ ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن مرجانا ہے۔ تمہارے مذہب میں جہاد اور شہادت کا نعرہ لگا کر موت جیسی سرد اور ہولناک حقیقت کو اس قدر پرکشش بنا دیا گیا ہے کہ ذرا سا بھی مذہبی رجحان رکھنے والا مسلمان اس کی طرف راغب ہوسکتا ہے۔"

"بن!" اول خان دبی دبی آواز میں غرایا "خدا کا خوف کرو اور توبہ کرو۔ یہ مذہبی طبقے کے کرشمے نہیں، آسمانی احکام، ہدایات اور وعدے ہیں...!"

"بس بس!" بن نے منہ بنا کر اس کی بات کاٹ دی "یہ تمہارے عقائد ہیں جن سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میرا مذہب یہ سب نہیں سکھاتا۔"

"لیکن تمہارے کسی ربّی نے تمہیں دوسروں کے مذہب اور عقائد کا احترام کرنا ضرور سکھایا ہوگا۔" میں نے تلخی سے کہا "تم یہاں کسی مذاکرے میں نہیں آئے، ہمارے قیدی ہو۔"

"مجھے معلوم ہے کہ میری باتیں سن کر تم اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کرو گے۔ مجھے مارنا ہے تو مار دو گے۔ دوسروں کو گھیرنے کے لیے مجھے زندہ رکھنا ہے تو زندہ رکھو گے۔" اس نے براہِ

راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "تم اپنے لوگوں میں بارسوخ سمجھے جاتے ہو اس لیے موقع پا کر تمہیں یہ سب باتیں بتا رہا ہوں۔ تم لوگ جہاد کا نام لینا چھوڑ دو۔ اس سے پوری دنیا خوف زدہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ خوف سب کو یکجا کر دے اور پھر اس کرۂ ارض پر دو تہذیبیں پوری قوت کے ساتھ ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں۔ مسلموں اور غیر مسلموں کا یہ تصادم سب کچھ تباہ و برباد کر دے گا۔ ہم سب صدیوں پیچھے چلے جائیں گے۔"

اس کی زبان سے تہذیبوں کے تصادم کی بات سن کر میں چونک پڑا۔ حالات کچھ اسی رخ پر جا رہے تھے جیسے سب مل کر مسلمانوں کے خلاف ایکا کرنے والے ہوں۔

بن ڈیوڈ نے کلیدی بات کہہ دی تھی۔ وہ کوئی بین الاقوامی لیڈر یا عالمی رہنما نہیں تھا جو اس کی باتوں کو ضرورت سے زیادہ وزن دیا جاتا لیکن وہ ایک کٹر یہودی ضرور تھا جس کے اہم امریکی عہدے داروں سے گہرے مراسم تھے۔ اس کی کہی ہوئی باتوں کو یکسر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

ان دنوں مشرقِ وسطیٰ جہادی گروپوں کی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ان کی رکنیت عالمگیر تھی۔ دوسرے ملکوں میں کوئی فورم نہ ہونے کی بنا پر امریکا اور آسٹریلیا کے مسلمان بھی جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لیے اس خطے کا رخ کرتے تھے۔ زندگی اور موت کے بارے میں جہادیوں کی بے خوفی پوری دنیا پر واضح ہوچکی تھی۔ اگر اس بارے میں مغرب میں سر جوڑ کر کچھ سوچا جا رہا تھا تو وہ بعید از قیاس نہیں تھا۔ بن نے ہم دونوں سے ذاتی سطح پر ہونے والی گفتگو کو ایک عمومی رخ دے کر بہت سی تشنہ باتیں اجاگر کر دی تھیں۔

پاکستان کے ڈھکے چھپے دشمنوں سے ہونے والی آویزش میں پچھلے کچھ عرصے سے یہ بات رفتہ رفتہ واضح ہو رہی تھی کہ ان دنوں صرف پاکستان ہی امریکی سپرپاور کی نظروں میں نہیں کھٹک رہا تھا۔ اس کی مہمات کا دائرہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں تک پھیل رہا تھا۔ پاکستان کی خوش قسمتی یہ تھی کہ وہ ایک مضبوط دفاعی قوت کا مالک تھا اور ہر کھلی ریشہ دوانی کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتا تھا۔ اسی کے ساتھ اس ملک نے ایٹمی استعداد بھی اتنی بڑھالی تھی کہ اس کا شمار دنیا کی جوہری طاقتوں میں ہونے لگا تھا۔

پاکستان کے بدخواہوں نے ان مثبت نکات کو کبھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔ اہم اور نازک مواقع پر پاکستان کے عزائم کے بارے میں بھرپور عالمی میڈیا وار چلائی گئی، قیادت پر کیچڑ اچھالی گئی۔ ہر وہ قدم اٹھایا گیا جو پاکستان

کے لیے نقصان دہ ہو سکتا تھا۔ جب یہ حربے بھی پاکستان کو اس کے قومی منصوبوں سے دست کش نہ کرا سکے تو پاکستان کے خلاف، امریکا کی سربراہی میں سازشوں اور تخریب کاریوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کردیا گیا جس میں ہندو اور یہودی امریکا کے ہم نوا تھے۔

"تم یہاں ٹام اور نک کے علاوہ کس کس سے رابطے میں تھے؟" طویل خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔ اس دوران میں بن نے گہرے گہرے کش لگا کر میری دی ہوئی پوری سگریٹ پھونک ڈالی تھی اور ہاتھوں سے اپنے چہرے کے زخموں کو سہلا رہا تھا۔

"بیسیوں آدمی تھے جن میں تمہارے پاکستان بھی شامل تھے۔" اس نے اپنی پسلیوں کو دباتے ہوئے کہا۔

"میں ان کے نام جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے مطالبہ کیا۔

"اس نے سختی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی "تم نے جن کو رگڑ دیا، وہی کافی ہیں۔ میں مزید کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"تم نہ بتاؤ لیکن اب ان میں سے کوئی کریم آباد کے پل کو نہیں اڑا سکے گا۔" میں نے طنزیہ پیرائے میں کہا۔

وہ چونک پڑا۔ اس کے خون آلود چہرے پر تحیر کے آثار تھے۔ "اس بارے میں تم کیا جانو!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ان دونوں کی سازش ناکام ہوگئی۔" میں نے اسے اطلاع دی۔

"مجھے معلوم ہے، سب معلوم ہے کہ شہر میں ابھی تک کوئی بڑا دھماکا نہیں ہوا۔" وہ یکایک اعصاب زدہ ہو کر دہاڑا "مگر اس بارے میں تم کو کس نے بتایا؟"

اس اطلاع پر وہ بدک گیا تھا۔ مجھے اس سے کھیلنے کا موقع مل گیا "تمہاری معلومات ناقص ہیں۔" میں نے اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "شہر میں ایک بڑا دھماکا ہوا تھا جس کے نتیجے میں ایک نیلی ڈاج اپنے دو مسافروں سمیت جل کر کوئلہ ہوگئی۔"

"تمہارے پاس ایم ففٹی کب سے ہے؟" بس لمحے بھر کے توقف کے بعد اس نے پوچھا اور مجھے تسلیم کرلینا پڑا کہ وہ کافی ذہین تھا۔ اس نے را والوں کو ساری ہدایات ایم ففٹی پر دی تھیں۔ میری زبان سے ان واقعات کا یکے بعد دیگرے ذکر سنتے ہی اس کا ذہن ایم ففٹی کی طرف مبذول ہوگیا تھا۔

اس بارے میں اس سے کچھ چھپانا بے سود تھا۔ میں نے اسے سلگانے کے لیے دھیرے سے کہا "جب پہلے را چوہاری یہ [illegible] کے ہاتھوں سے نکل گیا [illegible]

تحویل میں تھا۔"

"اوہ!" اس کے حلق سے بے ساختہ غراہٹ آزاد ہوئی "تو وہ حرامی کہیں بھاگا نہیں تھا۔ تمہارے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ اس کنجر نے اپنا ایم ففٹی بھی تمہیں دیا۔"

"اسے کنجر نہ کہو ورنہ تمہیں اپنے لیے اس سے بھی بڑی گالی تخلیق کرنی پڑے گی۔"

"میرا اس سے موازنہ مت کرو۔" وہ جھلا کر بولا "مجھے روزِ اول سے را والوں پر بھروسا نہیں تھا۔ وہ بزدل اور بودے ہیں جو لوگ اپنے طور پر ایک پڑوسی ملک میں پھلجھڑی بھی نہیں چھوڑ سکتے وہ میری یا کسی اور کی رہنمائی میں کیا تیر مار لیتے۔ خس کم جہاں پاک۔ اچھا ہوا کہ ان چاروں کا قصہ ختم ہوگیا۔ میں ان کی وجہ سے تمہارے ہاتھ آیا ہوتا تو مجھے مر کر بھی چین نہ آتا۔"

"تمہیں نیلی ڈاج کے انجام کا علم کس طرح ہوا۔ تم تو سی نائین میں چھپے بیٹھے تھے؟"

"وہ میرا پروگرام تھا۔ میں اپنے ذرائع سے ہر اونچ نیچ کی خبر رکھتا ہوں۔"

"مگر پھر بھی تم وجے سے کم نہیں ہو اور اسے گالیاں دے رہے ہو۔ اس نے اپنا ایم ففٹی مجھے دے دیا۔ تمہارا یہ اپریٹس میرے پاس ہے۔" میں نے اسے اپنی جیب سے چھوٹا سا سیاہ اور وزنی اپریٹس نکال کر دکھایا تو اس پر دورہ سا پڑ گیا۔

اس نے دوبارہ بستر چھوڑا اور کسی جونک کی طرح دیوانہ وار میرے بدن سے لپٹ گیا۔ وہ مجھ سے اپنا اپریٹس چھین لینے کی کوشش کررہا تھا جو اس کے حملہ آور ہوتے ہی میری پتلون کی جیب میں محفوظ ہوچکا تھا۔

اس کی طرف سے میرے دل میں بھڑاس تھی۔ وہ مجھ سے زیادہ جسیم، توانا اور قد آور تھا۔ سی نائین کے مخصوص حالات میں آنسو گیس کے گہرے اثرات کی وجہ سے مجھے اس سے زور آزمائی کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے ہانک لگا کر اول خان کو مداخلت سے روک دیا۔

ہڑبونگ کی آوازیں سن کر ایس ٹی ایف کے دو مسلح گارڈز بھی اندر گھس آئے تھے مگر میری آواز پر اپنی اپنی جگہوں پر جم کر رہ گئے۔

بن مجھے دبوچ لینا چاہ رہا تھا۔ میں نے اس کی گرفت میں کسمساتے ہوئے ذرا سی جگہ بنائی اور پوری قوت سے اس کے بائیں پہلو میں مکا رسید کردیا۔ بس لمحہ بھر کے لیے اس کی گرفت ذرا ڈھیلی ہوئی اور میں کسی مچھلی کی طرح پھسل کر اس [illegible]

"مجھے پکڑنے کی کوشش میں بن کا اچٹتا ہوا ہاتھ میرے منہ پر پڑا تو مجھے اندازہ ہوا کہ میرا چہرہ بھی پہلے سے مجروح تھا۔ سی نائین میں آنسو گیس کی موجودگی اور اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر بن نے میرے اوپر جو ہاتھ دکھائے تھے ان کی باقیات خاصی تکلیف دہ تھیں۔

دیو ہیکل بن اپنے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلائے' مجھے پکڑنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ اس وقت اس کے خون آلود چہرے کے تاثرات بہت ڈراؤنے ہوگئے تھے۔ میں نے اس کے مقابل کھڑے کھڑے' اس کی توجہ مبذول کرانے کے لیے زور سے اپنا داہنا پیر زمین پر مارا۔ وہ بھڑکا اور اسی لمحے میں نے اچھل کر اپنے دونوں پیروں سے اس کے چہرے پر ضرب لگانے کی کوشش کی۔ میں اس کے چہرے کو نشانہ بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکا لیکن سینے پر پڑنے والی زوردار لاتوں نے اس کے پیر اکھاڑ دیے۔

وہ غضب ناک آواز میں ڈکراتا ہوا پیچھے الٹا..... اور لہراتا ہوا فرش پر گر گیا۔

وہ جسیم ہونے کے ساتھ غضب کا پھرتیلا بھی ثابت ہوا۔ میں اس کے سینے پر سوار ہونے کے ارادے سے آگے جھپٹا ہی تھا کہ وہ سنبھل کر دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا جتنی دیر میں' میں نے ہتھیلیاں فرش پر ٹیک کر اپنا توازن درست کیا' اتنی دیر میں وہ بھی مقابلے کے لیے از سرنو تیار ہو چکا تھا۔

اس بار وہ کسی باکسر کی طرح دونوں ٹانگوں کو قدرے پھیلا کر اپنے چہرے کے سامنے اپنے مکے لہرا رہا تھا۔ میں نے جھپٹ کر وار کیا جو اُچٹ گیا اور مجھے اپنے پیٹ میں بن کا جوابی مکا سہنا پڑ گیا۔

وہ ہماری جھڑپ کا آغاز تھا۔ میں سی نائین میں ہی اسے خاصا مجروح کر چکا تھا لیکن میری تسلی نہیں ہوئی تھی اس کو زیادہ اور شدید چوٹیں منہ کے بل دوبار سیڑھیوں پر گرنے کی وجہ سے آئی تھیں۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اپنے ہاتھوں سے اس کا پورا چہرہ ادھیڑ کر لہولہان کردوں۔

اول خان اور اس کے محافظوں کو اس مقابلے سے الگ تھلگ رکھ کر میں نے بن کو بھی اپنے ارمان پورے کرنے کا کھلا موقع فراہم کردیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ دشمن کے ہاتھوں پوری طرح زیر ہونے کے بعد اسے اپنے حریف سے دوبدو مقابلے کا ایسا سنہری موقع مل جائے گا۔ وہ اس نعمتِ غیر مترقبہ سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے چکر میں تھا۔

ہم دونوں ایک دوسرے کے مقابل جم کر لڑ رہے تھے۔ بن کو اپنے قد کی وجہ سے نمایاں برتری حاصل تھی لیکن وہ باکسنگ کے معاملے میں بالکل اناڑی ثابت ہو رہا تھا۔ چند اندھا دھند حملے کر کے اس نے شدید مار کھائی تو اسے تارے نظر آ گئے۔ میں بچ بچ کر اس کے چہرے اور جسم کے دوسرے حصوں کو نشانہ بناتا رہا۔

وہ مکے بازی کے اس نقصان دہ مقابلے سے بچ کر مجھ سے لپٹ جانے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ میں نے اس کی کمزوری بھانپ لی تھی۔ اپنے تابڑ توڑ مکوں سے اسے اپنے جسم سے بہت قریب آنے کا کوئی موقع نہیں دے رہا تھا۔

ایک بار اس نے اپنے مکوں کے پیچھے چہرہ چھپا کر جھکتے ہوئے اندر گھسنے کی کوشش کی اور بہت بری طرح میری زد میں آ گیا۔

کھوپڑی اور پیشانی کے دائیں بائیں طرف پڑنے والے چار پانچ گھونسوں نے ہی اس کے حواس باختہ کردیے اور وہ سمندر میں ڈوبنے والے کسی شخص کی طرح فضا میں ہاتھ پیر چلاتا ہوا' فرش چاٹنے پر مجبور ہوگیا۔ چہرے سے گردن تک وہ خون میں تر ہو چکا تھا۔

وہ بغیر دستانوں کی لڑائی تھی۔ میرے دونوں ہاتھ بن کے خون سے گندے ہو چکے تھے۔ وہ اپنی آنکھیں موندے' فرش پر پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اسے اسی حالت میں چھوڑ کر میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ اول خان اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اس کے آدمی کسی بھی غیر متوقع صورتِ حال کے مقابلے کے لیے تیار تھے۔

اول خان کے دفتر سے ملحق واش روم میں' میں نے پہلی بار آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ سی نائین سے واپسی کے بعد میرے چہرے میں خاصی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ میں نے ان کا بغور جائزہ لیتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ سب بند زخم تھے جو نیل اور ورم کی صورت میں جزیروں کی طرح ابھرے ہوئے تھے۔ کہیں سے جلد کٹی تھی نہ خون بہا تھا۔

ہاتھ دھونے کے بعد میں نے اپنے چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چند چھپکے لگائے تو خاصی فرحت اور تازگی کا احساس ہوا۔ ہاتھ منہ دھو کر میں دوبارہ اسی کمرے میں پہنچ گیا۔

اس دوران میں بن کے کھوئے ہوئے اوسان بڑی حد تک بحال ہو چکے تھے۔ وہ فرش پر دونوں ٹانگیں پھیلائے ملال اور افسردگی کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنے گھٹنوں پر رکھے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت عبرت ناک شکست کا پیکر نظر آ رہا تھا۔

میری آہٹ سن کر اس نے اپنی سوجی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور شکست خوردہ لہجے میں بولا "مجھے دکھ ہے کہ برابر کا موقع ملنے کے باوجود میں تم پر اپنے دل کی حسرتیں نہیں نکال سکا۔ میں صرف ہاتھوں سے اپنے حریفوں کا کچومر بنانے کا عادی رہا ہوں لیکن تم نے ثابت کر دیا کہ تم ڈینی ہو۔ لوگ بلاوجہ تم سے نہیں ڈرتے۔"

"کیا تم کسی قسم کا طنز کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟" اول خان نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اب طنز کا کوئی کس بل نہیں رہا۔ اس مقابلے کے بعد مجھے یہ اطمینان ہے کہ میں اپنے سے کم تر حریف سے زیر نہیں ہوا۔"

"دوبارہ میرے قریب آنے کی کوشش نہ کرنا۔" میں نے اپنی جیب سے بن کا خاص ایرپیس نکالتے ہوئے سنگین لہجے میں کہا "یہ گارڈ تمہاری دونوں ٹانگیں چھلنی کر دیں گے۔"

"اس پر کسی سے رابطہ ہو جائے تو ذرا میری بات بھی کروا دینا۔" بن نے التجا کی۔

"تاکہ تم اسے دیوار پر مار کر چور چور کر دو!" میں نے پوچھا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اسے تم صرف ایک بار استعمال کر سکتے ہو۔ دوبارہ تمہیں کوئی جواب نہیں ملے گا۔ دشمن کے ہاتھ آنے والا آلہ ہم کبھی اپنے استعمال میں نہیں رکھتے۔"

وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ دانش مندی بھی یہی تھی کہ مشتبہ مواصلاتی آلات کے استعمال سے گریز کیا جائے۔

ایرپیس آن کر کے میں نے کال بٹن دبایا اور کسی بھی سننے والے کے لیے انگریزی میں اپنا پیغام نشر کر دیا۔

"سننے والے کے لیے تمہاری آواز اجنبی ہے۔" کئی سیکنڈ تک جواب نہ ملنے پر بن نے تبصرہ کیا۔ "ہو سکتا ہے کہ تم کو رابطے میں ناکامی ہو۔ لاؤ! یہ ایرپیس مجھے دو۔ میں بات کرتا ہوں۔" وہ مطالبہ کرتے ہوئے اس نے اپنا داہنا ہاتھ پھیلا دیا۔

اپنے رابطوں کے سلسلے میں بن بہت حساس تھا۔ ایرپیس کے حصول کے لیے میں اس کے بے چینی دیکھ چکا تھا۔ میں نے اس کا مطالبہ نظرانداز کر دیا۔

"دس از ارجنٹ!" میں نے تقریباً آدھے منٹ تک مزید انتظار کرنے کے بعد ایرپیس میں کہا "میں بن ڈیوڈ کے ایما پر کام کر رہا ہوں۔ وہ مشکل میں ہے۔ اوور!"

میری وہ ترکیب کارگر رہی۔ چند ثانیوں بعد ہی ایرپیس [illegible] آواز ابھری "تم کون ہو؟" اپنا نام بتاؤ اور بن [illegible] دہراؤ۔" وہ آواز پہچان کر میرے دل کی دھڑکنیں یک بہ یک تیز ہو گئیں۔ وہ سی آئی اے کا مقامی نمائندہ، ٹام پیٹرک بول رہا تھا۔

مجھے توقع تھی کہ ایرپیس پر ٹام یا نک سے ہی بات ہو گی۔ اس لیے میں نے اپنی آواز بدل لی تھی۔ میری دوسری آواز وہ کرنل داور کے روپ میں سن چکے تھے۔

"بن اس حالت میں نہیں ہے کہ وہ کوئی کوڈ بتا سکے۔ اپنی قسمت کی خرابی سے وہ اس وقت میرا قیدی بن چکا ہے۔"

"تم کون ہو؟" سپاٹ آواز ابھری۔ وہ خبر سن کر نک سناٹے میں آگیا تھا۔

"مختصر سا نام ہے۔ مجھے ڈینی کہتے ہیں۔" میں نے عاجزانہ لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ! تو یہ تم تھے جس نے سی نائین پر وار کیا تھا" میری بات مکمل ہو جانے پر اس کی آواز ابھری۔ "بن نے مجھے فائرنگ کی خبر دی تھی تو میں سمجھا تھا کہ ایس ٹی ایف وہاں پہنچ گئی ہو گی۔ کیا ان کے آدمی بھی تمہارے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔"

"تم لوگوں نے میرے لیے ہر طرف جال بچھائے ہوئے ہیں۔ میں کسی کے ساتھ مل کر کام کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

وہ گفتگو کے آغاز میں ہی معلومات حاصل کر کے چالاکی دکھا رہا تھا۔ ویسے بھی میں اس سے مل چکا تھا۔ میری نپی تلی رائے تھی کہ وہ نک سے زیادہ مکار اور بد دماغ تھا۔ میرا نام سنتے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہماری گفتگو زیادہ دیر تک خوشگوار نہیں رہ سکے گی۔ بات بگڑنے سے پہلے وہ اپنے کام کی بات معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔

"تم تنہا بن کو زیر نہیں کر سکتے تھے۔ وہ تمہیں بھون ڈالتا۔ تم ایجنسیوں کے پالے ہوئے ہو۔ تمہارے ساتھ کچھ نہ کچھ نفری ضرور رہی ہو گی۔"

"تم جو چاہو، سمجھتے رہو۔ میں تمہاری تصحیح نہیں کروں گا۔"

"پھر تم نے مجھ کو کیوں کال کیا ہے؟" اس کی آواز سے رکھائی مترشح تھی۔

"صرف یہ جاننے کے لیے کہ بن کن لوگوں کے بل پر یہاں دندناتا پھر رہا تھا۔"

"میرے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" ابھی تو میں نے تمہیں اپنا نام بھی نہیں بتایا۔" اس کا انداز مضحکہ اڑانے والا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے رکھائی سے کہا۔

"میں تمہاری اور نک ہاروے کی آوازیں پہچانتا ہوں۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔ میں کسی نک کو نہیں جانتا۔" میرے جواب نے اسے بوکھلا دیا۔

"ٹام پیٹرک! میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش مت کرو۔ آج تمہارے دعووں کی قلعی کھل گئی ہے۔ تم پورے شہر میں گاتے پھر رہے تھے کہ نک اور اس کی سرگرمیوں سے تمہارا کوئی واسطہ یا تعلق نہیں ہے جب کہ اسے یہاں لانے اور چلانے والے تم لوگ ہو۔"

"یہ خرافات ہیں۔ ان کو تم مر کر بھی ثابت نہیں کر سکتے۔" وہ غرایا "اگلی بار اس اپریٹس سے بھی تمہیں کوئی جواب نہیں ملے گا۔"

"بچکانہ باتیں مت کرو۔ میں قانون اور عدالتوں کا آدمی نہیں ہوں۔ منصف مزاج ہوں اور ذاتی سطح پر ہر ایک کو اس کی دہلیز پر انصاف فراہم کرتا ہوں۔ بن کو خود اس کے گھر سے اٹھا کر لایا ہوں ورنہ یہ بے ایمان تو انصاف کا طلبگار ہی نہیں تھا۔"

"تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو!"

"چاہو تو تھانے میں میرے خلاف پرچا کٹوا دو۔" میں نے بے پروائی سے کہا "بن کی کہی ہوئی باتیں اب رفتہ رفتہ شہر میں پھیلیں گی۔"

"تم بلاوجہ اس کا نام استعمال کر رہے ہو۔ وہ تمہارا قیدی ہے۔ تم جو بات چاہو۔ اس سے منسوب کر سکتے ہو۔"

"اس کی ہم سے نفرت چشم کشا ہے۔ وہ پاکستان اور مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے، جہاد سے خوف زدہ ہے۔ مسلمانوں کے خلاف عالمی اتحاد کے خواب دیکھ رہا ہے اور شاید یہی سب تم دونوں کے دلوں کی آوازیں ہیں۔ بن نے اپنی باتوں سے تمہارے چہروں پر پڑے ہوئے سارے خوش رنگ نقاب نوچ لیے ہیں۔"

"اپنی زندگی سے مایوس شخص اپنی جان بچانے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔" وہ مسلسل منافقت کے اظہار پر تلا ہوا تھا۔

"ابھی وہ اپنی زندگی سے اتنا مایوس نہیں ہوا لیکن اس نے تمہاری قبر کھود دی ہے۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ تم بن سے میری بات کرا دو!" یکایک اس نے سوال کیا۔

مجھے اس سے کوئی اور بات معلوم ہونے کی توقع نہیں تھی۔ میں نے اسے محض یہ جتانے کے لیے کال کی تھی کہ بن میرے قبضے میں آ چکا تھا۔ میری توقع کے عین مطابق یہ انکشاف اس کے لیے شدید بدحواسی کا سبب بن گیا تھا۔

"لو، اپنی یہ آرزو بھی پوری کرلو۔" یہ کہہ کر میں نے اپریٹس بن ڈیوڈ کو تھما دیا۔

"ہاں بن! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟" چند ثانیوں کے وقفے کے بعد ٹام کی آواز ابھری۔

"میں سب کچھ سن رہا ہوں!" بن کے ہونٹوں سے تھکی تھکی سی آواز برآمد ہوئی۔ "جو کچھ ہوا اس پر میں تم سب سے بہت شرمندہ ہوں مگر اس میں میرا قصور نہیں تھا۔ میرا حریف مجھ سے زیادہ تیز طرار اور طاقت ور ہے۔ اس سے ہار کر میں شرمندہ نہیں ہوں۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔"

"بس، اتنا کافی ہے۔ میں یہی جاننا چاہ رہا تھا۔ ڈینی پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔ اس کی کسی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کیا جا سکتا۔" وہ ٹام کی آواز تھی۔

"آج اس کے ستارے یاور تھے۔ میں نے اسے پکڑ لیا تھا مگر بازی الٹ گئی۔" بن نے مغموم آواز میں کہا۔

"تم کو اسے پکڑتے ہی مار ڈالنا چاہیے تھا۔" ٹام وہ بے ساختہ مشورہ دینے سے باز نہ رہ سکا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ گزرے ہوئے واقعات پر رائے زنی کرنا ہر ایک اپنا حق سمجھتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مشورے پر عمل کرنے کے لیے گزرے ہوئے وقت کو لوٹایا نہیں جا سکتا مگر وہ پھر بھی بولنے سے باز نہیں رہتا۔

"ضرور مار دیتا مگر اس وقت تک مجھے پتا نہیں تھا کہ یہی ملعون ڈینی ہے۔"

"بن! تم نے بہت محنت کی مگر تقدیر نے تمہارا ساتھ نہیں دیا۔ اب تمہارا انجام سامنے ہے۔ یہ خونی درندہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میں تمہاری عظمت کو سات سلام کرتا ہوں۔ او کے۔ گڈ لک!"

بن نے پھر پیغام دیا "ان منحوس لمحات میں تم مجھے گڈ لک کہہ رہے ہو۔ اس سے زیادہ خراب وقت اور کیا ہو سکتا ہے۔"

وہ منتظر رہا لیکن ٹام کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

"اب وہ نہیں بولے گا۔" میں نے بن سے کہا "ڈوبنے والی کشتی سے کوئی اپنا ناتا برقرار نہیں کرتا۔" اس نے ذرا سی زبان ہلا کر تم کو سات سلام کہے اور بیچ منجدھار میں چھوڑ دیا۔

دل ہی دل میں وہ تمہیں گالیاں بک رہا ہو گا کہ تم نے اپنی جان کے خوف سے بہت کچھ اگل دیا۔"

"مجھے اس سے بدظن کرنے کی کوشش نہیں کرو۔ میں اس کی جگہ ہوتا تو خود بھی یہی کرتا۔" اس نے بھرائی ہوئی، دل گرفتہ آواز میں کہا اور ایرپٹیس پوری وقت سے زمین پر دے مارا۔

کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہ کی۔ میرے لیے اس مواصلاتی آلے کا وہ انجام متوقع تھا۔ ٹام سے گفتگو ہو جانے کے بعد وہ آلہ میرے لیے اپنی ساری افادیت کھو بیٹھا تھا۔

"اب تم میرا کیا کرو گے؟" کمرے میں چھائی ہوئی بوجھل خاموشی کو بن نے کچھ دیر بعد توڑ دیا۔

"میرا کوئی قید خانہ نہیں ہے۔ میں خانہ بدوش آدمی ہوں۔" میں نے بے پروائی سے کہا "میرے لیے حالات تیزی سے بدلتے رہتے ہیں۔ کیا پتا کہ مجھے کب یہاں سے کوچ کرنا پڑے۔ تمہارا فیصلہ جلد ہو گا۔"

"میں اندازہ لگا چکا ہوں کہ تمہارا فیصلہ میری زندگی کے حق میں نہیں ہو گا۔" اس نے کہا۔

"امکان یہی نظر آتا ہے۔" اس کی ذہنی تیاری کے پیش نظر میں نے اعتراف کیا۔

"پھر میری ایک خواہش پوری کر دو۔ میں قتل نہیں ہونا چاہتا۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے مرجانے دو!" اس کی آواز خوشامدانہ ہو گئی۔ "مجھے ایک پستول دے دو۔"

اس کی آخری فرمائش نے مجھے چونکا دیا۔ وہ پھر کوئی چال چلنے کے چکر میں تھا۔ میں نے کہا "تاکہ تم اس کی گولیاں ہمارے جسموں میں اتار سکو۔"

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میرا یہ ارادہ نہیں ہے۔" وہ باقاعدہ گڑگڑانے لگا "مجھے اس کمرے میں بند کر کے تم سب باہر چلے جاؤ۔ مجھے کھڑکی کے راستے صرف ایک گولی ڈال کر پستول دے دینا۔ اکلوتی گولی چلنے کے بعد کوئی خطرہ باقی نہیں رہے گا۔ تم اندر آؤ گے تو میری روح رب داؤد کے راستے میں سفر کر رہی ہو گی۔"

میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ وہ بن ڈیوڈ عرف آئی مین کی ہنگامہ خیز زندگی کا بڑا ہی سوگوار انجام تھا۔ یہ عجیب لطیفہ تھا کہ وہ اپنے تسلسل کا پانچواں خون تھا اور ہم میں سے کسی کے دامن پر کوئی داغ نہیں تھا۔ چار از خود یا دوسروں کے ہاتھوں مرے تھے، پانچواں خودکشی کرنے پر آمادہ تھا!

وہ سی نائین سے آیا تو زخموں، چوٹوں اور ران سے رسنے والے خون کی وجہ سے اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ میرے ہاتھوں

سوالاً جواباً

* "کیا اس فلم کا انجام خوش کن تھا؟"
"جی ہاں ... ہر آدمی خوش تھا کہ فلم ختم ہو گئی۔"

* "محترمہ! کیا آپ غیر شادی شدہ ہیں؟"
"جی ہاں .... میں چار مرتبہ غیر شادی شدہ رہ چکی ہوں۔"

* "آپ کس لیے طلاق چاہتے ہیں؟"
"کیونکہ میں شادی شدہ ہوں۔"

سے پٹنے کے بعد بن کا چہرہ مزید مسخ ہو گیا تھا اور آنکھوں کے سوا تقریباً پوری جلد خون کی تہ کے پیچھے چھپ گئی تھی۔ اس کی روشن اور کشادہ آنکھیں ورم زدہ، نیلے پپوٹوں میں دھنس کر کسی بجو کی آنکھوں جیسی ہو گئی تھیں۔ اس کے باوجود مجھے خون کی پپڑیوں کے نیچے، اس کے چہرے سے گہرا حزن و ملال جھلکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ امریکا سے اپنی کامیابی اور میرے خاتمے کے سنہرے خواب لے کر بڑے کرّوفر سے کراچی میں وارد ہوا تھا مگر اس کا انجام اچھا نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ میرے خلاف سوچا تھا۔ اس سے کہیں برا اسے درپیش تھا۔

"فی الحال تم آرام کرو۔ ہم سوچتے ہیں۔" میں نے کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔

"میرے لیے اب آرام کہاں۔ موت میرا مقدر بن چکی ہے۔" اس نے حسرت زدہ آواز میں کہا "میرا دل اچاٹ ہو گیا ہے۔ مجھے مرنا ہے تو بس مرجانا چاہیے تاکہ میں خود کو دوسرے جہان کی ان جان حقیقتوں کو جان سکوں۔ بس دو منٹ کی بات ہے تم ہر بکھیڑے سے آزاد ہو جاؤ گے۔"

میں اس کی بات سنتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنی یکایک شکست سے وہ شہ زور اندر سے بالکل ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا تو بھی گارڈ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں بنے گا۔

"کیا کہتے ہو اس کی فرمائش کے بارے میں؟" کمرے

سے چند قدم دور نکل آنے کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔
"اسے قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن کیوں نہ جلال سے بات کر لی جائے۔" اول خان کی آنکھوں سے الجھن جھانک رہی تھی۔
"جلال کو بھول جاؤ۔ اسے آخر میں اعتماد میں لیا جائے گا۔ وہ جس طرح ہم سے رخصت ہوا تھا اسی سے ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ اس قضیے سے دور اور الگ تھلگ رہنا چاہتا ہے۔ اس وقت وہ نیلی ڈاج کے چکر میں الجھا ہوا ہو گا۔ اس بات کے دس گواہ ہوں گے کہ بن کی موت کے وقت وہ کہیں اور مصروف تھا۔"
"یہ بات تم صحیح کہہ رہے ہو۔" اس نے مجھ سے اتفاق کیا "بن ان کا خاص آدمی ہے۔ وہ اس کی موت کا الزام کسی کے بھی سر ڈال سکتے ہیں۔"
"انہیں میرا سراغ نہیں ملتا۔ ایس ٹی ایف کے بارے میں وہ بہت کچھ جانتے ہیں مگر اس کا وجود آف دی ریکارڈ ہے۔ لے دے کر آئی بی، آئی ایس آئی وغیرہ رہ جاتی ہیں۔ وہ سارا ہمارا کیا دھرا ان کے سر منڈھنے کی کوشش کریں گے۔"
باتیں کرتے ہوئے ہم اول خان کے دفتر میں داخل ہو چکے تھے۔
"یہ میری طویل عملی زندگی کا پہلا کیس ہے جس میں مجرم خودکشی کی التجا کر رہا ہے۔" اول خان نے میز پر سے بن کا ذاتی پستول اٹھاتے ہوئے کہا۔
"یہ عبرت کا مقام ہے کہ ہم سب کو فنا کر دینے کے عزائم رکھنے والا اس وقت خود کو فنا کر لینے کے درپے ہے۔"
اول خان نے احتیاط سے پستول ان لوڈ کر کے اس کا بھرا ہوا میگزین نکال لیا۔ فاضل گولیاں میز پر نکال کر اس نے میگزین میں صرف ایک گولی ڈالی اور کھٹکے کے ساتھ میگزین دوبارہ پستول میں لگا دیا۔ "اگر پستول لینے کے بعد اس کا حوصلہ جواب دے گیا تو کیا ہو گا؟" اول خان نے پوچھا۔
"لاکھ روپے کا سوال ہے؟" میں ہنس پڑا۔ "ہونے کو ایسا بھی ہو سکتا ہے مگر اسی وقت جب اسے زندہ رہنے کی کوئی امید ہو۔ ایک گولی سے وہ کیا کر سکتا ہے۔ وہ کمرے میں بند ہو گا۔ ہم کسی بھی کرتب سے اس کی یہ گولی ضائع کروا سکتے ہیں۔"
"ہم ایک فیصلے پر عمل کرنے جا رہے ہیں تو اس کے ہر پہلو پر غور کرنا ضروری ہے۔"
اس پستول کے ساتھ ہم دوبارہ کمرے میں گئے تو وہ اسی حال میں فرش پر بیٹھا ہوا تھا جس حال میں ہم نے اسے چھوڑا تھا۔ اس پر مایوسی کا غلبہ تھا۔
"کیا تم آخر کار، مجھے مار دو گے؟" ہمیں دیکھتے ہی اس نے بیم و رجا کے ملے جلے اور عجیب سے انداز میں پوچھا۔
"اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔" اس موقع پر میں نے اسے سسکانا مناسب نہیں سمجھا۔
"پھر میرا فیصلہ صحیح ہے... کیا خیال ہے تمہارا؟" اس بار بھی وہ مجھ سے مخاطب تھا۔
"موت اٹل ہو چکی ہے۔ ہمارے ہاتھوں یا اپنے ہاتھوں... اس فیصلے کا اختیار ہم نے تمہیں دے دیا ہے۔"
وہ ایک جھٹکے سے فرش سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "لاؤ! پستول کہاں ہے؟"
"ذرا سے توقف سے کام لو۔ وہ تمہاری تجویز کے مطابق کھڑکی میں سے ملے گا۔" اول خان نے پستول والا ہاتھ فضا میں لہرا کر کہا۔
اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ ہمارے بدترین دشمن کی وہ بدترین شکست تھی۔ میں نے موت کے دہانے پر کھڑے ہوئے اس دشمن کی دلجوئی کی خاطر اس کا بڑھایا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے بہت تپاک سے ہاتھ ملایا۔ اول خان نے بھی اس سے ہاتھ ملایا اور ہم دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔ محافظ ہمارے بعد باہر نکلے اور انہوں نے باہر سے دروازے کا کھٹکا لگا دیا۔
ہم دروازے سے ہٹے تو بن کھڑکی کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ اول خان نے ایک طرف سرک کر پستول اسے تھما دیا۔
صبر آزما اور اعصاب شکن انتظار کا آغاز ہو گیا۔ کمرے سے بن کے بڑبڑانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید وہ اپنی مذہبی دعائیں پڑھ رہا تھا۔
وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ انتظار سے میرے اعصاب چٹخنے لگے۔ وہ دعائیں پڑھ چکا تھا۔ اس بند کمرے میں گہرے سناٹے کا راج تھا۔ ایک ڈیڑھ منٹ اسی عالم میں گزر گیا۔ مجھے اول خان کی کہی ہوئی بات سچ ہوتی نظر آنے لگی۔ شاید پستول مل جانے کے بعد اس نے اپنا ارادہ بدل لیا تھا۔
"سنو! پاکستانیو، ذلیل اور گندے مجرمو! کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتے؟" اچانک کھڑکی سے بن کے چیخنے کی آواز آئی۔
اس کے اندازِ تخاطب اور سوال میں کوئی مطابقت نہیں تھی۔ گندے القاب سن لینے کے بعد معافی کا دور از کار امکان بھی جاتا رہا تھا۔ شاید موت کی دہشت سے اس کا دماغ

چل گیا تھا۔
"بن! دیر ہوگئی ہے ان باتوں کا وقت گزر گیا ہے۔ اپنے وعدے پر عمل کرو!" میں نے اس کے سامنے آئے بغیر تحمل سے کہا۔
اس نے دیوانہ وار ایک قہقہہ لگایا اور پھر ہذیانی انداز میں ہنستا ہی چلا گیا۔ موت کے بھیانک تصور نے اس کے دماغ پر اثر ڈالا تھا۔
اول خان نے پُر تشویش نظروں سے میری طرف دیکھا اس کی نگاہوں میں ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ بن کا خوف آور' شیطانی قہقہہ مسلسل فضا میں گونج رہا تھا پھر فضا فائر کی ایک ہولناک گونج سے لرز اٹھی' بن کا قہقہہ یکایک معدوم ہوگیا' اندر کوئی بھاری وجود شہتیر کی طرح فرش پر گرا تھا۔
فضا پر یک لخت سناٹا چھا گیا۔ میں واضح طور پر اپنے تیز تنفس کی آواز سن رہا تھا۔ اندر سے بن کی کوئی آخری چیخ ابھری تھی نہ تڑپنے کی آواز آئی تھی۔
کہیں وہ مکاری نہ کر رہا ہو!" میرے ذہن کے کسی گوشے میں اس شبے نے سر ابھارا۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔
بن بہت خرانٹ اور چھٹا ہوا مجرم تھا۔ ایسے لوگ آخری لمحات تک موت سے آنکھیں چار کر کے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کے لیے لڑتے ہیں۔ بن کچھ بھی کر سکتا تھا۔ میں دل ہی دل میں خود کو برا بھلا کہنے لگا کہ میں نے کیوں اسے اپنی موت کے طریقے کا انتخاب کرنے کی آزادی دی تھی۔ ایک خطرناک مجرم کو خودکشی کی سطح پر گرا دینے کے شوق میں وہ اعصاب شکن لمحات مول لیے تھے۔ فیصلہ ہمارے اپنے ہاتھوں میں ہوتا تو اس وقت تک قصہ نمٹ چکا ہوتا۔ بن کی لاش کسی نامعلوم ٹھکانے کی طرف جا رہی ہوتی۔
میں فرش پر بیٹھ کر دھیرے دھیرے آگے سرکنے لگا۔ میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر کھڑکی کے نیچے پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر میں لمحہ بھر کے لیے کھڑا ہو کر اندر کا منظر دیکھ سکتا تھا۔ بن گولی چلا چکا تھا۔ وہ مجھے کوئی زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ وہ خیال آتے ہی میں نے لاحول پڑھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ میرے لاشعور میں موجود اکلوتی گولی سارا فساد پیدا کر رہی تھی۔ اس کے چل جانے کا دھیان آتے ہی میں نے ہر شیطانی وسوسے کو اپنے سر سے جھٹک دیا۔
میں کھڑکی کے سامنے پہنچا تو فرش پر بن کا وجود ایک کروٹ سے پڑا ہوا تھا۔ اس کی پیشانی اور کھوپڑی کا اوپری حصہ صاف تھا۔ شاید اس نے پستول کی نال ناک اور آنکھوں کی جڑ میں ٹکا کر قدرے ترچھا فائر کیا تھا جس کے نتیجے میں گولی پورا بھیجا اڑاتی ہوئی سر کے پار نکل گئی تھی اور فوری طور پر بن ڈیوڈ کی موت واقع ہوگئی تھی۔
میں نے دروازے کا کنڈا کھول دیا۔ اول خان اپنی جگہ کھڑا رہا۔
"اپنے حریف کا آخری دیدار کر لو!" میں نے خوش دلی سے اسے دعوت دی۔
"ڈینی! یہ مقام عبرت ہے۔" اس نے ہاتھ سے واپسی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا "انسان کی بساط ایک مُشتِ خاک سے زیادہ نہیں ہے لیکن جب تک زندہ رہتا ہے یوں اکڑتا اور اینڈتا پھرتا رہے جیسے سارے روزگار جہاں کا بوجھ اسی نے اٹھایا ہوا ہے۔ کیا یہ وہی بن ہے جو فرعون بن کر راوالوں پر راج کر رہا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے دونوں آدمیوں کو کچھ ہدایات دیں اور وہاں سے چل دیا۔
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا۔ مجھے یہ سوچ کر خفت ہو رہی تھی کہ میں ایک

بادشاہ

ایک صاحب نے اپنے دوست کو بتایا "میری زندگی میں کبھی کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے جب میں خود کو گھر کا بادشاہ محسوس کرتا ہوں۔"
"کس وقت؟" دوست نے پوچھا۔
"جب میری بیوی گھر پہ نہیں ہوتی۔" ان صاحب نے جواب دیا۔

شرط

بیوی:۔ تمہیں مجھ سے محبت ہے؟
شوہر:۔ بہت زیادہ۔
بیوی:۔ میرے مرنے پر تم کتنا روؤ گے؟
شوہر:۔ بہت زیادہ۔
بیوی:۔ اچھا رو کر دکھاؤ۔
شوہر:۔ پہلے مر کر دکھاؤ۔

فرضی گولی کے خوف سے چند ثانیوں تک غیر ضروری احتیاط میں الجھا رہا جو دوسروں کو احمقانہ محسوس ہوئی ہو گی لیکن اول خان نے دانستہ وہ ذکر گول کیا ہوا تھا۔

"اب میں جلال سے بات کروں گا۔" اول خان کے دفتر میں بیٹھنے کے بعد میں نے فون اپنے آگے سرکاتے ہوئے کہا۔

"یوں نہیں۔ پہلے اس سے سی ایس ڈی جوڑ لو۔ اس کار آمد آلے کو میں دفتر ہی میں استعمال کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے اول خان نے اپنی میز کی دراز سے سی ایس ڈی نکال کر میرے سامنے رکھ دی۔

وہ زیادہ دیر کا کام نہیں تھا۔ میں نے سی ایس ڈی سنبھال لی اور اول خان، بن کے بریف کیس سے برآمد ہونے والے مالِ غنیمت کو دوبارہ اس کے بیگ میں ڈالنے میں مصروف ہو گیا۔

"میں اس وقت سرکاری مردہ خانے سے واپس آیا ہوں۔" چند منٹ بعد مجھے جلال کے فون سے جواب ملا۔

"خیریت تو تھی۔ تمہیں وہاں کیوں جانا پڑ گیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"را کے باقی ماندہ.... اوہ! شاید فون پر یہ سب مناسب نہ ہو گا۔ تم کہاں سے بات کر رہے ہو؟" جلال بولتے بولتے اچانک رک گیا اور دوسری بات شروع کر دی۔

"میں اول خان کے دفتر سے بول رہا ہوں۔" میں نے اطلاع دی "تم کھل کر بات کر سکتے ہو۔ اب یہاں بھی سی ایس ڈی لگ گئی ہے۔ جو اس وقت آن ہے۔"

"قسمت تم پر بہت مہربان ہے۔ یہ دوسری سی ایس ڈی کہاں سے تمہارے ہاتھ لگ گئی!" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"بن کے سامان سے برآمد ہوئی ہے۔ تم را والوں کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔"

وہ ہنس پڑا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میری بات سننے کے بعد اپنی کتھا سناؤ گے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ دونوں مر گئے مگر ہمیں یہ پتا نہیں تھا کہ کس کا کیا نام ہے۔ ابھی چوپڑا نے کسٹم ہاؤس پر مرنے والے کو سیٹھی کے نام سے پہچانا ہے۔ راجو یقیناً گاڑی میں جل کر مرا ہو گا۔ اب تم بتاؤ کہ کیا رہا۔"

اس بار میرے ہنسنے کی باری تھی۔ "تم نے عجلت میں اپنی ساری کہانی چند فقروں میں سمیٹ دی۔"

"باتوں میں کیا رکھا ہے۔ وہ تو چلتی ہی رہتی ہیں۔ میں نے تمہیں کام کی بات بتا دی۔"

"بن نے ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں کے ایک عارضی لاک اپ میں خودکشی کر لی۔" میں نے اسے بتایا۔

"اوہو... یہ تو بہت برا ہوا۔ اسے یہ موقع کیسے مل گیا۔" اس کی بے ساختہ آواز بہت زیادہ پُرملال تھی۔

"یہ وضاحت میں بعد میں کروں گا۔ پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم اسے زندہ رکھنے کے حق میں تھے یا اس کا مرجانا ہی بہتر تھا۔"

"وہ تم دونوں کا کیس تھا۔ اس کے مقدر کا فیصلہ کرنے کا اختیار تم ہی کو تھا۔ میں نے دانستہ اس معاملے سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ وہ ایک موذی مجرم تھا۔ موذیوں کا زندہ رہنا ہر حال میں خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ میری رائے میں تو اس کا مرجانا ہی بہتر رہا لیکن اسٹیشن فور پر خودکشی کی بات میری سمجھ سے باہر ہے۔"

میں دل ہی دل میں ہنس پڑا "اس نے بالکل وہی بات کی تھی جو میں نے اس کے ذاتی ردِعمل کے بارے میں اول خان کو بتائی تھی۔ میں نے اس کا تجسس دور کرنے کے لیے کہا "اسے خودکشی کرنے کی اجازت دی گئی تھی تاکہ ہمارے ہاتھ اس کے خون سے محفوظ رہیں۔ یہ اس کی آخری خواہش تھی۔"

"کیا وہ اپنی زندگی سے اتنا مایوس ہو گیا تھا؟" جلال کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔ "مجھے اطلاعات ملی تھیں کہ وہ بہت تند خو اور جارحانہ مزاج کا مالک تھا۔"

"سی نائین میں وہ ایسا ہی تھا۔ اسٹیشن فور کے سیل میں اس کا سارا دم خم یکایک جواب دے گیا۔"

اس کے لیے اتنی بات ناکافی تھی کہ بن پکڑا گیا اور پھر اس نے خودکشی کر لی۔ وہ اس معاملے کی ساری تفصیلات جاننا چاہتا تھا۔ میں نے وہ باتیں اگلی ملاقات کے لیے ٹالنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مانا اور مجھے ابتدا سے سارے واقعات دہرانے پڑ گئے۔

"تم نے کمند کے ذریعے اندر گھس کر بہت ہمت اور حوصلے کا ثبوت دیا۔ ایس ٹی ایف والے وہاں غیر معینہ مدت تک نہیں رک سکتے تھے۔ ایک آباد علاقے میں باوردی پولیس ہی کھل کر ایسی کارروائی کر سکتی تھی۔ تم نے سی نائین میں گھس کر اس مہم کو نتیجہ خیز بنا دیا۔"

"بس قسمت تھی کہ ایسا ہو گیا۔ اندھیرے میں اس نے ہتھیار چلانے کے بجائے اپنے زورِ بازو پر انحصار کیا ورنہ پلک جھپکتے میں میرا کام تمام ہو جاتا۔"

"اس نے تمہیں یرغمالی بنا ہی لیا تھا۔ ہتھیار استعمال نہ ہونے کے باوجود تم گیس سے مار کھا گئے تھے۔ میں اکثر یہی کہتا ہوں کہ تمہاری حاضر دماغی اور قوتِ فیصلہ نے آج تک تمہیں زندہ رکھا ہوا ہے ورنہ بہت پہلے تمہارا کام تمام ہو گیا

ہوتا۔ دلیری کے نام پر تم اکثر حماقتیں بھی کر گزرتے ہو جنہیں احساس ہوتے ہی سنبھال بھی لیتے ہو۔"

"کچھ پتا نہیں چل رہا کہ میری ٹانگ کھینچ رہے ہو یا میری تعریف کر رہے ہو۔"

دونوں ہی باتیں ہیں۔ بس تمہارے حاصل کیے ہوئے نتائج شاندار ہوتے ہیں جو ہر کمی کا ازالہ کر دیتے ہیں۔"

"اب تم نے ذرا سی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا ہے۔" میں نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا "آج مجھے کافی دنوں بعد کھل کر ہاتھ پیر چلانے کا موقع ملا ہے۔"

"جدید ترین ہتھیاروں کے اس دور میں ہاتھ پیروں کی کوئی اہمیت نہیں رہی ہے۔ تنکے جیسے آوارہ لڑکے ٹی ٹی دکھا کر بڑے بڑے زور آوروں کی جیبیں خالی کرا لیتے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ اس قسم کے براہِ راست تصادم سے بچنے کی کوشش کیا کرو۔ اپنے بجائے تم کسی اور کو اوپر چڑھا سکتے تھے۔"

"اول خان کا یہی اصرار تھا۔ اس کے کمانڈوز ایسے کاموں میں بلا کی مہارت رکھتے ہیں مگر بات وہی ہے کہ مجھے اطمینان نہ ہوتا۔ کوئی اور اوپر چڑھا ہوتا تو شاید آج بن اس کی آڑ لے کر صاف نکل گیا ہوتا۔ اس وقت میں اپنا سر پیٹ کر رہ جاتا۔"

"اب اس کی لاش کے بارے میں تم لوگوں نے کیا سوچا ہے۔"

"اس کی لاش خاموشی سے شہر کے کسی گوشے میں ڈال دی جائے گی۔ صبح پولیس خود اس تک پہنچ جائے گی۔"

"اس طرح شاید بات نہیں بنے گی۔ اس کی خودکشی کو قتل قرار دیا جائے گا۔"

"لاش کے ساتھ اس کا وہ پستول بھی ہوگا جس سے اس نے گولی چلائی تھی۔"

"بھائی تمہارا شہر اب پہلے جیسا نہیں رہا۔ رات ہی کوئی اٹھائی گیرا پستول لے اڑے گا۔ خودکشی ثابت کرنے کے لیے ہتھیار کی موجودگی ضروری ہوتی ہے۔"

"تم نے بن کی لاش نہیں دیکھی اس لیے ایسی بات کر

رہے ہو۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس کی موت کو خودکشی ثابت کردے گی۔ بھیجے سمیت اس کی کھوپڑی اڑ کر چھت اور دیواروں سے چپک گئی ہے۔"

"یہ ایک اور منفی نکتہ ہے۔ خودکشی کے لیے جائے واردات پر لاش کی ساری باقیات کا پایا جانا ضروری ہے۔ بھیجا اور کھوپڑی کے ٹکڑے تم کیسے سمیٹو گے؟"

"میرا خیال ہے کہ تم دانستہ مجھے الجھانے کی کوشش کر رہے ہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"اپنے دل میں ایسا خیال بھی نہ لانا۔ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس کے ہر پہلو پر غور کرلینا اچھا ہوتا ہے۔"

"پھر تو ہتھیار کے بغیر لاش ہی کافی رہے گی۔ وہ کہیں گیا' کسی بات پر جذباتی ہوکر اس نے خودکشی کرلی۔ اس کا میزبان بوکھلا گیا۔ اسے کچھ اور نہ سوجھا تو اس نے لاش کو اٹھا کر اپنے گھر سے دور پھینک دیا۔ اس کے ہاتھ کی پشت پر بارود کے ذرات ضرور ملیں گے جو فائر کرتے ہوئے کسی نہ کسی حد تک نال سے بیک فائر ہوتے ہیں۔"

"ویری گڈ!" اس کی مسرت آمیز آواز آئی۔ "یہ آج پتا چلا کہ تم اچھے منصوبہ ساز ہی نہیں' وکیل بھی ہو۔ ایسے نکتے صرف وکیلوں کو سوجھتے ہیں۔"

"بن کی باتیں بہت گہری اور ہوش ربا تھیں۔ ان کے بارے میں' میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔" میں نے بات ختم کرنے کے ارادے سے کہا۔

"تو کیا تم نے اس سے کچھ بازپرس بھی کی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے اسے اسٹیشن فورلاتے ہی مارنا چاہا ہوگا اور اس کی التجا پر اسے خودکشی کرنے کی اجازت دے دی۔"

"یہ مرحلہ اتنی آسانی سے نہیں آیا تھا۔ میں نے اس کی ٹام سے بات بھی کرائی تھی!"

"فون پر واقعی یہ سب باتیں نہیں ہوسکتیں۔ تم نے مجھے تجسس میں ڈال دیا ہے۔ تم گھر کب پہنچ رہے ہو؟" وہ ایک سانس میں بولتا چلا گیا۔

"بن کی لاش کی روانگی کے ساتھ ہم دونوں کا کام ختم ہوجائے گا اور ہم گھر کی طرف روانہ ہوجائیں گے۔"

"کہو تو میں بھی ادھر آجاؤں۔ آج رات میں بالکل فارغ ہوں۔" اس کی بے تابانہ آواز آئی۔

"وہ تمہارا گھر ہے۔ جب چاہو آسکتے ہو لیکن تم نے انگریزی کی وہ مثال سنی ہوگی کہ سارے انڈے ایک ٹوکری میں ڈال دینا ٹھیک نہیں ہوتا۔ اس وقت ہم سب کا یک جا ہونا مناسب نہیں ہے۔ کسی ایک کی وجہ سے سب پر کوئی آفت نازل ہوسکتی ہے۔"

"ہم بارہا تمہارے گھر پر جمع ہوتے رہے ہیں۔ کبھی کوئی اونچ نیچ نہیں ہوئی تو اب کیا آفت آجائے گی۔"

"تم اس تل والی لڑکی کو بھول رہے ہو جو جہانگیر کے گھر گئی تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"آج کا دن واقعی بہت تیزی سے گزرا ہے۔" اس کی آواز سے اعتراف کی خفت سے جھلک رہی تھی۔ "کسٹم ہاؤس کا واقعہ پیش آیا' ڈاج دھماکے سے جل اٹھی۔ بن ڈیوڈ نے خودکشی کرلی اور اب تم داہنے رخسار پر تل والی حسین و جمیل بھارتی جاسوسہ کا دھیان دلا رہے ہو۔ وہ میرے ذہن سے بالکل اتر گئی تھی۔"

"تم کاموں میں الجھ کر سب کچھ بھول جاتے ہو۔ تمہاری لائن دوسری ہے۔ جہانگیر کو تو ہروقت بس لڑکیاں ہی یاد رہتی ہیں۔ ذرا تل والی کے بارے میں بھی کچھ یاد کرنے کی کوشش کرو۔"

"راستے میں' میں اسی کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے کچھ بھولا بھولا سا یاد پڑتا ہے کہ اس کو سب دیوی کہتے ہیں۔ میرے ریکارڈ میں بھی اس کی یہی یا اس سے ملتی جلتی عرفیت درج ہوگی۔ اس کا اصل نام بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔"

"تمہاری وہ دیوی کالی بلی کسی بھی وقت ہماری طرف آسکتی ہے۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "اسی لیے میں آج رات تمہیں اپنی طرف آنے سے روک رہا ہوں۔"

فون پر اس کا ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا پھر آواز آئی "تم نے خوب کہا' بلیک کیٹ ایک عورت ہی ہوسکتی ہے۔ پتا نہیں را والے اپنے مردوں کے لیے یہ ترکیب کیوں استعمال کرتے ہیں۔" وہ لمحے بھر کے لیے رکا پھر بولا "وہ آتے ہیں تو ضرور آئیں۔ تم لوگ ان کی صحیح تواضع کرلو گے۔ ایسے موقع پر میں وہاں نہ رہوں تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ وہ بات کسی بحث و تمحیص کے بغیر اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

ہم اپنے کام کے ایک مرحلے سے بخیر و خوبی نمٹ گئے تھے۔ آگے دوسرا مرحلہ پیش تھا۔ مجھے گھر کی فکر لاحق ہورہی تھی۔ میں نے وہاں کی خیر خبر لینے کے لیے نمبر ملایا اور ریسیور کان سے لگا کر دوسری طرف گھنٹی بجنے کا انتظار کرنے لگا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

فون کی گھنٹی بجتے ہی دوسری طرف سے ویرا نے ریسیور اٹھالیا۔ شاید وہ میری کال کے انتظار میں فون سے لگی بیٹھی تھی۔

"اسٹیشن فور پر کیا دھاچوکڑی ہو رہی ہے۔ تمہارے شکار کا کیا حال ہے؟" میری آواز سنتے ہی اس نے چہکنا شروع کردیا۔

"سب کچھ ختم ہو گیا بن ڈیوڈ نے خودکشی کرلی۔" میں نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

"خودکشی کرلی!" میرے کان میں ویرا کی تحیر زدہ آواز گونجی "اور تم دونوں اس کمینے کو ایسی آسان موت اختیار کرنے سے نہ روک سکے۔ تمہیں تو اس کے بدن کا ایک ایک جوڑ الگ کرکے اسے زندہ رکھنا تھا۔ وہ کسی بھی طرح ایسی آسان موت کا حق دار نہیں تھا۔"

"اس کا حوصلہ ٹوٹ چکا تھا۔ ہر بڑے مجرم کی طرح اسے بھی اپنی ذات پر بہت زعم تھا۔ زیر ہونے کے بعد اس نے خود ہی خواہش ظاہر کی تھی کہ اسے اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کرنے کا موقع دیا جائے۔ یہ اس کی مایوسی اور ناامیدی کی انتہا تھی۔ ہم نے اس کی خواہش تسلیم کرلی۔"

"کبھی کبھی تم ایسی نرم دلی کا مظاہرہ کرجاتے ہو کہ مجھے حیرت ہونے لگتی ہے۔ مشکل سے ہاتھ آئے ہوئے شکار کو تم نے اتنی آسانی سے ضائع کردیا۔"

"یہ باتیں گھر آنے کے بعد ہوں گی۔ اس وقت میں نے خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کیا تھا۔"

"ابھی تک یہاں خیریت ہے۔ یہ اچھا کیا کہ تم نے اسٹیشن فور پہنچتے ہی غزالہ کو فون کردیا تھا۔ وہ بے چاری تمہاری طرف سے پریشان تھی۔"

"میں تھوڑی دیر میں واپس آ رہا ہوں۔ بس یہ طے کرنا ہے کہ بن کی لاش کہاں پھینکی جائے۔"

"اب دیکھنا ہوگا کہ اس کی لاش کا کون دعوے دار بنتا ہے۔" ویرا کا لہجہ استہزائیہ ہوگیا۔

میں نے فون بند کردیا۔ اول خان اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ویرا کو صدمہ ہے کہ ہم نے بن کو خودکشی کرنے کی اجازت کیوں دی۔ تم کس فکر میں ڈوبے ہوئے ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"سچ پوچھو تو مجھے اس کی خودکشی سے خوشی ہوئی ہے۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "وہ ان مجرموں میں سے تھا جن کے دماغوں پر اپنی بڑائی کا بھوت سوار ہوتا ہے۔ ویرا دور بیٹھ کر سوچ رہی ہے ہم دونوں اس کے ساتھ موجود تھے۔ اسے اپنی شکست کا بہت دکھ تھا۔ مرتے ہوئے وہ یہ داغ اپنے سینے پر لے کر گیا ہے۔"

"ویرا کے اعتراض کے باوجود میں اپنے اس فیصلے پر نادم نہیں ہوں۔ یہ بتاؤ کہ اس لاش کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔"

"کراچی بہت بڑا شہر ہے۔ لاش کہیں بھی پھینکی جاسکتی ہے۔" اول خان نے اپنی رائے دی "بس ذرا خودکشی کا کیس پیچیدہ ہوجائے گا۔"

"پیچیدگی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ذرا سے ماہرانہ تجزیے سے یہ بات سامنے آجائے گی کہ بن نے خود اپنی پیشانی میں گولی ماری ہے۔"

"تم جلال سے فون پر جو کچھ کہہ رہے تھے، میں اس سے پوری طرح متفق ہوں۔ اس بارے میں کوئی دشواری نظر آئی تو پولیس سے تھوڑا بہت تعاون کیا جاسکتا ہے۔"

"لاش کو سی نائین کے قرب وجوار سے ملنا چاہیے۔" میں نے کہا "سی نائین میں گڑبڑ کے بعد ایک سفید فام کی لاش اسی علاقے سے ملے گی تو عمارت کے چوکیداروں کو بھی تفتیش میں شامل کیا جائے گا۔ وہ ایک نظر میں بن کو پہچان لیں گے۔"

امریکیوں نے سرکاری طور پر خود کو بن ڈیوڈ سے بالکل الگ تھلگ رکھا ہوا تھا مگر پس پردہ وہ اس کی پوری مدد کرتے رہتے تھے۔ ٹام اور نک کے ایما پر اسے امریکی قونصل خانے تک میں چھپایا گیا اور جب بات بگڑنے کا خطرہ پیدا ہوا تو اسے اپنی بکتربند گاڑیوں میں وہاں سے نکال کر سی نائین میں پہنچا دیا گیا۔ بن ڈیوڈ کی مجرمانہ سرگرمیاں اتنی واضح تھیں کہ کوئی بھی کھل کر اس کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ ٹام اور نک نے ہمیں چھوٹ دے دی تھی کہ ہم اگر بن کے گریبان تک پہنچ سکیں تو ضرور اس پر ہاتھ ڈال دیں۔ کوئی امریکی ایجنسی ہماری راہ نہیں روکے گی۔ وہ ان کی باتیں ہی باتیں تھیں۔ ان کا عمل اس سے بالکل مختلف تھا۔

دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ بن کوئی غیر معروف آدمی نہیں رہا تھا۔ جب تک وہ زیر زمین رہ کر کام کرتا رہا۔ ہم سب کی نظروں سے محفوظ رہا لیکن پرپرزے نکلنے کے بعد وہ اس حد تک منظر عام پر آچکا تھا کہ اس کا امریکی پاسپورٹ آئی بی کی تحویل میں آچکا تھا۔ جوں ہی اس کی شناخت ہوتی، امریکی

ادارے اس کی لاش کے حصول کے لیے سرگرم ہو جاتے۔

پاکستان کی سرزمین پر سنگین جرائم میں ملوث ہونے کی بنا پر اس کی امریکی شہریت کا کیس کمزور نہیں ہو سکتا تھا۔ بیرون ملک مرنے والے کی لاش کو اس کے وطن واپس لے جانا سفارتی عملے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ٹام اور نک اس اصول سے فائدہ اٹھا کر سامنے آسکتے تھے۔

بن کی خودکشی سے ایک فائدہ یہ ہوا تھا کہ امریکی اہل کار پاکستان میں کسی امریکی کے قتل پر شور غوغا نہیں کر سکتے تھے۔ اس سے پہلے رونما ہونے والے واقعات کے بعد انہوں نے ہمیشہ یہ الزام تراشی کی کہ پاکستان میں امریکی شہریوں کو بھرپور تحفظ حاصل نہیں ہے۔

اگر بن ہمارے ہاتھوں مارا جاتا تو امریکا والے اس کے جرائم کو فراموش کر کے اسے ایک مظلوم مقتول بنا دیتے۔ اس کے جرائم کا دور دور تک ذکر نہ ہوتا۔ سارا زور اس بات پر آجاتا کہ کراچی کے غیر محفوظ شہر میں ایک اور امریکی باشندہ نامعلوم قاتل یا قاتلوں کا نشانہ بن گیا۔

وہ اہم نکات تھے۔ ان پر ہم دونوں کا ہم خیال ہونا ضروری تھا۔ آپس کے تبادلۂ خیال کے بعد اول خان نے اپنے دو ماتحتوں کو دفتر میں طلب کیا اور ان کو بن کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔

اپنے ماتحتوں کو بریفنگ دینے کے بعد وہ دفتر سے اٹھ گیا۔ ہم دونوں نے سی نا مین کی مہم میں اپنی اپنی گاڑیاں استعمال کی تھیں۔ میں وہاں سے اول خان کے ساتھ اسٹیشن فور آیا تھا۔ میری گاڑی اس کے آدمی لے آئے تھے۔ دفتر سے نکل کر ہم دونوں نے مصافحہ کیا اور اپنی اپنی گاڑیوں میں گھر کے لیے روانہ ہو گئے۔

را کے چاروں ایجنٹوں کے ساتھ بن کا قصہ بھی نمٹ جانے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے پورا منظر نامہ یکایک خالی ہو گیا ہو۔ ان لوگوں میں سے چوپڑا آئی بی والوں کی تحویل میں رہ گیا تھا۔ ہماری کامیابیوں میں اس نے خاصا کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ اگر وہ جلال کے اسٹاف کے سامنے لب کشائی نہ کرتا تو بھارت سے آئے ہوئے را کے ایجنٹوں کا جال توڑنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مقامیوں کی صفوں میں روپوش رہ کر اپنے منصوبے پر کام کرتے رہتے۔

بن ڈیوڈ شی نے آئی مین کے روپ میں خاصے دنوں تک زیر زمین رہ کر کام کرتا رہا۔ اس دوران میں اس نے شی کے پرانے رابطوں کو بحال کرنے کی سرتوڑ کوششیں جاری رکھیں۔ شاید ہمیں کانوں کان بھی اس کی موجودگی کی خبر نہ ملتی کیونکہ وہ اپنا دامن بچا کر شہر میں مکمل رازداری سے اپنا کام آگے بڑھا رہا تھا۔

یہ آئی مین کے ستاروں کی گردش تھی کہ چوپڑا اور جوشی کے چکر میں راجا کا نام ہمارے سامنے آگیا۔ اس وقت راجا فون کی حد تک براہِ راست بن سے رابطے میں تھا۔ اسٹیشن فور کے نفسیاتی ماحول کے سامنے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا اور یوں آئی مین کی کراچی میں موجودگی کا راز فاش ہو گیا۔

ابتدا میں ہمیں یہ شبہ ہوا تھا کہ وہ دوبارہ شی کے پرانے مقاصد کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس کا طریقہ کار سامنے آنے کے بعد رفتہ رفتہ یہ بات واضح ہو گئی کہ اس نے پرانے جرائم پیشہ افراد کو اپنے گرد جمع کرنے کے لیے محدود پیمانے پر ہیروئن کے لین دین کا کام شروع کیا ہوا تھا۔ اس کا اصل مشن مجھے ٹھکانے لگانے کا تھا۔ اگر ہم بروقت اس کی موجودگی سے باخبر نہ ہو گئے ہوتے تو وہ روپوش رہتے ہوئے میرے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ثابت ہو سکتا تھا۔

بن اور اس سے تعلق رکھنے والے سب لوگ ایک ایک کر کے ختم ہو چکے تھے۔ ان میں سے صرف دو باقی رہ گئے تھے جنہیں سفارتی اور محکمہ جاتی تحفظ حاصل تھا۔ آنے والے دنوں میں دیکھنا یہ تھا کہ بن کی موت کے بعد ٹام اور نک کون سی راہ اختیار کرنے والے تھے۔

وہ باضابطہ امریکی ایجنسیوں کے مقامی سربراہ تھے لیکن میرے تجربات یہ بتاتے تھے کہ وہ لوگ اپنے ملک سے باہر نکلنے کے بعد کسی قانون یا ضابطے کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ہر قیمت پر اپنا ہدف اور مقصد حاصل کرنے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ میرے بارے میں ان کے ہاتھ ویسے بھی کھلے ہوئے تھے کیونکہ ان کی حکومت نے مجھے اپنا اشتہاری مجرم قرار دیا ہوا تھا۔

یہ ان کی کھلی دھونس اور دھاندلی تھی کہ انہوں نے اپنے مذموم عزائم کی راہ میں رکاوٹ بننے کے سبب مجھے یک طرفہ طور پر اشتہاری مجرم قرار دے دیا تھا۔

یونیورسٹی روڈ میں نے یہی سب سوچتے ہوئے طے کی۔ اول خان اپنے گھر کے لیے سیدھا نکلتا چلا گیا۔ میں بائیں طرف مڑ گیا۔

گھر پر تینوں جاگ رہے تھے اور بے چینی سے میری واپسی کے منتظر تھے۔

”میں ابھی تک اس کوفت سے نجات حاصل نہیں کر سکی جو بن کی خودکشی کی خبر سننے سے ہوئی تھی۔“ ویرا نے میرے بیٹھتے ہی اپنی پہلی شکایت داغ دی۔

"مرنے والا مرجاتا ہے اور اپنی کہانیاں اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ دوسروں کو پتا نہیں چلتا کہ وہ کن مراحل سے گزرا ہے۔" میں نے تحمل سے جواب دیا "اسے مرنا تھا' وہ مرگیا۔ تم یہاں بیٹھ کر اعتراض کررہی ہو میں نے اسٹیشن فور پر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فیصلہ کیا تھا۔ جسمانی شکست سے زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ وہ ذہنی طور پر ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا تھا۔"

"بڑے زور آور جب شکست کا مزہ چکھتے ہیں تو یہی ہوتا ہے۔ اسے چند روز زندہ رہ کر اس ہار کا مزہ چکھنا چاہیے تھا۔"

"اس کا زندہ رہنا خطرناک ثابت ہوتا۔ یہ اچھا ہوا کہ ان لوگوں نے پہلی فرصت میں اس کا کام تمام کردیا۔" سلطان شاہ بولا۔

"ڈینی کے آنے تک تم میری ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ اس کے آتے ہی تیور بدل لیے۔" ویرا نے اسے گھور کر کہا۔

"میں تمہاری ہاں میں ہاں نہیں ملا رہا تھا۔" سلطان شاہ نے تیزی سے جواب دیا "تمہاری خودکشی والی بات سے اتفاق ظاہر کررہا تھا۔"

"اگر وہ سسک سسک کر مزید چند روز اور جی لیتا تو کون سی قیامت آجاتی؟"

"وہ کوئی لاوارث مجرم نہیں تھا۔ یہ بات تمہیں سمجھنی چاہیے کہ اس کی پشت پر کون لوگ تھے۔" ویرا کو وہ جواب دے کر سلطان شاہ نے تائید طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"تمہاری بات بالکل صحیح ہے۔" میں نے سرہلا کر اس کی تائید کی "اسے ٹام اور رنک نے سی نائین میں پہنچایا تھا۔ اپنے خاص ایریٹس کے ذریعے وہ ان سے مسلسل رابطے میں تھا۔ وہ سی نائین سے خاموشی سے غائب ہوجاتا تو صبح ہونے سے پہلے وہ دونوں ایک امریکی شہری کے اغوا کو بنیاد بنا کر ایک ہنگامہ کھڑا کردیتے۔ ہر طرف سے یکایک اتنا دباؤ آجاتا کہ پھر اسے مارنا ہمارے بس میں نہیں رہتا۔"

"ہنگامے اور دباؤ سے اب بھی جان نہیں بچے گی۔ یہ لوگ سیدھی سچی باتوں کا بھی اسکینڈل بنادیتے ہیں۔"

"اب اس کی نوعیت دوسری ہوگی۔ میں نے خود ٹام کو بتایا تھا کہ بن میری قید میں ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس کی لاش مل جائے گی۔ یہ بات وہ لوگ بھی جانتے ہیں کہ ان کے بدترین احتجاج سے بھی کسی مردے میں دوبارہ جان نہیں پڑسکتی۔"

"اوہ... تو تمہیں یہ خطرہ تھا کہ اسے زندہ رکھا گیا تو پھر اسے رہا بھی کرنا پڑجائے گا۔"

"یہ سامنے کی بات ہے۔ اس کی خودکشی بھی کسی نہ کسی مرحلے پر کام آئے گی۔"

"یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔ تم خودکشی کرتے ہوئے اس کی تصویریں بھی بنالیتے تو وہ ان کو نہ مانتے۔ مردے میں جان نہ ڈالنے والی بات درست ہے مگر خودکشی کو قتل قرار دینا ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ ہر بات پر تمہارے اندازوں کے مطابق غلطیاں کرتے چلے جائیں۔"

"چلو یہ بھی غنیمت ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "ایک بات تم نے مان لی' دوسری میں مانے لیتا ہوں۔"

"تمہارے چہرے پر کئی چوٹوں کے نشان نمایاں ہیں۔ کیا تم دروازے پر ہی اس سے بھڑ گئے تھے۔"

"اس کا بہت برا حشر ہوا تھا۔ ساری مار کٹائی ہاتھوں اور پیروں سے ہوتی رہی۔" میں نے کہا "کسی ہتھیار کے استعمال کی نوبت نہیں آئی۔"

غزالہ خاموشی کے ساتھ مجھے پُر تشویش نظروں سے دیکھے جارہی تھی۔ چوٹوں کا ذکر سن کر بے چینی سے بولی "نیم گرم پانی سے منہ ہاتھ دھولیں..."

"یہ سب مردوں کا زیور ہے۔" ویرا نے مخل ہوکر اسے خاموش کردیا پھر مجھ سے بولی "یہ سب چھوڑو اور پوری کہانی سناڈالو۔ یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی کہ ہتھیاروں کے استعمال کے بغیر بن ڈیوڈ کا فتنہ کیسے ختم ہوگیا۔"

"آج کا دن ہی کچھ ایسا تھا۔ میں جاتے ہوئے بیم گن گھر پر چھوڑ گیا تھا۔"

"وہ آپ ڈریسنگ ٹیبل پر بھول گئے تھے۔ میں نے واپس دراز میں رکھ دی۔ اس کے نہ ہونے سے آپ کو دقت ہوئی ہوگی۔" غزالہ بولی۔

"اس کے نہ ہونے کی وجہ سے میں اس وقت زندہ ہوں۔ ایک مرحلے پر اس نے مجھے گن پوائنٹ پر لے لیا تھا۔ اگر میری جامہ تلاشی میں اسے بیم گن مل جاتی تو وہ مجھے بے دریغ شوٹ کردیتا۔"

"بیم گن اس کے لیے اتنی اہم تھی!" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ مجھے نہیں پہچانتا تھا۔ میرے دشمنوں میں سے شاید کوئی بھی میرے چہرے سے واقف نہیں ہے۔ وہ ایک نام اور آواز کے دشمن ہیں۔ یہ بات ان سب کو معلوم ہے میں بیم گن پر قابض ہوں اور اسے ہر لمحے اپنی جان سے بھی زیادہ

عزیز رکھتا ہوں۔ میرے پاس سے بیم گن برآمد نہ ہونے پر اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔"

"اب اس کی بیم گن تمہارے پاس ہوگی!" سلطان شاہ نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا پورا بدن یکایک سن ہو کر رہ گیا ہو۔ میری طرح بن کے پاس بھی بیم گن ہونی چاہیے تھی۔ اس نے اپنے ایک شکار پر بیم گن استعمال کرکے یہ اعلان کیا تھا کہ شی کا کوئی آئی مین کراچی میں سرگرم ہو چکا ہے۔ وہ واردات رونما ہوتے ہی ہم نے اس کی تلاش کی مہم تیز کی تھی۔

اس پر غالب آنے کے بعد میں نے اس کی جامہ تلاشی لی تھی۔ اول خان نے اس کے بریف کیس کا قفل کھولا تھا لیکن ہمیں کہیں بیم گن نظر نہیں آئی تھی۔ حیرت اور صدمے کی بات یہ تھی کہ اس مقابلے کی گرمی میں ہم دونوں میں سے کسی کو بن کی بیم گن کا خیال نہیں آیا اور نہ ہی ہم میں سے کسی نے اس سے اس بارے میں کوئی سوال کیا۔

بن اپنے سیاہ کرتوتوں کے ساتھ جہنم واصل ہو چکا تھا۔ ہمیں یہ معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا تھا کہ اس کی بیم گن کہاں تھی۔

"کیا بات ہے؟ تم چپ کیوں ہوگئے؟" ویرا نے مجھے ٹوکا۔

"مجھے اپنی بیم گن یاد تھی مگر میں اس کی بیم گن کو یکسر بھولا ہوا تھا۔"

"تو کیا وہ اس کے پاس سے برآمد نہیں ہوئی؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کا ایک بریف کیس بھی ہمارے قبضے میں آیا تھا۔ اس میں بیم گن تھی اور نہ سلور آئی۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "یہ دونوں چیزیں بروقت یاد آجاتیں تو ان کے بارے میں بن سے سختی سے بازپرس کی جاسکتی تھی۔"

"اگر اس کے پاس ان دونوں میں سے کوئی چیز نہیں تھی تو یہ بات کسی حد تک قابلِ فہم ہے۔" ویرا نے بلا تردد اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"وہ گولڈن فارمیسی کی قریبی گلی میں آیا تھا تو میں نے اس کی ہتھیلی پر چمکتی ہوئی سلور آئی خود دیکھی تھی۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"ضرور دیکھی ہوگی۔ ہر آئی مین ان دونوں چیزوں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ شی میں روایتی طور پر یہی دو چیزیں اختیار اور طاقت کی علامت ہیں۔۔۔"

"پھر وہ کہاں گئیں؟" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"شی کا آئی مین خود مختار ہوتا ہے اور اپنی مرضی سے فیصلے کرتا ہے۔ بن نے ایک سے زائد مواقع پر بیم گن استعمال کرکے، کراچی میں اپنی موجودگی کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔ ہم اتنی تیزی سے اس کا تعاقب کر رہے تھے کہ وہ کسی بھی لمحے پکڑا جاسکتا تھا۔ اسے بچانے کے لیے ٹام یا ٹک یا دونوں نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ وہ خود مختار نہیں رہا تھا۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ کچھ مدت کے لیے وہ امریکی قونصل خانے میں پناہ گزین رہا تھا۔ وہاں اس کی آئی مین والی حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ وہ پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ امریکا کی بادشاہ گر ایجنسیوں کے نمائندوں نے دونوں چیزیں اس سے واپس لے لیں۔"

"یہ تمہارا قیاس ہے۔ حقیقت اس سے مختلف بھی ہوسکتی ہے۔ اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ گرما گرمی میں ہم اس اہم سوال کو فراموش کر گئے تھے۔"

"یہ میرا قیاس نہیں، حقیقت ہے۔" ویرا نے زور دے کر کہا "شی کو میں تم سب سے زیادہ جانتی ہوں۔ طاقت اور اختیار کی علامتوں کی واپسی کو تم بن کی معزولی بھی سمجھ سکتے ہو۔ شی میں کم از کم دو بار ایسا ہوا تھا کہ پہلے آئی مین سے نشانیاں واپس لی گئیں اور پھر خاموشی سے انہیں راہ سے ہٹا دیا گیا۔"

"شی کے بارے میں تم سے بات کرنے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تم اپنی اتھارٹی کے بارے میں بلند و بانگ دعوے کرنے لگتی ہو۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"خرابی نہیں، یہ میری مجبوری ہے کہ میں بہت کچھ جانتی ہوں اور اسے بتانے میں کبھی نہیں جھجکتی ــــ اس وقت ہم سب کے لیے ڈینی کو برا بھلا کہنے کا بہترین موقع تھا۔ اہم مواقع پر ناگزیر باتوں کو بھول جانے کی خلش بہت بری ہوتی ہے۔ اب ایک اور بات بھی میرے ذہن میں سر ابھار رہی ہے۔"

"اللہ ہم پر رحم کرے۔ پتا نہیں ابھی تمہیں اور کیا سوجھے گا۔" سلطان شاہ بڑبڑایا۔

"بات کچھ کچھ واضح ہو رہی ہے۔" ویرا نے سلطان شاہ کی بات پر دھیان دیے بغیر، پرخیال انداز میں کہا "بن مسلسل بھاگ رہا تھا۔ وہ خود کو بچائے رکھنے کی کوششوں میں ناکام ہوتا نظر آرہا تھا۔ اپنے آقاؤں کے لیے اس کا وجود بہت ضروری تھا۔ اس ضرورت کے ادراک میں انہوں نے

ہر احتیاط بالائے طاق رکھ دی۔ فالکن ہاؤس سے فرار کے بعد اسے قونصل خانے میں پناہ دینا تباہ کن تھا۔ وہ آخر تک اس بات سے انکار کرتے رہے کیونکہ انہیں اپنی سفارتی ساکھ عزیز تھی۔ ایک مجرم کا وہاں سے برآمد ہونا شرمناک ثابت ہو سکتا تھا۔ بن ان کے گلے کی ہڈی بن گیا تھا۔ اس سے سلور آئی اور بیم گن واپس لے لی گئیں۔ بن اس کا مطلب جانتا تھا۔ اس کے مربیّوں نے اس کے سر پر سے اپنا ہاتھ اٹھالیا تھا۔ اسے قونصل خانے کی محفوظ ترین عمارت سے نکال کر سی نائین میں دو چوکیداروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ وہ اپنی اس تذلیل سے دل برداشتہ ہو گیا۔ اس نے تم سے ہارنے کے نتیجے میں خودکشی نہیں کی۔ اس کے بڑوں کی سرد مہری نے اس کے دل میں ایسی موت کی خواہش پیدا کی تھی۔ سی نائین میں تم سے لڑتے ہوئے وہ جیت جاتا تب بھی شاید اپنی کنپٹی پر خود گولی مار لیتا۔ افسروں کی کھلی بے وفائی کے بعد اس کا زندہ رہنا بے سود تھا۔“

ویرا کی اس تھیوری میں وزن تھا۔ وہ شی کے اندرونی طریقہ کار کے بارے میں غلط بیانی نہیں کر سکتی تھی۔

مجھے یاد آیا کہ بن نے اپرٹیس پر ٹام سے بات کرتے ہوئے شکوہ کیا تھا کہ وہ اس کی زندگی کے بدترین لمحات میں اسے گڈ لک کہہ رہا تھا۔ اس وقت بن کی آواز میں بلا کا کرب تھا۔ اس نے اپنے بڑوں کے رویّے کی تبدیلی کو اپنی قسمت کا لکھا سمجھ کر تسلیم کر لیا تھا۔ شروع سے آخر تک وہ وہی سب کہتا رہا جو اسے پڑھایا گیا تھا۔ اپنے عقیدے کے اعتبار سے وہ کٹر یہودی تھا۔ اپنے انجام پر دل شکستہ ہونے کے باوجود اس کے نظریات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

”ہو سکتا ہے کہ تم صحیح سمت میں سوچ رہی ہو مگر تمہاری یہ باتیں میرے ذہن سے یہ بات نہیں کھرچ سکتیں کہ آج میں نے شاید اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔“ میں نے کہا۔

”دماغ میں آئی ہوئی بات آسانی سے نہیں نکلتی۔ خوشگوار نتائج خود بخود اس کا ازالہ کر دیتے ہیں۔ تم یہ سوچ کر خوش کیوں نہیں ہوتے کہ آج تم نے آخر کار بن جیسے عفریت کو بہت آسانی سے مار لیا۔ وہ تمہیں مارنے کا ہدف لے کر آیا تھا۔ اب تابوت میں بند ہو کر امریکا جائے گا۔“

”ہم سب ایسی بے فکری سے بیٹھے ہوئے ہیں جیسے یہ رات یوں ہی گزار دی جائے گی۔“ غزالہ نے چونک کر کہا۔

”ہاں، اب تم اپنی کہانی شروع کر دو۔ ہمیں کچھ دیر کے لیے سونا بھی ہے۔“

”ویرا کچھ خدا کا خوف کرو۔“ سلطان شاہ نے ملامت آمیز لہجے میں کہا ”ایسا نہ ہو کہ تم سونے کے لیے لیٹو تو پھر لیٹی ہی رہ جاؤ۔“

”ہم کسی خیمے میں نہیں، کنکریٹ کے گھر میں ہیں۔ بلیک کیٹس آئے تو ہمیں بے خبر نہیں پائیں گے۔“

”یہ آج پتا چلا کہ تم سوتے میں بھی باخبر رہتی ہو۔“ سلطان شاہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

”تم اس کی پروا نہ کرو۔ اپنی کہانی سناؤ۔“ ویرا فضا میں ہاتھ لہرا کر بولی ”آج یہ کچھ زیادہ ہی بول رہا ہے۔“

سلطان شاہ بھی زبانی شوخی کا مظاہرہ کر رہا تھا ورنہ وہ بھی میری کتھا سننے کے بارے میں سنجیدہ تھا۔ وہ خاموش رہا۔ میں نے انہیں اپنے تجربے سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

”کبھی کبھی آپ بہت خطرناک ہو جاتے ہیں۔“ پوری تفصیل سننے کے بعد غزالہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔

”خطرات سے کھیلے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہیں ہوتا۔ تم کس خطرے کی بات کر رہی ہو؟“ میں نے ہنس کر پوچھا۔

”یوں انجان بننے کی کوشش نہ کرو۔“ ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر بولی ”میں تمہیں بتاتی ہوں کہ غزالہ کس خطرے کی بات کر رہی ہے۔“ مجھ سے بات کرتے کرتے وہ اچانک غزالہ کی طرف متوجہ ہو گئی ”تم کو یہی اعتراض ہے نا کہ ایس ٹی ایف کے تجربے کار کمانڈوز کے ہوتے ہوئے ڈینی کو کمند ڈال کر دوسری منزل پر چڑھنے کی کیا ضرورت تھی۔“

”تم نے میرے دل کی بات پڑھ لی۔“ غزالہ نے کہا۔ ”ایسے کاموں کے لیے مشق ضروری ہوتی ہے۔۔۔“

”اس وقت عمارت میں گھسنے کا وہی ایک راستہ تھا۔ زینوں کا رخ کرنے والے پر بن جہنم کا دہانہ کھول سکتا تھا۔“

”کوئی بھی شخص اندر گھس جاتا تو زینے زیادہ دیر تک مخدوش نہیں رہ سکتے تھے۔“ سلطان شاہ بھی ان دونوں کا ہم نوا بن گیا۔

”میں نے کسی ہنگامی فیصلے کے تحت وہ قدم نہیں اٹھایا تھا۔ میرے ذہن میں کسی حد تک سی نائین کا اندرونی نقشہ بن چکا تھا۔ محدود رقبے پر بنی ہوئی وہ عمارت میرے اندازے سے بہت زیادہ مختلف نہیں تھی۔ کوئی اور اندر گیا ہوتا تو ہماری بازی الٹ بھی سکتی تھی۔“

”الٹ کیا سکتی تھی، الٹ ہی گئی تھی۔ اس نے تمہیں گن پوائنٹ پر لے کر ایس ٹی ایف والوں کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔“ ویرا بولی۔

”میں کسی کو اپنی غلطی کا ایندھن بنانا پسند نہیں کرتا۔ وہ

میرا سوچا سمجھا فیصلہ تھا۔ میں نے اول خان کو پہلے سے قائل کرلیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر کمند میں استعمال کروں گا۔ اس نے بھی مشق اور پیشہ ورانہ تجربے پر زور دیا تھا مگر بعد میں خاموش ہوگیا تھا۔"

"اب یہ بحث بعد از وقت ہے۔ ڈینی کو کوئی بات سمجھانا شاید دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔" ویرا نے وہ بات وہیں ختم کردی۔

ان لوگوں کے درمیان بیٹھ کر پوری کارگزاری کا جائزہ لینے کے بعد دل کو طمانیت کا ایک عجیب سا احساس ملتا تھا۔ اس مذاکرے یا مباحثے میں جہاں مثبت پہلو سامنے آتے تھے وہاں ایک دوسرے کے مجموعی تجربات کی روشنی میں خامیاں بھی سامنے آتی تھیں۔

ویرا نے کمند والا موضوع ترک کردیا تھا لیکن سی نائین کا تصادم ایک بڑا مقابلہ تھا۔ ہم چاروں پوری سرگرمی کے ساتھ اس کے سارے پہلوؤں پر بات کرتے رہے۔ ویرا کی یہ بات میرے ذہن میں بیٹھ گئی تھی کہ سلور آئی اور بیم گن کی واپسی سے بن کو اپنی معزولی کا علم ہوچکا تھا۔ رہی سہی کسر اس کی سی نائین میں منتقلی نے پوری کردی۔ وہ دل شکستہ ضرور ہوگیا تھا مگر اس نے زندہ رہنے کے لیے پوری قوت سے لڑنے کی لگن کو خیرباد نہیں کہا تھا۔ اس نے بہت جم کر نامساعد حالات کا مقابلہ کیا اور ایک بار بازی اپنے حق میں پلٹنے میں کامیاب بھی ہوگیا تھا۔ وہ میری آڑ میں سی نائین سے زندہ اور سلامت فرار ہونے میں کامیاب ہوجاتا تو ہم سب کے لیے بہت خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ ہار کی صورت میں اس نے خاموشی سے موت کو گلے لگا کر بہت سے فتنوں کو دفن کردیا تھا۔

وہ گٹھ جوڑ بہت ٹیڑھا اور چشم کشا تھا۔ اس میں ہر وہ حریف شامل تھا جو کسی نہ کسی بنا پر مسلمانوں سے پرخاش رکھتا تھا۔ پاکستان اور پاکستانیوں سے بھارت والوں کی نفرت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ ان کے سفارت کاروں سے را کے نمائندے تک اس سازش میں شریک تھے۔ امریکیوں کو اپنے مفادات عزیز تھے۔ وہ اپنے خفیہ مقاصد کے حصول کے لیے اس ملک کو زک پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں گنواتے تھے۔ تیسری طرف یہودی تھے جو ہر مسلمان کے دشمن تھے۔ ان کی بھرپور نمائندگی بن ڈیوڈ نے اپنے سر لی ہوئی تھی۔

"اوہ! ڈیڑھ بج رہا ہے۔ اب مجھے سونا چاہیے۔" ویرا اپنی رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈال کر اچانک اٹھ گئی۔

غزالہ نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے ویرا کی تائید میں سر ہلا، محفل بکھر گئی اور میں غزالہ کے ساتھ اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔

"ویرا کی باتیں ذرا کڑوی کسیلی ہوتی ہیں مگر وہ آپ کی دشمن نہیں، خیرخواہ ہے۔" کمرے کے تخلیے میں غزالہ نے اپنا سر میرے سینے پر ٹکا کر بوجھل سی آواز میں کہا۔

"اس وقت تمہیں اس کی حمایت کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" میں نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"آپ نے سی نائین میں گھسنے کا فیصلہ کرکے بڑی غلطی کی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچی لیکن ہمیشہ قسمت اس طرح ساتھ نہیں دیتی۔ آپ کو احتیاط سے کام لینا چاہیے۔" اس نے سر اٹھا کر میرے چہرے کی طرف دیکھا اور اپنی نرم و نازک انگلیوں سے میرے چہرے کی ضربات کو ٹٹولنے لگی۔

"یہ معمولی چوٹیں ہیں۔ تمہارے جادوئی لمس سے دو چار روز میں دب جائیں گی۔ ان کے بارے میں تمہیں فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔ بس دن میں دو چار بار انہیں ہولے ہولے سہلا دیا کرو۔"

وہ مسکراتی ہوئی مجھ سے الگ ہٹ گئی "اب آپ ڈیٹول سے زخموں کو صاف کرکے گرم پانی سے دھولیں پھر میں استری سے سنکائی کردوں گی۔ بہت آرام آئے گا۔"

"تم بلاوجہ بات کا بتنگڑ بنا رہی ہو۔ یہ چوٹیں ایسی نہیں ہیں کہ ان کی پروا کی جائے۔ میری جوان جلد کو ابھی استری کی ضرورت نہیں ہے۔"

"استری سے نہیں، میں استری سے تولیا گرم کر کے سنکائی کروں گی۔ میں جو کہہ رہی ہوں وہ کرلیں۔" وہ مصر ہو گئی۔

"یہودی صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ بن ڈیوڈ کے لگائے گئے زخموں میں زہر نہیں ہوگا۔ میں ڈیٹول استعمال نہیں کروں گا۔" غسل خانے میں وہ میرے سر پر سوار ہوئی تو مجھے سخت موقف اختیار کرنا پڑ گیا ورنہ اس وقت میں خود بھی اس کی والہانہ تیمارداری سے لطف اندوز ہونے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

منہ ہاتھ دھو کر میں نے کپڑے تبدیل کیے جو سی نائین کے مقابلے میں گندے اور داغ دار ہو چکے تھے۔ غزالہ نے استری لگا کر اپنے کام کا آغاز کردیا۔

کمرے کا ماحول بہت پُرسکون اور آرام دہ تھا پھر مجھے غزالہ کے روپ میں ایک سچی اور شوہر پرست بیوی ملی ہوئی

تھی جو میری ہر خدمت کے لیے کمربستہ رہتی تھی۔ کمرے کی دھیمی روشنی میں ہم دونوں صبح کے چار بجے تک باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں مجھے ایک بار بلیک کیٹس کا خیال آیا تھا پھر میں نے انہیں فراموش کر دیا۔

باہر اول خان کے ایک اسٹرائیک یونٹ کے کمانڈوز کی موجودگی میں وہ دونوں ہمارے خلاف جم کر کارروائی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے خطرے پر غور کرنے سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ ان حالات میں وہ بھاگتے بھاگتے کوئی اقدام کر سکتے تھے۔ اس سے زیادہ کا حوصلہ انہیں مہنگا پڑ سکتا تھا۔

صبح سویرے آنکھ لگنے کی وجہ سے دیر میں جاگا۔ میں تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تھا کہ جلال آن وارد ہوا۔

"میں نے مشکل سے رات کاٹی ہے۔ بن کا معاملہ اتنا اہم تھا کہ میں اسے فون تک محدود نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں خود یہاں دوڑا چلا آیا۔"

"اس بارے میں تم بے خبر تو نہیں رہے ہو گے؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔ "میں نے اسٹیشن فور سے فون کر دیا تھا۔"

"بے خبر نہیں تھا تو بہت زیادہ باخبر بھی نہیں تھا۔" اس نے محتاط سا جواب دیا "اپنے آدمیوں سے مجھے یہ اطلاع مل گئی تھی کہ رات کو ایس ٹی ایف والے سی نائین سے کسی کو نکال لے جانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ رات کے دو بجے اسی علاقے میں ایک میدان سے ایک سفید فام کی لاش ملی جسے بن ڈیوڈ کے نام سے پہچان لیا گیا۔ تم نے اسٹیشن فور سے اسے وہاں پہنچا دیا۔ اب دیکھو اس کی خودکشی کا کیا بنتا ہے۔"

"اس کی شناخت کا ناخوشگوار فریضہ کس نے انجام دیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا "سی نائین کے چوکیدار اس کا نام تو نہیں بتا سکتے تھے۔"

"میرے آدمی دوسروں کے کام میں زیادہ دخل اندازی نہیں کرتے۔ دور رہ کر وہ جو کچھ معلوم کر لیتے ہیں، میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔"

"تمہیں سب کچھ معلوم ہے، اصل واقعات بھی اتنے ہی ہیں۔ زیب داستان کے لیے جو چاہو بڑھا لو۔"

"وہاں آنسو گیس کے گولوں اور دستی بموں کا بھی تبادلہ ہوا تھا۔" جلال نے تائید چاہی۔

"بن شاید پاگل ہو گیا تھا۔ اول خان کے آدمیوں نے سی نائین پر فائرنگ کی تو وہ دستی بموں کے استعمال پر اتر آیا۔ اسے اندھا اور بے بس کرنے کے لیے ان لوگوں نے عمارت میں آنسو گیس کے گولے پھینکے تھے۔"

"تنہا ہونے کے باوجود اس نے بہت جم کر تم لوگوں کا مقابلہ کیا۔" جلال نے حیرت ظاہر کی "بی باون۔ فالکن ہاؤس، نشیمن اور پھر اپنے قونصل خانے کی محفوظ عمارتوں میں سے یکایک سی نائین میں پہنچنے کے بعد وہ خود کو بے یارومددگار تصور کر رہا ہو گا۔"

"رات کو ہم یہی باتیں کر رہے تھے۔" میں نے اسے بتایا "ثام اور نک اسے یہاں لانے والے تھے۔ انہوں نے قونصل خانے کے اطراف میں غیر معمولی نقل و حرکت سے گھبرا کر بن ڈیوڈ کو مرنے سے پہلے زندہ درگور کر دیا تھا۔ اسے آئی مین کے منصب سے معزول کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد موت ہی اس کا مقدر بن سکتی تھی۔"

میرے آخری فقرے اس کی سمجھ میں نہیں آ سکے۔ بات واضح کرنے کے لیے مجھے ویرا کی کہی ہوئی بہت سی باتیں دہرانی پڑیں اور آخر کار وہ ویرا کے نظریے کا قائل ہو گیا۔

"یہی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ اس جیسا تند خو اور مغرور آدمی یکایک خودکشی کرنے پر کیوں مجبور ہو گیا۔"

"اب اس کی ناگہانی موت کا سوگ منانے نہ بیٹھ جانا۔" میں نے خوش دلی سے کہا "اسے مرنا تھا۔ وہ مر گیا۔ ہم نے اس کے بارے میں بہت سی باتیں کر لیں۔ اب ہمیں کچھ اور بھی سوچنا چاہیے۔ بن کی موت سے مسائل ختم نہیں ہوئے۔ مجھے فضا میں نئی مشکلات کے سائے منڈلاتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔"

"شاید تم بلیک کیٹس کی طرف سے پریشان ہو!" اس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"میں کسی کی طرف سے پریشان نہیں ہوں۔ بعض اوقات متعدد مسائل اس طرح یکجا ہو کر سر اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی حقیقت سے کہیں زیادہ بڑے نظر آنے لگتے ہیں۔ اب مجھے یکسوئی سے سوچنے کا موقع ملا ہے تو مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ ہم نے افواہوں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر ہوّا بنا دیا ہے۔ ابھی تک کہیں سے ان افواہوں کی تصدیق نہیں ہوئی اور ہم نے یہ بھی فرض کر لیا ہے کہ ان میں سے ایک مرد اور دوسری عورت ہے۔"

میرے اس بے لاگ تبصرے پر جلال سٹپٹا کر رہ گیا "تم مجھ پر چوٹ کر رہے ہو۔ جہانگیر کے گھر جانے والی لڑکی کا ذکر سن کر میں نے کہا تھا کہ گال پر تل والی لڑکی دیوی نامی ایجنٹ ہو سکتی ہے۔"

"ہم سب بھی انسان ہیں اور ہر انسان خطا کا پتلا ہوتا

ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "ہم سے غلطیاں نہ ہوں تو ہمیں انسان کون کہے گا...."

"دو ہاتھوں اور دو پیروں والی مخلوق کو انسان کے سوا کچھ اور نہیں کہا جا سکتا۔" ویرا نے اپنے کمرے سے برآمد ہوتے ہوئے اونچی آواز میں دخل اندازی کی۔

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔" ویرا کی بلند وبانگ آواز سن کر سلطان شاہ کا اپنے کمرے سے برآمد ہونا ضروری ہو گیا تھا۔ "اپنے بیان کی روشنی میں تم اپنے بزرگوں کو بندروں اور گوریلوں کا ہم نسل قرار دے کر آخر ان بے زبان جانوروں کے ساتھ اتنی زیادتی کیوں کر رہی ہو۔"

"زیادہ بک بک مت کرو ورنہ میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔" ویرا غصے سے بھنا کر غرائی "اچھے خاصے اپنے پنجرے میں بند تھے۔ تمہیں باہر آنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تم کچھ بھی نہیں توڑ سکتیں۔" سلطان شاہ مجھے آنکھ مار کر مسکرایا۔ "بندروں کے بچے دور سے خوخو کرتے ہیں۔ ذرا سا دھمکانے پر میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔"

"بس اب ایسی کوئی جلی کٹی بات نہیں ہو گی۔" جلال نے ہاتھ اٹھا کر بزرگانہ انداز میں کہا "ہم دونوں یہاں بیٹھے کچھ ضروری باتیں کر رہے تھے۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کو گھورتے ہوئے کچن کی طرف ہولیے تاکہ اپنا ناشتا لے سکیں۔ ویرا کی آنکھوں سے غصہ جھلک رہا تھا۔ سلطان شاہ کی نظروں میں گہری شوخی رچی ہوئی تھی۔

"ویرا نے میری بات اچک لی تھی۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں دوبارہ اپنی ادھوری بات چھیڑ دی۔ "سب سے پہلے میرے ذہن میں وہم آیا تھا۔ میں نے چائے کی پتی کے استعمال کے سروے کے لیے آنے والی لڑکی کو دشمن کا کارندہ سمجھا تھا۔"

"تم سو فیصد درست تھے۔ یہ بات اب ہر شک و شبہے سے بالاتر ہے کہ شہر میں کہیں ایسا کوئی سروے نہیں ہو رہا۔"

"میرا خیال ہے کہ سب پر عجز و انکسار کا شدید دورہ پڑا ہے۔ اول خان بھی اس دوڑ میں شامل ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ بازو پر گولی کا زخم کھا کر بدحواسی میں ادھر نہ آتا تو یہ گھر ان لوگوں کی نگاہوں میں آنے سے بچا رہتا۔"

"سب اپنی اپنی جگہ صحیح سمت میں سوچ رہے ہیں۔" وہ بولا "بس معلومات کو یکجا کرنے میں ہم سے کہیں غلطی ہو رہی ہے۔"

"ذرا مجھے بھی تو پتا چلے کہ تم دونوں کیا سوچ رہے ہو!"

ویرا اپنا ناشتا لے کر سنبھلتی ہوئی، میز کے گرد پڑی ایک خالی کرسی پر جم گئی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا۔

"اب تک سامنے آنے والی افواہوں کے مطابق بلیک کیٹس کی نفری صرف دو افراد پر مشتمل ہے!" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ان میں سے ایک نامعلوم مرد ہے۔ لڑکی کا نام دیوی ہے۔" سلطان شاہ نے جلال کے ذریعے سامنے آنے والی بات دہرائی۔

"یہ سب غلط ہے۔ وہ اگر آئے ہیں تو ایسی احمقانہ حرکتیں نہیں کرتے پھریں گے۔ پوری پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ معلومات جمع کریں گے اور بھرے محلے میں ہمارے گھر پر حملہ آور ہونے کے بجائے ہمیں کسی نازک موقع پر گھیرنے کی کوشش کریں گے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"تمہاری بات قابلِ فہم ہے پھر ایس ٹی ایف کا اسٹرائیک یونٹ یہاں کیا کر رہا ہے؟" ویرا نے مجھ سے یکایک سوال کر دیا۔

"یہ بات تم اول خان سے پوچھو۔ اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کے لیے وہ میری کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں تھا۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا۔

"ان لوگوں کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں رہنے دو۔" جلال میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا "اس وقت تم لوگ خطرات کی زد میں آئے ہوئے ہو۔ ایک مشتبہ لڑکی اس گھر میں آچکی ہے۔ دوسری جہانگیر کے گھر پہنچ گئی۔ کوئی باہر رہ کر دیکھ بھال کر رہا ہے تو اسے رہنے دو۔ اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہو گا۔"

"حیرت ہے کہ کل ہم سب کیا سوچ رہے تھے۔ آج سب کچھ بدلا ہوا نظر آ رہا ہے۔" سلطان شاہ تھکی ہوئی آواز میں بولا۔

"کل ہم سب بن اور اس کے سرپرستوں کے چکر میں بھی الجھے ہوئے تھے۔ آج وہ بوجھ ہمارے ذہنوں سے ہٹ چکا ہے۔" ویرا نے سوچتے ہوئے تاویل ڈھونڈ لی۔

"مجھے یہ سارا بندوبست اب ہتک آمیز محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا "زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اول خان کا ایک آدھ آدمی گھر میں ہمارے ساتھ رہے۔ رات کو وہ چھت پر پہرا بھی دے سکتا ہے۔ ایک کمرا چھت پر خالی ہے نیچے بھی چوتھا بیڈ روم بیکار ہے۔"

"اول خان سے ابھی بات کر لو۔ اس کے دو آدمی یہاں

رہیں گے تو گھر کے کام کاج میں بھی ہمارا ہاتھ بٹا دیں گے۔ بے چاری غزالہ پر بلاوجہ بہت بوجھ پڑا ہوا ہے۔" مطلب کی بات سامنے آتے ہی ویرا خوشامدانہ انداز میں بول پڑی۔ اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

"یہ ہے تمہاری کاہلی۔" سلطان شاہ بولا "گھر کا کام کرنے کے نام سے تمہارا دم نکلتا ہے۔ اول خان کے آدمیوں کو نوکر بناؤ گی۔"

"میں اسٹیشن فور پر اچھا خاصا وقت گزار چکی ہوں۔ وہاں مرد ہی سارا کام کرتے ہیں۔ ایس ٹی ایف کے میس کے بیرے اور خانساماں بھی ضرورت پڑنے پر بہترین لڑاکا ثابت ہوں گے۔ ہمارے لیے وہی بہتر رہیں گے۔ ہمارے سارے کام کرلیں گے۔"

"دن بھر ان سے کام لو گی تو رات کو چوکیداری کون کرے گا؟" سلطان شاہ نے لڑنے والے انداز میں پوچھا۔

"اسی لیے میں دو آدمیوں کی بات کررہی ہوں۔" ویرا بولی "ایک گھر کے کام کرے گا۔ دوسرا رات کو چوکیداری کرے گا۔"

جلال کی زیرلب مسکراہٹ گہری ہوگئی "تمہارے گھر میں ہر وقت زندگی چہکتی رہتی ہے۔ یہ سب نہ ہو تو تم سب دو ہفتوں میں ایک دوسرے کی صورتوں سے اکتا جاؤ۔"

"ہوسکے تو سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اس کی وجہ سے یہاں کچھ زیادہ ہی چہکار رہتی ہے۔" ویرا برا سا منہ بنا کر بولی۔

"تم کیوں خاموش بیٹھی ہو۔ ویرا کی تجویز کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" جلال نے غزالہ سے پوچھا جو خاموشی سے اس ساری گفتگو سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"میں گھر کے کام کاج سے نہیں گھبراتی۔ مصروفیت میں وقت آرام سے گزر جاتا ہے اور پھر اتنے عرصے میں لڑبھڑ کر ہم نے ایک ماحول بنالیا ہے۔ آزادی سے اس فضا میں رہنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ باہر کے دو آدمی بھی یہاں آگئے تو ان آزادیوں میں کمی آجائے گی۔" غزالہ نے تھمی ہوئی آواز میں نرمی سے کہا۔

"واہ وا.... کیا بات کہی ہے تم نے!" سلطان شاہ کو پھر بانگ دینے کا موقع مل گیا "دل خوش ہوگیا میرا۔ سب سے زیادہ خلل ویرا کی آزادی میں پڑے گا۔"

"مگر ہم سکھ کی نیند سو سکیں گے۔ ایس ٹی ایف والے اپنی ڈیوٹی ایمان داری سے انجام دیتے ہیں۔" غزالہ نے اپنی بات میں ٹکڑا لگایا۔

"بس تو پھر یہ طے ہوگیا۔" میں نے اپنی چائے کی پیالی خالی کرکے کہا "میں آج ہی اول خان سے بات کرلوں گا۔"

"جہانگیر کی بلڈنگ کے استقبالیہ پر پہلے ہی پہرا ہوتا ہے۔ کوئی بے خبری میں نہیں مارا جائے گا۔" ویرا خوش ہوکر بولی۔

"تمہاری کہی ہوئی، دیوی والی بات ابھی تک میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر جلال سے کہا۔

"میری وہ بات بے بنیاد نہیں تھی۔ گال پر تل والی ایک خوبرو بھارتی ایجنٹ لاہور میں کام کرتی رہی تھی۔" اس نے مدافعانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے بتایا "اس کی طرف سے میں خود بھی پریشان تھا۔ میں نے رات کو ہی کمپیوٹر فائل پر اس کا ریکارڈ دیکھا تھا۔ وہ بھرے بھرے بدن والی تھی اور نہ دراز قامت کہی جاسکتی تھی۔ چھریرے بدن کی مالک تھی۔ قد بھی متوسط تھا۔ وہ جہانگیر کے گھر جانے والی لڑکی نہیں ہوسکتی۔ محض رخسار کے تل کی وجہ سے میرا دھیان اس کی طرف چلا گیا تھا۔"

"تل کی اس یکسانیت کو تم کیا کہو گے؟" ویرا نے بلا توقف سوال داغ دیا۔

"تم خود عورت ہو۔ تم کو یہ سوال نہیں پوچھنا چاہیے۔ بناؤ سنگھار کے نسوانی طریقے اتنی ترقی کرگئے ہیں کہ جسم پر کہیں بھی، نہ مٹنے والا تل بنانا دشوار نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ لاہور میں مصروف کار رہنے والی دیوی کے چہرے کا تل بھی اصلی نہ ہو۔ اس نے ہمارے آدمیوں کو فریب دینے کے لیے اسے ایجاد کیا ہو۔"

"چلو، مان لیا کہ لاہور والی دیوی مکّارہ تھی۔ اس نے پاکستانی ایجنسیوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے وہ گیٹ اپ اختیار کیا تھا۔" ویرا، جلال سے بحث پر تل گئی "ایک بار ایسی کوئی واضح نشانی نظر آجائے تو تجربے کار لوگ بھی دوسرے نکات پر دھیان نہیں دیتے۔ ہر چہرے پر سب سے پہلے تل یا مسّا تلاش کرتے ہیں۔ یہ اتفاق کیسے ہوا کہ جہانگیر کے گھر آنے والی لڑکی کو ڈینی کی تلاش تھی اور اس کے بھی ایک رخسار پر تل تھا۔"

"یہ محض اتفاق ہی ہوسکتا ہے۔" جلال نے زچ آکر کہا۔

"اگر اسے بھیجنے والی دیوی تھی تو اسے ایسے کسی اتفاق سے گریز کرنا چاہیے تھا جس سے توجہ اس کے لاہور والے گیٹ اپ کی طرف مبذول ہوجائے۔"

"دیوی را کی ایجنٹ تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت سرے سے کراچی میں نہ ہو۔" میں نے قدرے ترشی سے ویرا کو جواب دیا۔ وہ بلاوجہ ہاتھ دھو کر جلال کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "بلیک کیٹس دو مرد بھی ہو سکتے ہیں۔ تم ان میں سے ایک کو دیوی قرار دینے پر کیوں مصر ہو۔"

"پھر تو ساری بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔" سلطان شاہ سر ہلا کر بولا "تم ایک بے سروپا بات پر الجھ رہی ہو۔"

"میں بھی یہی سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔" جلال نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "بلیک کیٹس، را کا ہی ایک شعبہ ہیں لیکن وہ سب سے الگ تھلگ رہ کر کام کرتے ہیں۔"

ویرا بے اختیار ہنس دی "یہ سب نہ کہو۔ بات بڑھانے کے لیے یہ بھی کہہ سکتی ہوں کہ دیوی کا تبادلہ را سے بلیک کیٹس میں کر دیا گیا ہو گا۔"

"بحث کے لیے تمہارے دماغ میں واقعی بہت دم ہے۔ تم سے جیتنا مشکل کام ہے۔" جلال نے ہتھیار ڈال دیے۔

"اس پوری گفتگو کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہم ابھی تک اپنے دشمنوں کو نہیں پہچان سکے ہیں۔" غزالہ نے ایک سنجیدہ نکتہ اٹھالیا۔

"یہ طے ہے کہ کچھ نامعلوم لوگ ڈینی کی تلاش میں ہیں اور وہ جہانگیر تک پہنچنے کی کوششوں میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ وہ جو کوئی بھی ہوں، امریکی نہیں ہو سکتے۔ امریکیوں کے لیے مقامی لڑکیوں کو اتنی آسانی سے دوگھروں پر بھیجنا ممکن نظر نہیں آتا۔ یہ بھارتی لابی ہی ہو سکتی ہے۔ دیکھنا یہ ہو گا کہ وہ را والے ہیں یا بلیک کیٹس۔" اس بار ویرا نے بھی کمال کی سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔

"بن، را والوں سے غلاموں کی طرح کام لے رہا تھا۔ یہ ان کے ساتھی ہوتے تو بن کی بیگار سے نہیں بچ سکتے تھے۔" غزالہ اس سے مخاطب ہو گئی۔

"یعنی تم اتنی مغز زنی کے بعد ہمیں گھما پھرا کر دوبارہ بلیک کیٹس کی طرف لے جانا چاہتی ہو؟" ویرا کا منہ بن گیا۔

"یہ ایک مفروضہ ہے۔ کام کی ابتدا مفروضوں سے ہوتی ہے اور پھر حقائق سامنے آنے لگتے ہیں۔ ایک افواہ دو ذرائع سے ہم تک پہنچی ہے۔ کیوں نہ اسے کچھ دیر کے لیے سچ مان لیا جائے!"

"اس سچ کو منوانے سے ہمیں کیا حاصل ہو گا؟" اس بار ویرا کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"کراچی میں را والوں کا تانا بانا بُری طرح بکھر چکا ہے۔ بھارت سے آئے ہوئے ایجنٹ مارے جا چکے ہیں۔ ان کے مقامی زر خرید پولیس کی تحویل میں ہیں۔ لے دے کر صرف چوپڑا باقی ہے۔ بلیک کیٹس کا نام سامنے آنے کے بعد ہم نے اسے نظر انداز کیا ہوا ہے..."

"اس وقت اس سے بہتر تجویز سامنے نہیں آ سکتی۔" جلال نے غزالہ کی بات پوری ہونے سے پہلے توصیفی لہجے میں کہا "ہو سکتا ہے بھارتی ایجنسیوں کے مقامی رابطوں کی کوئی کڑی اب بھی اس کے ذہن میں محفوظ ہو۔ اس وقت بس اسی کا نام ہمارے سامنے ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔" سلطان شاہ نے رضاکارانہ پیشکش کی۔

"نہیں دوست! وہاں ڈینی کے سوا کسی اور کا جانا درست نہیں ہو گا۔ وہ ڈینی کا نام نہیں جانتا۔ اسے میرا ساتھی سمجھتا ہے۔ ہمارے معاملات بہت نازک اور حساس ہوتے ہیں۔ صدف مینشن اجنبیوں کے لیے ایک سخت ممنوعہ عمارت ہے۔" جلال نے لگی لپٹی رکھے بغیر سلطان شاہ کی پیشکش مسترد کر دی۔

ویرا اور سلطان شاہ کی حوصلہ شکنی کے لیے جلال کا کوئی سخت جواب بہت ضروری تھا مگر اس وقت وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی سخت ہو گیا تھا۔ اس کے الفاظ کی چبھن تینوں نے محسوس کی لیکن کسی نے فوری طور پر لب کشائی نہیں کی۔

جلال کو بھی شاید اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس نے قدرے توقف کے بعد معذرت خواہانہ انداز میں کہا "میرے الفاظ کسی کو برے لگے ہوں تو میں خلوصِ دل سے معافی چاہتا ہوں مگر صدف مینشن کا ڈسپلن تصور سے زیادہ سخت ہے۔ میرے عملے کے آدمیوں کو بھی کسی ناگزیر ضرورت کے بغیر

وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ وہاں داخلے کے لیے خصوصی اجازت نامہ ضروری ہوتا ہے۔"

"ایسا کڑا ڈسپلن مجھے راس نہیں آتا۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر پُرسکون آواز میں کہا مگر میں نے اس کے بشرے سے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ اندر سے سلگ اٹھی تھی "میں ڈھیلے ڈھالے ماحول میں اپنی مرضی سے کام کرنے کی عادی ہوں۔ کسی کا تسلط مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ اسی لیے میری ڈیڈی سے اَن بَن رہتی ہے۔"

"تم یہ سب مجھے کیوں سنا رہی ہو؟" جلال نے تحمل سے دریافت کیا۔

"میں کبھی بھول کر بھی صدف مینشن کے قریب سے نہیں گزروں گی۔" ویرا نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر جواب دیا۔

بات بڑھ جانے کے آثار پیدا ہو چلے تھے۔ میری مداخلت ضروری ہوگئی تھی۔ میں نے ویرا کو سمجھایا "تم بلاوجہ اس بات کو اہمیت دے رہی ہو۔ جلال کو بار بار کسی کو منع کرنا اچھا نہیں لگتا۔ یہ بہتر ہوا کہ آج اس نے کھل کر سچ بیان کر دیا۔ یہ باتیں اس نے پہلے مجھ سے نہیں کہی تھیں۔"

"خیر، تو تم اب جلال کے ساتھ جا رہے ہو!" اس نے سپاٹ بیانیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں.... اور میں واپسی پر تمہیں خوشگوار موڈ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اچھی زبردستی ہے۔" وہ ہنس پڑی اور پھر اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے بولی "میں اول خان کو بلا لوں گی۔ وہ ہر ڈسپلن سے آزاد ہے۔ شاید اس کی موجودگی بہتر ثابت ہو سکے۔"

"ویری گڈ۔ یہ بہت نیک کام ہوگا۔" میں نے خوش ہو کر کہا "اس سے اسٹرائیک یونٹ کی واپسی اور گھر میں آدمیوں کی تقرری کی بات بھی کرلینا۔ میرا کام ہلکا ہو جائے گا۔"

میری زبان سے اپنے لیے ایک کام سن کر اس کے چہرے پر ہلکی سی بشاشت عود کر آئی "تم بے فکر ہو جاؤ۔ اسے میں سنبھال لوں گی۔"

جلال ہمارے پاس ہمیشہ خوشگوار موڈ میں آتا جاتا رہا تھا مگر اس روز اس کی واپسی کچھ کشیدہ ماحول میں ہوئی۔ ویرا نے اس سے چند رسمی باتیں کیں اور روایت کے برعکس اسے رخصت کرنے کے لیے دروازے تک بھی نہیں آئی۔

"تم اس کی باتوں کی پروا نہ کرنا۔" میں نے اس کی گاڑی روانہ ہونے پر صفائی پیش کی "وہ بہت موڈی عورت ہے مگر دل کی صاف ہے۔ ایک دو روز میں سب کچھ بھول بھال کر خود ہی راہِ راست پر آجائے گی۔"

"میں اس کا ٹائپ سمجھتا ہوں۔ انا پرست لوگوں کے دل کے آبگینوں کو ذرا سی بات سے ٹھیس لگ جاتی ہے۔" وہ افسردگی سے بولا "میں سلطان شاہ سے ہی مخاطب رہتا تو اچھا تھا۔ مجھے ان تینوں کی طرف متوجہ ہو کر وہ تلخ حقیقت بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"جو کچھ ہوا، اسے بھول جاؤ اور اپنی توجہ بدھولال چوپڑا پر مرکوز رکھو۔" میں نے اس کی دل جوئی کے لیے مزاحیہ انداز میں کہا۔

"توجہ مرکوز کرنے کے لیے ویرا اس سے ہزار درجے بہتر ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں انجانے میں اس کی دل آزاری کر بیٹھا۔"

جلال کے وہ الفاظ پُرخلوص تھے۔ ان میں کسی بدنیتی کا دخل نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ کبھی کبھی ویرا سے خاصا بے تکلف ہو جاتا تھا۔ ایک مرحلہ ایسا بھی آچکا تھا جب ویرا کو یہ خوش فہمی ہونے لگی کہ جلال عیال دار ہونے کے باوجود اس کی ذات میں سنجیدگی سے دلچسپی لے رہا تھا مگر میں نے جلال کے ذہن کو ٹٹولا تو وہاں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

بات گھوم پھر کر ویرا کی ذات کے گرد گھوم رہی تھی۔ میں نے خاموشی اختیار کرنے میں بہتری سمجھی اور اپنی زبان بند کرلی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم صدف مینشن کے بھیانک اور آسیبی قید خانے میں پہنچ چکے تھے۔ اس وقت چوپڑا اس عمارت کی اوپری منزل کے بجائے گراؤنڈ فلور کے ایک سیل میں بند تھا۔

"ہم کسی قیدی کو زیادہ دیر تک ایک سیل میں نہیں رکھتے۔" جلال نے اس کے پاس جانے سے پہلے بتایا "وہ زیادہ دیر تک ایک جگہ، ایک سے حالات میں رہتے ہیں تو ہر چیز سے سمجھوتا کر کے اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ان مجرموں پر دہشت اور نفسیاتی دباؤ برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ سب کچھ جلدی جلدی بدلتا رہے۔"

نفسیاتی تشدد کی وہ باریکی سن کر میں پھریری لیے بغیر نہ رہ سکا "تمہارے قیدی ہر وقت بے یقینی کے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں۔"

"آؤ.... اب دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کہتا ہے۔" جلال آگے بڑھا۔ مسلح محافظ نے اس کا ارادہ بھانپتے ہی چوپڑا کے نیم

تاریک سیل کا دروازہ کھول دیا۔

"اب کون آگیا!" سیلن زدہ سیل کے دھندلکے میں چوپڑا کی نقاہت زدہ اور بے جان سی کراہ ابھری۔

میں دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ چوپڑا اس تنگ قید خانے میں ایک ڈھیلے ڈھالے، ننگے پلنگ پر پڑا ہوا تھا۔ چند دنوں میں وہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا اور اس کا چہرہ خوف سے تقریباً سیاہ پڑ گیا تھا۔ جھلسی ہوئی سیاہ رنگت پر اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں کی سفیدی بہت خوف آور تھی۔ صدف مینشن کے آسیبی ماحول میں وہ اس وقت کوئی آسیب ہی نظر آرہا تھا۔

"سیٹھی کی لاش تم نے پہچان لی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ تمہارے ساتھی ایک ایک کر کے اپنے انجام کو پہنچ رہے ہیں۔ اب تمہاری زندگی تمہارے ہاتھ میں ہے۔" میں نے درشتی سے کہا۔

"میں اب کیا کر سکتا ہوں۔ تم نے میری روح تک کو نچوڑ لیا ہے۔ تم مجھے چھوڑ کیوں نہیں دیتے!" وہ رو دینے والی آواز میں کراہا۔

"تم نے چار نام بتائے تھے۔ وجے، ترپاٹھی، راجو اور سیٹھی۔ اب وہ چاروں اس دنیا میں نہیں ہیں۔ صرف تم رہ گئے ہو۔"

"تم لوگ بہت سفاک ہو۔" وہ اپنا سر دائیں بائیں جھٹکتے ہوئے بولا "اپنے جیسے انسان کو اس طرح تڑپاتے ہوئے تم کو ذرا بھی رحم نہیں آتا؟"

"آتا ہے!" مجھ سے پہلے جلال سفاکانہ لہجے میں بول پڑا۔ "مگر پھر مجھے عبداللہ یاد آجاتا ہے جسے ونود نے دہلی میں تشدد کر کے مارا تھا۔ سنو! تم پیشاب تو کر رہے ہو۔ عبداللہ کے گردوں سے اس کا زندہ لہو آنے لگا تھا۔ میں تم پر کیسے رحم کھا سکتا ہوں۔"

"بھگوان! مجھے اٹھا لے۔ میری مشکل آسان کر دے!" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کے بال نوچ کر رو پڑا۔

"تمہارا پتھر کا بھگوان اندھا، گونگا اور بہرا ہے۔ وہ تمہاری فریاد سنے گا نہ اس کا جواب دے گا۔ وہ چاروں اس لیے مر گئے کہ وہ اس زمین کے باسی نہیں تھے۔ کسی اور زمین سے اگایا ہوا اناج کھاتے تھے۔ تم نے عمر بھر اسی دھرتی سے اپنے پیٹ کا دوزخ بھرا اور اسی کے غدار ہو اس لیے ابھی تمہیں لمبے عرصے تک زندہ رہنا ہو گا۔" میں نے بڑھ کر اس کی پیشانی پر مکے سے ضرب لگائی اور وہ بلبلا کر چیخ پڑا۔

"تم بتاتے کیوں نہیں کہ اب میری زبان سے کیا سننے آئے ہو؟" اس کی دہشت سے پھٹی ہوئی فریادی آنکھیں

"تشخیص"

"ڈاکٹر......!" خاتون نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بے تابی سے تقریباً چلاتے ہوئے کہا "آپ مجھے صحیح طرح بتائیں کہ آخر مجھے بیماری کیا ہے؟"

کمرے میں موجود مرد نے گہری نظر سے خاتون کا سرتاپا جائزہ لیا اور بولا "سب سے پہلے تو آپ اپنا وزن پچاس پونڈ کم کرنا چاہیے۔ دوسرے آپ کو میک اپ ہلکا کرنا چاہیے۔ اس طرح آپ کچھ بہتر دکھائی دیں گی۔ تیسری بات یہ کہ میں ڈاکٹر نہیں، آرٹسٹ ہوں۔ آنکھوں کے ڈاکٹر صاحب کا کلینک برابر ہے۔"

میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"ہمیں کچھ اور لوگوں کی تلاش ہے۔ ان کے نام تم بتاؤ گے۔"

"کان کھول کر یہ بھی سن لو کہ تمہارے سروں سے آئی مین کا سایہ بھی اٹھ چکا ہے۔" جلال نے لقمہ دیا "کل رات اسے بھی تمہارے چاروں ساتھیوں سے ملنے کے لیے روانہ کر دیا گیا۔"

"میں اور کسی کو نہیں جانتا۔ تم ایک ایک کر کے سب کو مار چکے ہو۔ میں رہ گیا ہوں۔ مجھے بھی مار کر قصہ ختم کر دو۔"

وہ وطن کا غدار تھا۔ اس کی زبان سے اس خواہش کا اظہار سن کر مجھے عجیب سی آسودگی حاصل ہوئی۔ میں نے کہا۔ "تم کو ریکارڈ پر گرفتار کیا گیا ہے۔ تمہاری بہترین سزا دردناک موت ہی ہو سکتی تھی مگر تم کو زندہ رکھنا ہماری مجبوری ہے۔ آخر کار تمہیں عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہو کر اقبالِ جرم کرنا ہو گا۔ اس سے پہلے اپنے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر لو۔ جو کچھ بتا سکتے ہو، بتا ڈالو۔"

"مجھ سے جو چاہو قسم لے لو۔ مجھے اور کچھ نہیں معلوم۔"

"بھارت سے بلیک کیٹس کے کچھ آدمی مشن پر آئے ہوئے ہیں؟" میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم!" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر گھگھیایا "وہ میرے پکڑے جانے کے بعد آئے ہوں تو مجھے پتا نہیں۔"

"پھر کس کو پتا ہو گا۔" اس بار میں نے اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا تھا۔

''مم... میں نہیں جانتا۔ میں نہیں جانتا۔ وہ آتے ہیں تو سب سے الگ تھلگ رہ کر اپنا کام کرتے ہیں اور واپس چلے جاتے ہیں۔''

''ہم کیسے مان لیں کہ وہ کسی کی مدد کے بغیر اپنا کام پورا کر لیتے ہوں گے۔ تم نہ سہی' کوئی اور ان کے کام آتا ہو گا۔'' میں غرایا۔

''کوئی نہ کوئی آتا ہی ہو گا۔ تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ ہندو پنچایت کمیٹی کے پنچوں' سر پنچوں کو پکڑو۔ شاید وہ تمہیں کچھ بتا دیں۔ مجھے معاف کر دو۔ میری ہڈیوں میں اب مار کھانے کا دم نہیں رہا ہے۔ میں تم لوگوں سے پٹتے پٹتے تھک گیا ہوں۔'' وہ ایک مرتبہ پھر بلک کر رو پڑا۔

''آؤ!'' جلال نے میرے شانے پر ہاتھ سے تھپکی دے کر کہا ''اسے کچھ دیر کے لیے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ شاید اسے اپنی یادداشت یکجا کرنے میں مدد مل سکے۔''

اس کا وہ اشارہ ذو معنی تھا۔ میں اسی لمحے اس کے ساتھ سیل سے باہر آ گیا۔

وہ وقفہ اسی کے ایما پر ہوا تھا اس لیے میں اس کے بولنے کا منتظر رہا لیکن وہ خاموشی سے صدف مینشن کے لائبریری نما دفتر کی طرف بڑھتا رہا۔ پہلے کی طرح وہاں وہی ایک آدمی موجود تھا جو دفتر میں چپراسی سے لے کر کلرک تک سارے کام انجام دیتا تھا۔ جلال کے قدموں کی آہٹ سنتے ہی وہ دفتر سے باہر آ گیا تھا۔

اس وقت چوپڑا نے میری توجہ بہت اہم نکتے کی طرف مبذول کرائی ہے۔'' جلال نے کرسی سنبھالنے کے بعد کہا۔

''اس نے ہندو پنچایت کمیٹی کے ارکان کے علاوہ اور کسی بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔'' میں نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

''تم ہمیشہ کام کی بات تک پہنچ جاتے ہو اور میری طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ تم اس کے بارے میں جانتے ہو گے۔''

''ہاں' چوپڑا ہی کے چکر میں سنا تھا۔ وہ اس کمیٹی کے معاملات میں خاصی سرگرمی سے حصہ لیتا تھا۔''

''اسے سرکاری حیثیت حاصل ہے۔ ہندوؤں کے سماجی نظام میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ وہ کراچی میں قائم بہت سے مندر چلا رہی ہے۔ یہ کمیٹی ہندوؤں کے بہت سے خانگی اور مالی معاملات حل کرتی ہے جس کی وجہ سے جائدادوں کے جھگڑے عدالتوں تک کم ہی جاتے ہیں۔''

''کیا حالات کے موجودہ تناظر میں ان باتوں کی کوئی اہمیت ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ جاننا ضروری ہے کہ مقامی ہندو معاشرے پر اس کی گرفت کتنی مضبوط ہے۔''

''شاید اس کے ارکان ذاتی طور پر بھی بہت اثر و رسوخ رکھتے ہوں گے۔''

''وہ بہت طاقت ور ہیں۔ ان ہی میں سے ایک کا نام سوبھراج ہے۔ پہلے وہ اس کمیٹی کا سرپنچ ہوا کرتا تھا۔ اب ایک مدت سے عام رکن کی حیثیت سے اجلاسوں میں شرکت کرتا ہے۔ اس کی ہر بات بہت توجہ سے سنی جاتی ہے۔ عملی طور پر وہ اپنی پنچایت کا سب سے مضبوط رکن ہے۔''

میں خاموشی سے اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ قدرے توقف کے دوران اس نے سگریٹ کا ایک کش لے کر کہا ''اب سے دس پندرہ برس پہلے وہ شہر کا نامی گرامی بدمعاش ہوا کرتا تھا پھر اس نے اچانک اپنی لائن بدل لی۔ بدمعاشی سے سیاست کی طرف چلا گیا۔ اب وہ کامیاب ہندو سیاست دانوں کا منظور نظر ہے۔ ہماری خفیہ اطلاعات ہیں کہ اس کی بعض سرگرمیاں آج بھی مشکوک ہیں۔ تم کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ دھماکے سے جل کر تباہ ہونے والی ڈاج لاوارث نہیں تھی۔ اس کا رجسٹریشن سوبھراج کے نام پر تھا۔''

وہ انکشاف واقعی حیران کن تھا۔ میں اپنی کرسی پر اچھل پڑا ''یہ اہم ترین بات تمہیں سب سے پہلے بتانی چاہیے تھی۔''

''اس بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی تھی....'' اس نے بتانا چاہا مگر میں نے اضطراری انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔

''میرا خیال ہے یہ بات تمہیں ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن والوں کے ریکارڈ سے کل ہی معلوم ہو گئی ہو گی مگر تم نے سرے سے اس کا ذکر نہیں کیا۔''

''میں وہی بتا رہا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ سوبھراج نے چھ ماہ پہلے اپنی اس گاڑی کی چوری کی رپورٹ درج کرائی ہوئی تھی۔ اس وقت ڈاج سفید رنگ کی ہوا کرتی تھی۔ سوبھراج کے موقف کے مطابق' چوری کے بعد اس کی گاڑی کا رنگ تبدیل کر دیا گیا۔''

''مشتبہ ماضی رکھنے والے ایک شخص کا یہ بیان قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔'' میں نے کہا ''اپنا دامن بچانے کے لیے وہ کوئی بھی کہانی گھڑ سکتا ہے۔''

''بات اس کے بیان کی نہیں۔ حقائق کی ہے۔'' جلال نے زور دے کر کہا ''چھ ماہ پہلے درج کرائی ہوئی ایف آئی آر

اس کے حق میں جاتی ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی وہ گاڑی مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا ہو اور اس کا رنگ تبدیل کر کے چوری کی فرضی ایف آئی آر درج کرا دی۔ جب تک مدعی کی طرف سے چوری چکاری کی ایسی شکایتوں میں گہری دلچسپی کا اظہار نہ ہو، پولیس کوئی سرگرمی نہیں دکھاتی۔ فائل بند پڑی رہتی ہے۔“

”اسے چھ ماہ پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی گاڑی کسی جرم میں ملوث ہو سکتی ہے۔ اس وقت تو شاید آئی مین نے یہاں قدم بھی نہیں رکھا تھا۔“

”آئی مین کو ذہن سے نکال دو۔ میں را والوں کی بات کررہا ہوں۔ بعد میں سب ہی نے گٹھ جوڑ کرلیا تھا۔“

”نہیں ڈیئی... یہ بات اہم ہے۔ اگر وہ گاڑی را والوں کے استعمال میں تھی تو راجو اور سیٹھی کو مارنے کے لیے کیسے استعمال ہو سکتی تھی۔ وہ ان کے مایہ ناز آدمی رہے ہوں گے۔ ان کو وہ اپنے ہاتھوں سے ختم نہیں کرسکتے تھے۔ وہ کارروائی ٹام یانک کے ایما پر ہوئی تھی۔“

”تم اس بات سے انکار نہیں کرسکتے کہ ٹام 'نک' بن ڈیوڈ اور را والے شروع سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔“ میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچنے کے بعد بولنا شروع کیا۔ ”ان کے مقاصد اور اہداف مشترک تھے اس لیے وہ فراخ دلی سے ایک دوسرے کے وسائل سے استفادہ کررہے تھے۔ ایسے ہی وقت میں نیلی ڈاج ٹام یانک کی تحویل میں چلی گئی۔ ان کے مشتبہ کاموں کے لیے وہ کار بہت عمدہ تھی جو ریکارڈ کے مطابق چرا لی گئی تھی۔ راجو اور سیٹھی کا معاملہ سامنے آیا تو انہوں نے اسی گاڑی کو استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔“

”اور سوبھراج نے چھ ماہ پہلے یہ سب سوچ لیا تھا!“ جلال روانی میں کہہ گیا۔

”اس نے من و عن یہ سب نہیں سوچا ہو گا لیکن اپنی گاڑی کو مجرمانہ مقاصد کے لیے وقف کرتے ہوئے اس کے ذہن میں یہ امکان ضرور رہا ہو گا کہ وہ گاڑی کسی بھی وقت رنگے ہاتھوں پکڑی جا سکتی ہے۔ اسی لیے وہ چوری کی رپورٹ درج کرا کے اس کی ملکیت سے دست بردار ہو گیا۔“

”یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے لیکن اس معاملے میں سوبھراج پر ہاتھ ڈالنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔“ وہ پرخیال آواز میں بولا۔

”کیوں؟ کیا مسلمان معززین جرائم میں ملوث ہو کر ایسی کوئی رعایت حاصل کرسکتے ہیں جس کی بنا پر سوبھراج کو نظر

”عمل“

”میں نے اور میرے بہترین دوست ارشد نے جب یہ پڑھا کہ تمہارا سچا اور حقیقی دوست وہ ہے جو تمہیں تمہارے عیبوں سے آگاہ کرے..... تو ہم نے اس پر عملدرآمد کا فیصلہ کیا......“

”اس سے تم دونوں کو اپنی اصلاح کرنے میں کافی مدد ملی ہوگی؟“

”میں کچھ کہہ نہیں سکتا کیونکہ پچھلے پانچ سال سے ہماری بول چال بند ہے۔“

انداز کرنا پڑجائے۔“

”یہ معاملہ دیکھنا پڑے گا۔ وہ مراعات یافتہ شخص ہے۔ جب سیاسی قوتیں کسی کی پشت پناہی کرنے لگتی ہیں تو کام مشکل ہو جاتا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ اس وقت چوپڑا نے تمہیں بالواسطہ طور پر سوبھراج کی طرف متوجہ کرکے بڑا کام کیا ہے۔ اگر وہ ماضی میں را یا دوسری امریکی ایجنسیوں کے رابطے میں رہا ہے تو وہ بلیک کیٹس کا بھی مددگار ہو سکتا ہے اس کو دیکھنا ضروری ہو گیا ہے۔“

”میں اسے چیک کروں گا۔ اس کے بارے میں عجلت سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ وہ ہندوؤں کا غیر متنازعہ سماجی رہنما ہے۔ اس پر ہاتھ ڈالا گیا تو شدید ردِعمل پیدا ہو سکتا ہے۔ ہمارے حکمراں ایسی کسی لہر کو پسند نہیں کریں گے کیونکہ ان کو اسمبلی میں اپنی اکثریت برقرار رکھنے کے لیے اقلیتی ارکان کی حمایت کی اشد ضرورت ہے۔“

”یہ تمہارا ذاتی نظریہ ہے جو غلط بھی ثابت ہو سکتا ہے۔“

”اسی لیے میں نے چیک کرنے کی بات کی ہے۔ مجھے اسلام آباد سے رجوع کرکے دیکھنا ہو گا کہ سوبھراج کی موجودہ پوزیشن کیا ہے۔“

چوپڑا نے اپنی گفتگو میں براہِ راست سوبھراج کا نام نہیں لیا تھا۔ بس جھنجلا کر ہندو پنچایت کمیٹی کے ارکان کا ذکر کیا تھا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ نیلی ڈاج کے ریکارڈ پر چھان بین کے سلسلے میں سوبھراج کا نام جلال کے علم میں آچکا تھا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ چوپڑا اس بارے میں کچھ اور بھی جانتا تھا۔ اس پر مزید محنت کی جاتی تو وہ کام کی مزید باتیں اگل

سکتا تھا۔

"چوپڑا حاضر ہے۔ تم اس کے ساتھ من مانا سلوک کر سکتے ہو۔ بس اس کا زندہ رہنا ضروری ہے۔" میرا خیال سن کر جلال نے کہا۔

جلال سے ہونے والی گفتگو کی روشنی میں' میں چوپڑا سے نئے انداز میں بات کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

چوپڑا پلنگ پر آنکھیں مُوندے لیٹا ہوا تھا اور اس کے دہانے سے کراہوں کی ہلکی ہلکی آوازیں برآمد ہو رہی تھیں جیسے اس کی ہڈیاں دکھ رہی ہوں۔ میرے آواز دینے پر بھی اس کی غنودہ آنکھیں نہیں کھلیں تو میں نے بڑھ کر اسے جھنجوڑ دیا۔ وہ خوف زدہ آوازیں نکالتا ہوا' ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا۔

"اب کیا ہوا..... دوبارہ کیوں آئے ہو؟" اس نے خوف زدہ نظروں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جو کچھ اپنے دل میں لیے بیٹھے ہو۔ اگل دو۔ تمہارے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اب کون سی بات رہ گئی ہے۔ میں کہہ رہا ہوں کہ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ کہیں اور جاؤ۔ بلیک کیٹس کے بارے میں تمہیں مجھ سے کچھ معلوم نہیں ہو سکتا۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم نے اپنی پنچایت کا ذکر کیا تھا!" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں' کیا تھا۔ وہ ملے جلنے والے لوگ ہیں۔ شاید کوئی کچھ جانتا ہو۔"

"تم ان میں سے کس کس کو جانتے ہو۔" میں دھیرے دھیرے اسے راہ پر لانا چاہ رہا تھا۔

"میں وہاں آتا جاتا رہتا تھا۔ سب کو جانتا تھا مگر میری کسی سے دوستی نہیں تھی۔" اس نے قدرے خاموشی کے بعد جواب دیا۔

"سوبھراج کے نام سے کس حد تک واقف ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر پوچھا۔

اس کے چہرے پر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا "وہ ان میں سب سے زیادہ عزت والا سمجھا جاتا ہے۔"

"اس کے دھندے کیا ہیں؟"

"پتا نہیں لیکن وہ بہت خوش حال آدمی ہے دوسروں کے کام آتا ہے۔"

"کچھ عرصہ پہلے اس کی کوئی کار چوری ہو گئی تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے نہیں پتا۔ تم بلاوجہ مجھے اِدھر اُدھر کی باتوں سے تھکا رہے ہو مجھ پر رحم کرو اور میرا پیچھا چھوڑ دو۔ اس پر شبہ کر رہے ہو تو جا کر اس سے مل لو۔ وہ بہت ملنسار اور کھلے دل کا آدمی ہے۔"

وہ کام کی بات تھی۔ میں گھما پھرا کر اس سے یہی پوچھنا چاہ رہا تھا کہ سوبھراج سے براہِ راست ملاقات کے کیا امکانات تھے۔ اس نے ازخود اس بات کا جواب دے کر میرا کام آسان کر دیا تھا۔

"کل تمہارا ریمانڈ ختم ہو رہا ہے۔ مجسٹریٹ کے سامنے جانے کی تیاری کر لینا۔" مجھے واپسی کے موڈ میں پا کر جلال نے اس سے کہا۔

"بس اب مجھے جیل بھیج دینا۔" وہ کراہا "یہاں میں سسک سسک کر مر جاؤں گا۔"

"عجیب آدمی ہو!" میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا "کبھی موت کی آرزو کرنے لگتے ہو اور اب موت سے ڈر رہے ہو۔"

"میں اس زندگی سے عاجز آگیا ہوں۔ یہاں دن کا پتا چلتا ہے نہ رات کا۔ ہر وقت یہ در و دیوار مجھے ڈراتے رہتے ہیں۔ جب ذرا سا سکون ہوتا ہے تو تم آجاتے ہو۔"

وہ اپنی زندگی سے بڑی حد تک مایوس ہو کر بے زاری کے عالم میں وہاں پڑا تھا۔ ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ کر وہاں سے نکل آئے۔

ہم دوبارہ دفتر میں پہنچے تو میز پر ایک رقعہ جلال کا منتظر تھا۔

"اطلاع ملی ہے کہ سی نائین سے دستی بموں' گولیوں اور میگزین کے پیکٹوں کے سوا پولیس کو ایسی کوئی چیز نہیں مل سکی جو وہاں موجود نامعلوم افراد کی نشان دہی کر سکے۔" جلال نے وہ رقعہ پڑھتے ہوئے مجھے بتانا شروع کر دیا "چوکیداروں نے ایک گورے مہمان کی آمد کی اطلاع دی۔ بعد میں انہوں نے بن کی لاش کو پہچان لیا۔"

"یہ پتا نہیں چل سکا کہ بن کو سی نائین میں کس کی اجازت سے ٹھہرایا گیا تھا۔" میں نے پوچھا "نیلی ڈاج کے مالک کی طرح بن کا میزبان بھی اہم ثابت ہو سکتا ہے۔"

"دوسری عمارتوں کی طرح سی نائین کے سب فلور بھی دو ماہ سے کرایے پر تھے۔ کبھی کبھار کوئی غیر ملکی اپنی چابی لے کر وہاں آتا تھا اور تھوڑی دیر کے لیے رک کر چلا جاتا تھا۔"

جلال نے وہ رقعہ موڑ کر ایک طرف ڈال دیا۔
"کیا یہ باتیں تمہیں قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہیں؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔
"چوکیداروں کو اس بارے میں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔"
"انہوں نے اول خان کے آدمیوں کو بتایا تھا کہ عمارت کے مالک کے بھانجے کو عمارت کی فروخت یا کرایہ داری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"
"جب عمارت کرایے پر اٹھی ہوئی تھی تو وہ کچھ بھی کہہ سکتے تھے۔ انہیں کسی کو منہ لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔"
"پھر بھی وہ لڑکا کچھ نہ کچھ جانتا ہوگا۔" میں نے توقع ظاہر کی۔
"بن ڈیوڈ کے مرجانے کے بعد یہ سب باتیں بے سود ہو گئی ہیں۔ رہی رسمی کارروائیاں تو وہ فائل کا پیٹ بھرنے کے لیے چلتی رہیں گی۔"
بن ڈیوڈ کو زیر کرلینے کے بعد ہم لوگ سی نائین سے بہت تیزی کے ساتھ فرار ہوئے تھے۔ بارودی مقابلے میں گرما گرمی کی شاید کسی کو یہ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا تھا کہ وہاں کیا ہوا تھا۔ رہ جانے والی چند باتیں اس وقت جلال کے ذریعے معلوم ہو گئیں تھیں جن سے بن کی آخری تیاری کی صورت حال خاصی حد تک واضح ہو گئی تھی۔
"کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ ہمارے کسی محبِ وطن رہنما نے یہاں اسپیشل ٹاسک فورس نہ بنائی ہوتی تو یہاں ہر طرف بین الاقوامی دہشت گرد دندناتے پھر رہے ہوتے۔"
میں اپنے دل میں پیدا ہونے والا ایک خیال سیدھے سادے الفاظ میں زبان پر لے آیا۔
"یہ خام خیالی ہے۔" جلال نے نرمی سے میری تردید کی۔ "جب ایس ٹی ایف کا وجود نہیں تھا تب بھی ایسی نوبت نہیں آئی تھی۔ اب وہ میدان میں ہیں تو ہم بہت سے معاملات ان کے لیے چھوڑ دیتے ہیں اور وہ خاموشی سے آگے بڑھ کر اپنی ذمہ داری پوری کر لیتے ہیں۔"
"فرق وہی ہے کہ وہ آزاد ہیں اور دوسری ایجنسیاں ضابطوں میں بندھی ہوئی ہیں۔"
"عام طور پر کہا اور سمجھا جاتا ہے مگر میری نپی تلی رائے ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ بس حدیں مختلف ہیں۔ اول خان والی فورس مطلق العنان نہیں ہے۔ کہیں نہ کہیں وہ بھی کسی نہ کسی کو جواب دہ ہیں۔ مکمل آزادی اور خودمختاری محض ایک تصوراتی بات ہے جس کا حقیقت کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا "تمہارے اس تجزیے نے میری ایک بھول دور کردی ہے۔"
"تم نے چوپڑا سے سوبھراج کے بارے میں کچھ مخصوص سوالات کیے ہیں۔ اس بارے میں تمہارا کیا ارادہ ہے؟"
"تم دیکھ لو کہ اپنے طور پر کیا کر سکتے ہو۔ اس کو دیکھنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ ایک بار میں خود بھی اس سے مل لوں۔"
"براہِ راست اس سے ملنا بے سود رہے گا۔ تم کھل کر اس سے بات نہیں کر سکو گے اور بلاوجہ اس کی نظروں میں آ جاؤ گے۔"
"فی الحال اس بات ... کو یہیں چھوڑ دو۔ میں سوچ کر بتاؤں گا۔"
میں جلال کی گاڑی سے صدف مینشن آیا تھا۔ وہ اپنے

سردار رنجیت سنگھ اور سردار سنگیت سنگھ کسی فلم کا میٹنی شو دیکھنے گئے۔ شام کو فلم ختم ہوئی تو غروب ہوتے ہوئے آفتاب کو دیکھ کر سردار رنجیت سنگھ نے کہا "یار، شام ہو گئی" سردار سنگیت سنگھ نے کہا "احمق ہوئے ہو۔ صبح کو شام بتا رہے ہو۔ دیکھتے نہیں، سورج طلوع ہو رہا ہے۔"
دونوں میں جھگڑا بڑھا۔ گالی گلوچ تک نوبت پہنچی۔ قریب تھا کہ کرپانیں باہر نکل آئیں اور دونوں ایک دوسرے کو ختم کردیں کہ اچانک ادھر سے گزرتے ہوئے سردار اجیت سنگھ ان کے درمیان میں آگئے اور ان سے لڑنے کا سبب پوچھا۔
سردار رنجیت سنگھ اور سردار سنگیت سنگھ نے بیک زبان کہا "آپ ہمارے جھگڑے کا فیصلہ کردیجیے۔ ذرا غور سے سورج کی طرف دیکھ کر بتایئے کہ وہ غروب ہو رہا ہے یا طلوع ہو رہا ہے؟"
سردار اجیت سنگھ آہ بھر کر بولے "بھائیو۔ یہ بات تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ میں تمہارے شہر میں پردیسی ہوں۔ آج ہی آیا ہوں۔"

آدمی کے ساتھ مجھے گھر بھجوانے پر مصر تھا مگر میں نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔ اس وقت میرے لیے ٹیکسی زیادہ بہتر تھی۔

میں گھر پہنچا تو وہاں طے شدہ تبدیلیاں روبہ عمل آچکی تھیں۔ اسٹرائیک یونٹ کا عملہ اسٹیشن فوراً واپس جا چکا تھا۔ اول خان اپنی تمام تر خوش مزاجی کے ساتھ ہمارے ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ ویرا نے بتایا کہ اس کے دونوں آدمی اپنا مختصر اسباب لے کر چھت والے اکلوتے کمرے میں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے نچلی منزل سے رابطے کے لیے بٹن کے ساتھ ایک برقی گھنٹی جوڑلی تھی۔

چوپڑا سے پوچھ گچھ کی تجویز غزالہ کی تھی۔ اسے فطری طور پر تجسّس تھا کہ میں صدف مینشن سے کیا خبر لے کر آیا تھا۔ میں نے چوپڑا سے ہونے والی گفتگو کا احوال ان چاروں کو سنا دیا۔

”یہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ نیلی ڈاج اوپن لیٹر کی گاڑی ہوگی یا پھر کہیں سے چرائی گئی ہوگی۔“ میرے خاموش ہوتے ہی ویرا بول پڑی۔

”یہ ایک اہم پیش رفت ہے سوبھراج بظاہر تائب ہو گیا ہے لیکن اس کے نام پر آج بھی جرائم ہوتے ہیں۔“ اول خان بولا۔

”پھر وہ آزاد کیسے ہے۔ معزز کیوں کہلاتا ہے؟“ ویرا نے ترشی سے پوچھا۔

”جب تک رنگے ہاتھوں نہ پکڑا جائے، ہر مجرم معزز بنا رہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کے نام سے دوسرے لوگ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔“

”یہ بات اس کو عدالت میں ثابت کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔“

”ہمارا قانون مختلف ہے۔ ہمیں اس کے خلاف جرائم ثابت کرنے ہوں گے اور ہم ثبوت سے محروم ہیں۔“

”پھر یہ کون سی اہم پیش رفت ہوئی؟“ ویرا منہ بنا کر بولی۔

”کم از کم ایک نیا نام ہمارے سامنے آیا ہے جو مشکوک بھی ہے۔“ غزالہ نے کہا۔

”مشکوک ہونے سے کیا ہوتا ہے جب اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے تو ہم اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔“ ویرا نے پوچھا۔

”ہم لوگوں نے کئی مرتبہ موہوم شبہات کی بنیاد پر کام کر کے بڑی کامیابی حاصل کی ہیں۔ سوبھراج کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔“ سلطان شاہ بولا۔

”تو کیا اب ہم سب کچھ بھول کر سوبھراج کے پیچھے لگ جائیں گے؟“ ویرا نے مجھ سے سوال کیا۔

”اس وقت تم کسی بات سے چڑی ہوئی ہو یا پھر تمہارا ذہن کام نہیں کر رہا۔ تم بہک رہی ہو۔“ میں نے کہا۔

”میں نہیں بہک رہی۔ تمہاری کوئی بات واضح نہیں ہے۔“

”اس وقت ہمیں صرف بلیک کیٹس کی تلاش ہے۔ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس سوال پر سوبھراج بہتر انداز میں روشنی ڈال سکے۔“

ویرا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ”اب تم لائن پر آئے ہو۔ بلیک کیٹس موقع پاتے ہی ہم پر وار کریں گے۔ بلکہ ان کا زیادہ زور تم پر ہے۔“

”مجھے اس کا احساس ہے۔“ ویرا کو جواب دے کر میں اول خان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ”کیوں نہ میں ٹام یا نک سے بات کر لوں۔“

”کل رات ٹام سے بات کر کے کیا ملا تھا جو اب مل جائے گا۔“ اس نے پوچھا۔

”پچھلی رات وہ ڈینی سے بات کر رہا تھا اس لیے بھڑکا ہوا تھا۔ بن کے غیر متوقع انجام نے بھی اس کے اعصاب کو متاثر کیا تھا۔ اس وقت میں کرنل داور بن کر اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ”انہیں سرکاری صفوں میں اس وقت اپنے کسی ہمدرد کی شدید ضرورت ہے۔“

”کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”تم کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے؟“ میں نے جان بوجھ کر ویرا سے پوچھا۔

مجھے ویرا کی طرف سے کسی ترش جواب کی توقع تھی لیکن اس نے رسانیت سے کہا ”کچھ نہ کرنے سے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا بہتر ہوتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ بن ڈیوڈ کی ہلاکت کے بعد وہ مشکل ہی سے کسی پر بھروسا کریں گے۔ اس وقت وہ اپنے سائے سے بھی بھڑک رہے ہوں گے۔“

وہ صحیح سمت میں سوچ رہی تھی۔ پچھلی رات بن کے مخصوص اپریٹس پر ٹام سے بات کرتے ہوئے میں نے اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ بن میرا یعنی ڈینی کا قیدی تھا مگر اس نے میری بات تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے کھل کر کہہ دیا تھا کہ مجھے پاکستان کی سرکاری ایجنسیوں نے

پالا ہوا تھا۔ ٹیپ کا وہ بند اکثر امریکی دہراتے رہتے تھے۔
ہماری تحویل میں دو سی ایس ڈیز آچکی تھیں۔ ایک ہمارے گھر میں نصب تھی دوسری اول خان کے دفتر میں کام کر رہی تھی۔ غزالہ نے کمرے میں موجود سی ایس ڈی آن ہونے کی تصدیق کی اور میں نے اسپیکر فون پر نک کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔
میرے لیے وہ دونوں ہی میرے خون کے پیاسے تھے اور پہلی فرصت میں مجھے موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتے تھے مگر پھر بھی میں ایف بی آئی کے نک ہاروے سے بات کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ وہ ٹام کے مقابلے میں خوش مزاج اور معاملہ فہم واقع ہوا تھا۔
وہ دفتری اوقات تھے اور اصولی طور پر انہیں اپنے دفتر ہی میں ہونا چاہیے تھا مگر میں نے یہ سوچ کر ان کا رہائشی نمبر ملایا تھا کہ وہ دونوں بن کی موت کے صدمے میں اپنے گھر پر ہی ہوں گے۔ فون کی پہلی گھنٹی پر میرے اندازے کی تصدیق ہوگئی۔
ریسیور میں نک کی مہذب ہیلو سنائی دی تھی۔ میں نے بدلی ہوئی مخصوص آواز میں کہا ”نک میں کرنل بول رہا ہوں۔“
”کرنل! آج میرے لیے اداسیوں کا دن ہے مگر تمہاری آواز سن کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔“
”کیوں؟“ میں نے حیرت ظاہر کی ”تم اداس کیوں ہو؟“
”تم یقین کرو کہ بن ڈیوڈ سے مجھے ذرا بھی ہمدردی نہیں تھی نہ میں اسے پاکستان لایا تھا مگر وہ امریکی تھا۔ اس کی بے رحمانہ موت سے مجھے صدمہ ہوا ہے۔“
”امریکی سے زیادہ وہ ایک انسان تھا۔ ایک انسان کی موت پر دوسروں کو دکھ ہوا ہی کرتا ہے۔“ میں نے اس سے زیادہ لفاظی اور فراخ دلی کا مظاہرہ ضروری سمجھا۔
”اس وقت تم منافقت سے کام لے رہے ہو۔ تم لوگ پوری قوت سے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ تمہاری کوششیں رنگ لائیں اور وہ مارا گیا۔“
”وہ مارا نہیں گیا۔ سارے شواہد اس کی خودکشی کے ہیں۔ اس کو پکڑنے میں ہمارا ہاتھ نہیں تھا۔“ میں نے محتاط لب و لہجے میں کہا۔
”قتل ہو یا خودکشی۔ یہ بات بعد میں صاف ہوگی۔ اس لمحے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ تم نے مجھے دفتر کے بجائے گھر کیوں فون کیا ہے؟“

گھر جیسا

ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر پر پہنچ کر ایک صاحب نے پوچھا ”آپ کا ہوٹل کیسا ہے؟“
”بہترین .... جناب!“ استقبالیہ کلرک نے فخر سے کہا ”آپ یہاں قیام کریں گے تو بالکل یہی محسوس کریں گے جیسے اپنے گھر میں ہیں۔“
”میں لعنت بھیجتا ہوں ایسے ہوٹل پر....“
مہمان نے کہا اور اپنا سوٹ کیس اٹھا کر رخصت ہوگیا۔

”میں کسی کے الفاظ پر نہیں جاتا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اپنے ہم وطن کے لیے تمہارے دل میں نرم گوشہ موجود تھا۔ اس کی موت کے غم میں تم گھر پر ہوگے۔“
”مجھ پر طنز مت کرو۔ یہی وقت تم پر بھی آسکتا ہے۔ ڈینی کب تک چھپتا رہے گا۔ اس کی موت پر تم میں سے کسی کو خوشی نہیں ہوگی۔“
مجھے اندازہ تھا کہ وہ بن کے قتل کے سلسلے میں میرا نام نہیں لے گا۔ میں نے سرسری لہجے میں کہا ”ڈینی لوگوں کو فون کر کے دعوے کر رہا ہے کہ بن کو اس نے گھیر کر بے بس کیا تھا۔“
”اس کا دماغ الٹ گیا ہے۔ اس کی یہ شیخیاں بہت جلد اسے لے ڈوبیں گی۔“ وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کا لہجہ زہریلا ہوگیا۔ ”اب اس کا انجام قریب آگیا ہے۔“
اس نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے رات کو ٹام سے بات کی تھی۔ شاید وہ اس اعتراف میں اپنی سبکی محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اس بارے میں مزید کوئی بات کرنے کی ضرورت محسوس کیے بغیر جواب دیا ”اگر یہ بات درست ہے کہ اس نے بن کو گھیرا یا مارا ہے تو اب اسے لگام لگانے کی ضرورت ہے۔ وہ اپنی حدود سے تجاوز کر کے ہمارے کاموں میں دخل انداز ہو رہا ہے۔“
”یہ تمہارے دل کی آواز نہیں ہوسکتی۔ تم مجھے فریب دے رہے ہو۔“ نک کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔
”نک! یہ فریب نہیں۔ سیدھی سی عام فہم بات ہے۔

ایک فرد کی وجہ سے دو ریاستوں کے تعلقات کو نہیں بگاڑا جا سکتا۔ اسی بنیاد پر ہم تم سے بن کے بارے میں الجھ رہے تھے۔ افراد آتے جاتے رہتے ہیں۔ ریاستیں صدیوں قائم رہتی ہیں۔ ان کے مراسم میں بگاڑ پیدا نہیں ہونا چاہیے۔"

"اگر صرف اتنی ہی بات ہے تو مجھے حیرت ہے کہ میں تمہارا مدعا کیوں نہیں سمجھ سکا۔ ہم کو ڈینی اور بن کے تبادلے پر کوئی سمجھوتا کرلینا چاہیے تھا۔"

"یہ تجویز تمہاری طرف سے آسکتی تھی۔ میرا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا۔" میں نے مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔ بن کو مفت میں گنوا دینے کے بعد اس احمق کو تبادلے کی تجویز سوجھ رہی تھی جو اس کے ذہن میں چھپے ہوئے خوف اور احساسِ شکست کی عکاسی کررہی تھی۔

"تم اسے لگام دینے کی ضرورت کیوں محسوس کررہے ہو۔" وہ دوبارہ میری کہی ہوئی بات پر لوٹ آیا۔

"آج اس نے بن پر ہاتھ ڈالا ہے۔ کل وہ تمہارے اور ٹام کے پیچھے لگ سکتا ہے۔" میں نے اسے خوف زدہ کرنے کی کوشش کی "اسے روکنا ضروری ہوگیا ہے۔"

"میں نے بھی کئی بار اس بارے میں سوچا ہے۔ ماضی میں ہمارے کئی آدمی اس کی بھینٹ چڑھے ہیں۔"

"کچھ ان کی اپنی غلطیاں بھی رہی تھیں۔ سب کچھ ڈینی کے سر پر نہیں ڈالا جاسکتا۔ ماضی میں الجھنے سے بہتر یہ ہوگا کہ ہم آنے والے مستقبل کی بات کریں۔"

"برا نہ مانو تو میں کھل کر ایک سوال کرلوں۔" نک کی آواز میں جھجک تھی۔

"اس وقت میں تم سے کھلے دل سے بات کررہا ہوں۔ جو چاہو، پوچھ سکتے ہو۔" میں نے جان بوجھ کر اس کی رسی دراز کر دی۔

"یہ باتیں تم اپنی ذاتی حیثیت میں کررہے ہو یا ڈینی کے بارے میں ایس ٹی ایف کی پالیسی میں کچھ تبدیلی آئی ہے؟"

"تم سے باتیں کرتے ہوئے ابھی ابھی یہ خیال میرے ذہن میں آیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرے اس ذاتی نظریے کو میری فورس میں پذیرائی ملے گی۔"

"میری مانو تو اپنے اس نظریے کو اپنی ذات تک محدود رکھو۔ اس کی تشہیر نہ کرو۔ بھیڑ میں ہر خیال اور نظریہ گم ہو کر رہ جاتا ہے۔"

"پھر اس سے کیا فائدہ ہوگا؟" میں نے انجان بن کر پوچھا "میرے دل کی بات دل ہی میں رہ جائے گی۔"

"یہ برباد ہونے سے بچ جائے گی۔ ٹھنڈے دل سے میری پیشکش پر غور کرو۔ وہ اب بھی برقرار ہے۔"

"یعنی ایس ٹی ایف چھوڑ کر ایف بی آئی میں شمولیت اختیار کرلوں؟"

"ایف بی آئی یا سی آئی اے۔ تمہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کی آزادی ہوگی؟"

"نہیں نک! میں اپنی زمین سے سارے رابطے نہیں توڑ سکتا۔ میری فطرت کچھ اور ہے۔ میرے لیے تمہاری تجویز پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔"

"تم بہت ضدی آدمی ہو۔" اس کی آواز کے ساتھ ایک گہرے سانس کے آواز آئی جیسے وہ کسی اعصابی دباؤ میں مبتلا رہا ہو۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "یہ ممکن نہیں تو پھر ایس ٹی ایف میں اپنی جگہ پر رہتے ہوئے ہمارے ساتھ کام کرنے کے بارے میں سوچو۔"

بات اسی نکتے پر آگئی تھی۔ انہیں سرکاری صفوں میں اپنے کسی ہمدرد کی تلاش تھی۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ میرے خلاف میری ہی مدد کا طلب گار تھا۔ اس وقت تک اس نے بلیک کیٹس یا کسی اور فریق کے بارے میں کوئی بات نہیں کہی تھی۔ لیکن میں نے بہت سرعت کے ساتھ گھر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

اگر مجھے ان کے پیٹ میں گھس کر کام کرنے کا موقع مل رہا تھا تو مجھے اپنے مفاد کی خاطر اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔

ایک امکان یہ تھا کہ شاید بلیک کیٹس نے ہمارا گھر دیکھ لیا تھا۔ کرنل داور کی حیثیت سے میرا اس گھر میں رہنا سہنا ناقابلِ تلافی پیچیدگیوں کو جنم دے سکتا تھا۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ نقصان دہ بات یہ تھی کہ چائے کے سروے کے لیے آنے والی لڑکی اس گھر میں مجھے اور رویرا کو یکجا دیکھ چکی تھی۔ میں نے عارضی طور پر اسے نظر انداز کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ ان لوگوں کے نیٹ ورک میں اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ مجھے ابتدا سے یقین تھا کہ اس کی عارضی خدمات بھاری معاوضے پر حاصل کی گئی ہوں گی اور ناکام سروے کے بعد اس سے قطع تعلق کرلیا گیا ہوگا۔

اگر میرے خدوخال اس لڑکی کے ذہن میں محفوظ رہ گئے تھے تب بھی یہ خدشہ نہیں تھا کہ وہ دوبارہ میرے دشمنوں سے ملنے میں کامیاب ہوسکے گی۔

کسی بھی شناخت کے خطرے سے بچ کر کرنل داور کا بہروپ نبھانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں گھر کو خیرباد کہہ کر اسٹیشن فور منتقل ہوجاؤں۔ ہر طرف سے میدان صاف

ہونے کے بعد میں اپنی سہولت کے مطابق دوبارہ اپنے معمول کی طرف لوٹ سکتا تھا۔
"کیا یہ ایس ٹی ایف سے غداری نہیں ہو گی؟" میں نے دانستہ کچھ وقفہ دے کر سوال کیا۔
"غداری کی کوئی آفاقی حقیقت نہیں ہوتی۔ میری نظروں میں اپنے ضمیر کے خلاف کام کرنا غداری کے زمرے میں آتا ہے۔ خدا خدا کرے تم اب ڈینی کی بے راہ روی سے تنگ آئے ہو تو ان باتوں کو چھوڑ دو اور اپنے ضمیر کے مطابق کام کرو۔ ہمارے ہاتھ مضبوط کرو۔ باقی کام ہم خود پورا کرلیں گے۔"
"تم ڈینی کو مار کر اس سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پانا چاہتے ہو۔ یہ میری خواہش نہیں ہے۔" میری کمزور آواز میں خود بہ خود تھوڑی سی لچک آ گئی۔
"میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کرتا مگر ہم اسے زندہ پکڑنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ تم یقین کرو کہ اس پر امریکا کی کسی عدالت میں مقدمہ چلا کر سزایاب کرانا میرا سب سے بڑا خواب ہے۔ میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو گی کہ وہ اپنی عمر کا باقی حصہ کسی امریکی جیل میں گزار دے۔ اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری کا انحصار خود اس کے رویے پر ہو گا۔ اس نے ضرورت سے زیادہ بے جگری کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تو بے موت مارا جائے گا۔ یہ بات تم بھی سمجھتے ہو۔ تم خود پیشہ ور لڑاکا رہے ہو۔"
"دیکھو! میں اس بارے میں سوچوں گا۔" میں نے پُر تشویش آواز میں کہا۔
"تم نے سوچنے میں بہت وقت برباد کر دیا۔ اب دل پر پتھر رکھ کر فیصلہ کر ڈالو۔ ڈینی کی چیرہ دستیاں بہت بڑھ چکی ہیں۔ وہ ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے۔" اس نے اپنا دباؤ بڑھا دیا۔
میں نے باری باری اول خان اور رویرا کی طرف دیکھا۔ دونوں کے سر زور زور سے اثبات میں ہلنے لگے۔ بن کو مار کر ہم جس بند گلی میں پہنچ گئے تھے۔ اس سے نکلنے کی ایک راہ بنتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ دونوں اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے بے چین نظر آ رہے تھے۔
"دیکھو نک۔ میں ایس ٹی ایف کے پورے لشکر کے ساتھ کام کرنے کا عادی ہوں۔ تم کُل دو آدمی ہو۔ ڈینی کو پکڑنے کے لیے تمہارے پاس کوئی نیٹ ورک نہیں ہے۔" میں نے مزاحمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "تمہارے ساتھ مل کر میں اپنی مٹی بھی پلید کرا لوں گا۔"
"ایک بار تم رضامندی ظاہر کر دو۔ تم کو نیٹ ورک بھی مل جائے گا۔" اس کی آواز سے بے تابی جھلکنے لگی۔
"تم کو معلوم ہے ڈینی غیر ملکی ایجنٹوں سے زیادہ غدار پاکستانیوں کا دشمن ہے۔ وہ مجھے اسی صف میں تصور کرے گا۔ کہیں تم سے پہلے میری باری نہ آ جائے۔"
"تم پس پشت رہ کر کمان کرو گے۔ کام کرنے والے دوسرے لوگ ہوں گے۔" میرا تذبذب بھانپ کر وہ اپنے طریقہ کار کی وضاحت کرنے لگا۔ "تم بدستور ایس ٹی ایف کے افسر رہو گے۔ ہم تم سے کوئی رابطہ نہیں رکھیں گے۔ تم اپنی سہولت کے مطابق، جب چاہو گے، مجھ سے بات کر سکو گے۔ میں تمہیں ایک سٹیلائٹ فون کا نمبر دے دوں گا۔ وہ کام کا آدمی ہر وقت تمہاری دسترس میں ہو گا۔"
"مجھے وقت درکار ہے..... میرا دل ڈر رہا ہے۔" میں نے اپنی مزاحمت جاری رکھی۔
"میں سمجھ رہا ہوں۔ یہ بہت بڑا فیصلہ ہے۔ تم اپنی سلامتی کی طرف سے متفکر ہو لیکن یہ سمجھ لو کہ بڑے فیصلوں کا موقع زندگی میں بار بار نہیں ملتا۔ یہ فیصلہ کر کے تم اپنی توقع سے کہیں زیادہ حاصل کر لو گے۔"
"مجھے اپنے نیٹ ورک کے بارے میں بتاؤ۔ یہ ڈینی کو پکڑنے میں اب تک ناکام کیوں ہے؟" میں نے اس سے چبھتی ہوئی بات پوچھ لی۔
"میں اپنے رسک پر پہلے ہی تمہیں بہت کچھ بتا چکا ہوں۔ اس سے آگے زبان نہیں کھول سکتا۔ ہمارے نیٹ ورک کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ تصویر ہے نہ آواز نہ فنگر پرنٹس۔ وہ سامنے آیا بھی ہو گا تو پہچانا نہیں گیا۔ اس کے بارے میں ہر طرف مکمل بلیک آؤٹ ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملتی۔"
"اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ تم اس کی شناخت اور خبروں کے حصول کے لیے مجھے استعمال کرنا چاہتے ہو۔"
وہ اس وقت بہت محتاط اور پُرجوش تھا۔ میری زبان سے استعمال کرنے کا تذکرہ سنتے ہی ہیجان زدہ آواز میں بولا "یہ تمہارے تحفظ کے لیے میری تجویز ہے۔ تم خود اس کو گھیر کر پکڑنا چاہو تو تمہیں اس کی پوری آزادی حاصل ہو گی۔ ہم میں سے کوئی تمہاری راہ نہیں روکے گا۔"
"سٹیلائٹ فون والا کام کا آدمی کون ہے؟" میں نے پھر ایک ٹیڑھا سوال کر دیا۔
"مقامی ہے اور ہمارے اعتماد کا آدمی ہے۔" وہ ضرورت سے زیادہ بتانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"تم نے میرے انکار کی ساری راہیں مسدود کر دی ہیں۔ اب بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہو گا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"ونڈر فُل!" اس کی بے ساختہ آواز آئی "کرنل تم گریٹ ہو۔"

"یہ فیصلہ آنے والا وقت کرے گا کہ کون کیا ہے۔ بہرحال اب میں محدود انداز میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"تم کو اندازہ نہیں ہے کہ تم نے کتنا بڑا فیصلہ کیا ہے۔ ورجینیا اور واشنگٹن میں ایس ٹی ایف کو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ارکان مر سکتے ہیں' ٹوٹ نہیں سکتے۔ تم نے اپنے ضمیر کی آواز پر چل کر ان سب کے لیے ایک نئی راہ کھول دی ہے۔ یہ نئی رفاقت تم کو مبارک ہو۔"

"یہ اندازہ مجھے بھی ہے کہ میں نے ایس ٹی ایف کی روایات سے بغاوت کی ہے۔"

"میں نے پہلی ملاقات میں ہی تمہارے بارے میں اچھی رائے قائم کی تھی جو اس وقت درست ثابت ہو رہی ہے۔"

"یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ یہ بتاؤ کہ اب کام کی ابتدا کب اور کیسے ہو گی؟" میں نے کہا۔

"آج شام سات بجے ہوٹل پہنچ جاؤ۔" اس نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل کا نام لے کر کہا "وہاں کا منیجر میرا آدمی ہے۔ وہ تمہیں کوبرا سے ملائے گا۔"

"یہ کوبرا کون ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر تحیر زدہ آواز میں پوچھا۔

"یہ وہی سٹیلائٹ فون والا مقامی ہے۔ حفاظتی وجوہ کی بنا پر وہ نقاب پہنتا ہے....."

"تو کیا میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکوں گا؟" میں نے اکھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ وہ بہت عزت دار آدمی ہے۔ کسی کے سامنے نہیں آ سکتا۔" نک کی آواز میں التجا تھی۔

"میں بھی عزت دار ہوں۔ وہاں دونوں ایک حمام میں ننگے ہوں گے پھر پردہ کیسا۔ میں کسی نقابِ پوش سے نہیں ملوں گا۔"

"تم بلاوجہ ناراض ہو رہے ہو۔ اس کی مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اسے یہیں جینا مرنا ہے۔ اپنی عزت اور ساکھ کو داؤ پر نہیں لگا سکتا۔" ہوٹل کا نام اور نک کے گرگے کا عہدہ کا معلوم ہو جانے کے بعد میں اپنی بات پر اڑ گیا تھا۔ وہ نک کے لیے بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔

"نہیں نک۔ میرے لیے نقاب پوش سے ملنا باعث ہتک ہے۔ وہ تم سے بڑا نہیں ہو سکتا۔ جب تم میرے سامنے آ سکتے ہو تو اسے کیا عذر ہے!"

"مجھے سفارتی تحفظ حاصل ہے۔ وہ عام مقامی شہری ہے۔ تم جان بوجھ کر کیوں انجان بن رہے ہو۔" نک کی آواز میں بے بسی اتر آئی۔

اول خان میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ زور زور سے ہاتھ لہرا کر مجھے اپنے بدلے ہوئے رویے سے باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ویرا کے چہرے سے بھی ناگواری کے اثرات مترشح تھے۔ کچھ دیر پہلے تک میرا یہی خیال تھا کہ میں نک کا اعتماد حاصل کر کے ایک بڑی کامیابی کے قریب پہنچنے والا تھا لیکن نقاب پوش کوبرا کا ذکر سنتے ہی میری کھوپڑی سنک گئی تھی۔

"سفارتی تحفظ سے کچھ نہیں بنتا' نہ بگڑتا ہے۔ یہ سراسر اعتماد کا معاملہ ہے۔ جو شخص اپنی شناخت کے معاملے میں مجھ پر بھروسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے' میں اس کے سامنے خود کو کیسے بے نقاب کر سکتا ہوں۔ وہ کسی وقت بھی غائب ہو کر مجھے بے موت مروا دے گا اور میں صرف کوبرا' کوبرا کرتا رہ جاؤں گا۔"

"تم پر کوئی برا وقت آیا تو تم مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔" اس نے یقین دلایا۔

"مجھے بے اختیار ٹام کے الفاظ یاد آ گئے۔ اس نے بن کی زبان سے اس کے عبرت ناک اور متوقع انجام کے بارے میں سن کر روکھے لہجے میں اس کی عظمت کو سات سلام کرتے ہوئے گڈلک کہا تھا اور لائن سے غائب ہو گیا تھا۔ اس نے ان بدترین لمحات میں گڈلک کے اظہار پر بن کا شکوہ سننے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔

میں نے ٹام کے وہ الفاظ ڈپنی بن کرنے تھے۔ میں کرنل داور کے روپ میں نک کے سامنے وہ سب نہیں دہرا سکتا تھا۔ میں نے تلخی سے کہا "مجھے معلوم ہے کہ تم کہاں تک میرا ساتھ دو گے۔ دلدل آتے ہی مجھے دھنستا ہوا چھوڑ کر' اپنی سفارتی مراعات کی آڑ میں کنارہ کشی اختیار کر لو گے۔ اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ تم مجھے کسی نقاب پوش کوبرا کے حوالے کر دو گے تو میں ہرگز تمہارے ساتھ تعاون پر آمادہ نہ ہوتا۔ اب مجھے دکھ ہو رہا ہے کہ میں نے تم اسے اقرار کر کے اپنا بھرم کیوں کھو دیا۔"

"میری نگاہوں میں اب بھی تمہارا وہی بھرم ہے۔ تم اس سے ملاقات بعد میں کر لینا۔ تم کل تک سوچ سکتے ہو۔"

وہ اپنی بگڑی ہوئی بازی کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔
میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ "میں ایک نقاب پوش سے ہرگز نہیں ملوں گا۔ تم چاہو تو مجھے اس کے سٹیلائٹ فون کا نمبر دے سکتے ہو۔ آواز کا مقابلہ آواز سے ہو سکتا ہے۔ میں اس سے بات کرلوں گا۔"
"کرنل! تم بہت چالاک ہو یا پھر حد سے زیادہ جذباتی ہو۔ میں تمہیں فون نمبر دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ وہ میری زبان سے نکل گیا اور پھر تم کسی بات پر اڑ گئے تو میں کیا کروں گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم میرے ساتھ سمجھوتا کرنے کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہو۔"
"میں چالاکی دکھانا چاہتا تو تم سے پوری بات اگلونے کے بعد آنکھیں دکھاتا۔ مجھے صرف کوبرا کے نقاب پر اعتراض ہے۔ تم اس کا نقاب اتروا دو۔ میں اس سے مل لوں گا۔" میں نے اصرار کیا۔
اچانک اسپیکر فون پر اس کا ہلکا سا قہقہہ گونجا پھر اس کی آواز آئی۔ "میں تمہاری نیت پرکھنا چاہ رہا تھا۔ جواب کھل کر میرے سامنے آگیا۔ کوبرا کسی کا نام ہے اور نہ میں کسی نقاب پوش کو جانتا ہوں۔"
"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔
اس کی کھوکھلی آواز سے سب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یکایک بات بگڑنے سے وہ بوکھلا گیا تھا اور جھوٹ بول کر کوبرا نامی پراسرار نقاب پوش کے تذکرے کو دھندلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اول خان مایوسانہ انداز میں اپنا سر جھکا کر دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ چکا تھا۔
"اس وقت میں نے یہ اندازہ لگا لیا ہے کہ تم ہمیشہ میرے حریف رہوگے۔ کبھی حلیف نہیں بن سکوگے۔"
"اپنی توہین اور تذلیل کے مقابلے میں، مجھے اس پر ذرا بھی ملال نہیں ہے۔" میں نے بے پرواہی سے کہا "اب تم یہ نہ کہہ بیٹھنا کہ ہوٹل کا منیجر تمہارا آدمی نہیں ہے۔ تم نقاب پوش کے ذکر سے انکار کر سکتے ہو کیونکہ اس کی کوئی شناخت نہیں ہے۔ منیجر کے بارے میں تمہاری یہ قلابازی نہیں چل سکے گی۔"
"ہوں۔" اس کی زخم خوردہ سی غراہٹ سنائی دی "تمہارے جتانے سے پہلے مجھے احساس ہو گیا تھا کہ میری کمان سے ایک غیر ضروری تیر نکل چکا ہے۔ قسمت آزمالینا۔ نتیجہ سامنے آجائے گا۔"
اسپیکر فون پر آنے والی کلک کی آواز سے سب کو اندازہ ہو گیا کہ نک نے جھلا کر ریسیور رکھ دیا تھا۔
"یہ برا ہوا۔ بہت برا ہوا۔" میں نے فون کا بٹن آف کرتے ہوئے تیزی سے کہا "جلدی سے ہوٹل کے منیجر کا نمبر تلاش کرو۔"
میرے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ ویرا بوکھلا کر ٹیلی فون ڈائریکٹری کے لیے دوڑ گئی۔ غزالہ نے گھبرا کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔
"کیا بات ہے؟ تم یکایک اتنے پریشان کیوں ہو گئے؟" اول خان نے پرتشویش لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔
"ان کی پریشانی درست ہے۔" غزالہ کی آواز سے فکر مندی جھلک رہی تھی۔ اس نے کہا "اب ہوٹل کے منیجر کی زندگی خطرے میں ہے۔ وہ اسے مار ڈالیں گے۔"
"تو کیا اسے خطرے سے آگاہ کرنے جا رہے ہو؟" اول خان نے چونک کر پوچھا۔
"نک کو غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ وہ بہت تیزی سے اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔
پھر بھی ایک کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔" اول خان نے سرعت سے ریسیور اٹھا لیا "نک کے کسی آدمی کے اس تک پہنچنے سے پہلے اسے کیوں نہ اٹھوا لیا جائے۔"
وہ بھی ایک متبادل راہ تھی مگر میرا اندازہ تھا کہ ہمارے پاس اس پر عمل کرنے کے لیے وقت نہیں تھا۔
ہمیں ہوٹل کے منیجر کے نام کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ میں اسے کتنی ہی دردمندی سے خطرے سے آگاہ کرتا، وہ ایک اجنبی کی وارننگ پر لامحالہ آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خطرے کی توثیق کے لیے فوری طور پر ہوٹل سے فرار اور پھر روپوشی کی راہ اختیار کرنے کے بجائے نک یا کوبرا سے رجوع کرتا وہ دونوں اسے کوئی غلط مشورہ دے کر اپنے چنگل میں پھانس لیتے۔ ایسی صورت میں دنیا کی کوئی طاقت اسے موت کے بے رحم ہاتھوں سے نہیں بچا سکتی تھی۔ مگر پھر بھی اسے فون پر خطرے سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ شاید وہ کسی تصدیق کے بغیر فرار کی فوری راہ اختیار کر ہی لیتا۔ ہم کسی نہ کسی طرح اس تک پہنچ سکتے تھے۔
وہ نک اور کوبرا کے رابطے اور اعتماد کا آدمی تھا۔ وہ ہمارے ہاتھ آجاتا تو ان لوگوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ نک کو شاید کوئی جسمانی نقصان نہیں پہنچتا مگر ہم کوبرا کے بارے میں اہم معلومات حاصل کر کے اس کے سحر کو تہس نہس کر سکتے تھے۔

وہ دونوں طرف سے جان کی بازی لگا دینے کا معاملہ تھا۔
ویرا کو موٹی ڈائریکٹریوں میں ہوٹل کا نمبر تلاش کرنے میں ذرا سی تاخیر ہوئی۔ اس دوران میں اول خان نے اسٹیشن فور کے ریڈیو روم کو ہدایت دے دی کہ اسٹیشن سے باہر موجود ہر یونٹ کے لیے وائرلیس پر پیغام نشر کر کے، ہوٹل سے قریب ترین موجود فرد یا پارٹی کو فوری طور پر ہوٹل پہنچنے اور پھر وہاں سے ہر قیمت پر منیجر کو اٹھا لانے کا حکم دے دیا جائے۔ اس نے اپنے ریڈیو آفیسر سے بہت مختصر اور کام کی بات کر کے فون بند کر دیا تھا۔
ویرا ہوٹل کے متعدد فون نمبروں والا صفحہ کھول کر لائی تو میں نے تیزی سے ایک نمبر ملا لیا۔ اس صفحے پر ہوٹل منیجر کا ڈائرکٹ نمبر نہیں تھا لیکن اس کا نام ارجن کمار درج تھا۔
اس کا نام پڑھ کر میرے دل میں ایک چنگاری سی سلگ اٹھی۔ اس کے نام سے اس کے مذہب کا اظہار ہوتا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ پاکستان میں رہنے، بسنے اور پیدا ہونے والے بعض تعلیم یافتہ ہندو اپنے وطن سے مخلص کیوں نہیں تھے۔
وجے، ترپاٹھی، راجو اور سیٹھی کی سازشیں میرے لیے قابل فہم تھیں۔ وہ بھارتی شہری تھے اور وہاں سے دہشت گردی کا مشن لے کر پاکستان آئے تھے۔ ہماری سرزمین پر وہ جو کچھ کر رہے تھے، وہ ان کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا لیکن پاکستان سے بغاوت کر کے، دشمنوں سے گٹھ جوڑ کرنے کا، چوپڑا اور ارجن کمار کا رویّہ میرے لیے ناقابلِ فہم تھا۔
آپریٹر کے سوال کے جواب میں، میں نے اپنا نام کرنل شاہ بتا کر ارجن کمار سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اپنے مفروضہ نام کے ساتھ کرنل کا سابقہ لگا کر میں نے آپریٹر کے لیے اہمیت کا تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اس پر میرے نام کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اس نے کوئی غیر ضروری سوال کیے بغیر، چند ثانیوں میں لائن ملا دی اور کلک کی آواز سے لائن کٹ گئی۔
میں نے جھلا کر غصے سے فون پر ہاتھ مارا۔ میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ لائن کیوں کٹ گئی تھی۔
"ٹھہرو! میں سی ایس ڈی آف کرتا ہوں۔" سلطان شاہ یہ کہتا ہوا ہمارے کمرے کی طرف دوڑ گیا۔
میں مایوسانہ انداز میں کریڈل دبا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت میرے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ سلطان شاہ نے فون کٹنے کے سبب کا بروقت اندازہ لگا کر خاصا وقت بچا لیا تھا۔ شاید اس نے اندر ابھرنے والی سی ایس ڈی کے بزر کی ہلکی سی آواز سن لی تھی۔
"آف کر دیا۔" سلطان شاہ نے کمرے سے ہی ہانک لگائی، اور میں نے دوبارہ وہی نمبر ملا لیا۔
"اوہ سر! شاید لائن ڈراپ ہو گئی تھی۔" میرا نام سنتے ہی آپریٹر نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا اور دوبارہ لائن ملا دی۔
"یس کرنل صاحب! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" سلسلہ ملتے ہی میرے کانوں میں ایک توانا اور شگفتہ آواز آئی۔
"اپنی جان کی فکر کرو۔" میں نے کسی تمہید کے بغیر عجلت میں کہا "اس وقت نک اور کوبرا یکایک تمہارے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔"
صحیح صورت حال کے اظہار کے لیے وہ مختصر ترین الفاظ ہو سکتے تھے۔ مجھے امید تھی کہ وہ میری بات سمجھ لے گا۔
"آپ کو یہ بات کیسے پتا چلی؟" منیجر کی طرف سے سوال کیا گیا۔ میری وارننگ کے نتیجے میں اس کی آواز سے ساری شگفتگی رخصت ہو گئی تھی۔
"احمق آدمی! ان سوالوں کو چھوڑو اور دفتر کے پچھلے دروازے سے نکل کر بھاگ جاؤ۔ تمہیں مارنے والے کسی بھی لمحے تم تک پہنچ سکتے ہیں۔"
لمحے بھر کے لیے لائن پر گہری خاموشی رہی پھر یکایک فون بند ہو گیا۔
میں نے نک اور کوبرا کے نام ایک ساتھ استعمال کر ڈالے تھے۔ اگر وہ ان میں سے ایک سے بھی واقف تھا تو اسے اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ میرا فون بے بنیاد نہیں تھا۔ اس نے میری پوری بات سننے کے بعد جس طرح کچھ کہے سنے بغیر فون بند کیا تھا اس سے مجھے امید ہوئی تھی کہ اس نے میری بات پر اعتبار کر لیا ہوگا۔
"ہم دونوں نے اپنا اپنا کام کر لیا۔" اول خان مجھ سے مخاطب تھا۔ "اب بتاؤ کہ نک سے بات کرتے کرتے تم اچانک کیوں بھڑک گئے تھے۔"
"نقاب کے پیچھے را کا کوئی ایجنٹ یا بلیک کیٹ بھی ہو سکتا تھا۔" میں نے جواب دیا۔
"یہ خطرہ تو نقاب کے بغیر بھی تھا۔ نک کی معرفت تم سے ملنے والا کوئی دوست نہیں ہو سکتا تھا۔" اول خان نے دلیل دی۔
"وہ طریقہ کار بہت خطرناک تھا۔ اس میں میرے بچنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوتے۔"

"پھر تم نے نک سے کسی سمجھوتے پر آمادگی کیوں ظاہر کی تھی؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"میں نے نک اور ٹام کے ساتھ مل بیٹھنے کی امید میں وہ ساری بات آگے بڑھائی تھی۔ جوں ہی اس نے منیجر کے ذریعے کوبرا سے ملنے کی بات کی' میرا ماتھا ٹھنک گیا۔"

"اوہ...! اس کا مطلب ہے کہ تم کوبرا سے ملنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ نقاب والی بات کو تم نے بہانے کے طور پر استعمال کیا۔" ویرا نے سرہلا کر کہا۔

"اس وقت میں آنکھیں بند کرکے کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔" میں نے اس کے اندازے کی تائید کی۔

ان میں سے کسی نے میری اس احتیاط کا سبب دریافت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ خود کو ناگہانی خطرات سے بچانا میرا فطری حق تھا۔ اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا تھا۔

میں را یا اس کے کارندوں سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھا لیکن جب سے بلیک کیٹس کا ذکر چلا تھا۔ میرے ذہن میں ایک خیال جاگزیں ہو گیا تھا کہ سرکاری طور پر میری شناخت کا کوئی ریکارڈ نہ ہونے کے باوجود را یا اس کے کسی شعبے میں ایسے لوگ پیدا ہو چکے تھے جو مجھے پہچان سکتے تھے۔ میرا ان کے سامنے جانا کسی صورت میں خودکشی سے کم نہ ہوتا۔ نقاب پوش کوبرا یا کسی بغیر نقاب..... والے شخص سے اچانک سامنا کرنے میں ایسی خطرناک صورتِ حال رونما ہونے کے قوی امکانات موجود تھے۔

میرا وہ خیال بے بنیاد نہیں تھا۔ میں نے غزالہ کے ساتھ مظہر خان بن کر دہلی میں کافی وقت گزارا تھا۔ اس روپ میں را کے بہت سے افسروں اور اہل کاروں نے مجھے قریب سے دیکھا تھا۔ یہ میری قسمت کی یاوری تھی کہ جب تک ہم دہلی میں مقیم تھے' ہر شخص مجھے مظہر خان سمجھتا رہا تھا لیکن دہلی سے ہماری واپسی کے بعد بھارتی حکام پر یہ عقدہ کھلا تھا کہ مظہر خان کی شخصیت ڈینی کا دوسرا روپ ہو سکتی تھی۔

مظہر خان کے بارے میں بھارتیوں نے کافی شدت سے پروپیگنڈا شروع کیا تھا۔ اس بارے میں پاکستان سے مظہر خان اور ڈینی کی حوالگی کے پرزور مطالبات بھی کیے گئے تھے جو تکنیکی بنیادوں پر زیادہ موثر ثابت نہیں ہو سکے اس مرحلہ پر امریکیوں نے لیری ہف کے ذریعے اس معاملے کو ہوا دینے کی کوشش کی۔ وہ بھی بوجوہ ناکام ہو گئی۔

وہ پس منظر بہت پرانا نہیں تھا۔ دہلی والوں کے زخم تازہ تھے۔ وہ مظہر خان اور ڈینی کو ایک شخصیت کے دو روپ قرار دے چکے تھے۔ یہ بات یقینی تھی کہ وہ پاکستان میں میرا سراغ لگانے کے لیے ایسے آدمیوں کو بھیجتے جو مظہر خان کو پہلی نظر میں پہچان لیتے۔ مظہر خان ان کے سامنے آتا اور وہ اسی لمحے ڈینی کا شکار کر لیتے۔

اس بارے میں میری کسی سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ میں نے از خود کسی کو اپنے اس اندیشے سے آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا لیکن نک سے معاملات طے کرتے ہوئے جوں ہی کسی اجنبی سے روبہ رو ملاقات ہونے کا خطرہ پیدا ہوتا نظر آیا' میرے ذہن میں وہ سارے ہولناک اندیشے یک بہ یک جاگ اٹھے تھے۔

بھارت والوں کے پاس میری یعنی ڈینی کی آمدورفت کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا لیکن میں مظہر خان بن کر بھارت میں باضابطہ داخل ہوا تھا۔ بھارت سے مظہر خان کی واپسی کا سرے سے کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ پاکستان نے اسی بنیاد پر بھارت کا مطالبہ مسترد کرکے اپنے مظہر نامی شہری کی واپسی کا مطالبہ 'درجواب آں غزل کے طور پر ریکارڈ کیا ہوا تھا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ دہلی جا کر میں نے متعدد بڑی کامیابیاں حاصل کی تھیں جن کی بازگشت گاہے گاہے سنائی دیتی تھیں لیکن سب سے بڑا خسارہ یہ ہوا تھا کہ مجھے دیکھ کر پہچان لینے والے دشمنوں کی ایک تعداد وجود میں آ چکی تھی۔

"پھر اب تم کیا سوچ رہے ہو۔ ارجن کمار سے تم کیا کام لینا چاہ رہے ہو؟" کچھ دیر کے توقف کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"وہ ہمارے حریفوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا تو اس کا قصہ پاک ہو جائے گا۔ غدار کا بہترین انجام یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں مارا جائے۔" ویرا نے میری طرف سے نفرت آمیز لہجے میں جواب دیا "وہ زندہ رہا تو ہمارے بہت کام آسکتا ہے۔"

"اس کے ذریعے ہم شاید کوبرا تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں۔" غزالہ نے امید ظاہر کی۔

"مجھے اس کا امکان نظر نہیں آتا۔" میں نے مایوسی سے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ ارجن کمار نے بھی اسے کبھی نقاب کے بغیر نہ دیکھا ہو۔"

"مجھے اپنا پرانا زمانہ یاد آرہا ہے جب میں بلیک کوئین ہوا کرتی تھی۔" ویرا نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وقت کے بے رحم ہاتھوں نے سب کچھ برباد کر دیا۔"

"سر سے پیر تک چست اور کالے لباس کو خیرباد کہنے کے بعد بھی تم کوئین ہی نظر آتی ہو۔ فرق یہ ہوا ہے کہ اب بلیک کے بجائے وائٹ ہوگئی ہو۔" سلطان شاہ بولا۔

"ہم بھٹک رہے ہیں۔" اول خان نے دوبارہ زبان کھولی "ہمیں طے کرلینا چاہیے کہ ہم ارجن سے کیا توقع کررہے ہیں۔"

"جس طرح چوپڑا ہمارے کام آرہا ہے۔ وہ بھی ہمارے کام آتا رہے گا۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ وہ کیا کچھ جانتا ہے۔"

"اس کی موت کا امکان پیدا ہونے پر تم یوں بدحواس ہوئے تھے جیسے تم نے اس کا کوئی بڑا استعمال سوچا ہوا ہو۔" ویرا بولی۔

"شاید وہ میرا اضطراری ردِعمل تھا۔ میری اب بھی یہی خواہش ہے کہ وہ زندہ ہمارے ہاتھ آجائے۔"

ہدایات جاری کرنے کے تقریباً نصف گھنٹے کے بعد اول خان کے موبائل فون پر اس کے کسی آدمی کی کال آگئی۔ اول خان ستے ہوئے چہرے کے ساتھ، محض ہوں ہاں کرکے اس کی باتیں سنتا رہا پھر اس نے مایوسانہ انداز میں فون بند کردیا

"میرے آدمی بروقت ارجن تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ ایک پراسرار ملاقاتی نے اسے اس کے دفتر میں کسی بے آواز ہتھیار سے فائر کرکے مار دیا اور خاموشی کے ساتھ ہوٹل سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔" اس نے ہمیں تازہ ترین خبر سنادی۔

"تمہارا آدمی اس وقت کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ ہوٹل کی پارکنگ لاٹ سے واپس نکل چکا ہے۔ وہ مسلح تھا اس لیے ہوٹل میں داخل نہیں ہوا۔ اس سے پہلے پولیس وہاں پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے ہوٹل سے نکلنے کے تمام راستے سیل کردیے ہیں وہ اندر جاتا تو غیر ضروری باز پرس میں پھنس سکتا تھا۔" اول خان نے بتایا۔ اس کے چہرے پر رنج و ملال کی کیفیت طاری تھی۔

"نک نے شاید مجھ سے بات ختم کرتے ہی ارجن کو ٹھکانے لگانے کا حکم دے ڈالا۔ اس کے آدمی نے قابلِ رشک تیزی دکھائی ہے۔" میں نے کہا "مگر اس پر افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"وہ کون تھا؟" ویرا نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"کیا احمقانہ سوال ہے!" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"اس کا جواب صرف نک دے سکتا ہے...."

"وہ کوئی مقامی تھا۔" اول خان نے سلطان شاہ کی بات کاٹ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا "ان اطلاعات میں کچھ فرق بھی ہوسکتا ہے کیونکہ میرے آدمی نے جائے واردات سے دور رہ کر اپنے طور پر باتیں معلوم کی ہیں۔ قتل کی وارداتوں میں ہر طرف اس قدر افراتفری پھیل جاتی ہے کہ دیر تک صحیح صورت حال واضح نہیں ہوپاتی۔"

"اس کھیل میں ابھی تک سوبھراج کا نام کہیں سامنے نہیں آیا۔" سلطان شاہ نے چونک کر کہا۔

"فی الحال ارجن کے نام پر اکتفا کرو۔ رفتہ رفتہ دوسرے نام بھی سامنے آجائیں گے۔" ویرا نے اسے تلقین کی۔

"ارجن کا نام جس سرعت سے سامنے آیا تھا۔ اس سے زیادہ تیزی سے مٹ گیا۔ اب ہم کہاں کھڑے ہیں۔" اول خان نے چند ثانیوں کے بعد پوچھا۔

"وہ نک اور کوبرا یا ان میں سے کسی کے رازوں کا امانت دار تھا۔" میں نے سوچتے ہوئے بولنا شروع کیا "اسے مار کر ان لوگوں نے ہر راز کو بچالیا ہے۔ وہ اپنی سرگرمیاں پرانے معمول کے مطابق جاری رکھیں گے۔ ان سے کہیں نہ کہیں چوک ہوگی اور ہم ان کی گردن ناپ لیں گے۔"

"تم اس طرح دعویٰ کررہے ہو جیسے ان کے پرانے معمولات سے واقف ہو!" ویرا نے ہلکا سا طنز کیا۔

"یہ اندازہ تم کو بھی ہوگیا ہوگا کہ وہ لوگ ارجن کے ذریعے ہوٹل کو اپنا گڑھ بنائے ہوئے تھے۔" میں نے کہا۔

"کیا کوبرا کے سلسلے میں وہ اتنی جلدی کسی اور پر اعتماد کرلیں گے؟ تم نے تو نک سے یہ تک نہیں پوچھا کہ منیجر تمہیں کس کمرے میں کوبرا سے ملوائے گا۔" ویرا بولی۔

"نک پیشہ ور آدمی ہے اس سوال کا جواب ہرگز نہ دیتا۔"

"منیجر کا حوالہ دینے کی غلطی اسی پیشہ ور سے ہوئی تھی!"

"یہ اس کی مجبوری تھی۔ تم یہ نہ بھولو کہ اس نے منیجر کا نام تک نہیں بتایا تھا حالانکہ اس عہدے کے ساتھ نام بتانے میں کوئی حرج نہیں تھا۔"

"ابھی تم نے اس ہوٹل کو ان لوگوں کی سرگرمیوں کا گڑھ قرار دیا تھا۔" اول خان نے میری اور ویرا کی بحث میں دخل دے کر پوچھا۔

"بن کے سلسلے میں کرائے کے مکانوں کا چکر بری طرح ناکام ثابت ہوا۔ اگر بھارت سے بلیک کیٹس آئے ہوئے ہیں تو انہیں ایک محفوظ اور مستقل ٹھکانے کی ضرورت تھی۔ یہ فائیو اسٹار ہوٹل جس کا منیجر ان لوگوں سے ملا ہوا تھا، ان کے لیے بہترین تھا۔ ہوسکتا ہے کہ کوبرا نے بھی مستقل طور پر

اسی ہوٹل کے کسی فلور پر کمرا لیا ہوا ہو۔"

"ممکن ہے کہ بلیک کیٹس میں سے کسی نے کوبرا کا روپ دھارا ہوا ہو؟" ویرا بڑبڑائی۔

"امکانات کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ ان پر سوچ کر اپنا وقت برباد نہ کرو۔" میں نے اسے ترش جواب دے کر اول خان سے کہا "مطلع صاف ہوتے ہی اپنے کم از کم ایک ہوشیار آدمی کو اس ہوٹل میں ٹھہرا دو۔ وہ وہاں چند مشتبہ مہمانوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ وہ بھارتی ہو سکتے ہیں جو مقامی بن کر ہوٹل میں رکے ہوئے ہوں۔"

وہ تدبیر ضروری تھی۔ وہ اسی ہوٹل میں تھے تو ارجن کے قتل کے باوجود' ان کے لیے ہوٹل بدلنا آسان نہیں تھا۔ نئے ہوٹل میں وہ غیر متوقع مسائل اور مشکلات کا شکار ہو سکتے تھے۔ ارجن کے ہوٹل میں انہیں چند روزہ قیام کا تجربہ اور تسلسل حاصل تھا جس سے وہ آسانی سے دست بردار نہیں ہو سکتے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے یہاں کافی وقت گزار لیا۔ میرے دونوں آدمی یہاں ہیں۔ ان سے کوئی شکایت ہوئی تو انہیں تبدیل کر دیا جائے گا۔" اول خان واپسی کے لیے اٹھ گیا۔

اول خان کو گھر سے رخصت کرتے ہوئے میرے ذہن سے ایک بڑا سا بوجھ ہٹ چکا تھا۔ نک سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے میں نے کرنل داور کے روپ کو بھرپور انداز میں نبھانے کے لیے گھر چھوڑ کر اسٹیشن فور منتقل ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ نک سے بات بگڑ جانے کے بعد اس عارضی ہجرت کی ضرورت نہیں تھی۔ صرف وہ اور ٹام مجھے کرنل داور کی حیثیت سے جانتے تھے۔ ان سے میں یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ وہ میرے خلاف خود میدان میں اتر آئیں گے۔ ان کے دوسرے ہمدردوں اور ساتھیوں کے لیے کرنل داور ایک نام ہو سکتا تھا' پہچان نہیں بن سکتا تھا۔

طویل مذاکرات نے شاید سب کو تھکا دیا تھا۔ ویرا اور غزالہ اول خان کے دونوں آدمیوں کو بلا کر گھر کے کام کاج سمجھانے میں مصروف ہو گئیں۔ وہ دونوں اپنی صورتوں سے نیک اور شریف نظر آ رہے تھے۔ یہ انتخاب ان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ ان میں سے کون گھر کے کام کرے گا اور کون رات کی چوکیداری کا کام انجام دے گا۔

میں فرصت سے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تو میرے ذہن میں سلطان شاہ کا سوال چبھنے لگا۔ سب کچھ صاف ہونے کے بعد معاملات بہت آگے بڑھ گئے تھے لیکن سوبھراج کا نام

افادیت

"ٹی وی پروڈیوسر تسنیم اسلم اپنے نئے بنگلے میں شفٹ ہونے کے بعد اپنی پڑوسن مسز آغا کو اپنے پالتو کتے کے بارے میں بتا رہی تھیں" یہ ٹھیک ہے کہ یہ کوئی بہت اعلیٰ نسل اور بہت قیمتی کتا نہیں ہے لیکن کسی گلی کوچے سے پکڑا ہوا لاوارث کتا بھی بہر حال نہیں ہے۔ بہت عقل مند ہے۔ چور ڈاکو گھر کے قریب بھی آ گئیں تو اس کتے کی وجہ سے ہمیں فوراً پتا چل جاتا ہے۔"

"کیا کرتا ہے یہ؟" مسز آغا نے دلچسپی سے پوچھا "کیا بھونک بھونک کر گھر سر پر اٹھا لیتا ہے؟"

"نہیں۔ یہ فوراً صوفے کے نیچے گھس جاتا ہے۔" تسنیم نے بتایا۔

کہیں ابھر کر سامنے نہیں آسکا تھا۔

میں نے کوبرا کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا۔ نک نے دوستانہ فضا میں باتیں کرنے کے دوران صرف اتنا بتایا تھا کہ وہ ایک عزت دار' مقامی اور قابل اعتماد آدمی تھا۔ سوبھراج ان تینوں تعریفوں پر پورا اترتا تھا۔ اس کی عزت اور سماجی رتبے کی گواہی جلال نے دی تھی۔ وہ اسلام آباد سے چیک کیے بغیر سوبھراج کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

میرا ذہن اس راہ پر چل نکلا۔ میں جتنا سوچ رہا تھا' میرا یہ خیال پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ کوبرا کے پردے میں سوبھراج ہی ہو سکتا تھا۔ میں نے اس معاملے میں جلال کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کر لیا۔

○☆○

اول خان اپنے کسی آدمی کو ارجن والے فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرانے کا وعدہ کر کے گیا تھا لیکن راستے میں اس کام کی نزاکتوں پر غور کرنے کے بعد اس نے ارادہ بدل دیا۔

اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ اس معاملے کی کوئی کڑی اس وقت تک گم تھی ورنہ کہانی کے سامنے آنے والے' بکھرے بکھرے کرداروں کا آپس میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔ وہ معاملات اتنے الجھے ہوئے تھے کہ کام کی ذمہ داری کسی ماتحت پر ڈالنے کے بجائے اسے خود آگے بڑھنے کی ضرورت تھی۔

ہوٹل کی طرف بھیجا جانے والا کارندہ ابتدائی معلومات حاصل کرنے کے بعد ہوٹل کی پارکنگ سے نکل گیا تھا مگر انہی اطراف میں منڈلاتا رہا۔ اس نے اپنی تحویل میں موجود مشتبہ اشیا اور ہتھیار وغیرہ گاڑی میں چھپائے اور گاڑی ہوٹل سے دور پارک کرکے دوبارہ وہاں پہنچ گیا۔

اس نے ہوٹل کے قرب و جوار میں رہ کر اندر آنے جانے والے پولیس افسروں اور صحافیوں وغیرہ سے جستہ جستہ معلومات حاصل کرکے اگلے ڈیڑھ گھنٹے میں اول خان کو اس واردات کے بارے میں قدرے تفصیلی رپورٹ فراہم کردی جو حقائق سے قریب محسوس ہو رہی تھی۔

اسے بتایا گیا کہ ہوٹل کی آپریٹر کے ذریعے ارجن کمار کے لیے کسی کرنل شاہ کی فون کال آئی جو لمحہ بھر میں کٹ گئی۔ نامعلوم کرنل نے دوبارہ فون کرکے ارجن سے مختصر سی گفتگو کی جس کے نتیجے میں ارجن کی حالت غیر ہوگئی اور اس نے اپنے اردلی کو طلب کرکے فریش جوس کے دو گلاس پی ڈالے۔ اردلی کا کہنا تھا کہ اس وقت ارجن کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس کا رنگ زرد پڑا ہوا تھا۔ دوسرا گلاس خالی کرکے، اس نے اردلی کے جانے سے پہلے اپنے ڈائریکٹ فون پر کسی کا نمبر ملایا تھا۔

اردلی نے واپس آکر اپنی تشویش دور کرنے کے لیے ارجن کے کمرے میں جھانکا تو وہ اپنی کرسی پر ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی حالت غیر تھی۔ اس نے دروازے پر اردلی کے چہرے کی جھلک دیکھتے ہی، پھٹی پھٹی آواز میں اسے جھاڑ کر بھگا دیا۔

ارجن کمار صحت مند، خوش مزاج اور باحوصلہ شخص تھا۔ اردلی اس کی طرف سے فکر مند ہوگیا۔ وہ ارجن کی بگڑی حالت بتانے کے لیے اسی فلور پر واقع چیف اکاؤنٹنٹ کے دفتر کی طرف چلا گیا۔ وہ دونوں بوکھلا کر ارجن کے دفتر کی طرف آرہے تھے تو ایک خوش پوش اور مہذب آدمی ارجن کے دفتر سے نکلا اور تیزی سے باہر چلا گیا۔

دربان نے بتایا کہ وہ شخص چند لمحوں پہلے خالی ہاتھ ہوٹل میں داخل ہوا تھا اور سیدھا ارجن کے دفتر میں گھستا چلا گیا تھا۔ بمشکل ایک منٹ بعد وہ دفتر سے نکل کر ہوٹل سے بھی فرار ہوگیا۔ اتنی عجلت میں آمد و رفت کی بنا پر دربان نے اسے غور سے دیکھا تھا۔ وہ واپسی پر بھی خالی ہاتھ تھا اور اس کے بشرے پر خوف یا گھبراہٹ کے بجائے گہرا اطمینان جھلک رہا تھا۔

وہ گیٹ سے نکلا اور چیف اکاؤنٹنٹ دروازہ کھول کر ارجن کے دفتر میں داخل ہوا تو ارجن اپنی کرسی پر بے جان بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پہلوؤں پر جھول گئے تھے۔ پیشانی کے وسط میں موجود سرخ رنگ کا خونی دائرہ چیخ چیخ کر فائر کا اعلان کر رہا تھا۔

دونوں نے گھبرا کر ارجن کو دیکھا اور وہ بے جان بت کی طرح ان کے ہاتھوں میں آگیا۔

دہشت سے ان دونوں نے ہذیانی آوازوں میں چیخنا شروع کردیا۔ ہوٹل میں سنسنی خیز کہرام برپا ہوگیا۔

دربان کسی کی ہدایت کے بغیر عجلت پسند اجنبی کی تلاش میں باہر نکلا لیکن اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ لمحوں ہی لمحوں میں فضا میں تحلیل ہوگیا ہو۔

پولیس آئی اور ہوٹل کے دروازے بند کردیے گئے۔ وہ شہر کا مشہور ہوٹل تھا۔ وہاں اہم سیاسی، سماجی اور سرکاری شخصیات مقیم تھیں۔ ان کو زیادہ دیر تک قید نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ ہوٹل کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے بیشتر ارکان وحشت اثر خبر سنتے ہی ہوٹل پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اپنے ملکی اور غیر ملکی مہمانوں کی سہولت کی خاطر، اپنی ذاتی کاوشوں سے تین بجے تک ہوٹل کے دروازے کھلوا دیے۔ اس دوران میں پولیس اپنی ابتدائی اور سرسری تفتیش کا پہلا مرحلہ تیزی سے مکمل کرچکی تھی۔

اس وقت تک ہوٹل میں مقیم مہمانوں کے سوا کسی کو اندر جانے یا اندر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ اول خان کا آدمی بھی صدر دروازے کے باہر رکا ہوا تھا۔

اول خان کو اندازہ تھا کہ ہوٹل میں مجرموں کے کسی ساتھی سے اس کا ٹکراؤ ہو بھی گیا تو کھلی محاذ آرائی کی نوبت نہیں آسکے گی۔ ہوٹل کے اندر اور باہر مسلح پولیس کی بھاری نفری موجود تھی۔ مالکان نے اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر کچھ پرائیویٹ گارڈ بھی بلالیے تھے تاکہ ان کے مہمانوں کا کھویا ہوا تحفظ کا احساس بحال ہوسکے۔

اس نے کسی خاموش تصادم کے لیے بھرپور تیاریاں کیں اور اسٹیشن فور سے ہوٹل کے لیے روانہ ہوگیا۔

اسے اندازہ تھا کہ ابتدائی تفتیش کے بعد پولیس ہوٹل کے ریکارڈ کی طرف متوجہ ہوگی اور اس سے بھی سرسری انداز میں گزر جائے گی جبکہ اول خان کے لیے ہوٹل کا ریکارڈ بہت اہم تھا۔ اس کا سبب بہت واضح تھا۔ اول خان کو ارجن کے قتل کے پورے پس منظر اور محرک سے آگاہی حاصل تھی۔ پولیس والے ان باتوں سے بے خبر تھے۔ ان کے نزدیک ارجن کے قتل کی واردات ایک عام پراسرار واردات ہی

تھی جس میں صرف ایک مفرور قاتل ملوث تھا۔

وہ ساڑھے چار بجے ہوٹل پہنچا تو اس نے دور ہی سے اپنے آدمی کو دیکھ لیا۔ وہ اس وقت ہوٹل کی لابی میں موجود تھا۔ اول خان اس کی طرف توجہ دیے بغیر کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

شام ہو رہی تھی لیکن ہوٹل کی لابی رنگ و بُو کی رونق سے عاری تھی۔ وہاں ہر طرف ویرانی اور افراتفری کا راج تھا۔ ہوٹل کی حدود میں کوئی باوردی پولیس والا نظر نہیں آرہا تھا۔ عمارت سے باہر بھی اول خان کو اکا دُکا باوردی سپاہی اور جونیئر افسران نظر آئے۔ پولیس والوں کی تعداد میں وہ غیر معمولی کمی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ ہوٹل کے ماحول سے خوف و ہراس کی فضا ختم کرنے کے لیے ارجن کمار کی لاش وہاں سے لے جائی جا چکی تھی۔

اول خان ایس ٹی ایف میں ہونے کے باوجود عام پولیس فورس کے لیے ایک عام شہری تھا۔ اسے شہری پولیس کے گنے چنے افسران ہی بخوبی پہچانتے تھے۔ اول خان کے لیے یہ خوشی کی بات تھی کہ پولیس کی نفری میں کمی کے سبب اس کا کوئی شناسا افسر کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ منیجر کی تختی والے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ کچھ لوگ وہاں موجود اور مصروف ہوسکتے تھے۔

اول خان نے ہوٹل میں دو راتوں کے لیے ایک کمرا لینے کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے، بکنگ کلرک سے ویرانی کا سبب دریافت کیا تو اس نے ایک حادثے کا ذکر کرکے بات ٹال دی۔ وہ قتل کا ذکر کرکے، آئے ہوئے ایک گاہک کو بھگانا نہیں چاہتا تھا۔ ارجن کے قتل کی واردات کے بعد اس کی آمد ہوٹل والوں کے لیے ایک نیک شگون تھی۔

اول خان کو اصل سانحے سے بے خبر رکھنے کے لیے، بہت زیادہ عجلت میں کاؤنٹر سے نمٹا کر پورٹر کے ساتھ کمرے کی طرف روانہ کردیا گیا۔

اول خان بارعب اور پروقار شخصیت کا مالک تھا۔ وہ کاروباری افراد کے انداز میں محض ایک کشادہ بریف کیس لے کر ہوٹل پہنچا تھا۔ اس کے ہاتھ میں جھولتا ہوا بریف کیس پورٹر نے لے لیا اور سیدھا لفٹ کی طرف ہولیا۔

پانچویں منزل کا کمرا اسے دیا گیا تھا۔ طویل راہداری میں فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ سرپر فالس سیلنگ سجی ہوئی تھی۔ دھیمی روشنی میں وہ سرنگ نما راہداری، گراؤنڈ فلور کے کشیدہ ماحول سے بالکل مختلف اور رومان آفریں محسوس ہورہی تھی۔

اول خان نے پورٹر کو ٹپ دے کر رخصت کیا اور دروازہ اندر سے مقفل کرکے جوتوں سمیت دہرے بستر پر دراز ہوگیا۔

اگر میں نے نک سے بات نہ بگاڑی ہوتی تو کم و بیش اسی وقت، ایسے ہی کسی کمرے میں ارجن مجھے کوبرا سے ملوا رہا ہوتا۔ اول خان نے سوچا۔

ہوٹل پہنچنے تک وہ اپنے لیے کسی طریقہ کار کا انتخاب نہیں کرسکا تھا۔ پر تکلف اور آرام دہ کمرے میں پہنچنے کے بعد ارجن اور کوبرا کے بارے میں سوچنا شروع کردیا۔

وہ فائیو اسٹار ہوٹل تھا جہاں ملکی اور غیر ملکی معززین و شرفا قیام کرتے تھے۔ کسی کے لیے چہرے پر نقاب چڑھا کر وہاں آنا ناممکن تھا۔ نک کا معتمد نقاب پوش جو بھی رہا ہو، عام آدمی کی طرح، شریفانہ حلیے میں، کوئی نقاب لگائے بغیر اس ہوٹل میں آتا ہوگا اور سیدھا ارجن سے رجوع کرتا ہوگا۔ ارجن ذاتی طور پر اسے اس کی پسند کے فلور کا کوئی کمرا دے دیتا ہوگا۔ اسے یقینی طور پر یہ علم رہا ہوگا کہ وہی شریف آدمی،

آئندہ

لیری نے ہیری کو بتایا "پچھلے سے پچھلے سال پہاڑوں پر تعطیلات کے دوران میں میری بیوی امید سے ہوگئی۔ پچھلے سال غیر ممالک میں تعطیلات کے دوران میں میری بیوی پھر امید سے ہوگئی۔ اس بار میں نے سوچا ہے کہ جہاں بھی تعطیلات منانے جاؤں گا، بیوی کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔"

اپنی سی تدبیر

ایک صاحب اپنی نوبیاہتا بیوی کو لے کر پہلی بار ایک اچھے سے ریستوران میں پہنچے۔ انہوں نے مینیو دیکھا تو احساس ہوا کہ ہر چیز کی قیمت کافی زیادہ تھی۔ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بیگم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولے "ہاں.... تو میری پیاری سی.... موٹی سی بیگم 'کیا کھانا پسند کرے گی؟"

○☆○

ضرورت پڑنے پر اپنے کمرے کی چار دیواری میں، چہرے پر نقاب چڑھا کر کوبرا کا روپ دھار لیتا ہے۔ بعد میں کوبرا کا کوئی ملاقاتی ارجن کے پاس آتا ہو گا تو وہ پہلے انٹرکام پر کوبرا کو کسی ملاقاتی کی آمد سے مطلع کرتا ہو گا پھر اسے اپنے ساتھ لے کر، مودبانہ انداز میں کوبرا کے حضور میں پیش کر دیتا ہو گا۔

دوسرے الفاظ میں ارجن کمار کو کوبرا کی اصلیت کا پورا پورا علم تھا۔ وہ اس کے چہرے سے لے کر نام پتے تک سب کچھ جانتا تھا۔ اسی وجہ سے اسے بہت عجلت، نفاست اور پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ ٹھکانے لگا دیا گیا تھا۔ کوبرا کے اس قریبی رازداں کو کرنل داور کے چنگل سے بچانے کے لیے بے رحمی سے مروا دیا گیا تھا۔ ویرا کے قول کے مطابق وہ امریکیوں کا ایک بنیادی وصف تھا۔ وہ بھیڑیے اپنی کھال بچانے کے لیے اپنے ہی ساتھیوں کو چیر پھاڑ ڈالتے تھے۔

پرسکون ماحول میں ذہنی ارتکاز کے ذریعے اس کے دماغ میں مربوط خیالات کا ایک سیلاب امڈا چلا آ رہا تھا۔

صرف ارجن، کوبرا کی اصلیت سے آگاہ تھا۔ ہوٹل کے دوسرے عملے کے لیے اس آدمی کا کوئی نہ کوئی عام نام اور چہرہ تھا۔ وہ اسے اسی حیثیت میں پہچانتے تھے۔ ان کو ارجن نے اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی ہو گی کہ ضرورت کے وقت وہی شخص کچھ دیر کے لیے کوبرا بن جاتا ہے۔

ہوٹل کے بکنگ کاؤنٹر کے عملے پر محنت کر کے یہ معلوم کیا جا سکتا تھا کہ ہوٹل میں کبھی کبھی آنے والے اس خاص مہمان کا نام کیا تھا جس کی خدمت کے لیے ارجن ہمیشہ ذاتی توجہ اور دلچسپی لیتا تھا۔ اول خان سمجھ رہا تھا کہ ہوٹل کی ساکھ بچانے کے لیے وردی پوشوں کی تعداد بڑی حد تک گھٹا دی گئی تھی لیکن ہوٹل میں کہیں نہ کہیں تفتیشی کام پورے زور و شور سے چل رہا ہو گا۔ بیانات لیے جا رہے ہوں گے، ارجن کے کمرے میں کیمرے چل رہے ہوں گے، فنگر پرنٹس اٹھائے جا رہے ہوں گے۔ تناؤ کے اس ماحول میں اگر وہ اپنی شناخت ظاہر کر کے پوچھ گچھ کا متوازی سلسلہ شروع کرتا تو کوئی معترض نہ ہوتا لیکن بیشتر جبینیں شکن آلود ہو جاتیں اور دوسری طرف وہ ایک پراسرار تفتیشی اہلکار کی حیثیت سے ہوٹل کے عملے کے سامنے بے نقاب ہو جاتا۔

ہوٹل میں اپنی شناخت اسے سرے سے گوارا نہیں تھی۔ وہ ایک عام آدمی کی طرح ہوٹل میں رہ کر اپنے کام کی باتیں معلوم کرنے سے زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ اس ضمن میں اسے ہوٹل کا رجسٹر سب سے اہم محسوس ہو رہا تھا۔ جس میں ہوٹل کا عملہ ہر آنے جانے والے مہمان کے مکمل کوائف درج کرتا ہے۔

کوبرا، ارجن کے لیے بہت اہم بلکہ شاید اہم ترین گاہک تھا۔ اس کا وقت بہت قیمتی تھا۔ اول خان کا خیال تھا کہ رجسٹر میں کوبرا کے کوائف ارجن خود تحریر کرتا ہو گا۔ وہ اس کے کسی ماتحت کلرک کی ڈیوٹی تھی جسے وہ کوبرا کو خوش کرنے کے لیے اپنے سر لے لیتا ہو گا۔

اگر ہوٹل کا وہ ایک رجسٹر کسی طرح ہاتھ آ جاتا تو محض چند روز کے اندراجات دیکھ کر بہت کچھ پتا چلایا جا سکتا تھا۔

اسی رجسٹر سے کوبرا کی آمدورفت کا دورانیہ بھی معلوم ہو سکتا تھا۔ ارجن پر بھروسا کر کے اس نے اس مخصوص ہوٹل کو اپنا اڈا بنایا تھا۔ وہ وہاں کے مستقل گاہکوں میں شامل تھا۔ عملے کے بہت سے لوگ اسے پہچاننے لگے ہوں گے۔ اس کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ہوٹل میں ہر بار نئے نام سے کمرا لیتا۔ شاید کسی مجبوری یا ضرورت کے تحت کمرا بدل جاتا ہو، کوبرا کا اصل یا فرضی نام نہیں بدل سکتا تھا۔ ارجن کی تحریر میں اس ایک نام کی کئی بار تکرار اسے کوبرا کے بہت قریب پہنچا سکتی تھی۔

وہ بہت خوش ہوا کہ وہ اپنے طور پر بھی کڑیاں ملا سکتا ہے۔ اس نے موبائل فون پر اپنے اس آدمی کا نمبر ملا لیا جو ہوٹل کی لابی میں موجود تھا۔

''سر! میں کچھ لوگوں کے ساتھ مصروف ہوں۔ فارغ ہو کر فون کرتا ہوں۔'' ایس ٹی ایف کے کارندے نے اپنے باس کی آواز سن کر مختصر سا جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

چند منٹ بعد اس کا فون آ گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ کہیں مصروف نہیں تھا۔ ایک ایسی جگہ تھا جہاں وہ فون پر کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ایک بہتر اور کھلے مقام پر آ کر دوبارہ فون کیا تھا۔ اس نے اول خان کو ہوٹل میں آتے اور پھر پورٹر کے ساتھ رہائشی کمروں کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اس کے چیف کو بذات خود ہوٹل میں ڈیرا ڈالنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔

''یہ معاملہ سنگین ہے۔ ہمیں پس پردہ رہ کر بہت احتیاط سے اسے دیکھنا ہے۔'' اول خان نے اسے سمجھایا۔

''ابھی تک میں دور دور رہا ہوں۔ دو شناسا پولیس افسران مل گئے تھے۔ وہ حیران ہوئے کہ قتل کی ایک روٹین واردات میں ہماری فورس کے لیے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے مگر میں نے انہیں ٹال دیا۔ بتایا کہ میں اتفاق سے ادھر نکل آیا ہوں۔ میری موجودگی کا فورس کی دلچسپی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

"میں کمرا نمبر پانچ سو بیس میں ہوں۔ اس وقت ہوٹل کا رہائشی رجسٹر بہت اہم ہے۔ اس تک رسائی کی کیا صورت ہے۔"

"مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ پولیس کو ہوٹل کے ریکارڈ سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ وہ واقعاتی شہادتوں پر زیادہ توجہ نہیں دے رہے۔" اس کے آدمی کی طرف سے جواب آیا "میں رجسٹر کچھ دیر کے لیے شاید حاصل کرلوں لیکن یہ بات پھیل سکتی ہے کہ ایس ٹی ایف راہ میں آ رہی ہے۔"

"تم آس پاس ہی رہو۔ میں سوچ کر تمہیں بتاتا ہوں۔" اول خان نے بات التوا میں ڈال دی۔

کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد اول خان نے کمرے کے فون پر براہِ راست لائن لے کر ہمارے گھر کا نمبر ملا لیا۔ درمیان میں آپریٹر کا دخل نہ ہونے کے سبب بلا تکلف بات کی جاسکتی تھی۔ درمیان میں کوئی بھی مخل ہونے کی کوشش کرتا تو سی ایس ڈی حرکت میں آجاتی۔ جو ہمارے گھر پر موجود تھی۔

اس وقت تک میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔ ارجن کے قتل کی خبر سن کر میرا ذہن الجھ گیا تھا۔ بس رہ رہ کر ایک ہی بات ذہن میں چکرا رہی تھی کہ وہ ہوٹل اس وقت ان کی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہاں سے کوئی نہ کوئی سرا مل سکتا تھا۔

مجھے یہ جان کر بے ساختہ خوشی ہوئی کہ اول خان ہمت کرکے خود ہوٹل میں مقیم ہوگیا تھا۔ میری طرح اس کی جان کو بھی خطرات لاحق تھے۔ اس پر گولی چلا کر اس کا بازو زخمی کیا جاچکا تھا۔ وہ بھی ہمارے نادیدہ دشمنوں کی نظروں میں آیا ہوا تھا لیکن کام کی خاطر اس نے ہر خطرے کو نظر انداز کردیا تھا۔

اس نے مجھے ارجن کے قتل کی پوری روداد کے ساتھ اپنے اخذ کیے ہوئے نتائج بھی سنائے جو بہت مدلل تھے۔

مجھے ماں لینا پڑا کہ ارجن کے بارے میں میرا ابتدائی اندازہ غلط تھا۔ وہ اس کھیل کا بہت اہم مہرہ تھا اور کوبرا کی اصل شخصیت سے پوری طرح واقف تھا۔

"ہوٹل کا ماحول تمہیں راس آیا ہے۔ وہاں بیٹھ کر تم نے قابلِ قدر باتیں سوچی ہیں۔" میں نے دلچسپی کے ساتھ اس کی ساری باتیں سن لینے کے بعد کہا "اب تمہارا مسئلہ صرف یہ رہ گیا ہے کہ ایس ٹی ایف کا نام سامنے لائے بغیر اس رجسٹر کو کیسے چیک کیا جائے۔"

"ہاں۔ بات یہیں اٹکی ہوئی ہے اور میں نے اسی مشورے کے لیے تمہیں فون کیا ہے۔"

"سوالاً جواباً"

☆......"کیا آپ اپنے اخراجات اپنی آمدنی کی حدود میں رکھتے ہیں؟"

☆......"نہیں...... میں اپنے اخراجات اپنے قرضہ جات کی حدود میں رکھتا ہوں۔"

☆......"کیا آپ کے خیال میں مسز بقراط کچھ خود پسند خاتون نہیں ہیں؟"

☆......"کچھ نہیں...... بلکہ بہت زیادہ...... وہ تو اپنی سالگرہ پر اپنی والدہ کو مبارکباد کا پیغام بھیجتی ہیں۔"

"تم ہوٹل میں موجود ہو تو میں گھر میں بیٹھ کر کیا کروں گا۔ میں بھی وہیں آرہا ہوں۔ تم نے کمرا نمبر پانچ سو بیس ہی بتایا تھا نا!"

"نہیں۔۔۔ تم ادھر آنے کی غلطی نہ کرنا۔" وہ میرا فیصلہ سن کر بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا "تمہارے لیے یہاں بہت خطرات ہوسکتے ہیں۔"

"خطرہ تو تم کو بھی ہے۔ تم ایک گولی کھا چکے ہو۔" میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔

"میری بات اور ہے۔" اس کی عاجلانہ آواز آئی "انہوں نے مجھے زخمی کرکے آلۂ کار بنایا تھا تاکہ میرا پیچھا کرکے تمہارا کوئی سراغ حاصل کرسکیں۔ ان کے لیے میری اس سے زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ تم ان کا اصل ہدف ہو۔ وہ تم تک پہنچنے کے لیے یہ سارے پاپڑ بیل رہے ہیں۔"

"خطروں سے خوف زدہ ہو کر ہم پیش قدمیوں سے رکے رہتے تو آج اس مقام پر نہ ہوتے۔"

"میں تم کو روک نہیں رہا۔ بس ذرا انتظار کرلو۔ وقت سازگار ہوجائے تو سب کچھ تم ہی کو کرنا ہے۔"

"اس وقت تم کیا خطرہ محسوس کر رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ان کے آدمی ہوٹل میں موجود ہوں گے۔ وہ ہر آنے جانے والے پر نظر رکھنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔"

"تم غلط سمت میں سوچ رہے ہو۔ ارجن کا قتل کسی لمبی منصوبہ بندی یا جدوجہد کے نتیجے میں نہیں ہوا۔ وہ چند منٹوں میں ہونے والے ایک فیصلے کے نتیجے میں اچانک مارا گیا ہے۔ نک اور اس کے بھیجے ہوئے قاتل کے سوا کسی کو علم نہیں ہوسکا ہوگا کہ ارجن کو کس نے اور کیوں مروایا۔"

"ارجن کا قاتل کوئی مقامی تھا۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا "کیا تمہارا خیال ہے کہ اسے نک نے بھیجا ہوگا۔ درمیان میں رابطے کا کوئی اور آدمی ملوث نہیں رہا ہوگا۔"

"کتنے ہی آدمی ملوث ہوں، قتل کا سبب نک کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ مجھے ارجن کا نام بتا کر پھنس گیا تھا۔ اس کے پاس ارجن کے قتل کے سوا کوئی دوسری راہ نہیں رہی تھی۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ تم ہوٹل میں ان کے کسی آدمی یا آدمیوں کی موجودگی کیوں نظر انداز کررہے ہو؟" اول خان نے پوچھا۔

"ان کے جو لوگ بھی ہوٹل میں ہیں وہ ارجن کے قتل سے بری طرح خوف زدہ ہوگئے ہوں گے۔ وہ اس وقت اپنی کمین گاہوں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ اچانک موت کا خوف انہیں منظر عام پر آنے سے روکے رہے گا۔ ان کے خلاف تیزی سے کام کرنے کے لیے یہی مناسب ترین وقت ہے۔"

"اس وقت تم ایک متضاد بات کہہ رہے ہو جو قرین قیاس ضرور ہے مگر تمہارے ابتدائی اندیشوں سے میل نہیں کھاتی۔"

"مطلع کچھ صاف ہونے تک وہ باہر نکل سکتے ہیں نہ ہوٹل تبدیل کرسکتے ہیں۔ ہمیں اس مہلت سے فائدہ اٹھانا ہوگا۔"

"پھر تم کتنی دیر میں آرہے ہو؟" اول خان نے قائل ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔

"میں بس ابھی نکل رہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے تحت ہمارے فیصلے بھی بدل رہے تھے۔ آثار و قرائن سے کچھ یوں ظاہر ہو رہا تھا جیسے جلد ہی کچھ نہ کچھ ہونے والا تھا۔

میں کھلے میدان میں مقابلے کے لیے نہیں جارہا تھا۔ وہ ہوٹل کی بند چار دیواری میں سازشوں اور مکاریوں کا مقابلہ ہوتا نظر آرہا۔ ہوٹل کے کمروں اور راہداریوں میں آتشیں ہتھیاروں سے کہیں زیادہ مہلک اور خاموش حربوں کی ضرورت تھی۔ اس بار میں بیم گن گھر پر بھولنے کی غلطی کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔

مجھے روانگی کی تیاری میں مصروف پاکر تینوں کا تجسس جاگ اٹھا۔ میرے ارادے پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن وہ فکرمند تھے۔ ان کے لیے وہ دلیلیں بھی کافی نہیں تھیں جنہوں نے اول خان کو خاموش کردیا تھا۔ شاید اس کا سبب یہ تھا کہ اول خان مجرموں کے ایک متوقع مسکن میں برا جمان تھا۔ وہ تینوں گھر میں تھے۔

میں نے ایس ٹی ایف کے ابرار نامی کارندے کو چائے بنانے کی ہدایت کی اور فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

صدف مینشن جلال کی مصروفیات کا مرکز اور محور ضرور تھا لیکن وہ ہر وقت وہاں نہیں پایا جاتا تھا۔ موبائل فون پر اس سے فوری رابطہ ہوگیا۔

"تم صحیح کہہ رہے تھے۔ ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں دن دیہاڑے، دیدہ دلیری سے گھس کر منیجر کو مار ڈالنا دل گردے کا کام ہے۔" اس نے اپنے فون پر میری آواز سنتے ہی ہیجانی آواز میں کہا "شہر میں وارداتیں تو ہوتی رہتی ہیں مگر اس واقعے نے سب کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

"سب سے بڑی مشکل قتل کے اسباب کے تعین میں پیش آئے گی۔" میں نے اپنی رائے دی۔

"یہی بنیادی مسئلہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ پولیس اس سلسلے میں کچھ نہیں کرسکے گی۔ ہم لوگوں کو آگے آنا پڑے گا۔" وہ بولا "اندرونِ خانہ رونما ہونے والے واقعات سے آگاہی کے بغیر کوئی ارجن کے قتل کی گتھی کو نہیں سلجھا سکے گا۔"

"میں نے پوری کہانی تمہیں سنادی تھی۔ ارجن کا اصل قاتل نک ہے۔ اس کا تم کیا کرسکو گے؟"

"ہوں... اوں!" اس کی فکرمندانہ ہنکار سنائی دی۔ وہ آئی بی کی مجبوریوں کو مجھ سے زیادہ سمجھتا تھا۔

کچھ لمحوں تک لائن پر سکوت چھایا رہا پھر اس کی آواز ابھری "تم نے اس رکاوٹ کا کیا حل سوچا ہے۔"

"ہمیں کوبرا اور اس کے نیٹ ورک تک پہنچنا ہوگا۔ فی الحال تمہیں اپنے محکمے کو سامنے لانے کی ضرورت نہیں۔ میں ایس ٹی ایف کو بھی پس پردہ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"سب ہی پس پردہ رہے تو کوبرا کی سرکوبی کون کرے گا؟" اس کا سوال فطری تھا۔

"مجھے کچھ دیر کے لیے ہوٹل کا مسافروں والا رجسٹر درکار ہے۔ کیا وہ مل سکتا ہے؟"

"مل جائے گا۔ اس سے تم کیا حاصل کرسکو گے؟" اس کا پژمردہ لہجہ یکایک تجسس آمیز ہوگیا۔

"شاید ہمیں کوبرا کا کوئی سراغ مل جائے!" میں نے پر امید لہجے میں کہا۔

اس کے لیے وہ تشنہ جواب ناکافی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میرے ذہن میں کوئی خیال سر ابھارتا ہے تو اس کے پس پشت کوئی نہ کوئی عملی خاکہ بھی موجود ہوتا ہے۔ میں نے ازراہِ مذاق اسے ٹالنے کی کوشش کی جسے ناکام ہونا ہی تھا پھر میں نے اسے اول خان کی ذہنی کارگزاری سے آگاہ کردیا۔

"میں ترجیحی بنیاد پر اس رجسٹر کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرتا ہوں۔" پوری بات سن لینے کے بعد اس نے پرجوش انداز میں جواب دیا "یہ تمہارے گھر بھجوادوں۔"

"یہ اسی ہوٹل کے کمرا نمبر پانچ سو بیس میں بھجوادو!"

"وہاں کون ہے؟" اس نے تیزی سے سوال کیا "میرے موبائل کی اسکرین سے تو ظاہر ہوا تھا کہ تم اپنے گھر سے فون کررہے ہو۔"

"اول خان وہاں ہے۔ میں بھی سیدھا وہیں جارہا ہوں۔"

دوسروں کی طرح وہ بھی یہ اطلاع سن کر خوش نہیں ہوا مگر جانتا تھا کہ کام آگے بڑھانے کے لیے کوئی نہ کوئی خطرہ مول لینا ضروری تھا۔ اس نے چند اہم اور قیمتی مشورے دے کر فون بند کرنا چاہا تو معًا مجھے ایک بھولی ہوئی بات یاد آگئی۔

"ٹنک کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق کوبرا کے پاس سیٹ لائٹ ٹیلی فون ہے۔ اس کا کہیں نہ کہیں کوئی ریکارڈ تو ہوگا۔"

"یہ جدید ترین مواصلاتی سہولت ہے۔ میں اس کے حصول کے طریقے سے واقف نہیں ہوں۔ عقل یہ کہتی ہے کہ ٹیلی گراف ایکٹ کے تحت' اس کے لیے اجازت نامہ وغیرہ ضروری ہونا چاہیے۔" اس نے کسی غور کے بغیر اپنی مجبوری ظاہر کردی "فون غیر قانونی ہے تو بات دوسری ہے۔"

"اس پہلو کو بھی دیکھو۔" میں نے اسے تاکید کی "یہ قانون شکن لوگ ہیں۔ شاید فون کا کوئی ریکارڈ نہ مل سکے لیکن ہم کو ان پر ہر طرف سے یلغار کرنا ہوگی تب کہیں سے کامیابی کی کوئی کرن نمودار ہونے کی امید پیدا ہوسکے گی۔"

جلال سے گفتگو ختم ہوگئی اور میں چائے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ابرار شاید پیشہ ور باورچی نہ ہو لیکن اس نے چائے بہت لذیذ بنائی تھی۔ میں نے اپنی طویل رفاقت میں ایک بات خاص طور سے محسوس کی تھی کہ ایس ٹی ایف کے سپاہیوں سے افسروں تک میں بددلی یا بیزاری کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا تھا۔ جس کو جو کام سونپ دیا جاتا تھا' وہ اسے دل و جان سے پورا کرنا اپنا فرض تصور کرتا تھا۔ ابرار نے بھی اسے جذبے سے سرشار ہوکر چائے بنائی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ ایک طویل مدت کے بعد غزالہ اور رویرا کو گھر کے کاموں کے لیے اچھا مددگار مل گیا تھا اور گھر کی حفاظت کے لیے دو بے خوف محافظ بھی ہاتھ آگئے تھے۔

گاڑی کی گھر پر بھی ضرورت رہتی تھی۔ سلطان شاہ نے مجھے مین روڈ پر چھوڑا اور میں ٹیکسی سے ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔

○☆○

جہانگیر بستر میں لیٹا ایک کتاب پڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس ضمن میں وہ صرف کوشش ہی کرسکتا تھا کیونکہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسے کبھی لکھنے پڑھنے سے شغف نہیں رہا تھا۔ کھلی ہوئی کتاب اپنے سینے پر لگائے وہ کن انکھیوں سے بار بار سلمٰی کی طرف دیکھ رہا تھا جو کافی دیر سے سنگھار میز کے سامنے مصروف تھی۔

بری عادت

مسز کامل نے شکایتی سے لہجے میں مسز اختر کو بتایا "مسز رمضان میں ایک عجیب بات ہے... میرے پاس کوئی بھی نئی چیز دیکھ لیں... اس کی قیمت ضرور پوچھتی ہیں تو میں نے یہ جو نیا جوڑا پہنا ہوا ہے' آج اس کی قیمت پوچھ رہی تھیں۔"

"یہ تو واقعی بہت بری عادت ہے..." مسز اختر نے سرہلاتے ہوئے کہا "بہرحال ... تم نے کیا قیمت بتائی؟"

اختتام جنگ

"اچھا .... تو اب آپ کی بیوی آپ سے بالکل نہیں جھگڑتی؟"

"جی ہاں .... اب وہ مجھ سے بالکل نہیں جھگڑتی۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟"

"اس کا انتقال ہوچکا ہے۔"

"کیا بات ہے؟ اتنا بن سنور کر کہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے۔" آخر کار اس سے رہا نہ گیا اور وہ بول ہی پڑا۔

"تم کتاب پڑھ رہے ہو یا میری نگرانی کر رہے ہو؟" سلمیٰ نے مڑے بغیر اس کے عکس پر توجہ مرکوز کر دی جو آئینے میں نمایاں تھا۔

"دونوں کام کر رہا ہوں۔ عورتوں کو کھلی چھوٹ دے دی جائے تو وہ آسانی سے بگڑ جاتی ہیں۔ ان کی نگرانی کرنی پڑتی ہے۔"

"میرے علاوہ اور کتنی عورتیں ہیں تمہاری؟" سلمیٰ نے جل بھن کر پوچھا۔

"ہائے! کیا پوچھ لیا۔ اجازت چار کی ہے مگر مقدر میں شاید ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ تم اکیلی دس پر بھاری ہو۔"

"وہ تو کہو کہ کوئی عورت تم کو گھاس ہی نہیں ڈالتی ورنہ تم تو ہر ایک پر منہ مارنے کے لیے تلے بیٹھے رہتے ہو۔" سلمیٰ نے ہنس کر کہا۔ ہنسی مذاق کے موڈ میں جہانگیر نشتر کے گھاؤ بھی ہنس بول کر سہہ لیتا تھا۔ کشیدگی کی فضا میں وہ سلمیٰ کی ذرا سی لغزش بھی نظرانداز نہیں کرتا تھا۔

"میں نے کس پر منہ مار دیا جو تم یوں طعنے دے رہی ہو۔" جہانگیر نے کتاب بند کر کے ایک طرف ڈال دی۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں کچھ نہیں دیکھتی۔ بس ٹوک کر تمہیں شرمندہ نہیں کرتی ورنہ ہر بات میری نظروں میں ہے۔ کئی مرتبہ تم ماسی پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کر چکے ہو۔ وہ شریف عورت ہے۔ سر جھکا کر اپنا کام کرتی ہے اور چلی جاتی ہے۔"

"ماسی کیا، تمہیں تو میرے مقابلے میں کتے اور کمینے بھی شریف نظر آتے ہیں۔ آخر ہو نا اپنے عزت دار ماموں عظمت کی بھانجی!"

"بس اتر آئے اپنی بے سروپا باتوں پر۔ سچ تو تم سے برداشت ہی نہیں ہو سکتا۔ اچھا سچ سچ بتانا کہ کیا تم نے تل والی لڑکی کے ہاتھ میں چٹکی نہیں لی تھی۔" شوہر کی کمزوریاں گنوانے کے چکر میں سلمیٰ کچھ دیر کے لیے اپنا بناؤ سنگھار بھی بھول گئی۔

"کک... کون سی تل والی لڑکی؟" جہانگیر نے ہکلا کر پوچھا۔

"اب انجان نہ بنو۔ میں اسی کی بات کر رہی ہوں جو گھٹیا پرفیوم بیچنے آئی تھی۔"

"قسم لے لو جو میں نے ایسی حرکت کی ہو۔ تمہاری آنکھیں خراب ہو گئی ہیں اس لیے تمہیں بس وہی نظر آتا ہے جو تم دیکھنا چاہتی ہو۔"

"اور تم نے اسے آنکھ بھی نہیں ماری تھی۔" سلمیٰ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

جہانگیر بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور تکیے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔"

"پھر تم نے اس سے دو پرفیوم کیوں خریدے؟"

"بس! اس وقت پسند آ گئے تھے اور سستے معلوم ہو رہے تھے۔" وہ بوکھلا کر بولا "دو چھوٹے سیمپل وہ مفت میں دے گئی تھی۔ میں نے صرف ایک خریدا تھا۔"

"تمہاری چٹکی پر اس کا منہ بگڑ گیا تھا۔ تم ڈر گئے تھے کہ تم نے اسے خالی ہاتھ لوٹایا تو مجھ سے تمہاری شکایت کر دے گی...."

"تمہارا مطلب ہے کہ میں نے اسے اپنی زبان بند رکھنے کے لیے رشوت دی تھی!" جہانگیر نے آنکھیں نکالیں۔

"کھلی رشوت تھی۔ پیسے لے کر اس کا موڈ بالکل بدل گیا تھا۔" سلمیٰ بولی "اس کے بعد اس نے ڈینی کی بات نکالی تھی۔ تمہاری حرکتوں کی وجہ سے اس کا حوصلہ کھل گیا تھا۔"

"ڈینی بتا رہا تھا کہ وہ بدمعاش تھی۔ یہاں کسی اور چکر میں آئی تھی۔"

"ہاں ہاں۔ مجھے سب معلوم ہے۔ ڈینی تمہیں لڑکی کی طرف سے ہوشیار نہ کرتا تو تم اسے ڈھونڈنے کے لیے نکل گئے ہوتے۔"

"اب تم کسے ڈھونڈنے جا رہی ہو؟" جہانگیر نے زہریلے لہجے میں پوچھا "تمہارے عظمت ماموں تو لاہور کی جیل میں سڑ رہے ہیں۔ یہاں کون رکھا ہے تمہارا!"

"میں اپنے نہیں، تمہارے کام سے جا رہی ہوں۔" سلمیٰ آنکھیں نچا کے بولی "بوتل میں چار بوندیں رہ گئی ہیں۔ رات کو پھر چلّانا شروع کر دو گے..."

"اوہ... یہ بات تمہیں پہلے ہی بتا دینی چاہیے تھی۔" جہانگیر کا لہجہ یکایک نرم پڑ گیا "اب تو میں نے بہت کم کر دی ہے۔ لیٹر کی بوتل دو روز چلتی ہے۔ آدمی کو پینے کے لیے اتنی سی بھی نہ ملے تو پھر اسے گھر بار چھوڑ کر بن باس لے لینا چاہیے۔"

سلمیٰ نے مصنوعی غصے کا مظاہرہ کرتے ہوئے بالوں میں کنگھا پھیرا، لپ اسٹک درست کی اور پرس اٹھا کر باہر کی طرف چل دی۔

جہانگیر کے ہونٹوں پر آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ والہانہ نظروں سے سلمیٰ کی چال کا نظارہ کر رہا تھا۔

سلمیٰ گھریلو ضروریات کی خریداری کے لیے عام طور پر پیدل جاتی تھی۔ اس بہانے راستے میں دو چار شناسا عورتوں سے ملاقات ہوجاتی تھی، ورزش اور چہل قدمی بھی ہوجاتی تھی۔ اس وقت اس نے گاڑی نکال لی۔ میری تادیب کے بعد وہ کوئی بے احتیاطی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس نے راستے کی ایک دکان سے سودا سلف خریدا اور پھر میڈم کے فلیٹ کی طرف چل دی۔ گاڑی رکتے ہی میڈم کا ملازم دوڑ کر قریب آگیا۔ وہ سلمیٰ کی گاڑی پہچاننے لگا تھا۔ وہ سلمیٰ سے پیسے لے کر واپس آگیا اور بہت تیزی کے ساتھ لوٹ آیا۔ تھیلے میں لپٹی ہوئی بوتل سلمیٰ کو دے کر اس نے ٹپ کے دس روپے شکریے کے ساتھ وصول کیے اور لوٹ گیا۔

سلمیٰ نے کچھ آگے جاکر گاڑی گھمائی تھی کہ اچانک اس کی نظر اسی پرفیوم فروش لڑکی پر پڑی جوان کو بے وقوف بنا کر جاچکی تھی۔ سلمیٰ نے بے ساختہ گاڑی کے بریک لگادیے۔

وہ لڑکی اپنا بیگ شانے سے لٹکائے ایک عمارت سے باہر آرہی تھی۔ سڑک پر ٹائروں کے رگڑنے کی آواز سن کر اس کی نگاہیں غیر ارادی طور پر سلمیٰ کی گاڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ سلمیٰ نے مسکراتے ہوئے اس لڑکی کی طرف ہاتھ لہرایا۔ سلمیٰ کے دوستانہ انداز پر لڑکی کے قدم گاڑی کی طرف اٹھنے لگے۔

"کہاں گھوم رہی ہو؟" سلمیٰ نے اپنے برابر والی سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "آؤ! میرے ساتھ آجاؤ۔"

"میں دن بھر گھر گھر جھانکتے جھانکتے تھک جاتی ہوں۔ تکلیف نہ ہو تو مجھے اگلے بس اسٹاپ پر اتار دیں۔" لڑکی نے مضمحل سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور سلمیٰ کی گاڑی میں سوار ہوگئی۔

سلمیٰ کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا تھا کہ وہ لڑکی فراڈ نہیں تھی۔ گھوم پھر کر پرفیوم بیچنے کا ہی کام کرتی تھی۔ اس کے کام کی نوعیت بتا رہی تھی کہ وہ غریب اور ضرورت مند رہی ہوگی۔ سلمیٰ نے کہا "اترنے سے پہلے میرے لیے دو مردانہ پرفیوم نکال دینا۔"

لڑکی نے ممنونیت سے لبریز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب مجھے یاد آیا کہ شاید آپ ہی کے گھر میں' میں نے ڈینی کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"ہاں! تمہارا وہ سوال بے تکا اور چونکانے والا تھا۔" سلمیٰ نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"در... دراصل وہ میرا سوال نہیں تھا۔ مجھے اس بارے میں بتایا گیا تھا۔" لڑکی نے اپنے بیگ میں سے سربند پرفیوم کے ڈبے نکال کر پیچھے کی سیٹ پر رکھتے ہوئے خود بخود انکشاف کیا۔

"اچھا۔" سلمیٰ نے حیرت کا مظاہرہ کیا "مجھے یہی حیرت تھی کہ ڈینی کی لڑکیوں سے کیسی دوستی ہوگئی۔ وہ مردانہ صفات سے محروم ہے اور لڑکیوں سے شرماتا ہے... اس کے بارے میں پوچھنے کے لیے تم سے کس نے کہا تھا؟"

سلمیٰ خاصی چالاک عورت تھی۔ میری ہدایت کے بعد اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ کسی بڑے چکر سے دوچار ہونے والی تھی۔ وہ تل والی اس لڑکی سے سرسری انداز میں بات آگے بڑھا رہی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ لڑکی اس کے ساتھ کوئی خطرناک حرکت نہ کر گزرے۔ اس خوف کے ساتھ اس کی یہ شدید خواہش بھی تھی کہ وہ لڑکی کے منہ سے اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات اگلوالے اور پھر ان باتوں سے آگاہ کرکے مجھے مرعوب کرسکے۔

"وہ گاڑی میں تھا اور شاید میرا پیچھا کررہا تھا۔ اس نے تمہارے گھر کا جائزہ لینے اور کچھ خاص باتیں معلوم کرنے کے عوض ہزار روپے کی پیشکش کی تھی۔ بات ٹیڑھی اور خطرناک ہونے کے باوجود میں تیار ہوگئی کیونکہ میرے لیے ہزار روپے کی رقم بہت بڑی تھی۔ میں ہفتہ بھر دھکے کھانے کے بعد مشکل سے اتنا کمیشن کماتی ہوں۔"

"اوہو!" سلمیٰ کھوکھلی آواز میں ہنسی "پھر تو وہ ہمارا کوئی دوست ہوگا جو ہمارے ساتھ ڈینی کو بھی جانتا ہوگا۔ اس نے مذاق کیا ہوگا۔ حلیہ کیا تھا اس کا؟"

"پڑھا لکھا' شریف اور مال دار آدمی تھا۔" اس غریب لڑکی کے لیے وہ خواص زیادہ اہم تھے "گٹھے ہوئے بدن کا سانولا سا آدمی تھا۔ اس کے ماتھے پر کسی پرانی چوٹ کا بڑا سا نشان تھا۔"

لڑکی رضاکارانہ طور پر تعاون کررہی تھی۔ سلمیٰ نے گاڑی کی رفتار کم کرکے اپنے پرس سے ہزار روپے کا نوٹ نکالا اور لڑکی کی گود میں ڈال دیا۔ لڑکی نے بقایا رقم لوٹانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ سلمیٰ بول پڑی "رہنے دو۔ یہ باقی پیسے تمہارے کام آئیں گے۔"

"میں آپ کی بہت زیادہ شکر گزار ہوں۔ اس آدمی سے بات کرتے ہوئے مجھے یہ بے فکری تھی کہ مجھے صرف بات کرنی تھی۔ آپ کے گھر یا گھر میں رہنے والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا تھا۔" لڑکی نے سلمیٰ کے بڑھتے ہوئے اخلاقی دباؤ کے نتیجے میں اپنی صفائی پیش کی۔

"کوئی بات نہیں۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں

تھا۔" سلمیٰ نے اسے دلاسا دیا "واپسی پر وہ تم سے کیا کہہ رہا تھا۔"

"کچھ نہیں۔۔ میری باتیں سن کر کچھ مایوس ہوا تھا۔ وہ شاید سمجھ رہا تھا کہ میں ڈینی کا نام پتا لکھ لاؤں گی۔"

"اب جو کچھ ہوا، ہوگیا۔ آئندہ احتیاط رکھنا۔ تم خوب صورت لڑکی ہو۔ ہمارے فلیٹ میں کار والے کا کوئی بدمعاش ساتھی بھی ہوسکتا تھا۔ وہ تنہائی میں تمہیں دبوچ لیتا تو کیا ہوتا۔ لڑکی کی عزت ہزار روپے سے بہت زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔"

"بیگم صاحبہ! میں ایسی ویسی نہیں ہوں۔ بس اس وقت لالچ میں میری آنکھوں پر پردہ پڑگیا تھا۔ فلیٹ میں اس وقت میرا دم نکل گیا تھا جب آپ کے میاں نے میرے ہاتھ پر چٹکی لی تھی۔ اس پر آپ کو غصہ آگیا تھا۔"

"وہ شرارتی ہیں۔ دل کے برے نہیں ہیں۔ جان بوجھ کر مجھے چڑا رہے تھے۔" سلمیٰ نے جلدی سے بات بنادی "میں نے تو یہ بھی دیکھا تھا کہ ایک بار انہوں نے تم کو آنکھ ماری تھی۔"

لڑکی نے شرما کر اپنا سر جھکالیا اور دبی دبی آواز میں بولی۔ "آپ بہت اچھی بیوی ہیں۔ اپنے میاں کی عادتوں کو جانتی ہیں۔ اچھا ہوا کہ آپ نے ان کے لیے دو مردانہ پرفیوم لے لیے۔"

"اب کوئی دس ہزار بھی دے تو ہمارے گھر کا رخ نہ کرنا۔" سلمیٰ نے ایک فوری اندیشے کے تحت زور دے کر کہا "اس وقت میں باہر ہوں، وہ گھر میں اکیلے ہیں۔ ایسے میں تم پہنچ جاؤ اور ان پر شیطان آجائے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

سلمیٰ نے گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر روک دی۔

لڑکی نے اسے سلام کیا اور بیگ بند کرکے گاڑی سے اتر گئی۔

سلمیٰ نے بہت غور سے یہ دیکھ لیا تھا کہ لڑکی کے داہنے رخسار کا قیامت خیز تل سوفیصد قدرتی تھا۔

اس لڑکی سے اتفاقی ملاقات سلمیٰ کو قدرت کا ایک انعام محسوس ہورہی تھی۔ جب اس لڑکی کی آمد کے بارے میں فون پر میری اور جہانگیر کی بات ہوئی تو لڑکی کے تل کا معمّا وجود میں نہیں آیا تھا لیکن میں نے اپنے بارے میں لڑکی کے تجسّس کی بنا پر اسے سخت خطرناک قرار دے دیا تھا۔ اس ملاقات میں یہ گرہ کھل گئی تھی کہ وہ لڑکی بے ضرر تھی۔ اصل خطرہ سانولے رنگ کے اس کار سوار کی طرف سے تھا جس نے ایک ہزار روپے دے کر لڑکی کو جہانگیر کے گھر بھیجنے پر آمادہ کیا تھا۔

وہ جلد از جلد گھر پہنچ کر جہانگیر کو اور پھر مجھے ان تفصیلات سے آگاہ کردینا چاہتی تھی۔

جہانگیر کے لیے یہ اطلاع بم کے کسی دھماکے سے کم نہیں تھی کہ تل والی لڑکی انہی اطراف میں منڈلا رہی تھی۔ اسے اپنی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔

پوری کہانی سن لینے کے بعد رفتہ رفتہ اس کے اوسان بحال ہوئے۔ اس نے سلمیٰ اور لڑکی کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں بہت کرید کرید کر سوالات کیے اور سلمیٰ نے اسے ہر بات بلا کم و کاست بتادی۔ صرف وہ باتیں گول کردیں جن کا تعلق جہانگیر کے اخلاق، کردار اور حرکتوں سے تھا۔

جہانگیر نے فوری طور پر ہمارے گھر فون کیا۔ وہ مجھ سے بات کرنے کے لیے مرا جارہا تھا۔ غزالہ نے اس سے مسئلے کے بارے میں پوچھنا چاہا لیکن وہ ایک لفظ بھی بتانے پر آمادہ نہیں ہوا۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ مجھ سے کہاں رابطہ ہوسکتا تھا۔

جہانگیر کے کہنے کے مطابق وہ معاملہ بہت سنگین اور گمبھیر تھا جس کے لیے مجھ سے بات ہونی ضروری تھی۔

غزالہ نے مجبور ہو کر اسے میرا موبائل فون نمبر دے دیا۔

○☆○

مجھے وہاں پہنچے ہوئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ اول خان سے ان معاملات کے سارے نشیب و فراز پر بات ہوچکی تھی لیکن جلال کے کسی آدمی کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ ہوٹل کا رہائشی رجسٹر ہم تک لانے کی کوششوں میں وہ نہ جانے کہاں رہ گیا تھا۔

اسی دوران میں جہانگیر کا فون آگیا۔ وہ بہت جوش میں تھا اور جذباتی ہورہا تھا۔ اس نے مجھے بہت کچھ بتادیا لیکن اس کے پاس میرے ہر سوال کا جواب نہیں تھا۔ آخر اس نے ریسیور سلمیٰ کو دے دیا۔ مجھے ان دونوں کے خانگی اختلافات اور جھگڑوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن مجبوراً مجھے وہ سب بھی سننا پڑ رہا تھا۔

"یہ بات شک و شبہے سے بالا ہوچکی ہے کہ را کی وہ دیوی کراچی میں نہیں ہے جو لاہور میں کام کررہی تھی۔" ان دونوں سے بات کرنے کے بعد میں نے اول خان کو آگاہ کیا۔

"کیوں؟ کیا جہانگیر کو کوئی نئی بات معلوم ہوئی ہے۔" اس نے چونک کر پوچھا۔

جہانگیر اور سلمیٰ کی ساری باتیں دہرائے جانے کے

قابل نہیں تھیں۔ میں نے چند فقروں میں اول خان کو خلاصہ سنا دیا۔

"دھیرے دھیرے بات آگے بڑھ رہی ہے۔" وہ خوش ہو کر بولا "اب ان کا ایک اور آدمی نظروں میں آگیا۔ شہر میں متوسط قامت والے' سانولے رنگ کے ہزاروں آدمی ہوں گے لیکن ان میں سے دو چار ہی کی پیشانی پر چوٹ کا نشان ہوگا۔ اسے پہچانا جا سکتا ہے۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مقامی یا سرے سے پاکستان ہی نہ ہو' وہ کوئی بھارتی بھی ہو سکتا ہے۔"

اس نے سرہلا کر میری بات سے اتفاق کیا پھر تشویش آمیز لہجے میں بولا "اب مجھے فکر ہونے لگی ہے۔ جلال کا وہ آدمی کہاں رہ گیا۔ تم اسے فون کر کے معلوم تو کرو۔"

"جلال اتنا غیر ذمے دار آدمی نہیں ہے۔" میں نے اس کی تجویز سے اختلاف کرتے ہوئے کہا "کوئی گڑبڑ ہوتی تو وہ خود ہی مجھے فون کر دیتا۔"

ہم آپس کی باتوں میں انتظار کا وقت گزارتے رہے۔ اس دوران میں' میں نے ایک مرتبہ گھر فون کر کے غزالہ کو صورت حال بتا دی۔

ساڑھے نو بجے فون کی گھنٹی بجی تو میں نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے آپریٹر کے بجائے براہِ راست جلال کی آواز آئی تو میں چونک پڑا "تم کہاں موجود ہو؟"

"میں زیادہ دور نہیں ہوں۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی "نیچے ہوٹل کی لابی سے انٹرکام پر بات کر رہا ہوں۔"

"اوہو!" میں وہ اطلاع سن کر مضطرب ہو گیا "تم یہاں کیوں آگئے۔ تم پہچانے جا سکتے ہو۔ تمہارا آدمی کہاں رہ گیا۔"

"بات میرے آدمی کے بس کی نہیں رہی تھی اس لیے مجھے خود نکلنا پڑا۔" وہ میرے لہجے کے اضطراب سے محظوظ ہوا تھا "تم میری شناخت کی فکر نہ کرو۔ اس وقت میں ایسے حلیے میں ہوں کہ مجھے تم بھی آسانی سے نہیں پہچان سکو گے۔ اسی لیے میں انٹرکام پر اوپر آنے کی اجازت لے رہا ہوں۔"

"جلدی آؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" میں نے عجلت میں جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

دروازے پر ہلکی سی دستک سن کر میں نے دروازہ کھولا تو اسے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ اس نے کوئی مصنوعی میک اپ استعمال کیے بغیر اتنی مہارت سے اپنا حلیہ تبدیل کیا تھا کہ پیشگی اطلاع کے بغیر میں اسے آسانی تو کیا مشکل سے بھی نہیں پہچان سکتا تھا۔

اس کے سیاہ بال تیل میں تقریباً لتھڑے ہوئے تھے۔ بائیں مانگ نکال کر اس نے بال دونوں طرف جما لیے تھے۔ وہ چشمہ استعمال نہیں کرتا تھا لیکن اس کے چہرے پر باریک کمانی میں جڑے ہوئے سفید شیشوں کی عینک دیکھ کر یہ گمان ہو رہا تھا جیسے وہ ایک مدت سے بینائی کی کمزوری کا شکار ہو۔

بوسکی کے شیروانی کالر کرتے اور لٹھے کے پاجامے پر سیاہ واسکٹ نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ اس کے بدن پر صرف توند کی کمی تھی ورنہ وہ پکا مارواڑی سیٹھ معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک ہلکا اور چپٹا سا چرمی بیگ جھول رہا تھا۔

میں نے دروازہ کھول کر اسے جلدی سے اندر بلایا اور دروازہ اندر سے مقفل کر لیا۔

"شان دار!" اول خان نے اسے دیکھتے ہی بے ساختہ نعرہ لگایا اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا "تم بالکل بدلے ہوئے نظر آرہے ہو۔" وہ جلال کے سامنے کچھ محتاط رہتا تھا اور اس سے کسی بھی قسم کی بے تکلفی کے مظاہرے سے گریز کرتا تھا مگر اس وقت اسے بدلے ہوئے روپ میں دیکھ کر اپنی بے ساختہ مسرت کے اظہار پر قادر نہ رہ سکا۔

"میرا یہاں دیکھا جانا ہمارے مشن کے مفاد میں نہیں تھا۔ یہاں سرکاری عہدے دار بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔ کئی بار میں اس ہوٹل میں رک چکا ہوں۔ ڈر تھا کہ کوئی پہچان لے گا اس لیے یہاں آنے سے پہلے یہ عارضی تبدیلیاں کر ڈالیں۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کپڑے میرے اپنے ہیں۔ میں اپنے گھر میں کرتا پاجامہ ہی استعمال کرتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا چشمہ اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔

"یہ سب اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن تمہارا آدمی کہاں رہ گیا؟" میں نے پوچھا "اصل پروگرام تو اس کے آنے کا تھا۔"

"وہ یہاں آیا تھا اور ناکام رہا۔ وہ رجسٹر ڈی آئی جی صاحب لیے بیٹھے تھے۔"

"تم نے کیا کر لیا۔ تم بھی خالی ہاتھ آئے ہو۔ وہ رجسٹر خاصا ضخیم اور بڑا ہوتا ہے۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"انہوں نے مجھے بھی ٹالنے کی کوشش کی تھی۔ میں رجسٹر کے دس صفحات کی فوٹو کاپی لے آیا ہوں۔" اس نے خوش خبری سنائی۔

"ویری گڈ!" میں نے خوش ہو کر کہا "اتنے صفحات بھی کافی ہیں۔ کام بن جانا چاہیے۔"

اس نے اپنا بیگ کھول کر تہ کیے ہوئے کاغذوں کا ایک پلندا نکال کر میرے اور اول خان کے سامنے رکھ دیا "میں نے رجسٹر پر ایک سرسری نظر ڈالی تھی مگر مجھے اس میں کام کی کوئی بات نہیں نظر آئی۔ اب تم اسے دیکھ ڈالو۔ شاید کہیں میری نظریں چوک گئی ہوں۔"

رجسٹر کی ان تصویری نقول کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے میں نے اسے سلمٰی کے تجربے سے آگاہ کردیا۔ اس نے اس واقعے کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اس کی دانست میں دیوی والا قصہ پہلے ہی تمام ہو چکا تھا۔ اس پر مزید سر کھپانا فضول تھا۔

میں نے آخری صفحے سے رجسٹر کے اندراجات کو دیکھنا شروع کردیا۔ ہوٹل میں تین شفٹ کی ڈیوٹیوں کی وجہ سے تحریر میں فرق ضرور تھا لیکن ہر شفٹ میں کیے جانے والے اندراجات یکساں تحریر میں تھے۔ میں آخری تاریخ سے پیچھے چلتا رہا۔ پچھلے روز کسی حشمت خان کی آمد کا اندراج بالکل مختلف تحریر میں تھا۔ رجسٹر کے مطابق وہ پچھلے دن شام چار بجے آیا تھا اور بدستور ہوٹل کے کمرا نمبر تین سو دس میں مقیم تھا۔ میں پیچھے چلتا رہا۔ ان دس صفحات میں تین مرتبہ حشمت خان کی آمد کا اندراج تھا۔ تینوں مرتبہ شفٹ ڈیوٹی والے یا والی کے بجائے کسی اور نے اس کی آمد درج کی تھی کیونکہ پوری شفٹ میں وہی ایک اندراج مختلف تحریر میں تھا۔ تینوں مرتبہ لکھی جانے والی مختلف تحریریں کسی ایک ہی شخص نے لکھی تھیں۔

جلال میرے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات سے اندازہ لگا رہا تھا کہ مجھے اپنی مشق میں کچھ کامیابی حاصل ہو رہی تھی لیکن اس نے میری مصروفیت میں مخل ہونے کی کوشش نہیں کی۔

پچھلے دو مواقع پر حشمت خان ایک اور دو راتوں کے لیے ہوٹل میں رکا تھا۔ تیسرے اندراج کے مطابق وہ ایک رات بسر کرنے کے بعد، اس وقت بھی کمرے پر متصرف تھا۔

میں نے وہ صفحات جلال کی طرف بڑھا دیے کیونکہ اول خان میرے قریب کھڑا ہو کر ان کا مشاہدہ کرچکا تھا۔

"کیا ملا؟" جلال نے کاغذات میرے ہاتھ سے لیتے ہوئے پوچھا۔

"اس میں حشمت خان کی آمد کے اندراجات دیکھو۔ سات دنوں میں وہ آج تیسری بار یہاں مقیم ہے۔ وہ وی آئی پی ہے اس لیے اس کی آمد کے اندراجات کاؤنٹر پر ڈیوٹی کلرک نہیں کرتا۔ وہ کسی افسر کی ذمے داری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تحریر ارجن کمار کی ہوگی۔"

جلال نے بہت دلچسپی سے پہلا صفحہ دیکھا اور پھر دیگر صفحات بھی دیکھتا چلا گیا۔ اس کے لیے کہیں بھی میرے مشاہدے سے اختلاف کی گنجائش نہیں تھی۔

آخری صفحہ دیکھ لینے کے بعد جلال ایک گہرا سانس لے کر سیدھا ہو گیا "صحیح معنوں میں تم دونوں کو آئی بی یا آئی ایس آئی کے تفتیشی شعبے میں ہونا چاہیے۔ برجستگی کے ساتھ یوں بال کی کھال نکالنا کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ گندی تحریروں میں پوشیدہ یہ فرق میری نظروں میں بھی نہیں آسکا۔ میں بہت احتیاط سے پتا چلاتا ہوں کہ حشمت خان والے اندراجات کس کی تحریر میں ہیں۔ یہ معاملہ اب بہت حساس اور نازک ہو چکا ہے۔"

"غالباً تم نے یہ دیکھ لیا ہوگا کہ وہ کل شام چار بجے سے اب تک یہیں مقیم ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"اب مجھے اتنا گیا گزرا نہ سمجھو!" اس نے مذاق میں ہنستے ہوئے گہری چوٹ کر ڈالی "اس کی موجودگی کی وجہ سے ہی میں نے اس معاملے کو نازک اور حساس قرار دیا ہے۔ اسے بھنک بھی مل گئی کہ ارجن کے قتل کے سلسلے میں اس کے بارے میں چھان بین کی جارہی ہے تو وہ اسی لمحے غائب ہو جائے گا۔"

"غائب ہو کر کہاں جائے گا۔" اول خان نے بے ساختہ، پورے اعتماد سے کہا "رجسٹر میں اپنا فیصل آباد کا پتا لکھوا کر وہ اپنی گردن پھنسوا چکا ہے۔"

"تم بعض اوقات بہت بھولے بن جاتے ہو۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اگر وہ مشکوک آدمی نہیں ہے تو اس بھنک سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ ہوٹل میں رک کر ہر قانونی باز پرس کا سامنا کرے گا۔ وہ ہمارا مطلوب آدمی ہے تو ہم اسے ڈھونڈتے رہ جائیں گے۔ اس کا فیصل آباد کا پتا بالکل غلط ثابت ہوگا۔"

"ہاں۔ یہ تم صحیح کہہ رہے ہو۔" وہ تفکر آمیز انداز میں سر ہلا کر بولا "پھر تو اس کا نام بھی غلط ثابت ہو سکتا ہے۔"

"امکان یہی ہے۔" جلال نے کاغذات سمیٹ کر بیگ میں ڈالتے ہوئے، اس کی بات کی توثیق کی "پھر ہر بات فراڈ اور غلط ہوگی۔"

جلال یکایک بہت عجلت میں نظر آنے لگا تھا۔ کاغذات سمیٹتے ہی وہ اٹھا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ جاتے ہوئے وہ اپنا چشمہ ساتھ لینا نہیں بھولا تھا۔

"اب کیا ارادہ ہے؟ بیٹھ کر جلال کی واپسی کا انتظار کیا جائے!" اول خان نے پوچھا۔

"اپنے آدمی سے کہو کہ وہ نیچے لابی سے انٹر کام پر حشمت خان کے کمرے کا نمبر ملا کر دیکھے۔" میں نے اسے مشورہ دیا۔

"وہاں سے کوئی جواب نہ ملا تو ٹھیک ہے لیکن کسی نے فون اٹھالیا تو وہ کیا کرے گا۔" اول خان کوئی قدم اٹھانے سے پہلے خود مطمئن ہونا چاہتا تھا۔

"جواب ملنے کا مطلب ہوگا کہ حشمت خان شریف آدمی ہے۔ وہ اس سے کوئی بھی فرضی بات کر کے معذرت کے ساتھ فون بند کر دے۔" میں نے کہا۔

"شاید تم نتیجہ اخذ کرنے میں عجلت کر رہے ہو۔ حشمت خان اپنے کمرے میں ہے۔ اس کا ہمدرد اور مخبر ارجن مر چکا ہے۔ ایسی مفروضہ صورت میں اسے پتا ہی نہیں چل سکے گا کہ اس کے بارے میں کوئی چھان بین ہو رہی ہے۔ یہ بات ابھی تک صرف ہم تینوں ہی جانتے ہیں۔ اس کارروائی سے کوئی اور اس وقت واقف ہوگا جب جلال وہ اندراج دکھا کر کسی سے تحریر کی تصدیق کرائے گا۔"

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ یہ بات نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ مشتبہ فرد کے فرار کے لیے صرف اتنی خبر ہی کافی تھی کہ ارجن کو ہوٹل میں مار دیا گیا تھا۔

اس وقت میرے لیے کمرے میں بیٹھ کر انتظار کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ میں نے اول خان سے کہا "تم یہیں بیٹھو۔ میں نچلے فلور پر ذرا حشمت خان کے کمرے کا دیدار کر کے آتا ہوں۔"

"اچھی تجویز ہے۔" وہ بولا "میں اکیلا یہاں بیٹھ کر کیا کروں گا۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

"ہم دونوں میں سے کسی ایک کا یہاں موجود رہنا ضروری ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "جلال یا تمہارا آدمی انٹر کام پر رابطے کی کوشش کر سکتا ہے۔ یہاں سے انہیں کوئی جواب نہ ملا تو وہ تشویش میں مبتلا ہو جائیں گے۔ صورت احوال واضح ہونے تک یہ ہوٹل ہمارے لیے چوہے دان بنا ہوا ہے۔"

"بس دور سے جائزہ لے کر آجانا۔ کوئی نظر آجائے تو اس سے الجھنے کی کوشش نہ کرنا۔" اول خان نے مجھے سمجھایا۔

میں نے مسکرا کر سر خم کیا اور ہاتھ ہلا کر کمرے سے نیچے اتر گیا۔

اپنے فلور سے تیسری منزل پر اترنے کے لیے میں نے لفٹ کے بجائے زینوں کا انتخاب کیا۔ قابلِ اعتبار اور سبک رفتار لفٹ سروس کی موجودگی میں کوئی بھی زینوں پر موجود نہیں تھا۔ میں نے سگریٹ پیتے ہوئے خراماں خراماں زینے طے کیے اور تیسری منزل پر پہنچ کر رہائشی کمروں والی خوب صورت راہداری کی طرف مڑ گیا۔

دوسرے کمروں کی طرح کمرا نمبر تین سو دس کا دروازہ بھی بند تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس کے ہینڈل پر گتے کا وہ مخصوص ٹیگ جھول رہا تھا جس پر نمایاں انگریزی حروف میں مخل نہ ہونے کی التجا کی گئی تھی۔ وہ ٹیگ ظاہر کر رہا تھا کہ حشمت خان اس وقت اپنے کمرے میں ہی موجود تھا۔

بے اختیار میرا دل چاہا کہ دروازے پر طبع آزمائی کروں اور کم از کم اس شریف آدمی کا دیدار ضرور کر لوں جو ارجن کے قتل سے بے پروا ہو کر اپنے کمرے میں آرام کر رہا تھا اور ہم بلاوجہ اس کے بارے میں چھان بین کرتے پھر رہے تھے مگر میں اپنے اس ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا۔

وہ آرام کر رہا تھا تو دروازے کا اندر سے مقفل ہونا ناگزیر تھا۔ دروازے پر ٹیگ لگا ہونے کے باوجود دستک دینا بد اخلاقی کے مترادف ہوتا۔ انٹر کام کی گھنٹیاں بجا کر اس شریف آدمی کو اطمینان سے جگایا جا سکتا تھا۔

میں نے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور راہداری کو ویران پا کر وہیں سے واپسی کے لیے مڑ گیا۔

تیسری منزل سے گراؤنڈ فلور پر اترنے کے لیے میں نے لفٹ کو ترجیح دی۔ تیسری منزل کے کمرے میں حشمت خان کی موجودگی کی علامات پا کر مجھے سخت مایوسی ہوئی تھی۔ ہماری ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد رائگاں جاتی نظر آرہی تھی۔

میں نے ایک قطار میں، دیوار گیر کاؤنٹر پر لگے ہوئے انسٹرومنٹس میں سے ایک پر کمرے کا نمبر ملایا اور دھڑکتے ہوئے دل سے انتظار کرنے لگا۔

دوسری طرف گھنٹی بجی اور پھر وقفے وقفے سے گھنٹیاں بجنے لگیں۔ مجھے تشویش ہونے لگی کہ کہیں ارجن کی طرح اسے بھی خاموشی سے ہمیشہ کی نیند نہ سلا دیا گیا ہو۔

ٹیگ بتا رہا تھا کہ وہ کمرے میں آرام کر رہا تھا۔ مسلسل بجتی ہوئی گھنٹیاں کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھیں۔ میں نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور تیزی سے لفٹ کی طرف ہو لیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

لفٹ میں سوار ہوتے ہوئے میرا ارادہ براہِ راست حشمت خان کے کمرے کی طرف جانے کا تھا۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ لفٹ کے حرکت میں آنے تک میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ ان نازک حالات میں میرا حشمت خان کے کمرے پر جانا قرین مصلحت نہیں تھا۔ جوش اور عجلت میں کام خراب بھی ہو سکتا تھا۔

حشمت ہوٹل کے کمرے میں تھا یا نہیں تھا اور اگر وہ کمرے میں تھا تو کس حال میں تھا کہ فون کی مسلسل بجتی ہوئی گھنٹیاں بھی اسے اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکی تھیں۔ وہ سوالات بہت اہم تھے۔ ان کے جوابات مل جانے سے کئی گتھیاں سلجھ سکتی تھیں۔ مجھے یہ یقین ہو گیا تھا کہ ہوٹل کے کمرا نمبر تین سو دس میں جو کچھ ہونا تھا' وہ ہو چکا تھا۔ اگر ہمیں وہاں پہنچنے میں کچھ تاخیر بھی ہو جاتی تو وہاں کی صورت حال میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہو سکتی تھی۔ حالات جوں کے توں رہتے۔

میں لفٹ میں سوار ہوتے ہی تیسری منزل کا بٹن دبا چکا تھا۔ لفٹ چند ثانیوں کے لیے اس فلور پر رکی۔ دروازہ کھل کر بند ہوا اور ذرا سی دیر میں' میں دوبارہ پانچویں منزل پر واقع' اول خان کے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔

اول خان بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند کرتے ہی اس نے اپنی مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

"کچھ نہیں ہوا۔" میں نے نیم دلی سے اسے بتایا "کمرے کا دروازہ بند ہے اور اس کے ہینڈل پر ڈونوٹ ڈسٹرب پلیز کا نمایاں ٹیگ جھول رہا ہے۔"

اول خان نے بے صبری سے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "تم کو انٹرکام پر اسے چیک کرنا چاہیے۔ وہ کمرے میں موجود ہے تو فون ضرور اٹھائے گا۔"

"میری یہ کوشش بھی ناکام ثابت ہوئی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے آگاہ کیا "میں نے نچلے فلور سے فون کیا تھا' اس کے کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔ اسی فراق میں مجھے واپس آنے میں تاخیر ہوئی ہے۔ پتا نہیں یہاں کیا کھیل ہو رہا ہے۔"

"ایسا تو نہیں کہ اسے بھی ارجن کمار کی طرح لمبے سفر پر روانہ کر دیا گیا ہو!" اول خان کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا "یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ارجن کو [illegible] مارا گیا ہے۔ مجھ سے یعنی کرنل داور سے بات کرتے ہوئے اس سے ایک چوک ہو گئی تھی جس کا ازالہ ارجن کے قتل کے سوا کسی اور طرح نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ بہت تیزی سے راستے سے ہٹا دیا گیا۔ یہاں تک بات قابلِ فہم ہے مگر حشمت کا معاملہ مختلف ہے۔ ان لوگوں کے پاس افرادی قوت کی کمی ہے۔ ان کے متعدد ساتھی ہمارے ہاتھوں یا ہماری وجہ سے مارے جا چکے ہیں۔ وہ خود بھی اتنی تیزی سے اپنے آدمیوں کا صفایا کرتے رہے تو پھر کام کس سے لیں گے۔ نک اور ٹام اپنے آرام دہ دفتروں میں بیٹھ کر بھیانک منصوبہ بندیاں کر سکتے ہیں لیکن میدان میں اترنا ان کے بس سے باہر ہے۔ فیلڈ ورک کے ذریعے کام کو آگے بڑھانے کے لیے انہیں مقامی کارندوں کی شدید ضرورت ہے۔ ارجن کا کانٹا صاف کر دینے کے بعد حشمت کے قتل کا کوئی واضح جواز نہیں رہا تھا۔"

"اب کم از کم یہ بات صاف ہو گئی کہ حشمت کوئی بے گناہ آدمی نہیں ہے بلکہ ان کا قریبی معاون اور مددگار ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ہوٹل کے ریکارڈ میں اس کا نام اور پتا درست نہیں ہے۔ فیصل آباد کے پتے پر ہم کسی حشمت خان کو دریافت نہیں کر سکیں گے۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے۔"

وہ نکتہ میرے ذہن میں بھی چکرا رہا تھا لیکن اول خان مجھ سے پہلے وہ بات اپنی زبان پر لے آیا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا "میں سوچتا رہ گیا اور تم نے اپنے دل میں آنے والی بات کہہ ڈالی۔ مجھے بھی شبہ ہو رہا ہے کہ اس کے کمرے کے دروازے پر لٹکا ہوا ٹیگ مغالطے میں ڈالنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے ورنہ وہ ہوٹل سے نکل چکا ہے۔"

"وہ نک اور ٹام کا آدمی ہے تو ارجن کے قتل کے بعد اسے یہی کرنا چاہیے تھا۔" اس نے میری تائید کی۔

اس بارے میں اول خان سے کھل کر بات کر لینے کے بعد میرے ذہن سے خلش دور ہو گئی۔ اب مسئلہ صرف اتنا رہ گیا تھا کہ اس بند کمرے کا دروازہ کھول کر اس اندازے کی تائید حاصل کی جا سکے۔

اول خان اس معاملے میں ایس ٹی ایف کے کردار کو پس منظر میں رکھنا چاہ رہا تھا۔ آئی بی والوں کی پالیسی میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ وہ روز مرہ کے واقعات اور شہری پولیس کے دائرۂ کار میں کبھی بے جا مداخلت نہیں کرتے تھے۔ میں نے ہوٹل کے رجسٹر کے بارے میں جلال کو یہ باور کرا دیا تھا کہ ارجن کے قتل کے معاملے میں تیزی سے کسی پیش قدمی کے لیے اس کا جائزہ لینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ جلال نے اس ضرورت

کا ادراک کرتے ہوئے خود میدان میں آکر وہ کام کر ڈالا تھا۔

رجسٹر کے دس صفحات کی فوٹو کاپی حاصل کرنے کے لیے بھی اس نے اپنی وضع قطع میں نمایاں تبدیلی کرکے یہ اہتمام کرلیا تھا کہ ہوٹل میں اس کا کوئی شناسا افسر یا عملے کا کوئی رکن اسے آسانی سے شناخت نہ کرسکے۔ شاید اس نے صرف ڈی آئی جی کو اپنی شناخت کرانے کے بعد اپنا کام نکالا تھا۔ دوسرے افسران کو کانوں کان پتا نہیں چل سکا تھا کہ ارجن کے قتل کے معاملے میں یکایک آئی بی والوں نے بھی دلچسپی لینا شروع کردی تھی۔

ڈی آئی جی کو اعتماد میں لے کر وہ خود پس پردہ رہتے ہوئے، حشمت کا بند کمرا بھی کھلوا سکتا تھا۔ ایک بار یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی کہ وہ ارجن کے قتل کے بعد ہوٹل سے فرار ہوچکا تھا تو پھر پورے زور و شور سے اس کی شناخت اور تلاش کی مہم شروع کی جاسکتی تھی۔

حشمت کے بارے میں ایک واضح امکان ذہن میں آجانے کے بعد میرے ذہن میں کچھ نقشہ جمنا شروع ہوگیا تھا۔

حشمت اور اس جیسے کچھ لوگ پاکستان کی سرزمین پر غیر ملکی سازشی قوتوں کے دست و بازو بنے ہوئے تھے۔ حشمت کراچی کا کوئی معزز اور بارسوخ شہری تھا جو درپردہ نک اور ٹام سے ملا ہوا ہونے کے باوجود اپنے اصل روپ میں کسی قسم کی مجرمانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ شاید ارجن اسی کی دریافت تھا اور اسی کے ایما پر نک کے مقاصد اور مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔

حشمت کا اصل مسکن کہیں اور تھا۔ وہ ضرورت کے وقت اس ہوٹل میں آتا تھا اور ارجن کمار عزت اور احترام سے اس کے لیے کسی کمرے کا بندوبست کردیتا تھا۔ ان دونوں کی ملی بھگت کی وجہ سے ہوٹل میں کسی کی مجال نہیں رہی ہوگی کہ وہ حشمت سے اس کی شناخت کی تصدیق طلب کرسکے۔ وہ آتا، ہوٹل میں رہتا اور کچھ گنے چنے لوگوں سے کوبرا کے روپ میں مل کر خاموشی سے واپس لوٹ جاتا ہوگا۔

یہ اس کی چالاکی تھی کہ ارجن کے قتل کے بعد اس نے باضابطہ طور پر ہوٹل نہیں چھوڑا تھا۔ اس خوں ریز واردات کے فوری بعد ہوٹل چھوڑنے والے مہمان پولیس کی تفتیشی سرگرمیوں کی زد میں آسکتے تھے۔

اس نے ہوٹل کے عملے اور کسی غیر متوقع مہمان کو دھوکا دینے کے لیے اپنے کمرے کے دروازے کے ہینڈل میں ایک ٹیگ لٹکایا اور خاموشی سے ہوٹل سے نکل گیا۔

اول خان اپنی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور میں اسی معاملے پر مغز زنی کررہا تھا۔ کافی غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس مرحلے پر حشمت کے بند کمرے کو چھیڑنا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ میرے ذہن میں یہ بات جڑ پکڑ چکی تھی کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ ارجن کے قتل کے بعد پہلی فرصت میں فرار ہوچکا تھا۔

وہ ہوٹل کے مستقل مہمانوں میں سے ایک تھا۔ دس صفحات پر مشتمل، چند روزہ ریکارڈ میں اس کی تین مرتبہ آمد کا اندراج تھا۔ وہ نہ جانے کب سے اس ہوٹل کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کررہا تھا۔ ہوٹل کے عملے میں ارجن اس کے اعتماد کا قریبی آدمی تھا جو مارا جاچکا تھا لیکن یہ بات یقینی تھی کہ ہوٹل کے نچلے عملے کے بہت سے افراد سے اس کے قریبی مراسم رہے ہوں گے۔ وہ فضا میں خطرے کی بو سونگھ کی فوری طور پر ہوٹل سے فرار ہوگیا تھا لیکن بعد میں یہ جاننے کی کوشش ضرور کرتا کہ اس کے خاموشی سے فرار کے نتیجے میں ہوٹل میں کیا صورت حال پیش آئی تھی۔

ذرا سے انعام کے لالچ میں عملے کا کوئی بھی فرد اسے بعد میں پیش آنے والے واقعات سے پوری طرح آگاہ کرسکتا تھا۔

اگر اسے یہ پتا چل جاتا کہ اس کے کمرے کی خصوصی طور پر جانچ پڑتال کی گئی تھی تو وہ بہت زیادہ ہوشیار اور محتاط ہوجاتا۔ ہمارے لیے اس وقت بہترین حکمت عملی یہ تھی کہ اس کے کمرے کو مکمل طور پر نظر انداز کردیا جائے تاکہ حشمت ہمارے عزائم سے بالکل بے خبر رہ کر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ اس دوران میں ہوٹل کا عملہ اپنے روز مرہ کے معمول کے مطابق کسی نہ کسی وقت یہ پتا چلا لیتا کہ کمرا نمبر تین سو دس میں ٹھہرا ہوا مہمان پراسرار انداز میں غائب ہوچکا ہے۔

ہوٹلوں کے کمروں میں اکیلے مہمانوں کا ٹھہرنا ایک معمول ہے۔ مہمانوں کو اپنی خلوت میں رہنے کا حق حاصل ہوتا ہے لیکن مستقل طور پر دروازے پر لٹکا ہوا ٹیگ چند گھنٹوں بعد ہی فلور پر موجود 'روم سروس' کے عملے کو حشمت کے کمرے کی طرف متوجہ کرسکتا تھا۔ اندر والے سے رابطہ قائم کرنے کی روایتی کوششوں میں ناکامی کے بعد ہوٹل والے یہی سوچ سکتے تھے کہ ان کا مہمان شاید علیل ہوکر اچانک اس حال کو پہنچ گیا ہے کہ کسی بھی رابطے کی کوشش کا جواب دینے کا قابل نہیں رہا۔

ذمے داروں کی موجودگی میں متبادل چابی سے دروازہ

کھولتے ہی یہ بات سامنے آجاتی کہ حشمت غائب ہوچکا تھا۔
جلال کے اثر و رسوخ کے ذریعے بات آگے بڑھانے سے کہیں زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ بات ہوٹل والوں کی طرف سے از خود سامنے لائی جاتی۔
میں نے اس بارے میں اول خان سے بات کی تو وہ تحسین آمیز انداز میں میری رائے سے متفق ہوگیا۔
"پھر ہم میں سے کسی کا یہاں رکنا بے سود ہے۔ تم جس مقصد کے لیے یہاں آئے تھے وہ حاصل کیا جاچکا ہے۔" میں نے کہا۔
"ہوٹل کے ریکارڈ تک اس وقت رسائی بہت مشکل تھی اس لیے میں خود یہاں آیا تھا لیکن ایس بی ایف کا نام استعمال کیے بغیر بات بنی مشکل تھی۔"
میں نے ہنستے ہوئے اس کی بات اڑا دی "چلو' یہ کام جلال نے آسان کردیا۔ اس بہانے یہاں ہم تینوں کی ملاقات بھی ہوگئی۔"
"فوری طور پر کمرا چھوڑنا مناسب نہیں ہوگا۔ میں نے دو دن کا پیشگی کرایہ دیا ہے۔ میرے بعد میرا آدمی یہ کمرا سنبھال لے گا۔" اس نے مجھ سے تائید چاہی۔
"تم ٹھیک سوچ رہے ہو۔ کسی نہ کسی کو یہاں رہنا چاہیے تاکہ ہم حشمت کے کمرے میں پیش آنے والی آخری صورت حال سے واقف ہوسکیں۔" میں نے کہا۔
"مجھے ننانوے فیصد یقین ہے کہ وہ بھاگ چکا ہے لیکن ایک فیصد شبہ ہے کہ کہیں اسے کمرے میں ہی نہ ماردیا گیا ہو۔"
"اس وہم کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ میں شرط لگانے کے لیے تیار ہوں کہ اس وقت اس کا سایہ بھی اس ہوٹل میں موجود نہیں ہے۔"
چند لمحوں بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو جلال سامنے کھڑا عجیب سے انداز میں مسکرا رہا تھا۔
"مبارک ہو!" دروازہ بند ہوجانے کے بعد اس نے اول خان سے مخاطب ہو کر کہا "تمہاری بھاگ دوڑ ضائع نہیں ہوئی۔ تم نے اس معاملے پر خاصی عرق ریزی سے کام کیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ تحریر ارجن کی ثابت ہوئی ہے۔"
مجھے پہلے سے اس خبر کی توقع تھی لیکن جلال کی زبان سے وہ کلمات سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔
کچھ دیر پہلے جب میں نے کرنل داور بن کرنک سے بات کی تھی تو ہمارے سامنے کوبرا کے سوا کوئی نام نہیں تھا۔ فائیو اسٹار ہوٹل کے منیجر کے عہدے اور کوبرا کے لقب سے شروع ہونے والی بات کے محض دو گھنٹے بعد ارجن کی لاش اور حشمت کا نام ہمارے سامنے آچکا تھا۔
بن ڈیوڈ کی موت کے بعد ہم خود کو جس بند گلی میں محسوس کررہے تھے اس سے نکلنے اور کچھ پیش رفت کرنے کے آثار نمودار ہورہے تھے۔ ان دونوں کے علاوہ بھی کچھ نہ کچھ سراغ سامنے آچکے تھے۔ سلمٰی نے تل والی لڑکی کی جو کہانی سنائی تھی اس پر یقین نہ کرنے کا کوئی سبب نہیں تھا۔ میں نے سلمٰی سے اس گفتگو کے بارے میں کرید کرید کر سوالات کیے تھے اور میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس بے کس اور ضرورت مند لڑکی نے ممنونیت کے جذبے سے مغلوب ہو کر سلمٰی کو ہر بات درست بتائی تھی۔
اس کے بیان کی صحت پر اعتبار کرلینے کے بعد میرے لیے وہ آدمی بہت اہم ہوگیا تھا جس نے تل والی لڑکی کو ایک ہزار روپے کے عوض جہانگیر کے فلیٹ میں جانے اور کچھ مخصوص معلومات جمع کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ عام سی متوسط قامت اور سانولے رنگ کے باوجود اسے اپنی پیشانی پر موجود' زخم کے پرانے نشان کی بدولت ہزاروں کی بھیڑ میں الگ سے پہچانا جاسکتا تھا۔
میرے لیے ان سب سے زیادہ اہم سوبھراج کا نام تھا جو نیلی ڈاج کے حوالے سے سامنے آیا تھا۔ چوپڑا نے پرتشدد تفتیش کے دوران اس کی عزت اور اعتبار کی کہانی سنائی تھی مگر سوبھراج کے مجرمانہ ماضی اور اس کے اس وقت کے کردار کی روشنی میں میرے لیے اس کو نظرانداز کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ وہ بکھرے ہوئے سراغ تھے جو رہ رہ کر میرے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔ میرا وجدان مجھے بتا رہا تھا کہ ان کے درمیان آپس میں کہیں نہ کہیں گہرا تعلق موجود تھا مگر عملی طور پر میں بالکل اندھیرے میں تھا۔
جلال اور اول خان ٹھوس عملی دنیا کے آدمی تھے۔ وہ مضبوط مفروضوں اور قیاسات پر بھی کام کرتے تھے مگر میں نے سوبھراج کے بارے میں اس وقت اپنی زبان کو بند رکھنا ہی بہتر سمجھا۔
"اب یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہے کہ اس ہوٹل میں ارجن کا خاص مہمان حشمت ہی ہوا کرتا تھا۔" اول خان کہہ رہا تھا۔
"یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔" جلال نے اعتراف کیا "ہمیں کام کرنے کے لیے ایک سمت مل گئی ہے۔"

"ارجن کی تحریر کی تصدیق کے چکر میں یہ بات ہوٹل کے عملے میں پھیل گئی ہوگی کہ حشمت کی آمد کا اندراج ارجن خود کیا کرتا تھا۔" میں اس معاملے کو ایک دوسرے زاویے سے بھی دیکھ رہا تھا۔

"بات پھیل جاتی تو سارا کھیل بگڑ جاتا۔" جلال نے برجستہ جواب دیا "اس وقت ساری اہمیت رازداری کی ہے۔ ہوٹل میں حشمت کے دوسرے روابط بھی ہوں گے۔ اسے بھنک بھی مل گئی کہ اس کی ذات شبہات کی زد میں آگئی ہے تو وہ زیرِ زمین چلا جائے گا اور ہم بھٹکتے رہ جائیں گے۔"

"تمہارے آنے سے پہلے ڈپٹی نے بالکل یہی بات ذرا دوسرے الفاظ میں کہی تھی۔" اول خان بے ساختہ بول پڑا۔

"کیوں؟ تم کیا سوچ رہے تھے؟" جلال نے مجھ سے پوچھا۔

"حشمت کے دروازے پر ڈوناٹ ڈسٹرب کا ٹیگ جھول رہا ہے اور فون پر جواب نہیں مل رہا۔"

"ارجن کے قتل کے بعد اسے ایک لمحے کے لیے بھی یہاں نہیں رکنا چاہیے تھا۔ وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگا ہوگا۔" جلال نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"پہلے میرا خیال تھا کہ اس کا کمرا کھلوا دیا جائے لیکن اس طرح بات پھیل جاتی۔" میں نے اپنی بات خود ہی دہرا دی "ہمیں انتظار کرنا ہوگا کہ ہوٹل کا عملہ اس بند کمرے کی طرف کب متوجہ ہوتا ہے۔"

"کمال ہے۔" وہ سر جھٹک کر بولا "ادھر تم یہ سوچ رہے تھے اور میں بھی اسی ادھیڑبن میں مبتلا تھا۔ ڈی آئی جی نے میری بات سنتے ہی، تحریر کی شناخت کے لیے ڈیوٹی کلرک کو بلا کر پوچھ گچھ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا مگر پھر میری بات سے متفق ہوگیا۔"

میرا خیال تھا کہ وہ خود اپنی بات پوری کرے گا مگر جب اس کی خاموشی کا وقفہ طویل ہوگیا تو اول خان مضطرب ہوکر بول پڑا "پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ تحریر ارجن کی ہے۔"

"ارجن کی درازوں اور فائلوں میں اس کی بہت سی تحریریں تھیں۔ ان سے موازنے کے بعد کسی سے مزید پوچھ گچھ کی ضرورت پیش نہیں آئی۔" جلال نے اطمینان سے جواب دیا۔

جلال کی محتاط روی کی وجہ سے وہ نکتہ صرف ڈی آئی جی کی ذات تک محدود رہا۔ جلال نے یہ بات اس کے ذہن میں ڈال دی کہ حشمت کا ارجن کے قتل سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور رہا ہوگا۔

پولیس کے محکمے کے لیے وہ قتل کی ایک الجھی ہوئی اور پراسرار واردات تھی جس کے سر پیر کا کوئی سرا سامنے نہیں تھا۔ جلال نے بھی ڈی آئی جی کے لیے اس گتھی کو سلجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس قتل کے پس منظر میں موجودہ حالات و واقعات کا صیغہ راز میں رہنا ہی سب کے مفاد میں تھا۔ اسی طرح حشمت کے کمرے کو چھیڑنا بھی مناسب نہیں تھا۔ وہ میرے خیال کی بازگشت تھی۔

ڈی آئی جی کے ذہن میں یہ منطقی سوال ابھرا تھا کہ آئی بی کے ایک ذمے دار افسر کو ارجن کے قتل میں یکایک کیوں دلچسپی ہوگئی تھی۔ جلال ایسے سوالات کے لیے ہروقت تیار رہتا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر بات کو ٹال دیا کہ شہر کے ایک مشہور ہوٹل میں ارجن کے دیدہ دلیرانہ قتل کی خبر سن کر اس کے ذہن میں اس شبہے نے سر ابھارا تھا کہ اس واقعے میں کہیں را کے قضیوں کی کوئی کڑی ملوث نہ ہو۔ وہ دوڑا ہوا ہوٹل چلا آیا تاکہ ذاتی طور پر واقعات سے آگاہی حاصل کرسکے۔

یہ بات ڈی آئی جی بھی جانتا تھا کہ ابتدائی طور پر وہ معاملہ بھارتی سیکرٹ سروس سے متعلق نظر آیا تو وہ کیس چند ہی روز میں پولیس کے ہاتھوں سے نکل جائے گا اور پھر انہیں آخر تک کچھ پتا نہیں چل سکے گا کہ آئی بی والوں نے مجرموں کا کیا حشر کیا۔

جلال نے اپنا کردار بہت خوش اسلوبی اور تیزی سے نبھایا تھا۔ اسے نظریہ ضرورت کے تحت اپنے سر میں چپڑے ہوئے تیل سے سخت الجھن ہو رہی تھی۔ اس نے ہم دونوں سے ہمارے اگلے پروگرام کے بارے میں دریافت کیا اور پھر کمرے سے رخصت ہوگیا۔

"تم اپنے آدمی کو یہ کمرا کب سونپو گے؟" جلال کے چلے جانے کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

"تمہارے جاتے ہی میں اسے یہاں بلالوں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میری روانگی کا انتظار کررہے ہو۔" میں نے یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"تم چاہو تو بیٹھے رہو۔ میرا خیال ہے کہ تھوڑی دیر بعد میں بھی چل دوں گا۔ دراصل تمہاری موجودگی میں میرے آدمی جھجکتے ہیں یا کھل کر بات کرنے سے خائف رہتے ہیں۔ تخلیے میں میرا آدمی مجھ سے بے تکلفی سے ہر بے تکی بات بھی پوچھ لے گا۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ کام کے بارے میں میری اپنے اسٹاف سے کافی بے تکلفی ہے۔"

اول خان کی وہ وضاحت ضرورت سے زیادہ کافی تھی۔ میں نے خندہ پیشانی سے اسے الوداع کہہ دیا۔

O*O

"مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے اس چکر میں کچھ اور ہو یا نہ ہو' جہانگیر مفت میں مارا جائے گا۔" ویرا برا سا منہ بنا کر بولی۔

اس وقت ان تینوں کے سروں پر سب سے زیادہ اسی کی فکر سوار تھی۔ سلمٰی ہمارے گھر زیادہ فون نہیں کرتی تھی۔ غزالہ نے لاکھ کوشش کی کہ سلمٰی اسے کچھ بتا دے۔ جب وہ زبان کھولنے پر آمادہ نہ ہوئی اور مجھ ہی سے بات کرنے پر اڑی رہی تو غزالہ نے مجبور ہو کر اسے میرے موبائل فون کا نمبر دے دیا۔

وہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ میری واپسی تک وہ تینوں ذہنی طور پر اسی میں الجھے رہے۔ ان کے لیے جہانگیر کی سلامتی' ارجن کے قتل سے زیادہ اہم تھی۔ انہوں نے میرے گھر پہنچتے ہی' سب سے پہلے اسی کے بارے میں جاننا چاہا تھا۔

"اسے دانستہ نظر انداز نہیں کیا جا رہا۔" میں نے تحمل سے کہا "اس کی حفاظت کے لیے ایس ٹی ایف کا ایک مسلح محافظ دن رات وہاں موجود رہتا ہے۔"

"کیا تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تمہارا پالا کن لوگوں سے پڑا ہوا ہے۔ وہ آنکھ سے سرمہ چرا لے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔" ویرا اسی تیکھے انداز میں بولی "اول خان کا آدمی نیچے اپنی ڈیوٹی پر بیٹھا رہ جائے گا اور وہ اوپر جا کر اپنا کام کر گزریں گے۔"

"اسپیشل ٹاسک فورس والے مٹی کے مادھو نہیں ہیں کہ بیٹھے رہ جائیں۔" سلطان شاہ نے ترشی سے اسے جواب دیا۔

"ڈیڈی کے آنے سے پہلے تم اتنے بولائے ہوئے تھے کہ جہانگیر کے گھر جا کر صورت حال کا جائزہ لینے پر تلے ہوئے تھے اور اب ڈیڈی کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی صورت دیکھتے ہی تمہارے فرشتے کوچ کر جاتے ہیں۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہاری نیلی آنکھیں بہت خوب صورت ہیں۔ انہیں خوب صورت ہی رہنے دو۔ ان کا حلیہ نہ بگاڑو۔"

"میں کہتی ہوں کہ اسے کمزور چارہ سمجھ کر ان کے دو چار آدمی پوری تیاری کے ساتھ وہاں آئے تو وہ اکیلا آدمی ان کا کیا بگاڑ لے گا!" ویرا نے مجھ سے پوچھا۔ اس وقت اس کے ہر سوال کا رخ صرف اور صرف میری طرف تھا۔

"وہ دو چار آدمی کہاں سے لائیں گے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا "تمہیں علم نہیں ہے کہ پچھلے چند روز میں ان کے کتنے آدمی جہنم واصل ہو چکے ہیں۔"

"کچھ تو مجھے زبانی یاد ہیں۔" سلطان شاہ نے ایک مرتبہ پھر میری ہم نوائی کی "چار را والے مارے گئے۔ پانچواں نیلی ڈاج کا ڈرائیور تھا۔ بن ڈیوڈ کے مرنے کے ساتھ یہ تعداد چھ تک پہنچ گئی۔ ساتواں چوپڑا تھا جو آئی بی کی قید میں ہے۔"

"تم ان پر بلاوجہ مشتعل ہو رہی ہو۔" غزالہ نے بھی نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی "جہانگیر اور سلمٰی کی حفاظت کے لیے سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ ضرورت محسوس ہوئی تو ان انتظامات کو مزید بہتر اور مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ویرا جارحانہ انداز میں اپنے صوفے پر قدرے آگے سرک آئی "مجھے بتاؤ کہ اس کے لیے مزید کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ ہمارے دشمنوں کے پاس قحط الرجال ہے۔ ایس ٹی ایف کے پاس افرادی قوت کی کوئی کمی نہیں۔ وہاں فوری طور پر آدمیوں کی تعداد بڑھائی جا سکتی ہے مگر ایسا کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تمہارے سر پر یکایک یہ بخار کیوں سوار ہو گیا۔"

"تمہارے آنے سے پہلے میں اور میرے ساتھ تمہارے یہ دونوں چہیتے بھی جہانگیر کے بارے میں فکر مند تھے۔ تم نے اپنی کہانی سنا کر میری اس فکر کو تشویش میں بدل دیا ہے۔"

"میں نے تمہیں ایسی کون سی بات بتا دی جس نے تمہارے تفکرات میں یکایک اضافہ کر دیا۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اس تل والی لڑکی کا دوبارہ سلمٰی سے ٹکرانا خطرے کی گھنٹی ہے۔ کیا تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے؟"

"میں نے اس بارے میں سلمٰی پر باقاعدہ جرح کی ہے۔ وہ سلمٰی کی طرف نہیں آئی تھی۔ سلمٰی نے اسے دیکھ کر اپنے پاس بلایا تھا۔"

"یہ اتفاق نہیں ہو سکتا۔ گھر میں گھسنے کے بعد اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ وہ دوبارہ ٹکراؤ کی امید میں انہی اطراف میں منڈلا رہی ہے۔"

"یہ تمہارے معدے کی گرانی کے اثرات ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "وہ آسودہ حال لوگوں کا گنجان آباد علاقہ ہے۔ ہر اونچی بلڈنگ میں دسیوں خوش حال خاندان رہتے

ہیں۔ وہ گھر گھر گھوم پھر کر وہاں کچھ نہ کچھ بیچ لیتی ہے۔ مجھے اس لڑکی کی سچائی پر پورا بھروسا ہے۔"

"وہ لڑکی سچی ہے اور میں جھوٹی ہوں۔" ویرا تنک کر بے ساختہ بولی۔

"تم بلاوجہ خود کو اس سے ملا رہی ہو۔" ویرا کی بات پر غزالہ بولے بغیر نہ رہ سکی۔ "وہ ایک راہ چلتی لڑکی تھی جسے معاوضہ دے کر ایک مذموم مقصد کے لیے استعمال کیا گیا۔ تم گھر کی ایک فرد اور جہانگیر کی خیر خواہ ہو۔ تمہارا اور اس کا کیا مقابلہ ہے۔"

"سلمٰی عقل سے کوری اور بالکل ڈفر ہے۔" ویرا بولی "وہ لڑکی دوسری مرتبہ اس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ایک ہزار روپے میں پرفیوم کے نام پر خوشبودار اسپرٹ کی دو شیشیاں تھما کر چلی گئی۔ میں سلمٰی کے کسی مشاہدے یا تبصرے پر اعتماد نہیں کر سکتی۔"

مجھے اندازہ ہوا کہ ویرا کو سارا غصہ سلمٰی پر تھا جس نے غزالہ کو کچھ نہ بتا کر ان تینوں کو ذہنی کوفت اور الجھن میں مبتلا کیے رکھا۔ وہ شاید یہ توقع بھی کر رہی ہو گی کہ تل والی مشتبہ لڑکی کو دوسری بار دیکھتے ہی، سلمٰی کو اسے چوٹی سے پکڑ کر کسی تھانے میں پہنچا دینا چاہیے تھا۔ سلمٰی اس لڑکی کے ساتھ وہ سلوک نہ بھی کرتی تو اسے لڑکی کو دو چار ہاتھ ہی جھاڑ دینے چاہیے تھے۔ وہ یہ بھول رہی تھی کہ سلمٰی اس کے برعکس ایک مشرقی عورت تھی۔ ایک تعلیم یافتہ مشرقی عورت ہاتھا پائی کو اپنی توہین تصور کرتی ہے۔ اس کی نظروں میں سلمٰی کا یہ جرم کم نہیں تھا کہ اس نے لڑکی سے ہمدردانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے اسے اپنی گاڑی میں کچھ دور تک لفٹ دی تھی۔

وہ رائے قائم کرتے ہی میں نے موضوع بدل دینے کا فیصلہ کر لیا اور کہا "اب اس منحوس لڑکی کو جہنم میں ڈالو۔ اس کے ذکر سے تم بلاوجہ چڑ رہی ہو۔ میں سلمٰی کو مشورہ دوں گا کہ وہ لڑکی اب کہیں نظر آئے تو اسے چوٹی سے پکڑ کر کسی قریبی پولیس والے کے حوالے کر دے۔"

"پولیس والے اپنی حرکتوں کی وجہ سے بہت بدنام ہیں لیکن کسی کی فرمائش پر راہ چلتوں کو یوں نہیں پکڑتے۔" میں وہ مصالحانہ بات کہتے ہوئے یہ نکتہ فراموش کر گیا تھا کہ سلطان شاہ بھی ہمارے ساتھ موجود تھا۔ ویرا کو مزید سلگانے کے لیے اس کا اختلاف رائے ضروری تھا۔

"وہ فراڈ ہے۔ گھروں کی مخبری کرتی ہے اور جعلی چیزیں بیچتی پھرتی ہے۔" مجھے اپنا ہم نوا پا کر ویرا کا لہجہ نرم پڑ گیا تھا۔

"یہ سب الزامات میرے ذہن میں ہیں۔" میں نے اسے اطمینان دلایا "اور کچھ نہیں تو یہی ایک بہتان کافی ہو گا کہ اس نے سلمٰی سے اس کا پرس چھیننے کی کوشش کی تھی۔"

"ویری گڈ!" ویرا کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں "اسے کسی تھانے کے لاک اپ میں پہنچانے کے لیے یہی ایک الزام سب سے بہتر اور کافی ثابت ہو گا۔ وہ ایک مرتبہ تھانے میں پہنچ گئی تو پھر فر فر اپنے سارے کرتوت اگلنا شروع کر دے گی۔"

"اس لڑکی کے چکر میں ہم نے ابھی تک ارجن اور حشمت کے بارے میں کوئی بات نہیں کی!" غزالہ نے ٹوکا۔

"ارجن مردہ خانے میں پہنچ چکا ہے۔ حشمت چھلاوے کی طرح غائب ہو گیا۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔" ویرا بولی۔

"یہ نہ بھولو کہ ہوٹل میں جو کچھ ہوا وہ تنک کے اشارے پر ہوا ہے۔" سلطان شاہ نے اسے یاد دلایا۔

"تنک سے ایک بار غلطی ہو گئی کہ اس نے ڈپٹی کو ہوٹل کے منیجر کے بارے میں بتا دیا۔ دوبارہ وہ ایسی فاش غلطی نہیں کرے گا۔ ہمیں اپنے طور پر حشمت کے گریبان تک پہنچنا ہو گا۔ وہ بتائے گا کہ اس کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں ہے۔" ویرا کا غصہ فرو ہو چکا تھا۔ وہ سکون سے بات کر رہی تھی۔

میں اس بارے میں راستے بھر مغز سوزی کرتا رہا تھا اس لیے خاموشی سے بیٹھا سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ مجھے توقع تھی کہ ان تینوں کی آپس کی باتوں سے بھی کام کا کوئی نکتہ ابھر کر سامنے آ سکتا ہے۔

"اس بارے میں فی الحال کیا کیا جا سکتا ہے!" غزالہ بولی "تم نے سنا نہیں کہ یہ کیا بتا رہے تھے۔ اول خان اور جلال اس وقت اپنے اپنے محکموں کو الگ تھلگ رکھنا چاہ رہے ہیں۔ ارجن کا قتل زبردستی پولیس کے گلے پڑ گیا ہے۔ ان بے چاروں کو کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ ڈی آئی جی کو حشمت کے بارے میں بتا دیا گیا ہے لیکن پولیس والے اس کے کمرے کا رخ نہیں کریں گے۔ جب تک ہوٹل والوں کی طرف سے حشمت کے غائب ہونے کی خبر سامنے نہیں آتی، اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔"

"مجھے خوشی ہوئی کہ غزالہ نے کام کی ہر بات ذہن نشین کی ہوئی تھی۔ اس وقت کی صحیح پوزیشن یہی تھی کہ ہم حشمت کے بارے میں کوئی کام کرنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتے تھے۔ اس کو محکمہ جاتی اور میری گہری دلچسپی سے بے خبر رکھنے کے لیے وہ احتیاط ضروری تھی۔

"اگر ہوٹل کے عملے نے چار دن تک وہ کمرا نہیں کھولا

تو ہم یونہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے!" ویرا نے فکر مندانہ لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"وہ کوئی بھگڑ خانہ نہیں' فائیو اسٹار ہوٹل ہے۔ روز صبح ہر کمرے کی صفائی ہوتی ہے۔ چادریں اور تولیے وغیرہ بدلے جاتے ہیں۔ افراتفری میں آج کوئی ادھر متوجہ نہ ہوا تو زیادہ سے زیادہ صبح تک بات کھل جائے گی۔" سلطان شاہ نے جواب دیا۔

"تم حشمت کے بارے میں کیا کرنا چاہ رہی ہو؟" غزالہ نے ویرا سے پوچھا۔

"ایک بار اس کی کوئی واضح شناخت سامنے آجائے تو پھر اسے شہر میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔"

"لاکھوں کی آبادی والے شہر میں ایک فرد کو تلاش کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔" غزالہ نے اسے جتایا۔

"وہ بن ڈیوڈ سے زیادہ پراسرار نہیں ہو سکتا۔ کوبرا اس کا خفیہ روپ ہو سکتا ہے جس سے صرف ارجن واقف تھا۔ حشمت خان کے روپ میں اسے ہوٹل کے بہتیرے ملازموں نے دیکھا ہوگا۔ جب کام شروع ہوتا ہے تو کڑیاں سامنے آنے لگتی ہیں۔ ہم بن ڈیوڈ یا آئی مین تک پہنچ گئے تھے تو حشمت کا سراغ بھی مل ہی جائے گا۔"

ویرا کی وہ پرامیدی حوصلہ افزا تھی لیکن وہ حشمت اور بن کا غلط موازنہ کررہی تھی۔ بن امریکی نژاد تھا۔ شہر میں اس کے گنے چنے روابط تھے جبکہ حشمت اپنے نام سے مقامی معلوم ہوتا تھا۔ اس امر میں مجھے کوئی شبہ نہیں تھا کہ حشمت کے تنک سے براہِ راست روابط رہے ہوں گے لیکن اسے مقامی ہونے کا بہت بڑا فائدہ حاصل تھا۔ ویرا کی اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ ایک مرتبہ کام شروع کرنے کے بعد کوئی نہ کوئی سرا ہمارے ہاتھ آسکتا تھا۔

"بن اور حشمت میں بہت فرق ہے۔" سلطان شاہ ویرا کو ناصحانہ انداز میں سمجھا رہا تھا "بن شروع سے آخر تک پناہ گاہوں کی تلاش میں بھٹکتا رہا اور امریکی قونصل خانے سے نکالے جانے کے بعد اسی چکر میں بی تا مین کے جال میں آ پھنسا اور مارا گیا۔ حشمت کا کیس مختلف ہے۔ وہ ہوٹل سے فرار ہو کر آرام سے اپنے گھر میں گھس کر بیٹھ گیا ہوگا۔ اسے کوئی عجلت نہیں ہے۔ وہ اپنے گھر بیٹھ کر آرام سے مطلع صاف ہونے کا انتظار کرے گا۔"

"وہ پاتال میں بھی چھپ جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی سراغ مل جائے گا۔" ویرا نے پورے اعتماد سے کہا "میں نے مت طویل مجرمانہ زندگی گزاری ہے۔ اس کا نچوڑ یہ ہے کہ کوئی جرم بے داغ نہیں ہوتا۔ ہر مجرم سے کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہوتی ہے اور وہی اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کا سبب بن جاتی ہے۔"

"تم اپنے انجام سے بچی ہوئی ہو۔ کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہیں کہ تمہارا ہر جرم مکمل اور بے داغ ہوا کرتا تھا۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی "میری کہی ہوئی ہر بات میں تم کیڑے تلاش کرنے بیٹھ جاتے ہو۔ میں نے اپنے جرائم کی بہت سی سزائیں بھگتی ہیں۔ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر سزا کے لیے پولیس اور جیل کا دخل ضروری ہو۔ قدرت کا اپنا ایک نظام ہے۔ اس کی مسلط کی ہوئی سزائیں بہت دردناک ہوتی ہیں۔ میری بعض غلطیوں کا خمیازہ شی نے بھگتا تھا اور کئی بڑے مالی نقصان اٹھائے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے ماضی سے تائب ہو کر اب شاید اس کا ازالہ کررہی ہوں۔"

"اس وقت مجھے تمہاری باتیں سن کر خوشی ہوئی ہے۔" غزالہ نے بے ساختہ کہا "آج سے پہلے تم ہمیشہ اپنے ماضی کا ذکر فخریہ انداز میں کرتی رہی ہو۔"

"اس ماضی کی اپنی شان و شوکت تھی۔ جب میں یہ سوچتی ہوں کہ شی کے کارندوں پر میری کتنی ہیبت تھی تو میں جذبات کے ریلے میں بہہ جاتی ہوں۔"

"اب تم پھر بہک رہی ہو۔" سلطان شاہ بولا "ہم حشمت کی باتیں کررہے تھے اور تم نے اپنے ماضی کا ذکر نکال لیا۔"

ہم چاروں کے درمیان باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ایس ٹی ایف کا سپاہی ابرار کچن میں مصروف تھا۔ دین محمد نامی دوسرا سپاہی چھت پر پہرا دے رہا تھا۔

کچن کی ذمے داریوں سے نجات مل جانے کے بعد ویرا اور غزالہ کے پاس وقت ہی وقت تھا۔ مجھے غزالہ کو بے تکان باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ ماضی قریب میں رونما ہونے والے ہر واقعے کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ امور خانہ داری میں مصروف رہنے کی وجہ سے وہ ہماری باتوں سے بے خبر رہتی ہوگی لیکن اس کی بھرپور معلومات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے کان ہر وقت گھر میں ہونے والی باتوں پر لگے رہتے تھے۔

ہم چاروں کو میز پر قرینے سے کھانا سرو کرنے کے بعد ابرار نے برتن سمیٹے' کچن میں بیٹھ کر اپنی شکم پری کی اور پھر ٹرے میں اپنے ساتھی کے لیے کھانا لے کر چھت پر چلا گیا تاکہ دین محمد کے کھانا کھانے کے دوران میں خود گھر کے قرب

وجوار پر نظر رکھ سکے۔
میرے اصرار کے باوجود ان دونوں میں سے کسی نے نچلی منزل کے خالی بیڈ روم میں رہنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی تھی۔ وہ دونوں اپنے مختصر اسباب سمیت چھت کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ تاکہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزار سکیں۔
کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ دوبارہ ڈرائنگ روم میں جم گئے۔ حشمت کی ذات اور ہوٹل میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہا تھا اس لیے اِدھر اُدھر کی باتیں چھڑ گئیں جن کا رخ بتدریج عالمی سیاست کی طرف ہوتا چلا گیا۔
گیارہ بجے اول خان کا فون آگیا۔ اس نے بتایا کہ ارجن کے ہوٹل کے کمرا نمبر تین سو دس کا معمایکایک حل ہو گیا تھا۔
حشمت اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ بہت چالاکی سے کام لیتے ہوئے اس نے اپنے کمرے کا دروازہ مقفل کر کے اس پر ٹیگ لٹکایا اور ہوٹل میں پولیس کی آمد سے پہلے ہی اپنے کمرے کی چابی کاؤنٹر پر دے کر ہوٹل سے نکل گیا۔ وہاں ارجن کے قتل سے پیدا ہونے والی افراتفری میں کسی نے دھیان نہیں دیا کہ کون کون ہوٹل سے نکل گیا تھا۔ وہ عقدہ حشمت نے خود ہی ہوٹل فون کر کے حل کیا تھا۔ اس نے کلرک کو بتایا کہ وہ ایک ضروری کام کی وجہ سے ہوٹل چھوڑ کر فیصل آباد واپس جا چکا تھا۔ اس کے کمرے کی چابی ہوٹل کے کی بورڈ پر موجود ہونی چاہیے تھی۔ اس کی پیشگی ادا کی ہوئی رقم میں سے ہوٹل کے واجبات وضع کر کے اس کا حساب بے باق کر دیا جائے۔ اپنی بقایا رقم وہ اگلی آمد کے موقع پر وصول کر لے گا۔
"وہ ضرورت سے زیادہ چالاک اور مکار ہے۔" میں نے وہ کتھا سننے کے بعد غصیلی آواز میں کہا "ہوٹل کا عملہ اس کے غائب ہونے کا معاملہ دریافت کرتا تو اس کی ذات بری طرح شکوک و شبہات کی زد میں آجاتی اور ہر طرف سے اس کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع ہو جاتیں۔ خود فون کر کے اس نے ہر قیاس آرائی کی راہ مسدود کر دی ہے۔"
"ایسا نہیں ہے۔" اول خان کی طرف سے جواب آیا "ارجن کے قتل کے بعد ہوٹل والے بہت مستعد ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے طور پر بھی دیکھ بھال شروع کر دی تھی۔ حشمت کے کمرے کے دروازے پر لٹکا ہوا ٹیگ ان کی نظروں میں آگیا تھا مگر کسی نے بورڈ پر اس کمرے کی چابی دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ہوٹل میں بہت سے لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ حشمت کی ارجن سے گہری دوستی تھی۔ وہ جب بھی آتا تھا' دوسروں سے دعا سلام کرتا ہوا سیدھا ارجن کے دفتر میں جاتا تھا۔ اس کا سارا حساب کتاب وہیں ہوتا تھا۔
"ہوٹل کے عملے سے پہلے یہ باتیں میرے اور تمہارے علم میں ہیں۔"
"وہ لوگ ارجن کے قتل کے بعد اس کے ایک گہرے دوست کی یوں واپسی کو غیر معمولی قرار دے رہے ہیں اسی لیے انہوں نے حشمت کے فون کی رپورٹ پولیس کو دی ہے۔ جلال کی تاکید کی وجہ سے پولیس والوں نے ہوٹل کے عملے کو حشمت کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔"
"اوہ! یہ بہت اچھا ہوا۔ ہوٹل کی انتظامیہ میری توقع سے زیادہ ذہین ثابت ہوئی ہے۔ حشمت بکواس کرتا ہے۔ اس کا فیصل آباد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ کراچی کے کسی علاقے کا باسی ہے۔ اسے اب تک یہ خبر مل چکی ہوگی کہ ہوٹل والوں نے اس کے فون کے بعد پولیس کو اپنے اعتماد میں لے لیا ہے۔"
"ہم اسی انتظار میں تھے کہ یہ بات ہوٹل والوں کی طرف سے باہر نکلے اور یہ ہو چکا ہے۔ اب تم کیا کہتے ہو۔"
"بس' اپنا کام شروع کر دو۔ ہمیں اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات درکار ہیں۔ تاکہ ہم جلد از جلد اس تک پہنچ سکیں۔" میں نے شگفتہ لہجے میں کہا۔
"میرا بھی یہی خیال تھا لیکن تم سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس کا جواب آیا۔
اول خان سے بات ختم کر کے میں نے ریسیور کریڈل پر رکھا ہی تھا کہ دوبارہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس مرتبہ جلال لائن پر تھا۔
"کیا بات ہے؟ کافی دیر سے کوشش کر رہا ہوں مگر تمہارا فون مصروف تھا۔" جلال نے لائن ملتے ہی شکوہ کیا۔
"اول خان سے بات ہو رہی تھی۔ تم نے میرا موبائل نمبر ملا لیا ہوتا۔" میں نے کہا۔
"تم مصروف تھے تو موبائل نمبر ملانے سے کیا فائدہ تھا۔ ویسے مجھے اس کا دھیان نہیں آیا ورنہ کوشش ضرور کرتا۔"
"معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص بات تمہارے سامنے آئی ہے جو مجھ سے بات کرنے کے لیے اتنے بے چین ہو رہے تھے۔"
"بات نہیں' باتیں کہو۔ پہلی یہ کہ سوبراج وی وی آئی پی ہے۔ اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔"

"کیا بہت زیادہ اہم افراد کو ہر فعل کی مکمل آزادی حاصل ہے!" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے سوال کیا۔

"تم میری بات نہیں سمجھے۔" جلال نے وضاحت کی "یہاں کوئی قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ قابل تعزیر جرم پر ہر ایک کے خلاف کارروائی کی جاسکتی ہے مگر میں سوبھراج کے خلاف اپنے اختیار سے کچھ نہیں کرسکتا۔ اس فہرست میں شامل افراد کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے لیے اوپر کی منظوری ضروری ہوتی ہے۔"

"اور دوسری بات کیا ہے؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"سیٹ لائٹ فون یہاں نایاب ہیں۔ ٹیلی گراف ایکٹ کے تحت اس کا لائسنس ہونا چاہیے۔ سننے میں آیا ہے کہ سوبھراج جنوبی کوریا سے ایک سیٹ لائٹ فون لایا ہے جو اس کے خفیہ اور ذاتی استعمال میں رہتا ہے۔ مقامی لائنوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"یہ شاید صحیح سمت میں پہلا سراغ ہے۔" اس کی پوری بات سن کر میں نے طمانیت سے کہا "نک نے کہا تھا کہ گوبرا سے سیٹ لائٹ فون پر ہر وقت میرا رابطہ ہوسکے گا۔"

"مجھے یاد ہے۔ اسی لیے میں اس بات کی تصدیق یا تردید کے چکر میں لگا ہوا تھا۔"

"تو کیا سوبھراج ہی حشمت بن کر ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ ایک معروف آدمی ہے۔ ہر جگہ جانا پہچانا جاتا ہے۔ وہ ایسی حماقت نہیں کرسکتا۔" جلال کی تفکر آمیز آواز سے بے اعتباری مترشح تھی "اب اسے تم لوگوں کو ہی دیکھنا ہوگا۔ میں صبح کی پرواز سے اسلام آباد واپس جا رہا ہوں۔ وہاں میری ضرورت پیش آگئی ہے۔"

"مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ اس نازک مرحلے پر جلال کی اچانک واپسی معنی خیز تھی۔ وہ خیال نہایت لچر اور بودا تھا کہ سوبھراج یا اس کے کسی ساتھی کا آئی بی پر اتنا اثر و نفوذ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے کسی ذمے دار افسر کو کسی شہر سے روانگی پر مجبور کرسکے۔ میں جلال سے براہ راست کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں کرسکا البتہ اس کے لہجے سے یہ اندازہ ہوا تھا کہ اس کی واپسی محض ایک اتفاق تھی۔

"اس بار تم کراچی میں کافی دن رہے ہو۔ مجھے تمہاری عادت سی ہوگئی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"بس کچھ نہ کچھ چکر چلتے ہی رہے۔ شاید پانچ چھ مرتبہ مجھے اپنی کنفرمڈ سیٹ چھوڑنی پڑی۔ حالات سازگار رہتے تو شاید میں بہت پہلے لوٹ گیا ہوتا۔"

"حالات تو اب بھی سازگار نہیں ہیں مگر تم جا رہے ہو۔" مجھے نرم ترین الفاظ میں اپنی بات کہنے کا موقع مل گیا۔

"ڈیبی! سمجھا کرو۔ اسلام آباد میں ہمارا صدر دفتر ہے۔ میں غیر معینہ مدت کے لیے وہاں سے غیر حاضر نہیں رہ سکتا۔ وہاں میرے لیے کام کا ایک انبار جمع ہوچکا ہوگا۔ دہلی سے تم جو فائلیں اڑا کر لائے تھے' ان کی بنیاد پر فراہم کی جانے والی کلاسی فائیڈ اطلاعات نے نیپال والوں کو پریشان کردیا ہے۔ ان کی ایک اعلیٰ اختیاراتی ٹیم چار دن سے اسلام آباد میں ڈیرے ڈالے بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ نیپال کے خلاف بھارتی سازشوں کے بارے میں مزید تفصیلات جاننے کے خواہش مند ہیں۔"

"مجھے رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ میری لائی ہوئی وہ فائلیں کسی انبار میں دفن ہوچکی ہوں گی۔ تمہاری زبان سے ان کا ذکر سن کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔"

"میں پہلے بھی تمہیں بتاچکا ہوں کہ ان فائلوں پر بہت محنت کی جارہی ہے۔"

"تم نے بتایا تھا۔" میں نے اقرار کیا "سب کام بہت خفیہ رکھا جارہا ہے۔ اس بارے میں کوئی خبر سامنے نہیں آتی۔ شاید اس لیے مجھے کبھی کبھی بدگمانی ہونے لگتی ہے۔"

"پاکستانی بہت سی خرابیوں کا شکار ہیں۔ افسر شاہی میں کرپشن کے دور دور تک شہرے ہیں لیکن تم یقین کرو کہ سب افسر اور محکمے ایک جیسے نہیں ہیں۔" اس نے دردمندانہ لہجے میں مجھے تسلی دی "بعض لوگ تو اس ملک کے لیے کچھ کر گزرنے کے جنون میں مبتلا ہیں اور دن رات کام میں لگے رہتے ہیں۔ کام ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔"

بھارت میں را کے دفاتر سے لائے جانے والے ریکارڈ کے بارے میں وہ اس کی پہلی مضبوط یقین دہانی تھی۔ میں نے وہ بات وہیں ختم کردی۔

ہمارے درمیان چند الوداعی فقروں کا تبادلہ ہوا۔ وہ اگلی صبح شہر چھوڑ رہا تھا۔ میں نے اسے خوشگوار فضائی سفر کی دعا دی اور ہماری گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

"سوبھراج کے حشمت ہونے کے بارے میں کیا بات ہو رہی تھی؟" میرے فارغ ہوتے ہی ویرا نے تند انداز میں سوال داغ دیا۔

"یہ میرا شبہ تھا۔ جلال اس کی تردید کر رہا تھا۔ ایک

مشہور سماجی رہنما ایسا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"
"پھر تمہارے ذہن میں یہ خیال کیوں آیا؟" ویرا نے پوچھا "میں خود بھی کئی مرتبہ یہ بات سوچ چکی ہوں۔"
"خیالات پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ وہ آتے ہیں تو آتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ان کی کوئی تاویل یا توجیہہ پیش نہیں کی جاسکتی۔"
"اگر میرا اور تمہارا شبہ درست ہے تو یہ بات زیادہ دنوں تک چھپی نہیں رہ سکے گی۔ جلد ہی کھل کر سامنے آ جائے گی۔"
"اگر اس کھیل میں سوبھراج کا ہاتھ ہے تو پھر ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔
"شاید آپ یہ بات اس کے سیاسی رتبے کی بنا پر کہہ رہے ہیں؟" غزالہ نے میری تشویش کا رخ بھانپتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کیا۔
"یہ سامنے کی بات ہے۔ وہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر ہمارے لیے رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔" میں نے جواب دیا۔
"دیکھتے ہیں کہ آنے والا دن ہمارے لیے کیا خبر لے کر طلوع ہوتا ہے۔" غزالہ کی بات ویرا کے موڈ پر بھی اثر انداز ہوئی تھی۔
"جلال اسلام آباد لوٹ گیا ہے۔ اس کے آدمی سوبھراج کا رخ نہیں کریں گے۔ اب ہماری معلومات کا انحصار صرف اول خان کے آدمیوں پر ہوگا۔" سلطان شاہ بولا "ہو سکتا ہے کہ سوبھراج کے سلسلے میں ہماری کامیابی کی رفتار میں تیزی برقرار نہ رہ سکے۔"
"ایک بار حشمت کی شخصیت کے بارے میں کچھ مواد سامنے آجائے تو پھر میں خود میدان میں اتروں گی۔ کافی عرصے سے گھر پر پڑے پڑے میرے اعصاب زنگ آلود ہونے لگے ہیں۔" ویرا نے پرعزم لہجے میں کہا "وہ زیادہ دیر تک ہمارے ہاتھوں سے نہیں بچ سکے گا۔"
"وقتی رو میں بہہ کر زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے سمجھایا "ابھی ہمیں صبر اور سکون سے انتظار کرنا چاہیے۔ جلد ہی کوئی نہ کوئی سرا سامنے آجائے گا۔"
باتیں کتنی دیر جاری رہ سکتی تھیں۔ رفتہ رفتہ ہم چاروں پر تکان غالب آنے لگی اور ہم ایک دوسرے سے رخصت ہو کر اپنے اپنے کمروں کی طرف ہو لیے۔ اول خان کے دونوں آدمی اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق چھت پر موجود تھے۔

اگلے روز اول خان دن چڑھے ہمارے پاس آیا تو اس کے پاس حوصلہ افزا اطلاعات موجود تھیں۔
حشمت خان دراز قامت اور وجیہہ آدمی تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ عمومی طور پر اس کی قامت و جسامت سوبھراج سے بڑی حد تک مشابہ تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ ہوٹل میں آنے جانے والا حشمت خان باریش آدمی تھا۔ داڑھی اور خم دار مونچھوں کی وجہ سے اس کی شخصیت بہت بارعب نظر آتی تھی۔ اس کے برعکس سوبھراج کلین شیو تھا۔
"کیا تمہارے نزدیک اس فرق کی کوئی اہمیت نہیں؟" ویرا نے وہ تفصیلات سننے کے بعد اول خان سے پوچھا۔
"ایک عام آدمی کے لیے کسی کے خدوخال کی باریکیوں کو نوٹ کرنا آسان نہیں ہوتا۔ حشمت کے بارے میں میرے آدمی نے ہوٹل کے عملے سے معلومات حاصل کی ہیں۔ ان لوگوں کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ داڑھی مونچھوں والا ہے۔" اول خان نے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا۔
"ذرا سی دیر کے لیے داڑھی مونچھوں کو بھول جاؤ۔ قد و قامت کی یکسانیت کو تم کیا کہو گے۔" میں نے پوچھا۔
"شاید تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ حشمت کی داڑھی مونچھیں نقلی ہوتی ہیں۔" اول خان نے سوال کیا۔
"یہ جلال کی دلیل کا جواب ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ سوبھراج ایک معروف آدمی ہے۔ وہ کسی فرضی نام سے ایسے فائیو اسٹار ہوٹل کا رخ نہیں کر سکتا جہاں اس کا اپنے جاننے والوں سے بھی سامنا ہو سکتا ہو۔ وہ تک کے اعتماد کا آدمی ہے۔ کوبرا کا ذمہ دارانہ کردار وہی ادا کر سکتا تھا۔ سوبھراج نے اس مشکل کا حل یہ نکالا کہ دہری شخصیت اختیار کر لی۔ ہوٹل میں وہ حشمت بنا ہوا تھا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد وہ سوبھراج بن جاتا تھا۔ اس کے دونوں روپ اور بہروپ کامیابی سے چل رہے تھے۔" میں نے جواب دیا۔
"وہ گیٹ اپ دشوار ضرور ہوگا لیکن ناممکن نہیں تھا۔" غزالہ نے سوچتے ہوئے کہا۔
"چہرے پر الگ سے چپکائی ہوئی گھنی داڑھی قریب سے پہچانی جاسکتی ہے۔" سلطان شاہ بولا۔
"زمانہ بہت آگے نکل چکا ہے۔" ویرا نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا "آج کل ریڈی میڈ میک اپ کے لیے ایسی ایسی آسانیاں دستیاب ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بعض لوگ اپنی اصل داڑھی مونچھوں کی تراش خراش کا اتنی باریکی سے دھیان رکھتے ہیں کہ بادی

التنکر میں ان کی داڑھی مونچھیں نقلی نظر آتی ہیں۔ تیسری اور اہم بات یہ ہے کہ ہوٹل میں حشمت کا قریبی رابطہ اور واسطہ صرف ارجن سے تھا۔ وہ اس کے گھر کا بھیدی تھا۔ اس کے لیے داڑھی مونچھوں کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ بقیہ عملے سے اس کی دور سے دعا سلام ہوتی تھی۔ کسی کو یہ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ حشمت ہوٹل میں کیا ڈراما کر رہا تھا۔"

"میرے ذہن میں ابتدا سے یہ خلش موجود تھی کہ سوبھراج کا اس سارے واقعے میں کیا کردار ہو سکتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس کے چہرے پر داڑھی مونچھیں لگا کر اسے ہوٹل کے سامنے لایا جائے تو وہ سب اسے حشمت خان کی حیثیت سے پہچان لیں گے۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"لیکن بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا۔" ویرا نے برجستہ کہا "وہ وی وی آئی پی ہے۔ کوئی اسے چھیڑ نہیں سکتا۔"

بے اختیار میری نظر اول خان کی طرف اٹھ گئی۔ ویرا کے اٹھائے ہوئے نکتے کا جواب وہی دے سکتا تھا۔

"مجھے اس بارے میں اوپر سے کوئی ہدایت نہیں ملی۔ جب تک جلال نے اس کی حیثیت کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میں اس کے ساتھ ہر سلوک کر سکتا تھا لیکن اب بات پیشہ ورانہ ایمان داری کی آگئی ہے۔ مجھے اس کے پروٹوکول کا علم ہو چکا ہے تو اب مجھے محتاط رہنا ہوگا۔"

"تم محتاط رہو گے۔ جلال کو اسلام آباد میں کام پڑ گیا ہے تو پھر مجھے خود میدان میں نکلنا ہوگا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں اپنے کام کی ابتدا ہوٹل سے کروں گا۔"

"تم اکیلے نہیں رہو گے۔ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔" ویرا نے بلا توقف اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"ڈینی کے ساتھ رہ کر تم خود بھی پھنسو گی اور اسے بھی مرواؤ گی۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"میں اتنی احمق نہیں ہوں کہ سرعام ڈینی کے ساتھ کندھا جوڑ کر پھرتی رہوں۔" ویرا نے کہا۔

"پھر کتنی احمق ہو؟" سلطان شاہ نے معصومیت سے پوچھا اور سب بے ساختہ ہنس پڑے۔ ویرا بھی اس برجستہ مذاق سے محظوظ ہوئی تھی۔

"میں براہ راست سوبھراج سے ملنے کے امکانات پر غور کر رہی ہوں۔" ویرا کہہ رہی تھی۔ "میرے ذہن میں ایک مبہم سا خاکہ ہے۔ اس کے خدوخال صاف ہوئے تو آپس کے مشورے سے آگے بڑھوں گی۔ زیادہ خطرات نظر آئے تو میں اس سے دور رہوں گی۔"

"وہ موذی دشمن ہے۔ اس سے دور رہ کر کام کرنا ہی سب کے حق میں بہتر ہوگا۔" اول خان نے مشورہ دیا۔

"دشمن کتنا ہی موذی کیوں نہ ہو اس کا سر کچلنے کے لیے اس کے قریب جانا پڑتا ہے۔" ویرا مسکرا کر بولی۔

"تم خود سمجھ دار ہو۔ میں تمہیں مشورہ دے سکتا ہوں۔ تم پر اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا۔" اول خان نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہاں سے تم کہاں جاؤ گے؟" قدرے توقف کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

"پولیس ہیڈ کوارٹرز میں ایک میٹنگ ہونے والی ہے۔ وہیں جانے کا ارادہ ہے۔" اس نے بتایا۔

"بس تو پھر مجھے راستے میں صدر اتار دینا۔ میں ہوٹل کا ایک چکر لگاؤں گا۔"

"میں پندرہ منٹ بعد روانہ ہو جاؤں گا۔" اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "تمہیں کوئی تیاری کرنی ہے تو کر ڈالو۔"

"میں کپڑے بدل کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ غزالہ بھی میرے ساتھ اٹھ گئی۔ بقیہ تینوں افراد میں سے کسی نے میرے ارادے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ شاید ہر ایک کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا بہرحال بہتر تھا۔

"ہوٹل آپ کس امید پر جا رہے ہیں؟" کمرے میں پہنچتے ہی غزالہ نے مجھ سے ایک متوقع سوال کر ڈالا۔

"نک سے میری بات کل ہوئی تھی۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا "وہ کوئی طے شدہ گفتگو نہیں تھی۔ بس بات میں سے بات نکلتی چلی گئی۔ حشمت میری اس گفتگو سے پہلے اس ہوٹل میں پہنچا ہوا تھا۔ ہوٹل کا ریکارڈ بتا رہا ہے کہ گزشتہ چند دنوں میں وہ دوبار ہوٹل میں رہ چکا تھا۔ ان حقائق سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ محض میری وجہ سے ہوٹل میں نہیں پہنچا تھا۔ وہاں اس کی پراسرار سرگرمیاں کئی دن سے جاری ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ وہاں کیا کر رہا تھا۔"

غزالہ سوچ میں پڑ گئی اور چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولی "آپ نے پہلے بھی یہ شبہ ظاہر کیا تھا کہ وہ ہوٹل دشمنوں کی سرگرمیوں کا گڑھ بنا ہوا ہے لیکن ویرا نے شاید اس نکتے پر دھیان نہیں دیا۔ وہ بس سوبھراج کی ذات میں الجھ کر رہ گئی ہے۔"

"سوبھراج سے مجھے کوئی ذاتی عناد نہیں ہے۔" میں نے

کہا "اس کی مشکوک سرگرمیوں نے مجھے اس کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اب ذرا سی تفصیلات سامنے آئی ہیں تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ہوٹل میں اس وقت بھی کچھ مشتبہ افراد موجود ہوں گے جو سوبھراج سے ہدایات لیتے ہوں گے۔"

"یعنی سوبھراج نے حشمت خان کا روپ دھار کر بھارتی ایجنٹوں کی رہنمائی کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا!"

"وہ اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ یوں کھل کر سامنے آ جاتا۔ نک اور ارجن کے علاوہ شاید ٹام کو یہ بات معلوم ہو گی۔ دوسرے ایجنٹوں کے لیے وہ نقاب پوش کوبرا تھا۔" میں نے کپڑے بدلتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ ایجنٹ بلیک کیٹس بھی ہو سکتے ہیں۔" غزالہ نے مجھ سے تصدیق چاہی۔

میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا "نک اور ٹام بہت سے تحفظات کے ساتھ' قانونی طور پر یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایک طرف بن ڈیوڈ کو نئے آئی مین کے روپ میں میدان میں اتارا ہوا تھا۔ دوسری طرف را کے دہشت گردوں کو خوف و ہراس پھیلانے کی مہم میں لگایا ہوا تھا اور تیسری سمت میں سوبھراج سے کام لے رہے تھے۔ یہ بات صحیح ہے کہ بلیک کیٹس دوسروں سے الگ تھلگ رہ کر اپنا کام کرتے ہیں اور دشمن پر کاری وار کر کے تیزی سے فرار ہو جاتے ہیں مگر اس کے لیے بھی انہیں کسی نہ کسی مقامی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں کوبرا ان کا سہارا بنا ہوا تھا۔"

"اگر بلیک کیٹس ہوٹل میں موجود ہیں تو آپ کا وہاں جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" غزالہ پر تشویش انداز میں بولی "ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی آپ کو پہچانتا ہو۔"

"وہ مظہر خان کو پہچانتے ہیں جو دہلی میں را والوں کا مہمان بن گیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ذرا غور سے میری طرف دیکھو۔ کیا میں مظہر خان لگتا ہوں۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ تیر گئی۔ "میں نے یہ غور نہیں کیا تھا۔ تبدیلیاں معمولی اور فطری ہیں لیکن اہم بھی ہیں پھر بھی آپ کو محتاط رہنا چاہیے۔ دوسروں کے مقابلے میں بلیک کیٹس زیادہ چالاک ہو سکتے ہیں۔ وہ آسانی سے دھوکا نہیں کھائیں گے۔"

"تم دعا کرتی رہو۔ ان کی بینائی کمزور ہو جائے گی۔" میں نے اس کی پیشانی چوم کر کہا "مجھے ہر حال میں خطرہ مول لینا پڑے گا۔"

تھوڑی دیر میں اپنی تیاری مکمل کر کے میں دوبارہ ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔ اس وقت اول خان کے دیے ہوئے وقت میں مزید چند منٹ باقی تھے۔

میرے اشارے پر وہ اٹھ گیا۔ ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر بولی "تمہیں واپسی میں پریشانی ہو گی۔ تم اپنی گاڑی کیوں نہیں لے جاتے۔"

"جلال نے ونود کو پارکنگ لاٹ میں شکار کیا تھا۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ مجھے واپسی کے لیے ہوٹل کے دروازے پر ہی کوئی ٹیکسی مل جائے گی۔"

گھر سے روانگی کے بعد گاڑی میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھائی رہی جسے اول خان نے توڑا "تمہیں شبہ تھا کہ اس ہوٹل میں بلیک کیٹس بھی مقیم ہو سکتے ہیں۔"

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اسے وہ اہم بات گھر سے روانہ ہونے کے بعد یاد آئی تھی۔ اس نے ویرا کے سامنے وہ بات چھیڑ دی ہوتی تو ایک لمبی بحث کا آغاز ہو سکتا تھا۔ میں نے کہا "پہلے صرف شبہ تھا جو اب یقین میں بدل گیا ہے۔"

وہ میرے یقین کے اسباب جاننا چاہتا تھا۔ میں نے وہی بات دہرا دی جو میں غزالہ سے کہہ چکا تھا۔

"بلیک کیٹس ہر جگہ خاص ہدف لے کر جاتے ہیں! افواہوں میں کہا گیا تھا کہ وہ تمہیں مارنے کے لیے آئے ہیں۔ ہوٹل میں تمہاری جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔" وہ فکرمند ہو گیا۔

"اسی لیے میں نے ویران پارکنگ لاٹ سے بچنے کے لیے گاڑی چھوڑی ہے۔ بھرے پرے ہوٹل میں وہ مجھ پر وار کرنے کی حماقت نہیں کریں گے۔"

"تم واقعی دور اندیشی سے کام لیتے ہو۔ وسیع پارکنگ لاٹ میں دو تین چوکیدار ناکافی ہوتے ہیں۔ وہاں حملہ ہونے کے زیادہ امکانات تھے لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم اس وقت ہوٹل جا کر کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو۔ تم انہیں نہیں پہچانتے' ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی تمہیں دہلی میں دیکھ چکا ہو۔"

"میں انہیں اکسانا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ وہ اپنے بل سے نکل کر میرا پیچھا کریں تاکہ میں اپنے کسی دشمن کو پہچان سکوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا "حشمت اور سوبھراج کے قصے میں کہیں پیشانی کے پرانے زخم کا ذکر نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ پیشانی پر زخم کے نشان والا بلیک کیٹ ہو۔ وہ نظر آ گیا تو میں اسے دور سے پہچان لوں گا۔"

"تم نے نشیب و فراز پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا ہے تو

ٹھیک ہے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم اکتا کر رواروی سے گھر میں نکل کھڑے ہوئے ہو۔"

"ہوٹل میں تمہارا کمرا ابھی تک آباد ہے یا خالی ہو گیا ہے؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھا۔

اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ تیر گئی اور وہ بولا "فی الحال آباد ہے۔ میں تمہیں اتارنے کے بعد اسے بتا دوں گا کہ تم بھی ہوٹل میں کچھ وقت گزارو گے۔ وہ دور رہ کر تمہاری دیکھ بھال کرتا رہے گا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم ہوٹل میں میرے اس آدمی کی موجودگی کو بھول چکے ہو۔"

"یہ بھولنے والی بات نہیں تھی۔ اسے میری نگرانی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس سے کہہ دینا کہ وہ میرے اگلے پیغام تک اپنے کمرے میں رکا رہے۔ ضرورت پیش آئی تو میں خود اس سے رابطہ کرلوں گا۔"

اول خان خوش ہو گیا کہ میں نے اپنی نئی مہم میں اس کے آدمی کے لیے کسی کردار کا تعین کیا ہوا تھا۔

میرے ایما پر اس نے مجھے ہوٹل سے کچھ دور اتارا اور ہاتھ لہرا کر اپنی گاڑی آگے لیتا چلا گیا۔

حالات و واقعات کی بھول بھلیاں سے گزرنے کے بعد مجھے اندازہ ہو چلا تھا کہ بلیک کیٹس کے بارے میں اول خان کا ابتدائی اندازہ بہت درست تھا۔ ان میں سے کسی نے اول خان کا بازو زخمی کر کے اس کا تعاقب کیا اور ہمارا گھر دیکھ لیا۔ یہ بات بیشتر دشمنوں کے علم میں تھی کہ جہانگیر میرا گہرا دوست تھا۔ اس کے حوالے سے گولڈن فارمیسی بھی مشہور ہو گئی تھی جسے آخر کاربن کے آدمیوں نے تباہ برباد کر دیا تھا۔ ہم نے اپنی سی ہر احتیاط کرلی تھی مگر پھر بھی گولڈن فارمیسی کے ذریعے جہانگیر کے گھر تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

بلیک کیٹس دونوں گھروں تک پہنچ چکے تھے لیکن محفوظ گھروں پر وار کرنا ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ انہوں نے ان دونوں جگہ کرائے کی لڑکیاں بھیج کر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ مجھے کہیں نہیں گھیر سکیں گے۔ انہوں نے جہانگیر کو صرف اس لیے ٹٹولا تھا کہ وہاں میری آمدورفت ہو تو راستے میں کہیں مجھے گھیر سکیں۔

ان لڑکیوں کو بھیجنے کا دوسرا مقصد یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ مجھے خوف زدہ کرنا چاہ رہے ہوں مگر اس کا امکان کم تھا کیونکہ وہ لڑکیاں بہت بے ضرر اور دوستانہ روپ میں آئی تھیں۔ مقصد خوف زدہ کرنا ہوتا تو ان لڑکیوں کے ذریعے کوئی نہ کوئی ذومعنی پیغام ضرور بھیجا جاتا جس کے بین السطور میں کوئی نہ کوئی دھمکی پنہاں ہوتی۔

میں یہی سوچتا ہوا ہوٹل میں داخل ہوا۔ وہ دن کا وقت تھا اور پھر شاید پچھلے روز رونما ہونے والی قتل کی واردات کا اثر بھی کہ ہوٹل کی لابی میں رونق اور چہل پہل نظر نہیں آ رہی تھی۔

ارجن کے قتل کو اس وقت تک چوبیس گھنٹے بھی پورے نہیں ہوئے تھے۔ عملے کے بیشتر ارکان کے چہرے ستے ہوئے اور سوگوار نظر آ رہے تھے۔ میرے لیے ان کا وہ عمل فطری اور قابل فہم تھا۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ ہوٹل سے باہر یا عمارت کی حدود میں باوردی تو درکنار کوئی ایسا سادہ پوش فرد بھی نظر نہیں آیا تھا جس پر پولیس یا خفیہ والے کا شبہ ہو سکے۔

استقبالیہ کلرک سے میری نظریں چار ہوئیں تو اس نے خوش خلقی کے اظہار میں مسکرانے کی کوشش کی لیکن نتیجے میں صرف باچھیں پھیلا کر رہ گیا۔ ان سب کے دلوں پر ارجن کے سفاکانہ قتل کی دہشت اور ہیبت طاری تھی۔ ایسی حالت میں کوئی سفاک شخص ہی زندہ دلی سے مسکرا سکتا تھا۔

میں ہوٹل کی وسیع اور طویل راہ داری سے ہوتا ہوا کافی ہاؤس میں پہنچا تو وہ بھی ویران پڑا ہوا تھا۔ اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر ویٹر میزوں پر رکھی ہوئی چمک دار اشیا کو مزید چمکانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ ان کے سوا پورے کافی ہاؤس صرف دو جوان غیر ملکی جوڑے ' ایک دوسرے سے دور' الگ الگ میزوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے والہانہ انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت وہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو کر ایک دوسرے کے سحر میں کھوئے ہوئے تھے۔

میں نے دروازے سے قریب تر میز کا انتخاب کیا اور اپنے لیے کافی طلب کرلی۔

کافی ہاؤس میں رونق ہوتی تو اس بھیڑ بھاڑ میں مجھے اپنی اجنبیت کا کوئی احساس نہیں ہوتا لیکن خالی ہال میں مجھے شدت سے محسوس ہو رہا تھا کہ اکیلا ہونے کی وجہ سے میں وہاں زیادہ وقت نہیں گزار سکتا تھا۔ میں وقفے وقفے سے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا رہا۔ دیکھنے والوں کو یہی اندازہ ہوتا کہ میں وہاں بیٹھا کسی کا انتظار کر رہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹا گزارنے کے بعد میں نے بل طلب کیا۔ بل اور ٹپ کی رقم طشتری میں ڈال کر میں وہاں سے اٹھ گیا۔

کافی ہاؤس سے نکل کر میں نے سگریٹ سلگائی اور خراماں خراماں شاپنگ آرکیڈ کی طرف چل دیا جہاں ملبوسات سے زیورات تک بڑے بڑے شوکیسوں میں سجے ہوئے تھے۔

میں نے ہوٹل میں تقریباً چار گھنٹے اسی طرح گھوم پھر کر گزار دیے۔ بھوک نہ ہونے کے باوجود ریستوران میں کچھ وقت خورونوش میں سکون سے گزرا ورنہ میں بیشتر وقت چلتا ہی رہا۔ اسی دوران میں مجھے کہیں کوئی مشتبہ شخص نظر آیا نہ کسی نے مجھ سے قریب ہونے کی کوشش کی۔

تین بجے میں نے انٹرکام ڈیسک سے کمرا نمبر پانچ سو بیس سے رابطہ کیا۔ دوسری طرف سے ہیلو کی آواز سنتے ہی میں نے اول خان کے آدمی کو سرور کے نام سے مخاطب کیا تو وہ سمجھ گیا کہ دوسری طرف سے کون بول رہا تھا۔ میں اپنا تعارف کرانے کی زحمت میں پڑنے سے بچ گیا۔

اسے پیغام دے کر میں لفٹ کے ذریعے پانچویں منزل پر پہنچا تو وہ لفٹ کے باہر میرا منتظر تھا۔ میں نے اس سے تپاک سے ہاتھ ملایا۔ لفٹ مجھے اتار کر اوپر یا نیچے چلی گئی۔ اس وقت فلور پر ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔

"میں کچھ دیر کے لیے تمہارے کمرے میں آرام کروں گا۔ چابی تم اپنے ساتھ رکھو۔ پانچ بجے تم کمرے میں آسکتے ہو۔ میں جاتے ہوئے دروازہ مقفل کردوں گا۔"

اس نے سعادت مندی سے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور لفٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں راہداری کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے کا دروازہ مقفل کر کے میں تھکے ہارے انداز میں بستر پر گر گیا۔ میری اس مشق کا کوئی نتیجہ برآمد ہو گیا ہوتا تو شاید مجھے تھکن کا ذرا بھی احساس نہ ہوتا مگر میرے ساتھ صورت حال مختلف تھی۔ میں نے آرام دہ اور نرم بستر پر لیٹے لیٹے گھر کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے غزالہ نے ریسیور اٹھایا۔

وہ میری طرف سے فکرمند تھی اور فون سے لگی بیٹھی تھی۔ اس سے چند منٹ کی مختصر سی گفتگو میں، میں نے اسے بریف کیا اور فون بند کر دیا۔ اس کے لیے یہ امر خوشی کا باعث تھا کہ ہوٹل کی حدود میں داخل ہونے کے بعد میرے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا تھا اور میں خیریت سے تھا۔

ٹھنڈے کمرے میں، میں آنکھیں موندے بستر پر لیٹا رہا۔ فرصت اور آرام کے ان لمحات میں نہ جانے کب غنودگی کی لہر نے مجھے آ دبوچا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو پانچ بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ میں نے اضطراری طور پر ہڑبڑا کر بستر چھوڑا مگر پھر فوراً ہی پرسکون ہوتا چلا گیا۔

وہ ذرا سا ڈسپلن کا تقاضا تھا کہ میں نے اپنے آرام کے لیے اسے کمرے سے بھیج دیا تھا ورنہ کچھ دیر کے لیے ہم دونوں اس کمرے میں ایک ساتھ بھی رہ سکتے تھے۔

میرا غسل کرنے کا موڈ ہو رہا تھا۔ میں نے چند منٹ تک انتظار کرنا مناسب سمجھا۔ ٹھیک پانچ بجے دروازے کے قفل میں کنجی لگنے اور گھومنے کی آواز آئی اور سرور میرے اوپر نظر پڑتے ہی ٹھٹک کر دروازے کے پاس رک گیا۔

"چلیے آؤ، میں نہا کر واپس جاؤں گا۔" میں نے کہا اور وہ دروازہ مقفل کر کے آگے بڑھ آیا۔

وہ قریب آ کر دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ میں نے اشارہ کر کے اسے کرسی پر بٹھا دیا۔

"سر! چیف صاحب نے کہا تھا کہ یہاں کوئی خاص بات ہو تو میں انہیں رپورٹ دینے کے ساتھ آپ کو بھی بتا دوں۔" وہ ادب سے بولا۔

"کیا کوئی خاص بات ہوئی ہے۔" میں نے چونک کر پوچھا۔

"چیف صاحب نے دوسری باتوں کے علاوہ اوسط قد اور سانولے رنگ کے ایک آدمی کی تلاش کے بارے میں بھی ہدایت کی تھی۔" سرور نے سپاٹ لہجے میں بتایا "انہوں نے پیشانی پر پرانے زخم کے نشان کو اس کی سب سے بڑی پہچان بتایا تھا۔ چار بجے کے قریب مجھے ایسا آدمی نظر آیا تھا۔"

میرے لیے وہ بہت بڑی خبر تھی۔ سرور کو اندازہ نہیں تھا کہ اس نے کیا دریافت کر لیا تھا۔ میں سنبھل کر بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "وہ کہاں نظر آیا تھا تمہیں۔"

"میں لابی میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ وہ لفٹ سے اترا تو اس کا رخ میری طرف تھا۔ مجھے اس کے ماتھے پر زخم کا نشان چمکتا ہوا نظر آیا۔ میں نے چائے وہیں چھوڑی اور ویٹر کو سو روپے کا نوٹ پکڑا کر باہر آگیا۔ وہ اپنے ہاتھ میں ایک پیکٹ لیے ٹیکسی کی طرف جا رہا تھا۔

"بولتے جاؤ۔" اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے اسے لقمہ دیا "تم کو اندازہ نہیں ہے کہ تم نے کتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔"

"بس سر، یہ بڑوں کی دعا ہے کہ بندے کو سرخ روئی ملتی رہتی ہے۔" اس نے عاجزانہ لہجے میں کہا "میرے پاس اپنی گاڑی نکالنے کا وقت نہیں تھا۔ اس کے جاتے ہی میں دوسری ٹیکسی میں اس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ میں نے ڈرائیور کو بتایا کہ میں سرکاری آدمی ہوں اور ایک مجرم کا پیچھا کر رہا ہوں۔ اس نے ایمپریس مارکیٹ پر ٹیکسی چھوڑ دی اور

ٹہلتا ہوا پیشاب خانے میں چلا گیا۔ میں حیران تھا کہ ہوٹل سے نکلنے کے چند منٹ بعد اسے پیشاب خانے کی کیا ضرورت پڑ گئی مگر پھر بات میری سمجھ میں آگئی۔ وہ باہر نکلا تو اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔

"باہر آتے ہی وہ دوسری ٹیکسی لے کر چل دیا۔ میرے دو دل ہو رہے تھے۔ اس کا پیچھا کروں یا اس کا چھوڑا ہوا پیکٹ تلاش کروں۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہ پیکٹ خطرناک ہے۔ شہر میں پچھلے دنوں کئی بم دھماکے ہو چکے ہیں۔ لوگوں کی جانیں بچانے کے لیے پیکٹ کو دیکھنا ضرور تھا۔ ٹھیکے دار کے آدمی کو پیسے دے کر میں اندر گیا تو ذرا سی تلاش کے بعد مجھے وہ پیکٹ نظر آگیا۔ وہ روشندان کے فریم میں لگا ہوا تھا۔ اسے ہاتھ لگاتے ہی مجھے پتا چل گیا کہ وہ ٹائم بم تھا اور اس کی گھڑی چل رہی تھی۔

"سر! میں کانپ گیا۔ وہ میرے ہاتھ میں پھٹ جاتا تو میرے بدن کے ٹکڑے بھی نہیں ملتے مگر وہاں چلنے پھرنے والے سیکڑوں آدمیوں کی جانیں مجھ سے زیادہ قیمتی تھیں۔ میں بم لے کر اپنی ٹیکسی میں آگیا۔ پیچھے بیٹھتے بیٹھتے میں نے اسے کھولا تو وہ پانچ بجے پر سیٹ تھا۔ میں نے ٹائمر بند کر کے اسے دیکھا تو وہ روس کا بنا ہوا چار پونڈ کا ٹائم بم تھا۔"

"اب وہ بم کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اسے ہوٹل میں لانا خطرناک تھا۔ گھڑی بند کرنے کے ساتھ میں نے بم کو ناکارہ کر کے اپنی گاڑی میں ڈال دیا۔ میرے دوسرے ہتھیار بھی اسی میں ہیں۔"

"تمہیں یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں گیا ہوگا؟" غیر ارادی طور پر سوال کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میرا وہ سوال غیر منطقی تھا۔

"سر! یہ اندازہ تو نہیں ہوا مگر جلد پتا چل جائے گا۔ میں نے ٹیکسی کا نمبر نوٹ کر لیا تھا۔" سرور کے جواب نے مجھے حیران کر دیا۔ وہ نازک مواقع پر صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھا۔ اول خان نے شاید اسی خوبی کی بنا پر اسے اپنی جگہ مامور کیا تھا۔

"اول خان کو اپنی رپورٹ کے ساتھ ٹیکسی کا نمبر بھی دے دو۔ یہ معلوم ہونا بہت ضروری ہے کہ وہ واپس کہاں گیا تھا۔"

"کمرے میں ایرئیل کام نہیں کر رہا۔ سب کھڑکیاں بند ہیں۔ ریڈیو سگنل صاف نہیں آتا۔ آواز گڑبڑ ہو جاتی ہے۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "میں ابھی باہر جا کر یہ کام کر لوں گا۔"

مجھے ہلکا سا غصہ آگیا۔ مشتبہ آدمی کے سلسلے میں مثالی ہوشیاری کا مظاہرہ کرنے کے بعد سرور نے ایک حماقت کا بھی ارتکاب کیا تھا۔ ناکارہ بم کو اپنی گاڑی میں محفوظ کرتے ہی اسے اول خان سے رابطہ کر لینا چاہیے تھا لیکن وہ اس کام کو ادھورا چھوڑ کر اوپر دوڑا چلا آیا۔

میں نے سرور سے کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے اسٹیشن فور کا نمبر ملایا۔ مجھے یاد آگیا تھا کہ بن سے چھنی ہوئی سی ایس ڈی اول خان نے وہاں لگائی تھی۔

گھنٹی بجتے ہی میں نے ریسیور سرور کی طرف بڑھا دیا۔

"اس پر رپورٹ دے دو۔"

اس نے ریسیور میرے ہاتھ سے لے لیا مگر اس کے بشرے پر تذبذب کی علامات نظر آ رہی تھیں۔ میں نے زور دے کر کہا "فکر نہ کرو۔ اول خان نے ایک آلہ لگا لیا ہے۔ اب وہ فون محفوظ ہے۔"

میری یقین دہانی کے باوجود اس کی تسلی نہ ہو سکی۔ شاید وہ ہدایات سے ذرا بھی انحراف کا عادی نہیں تھا۔

"سر! صاحب کہہ رہے ہیں کہ اسی پر رپورٹ دے دوں۔" رابطہ ہونے پر اس نے پژمردہ آواز میں کہا۔

دوسری طرف سے تائیدی اشارہ ملتے ہی اس نے اپنی کہانی شروع کر دی۔

وہ میرے روبہ رو موجود تھا اس لیے اس نے خاصی تفصیل بتا ڈالی تھی۔ فون پر اپنی رپورٹ کو اس نے بہت مختصر کر دیا تھا۔

ٹیکسی کا نمبر بتانے کے بعد اس نے ریسیور مجھے دے دیا۔ میں نے ریسیور لیتے ہی کہا "تم نے دیکھ لیا کہ حرکت میں کتنی برکت ہوتی ہے۔"

"تمہارے قدم جہاں پہنچتے ہیں وہاں کام شروع ہو جاتا ہے۔" اول خان کی پرمسرت آواز آئی "یہ دہرا کام ہوا ہے۔ ہوٹل والی لڑکی کے بیان کی تصدیق ہو گئی کہ پیشانی پر زخم کے نشان والے آدمی کا وجود ہے۔ دوسری طرف اس کا وار ناکام بنا دیا گیا۔"

"مجھے حیرت ہے کہ بم صرف چار پونڈ کا تھا۔" میں نے کہا۔

"ہوٹل ان کا عارضی ٹھکانا ہے۔ وہ اپنے ساتھ زیادہ بوجھ لے کر نہیں پھر سکتے۔ اس دھماکے کے لیے اس نے خطرناک جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہاں ہر وقت بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ چھولے اور بریانی کے ساتھ چائے والوں کے پاس بھی رش رہتا ہے۔ وہاں دو چار افراد کی

ہلاکت یقینی تھی۔ زخمی ہونے والوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا وہ کتنے ہوتے۔"

"میرا یہ شبہ درست ثابت ہوا کہ یہ ہوٹل ان لوگوں کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ وہ نہ جانے کس سے ٹائم بم لے کر گیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ خود اسی ہوٹل میں رہ رہا ہو۔ یہ پتا چلانا ضروری ہے کہ وہ واپس کہاں گیا تھا۔" اول خان کی آواز میں پستی عود آئی تھی۔ "میرے آدمی ٹیکسی ڈرائیور کو تلاش کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔ سرور نے ٹیکسی کا نمبر نوٹ کر کے کمال کیا ہے۔"

مجھے امید نہیں تھی کہ وہ مشتبہ شخص اس ٹیکسی کے ذریعے براہ راست اپنی منزل پر گیا ہوگا۔ اگر وہ ایک تجربے کار اور پیشہ ور ایجنٹ تھا تو اس کو راستے میں اپنی سواری بدل لینی چاہیے تھی۔ وہ ایک معمولی اور بنیادی احتیاط تھی جسے کوئی نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اول خان کی خوش گمانی برقرار رکھنے کے لیے وہ بات اپنی زبان پر لانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"بس ٹیکسی ڈرائیور کی رپورٹ مل جائے تو کام میں تیزی آسکتی ہے۔" میں نے امید ظاہر کی۔

"رپورٹ شاید رات تک مل جائے گی۔ مگر اب ہوٹل کی نگرانی اہم ہو گئی ہے۔ آج کا واقعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ حشمت یا سوبھراج کے فرار ہو جانے کے باوجود ہوٹل میں ان کے رابطے برقرار ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ پیشانی پر زخم کے نشان والا حشمت کی اصلیت سے بھی واقف ہو۔" ایک کامیابی حاصل ہوتے ہی اول خان کی توقعات میں اضافہ ہونے لگا تھا۔

"یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔" میں نے کھل کر اپنے دل کی بات کہہ دی۔

"تم اتنے یقین سے یہ دعویٰ کیسے کر رہے ہو؟" اول خان کی آواز سے حیرت جھلک رہی تھی۔

"تم واقعات کا تسلسل فراموش کر رہے ہو۔ نک نے جب مجھے کوبرا سے ملنے کا مشورہ دیا تھا تو حشمت ہوٹل میں موجود تھا۔ اس کے لیے نک کے مختصر سے نوٹس پر چست سیاہ لباس اور نقاب کا بندوبست کرنا ناممکن نہیں تھا۔ وہ چیزیں اس کے پاس پہلے سے موجود تھیں اور وہ بھارتی ایجنٹوں کے سامنے اپنی شخصیت چھپانے کے لیے انہیں استعمال کر رہا تھا۔"

"بات کچھ نہ کچھ آگے بڑھی ہے۔ کسی وقت بھی یہ معلوم ہو جائے گا کہ حشمت کون تھا۔" وہ بولا۔

اس بارے میں ہمارے درمیان خاصی بحث ہو چکی تھی۔ میں نے اس موضوع پر مزید کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور بات بدلتے ہوئے کہا "آج مجھے جم کر ہوٹل میں رہنا ہوگا۔ کسی بھی وقت یہاں کوئی اہم واقعہ رونما ہو سکتا ہے یا کوئی نئی بات سامنے آسکتی ہے۔"

"اس مرتبہ سرور نے اسے دیکھا اور وہ بچ گیا۔ تمہاری بے خبری میں اس نے تمہیں دیکھ کر پہچان لیا تو بڑی مشکل کھڑی ہو جائے گی۔ میری رائے میں اب سرور کو ہر وقت تمہارے آس پاس رہنا چاہیے۔ وہ تمہارے دشمنوں کے لیے بالکل اجنبی ہے۔ تمہارے کام آسکتا ہے۔"

میں نے اس کے معقول مشورے پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ "ابھی دیکھنا یہ ہے کہ پانچ بجے کے بعد ان لوگوں کا کیا ردِعمل ہوتا ہے۔"

"پانچ بجے ایمپریس مارکیٹ کے پیشاب خانے میں بم نہ پھٹنے سے وہ ہراساں ہو جائیں گے۔ اس وقت پانچ بج ہی چکے ہیں بلکہ چند منٹ اوپر ہو گئے ہیں۔"

"وہ شخص اپنا کام کر کے مطمئن ہو گیا ہے۔ نتیجے کے لیے وہ ٹیلی وژن وغیرہ کی خبروں یا شہر میں پھیلنے والی خبروں کا انتظار کریں گے۔ ہر طرف کی خاموشی ان پر ذرا دیر سے اثر انداز ہوگی۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ابتدا اچھی ہے۔ خدا کرے کہ تمہاری کوششوں کا انجام بھی اچھا ہو۔"

"صرف دعاؤں سے کام نہیں چلے گا۔ مجھے کچھ اور بھی درکار ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تم بتاؤ۔ میرے بس میں ہوا تو میں تمہارے لیے آسمان کے تارے بھی توڑ لاؤں گا۔"

"بات اس سے کچھ ذرا ہی کم ہے۔ مجھے سوبھراج کا سیٹ لائٹ فون نمبر مل جائے تو مزہ آجائے گا۔"

"اس کا کہیں ریکارڈ نہیں ہوگا۔ میں اس کا فون نمبر فراہم کر سکتا ہوں۔"

"سیٹ لائٹ فون پر اپنے دشمن کی آواز سن کر وہ حواس باختہ ہو جائے گا۔ وہ نہیں مل سکتا تو پھر اس کا فون نمبر ہی دے دینا۔"

"تو کیا تم ہوٹل میں بیٹھ کر یہ سارا بکھیڑا چلاؤ گے!" اول خان کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔

"میں نے تمہیں تمہاری سی ایس ڈی کی وجہ سے فون کر لیا اور خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک آپریٹر نے دخل اندازی نہیں کی۔ جب تک سی ایس ڈی دستیاب نہ ہو، میں یہاں

سے کسی کو فون کرنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔"

"اگر تم نے ہوٹل ہی میں جم جانے کا ارادہ کرلیا ہے تو پھر گھر کی سی ایس ڈی یہیں اٹھالاؤ۔"

"یہ کرنا پڑے گا۔ میں سلطان شاہ کو کچھ ضروری چیزوں کے ساتھ ہوٹل بلانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

وہ سر کے بل آئے گا۔ خالی بیٹھ کر وہ بہت جلد اکتا جاتا ہے۔" اس نے میری تائید کی "تم کو کسی بھی وقت اس کی مدد کی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔"

اِدھر اُدھر کی چند باتوں کے بعد ہماری گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

پانچ بج چکے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ ان لوگوں کو اپنے لگائے ہوئے ٹائم بم کی ناکامی کا علم خاصی دیر سے ہوگا مگر سرور کی دی ہوئی اطلاع کے بعد میری طبیعت پر عجیب سی بے چینی مسلط ہو گئی تھی۔ میں جلد از جلد ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر پہنچنا چاہ رہا تھا تاکہ کوئی بھی موقع ضائع نہ ہو سکے۔ میں نے نہانے کا ارادہ فوری طور پر ملتوی کر دیا۔

"مجھے اپنے کچھ ایسے دشمنوں کی تلاش ہے جو شاید مجھے پہچانتے ہیں مگر میں ان کے چہروں سے ناواقف ہوں۔" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد سرور کو بتایا "اب تم کمرے میں رہنے کے بجائے میرے آس پاس رہو گے۔ پیشانی پر زخم یا چوٹ کے نشان والا بھی ہمارا مطلوب آدمی ہے۔ تم ان لوگوں کے لیے بالکل اجنبی ہو۔ میرے ساتھ رہ کر ان پر نگاہ رکھ سکتے ہو۔"

"میں سمجھ گیا سر! آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" اس نے اپنا داہنا ہاتھ سینے پر رکھ کر کہا۔

میں نے دوبارہ گھر فون کیا تو اس بار ویرا سے بات ہوئی۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ زخمی پیشانی والا آخر کار دریافت کر لیا گیا تھا اور کچے ہاتھوں اس کا ایک حربہ بھی ناکام بنا دیا گیا تھا۔

وہ مجھ سے طویل گفتگو کی خواہش مند تھی جبکہ میں ہر قیمت پر کمرے سے نکل جانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے موقع کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے اپنی گلو خلاصی کرالی۔ اس نے میری خواہش کے مطابق فون سلطان شاہ کو دے دیا۔ جو اس کے ساتھ موجود تھا۔

سلطان شاہ کو سی ایس ڈی اور کچھ دوسرے لوازم کے ساتھ جلد از جلد ہوٹل پہنچنے کی ہدایت کر کے میں نے فون بند کر دیا۔

اگلے چند منٹ میں ہم دونوں آگے پیچھے ہوٹل کے نچلے فلور پر پہنچ چکے تھے۔ میں لفٹ سے نیچے اترا تھا۔ سرور نے وقفہ دینے کے لیے زینے استعمال کیے تھے۔

شام چار بجے زخمی پیشانی والا لفٹ سے گراؤنڈ فلور پر برآمد ہوا تھا۔ وہ بات بہت معمولی تھی مگر میرے لیے اس میں ایک اشارہ مضمر تھا۔ وہ نچلی کسی منزل پر مقیم ہوتا تو زینوں سے نیچے آسکتا تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ وہ ہوٹل کی کسی بالائی منزل سے آیا تھا۔

میں نے لفٹ کے عین مقابل لابی کے بڑھے ہوئے حصے میں ایک دور افتادہ میز کا انتخاب کیا اور وہاں جم گیا۔ میرا رخ لفٹ کی طرف تھا۔ میری میز کے مقابلے میں اصل راہداری کافی زیادہ روشن تھی۔ میں اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ہر آنے جانے والے کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا لیکن اتنے فاصلے سے میرا دیکھا جانا ممکن نہیں تھا۔ سرور نے مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک اکلوتے صوفے پر براجمان ہو کر اخبار سنبھال لیا تھا۔

وہاں بیٹھتے ہی مجھے خیال آیا کہ اول خان ہوٹل میں تنہا قیام کے ارادے سے آیا تھا۔ اپنی جگہ سرور کو دے کر وہ چند گھنٹوں بعد چلا گیا تھا۔ کمرے میں ہماری تعداد بڑھ کر دو ہو چکی تھی جو سلطان شاہ کی آمد پر تین ہو سکتی تھی۔ اگر ہوٹل میں رات گئے تک کسی پیش رفت کی امید نہ رہتی تو سلطان شاہ گھر واپس جا کر اطمینان سے اپنے بستر میں سو سکتا تھا۔ دشمنوں کے خلاف ہمیں اپنی وہ رات کالی کرنی پڑتی تو ہم میں سے کسی کو کمرے کی نہیں سوجھ سکتی تھی پھر بھی ہوٹل کے ریکارڈ میں کم از کم دو افراد کا اندراج ضروری تھا۔

سوا چھ بجے کے قریب میں نے اپنی آنکھوں سے اسی زخم خوردہ شخص کو لفٹ سے برآمد ہوتے دیکھا۔ اس کی صورت پر عجیب سی پھٹکار برس رہی تھی۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میری تقلید میں سرور بھی صوفے سے اٹھنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔

لفٹ سے اتر کر وہ دائیں بائیں دیکھتا ہوا ایک طرف چلا تو میں بھی دھندلی روشنیوں میں اپنے کنج عافیت سے باہر آگیا۔ اس شخص کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ ہوٹل کے صدر دروازے سے باہر نکل جائے گا۔ میں اپنے گوشے سے باہر آیا تو یہ دیکھ کر میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے کہ وہ ہوٹل سے باہر نہیں گیا تھا۔ ہوٹل میں موجود پبلک فون بوتھ میں کھڑا کوئی نمبر ملا رہا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کی پشت میری طرف تھی۔ ہم دونوں کا درمیانی فاصلہ یکایک اتنا کم رہ گیا تھا کہ وہ میری طرف متوجہ ہوتا تو مجھے یقینی طور پر پہچان لیتا۔

ابھی میں کچھ سوچنے بھی نہیں پایا تھا کہ اچانک پیچھے سے

کوئی مجھے کندھا مارتا ہوا آگے نکل گیا۔ میں نے بھنّا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ سرور تھا۔ شاید صورتِ حال کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ وہ مجھ سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ یقینی طور پر میرے آس پاس کوئی اور بھی موجود تھا۔ سرور نے کندھا مار کر مجھے اس کی طرف متوجہ کرنے کی ارادی کوشش کی تھی۔

میں بوتھ میں گھسے ہوئے شکار کی طرف متوجہ تھا اور کوئی مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں چوکنا ہو کر بہت تیزی سے گھوما اور پہلی طائرانہ نظر میں وہ خوب رو اور صحت مند لڑکی میری نظروں میں آ گئی جو ایک ستون کے قریب کھڑی اپنے بائیں ہاتھ کے ناخنوں کا جائزہ لے رہی تھی۔

اس لڑکی کے سوا وہاں موجود ہر شخص کی مصروفیات میں کوئی نہ کوئی تسلسل موجود تھا مگر اس لڑکی کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ لمحہ بھر پہلے اس کی کوئی اور مصروفیت تھی۔ میرے گھومتے ہی اس نے اپنی نگاہیں اپنے ناخنوں پر مرکوز کر لی تھیں۔

وہ نازک اندام نہیں تو فربہ بھی نہیں تھی۔ بس صحت مند کہی جا سکتی تھی۔ بھرے بھرے شبابی چہرے کے تیکھے نقوش بہت جاذب نظر تھے۔ میرے ذہن میں دہلی کی فلم چلنی شروع ہو گئی مگر اس میں دور دور تک اس لڑکی کا نام و نشان نہیں تھا جو اس وقت میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

وہ اس مہم کا بہت نازک مرحلہ تھا۔ مجھے فوری طور پر کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ میں نے مڑ کر بوتھ کی طرف دیکھا۔ وہ شخص اپنی بات ختم کرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اچانک اس نے ریسیور ہک سے لٹکا دیا۔ میں اس کے مڑنے سے پہلے ستون کی اوٹ میں ہو کر واپس چل دیا۔

اس لڑکی نے مجھے عقب سے دیکھا تھا۔ میرے پلٹتے ہوئے شاید اس نے میرے چہرے کی ایک سرسری سی جھلک دیکھی ہو لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ اگر وہ میرے دشمنوں میں سے تھی اور دہلی میں مجھے مظہر خان کے روپ میں دیکھ چکی تھی تب بھی اس سرسری نظر میں مجھے نہیں پہچان سکی ہو گی۔ میں اس کی طرف پشت کیے آگے بڑھ گیا۔

اگر زخم خوردہ پیشانی والا فون پر بات ختم کر کے ہوٹل سے باہر نکل گیا ہوتا تو میں یقینی طور پر اس لڑکی سے براہِ راست بات کرنے کی کوشش کرتا۔ مرد کی موجودگی میں ایسی کوئی حرکت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اپنے دھندلے اور نیم تاریک گوشے میں پہنچ کر میں نے روشن راہداری کی طرف نگاہ ڈالی تو وہ لڑکی اپنی جگہ سے جا چکی تھی۔ مرد کا بھی کہیں پتا نہیں تھا۔

اس وقت تک وہ سب میرے قوی شبہات تھے جن کو سارا دینے کے لیے صرف ایک ثبوت سامنے آیا تھا کہ مرد نے صدر کے علاقے میں ایک ٹائم بم نصب کیا تھا۔ اس کا لڑکی سے کیا تعلق تھا۔ اس بارے میں سرور ہی مجھے کچھ بتا سکتا تھا۔

اس شخص نے ہوٹل میں دوسری بار نمودار ہو کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس ہوٹل کے کسی کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میں بہت آسانی سے اس کی گردن پر ہاتھ ڈال سکتا تھا مگر پھر ہمارے لیے سوبھراج تک پہنچنے کے مواقع محدود ہو جاتے۔ بلیک کیٹس سے یہ امید نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ چوہڑا کی طرح مار کھا کر زبان کھول دیں گے۔

میں اپنی جگہ پر بیٹھ چکا تھا۔ سرور کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

واقعات سنسنی خیز انداز میں خاصی تیزی سے رونما ہو رہے تھے۔ میرے لیے وہ صبر آزما صورتِ حال اعصاب شکن تھی کیونکہ میں کبھی بھی اپنے کسی حریف کو اتنی مہلت دینے کا عادی نہیں رہا تھا۔ سانولا آدمی سامنے تھا۔ اس کا کم از کم ایک بھیانک جرم ثابت ہو چکا تھا۔ اسے جلد از جلد اپنے کیفر کردار کو پہنچنا چاہیے تھا۔ اس کی ہوٹل میں مستقل موجودگی کا انکشاف محض چند منٹ پہلے ہوا تھا مگر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے ڈھیل دیتے ہوئے ایک عرصہ بیت گیا ہو۔ اگر مجھے حشمت یا سوبھراج کی فکر نہ ہوتی تو میں شاید اسے فون بوتھ سے واپس نہ جانے دیتا۔ کسی بھی خطرے کی پروا کیے بغیر' اسے بھرے ہوٹل میں گھیر لیتا۔

میں وہیں بیٹھا اپنا خون کھولاتا رہا۔ اسی اثنا میں مجھے سلطان شاہ نظر آیا۔ وہ کسی لاابالی نوجوان کی طرح ایک بیگ اپنے گلے میں ڈالے' متلاشی نظروں سے اس علاقے میں موجود لوگوں کا جائزہ لیتا ہوا آگے چلا آ رہا تھا۔

مجھے شبہ تھا کہ وہ روشنی کے نمایاں فرق اور فاصلے کی وجہ سے وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھ گیا۔

"میرے پیچھے آؤ!" میں یہ کہتا ہوا اس کے قریب سے نکل گیا۔

اس نے مجھے دیکھ کر کسی تپاک کا مظاہرہ کیا نہ میں نے اس کی طرف توجہ دی۔ وہ باتیں میں نے فون پر اسے سمجھا دی تھیں۔

سلطان شاہ نے اسی انداز میں چلتے ہوئے اپنی سمت

تبدیل کی اور میرے پیچھے پیچھے لفٹ تک پہنچ گیا۔
چند ثانیوں بعد ہم دونوں اول خان والے کمرے میں موجود تھے۔ اس نے بیٹھتے ہی اپنے بیگ کی زپ کھول دی۔ اس میں سی ایس ڈی کے نیچے میرا شب خوابی کا لباس موجود تھا۔
"اب شاید کپڑوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ابھی ابھی وہ منحوس شخص دوبارہ نظر آیا تھا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "میں سوچ رہا ہوں کہ آج رات ہی اس کے کمرے کا سراغ لگا کر وہیں اس کا قصہ تمام کردوں۔ دوسروں کو بعد میں دیکھ لیا جائے گا۔"
"اس کا دوبارہ نظر آنا نیک شگون ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اسی ہوٹل میں رہ رہا ہے پھر تمہارا موڈ کیوں خراب ہے۔" اس نے پوچھا۔
"میں مرد کو دیکھ رہا تھا اور ایک لڑکی عقب سے میرا جائزہ لے رہی تھی۔" میں نے قدرے سنبھل کر جواب دیا "یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے بلیک کیٹس کے بارے میں ابتدائی افواہیں بے بنیاد نہیں تھیں۔ لڑکی کی موجودگی نے میری طبیعت کچھ مکدر کر دی ہے۔ پتا نہیں وہ اچانک کہاں سے نمودار ہو گئی۔"
"وہ اس بار کہاں بم لگانے کے لیے آیا تھا؟"
"اپنے کسی آقا سے فون پر بات کرنے کے لیے نیچے آیا تھا۔"
"یہ کام وہ اپنے کمرے میں موجود فون سے بھی لے سکتا تھا۔" سلطان شاہ بولا۔
"ہوٹل کے فون پر وہ کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی سے صدر میں دھماکے کے بارے میں معلوم کرنا چاہ رہا ہو۔ ان لوگوں کو ابھی تک خلش ہوگی کہ ایمپریس مارکیٹ کے علاقے سے ابھی تک بربادی کی کوئی خبر کیوں نہیں آئی۔"
"اس وقت تم پر غصے اور بے بسی کی ملی جلی کیفیت طاری ہے۔" سلطان شاہ نے محتاط لب و لہجے میں کہا "پتا نہیں تم کچھ کر گزرنے کے لیے اتنے بے چین کیوں ہو۔ آج دوپہر تک ہمارے پاس اپنے دشمنوں کا کوئی سراغ نہیں تھا۔ چند گھنٹوں کی محنت سے اس وقت دو چہرے سامنے آچکے ہیں۔ ایک واردات رو کی جا چکی ہے۔ تم اور کیا چاہ رہے ہو۔"
شاید وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں نے خاموش رہ کر اپنی جھنجلاہٹ کا ناقدانہ جائزہ لیا اور پھر نئی سگریٹ سلگالی۔
"مجھے ہوٹل میں بلاتے ہوئے تم بہت خوش اور پُرجوش تھے۔" اس نے کچھ کہنا چاہا مگر میں نے ہنس کر اس کی بات اڑا دی۔
"اس وقت سرور کو پہلی بار ایسی انسانی پیشانی نظر آئی تھی جس پر زخم کا کوئی پرانا نشان موجود تھا۔" میں نے ہنسی کے دوران اپنی بات جاری رکھی "اب تم میرے بزرگ بننے کی کوشش مت کرو۔ میں ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی خوش اور پرجوش ہوں۔ میں مرد کو اب زیادہ مہلت نہیں دوں گا۔"
"اور عورت کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟" اس نے شوخی سے پوچھا۔
"ابھی تک عورت کا کوئی جرم سامنے نہیں آیا۔ اگر وہ بلیک کیٹ ہی ہے تو ضرور ماری جائے گی۔"
اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ نیچے سے سرور یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ کمرا آباد تھا یا خالی پڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے اوپر بلالیا۔
"سر! میں آپ کی تلاش میں سارے ہوٹل میں چکراتا پھر رہا تھا۔" سلطان شاہ سے تعارف ہونے کے بعد اس نے کہا "بالکل آخر میں مجھے کمرے کا خیال آیا۔"
"سلطان شاہ آگیا تھا۔ اس کی وجہ سے مجھے اوپر آنا پڑا۔ تم اپنی کہانی سناؤ۔"
"وہ لڑکی آپ کو نہیں پہچانتی۔" اس نے اپنے پہلے فقرے سے ہی میرے ذہن سے ایک بڑا بوجھ اتار دیا "آپ اس کے سامنے تھے پھر بھی اس نے آپ کی طرف توجہ نہیں دی۔ اس نے چونک کر اس وقت آپ کو پیچھے سے گھورنا شروع کیا جب آپ بوتھ والے آدمی کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔"
"وہ لڑکی اچانک کہاں سے نازل ہو گئی تھی۔" میں نے پوچھا۔
"وہ لفٹ سے نہیں نکلی تھی۔ شاید پہلے سے نیچے منڈلا رہی تھی۔ بعد میں بھی وہ اس آدمی سے نہیں ملی۔ سیدھی کیفے کی طرف چلی گئی۔"
"مرد کہاں گیا؟" میں نے سوال کیا "میں ان دونوں کی نگاہوں سے بچنے کے چکر میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ فون ختم ہونے کے بعد کیا ہوا تھا۔"
"میں اسی کے ساتھ لفٹ میں سوار ہو کر اوپر گیا تھا۔ وہ ساتویں منزل پر اترا تھا۔ میں اس کا کمرا دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔"
"ہر کام قسطوں میں ہو رہا ہے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "پہلی دفعہ شبہ ہوا۔ دوسری مرتبہ یقین آیا کہ وہ اسی ہوٹل

میں ہے اور تیسری کوشش میں اس کا فلور معلوم ہوا۔ اب چوتھی بار کمرے کا نمبر معلوم ہوگا۔ اس کے بعد کہیں اس کے انجام کی باری آسکے گی۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔ ان کا انجام اب بہت قریب ہے۔" میں نے سفاکی سے کہا۔

"وہ لڑکی اس وقت کہاں ہے؟" سلطان شاہ نے براہِ راست سرور سے پوچھا۔

"وہ بے فکری سے کیفے میں ایک لڑکے کے ساتھ بیٹھی ہنسی مذاق کررہی ہے۔"

"ایسا تو نہیں کہ وہ شہر کی کوئی اوباش لڑکی ہو۔ تمہیں اس پر بلاوجہ شبہ ہوا ہو۔" میں نے سوال کیا۔

"ہوسکتا ہے کہ مجھ سے اندازے کی غلطی ہوئی ہو۔" سرور نے کھلے دل سے اعتراف کرلیا "مگر یہ بات ضرور ہے کہ وہ غور سے آپ کی طرف دیکھ رہی تھی۔"

"ہمارا ڈپٹی صاحب شان دار مرد ہے۔ دل پھینک لڑکیاں اس کی طرف متوجہ ہوتی رہتی ہیں۔" سلطان شاہ مزاحیہ انداز میں بولا۔

"وہ دل پھینک لڑکی نہیں ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "آوارہ ہوتی تو مجھے اپنی طرف متوجہ پاکر اپنے ناخنوں کو نہ تکنے لگتی۔ مجھ سے نگاہیں ملا کر اشارے بازی کرتی۔ سرور میرا سایہ بنا ہوا ہے۔ وہ لڑکی دور رہ کر اپنے ساتھی کی دیکھ بھال کررہی تھی۔"

"کیوں نہ کیفے میں چل کر اسی سے پہل کی جائے۔" سلطان شاہ کے پاس ریڈی میڈ تجویز موجود تھی "اس کے ساتھی کو ہوا بھی نہیں لگ سکے گی کہ اس کی ساتھی ہوٹل سے اچانک کہاں غائب ہوگئی۔ مردوں کے مقابلے میں عورتیں مار کی کچی ہوتی ہیں۔ کیلی کی مثال تمہارے سامنے ہے۔"

وہ مکمل تجویز نہیں تھی۔ اس کے ہر پہلو پر غور کرکے عمل کیا جاسکتا تھا۔

سلطان شاہ کی تجویز پر کوئی بات ہونے سے پہلے اول خان کا فون آگیا۔ آپریٹر کے ذریعے کمرے کی لائن لیتے ہی اس نے اپنی سی ایس ڈی آن کرکے مجھے کھلی گفتگو کا عندیہ دے دیا۔ اس نے سوبھراج کے گھر کے دو فون نمبر معلوم کرلیے تھے۔

اسے ہوٹل میں رونما ہونے والے واقعات کا کوئی علم نہیں تھا۔ دونوں فون نمبر لکھوانے کے بعد اس نے بتایا کہ اس کے آدمی غیر معمولی تیزی سے مطلوبہ ٹیکسی تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ڈرائیور نے بتایا کہ اس نے ایمپریس مارکیٹ کی سواری کو میٹروپول ہوٹل کے چوراہے پر اتارا تھا۔ اول خان کی دانست میں وہ کوئی سراغ نہیں تھا۔

"مجھے اندازہ تھا کہ اس نے ٹیکسی اپنی منزل سے پہلے بدل لی ہوگی۔ فاصلہ کم تھا اس لیے اس نے میٹروپول سے پیدل مارچ کیا ہوگا۔" میں نے اس کی بات سن کر کہا "اب ان تفصیلات کی ضرورت نہیں رہی۔ کچھ دیر پہلے وہ دوبارہ نظر آیا تھا۔ اس مرتبہ سرور نے یہ معلوم کرلیا ہے کہ وہ ساتویں منزل کے کسی کمرے میں رہ رہا ہے۔"

"آزادی سے کام کرنے کے لیے شاید یہ تمہاری آخری رات ہے۔" قدرے توقف کے بعد اول خان کی دھیمی آواز آئی "نئی صبح تمہارے لیے مشکلات کا پیغام لے کر طلوع ہوگی۔"

اول خان کے دونوں فقرے سنگین تھے۔ میرے پورے بدن میں گویا چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ میں نے کہا "پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ کھل کر بتاؤ کہ کیا مسئلہ ہے۔"

"مبن ڈیوڈ کا خون رنگ لا رہا ہے۔ وہ اس کے انجام پر کوئی احتجاج کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ انتقام کے طور پر انہوں نے صبح کے کئی بڑے اخبارات میں ایک مرتبہ پھر تمہارے خلاف بڑے بڑے انعامی اشتہار چھپوانے کا بندوبست کیا ہے۔ اشتہارات شائع ہوتے ہی تمہیں کچھ دنوں کے لیے روپوشی اختیار کرنی پڑجائے گی۔ یہ مجبوری ہے۔"

"بلیک کیٹس نے ہمارا گھر دیکھ لیا ہے۔ کوبرا ان کی مدد کررہا ہے۔ دوسری طرف کوبرا اور نک کے گہرے مراسم ہیں۔ وہ ہمارے گھر کی نشان دہی کرکے پولیس سے یہ مطالبہ کیوں نہیں کرتے کہ اس پتے پر ریڈ کرکے ڈپٹی کو پکڑ کر ان کے حوالے کیا جائے۔" میں نے تلخی سے کہا۔

"کہا جاتا ہے کہ بھارت میں بلیک کیٹس کو سارے ذرائع سے معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ وہ اپنی خفیہ معلومات میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔ شاید تمہارے گھر کا پتا اسی سانولے موذی تک محدود ہو۔ امریکیوں کو اس کی بھنک مل گئی ہوتی تو اب تک بہت کچھ ہوچکا ہوتا۔"

"ہمارے اخبارات بھی ان کے گماشتے بن گئے ہیں۔ کیا وہ ایسے اشتہار کی اشاعت سے انکار نہیں کرسکتے!" میں نے قدرے غصے سے کہا۔

"اخبارات صرف اشتہاروں کے بل پر چلتے ہیں ورنہ کوئی پانچ چھ روپے میں پاؤ بھر کاغذ نہیں دے سکتا۔" اول خان نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی "پہلے صفحے کا وہ بڑا

اشتہار لاکھوں کی مالیت کا ہوگا۔ اس کی اشاعت سے کون انکار کرے گا۔"

"ابتدا میں ان کے اشتہار مجھے پریشان کر دیتے تھے۔ اب میں ان سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ ان کے پاس میری پرانی اور دھندلی تصویر ہے۔ شاید غزالہ بھی اب اسے نہیں پہچان سکے گی لیکن مجھے محتاط ہونا پڑے گا۔" میں نے بدمزگی سے کہا "بڑے انعام کے لالچ میں لوگ برادر فروش بن جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے میں کس گنتی میں ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میری اپنی آستین میں پلا ہوا کوئی سانپ مجھے ڈس لے۔"

"ایسی مایوسی اچھی نہیں ہوتی۔ اپنی توجہ بلیک کیٹس پر مرکوز رکھو۔ صبح کے اخبارات بازار میں آنے سے پہلے ان کا کوئی بندوبست کرو۔"

"کیا ایس ٹی ایف موجودہ حالات میں میری طرف سے ان میں سے کسی ایک کا تحفہ قبول کرلے گی؟" میں نے پوچھا۔

"تم بلاوجہ تلخ ہو رہے ہو۔ تم چاہو تو میں ابھی بھاری نفری وہاں بھیج دیتا ہوں۔ میرے آدمی تمہارے حکم پر آگ میں بھی کود پڑیں گے۔"

"مگر سوبھراج کی طرف نہیں جائیں گے!" اس وقت میرے سینے میں واقعی لاوا سا کھولنے لگا تھا۔

"تم مجھے ثبوت فراہم کردو کہ سوبھراج ہی حشمت اور کوبرا بنا ہوا تھا۔ تم دیکھنا کہ میں اس کی کیسی درگت بناتا ہوں۔"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس مرحلے پر اس کے خلاف ثبوت فراہم کرنا کتنا مشکل کام ہے۔"

"میں سب کچھ جانتا ہوں مگر کہیں نہ کہیں میرے ہاتھ بھی بندھ جاتے ہیں۔" اس کی آواز میں بے بسی اتر آئی "سوبھراج بہت مشکل کیس ہے۔ اس وقت ٹام اور نک کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے ہیں۔ بن ڈیوڈ کی خودکشی نے انہیں دیوانہ کردیا ہے۔ مجھے اڑتی اڑتی سی خبر ملی ہے کہ ان دونوں نے مشترکہ طور پر ہماری وزارت داخلہ سے زبانی مطالبہ کیا ہے کہ میرا اور کرنل داور کا کسی اور اسٹیشن پر تبادلہ کردیا جائے۔"

"اوہ۔ تو کرنل داور ان کے اعصاب پر اتنا سوار ہے۔" میں نے تضحیک آمیز انداز میں کہا "اور یہ زبانی مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے۔"

"کرنل داور بن کر تم کئی بار میری فورس کی بھرپور نمائندگی کرچکے ہو اور اب ارجن بھی کرنل داور کی قلابازی کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ وہ کوئی تحریری مطالبہ نہیں کرسکتے کیونکہ ان کی حکومت ہمارے اس سرکاری موقف کو تسلیم کرتی ہے کہ پاکستان میں آئین سے ماورا کوئی ادارہ موجود نہیں ہے۔"

"مگر غیر سرکاری طور پر وہ سب کچھ جانتے ہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "تو کیا وزارت داخلہ تمہیں کہیں اور بھیج رہی ہے؟"

"ہمارا کسی وزارت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تمہیں صرف یہ بتا رہا تھا کہ وہ کہاں کہاں اپنا دباؤ ڈال رہے ہیں۔"

یہ جان کر میرا غصہ کچھ کم ہوا کہ صرف میں ہی عتاب میں نہیں آیا ہوا تھا۔ میرے ساتھ دوسرے لوگ بھی دشمنوں کی نظر میں کانٹا بن کر کھٹک رہے تھے۔

"وہ دو ہیں۔ ایک مرد اور ایک عورت۔" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد کہا "مرد ساتویں منزل کے کسی کمرے میں چھپا ہوا ہے۔ اسے میں بعد میں تلاش کروں گا۔

عورت کیفے میں بیٹھی کسی مقامی کو شیشے میں اتار رہی ہے۔ میں لڑکی سے ابتدا کرتا ہوں۔ کامیابی ہوگئی تو سرور اسے لے کر اسٹیشن فوراً پہنچے گا۔"

"مجھے تمہاری اس وقت کی کیفیت کا اندازہ ہے۔ تم ضرور کامیاب رہو گے۔" اس کی آواز پُر خلوص تھی "اگر ممکن ہو تو اب سرور سے میری بات کرا دو۔"

سرور نے بس چند ثانیوں کے لیے ریسیور کان سے لگائے رکھا اور ہوں ہاں کرتا رہا۔ شاید اول خان اسے کچھ نئی ہدایات دے رہا تھا پھر وہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

"تم لابی میں بیٹھو۔" میں نے سلطان شاہ کو ہدایت کی "اب ہم وقت برباد کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ تم کو پیشانی کے نشان والے پر نگاہ رکھنی ہے۔ وہ جہاں نظر آئے' اس کا پیچھا کرو۔ اس کے ہاتھ سے نکلنے کا اندیشہ ہو تو بے دریغ اسے گولی مار دو۔ تھوڑی دیر بعد میں خود تمہارے پاس آجاؤں گا۔" سلطان شاہ اسی وقت اٹھ کر باہر چل دیا۔

O☆O

سرور ہوٹل کے کیفے میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی کہ وہ لڑکی اس وقت بھی وہیں موجود تھی۔ جہاں اس نے اسے آخری بار دیکھا تھا۔ دونوں کے درمیان بے تکلفی کی فضا پیدا ہو جانے کے نتیجے میں لڑکا بہت خوش نظر آرہا تھا۔

وہ کیفے تھا۔ وہاں صرف چائے' کافی' کولڈ ڈرنکس اور اسنیکس سرو کیے جاتے تھے۔ کھانے کے لیے ہوٹل کے کسی ملحق ریستوران کا رخ کرنا پڑتا تھا۔ شام دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی۔ کیفے میں لوگوں کی تعداد کم ہوتی جارہی تھی۔

سرور نے اس لڑکی کی میز کے قریب' اپنی پسند کی جگہ منتخب کی اور ایسے زاویے سے کرسی پر جم گیا کہ لڑکی کا چہرہ اس کے بالکل سامنے تھا۔ لڑکا سرور کی طرف پشت کیے' اپنی نئی نویلی محبوبہ سے مسلسل باتوں میں مصروف تھا۔ سرور لڑکے کی بے خبری میں کسی بھی وقت لڑکی کو براہِ راست اشارہ کر سکتا تھا۔

کیفے میں موجودگی کے جواز کے لیے سرور نے چائے کا آرڈر دیا اور لڑکی کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔

وہ بڑے ہوٹل کا کیفے تھا اس لیے وہاں ہر چیز کے نخرے نرالے تھے۔ بھاپ اڑاتی ہوئی گرما گرم چائے پورے سیٹ کی صورت میں خاصی دیر بعد آئی اور آدھی پی لی گئی لیکن اس دوران میں وہ لڑکی ایک مرتبہ بھی سرور کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ وہ پیشہ ور ایجنٹ تھی اور ایک وقت میں اپنی ساری توجہ ایک شکار پر مرکوز رکھنے کی عادی تھی۔

سرور کسی موقع کی تلاش میں دھیرے دھیرے چائے پیتا رہا۔ اس نے کیک اسٹینڈ میں سجے ہوئے اسنیکس کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

خاصی دیر بعد لڑکی نے ایک بار اپنی بوجھل آنکھیں سرور کی طرف اٹھائیں' بے ساختہ سرور کی بائیں آنکھ دب گئی۔ وہ دیر سے اسی موقع کی گھات لگائے بیٹھا تھا۔ لڑکی کی پیشانی پر ہلکی سی شکنیں نمودار ہو گئیں۔ ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں کسی اجنبی سے ایسی گھٹیا حرکت کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

وہ پختہ کار تھی۔ سرور کی حرکت پر جھینپنے یا نظریں چرانے کے بجائے ڈھٹائی سے چند ثانیوں تک اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر دوبارہ خوش دلی سے لڑکے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ لڑکا رومان کی دنیا میں ایسا مگن تھا کہ اسے لڑکی کی تیوری کے ہلکے بل نظر آئے نہ اسے یہ اندازہ ہوا کہ چند ثانیوں کے لیے لڑکی کی توجہ کسی اور کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔

سرور نے لڑکی کے دل میں ایک بیج بو دیا تھا۔ لڑکی نے ذرا سی دیر کے بعد ارادی طور پر اس کی طرف نظریں اٹھائیں۔ سرور نے اسے آنکھ مار کر اپنے سر کو آگے کی طرف جنبش دی۔ وہ واضح طور پر لڑکی کو اپنی طرف بلانے کا اشارہ تھا۔ سرور نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ اس دوران بالکل سنجیدہ رہا تھا۔ اس نے کسی لچرپن کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

شاید لڑکی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ وہ کون تھا جو باوقار انداز میں اسے دوبار آنکھ مار چکا تھا۔ وہ خطرناک حالات میں ایک دشمن ملک میں آئی ہوئی تھی۔ سرور کی حرکات نے اس کا ذہنی سکون درہم برہم کر دیا۔ اس کی ساری شوخی اور بے فکری ذرا سی دیر میں رخصت ہو گئی۔ لڑکی کے رویے میں وہ تبدیلی اتنی نمایاں تھی کہ لڑکے کی عاشقانہ نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ ان دونوں کے درمیان سرگوشیوں میں کچھ باتیں ہوئیں اور جب لڑکے نے مڑ کر سرور کی طرف دیکھا تو سرور خود کو ایک جارحانہ جھڑپ کے لیے تیار کر چکا تھا۔

ایسے جذباتی مواقع پر ہر جوان مرد مشتعل ہو کر مرنے مارنے پر تل جاتا ہے' اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے لیکن جب لڑکے نے اپنی گردن گھما کر سرور کی طرف دیکھا تو اسے لڑکے کی آنکھوں میں کوئی رقیبانہ چمک نظر نہیں آئی۔ ان نگاہوں میں ہلکی سی حیرت مجسم تھی۔ شاید لڑکی نے اس

سے سرور کے آنکھ مارنے کی شکایت نہیں کی تھی۔

پھر لڑکے کے بجائے وہ لڑکی اپنی کرسی سے اٹھی۔ لڑکا شاید لڑکی کی ہدایت پر سرور کی طرف پشت کیے سیدھا بیٹھا رہا۔ وہ سیدھی سرور کی طرف آئی۔ اس کے رکنے تک سرور اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو چکا تھا۔ بیٹھے رہنے کی صورت میں لڑکی کا طمانچہ زیادہ تکلیف دہ ثابت ہو سکتا تھا۔

"تم نشے میں تو نہیں ہو۔ میں ابھی مار مار کر تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گی۔" وہ آتے ہی بلا کسی تمہید' سرگوشیانہ آواز میں غرائی۔ اس کا بایاں ہاتھ اپنے شولڈر بیگ پر تھا۔

"میں کوبرا کا آدمی ہوں۔" سرور نے اس سے زیادہ دھیمی مگر نرم آواز میں کہا "مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

"میں کسی سے بات نہیں کروں گی۔" وہ برہمی سے بولی۔

"وہ خود کہاں ہے؟"

لڑکی نہ جانے کس زعم میں تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ کوبرا کا نام سنتے ہی لڑکی کے ہاتھ پیر پھول جائیں گے۔ میں نے سرور کو بھی یہی بتایا تھا۔ لڑکی کے بے پروایانہ رویے پر وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔

"یہیں بیٹھے رہو۔" لڑکی نے سختی سے سرور کے سینے پر انگلی مار کر کہا "میں فارغ ہو کر آتی ہوں۔"

وہ دوبارہ اپنی میز کی طرف چلی گئی۔ سرور تھکے ہارے انداز میں اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

دور سے وہ لڑکی جتنی حسین اور دلکش نظر آ رہی تھی' قریب آنے پر سرور کے لیے اس سے زیادہ درشت اور تند خو نظر آئی تھی۔ اس کے لہجے میں خرانٹ عورتوں جیسی رعونت آ گئی تھی۔ سرور نے سمجھ لیا تھا کہ وہ آسانی سے اس کے دام میں آنے والی نہیں تھی۔

سرور کو میں نے صرف کوبرا کا نام بتایا تھا۔ اسے قطعی علم نہیں تھا کہ کوبرا کا صحیح پس منظر کیا تھا۔ اس نے میرے کہنے پر خود کو کوبرا کا آدمی ظاہر کر دیا تھا مگر یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ لڑکی نے اس سے کوبرا کے بارے میں سوالات کرنے شروع کر دیے تو وہ بغلیں جھانکنے کے سوا کیا کر سکے گا۔

لڑکی کے معاملے میں اسے الٹی آنتیں اپنے گلے پڑتی نظر آ رہی تھیں۔ وہ لڑکی کو چھیڑ کر سلسلہ شروع کر چکا تھا۔ لڑکی اس کے سامنے موجود تھی۔ اس مرحلے پر سرور کے لیے پسپائی کی کوئی راہ نہیں تھی۔ اسے ہر حال میں آنے والے واقعات کا سامنا کرنا تھا۔

وہ اس لڑکے سے مزید چند منٹ تک الوداعی باتوں میں مصروف رہی۔ سرور یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ لڑکی نے اس کے بارے میں لڑکے کو کوئی معاندانہ بات نہیں بتائی تھی۔ عین ممکن تھا کہ اس نے سرور کو اپنا کوئی شناسا ظاہر کر کے لڑکے سے معذرت چاہی ہو۔ وہ سب ان دونوں کی آپس کی باتیں تھیں۔ ان کا نتیجہ یہ نکلا کہ جلد ہی وہ ملاقات اختتام کو پہنچتی ہوئی نظر آنے لگی۔ لڑکے نے کرسی سے اٹھتے ہوئے ایک مرتبہ پھر سرسری نظروں سے سرور کی طرف دیکھا۔ وہ بے فکری سے لاتعلقانہ انداز میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

شاید ان کا بل پہلے سے آ چکا تھا۔ لڑکے نے اپنی جیب سے پرس نکال کر چند سرخ نوٹ بل کور کے نیچے دبائے اور وہ دونوں کیفے کے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

لڑکے کو دروازے سے رخصت کر کے وہ اطمینان سے واپس آئی اور سرور کی میز پر' اس کے سامنے والی کرسی پر جم گئی۔

"ہاں' اب بتاؤ کہ تم کیا کہہ رہے تھے۔" اس نے خراب تیوروں کے ساتھ براہِ راست سرور کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ چلو۔ باہر میرا ساتھی موجود ہے۔ وہ تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہے۔" سرور نے پرسکون رہتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ۔ تو تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔" لڑکی کے ہونٹوں سے تنفر آمیز سرگوشی برآمد ہوئی۔

"اخلاقاً"

''آپ کے تحفے کا بہت بہت شکریہ۔''

''ارے صاحب...... چھوڑیے...... اتنی معمولی سی چیز کا کیا شکریہ ادا کرنا......''

''خیال تو میرا بھی یہی تھا...... لیکن میری بیوی بضد تھی کہ میں اخلاقاً آپ کا شکریہ ادا کر دوں۔''

"علاج"

''بے خوابی کے علاج کے بعد تمہیں بہت سکون ملا ہو گا؟''

''ہاں...... واقعی بہت سکون ملا ہے۔ اب تو میں آدھی آدھی رات تک جاگ کر یاد کرتا رہتا ہوں کہ بے خوابی کی وجہ سے میں کتنی تکلیف میں تھا۔''

"سرور اثبات میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ لڑکی سے گفتگو کے معاملے میں بہت محتاط ہو گیا تھا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اب اس نے پورے شہر کو میری یہاں موجودگی سے باخبر کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" اس نے طنز سے کہا۔ ظاہری غصے اور اشتعال کے باوجود اس لڑکی نے اپنی آواز اتنی دھیمی رکھی ہوئی تھی کہ کیفے میں موجود کسی اور فرد کو اس کی گفتگو کی ہوا نہ لگ سکے۔

"اس کے معاملات کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" سرور نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھا گئی پھر لڑکی نے ہی تھکی ہوئی آواز میں اس سکوت کو توڑا "دیکھو! میرا اس سے ملنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ حالات بگڑ گئے ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ میں اس سے کہاں رابطہ قائم کرسکتی ہوں۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ارجن کے قتل کے بعد سب کچھ بدل گیا ہے۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ میرا ساتھی تمہاری کوئی مدد کرسکے۔" سرور نے اس پر اپنا بھرم قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے گول مول سا جواب دیا۔

"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" لڑکی نے سرور کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

"پارکنگ میں ہمارا انتظار کررہا ہوگا۔" سرور نے کہا۔

لڑکی روانگی کے لیے آمادہ ہوگئی۔ ویٹر نے اپنے تجربے کی بنا پر ان کی روانگی کا اندازہ لگالیا تھا۔ وہ بل سمیت قریب ہی موجود تھا۔ سرور اسے فارغ کرکے اٹھ گیا اور وہ دونوں ہوٹل سے نکاس کے راستے کی طرف چل دیے۔ لڑکی نے یکایک بالکل خاموشی اختیار کرلی تھی۔ وہ فطری طور پر بہت محتاط معلوم ہوتی تھی، اس نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ سرور محض بیچ کا آدمی تھا۔ اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی اس لیے اس سے بات کرنا بے سود تھا۔

میری نگاہیں مسلسل ہوٹل سے آنے والے راستے پر جمی ہوئی تھیں۔ روشن اور تاریک دھبوں میں وہ مجھے دور سے ہی نظر آگئے اور میں نے اس لڑکی کے استقبال کے لیے اپنی انگلی میں موجود سبز رنگ والی انگوٹھی کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمالیا۔ را کے کم از کم چار آدمی ہمارے ہاتھ سے یوں نکل گئے تھے کہ ہم انہیں زندہ پکڑنے کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکے تھے۔ بلیک کیٹس میں سے کسی ایک کو زندہ حالت میں ہمارے ہاتھ آنا چاہیے تھا تاکہ اس کی زبان سے تازہ بھارتی عزائم کے بارے میں کچھ اگلوایا جاسکے۔

وہ دونوں محافظ کے قریب سے گزر کر پارکنگ لاٹ میں داخل ہوئے اور میری طرف بڑھتے چلے آئے۔ میں نے جان بوجھ کر ایک تاریک حصے کا انتخاب کیا تھا تاکہ آنے والی پہلی نظر میں مجھے نہ پہچان سکے۔ سرور نے اپنے مشاہدے کی بنا پر مجھے یہ بتادیا تھا کہ شاید وہ لڑکی ماضی کے کسی حوالے سے مجھے نہیں پہچانتی تھی مگر میں پھر بھی محتاط تھا۔ ہوٹل کی لابی میں وہ پوری طرح مجھے نہیں دیکھ سکی تھی۔ پارکنگ لاٹ میں میرے بہت قریب آکر شاید وہ مجھے ذہنی بلکہ مظہر خان کی حیثیت سے پہچان لیتی۔ بلیک کیٹس کا چکر شروع ہونے سے اس وقت تک وہ مسئلہ میرے ذہن سے مسلسل چپکا ہوا تھا۔

"وہ مجھ سے کئی فٹ کے محفوظ فاصلے پر رک گئی۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں شناسائی کی لہر ابھری تھی جو زیادہ قوی نہیں تھی۔ اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکلا تھا "اوہو ۔۔ یہ تم ہو۔ تھوڑی دیر پہلے تم ہی فیروز کی نگرانی کررہے تھے۔"

لڑکی کے اس ایک فقرے نے میرے ذہن کے کئی بوجھ ہلکے کردیے۔ اس نے دہلی میں مجھے مظہر کے روپ میں دیکھا تھا اور نہ مجھے چہرے سے پہچانتی تھی۔ اس نے مجھے پہلی بار اسی وقت دیکھا تھا جب میں اس کے فون بوتھ میں موجود ساتھی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اس بارے میں سرور کا مشاہدہ سو فیصد درست تھا۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ سامنے آئی تھی کہ اس کے ساتھی نے کراچی میں قیام کے دوران میں فیروز کا فرضی نام اختیار کیا ہوا تھا۔ نام کے ذریعے ہوٹل میں اس کے کمرے کا سراغ لگانا بہت سہل ہوگیا تھا۔

میرا ارادہ اس سے زیادہ باتیں کرنے کا نہیں تھا۔ میں پہلی فرصت میں اسے بے ہوش کرکے اسٹیشن فور کی طرف روانہ کرنا چاہتا تھا لیکن وہ بہت کھاگ تھی۔ مجھ سے اتنی دور رکی تھی کہ میں جھپٹ کر اسے اپنا نشانہ بنانے کی کوشش کرتا تو مجھے ناکامی کا سامنا ہوسکتا تھا۔

"میں وہی ہوں۔" میں نے اس کے ذہن کو ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک رکھنے کے لیے کہا "میں چھ بجے سے ان ہی اطراف میں موجود ہوں۔ کوبرا فیروز کی کارکردگی سے خوش نہیں ہے۔"

"کون فیروز؟" لڑکی نے حیرت سے پوچھا۔ وہ اسی لمحے مزید پیچھے سرک گئی تھی۔

"میں تمہارے ساتھی کی بات کررہا ہوں۔ پانچ بجے وہ واقعہ نہیں ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔" اسے وہ جواب دیتے ہوئے میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی

تھی۔

لڑکی ہذیانی انداز میں بڑبڑائی "آخر میرا شبہ درست نکلا۔ تم دونوں فراڈ ہو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اچانک اپنے نیفے میں سے ایک پستول نکال کر میرے اوپر تان لیا اور سرور سے بولی "چلو۔۔۔ اپنے ساتھی کے برابر میں آجاؤ۔ ذرا بھی دیر کی تو میں گولی مار دوں گی۔"

میں لڑکی سے غافل نہیں تھا لیکن مجھے اس سے اتنی پھرتی دکھانے کی توقع نہیں تھی۔ وہ یکایک خطرے میں گھر گئی تھی۔ پستول نکالنے کے بعد وہ کسی بھی لمحے ہم دونوں پر فائر کر سکتی تھی۔

"میں نے تم دونوں کو پرکھنے کے لیے جان بوجھ کر اس کا غلط نام لیا تھا۔ تم کوبرا کے آدمی ہوتے تو مجھ سے پوچھتے کہ میں کس فیروز کی بات کر رہی ہوں۔ تم دونوں ابھی بہت کچے ہو۔ میرے پہلے ہی جھٹکے میں ڈھیر ہو گئے۔" وہ زہریلی آواز میں بولتی چلی گئی "اب بتاؤ کہ تم دونوں کون ہو۔۔۔ تمہیں کس نے بھیجا ہے۔"

"ای۔۔۔ اسے نیچے کر لو۔" میں نے ہکلاتے ہوئے خوف زدہ ہونے کی اداکاری کی اور فریادی انداز میں اپنا داہنا ہاتھ فضا میں پھیلا دیا "یہ چل گیا تو میں مفت میں مارا جاؤں گا۔"

میں نے لڑکی کو گھیرنے کے لیے جان بوجھ کر پارکنگ لاٹ کے ایسے حصے کا انتخاب کیا تھا جہاں کسی کی مداخلت کے اندیشے کے بغیر کارروائی پوری کی جا سکے۔ اس وقت وہی ویرانی ہمارے لیے مسئلہ بن گئی تھی۔ پلک جھپکتے میں وہ لڑکی ہم پر پوری بے خوفی سے غالب آ گئی تھی اور دور تک میدان صاف پڑا ہوا تھا۔

لڑکی میری فریاد پر آسودہ انداز میں ہنسی۔ اسے بالکل اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں اپنا دایاں ہاتھ فضا میں پھیلا کر ایک لمبی قلابازی کے لیے پر تول رہا تھا۔

اس نے جس عیاری، مکاری اور پھرتی سے چشم زدن میں ہمیں اپنے نشانے پر لیا تھا اس کی بنا پر مجھے دل ہی دل میں ماننا پڑا کہ وہ بہترین تربیت اور تجربے کے ہتھیاروں سے لیس تھی۔ وہ میری اور اس کی پھرتی کا براہ راست مقابلہ تھا۔ اگر مجھے اسے گرانے میں ذرا سی بھی تاخیر ہو جاتی تو وہ اسی لمحے مجھے فضا میں اڑتے ہوئے گولی مار دیتی۔

میں نے داہنا ہاتھ گرائے بغیر ایک مرتبہ پھر درمیانی فاصلہ، اپنے قدموں کی قوت اور لڑکی کی پوزیشن کا اندازہ لگایا اور پھر اچھل کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میں فضا میں اڑتا ہوا لڑکی پر جا پڑا۔ میرے دونوں جوتے پوری قوت سے اس کے سینے پر

پڑے تھے۔

وہ ضرب اتنی شدید تھی کہ لڑکی کے حلق سے چیخ بھی نہیں نکل سکی۔ شاید اضطراری چیخ اس کے سینے میں ہی گھٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ ایک زوردار ہچکی کے ساتھ کچی زمین پر گر گئی۔ اس کا پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔

اس کو مار گرانے کے چکر میں، میں خود بھی بے طرح زمین پر گرا تھا۔ اپنی کھوپڑی کو کسی کاری ضرب سے بچانے کے چکر میں میری ہتھیلیوں پر کنکروں کی خراشیں آئی تھیں مگر میرے پاس ان معمولی باتوں کے لیے وقت نہیں تھا۔ میں تیزی سے سنبھل کر پلٹا تو وہ زمین پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔

وہ چوٹ کی بے ہوشی تھی جو کسی بھی لمحے ختم ہو سکتی تھی۔ میں نے اپنی انگلی میں موجود انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے کا ذرا سا زہر اس کی صراحی دار گردن کی رگوں میں اتار دیا۔

وہ بہت اہم اور فیصلہ کن مرحلہ تھا۔ کوئی اس طرف آنکلتا تو ہمارے لیے مشکل پیدا ہو سکتی تھی۔ سرور میری ہدایت کا انتظار کیے بغیر اپنی گاڑی لینے کے لیے چلا گیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس وقت کی ذرا سی تاخیر کتنی نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔

گاڑی آتے ہی ہم دونوں نے تیزی سے اس لڑکی کو پچھلی نشست پر ڈال دیا۔ میں نے اس کے زمین پر پڑے ہوئے شولڈر بیگ کو کھول کر دیکھا تو میری توقع کے مطابق ہوٹل کے کمرے کی چابی اس میں موجود تھی۔ چابی کے ساتھ جھولتے ہوئے سفید پلاسٹک پر ہوٹل کے مونوگرام کے ساتھ کمرے کا نمبر بھی درج تھا۔

چابی اپنی جیب میں ڈال کر میں نے بیگ لڑکی کے اوپر پھینکا اور ہاتھ لہرا کر سرور کو اشارہ کیا۔ گاڑی کا انجن بیدار تھا۔ وہ تیزی کے ساتھ آگے روانہ ہو گیا۔

میں نے وہیں کھڑے کھڑے اپنے کپڑے جھاڑے اور پھر ہوٹل کی عمارت کی طرف چل دیا۔

لڑکی کے شولڈر بیگ سے سات سو چار نمبر چابی برآمد ہوئی تھی۔ میں نے سوچنا شروع کر دیا کہ وہ دونوں الگ الگ کمروں میں رہ رہے تھے یا ایک ساتھ مقیم تھے۔ کسی کمرے کا رخ کرنے سے پہلے یہ اندازہ ہونا ضروری تھا کہ اندر کی کیا صورت حال تھی۔

لڑکی شروع سے اپنی چابی سمیت کیفے میں موجود تھی جب کہ مرد فون بوتھ سے ایک کال کرنے کے بعد ساتویں منزل پر واپس چلا گیا تھا۔ قرائن یہ بتا رہے تھے کہ وہ دونوں اپنی غیر حاضری میں کمرا غیر مقفل چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ایک کمرے کی ایک ہی چابی گاہکوں کو فراہم کی جاتی تھی۔ اگر وہ ایک کمرے میں اکٹھے رہ رہے ہوتے تو مرد کو کمرے میں جانے کے لیے چابی کی ضرورت پڑتی۔ لڑکی کے بیگ سے چابی برآمد ہونے کا مفہوم یہ تھا کہ وہ الگ کمرے میں رہ رہی تھی۔

لڑکی بے ہوش ہو کر اسٹیشن فور کی طرف سدھار چکی تھی۔ اس کا کمرا خالی ہونا چاہیے تھا۔

سلطان شاہ کی طرف جاتے ہوئے، میں نے راستے سے انٹرکام پر لڑکی کے کمرے کا نمبر ملایا تو دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی۔ کافی دیر تک جواب نہ ملنے پر میں نے فون بند کر دیا۔

میں واپس پہنچا تو سلطان شاہ لابی میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔

"لڑکی کا قصہ نمٹ گیا۔ اب اس کا ساتھی رہ گیا ہے۔" میں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے؟" اس نے تفصیلات کے بارے میں کوئی سوال کیے بغیر پوچھا۔

"کچھ دیر اور بیٹھو میں اوپر کا جائزہ لیتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا "اس کے بعد سوچیں گے کہ کیا کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ میں اوپر جاؤں اور وہ اس دوران میں ادھر سے نکل آئے۔ اسے ہر قیمت پر اور ہر حالت میں ہمارے ہاتھ آنا چاہیے۔"

میں نے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھا دیا "یہ رکھ لو۔ ضرورت ہوئی تو میں اس پر تم سے بات کر لوں گا۔"

اس سے رخصت ہو کر میں ساتویں منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ لڑکی کا کمرا بدستور مقفل تھا۔ مجھے اندر داخل ہونے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

میں نے تیزی کے ساتھ کمرے کی تلاشی لے ڈالی مگر وہاں کپڑوں کے چند جوڑوں، ریزگاری اور میک اپ کے ہلکے پھلکے سامان کے علاوہ کوئی چیز نہیں مل سکی جس سے لڑکی کے اصل یا فرضی نام کے بارے میں کچھ پتا چلتا یا اس کے ماضی کا کوئی سراغ ملتا۔ وہاں مجھے ہوٹل کے دوسرے کمرے کے بارے میں بھی کچھ پتا نہیں چل سکا جس میں لڑکی کا ساتھی ٹھہرا ہوا تھا۔

وہ عجیب جمود تھا۔ میرا شکار میرے آس پاس کے کسی کمرے میں موجود تھا مگر میں اس کے نام یا کمرے کے نمبر سے واقف نہیں تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ محض اس کی پیشانی کے زخم کے سہارے کسی سے اس کے بارے میں کیسے بات کی جائے۔ میں لڑکی کے بے داغ بستر پر بیٹھا سوچتا رہا۔

آخر کار میں نے روم سروس والوں سے مدد لینے کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے کارڈ پر نمبر دیکھ کر روم سروس کو چائے کا آرڈر دے دیا اور آنے والے سے نمٹا کرنے کے لیے تیار ہو کر بیٹھ گیا۔

ادھیڑ عمر کی ایک طرح دار ویٹرس میرے لیے چائے لے کر آئی تو مجھے دیکھ کر چونک پڑی۔ اس نے فوری طور پر کچھ نہیں کہا لیکن میز پر چائے کے برتن لگاتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "سر! کیا مس سونیا کہیں گئی ہوئی ہیں؟"

جھوٹ ٹوٹا تھا۔ ویٹرس نے لڑکی کا مفروضہ نام خود بہ خود اگل دیا تھا۔ میں نے بے پروائی سے کہا "وہ اپنے اسی ساتھی کے ہمراہ فارمیسی تک گئی ہے جس کے ماتھے پر زخم کا پرانا نشان ہے۔"

"ابرار صاحب!" بسیار گو ویٹرس نے حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسرا نام بھی خود اگل دیا۔ "وہ تو برابر والے کمرے میں بیٹھے کچھ کام کر رہے ہیں۔ ابھی میں نے انہیں سگریٹ کا پیکٹ پہنچایا تھا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ اٹھا کر میرے کمرے کی داہنی دیوار کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں رہ گئی ہو۔ ابھی آ جائے گی۔" میں نے اپنا سرسری انداز برقرار رکھا پھر اس سے فرمائش کی "ذرا میرے لیے چائے بھی بنا دو۔" یہ کہتے ہوئے میں نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا جو اس نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ لے کر اپنے بلاؤز میں اڑس لیا۔

اس کے مزاج سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے سو روپے کی ٹپ وصول کرنے کے بعد بھی باہر جا کر خاموش نہیں رہے گی۔ میرے بارے میں اپنے ساتھیوں کو کچھ نہ کچھ ضرور بتائے گی۔ اس کا منہ بند کرنے کے لیے رشوت کے ساتھ کسی قسم کی دھونس بھی بہت ضروری تھی۔ میں نے سوچتے ہوئے کہا "کل تمہارے ہوٹل میں ارجن بہت عجیب حالات میں مارا گیا تھا۔ میں اسی کے قتل کی تفتیش کرنے یہاں آیا ہوں۔ پولیس کی وردی سے ہوٹل میں خوف و ہراس پھیلتا ہے اس لیے تم مجھے سادہ کپڑوں میں دیکھ رہی ہو۔ میرا نام انسپکٹر باجوہ ہے۔"

میری زبان سے پولیس کا ذکر سنتے ہی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ "تو کیا مس سونیا..."

"شش!" میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔ "سونیا نہیں، ہمیں ابرار پر شبہ ہے مگر تم یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ اپنی زبان کھولی تو مجرموں کے ساتھ تم بھی گواہی شہادت کے چکر میں رگیدی جاؤں گی۔ تم شریف عورت ہو اس لیے میں نے یہ بات تمہیں بتا دی ہے۔"

"ہم... مجھے اپنی شفٹ انچارج کو بتانے پڑے گا کہ اس کمرے میں مس سونیا کے بجائے آپ موجود ہیں۔"

"بھول کر بھی یہ غلطی نہ کرنا ورنہ تم خود نتیجے کی ذمہ دار ہو گی۔" میں نے اس پر اپنا دباؤ بڑھا دیا "تمہاری اس حرکت سے ابرار کو بھنک مل سکتی ہے۔ وہ بھاگ گیا تو تم مصیبت میں پڑ جاؤ گی۔"

وہ بری طرح سہم گئی۔ "انسپکٹر صاحب، میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی مگر یہ ہماری ڈیوٹی ہے کہ کسی کمرے میں ہوٹل کے مہمان کے بجائے کوئی اور موجود ہو تو فوراً شفٹ انچارج کو خبر کریں۔ آپ کے چائے کے بل پر بھی مس سونیا کے دستخط ہونے ضروری ہیں ورنہ بل کلرک اعتراض کرے گا۔"

"بل کی تم پروا نہ کرو۔ وہ میں نقد ادا کروں گا۔ بس تم اپنی زبان بند رکھو۔ میرے جانے کے بعد تمہیں آزادی ہو گی کہ جس سے چاہو، کہتی رہو۔"

"سر! بعد میں بھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔" وہ بے بسی سے بولی "مجھ پر الزام آئے گا کہ میں نے وقت پر کسی کو اطلاع کیوں نہیں دی۔ ارجن صاحب کے مرنے کے بعد سے ہوٹل کا سارا اسٹاف سہا ہوا ہے کہ پتا نہیں کب کس کی باری آ جائے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

وہ بولتے رہنے پر آمادہ تھی۔ اچانک مجھے حشمت کا خیال آ گیا۔ میں نے کہا "کل ارجن مارا گیا اور کل ہی تیسرے فلور کا ایک آدمی اچانک اپنا کمرا چھوڑ کر بھاگ گیا۔ یہاں کوئی بڑی گڑبڑ ہو رہی ہے۔ ہم سارے معاملات کی چھان بین کر رہے ہیں۔"

"تین سو دس نمبر والے کے بارے میں سب چہ میگوئیاں کر رہے ہیں لیکن دفتر والوں نے سختی سے اپنی زبان بند رکھی ہوئی ہے۔ وہ ارجن صاحب کا پکا دوست تھا۔ جب بھی یہاں ٹھہرتا تھا، ارجن صاحب دن میں کئی بار اس کے کمرے میں جاتے رہتے تھے۔"

"تم نے اسے دیکھا تھا۔" میں نے سادگی سے پوچھا۔

"ڈیوٹی ٹائم میں ہم اپنے فلور پر رہتے ہیں۔ کچن اور کیفے میں آتے جاتے ہوئے ایک دو بار اسے دیکھا تھا۔" وہ بول رہی تھی "لمبا چوڑا، داڑھی مونچھوں والا، رعب دار آدمی ہے، لمبی ناک طوطے کی چونچ کی طرح آگے سے مڑی ہوئی

ہے۔ آواز بھی اونچی اور گرجدار ہے۔ دیکھنے میں دلیر آدمی لگتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ چپکے سے کمرا کیوں چھوڑ گیا۔"

اس عورت نے حشمت کی مڑی ہوئی ناک کا ذکر کر کے میرا دل خوش کر دیا تھا۔ اپنی اس پہچان کو سوبھراج کس طرح چھپا سکتا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس وقت تک اول خان کا کوئی آدمی حشمت کے خدوخال کی اس نمایاں ترین خوبی یا خامی کے بارے میں کچھ بتانے سے قاصر رہا تھا۔

میں نے اپنی جیب سے سو روپے کا ایک اور نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ جھجکتے ہوئے بولی "سو روپے میں نے بے خبری میں لے لیے تھے۔ پولیس والوں سے ٹپ لینا مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"یہ رکھ لو۔ تم ضرورت مند معلوم ہوتی ہو۔ وردی کے بغیر میں تمہاری طرح کا عام آدمی ہوں۔"

اس نے دوسرا نوٹ بھی بلاؤز میں رکھ لیا اور بولی "میرا نام نرگس ہے' کوئی ضرورت ہو تو روم سروس کا نمبر ملا کر مجھے نام سے بلالیں۔"

وہ کمرے سے نکل گئی۔ وہ بہت معمولی سی ویٹرس تھی لیکن اس نے ذرا سی دیر میں میری کئی مشکلات آسان کر دی تھیں۔ اس نے برابر کے کمرے میں سونیا کے ساتھی کی موجودگی کی مصدقہ اطلاع دے کر میرے ذہن میں ایک ہلچل سی برپا کر دی تھی۔

میں تذبذب میں پڑ گیا تھا کہ اسے کمرے سے باہر نکال کر زیر کروں یا پھر بے خبری کے عالم میں اسے کمرے میں ہی دبوچ لوں۔ دونوں صورتوں کے اپنے اپنے فائدے اور نقصانات تھے۔ میں چائے نوشی کے دوران میں اسی ادھیڑبن میں مبتلا رہا۔ چائے ختم ہونے تک میں اپنے ذہن میں ایک لائحہ عمل طے کر چکا تھا۔

میں سونیا کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے یہ دیکھ چکا تھا کہ اس کے دائیں طرف والے کمرے کا نمبر سات سو چھ تھا۔ سامنے والی قطار طاق نمبروں والے کمروں پر مشتمل تھی میں نے ایک مرتبہ پھر باہر نکل کر ابرار کے کمرے کے نمبر کی تصدیق کی اور دوبارہ سونیا کے کمرے میں آ کر فون پر براہِ راست لائن ملا کر اپنا موبائل فون نمبر ملایا۔ سلطان شاہ نے جواب دینے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی۔ وہ بدستور لابی میں بیٹھا ہوا تھا۔ مطلوب چہرہ ہنوز اسے نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے اسے اطمینان سے ابرار والے کمرے میں آنے کی ہدایت کی اور اٹھ گیا۔

اپنی داہنی جیب میں موجود بیم گن کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کر کے میں باہر نکلا۔ سونیا کی چابی میں نے اندر ہی چھوڑ دی تھی۔ کیونکہ میرا دوبارہ اس کمرے میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہاں جو کچھ بھی تھا' لاوارث پڑا رہنا تھا۔ سونیا کا کمرا بند کر کے میں نے چند قدم آگے ابرار کے دروازے پر دستک دی۔ میں جان بوجھ کر ایسی جگہ کھڑا ہوا تھا کہ ذرا سا دروازہ کھلتے ہی وہ میری شکل نہ دیکھ سکے۔ میرے حساس کانوں نے اندر کے نرم قالین پر قدموں کی دھمک محسوس کی' دروازے کا لیور گھوما اور پھر محتاط انداز میں دروازے میں جھری پیدا ہوتی چلی گئی۔

پیشانی پر زخم کے نشان والا چہرہ سامنے آتے ہی بہ یک وقت دو واقعات رونما ہوئے۔

ابرار کے فرضی نام سے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا وہ خبیث شخص یقینی طور پر مجھے دہلی میں مظہر کے روپ میں دیکھ چکا تھا۔ میرے چہرے پر پہلی نظر پڑتے ہی اس نے بوکھلا کر تیزی سے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی مگر اس وقت میں دروازے میں اپنا جوتا اڑا چکا تھا۔ میرا داہنا ہاتھ زور آزمائی کے لیے جیب سے باہر آ چکا تھا۔

"یو بلاڈی باسٹرڈ' سن آف اے بچ۔" اندر وہ ہانپتی ہوئی اور خوف زدہ آواز میں انگریزی میں گالیاں بکتے ہوئے دروازہ بند کرنے کے لیے اپنا پورا زور صرف کر رہا تھا۔ میں نے بس لمحہ بھر کے لیے دروازے پر اس کے دباؤ کا اندازہ لگایا ....اور پھر ایک جھٹکے سے پٹ کو پوری طاقت سے اندر دھکیل دیا۔

ابرار اس جھٹکے کو نہیں روک سکا۔ دروازے میں جگہ پیدا ہوتے ہی میں پھنس کر اندر گھس گیا۔ وہ اپنی ناکامی کا احساس ہوتے ہی بہت تیزی سے واپس پلٹا تھا مجھے خدشہ تھا کہ وہ میرے اوپر کوئی ہتھیار اٹھا لے گا۔ میں نے کہنی مار کر اپنے عقب میں کھلا ہوا دروازہ بند کیا اور اپنی جیب سے بیم گن نکال کر اس پر تان لی۔

سامنا ہو جانے کے بعد میں اسے ذرا سی بھی مہلت دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ انگوٹھیاں گھمانے اور استعمال کرنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ میں نے پیچھے سے اس پر جست لگائی اور اس کی داہنی کنپٹی پر بیم گن کے آہنی دستے کی شدید ضرب لگا کر' اسے اپنی گرفت میں دبوچ' قالین پر ڈھیر ہو گیا۔

وہ میرے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس پر دوسرا وار کرنے کے لیے میں نے اس کے بدن کے نیچے دبا ہوا اپنا بایاں ہاتھ

نکالنے کی کوشش کی تو اندازہ ہوا کہ وہ بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ میں اسے چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے اسے اتنی تیزی سے زیر کر لیا تھا۔

طویل ذہنی مشق اور کوششوں کے بعد دو بلیک کیٹس کی زندہ گرفتاری ایک معجزے سے کم نہیں تھی۔

میرے ذہن پر یہ فکر سوار ہو گئی کہ اسے ہوٹل کے بند کمرے سے کیسے نکالا جائے۔ میں اپنے طور پر کوشش نہیں کر سکتا تھا اس کام میں اول خان کی مدد ضروری تھی۔

میں اس مخمصے سے دوچار تھا کہ سلطان شاہ آ گیا۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی اس کی نگاہ اوندھے اور بے حس پڑے ہوئے شکار پر گئی تو وہ حیران رہ گیا۔ "ہائیں.... ابھی ابھی تو تم اوپر آئے تھے اور تم نے آتے ہی اسے مار بھی لیا۔"

"مجھے اس فلور پر آئے ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے۔" میں نے اس کے ہاتھ سے موبائل فون لے کر کہا "میں نے لڑکی کے کمرے میں بھی خاصا وقت گزارا ہے۔"

"میں فون کے حوالے سے بات کر رہا ہوں۔ تم نے ابھی مجھے فون کیا تھا۔" اس نے اپنی بات کی تصحیح کی۔

"امید تو نہیں کہ کچھ مل سکے گا لیکن تم جلدی سے کمرے کی تلاشی لے ڈالو۔ ابرار کی جیبیں بھی دیکھ لینا۔ اتنی دیر میں، میں اول خان سے بات کیے لیتا ہوں۔"

"ابرار!" سلطان شاہ نے چونک کر حیرت سے کہا "تو کیا یہ کوئی مقامی مسلمان ہے؟"

"جب تک اس کا اصل نام کا علم نہیں ہو جاتا، ہم اسے اسی نام سے پکارنے پر مجبور ہیں جو ہوٹل میں لکھا ہوا ہے۔"

سلطان شاہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ میں نے موبائل فون پر اول خان کا وہ نمبر ملا لیا جس سے سی ایس ڈی منسلک نہیں تھی۔ مجھے توقع تھی کہ ایک بلیک کیٹ کی اسٹیشن فور پر آمد کی خبر ملنے کے بعد وہ اپنا دفتر نہیں چھوڑ سکے گا۔ میری وہ خوش فہمی درست ثابت ہوئی۔ کال اول خان نے خود وصول کی تھی۔

"تمہارا تحفہ کہاں ہے میں اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہوں۔" اس نے میری آواز سن کر کہا "اور تم نے سی ایس ڈی والی لائن پر فون کیوں نہیں کیا؟"

"میں موبائل سے بات کر رہا ہوں، لڑکی کو سرور لے گیا ہے۔ وہ راستے میں ہو گا۔ یہاں سات سو چھ نمبر میں دوسرا مرغا تیار ہے۔"

"کمال ہے جن کا اتنا شور اور شہرہ تھا۔ تم نے ان دونوں کو زندہ پکڑ لیا ہے۔" حیرت سے اس کی آواز خاصی بلند ہو گئی۔

"یہ خاموشی سے مار کھا کر بے ہوش ہو گیا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اسے باہر کیسے نکالو؟"

"یہ اور بھی حیرت کی بات ہے کہ اس نے کوئی اودھم نہیں مچایا۔ وہ ذرا سی بھی چیخ و پکار کرتا تو وہاں ایک تماشا بن جاتا۔"

"وہ جانتا تھا کہ اس کی چیخ و پکار اسے لے ڈوبے گی۔ آواز نکلتے ہی میں اس کے دل یا دماغ پر بیم گن فائر کر دیتا۔ تم ان فضول باتوں کو چھوڑو۔ مجھے میری پریشانی کا کوئی حل بتاؤ۔ کوئی حل نہیں ہے تو میں اسے مار کر یہاں سے نکل جاؤں گا۔ میں اس موذی کو آزاد نہیں چھوڑ سکتا۔"

"باتیں کرتے ہوئے بھی میرا ذہن کام کر رہا ہے۔" اس نے مجھے تسلی دی پھر قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ایسا کرو کہ تم اسے بیمار بنا کر ... میں یہاں سے دو میل نرسوں کے ساتھ ایمبولینس بھیجتا ہوں۔ وہ خاموشی سے اسے نکال لائیں گے۔"

وہ سہل ترین ترکیب تھی۔ نہ جانے میرا ذہن اس طرف کیوں مبذول نہیں ہوا تھا۔

"بس تم جلدی سے ایمبولینس بھیج دو اور گھر نکل جاؤ۔ رات بھر اسٹیشن فور پر رہ کر دونوں قیدیوں کے دماغ ٹھکانے پر آ جائیں گے تو صبح ان سے بات کریں گے۔"

"میں تو ابھی ان کی گوشمالی کا ارادہ کر رہا تھا۔ ان دونوں سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔"

"یہ کھوکرا نہیں بہت کچھ معلوم ہے۔ وہ ہمیں کیا بتاتے ہیں، اس کا انحصار خود ان کے رویے پر ہے۔ فی الحال انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔"

اول خان نے میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جلد از جلد ایمبولینس بھجوانے کا وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔

میں نے ہوٹل میں اپنا بیشتر وقت بے کار رہ کر یا انتظار کرتے ہوئے گزارا تھا۔ صحیح معنوں میں کام کرنے کا موقع صرف پچھلے ایک آدھ گھنٹے میں ملا تھا جس کے نتیجے میں میری طبیعت کچھ بحال ہوئی تھی ورنہ طبیعت پر تھکن کا احساس غالب تھا۔ میں اپنی مصروفیات سے نمٹ کر جلد از جلد گھر واپس جانے کا خواہش مند تھا۔

سلطان شاہ کمرے کی تلاشی سے فارغ ہو چکا تھا۔ سونیا کی طرح ابرار کے کمرے میں سے بھی کوئی چیز نہیں ملی تھی۔ شاید وہ لوگ دشمن ملک میں اپنے ساتھ کوئی شناخت رکھنے کے عادی نہیں تھے۔ حد یہ ہے کہ دونوں کمروں سے ان کی

کوئی سفری دستاویز تک نہیں ملی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھارت کے ساتھ ملی ہوئی سیکڑوں میل لمبی سرحد کے کسی مقام سے خفیہ طور پر پاکستان میں داخل ہوئے تھے اور پھر انہوں نے میرے اوپر ہاتھ ڈالنے کے لیے کراچی میں ڈیرے ڈال دیے تھے۔

میں نے سلطان شاہ کے ساتھ مل کر ابرار کو قالین سے اٹھا کر بستر پر ڈال دیا۔ ہمیں ناگواری کے عالم میں اس کے ہاتھ پیر بھی سیدھے کرنے پڑے۔ اسے ایک بے جان لاش کی طرح سیدھا کر کے سلطان شاہ نے اس کے پیروں پر سفید چادر میں ملفوف کمبل ڈال دیا۔

"مجھے کچھ کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ سب کچھ تم نے تنہا کر ڈالا۔" فرصت پا کر سلطان شاہ نے شکوہ کیا۔

"یہ نہ سوچو۔ تمہارے آنے سے مجھے بہت مدد ملی ہے۔ تم نے ہوٹل سے نکلنے والے راستے کی نگرانی سنبھال لی تھی اسی لیے میں یکسو ہو کر ان لوگوں کے خلاف کام کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ تم نہ ہوتے تو مجھے ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں وہ ہمارے بے خبری میں فرار نہ ہو جائیں۔ یہ منصوبہ صرف تمہاری موجودگی کی وجہ سے روبہ کار آیا ہے۔"

وہ ہنس پڑا۔ "تم میرا دل رکھنے کے لیے یہ سب کہہ رہے ہو۔ سرور پہلے سے تمہارے ساتھ موجود تھا۔ تم نے اس سے اہم کام لیا ہے۔ چاہتے تو میں بھی لڑکی کو گھیر سکتا تھا۔"

"تم نے سونیا کو نہیں دیکھا تھا۔ میں اپنی شناخت کے ڈر سے اس کا سامنا کرنے سے کترا رہا تھا۔ سرور اس کام کے لیے موزوں ترین آدمی تھا۔"

"خیر، اب صبح میں ابرار کی خبر لے کر اس سے اس کا اصل نام اگلواؤں گا۔" اس نے اپنی ہتھیلیاں آپس میں رگڑتے ہوئے کہا۔

"یہ ماننے والی بات ہے۔ ویرا کے لیے سونیا حاضر ہو گی۔ وہ بھی خوش ہو جائے گی۔"

"پھر تو تمہیں غزالہ کے بارے میں کچھ سوچنا چاہیے۔" اس نے برجستہ کہا۔

"میری بیوی صابر و شاکر ہے۔ وہ ویرا کے ساتھ مل جل کر اپنا دل خوش کر لے گی۔"

وقت گزاری کے لیے سلطان شاہ سے گپ شپ کرتے ہوئے میں اپنے دل میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر رہا تھا کہ دونوں بلیک کیٹس کا فتنہ رات ڈھلنے سے پہلے ختم ہو گیا تھا۔ اگر انہیں مزید وقت مل جاتا تو آنے والی صبح کے اخباروں میں میرے خلاف چھپنے والے اشتہار دیکھ کر وہ کسی نہ کسی طرح امریکی ایجنٹوں کو میرے گھر کے پتے سے آگاہ کر سکتے تھے۔ جس کے نتیجے میں ہم سب کے لیے ناقابلِ تصور مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں بلکہ شاید ہمیں ہنگامی طور پر اپنا گھر ہی چھوڑنا پڑ جاتا۔

اس وقت تک کے حالات یہ بتا رہے تھے کہ بلیک کیٹس نے اپنی کامیابی کا ثمر اپنے سینوں میں چھپائے رکھا تھا۔ وہ بھارت سے مجھے ختم کرنے کا مشن لے کر آئے تھے اور یہ کام اپنے ہاتھوں سے انجام دینا چاہتے تھے۔ انہیں اس کام میں کسی اور کی دخل اندازی گوارا نہیں تھی۔ اگر انہوں نے فراخ دلی سے کام لے کر دوسروں کو اپنے ساتھ شامل رکھا ہوتا تو شاید وہ میرے لیے بہت پہلے مشکلات پیدا کر کے خود ایک بہت برے انجام سے بچ سکتے تھے۔

وہ قصہ اتنی تیزی سے نمٹ جانے کا ایک ضمنی فائدہ یہ ہوا کہ ہم میں سے کسی کو ہوٹل میں رات بسر کرنے کی ضرورت رہی تھی نہ اول خان والے کمرے میں مقیم افراد کی تعداد بڑھوانے کی ضرورت تھی۔ سرور پہلے ہی سونیا کو لے کر اسٹیشن فور جا چکا تھا۔ ابرار کی روانگی کے بعد ہم دونوں بھی اپنے گھر جا سکتے تھے۔

اول خان نے دوسرے قیدی کے لیے ایمبولینس اور عملے کا بندوبست کرنے میں خاصی تیزی دکھائی۔ اس کے آدمی آدھے گھنٹے کی قلیل مدت میں ہوٹل پہنچ گئے۔ ہوٹل والوں کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ان کے کسی کمرے میں کوئی مہمان شدید علالت کا شکار ہو چکا تھا۔

ایمبولینس کے ساتھ آنے والوں سے کمرا نمبر سات سو چھ کا ذکر سنتے ہی ہوٹل کے ہاؤس فزیشین نے بوکھلا کر اوپر فون کیا۔ مجھ سے رابطہ ہونے پر اس نے کمرے میں کسی مریض کی موجودگی کے بارے میں استفسار کیا۔ میرا جواب اثبات میں سن کر اس نے قلق کا اظہار کیا کہ اس سے اس واقعے کی کوئی اطلاع نہیں دی گئی ورنہ وہ بروقت طبی امداد دے کر مریض کو ابتری کی جانب جانے سے بچا سکتا تھا۔

مجھے اشارہ مل گیا۔ وہ لوگ کسی بھی لمحے اوپر آ سکتے تھے۔ ہمارا مجرم اپنی بے ہوشی کی وجہ سے فرار ہونے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ہم دروازہ بند کر کے آرام سے نکل سکتے تھے۔

"تم کو بیٹھے بیٹھے نت نئی باتیں سوجھتی ہیں۔ ابھی تم نے ہاؤس فزیشین سے انٹرکام پر بات کی ہے۔ وہ اوپر آئیں گے تو کمرا خالی ہو گا۔ وہ شبہے میں پڑ جائیں گے۔" سلطان شاہ نے

میرے ارادے سے واقف ہوتے ہی اعتراض کر ڈالا "ذرا سی دیر میں اسٹریچر کے ساتھ ہی واپس چلے جائیں گے۔"

"احمق آدمی! نکل جاؤ۔" میں نے تنگ کر کہا "اگر ہم لوگوں کی نگاہوں میں آنے سے بچ سکتے ہیں تو ہمیں بچنا چاہیے۔ ہوٹل والے کچھ بھی سمجھیں، وہ ابرار کی منتقلی کو نہیں روک سکتے۔"

سلطان شاہ بادل ناخواستہ میرے ساتھ ہو لیا۔ بٹن دبانے پر لفٹ اوپر آکر رکی تو اس میں سے اسٹریچر والا جلوس برآمد ہوا۔ مجھے دوسروں سے دلچسپی نہیں تھی۔ میرے لیے یہ کافی تھا کہ اول خان کے دو آدمی میل نرسوں کے سفید لباس میں اسٹریچر اٹھائے سب سے آگے تھے۔

لفٹ کی واپسی پر ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ سلطان شاہ مسکراتے ہوئے بولا "اس وقت ہاؤس فزیشین گھن چکر بنا ہوا ہوگا۔"

"شکر ادا کرو کہ میں نے چلتے ہوئے دروازہ مقفل نہیں کیا تھا ورنہ ان لوگوں پر وقت پڑ جاتا۔"

ہوٹل سے نکلنے سے پہلے ہم نے پانچویں منزل پر رک کر اول خان والے کمرے سے سلطان شاہ کا بیگ لیا جس میں دوسری چیزوں کے ساتھ سی ایس ڈی بھی موجود تھی۔ وہاں اول خان یا سرور کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ دونوں ایس ٹی ایف کے درویش تھے جو بے سروسامانی کی حالت میں بھی اپنا گزارہ کرنا جانتے تھے۔ ان کو ہوٹل میں مختصر قیام کے لیے کوئی چیز لانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ اول خان دکھاوے کے لیے اپنے ساتھ جو کچھ لایا تھا وہ اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔

کمرا نمبر پانچ سو بیس کی چابی ہوٹل کے کاؤنٹر پر واپس دے کر ہم دونوں واپس نکلے اور گھر روانہ ہو گئے۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ سب کیسے ہوتا چلا گیا مگر میں نے اپنی زبان بند کی ہوئی ہے۔" راستے میں سلطان شاہ نے الجھتے ہوئے انداز میں کہا۔

"میں خود حیران ہوں کہ تم نے ابھی تک میرا دماغ چاٹنا شروع نہیں کیا۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"بس رحم کر رہا ہوں۔ معلوم ہے کہ گھر پہنچتے ہی تم کو جرح کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہاں مجھے بھی اپنے سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔"

میں نے کوئی جوابی تبصرہ نہیں کیا۔ میرا ذہن ابرار کے اغوا میں الجھ گیا تھا۔ اس کو ایس ٹی ایف کے آدمی طبی امداد دینے کے بہانے اٹھالے جانے والے تھے۔ وہ دونوں اتنے چالاک نظر آرہے تھے کہ ان کا باتوں کے کسی جال میں پھنسنا محال نظر آرہا تھا۔ ویسے تو شہر میں ابرار کو لاوارث ہونا چاہیے تھا۔ اگر ہوٹل والوں کو یکایک اس کی خبرگیری کی فکر سوار ہو جاتی تو وہ شہر کے کسی اسپتال میں اس کی موجودگی کا سراغ نہیں لگا سکتے تھے۔

ابرار کے مقابلے میں سونیا رازداری کے ساتھ قابو میں کی گئی تھی۔ ہوٹل میں کسی کو بھنک نہیں مل سکی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ ہوٹل کے کیفے میں موجود تھی اور اس سے کچھ دیر بعد وہ غائب ہو گئی۔ ہوٹل انتظامیہ کے لیے ارجن کے قتل کے بعد، چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر تین مہمانوں کا پراسرار انداز میں غائب ہونا ایک چیلنج سے کم نہیں تھا۔

حشمت کا معاملہ صرف اس وجہ سے ذرا مختلف تھا کہ اس نے غائب ہونے کے بعد خود فون کر کے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ارجن سے اپنے خصوصی تعلقات اور پھر مشتبہ انداز میں یکایک روپوشی اختیار کرنے کی وجہ سے، مقامی پولیس کی نظروں میں اس کی ذات بدستور شکوک و شبہات کی زد میں تھی۔

ان لوگوں کی اندر کی کہانیاں کچھ اور ہی تھیں جن کا پولیس کو سرے سے کوئی علم نہیں تھا۔

O*O

غزالہ اور ویرا کو یہ معلوم تھا کہ بلیک کیٹس کے چکر میں ہم دونوں کی وہ رات ہوٹل میں گزرے گی۔ ان کی توقع کے برعکس، سلطان شاہ نے گیٹ پر گاڑی روک کر ہارن بجایا تو ابرار سے پہلے وہ دونوں گیٹ پر آگئیں۔ ان کے چہروں پر حیرت اور مسرت ناچ رہی تھی۔

"کیسا حیران کن اتفاق ہے کہ ہمارے گھر میں ایس ٹی ایف کا ابرار کام کر رہا ہے اور ہمارے ایک دشمن نے بھی ہوٹل میں ٹھہرنے کے لیے اسی نام کو اپنایا ہے۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا۔

"یہ بات بھی ابھی میرے ذہن میں آئی تھی۔ خیر، صبح یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ وہ اپنا نام بتا دے گا۔" وہ کچھ سوچ کر از خود ہنس پڑا۔ وہ اپنی رو میں مست رہنے والا موڈی آدمی تھا۔ میں نے اس کی ہنسی کے بارے میں اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔

اس وقت غزالہ کی مسرت دیدنی تھی۔ اسے یہ معلوم تھا کہ ہوٹل میں بلیک کیٹس کی موجودگی کا سراغ مل جانے کے بعد میں نے سلطان شاہ کو وہاں بلایا تھا۔ ان دونوں کی مشترکہ

رائے تھی کہ اس بار بھارتی ایجنٹوں سے ہمارا دھواں دھار مقابلہ ہوگا لیکن ہم دونوں رات گہری ہونے سے پہلے گھر لوٹ آئے تھے۔ ان دونوں کے لیے یہ ناقابلِ فہم سی بات تھی۔

"تمہارا تو ہوٹل میں شب بسری کا ارادہ تھا۔ اتنی جلدی واپس کیسے آگئے؟" اندر پہنچنے کے بعد ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

"کھیل تماشا توقع سے کہیں زیادہ تیزی سے ختم ہوگیا اور ہم لوٹ آئے۔" میں نے صوفے پر نیم دراز ہوکر جواب دیا "یہ سب باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ پہلے میرے لیے کھانے کا بندوبست کرو۔ کام ختم ہونے کے بعد بھوک ایک دم چمک اٹھی ہے۔"

غزالہ نے اسی لمحے ابرار کو آواز دی۔ وہ کسی ہدایت کے انتظار میں نیچے ہی منڈلا رہا تھا۔ غزالہ اسے بریف کرتی ہوئی کچن میں جا گھسی۔

میں نہانے کے لیے اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ میرے موبائل فون پر اول خان کا فون آگیا۔ وہ راستے میں تھا اور میرے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔

"میں ابھی ابھی گھر پہنچا ہوں۔ موڈ ہے تو اسی طرف آجاؤ۔" میں نے اسے پیش کش کی۔

"تم تھکے ہوئے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میری آمد تمہاری طبیعت پر بوجھ بن جائے!"

"اب ان تکلفات کو چھوڑو۔ آرام کے لیے لمبی رات پڑی ہوئی ہے۔ صبح دیر تک سو کر میں ساری کسر پوری کرلوں گا۔"

"پھر میں آرہا ہوں۔ آکر ہی بات کروں گا۔" فون بند ہوگیا اور میں یہ سوچتا رہ گیا کہ وہ مجھ سے کیا خاص بات کرنے کا ارادہ لے کر آرہا تھا۔

میں شام سے نہانے کے موڈ میں تھا۔ ہوٹل میں بھی وہ ارادہ ٹل گیا تھا۔ میں تیزی سے اپنے کمرے میں گھس گیا تاکہ اول خان کی آمد سے پہلے نہا دھوکر تازہ دم ہوسکوں۔ ہوٹل کی خنک فضا اور آرام دہ ماحول میں طویل وقت گزارنے کے باوجود میں اس وقت اکتاہٹ محسوس کر رہا تھا۔

اول خان نے ہمارے گھر کے بہت قریب پہنچنے کے بعد مجھے فون کیا تھا۔ میرے غسل خانے سے برآمد ہونے سے پہلے گھر کی فضا میں اس کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"آج ڈینی نے سب کچھ تہس نہس کر ڈالا۔" میں نے نیم تیار ہوکر اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے اس کی آواز سنی "اس نے آج بلیک کیٹس کو بے جان چوہوں کی طرح آسانی سے گھیر کر زندہ پکڑ لیا۔"

"آج صبح تک ہمیں کچھ پتا نہیں تھا کہ بلیک کیٹس کون ہیں اور کہاں ہیں۔ اب تم اچانک ان کے پکڑے جانے کی کہانی سنا رہے ہو۔" ویرا نے بے اعتباری سے کہا "یہ سمجھ میں نہ آنے والی باتیں ہیں۔ ایسا تو نہیں ہے کہ تم لوگوں نے بلیک کیٹس کے دھوکے میں کسی للو پنجو کو پکڑ کر بند کردیا ہو۔"

"وہ اچانک نہیں پکڑے گئے۔" میں نے کھانے کی میز کا رخ کرتے ہوئے جواب دیا "میرے ذہن میں یہ بات ابتدا سے جمی ہوئی تھی کہ وہ شہر کے کسی ہوٹل میں روپوش ہیں۔ ارجن کا قصہ سامنے آنے پر وہ ہوٹل بھی میری نظروں میں آگیا۔ وہاں محنت کی گئی جو آخر کار بار آور ثابت ہوئی۔"

ایک ایک کرکے سب کھانے کی میز پر آگئے۔ اول خان کسی تکلف کے بغیر ہمارے ساتھ شامل ہوگیا۔

"کیا پکڑے جانے والوں نے یہ اقرار کرلیا ہے کہ وہی بلیک کیٹس ہیں۔" ویرا نے اس بار ذرا مہذب انداز میں اپنا بیہودہ سوال دہرایا۔

"اقرار یا انکار کی نوبت نہیں آئی۔ فی الحال انہیں پکڑ کر بند کردیا گیا ہے۔ صبح دیکھا جائے گا کہ وہ دونوں کیا کہتے ہیں۔" اول خان بولا۔

"ان سے کسی باز پرس کے بغیر تم انہیں بلیک کیٹس قرار دینے پر کیوں تلے ہوئے ہو؟" ویرا نے اول خان سے پوچھا۔

"سب سے پہلا اور بنیادی سراغ اس تل والی لڑکی نے فراہم کیا تھا جو سلمٰی کو راستے میں نظر آئی تھی۔" اول خان نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد کہا "اسے جہانگیر کے گھر میں جانے پر آمادہ کرنے والے شخص کی پیشانی پر چوٹ کا پرانا نشان تھا۔ یہ ہمارے ایک دشمن کی پہلی پہچان تھی جو سامنے آئی تھی۔ ڈینی کی ساری کامیابی اسی کی مرہونِ منت ہے۔"

ویرا کی تسلی نہیں ہوسکی۔ سلطان شاہ بھی کسی حد تک اس کے ساتھ تھا۔ وہ دونوں اول خان کے ساتھ مغز زنی کرتے رہے۔ میں اطمینان کے ساتھ اپنی شکم پری میں مصروف رہا۔

شاید وہ سلسلہ دراز تر ہوتا چلا جاتا لیکن جب اول خان نے انہیں ایمپریس مارکیٹ کے پیشاب خانے میں ٹائم بم کی تنصیب کے بارے میں بتایا تو ویرا کو ماننا پڑا کہ ہوٹل میں غلط آدمیوں کو زیادتی کا نشانہ نہیں بنایا گیا تھا۔

"اب تم ثبوت کی طرف آئے ہو۔ ایسی حرکت کوئی دہشت گرد ہی کرسکتا ہے۔" ویرا نے اعتراف کیا "ہوسکتا ہے اس طرح وہ ارجن کے قتل کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنا چاہ رہا ہو۔ ارجن ان دونوں کا مربی اور سرپرست تھا۔ اس نے انہیں اپنے ہوٹل میں ٹھکانا فراہم کیا ہوا تھا۔"

"یہ بات شاید ان کو بھی معلوم نہیں ہوگی کہ ارجن کو نک نے مروایا ہے۔" غزالہ بولی۔

"یہ راز شاید کبھی نہ کھل سکے۔" میں نے ان کی باتوں میں حصہ لیتے ہوئے کہا "یہ ہمیں معلوم ہے کہ اسے نک نے بہت تیزی سے مروایا۔ وہ فیصلہ نک کا تھا لیکن وہ خود اس پر عمل نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے یقینی طور پر حشمت سے کام لیا۔ حشمت اس ہوٹل میں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے گرگے ہوٹل کے آس پاس منڈلا رہے ہوں۔ حشمت نے نک کی بات سنتے ہی کسی چیلے کو ہدایت کی اور اس نے ہوٹل میں گھس کر ارجن کو ٹھکانے لگادیا۔ ہوسکتا ہے کہ حشمت، ارجن کے قتل سے پہلے ہوٹل سے نکل گیا ہو اور یہ بات کسی کو یاد نہ رہی ہو۔"

"ان کی ساری سازشوں کا محور فریب اور دھوکے پر ہے۔ وہ دشمنوں کے ساتھ ساتھ اپنوں کو بھی فریب دیتے ہیں یا ان پر اعتماد نہیں کرتے۔" اول خان بولا "نک کے ذہن میں ایک بات آئی اور ارجن کو راستے سے ہٹا دیا گیا۔ وہ نہ مارا جاتا تو شاید وہ ہوٹل کبھی ڈینی کی توجہ کا مرکز نہ بنتا۔ ان سب کو نک نے مروایا ہے۔"

"اس طرح تم نک اور بلیک کیٹس سے ہمدردی کے مرتکب ہورہے ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ ہمدردی نہیں ہے۔ میں ان لوگوں کو یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ آج کل بھارتیوں پر امریکی ایجنسیوں کا کتنا غلبہ ہے۔"

"قریبی گٹھ جوڑ میں یہی ہوتا ہے۔ ادارے اپنی انفرادیت کھو کر دوسروں کی مصلحتوں کے تابع ہوجاتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ ایسے حالات میں بھی بلیک کیٹس نے اپنے اصول کسی نہ کسی حد تک برقرار رکھے اور میرے یا جہانگیر کے گھر کا پتا کسی اور کو نہیں دیا۔" میں نے سرسری انداز میں ان لوگوں کو بتایا۔

"شاید تمہیں بتایا نہیں گیا کہ صبح کے اخباروں میں ڈینی کے خلاف امریکی اشتہار آرہے ہیں۔" اول خان نے ان تینوں کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا۔

"اشتہار آرہے ہیں۔" ویرا نے حیرت سے پوچھا "جب بھی ان کی دم پر پاؤں پڑتا ہے، وہ اشتہار بازی پر اتر آتے ہیں۔"

درجواب آں غزل کے طور پر میں نے یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ اول خان کے تبادلے کے لیے بھی دباؤ آنا شروع ہوگیا تھا۔ میں کھانے سے فارغ ہوچکا تھا۔ میں نے میز چھوڑ دی اور کچن میں ہاتھ دھو کر ڈرائنگ روم میں آبیٹھا۔ ذرا سی دیر میں ایک ایک کرکے سب وہیں جمع ہوچکے تھے۔

"فون پر مجھے اندازہ ہوا تھا کہ تم مجھے کوئی خاص بات بتانے کے لیے آرہے تھے۔" میں نے دوبارہ سلسلہ کلام شروع کرتے ہوئے اول خان سے پوچھا۔

"ہاں.... آں۔" اس نے متردد انداز میں کہا پھر قدرے توقف کے بعد بولا "یہاں سب اپنے ہی ہیں۔ دراصل نک کا فون آیا تھا۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

"خوب!" میں نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "اس نے پہلی بار ایسی کوئی کوشش کی ہے۔ اب تک میں ہی فون پر اس سے چھیڑچھاڑ کرتا رہا ہوں۔"

"کل کی تلخ کلامی اور اس کے نتیجے میں ارجن کے قتل کے بعد اس کی یہ خواہش معنی خیز ہے۔" ویرا پر اشتیاق لہجے میں بولی۔

"میں خاک نہیں سمجھ سکا۔" سلطان شاہ پلکیں جھپکاتا ہوا بولا "ڈینی کے لیے اسے اول خان کو فون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے ساتھ تمہاری عقل بھی معدے میں اتر گئی ہے۔" غزالہ نے ہنستے ہوئے کہا "کیا تمہیں یاد نہیں کہ کل انہوں نے کرنل داور بن کر اس سے بات کی تھی۔"

"اس وقت تم نے میرا دل خوش کردیا۔" ویرا اپنی جگہ سے اچھل کر بولی "غنیمت ہے کہ آج تمہیں بھی سلطان شاہ کے کند ذہن کا اندازہ ہوگیا۔"

"غلطی میری ہے۔" اول خان نے متانت سے بات اپنے سر لے لی "مجھے کہنا چاہیے تھا کہ وہ کرنل داور سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔"

"جو بات ہونی تھی وہ ہوگئی۔ اب تم بلاوجہ سلطان شاہ کو سہارا دینے کی کوشش کررہے ہو۔" ویرا نے احتجاج کیا۔

"تمہارا کیا اندازہ ہے۔ وہ مجھ سے کیا بات کرے گا؟" میں نے ویرا کی بک بک کو نظرانداز کرکے اول خان سے پوچھا۔

"اس کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔ وہ دھمکیاں دینے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔"

"اسے بلیک کیٹس کے انجام کی خبر تو ابھی نہیں ملی ہوگی۔" میں نے پوچھا۔

"یہ بہت دیر پہلے کی بات ہے۔ اس وقت تک ایمبولینس والی بات طے نہیں ہوئی تھی اور وہ شخص شاید آزاد تھا۔"

"اس بارے میں اتنی سوچ بچار کی کیا ضرورت ہے۔" غزالہ بولی "آپ اسے فون کیوں نہیں کر لیتے۔ وہ کسی کو کھا تو نہیں جائے گا۔"

"غزالہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" سلطان شاہ نے متانت سے اس کی تائید کی "جب سے اس کے سر پر سے کچن کا بوجھ کم ہوا ہے' اس کی عقل چلنے لگی ہے۔"

غزالہ اسے غصیلی نظروں سے گھور کر رہ گئی۔ سلطان شاہ نے اپنا بدلہ چکانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

"اچھا ہے کہ ہم سب یک جا ہیں۔ اسی وقت بات کر لوں۔" اول خان کسی تاخیر کے بغیر غزالہ کا ہم نوا ہو گیا۔

"چائے کا دور ہو جائے پھر بات ہوگی۔ اتنی دیر میں کھانا بھی ہضم ہو چکا ہوگا۔" میں نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"کھانا ہضم ہونے کا بات سے کیا تعلق ہے۔" ویرا نے برجستہ سوال کر ڈالا۔

"یہ طبی مسئلہ ہے۔ کھانا کھانے کے بعد معدے کی طرف خون کا بہاؤ بڑھ جاتا ہے اور دماغ سمیت دوسرے اعضا سست پڑ جاتے ہیں۔" میں نے ناصحانہ انداز میں اسے بتایا "اسی لیے ہر معالج قیلولے کی افادیت تسلیم کرتا ہے۔ کھانا ہضم ہونے کے ساتھ ساتھ سارے اعضا اعتدال پر آتے چلے جاتے ہیں کیونکہ ہر عضو کو اس کے حصے کا خون ملنا شروع ہو جاتا ہے۔"

"یہ ان حکیمانہ باتوں کا وقت نہیں ہے۔ تم ابھی اس مردود سے بات کرو۔" ویرا نے اصرار کیا۔

"یہ بات میں نے بھی کہیں پڑھی یا سنی ہے۔" اول خان نے ویرا کی بات اڑا کر میری تائید کی "تم کو یہ سب کس نے بتا دیا۔"

"پڑھی ہوئی بعض باتیں ذہن میں ہمیشہ کے لیے اٹک کر رہ جاتی ہیں۔ یہ بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔" میں نے کہا۔

"شاید اسی لیے کہتے ہیں کہ پڑھنا ایک اچھی عادت ہے مگر کمپیوٹر کی وبا نے نئی نسل میں پڑھنے کے رجحان کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔" اول خان نے کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا اور میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے ویرا کے مطالبے کی شدت سے بچانے کی کوشش میں بات سے بات نکال رہا تھا۔

"یہ ایک عارضی بحران ہے جو اگلے دس پندرہ سالوں میں گزر جائے گا۔" میں نے گہری سنجیدگی سے اپنی رائے دی۔ "مغرب اس بحران سے گزر چکا ہے۔ وہاں پڑھنے کا رجحان تیزی سے بڑھا ہے اور اشاعتی ادارے خوب پھل پھول رہے ہیں۔ یہ وقت یہاں بھی لوٹے گا۔"

"یہ تم دونوں نے کیا بقراطیت شروع کر دی۔" ویرا وہ خشک گفتگو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکی "میں کہہ رہی ہوں کہ تک سے بات کر ڈالو۔"

"لو' چائے بھی آ گئی۔" سلطان شاہ نے اعلان کیا "اب اس کے بعد ہی کچھ ہو سکے گا۔"

"میں چائے وائے نہیں پیوں گی۔" ویرا نے تنک کر کہا۔

"ابھی تم سے نہیں پوچھا گیا۔" سلطان شاہ نے بزرگانہ انداز میں کہا "جب باری آئے تو نرمی سے انکار کر دینا۔"

"میرا خیال ہے کہ تک کو بلیک کیٹس کے بارے میں بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" ویرا کے چراغ پا ہونے سے پہلے میں نے موضوع یکایک بدل دیا۔

"فون پر گفتگو ہوتی ہے تو بات سے بات نکلتی چلی جاتی ہے۔ اس کا جواب تمہاری صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔" اول خان نے جواب دیا "پچھلی بار ہم سب کا خیال تھا کہ تم کو کوبرا سے ملاقات کے لیے آمادہ ہو جانا چاہیے تھا مگر تم بات کرتے کرتے ایک جگہ اڑ گئے۔ میری دانست میں وہ بات بگڑ گئی تھی مگر وقت نے آج ثابت کر دیا کہ تمہارا وہ فیصلہ اور موقف درست تھا۔"

"ایسا نہیں ہے۔" ویرا نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا "جب آدمی کے ستارے یاوری کر رہے ہوں تو اس کے احمقانہ فیصلے بھی درست ثابت ہونے لگتے ہیں۔ یہ ذہنی کا نہیں اس کے ستاروں کا کمال ہے کہ اس کا ایک الٹا فیصلہ درست ثابت ہو گیا۔"

سلطان شاہ نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے آنکھیں دکھا کر اسے خاموش کر دیا۔ اس وقت ویرا نظر انداز کیے جانے کی بنا پر بری طرح کھسیا گئی تھی۔ اگر اس نے اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے میری ذات کو ہدف بنا لیا

تھا تو اسے اس کا حق حاصل تھا۔

"میری تم سے ایک غلط گزارش ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے اول خان سے کہا "ہوسکتا ہے کہ آگے چل کر یہ درست نکلے۔ کہیں سے سوبھراج کی دو چار تصویریں حاصل کرلو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس کی ناک آگے سے طوطے کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی تو نہیں ہے۔"

"بالکل ہے۔" اول خان نے کسی توقف کے بغیر میری تائید کردی "میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن اخباروں میں اس کی تصویریں چھپتی رہتی ہیں۔ آگے سے اس کی ناک خاصی خم دار ہے۔"

"حشمت کی ناک بھی بالکل ایسی ہی تھی مگر تمہارے کسی آدمی نے یہ بات تمہیں نہیں بتائی۔" میں نے شکایت کی۔

"میرے آدمی نے اپنی آنکھوں سے اسے نہیں دیکھا تھا۔ ہوٹل کے عملے سے اسے جو کچھ معلوم ہوسکا' وہ اس نے آگے بڑھادیا۔ وہ لوگ ارجن کے قتل کے بعد سے حواس باختہ ہیں۔ میرے آدمی نے جس سے بھی بات کی ہوگی' سرسری انداز میں کی ہوگی۔ وہ کوئی بااختیار پولیس والا نہیں ہے۔ لوگوں نے اسے ٹالنے کے لیے موٹی موٹی باتیں بتادیں۔ کسی کو حشمت کی ناک کا خیال نہیں آیا ہوگا۔ اس کی ناک کے بارے میں تمہیں کس نے بتایا؟" اول خان نے میری شکایت کے جواب میں ایک طویل وضاحت پیش کردی۔

"ہوٹل کی ایک ویٹریس نے یہ تفصیل بتائی تھی۔" میں روانی میں کہہ گیا۔

"کوئی عورت ہی تم سے کھل کر بات کرسکتی ہے۔" ویرا کا وہ جلا کٹا فقرہ سن کر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا "میں غزالہ کو بھی یہی سمجھاتی ہوں کہ وہ عورتوں سے ہوشیار رہا کرے۔ بگڑی ہوئی عورتوں کے لیے تمہاری باتیں اور حرکتیں بہت پرکشش ہوتی ہیں۔"

اول خان نے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور بولا "اپنی دانست میں تم ڈپی پر الزام لگانے کی کوشش کررہی ہو مگر یہ حقیقت میں اس کی تعریف ہے کہ وہ اپنے کام کی عورتوں کو آسانی سے متاثر کرلیتا ہے۔ اس نے ویٹریس سے بہت اہم بات معلوم کی ہے۔ اگر یہ درست ثابت ہوتی ہے تو پھر سوبھراج کا نام ہماری لسٹ پر آجاتا ہے۔"

"تم یہ کام کرہی ڈالو۔ اس کی ایک تصویر میں داڑھی مونچھوں کا اضافہ کرکے ہوٹل کے عملے کو دکھاؤ۔ ہر ایک اسے حشمت کے نام سے پہچان لے گا۔" میں نے کہا۔

"اتنے پُریقین ہو تم اس بارے میں!" اول خان نے حیرت سے پوچھا "ویسے تمہارا ایک اندازہ درست ثابت ہوا ہے۔ حشمت کا فیصل آباد کا پتا بالکل فرضی اور بے سروپا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ حشمت کی ناک کی بناوٹ اس ویٹریس کی باتوں میں سب سے زیادہ اہم تھی۔" میں نے اس کے آخری فقرے کو نظرانداز کرکے جواب دیا۔

"فکر نہ کرو۔ یہ کام کل ہی ہوجائے گا۔ زبانی طور پر حلیہ پوچھتے پھرنے کے مقابلے میں تصویر دکھانا آسان کام ہے۔" اول خان نے مجھے یقین دلایا۔

"میں مانتی ہوں کہ یہ سب باتیں بہت اہم ہیں مگر تم میری بات کو مسلسل ٹال رہے ہو۔" یکایک ویرا نے سنجیدگی سے دخل اندازی کی۔

"ہرگز نہیں۔ میں نے تمہاری کون سی بات ٹالی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اگر تم تنک سے فون پر بات کرنے سے ڈر رہے ہو تو مجھے صاف بتا دو۔ میں انتظار میں اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے اپنے کمرے میں جاکر آرام کروں گی۔" اس نے بے جان اور آزردہ آواز میں کہا۔

"چائے ختم ہو چکی ہے۔ اب آپ کو اسے دیکھ لینا چاہیے۔" غزالہ نے تاکید کی۔

میں نے ہنس کر ویرا کی طرف دیکھا۔ جواب میں وہ بھی مسکرانے لگی۔ میں نے خاموشی سے اسپیکر فون اپنے قریب سرکالیا۔

میں نمبر ملانے والا تھا کہ سلطان شاہ ایک منٹ کا نعرہ لگا کر اچھل پڑا۔ سب کی نگاہیں بے ساختہ اس کی طرف اٹھ گئیں۔ "سی ایل ڈی میرے بیگ میں پڑی ہوئی ہے۔ اس وقت لائن ڈائرکٹ ہے۔" اس نے کہا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف دوڑ گیا۔

فون کی مین لائن ہمارے کمرے سے ہوکر آرہی تھی۔ اس نے اپنے کمرے سے سی ایل ڈی لاکر ہمارے کمرے میں فون لائن سے جوڑی اور اسے آن کرکے چند منٹ میں لوٹ آیا۔

"اس تاخیر کی ذمے داری سلطان شاہ پر ہے۔ اسے آتے ہی سی ایل ڈی جوڑ دینی چاہیے تھی۔" میں نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہا۔

وہ کچھ نہیں بولی اور میں نے تنک کے گھر کا نمبر ملالیا۔ فون اٹھانے والا ٹام تھا۔ وہ تنک کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ میں

نے اسے آواز سے پہچانا تھا۔ اسے میرا نام پوچھنا پڑا۔ میں نے کرنل داور بن کر نک سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی اور وہ مجھے چند ثانیوں کے انتظار کی ہدایت کر کے غائب ہو گیا۔

چند ثانیوں کے بعد نک لائن پر آگیا۔ "تم نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ میں جو کہتا ہوں وہ کر گزرتا ہوں۔" اس نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

میں سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ ارجن کے انجام کی طرف تھا مگر میں نے انجان بن کر پوچھا "تم کس بات کو یاد دلانے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"تم نے تیزی سے ارجن تک پہنچنے کی کوشش ضرور کی ہوگی۔" اس کی آواز ابھری۔

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن مجھے اس کے قتل کی خبر مل چکی ہے۔ تم نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ وہ تمہارے اعتماد کا آدمی تھا۔"

"اس سے زیادہ قریبی آدمیوں کو تمہاری گرفت سے بچانے کے لیے اس کا مارا جانا ضروری ہو گیا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں تمہارے سامنے زبان کھول کر ایسی بھیانک غلطی کی تھی جس پر مجھے زندگی بھر پچھتاوا رہے گا۔ تمہارے اس تک پہنچنے سے پہلے اسے راستے سے ہٹا دیا گیا۔ اس کے المناک انجام پر مجھے اب بھی دکھ ہے۔"

"اسے مار کر تم کسے بچانا چاہ رہے تھے؟" میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے چبھتا ہوا سوال کر ڈالا۔

"وہ میرا ذاتی معاملہ تھا۔ تم کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔"

"مجھے تمہارے کسی ذاتی معاملے سے کوئی غرض نہیں ہے لیکن تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ارجن کے قتل ہوتے ہی یا اس سے ذرا دیر پہلے اس کا حشمت نامی ایک قریبی دوست اچانک ہوٹل سے فرار ہو گیا۔ وہ اکثر وہاں آتا جاتا رہتا تھا۔ اس بار اس نے بھاگنے کے بعد فون پر خود کو چیک آؤٹ کرایا ہے۔ ہوٹل والوں نے حشمت کی اس غیر معمولی حرکت کی اطلاع پولیس کو دے دی ہے۔"

"اس ہوٹل میں بہتیرے لوگ مقیم ہوں گے۔ تم صرف حشمت کا ذکر کیوں کر رہے ہو۔"

"وہ ارجن کا اور شاید تمہارا دوست تھا۔ وہ مشتبہ انداز میں ہوٹل سے بھاگا ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میں کسی حشمت وغیرہ کو نہیں جانتا۔ تم نے بلاوجہ ایک غیر ضروری تذکرہ نکال لیا ہے۔"

"تم کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا فیصل آباد کا رہائشی پتا بالکل بے بنیاد ثابت ہوا ہے۔" میں نے اپنی بات جاری رکھی۔

دوسری طرف لمحہ بھر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ شاید وہ انکشاف اس لیے حیران کن ثابت ہوا تھا۔ اس نے پوچھا "یہ بات بھی ابھی پولیس کے ریکارڈ پر نہیں ہے۔"

میں ہنس پڑا "ابھی تم حشمت سے اپنی شناسائی تک سے منکر تھے۔ اب اس کے بارے میں پولیس ریکارڈ سے آگاہی کا دعویٰ کر رہے ہو۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے۔"

"حشمت کوئی الگ کیس نہیں ہے۔ وہ ارجن کے مرڈر کیس کا ایک حصہ ہے۔ مجھے اس کی تفتیش سے دلچسپی ہے۔"

"اگر تم اب بھی اس بات پر مصر ہو تو میں مانے لیتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا بات کرنا چاہ رہے تھے۔" میں نے یکایک موضوع بدل دیا۔ مجھے احساس ہو گیا تھا کہ اس سے حشمت کے بارے میں زیادہ باتیں کرنا میرے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔

"میری پیشکش کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" اس نے گمبھیر آواز میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر پوچھا۔

"کل یہ بات ختم ہو گئی تھی۔ میں کسی نقاب پوش کو جواب دہ ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میری یہ پوزیشن ارجن کے قتل کے بعد بھی برقرار ہے۔ تمہاری اس حرکت نے تمہارا اور کوئی مقصد پورا کیا ہو یا نہ کیا ہو، کم از کم مجھے خوف زدہ نہیں کیا۔ تم نے اپنے کسی آدمی کو میری تلاش میں بھیجا تو اس کی لاش لینے کے لیے تمہیں خود میرے پاس آنا ہوگا۔"

"تم بہت ضدی اور انا پرست آدمی ہو۔ ہمارے درمیان ذہنی سے نفرت کے سوا کوئی چیز مشترک نہیں ہے اور میں اسی اشتراک کو آگے بڑھانا چاہتا ہوں۔"

"پہلے اپنی تصحیح کر لو۔ تم اس سے نفرت کر سکتے ہو۔ مجھے اس سے نفرت نہیں ہے۔ میں اس کی حرکتوں کو ناپسند کرنے لگا ہوں۔ شاید کل بھی میں نے تم سے کہا تھا کہ اب وہ اپنی حدود سے تجاوز کر کے ہمارے کاموں میں دخل انداز ہونے لگا ہے، اسے لگام دینے کی ضرورت ہے۔"

"تم پاکستانی ہو اس لیے ذہنی کے بارے میں نرم الفاظ استعمال کر رہے ہو۔ دوسروں کے الفاظ نہیں دل بھی ذہنی کے لیے بہت نرم ہیں۔ اسے رفتہ رفتہ ہیرو بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مجھے ایس ٹی ایف اور ہر پاکستانی ایجنسی کے رویے

سے سخت شکایات ہیں مگر میں تمہارے ذاتی نظریات کی قدر کرتا ہوں۔ میں ڈیبی کے بارے میں تمہارا تعاون چاہتا ہوں۔ تمہارا اپنے نقاب پوش سربراہ پر اعتراض تھا۔ اگر اسے ہٹا دیا جائے۔ تم صرف فون پر اس سے اپنا رابطہ استوار رکھو۔۔۔"

"نہیں نک۔ یہ اس سے زیادہ ذلت کی بات ہو گی۔ باوقار طریقہ یہ ہے کہ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں کس شخص کو جواب دہ ہوں۔ اس سے رابطے کے لیے کوئی بھی طریقہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ میرے لیے سب سے زیادہ اہمیت فرد اور اس کی واضح شناخت کی ہے۔"

"لیکن کل تم مجھ سے کوبرا کا سیٹ لائٹ فون نمبر پوچھ رہے تھے!" اس نے مجھے یاد دلایا "تم نے کہا تھا کہ آواز کا مقابلہ آواز سے ہو سکتا ہے۔"

"وہ کل کی بات تھی اسے بھول جاؤ۔ آج تمہاری سفاکی میرے سامنے ہے۔ تم نے اپنے اعتماد کے ایک آدمی کو جس سرعت سے مروایا ہے وہ میرے لیے عبرت آموز ہے۔"

"میں مانتا ہوں کہ ارجن کو میں نے اپنی غلطی کا بھرم رکھنے کے لیے راستے سے ہٹایا مگر مجھے اپنے اس فیصلے پر دکھ ہے۔ شاید ایک مدت تک مجھے اس کا کوئی متبادل نہ مل سکے۔ میں اپنے پرانے اور تربیت یافتہ آدمیوں کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ وہ میرے لیے قیمتی اثاثہ ہیں۔"

"ضرور کرتے ہو گے مگر میں تمہارے لیے بالکل نیا ہوں۔ اپنی کسی اور غلطی کی پردہ پوشی کے لیے تم میری گردن اڑا دو گے۔" میں نے تحمل سے جواب دیا۔

وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہ رہا تھا۔ ایک طرف وزارت داخلہ پر دباؤ ڈال کر میرا کراچی سے تبادلہ کرانے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا اور دوسری سمت سے میری طرف دست تعاون بڑھا رہا تھا۔ وہ اس کی کھلی منافقت تھی۔

"تم ڈیبی کو ذرا بھی ناپسند کرتے ہو تو ہمارا ساتھ دو ورنہ ہم تمہیں ڈیبی کا ساتھی تصور کریں گے۔" ہر طرف سے زچ ہو کر وہ دھمکی پر اتر آیا۔

"سنو نک! تمہارے تصور کر لینے سے میرا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔" اس کی دھمکی سن کر یک بہ یک میرا خون کھول اٹھا "دشمن بن کر سامنے آؤ گے تو میں تمہاری دھجیاں اڑا دوں گا۔ بات جہاں چل رہی ہے اسے وہیں رہنے دو۔ اسے اپنے تونی مزاج میں ڈھالنے کی کوشش مت کرو۔ دوستی اور دشمنی کے درمیان غیر جانب داری بھی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ اس وقت میں تمہارا دوست ہوں نہ ڈیبی کا ساتھی میں اپنی حدود میں رہ کر اپنے منصب کی ذمے داریاں پوری کر رہا ہوں۔ بات نہیں بن سکتی تو مجھے اپنی چھوٹی سی دنیا میں مگن رہنے دو۔"

"غیر جانب داری اگر کوئی چیز ہے تو وہ ماضی میں ہوا کرتی تھی۔ بڑھتے ہوئے تجربات کے ساتھ اس کا تصور ختم ہو چکا ہے۔ ظلم اور جبر پر خاموش رہنا ظالم اور جابر کا ساتھ دینے سے زیادہ سنگین جرم ہے۔ تم کو دو میں سے ایک راستے کا انتخاب کرنا ہے۔ تمہارے لیے کوئی تیسری راہ نہیں ہے۔"

"تم میری تجویز کیوں نہیں مان لیتے ہو۔" میں اسے دو ٹوک جواب دینے کے بجائے اپنی باتوں کے جال میں الجھا رہا تھا۔ میں نے بات جاری رکھی "میں تمہارے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم سے ہدایات لیتا رہوں گا۔ وہی کروں گا جو تم چاہو گے۔ تم میرے دیکھے بھالے آدمی ہو۔ اس پر تمہیں کیا اعتراض ہے۔"

"یہ ہمارے ڈسپلن کے خلاف ہے۔" اس نے چند

"وضاحت ضروری ہے"

بات وضاحت سے کی جائے تو بہتر ہوتا ہے۔ کم از کم اس واقعے سے ہمیں یہی سبق حاصل ہوتا ہے۔ گاؤں میں دینو لوہار نے اپنے نئے شاگرد کو گھوڑے کی نعل بنانا سکھانا شروع کیا اور کہا "دیکھو۔۔۔ یہ لوہا بھٹی میں تپ کر لال ہو چکا ہے۔ اب میں اسے انی پر رکھوں گا۔ جب میں سر ہلاؤں تو تم اس پر ہتھوڑا دے مارنا۔۔۔"

دینو نے سر ہلایا اور شاگرد نے ہتھوڑا رسید کر دیا۔ لوہے پر نہیں۔۔۔ دینو کے سر پر۔۔۔!

"مسئلہ"

عامل بابا نے شو بزنس میں ہاتھ پاؤں مارنے والی ایک لڑکی کا ہاتھ دیکھ کر بتایا "عنقریب ایک بڑے فلم ڈائریکٹر کی تم پر نظر پڑنے والی ہے۔ بہت جلد تم بہت بڑی فلم اسٹار بن جاؤ گی۔"

"لیکن یہی بات آپ نے میری سہیلی نیلما کو بتائی تھی۔" لڑکی نے شکوہ کیا۔

"اب میں کیا کروں۔" عامل بابا قدرے بیزاری سے بولے "آج کل تم جیسی لڑکیاں اس سے کم پر تو خوش ہی نہیں ہوتیں۔"

ثانیوں کی خاموشی کے بعد ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا۔
"دنیا میں کہیں بھی ہم براہِ راست اپنی مقامی فیلڈ فورس کی کمان نہیں کرتے۔ وہ سب کسی مقامی کو جواب دہ ہوتے ہیں۔ تمہارے لیے میں ایف بی آئی کے اس عالمی ڈسپلن کو نہیں توڑ سکتا۔"
"ابھی تک تو میرا تم ہی سے رابطہ ہے۔ کوئی مقامی میرے سامنے نہیں آیا۔"
"ابھی تم ہماری صفوں میں شامل نہیں ہو۔ میں تم سے کوئی مفاہمت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کل بات بن جاتی تو میں درمیان سے اپنا قدم نکال لیتا۔ سارے معاملات تمہارے اور کوبرا کے درمیان طے ہوتے۔ یہاں کوبرا ہماری فیلڈ فورس کو کنٹرول کرتا ہے۔"
"تم سے پہلے آنے والے یہاں براہِ راست بہت کچھ کرتے ہیں۔ جان ایلش کوف تمہاری طرح ایف بی آئی کا افسر تھا۔ وہ خود میدان عمل میں سرگرم تھا۔ حالات ناسازگار پا کر یہاں سے خاموشی سے نکل گیا۔ میں نے اس کی یا کسی اور کی زبان سے کوبرا کا نام نہیں سنا۔"
"ان میں سے کسی نے تم کو ٹٹولنے کی کوشش نہیں کی ہوگی۔ وہ تمہیں ایس بی ایف کا پکا نمک خوار سمجھتے رہے۔ کل میں تم کو بتا رہا تھا کہ واشنگٹن اور ورجینا میں بیٹھے ہوئے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس فورس کے آدمی مر سکتے ہیں' بک نہیں سکتے۔ مجھے ان بڑوں سے اختلاف ہے۔ میرے نزدیک ہر شخص کی کوئی نہ کوئی قیمت ہوتی ہے۔ کسی کی کم اور کسی کی زیادہ۔ کوئی پیسوں کے مول بکتا ہے کوئی دوسرے دام مانگتا ہے۔ پہلے آنے والوں کے لیے تم مخالف کیمپ کے کنزرکن تھے۔ اس لیے تمہارے سامنے کوبرا کا کوئی ذکر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے تمہارے دل کو ٹٹولا اور راہ پا کر اس کا نام کھول دیا۔ شاید میں نے زیادہ عجلت سے کام لیا اور ارجن سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ مجھے صبر سے کام لینا چاہیے تھا۔ میں اس بڑے نقصان سے بچ سکتا تھا۔"
"تم پے درپے غلطیاں کر رہے ہو۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا "تم نے ابھی تک کوبرا کا بھی نام نہیں کھولا۔ اس کا اصل نام کھول دو' جمود ٹوٹ جائے گا اور مسئلہ حل ہو جائے گا۔ دوسری اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ میں برائے فروخت نہیں ہوں۔ ڈیلی کی بڑھتی ہوئی آزاد روی بلکہ بے راہ روی سے پریشان ہوں۔ وہ ہمارے لیے مسائل پیدا کر رہا ہے۔ اس نے خود اپنی راہ بنالی ہے۔"

"مجھے تمہارے سامنے کوبرا کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کا نام بہت دور کی بات ہے۔ وہ بھی تمہارے علم میں نہیں آسکے گا۔" اس کی متکبرانہ آواز آئی۔
میں اپنے دل ہی دل میں اس کی کج فہمی پر ہنس کر رہ گیا۔ کوبرا حشمت اور سوبھراج دراصل ایک ہی تھے۔ وہ تینوں نکتے ایک ذات میں مرکوز تھے مگر نک انہیں کھینچ تان کر ایک بڑی مثلث بنا رہا تھا جس کا صرف ایک نکتہ اس کے محل نظر تھا۔ کوبرا کے دوسرے دو ناموں کو وہ اپنی دانست میں صرف اپنے سینے میں چھپائے ہوئے تھا۔
اس کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ ارجن کے سفاکانہ قتل کے بعد پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا تھا۔ اس کے قتل کا فیصلہ کر کے نک نے کوبرا کے مستقبل پر بھی مہر لگا دی تھی۔ بات صرف وقت کی تھی۔ وہ مرحلہ زیادہ دور نہیں تھا جب ایک شخص کی ہلاکت کا ماتم تین ناموں سے کیا جانے والا تھا۔
اس سے گفتگو کرتے ہوئے' میں نے چند منٹ پہلے از خود حشمت کا ذکر نکالا تھا۔ میں اسے اس کی صحیح اوقات جتا کر اس کے دماغ سے بڑا خناس نکالنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن بروقت مجھے احساس ہو گیا کہ نک سے اس بارے میں قبل از وقت بات کر کے اپنے لیے مشکلات پیدا کر لوں گا۔
نک کو یہ بھنک مل جاتی کہ میں کوبرا حشمت اور سوبھراج کی تکون کے راز سے واقف ہو چکا ہوں تو وہ دو کام کر سکتا تھا۔ ارجن کی طرح اسے بھی خاموشی' پھرتی اور مکمل راز داری کے ساتھ موت کے گھاٹ اتروا کر اپنے رازوں کو محفوظ کر لیتا اور اگر اس پر زیادہ مہربان ہوتا تو اسے میرے خطرے سے آگاہ کر کے ہوشیار کر دیتا اور ہمارے لیے سوبھراج تک پہنچنا ناممکن ہو جاتا۔
میرے لیے وہ دونوں صورتیں قابلِ قبول نہیں تھیں اس لیے میں نے اس سے بات کرتے کرتے اچانک موضوع بدل دیا تھا۔ کوبرا کا اس وقت کوئی ذکر نہیں تھا۔ میں نے ہوٹل سے حشمت کی پراسرار روانگی کی بات چھیڑی ہوئی تھی۔ وہ ذکر وہیں ادھورا رہ گیا۔ نک نے اس کے بعد حشمت کا نام نہیں لیا تھا۔
اس بار وہ کوبرا کے گن گا رہا تھا۔ دشمنوں کی دسترس سے اس کے باہر ہونے کے دعوے کر رہا تھا۔ میں نے سنجیدگی سے کہا "تمہاری باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کوبرا کو تم نے بہت عرصہ سے پالا ہوا ہے۔"
"اس کے لیے ایسی نازیبا اور ہتک آمیز زبان استعمال نہ

کرنل!" اس کی آواز اچانک غضب ناک ہو گئی "وہ ہمارا کلیدی آدمی ہے۔ ہم دوسروں سے اپنے کتوں کی بھی عزت کرانا جانتے ہیں۔"

"میرا ارادہ ہتک کرنے کا نہیں تھا۔ بس لفظوں سے کھیلنے کا دل چاہ رہا تھا۔ اس کا لقب کوبرا ہے۔ سانپ کوبرا ہو یا شیش ناگ' اسے پالا ہی جاتا ہے۔"

"تم بہت چبا چبا کر باتیں کر رہے ہو۔ اب میں تمہیں بتا دوں کہ تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو کسی بھی وقت تمہاری زندگی کا چراغ گل کیا جا سکتا ہے۔ شہر میں ڈینی کے لہو کے پیاسے گھوم رہے ہیں جو ہر اس شخص کے دشمن ہیں جو ڈینی کی مدد کرتا ہو۔ تم اور اول خان اس کے بڑے مددگار ہو۔"

غصے کی گرمی کھا کر وہ دھیرے دھیرے کھل رہا تھا۔ اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اول خان اور کرنل داور کو کراچی سے باہر بھجوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھا مگر اس نے وہ دونوں نام ایک ساتھ دہرا کر ثبوت فراہم کر دیا تھا کہ کراچی سے جبری تبادلے کے بارے میں اول خان کی اطلاعات غلط نہیں تھیں۔

اچانک مجھے جھٹکا سا لگا۔ وہ کن لوگوں کو ڈینی کے لہو کے پیاسے قرار دے رہا تھا۔ اس سوال کا جواب پانے کے لیے مجھے اپنے ذہن پر زیادہ زور نہیں دینا پڑا۔ وہ دھمکی دیتے ہوئے اس کے ذہن میں بلیک کیٹس کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

شہر میں میرے لیے دوستی اور دشمنی کی فضا کافی عرصے سے ایک ہی نہج پر چل رہی تھی۔ ماضی قریب میں اس میں ذرا سی تبدیلی یہ آئی تھی کہ شہر میں بلیک کیٹس کی افواہیں گردش کرنے لگی تھیں۔ وہ سفاک قاتل تھے اور دہلی سے میرے قتل کا مشن لے کر کراچی آئے تھے۔ وہ شہر میں اپنے طور پر کام کر رہے تھے لیکن ہوٹل میں اپنا ٹھکانا بنانے کے لیے شاید انہوں نے کوبرا کے ذریعے ارجن کی مدد حاصل کی تھی اس لیے تک بھی ان کی شہر میں آمد سے باخبر ہو گیا۔ میں ڈینی کی حیثیت سے ان سب کا بدترین اور مشترکہ دشمن تھا اس لیے تک کو ان کی آمد کے مقصد کا بھی علم رہا ہو گا۔

یہ بات بہرحال طے تھی کہ بلیک کیٹس نے مجھے مارنے کا اعزاز خود حاصل کرنے کے چکر میں ان میں سے کسی کو یہ ہوا نہیں لگنے دی تھی کہ انہوں نے مکاری سے کام لے کر میرے ٹھکانے کا سراغ لگا لیا تھا۔ تک کو میرے گھر کا علم ہو گیا ہوتا تو وہ دوسرے طریقوں سے ڈینی تک پہنچنے کی کوشش نہ کر رہا ہوتا۔

توجہ

شراب کے نقصانات پر لیکچر دیتے ہوئے ایک صاحب نے مثال دے کر سمجھانے کی کوشش کی "اگر ایک گدھے کے سامنے بھی ایک بالٹی میں پانی اور ایک میں بیئر رکھی جائے تو وہ کس بالٹی میں سے پئے گا؟"

"پانی والی بالٹی میں سے" ہال میں سے آواز آئی۔

"بالکل ٹھیک" مقرر خوش ہو کر بولے "وہ ایسا کیوں کرے گا؟"

"کیونکہ وہ گدھا ہے۔" جواب آیا۔

میں نے حشمت یا سوبھراج کے بارے میں گفتگو کا سلسلہ خود موقوف کر دیا تھا کیونکہ اس بارے میں میری کہی ہوئی کوئی غیر محتاط بات ہماری آنے والی کامیابیوں پر منفی اثرات ڈال سکتی تھی لیکن بلیک کیٹس کے بارے میں تک سے کھل کر بات کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ان کے معاملے میں وہ بازی ہماری ہاتھ میں ہی رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے وہ دونوں ہمارے ہاتھ آ چکے تھے۔ اسٹیشن فور میں ان دونوں کی قید کا مطلب یہ تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کی قسمت کے آخری فیصلے پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔

"میں چبا چبا کر باتیں نہیں کر رہا۔ یہ حرکت تم سے سرزد ہوئی ہے۔" میں نے بہت تیزی کے ساتھ وہ سب سوچنے کے بعد محض چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا "تھوڑی دیر پہلے تم کوبرا کے گن گا رہے تھے۔ اب ڈینی کے لہو کے پیاسوں کی دھمکی دے رہے ہو۔ وہ جو کوئی بھی ہوں' مجھے خوف زدہ نہیں کر سکتے۔"

تک کی غرور آمیز ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری "وہ کسی کو خوف زدہ ہونے کا موقع نہیں دیتے۔ اچانک اپنے شکار پر جھپٹتے ہیں اور حیران ہونے سے پہلے اس کا کام تمام کر دیتے ہیں۔"

"کہیں تم بلیک کیٹس کی بات تو نہیں کر رہے!" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف سکوت چھا گیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے میری زبان سے بلیک کیٹس کا ذکر سن کر وہ بھونچکا رہ گیا ہو پھر اس کی خشک آواز آئی "تم ان کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"وہ سلطنت در سلطنت ہیں۔" میں نے بات گھماتے

ہوئے جواب دیا "را کا ایک حصہ ہیں لیکن ان سے بہت مختلف ہیں۔ ان کے کام کرنے کے طریقے سب سے الگ اور نرالے ہیں۔ وہ مارو اور بھاگ نکلو کے اسی فلسفے پر عمل کرتے ہیں جو تم نے ابھی ابھی بتایا تھا۔"

میرا جواب سن کر اول خان کے ہونٹوں پر بے ساختہ ایک گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے ان کے بارے میں تمہاری جنرل نالج سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" شاید اس نے تنگ کر کہا تھا "میں شہر میں ان کی موجودگی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

"اس وقت شہر میں ڈینی کے لہو کے نئے پیاسے وہی تھے۔ اگر تم ان پر تکیہ کیے ہوئے تھے تو سن لو کہ ان کا گھمنڈ خاک میں مل چکا ہے۔ وہ وہاں نہیں ہیں جہاں ان کو ارجن نے رکھا ہوا تھا۔"

"کرنل! مجھ سے لفاظی مت کرو۔" اس کا لہجہ مضطربانہ ہو گیا "کیا تم لوگ ان کی راہ پر لگ گئے تھے۔"

"مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دوسروں کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"پھر وہ کہاں ہیں؟ ان پر کس نے ہاتھ ڈالا ہے؟" اس کے دونوں سوال اضطراری تھے۔

"یہ کوبرا ہی تمہیں بتا سکے گا۔ میں لاعلم ہوں۔ مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ آج ڈینی نے پھر من مانی کی ہے اور اپنے دشمنوں کو لے اڑا ہے۔"

اس خبر نے تنگ کو ایسا حواس باختہ کیا کہ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ چند لمحوں قبل مجھ سے کس فضا میں اور کیا باتیں کر رہا تھا۔ "کرنل! یہ بات تمہیں سب سے پہلے بتانی چاہیے تھی۔ ڈینی اب کسی پاگل کتے کی طرح ہر ایک کو کاٹتا پھر رہا ہے۔ اس وقت اس خبر کی تصدیق ضروری ہے۔ میں پھر تم سے بات کروں گا۔"

"وری گڈ!" ویرا نے مسرت آمیز آواز میں اونچا نعرہ لگایا۔ "اسے کہتے ہیں نہلے پہ دہلا۔ اب تنگ رات بھر کانٹوں کے بستر پر لوٹتا رہے گا۔"

"تمہارے اصرار پر میں نے اسے فون کر لیا۔ اس سے بہت لمبی بات ہوئی۔ یہ بتاؤ کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا۔" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر سنجیدگی سے کہا۔

"بہت سی باتوں کے فوری نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ تم نے بہت خوبصورتی سے اسے چکمے دیے ہیں۔" "ایک دو روز میں اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ سامنے ضرور آئے گا۔" وہ اعتماد سے بولی۔

"بس اسے ذرا کر ہم نے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا ورنہ کام کی کوئی بات نہیں ہوئی۔" غزالہ نے میری تائید کی۔

"حیرت ہے کہ تم یہ کہہ رہی ہو۔" اول خان نے غزالہ سے کہا "تم نے سنا نہیں کہ حشمت کے ذکر پر وہ کتنا بے آرام ہو گیا تھا۔"

"اب ہمارے سامنے دو محاذ رہ گئے ہیں۔" میں نے بات سمیٹتے ہوئے کہا "اسٹیشن فور پر موجود دونوں بلیک کیٹس سے بازپرس اور سوبھراج کی بیخ کنی۔"

"ڈینی! فی الحال اسے حشمت ہی رہنے دو۔ جب تک اول خان اس کی تصاویر میں داڑھی مونچھوں کا اضافہ کر کے اسے ہوٹل کے عملے سے شناخت نہیں کروا لیتا، ہمیں سوبھراج کا نام نہیں لینا چاہیے۔" ویرا نے اس بار پوری سنجیدگی اور متانت سے اپنی زبان کھولی تھی۔ "دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ سوبھراج کے بارے میں جلال تم کو پہلے ہی بہت کچھ بتا چکا ہے۔ بات قبل از وقت باہر نکل گئی تو تمہارا بلکہ ہمارا کام بہت مشکل ہو جائے گا۔"

میں خالی نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتا رہا۔ اس وقت میرے ذہن میں اچانک ایک خیال آیا۔ بلیک کیٹس کی بربادی کی تازہ خبریں سوبھراج کے پیروں کے نیچے سے زمین نکال سکتی تھی۔ اس سے رابطے کے فون نمبر اول خان فراہم کر چکا تھا مگر خرابی وہی تھی کہ اس وقت سوبھراج سے براہِ راست چھیڑ چھاڑ کام بگاڑ سکتی تھی۔

"تم کیا سوچ رہے ہو؟" اول خان کا مشاہدہ بہت تیز تھا۔ اس نے میری آنکھوں میں سوچ کے سائے لرزتے دیکھ لیے۔

"ویرا کے مشورے کے برعکس سوبھراج کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"ویرا صحیح کہہ رہی ہے۔ اسے اپنے ذہن سے جھٹک دو تاکہ تم یہ رات آرام سے گزار سکو۔ اس بارے میں صبح دیکھ لیا جائے گا۔" اس نے اپنا پرخلوص مشورہ دیا۔

میں نے کچھ کہنے کے لیے زبان کھولی ہی تھی کہ اول خان کے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اول خان کے لیے آنے والی اس غیر متوقع کال پر میں خاموش ہو گیا۔ اس نے فون پر بات شروع کی تو پتا چلا وہ فون اسٹیشن فور سے آیا تھا جہاں دونوں بلیک کیٹس قید تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

سونیا نامی اس لڑکی کے بارے میں تھی جسے بلیک کیٹ ہونے کے شبے میں اسٹیشن فور پہنچایا گیا تھا۔

"تلاش کرو۔ اسے ہر طرف تلاش کرو۔ اسے کسی قیمت پر نہیں نکلنا چاہیے۔" اول خان نے اضطراری لہجے میں وہ الوداعی فقرہ کہہ کر فون بند کردیا۔

"کیا ہوا۔ کون نکل گیا؟" فون سے اس کے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"وہ اُلو کی پٹھی سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر غائب ہوگئی۔" اول خان نے جھلّاتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"اسٹیشن فور سے غائب ہوگئی۔ یہ کیسے ممکن ہے؟" میں نے حیرت اور بے یقینی سے سوال کیا۔

"سیل کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ اندر اس کے سارے کپڑے فرش پر پڑے ہوئے ہیں اور اونچے روشن دان میں لگی ہوئی سلاخیں لکڑی کی چوکھٹ سے اکھاڑ دی گئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ برہنہ ہوکر روشن دان کے راستے کوٹھڑی سے نکلی ہے۔"

"تمہارے ہر سیل کی دیواریں سپاٹ اور سیدھی ہیں۔ شاید روشن دان بھی نو فٹ سے کم بلندی پر نہیں ہیں۔ وہ وہاں تک کیسے پہنچ گئی؟" ویرا ابھی وہ بات سن کر حیران رہ گئی۔

"اتنی بلندی تک پہنچنا اور پھر زور آزمائی کرکے روشن دان کی سلاخوں کو اکھاڑنا آسان کام نہیں تھا۔" سلطان شاہ بولا۔

"چھپکلی کی طرح دیوار پر چپک کر چلنا کسی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ یہ کوئی اور۔۔۔" غزالہ نے بھی اس واقعے کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہا لیکن میں نے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔

"اس دور میں کچھ بھی ناممکن نہیں رہا۔ اسپائڈر مین ایک فلمی کردار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سونیا اسپائڈر وومن رہی ہو۔ یہ واقعہ کیوں اور کیسے ہوا۔ یہ سب ثانوی باتیں ہیں۔ اس وقت کی سب سے اٹل حقیقت یہ ہے کہ وہ سیل سے باہر نکل چکی ہے۔" میں نے سرسری انداز میں کہا "وہ سیل سے ضرور نکل گئی ہے لیکن اسٹیشن فور کی حدود سے باہر نہیں جاسکے گی۔ ایس ٹی ایف کے محافظ اسے دوبارہ اپنے شکنجے میں دبوچ لیں گے۔"

"اسٹیشن فور میں کسی کام میں دیر نہیں لگتی۔" اول خان نے اپنی جگہ پر کسمسا کر جواب دیا "اس کے غائب ہونے کا انکشاف ہوتے ہی وہاں ایمرجنسی کا اعلان کرکے ساری سرچ لائٹس آن کردی گئی تھیں۔ اسے ہر طرف تلاش کیا گیا لیکن ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔"

"بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو کسی جوان، خوش بدن اور برہنہ لڑکی کی مدد سے انکار کریں۔ ہوسکتا ہے کہ جبری تجرد سے اکتائے ہوئے، تمہارے ہی کسی آدمی نے اسے پناہ دے دی ہو۔" میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

"عام انسانی نفسیات کی رو سے ایسا ہونا ناممکن نہیں ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا "لیکن میرے آدمی اپنے بدترین انجام کے خوف سے ایسی کوئی گھٹیا حرکت نہیں کرسکتے۔ وہاں کوئی قیدی لایا جاتا ہے تو پورے کیمپ کو اس کی آمد کی اطلاع مل جاتی ہے۔ دیدہ و دانستہ کوئی کسی قیدی کا مددگار نہیں بن سکتا۔ کڑی سزا، بدنامی اور ملازمت سے ذلت آمیز برطرفی کا خوف ہر شیطانی تحریک پر غالب آسکتا ہے۔ مجھے یقین نہیں کہ میرے کسی آدمی نے اسے پناہ دی ہوگی۔"

"پھر وہ کہاں گئی؟" میں نے پرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

"بس ایک امکان ہے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے، دھیمی آواز میں جواب دیا "وہ اعلیٰ ترین تربیت یافتہ لڑکی ہے اور شاید ضرورت سے زیادہ ذہین بھی۔ رات کے وقت اسٹیشن فور کی حدود میں زیادہ روشنی نہیں ہوتی۔ کہیں کہیں گہرے اندھیرے کا راج بھی ہوتا ہے۔ شاید اس نے روشن دان سے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے کو دیکھ کر اپنے فرار کا منصوبہ سوچا اور پھر اس پر عمل کرگزری۔ کسی نے اس پر دھیان نہیں دیا ہوگا۔ وہ کسی تاریک مقام پر باڑھ کے پار نکل گئی ہوگی۔"

وہ اول خان کا نظریہ تھا لیکن بہت زیادہ قابلِ قبول نہیں تھا۔ اس پر بحث چھڑ گئی۔

اول خان نے اپنے نظریے کے دفاع میں جو نکتے بیان کیے وہ واقعی قابلِ غور تھے۔ اسٹیشن فور وسیع رقبے پر پھیلا ہوا اور خاردار تاروں کی باڑھ میں گھرا ہوا محفوظ کیمپ تھا جہاں کسی کا خفیہ طور پر داخلہ ممکن نہیں تھا لیکن اس علاقے میں آوارہ کتوں کی بہتات تھی جو اکا دکا اور رات کے وقت چھوٹی بڑی ٹولیوں کی صورت میں بلا روک ٹوک اسٹیشن فور کی حدود میں آتے جاتے رہتے تھے۔ خوراک کی طلب اور کسی گوشۂ عافیت کی تلاش ان چوپایوں کو اسٹیشن فور کی طرف آنے پر مجبور کرتی تھی۔

سونیا کو یقینی طور پر یہ سب معلوم نہیں تھا۔ اسے بے ہوشی کی حالت میں ہوٹل کی پارکنگ لاٹ سے سرور نے وہاں

پہنچایا تھا۔ سونیا کو یہ تک معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کہاں اور کن لوگوں کی قید میں تھی۔ اس نے بنیادی طور پر صرف ایک نکتہ طے کیا ہوگا کہ اسے سیل کی حدود سے باہر نکل کر کسی چوپائے کی طرح چاروں ہاتھوں اور پیروں پر چلتے ہوئے فرار ہونا ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح سیل سے باہر نکلی تو ماحول سازگار تھا۔ اس کا بدن لباس کے جھنجٹ سے آزاد تھا۔ اس نے اپنی پوری پیشہ ورانہ مہارت کو بروئے کار لاتے ہوئے چوپائے کی چال اختیار کی اور تاریکی کی طرف ہولی۔ دور سے اگر کسی نے اسے دیکھا بھی ہوگا تو قد آور کتا وغیرہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہوگا۔ وہ باہر نکلی اور کسی طرف فرار ہوگئی۔

ایس ٹی ایف کے کسی محافظ کے وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہیں آسکا ہوگا کہ ان کی قیدی اسٹیشن فور کی حدود میں کسی چوپائے کی طرح چل رہی ہوگی۔

سونیا کے فرار کا وہ طریقہ سہل نہیں تھا۔ کوئی اردگرد کے ماحول سے پوری طرح واقف ہونے اور بھرپور منصوبہ بندی کرنے کے بعد ہی وہ خطرہ مول لے سکتا تھا مگر مجھے اس سے زیادہ حیرت اس کے ہوش میں آنے پر تھی۔

میں نے ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں اس کے اوپر حملہ کرکے اسے بے ہوش کیا تھا۔ ضرب کی بے ہوشی کو ناکافی سمجھتے ہوئے، میں نے اس کے جسم میں مکمل بے ہوشی کا ایک ڈوز بھی اتار دیا تھا۔ میرا اندازہ بلکہ تجربہ تھا کہ اول خان کی دی ہوئی انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سیال کے اثرات خاصے دیرپا ہوتے تھے لیکن وہ لڑکی بہت جلدی ہوش میں آگئی تھی۔ وہ نہ صرف ہوش میں آئی تھی بلکہ ذہنی اور اعصابی طور پر اتنی توانا تھی کہ اس نے فوری طور پر اس قید سے اپنے فرار کی ایک کامیاب راہ بھی تلاش کرلی۔

"اس کا ساتھی کہاں اور کس حال میں ہے؟" کچھ دیر کے توقف کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

"لڑکی کے غائب ہونے کا انکشاف ہوتے ہی اس کی خبر لی گئی تھی۔ وہ ابھی تک اپنے سیل کے فرش پر بے ہوش پڑا ہوا ہے۔" اول خان نے بتایا۔

"لعنت ہے اس پر۔" ویرا بولی "وہ مرد ہو کر بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ لڑکی ہوش میں آکر بھاگ بھی گئی۔"

"عام طور پر لڑکیاں ہی بھاگتی ہیں۔" سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا "وہ بے چارہ مرد ضرور ہے لیکن اسے کافی دیر بعد بے ہوش کیا گیا تھا۔"

"یہ مرد اور عورت کی کیا واہیات بحث شروع کردی تم نے!" اول خان نے اسے گھور کر کہا "اس وقت ہم ایک سنگین مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں۔"

"وہ کپڑے چھوڑ کر بھاگی ہے۔" میں نے بات شروع کی تھی کہ سلطان شاہ بول پڑا۔

"اسٹیشن فور سے نکلنے کے بعد جب کسی نے اسے دو پیروں پر بھاگتے ہوئے دیکھا ہوگا تو اسے مظلوم سمجھا ہوگا۔ اوباش مردوں کے چنگل سے نکل بھاگنے والی لڑکیوں کو عام طور پر مظلوم ہی سمجھا جاتا ہے۔"

"تم کچھ دیر کے لیے اپنی زبان کو لگام نہیں دے سکتے۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

سلطان شاہ نے زبان سے کچھ کہے بغیر سعادت مندی سے اپنا سر جھکا لیا۔

"تم سونیا کے کپڑوں کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔" ویرا نے مجھے یاد دلایا۔

"ہاں، ان کا جائزہ لو۔" میں نے اول خان سے کہا "بعض اوقات مجرموں کے لباس سے بھی کوئی نہ کوئی سراغ مل جاتا ہے۔"

"ان کپڑوں میں سونیا کے بدن کی مہک رچی ہوئی ہوگی۔" ویرا نے بے ساختہ کہا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی برقرار تھی۔

"میں نے اسے چپ کیا تو اب تمہارا دماغ چل رہا ہے!" میں نے ویرا پر آنکھیں نکالیں۔

"میں نے کوئی غلط بات نہیں کی!" ویرا نے اسی کڑی سنجیدگی سے جواب دیا مگر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ دبانے کی کوشش کررہی ہو۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی "تربیت یافتہ کتے اس بو کے سہارے ہمیں سونیا تک پہنچا سکتے ہیں۔"

"فضول بات ہے۔" میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کے کہا "یہ کامیابی اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ ابھی تک انہی اطراف میں موجود ہو۔ وہ ایک چالاک اور مکار عورت ہے۔ کسی نہ کسی کی گاڑی میں لفٹ لے کر یہاں سے میلوں دور نکل چکی ہوگی۔"

"یہ بہت برا ہوا کہ وہ ہمارے ہاتھ آکر نکل گئی۔" غزالہ متاسفانہ لہجے میں بولی "بدحواسی میں شاید وہ اسٹیشن فور کے محل وقوع پر زیادہ دھیان نہ دے سکی ہو مگر اس کی گھاگ نظروں نے یہ اندازہ ضرور لگا لیا ہوگا کہ وہ کسی فوجی چھاؤنی کے علاقے میں رکھی گئی تھی۔"

اس وقت وہی بات میرے ذہن میں چکرا رہی تھی۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے تک سے کرنل داور بن کر بات کرتے

ہوئے اسے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ ارجن کے ہوٹل سے ڈیپی نے دونوں بلیک کیٹس کو اٹھالیا تھا۔ میری اس کوشش کا دہرا ہدف تھا۔ اول یہ کہ وہ میرے اصل نام سے مزید خائف ہوجائے۔ دوئم یہ کہ بلیک کیٹس کے بارے میں کسی ایجنسی وغیرہ کا نام نہ آنے پائے۔ اگر یہ بات کھل جاتی کہ ان دونوں کو کسی سرکاری ایجنسی نے اٹھایا ہے تو پھر انہیں جہنم واصل کرنا ممکن نہ رہتا۔ ضابطوں کے مطابق جرم ثابت کرکے انہیں سزایاب کیا جاتا اور پھر کسی بھی مرحلے پر' قیدیوں کے باہمی تبادلے کے نتیجے میں وہ دونوں دوبارہ بھارت چلے جاتے۔

میرے لیے ان کا وہ انجام ہرگز پسندیدہ نہیں تھا۔ انہوں نے غیر قانونی طور پر پاکستان میں گھس کر دہشت گردی اور سازشوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ان کو سخت ترین بازپرس سے گزرنے کے بعد آخرکار موت کے گھاٹ اتر جانا چاہیے تھا۔ سونیا کے فرار کے بعد مجھے وہ کام مشکل ہوتا نظر آرہا تھا۔

"اب وہ دوبارہ ہوٹل کا رخ نہیں کرے گی۔" اول خان نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا "دیکھنا ہوگا کہ وہ کہاں جاتی ہے۔"

"ہمیں فوری طور پر شہر میں اس کی تلاش شروع کردینی چاہیے۔" غزالہ نے کسی توقف کے بغیر اپنی رائے پیش کردی "کوبرا منظر سے یکایک غائب ہوگیا ہے۔ ابرار قید میں ہے۔ وہ بالکل بے یارومددگار رہ گئی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے لیے کوئی محفوظ ٹھکانا تلاش کرے' ہمیں دوبارہ اسے دبوچ لینا چاہیے۔"

"اسے سرور سمیت میرے متعدد آدمیوں نے دیکھا ہے۔" اول خان نے کہا "وہ اسے دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔"

"سرور کی سربراہی میں اپنے ان آدمیوں کو شہر میں پھیلادو۔ اس کا کسی سے رابطہ نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے اسے تاکید کی "ایک بار اسے کوئی سہارا مل گیا تو وہ مضبوطی سے اپنے قدم جمالے گی۔"

"مجھے دوبارہ دفتر جانا ہوگا۔" اول خان نے مضطرب ہوکر یکایک اپنی جگہ چھوڑ دی "میں ابھی تک حیران ہوں کہ وہ اس خالی سیل میں آٹھ نوفٹ اونچے روشن دان تک کیسے پہنچ گئی!"

"صاف بات یہ ہے کہ اس میں تمہاری یا تمہارے کسی آدمی کی کوتاہی کا دخل نہیں ہے۔ یہ اس لڑکی کا کمال تھا کہ وہ وہاں سے نکل گئی۔" اس کو کسی قسم کی آزردگی سے بچانے

"مثال"

کلاس روم میں ٹیچر نے کہا "عمران! کسی آسان مثال کے ذریعے بتاؤ کہ ریڈیو کس طرح کام کرتا ہے؟"

"سر!" عمران سر کھجاتے ہوئے بولا "اگر آپ کے پاس ایک بہت لمبا سا کتا ہو جس کا سر کراچی میں ہو اور دم لاہور میں تو اگر آپ لاہور میں اس کی دم پر پاؤں رکھیں گے وہ کراچی میں بھونکے گا بس سمجھ لیں ریڈیو بھی کچھ اسی قسم کی چیز ہے۔" عمران نے مثال کے ذریعے واضح کیا۔

کے لیے مجھے ناچار وہ بات کہنی پڑگئی جو میں دیر سے اپنے دل میں لیے بیٹھا تھا۔

"تم نے تو اسے دیکھا اور گھیرا تھا۔ کیا وہ واقعی اتنی چالاک اور تیز و طرار نظر آتی تھی۔" اول خان نے متاسفانہ لہجے میں پوچھا۔

"عام سی مگر خوش شکل اور سڈول عورت ہے۔ صورت سے گاؤدی لگتی ہے۔ پہلی نظر میں اندازہ ہوتا ہے کہ اس پر ڈورے ڈالے جائیں تو ذرا سی کوشش سے پھنس جائے گی۔ اس کے طور طریقوں میں اوباش مردوں کے لیے ایک خاص کشش پائی جاتی ہے۔"

ویرا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیرنے لگی تھی۔ میری بات پوری ہوتے ہی وہ بولی "ذرا سی دیر پہلے میں تمہارے بارے میں یہی بات بتا رہی تھی۔ اس کو اول خان نے تمہاری خوبی قرار دیا تھا کہ تم آسانی سے عورتوں سے اپنا کام نکال لیتے ہو۔"

"چلو' اب برابر کی ٹکر ہے۔ دیکھتے ہیں کہ کس کی کشش زیادہ کام دکھاتی ہے۔" سلطان شاہ نے وہ بات وہیں ختم کردی۔

اول خان کے چلے جانے کے بعد کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ چاروں اپنی جگہ کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہ سکوت غزالہ نے توڑا "اس بار ہمارے سامنے غیر معمولی حریف ہیں۔ تم نے دیکھ لیا کہ وہ جتنی آسانی سے ہاتھ آئی تھی' اس سے زیادہ آسانی سے صاف نکل گئی۔ کوبرا کے بارے میں تمہیں سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔"

"جب ہم ایک نتیجے پر پہنچ چکے ہیں تو پھر کھل کر اس کا نام لو۔" ویرا نے جواب دیا "کوبرا اور حشمت اس کے فرضی

نام اور بہروپ ہیں۔ ہوٹل کی ویٹریس کے بیان کے بعد اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ ان دونوں ناموں کے پیچھے سوبھراج کی شخصیت کار فرما ہے۔"

"میں بھی اسی کے بارے میں بات کر رہی تھی۔ وہ ہمارے لیے لوہے کا چنا ثابت ہوسکتا ہے۔" غزالہ نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اسے تنکے کی طرح اڑایا جاسکتا ہے۔" ویرا نے حقارت سے کہا "تمہارے حکمرانوں نے اپنی مجبوریوں اور مصلحتوں کی وجہ سے اسے وی وی آئی پی کا درجہ دے کر اتنا اہم بنادیا ہے ورنہ اس کے گلے میں کسی بھی وقت طوق ڈالا جاسکتا ہے۔"

"مفروضات میں الجھ کر اپنا دماغ خراب مت کرو!" غزالہ نے اسے مخلصانہ مشورہ دیا "وہ اپنے سارے تحفظات اور مراعات کے ساتھ ہمارے مدمقابل آیا ہوا ہے تو اس سے اسی طرح مقابلہ کرنا ہوگا۔ یہ بات سب سے پہلے ہمارے علم میں آئی ہے کہ وہ کوبرا بن کر بلیک کیٹس کی سرپرستی کر رہا ہے۔ اول خان نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے، کھل کر ہمارا ساتھ دیا اور ہم نے ان دونوں کو رگڑ دیا۔ یہ اور بات ہے کہ سونیا کے ستارے اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ نکل گئی۔"

"اب ہمارے سامنے صرف سوبھراج رہ گیا ہے۔ میں خود بھی اس پر کوئی اوچھا ہاتھ نہیں ڈالوں گی۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

شام تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک جارہا تھا۔ پیشانی پر زخم کے نشان والے کے پکڑے جانے کے بعد کھیل یکایک سمٹا ہوا نظر آنے لگا تھا مگر ان آخری لمحات میں بازی کچھ بکھری سی گئی تھی۔ ہم میں سے ہر ایک، اپنی جگہ ملول اور افسردہ تھا۔ اس بوجھل ماحول میں روزمرہ کے معمولات سے فارغ ہونے کے بعد ہم اپنے اپنے کمروں کی طرف ہولیے۔

سونیا اکیلی رہ گئی تھی اور بھڑکی ہوئی تھی مگر پھر بھی میں اس کی طرف سے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہتا تھا۔ بلیک کیٹس نے میدان میں آتے ہی جس تیزی سے اول خان کے بازو کو زخمی کرکے ہمارے گھر کا سراغ لگایا تھا اس کے پیش نظر، آنے والے گھنٹوں میں کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ سونیا نے ہمارا گھر دیکھا ہوا تھا۔ اسے یہ معلوم ہوچکا تھا کہ ہمارا گھر اول خان کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ غنیمت یہ تھا کہ ایک جعلی سرویر کو ہمارے گھر میں بھیجنے کے باوجود وہ اس گھر کے مکینوں کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھی۔

چائے کے سروے کے بہانے ہمارے گھر آنے والی لڑکی سے پہلے میرا اور پھر ویرا کا سامنا ہوا تھا۔ اس کے لیے مجھے پہچاننے کا براہ راست کوئی ذریعہ نہیں تھا مگر مجھے یہ خوف تھا کہ بہت روانی سے شستہ اردو بولنے کے باوجود ویرا اس سرویر کی نظروں میں آگئی ہوگی۔ یہ بات سونیا ہی نہیں، ہمارے سارے دشمن جانتے تھے کہ مقامی لب و لہجے میں رواں اردو بولنے والی غیر ملکی لڑکی ویرا ہے۔ وہ دو اور دو چار والا معاملہ تھا۔

اگر سرویر لڑکی نے ان لوگوں کو یہ بتادیا تھا کہ ہمارے گھر میں ایک اردو داں، سفید فام غیر ملکی عورت رہ رہی تھی تو ان کے لیے سب کچھ سمجھ لینا آسان تھا اور اگر سرویر لڑکی نے اپنی بے وقوفی کی بنا پر ویرا کے غیر ملکی ہونے کا اندازہ نہیں لگایا تھا اور اپنے آقا یا آقاؤں کو محض ایک گوری چٹی مقامی عورت اور مرد کی موجودگی کی خبر دی تھی تو پھر معاملہ زیادہ سنگین نہیں تھا۔

وہ دونوں امکانات بہت نازک تھے۔ میں اس بارے میں کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔ ہمارے ساتھ کسی بھی وقت کوئی بدترین صورت حال رونما ہوسکتی تھی۔ بے خبری میں مارے جانے سے بہتر یہ تھا کہ ہم ہر قسم کے نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتے۔

اول خان اسٹیشن فور کا کمانڈر تھا۔ وہ پس پردہ رہنے کی اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود شہر میں بہت زیادہ غیر معروف نہیں تھا۔ بہت سے لوگ اور خاص طور پر ہمارے دشمن یہ جانتے تھے کہ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک اہم اور ذمہ دار افسر تھا۔ بلیک کیٹس نے اسے چلتی گاڑی میں تاک کر زخمی کیا تھا۔ سب کو میری اور جہانگیر کی گہری دوستی کا علم تھا۔ اسی دوستی کی بنا پر جہانگیر کے گھر پر بھی ایک زر خرید سرویر کے ذریعے وار کیا گیا تھا۔ وہ اچھی علامتیں نہیں تھیں۔ ان کے پس پشت کیا عوامل کار فرما تھے، اس کا فوری تعین ممکن نہیں تھا۔ صبح کے اخبارات بازار میں آنے کے چند گھنٹوں بعد ہمیں اپنی صحیح پوزیشن کا اندازہ ہوسکتا تھا۔

اگر سونیا اس گھر میں میری اور ویرا کی موجودگی کے بارے میں جان چکی تھی تو اخبارات میں امریکیوں کا جاری کردہ، انعامی اشتہار دیکھتے ہی اس کو ان لوگوں سے رابطہ کرلینا چاہیے تھا۔ وہ میرے اور ویرا کے لہو کے پیاسے تھے۔ وہ اپنے طور پر کوئی نہ کوئی بڑی کارروائی کر گزرتے۔ اگلا دن

سکون اور عافیت سے گزر جاتا تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ ہمارے
گھر آنے والی تیرو یرے نے سونیا یا ابرار کو کوئی اہم یا قابل ذکر
بات نہیں بتائی تھی۔

میں نے اپنے کمرے میں جانے سے پہلے چھت پر جا کر
ایس ٹی ایف کے دونوں محافظوں سے دوستانہ انداز میں ان
کے آرام اور ضروریات وغیرہ کے بارے میں دریافت کرنے
کے بعد بتایا کہ اگلے چوبیس گھنٹے ہم سب کے لیے بہت کٹھن
تھے۔ ہمیں ہر لمحے ہوشیار رہ کر اپنے اردگرد کے ماحول پر
کڑی نظر رکھنی تھی۔

وہ دونوں بہت سمجھ دار تھے۔ انہوں نے یقین دلایا کہ
مطلع صاف ہونے تک وہ دونوں پلک جھپکائے بغیر، گلی میں
آنے جانے والوں پر نگاہ رکھیں گے۔

ان کو بریف کرنے کے بعد میں کمرے میں پہنچا تو غزالہ
شب خوابی کے لباس میں، سنگھار میز کے سامنے کھڑی اپنے
دراز گیسو ایک جوڑے کی شکل میں سمیٹ رہی تھی۔ میں نے
اس سمیت کسی سے بھی اپنے ان اندیشوں کا تذکرہ نہیں کیا
جو اندر ہی اندر مجھے بے چین کیے ہوئے تھے۔

میں معنی خیز نظروں سے اس کا جائزہ لیتا ہوا، مسہری پر جا
بیٹھا۔ وہ غزالہ کا ایک خاص انداز تھا۔ جب وہ رفاقت کے
کسی اچھے موڈ میں ہوتی تھی تو عام طور پر اسی انداز میں
میرے سامنے آتی تھی۔ میرے ذہن میں شگوفے سے چٹکنے
لگے، اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ کسی کڑے وقت کا پامردی
سے مقابلہ کرنے کے لیے ایک اچھی رفیق حیات کتنی
ضروری بلکہ ناگزیر ہوتی ہے۔ غزالہ میری ذہنی اور جسمانی
ضروریات کا ہر وقت بہت خیال رکھتی تھی۔

میں کپڑے بدل کر بستر پر آیا تو غزالہ نے شوخ لہجے میں
اچانک نادرہ کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ بھی ایک دلچسپ عورت تھی۔
کلفٹن کے علاقے میں ہم کچھ عرصے کے لیے اس کے آراستہ
فلیٹ میں کرایے دار رہے تھے۔ وہ مجھ سے بہت باتیں کرتی
تھی۔ غزالہ کا خیال تھا کہ وہ مجھ پر ریجھ گئی تھی۔

پرانی یادوں کے تازہ ہوتے ہی نئی پریشانیاں میرے ذہن
سے تحلیل ہونے لگیں۔ غزالہ نے بہت خوش اسلوبی سے
مجھے اپنی ہلکی پھلکی گفتگو کے سحر میں لے لیا تھا۔

ہم دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے پھر غزالہ تھک ہار
کر گہری نیند سو گئی۔ کچھ دیر کے لیے میرے ذہن پر بھی غنودگی
کی لہر طاری ہوئی مگر پھر دماغ کے نہاں خانوں میں دبکے ہوئے
خطرات نے سر ابھارا اور میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول
دیں۔

خوف اور خطرے کی حالتوں میں رات کا اندھیر
زور آور ہوتا ہے۔ غنیمت تھا کہ میرے کمرے میں ہلک
روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں آنکھیں کھولے بستر پر پڑ
میرے ذہن میں خیالات کی رو دوبارہ چل پڑی تھی۔
والے وقت کے وسوسوں نے غزالہ کے ساتھ گز
ہوئے وقت کے سرور کو بہت بے رحمی سے نگل لیا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے پہلی گھنٹی
ہونے سے پہلے ہی لپک کر ریسیور اٹھا لیا تاکہ غزالہ کی
نیند خراب نہ ہو۔ دوسری طرف سے اول خان بول رہا
"فون کرنے کے لیے یہ وقت نامناسب ہے مگر
پاس دو اہم خبریں تمھیں جو..."

"کم آن اول خان!" میں نے اس کی بات درمیا
کاٹ دی "ہمارے درمیان ایسے تکلف کا کوئی رشت
ہے۔ جو کہنا ہے، کسی تمہید کے بغیر کہہ ڈالو۔"

"تمہارا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔
آدمیوں نے سونیا کے کپڑے سمیٹ کر احتیاط سے
کردیے تھے۔ میں نے انہیں نکلوا کر دیکھا ہے۔ اس
جامے کے اندرونی حصے پر ایک واٹر پروف یا شاید آل
ٹیگ چسپاں ہے۔ بادی النظر میں وہ زیر جامے بنانے
ٹیگ نظر آتا ہے۔ اس پر دو مہمل سے انگریزی الفاظ
کے نیچے ایک الفانیومریکل کوڈ درج ہے۔ میں کافی
اس میں الجھا ہوا تھا۔ ابھی ابھی عقدہ کھلا ہے کہ دونو
کے حروف ہجی الٹی ترتیب سے لکھے گئے ہیں۔ اس ا
کوڈ کے مطابق سونیا کا اصل نام سیتا کانت اور کوڈ ب
پندرہ ہے۔"

"ویری گڈ!" اول خان کی فراہم کی ہوئی و
واقعی حوصلہ افزا تھی "ابھی تک ان دونوں کے بار
کچھ پتا نہیں تھا۔ اب ہم سیتا کے نام اور کوڈ سے
اٹھا سکتے ہیں۔ بی سی یقینی طور پر بلیک کیٹس کا مخفف
سو پندرہ اس کا نمبر ہے۔"

"بالکل یہی ہے۔" اول خان کی پر زور تائیدی
"سیکرٹ سروسز میں اہم ترین مہمات پر جانے و
شناخت کے لیے کوئی نہ کوئی خفیہ بندوبست کیا جاتا
حادثاتی موت کی صورت میں ان کو پہچانا جا سکے۔ ا
کے لیے زیر جامے کا استعمال پہلی بار میرے سا
ہے۔"

"سیتا اس راز سے بے خبر نہیں رہی ہو گی کہ
اپنے سارے کپڑے چھوڑ بھاگی۔" میں نے اپنی

لمار کیا۔

"کپڑے چھوڑنا اس کی مجبوری تھی۔" قدرے توقف
بعد جواب آیا "اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ اس کی
ن کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ اپنے زیرِ جامے کا ٹیگ
ول گئی ورنہ اس مختصر سے چیتھڑے کو اپنے ساتھ ضرور لے
نی۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ اپنے کوڈنگ ٹیگ کو بالکل
وظ تصور کر رہی ہو۔ اسے گمان ہی نہیں ہوا ہو کہ کوئی
ے پڑھنے اور سمجھنے میں کامیاب ہو جائے گا۔"

"قطعی ممکن ہے۔" اس نے بلا تردد اعتراف کرلیا
یرے آدمیوں نے اس کے کپڑوں کو سیل کر ہی دیا تھا۔ یہ
ری ذہنی اختراع تھی کہ مجھے یہاں آکر ان کو دوبارہ کھلوانا
ور آخر کار مطلوبہ معلومات ہمارے سامنے آگئیں۔"

"انہوں نے اس قدر آسان طریقہ بلکہ کوڈ استعمال
کے اس کی ڈی کوڈنگ کو اور مشکل بنادیا۔ کوئی سوچ بھی
ں سکتا کہ را یا بلیک کیٹس والے اپنے آدمیوں کی بعد از
ے شناخت کے لیے ایسا بچگانہ طریقہ استعمال کریں گے۔
اؤ کہ ابرار کا نام کیا ہے!"

"میں نے اپنے دفتر میں سیتا کانت کا نام دریافت کرتے
تہیں فون کیا ہے۔ ابھی اس کی باری نہیں آئی۔ وہ ہوش
آچکا ہے۔ اب میں اس کی طرف جاؤں گا اور اس کے
ے اتروا دوں گا۔"

میں نے سرعت سے غور کیا۔ اس وقت لے دے کر
ایک شکار ہماری گرفت میں رہ گیا تھا۔ اسے ذرا بھی مس
ل کیا جاتا تو معلومات حاصل کرنے کا ایک معتبر ذریعہ
ے ہاتھوں سے نکل سکتا تھا۔ میں نے ماؤتھ پیس میں کہا
ب میری بھی رات کالی ہوگی۔ میں آرہا ہوں۔ میرے پہنچنے
اسے نہ چھیڑنا۔"

"تم آجاؤ تو ہم ایک اور ایک گیارہ ہو جائیں گے!" اس
آواز مسرت آمیز تھی۔ اس نے میری تجویز کا برا نہیں
تھا۔

"یہ بتاؤ کہ تمہاری سی ایس ڈی تو صحیح کام کر رہی ہے؟"
نے چونک کر پوچھا۔

"بالکل۔ وہ اس وقت بھی آن ہے۔ کیا تم کو اس کی
رت پیش آسکتی ہے۔"

"میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اسٹیشن فور پہنچنے کے
ہی کوئی فیصلہ ہو سکے گا۔ تمہاری دوسری خبر کیا ہے؟"

"تمہاری یہ بات میرے دل میں چبھ گئی تھی کہ کہیں
میرے کسی آدمی نے سیتا کو پناہ نہ دے دی ہو۔ بات سمجھ میں
آنے والی تھی کہ ایک خوب صورت اور بے لباس لڑکی کے
ہزار ہمدرد پیدا ہو سکتے ہیں۔ میں نے یہاں آتے ہی اسٹیشن
فور کا ہر کونا اور کمرا، حتیٰ کہ کباڑ خانہ تک چھان مارا ہے۔
سیتا یہاں نہیں ہے۔"

"میری باتوں کو اپنے دل پر نہ لیا کرو۔ وہ بات میں روانی
میں کہتا چلا گیا تھا۔ مجھے پکا شبہ ہوتا تو میں خود تمہارے ساتھ
گیا ہوتا۔"

"آجاتے تو اچھا تھا۔ شاید سیتا کے نام اور کوڈ کا مسئلہ
جلد حل ہو جاتا۔"

"کچھ نہیں بگڑا۔ میں اب آرہا ہوں۔"

اس سے بات ختم کر کے میں نے خاموشی اور آہستگی سے
بستر چھوڑ دیا۔ میں غزالہ کی بے خبری میں نکل جانے کا ارادہ
کر چکا تھا۔

میں کپڑے تبدیل کر رہا تھا تو ایک مرتبہ پھر فون کی گھنٹی
بج اٹھی۔ میں نے تیزی سے ریسیور اٹھالیا۔ میں حیران تھا کہ
اول خان کو دوبارہ فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔ کہیں
ابرار کے ساتھ بھی کوئی واقعہ پیش نہ آگیا ہو۔

"ابھی کس کا فون آیا تھا؟" میں ویرا کا وہ سوال سن کر
حیران رہ گیا۔

"تم اس وقت کہاں سے فون کر رہی ہو؟" میں نے
قدرے درشت لہجے میں پوچھا۔

"زیادہ بھڑکنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے
ڈرائنگ روم والی لائن سے ڈبل ون ٹو ملا کر گھنٹی بجائی ہے۔"

"اوہ! یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔ اس طرح تو دو
لائنوں کو انٹر کام کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

"بالکل کیا جا سکتا ہے۔ بس ہر بار ایک کال لگ جائے
گی۔ تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"وہ اول خان کا فون تھا۔ میں اسٹیشن فور جا رہا ہوں۔"
میں نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"بس میں بھی دو منٹ میں تیار ہو رہی ہوں۔ مجھے نیند
نہیں آرہی۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

اس کے جانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا تو نقصان بھی
نہیں تھا۔ میں نے کوئی جواب دیے بغیر فون بند کر دیا۔ میں
چند منٹ میں تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلا تو ویرا، سلطان شاہ
کے ساتھ ڈرائنگ روم میں میری منتظر تھی۔

ویرا کے چہرے پر محض بے خوابی کی گرانی کے آثار
تھے۔ سلطان شاہ کی سرخ آنکھیں ویرا کی زیادتی کی چغلی کھا

رہی تھیں۔ اس نے سلطان شاہ کو گہری نیند سے اٹھایا تھا۔ نیند خراب ہونے کی وجہ سے وہ جھنجلایا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی پھٹ پڑا "اسٹیشن فوری طور پر کیا قیامت آگئی جو تمہارا اس وقت وہاں جانا ضروری ہے۔"

"اپنے کمرے میں جاؤ اور دوبارہ سو جاؤ۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں کہا "گھر میں کسی نہ کسی کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کہاں جارہے ہیں تاکہ ہماری گمشدگی کی صورت میں تلاش میں کوئی دشواری نہ ہو۔"

میرے تیور دیکھ کر سلطان شاہ کی تیوریوں کے بل فوری طور پر دور ہوگئے۔ میرے لہجے کی درشتی کی بنا پر اس نے مجھ سے کوئی سوال تک نہیں کیا اور ہم دونوں گھر سے روانہ ہوگئے۔

اول خان نے خوش دلی سے ہم دونوں کا استقبال کیا۔ ویرا کو میرے ساتھ دیکھ کر اسے ذرا بھی تعجب نہیں ہوا تھا۔ میرے ایما پر اس نے فوری طور پر اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم دونوں' وقت ضائع کیے بغیر' اس کی رہنمائی میں ابرار کے سیل کی طرف چل دیے۔

مجھے اول خان سے جو کچھ معلوم ہوا تھا وہ میں نے راستے میں ویرا کو بتا دیا تھا تاکہ وہ بے خبری میں کسی حماقت کا ارتکاب نہ کر بیٹھے۔

"اس نے ہوش میں آنے کے بعد کچھ اودھم مچایا مگر پھر پرسکون ہوگیا۔ ابھی تک اسے صرف ایک بار پانی دیا گیا ہے۔" اول خان نے بتایا۔

"خطرناک مجرموں کا سکون بھی خطرناک ہوتا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ اب کیا بولتا ہے۔" میں نے کہا۔

اس کے سیل کے باہر دو مسلح نگراں موجود تھے۔ ایس ٹی ایف والے ایک شخص نے جونہی دروازے کی کنڈی کھولی' پرانی طرز کے دروازے کے دونوں پٹ کسی نے اندر کی طرف کھینچ کر کھول دیے۔ کھلے ہوئے دروازے کے سامنے ابرار ہمارے مدمقابل سینہ تانے کھڑا تھا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر پڑیں اور وہیں مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ میرے مقدر کی گردش مجھے یہاں لے آئی ہے مگر وقت میرا ساتھ ضرور دے گا۔" اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر' اپنے بازو دباتے ہوئے پراعتماد لہجے میں کہا۔

"پیچھے ہٹو ورنہ مار کھاؤ گے۔" میں نے سختی سے کہا۔ مجھے اس کا لہجہ پسند نہیں آیا تھا۔

اس کے قدموں میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تو میں نے ویرا کو کہنی ماری۔ وہ اچانک اپنی جگہ سے فضا میں ا
اس کے دونوں جوتے پوری قوت سے ابرار کے سینے پ
اور وہ ایک دبی دبی کراہ کے ساتھ پیچھے الٹ گیا۔ ویرا
سے ہوتی ہوئی' دوسری طرف اپنے قدموں پر کھڑی
تھی۔

راستہ بن گیا تھا۔ ہم دونوں بھی کمرے میں
ہوگئے۔ ابرار گٹھے ہوئے جسم کا مالک اور خاصا سخت
تھا۔ دھیرے دھیرے وہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"مظہر خان! تم مجھ سے مارپیٹ کرسکتے ہو۔ مجھ
سے بھی مار سکتے ہو مگر یہ یاد رکھنا کہ اب تمہارا وق
ہوچکا ہے۔ پوری دہلی کو معلوم ہوچکا ہے کہ تم ہی ڈیٹی
نام میرے بڑوں کو شروع سے پسند نہیں ہے۔ وہ
بندوبست کرچکے ہیں۔" اس نے پرسکون انداز میں کہا۔

"تم میرا نام جانتے ہو تو اب اپنا بھی تعارف کرا
میں نے سختی سے مطالبہ کیا۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کہ ا
کوئی آر موڑ اختیار کرنے کے بجائے خود ہی دہلی کا ذک
ایک بہت بڑا اعتراف کرلیا تھا۔ شاید اس طرح وہ غیر
مارپیٹ اور تشدد سے بچنا چاہ رہا تھا۔

"میرا نام ابرار احمد ہے۔ یہ بات تم ہوٹل کے
سے بھی چیک کرسکتے ہو۔" اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی
مسکراہٹ تیرگئی۔

"دہلی والے کسی ابرار احمد کو یہاں نہیں بھیج
میں نے زہریلے لہجے میں کہا "شرافت سے اپنے بار
نہیں بتاؤ گے تو ہم تمہارے ساتھ دوسرے طریقے ا
کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔"

"تم دوسرے طریقے اختیار کرو یا تیسرے' مجھے
بتانا تھا' وہ میں نے بتا دیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میں
بازی ہار چکا ہوں۔ اس کا حساب کوئی اور چکائے گا۔
موت سے خوف زدہ تھا اور نہ زندگی کی بھیک مانگنے پر
آرہا تھا۔ اس سے کچھ اگلوانا جوئے شیر لانے سے
تھا۔

"اپنی ساتھی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"
اس سے اگلا سوال کیا "دہلی کا حوالہ دے کر تم یہ ا
کرچکے ہو کہ تمہارا تعلق انڈین سیکرٹ سروس کے
سے ہے۔ ہماری اطلاع کے مطابق وہاں سے مجھے مار
لیے ایک مرد اور ایک لڑکی کو بھیجا گیا ہے۔"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ تم کو کوئی
ملی ہے تو اسے تلاش کرلو۔" اس نے ڈھٹائی سے جوا

"تم نے میرے سوال کے پہلے حصے کا جواب نہیں دیا۔" میں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"اس کا جواب تمہارے سوال میں موجود تھا۔ تم کو یہ بتانا ضروری تھا تاکہ تم مجھے مارنے کے بعد میری لاش بھارت بھجوا سکو اور وہاں میرا کریا کرم ہو سکے۔ زندگی میں ہماری دشمنی ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ مسلمان کسی مردے کی بے حرمتی نہیں کرتے۔"

"مسلمانوں کا کریا کرم نہیں ہوتا' ان کی تدفین ہوتی ہے۔" میں نے آستینیں سمیٹتے ہوئے' زہریلے لہجے میں اسے بتایا "اب شرافت سے اپنا نام بتا دو ورنہ میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا۔"

ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ روانی میں وہ ایک متضاد بات کہہ گیا تھا مگر اس نے فوراً ہی سنبھالا لے لیا اور بولا جو باتیں تم کو معلوم ہیں' ان کے بارے میں مجھ پر دباؤ نہ ڈالو۔ مجھے جو کچھ کہنا یا بتانا تھا وہ میں کہہ چکا ہوں۔"

میں نے بڑھ کر اس کے منہ پر الٹے ہاتھ کا ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور وہ لڑکھڑا گیا۔ وہ سنبھلا تو اس کے دہانے کے سرے سے خون کی ہلکی سی لکیر نمودار ہو رہی تھی۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔" اس نے اپنا رخسار سہلاتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "مار پیٹ بازاری غنڈوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ یہ حرکتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔"

"تم اپنی موت کے لیے شاید ذہنی طور پر تیار ہو چکے ہو مگر یہ یاد رکھنا کہ وہ ابھی بہت دور ہے۔ تمہیں بتانا ہو گا کہ تم یہاں کس کس سے رابطے میں تھے۔ تم نے زبان نہیں کھولی تو مرنے سے پہلے تم بار بار مرنے کی آرزو کرتے رہو گے مگر زندہ رہو گے۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں اسے دھمکی دی۔

اس بار اس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرائے پھر وہ بولا "تم جانتے ہو کہ تمہیں اس سوال کا جواب نہیں مل سکے گا۔"

"تم ٹھہرو!" مجھے بڑھتے دیکھ کر ایک دم ویرا بول پڑی "میں ابھی اس کا دماغ درست کرتی ہوں۔"

وہ اس پر اپنا پہلا وار کر چکی تھی۔ میں نے سر ہلا کر اسے اشارہ کیا اور اگلے ہی لمحے ویرا نے پھرتی سے پیش قدمی کر کے اس کے بائیں جبڑے پر زوردار مکا رسید کرنے کی کوشش کی۔ وہ جھکائی دے کر خود کو اس وار سے بچا گیا اور ویرا اپنے قدموں پر گھوم کر رہ گئی۔

ابرار کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ باکسنگ میں بھی درک رکھتا تھا لیکن اسے ویرا کے مارشل آرٹس کے کمالات کا صحیح ادراک نہیں تھا۔ وہ ویرا کے مکے سے ضرور بچ گیا لیکن ویرا کی گھومتی ہوئی لات سے محفوظ نہ رہ سکا۔ وہ مکے سے بچنے کے چکر میں نیچے جھکا ہوا تھا اس لیے ویرا کی لات نے اس کے سینے کے ساتھ چہرے کو بھی مجروح کر دیا۔ وہ غراتا ہوا ایک طرف لڑھک گیا۔

اس نے بہت پھرتی کے ساتھ اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر ویرا اسے کوئی موقع دینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے ابرار کے سنبھلنے سے پہلے' اس کے سر پر سوار ہو کر اسے لاتوں اور ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

ویرا کے ان تابڑ توڑ حملوں نے اسے حواس باختہ کر دیا۔ ابتدا میں وہ خود کو ویرا کی مار سے بچانے کی کوششیں کرتا رہا اور ناکامی کے بعد اس نے ویرا کی ٹانگ پکڑنے کی کوشش شروع کر دی۔ وہ کسی طرح اسے فرش پر گرانے کے لیے کوشاں تھا تاکہ اس کے حملوں کا تسلسل توڑ کر خود سنبھالا لے سکے۔

ویرا اس وقت کسی چھلاوے کی طرح حرکت میں آئی ہوئی تھی۔ اس کی لاتیں اتنی تیزی اور قوت سے گردش کر رہی تھیں کہ ابرار پوری کوشش کے باوجود انہیں اپنی گرفت میں لینے میں ناکام رہا تھا۔ کافی دیر تک یک طرفہ مار کھانے کے بعد آخر کار اس کا داؤ چل گیا۔ ویرا کا بایاں پیر ابرار کی گرفت میں آ گیا اور ویرا لڑکھڑا کر فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ ابرار نے اچھل کر اس کے سینے پر سوار ہونا چاہا۔ ویرا اس کا ارادہ بھانپ کر بروقت ایک طرف لڑھک گئی اور وہ اپنے زور میں دوبارہ فرش پر آ رہا۔

وہ ان دونوں کی سخت جانی کا ایک کڑا مقابلہ تھا۔ ایک حریف پٹ رہا تھا' دوسرا مار رہا تھا مگر دونوں ہی ہانپنے لگے تھے۔

اس بار ویرا زیادہ پھرتی نہیں دکھا سکی۔ وہ دونوں تقریباً ایک ساتھ فرش سے اٹھے اور خوں خوار انداز میں ایک دوسرے کے سامنے جم گئے۔

ابرار کی پیشانی پر چمکتے ہوئے پرانے زخم کے نشان کے اردگرد متعدد خون آلود زخم نمودار ہو چکے تھے۔ ویرا کا چہرہ اس وقت تک بالکل محفوظ تھا۔ وہ دونوں مشاق مکے بازوں کی طرح ایک دوسرے کا جبڑا توڑنے کی کوششیں کر رہے تھے مگر دونوں کا ہر وار اپنے حریف کی کلائیوں پر ضائع ہو رہا تھا۔ خاصی مار کھا لینے کے بعد ابرار کو سنبھل کر اپنا دفاع کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

کے بازی کرتے کرتے اچانک ابرار بہت تیزی سے اپنی ہتھیلیاں فرش پر ٹیک کر کولہوں کے بل فرش پر بیٹھا اور اس نے پوری قوت سے اپنی بائیں لات چلادی۔ ویرا کو خطرناک اڑنگا لگا اور وہ سریلی چیخ مارتی ہوئی نیچے گر گئی۔ میں اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس بار ابرار، ویرا پر غالب آتا نظر آرہا تھا۔

میرا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ ابرار نے ویرا کے ہاتھوں بہت مار کھائی تھی۔ وہ اپنا اکلوتا موقع ضائع نہیں کرسکتا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اچھلا اور وحشیانہ انداز میں ویرا پر جاپڑا۔ اس کے بوجھ تلے دب کر ویرا بے ساختہ چیخ پڑی۔ ابرار اس کی گردن اور ٹانگوں میں ہاتھ دے کر اسے بے بس کرنے کے چکر میں تھا۔

بہت زیادہ مار کھالینے کے باوجود ابرار کا سانس نہیں ٹوٹا تھا۔ اس بار وہ ویرا سے اپنا پورا حساب بے باق کرسکتا تھا۔ ویرا کو اس کے چنگل سے بچانے کے لیے میری مداخلت ضروری ہوگئی تھی۔ اسی لمحے ویرا نے اس کے ساتھ نہ جانے کیا حرکت کی کہ وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ ویرا کے جسم سے کئی انچ اوپر فضا میں اچھل گیا۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے ویرا کے بدن میں یکایک اسپرنگ نکل آئے ہیں جنہوں نے دشمن کو اوپر اچھال دیا ہو۔

ویرا بہت پھرتی سے ایک طرف سرک گئی اور ابرار دوسری مرتبہ پختہ فرش پر آرہا۔

ویرا اپنی ٹانگیں کھول کر کسی شہسوار کی طرح ابرار کی پشت پر سوار ہوگئی اور اس کے بال پکڑ کر بے رحمی سے اس کی پیشانی کو بار بار فرش سے ٹکرانا شروع کردیا۔

مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ ابرار دلیر اور بے خوف دشمن تھا۔ وہ بہت زیادہ برداشت کا مظاہرہ کررہا تھا لیکن پیشانی کی مسلسل ضربات نے ذرا سی دیر میں اسے بے حال کردیا۔ اس کی غراہٹیں بتدریج بے ساختہ چیخوں میں بدل گئیں۔

ویرا بہت زیادہ تھک چکی تھی۔ ابرار بھی نڈھال ہوچکا تھا۔ اول خان نے بڑھ کر ویرا کا بازو تھاما اور نرمی کے ساتھ اسے ابرار کی پشت سے اتارلیا۔ وہ اسی حالت میں فرش پر اوندھا پڑا کراہتا رہا۔

"یہ کمینہ آدمی ہے۔ اسے میں اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کروں گی" ویرا ہانپتے ہوئے غصے میں بولی "سمجھ رہا تھا کہ میں عورت ہوں اور یہ اپنی حرکتوں سے مجھے پریشان کردے گا۔"

"اب تم جاکر آرام کرو" میں نے اس کی بات کاٹ کر، آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "ہم اسے برہنہ کرکے اس کے زخموں پر نمک پاشی کریں گے۔ دیکھتے ہیں کہ یہ کب تک سخت جانی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ذرا سی دیر میں اس کے سارے کس بل نکل جائیں گے۔"

ویرا کو علم تھا کہ سیتا کی طرح ابرار کی شناخت بھی اس کے زیر جامے میں لگے ہوئے ٹیگ سے ہوسکے گی۔ وہ کچھ کہے بغیر سیل سے نکل گئی۔

اول خان نے اپنے دونوں آدمیوں کو اندر بلا کر ہدایات دیں۔ ان میں سے ایک نمک اور پسی ہوئی مرچوں کا سفوف لینے چلا گیا۔ دوسرا ابرار کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ابرار زخمی ہونے کے باوجود مزاحمت پر تل گیا۔ اول خان کے ایما پر ابرار کی قمیص پھاڑ کر اس کے بدن سے الگ کردی گئی۔ اس دوران میں دوسرا آدمی کیمپ کے میس سے پسی ہوئی مرچوں اور نمک کی شیشیاں لے آیا۔ وہ اشیا اول خان کے حوالے کرکے وہ بھی اپنے ساتھی کے ساتھ مل گیا۔

اوپری دھڑ برہنہ ہوجانے کے بعد ابرار کی مزاحمت نے وحشیانہ رنگ اختیار کرلیا لیکن اس کی ایک نہ چل سکی۔ ذرا سی دیر میں اس کے بدن سے ہر دھجی الگ کردی گئی اور وہ فرش پر اکڑوں بیٹھ کر ہم سب کو گالیاں بکنے لگا۔ اس کی پشت ہماری طرف تھی۔ وہ اپنے گھٹنوں میں سر دیے دیوار سے لگا بیٹھا تھا۔

ہذیانی گالیاں اس کے اعصاب کی ٹوٹ پھوٹ کی پہلی علامت تھیں۔ وہ ہماری طرف سے غافل تھا۔ میں نے نلکی سے اس کا زیر جامہ اٹھایا تو الاسٹک کے ساتھ ہی مجھے ٹیگ نظر آگیا۔ اس کو پڑھنے کا طریقہ مجھے معلوم ہوچکا تھا۔ اس کی رو سے اس شخص کا نام گوپال راج اور اور کوڈ بی سی ایک سو دس تھا۔

میں نے نائلون کا وہ مضبوط زیر جامہ دوبارہ فرش پر پھینک دیا۔

"اب شری گوپال راج کے زخموں میں نمک مرچ بھرا تاکہ ان کا دماغ کچھ کام کرسکے" میں نے اسے سنانے کے لیے کہا۔

میری زبان سے اپنا نام سن کر وہ یوں اچھلا جیسے اسے اچانک کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔ اس نے پلٹ کر تحیر زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا پھر اس کی نظریں فرش پر پڑے ہوئے کپڑوں پر مرکوز ہوگئیں۔ میرے اس ایک فقرے نے اس کے چہرے سے حوصلے اور ہمت کی ہر علامت رخصت

ہو چکی تھی۔

"اب مجھے کپڑے پہن لینے دو" اس نے ڈھیلی اور نرم آواز میں کہا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرے بارے میں تم اتنا جان چکے ہو گے۔"

میں نے ٹھوکر سے پتلون اس کی طرف اچھال دی "بس یہ پہن لو۔ اس کے بعد نمک پاشی بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"یہ بربریت ہے" وہ عجلت میں پتلون پہنتے ہوئے بڑبڑایا "میرے بارے میں تم جان چکے ہو۔ اب کیا سننا چاہتے ہو؟"

"تمہارے رابطے کیا ہیں۔ یہاں کون کون تمہاری مدد کر رہا تھا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا۔

"کوئی نہیں۔ ہم جہاں جاتے ہیں' اپنے طور پر کام کرنے کے راستے نکالتے ہیں" گوپال اپنے چہرے کے زخموں کو سہلاتے ہوئے بولا۔

"ہم سے تمہاری کیا مراد ہے؟" میں نے جارحانہ انداز میں سوال کیا۔

"ہم... میں اپنے شعبے کی بات کر رہا تھا۔ ہم را کا ایک حصہ ہیں لیکن ہمارا کام کرنے کا انداز جدا ہے۔ ہم متحرک رہتے ہیں۔ اپنا مشن پورا کرتے ہیں اور تیزی سے واپس لوٹ جاتے ہیں۔"

"تمہارے شعبے کا کیا نام ہے" میں اس کے زبان سے اپنے اندازے کی تائید سننا چاہتا تھا۔

"بلیک کیٹس!" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی' شکست خوردہ آواز ابھری۔ اس نے کسی جنگی قیدی کی طرح اپنی پوری شناخت ظاہر کر دی تھی۔

میری اور اول خان کی نگاہیں چار ہوئیں۔ وہ یکایک مطمئن اور آسودہ نظر آنے لگا تھا۔

"اب اپنے رابطوں کی طرف آجاؤ" میں نے سختی سے کہا۔

"میں تمہارے اس سوال کا جواب دے چکا ہوں" اس کی آواز میں دوبارہ ہٹ دھرمی عود کر آئی۔

میں نے اندازہ لگایا کہ وہ بدستور اپنی زبان بند رکھنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے ہمیں صرف اتنا ہی بتایا تھا جو ہم اس کے زیر جامے میں لگے ہوئے ٹیگ کے ذریعے معلوم کر چکے تھے یا کر سکتے تھے۔ اس کے نمبر کے ساتھ بی سی کے حروف واضح طور پر بلیک کیٹس کی نشان دہی کر رہے تھے۔ وہ بات اس نے آسانی سے اگل دی تھی۔ اس سے آگے وہ آسانی سے قابو میں آتا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا۔

"اپنا کام شروع کر دو!" میں نے اشارے کے منتظر آدمیوں کو ہدایت دی۔ وہ دونوں گوپال پر ٹوٹ پڑے۔

وہ مزاحمت پر تلا ہوا تھا۔ کھلے ہوئے زخم صرف اس کے چہرے پر تھے۔ جبری نمک پاشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی آنکھیں بھی متاثر ہو گئیں۔ اس نے کسی بھڑکے ہوئے بھیڑیے کی طرح اچھل اچھل کر پوری قوت سے چیخنا شروع کر دیا۔

رات کے گہرے سناٹے میں وہ چیخیں دور تک سنی گئی ہوں گی۔ چند ثانیوں میں ویرا بھی تماشا دیکھنے کے لیے لوٹ آئی۔ وہ اول خان کے دفتر کے قریب واقع واش روم میں منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہو چکی تھی۔ آتے ہی اس کی نظریں گوپال کی پھٹی ہوئی قمیص' بنیان اور زیر جامے پر پڑیں اور وہ پوری بات سمجھ گئی مگر اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔

نمک اور مرچوں کی جلن کے نتیجے میں گوپال نے گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ ویرا نے لپک کر اس کی پشت پر ایک زوردار ٹھوکر رسید کی۔ وہ بلبلا اٹھا۔ ویرا شاید اس کی مزید تواضع کرتی مگر ہم نے اسے واپس بلا لیا اور پھر ہم تینوں اس سیل سے باہر نکل آئے۔

"گوپال بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے۔ یہ مشکل ہی سے زبان کھولے گا" اول خان بڑبڑایا۔

"اس پر صحیح کام ہو رہا ہے۔ جلد ہی نتیجہ سامنے آجائے گا" ویرا بے پروائی سے بولی "ذرا مجھے وہ کمرا تو دکھاؤ جس کے روشن دان سے سیتا نکل کر فرار ہوئی ہے۔ ابھی تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ وہ اتنے اونچے روشن دان کی سلاخیں اکھاڑ کر کیسے بھاگ گئی۔"

"آؤ!" اول خان نے کہا اور اندھیرے میں ایک طرف ہو لیا۔

ایس ٹی ایف والے بجلی کے غیر ضروری استعمال کے عادی نہیں تھے۔ اس کمرے کے ارد گرد گہرے اندھیرے کا راج تھا۔ اول خان دروازے کی کنڈی کھول کر اندر داخل ہوا پھر اس نے بٹن دبا کر اندر کا اکلوتا بلب روشن کر دیا۔

گوپال کے سیل کے برعکس وہ کمرا اصطبل کی طرح مستطیل تھا۔ کمرے کی چوڑائی کے مقابلے میں اس کی گہرائی زیادہ تھی۔ عقبی دیوار میں لگا ہوا' سلاخوں سے محروم چوکور روشن دان نمایاں تھا۔ ویرا نے ایک نظر اس کا جائزہ لیا اور بولی "اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں سے فرار ہونے کا بہترین موقع میسر تھا۔ اس نے پہلی فرصت میں اس سے فائدہ اٹھا لیا اور روشن دان سے نکل کر باہر پچھلے ہو

اندھیرے میں غائب ہوگئی۔"

"مگر وہ روشن دان تک کیسے پہنچی؟" اول خان نے پوچھا "تم دیکھ رہی ہو کہ کمرا بالکل بے سروسامان ہے۔"

"ابھی بتاتی ہوں" اس نے یہ کہہ کر اپنے پیروں سے جوتے اتار دیے۔ فضا میں گوپال کی آوازیں بدستور گونج رہی تھیں۔

وہ بے ڈھنگا کمرا بمشکل سات آٹھ فٹ چوڑا اور تقریباً چودہ فٹ گہرا رہا ہوگا۔ ویرا نے دروازے کے پاس کھڑے کھڑے روشن دان کا جائزہ لیا اور پھر پوری قوت سے دوڑ لگادی، عقبی دیوار سے ذرا پہلے اس نے فضا میں زقند لگائی اور روشن دان کی چوبی چوکھٹ کا نچلا حصہ مضبوطی سے پکڑ کر جھول گئی۔ لمحہ بھر کے لیے اس نے اپنا توازن درست کیا اور پھر دیوار پر پیر ٹکا کر اپنے پورے وجود کو اوپر اٹھاتی ہوئی آخر کار روشن دان کے خلا میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئی۔

"ویرا بھی آفت کی پرکالہ ہے" اول خان نے مجھ سے ستائشی لہجے میں کہا "سیتا کے فرار کا اس سے بہتر کیا عملی مظاہرہ ہوسکتا ہے۔ میں نے دونوں دیواروں کے درمیانی فاصلے اور جست کے امکان پر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ ویرا نے کسی تربیت یافتہ بندریا کی طرح سارا معما حل کردیا۔"

"بلیک کیٹس بھی ہرکھر طاق ہوتے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ گوپال کتنا اچھا باکسر ہے۔"

اسی اثنا میں ویرا روشن دان سے فرش پر کود کر ہماری طرف آگئی اور بولی "لباس میرے لیے بھی رکاوٹ بنا ہے۔ سیتا کا کام مشکل تھا۔ اسے وہیں لٹکے رہ کر سلاخیں بھی اکھاڑنی تھیں۔ اس کے لیے کپڑوں سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری تھا۔"

"ایسا بھی کیا چھٹکارا کہ اس نے زیر جامے تک اتار دیے" میں نے کہا۔

"وہ یہاں کی نہیں، باہر کی ضرورت تھی۔ وہ یقیناً چوپائے کے روپ میں گئی ہوگی۔ اسے یہ اندازہ تھا کہ انسانی جلد اور کپڑے سے روشنی کا انعکاس مختلف ہوتا ہے۔ کسی اتفاق یا مجبوری کے تحت اسے کسی نیم روشن مقام سے گزرنا پڑتا تو وہ دھجیاں نمایاں ہوسکتی تھیں۔ دنیا کے مہذب ترین جانوروں کے تن پر بھی کوئی کپڑا نہیں ہوتا" ویرا بولی۔

"کپڑے چھوڑ کر جانا اس کی مجبوری اور ہماری ضرورت تھی" اول خان نے ہنستے ہوئے کہا "اس کے کپڑے ہاتھ نہ آئے ہوتے تو ہمارا یہاں تک پہنچنا ناممکن تھا۔"

روشنی گل کرکے ہم باہر آئے تو ویرا نے نیچی آواز میں پوچھا "تم اسے یہ کیوں نہیں بتاتے کہ سیتا پکڑی جاچکی ہے۔"

"میں اس کی زبان سے سب کچھ اگلوانا چاہ رہا تھا مگر اب اسے سیتا کے بارے میں بتانا پڑے گا۔ میں چند ثانیوں پہلے اس نتیجے پر پہنچ چکا ہوں۔"

ہم دوبارہ گوپال کے سیل میں پہنچے تو وہ بری طرح بلبلایا ہوا تھا۔ دونوں محافظ دور کھڑے اس کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں بھنچی ہوئی تھیں۔ وہ بے تکان ہذیان بک رہا تھا اور رہ رہ کر اپنا بدن پیٹ رہا تھا۔ اذیت سے اس کا برا حال تھا۔ زخموں میں لگی ہوئی آگ سرد کرنے کے لیے وہ زخموں کو رگڑ سکتا تھا نہ دبا سکتا تھا۔

"یہ تمہاری پہلی خوراک ہے" میں نے اونچی آواز میں کہا "اس کا اثر کم ہوتے ہی دوسری خوراک دے دی جائے گی۔"

"تم ذلیل، کمینے اور سور کے بچے ہو" اس نے چیخ کر جواب دیا "تم میرے پورے بدن کو نمک اور مرچوں سے بھردو پھر بھی مجھے مجبور نہیں کرسکو گے۔"

"تمہاری تجویز بری نہیں ہے" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "قدرتی راستے زخموں سے زیادہ موثر ثابت ہوسکتے ہیں۔ ناک، کانوں اور دہانے میں مرچوں کی دھانس زیادہ اثر کرے گی۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبا کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔

"تم بولو یا نہ بولو، سیتا کانت بول پڑی ہے۔ اس نے بہت کچھ اگل دیا ہے۔" قدرے توقف کے بعد میں نے اس پر انکشاف کیا تو اس کی سوجی ہوئی سرخ آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

"تم جھوٹے ہو۔ یہاں سیتا کانت کا کوئی وجود نہیں ہے" اس نے بے اعتباری سے کہا۔

"وہ سونیا کمال کے نام سے تمہارے پڑوس کے کمرا نمبر سات سو چار میں ٹھہری ہوئی تھی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان کے دونوں ناموں کے مخفف ایس کے بنتے ہیں۔"

"اوہ! تو وہ واقعی پکڑی گئی" اس نے بے ساختہ کہا "تم مجھے اس سے ملوا سکتے ہو۔" سیتا کے بارے میں خبر سن کر وہ عارضی طور پر اپنی ہر تکلیف کو بھول گیا تھا۔ اس کی آنکھیں خون کبوتر کی طرح سرخ ہو رہی تھیں جن میں گہری اذیت تیر رہی تھی۔

"فی الحال ہم تمہاری کہانی سننا چاہتے ہیں تاکہ سیتا کی

بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق ہوسکے۔ اس کے بعد فیصلہ کیا جائے گا کہ تمہاری اور اس کی ملاقات ہوسکتی ہے یا نہیں۔"

"اس نے اپنی زندگی گزاری ہے میں نے اپنی۔ ہم دونوں کی کہانیاں الگ الگ ہوں گی" اس نے پھر قلابازی کھائی۔

"ہم کو تم دونوں کی آپ بیتیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے" اول خان غصیلی آواز میں بولا "یہ معمولی سی بات تم بھی سمجھتے ہو کہ ہمیں کیا درکار ہے۔"

"اور کان کھول کر سن لو کہ وہ کوبرا کے بارے میں بتاچکی ہے" ویرا نے لقمہ دیا۔ ایک بار حکمتِ عملی طے ہوجانے کے بعد سب کو زبان کھولنے کا موقع مل گیا تھا۔

"کوبرا!" اس کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "سیتا اتنی کچی نہیں ہے کہ اتنی آسانی سے یہ نام اگل دیتی۔"

"تم کو اندازہ ہوجانا چاہیے کہ پچھلے چند گھنٹوں میں وہ کیسے کرب سے گزری ہوگی" ویرا بولی "اسے زبان کھولنے پر مجبور کردیا گیا تھا۔ تم بھی ان ہی مرحلوں سے گزارے جاؤ گے۔"

"وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکی ہوگی۔ ہم دونوں کے لیے کوبرا صرف ایک نام تھا" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ راہ پر آگیا۔

"وہ ایک نام تھا۔ سر سے پیر تک سیاہ نقاب اور لباس میں ملبوس ہوکر مقررہ وقت پر ہوٹل کے ایک کمرے میں تم سے ملتا تھا۔ یہ سب ہمیں معلوم ہوچکا ہے" میں نے سخت اور غصیلے لہجے میں کہا "یہ سب باتیں ہمارے علم میں ہیں۔ اب تم ہمارے صبر کا امتحان نہ لو۔ اس سے پہلا رابطہ ہونے سے اب تک کی کتھا دہرا ڈالو۔"

وہ دیکھ چکا تھا کہ ہم اس کے ساتھ ہر سفاکانہ رویہ اختیار کرنے کا تہیہ کرچکے تھے۔ اس نے اپنے زخموں کو سہلا کر اور کئی بار پہلو بدل کر اپنے حواس مجتمع کیے پھر کہنا شروع کیا "ہم موناباؤ کی طرف سے اونٹ پر سفر کرکے سرحد پار آئے تھے۔ کراچی تک پہنچنے میں ہمیں دو دن لگ گئے۔"

"تو کیا تم اونٹ پر ہی کراچی پہنچے تھے؟" ویرا نے ترشی سے پوچھا۔

"اونٹ پر ہم نے صرف سرحد پار کی تھی" اس کا سارا کس بل ختم ہوچکا تھا۔ "ہم مسلسل سفر کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ہمیں راستے میں رکنا پڑا۔ ہم بسوں اور ٹرین میں سفر کرتے ہوئے کراچی تک آئے تاکہ کسی کو ہماری منزل اور ارادوں کی بھنک نہ مل سکے۔ کراچی میں ہمارے پاس صرف ایک فون نمبر تھا جس پر ہمیں کوبرا سے رابطہ کرنا تھا۔"

"وہ فون نمبر بتاؤ" میں نے اس کی بات کاٹ کر مطالبہ کیا۔

"وہ کوئی سیٹ لائٹ فون نمبر تھا۔ اس وقت مجھے یاد نہیں ہے" اس نے عذر پیش کیا۔

"ذہن پر زور دو ورنہ تم جانتے ہو کہ کیا ہوگا؟" میں نے اسے دھمکی دی۔

ایک دفعہ پسپائی کی راہ اختیار کرلینے کے بعد اس کے پاس کوئی متبادل راستہ نہیں رہا تھا۔ اسے ہر حال میں میرا دباؤ قبول کرنا تھا۔ سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون نمبر کا حصول میرے لیے بہت اہم تھا۔ اس کے حصول کے لیے اول خان بھی کوشاں تھا لیکن گوپال اس سلسلے میں سب سے آسان ذریعہ تھا جو ہماری گرفت میں آیا ہوا تھا۔

وہ اپنے زخموں میں نمک اور مرچوں کی جلن سے سخت بے چین تھا مگر اس کی گفتگو کے تسلسل سے یہ ثابت ہوگیا تھا کہ اس کی ساری چیخ وپکار محض نفسیاتی تھی۔ ذہنی طور پر مایوسی اور بے بسی کا شکار ہونے کے بعد اس نے غل غپاڑے کا سہارا لیا ہوا تھا ورنہ وہ جلن اس کی برداشت سے باہر نہیں تھی۔

وہ کچھ دیر تک سوچنے کی اداکاری کرتے ہوئے بڑبڑاتا رہا۔ اس کے لیے اپنے جھوٹ کا بھرم رکھنا بھی ضروری تھا۔ آخر کچھ دیر بعد اس نے چونک کر کہا "یاد آگیا" اس کے ساتھ اس نے نمبر دہرادیا جو اول خان نے اسی وقت جیب سے ایک کاغذ نکال کر نوٹ کرلیا۔

"ہاں، تو تم نے اس فون نمبر پر اس سے رابطہ کیا۔ پھر کیا ہوا؟" میں نے اسے خاموش پاکر ٹوکا۔

"ہمیں فوری طور پر کراچی میں اپنا سر چھپانے کے لیے کوئی محفوظ ٹھکانا درکار تھا تاکہ ہم وہاں سے اپنا کام جاری رکھ سکیں۔ اس نے ہمیں ارجن کمار سے ملنے کی ہدایت کی۔ وہ اپنے ہوٹل میں مختارِ کل تھا۔ اس نے کسی قسم کی دستاویزی شناخت کے بغیر ہمیں ہوٹل میں کمرے مہیا کردیے" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگیا۔

"بولتے رہو، درمیان میں رکنے کی ضرورت نہیں" ویرا غرائی "ساری ہدایات تمہیں کوبرا ہی دیتا رہا ہوگا۔"

"ہمیں کسی سے ہدایات لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم اپنا ایک مشن لے کر آئے تھے۔ ہمیں ڈینی کو مار کر واپس لوٹ جانا تھا۔ ہم کسی سے براہِ راست رابطے میں نہیں تھے۔ یہاں کے حالات را والوں کے لیے بہت مخدوش تھے۔ ہمیں

... سے دور رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ہم روزانہ کوبرا کو اپنی رپورٹ دیتے تھے جو وہ اپنے رابطوں کے ذریعے دہلی پہنچا دیتا ہوگا۔"

"اپنے مشن کے بارے میں تم نے کیا' کیا۔ ڈیبی کو خراش تک نہیں آئی مگر میرا بازو زخمی ہوگیا" اول خان نے پوچھا۔

"ڈیبی زیر زمین تھا۔ تم اور جہانگیر ہمارے سامنے تھے۔ تم دونوں میں سے کسی ایک کے ذریعے ڈیبی تک رسائی ممکن تھی" اس نے دھیمی آواز میں کہا "دورانِ سفر سیتا نے فائر کرکے تمہیں دانستہ زخمی کیا تھا۔ یوں گلشن کا ایک گھر ہماری نظروں میں آگیا۔ ہم نے دو لڑکیوں کو الگ الگ اس گھر میں اور جہانگیر کے فلیٹ پر بھیجا لیکن وہ دونوں ناکام لوٹیں۔"

وہ بالکل وہی سب بتا رہا تھا جو پہلے ہی ہمارے ذہنوں میں آچکا تھا۔ مجھے یہ جان کر سکون ہوا تھا کہ اس نے سروری لڑکیوں کو ناکام قرار دیا تھا۔ یقینی طور پر سیتا کی بھی وہی رائے رہی ہوگی۔ ہمارے گھر آنے والی ناتجربہ کار اور ضرورت مند لڑکی نے ویرا کے رنگ اور خدوخال کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ صبح کے اخبارات میں ہمارے بارے میں اشتہار شائع ہونے کے بعد سیتا امریکیوں کو ہمارے گھر کی طرف متوجہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ وہ ایک بہت بڑا اور سنگین خطرہ تھا جو سر سے ٹلتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"لڑکیوں کی ناکامی کے بعد کوبرا نے تمہیں کیا مشورہ دیا تھا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"چھپے ہوئے دشمن سے ہر ایک خوف زدہ رہتا ہے۔ کوبرا بھی پریشان تھا۔ صرف میں تمہیں پہچانتا تھا کیونکہ میں نے دہلی میں تمہیں مظہر خان کے روپ میں دیکھا ہوا تھا۔ کوبرا اور سیتا کے لیے تم صرف ایک نام تھے۔ اس کی رائے تھی کہ اول خان کو اٹھالیا جائے اور اس کے ذریعے تم تک پہنچنے کے بعد خاموشی سے اسے ماردیا جائے" گوپال نے میرے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔ وہ سب اگلنے سے پہلے اس نے مجھ سے اپنی زندگی کے بارے میں کوئی یقین دہانی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ہمیں جو کچھ کرنا ہوگا' ہر حال میں وہی کریں گے۔ ضرورت کے تحت استعمال کیے گئے کھوکھلے الفاظ کسی بھی طرح اس کی زندگی کی ضمانت نہیں بن سکتے تھے۔ صاف اور سیدھی باتیں کرکے وہ اپنی رہی سہی زندگی کو دردناک بننے سے بچا سکتا تھا۔

کوبرا کا ارادہ بہت بھیانک تھا۔ میں نے پوچھا "وہ تم سے ہوٹل کے کس کمرے میں ملتا تھا؟"

"اس سوال کا بلکہ سارے سوالوں کے جواب تمہیں سیتا سے بھی مل چکے ہوں گے پھر تم مجھے اتنا کیوں کرید رہے ہو؟" میں نے بے بسی سے سوال کیا۔

"تمہاری سچائی پرکھنے کے لیے تم دونوں کے جوابوں کا موازنہ ضروری ہے" میں نے کہا "وہ جرح سے گزر چکی۔ اب تمہاری باری ہے۔"

"ہر بار نیا کمرا ہوتا تھا۔ وہ ملاقات سے پندرہ منٹ پہلے ہوٹل کے انٹرکام پر مجھے اپنے کمرے کا نمبر بتاتا تھا" گوپال نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

سوبھراج بہت چالاک تھا۔ وہ حشمت کے نام سے ہوٹل کے جس کمرے میں ٹھہرتا تھا اسی میں کوبرا بن کر گوپال سے ملتا تو اسے لامحالہ یہ معلوم ہوجاتا کہ حشمت ہی کوبرا ہے۔ وہ ارجن کا قریبی دوست تھا اس لیے کوبرا بن کر تھوڑی دیر کے لیے ہوٹل کا کوئی بھی خالی کمرا استعمال کرلیتا ہوگا۔ یہ راز اس کے اور ارجن کے درمیان رہتا تھا۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلتا ہوگا کہ سوبھراج ہوٹل میں کیا کھیل کھیل رہا تھا۔

"کوبرا کے علاوہ کراچی میں تمہارے اور کن لوگوں سے رابطے تھے؟" میں نے ایک نئی سمت میں پیش قدمی کی نیت سے پوچھا۔

"میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ ہم کسی اور سے رابطے میں نہیں تھے" اس نے جھلا کر جواب دیا "ہمیں اپنے ہر آدمی سے دور رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ کوبرا جیسے کسی سہارے کے لیے ہم مجبور تھے۔ اس کے بغیر ہمیں کوئی ٹھکانا نہیں مل سکتا تھا۔"

"لیکن سیتا ہوٹل میں لڑکوں کے ساتھ تفریح کرتی رہتی تھی" میں نے محتاط الفاظ میں کہا۔

"لڑکوں کے ساتھ نہیں' اس نے صرف ایک لڑکے سے وقت گزاری کے لیے دوستی کی تھی۔ اس بارے میں وہی تم کو جواب دے گی۔"

"بار بار اس کا ذکر مت کرو" میں نے بے اعتنائی سے اسے ڈانٹ دیا "جو سوال تم سے کیا گیا ہے' اس کا جواب دو' وہ لڑکا کون ہے؟"

"گلاب خان نامی کسی ٹرانسپورٹر کا بیٹا ہے۔ یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہے" اس نے کہا "یہ باتیں سیتا نے مجھے بتائی تھیں۔ وہ عمر میں سیتا سے چھوٹا ہے اور بہت سنجیدگی سے اسے اپنانا چاہتا ہے۔" سیتا دل کھول کر اس سے کھیل رہی تھی۔

اس شام کا واقعہ میرے ذہن میں تازہ تھا۔ سرور نے سیتا کو ہوٹل کے کیفے میں شاید اسی لڑکے کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ میرے لیے اس بارے میں گوپال کا جواب کافی تھا۔ مزید کریدنے کی صورت میں کوئی نہ کوئی خرابی پیدا ہونے کا احتمال تھا۔

مجھے خاموش پاکر ویرا کو بولنے کا موقع مل گیا "یہ سب باتیں ہوگئیں۔ اب ذرا میری بھی ایک الجھن دور کردو۔ تم جہانگیر کے گھر کیسے پہنچ گئے؟"

اس نے ٹکٹکی باندھ کر ویرا کو گھورا پھر بولا "مجھے تم دونوں سے عداوت ہے مگر میں پھر بھی تمہارے سوالوں کے جواب دینے پر مجبور ہوں۔ جہانگیر روپوش نہیں ہے۔ کھلی زندگی گزارتا ہے۔ دواؤں کی دکان چلا رہا تھا۔ ذرا سی محنت سے اس کا پتا مل گیا۔ میں نے تمہاری الجھن دور کردی اب تم بھی میری سب سے بڑی الجھن دور کردو۔ مجھے یہ بتادو کہ مجھے کب تک زندہ رکھا جائے گا؟"

"کیا تم اپنی زندگی سے اتنے ناامید ہو؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"جب ڈینی نے میرے ہوٹل کے کمرے میں مجھے زیر کیا تھا' میں نے اسی لمحے اپنی زندگی کی ہر آس توڑدی تھی۔ پتا نہیں میں اب تک کیسے زندہ ہوں؟"

"زندگی سے اتنے مایوس ہو تو یہ سب باتیں کیوں بتا رہے ہو؟" اول خان کے اس بے تکے سوال پر میں غصے سے بل کھا کر رہ گیا۔

"تم لوگ بہت ظالم اور سفاک ہو۔ میں اپنی زندگی کے آخری دنوں یا گھنٹوں کو دردناک نہیں بنانا چاہتا۔ جب سیتا نے سب کچھ تمہیں بتا ہی دیا ہے تو میں کیوں اکیلا پستا رہوں۔ میں سارے بھارت کا ٹھیکے دار تو نہیں ہوں" اس کی آواز میں ایک ہولناک لاتعلقی اتر آئی تھی۔

گوپال کا جواب سن کر میرا غصہ زائل ہوگیا۔ موت کو سر پر منڈلاتا ہوا دیکھ کر اس نے اپنی ذات میں سمٹنا شروع کردیا تھا۔ کسی براہِ راست سوال کے بغیر وہ اپنے خول سے باہر آکر اس ذہنی کیفیت کا اظہار نہیں کرسکتا تھا۔

"اس کے زخموں کو دھو کر اچھی طرح صاف کردو اور کھانا بھی دے دو" میں نے ایس ٹی ایف کے آدمیوں کو ہدایت دی۔

میں واپسی کے لیے مڑا اور پھر پلٹ پڑا۔ واقعات اتنی تیزی کے ساتھ رونما ہوئے تھے کہ بہت سی باتیں میں ذہن میں دھندلا گئی تھیں۔ میں نے گوپال کو گھورتے ہوئے درشت لہجے میں پوچھا "آج شام تم نے صدر کے علاقے کے ایک پیشاب خانے میں کس کی ہدایت پر بم رکھا تھا؟"

"یہاں دہشت پھیلانے کے لیے وہ میرا اپنا خیال تھا جس کی کوبرا نے تائید کی تھی۔"

"سیتا اس پروگرام سے بے خبر کیوں تھی؟" میں نے اسے سلگانے کے لیے سوال کیا۔

"وہ جھوٹی ہے۔ اپنی کھال بچانے کے لیے جھوٹ بول رہی ہے" وہ غصے سے تقریباً چیخ پڑا "اسے ایک ایک بات کا پورا علم ہے۔"

"اسے اس جھوٹ کا خمیازہ بھگتنا ہوگا" میں نے سرد لہجے میں کہا "اب یہ بتاؤ کہ تم نے ہوٹل کے پبلک فون بوتھ سے ساڑھے چھ بجے کسے فون کیا تھا؟"

"وہ طے شدہ فون کال تھی۔ اس وقت مجھے کوبرا سے بات کرنی تھی" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"اس گفتگو کا موضوع کیا تھا؟" میں نے زور دے کر سوال کیا۔

"میرا رکھا ہوا ٹائم بم پانچ بجے پھٹنا تھا۔ ساڑھے چھ بجے مجھے کوبرا سے اس کے نتیجے کی اطلاع ملنی تھی۔ اس نے بتایا کہ مقررہ جگہ پر کوئی دھماکا نہیں ہوا۔ میرا ماتھا اسی وقت ٹھنک گیا تھا کہ کوئی ہمارے پیچھے لگ چکا ہے۔ جس نے بروقت بم کو ناکارہ بنادیا ہوگا" اپنے تحفظ کے لیے وہ ہر بات بلا تکان اُگلے جارہا تھا۔

"اس ناکامی پر کوبرا برہم ہوا ہوگا؟" میں نے تصدیق چاہی۔

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "وہ مایوس ضرور ہوا تھا' اسے مجھ پر برہم ہونے کا حق نہیں تھا۔"

وہ مسلسل اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ اس کے لیے کوبرا پیچ کا ایک آدمی تھا جو ان دونوں اور دہلی کے درمیان رابطے کا کام انجام دے رہا تھا۔ اسے کراچی آئے ہوئے بلیک کیٹس پر کسی قسم کی کوئی بالادستی حاصل نہیں تھی۔ وہ دونوں پوری رازداری کے ساتھ کراچی آئے تھے اور اپنا مشن پورا کرکے دہلی لوٹ جانے والے تھے جبکہ حقائق اس کے بالکل برعکس تھے۔

کوبرا کے نک سے اتنے گہرے مراسم تھے کہ وہی نک کی فیلڈ فورس کا نگراں تھا اور نک مجھے کرنل داور کے روپ میں ایس ٹی ایف سے توڑ کر اسی کی تحویل میں دینا چاہ رہا تھا۔ کوبرا نے نک کو بلیک کیٹس کی آمد اور پروگرام سے اس حد تک باخبر رکھا ہوا تھا کہ نک نے انہیں ڈینی کے لہو کے اسے

پاسوں کا خطاب دیا تھا جو اپنے حریف کو سنبھلنے کی مہلت دیے بغیر اس پر مہلک وار کرتے ہیں اور اس کا کام تمام کرکے بڑی سے غائب ہو جاتے ہیں۔

جب میں نے نک کو یہ بتایا کہ بلیک کیٹس وہاں نہیں تے جہاں ان کو رکھا گیا تھا اور ڈینی اپنے لہو کے پیاسوں کو خاموشی سے لے اڑا تھا تو نک حواس باختہ ہو کر یہ تک بھول گیا تھا کہ وہ کرنل داور سے کس موڈ اور انداز میں باتیں کرتا رہا تھا۔ اس کی وہ بدحواسی بلیک کیٹس کے مشن سے اس کی گہری جذباتی وابستگی کی غماز تھی جسے جھٹلانا ممکن نہیں تھا لیکن میں نے اس مرحلے پر وہ باتیں گوپال کے علم میں لانا مناسب نہیں سمجھا۔

صدف مینشن کی طرح اسٹیشن فور کا ماحول بہت زیادہ خطرناک اور اعصاب شکن نہیں تھا لیکن میرا تجربہ بتاتا تھا کہ یہاں آنے والوں کے بہت جلد چھکے چھوٹ جاتے تھے۔ ماضی قریب میں وہاں آنے والوں میں سے کوئی بھی زیادہ دیر تک ہمارے تشدد اور نفسیاتی حربوں کے سامنے نہیں ٹھہر سکا تھا۔ یہی حال گوپال کا بھی ہوا تھا۔

ابتدا میں وہ بہت ڈھیٹ، سخت جان اور ضدی نظر آیا تھا لیکن اپنی زبان اور حلق کی ساری قوتیں آزادانہ طور پر استعمال کرکے اس نے سمجھ لیا کہ اس بند کوٹھڑی کے بے تم در و دیوار کے باہر اس کی صدائے درد کوئی نہیں سنے گا جب اس نے یہ سنا کہ سیتا کانت نے پکڑے جانے کے بعد سب کچھ اگل دیا ہے تو وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا۔ میں نے سیتا کے حوالے سے اسے چند ایسی کلیدی باتیں بتائیں جو ہمارے اندازوں اور مشاہدوں کا نتیجہ تھیں۔ سیتا ہمیں ایک لفظ بھی بتائے بغیر، ایس ٹی ایف کی قید سے فرار ہو چکی تھی لیکن اس کا نام استعمال کرنے کا مثبت نتیجہ ہمارے سامنے تھا۔ گوپال راج یکایک بولنے پر آمادہ ہو گیا تھا اور مسلسل بولے جا رہا تھا۔

اسے تشدد سے زیادہ سیتا کے مفروضہ انحراف نے دل شکستہ کیا تھا۔

"اب غور سے میری بات سنو اور پوری ایمان داری سے بتاؤ کہ اگر تم کو یہاں سے نجات مل جائے تو تم کہاں جاؤ گے۔" میں نے اس سے پوچھا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور طنز سے سوال کیا "اب تم میرا مضحکہ اڑا رہے ہو۔ کیا یہاں سے نجات ملنی ممکن ہے!" اس کا مجروح اور متورم چہرہ حیرت سے مزید بگڑ گیا تھا۔

"تم فرار ہو سکتے ہو۔ تم نے تعاون کیا ہے۔ میں تم کو رہا بھی کر سکتا ہوں۔"

اس نے زہریلے انداز میں ہنس کر میری بات اڑا دی "تم اور مجھے رہا کر سکتے ہو! ڈینی! یہ باتیں مجھے نہ سناؤ۔ میں تمہاری حرکتوں اور شعبدوں کے بہت چرچے سن چکا ہوں۔"

"چلو، ایسا نہیں ہوگا۔" میں نے بحث میں پڑنے کے بجائے بات سمیٹی "بالفرض محال ہو ہی جائے تو تم کہاں جاؤ گے۔"

"میرے پاس کوئی محفوظ ٹھکانا ہوتا تو وہاں قدم جما کر دوبارہ تمہاری تلاش شروع کر دیتا مگر ایسا نہیں ہے۔ کوبرا پر مجھے بھروسا نہیں ہے۔ سارا بگاڑ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس کی کسی غلطی سے ارجن مارا گیا اور وہیں سے ہماری بازی بگڑتی چلی گئی۔ اس سے دوبارہ رجوع کرنے کے بجائے میں خاموشی سے سرحد پار نکلنے کو ترجیح دوں گا۔"

"اور یہی صورت سیتا کے ساتھ پیش آئے تو کیا ہوگا؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"تم نے اس سے یہ سوال پوچھا تھا؟" گوپال نے اپنی نظریں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔

"نہیں!" میں نے پوری ایمان داری سے اپنا سر ہلا دیا "یہ خیال مجھے ابھی آیا ہے۔"

"وہ رنگین مزاج ہے۔" گوپال نے تلخی سے کہا "اسے خوب صورت لڑکی ہونے کے سارے فائدے حاصل ہیں۔ وہ سیدھی اپنے عاشق کے پاس جائے گی اور کچھ روز تک اس جوان لڑکے کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے بعد وہ تمہیں مارنے کی کوشش کرے گی یا سرحد پار نکل جائے گی۔"

"تو کیا وہ بھی کوبرا سے رجوع نہیں کرے گی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ شاید اسے فون کر لے لیکن اس کے کسی مشورے پر اعتبار نہیں کرے گی۔ کوبرا کے بارے میں جو کچھ میں نے کہا ہے وہی سیتا کی بھی رائے تھی۔ ارجن کے مارے جانے کے بعد وہ ہم سے نہیں ملا۔ ان دونوں میں گہرا تعلق تھا۔ ارجن کی موت نے مجھے اور سیتا کو تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔" گوپال نے بتایا۔

"شکریہ گوپال!" میں نے نرمی سے کہا "تم قیدی ضرور ہو مگر مراعات یافتہ۔ تمہیں کسی دوسرے کمرے میں بستر کے ساتھ سہولتیں بھی فراہم کی جائیں گی۔"

ہم تینوں اس کے تنگ سیل سے باہر نکل آئے۔

"کمال ہو گیا۔" سیل سے کچھ دور نکل آنے کے بعد

ویرا نے مسرت آمیز حیرت سے کہا "مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اس قدر کھل کر بولنے پر آمادہ ہو جائے گا۔"

"وہ کھل کر بولنے یا خاموش رہنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ڈینی نے اس کے ذہن میں یہ خوف بٹھا دیا تھا کہ سیتا اپنی زبان کھول چکی ہے۔ اسے خوف لاحق ہو گیا تھا کہ وہ کہیں بھی جھوٹ بولا تو سیتا کے بیان کی روشنی میں ہم اس کا جھوٹ پکڑلیں گے اور وہ دوبارہ تشدد کا شکار ہو جائے گا۔" اول خان نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"سرور اور اس کے آدمی کیا کر رہے ہیں۔" میں نے اول خان سے پوچھا۔

"ریلوے اسٹیشن کے آس پاس واقع، سستے رہائشی ہوٹلوں میں سیتا کو تلاش کر رہے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"کسی کو بلکہ سرور کو ہی گلاب خان ٹرانسپورٹر کی تلاش پر مامور کر دو۔ گوپال نے اس کے لڑکے کی صحیح نشان دہی کی ہے۔ سرور نے سیتا کو بہت قریب سے دیکھا ہوا ہے۔ وہ وہاں ہوئی تو سرور اسے آسانی سے پہچان لے گا۔"

"وہ وہاں کیسے جا سکتی ہے۔ وہ جس حالت میں بھاگی ہے' اسے راستے ہی سے کسی نے اچک لیا ہوگا۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

"وہ کوئی عام عورت نہیں' بلیک کیٹ ہے۔ اپنے بدن کی رشوت دے کر اس نے اپنے ہمدرد کو گھن چکر بنایا ہوگا اور پھر اپنی راہ ہولی ہوگی۔" میں نے زور دے کر کہا "گوپال نے اس کے بارے میں بالکل صحیح اور بے ساختہ نشان دہی کی ہے۔ اس وقت وہ وہیں روپوش ہو سکتی ہے۔"

گوپال سے ہونے والی پوری گفتگو بہت اہم رہی تھی۔ اس نے سیتا کے ممکنہ ٹھکانے کی نشان دہی کرنے کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ سیتا ہمارے بارے میں امریکیوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ ہمیں دونوں بلیک کیٹس کے نام اور کوڈ معلوم ہو گئے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ہمیں سوبھراج یا کوبرا کا سیٹ لائٹ فون نمبر مل گیا تھا جس کے لیے اول خان بھی پریشان تھا۔

رات بہت گہری ہو چکی تھی۔ مجھے شدت سے بستر کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔ یہی حال ویرا کا بھی تھا۔ تکان کی وجہ سے ہم تینوں میں سے کوئی بھی مزید ذہنی یا جسمانی مشقت برداشت کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ ہم صرف اتنی دیر کے لیے اول خان کے دفتر میں رکے کہ وہ اپنے ریڈیو روم کے عملے کے ذریعے سرور کو تلاش کر سکے۔ ذرا سی دیر میں اول خان کے دفتری ٹیلی فون پر سرور کی کال آ گئی۔ اسے اس وقت تک سیتا کی تلاش کی مہم میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

اول خان نے اسے گلاب خان ٹرانسپورٹر کے بیٹے کی تلاش کے بارے میں مختصر مگر جامع ہدایات دیں پھر ہم واپسی کے لیے اٹھ گئے۔

○☆○

وہ بہت بڑا گھر نہیں تھا لیکن مناسب رقبے پر بہت قرینے سے بنایا گیا تھا اور باہر سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ اس گھر کے مکین اپنے ذوق کی تسکین کے لیے وافر وسائل کے مالک تھے اور اپنے ان وسائل کو استعمال کرنے کا سلیقہ بھی جانتے تھے۔

میں نے کنکریٹ کے ستون پر لگا ہوا' گھنٹی کا بٹن دبایا تو لمحہ بھر بعد ہی سیاہ آہنی پھاٹک کا دروازہ کھول کر ملیشیا کی قمیص شلوار میں ملبوس ایک روایتی پٹھان برآمد ہوا "آپ لوگ کو کس سے ملنا ہے۔" اس کے منہ سے قواعد سے آزاد مگر صاف ستھری اردو سن کر مجھے خوشی ہوئی۔

"ہمیں سربلند خان سے ملنا ہے۔" سلطان شاہ نے بہت نرم آواز میں کہا۔

اچانک اندر سے ایک درشت مردانہ آواز ابھری۔ الفاظ میرے لیے نامانوس تھے مگر وہ گلاب خان ٹرانسپورٹر کا لہجہ تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ اندر سے پشتو میں سوال کیا گیا تھا۔ ہمارا مخاطب اس آواز پر پلٹ کر پشتو ہی میں کچھ بولا۔ اس کے کہے ہوئے فقرے میں صرف سربلند خان کا نام میرے پلے پڑ سکا۔

سلطان شاہ ان مکالموں کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔ اپنے مخاطب کی بات پوری ہوتے ہی وہ مدافعانہ انداز میں بولا۔ "برادر خان! ہم چھوٹے خان کے دشمن نہیں' دوست ہیں اور اس سے ذرا سی دیر کے لیے ملنے کے لیے آئے ہیں۔"

اندر کے پختہ فرش پر قدموں کی وزنی آہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ چند ثانیوں بعد ایک دراز قامت' سرخ و سفید اور پرشکوہ شخص ہمارے سامنے آ گیا جس کی کنپٹیوں کے بالوں میں عمر اور تجربے کی سفیدی جھلکنی شروع ہو گئی تھی۔ ملیشیا کے کپڑوں والے نے جس ادب واحترام سے اس کے لیے جگہ چھوڑی تھی اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ نوواردہی صاحب خانہ یعنی گلاب خان ہو سکتا تھا۔

اس نے آتے ہی اونچی آواز میں السلام علیکم کہہ کر اپنا داہنا ہاتھ مصافحے کے لیے میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے وعلیکم السلام کہہ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی ہتھیلیاں بہت زیادہ بھری ہوئی اور نرم تھیں مگر اس کے ہاتھ کی گرفت

میں مجھے اپنے ہاتھ کی ہڈیاں چٹختی سی محسوس ہوئیں۔ اس کے ہونٹوں پر تیکھی سی دوستانہ مسکراہٹ تھی مگر اس کی عقابی آنکھیں بہت غور سے میرا سر سے پیر تک جائزہ لے رہی تھیں۔ شاید وہ اپنے گہرے مشاہدے سے سلطان شاہ کے دوستی کے دعوے کی تصدیق کرنا چاہ رہا تھا۔

مجھ سے گرمجوش مصافحے کے بعد وہ سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے پرتپاک انداز میں پشتو کے کچھ رسمی فقرے ادا کیے جن میں سنگا حال، تکڑے، جوڑے، ماشے جیسے مانوس الفاظ بھی شامل تھے۔ "میں گلاب خان ہوں۔" نووارد نے اپنا تعارف کرایا۔

اوئے بچہ!" تعارف کراتے ہی گلاب نے وہیں کھڑے کھڑے، پلٹ کر اونچی آواز میں کسی کو پکارا "دیکھ، تیرا دو مہمان لوگ آیا ہے۔"

اس نے سلطان شاہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ اسے تھامے تھامے ذیلی دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ میں نے بھی خاموشی سے ان دونوں کی تقلید کی۔ گلاب خان کا وہ استقبالیہ انداز میری توقعات سے بہت زیادہ خوشگوار ثابت ہو رہا تھا۔

مکان کے پورچ کی گہرائی زیادہ نہیں تھی لیکن وہ کافی بڑا تھا۔ وہاں دو پجارو کھڑی ہوئی تھیں۔ ایک تین دروازوں والی تھی۔ دوسری پانچ دروازوں والی بڑی گاڑی تھی۔

مختصر سے برآمدے سے گزر کر ہم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو اس کی تزئین دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا۔ وہاں مغربی طرز کی کوئی چیز نام کو نہیں تھی۔ پورے کمرے کے سائز کا خوب صورت اصفہانی قالین فرش پر بچھا ہوا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دبیز اور بیش قیمت قالین آرڈر دے کر کمرے کے سائز کے مطابق بنوایا گیا تھا۔ قالین پر پردے کے ساتھ جا بہ جا مخمل کے گاؤ تکیے اور کشن رکھے ہوئے تھے۔ گلاب خان نے اندر جانے سے پہلے اپنی چپلیں باہر اتار دیں اور تپاک سے ہمیں اندر مدعو کیا۔ ہم دونوں بھی جوتے اتار کر اس مشرقی ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئے۔ ملیشیا کے کپڑوں میں ملبوس شخص شاید اس گھر کا ملازم تھا۔ وہ باہر ہی چلا گیا۔

گلاب خان کی آواز اتنی گرج دار تھی کہ پورے گھر میں پھیل گئی تھی۔ ہم ڈرائنگ روم میں پوری طرح بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اندرونی دروازے سے ایک جواں سال اور تنومند لڑکا مودبانہ انداز میں نمودار ہوا۔ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اونچی آواز میں اور روایتی انداز میں سلام کیا تھا۔

"دیکھ بچہ تیرے دوست آئے ہیں۔" گلاب خان نے غیر ضروری طور پر آگاہ کیا اور پھر سربلند خان کے چہرے پر اجنبیت کے آثار دیکھ کر چونک پڑا۔ لمحہ بھر بعد اس کے ہونٹوں سے پرتشویش اور دھیمی آواز برآمد ہوئی تھی "یہ کیسے دوست ہیں کہ تو انہیں نہیں پہچانتا۔"

"ہاں بابا! میں ان دونوں کو پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔" اس نے آہستگی سے کہا اور باری باری ہم دونوں سے ہاتھ ملانے کے بعد پوچھا "کیا ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔"

گلاب خان اس صورت حال سے بھڑکا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کی گہری سیاہ آنکھیں اپنے ڈھیلوں میں تیزی سے حرکت کررہی تھیں۔

"دوستی کا تعلق جان پہچان سے نہیں ہوتا۔" میں نے ایک نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہا "دوستی رویے کا نام ہوتا ہے۔ تم بالکل بے فکر رہو۔ ہم تمہیں نقصان پہنچانے کے ارادے سے نہیں آئے ہیں۔ تخلیئے میں تم سے کچھ باتیں کرنے آئے ہیں۔" گلاب خان کی گھن گرج سن لینے کے بعد میری یہ امید دم توڑ گئی تھی کہ اس کے بیٹے نے اس ماحول میں سیتا کو پناہ دینے کی ہمت کی ہو۔

"میں تخلیہ مخلیہ کچھ نہیں جانتا۔" گلاب خان بگڑ گیا "میرے بچے سے جو بات کرنی ہے، میرے سامنے کرو۔"

"خانا! تم سمجھ دار آدمی ہو۔" سلطان شاہ نے اسے سمجھانا چاہا "مرد بچے جب بڑے ہوجاتے ہیں تو ان کی ساری باتیں ماں باپ کے علم میں نہیں رہتیں۔ ان کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے جس میں وہ اپنے بڑوں کو شریک نہیں کرتے۔ ہمیں سربلند سے بہت مختصر سی بات کرنی ہے۔"

خان نے گھور کر اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔ اس نے سعادت مندی سے اپنا سر جھکا لیا اور کمزور آواز میں بولا "بابا! مجھے پتا نہیں کہ یہ دونوں کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ میں نے کہیں کوئی گڑبڑ نہیں کی۔"

"تم کون ہو؟" اپنے بیٹے کی وضاحت سن کر خان ہماری طرف متوجہ ہوگیا "پولیس والے یا سی آئی ڈی والے!"

"میرا نام ارشد ہے، یہ احمد ہے۔" میں نے فرضی ناموں سے اپنا اور سلطان شاہ کا تعارف کرایا "ہمارا پولیس، سی آئی ڈی یا کسی اور سرکاری محکمے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم ایک فلاحی ادارے کے کارکن ہیں۔ ایک نیم پاگل لڑکی کی

تلاش میں ہیں جو کل رات ہمارے اسپتال سے نکل کر کہیں بھاگ گئی ہے۔"

"تم کو خدا سمجھے۔" گلاب خان بے ساختہ بولا "میرا بچہ بہت شریف..... اور متقی ہے۔ پاگل لڑکی سے اس کا کیا واسطہ۔ تم بلاوجہ یہاں اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ یہ بات تم نے مجھے پہلے ہی بتادی ہوتی تو میں تمہیں اندر بھی نہ بلاتا۔ باہر سے جواب دے کر رخصت کر دیتا۔"

گلاب خان کی توجہ میری طرف مرکوز تھی۔ میں سربلند کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اپنے باپ کا تیکھا جواب سن کر اس کے چہرے پر فکر اور تشویش کی پرچھائیاں لرزنے لگی تھیں۔ اس کی ناتجربے کاری کی وجہ سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں قطعی کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ دال میں کچھ نہ کچھ کالا ضرور تھا۔ لڑکی کے ذکر پر سربلند پریشان ہو گیا تھا۔

"تم ناراض ہو رہے ہو تو ہم چلے جاتے ہیں۔" میں نے کھلے دل کے ساتھ کہا "معاملہ ایک جوان اور دیوانی لڑکی کا ہے۔ سونیا بھی کسی گھر کی عزت و آبرو ہے۔ وہ غلط ہاتھوں میں پڑ گئی تو اس کی زندگی تباہ ہو جائے گی اور اس کے گھر والے صدمے سے رو رو کر مر جائیں گے۔"

میں نے جان بوجھ کر سونیا کا نام لیا تھا۔ وہ ہوٹل میں اسی نام سے ٹھہری ہوئی تھی۔ اس نے سربلند سے اپنا تعارف اسی حیثیت سے کرایا ہوگا۔ نام کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اچانک سربلند کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ گھبرائی ہوئی آواز میں جلدی سے بولا "بابا! ان بے چاروں پر بلاوجہ غصہ مت کرو۔ تم اندر جاکر آرام کرو۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ کیا چاہتے ہیں۔" باپ بلکہ سخت گیر اور تند خو باپ کے سامنے بھانڈا پھوٹنے کے خوف نے سربلند کو بروقت لب کشائی پر مجبور کر دیا تھا۔

"بچے! تو تو خاندان کی لڑکیوں سے شرماتا اور گھبراتا ہے۔ اس پاگل لڑکی سے تیرا کیا واسطہ!" باپ کو اپنے بیٹے کی معصومیت کا پورا یقین تھا۔

"بابا! وہ بے چاری یتیم اور لاوارث ہے۔" سربلند کے جوان ذہن نے بہت تیزی سے اپنی مدافعت میں کام کرنا شروع کیا تھا "رشتہ داروں نے اسے پاگل کہہ کر اسپتال میں پھینک دیا۔ دو تین دن پہلے میں نے اس غریب کو دیکھا تھا۔ یہ دونوں اس کے ہمدرد معلوم ہوتے ہیں۔"

ہمارا تیر نشانے پر لگا تھا۔ سربلند یقینی طور پر اس چکر میں ملوث تھا اور سونیا کا نام کھل جانے کے بعد اپنے باپ کو جلد از جلد اس معاملے سے الگ کر دینے کا خواہاں تھا۔

سرور صرف دو گھنٹے پہلے گلاب خان کے گھر کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوا تھا۔ وہ ٹرانسپورٹر ضرور تھا لیکن شہر میں زیادہ مشہور نہیں تھا۔ اس کے چار ٹینکر سالانہ ٹھیکے پر تیل کی ایک بڑی غیر ملکی کمپنی کے لیے کام کرتے تھے اور کراچی سے ملک کے بالائی علاقوں کے لیے تیل اور پیٹرول وغیرہ لے جایا کرتے تھے۔ سرور یہ سراغ لگانے میں یکسر ناکام رہا تھا کہ سیتا کہاں تھی لیکن اس کے بارے میں گوپال کے کہے ہوئے بے ساختہ الفاظ میرے ذہن میں محفوظ تھے۔ میں نے اپنی ہر مصروفیت کو پس پشت ڈال کر سربلند سے ملنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ مشرقی اقدار کا پابند' ایک خوش اخلاق پٹھان گھرانا تھا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ میں وہاں کسی تلخی اور بدمزگی کا سامنا کیے بغیر سیتا عرف سونیا کے بارے میں کوئی ذکر نکال سکوں گا۔ میں اس بارے میں پہلے سے کچھ طے نہیں کر سکا تھا۔ گلاب خان سے سامنا ہونے کے بعد جو کچھ میرے ذہن میں آیا' میں برجستہ بولتا چلا گیا۔ سربلند اپنے باپ سے ڈرتا تھا۔ میری زبان سے سونیا کا نام سنتے ہی اسے یہ خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں میں اس کی اور سونیا کی بڑھتی ہوئی پینگوں کے بارے میں بڑے خان کے سامنے کوئی غیر ذمہ دارانہ بات نہ کہہ بیٹھوں۔ وہ اپنی ناتجربے کاری کی بنا پر یہ سمجھنے میں ناکام رہا تھا کہ میں بہت نپے تلے انداز میں اپنے کارڈز کھیل رہا تھا۔ اسے ہم دونوں کی اداکاری پر بڑی حد تک یقین آگیا تھا اور اس نے گفتگو کی ذمے داری خود سنبھال کر اپنے باپ کو الگ تھلگ کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں تاکہ علیحدگی میں ہم سے کھل کر سونیا کے بارے میں بات کر سکے اور یہی ہماری خواہش تھی۔

"تجھے اس سے ہمدردی جتانے کی کیا ضرورت تھی۔" گلاب خان نے غصیلے لہجے میں کہا "کیسی ناموسی کی بات ہے کہ ایک پاگل لڑکی کے چکر میں دو اجنبی ہمارے گھر آئے بیٹھے ہیں اور تجھ سے پوچھ کچھ کرنا چاہ رہے ہیں۔ خاندان میں جو سنے گا' وہ میرے منہ پر تھوکے گا کہ اب گلاب خان کا بیٹا پاگل لڑکیوں کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے۔ سچ سچ بتا' تو مرد بچہ ہے۔ نادانی میں تو نے اس کے ساتھ منہ کالا تو نہیں کیا تھا۔"

سربلند نے مجروح اور شکایتی نظروں سے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور دکھی آواز میں کہا "بابا! کیا تم اپنے بیٹے کو اتنا گیا گزرا سمجھتے ہو!"

"مجھے باتوں کا چکر نہ دے۔ ہاں یا نہ میں صاف صاف بتا کہ کیا ہوا تھا۔ چڑھتا ہوا خون تم لوگوں کو اندھا کر دیتا ہے اور تم جوان لڑکے اپنے حسب نسب کا احساس کیے بغیر کسی

نکے کی آوارہ لڑکی کے ہاتھ میں کھلونا بن جاتے ہو' میں ایسے برے وقت سے بہت ڈرتا ہوں سربلند خان!"

اس نے اپنا سر جھکا لیا "میں قسم کھاتا ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں تمہارے نام کو کبھی نیچا نہیں ہونے دوں گا۔"

گلاب خان اپنی جگہ سے اٹھا اور بیٹے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیر کر بدلے ہوئے' نرم لہجے میں بولا "شاباش! مجھے تجھ سے یہی امید تھی۔ اب مجھے کوئی فکر نہیں رہی۔ میں اندر جارہا ہوں۔ تو اپنے ان مہمانوں کی بات سن لے۔"

اسی لمحے ایک لڑکا بڑی سی ٹرے میں شربت کا جگ' کئی گلاس' پھل اور دیگر لوازم لے کر آگیا۔ گھر آنے والے دوست یا دشمن کی تمیز کیے بغیر' اس کی تواضع کرنا شاید اس گھرانے کی روایت تھی۔ اس کے لیے ان دونوں میں سے کسی کو کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ اندر والوں کو معلوم تھا کہ کوئی ان کے گھر آیا تھا۔ اس کی میزبانی کرنا ان کا فرض تھا۔

باپ بیٹے کے درمیان ہونے والی مختصر مگر چشم کشا گفتگو کے دوران میں ہم دونوں بالکل خاموش رہے تھے۔ سربلند پر اپنے باپ کے غیر معمولی دباؤ کی ایک نئی جہت سامنے لے آئی تھی۔ جسے میں تخلیئے میں بلیک میلنگ کے لیے بھی استعمال کرسکتا تھا۔ اگر گلاب خان کو یہ علم ہوجاتا کہ سونیا کا ذہنی توازن درست تھا' وہ خوب صورت اور جوان تھی اور سربلند اس کے عشق میں پاگل ہوا جارہا تھا تو وہ بلا تردد اپنے بیٹے کی چمڑی ادھیڑ کر رکھ دیتا۔

گلاب خان لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر چلا گیا۔ سربلند ہمارے لیے گلاسوں میں شربت انڈیلنے لگا۔

"تمہارے باپ بہت تند خو پٹھان ہیں۔ انہیں بہت جلد غصہ آجاتا ہے۔" سلطان شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

سربلند کی توجہ جگ اور گلاس پر مرکوز تھی۔ میں نے آنکھ مار کر سلطان شاہ کو خاموش کردیا۔

"وہ بہت نرم اور مہربان باپ ہیں۔" سربلند دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا "مگر میری غلطی پر ہاتھ اٹھانے سے بھی نہیں چوکتے۔ آج بھی وہ میرا ہاتھ پکڑلیں تو میرے لیے اسے چھڑانا مشکل ہوجاتا ہے۔ طاقت ور آدمیوں کو شاید زیادہ غصہ آتا ہے۔"

"لڑکی کہاں ہے؟" میں نے رازدارانہ لہجے میں سربلند سے پوچھا۔

اس نے خوف زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ شربت گلاس میں جانے کے بجائے ٹرے میں گر گیا۔ میرے براہ راست سوال سے اسے صرف ذہنی نہیں' جسمانی جھٹکا بھی لگا تھا جس میں اس کا ہاتھ کانپ گیا تھا۔ "یہ ۔۔۔ یہ سوال تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"تم جواب نہیں دوگے تو پھر میں یہی بات تمہارے بابا سے پوچھوں گا۔" میں نے اسے دھمکی دی "انہیں یہ بھی بتاؤں گا کہ سونیا پاگل ہے اور نہ یتیم ولاوارث!"

"آہستہ بولو۔" اس نے گھبرا کے کہا "تمہاری آواز اونچی ہے۔ تم کون ہو؟"

"میں بتاچکا کہ میں ارشد ہوں۔۔۔ تمہارا خیر خواہ' وہ لڑکی بہت خطرناک ہے۔ تم نے اس کا ساتھ دیا تو وہ کہیں نہ کہیں بے دھڑک تم کو مروا دے گی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ رات کو تم ہی لوگوں نے اس کی عزت لوٹنے کی کوشش کی تھی۔" اس نے اشتباہ آمیز نظروں سے ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سربلند کے اس تبصرے میں یہ اعتراف پنہاں تھا کہ سیتا نے اشٹیشن فور سے فرار ہونے کے بعد سربلند سے رابطہ کیا تھا اور اسے اپنی مظلومیت کی کوئی کہانی سنائی تھی۔

"وہ پہلے سے لٹی لٹائی اور بدچلن ہے۔ ہم شریف آدمی ہیں۔ پرائی عورتوں پر بری نظر ڈالنا گناہ سمجھتے ہیں۔ اس سے تمہاری کب بات ہوئی تھی؟"

"وہ رات کو دو بجے آئی تھی۔ بتارہی تھی کہ نشے میں بدمست' ایک بدمعاش کسی طرح اس کا کمرا کھول کر اندر گھس آیا تھا اور اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے۔۔۔"

"تو کیا وہ پھٹے ہوئے کپڑوں میں تمہارے پاس آئی تھی؟" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔

"اس حالت میں وہ کمرے سے بھی نہیں نکل سکتی تھی۔ بے چاری بہت شرمیلی ہے۔ اس نے ایک گل دان سر پر مار کر اس شرابی کو بے ہوش کیا اور کپڑے بدل کر ہوٹل سے بھاگ آئی۔" اس کے لب ولہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے دل میں سیتا کے لیے بہت زیادہ نرم گوشہ موجود تھا۔

بے ساختہ میرا دل چاہا کہ سربلند کو اس بے چاری شرمیلی کے بے لباس فرار کی کتھا سنا ڈالوں مگر وہ ایسی کسی حرکت کا موقع نہیں تھا۔ میری ذرا سی بے احتیاطی سے اس کے ساتھ بنتی ہوئی بات بگڑ سکتی تھی۔ سیتا ایس پی ایف کی قید سے فرار ہونے کے بعد اگر اس سے مل چکی تھی تو سربلند کو اس کے ٹھکانے کا علم بھی ہونا چاہیے تھا۔ وہی مجھے مطلوب تھا۔

وہ رات کے دو بجے مناسب کپڑوں میں سربلند کے پاس پہنچی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اسٹیشن فوراً سے نکل بھاگنے کے بعد اس نے یقینی طور پر کسی سے لفٹ لی تھی اور اپنا خاصا وقت اس کے ساتھ گزارا تھا۔ اپنی مدد کرنے والے کی بھڑکی ہوئی خواہشوں کی تکمیل کے بعد سیتا نے اسی کے ذریعے کوئی مناسب نسوانی لباس حاصل کیا ہوگا اور پھر اس سے دوسری ملاقات کے جھوٹے سچے وعدے کرکے وہاں سے چل دی ہوگی۔ ان حالات میں اس کے پاس سربلند سے بہتر کوئی انتخاب نہیں تھا۔

"اس سے ہوٹل میں تمہاری دوستی ہوئی تھی پھر اسے تمہارا گھر کیسے معلوم ہوگیا۔" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والا سوال اسی لمحے سربلند سے پوچھ لیا۔

"وہ مجھے اچھی لگنے لگی تھی۔" اس نے سر جھکا کر جواب دیا "میں نے اسے اپنے گھر اور گھر والوں کے بارے میں ہر بات سچ سچ بتادی تھی۔ اس نے بھی مجھے اپنے بارے میں سب باتیں بتادی تھیں۔ بابا راضی ہوجائیں تو شاید میں اس سے شادی کرلوں۔"

"تمہارے بابا کے غصے کے بارے میں جان لینے کے باوجود وہ شادی کے لیے آمادہ تھی!" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہم نے کھل کر بات نہیں کی۔ بس اشارے کنایے چلتے رہے۔ میرا اندازہ ہے کہ میں بابا کو راضی کرلیتا تو وہ بھی مان جاتی۔"

سیتا نے اپنی اداؤں سے اس کی کھوپڑی پر برف جمادی تھی جو وہ اپنی عمر سے خاصی بڑی اور بدچلن لڑکی سے شادی کے لیے اتنا جذباتی اور سنجیدہ ہو رہا تھا۔ وہ اس کے ذاتی معاملات تھے جن سے مجھے کوئی سروکار نہیں تھا۔ مجھے یہ ضرور معلوم تھا کہ وہ بیل منڈھے نہیں چڑھے گی۔ سیتا ایک سیکرٹ ایجنٹ کی حیثیت میں آزاد پرندے کی طرح تھی جو ڈال ڈال پر اپنا وقت گزارتا ہے لیکن شام کا دھندلکا پھیلتے ہی اپنے آشیانے کا رخ کرلیتا ہے۔ ایک بار کراچی میں سیتا کا کام ختم ہوجاتا یا اسے اپنی زندگی خطرے میں نظر آنے لگتی، وہ سربلند اور اس سے کیے ہوئے وعدوں کو یکسر فراموش کرکے بھارت روانہ ہوجاتی جو اس کا وطن تھا اور جس کے لیے اس نے اپنے تن من کی بازی لگائی ہوئی تھی۔

"وہ تمہارے بابا کے خوف کے باوجود اتنی رات گئے تمہارے گھر کیسے آگئی؟" میں نے اس سے اگلا سوال کیا۔

"وہ ذہین لڑکی ہے۔ سوچ کر آئی تھی کہ بابا سے سامنا ہوگیا تو کوئی فرضی نام لے کر بچے کی غلطی پر معافی مانگ لے گی اور واپس چلی جائے گی۔ کسی اور سے ملاقات ہوئی تو اس کے ذریعے مجھ سے ملنے کی کوشش کرے گی۔ اس کی قسمت اچھی ہے کہ بابا دس گیارہ بجے گہری نیند سوجاتے ہیں اور پھر فجر کی اذان سے پہلے اٹھتے ہیں۔"

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ سونیا نے تم کو اپنے بارے میں کیا بتایا تھا۔" سلطان شاہ نے کچھ سوچے سمجھے بغیر درمیان میں اپنی ٹانگ اڑادی۔

"وہ امیر ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ لاہور میں رہتی ہے۔ گھومنے پھرنے کے لیے کراچی آئی ہوئی ہے۔"

"کوئی اور سوال رہ گیا ہو تو وہ بھی پوچھ لو۔" میں نے سلطان شاہ سے کہا۔

وہ گڑبڑا گیا "نہیں۔ تم اپنی بات پوری کرلو۔ اب مجھے کچھ نہیں پوچھنا۔"

"میں حیران ہوں کہ تم دونوں سونیا کی تلاش میں کیوں سرگرداں ہو۔ وہ ہرگز بھی خطرناک یا خراب لڑکی نہیں ہے۔" سربلند بڑبڑایا۔

"جب تک تمہارے ذہن سے اس کی دل پذیر باتوں کا خمار نہیں اترے گا، یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آسکے گی۔ وہ تمہارے پاس سے کہاں گئی ہوگی؟"

"کہیں بھی نہیں، وہ بہت خوف زدہ تھی۔ بابا سو رہے تھے۔ میں نے ان کی بے خبری میں اسے یہیں رکھ لیا ہے۔"

"ہائیں، وہ اسی گھر میں ہے اور گلاب خان کو خبر نہیں ہے۔" میں نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔ سربلند کے انکشاف نے میرے پورے وجود میں سنسنی سی دوڑا دی تھی۔

"وہ کباڑ خانے میں بند ہے۔ وہاں گاڑیوں کے پرزے اور اوزار رہتے ہیں۔ بابا وہاں نہیں جاتے۔" اس نے ڈھیلی ڈھالی آواز میں جواب دیا "مسکین خان اس کے کھانے پینے کی دیکھ بھال کررہا ہے۔ ہوٹل کے آرام دہ کمرے کے مقابلے میں وہ میرے کباڑ خانے میں زیادہ آرام و سکون سے ہے۔"

"یہ مسکین کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بہت پرانا ملازم ہے۔ بچپن میں اندر رہا کرتا تھا۔ اب باہر ڈیوٹی دیتا ہے۔ تمہارے لیے دروازہ اسی نے کھولا ہوگا۔"

"ویری گڈ!" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "ایک بے وقعت لڑکی کی خاطر اپنے نوکر سے مل کر بابا کو بے وقوف بنارہے ہو۔ اب شرافت سے اس لڑکی کو ہمارے حوالے

کردو ورنہ میں تمہارے بابا کے سامنے تمہارا سارا کچا چٹھا کھول کے رکھ دوں گا۔"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو!" اس بار وہ اچٹ گیا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجہ اختیار کیا۔

"یہ دھمکی نہیں حقیقت ہے۔ تمہارے بابا اس لڑکی کے بارے میں جاننے کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی اس چھت کے نیچے اس کا وجود گوارا نہیں کریں گے۔"

"تم سونیا کے بارے میں ایسی کیا بات جانتے ہو۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ وہ پٹھان زادہ تھا۔ اس نے دھمکی کے سامنے سر ڈالنے سے انکار کردیا تھا۔

"وہ بلیک کیٹ ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ کون لوگ ہوتے ہیں؟"

"انڈین سیکرٹ سروس!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا "یہ سونیا پر بہت بڑا الزام ہے۔ اس کا کوئی ثبوت ہے تمہارے پاس؟"

"سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کا نام سونیا کمال نہیں' سیتا کانت ہے۔ اسے میرے سامنے لاؤ' ثبوت خود بہ خود تمہارے سامنے آجائیں گے۔"

وہ اچانک قالین سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے دھیمی اور درشت آواز میں کہا "میں نے تمہیں بہت دیر تک برداشت کرلیا۔ اب اٹھو اور فوراً میرے گھر سے نکل جاؤ ورنہ تم دونوں کو دھکے دے کر گھر سے باہر پھنکوا دوں گا۔ چلو' جلدی کرو۔"

اس کی کھوپڑی سنک گئی تھی۔ میں اس کی بدگمانی کی وجہ سے سیتا کو اس کے رحم وکرم پر چھوڑ کر خالی ہاتھ واپس لوٹنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ میں نے اٹھتے ہوئے تھوڑی سی آڑ لے کر یکایک اپنی بیم گن نکال کر اس پر تان لی۔

اسی وقت برآمدے کی سمت سے اچانک گلاب خان دندناتا ہوا اندر گھس آیا اور غرایا "خبردار! کوئی بدمعاشی کی کوشش نہ کرے۔ میں نے باہر چھپ کر تم لوگوں کی سب باتیں سن لی ہیں۔ ایک منٹ میں یہاں سے باہر دوڑ لگا دو۔" اس کے ہاتھ میں ایک بھاری پستول دبا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے مسکین دروازے پر رک گیا تھا۔

وہ اندر گیا تھا مگر دوبارہ دوسرے راستے سے اندر آیا تھا۔ اس کا یہ دعویٰ صحیح معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے چھپ کر ہماری اور اپنے بیٹے کی باتیں سن لی تھیں۔ میرا ان دونوں سے لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں نے گلاب خان کی نظریں بچا کر جلدی سے بیم گن جیب میں ڈال لی۔ ایسا کرتے ہوئے میں نے اس کے ٹریگر کا چور لاک لگا دیا تھا۔

گلاب خان کی غیر متوقع مداخلت پر سربلند بھونچکا رہ گیا تھا۔ اس کے لیے یہ خیال ہی سوہانِ روح رہا ہوگا کہ اس کے باپ نے سیتا یا سونیا سے گہرے مراسم کے بارے میں اس کے اعتراف اپنے کانوں سے سن لیے تھے۔

"خان! یہ کیا کر رہے ہو؟" سلطان شاہ اضطراری انداز میں بول پڑا "ہم تمہارے ہمدرد اور دوست ہیں۔"

"بکواس!" وہ برہمی سے غرایا "ابھی ارشد نے میرے بیٹے پر ہتھیار نکالا تھا۔" ہماری گفتگو سنتے ہوئے شاید وہ پردے کی جھری سے اندر جھانک بھی رہا تھا۔

"ہتھیار نہیں' یہ پلاسٹک کا کھلونا ہے۔" میں نے اپنی جیب سے بیم گن نکال کر اس کی طرف بڑھا دی "چاہو تو خود اسے دیکھ سکتے ہو۔"

"اسے اندر رکھو ورنہ گولی مار دوں گا۔" گلاب خان نے اپنے پستول کی نال ہلا کر دھمکی دی اور میں نے کسی تاخیر کے بغیر اس کی ہدایت پر عمل کر ڈالا۔

بات ٹل گئی تھی۔ اچانک سلطان شاہ نے پشتو میں کچھ کہنا شروع کردیا جو میرے پلے نہیں پڑ سکا مگر میں نے گلاب خان کے چہرے پر حیرانی کے آثار نمودار ہوتے دیکھے۔

"وہ چھوکری بھارتی ایجنٹ ہے۔" گلاب خان نے مجھ سے پوچھا پھر کہا "دیکھو دوست! میرے بچے نے اسے یہاں پناہ دے کر اچھا کیا یا برا کیا' یہ میں اس سے بعد میں سمجھوں گا۔ وہ اس چھت کے نیچے پناہ لے چکی ہے اب اس کی حفاظت ہماری ذمے داری ہے۔ اسے تم ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ وہ بھارتی ایجنٹ ہو' نیپال کی شہزادی یا دو ٹکے کی ناچنے والی۔ وہ میرے بیٹے کی پناہ میں ہے۔ ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ اپنے مہمان کی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو شانے سے توڑ دیں گے۔"

"تم جذبات کی روانی میں بڑے بڑے الفاظ بول رہے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ غداری کیا ہوتی ہے۔ ہمیں بھگانے سے پہلے اس لڑکی کو دیکھو' وہ پاگل نہیں ہے۔ سربلند نے تم سے جھوٹ بولا ہے۔ رات کے دو بجے وہ ایک واردات کر کے یہاں پہنچی ہے۔ یہ قبائلی علاقہ نہیں' ایک شہر ہے۔ اس لڑکی کی حمایت کر کے تم بہت بڑی غلطی کر رہے ہو۔ اس کو ہر قیمت پر قانون کی گرفت میں ہونا چاہیے۔"

"تم قانون نہیں ہو۔ تم نے آتے ہی کہا تھا کہ تم پولیس یا سی آئی ڈی کے آدمی نہیں ہو۔" اس نے ہمیں یاد دلایا۔ شاید میرا آخری فقرہ اس کے دل کو لگا تھا۔

"قانون کے نفاذ کے لیے اور بھی دس محکمے ہیں۔ ہم ان میں سے ایک سے تعلق رکھتے ہیں۔"

وہ تذبذب میں پڑ گیا۔ سلطان شاہ نے دوبارہ اس سے اپنی مادری زبان میں گفتگو شروع کردیا۔

ان دونوں کے درمیان خاصی دیر تک زور و شور سے مکالمات کا تبادلہ ہوتا رہا۔ اس کا پہلا اثر یہ ہوا کہ گلاب خان کے پستول کی نال نیچی ہوگئی۔ کچھ دیر بعد اس نے سیفٹی کیچ لگا کر پستول اپنی جیب میں ڈال لیا پھر اس نے مسکین کو دروازے سے باہر بھیجا اور چاروں ایک مرتبہ پھر قالین پر بیٹھ گئے۔

میں اس دوران میں بالکل خاموش رہا تھا۔ ان دونوں کے چہروں کے تاثرات اور لہجوں کے اتار چڑھاؤ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ دھیرے دھیرے سلطان شاہ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو رہا تھا۔ میری طرح سربلند نے بھی خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ اس کے باپ نے وقتی طور پر اس کی حمایت کرکے اسے سرخرو ہونے کا ایک ہلکا سا موقع فراہم کردیا تھا لیکن اس کی لاعلمی میں ایک اجنبی لڑکی سے زوردار عشق لڑانے کی ممکنہ سزا میں سربلند کے لیے بہرحال ایک ڈراؤنا خواب بنی ہوئی تھیں۔

آخر کار گفتگو دوبارہ اردو میں شروع ہوگئی۔ گلاب خان قائل ہو چکا تھا کہ میزبانوں کو دھوکا دے کر گھر میں گھس آنے والی لڑکی کو پناہ گزین تصور کرکے قانون سے مخاصمت مول نہیں لی جاسکتی۔ وہ ایک پرخلوص اور سادہ لوح آدمی تھا۔ ابتدا سے اس وقت تک نیک نیتی سے مذاکرات کرتا رہا تھا۔ اسے اپنے ابتدائی موقف سے پیچھے ہٹنے پر ذرا بھی ملال نہیں تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ دیر سے سہی مگر بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

سیتا بدستور مکان کے تہ خانے میں چھپی ہوئی تھی۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں ہمارے مذاکرات کے دوران مسکین نے اسے اوپر کے حالات سے باخبر نہ کردیا ہو مگر گلاب خان نے یقین دلایا کہ وہ اس کے گھرانے کا پرانا نمک خوار تھا۔ بھول کر بھی ایسی گھٹیا حرکت نہیں کرسکتا تھا۔

سیتا بہت ذہین اور چالاک سیکرٹ ایجنٹ تھی۔ بظاہر یوں نظر آرہا تھا جیسے وہ چوہے دان میں پھنس چکی ہو لیکن اسے اس چوہے دان سے باہر نکالنا بھی ایک اہم مرحلہ تھا۔

ہم چاروں ایک ساتھ تہ خانے میں جاتے تو زینوں پر قدموں کی دھمک سے چوکنا ہو کر وہ خطرے کا ادراک کرسکتی تھی۔ کچھ دیر تک مغز زنی کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ صرف سربلند کو تہ خانے میں بھیجا جائے اور وہ بہلا پھسلا کر اسے وہاں سے نکال لائے۔ وہ غیر مسلح تھی۔ اوپر آنے کے بعد ہم اسے آسانی سے دبوچ سکتے تھے۔

گوپال جو بہت زیادہ ٹیڑھا اور خطرناک تھا' آسانی سے ہماری گرفت میں آچکا تھا اور اسٹیشن فور میں بند تھا اس کے مقابلے میں وہ بے بساط لڑکی ہمارے لیے آفت کی پرکالہ بن گئی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ گوپال کی نشاندہی کے نتیجے میں اس کا انجام بہت قریب نظر آرہا تھا۔

اپنے باپ کو ہم دونوں کی حمایت پر کمربستہ دیکھ کر سربلند کو خاصی مایوسی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی نے ڈیرے ڈال دیے تھے۔ گلاب خان نے اسے ہدایت کی کہ وہ اسے تہ خانے سے نکال کر گھر میں لے جانے کے بجائے دوسرے دروازے سے باہر لے آئے جہاں ہم تینوں اس کا انتظار کریں گے۔

ہم چاروں ایک ساتھ اٹھے۔ سربلند اندر چلا گیا۔ ہم تینوں نے برآمدے میں نکل کر اپنے اپنے جوتے پہن لیے۔

باہر سے پورچ میں گھوم کر ہم مکان اور احاطے کی دیوار کی درمیانی گلی میں پہنچے تو گلاب خان نے اس بند دروازے کی نشاندہی کی جس سے سیتا اور سربلند کو برآمد ہونا تھا۔ میں نے تینوں کو دیوار سے لگا دیا تاکہ سیتا دروازہ کھلتے ہی ہمیں نہ دیکھ سکے۔

وہ کام بہت طویل نہیں تھا مگر انتظار کے عالم میں وقت کی طوالت کا احساس خاصا تکلیف دہ تھا۔ چند منٹ بعد دروازہ کھلا۔ پہلے سربلند ڈھیلی چال کے ساتھ برآمد ہوا۔ سیتا اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں موجود ریوالور سربلند کے پہلو سے لگا ہوا تھا۔

"خوب!" وہ ہم تینوں پر نظر پڑتے ہی زہریلی آواز میں بولی "میرا اندیشہ درست تھا کہ سربلند کو یکایک مجھے کھلی فضا میں لے جانے کا خیال کیسے آگیا۔۔۔ خبردار جو کسی نے اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت کی۔ میں سربلند کو بے دریغ گولی ماردوں گی۔"

باہر آکر وہ پلٹی اور دوبارہ ہماری طرف متوجہ ہوئی تو اس کی نظریں میرے چہرے پر جم گئیں۔ بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں مگر پھر مجھے یاد آگیا کہ صرف گوپال نے دہلی میں مجھے مظہر خان کے روپ میں دیکھا تھا۔ سیتا مجھے ڈپٹی یا مظہر کی حیثیت سے نہیں پہچانتی تھی۔

"کل شام شاید تم ہی ہوٹل کی لابی میں ابرار کو گھور

رہے تھے!" میرا خیال تھا کہ اس نے مجھے پشت سے دیکھا تھا اور ایک سرسری نظر میں میرا چہرہ نہیں دیکھ سکی تھی مگر اس کی نظریں بہت تیز تھیں۔ اسی کے ساتھ یادداشت بھی اچھی تھی کہ اسے بروقت پچھلی شام کا واقعہ یاد آگیا تھا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہمارے سامنے آنے کے بعد وہ یکایک مضطرب نظر آنے لگی تھی۔

"چلو، تم تینوں اپنے ہاتھ پشت پر باندھ کر برابر برابر میں، پورچ کی طرف چلو۔" اس نے بائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا "میں اس پٹھان کو لے کر پیچھے آ رہی ہوں۔ یہ یاد رکھنا کہ مجھے کسی گڑبڑ کا شبہ بھی ہوا تو میں اسے مار دوں گی۔"

وہ بس لمحے بھر کے لیے خاموش ہوئی پھر خاص طور پر کسی کو مخاطب کیے بغیر، دوسرے ہی سانس میں پوچھا "دونوں گاڑیوں کی چابیاں کہاں ہیں؟"

"مسکین کے پاس!" گلاب خان نے عجلت میں جواب دیا۔ اپنے جوان بیٹے کو ریوالور کی نال پر دیکھ کر اس کی جان پر بن آئی تھی۔

وہ بہت نازک صورتِ حال تھی۔ وہ ہاتھ آتے آتے نکلتی جا رہی تھی۔ مجھے صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ سربلند کو یرغمال بنا کر، اسی کے ساتھ گلاب خان کی کسی گاڑی میں نکل جائے گی اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ اسے میں نے پہلی بار قریب سے دیکھا تھا۔ وہ واقعی بہت خوب صورت تھی۔ اس کی آنکھوں میں ذہانت کی تیز چمک دور سے دیکھی جا سکتی تھی۔ اس کے بدن کے نشیب و فراز میں قدرت نے بلا کی کشش اور نزاکت عطا کی تھی جسے نظرانداز کرنا کسی زندہ دل مرد کے لیے ممکن نہیں تھا۔

"چلو!" ذرا سی تاخیر ہوتے ہی وہ غرائی۔

ہم تینوں نے بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

ہمارے پاس سیتا کے نادرشاہی حکم پر عمل کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہم تینوں نے اپنے ہاتھ پشت یا کولہوں پر باندھے اور شانہ بہ شانہ پورچ کی طرف چل دیے۔ گلاب خان ہمارے درمیان تھا اور بار بار مایوسی سے اپنے سر کو جھٹک رہا تھا۔

"ساری غلطی میری ہے۔" وہ ایک گالی دے کر زیرِ لب بڑبڑایا "پٹھان روٹی کے بغیر زندہ رہ لیتا ہے، ہتھیار کے بغیر نہیں رہتا۔ سیتا کے پاس سربلند کا ریوالور ہے۔ تہ خانے میں بھیجنے سے پہلے مجھے اس کی جیب خالی کرا لینی چاہیے تھی۔"

میں ابتدا سے اسی الجھن میں تھا کہ سیتا اسٹیشن فور سے فرار ہوئی تو اس کے تن پر کپڑے تک نہیں تھے پھر اس کے پاس ریوالور کہاں سے آ گیا تھا۔ گلاب خان کی بڑبڑاہٹ نے یہ گتھی سلجھا دی تھی۔ سربلند نے تہ خانے میں جا کر سیتا کو باہر نکلنے کی پیشکش کی ہو گی تو اس نے خطرہ بھانپ لیا ہو گا۔ اس وقت وہ دنیا سے چھپتی پھر رہی تھی۔ سربلند اسے اپنے باپ سے چھپا رہا تھا۔ ایسے حالات میں سربلند کا یکایک اسے باہر لے جانا خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھا۔

سیتا اول درجے کی حرافہ تھی۔ سربلند کے سر پر اس کے عشق کا بھوت سوار تھا۔ سیتا نے اسے بہلا پھسلا کر اس کے ریوالور پر قبضہ کیا اور یوں اسے یرغمال بنا کر باہر آ گئی۔ اس گھر میں اس کے لیے کوئی خطرہ پیدا ہو چکا تھا تو پھر سربلند کی مرضی کے خلاف، اس کا تہ خانے میں رکا رہنا زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

ہم گلی کے سرے تک پہنچے تھے کہ سیتا نے اگلا حکم دیا۔

"داہنی طرف کی دیوار سے منہ لگا کر کھڑے ہو جاؤ اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

اس حکم میں بہترین جنگی چال بازی مضمر تھی ہم دیوار سے ناک لگائے کھڑے رہتے وہ ہمارے پیچھے سے گزر کر اطمینان سے اپنی مطلوبہ گاڑی تک پہنچ جاتی۔

میری پوری توجہ آہٹوں پر مرکوز تھی۔ وقت تیزی سے میرے ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ وہ اس بار نکل جاتی تو اسے ڈھونڈنا بہت مشکل ہو جاتا۔ ان دونوں کی آہٹیں ہمارے عقب سے گزرتی چلی گئیں۔ سربلند کی امکانی موت کے اندیشے سے میں کچھ بھی نہ کر سکا۔

"مسکین! چھوٹی گاڑی کی چابی لاؤ!" چند ثانیوں کے روح فرسا سکوت کے بعد فضا میں سربلند کی آواز گونجی۔

"لایا صاحب!" دور سے مسکین کی توانا آواز آئی۔

وقفہ خاصا ہو چکا تھا۔ میں نے آہستگی سے سر گھما کر دیکھا تو سیتا چھوٹی پجیرو میں سوار ہو چکی تھی، سربلند ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ان دونوں کی توجہ پھاٹک کی طرف تھی جدھر سے مسکین کی آواز آئی تھی۔

میرے لیے بس میں وہی ایک موقع تھا۔ مسکین کی فکر میں سیتا کی توجہ میری طرف سے ہٹ چکی تھی۔ میں نے سینے

کے بل فرش پر گر کر تیزی سے آگے سرکنا شروع کر دیا۔ اس وقت میری پوزیشن بہت مخدوش تھی۔ سیتا مجھے دیکھ لیتی تو میرے لیے اس کی چلائی ہوئی گولی سے بچنا ممکن نہیں تھا۔
گیٹ کی طرف سے مسکین کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی۔ شاید وہ اپنے چھوٹے مالک کے لیے گاڑی کی چابی لا رہا تھا۔ سیتا کو شاید اندیشہ تھا کہ کہیں سربلند اپنے ملازم کو کوئی اشارہ نہ کر دے اس لیے وہ ایک ٹک اسی طرف دیکھے جا رہی تھی۔
میں چھوٹی ٹیجیرو سے ذرا سی دور تھا کہ مسکین نے چابی سربلند کو دے دی۔ اس کی تحیر زدہ نظریں میرے رینگتے ہوئے وجود پر بھی پڑی تھیں لیکن اس نے کسی غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ یہ مجھے بعد میں پتا چلا کہ اس وقت میں اکیلا نہیں رینگ رہا تھا۔ میرے بعد سلطان شاہ اور گلاب خان نے بھی میری تقلید کی تھی۔
میں گاڑی کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ہیڈ لائٹ آف ہونے پر اس کا انجن بیدار ہو گیا۔
گھر سے سیتا کی روانگی کے مراحل مکمل ہو چکے تھے۔ اس نے گردن سیدھی کی تو میں گاڑی کی اوٹ میں ہو چکا تھا۔ اس نے کھڑکی سے ہاتھ نکال کر، میرے پیچھے آنے والوں پر لگاتار تین فائر کیے اور اضطراری لہجے میں چیخی "جلدی چلو... گاڑی نکالو یہاں سے۔"
اس کی پہلی دو گولیاں ضائع ہوئیں مگر تیسرے فائر پر فضا گلاب خان کی چیخ سے لرز اٹھی۔ شاید گولی اس کے جسم کے کسی حصے کو چاٹ گئی تھی۔
وہ عجیب صورتِ حال تھی۔ باپ زخمی ہو چکا تھا۔ بیٹا یرغمال بنا ہوا تھا۔ سربلند کے پاس سیتا کے حکم سے سرتابی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ٹیجیرو بہت تیزی کے ساتھ کھلے ہوئے پھاٹک سے نکلتی چلی گئی۔ میں ریوالور کی رینج سے بہت دور تھا۔ سیتا فائر کرتی تب بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ میں تیزی سے اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔
مسکین اپنے مالک کی چیخ پر گیٹ سے دوڑتا چلا آ رہا تھا۔ میں نے چیخ کر اس سے دوسری گاڑی کی چابی مانگی جو اس نے وہیں سے میری طرف اچھال دی۔
میں نے بس ایک نظر پلٹ کر دیکھا۔ شاید گلاب خان کی پنڈلی زخمی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ اسے سنبھال رہا تھا۔ پنڈلی کا زخم کاری نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے لیے ابتدائی طبی دیکھ بھال ہی کافی تھی۔ قدرے بلندی سے آنے والی گولی نے ہڈی کو کوئی نقصان پہنچایا ہوتا تو اس کی دیکھ بھال بعد میں ہو سکتی تھی۔ اس وقت سیتا کا تعاقب زیادہ اہم تھا۔ میں دوسری گاڑی میں گھس گیا۔
میں نے گاڑی اس رخ پر ڈالی تھی جدھر چھوٹی ٹیجیرو گئی تھی پھر مجھے ذیلی سڑک کے سرے پر وہ گاڑی بائیں طرف مڑتی ہوئی نظر آ گئی۔ میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔
اگلی سڑک پر خاصا ٹریفک تھا جس میں رفتار کے کمالات دکھا کر دوسروں سے آگے نکلنا آسان نہیں تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ مجھے اس ہجوم میں سربلند کی گاڑی رواں نظر آ رہی تھی۔ ٹریفک کے معاملے میں اسے بھی وہی مسائل درپیش تھے جن کا مجھے سامنا تھا۔ یوں ہمارا درمیانی فاصلہ کم و بیش یکساں رہا تھا۔
کئی موڑ گھومنے کے بعد دونوں گاڑیاں شارع فیصل پر نکلیں تو اگلی گاڑی کی رفتار خاصی کم تھی۔ میں تیزی کے ساتھ اس کے قریب ہوتا چلا گیا۔ اس کے برابر میں پہنچتے ہی مجھے ایک شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ گاڑی میں سربلند اکیلا تھا۔ اس کے برابر والی نشست خالی پڑی ہوئی تھی۔
سربلند کی نگاہیں سڑک پر مرکوز تھیں۔ وہ میری طرف متوجہ نہیں تھا۔ میں نے ہارن بجا کر اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی اور اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ کچھ دور جانے کے بعد اس نے گاڑی کنارے سے لگا دی میں اس کے پیچھے رک گیا۔ وہ نیچے اتر کر تقریباً دوڑتا ہوا میری طرف آیا تھا۔
"بابا کو کہاں گولی لگی... وہ خیریت سے تو ہیں نا!" اس نے آتے ہی متوحش آواز میں پوچھا۔
"وہ زندہ ہیں اور خیریت سے ہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ سیتا کہاں ہے؟"
"وہ پچھلے چوراہے پر اچانک اتر گئی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔" مجھے یوں لگا جیسے اس نے میرے سر پر اچانک لٹھ دے مارا ہو۔
"پھر تم ادھر کہاں جا رہے تھے...؟" اس نے میری بات درمیان سے اڑا دی۔
"شارع فیصل پر آنا مجبوری تھی۔ پہلے موڑ سے واپس لوٹ جاؤں گا۔ مجھے بابا کی بہت فکر ہے۔ وہ میری وجہ سے زخمی ہوئے ہیں۔" وہ رندھی ہوئی جذباتی آواز میں بولتا چلا گیا "تم صحیح کہہ رہے تھے۔ سونیا ٹھیک عورت نہیں ہے۔ اس وقت اس کے تیور بدلے ہوئے اور بہت خراب تھے۔ وہ چھٹی ہوئی بدمعاش معلوم ہو رہی تھی۔"
مصروف سڑک کے کنارے زیادہ دیر تک رکنا مناسب نہیں تھا۔ وہ دونوں گاڑیاں گلاب خان کی تھیں۔ وہ خود زخمی

ہو چکا تھا۔ سلطان شاہ کو بھی وہاں سے لینا تھا۔ میں نے سربلند کو واپسی کا اشارہ کیا اور اپنی گاڑی تیزی سے آگے نکال لے گیا۔

○☆○

"میں کہتی ہوں کہ یہ کچھ بھی نہیں ہوا۔" ویرا نے اصرار کیا "وہ نظر آئی اور پھر تم دونوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر غائب ہو گئی۔ گلاب خان مفت میں اپنی پنڈلی تڑوا بیٹھا۔ سیتا کے بارے میں اب ہم پہلے سے زیادہ اندھیرے میں ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس بار وہ کہاں جائے گی۔"

"ہم اسے کباب سمجھ رہے تھے۔ پوری کی پوری ہڈی نکلی ہے۔" سلطان شاہ نے مزاحیہ انداز میں کہا "تمہاری ٹکر کی عورت معلوم ہوتی ہے۔"

"تم نے پھر مجھے عورت کہا۔" ویرا نے ہلکی سی برہمی کے ساتھ احتجاج کیا۔

"تو پھر کیا تمہیں مرد کہنا شروع کر دوں؟" اس نے معصومیت سے سوال کیا۔

"تمہیں پہلے بھی کئی مرتبہ بتا چکی ہوں کہ میں عورت نہیں لڑکی ہوں لڑکی!"

"کم از کم اسے پہچاننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔" غزالہ نے کہا "رہا گلاب خان تو اس کا زخمی ہونا بدنصیبی ہے۔ کسی نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ وہ چار مردوں کے درمیان سے مکھن میں سے بال کی طرف صاف نکل جائے گی۔"

"دشمن کو حقیر اور خود کو برتر سمجھنے کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔" ویرا نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر کہا۔

"کیا تم انہیں اپنے کارنامے کے بارے میں بتاؤ گی؟" غزالہ نے اس سے پوچھا۔

"اوہو! تو کیا ویرا نے بھی گھر میں بیٹھے بیٹھے کوئی تیر مارا ہے!" سلطان شاہ نے تعجب سے کہا۔

"میں نے ایک نہیں، دو تیر مارے ہیں۔" ویرا نے فخر سے بتایا "صبح کے اخبار بازار میں آئے ہوئے ہیں آدھا دن گزر چکا ہے ابھی تک کچھ نہیں ہوا۔ بے چاروں کے قیمتی اشتہار ضائع ہو رہے تھے۔ تم پورے شہر میں گھوم آئے ہو اور وہ اخباروں کے سمندر میں اشتہار کی ڈور ڈالے تمہارے پھنسنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں نے انہیں گھارو کی دوڑ لگوا دی ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟" میں نے غصے سے کہا "ان لوگوں کے پاس جدید ترین آلات ہیں۔ ان کو یہاں سے فون کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں لڑکی ضرور ہوں مگر نادان نہیں ہوں۔" وہ میری جھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسکرائی "میں نے بازار کے ایک پی سی او سے فون کیا تھا۔ غزالہ بھی میرے ساتھ تھی۔"

"کوئی لائن پر موجود تھا یا ریکارڈنگ مشین لگی ہوئی تھی۔" میری طبیعت میں تجسس جاگ اٹھا۔

"آج اشتہار کا پہلا دن ہے۔ وہ خاصے پُر امید معلوم ہوتے ہیں۔ کوئی مقامی فون پر بیٹھا امریکی لب و لہجے کی نقل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔" ویرا نے ہلکی ہنسی کے ساتھ اپنی بات شروع کی "میں نے اس بتایا کہ ڈینی نیشنل ہائی وے پر گھارو سے تین چار کلو میٹر آگے، معراج فارم ہاؤس میں روپوش ہے۔ کئی برسوں پہلے میں نے وہ فارم دیکھا تھا۔ اس نے خاصی دلچسپی لی اور میرے بارے میں جاننا چاہا تو میں نے کہہ دیا کہ ڈینی اگر معراج فارم سے پکڑا گیا تو میں اپنا انعام حاصل کرنے کے لیے مونا علی کے نام سے دوبارہ رابطہ کروں گی۔"

"یہ خاصی بچگانہ حرکت ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "ان کے دوڑ لگانے سے ہمیں کیا حاصل ہوگا؟"

"تم نے بہت اچھا کیا۔" سلطان شاہ نے اس کی تعریف کی "ہمیں کچھ حاصل ہو یا نہ ہو، وہ ضرور ہلکان ہوں گے۔"

"شکریہ ڈارلنگ!" ویرا نے آنکھ مار کر کہا "تمہیں کافی دنوں بعد میرا کوئی کام پسند آیا ہے مگر میری یہ بات یاد رکھنا کہ سیتا نے تمہیں اور ڈینی کو قریب سے دیکھ لیا ہے۔ وہ تم دونوں کے لیے ایک مستقل خطرہ بنی رہے گی۔ اس کی آزادی میرے لیے تشویش ناک ہے۔"

"اسے گولی مارو اور اپنے دوسرے کارنامے کے بارے میں بتاؤ۔" میں نے مطالبہ کیا۔

ویرا مجھے چڑانے کے لیے خاموشی سے مسکراتی رہی۔ غزالہ اس کی یہ زیادتی برداشت نہیں کر سکی اور بولی "ویرا نے اسی پی سی او سے دوسرا فون سوبھراج کے گھر کیا تھا۔ دو میں سے ایک نمبر مسلسل مصروف تھا لیکن دوسرے پر پہلی کوشش میں ہی رابطہ ہو گیا۔"

"یہ اچھی اور حوصلہ مندانہ کوشش تھی۔" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "اس کا کیا نتیجہ نکلا۔"

"وہ خود موجود نہیں تھا۔" ویرا نے لب کشائی کی "اس کے پرسنل سیکریٹری سے میری بات کروا دی گئی۔ اس نے سوبھراج کے انٹرویو کے لیے مجھے کل شام پانچ بجے کا وقت دیا

ہے۔"

"سوبھراج کا انٹرویو!" میں نے حیرت سے دہرایا "وہ کس سلسلے میں ہوگا۔"

"اس وقت مسلم ریاستوں میں دوسری اقلیتوں کی مذہبی اور سیاسی آزادیوں کے بارے میں مغرب بہت حساس ہے۔" ویرا نے بائیں آنکھ دبا کر کہا "سی بی ایس اس سلسلے میں پاکستان پر ایک پروگرام نشر کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ یہ انٹرویو اسی سلسلے کی ایک کڑی ہوگا۔ اس میں سوبھراج کے جوابات اسی کی آواز میں سنوائے جائیں گے۔"

"یہ سی بی ایس کیا بلا ہے؟" میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"یہ نویڈا میں قائم سنٹرل براڈ کاسٹنگ اسٹیشن کا مخفف ہے۔" اس نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ جواب دیا۔

"کیا امریکا میں اس نام کے کسی ریڈیو اسٹیشن کا وجود ہے؟"

"پتا نہیں!" اس نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے کہا "یہ نام میرے ذہن میں آیا ہے تو اس کا وجود بھی ہونا چاہیے۔"

"تمہیں مذہب اور سیاست سے خاک دلچسپی نہیں ہے۔ تمہارے سطحی سوالات سے اسے شبہ ہو گیا تھا تو وہ تمہاری شناخت مانگ سکتا ہے۔ تم بری طرح پھنس جاؤ گی۔" میں نے اسے تنبیہہ کی۔

"ہائے!" اس نے اپنے سینے پر بایاں ہاتھ مار کر ہولے سے کہا "ماضی بھی کیا ہوتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب بیسیوں فرضی شناخت نامے اور کارڈ میرے پاس ہر وقت تیار رہتے تھے۔ جب سے تم نے مجھے دربدر کیا ہے یہ سارے ٹھاٹ خاک میں مل گئے۔ اب بولنے سے پہلے سوچنا پڑتا ہے۔ میں تمہیں یہ بتا دوں کہ اس کا سیکریٹری سی بی ایس کے نام سے مرعوب ہو گیا تھا۔ تمہارے لیڈر اور سیاست داں بین الاقوامی ذرائع ابلاغ میں اپنی آوازوں اور تصویروں کی تشہیر کو باعث فخر سمجھتے ہیں۔ یہ سحر سوبھراج پر بھی کام کرے گا۔ ویسے میری معلومات اتنی بری نہیں ہیں۔ پاکستان میں اقلیتوں کو آئینی طور پر مکمل آزادی حاصل ہے لیکن عملی طور پر معاملہ ذرا مختلف ہے۔ مسلمانوں کے ردِ عمل کے خوف سے سب اپنی چار دیواری میں محبوس رہتے ہیں۔"

"میں تمہیں وہاں جانے سے نہیں روکتا۔ اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے ایسے ہی خطرات مول لینا پڑیں گے مگر ہوم ورک کامکمل کرنا ضروری ہے۔"

"میں سلطان شاہ کو اپنے معاون کے طور پر ساتھ لے جاؤں گی۔"

"یہ سب سے بڑی خبر ہے۔" غزالہ خوش ہو کر بولی۔ "آج تم دونوں کے ستارے کافی مل رہے ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے وہ تمہاری تعریف کر رہا تھا۔ اب تم نے اسے اپنے ساتھ لے جانے کا اعلان کیا ہے۔ کاش تم دونوں کے درمیان مفاہمانہ فضائیں ہی پروان چڑھتی رہے۔"

"اس بارے میں اول خان کا مشورہ بھی سود مند رہے گا۔" سلطان شاہ، غزالہ کے تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا "آج گلاب خان کے گھر کا پتا اسی نے فراہم کیا تھا لیکن تم نے وہاں جانے کے بارے میں اسے اعتماد میں نہیں لیا۔ وہ حساس آدمی ہے۔ بہت برا منائے گا۔"

"وہ برا منائے، میں اسے منا لوں گا۔ وہ ہمارا دوست ضرور ہے لیکن کبھی کبھی مجھے یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے ہم اس پر زیادہ انحصار کرنے لگے ہیں.....

"اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔" ویرا نے میری قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "اس نے سرور کو میدان میں نہ اتارا ہوتا تو ہم لوگ کئی دنوں تک گلاب سنگھ کی تلاش میں بھٹکتے رہتے۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں۔ اس کی وجہ سے میسر آنے والی آسانیوں نے ہمیں تن آسان بنا دیا ہے۔ جہاں تک گلاب خان کا معاملہ ہے تو میں نے اسے نظر انداز نہیں کیا۔ بس اچانک ادھر جانے کا پروگرام بن گیا۔ ویسے بھی وہاں کسی لاؤ لشکر کی ضرورت نہیں تھی۔ اب اس سے بات یا ملاقات ہوگی تو اسے بھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"سوبھراج آسانی سے قابو میں آنے والی آسامی معلوم نہیں ہوتا۔" ویرا سگریٹ سلگا کر دھیرے سے بولی "اس کے لیے ہمیں ایس ٹی ایف کے وسائل اور نفری کی ضرورت پیش آئے گی۔"

"ضرورت پڑے گی تو ہم ان سے ضرور مدد لیں گے۔" میں نے اسے یقین دہانی کرائی۔

"تم نے ابھی تک سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا کوئی مصرف نہیں سوچا۔" ویرا نے اپنی دانست میں مجھے یاد دلایا "یہ پتا چلنا چاہیے کہ گوپال نے تمہیں کوئی غلط نمبر دے کر گمراہ کرنے کی کوشش تو نہیں کی۔"

"میرے لیے سوبھراج زیادہ اہم ہے۔ میں اس سے بھی بات کروں گا لیکن اس وقت مجھے مجبوراً اسے بھول کر سیتا کے پیچھے جانا پڑا۔ وہ چھلاوا بنی ہوئی ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں

میرے پہنچنے سے پہلے ہی وہ گلاب خان کے گھر سے کہیں اور کوچ نہ کر جائے۔"

"اس بھاگ دوڑ کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔" ویرا بے پروائی سے بولی "پہلے نہ سہی وہ تمہارے جانے کے بعد نکل گئی۔"

"بس یہ ہمارے مقدر کی خرابی تھی کہ وہ نکل گئی ورنہ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ گلاب خان کے گھر سے نہیں نکل سکے گی۔ اب دیکھو کہ وہ دوبارہ کب ہمارے سامنے آتی ہے۔"

ہم اپنی اپنی کوفت دور کرنے کے لیے ادھر اُدھر کی باتوں میں مصروف تھے کہ اول خان کا فون آگیا۔ وہ دفتر سے باہر مصروف رہا تھا اور اس وقت بھی راستے میں تھا۔ اس نے ہمارے پروگرام کے بارے میں پوچھ کر اطلاع دی کہ وہ ایک اچھی خبر کے ساتھ تھوڑی دیر میں ہمارے گھر آرہا تھا۔

"حیرت ہے کہ اس نے تم سے سیتا یا گلاب خان کے لڑکے کے بارے میں نہیں پوچھا۔" اول خان سے گفتگو ختم ہوتے ہی ویرا بولی۔

"وہ یہاں آرہا ہے۔" میں نے ان سب کو مطلع کیا اور سگریٹ سلگا کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ اس وقت میرے ذہن پر صرف اور صرف سوبھراج سوار تھا۔

تھوڑی دیر بعد اول خان آگیا۔ چہرے سے وہ خاصا بشاش اور خوش نظر آرہا تھا۔ اس نے آتے ہی بتایا کہ سوبھراج کے چہرے پر داڑھی کے اضافے کے نتیجے میں حشمت کی شخصیت وجود میں آئی تھی اس نے سوبھراج کی چند تصاویر حاصل کر کے ایک آرٹسٹ سے ان میں مطلوبہ اضافے کرائے۔ وہ تصاویر ہوٹل کے عملے کو دکھائی گئیں تو ہر فرد نے فوری طور پر انہیں حشمت کی مختلف تصاویر کے طور پر پہچان لیا۔ یہ بات ہر شک و شبے سے بالاتر ہو چکی تھی کہ سوبھراج، حشمت اور کوبرا ایک ہی شخصیت کے تین نام اور روپ تھے۔ صرف سوبھراج کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر ہم ان تینوں کے کالے کرتوتوں کا حساب بے باق کر سکتے تھے۔ وہ اپنی سیاسی پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے جرائم کا بازار گرم کیے ہوئے تھا۔

"آج میں صبح سے اسی کے چکر میں لگا رہا۔" اول خان کہہ رہا تھا "سرور کی رپورٹ ملتے ہی میں نے تم کو گلاب خان کا پتا بتایا اور اپنے کام پر نکل کھڑا ہوا۔ اب فرصت ملی ہے تو سیدھا ادھر آیا ہوں۔ تم نے گلاب خان کے بارے میں کیا سوچا ہے۔"

"سوچنے سمجھنے کے سارے مراحل گزر چکے ہیں۔ میں نے ہنستے ہوئے، سرسری انداز میں اسے بتایا "میں سلطان شاہ کے ساتھ اس کے گھر ہو آیا ہوں۔" میں غیر ارادی طور پر لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا تو اول خان میری اس کوشش کے نتیجے کے بارے میں کوئی سوال کر بیٹھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "وہ وہیں تھی مگر ہمیں جل دے کر دوبارہ نکل جانے میں کامیاب ہو گئی۔"

اس واقعے کی تفصیل اول خان کے لیے حیران کن ثابت ہوئی۔ اس کی رائے تھی کہ سیتا کے لیے سربلند خان کے دل میں بھڑکتی ہوئی آتشِ محبت نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کی باتوں سے سیتا نے اندازہ لگا لیا کہ تہ خانے سے باہر نکلتے ہی اس پر برا وقت آجائے گا۔ بروقت معلومات حاصل ہونے کی وجہ سے اسے اپنے فرار کا نیا منصوبہ تیار کرنے کی مہلت مل گئی۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ شاید سربلند خان نے خود ہی اپنا ریوالور سیتا کے حوالے کیا ہو تاکہ وہ اس کی مدد سے وہاں سے فرار ہو سکے۔

"عشق کی سمت صحیح ہو تو یہ بہت پاکیزہ جذبہ ہے۔" غزالہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "اندھی محبت کی صورت میں آدمی کی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں اور وہ برے بھلے کی ہر تمیز کھو بیٹھتا ہے۔ سربلند ننھا سا بچہ نہیں تھا کہ سیتا نے اسے بہلا پھسلا کر ریوالور اپنے قبضے میں لے لیا ہو۔"

"اس بارے میں مجھے سربلند سے پوچھ گچھ کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔" میں نے بتایا "گلاب خان کے ناگہانی زخمی ہو جانے کی وجہ سے اس کے گھر میں ایک کہرام سا مچا ہوا تھا۔ ہم دونوں الگ الگ گاڑیوں میں وہاں پہنچے تو سربلند اپنے زخمی باپ کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا۔ میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر وہاں سے نکل آیا۔"

"میری دانست میں یہ معلوم ہونا ضروری ہے۔" اول خان نے زور دے کر کہا "اگر سربلند نے اس کے ساتھ غیر معمولی ہمدردی کا مظاہرہ کیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس نے سیتا کو کسی نئے ٹھکانے کے بارے میں بھی بتایا ہو جہاں وہ محفوظ رہ کر سربلند سے ملتی جلتی رہے۔"

"سربلند کے بارے میں تمہاری رائے قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔" ویرا نے پرزور لہجے میں کہا "اس سے ذرا سختی سے بازپرس کی جائے تو وہ سب کچھ اگل دے گی۔ پڑھا لکھا آدمی کسی بھی قوم یا طبقے سے تعلق رکھتا ہو، سمجھ دار اور مصلحت پسند ہوتا ہے۔ وہ اپنے بچاؤ کو ہر چیز پر فوقیت دیتا ہے۔"

"دو عورتوں یا لڑکیوں کی رائے ایک ہے تو ہو سکتا ہے

کہ وہ درست ہو مگر میں ان میں سے کسی سے متفق نہیں ہوں۔" میں نے کہا "راستے میں میری اس سے مختصر سی بات ہوئی تھی اور اس نے سیتا کو ایک بدمعاش عورت قرار دیا تھا۔

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ تہ خانے میں سیتا کا باپ کچھ اور ہی رہا ہوگا۔" ویرا اپنی بات پر اڑی رہی۔ "وہ اپنے اناڑی پن کی وجہ سے اس سے دھوکا کھا گیا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس نے اپنے باپ کے زخمی ہونے پر احتجاج کیا ہوگا اور سیتا کے ساتھ جانے سے انکار بھی کر دیا ہوگا۔ اس وقت سیتا نے اپنے تیور بدل کر اسے آنکھیں دکھائی ہوں گی۔ وہ زندگی اور موت کے درمیان پھنسی ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی ہدایت سے انحراف کی صورت میں سربلند کو گولی مارنے کی دھمکی دے کر اسے اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کیا ہو۔"

وہ باتیں بعید از قیاس نہیں تھیں۔ حالات میں ساری تبدیلیاں تہ خانے کے باہر رونما ہوئی تھیں۔ اگر سربلند نے نئی کمین گاہ کے سلسلے میں سیتا کو کوئی مشورہ دیا بھی تھا تو مجھے امید نہیں تھی کہ اس چالاک عورت نے اس پر عمل کیا ہوگا۔ وہ سربلند کی بتائی ہوئی کمین گاہ میں روپوش ہو کر یہ خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی کہ وہ اپنے باپ کو بے رحمی سے زخمی کرنے والی کی مخبری کر کے اسے وہاں سے پکڑوا دے۔ میری نپی تلی رائے تھی کہ سیتا ہمارے ہاتھ سے نکل چکی تھی اور ہمیں از سرِ نو اس کی تلاش کی مہم شروع کرنی تھی۔

نتیجہ کچھ بھی نکلے، سربلند پر ایک مرتبہ ذرا سی محنت کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" اول خان نے ویرا کی ابتدائی تجویز کی حمایت میں کہا "ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تہ خانے میں سیتا اور سربلند کے درمیان کیا مذاکرات ہوئے تھے اور اس نے کن حالات میں سربلند کے ریوالور پر قبضہ کیا تھا۔"

اول خان نے ایک فیصلہ صادر کر دیا تھا۔ اس معاملے میں مزید رائے زنی کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔

"میں گلاب خان کی طرف گیا ہوا تھا۔ ویرا نے دوسری طرف چھیڑ چھاڑ شروع کر دی "ایک موضوع پر گفتگو ختم ہونے کے بعد میں نے اول خان کے کسی سوال سے پہلے اسے ویرا کی دونوں ٹیلی فون کالز کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

امریکی اشتہار کے حوالے سے کی جانے والی فون کال کی اہمیت ایک کھیل یا شرارت سے زیادہ نہیں تھی۔ اول خان نے اسے ہنس کر نظر انداز کر دیا لیکن سوبھراج کے نمبر پر کی جانے والی کال کی تفصیل سن کر اسے خاصی خوشی ہوئی "تم نے شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالا ہے۔ حیرت ہے کہ اس کے پرسنل سیکریٹری نے تمہیں آسانی سے ملاقات کا وقت دے دیا۔"

"اس نے تم سے ضرور پوچھا ہوگا کہ تم کراچی میں کہاں مقیم ہو!" میں نے ایک فوری خیال کے تحت ویرا سے پوچھا۔

"پوچھا تھا۔" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "حیرت ہے کہ یہ اہم سوال تمہیں پہلے یاد نہیں آیا۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ میں آج حیدر آباد جا رہی ہوں۔ کل صبح واپس آؤں گی اور جس ہوٹل میں کمرا مل گیا، وہیں ٹھہر جاؤں گی۔"

"اور تمہارا خیال ہے کہ تمہارے اس مشتبہ جواب پر یقین کر لیا گیا ہوگا۔" سلطان شاہ بولا۔

"اسے تم کمزور جواب کہہ سکتے ہو کیونکہ تم ہر بات سے واقف ہو۔ اس کے شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ میں یہاں ہوٹلوں میں آرام کرنے کے لیے نہیں آئی۔ سی بی ایس نے بھاری رقم خرچ کر کے یہاں ایک پروگرام مکمل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اس کے لیے میرا ہر وقت متحرک رہنا ضروری ہے۔"

"سی بی ایس کی طرف سے کوئی امریکی لڑکی ہی آ سکتی ہے۔ میں نے امریکی لب و لہجے والی انگریزی استعمال کی تھی۔" اس نے فخریہ لہجے میں بتایا "اردو میں بات کرنے کے بعد میں ان کے سامنے جاتی تو وہ میرے رنگ اور خدوخال سے بری طرح چونک پڑتے۔ اخبارات میں اشتہار تازہ ہے اس میں چھپنے والی میری تصویر کافی پرانی لیکن صاف ہے۔ اس میں میری کچھ نہ کچھ شباہت موجود ہے۔ اپنے سامنے مجھے اردو بولتا دیکھ کر انہیں لامحالہ شبہ ہو سکتا تھا۔"

"شبہ ہونے کے امکانات اب بھی موجود ہیں۔" اول خان تشویش سے بولا "یہ فیصلہ عجلت میں نہیں کیا جا سکتا۔ میں تمہیں شیر کی کچھار میں داخل ہونے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ ہمیں اس بارے میں سوچ سمجھ کر کچھ طے کرنا ہوگا۔"

"اتفاق کی بات ہے کہ میرے ذہن میں انٹرویو کا بہانہ آ گیا اور وہ رضامند بھی ہو گیا۔ بار بار ایسے بہانے بنائے جا سکتے ہیں اور نہ وہ کامیاب ہوں گے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی انٹرویو سے بھاگ جائے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "ابھی میرے پاس ایک ٹرمپ کارڈ باقی ہے۔"

"وہ کیا۔" تقریباً چاروں نے ہی بہ یک آواز پوچھا تھا۔

"گوپال نے اس کا سیٹ لائٹ فون نمبر دیا تھا۔ اس پر سوبھراج کو خوفزدہ کرنے کے لیے خاصا مواد جمع ہو چکا ہے۔" میں نے کہا۔

"بالکل۔" اول خان پرزور لہجے میں بولا "اسے تو میں بھول ہی گیا تھا۔ یہ نیک کام تمہیں ابھی کر لینا چاہیے۔"

"شاید اس کے لیے تمہیں کسی پی سی او کا رخ کرنا پڑے گا۔" ویرا بولی "جب سی ایس ڈی کی وجہ سے موبائل فون پر بات نہیں ہو سکتی تو سیٹ لائٹ فون پر کیا ہوگی۔ اس میں بھی کئی درمیانی سرکٹ ملوث ہوتے ہوں گے۔ سی ایس ڈی دوسرا سرکٹ ملتے ہی لائن کاٹ دیتی ہے۔"

مجھے یاد آیا کہ گوپال نے بھی پچھلی شام پی سی او سے ہی کوبرا کا نمبر ملایا تھا لیکن وہ مسئلہ دیگر تھا۔ شاید وہ رازداری کے پیشِ نظر اس رابطے کے لیے موبائل کا فون استعمال نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ ایک زمانہ وہ تھا جب کہیں کہیں لگے ہوئے اِکّادُکّا پبلک فون بوتھ صرف لوکل کال کرنے کے لیے استعمال کیے جا سکتے تھے لیکن کارڈ فون کے رواج پانے کے بعد بیشتر جدید فون بوتھ مقامی سے بین الاقوامی کالز تک کے لیے استعمال ہونے لگے تھے۔

"ضرورت پڑی تو پبلک بوتھ بھی دیکھ لیا جائے گا۔ فی الحال یہاں سے ایک کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے!" سلطان شاہ ویرا کے اٹھاتے ہوئے نکتے کا جواب دے رہا تھا۔

سلطان شاہ کی تجویز بہتر تھی۔ کورم بھی پورا تھا۔ میں نے کہا "یہ کام اسی وقت کر لینا چاہیے۔ دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے؟"

سلطان شاہ نے نہایت سعادت مندانہ انداز میں اسپیکر فون میرے آگے سرکا دیا۔

گوپال کا بتایا ہوا فون نمبر اول خان نے نوٹ کیا تھا جو بعد میں، میں نے بھی ایک کاغذ پر لکھ لیا تھا۔ دونوں کے پاس اپنے اپنے کاغذ موجود تھے۔ میں نے ایک مرتبہ دونوں نمبروں کا موازنہ کیا۔ وہ بالکل یکساں تھے۔ میں نے اسپیکر فون پر وہ نمبر ملانا شروع کر دیا۔

نمبر ملانے کے بعد مجھے کئی سیکنڈ تک انتظار کرنا پڑا لائن پر گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ سب کی مستفسرانہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں پھر اچانک ہی دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی اور میں نے بے ساختہ اپنا داہنا ہاتھ فضا میں اچھال کر کامیابی کا اعلان کر دیا۔ شاید سیٹ لائٹ کے ذریعے براہِ راست رابطے میں موبائل کی طرح کوئی اور سرکٹ موجود نہیں تھا۔

میں نے ریسیور واپس رکھ کر بہت تیزی سے اسپیکر فون آن کیا تھا۔ پہلی گھنٹی اسپیکر فون پر مکمل ہوئی۔ قدرے وقفے سے دوسری گھنٹی کی آواز ابھری اور اسی کے درمیان دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا۔ "ہیلو!" میرے کانوں میں ایک گونجیلی اور رعب دار مگر خوابیدہ سی آواز آئی۔

"کیا سو رہے تھے؟" میں نے اس کی آواز میں نیند کا خمار محسوس کرتے ہوئے طنز کیا "پورا شہر جاگا ہوا ہے اور تم گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔"

"تم کون ہو اور تم کو یہ فون نمبر کہاں سے ملا؟" آواز میں غراہٹ اور خفگی عود کر آئی۔

"دونوں ملین ڈالر کے سوال ہیں۔ آج کے امریکی اشتہار نے پہلے سوال کی قیمت اور بڑھا دی ہے۔"

"تم کیا اول فول بک رہے ہو۔ کس اشتہار کی بات کر رہے ہو؟"

میرا مقصد اسے سلگانا اور مشتعل کرنا تھا۔ میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کر کے کہا "دنیا آنکھیں بند کر کے سوتی ہے۔ تم آنکھیں کھلی رکھ کر سوتے ہو گے۔ سنا ہے کہ سانپ کی آنکھوں کے پپوٹے نہیں ہوتے۔ اس لیے وہ سوتے ہوئے بھی جاگتا نظر آتا ہے۔ تم کوبرا ہو۔ تمہارے بھی یہی خواص ہوں گے۔ حیرت ہے کہ پھر بھی تم بے خبر ہو۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کہ تمہیں یہ فون نمبر کہاں سے ملا؟" اس کی آواز سے نیند کا خمار کافور ہو گیا۔ اس کی آواز پھاڑ کھانے والی تھی۔

"تم ایس کے کو تو جانتے ہو گے!" میں نے اس کی کیفیت کے تصور سے محظوظ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اگر تم نے پاگلوں جیسی بے مقصد باتیں ختم نہ کیں تو میں فون بند کر دوں گا۔" اس نے دھمکی دی۔

"کوئی بات نہیں۔ میں دوبارہ فون کر لوں گا۔ ویسے میں سونیا کمال کی بات کر رہا ہوں۔ وہی جو ارجن کے ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔"

"اس سے تمہارا کیا واسطہ؟ وہ تمہیں کہاں مل گئی؟"

"اب ان نازک سوالوں کو چھوڑو۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ تمہارا فون نمبر اسی نے دیا ہے۔" میں نے اسے غلط فہمی میں ڈالنے کے لیے اس کے فون نمبر کا افشا دانستہ سیتا کے سر ڈال دیا۔

"میں مان ہی نہیں سکتا۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"میری سچائی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ میں اس وقت تمہارے سیٹ لائٹ فون پر تم سے بات کر رہا ہوں۔"

"اگر تم سچے ہو تو یہ بتاؤ کہ وہ تمہیں کہاں ملی تھی۔"

اس کا لہجہ آخر کار تجسس میں تبدیل ہونے لگا۔

"ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تو میرے سائے سے بھی بھڑکتی ہے۔ میں نے اسے ہوٹل کی پارکنگ سے بے ہوش کر کے اغوا کر لیا تھا۔"

"یہ خواب تم نے کب دیکھا تھا؟" اس کی زہریلی آواز آئی۔

"یہ کل شام کی بات ہے۔" اس بار میں نے سنجیدگی اختیار کر لی تھی۔

"اگر وہ کل شام سے تمہاری قید میں ہے تو پھر اس نے تمہارے ایما پر ہی مجھے فون کیا ہو گا..... مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو۔ میں اپنے دشمنوں کو چیونٹی کی طرح مسل دینے کی طاقت رکھتا ہوں۔ میری اس سے رات کو فون پر بات ہوئی ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس نے میرا فون نمبر تمہیں دیا ہو یا وہ تمہارے ہاتھ آئی ہو۔"

یہ ایک نیا انکشاف تھا کہ سیتا نے اسٹیشن فورسے فرار ہونے اور گلاب خان کے گھر پہنچنے کے درمیان، کہیں سے کوبرا کو فون کیا تھا اور اپنے اغوا کا ذکر گول کر دیا تھا۔

"دیکھو پیارے کوبرا! میری بات کا یقین کر لو ورنہ مجھے کچھ ناگفتنی باتیں دہرانی پڑ جائیں گی۔"

"میرا یہ فون نمبر ٹاپ سیکرٹ ہے۔ یہ کسی ایرے غیرے کے ہاتھ نہیں لگ سکتا۔ مجھے صرف اس ایک بات نے فکر مند کیا ہوا ہے۔ اگر تمہاری یہی کال میرے کسی عام فون پر آئی ہوتی تو میں نے اب تک دس دفعہ تمہارے منہ پر تھوک کر فون بند کر دیا ہوتا۔"

"سنا ہے کہ سانپ کا تھوک بھی بہت زہریلا ہوتا ہے۔ دوسری اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ چیونٹی ہاتھ میں آجائے تو مسلی جاتی ہے۔ آنکھ بچا کر کسی طرح ناک کے راستے دماغ میں گھس جائے تو آدمی کو مار دیتی ہے اس لیے زیادہ بڑے بول نہ بولو۔ جس طرح میں نے تمہارے فون نمبر کا سراغ لگایا ہے اسی طرح میں تمہارے ٹھکانے تک بھی پہنچ سکتا ہوں۔ ڈرو اس برے وقت سے جب تمہیں میرے ہاتھوں سے روئے زمین پر کہیں امان نہیں ملے گی۔"

"اوہ!" فون پر یکایک اس کی تحیر زدہ آواز ابھری جیسے اس کے ذہن میں کوئی نیا خیال آیا ہو "ابھی تم نے اشتہار کی بات کی تھی اور اب تمہاری باتوں سے نخوت کی بو آرہی ہے۔ کہیں تم ذیٹی تو نہیں ہو۔ میں نے سنا ہے کہ وہ اسی طرح بڑی بڑی باتیں کرتا ہے۔"

"غنیمت ہے کہ تم نے خاکسار کو پہچان لیا۔ تم نے یہ بھی ضرور سنا ہو گا کہ میں جو کہتا ہوں اس پر عمل ضرور کرتا ہوں۔"

"اب میں تم سے کچھ دیر تک بات کر سکتا ہوں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ مخاطب کون ہے تو بات کرنے میں خاک مزہ نہیں آتا۔" الفاظ کے ساتھ اس کے لہجے میں نمایاں تبدیلی آئی۔ "اب ذرا ناگفتنی باتیں بھی دہرا دو تاکہ میں تمہاری کسی بات کا اعتبار کر سکوں۔"

میں نے ایک نظر دونوں عورتوں کی طرف دیکھا۔ ویرا ڈھیٹ اور بے شرم تھی۔ اس کے اٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسے میں کوئی اشارہ کرتا تو وہ میری ضد میں اور جم کر بیٹھ جاتی۔ وہ ہر قسم کی گفتگو سے لطف اندوز ہونے کی عادی تھی لیکن میں کم از کم غزالہ کے سامنے وہ سب نہیں کہہ سکتا تھا جو میرے ذہن میں کلبلا رہا تھا۔ میں نے غزالہ کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ ناگفتنی باتوں کا ذکر آجانے پر وہ خود بھی پریشان تھی۔ فوراً اٹھ کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

"سونیا کمال کو میں نے کل شام کو اٹھایا تھا۔ وہ واقعی کمال کی ہے اور بہت مزے دار عورت ہے۔" میں نے قدرے توقف کے بعد ایک ایسی کہانی چھیڑ دی جو سیتا اور کوبرا کے درمیان نفرتوں کی ایک وسیع خلیج پیدا کر سکتی تھی "سونیا کو یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ میرے چنگل سے کسی بھی طرح نجات حاصل نہیں کر سکے گی۔ اس نتیجے پر پہنچتے ہی اس نے میرے ساتھ دوستانہ رویہ اختیار کر لیا۔ اس کے وجود کی مہک میں ابھی تک اپنے سانسوں میں محسوس کر رہا ہوں....." میں نے اپنی کہانی میں رنگ بھرنا شروع کیا تو ادھورا رہ گیا۔

"اس معاملے میں وہ آوارہ کتیا ہے۔" اس نے مضطربانہ لہجے میں میری بات کاٹ دی "مجھے تمہاری اور اس کی ان گھٹیا سرگرمیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"کمال ہے کہ تم ان باتوں کو گھٹیا سرگرمیاں قرار دے رہے ہو۔ میں نے تو سنا ہے کہ تم ان ہی رنگینیوں کو زندگی کا نچوڑ سمجھتے ہو۔"

"کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ عملی زندگی کی ہر بات زبان پر نہیں لائی جاتی۔"

"میں اسی لیے ناگفتنی باتوں کا ذکر کر رہا تھا۔ تفصیلات کا ذکر میں نے تمہارے اصرار پر چھیڑا ہے۔"

"بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے کتیا پن پر اتر آئی۔ میں یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ اس نے تمہیں فون نمبر کیسے دے دیا۔"

"میں بھی وہی بتا رہا تھا۔ جذبات کی روانی میں جب

وجود پگھلتے ہیں تو زبان پر بھی اختیار نہیں رہتا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ میرے لیے لڑکیوں کا قحط ہے۔ میں اسے ساری عمر اپنی قید میں رکھوں گا۔ تمہاری اس سیکرٹ ایجنٹ کو یہ پتا نہیں تھا کہ شوقین مزاج لوگ چوسے ہوئے آم کو دوبارہ منہ نہیں لگاتے۔۔۔"

"تو اس اُلو کی پٹھی نے تمہیں یہ بھی بتادیا کہ وہ سیکرٹ ایجنٹ ہے!" وہ میری بات کاٹ کر غرایا۔

"سیکرٹ ایجنٹ کیا' وہ تو بلیک کیٹ ہے۔ اگر میری باتوں پر اب بھی اعتبار نہ آیا ہو تو میں کچھ اور بھی بتا سکتا ہوں۔"

"بتاؤ' ضرور بتاؤ۔ میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں۔"

"سب کچھ نہ کہو۔ بہت کچھ تو تم سننے کے روادار ہی نہیں ہو۔ اس کا اصل نام سیتا کانت ہے اور کوڈ بلی سی دو سو پندرہ" میں نے ویرا کو آنکھ مار کر کہا "مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ ایک منجھی ہوئی سیکرٹ ایجنٹ اتنی آسانی سے اپنی شناخت بتا سکتی ہے۔ اپنا یقین دلانے کے لیے اس نے اپنا زیر جامہ دکھایا جس کے اندر اسی نام اور کوڈ کا ٹیگ سلا ہوا تھا۔"

"تمہاری باتیں میرے لیے حیران کن ہیں۔ میں انہیں سچ مان لوں تو پھر اس نے مجھے فون کیسے کیا تھا۔ اس کی آواز سے پریشانی مترشح ہونے لگی تھی۔

"چوسا ہوا آم کچرے میں پھینک دیا جاتا ہے۔ وہ دہلی سے مجھے مارنے آئی تھی مگر خود زیر دام آگئی تھی۔ میں نے اس سے سب کچھ اگلوا لیا تھا۔ وہ میرے لیے بے کار ہو چکی تھی۔ رات کو میں نے اسے آزاد کر دیا۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد اس نے کہیں سے تمہیں فون کیا ہوگا۔"

وہ غدار نکلی۔ اس نے اپنے ساتھ میرا منہ بھی کالا کر دیا۔ اس نے ہماری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا لیکن یہ یاد رکھنا کہ تم اب بھی ہمارے نشانے پر ہو۔ تمہارا وقت بہت قریب آچکا ہے۔ سیتا نہ سہی' کوئی اور تم تک پہنچ کر تمہارا کام تمام کر دے گا۔ میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم نے یہ سب باتیں مجھے کیوں بتائی ہیں!"

"میں نے از خود تمہیں ایک لفظ نہیں بتایا۔ تمہارے اصرار اور فرمائش پر بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اب ہم تمہاری شہ رگ سے بہت قریب پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ تمہاری بے خبری میں کسی بھی وقت کاٹ دی جائے گی اور تم جہنم واصل ہو جاؤ گے۔"

"اور یہی بات تمہارے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔" قدرے بہتر فضا میں ہونے والی گفتگو میں یکایک تلخی گھل گئی تھی "یہ نہ سمجھنا کہ ایک بلیک کیٹ کو غداری پر اکسا کر تم نے کوئی بڑا پالا مار لیا ہے۔ ہم بھی تمہارے اردگرد منڈلا رہے ہیں۔ جال لمحہ بہ لمحہ تنگ ہو رہا ہے۔ کسی بھی وقت ڈوریاں کھینچ جائیں گی۔"

"اپنی غلط فہمی دور کر لو۔ بات صرف ایک بلیک کیٹ کی نہیں ہے۔ سیتا کو میں نے پکڑا تھا۔ اس کی نشان دہی پر اب گوپال راج میرے قبضے میں ہے۔ تمہاری ساری بساط درہم برہم ہو چکی ہے۔ یہ ارجن کے خون کا خمیازہ ہے جو تم کو بھگتنا پڑے گا۔"

میں نے اپنی بات ارجن کے قتل تک محدود رکھی تھی۔ یہ کہنے سے گریز کیا تھا کہ کوبرا نے تک کے ایما پر ارجن کو مروایا تھا۔ حالانکہ میرے لیے وہ بات بہت زیادہ واضح ہو چکی تھی۔ اس کے اظہار میں خرابی یہ تھی کہ وہ بات مجھے کرنل داور کی حیثیت سے معلوم ہوئی تھی اور میں حتی الامکان اپنے ان دونوں کرداروں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے کے لیے کوشاں تھا۔

"تم نے اسے بہت گندا کر کے چھوڑا ہے۔ اب یہ عورت میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکے گی۔ میں اس کی بوٹیاں اڑا دوں گا۔" گوپال کے انجام کی خبر سن کر حشمت بلکہ سوبھراج کی آواز میں وحشیانہ حد تک تندی آگئی "مجھے یہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ سیتا ہوٹل سے بھاگ گئی ہے تو گوپال کہاں مرا ہوا ہے۔ میں اسے شہر کے سارے اسپتالوں میں تلاش کروا رہا ہوں۔۔۔"

"اب یہ مشقت ختم کر دو۔ اسے لے جانے والے میرے ساتھی تھے۔" جب تک وہ زبان نہیں کھولتا' میں احتیاط سے اس کی مہمان داری کروں گا۔ جس لمحے اس کی زبان چل پڑی' میں اسے آزاد کر دوں گا۔ میں ایک نیک اور شریف آدمی ہوں۔ بے مقصد خون خرابے سے ہمیشہ اپنا دامن بچاتا ہوں۔"

"مجھ سے چبا چبا کر باتیں نہ کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ کون کون تمہاری پشت پر ہے۔ گوپال کو یقیناً ایس ٹی ایف والے اسپتال کے بہانے لے گئے ہوں گے۔ ایک فائیو اسٹار ہوٹل سے تم جیسا آدمی کسی کو نکال کر نہیں لے جا سکتا۔ اس کے لیے حوصلہ اور اتھارٹی کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"جب تم جیسے دو ٹکے کے سانپ اس ہوٹل میں اپنے ایک گہرے دوست کو ڈس سکتے ہیں تو پھر مجھے کون روک سکتا تھا۔"

"تم نے دوسری بار یہ بکواس کی ہے۔ میں تمہاری خرافات سے ڈرتا ہوں نہ الزام تراشی سے خوف زدہ ہوں۔

صرف تمہاری غلط فہمی دور کرنے کے لیے بتا رہا ہوں کہ مجھے ارجن کے ناگہانی قتل کا گہرا قلق ہے۔ میں تم سے اس کے خون کا حساب بھی لوں گا۔"

اس کی دیدہ دلیری پر سب حیران رہ گئے۔ اس کا منہ توڑنے کے لیے وہ باتیں دہرانی ضروری تھیں جو میں نے کرنل داور بن کرنک کی زبان سے سنی تھیں۔ میں انہیں زبان پر نہیں لا سکتا تھا۔ میں نے رسانیت سے کہا "یہ آنے والا وقت بتائے گا کہ کون کس سے کس کے خون کا حساب لیتا ہے۔ ارجن کے قتل کے وقت تم کہاں تھے یہ تمہارا دل جانتا ہوگا۔ میں جلد ہی اس کا سراغ بھی لگا لوں گا۔ میں باتوں کی روانی میں اس سے حشمت کا ذکر کرتے کرتے رہ گیا۔ اس وقت اسے یہ بھنک نہیں ملنی چاہیے تھی کہ میں اس کے مختلف ناموں سے واقف ہو چکا تھا۔

وہ بلیک کیٹس سے کوبرا بن کر ہوٹل کے مختلف خالی کمروں میں ملتا رہا تھا مگر نک نے مجھے کرنل داور کے روپ میں جو مشورے دیے تھے ان سے ثابت ہو چکا تھا کہ سوبھراج ارجن کی مدد سے حشمت بن کر ہوٹل کے کسی کمرے میں قیام کرتا تھا اور پھر کوبرا کے روپ میں اپنے خفیہ دھندے چلاتا تھا۔

"تم نے اسے خود نہیں مارا مگر اسے تمہارے اشارے پر مارا گیا ہے۔" میں نے تلخی سے کہا "تمہاری چہیتی سیتا مجھے یہ بھی بتا چکی ہے کہ پہلے تم ان دونوں سے کوبرا کے روپ میں روزانہ ایک بار ضرور ملتے تھے مگر ارجن کے قتل ہوتے ہی گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئے۔ یہ محض اتفاق نہیں تھا۔ قاتل اپنی واردات مکمل کرنے کے بعد اسی طرح جائے وقوع سے غائب ہوتے ہیں۔"

"ڈینی! میں تمہیں یہ بتا دوں کہ تمہاری موت میرے ہاتھوں لکھ دی گئی ہے۔ تم زیادہ دنوں تک نہیں جی سکو گے!"

"تمہارے دو مضبوط ترین مہرے پہلی چال پر پٹ چکے ہیں۔ اگر تم را والوں کے بھی سرپرست تھے تو وہ بھی بری طرح مارے گئے۔ تمہارا سارا نیٹ ورک تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ تمہارے امرکی چہیتے بوکھلا کر دوبارہ اشتہار بازی پر اتر آئے ہیں۔ وہ جب کوئی بڑی زک اٹھاتے ہیں' کھسیانی بلی کی طرح یوں ہی کھمبا نوچنا شروع کر دیتے ہیں۔"

"اب میں نے بھی تمہاری کمر توڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تم تک پہنچنے کے لیے اول خان کو راستے سے ہٹانا ضروری ہو گیا ہے کیونکہ اس وقت کراچی میں وہی ایس ٹی ایف کا سرغنہ ہے۔" اس کی آواز میں نفرت اور حقارت کی آمیزش تھی۔

وہ گفتگو الزامات اور جوابی الزامات میں الجھ گئی تھی لیکن دونوں میں سے کوئی بھی اس بات چیت کو ختم کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ جس طرح مجھے کوبرا کا دماغ پڑھنے اور اس کے اگلے اقدامات کا اندازہ لگانے کا موقع مل رہا تھا' شاید اسی طرح وہ بھی میرے جوابات سے کچھ کارآمد نتائج اخذ کر رہا تھا۔

ہم سب کے لیے اس کی آخری دھمکی بہت سنگین اور تشویش ناک تھی۔ ہم چاروں پس پردہ اور کسی حد تک زیر زمین رہ کر کام کر رہے تھے لیکن اول خان کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ اپنے روزمرہ کے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں اسے ہر وقت موجود اور متحرک رہنا پڑتا تھا۔ اگر سوبھراج جیسا بارسوخ شخص اس کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا تو یہ فکر و تشویش کی بات تھی۔ کرایے کا کوئی بھی قاتل اول خان کے معمولات کی نگرانی کر کے اپنی پسند کے وقت اور موقع پر کامیاب قاتلانہ حملہ کر سکتا تھا۔

سوبھراج کو ایسی کسی حرکت سے روکنا بہت ضروری تھا۔ میرے لیے وہ نازک موقع تھا۔ کوئی بڑی اور انتہائی خوفناک جوابی دھمکی ہی اسے اول خان کے خلاف قاتلانہ سازش سے روک سکتی تھی۔ میں نے چند لمحوں کے لیے سوچا اور پھر وہ سب کہہ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا جسے میں اس وقت تک اپنی زبان پر لاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

"تم کان کھول کر سن لو کہ اب اول خان کا بال بھی بیکا ہوا تو میں نتائج کی پروا کیے بغیر تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ آج وہ حالات نہیں ہیں جب تمہارے بلیک کیٹس اول خان کا بازو زخمی کر کے صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ تمہارے خلاف میرے پاس مضبوط شواہد موجود ہیں......"

اس نے میرے معاندانہ لہجے کی پروا کیے بغیر میری بات کاٹ دی اور کہا "میں تمہاری ان ہرزہ سرائیوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ تم کبھی میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔"

"کل تم یہ دعویٰ کر سکتے تھے۔ آج اس خوش فہمی کو اپنے ذہن سے نکال دو۔" میں نے حقارت سے کہا "پولیس ریکارڈ پر حشمت کا نام آ چکا ہے......"

"تم کس حشمت کی بات کر رہے ہو؟" اس بار اس نے یقیناً کچھ سوچے سمجھے بغیر' اضطراری انداز میں میری بات کاٹی تھی۔

"وہی حشمت جو ارجن کے قتل کے وقت ہوٹل کے

کمرا نمبر تین سو دس میں ٹھہرا ہوا تھا اور ارجن کے قتل کی افراتفری میں خاموشی سے کسی وقت ہوٹل سے بھاگ گیا۔ اس نے فون پر اپنی مزید بکنگ منسوخ کرا دی اور اب اس کا نام میری لسٹ پر ہے۔"

"یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟ حشمت سے میرا کیا تعلق؟" اس کی آواز ایک دم ڈھے گئی۔ میری زبان سے اچانک حشمت کا تذکرہ سن کر اس کی آواز میں پریشانی کا عنصر پیدا ہو گیا تھا۔

"اب میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔" میں نے مضبوط اور فیصلہ کن آواز میں کہا "تم ہوٹل کے مختلف خالی کمروں میں کوبرا بن کر بلیک کیٹس سے ملتے رہے اور سمجھتے رہے کہ تمہارا راز ارجن کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہو سکے گا۔ تم یہ بھول گئے کہ وہ دونوں تجربے کار سیکرٹ ایجنٹ ہیں۔ وہ تمہارے تابع نہیں تھے۔ تمہیں بیچ کے پیغام رساں کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ انہیں تجسس تھا کہ کوبرا کے سیاہ نقاب کے پیچھے کون ہے۔ دو دن پہلے انہوں نے تم سے ملنے کے بعد چھپ کر کمرے کی نگرانی کی۔ وہاں سے نقاب پوش کوبرا کے بجائے حشمت خان برآمد ہوا جو اپنے گردوپیش کی پروا کیے بغیر کمرا نمبر تین سو دس کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ کیا تم میری بات سن رہے ہو؟"

اسے اول خان کے خلاف کسی اقدام سے روکنے کے لیے میں نے وہ کہانی اسی لمحے گھڑی تھی اور اسے بھی سیتا کے کھاتے میں ڈالنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس طرح ایک پنتھ دو کاج ہو رہے تھے۔ ایک طرف کوبرا اور حشمت کا تعلق ثابت ہو رہا تھا۔ دوسری طرف سیتا اور کوبرا کے درمیان نفرت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اگر سیتا' گلاب خان کے گھر سے فرار ہونے کے بعد ہر طرف سے مایوس ہو کر کوبرا سے پناہ کی طلب گار ہوتی تو وہ اسے اپنے جال میں پھانس کر' اس کی کوئی وضاحت سنے بغیر' بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔

سیتا کسی معافی کی مستحق نہیں تھی' اسے ہر قیمت پر اپنے کیفر کردار کو پہنچنا چاہیے تھا۔

"میں سب سن رہا ہوں۔" اس بار قدرے سکوت کے بعد اس کی بوجھل آواز آئی تھی۔ "تھوڑی دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ گوپال نے ابھی تک زبان نہیں کھولی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ من گھڑت بکواس بھی سیتا نے تمہیں' تمہارے سینے سے لگ کر سنائی ہوگی۔"

"میں بار بار کچھ نہیں کہوں گا۔ تم خود سمجھ دار ہو۔ اندازہ لگا سکتے ہو کہ اندر کی باتیں کون کھول سکتا ہے۔"

اپنی بات پوری کرتے ہوئے میری نظر ویرا پر پڑیں تو وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے کان پکڑے مجھے گھور رہی تھی۔ دوسروں کے ہونٹوں پر جاندار مسکراہٹیں تیر رہی تھیں۔ ان میں غزالہ بھی شامل تھی۔ وہ میری بے خبری میں' کسی کے ایما پر یا اپنے تجسس سے مجبور ہو کر دوبارہ ڈرائنگ روم میں آن بیٹھی تھی۔

اول خان نے اپنا داہنا مُکا بند کر کے انگوٹھا اوپر اٹھا کر ستائشی انداز میں اسے زوردار جھٹکا دیا۔ اس کی دانست میں' میں صحیح جا رہا تھا۔

"اس کے تابوت میں آخری کیل اسی وقت ٹھک گئی تھی جب اس نے تمہیں میرا سیکرٹ سیٹ لائٹ فون نمبر دیا تھا۔ یہ سب اس کے خلاف اضافی شہادتیں ہیں۔"

"لیکن یہ تمہارے خلاف بھی ہیں۔ میں نے اسے یاد دلاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "میں نے حشمت کا فیصل آباد کا پتا چیک کیا تھا۔ وہ سرے سے بے بنیاد ہے۔ تم نے ہر احتیاط کر لی مگر اپنی آستین میں پلے ہوئے سانپوں کو بھول گئے۔ تمہارا خیال تھا کہ کوبرا کو کوئی نہیں ڈس سکتا مگر تم ڈس لیے گئے۔ حشمت خان کا حلیہ اب بدل چکا ہوگا۔ وہ کوئی اور تھا' جو بھی تھا' اسے یاد نہیں رہا کہ داڑھی اور مونچھوں میں اس کے طوطے کی چونچ کی طرح آگے سے خم دار ناک نہیں چھپ سکے گی۔"

اس بار سکوت قدرے طویل تھا۔ ایک گہرے سانس کے بعد آواز ابھری "ناک کا تفصیلی ذکر میں نے کہیں نہیں سنا۔"

"یہ میری اپنی تحقیق ہے اور ابھی میری ذات تک محدود ہے۔"

"ڈینی! تم بہت خطرناک ہو گئے ہو۔ فوری طور پر تمہارا سر کچلنا ضروری ہو گیا ہے۔"

"کوشش کرتے رہو۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ میری زندگی میں اگر کسی نے بھی اول خان کو کوئی نقصان پہنچایا تو تمہاری ناک والی خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل جائے گی۔ تمہیں داڑھی مونچھیں لگا کر پولیس ارجن کے ہوٹل میں لے جائے گی تو کسی شناختی پریڈ کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ سارا عملہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر تمہیں حشمت خان کے نام سے سلام کرے گا۔ میں تمہاری ساکھ اور عزت خاک میں ملا دوں گا۔"

"تم مجھے بلیک میل کر رہے ہو؟" دوسری طرف سے سرد لہجے میں سوال کیا گیا۔

"یہ سودے بازی ہے۔ تم اسے اپنی مرضی کا کوئی بھی نام دے سکتے ہو۔ جب تک اول خان محفوظ رہے گا، حشمت کی ناک کی بناوٹ میرے دل و دماغ میں محفوظ رہے گی۔ جوں ہی اسے زک پہنچی، یہ بات ہر طرف پھیل جائے گی۔ سودے کو منظور یا نامنظور کرنا تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔"

"کیا تم یہ کہہ رہے ہو کہ جب تک اول خان محفوظ رہا میں بھی بچا رہوں گا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم مجھے تلاش کرتے رہو، میں تمہاری گھات میں لگا رہوں گا۔ یوں سمجھ لو کہ یہ ایک طرح سے ہمارا ذاتی جھگڑا ہو گا۔ جس کا پہلے داؤ چل گیا، وہی فاتح ہو گا۔ دوسری صورت میں سب سے پہلے قانون تمہارے خلاف حرکت میں آئے گا۔"

"میں قانون کی پروا نہیں کرتا، بس بدنامی سے خوف ضرور آتا ہے۔"

اس وقت تک میں نے سوبھراج کا نام نہیں لیا تھا لیکن وہ واضح طور پر سمجھ چکا تھا کہ بات کس خطرناک رخ پر جا رہی تھی۔

"اس بار قانون پوری قوت کے ساتھ حرکت میں آئے گا۔ یہ نہ سمجھنا کہ کسی کا رتبہ قانون کے آڑے آ سکے گا۔"

"تم بہت سخت اور ضدی ہو۔ سیتا نے تمہارے سحر میں گرفتار ہو کر واقعی بہت کچھ برباد کر دیا۔ مجھے فیصلہ کرنے کے لیے کل تک کا وقت درکار ہے۔"

"اس مہلت میں تم میری کمر توڑنے کے لیے اول خان کا کام تمام کر دو گے۔" میں نے طنز سے پوچھا۔

"قسمت خراب ہو اور اسے کوئی حادثہ پیش نہ آ جائے تو اور بات ہے۔ میری طرف سے اس پر کوئی وار نہیں ہو گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ سوبھراج کا وعدہ پتھر کی لکیر کی طرح اٹل ہوتا ہے۔"

میرا دل خوشی سے اچھل کر حلق میں آ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ کسی نے میرے سینے پر ہلکی سی برف رکھ دی ہو۔ سب کے چہرے مسرت سے تمتما اٹھے۔ ایک تھکا دینے والی طویل ذہنی جنگ کے بعد آخر کار وہ اپنی زبان سے اپنا نام لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"پھر میں کل شام پانچ بجے تم کو فون کروں گا۔" میں نے اسے دانستہ وہی وقت دیا جو اس کے پرسنل سیکریٹری نے ویرا کو سوبھراج نے انٹرویو کے لیے دیا تھا۔ سوبھراج اب واقعی زخمی سانپ بن چکا تھا۔ جو اپنی زد میں آئے ہوئے سایوں پر بھی پھن مارتا تھا۔ اس نازک موقع پر ویرا کا اس کے روبہ

رو جانا قطعی مناسب نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گا۔ مجھے اپنا نمبر بھی دے دو تاکہ ضرورت ہو تو میں تم سے رابطہ کر سکوں۔"

"میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔" اس بار میں نے سرد اور سخت آواز میں کہا "میں نے نہ جانے کیسے کیسے جتن کر کے تمہارا خفیہ نمبر حاصل کیا تھا۔ تم بھی اتنی ہی محنت کرو گے تو تمہیں میرا نمبر مل جائے گا۔ تم نے ابھی سے ہوشیاری دکھانی شروع کر دی۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

"میرا سیٹ لائٹ نمبر خفیہ ہے۔ دوسرے نمبر ڈائرکٹری میں موجود ہیں۔ میں نے تمہارا فون نمبروں ہی پوچھ لیا تھا۔" اس کی بے پروایانہ آواز آئی۔

"میرا ایک ہی نمبر ہے اور وہ خفیہ ہے۔" میں نے اسے بتایا "ہمیں اپنی گفتگو کو صرف ضروری باتوں تک محدود رکھنا چاہیے۔ غیر ضروری باتوں سے غلط فہمیاں جنم لیں گی۔"

"کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ تمہارے چنگل سے رہائی کے بعد سیتا کہاں مل سکے گی۔ تمہارے کسی آدمی نے ضرور اس کا پیچھا کیا ہو گا۔ تم اسے آزاد کر چکے ہو۔ اب وہ میری مجرم ہے۔ اس سے اپنا حساب بے باق کر کے میرے دل میں ٹھنڈک پڑ جائے گی۔" وہ اسی ٹھنڈک کا متلاشی تھا جو ذرا سی دیر پہلے مجھے حاصل ہو چکی تھی۔

"میں کسی سلسلے میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔" میں نے اسے ٹکا سا جواب دے دیا "تم بھول رہے ہو کہ ہم ایک دوسرے کے حلیف نہیں حریف ہیں۔ ہمارے درمیان ایک نکتے پر سمجھوتا ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہماری دشمنی دوستی میں بدل گئی ہے۔ ہماری راہیں ہر حال میں جدا جدا ہیں۔"

"تم شی کی سنڈیکیٹ میں رہ چکے ہو۔" ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی "یہ جانتے ہو گے کہ سمجھوتے سے انحراف کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں جرائم کی دنیا سے تائب ضرور ہو چکا ہوں لیکن اس کے سارے قواعد و ضوابط مجھے آج بھی ازبر ہیں۔"

"میں مجرم نہیں ہوں، میں نے کوئی جرم نہیں کیا......"

وہ میری زبان سے جرائم کی دنیا کا ذکر سن کر بھڑکا مگر میں نے درمیان سے ہی اس کی بات اچک لی اور کہا "ہر بڑا مجرم ابتدا میں خود کو مصلح سمجھتا ہے۔ وہ اپنے ہر جرم کو بے داغ اور مکمل سمجھتا ہے لیکن درحقیقت کوئی جرم مکمل نہیں ہوتا۔ ہر مجرم اپنا کوئی نہ کوئی سراغ ضرور چھوڑ جاتا ہے۔ کوئی

ں سراغ تک نہیں پہنچے تو جرم بے داغ کہلاتا ہے۔ اس
ان کی نشان دہی ہو جائے تو مجرم پکڑا جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی
یسے تمہاری آگے سے مڑی ہوئی ناک۔ پولیس سمیت
ا تے بھولے رہے۔ یہ نکتہ میرے علم میں آگیا۔"
"اس وقت تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔ جو چاہو، کہہ
لو۔ میں تمہیں نہیں روک سکتا مگر یہ ضرور کہوں گا کہ
ں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ تم بلاوجہ ہذیان میں مبتلا ہو......"
"شاید تم نے جرم نہ کیا ہو۔" میں نے اشتباہ آمیز لہجے
ں ما "لیکن تم بڑے مجرموں اور دہشت گردوں کی سرپرستی
رتے ہو۔ کل گوپال نے ایمپریس مارکیٹ کے قریب
تاب خانے میں ٹائم بم چھپایا تھا جسے ٹھیک پانچ بجے پھٹنا
ہ۔ وہ پھٹ جاتا تو صدر کے اس مصروف علاقے میں نہ
نے کتنا جانی و مالی نقصان ہوتا۔"
"یہ خبر تم کو کس نے دی ہے؟" اس نے میرا فقرہ مکمل
ہوتے ہی سوال داغ دیا۔
"اس کے لیے کسی مخبر کی ضرورت نہیں تھی۔ اس
ن میں گوپال کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ میں ٹائم بم کی تلاش میں
ں نہ رک گیا ہوتا تو شاید وہ کسی بکھیڑے کے بغیر میرے قابو
ں آ جاتا اور تمہیں اس کو شہر کے اسپتالوں میں نہ ڈھونڈنا
ا۔"
"تمہیں اس وقت اپنی کامیابیوں پر ہرزہ سرائی کا پورا
ن حاصل ہے لیکن جلد ہی تمہیں خاک چاٹنی پڑے گی۔"
ں کی زہریلی آواز آئی۔
"کون خاک چاٹتا ہے۔ یہ آنے والا وقت بتائے گا۔
ں وقت میں تمہیں تمہارے جرم کے بارے میں بتا رہا
ہوں۔"
"گوپال نے کہیں بم رکھا تھا تو وہ اس کا انفرادی فعل
ہ۔ وہ میرا جرم کیسے بن گیا؟" اس کی آواز چڑچڑی ہو گئی۔
"شام ساڑھے چھ بجے اس نے ہوٹل کی لابی سے تمہیں فون
کیا۔ تم نے اسے بتایا کہ متوقع دھماکا نہیں ہو سکا۔ منصوبہ
ناکام ہو گیا۔ تم گوپال کے اس جرم میں برابر کے شریک
ہو۔"
"جب گوپال نے زبان ہی نہیں کھولی تو تمہیں یہ ساری
بات کس نے بتا دیں!"
"اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا لیکن تم سے بات ہونے
کے بعد سیتا سے ضرور تبادلہ خیال کیا تھا۔" میں نے معنی خیز
انداز میں کہا "اس بھول میں نہ رہنا کہ تمہارا کیس کمزور
ہے۔"

تم ان خرافات کو دہرا کر مجھے ہراساں نہیں کر سکتے۔"
تلخ آواز میں جواب آیا "بس میری ایک بات یاد رکھنا کہ
معاہدے کی پوری پوری پاس داری ہونی چاہیے۔ میں اول
خان کو نہیں چھیڑوں گا۔ تم اپنی زبان بند رکھو گے۔ میری
عزت اور ساکھ پر ذرا سی بھی آنچ آئی تو میں نتائج کی پروا کیے
بغیر سب کچھ تباہ کر دوں گا۔ تم جانتے ہو کہ جب کوئی بڑا جہاز
ڈوبتا ہے تو اپنے ساتھ نہ جانے کیا کچھ لے ڈوبتا ہے۔ میرے
ساتھ سب سے پہلے تم ڈوبو گے۔ تمہارے حواریوں میں سے
کوئی بھی نہیں بچے گا۔"
"چوٹ کھایا ہوا۔ مشتعل سانپ خطرناک ہوتا ہے۔
اس وقت تم بھی جذباتی ہو رہے ہو۔" میں نے اسے مزید تاؤ
دلانے کے لیے مربیانہ انداز میں کہا "میں مزید کچھ نہیں کہوں
گا۔ تم سے باقی باتیں کل شام کو ہوں گی۔ میں ٹھیک پانچ بجے
رنگ کروں گا۔"
"خدا کی پناہ!" ویرا دونوں ہاتھوں سے اپنے کان
مروڑتے ہوئے بولی "تم کس قدر روانی سے اور کیسے سفید
جھوٹ بولتے ہو۔ ہر بات کھینچ تان کر اس طرح سیتا کے سر
ڈال دی کہ وہ بھی تمہاری باتوں میں آگیا۔ ان باتوں سے تم کیا
نتیجہ حاصل کرنا......"
"تم نے بہترین گفتگو کی۔" اول خان نے ویرا کی بات
کاٹ کر کہا "اب سوبھراج اس کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔
سیتا ادھر کا رخ کرے گی اور ماری جائے گی۔ اس پر ایک
کمین گاہ کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو چکے ہیں۔ میں
شرمندہ ہوں کہ مجھے بچانے کے لیے تمہیں اس خبیث سے
ایک سمجھوتا کرنا پڑا۔ وہ اپنے مردود پن پر مل جائے تو کسی بھی
وقت مجھے مروا سکتا ہے۔ مجھے اپنے فرائض کی بجا آوری کے
سلسلے میں وقت بے وقت شہر کے کسی حصے میں جانا پڑتا ہے۔
اس کے آدمی گھات لگا کر مجھے نشانہ بنا سکتے ہیں۔"
"بظاہر سمجھوتا ہو گیا ہے لیکن میں اس پر اعتبار نہیں کر
سکتا۔ تمہیں ہر وقت محتاط رہنا ہو گا۔" میں نے اسے سمجھایا
"تمہاری پیشہ ورانہ مجبوریاں میری نظروں میں ہیں۔ اسی لیے
میں نے بروقت اس کی بات پکڑ لی اور غنیمت ہے کہ وہ بھی
جھکنے پر آمادہ ہو گیا۔"
"آمادہ کیسے نہیں ہوتا آپ نے اول خان کی سلامتی کو
اس کی ناک کا مسئلہ بھی تو بنا دیا تھا۔" غزالہ نے ہلکی سی مترنم
ہنسی کے ساتھ کہا۔
"یہ تمہارے لیے خاصا کڑا وقت ہے۔" ویرا ہم دونوں
کی تائید کرتے ہوئے اول خان سے بولی "ایک طرف

سوبھراج تمہارے خون کا پیاسا ہو رہا ہے تو دوسری طرف تک تمہارا تبادلہ کرنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ اس وقت تمہیں اپنے سایے سے بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"اس وقت مجھے کسی خطرے کی پروا نہیں ہے۔" اس نے فخریہ لہجے میں کہا "جن لوگوں کو ڈینی جیسے خیر خواہ میسر ہوتے ہیں' ان کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔ اس وقت ڈینی نے سوبھراج کو ہر طرح باندھ کر رکھ دیا تھا۔"

"ایک بات میرے دماغ میں آ رہی ہے۔ کہو تو میں کہہ ڈالوں!" سلطان شاہ نے مجھ سے پوچھا اور میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ تم نے بہت تسلسل اور اعتماد سے سوبھراج سے جھوٹ بولے ہیں۔" اس نے میرا اشارہ پا کر کہنا شروع کیا "ہمیں ان کا ثمر بس اسی وقت تک ملے گا جب تک سیتا اور سوبھراج کے درمیان بات نہیں ہوتی۔ ایک بار ایسا رابطہ ہو گیا اور سوبھراج نے اپنی برہمی دکھائی تو سیتا بھی اپنی صفائی پیش کرے گی۔ اس کے نتیجے میں تمہاری پھیلائی ہوئی ساری غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں۔"

"میں الل ٹپ نہیں بول رہا تھا۔" میں نے سگریٹ کا ایک کش لے کر کہا "میرے ذہن میں گوپال کی کہی ہوئی بات اپنے پورے سیاق و سباق کے ساتھ تازہ تھی۔ وہ بتا چکا تھا کہ اس کی اور سیتا کی متفقہ رائے تھی کہ کام کوبرا نے خراب کیا ہے پھر بھی سیتا ایک بار اسے اپنی روپوشی کی رپورٹ دے چکی ہے تاکہ حالات بگڑنے کی خبر دہلی والوں تک پہنچ جائے۔ اب وہ دوبارہ کوبرا سے رابطہ نہیں کرے گی۔ اس کے فون کے بارے میں خود سوبھراج بتا چکا ہے۔"

"سوبھراج اس کے خلاف طیش میں آیا ہوا ہے۔ وہ اپنے آدمیوں سے کسی نہ کسی طرح اس کا کھوج نکلوا لے گا اور وہ بے کسی کی موت ماری جائے گی۔ یہ سب اس طرح نہ ہوا تو واقعی گڑبڑ ہو جائے گی۔" اول خان نے سلطان شاہ کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"گڑبڑ ہو ہی نہیں سکتی۔" میں نے اصرار کیا "سیتا کہے گی کہ اس نے کبھی کوبرا کا پیچھا نہیں کیا۔ سوبھراج اسے نہیں مانے گا۔ وہ جاننا چاہے گا کہ پھر مجھے کیسے پتا چلا کہ حشمت تین سو دس میں ٹھہرا ہوا تھا اور خالی کمروں میں کوبرا بن کر ان سے ملا کرتا تھا۔ اس کے لیے اہم ترین مسئلہ سیٹ لائٹ فون نمبر کا ہے۔ سیتا بے گناہی کا دعویٰ کرے گی تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ میرے پاس وہ خفیہ ترین فون نمبر کیسے آیا۔ یہ بہت منطقی باتیں ہیں۔ سیتا کے لیے سوبھراج کے سامنے اپنا دفاع کرنا مشکل ہو جائے گا۔"

"سیتا نے کوبرا کو اپنی قید اور پھر فرار کے بارے میں ایک لفظ نہیں بتایا۔" اس وقت سلطان شاہ کا ذہن صحیح عالم پر کام کر رہا تھا "اس نے یہی کہا ہوگا کہ ہوٹل کے حالات مخدوش ہونے کی وجہ سے وہاں سے نکل آئی۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہوگی کہ وہ ڈینی سے ملی ہی نہیں تو اسے یہ معلومات کیسے فراہم کر سکتی تھی۔"

"سیتا اپنے دفاع میں سب کچھ کہہ سکتی ہے۔ اس پر اعتبار کون کرے گا۔ مجھے اس کے نام اور کوڈ سے لے کر سوبھراج کے خفیہ فون نمبر تک بہت سی باتیں معلوم ہیں۔ میں نے کہا ہے کہ یہ سب سیتا نے بتایا ہے۔ یہ اس کے خلاف اٹل ثبوت ہیں۔"

"کیا وہ یہ نہیں کہہ سکتی کہ ڈینی کو یہ ساری باتیں گوپال نے بتائی ہوں گی جسے دیدہ دلیری کے ساتھ ہوٹل سے اٹھایا گیا ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"سوبھراج کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ مجھے گوپال کی کہی ہوئی باتوں کو سیتا سے منسوب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" میں نے اپنی کہانی کا دفاع کیا "اس کا مقصد مجھے اور ہم سب کو معلوم ہے۔ سیتا مر کر بھی سوبھراج کے اس سوال کا جواب نہیں دے سکے گی۔"

"خفیہ فون نمبر کے افشا کے ساتھ' سوبھراج کے نزدیک ان دونوں کا دوسرا بڑا قصور وہ فرضی تعاقب ہوگا جس کے نتیجے میں ان پر کوبرا کی اصل شخصیت منکشف ہوئی۔" ویرا پرسکون لہجے میں بولی۔ کوبرا کو سوبھراج ثابت کرنے کے لیے وہ ڈینی کے جھوٹ کا ایک شان دار موڑ تھا۔ کوبرا نے نقاب اتار دیا تو اندر سے حشمت برآمد ہوا۔ حشمت کی ناک تم دیکھ چکی ہو جسے کسی بھی طرح نہیں چھپایا جا سکتا اس لیے وہ داڑھی مونچھوں میں چھپا ہوا سوبھراج تھا۔ ساری کڑیاں اسی طرح سے یک جا ہوئی ہیں۔"

"بار بار میرے جھوٹ کا ذکر کر کے مجھے شرمندہ کرنے کی ناکام کوشش مت کرو۔ میری ہر بات اپنی جگہ درست اور اٹل ہے۔ بس کرداروں کے ناموں میں ذرا سا ہیر پھیر کرنا پڑا۔ سوبھراج کو محض جھوٹ کے سہارے دیوار سے لگانا ممکن نہیں تھا۔"

"اصل بات یہی ہے۔" میرے اعتراض پر غزالہ سنجیدہ ہو کر بولی "آپ پر دروغ گوئی کا الزام سراسر بے بنیاد ہے۔"

"ڈینی نے تمہیں یہاں سے بھگا دیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا جھوٹ ہم تینوں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔" ویرا

نے اسے چڑانے کی نیت سے کہا "وہ باتیں تم نے سن لی ہوتیں تو حسد اور رقابت کی ایک آگ سی تمہارے سینے میں بھڑک اٹھتی۔ وہ ڈینی پر مر مٹی۔۔۔"

"تو۔۔۔ ویرا' اب آگے نہ بولنا۔" اول خان نے اسے وہیں روک دیا "کیوں اس بے چاری کا دل خراب کر رہی ہو۔"

"ہمارا رشتہ مضبوط ہے۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "ایسی چھوٹی موٹی اور فرضی باتوں سے ہمارے دلوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"آج میں تمہیں مان گئی۔" ویرا نے کھلے دل سے اعتراف کیا "تمہاری باتوں کے گھیراؤ میں اسے خود قبول کرنا پڑا کہ وہ سوبھراج ہے۔ بس تم نے سیتا کا نام بہت بے رحمی سے استعمال کیا۔"

"اس لمحے مجھے نرگس یاد آئی تھی۔ وہ میرے قریب ہوتی تو میں بے اختیار اس کی پیشانی چوم لیتا۔ اس نے مجھے سب سے اہم سراغ فراہم کیا تھا۔"

"یہ ہوتا ہے شوہروں کو ڈھیل دینے کا نتیجہ!" ویرا نے بے ساختہ فقرہ چست کر دیا "غنیمت ہے کہ وہ اس وقت یہاں نہیں ہے۔ ہوٹل کے کسی کمرے سے جھوٹے برتن سمیٹ رہی ہوگی۔"

"تم اس کی تحقیر کرنے کی مرتکب ہو رہی ہو۔" میں نے ویرا کو گھور کر کہا "یہ یاد رکھو کہ کوئی کام حقیر نہیں ہوتا۔ ہاتھ پھیلانے سے کام کرنا بہتر ہوتا ہے۔ اگر بھنگی گلی گلی سے غلاظتیں سمیٹنے کا گھٹیا کام نہ کریں تو ہزاروں بلکہ لاکھوں سفید پوش شرفا کا جینا حرام ہو جائے۔"

"میں نے اسے بھنگی تو نہیں کہا۔" ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"وہ بہت محنتی اور فرض شناس عورت ہے۔ اس نے ایک ایسی بات نوٹ کر لی جس پر کسی نے دھیان نہیں دیا تھا۔ اس نے حشمت کی ناک کی صحیح ترین بناوٹ بیان کر کے میرے لیے ایک ڈرامائی راستہ پیدا کر دیا۔ وہ عزت و احترام کے لائق ہے۔" میں نے ویرا کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"میری طرف سے تم سارے شہر کی عورتوں اور قابل عزت بھنگیوں کو چومتے پھرو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ یہ باتیں تو غزالہ کے سوچنے کی ہیں کہ تم کدھر جا رہے ہو۔" ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا اور میں ایک گہرا سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ فضول گوئی کے شعبے میں اس سے جیتنا آسان نہیں تھا۔

گوپال راج ہماری تحویل میں تھا اور پوری طرح تعاون پر آمادہ تھا۔ اس کی نشان دہی پر ہم سیتا تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن سیتا کے ستارے یاور تھے۔ وہ گلاب خان کے گھر سے ہمیں جل دے کر نکل گئی۔ وہ کہاں گئی تھی۔ اس بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ مجھے ایک موہوم سی امید تھی کہ گوپال پر مزید کچھ محنت کی جاتی تو شاید وہ سیتا کی نئی کمین گاہ کے بارے میں کچھ بتا سکتا تھا۔

سیتا ایک چلتے پھرتے فتنے سے کم نہیں تھی۔ میں نے سوبھراج کو اس کے خلاف خوب بھڑکایا تھا۔ مجھے امید تھی کہ وہ جلد از جلد اسے گھیرنے کی کوشش کرے گا لیکن میں صرف اس کی کوششوں پر انحصار نہیں کر سکتا تھا۔ ہمیں اپنے طور پر بھی کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے تھا۔

میں نے اس بارے میں اول خان سے بات کی تو وہ کسی اعتراض کے بغیر میری رائے سے متفق ہو گیا۔ وہ عملی دنیا کا آدمی تھا۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے اسے چڑ ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف واپس جاتے ہوئے میرے ذہن میں تین نام چکرا رہے تھے۔ پہلا نام سوبھراج کا تھا جو ہمارے سامنے تھا۔ اس سے تفصیلی گفتگو ہو جانے کے بعد اس کے جرائم کے خلاف کسی چھان بین کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ باقی نام ٹام اور نِک کے تھے۔ سوبھراج کی طرح ان دونوں کو بھی بہت سے تحفظات حاصل تھے۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ ہوٹل سے دونوں بلیک کیٹس کے غائب ہو جانے کے بعد وہ کیا کر رہے تھے۔

یہ غنیمت تھا کہ بن ڈیوڈ کی مکمل شکست کے نتیجے میں ایک اضافی سی ایس ڈی ہمارے ہاتھ آ چکی تھی۔ میں اول خان کے دفتر میں بیٹھ کر فون پر آزادی سے ہر وہ کام کر سکتا تھا جس کے لیے پہلے مجھے بار بار گھر کی طرف دوڑ لگانا پڑتی تھی۔

"کیا بات ہے۔ اس وقت تم بالکل خاموش ہو گئے ہو۔" یونیورسٹی روڈ پر کچھ دور نکلنے کے بعد اول خان نے مسکرا کر مجھے ٹوکا "معلوم ہوتا ہے کہ پھر کسی کی کم بختی آنے والی ہے۔"

"چلتے رہو۔ اب دفتر پہنچ کر ہی بات ہوگی۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

گاڑی میں دوبارہ خاموشی ہو گئی۔ ہر گزرتا ہوا لمحہ ہمیں تیزی سے اسٹیشن فور سے قریب تر لے جا رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کردیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کوانگ فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہوکر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہمارے علم میں آیا کہ دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کا کرنل انل بسواس پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے۔ جس کی سرکوبی کے لیے بھارت کا سفر ناگزیر تھا۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر لال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ذینی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ امریکن قونصلیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آگیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو کیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کرکے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر نقد جاں بار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا' چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ شی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہوچکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھالیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ڈی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آگئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھادی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کرکے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہوچکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوگئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف تمام شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہر جاننے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کردیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر بیم گن استعمال کی تو اول خان کو نکتہ مل گیا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پراسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب مجھے جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی۔ میں نے گولڈن فارمیسی میں بیٹھ کر دشمنوں کی راہ دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان شاہ نے مجھے بتائے بغیر میری حفاظت کا ذمہ لیا اور گولڈن فارمیسی کے اطراف میں پہنچ گیا۔ جہاں اس کا ٹکراؤ ایک مشکوک سیاہ فام امریکی سے ہوا جس میں الجھ کر جان بچانے کے لیے اس امریکی نے بیم گن استعمال کی اور ایک بے گناہ راہ گیر کا بازو کٹ گیا۔ وہ امریکی گولڈن فارمیسی میں ہی آیا تھا اور میں بھی اس کی طرف سے مشکوک ہوچکا تھا۔ میں اپنے مورچے پر تھا اور وہیں جہانگیر سمجھ کر آئی مین نے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اس نے بتایا کہ وہ شی کے احیا کے لیے اس علاقے میں آیا ہے۔ اور اب جہانگیر اور دوسرے تمام کارکنوں کو اکٹھا کررہا ہے۔ گفتگو کے دوران میں' میں نے جہانگیر کی حیثیت سے اس سے روبرو ملاقات کرنے کی رضامندی حاصل کرلی جو ان حالات میں بڑی کامیابی تھی مگر اس نے ملاقات کی منصوبہ بندی اس طرح کی کہ مجھے ایک لمحے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ اس کا فرستادہ دکان میں موجود تھا اور میں تاریک کیبن میں آئی مین سے ٹیلی فون پر گفتگو میں مصروف تھا۔ اس نے مجھے فوری طور پر اپنے ہرکارے کے ذریعے طلب کیا تھا۔ چاروناچار مجھے اس ہدایت پر عمل کرنا پڑا۔ ایس ٹی ایف اور اول خان میرے نگراں تھے ان کی جلد بازی کے باعث آئی مین مجھ سے اچٹ گیا تاہم اس سے قبل وہ مجھے سلور آئی کا دیدار کراچکا تھا۔ ہم آئی مین کے پیچھے تھے۔ اسی وقت ہمیں معلوم ہوا کہ وہ بوٹ بیسن میں واقع فالکن ہاؤس میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے فوری طور پر وہاں دھاوا بولنے کا ارادہ کرلیا۔ ہم ان تیاریوں میں تھے جب جلال نے بتایا کہ سیاہ فام امریکی سفارت کار جیک اسمتھ بھی فالکن ہاؤس میں دو امریکی کمانڈوز کے ساتھ موجود ہے۔ وہ از خود کوئی کارروائی نہیں کرسکتا تھا اس لیے اس نے ایس ٹی ایف کے جاں بازوں کی مدد سے وہاں کارروائی کرڈالی۔ مقابلہ بھرپور انداز میں ہوا جن میں دو امریکی کمانڈوز اور سیاہ فام جیک اسمتھ کام آگئے جبکہ آئی مین کے ساتھ رہنے والی مشکوک امریکی عورت اور ایک مقامی چوکیدار ہمیں زندہ حالت میں مل گئے۔ آئی مین فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جیک اسمتھ میری بیم گن کا شکار ہوا تھا مگر میں نے کوشش کی کہ اس کا الزام آئی مین پر آئے۔ ہم اپنی مہم کی ناکامی اور کامیابی کے بارے میں سوچ رہے تھے جب اول خان نے اطلاع دی کہ گولڈن فارمیسی کو نامعلوم افراد نے نذر آتش کردیا ہے۔ آئی مین کی طرف سے اس قدر برق رفتاری اور سفاکی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ بہرحال بوٹ بیسن سے قیدی کے طور پر ہاتھ آنے والی کیلی بائرن سے پوچھ گچھ شروع ہوئی تو اس نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیے اور اس کی نشان دہی پر آئی بی نے بوٹ بیسن کے بنگلے سے کیلی بائرن اور آئی مین کے پاسپورٹ برآمد کرلیے جس کے مطابق اس کا نام بن ڈیوڈ تھا۔ وہ بن ڈیوڈ کی سرگرمیوں کے بارے میں زیادہ باخبر نہیں تھی اسے اپنے پاس رکھ کر کھٹ راگ پالنے سے بہتر تھا کہ اسے امریکیوں کو واپس کردیا جاتا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہمارا اندازہ تھا کہ بن ڈیوڈ امریکی قونصلیٹ میں روپوش تھا مگر وہ زیادہ عرصہ وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ قونصلیٹ والے اسے جلدی ہی کہیں منتقل کرنے پر مجبور ہونے والے تھے۔ ہم نے وہاں کی نگرانی سخت کردی۔ پہلی ہی رات انتہائی غیر معمولی حالات میں بکتر بند گاڑیاں قونصلیٹ سے برآمد ہوئیں اور کلفٹن کی طرف روانہ ہوگئیں۔ اول خان ان کے تعاقب میں تھا۔ بعد میں' میں اور ویرا بھی اس کے ساتھ ہوگئے۔ بکتر بند گاڑیاں ایک وسیع و عریض بنگلے میں تھوڑی دیر ٹھہر کر واپس چلی گئیں۔ اس بنگلے میں داخلے کے بعد علم ہوا کہ وہاں ایک امریکی معیشت دان رہائش پذیر تھا۔ پہلے تو اس نے عدم تعاون کا مظاہرہ کیا مگر جلد ہی راہ راست پر آگیا۔ ہمیں معلوم ہوگیا کہ بن ڈیوڈ ان بکتر بند گاڑیوں میں وہاں آیا تھا مگر شاید چھٹی حس کے اشارے پر وہاں رکا نہیں تھا البتہ کیلی بائرن ہمیں وہاں سے مل گئی۔ ان دونوں کے بیان کے مطابق بن ڈیوڈ کراچی کے کسی سی نائین عمارت میں موجود ہوسکتا تھا۔ اس دوران میں "را" کے پکڑے گئے ایجنٹوں سے تفتیش سے علم ہوا کہ ان سب کی ڈوریاں بن کے ہاتھوں میں تھیں اور وہ ایک ٹرانسمیٹر پر ان کو احکامات جاری کیا کرتا تھا۔ ہماری خوش قسمتی سے ہمیں ایک ایجنٹ کا ٹرانسمیٹر بھی مل گیا۔ اس پر سنی جانے والی گفتگو نہایت خوف ناک تھی۔ بن قتل و غارت گری اور سفاکانہ دہشت کے ذریعے شہری نظام کو تلپٹ کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے اپنے طور پر اس کی روک تھام کے اقدامات کرلیے تھے۔ ان تمام تفصیلات سے غزالہ' ویرا اور سلطان شاہ لاعلم تھے میں انہیں یہی بتانے والا تھا جب اول خان زخمی حالت میں ہمارے گھر پہنچا۔ وہ کسی ان جانے دشمن کی گولی کا شکار ہوا تھا۔ بن کے ٹرانسمیٹر کے ذریعے ہمیں علم ہوچکا تھا کہ را کے ایجنٹ ہر شام ایک مخصوص مقام پر ملاقات کرتے ہیں۔ ہم نے وجے کی مدد سے بقیہ ایجنٹوں کو پکڑنے کا پروگرام بنایا مگر ان میں سے ایک کو وجے پر شک ہوگیا اور اس نے اپنے ساتھ وجے کو بھی بم دھماکے میں مار ڈالا۔ اسی دوران ہمیں اطلاع ملی کہ ذینی اور ویرا کی سرکوبی کے لیے انڈین بلیک کیٹ پاکستان میں داخل ہوچکے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ شاید اول خان کو زخمی کرنے والے بلیک کیٹ ہی ہوسکتے ہیں۔ بن ہماری رسائی سے دور تھا اور را کے دونوں ایجنٹ دبکے ہوئے تھے۔ بن ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انہیں ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی نائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی نائن پر دھاوا بولا اور ایک جاں گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے خود ہی اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کرلیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کے ہم سب کو چوکنا کردیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک بارومے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ذینی کے خلاف ہوگیا ہوں۔ اس نے میرے جھانسے میں آکر مقامی ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں نپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر کے مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان نامی ایک مشکوک شخص تواتر کے ساتھ ہوٹل میں قیام کرتا رہا تھا اور اس وقت بھی ہوٹل میں موجود تھا۔ میں نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ بعد کی تحقیق نے ثابت کیا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں تل والی مشکوک لڑکی سلمیٰ سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کردیا۔ اس حلیے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہوگئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہوسکتی تھی۔ اسی اثنا میں نک بارومے نے تصدیق کردی کہ ذینی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کرلیا۔ ان میں سے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہوسکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کی فرضی رضاکارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کرلیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہوگی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو اس کے چھکے چھوٹ گئے۔ وہ اپنی بدنامی سے خوف زدہ تھا۔

o*o

صاف ستھرے اور کشادہ کمرے میں وہ شاید آرام سے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ پختہ فرش پر ہمارے قدموں کی چاپ سن کر وہ چوکنا ہو کر اٹھ بیٹھا تھا۔ ہمارے چہروں پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے سے تشویش اور پریشانی کے آثار رفع ہو گئے۔

اس کے چہرے وغیرہ پر شدید ضربات کے نشان ضرور موجود تھے لیکن ان کے باوجود وہ خاصا مطمئن نظر آ رہا تھا۔ پچھلی رات ہمارے اور خاص طور پر ویرا کے ہاتھوں اس کی جو درگت بنی تھی' اس کے پیش نظر نئے کمرے میں ملی ہوئی آسائشیں اس کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھیں۔

ہمیں دیکھ کر اس کے مضروب اور متورم ہونٹ ذرا پھیلے۔ غالباً اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی پھر اس کی نرم آواز آئی "رات کو تم نے مجھے مراعات یافتہ قیدی قرار دیا تو میں سمجھا کہ تم مجھ پر طنز کر رہے تھے لیکن میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے اپنے وعدے کا پاس کیا۔ میں آرام سے ہوں۔ میں نے گہری نیند لی ہے۔ تمہارے آدمی میرے زخموں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ میری دوسری ضروریات کا بھی خیال رکھا جا رہا ہے....."

"کسی شرط اور وعدے وعید کے بغیر اپنی زبان کھول کر تم بہت دردناک عذاب سے بچ گئے۔" میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ کر وضاحت کی "اڑیل مجرموں کی طرح تم بھی ہٹ دھرمی پر قائم رہتے تو مار مار تمہاری چمڑی ادھیڑ دی جاتی اور آخر کار تمہیں زبان کھولنے پر مجبور کر دیا جاتا۔"

"یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں نے تمہیں دہلی میں مظہر خان کے روپ میں دیکھا ہوا تھا۔ اس لیے پہلی نظر میں ہی تمہیں پہچان لیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں تمہارے ہاتھوں بازی ہار چکا ہوں۔ اگر میں نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی تو مجھے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" اول خان نے خشک لہجے میں کہا "تم نے مزاحمت نہ کی ہوتی تو پٹ کر لہولہان نہ ہوئے ہوتے۔"

اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور بولا "وہ چھوٹی موٹی بات تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ میں ڈینی کو پہچانتے ہی اپنی ناک سے زمین پر لکیریں نکالتا اور ہاتھ جوڑ کر سب کچھ بتانا شروع کر دیتا۔ را اور پھر بلیک کیٹس کی تربیت بہت سخت ہوتی ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر رازداری کا سبق سکھایا جاتا ہے۔ تم کو بھی اندازہ رہا ہو گا کہ تم مجھ سے آسانی سے کچھ نہیں اگلوا سکو گے۔ اصولی طور پر مجھے مرجانا چاہیے تھا۔ جھکنا نہیں تھا۔"

"میں یہی کہہ رہا ہوں۔" اول خان نے زور دے کر کہا "تم نے اٹھان ایسی ہی لی تھی۔"

وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے ہم دونوں کو دیکھتا رہا پھر دھیمی اور پُرخیال آواز میں بولا "میں اپنے وطن کا غدار نہیں ہوں۔ شاید میں بھی مرجاتا اور تمہیں ایک لفظ نہ بتاتا۔ میرا خیال ہے کہ اب بھی میں نے تمہیں کوئی راز کی بات نہیں بتائی۔ وہی سب دہرایا ہے جو سیتا تمہیں' مجھ سے پہلے بتا چکی تھی۔ اس کی غداری کی خبر نے میرا حوصلہ توڑ دیا۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار تھے۔ جب اس نے پیندے میں سوراخ کر دیا تھا تو میں اس کشتی کو ڈوبنے سے نہیں بچا سکتا تھا۔ میں اکیلا اپنے وطن کا ٹھیکے دار نہیں ہوں۔ وہ برابر کی ذمہ دار تھی۔ میں نے دہلی میں کچھ سوچ کر اسے اپنے ساتھ لانے پر رضامندی ظاہر کی تھی مگر وہ حوصلے کی بہت کچی نکلی۔"

"دہلی میں تم نے اس کے بارے میں کیا سوچا تھا؟" اول خان نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ خوبصورت اور ازاربند کی ڈھیلی عورت ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ پاکستانی مردوں کو آسانی سے بے وقوف بنا کر ہم دونوں کے لیے راستہ بنا لے گی۔" اس نے مایوسانہ لہجے میں جواب دیا "اس کی نوبت ہی نہیں آئی اور تم نے پرواز سے پہلے ہم دونوں کے پر قینچ کر دیے۔ اب بھی وہ اپنی زبان بند رکھتی تو کچھ نہ کچھ ہو سکتا تھا۔ ہماری زبانیں کھلوائے بغیر تم ہمیں مار نہیں سکتے تھے۔ ہر طرح کا تشدد کر کے تم زچ آ جاتے تو شاید ہمیں رہا کر کے اپنے آدمی ہمارے پیچھے لگا دیتے۔ ہم انہیں جل دے سکتے تھے۔ بہت کچھ ہو سکتا تھا مگر سیتا نے ہر امید خاک میں ملا دی۔"

"پھر اپنے تعاون کے ڈنکے کیوں پیٹ رہے ہو۔ تمہیں مایوس کرنے والی سیتا ہے۔" اول خان بولا۔

"پہلی کوئی غلطی کوبرا سے ہوئی تھی جس کے نتیجے میں ارجن مارا گیا اور ہمارے قدم اکھڑ گئے۔" اس وقت وہ کھلے دل سے باتیں کرنے کے موڈ میں تھا۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "دوسری اور زیادہ بڑی غلطی بلکہ غداری سیتا نے کی۔ اس کے بعد میری ساری مزاحمت بے سود تھی' سچ پوچھو تو میں نے تمہیں ہر سوال کا صحیح جواب دے کر بہت بڑا جوا کھیلا ہے۔ تم جب چاہو' میری زندگی کا چراغ گل کر سکتے ہو۔"

"ہم نے بھی تمہیں مراعات دے کر ایک خطرہ مول لے لیا ہے۔ تم جب چاہو' خودکشی کر سکتے ہو۔" میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"میں بزدل نہیں ہوں۔ مجھے اپنی زندگی کے ایک ایک

لمحے سے سچا پیار ہے۔ میں اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"اور سیتا کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اسے خودکشی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ جوان اور خوبصورت عورت ہے، چلتّر باز بھی ہے۔ اپنے لیے کسی نہ کسی کے دل میں محبت نہ سہی تو رحم کا جذبہ پیدا کر سکتی ہے۔"

"وہ واقعی چالاک عورت ہے۔" میں نے اعتراف کرنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "اس نے تمہاری طرح حماقت نہیں کی۔ ہمارے یہاں کے مرد عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے ہیں۔ اس کی تواضع کے لیے ہم ویرا کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ تم اس کی مہارت کو بھگت چکے ہو۔ سیتا کے بجائے اسے تم پر ہاتھ اٹھانا پڑا۔ سیتا نے مار کھائے بغیر سب کچھ بتا دیا تھا۔ تم سے اس کی باتوں کی تصدیق کے بعد ہم نے فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے اسے رہا کر دیا۔"

"تم نے ایک بلیک کیٹ کو رہا کر دیا۔" اس نے بے اعتباری سے کہا "کیا میں اس خبر پر یقین کر لوں؟ نہیں..... ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر تم نے اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے اسے چھوڑا ہے تو مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارے آدمی اس کے پیچھے لگے ہوئے ہوں گے۔"

وہ سامنے کی بات تھی لیکن میں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا "تم بہت ذہین اور چالاک ہو۔ ہمارے دو آدمی اس کا تعاقب کر رہے ہیں....."

"مگر تم کو اس کے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیلنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس نے میری بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔

"ہم گلاب خان اور اس کے بیٹے کو پکڑنا چاہتے ہیں مگر سیتا وہاں نہیں گئی۔"

"ایسے چکروں کی ضرورت پولیس اور ایجنسیوں کو پڑتی ہے۔ تمہیں میرے بیان پر اعتماد کرنا چاہیے۔ ان دونوں کو مارنا چاہتے ہو تو پکڑو اور مار دو۔"

"میں بے مقصد خون خرابے کا قائل نہیں ہوں۔ ان دونوں کو سزا ملنے سے پہلے یہ علم ہونا چاہیے کہ ان کا جرم کیا ہے۔" میں نے اسی لمحے ایک عذر تراش لیا "تمہارا اندازہ بالکل غلط ثابت ہوا۔ اس نے یہاں سے شہر پہنچتے ہی ایک فون بوتھ سے کسی کو فون کیا اور پھر ایک پارک میں رات گزارنے کے لیے پہنچ گئی۔"

"جیب خالی ہو تو آدمی ہوٹل وغیرہ میں پناہ لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسے رہا کرتے ہوئے تمہیں یہ بات یاد نہیں رہی ہوگی۔ اب وہ ایک دو راتوں میں رنگین مزاج مردوں کو اپنے جال میں پھانس کر کچھ رقم کمائے گی اور پھر یہاں سے نکل بھاگے گی۔"

"میرا اندازہ تھا کہ اس نے اپنے نوخیز عاشق کو فون کیا ہوگا۔ وہ آئے گا اور اسے پارک سے لے جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اب وہ شہر کے مصروف بازاروں میں آوارہ گردی کرتی پھر رہی ہے۔"

"وہ اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے کس حد تک گر سکتی ہے۔ تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ اب وہ کسی کا پرس اڑائے گی یا کسی کی جیب کاٹے گی تاکہ شام تک گزارے کا کوئی بندوبست کر سکے۔ رات اس کی اپنی ہوگی۔ وہ بن ٹھن کر کسی کو شکار کرے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد اسے یہاں رکنے کی ضرورت نہ رہے اور وہ صبح سویرے واپسی کی راہ اختیار کر لے۔ اب اس کے لیے یہاں رکنا بے سود ہے۔"

"پھر اس فون کال کے بارے میں کیا کہو گے؟" میں اس بارے میں گوپال کی رائے جاننے کے لیے بے چین تھا۔

"میں شرط لگا سکتا ہوں کہ اس نے کوبرا کو فون کیا ہو گا۔"

"پہلے تم نے کہا تھا کہ وہ بھول کر بھی کوبرا کو فون نہیں کرے گی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ اس کی طرف جانے کا خطرہ مول نہیں لے گی۔ وہ بے وقوف آدمی ہے۔ ارجن کی طرح وہ کسی اور کو بھی اپنی غلطی سے مروا سکتا ہے۔ کوبرا کو یہ بتانا ضروری تھا کہ یہاں سب کچھ چوپٹ ہو گیا ہے تاکہ وہ دہلی والوں کو مطلع کر سکے۔ اب کوبرا کا اس سے زیادہ کوئی مصرف نہیں ہے۔"

اس نے بالکل وہی بات کی تھی جو ہم نے سوچی تھی۔ گوپال کے جواب سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ فون کے بارے میں سوبھراج نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ سیتا نے اسٹیشن فور سے فرار ہونے کے بعد، اپنے اغوا کی کہانی حذف کر کے سوبھراج کو بگڑتے ہوئے حالات کی خبر دی تھی تاکہ وہ دہلی میں بیٹھے ہوئے افسروں کو ان کے مشن کی ناکامی کی اطلاع دے سکے۔ میں گوپال کے اس اندازے سے متفق نہیں تھا کہ سیتا اولین فرصت میں کراچی سے بھاگ جائے گی۔

اس کا کردار کتنا ہی خراب اور شرمناک رہا ہو، یہ بات طے ہو چکی تھی کہ وہ بہت دلیر اور بے خوف لڑکی تھی۔ اس نے اسٹیشن فور کے سیل سے فرار ہونے کا ایک کامیاب منصوبہ بنایا اور اس پر عمل کر گزری۔ اسی طرح وہ گلاب خان کے گھر سے بچ کر نکل گئی۔ سیتا کی وہ کامیابیاں گوپال کے علم میں نہیں تھیں۔ میں نے اسے تصویر کا دوسرا رخ دکھایا تھا۔

سیتا کو ہوٹل کی پارکنگ لاٹ سے ایک مقابلے کے بعد بے ہوش کر کے اغوا کیا گیا تھا۔ وہ کچھ دیر اسٹیشن فور کے سیل میں قید رہی تھی لیکن اسے علم نہیں ہو سکا تھا کہ اسے اٹھا لانے والے کون لوگ تھے یا وہ کس کی قید میں تھی۔ اسٹیشن فور سے فرار ہوتے ہوئے اس نے وہاں کا ماحول وغیرہ دیکھ کر آسانی سے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ وہ کسی فوجی چھاؤنی کی حدود میں قید تھی۔ وہ اندازہ لگانے کے بعد سیتا اپنی کوئی بھی رائے قائم کر سکتی تھی لیکن اسے یہ شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ وہاں میری قیدی تھی۔ وہ بس ان دو بے نام چہروں کو پہچان سکتی تھی جنہوں نے اسے بے ہوش کر کے اغوا کیا تھا۔ اس وقت میرے ساتھ صرف سرور تھا۔

اپنی دو کامیابیوں کے نتیجے میں اس کے ذہن میں یہ بات سما سکتی تھی کہ وہ بہت چالاک اور پھرتیلی ہے۔ فرار ہونے کے بجائے، اس کو کہیں روپوش رہ کر اپنے اصل ہدف یعنی میری ذات پر اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

گوپال میرا صورت آشنا تھا۔ اس نے پہلی نظر میں مجھے شناخت کر لیا تھا۔ سیتا نے کبھی مجھے نہیں دیکھا تھا۔ اسے شہر کی خاک چھان کر مجھے تلاش کرنا تھا۔ اس کی بھیجی ہوئی سرویر لڑکی اپنی کند ذہنی کے سبب مجھے اور ویرا کو دیکھ کر بھی کوئی صحیح نتیجہ اخذ نہیں کر سکی تھی۔ یہ سیتا کے منفی نکات تھے، مجھے پوری امید تھی کہ وہ شہر چھوڑنے میں عجلت سے کام نہیں لے گی، بدستور میدان میں جمی رہے گی اور ہمیں اس تک پہنچنے کا موقع مل جائے گا۔

میں نے اپنی اس اختلافی رائے کا گوپال پر اظہار مناسب نہیں سمجھا۔ ہم اس سے سیتا کے کسی متبادل ٹھکانے کا سراغ حاصل کرنے کی امید میں اسٹیشن فور آئے تھے لیکن وہ اس معاملے میں بالکل کورا ثابت ہوا تھا۔ اس ملاقات کا بس یہ فائدہ ہوا کہ سوبھراج اور سیتا کے بارے میں ہمارے کچھ اندازوں کی تصدیق ہو گئی۔ وہ سیتا کا قریبی رازداں اور ساتھی تھا۔ اس کی کہی ہوئی کسی بات پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"تم نے میرے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟" ہمیں واپسی پر آمادہ پا کر اس نے پُرامید لہجے میں سوال کیا۔

"فی الحال تم ہمارے مراعات یافتہ قیدی رہو گے۔ ہم نے تمہیں زندہ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

اس کا چہرہ زخمی اور بہت زیادہ بگڑا ہوا تھا مگر اس پر حیرت کے نمایاں آثار ابھر آئے "تم..... تم مجھے زندہ رکھو گے!" اس نے فرطِ حیرت سے ہکلاتے ہوئے پوچھا "بھارت میں تو ایسی کوئی روایت نہیں ہے۔ چوری چھپے سرحد پار کر کے آنے والے مخبروں اور ایجنٹوں کو بے دردی سے مار دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں بھی یہی ہوتا ہے۔ پچھلے چند دنوں میں یہاں را کے کم از کم چار آدمی مارے گئے ہیں پھر تم مجھے کیوں اور کیسے زندہ رکھو گے!؟"

"اگر تم نے خبروں پر دھیان دیا ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ چاروں اپنی موت مرے ہیں یا انہیں ان کے کسی ساتھی نے مارا ہے۔ ہم لوگ اپنے دشمنوں کے ساتھ درندگی سے پیش نہیں آتے۔ تم آرام سے رہو اور یہاں عیش کرو۔"

اس نے مزید کچھ کہا مگر میں اس کی بات سنی ان سنی کر کے اس کے سنئے اور آرام دہ سیل سے باہر نکل آیا۔

"ہم بھارتی ایجنٹوں کے اتنے ہمدرد تو نہیں ہیں!؟" خاموشی سے کچھ فاصلہ طے کر لینے کے بعد اول خان نے دھیمی آواز میں کہا۔

"یہ بات اسے اچھی طرح معلوم ہے۔ اس نے میری بات پر یقین نہیں کیا ہو گا۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"اس سے جو کچھ معلوم ہونا تھا وہ معلوم ہو گیا۔ اب بلا سبب اسے پالنے سے کیا فائدہ؟ اس کا کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو جانا چاہیے۔"

"فکر نہ کرو۔ وہ زیادہ دنوں تک ایس ٹی ایف کے وسائل پر بوجھ نہیں بنے گا۔"

"کم از کم مجھے پتا تو چلے کہ اس کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہوا ہے۔" مجھے خاموش پا کر اس نے ٹوکا۔

"ذرا سیتا کا مسئلہ حل ہو جائے پھر ہم اسے جلال کے سپرد کر دیں گے۔"

"میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ اپنا دامن بچا کر الگ ہو گیا ہے۔ اسے زبردستی الجھانا مناسب نہیں ہو گا۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ بات سوبھراج کی طرف جا رہی تھی۔ وہ اس سے دور رہنا چاہتا تھا۔ بلیک کیٹس تو درمیان میں مفت ہاتھ آ گئے۔ اسے کسی بلیک کیٹ کو وصول کر کے دلی خوشی ہو گی۔ میں اس بارے میں اس سے فون پر بات کر لوں

گا۔"

"یہ بہتر رہے گا۔" وہ تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا "گوپال آئی بی والوں کے کسی قید خانے میں پڑا رہا تو کسی وقت قیدیوں کے تبادلے میں کام آجائے گا۔ اس ایک قیدی کے بدلے بھارت والے دس پاکستانیوں کو چھوڑنے پر آمادہ ہوجائیں گے۔"

"میں اسے پالنے میں یہی فائدہ دیکھ رہا ہوں۔ اب کہو تو اسے جہنم واصل کردیا جائے۔"

"اب ایسا قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں رہی۔ مجھے اپنی سوچ سے آگاہ کرتے رہا کرو تاکہ میں الجھنوں سے بچا رہوں۔ میں زیادہ سوچ بچار کا قائل نہیں ہوں۔ بہت تیزی سے فیصلے کرتا ہوں اور پورے خلوص کے ساتھ ان پر عمل کر گزرتا ہوں۔ ایسے فیصلوں کے نفع و نقصان کا اندازہ بعد میں ہوتا ہے۔"

"محاذ پر لڑنے والوں کو اسی طرح فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ اگر ایک کمانڈر بروقت فیصلہ کرنے میں ذرا بھی تاخیر کردے تو دشمن کے ٹینک اس کے مورچے اور جوانوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اپنے تجربے اور تربیت کی بنا پر تمہارا طریقہ بالکل درست ہے۔"

ہم گلاب خان کے گھر سے سیتا کو کھو چکے تھے۔ میرے ذہن میں وہ خلش رہ رہ کر ابھر رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کو کیسے اور کہاں تلاش کیا جائے۔ وہ لڑکی میری توقع سے کہیں زیادہ چالاک اور تیز ثابت ہوئی تھی۔

آپس میں باتیں کرتے ہوئے ہم اول خان کے دفتر میں پہنچ گئے جہاں ایک ڈائرکٹ فون کے ساتھ بن ڈیوڈ سے حاصل کی ہوئی سی ایس ڈی منسلک تھی۔

دفتر میں چائے نوشی کے دوران بھی ہم اسی موضوع پر الجھے رہے۔ اول خان میری اس رائے سے سو فیصد متفق تھا کہ سیتا اپنی دو کامیابیوں کے خمار میں چور ہوکر میدان میں ڈٹی رہے گی اور گوپال کی رائے کے برعکس فرار کی راہ اختیار نہیں کرے گی۔

اس کو میرے قتل کا کام سونپ کر دہلی سے بھیجا گیا تھا لیکن اس کے پاس میرا کوئی سراغ نہیں تھا۔ لے دے کر اس نے اول خان کا تعاقب کرتے ہوئے ہمارا گھر دیکھا تھا۔ اس گھر کی اہمیت یہ تھی کہ اول خان نے ناگہانی طور پر زخمی ہونے کے بعد، اضطراری طور پر اسی طرف دوڑ لگائی تھی۔ سیتا کے اس سراغ پر سرور پر لڑکی نے اپنے غلط تجزیے سے سیاہی پھیردی تھی۔ اگر سیتا ذرا بھی عقل مند تھی تو اس نکتے پر غور کرکے دوبارہ اس گھر کا رخ کرنے کا فیصلہ کرسکتی تھی۔

گھر کے بارے میں مجھے سیتا کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہاں کسی بھی دشمن کے استقبال کا مناسب بندوبست کیا جاچکا تھا۔ اگر وہ ادھر کا رخ کرتی تو وہاں بری طرح منہ کی کھاتی۔ غالب امکان یہی تھا کہ اسے زخمی کرکے پکڑلیا جاتا۔

میرے لیے سیتا ایک زہریلی ناگن تھی جسے فوری طور پر ٹھکانے لگانا یا بے بس کرنا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ میدان میں میرے کئی حریف موجود تھے۔ ان میں سے سوبھراج سے میری بات ہوچکی تھی اور بات اگلی شام تک کے لیے ٹل گئی تھی۔ گوپال اسٹیشن فور کا مراعات یافتہ قیدی بن چکا تھا البتہ نک اور ٹام اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بدستور میدان میں ڈٹے ہوئے تھے۔ اپنے سرکاری عہدوں کی وجہ سے ان کے پسپائی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

آخر کار طے یہ ہوا کہ پہلے میں جلال سے بات کرلوں تاکہ گوپال کے بارے میں اس کی رائے بھی سامنے آسکے۔

جلال سے پہلی ہی کوشش میں رابطہ ہوگیا۔ اس نے خاصے گرمجوش لہجے میں میری مزاج پرسی کی، دوسروں کے حال احوال دریافت کیے پھر تازہ اخباری اشتہارات کی طرف آگیا۔ "ان اخباروں میں اس اشتہار کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہے۔ اب تم کو بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں ہمیشہ بہت زیادہ محتاط رہتا ہوں۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"اور وہ مقامی ہوٹل کا کیا واقعہ ہے؟" اس نے متجسس لہجے میں سوال کیا "چھوٹی سی خبر ہے کہ ارجن کے قتل کے بعد اس کے ہوٹل میں کوئی مہمان بے ہوش ہوگیا جسے ایمرجنسی میں اسپتال منتقل کردیا گیا۔"

"یہ خبر میری نظروں سے نہیں گزری۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "بعض اخبارات والے چھوٹی چھوٹی باتیں لے اڑتے ہیں۔"

"اخباری اطلاعات بے سروپا نہیں ہوتیں۔ ان کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہوتی ہے۔ ارجن کی ہلاکت کے بعد وہ ہوٹل اخبار والوں کی توجہ کا مرکز بن گیا ہے۔ جب تک ارجن کے قتل کا قصہ ٹھنڈا نہیں ہوجاتا، وہاں کی ہر غیر معمولی بات اخباروں کی زینت بنتی رہے گی۔" لمحہ بھر کے سکوت کے بعد اس کی آواز دوبارہ ابھری "تمہارے جواب سے اندازہ ہورہا ہے کہ خبر تم نے دیکھی ہو یا نہ دیکھی ہو، وہ واقعہ تمہارے علم میں ہے۔"

"وہ بلیک کیٹ تھا جو ابرار کے نام سے اسی ہوٹل میں

ٹھہرا ہوا تھا۔"

"اوہ! یہ میرے لیے نئی خبر ہے۔ اب وہ کہاں ہے؟"
اس کی آواز میں اضطراب اور تجسّس اُمڈ آیا۔

"وہ اول خان کا مہمان ہے۔ دوسری بلیک کیٹ ایک لڑکی تھی۔ وہ بھی پکڑی گئی تھی مگر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔"

بلیک کیٹس میں جلال کی دلچسپی بجا تھی۔ اس نے مجھ پر یکے بعد دیگرے سوالات کی بھرمار کر دی اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا جب تک ہر بات اس کے علم میں نہ آ گئی۔ اس دوران میں، میں نے دانستہ سوبھراج کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

سیتا کے فرار پر جلال کا متاسف ہونا فطری تھا۔ مجھے اس واقعے پر افسوس سے بڑھ کر، صدمہ ہوا تھا۔ سب کچھ سن لینے کے بعد وہ دوبارہ گوپال کی طرف آ گیا "وہ تم لوگوں کے قبضے میں ہے تو اب تک اپنی زبان کھولنے پر بھی مجبور ہو چکا ہو گا۔ تمہاری کوبرا والی تھیوری کے بارے میں وہ کیا کہتا ہے۔"

وہ سرکاری طور پر اس معاملے سے دست بردار ہو چکا تھا لیکن اپنے فطری تجسّس سے مجبور تھا۔ میں نے دانستہ اختصار سے کام لیتے ہوئے جواب دیا "اس نے کوبرا کا سیٹ لائٹ فون نمبر دیا تھا۔ اس پر میری سوبھراج سے بات ہو چکی ہے۔"

وہ ایک ہوش ربا حقیقت تھی۔ جلال کے ذہن میں تجسّس کے نئے دریچے کھل گئے۔ شاید وہ یہ بات بھول گیا کہ اسے سوبھراج کے معاملے سے لاتعلق رہنا تھا۔ اس بارے میں کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں اس نے ایک گہرا سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں کہا "کافی دنوں بعد ایک بڑا شکار تمہارے سامنے آیا ہے۔ اس سے تم کو خود ہی نمٹنا ہو گا۔ میں تمہارا کوئی ساتھ نہیں دوں گا۔"

"اب اس کا ذکر نہ کرو۔ ایس ٹی ایف مجھے اسی لیے پسند ہے کہ یہ فورس ایسی پابندیوں سے آزاد ہے۔ اس کے ساتھ کھلے دل سے کام کرنے میں مزہ آتا ہے۔"

"اس وقت ایس ٹی ایف بھی اتنی آزاد نہیں رہی ہے۔ ٹام اور نک کی طرف سے دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ اول خان کو کراچی سے کہیں اور منتقل کر دیا جائے۔"

"تو یہ خبر تمہارے کانوں تک بھی پہنچ گئی!" میں نے قدرے تعجب سے کہا۔

"میں تم لوگوں سے دور ہوں لیکن تمہاری طرف سے غافل نہیں ہوں۔ ایسی جگہ بیٹھا ہوا ہوں جہاں ہر طرف سے اندر کی خبریں بہتی چلی آتی ہیں۔"

"اول خان اپنے خلاف ہونے والی سازشوں سے باخبر ہے لیکن اس نے حوصلہ نہیں ہارا۔ اس کا عزم ہے کہ جب تک اوپر سے کوئی حکم نہ آئے، وہ ملک دشمنوں کے خلاف کھل کر میرا ساتھ دیتا رہے گا۔ اس وقت میں اسی کے دفتر میں بیٹھا ہوا ہوں۔"

"اس سے میرا سلام کہہ دینا۔ میں اپنی سرکاری ملازمت کے پروٹوکول سے مجبور نہ ہوتا تو اس کی عظمت اور دلیری کو کھل کر سراہتا۔ اس جیسے لوگ ہمارے ملک کی بہت بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے وہ کسی بھی وقت اپنے دشمنوں کے وار کی زد میں آ سکتے ہیں۔ وہ جب بھی مریں گے، گمنامی کی موت مریں گے۔ گنے چنے لوگوں کے سوا کسی کو ان کے کارناموں کی خبر نہیں مل سکے گی۔ اس سنگین حقیقت کے باوجود یہ سب صلے کی تمنا یا ستائش کی پروا کیے بغیر اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔"

جلال جیسے محتاط افسر کی طرف سے وہ زبردست خراجِ تحسین تھا۔ جس ملک کے بارے میں یہ کہا جاتا ہو کہ وہاں رشوت دیے بغیر اپنا جائز ترین کام کرانا بھی ناممکن نہیں تو انتہائی دشوار ضرور ہے، وہاں ایس ٹی ایف کے فرض شناس افسروں اور اہل کاروں کا وجود صحرا میں کھلے ہوئے گلاب سے کم نہیں تھا۔

"میں اس معاملے میں تمہارا ہم خیال ہوں۔" میں نے کن انکھیوں سے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب تم نے گوپال راج کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" جلال کا لہجہ سرسری سا تھا۔

"اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے اس سے جوابی سوال کر ڈالا۔

"سچ پوچھو تو ابھی میں نے اس کے بارے میں کچھ سوچا ہی نہیں ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ یہاں آنے والے دو میں سے ایک بلیک کیٹ تمہاری قید میں ہے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ بھارت والوں کو اپنی بلیک کیٹس کمانڈر فورس پر بہت گھمنڈ تھا۔ ان کی کامیابیوں کا ایسا ڈھنڈورا پیٹا گیا ہے کہ حال ہی میں اسرائیل نے سرکردہ، جنگ جو فلسطینی رہنماؤں کو ٹھکانے لگانے کے لیے بھارت سے اس کمانڈو فورس کے ایک دستے کی مدد طلب کی ہے۔ ان کا قلع قمع کر کے تم نے بھارتیوں کا غرور خاک میں ملا دیا۔ کاش یہ کارنامہ میرے آدمیوں نے سرانجام دیا ہوتا۔"

"ہم بھی تمہارے آدمی ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا "تم حکم کرو۔ ہم تعمیل کریں گے۔"

"گوپال کو میرے حوالے کردو۔" اس نے بے ساختہ اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔

"کیا تم اس کا اچار ڈالو گے؟" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"ہمارے کئی آدمی بھارت میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے ہاتھ لگنے والے ہمارے بیشتر آدمی ان کے وحشیانہ تشدد کا شکار ہو کر عبداللہ کی طرح شہید ہو جاتے ہیں۔ جو سخت جان بچ جاتے ہیں وہ جیلوں میں بہت برے حال میں سڑتے رہتے ہیں۔" اس نے رک رک کر غالباً سوچتے ہوئے کہنا شروع کیا "ہمارے ایجنٹوں کے علاوہ بہت سے عام پاکستانی شہری بھی بھارتی جیلوں میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ جسے چاہتے ہیں' پاکستانی جاسوس قرار دے کر جیل میں ڈال دیتے ہیں۔ اور مہینوں اس کی خبر نہیں لیتے۔ کسی چالان' پیشی یا ریمانڈ کے بغیر عذاب سہنے والے شہریوں کی تعداد کافی ہے۔ گوپال یہاں غیر قانونی طور پر آیا ہوا ہے۔ ہم اسے مار بھی دیں تو بھارتی حکومت کوئی احتجاج نہیں کر سکتی مگر میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔"

"پتا تو چلے کہ تم کیا سوچ رہے ہو۔" میں نے اس کے جواب سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"وہ آئی بی کی قید میں رہے گا۔ ہم اپنے ذرائع استعمال کر کے' دہلی میں را کے افسران تک یہ خبر پہنچا دیں گے کہ گوپال زندہ ہے اور قید میں ہے۔ بھارتی اپنے بلیک کیٹ کی تربیت پر خطیر رقم صرف کرتے ہیں۔ وہ اسے واپس لینا چاہیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اس کے بدلے ان سے تیس چالیس پاکستانی آزاد کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان عام شہریوں میں ہمارے کچھ آدمی بھی ضرور شامل ہوں گے۔ یہ ہمارے لیے ایک بہترین سودا ثابت ہو سکتا ہے۔"

"تم اول خان سے بات کرلو۔ مجھے اس بندوبست پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔" یہ کہہ کر میں نے فون کا ریسیور اول خان کی طرف بڑھا دیا۔

میں نے سگریٹ سلگائی اور اطمینان سے کرسی پر ڈھلک کر نیم دراز ہو گیا۔

آئی بی والوں کے لیے ایس ٹی ایف کے ٹھکانے اجنبی نہیں تھے۔ وہ ملک کے چپے چپے پر نگاہ رکھنے والوں میں شامل تھے۔ کہیں بھی کسی قسم کی سرگرمی ہوتی تھی تو گرد و پیش میں آئی بی کے بے نام سائے سے منڈلانا شروع کر دیتے تھے۔ معاملہ ان سے متعلق ہوتا تو وہ کھل کر سامنے آتے تھے ورنہ خاموشی سے ماحول میں تحلیل ہو جاتے تھے۔

جلال نے اول خان سے طے کر لیا تھا کہ دو آدمی شام کے دھندلکے میں بند گاڑی لے کر اسٹیشن فور آئیں گے اور خاموشی سے اسے صدف مینشن منتقل کر دیں گے جہاں چوپڑا پہلے سے قید تھا۔ وہ ایک ضمنی پہلو تھا۔ جس کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ اس کی افادیت بھی ہمارے سامنے تھی لیکن ہم جس مقصد سے اسٹیشن فور تک آئے تھے' وہ حاصل نہیں ہو سکا تھا۔

"اب کیوں نہ نک سے بات کر لی جائے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اول خان نے مشورہ دیا۔

"زیادہ باتیں ہوتی رہیں تو ان پر میرا بھرم کم ہو جائے گا۔ اس وقت وہ مجھ سے خاصے خوف زدہ ہیں۔"

"لیکن مجبوری ہے۔ چھیڑ چھاڑ سے کوئی نہ کوئی کام کی بات سامنے آتی ہے۔ تم کو کل شام کو سوبھراج سے بات کرنی ہے۔ اس وقت تک ہم ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔ کیونکہ ہمارے سامنے کوئی ہدف ہے اور نہ کام۔ اس وقت کا کوئی نہ کوئی مصرف ہونا چاہیے۔"

"پہلا مصرف تو یہ ہے کہ ہمیں سیتا کا انتظار کرنے کے بجائے اپنے طور پر اسے شہر میں تلاش کرنا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"سرور کی سربراہی میں یہ کام ہو رہا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے بتایا "اس کے ساتھ کم از کم چھ آدمی شہر میں پھیلے ہوئے ہیں۔"

"صرف سرور کام دکھا سکتا ہے۔ بقیہ آدمی اسے کیسے پہچانیں گے؟"

"وہ چھ آدمی سرور کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق کسی مشتبہ لڑکی پر نگاہ رکھیں گے۔ کوئی نظر میں آئی تو اس کا پیچھا کر کے سرور کو مطلع کریں گے۔ وہ جلد از جلد موقع پر پہنچ کر شناخت کا اہم کام سرانجام دے گا' اس وقت ہمارے پاس اس سے بہتر کوئی متبادل نہیں ہے۔"

اپنی جگہ پر اس کی بات درست تھی۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔

"تم نے نک کے بارے میں میری تجویز کا کوئی جواب نہیں دیا۔" اس نے مجھے خاموش پا کر ٹوکا۔

"اپنے ذہن میں اس سے گفتگو کا خاکہ بنا رہا ہوں....."

"تمہیں کوئی خاکہ بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ تم تو بات سے بات نکالنے میں ماہر ہو۔"

"اس سے میرے دو قسم کے رابطے ہو چکے ہیں۔ ایک مرتبہ میں اس کے لیے ڈینی تھا اور پھر کرنل داور۔ سوچ رہا ہوں کہ اس سے کس روپ میں بات کی جائے۔"

"پھر تو تمہاری فکر مندی بجا ہے۔ تم نے ڈینی بن کر بات کی تو گفتگو دھمکیوں وغیرہ تک محدود ہو کر رہ جائے گی۔"

"کل میں نے تمہارا پیغام ملنے کے بعد اس سے بات کی تھی۔ تم نے بتایا تھا کہ وہ کرنل داور سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔"

"وہ تمہیں ایک مرتبہ پھر اپنے سامنے ملانا چاہ رہا تھا اور بہت چبا چبا کر باتیں کر رہا تھا۔ جب تم نے اسے ڈینی کے بارے میں بتایا تو وہ بدحواس ہو گیا اور تم دونوں کی گفتگو ادھوری رہ گئی۔ اب تم اسی حوالے سے اپنی گفتگو آگے بڑھا سکتے ہو۔"

اول خان کا مشورہ صائب تھا۔ میں خود بھی ان ہی خطوط پر سوچ رہا تھا۔ میں نے فون اپنی طرف سرکالیا۔

وہ اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔ میں نے گھر کا نمبر ملایا تو تیسری گھنٹی کے بعد اس کی تھکی تھکی اور خوابیدہ آواز سنائی دی۔

"میں اگر تمہارے آرام میں مخل ہوا ہوں تو معذرت چاہتا ہوں" میں نے نرمی سے بات کی ابتدا کی۔

"اوہ، کرنل داور!" اس نے میری بدلی ہوئی آواز سن کر مسرت آمیز آواز میں کہا "بہت اچھا کیا کہ تم نے مجھے فون کرلیا۔ میں خود کسی نہ کسی طرح تم سے رابطہ کرنا چاہ رہا تھا۔"

"تم اول خان کو پیغام دے سکتے تھے۔ وہ مجھ تک پہنچ جاتا" میں نے جواب دیا۔

"کل میں نے یہی کیا تھا لیکن میں بار بار اسے درمیان میں نہیں لاسکتا۔ اسے شک ہو جائے گا کہ میری اور تمہاری کوئی ڈیل چل رہی ہے۔"

"ڈیل چلنے کی بھی خوب رہی!" میں نے ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کے ساتھ کہا "کل تم مجھے دھمکی دے رہے تھے کہ بلیک کیٹس ڈینی کے ساتھ اس کے ہمدردوں کے بھی خون کے پیاسے ہیں۔ وہ مجھے اور اول خان کو ڈینی کے سب سے بڑے ہمدرد سمجھتے ہیں۔"

"جب تک میرے اور تمہارے درمیان کچھ طے نہیں ہو جاتا، ریکارڈ یہی بتائے گا کہ ایس ٹی ایف کے کتے بھی ڈینی کے وفادار اور خیر خواہ ہیں۔ تم کو جلد از جلد اپنا نام اس فہرست سے نکال لینا چاہیے۔ یہ تمہارے لیے سنہرا موقع ہے۔ تم بہت تیزی کے ساتھ ممتاز مقام حاصل کرسکتے ہو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ کبھی دھمکیوں پر اتر آتے ہو اور کبھی سبز باغ دکھانے لگتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ کہ تمہارے دل میں کیا ہے؟"

"میں تمہیں اپنی صف میں شامل دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اور مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ تم مجھے دھوبی کا کتا بنانا چاہ رہے ہو جو گھر کا رہے نہ گھاٹ کا۔ میں نے ایک بار تمہاری بات مان لی تو پھر میں تمہارا غلام بن کر رہ جاؤں گا۔ تم جب چاہو گے، مجھے گندا کر کے ایس ٹی ایف سے نکلوا دو گے۔ میں بدترین عتاب میں آجاؤں گا۔ تمہاری ساری دشمنی ڈینی سے ہے۔ اسے زیر کرنے کے لیے تم مجھے اپنے ساتھ مل جانے کی پیشکش کررہے ہو۔ جوں ہی ڈینی کا کام تمام ہوا، تمہارے لیے میری ساری اہمیت اور افادیت ختم ہو جائے گی۔ آف دی ریکارڈ اجلاس میں تم دیکھ چکے ہو کہ میں ادھیڑ عمر یا بوڑھا نہیں ہوں۔ میرے سامنے ایک لمبا کیریئر ہے۔ مجھے یہ ساری زندگی اپنے وسائل سے گزارنی ہے۔ ایس ٹی ایف سے بے وفائی کرنے کے کچھ ہی عرصے بعد تم نے مجھے بھلا دیا تو میں راندۂ درگاہ ہو جاؤں گا۔"

"مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ میری پیشکش کے بارے میں تم اتنی دور تک سوچ رہے ہو۔ یہ اچھی بات ہے کہ تم نے اپنے اندیشوں کا برملا اظہار کردیا۔ مگر مجھے افسوس بھی ہے کہ تم غلط سمت میں اپنی ذہنی توانائیاں ضائع کررہے ہو۔ ڈینی واقعی ایک مشن ہے جو جلد یا بدیر مکمل ہو جائے گا۔ یہ نہ سمجھو کہ اس کے مرتے ہی تمہاری اہمیت ختم ہو جائے گی۔ ہمیں معلوم ہے کہ پاکستان میں ایس ٹی ایف نام کی ایک غیر آئینی اور سفاک فورس فعال ہے جو ڈاکوؤں سے لے کر غیر ملکی ایجنٹوں تک کی سرکوبی کرتی رہتی ہے۔ اس سے آگے یہ فورس آہنی دیواروں کے پیچھے چھپی ہوئی ہے۔ دن رات یہ کیا کرتی ہے، کس کس کو ٹھکانے لگاتی ہے، اس بارے میں ہم اندھیرے میں رہتے ہیں۔ ہمیں ایس ٹی ایف میں بھی اپنے ایک آدمی کی ضرورت ہے، یہ ضرورت تم پوری کرسکتے ہو۔"

"شاید اب دیر ہو چکی ہے" میں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا "ابتدا میں تم نے نقاب پوش کوبرا کا قضیہ نہ کھڑا کیا ہوتا تو آج ارجن بھی زندہ ہوتا اور میں تم سے ہدایات لے رہا ہوتا۔"

"میں تم کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ ہم لوگ فیلڈ ورک نہیں کرتے۔ اسٹاف کی سربراہی ہر ملک میں کسی معزز مقامی کے ذمے ہوتی ہے۔ ہمارے آئے دن تبادلے ہوتے رہتے

ہیں۔ یہاں میری مدت پوری ہونے والی ہے۔ کسی بھی وقت میرے تبادلے کے احکام آسکتے ہیں۔ میری جگہ لینے والے کے ساتھ کام کرنے میں دشواری ہوگی۔ کارگزاری اور کارکردگی کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ سربراہی کے عہدے پر براجمان شخص لمبی مدت تک کام کرتا رہے۔ کام کے لیے یہ ہم آہنگی بہت ضروری ہوتی ہے۔"

"یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے کہ تمہارا یہاں سے تبادلہ ہونے والا ہے۔ ایسی صورت میں میرا واسطہ کوبرا سے ہی رہے گا۔"

"یہ بتاؤ کہ ڈینی کی کیا خبریں ہیں۔ وہ کہاں ہے؟" کوبرا کا ذکر آتے ہی اس نے بات اڑا کر ایک نیا سوال کر ڈالا۔

میں لمحہ بھر کے لیے تذبذب میں پڑ گیا کہ اسے سیتا کے بارے میں حقیقت بتاؤں یا نہ بتاؤں۔ میرے ذہن میں یہ گتھی فوراً ہی سلجھ گئی۔ میں نے سیتا کے بارے میں دل کھول کر سوبھراج کے کان بھرے تھے اور اسے یہ تاثر دیا تھا کہ سیتا مجھ پر مرمٹی تھی اور میرے ہی پاس تھی۔ سوبھراج اپنے سفید فام آقاؤں کا نمک خوار تھا۔ اس نے وہ رپورٹ من وعن نک تک پہنچادی ہوگی۔ میرے لیے یہی بہتر تھا کہ میں اپنی اسی کہانی پر قائم رہتا۔

"اس نے کرائے کے آدمیوں کی مدد سے دونوں کو ہوٹل سے اٹھالیا تھا" میں نے کسی طویل سکوت کے بغیر کہا "اس کے بعد سے اس کی کوئی خبر نہیں۔"

"میری اطلاعات یہ ہیں کہ ایس ٹی ایف والے پیرا میڈیکل اسٹاف کے روپ میں ہوٹل پہنچے تھے اور گوپال کو نکال لے گئے۔"

"یہ خبر ڈینی کے کسی خیر خواہ نے پھیلائی ہے تاکہ ایس ٹی ایف سے اس کے عملی اختلاف کا راز افشا نہ ہو۔ ہمارے ایک آدمی نے بھی اس کا ساتھ نہیں دیا تھا" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"کرائے کے غنڈے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ایسی دیدہ دلیری سے واردات نہیں کرسکتے۔"

"ڈینی کا تعلق یہاں کے سفید پوش طبقے سے ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے آج کل کے پڑھے لکھے اور مہم جو لڑکوں کو خرید لیا ہو۔ ایسے لڑکے آمدنی اور سنسنی کے لیے بہت کچھ کر گزرنے کے لیے تیار رہتے ہیں اور کچھ نہیں ملتا تو شغل کے لیے کسی سے کار یا موٹر سائیکل چھین کر تفریح کرتے ہیں اور سارا پیٹرول پھونک دینے کے بعد مسروقہ سواری کو کہیں بھی لاوارث حالت میں چھوڑ دیتے ہیں۔ بڑھتی ہوئی بے روزگاری کے نتیجے میں ایسے مجرموں کا ایک قابل لحاظ طبقہ پیدا ہوچکا ہے۔"

"اچھی طرح سوچ لو۔ ہوسکتا ہے کہ اول خان نے افرادی قوت مہیا کی ہو۔"

"ہمارا اسٹاف بہت مختصر ہے۔ کوئی کام اتنی رازداری کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔"

"چلو' اسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔ یہ ایس ٹی ایف کی اندرونی سرگرمیوں کے بارے میں پہلی خبر ہے جو تم نے فراہم کی ہے۔"

"ابھی میں نے کوئی مخبری نہیں کی" میں نے بوکھلانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "ابھی تک ہمارے درمیان کسی سمجھوتے کا وجود نہیں ہے۔"

"اب کیا دیر ہے؟ میں نے ساری بات تمہیں بتادی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جلد ہی تم کو کوبرا سے نجات مل جائے۔ وہ اپنی بعض ناگزیر ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہ رہا ہے۔"

وہ ایک اہم خبر تھی۔ پچھلے روز تک کوبرا پوری طرح سرگرم اور فعال تھا لیکن میری طرف سے شناخت کی دھمکی ملتے ہی اس کے چھکے چھوٹ گئے تھے۔ اس کو معاشرے میں جو مقام حاصل تھا' اسے برقرار رکھنے کے لیے وہ کوبرا کا عہدہ تو کیا' ہر چیز قربان کرسکتا تھا۔ اپنی ناک کی بناوٹ پہچان لیے جانے کے بعد شاید اس نے نک کو اپنے سنگین مسئلے سے آگاہ کردیا تھا اور وہ بات نک کی زبان پر آگئی تھی۔ یہ محض اتفاق نہیں ہوسکتا تھا کہ ایک طرف نک اپنے تبادلے کی خبر سنا رہا تھا اور دوسری طرف کوبرا کی مشکل سے آگاہ کررہا تھا۔

بظاہر وہ دونوں میری وجہ سے عتاب میں آتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

میں نے عملی طور پر اس خبر پر کسی خوشی کا اظہار کیے بغیر پوچھا "کوبرا کو ایسی کیا مجبوری پیش آگئی؟"

"یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے' اسے دیکھ لیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ دو چار روز میں ہی کوئی اور کوبرا کی جگہ لے لے۔"

"شاید اس وقت تم ذہنی خلفشار کا شکار ہو" میں نے بہت نرمی اور رسانیت سے کہا "کوبرا سے مجھے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے؟ مجھے اصولی اختلاف ہے۔ میں کسی نامعلوم شخص کو جواب دہ ہونے کے لیے نہ پہلے تیار تھا نہ اب آمادہ ہوں۔ کوبرا کی جگہ

تم جس کسی عزت دار پاکستانی کو نامزد کرو گے' وہ بھی پردے میں رہے گا۔ اپنے سماجی رتبے کی وجہ سے اپنی شخصیت کو بے نقاب نہیں کرے گا۔ میرے لیے کسی کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں اپنے روبہ رو آنے والے کی سربراہی خوشی سے قبول کرلوں گا۔"

"تم بہت ضدی آدمی ہو۔ تمہارے ریکارڈ کی سوئی اسی ایک نکتے پر پھنسی ہوئی ہے۔"

"میں نے پہلی بار ہی اپنا اعتراض واضح کردیا تھا۔ تم بلاوجہ مجھے چکر دینے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ تم اشاروں کنایوں کی بات بالکل نہیں سمجھتے....."

"میں مصلحت پسند اور فریبی مزاج کا مالک نہیں ہوں" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "سیدھی سچی بات کرتا ہوں اور وہی سب سننے کی امید رکھتا ہوں۔"

"گفتگو کی ابتدا میں' میں نے کہا تھا کہ تم کو جلد از جلد اپنا نام ڈینی کے حمایتیوں کی فہرست سے نکال لینا چاہیے' یہ تمہارے لیے سنہرا موقع ہے۔ تم بہت تیزی کے ساتھ ممتاز مقام حاصل کرسکتے ہو۔ شاید تم نے اس بات پر دھیان نہیں دیا۔"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ڈینی کا حامی نہیں ہوں۔ اس سے میرے سنگین اختلافات ہیں" میں نے اس کی پیشکش کو اس بار بھی دانستہ نظرانداز کردیا۔

"یہ بات تم ہم سے مل کر' ہماری صفوں میں شامل ہو کر ثابت کرسکتے ہو۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ محض لالچ نہیں ہے۔ تم اس وقت فیصلہ کرلو تو کوبرا کے متوقع جانشین کے طور پر' دوسروں کے ساتھ تمہارا نام بھی زیر غور آسکتا ہے۔"

"یہ ناممکن ہے' ایس ٹی ایف میں رہتے ہوئے میں ایسی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کروں گا" میں نے صاف انکار کردیا۔

"کوبرا کو ہوش ربا مراعات ملتی ہیں۔ ان کی تفصیل سنو گے تو تمہیں ایس ٹی ایف کی نوکری حقیر نظر آنے لگے گی۔"

"میں کسی نقاب پوش کو جواب دہ ہونے کو تیار نہیں ہوں تو خود کیسے نقاب لگا سکتا ہوں۔ یہ ممکن نہیں ہے" میں نے سختی سے کہا "کوئی باعزت طریقہ کار سامنے ہو تو میں پس پردہ رہ کر تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے یہ اطمینان ہوگا کہ میں جب چاہوں گا' اس بندوبست سے الگ ہوسکوں گا۔"

میں واضح طور پر محسوس کررہا تھا کہ پچھلے دن کے مقابلے میں اس وقت نک کے لب ولہجے میں ذرا بھی دم خم نہیں رہا تھا۔ وہ میری اکھڑی اکھڑی باتوں پر مشتعل ہو رہا تھا نہ دھمکیاں دے رہا تھا۔ میری ہر بات کو تحمل سے سن کر برداشت کررہا تھا اور اس کا کوئی معقول جواب دینے کی کوشش کررہا تھا۔ شاید بلیک کیٹس کی پراسرار روپوشی اور پھر کوبرا کی ناک کی بناوٹ کی شناخت نے ان لوگوں کے لیے سنگین مسائل پیدا کردیے تھے۔

"میں اب سمجھا کہ تم کسی نامعلوم شخص کو جواب دہی سے کیوں گریز کررہے ہو!"

بات میں نے ہی کہی تھی لیکن اس کی طرف سے حیرت کے اظہار پر میں انجان بن گیا "یہ اچانک تم کیا سمجھ گئے؟"

"تم مجھ سے لمبے معاہدے سے بھاگ رہے ہو تاکہ جب چاہو اپنے ہاتھ جھاڑ کر ہم سے الگ ہوسکو۔"

"بلاسبب کوئی بھی اپنے مفادات کو نہیں ٹھکراتا۔ یہ اسی وقت ہوگا جب کوئی بڑا اختلاف پیدا ہوگا۔"

"ڈینی سے کل سے تمہاری ملاقات نہیں ہوئی؟" اس نے اس مرتبہ ذرا واضح انداز میں سوال کیا۔

"نہیں" میں نے پورے اعتماد سے جواب دیا "وہ آیا نہ شہر میں اس کے ٹھکانے کا پتا چلا۔"

"اسٹیشن فور کے علاوہ شہر میں اس کے اور کتنے ٹھکانے ہیں؟" نک نے پوچھا "وہ رہتا کہاں ہے؟"

"میں تم کو جواب دہ نہیں ہوں۔ اس کے جو ٹھکانے میرے علم میں ہیں' وہ وہاں نہیں ہے" میں نے ٹکا سا جواب دے کر اپنی جان چھڑالی۔

"کرنل! مجھے نظر آرہا ہے کہ تمہارے ستارے گردش میں آنے والے ہیں" اس بار نک اپنے غصے کے اظہار پر قابو نہ رکھ سکا۔

"تم نے تو کل ہی مجھے نوید سنادی تھی کہ بلیک کیٹس ڈینی کے ساتھ مجھے اور راول خان کو بھی اڑا دیں گے۔ آج وہ ایک کہانی بن چکے ہیں۔ اب تم کسے میدان میں اتارنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"وقت آنے پر تمہیں سب معلوم ہوجائے گا۔ یہ یاد رکھنا کہ میں نے تم سے مفاہمت کی ہر کوشش کرکے دیکھ لی ہے لیکن تم راہِ راست پر آنے پر آمادہ نہیں ہو۔ اب میرے لیے تم بھی ڈینی کی طرح ہو۔ کوئی نہ کوئی تم سب کو جلد ہی تگنی کا ناچ نچائے گا اور پھر جہنم واصل کردے گا" اپنی مسلسل ناکامی پر وہ جھنجلا گیا تھا۔

”تم خود یہ کوشش کیوں نہیں کر لیتے۔ کیا تمہارے تبادلے کا حکم نامہ آچکا ہے؟“ اس بار میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

”کرنل! اپنی حدود میں رہو۔ میں خود بھی تمہاری کھوپڑی توڑ سکتا ہوں“ وہ غرایا۔

”میں حیران ہوں کہ ایسی جارحانہ گفتگو کے بعد تم کسی غیر رسمی اجلاس میں کیسے میرا سامنے کر سکو گے؟“ میں نے اسے چڑانے کے لیے کہا۔

”اب بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ کسی غیر رسمی اجلاس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اس سے پہلے کوئی فیصلہ کن معجزہ رونما ہو جائے گا۔“

”طاقت ور اپنے زور بازو پر انحصار کرتے ہیں جو بے دست و پا ہوتے ہیں وہی بستر پر لیٹ کر معجزوں کے رونما ہونے کا انتظار کرتے ہیں۔“

”اب ڈینی سے پہلے تمہاری کھال میں بھوسا بھروانا پڑے گا۔ میں جلد ہی تمہیں اس بدکلامی کی سزا دوں گا“ نک نے چیخ کر فون بند کر دیا۔

میں اپنے دل ہی دل میں اس کی نادانی پر ہنس کر رہ گیا۔ وہ ڈینی کو ٹیڑھی کھیر اور کرنل داور کو حلوا سمجھ رہا تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ کرنل داور اس کے لیے ڈینی سے زیادہ مشکل ثابت ہوگا۔

”ان باتوں سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ ان کے قدم اکھڑ رہے ہیں۔ نک سہارے کی تلاش میں ہاتھ پیر مار رہا تھا“ اول خان نے سب کچھ سن لینے کے بعد اپنی رائے دی۔

”کل تک وہ کوئی اور زبان بول رہا تھا“ آج حواس باختہ تھا۔ ان لوگوں پر اچانک کیا مصیبت نازل ہو گئی!؟“

”اچانک کچھ بھی نہیں ہوا۔ نک نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے اور اب اس کا نتیجہ بھگت رہا ہے۔“

بنیادی غلطی نک کی ہی تھی۔ جب میں نے کرنل داور کے روپ میں اس سے پہلی مرتبہ فون پر رابطہ کیا تو میں نے اس کے مطلب کی ڈھیلی ڈھالی باتیں کیں جن کے نتیجے میں وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ میں ایس ٹی ایف سے ٹوٹ کر اس کے جال میں پھنس رہا تھا۔ اسی جوش میں اس نے مجھے کوبرا تک رسائی کا طریقہ کار بھی بتا دیا جس میں کلیدی کردار

ہوٹل کے منیجر کا تھا۔ اس نے منیجر کا نام نہیں لیا تھا لیکن عہدے کی بنا پر ارجن کمار تک پہنچنا مشکل نہیں تھا۔

اس کی بولی بولتے بولتے جب میں نے اچانک قلابازی کھائی تو وہ سٹ پٹا گیا۔ مگر تیر اس کی کمان سے نکل چکا تھا۔ میرے ہوٹل پہنچنے سے پہلے اس نے ارجن کو اس کے دفتر میں مروا دیا۔

نک اتنی تیزی سے وہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس قتل میں کوبرا کے ذریعے کسی تیسرے قاتل کو استعمال کیا گیا تھا۔ سب کچھ اس قدر الجھا ہوا تھا کہ کوبرا کو ہوٹل سے بھاگنا پڑا اور پھر ان لوگوں کے لیے حالات مخدوش سے مخدوش تر ہوتے چلے گئے۔

شاید نک اور سوبھراج کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ حالات بہت تیزی کے ساتھ ان کی گرفت سے نکلتے چلے جائیں گے۔ ہر بات ان کے خفیہ ریکارڈر اور دوسرے متعلقہ لوگوں کے علم میں آتی رہی۔ آخری نتیجہ یہ سامنے آیا تھا کہ دونوں بلیک کیٹس کسی کامیابی کے بغیر دھر لیے گئے تھے اور سوبھراج کو بھی کوبرا اور حشمت کی حیثیت سے شناخت کر لیا گیا تھا۔

نک اس سارے بگاڑ کا ذمہ دار تھا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اس کے خلاف ابتدائی کارروائی ضرور ہوگی جو کم از کم اس کے تبادلے پر منتج ہوتی۔ وہ اپنے خلاف ایسے کسی اقدام سے پہلے اپنے بڑوں کی نظروں میں سرخ روئی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

یہ اس کی بہت بڑی کامیابی ہوتی کہ وہ ایس ٹی ایف کے کرنل داور کو اپنی قومی ایجنسی کی خدمات کے لیے خریدنے میں کامیاب ہو جاتا۔ آخری گفتگو میں اس نے اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے سردھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ یہ اس کی کوششوں کی انتہا تھی کہ اس نے مجھے کوبرا کا جانشین بننے کا خواب تک دکھا دیا تھا۔

نک کی ناکامی کا سب سے خراب اور عبرت ناک پہلو یہ تھا کہ سوبھراج کی عزت اور ساکھ داؤ پر لگ چکی تھی۔ میں نے اسے اپنے اصل روپ میں فون کر کے اس سنگین حقیقت سے آگاہ کیا تھا۔ میری کوشش یہ تھی کہ سوبھراج کو بے خبر رکھ کر اچانک، رنگے ہاتھوں دبوچ لیا جائے لیکن اس نے اول خان کے قتل کا عندیہ دے کر مجھے لب کشائی پر مجبور کر دیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ مجھ سے فون پر بات ختم کرتے ہی سوبھراج نے نک یا ٹام سے رابطہ کر کے اسے نئے خطرے سے آگاہ کر دیا ہوگا۔

سفید پوش مجرم جب تک جرائم کی دلدل میں اپنی کامیابیوں کا سفر جاری رکھتے ہیں، یہ بھولے رہتے ہیں کہ جب معاشرے میں ان کے مداحوں، دوستوں اور رشتہ داروں کو اچانک ان کے سیاہ کرتوتوں کی خبر ملے گی تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ عزت، احترام، رتبہ اور سب کچھ پل بھر میں خاک میں مل جائے گا۔ لوگ ان پر تھوکیں گے، ان سے نفرت کریں گے اور ان کو پھانسی کے پھندے تک نہیں تو لمبی قید کی کال کوٹھری تک ضرور پہنچا دیا جائے گا۔

سوبھراج نے اول خان کے قتل کا ارادہ ظاہر کر کے خود کو عارضی طور پر بچا لیا تھا۔ اول خان کی زندگی بچانے کے لیے مجھے اس کو بتانا پڑا تھا کہ اگر اول خان کو کوئی زک پہنچی تو میں اس کی مجرمانہ شناخت کی تشہیر کر کے اسے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔

سوبھراج کے لیے وہ جھٹکا ناقابل برداشت تھا۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ شاید اس نے خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ وہ نہ جانے کب سے غیر ملکی ایجنسیوں کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس نے اتنا کچھ کما لیا تھا کہ اپنی جمع پونجی کے سہارے، اپنی باقی ماندہ عمر عیش و عشرت کے ساتھ گزار سکتا تھا۔

نک کے پاکستان سے تبادلے کے ساتھ کوبرا کی مسند بھی خالی ہوتی نظر آ رہی تھی۔ نک پاکستان سے نکلنے کے بعد شاید محفوظ ہو جاتا لیکن سوبھراج کے لیے ہمارے ہاتھوں سے بچنا مشکل تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس کا اثر و رسوخ کب تک اس کے کام آتا ہے۔

اول خان کو اپنے دفتر میں کچھ ضروری کام تھے، پھر اسے گوپال کی تحویل کے لیے جلال کے آدمیوں کا انتظار بھی کرنا تھا۔ وہ وہیں رکا رہا۔ میں واپس روانہ ہو گیا۔

میں گھر پہنچا تو وہاں ویرا اور سلطان شاہ کا راج تھا۔ غزالہ گھر پر نہیں تھی۔ میں نے دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس کی غیر حاضری کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ گھر پر موجود ہوتی تھی تو میرے استقبال کے لیے سب سے پہلے دروازے پر آتی تھی۔

"کیا بات ہے؟ گردن اچکا اچکا کر ادھر اُدھر کیا دیکھ رہے ہو؟" ویرا نے میرے تجسس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"غزالہ کہیں نظر نہیں آ رہی، کیا وہ سو رہی ہے؟" میں نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"آرام سے بیٹھو۔ وہ بھی آ جائے گی۔ آج وہ مجھے اور سلطان شاہ کو تخلیہ فراہم کر کے باہر گئی ہے" ویرا میرے شانے پر ہاتھ مار کر بے پروائی سے بولی۔

میں جلد از جلد غزالہ کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا لیکن میرا سامنا ویرا سے تھا۔ میں لگاتار غزالہ، غزالہ کی رٹ

لگائے رکھتا تو اسے میرا مذاق اڑانے کا ایک نادر موقع ہاتھ آجاتا۔ وہ ایسے ہر موقع کو نہایت بے رحمی سے استعمال کرنے کی عادی تھی۔

"حیرت ہے کہ گھر میں صرف تم دونوں ہو اور فضا پھر بھی پُرسکون ہے" میں نے ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے بادل ناخواستہ کہا۔

"کوئی تیسرا نہ ہو تو ہم امن و آشتی سے رہتے ہیں۔ بھیڑ ہوتی ہے تو کوئی نہ کوئی بی جمالو بن کر ہمیں آپس میں لڑوا دیتا ہے" ویرا ہنستے ہوئے بولی "تمہارے آنے سے پہلے ہم بہت پیار و محبت کے ساتھ دنیا جہان کی باتیں کر رہے تھے۔"

"اس کی باتوں میں نہ آنا" سلطان شاہ نے بلا تاخیر احتجاج کیا "ہم صرف باتیں کر رہے تھے۔ اس میں پیار اور محبت کا کوئی دخل نہیں تھا۔"

"کیا باتیں ہو رہی تھیں؟" میں نے اس بار سلطان شاہ سے پوچھا۔

"میں غزالہ کے بارے میں فکر مند ہوں۔ یہ مجھے انگریزی فلموں کی بیہودہ کہانیاں سنا رہی تھی" سلطان شاہ نے منہ بنا کر سادگی سے کہا۔

"غزالہ کی طرف سے تمہیں کیا فکر لاحق ہے؟" ویرا نے اس سے پوچھا "وہ اپنی مرضی سے سلمیٰ کے پاس گئی ہے، مل کر آجائے گی۔"

"کون سلمیٰ؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا اور ویرا کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

"اب پوچھو گے کہ کون ویرا.... وہ تمہارے چہیتے جہانگیر کی بیوی ہے۔"

"اسے وہاں جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" ویرا کی ادھوری اور غیر متعلقہ باتیں مجھے پریشان کر رہی تھیں۔

"آج اس کے اندر سوئی ہوئی پرانی غزالہ جاگ اٹھی ہے۔ وہ سلمیٰ کی حفاظت کے لیے گئی ہے" ویرا نے طنزیہ پیرائے میں بتایا۔

"اسے وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ عمارت کے نیچے ایس ٹی ایف کے دو گارڈز پہلے سے موجود ہیں" میں نے

کہا۔

ویرا اِدھر اُدھر کی باتیں بھی ہانکتی رہی مگر ان دونوں سے خاصی صبر آزما گفتگو کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ غزالہ کیا سوچ رہی تھی۔

میرے اور راول خان کے چلے جانے کے بعد' ان تینوں کے درمیان سیتا کی ذات موضوع سخن بنی رہی۔ یہ بات پہلے ہی سامنے آچکی تھی کہ سیتا نے اپنے اغوا سے پہلے مجھے دیکھ لیا تھا مگر وہ یہ نہیں جان سکی تھی کہ میں ہی ڈینی تھا۔ ہوٹل کی پارکنگ میں اس وقت میرے ساتھ ایس ٹی ایف کا سرور تھا جس کا دیکھ لیا جانا غیر اہم تھا۔ اس کے علاوہ ہمارے دو گھر اس کی نظروں میں آچکے تھے۔ ہمارے گھر پر حفاظت کا ایسا فول پروف بندوبست تھا کہ سیتا وہاں سے بچ کر نہیں نکل سکتی تھی لیکن جہانگیر کے گھر کا معاملہ مختلف تھا۔

وہ ایک کثیرالمنزلہ عمارت کے فلیٹ میں رہائش پذیر تھا۔ سرور کے روپ میں آنے والی لڑکی کے واقعے کے بعد عمارت میں یہ اصول نافذ ہو چکا تھا کہ متعلقہ اہل خانہ سے انٹرکام پر اجازت لیے بغیر کسی اجنبی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی وہاں ایس ٹی ایف کے دو محافظ مامور کر دیے گئے تھے جن میں ایک سیکیورٹی کاؤنٹر پر موجود رہتا تھا۔ دوسرے کی ڈیوٹی باہر ہوتی تھی۔ وہ انتظامات بہت معقول تھے۔ سیتا عمارت کے اندر گھسنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔

غزالہ کو شبہ تھا کہ سیتا اپنا اگلا قدم بہت تیزی سے اٹھائے گی۔ بلیک کیٹس نے میدان میں آتے ہی جس پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا' اس کی روشنی میں سیتا سے کسی سستی کی توقع کرنا حماقت کے مترادف تھا۔ اس کے لیے جہانگیر کا گھر ایک بہتر اور سہل ٹارگٹ تھا۔

بلیک کیٹس نے جس اعتماد کے ساتھ ایک لڑکی کو ان کے گھر بھیجا تھا' اس سے ظاہر ہو گیا تھا کہ انہوں نے جہانگیر کے گھر کا سراغ لگانے کے ساتھ اس کے معمولات کا بھی پتا چلا لیا تھا اور شاید جہانگیر کے ساتھ ساتھ سلمیٰ کو بھی دیکھ لیا تھا۔

غزالہ جانتی تھی کہ گھر کا سودا سلف لانے کی ساری ذمہ داری سلمیٰ کے سر تھی۔ جہانگیر بہت کم اپنے فلیٹ سے باہر نکلتا تھا۔ زیادہ تر گھر پر پڑا اینڈتا رہتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ سلمیٰ اپنے معمول کے مطابق کسی کام سے باہر نکلی اور اس وقت سیتا باہر گھات میں ہوئی تو دنیا کی کوئی طاقت سلمیٰ کو اغوا ہونے سے نہیں بچا سکتی تھی۔

وہ خیال آتے ہی غزالہ نے سلمیٰ کو فون کیا اور اسے تاکید کی کہ وہ ایک دو روز کے لیے خود کو فلیٹ میں محدود کر لے۔ باہر نکلنے کی صورت میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آسکتا تھا۔

سلمیٰ سے اسے پتا چلا کہ وہ پچھلے روز بازار نہیں گئی تھی۔ گھر میں بنیادی ضرورت کی کئی اشیا ختم ہو چکی تھیں۔ اس شام اس کا باہر نکلنا ناگزیر تھا۔ باہمی تبادلۂ خیال کے بعد غزالہ قائل ہو گئی۔ اس نے سلمیٰ کو کسی کی آمد تک گھر میں رکنے کی تاکید کی تھی۔

غزالہ کی خواہش تھی کہ سلمیٰ کو بازار میں خریداری کروانے کا کام ویرا سرانجام دے لے لیکن ویرا کو سلمیٰ ایک آنکھ پسند نہیں تھی۔ جہانگیر مے نوش تھا اور دل کھول کر اس کی تعریفیں کیا کرتا تھا۔ ویرا اسے بہت پسند کرتی تھی۔ اس نے دس ناپسندیدہ تبصروں کے ساتھ غزالہ کی خواہش مسترد کر دی اور یوں غزالہ خود گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔

۞٭۞

وہ کاؤنٹر پر چند ثانیوں تک رکنے کے بعد اوپر پہنچی تو سلمیٰ اس کے استقبال کے لیے دروازہ کھولے کھڑی تھی۔

میرے ساتھ سلمیٰ کی بے تکلفی کی وجہ سے غزالہ بھی اسے زیادہ پسند نہیں کرتی تھی لیکن اس کی دانست میں وہ معاملہ اس کی ذاتی پسند یا ناپسند سے زیادہ سنگین تھا۔ وہ سلمیٰ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اندر پہنچی تو جہانگیر شیو بنا کر' قرینے کے کپڑوں میں ملبوس تھا۔

"آؤ بھابی! آج تو کسی بہانے اس گھر کے نصیب جاگے ہیں کہ تم یہاں آئی ہو۔ ہمارا یار' ڈینی کہاں ہے؟" اس نے اپنی جگہ سے احتراماً اٹھ کر کہا۔

"ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی مصروف ہیں' میں مشکل سے وقت نکال کر آئی ہوں تاکہ سلمیٰ کے ساتھ بازار تک جا سکوں۔"

"ارے' تم تو کھڑی ہوئی ہو۔ بیٹھ جاؤ" وہ مسرت سے کھلا پڑ رہا تھا۔ اس نے سلمیٰ کی طرف دیکھا "کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو' جلدی سے ڈرنکس لے آؤ۔"

"مم.... میں ڈرنک نہیں کرتی" جہانگیر کا موڈ دیکھ کر غزالہ بوکھلا گئی۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑا "مجھے معلوم ہے۔ میں سوفٹ ڈرنکس کے لیے کہہ رہا تھا۔ جاؤ! تم ابھی تک کھڑی ہو؟" آخری فقرہ اس نے اپنی بیوی سے کہا تھا۔

"غزالہ نے میرا ہاتھ سختی سے تھام لیا ہے" سلمیٰ نے بے بسی سے اپنا ہاتھ اٹھایا جو غزالہ کی گرفت میں تھا۔

"میں جلدی میں ہوں۔ ڈینی کسی بھی وقت گھر آجائیں گے اور مجھے نہ پا کر پریشان ہوں گے" غزالہ نے جلدی سے وضاحت کی "بازار سے واپسی پر میں نیچے سے ہی لوٹ جاؤں

گی۔ ہم دونوں فرصت میں پھر کبھی یہاں آئیں گے۔"
مایوسی سے جہانگیر کا منہ لٹک گیا "پتا نہیں تم دونوں کن چکروں میں پڑے رہتے ہو۔ ڈینی ہمیشہ وعدے کرکے ٹال دیتا ہے۔ ادھر نہیں آتا۔ اگر تم اتنی ہی مصروف تھیں تو مجھ سے فون پر کہہ دیتیں، میں سلمٰی کو بازار لے جاتا..."

"ہاں، تم ایسے ہی سعادت مند ہو!" سلمٰی جلے کٹے لہجے میں بولی "پتا نہیں تم میرے ساتھ باہر نکلنے میں کیوں شرماتے ہو۔ غزالہ کو فون پر وعدہ کرکے ٹال دیتے اور مجھے اکیلا باہر ہانک دیتے۔ اگر باہر واقعی کوئی خطرہ ہے تو تم نے یہاں آکر بہت اچھا کیا۔"

سلمٰی ایک خالص خانہ دار عورت تھی۔ اس میں کسی خراب صورت حال سے نمٹنے کا ذرا بھی حوصلہ نہیں تھا۔ جہانگیر نے شرماحضوری میں پیشکش کی کہ اگر غزالہ کے پاس واقعی وقت کی کمی تھی تو وہ اس وقت واپس چلی جائے۔ جہانگیر اس کے سامنے خود سلمٰی کو بازار لے جائے گا مگر غزالہ نے مسکرا کر اسے ٹال دیا۔ وہ مجھ سے جہانگیر کی سستی اور کاہلی کے قصے سنتی رہتی تھی۔ اپنے شاندار ماضی کو شراب کی لاتعداد بوتلوں میں دفن کرکے وہ محض ایک نمائشی وجود بن کے رہ گیا تھا۔ ضرورت پڑنے پر اپنے کسی چست وچالاک حریف سے بھرپور مقابلہ کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ غزالہ کو ان باتوں کا پورا پورا ادراک تھا۔ وہ وہاں تک پہنچ ہی گئی تھی تو ان دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر کوئی ناگہانی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

اس کے لاشعور میں یہ احساس پوری شدت کے ساتھ پیوست تھا کہ وہ دونوں اپنے ماضی سے تائب ہوکر شرافت اور ایمانداری سے نئی زندگی گزارنے کی کوششیں کررہے تھے لیکن مجھ سے گہری دوستی کی بنا پر جہانگیر آئے دن کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا رہتا تھا۔ حد یہ تھی کہ ان ہی خطرات کی وجہ سے سلمٰی نے اپنے اکلوتے بیٹے کو لاہور میں' اپنے میکے میں چھوڑا ہوا تھا۔ ہماری وجہ سے پیدا ہونے والی مشکلات میں ان دونوں کی بھرپور مدد کرنا ہمارا فرض تھا۔

وہ دونوں فلیٹ سے نکلیں اور پھر سلمٰی کی کار میں بازار کی طرف نکل گئیں۔ بازار وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ہلکی پھلکی خریداری کے لیے سلمٰی ٹہلتی ہوئی وہاں جانکلتی تھی۔ یہ تجویز غزالہ کی تھی کہ جب تک خطرہ سر پر منڈلا تا رہے، سلمٰی کو پیدل نکلنے سے گریز کرنا چاہیے۔ فضا میں دھند لکا پھیلنے کے بعد وہ احتیاط زیادہ ضروری تھی۔

بارونق بازار کی کشادہ دکانوں میں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی پھر بھی غزالہ چاروں کھونٹ چوکس تھی۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ اسے کہیں سیتا کی جھلک نظر آجائے تو وہ اسے لپک کر دبوچ لے اور بے بس کرکے گھر لے آئے لیکن وہاں میدان صاف تھا۔

مختصر لیکن اہم خریداری کے بعد وہ دونوں واپس ہولیں۔ سلمٰی نے غزالہ کو باہر ہی گاڑی کے قریب اتار دیا۔ غزالہ دروازے کا قفل کھول کر اطمینان سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی انجن اسٹارٹ کیا اور سلمٰی کی طرف ہاتھ لہرا کر آگے روانہ ہوگئی۔

غزالہ نے سروس روڈ سے مین روڈ پر آنے کے لیے گاڑی گھما کر روکی ہی تھی کہ اچانک عقب سے ایک دھیمی آواز آئی "میرے ہاتھ میں بھری ہوئی گن ہے۔ تم نے میری ہدایت سے ذرا بھی انحراف کیا تو پل بھر میں اس کی ساتوں گولیاں تمہارے بدن میں اتار دوں گی۔"

وہ نسوانی آواز سن کر غزالہ کے پورے وجود میں سنسنی کی لہریں سرایت کرگئیں اور اس خیال سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے کہ سلمٰی کو کسی ناگہانی آفت سے بچانے کے چکر میں وہ خود ایک بدترین عذاب سے دوچار ہوچکی تھی۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتی ہو؟" غزالہ کے ہونٹوں سے غیر ارادی طور پر سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

"تمہاری دوست نہیں ہوں۔ گاڑی مین روڈ پر لے کر

آگے سے واپس کلفٹن کی طرف گھمالو۔" پیچھے سے دوبارہ آواز آئی "اس خیال میں نہ رہنا کہ میں اب بھی تمہارے پچھلے پائیدان میں دبکی ہوئی ہوں اور مجھے راستہ نظر نہیں آئے گا۔ میں سیٹ پر آچکی ہوں۔"

غزالہ کی نظریں عقب نما آئینے کی طرف اٹھ گئیں۔ گردو پیش کی روشنیوں کے انعکاس میں اس نے دیکھا کہ وہ بھرے بھرے، پرکشش چہرے والی ایک جوان عورت تھی۔

"یہ نہ سمجھنا کہ میں خالی دھمکی دے رہی ہوں۔" عورت کے ان الفاظ کے ساتھ ہی غزالہ کے داہنے پہلو میں گن کی سخت آہنی نال چبھنے لگی "یہ اعشاریہ چار چار کی خوفناک گن ہے جو اتنے قریب سے تمہارے بدن کے چیتھڑے اڑا دے گی۔"

غزالہ ابتدائی جھٹکے سے سنبھل چکی تھی۔ گھر سے نکلتے ہوئے، اس کے ذہن کے کسی نہاں خانے میں یہ اندیشہ موجود تھا کہ سیتا کانت نے بہت زیادہ تیزی دکھائی تو اس کی وہ مہم خطرناک بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ اس اندیشے کے پیش نظر وہ خالی ہاتھ نہیں نکلی تھی۔ اس کے شولڈر بیگ میں بھی بھرا ہوا ریوالور موجود تھا جو سیتا کی پہل کی وجہ سے کم از کم اس وقت ناکارہ تھا۔ غزالہ کو حیرت تھی کہ سیتا نے اسے کب دیکھ کر پہچان لیا تھا اور کیسے اس کی کار میں چھپ کر بیٹھ گئی تھی۔

اس کے ذہن میں کلبلانے والے اندیشوں کا محور سلمیٰ کی ذات رہی تھی۔ غزالہ نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ سیتا، سلمیٰ کو نظرانداز کرکے براہِ راست اس پر ہاتھ ڈال دے گی۔

ایک مقام پر ٹریفک قدرے کم تھا۔ سیتا بہت تیزی کے ساتھ پیچھے سے اچک کر غزالہ کے برابر والی سیٹ پر آگئی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں دبی ہوئی گن واقعی خوف آور تھی۔ وہ یقینی طور پر وہی گن رہی ہوگی جو سیتا نے گلاب خان کے بیٹے، سربلند خان سے چھینی تھی۔

غزالہ کو معلوم تھا کہ وہ گلاب خان کے گھر سے کیسی بے سروسامانی کے عالم میں فرار ہوئی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ پچھلی شام سے مسلسل پریشان کن حالات کا سامنا کررہی تھی۔ پہلے اسے ہوٹل کی پارکنگ سے اغوا کیا گیا۔ وہ کئی گھنٹوں تک ایس ٹی ایف کے ایک سیل میں قید رہی لیکن اس کا حوصلہ برقرار رہا۔ وہ رات گئے وہاں سے بھاگ کر کسی نہ کسی طرح سربلند کے گھر پہنچی تو میں سلطان شاہ کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ وہاں اس کے گھیر لیے جانے کے مکمل امکانات تھے مگر وہ اپنی حاضر دماغی کے سبب وہاں سے بھی صاف بچ نکلی — بارہ گھنٹوں سے بھی کم مدت میں دو مرتبہ فرار کی راہ اختیار کرنے کے محض چند گھنٹوں بعد اس کا مسلح ہوکر، پوری تیاری کے ساتھ جہانگیر کے گھر کے قریب پہنچنا حیران کن تھا۔

غزالہ کا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ سیتا نے بلڈنگ میں داخل ہوکر کسی فرضی نام سے جہانگیر کے گھر پہنچنے کی کوشش کی ہوگی جو اوپر سے اجازت نہ ملنے کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوسکی۔ کاؤنٹر سے آنے والا فون جہانگیر اور سلمیٰ کے لیے اس قدر غیر اہم تھا کہ انہوں نے غزالہ سے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔

سیتا باہر آکر کوئی نیا داؤ آزمانے کی تدبیر سوچ رہی تھی کہ اچانک غزالہ وہاں پہنچ گئی۔ وہ ایک مرتبہ سلمیٰ کے ساتھ بازار تک گئی لیکن سیتا نے دونوں کو نہیں چھیڑا۔ واپسی پر اس نے تاک کر غزالہ کو اپنا نشانہ بنایا تھا۔ وہ پریشان تھی کہ سیتا نے اسے کیسے پہچان لیا۔

اس کا اپنا ریوالور بیگ میں بند تھا جبکہ سیتا کی گن کسی بھی لمحے شعلہ اگلنے کے لیے تیار تھی۔ اس وقت غزالہ کے لیے سیتا کی ہدایات کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اسے زیر کرنے کی بس ایک ہی صورت تھی کہ غزالہ دیکھ بھال کر کہیں کوئی ایسا زوردار حادثہ کرڈالے کہ سیتا اپنا توازن کھو بیٹھے اور غزالہ اس کے سنبھلنے سے پہلے، اسے زیر کرکے اس کی گن چھین لے۔

"رفتار معمول پر رکھو۔ ذرا سا بھی حادثہ ہوا تو میں تمہارے ساتھ بہت بری طرح پیش آؤں گی۔" سیتا اس کے بائیں گھٹنے پر گن کی نال سے ہلکی سی ضرب لگا کر غرائی۔ غزالہ کو خوف محسوس ہونے لگا۔ یوں لگا تھا جیسے سیتا نے اس کے ذہن کو پڑھ لیا ہو۔

"اس وقت ڈینی کہاں ملے گا؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد سیتا کے اس ٹیڑھے سوال نے غزالہ کو بری طرح چونکا دیا۔

"کون ڈینی؟ میں کسی ڈینی شینی کو نہیں جانتی۔" غزالہ نے حوصلے سے کام لے کر برہمی کا مظاہرہ کیا۔

سیتا کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تیرنے لگی اور وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی "مجھ سے یہ اداکاری نہیں چلے گی۔ میں جانتی ہوں کہ تمہارا نام غزالہ ہے اور تم ڈینی کی بیوی ہو۔ آج میرے ستارے اچھے تھے کہ تم مجھے نظر آگئیں اور میں نے اپنا پہلا پروگرام منسوخ کردیا۔"

"دیکھو! تم کو کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا نام رخسانہ ہے۔"

اس بار سیتا نے زور سے گن کی نال غزالہ کے گھٹنے پر ماری اور اس کی جان نکل گئی۔ سیتا کڑوے لہجے میں بولی "مجھ سے جھوٹ مت بولو۔ ویرانے میں پہنچنے کے بعد میں تمہارا جوڑ جوڑ اسی طرح چٹخادوں گی۔ میں نے دہلی میں تمہیں بہت قریب سے دیکھا تھا۔ وہاں تم مظہر خان کی گرل فرینڈ بنی ہوئی

تھیں۔ یہ ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ مظہر ہی ڈینی تھا۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ میں اسے نہیں دیکھ سکی لیکن تمہارا ایک ایک نقش میرے ذہن میں محفوظ ہے۔"

غزالہ کا دم خم جاتا رہا۔ اگر سیتا اسے دہلی میں دیکھ چکی تھی تو اسے دھوکا دینا مشکل تھا۔

"بولو!" اس بار سیتا نے بے رحمی سے غزالہ کی پسلیوں میں نال چبھائی تھی "تم غزالہ ہو یا نہیں۔"

"مجھے یاد نہیں کہ میں نے دہلی میں کہیں تمہیں دیکھا ہو۔" غزالہ نے براہِ راست اعتراف کرنے میں سبکی محسوس کرتے ہوئے' دھیرے سے کہا۔

"ہم لوگ بلا ضرورت کسی کو نظر نہیں آتے۔ تم لوگوں نے کل شام سے میرا حشر خراب کیا ہوا ہے۔ میں اپنے بدن پر تین بدست مردوں کا ناگوار بوجھ سہہ چکی ہوں۔ میں تم سے گن گن کر سارے بدلے لوں گی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ ڈینی کہاں ہے۔"

غزالہ نے اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیری' کن انکھیوں سے سیتا کی طرف دیکھا تو وہ اپنی جگہ مستعد تھی۔ اس کی نگاہیں غزالہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"وہ کراچی میں ہیں۔ کہاں ہیں؟ یہ میں نہیں جانتی!" اس نے شکست خوردہ آواز میں کہا "وہ اپنے شب و روز زیادہ تر ویرا کے ساتھ گزارتے ہیں۔"

"ویرا۔ وہ گندی کتیا بھی ماری جائے گی۔ مجھے اس کی بھی تلاش ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بیوی کو اپنے عیاش شوہر کے عشرت کدے کا علم نہ ہو۔"

"عام طور پر یہی ہوتا ہے۔" اپنے الفاظ کا اثر دیکھتے ہوئے غزالہ نے اپنی آواز پر مایوسی طاری کرلی "آوارہ عورتیں جب کسی شادی شدہ مرد پر ہاتھ صاف کرتی ہیں تو سب سے پہلے اسے ایک محفوظ ٹھکانا فراہم کرتی ہیں جو بیویوں کی پہنچ سے باہر ہوتا ہے۔"

"مرد کتنا ہی عیاش اور بے غیرت ہو' اپنی بیوی کے بارے میں بہت حساس ہوتا ہے۔ مجھے اپنے گھر کا پتا اور فون نمبر بتاؤ... ہاں' آگے سے گاڑی بائیں طرف موڑ لینا۔"

سامنے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ غزالہ نے ساحلی دیوار کے ساتھ بنی ہوئی میرین ڈرائیو پر گاڑی موڑ لی۔ اس

نے سیتا کے سوال کا جواب گول کردیا تھا۔
"میں کہہ رہی ہوں کہ مجھے اپنے گھر کا پتا اور فون نمبر بتاؤ۔" سیتا نے سخت لہجے میں اپنا فرمان دہرایا۔
"اس سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ دونوں وہاں نہیں ہیں۔" غزالہ نے بے بسی سے کہا "اخباروں میں اشتہار آنے کے بعد کہیں چھپ گئے ہیں۔"
"وہ کہاں ہیں، یہ سراغ لگانا میرا کام ہے۔ تم سے جو کہا جارہا ہے، وہ کرو۔" سیتا غرائی۔
غزالہ نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر فیڈرل بی ایریا کا ایک فرضی پتا اور فون نمبر دہرادیا۔
"گڈ۔ یہ تفصیل میرے ذہن نشین ہوگئی۔ میں جو بات ایک مرتبہ نوٹ کرلیتی ہوں اسے مدتوں نہیں بھولتی۔" غزالہ کا جواب سن کر وہ خوش ہوگئی "اب میں تمہیں مار کر ساحل کی نرم ریت میں کہیں دبا دوں گی اور پھر تمہارے گھر فون کرکے بتاؤں گی کہ تم میری قید میں ہو۔ دیکھتی ہوں کہ ڈینی مجھ سے کب تک بچے گا۔"
"ابھی تم مجھ سے بدلہ لینے کی بات کررہی تھیں۔ اب مارنے..." غزالہ نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں احتجاج کرنا چاہا لیکن سیتا نے اس کی بات اڑادی۔
"میں نے ابھی ابھی انصاف کی توپ بننے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ میں مظلوم بیویوں کی ہمدرد ہوں۔" سیتا ترنگ میں آکر کہہ رہی تھی "میں مرنے سے پہلے تمہیں کوئی اور دکھ نہیں دوں گی۔ تمہارا مرد ہرجائی ہے تو تمہیں سکون سے مرجانا چاہیے تاکہ تم کو روز روز کے اس روگ سے چھٹکارا مل سکے۔ میں اپنے سارے بدلے ویرا سے لوں گی جس نے تمہارا سہاگ لوٹا ہے۔ میں اس حرام زادی کو ننگا کرکے کراچی کی کسی مصروف سڑک پر بھگاؤں گی اور پھر اسے کچل دوں گی یا گولیاں ماردوں گی۔ میری اصل لڑائی بھی ڈینی اور ویرا سے ہے۔"
غزالہ اپنی حکمت عملی طے کرچکی تھی۔ اسے بس ذرا سا فاصلہ اور طے کرنا تھا۔ اس نے باتوں کا سلسلہ جاری رکھا "تم ویرا کے ساتھ جو سلوک چاہو، کرو مگر ڈینی کو معاف کردو۔ وہ برے نہیں ہیں۔ دل و جان سے مجھے چاہتے ہیں۔ انہیں ویرا نے بگاڑ کر غلط راہ پر ڈالا ہے۔"
"ہر برا آدمی کسی نہ کسی کا محبوب ہوتا ہے۔ ڈینی بھی ایسا ہی ہے۔ اس جیسے خونی درندے کو آزاد نہیں چھوڑا... آ... آ..."
سیتا اپنا جملہ پورا نہیں کرسکی۔ باتوں کی رو میں وہ بس ذرا سی غافل ہوئی تھی۔ غزالہ ساحل کی رونقوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ اس نے یکایک گاڑی کچے میں اتار دی۔
ہچکولا اتنا شدید تھا کہ سیتا اچھل کر گاڑی کی چھت سے جا ٹکرائی۔ اس کی گن اس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔
چھت سے سر ٹکرانے کے بعد سیتا دوبارہ نشست پر آنے نہ پائی تھی کہ غزالہ نے پورے بریک لگادیے۔ اس بار سیتا کا دھڑ سخت ڈیش بورڈ سے اور چہرہ پورے زور میں ونڈ شیلڈ سے جا ٹکرایا۔ اس کے حلق سے بے ساختہ ایک چیخ آزاد ہوگئی پھر اس کے منہ سے مغلظات کا ایک طوفان بہہ نکلا۔
غزالہ نے جھک کر پسنجر سیٹ کے پائیدان سے سیتا کی بھری ہوئی گن اٹھائی اور اس پر ٹوٹ پڑی۔ گاڑی گیئر میں ہونے کی وجہ سے انجن پہلے ہی ہچکی لے کر بند ہوچکا تھا۔ ویران ساحل پر گاڑی کے ہیڈ لیمپس بدستور کھلے ہوئے تھے۔
غزالہ نے اپنے گھٹنوں کی چوٹ کا بدلہ سیتا کے چہرے اور سینے پر پستول کی شدید ضربات سے لیا۔ سیتا بلبلا اٹھی۔ وہ جیتی ہوئی بازی ہار رہی تھی۔ چند منٹ پہلے غزالہ کو موت کا مژدہ سنانے والی کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگی تھی۔ اس نے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر غزالہ کے شکنجے سے نکل جانا چاہا لیکن کامیاب نہیں ہوسکی۔ غزالہ جونک بن کر بری طرح اس کے پورے وجود سے لپٹ گئی تھی۔
اچانک کسی طرح دروازہ کھل گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا، نم ریت پر جاگریں۔ غزالہ نے سیتا کے پیٹ پر اپنے گھٹنے سے ایک کاری ضرب لگائی۔ اس کے حلق سے پھر ایک دل دوز چیخ نکل گئی۔ غزالہ اسے چھوڑ کر پھرتی سے دور ہٹی اور پھر اس پر گویا دورہ سا سوار ہوگیا۔ وہ اچھل اچھل کر، پنجوں کے بل گھوم کر اور ہوا میں اڑ کر بری طرح سیتا کو مار رہی تھی اور فضا اس کی لرزہ خیز چیخوں سے گونج رہی تھی۔ سیتا ایک تربیت یافتہ بلیک بیلٹ تھی لیکن اس بار وہ غزالہ کی پہل اور پھرتی کی وجہ سے اپنی ساری چوکڑی بھول چکی تھی۔ اپنی حریف کو مارنے کے بجائے وہ ساری کوششیں اپنے دفاع پر مرکوز کیے ہوئے تھی اور گالیاں وغیرہ بھول کر بس چیخے جارہی تھی۔
وقت اور موقع میسر ہوتا تو غزالہ اسے لاتوں اور ہاتھوں سے ہی مار مار کر ہلاک کرتی۔ اس وقت وہ غضب ناک شیرنی بنی ہوئی تھی پھر بھی اسے اندازہ تھا کہ سمندر کے شور کے باوجود سیتا کی چیخیں کچھ لوگوں کو ادھر متوجہ کردیں گی اور اس کے فرار کی راہ مسدود ہوجائے گی۔
اس نے بڑھ کر سیتا کی بائیں کنپٹی پر ایک نپی تلی ٹھوکر رسید کی اور وہ تیورا کر وہیں ریت پر ڈھیر ہوگئی۔
غزالہ نے گن کی نال سیدھی کرکے ایک سمت میں،

فائر کردیے۔ اس کا مقصد صرف ہراس پھیلانا تھا تاکہ کوئی اس طرف آنے کا ارادہ کر رہا ہو تو خوف زدہ ہو کر کسی اور سمت میں بھاگ نکلے۔ اس دوران میں وہ سکون سے واپسی کی تیاری کر سکتی تھی۔

اس نے بڑھ کر سیتا کے بے ہوش وجود کا جائزہ لیا۔ اس کا لباس جگہ جگہ سے پھٹ چکا تھا اور بری طرح خون آلود تھا۔ وہ اسے اٹھا کر گاڑی کے کسی حصے میں منتقل کرتی تو اس کا لباس بھی داغ دار ہو جاتا جو اس خون آشام مقابلے میں خاصا صاف ستھرا رہا تھا۔ لباس پر پائے جانے والے خون کے نشانات غزالہ کی واپسی میں رکاوٹ بن سکتے تھے۔

غزالہ نے وہیں کھڑے کھڑے چند ثانیوں کے لیے سوچا۔ وہ سیتا کے ماضی سے واقف نہیں تھی لیکن یہ جانتی تھی کہ وہ بلیک کیٹ بھارت سے دہرے خون کا مشن لے کر پاکستان آئی تھی۔ وہ لوگ سفاک اور عادی قاتلوں کو ہی ایسا مشن سونپ سکتے تھے۔ اگر سیتا اس وقت اچانک غزالہ کے قابو میں نہ آگئی ہوتی تو تھوڑی دیر بعد وہ غزالہ کو موت کی نیند سلا دیتی۔ وہ ہر اعتبار سے ایک مستند قاتلہ تھی۔ زمین کو اس کے بوجھ سے آزادی ملنی ضروری تھی۔

غزالہ نے اس کی پیشانی کے وسط کا نشانہ لے کر سکون سے تیسری گولی چلائی اور دوبارہ اس کا جائزہ لیے بغیر گاڑی میں آبیٹھی۔

ہیڈ لیمپس آف کر کے اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔ اسے معلوم تھا کہ اس سڑک کا کچا حصہ طے کر لینے کے بعد وہ دوبارہ پختہ سڑک پر جا نکلے گی جو تھوڑی دیر کے سفر کے بعد اسے ڈیفنس کے کسی ویران علاقے میں پہنچا دے گی۔

وہ سیتا کی گن کی تین گولیاں استعمال کر چکی تھی۔ اس کے چیمبر میں مزید چار گولیاں موجود تھیں۔ غزالہ نے وہ گن اپنی گود میں رکھ لی۔ وہ طے کر چکی تھی کہ پولیس والوں کے علاوہ کسی اور نے اس کی واپسی کی راہ میں مزاحم ہونے کی کوشش کی تو بے دریغ ایک دو ہوائی فائر کر کے سیدھی نکلتی چلی جائے گی۔

کچی اور ناہموار سڑک پر گاڑی اچھلتی کودتی آگے بڑھتی رہی۔ رفتار قدرے تیز تھی۔ اس لیے گاڑی کے انجر پنجر ہر جھٹکے کے ساتھ فریادی صدائیں بلند کر رہے تھے۔ غزالہ کے داہنے ہاتھ پر بنی ہوئی پتھریلی دیوار کے پار سمندر کی لہروں کا گونجیلا شور سناٹے میں دور تک پھیل رہا تھا۔

وہ کسی کا سامنا کیے بغیر آخر کار دوبارہ پختہ سڑک پر آگئی۔ اس نے ہیڈ لیمپس آف کر کے گاڑی کنارے سے لگائی اور کیبن لائٹ آن کر کے عقب نما آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ اس نے سیتا کو بہت تیزی اور مہارت کے ساتھ زیر کیا تھا۔ اس نے ابتدا سے ہی بزدلی اور خوفزدگی کا مظاہرہ کر کے سیتا کے دماغ میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ وہ سیتا کے خلاف کچھ نہیں کر سکے گی۔ سیتا جب چاہے گی، نہایت آسانی کے ساتھ اسے شکار کر لے گی۔ وہ آخر تک اسی خوش فہمی میں مبتلا رہی اور جب غزالہ نے اولین موقع سامنے آنے پر اچانک اپنے کرتب اور ہنر کا مظاہرہ کرنا شروع کیا تو پھر سیتا کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ وہ غزالہ پر کوئی وار کیے بغیر تیزی سے پسپا ہوتی چلی گئی۔

اس صاف ستھرے مقابلے میں غزالہ کا چہرہ بالکل بے داغ اور تر و تازہ رہا تھا۔ کھلے میدان کی سمندری ہوا نے اس کے بال بری طرح منتشر کر دیے تھے۔ اس نے اپنے بیگ سے برش نکال کر جلدی جلدی اپنے بال سیدھے کیے، گاڑی سے نیچے اتر کر اپنے کپڑوں سے ریت وغیرہ جھاڑی اور پھر دوبارہ آگے روانہ ہو گئی۔

❂✲❂

ویرا مجھ سے کرید کرید کر مختلف سوالات کرتی رہی اور میں کسی ذہنی ارتکاز کے بغیر اسے جواب دیتا رہا۔ میرا ذہن مسلسل غزالہ کی طرف الجھا ہوا تھا۔ اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ میری وجہ سے سلمٰی اور جہانگیر کو سنگین خطرات لاحق ہونے کے امکانات روشن تھے لیکن وہ خطرات اتنی تیزی سے جنم نہیں لے سکتے تھے۔ سیتا سوچے سمجھے اور منصوبہ بندی کیے بغیر کوئی قدم اٹھانے کی حماقت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ عورت ذات تھی۔ اسے پے در پے کئی سخت جھٹکے لگ چکے تھے۔ کچھ کرنے سے پہلے، اسے ان ہزیمتوں کے ذہنی بوجھ سے چھٹکارا پانے کے لیے وقت درکار تھا۔

میرا خیال تھا کہ جہانگیر کے گھر سے غزالہ کی واپسی بہت جلد ہو گی لیکن جب وقت گزرتا گیا تو میری بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔

ویرا منہ پھٹ اور چرب زبان تھی۔ میں اس کے سامنے غزالہ کے بارے میں زیادہ زبان کھولتا تو اسے اپنی خوش کلامی کے جوہر دکھانے کا کھلا موقع مل جاتا۔ اس وقت میں خود کو ویرا کے کسی مذاق کا نشانہ بنانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ واقعات اور آثار بتا رہے تھے کہ غزالہ کسی خطرے سے دو چار ہوئے بغیر، اپنا اخلاقی فرض پورا کر کے صحیح و سلامت گھر لوٹ آئے گی لیکن پھر بھی میرے ذہن کے کسی بے نام گوشے میں رہ رہ کر ایک خلش اور چبھن سی ابھر رہی تھی۔

"دو تم ٹہل ٹہل کر بلاوجہ اپنے بدن کی شکر جلا رہے ہو۔ یہ تمہاری ساتویں سگریٹ ہے۔ عام طور پر تم اتنی زیادہ سگریٹ نہیں پیتے۔ اس وقت کیا پریشانی ہے؟" میری مسلسل غائب

دماغی پر آخر کار ویرا بول ہی پڑی "وہ دودھ پیتی بچی نہیں ہے۔ کافی دنوں بعد گھر سے اکیلی نکلی ہے۔ گھوم پھر کر لوٹ آئے گی۔"

"میں نے بھی اسے روکنے کی کوشش کی تھی مگر وہ نہیں مانی!" سلطان شاہ نے کہا "وہ مضطرب ہو کر اس طرح گھر سے نکلی جیسے سیتا آج ہی جہانگیر کے گھر پر حملہ کردے گی۔ وہ یہ بات نہیں سمجھ رہی تھی کہ ابھی سیتا کے اوسان خطا ہیں۔ اسے سنبھل کر کوئی جوابی کارروائی کرنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔"

"وہ کافی دنوں بعد ادھر گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جہانگیر اور سلمیٰ نے اسے روک لیا ہو۔ میں ان کو فون کرکے دیکھتا ہوں۔" میں یہ کہتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اوہو... آج تو کوئی بہت مبارک دن معلوم ہوتا ہے۔" میری آواز سنتے ہی جہانگیر فون پر چہکنے لگا "تھوڑی دیر پہلے غزالہ نے یہاں آکر ہم لوگوں کی عزت افزائی کی تھی اور اب تمہاری آواز سننے کو ملی ہے۔ کئی دن سے تم کہاں غائب ہو!"

"یہیں، اسی شہر میں ہوں۔ اپنے چکروں میں الجھا ہوا ہوں۔"

"تمہارے چکر شیطان کی آنت کی طرح لمبے ہوتے چلے جارہے ہیں۔ یہ سلسلہ کبھی ختم ہوگا یا ساری عمر یوں ہی چلتا رہے گا۔"

"بس مقدر کی بات ہے۔ جب قدرت کو منظور ہوا، زندگی پرسکون ہوجائے گی۔ یہ بتاؤ کہ غزالہ کہاں ہے۔"

"یار! آج اس نے تو مجھے ذلیل کردیا۔ سلمیٰ کو بازار لے جانے کے لیے گھر سے یہاں تک دوڑی چلی آئی اور میں گھر میں آرام سے پڑا رہتا ہوں..."

"تمہیں شرم آنی چاہیے۔ تم اپنی بیوی کو دو ٹکے کی نوکرانی جتنی وقعت بھی نہیں دیتے۔ چند روز کے لیے احتیاط کرو، اس کا اکیلا باہر نکلنا مناسب نہیں ہے۔"

"غزالہ کو اچانک یہاں دیکھ کر مجھے بہت شرم آئی تھی۔ اب میں سلمیٰ کا خیال رکھوں گا۔ تمہاری اطلاع کے لیے یہ بتادوں کہ آج کل ہمارے گھر میں کوئی نوکرانی نہیں ہے۔ جوان لڑکیوں کو سلمیٰ ٹکنے نہیں دیتی۔ میں بوڑھی عورتوں کو برداشت نہیں کرسکتا۔ گھربار سلمیٰ ہی چلا رہی ہے۔"

"اپنی بک بک کیے جارہے ہو۔ میں نے پوچھا تھا کہ غزالہ کہاں ہے۔" میں نے خفگی سے کہا۔

"وہ بازار سے واپسی پر سلمیٰ کو چھوڑ کر نیچے سے ہی رخصت ہوگئی تھی۔ سلمیٰ کو آئے ہوئے کافی دیر ہوچکی ہے۔ کیا وہ اب تک گھر نہیں پہنچی۔"

"وہ گھر پہنچ گئی ہوتی تو میں تم کو کیوں فون کرتا۔ ان دونوں کو بازار میں کوئی خاص واقعہ تو پیش نہیں آیا؟"

"کچھ بھی نہیں ہوا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ کچھ نہیں ہوگا۔ غزالہ نے بلاوجہ ہی اتنی لمبی دوڑ لگائی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ سلمیٰ کا اتنا خیال رکھتی ہوگی۔"

"سلمیٰ کہاں ہے۔ اس سے میری بات کرادو۔"

"باتھ روم میں بیٹھی، فیشن کا کوئی رسالہ پڑھ رہی ہوگی۔ کہو تو دروازہ بجادوں۔" اس کی بری سی آواز آئی۔

"رہنے دو۔ میں کچھ دیر اور انتظار کرتا ہوں۔ غزالہ نہ آئی تو پھر میں اس کی تلاش میں نکلوں گا۔"

"کہو تو میں بھی آجاؤں۔" اس نے پرخلوص آواز میں پیشکش کی "اس وقت میں بالکل سوبر ہوں۔ ابھی میں نے شام کا صرف پہلا گلاس لیا ہے۔"

"تم اپنے گلاسوں میں غرق رہو۔ میں اسے خود ڈھونڈ لوں گا۔" میں نے غصیلی آواز میں کہا اور فون بند کردیا۔

"تم بلاوجہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہے ہو۔ میں کہہ رہی ہوں کہ وہ آنے والی ہوگی۔ ہوسکتا کہ راستے میں ٹائر وائر پنکچر ہوگیا ہو۔" ویرا نے لقمہ دیا۔

"میری چھٹی حس بار بار خطرے کی گھنٹی بجا رہی ہے۔ غزالہ بلاوجہ کہیں نہیں رک سکتی۔"

"تو پھر تم ہی بتاؤ۔ گھر کو تالا لگا کر ہم تینوں اسے ڈھونڈنے چلتے ہیں۔" ویرا اکتائے ہوئے انداز میں بولی۔

"اتنے بڑے شہر میں اسے کہاں ڈھونڈیں گے۔" سلطان شاہ نے پرخیال لہجے میں کہا "اس کے پاس موبائل فون ہوتا تو اس وقت یہ پریشانی نہ ہوتی۔"

وہ واقعی ایک مسئلہ تھا کہ غزالہ کی تلاش کا آغاز کہاں سے کیا جائے۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

میری وہ وحشت اور پریشانی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہی۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر گاڑی کے ہارن کی مانوس آواز سنائی دی۔ ہم تینوں بیک وقت اپنی جگہیں چھوڑ کر دروازے کی طرف لپکے تھے لیکن سلطان شاہ تقریباً دوڑ کر ہم دونوں سے آگے نکل گیا۔

غزالہ کو دیکھ کر ہم تینوں حیران رہ گئے۔ اس کے پھول دار سوٹ پر کئی جگہ خون کے دھبے نظر آرہے تھے۔ جوتے گندے تھے اور شلوار کے پائنچوں پر بھی کیچڑ سی لگی ہوئی تھی۔

"یہ کیا حلیہ بنایا ہوا ہے تم نے... خون کے دھبے کیسے ہیں؟" اس پر نظر پڑتے ہی ویرا نے بے ساختہ سوال کیا۔

"تمہاری سہیلی مل گئی تھی۔" غزالہ نے ہنستے ہوئے کہا "اس کی مزاج پرسی میں یہ حال ہوگیا۔"

"کس سہیلی کی بات کررہی ہو۔ تم ٹھیک تو ہو نا!"

سلطان شاہ تشویش سے بولا ”تمہارے کپڑوں اور بالوں پر ریت کے ذرات چمک رہے ہیں۔“

”سیتا ٹکرا گئی تھی۔ ایک ساحلی ویرانے میں اس کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ ذرا ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلا دو۔ راستے بھر میں بالکل ترو تازہ تھی۔ گھر میں قدم رکھتے ہی تھکن کا احساس ہو رہا ہے۔ آج کافی دنوں بعد مجھے جسمانی محنت کرنی پڑی ہے۔“

سلطان شاہ سے پہلے ویرا نے ٹھنڈے پانی کا گلاس غزالہ کو پیش کر دیا اور اس سے لگ کر بیٹھ گئی۔

”کیا تم نے واقعی اسے مار دیا۔“ غزالہ کے پانی پیتے ہی ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

”میرا دل کہہ رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔“ میں نے غزالہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ”تم کو اچانک وہاں جانے کی کیا سوجھی تھی؟“

”آپ کی طرح میرا دل بھی کہہ رہا تھا کہ سیتا آرام سے نہیں بیٹھے گی۔ بلیک کیٹس اپنے حریف کو حیران کر دینے اور بہت تیزی سے وار کرنے کی پالیسی پر کاربند نظر آ رہے تھے۔“ غزالہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اس پالیسی کے تحت سیتا کو ہماری توقع سے بہت پہلے حرکت میں آنا چاہیے تھا۔ میرا اندازہ سو فیصد درست نکلا۔ اس نے بہت آسانی سے مجھے زیر کر لیا تھا۔ اگر مجھ سے ذرا سی بھی غلطی ہوئی ہوتی تو اس وقت تک وہ مجھے مار کر ریت میں دبا چکی ہوتی۔ وہ یہ گن لے کر آئی تھی۔“ غزالہ نے اپنے بیگ میں سے گن نکالی جو ویرا نے لے لی۔

”خوفناک ہتھیار ہے۔ یہ اسے کہاں سے مل گیا!“ ویرا نے گن کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

”یہ سربلند خان کی گن معلوم ہوتی ہے۔ وہ اسی کے سہارے چار مردوں کو بے بس کر کے گلاب خان کے گھر سے بھاگی تھی۔“

”یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ تم یہ سناؤ کہ وہ تم سے کیسے ٹکرا گئی اور تم نے اسے کیسے مار ڈالا!“ سلطان شاہ نے بے چینی سے پہلو بدل کر کہا۔

”تمہیں دیکھ کر یقین نہیں آ رہا کہ تم ایک بلیک کیٹ کو مار کر آئی ہو۔“ میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ”سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تم شروع سے آخر تک اپنی کہانی دہراتی چلی جاؤ۔ تم نے سیتا کا صفایا کر کے مجھے بہت بڑے ذہنی بوجھ سے نجات دلا دی ہے۔“

غزالہ نے اپنی کہانی سنانی شروع کر دی جس کی ابتدا خاصی بے جان تھی۔

ہم تینوں درمیان میں کچھ بولے بغیر، پورے انہماک سے وہ تفصیل سنتے رہے۔ اس دوران میں سب کے چہروں کے رنگ اور تاثرات بہت تیزی کے ساتھ بدل رہے تھے۔

”اب سمجھ میں آیا کہ اس مشن پر گوپال اور سیتا کی جوڑی کو کیوں بھیجا گیا تھا۔“ غزالہ کی کہانی ختم ہونے کے بعد میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”گوپال مجھے پہچانتا تھا، سیتا نے دہلی میں غزالہ کو بہت قریب سے دیکھا ہوا تھا۔ یہ بات بعد میں ان کی سمجھ میں آئی ہوگی کہ میں مظہر کا روپ دھار کر دہلی میں تھا تو میرے ساتھ اصلی غزالہ ہی ہو سکتی تھی۔“

”یہی نکتہ پوری کہانی کا سب سے اہم موڑ تھا۔“ ویرا بولی ”وہ جہانگیر اور سلمٰی کے چکر میں وہاں پہنچی تھی۔ غزالہ کو پہچان کر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔“

”وہ تمہاری گاڑی میں کیسے چھپ گئی؟“ سلطان شاہ نے حیرت سے سوال کیا۔

”اس کے پاس بہت وقت تھا۔ میں اوپر گئی پھر سلمٰی کے ساتھ بازار ہو کر آئی۔ اس دوران میں اس نے گاڑی کا کوئی دروازہ کھول لیا ہوگا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ پچھلے پائیدان میں کوئی چھپا ہوا ہوگا۔ میں بے دھیانی میں گاڑی لے کر چل دی۔“

”اس کا منصوبہ بے داغ تھا۔“ ویرا پہلو بدل کر بولی ”اس نے تم کو بالکل بے بس کر لیا تھا۔ اگر آخری لمحات میں تمہارے ذہن نے کام نہ کیا ہوتا تو انجام بہت مختلف اور افسوس ناک ہوتا۔“

”غزالہ کا ذہن شروع سے صحیح سمت میں اور مسلسل کام کر رہا تھا۔ وہ آخری لمحات کا فیصلہ نہیں تھا۔“ میں نے ویرا کی تصحیح کی ”وہ شروع سے ہی بے بسی اور بزدلی کی اداکاری کرتی رہی اور سیتا مطمئن ہو گئی کہ غزالہ اس کے چنگل سے نہیں نکل سکے گی۔ آخر میں سیتا کی یہی غفلت اس کی موت کا سبب بن گئی۔“

”ہاں... میرا خیال ہے کہ تم غزالہ کی اس بڑی کامیابی پر اندر ہی اندر جل بھن رہی ہو۔“ سلطان شاہ چہک کر بولا ”بلاوجہ اس کے زبردست کارنامے کی اہمیت گھٹانے کی کوشش کر رہی ہو۔ غزالہ نے اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس پر سبقت حاصل کی جو اس کی ذہنی برتری کا ثبوت ہے۔“

”مجھے اس سے جلنے کی کیا ضرورت ہے۔“ ویرا نے چیخ کر کہا ”اس کی کامیابی ہم سب کی کامیابی ہے۔ ایسی گھٹیا اور خود غرضانہ سوچ تمہاری ہو سکتی ہے، میری نہیں۔“

”تمہاری ان باتوں سے کچھ سلگنے کی بو آ رہی ہے۔ تمہارا تو خیال تھا کہ اس وقت غزالہ نے بلاوجہ دوڑ لگائی ہے

وہ کامران و سرخ رو ہو کر لوٹی ہے۔ اس کی کامیابی سے تمہارے سینے پر سانپ لوٹ گئے ہیں۔ ایسی کامیابیوں کے خواب تم صرف اپنے لیے دیکھتی ہو۔"

سلطان شاہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ مذاق کی بات تھی لیکن بہت سخت اور سنگدلانہ تھی۔ میں نے فوری دخل اندازی کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا "بس! اب اپنی زبان کو لگام دو۔ پتا نہیں دو چار افراد کی موجودگی میں تم دونوں کو کیا ہو جاتا ہے۔ اکیلے رہتے ہو تو بہت سکون اور صلح کے ساتھ رہتے ہو۔"

"اسی لیے میں آپ سے کہتی ہوں کہ ان کو بکنے دیں۔ دونوں کا گھر بسا دیں۔ یہ ایک ساتھ بہت مزے میں رہیں گے۔ یہ کب تک یوں ہی لنڈورے رہیں گے۔" غزالہ اپنی بے ساختہ ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے پُرزور لہجے میں بولی۔

"یہ میرے سامنے زمین پر ناک رگڑے تب بھی میں اس سے شادی نہ کروں۔" ویرا نے منہ بنا کر تلخی سے کہا "یہ اس عمر میں بھی اندر سے ایک بچہ ہے اور مجھے بچے پالنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ اس قدر پلے پلائے بچے کو لوریاں دے کر سلانا میرے بس سے باہر ہے۔"

"اور مجھے سنکی عورتوں سے چڑ ہے۔ تم شادی کی بات کر رہی ہو، میں ایسی نک چڑھی، بددماغ اور جھکی عورتوں سے دوستی رکھنے کا بھی روادار نہیں ہوں۔"

"تو پھر ہماری جان کو کیوں چمٹے ہوئے ہو۔ اپنی پسند کی کسی عورت کے پاس چلے جاؤ۔"

سلطان شاہ اچانک ہنس پڑا "یہ نہ سمجھو کہ میں تمہاری وجہ سے یہاں رہ رہا ہوں۔ یہ ڈینی کا دم ہے جو میں تمہیں برداشت کر لیتا ہوں۔ مجھے کسی عورت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے یار کی یاری میں مگن رہنے والا درویش ہوں..."

"اوہو!" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر استہزائیہ انداز میں کہا "ایسے ہی درویش ہو تو تھوڑی دیر پہلے تخلیے میں مجھے یہ کیوں بتا رہے تھے کہ آج کل کے اخباروں میں عورتوں کی نیم عریاں تصویریں دیکھ کر تمہارا دل خراب ہونے لگتا ہے۔"

"کیوں...؟ یہ تخلیے میں دل خراب ہونے کے ذکر کا کیا چکر ہے؟" غزالہ نے سلطان شاہ کو گھور کر پوچھا۔

وہ غزالہ کی آنکھیں دیکھ کر بوکھلا گیا "مم... میرا مطلب تھا کہ مجھے ایسی تصویروں سے گھن آتی ہے۔"

"یہ بات تم نے مجھے کبھی نہیں بتائی۔ ویرا کو اکیلا پا کر یہ بتانے کا مقصد کیا تھا۔" غزالہ نے جان بوجھ کر اسے دبایا۔

"چھوڑو غزالہ، تم کس چکر میں پڑ رہی ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "یہ ان دونوں کے چکر ہیں۔ انہیں آپس میں ہی نمٹنے دو۔ تم دخل مت دو۔ یہ کسی نہ کسی دن سچ بولنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ میں گھر آیا تو یہ دونوں یہاں کی تنہائی میں چپکے چپکے ایک دوسرے کی ناز برداریاں کر رہے تھے۔ ہر طرف گہرا رومانی سکوت چھایا ہوا تھا۔ اب ہمارے سامنے دونوں پھیل رہے ہیں۔ سلطان شاہ اول فول بول رہا تھا تو ویرا ایسی خرافات کیوں سن رہی تھی..... اٹھ کر کہیں چلی جاتی۔"

"اب سیتا کی لاش کا کیا ہوگا؟" سلطان شاہ نے نہایت بھونڈے انداز میں اچانک بات بدل دی۔ شاید اسے ڈر تھا کہ وہ باتیں اسی طرح چلتی رہیں تو ویرا اپنی مکاری سے کام لے کر کچھ اور بے سروپا باتیں اس سے منسوب کر دے گی۔

"ہونا کیا ہے۔ اب پولیس ہی وہ لاش اٹھائے گی۔"

غزالہ بولی "وہ اپنے خون میں نہائی ہوئی نہ ہوتی تو میں اسے مارنے کے بجائے زندہ حالت میں کار کی ڈکی میں ٹھونس کر گھر لے آتی۔ اسے زمین سے اٹھا کر گاڑی میں لادنے میں میرا حلیہ خراب ہو جاتا۔"

"میں سمجھ رہا تھا کہ گھر داری اور کچن کے چکروں میں پڑ کر تم اپنے سارے ہنر بھول گئی ہو۔" میں نے غزالہ سے مخاطب ہو کر فخر سے کہا "مجھے خوشی ہے کہ تمہارے اعصاب ابھی زنگ آلود نہیں ہوئے۔ تم نے بڑے دم خم سے کام لے کر سیتا کو پچھاڑا ہے۔ ایک منجھی ہوئی بلیک کیٹ کو مار کر تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے وہ کم ہے۔ میرے لیے وہ سوبھراج سے زیادہ اہم تھی کیونکہ سوبھراج ہر وقت ہمارے سامنے ہے۔ سیتا انسانوں کے سمندر میں گھل مل کر غائب ہو گئی تھی۔"

"یہ حقیقت ہے کہ ہم لشکر کشی کر کے بھی اتنی بڑی کامیابی حاصل کرنے کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔" ویرا نے اپنی پیشانی سے رشک و حسد کا داغ مٹانے کے لیے فراخ دلی سے کہا "تم نے تنہا یہ معرکہ سر کر کے ہمارے دشمنوں کی کمر توڑ دی ہے، آج تمہارے ستارے پوری طرح تمہارا ساتھ دے رہے تھے۔"

"دودھ دے کر تم نے پھر اس میں مینگنیاں ڈال دیں۔"

سلطان شاہ بے ساختہ بول پڑا "سارا کمال ستاروں کی یاوری کا تھا ورنہ غزالہ کچھ بھی نہ کر پاتی۔"

"آخر تم کیا چاہ رہے ہو؟" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں پوچھا۔

"اس بالغ بچے کو دودھ یاد آ رہا ہے۔ اسے اپنے کمرے میں لے جا کر دودھ پلاؤ۔ شکم سیر ہو گا تو خاموشی سے سو جائے

گا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"غزالہ کو دیکھ کر اب تمہاری عقل اور زبان بھی چل پڑی ہے ورنہ اس کی فکر میں گھلے جا رہے تھے۔" ویرا میرے اوپر غرائی اور میں نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

"بس' اب ہر جھگڑا ختم۔ ہمیں کچھ کام بھی کر لینا چاہیے۔" میں نے جنگ بندی کا اعلان کر دیا۔

بلیک کیٹس ایک طوفانی بگولے کی طرح ہمارے سامنے آئے تھے اور پانی کے دو حقیر بلبلوں کی طرح اچانک بیٹھ گئے تھے۔ مجھے امید تھی کہ اس وقت تک گوپال کو جلال کے آدمی صدف مینشن لے گئے ہوں گے۔ اس وقت میدان میں دو پارٹیاں سیتا کو تلاش کر رہی تھیں۔ ان میں سے کسی کو سیتا سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ دونوں اس کے خون کے پیاسے تھے۔

پہلی پارٹی سوبھراج کے آدمیوں پر مشتمل تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں یہ بات بہت اچھی طرح بٹھا دی تھی کہ اس کی شخصیت کو بے نقاب کرنے میں سیتا نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ وہ سیتا کے اس مفروضہ جرم کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے کھوجی شہر میں ہر طرف سیتا کی بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ سیتا کا انجام اگر سوبھراج کے ہاتھوں ہوتا تو زیادہ بہتر اور تسلی بخش ہوتا۔ کسی اپنے کے ہاتھوں مارے جانے کا کرب ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ غزالہ نے اپنی حاضر دماغی' پہل اور سبقت سے کام لے کر سیتا کو اس کرب سے بچا لیا تھا۔

مجھے امید تھی کہ سوبھراج کے آدمی زیادہ دیر تک نہیں بھٹکیں گے۔ سیتا کی لاش کی شناخت کے لیے کوئی سامنے نہ آیا تو بھی اخبارات میں شائع ہونے والی' اس کی بگڑی ہوئی لاش کی تصاویر سوبھراج کی نگاہوں سے نہیں بچ سکیں گی۔ وہ انہیں پہلی نظر میں پہچان لے گا اور اپنے آدمیوں کو سیتا کی تلاش سے روک دے گا۔

دوسری طرف ایس ٹی ایف کا سرور' اپنی ٹیم کے ساتھ سیتا کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ وہ ہمارے اپنے ساتھی تھے۔ ان کا مطلع کیا جانا ضروری تھا۔

وہ اول خان کی چھٹی کا وقت تھا۔ ویسے وہ اس قدر فرض شناس تھا کہ وقت کی پروا کیے بغیر اپنے شب و روز کام کے لیے وقت رکھتا تھا۔ وہ عیال دار آدمی تھا۔ اس کے بیوی بچے کراچی میں ہی تھے۔ میں نے اکثر محسوس کیا کہ وہ کام کے چکر میں پڑ کر اپنے گھر والوں کو نظر انداز کیے رہتا تھا۔ وہ عجیب صابر و شاکر گھرانا تھا کہ اول خان کی ان حد سے بڑھی ہوئی منصبی مصروفیات کے باوجود اس کے گھر میں کوئی کل کل نہیں ہوتی تھی اور نہ وہ کبھی اس بارے میں حرفِ شکایت اپنی زبان پر لایا تھا۔

میں نے دن اور رات کے جس حصے میں بھی اس سے رابطہ کیا۔ اس نے کسی عذر کے بغیر میری پہلی آواز پر لبیک کہا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دوڑا چلا آیا۔ یہ اس کی حد سے بڑھی ہوئی فرض شناسی تھی کہ ہم اس پر بہت زیادہ انحصار کرنے لگے تھے جس پر کبھی مجھے غصہ آنے لگتا تھا اور کبھی ندامت محسوس ہوتی تھی۔

میں نے دانستہ اس کے گھر کا نمبر ملانے سے گریز کیا۔ موبائل فون پر اس نے فوراً ہی میری کال وصول کر لی۔

"اس وقت تم کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو؟" مزاج پرسی کے بعد میں نے اس سے ازراہِ مذاق پوچھ لیا۔

"گھر پر ہوں اور بچوں کو ہوم ورک کرا رہا ہوں۔"

میرے لیے اس کا جواب حیران کن تھا۔ اپنی مصروف ترین دفتری زندگی کے باوجود اس نے اپنے معمولات میں بچوں کی تعلیمی ضروریات کے لیے وقت رکھا ہوا تھا۔ یہ بہت بڑی بات تھی ورنہ بیشتر مرد بچوں کی تعلیم و تربیت کا سارا بوجھ اپنی پڑھی لکھی بیویوں کے سر ڈال کر روزی کماتے ہیں یا پھر آرام کرتے ہیں۔ ان سے گھریلو ذمہ داریوں میں کچھ حصہ بٹانے کے لیے کہا جائے تو دفتری مصروفیات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور اپنی جان بچا لیتے ہیں۔

"میں نے جان بوجھ کر موبائل پر فون کیا ہے۔ بھابی یہ نہ سوچیں کہ ہم تمہیں گھر پر بھی چین نہیں لینے دیتے۔"

"تمہاری بھابی بہت کھلے ذہن کی عورت ہے۔ تم تو اس سے مل چکے ہو۔ وہ اس کی قدر کرتی ہے کہ تم لوگوں نے کسی حرص و طمع کے بغیر' اپنی زندگیاں ایک مشن کے لیے وقف کی ہوئی ہیں۔ مجھے اپنے کام کی تنخواہ ملتی ہے۔ تمہیں اس سے بھی کوئی سروکار نہیں ہے۔"

"بس یہ ماضی کے گناہوں کا کفارہ سمجھ لو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر اپنے دل کی گہرائیوں سے کہا "میں اپنے ماضی پر نظر ڈالتا ہوں تو میرا دل کانپ اٹھتا ہے۔ پتا نہیں میں نے ہیروئن کے چکر میں کیسے کیسے اور کتنے گھرانے تباہ کیے ہوں گے..."

"ماضی پر نظریں دوڑانے کے بجائے مستقبل پر نگاہ رکھا کرو۔ اللہ تمہارے اس کفارے کو قبول کرے۔ تم نے تن تنہا بہت سی تباہیاں ٹالی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت کیوں فون کیا ہے۔" مجھے جذبات کی رو میں بہنے سے بچانے کے لیے اس نے میری بات کاٹ کر موضوع بدل دیا۔

"ایک خوش خبری سنانی تھی۔ آج غزالہ نے سیتا کا کام تمام کر دیا۔"

"اوہ... نو!" اول خان کی بلند آہنگ آواز گونجی "کیا میں اس خبر پر یقین کر لوں۔"

”کلفٹن کے ساحل کے ایک ویران حصے میں اس کی لاش پڑی ہوئی ہے۔“ میں نے کہا ”جا کر اسے دیکھ لو۔ یقین آ جائے گا۔“

”میرے لیے تمہارا کہا ہوا کافی ہے۔ کیا تمہیں یہ عجیب بات نہیں لگتی کہ غزالہ جیسی گھریلو لڑکی نے ایک بلیک کیٹ کو ٹھکانے لگا دیا۔“

”وہ میری بیوی نہ ہوتی تو میں اسے اپنے کندھوں پر اٹھا لیتا۔ اس نے واقعی حیران کن کارنامہ انجام دیا ہے۔“

”اس نے سرور کی مشکل بھی آسان کر دی۔ وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ اس وقت بھی شہر کی خاک چھان رہا ہے۔ مونگ کی بوری میں ارد کا دانہ تلاش کرنے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔ اس خبر سے اسے سب سے زیادہ خوشی ہوگی۔“

”اب ہم سب سکون کی نیند سو سکیں گے۔ ایک محاذ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ اب صرف سوبھراج سے نمٹنا ہے۔“

”سوبھراج گلے کی ہڈی ثابت ہو گا۔ تم نے اسے دھمکی دے کر میرے خلاف کوئی حرکت کرنے سے روک دیا ہے لیکن اس نے بھی اپنی طرف سے ایس ٹی ایف کے ہاتھ پیر باندھنے کی پیش بندی شروع کر دی ہے۔ شام کو اسلام آباد سے باس نے ہدایت دی ہے کہ سوبھراج سے دور رہا جائے۔“ اس کا لہجہ معذرت خواہانہ ہو گیا۔

”اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات بتا دی۔ ہم لوگ تم پر بہت زیادہ انحصار کرنے لگے ہیں۔ ہمیں تم سے الگ رہ کر بھی کچھ کرنا چاہیے۔“ میں نے خوش دلی سے کہا۔

”یہ تو بتاؤ کہ غزالہ نے سیتا کو کیسے مار لیا۔“ اس کی تجسس آمیز آواز آئی۔

”بس مار لیا۔ یہ لمبی کہانی ملاقات ہونے پر سناؤں گا۔“

وہ خبر کسی کے لیے بھی خوش آئند نہیں تھی کہ ایس ٹی ایف کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا ہے۔ ویرا نے وہ خبر سنتے ہی کہہ دیا کہ اول خان کی مدد کے بغیر سوبھراج کو گرانا ناممکن تھا۔ ہم کو عارضی طور پر اسے بھول جانا چاہیے تھا۔

”کبھی کبھی مصلحت آمیز پسپائی بھی کامیابی کے زمرے میں آتی ہے۔“ میں نے اسے دلاسا دیا ”نتائج پر چھلانگ لگانے میں اتنی عجلت سے کام نہ لو۔ دیکھتے ہیں کل شام کو سیٹ لائٹ فون پر رابطہ ہونے پر وہ کیا کہتا ہے۔ اس کی روشنی میں ہم اپنا اگلا لائحہ عمل طے کریں گے۔“

”اس کے کہنے سننے کے لیے اب کیا رہ گیا ہے۔ بس رسمی بات ہو گی۔“ ویرا نے مایوسی سے کہا۔

”رستم ایرانی بھی ایک خوفناک بدمعاش تھا۔ شاید تم اس کا انجام بھول گئی ہو۔“ غزالہ نے اسے یاد دلایا۔

”وہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اور یہ بھی یاد ہے کہ اس کے خلاف ہمیں فورس کا بھرپور تعاون حاصل تھا۔ ان ہی کی مدد سے رستم ایرانی کو کچلا گیا تھا۔“

”اب تمہارے انٹرویو کا کیا بنے گا؟“ سلطان شاہ نے پوچھا ”اس کے پرسنل سیکریٹری نے تمہیں پانچ بجے کا وقت دیا تھا۔“

”وہ نہیں ہو سکے گا۔ کل شام ہی کو اس کی ڈینی سے بات ہوئی ہے۔“ ویرا نے اس کی بات کا سنجیدگی سے جواب دے کر مجھے حیران کر دیا۔ وہ دونوں سنجیدگی سے بہت کم بات کرتے تھے۔ کبھی ایسی کوشش بھی کرتے تھے تو وہ ان کی باہمی نوک جھوک کی نذر ہو جاتی تھی۔

”لیکن اس کے پرسنل سیکریٹری سے تمہارا وقت طے ہے۔ تم نے اس کے پاس اپنا کوئی فون نمبر تک نہیں چھوڑا کہ وہ تمہیں انٹرویو کی منسوخی کی اطلاع دے سکے۔ اگر تم کل وقت پر وہاں نہ پہنچیں تو اسے شبہ ہو جائے گا کہ سی بی ایس والی کال فرضی اور فراڈ تھی۔ آئندہ تم اس تک پہنچنے کے لیے ایسی کوئی ترکیب استعمال نہیں کر سکو گی۔“

”سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ ویرا میری طرف دیکھ کر بڑبڑائی ”اس مسئلے کا کیا حل ہونا چاہیے۔“

”تم کل پانچ بجے وہاں پہنچ جاؤ!“ غزالہ نے یہ مشورہ دیتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی ”میں نہانے جا رہی ہوں۔ میرے پورے بدن میں ریت کاٹ رہی ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے سارے کپڑوں میں سیکڑوں چیونٹیاں بھر گئی ہیں۔“

”یہ ریت نہیں، سیتا کی بدروح ہے جو تمہیں ستا رہی ہے۔“ ویرا نے ہنستے ہوئے کہا ”تم جا کر اطمینان سے نہا دھو لو۔ تم نے آج اپنے حصے سے زیادہ کام کر لیا ہے۔ اپنا مسئلہ میں ان دونوں کے ساتھ مل کر حل کر لوں گی۔“

”اب تمہارا براہِ راست وہاں جانا مناسب نہیں ہو گا۔“ میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔

”یہ بات میں بھی جانتی ہوں اسی لیے تم سے مشورہ لے رہی ہوں۔“

”کل کسی وقت اسے فون کر لو۔“ میں نے دھیرے سے کہا ”تم نے اس سے امریکی بن کر بات کی ہے۔ سفید فام قوموں میں یہ رواج ہے کہ ایسی ملاقاتوں کے لیے پہلے سے وقت طے ہو پھر بھی آخری دن میزبان سے اس کی توثیق کرا لی جاتی ہے۔“

”ہاں... آں۔ یہ خیال برا نہیں ہے۔“ ویرا سر ہلا کر بولی ”وہ نہ ملنا چاہے تو اسے انکار کرنے کا موقع مل جائے گا۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے آنے سے منع کر دے گا۔“

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آج کی رات ہم سب فارغ ہیں۔ کورم پورا ہے۔ کیوں نہ تاش کی بازی جمائی جائے۔ کارڈز کھیلے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں۔" سلطان شاہ بولا۔

"نہیں۔" میں نے اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا "تم دونوں کی کھلی بے ایمانی میری طبیعت مکدر کر دیتی ہے۔"

"تم غزالہ کو ہی اپنا پارٹنر بناتے ہو۔ نتیجہ ہم دونوں کی شراکت میں نکلتا ہے۔ آج پارٹنر بدل کر کھیلا جائے گا۔"

"لیڈیز اور جینٹس کا مقابلہ ہو جائے!" ویرا نے سلطان شاہ کی تجویز کی پرزور تائید کی۔

"کھانے کے بعد دیکھا جائے گا۔ میں ذرا ایس ٹی ایف والوں کو دیکھ لوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں بھی ذرا دو چسکیاں لگا لوں۔" ویرا اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولی "بھوک کھل جائے گی اور موڈ بھی بہتر ہو جائے گا۔"

میں اسے گھورتا ہوا زینوں کی طرف چل دیا تاکہ ابرار اور دین محمد کی مزاج پرسی کر سکوں۔

جب سے غزالہ نے سیتا کی کہانی سنائی تھی، میرے ذہن میں رہ رہ کر ایک بات چبھ رہی تھی۔ سیتا نے پچھلی رات سے اس وقت تک تین بدمست مردوں کا بوجھ سہنے کے ذو معنی بات کی تھی۔ ان میں سے ایک وہ ہو سکتا تھا۔ جس نے اسے لفٹ دے کر ملیر چھاؤنی کے علاقے سے شہر پہنچایا ہو۔ باقی دو کون ہو سکتے تھے جن سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔

گلاب خان بہت سخت گیر آدمی تھا۔ یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ مشرقی طرز زندگی کے دل دادہ پٹھان کا بیٹا شراب کو ہاتھ لگانے کی جرأت کر سکے۔ وہ سیتا کا چوتھا رفیق ہو سکتا تھا۔ اسے تین بدمست مردوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوسری طرف سیتا بھی اتنی احمق نہیں تھی کہ بے لباسی کی حالت میں کسی ایسی گاڑی سے لفٹ لیتی جس میں شرابی مرد بھرے ہوئے ہوں۔ اس نے رات کو چھاؤنی کے علاقے سے نکلنے کے لیے یقیناً ایسی گاڑی کا انتخاب کیا ہو گا جس میں کوئی اکیلا مرد موجود ہو۔

اس چبھن کا سیتا کی غیر اخلاقی سرگرمیوں سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ مجھے خلش یہ تھی کہ اس کے بقیہ دو شناسا کون تھے۔ اگر وہ بھی بلیک کیٹس سے کوئی تعلق رکھتے تھے تو ان کا بھی کیفر کردار تک پہنچنا ضروری تھا۔

زینے طے کرتے ہوئے وہ گتھی یکایک کچھ سلجھی ہوئی محسوس ہوئی۔ را والے ان دنوں عتاب میں آئے ہوئے تھے۔ بلیک کیٹس کو ان سے دور رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ان کے سوا شہر میں کوئی اور مددگار یا رازداں موجود ہوتا تو گوپال اور سیتا کو کوبرا کی ضرورت نہ رہتی پھر سیتا بھی اسٹیشن فور سے فرار ہو کر سربلند کے دروازے پر دستک نہ دیتی۔ سیدھی اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچتی جو اس کی بھرپور مدد کر سکتے تھے۔ ان دونوں کے بارے میں صرف اور صرف یہ سوچا جا سکتا تھا کہ انہوں نے سیتا کو گلاب خان کے گھر سے بھاگنے کے بعد پناہ دے کر اس کے جوان جسم سے اپنی ہمدردی کا بھرپور معاوضہ وصول کیا ہو۔ ایسے ہر سودے کے لیے رضامند ہونا سیتا کے لیے ناگزیر تھا۔

ایس ٹی ایف کی طرف سے آئے ہوئے محافظوں سے بات کرتے ہوئے میرا ذہن اس بوجھ سے آزاد ہو چکا تھا۔

ابرار نے غزالہ کو کچن کی ذمہ داریوں سے پوری طرح آزاد کر دیا تھا۔ ناشتا اور روزمرہ ضروریات کی دوسری اشیا بھی وہ خود ہی بازار سے لے آتا تھا لیکن غزالہ اپنی خانہ داری کی عادات سے مجبور تھی۔ میز لگانے کے وقت کسی نہ کسی حیلے بہانے سے کچن کے آس پاس منڈلاتی رہتی تھی۔

اس رات غزالہ کو اس خالص گھریلو روپ میں دیکھ کر میں حیران تھا کہ اس نے کتنی کامیابی سے اپنی دہری شخصیت برقرار رکھی ہوئی تھی۔ گھر میں وہ محبت کرنے والی، مہربان، نرم دل اور دردمند بیوی تھی، گھر سے باہر ضرورت پیش آنے پر وہ یکایک ایک خوں خوار شیرنی بن جاتی تھی جو اپنے سامنے رکاوٹ بننے والے ہر حریف کو چیر پھاڑ کر رکھ دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

کھانے کی میز پر ویرا اور غزالہ میرے دائیں بائیں بیٹھا کرتی تھیں۔ میں نے گلاس اٹھانے کے بہانے، ویرا کی طرف جھک کر ایک گہرا سانس لیا تو الکحل کی تیز اور ناگوار بو مفقود تھی۔ اس کے بجائے ویرا کے منہ سے پیاز کی بو آ رہی تھی۔

وہ ایک مدت سے بلکہ شاید اپنے بچپن یا لڑکپن سے شراب نوشی کی عادی تھی۔ اس شوق کے ہر گھر گھاٹ سے اچھی طرح واقف تھی۔ الکحل کی بو مارنے کے لیے موسم کے لحاظ سے پیاز، لہسن اور مولی وغیرہ استعمال کرنا نہیں بھولتی تھی۔ اس کی بڑی بڑی، نیلی آنکھوں کے سوا کسی طرح بھی اس کی مے نوشی کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ وہ بلانوش تھی اور جب ایک حد سے تجاوز کر جاتی تھی تو اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے سرخ ڈورے تیرنے لگتے تھے۔

"گلاس خود اٹھانے کے بجائے مجھ سے مانگ لیا ہوتا۔" میرے سیدھے ہوتے ہی ویرا بول پڑی "میں تو ڈر گئی تھی کہ آج تم بھری میز پر سب کے سامنے میرا منہ چوم لو گے۔"

فضا قہقہوں سے گونج اٹھی۔ میں اپنی حرکت پر دل ہی دل میں نادم ہو کر رہ گیا۔ ویرا کے سامنے ہر وقت چاق و چوبند رہنے کی ضرورت ہوتی تھی کیونکہ وہ کسی بھی وقت فقرے

بازی سے نہیں چوکتی تھی۔ اس کی یہی بے ساختہ اور برجستہ فقرے بازی سلطان شاہ کو بہت جلد چراغ پا کر دیتی تھی۔

غزالہ نے ہنسنے میں ان دونوں کا ساتھ دیا لیکن غصے سے اس کا چہرہ یکایک سرخ ہو گیا تھا۔ ویرا اس کی موجودگی میں شاذونادر ہی ایسی کوئی بے تکلفانہ بات کرتی تھی۔

"تم چاہو تو انہیں میز سے اٹھا کر کچھ دیر کے لیے اپنے کمرے میں لے جا کر اپنا شوق پورا کرلو۔" ہنسی تھمنے کے بعد غزالہ نے متانت سے کہا "مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اوہ ڈارلنگ!" ویرا اٹھلا کر بولی "تم برا مان گئیں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ گلاس اٹھاتے ہوئے ڈینی کا چہرہ میرے چہرے سے کتنا قریب آگیا تھا۔ یہ مذاق کی بات تھی۔ اگر اس سے تمہاری دل آزاری ہوئی ہے تو میں کھلے دل سے معافی چاہتی ہوں۔ ابھی کارڈز کھیلنے ہیں۔ تم میری ساتھی ہوگی۔ غصہ تھوک دو۔"

"فکر نہ کرو۔ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ میں نے سن لیا تھا کہ آج کارڈز گیم میں ساتھی تبدیل ہوں گے۔" غزالہ نے خوش دلی سے جواب دیا اور فضا میں در آنے والا تناؤ اسی لمحے تحلیل ہو گیا۔

کھانے کے بعد کچھ دیر کے لیے وقفہ رہا۔ ویرا سگریٹ پینے میں مصروف ہو گئی۔ کسی ایک جگہ ٹک کر بیٹھنے کے بجائے وہ ڈرائنگ روم میں ٹہل رہی تھی۔

"اِدھر اُدھر ٹہل کر کیا گھات لگا رہی ہو؟" ویرا کی بے چینی محسوس کرتے ہوئے سلطان شاہ نے فقرہ چست کیا "لپک کر کمرے میں جاؤ اور اپنا پیگ لگا کر لوٹ آؤ۔"

میں حیرت سے سلطان شاہ کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ ویرا کی ضروریات خاصی خفیہ تھیں۔ میرا خیال تھا کہ گھر میں میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کو کب کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ سلطان شاہ نے وہ فقرہ کس کر مجھے حیران کر دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ویرا کھانے کے بعد کونیاک یا برانڈی کا ایک پیگ ضرور لیتی ہے۔

حجاب ختم ہو گیا تھا۔ ویرا نے مسکرا کر تیکھی نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد ڈرائنگ روم میں چائے کے پہلے دور کے ساتھ بیٹھک جم گئی اور ایسی جمی کہ صبح تک جاری رہی۔ ویرا اور سلطان شاہ کھیل میں بے ایمانی اور چالاکی کا مظاہرہ کیے بغیر لطف اندوز نہیں ہوتے تھے۔ اس روز وہ دونوں ایک دوسرے کے حریف تھے۔ آسانی سے ہر ہیر پھیر پکڑ رہے تھے جس کے نتیجے میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد فسادیا شور برپا ہو جاتا تھا۔ وہ دونوں میرے ہر احتجاج کو نظرانداز کر کے اسی ہنگامہ آرائی کو کھیل کی جان قرار دے رہے تھے۔

فجر سے ذرا پہلے ہم نے اپنے اپنے کمروں کا رخ کیا تو تکان سب پر حاوی ہو چکی تھی۔ میں بستر پر غزالہ کے پہلو میں دراز ہو کر سویا تو پھر اگلے دن بہت دیر کی خبر لایا۔ وہ تینوں مجھ سے پہلے بیدار ہو کر ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو چکے تھے۔

میں نے اپنے معمولات سے فارغ ہو کر ناشتے کی میز پر اخبار کو دیکھا تو اس میں پہلے صفحے پر سیتا کانت نامی بھارتی جاسوسہ کی لاش پائی جانے کی نمایاں تصویری خبر موجود تھی۔

لاش کی شناخت اس کے قریب پائے جانے والے زیر جامے سے ہوئی جس کے اندرونی حصے میں سیتا کے الٹے نام اور کوڈ نمبر کا ٹیگ لگا ہوا تھا۔ خبر میں زیر جامے کا ذکر دیکھ کر میں چونک پڑا۔ وہ کام اول خان کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔

"یہ کارنامہ کسی نامعلوم قاتل کے کھاتے میں ڈالا گیا ہے۔ کاش اس کے ساتھ غزالہ کا نام آ سکتا۔" میں نے پوری خبر پڑھ کر کہا "اخباری رپورٹر ہر معاملے کو اپنے لگے بندھے انداز میں دیکھتے ہیں۔ انہوں نے سیتا کے قتل کو بلیک کیٹس اور مقامی بدمعاشوں کے درمیان لین دین کے کسی جھگڑے کا شاخسانہ قرار دیا ہے۔"

"وہ زیر جامہ اول خان نے ہی جائے واردات پر پہنچایا ہوگا۔" ویرا نے مجھ سے تائید چاہی "الگ سے ملنے والا زیر جامہ بتا رہا ہے کہ اسے قتل کے بعد وہاں پہنچایا گیا ہے۔ اب سوبھراج اس قتل کے الزام سے صاف بچ جائے گا۔"

"زیر جامے کے بغیر لاش کی شناخت نہیں ہو سکتی تھی۔" میں نے اسے سمجھایا "بھارتی قونصل خانے کے ایک افسر نے بھی سرکاری مردہ خانے میں جا کر اس لاش کو سیتا کانت کے نام سے شناخت کرلیا ہے مگر اس بات سے انکاری ہے کہ اس کا بلیک کیٹس سے کوئی تعلق ہے۔"

"عام شہری اتنے ممتاز نہیں ہوتے کہ اہم سرکاری افسر انہیں محض نام سے پہچان لیں۔" غزالہ نے اعتراض کیا۔

"یہ صحیح ہے لیکن فی الحال ان کے سرکاری موقف کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے کہا۔

"تم اس قتل کا سوبھراج سے کیا تعلق جوڑنا چاہ رہی تھیں؟" سلطان شاہ نے ویرا سے پوچھا۔

"وہ سیتا سے خار کھائے بیٹھا تھا اور اسے مروانے کے درپے تھا۔ یہ بات اس نے ڈینی سے خود کہی تھی۔ اب وہ مکر جائے گا کہ سیتا کے قتل سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ اسے ڈینی نے مروایا ہے کیونکہ سیتا کے زیر جامے کا راز ڈینی یا اس کے ساتھیوں کو معلوم تھا۔" ویرا نے اپنی دلیل پیش کردی۔

"اس قتل نے اس کے لیے دوسری دشواریاں کھڑی کر

دی ہوگی۔" میں نے اپنی رائے دی "وہ مشتعل تھا۔ میری کہانی سننے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ سیتا نے اسے تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس نے دہلی والوں پر اپنے شدید ترین ردِعمل کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی کہہ ڈالا ہوگا کہ وہ سیتا کو پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس کے لیے سیتا کی غداری بہت سنگین اور ناقابلِ معافی تھی۔ دہلی میں بیٹھے ہوئے لوگ جزئیات میں نہیں جائیں گے۔ سیتا کی بگڑی ہوئی لاش ملنے کے بعد وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ سوبھراج کو اس کو سزا دینے کا موقع مل گیا۔ اس کے آدمیوں نے شہر میں سیتا کا کھوج نکالا اور اسے ویرانے میں لے جا کر مار دیا۔"

"پھر تو سوبھراج کی دہلی والوں سے ٹھن جائے گی!" غزالہ بولی۔

"ظاہری طور پر شاید کچھ بھی نہ ہو۔ دلوں میں کدورتیں پیدا ہو چکی ہوں گی۔" اس بار ویرا نے میرے نظریے کی تائید کی تھی۔

"یہ بہت سنگین اور ٹیڑھا معاملہ ہے۔ شاید دیر سویر ہو جائے لیکن سوبھراج تباہی سے نہیں بچ سکے گا۔ یہ بات وہ اچھی طرح سمجھ چکا ہے۔" میں نے کہا "اس نے فوری طور پر اپنے ہاتھ پیر سمیٹنے شروع کر دیے ہیں۔"

"تمہیں اس کے سمٹنے کا اندازہ کہاں سے ہو گیا۔" ویرا نے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

"نک اور کرنل داور کی گفتگو یاد کرو۔ اس نے اشارہ دیا تھا کہ کوبرا کا منصب خالی ہو سکتا ہے۔"

"اس وقت سوبھراج کا حوصلہ ٹوٹا ہوا ہے۔ بھارتی اس پر شبہ کر رہے ہیں کہ اس نے سیتا کو مروایا ہے۔ اپنے آقاؤں سے وہ خود دور ہٹ رہا ہے۔ اس وقت صرف اس کی سیاسی حیثیت اس کے لیے ڈھال بنی ہوئی ہے۔ اسے پکڑ کر بے رحمی سے مارا جائے تو وہ اپنا سارا کیا دھرا اگل دے گا۔" غزالہ بولی۔

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اصل مسئلہ سوبھراج تک پہنچنے کا تھا۔ جلال اور اول خان کے لیے اوپر کے احکام سے انحراف کرنا ممکن نہیں تھا۔ ہمیں مضبوط طاقت وہی دونوں فراہم کر سکتے تھے۔ ان کے تعاون کے بغیر ہم بزرو قوت سوبھراج کا حفاظتی حصار نہیں توڑ سکتے تھے۔ اپنے طور پر اس تک پہنچنے کے لیے ہماری کوششیں جاری تھیں۔ ان کا نتیجہ برآمد ہونے میں دیر ہوتی نظر آ رہی تھی۔

"یہ سب سامنے آنے کے بعد محسوس ہو رہا ہے کہ آج اس سے ضرور ملنا چاہیے۔" ویرا نے کہا "فون کرنے میں خطرہ ہے کہ کہیں وہ ملاقات منسوخ نہ کر دے۔ میں اس چکر کو چھوڑ کر ٹھیک پانچ بجے وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

"وہ تم سے نہ ملنا چاہے تو تمہیں اس کے دروازے سے بھی لوٹایا جا سکتا ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "بہتر یہی ہے کہ تم فون کر کے وہاں جاؤ۔ اس طرح تم کو تیاری کا بہتر موقع مل جائے گا۔ تذبذب اور بے یقینی کے عالم میں تم اپنا ارتکاز کھو بیٹھو گی۔"

کچھ دیر بحث و تمحیص کے بعد بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔

دو بجے ویرا نے سوبھراج کے عام نمبر پر فون کیا تو وہ امریکی لب و لہجے میں زناٹے دار انگریزی بول رہی تھی۔ چند لمحوں بعد اس کی مطلوب شخص سے بات ہو گئی۔ سوبھراج کے پرسنل سیکریٹری نے انٹرویو کے وقت کی تصدیق کی لیکن یہ شرط عائد کر دی کہ وہ پانچ بجے کے بجائے چار بجے ہی وہاں پہنچ جائے کیونکہ پانچ بجے سوبھراج کے لیے ایک اہم مصروفیت نکل آئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ سوبھراج نے میری کال سے گھبرا کر اپنے معمولات میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں کی تھی۔ اس گفتگو سے مجھے پتا چلا کہ ویرا نے میری کلارک کے فرضی نام سے ان لوگوں سے اپنا تعارف کرایا تھا۔

"میں نے تم کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تمہارے سیاست داں غیر ملکی ذرائع ابلاغ پر اپنی تشہیر کے شوقین ہیں۔" فون بند کرنے کے بعد ویرا نے فخریہ لہجے میں مجھ سے کہا "سوبھراج یہ سنہرا موقع ضائع نہیں کر سکتا تھا' ہو سکتا ہے کہ مجھے دس پندرہ منٹ اس کا انتظار کرنا پڑے۔ وہ مجھ سے ضرور ملے گا۔"

"تم کو پوری تیاری کے ساتھ وہاں جانا ہو گا۔ تمہارے خلاف شائع ہونے والا اخباری اشتہار تازہ ہے۔ کوئی گڑبڑ بھی ہو سکتی ہے۔" غزالہ نے پُرتشویش انداز میں اسے تنبیہہ کی۔

"فکر نہ کرو۔ اخباری نمائندوں وغیرہ پر سب اعتماد کرتے ہیں۔ میں بیم گن تو نہیں' ہاں ایک ریوالور ضرور اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ ویرا ہنس کر بے پروائی سے بولی۔

"اور مجھے تم کس حیثیت سے اپنے ساتھ لے جاؤ گی؟" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے پوچھا "خالی معاون کہنے سے کام نہیں بنے گا۔"

"معاون نہ سہی' تم فوٹو گرافر بن جانا۔ گھر میں ایک کیمرا موجود ہے۔ وہی چل جائے گا۔ ایسی مہمات میں ایک سے دو آدمی بہتر ہوتے ہیں۔"

"ایک ریڈیو اسٹیشن کے لیے فوٹو گرافی کیا ضرورت بیان کرو گی؟" غزالہ نے ایک اہم سوال اٹھایا "تم اس کے

لیے سی بی ایس کی نمائندہ بنی ہوئی ہو۔"

"اوہ! تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اس وقت میں کچھ گڑبڑا گئی تھی۔ فوٹو گرافر کے بجائے ساؤنڈ ریکارڈسٹ بہتر بلکہ موزوں رہے گا۔"

"اسی کو ہوم ورک کہتے ہیں۔ ساؤنڈ ریکارڈسٹ کے پاس بہترین آلات کا ہونا ضروری ہے۔ سلطان شاہ کو گھریلو ٹیپ ریکارڈ دے کر تم پیشہ ور ساؤنڈ ریکارڈسٹ نہیں بنا سکتیں۔ سوبھراج سے پہلے اس کے آدمیوں کو تم دونوں کی اصلیت پر شبہ ہو جائے گا۔"

"یہ باتیں تمہیں پہلے بتانی چاہیے تھیں۔" ویرا خفت آمیز جھنجلاہٹ کے ساتھ بولی۔

"پروگرام تمہارا تھا۔ تم نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ اب جزئیات سامنے آ رہی ہیں تو میں بول رہا ہوں۔"

"اس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ میں حماقتیں کرتی پھروں تو تم الگ بیٹھے میرا تماشا دیکھتے رہو گے۔ میرے پوچھے بغیر مجھے کوئی مشورہ نہیں دو گے!"

"کیا کبھی ایسا ہوا ہے؟ ہر کام باہمی مشورے سے ہی ہوتا رہا ہے۔"

"پھر تم کل سے اب تک کیوں خاموش تھے؟" ویرا نے تیزی سے پوچھا۔

"مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ تمہیں بلانے کے پروگرام پر قائم رہے گا۔ مجھے پکا یقین تھا کہ وہ تمہیں ٹال دے گا۔"

"پھر بتاؤ کہ اب میں کیا کروں۔ میرے پاس تو وقت بھی نہیں رہا۔" وہ بری طرح بوکھلا گئی "اس نے پانچ بجے کے بجائے چار بجے کا وقت دیا ہے۔"

"یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو کہ تم سلطان شاہ کو اپنے ساتھ اندر لے جا سکو گی۔ اسے اپنا ڈرائیور بنا لو۔ یہ باہر تمہارا انتظار کرتا رہے گا۔ تم کو اکیلے ہی سوبھراج کا سامنا کرنا ہو گا۔ اب بھی خاصا وقت ہے۔ تیار ہو کر روانہ ہو جاؤ اور بازار سے کوئی بہترین ٹیپ ریکارڈر خرید لو۔ اس کے بغیر تمہاری اداکاری نامکمل اور مشکوک رہے گی۔" میں نے کہا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ تم کو میری مدد کرنی ہو گی۔ میں ابھی تیار ہو کر آتی ہوں۔" وہ اٹھ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

"چالاک بنتی ہے مگر بہت احمق اور لاابالی ہے۔ مار دھاڑ کر سکتی ہے مگر منظم منصوبہ بندی اس کے بس کی بات نہیں ہے۔" اس کے جانے کے بعد سلطان شاہ ہنستے ہوئے بولا "تمہاری دو چار باتوں میں ہی بے چاری کے ہاتھ پیر پھول گئے۔"

"وہ لاابالی ضرور ہے مگر احمق نہیں ہے۔ اسے وقت کی کمی کا احساس نہیں تھا۔" یہ کہہ کر میں نے فون پر اول خان کے دفتر کا نمبر ملا لیا۔

اس مہم کے لیے میں ویرا کو اپنی گاڑی دے کر سب کے پیروں پر کلہاڑی نہیں مار سکتا تھا۔ سوبھراج کے گھر جانے والی گاڑی اس کے آدمیوں کی نظروں میں آجاتی۔ اس کے بعد وہ ہمارے استعمال میں ہوتی تو ہم لوگ بھی آسانی سے دشمن کی نگاہوں میں آسکتے تھے۔ ویرا کے لیے فرضی نمبر پلیٹ والی کوئی اور ہی گاڑی ہونی چاہیے تھی۔

اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم ملا تھا۔ اسے مشاورت وغیرہ سے نہیں روکا گیا تھا۔ ایس ٹی ایف کا سربراہ جانتا تھا کہ اس کی فورس کی اعانت نہ ملنے کے باوجود میں اپنے نشانے پر آئے ہوئے سوبھراج کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ اس کے باوجود اول خان کو میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ اول خان کا باس اوپر کے احکام کا پابند تھا۔ وہ سوبھراج کے گندے ماضی سے بے خبر نہیں ہو سکتا تھا۔ سیاسی مجبوریوں کے تحت آنے والے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس نے میرے لیے راستہ کھلا رکھا تھا۔

اول خان مجھ سے پہلے اس نکتے کو سمجھ چکا تھا۔ میں نے اسے پروگرام سے آگاہ کرتے ہوئے، ڈرائیور کے بغیر ایک گاڑی طلب کی تو اس نے وعدہ کر لیا کہ جعلی نمبر پلیٹ والی مطلوبہ کار اگلے پندرہ منٹ میں ہمارے گھر پہنچ جائے گی۔ اسے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ نئی الجھنیں سامنے آنے کے باوجود سوبھراج، ویرا سے ملنے کے لیے تیار تھا۔ بس اس نے وقت تبدیل کر دیا تھا۔

ویرا اپنے کمرے سے تیار ہو کر آئی تو میں نے بریفنگ کے ارادے سے اس کے ساتھ تبادلہ خیال شروع کر دیا۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں نے از خود اس کے لیے ایک الگ گاڑی کا بندوبست کر لیا تھا جو کچھ ہی دیر میں وہاں پہنچنے والی تھی۔ اس مہم کے لیے ویرا نے ہلکے پھول دار بلاؤز اور گہرے سرخ اسکرٹ کا انتخاب کیا تھا۔ جس کے نیچے اس کی ٹانگیں چاندی کی سڈول سلاخوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

❂✯❂

"میری دانست میں یہ کار ہماری گاڑی سے بہتر ہے!" راستے میں جمود توڑنے کے لیے اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے سلطان شاہ سے کہا۔

"یس مس!" سلطان شاہ نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا "ضرور بہتر ہے اسی لیے میں خاموشی سے اپنا سبق یاد کرنے میں مصروف ہوں۔"

"تمہارا دماغ تو درست ہے۔ مجھ سے کس لب و لہجے

میں بات کر رہے ہو!" ویرا کو ہلکا سا غصہ آ گیا۔
"جو بنا دیا گیا، وہی بن گیا ہوں، جو سکھایا گیا ہے، اسے یاد کر رہا ہوں۔" سلطان شاہ مغموم لہجے میں بولا "تم سی بی ایس کی ملازم ہو۔ تمہارا نام میری کلارک ہے۔ میں تمہارا ڈرائیور ہوں۔ آج صبح تمہیں حیدر آباد سے لے کر کراچی آیا ہوں۔"
"ویری گڈ۔" ویرا خوش ہو کر بولی "تم کو سب کچھ ازبر ہے۔ تمہارے لیے اتنا ہی جاننا کافی ہے۔"
"مگر اس کے باوجود میرا دل مطمئن نہیں ہے۔ ڈر رہا ہوں کہ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔"
"شاید تم سوبھراج کے نام سے ڈرے ہوئے ہو۔ وہ کوئی ہوّا نہیں ہے۔ آج ہم اس کے ڈھول کا پول کھول دیں گے۔"
سلطان شاہ سر ہلا کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے گاڑی الیکٹرونکس کے آلات کی ایک بڑی دکان کے سامنے روک دی۔ ویرا گاڑی سے اتر کر باوقار انداز میں اس دکان میں داخل ہوئی اور تھوڑی دیر بعد ایک مختصر سا، سیاہ ریکارڈر ہاتھ میں لٹکائے باہر آ گئی۔ اس کے سر پر ریکارڈر کا ہیڈ فون چڑھا ہوا تھا مگر اس کے اسپیکر کانوں سے اُترے ہوئے تھے۔ ہیڈ فون کے ساتھ ہی مائیکروفون بھی منسلک نظر آ رہا تھا۔
وہ گاڑی میں سوار ہوئی اور ایک مرتبہ پھر گاڑی چل دی۔ ویرا نے اس کیسٹ ریکارڈر کے فنکشن دکان ہی میں سمجھ لیے تھے۔ ڈبا وہیں چھوڑ کر سامان اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ تاروں کو جیک پنوں کے ذریعے مقررہ جگہوں سے جوڑ کر اس نے اسپیکر پیڈز کانوں پر چڑھائے اور اپنے خریدے ہوئے دستی ریکارڈر کی آزمائش شروع کر دی۔ باہر سے آنے والا ٹریفک کا شور ریکارڈ ہونے کے ساتھ اسے اپنے کانوں میں بھی سنائی دے رہا تھا۔ اس نے ریکارڈنگ لیول گھٹا بڑھا کر اپنا اطمینان کیا پھر اسے بند کر کے ہیڈ فون سر سے اتار کر گلے میں ڈال لیا۔
سولجر بازار کا راستہ ان دونوں نے باتیں کرتے ہوئے طے کیا۔ وہ دونوں خوش تھے کہ میری رہنمائی کی وجہ سے ویرا اپنے حلیے سے کوئی پیشہ ور براڈ کاسٹر نظر آنے لگی تھی۔
پرانی فروٹ مارکیٹ کے قریب راج محل کے نام سے سوبھراج کا آبائی مکان واقع تھا۔ پہلے وہ قدیم طرز کا، حویلی نما مکان ہوا کرتا تھا لیکن سوبھراج نے اپنے دن پھرنے کے بعد پرانی عمارت کو گرا کر از سر نو ایک شان دار مکان تعمیر کیا تھا جس کا نام بدستور وہی رہا تھا۔
سلطان شاہ نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے یہ گنجائش نکال لی تھی کہ اگر وہ سیدھا راج محل نہ پہنچ سکے تو اسے منزل کی تلاش کے لیے دس پندرہ منٹ کا فاضل وقت دستیاب ہو لیکن سوبھراج کے مسکن کا پتا اس کی توقع سے زیادہ آسان ثابت ہوا۔ وہ وقت سے دس منٹ پہلے راج محل پہنچ گئے۔
ویرا کی ہدایت پر سلطان شاہ نے گاڑی پھاٹک کے سامنے روک کر ہارن بجایا۔ پھاٹک کھلنے کے بجائے اندر سے ایک مسلح محافظ برآمد ہوا۔ اس نے باہر آتے ہی ویرا کو دیکھ لیا اور دانستہ اسے نظر انداز کر کے سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔
ویرا نے رواں انگریزی میں اپنا مدعا ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ آنے والے کے سپاٹ چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انگریزی کے بارے میں وہ بالکل کورا ہے۔ اس کی بے بسی کا اندازہ ہوتے ہی سلطان شاہ نے اسے اردو میں بتایا کہ مس کلارک، سوبھراج صاحب سے ملاقات کے لیے آئی تھی۔
وہ شخص ویرا کی انگریزی اور گوری چمڑی سے مرعوب ہوا تھا نہ سلطان شاہ کا بیان سن کر اس کے چہرے پر ملاحت نمودار ہوئی۔
"گاڑی ادھر باہر کھڑی کر دو اور میم صاحب کو میرے ساتھ اندر بھیج دو!" اس نے نرمی کے ساتھ کہا۔ اس نے اندر کسی سے رجوع کیے بغیر جس طرح براہِ راست فیصلہ کیا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری کلارک کی متوقع آمد کے بارے میں اسے پہلے سے تفصیلی ہدایات دے دی گئی تھیں۔
سلطان شاہ نے گاڑی پھاٹک کے سامنے سے ہٹا کر ایک کنارے سے لگا دی۔ باہر سے ان دونوں نے اندازہ لگایا تھا کہ راج محل کے احاطہ میں وسیع جگہ موجود تھی۔ میزبان چاہتا تو ان کی گاڑی آسانی سے اندر جا سکتی تھی مگر ایسا نہیں کیا گیا تھا۔
ویرا نے اپنا پرس اور کیسٹ ریکارڈر وغیرہ سنبھالا اور گاڑی سے اتر کر محافظ کے پیچھے ہولی۔
پھاٹک سے اندر داخل ہوتے ہی ویرا کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ مکان کئی ہزار گز رقبے پر مشتمل تھا۔ سامنے جدید طرز کی خوبصورت ایک منزلہ عمارت تھی۔ اس کے پہلو میں ایک وسیع باغ موجود تھا۔ مکان کے سامنے وسیع و عریض، پختہ ڈرائیو وے موجود تھا جو آگے جا کر پورچ سے مل گیا تھا۔ اس کھلی جگہ میں کھڑی ہوئی گاڑیوں کی تعداد پانچ تھی۔ جن میں ایک لینڈ روور، دوسری مرسڈیز اور تیسری بیش قیمت بی ایم ڈبلیو کار تھی۔ اگر وہاں شمار میں آنے والی گاڑیوں کا تعلق راج محل کے مکینوں سے تھا تو یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی تھی کہ ان پر دولت کی اندھا دھند برسات ہو رہی تھی۔
پھاٹک سے عمارت کے صدر دروازے تک کا فاصلہ طویل تھا۔ مسلح محافظ اسے صدر دروازے سے گزار کر ایک

دفتر نما کمرے میں لے گیا جہاں ایک صحت مند نوجوان میز کے پیچھے بیٹھا کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہا تھا۔ دفتر ائرکنڈیشنڈ اور آراستہ تھا جہاں ایک وقت میں کم از کم چھ افراد کے بیٹھنے کی گنجائش موجود تھی۔

محافظ دفتر کے دروازے سے ہی واپس چلا گیا۔ قدموں کی آہٹ پر نوجوان نے چونک کر ویرا کی طرف دیکھا۔ نگاہیں چار ہوتے ہی ویرا نے مسکرا کر رسمی سلام کیا۔ اس کی میز تک پہنچتے پہنچتے ابتدائی فقروں کا تبادلہ ہو چکا تھا۔

اس گھاگ اور تیز و طرار نوجوان کا نام سنیل تھا۔ وہی سوبھراج کا پرسنل سیکریٹری تھا۔

"تم وقت سے کچھ پہلے آگئیں۔" سنیل نے ویرا سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "باس وقت کے پابند ہیں۔ تمہیں کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا۔" اس کی انگریزی بہت اچھی تھی۔

"میں پتے کی تلاش کی گنجائش رکھ کر آئی تھی۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا "مگر راج محل آسانی سے مل گیا۔ میں انتظار کرلوں گی۔"

"کوئی یخ بستہ ڈرنک چلے گا..... بیئر وغیرہ!" سنیل نے پوچھا۔

"اوہ!" ویرا خوش ہو کر بولی "کیوں نہیں۔ اس وقت میں اس کی ضرورت محسوس کر رہی ہوں۔"

سنیل اپنی جگہ سے اٹھا اور دفتر کے ایک گوشے میں رکھے ہوئے ریفریجریٹر سے بیئر کی دو ٹھنڈی بوتلیں گلاس میں انڈیل کر لے آیا۔

ویرا نے اس کا شکریہ ادا کر کے گلاس لے لیا جس کی اوپری سطح پر جھاگ تیر رہے تھے۔ بیئر کا پہلا گھونٹ لیتے ہی اس کے وجود میں ٹھنڈک سی تیر گئی۔

"اپنا کارڈ دے دو تاکہ میں اسے اندر بھجوا سکوں۔" سنیل نے اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر جھولتے ہوئے کہا۔

"اوہ! میرے پاس کارڈ نہیں ہیں۔ وہ بریف کیس میں تھے جو میں عجلت میں حیدر آباد میں بھول آئی۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "میں ایک پرچی پر اپنا نام لکھ دوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" سنیل نے کہا اور فون اٹھا کر دو ہندسے پنچ کر کے کسی سے دھیمی آواز میں بات کرنے لگا۔ ویرا نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ گھر میں ہی انٹرکام پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ کسی لوکل کال کے لیے چھ سات ہندسوں کا پنچ کرنا ضروری تھا۔ ویرا کو خوشی ہوئی تھی کہ اس کے وزیٹنگ کارڈ کا مسئلہ آسانی سے ٹل گیا تھا۔

بیئر کے گلاس نے ویرا کے لیے وقت گزارنے کا مرحلہ خاصا آسان کر دیا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ راج محل میں انسانی سہولتوں اور آسائشوں کی بھرمار تھی لیکن اس عمارت میں انسانوں کا قحط نظر آ رہا تھا۔ جب سے وہ آئی تھی، اس نے دو کے سوا تیسرا آدمی نہیں دیکھا تھا۔

سنیل نے انٹرکام پر دھیمی سرگوشیوں میں خاصی دیر بات کی۔ وہ سلسلہ ختم ہونے پر اندر کہیں ہلکی سی گھنٹی بجی اور چند ثانیوں میں ایک مستعد ملازم اندرونی دروازے سے دفتر میں آگیا۔ وہ مضبوط جسم کا مالک، نوجوان اور صاف ستھرا تھا۔ شاید سوبھراج نے اپنی نامعلوم ضروریات کے تحت گھر میں صحت مند نوجوان ہی پالے ہوئے تھے۔

"باس سے میری بات ہو گئی ہے۔ اس میم کو اندر لے جاؤ۔" سنیل نے اسے اردو میں ہدایت کی۔ ویرا بالکل انجان بنی، ان دونوں کے چہرے تکتی رہی۔ سنیل نے اسے نئے آدمی کے ساتھ اندر جانے کے لیے کہا تو وہ اپنے گلاس سے آخری گھونٹ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

سنیل کے دفتر کے باہر، ٹھنڈی راہ داری میں دبیز فرشی قالین بچھا ہوا تھا۔ شاید پورے گھر کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے کوئی مرکزی نظام نصب تھا۔ اس راہ داری کے تیسرے دروازے پر رک کر ملازم نے ہلکی سی دستک دی پھر ویرا کے لیے دروازہ کھول دیا۔

وہ جھجکتے ہوئے اندر داخل ہوئی تو اس کشادہ کمرے میں کسی رعب دار آواز نے اسے اندر آنے کی ہدایت کی۔ ویرا کے قدم خود بخود آگے بڑھ گئے۔ کمرے میں روشنی کا بندوبست کچھ ایسا تھا کہ وہ پہلی نظر میں کسی اور کو نہیں دیکھ سکی تھی۔ چند ثانیوں بعد اس کی نظریں اس ماحول سے مانوس ہوئیں تو اسے بہت بڑی میز کے پیچھے خاصی کم روشنی میں سوبھراج کا چہرہ نظر آگیا۔ اس کے وجیہہ اور رعب دار چہرے پر اس کی ناک سب سے نمایاں تھی۔

"آؤ میری! تم کیسی ہو۔ میں نے سنا ہے کہ تم وقت سے پہلے یہاں پہنچ گئی تھیں۔" سوبھراج کی آواز دوستانہ اور حوصلہ افزا تھی۔ وہ روانی سے انگریزی بول رہا تھا۔

"سر! میں راستوں سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ حیدر آباد میں بھی مجھے پریشانی اٹھانی پڑی تھی۔ نئے ملک میں پتوں کو تلاش کرنا آسان نہیں ہوتا۔" وہ اپنے ساز و سامان کو سنبھالتی ہوئی میز تک پہنچ کر رکی ہی تھی کہ سوبھراج نے اسے بیٹھنے کی پیش کش کی۔ وہ کرسی سنبھال کر بیٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ سوبھراج نے اسے اپنا ساز و سامان میز پر رکھنے کا مشورہ دیا۔ اس کی آواز میں ترغیب کے ساتھ ہلکا سا تحکم بھی نمایاں تھا۔

اپنا پرس اور ٹیپ ریکارڈر میز پر رکھتے ہوئے اس کے

دل کی دھڑکن یکایک تیز ہو گئی "سر! اگر اجازت ہو تو میں اپنا ریکارڈنگ اپریٹس انٹرویو کے لیے تیار کرلوں۔"

"آرام سے بیٹھو۔ یہ بھی تیار ہو جائے گا۔" اس کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی "یہ بتاؤ کیا پینا پسند کرو گی؟"

"کچھ بھی نہیں۔ تمہارے پرسنل سیکریٹری نے مجھے بیئر کا ایک گلاس پلا دیا ہے۔ تم نے چار بجے کا وقت دیا ہے تو اب میں سوچ رہی ہوں کہ یہاں اپنا کام پورا کر کے دن کے اجالے میں ہی حیدر آباد واپس پہنچ جاؤں۔ وہاں مجھے تین انٹرویو کرنے ہیں جو ابھی ادھورے ہیں۔"

"تو تم پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کی سیاسی، مذہبی اور معاشرتی آزادیوں کے بارے میں کام کر رہی ہو!" اس نے تصدیق چاہی۔

"یس سر!" ویرا نے مختصر جواب دیا۔ اسے سوبھراج بہت ٹیڑھا آدمی نظر آرہا تھا۔

"اور نوویڈا کے سینٹرل براڈ کاسٹنگ اسٹیشن سے یہاں آئی ہو!"

"ہاں!" ویرا کو اس کا لب و لہجہ خطرناک حد تک نامانوس سا لگ رہا تھا۔ وہ پل پل میں اپنی کینچلی بدل رہا تھا۔

"سنیل نے بتایا ہے کہ ہزاروں میل سے چل کر یہاں آنے کے باوجود تمہارے پاس کوئی وزیٹنگ کارڈ نہیں ہے۔"

"اوہ! میں نے اسے بتا دیا تھا کہ میں عجلت میں اپنا بریف کیس حیدر آباد میں بھول آئی ہوں۔ میرے کارڈز اسی میں رہ گئے ہیں۔"

"انٹرویو سے پہلے میں تمہارا شناختی کارڈ دیکھنا چاہوں گا۔" سوبھراج نے مطالبہ کیا۔

"میں نے بتایا کہ میرا بریف کیس حیدر آباد میں رہ گیا ہے۔ کارڈز کے ساتھ میرے کاغذات اسی میں ہیں۔" ویرا نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ اسے یکایک اپنے بدن میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ سوبھراج نے گفتگو کو بہت خطرناک رخ پر ڈال دیا تھا۔

"تم بہت عجیب باتیں کر رہی ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی پیشہ ور شکاری شکار گاہ میں پہنچنے کے بعد انکشاف کرے کہ وہ اپنی رائفل گھر بھول آیا ہے۔"

"شاید میرا کیس اس وقت ایسا ہی ہے۔ تم چاہو تو میں کل شام کو سب چیزیں لے کر دوبارہ یہاں آسکتی ہوں۔"

"اب آگئی ہو تو آرام سے بیٹھو۔ میں اپنے مہمان کی دل کھول کر میزبانی کرتا ہوں۔ تمہیں خالی ہاتھ نہیں لوٹاؤں گا۔"

"تو کیا میں انٹرویو لینے کی تیاری کرلوں؟" ویرا اس وقت سخت الجھن اور ذہنی دباؤ میں مبتلا ہو گئی تھی۔

"تم ایک دم عجلت میں نظر آنے لگی ہو۔ ذرا صبر سے کام لو۔ پہلے میں تمہارا انٹرویو لے لوں پھر تم اپنی تیاری بھی کر لینا۔ مجھے یہ اطمینان ہونا چاہیے کہ تم وہی ہو جو تم نے بتایا ہے۔ تمہارے پاس اپنی شناخت کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ میرے لیے تشویش اور پریشانی کی بات ہے۔"

"میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ میں دوبارہ سب کچھ لے کر آنے کے لیے تیار رہوں۔ تم یہ بات بھی نہیں مان رہے۔"

"اگر تم فراڈ ہو تو میں تمہیں آسانی کے ساتھ یہاں سے واپس نہیں جانے دوں گا۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تم کون ہو اور کن مقاصد کے تحت یہاں آئی ہو۔"

"تم بہت سخت الفاظ استعمال کر رہے ہو۔ میں اپنی بھول کی وجہ سے یہ سب سننے کے لیے مجبور ہوں ورنہ میں ایسے لب و لہجے کی عادی نہیں ہوں۔"

"تم نہتی ہو یا اپنے ساتھ کوئی ہتھیار بھی لے کر آئی ہو؟" اس نے ویرا کے احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے رسانیت سے پوچھا۔

ویرا تذبذب میں پڑ گئی۔ وہ اقرار کرتی تو سوبھراج کا ماتھا مزید ٹھنک جاتا۔ انکار کرتی تو یہ اندیشہ تھا کہ نوبت تلاشی تک جا پہنچے گی۔ سوبھراج کے تیور اچھے نظر نہیں آرہے تھے۔ اس کے انکار کے بعد اس کے پرس سے بھرا ہوا ریوالور برآمد کرلیا جاتا تو بات بہت زیادہ بگڑ جاتی۔

"مجھے یہاں دن رات سفر میں رہنا پڑتا ہے۔" اس نے تمہید اٹھائی "آس پاس کے شہروں میں بھی جانا پڑتا ہے۔ میں نے سنا ہے اور اخباروں میں بھی پڑھا ہے کہ ان اطراف میں سفر زیادہ محفوظ نہیں ہے۔ راستوں پر ڈاکوؤں، لٹیروں کا راج ہے اس وجہ سے میں اپنی حفاظت کے لیے ایک ریوالور ہر وقت ساتھ رکھتی ہوں۔"

"عقل مندی کرتی ہو!" ویرا کوشش کے باوجود اس کے لہجے میں طنز کا شائبہ محسوس نہیں کر سکی "وہ ریوالور اس وقت بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔"

ویرا کو اپنا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے، میز پر رکھے ہوئے پرس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ سوبھراج نے سختی سے اسے ٹوک دیا۔

"نہیں..... اسے ہاتھ لگانے کی غلطی ہرگز نہ کرنا ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بہت پھرتی کے ساتھ اپنی میز کی کسی دراز سے ایک پستول نکال کر ویرا پر تان لیا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر وہ تمہارے پرس میں ہے تو میں اسے خود نکال لوں گا۔"

"تم زیادتی کر رہے ہو۔ میں تمہیں اس حرکت کی اجازت نہیں دے سکتی۔ تمہیں میرا پرس کھولنے کا کوئی حق

نہیں ہے۔" ویرا بہت زیادہ پریشان ہو گئی۔
"جب تک پستول میرے ہاتھ میں ہے، مجھے تم سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔" یہ کہہ کر وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور وسیع میز پر جھک کر خالی ہاتھ سے ویرا کا پرس اپنی طرف کھینچ لیا۔
پرس کی زپ کھولتے ہی اسے ریوالور نظر آ گیا۔ اس نے ریوالور نکال کر دوسری چیزوں کو سرسری انداز میں ٹٹولا اور زپ بند کیے بغیر وہ پرس دوبارہ ویرا کی طرف سرکا دیا۔
بات رفتہ رفتہ اور اس انداز میں بگڑی تھی کہ ویرا کو کوئی مدافعانہ کارروائی کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ سوبھراج بہت بھاری اور تحکم آمیز شخصیت کا مالک تھا۔ وہ اپنے مخاطب پر حاوی ہونے کے فن سے پوری طرح واقف تھا۔ اس نے ویرا جیسی چرب زبان عورت کو ایک لمحے کے لیے بھی غالب ہونے کا موقع نہیں دیا تھا۔ پرس سے ریوالور نکالے جانے کے بعد وہ نہتی ہو گئی تھی۔ اس کے بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں میں صرف وہ انگوٹھیاں پڑی رہ گئی تھیں جن کے ذریعے وہ سوبھراج کو بے ہوش یا ہلاک کر کے اس پرفریب پنجرے سے نکل سکتی تھی لیکن ان دونوں کے درمیان وسیع و عریض میز حائل تھی۔ سوبھراج کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول دبا ہوا تھا۔ جتنی دیر میں وہ سوبھراج تک پہنچتی، وہ ٹریگر دبا کر ویرا کا کام تمام کر سکتا تھا۔
"ویری گڈ!" سوبھراج کہہ رہا تھا "یہ اچھی بات ہے کہ تم سچ بولتی ہو مگر میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ ایک مشکوک اور اجنبی عورت مسلح ہو کر میرے دفتر میں آئے اور راج محل میں اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو۔ اب مجھے دیکھنا ہو گا کہ تم کون ہو اور تمہارے عزائم کیا ہیں۔"
"میں سی بی ایس کی نمائندہ، میری کلارک ہی ہوں۔ تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے!"
"ابھی سب سامنے آ جائے گا۔" سوبھراج نے یہ کہہ کر ایک ریسیور اٹھا لیا۔
اس کے داہنے ہاتھ میں پستول بدستور موجود تھا۔ اس کی نظریں ویرا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس نے پستول میز پر رکھ کر، ویرا کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر دو نمبر دبائے اور پھر دبی دبی غضب ناک آواز میں غرانے لگا "یہ حرام زادی سفید کتیا تیری ماں تھی جو تو نے اسے اندر بھیج دیا۔ اس کے پرس سے ریوالور برآمد ہوا ہے۔ ابھی میں اسے پانچ بجے تک باتوں میں بہلاؤں گا پھر تہ خانے میں لے جا کر وہ رگڑے دوں گا کہ اس کی طبیعت صاف ہو جائے گی اور یہ سب کچھ بتاتی چلی جائے گی۔"
اس نے لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو کر دوسری طرف سے کہی جانے والی کوئی بات سنی پھر اسی لب و لہجے میں بولا "اس کے ڈرائیور کو انتظار کرنے دو۔ وہ مر نہیں جائے گا۔ اس لڑکی کی قسمت کا فیصلہ ہونے کے بعد میں ڈرائیور کے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔"
اس نے فون بند کر دیا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر، مسلسل ویرا کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔
ویرا نے پوری کوشش کی تھی کہ اردو میں کی جانے والی اس گفتگو سے لاتعلقی اختیار کیے رہے لیکن وہ سوبھراج کا کہا ہوا ہر لفظ بخوبی سن رہی تھی۔ اسے آنے والے وقت سے خوف محسوس ہونے لگا۔ سوبھراج کے دوسرے آدمیوں کے ملوث ہو جانے کے بعد وہ اسے اپنی کسی انگوٹھی کا شکار کر کے بھی راج محل کی چار دیواری سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔
"تم اردو زبان سمجھ لیتی ہو؟" سوبھراج نے ویرا سے انگریزی میں سوال کیا تو اس کی آواز ایک مرتبہ پھر نرم ہو گئی تھی۔
"نہیں!" ویرا نے سر ہلا کر کہا "میں صرف انگریزی اور فرنچ جانتی ہوں۔"
"پھر میری آنکھوں نے دھوکا کھایا ہو گا۔" وہ بے پروائی سے بولا "مجھے محسوس ہوا تھا جیسے انٹرکام پر ہونے والی باتیں سن کر تمہارے چہرے کا رنگ اڑ گیا ہو۔"
وہ بہت سکون سے اور دھیرے دھیرے ویرا کو کچوکے لگا رہا تھا۔ ویرا اس کے اس نفسیاتی حربے کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی لیکن اس کے سامنے بالکل بے بس تھی۔ اس نے کہا "کیا تم انٹرکام پر میرے بارے میں کچھ بات کر رہے تھے۔"
"میں ایک وقت میں ایک کام کرنے کا عادی ہوں۔" اس نے پستول کو ہاتھ میں گھماتے ہوئے کہا "اس وقت صرف تم میرے سامنے ہو اور ایک پہیلی بنی ہوئی ہو۔ تم اردو سے اپنی لاتعلقی پر اصرار کر رہی ہو اور مجھے اپنی آنکھوں پر پورا بھروسا ہے۔ میری باتوں پر تمہارا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔"
"اگر تم ایسا سمجھ کر مطمئن ہو تو میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ویرا نے اپنی بے پروائی ظاہر کرنے کی کوشش کی "میں اپنی بات پر قائم ہوں۔"
"بات میرے اطمینان کی نہیں ہے۔ یہ نکتہ ایک خطرناک سمت کی نشان دہی کر رہا ہے۔ اس وقت بہت سے لوگ شہر بھر میں ایک امریکی لڑکی کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ جو روانی سے اردو بول اور سمجھ لیتی ہے۔ کیا تم روزانہ مقامی اخبارات دیکھتی ہو؟"
آخر کار وہ ناپسندیدہ صورتِ حال سامنے آ ہی گئی تھی۔

ویرا نے مدافعت کی راہ چھوڑ کر قدرے جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا "ہاں! تم اخباروں کا حوالہ کیوں دے رہے ہو؟"

"کل تم نے ایک بڑا انعامی اشتہار دیکھا ہوگا۔ اشتہار بڑا تھا اور انعام اس سے بھی بڑا۔"

"اوہ۔۔۔! کہیں تم ویرا لائیڈ اور ڈینی والے اشتہار کا ذکر تو نہیں کر رہے!؟"

"یہ ایک عجیب اتفاق ہے۔ اردو میں ہونے والی باتوں پر تمہارا ردِعمل دیکھ کر میرا ذہن ادھر بھٹک گیا اور اب مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ تم ویرا بھی ہو سکتی ہو۔"

ویرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور اپنی آواز سے خود ہی ڈر گئی۔ وہ قہقہہ کھوکھلا اور بے جان تھا۔ اس نے کہا "اگر تم مذاق کر رہے ہو تو یہ بہت سنگین اور بے رحمانہ مذاق ہے۔"

"مرد اپنی بیوی یا محبوبہ سے مذاق کرتے ہیں۔ تم سے میرا ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ میں نے سنجیدگی سے اپنے شبہے کا اظہار کیا ہے۔ ابھی اس کی تصدیق ہوئی جاتی ہے۔"

اس نے ایک مرتبہ پھر پرسنل سیکریٹری سے رابطہ کر کے پچھلے دن کے اخبارات طلب کیے جو ذرا سی دیر میں ایک لڑکا اندر لے آیا۔

لڑکے کے چلے جانے کے بعد سوبھراج نے ایک بڑے انگریزی اخبار کا پہلا صفحہ اپنے سامنے پھیلا لیا اور اس میں چھپی ہوئی تصویر سے ویرا کے چہرے کا موازنہ کرنے لگا۔ اس نے کئی بار تصویر کو اور پھر ویرا کے چہرے کو دیکھا پھر سر کو اوپر سے نیچے جنبش دیتے ہوئے بولا "تصویر میں فرق ضرور ہے لیکن خدوخال میں تمہاری گہری مشابہت جھلک رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے اشتہار میں تمہاری کوئی پرانی تصویر لگائی ہو۔۔۔"

"تم بلاوجہ وہم میں پڑ رہے ہو۔ ایسی مشابہت تمہیں ہر تیسری چوتھی امریکی لڑکی میں مل جائے گی۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر پُرزور لہجے میں کہا "تم یقین کرو کہ میں ویرا ہوں اور نہ اس نام کی کسی لڑکی کو جانتی ہوں۔"

"مجھے فریب دینے کی کوشش نہ کرو۔" سوبھراج نے سختی سے کہا "اگر تم نے شرافت سے اپنی اصلیت تسلیم نہ کی تو پھر مجھے ٹیڑھی انگلیوں سے گھی نکلوانا پڑے گا۔"

"تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو، ہراساں کر رہے ہو۔ میں تمہاری شکایت کروں گی۔"

"شٹ اپ!" وہ اپنا بایاں ہاتھ میز پر مار کر ویرا پر پہلی بار غرایا "میں ایسا لہجہ سننے کا عادی نہیں ہوں۔ مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو۔ تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو مجھے امریکا میں سی بی ایس کے کسی ذمہ دار اہل کار کا نام اور فون نمبر بتاؤ۔ میں اسے فون کر کے ابھی تمہارے بیان کی تصدیق کیے لیتا ہوں۔"

وہ سوبھراج کا سب سے مضبوط مطالبہ تھا۔ جس کا ویرا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اپنی کمزوری کو چھپانے کے لیے وہ برہمی کے مظاہرے پر اتر آئی "مجھے تم ذہنی مریض معلوم ہوتے ہو۔ نارمل ہوتے تو ایسی بہکی بہکی باتیں نہ کرتے۔ میں تمہاری ملازم نہیں ہوں کہ تمہارے ہر مطالبے کا جواب دوں۔ انٹرویو دینا ہے تو دو ورنہ مجھے واپس جانے دو۔"

"اب تم اتنی آسانی سے واپس نہیں جاؤ گی۔" اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ ادھ کھلے ہونٹوں میں سے اس کے سفید دانت کسی بھیڑیے کے دانتوں کی طرح چمک رہے تھے۔ وہ اپنی بات پوری کرتے ہوئے کہہ رہا تھا "یہاں لوگ اپنی مرضی سے آتے ہیں مگر ان کی واپسی میری مرضی سے ہوتی ہے۔"

ویرا بے بسی سے اسے گھورتی رہ گئی۔ اس کے پاس سوبھراج کی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"اور کچھ نہیں تو مجھے حیدرآباد کے ان تین لیڈروں کے نام بتاؤ جن کے تم انٹرویوز لے رہی ہو۔" ویرا کو خاموش پا کر اس نے چند ثانیوں بعد کہا "میری سب سیاست دانوں سے گہری دوستیاں ہیں۔ میں فون پر ان سے معلوم کیے لیتا ہوں۔ تینوں میں سے کسی ایک نے بھی تصدیق کر دی کہ تمہارا بریف کیس اس کے یہاں رہ گیا ہے۔ تو میں تمہاری ہر بات مان لوں گا۔"

"اب مجھے تمہارے انٹرویو یا کسی اور بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے یہاں وحشت ہو رہی ہے۔ میں اسی وقت واپس جانا چاہتی ہوں۔"

"نہیں ویرا۔ اب یہ ممکن نہیں رہا۔" اس نے سرد لہجے میں کہا "تم بہت مشکل سے ہاتھ آئی ہو۔ اب میں تمہیں چارہ بنا کر ڈینی کا شکار کھیلوں گا۔ وہ آج کل بہت اونچا اڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تمہاری وجہ سے اب اسے میرے قدموں میں جھکنا پڑے گا۔"

ویرا کے لیے خود کو میری کلارک ثابت کرنے کے سب دروازے بند ہو چکے تھے۔ اس کی سوبھراج سے نجات بس ایک نکتے پر منحصر رہ گئی تھی کہ اسے سوبھراج پر کب اور کون سی انگوٹھی آزمانے کا موقع ملتا ہے۔ اس کے لیے سوبھراج کا اس کے قریب آنا ضروری تھا۔

جب تک وہ خود کو میری کلارک ثابت کرنے پر اڑی ہوئی تھی، اس کا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا، وجود میں بے چینی رچی ہوئی تھی اور ذہن ماؤف سا ہو رہا تھا۔ جونہی اس

نے ویرا بن کر سوبھراج کو اپنے جال میں پھانسنے کا ارادہ کیا' وہ خود کو توانا محسوس کرنے لگی اور بہت تیزی سے پرسکون ہوگئی۔

"تھوڑی دیر کے لیے فرض کرلو کہ میں میری نہیں' ویرا ہوں۔ ایسی صورت میں تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟" اس نے نہایت پرسکون لہجے میں سوبھراج سے پوچھا۔

"اب تم راہِ راست پر آئی ہو۔" وہ فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "ایسی صورت میں اگلا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میں تمہارے ساتھ کھیلوں گا۔"

"میں بھی کھیلوں کی شوقین ہوں۔ تم کو نت نئے تماشے دکھاؤں گی۔ تم مجھ سے اتنی دور کیوں بیٹھے ہو..."

میں نے تمہارا بہت شہرہ سنا تھا مگر تم اتنی حسین نہیں ہو۔" سوبھراج نے اس کی بات کاٹ کر کہا "میری حسین ترین لڑکیوں سے لمبی دوستیاں رہی ہیں۔ میں اتنا گیا گزرا نہیں ہوں کہ تمہارے ایک اشارے پر تمہارے پہلو سے لگ کر بیٹھ جاؤں۔ کھیل کے میرے اپنے طریقے اور اصول ہیں۔ میں اپنی مرضی سے کھیلتا ہوں۔ ابھی میں تم کو سیر کے لیے بھیجتا ہوں۔ اس سیر میں تم میری خاص مسہری بھی دیکھو گی جس کے نرم بستر کے نیچے' زنجیروں کے ساتھ ہلکی ہتھکڑی اور بیڑیاں کسی ہوئی ہیں۔"

"مجھے یہ سب سنا کر دہشت زدہ کرنے کی کوشش مت کرو۔ میں نے تم سے ایک مفروضہ بات کہی ہے میں ویرا نہیں ہوں۔"

"تمہارے کہنے سننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں اپنے شبہے کی تصدیق کروں گا۔ تم دنیا کی ہر بات کو جھٹلا سکتی ہو لیکن تمہارے فنگر پرنٹس جھوٹ نہیں بولیں گے۔ کسی بھی امریکی ایجنسی کا مقامی دفتر' کمپیوٹر پر موازنہ کرکے بتا دے گا کہ تم کون ہو۔ ان کے ریکارڈ میں تمہارے فنگر پرنٹس محفوظ ہیں۔"

سوبھراج کی وہ بات بہت وزنی تھی۔ گفتگو کرتے ہوئے وہ تیزی کے ساتھ سوچتا بھی جا رہا تھا۔ ویرا کی شخصیت کو بے نقاب کرنے کے حربے اسے ایک ایک کرکے سوجھ رہے تھے اور وہ انہیں اسی ترتیب سے پیش کرکے ویرا کو پریشان کر رہا تھا۔

اس نے اپنی پوری گفتگو میں کہیں بھی امریکی حمایت وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا لیکن فنگر پرنٹس والی بات ایسی تھی کہ اس میں امریکی ریکارڈ اور اعانت کا ذکر آنا ناگزیر تھا۔ ویرا کو علم تھا کہ سوبھراج کے ٹام اور نک سے کتنے گہرے مراسم تھے۔ سوبھراج کی فرمائش پر وہ آدھی رات کو بھی اس کے لیے کام کرنے پر کمربستہ ہوسکتے تھے۔

ویرا اپنے حریف کے پے در پے جارحانہ سوالات سے زچ آگئی تھی۔ اس کے پاس سوبھراج کے بیشتر سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اسے رہ رہ کر میری بات یاد آرہی تھی۔ اس نے وقت کی کمی کے باوجود کئی کام پورے کرلیے تھے لیکن اسے احساس ہو رہا تھا کہ سوبھراج جیسے چالاک اور خرانٹ مجرم کا سامنا کرنے کے لیے اس کا ہوم ورک مکمل نہیں تھا۔

اسے سوچنے سمجھنے کے لیے کچھ وقت درکار تھا۔ وہ سوبھراج کی ذات کے سحر سے آزاد ہو کر ہی کچھ سوچ سکتی تھی۔ اس کے لیے سوبھراج کی مجوزہ سیر بہت مناسب تھی۔

"فنگر پرنٹس لے کر اپنا یہ ارمان بھی پورا کرلینا۔ تمہیں ناکامی ہوگی۔ یہ بتاؤ کہ سیر کا آغاز کب ہوگا۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تمہاری ذہنی رو کدھر چلتی ہے۔" ویرا نے اس سے کہا۔

سوبھراج کی نظریں ویرا کے عقب میں لگی ہوئی دیوار گیر گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ ویرا نے جلدی سے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو پانچ بجنے میں چند منٹ باقی تھے اور سوبھراج کے لیے میری فون کال آنے میں صرف اتنے ہی منٹ باقی رہ گئے تھے۔

سوبھراج نے گھنٹی بجا کر لڑکے کو بلایا اور اس کے ذریعے سنیل کو فوری طور پر اپنے دفتر میں طلب کرلیا۔

سنیل اپنے کمرے میں شیر تھا۔ اپنے باس کے کمرے میں آیا تو بھیگی بلی بنا ہوا تھا۔ وہ ادب سے سینے پر ہاتھ باندھ کر میز کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

"میری کو تہ خانے کی سیر کرا لاؤ۔ زیادہ دیر لگانے کی ضرورت نہیں۔ بس دس پندرہ منٹ کافی ہیں۔" سوبھراج نے اسے ہدایات دی۔

ویرا کے بیگ سے ریوالور نکال لیا گیا تھا۔ اس میں کوئی خاص چیز نہیں رہی تھی۔ ویرا نے اسے وہیں میز پر چھوڑا اور سنیل کے ساتھ تہ خانے میں جانے کے لیے اٹھ گئی۔

☼☆☼

اول خان اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر ساڑھے چار بجے ہی ہمارے گھر پہنچ گیا تھا۔ سوبھراج سے پانچ بجے فون کرنے کی بات اسی کے سامنے ہوئی تھی۔ سوبھراج سے ہونے والی لفظ بہ لفظ گفتگو وہ اپنے کانوں سے سننا چاہتا تھا۔

"تمہارے باس نے تمہیں سوبھراج سے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ یہ گفتگو تمہارے لیے بے سود رہے گی۔" چائے نوشی کے دوران میں نے اسے چھیڑا۔

"اس وقت بھی میں سوبھراج سے بہت دور اور تمہارے نزدیک ہوں۔ میری موجودگی میں اگر تم اسے فون

کرتے ہو اور میں تم دونوں کی باتیں سن لیتا ہوں تو اس سے کوئی حکم عدولی نہیں ہوتی۔ باس نے مجھے تم سے دور رہنے کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی ہے۔"

"مخبری بھی ہو سکتی ہے کہ تم حکم مل جانے کے باوجود سوبھراج کے معاملے میں کافی دلچسپی لے رہے ہو!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مخبری کون کرے گا؟" غزالہ نے اپنی ٹانگ اڑا دی "میں، آپ یا سلطان شاہ!"

"احکام اپنی جگہ ہیں۔ میں ایس ٹی ایف کا افسر ہونے کے ساتھ ساتھ اول خان بھی ہوں۔ میری بھی کوئی شخصیت ہے، پسند ہے، ناپسند ہے۔ میں اس خبیث کے خلاف کچھ کرنے سے قاصر ہوں تو کم از کم تمہیں مشورہ تو دے سکتا ہوں۔ میں یہاں ہوتا تو شاید ویرا کو سمجھا بجھا کر ادھر جانے سے روک لیتا۔"

"وہ سمجھنے والی شے نہیں ہے۔" غزالہ نے سر جھٹک کر کہا "اس کے دماغ میں کوئی بات بیٹھ جائے تو اسے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

"وہ ضدی تو ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا "سوبھراج سفید پوش اور بارسوخ بدمعاش ہے۔ اسے ویرا پر ذرا بھی شک ہو گیا تو کوئی اس کی مدد نہیں کر سکے گا۔"

"دعا کرو کہ وہ پانچ بجے سے پہلے ہی انٹرویو سے فارغ ہو کر وہاں سے نکل جائے۔" غزالہ دعائیہ لہجے میں بولی "انٹرویو کے لیے ایک گھنٹا بہت ہوتا ہے۔"

"سلطان شاہ ڈرائیور بن کر اس کے ساتھ گیا ہے۔ ویرا کے ساتھ خدانخواستہ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو وہ خبر پہنچانے میں دیر نہیں لگائے گا۔" میں نے امید ظاہر کی "ہو سکتا ہے کہ ویرا وہاں سے فارغ ہو کر نکل چکی ہو اور تھوڑی دیر میں یہاں پہنچنے والی ہو۔"

"وہ یہاں سے گئی تو بات اتنی سنگین محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے جانے کے بعد میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے آنے لگے۔" غزالہ نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے بتایا۔

"آج کافی دنوں بعد مجھے غزالہ کے ساتھ گھر میں آزادی کے ساتھ ہنسنے بولنے کا موقع ملا تھا مگر ذرا سی دیر کے لیے بھی دھیان ادھر نہیں گیا۔ جب سے وہ دونوں گئے ہیں، ذہن مسلسل انہی کی طرف لگا ہوا ہے۔ اس کے آنے پر ہی یہ تناؤ ختم ہو گا۔"

"یہ بتاؤ کہ اس وقت تم اس سے کیا بات کرنے والے ہو!" اول خان نے یکایک بات کا رخ بدل دیا۔

"میں پہلے سے کیا کہہ سکتا ہوں۔ دیکھنا پڑے گا کہ وہ کیا کہتا ہے۔" میں نے کہا۔

"کاش اس سے بات ہونے سے پہلے ویرا گھر لوٹ آئے تو پھر اس سے ڈٹ کر بات کی جا سکے گی۔" غزالہ درمیان میں بول پڑی۔

"تھوڑی دیر کے لیے ویرا کو بھول جاؤ۔" اول خان نے بزرگانہ سختی سے کہا "راستہ لمبا ہے۔ اس طرف ٹریفک بھی گندا ہوتا ہے۔ اسے آنے میں دیر سویر ہو سکتی ہے۔"

"مجھے کیوں ڈانٹ رہے ہو۔ بات تو ان کو کرنی ہے۔" غزالہ نے میری طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"میں ڈانٹ نہیں رہا۔ سمجھا رہا ہوں کہ محض کچھ دیر کے لیے ویرا کو بھول کر ڈپٹی کو اپنا ذہن بنا لینا چاہیے۔"

"میرے ذہن میں ایک بنیادی بات موجود ہے۔ میں اس سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ وہ خود کو قانون کے حوالے کر کے اپنے جرائم کا اعتراف کر لے۔ اس کے سوا اس سے ہر بات کی جا سکتی ہے اور وہ میں ضرور کروں گا۔ اس وقت وہ سخت دباؤ میں ہے۔ میں اس سے کھل کر بات کروں گا۔"

باتوں میں وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ اس دوران میں میرے کان دروازے کی طرف لگے ہوئے تھے لیکن یوں ہی انتظار میں پانچ بج گئے اور میں نے فون پر سوبھراج کا سیٹ لائٹ نمبر ملانا شروع کر دیا۔

سوبھراج میری کال کا منتظر تھا۔ اس کی طرف سے پہلی گھنٹی پر ہی جواب مل گیا "تم وقت کے بہت پابند معلوم ہوتے ہو۔ یہ اچھی بات ہے۔"

"میں وقت اور زبان دونوں کا پابند ہوں۔ تمہارا راز میرے سینے میں دفن ہے ابھی تک کسی کو اس کی ہوا نہیں لگی۔" میں نے کہا۔

"یہ صرف تمہارا کمال نہیں ہے۔ اس میں میری خوبی کا بھی دخل ہے۔ میں کل سے اول خان کو بھولا ہوا ہوں لیکن تم نے سیتا کو مار کر اچھا نہیں کیا۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ اسے میں نے مارا ہے؟"

"شہر میں تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے سوا کون اس کے بارے میں جانتا تھا۔"

"میں نے خود تم کو اس کے بارے میں بتایا تھا۔ تم اس کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے کیونکہ اس نے تمہارے سارے راز میرے سامنے اگل دیے تھے۔ تم اس سے خار کھائے بیٹھے تھے۔ اسے مار کر اب اس کا خون میرے گلے میں ڈال رہے ہو۔"

"مجھے اس کتیا سے بدلہ لے کر خوشی ہوتی۔" اس کی آواز تلخ ہو گئی "لیکن میرے آدمی اسے تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس کی لاش کے قریب اس کے زیر

جامے کے ملنے سے میرا دھیان تمہاری طرف گیا تھا۔ یہ بات صرف تمہیں اور تمہارے ذریعے مجھے معلوم تھی کہ اس کی شناخت زیر جامے میں پوشیدہ ہے۔"

"اس بارے میں، میں خود فکرمند تھا۔ وہ زیر جامہ پہن کر گئی تھی۔ وہ میرے پاس چھوڑنے والی چیز نہیں تھی۔"

"شاید تم پھر میرے اعصاب کا امتحان لینا چاہ رہے ہو۔ کیا میں یہ سمجھ لوں کہ ہم دونوں کے سوا کوئی تیسری پارٹی بھی اس راز سے واقف ہو چکی تھی!"

"اگر تم مصر ہو کہ تمہارے ہاتھ صاف ہیں تو پھر یہی ایک نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔"

"تمہاری بہت سے لوگوں سے پرانی دشمنی چلی آ رہی ہے۔ تم نے اسے تاک کر اٹھایا تھا اس لیے اس سے سب کچھ اگلوانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ کسی اور کو بلاوجہ کوئی بات کیوں بتاتی۔"

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ اس نے کسی کو کچھ بتایا ہو گا۔"

"تم خود غور کرو۔ حالات تمہارے سامنے ہیں۔ اس کو مارنے والے کو یہ معلوم تھا کہ زیر جامے کے بغیر سیتا کی شناخت نہیں ہو سکے گی۔ زیر جامہ اس کے قتل کے بعد جائے واردات پر ڈالا گیا تھا۔ کوئی اور صورت ہوتی تو وہ اس کے بدن پر موجود ہوتا۔ شاید وہ پولیس کی زیادہ توجہ کا مرکز بھی نہ بنتا۔ وہ کسی اور کو آسانی سے یہ راز نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ سیتا کانت نامی بلیک کیٹ ہے۔ یہ موٹی سی بات تم خود بھی سمجھ سکتے ہو۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ تیسری پارٹی کون ہے۔"

"یہ تمہارا دردِ سر ہے۔ اس سے مجھے کوئی غرض نہیں۔ وہ میرے قبضے میں آئی، میں نے اس سے سب کچھ اگلوایا اور پھر اسے رہا کر دیا۔"

"میں یہ کیسے مان لوں کہ تم نے اسے رہا کر دیا ہو گا۔۔؟"

"سنو سوبھراج!" میں نے قدرے تلخی سے اس کی بات کاٹ دی "میں اس بارے میں تم کو جواب دینے کا پابند نہیں ہوں پھر بھی یہ بتا رہا ہوں کہ میری قید سے آزادی کے بعد اس نے تم کو کہیں سے فون کیا تھا اور اپنے پکڑے جانے کا قصہ گول کر دیا تھا۔ اس وقت وہ میری تحویل میں ہوتی تو تم سے کسی قسم کا رابطہ قائم نہیں کر سکتی تھی۔"

"تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ مجھے میدان میں دور دور تک کوئی تیسرا فریق نظر نہیں آتا۔"

"یہ تمہاری نگاہ کی کمزوری ہے۔" میں نے برجستہ کہا "ٹام اور نک تمہارے سامنے ہیں۔ اگر تم خود ان کو دیکھنا نہ چاہو تو اور بات ہے!"

"ٹام اور نک!" فون پر اس کی تحیر زدہ بے ساختہ آواز ابھری پھر اس نے فوراً ہی قلابازی کھائی "یہ کون ہیں؟"

"اب اتنے بھولے اور انجان نہ بنو!" اس کی مکاری پر میری آواز تلخ ہو گئی "تم ان ہی دونوں کے ایما پر کوبرا بنے ہوئے تھے۔" میں نے وہ بات بھی چھیڑ دی جو مجھے کرنل داور کے روپ میں معلوم ہوئی تھی۔

"اب تم نے بے سروپا باتیں شروع کر دی ہیں، میرے لیے یہ دونوں نام اجنبی ہیں۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

"کیا یہ غلط ہے کہ تم نے نک کے ایما پر اپنے کسی آدمی سے ارجن کو مروا دیا تھا۔" میں نے چبھتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"تم مجھے اپنی معلومات سے مرعوب کرنے کے چکر میں بہک رہے ہو۔ ارجن کو میں نے نہیں مروایا تھا۔ وہ میرا گہرا دوست تھا!"

"وہ تمہارا دوست ضرور تھا لیکن اس کے گلے پر چھری پھیرنے کا حکم تمہارا ہی تھا۔ تم اس بات کو مانو یا نہ مانو، میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔ تمہارے انکار سے حقائق نہیں بدل سکتے۔"

جب تک سیتا زندہ تھی، میری ساری توجہ اس کی ذات پر مرکوز تھی۔ میں جلد از جلد اس کے خاتمے کا خواہاں تھا اور وہ کام سوبھراج سے لینا چاہ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پچھلے روز سیتا کی ذات میری اور اس کی گفتگو کا محور بنی رہی تھی۔ میں نے اپنا سارا زورِ بیان یہ ثابت کرنے میں صرف کر دیا تھا کہ سوبھراج کے ذاتی رازوں کا انکشاف سیتا نے کیا تھا۔ میری اس کوشش کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا تھا۔ میں نے واقعات کی کڑیاں اس طرح ملائی تھیں کہ سوبھراج کے لیے میری باتوں پر اعتبار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ وہ سیتا کے لہو کا پیاسا ہو گیا تھا۔

یہ سوبھراج کے ستاروں کی گردش تھی کہ اس کے آدمی سیتا تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور ان کی طرف سے کوئی پیش رفت ہونے سے پہلے غزالہ نے اس مکار بلیک کیٹ کو جہنم واصل کر دیا۔ میں نے سیتا کے حوالے سے سوبھراج کو کئی ایسی باتیں باور کرا دی تھیں کہ سیتا کی موت پر اس کا تلملانا بجا اور قابلِ فہم تھا۔

سیتا کی ہلاکت سے سوبھراج کے لیے ایک اہم باب بند ہو گیا تھا۔ وہ سیتا سے بازپرس کر کے میری سنائی ہوئی کہانی کی تصدیق کرنے کا موقع کھو چکا تھا۔

اس وقت میرے لیے سیتا کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ چکی تھی۔ اس کے راستے سے ہٹ جانے کے بعد میری ساری توجہ ان حریفوں پر مرکوز ہو گئی تھی جو اس وقت زندہ تھے اور پوری مستعدی کے ساتھ اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔

"میں حیران ہوں کہ کون تم کو میرے خلاف ورغلا رہا ہے۔" سوبھراج کہہ رہا تھا "چلو' میں نے مان لیا کہ سیتا نے تمہیں میرا سیٹ لائٹ فون نمبر دیا۔ اس نے تمہیں یہ بھی بتا دیا کہ اس نے ہوٹل کے ایک کمرے میں کوبرا سے ملنے کے بعد' چھپ کر اس کمرے کی نگرانی کی تو اس نے وہاں سے حشمت کو برآمد ہوتے دیکھا۔ جس کی ناک کی بناوٹ میری ناک کی طرح تھی۔ سیتا کے مارے جانے کے بعد میرے پاس تمہارے ان دعوؤں کی تائید یا تردید حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ اب تم نئی باتیں کررہے ہو۔ یہ تمہارے کانوں میں کون پھونک رہا ہے۔"

"میں اپنے حریفوں کے خلاف پوری توجہ مرکوز کر کے کام کرتا ہوں اور اس کا نتیجہ سامنے آتا ہے۔ سیتا پر تمہیں حد سے زیادہ اعتماد تھا۔ تمہاری وہ خوش فہمی دور کرنے کے لیے میں نے تمہیں بتادیا کہ تمہاری ذات کو تمہاری اس چہیتی بلیک کیٹ نے بے نقاب کیا ہے۔ اب مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا کہ میں تمہیں اپنی معلومات کے ہر ذریعے کے بارے میں بتا دوں گا۔ تم سفاک آدمی ہو۔ سیتا کو مار سکتے ہو تو منہ بند کرنے کے لیے دوسروں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرسکتے ہو۔"

"تم پھر سیتا کے قتل کا الزام میرے سر تھوپ رہے ہو۔ میں نے اسے مارا ہوتا تو اس کی لاش کو بے نام و نشان رہنے دیتا۔ مجھے زیر جامہ وہاں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اپنی ضرورتوں کو تم خود سمجھتے ہو۔ مجھے اس بارے میں مغز سوزی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"مجھے ایسا نظر آرہا ہے جیسے تمہارے لیے اب دنیا میں دوسرا کوئی کام باقی نہیں رہا۔ تم ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔"

"تم ٹھیک سمجھ رہے ہو۔ میں جس کے خلاف کام کرتا ہوں' اس پر اپنی پوری توجہ مرکوز کردیتا ہوں۔ یہ بات میں ابھی تم کو بتا چکا ہوں۔"

"تم خاک کوئی کام نہیں کررہے۔ تم مجھے بدنام کرنے کی کوششیں کررہے ہو۔"

"آج تم عزت دار بنے ہوئے ہو۔ تمہارا ماضی قابلِ فخر نہیں تھا۔"

"ماضی میں مت جاؤ۔ آج کی بات کرو۔ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو میں تمہیں تمہارے حمایتیوں اسمیت' چیونٹیوں کی طرح مسل دوں گا۔"

"کوشش کرکے دیکھ لو۔ کل میں نے بلاوجہ تم سے سمجھوتا کیا۔ اول خان شیر نر ہے۔ تم چاہو تو اس پر بھی اپنا اقتدار آزما سکتے ہو۔ وہ تمہیں منہ توڑ جواب دے گا۔"

"کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم کل کا سمجھوتا ختم کررہے ہو؟" اس کی تیز آواز آئی۔

"بعض اوقات تم بہت زیادہ سمجھ داری کا مظاہرہ کرنے لگتے ہو۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اب تم اپنی زبان بند نہیں رکھو گے۔ میرے خلاف زہر پھیلاؤ گے۔" اس کی آواز میں چیلنج تھا۔

"میں ایسی گھٹیا حرکتیں نہیں کرتا۔ میں صرف ان حقائق کو سامنے لے آؤں گا۔ جو ابھی تک میرے سینے میں دفن ہیں۔"

"تمہیں یہی کرنا تھا تو تم نے کل مجھ سے سودے بازی کیوں کی تھی؟" اس نے ترش لہجے میں پوچھا۔

"میں اسے کیا بتاتا کہ اس وقت سیتا کا خاتمہ میری ترجیحات میں سرفہرست تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہم میں سے کوئی اتنی آسانی سے سیتا کو مار لے گا۔ پچھلے روز سوبھراج سے بات کرتے ہوئے میرے ذہن میں صرف ایک بات سمائی ہوئی تھی کہ سیتا سے اپنے قریبی رابطے کی وجہ سے وہ اسے تلاش کرنے اور قرار واقعی انجام تک پہنچانے کے سلسلے میں سب سے زیادہ موزوں شخص تھا۔ سوبھراج وہ کام سرانجام دے لیتا تو پھر اس سے آگے کی بات کی جاسکتی تھی۔

"وہ کل کی بات تھی جس پر میں اب تک کاربند تھا۔ اب میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ وہ سمجھوتا ختم ہوگیا۔ تم اپنی کھال بچانے کی تیاری کرو۔"

"اور میں بھی کھلے ہاتھوں سے اپنا وار کر گزروں۔ سمجھ لو کہ میرا پہلا اور آسان ترین نشانہ اول خان ہی ہوگا۔"

"وہ میری اپنی تجویز تھی جو اول خان کو سرے سے پسند نہیں آئی۔ وہ ان گیدڑ بھبکیوں سے ڈرنے والا ہوتا تو کبھی کا

غلط فہمی

سجاد صاحب کی ملاقات کافی عرصے بعد رشید صاحب سے ہوئی تو وہ رشید صاحب کو ایک دفتر میں نوکری کرتے دیکھ کر حیرت سے بولے "آپ نوکری کررہے ہیں؟ آپ نے تو بڑی دھوم دھام سے بزنس شروع کیا تھا اور آپ کی باتوں سے لگتا تھا کہ آپ تو پیدائشی بزنس مین ہیں......!"

رشید صاحب ٹھنڈی سانس لے کر بولے "آپ کو بھی میرے بارے میں وہی غلط فہمی ہوگئی جو مجھے خود اپنے بارے میں تھی۔"

گوشہ نشین ہو چکا ہوتا۔"

"وہ گوشہ نشین تو کیا ہوگا' اب میں اسے پیوند زمین ہی کروں گا۔ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔" وہ غرایا "ابھی تم نک اور ٹام کے بارے میں کیا بک رہے تھے۔"

میں اس کی کیفیت کا اندازہ کر کے دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ وہ مجھے ڈرا دھمکا کر خاموش رکھنے کی کوششوں میں ناکام ہونے کے بعد دوبارہ اپنی سلامتی کے لیے متفکر ہو گیا تھا۔ بات اول خان کی ہو رہی تھی لیکن وہ یکایک ٹام اور نک کو درمیان میں لے آیا تھا۔

"اپنی تصحیح کر لو۔ میں بک نہیں رہا تھا بلکہ فرما رہا تھا کہ تمہارے اور ان کے گٹھ جوڑ کے بارے میں مجھے بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"

"تمہارا یہ دعویٰ مجھے متاثر نہیں کر سکا۔ کچھ جانتے ہو تو ذرا مجھے بھی بتاؤ۔"

میں نے فوری طور پر سوچا۔ میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے روپ میں نک سے بہت کچھ اگلوا چکا تھا۔ میرے اور اس کے ٹیلی فونک مراسم ایک ایسے موڑ پر پہنچ گئے تھے کہ ان میں آئندہ بہتری کے کوئی آثار نہیں تھے۔ ہر اعتبار سے خرابی اور تلخی ہی پیدا ہوئی تھی۔ اگر سوبھراج کے ذریعے اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ اس کے اور کرنل داور کے درمیان ہونے والی بعض باتیں ڈینی نے سوبھراج کو بتائی ہیں تو اس سے مزید کوئی بڑا بگاڑ پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

"وہ صورت حال کا حقیقی تجزیہ تھا پھر بھی میں نے محتاط رہتے ہوئے کہا "میں دو باتیں جانتا ہوں۔ تمہاری ان دونوں سے ملی بھگت ہے اور ارجن کو تم نے مروایا تھا۔"

"ابھی ذرا سی دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ میں نے نک کے ایما پر ارجن کو مروایا تھا۔" اس کی تجسس آمیز آواز آئی۔

"میں نے بالکل کہا تھا اور اب بھی اپنی اس بات پر قائم ہوں۔"

"تم کو معلوم ہے کہ وہ دونوں ذمہ دار غیر ملکی افسر ہیں اور انہیں پاکستان میں سفارتی تحفظ حاصل ہے!"

"ابھی تم ان کو جاننے سے منکر تھے۔ اب ان کی وکالت کر رہے ہو۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ تمہارا حافظہ کام کرنے لگا ہے۔"

"ان کے بارے میں بے بنیاد افواہیں پھیلا کر تم ایک سنگین جرم کے مرتکب ہو رہے ہو۔"

"تمہیں کچھ بتانے کو افواہیں پھیلانے کے زمرے میں شمار نہیں کیا جا سکتا لیکن تم نہیں بچ سکو گے۔ تمہارے خلاف فرد جرم طویل ہوتی جا رہی ہے۔"

"ڈینی! تم ننگ آدمی ہو۔ تمہاری کوئی عزت اور ساکھ

کالے دھندوں میں ہاتھ ڈالا تھا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو' بکواس کر رہے ہو۔ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔" اس کی مضطربانہ آواز آئی۔

"اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا۔ میرے لیے تمہارے یہ سب الفاظ بے وقعت ہیں۔"

"سمجھ لو!" اس کی آواز معنی خیز ہو گئی "میرے ہاتھ خالی نہیں ہیں۔ اس وقت بھی میں تمہاری شہ رگ دبا سکتا ہوں۔"

اس کا لب و لہجہ یکایک بدل گیا تھا۔ میں اندرونی ہیجان میں مبتلا ہو گیا۔ سوبھراج کے لہجے کی اس تبدیلی پر حیرت سے اول خان کا دہانہ بھی کھل گیا تھا۔

"دبا سکتے ہو تو دبا دو۔ تمہیں اس کی پوری اجازت ہے!" میں نے پرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"لو' پھر مس میری کلارک سے بات کرو۔ وہ تمہیں میری بات کا پورا مفہوم سمجھا دے گی۔" اس کی دھیمی' غراتی ہوئی اور فاتحانہ آواز ابھری۔

قدرے سکوت کے بعد سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون سے مجھے ویرا کی کمزور اور پریشان آواز سنائی دی اور میرا دل اچھل کر گویا حلق میں آ گیا۔ ایک گھنٹے سے زیادہ وقت راج محل میں گزارنے کے باوجود وہ وہیں پھنسی ہوئی تھی اور سوبھراج اس سے میری بات کروا رہا تھا۔ یہ اچھی علامتیں نہیں تھیں۔

نہیں ہے اس لیے تم مجھے کھلے مقابلے کی دھمکیاں دے رہے ہو۔ میں عزت دار آدمی ہوں۔ اپنی ساکھ اور عزت سے ڈرتا ہوں۔ اسے میری کمزوری مت سمجھو۔ میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں..."

"تمہارے ہاتھ صاف ہیں تو تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "میں نے کوئی جھوٹا الزام لگایا تو عدالت تم کو باعزت بری کر دے گی۔"

"بے ننگ و نام اور عزت دار آدمی میں یہی فرق ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ میرے خلاف کوئی اسکینڈل بن گیا تو اخباروں میں جلی سرخیاں لگ جائیں گی۔ میں بدنام ہو جاؤں گا۔ عدالت برسوں بعد مجھے بری کرے گی تو اس کی چھوٹی خبر کسی بڑی خبر میں دب جائے گی۔ بدنامی کا داغ عمر بھر میرا پیچھا کرتا رہے گا۔"

"یہ سب تمہیں اس وقت سوچنا چاہیے تھا جب تم نے

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کوآنگ فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا‘ ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آئے یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہمارے علم میں آیا کہ دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کا کرنل اٹل بسواس پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف جس کی سرکوبی کے لیے بھارت کا سفر ناگزیر تھا۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر لال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ ڈیزی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ امریکن قونصلیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا جس میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل دلدار کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آگیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو کیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کرکے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر نقد جاں ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا‘ چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ اول کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہو چکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چھاپہ مارا کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھالیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ڈی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آگئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھادی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کرکے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوگئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہرجانے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کردیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر بیم گن استعمال کی تو اول خان کو نکتہ مل گیا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پراسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب مجھے جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی میں نے گولڈن فارمیسی میں بیٹھ کر دشمنوں کی راہ دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان شاہ نے مجھے بتائے بغیر میری حفاظت کا ذمہ لیا اور گولڈن فارمیسی کے اطراف میں پہنچ گیا۔ جہاں اس کا ٹکراؤ ایک مشکوک سیاہ فام امریکی سے ہوا جس میں الجھ کر جان بچانے کے لیے اس امریکی نے بیم گن استعمال کی اور ایک بے گناہ راہ گیر کا بازو کٹ گیا۔ وہ امریکی گولڈن فارمیسی میں ہی آیا تھا اور میں بھی اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔ میں اس مورچے پر تھا اور وہیں جہانگیر سمجھ کر آئی مین نے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اس نے بتایا کہ وہ شی کے احیا کے لیے اس علاقے میں آیا ہے۔ اور اب جہانگیر اور دوسرے تمام کارکنوں کو اکٹھا کر رہا ہے۔ گفتگو کے دوران میں‘ میں نے جہانگیر کی حیثیت سے اس سے روبرو ملاقات کرنے کی رضامندی حاصل کرلی جو ان حالات میں بڑی کامیابی تھی مگر اس نے ملاقات کی منصوبہ بندی اس طرح کی کہ مجھے ایک لمحے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ اس کا فرستادہ دکان میں موجود تھا اور میں تاریک کیبن میں آئی مین سے ٹیلی فون پر گفتگو میں مصروف تھا۔ اس نے مجھے فوری طور پر اپنے ہرکارے کے ذریعے طلب کیا تھا۔ چاروناچار مجھے اس ہدایت پر عمل کرنا پڑا۔ ایس ٹی ایف اور اول خان میرے نگراں تھے ان کی جلد بازی کے باعث آئی مین مجھ سے اچٹ گیا تاہم اس سے قبل وہ مجھے سلور آئی کا دیدار کرا چکا تھا۔ ہم آئی مین کے پیچھے تھے۔ اسی وقت ہمیں معلوم ہوا کہ وہ بوٹ بیسن میں واقع فالکن ہاؤس میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے فوری طور پر وہاں دھاوا بولنے کا ارادہ کرلیا۔ ہم ان تیاریوں میں تھے جب جلال نے بتایا کہ سیاہ فام امریکی سفارت کار جیک اسمتھ بھی فالکن ہاؤس میں امریکی کمانڈوز کے ساتھ موجود ہے۔ وہ از خود کوئی کارروائی نہیں کرسکتا تھا اس لیے اس نے ایس ٹی ایف کے جاں بازوں کی مدد سے وہاں کارروائی کرڈالی۔ مقابلہ بھرپور انداز میں ہوا جس میں دو امریکی کمانڈوز اور سیاہ فام جیک اسمتھ کام آگئے جبکہ آئی مین کے ساتھ رہنے والی مشکوک امریکی عورت اور ایک مقامی چوکیدار ہمیں زندہ حالت میں مل گئے۔ آئی مین فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جیک اسمتھ میری بیم گن کا نشانہ ہوا تھا مگر میں نے کوشش کی کہ اس کا الزام آئی مین پر آئے۔ ہم اپنی مہم کی ناکامی اور کامیابی کے بارے میں سوچ رہے تھے جب اول خان نے اطلاع دی کہ گولڈن فارمیسی کو نامعلوم افراد نے نذر آتش کردیا ہے۔ آئی مین کی طرف سے اس قدر برق رفتاری اور سفاکی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ بہرحال بوٹ بیسن سے قیدی کے طور پر ہاتھ آنے والی کیلی بائرن سے پوچھ گچھ شروع ہوئی تو اس نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیے اور اس کی نشان دہی پر آئی بی نے بوٹ بیسن کے بنگلے سے کیلی بائرن اور آئی مین کے پاسپورٹ برآمد کرلیے جس کے مطابق اس کا نام بن ڈیوڈ تھا۔ وہ بن ڈیوڈ کی سرگرمیوں کے بارے میں زیادہ باخبر نہیں تھی ا اپنے پاس رکھ کر کھٹ راگ پالنے سے بہتر تھا کہ اسے امریکیوں کو واپس کردیا جاتا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہمارا اندازہ تھا کہ بن ڈیوڈ امریکی قونصلیٹ میں روپوش تھا مگر وہ زیادہ عرصہ وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ قونصلیٹ والے اسے جلدی ہی کہیں منتقل کرنے پر مجبور ہونے والے تھے۔ ہم نے وہاں کی نگرانی سخت کردی۔ پہلی ہی رات انتہائی غیر معمولی حالات میں بکتر بند گاڑیاں قونصلیٹ سے برآمد ہوئیں اور کلفٹن کی طرف روانہ ہوگئیں۔ اول خان ان کے تعاقب میں تھا۔ بعد میں‘ میں اور ویرا بھی اس کے ساتھ ہوگئے۔ بکتر بند گاڑیاں ایک وسیع و عریض بنگلے میں تھوڑی دیر ٹھہر کر واپس چلی گئیں۔ اس بنگلے میں داخلے کے بعد علم ہوا کہ وہ ایک امریکی معیشت دان رہائش پذیر تھا۔ پہلے تو اس نے عدم تعاون کا مظاہرہ کیا مگر جلد ہی راہ راست پر آگیا۔ ہمیں معلوم ہوگیا کہ بن ڈیوڈ ان بکتر بند گاڑیوں میں وہاں آیا تھا مگر شاید چھٹی حس کے اشارے پر رکا نہیں تھا البتہ کیلی بائرن ہمیں وہاں سے مل گئی۔ ان دونوں کے بیان کے مطابق بن ڈیوڈ کراچی کے کسی سی نائین عمارت میں موجود ہو سکتا تھا۔ اس دوران میں ”را“ کے پکڑے گئے ایجنٹوں سے تفتیش سے علم ہوا کہ ان سب کی ڈوریاں بن کے ہاتھوں میں تھیں اور وہ ایک ٹرانسیٹر پر ان کو احکامات جاری کیا کرتا تھا۔ ہماری خوش قسمتی سے ہمیں ایک ایجنٹ کا ٹرانسیٹر بھی مل گیا۔ اس پر سنی جانے والی گفتگو نہایت خوف ناک تھی۔ بن قتل و غارت گری اور سفاکانہ دہشت کے ذریعے شہری نظام کو تلپٹ کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے اپنے طور پر اس کی روک تھام کے اقدامات کرلیے تھے۔ ان تمام تفصیلات سے غزالہ‘ ویرا اور سلطان شاہ لاعلم تھے میں انہیں یہی بتانے والا تھا جب اول خان زخمی حالت میں ہمارے گھر پہنچا۔ وہ کسی ان جانے دشمن کی گولی کا شکار ہوا تھا۔ بن کے ٹرانسیٹر کے ذریعے ہمیں علم ہو چکا تھا کہ را کے ایجنٹ ہر شام ایک مخصوص مقام پر ملاقات کرتے ہیں۔ ہم نے وجے کی مدد سے بقیہ ایجنٹوں کو پکڑنے کا پروگرام بنایا مگر ان میں سے ایک کو وجے پر شک ہوگیا اور اس نے اپنے ساتھ وجے کو بھی بم دھماکے میں مار ڈالا۔ اسی دوران ہمیں اطلاع ملی کہ ان اور ویرا کی سرکوبی کے لیے انڈین بلیک کیٹ پاکستان میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ شاید اول خان کو زخمی کرنے والے بلیک کیٹ ہی ہوسکتے ہیں۔ بن ہماری رسائی سے دور تھا اور را کے دونوں ایجنٹ دے چکے ہوئے تھے۔ بن ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انہیں ٹرانسیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی نائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی نائن پر دھاوا بولا اور ایک جاں گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے خود ہی اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کرلیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کے ہم سب کو چوکنا کردیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک باروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیزی کے خلاف ہوگیا ہوں۔ اس نے میرے جھانسے میں آکر مقامی ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں ٹپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر کے مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان نامی ایک مشکوک شخص تواتر کے ساتھ ہوٹل میں قیام کرتا رہا تھا اور اس وقت بھی ہوٹل میں موجود تھا۔ میں نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ بعد کی تحقیق نے ثابت کیا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں تل والی مشکوک لڑکی سلمیٰ سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کردیا۔ اس حلیے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہوگئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہوسکتی تھی۔ اسی اثنا میں نک باروے نے تصدیق کردی کہ ڈیزی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں ہے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کرلیا۔ ان میں سے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کی فرضی رضاکارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کرلیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہوگی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہتلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا تھا۔ غزالہ سلمیٰ کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کرسکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہوگیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا ناکافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو وہ مجھے مغلظات کے ساتھ دھمکیاں دینے لگا۔ ”ڈینی! تم ننگ آدمی ہو۔ تمہاری کوئی عزت اور ساکھ نہیں ہے اس لیے تم مجھے کھلے مقابلے کی دھمکیاں دے رہے ہو۔ میں عزت دار آدمی ہوں۔ اپنی ساکھ اور عزت سے ڈرتا ہوں۔ اسے میری کمزوری مت سمجھو۔ میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں...“

"تمہارے ہاتھ صاف ہیں تو تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "میں نے کوئی جھوٹا الزام لگایا تو عدالت تم کو باعزت بری کردے گی۔"

"بے ننگ و نام اور عزت دار آدمی میں یہی فرق ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ میرے خلاف کوئی اسکینڈل بن گیا تو اخباروں میں جلی سرخیاں لگ جائیں گی۔ میں بدنام ہوجاؤں گا۔ عدالت برسوں بعد مجھے بری کرے گی تو اس کی چھوٹی خبر کسی بڑی خبر میں دب جائے گی۔ بدنامی کا داغ عمر بھر میرا پیچھا کرتا رہے گا۔"

"یہ سب تمہیں اس وقت سوچنا چاہیے تھا جب تم نے کالے دھندوں میں ہاتھ ڈالا تھا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو، بکواس کررہے ہو۔ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔" اس کی مضطربانہ آواز آئی۔

"اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا۔ میرے لیے تمہارے یہ سب الفاظ بے وقعت ہیں۔"

"سمجھ لو!" اس کی آواز معنی خیز ہوگئی "میرے ہاتھ خالی نہیں ہیں۔ اس وقت بھی میں تمہاری شہ رگ دبا سکتا ہوں۔"

اس کا لب ولہجہ یکایک بدل گیا تھا۔ میں اندرونی ہیجان میں مبتلا ہوگیا۔ سوبھراج کے لہجے کی اس تبدیلی پر حیرت سے اول خان کا دہانہ بھی کھل گیا تھا۔

"دبا سکتے ہو تو دبا دو۔ تمہیں اس کی پوری اجازت ہے!" میں نے پرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تو، پھر مس میری کلارک سے بات کرو۔ وہ تمہیں میری بات کا پورا مفہوم سمجھا دے گی۔" اس کی دھیمی، غراتی ہوئی اور فاتحانہ آواز ابھری۔

قدرے سکوت کے بعد سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون سے مجھے ویرا کی کمزور اور پریشان آواز سنائی دی اور میرا دل اچھل کر گویا حلق میں آگیا۔ ایک گھنٹے سے زیادہ وقت راج محل میں گزارنے کے باوجود وہ وہیں پھنسی ہوئی تھی اور سوبھراج اس سے میری بات کروا رہا تھا۔ یہ اچھی علامتیں نہیں تھیں۔

اب آپ باقی واقعات ملاحظہ فرمائیں

"تم کون ہو.... سوبھراج تم سے میری بات کیوں کرانا چاہ رہا ہے؟" ویرا کی وہ کمزور اور شکست خوردہ آواز مجھے کسی گہرے کنویں کی تہ سے آتی ہوئی محسوس ہوئی اور لمحہ بھر کے لیے میرا ذہن سن ہو کر رہ گیا۔

وقت کی روانی میں بہہ کر میں ہر منفی امکان کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ اپنے ڈرائنگ روم کی دوستانہ فضا میں اول خان سے باتیں کرتے ہوئے میں نے یک طرفہ طور پر یہ فرض کرلیا تھا کہ ویرا راج محل کی چاردیواری میں سوبھراج کے ساتھ طے شدہ وقت پورے سکون اور عافیت سے گزار کر وہاں سے نکل چکی ہوگی مگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوسکا تھا۔

میں نے ٹھیک پانچ بجے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا نمبر ملایا تھا۔ اس سے میں کافی دیر سے بات کر رہا تھا اور ویرا پھر بھی وہاں موجود تھی۔ وہ آثار اچھے نہیں تھے۔ سوبھراج کا بدلا ہوا مطلب لب ولہجہ یہ بتا رہا تھا کہ اسے ویرا پر شک ہو چکا تھا۔

اس نے ویرا کو مس میری کلارک کے نام سے فون پر بلایا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت تک سوبھراج کا شبہ یقین میں نہیں بدل سکا تھا۔ دوسری حوصلہ افزا بات یہ تھی کہ ویرا مجھ سے انگریزی میں مخاطب ہوئی تھی۔ ابتدائی جھٹکے کے بعد میرے دل میں امید کا پہلا کنول کھل اٹھا۔ ویرا مشکل میں ضرور تھی لیکن اس کا پول نہیں کھلا تھا۔

"ویرا.... ! میں ڈینی ہوں۔ کیا بات ہے.... کیا تم پھنس گئی ہو؟ صرف ہاں یا نہ میں جواب دو!" میں نے پرتجسس اور سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.... !" اس نے کمال ہوشیاری سے میرے سوال کا جواب دے کر یکایک بات بدل دی "میرا نام میری کلارک ہی ہے۔ میں تم کو نہیں جانتی۔"

"نکلنے کی کوئی امید نظر آتی ہے؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"نہیں.... میں نے کہہ دیا نا کہ میں تم کو نہیں جانتی...."

ویرا کی بات ادھوری رہ گئی۔ سوبھراج نے اچانک اس سے فون چھین لیا تھا۔ لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس کی غراتی ہوئی آواز میرے کان میں گونجی "تم دونوں پکے بدمعاش ہو۔ میں تمہیں اس کی آواز سنوا کر یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اب وہ میرے قبضے میں ہے۔ تم نے ذرا سی بھی حماقت کی تو اس لڑکی کا حشر خراب کردیا جائے گا۔"

"تم نے فون اسے دیا تھا تو مجھے اس سے ایک آدھ منٹ بات تو کرلینے دیتے!" میں نے اس کی دھمکی کو نظرانداز

کرتے ہوئے، بے تکلفی سے کہا۔

”میں صرف اس کی بات سن رہا تھا۔ پتا نہیں تم اس سے کیا پوچھ رہے تھے۔ وہ تمہیں ہاں اور نہیں میں جواب دے رہی تھی۔ یہ سارے گر میرے آزمائے ہوئے ہیں۔ میں تم دونوں کو اپنے خلاف کوئی نئی سازش کرنے کا موقع نہیں دے سکتا۔“

”میں اس سے کسی قسم کے رازونیاز کی باتیں نہیں کر رہا تھا۔ میں حیران تھا کہ میں میری کلارک سے ناواقف ہوں تو وہ مجھے کیسے جانتی ہے۔ اس نے صرف میرے سوال کا جواب دیا تھا کہ وہ بھی مجھے نہیں جانتی۔ پہلی بار اس نے اپنے نام کی تصدیق کی تھی۔ تم بلاوجہ شک و شبے میں پڑ رہے ہو۔“

”تم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو تو اس سے بات کرنے کے لیے کیوں مرے جا رہے ہو؟“ اس کی غراہٹ سنائی دی۔

”خوش شکل اور اجنبی لڑکیوں سے باتیں کر کے خوش ہونا میری ہابی ہے۔“ میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔

”خوب! اس کی آواز زہریلی ہو گئی ”تو تمہیں فون پر یہ بھی نظر آ گیا کہ وہ خوش شکل ہے!“

”اس کے انگریزی لب و لہجے سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ امریکی ہے۔ امریکی لڑکیاں عام طور پر خوش شکل اور دراز قامت ہوتی ہیں۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔“

”مجھے زیادہ گھنے کی کوشش مت کرو۔“ وہ یقیناً غصے میں دہاڑا تھا ”یہ الو کی پٹھی میری کلارک نہیں، ویرا ہے.... ویرا لائیڈ۔ ابھی یہ تہ خانہ صرف دیکھ کر آئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہاں میرے ذاتی تجربے کا نشانہ بن گئی تو اس کی اردو میں چیخیں نکلیں گی۔ یہ ساری امریکی انگریزی بھول جائے گی۔“

”چیخوں کی کوئی زبان نہیں ہوتی پیارے سوبھراج۔ یہ تمہارے ذہن میں رچی ہوئی بے بسی کا کمال ہے کہ تم نے چیخوں کی بھی زبان ایجاد کر لی۔ یہ اچھا ہوا کہ تم نے کھل کر اپنے عزائم کا اظہار کر دیا۔ میں ابھی پولیس ایمرجنسی کو فون کرتا ہوں۔ ان کی بھاری نفری تمہارے راج محل کی دیواروں میں محبوس لڑکی کو برآمد کر کے تمہیں پکڑ لے گی۔“

”پولیس راج محل کا رخ نہیں کر سکتی۔“ اس کی پُرغرور آواز سنائی دی ”ان کے تین مسلح سپاہی دن رات میرے گھر کی حفاظت پر مامور ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ میں نے انہیں چھوٹ دی ہوئی ہے اور وہ دن بھر میرے سرونٹ کوارٹر میں پڑے اینڈتے رہتے ہیں۔ پولیس والوں کے لیے میرے راج محل کا نام بہت بھاری ہے۔ ویرا تہ خانے میں میرے ساتھ ہو گی تو اس کی آوازیں باہر نہیں آئیں گی۔ پورا تہ خانہ ساؤنڈ پروف ہے۔ میں دیکھوں گا کہ وہ کتنی دیر تک اردو بھولی رہتی ہے۔ پولیس اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے گی۔“

اس نے کھلی کھلی باتیں کر کے میری ہر خوش فہمی رفع کر دی تھی۔ اسے ویرا پر شبہ ہو چکا تھا اور اس نے اپنے شبے کی تصدیق کے لیے سب کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ویرا شاید اپنی اداکاری پر اڑی ہوئی تھی اسی لیے سوبھراج نے اسے طنزیہ انداز میں میری کلارک کے مفروضہ نام سے متعارف کرا کے فون پر بلایا تھا۔

وہ صورتِ حال بہت سنگین تھی۔ ویرا نے سوبھراج کو پھانسنے کے لیے جو چال چلی تھی وہ اسی پر الٹ گئی تھی۔ وہ راج محل کی وسیع و عریض عمارت میں اپنے دشمنوں کی بھیڑ میں بالکل تنہا اور بے سہارا تھی۔ اس کی کوئی بھی مزاحمت زیادہ دیر تک اس کے کام نہیں آ سکتی تھی۔

مجھے معلوم تھا کہ ویرا کے پاس ایک ریوالور اور دو انگوٹھیوں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ ریوالور زیادہ دیر تک ویرا کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ اس پر شبہ ہو جانے کے بعد سوبھراج نے یقینی طور پر جامہ تلاشی لے کر ریوالور اپنے قبضے میں لے لیا ہو گا۔ ویرا اگر اس پر کسی کھوکھلے نگینے کا زہر استعمال کر ڈالتی تو سوبھراج کو ضرور نقصان پہنچتا لیکن اس عمل سے ویرا کو کوئی فائدہ پہنچنے کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔

مختلف ذرائع سے ملنے والی معلومات سے یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ راج محل میں سوبھراج کے اہل خانہ کے علاوہ اس کے حواریوں کی بھی ایک فوج موجود رہتی تھی۔ یہ سمجھنے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ سب چھٹے ہوئے شورہ پشت اور لڑاکا بدمعاش رہے ہوں گے۔ ویرا، سوبھراج کو کسی انگوٹھی کے استعمال کے ذریعے ہلاک یا بے ہوش کر سکتی تھی لیکن اس کے بعد دوسروں کے چنگل سے بچ نکلنا اس کے لیے ممکن نہ ہوتا۔ ویرا کے ہاتھوں بننے والی سوبھراج کی درگت دیکھ کر وہ لوگ آپے سے باہر ہو سکتے تھے۔ میں دور بیٹھ کر ان امکانات کے بارے میں فکرمند تھا تو ویرا راج محل میں ان حقائق سے ایک لمحے کے لیے بھی چشم پوشی نہیں کر سکتی تھی۔

کہنے کو میں نے اضطراری انداز میں اسے پولیس کی مداخلت کی دھمکی دے دی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ سوبھراج ایک سیاسی کردار تھا۔ سیاست کے گندے کھیل میں اس نے

ایک اہم مقام حاصل کرلیا تھا جس کے نتیجے میں اسے بہت سی آزادیاں اور مراعات بھی ملی ہوئی تھیں۔ جہاں جاتے ہوئے دوسروں کے پر جلتے تھے وہاں پولیس کیسے پھٹک سکتی تھی۔

"سوبھراج! میں نے پولیس کا نام محض ایک علامت کے طور پر لیا تھا۔ میں قانون کی حفاظت کرنے والے ہر شہری کو پولیس مین تصور کرتا ہوں...."

سوبھراج کے قہقہے سے میری بات ادھوری رہ گئی۔ وہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہہ رہا تھا "پھر تو میں سب سے بڑا پولیس مین ہوں۔ میں نے ایک ایسی لونڈیا کو پکڑا ہے جو جعلی نام سے ایک بہروپ دھار کر میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے آئی تھی۔"

"تمہیں اس پر شبہ ہے تو تم اسے اپنی شکایت کے ساتھ پولیس کے حوالے کردو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"جب تم ایسے جانتے ہی نہیں تو پھر اس کے لیے فکر مند کیوں ہو۔ ہر فاتح مرد کو مفتوحہ عورتوں کے ساتھ من مانا سلوک کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔"

"یہ جنگل کا قانون یہاں نہیں چلے گا۔ میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" میں نے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔

"ضرور دیکھنا اور ذرا دوربین سے دیکھنا۔ مجھے تمہاری بینائی کمزور معلوم ہوتی ہے۔" اس کی آواز سے پریشانی رفع ہو چکی تھی اور وہ مسلسل مجھ پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہا تھا "میں نے کہا تھا کہ میں اس وقت بھی تمہاری شہ رگ دبا سکتا ہوں...."

"میری کلارک کو تم میری شہ رگ سمجھ کر خوش ہو رہے ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"اس بارے میں بلاوجہ مجھ سے بحث مت کرو۔ یہ فیصلہ آج رات تک ہو جائے گا۔ امریکی ایجنسیوں کے پاس ویرا لائیڈ کے فنگر پرنٹس موجود ہیں۔ وہ ذرا سی دیر میں بتادیں گے کہ میری کے روپ میں کون چھپا ہوا ہے۔ ان سے تصدیق کرانے سے پہلے میں اس لڑکی پر اپنے گر ضرور آزماؤں گا۔ ہو سکتا ہے یہ خود ہی سب کچھ اگلتی چلی جائے۔ یہ میرے سامنے کھڑی ہے۔ اردو سے اپنی لاعلمی ظاہر کر رہی ہے مگر میری اردو میں کہی ہوئی باتیں سن کر اس کے چہرے کا رنگ پل پل میں بدل رہا ہے۔"

سوبھراج کی وہ بات قابلِ فہم تھی۔ اپنے فطری ردِّعمل پر قابو پانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگر اپنے بارے میں ہونے والی خطرناک باتیں سن کر ویرا پریشان ہو رہی تھی تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ ان حالات میں ہم میں سے کوئی بھی اپنے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔"

"وہ پریشان نہیں ہے۔" میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا "تمہاری خوش فہمیوں پر حیران ہو رہی ہوگی۔"

اس وقت بات سوبھراج کے مضبوط شکوک و شبہات تک محدود تھی۔ وہ اپنے شبہے کی تصدیق صرف ویرا کے فنگر پرنٹس کے ذریعے کر سکتا تھا۔ اس کام کے لیے اسے ٹام یا نک سے رجوع کرنا پڑتا۔ وہ دونوں پاکستان میں ایف بی آئی اور سی آئی اے کے رہائشی نمائندے تھے۔ ویرا ان کی ایجنسیوں کو شدت سے مطلوب تھی۔ جوں ہی انہیں علم ہوتا کہ ویرا کو سوبھراج اپنی تحویل میں لے چکا تھا، وہ سوبھراج سے اس کی حوالگی کا مطالبہ کر دیتے۔

سوبھراج نے پاکستان میں بہت سے پاپڑ بیل کر ایک اہم سیاسی اور سماجی رتبہ حاصل کیا تھا۔ مجھ سے ٹکراؤ ہونے کے بعد اسے وہ سب خاک میں ملتا ہوا نظر آنے لگا تھا۔ مجھے اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور کرنے کے لیے پہلے اس نے اول خان کو اپنے انتقام کا نشانہ بنانے کی دھمکی دی تھی۔ میں فوری طور پر اس دھمکی کے کھوکھلے پن کا ادراک نہیں کر سکا اور

سوبھراج کی باتوں میں آگیا۔ جذبات کی رو ختم ہونے کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ سوبھراج کے لیے اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانا آسان نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اس وقت ہونے والی گفتگو میں اول خان والے معاملے کو بالکل سرسری انداز میں نظرانداز کر دیا تھا۔

یہ سوبھراج کی خوش قسمتی یا ویرا کی بدقسمتی تھی کہ وہ اس وقت راج محل میں موجود تھی۔ ویرا کی صورت میں سوبھراج کو اول خان سے زیادہ مضبوط ضمانت میسر آگئی تھی۔ وہ لازمی طور پر اسے میری زبان بند رکھنے کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

سوبھراج کو اپنے اس مقصد میں اسی وقت تک کامیابی حاصل ہوتی جب تک ویرا اس کے قبضے میں رہتی۔ اگر ویرا اس کی تحویل سے نکل کر کسی بھی طرح امریکیوں کے قبضے میں چلی جاتی تو سوبھراج کے لیے مجھ پر دباؤ ڈالنا ممکن نہ رہتا۔ میں اس کا پورا کھیل بگاڑ سکتا تھا۔

مجھے غالب امکان یہ نظر آ رہا تھا کہ سوبھراج ہر قسم کی باتیں ضرور کرے گا لیکن ٹام یا نک کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دے گا کہ ویرا اس کے قبضے میں آچکی تھی۔ ویرا کی سلامتی اور بازیابی کے لیے بہتر یہی تھا کہ وہ امریکیوں سے دور اور سوبھراج کی تحویل میں رہے۔

امریکیوں کے لیے ویرا ابھی میری طرح انتہائی مطلوب مجرموں کی صف میں شامل تھی۔ وہ ویرا کو پکڑتے ہی پاکستان سے نکال کر امریکا لے جاتے۔ وہاں کے کسی محفوظ قید خانے میں وہ گھاگ تفتیشی اور حفاظتی افسروں کی تحویل میں ہوتی جہاں سے اس کی بازیابی کی امید ایک احمقانہ خواب سے کم نہ ہوتی۔ دوسری طرف سوبھراج تھا۔ وہ لاکھ بااثر اور خطرناک سہی لیکن ایک عام پاکستانی شہری تھا۔ بھارت سے اس کے مضبوط اور گہرے مراسم تھے لیکن وہ ویرا کو وہاں بھیجنے کا بھی متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ویرا پاکستان بلکہ کراچی میں اس کی نجی قید میں رہتی تو اس کی رہائی کے لیے کوشش کی جا سکتی تھی۔

"تم کو معلوم ہے کہ میری کے فنگر پرنٹس کسی امریکی افسر کو دینے کا کیا مطلب ہو گا؟" میں نے ویرا اور میری کلارک والی پہیلی کو حل کرنے کے ارادے سے ایک نپا تلا سوال کیا۔

"اس کی اصلیت معلوم ہونے کے سوا اور کیا ہو گا؟" اس کی آواز پھاڑ کھانے والی تھی۔

"اصلیت ظاہر ہوتے ہی وہ اسے اپنے قبضے میں لے لیں گے۔ انہوں نے اسے پکڑنے کے لیے بلاوجہ اتنا بڑا انعام نہیں رکھا ہوا ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔" اس کی طرف سے بلاتوقف جواب آیا "اسے میں نے گھیرا ہے۔ وہ میرے پاس ہی رہے گی..... کیا تم یہ مان رہے ہو کہ وہ ویرا ہی ہے۔"

"اس گمان میں نہ رہنا کہ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر میری کلارک بن کر تمہارے پاس پہنچی ہے۔" میں نے اس کے سوال کا براہِ راست جواب دینے سے گریز کرتے ہوئے کہا "یہ چارا لگا ہوا کانٹا تھا جو تم نے میری توقع کے مطابق آسانی سے نگل لیا ہے۔ اب یہ تمہارے حلق میں پھنس کر آنتیں تک باہر نکال لائے گا۔"

"یہ تمہاری کوئی نئی قلابازی ہے۔" وہ ہلکے سے زہریلے قہقہے کے ساتھ بولا "ابھی تم فکرمند تھے اور ویرا کے ساتھ کسی زیادتی پر بدلہ لینے کی باتیں کر رہے تھے اور اب یکایک اسے میرے حلق میں پھنسا ہوا کانٹا قرار دے رہے ہو۔ تم یقین کرو کہ یہ کانٹا بہت نرم اور لذیذ ہے۔ میں اسے چبا چبا کر نگل جاؤں گا۔"

"یہ قلابازی نہیں، ایک حقیقت ہے۔ آنے والے وقت میں تمہیں سب معلوم ہو جائے گا۔"

"میں جانتا ہوں کہ پاکستان میں کچھ بارسوخ لوگ ہر طرح تمہاری سرپرستی کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تم آج بھی آزادی سے دندنا۔ تے پھر رہے ہو۔ تمہارے حمایتیوں میں ایس ٹی ایف اور اس سے بھی زیادہ اول خان پیش پیش ہے۔ تم نے ویرا کی بازیابی کے لیے اس کے آدمیوں کے ساتھ راج محل کا رخ کیا تو تمہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔"

"اب اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ تم کوئی اہم آدمی ہو۔ وہ لوگ اپنے مقصد کے حصول کے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔"

"میں جانتا ہوں..... یہ سب جانتا ہوں۔ تم ان باتوں کو دہرا کر اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ تم نے بتا دیا ہے کہ یہ ویرا ہے۔ اب اسے بھی اعتراف کر لینا چاہیے۔ اس طرح یہ میرے ذاتی عتاب سے بچ جائے گی۔ ایک بار یہ سچ کو مان لے تو پھر یہ میری مہمان ہو گی۔ اپنے کمرے میں اسے ہر سہولت اور آزادی حاصل ہو گی۔ جوں ہی ایس ٹی ایف کا کوئی آدمی میری طرف آیا یا تم نے شہر میں میرے خلاف زہر پھیلانے کی کوشش کی، میں اس پر زندگی کا ایک ایک لمحہ تنگ کر دوں گا۔"

میں خود ہی بات کو گھما پھرا کر اسی رخ پر لانا چاہ رہا تھا۔

اچھا ہوا کہ اپنی شرائط اس نے خود ہی پیش کر دیں۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "ذرا سی دیر کے لیے اس سے میری بات کرا دو تاکہ میں اسے سمجھا سکوں۔"

"سمجھانے کے لیے تم زیادہ دیر تک بھی بات کر سکتے ہو لیکن یہ یاد رکھنا کہ اب کوئی چالاکی تمہارے کام نہیں آ سکے گی۔ وقت کی بساط نے مہرے کو اس کی جگہ پر پہنچا دیا ہے۔ وہ میری قیدی ہے۔ اس اٹل حقیقت کو تم آسانی سے تبدیل نہیں کر سکو گے۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ میں نے راج محل کا رخ کیا تو مجھے منہ کی کھانی پڑے گی۔ کیا تم ویرا کو یہاں سے ہٹانے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اس نے مکّارانہ لہجے میں جواب دیا "اسے جہاں بھی رکھا جائے گا، وہ آرام سے رہے گی۔"

"اب اس سے میرا رابطہ رہنا ضروری ہے، اس کے لیے تمہیں فون کروں گا۔۔۔"

"اب اسے بھول جاؤ، قیدی ہر حال میں قیدی ہوتا ہے۔ مہمانوں والی مراعات ملنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی حیثیت بدل جائے گی۔"

"مجھے ہر وقت یہ یقین ہونا چاہیے کہ تم نے وعدہ خلافی کر کے ویرا کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔۔۔"

"یہ ماننے والی بات ہے۔" اس نے میری بات درمیان سے اڑا کر تائید کی "اس کے لیے تم جب چاہو، دن میں ایک بار فون کر سکتے ہو۔ تمہاری زبان سے میری سن کر، کال وصول کرنے والا اس سے تمہاری بات کرا دے گا۔"

"تو کیا تمہارا سیٹ لائٹ فون کسی اور کے پاس بھی رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سیٹ لائٹ فون صرف اور صرف میرے استعمال میں رہتا ہے۔ میں ویرا کو اپنا دم چھلا بنا کر اپنے ساتھ نہیں لیے پھروں گا۔ وہ جہاں بھی ہوگی۔ میرا ایک آدمی اس کی نگرانی پر ضرور مامور رہے گا۔ میں اس کے موبائل فون کا نمبر تمہیں دیے دیتا ہوں۔"

آخر میں اس نے موبائل فون کا نمبر بتایا جو میں نے تیزی سے نوٹ کر لیا۔

"ویرا کے ساتھ باہر ایک آدمی بھی موجود ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ بڑی مچھلی جال میں پھنس جانے کے بعد چھوٹی مچھلیوں کے پیچھے بھاگنا حماقت ہے۔"

"وہ ٹیڑھا آدمی ہے۔ ویرا کو اپنے ساتھ لیے بغیر واپس نہیں لوٹے گا۔" میں نے اسے ڈرایا۔

"فکر نہ کرو۔ میں دن رات ٹیڑھے آدمیوں سے نمٹتا رہتا ہوں۔ ایک یہ بھی سہی۔" اس کی بے پروائی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ "ہو سکے تو تم خود ہی اسے واپس بلا لو۔ اس میں اسی کی عافیت ہے۔ وہ میرے آدمیوں سے الجھا تو وہ مار مار کر اسے لنگڑا لولا کر دیں گے۔"

"اب تم اونچی اڑان لے رہے ہو۔ کسی الجھن یا ڈرامے کی ضرورت نہیں۔ ویرا کو اس سے ملنے کا موقع فراہم کر دینا۔ وہ خود اسے سمجھا کر واپس لوٹا دے گی۔ تمہارے آدمیوں کو اس سے کوئی چھیڑ چھاڑ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" میں نے بدمزگی سے کہا۔

"ویرا اسے بعد میں سمجھائے گی۔ پہلے تم اسے یاد دلاؤ کہ وہ میری نہیں ویرا ہے۔ میں فون اسے دے رہا ہوں۔"

"یہ میں کیا سن رہی ہوں۔ تم بلاوجہ اس کی باتوں میں آ گئے۔" اگلے لمحے میرے کانوں میں ویرا کی برہم سی آواز آ رہی تھی۔ "یہ میرے بدن کا ریشہ ریشہ بھی ادھیڑ ڈالتا تو میری زبان نہ کھلتی۔ تم کو معلوم ہے کہ مجھے جھکانا آسان کام نہیں

ہے۔"

وہ یاتیں اس نے رواں انگریزی میں کہی تھیں جب کہ میری اور سوبھراج کی ساری گفتگو اردو میں ہوئی تھی۔ ویرا نے سوبھراج کے یک طرفہ مکالمے سن کر گفتگو کے رخ کا صحیح اندازہ لگالیا تھا۔ یوں ہم کسی تمہید میں پڑے بغیر کام کی بات پر آگئے تھے۔

"اس وقت اعتراف ہی بہتر تھا۔ انکار کی صورت میں وہ تمہارے فنگر پرنٹس ٹام یا نک کو دیتا اور وہ ہر قیمت پر تمہیں اس کے قبضے سے نکال کر امریکا لے جاتے۔ اس بدترین احوال سے بچنے کے لیے میں نے مجبوراً یہ راہ اختیار کی ہے۔"

"میں تمہارے مشورے پر عمل کی کوشش کروں گی لیکن اس کی آنکھوں میں خباثت رچی ہوئی ہے۔ اس نے مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو میں نتائج کی پروا کیے بغیر اس کا حشر خراب کر دوں گی۔ تم جانتے ہو کہ میں جو کچھ کہتی ہوں اس پر عمل کرنے کا حوصلہ بھی رکھتی ہوں۔" اس نے اس بار بھی انگریزی میں کہا۔

"سلطان شاہ کو سمجھا بجھا کر ٹال دینا۔ اس وقت سوبھراج کے ستارے یاوری کر رہے ہیں لیکن تم زیادہ دیر تک اس کی قید میں نہیں رہو گی۔"

"تمہاری مصلحتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔" ویرا نے شاید سوبھراج کو سنانے کے لیے غصیلی آواز میں ایک غیر متعلقہ سی بات کہی "میں بلاوجہ مان لوں کہ میں میری نہیں ویرا ہوں۔ اس کے ساتھ محاذ آرائی ترک کر دوں۔ یہ جو کچھ کہے، وہ کرتی چلی جاؤں۔ یہ سب کیسے ممکن ہے۔"

"شاباش! تم ٹھیک جا رہی ہو۔" میں نے خوش ہو کر کہا "ہو سکتا ہے کہ وہ میرے اور تمہارے اختلافات سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں سوچنا شروع کر دے۔ میں اپنی کوششیں جاری رکھوں گا۔ تم کو کوئی موقع ملے تو ہرگز نہ چوکنا۔"

"میں کوشش کروں گی مگر تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتی۔" ویرا کے اس جواب کے ساتھ ہی فون اس سے واپس لے لیا گیا۔

"یہ بہت خود سر لڑکی ہے۔" سوبھراج اپنی بھاری آواز میں کہہ رہا تھا "اس نے سرکشی دکھائی تو خسارے میں رہے گی۔"

"اس وقت تم نے کسی حد تک بازی جیت لی ہے....."

سوبھراج نے میری بات درمیان سے ہی اڑا دی اور بولا "مجھے چڑھانے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ اب تم ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرو گے۔ ویرا کو رہائی دلانے کے لیے تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ میں تمہاری طرف سے غافل نہیں ہو سکتا۔"

"میں تمہیں چڑھا نہیں رہا تھا" دوسری بات کہہ رہا تھا۔ چند گھنٹوں کے لیے ویرا کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ پوری صورتِ حال کا اندازہ ہونے کے بعد اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اس وقت وہ تمہارے ساتھ مصالحانہ رویہ اختیار کرنے پر آمادہ ہو چکی ہو گی۔"

"اس کے لیے مجھے تمہارے کسی مشورے کی ضرورت نہیں۔ اب ویرا میرا مسئلہ ہے۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔ بس تم یہ یاد رکھنا کہ میں دونوں میں سے کوئی بات برداشت نہیں کروں گا۔"

"کن دو باتوں کا ذکر کر رہے ہو؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"راج محل پر چڑھائی نہیں کی جائے گی اور نہ تم میرے خلاف زہر اگلو گے۔"

"میں تمہاری یہ شرائط ماننے پر مجبور ہوں!" میں نے بے بسی سے کہا۔

یکایک لائن بے جان ہو گئی۔ میری بات مکمل ہوتے ہی سوبھراج نے اپنا فون بند کر دیا تھا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر اسپیکر فون بند کر دیا۔

"اس وقت تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ ابتدا میں تمہارا لب و لہجہ نہایت جارحانہ تھا۔ آخر میں تم نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔" اول خان نے بے دلی سے کہا۔

"ابتدا میں مجھے معلوم نہیں تھا کہ ویرا اس کے چنگل میں پھنس چکی ہے۔ میں نے پوری طرح اس کے بخیے ادھیڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اس کے فون پر ویرا کی آواز سننے کے بعد میرا سارا جوش و خروش رخصت ہو گیا۔ ویرا کی سلامتی کی خاطر مجھے اپنا لہجہ بدلنا پڑا۔"

"آپ کو یہ ماننے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ میری نہیں ویرا ہے۔ یہ ویرا کا مسئلہ تھا۔ وہ جب تک چاہتی، سوبھراج کو چکر دیتی رہتی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی دوران میں وہ اپنی نجات کی کوئی راہ تلاش کر لیتی۔ آپ نے اب اس کے لیے سارے دروازے بند کر دیے ہیں۔" غزالہ بھی میری حکمتِ عملی سے متفق نہیں تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے پوری گفتگو دھیان سے نہیں

سنی۔ اسے میری کلارک پر شبہ ہو گیا تھا۔ وہ ہر قیمت پر اپنے اس شبہے کی تصدیق کرنے پر تلا ہوا تھا۔ ہماری طرف سے مزاحمت جاری رہتی تو وہ ویرا کے فنگر پرنٹس ٹام اور نک کے حوالے کر دیتا۔ تم کو علم ہے کہ امریکی ویرا کے خون کے پیاسے ہیں۔ فنگر پرنٹس کی تصدیق ہوتے ہی ہر طرف ہلچل مچ جاتی اور سوبھراج امریکیوں کے زبردست دباؤ میں آجاتا۔ اسے بتانا پڑتا کہ ویرا اس کے قبضے میں آچکی ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوتا اس کا اندازہ تم خود لگا سکتی ہو۔"

"اوہ! جبھی آپ نے زور دے کر یہ بات سوبھراج کو جتائی تھی۔" غزالہ نے حیرت سے کہا۔

"یہ بہت ضروری تھا۔ وہ شاید اس پہلو کو بھولا ہوا تھا۔ جوش میں آکر ویرا کے فنگر پرنٹس آگے بڑھا دیتا۔ اسے ہوش اس وقت آتا جب اس سے ویرا کو ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا جاتا۔" میں نے وضاحت کی۔ "وہ ذہین ہے۔ بات فوری طور پر اس کی سمجھ میں آگئی۔ اسے ایسے کسی اقدام سے روکنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اسے ویرا کی اصلیت کے بارے میں بتا دیا جاتا۔ میری اور ویرا کا معمّا حل ہونے کے بعد فنگر پرنٹس کی تصدیق کرانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔"

"تمہاری وضاحت سے پہلے میں بھی الجھن میں تھا۔ ظاہری طور پر ایسی کوئی مجبوری سامنے نہیں آئی تھی کہ تمہیں میری کے ویرا ہونے کا اعتراف کرنا پڑتا۔" اول خان بولا۔

"اس وقت سوبھراج سے جو ڈیل ہوئی ہے، اس سے بہتر ڈیل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مجھے اطمینان ہے کہ ویرا اس کی نجی قید میں پاکستان میں رہے گی اور وہ بلاوجہ اسے کوئی گزند پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اس دوران میں ہم اپنے لیے کسی راہ کا تعین کر لیں گے۔"

"یہ دو طرفہ بلیک میلنگ ہو گی۔۔۔" اول خان نے کہنا چاہا لیکن غزالہ نے درمیان سے اس کی بات اچک لی۔

"بلیک میلنگ یک طرفہ ہوتی ہے۔ دو طرفہ مفادات کارفرما ہوں تو تصفیے کو سمجھوتے کا نام دیا جاتا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"پہلا سمجھوتا میرے نام پر ہوا تھا۔ آج ویرا کی باری آئی ہے۔ دیکھنا ہے کہ سوبھراج کے ساتھ ہونے والے یہ سمجھوتے کیا گل کھلاتے ہیں۔" اول خان ایک گہرا سانس لے کر بولا۔

"یہ بات طے ہے کہ آخر کار سوبھراج کو اپنے کیفرِ کردار کو پہنچنا ہے۔ اس کو زیادہ مہلت مل گئی تو پھر ویرا کی اور میری خیر نہیں۔" میں نے ہنس کر کہا "اپنی گردن بچانے کے لیے مجھے سوبھراج کے خلاف جلد از جلد کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کرنا ہو گا۔"

اول خان نے سوبھراج کی قید سے ویرا کی رہائی کے ایک منصوبے کے بارے میں بات شروع کر دی۔ اس کی گفتگو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے اس بارے میں سوچ رہا تھا۔

❂✫❂

"ہاں! اب بتاؤ کہ تم کیا کہتی ہو؟" سوبھراج نے سیٹ لائٹ فون بند کرنے کے بعد ویرا سے پوچھا۔

"مجھے جو کچھ کہنا تھا، میں کہہ چکی ہوں۔ اب بلاوجہ مجھ سے سوال جواب مت کرو!" ویرا نے ہلکی سی بے زاری کے ساتھ کہا۔ اس نے اردو میں کیے گئے سوال کا جواب انگریزی میں دیا تھا۔ اس نے جب سے راج محل میں قدم رکھا تھا۔ ایک بار بھی اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے اردو کا سہارا نہیں لیا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ سوبھراج کے کان اس کے اردو لب و لہجے سے آشنا نہ ہو سکیں۔ اسے امید تھی کہ اس کی وہ احتیاط کسی نہ کسی وقت اس کے کام ضرور آئے گی۔

"تم کس نام سے پکارا جانا پسند کرو گی؟" سوبھراج نے مسکراتے ہوئے، نرمی سے سوال کیا۔

"ڈینی کے تصدیق کر دینے کے بعد اب تم مجھے ویرا بھی کہہ سکتے ہو لیکن بہتر یہی ہے کہ یہ بات زیادہ نہ پھیلے۔" ویرا کا لہجہ اس بار قدرے بہتر ہو گیا "مناسب ہو گا کہ تم مجھے میری ہی کہتے رہو۔ اخبارات میں انعامی اشتہارات کی بات ابھی تازہ ہے۔ اتنے بڑے انعام کے لالچ میں تمہارے کسی ملازم کی نیت بھی ڈانواں ڈول ہو سکتی ہے۔"

"آج تک راج محل کے کسی آدمی نے باہر کوئی مخبری نہیں کی۔" سوبھراج نے دعویٰ کیا۔

"آج تک کسی کی مخبری پر اتنے بڑے انعام کا اعلان بھی نہیں کیا گیا ہو گا۔" ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"یہ بھی تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ بیس لاکھ ڈالر کے انعام لے لیے کسی کے بھی قدم ڈگمگا سکتے ہیں لیکن دیکھ لو۔ تمہارے لیے مجھے اتنی بڑی رقم کی بھی پروا نہیں ہے۔"

"تم مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش تو نہیں کر رہے!" ویرا نے تیکھی نظروں سے اسے گھور کر پوچھا۔

"مجھے کسی پر ڈورے ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

جس کی آرزو کرتا ہوں، وہ خود میرے پاس چلی آتی ہے۔ تم بھی اپنی مرضی سے یہاں آئی ہو۔"

"تم نے یہ انعام میرے لیے نہیں چھوڑا۔ یہ شاید تمہاری انا کا معاملہ ہے۔"

"ہا...... آں۔ تم انا بھی کہہ سکتی ہو۔" سوبھراج پرخیال انداز میں بولا "میں نے تمہارے نام کا بہت شہرہ سنا ہوا تھا۔ آج تم میرے روبہ رو ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں بے اندازہ دولت کمائی ہے۔ مجھے پیسے کی کوئی پروا نہیں ہے۔ ہاں، ان دیکھی چیزوں اور ہستیوں کو دریافت کرنے کا بہت شوق ہے۔"

"یہ ڈینی کا کیا دھرا ہے جو اس وقت تم اتنا بول رہے ہو۔ وہ تمہیں میرے بارے میں نہ بتاتا تو اس وقت تم میرے اوپر جھنجلائے ہوئے ہوتے۔ کم از کم اگلے دو چار دنوں تک تمہارے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلتا کہ میں کون ہوں۔"

"میرے فرشتے واقعی معصوم ہیں۔ انہیں پتا نہیں چلتا مگر میں تمہارے فنگر پرنٹس سے معلوم کرلیتا۔ یہ میری نیک نیتی ہے کہ میں تمہارا اصل نام جان لینے کے باوجود تمہیں ان لوگوں کے حوالے نہیں کر رہا جو تمہاری جان کے دشمن ہیں۔"

"بلاوجہ اپنی نیک نیتی کا ڈھنڈورا نہ پیٹو۔ میں تمہارے لیے بیس لاکھ ڈالر کا چلتا پھرتا ہوا چیک ہوں۔ تم اب سے چند دن، چند ہفتوں یا چند ماہ بعد بھی مجھے امریکیوں کے حوالے کرکے ان کی مقرر کی ہوئی انعامی رقم حاصل کرسکتے ہو۔"

"بعض اوقات تم بہت کڑوی بات کہہ جاتی ہو۔ یہ بتاؤ کہ جب تم اردو اچھی طرح سمجھ لیتی ہو تو مجھ سے انگریزی کیوں بول رہی ہو۔"

"انگریزی میں، میں اپنا مفہوم بہت آسانی اور روانی سے ادا کرلیتی ہوں۔ اردو میں دقّت ہوتی ہے۔" ویرا نے اس سے سفید جھوٹ بولا۔

"تم خاصی خوب صورت لڑکی ہو۔" سوبھراج نے غور سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا "لیکن تمہارے گن بہت خراب ہیں۔ تم ان گندے چکروں میں کیوں پڑی ہوئی ہو؟ ڈینی اپنے مقاصد کے لیے بہت بے رحمی سے تمہاری زندگی برباد کر رہا ہے۔"

سوبھراج کے اس پینترے پر ویرا دل ہی دل میں ہنس پڑی۔ یہ ہر بد نگاہ اور بد فطرت مرد کا طریقہ واردات ہوتا ہے کہ وہ جب بھی کسی لڑکی کو اپنا کھلونا بنانا چاہتا ہے تو اپنی پیش قدمی کی ابتدا ہمدردی کے اظہار سے کرتا ہے۔ سوبھراج بھی اس سے ہمدردی کر رہا تھا۔

"ڈینی سے پہلے میرے باپ نے غلط تربیت دے کر مجھے بگاڑا تھا۔" ویرا نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "بگڑے ہوئے لوگ اپنی لائن کے لوگوں سے ملتے جلتے ہیں۔ اسی رو میں میرا اور ڈینی کا سامنا ہوا۔ میں نے بروں کی بھیڑ میں اسے بہت اچھا پایا اور اس کے ساتھ ہولی۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں کسی عشق و عاشقی کے چکر میں ہوں۔ وہ شادی شدہ ہے۔ ہمارے درمیان صرف دوستی ہے۔ وہ میرا دھیان رکھتا ہے۔ میں اس کی عزت کرتی ہوں لیکن آج اس نے مجھے مایوس کیا ہے۔"

"ڈینی میری دھمکیوں سے ڈر گیا۔" سوبھراج نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "اس نے سوچا ہوگا کہ تم ضدی ہو۔ اپنی زبان بند رکھو گی۔ اگر مجھے تمہاری اصلیت کا پتا نہیں چلا تو میں تمہارا حشر خراب کردوں گا۔ اس نے تمہاری بہتری کے لیے تمہارا اصل نام اگل دیا ہے۔ اس احمق کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ میں خوبصورت اور خوشبودار کلیوں کو مسلنے والا آدمی نہیں ہوں۔"

"تم نادانستگی میں میری تعریف کر رہے ہو!" ویرا نے طنز کیا۔

"میں اپنی بات پر اب بھی قائم ہوں۔ تم حسینہ عالم نہیں ہو مگر پھر بھی بہت دلکش ہو۔ دلوں کو موہ لینے والی شخصیت کی مالک ہو۔"

"یہ باتیں تم اس بڑی میز کے پیچھے بیٹھ کر کر رہے ہو جہاں روشنی کم ہے۔ کیا یہ فاصلہ کم نہیں ہو سکتا۔" ویرا نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"کم کیا' یہ فاصلہ ختم بھی ہوجائے گا۔ ابھی ہم تہ خانے میں چلیں گے۔"

"نہیں!" ویرا نے بے ساختہ کہا "وہ عقوبت خانہ صاف ستھرا ضرور ہے، وہاں پڑی ہوئی مسہری بھی بہت آرام دہ ہے مگر وہاں کا ماحول وحشت ناک ہے۔ میں وہاں ایک لمحہ بھی سکون سے نہیں گزار سکوں گی۔ میں وہاں نہیں جاؤں گی۔"

"یہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ پہلے تم اس آدمی کو رخصت کردو جو باہر تمہارا منتظر ہے۔" سوبھراج بولا۔

"تو کیا مجھے اس چاردیواری سے باہر جانے کی اجازت ہے؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

"اسے اندر بلالیا جائے گا۔" یہ کہہ کر سوبھراج انٹرکام پر کسی سے مخاطب ہوگیا۔ اس بار وہ اردو کے بجائے کوئی اور

زبان بول رہا تھا۔ دورانِ گفتگو استعمال ہونے والے اِکّادُکّا مانوس الفاظ سے ویرا نے اندازہ لگایا کہ وہ سندھی بول رہا تھا۔

"سنیل آرہا ہے۔ تم اس کے ساتھ پورچ میں جا کر اپنے آدمی کو سمجھا دو پھر ہم سوچیں گے کہ آج شام کیسے گزاری جائے۔" انٹرکام بند کر کے سوبھراج نے ویرا سے کہا۔

ویرا کا پرس میز پر وہیں رکھا ہوا تھا جہاں اس نے چھوڑا تھا۔ اس نے پرس کھول کر اس میں سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکالا تو سوبھراج کی توصیفی آواز ابھری "ویری گڈ.... تم لڑنے بھڑنے کے علاوہ دوسرے مردانہ شوق بھی رکھتی ہو۔"

"مردوں میں رہ کر ان کی عادتیں پڑ جاتی ہیں۔" ویرا نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

چند ثانیوں کے بعد سنیل کمرے میں آگیا۔ سوبھراج کے اشارے پر ویرا اس کے ساتھ ہولی۔

وہ سنیل کے ساتھ نکاس کے راستے کی طرف بڑھتی رہی۔ سنیل تیز و طرار نوجوان تھا مگر موقع شناس بھی تھا۔ سوبھراج کے سامنے وہ بھیگی بلی بنا ہوا تھا۔ باہر آتے ہی دوبارہ چاق و چوبند نظر آنے لگا تھا۔

"تم کتنے عرصے سے سوبھراج کے لیے کام کر رہے ہو؟" ویرا نے جمود توڑنے کے لیے اس سے ایک معنی خیز سوال کیا۔

"ایک مدت ہوگئی۔ اب تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں راج محل میں ہی پیدا ہوا ہوں۔" سنیل نے سنجیدگی سے گول مول جواب دیا۔

"تمہارا باس بہت سخت اور سفاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد ویرا نے تالاب میں دوسرا کنکر پھینکا۔

"ارے نہیں!" سنیل ہنس پڑا "دور سے ایسا لگتا ہے۔ وہ بہت نرم دل اور مہربان انسان ہیں۔"

سنیل خاصا گھاگ تھا۔ ویرا نے اندازہ لگایا کہ اس سے کچھ اگلوانا آسان نہیں تھا۔ اس نے اپنی زبان بند کرلی۔ وہ راستہ طے کرتے ہوئے اس امکان کا جائزہ لے رہی تھی کہ اگر وہ اپنی انگلیوں میں موجود انگوٹھی استعمال کر کے سنیل کو راستے میں ڈھیر کر دے تو اس کے فرار ہونے کے کیا امکانات تھے۔

وہ کسی نتیجے پر پہنچنے بھی نہ پائی تھی کہ اسے پورچ میں کئی افراد نظر آنے لگے۔ ان میں سے تین باوردی سپاہی تھے جنہیں سرونٹ کوارٹرز سے نکال کر گیٹ پر پہنچا دیا گیا تھا۔ چوتھا اپنی وضع قطع سے راج محل کا دربان نظر آ رہا تھا۔ وہ چاروں مسلح تھے۔ ان کے درمیان سلطان شاہ حیران و پریشان کھڑا ہوا تھا۔

وہ سنیل کے ساتھ صدر دروازے سے باہر نکلی تو سلطان شاہ اسے دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گیا۔

"تم لوٹ جاؤ۔ مجھے یہاں روک لیا گیا ہے" ویرا نے خود پر قابو رکھتے ہوئے، گمبھیر لہجے میں کہا۔

سلطان شاہ کے ہونٹ کھلے مگر اس نے کچھ کہے بغیر دوبارہ سختی سے منہ بند کرلیا۔ اس کی نظریں ویرا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ان میں کئی سوال مچل رہے تھے۔

"میں اپنے ساتھی کو علیحدگی میں کچھ سمجھانا چاہتی ہوں" ویرا نے مڑ کر سنیل سے کہا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر سر ہلا کر ویرا کو اجازت دے دی۔

ویرا کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ راج محل میں رونما ہونے والی تبدیلی سلطان شاہ کے لیے حیران کن رہی ہوگی۔ وہ سچویشن کچھ عجیب و غریب اور ناقابلِ فہم سی تھی۔ اندر کوئی مقابلہ ہوا تھا، نہ ماردھاڑ ہوئی تھی۔ ویرا بظاہر آزاد تھی۔ اس کی نقل و حرکت پر پابندی نہیں تھی۔ وہ اطمینان سے سگریٹ کا دھواں اڑا رہی تھی لیکن سلطان شاہ کے ساتھ واپس جانے سے قاصر تھی۔ ان بکھری ہوئی کڑیوں کی کلید صرف ایک تھی کہ ان دونوں کے گرد راج محل کے پانچ محافظ موجود تھے جن میں سے چار مسلح تھے۔

سنیل سے اجازت ملتے ہی ویرا نے بڑھ کر سلطان شاہ کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے تیزی سے ایک طرف لیتی چلی گئی۔

اس نے سلطان شاہ کو کچھ بولنے کا موقع دیے بغیر، بہت اختصار اور تیزی کے ساتھ سب باتیں دہرا ڈالیں۔ آخر میں اس نے سختی سے ہدایت کی کہ سلطان شاہ وہاں سے براہ راست گھر جانے کے بجائے اسٹیشن فور چلا جائے۔ اسے پورا یقین تھا کہ واپسی پر سوبھراج کے آدمی سلطان شاہ کا پیچھا کریں گے تاکہ اس کے ذریعے میری کمین گاہ تک پہنچ سکیں۔

ویرا کی وہ ہدایت بہت دانش مندانہ تھی۔ اس مہم کے لیے جس گاڑی کا انتخاب کیا گیا تھا وہ اول خان نے فراہم کی تھی۔ اس کی نمبر پلیٹ جعلی تھی، گاڑی کے نمبروں کے ذریعے سوبھراج زندگی بھر یہ سراغ نہیں لگا سکتا تھا کہ وہ گاڑی کس کی ملکیت تھی۔ اسٹیشن فور میں کچھ وقت گزارنے کے بعد

سلطان شاہ خاموشی سے گھر واپس آسکتا تھا۔
سلطان شاہ پہلے ہی تاخیر سے پریشان تھا۔ اس کی دانست میں سوبھراج کے انٹرویو میں زیادہ دیر نہیں لگنی چاہیے تھی۔ جب اسے گاڑی سے اتار کر اندر بلایا گیا تو اس کا ماتھا ٹھنک گیا۔ رہی سہی کسر ویرا نے اپنی ہوش ربا باتوں سے پوری کردی۔ سلطان شاہ کے لیے وہاں کچھ کہنے یا سننے کی مزید گنجائش نہیں تھی۔ وہ حیران و پریشان وہاں سے پھاٹک کی طرف چل دیا اور ویرا، سنیل کی معیت میں دوبارہ راج محل کے صدر دروازے کی طرف ہولی۔

دروازے سے گزرنے کے بعد سنیل کی پیش قدمی کی سمت بدل گئی۔ اس بار وہ سوبھراج کے دفتر کی طرف نہیں جارہا تھا۔ ویرا تہ خانہ دیکھ چکی تھی۔ وہاں آرام اور تعیش کا خاصا بندوبست تھا لیکن ہر آسائش کے ساتھ کوئی نہ کوئی ایسا برقی یا میکانیکی سلسلہ ضرور منسلک تھا جو ہر سہولت کو خوفناک بنا رہا تھا۔ ویرا کو تسلی تھی کہ سنیل کا رخ تہ خانے کی طرف بھی نہیں تھا۔ اس بار اس نے عمارت میں ایک بالکل نئی راہ اختیار کی تھی۔

ویرا کو اندازہ نہیں تھا کہ اسے کب تک راج محل کی چار دیواری میں قید رہنا ہوگا اس لیے وہ سمتوں کے بارے میں بہت زیادہ حسّاس تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ وہ عمارت کے سامنے کے حصے کے متوازی بنی ہوئی راہ داری میں آگے بڑھ رہی تھی۔

وہیں راستے میں اسے بجلی کا خاصا بڑا، دیوار گیر سوئچ بورڈ نظر آیا جس پر سرخ، سبز اور زرد رنگ کے تین روشن بلب گھر میں تھری فیز کنکشن کی موجودگی کی نشاندہی کررہے تھے۔ اس بورڈ پر کئی چھوٹے بڑے سوئچ آویزاں تھے۔ ویرا نے اس بورڈ کی پوزیشن کو اسی لمحے ذہن نشین کرلیا۔
راہ داری کے اختتام پر واقع دروازہ کھول کر سنیل اندر داخل ہوگیا۔ ویرا نے اس کی تقلید کی۔ اندر قدم رکھتے ہی خنک ہوا نے اس کا استقبال کیا۔ وہ ایک پرتعیش، شاندار اور ائرکنڈیشنڈ خواب گاہ تھی جس کا ائرکنڈیشنر بے آواز چل رہا تھا۔

"یہ راج محل کا گیسٹ روم ہے۔ تم اس کمرے میں رہوگی" سنیل کہہ رہا تھا۔ "تمہیں ضرورت کی ہر چیز اسی کمرے میں فراہم کی جائے گی۔ ریفریجریٹر میں کھانے پینے کی اشیا وافر مقدار میں موجود ہیں۔ مزید کسی چیز کی ضرورت ہو تو تم انٹرکام کی ہاٹ لائن پر کوئی نمبر ملائے بغیر اپنی فرمائش نوٹ کراسکتی ہو۔"

ویرا کو اس اہتمام سے وحشت ہورہی تھی۔ ایک قیدی کے لیے اتنا اہتمام اسے بہت کچھ سمجھا رہا تھا۔
اس نے سنیل کو کوئی جواب دیے بغیر ایک کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر جھانکا تو اسے راج محل کے احاطے کا پھاٹک نظر آیا۔ وہ عمارت کے اگلے کونے پر واقع کمرے میں ٹھہرائی گئی تھی۔ اس کمرے میں داخلے کا ایک دروازہ تھا جس سے سنیل اسے اندر لایا تھا۔ دوسرا بند دروازہ اگلی کھڑکی کے برابر میں تھا۔ اس دروازے کے ذریعے کوئی بھی مہمان اہلِ خانہ کی مصروفیات میں مخل ہوئے بغیر، آزادی کے ساتھ راج محل میں آجاسکتا تھا۔
"کھڑکیوں میں آہنی گرل ہے" سنیل نے قدرے توقف کے بعد ویرا کی معلومات میں اضافہ کیا "اس میں ہر وقت دو سو بیس وولٹ اور ڈھائی ہزار واٹ کی طاقت کا کرنٹ دوڑتا رہے گا۔ تم نے اس پر طبع آزمائی کی کوشش کی تو وہ جان لیوا ثابت ہوگی۔ دونوں دروازے مقفل رہیں گے۔ باس کی اجازت کے بغیر تم اس کمرے سے باہر نہیں نکلوگی۔"
"تمہارے باس نے میرے لیے خاصا آرام دہ مگر خطرناک قید خانہ چنا ہے۔ کیا وہ اپنے ہر مہمان کے ساتھ یہی سلوک کرتا ہے؟" ویرا نے طنز سے پوچھا۔
"یہ مہمان کی نوعیت پر منحصر ہوتا ہے۔ آنے والا شریف ہو تو کھڑکیوں میں کرنٹ دوڑتا ہے نہ دروازے مقفل رہتے ہیں" سنیل نے مسکرا کر جواب دیا۔
"تو کیا میں تمہیں بدمعاش نظر آرہی ہوں؟" ویرا نے ترشی سے پوچھا۔
"یہ فیصلہ باس کرتے ہیں۔ میں ان کے احکام پر عمل کرتا ہوں" اس نے نرمی سے جواب دیا اور مڑ کر دروازے سے نکل گیا۔ اس کے پیچھے دروازہ خود بخود بند ہوگیا۔
ویرا پریشان اور متجسس تھی۔ اس نے لپک کر سب سے پہلے وہی دروازہ دیکھا جس سے وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ اس نے ناب کو دونوں طرف ہلا جلا کر دیکھا لیکن دروازے نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی۔ وہ ہضمی قفل کچھ عجیب ساخت کا تھا۔ اس میں اندر کی طرف کوئی لیور وغیرہ موجود نہیں تھا جس کو گھما کر دروازے کو اندر سے کھولا جاسکے۔ وہ چند سیکنڈ تک کھڑی، دروازے کو گھورتی رہی پھر مایوس ہوکر کمرے میں موجود دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔
کمرے میں بنیادی ضرورت کی اشیا سے کہیں زیادہ سازوسامان موجود تھا۔ فون کا انسٹرومنٹ موجود تھا لیکن اس پر ڈائل یا بٹن موجود نہیں تھے۔ ویرا پورے کمرے کا

جائزہ لینے کے بعد، ریفریجریٹر میں سے بیئر کا ایک کین نکال کر بستر پر گر گئی۔

وہ عجیب مخمصے میں پڑگئی تھی۔ جس کام کو بہت آسان سمجھ کر وہ راج محل میں آئی تھی، وہ اس کے گلے کی ہڈی بن چکا تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ وہاں سے کیسے نکل سکے گی۔ میرے اور سوبھراج کے درمیان جو سمجھوتا ہوا تھا، وہ عارضی نوعیت کا تھا۔ ویرا خوب سمجھ رہی تھی کہ اس کو میری زبان بندی کے عوض آرام اور آسائش کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ ویرا کو اپنی قید میں رکھ کر سوبھراج میری گھات میں لگا رہتا اور جوں ہی وہ میرا قصہ تمام کرنے میں کامیاب ہوتا، ویرا کے ساتھ اس کا رویہ بدل جاتا۔

ویرا کو اپنا انجام سامنے نظر آرہا تھا۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی تو جلد یا بدیر، سوبھراج اسے اپنے وحشیانہ تشدد کا نشانہ بناتا اور پھر اسے امریکیوں کے حوالے کرکے، انعام کی بھاری رقم حاصل کرلیتا۔

وہ آٹھ بجے تک سخت اضطراب اور بے چینی کے عالم میں اپنا وقت گزارتی رہی۔ اس دوران میں اس نے ایک مرتبہ انٹرکام کی ہاٹ لائن آزمائی اور دوسری طرف سے کسی ناخواندہ گھریلو ملازم کی اجنبی آواز سن کر کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

اسے یہ سوچ سوچ کر سخت کوفت ہو رہی تھی کہ اس کی لغزش کی وجہ سے سوبھراج کو میرے اوپر حاوی ہونے کا موقع مل گیا تھا۔ اس دشوار صورتِ حال میں اسے امید کی صرف ایک کرن نظر آرہی تھی کہ میں نے سوبھراج کے اس کھیل کو سمجھ لیا تھا۔ میری کوئی تیز ترین اور بھرپور کارروائی ہی سوبھراج کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا سکتی تھی۔

آٹھ بجے سوبھراج اس کمرے میں آپہنچا۔ اس کے پیچھے ایک ملازم مے نوشی کے لوازم سے سجی ہوئی ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر آگیا۔

اس کی آمد پر ویرا نے کسی خاص ردِّعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔ سوبھراج نے کمرے کی پسندیدگی کے بارے میں ویرا سے چند رسمی باتیں کیں اور پھر دیوار سے لگے ہوئے صوفے پر براجمان ہوگیا۔ ملازم نے ٹرالی اس کے سامنے لگائی اور ادب کے ساتھ کمرے سے رخصت ہوگیا۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ بیزار سی نظر آرہی ہو" سوبھراج نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیا تم پینے میں میرا ساتھ نہیں دوگی۔ میں تمہارے لیے دنیا کی بہترین اسکاچ اور جن لے کر آیا ہوں۔ آج راج محل میں تمہاری پہلی رات ہے۔ اس کو یادگار ہونا چاہیے۔"

ویرا کے پاس وقت گزاری کے لیے کوئی اور مشغلہ نہیں تھا۔ ناچار وہ سوبھراج کے قریب جا بیٹھی۔ وہ اس وقت سوبھراج پر آسانی سے اپنی کوئی انگوٹھی آزما سکتی تھی لیکن اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اگر وہ ان حالات کو سنبھالنے میں ناکام رہتی تو اسے لینے کے دینے پڑ سکتے تھے۔

"آؤ، شام ہو رہی ہے۔ اب میں تمہاری کچھ میزبانی کروں؟" سوبھراج نے یہ کہتے ہوئے پرانی اسکاچ کی بوتل کھول لی۔

ویرا بظاہر انجان بنی بیٹھی رہی لیکن وہ سوبھراج کی ایک ایک حرکت بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنے گلاس میں اسکاچ کی معمولی مقدار انڈیلی اور اس میں برف کے ڈلے ڈال کر گلاس کو پانی سے بھرلیا۔ ویرا کے گلاس میں اس نے بہت زیادہ مقدار انڈیلی تھی۔

وہ سوبھراج کے ساتھ ویرا کی ابتدائی ملاقات تھی، اسے ویرا کے بارے میں شاید بہت کچھ معلوم رہا ہو لیکن یہ بات یقینی طور پر اس کے علم میں نہیں تھی کہ ویرا بلانوش تھی۔ شراب بلکہ الکحل کی غیر معمولی مقدار بھی اس کے اعصاب کو ماؤف یا مفلوج نہیں کرتی تھی۔ وہ ویرا کو دانستہ زیادہ شراب پلاکر، اپنی دانست میں مدہوش کرنا چاہ رہا تھا۔ اسے یقین رہا ہوگا کہ ویرا نشے میں دھت ہونے کے بعد اس کے ہر سوال کے جواب میں سچ بولتی چلی جائے گی۔

وہ خوش دلی کے ساتھ ویرا سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ ویرا نے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ بے فکری کے ساتھ اس کے ساتھ باتیں کررہی تھی۔ اسے کسی نہ کسی طرح اپنا وقت گزارنا تھا، اکیلے پڑے رہنے سے بہتر تھا کہ اسے کچھ دیر کے لیے سوبھراج کا ساتھ میسر ہوگیا تھا۔

نہ جانے بات کس طرح سیاست کی طرف مڑگئی اور سوبھراج نے نخوت بھرے انداز میں کہا "میں نے دولت کے ساتھ ساتھ شہرت اور عزت بھی کمائی ہے۔ جس سے ڈینی کا دامن بالکل خالی ہے۔ سیاست کے میدان میں، میں بادشاہ نہیں تو بادشاہ گر ضرور ہوں۔"

"سیاست کے میدان میں اکیلا آدمی کچھ نہیں ہوتا، ساری اہمیت پارٹی کی ہوتی ہے، تم کس پارٹی میں ہو؟" ویرا نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"کمال کی بات یہی ہے کہ میری کوئی پارٹی نہیں ہے"

بھی میں ہر پارٹی سے زیادہ مضبوط ہوں۔"
"یہ کیسے ممکن ہے؟" ویرا نے بے اعتباری سے کہا۔
"سب پارٹیوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اپنی پارٹی کے ڈسپلن اور پارٹی کے پابند ہیں۔ میں اپنے اقلیتی ساتھیوں سمیت آزاد ہوں۔ آج ہم اسمبلی میں اپنی حمایت واپس لے لیں تو ذرا سی دیر میں وزیراعظم کا کام تمام ہو جائے گا۔ ہر لیڈر ہمارے گروپ کے تعاون کا خواہاں رہتا ہے۔"
"حیرت ہے کہ تم اتنی مستحکم سیاسی حیثیت کا مالک ہونے کے باوجود قانون شکنی کے مرتکب ہوتے ہو۔"
اس نے ایک جان دار قہقہہ لگایا اور بولا "قانون میرے گھر کی باندی ہے۔ قانون نے ہم کو پیدا نہیں کیا۔ ہم قانون بناتے ہیں۔ قانون ہمارے اشاروں سے بنتا اور بگڑتا ہے اور اسی سے قانون میں ترمیم ہوتی ہے۔ میں کوئی قانون شکنی نہیں کرتا۔"
"تم بہت بڑے بول بول رہے ہو' کیا بلیک کیٹس والی کہانی میں تمہارا کوئی کردار نہیں تھا؟" ویرا نے تندی سے کہا "قانون افراد نہیں' ادارے تخلیق کرتے ہیں۔"
"اسے بھول جاؤ' بلیک کیٹس کا قصہ اب ختم ہو گیا۔ سیتا کانت کو ڈینی نے ماردیا اور گوپال راج کو پولیس نے پکڑلیا" اس نے ویرا کی بات کا آخری حصہ نظرانداز کردیا۔
"گوپال کو پولیس نے پکڑلیا...!" ویرا حیرت سے بولی "یہ کب کی خبر ہے؟ آج صبح کے اخبار میں تو اس بارے میں کچھ نہیں تھا۔"
"یہ تازہ ترین خبر ہے جو پورے شہر میں گشت کررہی ہے۔"
ویرا کو یاد آگیا کہ گوپال کو آئی بی والے اپنی تحویل میں لینا چاہ رہے تھے تاکہ گوپال کو قیدیوں کے تبادلے میں ایک ٹرمپ کارڈ کے طور پر استعمال کرسکیں۔ اس اقدام کے پہلے مرحلے کے طور پر شاید ایس ٹی ایف نے گوپال کو پولیس کے حوالے کردیا تھا تاکہ اس معاملے کی تشہیر ہوسکے۔ جب تک بھارتیوں کو یہ علم نہ ہوتا کہ ان کا گوپال نامی بلیک کیٹ کراچی میں پکڑا گیا تھا' سرکاری طور پر تبادلے وغیرہ کے مذاکرات کی ابتدا نہیں کی جاسکتی تھی۔
ایس ٹی ایف والے خاموشی کے ساتھ گوپال کو آئی بی کے سپرد کردیتے تو وہ مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ اول خان کا روٹین کا ایک فیصلہ تھا جس پر ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی اس لیے ویرا اس فیصلے سے لاعلم تھی۔
"اگر یہ خبر درست ہے تو پھر تمہارے ستارے گردش میں آنے والے ہیں" ویرا نے معنی خیز انداز میں کہا۔
سوبھراج اپنے گلاس سے اسکاچ کا گھونٹ لیتے لیتے رک گیا اور چونک کر بولا "کیوں؟ اس کی گرفتاری سے میری صحت پر کیا فرق پڑے گا؟"
"وہ بھی وہ ساری باتیں جانتا ہوگا جو سیتا کانت نے بتائی ہیں۔ پولیس کو پہلے ہی مڑی ہوئی ناک والے حشمت کی تلاش ہے۔"
"میں وی وی آئی پی ہوں۔ پولیس میرا کچھ نہیں بگاڑسکتی" وہ برہم ہو کر بولا "جو لوگ ٹیڑھے کھیل کھیلتے ہیں وہ اپنے راستے کھلے رکھتے ہیں۔ مجھے یہ جان کر صدمہ ہوا ہے کہ یہاں آنے تک تم بھی ایس ٹی ایف کے اشاروں پر ناچ رہی تھیں۔ میں اب اس ایجنسی کو تباہ کردوں گا۔ یہ لوگ حد سے بڑھتے جارہے ہیں۔"
"کیا اس بارے میں تمہیں الہام ہوا ہے؟" ویرا نے سوبھراج کے بنائے ہوئے دوسرے گلاس سے پہلا گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔
"میرے آدمیوں نے تمہارے ڈرائیور کا پیچھا کیا تھا۔ وہ راج محل سے سیدھا ایس ٹی ایف کے اڈے گیا تھا" سوبھراج غرایا۔
"گوپال کو پولیس نے پکڑا ہے اور تم ایس ٹی ایف کو کوس رہے ہو" ویرا نے مخمور سا قہقہہ لگا کر اپنی انگلی فضا میں نچائی۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ سوبھراج سے تین گنا زیادہ اسکاچ پی لینے کے بعد نشے میں ہونے کی اداکاری ضروری ہوگئی تھی۔
"سب ایک تھیلی کے چٹّے بٹّے ہیں" سوبھراج چیخ کر بولا "میں نے ابھی فون پر ہوم سیکریٹری کو بہت پھٹکارا ہے کہ اب ایس ٹی ایف والے مجھ جیسے معززین کو بھی ہراساں کرنے لگے ہیں۔ میں نے اسے تمہاری گاڑی کا نمبر اور ڈرائیور کا حلیہ بھی دے دیا ہے۔ مجھ سے ٹکرا کر اول خان سراسر خسارے میں رہے گا۔"
"تو تم..... تم اول خان سے نمٹ لوگے مگر گوپال کا کیا کروگے؟ پولیس والے اس سے کھایا پیا تک اگلوالیں گے؟" ویرا نے اسے تپایا۔
"وہ زیادہ دیر تک پولیس کی تحویل میں نہیں رہے گا' اسے کوئی اور ایجنسی اپنی تحویل میں لے لے گی۔"
"تم جانتے ہو کہ تمہاری ایجنسیاں پولیس سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اول خان بھی ان کی مدد کرے گا۔"
"اول خان گیا بھاڑ میں... تم بلاوجہ میرا دماغ مت

خراب کرو۔ شراب تمہارے دماغ پر چڑھ رہی ہے۔ تم نے کیا اول خان کی رٹ لگا رکھی ہے۔"

"میں نے رٹ نہیں لگائی۔ بات تم نے شروع کی تھی۔ تم کو میرے ڈرائیور کا پیچھا کرانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اپنی ضرورتوں کو میں خود سمجھتا ہوں۔ تم ڈینی کی دست راست ہو۔ میرا اندازہ تھا کہ تمہیں کھودینے کے بعد وہ سیدھا ڈینی کی طرف جائے گا اور میں آج رات ہی شب خون مار کر اس کا صفایا کردوں گا لیکن ایسا نہیں ہوسکا۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ڈینی ایس ٹی ایف والوں کے ٹھکانے پر رہ رہا ہو" ویرا نے ایک شوشا چھوڑا۔

"یہ تم بتاؤ گی کہ وہ کہاں رہ رہا ہے۔" سوبھراج نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"اس کا کوئی ایک ٹھکانا نہیں ہے۔ وہ پورے شہر میں ناچتا پھرتا ہے" ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"میں نے سنا ہے کہ وہ دن رات تمہارے ساتھ رہتا ہے؟" سوبھراج بولا۔

"سنی سنائی باتوں پر یقین مت کیا کرو۔ وہ گمراہ کن ہوتی ہیں" ویرا نے اگلا گھونٹ لے کر جواب دیا۔

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم اس سے کہاں کہاں ملتی رہتی ہو؟" سوبھراج نے تحکم آمیز آواز میں مطالبہ کیا۔

"وہ بھیڑ بھاڑ سے دور بھاگتا ہے۔ جب بھی ملنا ہوتا ہے میرے پاس آجاتا ہے۔"

"تم کہاں روپوش تھیں؟" ویرا کے مختصر اور گول مول جوابات پر وہ جھنجلانے لگا۔

"میں اپنے گھر میں تھی، تم نے وہاں سے بے گھر کردیا۔ اب راج محل میرا گھر ہے۔"

"میں تم سے تمہارا پچھلا پتا پوچھ رہا ہوں" سوبھراج نے اصرار کیا۔

"وہ بے کار ہے، میری غیر موجودگی میں وہ بھول کر بھی اس چوہے دان کا رخ نہیں کرے گا۔ وہ بہت مکار اور خود غرض ہے۔"

"کبھی تم اس کے گن گانے لگتی ہو، اب اسے مکار اور خود غرض قرار دے رہی ہو؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"اس کے ساتھ رہ کر اس کے گن گانے پڑتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے مفاد کے سامنے کسی کو کچھ نہیں گردانتا۔ اسی وجہ سے وہ اب تک اپنے دشمنوں سے بچا ہوا ہے۔"

"پھر بھی تم اس کے قریبی ساتھیوں میں شامل ہو!"

"یہ میری مجبوری ہے۔ اس کے ساتھ رہ کر میں اتنی دور نکل گئی ہوں کہ اب میری واپسی ممکن نہیں رہی۔ میں چاہوں بھی تو اپنے دامن سے اس کی شناخت نہیں مٹاسکتی۔ حد یہ ہے کہ میرے ہم وطن بھی مجھے اس کا دست راست سمجھتے ہیں اور میری جان کے دشمن ہوگئے ہیں۔"

"کیا تم ان حالات سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہو؟" سوبھراج نے پرامید لہجے میں پوچھا۔

"مجھے کچھ پتا نہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ میں بھاگتے بھاگتے اکتا گئی ہوں" ویرا کی آواز بوجھل ہوگئی۔

"میں تمہاری کیفیت کو سمجھ رہا ہوں" سوبھراج نے اس کی پشت پر تھپکی دے کر اسے تسلی دی "اس وقت تم نشے میں ہو اس لیے مجھے یقین ہے کہ سچ بول رہی ہوگی۔ اگر تم مجھ پر بھروسا کرو تو یہ سب بدل سکتا ہے۔ میں تمہیں ڈینی کے سحر سے آزاد کراسکتا ہوں۔"

"آزاد ہوکر بھی میں اس کے نام کی قیدی رہوں گی۔ انعام کے لالچی دن رات میری تلاش میں لگے رہیں گے۔"

"بہت سے بارسوخ امریکی میرے قریبی دوست ہیں، میں انہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ میری بات سمجھ لیں گے" اس نے پریقین لہجے میں کہا۔ ویرا کی چکنی چپڑی باتوں کے چکر میں پڑ کر وہ اس کی کمین گاہ کا پتا ٹھکانا سب فراموش کر بیٹھا تھا۔

"جب تک ڈینی والے اشتہار سے میرا نام واپس نہیں لیا جاتا، میں سکھ کا سانس نہیں لے سکوں گی۔ ویرا نے دھیرے دھیرے پھیلنا شروع کردیا۔

"میری بات بن گئی تو ایسا بھی ہوجائے گا۔ میرے امریکی دوستوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

ویرا نے اسے یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ وہ مجھ سے فون پر بات کرتے ہوئے اس امر سے سراسر انکاری تھا کہ اس کا امریکیوں سے بھی کوئی ربط ضبط ہے۔

"تم اپنے کن امریکی دوستوں کی بات کررہے ہو؟" ویرا نے بے پروایانہ انداز میں پوچھا۔

"ان کی تعداد خاصی ہے۔ ان میں سے کم از کم دو تو اس وقت بھی کراچی میں موجود ہیں۔ تم نے ڈینی کی زبان سے ان کے نام سنے ہوں گے۔"

"ڈینی کسی کو بھی ضرورت سے زیادہ اعتماد میں نہیں لیتا" ویرا نے اسے کورا جواب دے دیا۔

"ایف بی آئی کا نک ہاروے اور سی آئی اے کا ٹام

پیٹرک میرا دوست ہے" سوبھراج نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد فخر سے بتایا۔

"اونہہ!" ویرا کا منہ بن گیا "واشنگٹن اور رور جینیا میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس زیادہ وقت نہیں ہوتا۔ کوئی تمہاری بات نہیں سنے گا۔"

سوبھراج سرک کر ویرا کے قریب ہوگیا اور اپنا داہنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر بولا "یہ دونوں امریکا میں نہیں، کراچی میں ہیں۔"

ویرا خود شراب پی رہی تھی لیکن اسے سوبھراج کے منہ سے آنے والے بھبکے ناگوار لگ رہے تھے۔ وہ ویرا سے تقریباً جڑ کر بیٹھا ہوا تھا۔

"وہ کراچی میں ہیں تو مجھے اور ڈینی کو پکڑنے کے لیے آئے ہوں گے۔" ویرا نے معصومیت سے اندیشہ ظاہر کیا۔ وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ اسکاچ کے سرور میں آنے کے بعد سوبھراج کا موڈ خوشگوار ہوچکا تھا اور وہ اس پر جھکا پڑ رہا تھا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ بے تکلفی سے ویرا کے شانے پر رکھا ہوا تھا۔ اس سے آگے اس میں کسی مزید پیش رفت کی ہمت پیدا نہیں ہو پا رہی تھی۔

"تم دیکھ لو۔ ان سے بات کرو، اگر وہ مجھ کو ڈینی سے نتھی نہیں کرتے تو میں پہلی فرصت میں ڈینی سے الگ ہونا چاہوں گی۔"

"مجھے ولایتی عورتیں اچھی لگتی ہیں" ویرا کے سدا بہار پیکر کے لمس سے سوبھراج کی عقل پر کہر جمنی شروع ہوگئی "تم چاہوگی تو تمہیں راج محل میں ملازمت مل جائے گی۔"

"تم نشے کی جھونک میں میرے اوپر ڈھلکے پڑ رہے ہو۔ ذرا سیدھے ہو کر بیٹھو۔ تمہارے بوجھ سے میری کمر میں درد ہونے لگا ہے" ویرا نے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانے کے لیے سوچ سمجھ کر قدرے الجھن کے ساتھ کہا۔

"اوہو.... عورت کا نام کچھ بھی ہو، وہ ہمیشہ عورت ہی رہتی ہے" یہ کہہ کر سوبھراج نے اپنا گلاس تیزی سے خالی کردیا۔ اس نے اپنے دونوں گلاس بہت ہلکے بنائے تھے لیکن اس کے پینے کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس بار ویرا نے اس کے لیے تیسرا گلاس بنایا تو اس میں پانی اور اسکاچ کی مقدار تقریباً برابر تھی۔ سوبھراج اسے دیکھتا رہا لیکن اس نے اسکاچ کی مقدار بڑھ جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

"اس وقت میرے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" قدرے توقف کے بعد ویرا نے پوچھا۔

"تم بہت خوبصورت اور پرکشش معلوم ہو رہی ہو" سوبھراج نے نیچی آواز میں کہا۔

ویرا زبردستی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی "یہ بات تو مجھے پہلے سے معلوم ہے۔ میں یہ جاننا چاہ رہی ہوں کہ مجھے کب تک یہاں رہنا ہوگا؟"

"فی الحال تم یہیں رہوگی" وہ اتنا بھی نہیں کہا تھا کہ موج میں آکر ویرا کو آزادی کی نوید سنا دیتا۔ اس کا داہنا ہاتھ یکایک ویرا کے شانے سے پھسل کر اس کی کمر کے گرد حمائل ہوگیا۔ وہ ویرا کے بالوں میں اپنا منہ گھسا کر گہرے گہرے سانس لیتا ہوا بولا "آؤ۔ بستر پر آجاؤ۔ بیٹھے بیٹھے تمہاری کمر کا درد بڑھ جائے گا۔"

ویرا نے شوخ اور تیکھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر مسہری کی طرف چل دی۔ اپنا گلاس اس نے دانستہ ٹرالی پر چھوڑ دیا تھا۔ سوبھراج نے بھی اس کی تقلید کی اور اپنا گلاس لیے مسہری کی طرف بڑھا۔ اس کے بیٹھنے سے پہلے، ویرا لڑھک کر مسہری کے دوسرے کنارے پر چلی گئی۔

"تم مجھ سے دور کیوں بھاگ رہی ہو؟" سوبھراج نے شکایتی لہجے میں پوچھا۔

"میں یہاں آئی تو مطلع ابر آلود تھا اور بھیگی ہوئی ہلکی ہوا چل رہی تھی" ویرا نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا "کراچی میں ایسا سہانا موسم کبھی کبھی آتا ہے۔ اس بند کمرے میں وقت گزارنے کے بجائے کیوں نہ ہم باہر گھومنے چلیں" وہ سوبھراج کے بدلتے ہوئے تیور دیکھ کر ذہنی پراگندگی کا شکار ہوگئی تھی۔

"میں گھر میں آزاد ہوتا ہوں۔ باہر مجھے محتاط رہنا پڑتا ہے۔ کسی اخباری نمائندے نے ہمیں دیکھ لیا تو صبح کے اخبار ایک اسکینڈل کھڑا کردیں گے" کسی حد تک مدہوش ہونے کے باوجود وہ بہت زیادہ ہوش کی باتیں کر رہا تھا "شہرت ہوجانے سے فائدے کے ساتھ ساتھ کچھ نقصانات بھی ہوتے ہیں۔"

"تمہاری مرضی!" ویرا نے مایوسی سے کہا "تم باہر جانے سے ڈرتے ہو تو پھر یوں ہی سہی!"

"میں کسی سے نہیں ڈرتا، اپنی عزت سے ڈرتا ہوں۔ اگر کوئی کام نکل آئے تو میں آدھی رات کو بھی باہر نکل سکتا ہوں۔ تمہارے ساتھ باہر کی ہوا خوری مشکل ہے۔"

"تو چلو.... پھر ڈینی کو ڈھونڈنے چلتے ہیں؟" ویرا نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد نئی تجویز پیش کردی۔

"اتنے بڑے شہر میں اسے کہاں ڈھونڈیں گے؟ ابھی تم

خود کہہ رہی تھیں کہ تمہیں اس کے ٹھکانے کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔"

"میں اس بات پر اب بھی قائم ہوں" وہ بھولا ہوا تذکرہ چھیڑ کر ویرا خوش نہیں تھی لیکن وہ سوبھراج کے قرب سے فرار حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اسے ٹالنے کے لیے کوئی جان دار عذر ضروری تھا "میرا اندازہ ہے کہ اس وقت وہ کلفٹن میں اپنے ایک دوست کے فلیٹ پر مل سکے گا۔"

"یہ بات تم مجھے اب بتا رہی ہو.... مجھے اس فلیٹ کا پتا بتاؤ" سوبھراج سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"میں تمہیں وہاں پہنچا سکتی ہوں۔ اس فلیٹ کا پتا مجھے معلوم نہیں ہے" ویرا نے سادگی سے کہا۔

ان لمحات میں یکایک میرا ذکر چھیڑتے ہوئے جہاں وہ سوبھراج کی رومان زدگی سے نجات کی خواہاں تھی وہیں اس کے ذہن میں یہ خیال بھی جاگزیں تھا کہ ہم لوگ اس کی طرف سے غافل نہیں رہے ہوں گے۔ اس کی بازی الٹنے کے ساتھ ہی کسی نہ کسی کو راج محل کے آس پاس مامور کر دیا گیا ہوگا۔ جیسے ہی اسے راج محل سے باہر نکالا جائے گا، ہم لوگ اس کی رہائی کے لیے حرکت میں آجائیں گے۔

"یہ بات تمہیں اسی وقت بتا دینی چاہیے تھی جب میں تم سے ڈینی کا پتا ٹھکانا پوچھ رہا تھا؟" اس نے ویرا سے شکوہ کیا۔

"تم نے خود ہی وہ بات ادھوری چھوڑ دی تھی" ویرا نے اپنی صفائی پیش کی "اس وقت بھی یہ ذکر میں نے نکالا ہے۔"

"اگر کہیں بھی اس کے ملنے کا امکان موجود ہے تو ہمیں ادھر کا رخ کرنا چاہیے۔ اس وقت میرے لیے ڈینی بہت اہم ہے۔"

"مجھے اس کے کم از کم دو ٹھکانوں کا علم ہے" ویرا نے اسے مزید اکسانے کی نیت سے کہا "ایک کلفٹن میں جہانگیر کا فلیٹ ہے اور دوسرا گلشن کا ایک گھر!"

"یہ جہانگیر وہی تو نہیں جس کی لی مارکیٹ کے علاقے میں فارمیسی ہوا کرتی تھی!" سوبھراج نے چونک کر پوچھا۔

"بالکل وہی... مگر تم اس کو کیسے جانتے ہو؟" ویرا نے حیرت ظاہر کی۔

"ایک اچھے سیاست داں کو ہر وقت اپنے ملک اور شہر کے حالات سے باخبر رہنا پڑتا ہے۔ شاید انڈر ورلڈ کے کچھ لوگوں نے اس کی فارمیسی کو آگ لگا دی تھی جس کے نتیجے میں اوپر کی منزل پر رہنے والے ایک خاندان کا بچہ جل کر مر گیا تھا" سوبھراج نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تم بالکل ٹھیک پہنچے ہو۔ تمہاری یادداشت قابلِ رشک ہے" ویرا نے اعتراف کیا۔

سوبھراج نے اپنی جن معلومات کا اظہار کیا تھا، ان کا سیاست سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ ویرا یہ بات اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ وہ باتیں اسے بن ڈیوڈ اور رنک وغیرہ کے ذریعے معلوم ہوئی ہوں گی مگر وہ سوبھراج کے کسی دعوے پر اعتراض کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ وہ اس کی ہاں میں ہاں ملا کر اسے راج محل کی حدود سے باہر نکالنا چاہتی تھی۔

"جہانگیر کا نام لے کر تم نے اپنی بات میں وزن پیدا کر دیا ہے" سوبھراج قدرے پرجوش لہجے میں بولا۔ "تم اسی وقت نکل جاؤ، وہ کلفٹن میں نہ ملے تو گلشن میں بھی ضرور دیکھنا۔"

"میں نکل جاؤں؟" ویرا نے حیرت سے کہا "تو کیا تم میرے ساتھ نہیں چلو گے؟"

"نہیں، میں نہیں جا سکوں گا۔ اس وقت میں نے تھوڑی سی زیادہ پی لی ہے، باہر کی ہوا لگی تو نشہ گہرا ہو جائے گا۔"

"میں اکیلی کہاں دھکے کھاتی پھروں گی" ویرا کو سوبھراج کے انکار پر غصہ آ گیا۔

"ارے ڈارلنگ! تم بلاوجہ انگریزی میں خفا ہو رہی ہو۔ میرے چار بہترین لڑاکا آدمی تمہارے ساتھ جائیں گے۔ ڈینی مل گیا تو وہ چاروں کسی جنگلی سور کی طرح اس کی گردن میں رسی ڈال کر اسے یہاں لے آئیں گے، وہ تمہارے محافظ بھی ہوں گے، تم ان کے ساتھ یہاں لوٹ آؤ گی" اس نے خوش گوار لہجے میں کہا۔

ویرا نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ سوبھراج اس کا چہیتا نہیں تھا۔ وہ اسے ہمارے ممکنہ نشانے پر لانے کے لیے راج محل سے باہر نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ خبیث اپنے بارے میں کچھ زیادہ ہی خوش فہمیوں میں مبتلا تھا۔ یہ ظاہر کر رہا تھا جیسے شہر بھر کے اخباری نمائندے ساری دنیا کو بھول بھال کر دن رات اس کی سرگرمیوں کی کوئی خبر یا تصویر حاصل کرنے کی دوڑ میں لگے ہوئے تھے۔ اگر وہ اپنے بل سے باہر نکلنے پر آمادہ نہیں تھا تو اسے بھاڑ میں ڈالا جائے۔ ویرا کو راج محل کی منحوس چار دیواری سے باہر نکلنے کا موقع میسر آ رہا تھا تو اسے اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔

وہ چند گھنٹوں میں رونما ہونے والی بہت بڑی تبدیلی تھی۔ ابتدا میں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ویرا کو دوبارہ کھلا آسمان دیکھنا نصیب نہیں ہو سکے گا اور آخر کار وہی عمارت اس کا مقتل اور مدفن بنا دی جائے گی لیکن ویرا نے اپنی پیہم

کوششوں سے سوبھراج کو یہ باور کرادیا تھا کہ وہ خود بھی میرے ستائے ہوئے لوگوں میں شامل تھی۔ اس وقت کی صورت حال ویرا کے لیے بہت حوصلہ افزا تھی۔ وہ موقع ضائع کرنا کفرانِ نعمت کے مترادف ہوتا۔

"اس وقت میں صرف تمہارے ساتھ باہر جانا چاہ رہی تھی۔ تمہارا موڈ نہیں بن رہا تو پھر میں ہی چلی جاتی ہوں۔ تم میری کامیابی کے لیے دعا کرتے رہنا۔"

"بات ڈینی کی نہ ہوتی تو اس وقت میں تمہیں باہر نہ بھیجتا۔ یہ فیصلہ کرکے میں ایک نپا تلا خطرہ مول لے رہا ہوں۔ لوگ کہتے رہے ہیں کہ تم دونوں بہت چالاک اور مکار ہو مگر میرا تجربہ بتاتا ہے کہ اس وقت تم نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا۔ تم اپنی ذات پر ڈینی کی چھاپ سے زچ آچکی ہو....."
سوبھراج پورے اعتماد سے بول رہا تھا کہ ویرا درمیان میں بول پڑی۔

"تمہیں ذرا سا بھی شبہ ہے تو تم اب بھی اپنا فیصلہ بدل سکتے ہو۔ میں باہر جانے پر اصرار نہیں کروں گی۔"

"نہیں.... تم ضرور جاؤ گی" سوبھراج نے زور دے کر کہا "ڈینی کی گردن دبوچنے کے لیے میں ہر خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہوں۔ اس کی آزادی کا ایک ایک لمحہ میرے لیے بھاری ہورہا ہے۔ اس کا وقت پورا ہوچکا ہے۔ اب اسے میرے سامنے خاک چاٹنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔"

ویرا میرے بارے میں اس کے اضطراب کو خوب سمجھ رہی تھی۔ اس کو سب سے زیادہ میری فکر تھی کیونکہ میں اس کے سارے کرتوتوں سے واقف ہوچکا تھا۔ وہ باتیں ویرا سمیت دوسروں کے علم میں بھی تھیں مگر سوبھراج کو یہ غلط فہمی تھی کہ میں نے دوسروں کو ان باتوں کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔ اس کے خلاف سارا مواد میرے سینے میں محفوظ تھا۔ جب تک میں آزاد اور زندہ تھا' سوبھراج کی عزت' ساکھ اور سلامتی' سب کچھ داؤ پر لگا ہوا تھا۔ وہ مجھے مار کر ہی اپنی دانست میں اپنا بچاؤ کرسکتا تھا۔ اس پس منظر میں میری سرکوبی کے لیے اس کا حد سے بڑھا ہوا تجسّس و اضطراب قطعی فطری تھا۔ میرے خاتمے کے لیے اگر اسے ویرا سے ہاتھ دھونے پڑتے تو وہ اس کے لیے بھی تیار تھا۔

سوبھراج کے لیے ویرا کی حیثیت محض ایک یرغمالی کی سی تھی۔ اس کا اصل تصادم مجھ سے تھا۔ ویرا نے اسے میری مکاری اور خود غرضی کی جو داستان سنائی تھی وہ سوبھراج کے لیے ضرورت سے زیادہ اثر انگیز ثابت ہوئی تھی۔ شاید اس کے دل میں اس خدشے نے بھی سر ابھارا ہو کہ میں کسی وقت ویرا کے انجام کی پروا کیے بغیر کہیں سوبھراج کو بے نقاب نہ کردوں۔ ایسی صورت میں اس کے لیے ویرا کی بے مصرف ثابت ہوتی۔ وہ اس کو مار کر بھی میرے وار کا ازالہ نہیں کرسکتا تھا۔

"تم ڈینی کے خلاف بھڑکے ہوئے ہو۔ میرا خیال ہے کہ مجھے چلا ہی جانا چاہیے!" ویرا نے اس کے اصرار کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی صداکاری کرتے ہوئے کہا۔

سوبھراج نے قریبی تپائی سے انٹرکام اٹھا کر کسی کو ٹیلی کو بھیجنے کے بارے میں ہدایت دی اور ریسیور رکھ کر دوبارہ اپنے گلاس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

❂✲❂

"مجھے یہ رات کالی ہوتی نظر آرہی ہے" سلطان شاہ انفرا ریڈ دوربین آنکھوں سے لگائے ہوئے بڑبڑایا "پچھلے ڈیڑھ گھنٹوں میں راج محل سے یہ دوسری گاڑی باہر نکلی ہے اور اس میں بھی ڈرائیونگ سیٹ پر صرف ایک آدمی نظر آرہا ہے۔"

"ایک وقت میں ڈرائیونگ سیٹ پر ایک ہی آدمی ہوسکتا ہے۔ کیا تم اس کی گود میں کسی اور کی موجودگی کی توقع کررہے تھے؟" میں نے قدرے ترشی سے پوچھا۔

"یہ مطلب نہیں تھا میرا.... دراصل گاڑی میں اس کے سوا کوئی اور نہیں تھا" اس نے دوربین اپنی آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے صفائی پیش کی۔

"گاڑی کی سیٹ کے علاوہ پائیدان میں بھی کوئی وجود پوشیدہ ہوسکتا ہے" اول خان نے مزہ لینے کے لیے سنجیدگی سے کہا۔

پارکنگ لائٹس کی روشنی میں راج محل کے پھاٹک سے برآمد ہونے والی کار کے ہیڈ لیمپس جل اٹھے اور وہ تیزی سے ایک طرف گھوم کر آگے روانہ ہوگئی۔

"یہ انفرا ریڈ دوربین ہے' اندھیرے میں ضرور دکھا سکتی ہے۔ آہنی چادر کے پیچھے چھپی ہوئی چیزوں کو دکھانا اس کی بساط سے باہر ہے۔" سلطان شاہ نے تنک کر کہا "یہ تم لے لو۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے ہاتھوں میں آنے کے بعد یہ دوربین زیادہ کمالات دکھا سکے" اس نے دوربین میری طرف بڑھائی۔

"تم برا مان گئے۔ وقت گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ شغل بھی ضروری ہے۔ ہم صرف کام میں لگے رہے تو بہت جلد اکتا جائیں گے" اول خان ہنس کر بولا۔

فون پر سوبھراج سے بات ہونے کے بعد میں نے رائے قائم کی تھی کہ وہ ویرا کو زیادہ دیر تک راج محل میں قید نہیں رکھے گا۔ ایک آدھ رات گزارنے کے بعد اسے کہیں اور منتقل کردے گا۔ میرے لیے وہ صورتِ حال بہت سنگین اور فوری توجہ کی متقاضی تھی۔ میں غزالہ اور اول خان کے ساتھ دیر تک اسی بحث میں الجھا رہا۔ اسی دوران میں سلطان شاہ اسٹیشن فورکی سیر کرکے ٹیکسی کے ذریعے ہانپتا کانپتا گھر آپہنچا۔

اس کی رپورٹ حوصلہ افزا تھی۔ اس سے ملاقات ہونے تک ویرا پر کسی قسم کا تشدد نہیں کیا گیا تھا۔ مگر وہ مسلح آدمیوں کے نرغے میں پورچ تک لائی گئی تھی۔

سلطان شاہ کی آمد اور رپورٹ کے بعد ہماری گفتگو میں نئی جان پڑگئی۔ آثار بتارہے تھے کہ ویرا قید ضرور کرلی گئی تھی لیکن راج محل میں اس کے ساتھ بوجوہ شریفانہ سلوک کیا جارہا تھا۔

ویرا ہم میں سے تھی۔ اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔ مشترکہ طور پر یہ طے ہوا کہ غزالہ کو گھر پر چھوڑ کر ہم تینوں فوری طور پر راج محل کی طرف دوڑ لگادیں۔ غزالہ کو گھر پر کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ وہاں ایس ٹی ایف کے دو مسلح گارڈز ہروقت موجود رہتے تھے۔

غزالہ نے بھی ہمارے ساتھ چلنے کی ضد نہیں کی۔ اس معاملے میں اس کا مزاج ویرا سے بالکل مختلف تھا۔

اول خان کی تجویز اور ہدایت پر اس کے ایک آدمی نے اس کی لینڈ رووَر کی اگلی اور پچھلی نمبر پلیٹوں پر اچھی طرح گیلی مٹی مل دی تاکہ ہمارا کوئی حریف اتفاقی طور پر گاڑی کا نمبر نوٹ نہ کرسکے۔ اس مختصر سی احتیاط کے ساتھ تینوں فوری طور پر سولجر بازار کی طرف روانہ ہوگئے۔

سلطان شاہ ویرا کو لے کر وہاں پہنچا تو ہر طرف ابتدائی شام کا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ راج محل سے باہر، ویرا کی واپسی کا انتظار کرتے ہوئے اس نے دو مقامات کا تعین کرلیا تھا جہاں سے آسانی کے ساتھ راج محل کے داخلی راستے کی نگرانی کی جاسکتی تھی۔ اس نے اسی وقت اندازہ لگالیا تھا کہ ہمیں کسی نہ کسی وقت اس عمارت کا گھیراؤ کرنے کی ضرورت پیش آجائے گی۔

ایسی ناگہانی مہمات کے لیے اول خان کی گاڑی ہر وقت ضروری سازوسامان سے لیس رہتی تھی۔ اسی میں انفراریڈ دوربین بھی شامل تھی جو گھور اندھیرے میں سو میٹر دور تک کی چیزیں دکھانے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ وہ دوربین سفر کے آغاز ہی میں سلطان شاہ کے حوالے کردی گئی تھی۔

ہم تینوں بہت برق رفتاری سے ٹھیک سات بجے اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ ہم نے شاہانہ رفتار کے ساتھ مین روڈ سے گزرتے ہوئے، راج محل کا گہرا جائزہ لیا اور پھر لینڈ رووَر سلطان شاہ کی منتخب کی ہوئی ایک گلی میں داخل کردی جہاں گھنے درختوں کی وجہ سے زیادہ اندھیرا تھا۔

اول خان نے اپنی گاڑی کا اسٹیئرنگ وہیل سنبھالا ہوا تھا۔ میں اس کے برابر والی سیٹ پر براجمان تھا۔ سلطان شاہ ہم دونوں کے پیچھے پوری نشست پر قابض تھا۔ اس گلی میں کافی دور نکل جانے کے بعد اول خان نے اپنی گاڑی گھمائی اور روشنیاں گل کرکے لینڈ رووَر کو دوبارہ گلی کے سرے تک لاکر، گھنے درختوں کے نیچے پارک کردیا۔ درختوں کے ساتھ ہی ایک بوسیدہ دیوار دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے ایک خستہ حال عمارت کا منہدم ڈھانچا کنکریٹ اور پتھروں کے اونچے انبار کی صورت میں نظر آرہا تھا۔

اس مقام سے راج محل کا پھاٹک براہِ راست ہماری آنکھوں کی زد میں تھا۔ پھاٹک کے اونچے ستونوں پر خاصی تیز روشنی موجود تھی جو دور تک پھیل رہی تھی لیکن چراغ تلے اندھیرے کے مصداق، پورا پھاٹک اندھیرے میں ڈوبا ہوا مہیب سا لگ رہا تھا۔

ہمارے وہاں پہنچنے کے بیس پچیس منٹ بعد اندر سے ایک پرانی سی کار باہر نکلی جس میں ملازمانہ وضع قطع کا ایک ادھیڑ عمر شخص سوار تھا۔ اس گاڑی کی ظاہری حالت ایسی نہیں تھی کہ اسے کسی تیز ترین مجرمانہ کارروائی کے لیے استعمال میں لایا جاتا۔ ڈیڑھ گھنٹے کی مدت میں اندر سے دوسری گاڑی وہ نکلی تھی جس کے بارے میں تینوں نے کوئی نہ کوئی رائے زنی کی تھی۔ اس دوران میں باہر سے کوئی اس احاطے میں داخل نہیں ہوا تھا۔

"ایسا نہ ہو کہ ویرا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر راج محل میں آباد ہونے کا فیصلہ کرلیا ہو۔ آزاد خیال مغربی لڑکیاں ایسے معاملات میں بہت متلون ہوتی ہیں۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سلطان شاہ بولا۔

"کم از کم اس وقت تو اس کے بارے میں ایسے بے رحمانہ انداز میں نہ سوچو۔ پتا نہیں وہ اندر کن حالات کا سامنا کررہی ہوگی۔" میں نے اسے ملامت کی۔

"یہ تشویش مجھے بھی ہے۔ تم یقین نہیں کرو گے کہ جب اس نے پورچ میں آکر مجھ سے بات کی تو اس کے منہ سے بیئر کی بو آرہی تھی۔"

"تم کیا جانو کہ بیئر کی بو کیا ہوتی ہے!" اول خان نے اعتراض کیا۔

"میں نے کبھی نہیں پی لیکن پینے والوں کے ساتھ ایک مدت سے رہ رہا ہوں۔ مجھے تھوڑی بہت پہچان آ گئی ہے۔" وہ بولا۔

"اپنی تصحیح کرلو۔ تم پینے والوں کے ساتھ نہیں، صرف ایک پینے والی کے ساتھ رہ رہے ہو۔" میں نے کہا۔

"تم کچھ عرصے سے تائب ہو گئے ہو تو کیا ہوا، پہلے تم بھی پرانے پاپی تھے۔ میں نے اصل باریکیاں تمہارے ساتھ رہ کر ہی سیکھی ہیں۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تم نے کیا باتیں نکال لیں۔" اول خان نے دخل اندازی کی "یہ بھلی باتوں کا وقت ہے۔"

"میں وقت گزاری کے لیے ذرا شغل کر رہا تھا ورنہ میرا دل بھی ویرا کے لیے پریشان ہے۔" سلطان شاہ کی آواز سوگوار ہو گئی۔ "اس کو اپنی غلطی اور حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے یہ وقت دیکھنا پڑا ہے۔ کبھی کبھی وہ اندھے کنویں میں چھلانگ لگا دیتی ہے۔"

"کچھ پتا نہیں کہ اس وقت اندر کی کیا صورتِ حال ہے۔" اول خان نیچی آواز میں بڑبڑایا "اگر وہ ہمارے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی اسے نکال کر کہیں لے گئے ہیں تو ہم ساری رات یہاں جھک مارنے کے باوجود کوئی نتیجہ حاصل نہیں کر پائیں گے۔"

"ویرا کی طرح مجھے سوبھراج بھی اپنے بارے میں بہت خوش گمان اور پُراعتماد معلوم ہوتا ہے۔" میں نے اسے تسلی دی "اس نے ویرا کو نکالنے میں عجلت سے کام نہیں لیا ہوگا۔ وہ کوئی عاجلانہ فیصلہ کر چکا ہوتا تو ویرا، سلطان شاہ کو بریفنگ کرتے ہوئے کوئی نہ کوئی اشارہ ضرور دے دیتی۔"

"ہم دونوں سب سے الگ تھلگ تھے۔" سلطان شاہ نے میری توثیق کرتے ہوئے کہا "وہ جو چاہتی، کہہ سکتی تھی۔ تم نے بتایا ہے کہ تمہاری اس سے سوا پانچ بجے فون پر بات ہوئی تھی۔ وہ راج محل میں مجھ سے تقریباً چھ بجے ملی تھی۔ اس درمیانی مدت میں اس کے سوبھراج سے مذاکرات ہوتے رہے ہوں گے۔ اسے اپنی فوری منتقلی کا ذرا سا بھی اشارہ مل جاتا تو وہ مجھے ضرور کچھ نہ کچھ بتا دیتی۔ میرا اندازہ ہے کہ ابھی وہ اندر ہی ہوگی۔"

"خدا کرے تمہارا اندازہ درست ہو۔" اول خان نے دعائیہ لہجے میں کہا "وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری وحشت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔"

تھوڑی دیر کے لیے گاڑی کے کیبن میں خاموشی چھا گئی۔ ہم تینوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔

پھر پھاٹک میں جنبش ہوئی۔ انفراریڈ دوربین سلطان شاہ کی آنکھوں سے جا لگی۔

پھاٹک اندر کی طرف کھلنا شروع ہوا تو گیٹ لیمپس کی روشنی میں بننے والے، ستونوں کے سائے میں ایک پجیرو نظر آئی۔ وہ قدرے تاریکی میں تھی اس لیے اس میں موجود سواروں کی تعداد کا اندازہ نہیں ہو سکا مگر سلطان شاہ کی اضطراری آواز نے وہ مسئلہ اسی دم حل کر دیا۔

"ویرا پچھلی سیٹ پر دو آدمیوں کے درمیان موجود ہے۔" وہ دوربین آنکھوں پر جمائے نیم ہذیانی انداز میں بول رہا تھا "دو آگے ہیں۔ چار آدمیوں کا قافلہ اسے کہیں لے جا رہا ہے۔ انجن اسٹارٹ کرلو۔ وہ کسی بھی لمحے چل پڑیں گے۔"

اول خان نے بلا تاخیر اپنی لینڈ روور کا انجن اسٹارٹ کر لیا۔

پجیرو والوں کو کسی کا نہیں، صرف پھاٹک کھلنے کا انتظار تھا۔ پھاٹک کھلتے ہی وہ تیزی سے سڑک پر آ گئے۔ گاڑی آگے بڑھانے سے پہلے انہوں نے اپنے ہیڈ لیمپس روشن کر لیے تھے۔ اگر ہم تینوں بروقت نیچے نہ جھک گئے ہوتے تو ہمارے چہرے مڑتی ہوئی پجیرو کی تیز روشنی میں نہا جاتے۔

چند ثانیوں کے فرق سے اول خان نے اپنی لینڈ روور کمال ہوشیاری سے ان کے پیچھے لگا دی۔

پجیرو چڑیا گھر کی عقبی سڑک پر پہنچی تو ہمیں اس کی سمت کا کوئی اندازہ نہیں تھا لیکن اس کے گارڈن روڈ پر، بائیں طرف مڑتے ہی یہ تعین ہو گیا کہ پجیرو پرانے شہر کے مرکزی علاقے میں داخل ہو گی یا وہاں سے گزرے گی۔

"رفتار بڑھاؤ اور ذرا سی دیر کے لیے ان سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔" سلطان شاہ، اول خان کی پشت پر ہاتھ مار کر بے چینی سے بولا "اگلے سگنل پر دوبارہ ان کے پیچھے ہو لینا۔"

"جلدی کرو، فاصلہ کم ہے۔ سلطان شاہ صحیح کہہ رہا ہے۔" میں نے ہیجانی آواز میں اس کی تائید کی۔

اس وقت ویرا پجیرو میں اپنے چار مسلح دشمنوں میں گھری ہوئی تھی۔ یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ راج محل والے اس کے ساتھ دوستانہ انداز میں پیش آئیں گے۔ وہ چاروں اسے کہیں بھی لے جا رہے ہوں، ویرا کا ہراساں اور چوکنا ہونا لازمی تھا۔ ہماری لینڈ روور برق رفتاری کے ساتھ

ان کے برابر سے گزرتی تو ویرا کا اس کی طرف متوجہ ہونا لازمی تھا۔ وہ اول خان کی گاڑی کو نہ پہچانتی تب بھی ہمارے شناسا چہرے اس کے دل میں ایک نیا ولولہ پیدا کر دیتے اور وہ ذہنی طور پر کوئی نیا کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہو جاتی۔

وہ ایک اہم اور تیز ترین فیصلہ تھا۔ اس میں صرف ایک خرابی تھی کہ چند گھنٹے پہلے متعدد افراد سلطان شاہ کو راج محل میں دیکھ چکے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی ان چاروں میں بھی شامل تھا اور وہ سلطان شاہ کی ایک جھلک بھی دیکھ لیتا تو اپنے ساتھیوں کو کسی خوں ریز تصادم کے خطرے سے ہوشیار کر دیتا۔

"تم پائیدان میں دبک جاؤ۔" میں نے وہ اندیشہ ذہن میں آتے ہی مڑ کر سلطان شاہ سے کہا۔ اس اثنا میں اول خان لینڈ روور کی رفتار بڑھا کر لحہ بہ لحہ پجیرو سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

سلطان شاہ اس وقت ذہنی طور پر حاضر اور بہت فعال تھا۔ وہ میری ہدایت کی اہمیت کو سمجھ کر کچھ کہے بغیر نیچے جھک گیا۔ اس کا پورا وجود کھڑکی سے نیچے، آہنی دروازے کے اوٹ میں چھپ چکا تھا جس کے نتیجے میں اس کا باہر سے دیکھا جانا ممکن نہیں رہا تھا۔

سوبھراج نے پجیرو میں شاید شہدے قسم کے آدمیوں کو بھیجا تھا۔ وہ اپنے پیچھے بڑھتی ہوئی لینڈ روور کو عقب نما آئینے میں دیکھ کر یہ سمجھے کہ ہم شہر کی اس مصروف سڑک پر ان سے ریس لگانے کے موڈ میں ہیں۔ انہوں نے اپنی رفتار بڑھا دی۔

میں نے پلٹ کر ایک نگاہ سلطان شاہ پر ڈالی۔ وہ بدستور اپنی نشست میں دبکا اور سمٹا ہوا تھا۔ اگلی پجیرو کی رفتار میں یکایک تیزی آتے ہی اول خان تاؤ میں آگیا۔ اس کی لینڈ روور کا انجن بہت جان دار تھا۔ اس نے نچلا ہونٹ اپنے دانتوں میں دبا کر انجن کو تیسرے گیئر میں لوٹایا اور پھر لینڈ روور کی رفتار بڑھتی ہی چلی گئی۔ درمیانی فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ خم دار سڑک پر اول خان نے ان کی داہنی جانب سے آگے نکلنا چاہا تو پجیرو والے نے سائیڈ دبا کر اسے روکنے کی کوشش کی لیکن اس وقت اول خان پر جنون سوار ہو چکا تھا۔ بریک استعمال کیے بغیر اس نے ہارن بجانا شروع کر دیا۔ ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے ان دونوں گاڑیوں میں خوفناک تصادم ہو گا اور ان میں سے کوئی نہ کوئی گاڑی سڑک پر پہلو کے بل الٹ جائے گی۔

وہ ہولناک خطرہ پجیرو کے ڈرائیور نے بھی بھانپ لیا۔ لینڈ روور کی رفتار اور ہارن کے شور سے اسے ہمارے تیوروں کا اندازہ ہو چکا تھا۔ دونوں گاڑیوں کے بغلی تصادم میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی کہ پجیرو والے نے اپنی گاڑی اچانک بائیں طرف کاٹ کر وہ سنگین خطرہ ٹال دیا۔

اول خان فاتحانہ انداز میں اس کی سائیڈ دباتا ہوا آگے نکل گیا۔

اگر ہم عام رفتار اور انداز میں پجیرو سے آگے نکلے ہوتے تب بھی ویرا ہمیں ضرور دیکھ لیتی۔ پجیرو کے ڈرائیور نے اپنی حماقت سے اوور ٹیکنگ کے آخری لمحات کو اس قدر ہولناک اور اعصاب شکن بنا دیا تھا کہ دونوں گاڑیوں کے سوار اعصاب زدگی کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔

پجیرو کے برابر سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ویرا وحشت زدہ انداز میں ہماری گاڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گاڑی اور پھر دو چہروں کو پہچانتے ہی اس کے بشرے پر بشاشت، طمانیت اور سکون کی جو لہر دوڑی، میں بس اس کی ایک جھلک دیکھ سکا اور پھر ہم پجیرو سے آگے تھے۔

میں دل ہی دل میں خوش تھا کہ ہم نے اس خطرناک اوور ٹیکنگ کا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ سوبھراج کے چار آدمیوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی ویرا کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اسے غنیم کے مقابلے میں کمک پہنچ چکی تھی۔ ہم سڑک پر دوڑ لگا کر کوئی موقع تلاش کر رہے تھے، ویرا اندر سے کوئی گھات لگا سکتی تھی۔

"جب تک میں آواز نہ دوں، نیچے ہی چھپے رہنا۔" میں نے تیز لہجے مگر دھیمی آواز میں سلطان شاہ سے کہا "میدان صاف نہیں ہوا ہے۔ ابھی ہم ان سے آگے نکلے ہیں۔ اب ان کو آگے جانے کا موقع دیا جائے گا تاکہ وہ راستے سے کہیں غائب نہ ہو سکیں۔"

امکان کم تھا مگر اس خطرے سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ہم زیادہ دور تک انہیں اپنی گاڑی سے آگے نکلنے کا موقع نہ دیتے تو وہ راستے میں کہیں بھی اچانک دائیں بائیں مڑ کر ٹریفک کی بھیڑ میں غائب ہو جاتے۔ جب تک ہم یوٹرن لے کر واپس اسی موڑ پر پہنچتے تو وہ ویرا سمیت غائب ہو چکے ہوتے۔ یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا جب انہیں یہ شبہ ہو جاتا کہ ہم ان سے محض ریس نہیں لگا رہے تھے بلکہ کسی خاص مقصد کے تحت ان سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔

اگلے سگنل پر بتی سرخ تھی۔ اول خان نے ڈرائیونگ کے کرتب دکھا کر سب سے آگے نکلنے سے گریز کرتے ہوئے

اپنی قطار میں لینڈ روور روک دی۔ اس کے آگے متعدد چھوٹی بڑی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ پجیرو والے نے اپنی دانست میں وہ موقع غنیمت جانا اور انتہائی بائیں جانب سے وہ سیدھا اندر گھستا چلا گیا۔ ہمارے برابر سے گزرتے ہوئے اس نے کسی سبب یا ضرورت کے بغیر، فاتحانہ انداز میں لمبا ہارن بجایا تھا۔

"اس وقت سلطان شاہ کی آنکھوں کے ساتھ عقل بھی خوب کام کر رہی تھی۔" اول خان نے اپنے مختصر مگر سنسنی خیز تجربے کے سرور میں آ کر کہا "دوسری گاڑی میں واقعی ویرا موجود ہے اور اس نے دہری اوور ٹیکنگ میں ہم دونوں کو اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔"

"مجھے کام کی ایسی سزا تو نہ دو!" پیچھے سے سلطان شاہ کراہا "اگر وہ آگے نکل چکے ہوں تو مجھے سیدھا ہونے کی اجازت دے دو!"

"ہاں، اب تم سیدھے ہو کر بیٹھ سکتے ہو۔" میں نے اسے مژدہ سنایا۔ دوسری گاڑی میں ویرا کو دیکھ لینے کے بعد مجھے اپنا ذہن بہت ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔

سوبھراج کے ان چار بدمعاشوں کے چنگل سے ویرا کو آزاد کرنے کا اصل مرحلہ باقی تھا مگر ویرا کے راج محل سے نکل آنے کا احساس اس قدر قوی تھا کہ اس کے سامنے بقیہ ہر کام اپنی اہمیت اور سنگینی کھو بیٹھا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ہم ویرا کو آسانی کے ساتھ ان کے قبضے سے نکال لیں گے۔

دونوں طرف کی نفری برابر تھی۔ پجیرو میں وہ چار تھے اور ہم تین تھے مگر ویرا ہماری چوتھی ساتھی جو اس وقت ان کے درمیان گھری ہوئی تھی مجھے پورا یقین تھا کہ براہِ راست مقابلے کی نوبت آتے ہی ویرا ان لوگوں کی نفری کی پروا کیے بغیر، کھل کر اپنے جوہر دکھائے گی اور ہمارے ہاتھ مضبوط کرے گی۔

ٹریفک سگنل کی روشنی سبز ہوئی تو پجیرو بائیں طرف سے لہراتی ہوئی آگے ہو لی۔ ہمارے اور اس کے درمیان کئی گاڑیاں حائل ہو چکی تھیں۔

"وہ اُلّو کے پٹھے سمجھ رہے ہیں کہ انہوں نے ہم سے ریس جیت لی ہے۔" سلطان شاہ قدرے برہمی سے غرایا۔

"یہاں ٹریفک زیادہ ہے۔ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ بھی کافی ہے۔ ٹکراؤ ہوا تو بہت سے بے گناہ لوگ مفت میں فائرنگ کی زد میں آ جائیں گے۔" اول خان دبی دبی مگر پرجوش آواز میں بولا "گاڑیاں ذرا سناٹے کی طرف نکلیں تو ان کو دال آٹے کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔"

ہم نے اپنے گھر سے راج محل تک کے سفر میں، لینڈ روور کی نشستوں کے نیچے سے مختصر بیرل والی خودکار رائفلیں نکال کر، میگزین سمیت آپس میں بانٹ لی تھیں اور ذرا سے اشارے پر اپنے دشمن پر بارودی آگ برسانے کے لیے تیار تھے۔

اگلا ٹریفک سگنل ایم اے جناح روڈ کا تھا جو خوش قسمتی سے سبز تھا۔ پجیرو صاف اور سیدھی نکل گئی مگر ہماری باری آتے آتے سگنل سرخ ہو گیا۔

اول خان ڈرائیونگ کے بارے میں ہمیشہ بہت محتاط رہا کرتا تھا لیکن وہ موقع نازک تھا۔ اس چوراہے پر گارڈن روڈ کے سگنل کے کھلنے کی باری خاصی دیر میں آتی ہے۔ اس اثنا میں پجیرو بہت دور نکل سکتی تھی۔ اول خان سرخ روشنی کو نظرانداز کر کے اپنی گاڑی دوڑا لے گیا۔

وہ تعاقب زیادہ دور تک جاری نہیں رہ سکا۔ یکایک پجیرو کا بایاں انڈی کیٹر جلنے بجھنے لگا اور اس کی رفتار بھی کم ہو گئی۔

"یہ کیا ہوا؟" اول خان تحیر زدہ آواز میں بولا "بریک لائٹس جل گئی ہیں۔ شاید وہ سڑک کے کنارے رک رہے ہیں۔"

میرے اعصاب پر تناؤ چھا گیا اور رائفل کے دستے پر میرے ہاتھوں کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ وہ اپنی شکلوں سے شرفا نہیں لگ رہے تھے۔ امکان یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ ریس جیت لینے کے بعد مار کٹائی کا کوئی فیصلہ کر چکے تھے۔

پجیرو فٹ پاتھ سے لگ کر رک گئی۔ بیک وقت اس کے تین دروازے کھلے۔ اگلی نشست سے دو آدمی بہت تیزی کے ساتھ اپنی اپنی سمت میں باہر نکلے تھے مگر ان سے پہلے ویرا پچھلا دروازہ کھول کر فٹ پاتھ پر آ چکی تھی۔

"کوئی چکر چل پڑا ہے۔ گاڑی ان کے پیچھے لگا لو۔" میں نے ان کی بوکھلاہٹ دیکھتے ہوئے پرتشویش لہجے میں کہا۔

اس اثنا میں دونوں آدمی ویرا کے پاس پہنچ چکے تھے اور اس کی طرف کے کھلے ہوئے دروازے میں اندر جھکے ہوئے تھے۔ مجھے شبہ سا ہوا کہ شاید پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے کسی شخص کو دل وغیرہ کا کوئی دورہ نہ پڑ گیا ہو۔

ہماری لینڈ روور رکنے تک دونوں آدمیوں کی توجہ پوری طرح گاڑی کے اندرونی حصے پر مرکوز ہو چکی تھی۔ وہ اپنی گھبراہٹ میں ویرا کو نظرانداز کر چکے تھے۔ ویرا گردن گھما کر پیچھے دیکھ رہی تھی جوں ہی اس نے ہماری گاڑی دیکھی، پوری

قوت سے ہماری طرف دوڑ لگا دی۔
پختہ فٹ پاتھ پر اس کے دوڑتے ہوئے قدموں کی تیز آواز سے ایک شخص کو ہوش آگیا۔ اس نے پھرتی سے پلٹ کر ویرا کو للکارا۔ اس وقت تک اول خان اپنی گاڑی پارک کر چکا تھا۔ میں نے دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی۔
"مارو... مار ڈالو ان کمینوں کو!" ویرا دوڑتے ہوئے پوری قوت سے چیخی۔
اس کے نہ رکنے پر سوبھراج کا آدمی پھرتی سے پستول نکال چکا تھا۔ میں نے ہذیانی انداز میں چیخ کر ویرا کو فٹ پاتھ پر لیٹنے کے لیے کہا۔ وہ جہاں تھی، وہیں نیچے لیٹ گئی۔ اس کے دراز ہوتے ہی پجیرو کی طرف سے فائر ہوا اور گولی ویرا کے بدن سے چند انچ اوپر سے گزر گئی۔
آس پاس کافی راہ گیر موجود تھے۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ پہلی گولی کسی کو زخمی کیے بغیر ایک کھمبے کی جڑ میں جا گھسی۔ فائر کی آواز سے ہر طرف بھگدڑ مچ گئی تھی۔ چیخ و پکار کے درمیان لوگ ایک دوسرے کو گراتے ہوئے دور بھاگ رہے تھے۔
سڑک پر کئی گاڑیوں کے تصادم کے ہلکے اور بھاری دھماکے ہوئے لیکن اس وقت کسی کو اپنی یا دوسروں کی غلطی کا ہوش نہیں تھا۔ ٹکرانے والی گاڑیوں سمیت پورا ٹریفک تیز رفتار ہو گیا تھا اور ہر سوار وہاں سے جلد از جلد گزر جانے کے لیے کوشاں تھا۔
اس سے پہلے کہ سوبھراج کا آدمی دوسرا فائر کرتا، میں نے کسی جانی نقصان سے بچنے کے لیے اپنی خودکار رائفل سے ایک ہلکا سا ہوائی برسٹ مارا۔ پستول والے کے ہاتھ پیر پھول گئے اور وہ پلٹ کر بگٹٹ بھاگنے والوں کی بھیڑ کے پیچھے ہو لیا۔
اس وقت وہ میری آسان رینج میں تھا۔ صرف ایک گولی اسے خاک و خون میں نہلا سکتی تھی مگر میں نے فائر نہیں کیا۔ میرا نشانہ خطا ہونے کی صورت میں بھاگنے والوں میں سے کوئی بے گناہ ضرور ہلاک یا زخمی ہو جاتا۔ میں ایسی بے مقصد خوں ریزی کا کبھی قائل نہیں رہا تھا۔
اس اثنا میں اول خان اور سلطان شاہ بھی اپنی رائفلیں تانے 'لینڈ روور' سے نکل آئے تھے۔ دونوں نے باہر آتے ہی میری تقلید کی اور پوری فضا ان دونوں کی رائفلوں کے شور سے لرز اٹھی۔ ہر طرف دہشت پھیل گئی۔ ذرا سی دیر میں بھری پری اور بارونق سڑک ویران ہو گئی۔ جس کا جدھر منہ اٹھا وہ اسی طرف بھاگ نکلا تھا۔ دور تک سنی جانے والی فائرنگ کی وجہ سے اس سڑک پر مزید ٹریفک کی آمد یکلخت موقوف ہو گئی تھی۔
ان دونوں کی نپی تلی ہوائی فائرنگ نے پجیرو سے نکلنے والے دوسرے آدمی کے پیر بھی اکھاڑ دیے۔ وہ یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ فائرنگ کدھر سے ہو رہی تھی۔ وہ بھی پوری قوت سے ہماری مخالف سمت میں دوڑتا چلا گیا۔ میں نے اس کی پشت پر رائفل کی نال سیدھی کی اور پھر یہ سوچ کر گرا لی کہ وہ عین وقت پر ٹھوکر کھا کر گر گیا تو ایک خون ناحق میرے سر آ جائے گا۔ میں بھاگنے والے عام لوگوں میں سے کسی کا قاتل نہیں بننا چاہتا تھا۔
سوبھراج کے وہ دونوں آدمی میری یکساں سوچ کے نتیجے میں وہاں سے آگے پیچھے بھاگتے چلے گئے۔ میں حیران تھا کہ پجیرو کی پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے دو آدمی کہاں مرے ہوئے تھے۔
اگر وہ گاڑی میں ہی چھپے ہوئے تھے اور اسے اپنا مورچا بنا کر ہمارا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر چکے تھے تو ان کا میگزین ختم ہونے سے پہلے انہیں زیر کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے پجیرو کا نشانہ لیا اور سفاکی کے ساتھ اپنی رائفل کا پورا میگزین اس پر خالی کر دیا۔
پجیرو کی پچھلی کھڑکیوں کے شیشے دھماکوں کے ساتھ پھٹ گئے۔ ایک ٹائر بھی پرشور آواز کے ساتھ فلیٹ ہو گیا۔ بقیہ گولیوں نے آہنی باڈی کو چھلنی کر دیا تھا۔
ویرا کوئی شرمیلی اور خانہ دار لڑکی نہیں تھی۔ وہ ایسے خون آشام مقابلوں کے نشیب و فراز سے خوب واقف تھی۔ وہ میری ہدایت پر فوری طور پر فٹ پاتھ پر لیٹ ضرور گئی تھی مگر دوبارہ اٹھنے کے لیے وہ کسی ہدایت کی محتاج نہیں تھی۔ اس کی چھٹی حس نے اسے بتا دیا تھا کہ اس کا مقدر بننے والی گولی اس کے سر پر سے گزر چکی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دوڑتی ہوئی آکر مجھ سے تقریباً لپٹ گئی۔
"کیوں دیوانے ہو رہے ہو۔ اب پجیرو میں کوئی نہیں ہے۔" اس نے مجھے تقریباً جھنجوڑتے ہوئے کہا۔
"وہ چار تھے۔ دو بھاگ گئے ہیں۔ باقی دو کہاں ہیں؟" میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں سوال کیا۔
"میرے بائیں ہاتھ والا مر چکا ہو گا۔ دوسرا بے ہوش ہوا ہے۔ میں نے ان دونوں پر ایک ساتھ' الگ الگ انگوٹھیاں استعمال کی تھیں۔" ویرا نے ہانپتے ہوئے بتایا۔
اس روح فرسا ماحول میں بھی میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس کے مزید کچھ کہے بغیر میں نے سمجھ لیا کہ ہمیں اپنی

گاڑی میں دیکھتے ہی اس کے دل میں آزادی حاصل کرنے کا نیا ولولہ پیدا ہو گیا۔ اس نے کیبن کے اندھیرے میں نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے بائیں ہاتھ سے بے ہوش کرنے والے محلول والی انگوٹھی داہنے ہاتھ کی کسی انگلی میں منتقل کی اور پھر ان دونوں انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں میں بھرے ہوئے مختلف زہریلے سیال بیک وقت ان دونوں کے جسموں میں اتار دیے۔

دونوں زہر سریع الاثر تھے۔ پل بھر میں ایک بے ہوش ہوا اور دوسرا جہنم واصل ہو گیا۔ عین ممکن تھا کہ اپنے بدن پر ان دونوں کے ڈھلکے ہوئے ساکت جسموں کا بوجھ محسوس کر کے ویرا نے خود ہی کوئی چیخ و پکار شروع کر دی ہو اور بقیہ دونوں افراد گھبرا کر گاڑی روکنے پر مجبور ہو گئے ہوں۔

آس پاس سے یکے بعد دیگرے فائروں کا شور سنائی دیا۔ وہ شہر کا بہت مصروف اور گنجان علاقہ تھا۔ ہماری دھواں دھار فائرنگ کے نتیجے میں گشتی پولیس کا ادھر متوجہ ہونا ناگزیر تھا۔ شاید کوئی پولیس پارٹی اپنی آمد کے اعلان کے طور پر اِکّادُکّا گولیاں داغ رہی تھی۔

شدت سے میرا دل چاہا کہ آگے جا کر پیجیرو میں ہلاک و زخمی ہونے والے مجرموں کا دیدار کروں جنہیں ویرا نے بہت ذہانت اور حاضر دماغی کے ساتھ راستے سے ہٹایا تھا لیکن میں اپنی اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ تین گولیاں چلنے کے بعد کہیں قرب و جوار سے پولیس کار کا سائرن بھی گونجنا شروع ہو گیا تھا۔ آواز ذرا فاصلے کی تھی لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ پولیس کس لمحے وہاں آن وارد ہو گی۔

اول خان کراچی میں ایس ٹی ایف کا اسٹیشن کمانڈر تھا۔ اپنی اس حیثیت کو بروئے کار لا کر وہ پولیس کے ہر چھوٹے بڑے افسر کا منہ بند کر سکتا تھا مگر مجھے اس کی مجبوری کا علم تھا۔ اس نے شروع حضوری میں شروع سے اس لمحے تک ہمارا ساتھ دیا تھا۔ اسے واضح طور پر سوبھراج سے دور رہنے کا حکم ملا ہوا تھا پھر بھی اس نے راج محل سے وہاں تک ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا تھا۔ اگر اس مرحلے پر کسی بھی سرکاری اہل کار کے علم میں یہ بات آتی کہ سوبھراج کی پیجیرو میں سوار افراد کا ایس ٹی ایف سے تصادم ہوا تھا تو اس کے منفی نتائج برآمد ہو سکتے تھے۔ اس مہم میں اول خان کی شمولیت کا صیغۂ راز میں رہنا ضروری تھا۔

سوبھراج کی پیجیرو اور اس کے سواروں کا جو حشر ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ مصلحت اور عافیت اسی میں تھی کہ ہم لوگ پولیس کی آمد سے پہلے، ویرا کو اپنے ساتھ لے کر وہاں سے فرار ہو جاتے۔ ہمارے جانے کے بعد پولیس آ کر جائے واردات کا جائزہ لیتی تو یہ بات زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی کہ پیجیرو کا تعلق راج محل کے مکینوں سے تھا۔

اول خان کی اپنی سلامتی کے علاوہ میرے ذہن میں ایک مسئلہ اور بھی گردش کر رہا تھا۔ اگر وہ اپنی ملازمت کے لیے ہر خطرہ مول لے کر اپنا نام اس کیس میں ملوث کر لیتا تو پولیس کو چند تائیدی ثبوت فراہم کرنے کے بعد اس کے ہاتھ پیر کٹ جاتے۔ سوبھراج صاف مکر سکتا تھا کہ اس کے آدمی کسی مجرمانہ کارروائی میں ملوث تھے۔ وہ سارا الزام اول خان کے سر ڈال دیتا کہ اس نے مذموم مقاصد کے تحت راج محل کے ملازمین یا عملے کے خلاف سازش کر کے ایک جعلی مقابلہ کیا تاکہ سوبھراج کی شہرت کو داغ دار کر سکے۔ اس موقف کی تائید میں وہ اپنے ان پیشگی تحفظات کا حوالہ دے سکتا تھا جن کا اظہار وہ پہلے کرتا رہا تھا۔

میری رائفل کا میگزین خالی ہو چکا تھا۔ میں نے آنے والی پولیس پارٹی کی رفتار دھیمی کرنے کے لیے سلطان شاہ کو ہوائی فائرنگ کا اشارہ کیا۔ ان دونوں نے اپنی رائفلوں کی نالیاں آسمان کی طرف اٹھائیں اور فائر کرتے ہوئے لینڈ روور کی طرف بڑھنے لگے۔ میں ویرا کو اپنے ساتھ لے کر سب سے آگے تھا۔

سوبھراج کے آدمیوں سے تصادم ختم ہو چکا تھا۔ بھگوڑے دشمنوں سے دوبارہ سامنا ہونے کا خطرہ نہ ہونے کے برابر تھا پھر بھی میں نے ویرا کو سلطان شاہ کے ساتھ پچھلی نشست پر بٹھا دیا تاکہ کوئی ضرورت پیش آنے پر وہ دونوں آسانی کے ساتھ نشستوں کے درمیان چھپ سکیں۔ میں خود اول خان کے ساتھ آگے بیٹھ گیا۔ چند ثانیوں میں اول خان کی لینڈ روور وہاں سے غراتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔ ہمارے آگے دور دور تک سڑک صاف پڑی ہوئی تھی۔

”یہ بہت اچھا ہوا کہ تم لوگوں نے پولیس کے آنے سے پہلے نکلنے کا فیصلہ کر لیا ورنہ مشکل پیدا ہو سکتی تھی۔“ کچھ دور نکل آنے کے بعد ویرا نے اپنی زبان کھولی۔

”میرا خیال تھا کہ اول خان خود یہ کیس پولیس کے حوالے کرتے تو اس کے لیے سوبھراج تک پہنچنا آسان ہو جاتا۔“ سلطان شاہ نے رائے زنی کی۔

”پولیس کا کام ضرور آسان ہو جاتا لیکن اول خان کے لیے جواب دہی مشکل ہو جاتی۔“ ویرا بولی۔

”ایسے جرائم جو عام قانون کی دسترس میں نہ آ رہے ہوں، ان سے نمٹنا اول خان کے فرائض منصبی میں شامل

ہے۔" سلطان شاہ نے منطق پیش کی۔
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "مگر سوبھراج کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ مجھے اس سے دور رہنے کا حکم ملا ہوا ہے۔"
"وہ حکم اپنی جگہ پر ہوگا۔ سوبھراج نے ابھی دو تین گھنٹے پہلے ہوم سیکریٹری سے فون پر شکایت کی ہے کہ ایس ٹی ایف اسے ہراساں کر رہی ہے۔"
"اوہو!" ویرا کے اس انکشاف پر اول خان چونک پڑا "یہ بات تمہیں کیسے معلوم ہوئی۔"
"سوبھراج نے خود بتائی تھی۔ اس کے آدمیوں نے اسٹیشن فور تک سلطان شاہ کا پیچھا کیا تھا۔" ویرا نے بتایا۔
"میں نے تم لوگوں کو اپنے تعاقب کے بارے میں بتا دیا تھا۔" سلطان شاہ نے جھٹ اپنی صفائی پیش کر ڈالی "مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اتنی سی بات ہوم سیکریٹری تک پہنچ جائے گی۔ مجھے تم ہی نے راج محل کے پورچ میں یہ ہدایت کی تھی کہ میں وہاں سے سیدھا گھر جانے کے بجائے اسٹیشن فور کی طرف نکل جاؤں۔"
آخری فقرے ویرا کے لیے تھے اس لیے اس پر جواب دینا فرض ہو گیا تھا۔ وہ ہلکی سی ترشی کے ساتھ بولی "ہاں، سارا قصور میرا ہے کہ میں نے خود تمہیں مشورہ دیا تھا۔ اپنی غلطی نہیں مانو گے کہ ٹریفک کے بھیڑ بھاڑ والے میلوں لمبے راستے پر بھی انہیں جل نہیں دے سکے۔ اپنے پیچھے لگا کر اسٹیشن فور لے گئے۔"
"میں نے ہر جتن آزما لیا لیکن وہ بہت ڈھٹائی سے جونک بن کر میرے پیچھے لگے رہے۔ ابتدا میں انہوں نے چھپ کر تعاقب کیا ہوگا لیکن جب میں نے انہیں ڈاج دینے کی کوششیں شروع کیں تو وہ کھل کر میرے پیچھے لگ گئے۔ انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ میں نے انہیں دیکھ لیا تھا۔ بس ایک کسر رہ گئی تھی کہ میں رک کر ان کی گاڑی کے دو تین ٹائر پھاڑ دیتا۔"
"تم دونوں بلاوجہ آپس میں الجھ رہے ہو۔" اول خان نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "یہ سب یوں ہی ہونا تھا اور ہو گیا۔ اب اس پر سر کھپانا بے سود ہے۔ ویرا کا مشورہ بہت موزوں تھا۔ تم راج محل سے سیدھے گھر آئے ہوتے تو اب تک وہاں کوئی بڑا حملہ ہو چکا ہوتا۔"
"تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا اب اس قصے میں ہم میں سے کسی کا نام نہیں آئے گا؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔
"سوبھراج کی شکایت ہوم سیکریٹری تک پہنچ چکی ہے تو اس وقت ہمارا خاموشی سے نکل آنا ہی سب سے بہتر تھا۔ جس کا جو جی چاہے، کہتا رہے۔ ہمارے خلاف کہیں کوئی شہادت نہیں ہے۔ یہ ایک عام سی واردات ہے۔ شبہے میں کسی کا بھی نام لیا جا سکتا ہے۔" اول خان نے جواب دیا۔
"تم ان دو بھگوڑوں کو بھول رہے ہو جو پجیرو میں میرے ساتھ سفر کر رہے تھے۔" ویرا نے اسے یاد دلایا "اگر انہوں نے میدان چھوڑ کر بھاگنے سے پہلے سلطان شاہ کو دیکھ لیا تھا تو وہ اسے ضرور پہچان گئے ہوں گے۔ وہ سوبھراج کے نجی گارڈز تھے جو راج محل کے پھاٹک پر ڈیوٹی دیتے ہیں۔"
"اس مقابلے میں وہ خود ایک فریق تھے۔ ان کی بکواس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" اول خان نے بے پروائی سے کہا۔
"وہ ہم سے کافی دور تھے۔ اپنی گاڑی روکنے کے بعد انہیں سنبھلنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ انہوں نے دور سے سلطان شاہ کو دیکھ بھی لیا ہو تو اپنی بدحواسی کے سبب اسے پہچان نہیں سکے ہوں گے۔ میری ہوائی فائرنگ سے ان کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔" میں نے اپنی رائے بھی پیش کر دی۔
"جو کچھ ہوا، ہماری توقعات کے بالکل برعکس ہوا۔" اول خان اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ مار کر بولا "میں سوچ رہا تھا کہ طویل اور خوں ریز مقابلے کے بغیرا نہیں زیر کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ ایسے اندھا دھند تصادم میں ویرا کو نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ بھی تھا۔"
"تم نے واقعی کمال کر دیا۔" میں نے مڑ کر ویرا سے کہا "اول خان سے تحفے میں ملی ہوئی انگوٹھیوں کا اس سے بہتر استعمال ممکن نہیں تھا۔ تم خود اپنی پریشانی سے دوچار تھیں۔ تمہارے دماغ میں وہ تدبیر کیسے آ گئی۔ ایسے نادر خیالات تو عام حالات میں بھی مشکل ہی سے سوجھتے ہیں۔"
"اگر تمہیں سوبھراج سے قریب ہونے کا موقع ملا تھا تو تم اسے بھی کسی انگوٹھی کا شکار بنا سکتی تھیں۔" میری بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا۔
"میں سوبھراج کو شکار ضرور بنا سکتی تھی مگر پھر میرا کیا حشر ہوتا۔ راج محل کی وسیع و عریض عمارت میں نہ جانے کتنے لوگ رہ رہے ہیں۔ میرے لیے ان سب سے نمٹ کر باہر نکلنا ممکنات میں سے نہیں تھا۔ بس اس خوف سے میں سوبھراج کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکی۔"
"تم نے اپنے چہیتے کے سوال کا جواب دے دیا۔ میرا سوال ابھی تشنہ ہے!" میں نے ویرا کو ٹوکا۔
"راج محل میں ریوالور چھن جانے کے بعد مجھے یہ

دونوں انگوٹھیاں بالکل بے مصرف نظر آنے لگی تھیں۔"
ویرا نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بات شروع کی "ان کے استعمال کے بعد میرا بچ نکلنا ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔ ہر نشیب و فراز پر غور کرنے کے بعد میں نے ان انگوٹھیوں کو بالکل فراموش کردیا تھا۔ سوبھراج کے چار آدمیوں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے بھی میرے ذہن میں ان دونوں انگوٹھیوں کا کوئی مصرف نہیں تھا۔ میں ان لوگوں کے ساتھ راج محل سے باہر تو آگئی تھی مگر اس سے آگے ذہن میں سناٹا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں اور انہیں کہاں لے جاؤں..."

"اس میں سوچنے کی کیا بات تھی۔ تم نے باہر نکلنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ تو بنایا ہوگا۔" سلطان شاہ نے دخل اندازی کی۔

"میں نے جہانگیر کے گھر ڈینی کی موجودگی کا شبہ ظاہر کیا تھا..." ویرا نے بات شروع کی مگر سلطان شاہ پھر درمیان میں بول پڑا۔

"تم لوگ اسے بہت بے رحمی سے استعمال کرتے ہو۔ اب پھر وہ مفت میں پریشانیاں بھگتے گا۔"

"زیادہ بک بک مت کیا کرو۔ اسے گولڈن فارمیسی میں آتشزدگی کا واقعہ تک یاد تھا۔ بس وہ جہانگیر کے گھر سے واقف نہیں تھا۔"

"بلیک کیٹس نے اسے ہمارے یا جہانگیر کے گھر کی ہوا نہیں لگنے دی اور تم اس کے آدمیوں کو وہاں لیے جارہی تھیں۔"

ان دونوں کی وہ بحث بے مقصد نہیں تھی۔ اس سے نئی باتیں سامنے آرہی تھیں۔ میرے ساتھ اول خان بھی خاموش بیٹھا وہ مکالمے سنتا رہا۔

"میں انہیں کہیں نہیں لے جارہی تھی۔ میں نے راج محل سے نکلنے کے لیے اس کے نام کو ایک بہانے کے طور پر استعمال کیا تھا۔" ویرا نے چڑ کر کہا "پہلے ایک بات پوری ہوجانے دو۔ بعد میں تفصیل سنو گے تو تم خود میرے فیصلوں کی افادیت کے قائل ہوجاؤ گے۔"

"ہاں، تو تمہاری کون سی بات درمیان میں ادھوری رہ گئی تھی؟" سلطان شاہ نے اس کا مضحکہ اڑانے کے انداز میں پوچھا۔

"انگوٹھیوں کا قصہ چل رہا تھا۔" ویرا اس تذکرے سے خوشی محسوس کررہی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی "اسی دوران میں تم لوگوں نے پیجیرو سے آگے نکلنے کی کوشش کی۔ اس وقت میں مایوسی اور ناامیدی کے عالم میں ہر گزرنے والی سواری کو دیکھ رہی تھی۔ ذہن بالکل خالی تھا کہ اچانک میں نے آگے نکلنے والی گاڑی پہچان لی۔ اس میں ڈینی اور اول خان کو دیکھتے ہی میرے ذہن میں آندھیاں سی چلنا شروع ہوگئیں۔ تم لوگ اپنا کام کررہے تھے، مجھے اپنا کام کرنا چاہیے تھا۔"

"اس وقت تم فرض شناسی کے دورے کے زیر اثر تھیں۔" سلطان شاہ فقرہ لگائے بغیر نہ رہ سکا۔

"یہی سمجھ لو۔ دونوں طرف کی نفری زیادہ تھی۔ وہ لوگ ہتھیاروں سے لیس تھے۔ تم تینوں بھی خالی ہاتھ نہیں ہوسکتے تھے۔ دونوں فریق ٹکراتے تو جانی نقصان ضرور ہوتا۔ شدید ذہنی دباؤ میں مجھے اپنی دونوں انگوٹھیاں یاد آگئیں۔" ویرا نے اپنی کہانی کا سلسلہ جاری رکھا "اگر میں ہمت کرکے ان میں سے دو کو ناکارہ کردیتی تو بقیہ دو بدحواس ہوجاتے۔ ان کا پلڑا بھی بہت ہلکا ہوجاتا۔ میں نے مزید کچھ سوچے سمجھے بغیر دونوں انگوٹھیاں دونوں ہاتھوں میں تقسیم کیں اور اپنے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے بدمعاشوں کو ایک ساتھ ان کا نشانہ بنادیا وہ کوئی آواز نکالے بغیر اپنی جگہ پر بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ میں نے بس چند لمحوں کے لیے انتظار کیا پھر گھبرائی ہوئی آواز میں ان کے ساتھیوں سے پوچھا کہ ان دونوں کو کیا ہوا ہے۔ ان کے اوسان خطا ہوگئے۔ پہلی نظر میں ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ بیٹھے بیٹھے یکایک مرگئے ہوں۔ اسی وقت پیجیرو روک دی گئی۔ اس کے بعد کچھ ہوا وہ تمہارے سامنے ہے۔"

"تم نے شاندار کام دکھایا۔" اول خان نے اس کی تعریف کی "اس زک کو سوبھراج ساری عمر نہیں بھلا سکے گا۔ مفت میں اپنے دو آدمی گنوانے کے علاوہ وہ تم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ تم جتنی آسانی کے ساتھ اس کے جال میں پھنسی تھیں۔ اتنی ہی آسانی سے آزاد بھی ہوگئیں۔"

"راج محل میں بیٹھے بٹھائے تمہیں باہر نکلنے کی کیا سوجھی تھی؟" سلطان شاہ جلد از جلد سب کچھ جان لینے کا خواہاں تھا۔

"سب سے پہلی بات یہ تھی کہ وہ خباثت پر مائل تھا۔ میرے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا اور نشے میں آکر مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کررہا تھا۔"

"تمہارے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ تم مردوں کو رجھانے اور الو بنانے کے کاموں میں ماہر ہو۔" سلطان شاہ نے بے تکلفی سے کہا۔

"بعض لوگوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا ہوتا لیکن ہم ان سے خوانخواہ نفرت کرتے ہیں، میں ایک لمحے کے لیے بھی

سوبھراج کے لیے اپنے دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہیں کرسکی۔ مجھے اس کی ہر بات سے گھن آرہی تھی۔ میں اسے زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتی تھی۔“
”پھر بھی تم نے اس کے ساتھ کئی گھنٹے گزارے ہیں!“ اس نے ذومعنی لہجے میں کہا۔
”یہ تمہاری سنگین غلط فہمی ہے۔ اسے اپنے دل سے نکال دو۔ مجھے تمہارے پاس بھیجنے کے بعد وہ غائب ہوگیا تھا۔ اس کی دوبارہ واپسی آٹھ بجے ہوئی تھی۔“
”تم نے اسے کچھ نہ کچھ ڈھیل ضرور دی ہوگی ورنہ وہ اتنی آسانی کے ساتھ تمہیں راج محل سے نہ نکلنے دیتا۔“
”وہ کچھ دیر کے لیے میرے قریب بیٹھ کر شراب پیتا رہا تو کیا ہوا۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑا۔ اس کی عقل کچھ ماؤف ہوگئی۔ تم پاکستانی مرد تو کسی اجنبی لڑکی کو چھو لینے میں بھی عجیب سی لذت محسوس کرتے ہو۔ وہ غدار سہی لیکن اس کی قومیت پاکستانی ہے۔“ ویرا کو سلطان شاہ پر چوٹ کرنے کا موقع مل گیا۔
”اس کی باتوں میں آکر بہکنے کی ضرورت نہیں۔“ اول خان نے ویرا کو نصیحت کی ”تم راج محل سے نکلنے کے بارے میں کچھ بتا رہی تھیں۔“
”راج محل کی چار دیواری میں رہ کر میں کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی۔ میں نے تھوڑی سی دیر میں رائے قائم کرلی تھی کہ وہاں رہتے ہوئے مجھے باہر سے کوئی مدد نہیں مل سکے گی اور میں رفتہ رفتہ ذہنی اضمحلال کا شکار ہوجاؤں گی۔ ڈینی کا نام سوبھراج کی کمزوری ہے۔ شراب کے سرور میں جب وہ مجھ سے رومان جتانے کے موڈ میں آیا تو میں نے ڈینی کی بات چھیڑ دی۔ دھیرے دھیرے وہ میری باتوں میں آگیا۔ وہ مجھے رخصت کرنے سے پہلے ساری اخلاقی حدود پار کرنے پر تلا ہوا تھا مگر میں بہلا پھسلا کر اسے یہ سمجھانے میں کامیاب ہوگئی کہ ڈینی پر ہاتھ ڈالنے کے بعد ہم دونوں اس کامیابی کا جشن زیادہ بہتر انداز میں مناسکیں گے۔“
”اس نے کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا۔“ ویرا کی بات مکمل ہونے پر میں نے کہا ”تمہیں قابو میں رکھنے کے لیے اس کے چار آدمی کافی تھے۔ اس کے ذہن میں دور دور تک یہ امکان نہیں رہا ہوگا کہ اس کے آدمی کسی طرح مار کھاسکیں گے۔“
”مجھے اس کی پروا نہیں۔ خوشی اس بات کی ہے کہ میں اس کی ہوس کا نشانہ بننے سے پہلے وہاں سے آزاد ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ میں نے آج کی پوری شام شدید کرب اور عذاب کے عالم میں گزاری ہے۔ اب ان تذکروں کو چھوڑو اور مجھے نجات کے ان لمحوں سے لطف اندوز ہونے دو۔“
تینوں نے خاموشی اختیار کرلی۔ ویرا کا مطالبہ بلاجواز نہیں تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کی بات سلطان شاہ کی سمجھ میں بھی آگئی تھی۔
لینڈ رووَر شہر کی سڑکوں پر تیزی سے گلشن اقبال کی طرف رواں تھی۔ ہم دشمن کو ایک فیصلہ کن شکست دے چکے تھے۔ ہمارے پیچھے کوئی نہیں تھا جس کے خوف سے ہمیں اپنے گھر کے بجائے کسی اور ٹھکانے کا رخ کرنا پڑتا۔

○☆○

ہم گھر پہنچے تو غزالہ یہ دیکھ کر خوش ہوگئی کہ ویرا مختصر سی غیر حاضری کے بعد ہمارے ساتھ لوٹ آئی تھی۔ ویرا کے پرجوش استقبال کے بعد اس نے بتایا کہ ہمارے پہنچنے سے ذرا سی دیر پہلے اسلام آباد سے جلال کا فون آیا تھا۔ اسے شدت سے میری یا اول خان کی تلاش تھی۔
”اس کا فون کیسے آگیا؟“ اول خان پر تشویش آواز میں بڑبڑایا ”اس وقت ہم سوبھراج کے معاملے میں الجھے ہوئے ہیں جلال ایک محتاط سرکاری افسر ہے اور ڈسپلن کے خلاف نہیں جاتا۔ وہ سوبھراج سے دور رہنے کا فیصلہ کرچکا ہے پھر اس کے فون کا کیا مطلب ہے۔“
”بلاوجہ مغز زنی مت کرو۔ اس کو فون کرو۔ سب پتا چل جائے گا۔“ ویرا نے بے پروائی سے کہا ”ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی اور ہی کوڑی لایا ہو۔“
”اس سے بات کرنے سے پہلے تمہاری پوری کہانی سننی ضروری ہے۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا ”ہوسکتا ہے کہ جلال بھی اس بارے میں کچھ جاننا چاہے۔“
”راستے بھر میرا دماغ چاٹتے ہوئے آئے ہو۔ اب میں کیا سناؤں گی!“ وہ تنک کر بولی۔
”تم نے جستہ جستہ واقعات بتائے ہیں۔ ابھی تو یہ بھی پتا نہیں چل سکا کہ اسے پھنسانے کے چکر میں تم خود کیسے پھنس گئیں۔ ابرار کچن میں مصروف ہوچکا ہے۔ کھانا لگنے سے پہلے سارے واقعات دہراتی چلی جاؤ۔ کھانے کے بعد میں جلال کو فون کروں گا۔“
”اس کے پرسنل سیکریٹری نے بہت آسانی سے انٹرویو کا وقت دے کر میری عقل پر پردہ ڈال دیا۔“ ویرا نے سگریٹ سلگا کر کہنا شروع کیا ”مجھ سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ میرے پاس میری کلارک کی حیثیت میں کوئی بھی شناختی کاغذ وغیرہ موجود نہیں تھا۔ بات ابتدائی مرحلے پر ہی بگڑ چکی تھی مگر مجھے بعد میں اس کا اندازہ ہوا۔“

ویرا نے راج محل میں پیش آنے والے واقعات بلا کم و کاست ہم کو سنا ڈالے۔ کچھ دیر تک ان واقعات پر کھل کر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ ہر مسئلے پر ہر ایک کی اپنی رائے تھی مگر ایک نکتے پر سب متفق تھے کہ ویرا نے سوبھراج کے سامنے ذہانت کا مظاہرہ کیا تھا اور وہ محض اپنی ذہنی برتری کی وجہ سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔

کھانے کے دوران بھی باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ کچھ دیر کے توقف کے بعد میں نے جلال کا فون ملا لیا۔

میں سوبھراج کے حوالے سے اسے چھیڑنا چاہ رہا تھا لیکن رسمی باتوں کے بعد میں نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ جلال فرض شناس ہونے کے ساتھ حساس طبیعت کا مالک تھا۔ کام کے حوالے سے میرا مذاق اسے گراں گزر سکتا تھا۔

"دراصل مجھے اول خان کی تلاش تھی۔ وہ اپنے دفتر میں نہیں ہے۔" ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد جلال خود ہی بولا۔

"وہ شام سے میرے ساتھ ہے۔ تم موبائل پر اس سے بات کر سکتے تھے۔" میں نے کہا۔

"دراصل میرا موبائل کھو گیا ہے۔ تم لوگوں کے نمبر اسی پر محفوظ تھے۔ تمہارے گھر کا نمبر زبانی یاد نہ ہوتا تو رابطہ مشکل ہو جاتا۔ کیا وہ سوبھراج کے سلسلے میں تمہارے ساتھ مل کر کوئی کام کر رہا ہے۔" اس نے فون کی وضاحت کرتے ہی متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں۔ وہ اس معاملے سے الگ تھلگ ہے۔" میں نے بلا توقف جواب دیا "تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"خبر بہت تیزی سے گردش میں آئی ہے کہ کچھ دیر پہلے سوبھراج نے ہوم سیکریٹری سے ایس ٹی ایف کی شکایت کی ہے۔ وہ لوگ اسے پریشان کر رہے ہیں۔"

"یہ سوبھراج کی بدمعاشی ہے۔ آج اس نے ویرا کو پکڑ لیا تھا۔ ہم پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لیے اس نے یہ حرکت کی ہے۔ اول خان ہمارے ساتھ شریک نہیں ہے لیکن سارے واقعات سے باخبر ہے وہ خود ہی تم کو تفصیل بتا دے گا۔"

اول خان نے اسپیکر فون پر جلال کی مزاج پرسی کی تو وہ بولا "میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے وعدے کے مطابق گوپال کو پولیس کی تحویل میں دے دیا۔ اب یہ خبر تیزی سے پھیلے گی۔ رات کو ہم اسے اپنے لاک اپ میں لے آئیں گے۔"

"ممنونیت کی ضرورت نہیں۔ یہ میرا کام تھا۔ تم ابھی کیا کہہ رہے تھے۔" اول خان بولا۔

"کسی پاکستانی شہری کی طرف سے ایس ٹی ایف کا نام لے کر پہلی بار شکایت کی گئی ہے۔ اسلام آباد میں بھونچال آیا ہوا ہے۔ اس شکایت سے سوبھراج کو فائدے کے بجائے نقصان پہنچا ہے۔ سیاسی حلقوں میں سرگوشیاں ہو رہی ہیں کہ تمہاری فورس اس کے پیچھے کیوں لگی تھی۔"

"میری فورس بالکل الگ تھلگ ہے۔ یہ سلطان شاہ اور ویرا کا قصہ ہے جو وہ ہمارے سر منڈھنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

جلال کے لیے وہ سنسنی خیز خبریں تھیں۔ وہ ویرا کے بارے میں سب سے زیادہ بے چین تھا۔ اول خان نے اسے ویرا کی قید اور پھر رہائی کے ساتھ ساتھ سلطان شاہ کے اسٹیشن فورجانے کا قصہ بھی اسے سنا ڈالا۔

"اوہ! تم نے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا۔ ڈینی نے ویرا کے پکڑے جانے کی خبر سنا کر مجھے پریشان کر دیا تھا۔"

"ہم سب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ ویرا کی ہی چال کامیاب ہو گئی..."

"گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ سوبھراج کی شامت آئی ہے تو وہ ایس ٹی ایف کی شکایت کر بیٹھا ہے۔ اس کی ساکھ اور سیاسی حیثیت ایک سوالیہ نشان بن گئی ہے۔ اب اس کے ستارے گردش میں آ جائیں گے۔"

"خبر تم تک پہنچ گئی ہے تو اس پر مجھ سے کچھ نہ کچھ باز پرس ضرور ہو گی!" اول خان کی آواز پُر تشویش تھی۔

"میری اطلاعات یہی ہیں کہ ضرور ہو گی مگر تمہارے ہاتھ صاف ہیں۔ جب جعلی نمبر پلیٹ والی گاڑی ہی نہیں ملے گی تو کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ میرا ایک مشورہ ہے کہ تم سے کچھ کہا جائے تو تم فوری طور پر تجویز پیش کر دینا کہ تمہارا نمائندہ سوبھراج سے مل کر معاملے کی وضاحت کر دے گا۔"

"اس سے کیا فائدہ ہو گا۔" اول خان نے مایوسی سے پوچھا۔

جلال کی وہ تجویز سن کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ میرے لیے کرنل داور کے روپ میں ایک کردار تجویز کر کے اس نے ایک بالکل نئی راہ سجھائی تھی۔ اس روپ میں نک ہاروے سے میری بہت باتیں ہوتی رہی تھیں۔ وہ ڈینی کی سرگرمیوں کے سلسلے میں مجھے ایس ٹی ایف کا باغی سمجھتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ میں کرنل داور بن کر سوبھراج سے ملاقات کے لیے مقرر کرتا تو وہ اپنے ساتھ نک کو بھی اس ملاقات میں شریک کر لیتا۔

بات اسپیکر فون پر ہو رہی تھی لیکن میں نے جلال اور اول خان کی گفتگو میں مخل ہونا مناسب نہیں سمجھا۔

مجھ سے نظریں چار ہونے پر اول خان نے میرا اثباتی اشارہ دیکھ لیا تھا۔ اس نے جلال کا مشورہ قبول کرلیا۔

"میں تماشائی ہوں مگر یہ تم لوگوں کا ایک بڑا امتحان ہے۔" اول خان کی رضامندی پر جلال کہہ رہا تھا "سوبھراج بہت بڑا بت ہے۔ اسے گرا کر تم ایک ناقابلِ فراموش کارنامہ سرانجام دو گے۔"

"ڈینی اب تک نہ جانے کتنے ناقابلِ فراموش کارنامے سرانجام دے چکا ہے مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات ہیں۔ اسے کہیں کوئی ذاتی ترجیح یا فوقیت حاصل نہیں ہے۔ اسے اپنی ہر لڑائی ایک عام آدمی کی طرح لڑنی پڑتی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس بار تو ہم لوگ بھی الگ تھلگ ہوگئے ہیں۔" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر بولا "دوبارہ ڈینی سے بات کرادو۔"

اول خان خاموش ہوگیا۔ میں نے بولنا شروع کردیا "تمہیں یہ کرنل داور کی بات کیسے یاد آگئی۔"

"یار' سیدھی سی بات ہے۔" جلال کی بے تکلفانہ آواز ابھری "نک نے تمہیں کوبرا سے ملا کر ایک تکون بنانے کی کوشش کی تھی جو صرف تمہاری ضد کی وجہ سے ناکام ہوگئی۔ کیونکہ تم کسی نقاب پوش کے ساتھ کام کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ اس کا کوبرا کا بہروپ ختم ہوچکا ہے۔ اب وہ سوبھراج ہے۔ تم اس سے ملو گے تو ہوسکتا ہے کہ اسے اپنا بھولا ہوا تکون یاد آجائے اور وہ تمہیں رام کرنے کے لیے نک کو بھی بلالے۔"

اس نے میری سوچی ہوئی بات کا اعادہ کیا تھا مگر اس کی سوچ بہت واضح اور مدلل تھی۔ میں نے کہا "اوپر سے کوئی بات چھیڑی گئی تو اول خان اس بارے میں ضرور بات کرے گا۔ یہ بتاؤ کہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں سوبھراج کی پوزیشن کیا ہوگی۔"

"اس میں فوری طور پر کوئی فرق پڑنے کے آثار نہیں ہیں۔ سیاسی ضروریات نے اسے اہمیت دلوائی ہوئی ہے۔ جب تک یہ توازن تبدیل نہیں ہوتا' اسے مراعات ملتی رہیں گی۔"

"کیا آج کا واقعہ اس صورتِ حال پر اثر انداز نہیں ہوگا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"واقعہ رونما ہوچکا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ وہ اسے کیا رنگ دیتا ہے اور اس کی کہانی کس حد تک قابلِ قبول ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہی اس بارے میں کچھ کہا جاسکے گا۔ وہ بہت شاطر آدمی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اس واقعے سے بھی کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔"

"میں اپنے طور پر اسے ہراساں کرسکتا ہوں لیکن اس کا اس وقت تک قلع قمع نہیں ہوگا جب تک اس کے خلاف قانون کا آہنی ہاتھ حرکت میں نہیں آتا۔"

"قانون ضرور حرکت میں آئے گا۔" جلال کی آواز پر اعتماد تھی "قدرت کا مکافاتِ عمل کا اپنا ایک نظام ہے۔ اس میں دیر ضرور ہوسکتی ہے مگر اندھیر نہیں ہوتا۔ میں نے ان سب باتوں کو اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے کہا تھا کہ سوبھراج ایک بڑا بت ہے۔ اس کو گرانا بہت بڑا کام ہوگا۔"

میرے لیے بات کو اس سے آگے تک لے جانا ممکن نہیں تھا۔ اس وقت جلال کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ وہ اپنی مجبوریوں کا معترف تھا۔ اس سے یہ توقع رکھنی بے سود تھی کہ وہ اپنے اوپر والوں کے احکام کو پس پشت ڈال کر سوبھراج کے خاتمے کے لیے میدان میں اتر آئے گا۔ اس مردود کے خاتمے کے لیے جو کچھ کرنا تھا' ہمیں اپنے طور پر کرنا تھا۔ میرے ذہن میں یہ بات ابتدا سے موجود تھی کہ اگر ہم اس پر کوئی کاری وار کرنے میں کامیاب ہوگئے تو وہ خود ہر طرف بے نقاب ہوتا چلا جائے گا۔ ایسی کوئی صورت حال رونما ہوجاتی تو قانون کے سارے محافظ بھی اس کے سامنے صف آرا ہونے پر مجبور ہوجاتے۔

"بس تم میرے لیے دعا کرتے رہو۔ اگر مجھے کرنل داور کے روپ میں اس سے ملاقات کرنے کا موقع مل گیا تو اسی لمحے سے سوبھراج کی پھیلائی ہوئی بساط تیزی سے سمٹنی شروع ہوجائے گی۔ وہ میرے سامنے زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکے گا۔"

"کیا اس بارے میں تم نے کوئی منصوبہ سوچا ہوا ہے؟" جلال کی آواز میں تجسس امڈ آیا۔

"ذہن میں ایک مبہم سا خاکہ ہے۔ کچھ دماغ سوزی کے بعد اس کے خدوخال بھی بن جائیں گے۔"

"تم مجھے ٹالنے کی کوشش تو نہیں کررہے؟" اس نے بے ساختہ سوال کیا۔

"لاحول ولا قوۃ! میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اتنے عرصے کی رفاقت میں تمہیں اتنا تو سمجھ لینا چاہیے کہ میں کس رخ پر سوچنے کا عادی ہوں۔"

فون پر جلال کے ہنسنے کی آواز آئی پھر وہ بولا ''کوئی پرزہ مشین سے الگ ہوجائے تو اس کی افادیت ختم ہوجاتی ہے۔ میرے موجودہ فرائضِ منصبی اپنی جگہ پر ہیں لیکن میں خود کو تمہاری مشین سے نکلا ہوا پرزہ تصور کررہا ہوں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تمہاری مشین کو یوں ہی رواں رکھے۔''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے مجھے اس وقت بھی یہ احساس تقویت دے رہا ہے کہ تم اور تمہاری ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم پر اس مہم جوئی میں کوئی برا وقت آیا تو تم ہی سب سے پہلے ہماری مدد کرنے کے لیے آگے آؤ گے۔''

وہ سوبھراج کو ملی ہوئی بے مہار آزادی سے دل برداشتہ تھا لیکن اس آزادی کو سلب کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ وہ ملک کے سیاسی نظام کی کمزوری یا خامی تھی کہ اقتدار کی مجبوریوں کے عوض سوبھراج کی قابلِ نفرت حرکتوں اور سرگرمیوں کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ اس موضوع پر دیر تک جلال سے میری بات ہوتی رہی پھر گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

''یہ بات تشویش کا باعث ہے کہ سوبھراج کی شکایت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی جارہی ہے۔'' میرے فارغ ہوجانے پر اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

''اس بارے میں تم کو فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟'' ویرا نے پوچھا ''اس گاڑی کا پتا چلے گا نہ آدمی کا سراغ مل سکے گا۔ تم صاف انکار کردینا کہ تمہارے کسی آدمی نے راج محل کا رخ نہیں کیا۔ اس بات کی توثیق تمہارا عملہ بھی کرے گا۔''

''میں یہی کروں گا اور یہ حقیقت بھی ہے۔ میں اس کی شکایت کو اپنے سروس ریکارڈ پر ایک داغ سمجھ رہا ہوں۔ ہم لوگ اپنی سرگرمیوں کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ محتاط رہتے ہیں۔ بغیر دیکھے بھالے کسی کا پیچھا نہیں کرتے اور پھر ہم نے ابھی تک سوبھراج کا رخ ہی نہیں کیا ہے۔''

''یہ نہ کہو' ابھی تازہ ترین مہم میں تم بھی شامل تھے۔'' ویرا نے اسے ٹوک دیا۔

''میری حیثیت ایک تماشائی کی تھی۔ سارا کیا دھرا تمہارا اور ڈینی کا تھا۔ سوبھراج کو شاید یہ بھنک بھی نہ ملے کہ بچیرو کا پیچھا کرنے والی گاڑی میں کون کون سوار تھا۔ میں سلطان شاہ کی بات کررہا تھا۔ اسے تمہارے ساتھ راج محل بھیجنے میں ایس ٹی ایف کا کوئی کردار نہیں تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ دوسری مہم میں میرا پولیس سے سامنا نہیں ہوا ورنہ بات بگڑ سکتی تھی۔''

''تمہاری تشویش سے ظاہر ہورہا ہے کہ سوبھراج کی شکایت پر تم سے جواب طلبی ضرور ہوگی۔'' میں نے پوچھا۔

''ضرور ہوگی۔ بات جلال کے علم میں آگئی ہے تو ہمارا باس اس سے بے خبر نہیں رہے گا۔ ڈسپلن کے معاملے میں وہ کسی سے رورعایت نہیں کرتا۔''

''بس تو پھر کرنل داور کا نام ضرور یاد رکھنا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''کیا تمہارے باس کو علم ہے کہ ماضی میں ایک دو مواقع پر ڈینی نے کرنل داور بن کر ایس ٹی ایف کی نمائندگی کی ہے؟'' سلطان شاہ نے اچانک اول خان سے ایک بہت ٹیڑھا اور اہم سوال پوچھ لیا۔

''میں نے اسے رپورٹ دی تھی۔'' اول خان نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا ''وہ اپنے ذرائع سے بھی ہر اسٹیشن کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھتا ہے اور پھر کرنل داور کا نام ہمارے ریکارڈ پر آچکا ہے۔ سی آئی اے ہیڈ کوارٹر نے باضابطہ طور پر کرنل داور کے کوائف مانگے تھے۔''

''اور وہ دے دیئے گئے تھے!'' ویرا نے ٹکڑا لگایا۔

''نہیں' ان کا وہ مطالبہ یہ کہہ کر مسترد کردیا گیا تھا کہ ایس ٹی ایف کے لیے کرنل داور کی خدمات ناگزیر ہیں۔ اس کو سی آئی اے میں ملازمت کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔''

''کیا موجودہ حالات میں تمہارے باس کو کرنل داور کے کردار پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ وہ ڈینی کی حیثیت سے تمہاری بہت عزت کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میری تجویز مان لے۔''

''تم ایک مرتبہ پھر سوبھراج سے بات کیوں نہیں کرتے۔ اب تک اسے اپنے آدمیوں کے حشر کی اطلاع مل چکی ہوگی۔'' ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

''یہ بہت اچھی تجویز ہے۔'' غزالہ نے بلا توقف اس کی تائید کی ''اب تک اسے اپنے آدمیوں کے حشر کی خبر مل چکی ہوگی۔''

''وہ تلملایا ہوا ہوگا۔ اس سے بات کرکے اندازہ ہوگا کہ اس تازہ ترین واقعے کے بارے میں وہ کیا سوچ رہا ہے۔''

میں نے وال کلاک پر نظر ڈالی۔ سوبھراج کے آدمیوں کو گارڈن روڈ پر اپنی گاڑی چھوڑ کر بھاگے ہوئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ انہوں نے واپس راج محل پہنچ کر سوبھراج کو اپنی رپورٹ دے دی ہوگی۔ بچیرو میں رہ جانے والوں کا معاملہ سیدھا سا تھا۔ سوبھراج کسی بھی ذمے دار پولیس افسر سے رابطہ کرتا تو اسے پتا چل سکتا تھا کہ اس کا ایک آدمی بچیرو

میں بیٹھے بیٹھے مرگیا تھا اور دوسرے پر بے ہوشی طاری ہوگئی تھی۔

میں نے سوبھراج کے سیٹلائٹ فون کے بجائے اس کے گھر کا نمبر ملالیا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس وقت سوبھراج کو اپنے گھر پر موجود ہونا چاہیے تھا۔

نمبر ملنے پر مجھے دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔ میں نے سوبھراج سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے کوئی جواب دینے سے پہلے میرا نام جاننا چاہا۔ فون پر وہ طریقہ مجھے کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا۔ اصولی طور پر اسے میرے سوال کا جواب دینے کے بعد میرا نام دریافت کرنا چاہیے تھا۔ اس کے سوال سے یہ ظاہر ہورہا تھا جیسے وہ میرا نام جاننے کے بعد یہ فیصلہ کرے گا کہ سوبھراج کی گھر میں موجودگی کے بارے میں مجھے کیا بتائے۔

''تمہارا سوال تہذیب کے خلاف ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ سوبھراج ہے یا نہیں۔''

''سائیں! تم بلاوجہ گرمی کھا رہے ہو۔ اگر صاحب گھر پر ہیں تو مجھے ان کو بتانا پڑے گا کہ کون ان سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

''تم گھر میں ہو اور تمہیں یہ بھی پتا نہیں کہ وہ گھر پر ہے یا کہیں گیا ہوا ہے۔'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''ہاں، بالکل!'' وہ میرے طنز کو بالکل پی گیا ''یہ بڑا گھر ہے۔ اس میں چوبیس کمرے ہیں۔ دیکھنا پڑتا ہے کہ کون موجود ہے اور کون باہر گیا ہوا ہے۔ اپنا نام بتا دو تو میں ابھی دیکھے لیتا ہوں کہ کیا پوزیشن ہے۔''

اس کی نرم کلامی سے میرا غصہ کم ہوگیا۔ میں نے بتایا ''میں ڈینی بول رہا ہوں۔''

''ہولڈ کرو!'' اس ہدایت کے ساتھ میرے کان میں ہلکی سی موسیقی گونجنے لگی۔ قدرے توقف کے بعد وہ دوبارہ لائن پر آیا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بتانے لگا کہ سوبھراج اس وقت گھر پر موجود نہیں تھا۔ میں اس کے لیے پیغام دے سکتا تھا۔

''وہ آئے تو اس سے کہہ دینا کہ والد صاحب اسے تلاش کررہے ہیں۔'' میں نے برہمی سے کہا۔

''یہ تم کس کے والد کی بات کررہے ہو؟'' سوال کیا گیا ''باس کے ابا تو برسوں پہلے سرگباش ہوچکے ہیں۔''

''اب میں اس کا دوسرا اور بڑا باپ ہوں۔'' میرا پارا بڑھ گیا اور میں نے اپنا فقرہ مکمل کرکے فون بند کردیا۔

''گیارہ بج رہے ہیں۔ اس وقت وہ کہاں مرا ہوا ہے۔'' ویرا بڑبڑائی۔

''ہوسکتا ہے کہ وہ گھر پر ہی ہو اور اپنے آدمی سے انکار کروا دیا ہو۔'' سلطان شاہ نے کہا۔

''یہ ناممکن ہے۔ وہ ہوتا تو ڈینی کا نام سنتے ہی فون پر آجاتا۔'' اول خان نے اس کی تردید کی۔

ایک امکان یہ بھی تھا کہ جب ویرا راج محل سے روانہ ہوئی تو سوبھراج شراب نوشی میں مصروف تھا۔ ویرا کے اپنے ساتھ مل جانے کی خوشی میں اس نے اتنی زیادہ پی لی ہو کہ مدہوشی کے عالم میں گہری نیند سوگیا ہو۔ وہ اس کے ذاتی مسئلے تھے۔ میری خواہش تھی کہ میں اس سے ضرور بات کروں۔

اگر وہ نشے میں مدہوش تھا تب بھی اس کے بھگوڑے آدمیوں نے اسے اٹھا کر اپنی رپورٹ دی ہوگی۔ میری کال پر وہ دوبارہ نیند سے بیدار ہوسکتا تھا۔

اس بار میں نے براہِ راست رابطے کے لیے اس کا سیٹلائٹ فون نمبر ملایا۔ اس نے پہلی گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے میری کال کا جواب دے دیا۔

''تم اس وقت کہاں ہو؟ میں کافی دیر سے تمہاری تلاش میں تھا۔'' میں نے اس کی آواز پہچان کر کہا۔

''کیوں؟ تمہیں میری تلاش کیوں ہے؟'' اس کا لب ولہجہ بہت محتاط تھا۔

''تمہارے ساتھ ویرا کی بھی مزاج پرسی کرنا چاہ رہا ہوں۔'' میں دانستہ ویرا کا نام درمیان میں لے آیا۔

''کیا تم طنز کررہے ہو؟'' سوبھراج کی تلخ آواز آئی۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ اسے میری پہلی کال کے بارے میں کوئی پیغام نہیں ملا تھا۔

''تم ایسا کیوں سوچ رہے ہو؟'' میں نے حیرت ظاہر کی ''میں نے کوئی کڑوی بات تو نہیں کی۔''

''ڈینی! مجھے گھنے کی کوشش مت کرو۔ کبھی کے دن بڑے ہوتے ہیں اور کبھی کی راتیں۔ میرا وقت آئے گا تو میں تمہارے ہوش اڑا دوں گا۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ ویرا نے تمہیں خاصی تکلیف پہنچائی ہے!''

''اس بار وہ نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔ اگلی بار تمہیں اس کی لاش ہی ملے گی۔''

''کیا تم ائرپورٹ سے بول رہے ہو؟'' میں نے اچانک پوچھ لیا۔ اس کی باتوں کے پس منظر میں مجھے کسی پرواز کی روانگی کا اعلان سنائی دیا تھا۔ سیٹ لائٹ فون کے حساس نشری آلات نے ائرپورٹ لاؤنج کے پیجنگ سسٹم کا وہ

اعلان ہمارے کانوں تک پہنچا دیا تھا۔
"یہ تم نے کیسے کہہ دیا؟" میرے غیر متعلقہ سوال نے اسے بری طرح چونکا دیا۔
"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے آدمی تمہارا پیچھا نہیں کر رہے۔ ابھی ابھی مجھے ایک نسوانی آواز میں کسی پرواز کی روانگی کے روایتی اعلان کی گونج سنائی دی تھی۔"
"میں کسی کے باپ سے بھی نہیں ڈرتا۔ اگر مجھے ایک ضروری کام سے باہر نہ جانا پڑ گیا ہوتا تو میں ایک آدھ روز میں ہی تم دونوں کا دماغ درست کر دیتا۔"
"سوبھراج! تم نے غلط لوگوں سے محاذ آرائی شروع کی ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "ابھی تم خوف زدہ ہو کر شہر سے بھاگ رہے ہو۔ دوبارہ لوٹو گے تو تمہیں کہیں پناہ نہیں مل سکے گی۔ یہ وقت کا فیصلہ ہے جو اٹل ثابت ہوگا۔"
"میں خوف زدہ نہیں ہوں۔ میرا ملک سے باہر جانے کا پروگرام پہلے سے طے تھا۔" اس کی جھنجلائی ہوئی آواز آئی۔
میں اس کے عذر لنگ پر بے ساختہ ہنس پڑا "ویرا کے ساتھ شراب نوشی کرتے ہوئے تم نے رات کو جشن منانے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو میں تمہاری یہ بات مان لیتا۔ اپنے آدمیوں کی ناکام واپسی پر حواس باختہ ہو کر تم ملک سے باہر بھاگ رہے ہو مگر یاد رکھو کہ بدقسمتی وہاں بھی تمہارا پیچھا کرے گی۔"
"ویرا ایک جعلی روپ دھار کر راج محل آئی تھی۔ میں نے اسے روکا اور پوچھ گچھ کر کے بھگا دیا۔ میرا کوئی آدمی کہیں گیا نہ آیا۔ تم کہاں کی اڑا رہے ہو۔" اس نے یکایک قلابازی کھائی۔
"مجھے وہ بیان مت سناؤ جو تم پولیس کے اعلیٰ افسران کو دو گے۔ مجھ سے ٹھوس حقائق کی بات کرو۔ اب تک تمہارے دو نمک خوار پولیس کی تحویل میں آ چکے ہوں گے۔ ان میں سے ایک مر چکا ہے' دوسرا بے ہوش ہے۔ وہ دونوں جس گاڑی میں پائے گئے وہ تمہاری ملکیت ہے۔"
"تم بکواس کر رہے ہو۔ راج محل میں کھڑی ہوئی ہر گاڑی میری نہیں ہوتی۔ وہ پیجیرو میرے ایک پرانے ملازم کے نام ہے جو دو سال سے دبئی میں نوکری کر رہا ہے۔"
"راج محل کے ملازم بہت خوش حال ہیں کہ پیجیرو رکھتے ہیں۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔
"میرے سب گھر کے ہیں۔ تم مجھے کہیں نہیں پھانس سکو گے۔ وہ دونوں میری اجازت کے بغیر پیجیرو میرے گھر سے لے کر نکلے تھے۔ مجھے کچھ پتا نہیں کہ ان کے ساتھ اور کون تھا اور انہیں کیا ہوا۔ ان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا سراغ لگانا پولیس کی ذمے داری ہے۔"
"اور پولیس تمہارے گھر کی لونڈی ہے!" میں نے دھیرے سے کہا۔ اس نے ان واقعات سے اپنا دامن بچانے کے لیے اچھی کہانی تراشی ہوئی تھی۔
"تفتیشی رپورٹ سامنے آئے گی تو تمہیں سب پتا چل جائے گا کہ کون کیا ہے۔"
"دونوں مر گئے ہوتے تو شاید تمہاری بات مان لی جاتی۔ دوسرا آدمی ہوش میں آ کر جو بیان دے گا' اسے تم کہاں لے جاؤ گے؟"
"میں معزز اور بڑا آدمی ہوں۔" اس کی تکبرانہ آواز آئی "میرے سامنے دو ٹکے کے اس چور کے بیان کی کیا وقعت ہے جو بچپن سے میرے ٹکڑوں پر پل رہا ہے۔"
"تمہارے دماغ میں تکبر اور اپنی بڑائی کا جو خنّاس بھرا ہوا ہے وہی تمہیں انجام کار لے ڈوبے گا۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "کاش تمہارے پرانے ملازموں کو معلوم ہو سکے کہ تمہارے پسینے پر اپنا خون بہانے کے صلے میں تم انہیں کن القاب سے پکارتے ہو تو وہ تمہیں اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کر دیں۔"
"ابھی مجھ کو گرانے والا کوئی سورما پیدا نہیں ہوا۔ دو کوڑی کے حقیر کیڑے زندگی بھر گڑگڑانے اور دوسروں سے اپنی خوشیوں کی بھیک مانگنے کے لیے پیدا کیے جاتے ہیں۔ یہ ان کا مقدر ہوتا ہے کہ وہ اپنے مالکوں کی خدمت کرتے کرتے ان کے لیے قربان ہو جائیں۔"
"گاڑی تمہاری نہ سہی' تمہارے ایک ملازم کی ہے۔ مرنے والا تمہارا نوکر ہے اور جو بیان دے گا وہ بھی تمہارا نمک خوار ہے۔ یہ سب چیزیں مل کر تمہاری ساکھ کو تباہ کر دیں گی۔ تمہارا گھمنڈ خاک میں مل جائے گا۔"
"تم دیکھو گے اور دنیا بھی دیکھ لے گی کہ میری واپسی تک یہ دھول بھی بیٹھ جائے گی۔"
"اور اب میں بھی اپنی زبان بند رکھنے کا پابند نہیں رہا۔ جو شخص ویرا کی حفاظت نہیں کر سکا وہ اعتبار کے قابل نہیں رہا۔"
"مجھے معلوم تھا کہ ویرا کے نکل بھاگنے کے بعد تمہیں بھونکنے کی آزادی مل جائے گی لیکن تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔"
"حیرت ہے کہ یہ بات تم کو پہلے کیوں نہیں سوجھی!"
"میں سیدھی انگلیوں سے گھی نکالنا چاہ رہا تھا لیکن

ٹیڑھی انگلیوں کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ میں تم سے تمہاری سطح پر آکر مقابلہ کروں گا۔"
"تم میں اتنی ہمت ہوتی تو یوں میدان چھوڑ کر نہ بھاگتے۔"
"میں کہیں نہیں بھاگ رہا۔ اپنے کام نمٹا کر بہت جلد واپس آؤں گا اور تمہاری گردن توڑ دوں گا۔"
"ٹھیک ہے... پھر تم سے بعد میں بات ہوگی۔" میں نے فون بند کردیا۔

وہ اس وقت بہت زیادہ بوکھلایا ہوا تھا۔ اس کی شکست کا داغ تازہ اور کاری تھا۔ وہ لمبی چوڑی باتوں کے ذریعے اپنے آپ کو بہلا رہا تھا۔ خود فریبی کی اس مہلک حالت میں اس سے مزید گفتگو بالکل بے سود تھی۔ وہ اپنی زبان سے کبھی حقائق کا اعتراف نہیں کرسکتا تھا۔ یہ بات شاید اس کا دل ہی جانتا تھا کہ اس کے زوال کی داغ بیل پڑچکی تھی۔ اپنے خلاف بنتی ہوئی اس فضا کو بھانپ کر وہ پاکستان سے فرار ہو رہا تھا۔

وہ ملکی سیاست کا ایک معروف چہرہ تھا۔ اس کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ آئے دن غیر ملکی دوروں پر جاتا رہتا تھا۔ اس کے پاس پاسپورٹ تیار رہا ہوگا۔ اس سفری دستاویز پر بہت سے موثر ویزے لگے ہوئے ہوں گے۔ وہ محض ٹکٹ خرید کر کسی پرواز پر نشست حاصل کرلیتا تو آسانی سے ملک سے باہر جاسکتا تھا۔ حالات کی سنگینی کا ادراک کرکے اس نے ملک میں رہ کر آنے والے وقت کا سامنا کرنے کے بجائے فرار کو ترجیح دی تھی۔

اس وقت رات کے گیارہ بجے کے بعد کا عمل تھا۔ اس وقت مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں کی طرف جانا ممکن نہیں تھا کیونکہ بیشتر ائرپورٹ رات ڈھلے آنے جانے والی پروازوں کو اترنے اور روانہ ہونے کی سہولتیں تو فراہم کرتے ہیں لیکن رات بھر مسافروں کی آمد و رفت موقوف رہتی ہے۔ صبح سویرے کسٹم، امیگریشن اور دوسری سروسز کا عملہ ڈیوٹی پر آتا ہے تو سب کچھ اپنے لگے بندھے معمول پر آجاتا ہے۔

مشرقِ بعید اور مغربی ملکوں کے سفر کے لیے وہ وقت موزوں تھا اور شاید سوبھراج ایسے ہی کسی لمبے سفر پر جارہا تھا۔

"یہ برا ہوا کہ اسے ملک سے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔" سلطان شاہ نے متاسفانہ انداز میں کہا۔
"بھاگنے والوں کی جڑیں باہر ہوتی ہیں۔ اسے ہر حال میں واپس آنا ہوگا۔" اول خان نے نیچی آواز میں کہا "اس کا سب کچھ اسی ملک میں ہے۔ کروڑوں کے اثاثوں سے وہ آسانی سے دستبردار نہیں ہوگا۔ وہ پرتعیش زندگی گزارتا رہا ہے۔ محدود وسائل میں وقت گزارنا اس کے لیے ممکن نہیں ہوگا۔"

"یہ اچھا ہوا کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔" میرا وہ فقرہ سن کر ویرا کی بھویں تن گئیں "ہمیں اس وقت سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔"
"ایک غدار کے فرار ہوجانے پر تم خوشی سے بغلیں بجا رہے ہو۔" ویرا بولی۔
"وہ یہاں رہتا تو اچھا تھا۔ چلا گیا تو اور بھی اچھا ہے۔" میں نے ویرا کو چڑانے کے لیے مبہم سا جواب دیا۔
"اس کے بھاگ جانے سے کیا حاصل ہوگا۔ میں تو کہتی ہوں کہ اسے اسی وقت آف لوڈ کرانے کی کوشش کی جانی چاہیے۔"
"تم بھول رہی ہو کہ اس کا نام سوبھراج ہے۔ اس بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنا بہت مشکل کام ہے۔ حیرت ہے کہ تمہیں اب بھی اس کے اثر و رسوخ کا اندازہ نہیں ہوا۔ کسی واضح ترین الزام کے بغیر کسی کو آف لوڈ نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے کہا۔
"کسی کو روانگی سے روکنے کا اختیار سرکاری افسروں کو ہوتا ہے اور سوبھراج ہر سرکاری افسر کے لیے ممنوعہ شے ہے۔" اول خان ہنستے ہوئے بولا "اسے کون روکے گا؟ ہمت ہے تو خود جاکر اسے جہاز سے اتار لو۔ تمہیں دوبارہ دیکھ کر شاید وہ خود بھی سفر کا ارادہ منسوخ کردے۔"
"مجھے اس کو روکنے کا اتنا شوق نہیں ہے۔" اول خان کو وہ جواب دے کر ویرا میری طرف متوجہ ہوگئی "میں صرف یہ جاننا چاہ رہی ہوں کہ اس کے فرار ہوجانے میں تم کو فائدے کی کیا صورت نظر آرہی ہے۔"
"یہ بالکل سامنے کی بات ہے۔ جب تک ہم اسے مجرم ثابت کرکے گندا نہیں کردیتے، وہ یہاں معزز اور معتبر بنا رہے گا۔" میں نے کہا "اس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ وہ یہاں رہ کر ہمارے ہر کام میں روڑے اٹکاتا رہتا۔ اب لوگ اس کے ذاتی دباؤ سے آزاد رہیں گے۔"
"وہ چلا گیا تو یہ کام اس کے گرگے کرتے رہیں گے۔ یہ نہ سمجھنا کہ اس کے بھاگ جانے کے بعد تمہیں کھلا میدان مل جائے گا۔"
"اس کے مہرے رخنہ اندازی ضرور کریں گے لیکن وہ سوبھراج کی طرح زیادہ موثر نہیں ہوں گے۔" میں نے اسے

سمجھایا۔
"تم دونوں بلاوجہ اس بحث میں اپنا سر کھپا رہے ہو۔" اول خان نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "جو ہوگیا وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ جو مستقبل میں ہونے والا ہے' اس کی کسی کو خبر نہیں۔ ہمیں اس وقت کی بات کرنی چاہیے جس میں ہم موجود ہیں۔ یہ سوچو کہ اب کیا کرنا چاہیے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے ذہن میں کوئی تجویز جنم لے چکی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس وقت اخبارات ہماری بہت مدد کرسکتے ہیں۔ کام کے کسی آدمی سے رابطہ ہوجائے وہ تو آج کے واقعے کی رپورٹنگ میں سوبھراج کو بری طرح رگڑ دے گا۔ ایک دفعہ اس کے خلاف رائے عامہ بگڑ گئی تو پھر تمہارے لیے حالات تیزی سے سازگار ہوتے چلے جائیں گے۔"

"یہ شعبہ تمہارا ہے۔ ہم میں سے کسی کا کسی صحافی سے رابطہ نہیں ہے۔" ویرا نے بات اسی کے سر ڈال دی۔

اول خان نے خندہ پیشانی سے اس کی بات قبول کرلی۔ صحافت کی دنیا میں وہ کئی کلیدی شخصیات سے واقف تھا لیکن ان کے ذریعے کسی خبر پر اثر انداز ہونے کے بعد اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ پیجیرو کیس میں اول خان کی دلچسپی کی بات شہر کے باخبر حلقوں میں نہیں پھیلے گی۔

ان سب پر انفرادی طور پر بحث ہوئی اور سب نے مشترکہ طور پر ان ناموں کو مسترد کردیا۔ آخر میں قرعہ فال ایک رپورٹر کے نام نکلا جو اپنی خبر کا ذریعہ نہ بتانے میں خاصی شہرت رکھتا تھا۔ اول خان نے اپنا نام سامنے لائے بغیر' اس سے رابطے کا طریقہ بتانا شروع کردیا۔

❂✶❂

اگلی صبح کے اخبارات میں گارڈن روڈ پر پیش آنے والے سنسنی خیز واقعے کی نمایاں خبریں شائع ہوئی تھیں۔ ان خبروں میں سے پیجیرو' راج محل اور سوبھراج کا ذکر حذف کرنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ سب کچھ مشترک تھا لیکن پھر بھی دیگر اخبارات نے بہت محتاط انداز میں حقائق پیش کیے تھے۔

اول خان کے نامزد کیے ہوئے رپورٹر کے اخبار میں ایک انتہائی خطرناک سرخی لگائی گئی تھی۔ شہر کی بارونق سڑک پر خوفناک گینگ وار کے عنوان سے ذیلی سرخیوں میں سوبھراج اور راج محل کے حوالے بھی موجود تھے۔

اس واقعے کے بارے میں پولیس افسران نے پراسرار خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ پیجیرو میں بے ہوش پائے جانے والے شخص تک کسی کی رسائی نہیں ہوسکی تھی۔ پوری خبر چشم دید شہادتوں اور معتبر ذرائع کی بنیاد پر تیار کی گئی تھی۔

اس خبر کی رو سے سوبھراج جیسے مشہور سیاسی رہنما کے زیر زمین دنیا کے بعض لوگوں سے گہرے اور قریبی روابط تھے۔ نامعلوم وجوہ کی بنا پر ایک گروپ سے اس کے اختلافات ہوگئے۔ سوبھراج نے اس گروپ کے ایک اہم کارندے کو پکڑ کر یرغمال بنالیا۔ اس یرغمالی کی کسی اور ٹھکانے پر منتقلی کی خبر اس گروپ کو مل گئی اور اس نے گارڈن روڈ پر پیجیرو پر حملہ کرکے اپنے آدمی کو چھڑالیا اور دھواں دھار فائرنگ کرتا ہوا غائب ہوگیا۔ اخبار نے اس امر کو حیران کن قرار دیا تھا کہ فائرنگ کے شدید تبادلے کے باوجود کوئی شخص گولیوں سے ہلاک یا زخمی نہیں ہوا تھا۔ پولیس موقع پر پہنچی تو پیجیرو کی پچھلی سیٹ پر ایک لاش کے ساتھ ایک شخص بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں زہر کا شکار ہوئے تھے۔ پولیس اس امکان پر غور کررہی تھی کہ کہیں ان دونوں کو اس حالت میں راج محل سے نہ لایا گیا ہو۔

وہ رپورٹ پڑھ کر میرا دل خوش ہوگیا۔ ویرا کے دونوں شکار سوبھراج کے سر تھوپ کر بہت جرائت کا ثبوت دیا گیا تھا۔

کسی بھی اخبار میں پولیس کا کوئی بیان تھا نہ راج محل کا کوئی موقف بیان کیا گیا تھا۔ رات بھر کی کوششوں کے باوجود ان دونوں فریقوں کے کسی ذمے دار آدمی سے رابطہ نہیں ہوسکا تھا۔ کہیں سے کوئی مصدقہ خبر نہ ملنے کے باوجود دوسرے اخبارات نے قیاس آرائیوں سے گریز کیا تھا۔ جو اخباری روایات کے خلاف تھا۔ اس کا سبب وہی تھا کہ اخبارات بھی سوبھراج کی قد آور سیاسی شخصیت سے مرعوب تھے۔

شہر میں پیش آنے والا وہ واقعہ اس اعتبار سے بہت اہم ثابت ہوا تھا کہ پولیس کا محکمہ نہ چاہتے ہوئے بھی سوبھراج کی ذات سے متعلق اس کیس میں ملوث ہوگیا تھا۔ افسران بالا کی مسلسل عدم دستیابی سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ پجیرو کیس ان کے حلق کی ہڈی بن گیا تھا۔ وہ واقعے سے متعلق حقائق کو منظر عام پر لاتے تو سوبھراج کی ذات شکوک و شبہات کی زد میں آجاتی۔ خاموش رہتے تو پریس کی شدید تنقید وملامت کا ہدف بنتے۔

سرکاری سکوت یہ بتا رہا تھا کہ ماہرین سر جوڑ کر اس پراسرار تصادم کی کڑیاں ملانے کی کوشش کررہے تھے۔ جب تک ان کوششوں کا کوئی ابتدائی نتیجہ سامنے نہ آجاتا' وہ سوبھراج کے خلاف کوئی بات ریکارڈ پر نہیں لاسکتے تھے۔

دو بجے اول خان کا فون آیا تو اس کی آواز مضمحل تھی۔

اسے صدمہ تھا کہ سوبھراج کی شکایت پر اس سے خاصی سخت جواب طلبی کی گئی تھی۔ اسلام آباد سے آنے والی فون کال نے اس کی وہ ساری خوشی غارت کر دی تھی جو اسے ایک روزنامے میں مطلوبہ خبریں پڑھ کر ہوئی تھی۔

اول خان نے اپنے کراچی یونٹ کے دفاع میں وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو کہنا ممکن تھا۔ اس کا باس اچھی طرح جانتا تھا کہ اول خان جھوٹ بولنے کا عادی نہیں تھا لیکن باس خود بھی کسی کو جواب دہ تھا اور اوپر سے پڑنے والے دباؤ کے سامنے مجبور ہو چکا تھا۔

آخر کار اس نے اول خان کو جلد از جلد اس نمبر کی کار کا سراغ لگانے کی ہدایت کی جس کا کہیں وجود نہیں تھا مگر وہ نمبر سوبھراج نے خود ہوم سیکریٹری کو لکھوایا تھا۔ وہ کار شیر شاہ کے کباڑ خانے میں نہ جانے کب کی گل سڑ چکی تھی۔ اول نے ایسے ہی کسی آڑے وقت کے لیے اس کی نمبر پلیٹیں محفوظ کی ہوئی تھیں۔ بات بڑھنے کے آثار نمودار ہوتے ہی اس نے دونوں نمبر پلیٹوں کو ذاتی طور پر تلف کر دیا تھا۔

''باس نے ہیجیرو والے واقعے کے بارے میں بھی سوالات کیے تھے۔'' اول خان مرجھائی ہوئی آواز میں بتا رہا تھا۔ ''یہ بہت عجیب اتفاق تھا کہ سوبھراج کی شکایت کے چند گھنٹے بعد ہی ہیجیرو والا واقعہ رونما ہو گیا۔ باس کو فکر تھی کہ کہیں اس میں بھی ہمارا ہاتھ نہ ہو۔''

''پھر تمہارا کیا جواب تھا؟'' میں نے بے چینی سے سوال کیا۔

''میں اس قصے میں اپنی شمولیت کا ذکر نہیں کر سکتا تھا۔ باس باخبر اور تجربے کار آدمی ہے۔ زمانے کے نشیب و فراز کو خوب سمجھتا ہے۔ میں نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ ارجن کمار کے قتل اور پھر گوپال کی گرفتاری تک میں تمہارے ساتھ مل کر کام کر رہا تھا تو سارے اشارے یہی بتا رہے تھے کہ مقامی سازشوں کا سرغنہ سوبھراج ہے۔ پھر مجھے سوبھراج سے دور رہنے کا حکم ملا اور میں نے اس معاملے میں تمہارا ساتھ چھوڑ دیا۔''

''ساتھ چھوڑنے سے بات ختم نہیں ہو جاتی۔ باس کو میرے اور تمہارے مراسم کا خوب علم ہے۔''

''اسے سب پتا ہے۔ اسلام آباد میں وہ تم سے بھی مل چکا ہے اور تمہاری خداداد صلاحیتوں کا کھلے دل سے معترف ہے۔ میں نے اسے صاف بتا دیا کہ میرے دست بردار ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ تم اپنی ٹیم کے ساتھ بدستور سوبھراج کی راہ پر لگے ہوئے ہو۔ شہر میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ تمہارے اور سوبھراج کے ٹکراؤ کا شاخسانہ ہے۔ سوبھراج تم سے خوف زدہ ہے اور کھسیا کر سارا الزام ایس ٹی ایف کے سر ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''ویری گڈ!'' میں نے خوش ہو کر کہا ''تم نے ذرا مبالغے سے کام لیا ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ تم اپنے بڑے کے سامنے زبان کھولنے کی ہمت رکھتے ہو۔ یہ بہت بڑی خوبی ہے ورنہ ڈسپلن کے مارے، بیشتر ماتحت اپنے افسر کی ہر کڑوی کسیلی بات سن کر سر جھکائے رہتے ہیں۔''

''میں سرکش نہیں ہوں۔ اس کا بہت ادب کرتا ہوں مگر حق بات کہنے سے خود کبھی نہیں چوکتا۔ وہ آج تک میری اس روش پر ناراض نہیں ہوا اس لیے میں نے آج بھی اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ اس پورے کھیل کو سمجھ رہا ہے لیکن اوپر کے احکام سے مجبور ہے۔''

''تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ اسلام آباد میں بیٹھا ہوا ایک افسر کراچی میں ہونے والے پیچیدہ کھیل کو پوری طرح سمجھ رہا ہو گا۔ کیا اس نے اس بارے میں کچھ کہا ہے۔''

''ہر بات کہی نہیں جاتی۔ کچھ سمجھنے کے لیے بھی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تمہارا ذکر سن کر اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی جو اس کی رضامندی کے مترادف تھی۔ دوسروں کی طرح وہ بھی یہ چاہتا ہے کہ سرکاری اہلکار سوبھراج سے دور رہیں۔ اور تم اسے سب کے سامنے ننگا کر دو۔''

''تم نے اسے بتا دیا کہ سوبھراج پچھلی رات ملک سے فرار ہو گیا۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ کیسے بتا دیتا؟'' اس کی آواز بے ساختہ تھی ''یہ خبر تم نے نکالی تھی۔ اس کا ذکر کر کے میں یہ مان لیتا کہ میں اب بھی تمہارے ساتھ کام کر رہا ہوں! حیرت کی بات یہ ہے کہ راج محل والے اس بارے میں خاموش ہیں۔ اخبارات میں بھی اس کی اچانک روانگی کے بارے میں ایک لفظ نہیں چھپا۔ شاید اس نے اپنی روانگی خفیہ رکھی ہے۔''

''خفیہ رکھتا تو اسے مجھ سے اقرار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کہہ سکتے ہو کہ اس کی روانگی غیر ضروری تشہیر نہیں کی جا رہی۔ ہو سکتا ہے کہ آج یہ خبر پھیل جائے.... تم اپنے باس کی بات کر رہے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ میری اور تمہاری دوستی کی وجہ سے کوئی مخالفانہ تبصرہ نہ کرنا چاہ رہا ہو۔''

''مخالفت بہت دور کی بات ہے۔ وہ درپردہ تمہاری حمایت کر رہا ہے۔ اس نے جلال کی دی ہوئی یہ تجویز مان لی کہ کرنل داور ایس ٹی ایف کے باضابطہ نمائندے کے طور پر سوبھراج سے مل کر اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش

کرے!" اس نے انکشاف کیا۔

"اوہ! گریٹ!" میں خوشی سے اچھل پڑا "یہ آج کی سب سے بڑی خبر ہے۔ اب میں سینہ تان کر راج محل کے پھاٹک پر دستک دوں گا۔"

"میں یہی کہہ رہا تھا کہ بہت سی باتیں سمجھی جاتی ہیں' کہی نہیں جاتیں۔ وہ میرا افسر ہے۔ میں اس کے مزاج اور لب و لہجے کو خوب سمجھتا ہوں۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کہاں بول رہا ہے۔"

"پھر تم بلاوجہ اداس کیوں ہو رہے ہو۔ تم سے رسمی باز پرس کر کے اس نے اپنا فرض نبھایا اور تمہاری تجویز مان کر تمہیں بھی سرخرو کر دیا۔ تمہیں مضمحل ہونے یا صدمہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ملازمت تو نام ہی سمجھوتوں کا ہوتا ہے۔ کوئی کتنا ہی بڑا ملازم کیوں نہ ہو' آخر ملازم ہی ہوتا ہے۔ وہ اپنی جگہ سمجھوتے کر رہا ہے۔ تم کو اس کی مجبوریوں کا اندازہ کرنا چاہیے۔"

"تم سے بات کرتے ہوئے اب میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا محسوس کر رہا ہوں۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ آواز آئی۔

"تمہارے باس کو یہ تو پتا ہے ناکہ ماضی میں' میں ہی کرنل داور کا کردار ادا کرتا رہا تھا۔" میں نے جتاتے ہوئے بھی انجان بن کر اس سے تصدیق چاہی۔

"بالکل ہے۔ اس سلسلے میں پہلا فیصلہ میرا تھا مگر بعد میں' میں نے اسے بتا دیا تھا۔ امریکیوں نے تمہاری باتوں کا چرچا اسلام آباد تک پہنچا دیا تھا۔ میرا باس کیا' کئی افراد کو علم ہو چکا ہے کہ کرنل داور کے روپ میں تم دو اجلاسوں میں شرکت کر چکے ہو۔"

"اب میں کھلے دل کے ساتھ سوبھراج کی خبر لے سکوں گا۔ اس بار تم تماشا دیکھ کر خوش ہو جاؤ گے۔"

"میں کوئی تماشا نہیں دیکھ سکوں گا۔ مجھے بالکل دور اور الگ رہنا ہے۔ اسے سمجھانے کا کام تم سرانجام دو گے۔"

"تو کیا اسٹیشن فور والوں کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"تم جو مدد یا تعاون چاہو گے وہ تم کو فراہم کیا جائے گا۔ میں تم سے دور رہوں گا۔"

"یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے یا باس نے تمہیں کوئی خاص ہدایت دی ہے۔"

"باس بہت زیادہ اصول پرست ہے۔ سوبھراج کی شکایت کے نتیجے میں' میں خود ایک فریق بن گیا ہوں اس لیے مجھے الگ تھلگ رکھنا چاہ رہا ہے۔"

"یہ کوئی بات نہیں ہوئی۔ اس نے ایس ٹی ایف کے ہراساں کرنے کی شکایت کی ہے۔ اس طرح تو تمہاری فورس کا ہر فرد اور جوان ایک فریق بن گیا ہے۔"

"وہ اطلاعات بے سروپا تھیں۔ اس نے نام لے کر میری شکایت کی ہے کہ میں اسے اپنے آدمیوں کے ذریعے ہراساں کر رہا ہوں۔"

"پھر تمہارے باس کی بات قابلِ فہم ہے۔ میں ذرا رعب اور دبدبے کے ساتھ راج محل جانا چاہوں گا۔"

"اسٹرائیک یونٹ کی بکتربند گاڑیاں خاصی ہیبت ناک ہیں..."

بس' بس وہی ایک گاڑی' چار کمانڈوز کے ساتھ ٹھیک رہے گی۔" میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔

اول خان ہنس پڑا۔ "اس وقت تم نے بچوں جیسی خوشی کا اظہار کیا ہے۔ چاہو تو دو تین گاڑیاں لے لینا۔"

"ہر انسان میں پیدائشی طور پر ایک بچہ چھپا ہوا ہوتا ہے جو کبھی کبھی ابھر کر پوری شخصیت پر حاوی ہو جاتا ہے۔ سوبھراج مغرور اور چھچھورا آدمی ہے۔ میں اسے احساس دلانا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی تمام مراعات کے باوجود کچھ لوگوں سے کم تر ہے۔ اسے احساس دلانے کے لیے طاقت اور شان کا اظہار ضروری ہے۔"

"تم اس طرح باتیں کر رہے ہو جیسے ابھی اس کے گھر جانے کا ارادہ ہے۔ پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ وہ باہر سے کب آتا ہے۔ اس کے بعد تم اس سے مل سکو گے۔"

"کرنل داور تمہاری کسی ہدایت یا مشورے کا پابند تو نہیں ہو گا۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں... تمہیں ہر قول و فعل کی مکمل آزادی ہو گی مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"بس' اب دیکھ لینا کہ وہ جلد ہی پاکستان لوٹ آئے گا۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔

"کیا اس کو واپسی پر مجبور کرنے کے بارے میں تم کچھ سوچ رہے ہو؟" میرے پُراعتماد لہجے نے اول خان کو چونکا دیا تھا۔

"کچھ نہ کچھ سوچنا ہی پڑے گا ورنہ وہ باہر بیٹھا چین کی بانسری بجاتا رہے گا اور اس کے آدمی یہاں گڑبڑ کرتے رہیں گے۔"

"تمہارا اندیشہ بجا ہے لیکن ابھی تک اس کے آدمیوں کی طرف سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔" اس نے میرے اندیشے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"کل رات کے صدمے سے سنبھلنے کے لیے انہیں وقت درکار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سوبھراج کی ہدایت کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ وہ اپنی نئی منزل پر پہنچ کر فیصلہ کرنے میں وقت لے گا۔ میں اگلے دو تین دنوں میں ان لوگوں کی طرف سے کسی گڑبڑ کی توقع کر رہا ہوں۔"

"دو تین دن تک انتظار کرتے کرتے میرے اعصاب چیخ جائیں گے۔ تم سوبھراج کو جلد از جلد واپس بلانے کی کوئی تدبیر سوچو۔ اس کے یکایک بھاگ جانے سے سب کچھ چوپٹ ہو کر رہ گیا ہے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ بوکھلا کر یوں ملک سے باہر بھاگ جائے گا۔"

"اس قسم کے بڑے آدمی جب تک میدان میں جمے رہتے ہیں، ان کا مقابلہ کرنا دشوار نظر آتا ہے لیکن جب ان کے قدم اکھڑتے ہیں جو پھر ان سے ایسی ہی بدحواسیاں سرزد ہوتی ہیں۔ آج تمہارے رپورٹر نے گینگ وار کا لفظ استعمال کر کے دوسروں کو کمال کی راہ دکھائی ہے۔ جوں ہی سوبھراج کی ملک سے اچانک روانگی کی خبر پھیلے گی، ہر ذہن میں مزید شکوک و شبہات پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ خبر سازی میں سبقت حاصل کرنے کی دوڑ میں ہر نامہ نگار اور رپورٹر اپنی اپنی کہانی سامنے لائے گا۔"

اس گفتگو کی ابتدا اولی خان کے اداس لب و لہجے سے ہوئی تھی لیکن جب میں نے فون بند کیا تو اس کی آزردگی دور ہو چکی تھی۔

"یہ بہت بڑی اطلاع ہے کہ ایس ٹی ایف کے سربراہ نے آپ کو سوبھراج سے ملنے کی اجازت دے دی ہے۔" غزالہ نے مسرت آمیز لہجے میں کہا "ابھی تک ایسا لگ رہا تھا جیسے غداروں اور سازشیوں کے خلاف جنگ میں ہم تنہا رہ گئے ہیں لیکن اس خبر سے بہت تقویت ملی ہے۔"

"جرم ہر حال میں جرم ہوتا ہے۔" ویرا نے سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے کہا "اسے وقتی طور پر چھپایا تو جا سکتا ہے لیکن اس کا ہر سراغ مٹایا نہیں جا سکتا۔ پتا نہیں سوبھراج کب سے ان سب چکروں میں ملوث تھا۔ وہ ہمیشہ بچتا چلا آیا لیکن اب اس کے ستارے گردش میں آگئے ہیں تو ہر طرف سے گھیرا تنگ ہو رہا ہے۔ احکام اور ہدایات اپنی جگہ پر ہیں۔ سب کی دلی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہیں۔ کم از کم میں نے ابھی تک خود کو کبھی بے یار و مددگار محسوس نہیں کیا۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتی کہ جلال سمیت کوئی بھی ذمے دار افسر جرائم سے چشم پوشی کرے گا۔"

"یہ یقین مجھے بھی تھا لیکن ایک مرحلے پر وہ احساس توانا ہونے لگا تھا۔ جس کا ذکر ابھی غزالہ نے کیا ہے۔" میں نے کہا۔

"اب ان باتوں کو چھوڑو۔ گزرے ہوئے وقت کا ذکر بے سود ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم سوبھراج کو واپس بلانے کے لیے کیا سوچ رہے ہو۔" ویرا نے پوچھا۔

"سوچ رہا ہوں کہ اس سے ایک مرتبہ پھر سیٹ لائٹ فون پر بات کی جائے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"رات کو ہی تم اس سے بات کر چکے ہو۔ اس کی بے مقصد دھمکیوں سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔" ویرا منہ بنا کر بولی۔

"رات کی بات اور تھی ڈینی کے نام سے وہ بدکتا ہے اور اپنے خوف پر حاوی آنے کے لیے اول فول بکنا شروع کر دیتا ہے۔ ایس ٹی ایف کے سربراہ کی طرف سے کلیرنس مل جانے کے بعد اب میرا ارادہ ہے کہ اس سے میں کرنل داور کے روپ میں بات کروں۔"

"کرنل داور!" غزالہ نے چونک کر دہرایا "اس حیثیت میں آپ نے کبھی اس سے رابطہ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو پہچان ہی نہ سکے۔"

"وہ بہت کائیاں آدمی ہے۔ اسے تم اپنے اصلی نام سے ہی دبا سکتے ہو۔ کسی اور نام سے وہ ذرا بھی مرعوب نہیں ہو گا۔" ویرا نے بھی اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

"تم لوگوں کا حافظہ بہت کمزور ہے۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ سوبھراج ہی اپنا حلیہ بدل کر ارجن کمار کے ہوٹل میں حشمت کے نام سے ٹھہرا ہوا تھا اور کوبرا بن کر دوسروں سے..."

"اوہ! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ویرا نے میری بات درمیان سے کاٹ دی جیسے اسے بھولی ہوئی ہر بات یاد آگئی ہو۔ وہ کہہ رہی تھی "واقعات اس رفتار سے رونما ہو رہے ہیں کہ سب کچھ ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو کر رہ گیا ہے۔ اب یاد آیا کہ کرنل داور بن کر تم نک سے مذاکرات کر رہے تھے۔ وہ تمہیں نقاب پوش کوبرا سے ملنے پر مجبور کر رہا تھا اور تم اس سے ملاقات پر آمادہ نہیں تھے۔"

"ہمارے ذہنوں میں باتیں گڈمڈ ہو سکتی ہیں۔ سوبھراج کو سب کچھ یاد ہو گا۔" سلطان شاہ نے میری تائید کی۔

"آپ اس سے کب بات کریں گے؟" غزالہ نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

"وہ مغرب کی طرف گیا ہے تو وہاں اب صبح ہو گی۔ مشرق بعید میں شام ڈھل رہی ہو گی۔" میں نے اپنی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا "رات ختم ہونے سے پہلے اس کا سفر مکمل ہو گیا ہو گا۔ میری دانست میں یہی وقت اس سے رابطہ

قائم کرنے کے لیے موزوں ہے۔"

"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔" ویرا نے روانی میں کہا پھر چونک کر بولی "اس سے بات کرنے سے پہلے ذرا تنک کو بھی دیکھ لو کہ وہ کیا کہتا ہے۔ ایک کال راج محل بھی کر ڈالو۔ پتا چل جائے گا کہ سوبھراج کی غیر حاضری کے بارے میں اب وہ کیا کہہ رہے ہیں۔"

ویرا کی دونوں باتیں معقول تھیں۔ راج محل سے رابطہ کر لینے کے بعد میں سوبھراج کو یہ جتا سکتا تھا کہ میں نے اس کے لیے پہلے اس کے گھر فون کیا تھا۔ بعد میں مجبور ہو کر سیٹ لائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا۔ میں نے راج محل کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف پہلی اور دوسری گھنٹی بجتی رہی تو مجھے اندازہ ہوا کہ سوبھراج کے اچانک بھاگ نکلنے کی وجہ سے وہاں کا سارا نظم و ضبط تباہ ہو گیا تھا اور افراتفری پھیل گئی تھی ورنہ وہاں سے جواب ملنے میں شاید اتنی تاخیر نہیں ہوتی تھی۔

راج محل کوئی دفتر نہیں' ایک بڑا گھر تھا۔ وہاں اہل خانہ کی تعداد جو بھی رہی ہو' مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ عمارت ملازمین کی ایک قابل لحاظ تعداد سے آباد تھی۔ میں فون کا ریسیور کان سے لگائے انتظار کرتا رہا۔ آخر کار پانچویں گھنٹی پر دوسری طرف سے جواب ملا۔ میں نے آواز پہچان لی۔

"میں کرنل داور بول رہا ہوں۔ سوبھراج کہاں ہے!؟" میں نے بدلی ہوئی رعب دار آواز میں کہا۔

وہ میری آواز اور عہدے سے مرعوب ہو گیا اور گھبرائی ہوئی آواز میں جلدی سے بولا "سر! وہ موجود نہیں ہیں۔ ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ کوئی پیغام ہو تو مجھے نوٹ کرا دیں۔ میں سنیل بول رہا ہوں... ان کا پرسنل سیکریٹری!"

"کل رات تک وہ کراچی میں تھا۔ اچانک کہاں چلا گیا۔" سنیل کا حوصلہ افزا جواب سن کر میں نے اگلا سوال کیا۔

"سر! کوئی ضروری کام پیش آگیا تھا۔ وہ رات کو ہی باہر گئے ہیں۔" میرے لہجے کی تندی پر وہ بوکھلا گیا تھا۔

"کہاں گیا ہے؟" وہ مرعوب ہو گیا تھا اس لیے میں نے اسے دبانا شروع کر دیا۔ سوبھراج سے بات ہونے سے پہلے اس کے سفر کے بارے میں جتنی معلومات حاصل ہو جاتیں اتنا ہی اچھا تھا۔

"سس... سر! وہ بنکاک گئے ہیں۔" اس نے ہکلائی ہوئی آواز میں بے ساختہ جواب دیا۔

"اس سے کوئی رابطہ ہو تو اسے بتا دینا کہ میں اس کی تلاش میں ہوں۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔"

"او کے سر' میں ضرور بتا دوں گا۔" مودبانہ آواز آئی اور میں نے فون بند کر دیا۔

"کمال کر دیا!" ویرا مسکراتے ہوئے بولی "اس وقت تمہارا لب و لہجہ کرنل جیسا ہی تھا۔"

"یہ اس دنیا کا کھلا اصول ہے کہ جو دبتا ہے اسی کو زیادہ دبایا جاتا ہے۔ منہ لگنے والوں سے ہر ایک گھبراتا ہے۔" سلطان شاہ نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"تمہارا اندازہ درست ثابت ہوا۔" ویرا دوبارہ بولی "اس کی روانگی کو خفیہ نہیں رکھا گیا۔ اب یہ خبر پھیل جائے گی۔"

"ہاں... آں!" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "شاید یہ نہ بتایا جائے کہ وہ بنکاک گیا ہے۔ ہمارے امرا میں وہ شہر سستی عیاشی کے لیے بہت زیادہ شہرت رکھتا ہے۔"

"کچھ عرصے پہلے تک جسم فروشی کو تھائی لینڈ کی سب سے بڑی صنعت کا درجہ حاصل تھا۔ وہ بیشتر زرمبادلہ اسی سے کماتے تھے۔" ویرا نے اپنی معلومات کا اظہار کیا۔

وہ تینوں باتیں کرتے رہے اور میں تنک سے ہونے والی گفتگو کی تمہید کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس سے میری آخری گفتگو کا اختتام خاصے ناخوشگوار انداز میں ہوا تھا۔

وہ دفتری اوقات کار تھے پھر بھی میں نے تنک کے رہائشی نمبر سے ابتدا کی۔ ایک موہوم سا امکان تھا کہ شاید بارانی موسم کی وجہ سے وہ دفتر سے چھٹی کر کے اپنے گھر پر آرام کر رہا ہو لیکن متعدد گھنٹیاں بجنے کے باوجود اس کے گھر سے کوئی جواب نہیں مل سکا۔

میں نے اس کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر ملایا تو تنک نے پہلی گھنٹی پر ہی ریسیور اٹھا لیا۔

"پچھلی بار ہونے والی گفتگو میں تم نے اپنی ساری کشتیاں جلا دی تھیں تو اب مجھے کیوں فون کیا ہے!؟" میری آواز پہچان کر تنک نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"باہر کا موسم خوشگوار ہے۔ اس وقت تمہارا لہجہ بہتر ہونا چاہیے تھا۔ اگر تم بات نہیں کرنا چاہتے تو میں فون بند کیے دیتا ہوں۔" میں نے خشک لہجے میں اسے دھمکی دی۔

"نہیں۔ میں یہی جاننا چاہ رہا تھا کہ تم کیا بات کرنا چاہتے ہو!؟" اس کی آواز غیر ارادی طور پر نرم ہو گئی۔

"سوبھراج اس وقت کہاں ہے۔ میرا اس سے رابطہ ہونا بہت ضروری ہے۔" میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد براہِ راست وہ خطرناک سوال کر ڈالا۔

"کون سوبھراج... اس سے تمہیں کیا لینا ہے؟" اس کی سرسراتی ہوئی آواز آئی۔ میری زبان سے وہ نام سن کر اسے

یقینی طور پر شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا۔
"وہی جسے تم کوبرا کے نام سے متعارف کراتے ہو۔ آج اچانک اس کی شخصیت بے نقاب ہوگئی ہے تو میں اس سے ملنے کا خواہش مند ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں نقاب پوشوں کے ساتھ کام کرنے سے نفرت کرتا ہوں۔ اب مجھے کوبرا کی شخصیت کا علم ہوگیا ہے تو مجھے اس کے ساتھ کام کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

دوسری طرف خاموشی چھائی رہی۔ نک نے خلاف توقع میری بات کاٹنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ پورے تحمل کے ساتھ جاننا چاہ رہا ہوگا کہ مجھے سوبھراج کے بارے میں کیا کچھ معلوم ہوچکا تھا۔

"تمہیں کوئی سنگین غلط فہمی ہوئی ہے۔ کوبرا کے بارے میں کسی نے تمہیں ورغلانے کی کوشش کی ہے۔" اس کے الفاظ منتخب اور مضبوط تھے مگر لہجہ یکایک کمزور پڑگیا تھا۔

"نک! میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش مت کرو۔ میں رضامند نہیں تھا تو تم مجھے کوبرا کے ساتھ کام کرنے پر مجبور کررہے تھے۔ اب میں آمادہ ہوں تو تم بھک رہے ہو۔ میں جس کے پیچھے لگ جاتا ہوں اس کا پوری طرح کھوج لگائے بغیر چین سے نہیں بیٹھتا۔ میرے ایک اشارے پر اب ایک معمولی سا سپاہی بھی آسانی سے یہ ثابت کردے گا کہ سوبھراج، حشمت اور کوبرا ایک ہی شخصیت کے تین روپ ہیں۔"

"اس وقت تم ڈینی کی زبان بول رہے ہو۔ میں اس کا یہ ہذیان سن چکا ہوں۔" نک کی آواز پر اچانک اضطراری کیفیت طاری ہوگئی "شاید ذرا سی محنت سے سوبھراج کو حشمت ثابت کیا جاسکتا ہو۔ یہ ایک قدرتی بدقسمتی ہے کہ سوبھراج اپنی ناک کی بناوٹ کو کسی طرح نہیں بدل سکتا لیکن اسے کوبرا ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ بکواس صرف ڈینی کی ہے۔"

"تم نے اب بات سمجھ لی ہے۔ یہ راز ڈینی نے اگلا ہے۔ تم مزید کچھ سننا چاہتے ہو تو سنو کہ حشمت کے کوبرا بننے کا راز سیتا کانت نے اگلا تھا جسے تم نے مروا دیا۔"

"یہ سب بکواس ہے۔ سیتا ماری جاچکی ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت یہ ثابت نہیں کرسکتی کہ سوبھراج نے کوبرا کا روپ دھارا ہوا تھا۔"

"سیتا کو تم نے...." میں نے اسے مشتعل کرنے کے لیے بات شروع کی تھی کہ اس نے تیزی سے بولنا شروع کردیا۔

"اسے میں نے نہیں مروایا۔ تم جھوٹ بول رہے ہو، بکواس کررہے ہو۔ ڈینی میرے خلاف ہر طرف زہر پھیلا رہا ہے۔"

"سیتا کو کسی نے مروا دیا مگر گوپال ابھی زندہ اور زیر حراست ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔ گوپال کی معلومات سیتا سے کم نہیں ہوسکتیں۔"

"میرے لیے تمہاری یہ ساری باتیں بے سروپا ہیں۔ تم سوبھراج کو نہیں جانتے۔ اسے تمہاری ان الزام تراشیوں کی بھنک بھی مل گئی تو کوئی سرکاری ڈاکٹر تمہیں ذہنی مریض قرار دے کر عمر بھر کے لیے پاگل خانے میں ڈلوا دے گا۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کس کے خلاف کیچڑ اچھال رہے ہو۔ یہ سارا گند تمہارے اپنے منہ پر آپڑے گا۔"

"اسی لیے میں اس کی تلاش میں ہوں۔ تم بلاوجہ مشتعل ہورہے ہو۔ میں اسے بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے اندر کی ساری باتیں معلوم ہوگئی ہیں۔ ڈینی میرے ذاتی قید خانے میں ہے۔ بجلی کے جھٹکوں نے اس کے اعصاب کو بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ اس نے ہر بات اگل دی ہے۔ سوبھراج کو اپنی زندگی عزیز ہے تو اسے رضاکارانہ طور پر سیاست سے کنارہ کش ہوجانا چاہیے۔"

"اگر ڈینی تمہارے قبضے میں آگیا ہے تو تم غلط آدمی کو تلاش کررہے ہو۔" نک کی آواز جذبات کی شدت سے مرتعش سی ہوگئی "ڈینی کا سب سے بڑا خریدار میں ہوں۔ بیس لاکھ ڈالر تمہاری کایا پلٹ دیں گے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم نے ڈینی کو میرے حوالے کردیا تو تمہیں سوبھراج سے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ وہ کسی افسوس ناک حادثے میں مرجائے گا۔ اس کے لیے بلاوجہ اپنا وقت برباد مت کرو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ میں تم سے کہاں مل سکتا ہوں۔"

"نہیں نک۔ تم الٹی بات کررہے ہو۔ میں اتنی آسانی سے بکنے والا ہوتا تو روز اپنی بولی لگوا رہا ہوتا۔ میں اپنے مفاد پر کوئی سودا نہیں کرسکتا۔ سوبھراج غدار ہے۔ پہلے اس کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ اس کے بعد میں تم سے کوئی اور بات کروں گا۔"

"کرنل! تم بہت ضدی اور سنگ دل ہو۔ میں فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ مجھے کچھ وقت درکار ہے۔"

"میں تمہیں صرف ایک گھنٹا دے سکتا ہوں۔" میں نے سرد لہجے میں کہا "خوب سوچ سمجھ لو۔ میں ایک گھنٹے بعد تمہیں دوبارہ فون کروں گا۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فونا کی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہمارے علم میں آیا کہ دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کا کرنل اٹل بسواس پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے۔ جس کی سرکوبی کے لیے بھارت کا سفر ناگزیر تھا۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر لال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کرلیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظہر خان کے علاوہ زیبی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ امریکن تو ہملیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آگیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو بھیجے گئے فیکس کی نقل تقسیم کرکے مظہر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر نقد جاں ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا، چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ شی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہو چکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھالیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ڈی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آگئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھا دی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کرکے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف تمام شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہر جاننے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کردیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر بیم گن استعمال کی تو اول خان کو نکتہ مل گیا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پراسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب مجھے جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی۔ میں نے گولڈن فارمیسی میں بیٹھ کر دشمنوں کی راہ دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان شاہ نے مجھے بتائے بغیر میری حفاظت کا ذمہ لیا اور گولڈن فارمیسی کے اطراف میں پہنچ گیا۔ جہاں اس کا ٹکراؤ ایک مشکوک سیاہ فام امریکی سے ہوا جس میں الجھ کر جان بچانے کے لیے اس امریکی نے بیم گن استعمال کی اور ایک بے گناہ راہ گیر کا بازو کٹ گیا۔ وہ امریکی گولڈن فارمیسی میں ہی آیا تھا اور میں بھی اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔ میں اپنے مورچے پر تھا اور وہیں جہانگیر سمجھ کر آئی مین نے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اس نے بتایا کہ روشی کے احیا کے لیے اس علاقے میں آیا ہے۔ اور اب جہانگیر اور دوسرے تمام کارکنوں کو اکٹھا کررہا ہے۔ گفتگو کے دوران میں، میں نے جہانگیر کی حیثیت سے اس سے روبرو ملاقات کرنے کی رضامندی حاصل کرلی جو ان حالات میں بڑی کامیابی تھی مگر اس نے ملاقات کی منصوبہ بندی اس طرح کی کہ مجھے ایک لمحے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ اس کا فرستادہ دکان میں موجود تھا اور میں تاریک کیبن میں آئی مین سے ٹیلی فون پر گفتگو میں مصروف تھا۔ اس نے مجھے فوری طور پر اپنے ہرکارے کے ذریعے طلب کیا تھا۔ چار و ناچار مجھے اس ہدایت پر عمل کرنا پڑا۔ ایس ٹی ایف اور اول خان میرے نگراں تھے ان کی جلد بازی کے باعث آئی مین مجھ سے اپٹ گیا تاہم اس سے قبل وہ مجھے سلور آئی کا دیدار کراچکا تھا۔ ہم آئی مین کے پیچھے تھے۔ اسی وقت ہمیں معلوم ہوا کہ وہ بوٹ بیسن میں واقع فالکن ہاؤس میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے فوری طور پر وہاں دھاوا بولنے کا ارادہ کرلیا۔ ہم ان تیاریوں میں تھے جب جلال نے بتایا کہ سیاہ فام امریکی سفارت کار جیک اسمتھ بھی فالکن ہاؤس میں دو امریکی کمانڈوز کے ساتھ موجود ہے۔ وہ از خود کوئی کارروائی نہیں کرسکتا تھا اس لیے اس نے ایس ٹی ایف کے جاں بازوں کی مدد سے وہاں کارروائی کرڈالی۔ مقابلہ بھرپور انداز میں ہوا جن میں دو امریکی کمانڈوز اور سیاہ فام جیک اسمتھ کام آگئے جبکہ آئی مین کے ساتھ رہنے والی مشکوک امریکی عورت اور ایک مقامی چوکیدار ہمیں زندہ حالت میں مل گئے۔ آئی مین فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جیک اسمتھ میری بیم گن کا شکار ہوا تھا مگر میں نے کوشش کی کہ اس کا الزام آئی مین پر آئے۔ ہم اپنی مہم کی ناکامی اور کامیابی کے بارے میں سوچ رہے تھے جب اول خان نے اطلاع دی کہ گولڈن فارمیسی کو نامعلوم افراد نے نذر آتش کردیا ہے۔ آئی مین کی طرف سے اس قدر برق رفتاری اور سفاکی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ بہرحال بوٹ بیسن سے قیدی کے طور پر ہاتھ آنے والی کیلی بائرن سے پوچھ گچھ شروع ہوئی تو اس نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیے اور اس کی نشان دہی پر آئی بی نے بوٹ بیسن کے بنگلے سے کیلی بائرن اور آئی مین کے پاسپورٹ برآمد کرلیے جس کے مطابق اس کا نام بن ڈیوڈ تھا۔ وہ بن ڈیوڈ کی سرگرمیوں کے بارے میں زیادہ باخبر نہیں تھی اسے اپنے پاس رکھ کر کھٹ راگ پالنے سے بہتر تھا کہ اسے امریکیوں کو واپس کردیا جاتا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہمارا اندازہ تھا کہ بن ڈیوڈ امریکی تو ہملیٹ میں روپوش تھا مگر وہ زیادہ عرصہ وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ تو ہملیٹ والے اسے جلدی ہی کہیں منتقل کرنے پر مجبور ہونے والے تھے۔ ہم نے وہاں کی نگرانی سخت کردی۔ پہلی ہی رات انتہائی غیر معمولی حالات میں بکتر بند گاڑیاں تو ہملیٹ سے برآمد ہوئیں اور کلفٹن کی طرف روانہ ہو گئیں۔ اول خان ان کے تعاقب میں تھا۔ بعد میں، میں اور ویرا بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ بکتر بند گاڑیاں ایک وسیع و عریض بنگلے میں تھوڑی دیر ٹھہر کر واپس چلی گئیں۔ اس بنگلے میں داخلے کے بعد علم ہوا کہ وہاں ایک امریکی معیشت دان رہائش پذیر تھا۔ پہلے تو اس نے عدم تعاون کا مظاہرہ کیا مگر جلد ہی راہ راست پر آگیا۔ ہمیں معلوم ہو گیا کہ بن ڈیوڈ ان بکتر بند گاڑیوں میں وہاں آیا تھا مگر شاید چھٹی حس کے اشارے پر وہاں رکا نہیں تھا البتہ کیلی بائرن ہمیں وہاں سے مل گئی۔ ان دونوں کے بیان کے مطابق بن ڈیوڈ کراچی کے کسی سی ٹائن عمارت میں موجود ہو سکتا تھا۔ اس دوران میں "را" کے پکڑے گئے ایجنٹوں سے تفتیش سے علم ہوا کہ ان سب کی ڈوریاں بن کے ہاتھوں میں تھیں اور وہ ایک ٹرانسمیٹر پر ان کو احکامات جاری کیا کرتا تھا۔ ہماری خوش قسمتی سے ہمیں ایک ایجنٹ کا ٹرانسمیٹر بھی مل گیا۔ اس پر سنی جانے والی گفتگو نہایت خوف ناک تھی۔ بن قتل و غارت گری اور سفاکانہ دہشت کے ذریعے شہری نظام کو تلپٹ کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے اپنے طور پر اس کی روک تھام کے اقدامات کرلیے تھے۔ ان تمام تفصیلات سے غزالہ، ویرا اور سلطان شاہ لاعلم تھے میں انہیں یہی بتانے والا تھا جب اول خان زخمی حالت میں ہمارے گھر پہنچا۔ وہ کسی ان جانے دشمن کی گولی کا شکار ہوا تھا۔ بن کے ٹرانسمیٹر کے ذریعے ہمیں علم ہو چکا تھا کہ را کے ایجنٹ ہر شام ایک مخصوص مقام پر ملاقات کرتے ہیں۔ ہم نے وجے کی مدد سے بقیہ ایجنٹوں کو پکڑنے کا پروگرام بنایا مگر ان میں سے ایک کو وجے پر شک ہو گیا اور اس نے اپنے ساتھ وجے کو بھی بم دھماکے میں مار ڈالا۔ اسی دوران ہمیں اطلاع ملی کہ ڈیبی اور ویرا کی سرکوبی کے لیے انڈین بلیک کیٹ پاکستان میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ شاید اول خان کو زخمی کرنے والے بلیک کیٹ ہی ہو سکتے ہیں۔ بن ہماری رسائی سے دور تھا اور را کے دونوں ایجنٹ دبکے ہوئے تھے۔ بن ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انہیں ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی ٹائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہوئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی ٹائن پر دھاوا بولا اور ایک جاں گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے خود ہی اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کرلیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کے ہم سب کو چوکنا کردیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہو گی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک بارو سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیبی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ اس نے میرے جھانسے میں آکر مقامی ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں ٹپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر کے مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان نامی ایک مشکوک شخص تواتر کے ساتھ ہوٹل میں قیام کرتا رہا تھا اور اس وقت بھی ہوٹل میں موجود تھا۔ میں نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ بعد کی تحقیق نے ثابت کیا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں تل والی مشکوک لڑکی سلمٰی سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کردیا۔ اس حلیے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہو گئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہو سکتی تھی۔ اسی اثنا میں نک بارو نے تصدیق کردی کہ ڈیبی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کرلیا۔ ان میں سے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کی فرضی رضاکارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کرلیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہو گی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا تھا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کرسکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا ناکافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کرلی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک بارو سے بات کرکے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کرلی۔ میری اس خواہش پر نک بارو کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

○*○

یا تو کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ واقعات میں ایک عجیب اور اعصاب شکن ٹھہراؤ آیا ہوا تھا۔ ہلچل پیدا ہوئی تو ہر طرف ہی کچھ نہ کچھ ہونا شروع ہوگیا۔ راج محل میں ویرا کی چال کامیاب ہونے کے بعد واقعات میں اچانک تیزی آگئی تھی۔

"آپ نے اچانک اس سے کیا کہہ دیا۔ آپ کو بات کرنل داور تک محدود رکھنی چاہیے تھی۔ اپنا نام درمیان میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد غزالہ نے قدرے تعجب کے ساتھ کہا۔

"یہ ناگزیر ہوگیا تھا۔ مجھے کرنل داور کے روپ میں ہر بات معلوم نہیں تھی۔ میں نے دورانِ گفتگو میں نک کو کچھ ایسی باتیں بھی بتائی ہیں جو صرف مجھے یعنی ڈینی کو معلوم تھیں۔" میں نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر جواب دیا "اگر میں اسے یہ نہ بتاتا کہ ڈینی اب کرنل داور کے قبضے میں آچکا ہے تو اس کے ذہن میں شکوک و شبہات سر ابھارنے لگتے کہ ڈینی اور کرنل داور کے کرداروں میں کہیں نہ کہیں کوئی گھپلا ضرور ہے...."

"اب بات میری سمجھ میں بھی آرہی ہے۔" ویرا نے میری بات درمیان سے اچک کر اعتراف کیا "باتیں گڈمڈ ہونے سے اسے شبہ ہو جاتا کہ تم ہی کرنل داور بنے ہوئے ہو۔ اس کے ذہن کو ایسے کسی خیال سے محفوظ رکھنے کے لیے کسی مضبوط حیلے کی ضرورت تھی۔"

"تم نے ڈینی کو کرنل داور کا قیدی ظاہر کرکے یہ جواز فراہم کردیا کہ ڈینی کی معلومات کرنل تک کیسے منتقل ہوئیں لیکن اب وہ ڈینی کا سب سے بڑا خریدار ہے۔ وہ پہلی فرصت میں کرنل سے ڈینی کا سودا طے کرنا چاہے گا۔" سلطان شاہ بھی اس وقت سنجیدگی سے کچھ سوچ رہا تھا۔

"اس کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے دل میں تجسس کی آگ بھڑکا کر میں نے وقت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔" میں نے کہا "تم نے سنا نہیں کہ میں نے غدار کے انجام کو ڈینی کے سودے پر کھلی ترجیح دی ہے۔ اب پہلے کو برا یا سوبھراج کی بات ہوگی پھر ڈینی کی باری آئے گی۔"

"اور اس سے پہلے کھیل نمٹ چکا ہوگا۔" ویرا کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تیر گئی "تم میری بات کہیں لکھ لو کہ اب نک اپنے مفاد کے لیے سوبھراج کو مروا دے گا۔ اس نے تمہیں اشارہ دے ہی دیا ہے کہ تم اس سے ڈینی کے بارے میں کوئی ڈیل کرلو تو سوبھراج کو کسی حادثے میں مروا دیا جائے گا۔"

"شاید تم نے نک کو قبل از وقت اس معاملے میں ملوث کرلیا۔" سلطان شاہ سوچتے ہوئے بولا "پہلے ہمیں اپنی سی کوشش کرلینی چاہیے تھی۔ ہوسکتا ہے کہ ہم نک یا کسی اور کی مدد کے بغیر اس زہریلے ناگ کا پھن کچلنے میں کامیاب ہوجائیں۔"

"تم معروضی حالات کو نظرانداز کرکے تصوراتی باتیں کررہے ہو۔" ویرا نے جواب دیا "سوبھراج تمہارا ایک اہم سیاسی رہنما ہے۔ ایجنسیاں اس کے سائے سے بھی دور رہیں۔ اس کی ایک شکایت پر اول خان جیسے مخلص اور فرض شناس افسر سے جواب طلب کرلیا گیا ہے۔ ایسے دشمن کے خلاف ہر طرف سے اور پوری قوت کے ساتھ حملہ کرنا ضروری ہے۔ ایف بی آئی اور سی آئی اے والے اپنے حریفوں کو خاموشی کے ساتھ راستے سے ہٹا دینے کے طریقوں میں مہارت اور عالمی شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے لیے سوبھراج کی حیثیت ایک ایجنٹ سے زیادہ نہیں ہے۔ اگر ڈینی کی سمجھائی ہوئی بات نک کے ذہن میں بیٹھ گئی تو تمہارے اس اہم سیاسی رہنما کو وہ ایک اشارے سے اڑوا دے گا۔ یہ کام امریکی بہت غیر جذباتی بلکہ سرد انداز میں انجام دے سکتے ہیں۔"

"دیکھنا ہے کہ ایک گھنٹے بعد نک کیا جواب دیتا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"وہ تمہارے نام سے خوف زدہ ہیں۔ اس سے چھٹکارا پانا ان کے لیے بہت اہم ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ سوبھراج کا متبادل آسانی سے تلاش کرسکتے ہیں۔ تم دیکھ لینا کہ نک کا جواب اثبات میں ہوگا۔" ویرا پریقین لہجے میں بولی۔

"وہ ہمیں ڈبل کراس بھی کرسکتا ہے۔ کرنل داور سے وعدہ کرلے اور عملی طور پر سوبھراج کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے۔" سلطان شاہ نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"یہ ناممکن ہے۔" میں نے اسے یقین دلایا "میری بنیادی شرط یہی ہوگی کہ سوبھراج کا انجام سامنے آنے کے بعد ڈینی کے بارے میں کوئی بات ہوسکے گی۔"

"وہ مٹی کا پتلا اور عقل سے پیدل نہیں ہے۔ اسے بھی شبہ ہوسکتا ہے کہ سوبھراج کو مروا کر تم اپنی بات سے پھر جاؤ گے۔" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

"یہ محض قیاس آرائیاں ہیں۔" غزالہ نے گفتگو میں دوبارہ حصہ لیتے ہوئے کہا "اصل بات اسی وقت سامنے آئے گی جب یہ ایک گھنٹے بعد دوبارہ اس سے بات کریں گے۔ سب کچھ پہلے سے سوچا اور طے نہیں کیا جاسکتا۔ ان کو فی البدیہہ اس کی ہر بات کا بھرپور جواب دینا ہوگا۔"

"یہ تم نے لاکھ روپے کی بات کہی ہے۔ یہ ڈینی کی ذہانت کا امتحان ہوگا کہ وہ نک کو کیسے ہینڈل کرتا ہے۔" ویرا نے مسرت سے کہا۔
میں مسکرا کر رہ گیا۔ میرے لیے اس مرحلے پر کچھ کہنا بیکار تھا۔
"سب کچھ ہوگیا مگر ایک بات رہ رہ کر میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔" غزالہ نے اس بار براہِ راست ویرا کو مخاطب کرکے کہا "اجازت ہو تو پوچھ لوں۔"
"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے ذہن میں کوئی زہریلا خیال آیا ہے۔" ویرا بولی "تم مسز ڈینی ہو۔ تمہیں سات خون معاف ہیں۔ جو چاہو، پوچھ سکتی ہو۔"
"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سوبھراج جیسا چالاک اور مکّار شخص اتنی آسانی سے تمہاری چال میں کیسے آگیا کہ تمہیں نہایت آسانی کے ساتھ اس کے چنگل سے نجات مل گئی۔"
"نتائج دیکھ لینے کے بعد تمہیں یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔" ویرا نے خشک لہجے میں کہا۔
"نتائج نے ہی مجھے یہ سمجھنے پر مجبور کیا ہے کہ تمہیں باہر بھیجنے کا فیصلہ کرتے ہوئے سوبھراج کی عقل پر پردہ پڑ گیا تھا۔"
"یہ تمہاری بھول ہے۔ اس نے اپنی دانست میں بالکل صحیح اور دانش مندانہ فیصلہ کیا تھا۔" میں نے ویرا کی حمایت کی۔
"کیا وہ یہ بھول گیا تھا کہ ویرا بہت چالاک ہے اور اس کے آدمیوں کو جل دے کر نکل سکتی ہے؟" غزالہ نے سوال کیا۔
"ایک عورت یا لڑکی کتنی ہی چالاک اور زور آور کیوں نہ ہو، چار تجربہ کار آدمیوں کے نرغے سے فرار نہیں ہوسکتی۔" اس بار سلطان شاہ نے ویرا کی وکالت کی تھی
"سوبھراج نے یہی سوچ کر ویرا کو اپنے چار منتخب آدمیوں کے ساتھ بھیجا ہوگا۔ یہ ویرا کے مقدر کی یاوری تھی کہ اسے بروقت دونوں زہریلی انگوٹھیاں یاد آگئیں اور اس نے انہیں بہترین طریقے سے بیک وقت استعمال کرکے حالات کا پانسہ پلٹ دیا۔ سوبھراج نے اپنی دانست میں ویرا کو بالکل غیر مسلح کردیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ ویرا کی انگلیوں میں پڑی ہوئی انگوٹھیاں ضرورت کے وقت موثر ترین ہتھیاروں میں بدل سکتی ہیں۔"
"یہ سب بعد میں پیش آنے والے واقعات تھے۔ سوبھراج کو کیا ضرورت تھی کہ وہ ویرا کو اپنے آدمیوں کے ساتھ ہوا خوری کے لیے بھیجتا۔" وہ موضوع چھڑ جانے کے بعد غزالہ اپنے ذہن میں اٹھنے والے ہر سوال کا جواب حاصل کرنے کا فیصلہ کرچکی تھی۔
"تم نے شاید میری باتیں غور سے نہیں سنیں۔ بس میری ایک بات تمہارے ذہن میں اٹکی رہ گئی۔" اس بار ویرا نے غزالہ کے اعتراض کا جواب دیا تھا "میں نے اسے ہوا خوری کے لیے باہر چلنے پر آمادہ کرنے کی کوشش ضرور کی تھی مگر اس نے مجھے ٹال دیا تھا۔ بات اس وقت بنی جب اس کے دل میں ڈینی کو پکڑ لینے کا تجسس پیدا ہوا۔ وہ ہلکے سے سرور میں تھا، مجھ پر غالب تھا اور جب میں نے سرسری انداز میں یہ امکان ظاہر کیا کہ ڈینی جہانگیر کے گھر پر موجود ہوسکتا ہے تو وہ بے چین ہوگیا۔ اس نے مجھے ہوا خوری کے لیے نہیں، ڈینی کو پکڑوانے میں مدد دینے کے لیے اپنے آدمیوں کے ساتھ بھیجا تھا۔ اسے تم میری خوش نصیبی کہہ سکتی ہو کہ میں اس کے دل میں ڈینی کے بارے میں خوش گمانی پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس کی ذہنی رو ڈینی کی طرف نہ بھٹکتی تو وہ کسی قیمت پر مجھے کھلا آسمان نہ دیکھنے دیتا۔ راج محل کی دیواروں میں میری مٹی پلید کرکے رکھ دیتا۔"
"اس سے کیا فرق پڑتا۔ تم ایسی باتوں کی عادی ہوگئی ہو۔" سلطان شاہ نے نیچی آواز میں تبصرہ کیا۔
"کیا...؟ تم کن باتوں کا ذکر کررہے ہو؟" ویرا نے چونک کر اشتباہ آمیز انداز میں سوال کیا۔
"کک... کچھ نہیں۔ میں خوش گمانی اور بدگمانی کا ذکر کررہا تھا۔" ویرا کے جارحانہ لہجے پر سلطان شاہ بوکھلا گیا۔
"تمہارے پکڑے جانے کی خبر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔" میں نے بات گھمانے کے لیے گہرا سانس لے کر کہا۔ "ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے تمہارا کھیل ختم ہوگیا ہو۔ میری دانست میں یہ معاملہ بہت لمبا چلنا چاہیے تھا لیکن بہت حیرت ناک سرعت سے نمٹ گیا۔"
"میری بھی عقل ماؤف تھی۔" اس بار ویرا نے ایمان داری سے کہا "شراب نوشی کے دوران میں، میں کئی مسائل کا شکار تھی۔ بدترین ذہنی دباؤ کے عالم میں اسے خود سے دور رکھنے کی کوشش کررہی تھی، تمہارے ایما پر اسے یہ باور کرانا چاہ رہی تھی کہ میں تمہاری بالادستی سے عاجز آئی ہوئی ہوں، پھر اسے تمہاری تلاش پر اکسا رہی تھی۔ اس کے لیے یہ خیال کسی طاقت ور مقناطیس کی طرح پُرکشش ثابت ہوا کہ جہانگیر کے گھر پر چھاپا مار کر تم کو پکڑ لیا جائے۔ یہ انوکھا خیال خود میں نے اس کے ذہن میں ڈالا تھا مگر جب اس نے میری

یہ تجویز قبول کرلی تو میں خود چکرا کر رہ گئی۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ میری آزادی کا نکتہ آغاز ثابت ہوگا۔ میری ذہن میں یہ خلش ڈنک مارنے لگی کہ میں خود تو پکڑی گئی تھی، اپنے ساتھ جہانگیر کے لیے بھی ایک گمبھیر مسئلہ پیدا کرنے جارہی تھی۔ تمہارے ہاتھ آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سوبھراج کے آدمی میرے ساتھ جاکر ایک بار جہانگیر کا گھر دیکھ لیتے تو بار بار اسے تنگ کرنا شروع کردیتے اور کچھ عجب نہیں کہ اسے بھی پکڑ کر راج محل میں لے آتے۔"

"اب تم نے اصل بات بتانی شروع کی ہے۔" ویرا سانس لینے کے لیے خاموش ہوئی تو غزالہ نے توصیفی لہجے میں کہا "میں یہی سب جاننا چاہ رہی تھی کہ تم نے اچانک کون سا منتر پڑھا کہ اس کی عقل گھاس چرنے چلی گئی۔"

"اس پر ڈینی کے نام کے سوا کوئی منتر کام نہیں کرسکتا تھا۔" ویرا نے ہنستے ہوئے بتایا "راج محل سے روانہ ہونے تک میں پریشان تھی کہ ان چاروں کو کہاں لے جاؤں، کس طرح دھوکا دوں۔ میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں اور احمقانہ خیالات سر ابھار رہے تھے۔ میں نے کئی بار ان سے لڑ مرنے کے بارے میں سوچا مگر اس کا نتیجہ اپنی دردناک موت کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ آخری درجے کی بے بسی کے عالم میں اچانک میرے ذہن میں اول خان سے ملی ہوئی انگوٹھیوں کا خیال آیا اور تیزی سے جان پکڑتا چلا گیا۔ راج محل سے کافی دور نکل جانے کے بعد مجھے وہ دھیان آیا تھا اور میں نے اپنی ساری توجہ اس پر مرکوز کردی۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا تھا کہ اس نجات میں تمہاری کسی منصوبہ بندی سے زیادہ تمہارے مقدر کی خوبی کا دخل تھا۔ سوبھراج نے تمہیں راج محل سے باہر نکالنے کا فیصلہ کیا اور پھر سفر کرتے ہوئے تم کو مایوسی کے عالم میں اپنی زہرناک انگوٹھیاں یاد آگئیں۔" سلطان شاہ نے اپنی ٹانگ اڑائی۔

"یہ کریڈٹ پھر بھی ویرا کو جاتا ہے۔" میں نے اس کی طرف داری کرتے ہوئے کہا "اس نے سوبھراج سے اپنی گفتگو اس ڈھب سے آگے بڑھائی کہ اسے جہانگیر کے گھر پر ملنے کا یقین ہوگیا۔ اسے یقین نہ ہوتا تو وہ ویرا کو ہرگز باہر نہ بھیجتا۔"

"یہ باریکیاں ان دونوں کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔" ویرا بولی "یہ بات تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ اس وقت میں سوبھراج سے روانی سے باتیں کررہی تھی لیکن میرے ذہن پر بہت بھاری بوجھ تھا۔ میں ایک ایک لفظ تول کر بول رہی تھی۔"

"بس، اب تم نے اس کا دماغ خراب کردیا۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر منہ بناتے ہوئے، مجھ سے شکوہ کیا "خود ستائی اس کا پرانا مرض ہے۔ حمایت کے دو بول سنتے ہی پوری شدت سے عود کر آتا ہے۔ اب یہ ایک گھنٹے تک خود اپنی تعریفیں کرکے ہمارے کان کھاتی رہے گی۔"

"میں تمہاری طرح اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بنتی۔" ویرا نے جل کر کہا "میں حقیقت بتا رہی ہوں۔ تم کو نہیں سننا تو نہ سنو۔ میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ۔"

"تم سلطان شاہ کی طرف سے اپنے کان بند کرلو۔" غزالہ نے اسے مشورہ دیا "اور اپنی بات جاری رکھو۔ یہ زیادہ دیر تک تم سے نہ الجھے تو اسے اختلاجی دورہ پڑنے لگتا ہے۔ تم اس کے خلجان کو نظرانداز کردو۔"

ویرا نے قہربار نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا پھر غزالہ کی طرف متوجہ ہوگئی "میرے لیے وہ سارا وقت بہت کڑا اور اعصاب شکن تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ کل کسی نے مجھ سے اس تازہ واقعے کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ آج تمہیں ہر بات یاد آرہی ہے۔"

"یہ باتیں کل بھی میرے ذہن میں گردش کررہی تھیں۔" غزالہ بولی "اس وقت تمہارے اعصاب بھڑکے ہوئے تھے۔ تم مشکل حالات سے نکل کر آئی تھیں۔ میں نے تمہیں چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس وقت شاید تم یہ تفصیلات بتا بھی نہیں سکتی تھیں۔"

"واقعی وہ ایک ڈراؤنا خواب تھا۔" ویرا نے ہلکی سی جھرجھری لے کر کہا "جو کچھ ہوا، بہت تیزی کے ساتھ ہوتا چلا گیا۔ شاید میں اپنے فیصلے پر عمل کرنے میں زیادہ دیر لگاتی لیکن گارڈن روڈ پر اول خان کی گاڑی دیکھنے کے بعد میرا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور میں تیزی کے ساتھ اپنے فیصلے پر عمل کرگزری۔"

"ڈینی تمہاری رگ رگ سے واقف ہے۔ اس نے بھانپ لیا تھا کہ تم چوہے دان میں پھنسی ہوئی ہو۔" سلطان شاہ پھر بول پڑا "اسے اندازہ تھا کہ باہر سے مدد کا کوئی آسرا ملے بغیر تم پھلجی بھی نہیں پھوڑ سکوگی۔ اس نے خاص طور پر اول خان سے کہہ کر تھوڑی دیر کے لیے گاڑی آگے نکلوائی تھی۔ اب تم خود مان رہی ہو کہ وہیں سے تمہاری کہانی کا رخ بدل گیا۔ تم کو ہماری مبارک صورتیں نظر نہ آتیں تو تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتیں۔"

"میں نے ڈینی اور اول خان کو دیکھا تھا۔ تمہاری

صورت نظر آتی تو بنتا ہوا کام بگڑ جاتا۔"

"یہ تمہاری نظروں کا قصور ہے۔" سلطان شاہ نے اکڑ کر کہا "میں بھی ان دونوں کے ساتھ موجود تھا۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم آسمان سے نہیں ٹپکے تھے۔ ان دونوں کے ساتھ تھے مگر میں نے تمہاری صورت نہیں دیکھی تھی۔" ویرا نے اصرار کیا۔

"اور ٹیکنگ کے وقت تم نیچے دبک گئے تھے۔" میں نے بحث سمیٹنے کے لیے سلطان شاہ کو یاد دلایا "سوبھراج کے آدمیوں میں سے کوئی تم کو پہچان سکتا تھا۔"

"اس وقت تم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے تھے۔" ویرا نے ٹکڑا لگایا اور ناگواری سے سلطان شاہ کا منہ بن گیا۔

"جو جہاں تھا وہاں بہت کامیاب تھا۔" غزالہ جلدی سے بولی "رات کی مہم تم تینوں نے اول خان کے ساتھ مل کر سر کی تھی۔"

"پچھلی کامیابیوں پر ضرورت سے زیادہ رشک کرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے ان تینوں کو تادیب کی "ویرا بری طرح اس کے جال میں پھنس گئی تھی۔ ابھی صرف اس کو آزادی ملی ہے۔ سوبھراج کا اصل مسئلہ اپنی جگہ پر جوں کا توں ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں سوچنا چاہیے۔"

"اب کیا سوچنا۔ نک کو ورغلا کر تم اپنا کام شروع کر چکے ہو۔" ویرا نے برجستہ کہا۔

"نک کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا فیصلہ ایک گھنٹے بعد ہی معلوم ہوگا۔" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"تم اس دوران میں سوبھراج سے سیٹلائٹ فون پر بات کیوں نہیں کر لیتے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

اس کا سوال معقولیت پر مبنی تھا۔ میں سوبھراج کے لیے راج محل فون کر چکا تھا۔ وہاں سے ملنے والی اطلاع کے مطابق وہ بنکاک میں تھا۔ پچھلی رات میں نے کراچی ائر پورٹ پر اس سے سیٹلائٹ فون پر بات کی تھی۔ اس وقت میں ڈینی بنا ہوا تھا۔ اس بار مجھے اس سے کرنل داور بن کر بات کرنی تھی۔

میں نے کچھ دیر کے لیے خاموش رہ کر اپنے خیالات کو یکجا کیا اور پھر فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

سوبھراج کے لیے سیٹلائٹ فون بہت اہم تھا۔ مجھے یہ اندازہ تھا کہ سیٹلائٹ فون کے نمبر کے ساتھ کسی ملک یا شہر کا کوڈ ڈائل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ فون دنیا کے کسی بھی حصے میں ہو' اس کا نمبر وہی رہتا ہے۔ اس کی پہلی گھنٹی بجتے ہی مجھے سوبھراج کی طرف سے جواب مل گیا۔ اس کی آواز بہت صاف اور واضح تھی۔

"سوبھراج صاحب! میں کرنل داور بول رہا ہوں۔" میں نے بدلی ہوئی رعب دار آواز میں کہا۔

"کون کرنل داور؟" اس نے حیرت سے سوال کرنے کی کوشش کی تھی مگر مجھے اس کی آواز میں تشویش کا عنصر محسوس ہوا تھا۔ میرا مودبانہ انداز شاید اس کے لیے مزید حیران کن رہا تھا۔

"سر! میں اس ایجنسی کا افسر ہوں جس سے آپ کو کچھ شکایت پیدا ہو گئی ہے۔"

"اوہ! شاید تم اسپیشل ٹاسک فورس کی بات کر رہے ہو۔" اس کی آواز میں بے پروائی آ گئی۔ کرنل داور کا نام اس کے لیے کسی بھی طرح اجنبی نہیں ہو سکتا تھا۔ نک کرنل داور کو گھیر گھار کر کوبرا کے سپرد کرنا چاہ رہا تھا اور کوبرا کے نقاب کے پیچھے پیچھے سوبھراج کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ وہ زیادہ پرانی بات نہیں تھی۔ کرنل داور ہی کی وجہ سے سوبھراج کو نک کی ہدایت پر ارجن کو فوری طور پر مروانا پڑا تھا اور وہیں سے اس کا کھیل خراب ہونا شروع ہو گیا تھا۔ سوبھراج جیسا کینہ پرور شخص ان باتوں اور اس نام کو اتنی آسانی سے فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

"سر! آپ ٹھیک سمجھے۔ میں اسی فورس کا نمائندہ ہوں مگر ہم اپنی فورس کا نام غیر ضروری طور پر اپنی زبان پر نہیں لاتے۔ آپ باخبر اور بارسوخ آدمی ہیں۔ ان باتوں سے ضرور واقف ہوں گے۔" میں نے اپنی اداکاری جاری رکھی۔

میں نے ذرا سی دیر پہلے نک سے اسی روپ میں بات کی تھی اور اسے یہ بتا کر بے چین کر دیا تھا کہ ڈینی میرے قبضے میں آ چکا تھا لیکن میں نے سوبھراج سے ڈینی کے بارے میں کھل کر ایسی کوئی بات نہ کہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں اسے پورا پروٹوکول دے رہا تھا اور صرف وہی کردار ادا کرنے کا خواہاں تھا جو ایس ٹی ایف کے سربراہ نے اول خان کے ذریعے مجھے تفویض کیا تھا۔ اگر سوبھراج مجھ سے یہ جاننے کی کوشش کرتا کہ آیا ڈینی میری تحویل میں ہے تو ثابت ہو جاتا کہ نک نے اسے میری اور اپنی گفتگو سے آگاہ کر دیا ہے۔ سوبھراج اس بارے میں خاموش رہتا تو یہ اندازہ قائم کیا جا سکتا تھا کہ نک نے سوبھراج کو اس معاملے میں الگ تھلگ رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ ہر قیمت پر بلکہ سوبھراج کے سر کی قیمت پر بھی ڈینی کو حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔

"میں ہر بات جانتا ہوں۔" میرے فدویانہ لب و

سے ہمت پاکر سوبھراج برہمی کے اظہار پر مائل ہوگیا اور ترش لہجے میں بولا "مگر تم لوگوں کو مجھ سے کیا پرخاش ہوگئی ہے؟ تم مجھے اور میرے ملازموں کو کیوں ہراساں کر رہے ہو؟"

"سر! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" میں نے تحمل سے جواب دیا "میں اسی سلسلے میں ذاتی طور پر آپ سے مل کر اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں' میں نے پہلے راج محل فون کیا تھا۔ وہاں سے آپ کے پرسنل سیکریٹری' سنیل نے بتایا کہ آپ کسی کام سے بنکاک گئے ہوئے ہیں۔"

"یہ اطلاع مجھے مل چکی ہے۔" سوبھراج کا وہ جواب سن کر میں حیران رہ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا "اس وقت تم مجھ سے بہت ادب کے ساتھ بات کر رہے ہو لیکن سنیل کے ساتھ تمہارا لب و لہجہ بہت درشت اور تحکمانہ تھا۔ تمہارے فون سے وہ بے چارہ خوف زدہ ہوگیا ہے۔"

"ہم مجبور ہیں سر! ہر ایک کے ساتھ ہم نرمی سے پیش نہیں آسکتے۔ یہ معاملہ بہت اہم تھا۔ وہ آپ کا ملازم ہے۔ مجھے ٹالنا چاہ رہا تھا۔ اگر آپ چاہیں تو میں اس سے معذرت کرلوں گا۔ ہم لوگ غیر ضروری طور پر کسی کو ہراساں نہیں کرتے۔"

"معذرت کی ضرورت نہیں لیکن تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ بڑے لوگوں کے ذاتی ملازم بھی کم اہم نہیں ہوتے۔ تم کو میرا سیٹلائٹ فون نمبر کس نے دیا؟"

"سر! یہ ہمارے ریکارڈ پر موجود ہے۔" میں نے اسے ایس ٹی ایف کی کارکردگی سے مرعوب کرنے کی نیت سے کہا "اگر اب بھی ناگزیر ضرورت نہ ہوتی تو میں آپ سے اس نمبر پر رابطہ نہ کرتا۔ ہم ہر قیمت پر جلد از جلد آپ کی شکایت رفع کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اسلام آباد والوں کی بھی خواہش ہے۔"

"کل ایس ٹی ایف کا ایک آدمی کسی آوارہ اور مشکوک لڑکی کو لے کر راج محل میں آیا تھا۔" قدرے سکوت کے بعد سوبھراج کی طرف سے جواب آیا "میرے عملے نے پوچھ گچھ کے لیے اس لڑکی کو بہلا پھسلا کر روک لیا۔ لڑکی نے ڈرائیور کو واپس بھیج دیا۔"

"کیا وہ لڑکی اب بھی راج محل میں ہے؟" میں نے بے تابی کا اظہار کیا۔

"کیا بیہودہ سوال کر رہے ہو۔ رات گئے میرے آدمیوں نے اسے دھکے دے کر باہر نکال دیا۔"

"تو کیا آپ کو اسی آوارہ لڑکی نے بتایا کہ وہ ایس ٹی ایف کے لیے کام کر رہی ہے؟" میں نے معصومانہ لہجے میں پوچھا۔

"اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ اسے ایک رات کے لیے دو ہزار روپے میں خریدا گیا تھا۔ میرے آدمیوں نے گاڑی والے کا پیچھا کیا تھا۔ وہ راج محل سے سیدھا اسٹیشن فور گیا تھا۔ میں نے گاڑی کا نمبر ہوم سیکریٹری کو لکھوا دیا تھا۔ مجھ سے جرح کرنے کے بجائے گاڑی اور ڈرائیور کو تلاش کرو۔ تمہیں سب پتا چل جائے گا۔" اس کی آواز سے ناگواری مترشح تھی۔

"سر! وہ گاڑی تلاش کے باوجود نہیں ملی۔ ایکسائز ڈیپارٹمنٹ میں پچھلے سات برسوں سے اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ گمان ہے کہ وہ تباہ ہو کر کسی کباڑ خانے میں پہنچ چکی ہے۔ دوسری بات جو میں پوری ذمے داری سے کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسٹیشن فور سے کوئی آدمی راج محل کی طرف گیا نہ وہاں سے آیا۔ یہ کوئی سنگین غلط فہمی معلوم ہوتی ہے۔"

"تو کیا میرے آدمی جھوٹ بول رہے ہیں!" اس کی آواز بلند ہوگئی۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔ میں غلط فہمی کا ذکر کر رہا تھا۔" میں نے اپنا لہجہ نرم اور ملتجیانہ رکھا۔

"اس فون پر میں ان باتوں میں وقت برباد نہیں کرسکتا۔" وہ بپھر گیا "تم راج محل جاکر سنیل سے بات کرو۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری پہیلیاں اس کی سمجھ میں آسکیں۔ میر[illegible] کسی وقت واپس آکر اس سے رپورٹ لے لوں گا۔ میں [illegible] برداشت نہیں کرسکتا کہ ہماری پالی ہوئی ایجنسیاں ہمارے [illegible] چہروں پر دھول اڑانے لگیں۔"

اس کے ایک ایک لفظ سے غرور اور تکبّر کی بو آرہ[illegible] تھی۔ اس نے مجھے مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر فون [illegible] کردیا۔

"نک نے تمہارا پھینکا ہوا کانٹا نگل لیا ہے۔" بات [illegible] ہوتے ہی سلطان شاہ مسرت آمیز لہجے میں بولا۔

"اس وقت یہی دو کام ہوئے ہیں۔ اول خان کا دیا [illegible] کام ہوگیا۔ اب میں سیدھا راج محل جاسکتا ہوں۔ سوبھرا[illegible] نے مجھے وہاں جانے کی اجازت دے کر ایک مشکل آسا[illegible] کردی ہے۔" میں نے کہا "دوسری طرف نک کی نیت سا[illegible] آگئی۔ اس نے اس بار سوبھراج کو اعتماد میں نہیں لیا۔"

"دونوں اپنے کارڈز الگ الگ کھیلنے کے چکر میں ہیں[illegible]" ویرا بولی "یہ ان کا گٹھ جوڑ ٹوٹنے کی پہلی کڑی ہے۔"

"حیرت کی بات یہ ہے کہ اس نے پیجیرو کے وا[illegible]

سرے سے ذکر نہیں کیا۔" غزالہ واقعی متحیر تھی۔
"اس بارے میں ڈینی سے اس کی کھلی کھلی باتیں ہو چکی ہیں۔ وہ سمجھ رہا ہوگا کہ دوسروں نے ابھی راج محل کے بارے میں زبان نہیں کھولی تو اسے بھی پہل نہیں کرنی چاہیے۔" ویرا نے اپنی رائے دی "کوئی بات کرے گا تو وہ اس کا جواب ضرور دے گا۔"
"ابھی اس پر ہاتھ نرم رہنا چاہیے تاکہ وہ پاکستان لوٹ آئے۔ ایک مرتبہ وہ یہاں لوٹ آیا تو اس سے نمٹنا آسان ہو جائے گا۔" سلطان شاہ بولا۔
"اب اس سے زیادہ نرم ہاتھ کیا ہو سکتا ہے کہ میں مسلسل اس کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔ اپنے دل پر پتھر رکھ کر اسے سر، کہہ رہا تھا۔" میں نے کہا۔
"میں یہی کہہ رہا تھا۔ تم نے بہت اچھا کیا اس کے ساتھ نرمی سے بات کی۔ اس وقت مصلحت کا یہی تقاضا تھا۔" وہ جلدی سے بولا۔
"ایس ٹی ایف کے باس نے آپ کو سوبھراج سے ملنے کا اختیار دیا ہے مگر آپ کی باتوں سے یوں لگ رہا ہے جیسے آپ اس کی واپسی سے پہلے راج محل جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" غزالہ نے دبے لہجے میں سوال کیا۔
"تم صحیح سمجھ رہی ہو۔" میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا "میں نے اول خان سے پوچھ لیا تھا کہ کرنل داور ایس ٹی ایف کی کسی ہدایت یا مشورے کا پابند نہیں ہوگا۔ یہ میری اپنی مرضی اور صوابدید ہے کہ میں راج محل کب جاتا ہوں۔ مجھے سنیل سے ملنے کی اجازت دے کر سوبھراج بھی دام میں آگیا ہے۔ وہ کرنل داور پر کوئی الزام تراشی نہیں کر سکے گا۔"
"سوبھراج سے تمہاری گفتگو کچھ ادھوری اور تشنہ رہی۔" ویرا نے چند ثانیوں کے بعد جھجکتے ہوئے زبان کھولی۔
"میں خود بھی اس سے ہونے والی باتوں کو طول دینا چاہ رہا تھا مگر اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے ڈینی کی حیثیت سے بات کر کے اسے بہت زیادہ ڈرا دیا تھا۔ اب اسے انتظار ہوگا کہ پولیس والے بیجیرو کے واقعے کو کس زاویے سے دیکھتے ہیں۔ شاید وہ بیجیرو کے معاملے پر اپنی زبان نہ کھولتا مگر میں اس سے کچھ اور اگلوا سکتا تھا۔"
"یہ بہت مشکل کام ہے۔ ابھی تک تم نے ڈینی اور کرنل داور کا دہرا کردار بہت خوبی سے نبھایا ہے۔ اس میں کسی بھی وقت گڑبڑ ہو سکتی ہے۔" ویرا نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔
"مجھے ذہن پر زور دے کر یہ یاد رکھنا پڑ رہا ہے کہ میں نے اس سے کس روپ میں کیا کچھ کہا ہے۔ یہی مسئلہ نک ہاروے کے ساتھ درپیش تھا۔ اس الجھن سے نجات پانے کے لیے میں نے نک سے یہ کہہ ڈالا تھا کہ ڈینی اب کرنل داور کے قبضے میں ہے۔ یہ کہہ دینے کے بعد گڑبڑ ہونے کا خدشہ ختم ہو گیا ہے۔"
"نہیں یہ بات سوبھراج سے بھی کہہ دینی چاہیے۔ تمہارا کام آسان ہو جائے گا۔" سلطان شاہ نے مشورہ دیا۔
"وہ ڈر جائے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے، معنی خیز لہجے میں کہا "دیکھنا ہے کہ نک میری کہی ہوئی بات کب تک اس سے چھپاتا ہے۔ جوں ہی مجھ سے کوئی گڑبڑ ہوئی، میں اسے بھی بتا دوں گا کہ اب ڈینی میرے قبضے میں آچکا ہے۔"
"مشکل یہ ہے کہ ڈینی کو سب کچھ معلوم ہے۔ وہ حشمت، کوبرا اور سوبھراج کی تکون کے راز سے واقف ہے۔ اسے نک اور سوبھراج کے مراسم کا بھی علم ہے لیکن بے چارہ کرنل داور اتنا زیادہ باخبر نہیں ہے اور اب تو اس کے سر پر ایک اور نئی ذمے داری آن پڑی ہے کہ اسے ایس ٹی ایف کے بارے میں سوبھراج کی شکایات دور کرنی ہیں۔" ویرا نے تمسخرانہ انداز میں تبصرہ کیا "دیکھنا ہے کہ یہ چکر کب تک چلتا ہے۔"
وہ تینوں اپنے روز مرہ معمولات میں مصروف ہو گئے تو مجھے تخلیے میں پورے حالات پر نظر ثانی کرنے کا موقع مل گیا۔
ٹام اور نک پاکستان میں سی آئی اے اور ایف بی آئی کے رہائشی افسران اعلیٰ تھے اور پس پردہ ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔ مجھے ان کی حرکتوں اور سازشوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا لیکن ہمارے پاس ان کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا۔ ثبوت حاصل کر لینے کے بعد بھی قانونی طور پر ان کا کچھ نہیں بگاڑا جا سکتا تھا کیونکہ ان دونوں کو سفارتی تحفظ حاصل تھا۔ ویانا کنونشن کی رو سے پاکستان ان مراعات کی پوری پابندی کرنے پر مجبور تھا۔
زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا تھا کہ حاصل کردہ ثبوتوں کے ساتھ ان کی باضابطہ تحریری شکایت کی جاتی اور ان کا تبادلہ ہو جاتا۔ دوسری اور زیادہ سخت کارروائی یہ ہو سکتی تھی کہ انہیں ناپسندیدہ شخصیات قرار دے کر ملک سے نکال دیا جاتا۔ ان دونوں صورتوں میں فائدے سے زیادہ نقصانات مضمر تھے اور شاید اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے مقتدر افراد کسی بھی

صورت میں ایسے اقدام اٹھا کر امریکی حکومت سے تعلقات بگاڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

دوسری اور متبادل صورت بھی کم خطرناک نہیں تھی۔ امریکیوں نے کراچی اور اس کے مضافات میں اپنے بہت سے بہترین آدمی گنوائے تھے۔ ان سب کو ہم نے احتیاط، رازداری اور پھرتی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ ان میں سے بیشتر افراد ایسے مشتبہ حالات میں مارے گئے تھے کہ امریکیوں کے لیے ان حالات کا جواز فراہم کرنا محال ہوگیا تھا۔ وہ طاقت کا دور تھا۔ جس کی لاٹھی، اس کی بھینس کے اصول پر عمل درآمد شروع ہوچکا تھا۔ اپنی تمام تر ندامت اور شرمندگی کے باوجود امریکیوں نے پاکستان کی سر زمین پر اپنے "معصوم شہریوں" کی خون ریزی پر اپنی شدید ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ ایک کمزور قوم کے حکمراں اکلوتی سپرپاور کی ناراضی برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔

ہمارے ہاتھ نہیں روکے گئے لیکن ہمارے دوستوں کے ذریعے ہمیں یہ پیغام پہنچا دیا گیا تھا کہ قومی مفادات کا تحفظ کرتے ہوئے ہمیں اس بات کو ملحوظ رکھنا تھا کہ آئندہ کسی امریکی کا خون بہنے کی نوبت نہ آئے۔ دوسری طرف واشنگٹن اور ورجینیا میں موجود حکام نے پاکستان میں اپنے اہلکاروں کی کارکردگی پر گہری نظر رکھنی شروع کردی تھی۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ شاید مقررہ مدت میں اپنے اہداف حاصل نہ کرنے کی پاداش میں نک کا تبادلہ کیا جانے والا تھا۔

اس دو طرفہ خاموش مفاہمت کے بعد ہم اس سمت میں زیادہ ہاتھ پیر نہیں مار سکتے تھے۔ امریکی ایجنسیوں کی خفیہ سازشوں میں بس روڑے اٹکا سکتے تھے اور وہ کام بہت خوش اسلوبی سے چل رہا تھا۔

امریکیوں کے پالے ہوئے را کے بھارتی ایجنٹوں کا صفایا ہوچکا تھا۔ ان کے بلائے ہوئے بلیک کیٹس کی جوڑی کا سرکچل دیا گیا تھا۔ سیتا کانت، غزالہ کے ہاتھوں بے بسی کی موت ماری گئی تھی۔ گوپال کو ایس ٹی ایف نے اچھی طرح نچوڑنے کے بعد آئی بی ..... کے حوالے کردیا تھا۔ ان دونوں کی سرپرستی کا ذمہ سوبھراج نے کوبرا کے روپ میں اٹھایا ہوا تھا۔ کوبرا کا دہرا کردار تھا۔ ایک طرف وہ بھارتی ایجنٹوں کا مددگار اور سرغنہ تھا تو دوسری طرف وہ پاکستان میں امریکی ایجنسیوں کے نیٹ ورک کا فعال سربراہ تھا۔

نک اور ٹام کو بین الاقوامی مراعات میسر تھیں تو سوبھراج اپنے سیاسی جوڑ توڑ کی بنا پر ملکی سطح پر شجرِ ممنوعہ بنا ہوا تھا۔ اس غدار کو نہ جانے کب تک وہ درجہ حاصل رہتا۔ یہ ویرا کے ایک عاجلانہ فیصلے کا کمال تھا کہ یکایک اس کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوگیا تھا۔ وہ امریکیوں کا پروردہ تھا۔ اپنے آقاؤں کے اشارے پر اسے تھائی لینڈ سمیت دنیا کے بہتیرے ملک سیاسی پناہ دے سکتے تھے مگر میرا اندازہ تھا کہ سوبھراج نے اپنے برے وقت کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ اس کی ساری جڑیں پاکستان میں تھیں۔ جلد یا بدیر اسے پاکستان واپس آنا تھا۔ اس کی جلد واپسی ہمارے اور ملک کے مفاد میں تھی۔ اس کا معاملہ تازہ تھا۔ اخبارات میں اس کے خلاف کچھ گند اچھالا گیا تھا۔ ان حالات میں اسے آسانی سے دبوچا جاسکتا تھا۔ کچھ وقت گزر جاتا تو حافظہ کمزور ہونے کی بنا پر لوگ ان باتوں کو بھول جاتے اور اسے پکڑنے کی صورت میں رائے عامہ بگڑ سکتی تھی۔

میں نے ڈینی کے روپ میں بات کرکے اسے ڈرایا تھا، کرنل داور بن کر بہلایا تھا۔ اس کے اسٹاف سے ملنے کے بعد اس کے مستقبل کے منصوبے کے بارے میں مزید کچھ نہ کچھ معلوم ہوسکتا تھا۔ راج محل کے عملے سے ملاقات کے لیے راہ ہموار ہوچکی تھی مگر میں اول خان کے تعاون سے، وہاں طاقت اور اختیار کی ایک علامت بن کر جانا چاہتا تھا۔

میں نے اسٹیشن فور فون کیا تو اول خان وہاں موجود تھا۔ اس کی آواز مرجھائی ہوئی تھی۔

مجھے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ تھا۔ وہ اپنے فرائضِ منصبی کے بارے میں اپنے باس کو جواب دہ ضرور تھا لیکن کسی کا ذاتی ملازم نہیں تھا۔ تمام تر قانونی آزادیاں حاصل ہونے کے باوجود وہ ایک لگے بندھے دائرے میں کام کرتا تھا اور جس کے ستاروں کی گردش اسے اس دائرے میں کھینچ لاتی تھی، وہ پوری بے خوفی سے اس کا سر کچل دینے پر تل جاتا تھا۔

فرض شناسی اور جاں فشانی کے ساتھ کام کرنے کے باوجود ہونے والی غیر ضروری باز پرس نے بدستور اس کی طبیعت کو مکدر کیا ہوا تھا۔ اس کی مزاج پرسی کے بعد میں خاصی دیر تک اس کی دل جوئی کرتا رہا۔ جب اس کا موڈ کچھ بحال ہوا تو میں نے سوبھراج کے راج محل کی بات چھیڑ دی۔

میرے ارادے سے آگاہ ہوتے ہی وہ چونک پڑا۔ اسے حیرت تھی کہ مجھے بیٹھے بٹھائے راج محل جانے کا خیال کیوں آگیا۔

غلطی میری تھی میں نے اسے بتایا کہ میں نے کرنل داور بن کر سنیل، نک اور سوبھراج سے کیا گفتگو کی تھی۔ ان تینوں

سے ہونے والی باتوں کی تفصیل سن کر وہ خوش ہوگیا کہ میں نے اس سے اشارہ ملتے ہی صحیح سمت میں اپنا کام شروع کردیا تھا۔

پس منظر سے واقف ہونے کے بعد وہ میرا ہم خیال ہوگیا کہ مجھے وقت ضائع کیے بغیر راج محل جانا چاہیے۔

"ابھی تک میرے ذہن میں ارجن کمار والی الجھن موجود ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ نک کی ہدایت پر سوبھراج نے اپنے کسی آدمی کے ذریعے مروایا ہوگا لیکن قاتل کا نام ابھی تک پردے میں ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں ارجن کے پھرتیلے قاتل کی رونمائی کرسکوں جو بھرے ہوٹل میں ارجن کے کمرے میں گھسا اور اسے مار کر دندناتا ہوا وہاں سے نکل کر فرار ہوگیا۔" میں نے اسے بتایا۔

"اس پر اپنا سر کیوں کھپا رہے ہو۔ وہ اب قصہ پارینہ ہوچکا ہے۔ اب تو اس کی ہڈیوں کی راکھ بھی شمشان کے ویرانے میں بکھر چکی ہوگی۔ اس کے قاتل سے تمہیں کیا لینا ہے۔"

"ابھی تک وہی ایک قتل براہِ راست سوبھراج کے کھاتے میں آیا ہے۔ قاتل ہاتھ آگیا تو سوبھراج کی گردن پھنس جائے گی۔"

"تو کیا تم اس کی باضابطہ گرفتاری کا کوئی پلان بنا رہے ہو؟" اول خان نے بے ساختہ پوچھا۔

"وہ بہت چالاک ہے دوسری طرف اس کی گردن تک رسائی مشکل نظر آرہی ہے۔" میں نے کہا "ہمیں دونوں صورتوں کے لیے اپنا ہوم ورک مکمل رکھنا چاہیے۔ ہم نے اس پر کوئی اوچھا وار کیا تو ہم ہمیشہ کے لیے اسے کھو دیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو!" اول خان کی پرخیال آواز ابھری "ابھی تک وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہے۔ اسے اپنے بچاؤ کے سارے راستے بند نظر آئے تو پھر وہ اپنی دولت یا جائداد کی پروا نہیں کرے گا۔ رسیاں تڑا کر، جدھر منہ اٹھے گا بھاگ نکلے گا۔"

"تم میری پوری بات سمجھ گئے۔ اس خبیث سے صرف ایک ہی خون آشام تصادم ہوگا۔ اس میں ہمیں اس کو زندہ یا مردہ پکڑنا ہوگا۔ وہ مارا گیا تو سارا فتنہ وہیں ختم ہوجائے گا۔ احتجاج سے مردے زندہ نہیں ہوا کرتے۔ اس کے حامی کچھ دنوں کی اچھل کود کے بعد تھک ہار کر بیٹھ جائیں گے۔ وہ زندہ پکڑا گیا تو ہمیں اس کے خلاف مضبوط شہادتوں کی ضرورت ہوگی۔ ان کے بغیر اسے زیادہ دنوں تک بند رکھنا بہت مشکل ہوگا۔"

"تمہارا خیال ہے کہ ارجن کا قاتل سوبھراج کا کوئی ملازم ہے جو اب بھی راج محل میں موجود ہے۔" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"مجھے اس کے سوا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔"

"وہ کرایے کے کسی آدمی سے بھی یہ کام لے سکتا تھا۔" اول خان نے امکان ظاہر کیا۔

"ناممکن! اس کے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ تم بھول رہے ہو کہ نک سے میری بات ختم ہوتے ہی تم نے اپنے آدمی کو ہوٹل کی طرف دوڑایا تھا کیونکہ ہمیں وہاں پہنچنے میں دیر ہوسکتی تھی۔ وہ آدمی ہوٹل پہنچا تو ارجن مارا جاچکا تھا۔"

"مجھے سب یاد ہے۔ تمہارے مفروضے ہمیشہ بہت جان دار ثابت ہوتے ہیں پھر تم کب راج محل جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"تم بندوبست کردو تو میں آج بلکہ اسی وقت وہاں چلا جاؤں گا۔" میں نے کہا پھر فوراً تصحیح کی "میں ایک گھنٹے بعد نک سے بات کرکے بالکل فارغ ہوجاؤں گا۔"

"اسٹرائیک یونٹ کی گاڑی کہاں بھجوادوں؟"

"کہیں بھجوانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں تماشا بن جائے گا۔ تم ان کو راج محل کی طرف روانہ کرکے مجھے بتادو۔ میں سڑک کے کنارے کھڑا ہو کر ان کا انتظار کروں گا۔ وہ مجھے راستے سے لیتے ہوئے آگے نکل جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے میں بندوبست کرکے دس منٹ میں تمہیں فون کرتا ہوں، وہ ایک گھنٹے بعد راستے سے تمہیں لے لیں گے۔"

"ہاں، ایک کام ضرور کرلینا" میں نے بات ختم کرنے سے پہلے کہا "یہ اہم کام ہے۔ اخبارات میں جو کچھ آگیا، بات وہیں تک محدود رہنی چاہیے۔ کہانی کو مزید پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ بہت بڑی خبر ہے، اخباروں میں دس پانچ دنوں تک تو چلتی رہے گی۔"

"ضرور چلے مگر کہانی اسی مواد تک محدود رہنی چاہیے جو آج کے اخبار میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں کسی نئی بات کا اضافہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"سب نے اپنی اپنی کہانیاں چھاپی ہیں۔ میں صرف اپنے آدمی کو ہدایت دے سکتا ہوں کہ وہ مزید حاشیہ آرائی سے گریز کرے۔"

"میں بھی صرف اسی کی بات کررہا ہوں، دوسروں کو ہم

نہیں روک سکتے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ دوسرے اخباری رپورٹر اندر کی کہانیوں تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے۔ وہ جو کچھ لکھیں گے، میز کرسی پر بیٹھ کر اپنے تخیل کے سہارے لکھیں گے۔"

سوبھراج کو واپسی پر آمادہ کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ابتدائی خبر سازی کے بعد مزید باریکیوں میں جانے سے عارضی طور پر گریز کیا جائے۔ سوبھراج کو دھمکانے کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اول خان کے آدمی نے اپنے اخبار میں اس واردات کو گینگ وار قرار دے دیا تھا۔

ایک گھنٹا پورا ہوجانے کے بعد میں نے دوبارہ نک کے دفتر فون کیا تو اس کی طرف سے فوری طور پر جواب مل گیا۔

"نک! تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" میں نے اس کی آواز سنتے ہی گمبھیر لہجے میں سوال کیا۔

"یہ بہت بڑا مسئلہ ہے، تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ فیصلہ کرنے کے لیے مجھے مزید وقت درکار ہوگا۔"

"تم جتنا وقت چاہو لے سکتے ہو۔ یہ یاد رکھنا کہ سوبھراج کے خلاف ہمارا کام جاری رہے گا۔ اگر اس کا قصہ ہم نے اپنے طور پر نمٹالیا تو تم ڈینی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ اس وقت تمہارے لیے یہ سودا سستا ہے تم آسانی کے ساتھ اسے طے کرسکتے ہو۔"

"سوبھراج کل رات پاکستان سے باہر چلا گیا ہے۔ مجھے اس کی واپسی کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"چلا گیا ہے تو کیا ہوا۔ وہ ہر وقت تمہاری دسترس میں ہے۔ سیٹلائٹ فون پر اس سے بات کرلو۔"

"اوہ... تمہیں کس نے بتایا کہ اس کے پاس سیٹلائٹ فون ہے؟" اس کا وہ سوال بالکل بے ساختہ تھا۔

"یہ سیدھی سی دو اور دو چار والی بات ہے۔ تم نے مجھے نمبر نہیں دیا تھا لیکن یہ بتایا تھا کہ نقاب پوش کوبرا کے پاس سیٹلائٹ فون ہے جس پر میں اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی وقت اس سے رابطہ قائم کرسکوں گا۔ وہ بات آگے نہیں بڑھ سکی۔ تم نے ارجن کو مروادیا۔ اب ڈینی نے اُگلا ہے کہ سوبھراج ہی کوبرا بنا ہوا تھا تو بات صاف ہوگئی کہ سوبھراج نے اپنی خفیہ مصروفیات کے لیے اپنے پاس غیر قانونی سیٹلائٹ فون بھی رکھا ہوا ہے۔"

"تم شرلک ہومز بننے کی کوشش کررہے ہو۔ کرسی پر بیٹھ کر سارے اندازے لگالیتے ہو" اس کی جلی کٹی، غراتی ہوئی آواز آئی "مفروضوں میں الجھنے کے بجائے حقائق پر نظر رکھا کرو۔ بیس لاکھ ڈالر کا انعام بہت بڑا ہوتا ہے۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کوئی فیصلہ کرنے کے لیے تمہیں سوبھراج سے مشورے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ اپنی رضاکارانہ موت یا قید کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوگا۔"

"مجھے یہ بنیادی سبق پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ مجھے اس کے کسی مشورے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اس کی واپسی کا انتظار ہے۔ وہ یہاں ہوگا تو اس کے بارے میں کچھ سوچا جاسکے گا۔"

"ایف بی آئی کے ایجنٹوں کا جال پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ تم اسے تھائی لینڈ میں بھی مرواسکتے ہو" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"بڑھ چڑھ کر باتیں مت کرو۔ ہم اپنے مسائل کو سمجھتے ہیں۔ تم انتظار کرسکتے ہو تو کرو ورنہ ڈینی کو تل کر کھانے کی تیاری کرلو" اس کا لہجہ درشت ہوگیا "میرے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ ڈینی کی آزادی سلب ہوچکی ہے اور اب وہ میدان میں نہیں ہے۔"

"اس بھول میں نہ رہنا کہ ڈینی لمبی مدت تک میرا قیدی رہے گا" میں نے اسے متنبہ کیا "میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں کہ میں ڈینی کا جانی دشمن نہیں ہوں۔ اس کی آزاد روی اور من مانیوں کو سختی سے ناپسند کرتا ہوں۔ اس کے لیے وہ سبق کافی ہونا چاہیے جو میں اب تک اسے دے چکا ہوں۔ جب اس کا دماغ ٹھکانے پر آجائے گا تو میں اسے رہا کردوں گا۔"

"اس وقت وہ ہر ایک سے باغی ہوچکا ہوگا۔ رہائی پاتے ہی ایس ٹی ایف کے خلاف اٹھ کھڑا ہوگا اور کسی وقت کتے کی موت مارا جائے گا" اس کی آواز تحقیر آمیز تھی۔

"یہ تمہاری دوسری بڑی بھول ہے۔ ڈینی ایس ٹی ایف کا نہیں، میرا ذاتی قیدی ہے" میں نے اس کی جھنجلاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے ایک بالکل نئی کہانی چھیڑدی "اس بے چارے کو یہ بھی نہیں معلوم کہ نقاب کے پیچھے کرنل داور کا چہرہ ہے۔ کافی دیر تک وہ مجھے کوبرا کا ساتھی سمجھتا رہا۔ جب میں نے کوبرا کے بارے میں سوالات شروع کیے تو اسے پتا چلا کہ میں کوئی اور ہوں۔ رہا ہونے تک اس کے فرشتوں کو بھی ہوا نہیں لگ سکے گی کہ وہ کس کا قیدی ہے۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد وہ دوبارہ میرے اور ایس ٹی ایف کے ساتھ مل کر کام کرنا شروع کردے گا۔"

"تم پکے حرامی اور گندے سور ہو" وہ تفصیل سن کر نک کی کھوپڑی چٹخ گئی اور وہ بدکلامی پر اتر آیا "تمہاری کسی بات کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اب مجھے یہ بھروسا بھی نہیں رہا کہ تم سوبھراج کو راستے سے ہٹوانے کے بعد اپنے وعدے کے

مطابق ڈینی کو میرے ہاتھ بیچ دو گے۔"

"نک اپنی زبان کو لگام دو" میں نے سرد آواز میں غراتے ہوئے کہا "میں تم سے زیادہ گندی اور ثقیل گالیاں دے سکتا ہوں۔ یہ گالیاں تمہاری کمزوری اور جھنجلاہٹ کی غماز ہیں۔ میری ہر بات میں ایک تسلسل رہا ہے۔ غلطی تمہاری ہے جو تم ادھوری بات سن کر اپنی رائے قائم کرلیتے ہو۔"

وہ اضطراری اشتعال کے نتیجے میں اچانک بپھر گیا تھا لیکن میری تادیب سنتے ہی سنبھل گیا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "کرنل! میں اپنے سخت الفاظ پر معافی چاہتا ہوں۔ دراصل جب سے میں نے تمہارے ساتھ کچھ ذاتی نوعیت کی گفتگو کا ڈول ڈالا ہے، تم میرے ساتھ مسلسل ہیراپھیری کررہے ہو۔ تمہاری ان قلابازیوں کی وجہ سے مجھے ارجن جیسے اہم اور قابل اعتماد ساتھی سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اب میں مزید کسی نقصان کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ تم مجھے کھل کر بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تم کھلی کھلی بات دوبارہ سننا چاہتے ہو تو یوں ہی سہی... سوبھراج کو بنکاک میں مروادو۔"

"یہ ناممکن ہے!" اس نے میری بات درمیان سے اڑادی "میں تمہیں پہلے بھی بتاچکا ہوں۔"

"میں بھی سب کچھ بتا چکا ہوں۔ تمہارے اصرار پر میں نے ایک ابتدائی بات دہرائی تھی" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"بہرحال! جو ہوا وہ ہوگیا۔ یہ یاد رکھنا کہ میں تمہاری طرف سے اچھی خبر سننے کے لیے ہمیشہ منتظر رہوں گا" ایک گہرے سانس کی آواز کے ساتھ وہ بولا۔

"اگر تم سننے کے موڈ میں ہو تو میں تمہیں ایک بہت دلچسپ اور چونکادینے والی اطلاع بھی فراہم کرسکتا ہوں" میں نے اس کی بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کیے بغیر کہا۔

"وہ کیا ہے؟" نک کی آواز میں بے ساختگی تھی۔

"تم اب تک سوبھراج پر آنکھیں بند کرکے اعتبار کرتے آئے ہو لیکن وہ تم پر اندھا اعتماد نہیں کرتا۔ بہت سی باتیں تم سے پوشیدہ رکھتا ہے" میں نے سوچے سمجھے انداز میں تیر چلایا۔ اس وقت میں ان دونوں کے درمیان اختلاف کی خلیج بڑھانے کا کوئی موقع ضائع کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"تم بلاوجہ مجھے اس کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش کررہے ہو" اس کی آواز اشتباہ آمیز تھی۔

"میں بے بنیاد باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ تم آج بھی اپنی کسی فیڈرل ایجنسی کے لیے میری خدمات حاصل کرنے کے خواہاں ہو۔"

"میں بھی اسی اچھی خبر کا ذکر کررہا تھا۔ میں اب تک کی ساری تلخیوں کو فراموش کرکے تمہیں امریکا لے جانے کے لیے تیار ہوں۔"

"اس بارے میں تم میرا جواب سن چکے ہو۔ اس پیشکش کو بار بار دہرا کر اپنی بات ضائع مت کرو۔"

"میں تمہارے ذہن کو بہت اچھی طرح پڑھ چکا ہوں۔ تم پورے خلوص سے اپنے ملک اور اپنی ایجنسی کے لیے کام کررہے ہو لیکن اپنے حالات کار سے مطمئن نہیں ہو۔ کبھی کبھی تمہارے ذہن میں بغاوت کے جراثیم پرورش پانے لگتے ہیں۔ جس دن یہ قوی ہوگئے، تم بھاگ نکلو گے۔ اس وقت میں تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔ ہمارے ایجنٹوں کو امریکا تو کیا دنیا بھر میں ایسے ایسے تحفظات حاصل ہیں جن کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔"

وہ عجیب ذہنی ساخت کا مالک تھا۔ ذرا سی دیر پہلے مجھے گالیاں دے رہا تھا اور اس وقت مجھے ایک بار پھر اپنے لیے کام کرنے پر اکسا رہا تھا۔ میں نے اس کے ذہنی اضطراب پر دل ہی دل میں ہنستے ہوئے نرم لہجے میں کہا "امید پر دنیا قائم ہے۔ میں تم کو پرامید رہنے سے نہیں روک سکتا۔ مگر میں تم کو یہ ضرور بتادوں کہ امریکا کے تحفظات پر میں اپنے وطن کی بے توقیری کو ترجیح دیتا ہوں۔ میرا مرنا اور جینا میری اپنی مٹی کے لیے ہوگا۔ میں کرائے کا ٹٹو بننا کبھی پسند نہیں کروں گا۔"

"اس وقت شاید یہ بات موزوں نہیں تھی.... یہ بتاؤ کہ تم سوبھراج کے بارے میں کیا خبر سنا رہے تھے؟" اسے بھولی ہوئی بات یاد آگئی۔

"تم نے آج کے اخبار میں گارڈن روڈ پر ایک پجیرو

سے برآمد ہونے والی لاش کے بارے میں خبر ضرور دیکھی ہوگی۔" میں نے اس سے تصدیق چاہی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس نے انگریزی اخبار دیکھا ہوگا جس میں اس واقعے کی صرف خبر چھپی تھی۔ اس کے ساتھ کوئی رائے زنی نہیں کی گئی تھی۔ اول خان نے اپنے معتمد رپورٹر کو جو مواد فراہم کیا تھا وہ شہر کے ایک بڑے اردو اخبار کی زینت بنا تھا۔ دوسرے اخبارات میں اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

"اس میں لاش کے ساتھ ایک بے ہوش آدمی بھی تھا۔ وہاں فائرنگ کا بھاری تبادلہ ہوا تھا۔" نک نے اپنی معلومات کا اظہار کیا۔

"بالکل.... تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ کل سوبھراج نے ویرا کو پکڑلیا تھا۔"

"تو!" اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے احتجاجی آواز میں کہا "وہ اتنی بڑی خبر نہیں چھپا سکتا تھا۔"

"میں یہی بتا رہا ہوں کہ اس نے کسی کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ ویرا کئی گھنٹوں تک راج محل میں قید رہی۔ رات کو سوبھراج کے چار آدمی اسے بجیرو میں نکال کر کہیں اور لے جارہے تھے کہ گارڈن روڈ پر ڈرامائی واقعات پیش آتے چلے گئے۔ ویرا بچ کر نکل گئی اور سوبھراج ہاتھ ملتا رہ گیا۔"

"اور سوبھراج کے باقی دو آدمی کہاں گئے؟" نک کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔

"وہ خوف زدہ ہوکر بھاگ نکلے۔ یہ بات مجھے ڈینی نے خود بتائی ہے۔ وہ وہاں خود موجود تھا۔ علاقے میں خوف و ہراس پھیلانے کے لیے اس نے دھواں دھار ہوائی فائرنگ کی تھی۔"

"تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ ڈینی نے حملہ کرکے ویرا کو چھڑایا تھا؟"

"ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن یہ بات طے ہے کہ اس وقت ڈینی اپنے کئی دوستوں کے ساتھ بجیرو کا پیچھا کررہا تھا۔ اس نے باہر سے حملہ کیا یا ویرا نے اندر سے کسی کارروائی کا آغاز کیا۔ اس کا نتیجہ خبر کی صورت میں آج کے اخبارات میں موجود ہے۔"

"ویرا اور ڈینی کے بارے میں وہ اتنا بڑا رسک نہیں لے سکتا تھا۔" نک کی پرخیال آواز بڑبڑاہٹ سے مشابہ تھی۔ "مجھے اس کہانی پر یقین نہیں آرہا۔"

"تم اپنے طور پر اس کی تصدیق کرلینا۔ اسے تمہارے مفاد سے زیادہ اپنا مفاد عزیز تھا۔ وہ ویرا کو یرغمال بناکر ڈینی کو بلیک میل کرنا چاہتا تھا کیونکہ ڈینی اس کے کئی رازوں سے واقف ہوچکا تھا اس کی زبان بند رکھنے کے لیے ویرا کا سوبھراج کی تحویل میں رہنا ضروری تھا۔"

"میں تصدیق کیے بغیر ان باتوں پر اعتبار نہیں کرسکتا۔ ڈینی تمہاری قید میں تھا تو اس نے ویرا کی رہائی کی مہم میں کیسے حصہ لے لیا؟"

"تم بلاوجہ الجھ رہے ہو۔ یہ کل رات کا واقعہ ہے۔ ڈینی کو میں نے آج صبح سویرے پکڑا تھا۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ویرا کے فرار اور اپنے آدمیوں کے انجام سے خوف زدہ ہوکر سوبھراج اچانک یہاں سے فرار ہوا ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے چار بہترین آدمی ویرا کو قابو میں رکھنے میں ناکام رہیں گے۔"

"تم نے اچھا کیا کہ یہ سب بتادیا۔ مجھے اپنے ذرائع سے تھوڑی دیر میں حقیقت معلوم ہوجائے گی۔ اگر تم سچے ہو تو سوبھراج نے کھلی نافرمانی کی ہے۔ اسے دیکھ لیا جائے گا۔"

"میں تمہاری یہی مدد کرسکتا ہوں کہ تمہاری آستین میں پلنے والوں کی نشان دہی کردوں۔ تم سے کبھی بات کرلینے میں ہم دونوں ہی کا فائدہ ہے۔ سارے اختلافات کے باوجود ہمارے ایک خاموش ہم آہنگی فروغ پارہی ہے۔"

"ہمارے درمیان بہت سی باتیں ہوچکی ہیں۔ جب جی چاہتا ہے، تم مجھے فون کرلیتے ہو اور میں پرانی تلخیوں کو بھلاکر تم سے بات کرلیتا ہوں مگر تمہاری بے اعتمادی کا یہ عالم ہے کہ تم نے آج تک مجھے اپنا کوئی فون نمبر نہیں دیا۔ میرے پاس تمہارا کوئی نمبر ہونا چاہیے تاکہ میں کسی ایمرجنسی میں تم سے رابطہ قائم کرسکوں۔" اس نے لمبا چوڑا شکوہ کیا۔

میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر اسے اپنا موبائل نمبر لکھوا دیا۔ وہ کنکشن میرے نام پر نہیں تھا۔ کنکشن سمیت وہ فون اول خان نے مجھے دیا تھا۔ نک چھان بین کرتا تو یہ جان کر اس کی تسلی ہوجاتی کہ فون اول خان کے نام پر تھا۔ وہ ایس ٹی ایف کے مقامی یونٹ کا کمانڈر تھا۔ یوں فون کے ذریعے میری کوئی شناخت ظاہر ہونے کا امکان نہیں تھا۔

"ہمارے درمیان باتیں ضرور ہوئی ہیں" میں نے فون نمبر بتانے کے بعد کہا "لیکن ہمارے درمیان دوستانہ فضا کبھی استوار نہیں ہوسکی۔ ابھی ایک منٹ پہلے تم مجھے گندی گندی گالیاں دے رہے تھے۔ ایسے حالات میں باہمی اعتماد کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔ بس تھوڑی بہت ہم آہنگی کے سہارے یہ

سلسلہ چل رہا ہے۔"

"گالیوں پر میں کھلے دل سے معذرت کرچکا ہوں' اب ان کا حوالہ نہ دو۔"

"میری تجویز پر غور کر کے جواب ضرور دے دینا۔ اب میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔"

وہ سوبھراج کے سلسلے میں تذبذب کا شکار تھا۔ شاید اسے کسی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے اپنے کسی بڑے کے مشورے کی ضرورت تھی جس کے لیے وقت درکار تھا۔ میں نے اس سے بات ختم کر کے گھر سے روانگی کے لیے تیاری شروع کردی۔

✪✡✪

اسٹرائیک یونٹ کی وہ گاڑی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اس میں چار اور زیادہ سے زیادہ پانچ آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ میں اگلی نشست پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میرے پیچھے والی سیٹ پر بقیہ تینوں آدمی براجمان تھے۔ نشستوں کا وہ حساب کسی عام کار جیسا ہی تھا مگر وہ بھاری' بکتر بند گاڑی اپنی ساخت میں کافی اونچی اور ہیبت ناک تھی۔

راج محل کا محل وقوع میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ پچھلی رات میں نے سلطان شاہ اور اول خان کے ساتھ اس عمارت کی نگرانی کرتے ہوئے' ویرا کو وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔

راج محل کا پھاٹک بہت زیادہ اونچا نہیں تو اونچا ضرور تھا۔ عام طور پر باہر سے اندر کا منظر دیکھنا ممکن نہیں تھا لیکن ہماری بکتر گاڑی پھاٹک کے قریب جاکر رکی تو ہمیں اپنی نشستوں کی بلندی سے اندر کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ وہاں پورچ میں اس وقت بھی کئی قیمتی اور نئی گاڑیاں موجود تھیں۔

بکتر بند گاڑی کے طاقت ور ڈیزل انجن کی بندھی ہوئی غراتی ہوئی آواز اتنی نمایاں تھی کہ کرخت ہارن بجانے سے پہلے ہی اس عمارت کا باوردی محافظ دروازے سے باہر آگیا۔

"دروازہ کھولو!" ڈرائیور نے اپنی طرف کی آہنی کھڑکی میں بنے ہوئے فائرنگ ہول کے قریب چیخ کر حکم دیا۔

گاڑی کی ہیبت کیا کم تھی کہ ڈرائیور کی آواز نے اس میں مزید اضافہ کردیا۔ دربان کے اوسان خطا ہوگئے۔ وہ پوچھ گچھ کے روایتی تکلفات کو بھول بھال کر بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر داخل ہوا۔ دروازہ بند کیا اور بیک وقت دونوں پھاٹک چوپٹ کھول دیے۔

ڈرائیور نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھائی اور پورچ سے پہلے ہی بریک لگا کر روک دی۔ بکتر بند کے چاروں آہنی دروازے بیک وقت کھلے اور پانچوں کود کر نیچے اتر گئے۔ ایس ٹی ایف کے چاروں آدمی اپنی ہلکی اور خودکار رائفلوں سے لیس تھے' میں خالی ہاتھ تھا۔

راج محل کے مکینوں کے لیے وہ منظر نیا تھا۔ وہاں چند سادہ پوش ملازمین کے ساتھ تین باوردی سپاہی بھی نظر آرہے تھے۔ شاید ویرا کے فرار کے بعد انہیں باقاعدہ ڈیوٹی پر موجود رہنے کا پابند کردیا گیا تھا۔ وہ سب افراتفری اور بدحواسی کا شکار نظر آرہے تھے۔ بکتر بند کے اندر داخل ہونے کے بعد دربان نے پھاٹک دوبارہ بند کردیے تھے۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ باہر سے گزرنے والے راج محل کی حدود میں رونما ہونے والی اس صورتِ حال سے آگاہ ہوسکیں۔

اس ہیجان کے عالم میں شاید کسی نے انٹرکام پر اندر بھی کچھ پراسرار اور بن بلائے مہمانوں کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ اندر سے ایک صحت مند نوجوان' قمیص پتلون پہنے تیزی سے برآمد ہوا اور کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح تیزی سے ہماری طرف آیا۔

گاڑی سے اترنے کے بعد ہم چاروں پختہ فرش پر' اپنی

ضروری گزارش

ای میل اور فیکس کی سہولیات مختصر پیغامات اور تبصروں کے لئے جملہ قارئین کے لئے حاضر ہیں۔ بعض قارئین طویل خطوط، کوپن والے اشعار وسوالات ڈاک سے بھیجنے کے بجائے ان ہی ذرائع سے بھیج دیتے ہیں۔ ٹرانس مشن اور اسکے ننگ (SCANNING) کی بعض فنی وجوہ کی بنا پر بسا اوقات یہ متن پوری جزئیات کے ساتھ موصول نہیں ہوتا اور ضائع ہوجاتا ہے۔ ازراہِ کرم اپنی تخلیقات اور اشعار وسوالات اصل کوپن کے ساتھ صرف ڈاک سے ارسال کریں تاکہ یہ ضائع نہ ہوں۔ ای میل پر تبصروں وغیرہ کے آخر میں اپنے نام کے ساتھ ازراہِ کرم اپنے شہر اور ملک کا نام ضرور لکھیں۔

نوٹ:۔ غیر ملکی قارئین کے خطوط ہم تک بروقت نہیں پہنچ پاتے، لہٰذا غیر ممالک میں بسنے والے تمام قارئین کے لئے ای میل اور فیکس کی سہولت بدستور برقرار ہے...... (ادارہ)

گاڑی کے سامنے یک جا ہو چکے تھے۔ میری مستفسرانہ نگاہیں کسی موزوں آدمی کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ نوجوان کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر میں نے اپنی ساری توجہ اسی پر مرکوز کردی۔

اس نے آتے ہی دور سے جھک کر ہم سب کو ادب سے سلام کیا۔ میں نے اس کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا، میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات اٹکی ہوئی تھی کہ سلام کرنا ایک اسلامی روایت تھی اور غیر مسلموں کے سلام کا جواب نہ دینا بہتر تھا۔

"سر! میرا نام سنیل پرکاش ہے" آنے والے نے ہم سے چند قدم دور رک کر مشینی انداز میں بولنا شروع کردیا۔ "میں سیٹھ سوبھراج کا پرسنل سیکریٹری ہوں۔ بتائیے، میں آپ لوگوں کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟"

وہ ہم پانچوں سے اس قدر مرعوب ہوا تھا کہ اس نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ ہم کون تھے اور کہاں سے آئے تھے۔

"میرا نام کرنل داور ہے" میں نے مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں کہا اور مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ عملی طور پر ہم ان سب کو مرعوب کرچکے تھے لیکن زبانی طور پر میں نے نرمی اختیار کیے رکھنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔

"سر! مجھے بتادیا گیا تھا کہ آپ کسی وقت آئیں گے۔" سنیل نے ہاتھ ملاتے ہوئے، باچھیں پھیلا کر کہا "آئیں، میرے ساتھ اندر تشریف لے آئیں۔"

میں نے ان چاروں کو وہیں چھوڑا اور خود سنیل کے ساتھ اس کے دفتر کی طرف ہولیا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ باس کل سے بنکاک ہیں۔" راستے میں سنیل نے بات شروع کی اور میں نے اس کی قطع کلامی کرتے ہوئے بتایا کہ مجھے سوبھراج کی غیر موجودگی کا علم تھا۔ میں اس سے بات کرنے کے بعد راج محل آیا تھا۔

سنیل کے مختصر سے دفتر میں بیٹھنے کے بعد میں نے کہا۔ "تم سوبھراج صاحب کے پرسنل سیکریٹری ہو۔ میں ان کی فیملی کے کسی فرد سے ملنا چاہتا ہوں تاکہ ان کی ایک شکایت کے بارے میں کچھ وضاحتیں پیش کرسکوں" سنیل سے وہ الفاظ کہتے ہوئے میں خود کو اوّل درجے کا احمق محسوس کررہا تھا۔

یہ ہمارے سسٹم کی خرابی تھی کہ میں ایک جانے بوجھے مجرم کے معمولی سے ملازم کے سامنے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور تھا۔

"ان میں سے کوئی بھی گھر پر نہیں ہے۔ سب لوگ گاؤں گئے ہوئے ہیں" اس نے سراپا انکسار بن کر مجھے آگاہ کیا۔

میں اندر ہی اندر بل کھا کر رہ گیا۔ اہلِ خانہ میں سے کسی کے موجود نہ ہونے کے سبب میں سنیل ہی سے بات کرنے کے لیے مجبور تھا۔ میں نے اس کے دفتر کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا "کل یہاں کون آیا تھا... کیا واقعہ پیش آیا تھا؟"

سنیل نے زر خرید آوارہ لڑکی اور ایس ٹی ایف کے آدمی کی وہی کہانی دہرادی جو سوبھراج مجھے فون پر سناچکا تھا۔

"اس گھر کے دروازے کھلے نہیں رہتے۔ اس لڑکی کو اندر بلانے سے پہلے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی گئی تھی؟" میں نے تحمل سے اس کی روداد سننے کے بعد سوال کیا۔

"وہ انگریز تھی، سب اس کے رنگ روپ سے دھوکا کھاگئے۔ ویسے بھی وہ انگریزی بول رہی تھی" سنیل نے چالاکی کے ساتھ ویرا کے لیے امریکی کے بجائے انگریزی کا لفظ استعمال کیا تھا۔

"وہ آوارہ تھی تو یہاں کیا لینے کے لیے آئی تھی؟" میں نے ٹٹولنے والی نظریں اس کے چہرے پر گاڑدیں۔

"یہی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ باس ڈرنکس لے رہے تھے۔ انہوں نے میری نامی اس لڑکی کو بھی شریک کرلیا لیکن جب وہ گھٹیا حرکتوں پر اتر آئی تو وہ وہاں سے اٹھ گئے" سنیل نے جھوٹ کا پلندا کھولنا شروع کردیا "انہوں نے ہمیں پیچھا کرنے کی ہدایت دے کر ڈرائیور کو رخصت کردیا۔ میری اکیلی بیٹھی پیتی رہی۔ جب وہ مدہوش ہوگئی تو ہمارا ڈرائیور اسے صدر کے علاقے میں چھوڑ آیا۔ وہاں سے شاید کوئی شوقین آدمی اسے لے گیا ہوگا۔"

"لڑکی کو لانے والا ایس ٹی ایف کا آدمی نہیں تھا؟" سنیل کے سامنے وہ صفائی پیش کرتے ہوئے غیرارادی طور پر میرے لہجے میں ہلکی سی ترشی در آئی "اور اس کی گاڑی کی نمبر پلیٹ بھی جعلی تھی۔ میں نے یہ باتیں تمہارے باس کو بتادی ہیں مگر ان کی خواہش تھی کہ میں یہ سب تم کو بتادوں۔"

"جی، آپ بہت شریف اور مہربان افسر ہیں۔ میں تو بکتر بند گاڑی کے آنے کی خبر سن کر پریشان ہوگیا تھا۔ فون پر پہلی بار آپ سے بات ہوئی تو شاید آپ غصے میں تھے؟"

"یہ گھر بہت بڑا اور شاندار ہے" میں نے اس کے تبصرے کو نظرانداز کرکے توصیفی انداز میں کہا "کراچی میں اب ایسے گھر کم رہ گئے ہیں۔"

"ہاں' باس کو گھر بنانے سنوارنے کا بہت شوق ہے۔ پرانا گھر توڑ کرانہوں نے سب کچھ نیا بنوایا ہے۔"

"نیا گھر ہے تو یہاں ہوائی حملے سے بچنے کے لیے کوئی تہ خانہ بھی ہوگا... اس میں پانی رسنے کی شکایت تو نہیں ہے؟"

تہ خانے کے ذکر پر وہ لحہ بھر کے لیے بوکھلا گیا پھر سنبھل کر بولا "تہ خانہ صرف باس کے استعمال میں رہتا ہے۔ اس کے بارے میں' میں زیادہ نہیں جانتا۔ ان کی غیر حاضری میں وہاں تالا لگا رہتا ہے۔"

اس نے ہوشیاری سے پیش بندی کر ڈالی تھی کہ میں تہ خانہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کروں تو وہ تالا لگا ہوا ہونے کی بنیاد پر مجھے ٹال سکے۔ وہ مجھے بات آگے بڑھانے کی کوئی راہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

وہ سوبھراج کے اعتماد کا آدمی تھا۔ جوان' چالاک اور توانا تھا۔ ہروقت راج محل میں موجود رہتا تھا۔ سوبھراج کے لیے وہ اتنا اہم اور قابلِ اعتماد تھا کہ ملک سے فرار ہونے کے بعد بھی سوبھراج نے اس سے مسلسل رابطہ رکھا ہوا تھا۔ مجھے اچانک خیال آیا کہ وہ ارجن کا ممکنہ قاتل ہو سکتا تھا۔

میں دانستہ چند منٹ تک راج محل کے بارے میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا پھر میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اچانک سوال کر ڈالا "ارجن کمار سے تمہارے مراسم کیسے تھے؟"

وہ براہِ راست اور بہت جارحانہ سوال تھا۔ سنیل کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ وہ فوری طور پر میرے سوال کا جواب نہیں دے سکا۔ قدرے خاموشی کے بعد وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا "میں کسی ارجن کو نہیں جانتا' آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟"

مجھے جو کچھ جانچنا تھا وہ میں نے جانچ لیا تھا۔ اگر سنیل ارجن کا قاتل نہیں تھا تو بھی قاتل کے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ جانتا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے' بات ٹالنے کے لیے کہا۔ "میں سوچ رہا تھا کہ تم اپنے باس کے ساتھ بڑے ہوٹلوں میں جاتے رہتے ہوگے اور وہاں کام کرنے والوں سے تمہاری دوستیاں ہوں گی' تم نے ارجن کا نام بھی سنا ہوگا؟"

"نہیں' یہ نام میرے لیے نیا ہے۔ باس باہر کہیں بھی جاتے ہیں تو مجھے ہروقت فون وغیرہ کا دھیان رکھنا ہوتا ہے۔ میں جلسے جلوسوں کے سوا ان کے ساتھ کبھی باہر نہیں جاتا۔"

میرے ہونٹوں پر ہنسی دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی

"ویسے یہ ارجن کس ہوٹل میں ہوتا ہے؟؟"
"اسے بھول جاؤ، پتا نہیں مجھے یہ نام کیوں یاد آگیا تھا" میں نے اکتاہٹ اور بیزاری کا مظاہرہ کیا۔
ارجن کے دیدہ دلیرانہ قتل کی خبر شہر کے اخبارات نے نمایاں انداز میں شائع کی تھی مگر سنیل اس کی طرف سے بالکل انجان بن رہا تھا۔ مجھے یقین ہوچلا تھا کہ وہ اس واردات میں اپنے باس کا شریک کار تھا۔ وہ یہ بات اپنے باس کو ضرور بتاتا کہ کرنل داور نے اس سے ارجن کے بارے میں کچھ کریدنے کی کوشش کی تھی۔
"دراصل ارجن بھی تمہارا ہم مذہب تھا" میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد سلسلہ کلام جوڑا "میرا خیال تھا کہ شہر میں معزز اور آسودہ حال ہندوؤں کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ وہ سب ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اس یقین کی وجہ سے میں نے براہِ راست تمہارے اور اس کے مراسم کے بارے میں پوچھ لیا تھا لیکن تمہارے جواب نے میرے خیال کی نفی کردی ہے۔"
"کراچی بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں بڑی تعداد میں ہندو رہتے ہیں مگر وہ پورے شہر میں بکھرے ہوئے ہیں" میں نے محسوس کیا کہ میری وضاحت سے اس کے ذہن سے بوجھ ہٹ گیا تھا۔ وہ خوش دلی سے بتا رہا تھا "سر! آپ کو حیرت ہوگی کہ کراچی میں انتالیس ہندو مندر ہیں جن میں سے تئیس حکومت چلاتی ہے، بارہ ہندو پنچایت کمیٹیاں چلا رہی ہیں اور چار مندر ہندو رفاہی تنظیموں کے پاس ہیں۔ اتنی بھیڑ میں یہ ممکن نہیں ہے کہ سب ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہوں۔ ہاں، ذات اور برادری میں سب ایک دوسرے کی خیر خبر رکھتے ہیں۔"
اتنا کچھ بتانے کے باوجود اس نے ارجن سے اپنی کسی شناسائی کا اظہار نہیں کیا تھا مگر میں اپنے پہلے سوال کے جواب میں اس کے چہرے پر غیر ارادی طور پر ابھرنے والی تحریر پڑھ چکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں نے راج محل آنے کا مقصد حاصل کرلیا تھا۔
وہ میری خاطر تواضع کے لیے مسلسل اصرار کرتا رہا لیکن میں نے ایک غدار کی کمین گاہ میں پانی کا ایک گھونٹ بھی پینا گوارا نہیں کیا۔
میں نے سنیل سے ارجن والے معاملے کی وضاحت کردی تھی اور اس نے خوش دلی کے ساتھ بظاہر بات ختم کردی تھی لیکن سب کچھ ویسا ہی نہیں تھا جیسا نظر آرہا تھا۔ ارجن کے نام کی اہمیت سے ہر فریق اچھی طرح واقف تھا۔
سنیل یہ بات فراموش نہیں کرسکتا تھا کہ ایس ٹی ایف کے کرنل داور نے اس سے ارجن کے بارے میں ایک ٹیڑھا سوال کیا تھا۔ وہ اس بات کا تذکرہ سوبھراج سے ضرور کرتا۔ میرا کیا ہوا سوال سوبھراج کے لیے لمحہ فکریہ پیدا کرسکتا تھا۔ وہ یہ بھی سمجھ سکتا تھا کہ اس کی پاکستان واپسی کی راہ اتنی صاف نہیں تھی جتنی نظر آرہی تھی لیکن اپنے کام میں پیش رفت کے لیے وہ سب بہت ضروری تھا۔
"یہاں جو کچھ ہوا، اس کے بارے میں، میں نے تمہاری اور سوبھراج صاحب کی کہانی سن لی لیکن آج کے اخبارات میں کچھ اور ہی شائع ہوا ہے۔"
"اخبار والے فسادی ہیں۔ انہیں ہر روز اپنے نپے تلے صفحات کا پیٹ بھرنا پڑتا ہے اس لیے وہ نت نئی کہانیاں تراشنے پر مجبور ہوتے ہیں" سنیل نے اپنا لب و لہجہ بگاڑے بغیر اخبارات کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالا "آپ ان کی باتوں کو رہنے دیں۔ وہ ایک الگ واقعہ ہے۔"
"کیا عام لوگوں کے لیے یہ حیرت کی بات نہیں ہوگی کہ ایک ہی رات میں راج محل کے سلسلے میں دو بڑے واقعات رونما ہوئے ہیں۔"
"ہوا کریں... ہم اخبار والوں کے سامنے بے بس ہیں۔ انہیں ہر ایک کی پگڑی اچھالنے کی کھلی چھوٹ حاصل ہے" رفتہ رفتہ سنیل کا اعتماد بحال ہو رہا تھا۔
"یہ معاملہ پگڑی اچھالنے سے زیادہ اہم ہے" میں نے زور دے کر کہا "ایک اخبار نے اسے گینگ وار قرار دیا ہے۔"
"یہ لغو باتیں ہیں۔ باس آئیں گے تو وہ اس منحوس اخبار کے مدیر اور مالکان کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ ضرور کریں گے۔"
"وہ کب تک واپس آرہے ہیں؟" مجھے روا روی میں وہ سوال کرنے کا موقع مل گیا۔
"وہ دو چار روز میں لوٹ آئیں گے" اس نے مژدہ سنایا "ان سب لوگوں کے منہ بند ہوجائیں گے جو ان کی اچانک روانگی کو فرار قرار دے رہے ہیں۔"
"اچھا...!" میں نے حیرت سے کہا "کیا کچھ لوگ ایسا بھی کہہ رہے ہیں؟"
"مجھے موصول ہونے والی فون کالز سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ شہر میں ایسی بیہودہ افواہوں کا بازار گرم ہے۔"
"یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔ میں نے ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں سنی" میں نے کہا "ویسے ایک بات تم کو مان

لینی چاہیے کہ کسی واقعے کے بارے میں جب حقائق
دستیاب نہ ہوں تو افواہیں بہت تیزی کے ساتھ اور خودبخود
پھیلنے لگتی ہیں۔ اس واقعے کے بارے میں راج محل کچھ بولتا
ہے نہ پولیس افسران کچھ بتانے پر آمادہ ہیں۔"

"راج محل والے کچھ نہیں بتاسکتے۔ یہاں کے دو ملازم
کسی سے پوچھے بغیر، خاموشی سے پجیرو نکال لے گئے۔
ہوسکتا ہے کہ وہ سیروتفریح کے ارادے سے نکلے ہوں، اس
کے بعد کیا ہوا، کچھ پتا نہیں۔ یہ بہت بڑی اور سنگین
واردات ہے۔ اس کا کھوج لگانے کی ذمے داری پولیس کی
ہے" اس نے کمال ہوشیاری سے راج محل کے صرف ان دو
ملازموں کا ذکر کیا تھا جو پجیرو کی پچھلی سیٹ پر پائے گئے تھے۔
ان میں سے ایک ویرا کے ہاتھوں مارا گیا تھا، دوسرا بے ہوش
ہوا تھا۔ جو دونوں زندہ بچ کر بھاگ نکلنے اور واپس راج محل
پہنچنے میں کامیاب ہوگئے، ان کا ذکر سنیل نے صفائی سے گول
کردیا تھا۔ جبکہ میں نے ان چاروں کو ویرا کے ساتھ، اپنی
آنکھوں سے پجیرو میں نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔

"وہ دونوں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پائے گئے تھے۔ سوال
یہ پیدا ہوتا ہے کہ راج محل کی پجیرو کون چلا رہا تھا اور وہ
کہاں غائب ہوگیا۔" اس بارے میں میرا سوال قطعی منطقی
تھا۔ میں نے بلا جھجک وہ سوال کرڈالا۔

"یہ ایک معمّا ہے جو میری سمجھ سے بھی باہر ہے۔
ہمارے دونوں آدمی وہی تھے جو گاڑی میں پڑے ہوئے ملے
تھے" ان لوگوں کو اپنی کہانی تراشنے کے لیے خاصا وقت مل
چکا تھا۔ سنیل کے جوابات سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اس
معاملے میں اپنے آقا کا دفاع کرنے کے لیے پوری طرح تیار
تھا۔"

"اس بارے میں پولیس نے تم لوگوں سے ضرور رجوع
کیا ہوگا؟" میں نے اس سے تائید چاہی۔

"ان دونوں کی شناخت کے لیے میں پولیس اسٹیشن گیا
تھا۔ اس وقت تک مجھے پتا نہیں تھا کہ پجیرو وہاں سے کیسے
نکل گئی اس لیے بیان وغیرہ دینے کی نوبت نہیں آئی۔ ابھی
پولیس اپنے طور پر چھان بین کررہی ہے۔"

"اگر تم یہی باتیں پریس کو بتادو تو افواہوں کا زور ٹوٹ
جائے گا" میں نے ہمدردانہ مشورہ دیا "شاید پولیس ابھی
خاموش ہی رہے۔ یہ معاملہ سوبھراج صاحب کا نہ ہوتا تو اب
تک اس علاقے کا پورا تھانہ یہاں ڈیرے ڈال چکا ہوتا۔"

"پولیس باس کی وجہ سے خاموش ہے تو ہمیں اپنا منہ
کھولنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ بات طے ہے کہ وہاں دھواں
دھار فائرنگ ہوئی لیکن کوئی گولی سے زخمی تک نہیں ہوا۔
ہمارے دونوں آدمی زہر کا شکار ہوئے ہیں۔ پولیس سرجن
نے آج اس کی تصدیق کردی ہے۔"

"تمہارا بے ہوش آدمی ہوش میں آچکا ہے، وہ کیا کہتا
ہے" میں بات کو آگے بڑھاتا رہا۔

"اسے پولیس والوں نے اپنی سخت نگرانی میں رکھا ہوا
ہے۔ میں نے دور سے اسے شناخت کیا تھا۔ میری اس سے
ملاقات نہیں ہوسکی۔ اگر آپ اپنے اثرورسوخ سے کام لے
کر مجھے اس سے ملواسکیں تو میں آپ کا شکرگزار رہوں گا۔"

میں ہنس پڑا "تم ایس ٹی ایف سے واقف نہیں ہو۔ ہم
لوگ عام معاملات میں ذرا بھی دخل نہیں دیتے۔ اثرورسوخ
سے کام چلتا تو مجھے تم سے اس بارے میں اتنے سوالات
کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ پولیس کے ذرائع سے مجھے
ہر بات معلوم ہوگئی ہوتی۔"

"مجھے شبہ ہورہا ہے کہ ہمارے اس آدمی نے اپنی گردن
بچانے کے لیے گڑبڑ کردی ہے" سنیل سوچتے ہوئے بولا۔
"شاید اس نے پولیس والوں کو کوئی فرضی کہانی سنا ڈالی ہے
جس میں راج محل والوں پر بات آجانے کا اندیشہ ہے۔ باس
کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں کہ انہیں دو کوڑی کے ایک ملازم
کے بیان پر پریشان کیا جاسکے۔ ان کی اپنی ایک ساکھ ہے۔
پولیس ان کے وقار کے منافی کوئی بھی قدم نہیں اٹھاسکتی۔
باس ایوان اقتدار کے درودیوار ہلاکر رکھ دیں گے۔"

سوبھراج کی طرح اس کا ملازم بھی اقتدار کے نشے میں
دھت تھا۔ ان دونوں کو اندازہ نہیں تھا کہ حالات کس رخ
پر چل نکلے تھے اور ان کا کیا انجام ہوسکتا تھا پھر بھی میں نے
اس کی خوش فہمی رفع کرنے کے لیے اسے بتایا "کسی بھی
واردات میں عینی شاہد کی سب سے زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔
تمہارا زندہ بچ جانے والا آدمی نہ صرف ایک متاثرہ فریق ہے
بلکہ اس خون آشام واقعے کا اکلوتا چشم دیدہ گواہ بھی ہے۔
اس کے بیان کے سامنے کوئی حیثیت کام نہیں آسکے گی۔"

"وہ میرا نہیں، باس کا ذاتی معاملہ ہے۔ پولیس والے
سوچے سمجھے بغیر کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ سب سے
پہلی بات یہ ہے کہ وہ شخص خود چور ہے۔ باس کی اجازت کے
بغیر راج محل سے پجیرو لے بھاگا تھا۔ وہ لاکھ چشم دید گواہ ہو،
یہ دیکھنا پڑے گا کہ وہ کہاں تک قابلِ اعتبار ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس ہونے کے لیے تیار نہیں
تھا۔ ان لوگوں نے باہمی مشاورت کے ذریعے ویرا کی ذات کو
اس قصے سے نوچ کر بالکل الگ کردیا تھا۔ ویرا کے فرار اور

ببجیرو کے واقعے میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ اپنی جگہ پر ایک ہی واقعہ تھا۔ انہوں نے اپنے مفادات کے لیے اسے دو حصوں میں تقسیم کردیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ویرا سامنے آکر ان کی کسی بات کی تردید کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ پولیس کی تفتیش کا سارا دارومدار اکلوتے گواہ پر تھا۔ اگر اسے جھوٹا اور بے اعتبار قرار دے دیا جاتا تو پھر پولیس کو وہی کچھ ماننا پڑتا جو راج محل والے کہہ رہے تھے۔

سنیل نے صرف اپنے شبہات کا اظہار کیا تھا لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ اس کا اندیشہ درست تھا۔ وہ چور کی داڑھی میں تنکا والا قصہ تھا۔ ببجیرو میں بے ہوش ہونے والے کو کچھ علم نہیں تھا کہ غیر متوقع ناکامی اور بربادی کے بعد اس کا آقا اس واقعے کو کیا رنگ دینا چاہ رہا تھا۔ اس نے مجبوری کے عالم میں پولیس والوں کو وہی کچھ بتایا ہوگا جو اس کے ساتھ پیش آیا تھا۔ سنیل کو معلوم تھا کہ اس کا باس واقعات کو توڑ مروڑ رہا ہے۔ وہ دونوں ریکارڈ کی باتیں تھیں اور ان کا تضاد بالکل واضح تھا۔ وہ اول و آخر سامنے آنا ہی تھا۔ سنیل ایسا مرحلہ آنے سے پہلے گواہ کو مشکوک قرار دے کر اپنے باس کے بچاؤ کی راہ ہموار کر رہا تھا۔

اس معاملے میں پولیس والوں نے مثالی رازداری کا مظاہرہ کیا تھا۔ کہیں سے کوئی بات لیک ہو کر اول خان کے کانوں تک بھی نہیں پہنچ سکی تھی۔ نچلی سطح پر کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا اور اعلیٰ ترین عہدوں پر بیٹھے ہوئے افسران سوبھراج کے ممکنہ سیاسی انتقام سے خائف تھے۔ وہ مجبوری کے عالم میں اس قصے میں ملوث ہوئے تھے۔ ان کے لیے صرف ایک ہی راہ باقی رہ گئی تھی کہ وہ مرکزی حکومت کو حقائق سے آگاہ کردیں۔

پولیس کا محکمہ صوبائی درجے کا حامل تھا۔ اس کا بڑے سے بڑا افسر بھی براہِ راست مرکز سے رجوع کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تھا۔ وہ معاملہ صوبائی وزارت داخلہ کے ذریعے مرکز تک پہنچایا جاسکتا تھا جس کے لیے صوبے کے سربراہ کی منظوری ضروری تھی۔ اول خان اور جلال کے ساتھ کام کرتے ہوئے میں نے اختیارات کی اس تقسیم اور توازن کے بارے میں بہت کچھ سیکھا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ پولیس کی تیار کی ہوئی' اس کیس کی سمری چل پڑی تھی۔ سرکاری عہدے دار اس سمری پر مرکز کے کسی فیصلے کے منتظر تھے۔ وہاں سے جواب آنے کے بعد ہی جمود ٹوٹ سکتا تھا۔ اس سے پہلے سوبھراج جیسے وی آئی پی کے خلاف کوئی قدم اٹھانا ممکن نہیں تھا۔

سوبھراج وہ سیاسی غنڈا تھا جس سے آئی بی اور ایس ٹی ایف جیسی مقتدر اور توانا ایجنسیوں کو دور رہنے کا مشورہ ملا تھا۔ وہ فیڈرل اتھارٹی کے تحت کام کرنے والے ادارے تھے۔ ان کے مقابلے میں پولیس کے صوبائی محکمے کی پوزیشن بہت کمزور تھی۔ مرکز کی اجازت کے بغیر وہ سوبھراج کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ جو افسر ایسی جسارت کرتا اسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اوپری دل سے سنیل کی تائید کی "یہ سوبھراج صاحب کی عزت اور ساکھ ہی ہے کہ میں آج ان کی ایک شکایت کے ازالے کے لیے یہاں موجود ہوں۔ پولیس والوں کو بھی ان کی طاقت اور پہنچ کا اندازہ ہے اسی لیے انہوں نے تم لوگوں کو بالکل پریشان نہیں کیا۔ معاملے کو دبائے بیٹھے ہیں۔ سوبھراج صاحب آئیں گے تو فیصلہ ہوجائے گا کہ پولیس کو اس کیس میں کیا کرنا ہے۔"

"سر! پولیس کو کچھ نہیں کرنا...... وہ کیا کرے گی؟" میری شہ پا کر وہ مزید شیر ہوگیا اور اپنی ہرزہ سرائی جاری رکھتے ہوئے بولا "ببجیرو ہماری' مرنے والا ہمارا آدمی' بے ہوش ہو کر پکڑا جانے والا ہمارا آدمی۔ جب ہم ہی پرچہ درج نہیں کرائیں گے تو پولیس کو کچھ کرنے کا کیا حق ہے۔ باس مرنے والے کے بال بچوں کو ڈیڑھ دو لاکھ روپے دے دیں گے تو ان کی بھی زندگی بھر کی روٹیاں سیدھی ہو جائیں گی۔ یہ الٹی سیدھی گواہی کا کوئی چکر نہیں چلے گا۔"

وہ سوبھراج کی جاگیردارانہ سوچ تھی جو سنیل کے ذہن میں بہت دور تک سرایت کرچکی تھی۔ خود اس کا تعلق متوسط طبقے سے معلوم ہوتا تھا۔ ایک سفاک جاگیردار کا نمک کھا کر وہ خود اپنے اور اپنے سے نچلے طبقے کے خلاف بول رہا تھا۔ اس کے لیے انسانی زندگیوں کی قیمت اٹھارہ سے چوبیس لاکھ روپے فی درجن سے زیادہ نہیں تھی۔

"مقدمے سے مرنے والے کے وارثوں کو کیا ملے گا!" چند لمحوں کے سکون کے بعد سنیل نے بولنا شروع کردیا "ساری عمر عدالتوں کے دھکے کھاتے گزر جائے گی اور انصاف پھر بھی نہیں ملے گا۔ انصاف کے لیے مجرم کا پکڑا جانا ضروری ہے یہاں معلوم ہی نہیں کہ قاتل کون ہے تو انصاف کیا ہوگا۔"

"بس' تم سوبھراج صاحب کو یہ ضرور بتا دینا کہ میں اپنے وعدے کے مطابق یہاں آیا تھا۔" میں نے کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔

سنیل بھی اپنی کرسی پیچھے دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا اور

مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا ”سر! آپ برا نہ منائیں تو ایک دل کی بات کہہ دوں۔“

”ہاں ہاں، تم ہر بات کہہ سکتے ہو۔“ میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

”سر! یہ راج محل عزت داروں کا گھر ہے۔“ اس نے عاجزانہ لہجے میں بات شروع کی ”آئندہ آپ کو ادھر آنا ہو تو بکتر بند گاڑی میں نہ آئیں۔ بلاوجہ لوگوں کی آنکھیں اٹھتی ہیں۔ بس مجھے فون کر دیں میں آپ کے لیے مرسیڈیز بھجوا دوں گا۔“

اس کی وہ عاجزانہ جسارت گستاخی کی آخری سرحدوں کو چھو رہی تھی۔ اس کی بات سن کر میرا خون کھول کر رہ گیا۔ اگر میں ایس ٹی ایف کے سربراہ کے دیے ہوئے مشن پر وہاں نہ آیا ہوتا تو میں اسی لمحے سنیل کی گردن دبوچ لیتا۔ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس پر ایک خشک سی نگاہ ڈالی اور تیزی سے دروازے کی طرف مڑ گیا۔

وہ نوجوان ضرور تھا مگر کائیاں تھا۔ جلدی سے گھوم کر میز کے پیچھے سے نکلا اور خوشامدانہ انداز میں میرے راستے میں حائل ہو گیا ”سر! میں معافی چاہتا ہوں۔ شاید میری التجا آپ کو بری لگ گئی۔ میں نے یہ بات اپنے باس کی طرف سے کہی تھی۔ وہ ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتے۔“

”سنیل! تم نے شاید میرے نام پر غور نہیں کیا۔ میں فوج کا ریٹائرڈ کرنل ہوں۔ میری زندگی دھول اڑاتے صحراؤں، پتھریلی چٹانوں اور برف زاروں میں گزری ہے۔ بارود، ہتھیار میرا زیور ہیں اور ٹائروں پر اچھلتے ہوئے فولادی ڈھانچے میری پسندیدہ سواری ہیں۔ مجھے لمبی چوڑی اور ٹھنڈی گاڑیوں میں سفر کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ ہمارے خیر خواہ ہماری ان چیزوں پر ناز کرتے ہیں، دشمنوں کو ان سے خوف آتا ہے۔ دعا کرو کہ مجھے دوبارہ راج محل میں نہ آنا پڑے۔ میں آیا تو اسی طرح آؤں گا۔“

یوں لگا جیسے میرا تلخ جواب سن کر اس کا سارا خمار کافور ہو گیا تھا۔ اس کی نگاہوں سے ہلکا سا خوف جھانکنے لگا۔ وہ قدرے کمزور آواز میں بولا ”ہم نے ایک ساتھ بہت اچھا وقت گزارا۔ میں دل سے آپ کی عزت کرتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ ایک چھوٹی سی بات سے آپ کی دل آزاری ہوئی۔ باس سے آپ کی بات ہو تو اس کا ذکر نہ کیجیے گا۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر طیش میں آجاتے ہیں۔ میں ان کو ناراض نہیں دیکھ سکتا۔“

”تم میری کوئی شکایت نہیں کرو گے تو میں بھی یہ کڑوی بات بھول جاؤں گا۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

”آپ نے شکایت والی کوئی بات نہیں کی۔ بس ایک ذرا ارجن کا ذکر کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ باس کو یہ بات بتانے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔“

اس کے یاد دلانے پر مجھے یاد آیا کہ میں نے سنیل سے اس بارے میں بات کر کے غلطی کی تھی۔ ارجن ان لوگوں کے لیے ایک حساس نام تھا۔ وہ تفصیل سن کر سوبھراج کو میرے خلاف سوچنے کی ایک راہ مل سکتی تھی۔ میں نے صاف انکار کر دیا ”نہیں..... تمہاری طرح میں بھی سوبھراج صاحب کو برہم کرنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔ ارجن کی بات بالکل صاف ہو گئی ہے۔ وہ اخبارات میں چھپنے والا ایک نام تھا جو اچانک میرے ذہن میں آگیا۔ بہتر ہوگا کہ تم سوبھراج صاحب سے اس کا ذکر نہ کرو۔“

سنیل نے جھجکتے ہوئے اثبات میں سرہلا دیا ”میں اس بارے میں خاموش رہوں گا۔“

کہنے کو اس نے وہ اقرار کر لیا تھا۔ اس نے بدمزگی کے حوالے سے اپنی کمزوری کا اظہار کر کے ایک موقع فراہم کر دیا تھا تو میں نے بھی ایک فوری خیال کے تحت اپنا مطالبہ پیش کر دیا تھا۔

ان لوگوں کے لیے ارجن کمار کا نام بہت اہم تھا۔ سنیل میری زبان سے اس کے ذکر کو آسانی سے فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس بارے میں وہ مجھ سے کیے ہوئے وعدے کی پاس داری نہیں کرے گا۔ اپنے آقا کو یہ بات ضرور بتائے گا کہ میں نے معذرتوں کے ساتھ ساتھ اس سے ارجن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن اس بارے میں اس کو روکنے کی ایک کوشش کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔

وہ بات بظاہر طے کر لینے کے بعد میں اس کے دفتر سے باہر نکلتا چلا گیا۔ وہ میرے ساتھ ساتھ باہر تک آیا تھا۔

بکتر بند گاڑی کے پاس اسٹرائیک یونٹ کے چاروں اراکین اپنی رائفلیں سنبھال کر پوری مستعدی کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کہیں سے گڑبڑ کا ذرا سا بھی خدشہ ہونے پر وہ بے دریغ گولیوں کی باڑ چلا دیں گے۔ اس وقت راج محل کے پورے احاطے میں ان چاروں کے سوا اور کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ ملازمین کو ہماری آمد کے مقصد کا کوئی علم نہیں تھا۔ وہ بکتر بند گاڑی اور اس سے اترنے والے مسلح کمانڈوز سے خوف زدہ ہو کر ادھر

ادھر گھس گئے تھے۔
بکتر بند گاڑی کے پاس پہنچ کر سنیل نے میرے ساتھ دوبارہ تپاک سے ہاتھ ملایا' ان چاروں کمانڈوز کو بھی عزت اور احترام سے الوداع کہا اور ہم گاڑی میں سوار ہو گئے۔
ہماری واپسی کے آثار دیکھ کر محافظ اپنے کمرے سے نکلا اور پھاٹک کھول دیا۔ ڈرائیور نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور ہم تیزی کے ساتھ وہاں سے نکل گئے۔
ہم سوبجر بازار سے کچھ ہی دور نکلے تھے کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ آواز سنتے ہی میرا ذہن اول خان کی طرف گیا تھا۔ میں نے بٹن دبا کر فون آن کیا تو دوسری طرف نک ہاروے کی آواز سن کر میں حیران رہ گیا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی سرعت کے ساتھ مجھ سے جوابی رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔
"خیریت ہے۔" میں نے متحیر آواز میں پوچھا "اس وقت تم نے کیسے فون کیا؟"
"میرا خیال تھا کہ تم میری کال کا انتظار کر رہے ہو گے۔ میں نے تصدیق کر لی ہے۔ ویرا اور سوبھراج کے بارے میں تمہاری کہانی درست ہے۔"
اس واقعے کے بارے میں ہر طرف سخت رازداری سے کام لیا جا رہا تھا۔ کہیں سے اندر کی کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ حد یہ تھی کہ پولیس کے محکمے سے بھی کوئی بات معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے باوجود نک نے قلیل سی مدت میں اپنی مطلوبہ معلومات حاصل کر لی تھیں۔ میرے لیے وہ اطلاع حیران کن تھی۔
"اب تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا میں تمہیں بلاوجہ سوبھراج کے خلاف نہیں بھڑکا رہا تھا۔"
"میں مانتا ہوں کہ ڈینی اور ویرا کے معاملے میں تم لوگ بہت برق رفتار ہو۔ ان کے معاملات سے پوری طرح باخبر رہتے ہو۔"
"اگر تمہارے ذہن میں بیٹھی ہوئی بدگمانیاں دور ہو گئی ہوں تو میں تم سے ایک بات پوچھ لوں۔" میں نے کسی طنز و استہزا کے بغیر' بہت محتاط لہجے میں پوچھا۔
"سوبھراج کی حرکت پر اس وقت میں صدمے کے عالم میں ہوں۔ ٹام بہت مشتعل ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم ہمارے دوست نہیں ہو لیکن تمہاری اس رائے سے میں پوری طرح متفق ہوں کہ ہمارے درمیان کوئی مفاہمت نہ ہونے کے باوجود ہلکی سی ذہنی ہم آہنگی خود بخود فروغ پا رہی ہے۔ تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے' پوچھ لو۔ میں جواب دینے کی کوشش کروں گا۔"
"ویرا اور بیجیرو والے معاملے میں راج محل سے پولیس تک' سب نے سختی سے اپنی زبانیں بند رکھی ہوئی ہیں پھر تم نے اتنے کم وقت میں میری دی ہوئی اطلاع کی تصدیق کیسے کر لی؟"
"یہ ہمارے طریقہ کار کی خوبی ہے کہ ہم اپنے دشمنوں کے ساتھ اپنے دوستوں کی بھی پوری پوری خیر خبر رکھتے ہیں۔" اس نے کسی تردد کے بغیر بولنا شروع کر دیا "راج محل اس شہر کے ایک اہم آدمی کا گھر ہے۔ وہ ہمارے لیے کام کرتا ہو یا نہ کرتا ہو' وہ گھرانا ہمارے لیے اہم ہے۔ اس کے ملازمین میں ہمارا ایک مخبر بھی موجود ہے۔ اس انفارمر نے تمہاری دی ہوئی اس اطلاع کی تصدیق کی ہے کہ کل رات سوبھراج کے چار آدمی بیجیرو میں ایک سفید فام لڑکی کو لے کر نکلے تھے پھر بیجیرو واپس نہیں آئی۔ کچھ دیر بعد ان چاروں میں سے دو آدمی ٹیکسی سے واپس پہنچے تھے۔ وہ وہی ہوں گے جو بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔"
"تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ سوبھراج نے ان دونوں سے ملنے کا بعد ہی پاکستان سے نکل جانے کا فیصلہ کیا تھا!" اس کی بات مکمل ہو جانے کے بعد میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔
"اس نے یہاں سے بھاگ کر بڑی غلطی کی ہے۔ وہ یہاں بہت مضبوط پوزیشن کا حامل ہے۔ کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔"
"آدمی پر برا وقت آتا ہے تو اس سے پے در پے غلطیاں ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اب سوبھراج کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"
"مجھے صدمہ ہوا ہے۔ ویرا خطرناک عورت ہے۔ اسے ایک لمحے کا رسک بھی نہیں لینا چاہیے تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ آیا ہوا خزانہ گنوا دیا۔"
"سوبھراج تمہاری صفوں کا بہت اہم آدمی تھا۔ اس نے تمہیں دغا دی ہے۔ اس سے بہتر میں ہوں کہ میں نے تمہیں ڈینی کے بارے میں صاف صاف بتا دیا ہے۔ اب اس کے بارے میں فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ میں غیر معینہ مدت تک تمہارے فیصلے کا انتظار نہیں کروں گا۔"
"رات کے واقعے کی تصدیق ہونے کے بعد میں نے سنجیدگی سے تمہاری شرائط پر غور کرنا شروع کر دیا ہے۔ تم ہر طرف سے سوبھراج کو گھیرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ تم نے اس کی طرف سے میرا دل بھی کھٹا کر دیا ہے۔ اس کے لیے

کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔"
"میں نے کچھ نہیں کیا۔ تم کو حقائق بتائے تھے۔ مجھے تمہارا دل کھٹا یا میٹھا ہونے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ یہ تمہاری صوابدید کا معاملہ ہے کہ اب تم اسے اپنے گینگ میں کس مقام پر رکھتے ہو۔ میری ہٹ لسٹ پر اس کا نام سرفہرست ہے۔ اسے گھیرنے میں تم میری مدد کر سکے تو اس کے نتائج تمہارے لیے سود مند ثابت ہوں گے۔"
"اب میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ سوبھراج کے خلاف گنتی شروع ہو گئی ہے۔ میں جلد ہی کوئی نہ کوئی فیصلہ کر لوں گا۔"
"تم نے یہ کال کر کے میرے دل میں گنجائش پیدا کر لی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے دنوں میں ہم ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ چل سکیں!" میں نے اسے امید دلائی۔
"تم یہاں سے باہر جانے پر آمادہ نہیں ہو تو تمہارے لیے یہاں جگہ پیدا کی جائے گی۔ مجھے کام کے آدمی کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔"
اس نے کھل کر یہ نہیں کہا تھا کہ سوبھراج کی دغابازی کا راز کھلنے کے بعد اس کی جگہ خالی ہونے والی تھی۔ اس سے پہلے بھی وہ مجھے اشاروں کنایوں میں یہ جتانے کی کوشش کر چکا تھا کہ اگر میں ان لوگوں کے ساتھ کام کرنے کا فیصلہ کر لوں تو وہ مجھے ایک بڑا مقام دے سکتا تھا۔
میں کسی کے دل کا حال جاننے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ میری نپی تلی رائے تھی کہ نک مجھے اپنے ساتھ ملانے کی سر توڑ کوششیں کر رہا تھا۔ وہ میری اصلیت سے نابلد تھا البتہ کرنل داور کے روپ میں میری کارکردگی سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ اسے آدمی کی ضرورت تھی۔ سوبھراج کے ہٹائے جانے کے بعد اسے فوری طور پر وہ خلا پورا کرنا تھا۔ اشارے کچھ اس طرح مل رہے تھے جیسے وہ مجھے سوبھراج کی جگہ لانے کے بارے میں سوچ رہا ہو۔
وہ اس کے سوچنے کا انداز تھا۔ میں بھی اپنی لچھے دار باتوں سے اسے آس دلا رہا تھا لیکن میری سوچ اس سے بہت مختلف تھی۔ میں اس کو شیشے میں اتار کر اپنا کام نکالنے کا خواہاں تھا۔ میں غداروں اور سازشیوں کے اس ٹولے میں کسی قیمت پر بھی شامل نہیں ہو سکتا تھا۔
سوبھراج کے بارے میں مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس کا ماضی کسی بھی طرح قابل رشک نہیں تھا۔ اس نے تیسرے درجے کے ایک بدمعاش کے طور پر ہوش سنبھالا تھا۔ غنڈا گردی کے اسی دور میں اس کا سیاسی شعبدہ بازوں سے میل جول ہو گیا اور اس نے بدمعاشی کی سیاست کی داغ بیل ڈال کر رفتہ رفتہ وہ مقام حاصل کر لیا جہاں وہ ان دنوں فائز تھا۔ دولت کی چکا چوند نے لوگوں کی نگاہیں اس حد تک خیرہ کیں کہ وہ سوبھراج کے ماضی کو یکسر فراموش کر چکے تھے اور اسے ایک معزز سیاسی لیڈر تسلیم کرنے لگے تھے۔
یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ سوبھراج کا امریکی ایجنسیوں سے کب رابطہ ہوا ہو گا۔ وہ لوگ لمبی مدت کے منصوبوں پر کام کر رہے تھے اور ہر ملک میں ابھرنے والی قیادت پر گہری نگاہ رکھتے تھے تاکہ ضرورت پیش آنے پر ان میں سے اپنے کام کے آدمی چن سکیں۔
سوبھراج اپنے داغ دار ماضی اور اقلیتی برادری کی بنا پر امریکی ایجنٹوں کے لیے آسان شکار تھا۔ کسی وقت اسے منتخب کر لیا گیا۔ یہ یقینی بات تھی کہ اس نے اپنے کام کی ابتدا نچلی سطح سے کی ہو گی لیکن طویل رفاقت کے بعد وہ اس حد تک امریکیوں کا دل جیتنے میں کامیاب ہو گیا کہ رفتہ رفتہ کوبرا کے مقام تک جا پہنچا تھا جہاں وہ پورے پاکستان میں پھیلے ہوئے مخبری کے جال کا سربراہ تھا۔ پوری فیلڈ فورس اس کے احکام کی تابع تھی اور وہ صرف دو چار بڑے امریکی گوروں کو جواب دہ تھا۔
ٹام اور نک کے لیے یہ واقعی صدمے کی بات تھی کہ ان سے پہلے آنے والوں نے برسوں میں پال پوس کر جس شخص کو ایک بڑے منصب پر فائز کیا تھا وہ ان کے دور میں خود غرض اور دغاباز ثابت ہو رہا تھا۔ سوبھراج ان کی ناک کا بال تھا۔ وہ میرے یا کسی اور کے مطالبے پر اپنے اس مہرے کو اس کی جگہ سے ہلانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے پھر ان کے سامنے ڈینی کا معاملہ آگیا۔ سوبھراج کے بدلے ڈینی کا سودا ان کے لیے شاید قابل غور ضرور تھا لیکن کسی بھی طرح پرکشش نہیں تھا۔ وہ ایک بڑے دشمن کو زیر کرنے کی خاطر اپنے ایک اہم ترین ہمدرد اور خیر خواہ سے دست کش ہونے کے لیے تیار نہیں تھے۔ سوبھراج نے ویرا کے معاملے کو نک اور ٹام سے پوشیدہ رکھ کر خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری تھی۔
اگر میں سوبھراج سے چھیڑ چھاڑ نہ کرتا تو میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوتا کہ وہ ویرا کے بارے میں کیا سوچ رہا تھا۔ میری طرف سے بدنام کیے جانے کی دھمکیوں سے ڈر کر پہلے اس نے اول خان کو اپنا ہدف بنانے کی دھونس دی اور پھر ویرا کو یرغمال بنا لیا۔ اپنی نام نہاد شہرت کو بحال رکھنے کے لیے اسے ایسے ہی کسی مضبوط سہارے کی تلاش تھی۔

یہ سوبھراج کی کھلی بد نصیبی تھی کہ ویرا کے ذریعے مجھے بھی پکڑنے کے چکر میں وہ ویرا سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ ویرا کی آزادی کے بعد سوبھراج اپنے مضبوط سہارے سے محروم ہو چکا تھا اور مجھے کھلی چھوٹ مل گئی تھی۔

میرے انکشاف پر نک کو یقین نہیں آ سکا تھا کہ سوبھراج نے ویرا کے معاملے میں اسے اندھیرے میں رکھ کر دھوکا دیا ہو گا۔ اس خبر کی تصدیق ہونے کے بعد سوبھراج پر امریکی حمایت کے دروازے شاید بے رحمی سے بند ہو چکے تھے اور کسی بھی لمحے ان کی طرف سے سوبھراج کا ہانکا شروع ہو سکتا تھا۔

امکان یہ بنتا نظر آ رہا تھا کہ وہ سوبھراج کو براہِ راست کوئی سزا دینے کے بجائے اسے میری پیش کش کا ایندھن بنانے کی کوشش کریں گے۔ اس مرحلے پر انہیں سوبھراج کے عوض، کرنل داور سے ڈینی مل جاتا تو ان کا سراسر خسارہ بہت بڑے فائدے میں تبدیل ہو سکتا تھا۔ ان کی سوچ کے حساب سے سوبھراج کو کرنل داور کے ہاتھوں اپنے کیے کی بھیانک سزا مل جاتی اور وہ کرنل داور سے ڈینی کو لے کر اپنا انتقام پورا کر لیتے۔

یہ سب کیسے ہوتا، اس میں سے کیا ہوتا اور کیا نہ ہوتا، یہ سب بعد کی باتیں تھیں۔ نک کسی بڑی مجبوری کی وجہ سے تھائی لینڈ میں سوبھراج کے خلاف کوئی کارروائی کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ سب سے پہلے یہ دیکھنا تھا کہ وہ لوگ سوبھراج کو تھائی لینڈ سے پاکستان واپس لانے کے لیے کیا کرتے تھے۔ ایک بار وہ خبیث پاکستان لوٹ آتا تھا تو پھر ہمیں نک وغیرہ پر سر کھپانے کی کوئی ضرورت نہ رہتی۔ سرکاری طور پر ملے ہوئے وی آئی پی پروٹوکول کے باوجود ہم اپنے وسائل سے کام لے کر، کسی نہ کسی طرح اسے کیفرِ کردار تک پہنچا سکتے تھے۔

واپسی پر اسٹرائیک یونٹ والوں نے مجھے گھر پہنچانے کی پیشکش کی لیکن مسئلہ وہی تھا کہ اس عجوبۂ روزگار بکتر بند گاڑی پر بلاوجہ ہر ایک کی نظریں اٹھتی تھیں۔ اس ہیبت ناک گاڑی کو راج محل والوں نے پسند کیا تھا، نہ میں اپنے گھر لے جانا پسند کرتا تھا۔ میں یونیورسٹی روڈ پر اپنے گھر کے قریب گاڑی سے اتر گیا۔ سڑک پار کر کے میں چند منٹ میں اپنے گھر پہنچ سکتا تھا۔

میں اپنی اس مہم کے نتائج کے بارے میں کوئی پیشگی رائے قائم کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا لیکن کامیابی کے امکانات روشن نظر آ رہے تھے۔ واپسی میں موصول ہونے والے نک کے فون نے ان مثبت امکانات کو بہت زیادہ تقویت دی تھی۔

میں راستہ ناپتا ہوا گھر واپس پہنچا تو وہاں میدان صاف تھا۔ میری توقع کے برعکس اول خان کہیں اور مصروف تھا۔

✪✫✪

شام کو اول خان اپنے روزمرہ کے معمولات سے فارغ ہو کر ہماری طرف آیا تو وہ بہت مضمحل اور اداس نظر آیا۔

”کیا بات ہے۔ اس وقت تم بالکل دیوداس نظر آ رہے ہو۔“ سلام دعا کے بعد میں نے تمسخرانہ لہجے میں اس سے پوچھا۔

”زندگی بے کیف لگ رہی ہے۔ کسی کام میں دل نہیں لگ رہا۔“ وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا ”تم سوبھراج کے نوکروں سے معافی مانگنے گئے تھے۔ انہوں نے تمہیں معاف کر دیا یا ابھی بھی ناراض ہیں؟“

”اوہو..... تو یوں کہو کہ تمہارے چیف کی جواب طلبی نے ابھی تک تمہاری طبیعت مکدر کی ہوئی ہے۔“ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بے تکلفی سے کہا ”یار! اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنے دل پر نہ لیا کرو۔ تم عملی آدمی ہو۔ بعض اوقات زندگی کے حقائق اس سے بھی زیادہ تلخ اور سفاک ہوتے ہیں۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تم سے جواب طلب کرنے سے پہلے چیف.... تم سے زیادہ کرب سے گزرا ہو گا کیونکہ وہ بھی کسی کو جواب دہ ہے۔“

”جب کوئی اَن ہونی بات ہوتی ہے تو زندگی بالکل روکھی، پھیکی اور بے روح محسوس ہونے لگتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر بَن باس لے لیا جائے۔ اس سے زیادہ تکلیف دہ بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ امن اور قانون کے پاس داروں کو بدمعاشوں اور مجرموں کے پاس حاضری دینا پڑے۔“

”تمہیں دل گرفتہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے راج محل میں جانے کے لیے ایک بہانہ چاہیے تھا۔ تمہارے باس نے مجھے وہ موقع فراہم کر دیا۔ مجھے وہاں ایک بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔“

کامیابی کے ذکر پر اول خان کی آنکھیں چمک اٹھیں ”کامیابی!“

”ہاں..... میں نے ارجن کمار کے قاتل کو پہچان لیا ہے۔ وہ سوبھراج کا دست راست ہے۔“

”شاید تم سنیل کی بات کر رہے ہو۔“ ویرا بولی ”وہ بدشکل یا ہیبت ناک نہیں ہے لیکن اپنی سرد آنکھوں سے

سفاک قاتل معلوم ہوتا ہے۔ خوش مزاجی کے عالم میں بھی اس کی نظریں مجھے اپنے وجود میں اندر تک اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں مگر وہ بہت ڈھیٹ اور پکا معلوم ہوتا ہے۔"

"بلیک کیٹس کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ وہ مر جاتے ہیں لیکن اپنی زبان نہیں کھولتے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا "مگر تم نے دیکھا کہ زندگی کے راستے بند پا کر گوپال نے اچانک سب کچھ بتانا شروع کر دیا تھا۔ سنیل اس سے زیادہ پکا نہیں ہو سکتا۔"

میں نے ان دونوں کی باتوں پر زیادہ دھیان نہیں دیا۔ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ لفظ کامیابی نے اول خان کے مزاج پر حیرت ناک اثر ڈالا تھا۔ اس کے چہرے پر چھائی ہوئی اداسی اور لاتعلقی یکایک کافور ہو چکی تھی اور وہ ہشاش بشاش نظر آنے لگا تھا۔

"تمہیں اس پر شبہ ہو گیا تھا تو تم کو اسے اپنے ساتھ لے آنا چاہیے تھا۔" اول خان نے دھیرے سے کہا۔

"اس وقت میں خیرسگالی کے مشن پر گیا تھا۔ ایسا کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں تھا۔ سوبھراج کی واپسی تک یہاں حالات کو جوں کا توں رہنا چاہیے۔ کوئی گڑبڑ ہوئی تو وہ واپسی کا ارادہ ملتوی کر دے گا۔ دنیا بہت وسیع ہے۔ وہ کچھ عرصے کے لیے کہیں بھی جا کر روپوش ہو سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن اپنے سیٹلائیٹ فون کی وجہ سے وہ ہر وقت آپ کی دسترس میں رہے گا۔" غزالہ نے ہنس کر یاد دلایا۔

"مجھے امید ہے کہ اب نک بھی اسے واپس لانے کے لیے اپنی کوششوں کا آغاز کر دے گا۔ ایک دو روز میں اس کا نتیجہ سامنے آ جانا چاہیے۔" میں نے امید ظاہر کی۔

"یہاں سے جانے سے پہلے تک تو وہ متذبذب تھا۔" ویرا نے حیرت سے کہا۔

"ویرا والے قصے کی تصدیق کرنے کے بعد اس کا سارا تذبذب ختم ہو گیا۔ اب وہ غم و غصے کی حالت میں ہے۔"

"تو کیا تمہارا اس سے دوبارہ رابطہ ہوا ہے؟"

"ابھی راستے میں اس کا فون آیا تھا۔ اس نے ذرا سی دیر میں اس واقعے کے بارے میں سارے حقائق معلوم کر لیے تھے۔"

"نک سے تمہاری کیا بات چیت چل رہی ہے۔ مجھے یہ پتا نہیں چل سکا کہ دوسری بار تمہاری اور اس کی کیا گفتگو ہوئی تھی۔"

اس وقت میرے لیے اول خان کی دل جوئی زیادہ عزیز تھی۔ میں نے گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں اسے بریف کرنا شروع کر دیا۔

سب ہی خاموشی اور انہماک سے وہ باتیں سنتے رہے۔ کسی نے دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔

"یہ ہے امریکی ذہنیت!" میرے خاموش ہو جانے پر ویرا نے پرزور انداز میں کہا "ان کو تو اپنے سوا کسی پر بھروسا نہیں ہوتا۔ یہ ڈالر بانٹنے میں فراخ دل ہوتے ہیں۔ اندر سے تنگ ظرف ہوتے ہیں۔ ان کے لیے کام کرنے والا ہر شخص خود کو ان کا منظور نظر سمجھتا ہے مگر یہ ہر ایک کو اپنی ٹھوکر پر رکھتے ہیں۔ ایک کو دوسرے کے پیچھے لگاتے رہتے ہیں۔ سوبھراج سوچ بھی نہیں سکتا ہوگا کہ اس کا کوئی ادنیٰ سا ملازم نک وغیرہ کو اس کے بارے میں خفیہ رپورٹیں دیتا ہے۔"

"ان کا یہ طریقہ کار کتنا ہی خراب ہو' اس وقت ہمارے لیے سودمند ثابت ہوا ہے۔" غزالہ بولی "ایسی کسی تصدیق کے بغیر نک ان کی باتوں پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ اپنی بات پر قائم رہا تو سوبھراج جلد ہی پاکستان میں نظر آئے گا۔"

"میرا یہ خیال ہے کہ راج محل والوں نے پیچیرو کے بارے میں پولیس کو جو کہانی سنائی ہے اس میں بہت جھول ہے۔ پولیس ذرا سی محنت کرے تو اس کہانی کی دھجیاں اڑا سکتی ہے۔" سلطان شاہ اس وقت کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

"جب تک سوبھراج کو دیا ہوا پروٹوکول ختم نہیں کیا جاتا' کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ جانتے بوجھتے ہوئے بھی کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ کیس پولیس کے گلے کی ہڈی بنا ہوا ہوگا۔ معاملہ قتل کا ہے۔ وہ فائل بند کر سکتی ہے نہ آزادی سے تفتیش کر سکتے ہیں۔" اول خان نے اپنا تجزیہ پیش کر دیا۔

"اس وقت کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے زور دے کر کہا "ایک بار وہ پاکستان لوٹ آئے تو پھر سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت اسے اندازہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہاں کی فضا اس کے لیے تیزی سے خراب ہوتی جا رہی ہے۔ میں نے راج محل جا کر اسی سمت میں کام کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"پھر تمہیں سنیل سے ارجن کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہیں کرنی چاہیے تھی۔" ویرا نے نشان دہی کی۔

"وہ سوال ناگزیر تھا۔ ارجن کے نام پر سنیل کا ردعمل دیکھنے کے بعد مجھے بھی احساس ہوا تھا کہ وہ بات الٹی پڑے گی۔ میں نے اپنے سوال کی اہمیت گھٹانے کی خاصی کوشش

کی تھی۔ دیکھنا ہے کہ اب آگے کیا ہوتا ہے۔ سوال کرنے کے بعد اسے لوٹانا ناممکن تھا۔"

"یہی ہوتا ہے۔" ویرا نے اس بار تائید کی "ہمیں ہر بات کے ردِعمل کا پہلے سے اندازہ نہیں ہوتا۔ تالاب میں کنکر پھینکنے کے بعد ہی اندازہ ہوتا ہے کہ اٹھنے والے لہریے کنارے تک آئیں گے یا پھر درمیان میں ہی تحلیل ہوجائیں گے۔"

"تم راج محل کی سیر بھی کر آئے۔ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ اب صرف انتظار کرنا ہے اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ اوپر سے پولیس والوں کو کیا احکام ملتے ہیں۔"

"پولیس سے تم زیادہ توقعات وابستہ نہیں کر سکتے۔ انہیں چھوٹ مل جائے پھر بھی وہ سوبھراج کے اثر و رسوخ اور دباؤ سے نہیں بچ سکیں گے۔ یہ ان کی مجبوری ہوتی ہے۔" اول خان نے کہا۔

"مجبوری کے ساتھ تم ان کی ضروریات کو بھول رہے ہو۔" ویرا نے تمسخرانہ لہجے میں دخل اندازی کی "مشہور ہے کہ ان میں پیسہ چلتا ہے۔ ان کی تنخواہیں اتنی قلیل ہیں کہ سب نہیں تو بیشتر پولیس والے تھوڑی سی پُر آسائش زندگی گزارنے کے لیے بھی رشوتیں قبول کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ہمارے حریف کے پاس پیسہ بھی ہے اور تعلقات بھی۔ پولیس والے اس دو طرفہ دباؤ کا مشکل ہی سے مقابلہ کر سکیں گے۔"

"کیا امریکا میں رشوت بالکل نہیں لی جاتی؟" سلطان شاہ کو اپنی پولیس کی برائی پسند نہیں آئی۔

"لی جاتی ہے مگر بہت کم....." ویرا نے مثبت انداز میں جواب دیا "وہاں بلکہ دنیا کے ہر مہذب ملک میں تمام سرکاری ملازموں اور خاص طور پر قانون کے رکھوالوں کو معقول تنخواہیں دی جاتی ہیں اس کے باوجود بعض حریص افسر کبھی کبھار رشوت لے لیتے ہیں اور منہ بھر کر لیتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ہے تو اس کا حشر خراب ہوجاتا ہے۔ اس سے سارا کھایا پیا اگلوا لیا جاتا ہے۔"

"یہ سب خوبیاں وسائل سے پیدا ہوتی ہیں۔" غزالہ ناصحانہ انداز میں بولی "وسائل کے بغیر کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دعا کرو کہ پاکستان میں وافر مقدار میں تیل یا سونا نکل آئے تو ہر طرف خوش حالی کی لہر آجائے گی اور ساری خرابیاں خود بخود دور ہوجائیں گی۔"

باتیں چلتی رہیں۔ رفتہ رفتہ اول خان کا موڈ بھی بہتر ہو چکا تھا۔ وہ ہم سب کی باتوں میں سرگرمی سے حصہ لے رہا تھا۔

اسی دوران میں ڈور بیل بجی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس وقت کون آیا تھا۔ جب سے اول خان نے اپنے دو آدمیوں کو ہمارے گھر پر مامور کیا تھا' چھوٹے موٹے کاموں کی ذمے داری سلطان شاہ کے سر سے ٹل گئی تھی۔ ان میں سے کسی نے دروازہ کھولا تو میرے کانوں میں جلال کی آواز آئی۔

"چلے آؤ! یہاں کوئی پردہ دار نہیں رہتا۔" میں نے اس کے استقبال کے لیے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے ہانک لگائی اور اس کی ہنسی کی آواز قدم بہ قدم قریب تر آنے لگی۔

وہ ہنستا مسکراتا ہوا ہمارے ساتھ آملا۔ ہر ایک نے اس کی غیر متوقع آمد پر گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔

"تم پہلے سے کسی اطلاع کے بغیر کیسے کراچی آگئے؟" ویرا نے شوخی سے سوال کیا۔

"تم کراچی والے ہمیں چین سے کہاں بیٹھنے دیتے ہو۔ اچانک دوڑ لگانی پڑ گئی۔ گوپال نے کچھ اہم باتوں کا ذکر شروع کردیا ہے۔" اس نے انکشاف کیا۔

"تو کیا گوپال ابھی تک کراچی میں ہے؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"اس قماش کے قیدیوں کے لیے اس وقت ہمارے پاس صدف مینشن سے بہتر کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔"

"اسلام آباد میں شاید کوئی موزوں عمارت دستیاب نہ ہو لیکن پنڈی میں بہتیری آسیبی عمارتیں موجود ہیں جہاں گھستے ہوئے آدمی کا دم نکلتا ہے۔ گوپال کے لیے یہاں تک آنے کے بجائے تم اسے پنڈی بلوا سکتے تھے۔" میں نے اول خان کی طرف داری کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں!" جلال نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا "صدف مینشن میں قدرتی طور پر وہ سارے عناصر اور عوامل موجود ہیں جو قیدیوں کو آسانی سے اعصاب زدہ کردیتے ہیں۔ کچھ دنوں میں پنڈی میں بھی اس کا متبادل تیار ہوجائے گا۔ یہ سناؤ کہ یہاں کے کیا حالات چل رہے ہیں۔ آخر کار سوبھراج کے اونٹ کو پہاڑ تلے لے ہی آئے ہو۔"

"کسی کی بدنصیبی اس کا پیچھا کر رہی ہو تو ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "سوبھراج کے ایک غلط فیصلے نے پورے کھیل کا رخ بدل کر رکھ دیا ہے اور آج میں نے تمہاری تجویز پر عمل کر ڈالا ہے۔"

"میری کونسی تجویز تھی؟" اس کی جواب طلب نظریں

میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

"کرنل داور اور ایس ٹی ایف کے نمائندے کی حیثیت سے راج محل گیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

"خوب! تم لوگ ہر کام میں تیزی دکھانے کے قائل ہو۔ اسلام آباد میں بیٹھ کر میرے لیے یہ یقین کرنا دشوار تھا کہ سوبھراج جیسا مضبوط آدمی گھبرا کر بھاگ گیا ہوگا۔ فون پر ساری باتیں نہیں ہو پاتیں۔ ذرا یہ بتاؤ کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اس وقت یہاں کورم بھی پورا ہے۔ چائے کی ایک پیالی آجائے تو تمہاری قصہ گوئی کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔"

"چائے آرہی ہوگی۔ قصہ بھی سن لینا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ سوبھراج کے سلسلے میں اسلام آباد میں کیا ہو رہا ہے؟"

"وہاں شدید بحران آیا ہوا ہے۔ سوبھراج کی لابی پوری طرح سرگرم ہے۔ چشم دید گواہ کے ابتدائی بیان اور راج محل والوں کی کہانی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سوبھراج کی لابی اس واقعے کو مخالف پارٹی کی سازش قرار دینے پر تلی ہوئی ہے۔ ان کا اصرار ہے کہ گواہ کا دماغی معائنہ کرایا جائے۔ وہ فاترالعقل ہے......"

"میرا دل کہہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ یہی ہوگا۔" ویرا اس کی بات کاٹ کر بول پڑی "سوبھراج کے حامیوں کی بات مان لی گئی تو اس بے چارے کو ذہنی مریض قرار دے کر کسی پاگل خانے میں سڑا دیا جائے گا اور کوئی اس کا پرسانِ حال نہیں ہوگا۔"

"راج محل سے سوبھراج کی جانب سے اخبارات کو فیکس پر ایک بیان بھیجا گیا ہے۔ اس میں چند مذہبی قسم کے سیاسی رہنماؤں کو ہدف بنا کر ان کے خلاف عامیانہ زبان استعمال کی گئی ہے۔" ویرا کی بات سن لینے کے بعد جلال نے اپنی بات آگے بڑھائی "اس کا کہنا ہے کہ مذہبی منافرت کی وجہ سے اس کے خلاف اسکینڈل تیار کیا گیا ہے تاکہ اس کے حریفوں کو میدان خالی مل سکے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے سیاسی لڑائی میں اصل قصہ پس پشت رہ جائے گا۔"

"تم نے وہ بیان تو دیکھا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ لو۔ تم بھی پڑھ لو۔" جلال نے اپنی جیب سے تہ کیے ہوئے کاغذ نکال کر میری طرف بڑھا دیے۔

وہ دو صفحات پر پھیلا ہوا تفصیلی بیان تھا جس کی ابتدا میں سوبھراج نے اپنی خدمات گنوانے کے بعد یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اس کے سیاسی مخالفین کو یہ گوارا نہیں ہے کہ ایک غیر مسلم ملک و قوم کی خدمت کے میدان میں سب کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جائے اس لیے وہ آئے دن اس کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ اس مذموم مہم میں متعصب مذہبی رہنما ان کی پشت پناہ تھے۔ اس مردود نے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے اس بیان میں بعض قابلِ نفرت باتیں بھی شامل کردی تھیں۔ آخر میں بجیرو کے بارے میں بالکل وہی موقف اختیار کیا گیا تھا جو میں سنیل کی زبانی سن چکا تھا۔

اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا گیا تھا کہ کچھ نامعلوم لوگوں نے سازش کے تحت اس کی بجیرو پر قبضہ کیا مزاحمت کرنے پر ایک ملازم کو مار کر دوسرے کو بے ہوش کر دیا۔ گارڈن روڈ پر ان کا اپنے کسی حریف سے آمنا سامنا ہو گیا۔ فائرنگ کے تبادلے کے بعد وہ گاڑی چھوڑ کر فرار ہو گئے۔

اس بیان میں ویرا کا سرے سے کوئی ذکر نہیں تھا!

میں جتنی دیر تک وہ بیان پڑھتا رہا' ویرا اور اول خان نے جلال کو وہ سب باتیں بتا ڈالیں جو اس کے علم میں نہیں تھیں۔

میں نے وہ کاغذ اول خان کی طرف بڑھائے تو جلال دوبارہ میری طرف متوجہ ہو گیا "یہ واقعہ اچانک اور غیر متوقع طور پر پیش آیا اس لیے بے ہوش ہونے والے کو یہ علم نہیں ہو سکا کہ اس معاملے میں سوبھراج کیا چاہتا ہے۔ اس نے پولیس کو چار آدمیوں اور ایک سفید فام لڑکی کی کہانی سنائی ہے۔"

"اس کا بہترین توڑ یہ ہے کہ ویرا کی طرف سے ایک بیان اخبارات کو جاری کر دیا جائے۔" سلطان شاہ نے تجویز پیش کی۔

"اخباری لڑائی سے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ہمیں اپنی توجہ حقائق پر مرکوز رکھنی چاہیے۔" جلال نے رائے دی "سوبھراج نے بوکھلاہٹ میں پاکستان سے فرار ہو کر سخت غلطی کی ہے اور اپنا کیس مزید کمزور کر لیا ہے۔"

"یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اسے یکایک فرار کی کیا سوجھی تھی۔" میں نے الجھن بیان کی۔

"اس نے بڑے دعوے اور طمطراق سے ویرا کو اپنی قید میں رکھا تھا۔" اول خان نے پرخیال انداز میں کہا "وہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ ویرا چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر اس کے ہاتھوں سے نکل جائے گی۔ وہ اپنے بچ جانے والے دونوں آدمیوں کی رپورٹ سن کر خوف زدہ ہو گیا۔ اسے اندیشہ ہوا ہو گا کہ جو لوگ ایک بھری ہوئی سڑک پر دیدہ دلیری سے بجیرو کو روک کر ویرا کو چھڑا سکتے ہیں وہ اس پر حملہ کرنے کی کوشش بھی کر سکتے ہیں۔ اپنے بقیہ دو آدمیوں کے بارے میں

اس نے فرض کرلیا ہوگا کہ وہ مارے گئے۔ وہ کچھ دیر تک شہر میں رک کر اصل واقعات کا پتا چلا لیتا تو شاید یوں میدان چھوڑ کر نہ بھاگتا....“

”یہ سب دل بہلانے کی باتیں ہیں۔“ جلال نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اصل بات یہ ہے کہ جس پر برا وقت آتا ہے اس کی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ سوبھراج فرار نہ ہوتا تو اس وقت اس کی پوزیشن اتنی خراب نہ ہوتی۔ اس کے سارے حمایتی مل کر بھی وہ کام نہیں کرسکتے جو وہ تن تنہا کرسکتا تھا۔“

”پھر اسلام آباد میں کیا فیصلہ ہونے کی امید ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”وہاں مذاکرات کے ساتھ پس پردہ سرگرمیاں بھی پورے زور و شور سے جاری ہیں۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔“

”اگر حالات جوں کے توں رہتے ہیں تو تم اسی طرح الگ تھلگ رہو گے؟“

”مجبوری ہے۔ تمہارے ذہن میں کوئی متبادل راہ آتی ہو تو وہ بتا دو۔ میں اس پر چل پڑوں گا۔“

”اب میری ہر امید صرف نک سے وابستہ ہے۔“ ویرا نے اعلان کیا ”وہ چاہے گا تو سوبھراج سر کے بل پاکستان واپس آئے گا۔“

”ایک بار وہ پاکستان آجائے تو پھر یہ کیس تمہارا ہوگا۔“ میں نے جلال سے کہا ”وہ غدار ہے اور غداروں کی سرکوبی تمہارا فرض ہے۔“

”ہمیں سب کچھ معلوم ہے لیکن ہمارے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔“ جلال نے بے چارگی سے کہا ”ثبوت کے بغیر تم اس کی گردن ناپ سکتے ہو، ہم اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔“

”ثبوت چاہتے ہو تو راج محل سے سنیل کو اٹھوالو۔ چار چوٹ کی مار پڑے گی تو وہ مان لے گا کہ سوبھراج کے حکم پر اس نے ارجن کو مارا تھا۔ اپنے اس ایک جرم پر وہ دونوں پھانسی کے پھندے تک پہنچ سکتے ہیں۔“

”ہمیں پہلے ثبوت درکار ہوگا۔ اس کے بعد ہم راج محل کا رخ کرسکیں گے۔ یہ بھی آسان نہیں ہوگا۔ ہمیں اس صورت میں بھی کلیرنس لینی پڑے گی۔“ جلال نے رسانیت سے کہا ”کلیرنس لینے کے لیے ہمیں پہلا ثبوت درکار ہے۔ اس کے بعد ہم سنیل تو کیا سوبھراج سے بھی سب کچھ اگلوالیں گے۔“

میں خالی الذہنی کے عالم میں اس کا چہرہ تکتا رہا پھر اچانک میرے ذہن میں ایک خیال کوندا بن کر لپکا۔ میں نے پرجوش لہجے میں کہا ”شاید ہماری عقلوں پر بھی پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ثبوت تمہارے پاس ہے۔ تم جب چاہو اُسے غداری کے الزام میں پکڑ سکتے ہو۔“

”تمہیں ایسی کیا بات یاد آگئی کہ جوش سے سرخ ہوئے جارہے ہو!“ ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”سامنے کی باتیں ہیں، بار بار دہرائی جارہی ہیں مگر ہم انہیں بھولے ہوئے ہیں۔ وہ پاکستان سے اس لیے نہیں بھاگا کہ اسے اپنے اوپر حملہ ہونے کا خوف تھا۔“ میں نے اسی لہجے میں ویرا کو جواب دیا ”وہ ہر قیمت پر میری زبان بند رکھنی چاہتا تھا۔“

”ہاں۔“ ویرا نے سرسری انداز میں کہا ”یہ بات مجھ سمیت سب کو یاد ہے۔ کوئی بھی اسے نہیں بھولا۔“

”اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے پہلے اس نے دھمکی دی تھی کہ میں نے اس سے محاذ آرائی جاری رکھی تو وہ اول خان کو مروا دے گا۔ اس کے بعد تم بہت زیادہ بہادر بن کر اس کے انٹرویو کے لیے جا پہنچیں تو اس کی گھاگ نظروں نے تمہیں پہچان لیا۔ تمہیں پکڑ لینے کے بعد اس کی پوزیشن بہت مستحکم ہوگئی۔ میں نے مقررہ وقت پر اسے فون کیا تو تم اس کی قیدی بن چکی تھیں۔ اس بار اس کی دھمکی تبدیل ہوگئی۔ اس نے کھل کر کہا کہ میں نے اس کے خلاف لب کشائی کی تو وہ تمہارا حشر خراب کردے گا۔“

”مجھے یہ بھی یاد ہے۔ تم ان باتوں کو کیوں دہرا رہے ہو؟“ گفتگو میرے اور ویرا کے درمیان محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ دوسرے افراد خاموشی اور حیرت سے ہمارے مکالمے سن رہے تھے۔

”اس کے لیے کسی اور بات کی اہمیت نہیں تھی لیکن میں یہ راز جان چکا تھا کہ وہ سوبھراج سے کوبرا کس طرح بنتا تھا۔ یہ بات پھیلتے ہی اس کی ساری عزت اور ساکھ خاک میں مل جاتی۔ وہ قد آور سیاسی رہنما کے رتبے سے غدار وطن کی پوزیشن میں آجاتا۔ تمہارے فرار کی خبر سنتے ہی اسے ہول آنے لگے ہوں گے کہ وہ میرے مقابلے میں نہتا رہ گیا تھا۔ مجھے خاموش رکھنے کے لیے اس کے پاس کوئی ہتھیار باقی نہیں رہا تھا۔ میں شہر بھر بلکہ ملک بھر میں اس کا بھانڈا پھوڑ دوں گا۔ وہ یہاں سے بھاگ گیا۔“

میں دوسروں کو کیا کہتا، افراتفری اور پریشانی کی وجہ سے وہ بات اسی وقت میری سمجھ میں آئی تھی۔ میرا اندازہ تبدیل

ہو گیا۔ بات سمجھ میں آنے کے بعد یہ بھی اندازہ ہونے لگا تھا کہ وہ اپنے خاصے اثاثے سمیٹ کر اپنے ساتھ لے گیا ہوگا۔ سنیل نے مجھے بتایا کہ اس کے اہل خانہ گاؤں گئے ہوئے تھے۔ مجھے وہ بیان بھی مشتبہ نظر آنے لگا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ لوگ بھی بعد کی کسی پرواز سے پاکستان سے باہر نکل گئے ہوں گے۔

سوبھراج کے نکتہ نظر سے یہ بات قیامت سے کم نہ ہوتی کہ میں اس کے کوبرا ہونے کا راز فاش کردیتا۔ اس کے چنگل سے ویرا کی آزادی کے بعد میرے اوپر سوبھراج کا ایسا کوئی دباؤ باقی نہیں رہا تھا۔ جو مجھے اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور کرتا۔

"مجھے پوری بات بتاؤ۔ میں اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دوں گا۔" مجھے خاموش پا کر جلال نے ہیجانی آواز میں ٹوکا۔

"وہ کوبرا بن کر را کے ایجنٹوں اور پھر بلیک کیٹس کو کھلی مدد اور رہنمائی فراہم کررہا تھا۔ اس کا بہترین گواہ گوپال ہے جو اس وقت تمہاری قید میں ہے۔" اس بار میں براہِ راست جلال سے مخاطب ہو گیا "تم سوبھراج کو نقاب پوش بنا کر اسے گوپال کے سامنے لے جاؤ گے تو وہ اسے کوبرا کی حیثیت سے پہچان لے گا۔ اس کے چہرے پر داڑھی لگا کر اسے ارجن کے ہوٹل میں لے جاؤ گے تو سب لوگ اسے حشمت سمجھ کر دور سے سلام کریں گے۔ وہ تین نام ہیں مگر شخصیت ایک ہی ہے۔"

"تمہاری بات واضح ہے۔" جلال نے میری بات پوری ہونے سے پہلے کہا "ارجن کیس کے سلسلے میں حشمت کا نام پولیس کے ریکارڈ پر ہے۔ اس کا فیصل آباد کا پتا جعلی ثابت ہوا تھا۔ اس کی گردن میں شکنجہ ڈالنے کے لیے اس کا یہی ایک جرم کافی ہوگا۔ باقی باتیں وہ خود اگل دے گا۔ اب مجھے اس کے خلاف کلیرنس مل جائے گی۔ میں داڑھی کے ساتھ اس کی تصویریں بنوا کر ہوٹل کے عملے سے شناخت کروالوں گا۔"

"میں اس مشق سے گزر چکا ہوں۔" اول خان نے ہنس کر کہا "تم کو سو فیصد کامیابی ہوگی۔"

"میں یہی کہہ رہا تھا۔ ہم بہت کچھ کر چکے ہیں لیکن اس وقت سب بھولے ہوئے تھے۔" میں نے کہا۔

"اصل بات یہی ہے کہ وہ تمہاری معلومات سے خائف ہے۔" جلال نے میری تائید کی "حیرت ہے کہ ہم سب نے اس اہم نکتے کو فراموش کیا ہوا تھا کہ اس کا کوبرا یا کم از کم حشمت ہونا آسانی سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔

شخصیت بدل کر جعلی نام اور پتے کے ساتھ ہوٹلوں میں ٹھہرنا بجائے خود ایک سنگین جرم ہے۔"

"اس کا ایک جرم تمہیں راج محل میں داخلے کی اجازت دلوا دے تو اس کے بقیہ جرائم کے ثبوت خود بخود سامنے آتے چلے جائیں گے۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر کہا "یہ ماننا پڑے گا کہ ہم لوگوں میں ڈینی کا ذہن کچھ زیادہ سرعت سے کام کرتا ہے۔"

"ڈینی کی صلاحیتوں میں کوئی کلام نہیں۔ ہر ایک اس بات کا اعتراف کرتا ہے۔" جلال خوش دلی سے بولا۔

"اب مجھے کانٹوں میں نہ گھسیٹو اور سوبھراج کی فکر کرو۔ جب تک وہ پاکستان واپس نہیں آجاتا' اسے یا اس کے حواریوں کو یہ اندازہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہاں اس کے استقبال کے لیے کیا تیاریاں ہو چکی ہیں۔"

"وہ چوروں کی طرح گیا ہے اور اسی خاموشی کے ساتھ واپس آئے گا۔ کاش! مجھے اس کی پرواز کی تفصیل معلوم ہوسکے تو میں اسے ائرپورٹ سے ہی گرفتار کرنے کا مشورہ دوں گا۔ اب وہ یہاں ایک لمحے کی بھی آزادی کا حق دار نہیں رہا ہے۔" اول خان نے کہا۔

"انتظامی مجبوریوں کی وجہ سے اسے ائرپورٹ سے گرفتار کرنا ممکن نہیں ہوگا۔" جلال نے بتایا۔

"دوسرے افسروں کے مقابلے میں تم انتظامی پابندیوں میں کچھ زیادہ ہی جکڑے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔"

جلال ویرا کی اس بات پر ہنس پڑا اور خوش دلی کے ساتھ بولا "جب معاملہ سوبھراج جیسے بڑے مگرمچھ کے شکار کا ہو تو ڈور اور کانٹے کا زیادہ خیال رکھنا پڑتا ہے۔ جب تک اسے دی ہوئی مراعات واپس نہیں لی جاتیں' اس کے خلاف ہونے والی بیشتر کارروائیاں کالعدم اور غیر قانونی تصور ہوں گی۔ یہ بہت باریک سا نکتہ ہے جسے جوشیلے افسر اکثر نظر انداز کردیتے ہیں اور پھر عدالت میں ان کے پاؤں ایک لمحے میں اکھڑ جاتے ہیں۔"

"اتنا کچھ ہوجانے کے بعد اب مراعات واپس لینے میں کیا تکلف ہے؟" ویرا نے پوچھا۔

"ڈینی نے ابھی رازداری کی بات کی تھی۔ مراعات واپس لے لی جائیں تو وہ بھانپ لے گا کہ اس کے لیے یہاں کے حالات سازگار نہیں رہے ہیں۔"

"تم لوگوں کی عجیب منطقیں ہیں۔" ویرا الجھ کر اپنا سر جھٹکتے ہوئے بولی "آخر تم اس کو کس طرح زیر کرنا چاہ رہے ہو۔"

"زبانی طور پر ساری تیاریاں مکمل رہیں گی۔ مناسب مرحلہ آتے ہی دونوں کام ایک ساتھ ہوں گے۔ مراعات کی واپسی کا خط جاری ہوتے ہی اس کی گرفتاری کا وارنٹ تیار ہوجائے گا۔ اس کے لیے میں اپنا ہوم ورک آج ہی سے شروع کردوں گا۔"

"یہ فنی باریکیاں تم کو مبارک ہوں۔ میں ان میں نہیں پڑنا چاہتی۔ مجھے اصل غرض اسی بات سے تھی کہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھایا بھی جائے گا یا ہم اسے کوس کوس کر یوں ہی اپنے دل کی بھڑاس نکالتے رہیں گے۔"

"تم صرف ایک سمت میں دیکھ رہی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے ویرا کو مخاطب کیا "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جلال کے پھیلائے ہوئے کسی قانونی جال میں پھنسنے سے پہلے سوبھراج میرے داؤ میں آجائے اور میں کسی فنی یا قانونی باریکی کی پروا کیے بغیر اسے بے دردی سے جہنم واصل کردوں گا۔"

"میں تمہیں ایسے کسی اقدام کا مشورہ نہیں دوں گا۔" جلال نے میری مخالفت کی "وہ قانون کی گرفت میں آتا ہے تو یہی راہ سب سے بہتر رہے گی۔ وہ زندہ رہ کر ذلت و رسوائی کا مزہ چکھے گا۔ اس پر جرح ہوگی تو کچھ اور پردہ نشینوں کے نام بھی سامنے آسکتے ہیں۔ اس کی اچانک موت سے یہ سارا سلسلہ ادھورا رہ جائے گا۔"

"میں تمہاری راہ نہیں روکوں گا لیکن اسے زیادہ مہلت بھی نہیں دوں گا۔"

"موذی کا سر پہلی فرصت میں کچل دینا چاہیے۔" ویرا سفاکانہ لہجے میں بولی "میں نے اسے سب سے زیادہ قریب سے دیکھا ہے۔ وہ بہت گھٹیا اور گھناؤنا آدمی ہے۔ میرا بس چلے تو میں اسے اس کے راج محل کے تہ خانے میں اسی مسہری پر باندھوں جس پر وہ مجھے لے جانا چاہ رہا تھا۔"

غزالہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھ کر ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔ بعض اوقات ویرا کی بے باکانہ باتیں اس کے لیے شرمندگی کا باعث بن جاتی تھیں۔

جلال، ویرا کی وہ بات سنی ان سنی کرکے راج محل کے فیکس والے کاغذ موڑ کر جیب میں رکھنے میں مصروف ہوگیا۔ دوران گفتگو سب نے باری باری ان دونوں کاغذوں پر لکھا ہوا متن پڑھ لیا تھا۔

"تم گوپال سے مل کر آئے ہو یا اب ادھر جاؤ گے؟" میں نے جلال سے پوچھا۔

"میں جس کام سے کراچی آیا ہوں، سب سے پہلے اسی کو نمٹایا ہے۔ اب رات اپنی ہے۔" اس نے ہنس کر بتایا۔

"بس... پھر آج رات یہیں بسر کرلو۔ ہماری چوتھی خواب گاہ تیار اور خالی رہتی ہے۔"

وہ دیر تک بیٹھنے کے لیے آمادہ تھا لیکن رکنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ سرکاری کام سے آیا تھا۔ رات اسی ہوٹل میں بسر کرنی چاہتا تھا۔ جس کی بکنگ اسلام آباد سے کرائی گئی تھی۔ رات کو ٹھکانا بدلنے کی صورت میں اس کے افسران کو اس کی تلاش میں دشواری پیش آسکتی تھی۔

"تم نے میری واپسی ہونے سے پہلے اس سے بات کی تھی۔ ذرا اب سوبھراج کو چھیڑ کر دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے۔" باتوں کے درمیان ویرا نے اچانک مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تمہاری واپسی سے پہلے میں نے اس سے ڈینی بن کر بات کی تھی!" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"ہاں ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔ کل اسی نے تمہارا فون مجھے دیا تھا اور میں نے بھی تم سے بات کی تھی۔" وہ بے پروائی سے بولی۔

"ویرا! تم کیوں مجھے مروانا چاہ رہی ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اس میں مروانے کی کیا بات ہے۔ تم کئی بار اس سے بات کرچکے ہو۔"

"یہ کیوں بھول رہی ہو کہ اس وقت میں کرنل داور کا قیدی ہوں۔ کرنل نے میرے سامنے ایک سخت گیر نقاب پوش کا روپ دھارا ہوا ہے۔ وہ مجھے کسی کو کیوں فون کرنے دے گا۔"

ویرا سٹپٹا کر رہ گئی۔ دوسرے لوگ بے اختیار ہنس پڑے۔

"ہم میں اور تم میں یہی فرق ہے۔" اول خان نے ہنسی کے دوران کہا "ہم بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں۔ تم اہم باتوں کو ہر حال میں یاد رکھتے ہو۔"

"اس وقت میں اس سے صرف کرنل داور بن کر بات کرسکتا ہوں جو بے کار ثابت ہوگی۔ کرنل اور سوبھراج کا تعلق بہت رسمی اور رواجی سا ہے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" غزالہ نے حیرت سے کہا۔ "مجھے تعجب ہے کہ سب آپ کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ آپ نے کل کرنل داور بن کر یہ باتیں تک ہاروے سے کی تھیں۔ اسے بتایا تھا کہ آپ نے ڈینی کو پکڑ لیا ہے اور اس سے بہت سی باتیں اگلوائی ہیں۔ سوبھراج سے آپ کی ایسی کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔"

میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر رہ گیا۔ غزالہ نے صحیح نشان دہی کی تھی۔ اس وقت شاید میں الجھا ہوا تھا اور ساری باتیں میرے ذہن میں خلط ملط ہو کر رہ گئی تھیں۔ غزالہ کے سوا کوئی میری اس سنگین بھول کو نہیں پکڑ سکا تھا۔ حد یہ تھی کہ ویرا بھی اپنی غلطی پر نادم ہو رہی تھی جبکہ اس کی بات بالکل درست تھی۔ میں نے بلاوجہ اسے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔

"ذرا مجھے دو منٹ دے دو اور سکون سے اپنے خیالات کو یکجا کرنے دو۔ مجھے یاد رہنا چاہیے کہ میں نے کس سے 'کس روپ میں اور کیا بات کی تھی۔"

"ڈینی سے ایسی غلطیاں نہیں ہوتیں۔" اول خان نے خفت آمیز لہجے میں کہا "پتا نہیں آج اسے کیا ہو گیا۔"

ذہن پر ذرا سا زور دینے سے مجھے یاد آ گیا کہ پچھلے دن میں نے کرنل داور بن کر نک سے بات کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ڈینی میرا قیدی بن چکا ہے۔ اسی گفتگو میں' میں نے یہ بھی کہا تھا کہ میں سوبھراج کے خاتمے کے بعد ہی اس سے ڈینی کے معاملے پر کوئی بات کر سکوں گا۔ نک سے اس کے بعد مزید دو بار میری بات ہو چکی تھی۔ میں نے اس سے کھل کر کہہ دیا تھا کہ سوبھراج اور بیس لاکھ ڈالر کے عوض اس سے کوئی بات بن سکے گی۔ مجھے امید نہیں تھی کہ نک نے وہ بات سوبھراج تک پہنچا دی ہوگی۔ ایسا ہوا ہوتا تو سوبھراج کرنل داور سے گفتگو کے دوران میں ڈینی کے بارے میں کچھ نہ کچھ کریدنے کی کوشش ضرور کرتا۔

وہ ذرا الجھی ہوئی باتیں تھیں۔ میں نے دوبارہ انہیں اپنے ذہن میں گھمایا اور پھر بشاشت سے کہا "ہاں! اب میرا حافظہ تازہ ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں ویرا کی تجویز کے مطابق اپنے اصل روپ میں سوبھراج سے بات کر سکتا ہوں۔"

"ذرا ایک بار پھر سوچ لو۔ میں تو پردیسی ہوں۔ یہ سب تمہارے اپنے ہیں۔ ان سے مشورہ کر لو۔ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔" جلال نے فقرہ کسا۔

"اب گڑبڑ کا امکان نہیں ہے۔ غزالہ بہت کم بولتی ہے لیکن جب بولتی ہے' بہت سوچ سمجھ کر بولتی ہے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"پھر میں بھی دیکھوں گا کہ تم اسے کس طرح سلگاتے ہو۔" جلال کے ہونٹوں پر جوابی ہنسی پھیل گئی "دشمن سے بات کرنے کے فن میں تم سے تھوڑی سی تربیت بھی مل جائے گی۔"

"بار بار فون کرنے سے اس کا دماغ خراب نہ ہو جائے!" میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"اس کے پاس تم سے رابطہ قائم کرنے کا کوئی ذریعہ ہوتا تو وہ اب تک تمہیں دس بار تنگ کر چکا ہوتا۔" اول خان نے کہا "تمہارے پاس اس کا نمبر ہے تو تم کو ہی ہر بار پہل کرنی ہوگی۔ اس کا دماغ خراب ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ تم کو اپنے مفاد کے بارے میں سوچنا چاہیے۔"

"دوپہر کو اس سے میری بات ہو چکی ہے۔ تم کہتے ہو تو اس سے ایک اور مذاکرہ سہی۔ اس وقت سے حالات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی ہے۔ ہمارے درمیان پرانی باتوں کا دوبارہ تبادلہ ہوگا۔ کوئی نئی بات مشکل سے سامنے آئے گی۔" میں نے نیم دلی سے کہا۔

"تبدیلی کیوں نہیں آئی۔ ابھی ویرا نے بتایا ہے کہ تم نے راج محل جا کر ایس ٹی ایف کی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔ سوبھراج اسے اپنی کامیابی تصور کر رہا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ سنیل تمہاری اس ملاقات کے بارے میں سوبھراج کو رپورٹ دے چکا ہوگا۔" جلال ایک سانس میں کہتا چلا گیا۔

میں نے طائرانہ نظروں سے سب کا جائزہ لیا۔ ہر چہرے پر تجسس نمایاں تھا اور اسپیکر فون کے استعمال کی امید میں وہ پانچوں ہمہ تن گوش بنے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی یادداشت کے سہارے سوبھراج کا سیٹلائٹ فون نمبر ملانا شروع کر دیا۔

حسب معمول اس کی طرف سے پہلی گھنٹی پر ہی جواب آ گیا۔ کراچی اور بنکاک میں وقت کے فرق کی وجہ سے وہاں رات گہری ہو چکی تھی لیکن سوبھراج اپنی آواز سے پوری طرح چاق و چوبند معلوم ہو رہا تھا۔

"بنکاک میں تم کو اپنی پہلی رات مبارک ہو۔ وہاں تمہاری عزت و آبرو محفوظ ہے یا بنکاک کی کسی فاحشہ نے تم کو بے آبرو کر دیا ہے۔" اس کی آواز سن کر میں نے طنز سے کہا۔

"بنکاک روئے زمین پر مردوں کے لیے ایک جنت سے کم نہیں ہے۔ تمہیں کیا تکلیف ہے۔ بار بار مجھے کیوں فون کر رہے ہو؟" اس نے وہی سوال کر ڈالا جس کی میں توقع کر رہا تھا۔

میں نے نظریں اٹھا کر جلال کی طرف دیکھا پھر کہا۔ "میرے ہاتھوں میں شدید خارش کی تکلیف ہے۔ تم کب تک یہاں سے بھاگے رہو گے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم جلد از جلد واپس آؤ تاکہ میں اپنے ہاتھوں کی خارش دور کر سکوں۔"

”تم سب اُلّو کے پٹھے ہو!“ اس کی غصیلی آواز کافی اونچی تھی ”میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اپنا کام نمٹا کر تمہارا سر کچلنے کے لیے بہت جلد واپس آؤں گا۔ یہ نہ سمجھنا کہ ویرا کے فرار ہوجانے کے بعد تم میری دسترس سے نکل گئے ہو۔ میرے ہاتھ کسی بھی وقت تمہارے نرخرے پر ہوں گے۔“

”تم آؤ تو پھر اپنی ذلّت اور رسوائی کا تماشا دیکھو گے۔ شہر کا ہر شخص تمہارا نام نفرت اور حقارت سے لے گا۔“

”مجھے حیرت ہے کہ تم اب تک خاموش کیوں ہو۔ اپنی کتیا کے واپس پہنچتے ہی تم کو اپنا ہذیان شروع کردینا چاہیے تھا۔“ اس کی زہریلی آواز آئی مگر میرا دھیان اس کے الفاظ پر تھا۔ ان سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کراچی سے مسلسل رابطے میں تھا۔ اسے بدلتی ہوئی صورتِ حال کے بارے میں پل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ اسے انتظار تھا کہ میں اس کے بارے میں اپنی معلومات کا کھلا اظہار کب شروع کرتا ہوں۔

”میں دوبدو مقابلے کا قائل ہوں۔ بھاگنے والے دشمن پر پیچھے سے وار نہیں کرتا۔ بھگوڑے کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہوں۔ تم دو مہینے تک وہاں روپوش رہو گے تو میری زبان بند رہے گی۔ یہاں آؤ گے تو میں تمہیں اپنے ہذیان کا مزہ چکھاؤں گا۔“

”میں تم کو وارننگ دے رہا ہوں کہ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ تم ایک سنگلاخ چٹان سے اپنا سر پھوڑ رہے ہو۔ چٹان پر خراش بھی نہیں آئے گی۔ تم لہولہان ہوجاؤ گے۔“

”یہ میرا پرانا شوق ہے۔ میں نے اسی سر سے بہت سی چٹانوں کو پاش پاش کیا ہے۔ تم میری فکر نہ کرو۔“

”تمہاری کوئی قیمت ہے تو وہ بتاؤ۔ میں تمہارا منہ جھلنے کے لیے تیار ہوں۔“ اس کی آواز قہربار ہوگئی۔

”میں بکاؤ مال نہیں ہوں سوبھراج! اپنی بولی لگوانے کا شوق تم کو ہے۔ ایک طرف امریکی تمہارے خریدار ہیں تو دوسری طرف بھارتی تمہیں منہ مانگے دام دیتے ہیں۔ مجھ سے بڑھ چڑھ کر باتیں نہ کرو۔ میں تمہاری اصلیت سے واقف ہوں۔ تم نے اپنے چہرے پر عزت اور اعتبار کا نقاب چڑھا کر خود کو نہ جانے کہاں کہاں بیچا ہوا ہے۔“

”تمہاری زبان بہت لمبی ہے۔“ اس کی آواز میں شکست کی تلخی اور جھلاّہٹ عود کر آئی۔ وہ کہہ رہا تھا ”میں نے سنا ہے کہ بکواس کرنے کے معاملے میں تم سے جیتنا مشکل ہے۔ کیا تم کھل کر بتا سکتے ہو کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ کیوں میرے پیچھے پڑے ہوئے ہو؟“

”کاش! تم اتنے ہی معصوم ہوتے۔ تم صرف سوبھراج رہتے تو مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہوتی۔ میری ساری دشمنی حشمت خان سے ہے۔ جو چور کی طرح نقاب لگا کر اچکوں سے ملتا تھا۔ میں کوبرا کے خون کا پیاسا ہوں جو نقاب میں چھپ کر دشمنوں اور غداروں کی سربراہی اور رہنمائی کرتا تھا۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ دونوں گھناؤنے بہروپ تم ہی نے دھارے ہوئے تھے۔ میں سب کو معاف کرسکتا ہوں مگر کسی غدار کو نہیں۔ اس ملک سے غداری کرکے تم نے اس مقدس منصب کی توہین کی ہے جو اس ملک کے لوگوں نے تمہیں دیا ہے۔ اس توہین کا ازالہ صرف تمہارا خون کرسکتا ہے۔“

”میں نے غور اور تحمل سے تمہاری پوری بات سنی ہے۔ تم نے حشمت اور کوبرا کے لیے ماضی کے صیغے استعمال کیے ہیں۔ اگر میں اسے ماضی، بھولا ہوا ماضی بنادوں تو کیا پھر بھی ہماری لڑائی ختم نہیں ہوسکتی؟“ اس نے بہت عجیب اور بدلے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

”کیا تم اپنے گناہوں سے تائب ہونے کی بات کررہے ہو؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”اگر میں صرف سوبھراج رہ جاؤں تو کیا یہ دشمنی ختم ہوجائے گی؟“ اس نے میرے سوال کا براہِ راست جواب دینے سے گریز کرتے ہوئے پھر ایک سوال کرڈالا۔

”اس بارے میں، میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میرا خیال ہے کہ ہم لڑتے لڑتے اتنی دور نکل گئے ہیں کہ اب صلح کی کوئی راہ شاید ہی باقی رہ گئی ہو۔“

”تمہارے ان محتاط لفظوں سے کچھ امید سی نظر آرہی ہے۔“ اس نے میری کہی ہوئی بات سے اپنا پسندیدہ مفہوم اخذ کرتے ہوئے کہا ”دیکھو ڈینی! میں لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہوں۔ ایک عزت دار سیاسی لیڈر ہوں۔ میری نظر مستقبل پر ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ اور کچھ ہو یا نہ ہو، تمہاری دشمنی کی وجہ سے میرا آگے کا راستہ خراب ہوجائے گا۔ میں اسے صاف ستھرا رکھنا چاہتا ہوں۔ میں تم سے تمہاری شرائط پر صلح کرنے کے لیے تیار ہوں۔“

سوبھراج کے وہ الفاظ سن کر سب کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ دشمن کے وجود میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کی نشانی تھی۔ سارے کارڈز اس کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ اب اس کے پاس مجھے دبانے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ میری بولی لگا کر، میری شرائط قبول کرکے، مجھ سے صلح کرکے، غرض کسی بھی طرح میری دشمنی

سے بچنا چاہ رہا تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ ایک موذی درندہ تھا۔ اپنے آڑے وقت میں کسی بھی حد تک جھکنے کے لیے تیار تھا۔ اس بار اسے مہلت مل جاتی تو وہ اپنی تمام تر تیاری کے ساتھ میرے اوپر کوئی ایسا وار کرنے کی تیاری کرتا جو میرے لیے مہلک ثابت ہوتا۔ ایک شکست کے بعد اگلی فتح حاصل کرنے کے لیے اسے وقت درکار تھا۔ وہ عاجزی اور پشیمانی کے ساتھ وقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ مکار تھا تو میں اس سے بھی بڑا مکار تھا۔ میں نے رسانیت سے کہا "مجھے انسانوں کے خون کی ہولی کھیلنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ اگر تم اس ٹھوکر سے سبق لے رہے ہو تو یہ بہت اچھی بات ہے مگر میں نے دنیا دیکھی ہوئی ہے۔ سب سے بڑی عالمی گینگ کے ہراول دستے میں رہ چکا ہوں۔ شاید اب تم اس مقام پر پہنچ چکے ہو جہاں تم کمبل کو چھوڑنا چاہو تب بھی کمبل تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ نک ہاروے اور رائل بسواس جیسے لوگ بہت بے ضرر نظر آتے ہیں مگر سفاک ہوتے ہیں۔ انہوں نے تم پر کروڑوں کی سرمایہ کاری کی ہے' برسوں تم پر ریاضت کی ہے۔ وہ اتنی آسانی کے ساتھ تم کو کنارہ کش نہیں ہونے دیں گے۔ تائب ہو کر تم مجھ سے بچ جاؤ گے تو وہ لوگ تمہیں مروا دیں گے۔"

"مجھے تم ان سب سے زیادہ خطرناک اور سفاک معلوم ہوتے ہو۔" اس کا سارا بھرم اور غرور خاک میں مل چکا تھا "تم سے پالا پڑنے کے بعد اندازہ ہو رہا ہے کہ لوگ تم سے بلاوجہ خوف نہیں کھاتے۔ امریکی احمق نہیں ہیں جو کسی بے بساط آدمی پر دو ملین ڈالر کا انعام رکھ دیتے۔ مجھے تم اپنی طرف سے ضمانت دے دو۔ نک' ٹام اور دوسروں کو میں سنبھال لوں گا۔"

"ابھی تک تم نے مجھے دیکھا ہے نہ میں تم سے ملا ہوں۔ اتنے بڑے فیصلے یوں فون پر نہیں کیے جا سکتے۔" ابتدائی گرمی دکھانے کے بعد میں نے بھی تھوڑی سی نرمی اختیار کر لی۔

"یہ بتاؤ کہ میں تم سے کیسے اور کہاں مل سکتا ہوں۔" گھمنڈ ٹوٹ جانے کے بعد اس کے لہجے کی بے تابی بڑھ گئی تھی۔

"یہ سب ہو جائے گا۔ پہلے تم اپنے ملک میں واپس لوٹ آؤ۔"

"تمہاری کسی ضمانت کے بغیر میں یہ ہمت نہیں کر سکتا۔ تم میری زندگی کی ضمانت دو تو میں کل ہی کراچی لوٹ آؤں گا۔"

"اور تمہارے کام کا کیا ہوگا؟" میں نے وہ چبھتا ہوا سوال پوچھ ہی لیا۔

"کام بھاڑ میں جائے۔ آدمی کی جان ہے تو جہان ہے۔ اس کے لیے میں دوبارہ ادھر کا چکر لگا لوں گا۔" وہ واپسی کے لیے بے چین ہوا جا رہا تھا۔ اگر اس کے اس اضطراب کے پیچھے نک سے ملنے والی کوئی ہدایت بھی کارفرما تھی تو مجھے اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔

"میں تمہیں واپسی کے بعد دو دن کی مہلت دیتا ہوں۔" میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد جلال کو آنکھ مار کر کہا "اس دوران میں تم کو ٹام اور نک کو سنبھالنا ہوگا۔"

"انہیں میں دیکھ لوں گا۔" میری یقین دہانی پر اس کا لہجہ جاندار ہو گیا "مجھے یقین ہے کہ وہ میری مجبوریوں کو سمجھ لیں گے۔"

سوبھراج دولت کے لالچ اور شاید مراسم بڑھانے کے شوق میں امریکی ایجنسیوں کے ہتھے چڑھا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ٹام اور نک جیسے پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹوں کی سوچ کیا ہوتی ہے۔ وہ مجھے دلاسا دے رہا تھا کہ انہیں سنبھال لے گا۔ ان کو یقین دلاتا کہ کچھ دنوں میں میرا کام تمام کر دے گا۔ وہ دونوں طرف دہرا کھیل کھیلنے کے چکر میں تھا جس میں سراسر اسی کا خسارہ تھا۔ وہ امریکی ذرا سی دیر میں اندازہ لگا لیتے کہ سوبھراج کس چکر میں تھا پھر وہ ان کے رحم و کرم پر رہ جاتا۔

مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں تھی اس لیے اسے وہ باتیں سمجھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا "اب تم کب واپس آ رہے ہو؟"

"جلد از جلد آنے کی کوشش کروں گا۔ تم کو اخباروں سے ورنہ کسی نہ کسی طرح اطلاع مل جائے گی کہ میں کراچی لوٹ آیا ہوں۔"

"کراچی آنے کے بعد تم اپنے وعدے سے پھرے تو تم جانتے ہو کہ میرا نام ڈینی ہے۔"

"میں یہ غلطی نہیں کر سکتا۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے دو دن کی مہلت دے کر میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا۔ میں ڈرا ہوا تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی تم مجھے ہلاک کر دو گے۔ میں ایسی بے بسی کی موت نہیں مرنا چاہتا۔"

"یہ بھی بتا دوں کہ اس دوران میں کراچی میں دہشت گردی کی کوئی واردات بھی نہیں ہونی چاہیے۔" میں نے سختی سے کہا۔

"میں سیاسی رہنما ضرور ہوں مگر تم یقین کرو کہ میرے ہاتھ اتنے لمبے نہیں ہیں کہ میں دہشت گردی کروا سکوں یا

اسے روک سکوں۔“
”کراچی میں اب را کے کتنے ایجنٹ سرگرم عمل ہیں؟“ میں نے ترش لہجے میں پوچھا۔
”چار رہ گئے تھے۔ پچھلے دنوں وہ ایک ایک کرکے مارے گئے۔ بلیک کیٹس کا انجام تم کو معلوم ہے۔ اب شہر میں کوئی نہیں ہے۔“
”سنیل سے کہہ دینا کہ کوئی نیا آدمی آئے تو وہ اسے لگام دے کر رکھے۔“ اس بار میں نے ہدایت دی۔
”سنیل کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو بھی آئے گا‘ سیٹلائٹ فون پر رابطہ کرے گا اور میں خود اس سے بات کروں گا۔ کوبرا کا چکر اسی لیے چلایا گیا تھا کہ میرا اور راج محل کا نام کسی قصے میں نہ آنے پائے۔ میں دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوتا ہوں تو اپنی ذاتی کال خود سنتا ہوں۔“
”اب میں تم سے کراچی میں بات کروں گا۔“ یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔
”ہولناک دھمکیوں اور خوفناک مکالموں سے شروع ہونے والی گفتگو کی تان کہاں آکر ٹوٹی ہے۔“ جلال نے تحیر زدہ آواز میں کہا ”میں مان گیا کہ تم اپنے حریف کے ذہن کو پڑھ لینے میں کمال کی مہارت رکھتے ہو۔ وہ آسانی سے قابو میں آنے والا نہیں تھا۔“
”مگر بات بہت لمبی ہوگئی!“ ویرا نے ایک ہلکا سا اعتراض کرڈالا۔
”ایسی ہوش ربا اور فیصلہ کن باتیں لمبی ہی ہوتی ہیں۔ تھوڑا سا کروفر دکھانے کے بعد حریف کا ذہن ماؤف ہونے لگتا ہے اور اعصاب بھی کمزور پڑجاتے ہیں۔“ میں نے ویرا کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ”ایسے کسی بھی نازک مرحلے پر ساری گفتگو اچانک ایک نیا موڑ لے لیتی ہے۔“
”کیا تم نے واقعی اسے معاف کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟“ اول خان نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے‘ سنجیدگی سے سوال کیا۔
”اس مردود نے مجھے کتیا کہا ہے۔ میں اسے معاف نہیں کروں گی۔“ ویرا غراتے ہوئے بول پڑی۔
”وہ تائب ہوگا اور نہ میں اسے معاف کرسکتا ہوں۔ یہ ایک زبانی جنگ تھی جو سوبھراج نے اپنی دانست میں جیت لی ہے۔“ میں نے اول خان کو جواب دیا۔
”تمہیں اس پر بھروسا نہیں ہے لیکن اس کے لب ولہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس نے تمہاری یقین دہانی پر اعتبار کرلیا ہے۔“ جلال بولا۔

”میں اسی لیے کہہ رہا تھا کہ وہ خود کو فاتح سمجھ رہا ہوگا۔ اسے یہ غلط فہمی ہوگی کہ اس نے چکما دے کر مجھ سے دو دن کی مہلت لے لی ہے۔“
”تم اسے یہ مہلت نہیں دو گے؟“ اول خان نے پوچھا۔
”دو دن کا وقت ضرور دوں گا۔ وہ ایک بار یہاں لوٹ آئے تو تم لوگوں کو یہ بندوبست کرنا ہوگا کہ وہ دوبارہ پاکستان سے باہر نہ جاسکے۔ یہ کام ہوگیا تو پھر دو کیا‘ اسے چار روز بھی دیے جاسکتے ہیں۔ جب تک وہ یہاں رہے گا ہماری پہنچ میں رہے گا۔“ میں نے جواب دیا۔
”تمہاری اور سوبھراج کی گفتگو چشم کشا تھی۔ میں اسے آج کا حاصل سمجھتا ہوں۔ گفتگو کو سوچے سمجھے انداز میں اپنی مرضی کے رخ پر لے جانا بھی ایک فن ہے جس میں تم کو مہارت حاصل ہے۔“ جلال نے ایک مرتبہ پھر میری تعریف کی اور روانگی کے ارادے سے اٹھ گیا۔
وہ باہر سے آیا ہوا مہمان تھا۔ چائے کی ایک پیالی پر اس کا یوں رخصت ہونا کسی کو اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن اس کے پاس ہمیشہ کام کا عذر موجود رہتا تھا۔ وہ کھانے کے لیے رکنے پر آمادہ نہیں ہوا اور اگلے دن فون کرنے کا وعدہ کرکے رخصت ہوگیا۔
اس وقت تک سوبھراج کے لیے تین پھندے تیار ہوچکے تھے۔ نک اس کی آمد کا منتظر تھا تاکہ اس کے عوض ڈینی کے حصول کے معاملے کو آگے بڑھا سکے۔ ہم خود اس کی گھات لگائے بیٹھے تھے اور اگر وہ ان دونوں پھندوں سے بچ جاتا تو جلال اسے حشمت کا جعلی روپ اپنانے کے جرم میں باضابطہ طور پر گرفتار کرلیتا۔
شہر میں سوبھراج کی خاصی ہوا خیزی ہوچکی تھی۔ اس کے خلاف ہر طرف بھانت بھانت کی باتیں پھیل رہی تھیں۔ میرے لیے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جلال نے اس کی مراعات کا سحر توڑ کر اس پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ جلال کی اس یقین دہانی کے بعد مجھے اپنے ہاتھ مضبوط ہوتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ اس سے پہلے یوں معلوم ہورہا تھا جیسے میں بھرے شہر میں اکیلا رہ گیا ہوں‘ سوبھراج کے خلاف کوئی میرا ساتھ نہیں دے گا۔

❂✲❂

”سلمٰی! میرے پیکٹ کی آخری سگریٹ بھی ختم ہوگئی ہے!“ جہانگیر نے بستر پر بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی اور مسکرانے لگا۔

سلمیٰ کچن سے تنگ کر کمرے میں آئی تو جہانگیر کے ہونٹوں سے شرارت آمیز مسکراہٹ یک لخت رخصت ہوگئی۔ اس وقت وہ صرف نیکر پہنے مسہرے پر چڑھا بیٹھا تھا۔ اس کی پشت اور سینے پر اگے ہوئے بڑے بڑے بال اس کے تن و توش سے مل کر اسے ایک چھوٹا بھالو بنا رہے تھے۔ سگریٹ کے مسلے ہوئے ٹکڑوں اور راکھ سے بھری ہوئی ایش ٹرے بستر پر رکھی ہوئی تھی' اس کے قریب ہی سگریٹ کا خالی پیکٹ پڑا ہوا تھا۔ دوسری طرف ایک خوب صورت ٹرے میں اسکاچ کی بوتل اور بھرے ہوئے گلاس کے ساتھ ٹھنڈے پانی کی بوتل بھی موجود تھی۔

''کیا منمنا رہے تھے؟'' سلمیٰ نے اسے گھورتے ہوئے' پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔

''سگریٹ ختم ہوگئی ہے۔'' اس نے بہت مسکینی کے ساتھ خالی پیکٹ کو اپنی انگلیوں میں نچاتے ہوئے کہا۔

''میں کئی دنوں سے دیکھ رہی ہوں کہ تم نے اپنی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لیے مجھے وقت ناوقت تنگ کرنا شروع کردیا ہے۔ شام کو میں سامان لینے کے لیے گئی تھی تو تمہیں اپنے سگریٹ کیوں یاد نہیں آئے؟ اب میں کھانا تیار کروں یا تمہارے سگریٹ لینے کے لیے جاؤں۔''

جہانگیر کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سلمیٰ نے اسے کوئی رباعی سنائی ہو۔ اس نے ٹرے سے گلاس اٹھا کر آسودہ انداز میں ایک بڑا گھونٹ اپنے دہانے میں گھما کر معدے میں اتارا پھر بہت محبت کے ساتھ بولا ''ڈارلنگ! تم پر باہر کے ساتھ ساتھ گھر کے کام کا خاصا بوجھ بڑھ گیا ہے اور تم چڑچڑی ہوگئی ہو۔ میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ اپنا ہاتھ بٹانے کے لیے کوئی اچھی ملازمہ رکھ لو لیکن تم ہر بار میری بات سنی ان سنی کردیتی ہو۔''

''تم سننا ہی چاہتے ہو تو سنو کہ میں تمہاری وجہ سے ملازمہ نہیں رکھ رہی۔ سارا بھاڑ خود جھونکتی ہوں۔'' سلمیٰ غصے سے بولی۔

جہانگیر نے ترحم آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر معصومیت سے پوچھا ''تم نے مجھ پر یہ الزام کیسے لگا دیا۔ کام کرنے والیوں سے میرا کیا تعلق!''

''عمر رسیدہ نوکرانیاں تمہیں پسند نہیں آتیں۔ بد صورتوں سے تمہیں کراہت آتی ہے۔ خوش شکل لڑکیاں تمہاری چھیڑ خانیوں سے تنگ آکر دو مرتبہ کام چھوڑ کر جا چکی ہیں اور پھر تم پوچھ رہے ہو کہ ان سے تمہارا کیا تعلق ہے...''

''بس بس!'' جہانگیر نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ دی ''زیادہ الزام تراشیاں نہ کرو۔ اگر میں غلط کام پر روک ٹوک کرتا ہوں تو حرام خور لڑکیاں تم سے میری چھیڑ چھاڑ کی شکایت کردیتی ہیں۔ تم نے مجھے یہ بات پہلے بتائی ہوتی تو میں جانے سے پہلے خود ان کو نوکری سے نکال دیتا۔''

''نوکری سے نکال دیتا۔'' سلمیٰ نے منہ بنا کر اس کی نقل اتاری ''میں اس برے وقت سے ڈرتی ہوں جب تم نشے کی جھونک میں کسی سے لپٹ پڑو اور وہ تم پر ہاتھ اٹھالے۔ اس سے اچھا ہے کہ ہم کسی نوکرانی کے بغیر ہی وقت گزارتے رہیں۔ تم مجھے بار بار باہر بھیج کر اسی لیے تنگ کررہے ہو کہ میں گھر میں کسی کو رکھ لوں۔''

''رکھو یا نہ رکھو... اس وقت مجھے سگریٹ کی سخت ضرورت ہے۔'' جہانگیر نے بے نیازی سے اپنا فرمان سنادیا۔

سلمیٰ پیر پٹختی ہوئی کمرے سے کچن کی طرف گئی اور ذرا سی دیر میں سگریٹ کا ایک سربند پیکٹ لاکر جہانگیر کی طرف اچھال دیا ''میں تمہاری حرکتوں کو خوب سمجھ رہی ہوں۔ جب سے فارمیسی کو آگ لگی ہے' دن بھر گھر میں پڑے شراب کی چسکیاں لیتے رہتے ہو۔ پھلی بھی پھوڑ کر نہیں دیتے۔ تم سے یہ نہیں ہوتا کہ بیوی کو باہر بھیجنے کے بجائے بازار کے کام خود کرلو۔''

''میں دس دفعہ بازار چلا جاؤں لیکن ڈینی کئی بار کہہ چکا ہے کہ میرے لیے باہر کے حالات بہت خراب ہیں...''

''ڈینی تو تم سے اور بھی بہت کچھ کہتا ہے۔ تم ان باتوں پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ تم کو تو بس اینڈنے کے بہانے پسند ہیں۔'' وہ جل کر بولی۔

''فضول باتیں کر کے میرا موڈ خراب نہ کرو۔ کھانا بنا کر یہاں بستر پر آجاؤ۔ آج ہم دیر سے کھانا کھائیں گے اور ہاں' ذرا یہ ایش ٹرے خالی کردو۔ یہ خالی پیکٹ بھی ڈسٹ بن میں ڈال دینا۔''

''تمہارا جب جی چاہے' کھانا کھالینا۔ آج میں بستر و ستر پر نہیں آرہی۔ ڈرائنگ روم میں صوفے پر سوؤں گی۔ وہاں آکر میری نیند خراب نہ کرنا۔''

''تم کو معلوم نہیں کہ شوہر اپنی بیوی کا مزاجی خدا ہوتا ہے!'' جہانگیر نے اسے آنکھ مار کر کہا۔

سلمیٰ بے ساختہ ہنس پڑی ''مزاجی نہیں' مجازی کہتے ہیں۔ جب تمہاری اردو کمزور ہے تو گاڑھے الفاظ بولنے کی کوشش کیوں کرتے ہو۔''

''اسی طرح آہستہ آہستہ اردو سنبھل جائے گی۔ گاڑھے اور پتلے الفاظ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مطلب

واضح ہونا چاہیے۔ وہ ہو جاتا ہے۔"

جہانگیر نے اپنی بات ختم کر کے دوبارہ گلاس اٹھایا تھا کہ دروازے پر ہلکی مگر طویل سی دستک ہوئی اور وہ چونک پڑا۔ سلمیٰ کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ قالین پر دبے قدموں دوڑ کر جہانگیر کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی اور سرسراتی ہوئی آواز میں بولی "انٹر کام پر پوچھے بغیر کون اوپر آگیا؟"

سلمیٰ کی تشویش بالکل بجا تھی۔ جب سے ان کے فلیٹ میں پرفیوم بیچنے والی ایک لڑکی نے آکر میرے بارے میں پوچھ گچھ کرنے کی کوشش کی تھی، انتظامیہ نے جہانگیر اور دوسرے مکینوں کی شکایت پر غیر متعلقہ افراد کے عمارت میں داخلے پر سخت پابندی لگا دی تھی۔ کسی کے پاس کوئی مہمان آتا تھا تو سیکیورٹی والے اپنے کاؤنٹر پر متعلقہ فلیٹ سے اجازت لیتے تھے۔ اس کے بعد مہمان کو اندر جانے کی اجازت دی جاتی تھی۔ میزبان اس کے استقبال کے لیے پہلے سے تیار ہوتا تھا۔

انہیں نیچے سے کسی مہمان کی آمد کی اطلاع نہیں دی گئی تھی اور آنے والے نے ڈور بیل بجانے کے بجائے دروازے پر ہلکی دستک دی تھی۔ وہ دونوں باتیں مشکوک تھیں۔

"سیکیورٹی والوں سے پوچھیں کہ اوپر کون آیا ہے۔" سلمیٰ نے قدرے توقف کے بعد سرگوشیانہ لہجے میں اپنی بات پوری کی۔

"تم دروازہ کھول کر دیکھو کہ کون ہے۔" جہانگیر نے اپنی ترنگ میں سلمیٰ کے مشورے کو نظر انداز کر دیا۔

آپس کی نوک جھوک کی بات اور تھی۔ سلمیٰ اپنے شوہر کی نافرمان نہیں تھی۔ اس نے دبے قدموں دروازے کے پاس جا کر عدسے سے آنکھ لگائی تو اسے اپنے بند دروازے کے سامنے اسی عمارت کی کسی اوپری منزل پر رہنے والی ایک عورت کا شناسا سا چہرہ نظر آیا۔ وہ کچھ پریشان سی تھی۔

نہ جانے اس بے چاری پر کیا افتاد پڑی تھی کہ وہ ان کے در پر آ پہنچی تھی۔ سلمیٰ نے سوچا اور انسانی ہمدردی کے جذبے سے مغلوب ہو کر دروازہ کھول دیا۔ دروازہ وا ہونے کے بعد اسے وہ دراز قامت شخص نظر آیا۔ جو عورت کے پہلو میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا جس کا رخ نووارد عورت کی طرف تھا۔ وہ اس عورت کو ریوالور کی زد پر لیے اندر گھستا چلا آیا۔ خوف اور اضطرار کے عالم میں سلمیٰ کا منہ کھلا ہو گا کہ اس شخص نے غرا کر اسے خاموش رہنے کا حکم دیا۔

دروازہ خود کار اسپرنگ کے زیر اثر بند ہو کر مقفل ہو گیا۔ اس شخص نے ریوالور فضا میں اچھال کر نال سے پکڑا اور اس کا آہنی دستہ بے دردی سے نووارد عورت کی داہنی کنپٹی پر رسید کر دی اس ادھیڑ عمر عورت کے لیے وہ چوٹ کافی تھی۔ وہ تیورا کر ایک لمبی ہچکی لیتی ہوئی قالین پر ڈھیر ہو گئی۔

اس وقت تک جہانگیر کے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ باہر کیا ہو رہا تھا۔ سلمیٰ کو دروازے کی طرف بھیج کر وہ اپنا دوسرا گھونٹ لے چکا تھا۔ وہ اس وقت مسہری پر بری طرح اچھلا جب دراز قامت شخص سلمیٰ کو اپنے ریوالور کی زد پر لیے خواب گاہ کے دروازے پر نمودار ہوا۔

"اے... تم کون ہو۔ ریوالور ہٹاؤ میری بیوی کے سر پر سے۔" وہ بستر پر بیٹھے بیٹھے بوکھلاہٹ کے عالم میں بولا۔

وہ نرا احمق نہیں تھا۔ کاہل ضرور ہو گیا تھا مگر ایسے معاملات کی پوری سمجھ بوجھ رکھتا تھا۔ اپنی ان صلاحیتوں کی بنا پر وہ شی کی مقامی تنظیم میں ایک عرصے تک اہم ذمے داریاں انجام دیتا رہا تھا۔

اس نے پہلی نظر میں ہی بھانپ لیا تھا کہ اس کے فلیٹ میں کسی سنگین واردات کے ارتکاب کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔

"تم جہانگیر ہو... گولڈن فارمیسی والے؟" دراز قامت شخص نے جہانگیر کی بات سنی ان سنی کر کے نیچی مگر درشت آواز میں سوال کیا۔

"ہاں۔ ہم دونوں مسٹر اور مسز جہانگیر ہیں۔" اس بار اس نے جان بوجھ کر بے تکا سا جواب دیا تھا۔ اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ اس شخص کو جلد از جلد زیر کرنے کے امکانات کا جائزہ لے رہا تھا۔

اس نے ریوالور سلمیٰ کے سر سے ہٹا کر اچانک جہانگیر پر تان لیا اور دھیمی غراہٹ میں بولا "کیا ننگے بیٹھے ہوئے ہو۔ جلدی سے ڈھنگ کے کپڑے پہنو۔ تم کو میرے ساتھ چلنا ہے۔"

"سلمیٰ! تم چلی جاؤ ان کے ساتھ۔ مجھ سے تو اب اٹھا بھی نہیں جائے گا۔" جہانگیر نے سر جھکا کر لڑکھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بکواس بند کرو۔ تم کو میرے ساتھ جانا ہے۔" دراز قامت غصیلی آواز میں بولا۔

"ارے بھائی۔ ڈانٹ کیوں رہے ہو۔" جہانگیر نے فضا میں داہنا ہاتھ نچا کر کہا "لے جانا ہے تو ذرا سہارا دے کر بستر سے ہی اٹھا دو۔ کپڑے میں تمہارے گھر جا کر پہن لوں

گا۔"

جہانگیر نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ اس کی اداکاری کے نتیجے میں نووارد کی آنکھوں میں الجھن اور تشویش کے سائے لہرانے لگے تھے۔ وہ یقینی طور پر جہانگیر کو اغوا کر کے لے جانے کے ارادے سے آیا تھا اور یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ نشے میں دھت شکار کو فلیٹ اور پھر بلڈنگ سے باہر کیسے لے جائے گا۔

وہ سلمیٰ کی طرف سے بھی غافل نہیں تھا۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر سلمیٰ کی طرف مڑ کر دھمکی آمیز لہجے میں بولا "اگر تم نے کوئی حرکت کی تو میں تم دونوں کو مار دوں گا۔ باہر پڑی ہوئی عورت کا حشر تم نے دیکھ ہی لیا ہے۔ ابھی وہ صرف بے ہوش ہے لیکن مر بھی سکتی ہے۔"

"اوہو۔ ایک اور عورت ہے۔ کہاں ہے وہ۔۔ بلاؤ اسے!" جہانگیر کسی ہوس پرست شرابی کی طرح بڑبڑانے لگا۔ دوسری عورت کے ذکر نے اسے فکر مند کر دیا تھا۔

سلمیٰ کو سرزنش کر کے وہ شخص جہانگیر کی طرف لپکا اور اسے برہنہ شانے سے پکڑ کر جھنجوڑ کر رکھ دیا "ابے جب برداشت نہیں کر سکتا تو اتنی پیتا کیوں ہے۔" وہ دانت پیس کر بولا تھا "اب تیری دو من کی لاش کو میں کہاں گھسیٹتا پھروں گا۔"

جہانگیر مدہوش بن گیا تھا لیکن پوری ہوش مندی سے حالات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ باہر والی عورت اسی عمارت کی کوئی مکین ہوگی۔ اسے باہر نکلتے اور پھر واپس آتے دیکھ کر اس شخص نے خاموشی سے اسے پوشیدہ ریوالور کی نال پر لے کر اپنے ساتھ چلتے رہنے کا حکم دیا ہوگا۔ عورت کے ساتھ ہونے کی وجہ سے سیکیورٹی والوں نے اسے مہمان سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہوگا۔ یوں وہ کسی رکاوٹ کے بغیر اس عورت کی آڑ لے کر اوپر ان کے دروازے تک آ گیا۔ وہ اکیلا تین افراد کو نہیں سنبھال سکتا تھا۔ اپنا کام نکل جانے کے بعد اس نے عورت کو باہر کی راہ داری میں بے ہوش کر دیا۔ اگر اس کا مقدر ساتھ دیتا تو اور وہ جہانگیر کو لے جانے میں کامیاب ہو جاتا تو اس سے پہلے سلمیٰ کو بھی اسی عورت جیسے انجام سے دوچار ہونا پڑ جاتا۔ جہانگیر کو اسے کسی طرح اس سے پہلے ہی زیر کرنا تھا۔

جہانگیر کو بستر سے نیچے اتارنا آسان کام نہیں تھا۔ تھوڑی سی زور آزمائی کے بعد وہ شخص الگ کھڑا ہو کر جہانگیر کو گھورتا رہا پھر ریوالور جیب میں رکھ کر تیزی سے اس پر جھکا تاکہ اسے بستر سے اترنے میں مدد دے سکے۔ جہانگیر نے ٹرے سے اسکاچ کی بوتل اٹھائی اور تڑ سے اس کے سر پر دے ماری۔ بوتل ٹوٹی نہ سر مگر اس شخص کا بھیجا ضرور ہل گیا۔ وہ کراہتا اور لڑکھڑاتا ہوا قالین پر گر گیا۔ جہانگیر اپنے بستر سے کودا پھر اس نے اپنے حریف کے سینے پر سوار ہو کر اس کے چہرے پر تابڑ توڑ مکے برسانے شروع کر دیے۔

اس شخص کو اپنے مدہوش حریف سے اتنے سخت ردِعمل کی توقع نہیں تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں اور کلائیوں کی مدد سے اپنا چہرہ بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ بوتل کی چوٹ کھا کر قالین پر گرتے ہوئے اس کی جیب سے ریوالور نکل کر دور جا پڑا تھا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی ذرا سی کوشش کر کے اسے اٹھا سکتا تھا۔

سلمیٰ لاکھ خانہ دار سہی لیکن وہ اس موقع کی نزاکت کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ اس نے پہلے راؤنڈ میں ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کا دلیر شوہر اپنے حریف کا جلد ہی بھرکس نکال دے گا۔ اسے سب سے بڑا خطرہ ریوالور کی صورت میں نظر آ رہا تھا۔ وہ تیزی سے بڑھی اور اس نے بہت احتیاط سے اپنی چٹکی میں دبا کر ریوالور اٹھایا اور مسہری پر دور رکھ دیا۔

وہ سب بہت سرعت سے ہوا تھا۔ جہانگیر نے غیر معمولی پھرتی اور ہمت کا مظاہرہ کر کے سلمیٰ کو حیران کر دیا تھا وہ کسی نہ کسی طرح اس کا ہاتھ بٹانے کے لیے بے چین تھی۔ سلمیٰ نے ایک لمحے کے لیے ان دونوں کا جائزہ لیا اور پھر قالین پر گرے ہوئے نووارد کی دونوں ٹانگوں کے درمیانی مقام کا نشانہ لے کر پوری قوت سے اپنی لات گھما دی۔ اسے یقین تھا کہ اس نازک مقام پر آنے والی ضرب اسے ایک لمحے میں نڈھال کر دے گی اور جہانگیر کو زیادہ مشقت سے نجات مل جائے گی۔

وہ دونوں ساکت نہیں تھے۔ مغلوب حریف اچھل۔۔کود کر جہانگیر کو اپنے اوپر سے گرانے کے لیے کوشاں تھا۔ اس اچھل کود کی وجہ سے سلمیٰ کا نشانہ خطا ہو گیا اور اس کی لات خاصی زور سے جہانگیر کی پشت پر پڑی۔ وہ غرا کر رہ گیا۔

سلمیٰ سہم گئی۔ اپنی ایک کوشش کا انجام دیکھ لینے کے بعد اس کا امدادی جذبہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ وہ الگ کھڑی وہ مقابلہ دیکھتی رہی۔

جہانگیر اپنے زمانے کا بہترین لڑاکا تھا۔ وقت کی گردشوں نے اسے کاہل ضرور بنا دیا تھا لیکن اس کے ذہن میں دست بدست لڑائی کے سارے آزمودہ گر نقش تھے۔ اس نے ذرا سی دیر میں اپنے مقابل کا پورا چہرہ ادھیڑ کر رکھ دیا۔ جوں ہی وہ ذرا نڈھال ہوا اور اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑے، جہانگیر نے

اس کی بائیں کنپٹی کے ایک خاص مقام پر فیصلہ کن مکا رسید کیا۔ وہ چراغِ سحری کی آخری لو کی طرح بھڑک کر زور سے اچھلا اور پھر ہاتھ پیر ڈال کر بے حس و حرکت ہو گیا۔

اس کی بے ہوشی کا یقین ہوتے ہی جہانگیر فاتحانہ انداز میں اس کے سینے پر سے اتر آیا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔ تم نے میری کمر پر لات کیوں ماری تھی؟" جہانگیر نے سلمیٰ کو گھورتے ہوئے 'پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔

"مم... میں نے اس کا نشانہ لیا تھا۔ عین وقت پر اس نے اپنے کولہے نیچے ٹکا دیئے اور میری لات تمہاری کمر پر پڑ گئی۔" سلمیٰ نے ہکلاتے ہوئے اپنی غلطی کی وضاحت کی۔ اس وقت اسے خوف آرہا تھا کہ کہیں جہانگیر غصے میں اسے بھی گرا کر مارنا شروع نہ کردے۔

"یہ تمہارے بس کی باتیں نہیں ہیں۔ لڑائی جھگڑے مردانہ کھیل ہوتے ہیں۔ اس میں عورتوں کو اکثر موچ آجاتی ہے۔" اس نے خفگی سے کہا "اگر تمہاری لات ذرا زور سے پڑی ہوتی تو میرے گردے پھٹ سکتے تھے... جاؤ! اب کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ ڈینی کو بتاؤ کہ اس کا کیا دھرا مجھے بھگتنا پڑ رہا ہے۔ دن رات گھر میں بیٹھا ہوں مگر ان سالوں نے یہاں بھی چین نہیں لینے دیا۔ یہ اکیلا نہیں ہوگا۔ باہر اس کے دو چار ساتھی ضرور موجود ہوں گے۔"

مغلوب حریف کے ساتھیوں کا ذکر سن کر سلمیٰ کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ جہانگیر نے برابر کے مقابلے میں اپنے حریف کو آسانی سے مار لیا تھا لیکن ایک وقت میں کئی مسلح حریفوں سے مقابلہ کرنا شاید اس کے لیے دشوار ہوتا۔ وہ خوف زدہ ہو کر سیدھی فون کی طرف بھاگ گئی۔

جہانگیر کھڑا اپنا سر کھجاتا رہا۔ وہ اس وقت سلمیٰ کے ساتھ کچھ خوشگوار لمحات گزارنے کے لیے اپنا موڈ بنا رہا تھا۔ مسلح نو وارد کی بے جا مداخلت نے اس کا وہ پروگرام غارت کردیا تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ اس شخص کے علاوہ گھر کی راہداری میں کوئی عورت بھی بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ وہ تیزی سے باہر نکلا اور وہاں پہنچ گیا۔

وہ پختہ عمر کی عورت تھی۔ گوری چٹی رنگت اور تیکھے نقوش کی وجہ سے بہت سی لڑکیوں سے زیادہ پرکشش تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ اس وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر' بے حجابی سے نیچے بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ اس بے چاری کے لیے جہانگیر کے دل میں یک بیک رحم کا جذبہ جاگ اٹھا اور اس نے وہیں اکڑوں بیٹھ کر اس کے بدن کے مختلف حصوں کو نرمی سے چھو چھو کر اس کے خوب صورت وجود کی نسوانی نزاکتوں کی حرارت محسوس کرنی شروع کردی۔

اس کا بدن گرم تھا اور وہ صرف بے ہوش تھی۔ جہانگیر نے سوچا کہ اسے فوری مدد سے زیادہ آرام کی ضرورت تھی۔ وہ وہیں بیٹھا اپنے انداز میں اس کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ اس دھن میں وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے بے ہوش حریف کو بھی بھول چکا تھا۔

وہ اس وقت چونکا۔ جب اس کے کانوں میں سلمیٰ کی تیز آواز آئی "تم یہ کیا کررہے ہو؟"

جہانگیر نے بوکھلا کر اس عورت کے رخسار پر سے اپنا ہاتھ ہٹالیا اور سلمیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "اسے ہوش میں لانے کی کوشش کررہا تھا۔"

"ہوش میں لانے کے بجائے اسے یہاں سے ہٹانے کی کوشش کرو۔ کوئی آگیا تو اسے دیکھ کر لاش ہی سمجھے گا اور پوری بلڈنگ میں نیچے سے اوپر تک شور مچ جائے گا۔"

جہانگیر نہایت سعادت مندی کے ساتھ 'اس عورت کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر اٹھانے کے لیے جھکا تھا کہ سلمیٰ نے جھلا کر اسے ڈانٹ دیا "اس سے چمٹے کیوں جارہے ہو۔ الگ سے دونوں ہاتھ پکڑو۔ میں پیر پکڑتی ہوں۔ اسے اپنے کمرے میں پہنچا دو جہاں وہ آدمی پڑا ہوا ہے۔"

"لعنت ہو تم پر۔" جہانگیر نے سلمیٰ پر دانت پیسے "مجھے اس چڑیل سے چمٹنے کی کیا ضرورت ہے۔ چلو' تھامو اس کے پیر!"

ان دونوں نے ڈنڈا ڈولی کرکے اسے اٹھایا اور لے کر اپنے کمرے کی طرف چل دیئے۔ اس چکر میں جہانگیر کو سلمیٰ سے یہ پوچھنا بھی یاد نہیں رہا کہ اس کی مجھ سے فون پر کیا بات ہوئی تھی۔

✿✿✿

سلمیٰ کا فون آیا تو اول خان ہم سے رخصت ہونے کے لیے تیار تھا۔ فون کی وجہ سے وہ چند لمحوں کے لیے رک گیا۔

اس وقت سلمیٰ بہت زیادہ گھبرائی ہوئی تھی۔ ان کے فلیٹ میں کسی مسلح شخص کے داخلے کی خبر میرے لیے ناقابلِ یقین تھی۔ اس عمارت کے باہر ایس ٹی ایف کے آدمیوں کی موجودگی میں کسی اجنبی کا یوں اندر گھس جانا حیرت ناک تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ جہانگیر جیسے نکمے آدمی نے اسے زیر کرلیا۔" وہ خبر سن کر دیرا نے بے ساختہ کہا "اسے وقت ملتا تو وہ نہ جانے کیا کچھ کر گزرتا۔"

"وہ کچھ بھی نہیں کرتا۔" میں نے بتایا "سلمیٰ کہہ رہی تھی

کہ وہ ریوالور کے زور پر جہانگیر کو اپنے ساتھ لے جانا چاہ رہا تھا۔ یہ اس کے اغوا کی پہلی ناکام کوشش ہے۔ میں اس کے گھر جا رہا ہوں۔ چاہو تو تم بھی میرے ساتھ چل سکتی ہو۔"

"ذرا ایک منٹ صبر کرو۔" اول خان نے مجھے روکا "وہ اکیلا نہیں ہوگا۔ باہر اس کے ساتھی اس کی واپسی کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ دیر ہونے کی صورت میں وہ بھی کسی کارروائی کا آغاز کر سکتے ہیں۔ یہاں سے ان کا گھر بہت دور ہے۔ جب تک تم وہاں پہنچو گے، پانی سروں پر سے گزر چکا ہوگا۔"

وہ خطرہ بہت قوی تھا۔ میں نے لمحے بھر کے لیے سوچا اور کہا "وہاں تمہارے آدمی موجود ہیں۔ ان سے کس طرح رابطہ ہو سکتا ہے؟"

"ہاں۔ گاڑی میں اپریٹس موجود ہے۔" اس نے چونک کر کہا "یہی بہتر ہوگا کہ میں اپنے ایک آدمی کو ان کے فلیٹ پر بھیج دوں۔ جب تک ہم لوگ وہاں پہنچیں گے، جہانگیر اور سلمیٰ کو کوئی نہ کوئی سہارا میسر رہے گا۔"

اول خان کی بات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے اپنے گھر واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ اس کے لیے جہانگیر کی سلامتی زیادہ اہم تھی۔ وہ ہمارے ساتھ اس کے گھر جانے کا خواہاں تھا۔

وہ خبر سنتے ہی میرے ذہن میں آندھیاں سی چلنی شروع ہو گئی تھیں۔ اس وقت .... ہمارے سامنے ٹام، نک اور سوبھراج کے علاوہ کوئی اور حریف میدان میں نہیں تھا۔ ان تینوں کو مجھ تک رسائی کے لیے شدت سے کسی نہ کسی سہارے کی تلاش تھی۔ ٹام اور نک کا نام یوں خارج ہو جاتا تھا کہ میں نے ان کو چکر دیا ہوا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ اس وقت ڈپٹی ایس ٹی ایف کے کرنل داور کی نجی قید میں تھا۔ ایسی صورت میں یہ امکان نہیں رہتا تھا کہ وہ جہانگیر کا رخ کرتے یا کرایے کے کسی آدمی کو اس کے اغوا پر مامور کرتے۔

صرف سوبھراج ایسا آدمی رہ جاتا تھا جسے ویرا کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد کسی متبادل کی تلاش تھی۔ جہانگیر کو پکڑ کر وہ ایک بار پھر میرے برابر کی سطح پر آ کر مجھے بلیک میل کر سکتا تھا۔ اس سے کچھ دیر پہلے میری جو گفتگو ہوئی تھی اس کے بعد اس کی طرف سے جہانگیر کے خلاف کسی کارروائی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ بس ایک ہی صورت نظر آتی تھی کہ اس نے اپنے آدمیوں کو جہانگیر کے بارے میں پہلے سے کوئی ہدایت دی ہوئی ہو۔ وہ لوگ میرے اور سوبھراج کے درمیان ہونے والی تازہ ترین گفتگو سے بے خبر تھے۔ انہوں نے اپنے آقا کی آخری ہدایت کے مطابق، موقع ملتے ہی جہانگیر کے گھر پر اپنا کام شروع کر دیا۔

وہ اندازے تھے۔ جہانگیر کے گھر پر بے ہوش ہو جانے والے شخص سے پوچھ گچھ کے بعد ہی وہ گتھی سلجھ سکتی تھی۔

غزالہ اور سلطان شاہ کو گھر پر چھوڑ کر ہم تینوں باہر آئے اور اول خان کی گاڑی میں برق رفتاری کے ساتھ کلفٹن کی طرف روانہ ہو گئے۔

اول خان نے گاڑی چلاتے ہوئے ایک اپریٹس پر اپنے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ وہ جہانگیر کی رہائشی عمارت کے باہر اپنی ڈیوٹی پر موجود تھے لیکن اوپر رونما ہونے والے واقعے سے بالکل بے خبر تھے۔

"ایک مسلح آدمی ان کے فلیٹ میں گھسا ہے اور اس وقت وہاں بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ تیزی سے وہاں پہنچو۔ اس کے ساتھی باہر موجود ہو سکتے ہیں۔ ان کی تلاش بھی ضروری ہے۔ میں خود بھی اسی طرف آ رہا ہوں۔" اول خان نے ایک سانس میں وہ ہدایت دے کر اپریٹس بند کر دیا۔

"یہ جہانگیر کے پینے پلانے کا وقت ہے۔" کچھ دیر بعد ویرا نے گاڑی میں چھایا ہوا سکوت توڑا "مجھے حیرت ہے کہ اس نے اس حالت میں ہوتے ہوئے بھی اپنے حریف کو زیر کر لیا۔"

"بظاہر وہ دونوں میاں بیوی آپس میں لڑتے رہتے ہیں لیکن اپنے اپنے انداز میں ایک دوسرے کی بہت نازبرداریاں کرتے ہیں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "سلمیٰ کی ان مہربانیوں نے اسے کاہل بنا دیا ہے ورنہ وہ آج بھی ایک باصلاحیت انسان ہے۔" میرے جواب میں ویرا کچھ نہیں بولی۔

گاڑی میں ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی۔ ویرا شاید مسلسل جہانگیر کے کارنامے کے بارے میں سوچ جا رہی تھی۔ میں اس واقعے کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ یوں نظر آ رہا تھا جیسے مجھے سوبھراج کے بارے میں از سر نو کچھ فیصلے کرنا پڑیں گے۔

اول خان کی لینڈ روور بہت تیزی کے ساتھ کلفٹن کی طرف جانے والے راستوں پر رواں تھی۔ میں نے خاموشی کے ساتھ اپنے ذہن میں ان کلیدی سوالوں کا خاکہ مرتب کرنا شروع کر دیا۔ جو جہانگیر کے قیدی سے پوچھنے ضروری بلکہ ناگزیر تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک نیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہمارے علم میں آیا کہ دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کا کرنل اٹل بسواس پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے۔ جس کی سرکوبی کے لیے بھارت کا سفر ناگزیر تھا۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ اس خطرناک مہم سے کامیاب واپسی پر لال نے مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دیا جسے تمام ساتھیوں کے مشورے کے بعد قبول کر لیا گیا۔ بھارت سے خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں مظفر خان کے علاوہ ڈیبی کی بھی تلاش تھی۔ جلال نے بتایا کہ دہلی میں مارے جانے والے جان اسمتھ کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں امریکی پاکستانی ایجنٹوں کی مدد کے طلب گار تھے۔ امریکن قونصلیٹ کے چیف کلرک لیری ہف نے پاکستانی ایجنسیوں کا آف دی ریکارڈ اجلاس طلب کیا میں بھی اس میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے نام سے شریک ہوا۔ اپنی تلخ باتوں کے نتیجے میں میں لیری کی نظر میں آگیا۔ اجلاس میں اس نے میرے چندن کو کیے گئے فیکس کی نقل تقسیم کر کے مظفر خان کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ میں نے ماجد الحسینی کے نام سے لیری ہف کو فون پر جان لیوا دھمکیاں دیں۔ بعد میں جلال نے مجھے بتایا کہ وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر نقد جاں ہار بیٹھا تھا اور امریکیوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ دوسری طرف ویرا، چوپڑا کے سلسلے میں میدان اتر آئی تھی۔ شی کے پرانے نمک خوار جوشی کے ذریعے اسے چوپڑا کے کوائف کا علم ہو چکا تھا۔ وہ چوپڑا کو جوشی کے ذریعے گھیرنا چاہ رہی تھی مگر دشمن اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ اول خان اپنی نفری کے ہمراہ جوشی اٹھانے گیا تھا کہ ان پر فائرنگ کی گئی۔ جوشی انہیں نہیں ملا بعد کے واقعات سے ایسا لگا کہ اسے را والے اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ اب جوشی ہمارے لیے بے حد اہم تھا میں نے چوپڑا کے مقامی رابطوں کے سلسلے میں جلال سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چوپڑا نے کئی ماہ پہلے راجا نامی ایک بدمعاش کو پولیس کیس سے نجات دلائی تھی۔ امکان تھا کہ چوپڑا نے جوشی کے سلسلے میں اسی سے مدد لی ہے۔ ہم نے راجا کے ٹھکانے پر چڑھائی کی مگر وہاں سے جوشی کی لاش کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ راجا اسے مار کر وہاں سے فرار ہوا تھا کہ ٹریفک کے حادثے زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ جہاں سے ایس ٹی ایف نے اسے اٹھا لیا۔ سختی کرنے کے بجائے ویرا کے ذریعے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو اس نے موبائل فون پر ڈی ون کی حیثیت سے آئی مین سے بات کی اور مجھے شی یاد آگئی۔ شی نے ایک مرتبہ پھر اپنی بساط بچھادی تھی۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد راجا نے آئی مین کا فون نمبر ہمیں دے دیا۔ جس کے ذریعے ہم اس کا پتا معلوم کر کے وہاں پہنچے تو وہ خطرہ بھانپ کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ اسی دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چوپڑا سفارتی شراب کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ آئی بی اس کے پیچھے تھی۔ جلد ہی اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے اور اب وہ کسی بھی لمحے پولیس کی تحویل میں جانے والا تھا۔ آئی مین نے اپنے خلاف تمام شہادتوں کو مٹانے کے لیے اپنے ہر جاننے والے کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ایک مقتول پر بیم گن استعمال کی تو اول خان کو نکتہ مل گیا اور اس نے ایک غیر ملکی این جی او کی پراسرار سرگرمیوں کے حوالے میں اخبار میں تفصیلی فیچر چھپوانے کا بندوبست کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ہمارا خیال تھا کہ آئی مین اب مجھے جہانگیر کے ذریعے شکار کرنے کی کوشش کرے گا اور اس حوالے سے جہانگیر کی جان خطرے میں تھی۔ میں نے گولڈن فارمیسی میں بیٹھ کر دشمنوں کی راہ دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان شاہ نے مجھے بتائے بغیر میری حفاظت کا ذمہ لیا اور گولڈن فارمیسی کے اطراف میں پہنچ گیا۔ جہاں اس کا ٹکراؤ ایک مشکوک سیاہ فام امریکی سے ہوا جس میں الجھ کر جان بچانے کے لیے اس امریکی نے بیم گن استعمال کی اور ایک بے گناہ راہ گیر کا بازو کٹ گیا۔ وہ امریکی گولڈن فارمیسی میں ہی آیا تھا اور میں بھی اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔ میں اپنے مورچے پر تھا اور وہیں جہانگیر سمجھ کر آئی مین نے مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اس نے بتایا کہ وہ شی کے احیا کے لیے اس علاقے میں آیا ہے۔ اور اب جہانگیر اور دوسرے تمام کارکنوں کو اکٹھا کر رہا ہے۔ گفتگو کے دوران میں میں نے جہانگیر کی حیثیت سے اس سے روبرو ملاقات کرنے کی رضامندی حاصل کر لی جو ان حالات میں بڑی کامیابی تھی مگر اس نے ملاقات کی منصوبہ بندی اس طرح کی کہ مجھے ایک لمحے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ اس کا فرستادہ دکان میں موجود تھا اور میں تاریک کیبن میں آئی مین سے ٹیلی فون پر گفتگو میں معروف تھا۔ اس نے مجھے فوری طور پر اپنے ہرکارے کے ذریعے طلب کیا تھا۔ چاروناچار مجھے اس ہدایت پر عمل کرنا پڑا۔ ایس ٹی ایف اور اول خان میرے نگراں تھے ان کی جلد بازی کے باعث آئی مین مجھ سے اچٹ گیا تاہم اس سے قبل وہ مجھے سلور آئی کا دیدار کرا چکا تھا۔ ہم آئی مین کے پیچھے تھے۔ اسی وقت ہمیں معلوم ہوا کہ وہ بوٹ بیسن میں واقع فالکن ہاؤس میں رہائش پذیر تھا۔ ہم نے فوری طور پر وہاں دھاوا بولنے کا ارادہ کر لیا۔ ہم ان تیاریوں میں تھے جب جلال نے بتایا کہ سیاہ فام امریکی سفارت کار جیک اسمتھ بھی فالکن ہاؤس میں دو امریکی کمانڈوز کے ساتھ موجود ہے۔ وہ ازخود کوئی کارروائی نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس نے ایس ٹی ایف کے جاں بازوں کی مدد سے وہاں کارروائی کر ڈالی۔ مقابلہ بھرپور انداز میں ہوا جن میں دو امریکی کمانڈوز اور سیاہ فام جیک اسمتھ کام آگئے جبکہ آئی مین کے ساتھ رہنے والی مشکوک امریکی عورت اور ایک مقامی چوکیدار ہمیں زندہ حالت میں مل گئے۔ آئی مین فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جیک اسمتھ میری بیم گن کا شکار ہوا تھا مگر میں نے کوشش کی کہ اس کا الزام آئی مین پر آئے۔ ہم اپنی مہم کی ناکامی اور کامیابی کے بارے میں سوچ رہے تھے جب اول خان نے اطلاع دی کہ گولڈن فارمیسی کو نامعلوم افراد نے نذر آتش کر دیا ہے۔ آئی مین کی طرف سے اس قدر برق رفتاری اور سفاکی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ بہرحال بوٹ بیسن سے قیدی کے طور پر ہاتھ آنے والی کیلی بائرن سے پوچھ گچھ شروع ہوئی تو اس نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیے اور اس کی نشان دہی پر آئی بی نے بوٹ بیسن کے بنگلے سے کیلی بائرن اور آئی مین کے پاسپورٹ برآمد کر لیے جس کے مطابق اس کا نام بن ڈیوڈ تھا۔ جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ بن نے ایجنٹوں کے ذریعے اپنی مذموم کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا مگر وہ ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انہیں ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی تائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہو گئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی تائن پر دھاوا بولا اور ایک جاں گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے خود ہی اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کے ہم سب کو چوکنا کر دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہو گی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک باروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیبی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ اس نے میرے جھانسے میں آکر مقامی ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں ٹپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر کے مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان نامی ایک مشکوک شخص تواتر کے ساتھ ہوٹل میں قیام کرتا رہا تھا اور اس وقت بھی ہوٹل میں موجود تھا۔ میں نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ بعد کی تحقیق نے ثابت کیا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں تل والی مشکوک لڑکی سلمیٰ سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کر دیا۔ اس حلیئے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہو گئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہو سکتی تھی۔ اسی اثنا میں نک باروے نے تصدیق کر دی کہ ڈیبی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں سے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کی فرضی رضا کارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کر لیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہو گی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا تھا۔ غزالہ سلمیٰ کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا ناکافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک باروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک باروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیبی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کرا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کی سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ اس نے موقع ملتے ہی اپنے پستول یا ریوالور کی نال میری پسلیوں میں لگا دی۔ دہشت آمیز سنسنی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا تھا۔

○☆○

نک کا صحت مند اور ادھیڑ عمر ساتھی بے رحمی کے ساتھ میری پسلیوں میں اپنے پوشیدہ پستول یا ریوالور کی نال گھسائے میرے ساتھ تقریباً لگا ہوا کھڑا تھا۔ نک کی نگاہوں میں رچی ہوئی حیرت اور بے یقینی فوری طور پر میری تشویش کا درماں نہیں بن سکی۔ اس کی حیرت کا سبب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اس کے باہر سے آئے ہوئے افسر نے طے شدہ پروگرام کے مطابق تحمل اور رسانیت سے کام لینے کے بجائے غیر ضروری عجلت کا مظاہرہ کیا ہو!

اس وقت ہم بوٹ بیسن کی فوڈ اسٹریٹ سے کچھ ہی دور، خاصی تاریکی اور ویرانی میں کھڑے ہوئے تھے۔ ہم سے کچھ فاصلے پر جگمگاتی ہوئی تیز روشنیوں میں زندگی کی رونقوں سے لطف اندوز ہونے والوں کے لیے اول تو ہمارے ہیولوں کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ کوئی دیکھ بھی لیتا تو کسی بھی طرح یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ میں اچانک کس افتاد کا شکار ہو گیا تھا۔

اپنی پسلیوں میں آہنی نال کی سخت چبھن محسوس کرتے ہی میرے ذہن میں اس خیال نے سر ابھارا تھا کہ میرے حریف نے آتشیں اسلحہ اپنے ساتھ لا کر... کھلی بدنیتی کا ثبوت دیا تھا۔ اس پر یہ حقیقت مستزاد تھی کہ اس نے اپنے اسلحے کے استعمال میں بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کرنل داور آسانی کے ساتھ ان لوگوں کے دام میں آنے والی اسامی نہیں تھا۔ ملاقات اور سرسری مذاکرات کے بہانے مجھے اپنے روبرو بلانے کے بعد اس نے مجھے بے بس کرنے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا تھا۔ میرے غافل ہوتے ہی بہت سرعت سے مجھے اپنے ہتھیار کی زد میں لے لیا تھا۔

اس نازک وقت میں میرے لیے صرف ایک بات حوصلہ افزا تھی کہ میں ان دونوں خبیثوں کے رحم و کرم پر نہیں تھا۔ اول خان اپنی گاڑی میں میرے تینوں ساتھیوں سمیت کسی ایسے مورچے کی آڑ میں رکا ہوا تھا جہاں سے وہ مجھے ضرور دیکھ رہا ہو گا لیکن میں اسے یا اس کی گاڑی کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر وہ دونوں مجھے کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے تو وہاں نارمل صورت حال برقرار نہ رہتی۔ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوتی اور وہ دونوں بی ایم ڈبلیو جیسی برق رفتار گاڑی پر تصرف کے باوجود وہاں سے صحیح سلامت فرار ہونے میں کامیاب نہ ہوتے۔ ان کو ہر قیمت پر اپنی حرکت کا خمیازہ بھگتنا پڑتا۔

وہ بس پل بھر کی بات تھی۔ آہنی نال کی چبھن کے ساتھ میرے ذہن میں آندھیاں سی چل پڑی تھیں اور اسی لمحے اندھیرے سے گھورتی ہوئی کسی ہمزاد آنکھ نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ نک کے ہمراہی کی پوزیشن میں اچانک رونما ہونے والی تبدیلی کسی بڑی گڑبڑ کا پیش خیمہ ہو سکتی تھی۔ ہم سے دور اور فوڈ اسٹریٹ کی مخالف سمت میں اچانک کسی گاڑی کے تیز ہیڈ لیمپس یکا یک جلے اور ہم تینوں ہی ان کی روشنی میں نہا گئے۔ لمحے بھر بعد وہ روشنیاں بجھ کر معدوم ہو گئیں اور پُرسکون ساحلی فضا کے سکوت میں بھاری ڈیزل انجن کے اسٹارٹ ہونے کی آواز گونجنے لگی۔

یوں غیر متوقع طور پر روشنی میں نہا جانے کی وجہ سے نک کا ساتھی بوکھلا کر مجھ سے الگ ہو گیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ اول خان نے بظاہر میری ہر بات مان لی تھی لیکن وہ اپنی احتیاطی تدابیر پر عمل کرنے سے باز نہیں رہ سکا تھا۔ اس نے اسٹیشن فور سے ہمارے گھر کے لیے روانہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی کوئی حفاظتی پارٹی براہِ راست بوٹ بیسن کی طرف روانہ کر دی تھی۔ ان لوگوں نے اپنے سربراہ کی دی ہوئی بریفنگ کی روشنی میں ملاقات کے متوقع مقام کا تعین کیا اور اس سے کچھ دور، اندھیرے میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔

ان لوگوں نے نک کے ساتھی کی حرکت پر جس تیزی سے اپنے ردِعمل کا مظاہرہ کیا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہتھیاروں کے ساتھ، اندھیرے میں دور تک دیکھ لینے کی صلاحیت رکھنے والی انفرا ریڈ دوربینوں سے بھی لیس تھے۔ شہری پولیس فورس کے مقابلے میں ایس ٹی ایف والے جدید ترین سائنسی شعبدوں تک زیادہ رسائی رکھتے تھے اور میں نے بارہا اس کے عملی مظاہرے دیکھے تھے۔

''اوہ! یہ کیا تھا؟ یہ روشنی کہاں سے آئی تھی؟'' نک کے ساتھی نے مجھ سے دور ہٹتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

''کیا تم کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر آئے ہو؟'' اس کی بات پوری ہوتے ہی نک نے سوال داغ دیا۔

''تم مسلح ہو کر آ سکتے ہو تو مجھے بھی اپنے تحفظ کا پورا حق حاصل ہے۔'' میں نے قدرے ترشی سے جواب دیا ''مگر مجھے اپنے زورِ بازو پر بھروسا ہے۔ میرے ساتھ کوئی نہیں آیا۔ میں اکیلا ہی ہر قسم کی صورت حال سے نمٹ سکتا ہوں۔''

اس وقت تک اندھیرے میں چھپی ہوئی گاڑی کا انجن بیدار ہو چکا تھا اور اس کے ہیڈ لیمپس دوبارہ روشن ہو چکے تھے۔ وہ دو رویہ سڑک کی اس سمت پر کچے میں کھڑی ہوئی تھی جو ساحل سے آنے والی سڑک کے داہنے پہلو پر واقع تھا۔ وہ گاڑی حرکت میں آئی اور رانگ سائیڈ پر سڑک سے نیچے دھول اڑاتی ہوئی آہستہ آہستہ ہماری طرف بڑھنے لگی۔ ہمارے مذاکرات معطل ہو گئے۔ سب کی توجہ آنے والی گاڑی پر مرکوز ہو چکی تھی۔

ان دونوں کے روشنی میں نہائے ہوئے چہروں پر تشویش اور خوف کے سائے پھیل چکے تھے۔ میرا دل اندر سے بہت مطمئن تھا۔

ناہموار اور کچے راستے پر وہ گاڑی تیزی سے ہچکولے لیتی ہوئی دھیرے دھیرے آگے بڑھتی رہی اور پھر رکے بغیر ہمارے قریب سے گزر گئی۔ وہ واضح طور پر ایس ٹی ایف کی بڑی ڈیزل پک اپ تھی جس کے اگلے اور پچھلے حصے میں کم از کم پانچ نفوس نظر آ رہے تھے۔

اس گاڑی میں آنے والوں کو درمیانی فاصلہ طے کرنے میں خاصا وقت مل گیا تھا۔ انہوں نے اپنے گہرے مشاہدے سے یہ بات نوٹ کر لی تھی کہ مجھے فوری طور پر کوئی سنگین خطرہ لاحق نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو وہ ٹل چکا تھا۔

وہ لوگ ہم تینوں کو اپنی سرگرم موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور پھر ان کی گاڑی فوڈ اسٹریٹ کے سرے پر داہنی طرف جانے والی سڑک پر گھوم کر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

''یہ سادہ کپڑوں والے کون لوگ تھے؟'' خاموشی کے ایک طویل اور اعصاب شکن وقفے کے بعد افسرِ اعلیٰ نے نک سے پوچھا۔

''تمہیں ان کے بارے میں فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔'' نک کے بجائے میں نے جواب دیا ''یہ شہر کا حساس ترین تفریحی علاقہ ہے۔ یہاں شہر کے متوسط اور خوش حال طبقوں کے عیال دار لوگوں کے ساتھ ساتھ سرکاری افسران اور امرا کی بگڑی ہوئی اولادیں بھی جوڑوں کی شکل میں سرِ شام سے آنا شروع کر دیتی ہے اور نشے کی حالت میں بعض اوقات لڑکے لڑکیاں لڑ پڑتے ہیں۔ ایسی ہر صورت حال سے نمٹنے کے لیے پولیس والوں کے علاوہ دوسری خفیہ ایجنسیاں بھی یہاں پر گشت کرتی رہتی ہیں تاکہ وہ ناخوش گوار واقعات کی فوری روک تھام کر سکیں اور رنگین مزاج لڑکوں لڑکیوں کا کوئی اسکینڈل نہ بننے پائے۔''

''کیا کرنل داور کا پیش کیا ہوا جواز درست ہے؟'' اس نے نک سے تصدیق چاہی۔

''یہ بات ٹھیک ہے کہ اس علاقے میں آئے دن کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔'' نک نے میری تائید کی ''مگر اخباروں میں بہت کم خبریں آتی ہیں۔''

''ویری گڈ!'' وہ پہلی بار کھل کر ہنسا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ نئی پاکستانی نسل تیزی سے ترقی کر رہی ہے اور اسے بہت سی آزادیاں میسر ہیں۔ امریکا میں پاکستانی معاشرت کا تصور بہت دقیانوسی ہے۔ وہاں سمجھا جاتا ہے کہ پاکستان میں تریاق کے طور پر بھی شراب کا ایک قطرہ ملنا ناممکن ہے۔ یہاں کی عورتیں اور لڑکیاں ہر وقت پردے اور حجاب میں لپٹی رہتی ہیں، جنسی میل جول پر بھیانک سزائیں دی جاتی ہیں۔''

''افسوس کہ تمہارے پاس وقت بہت کم ہے۔ یہاں رات گزارتے تو تمہیں اندازہ ہو جاتا کہ اب کراچی کی راتیں بے روپ اور ویران نہیں ہوتیں۔'' نک بولا۔

وہ فقرے میرے لیے ناقابلِ برداشت تھے۔ ان کی باتوں سے طنز اور تضحیک کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ خوش تھے کہ ان کے گھروں میں جنم لینے والی ہر قسم کی بے راہ روی پاکستانی معاشرے میں بھی تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے مگر اس وقت میں ان سے کسی تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ سب سے اہم نکتہ یہ تھا کہ ان کا انداز طنزیہ ضرور تھا مگر جو کچھ وہ کہہ رہے تھے وہ حقائق سے دور نہیں تھا اور سچ بات پر اشتعال کا مظاہرہ بدمزگی کا سبب بن سکتا تھا۔

''تم نے مجھے اسلحے کی نال پر کیوں لیا تھا؟'' میں نے غصے اور جھنجلاہٹ کو چھپانے کے لیے وہ تلخ سوال کر ڈالا۔

''میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ تمہارے ساتھ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔''

''دھوکے سے بلا کر تم کسی کے ساتھ کوئی بھی سلوک کر سکتے ہو۔ اپنے طور پر تم میری گرد بھی نہیں پا سکو گے۔ میں اپنے انداز میں کام کرتا ہوں تو دشمن کی کسی امکانی کارروائی سے غافل نہیں رہتا۔ کوئی دوستی کی آڑ میں دغا دے بیٹھے تو اس کا علاج ناممکن ہے۔''

''اسپائی وار میں یہی ہوتا ہے.....'' اس نے کہنا چاہا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''ایک طرف ملاپ اور دوستی کی بات کر رہے ہو اور دوسری طرف اسپائی وار کی دھمکی دے رہے ہو۔''

''پاکستان میں ہم ایس ٹی ایف کو امریکی مفادات کا اولین دشمن تصور کرتے ہیں۔'' اس نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر، دوٹوک انداز میں کہا ''جب تک ایس ٹی ایف سے وفاداری کا دم بھرتے رہو گے، تم سے ہماری لڑائی جاری رہے گی۔ دشمن کی آستینوں میں سانپ پالنا اسپائی وار کا بنیادی اصول ہوتا ہے......''

''یعنی تم مجھے ایس ٹی ایف کی آستین کا سانپ بنانا چاہتے ہو؟'' میں نے تڑپ کر ایک مرتبہ پھر اس کی بات کاٹ دی۔

''بار بار میری بات مت کاٹو۔'' اس کا لہجہ تحکم آمیز ہو گیا ''ایس ٹی ایف کو کوئی نقصان پہنچانے سے زیادہ ہمیں اپنی قوت مجتمع کرنے کی ضرورت ہے۔ یہاں ہماری فارمیشن کمزور پڑ رہی ہے۔ اس کو سنبھالنے کے لیے تم کو آنے کی دعوت دی جا رہی ہے لیکن تم اپنی جگہ اڑے ہوئے ہو۔ میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اگر تم اپنی ضد کی وجہ سے ہمارے کسی کام نہ آ سکے تو پھر شاید ایس ٹی ایف کے لیے بھی کسی کام کے نہ رہو۔''

''یعنی تم میری آستین کے کسی سانپ سے مجھے ڈسوا دو گے!'' میں نے اس کی کھلی دھمکی پر حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے۔'' اندھیرے میں اس کی چمکتی ہوئی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کی آواز دوبارہ دھیمی اور پرسکون ہو گئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''ہم پرائی زمین پر بہت محتاط رہتے ہیں اور ہر قیمت پر مقامی قانون کی گرفت سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ٹیڑھے کام نکالنے کے لیے اپنے مقامی ایجنٹوں کو استعمال کرتے ہیں۔''

''تاکہ برا وقت آئے تو مصیبت ان ہی کو بھگتنا پڑے!'' میں نے کہا۔

''ایسا نہیں ہوتا۔'' اس بار نک نے اپنے افسر کو سہارا دیا ''کوئی آدمی مشکل میں گھر جائے تو ہم پس پردہ رہ کر اس کی پوری پوری مدد کرتے ہیں۔''

''کیا تم کو اندازہ ہے کہ تمہاری اس دھمکی کے نتیجے میں، میں ڈینی والی ڈیل سے انکار کر سکتا ہوں۔'' قدرے توقف کے بعد میں نے ان دونوں سے پوچھا۔

''کر دو۔ سوبھراج کو بنکاک میں روک دیا جائے گا اور یہاں ایک ایسا کھیل شروع ہو جائے گا جو ابھی تمہارے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا۔'' اس کی آواز بدستور دھیمی اور بیانیہ رہی۔ اس نے میری جوابی دھمکی پر کسی اشتعال کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

''سوبھراج کو اپنی ساکھ کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ تمہارا غدار ہے۔ میری نظروں میں وہ اتنا بڑا لیڈر نہیں ہے کہ تھائی لینڈ میں بیٹھ کر پاکستان کے کسی بھی معاملے پر اثر انداز ہو سکے۔ اسے زندہ رکھ کر تم اپنی آستین میں ایک زہریلا ناگ پال لو گے۔''

''میرا خیال ہے کہ اس وقت یہ باتیں غیر ضروری ہیں۔'' نک نے بات بگڑنے کے خوف سے اضطراری انداز میں دخل اندازی کرتے ہوئے، اپنے افسر سے کہا ''کرنل داور ہماری بات نہیں مانتا تو نہ مانے۔ میں بہت جلد کوئی اور آدمی تلاش کر لوں گا۔ اس وقت ہمیں اپنی گفتگو کو ڈینی اور سوبھراج تک محدود رکھنا چاہیے۔''

میں نے نک کے الفاظ میں چھپی ہوئی کمزوری بھانپ لی اور تیزی سے کہا ''الفاظ ذہن میں چکراتے رہتے ہیں تو صرف نیت بنے رہتے ہیں جس کا حال کوئی نہیں جان سکتا۔ وہی الفاظ زبان پر آ جائیں تو عزم اور ارادہ بن جاتے ہیں۔ تم دونوں کی دھمکیوں نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔''

''ہم نے کوئی دھمکی نہیں دی۔'' نک کے افسر نے وضاحت کی ''فراخ دلی سے کام لے کر تمہیں ان حقائق سے آگاہ کیا جو آئندہ رونما ہو سکتے ہیں۔''

''اور ان میں سے ایک امکان یہ ہے کہ ابھی تمہارے پیش کیے ہوئے نمونے کے مطابق مجھے طاقت کے زور پر اغوا کر لیا جائے یا شاید مار بھی دیا جائے!'' میں نے طنز سے پوچھا۔

''ایجنسیوں کے کھیل میں تم اناڑی نہیں، پرانے کھلاڑی ہو۔ اسی لیے میں نے جان بوجھ کر اسپائی وار کا لفظ استعمال کیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ ان لڑائیوں میں کسی بھی لغزش یا غلطی کے ازالے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ غلطی سرزد ہوتے ہی گردن کٹ جاتی ہے یا دل میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ تمہارے ساتھ کسی بھی وقت کوئی واقعہ رونما ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس میں میرا یا نک کا کوئی ہاتھ ہو۔ یہ کام کوئی بھی کر گزرے گا۔''

شاید وہ مجھے یہ جتا کر خوف زدہ کرنا چاہ رہا تھا کہ واشنگٹن اور ورجینیا میں ہونے والے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے عالمگیر سطح پر سیکڑوں نادیدہ ہاتھ حرکت میں آ جاتے ہیں اور ان میں سے جس کا داؤ چل جائے وہ دوسروں پر سبقت لے جاتا ہے۔

''مجھے کسی بچے کی طرح پڑھانے کی کوشش مت کرو!'' میں نے بے رخی سے کہا ''یہ سب باتیں بے کار ہیں۔ میں نے جس پیشے کی تربیت حاصل کی ہے اس میں ہر شخص اپنا سر ہتھیلی پر لیے پھرتا ہے مجھے اپنی جان اتنی زیادہ عزیز ہوتی تو میں اس وقت تمہارے سامنے نہ ہوتا۔'' میں نے اسے دباؤ میں لانے کے لیے دانستہ مگر بظاہر اضطراری انداز میں اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا ''وقت کم ہے۔ جلدی بتاؤ کہ تمہارا فیصلہ کیا ہے۔''

وہ ہونٹ بھینچے، چند ثانیوں تک مجھے گھورتا رہا پھر بولا ''وہ اگلے ایک دو روز میں کراچی آ جائے گا۔''

''کیا تم مجھے اس کی واپسی کی اطلاع دو گے؟'' میں نے

نک سے سوال کیا۔
''سوبھراج کوئی غیر معروف آدمی نہیں ہے۔'' نک کے ساتھی نے کہا ''اس کی اچانک روانگی کو اس کے مخالفین نے فرار سے منسوب کیا ہوا ہے جب تک یہ اسکینڈل ختم نہیں ہوتا، وہ اخبار والوں کی توجہ کا مرکز بنا رہے گا۔ اس کے آنے کی بلکہ اسی کے ساتھ جانے کی خبر بھی تمہیں اخبارات سے مل جائے گی۔''
''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں اسے اپنے ہاتھوں سے کیفرِ کردار کو پہنچانا چاہوں گا۔''
''سب کچھ تمہاری خواہشات کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمارا غدار اور مجرم ہے۔ اس پر سب سے پہلا حق ہمارا ہے۔''
''چلو، دیکھ لیں گے کہ وہ کس کے حصے میں آتا ہے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ اس وقت ہر نکتے پر زور دینا مناسب نہیں تھا۔
''پھر تم ڈینی کو کب تک نک کے حوالے کر دو گے؟''
''سوبھراج کے لوٹ آنے کے بعد ہی اس کا تعین کیا جاسکے گا۔''
''تم فکر نہ کرو۔ اب ہمارے پاس ایک دوسرے کے موبائل فون نمبر بھی ہیں۔ اگلا پروگرام ہم آپس میں طے کر لیں گے۔'' نک نے اطمینان دلایا۔
''جانے سے پہلے میں یہ ضرور بتادوں کہ آج میں خالی ہاتھ اور اکیلا یہاں آیا تھا۔ تمہاری ڈرامائی حرکت سے مجھے سخت مایوسی ہوئی ہے۔ میں ڈینی کو پورے بندوبست کے ساتھ لاؤں گا تاکہ تم لوگ میرے ساتھ کوئی چال نہ چل سکو۔ پوری انعامی رقم سو ڈالر کے پرانے نوٹوں کی گڈیوں کی صورت میں ملنی چاہیے۔ میں نئے یا چھوٹے نوٹ قبول نہیں کروں گا۔''
''تم بے فکر رہو!'' نک نے دوستانہ انداز میں میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''ڈینی کے معاملے میں ہم کوئی رسک نہیں لیں گے۔ انعامی رقم کے بارے میں ہم بہت سنجیدہ ہیں۔ میں پوری رقم تمہاری مطلوبہ مالیت کے پرانے نوٹوں کی صورت میں لے کر آؤں گا۔''
''سنو!'' میں نے نک کے ساتھی کا بازو سختی سے تھام کر کہا ''یہ سب طے ہو گیا۔ سوبھراج اور ڈینی والا معاملہ اب طے سمجھو۔ اس سے آگے تمہیں کھلی چھوٹ حاصل ہے کہ جب چاہو اپنے دل کے ارمان نکال لینا۔ تم مجھے ہمیشہ مستعد پاؤ گے۔''
اس نے بائیں ہاتھ سے میرا ہاتھ اپنے بازو پر سے ہٹاتے ہوئے کہا ''ہم ٹھنڈے دماغ سے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے والے لوگ ہیں۔ جذبات کی رو میں بہہ کر کام کے کسی آدمی کو بلاوجہ ضائع نہیں کرتے۔ ایک بچے کی ولادت آٹھ نو مہینے میں ہوتی ہے۔ وہ برسوں میں پل بڑھ کر تجربہ حاصل کرتا ہے اور کسی کام کے قابل ہوتا ہے۔ پچیس، تیس یا چالیس برس کی اس ریاضت کو میں پل بھر میں برباد کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ تم سے مجھے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ اس مرتبہ چند گھنٹوں کے لیے کراچی آیا ہوں۔ کچھ عرصے بعد ذرا فرصت سے آؤں گا۔ شاید اس وقت تک تمہاری سوچ بدل چکی ہو۔ میں بھلے وقت کا انتظار کروں گا۔ بس یہ بات دھیان میں رکھنا کہ تم فی الحال ہمارے دوست نہیں بنتے تو نہ بنو لیکن بلاوجہ دشمنی مول نہ لینا۔ ہم اپنے دشمنوں اور غداروں سے یکساں سلوک کرنے کے عادی ہیں۔ اس کا ثبوت تمہیں سوبھراج کے انجام سے مل جائے گا۔''
میں دل ہی دل میں اس کی متانت اور بردباری کا قائل ہو گیا۔ کام کے آدمیوں کے بارے میں اس کی سوچ مثبت اور زیادہ منطقی تھی۔ اس نے میری پسلیوں سے آہنی نال لگا کر جو چھچھوری حرکت کی تھی، خود اپنی گفتگو سے اس کا ازالہ کر دیا تھا۔
وہ میرے ساتھ اپنا کوئی کھیل کھیل رہے تھے۔ میں ان کے عزائم کو ناکام بنانے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ میں نے اس ملاقات کے لیے نک کے اضطراب کا اندازہ لگا کر اپنی مصروفیت کا عذر پیش کیا تھا جس کا حوالہ اس کا ساتھی بھی دے چکا تھا۔ ان سے ہونے والی گفتگو ایک سمجھوتے تک پہنچ چکی تھی۔ اس کے بعد میرا وہاں رکنا بے جواز تھا۔ میں نے ان دونوں سے رخصت ہونے کی اجازت چاہی تو نک کے افسر کے ہونٹوں پر اتنی گہری مسکراہٹ تیر گئی کہ ہونٹوں کے درمیان اس کے خفیف سے دانت چمکتے ہوئے نظر آنے لگے۔
''مجھے حیرت ہے کہ سوبھراج بنکاک میں ہے پھر بھی تم بہت مصروف ہو!'' اس نے دھیمی آواز میں کہا۔
''ایس ٹی ایف صرف سوبھراج کی سرکوبی کے لیے وجود میں نہیں آئی تھی۔ ہمیں بہت سے دوسرے کام بھی کرنا ہوتے ہیں۔ میں نے اس ملاقات کے لیے بہت مشکل سے وقت نکالا ہے۔ اب مجھے کہیں اور پہنچنا ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔
میں ان دونوں سے پہلے اپنی گاڑی میں بیٹھا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔
اس ملاقات کے بارے میں میرا یہ اندازہ درست ثابت ہوتا نظر آیا تھا کہ نک مجھے ایک معتبر گواہ کی حیثیت میں اپنے

افسر سے ملوانا چاہ رہا تھا۔ اس ملاقات میں اس کے سوا کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی کہ میرے ذریعے نک نے اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ بس دو چار روز میں ڈینی کو پکڑنے والا تھا۔

مقررہ مدت میں اپنا ہدف حاصل نہ کرسکنے کی بنا پر نک کے پاکستان سے تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ مشن کی تکمیل سے پہلے ہونے والا وہ تبادلہ نک کے لیے توہین آمیز تھا۔ اس نے ان احکام پر عمل درآمد رکوانے کے لیے اپنا پورا زور صرف کیا ہوا تھا۔ آثار وقرائن یہ بتا رہے تھے کہ وہ پاکستان میں رکنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

یہ عجیب وغریب اور دلچسپ صورتِ حال تھی۔ ان دنوں میں نے دو روپ اپنائے ہوئے تھے۔ کبھی میں ڈینی بن کر اپنے دشمنوں کو دھمکا رہا تھا تو کبھی کرنل داور کے بھیس میں انہیں جل دے رہا تھا۔ میں سوبھراج اور نک سے ان دونوں حیثیتوں میں بات کرتا رہا تھا۔ یہ لطف کی بات تھی کہ سوبھراج نے پاکستان لوٹنے کے لیے ڈینی سے سمجھوتا کرلیا تھا اور نک ہاروے نے ڈینی کو حاصل کرنے کے لیے کرنل داور پر بھروسا کیا ہوا تھا۔ میری حکمت عملی کی بنا پر ان دونوں میں سے کسی کو شبہ نہیں ہوسکا کہ وہ دونوں نام ایک ہی تھے۔

مجھے اپنی گاڑی کے عقب نما آئینوں میں بی ایم ڈبلیو کے ہیڈ لیمپس روشن اور پھر متحرک ہوتے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت تک ایس ٹی ایف والوں کی ڈیزل پک اپ دوبارہ نظر نہیں آئی تھی۔ نک کی گاڑی نئی اور بہت جان دار تھی۔ ذرا سی دیر میں وہ مجھ سے آگے نکلتی چلی گئی۔ مجھے ان کا مقابلہ مقصود نہیں تھا۔ میں صرف یہ یقین کرلینا چاہتا تھا کہ میرے بعد وہ دونوں اس علاقے میں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے واپس جا چکے تھے۔

میں ان خیالات میں غلطاں وپیچاں، ڈرائیونگ میں منہمک تھا کہ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''مبارک ہو! تمہاری اور ان کی ملاقات خیر وخوبی سے نمٹ گئی۔'' بٹن دباتے ہی میرے کان میں ویرا کی چہکتی ہوئی آواز گونجی۔

''مبارک باد تم گھر پر بھی دے سکتی تھیں۔ اس وقت فون کرنا ضروری نہیں تھا۔'' میں نے خوش دلی دے کہا۔

''بس، مجھ سے صبر نہیں ہوسکا۔ میرے فون سے تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی۔''

''پریشانی نہیں ہوئی لیکن کہا جاتا ہے کہ توجہ کے ضروری ارتکاز کے لیے ڈرائیونگ کے دوران میں موبائل فون کے استعمال سے گریز کرنا چاہیے۔''

''کہا تو بہت کچھ جاتا ہے۔ ہم ان میں سے کتنی باتوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اس کھوسٹ نے تمہیں کیوں بلایا تھا۔''

''میرا اندازہ درست تھا۔'' میں نے اس فقرے کے ساتھ ہی اپنا تجزیہ دہرا دیا۔

''یہ کوئی بات نہیں ہوئی۔'' ویرا کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔ ''نک کو تم سے گواہی دلوانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ایف بی آئی کا ایک سینئر اور معتبر افسر ہے۔ اس کی کہی ہوئی باتوں پر کسی اور کی تائید کی ضرورت نہیں پیش آسکتی تھی۔ یہ کوئی اور ہی چکر تھا۔''

اس وقت تک میں نے واقعات کی روانی میں ڈوب کر اس نکتے پر زیادہ مغز سوزی نہیں کی تھی۔ ویرا نے وہ نکتہ اٹھایا تو مجھے اس کا اعتراض وزنی محسوس ہوا۔ اس کی یہ بات سو فیصد درست تھی کہ نک ہاروے فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن کا ایک پرانا اور ذمے دار افسر تھا۔ جب تک وہ اپنے محکمے کی سروس میں تھا، اسے اپنے کسی بیان کی تائید کے لیے کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے چھوٹے اور بڑے اس کے ایک ایک لفظ پر اعتبار کرتے ہوں گے۔ دورانِ ملازمت کسی کا تبادلہ ہونا ایسا غیر معمولی واقعہ نہیں ہوسکتا تھا کہ اس کی ساکھ ہی ختم ہو جاتی۔ جب تک نک اپنے عہدے پر بحال تھا اور اپنی ذمے داریاں انجام دے رہا تھا، وہ باہر کے کسی آدمی کی شہادت کا محتاج نہیں ہوسکتا تھا۔

''تمہاری دانست میں کیا چکر ہوسکتا ہے؟'' میں نے ویرا سے سوال کیا۔

''ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بس میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اس ملاقات کے مقصد کے بارے میں تمہارا اندازہ غلط ہے۔ وہ دونوں تم سے کسی بڑے اور اہم مقصد کے لیے ملے ہیں۔''

''میں تم سے متفق ہوں۔'' میں نے پُرخیال انداز میں جواب دیا ''نک کسی سرسری یا سطحی مقصد کے لیے اتنا بکھیڑا نہیں پھیلا سکتا تھا۔ مجھ سے میری شرائط کے مطابق ایک کھلی اور انتہائی خطرناک جگہ پر ملاقات کرکے انہوں نے بہت حوصلے اور بے خوفی کا ثبوت دیا ہے۔ ایک چھوٹی سی بات کے لیے وہ دونوں اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔''

''میں بھی یہی کہہ رہی تھی۔ میرے ذہن میں جو کچھ آیا، وہ میں نے برجستہ کہہ ڈالا۔ اس سے آگے سوچنا سمجھنا تمہارا کام ہے۔''

''میں الجھن میں پڑ گیا ہوں۔'' میں نے فکرمندی سے کہا۔

''زیادہ الجھنا بیکار ہے۔ گھر پر سب مل کر بیٹھیں گے تو کوئی نہ کوئی بات سامنے آ جائے گی۔ اس وقت یہ بتاؤ کہ تم سے بات کرتے کرتے وہ نیا پنچھی اچانک تم سے چپک کر کیوں کھڑا ہو گیا تھا۔'' اس نے اچانک وہ سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔

''ہم اندھیرے میں تھے۔ حیرت ہے کہ تم نے یہ بات بھی نوٹ کر لی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایس ٹی ایف میں انفراریڈ دوربینوں کی فراوانی ہے۔''

''مجھے فراوانی کا علم نہیں لیکن یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ اول خان کی گاڑی میں ہنگامی ضرورت کی ہر چیز موجود ہوتی ہے۔ گاڑی میں دو دوربینیں تھیں۔ ایک میرے اور دوسری اول خان کے پاس تھی۔ اسے اچانک تم پر لپکتے ہوئے دیکھ کر ہمارے دل اچھل کر حلق میں آ گئے تھے۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ تم پر حملہ آور ہو رہا ہے۔''

''اول خان کی کیا رائے تھی؟'' میں نے سوال کیا۔

''اسے آخر تک یقین تھا کہ اس نے تمہیں گن پوائنٹ پر لے لیا تھا۔ اس طرح وہ تمہیں اغوا کرنا چاہ رہے تھے۔ آخر میں تم ان سے الگ ہو کر روانہ ہوئے تو ہماری جان میں جان آئی تھی ورنہ اول خان نے راستے میں بی ایم ڈبلیو سے اپنی لینڈ روور ٹکرا کر، ان کا مقابلہ کرنے اور تمہیں چھڑانے کی منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔''

''اغوا بھی اس ملاقات کا ایک مقصد ہو سکتا تھا۔'' میں نے خیال ظاہر کیا۔

''وہ تمہیں چھوڑ گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا یہ مقصد نہیں تھا۔ آخر وہ تمہاری طرف کیوں لپکا تھا۔''

''اول خان کا اندازہ درست تھا۔ مجھے اغوا نہیں کیا گیا لیکن نک کا ساتھی مجھے میرے اغوا کا ٹریلر دکھا کر یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ میں نے ان لوگوں کے ساتھ مفاہمانہ رویہ اختیار نہ کیا تو میرے ساتھ ایسا کوئی پرتشدد واقعہ بھی رونما ہو سکتا ہے۔''

''وہ تم سے کیا چاہ رہے ہیں؟'' ویرا کا لہجہ تجسس آمیز ہو گیا۔

''وہی پرانی باتیں ہیں...... اب میں ہر بات فون پر نہیں بتا سکتا۔ میں شارع فیصل پر مڑنے والا ہوں۔ اس سڑک پر ٹریفک زیادہ ہوتا ہے۔ گاڑی سنبھالنے کے لیے دونوں ہاتھوں کا استعمال کرنا پڑے گا۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔''

میں نے اس کا جواب سنے بغیر وہ کال منقطع کر کے موبائل فون اپنی گود میں ڈالا اور موڑ سے گاڑی شارع فیصل پر گھمالی۔

ویرا نے مجھ سے دوران گفتگو میں کوئی خاص بات نہیں کی تھی لیکن نک کی ملاقات کے مقاصد پر اپنے شبے کا اظہار کر کے میرے ذہن میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ میری نگاہیں سڑک پر رواں ٹریفک کی بھیڑ پر مرکوز تھیں مگر میرا ذہن اسی گتھی کو سلجھانے میں مصروف تھا۔

نک نے اپنے طور پر اس ملاقات کے کسی خاص مقصد کا تعین نہیں کیا تھا۔ بس اس کا اتنا اصرار تھا کہ اس کا ایک اعلیٰ افسر ورجینیا سے دہلی جاتے ہوئے، چند گھنٹوں کے ٹرانزٹ پر کراچی میں رک رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ ذرا سی دیر کے لیے مجھے اپنے اس افسر سے ملوا دے۔

اس ملاقات کے محرک کا اندازہ میرا اپنا تھا۔ میں نے شاید اس بات کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی ہوئی تھی کہ امریکا سے نک کے تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ ابتدائی طور پر میں یہی سمجھ سکا تھا کہ نک مجھے کرنل داور کے روپ میں اپنے افسر سے ملوا کر اپنے تبادلے کے احکام کو التوا میں ڈالنا چاہ رہا ہے۔ ویرا نے میرے اس اندازے سے اختلاف کر کے مجھے کسی اور سمت میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں ویرا کے اختلافی موقف کا قائل ہو چکا تھا لیکن مجھے فوری طور پر کوئی دوسری راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

بھٹکتے بھٹکتے میرا ذہن بہت دور چلا گیا اور پھر ایک نئی بات نے میرے ذہن میں سر ابھارا۔ میں کافی دنوں سے ان لوگوں کے ساتھ کرنل داور کا چکر چلا رہا تھا۔ ان کے نمائندوں کے ساتھ غیر رسمی اجلاسوں میں میری ملاقاتیں ہو چکی تھیں۔ ایف بی آئی کا جان ایش کوف میری مدلل گفتگو اور مجموعی کارکردگی سے اتنا متاثر ہوا تھا کہ اس کے محکمے نے باضابطہ طور پر پاکستانی حکام سے میری یعنی کرنل داور کی خدمات حاصل کرنے کی درخواست دائر کر دی تھی اور کرنل داور کا سروس ریکارڈ مانگ لیا تھا۔

ابتدا سے اس لمحے تک ہم سب یہ سوچ سوچ کر خوش ہوتے رہے کہ امریکی، کرنل داور کی زبردست کارکردگی سے مرعوب ہو کر اس کی خدمات حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ میں نے کئی بار ان کی پیشکش کو ان کی صفوں میں گھسنے کا بہترین موقع تصور کیا تھا لیکن وہ شاید میری خام خیالی تھی۔

ایف بی آئی اور سی آئی اے والوں کے لیے امریکا اور دنیا بھر میں باصلاحیت افراد کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ جسے چاہتے، منہ مانگے داموں پر خرید سکتے تھے۔ ان کے لیے کرنل

داور کا پیچھا کرنا ضروری نہیں تھا۔ اس قصے میں نک کی ایک ہی دلیل مضبوط تھی کہ وہ ہر ملک میں اپنے مقامی ایجنٹوں اور مخبروں کی فیلڈ فورس کی رہنمائی اور سربراہی کے لیے کسی ممتاز مقامی فرد کی خدمات حاصل کرنے کی پالیسی پر کاربند رہتے تھے۔

اس نکتے پر توجہ مرکوز کرتے ہی مجھے احساس ہونے لگا کہ وہ لوگ فہم وفراست سے عاری نہیں تھے۔ کھلی آنکھوں اور جاگتے ہوئے ذہنوں کے ساتھ ہر قدم اٹھانے کے عادی تھے۔ وہ کرنل داور کی ذات کے بارے میں رشک سے زیادہ رقابت اور تجسس میں مبتلا تھے۔ کرنل داور کی تعریف کر کے انہوں نے ایک بہت گہری چال چلی تھی اور اس کا سروس ریکارڈ حاصل کرنے کی کوشش کر ڈالی تھی۔ اگر کسی بھی طرح وہ ریکارڈ ان کی تحویل میں چلا جاتا تو وہ بال کی کھال نکالنے کے فلسفے پر عمل کر کے جلد یا بدیر اس نتیجے پر پہنچ سکتے تھے کہ کرنل داور کبھی بھی مسلح افواج میں نہیں رہا تھا اور ایس ٹی ایف نے اپنے کسی اہم افسر کی شناخت چھپانے کے لیے وہ فرضی کردار تراشا ہوا تھا۔

یہ امکان بہت ہلکے پھلکے انداز میں میرے ذہن میں بروقت سر ابھار چکا تھا اور میں نے اول خان کے ساتھ یہ طے کر لیا تھا کہ اگر کبھی کرنل داور کا سروس ریکارڈ امریکا بھیجنے کی مجبوری درپیش ہوئی تو آرمی کے باضابطہ ریکارڈ سے ایسے کسی ریٹائر افسر کے کوائف حاصل کر لیے جائیں گے جو نام اور عہدے کے لحاظ سے کرنل داور ہی ہو۔ اس ریکارڈ میں میری کوئی پرانی اور مبہم تصویر شامل کر کے امریکی ایجنسیوں کو ایسا چکر دیا جا سکتا تھا کہ وہ مر کر بھی حقیقت کا سراغ نہیں لگا سکتی تھیں۔

ایس ٹی ایف ہر آئینی اور قانونی پابندی سے آزاد، ایک غیر دستاویزی تنظیم تھی۔ جس میں سارا کام زبانی چلتا تھا۔ اس بنیاد پر کرنل داور کے سروس ریکارڈ کی فراہمی کا مسئلہ شاید ٹل گیا تھا لیکن امریکی حکام کرنل داور کے کردار سے پوری طرح مطمئن نہیں تھے۔

ایک طرف نک نے مجھے الجھایا ہوا تھا۔ میں اسے کوڑھ مغز اور سہل پسند سمجھ رہا تھا لیکن وہ بہت ہوشیاری اور رازداری کے ساتھ، کرنل داور کی ذات کے بارے میں اپنا کام آگے بڑھا رہا تھا۔ اس نے میرے موبائل فون نمبر پر پہلے رابطے میں ہی یہ جتا دیا کہ نمبر حاصل کرتے ہی اس نے چھان بین کی تھی اور یہ معلوم کر لیا تھا کہ فون کا اجرا کرنل داور کے بجائے اول خان کے نام پر ہوا ہے۔ اس وقت تک مجھے نک کے عزائم پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا پھر بھی میں نے ہوشیاری سے بات سنبھال لی تھی۔ نک کو میرا یہ عذر تسلیم کر لینا پڑا تھا کہ قانونی طور پر پاکستان میں ایس ٹی ایف کا کوئی وجود نہ ہونے کی وجہ سے کہیں بھی اس کا نام استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہر سہولت مقامی اسٹیشن کمانڈر کے اپنے نام پر حاصل کی جاتی تھی۔ ایس ٹی ایف کے زیر استعمال تینوں موبائل فون اسی وجہ سے اول خان کے نام پر حاصل کیے گئے تھے۔

ایف بی آئی کے لیے کرنل داور کی پراسرار شخصیت بہت اہم تھی۔ نک کے افسر اعلیٰ کے ذہن میں بھی یہ خوف جاگزیں رہا ہوگا کہ کہیں نک کسی غلط آدمی کے جال میں نہ پھنس رہا ہو۔ اس نے اپنے وطن سے دہلی جاتے ہوئے، کراچی میں رک کر مجھ سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس کے لیے کرنل داور کی ذات اس لیے اہم تھی کہ وہ سوبھراج کے بارے میں بہت کچھ جان چکا تھا اور اسی کے ساتھ ڈینی کو قید کر لینے کا دعوے دار تھا۔ وہ شخص فون پر بات کر کے یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ کرنل داور پر کس حد تک اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

نک نے اپنے افسر کے ایما پر مجھے ایک مختصر سی ملاقات کے لیے آمادہ کر لیا۔ پھر نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ان دونوں نے اس ملاقات کے بعد میرے بارے میں کیا رائے قائم کی تھی۔ اسی تذبذب میں میرا ذہن اس افسر کی حرکت کی طرف بھٹک گیا۔

میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ جب اس نے مجھے غافل پا کر، اچانک گن پوائنٹ پر لیا تو نک ہکا بکا رہ گیا تھا۔ میرے ساتھ کوئی تصادم ان کے طے شدہ پروگرام میں شامل نہیں تھا۔ اس بے نام افسر نے جو کچھ کیا، اپنے طور پر اور اچانک کیا تھا۔

امریکی خفیہ ادارے بہت طاقت ور تھے۔ انہیں جدید ترین ایجادات اور سہولتوں تک رسائی حاصل تھی۔ وہ الیکٹرانک آلات پر بہت کثرت سے انحصار کرتے تھے۔ ماضی میں مجھے تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ اپنے حریفوں کا کھوج لگانے کے لیے چپس اور سینسرز وغیرہ بھی استعمال کرتے تھے۔

چپس کا خیال ذہن میں آتے ہی میں مضطرب ہو گیا۔ نک کے افسر نے وہ بھونڈی حرکت مجھے ڈرانے یا دھمکانے کے لیے نہیں کی تھی۔ وہ یقینی طور پر کسی بھی بہانے سے میرے قریب آنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا اور بائیں ہاتھ سے بے اختیار اپنی جیبیں ٹٹولنی شروع کر دیں۔

پتلون کی بائیں جیب میں میری انگلیوں نے کسی ننھی سی اجنبی چیز کالمس محسوس کیا تو میں سناٹے میں آ گیا۔ اگلے ہی لمحے میں بغیر سوراخ والے، چھوٹے بٹن سے مشابہ، ایک پچکا ہوا اور بے ڈول چپ میرے سامنے تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ بظاہر بے ضرر نظر آنے والا وہ چھوٹا سا خاموش الیکٹرانک چپ میرے لیے ایک قیامت ثابت ہوسکتا تھا۔

میں نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس بے آواز چپ کا جائزہ لیا۔ پلاسٹک نما کسی سخت مادے سے بنا ہوا وہ خاکی چپ بیسویں صدی کی انقلابی ایجادات کا ایک ننھا سا مظہر تھا۔ نک کے ساتھی کو مجھے کوئی ٹریلر دکھانا تھا نہ دھمکانا تھا۔ اسے میرے قریب آنے کے لیے ایک بہانے کی تلاش تھی تاکہ وہ میرے بدن سے لگ کر، میری بے خبری میں وہ چپ میری جیب میں ڈال سکے۔

میری چٹکی میں دبا ہوا چپ خاموشی سے اپنے سگنل پیدا کررہا تھا جو کہیں نہ کہیں وصول کیے جارہے ہوں گے۔ وہ ایک اہم اور خطرناک انکشاف تھا لیکن میں ذہنی طور پر خود کو یکایک پرسکون محسوس کررہا تھا۔ نک اور اس کے ساتھی سے ملاقات کے بارے میں میرے ذہن میں جو الجھن پروان چڑھ رہی تھی، چپ ہاتھ آجانے کے بعد دور ہوچکی تھی۔

میرا دل چاہا کہ میں اپنے دشمنوں کی طرف سے آئے ہوئے اس ننھے سے تحفے کو اپنی گاڑی کی کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر پھینک دوں تاکہ وہ بھاری گاڑیوں کے ٹائروں تلے کچل کر نیست و نابود ہوجائے اور اس کے اشاروں کا سلسلہ موقوف ہونے پر میرے دشمن اپنے سر پیٹتے رہ جائیں مگر میں نے وہ ارادہ ملتوی کردیا۔ اسے تباہ کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری تھا کہ وہ میری جیب میں کس مقصد سے ڈالا گیا تھا اور اس کے ذریعے ان لوگوں کو کیا کچھ معلوم ہورہا تھا۔

آثار اور واقعات کے تسلسل سے ظاہر ہورہا تھا کہ میرے ساتھ معاملات کو آگے بڑھانے کے ساتھ ساتھ وہ کرنل داور کے کردار سے پوری طرح مطمئن نہیں تھے۔ اس کے بارے میں اپنی خفیہ چھان بین کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ جب تک وہ چپ میری تحویل میں تھا مجھے وہی کچھ کرنا چاہیے تھا جو ایس ٹی ایف کے ایک افسر سے متوقع ہوسکتا تھا۔ اپنی اصلیت کو عارضی طور پر فراموش کرکے کرنل داور بنے رہنے کے لیے پہلی یہ بات ضروری تھی کہ میں اپنے گھر کو بھول کر سیدھا اسٹیشن فور کا رخ کروں۔ اگر اس چپ سے انہیں میری بدلتی ہوئی پوزیشن کے بارے میں اشارے مل رہے تھے تو انہیں یہ جان کر مطمئن ہوجانا چاہیے تھا کہ میں ان سے ملنے کے بعد ایس ٹی ایف کے مقامی مرکز کی طرف گیا تھا۔

اس بارے میں کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے ساتھی اول خان کی گاڑی میں میرے پیچھے آرہے تھے۔ میری گاڑی جدھر جاتی، وہ میرے پیچھے پیچھے وہیں پہنچ جاتے۔

میں نے وہ چپ دوبارہ اپنی اسی جیب میں رکھ لیا۔

میں شہر کی مصروف سڑکوں پر تیزی سے گاڑی چلاتا ہوا، گلشن اقبال کی طرف رواں تھا۔ یونیورسٹی روڈ پر آنے کے بعد جب میں حسن اسکوائر کے چوراہے سے اپنے گھر کی طرف مڑنے کے بجائے سیدھا نکلتا چلا گیا تو ویرا سے صبر نہ ہوسکا۔ چند ثانیوں بعد ہی موبائل فون پر اس کی کال آ گئی۔

''گھر کے بجائے تم سیدھے کہاں دوڑے جارہے ہو؟'' رابطہ ہوتے ہی اس نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

''اسٹیشن فور جانے کا ارادہ ہے۔ وہاں گئے ہوئے کافی دن ہوگئے ہیں۔'' میں نے اسے گول مول سا جواب دیا۔ میں اپنی زبان پر چپ کا ذکر نہیں لانا چاہتا تھا۔

''شاید تم ڈر گئے ہو کہ ان کا کوئی آدمی تمہارا پیچھا نہ کررہا ہو۔'' اس نے مجھے اشتعال دلانے کے لیے کہا ''تم یقین کرو کہ تمہارے پیچھے ہمارے سوا کوئی نہیں ہے۔''

''احمقانہ باتیں مت کیا کرو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں ایسی باتوں سے ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

''پھر تم نے کسی سے مشورہ لیے بغیر اپنا راستہ کیوں بدل لیا؟''

''راستہ نہیں بدلا۔ میرا پہلے سے یہی پروگرام تھا۔'' میں نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔

''لیکن تم نے کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ راستے کی اچانک تبدیلی پر سب فکرمند ہیں۔''

''میں ہر بات ہر ایک کو بتانے کا پابند نہیں ہوں۔ جو لوگ فکرمند ہیں وہ گھر جاکر آرام کریں۔ میں تھوڑی دیر میں گھر لوٹ آؤں گا۔''

''تمہارا پہلے سے اسٹیشن فور جانے کا ارادہ ہوتا تو تم کو شارع فیصل پر سیدھا جانا چاہیے تھا۔ وہاں ملیر ہالٹ سے مڑکر تم سیدھے اسٹیشن فور پہنچ سکتے تھے۔ تم نے جو طویل راستہ لیا ہے اس سے ظاہر ہورہا ہے کہ تم نے راستے میں اپنا ارادہ تبدیل کیا ہے......''

''میں مانتا ہوں کہ تم بہت عاقل و فاضل ہو۔ تمہاری دلیل بالکل درست ہے۔ میں نے ابھی ابھی اسٹیشن فور جانے کا ارادہ کیا ہے۔ موڈ ہو تو اسی طرف چلی آؤ ورنہ راستے میں

اتر جاؤ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ کچھ دیر بعد میں خود بھی گھر لوٹ آؤں گا۔"

ویرا کی فطرت میں تجسس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ راستے میں نہیں اترے گی۔ اولین فرصت میں میرے پروگرام میں تبدیلی کا سبب جاننا چاہے گی اور اس کی وہ خواہش اسے اول خان کے ساتھ میری طرف آنے پر مجبور کر دے گی۔

شہری حدود میں اول خان نے احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی لینڈ روور میری گاڑی سے محفوظ فاصلے پر رکھی تھی۔ صفورا گوٹھ سے آگے بڑھتے ہی اس نے رفتار بڑھائی اور چھاؤنی کی پہلی چیک پوسٹ آنے سے پہلے مجھ سے آگے نکل گیا۔

اسٹیشن فور کی لگی بندھی زندگی اپنے معمول پر تھی۔ وسیع میدان پر دور تک اندھیرے کا راج تھا۔ اہم اور ضروری مقامات پر کہیں کہیں روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ بیرکوں کے پیچھے، ایک مقام پر فضا میں کچھ سرخی رچی ہوئی نظر آ رہی تھی جیسے اس طرف کہیں آگ لگی ہوئی ہو۔

دونوں گاڑیاں کم و بیش ایک ساتھ اول خان کے دفتر والی بیرک کے سامنے رکیں۔ میں نے نیچے اترتے ہی اول خان سے اس نادیدہ آگ کے بارے میں پوچھا تو اس نے ہنستے ہوئے بتایا کہ اس کے جوان اپنی نیم فوجی اور خشک زندگی میں رنگ آمیزی کرنے کے لیے مہینے میں ایک دو بار کیمپ فائر کرتے ہیں۔ جس میں کھلے آسمان کے نیچے ایک بڑا سا الاؤ بھڑکا کر، اس کی روشنی میں سب لوگ کچھ نہ کچھ اداکاری یا صداکاری کرتے ہیں اور پھر کھانے کا دور چلتا ہے جس کے بعد سب ہنسی خوشی اپنی بیرکوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اس شام بھی اسٹیشن فور کی حدود میں ایسا ہی ایک پروگرام ہو رہا تھا اور حفاظت و نگرانی کے کاموں پر مامور عملے کے سوا بقیہ سب جوان وہیں موجود ہوں گے۔

"اسی لیے آج یہاں کچھ زیادہ سناٹا نظر آ رہا ہے۔ کیمپ فائر کا اصل مزہ رات گہری ہونے کے بعد آتا ہے۔ اس تفریح کے لیے یہ کوئی مناسب وقت نہیں ہے۔" ویرا بولی۔

"یہ منہ اندھیرے اٹھنے والے لوگ ہیں۔ سات بجے ان کی ڈیوٹیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ ان کے معمولات کو اپنے شہری پیمانے پر نہ پرکھو۔ یہ یاد رکھو کہ شہروں کی رونق اور زندگی کی حرارت آفریں سرگرمیوں کو زندہ رکھنے کے لیے سرفروش ایسی بے سروسامان زندگی بھی گزارتے ہیں جہاں ان کو وقت سمیت کسی چیز کے انتخاب کی آزادی نہیں ہوتی۔ ان کا ہر قول اور فعل اپنے فرائض کی بجا آوری کے تابع ہوتا ہے۔"

"آپ نے اچانک ادھر آنے کا فیصلہ کیوں کر لیا؟" غزالہ نے بیرک کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔ اپنی جیب میں چپ دریافت کر لینے کے بعد سے میں بہت محتاط تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں اس ننھے سے چپ کے ذریعے ہماری آوازیں کہیں اور نہ سنی جا رہی ہوں۔

بیرک کا طویل برآمدہ خالی پڑا ہوا تھا۔ اول خان کے دفتر کا دروازہ مقفل تھا۔ اس کا اردلی بھی شاید کیمپ فائر کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس نے اپنی چابی سے دفتر کھولا تو سب خاموش رہے۔ میرا اشارہ ہر ایک نے دیکھ لیا تھا لیکن کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ میں نے انہیں صرف ایک موضوع سے گریز کرنے کی ہدایت کی تھی، مکمل زبان بندی کے لیے نہیں کہا تھا۔

اپنے دفتر میں پہنچنے کے بعد اول خان نے اپنی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

"میری آج کی شام بہت مصروف گزری ہے۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے، اپنی جیب سے چپ نکال کر اول خان کے سامنے رکھ دیا۔

سب اپنی اپنی جگہیں چھوڑ کر اس چھوٹے سے چپ پر جھک گئے۔

"پتا چلاؤ کہ یہ کیا مصیبت ہے۔ سارا ڈراما اسے میری جیب میں پہنچانے کے لیے رچایا گیا تھا۔" میں نے میز پر پڑے ہوئے پیڈ پر دو سطریں لکھیں اور وہ پیڈ اول خان کی طرف سرکا دیا۔

اول خان میری وہ تحریر پڑھتے ہی کرسی سے اٹھ گیا اور چپ لے کر باہر نکل گیا۔ لمحہ بھر بعد اس کی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ وہ ہمیں کچھ بتائے بغیر چپ لے کر کہیں روانہ ہو رہا تھا۔ یہ بات واضح تھی کہ اس کی روانگی کا تعلق چپ سے تھا۔

"اس چپ کے بارے میں تم نے کچھ نہیں بتایا۔ پہلی بار بات ہوئی تو تم خوب چہک رہے تھے۔ دوسری مرتبہ بے سروپا باتیں کر رہے تھے۔" اول خان کی گاڑی روانہ ہونے کی آواز سن لینے کے بعد ویرا نے قدرے تیزی سے کہا۔

"تم سے پہلی بار بات ہوئی تو میں بے خبر تھا۔ چپ اس کے بعد دریافت ہوا تھا....."

"ایڈی یہ چپ ڈالنے کے لیے تم سے قریب ہوا ہوگا۔" ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا۔ وہ ایک نکتہ پاتے ہی پوری

بات سمجھ لیتی تھی مگر میں حیران تھا کہ ایڈی کون تھا۔

میرے سوال کے جواب میں وہ ہنسی اور پھر بولی ''اول خان بہت گھنا آدمی ہے۔ سنتا سب کی ہے مگر کرتا وہی ہے جو اس کے دماغ میں بیٹھ جائے۔ اس نے ہم میں سے کسی کو اعتماد میں لیے بغیر اپنے آدمیوں کی ایک ٹیم بوٹ بیسن کی طرف بھیج دی تھی۔ اسی طرح کسی کو یہ پتا چلانے پر مامور کر دیا تھا کہ ایف بی آئی کا کون سا آدمی دہلی جاتے ہوئے کراچی میں رک رہا ہے۔ ابھی راستے میں اس کے آدمی نے فون پر اطلاع دی کہ آنے والا ایڈی ہاک نامی ڈپٹی ڈائریکٹر ہے۔ کیا تمہارے ملاقاتی نے تمہیں اپنا یہی نام بتایا تھا۔

''اس نے سرے سے کوئی نام نہیں بتایا۔ شروع سے آخر تک اس کا رویہ بہت پراسرار رہا۔ میرا خیال ہے کہ اس نے اپنے پورے پروگرام سے نک کو بھی آگاہ نہیں کیا۔ جب وہ بندر کی طرح اچھل کر میری طرف آیا تو حیرت سے نک کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔''

''بس تو پھر کہیں لکھ لو کہ اس کا نام ایڈی ہاک ہے۔'' ویرا بے نیازی سے بولی ''یہ بتاؤ کہ تم اس چپ سے اتنے خائف کیوں ہو۔ یہ شعبدے تمہارے لیے نئے نہیں ہیں۔''

''کیا واہیات باتیں کرتی ہو۔ مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں محتاط ہو گیا تھا۔ پتا نہیں یہ چپ صرف سگنل بھیجتا ہے یا آوازوں پر بھی کام کرتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میری تلاش کے لیے انہوں نے اپنے ساؤنڈ انجینئر سے کام لینے کا ارادہ کر لیا تھا اور ہزاروں چپ شہر کے مشتبہ علاقوں میں پھیلانے کا منصوبہ بنا لیا......''

''مجھے سب یاد ہے۔'' اس نے میری بات درمیان سے اڑا دی ''تم کو اپنے پاس اس چپ کی موجودگی کا علم کیسے ہوا؟''

''تم سے بات کرنے کے بعد میرا ذہن کام کرتا رہا۔ مختلف امکانات پر غور کرتے ہوئے جب میں نے پرانی کڑیاں ملائیں تو ان کے الیکٹرانک وسائل یاد آ گئے۔ اس کے بعد جیب میں موجود چپ تک پہنچنا بہت آسان ثابت ہوا۔ اس کے سامنے آنے کے بعد میں محتاط ہو گیا۔''

''تمہاری جیب میں چپ کی موجودگی سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ ایف بی آئی والے ابھی تک کرنل داور کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔'' سلطان شاہ بولا۔

''امریکا میں ایس ٹی ایف کے اراکین کو پکا محبِ وطن تصور کیا جاتا ہے۔ وہ لوگ حیران ہیں کہ کرنل داور اپنی تنظیم سے الگ تھلگ کیوں چل رہا ہے۔'' میں نے بتایا۔

''تم نے صرف ڈینی کے معاملے میں انحراف کا مظاہرہ کیا ہے ورنہ ان کی ہر پیشکش مسترد کر چکے ہو۔'' اس نے کہا۔

''ڈینی ان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ کرنل داور اسی سے کھیل رہا ہے۔ یہ بات ہر ایک کے ذہن میں چبھ رہی ہوگی۔'' میں نے جواب دیا ''بات ایسی نازک ہے کہ وہ مجھ پر اپنے شبے کا اظہار نہیں کر سکتے۔ انہیں ڈر ہوگا کہ میں ڈینی کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دوں گا۔''

''یہ ایک نیا چکر چل پڑا۔'' ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی ''ایڈی چند گھنٹوں کے لیے کراچی میں رکا ہے۔ وہ جلد از جلد کسی نتیجے پر پہنچنا چاہے گا۔ ایسا نہ ہو کہ اس چکر میں سوبھراج کی واپسی کا معاملہ پس پشت چلا جائے۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے پورے اعتماد سے کہا ''سوبھراج کے معاملے میں تیر ان کی کمان سے نکل چکا ہے۔ نک اسے واپسی کی ہدایات دے چکا ہے۔ اب وہ اسے بنکاک میں نہیں روک سکیں گے۔ نک کی ہدایت سے زیادہ، سوبھراج کو یہ فکر ہے کہ یہاں اس کے سیاسی مخالفین اس کی غیر حاضری کا زبردست فائدہ اٹھا رہے ہیں۔''

''خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔'' غزالہ دھیرے سے بولی ''حالات پل پل میں کروٹیں بدل رہے ہیں۔''

ہم چاروں ان باتوں میں سر کھپاتے رہے۔ یہ اچھا ہوا کہ اول خان چپ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس کی موجودگی میں ہم کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتے تھے۔ ہماری یہ بے فکری زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ اول خان جلد ہی واپس آ گیا۔

''اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ یہ بہت سادہ سی چپ ہے جو ہائی فری کوئنسی سگنل پیدا کر رہی ہے۔'' اس نے آتے ہی بلند آواز میں اعلان کیا ''اس کی صرف ایک افادیت ہے۔ اس کے پیدا کیے ہوئے سگنلز کے ذریعے ایک مخصوص مواصلاتی سسٹم کے ذریعے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ چپ اس وقت کہاں ہے۔''

''پھر تو بہت اچھا ہوا کہ تم گھر جانے کے بجائے ادھر آ گئے۔'' ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر بے ساختہ کہا ''کرنل داور کو ایس ٹی ایف کے ٹھکانے کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ تم گلشن اقبال میں رکتے تو انہیں شبہ ہوتا کہ تم ادھر کیوں گئے ہو۔''

''اور یہ خطرہ بھی تھا کہ ہمارے گھر کا محل وقوع ان کے علم میں آ جاتا۔'' غزالہ نے اس کی بات آگے بڑھائی۔

چپ کے بارے میں وہ رائے کسی اناڑی کی نہیں تھی۔ اول خان نے اس کی اصلیت جاننے کے لیے اپنے ریڈیو روم

کے انچارج سے رجوع کیا تھا۔ جو آرمی سگنلز کا ایک باقاعدہ سند یافتہ مگر ریٹائر حوالدار تھا۔ اس نے چپ کو اپنے میٹر سے چیک کرتے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ خاموش پرزہ بے ضرر نہیں تھا۔ دو تین مختلف تجربات کے بعد اس نے اپنی معلومات کا نچوڑ اول خان کو بتا دیا تھا۔ اس میں اہم ترین بات یہ تھی کہ چپ کے ذریعے وہ لوگ گھر بیٹھے میری نقل و حرکت پر نظر رکھ سکتے تھے۔

''اسے جلا کر یا توڑ کر برباد کر دیا جائے۔ ایڈی سر پیٹتا رہ جائے گا۔'' سلطان شاہ نے تجویز پیش کی۔

''اس چپ کے اشارے بند ہوئے تو وہ میری طرف سے ہوشیار ہو جائیں گے۔'' میں نے سگریٹ سلگا کر کہا ''ہماری پوری کوشش ہونی چاہیے کہ چپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے!''

''اور تم اسے اپنی جیب میں لیے گھومتے رہو!'' ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''بعض اوقات تم عقل کو سرے سے خیرباد کہہ دیتی ہو۔ مجھے چپ لے کر گھومنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ یہیں اول خان کی میز کی کسی دراز میں پڑا، سگنلز نشر کرتا رہے گا۔''

''انہیں اس کے ایک جگہ رہنے سے شبہ نہیں ہوگا۔''

''اس میں شبے کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ چپ میرے بدن میں پیوست نہیں کیا گیا، میری پتلون کی جیب میں ڈالا گیا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ میں ہر وقت وہی پتلون پہنا رہوں۔ میں نے وہ کپڑے اتار کر لٹکا دیئے اور لباس تبدیل کر کے نکل گیا۔ جب تک پتلون کھونٹی پر لٹکی رہے گی، ان کے آلات پر چپ کی یکساں پوزیشن آتی رہے گی۔ یہ ذرا سی بات نک اور ایڈی کو بھی معلوم ہونی چاہیے۔''

''پھر ہمیں چلنا چاہیے!'' ویرا نے بحث کرنے کے بجائے بات وہیں ختم کر دی۔

''ٹھہرو، میں نے گارڈ روم سے ایک آدمی کو بلایا ہے۔ چائے پی کر چلیں گے۔'' اول خان بولا۔

''نہیں۔ اب چل ہی دو۔ تم یہاں رکے رہے تو ہر طرف ہلچل پیدا ہو جائے گی اور تمہارے آدمیوں کا کیمپ فائر خراب ہوگا۔ ہم اس میں خلل نہیں ڈالنا چاہتے۔ چپ کا مسئلہ حل ہو جانے کے بعد اب ہمارا یہاں رکنا بے سود ہے۔''

اول خان کا اصرار کامیاب نہیں ہوسکا۔ گارڈ روم سے آنے والا ہانپتا کانپتا ہوا پہنچا تو دونوں گاڑیاں روانگی کے لیے تیار تھیں۔ اس بار میری گاڑی بھری ہوئی تھی۔ لینڈ روور میں اول خان تنہا تھا کیونکہ اسے بھی یکایک گھر یاد آ گیا تھا۔ وہ راستے میں کہیں رکے بغیر اپنے بال بچوں میں پہنچنا چاہ رہا تھا۔

ہم اول خان کی گاڑی کے پیچھے اسٹیشن فور سے نکلے تو کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ویرا نے سکوت توڑ دیا ''یہ کیسے پتا چلے گا کہ چپ کے ایک جگہ رکھ دیئے جانے کے بعد ایڈی کے کیا تاثرات ہیں۔ میری رائے ہے کہ تمہیں نک کو فون کر لینا چاہیے۔''

''ہرگز نہیں۔'' غزالہ نے سختی سے ویرا کی رائے مسترد کر دی ''یہ آ بیل مجھے مار والی بات ہوگی۔ اس وقت ان کے فون کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جب چپ دیر تک ایک ہی پوزیشن ظاہر کرتی رہے گی تو نک خود پریشان ہو کر ان سے بات کرے گا۔ اس کے پاس ان کا موبائل فون نمبر ہے۔''

''خوب!'' گاڑی میں ویرا کی مسرت آمیز آواز گونجی ''آج دل کھول کر ڈینی کی حمایت کر رہی ہو۔''

غزالہ نے ویرا کے اس تبصرے کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے سفر جاری رہا۔

واپسی پر راستہ صاف تھا۔ ٹریفک کم اور صاف ستھرا تھا۔ ہم ذرا سی دیر میں گھر پہنچ گئے۔ وہاں دین محمد اور ابرار اپنی ڈیوٹی پر پوری طرح مستعد تھے۔ ان کے آجانے سے ہم چاروں کو گھر کی طرف سے بالکل بے فکری ہو گئی تھی۔

''ہم سے ایک غلطی ہو گئی۔'' ویرا نے ڈرائنگ روم میں جوتے موزے اتارنے کے بعد سنجیدگی سے کہا ''چھاؤنی کا خاصا بڑا علاقہ ایس ٹی ایف والوں کے تصرف میں ہے۔ چپ کو اول خان کی میز کی دراز میں رکھنے کے بجائے میدان میں کہیں ڈال دینا چاہیے تھا۔''

''تمہیں بیٹھے بٹھائے یہ خیال کیوں آ گیا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''اس قسم کے آلات دہری افادیت رکھتے ہیں۔'' ویرا کی سنجیدگی برقرار رہی ''چپ سے ایک طرف پوزیشن ظاہر ہوتی رہے گی۔ دوسری طرف کسی حملے کا خطرہ بھی ہے۔ چپ کے سگنلز کے سہارے کوئی راکٹ بھی فائر کیا جاسکتا ہے جو ہر چیز کو نظر انداز کرتا ہوا، سیدھا چپ سے ٹکرا کر پھٹے گا۔''

''ہر راکٹ چپ کا رخ نہیں کرسکتا۔'' غزالہ نے جواب دے کر مجھے حیران کر دیا ''چپ پر صرف وہی ہتھیار گرے گا جس میں چپ کے سگنلز سے کام کرنے والا گائیڈڈ سسٹم نصب ہو۔ یہ آسان کام نہیں ہے اور نہ ایڈی اپنے سامان میں ایسا کوئی میزائل چھپا کر لایا ہوگا۔ بعض اوقات تم بڑے بڑے خطروں کو خاطر میں نہیں لاتیں اور کبھی کبھار بعید از قیاس خطروں کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہونے لگتی ہو۔''

''کمال ہے۔تم کو یہ باتیں کہاں سے معلوم ہوگئیں!''
ویرا، غزالہ کے جواب سے مرعوب ہوگئی تھی۔
''پڑھے لکھے لوگوں کے لیے یہ عام مشاہدے کی بات ہے۔اس قسم کے سارے لاسلکی آلات ریڈیائی لہروں کے ذریعے اپنا کام سرانجام دیتے ہیں۔جس طرح میڈیم ویو پر شارٹ ویو کے ریڈیو پروگرام نہیں سنے جاسکتے، اسی طرح عام ہتھیار چپ کے ذریعے گائیڈ نہیں ہوسکتے۔ اس کے لیے دونوں طرف کارآمد سسٹم کا ہونا ضروری ہے۔''
''ویرا کے سامنے پڑھے لکھے لوگوں کی بات نہ کیا کرو۔ بے چاری احساسِ کمتری میں مبتلا ہوجاتی ہے۔'' سلطان شاہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔
''ہوش کی دوا کرو۔ میں تم سے زیادہ پڑھی لکھی ہوں۔'' ویرا غرائی۔
''تمہاری زبان سے ہمیشہ تجربات کا تذکرہ سنا ہے، تعلیم کی بات کبھی سننے میں نہیں آئی۔'' سلطان شاہ بے پروائی سے بولا ''تم رواں انگریزی ضرور بول لیتی ہو۔ وہ بھی صرف اس لیے کہ تم امریکی ہو ورنہ تمہاری ساری تعلیم و تربیت بس وہی ہے جو ڈ......!''
''خاموش!'' میں نے اونچی آواز میں اسے ڈانٹا اور اس کے بقیہ الفاظ اس کے ہونٹوں کے درمیان پھنس کر رہ گئے۔ مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ ویرا کو ڈان مرسیانو کا طعنہ دینے والا تھا جو ویرا کے ناجائز باپ، جمی لائیڈ کا ایک روپ تھا۔
اس نازک موقع پر سلطان شاہ اگر ڈان مرسیانو کا نام لے دیتا تو میرا اندازہ تھا کہ ویرا ایسی بپھرتی کہ اسے سنبھالنا مشکل ہوجاتا۔ شاید ویرا کو اندازہ ہوگیا تھا کہ سلطان شاہ کیا کہنے جارہا تھا۔اس کے لیے جمی لائیڈ یا ڈان مرسیانو کا تذکرہ عام طور پر دل آزاری کا سبب بنتا تھا۔اس نے تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر وہاں سے چل دی۔
''شام کی کسر پوری کرنے گئی ہے۔'' اس کے چلے جانے پر سلطان شاہ بڑبڑایا ''رفتہ رفتہ یہ عادی شرابی بنتی جارہی ہے۔ پہلے کبھی کبھار سرور میں آنے کے لیے پیتی تھی۔ اب اسے شام کو شراب نہ ملے تو غائب دماغی، بدمزاجی اور بے چینی کا شکار ہونے لگتی ہے۔''
''یہ سب ٹھیک ہے مگر میری ایک بات اپنی گرہ سے باندھ لو۔ آئندہ کبھی اسے ڈان مرسیانو کا طعنہ نہ دینا۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔
''بس وہ نام پھسل کر میری زبان پر آتے آتے رہ گیا۔ مجھے بھی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔ اچھا ہوا کہ تم درمیان میں بول پڑے۔'' اس نے ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے، اپنی غلطی تسلیم کرلی۔
سلطان شاہ کے بیان کے مطابق ویرا اپنا کوٹا پورا کرلینے کے بعد اپنے کمرے سے برآمد ہوئی تو بالکل بدلی ہوئی تھی۔ اس نے آتے ہی بڑی ترنگ میں مجھ سے پوچھا ''کیا ہوا؟ ابھی تک تمہارے یار کا فون نہیں آیا۔''
''آرام سے ایک طرف بیٹھ جاؤ۔اس کا فون آیا تھا تو تمہیں بھی معلوم ہوجائے گا۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔
''آرام سے ہے کون اس جہانِ خراب میں۔'' اس نے ہنس کر ایک مشہور مصرع کی مٹی پلید کی اور اپنی بات جاری رکھی ''تم کہتے ہو تو بیٹھ جاتی ہوں۔''
''ڈینی نے نہ کہا ہوتا تو تم کھڑی رہتیں!'' سلطان شاہ اس کی ٹانگ کھینچنے کے چکر میں تھا۔
''یہ اس وقت سوچا جاتا جب کسی نے نہ کہا ہوتا۔ یہ بتاؤ کہ کھانے کی کیا پوزیشن ہے۔'' ویرا اسی سے مخاطب ہوگئی۔ وہ بہکی نہیں تھی لیکن اس کے اعصاب پر شراب کا گہرا اثر تھا۔ شاید اس نے کم وقت میں، تیز رفتاری کے ساتھ خاصی مقدار لے لی تھی۔
ہم چاروں بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں ابرار نے میز پر کھانا لگادیا۔کھانے کے بعد باتوں کا ایک اور مختصر سا دور چلا جس میں سوبھراج یا نک کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔ وہ سلسلہ ٹوٹتے ہی میں نے اپنی خواب گاہ میں جانے کا اعلان کردیا اور وہ محفل بکھر گئی۔
گھر میں ویرا اور سلطان شاہ کی موجودگی کی وجہ سے غزالہ عام طور پر محتاط اور مجھ سے الگ تھلگ رہتی تھی لیکن خواب گاہ کی خلوت میسر آتے ہی وہ بہت پرجوش اور بے باک ہوجاتی تھی۔ اس رات غزالہ کی طبیعت کچھ جولانی پر تھی۔ کمرے کا دروازہ بند کرکے اس نے مجھے مسکراتی ہوئی، تیکھی آنکھوں سے دیکھا اور پھر کپڑے تبدیل کرنے کے لیے باتھ روم میں گھس گئی۔
وہ شب خوابی کے ریشمیں لباس میں باتھ روم سے برآمد ہوئی تو اس کے حسین پیکر کے خدوخال بہت نمایاں تھے۔ قدرت نے شاید اسے اپنے ہاتھوں سے تراشا تھا۔ سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخنوں تک وہ حسن و رعنائی کا ایک شاہکار تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ میرے لیے کوئی راہ چلتی، اجنبی حسینہ نہیں تھی اور نہ ہی میں اس کے لیے نامحرم تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بستر پر اپنے قریب بٹھالیا۔

ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ غزالہ خوش شکل ہونے کے ساتھ خوش گفتار بھی تھی۔ بہت سے موضوعات پر اچھی خاصی معلومات رکھتی تھی لیکن خلوت کی ان باتوں کا تعلق ہم دونوں کے سوا کسی تیسری ذات سے نہیں تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ باتیں کہاں سے نکلتی چلی آرہی تھیں۔

ہم دونوں بستر پر دراز، ایک دوسرے کی ذات میں ڈوبے، باتوں میں مصروف تھے کہ میرے سرہانے رکھے ہوئے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ فون کی روشن اسکرین پر ایک اجنبی نمبر چمک رہا تھا۔ میں نے بٹن دبا کر وہ کال وصول کی اور فون کان سے لگالیا۔

''ہیلو کرنل! کیا حال ہیں...... تم کہاں ہو؟'' میرے کان میں ایڈی کی آواز گونجی۔ اپنے امریکی لب ولہجہ اور دھیمی آواز کی بنا پر اسے پہچاننا دشوار نہیں تھا۔

''کون بول رہا ہے؟'' میں نے اسے ذہنی جھٹکا دینے کے لیے متذبذب انداز میں سوال کیا۔

''اوہ! تم میری آواز نہیں پہچانے۔ میں نک کا ساتھی بول رہا ہوں۔ شام کو بوٹ بیسن پر تم سے ملا تھا۔'' اسے میرے جواب سے مایوسی ہوئی تھی۔

''تم گھما پھرا کر کیوں بات کررہے ہو۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم ایڈی ہو...... ایڈی ہاک!'' میں نے چٹکی لی۔

''اگر تم نے میرا نام معلوم کرلیا ہے تو میں اس سے انکار نہیں کروں گا۔ تم سے اپنا نام چھپاتے ہوئے میں یہ بھول گیا تھا کہ تم بھی آدھے سیکرٹ ایجنٹ ہو۔''

''آدھا نہیں، میں ڈیوڑھا سیکرٹ ایجنٹ ہوں۔ تم سے ملاقات کے صرف پندرہ منٹ بعد تمہارے کوائف میرے علم میں آچکے تھے۔'' میں نے اسے مرعوب کرنے کے لیے... پُراعتماد لہجے میں کہا۔

''یہ اچھی بات ہے کہ تم ذہین ہونے کے ساتھ تیز بھی ہو۔ میں نے پوچھا تھا کہ اس وقت تم کہاں ہو۔''

''میں صدر کے علاقے میں اپنی ایک گرل فرینڈ کے فلیٹ پر ہوں۔'' میں نے غزالہ کے بازو کو سہلاتے ہوئے جواب دیا ''تم کو یہ سب جاننے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟''

''میں چند منٹ کے لیے تم سے ملنا چاہ رہا تھا۔''

''یہ قطعی ناممکن ہے۔'' میں نے سختی سے جواب دیا ''میں کام کے وقت کام کرتا ہوں اور عیش کے وقت صرف عیش۔ اس وقت مجھے دو ملین ڈالر ملنے کی امید ہو تب بھی میں اس فلیٹ سے نہیں نکلوں گا۔ ایسی راتیں مجھے کبھی کبھار ملتی ہیں۔''

مجھے معلوم تھا کہ وہ ملاقات کا بہانہ کررہا تھا۔ اس کی ساری دلچسپی یہ جاننے تک محدود تھی کہ میں اس وقت شہر کے کس علاقے میں موجود تھا۔ اس نے بہت چالاکی سے کام لے کر میری جیب میں چپ ڈالی تھی۔ اسے اپنی چپ کی کارکردگی پر ناز رہا ہوگا۔ چپ کے اشارے اسے بتارہے تھے کہ میں شام سے اسٹیشن فور پر رکا ہوا تھا۔ وہ یہ جاننے کے لیے مضطرب تھا کہ چپ اسے دھوکا دے رہی تھی یا میں واقعی اسٹیشن فور پر رات گزارنے کے موڈ میں تھا۔

''اپنی گرل فرینڈ سے ملنے کے لیے آئے ہو تو پوری تیاری کے ساتھ، بن سنور کر آئے ہوگے۔ کپڑے بھی زوردار پہنے ہوں گے!'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد ایڈی کی نیم دلانہ آواز آئی۔ اس نے بہت تیزی کے ساتھ اور سوچ سمجھ کر وہ سوال کیا تھا۔ اس بار وہ یہ جاننے کا خواہش مند تھا کہ میرا شام والا لباس میرے بدن پر موجود تھا یا میں نے اسے کہیں ڈال دیا تھا۔

''شام کو میں روایتی دفتری لباس میں تھا۔ سارے نجی اور سرکاری دفاتر میں انگریزی لباس چلتا ہے۔ اس وقت تم میرا لباس دیکھو گے تو پھڑک اٹھو گے۔'' میں نے بین السطور میں اسے وہ جواب فراہم کردیا جس کے لیے وہ بے چین تھا ''اسے ہم قمیص شلوار کہتے ہیں۔''

''ہر جگہ یہی ہوتا ہے۔ گرل فرینڈ سے ڈیٹ ہو تو امریکی نوجوان بھی جینز اور ٹی شرٹ کے بجائے ڈھنگ کے کپڑے پہن کر جاتے ہیں۔'' اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا ''مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارے خوشگوار لمحات میں مداخلتِ بے جا کی ہے لیکن یہ معاملہ اہم ہے۔ تم جہاں چاہو، میں وہاں آسکتا ہوں، مجھے صرف چند منٹ دے دو!''

''نہیں ایڈی! یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے رسانیت سے کہا ''کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ تم دوسری ملاقات میں گن پوائنٹ پر کون سا نیا ٹریلر دکھاؤ گے۔ میں اپنے عشرت کدہ کو خیرباد کہہ کر ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ اگلی بار تم فرصت سے کراچی آؤ گے تو تم سے دوسری ملاقات ہوگی۔''

''اسے بھول جاؤ۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔ میرے پاس وقت کم ہے، صبح پانچ بجے میری پرواز ہے......''

''نہیں!'' میں نے اس کی بات کاٹ دی ''جو کچھ کہنا ہے، فون پر کہہ ڈالو۔ ایسا ہی ہے تو پھر میں کل نک سے مل لوں گا۔''

''پیغام رسانی سے کام چلتا تو میں تم سے ملاقات کے لیے اصرار نہ کرتا۔'' اپنا مدعا پورا کرلینے کے باوجود وہ محض اپنی

بات سنبھالنے کے لیے مسلسل ملاقات کی رٹ لگائے ہوئے تھا لیکن اس کی آواز سے ابتدائی جوش وخروش رفع ہو چکا تھا۔
وہ مکاری سے کام لے رہا تھا، اس وقت تک میں اس سے سیدھی سیدھی بات کر رہا تھا۔ میں نے اسے جھنجوڑنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا ''تم برا نہ مانو تو میں کھل کر تم سے اپنے دل کی ایک دو باتیں کہہ ڈالوں۔''
''ضرور کہو۔ میں تو شروع سے یہ چاہ رہا تھا کہ تم مجھ سے کھل کر بات کرو لیکن تم کہیں کوئی راہ دینے پر آمادہ نہیں ہو۔''
''اس وقت، تمہاری باتیں بکھری بکھری اور سوال کچھ غیر مربوط ہیں۔ مجھے......''
''ذرا رکو!'' اس نے میری بات کاٹ دی۔ ''یہ بتاؤ کہ میری کون سی باتیں غیر مربوط ہیں۔''
''مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم مجھ سے اپنے مطلوبہ سوال پوچھتے ہوئے ہچکچا رہے ہو۔ تمہارے دل میں کچھ اور ہے، زبان کچھ اور کہہ رہی ہے۔ تم گھما پھرا کر مجھ سے کوئی ایسی خاص بات اگلوانے کی کوشش کر رہے ہو جس کے بارے میں تم براہِ راست سوال نہیں کر سکتے۔''
''نہیں کرنل! ایسا نہیں ہے۔ یہ تمہاری خام خیالی ہے۔'' اس کے لب ولہجہ میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔
''پہلے تم نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ میں شہر کے کس حصے میں ہوں پھر تم کو یہ جاننے کی خواہش ہوئی کہ میرے بدن پر کون سا لباس ہے۔ ایمان داری سے غور کرو۔ کیا تمہارے یہ سوال عجیب نہیں ہیں۔ میں ان سے کیا نتیجہ اخذ کر سکتا ہوں۔''
''تم کوئی بھی نتیجہ اخذ کرنے کے لیے آزاد ہو۔'' اس بار ایڈی کی آواز میں ہلکی سی تیزی آ گئی۔ وہ کہہ رہا تھا ''میں نے خاص طور پر یہ دونوں سوال نہیں پوچھے۔ یہ ہماری گفتگو کے تسلسل کا ایک حصہ تھے۔ تم نے بلاوجہ انہیں سیاق وسباق سے الگ کر لیا ہے۔ مجھے اس بات سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے کہ تم چیتھڑے پہن کر اپنی محبوبہ سے ملنے آئے ہو یا کوئی نفیس اور بیش قیمت جوڑا پہن کر آئے ہو۔ میں نے بہت خوش دلی اور نیک نیتی سے یہ باتیں کہی تھیں۔ یہ تمہارے ذہن کے کسی گوشے میں چھپا ہوا شر ہے جو تمہیں میری کہی ہوئی باتوں کا غلط مفہوم اخذ کرنے پر اکسا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے تم سے محتاط رہ کر گفتگو کرنا چاہیے۔''
''ابتدائی ملاقاتوں میں ہر اچھا سیکرٹ ایجنٹ اجنبیوں سے محتاط رہتا ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کاٹ دار الفاظ منتخب کر کے جواب دیا۔
''میرے لیے تم اجنبی نہیں ہو۔ نک اور ٹام کی رپورٹوں کے ذریعے میں تم سے اچھی طرح متعارف ہوں۔''
''یہ میری خوش نصیبی ہے۔'' میں نے بات آگے بڑھانے کے بجائے وہیں ٹال دی۔
''تم اجنبی ہوتے تو تم سے دو ملین ڈالر والی ڈیل نہ ہوتی۔'' اس نے اپنی کہی ہوئی باتوں میں وزن پیدا کرنے کے لیے کہا۔
''میں تمہاری بات مانے لیتا ہوں۔ میں نے جو کچھ محسوس کیا۔ تمہیں بتا دیا۔ اب تم جو کچھ کہہ رہے ہو۔ وہ بھی مان لیا ہے۔ میں کھرا اور صاف گو آدمی ہوں۔ کوئی لگی لپٹی نہیں رکھتا۔ صاف کہہ رہا ہوں کہ اس وقت میں کہیں نہیں جاؤں گا۔''
''پھر کسی اور وقت ہماری ملاقات ہو گی۔ میں منہ اندھیرے تمہارے شہر سے چلا جاؤں گا۔''
''میں تمہارے محفوظ سفر کے لیے دعا گو ہوں۔'' میں نے منافقت سے کام لیتے ہوئے کہا ''تم کہو تو میں کل نک سے مل سکتا ہوں۔''
''ضرورت ہوئی تو نک خود تم سے رابطہ کر لے گا۔ گڈ نائٹ اور گڈ بائی!'' اس نے فون بند کر دیا

☆☆☆

اگلی صبح کے اخبار میں سوبھراج کا ایک تند و تیز اور مدافعانہ بیان موجود تھا۔
اس وقت تک پس پردہ جو کچھ ہوتا رہا تھا، سوبھراج نے اسے بھی اپنے بیان میں سمیٹ لیا تھا۔ اس خبر میں شروع سے آخر تک بس ایک کسر تھی کہ سوبھراج نے بھول کر بھی کہیں میری کلارک یا ویرا کا نام نہیں لیا تھا۔ اس نے یہ بات زور دے کر دہرائی تھی کہ پاکستان کے کٹر اور متعصب سیاسی رہنما اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے بوکھلا گئے تھے اور اس کی غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ملک بھر میں اس کے خلاف گندی سیاسی مہم چلا رہے تھے جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ سوبھراج کو ہر قیمت پر ایوانِ اقتدار سے دور رکھا جائے۔
اس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اپنے حریفوں کی خواہشات کے برعکس بہت جلد پاکستان آ کر بے ایمان سیاست دانوں کو بے نقاب کرے گا اور اپنے خلاف چلنے والی بے بنیاد مہم کے چیتھڑے اڑا کر رکھ دے گا۔
وہ خود بدستور بیرونِ ملک تھا۔ اخباری رپورٹ کے مطابق اس نے وہ پیغام فیکس کے ذریعے راج محل بھیجا تھا۔ راج محل کے عملے نے سوبھراج کا وہ بیان ملک بھر کے اخبارات اور خبر رساں ایجنسیوں میں تقسیم کیا تھا۔

''یہ اس کی واپسی کی تیاری کی ابتدا معلوم ہوتی ہے۔''
سلطان شاہ نے وہ خبر پڑھ کر تبصرہ کیا۔
''وہ نک کے دباؤ سے پریشان تھا۔ ڈینی کی طرف سے دو دن کی مہلت مل جانے کے بعد اس کی مشکل آسان ہو گئی ہے۔'' ویرا مسکراتے ہوئے بولی۔
ویرا نے جو کچھ کہا، شاید سوبھراج بھی وہی سوچ رہا تھا۔ بنکاک میں بیٹھ کر اسے اپنی راہ میں صرف ایک رکاوٹ نظر آ رہی تھی جو میری ذات سے وابستہ تھی۔ مجھ سے تائب ہونے کا عہد کر کے اس نے اپنی دانست میں معافی تلافی کر لی تھی۔ میں نے بھی اسے پاکستان آنے کے بعد، اپنے معاملات کے سدھار کے لیے دو دن کی مہلت دے دی تھی۔ اس کا یہ فرض کر لینا کسی حد تک درست تھا کہ وہ قدرے ہوشیار رہ کر پاکستان میں کم از کم دو دن سکون سے گزار سکے گا۔
میں نے اسے کھل کر یہ بتا دیا تھا کہ وہ خون آشام بھیڑیوں کے لیے کام کر رہا تھا۔ ایک طرف وہ بھارتی سیکرٹ سروس کا آلۂ کار بنا ہوا تھا۔ را اور بلیک کیٹ کے کارندے پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی سیٹ لائٹ فون پر براہِ راست اس سے رابطہ کر کے ہدایات لیتے تھے اور وہی ان کو محفوظ پناہ گاہوں کے محلِ وقوع سے آگاہ کرتا تھا۔ ہم لوگ ایک مدت سے اپنی سرزمین پر را والوں سے برسرِ پیکار تھے۔ ملا سر کار سے گوپال راج تک ایک طویل فہرست تھی جس سے ہم نمٹتے چلے آئے تھے لیکن اس دوران میں کبھی سوبھراج کا نام سامنے نہیں آ سکا تھا۔ وہ بہت راز داری اور کامیابی کے ساتھ اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہا تھا لیکن نک کی ذرا سی لغزش سے پہلے ارجن کمار کا ہوٹل میری نگاہ میں آیا پھر واقعات تیزی سے رونما ہونے شروع ہو گئے۔ ارجن مارا گیا اور ہوٹل میں محنت کرنے کے بعد سوبھراج کا نام ہمارے سامنے آ گیا۔
سوبھراج پاکستان کی سرزمین پر را والوں کی نمائندگی کر رہا تھا۔ وہ آسانی کے ساتھ اس سائبان کا سایہ نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ دوسری طرف وہ دولت اور اقتدار کی ہوس میں امریکی ایجنٹوں کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ بھرپور طریقے سے سوبھراج کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر رہے تھے۔
میری نشان دہی کے باوجود سوبھراج اس زعم میں مبتلا تھا کہ کراچی واپس آنے کے بعد وہ ان دونوں فریقوں کو اپنی مجبوریوں کا احساس دلا کر آسانی سے کنارہ کش ہونے میں کامیاب ہو جائے گا۔ میں نے اپنی طرف سے اسے یقین دہانی کرا دی تھی کہ میری اس سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ اگر وہ اپنی مذموم اور خفیہ سرگرمیوں سے تائب ہو جاتا تو مجھے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔
سوبھراج یہ دیکھ رہا تھا کہ اس کو ابتدا میں اپنے قد و قامت میں اضافے کے لیے جن سہاروں کی ضرورت تھی، ان کی افادیت وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہو چکی تھی۔ وہ رفتہ رفتہ ملکی سیاست میں ایک ایسا مقام حاصل کر چکا تھا جہاں اسے کسی خفیہ سہارے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، دوسرے اس کی مدد کے محتاج تھے۔ اگر وہ امریکی اور بھارتی ایجنسیوں کا ساتھ چھوڑ دیتا تو اسے کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں تھا۔
اس کی یہ خوش گمانی اسے پاکستان واپسی کی راہ سجھا رہی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ نک کو لقمۂ تر سمجھ رہا تھا جسے وہ اپنی مرضی کے مطابق نگل یا اگل سکتا تھا۔ ایسی کسی کوشش میں مضمر خطرات کی طرف سے اس کی آنکھیں بالکل بند ہو چکی تھیں۔
سوبھراج کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ بالکل تنہا تھا۔ سازشوں اور غداریوں کے کھیل میں اس نے اپنے گھریا دوستوں میں سے کسی کو اپنا راز داں نہیں بنایا تھا۔ اس کے گھناؤنے رازوں سے صرف وہی گنے چنے لوگ باخبر تھے جو اس کے رفیق کار تھے۔ حد یہ تھی کہ اس کا سنیل جیسا دستِ راست بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ حشمت کے روپ میں ارجن کے ہوٹل میں قیام کرنے کے بعد اس کا آقا کیا کچھ کیا کرتا تھا۔ سنیل کو کوبرا کے بارے میں کچھ معلوم تھا نہ وہ را یا بلیک کیٹس کے بارے میں باخبر تھا۔
وہ حقیقی معنوں میں ون مین شو تھا۔ اس چکر میں ساری اہمیت صرف سوبھراج کی تھی۔ وہی ہوتا تھا جو وہ چاہتا تھا اور اسے بس وہی نظر آتا تھا جو وہ دیکھتا تھا۔
بنکاک میں اسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی غیر حاضری میں پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا تھا۔ بات صرف را اور ایف بی آئی والے بڑے گٹھ جوڑ تک محدود نہیں رہی تھی۔ ایسے دوسرے سنگین معاملات بھی سامنے آ چکے تھے جن کی رو سے صرف موت ہی سوبھراج کا مقدر بن سکتی تھی۔
پیجیرو والا معاملہ ذرا قانونی نوعیت کا تھا۔ راج محل والوں کے موقف اور پیجیرو سے پکڑے جانے والوں کے بیان میں کھلا تضاد تھا۔ ویرا کو کسی مرحلے پر سامنے نہیں لایا جا سکتا تھا مگر سوبھراج سے یہ ضرور پوچھا جا سکتا تھا کہ راج محل سے پیجیرو میں روانہ ہونے والی میری لارک کہاں تھی۔ اس سوال کو کرید کرید کر، پیجیرو کے بارے میں راج محل والوں کی کہانی کے بخیے بری طرح ادھیڑے جا سکتے تھے لیکن قرائن یہ بتا رہے تھے کہ اس کی نوبت شاید نہ آنے پائے۔
میں نے نک کو یہ اطلاع فراہم کر دی تھی کہ سوبھراج نے

اپنی تقدیر کی خوبی سے ویرا لائیڈ کو راج محل میں قید کرلیا تھا۔ وہ ویرا کو اپنی قیدی بنا کر ڈینی کو بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے ویرا کو نک تک کی نظروں سے بچائے رکھا اور آخر کار ویرا اسے جل دے کر نکل گئی۔

ڈینی اور ویرا دو ایسے نام تھے جو امریکی ایجنسیوں کے اعلیٰ اہلکاروں کو اعصاب زدہ کر دیتے تھے۔ نک نے سوبھراج کے اس فعل کو غداری قرار دے کر سوبھراج کے خلاف عبرت ناک سزا کا فرمان جاری کر دیا تھا۔

اکیلے آدمی کے لیے کامیابیوں کا خمار بہت گہرا ہوتا ہے۔ جب تک اس کے ستارے یاوری کرتے رہتے ہیں وہ دن رات پھلتا پھولتا رہتا ہے لیکن مقدر کی خرابی کا آغاز ہونے کے بعد دور دور تک اسے سہارا دینے والوں کا سایہ تک نہیں ملتا۔ وہ اکیلا ہوتا ہے۔ دس جہتوں میں دیکھ بھال کرنا اس کی انسانی بساط سے باہر ہوتا ہے۔ دوسروں پر وہ بھروسا کرتا ہے نہ اس کا عادی ہوتا ہے۔ آڑے وقت میں بھی سب کچھ خود ہی سنبھالنا چاہتا ہے۔ سنبھالنے کے اس چکر میں ہر طرف اس کی گرفت کمزور پڑنے لگتی ہے، مسائل کی یلغار سے وہ بوکھلانے لگتا ہے، پیر کے نیچے دبے ہوئے دشمن اچھل کر گریبان تک آنے لگتے ہیں اور یوں فردِ واحد کی بنائی ہوئی سلطنت اس کی اپنی ذات کے ساتھ ٹوٹتی اور بکھرتی چلی جاتی ہے۔

”اسے صرف ڈینی سے مہلت ملی ہے۔“ میں نے کہا ”وہ یہ بھول رہا ہے کہ اس کے خلاف کئی قوتیں میدانِ عمل میں کارفرما ہیں۔ نک اپنے غدار کے خون کا پیاسا ہے، جلال اپنے قومی مجرم کی گھات میں ہے۔ اول خان اور کرنل داور کی نگاہیں راج محل میں ہونے والی سرگرمیوں پر مرکوز ہیں۔ وہ کسی بھی طرف سے مارا جائے گا۔“

”یہ بات تم کہہ رہے ہو۔ وہ ان خطرات سے بے خبر ہے۔“ ویرا بولی ”وہ اب بھی یہ سمجھ رہا ہے کہ اسے مرکز کی طرف سے لامحدود مراعات ملی ہوئی ہیں۔ اسے وی وی آئی پی کا پروٹوکول ملتا رہے گا۔ کوئی سرکاری اہلکار راج محل کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے نہیں دیکھ سکے گا۔ تم سے اس کا دو دن کا سمجھوتا ہو چکا ہے، نک کے عزائم سے وہ بے خبر ہے۔“

”وہ بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اس کی لابی کے لوگ اسے پل پل کی خبریں پہنچا رہے ہوں گے۔“ سلطان شاہ نے اندیشہ ظاہر کیا ”وہ گروپ خاصا بڑا اور بارسوخ ہے۔“

”خبر وہ پہنچا سکتا ہے جو خود باخبر ہو۔ ان باتوں سے وہ لوگ بھی بے خبر ہوں گے۔ جلال جو کچھ کرے گا۔ اچانک کرے گا۔ کسی کو قبل از وقت ان اقدامات کی ہوا بھی نہیں لگ سکے گی۔“ میں نے جواب دیا ”اس کی لابی کے لوگ اس کے سیاسی حلیف ہیں۔ انہیں یہ علم نہیں ہوگا کہ سوبھراج کی پس پردہ سرگرمیاں کیا ہیں۔ اس کے جرائم کی فہرست سامنے آتے ہی ہر سیاسی شخصیت اس سے لاتعلقی اختیار کرلے گی۔“

”دیکھتے ہیں کہ اب کیا ہوتا ہے۔ ایڈی شاید چلا گیا ہو گا۔ اس کے بعد نک دوبارہ اکیلا رہ گیا ہے۔“ ویرا انگڑائی لے کر بولی۔

”وہ اتنا اکیلا بھی نہیں ہے۔“ میں نے اس کی تصحیح کی ”ٹام اس کے ساتھ ہے۔ امریکی قونصل خانے کی حفاظت کے نام پر امریکی میرین فوجی اور کمانڈوز کی خاصی نفری کراچی میں موجود ہے۔ ضرورت پڑنے پر وہ ماضی میں ان لوگوں سے کام لیتے رہے ہیں۔ کوئی مقامی دستیاب نہ ہوا تو وہ ایک مرتبہ پھر ان فوجیوں کو داؤ پر لگا دیں گے۔“

”گڈ! تم نے میرا دل خوش کر دیا!“ ویرا مسرت آمیز آواز میں چہکی ”سچ بات یہی ہے کہ ضرورت کے وقت وہ اپنی آنکھوں پر پٹی رکھ کر اپنے آدمیوں کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔“

”ایڈی ہاک دہلی گیا ہے۔“ غزالہ نے زبان کھولی ”حالیہ واقعات کے تناظر میں اس کا دہلی جانا معنی خیز ہے۔“

”اب میں نے ان باتوں پر سر کھپانا ترک کر دیا ہے۔ پاکستان کے خلاف ان قوتوں کا گٹھ جوڑ روز روشن کی طرح ہمارے سامنے ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”بلیک کیٹس کا قلع قمع ہونے کے بعد شاید اب ان کا کوئی نیا مشن ادھر کا رخ کرے گا۔“ غزالہ نے خیال ظاہر کیا۔

”اس کا انحصار سوبھراج کے انجام پر ہوگا۔ وہ راستے سے ہٹ جاتا ہے تو را والوں کے سر پر سے بہت بڑا سائبان ہٹ جائے گا۔ شاید وہ فوری طور پر اپنے تجربہ کار آدمیوں کو ہمارے انتقام کا ایندھن بننے کے لیے نہ بھیجیں۔ ایسا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے وہ وقت اور موقع کا انتظار کریں گے۔“

”مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ایڈی کسی نئے جوڑ توڑ کے لیے دہلی گیا ہے۔ ہمیں ان لوگوں کی طرف سے ہوشیار رہنا ہوگا۔“ غزالہ نے اپنے نکتے پر زور دے کر کہا۔

”وہ ہماری طرف سے اور ہم ان کی طرف سے ہوشیار رہتے ہیں پھر بھی بہت سے واقعات جنم لیتے ہیں۔ خفیہ کارروائیوں کی سو فیصد روک تھام کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ لوگوں کو علم ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ وہ ایک سمت میں گھات لگا کر بیٹھ جاتے ہیں جو سب سے حساس اور نازک نظر آتی ہے۔ وہ بیٹھے رہ جاتے ہیں دشمن اچانک کسی اور رخ

سے وار کر کے تیزی سے غائب ہو جاتا ہے۔ بعد میں جو کچھ ہونا ہوتا ہے وہ ہوتا رہتا ہے لیکن واردات کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔ اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ صرف ہمارے ملک میں نہیں ہوتا۔ دنیا بھر میں یہی ہو رہا ہے۔ بہت کم واقعات کو رونما ہونے سے پہلے روکنے میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔''

''اب دشمنوں کے خلاف پوشیدہ سرگرمیوں اور دہشت گردی میں بہت کم فرق رہ گیا ہے بلکہ کبھی کبھی تو یہ فرق ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ لڑائی کے اصول بالائے طاق رکھ دیے گئے ہیں۔ اس لیے ان کے انسداد میں دن بہ دن مشکلات پیدا ہوتی جارہی ہیں۔'' ویرا نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

''تم یہ نہیں کہہ سکتیں۔'' سلطان شاہ کے لیے ویرا کی کہی ہوئی بات پر اعتراض کرنا واجب تھا ''امریکی ڈھنگ سے لڑ رہے ہیں۔ وہ اپنے نکتہ نظر سے امریکی مفادات کا تحفظ کرتے ہیں اور اپنے مقررہ ہدف کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ خوف و ہراس پھیلانے کے لیے بے گناہ شہریوں کی جانوں سے نہیں کھیلتے۔ تم تینوں بھارت گئے تھے۔ تم نے وہاں ہر اس شخص کو مار ڈالا جس نے تمہارے مشن کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بلاوجہ کسی کا خون نہیں بہایا۔ را کی صفوں میں گھس کر اپنا مطلوب ریکارڈ حاصل کیا اور بھاگ آئے۔ بھارتی ایسا نہیں کر رہے۔ وہ خون آشام درندے بنے ہوئے ہیں۔ جب وہ اپنا مشن پورا نہیں کر پاتے تو جھنجلا کر دہشت گردی پر اتر آتے......''

''تازہ ترین واقعہ دیکھ لو۔ گوپال راج نے ایمپریس مارکیٹ کے پیشاب خانے میں ٹائم بم کیوں رکھا تھا۔'' غزالہ نے سلطان شاہ کی بات درمیان سے اچک لی ''اس کھلی جگہ پر پاکستان کے کون سے خفیہ راز پوشیدہ تھے۔ وہاں بم پھٹنے سے کیسی جانی اور مالی تباہی ہوتی۔ اس کا مقصد صرف اور صرف دہشت گردی تھا۔''

''تمہارا نکتہ بہت فکر انگیز ہے۔'' ویرا نے اعتراف کیا ''گوپال صرف سیکرٹ ایجنٹ نہیں، بلیک کیٹ ہے۔ اس جیسے پیشہ ور آدمی کو ایسی گھٹیا حرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''وہ سیتا کانت کے ساتھ جس مشن پر آیا تھا وہ پورا نہیں ہو رہا تھا۔'' میں نے دخل انداز ہوتے ہوئے کہا ''سیتا غائب ہو چکی تھی گوپال مایوسی کا شکار ہو رہا تھا۔ اس نے ایک منفی راہ اختیار کر لی۔ یہ ان لوگوں کی بہت بڑی کمزوری ہے کہ پاکستانیوں کے مقابلے میں کوئی بھی شکست انہیں دل برداشتہ کر دیتی ہے اور وہ حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔''

''ہم کو ان سے دہرے محاذ پر لڑنا پڑ رہا ہے۔ ان کی سازشوں کی روک تھام کے ساتھ دہشت گردی کے امکانات پر بھی نظر رکھنا پڑ رہی ہے۔'' غزالہ بولی۔

وہ مرغی اور انڈے والا سوال تھا۔ جس طرح یہ طے کرنا محال تھا کہ ان دونوں میں سے کون پہلے پیدا کیا گیا تھا اسی طرح یہ سمجھنا مشکل تھا کہ مار کھائے ہوئے بھارتی کس وقت دہشت گردی پر اتر آتے ہیں۔ ان کی نظروں میں انسانی خون کی کوئی وقعت اور حرمت نہیں تھی۔ وہ اپنے مذموم مقاصد کے لیے کسی بھی وقت کوئی حرکت کر سکتے تھے۔

گیارہ بجے وہ فون آ ہی گیا جس کی مجھے توقع تھی۔ اپنے موبائل فون کی اسکرین پر نک کا نمبر پڑھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے مجھے مایوس نہیں کیا تھا۔

''ایڈی نے تمہیں بتا دیا ہوگا کہ رات اس نے کہیں سے مجھے فون کیا تھا۔'' میں نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

''مجھے معلوم ہے، تم نے اس کو نام سے مخاطب کر کے حیران کر دیا تھا۔'' نک کی آواز سے تکان مترشح تھی۔

''ہمارے پیشے میں یہ معمولی باتیں ہوتی ہیں۔ وہ اپنے اصل نام پر بنے ہوئے کاغذات پر سفر کر رہا تھا اور اس پرواز سے کراچی میں ٹرانزٹ پر رکنے والا اکلوتا مسافر تھا۔ اسے اپنا نام سن کر حیرت زدہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' میں نے اول خان سے حاصل کی ہوئی معلومات دہراتے ہوئے کہا۔

''وہ تم سے ناخوش تھا۔ اسے تمہارا طنزیہ انداز گفتگو پسند نہیں آیا۔'' نک نے جواب دیا اور میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ بھی اپنے افسر اعلیٰ سے زیادہ خوش نہیں تھا۔ مجھ پر اپنی برہمی کا اظہار کرنے کے بجائے محض ایک غیر جانب دارانہ اطلاع دے رہا تھا۔

''بعض لوگ پیدائشی طور پر ناخوشی کے مریض ہوتے ہیں۔ انہیں دوسروں کی کوئی بات پسند نہیں آتی۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے اس کی باتوں میں انتشار اور بے ربطی کی نشان دہی کی تھی۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ چلا گیا اور اب میرا رابطہ صرف تم سے رہے گا۔'' میں نے دانستہ ایسی باتیں کہیں جن کو سن کر نک کو اپنی بھڑاس نکالنے کا موقع مل سکے۔

''اس نے جاتے ہوئے مجھے ہدایت کی تھی کہ میں اس کے جذبات تم تک پہنچا دوں۔''

''حالانکہ ایسی کسی ہدایت کی ضرورت نہیں تھی۔ تم خود ایک ذمے دار افسر ہو۔ اپنی صوابدید سے صحیح فیصلے کرتے رہے ہو۔ ضرورت سمجھتے تو تم خود یہ بات مجھے بتا دیتے۔''

''مجھے اس کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش نہ کرو۔ بہرحال وہ میرا افسر ہے۔''

''میں اس کے مقابلے میں تم کو زیادہ قابلِ اعتماد سمجھتا ہوں۔''
''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے تبادلے کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔ میں کسی وقت بھی واپس جا سکتا ہوں۔''
''تو کیا تمہاری ذمہ داریاں بھی ٹام سنبھالے گا؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔
''اس کے لیے سی آئی اے کی مصروفیات کافی ہیں۔ میری جگہ میرے محکمہ کا کوئی اور آدمی آئے گا۔''
''تم اس طرح بات کر رہے ہو جیسے شام کو ہی کراچی چھوڑ دو گے۔''
''میری پیکنگ ہو چکی ہے۔ کاغذات تیار رہتے ہیں۔ کسی بھی وقت فون آئے گا اور میں سیٹ لے کر چل دوں گا۔''
''تو کیا ڈینی والی ڈیل کسی اور کے ساتھ مکمل ہو گی؟'' اس بار میں نے مصنوعی فکرمندی سے پوچھا تھا۔
''یہ ایک بہت بڑی اور تاریخی ڈیل ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ یہ میرے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ اگر اس میں کسی وجہ سے تاخیر ہوتی ہے تو ہو سکتا ہے کہ میں چلا جاؤں اور تم کو میرے جانشین سے تعاون کرنا پڑے!''
''میں تم کو جانتا ہوں۔ تمہیں پرکھ چکا ہوں۔ ایڈی کے نامزد کیے ہوئے نئے آدمی سے معاملات طے کرنے میں مجھے محتاط رہنا ہو گا۔''
نک کی ہلکی سی آسودہ ہنسی کی آواز آئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے میرے الفاظ سے اس کی انا کو تسکین ملی ہو۔ اس نے کہا ''فکر نہ کرو۔ مجھے جانا پڑا تو میں تمہیں آنے والے سے متعارف کرا کے جاؤں گا۔ میں اپنی پوری کوشش کے باوجود کسی سے یہ بات نہیں کہہ سکا کہ اس مرحلہ پر میرا تبادلہ سودمند نہیں رہے گا۔ ہمارے ہیڈ کوارٹرز میں اس بات کو غلط رنگ دیا جاتا.... میرے حاسد یہ کہتے پھرتے کہ میں ڈینی کی گرفتاری کا سہرا اپنے سر باندھنے کے لیے کراچی میں رکنا چاہ رہا ہوں۔''
''یہ تمہارے کہنے سے زیادہ ایڈی کے سوچنے کی بات تھی۔ کرنل داور ہر ایک کے سامنے نہیں کھل سکتا۔''
''تمہاری ڈیل مجھ سے نہیں، ایف بی آئی سے چل رہی ہے۔ تم کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے بعد آنے والا میرے کہے ہوئے ایک ایک لفظ کی پابندی کرے گا۔'' اس نے مجھے اطمینان دلاتے ہوئے کہا ''میرا وعدہ پورا ہو گا، تم کو دو ملین ڈالر ملیں گے اور تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے اس وقت یہ باتیں بتا دیں۔ اب میں اپنی پوزیشن پر نئے سرے سے غور کروں گا۔''
''میں نے یہ باتیں بتانے کے لیے فون نہیں کیا تھا۔ پتا نہیں تم نے ایڈی کا ذکر کیوں نکال لیا۔ بلاوجہ بات سے بات نکلتی چلی گئی۔'' میری بات پر اس نے چونک کر سنبھالا لیا تھا۔ ''میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ تم اپنی تیاری کر لو۔ سوبھراج کسی بھی وقت پاکستان آ سکتا ہے۔''
''ابھی تم کہہ رہے ہو کہ اس کی آمد میں تاخیر ہوئی تو تم چلے جاؤ گے۔ اب یہ خبر دے رہے ہو!'' میں نے تعجب سے کہا۔
''جب تک وہ یہاں آ نہ جائے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا ہونے والا ہے۔ بعض اوقات ایسے ناگزیر اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ سارے منصوبوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ میری دعا ہے کہ ایسا کچھ نہ ہو۔ سب کچھ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوتا چلا جائے اور میں اپنے ہاتھوں سے ڈینی کو ہتھکڑی لگا کر امریکا لے جا سکوں۔''
''تم ایف بی آئی کے افسر ہو مگر تم سے میری کچھ ذہنی ہم آہنگی ہو چکی ہے۔ کسی دوسرے کے ساتھ مجھے چوکنا رہنا ہو گا۔ ایڈی نے مجھے بے خبری میں گن پوائنٹ پر لے کر میرے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔ اس کی طرف سے میرے دل میں گرہ پڑ گئی ہے۔ دوبارہ اس سے سامنا ہوا تو اسے اس رکیک حرکت کا جواب ضرور دوں گا۔ یہ اس کا مجھ پر قرض ہے جو میں اتاروں گا۔'' میں نے ٹھنڈے دل سے اس کی دلی آرزو سن لینے کے بعد بات دوبارہ ایڈی کی طرف گھما دی۔
''ایڈی کی طرف سے اپنا دل صاف کر لو۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ اسے تمہارے ان ارادوں کی بھنک مل گئی تو وہ ازخود یہاں آئے گا اور تمہیں معذور کر کے چلا جائے گا۔ وہ اپنے حریفوں کو مارنے سے زیادہ اپاہج حالت میں زندہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اس نے سرد جنگ کے زمانے میں دو نوجوان روسی ایجنٹوں کو مکمل نامرد کر کے چھوڑ دیا تھا۔ دونوں کی بیویوں نے انہیں چھوڑ دیا اور ان کی زندگیاں برباد ہو گئیں۔ ایک پاگل ہو گیا۔ دوسرے نے خودکشی کر لی......''
''مجھے اس کے قصیدے نہ سناؤ!'' میں نے تلخی سے اس کی قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''میں اس سے زیادہ سفاک ہوں۔ اگر وہ ایسا ہی اذیت پرست ہے تو میں بھی اس کے چاروں ہاتھ پیر کٹوا کر صرف دھڑ باقی چھوڑ دوں گا۔ وہ جب تک زندہ رہ کر زمین پر لڑھکتا رہے گا، امریکی ایجنسیوں کے اہلکار اسے دیکھ کر کرنل داور کے نام سے پناہ مانگیں گے۔''

''تم بلاوجہ بات بڑھا رہے ہو۔ میں ڈر رہا ہوں کہ تم اپنی جذباتی باتوں سے معاملہ بگاڑ دو گے۔''

''یہ جذباتی باتیں نہیں ہیں۔ توہین کا احساس ہے جس نے مجھے مشتعل کیا ہوا ہے۔ تم ایڈی کے ماتحت ہو۔ میں تم کو نہیں روکوں گا۔ تم چاہو تو میرا کہا ہوا ایک ایک لفظ اس کے کانوں میں ڈال سکتے ہو۔ وہ پوری تیاری کے ساتھ میرے سامنے آئے گا تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''میں بی جمالو کا کردار ادا نہیں کر سکتا۔'' اس کے مصالحانہ لہجہ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اندر سے ایڈی سے خوش نہیں تھا ''تمہارا کہا ہوا ہر لفظ تمہاری امانت ہے۔ میں اسے کچھ نہیں بتاؤں گا لیکن تمہیں یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ اپنے دل سے کدورت نکال دو۔ اس نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا، وہ اس کی ضرورت تھی اسے تم کو نیچا دکھانے کا شوق نہیں تھا۔ ہم دل و جان سے اپنے ہر انفارمر کی قدر کرتے ہیں اور تم تو ڈینی کو ہمارے جال میں لا رہے ہو جو برسوں سے ہمارے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے۔''

''رات کو ایڈی نے مجھے کہاں سے فون کیا تھا؟'' میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد پوچھا۔

''وہ اپنے ہوٹل کے کمرے میں تھا۔ میں بھی وہیں موجود تھا۔''

''اس نے مجھے تم سے رابطہ قائم کرنے سے کیوں روکا تھا؟''

''روکا نہیں تھا۔ یہ کہا تھا کہ ضرورت ہوئی تو میں خود تم سے رابطہ کرلوں گا اور میں اس وقت تم سے بات کر رہا ہوں۔''

''ابھی تک تم نے کام کی صرف ایک بات کی ہے اور وہ بھی نئی نہیں ہے۔ سوبھراج کی جلد از جلد واپسی کی خبر پرانی ہو چکی ہے۔''

''تم بات کرنے کا موقع ہی نہیں دے رہے۔ بار بار ایڈی کا ذکر لے بیٹھتے ہو۔'' اس نے شکوہ کیا۔

''چلو اب تمہارے پاس موقع ہے جو کہنا ہے کہہ ڈالو۔''

''ایڈی کے لیے تمہارے پاس وقت نہیں تھا لیکن اب میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ آج شام وقت دے سکو گے!''

''اب تم نے ایڈی کا نام لیا ہے۔ آخر تم لوگ مجھ سے ملنے کے لیے اس قدر مضطرب کیوں ہوں۔ میں کوئی خوبصورت حسینہ ہوں اور نہ ہم جنس پرست۔ آخر تم کیا چاہ رہے ہو۔''

میرے جلے کٹے جواب پر وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ میں ناگواری سے موبائل فون اپنے کان سے لگائے، اس کے ہنسنے کی آوازیں سنتا رہا۔ ہنسی تھمنے کے بعد اس نے کہا ''بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو فون پر نہیں کہی جا سکتیں۔ ان کے لیے ملاقات ضروری ہے۔''

''ملاقات کے لفظ کے ساتھ مجھے اب گن پوائنٹ یاد آنے لگا ہے۔ رات کو ایڈی مجھ سے دوسری ملاقات کا خواہاں تھا۔ اب تم وہی فرمائش کر رہے ہو۔''

''بار بار یہ ناخوشگوار ذکر نہ کرو۔ تمہارا بلڈ پریشر بڑھ جائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم ملنے کے لیے آؤ گے تو تمہارے دو چار آدمی آس پاس منڈلا رہے ہوں گے جو کوئی گڑبڑ ہوتے ہی تمہارے بچاؤ کے لیے حرکت میں آ جائیں گے۔''

اس کی نرم اور مصالحانہ آواز ابھری ''ایڈی کو یقین تھا کہ رات کو آدمیوں سے لدی ہوئی جو ڈیزل پک اَپ ہمارے قریب سے گزری تھی وہ تمہاری ایس ٹی ایف کی تھی۔ وہ لوگ جارحانہ انداز میں ہمیں اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے بظاہر غائب ہو گئے تھے لیکن دوبارہ کہیں چھپ کر آخر تک ہماری نگرانی کرتے رہے ہوں گے۔''

''اپنے ان اندیشوں کے باوجود تم مجھ سے ملنا چاہ رہے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں! یہ بتا دوں کہ میں تم سے طے شدہ ملاقات میں گڑبڑ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم محافظوں کے ساتھ آؤ گے۔''

''میں آٹھ بجے شیرٹن ہوٹل کے فرسٹ فلور کے لاؤنج میں آؤں گا۔'' میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد جواب دیا۔

''میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ یہ ملاقات تمہارے لیے بھی مفید ثابت ہوگی۔'' وہ میری رضامندی پا کر خوش ہو گیا۔

''ہو سکے تو اب اس ملاقات کے مقاصد پر بھی روشنی ڈال دو۔'' میں نے زور دیے بغیر کہا۔

''آٹھ بجے ملو گے تو مقصد جان کر خوش ہو جاؤ گے۔'' وہ مزید کھلنے پر آمادہ نہیں تھا۔

نک سے گفتگو ختم ہوئی تو تبادلۂ خیال کا سلسلہ چل پڑا۔ میں نے اس گفتگو میں نک کے انداز اور لب و لہجہ سے جو کچھ اندازہ لگایا تھا، وہ سب کے سامنے دہرا دیا۔

ہمارے درمیان باتوں کا سلسلہ جاری تھا کہ جلال آ پہنچا۔

''سب لوگ سر جوڑ کر بیٹھے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ پھر کوئی نیا معرکہ درپیش ہے۔'' اس نے سب سے باری باری ہاتھ ملاتے ہوئے پُرمزاح انداز میں کہا۔

''معرکہ نہیں، مرحلہ کہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' ویرا نے اپنی مسکراتی ہوئی نیلی آنکھیں اس کے چہرے پر جما کر اس کی تصحیح کی۔

وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گیا۔ ویرا اسے معرکہ اور مرحلہ کا فرق سمجھانا چاہ رہی تھی لیکن جلال نے اسے درمیان میں ٹوک دیا۔ وہ لفظی فرق کے بجائے حقائق جاننا چاہ رہا تھا۔

ایڈی ہاک کے کراچی میں مختصر قیام کے بارے میں وہ بالکل بے خبر تھا۔ وہ خبر سن کر اضطراری طور پر اس کا پارا چڑھ گیا۔ امریکی اور پاکستانی حکومتوں کے درمیان ہونے والے ایک پرانے معاہدہ کی رو سے وہ لوگ اس بات کے پابند تھے کہ ایڈی کے شہر میں قیام کے بارے میں دفتر خارجہ کو پیشگی اطلاع دیتے۔ امریکا جانے والے ہر پاکستانی اہلکار کے بارے میں کئی کئی دن پہلے امریکیوں کو باخبر کر دیا جاتا تھا۔ وہ دو طرفہ قانونی اور اخلاقی پابندی تھی۔ ایڈی کے بارے میں امریکیوں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔

''پہلے مجھے شبہ ہوا تھا کہ نک اپنا تبادلہ رکوانے کے لیے مجھے ایڈی سے ملوانا چاہ رہا تھا لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ وہ کچھ اور ہی چکر تھا۔'' میں نے جلال کے استفسار پر بتایا ''ایس ٹی ایف کے لیے کام کرنے والوں کی شہرت کچھ ایسی ہے کہ بعض امریکی حکام کو ابھی تک کرنل داور کی پیشکش پر یقین نہیں آسکا ہے۔ شاید انہیں کرنل داور پر بھی شبہ ہے۔ ایڈی اسی مشن پر کراچی میں رکا تھا۔ اس نے میری بے خبری میں میری جیب میں ایک چپ ڈال دی تھی جس کے ذریعہ وہ میری نقل و حرکت مانیٹر کرسکتا تھا۔''

''یہ ان کے پرانے حربے ہیں۔ حیرت ہے کہ اسے چپ ڈالنے کا موقع مل گیا۔ اس کا نتیجہ کیا رہا۔'' جلال نے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

''اس سے مل کر میں سیدھا اسٹیشن فور گیا تھا۔ چپ اب وہیں ہے۔'' میں نے اطمینان سے ساری تفصیلات دہرا دیں۔

''وہ لوگ بھی بے وقوف نہیں ہیں۔ اپنی دانست میں خاصی محنت کر رہے ہیں۔'' پوری کہانی سن لینے کے بعد جلال نے کہا ''لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایڈی کے چلے جانے کے بعد اب نک کیوں تم سے ملنا چاہ رہا ہے جب کہ صبح تک سوبھراج کی آمد متوقع ہے۔''

''ہاں! وہ صبح آ رہا ہے۔'' وہ انکشاف سن کر ویرا حیرت سے اپنی جگہ اچھل پڑی۔

غزالہ اور سلطان شاہ کے چہرے پر بھی حیرت و استعجاب کی لکیریں نمودار ہوگئی تھیں۔

''اس نے تین پروازوں پر نشستیں بک کرائی ہیں۔ ان میں سے پہلی پرواز صبح چھ بجے کراچی میں لینڈ کرے گی۔'' جلال نے بتایا ''دیکھنا ہوگا وہ تینوں میں سے کس پرواز سے کراچی آنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کل شام تک اسے کراچی میں ہونا چاہیے۔''

''تمہاری اطلاع کا ذریعہ قابلِ اعتماد ہوگا۔ کیا میں اس کے بارے میں جان سکتی ہوں۔'' ویرا نے محتاط الفاظ میں کہا۔

جلال اس کے سہمے سہمے انداز پر ہنس پڑا ''تم لوگوں کو ہر سوال کی آزادی ہے۔ بنکاک مشرقِ بعید کا ایک مرکزی اور بہت سرگرم شہر ہے۔ وہاں دنیا کی تقریباً ہر ایجنسی کے کچھ نہ کچھ نفوس سارا سال موجود رہتے ہیں۔ ان میں ہمارے دو آدمی بھی ہیں جو وہاں ایک ٹیلرنگ شاپ چلا رہے ہیں۔ آج کل وہی دونوں سوبھراج پر کام کر رہے ہیں۔ بنکاک میں اس نے اپنا سارا وقت شراب اور عورتوں میں گزارا ہے۔ اپنے ہوٹل سے بہت کم باہر نکلا ہے۔''

''اپنی جلاوطنی کا غم غلط کر رہا ہوگا'' ویرا ہنس کر بولی ''مجھے یہ جان کر فخر محسوس ہو رہا ہے کہ بنکاک میں بھی تمہارے آدمی مامور ہیں۔''

''بڑی خبریں حساس شہروں سے جنم لیتی ہیں۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہم مؤثر طور پر وہاں موجود رہیں'' جلال نے انکسار سے جواب دیا۔

''کل سوبھراج آ رہا ہے۔ آج نک ان سے ملنا چاہ رہا ہے۔ ان دونوں باتوں میں قریبی تعلق معلوم ہوتا ہے۔'' غزالہ بولی۔

''جو کچھ ہوگا، رات کو سامنے آ جائے گا'' میں نے بے پروائی سے کہا ''اگر آج نک نے کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو میں اس کا حشر خراب کر دوں گا۔''

''سوبھراج کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟'' جلال نے مجھ سے پوچھا۔

''سوچنا کیا ہے؟ اس کے یہاں آتے ہی اس کے پر قینچ کر کے اسے پنجرے میں ڈالنا ہے، پھر دیکھا جائے گا کہ اس کا کیا، کیا جائے؟'' میں نے بتایا۔

''یہ تو طے ہے کہ اس کا آزاد رہنا کسی کے مفاد میں نہیں ہے۔ میں یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ اس پر تم ہاتھ ڈالو گے یا میں اپنی بساط پھیلالوں؟''

''تم اسے کراچی پہنچتے ہی پکڑ لو گے؟'' میں نے اس سے سوال کیا۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ ابھی تک پاکستان کا ایک معزز اور مراعات یافتہ قیدی ہے۔ اس کے یہاں پہنچتے ہی میری کوشش ہوگی کہ اس کی ساری مراعات منسوخ کر کے میری کلارک کی گمشدگی اور ارجن کمار کے قتل کے سلسلے میں اس کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کرادوں۔''

''یہ لمبا سلسلہ ہوگا۔ وہ کسی رعایت کا مستحق نہیں ہے۔ ہم لوگ ہی اس کی خبر لیں گے۔''

''کام کتنا ہی طول کھینچے۔ اس کے آتے ہی میرے آدمی اس کے پیچھے لگ جائیں گے۔ وہ بچ کر کہیں نہیں جاسکے گا۔''

''تم بھول رہے ہو کہ وہ حشمت کا روپ بدل کر ہوٹل میں رہتا تھا اور وہاں کوبرا بن کر غیر ملکی ایجنٹوں سے ملتا تھا'' غزالہ نے جلال کو یاد دلایا۔

''مجھے سب یاد ہے'' جلال نے اپنے سر کو ہلکا سا خم دے کر، مسکراتے ہوئے کہا ''ایک بار وہ گرفت میں آجائے تو پھر اس سے ہر جرم کا حساب لے لیا جائے گا۔ پجیرو اور ارجن کمار کے معاملات پولیس کے ریکارڈ پر ہیں۔ میں ان سے پہل کروں گا۔''

''اس کے ساتھ ایگزٹ کنٹرول لسٹ کا بھی معاملہ ہے۔ سوبھراج اور سنیل کے ملک سے باہر جانے پر پابندی لگ جانی چاہئے'' اس بار سلطان شاہ نے نکتہ اٹھایا تھا۔

''ویری گڈ!'' جلال اپنا سر ہلا کر مسکراتے ہوئے بولا ''مجھے خوشی ہے کہ سب کو کوئی نہ کوئی بات یاد ہے۔''

''مجھے ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے تم سب جلال کو بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کررہے ہو'' میں نے خفگی سے کہا ''جلال ذمے دار آدمی ہے اور ابتدا سے سوبھراج پر کام کررہا ہے، اسے سب معلوم ہے کہ کب کیا کرنا ہے، تم لوگ بلاوجہ اس کا استاد بننے کی کوششیں کررہے ہو۔''

''ایسا نہ کہو، انہیں بولنے دو!'' جلال نے ملائمت سے کہا ''یہ استادی نہیں، ان لوگوں کا جوش و خروش ہے۔ ہم میں سے ہر شخص اس غدار کو جلد از جلد پیوند زمین ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ ابھی تک ویرا نے مجھے کوئی بات یاد نہیں دلائی؟''

''اس کی گرفتاری کے لیے ایک مضبوط کیس سیٹ لائٹ فون کا ہے'' ویرا نے ہنستے ہوئے کہا ''ریڈیو اینڈ ٹیلی گراف ایکٹ کے تحت اسے پھانسی تو نہیں دی جاسکتی لیکن پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے ضرور ڈالا جاسکتا ہے۔ مقدمہ چلا تو اسے سال چھ مہینے کی سزا ہوجائے گی۔''

''یہ بات میں واقعی بھولا ہوا تھا۔ اس کے سیٹ لائٹ فون پر ہمارا قبضہ ہونا ضروری ہے۔''

''نک پوری طرح سوبھراج کی سرپرستی کرتا رہا ہے۔ اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' میں نے جلال سے پوچھا۔

''اس کے لیے تم کیا سوچ رہے ہو؟'' جلال نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

''بن ڈیوڈ ان کی صفوں کا آخری آدمی تھا جو ہمارے ہاتھ آیا تھا اور اس نے اپنی خواہش کے مطابق اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کا خاتمہ کیا تھا۔ اس کے بعد سے راوی ان کے لیے عافیت ہی عافیت لکھتا چلا آرہا ہے۔ کیوں نہ نک کو بن ڈیوڈ سے ملاقات کے لیے روانہ کردیا جائے۔''

''نہیں ڈینی...... میں ایسے کسی اقدام کا مشورہ نہیں دوں گا۔ تم افراد سے لڑ سکتے ہو، ان کو نیست و نابود کرسکتے ہو لیکن اداروں سے لڑنا آسان نہیں ہے۔ نک یہاں اپنے ادارے کی نمائندگی کررہا ہے۔ اس کا قیام قانونی ہے۔ وہ مارا گیا تو کوئی اور اس کی جگہ لے لے گا۔ تلخیاں بلاوجہ جنم لیں گی۔''

''کافی عرصے سے تم امریکیوں کے لیے نرم دلی کا مظاہرہ کررہے ہو'' میں نے ہلکی سی شکایت کی۔

''امریکا ایک سپر پاور ہے۔ پچھلے دنوں وائٹ ہاؤس کے ترجمان نے تشویش کا اظہار کیا تھا کہ پاکستان کی سرزمین امریکیوں کے لیے خطرناک ہوتی جارہی ہے۔ آج کل کی یک طرفہ دنیا میں ایسے بیان معنی خیز ہوتے ہیں۔ یہ نرم دلی نہیں، مصلحت اور دانش مندی ہے۔ دس برس کا لڑکا ایک پلے ہوئے پہلوان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لڑے بغیر ہار مان لے۔ یہ میرا اپنا تجزیہ ہے، تم اس سے اختلاف کرسکتے ہو۔''

''تم اسلام آباد میں باخبر حلقوں سے بہت قریب ہو۔ تمہاری کسی نپی تلی رائے سے اختلاف کرنا آسان کام نہیں ہے'' میں نے متفکرانہ لہجے میں کہا ''میرا خیال ہے کہ نک کا قتل کشیدگی میں اضافہ کرسکتا ہے، کسی بڑے سانحے کا سبب نہیں بن سکتا۔''

''بظاہر مجھے بھی یہی نظر آرہا تھا لیکن کسی نہ کسی امریکی کا خون اونٹ کی پشت کا آخری تنکا ثابت ہوسکتا ہے۔ ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوجائے گا۔ چھچھورے سورما صابر نہیں ہوتے۔ وہ بات بات پر مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ امریکی کوئی بڑا اقدام نہ اٹھالیں۔''

''یہ باتیں تم ڈینی کو اس لیے سمجھا رہے ہو کہ اس نے نک کے بارے میں تم سے مشورہ کیا ہے۔ اگر کوئی رہزن یا لٹیرا تم

سے اجازت لیے بغیر اس کی زندگی کا چراغ گل کردے تو کیا ہوگا؟'' ویرا نے اس بحث میں حصہ لیتے ہوئے فاتحانہ لہجے میں سوال کیا۔

''یہ سوال تم ہی کرسکتی تھیں۔ میں ڈینی سے ایسے سوال کی توقع نہیں کرسکتا تھا۔ رہزنوں اور لٹیروں کی وارداتوں میں مختلف حالات پائے جاتے ہیں'' جلال نے ناصحانہ انداز اختیار کرلیا ''سب جانتے ہیں کہ ایسے لوگوں پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ ان کی کارروائیوں پر اظہار افسوس کیا جاسکتا ہے، کسی حکومت کو موردالزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔''

''تمہاری ان باتوں سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ امریکا ہمارا چوہدری ہے، ہم اس کی مرضی کے خلاف نہیں چل سکتے؟'' ویرا بحث پر اتر آئی۔

''ہمارا کوئی چوہدری نہیں ہے۔ ہم ایک آزاد اور خودمختار قوم ہیں۔ اپنے فیصلے خود کرتے ہیں لیکن اس دنیا میں ہم اکیلے نہیں ہیں۔ یہاں بہت سی دوسری قومیں بھی بستی ہیں۔ یہ سب کی بدنصیبی ہے کہ طاقت کا توازن برباد ہوچکا ہے۔ اب امریکا روئے زمین کا سب سے طاقت ور ملک ہے۔ جب تک طاقت کا کوئی نیا توازن نہیں بنتا، سب امریکا کی بات سننے اور ماننے پر مجبور ہیں۔ وقت کے اس دھارے کے خلاف چلنے والے خسارے میں رہیں گے۔''

''اگر وہ اپنی طاقت کے بل پر عالمی غنڈا بنا ہوا ہے تو بھی بات وہی رہتی ہے۔ ہم اس کی مرضی پر چلنے پر مجبور ہیں۔''

''صرف ہم نہیں، سب اس جبر کا شکار ہیں جو روس کی بربادی کے بعد ایک عفریت بن کر ابھرا ہے۔ پھر بھی وہ ہمیں ہر معاملے میں نہیں جھکا سکتا۔ اپنے شہریوں کی ہلاکت کے بارے میں ہمارے ساتھ سخت رویہ اختیار کرسکتا ہے۔ آج کے معروضی حالات میں ہم اس کے بھی متحمل نہیں ہوسکتے'' جلال رسانیت سے اسے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔

''تم سوبھراج کے قصے کو بھول کر امریکا کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟'' سلطان شاہ نے ویرا سے کہا۔

''وہ ایک ہی بات ہے۔ سوبھراج کا مربی اور سرپرست نک ہے۔ وہ ایف بی آئی کا ایجنٹ ہے۔ یہ سب امریکیوں کا کیا دھرا ہے۔ تم میری بات لکھ لو کہ ایڈی کا کراچی سے ہوتے ہوئے دہلی جانا خالی ازعلت نہیں ہے۔ اب وہ دہلی سے اپنے کسی افسر کو نک کی جگہ لینے کے لیے بھیجیں گے۔'' ویرا نے پرزور لہجے میں کہا۔

وہ واقعی دور کی کوڑی لائی تھی۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ امریکی اور بھارتی گٹھ جوڑ ہر شک و شبہے سے بالا ہوچکا تھا۔ جو بھی امریکی افسر بھارت میں رہ چکا ہو اس کے بارے میں یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی تھی کہ بھارتی دن رات پاکستان کے خلاف اس کے کان بھرتے رہے ہوں گے اور اس کے دل میں پاکستان کے لیے مخاصمت کے جذبات دوسرے امریکیوں سے کہیں زیادہ ہوں گے۔ ایسے کسی افسر کی پاکستان میں تقرری بہت سی مشکلات کا سبب بن سکتی تھی۔ ایک متعصب اور بھارت نواز امریکی کو کسی بات یا واقعہ کی معقولیت پر قائل کرنا آسان نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ ہر چھوٹے سے چھوٹے واقعے کو تعصب کی عینک سے دیکھ کر مقامی انتظامیہ کو بہت پریشان کرسکتا تھا۔

''ہوسکتا ہے کہ تمہارا اندازہ درست ہو۔ ایسا ہوا تو ہم اس تقرر کے خلاف اپنے تحفظات کا اظہار کریں گے'' جلال نے پرتشویش آواز میں کہا۔

''تم اپنے تحفظات کا اظہار کرتے رہ جاؤ گے۔ وہ ایک نئی مصیبت تمہارے سر پر مسلط کردیں گے۔ ابھی ڈینی نے کرنل داور بن کر ایس ٹی ایف کی طرف سے سوبھراج کے ایک بے ضمیر نوکر سے معافی چاہی ہے۔ آنے والے دنوں میں تمہارا سارا وقت ایف بی آئی کے مقامی دفتر میں وضاحتیں اور صفائیاں پیش کرنے میں گزرے گا۔ میں کہتی ہوں کہ تم لوگوں نے امریکا کے خوف کو اپنے اوپر ضرورت سے زیادہ مسلط کرلیا ہے۔ اس خوف سے نجات حاصل کرو۔''

''یہ صرف تمہاری نہیں، ہر پاکستانی کی دلی خواہش ہے مگر اس میں خطرات پوشیدہ ہیں۔ اصل خطرات کا اندازہ صرف اس شخص کو ہوتا ہے جو دوست ہونے کے باوجود الزامات کا سامنا کرتا ہے۔''

''میں کہتی ہوں کہ ایک بار تم ایک ٹھوکر مار کر دیکھو، یہ تم سے ڈرنا شروع کردیں گے۔ دبو گے تو یہ تمہیں دباتے چلے جائیں گے۔''

''ابھی ان آزمائشوں کا وقت نہیں آیا۔ یہ ایک بحرانی دور ہے۔ ہمیں ان سے مل کر چلنا ہوگا۔''

''مل کر چلتے رہو۔ تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بھارت ان کی آنکھوں کا تارہ بنا رہے گا۔''

جلال بھی ویرا کی بیان کی ہوئی سچائیوں کا قائل تھا۔ اندر ہی اندر وہ ان مجبوریوں پر کڑھتا رہتا تھا۔ ویرا نے اس وقت دوٹوک باتیں کرکے اس کے دل کے زخموں پر نمک پاشی کی تھی۔ میں نے اس کے بشرے پر آزردگی دیکھی تو ویرا سے مخاطب ہوکر کہا ''اب یہ بحث کسی اور وقت کے لیے رکھ لو۔ وقت کم رہ گیا ہے، ہمیں سوبھراج کے بارے میں کچھ طے

کر لینے دو۔ ایک مرتبہ وہ موذی زیر ہو جائے تو ہم اپنی توجہ دوسرے معاملات پر مرکوز کر سکیں گے۔''

''مجھے کبھی کبھی حیرت ہوتی ہے کہ پیدائشی طور پر امریکی ہوتے ہوئے تم اپنے ہم وطنوں سے اس قدر متنفر ہو'' غزالہ نے ہنس کر کہا۔

''باہر والے صحیح تصویر نہیں دیکھ سکتے۔ صرف گھر کا بھیدی لنکا ڈھاتا ہے'' ویرا نے تلخی سے جواب دیا ''میں نے امریکا اور امریکیوں کو بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے۔ تم کو معلوم ہے نا کہ میرے ناجائز باپ کو کہاں قتل کیا گیا تھا۔ امریکی صدر سے ملاقات کے بعد روانہ ہوتے ہوئے اسے وہائٹ ہاؤس کے ڈرائیو وے پر کسی خاموش رائفل کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ امریکا کے ایوان صدارت میں ہونے والے اس قتل کی گتھی آج تک نہیں سلجھ سکی۔''

میں نے اسے صرف اتنا موقع دیا کہ وہ اپنے متوفی باپ کا ذکر مکمل کر لے پھر سختی سے کہا ''تم پھر جذباتی ہو رہی ہو۔ اب تم نے اپنی زبان بند نہیں رکھی تو میں جلال کو اپنے ساتھ لے کر یہاں سے نکل جاؤں گا۔''

''اب میں چپ رہوں گی'' ویرا نے یہ کہہ کر شہادت کی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھ لی۔

''مجھے ان تین پروازوں کے بارے میں بتاؤ جن پر سوبھراج نے نشستیں بک کرائی ہوئی ہیں'' میں نے جلال سے کہا۔

''تم کو تینوں پروازوں پر اپنا وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹیلرنگ شاپ والے دونوں آدمی سوبھراج پر کڑی نظر رکھیں گے۔ وہ جس وقت بھی ہوٹل چھوڑ کر باہر نکلا، وہ مجھے فون پر آگاہ کر دیں گے۔ ائرپورٹ سے وہ اس کی روانگی دوبارہ کنفرم کریں گے۔ تم یہاں اس کے استقبال کی تیاری کر لینا'' جلال نے میری مشکل آسان کر دی۔

وہ کلیدی پروگرام سن کر ویرا نے ڈرائنگ روم چھوڑ دیا۔ جلال نے میرے قریب سرک کر نیچی بلکہ سرگوشیانہ آواز میں اپنے لائحہ عمل کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

☆☆☆

شیرٹن ہوٹل کے پورچ میں ٹیکسی سے اتر کر میں نے گرد و پیش میں نگاہ ڈالی تو مجھے وہاں کوئی مشتبہ شخص نظر نہیں آیا۔ میں ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے آگے بڑھا تو باوردی دربان نے میرے لیے شیشے کا داخلی دروازہ کھول دیا۔ اگلے لمحے میں، میں ہوٹل کے فسوں خیز ماحول میں داخل ہو چکا تھا۔

اس زمانے میں دہشت گردی کی اِکّا دُکّا وارداتیں دنیا بھر میں ہوتی رہتی تھیں لیکن دہشت گردی کا ہوّا کھڑا نہیں کیا گیا تھا۔ ہوٹلوں کی حدود میں پارکنگ سے پہلے گاڑیوں کی تلاشی لی جاتی تھی، نہ مہمانوں کو مخصوص الیکٹرانک چوکھٹوں میں سے گزارا جاتا تھا۔ میں اپنی بیم گن سمیت اطمینان سے ہوٹل کی زمینی منزل سے پہلی منزل کی طرف جانے والے کشادہ زینوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

جب میں نے شی سے بغاوت کی تو میرے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ میں نے اپنی ابتدائی لڑائیاں تن تنہا لڑی تھیں۔ اس وقت ویرا میرے خون کی پیاسی ہوا کرتی تھی۔ پھر سلطان شاہ میرے ساتھ آیا۔ پورے گھرانے کے خاتمے کے بعد غزالہ میرے ساتھ رہنے لگی۔ پھر اول خان سے تعارف ہوا۔ بعد میں یا شاید اس سے پہلے ویرا بھی مجھ سے آ ملی۔ یوں میرا سفر جوں جوں آگے بڑھتا گیا، میرے شرکائے سفر کی تعداد بڑھتی رہی۔ ان میں تازہ ترین اضافہ جلال کا تھا۔

ان سب لوگوں میں اول خان کو ایک خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ میں نے اسے اول تا آخر وہ سب باتیں بتا دی تھیں جو اس کے علم میں نہیں تھیں۔ مجھ سے ہلکا پھلکا اختلافِ رائے ہونے کے باوجود وہ خوش تھا کہ نک اور سوبھراج کے بارے میں میرے فیصلے مجموعی طور پر بہتر تھے۔

اس نے نک اور ایڈی سے بوٹ بیسن کے علاقے میں میری ملاقات کے موقع پر، مجھے اعتماد میں لیے بغیر اپنی صوابدید سے ایس ٹی ایف کی جس پارٹی کو میری حفاظت پر مامور کیا تھا، اس کی افادیت کھل کر سامنے آ چکی تھی۔ میری خواہش پر وہ بہت خوشی سے اپنے دو آدمیوں کے ساتھ شیرٹن ہوٹل آنے پر رضامند ہو گیا تھا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق اسے آٹھ بجے سے پہلے اپنی جگہ پر پہنچ جانا چاہیے تھا۔ اسے دور رہ کر صرف یہ دیکھنا تھا کہ نک میرے ساتھ کوئی گڑبڑ نہ کرنے پائے۔

نک سے اس ملاقات میں، میں کوئی فریب کھانے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ محض احتیاط کے پیشِ نظر میں اپنی گاڑی کے بجائے ٹیکسی میں ہوٹل آیا تھا۔ پچھلے رات والی ملاقات میں، میں نے اپنی گاڑی استعمال کی تھی لیکن اس کی نمبر پلیٹیں بدل دی گئی تھیں تاکہ ایف بی آئی والے گاڑی کے نمبر کے ذریعے میرے بارے میں کوئی بات معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس گاڑی کا بار بار استعمال بھی موزوں نہیں تھا اس لیے اس شام میں نے گاڑی نکالنے کا ارادہ سرے سے ترک کر دیا تھا۔ مشتبہ دوستوں تک پہنچنے کے لیے ٹیکسی سے بہتر اور محفوظ سواری کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔

ٹیکسی لینے کی وجہ سے میں ذرا قبل از وقت گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ ٹیکسی جلدی مل گئی مگر وقت کی کسر راستے میں پوری ہوگئی۔ میں نے زینوں کی طرف جاتے ہوئے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو آٹھ بج کر پانچ منٹ ہو چکے تھے۔

میں اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، زینے طے کر کے اوپری فلور پر پہنچا تو ہال میں پھیلی ہوئی خواب ناک روشنیوں میں مجھے نک دیوار کے ساتھ پڑے ہوئے ایک دہرے صوفے پر اکیلا بیٹھا ہوا نظر آ گیا۔ اس کی نگاہیں زینوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں تو میں نے خفیف سی مسکراہٹ سے اسے دیکھ لیے جانے کا اشارہ دیا، رک کر طائرانہ انداز میں نظریں دوڑائیں، ایک ستون کے ساتھ اول خان کو صوفے پر بیٹھے دیکھا اور مطمئن ہو کر نک کی طرف چل دیا۔ اول خان نے اس وقت اپنے چہرے میں کچھ تبدیلیاں کی ہوئی تھیں۔

نک سیاہ رنگ کے ہلکے سوٹ میں ملبوس تھا اور بالکل خالی ہاتھ نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر تپاک سے میرا خیر مقدم کیا۔ ہاتھ ملانے کے بعد ہم دونوں اسی دہرے صوفے پر ایک ساتھ بیٹھ گئے۔

''پانچ منٹ زیادہ ہوگئے تو مجھے خوف ہوا کہ کہیں تم نے ملاقات کا ارادہ ترک نہ کر دیا ہو'' اس نے دبی دبی آواز میں کہا۔

''سواری اور پھر ٹریفک کی مجبوری درپیش تھی۔ تم کس وقت آ گئے تھے؟''

''میں پونے آٹھ بجے آ گیا تھا۔ نیچے چائے کا ایک کپ پینے کے بعد آٹھ بجنے سے پانچ منٹ پہلے اوپر آ گیا۔''

''وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنی بات شروع کر دو۔ زیادہ دیر تک یک جا رہنا ہم دونوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔''

وہ ٹی شاپ یا ریستوران میں جانا چاہتا تھا مگر میں نے اس کی وہ فرمائش مسترد کر دی۔

''تم صرف ایڈی کی طرف سے بدظن ہو یا ہم سب کے خلاف ہو گئے ہو؟'' چند ثانیوں تک سوچنے کے انداز میں خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔

''تم سب سے بددل ہو گیا ہوتا تو اس وقت یہاں نظر نہ آتا'' میں نے سختی سے جواب دیا ''یہ تم نے کس قسم کی بات چھیڑ دی؟''

''یہ بہت اہم باتیں ہیں، تھوڑی دیر میں تمہیں بھی ان کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا۔ میری گزارش ہے کہ اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو اور میرے چند سوالوں کے جواب دے دو۔''

''مجھے اندازہ ہوتا کہ تم نے مجھے جرح کرنے کے لیے بلایا ہے تو میں اتنی آسانی سے یہاں نہ آتا۔ تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہ رہے ہو؟''

''میں تمہارا ذہن پڑھ چکا ہوں کہ تم اپنے قول کے پکے ہو لیکن یہ رائے بھی قائم کی ہے کہ تم ایڈی سے خوش نہیں ہو۔''

''فون پر میں نے یہ بات کھل کر بتائی تھی۔ یہ تمہاری رائے نہیں، حقیقت ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا۔ میں یہ سب باتیں تمہیں بتا چکا ہوں۔ تم میری زبان سے ان کا اعادہ کیوں کروانا چاہ رہے ہو، آخر تمہارا مقصد کیا؟''

''بڑے کاموں میں ذاتی پسند اور ناپسند کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ تم میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ ضرور پورا کرو گے'' اس کا لہجہ تائید طلب تھا۔

''یہ بات بھی طے ہو چکی تھی، تم اسے دہرا رہے ہو۔''

''دہرانا ضروری تھا۔ اس وقت میں تمہیں امریکی فورسز کے خاص کمانڈو ٹروپ کی بایولوجیکل گن دینے والا ہوں جو ایک راز کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ گن دشمنوں کی سرزمین پر تیز ترین کمانڈوز ایکشن کے لیے ایجاد کی گئی ہے اور صرف دو مواقع پر کامیابی سے استعمال کی گئی۔ امریکی فورسز سے باہر تم پہلے عام شہری اور غیر ملکی ہو جسے یہ گن دی جائے گی۔ یہ تمہارے پاس میری امانت ہوگی، تم اسے ڈینی کے ساتھ واپس لوٹا دو گے۔''

بایولوجیکل گن کا ذکر سن کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ کچھ عرصے سے اخبارات میں اس قسم کے ہتھیاروں کا ذکر آنے لگا تھا مگر میں نے نک پر کسی حیرت کا اظہار کیے بغیر بے رخی سے پوچھا ''تم اس کی تعریف میں بولے جا رہے ہو۔ یہ نہیں بتاتے کہ میرے پاس اس کا کیا مصرف ہوگا؟''

''یہ بہت مختصر اور خطرناک ہتھیار ہے۔ اختصار سے اسے بی گن کہا جاتا ہے۔ یہ میری جیب میں موجود ہے لیکن تم اندازہ نہیں لگا سکے ہو گے کہ میرے پاس کوئی ہتھیار موجود ہے۔ اسے فائر کرنے سے ایک خطرناک گیس کی نپی تلی مقدار خارج ہوتی ہے۔ اس کیمیائی گیس کے ایک فائر سے ڈینی کے سارے اعصاب شل ہو جائیں گے۔ وہ سب کچھ دیکھے اور سنے گا، اپنے ہوش و حواس میں رہے گا لیکن زبان سمیت اپنے بدن کے کسی عضو کو جنبش نہیں دے سکے گا۔ دہلی جاتے ہوئے ایڈی یہ بی گن مجھے دینے کے لیے رکا تھا۔ واشنگٹن میں اس خبر نے خوشی اور سنسنی کی لہر دوڑا دی ہے کہ ڈینی ہمارے ہاتھ آنے والا ہے۔ وہ بھیڑیا اور خونی درندہ ہے۔ اس خطرناک آدمی کو

اس کی مرضی کے خلاف کہیں لے جانا آسان نہیں ہوگا۔ تم اسے بی گن سے مفلوج کر کے میرے پاس لاؤ گے تاکہ اس کے فرار کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔''

مہلک لیزر شعاعیں اگلنے والی بیم گن میری جیب میں تھی۔ بی گن وہ دینے والا تھا۔ کیمیائی ہتھیاروں کی تیاری اور استعمال پر دنیا بھر میں پابندی عائد تھی۔ امریکا ایسے ہتھیاروں کا سب سے بڑا مخالف تھا لیکن نک فخر کے ساتھ کوئی اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔ وہ کیمیائی گن امریکی کمانڈوز کے زیر استعمال تھی، کسی بھی لمحے میرے پاس بھی آ سکتی تھی۔ اعصاب کو ناکارہ کر دینے والی زہریلی گیس پھینکنے والی وہ بی گن، نک کے بیان کے مطابق دو مواقع پر استعمال کی جا چکی تھی اور اس کے نتائج توقع کے عین مطابق برآمد ہوئے تھے۔ وہ ایک لرزہ خیز انکشاف تھا جو اس میدان میں امریکی منافقت کا مظہر تھا۔

نک نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور سیاہ رنگ کے بھاری پلاسٹک کا ایک مستطیل نما آلہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ اپنے سائز اور ساخت میں وہ گن ٹیلی وژن کے ریموٹ کنٹرول سے مشابہ تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس پر کثرت سے بٹن نہیں لگے ہوئے تھے۔ اس کا نام بی گن تھا لیکن اس کی بناوٹ میں گن یا ہتھیار کا شائبہ تک نہیں تھا۔ میں نے اسے جیب میں رکھنے کے بجائے الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کر دیا۔

اس پر صرف دو بڑے بٹن لگے ہوئے تھے۔ ایک سبز اور دوسرا سرخ رنگ کا تھا۔ اس کے دوسرے سرے پر تین چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ بناوٹ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہی اس گن کا اگلا حصہ تھا جس سے مہلک گیس کا اخراج ہوتا تھا۔

میں نے جائزہ لیتے ہوئے کسی بٹن کو چھیڑنے کی ہمت نہیں کی، مجھے خوف تھا کہ کہیں بٹن چھوتے ہی گیس نہ نکل پڑے۔

نک بی گن دینے کے بعد چند ثانیوں تک خاموشی اور دلچسپی سے میرا جائزہ لیتا رہا۔ پھر نیچی آواز میں بولا ''اس پر کسی ہتھیار کا شبہ نہیں ہوتا پھر بھی اسے جیب میں رکھ لو۔ یہ گن سو فیصد پلاسٹک سے بنائی گئی ہے۔ ہتھیاروں کا سراغ لگانے والی مشین یا میٹل ڈی ٹیکٹر اس کا سراغ نہیں لگا سکتے'' اس سے زیادہ چھیڑ چھاڑ کرنے کی غلطی نہ کرنا۔''

''یہ خود بہ خود تو نہیں چل پڑے گی'' میں نے بی گن کو اپنی جیب میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

''اس وقت یہ لاک ہے۔ دو مرتبہ سرخ بٹن دبانے سے لاک کھل جاتا ہے سبز بٹن روشن ہو جاتا ہے۔ سبز بٹن دبانے سے گن فائر کرتی ہے۔ اس کی رینج پندرہ فٹ تک ہے۔ اس سے زیادہ فاصلے پر گیس کی دھاریں پھیلنے لگتی ہیں اور ان کے اثرات مرکوز رہنے کے بجائے پھیلنے لگتے ہیں۔''

''یہ ممنوع کیمیائی ہتھیار ہے اور خاصا خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ اس گیس کے اعصابی اثرات کتنی دیر تک برقرار رہتے ہیں؟'' اس گن کے بارے میں کوئی تنقیدی بات کہنے کا ارادہ ملتوی کر کے میں نے اپنی معلومات بڑھانے کی کوشش کی۔

''کم از کم بیس گھنٹے'' اس نے وثوق سے کہا ''شکار اعصابی یا جسمانی طور پر کمزور ہو تو یہ مدت بڑھ جاتی ہے۔ ڈینی جیسے صحت مند اور چاق و چوبند آدمی کو یہ اعصابی گیس کم از کم بیس گھنٹوں کے لیے مفلوج کر دے گی۔''

''میں اس نادر تحفے کے لیے تمہارا ممنون ہوں لیکن میری دانست میں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ایسے کسی ہتھیار کے بغیر ڈینی کو بے بس یا بے ہوش کیا جا سکتا تھا۔ اس کے معاملے میں تم لوگ ضرورت سے زیادہ حساس اور جذباتی ہو رہے ہو۔''

''ہم دونوں میدان میں ہیں اور پورے حالات سے واقف ہیں۔ میری رائے بھی یہی تھی کہ ہمیں بی گن وغیرہ کو سامنے لانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن سوبھراج کی قید سے ویرا کے فرار کی کہانی سننے کے بعد افسرانِ بالا خائف ہو گئے ہیں۔ انہیں ڈر ہے کہ غیر معمولی حفاظتی تدابیر اختیار نہ کی گئیں تو ڈینی ہم سب کو جل دے کر آخری لمحات پر غائب ہو جائے گا۔ دور بیٹھے ہوئے لوگوں کے اندازے غیر تحقیقی اور انتہا پسندانہ ہوتے ہیں۔ یہ اوپر کی ہدایات ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی خطرہ مول لینے کے بجائے ضرورت سے زیادہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ہاں، یہ تحفہ نہیں ہے۔ ڈینی کے ساتھ تم یہ امانت بھی لوٹا دو گے۔ اسے عارضی طور پر تمہارے تصرف میں دیا گیا ہے۔''

''ڈینی ہم جیسا انسان ہے، کوئی آسیب نہیں ہے جو اس کے لیے ایسے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ وہ کئی دن سے ایک عام قیدی کی طرح میری تحویل میں ہے اور کہیں فرار نہیں ہو سکا۔ تم لوگ کچھ ڈرامائی مزاج کے مالک ہو۔ ان حرکتوں سے تم اپنے مجرم کو بھی ایک ناقابلِ تسخیر ہیرو بنا دیتے ہو۔''

''تم کو ماننا پڑے گا کہ ڈینی کوئی عام مجرم نہیں ہے۔ اس نے کئی برس سے ہم سب کو تنگ کیا ہوا ہے۔ وہ کہیں نظر آتا ہے اور پھر چھلاوے کی طرح غائب ہو جاتا ہے۔ اب تم کو مان لینا چاہیے کہ تم لوگوں کی پشت پناہی نے اسے بہت دلیر اور بے خوف بنا دیا ہے۔''

''وہ کتنا ہی نڈر ہو چکا ہو، اس وقت میرا قیدی ہے۔''

''اختلاف کی بنا پر تم اس کی تضحیک کر رہے ہو۔ اگر تم شروع سے اس کے دشمن ہوتے تو شاید وہ تمہارے قریب بھی نہ پھٹکتا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ تم پر بھروسا کرنے کی وجہ سے تمہارے چنگل میں پھنسا ہوگا۔ پیچھا کر کے اسے پکڑنا اتنا آسان نہیں تھا۔ میں اس قسم کے مجرموں کی نفسیات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ان کی چھٹی حس خطرات کو پہلے سے سونگھ لیتی ہے اور آڑے وقت میں وہ اپنے سایے پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔''

''چند روز کی بات ہے پھر تم دل کھول کر اس پر ریسرچ کر لینا۔ میں نے ماضی میں اسے تحفظ ضرور فراہم کیا ہے لیکن میں اسے کوئی غیر معمولی آدمی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ چیونٹی کو توپ کے گولے سے بھی اڑایا جا سکتا ہے مگر بہتر یہی ہے کہ اسے، اسی کی اوقات کے مطابق ایڑی سے مسل دیا جائے۔''

میری طرف سے ڈینی کے لیے بے رخی اور تنفر کا وہ اظہار ضروری تھا تاکہ نک کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو سکے کہ میں بھی اس کے حریف کا بدترین دشمن تھا۔ اس ڈیل کے بارے میں بی گن کے عارضی انعام تک ان کا اعتماد جیت کر میں نے اپنے منصوبے میں آدھی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ بقیہ کامیابی سوبھراج کی واپسی کی صورت میں حاصل ہونے والی تھی۔ جب تک وہ پاکستان نہیں آ جاتا تھا، نک اور کرنل داور کے درمیان اعتماد اور مفاہمت کا رشتہ بحال رہنا ناگزیر تھا۔

''مجھے تم سے پورا اتفاق ہے'' نک نے میری تائید کی ''میں نے یہ بات ایڈی کو بھی سمجھانی چاہی تھی، ایمانداری کی بات یہ ہے کہ میں بی گن جیسا خفیہ ہتھیار تمہارے سپرد کرنے کے حق میں نہیں تھا لیکن وہ مصر رہا۔ وہ امریکا میں جو کچھ طے کر کے آیا تھا، اس کے لیے اس پر عمل کرنا ضروری تھا۔''

''یہ غیر ضروری مشق تھی جو بہر حال اب پوری ہو گئی'' میں نے سرد مہری سے کہا۔

''اب تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ میری اور تمہاری یہ ملاقات کیوں ضروری تھی؟ میں فون پر بی گن تم تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔''

''تم نے غیر ضروری تجسس انگیزی سے کام لیا۔ تم کو بتا دینا چاہیے تھا کہ تم کوئی چیز مجھے دینا چاہ رہے ہو۔''

''گن کی سپردگی مشروط تھی۔ میں اتمام حجت کے طور پر ایک مرتبہ پھر یہ جاننا چاہتا تھا کہ تم ہمارے ساتھ کہاں تک مخلص ہو۔ اگر تم اس وقت کوئی غیر یقینی یا اشتباہ آمیز بات کرتے تو میں خاموشی سے گن واپس لے جاتا۔ تمہارے ذہن کو اچھی طرح پڑھے بغیر میں گن کا ذکر نہیں کر سکتا تھا۔''

''یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہوتا یا اس بارے میں بھی تمہیں کوئی ہدایت دی گئی تھی؟''

''نو!'' اس نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا''یہ ہمارے اندرونی معاملات ہیں۔ تمہیں ان سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔''

''اس سے پہلے تم کئی ایسی باتوں کا ذکر کر چکے ہو جو تمہارے اندرونی معاملات کے زمرے میں آتی ہیں۔''

''تم ایسی ایک بھی مثال نہیں دے سکتے۔ میں نے ضرورت کے تحت تم سے صرف وہ باتیں کی ہیں جن کا ہم سے مشترک تعلق ہے۔''

میں نے لمحہ بھر کے لیے غور کیا اور فوری طور پر کوئی مثال میرے ذہن میں نہیں آ سکی۔ اس کی ڈھیلی ڈھالی باتوں سے یہ تاثر ملتا تھا کہ وہ بہک رہا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ مجھے گھیرنے کے لیے وہ دانستہ ایسا انداز اختیار کرتا رہا تھا۔

اس وقت تک اس نے اپنی جانب سے چپ کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ میں نے ایک دو مرتبہ وہ ذکر نکالنے کا ارادہ کیا مگر پھر ملتوی کر دیا۔ میں نک کے ساتھ پائی ہوئی مفاہمانہ فضا کو کسی بھی قیمت پر بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

ابتدائی طور پر ایڈی کے کراچی میں مختصر قیام کے بارے میں میرے ذہن میں خاصے شکوک و شبہات تھے جن میں سب سے قوی نکتہ یہ تھا کہ اسے کرنل داور کے کردار پر شبہ ہو چکا تھا اور وہ مجھ سے ذاتی طور پر مل کر کسی حتمی نتیجے پر پہنچنا چاہتا تھا مگر اس ملاقات میں وہ بات صاف ہو گئی تھی۔

ڈینی والی ڈیل کوئی پرانی بات نہیں تھی۔ کرنل داور کی طرف سے اس پیشکش بلکہ صحیح ترین الفاظ میں نک کی تجویز پر کرنل کی رضامندی کی خبر امریکا میں بیٹھے ہوئے اعلیٰ حکام کے لیے بڑی حد تک سنسنی خیز اور دل خوش کن ثابت ہوئی تھی اور انہوں نے اس منصوبے کی تکمیل کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا شروع کر دیا تھا۔

وہ ڈینی کے ماضی سے خوف زدہ تھے۔ اسے نہ جانے کیا کچھ سمجھتے تھے۔ ان کی دانست میں ڈینی آسانی سے زیر ہونے والا نہیں تھا۔ اپنے اس غیر معمولی حریف کو پوری احتیاط سے اپنی تحویل میں لے کر امریکا لانے کے لیے ہر امکانی تدبیر کا اختیار کیا جانا ضروری تھا۔ انہوں نے ایڈی کو بی گن کے ساتھ پاکستان روانہ کر دیا۔

وہ کراچی میں اپنے مختصر قیام کے دوران میں وہ گن نک

کے حوالے کرتا ہوا دہلی کی طرف نکل جاتا۔ کسی کو کانوں کان بھی علم نہ ہوتا کہ وہ لوگ کرنل داور کی تحویل سے ڈینی کے حصول کے لیے کیا تیاریاں کر رہے تھے۔

ایڈی کراچی میں رکا تو اس کے پاس چند گھنٹے کی مہلت تھی اور نک کو گن دینے کے بعد بچنے والے وقت کا کوئی مصرف اس کے سامنے نہیں تھا۔ اس نے مجھ سے ملنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہوگیا۔ پہلی ملاقات میں اس نے دانستہ گن کا کوئی ذکر نہیں چھیڑا۔ بی گن میرے ہاتھ میں دینے سے پہلے وہ اپنا اطمینان کرنا چاہتا تھا۔

وہ یہ توقع نہیں کرسکتا تھا کہ کرنل داور از خود اسے اپنی کسی کمزوری یا بدنیتی سے آگاہ کردے گا۔ ایڈی کو جو کچھ کرنا تھا، اپنے طور پر اور خفیہ انداز میں کرنا تھا۔ اس نے عجلت میں چپ سے کام لینے کا فیصلہ کیا اور خاصے بے ڈھنگے طریقے سے چپ میری جیب میں پہنچانے میں کامیاب ہوگیا۔

اپنے مختصر قیام میں وہ کرنل داور پر زیادہ وقت صرف نہیں کرسکتا تھا۔ اپنے مانیٹرنگ سسٹم کے ذریعے اسے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ اس سے ملنے کے بعد کرنل داور نے ایس ٹی ایف کے مقامی مرکز کا رخ کیا تھا۔ وہ یقینی طور پر یہ توقع کر رہا ہوگا کہ کرنل داور اس سے ملاقات کرنے کے بعد اپنے اس ٹھکانے کی طرف جائے گا جہاں اس نے ڈینی کو قید کیا ہوا تھا۔ اپنے مانیٹر پر اسے ڈینی کے قید خانے کی پوزیشن کا علم ہو جاتا تو اس کے جانے کے بعد نک اس ٹھکانے کی نگرانی کرکے مزید معلومات جمع کرسکتا تھا۔

نئے ٹھکانے کے سراغ کے بارے میں اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ چپ مسلسل اسٹیشن فور کی نشاندہی کرتی رہی تو ایڈی نے رات گئے دوبارہ مجھ سے رابطہ کیا۔ اس وقت تک تفصیلات میرے سامنے نہیں تھیں۔ میں نے سرد مہری کے ساتھ اس سے دوسری ملاقات کرنے سے انکار کردیا۔

وہ تیزی سے فیصلہ کرنے والا متلون مزاج آدمی تھا۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ دوسری ملاقات میں میرے ساتھ کیا حرکت کر بیٹھے۔ وہ معاملہ ٹل گیا۔

نک سے گن مل جانے کے بعد مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید ایڈی اسی فرض سے سبک دوش ہونے کے لیے مجھ سے دوبارہ ملنا چاہ رہا تھا، نک کی طرح وہ بھی مجھے پہلے سے کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا اور میں اس کی طرف سے بھڑکا ہوا تھا۔ اگر میں رات کو اس سے مل لیتا تو شاید نک کے ساتھ شیرٹن میں ملاقات کی ضرورت پیش نہ آتی۔ ایڈی کے ہاتھوں بی گن مجھے مل گئی ہوتی۔

میرے انکار اور ملاقات کے التوا سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ ہونے والے کام میں کچھ تاخیر ہوگئی تھی، جس کا مجھے کوئی ملال نہیں تھا۔

”میں تمھیں کوئی بات بتانے پر مجبور نہیں کرسکتا“ میں نے اس سے کہا ”اپنے معاملات اور مسائل کو تم مجھ سے زیادہ سمجھتے ہو۔“

”اب تم کو ذہنی طور پر پوری طرح تیار رہنا چاہیے۔ میری سرتوڑ کوشش یہ ہے کہ میری یہاں سے روانگی سے پہلے ڈینی کا معاملہ میرے ہاتھوں نمٹ جائے۔ مجھے کسی بھی وقت کامیابی ہوسکتی ہے۔ تمھاری طرف سے دیر نہیں ہونی چاہیے۔“

”تمھاری گن مل جانے کے بعد زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ میں اکیلا ہی ڈینی کو سنبھال لوں گا“ میں نے اسے سبز باغ دکھایا ”ڈینی کے ہمدردوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اس کے معاملے میں، میں کسی بھی بھروسا نہیں کرسکتا۔ میرے علاوہ کسی کو اس راز کا علم نہیں ہے۔ حد یہ ہے کہ میں ہی اس کی ضروریات کا خیال رکھ رہا ہوں۔“

”سوبھراج آجائے تو تمھیں اس عذاب سے نجات مل جائے گی“ نک نے میرے شانے پر تھپکی دے کر تیجی آواز میں کہا ”بس تھوڑا سا کٹھن وقت اور گزار لو۔ تمھیں تمھاری محنت کا صلہ مل جائے گا۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم نے اپنے راز میں کسی اور کو شریک نہیں کیا۔“

انسان کی فطرت بہت عجیب ہے۔ وہ عام حالات میں بہت ذہین، چالاک اور معاملہ فہم ہوتا ہے لیکن جب اسے اپنی کوئی دلی آرزو برآنے کی امید ہوتی ہے تو وہ بڑی حد تک عقل وشعور کو پس پشت ڈال کر ہر اس بات پر اعتبار کرنا شروع کردیتا ہے جو اس کے مفاد میں ہو۔ اپنا مقصد پالینے کی امید میں وہ بہت بے پروائی سے منفی نکات کو یکسر نظر انداز کردیتا ہے اور خوش گمانی کی تصوراتی جنت میں رہنا شروع کردیتا ہے۔

نک بھی اس وقت کم و بیش اسی کیفیت سے دوچار تھا۔ وہ میری ہر بات پر نکتہ چینی کرسکتا تھا، دوچار اعتراض کرسکتا تھا لیکن ڈینی کو حاصل کرنے کی خوش فہمی میں اس نے ایسے پہلوؤں کو نظر انداز کیا ہوا تھا۔ وہ میری ہر بات پر یقین کرتا چلا جا رہا تھا۔ میں اسے بے وقوف بنا رہا تھا اور وہ بن رہا تھا۔ اسے سامنے کے حقائق سے سروکار تھا جو اس کی توقعات اور امیدوں کے عین مطابق تھے۔ ان کے پس منظر میں کارفرما عوامل کو اس نے لاشعوری طور پر بھلا دیا تھا۔

”میں نے کوئی صلہ پانے کی امید میں اسے نہیں پکڑا۔

مجھے اس کی خودسری شاق گزرنے لگی تھی۔ تم اس کے بارے میں بات نہ نکالتے تو شاید اس کا انجام برا ہوتا۔''

''فکر نہ کرو۔ اس کا انجام اب بھی برا بلکہ بہت برا ہوگا۔ بس تمہیں اس کے ساتھیوں کی طرف سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔'' اس نے مجھے تسلی دینے والے لہجے میں کہا ''ڈینی کی اچانک روپوشی نے انہیں تشویش میں ڈالا ہوا ہوگا۔''

''وہ ان باتوں کے عادی ہیں۔ اپنے چکروں میں وہ کئی کئی دنوں کے لیے گھر سے غائب ہوتا رہا ہے۔ انہیں اطمینان ہوگا کہ اپنا کام پورا کر کے وہ ان کے درمیان لوٹ آئے گا۔ روپوشی طول پکڑ گئی تو وہ ضرور فکرمند ہوں گے۔''

''اس سے پہلے ہی ہر طرف شور مچ چکا ہوگا کہ ایف بی آئی نے کراچی سے ڈینی کو پکڑ لیا۔''

''او کے نک!'' میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اس طرف ہاتھ بڑھا دیا ''میں تمہارے پیغام اور سوبھراج کی واپسی کی خبر کا منتظر رہوں گا۔''

''تم چلو۔ میں بعد میں جاؤں گا۔ ہمارا ہوٹل سے ایک ساتھ باہر نکلنا مناسب نہیں ہوگا۔'' اس نے اٹھ کر مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

میں اسے الوداع کہہ کر زینوں سے اترا تو میرے اعتماد میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ نک نے بی گن میرے سپرد کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اس وقت تک ان لوگوں کے ساتھ میری حکمت عملی بہت کامیاب جا رہی تھی۔ وہ مکمل طور پر، کرنل داور کے پھیلائے ہوئے سحر انگیز طلسم میں گرفتار ہو چکے تھے۔

میں ہوٹل سے نکلا تو پورچ میں ایک ٹیکسی سے نوجوان غیر ملکی جوڑا اتر رہا تھا۔ ان دونوں کے اترتے ہی میں ٹیکسی کی پچھلی نشست پر سوار ہوا اور ڈرائیور کو نرسری چلنے کی ہدایت کر دی۔

مجھے نک کی طرف سے اپنی نگرانی کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ وہ لوگ ان روایتی طریقوں پر عمل کرنے کے وسائل رکھتے تو ایڈی کو ایک بڑا خطرہ مول لے کر میری جیب میں چپ ڈالنے کی ضرورت پیش نہ آتی لیکن پھر بھی میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

ٹیکسی میں ہوٹل سے براہ راست گھر جانے کے بجائے نرسری اتر کر وہاں سے دوسری ٹیکسی لینا زیادہ محفوظ تھا۔

اس وقت دھیرے دھیرے کھیل سمٹ رہا تھا۔ جلال اور نک کی طرف سے آنے والی خبروں میں کوئی تضاد نہیں تھا۔ ان کی فراہم کی ہوئی اطلاعات کی ہم آہنگی بتا رہی تھی کہ اگلے چوبیس گھنٹے گزرنے سے پہلے سوبھراج پاکستان واپس آ کر چوہے دان میں پھنس چکا ہوگا۔ اس نازک مرحلے پر میری کوئی بھی کوتاہی ناقابل تلافی نقصان کا سبب بن سکتی تھی۔

میں گھر پہنچا تو اول خان کی گاڑی پہلے سے گھر کے باہر موجود تھی۔ وہ اپنی تیز رفتار گاڑی میں ہوٹل سے سیدھا اسی طرف چلا آیا تھا۔

میں ہنستا ہوا اندر داخل ہوا تو اول خان اپنی اصل شکل و صورت میں آ چکا تھا۔ مصنوعی مونچھیں غائب ہو چکی تھیں اور پھولے ہوئے نتھنے اپنی جگہ پر آ چکے تھے۔

''تم نے کمال کا ریڈی میڈ میک اپ کیا تھا۔ سرسری نظروں سے تمہیں پہچاننا مشکل تھا۔'' میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تم دیکھ رہے ہو کہ اس وقت میں قمیص شلوار میں ملبوس ہوں۔ ان تبدیلیوں کے بغیر میں تمہاری ہدایت پر عمل نہیں کر سکتا تھا۔ نک ایک نظر میں مجھے پہچان لیتا اور تمہارے سارے کیے کرائے پر ایک سیکنڈ میں پانی پھر جاتا۔''

''اپنی الجھنوں میں یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی کہ نک تمہیں قریب سے دیکھ چکا ہے۔ دوبارہ سامنا ہوا تو تمہیں پہچان لے گا۔''

''میں نہیں بھولا تھا لیکن تم کو یاد دلانا مناسب نہیں سمجھا۔''

''یاد دلانا زیادہ بہتر ہوتا۔ اس کام کے لیے تم کسی اور کو بھی بھیج سکتے تھے۔ یہ صرف احتیاطی اقدام تھا۔''

''دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک کر پیتا ہے۔'' ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا ''کل ایڈی نے تھوڑی دیر کے لیے تمہاری طبیعت صاف کر دی تھی۔''

''وہ اُلو کا پٹھا ہے۔'' میں نے بے ساختہ کہا ''بات بگڑتی تو وہ میرے ہاتھوں بے موت مارا جاتا۔''

''ہوں......اوں!'' ویرا نے تضحیک آمیز انداز میں ہنکارا بھرا ''یہ کیا کہہ رہے ہو۔ تم شاید جلال کی باتیں بھول گئے۔ سارے امریکی روئے زمین پر بھٹکنے والی مقدس گائیں ہیں۔ انہیں مارنا یا ستانا کارِ عذاب ہے۔ بھول جاؤ کہ اب تم کسی امریکی کو مار سکو گے۔''

''اپنے منہ آنے والوں کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔'' سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا ''ہم گایوں کو پوجنے والے نہیں ہیں، ان کا قیمہ شوق سے کھاتے ہیں۔''

''نک آپ سے کیوں ملنا چاہ رہا تھا؟'' غزالہ نے سوال کیا۔ ویرا کے برعکس وہ بھی سنجیدہ تھی اور اس کی آنکھوں سے تجسس جھانک رہا تھا۔

''کوئی نصیحت نامہ سنانا چاہ رہا ہوگا!'' ویرا نے مجھ سے مخاطب ہوکر تائید طلب لہجے میں کہا۔
میں نے خاموشی سے نک کی دی ہوئی بی گن اپنی جیب سے نکال کر میز پر رکھ دی۔
''میں نے اسے کوئی چیز اپنی جیب سے نکال کر تمہیں دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ کیا ہے؟'' اول خان نے ذرا چونک کر کہا۔
کسی اور کے بڑھنے سے پہلے ویرا ایک کروہ گن اٹھا چکی تھی اور اسے اپنے ہاتھوں میں تولتے ہوئے کہہ رہی تھی ''یہ ڈبا خاصا بھاری ہے۔ کوئی وائرلیس ٹرانسمٹر معلوم ہوتا ہے۔ اس کی بناوٹ کچھ نامانوس سی لگ رہی ہے۔''
''یہ اعصاب کو مفلوج کرنے والی کیمیائی گیس خارج کرنے والی گن ہے۔'' میں نے انہیں آگاہ کیا۔
''یہ کیمیکل گن تمہیں کیوں دی گئی ہے؟'' ویرا نے گن کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔
''ڈینی کو اسی سے مفلوج کر کے نک کے پاس لے جانا ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''ان سب کو ایک قطار میں کھڑا کر کے گولیوں سے اڑا دینا چاہیے۔'' ویرا شوخی سے بولی ''پتا نہیں تم نے انہیں کیا گھول کر پلایا ہے کہ وہ تمہاری ہر بات پر ایمان لا رہے ہیں اور تمہیں اپنا سب سے بڑا ہمدرد سمجھ بیٹھے ہیں۔''
''تم میں اور ڈینی میں یہی فرق ہے۔ تم انٹرویو لینے گئی تھیں تو سوبھراج نے تمہیں گروی رکھ لیا تھا۔'' سلطان شاہ بولا ''لاؤ! ذرا یہ گن مجھے دے دو۔ میں بھی دیکھوں کہ یہ کیا بلا ہے۔ میں اپنی زندگی میں پہلا کیمیائی ہتھیار دیکھ رہا ہوں۔''
''تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔ چار برس کے بچے ہو نا!'' ویرا نے طنز کرتے ہوئے گن اسے تھما دی۔
وہ باری باری گن کا جائزہ لیتے رہے اور میں نے اس کے بارے میں نک سے حاصل کی ہوئی معلومات کا خلاصہ انہیں سنا دیا۔
''گن کا امتحان لینا چاہیے۔ اس کے لیے کوئی بلی مناسب رہے گی۔'' سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔
ویرا اس تجویز پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی ''بل...... لی! جانتے ہو کہ بلی پکڑنے کے چکر میں ایک پادری لہولہان ہو گیا تھا۔ بلی پکڑنا آسان کام نہیں ہے۔''
''تم نے پھر پادری کا ذکر کیا!'' میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے کہا۔
''میں کسی کی تضحیک نہیں کر رہی۔ ایک واقعہ ہے۔ بلی کے بارے میں اپنے ایک معتقد کا اعتراف سن کر پادری کو بھی......''
''خاموش رہو!'' میں نے اسے دوبارہ آنکھیں دکھائیں ''میں اس وقت کوئی بیہودہ بات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''
''تو نہ سنو لیکن یہ بتا دوں کہ تمہارے تجربے کے لیے بلی ملنی محال ہے۔''
''بلی ضروری نہیں ہے۔ تجربہ کسی بھی جان دار پر کیا جا سکتا ہے۔'' غزالہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے سادگی سے متبادل تجویز پیش کر دی۔
''یہاں ہم پانچوں کے سوا صرف دو جان دار ہیں جو اوپر آرام کر رہے ہوں گے۔ آٹھواں جان دار کہاں سے لاؤ گی۔'' ویرا نے اس سے پوچھا۔
''یہ کام وہی دونوں کریں گے۔'' اول خان نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑی اور باہر نکل گیا۔ سلطان شاہ کی تجویز نے اس سمیت ہر ایک کو متاثر کیا تھا۔ اس گن کو کہیں بھی استعمال کرنے سے پہلے اس کے اثرات کا تجربہ کرنا ضروری تھا۔
''تم نک کی باتوں پر بھروسا کر رہے ہو اور مجھے اس گن پر شک ہے۔'' اول خان کے چلے جانے کے بعد ویرا نے کہا۔
''شک ہے تو وہ ذرا سی دیر میں دور ہو جائے گا۔'' غزالہ بولی۔
''اس سے اعصاب کو مفلوج کرنے والی گیس بھی خارج ہوتی ہوگی۔ میں دوسری بات کر رہی ہوں......''
''دوسری نہیں، تم چاہو تو تیسری اور چوتھی بات بھی کر سکتی ہو۔'' سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''لیکن ذرا جلدی کہو۔ کیا کہنا چاہتی ہو۔''
''نک نے اس گن کے خواص بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیے ہیں۔ ڈینی کا ذہن ان سے متاثر معلوم ہو رہا ہے۔''
''ایک جدید ترین ہتھیار سے مجھے متاثر ہونا چاہیے تھا۔'' میں نے کہا۔
''تم نے یہ باتیں خاص طور پر دہرائی ہیں کہ یہ بی گن امریکی فوج کے خفیہ ہتھیاروں میں شامل ہے۔ ان کے کمانڈوز نے صرف دو مہمات میں اسے استعمال کیا ہے۔ تم نے یہ غور کرنے کی زحمت نہیں کی کہ نک کو یہ ساری باتیں تم کو بتانے کا کیا مقصد تھا۔''
''ہم دونوں کے درمیان دوستی کی فضا استوار ہو چکی ہے۔ اسے جو کچھ معلوم تھا وہ اس نے بتا دیا۔''
''ایف بی آئی کا فوج سے کیا واسطہ؟ ایک اہم اور خفیہ

ہتھیار کے بارے میں نک کو بیٹھے بٹھائے کہاں سے معلومات حاصل ہو گئیں۔''

''سراغ رسانی کے اداروں کے اپنے ذرائع ہوتے ہیں۔اس نے کسی طرح کچھ جان لیا ہوگا۔''

اسی وقت اول خان کسی جانور کی فراہمی کے بارے میں اپنے آدمیوں کو ہدایت دے کر لوٹ آیا۔

''تم مانو یا نہ مانو۔ میرا اندازہ ہے کہ کل تک نک کے فرشتوں کو بھی بی گن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس نے تمہیں وہ سبق سنایا ہے جو ایڈی نے اسے رٹایا تھا۔ ایڈی نے اسے حکم دیا ہوگا کہ نک گن دینے کے ساتھ ساتھ وہ تمام باتیں تمہیں سنا دے تاکہ تمہارے ذہن میں گن کی اہمیت جاگزیں ہو جائے اور تم اسے اپنے سینے سے لگا کر ہر وقت ساتھ لیے پھرتے رہو۔ وہ دونوں اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے۔''

ویرا کے ان فقروں سے اول خان کے لیے بات کو سمجھنا دشوار نہیں رہا تھا۔ اس نے حیرت سے کہا ''ان باتوں سے تم کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو۔''

''ایف بی آئی والے ڈفر نہیں ہیں۔ وہ جو نک بن کر کرنل داور کی راہ پر لگے ہوئے ہیں۔ ڈینی کو بے بس کرنے کے ہزار طریقے ہو سکتے تھے۔ اسے بے ہوش کیا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے امریکا سے خاص طور پر ایک گن کراچی بھجوانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''اور وہ گن بھی ایسی ہے جو خود ایف بی آئی والوں کے استعمال میں نہیں ہے۔'' اس مرتبہ سلطان شاہ ویرا کا ہم خیال نظر آیا تھا۔

میں خود بھی اس بارے میں مطمئن نہیں تھا۔ میں نے نک سے کئی سوال کیے تھے۔ اس نے اپنے ایک ہی جواب سے میرے سب سوالوں کو نمٹا دیا تھا کہ امریکا میں بیٹھے ہوئے افسران ڈینی کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے تھے اور اس کے بارے میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔

اس وقت وہ بات وہیں ختم ہو گئی تھی لیکن ویرا نے اپنی باتوں سے میرے شبہات دوبارہ تازہ کر دیے تھے۔ میں نے نرم اور مصالحانہ لہجے میں ویرا سے کہا ''تمہاری باتیں بے بنیاد نہیں ہیں۔ یہ بتاؤ کہ نک کی دی ہوئی گن کے بارے میں تم کیا سوچ رہی ہو۔''

''کل ایڈی نے چپکے سے تمہاری جیب میں چپ ڈالی تھی۔'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ''آج نک نے تمہیں یہ گن تھما دی۔ اس میں کچھ بھی پوشیدہ ہو سکتا ہے۔''

''یہ ٹھوس پلاسٹک نہیں ہے۔ گن کی کسی خالی جگہ میں چپ چپکی ہوئی ہو سکتی ہے۔'' غزالہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

''یہ بدنیت لوگ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں ریموٹ کنٹرول سے کام کرنے والا کوئی ایسا خفیہ سرکٹ موجود ہو جو نک کے ایک اشارے سے اس گن کو تباہ کر دے......!''

''اوہ خدا!'' اول خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یہ گن تباہ ہو گی تو اس میں محفوظ ساری گیس کرنل داور کے تنفس کے ذریعے اس کے جسم میں پھیل جائے گی۔ ایسی زہریلی گیسیں زیادہ مقدار میں استعمال کی جائیں تو مہلک ثابت ہوتی ہیں۔''

''چپ کی موجودگی کا سراغ کیسے ملے گا؟'' سلطان شاہ نے پوچھا۔

''یہ آسان کام ہے۔'' اول خان نے اسے اطمینان دلایا ''اسٹیشن فور پر میرا آدمی اپنے اپریٹس سے چیک کر کے ذرا سی دیر میں اس کا پتا چلا لے گا۔ وہ اپریٹس آسانی سے الیکٹرانک سگنل کا سراغ لگا لیتا ہے۔ سرکٹ کے بارے میں مجھے معلوم کرنا پڑے گا کہ کیا ہو سکتا ہے۔''

''آپ اپنی دانست میں انہیں بے وقوف بنا رہے ہیں اور وہ آپ کو گھیرنے کے چکر میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ یک طرفہ مقابلہ نہیں ہے۔ وہ اپنی جگہ پر چوکنے ہیں۔'' غزالہ پُر تشویش لہجے میں بولی ''اب وہ ہر صورت میں آپ پر نظر رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس کشمکش کا کیا انجام ہوگا۔''

''نک کے ارادے بھیانک نظر آ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ڈینی کو اپنی تحویل میں لینے کے بعد کرنل داور کو ختم کرنے کا فیصلہ کر چکا ہو۔'' ویرا نے بے رحمانہ صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا ''جب تک ڈینی ان کے ہاتھ میں نہیں آتا، کرنل داور محفوظ رہے گا۔''

''یہ گن تم اپنے ساتھ لے جاؤ۔'' میں نے اول خان سے کہا ''اسے دیکھو کہ اس میں کیا ہے اور اسے اسٹیشن فور پر ہی پڑا رہنے دو۔ ہمیں اس مشتبہ ہتھیار کو خود سے دور رکھنا چاہیے۔ پتا نہیں کب نک کے دماغ میں فتور آ جائے۔''

''اسے لے جانے سے پہلے یہ ضرور دیکھ لو کہ اس میں موجود گیس کے اثرات کیا ہیں۔'' سلطان شاہ نے مشورہ دیا۔

ابرار شاید سلطان شاہ کے اس مشورے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اپنی بغل میں ایک غراتی ہوئی بلی کو دبائے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

ایس ٹی ایف والے عجیب جناتی خواص کے مالک تھے۔ انکار اور ناکامی کے الفاظ ان کی لغت سے خارج تھے۔ ان سے جو کچھ کہا جاتا تھا اس پر بہت سرعت سے عمل کیا جاتا تھا۔ میں ویرا کی اس رائے سے متفق تھا کہ بلی پکڑنا آسان کام نہیں تھا لیکن ابرار نے ذرا سی دیر میں وہ مشکل کام بھی کر دکھایا تھا۔

بلی بہت صحت منداور جارح تھی۔ ابرار کو اس کے سر اور پنجوں کو قابو میں رکھنے میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ بلی اس کی گود میں رہتی تو اندیشہ تھا گیس ابرار کو بھی متاثر کرے گی۔ اس کے پیر باندھ کر اسے ایک طرف ڈال دیا گیا۔ سب کی توجہ نئے تجربے پر مرکوز ہو چکی تھی۔

نک کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرنے کے نتیجے میں سبز بٹن روشن ہوا اور میں نے چیختی چلاتی ہوئی بلی کے رخ پر گیس فائر کر دی۔ وہ گیس بے رنگ اور بے بو تھی۔ فضا میں کچھ نظر نہیں آیا۔ گن میں شوں کی ایک ہلکی سی آواز پیدا ہوئی جس سے اندازہ ہوا کہ سبز بٹن دبتے ہی گیس کی مقررہ مقدار کا اخراج ہوا تھا۔

قالین پر تڑپتی اور غراتی ہوئی خون خوار بلی لمحہ بھر میں ساکت ہو گئی۔ وہ منظر دیکھ کر ابرار کی آنکھوں میں حیرت تیر گئی۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ میں نے ایک بے زبان جانور کو موت کے گھاٹ کیوں اتار دیا تھا۔

فضا میں گیس کے اثرات کی موجودگی کے خوف سے چند ثانیوں تک ہم سب اپنی جگہوں پر ٹھٹکے رہے پھر سلطان شاہ نے پہل کی اور آگے بڑھنے کے بعد اعلان کیا کہ بلی زندہ تھی۔ اس کا سانس چل رہا تھا، آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن جسم بالکل ساکت تھا۔

بقیہ افراد نے بھی جھک کر بلی کا جائزہ لیا۔ سب کے چہروں سے اطمینان ظاہر ہو رہا تھا کہ نک کی بتائی ہوئی کم از کم ایک بات درست ثابت ہو گئی تھی۔

''اب یہ کافی دیر تک بے ضرر رہے گی۔ اسے اٹھا کر چھت پر لے جاؤ اور خیال رکھو کہ یہ کتنی دیر بعد اٹھ کر اپنے پیروں پر چلنے کے قابل ہوتی ہے۔'' اول خان نے ابرار سے کہا۔

''اسے بے چارے کو یہ سزا نہ دو۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''یہ بلی بیس گھنٹوں سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گی۔ یوں ہی بے سدھ پڑی رہے گی۔''

''خوفناک ہتھیار ہے۔'' غزالہ جھرجھری لے کر بولی ''کیسی بے بسی ہے کہ سب کچھ دیکھنے اور سننے کے باوجود اس کا شکار کچھ نہیں کر سکتا۔''

''دکھ کی بات ہے کہ تمہاری قوم اپنے دشمنوں کے لیے ایسے ہتھیاروں کی تیاری میں لگی ہوئی ہے۔'' سلطان شاہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر گہرے تاسف کے ساتھ کہا ''یوں مفلوج کرنے سے بہتر ہے کہ سر یا دل میں ایک گولی مار کر دشمن کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا جائے۔''

''قسمت نے ساتھ دیا تو میں یہ گن نک پر ضرور استعمال کروں گا۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''ڈینی اس کے سپرد کیا جائے گا اور نہ یہ گن واپس جائے گی۔'' ویرا نے میرے ہاتھ سے گن لے کر تحقیر آمیز لہجے میں اپنے عزم کا اظہار کیا ''جن کی ایجاد ہے، اب یہ انہی لوگوں کے خلاف استعمال ہوتی رہے گی۔ اس کی لائف کتنی ہے۔''

''لائف کے بارے میں، میں نے پوچھا نہ اس نے بتایا۔ یہ انہیں واپس نہیں کی جائے گی اور ہمارے کام بھی نہیں آئے گی۔ گن کے بارے میں اپنے شبہات ظاہر کر کے تم نے اس کی افادیت بالکل ختم کر دی ہے۔''

''ایسا نہیں ہے۔ کچھ وقت صرف ہوگا اور ہر بات سامنے آ جائے گی۔ اس میں کوئی سسٹم موجود ہے تو اسے ناکارہ کر دیا جائے گا۔ یہ میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔'' اول خان نے امید افزا انداز میں کہا۔ میں نے ویرا سے گن لے کر لاک کی اور اول خان کی طرف بڑھا دی۔

ابرار میرے ہاتھوں مفلوج ہونے والی بلی کو اٹھا کے لے جا چکا تھا۔

☆☆☆

میں نے کبھی سوبھراج کو دیکھا تھا نہ اس سے ملا تھا لیکن میں نے مختلف زاویوں سے لی گئی، اس کی اتنی تصاویر دیکھی تھیں کہ مجھے توقع تھی کہ میں اسے دیکھتے ہی پہچان لوں گا۔ میں اطمینان سے قائداعظم انٹرنیشنل ائرپورٹ کی نچلی منزل پر بین الاقوامی پروازوں کی آمد والے لاؤنج کے سامنے، ایک پلاسٹک بینچ پر بیٹھا سگریٹیں پھونک رہا تھا اور میری بے چین نگاہیں بار بار اس الیکٹرانک بورڈ کا جائزہ لے رہی تھیں جس پر دنیا بھر سے پروازوں کی آمد کا تازہ ترین شیڈول کھٹا کھٹ کی ہلکی آوازوں کے ساتھ بار بار تبدیل ہو رہا تھا۔

جلال نے رات کے دو بجے فون کر کے مجھے اس پرواز کی تفصیلات سے آگاہ کیا تھا جس سے سوبھراج کراچی کے لیے روانہ ہو رہا تھا۔ بنکاک سے اس کے آدمیوں نے اطلاع دی تھی کہ سوبھراج ہوٹل سے چیک آؤٹ کر کے اپنے مختصر اسباب سمیت ائرپورٹ کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔

سوبھراج کے کراچی پہنچتے ہی میرا اس سے ٹکرانے کا کوئی

ارادہ نہیں تھا۔ میں شام کو اس سے راج محل میں ملنے کا ارادہ کر چکا تھا لیکن اس سے پہلے میں اپنی نظروں سے اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس وقت ائر پورٹ پر میرے اور سلطان شاہ کے علاوہ آئی بی کے آدمی بھی آنے والے مہمان کے استقبال کے لیے موجود ہوں گے۔

مجھے جلال کی زبانی یہ علم ہو چکا تھا کہ اس کا محکمہ سوبھراج کے خلاف فوری طور پر کوئی کارروائی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ جب تک سوبھراج اور اس کی قیام گاہ کو دی ہوئی مراعات کی تنسیخ عمل میں نہ آتی کوئی قدم نہیں اٹھایا جاسکتا تھا۔ جلال کا ہوم ورک مکمل تھا۔ وہ پہلے سے مراعات ختم کرا دیتا تو سوبھراج پاکستان واپسی کا ارادہ منسوخ کر دیتا۔ اسے بے خبر رکھنے کے لیے جلال نے طے کیا ہوا تھا کہ اس کے پاکستان لوٹنے کے بعد سارا عمل تیزی سے مکمل کیا جائے۔

اس پس منظر میں آئی بی کے افراد کی موجودگی غیر موثر تھی۔ وہ ایک تماشائی کی طرح سوبھراج کو آتا ہوا دیکھتے، راج محل تک اس کی گاڑی کا پیچھا کرتے اور اپنے کسی بڑے کو رپورٹ دے کر واپس چلے جاتے۔ میری بھی کم و بیش وہی پوزیشن تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ تماشا دیکھنے کے دوران کوئی اہم واقعہ رونما ہونے کی صورت میں، میں کسی سے رجوع کیے بغیر اپنے فیصلے آزادی سے کر سکتا تھا۔

میری نظریں اس ہال کے دروازے پر مرکوز تھیں جس سے گزر کر مسافر باہر آتے تھے۔ اس وقت ہال خالی پڑا ہوا تھا۔ اندر عملے کے اِکّا دُکّا افراد چلتے پھرتے نظر آرہے تھے کیونکہ ائرپورٹ پر آخری بین الاقوامی پرواز کو آئے ہوئے کم از کم تین گھنٹے ہو چکے تھے اور سارے مسافر کسٹم کے مراحل سے نمٹ کر اپنی منزلوں کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔

اچانک پشت سے کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا اور میں بھڑک کر بینچ سے اٹھ گیا۔ میں خشمناک تیوروں کے ساتھ پلٹا تو سلطان شاہ میرے پیچھے کھڑا، میری بوکھلاہٹ پر مسکرا رہا تھا۔

''ٹی شاپ کی طرف ذرا رونق ہے۔ میں پورا چکر لگا کر آیا ہوں۔'' اس نے دھیمی آواز میں مجھے اطلاع دی۔

''وہاں کون ہے؟'' میں نے سوال کیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ سلطان شاہ نے اس وقت رونق کا لفظ کسی اور مفہوم میں استعمال کیا تھا۔

''سنیل پرکاش اپنے دو آدمیوں کے ساتھ کاؤنٹر پر کھڑا چائے پی رہا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''مجھے توقع تھی کہ وہی اپنے آقا کو لینے آئے گا۔''

''وہ تمہیں دیکھ کر چونکے گا۔'' سلطان شاہ نے خدشہ ظاہر کیا ''تم کرنل داور کے روپ میں راج محل جا کر اس سے مل چکے ہو۔''

''وہ ادھر نظر آیا تو میں خود اس سے مل لوں گا۔ یہ ائرپورٹ ہے۔ ضروری نہیں کہ یہاں ہر ایک سوبھراج کے چکر میں آیا ہو۔ اچھا ہوا کہ تم نے اس کی موجودگی سے مجھے باخبر کر دیا۔ چائے پی کر وہ اسی طرف آئے گا۔''

اچانک مجھے سڑک کی طرف سے ایک سفید فام امریکی بے پروایانہ انداز میں اندر آتا ہوا نظر آیا۔ وہ دراز قامت اور کسرتی بدن کا مالک تھا، چہرے سے سفاک نظر آرہا تھا۔ اس کے سر کے بال فوجی انداز میں ترشے ہوئے اور بہت چھوٹے تھے۔ میری نظریں اس پر جم کر رہ گئیں۔

وہ مسافروں کے انتظار میں کھڑے ہوئے لوگوں کے درمیان سے کسی مست اور مغرور سانڈ کی طرح گزرتا ہوا سیدھا بورڈ کی طرف جارہا تھا۔ اس نے کچھ دور رک کر بورڈ پر نظریں دوڑائیں اور اپنے بائیں شانے پر لٹکے ہوئے مختصر سے بیگ کو پشت پر جھٹک کر واپس ہولیا۔

جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس اس سفاک صورت امریکی کی آمد و رفت کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے کسی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ پروازوں کی آمد کا متوقع وقت دیکھنے کے لیے اس وسیع و عریض برآمدے میں داخل ہوا تھا۔

میری نظروں کے تعاقب میں سلطان شاہ بھی اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ میں نے سرگوشیانہ آواز میں کہا ''ذرا دیکھو کہ یہ کہاں جارہا ہے۔ پرواز آنے میں دس منٹ رہ گئے ہیں۔ تم پارکنگ میں رک کر میرا انتظار کرنا۔''

ایسے مواقع پر سلطان شاہ کسی چوں و چرا کے بغیر نہایت سعادت مندی کا ثبوت دیتا تھا۔ وہ تیزی کے ساتھ امریکی کے پیچھے ہولیا۔

اس دوران میں دو خواتین میری چھوڑی ہوئی بینچ پر قابض ہو چکی تھیں۔ میں ان سے دور ہٹ کر خود کار زینوں کے قریب جا کھڑا ہوا۔

سوبھراج کی آمد کے موقع پر ائرپورٹ کی حدود میں ایک مشتبہ امریکی کی موجودگی نے مجھے متفکر کر دیا تھا اور بے اختیار میرا ذہن ایڈی کی طرف بھٹک گیا تھا جس نے سوبھراج سے خود نمٹ لینے کی بات کی تھی۔ اگر وہ درشت رو امریکی برآمدے میں آکر رک گیا ہوتا تو شاید میں وہاں موجود دوسرے لوگوں کی طرح اسے بھی نظر انداز کر دیتا لیکن میری چھٹی حس مجھے بتا رہی تھی کہ وہ باہر رک کر کسی آنے والے

مسافر کا منتظر تھا۔ پرواز لیٹ ہونے کی وجہ سے مضطرب ہو کر برآمدے میں آیا اور نیا وقت دیکھ کر دوبارہ باہر چلا گیا تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ ہماری طرح وہ بھی سوبھراج کی آمد کا انتظار کر رہا ہو۔

پھر مجھے سامنے والی بھیڑ میں سنیل کا چہرہ نظر آیا۔ اس کی ساری توجہ ہال کی طرف مرکوز تھی۔ میں اپنی جگہ چھوڑ کر آگے بڑھا اور اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ اس نے بھی میری طرف دیکھا۔ لمحہ بھر کے لیے ہماری نظریں چار ہوئیں پھر اس نے منہ پھیر کر مجھ سے بچ نکلنے کی کوشش کی مگر میں نے تیزی سے بڑھ کر اسے جا لیا۔

''اوہو...... کرنل صاحب!'' میرے پکارنے پر اس نے پلٹ کر یوں کہا جیسے اس نے مجھے اسی وقت دیکھا ہو۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ اس نے تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے مشکل سے اپنی بات مکمل کی ''آپ یہاں کیسے؟''

''ایک دوست کو لینے کے لیے آیا ہوں۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا اور پوچھا ''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''مم...... میں بس ایسے ہی آ...... آ گیا۔'' اس نے ہکلاتے ہوئے دقت سے کہا پھر اپنے آدمیوں پر برسا ''یہاں کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ آگے جاؤ۔ میں کرنل صاحب سے بات کر کے آتا ہوں۔''

وہ دونوں راج محل کے نچلے درجے کے ملازم معلوم ہو رہے تھے۔ سنیل کی گھرکی سن کر تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ سنیل نے ان کے جانے تک زبان بند رکھی۔ میدان صاف ہوتے ہی وہ میرے قریب ہو کر رازدارانہ آواز میں بولا ''شاید راج صاحب اگلی فلائٹ سے آنے والے ہیں۔ میں ان کو لینے آیا ہوں۔''

''اوہ! اس میں اتنی رازداری کی کیا بات ہے!'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''صاحب! کچھ ایسی ہی بات ہے۔ ابھی یہ خبر سختی سے چھپائی گئی ہے۔ یہ راج صاحب کا حکم ہے۔''

''حیرت ہے کہ سوبھراج کو لینے کے لیے تم اکیلے آئے ہو......'' میں طنز کرتے کرتے اچانک رک گیا۔ مجھے یاد آ گیا تھا کہ اس نے سوبھراج کے ساتھ اپنی بیوی کے غیر اخلاقی مراسم کی بات کرنل داور کو نہیں، ڈینی کو بتائی تھی۔ بتائی بھی کیا تھی، اسے غلط فہمی کے تحت مجبور ہو کر اعتراف کرنا پڑا تھا۔

''بہت سے لوگ آتے مگر میں نے راج صاحب کے حکم کے مطابق کسی کو خبر نہیں دی۔'' اس نے میری ادھوری بات کو مکمل سوال سمجھ کر جواب دیا ''سب سے پہلے تو اخبار والے ہی یہاں گھس آتے۔ ابھی میرے اور ان دونوں نوکروں کے سوا کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔''

''جاؤ اور اپنے مالک کا انتظار کرو۔ انہیں میرا سلام کہہ دینا۔ وہ آ رہے ہیں تو میں شام کو ان سے ملنے کے لیے راج محل آؤں گا۔'' میں نے جان بوجھ کر سوبھراج کے لیے ایسے احترام آمیز صیغے استعمال کیے تھے جو راج محل میں کرنل داور کے معذرت خواہانہ رویے سے میل کھاتے تھے۔

''میں آپ کا پیغام ان تک پہنچا دوں گا۔'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہا۔

''ان کے لیے تم وی آئی پی لاؤنج کے بجائے یہاں کیوں بھٹک رہے ہو؟'' جاتے جاتے میں نے اس سے وہ چبھتا ہوا سوال پوچھ لیا جس کا جواب مجھے معلوم تھا۔

''وہ اپنے لاؤنج سے آتے تو خبر تیزی سے شہر میں پھیل جاتی۔'' اس نے یوں کہا جیسے وی آئی پی لاؤنج سوبھراج کی آبائی ملکیت ہو ''وہ عام مسافروں میں گھل مل کر آ رہے ہیں تاکہ بات نہ پھیلے اور انہیں سکون سے یہاں کے حالات کا جائزہ لینے کا وقت مل جائے۔''

''یہ یاد رکھنا کہ میں شام کو ان سے ملے بغیر راج محل سے نہیں لوٹوں گا۔'' یہ کہہ کر میں نے ہاتھ ہلایا اور وہ یوں بھاگا جیسے میں اسے دوبارہ روک لوں گا۔

سوبھراج کی متوقع آمد کی وجہ سے ائرپورٹ کی رونق خاصی بڑھی ہوئی تھی۔ کئی فریق وہاں جمع ہو چکے تھے اور سب ایک دوسرے کی موجودگی سے بظاہر بے خبر تھے۔ سنیل اس بھیڑ کا پہلا آدمی تھا جس سے میری بات چیت ہوئی تھی۔ اس کی زبان سے ائرپورٹ پر میری موجودگی کا ذکر سن کر سوبھراج کو کوئی خوشی نہیں ہو سکتی تھی۔

آخر کار بورڈ پر ایک سطر کے آگے لکھے ہوئے ہندسے جلنے اور بجھنے لگے۔ ایک گھنٹے کی تاخیر سے سوبھراج کا طیارہ پاکستان کی سرزمین پر لینڈ کر چکا تھا۔

مسافروں کا انتظار کرنے والوں کی بھیڑ میں ہلچل شروع ہو گئی۔ مسافروں کو طیارے سے اتر کر اندر ٹرمینل کی مرکزی عمارت میں امیگریشن کے مرحلے سے نمٹ کر کسٹم ہال تک آنے کے لیے خاصا وقت درکار تھا لیکن لوگوں کی بے صبری قابل دید تھی۔ بعد کی پروازوں کے انتظار میں آئے لوگ پیچھے ہٹ گئے تھے لیکن پھر بھی ریلنگ کے ساتھ خاصا ہجوم جمع تھا۔

طیارہ لینڈ کرنے کے تقریباً پندرہ منٹ بعد باہر آنے والے پہلے تین مسافروں کی ٹکڑی میں طوطے کی چونچ کی طرح

مڑی ہوئی ناک والا سوبھراج بھی شامل تھا۔ ان تینوں کے پاس دستی سامان کے علاوہ کچھ نہیں تھا جس کے انتظار میں انہیں اندر رک کر اپنا وقت برباد کرنا پڑتا۔ ان میں سے دو تھائی باشندے تھے۔ سوبھراج اکلوتا مقامی تھا۔

اس کے کرتوت کالے اور قابلِ نفرت تھے مگر مجھے اپنے دل ہی دل میں یہ مان لینا پڑا کہ وہ خبیث بہت وجیہہ اور شاندار شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے دروازے سے نکلتے ہی سنیل نے ائرپورٹ سیکیورٹی فورس کے اہلکاروں کی ڈانٹ پھٹکار کی پروا کیے بغیر، کسی پشتینی غلام کی طرح دوڑ لگا کر سوبھراج کے ہاتھ سے اس کا ٹرالی بیگ اور دوسرا سامان لے لیا اور ریلنگ کے باہر کھڑے ہوئے دونوں ملازموں کی طرف بڑھا دیا۔

وہ عجیب لمحات تھے۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ سوبھراج اتنی آسانی کے ساتھ پاکستان واپس آچکا تھا۔ اس کی غدارانہ حرکتوں کی وجہ سے میں اس کے خون کا پیاسا تھا۔ اس وقت وہ چند قدموں کے فرق سے میری دسترس میں تھا لیکن جب تک اس کی مراعات ختم نہ ہوتیں، وہ ایک بہت بڑا بت تھا۔ اس پر ہاتھ اٹھانے والے کو وہ سودا بہت مہنگا پڑ سکتا تھا۔

وہ ایک عام مسافر کی طرح خاموشی سے پاکستان آیا تھا۔ اصولی طور پر اسے عام پارکنگ لاٹ سے راج محل کی طرف روانہ ہونا تھا۔ ان لوگوں کے آگے بڑھ جانے کے بعد میں نے بھی خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور برآمدے سے نکلتا چلا گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ وہ لوگ ائرپورٹ سے سیدھے راج محل جائیں گے۔ مجھے گاڑی نکالنے میں کوئی دیر سویر ہو جاتی تو میں سیدھی اور طویل شارع فیصل پر تیز رفتاری کا مظاہرہ کر کے انہیں راستے میں کہیں بھی پکڑ سکتا تھا۔ میرے لیے اس وی آئی پی کی خاموشی سے روانگی کا تماشا دیکھنا زیادہ اہم ہو گیا تھا۔

سنیل مودب انداز میں اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے سوبھراج کے ساتھ چل رہا تھا۔ دونوں ملازم ان کے پیچھے آرہے تھے۔ دن کے اجالے میں، میں یہ دیکھ چکا تھا کہ اپنی تمام تر شان اور مردانہ وجاہت کے باوجود اس وقت سوبھراج کے چہرے پر فکر وتشویش کے سائے منڈلا رہے تھے۔ اس کے بشرے پر پائی جانے والی ان علامات میں سفر کی تکان کا کوئی عنصر شامل نہیں تھا۔

وہ چاروں جس پارکنگ بے میں داخل ہوئے وہاں سے میری گاڑی زیادہ دور نہیں تھی۔ ان کا کارواں ایک سیاہ مرسڈیز کے پاس رک گیا۔ میں نے پارکنگ کے متصل حصوں

کے درمیان بنی ہوئی مختصر سی دیوار کو عبور کیا اور اپنی کار کی طرف بڑھ گیا جہاں سلطان شاہ میرا منتظر تھا۔

''میں نے دیکھ لیا۔تم ان کو کار تک پہنچا کر آئے ہو۔'' سلطان شاہ نے پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے کہا ''وہ امریکی اکیلا نہیں ہے۔اس کا اسی جیسا ایک بدمعاش ساتھی بڑی موٹر سائیکل لیے، پارکنگ کے آخری حصے میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔وہ دونوں اب بھی وہیں ہوں گے۔''

''وہ وہاں کیا کر رہے ہیں!'' میں نے غیر ارادی طور پر، تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

''وہ ایسی جگہ کھڑے ہوئے ہیں جہاں سے وہ باہر جانے والی ہر گاڑی پر نظر رکھ سکتے ہیں۔موٹر سائیکل کی وجہ سے انہیں پارکنگ کا کوئی مسئلہ ہے نہ ان کی ہیوی موٹر بائیک کسی کے لیے رکاوٹ بن رہی ہے.....''

میں تیزی سے گھوم کر پسنجر سیٹ پر بیٹھا اور بولا ''تیزی سے نکلو۔کافی دیر سے اس کی صورت میرے ذہن میں چکرا رہی تھی۔وہ دونوں پکے میرین کمانڈوز ہیں اور سوبھراج کے پیچھے جائیں گے۔راستے میں جہاں بھی موقع ملے، سائیڈ مار کر انہیں گرا دو۔''

سلطان شاہ نے گاڑی ریورس کر کے پارکنگ بے سے باہر نکالی تو سیاہ مرسڈیز کی جگہ خالی ہو چکی تھی۔اعلیٰ ذات کا سوبھراج اپنے نیچ ذات کے تینوں نوکروں کو ساتھ لے کر وہاں سے اپنے گھر کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔

ہمیں دور ہی سے مرسڈیز پارکنگ چیک پوسٹ سے پہلے بنے ہوئے اسپیڈ بریکر پر رینگتی ہوئی نظر آ گئی۔دیو ہیکل، سیاہ موٹر سائیکل اپنے دو سفید فام سواروں کے ساتھ مرسڈیز سے چند گز دور چل رہی تھی۔

ہمارے باہر نکلنے تک مرسڈیز برق رفتاری سے کافی دور نکل چکی تھی۔غراتی ہوئی موٹر سائیکل اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔

''وہ خطرناک حد تک مرسڈیز کے قریب ہیں۔سنیل اور سوبھراج نے انہیں دیکھ لیا ہوگا۔'' سلطان شاہ بڑبڑایا۔

''وہ دونوں اُلو کے پٹھے ہیں۔'' میں نے دانت پیس کر کہا ''سمجھ رہے ہوں گے کہ نک نے ان کے لیے محافظ بھیجے ہیں۔تم رفتار کیوں نہیں بڑھاتے؟''

''میرا پیڈل پائیدان کو چھو رہا ہے۔'' سلطان شاہ کی آواز میں بے بسی عود کر آئی ''یہ گاڑی مرسڈیز کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔وہ بہت تیز جا رہے ہیں۔''

میں دیکھ رہا تھا کہ مرسڈیز اور سیاہ موٹر سائیکل کا درمیانی فاصلہ کافی بڑھ چکا تھا۔اچانک موٹر سائیکل سڑک پر لہرائی، اس کی رفتار بڑھی۔ہوا کے دوش پر اس کے طاقت ور انجن کی غضب ناک غراہٹ ہمارے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔پلک جھپکتے میں موٹر سائیکل، مرسڈیز کے بہت قریب پہنچ چکی تھی۔

ائرپورٹ کو شارع فیصل سے ملانے والی طویل اور کشادہ سڑک پر ہمارے آگے صرف وہی گاڑیاں رواں تھیں۔ہم ان سے کافی پیچھے تھے۔سائیڈ مار کر موٹر سائیکل کو گرانے کا خواب مجھے ادھورا رہتا نظر آ رہا تھا۔موٹر سائیکل کا انجن بہت زیادہ طاقت ور تھا۔ہماری گاڑی کے لیے اس تک پہنچنا محال تھا۔

''یہ...... یہ کیا کر رہے ہیں!'' اچانک سلطان شاہ حیرت اور خوف سے ہکلایا۔

موٹر سائیکل سواروں نے اپنی رفتار بڑھا کر بہت خطرناک انداز میں مرسڈیز کو دبانے کی کوشش کی تھی۔مرسڈیز لہرائی اور اس کی بریک لائٹس جل اٹھیں۔اس کی رفتار کم ہوتے ہی سیاہ موٹر سائیکل، مرسڈیز کے برابر میں آ گئی۔ سنسنی اور بے یقینی کے انداز میں میری نگاہیں اسی طرف مرکوز تھیں۔

بس چند لمحوں کے لیے، سڑک کے انتہائی بائیں کنارے پر دونوں گاڑیاں ساتھ ساتھ دوڑتی رہیں۔ان کی رفتار سست ہو چکی تھی۔اچانک موٹر سائیکل کی طرف سے پے در پے کئی شعلے مرسڈیز کی کھڑکیوں کی طرف لپکے اور مرسڈیز کچے میں اتر کر درختوں کے ایک جھنڈ سے ٹکرا گئی۔

وہ سب چشم زدن میں ہو گیا۔فائر بے آواز تھے لیکن ان کے نتیجے میں ابھرنے والی انسانی چیخیں دلدوز تھیں۔

موٹر سائیکل یکا یک ہوا ہو گئی۔اپنا کام کر کے وہ آندھی اور طوفان کی رفتار سے آگے نکلتے چلے گئے تھے۔

میرے ذہن نے بہت تیزی کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔وہ بہت خطرناک صورت احوال تھی کہ سوبھراج پر پاکستان پہنچتے ہی قاتلانہ حملہ ہو گیا تھا۔یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ موٹر سائیکل پر آنے والے دونوں سفید فام پیشہ ور کمانڈوز تھے۔وہ دن کے اجالے میں نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ سوبھراج اور اس کے ملازموں کو اندھا دھند گولیوں کا نشانہ بنا کر فرار ہو گئے تھے۔ایڈی نے جو کچھ کہا تھا وہ نک نے سچ کر دکھایا تھا۔

اس بھیانک واردات کی منصوبہ بندی اس طرح کی گئی تھی کہ سارے شکوک و شبہات سرکاری ایجنسیوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی طرف منتقل ہوتے تھے۔ملک بھر میں کوئی بھی اس کہانی پر آسانی سے یقین نہ کرتا کہ سوبھراج کی

مرسڈیز کو دو غیر ملکیوں نے نشانہ بنایا تھا۔ سب سے بڑی بدقسمتی یہ تھی کہ اس ہولناک واردات کے چشم دید گواہ صرف ہم دونوں تھے۔ سلطان شاہ اپنی شہادت کے ساتھ سامنے آ سکتا تھا نہ میں منظر عام پر آ کر اپنی زبان کھول سکتا تھا۔ اس بارے میں زبان کھولنے کا مقصد یہ ہوتا کہ ہم خود کو تفتیشی اداروں کے حوالے کر دیتے۔ گواہی، شہادت اور بیانوں کے چکر میں ہم منظر عام پر آ جاتے تو ہمارے بے خوف دشمن کسی بھی وقت ہمیں مار سکتے تھے۔

اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ تباہ ہونے والی مرسڈیز کے پاس رکنے کا تھا۔ فائرنگ چلتی ہوئی موٹر سائیکل سے کی گئی تھی مگر فائرنگ کرنے والے اناڑی نہیں تھے۔ یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ چاروں سواروں میں سے کون کون مارا گیا تھا اور کون زندہ بچا تھا۔

سوبھراج کے معاملے میں میری حیثیت ایک فریق کی تھی۔ گاڑی اور لاشوں کے پاس میری موجودگی میرے حق میں مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ بہتر راہ یہی تھی کہ میں انسانی ہمدردی کے سارے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر تیزی کے ساتھ جائے واردات سے اتنی دور نکل جاؤں کہ کوئی میرے اوپر انگلی نہ اٹھا سکے۔

مرسڈیز اور اس کے سواروں کا متوقع انجام دیکھ کر سلطان شاہ نے فوری طور پر اپنی گاڑی کی رفتار کم کرنا شروع کی تھی کہ میں نے اضطراری طور پر اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا ”رکنے کی ضرورت نہیں۔ رفتار بڑھا کر سیدھے نکلتے چلے جاؤ۔ پیچھے آنے والے انہیں دیکھ لیں گے۔“

”ان چاروں میں سے کوئی بھی نہیں بچا ہوگا۔ رکنے والوں کو مرسڈیز میں صرف خون آلود لاشیں نظر آئیں گی۔“ سلطان شاہ نے گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

”یہ خبر شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلے گی۔ تھوڑی دیر میں ساری تفصیل معلوم ہو جائے گی۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔

”یہ لرزہ خیز واقعہ تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ امریکیوں کے سینے کے بند اتنے کھل چکے ہوں گے۔ ایک پرائے ملک میں چلتی سڑک پر انسانوں کو یوں بھون ڈالنا بہت دل گردے کی بات ہے۔ وہ دونوں قاتل اپنے انجام سے بالکل بے خوف تھے۔“ اس وقت تک ہم جائے واردات سے آگے نکل چکے تھے۔

”پشت پناہی مضبوط ہو تو اس سے بھی زیادہ سفاکی کے مظاہرے دیکھنے میں آتے ہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ کام پورا

انتظار

”تم چھٹیاں گزارنے مری کب جا رہے ہو؟“
”میرے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ میں نے اپنا سوٹ کیس اپنے پڑوسی خاور صاحب کو مستعار دیا تھا۔ ان سے ان کے پڑوسی جمال صاحب مانگ کر لے گئے۔ جمال صاحب سفر سے واپس آئے تو ان سے سوٹ کیس ان کے پڑوسی راشد صاحب مانگ کر لے گئے۔ سوٹ کیس میرے پاس واپس پہنچ جائے تبھی میں پروگرام بنا سکوں گا۔“

کر کے وہ ایک دفعہ اپنے ٹھکانے پر واپس پہنچ گئے تو کوئی ان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ برق رفتار موٹر سائیکل اس مہم میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ سڑک پر دور دور تک ان کا پتا نہیں ہے۔“

”وہ ہزار سی سی کی دو سلنڈروں والی موٹر بائیک تھی۔ وہ اسے سڑک پر اڑاتے ہوئے لے گئے ہوں گے۔“ سلطان شاہ نے بتایا۔

”تم نے اس کا نمبر بھی نوٹ کیا تھا؟“ میں نے چونک کر سوال کیا۔

”دور سے دیکھنے کی کوشش کی تھی لیکن اس پر کوئی نمبر پلیٹ نہیں تھی۔“

”وہ پورا شہر عبور کر کے ائرپورٹ آئے اور واپس چلے گئے۔ کسی نے ان کو نہیں روکا۔“ میں نے تلخی سے کہا ”یہ ہے ہمارے نظام کی خرابی بڑی موٹر سائیکل گورے دوڑا رہے تھے اس لیے کسی ٹریفک افسر نے کسی قانونی خامی پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ کسی سال خوردہ ہنڈا ففٹی کے نمبر مٹے ہوئے ہوں تو اس کی کتاب لے کر چالان کاٹ دیا جاتا ہے کیونکہ اسے کوئی پاکستانی چلا رہا ہوتا ہے۔“

”یہ نظام سے زیادہ ذہنیت کی خرابی ہے۔ ائرپورٹ پر پولیس، ٹریفک پولیس اور ائرپورٹ سیکیورٹی فورس کا بھاری عملہ مامور رہتا ہے۔ سب نے ان بدمعاش گوروں کو ہاتھ اٹھا کر سلام کیا ہوگا۔ سب سے زیادہ ذمے داری پارکنگ فیس لینے والوں کی تھی۔ وہ پرچی پر گاڑی کا نمبر ڈالتے ہیں۔ پتا نہیں بغیر نمبر والی وہ موٹر سائیکل پارکنگ ایریا میں کیسے پہنچ گئی۔ اسے تو پہلی چیک پوسٹ پر روک کر پولیس کے حوالے کر دیا جانا چاہیے تھا۔“ سلطان شاہ نے مایوسی اور جھنجلاہٹ

کے ساتھ کہا۔

''یہ سب وہ باتیں ہیں جو ہو چکی ہیں، سانپ گزر گیا۔ اب لکیر کو پیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ گھر جا کر میں سب سے پہلے نک سے بات کروں گا۔ سوبھراج کے سلسلے میں اتنی زیادہ تیزی دکھا کر اس نے اچھا نہیں کیا۔ اپنے حق میں کانٹے بو لیے ہیں۔''

''فی الحال، اسے نہ چھیڑو تو بہتر رہے گا۔ سوبھراج کی ہلاکت کی تصدیق ہوتے ہی وہ خود تمہیں تلاش کرے گا۔''

سلطان شاہ کی وہ رائے بہت مناسب تھی۔ مجھ سے رابطہ ہوتے ہی نک کا پہلا سوال یہ ہوتا کہ میں کب ڈینی کو اس کے حوالے کر رہا ہوں۔

جلال، سوبھراج کے معاملے میں پوری طرح سرگرم تھا۔ مجھے امید تھی کہ سوبھراج کے خلاف فوری طور پر کوئی کارروائی نہ کرنے کا فیصلہ کرنے کے باوجود اس نے دور سے سوبھراج کی دیکھ بھال کے لیے اپنے آدمیوں کو ائرپورٹ بھیجا ہوگا۔ وہ عام لوگوں میں شامل ہو کر مرسڈیز اور اس کے چاروں سواروں پر ٹوٹنے والی قیامت کی تفصیل حاصل کر کے جلد از جلد جلال کو اپنی رپورٹ سے مطلع کر دیتے لیکن اول خان اس معاملے میں بالکل تاریکی میں تھا۔

وہ میرے ساتھ ائرپورٹ جانے کے لیے پوری تیاری کے ساتھ ہمارے گھر پہنچ گیا تھا لیکن باہمی مشورہ کے بعد اس نے خود یہ بات تسلیم کر لی ائرپورٹ پر اپنے فرائض انجام دینے والے، متعدد ایجنسیوں کے افسران اسے اچھی طرح جانتے تھے۔ جبکہ میرے ساتھ کسی معروف آدمی کا جانا فائدے کے بجائے نقصان کا سبب بن سکتا تھا۔

وہ خوش دلی کے ساتھ گھر پر رک کر میرا انتظار کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر ائرپورٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس مہم کے نتائج سنسنی خیز نہ ہوتے تو میں گھر واپس جا کر اسے ساری تفصیل بتا دیتا لیکن سوبھراج کے پاکستان پہنچتے ہی حالات نے جو ڈرامائی موڑ لیا تھا وہ اس بات کا متقاضی تھا کہ اول خان کو فوری طور پر باخبر کیا جائے۔

میں نے ہوا کے شور میں کمی کرنے کے لیے اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ چڑھایا اور اول خان کا موبائل نمبر ملانا شروع کر دیا تاکہ وہ جہاں بھی ہو، اس سے وہیں رابطہ قائم ہو سکے۔

اول خان فون کی پہلی گھنٹی پر ہی لائن پر آ گیا۔

''کہاں ہو...... کیا خیر خبر ہے!'' میرے کان میں اول خان کی چہکتی ہوئی آواز آئی ''تمہارا مہمان کہاں ہے۔''

وہ اس تاثر میں تھا کہ اس روز میرا سوبھراج کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا ارادہ نہیں تھا اس لیے ائرپورٹ پر سب کچھ معمول کے مطابق رہا ہوگا۔ اپنے دشمن اور ملک کے غدار کی واپسی کا منظر دیکھ کر میں نے گھر کی راہ لے لی ہوگی۔ ان بے ضرر امکانات نے اسے ہر قسم کے خطرات سے بے نیاز کیا ہوا تھا۔

''اسے ائرپورٹ سے گھر پہنچنا نصیب نہیں ہوا۔ وہ تین ملازموں کے ساتھ تھا۔ راستے میں اس پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔ اس کی گاڑی تباہ ہو چکی ہے۔''

''اوہ......'' وہ بے ساختہ آواز اول خان کے دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی ''اس وقت تم کہاں ہو؟''

''میں گھر آ رہا ہوں۔ جائے واردات کا رخ کرنا خطرناک تھا۔ ذرا یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ ان میں سے کوئی زندہ بچا ہے یا چاروں مارے جا چکے ہیں۔''

''یہ حملہ کرنے والے کون لوگ تھے؟'' اس خبر نے اول خان کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

''نک کے بھیجے ہوئے کمانڈوز تھے۔ پورا واقعہ ہمارے سامنے پیش آیا ہے۔ تفصیل گھر آ کر بتاؤں گا۔ تم کسی آدمی کو ائرپورٹ کی طرف بھیج دو۔'' میں نے ذہنی انتشار کے عالم میں جواب دیتے ہوئے اسے تاکید کی۔

''میں ابھی بندوبست کرتا ہوں۔'' اس نے بات آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔

فون بند کر کے میں نے تھکے ہوئے انداز میں گاڑی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر اپنی آنکھیں موند لیں۔ مرسڈیز کے سواروں کے غیر متوقع انجام پر میرا ذہن ماؤف سا ہونے لگا تھا۔

سلطان شاہ خاموشی اور تیز رفتاری سے گاڑی چلانے میں مصروف تھا۔ لمحہ بہ لمحہ ہم اپنے گھر سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔

میرے ذہن پر طاری ہونے والی اس تھکی اور خواب ناک سی کیفیت کا تسلسل فون کی گھنٹی نے توڑ دیا۔ میں نے... ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو اس وقت ہماری گاڑی راشد منہاس روڈ سے گزر رہی تھی۔

میں نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا تو دوسری طرف سے جلال بول رہا تھا۔ اس کی آواز بالکل سرد اور سپاٹ تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

''یہ کیا کیا تم نے؟'' جلال کی آواز سرد اور سپاٹ تھی۔

اسے معلوم تھا کہ میں سوبھراج کے استقبال کے لیے ائرپورٹ جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ شاید اس کے آدمیوں نے ائرپورٹ کی حدود میں مجھے دیکھ لینے کے بعد اسے اطلاع دے دی ہوگی کہ میں سوبھراج کے بارے میں اپنے پروگرام پر عمل پیرا تھا۔

جلال اسے قانون کی گرفت میں لینے کی فکر میں تھا۔ میں سوبھراج جیسے غدار اور موذی کو اس کے انجام تک پہنچانے کے لیے ایسے کسی بکھیڑے میں پڑنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ جلال کو اچھی طرح معلوم تھا کہ میں وقت ضائع کیے بغیر اور پہلی فرصت میں اس موذی کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچانے پر تلا ہوا تھا۔

یہ بدقسمتی تھی کہ جب نک کے بھیجے ہوئے سفاک کمانڈوز نے سوبھراج کی مرسڈیز میں سفر کرنے والوں پر قاتلانہ حملہ کیا تو اس گاڑی کے پیچھے میں موجود تھا۔ ہمارے پیچھے سڑک ویران پڑی ہوئی تھی۔ میں جائے واردات پر رکے بغیر سیدھا نکلتا چلا گیا۔ آئی بی کے آدمیوں نے ہمارے نکل جانے کے بعد مرسڈیز اور اس میں سوار لوگوں کا حشر دیکھا ہوگا تو فوری طور پر اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ ان کا کام ہم نے تمام کیا تھا۔

وہ ایک اہم واقعہ تھا۔ ان لوگوں نے فوری طور پر جلال کو سوبھراج اور اس کے ملازمین کے عبرت ناک انجام سے آگاہ کر دیا۔

وہ راستے میں رونما ہونے والے واقعات کا صرف ایک رخ تھا۔ دوسرا رخ یہ تھا کہ میں نے آپس کی باتوں میں کھل کر یہ عندیہ دیا تھا کہ اگر جلال نے سوبھراج کے ملک سے دوبارہ فرار کی ساری راہیں مسدود کر دیں تو میں اس مردود کو اپنے وعدے کے مطابق دو دن کی مہلت ضرور دوں گا۔ وہ پاکستان لوٹ آنے کے بعد چوہے دان کا قیدی ہو جاتا۔ ان دو دنوں میں اگر وہ نک، ٹام اور را والوں سے مکمل طور پر قطع تعلق کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو اس کو کوئی رعایت دینے کے بارے میں سوچا جا سکتا تھا۔

مجھے قوی امید تھی کہ را اور ایف بی آئی والے اپنے پالے پوسے ہوئے اس غدار سے آسانی سے دست بردار نہیں ہوں گے۔ وہ ان کا آلہ کار بنا رہے گا اور دو روز کی مہلت گزر جانے کے بعد میں اپنی مرضی کے مطابق اس کا شکار کھیل سکوں گا۔

وہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے متصادم تھیں۔ اپنے آدمیوں کی رپورٹ سننے کے بعد جلال اس منطقی نتیجے پر پہنچا تھا کہ میں نے دو دنوں تک صبر کرنے کے بجائے، جوش میں آ کر فوری طور پر اسے جہنم واصل کر دیا تھا۔

جلال کا وہ چبھتا ہوا سوال اس کی اسی سوچ کا مظہر تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا۔ میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد جلال سے پُرسکون لہجے میں کہا۔

''ہائیں...... تو پھر وہ کون لوگ تھے؟'' میرے جواب نے جلال کو حیران کر دیا۔

''میرے ساتھ سلطان شاہ بھی اس واقعے کا عینی شاہد ہے۔ مرسڈیز پر دو سفید فاموں نے گولیاں چلائی تھیں......''

''تم نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟'' جلال نے میری بات درمیان سے کاٹ کر بے اعتباری سے سوال کیا۔

''مائی ڈیئر جلال! اس وقت تم کہاں ہو!'' میں نے ہلکی سی تادیبی آواز میں کہا ''عینی شاہد اسی کو کہتے ہیں جس نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہو۔''

''تمہیں کچھ اندازہ تو ہوا ہوگا۔ وہ دونوں سفید فام کون تھے؟''

''ان دونوں میں سے ایک کو میں نے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ سلطان شاہ نے ان دونوں کو اچھی طرح دیکھا تھا۔ وہ امریکی نژاد تھے۔'' میں نے اسے بتانا شروع کیا ''ان کے بال بہت باریکی سے اور فوجی انداز میں ترشے ہوئے تھے۔ دونوں کے بشرے سے سنگ دلی بلکہ سفاکی جھلک رہی تھی۔ وہ پہلے سے ائرپورٹ پر سوبھراج کی گھات لگائے بیٹھے تھے۔''

''حیرت ہے کہ انہوں نے تمہارے سامنے ان پر گولیاں چلائیں اور تم سے بچ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے!''

''سوبھراج کو لینے کے لیے طاقت ور مرسڈیز کار آئی تھی۔ ہم اس کی رفتار کا مقابلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ وہ ہم سے کافی آگے نکل گیا تھا۔''

''میں سوبھراج کی نہیں، ان دونوں حملہ آوروں کی بات کر رہا ہوں۔''

''وہ دونوں خبیث تو ہوا کے گھوڑے پر سوار تھے!'' میں نے کہا۔

''جب تم نے انہیں نوٹ کر ہی لیا تھا تو پھر انہیں کوئی موقع نہیں دینا چاہیے تھا۔ وہ کس گاڑی میں تھے......''

میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی اور جواب دیا ''وہ لوگ عقل سے پیدل نہیں ہیں۔ انہوں نے ساری منصوبہ بندی بہت ہوشیاری سے کی ہوئی تھی۔ اپنے فرار

کی راہ صاف رکھنے کے لیے انہوں نے چار پہیوں والی کسی سواری کے بجائے ایک طاقت ور موٹر سائیکل استعمال کی تھی۔ سلطان شاہ کا خیال ہے کہ اس کا دو سلنڈروں والا انجن ہزار سی سی سے کم نہیں رہا ہوگا۔ مرسڈیز پر وار کرتے ہی وہ ایسی تیز رفتاری سے فرار ہوئے کہ آناً فاناً میں ان کا سراغ ختم ہوگیا۔''

''یہ تو کمانڈوز کا انداز معلوم ہوتا ہے۔ مارو اور تیزی سے بھاگ نکلو۔'' جلال کی متفکرانہ آواز ابھری۔

''تم بالکل صحیح نتیجے پر پہنچے ہو۔ وہ کمانڈوز ہی تھے۔ ہمارے پاس کوئی بہترین گاڑی ہوتی تب بھی ہم انہیں نہیں پکڑ سکتے تھے۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نک کے آدمی تھے۔ وہ اپنے غدار سے خود بدلہ لینے کا عزم کیے بیٹھا تھا۔ اسے سوبھراج کے پورے پروگرام کا علم تھا۔ اس نے ایک طرف سوبھراج کو واپسی پر مجبور کیا اور دوسری طرف اپنے مسلح کمانڈوز ائرپورٹ پر بھیج دیے۔ اس کا منصوبہ بے داغ تھا لیکن قسمت نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔''

''کیوں؟'' میں نے اس کے آخری فقرے پر بری طرح چونک کر پوچھا۔

''ابھی سوبھراج کا وقت پورا نہیں ہوا۔''

''میرے لیے جلال کے وہ الفاظ وحشت انگیز تھے۔ میں نے اضطراری لہجے میں کہا ''رک کیوں گئے؟ کھل کر کیوں نہیں بتاتے کہ سوبھراج کہاں ہے۔''

''کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کہاں ہوگا۔'' جلال کی آواز سے مایوسی مترشح تھی ''میرے آدمیوں کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق سنیل راج محل کے دو ملازمین کے ساتھ اپنے آقا کے استقبال کے لیے آیا تھا۔ سوبھراج سمیت وہ کل چار نفوس تھے جو ائرپورٹ کے لاؤنج سے پارکنگ لاٹ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ تباہ ہونے والی مرسڈیز کی پچھلی سیٹ پر دونوں ملازمین کی خون میں نہائی ہوئی لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ اگلی نشستیں بھی خون آلود ہیں لیکن سوبھراج اور سنیل کا کہیں پتا نہیں ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو!'' میں بے ساختہ بول پڑا۔

''یہ حقیقت ہے۔ سوبھراج پر اوچھے وار کے نتائج بہت بھیانک ہوسکتے ہیں۔'' جلال کی آواز بوجھل تھی ''میں سمجھ رہا تھا کہ یہ غلطی تم سے سرزد ہوئی ہے۔ اگر وہ حملہ نک کے بھیجے ہوئے کمانڈوز نے کیا تھا تو ان کی کارکردگی شرمناک تھی۔''

''مرسڈیز اور موٹر سائیکل۔ دونوں گاڑیاں خاصی رفتار سے دوڑ رہی تھیں۔ ایک چلتی ہوئی موٹر سائیکل سے دوسری دوڑتی ہوئی گاڑی میں بیٹھے ہوئے افراد کو تاک کر نشانہ بنانا آسان نہیں ہوتا۔'' میں نے جائے واردات کے منظر کو اپنے ذہن میں تازہ کرتے ہوئے کہا ''ایک بار نشانہ خطا ہونے کے بعد پلٹ کر اس کا ازالہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کیونکہ فائرنگ ہوتے ہی مرسڈیز سڑک سے اتر کر درختوں سے ٹکرا گئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ بوکھلاہٹ میں اسٹیئرنگ ہی ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہو۔''

''بات قابل فہم ہے۔ دوسری مجبوری یہ بھی تھی کہ تمہاری گاڑی ان کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ وہ رکتے یا پلٹتے تو تم لوگوں سے ان کا آمنا سامنا ہونا ضروری تھا۔ ان کے منصوبے میں ایسی کسی کوشش کی گنجائش نہیں تھی۔''

''یہ تو ان سے بڑی چوک ہوگئی ہے۔''

''نک نے اپنا منہ کالا کیا ہے۔'' ریسیور پر جلال کی متاسفانہ آواز ابھری ''وہ لوگ اسے آسانی سے مار سکتے تھے لیکن یہ مغرور اور متکبر ہیں۔ انہیں اپنی قوت پر گھمنڈ ہے کہ ان کا کیا ہوا ہر کام یقینی طور پر درست ہوگا۔''

''اب راج محل کی خبر لو۔ وہ جائے واردات سے بھاگ کر سیدھا اپنے گھر گیا ہوگا۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔

''میں نے وہ گاڑی نہیں دیکھی۔ میرے آدمیوں کا کہنا ہے کہ اگلی سیٹیں تازہ خون سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ دونوں مرے نہیں تو بری طرح زخمی ضرور ہوئے ہوں گے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایسی حالت میں وہ وہاں سے کیسے غائب ہوگئے۔''

''موت کی دہشت بہت بری ہوتی ہے۔ سوبھراج نے حملہ کرنے والوں کو دیکھتے ہی سمجھ لیا ہوگا کہ اب اس کے... سرپرست اس کے لہو کے پیاسے ہوگئے ہیں۔ وہ اپنی ساری قوت مجتمع کر کے وہاں سے نکل گیا۔''

''نکل گیا لیکن بچ کر جائے گا کہاں۔'' جلال کی آواز حسرت آمیز غصے سے مغلوب ہوگئی۔

''میں پھر کہہ رہا ہوں کہ کسی کو راج محل کی طرف دوڑا دو۔ ایسی ابتر حالت میں وہ اپنے گھر کے سوا اور کہیں نہیں جاسکتا۔''

''میرے آدمیوں کا جائے واردات پر رکنا خطرناک تھا۔'' جلال کی مضمحل آواز ابھری ''یہ سارا پلاٹ بہت مکاری کے ساتھ تیار کیا گیا ہے۔ وہ وہاں رکے رہتے تو سوبھراج پر قاتلانہ حملے کا الزام ان ہی کے سر ڈال دیا جاتا۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ وہ وقت ضائع کیے بغیر وہاں سے راج محل کی طرف چلے جائیں۔''

''یہ بدترین اور اعصاب شکن خبر ہے کہ وہ زندہ بچ گیا!''

''میرے حساب سے اسے زندہ رہنا چاہیے تھا۔'' جلال کی آواز دھیمی اور تفکر آمیز تھی۔ ''اس جیسے غداروں کو سسک سسک کر جینا چاہیے تاکہ وہ دوسروں کے لیے عبرت کا کچھ سامان پیدا کرسکیں......''

''یہ درست ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''اسے بدترین خوف و ہراس کے عالم میں زندہ رہنا چاہیے تھا لیکن اس پر حملہ کرنے کی حماقت کی گئی تھی تو پھر اسے جہنم واصل ہوجانا چاہیے تھا۔ قاتلانہ حملے میں بچ نکلنے سے اس کی ڈوبتی ہوئی ساکھ کو زبردست سہارا ملے گا۔''

''وہ اپنی مظلومیت کا ڈھونگ رچا کر کوئی طوفان کھڑا کرسکتا ہے۔''

''اس کا سب سے زیادہ نقصان تمہیں پہنچے گا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں اپنی کوششوں کے مناسب نتائج حاصل نہ ہوں۔''

''کن کوششوں کی بات کررہے ہو؟'' جلال کی آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس وقت اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔

''اس کی مراعات کے خاتمے اور وارنٹ کے اجرا کی بات کررہا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

''ناکام قاتلانہ حملے سے یہ دونوں کام واقعی متاثر ہوں گے۔ وہ سیاسی حلقوں میں خاصا اثر و رسوخ رکھتا ہے۔ اپنے ہمدردوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوجائے گا کہ کچھ طاقتیں اسے ہر قیمت پر سیاسی منظر سے ہٹانے پر تل گئی ہیں۔''

''میرا مدعا بھی یہی تھا۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''میں ابھی ان لوگوں کی مکّاری کی بات کررہا تھا جو درمیان میں ادھوری رہ گئی۔'' جلال نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہنا شروع کیا ''نک کے بھیجے ہوئے آدمی اپنا کام کرکے بھاگ گئے۔ نک یہ جانتا ہے کہ اس وقت تم سوبھراج کی راہ پر لگے ہوئے ہو۔ سوبھراج کے کیس میں ہماری اور دوسری ایجنسیوں کی دلچسپی بھی اس سے مخفی نہیں ہوگی۔ ان میں سے جو بھی مرسڈیز والوں کی مدد کے لیے وہاں رکا، وہ بے موت مارا جائے گا۔ یہاں کے حالات ایسے ہوچکے ہیں کہ اس حملے کا الزام اسی ایجنسی کے سر آجائے گا۔''

''میرے ذہن میں اندیشہ موجود تھا۔ اسی لیے میں ایک لمحے کے لیے بھی وہاں نہیں رکا۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''غنیمت ہے کہ میں نے بھی بروقت اپنے آدمیوں کو وہاں سے ہٹادیا۔ دوسروں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کیا کررہے ہوں گے۔''

''اس وقت سب کو دور رہ کر تماشا دیکھنا چاہیے۔''

''یہ وقت صرف پولیس کے آگے آنے کا ہے۔'' اس بارے میں جلال کا ذہن بالکل صاف تھا۔ ''ایسے معاملات سے وہی لوگ نمٹتے ہیں۔ وردی والوں کی دخل اندازی کی صورت میں کسی الزام تراشی کی نوبت نہیں آسکے گی۔''

''وردی والوں کی بات نہ کرو۔'' میں نے اس کے ذہن کا بوجھ ہلکا کرنے کی نیت سے پُرمزاح انداز میں کہا ''وردی والوں کی اصطلاح فوج کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اس کیس میں صرف پولیس کا نام آنا چاہیے۔ شہر میں ہونے والے ہر حادثے کی چھان بین ان ہی لوگوں کی ذمے داری ہوتی ہے۔ وہ روٹین میں خود دیکھیں گے کہ مرسڈیز کے بقیہ دو سوار کہاں غائب ہوگئے۔''

''جب تک سوبھراج کے بارے میں کوئی خبر نہیں مل جاتی، میں ذہنی پراگندگی کا شکار رہوں گا۔ کاش! وہ حرام زادہ سیدھا راج محل ہی گیا ہو۔''

''تو کیا وہ کہیں اور بھی جاسکتا ہے؟'' میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''زخم کھایا ہوا ناگ اپنے بل میں واپس نہیں جاتا......''

''وہ ناگ نہیں، ایک انسان ہے۔ اپنی دانست میں ابھی تک معزز اور معتبر بنا ہوا ہے۔ اسے شاید تمہاری کوششوں کی سن گن بھی نہ ملی ہو۔ حملہ آوروں کو دیکھ کر اگر اس نے یہ رائے قائم کرلی کہ کسی وجہ سے نک اس کی جان کا دشمن ہوگیا ہے تو پھر وہ یہاں کے قانون کی پناہ لینے کی کوشش کرے گا۔ اپنے رابطوں کو تیزی سے حرکت میں لانے کے لیے راج محل اس کا بہترین ٹھکانا ثابت ہوسکتا ہے۔ راج محل کی چاردیواری میں اسے آسانی سے نشانہ نہیں بنایا جاسکتا۔''

''خدا کرے کہ تمہارے اندازے درست ثابت ہوں۔''

''میں منتظر رہوں گا۔ کہیں سے کوئی بھی خبر ملے تو مجھے بلاتاخیر آگاہ کرنا۔''

''شاید تم ابھی تک راستے میں ہی ہو!'' میں نے اپنا قیاس ظاہر کیا۔

''سلطان شاہ نے ابھی گاڑی راشد منہاس روڈ سے یونیورسٹی روڈ پر موڑی ہے۔ چند منٹ بعد ہم گھر پہنچ جائیں گے پھر میں وہی رہوں گا۔''

''میں خود بھی نکل رہا ہوں۔ میدان میں اترے بغیر

حالات کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکے گا۔ تھوڑی دیر بعد صورت حال واضح ہو جائے گی۔''

''کیا وہ بچ گیا؟'' موبائل فون پر جلال سے بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

''نہ صرف بچ گیا بلکہ جائے حادثہ سے سنیل سمیت غائب ہے۔'' میں نے فکرمندانہ لہجے میں اسے آگاہ کیا۔

جلال کے ذریعے ملنے والی وہ خبر واقعی فکروتشویش کا باعث تھی۔ اس وقت تک ہماری حکمتِ عملی یہ رہی تھی کہ سوبھراج کو اپنے خلاف ہونے والی درونِ پردہ تیاریوں کی بھنک نہ مل سکے تاکہ وہ پوری بےفکری کے ساتھ پاکستان واپس آنے کا پروگرام بنا سکے۔

اس کی بنکاک سے واپسی تک اسے صرف یہ معلوم تھا کہ میں ڈینی کے روپ میں اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ وہ اپنے اس دشمن سے خائف ضرور تھا لیکن یہ جانتا تھا کہ میں زیرزمین ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف کھل کر کوئی قدم نہیں اٹھا سکوں گا جو کچھ کروں گا قانون سے بالاتر ہو کر اچانک کر گزروں گا۔

اپنے اس خوف کے ازالے کے لیے اس نے مجھ سے ایک سمجھوتا کرلیا تھا جس کی رو سے اسے پاکستان آنے کے بعد دو روز تک چھوٹ ملنی تھی۔

اس نے واپسی کا فیصلہ کرنے سے پہلے اپنی دانست میں ہر خطرے کا سدِباب کرلیا تھا۔ بجیرو والا معاملہ ذرا پیچیدہ تھا لیکن اسے یقین رہا ہوگا کہ وہ اپنے اثرورسوخ سے کام لے کر اس معاملے کو دبانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

ان تمام احتیاطی تدابیر کے بعد اس نے بہت خاموشی اور رازداری کے ساتھ، ایک عام مسافر کے بھیس میں پاکستان واپس آنے کا فیصلہ کیا تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ کراچی کے ہوائی اڈے پر یا وہاں سے واپسی پر اسے کوئی خطرہ درپیش ہوگا۔

وہ اپنی جانب سے ہر پیش بندی کرنے کے بعد کراچی آیا تھا لیکن راستے میں وہ واقعہ پیش آگیا جو اس کے کیا، میرے بھی سان وگمان میں نہیں تھا۔

میرا اندازہ تھا کہ سوبھراج ایک ذہین مجرم تھا۔ وہ عقل سے عاری ہوتا تو اپنی زیرزمین سرگرمیوں کے سہارے پاکستانی سیاست میں کوئی قابلِ ذکر مقام حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہونے پاتا۔ اپنے اس صبرآزما سفر میں کہیں نہ کہیں ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرتا اور اپنا سارا بھرم کھو بیٹھتا۔

وہ نہ جانے کتنی مدت سے بھارتی اور امریکی ایجنسیوں کے لیے کام کررہا تھا لیکن کسی کو اس کے جرائم کی بھنک نہیں مل سکی تھی۔ حد یہ ہے کہ جلال جیسا زیرک اور باخبر سرکاری افسر بھی اپنی ناک کے نیچے پروان چڑھنے والے اس سیاسی بدمعاش کے سیاہ کرتوتوں سے یکسر بےخبر رہا تھا۔

سوبھراج سے یہ امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ مرسڈیز پر فائرنگ کرنے والے، موٹرسائیکل سواروں کی صورتیں دیکھ لینے کے بعد بھی صورت احوال کا صحیح اندازہ لگانے میں ناکام رہا ہو۔ سفید فام امریکی کمانڈوز کے چہرے دیکھتے ہی اس نے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ کن لوگوں کے ناگہانی عتاب کی زد میں آیا ہوا تھا۔

وہ ایک پوشیدہ محاذ تھا۔ اپنے امریکی دشمنوں کا تعین کرلینے کے بعد سوبھراج کے دل میں مقامی قانون اور دشمنوں کا کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے تھا۔ منطقی طور پر اسے راج محل کی محفوظ چار دیواری میں پہنچ کر محصور ہو جانا چاہیے تھا۔

وہ وہاں رہتا تو ہم ریاستی طاقت کے بل بوتے پر کسی بھی وقت اس کی گردن ناپ سکتے تھے۔ شرط صرف اتنی تھی کہ اس کو ملی ہوئی مراعات کا خاتمہ ہو جاتا۔

سلطان شاہ میرا ہم خیال تھا۔ اس کی رائے میں سوبھراج کے بارے میں جلال کی فکرمندی غیر ضروری تھی۔

گھر پر اول خان بہت اچھے موڈ میں ویرا سے فلیش سیکھنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ غزالہ ان کے ساتھ بیٹھی، دلچسپی سے یہ کھیل دیکھ رہی تھی

ہمارے گھر پہنچتے ہی اول خان نے سارے کارڈ ملا دیے اور ہنستے ہوئے بولا ''اپنے مہمان کو گھر پہنچا کر آئے یا اس کی صورت دیکھ کر لوٹ آئے۔''

''امریکی بہت منتقم مزاج ہیں......'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی بات شروع کی تھی کہ ویرا نے مجھے آگے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

''منتقم مزاج ہونے کے ساتھ وہ کینہ پرور بھی ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ نک کے آدمی بھی سوبھراج کے استقبال کے لیے پہنچے ہوئے تھے۔''

''پتا نہیں تم دوسروں کی بات کاٹ کر اپنی قابلیت بگھارنے پر کیوں تلی رہتی ہو۔'' سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا ''ڈینی کی پوری بات سن لینے میں کیا حرج تھا۔''

''ویرا اس سے الجھنے کے بجائے خلاف توقع مسکرا دی اور بولی ''سوری! ہاں تو تم اس کے بارے میں کیا بتا رہے تھے؟''

اس کا تخاطب مجھ سے تھا۔ میں نے بہت اختصار سے

سوبھراج کا واقعہ دہرا دیا۔
''اچھا ہوا کہ وہ آپس میں ٹکرا گئے۔'' غزالہ نے بے ساختہ کہا ''اب آپ کو سوبھراج سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ دور سے اس کا تماشا دیکھتے رہیں۔''
''مجھے حیرت ہے کہ امریکی کمانڈوز ایسے نکمے ہوگئے ہیں کہ ان کے نشانے بھی خطا ہونے لگے ہیں۔'' ویرا بولی ''ان کی ایک گولی نشانے پر لگتی اور سوبھراج کا قصہ ہمیشہ کے لیے نمٹ جاتا۔ اب وہ ہوشیار ہوگیا ہے۔ اس پر دوسرا وار کرنا اتنا آسان نہیں رہے گا۔''
''کمانڈوز ہوں یا عام فوجی، ان کو صرف ان کا جذبہ لڑاتا ہے۔'' غزالہ نے ناصحانہ لہجے میں کہا ''کوئی واضح قومی مقصد سامنے... ہو تو یہ لوگ محیرالعقول کارنامے انجام دیتے ہیں۔ پرائی سرزمین پر بے مقصد خوں ریزی کرتے ہوئے ان کے ذہنوں کے نہاں خانوں میں کہیں نہ کہیں احساسِ جرم ضرور موجود ہوتا ہے جو انہیں لے ڈوبتا ہے۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ ہر قیمت پر اپنا مشن پورا کرنے کا جذبہ مفقود ہوتا ہے۔''
''یہ بحث بے کار ہے۔'' اول خان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا ''اصل بات اتنی سی ہے کہ نک کی طرف سے کیا گیا ایک وار ناکام ہوگیا۔''
''اب نک کو اس پر دوسرا وار کرنے کا شاید ہی موقع مل سکے۔'' ویرا نے غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا۔
''تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ اب ہم دور رہ کر تماشا دیکھیں گے۔ اس کوٹھکانے لگانے کا سارا بوجھ اب ہمارے کندھوں پر ہے یا پھر جلال اسے سنبھالے گا۔''
''حیرت ہے کہ نک نے اتنی عجلت سے کام لیا!'' غزالہ شا نے اچکا کر بولی۔
''یہ لوگ ہر وقت اپنے دشمنوں کو یہ باور کرانے کے چکر میں رہتے ہیں کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں، اسے پوری قوت اور سرعت سے عملی جامہ پہنانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔'' ویرا نے بے پروایانہ انداز میں وضاحت کی ''سوبھراج کا یہ قصور ناقابلِ معافی تھا کہ اس نے مجھے پکڑ لینے کے باوجود، اپنی حماقت سے کھو دیا اور نک وغیرہ کو آخر تک کسی بات کی ہوا نہیں لگنے دی۔''
''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' کچھ دیر کی فکر انگیز خاموشی کے بعد اول خان نے مجھ سے پوچھا۔
''ابھی میرا ذہن ماؤف ہے۔'' میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا ''اس واقعے سے مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا ہے۔ سوبھراج کے بارے میں کہیں سے کوئی تازہ ترین خیر خبر ملے تو آگے کچھ سوچا جائے گا۔''
''خبر کیا آئے گی۔ راج محل کے سوا اور کہاں جا سکتا ہے۔''
''میرا بھی یہی اندازہ ہے لیکن مجھے اس کی تصدیق کا انتظار ہے۔''
''تصدیق بھی ہو جائے گی۔ تمہیں اپنا ذہن بنا لینا چاہیے۔ نک کی ناکامی کے بعد سوبھراج کو ڈھیل دینا خطرناک ثابت ہوگا۔''
''میں تمہاری ہم خیال ہوں۔'' ویرا بولی ''اسے جتنی زیادہ مہلت ملے گی، اسے اندازہ ہوتا چلا جائے گا کہ وہ چاروں طرف سے کیسے سنگین خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ اسے ہر طرف سے مایوسیوں کا اندھیرا پھیلتا نظر آئے گا تو وہ کوئی انتہائی قدم اٹھالے گا۔''
''تمہاری دانست میں اس کا انتہائی قدم کیا ہو سکتا ہے؟'' میں نے ویرا کی طرف تکتے ہوئے پُرخیال لہجے میں پوچھا۔
''وہ پاکستان سے بھاگ سکتا ہے۔'' ویرا کے پاس جواب تیار تھا۔
''تم بھول رہی ہو کہ جلال نے اس کا اور سنیل کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل کروانے کا بندوبست کیا ہوا ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔
''ایسی فہرستیں صرف شرفا کی راہ روک سکتی ہیں۔ مجرمانہ ذہن رکھنے والے اور جرائم پیشہ لوگوں کے لیے ایسی فہرستوں کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ اس نے کوئی فیصلہ کر لیا تو پھر چپکے سے سرحد پار نکل جائے گا۔ تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔''
''ویرا ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' سلطان شاہ نے اس کی تائید کی ''قانون ایسے لوگوں کی راہ نہیں روک سکتا۔ پاکستان میں شراب کی درآمد پر سخت پابندی ہے لیکن دیکھ لو کہ ویرا کو چور بازار سے ہر برانڈ کی شراب بہ آسانی مل جاتی ہے۔ جب ایسی چیزیں ملک میں آسکتی ہیں تو انسانوں کا باہر جانا کیا مشکل ہے۔ انسانی اسمگلنگ کی مقامی اور بین الاقوامی خبریں آئے دن اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں۔''
اول خان بے ساختہ ہنس پڑا ''تم کو ہر بات میں ویرا کی مثال ضرور نظر آتی ہے۔ اس وقت اس کی شراب کا کیا ذکر تھا!''
''میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جب بے جان اور بے روح چیزوں کی غیر قانونی آمدورفت ہوتی رہتی ہے تو انسان

جیسی چالاک اور جان دار مخلوق کو کون روک سکتا ہے۔''
سلطان شاہ نے اپنی بات کی وضاحت کی۔
''وہ اپنا سب کچھ چھوڑ دے گا۔'' غزالہ نے بے یقینی سے پوچھا۔
''ہوا خیزی ہونے کے بعد جب جان پر بنتی ہوئی نظر آئے تو انسان سب کچھ کر گزرتا ہے۔ ہر چیز کی محبت اسی وقت تک رہتی ہے جب تک جان کی پوری پوری امان حاصل ہو۔ آڑے وقت میں آدمی مال و دولت سمیت کسی چیز کی پروا نہیں کرتا۔'' اول خان نے مربیانہ انداز میں غزالہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ وہ دوبارہ بہت سنجیدہ ہو چکا تھا۔

میرے لیے ان لوگوں کی وہ باتیں تشویش انگیز تھیں۔ وہ بالکل بے سر و پا خدشات نہیں تھے۔ ان میں بڑی جان نظر آ رہی تھی۔ میں نے بہت سے پاپڑ بیل کر سوبھراج کو ایک بار تو بنکاک سے کراچی واپس بلوا لیا تھا۔ وہ دوسری بار پاکستان سے بھاگتا تو اسے واپس لانا ممکن نہیں رہتا کیونکہ نک جیسا ترپ کا پتّا ناکارہ ہو چکا تھا۔

پھر ہم پانچوں ہی خاموش ہو گئے۔ سوبھراج کے ساتھ پیش آنے والے غیر متوقع واقعے نے سب ہی کے اعصاب پر اثر ڈالا تھا اور ہر ایک اس بارے میں اپنی اپنی فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔

''بی گن کا کیا بنا؟'' خاموشی کے طویل ہوتے ہوئے وقفے کو میں نے ہی چونک کر توڑا۔ مجھے اچانک نک کا دیا ہوا ہتھیار یاد آ گیا تھا۔
''اس کے بارے میں میرے شبہات درست ثابت ہوئے۔'' اول خان سے پہلے ویرا فخر آمیز لہجے میں بول پڑی ''وہ کیمیائی گن ضرور ہے لیکن اس میں کچھ الیکٹرانک آلات بھی پوشیدہ ہیں جن کے ذریعے ان کو ہر لمحے اس گن کی پوزیشن کا علم ہوتا رہے گا۔ ان آلات کے دوسرے خواص اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتے جب تک بی گن کو توڑ کر وہ آلات حسّاس مشینوں پر نہ جانچے جائیں۔ میرا پہلے ہی ماتھا ٹھنکا تھا کہ نک کو اس گن کے بارے میں تم کو اتنا کچھ بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ تم ہر وقت اپنے ساتھ اسے لیے پھرتے ہو۔''
''وہ اپنے تحفظات کے ساتھ تم سے مل رہے ہیں۔''
اول خان نے کہا ''لیکن ان کے ذہن کرنل داور کی طرف سے صاف نہیں ہیں۔ یہ ایک خطرناک بات ہے۔''
''گن کہاں ہے؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔
''وہ اسٹیشن فور پر محفوظ ہے۔'' اول خان نے اطمینان سے کہا۔
''سب کچھ درست ہے لیکن پھر بھی مجھ سے ایک غلطی ہو چکی ہے۔'' میں نے اول خان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔
''وہ کیا؟''
''میں نک سے ملنے کے بعد اس گن کو لے کر سیدھا یہاں چلا آیا اور ہم سب اس کے بارے میں کھل کر باتیں کرتے رہے۔ اگر گن کے خول میں کوئی صوتی آلہ بھی نصب ہے تو ہماری وہ کھلی کھلی باتیں سنی گئی ہوں گی......''
''ایسے دور دراز کے اندیشوں میں پڑ کر خود کو ہلکان مت کرو۔'' اول خان نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر کہا ''بس ایک بات یقینی ہے کہ یہ علاقہ ان کی نظروں میں آ گیا ہوگا۔''
''علاقہ نہیں، گھر بھی نظروں میں آ سکتا ہے۔'' ویرا نے کہا ''گلوبل پوزیشننگ سسٹم سے منسلک چپس کے ذریعے دس پندرہ گز کی حد میں کسی بھی مقام کی صحیح نشاندہی ہو سکتی ہے۔''
''کسی نے جان بوجھ کر کوئی غلطی نہیں کی۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اسے واپس نہیں لوٹایا جا سکتا۔ اس پر سر کھپانے کے بجائے آگے کی بات سوچو۔''
''انہیں کرنل داور پر شبہ ہے تو وہ کسی وقت اس گھر کا رخ بھی کر سکتے ہیں۔'' ویرا نے اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔
''ضرور آئیں۔ اللہ نے چاہا تو منہ کی کھا کر بھاگیں گے۔'' اول خان نے جواب دیا۔
''برا نہ مانو تو ایک ذاتی سوال پوچھ لوں۔'' ویرا نے کہا۔
''ضرور پوچھو۔ میں خوشی سے اس کا جواب دوں گا۔'' اول خان بولا۔
''تم اللہ پر بہت زیادہ توکل کرتے ہو مگر عملی طور پر بہت زیادہ مذہبی نظر نہیں آتے۔ یہ بات ایک عرصے سے میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی لیکن تم سے کچھ پوچھتے ہوئے میں ہچکچاتی تھی۔ میں خود مذہب سے بہت دور بلکہ بڑی حد تک لاتعلق ہوں اس لیے خود کو کسی اور کے طور طریقوں کے بارے میں سوال کرنے کا حق دار نہیں سمجھتی!''
''تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں مذہب سے دور ہوں۔'' اول خان نے مسکرا کر سوال کیا۔
''غزالہ اپنے کمرے میں باقاعدگی سے نماز پڑھتی ہے۔ سلطان شاہ گھر پر موجود ہوتا ہے تو ہر جمعے کی دوپہر بہت اہتمام سے مسجد جاتا ہے۔ کبھی کبھار گھر پر بھی نماز پڑھ لیتا ہے۔ حد یہ ہے کہ شراب نوشی ترک کرنے کے بعد ڈینی نے بھی کسی کسی جمعے کو مسجد جانا شروع کر دیا ہے مگر میں نے تمہیں کبھی نماز

...ھتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

''خوب!'' اول خان نے ایک قہقہہ لگا کر کہا ''تمہارا مشاہدہ بہت اچھا ہے۔ دراصل یہ تینوں دن رات تمہارے ساتھ رہتے ہیں، ان کے معمولات تمہارے سامنے ہیں۔ میں الگ گھر میں رہتا ہوں۔ میرے بارے میں میرے بیوی بچے زیادہ جانتے ہیں۔ میں عبادت میں نمائش یا دکھاوے کا قائل نہیں ہوں۔ وقت ہوتا ہے تو مسجد میں نماز پڑھ لیتا ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ نماز کا وقت نکل گیا ہو اور میں یہاں بیٹھا رہ گیا ہوں۔ وقت نکلنے سے پہلے میں خاموشی سے اٹھ کر چلا جاتا ہوں۔ ایک سپاہی کی تربیت میں عبادت اور تزکیہ نفس کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ میں ابتدا سے اس کا عادی ہوں۔''

''اچھا ہوا کہ آج یہ بات بھی صاف ہوگئی۔'' سلطان شاہ فضا میں ہاتھ لہرا کر بولا ''پتا نہیں ویرا اپنے دل میں کیا کچھ سوچتی رہی ہوگی۔''

''سوچتی رہے۔ یہ خالق اور مخلوق کا معاملہ ہے۔ اس میں کسی کو ویرا کی تصدیق کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے رکھائی سے کہا۔

''اس بے چاری کے بارے میں ایسا نہ کہو۔'' سلطان شاہ بولا ''اس نے تمہارے نمازی ہونے کی تصدیق کی ہے۔''

''اس بے چاری کو تم ہی چارا ڈالتے رہو۔ مجھے اس کی کسی تصدیق یا تردید کی پروا نہیں ہے۔ میں جو ہوں وہی رہوں گا۔''

ہماری وہ جھڑپ وہیں ختم ہوگئی۔ میرے موبائل کی دھیمی گھنٹی نے سب کو خاموش ہوجانے پر مجبور کردیا تھا۔

''ہاں نک! کیا حال ہے؟'' میں نے اس کی آواز پہچان کر خوش دلی سے پوچھا۔

''کرنل! تمہاری تیاری مکمل ہے؟'' نک کی آواز سے سنجیدگی مترشح تھی۔

''کس بارے میں؟'' میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔

''ہمارے درمیان صرف ایک ڈیل ہے سوبھراج اور ڈینی، تم ڈینی کو کتنی دیر میں میرے حوالے کر رہے ہو؟''
''اتنی بے صبری سے کام نہ لو۔ سوبھراج کو آجانے دو......''
''سوبھراج آچکا ہے۔'' نک نے میری بات کاٹ کر کہا ''اور ائر پورٹ سے آتے ہوئے، راستے میں اپنے تین ملازموں سمیت مارا گیا ہے۔''
مجھے حیرت ہوئی کہ اس اہم ترین معاملے میں اس کی معلومات ادھوری تھیں۔ اپنے آدمیوں کے حملے کو سوبھراج کا انجام سمجھ کر وہ مجھے فون کر بیٹھا تھا۔
''اسے کس نے مار دیا؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔
''یہ غیر ضروری سوال ہے۔ اسے مرنا تھا اور وہ مار دیا گیا۔''
''میں تمہاری اس اطلاع پر کیسے اعتبار کرلوں؟''
''کیا میرا کچھ کہہ دینا کافی نہیں ہے!'' اس کی آواز ترش ہوگئی۔
صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جائے واردات کی تازہ ترین صورتِ حال سے بے خبر تھا۔ اس نے اپنے کمانڈوز کی دی ہوئی اس اطلاع کو درست مان لیا تھا کہ وہ سوبھراج اور اس کے ملازموں کو راستے میں بے دردی سے مار آئے تھے۔
میرا دل چاہا کہ اسے صحیح صورت احوال بتا کر شرمندہ کروں لیکن وہ بہت نازک معاملہ تھا۔ میری طرف سے اتنی زیادہ باخبری کا اظہار اس کے دل میں شبہات پیدا کرسکتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ اس کی کہی ہوئی باتیں سنی جائیں۔ اس وقت اس کا دماغ اونچا اڑ رہا تھا۔
''اگر تمہاری دی ہوئی اطلاع درست ہے تو تھوڑی دیر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح شہر میں پھیل جائے گی۔''
''تم بے اعتباری ظاہر کرکے میری توہین کر رہے ہو۔''
''یہ تمہاری سوچ کا قصور ہے۔ تم نے خود زور دے کر کہا تھا کہ سوبھراج کی آمد کی اطلاع مجھے اخباروں سے ملے گی۔ اب تم اس کی موت کی خبر سنا رہے ہو۔''
''تمہیں بتا دیا گیا تھا کہ اس کی غداری ناقابل معافی تھی۔ کسی کو سزا دینے کا فیصلہ کرلیا جائے تو ہم اس پر عمل کرنے میں دیر نہیں کرتے۔''
''اسے تمہارے آدمیوں نے مارا ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''یہ بھی غیر ضروری سوال ہے۔ ان باتوں سے تمہیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ تم اس کی واپسی کے خواہاں تھے۔ وہ واپس آچکا ہے......''
''میں پھر کہوں گا کہ ذرا انتظار کرو۔ میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔ تمہاری دی ہوئی بی گن میرا کام بہت آسان کردے گی۔''
''کیا وہ بی گن اس وقت بھی تمہارے پاس ہے؟'' اس کا سوال اشتباہ آمیز تھا۔
''میں اسے اپنے گلے میں لٹکائے نہیں پھر رہا۔ وہ ایک بے مثال ہتھیار ہے۔ میں نے اسے احتیاط سے ایک محفوظ مقام پر رکھ دیا ہے۔ ضرورت کے وقت اسے نکال لوں گا۔''
''وہ گن تمہیں رکھنے کے لیے نہیں دی گئی تھی۔'' اس کا وہ جلا کٹا تبصرہ بالکل بے ساختہ تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''جب تک ڈینی کا قصہ پاک نہیں ہو جاتا، اسے تمہارے پاس رہنا چاہیے۔''
''تم تو اس طرح اصرار کر رہے ہو جیسے اس میں کوئی بگ لگا ہوا ہو۔'' موقع پاتے ہی میں نے چٹکی لینے والے انداز میں کہا۔
''یہ کیا واہیات باتیں کر رہے ہو۔'' میری زبان سے وہ حقیقت سن کر نک کی کھوپڑی چیخ گئی۔ ''ہمیں اس میں کوئی بگ لگانے کی کیا ضرورت تھی۔''
''نہیں ہوگی لیکن تم اس کے ساتھ رکھنے پر تو اسی طرح اصرار کر رہے ہو۔''
''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ انتہائی خفیہ اور اہم ہتھیار ہے۔ میں اس کے گم ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ وہ میرے لیے ڈینی سے زیادہ قیمتی ہے۔ اسے تمہارے قبضے میں رہنا چاہیے۔ تم کو ہر حال میں اسے بہ حفاظت لوٹانا ہوگا۔''
''میں اسے اپنے گلے کا ہار نہیں بنا سکتا۔'' میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا ''تم پہلے یہ باتیں پہلے بتا دی ہوتیں تو میں اسے ہاتھ بھی نہ لگاتا۔ وہ تمہیں جوں کی توں واپس ملے گی۔ تم کو معلوم ہے کہ میں کوئی راہ چلتا آدمی نہیں ہوں۔ میرے اپنے بھی کچھ وسائل ہیں۔ میں نے بی گن کی جانچ پڑتال کی ہے۔ وہ ایک مشتبہ ہتھیار ہے۔''
وہ بی گن کے بارے میں ضرورت سے زیادہ پھیل رہا تھا۔ میں نے فوری فیصلے کے تحت جارحانہ تیور اختیار کرلیے اور اسے بتا دیا کہ میں عقل سے کورا نہیں تھا۔
میرا الزام سن کر وہ چند ثانیوں تک کچھ نہ بول سکا پھر اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں نہیں مان سکتا کہ بی گن میں کوئی ڈیوائس بھی لگی ہوئی ہے۔ ہم نے وہ ہتھیار مدد کے طور پر تمہاری حوالے کیا تھا۔''
''امریکی امداد ایسی ہی ہوتی ہے۔'' میں نے کڑدے

لہجے میں کہا ''اس کے پردے میں کوئی نہ کوئی خفیہ مقصد کارفرما ہوتا ہے۔ میرے آلات نے واضح طور پر بتایا ہے کہ یہ گن سے طاقت ور ریڈیائی سگنل خارج ہو رہے ہیں۔''

میرے اس حتمی جواب نے نک کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔ اس کی مدافعانہ آواز آئی ''تم یقین کرو کہ میں ایسی کسی ڈیوائس کے وجود سے لاعلم ہوں۔ ایڈی نے وہ گن مجھے دی اور میں نے اسے تمہارے حوالے کر دیا۔''

''ایڈی نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔ مجھے پہلے ہی اس گن پر شبہ ہوا تھا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ چیونٹی کو پیر سے مسلنا ممکن ہو تو اس پر توپ کا گولا داغنے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں پر آنکھیں بند کر کے بھروسا کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ میں نے تمہارے پاس سے آتے ہی گن کو چیک کروایا تھا۔''

''اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو میں تم سے شرمندہ ہوں۔''

''مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔

''تم ہوشیار افسر ہو۔'' نک کا لہجہ کچھ کھسیایا ہوا سا تھا ''ایسے لوگ اپنی زندگی میں بہت نام پیدا کرتے ہیں اسی لیے میرے بڑے تمہارا تعاون حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں۔ تم کو دھوکا یا فریب دینا آسان نہیں ہے۔''

''دوستی کے خواہش مند ایسی بددیانتی نہیں کرتے۔ یہ بتاؤ کہ بی گن میں نصب آلات کی مدد سے میرے بارے میں اب تک کیا معلوم کر سکے ہو۔''

''کچھ بھی نہیں۔ میں تمہارے سامنے قسم کھا سکتا ہوں کہ میرے فرشتوں کو بھی کسی بگ کا علم نہیں ہے۔''

''ایڈی بھی ایف بی آئی کا آدمی تھا۔ تم یہاں اپنے محکمے کے رہائشی نگراں ہو۔ تم لاعلم ہو۔ اس سے کیا میں یہ نتیجہ اخذ کرلوں کہ یہاں ایف بی آئی کا کوئی اور متوازی دفتر بھی چل رہا ہے جس کے وجود سے تم بے خبر ہو۔''

''ایسا نہیں ہے۔'' اس کا لہجہ پریقین تھا۔ لمحہ بھر توقف کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''آج کل کے آلات بہت حسّاس ہیں، دور دور تک کام کرتے ہیں۔ مجھے اب بھی شبہ ہے کہ بی گن میں کوئی خفیہ آلہ نصب ہوگا۔ اگر وہ لگایا گیا ہے تو ضروری نہیں کہ اس کے سگنل کراچی یا پاکستان میں ہی ریسیو کیے جائیں۔ خلائی رابطوں کے ذریعے ایسے سگنل سرحدوں سے باہر، ہزاروں میل کی دوری پر بھی وصول کیے جا سکتے ہیں۔''

''ہزاروں میل دور بیٹھے ہوئے لوگوں کو کراچی کا جغرافیہ معلوم ہوگا اور نہ وہ یہ جانتے ہوں گے کہ کرنل داور کے ٹھکانے کہاں کہاں ہیں۔''

''تم کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ چیزیں معمول سے ہٹی ہوئی حرکات وسکنات کو نوٹ کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ کل رات سے اب تک کچھ ہوا ہوتا تو اس کی اطلاع مجھے ضرور ملتی۔ ایڈی نے یہ کام مجھ سے بالا ہی بالا کیا ہے۔ تم نے بی گن سے چھٹکارا پا لیا ہے۔ اب تم ہر طرح سے آزاد ہو۔''

''قدر''

''کل بلال نے مجھے خود پیشکش کی کہ میں چاہوں تو اس سے رقم ادھار لے سکتا ہوں۔''

''تو پھر کیا تم نے رقم لے لی؟''

''نہیں...... میں نے سوچا آج کل کے زمانے میں ایسے دوست کہاں ملتے ہیں۔ میں نے ایسے دوست کو ہاتھ سے کھونا مناسب نہیں سمجھا۔''

خوبی

''آج تو وحید صاحب نے تقریر کر کے محفل ہی لوٹ لی۔''

''کس موضوع پر تقریر کی انہوں نے؟''

''موضوع تو مجھے معلوم نہیں...... بہرحال وہ صرف دس سیکنڈ بولے۔''

''کیوں''

''میری عمر نوے سال ہے...... اور امید ہے ابھی میں بیس تیس سال اور زندہ رہوں گا۔ میں نے زندگی میں کبھی کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ کبھی شراب یا کسی دوسرے نشے چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔ کبھی بے اعتدالی نہیں کی......''

''تو پھر آپ اتنے عرصے تک کیوں زندہ رہنا چاہتے ہیں؟''

میرے بھڑکنے کا اندازہ لگا لینے کے بعد وہ میری دل جوئی پر اتر آیا تھا۔

''تم نے غیر ضروری طور پر گن کے خواص وغیرہ مجھے بتا کر میرے دل میں شکوک وشبہات پیدا کر دیے تھے جو آخر کار درست ثابت ہوئے۔''

''میں اپنے ڈسپلن سے مجبور تھا۔ میں نے ایک کٹھ پتلی کی طرح وہ ساری باتیں تمہارے سامنے دہرا دیں جو ایڈی نے مجھے بتائی تھیں۔''

''آخر وہ اس حرکت سے کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہا تھا؟''

''وہ مجھ سے مشورہ کرتا تو میں اس کی تجویز مسترد کر دیتا۔ شاید اسے امید رہی ہو کہ اس طرح اسے وہ جگہ معلوم ہو جائے گی جہاں تم نے ڈینی کو قید کر رکھا ہے۔ اس کے لیے تمہاری یا کسی اور کی آوازیں سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ بس یہ معلوم کرنے کی ضرورت تھی کہ تم کہاں کہاں جاتے ہو۔ ان ہی جگہوں میں ڈینی کا قید خانہ بھی شامل ہوتا۔''

''یہ تمہارا اندازہ ہے یا تم حقائق بتا رہے ہو۔''

''یہ میرا اندازہ ہے جو حقائق سے بہت قریب ہوگا۔ میں اپنے محکمے اور اس کے افسران کے طریقہ کار سے واقف ہوں۔ میرا تجربہ وہی بتاتا ہے جو میں کہہ چکا ہوں۔''

''ایڈی ناپسندیدہ آدمی تھا۔ اس نے کراچی میں رک کر اس مفاہمت کو نقصان پہنچایا ہے جو میرے اور تمہارے درمیان پیدا ہو چکی تھی۔''

''ایڈی یہاں سے چلا گیا۔ اس کی دی ہوئی بی گن کو ایک گوشے میں ڈال کر تم نے از خود ناکارہ کر دیا۔ اب ان باتوں کو بھول جاؤ۔ ان کاموں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ بعض اوقات آدمی اپنے سائے پر بھی اعتبار نہیں کرتا۔''

''میں کوئی بے نام سایہ نہیں ایک جیتا جاگتا انسان ہوں۔ سائے زیادتی ہونے پر احتجاج نہیں کرتے۔ میں اپنی آواز بلند کر سکتا ہوں۔''

''اسے نہیں تو مجھے معاف کر دو۔ اس کے چلے جانے کے بعد اب تمہارا واسطہ مجھ سے ہے۔ میں بلاوجہ کی تلخیوں سے فضا نہیں بگاڑنا چاہتا۔''

''تم کو یہ بات ایڈی کو سمجھانی چاہیے تھی۔''

''تم کو معلوم ہے کہ افسر پر تنقید کرنا کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔ تم فوج میں رہے ہو۔ وہاں صرف حکم کی تعمیل کی جاتی ہے، کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں ہوتی۔''

اس نے گفتگو کی ابتدا خاصی رعونت اور سرد مہری سے کی تھی۔ اس کے ساتھ ہر بار یہی ہوتا تھا۔ ابتدا میں وہ اپنے خول میں سمٹا رہنے کی کوشش کرتا تھا لیکن تھوڑی دیر کی زبانی اکھاڑ پچھاڑ کے بعد خود ہی راہ راست پر آ جاتا تھا۔

میں نے اس کے انداز میں پیدا ہونے والی اس خوش گوار تبدیلی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ''تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ سوبھراج کو مارنے والے کون تھے۔''

''دیکھو کرنل! تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔'' اپنی اونچی اڑان سے اتر آنے کے باوجود وہ اس بارے میں زبان کھولنے پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''تمہاری شرط یہ تھی کہ وہ پاکستان واپس لوٹ آئے تاکہ تم اس سے اپنا حساب بے باق کر سکو۔ میں نے یہ شرط پوری کر دی۔ وہ خاموشی سے لوٹ آیا۔ اب اگر کسی اور نے اس سے تمہارا حساب برابر کر دیا تو تمہیں تجسس میں پڑنے کے بجائے خوش ہونا چاہیے کہ تم نے ایک تیر سے دو شکار کر لیے۔ تمہارا ایک بڑا کام خود بہ خود آسان ہو چکا ہے۔''

''اگر میں یہ کہوں کہ اس پر قاتلانہ حملہ کرنے والوں کی تعداد دو تھی تو تم کیا کہو گے؟'' میں نے اس سے کھیلنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔

''حملہ کرنے والے دو سو بھی رہے ہوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسے مارنے والی گولی کوئی ایک ہی رہی ہوگی۔''

''خوب!'' میں نے اس کے جواب سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا ''تو تم کو یہ معلوم ہے کہ اسے گولی سے مارا گیا ہے۔ گلا گھونٹ کر یا تیز دھار آلے سے نہیں مارا گیا۔''

''تم بلاوجہ بات سے بات نکال رہے ہو۔'' اس کی آواز میں بے چینی در آئی۔

''یہ بلاوجہ کی باتیں نہیں ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ ائر پورٹ سے آنے والی مرسڈیز پر دو موٹر سائیکل سواروں نے فائرنگ کی تھی۔''

''ذرا سی دیر پہلے تم میری کسی بات پر اعتبار نہیں کر رہے تھے۔ اب یکا یک اتنی زیادہ باخبری کا اظہار کر رہے ہو۔ آخر قصہ کیا ہے۔''

''میرے انداز گفتگو نے اسے الجھا کر رکھ دیا تھا۔ میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''میں ہر بات تمہاری زبان سے سننا چاہ رہا تھا۔ تم نے چپ سادھ لی ہے تو مجبور ہو کر مجھے تمہاری معلومات میں اضافہ کرنا پڑ رہا ہے۔''

''ایک ہی سانس میں بتا ڈالو کہ کیا کیا معلوم ہے۔''

''وہ دو تھے۔ بڑے انجن والی، سیاہ رنگ کی بھاری موٹر سائیکل پر سوار تھے جس پر کوئی نمبر پلیٹ نہیں تھی۔'' میں نے

بہت رسانیت سے اور دھیرے دھیرے کہا ''سادہ کپڑوں میں ملبوس ہونے کے باوجود وہ اپنی چال ڈھال اور اطوار سے پیشہ ورلڑا کا معلوم ہو رہے تھے۔ غالب امکان یہ ہے کہ وہ کمانڈوز تھے۔''

''میں وہاں نہیں تھا۔ یہ سب میرے علم میں نہیں ہے۔''

''میں بھی وہاں نہیں تھا مگر چشم دید گواہ بتا رہے ہیں کہ وہ دونوں سفید فام امریکی معلوم ہو رہے تھے۔''

''ہوسکتا ہے...... بالکل ہوسکتا ہے۔'' اس کی اضطراری آواز سے بے چینی جھلک رہی تھی ''وہ ہم سے غداری کا مرتکب ہوا تھا۔ ہمارے آدمیوں نے اسے سزا دی ہوگی۔ مجھے یہاں رہنا ہے۔ یہ سب باتیں میرے علم میں نہیں تھیں۔ ایڈی نے یہاں رک کر پورا آپریشن پلان کیا اور چلا گیا۔ مجھے کچھ دیر پہلے آپریشن مکمل ہونے کی اطلاع ملی ہے۔''

''کل تم کہہ رہے تھے کہ تمہارا بوریا بستر تیار ہے۔ تم کسی بھی وقت یہاں سے کوچ کر سکتے ہو۔ اب کہہ رہے ہو کہ تمہیں یہاں رہنا ہے۔''

''یہ بات ٹام، نک یا ایڈی کی نہیں ہے۔ میں عہدے کی بات کہہ رہا ہوں۔ ریذیڈنٹ آفیسر کو یہاں رہنا ہوتا ہے۔ میں گیا تو میری جگہ لینے کے لیے کوئی اور آجائے گا۔ یہاں رہنے والوں کو ضرورت سے زیادہ باخبر رکھنے میں خطرات مضمر ہوجاتے ہیں۔ اپنی سرگرمیوں کے علاوہ مجھے صرف وہی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کا جاننا ناگزیر ہو۔''

''گویا تم کہہ رہے ہو کہ تمہیں سوبھراج پر وار کرنے والوں اور ان کے طریقہ کار کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔ یہ سب کام ایڈی نے بالا ہی بالا کیے تھے۔ تمہیں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ سوبھراج کو راستے میں مار دیا گیا۔''

''بالکل یہی بات ہے۔'' اس نے پرزور لہجے میں میری تائید کی۔

''تو پھر کان کھول کر سن لو کہ تمہیں ناقص معلومات فراہم کی گئی ہیں۔''

''کیا یہ اطلاع غلط ہے؟'' اس نے بے ساختہ پوچھا۔

''غلط نہیں، ادھوری ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن سنتے رہو۔ اصل خبر سامنے آئے گی تو تمہاری کھوپڑی چکرا کر رہ جائے گی۔''

''تم کیوں نہیں بتاتے کہ اصل خبر کیا ہے۔'' اس نے مطالبہ کیا۔

''مائی ڈیئر نک! تمہاری طرح میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔ میں ہر بات نہیں بتا سکتا۔ تم بے فکر رہو۔ ڈینی کے بارے میں میرا اور تمہارا معاہدہ برقرار ہے۔ مناسب وقت آتے ہی میں تمہارا مطلوب آدمی تمہارے حوالے کردوں گا۔''

''تم بلاوجہ مجھے الجھن اور ذہنی اذیت میں ڈال رہے ہو۔ کوئی اہم بات تمہیں معلوم ہے تو تم مجھے بتا کیوں نہیں دیتے۔''

''میں نے جو کچھ بتایا ہے، فی الحال وہی کافی ہے۔ اب کل بات ہوگی۔'' مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ ذہن میں ایک گرہ پڑجانے کے بعد وہ بار بار اصل بات جاننے کے لیے اصرار کرتا رہے گا۔ میں اس وقت اسے یہ خبر دینے کے موڈ میں نہیں تھا کہ سوبھراج قاتلانہ حملے میں بچ گیا تھا۔

میں نے اس کال کا سلسلہ منقطع کردیا۔

''حیرت ہے کہ وہ حملے کی ناکامی سے باخبر نہیں ہے۔'' اول خان نے تعجب سے کہا۔ میرے یک طرفہ مکالمے سن کر سب نے اصل صورت احوال کا صحیح اندازہ لگالیا تھا۔

''یہ ایف بی آئی میں پائی جانے والی بیوروکریسی کا کمال ہے۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا ''محکمے جتنے بڑے ہوتے ہیں، ان میں اتھارٹی کے اتنے ہی زیادہ جھگڑے اور بکھیڑے ہوتے ہیں۔ حدود اور اختیارات کے چکر میں نک بعض اہم باتوں سے بے خبر ہے۔ اسے صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ راستے میں حملہ کر کے سوبھراج کو اس کے ملازموں سمیت ٹھکانے لگا دیا گیا۔''

''یہ لوگ ایک طرف مریخ، زہرہ اور سورج کی خبریں لاتے ہیں، دوسری طرف یہ حال ہے کہ انہیں ٹھوس زمینی حقائق کا بھی علم نہیں ہو پاتا۔'' غزالہ نے متاسفانہ لہجے میں کہا ''حیرت ہے کہ ایسے سنگین تضادات کے باوجود چار دانگ میں ان کا رعب و دبدبہ ہے۔''

''کسی کو مارنے اور بھاگ نکلنے میں سائنس کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔'' ویرا نے ہنستے ہوئے کہا ''جب سائنس ساتھ نہ دے رہی ہو تو یہ بے چارے مار کھا جاتے ہیں۔''

نک نے مجھ سے گفتگو کے دوران میں اپنی بے خبری کے جواز کا بھرپور دفاع کیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ اسے خود بھی اس بارے میں ملال ہوا ہوگا کہ ایڈی نے سوبھراج کے خاتمے کے سلسلے میں اسے پوری طرح اعتماد میں نہیں لیا تھا۔

جب اسے یہ پتا چلتا کہ سوبھراج پر کیا جانے والا حملہ ناکام رہا تھا تو وہ بے بسی سے اپنے بال نوچنے پر مجبور ہوجاتا۔ اس وقت اسے صحیح اندازہ ہوتا کہ مجھ سے فون پر بات کر کے اس نے کتنی بڑی حماقت کا ارتکاب کیا تھا۔

''سوبھراج کے بچ جانے میں اس کے اپنے نصیب کی خوبی بھی شامل ہے۔'' اول خان نے کہا ''کمانڈوز کیسے ہی گئے گزرے کیوں نہ ہوں، عام آدمی سے کہیں زیادہ پھرتیلے اور مشاق ہوتے ہیں۔ میرے لیے یہ یقین کرنا دشوار تھا کہ سوبھراج محض زخمی ہوکر بچ گیا۔''

''اگر سوبھراج کے ستارے اتنے اچھے ہیں تو ہمیں بھی اس سے ہوشیار رہنا پڑے گا۔'' سلطان شاہ نے فکرمندی سے کہا۔

''سوبھراج سے زیادہ اب مجھے نک کی فکر ہوگئی ہے۔'' اول خان نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا ''اس سے تمہارا معاہدہ سوبھراج کو مارنے کا نہیں تھا۔ وہ واپس آ گیا ہے۔ اب نک تمہارا ناطقہ بند کردے گا۔ وہ جلد از جلد ڈینی کو حاصل کرنا چاہے گا۔''

''تم لوگوں کا مشورہ شاملِ حال رہا تو میں اس کا مطالبہ پورا کردوں گا۔''

''اس بات کو مذاق میں مت ٹالو...... یہ سنگین مسئلہ ہے۔ کرنل داور اور نک کے معاہدے کی خبریں امریکا تک میں پھیل چکی ہیں۔ تم کسی حالت میں اس معاہدے کو پورا نہیں کرسکتے۔ امریکا والے کرنل داور کی اس وعدہ خلافی پر اس کی جان کے دشمن ہوجائیں گے۔ اس برے وقت کے لیے ہم کو ابھی سے تیاری شروع کردینی چاہیے۔''

''یہ تشویش مجھے بھی ہے لیکن نک سے بات کرنے کے بعد جو صورت احوال سامنے آئی ہے، اس کی روشنی میں ہمارا اس مسئلے پر سر کھپانا ذرا قبل از وقت ہے۔ سوبھراج کے بارے میں کوئی خبر آنے دو پھر ہم اپنے لائحہ عمل کے بارے میں سوچیں گے۔''

''سوبھراج کی خبروں سے اس مسئلے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اول خان نے زور دے کر کہا ''وہ پاکستان لوٹ آیا ہے۔ اب نک ڈینی کا طلب گار ہے۔''

''ذرا صبر سے کام لو۔ کوئی نہ کوئی تعلق نکل ہی آئے گا۔''

اس وقت میرے پاس اول خان کے سوال کا کوئی معقول جواب نہیں تھا مگر میرا دل اندر سے مطمئن تھا۔ میں خود بھی اپنے اطمینان کا کوئی سبب جاننے سے قاصر تھا۔ آثار وقرائن یہ بتا رہے تھے کہ نک کے بارے میں اول خان کا اندیشہ حقیقت سے بہت قریب تھا۔

☆☆☆

شام ہوگئی لیکن سوبھراج کا کہیں سراغ نہیں مل سکا۔ اس دوران میں، میں نے جلال سے دو مرتبہ فون پر رابطہ کیا۔ دونوں بار وہ مایوس تھا۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ ناکام قاتلانہ حملے کے بعد سوبھراج کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا تھا۔

اس وقت تک سوبھراج، اس کے ملازمین اور راج محل کو ملی ہوئی تمام سرکاری مراعات برقرار تھیں۔ کوئی سرکاری اہل کار راج محل کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔ جلال کے اسٹاف کے دو افراد نے اپنی ملازمتوں کو داؤ پر لگا کر راج محل کی نگرانی کا کام سنبھالا ہوا تھا۔

جلال کو اعتراف تھا کہ محکمہ داخلہ کے واضح ترین احکام کو نظرانداز کرکے اس کے دونوں ماتحتوں نے بہت بے جگری کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کڑے وقت میں ان دونوں کو اخلاقی اعانت کی ضرورت تھی۔ ان کو اپنی کھلی حمایت کا یقین دلانے کے لیے وہ خود بھی میدان میں اترا ہوا تھا اور اپنی گاڑی میں دور دور سے راج محل کا طواف کررہا تھا۔

وہ تینوں رزق وروزی کے حصول سے زیادہ اپنی دھن کے پکے تھے۔ تینوں کو پورا یقین تھا کہ سوبھراج ایک بدمعاش سیاست دان تھا جو ملک کے بدترین دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا تھا۔ اس کو اس کے انجام تک پہنچانا ان کے منصبی فرائض میں شامل تھا۔

وہ سوبھراج کو ملی ہوئی رعایتوں سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھے۔ ان کو معلوم ہوچکا تھا کہ اس نے جوڑ توڑ کی سیاست کے ذریعے ایسا مقام حاصل کرلیا تھا جس کا وہ ذرا بھی مستحق نہیں تھا۔ اس کے گن رفتہ رفتہ ان کے سامنے آرہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آخرکار سوبھراج کا وہ طلسم ٹوٹ جائے گا، اس سے ساری مراعات واپس لے لی جائیں گی۔ وہ بس وقت کا کھیل تھا۔ وہ مراعات کے خاتمے کے انتظار میں اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کرسکتے تھے۔ انہیں خوف تھا کہ ہر طرف پھیلے ہوئے جال سے دہشت زدہ ہوکر ان کا شکار کہیں فرار نہ ہوجائے۔

وہ نتائج سے بے پروا ہوکر راج محل کی نگرانی کررہے تھے۔ جلال کی دانست میں شہر بھر میں وہی سوبھراج کا محفوظ ترین ٹھکانا تھا۔ زخمی حالت میں وہ کہیں اور نہیں جاسکتا تھا۔

وہ تینوں اتنا کچھ کررہے تھے لیکن جلال کی حکمت عملی کے تحت کسی نے راج محل کے پھاٹک پر دستک نہیں دی تھی۔ جلال ڈسپلن کا آدمی تھا۔ وہ محکمہ داخلہ کے احکام کو کسی حد تک نظرانداز ضرور کررہا تھا، ان کی دھجیاں نہیں اڑا سکتا تھا۔

وہ دور رہ کر یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ راج محل کی اونچی چار دیواری کے پیچھے کیا ہورہا تھا۔ اس جستجو میں اس نے دو مرتبہ اپنے موبائل فون سے راج محل کے نمبر ملائے اور سوبھراج سے

بات کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن دونوں مرتبہ اسے ٹکا سا جواب دے دیا گیا کہ وہ گھر پر نہیں تھا۔

دونوں مرتبہ فون اٹھانے والے مختلف افراد تھے۔ان کی آوازوں کا فرق بہت نمایاں تھا۔دونوں نے ایک ہی انداز اختیار کیا تھا اور جلال کی مزید کوئی بات سنے بغیر فون بند کر دیا تھا۔

جلال نے رائے قائم کی تھی کہ اندر افراتفری کے بجائے کچھ نہ کچھ نظم وضبط موجود تھا۔عمارت میں صرف ملازمین کا راج ہوتا تو وہ اپنے مالک کی مصیبت پر خوف اور گھبراہٹ میں مبتلا ہو کر بدنظمی کا شکار ہو جاتے۔اس رویے سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ راج محل کی نگرانی شروع ہونے سے پہلے سوبھراج اور سٹیل اندر پہنچ چکے تھے۔

حالات صبر آزما اور حوصلہ شکن تھے لیکن جلال نے ہمت نہیں ہاری تھی۔وہ اپنے دونوں ماتحتوں کے ساتھ راج محل کے قرب وجوار میں ڈٹا ہوا تھا۔

اس کے لیے سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ سوبھراج پر ناکام قاتلانہ حملے کے نتیجے میں اس کا سارا ہوم ورک دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔

جو لوگ سوبھراج کو گھیرے میں لینے کی مہم میں جلال کے ساتھ پیش پیش تھے، یکا یک پسپا ہو گئے تھے اور جلال کو کوئی واضح جواب دیتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔

ناکام قاتلانہ حملے کے نتیجے میں سوبھراج یکا یک مظلوم بن گیا تھا۔وہ خبر بہت تیزی کے ساتھ ہر طرف پھیلی تھی۔اس کی لابی نے شور مچانا شروع کر دیا تھا۔سنسنی کے متلاشی اخبارات کو ایک نیا موضوع مل گیا تھا اور انہوں نے ڈرامائی سرخیوں کے ساتھ اپنے ضمیمے ہر طرف پھیلا دیے تھے۔

بدنصیبی کی بات یہ تھی کہ ان خبروں میں قاتلانہ حملے کا ذکر موجود تھا۔حملہ آوروں کے بارے میں مکمل بلیک آؤٹ تھا۔ہر ایک نے وہ واردات نامعلوم حملہ آوروں کے کھاتے میں ڈالی تھی۔

ان حالات میں ہر افسر سوبھراج کے خلاف کسی بھی کاغذ پر اپنے دستخط ثبت کرتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔اتنی تیزی کے ساتھ کوئی نیا حکم نامہ جاری کیا جاتا تو سوبھراج کے حامیوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ پہلے سوبھراج کو قاتلانہ حملہ کر کے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی گئی۔وہ کوشش ناکام ہوتے ہی سازشی ٹولے نے بیوروکریسی میں موجود اپنے منظور نظر افسران کے ذریعے سوبھراج کے لیے باعزت بقا کی ساری راہیں مسدود کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

جلال سمجھ رہا تھا کہ اس مرحلے پر کوئی بھی سینئر افسر، کسی بھی قیمت پر ایسا الزام اپنے سر لینا پسند نہیں کرے گا۔اس کے دوست اور ہم نفس اسے یہ ساری باتیں بتانے کے بجائے ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے۔جو فائل جہاں تھی وہیں جم کر رہ گئی تھی۔

جلال کو امید تھی کہ وہ سوبھراج کی واپسی کے چوبیں گھنٹوں میں بہت کچھ کر گزرے گا لیکن بدلے ہوئے حالات کی نزاکتوں کے سبب اسے وہ سب کئی دنوں کے لیے ملتوی ہوتا نظر آ رہا تھا۔حالات سازگار نہ ہوتے تو یہ مدت ہفتوں پر بھی محیط ہو سکتی تھی۔

جب تک سوبھراج کی مراعات برقرار تھیں، جلال کو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ وہ خاموشی سے کسی بھی وقت دوبارہ پاکستان سے نکل جائے گا اور کوئی اسے دوسرے فرار سے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

وہ ایک معزز شہری اور مراعات یافتہ سیاست دان کی حیثیت سے پاکستان سے باہر نکل جاتا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے پاکستان واپس نہیں لا سکتی تھی۔اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات میں ذرا سی رنگ آمیزی کر کے وہ ایشیا یا یورپ کے کئی ملکوں میں آسانی کے ساتھ سیاسی پناہ حاصل کر سکتا تھا۔

اس کے بچ نکل جانے کا اندیشہ، اس وقت ہر دوسرے امکان پر حاوی تھا اور محض اسی ایک اندیشے نے جلال کو مضمحل کیا ہوا تھا۔

''سوبھراج بری طرح زخمی ہوا تھا۔گاڑی کی نشستوں پر پائے جانے ولاے خون کے تازہ دھبوں سے کم از کم یہی ظاہر ہو رہا تھا۔'' ویرا نے سوچتے ہوئے کہا'' مجھے شبہ ہے کہ اس نے آرام اور علاج معالجے کے لیے راج محل کے بجائے کہیں اور پناہ لی ہو گی۔''

''وہ کہاں جا سکتا ہے!'' اول خان پُرخیال انداز میں بڑبڑایا۔

''ابھی تک وہ پوری طرح بے نقاب نہیں ہوا۔اخبارات میں اس کے خلاف صرف بکھیڑو والا واقعہ رپورٹ ہوا ہے۔'' میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا'' اس میں بھی صرف ایک اخبار نے تمہاری فراہم کی ہوئی اطلاعات کی بنیاد پر گینگ وار کا ذکر کیا ہے۔اس کے بعد وہ معاملہ دب گیا۔اب وقت آ گیا ہے کہ اخبارات کو سوبھراج کے خلاف سارا مواد فراہم کر دیا جائے۔''

''اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے افسران نے رائے عامہ

کے خوف سے اپنا ہاتھ روک لیا ہے۔'' اول خان بولا ''اخبارات کے ذریعے رائے عامہ کو تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو ان پر بھی دباؤ کم ہوگا۔''

''اس بارے میں جلال سے مشورہ ضرور کر لینا چاہیے۔'' ویرا بولی۔

''کیوں؟'' اول خان نے پوچھا۔

''معاملہ بگڑ گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری بھلائی کی کوشش جلال کے لیے کوئی نئی دشواری پیدا کر دے۔''

اس وقت صرف ہم تینوں بیٹھے ہوئے تھے، غزالہ گھر کا سودا سلف لینے کے لیے سلطان شاہ کے ساتھ بازار گئی ہوئی تھی۔

''جلال اس وقت شدید ذہنی پراگندگی اور انتشار کا شکار ہے۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد کہا ''میں اس کی کیفیت محسوس کر رہا ہوں۔ اس وقت اسے چھیڑنا مناسب نہیں ہے۔ ہم کو جو کچھ کرنا ہے، کر لینا چاہیے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ جلال اپنی انتظامی مجبوریوں میں بھی پھنسا ہوا ہے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کوئی صحیح مشورہ نہیں دے سکے گا۔ یہ بڑی بات ہے کہ وہ اس وقت اپنے دو آدمیوں کے ساتھ راج محل کی نگرانی میں لگا ہوا ہے۔''

''اخباری نمائندے کو اعتماد میں لے کر بریف کر دو۔'' میں نے اول خان کی بات سن کر کہا ''کل صبح کے اخبارات میں سوبھراج کی پوری کہانی آ جانی چاہیے۔ اسی کے ساتھ اپنے کچھ آدمیوں کو راج محل کی دیکھ بھال پر مامور کر دو تاکہ جلال کو وہاں سے نجات مل سکے۔''

''یہ دونوں کام ہو سکتے ہیں۔ مجھے یہاں سے جانا پڑے گا۔'' وہ بولا۔

''تم اسی وقت نکل جاؤ۔'' میں نے اسے مشورہ دیا ''آدمی اپنی جگہ سنبھال لیں تو مجھے بتا دینا تاکہ میں جلال کو اطلاع دے سکوں۔''

''یہ بات بھی بتا دینا کہ سوبھراج نے سنیل کی بیوی سے مراسم استوار کیے ہوئے ہیں۔ اس بے شرم نے ابھی تک نوکری اور انعامات کے لالچ میں اپنی بیوی کی اس بے راہ روی کی طرف سے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں اور ذات پات کی آڑ میں اپنی بے غیرتی کا دفاع کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بات اخبارات میں اچھالی جائے تو اس کی غیرت کو کچھ جوش آئے اور وہ سوبھراج کا ساتھ چھوڑ دے۔''

''ویرا کا مشورہ صائب ہے۔'' میں نے اس کی تائید کی ''اب کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پانی ہمارے سروں تک آ چکا ہے۔ سوبھراج کے بارے میں ہر منفی بات عوام کے علم میں آ جانی چاہیے۔''

''پھر میں چلتا ہوں۔'' اس فیصلے پر پہنچتے ہی اول خان اٹھ کھڑا ہوا۔

اسے رخصت کر کے ہم دونوں واپس آئے تو راہ داری میں ویرا نے بے تکلفی سے میری کمر کے گرد ہاتھ ڈال دیا۔

میں تڑپ کر اس کی نرم گرفت سے نکل گیا اور اس پر آنکھیں نکال کر بولا ''یہ کیا حرکت ہے؟ تم کو اپنی اور میری عزت کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔''

''ایسے معاملات میں پہل مرد کی طرف سے ہوتی ہے۔ میں پہل کر کے تمہاری عزت افزائی کر رہی ہوں۔'' اس نے تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے ایسی عزت افزائی کی ضرورت نہیں، مجھ سے دور رہو!''

''یہ کیسے ممکن ہے...... ہم چاروں دن رات ایک دوسرے کے سروں پر سوار رہتے ہیں۔ تم تو غزالہ کے ساتھ کمرے میں بند ہو کر زبردستی تخلیہ کر لیتے ہو۔ مجھے ایسا موقع کہاں ملتا ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

ہم ڈرائنگ روم میں پہنچ چکے تھے۔ میں نے ایک دور افتادہ صوفے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا ''اس وقت تمہارا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ دین محمد اور ابرار چھت پر ہیں۔ کسی بھی وقت وہ نیچے آ سکتے ہیں۔''

''وفادار ملازم اپنے مالکوں کی خلوت میں مخل نہیں ہوتے، نظریں چرا کر ادھر ادھر ہو جاتے ہیں۔'' ویرا کے تیور یکا یک بدلے تھے اور وہ مسلسل میرے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ میں دل ہی دل میں اس گھڑی کو کوسنے لگا جب میں نے اول خان کو جانے کی اجازت دی تھی۔

میں صوفے کے قریب پہنچا تھا کہ ویرا نے اچانک اپنی کمر کو بل دے کر کولھے مٹکائے، جسموں کا تصادم ہوا اور میں بے دھیانی کی وجہ سے صوفے میں گر گیا۔

ویرا اطمینان سے اسی صوفے کے ہتھے پر بیٹھ گئی۔ اس وقت اس کی نیلی اور خوب صورت آنکھوں میں عجیب سی چمک عود کر آئی تھی۔

''ویرا! پلیز کہیں اور بیٹھ جاؤ۔ پورا ڈرائنگ روم خالی پڑا ہوا ہے۔ میں سوبھراج کے بارے میں پریشان ہوں۔ اس وقت یہ باتیں اچھی نہیں لگ رہیں۔''

''ذرا غور سے میری طرف دیکھو۔ ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔'' اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا

''قدرت نے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی پریشانیوں کا درماں بنا کر پیدا کیا ہے۔ میں مفت میں تمہارے ہاتھ آئی ہوئی ایک نعمت ہوں۔ ماضی میں ہم ایک دوسرے کے جسموں کے رازدار رہے ہیں، اب تم مجھ سے اتنا کیوں بدکتے ہو۔''

''میں تم سے نہیں بدکتا۔ تم اب بھی مجھے اچھی لگتی ہو مگر یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔

''اس نے میرا ہاتھ تھام کر اپنے سینے سے لگایا اور دونوں آنکھیں موند کر لذت آمیز انداز میں ہولے سے بولی''ہائے ڈارلنگ! ذرا پھر یہی بات دہرا دو۔ تمہاری زبان سے اپنی تعریف کے دو بول سننے کے لیے کب سے میرے کان ترسے ہوئے ہیں۔''

وہ عجیب صورت حال تھی۔ ویرا صوفے کے ہتھے پر اس طرح لدی ہوئی تھی کہ اس کے مرمریں وجود کا نرم و نازک بوجھ براہِ راست میری گود میں منتقل ہو گیا تھا۔ اس کا ایک بازو میرے شانے پر رکھا ہوا تھا اور میں اس کے تنفس کی حرارت گاہے گاہے اپنے چہرے کی جلد پر محسوس کر رہا تھا۔

میں صوفے میں یوں پھنس کر رہ گیا تھا کہ ویرا کو اٹھائے بغیر اپنی جگہ نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ ایس ٹی ایف کے اہل کاروں میں سے کوئی اُدھر نکل آیا تو اپنے دل میں ہم دونوں کے بارے میں کیا سوچے گا۔

اس وقت ساری فکر و تشویش میرے حصے میں آئی ہوئی تھی۔ ویرا دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر خواب ناک لذتوں کی کسی انجان دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔

یکایک اس نے دونوں ہاتھ میری گردن کے گرد حمائل کیے اور پھر اس کے سلگتے ہوئے یاقوتی ہونٹوں کی تپش سے میرا وجود سلگ اٹھا۔

میں شیطان نہیں تو فرشتہ بھی نہیں تھا۔ ایک عام سا بے بضاعت انسان تھا جسے بعض منہ زور جذبے اپنی رو میں بہا کر لے جا سکتے تھے۔ میرے لیے ویرا کا وجود کبھی بھی اجنبی نہیں رہا تھا۔ وہ یوں بے حجابی سے میرے بدن سے لپٹی تو اس کے بدن کی مہکار سے میرے حواس مفلوج ہونے لگے۔ میں ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھتا چلا گیا اور ویرا خود بہ خود میری بانہوں میں آ گئی۔

وہ دانستہ مجھ سے الجھ رہی تھی۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑنے کے لیے مجبور ہو کر اور بوکھلاہٹ میں اسے سمیٹا تھا۔ اپنے قدموں پر کھڑے ہوتے ہی وہ کسی جونک کی طرح میرے جسم سے لپٹ گئی۔

ویرا کی مجنونانہ وارفتگی نے پہلے مجھے پریشان کیا ہوا تھا پھر میں مسحور سا ہو گیا۔ سوبھراج، جلال اور ان کے سارے مسائل میرے ذہن سے کافور ہو چکے تھے۔ وہ کیفیت نہ جانے کتنی دیر تک برقرار رہی۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ چند لمحے تھے یا صدیاں ان چند لمحوں کے لیے ایک جگہ ٹھہر گئی تھیں۔

گھر کے کسی حصے سے کوئی آہٹ ہوئی اور میرے بدن کے گرد ویرا کی کسی ہوئی گرفت ڈھیلی پڑ کر یکایک ختم ہو گئی۔

''ڈیئی!'' اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے ڈورے تیر رہے تھے اور چہرے پر آسودگی کا نکھار پھیل گیا تھا۔

''میں پیار کی بھوکی ہوں۔'' اس نے کسی وقفے کے بغیر اپنی بات جاری رکھی''تم میرے اچھے وقت کے دوست ہو۔ اب مجھ پر ذرا سا برا وقت آیا ہوا ہے تو مجھ سے نظریں نہ پھیرا کرو۔ تمہاری زبان سے نکلے ہوئے پیار اور محبت کے دو بول میرے ذہن کو ہلکا کر کے آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیتے ہیں۔ تمہاری تیوریوں پر بل آتے ہیں تو میری دنیا ویران ہو جاتی ہے...... تم یقین کرو کہ یہ ڈائیلاگ نہیں ہیں۔ میں تمہیں اپنے دل کا حال بتا رہی ہوں۔''

میں تھکے ہوئے انداز میں دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا اور پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا''تم جانتی ہو کہ آدمی ایک وقت میں دو کشتیوں پر سوار نہیں رہ سکتا......''

ویرا نے میری بات کاٹ دی''میں کچھ بھی نہیں چاہتی۔ غزالہ مجھے بھی عزیز ہے۔ میں اس کے کسی حق پر ڈاکا نہیں ڈالنا چاہتی۔ میں اس بات کی بھی قدر کرتی ہوں کہ اس سے شادی کرنے کے بعد تم جیسا دل پھینک آدمی ایک کھونٹے سے بندھ کر رہ گیا ہے۔ تم جان بوجھ کر آوارہ گردی اور عیاشی نہیں کرتے لیکن کبھی کبھی مجبوریاں تمہیں بے راہ روی پر مائل کر دیتی ہیں......''

''یہ تمہاری الزام تراشی ہے!'' میں نے احتجاج کیا۔

''الزام نہیں یہ حقیقت ہے۔'' ویرا نے اپنی جگہ پہلو بدل کر کہا''تم حقائق کو نہیں جھٹلا سکتے۔ یہ بتاؤ کہ دہلی میں نریش شرما اور انل بسواس کے پاس تمہارا کون سا کیسٹ تھا۔ کیا تم نے دہلی کے ہوٹل میں را کی بھیجی ہوئی ایک لڑکی کے ساتھ وقت نہیں گزارا تھا۔''

''وہ مجبوریاں تھیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہاں ایسے واقعات کن حالات کے تحت رونما ہوئے تھے۔ ان میں میری مرضی یا انتخاب کا کوئی دخل نہیں تھا۔''

''انتخاب کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ را والوں نے تمہیں

پھانسنے کے لیے اپنی قوم کی ایسی سندر لڑکیوں کا انتخاب کیا تھا جنہیں دیکھ کر زاہدِ خشک کی بھی رال ٹپک سکتی تھی۔ انہیں دیکھ کر تمہارے اندر سویا ہوا پرانا ڈینی جاگ اٹھا تھا۔''

''ان مجبوریوں کو طعنہ بنا کر نہ دہراؤ۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''تم میرے پیارے، میرے ڈارلنگ ہو۔ میں تم کو ایسے طعنے دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہ رہی ہوں کہ کبھی کبھی مجھ کو بھی ایسی ہی مجبوری سمجھ کر قبول کر لیا کرو۔'' اس نے اپنے دونوں ہاتھ پیشانی پر رکھ کر آنکھیں موندیں اور صوفے کی پشت گاہ سے اپنا سر ٹکا کر بوجھل آواز میں بولی ''تم کو اندازہ نہیں ہے کہ ایک طویل مدت کے بعد آج تمہارے بدن کو چھو کر، تمہارا لمس محسوس کر کے مجھے کتنا سکون حاصل ہوا ہے۔''

''تم ہر وقت قریب رہتی ہو۔ مجھے چھوتی رہتی ہو۔'' میں نے روانی اور بے دھیانی میں کہا۔

''تم شادی شدہ مرد ہو۔ تمہیں ایسی جاہلانہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ تم خوب سمجھ رہے ہو کہ میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔''

''مجھ سے بغل گیر ہونے کے بعد اگر اب تم نارمل ہو چکی ہو تو ہم دوبارہ کام کی باتیں شروع کر دیں!'' میں نے رسانیت سے پوچھا۔

''ماضی کو کبھی کبھی دہراتے رہا کرو۔ میں بے چینی سے تمہاری دعوت کی منتظر رہوں گی۔'' اس نے بے باکی سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے اسے یہ سمجھانے کی کوشش نہیں کی کہ جسم و جان کے قریبی رابطے منصوبہ بندیوں سے پروان نہیں چڑھتے۔ ایسے رنگین حادثے بس اچانک رونما ہوتے ہیں اور وہ لمحات گزر جانے کے بعد آدمی سوچتا رہ جاتا ہے کہ وہ سب کیوں اور کیسے ہو گیا۔

مرد و زن اس کائنات کے دو برقی سرے ہیں جو تنہائی میں قریب آتے ہیں تو شعلہ لپکتا ہے۔ مراسم کی بے حجابی اور قرب کے لیے تنہائی ایک زبردست عامل کا کردار ادا کرتی ہے۔ خلوت میں گناہ کا بیج بہت تیزی سے پھلتا پھولتا ہے اور اپنے کیف و سرور میں ہر دو فریقوں کو بہت دور لے جاتا ہے جہاں نظروں میں ایک دوسرے کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔

گو بات زیادہ نہیں بڑھی تھی مگر اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ ایک ایک کر کے سب چلے گئے اور ویرا کے ذہن میں شیطان نے ڈنک مار کر اسے بہکا دیا۔ ڈرائنگ روم کی محدود سی خلوت اس بہکاوے کے لیے زرخیز تھی۔ ویرا کو مجھ پر حاوی ہونے کا موقع مل گیا۔

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا!'' مجھے خاموش پا کر ویرا نے ٹوکا۔

''تم لاجواب باتیں کرتی ہوں۔ میں کیا جواب دوں۔''

''میں تمہاری نظروں کا سرور دیکھ رہی تھی، تمہارے بشرے کی تحریر پڑھ رہی تھی۔ تم خود بھی کسی دنیا میں کھوئے ہوئے تھے، ان لمحوں میں مسرتیں کشید کر رہے تھے اور انہیں طول دینے کے خواہاں تھے۔ مجھے معلوم ہے کہ چور چوری سے جاتا ہے، ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ تم نے اپنی ذات پر پارسائی کا ایک خول منڈھ لیا ہے۔ اندر سے تم وہی پرانے ڈینی ہو جو ہر لمحے میرے قرب کے خواہاں رہا کرتے تھے۔ تم ان پادریوں جیسے ہو گئے ہو جو مجمعوں میں مقدس لبادہ اوڑھ کر دین اور تثلیث کی باتیں کرتے ہیں، خلوت میں روحانی بالیدگی کے بہانے کمسن راہباؤں کے جسموں سے کھیلتے ہیں۔ ان کا ظاہر ان کے باطن کی پردہ داری کرتا ہے۔ وہ......''

''تم نے پھر یہ باتیں شروع کر دیں!'' میں نے اسے گھور کر کہا۔

وہ ایک ادا سے اپنا سر جھٹک کر ہنس پڑی اور بولی ''بس، بہک جاتی ہوں۔ دراصل میں یہ کہہ رہی تھی کہ تم میرے سامنے بننے کی کوشش مت کیا کرو۔ جو دل میں آتا ہے وہ کھل کر کہہ دیا کرو۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ اس بارے میں غزالہ کو ایک لفظ بھی نہیں بتاؤں گی۔ ہر بات صرف میرے اور تمہارے درمیان رہے گی۔''

''مجھے یہ فریب نہ دو۔'' میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''عورت نے آدم کو جنت سے نکلوایا تھا۔ تم مجھے گھر سے نکلواؤ گی۔''

''غزالہ بہت بڑے دل کی لڑکی ہے وہ تمہارے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے لیکن ہر بات نظر انداز کرتی ہے۔ اس نے صحیح معنوں میں تم کو اپنا مجازی خدا بنایا ہوا ہے۔ وہ کسی حالت میں تم سے آنکھیں نہیں پھیرے گی۔''

''اول خان اپنے کام سے نکل گیا۔ تم یہ قصے لے بیٹھیں۔ مجھے فکر ہے کہ سوبھراج کہاں مر گیا۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہ کہیں جا کر مر ہی گیا ہو۔ زیادہ زخمی ہو جانے کے بعد خون بہت تیزی سے ضائع ہوتا ہے۔ بروقت طبی امداد نہ ملے تو زخمی کو بچانا ناممکن ہو جاتا ہے۔''

مجھے خوشی ہوئی کہ اس بار میری کوشش بارآور ہوئی تھی اور اس نے باتوں کی روانی میں اپنا پسندیدہ موضوع چھوڑ کر

سوبھراج کی بات شروع کر دی تھی۔

''مر گیا ہے تو اس کی لاش ملنی چاہیے تاکہ یہ قصہ ختم ہو۔''

وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر معنی خیز انداز میں مسکراتی رہی۔

''احمقوں کی طرح کیا مسکرائے جا رہی ہو۔'' چند ثانیوں کے انتظار کے بعد میں نے جھنجلا کر کہا ''کوئی بات ذہن میں آ رہی ہے تو بولتی کیوں نہیں؟''

''یوں نہیں بولوں گی۔ اپنے سینے سے لگاؤ پھر بتاؤں گی۔'' وہ اٹھلا کر بولی۔

میں بھنا کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ بازو پکڑ کر ویرا کو اس کے صوفے سے اٹھایا اور پھر اچانک اسے پوری قوت سے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

ویرا کے ہونٹوں سے ایک سسکاری سی نکلی اور وہ منمنائی ''اور زور سے بھینچو، اتنا کہ میری پسلیاں ٹوٹ جائیں۔''

میں نے مشینی انداز میں اسے اپنے بازوؤں کی مضبوط گرفت سے آزاد کر دیا اور غصیلی آواز میں کہا ''بکو...... تم کیا بکنا چاہ رہی تھیں۔''

''غصے میں کتنے اچھے لگتے ہو۔'' وہ میرے چہرے کے سامنے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی نچاتے ہوئے بولی ''گال تمتمانے لگتے ہیں۔ پھنگی سرخ ہو جاتی ہے۔ آنکھیں ماتھے پر چڑھنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اچھی بھلی صورت بگڑ کر کارٹون بننے لگتی ہے۔''

''ویرا! بعض اوقات تم بہت زچ کر دیتی ہو۔ کسی دن میں مار مار کر تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا۔'' میں نے غصے اور بے بسی سے کہا۔

''کسی دن کا انتظار کیوں کر رہے ہو۔ یہ نیک کام ابھی کیوں شروع نہیں کر دیتے۔'' اس نے ایک نشیلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''اوہ خدایا! کتنا مزہ آئے گا۔ تم مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ گے۔ میں بھی آسانی سے دبنے والی نہیں ہوں۔ میں ترکی بہ ترکی جواب دوں گی، ہاتھا پائی ہوگی پھر ہم دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں گے پھر تم مجھے گرا لو گے اور میرے اوپر چڑھ کر بیٹھ جاؤ گے۔ میرے لیے یہ سب کتنا سنسنی خیز اور ہیجان انگیز ہوگا، تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آؤ! اس وقت میدان صاف ہے۔ کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ دونوں نوکر دخل دینے کی ہمت نہیں کریں گے۔ یہ سمجھ کر سہمے رہیں گے کہ ہم دونوں آپس میں لڑ رہے ہیں۔ زندگی کا مزہ آ جائے گا۔''

''اس وقت تمہاری ذہنی رو بہکی ہوئی ہے۔ تم بات کرنے کے قابل نہیں رہی ہو۔''

ویرا ہنس پڑی ''اور مجھے تم پر رحم آ رہا ہے۔ ایک بات کہہ رہے ہو اور اس سے پھر رہے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کیا چاہ رہے ہو۔''

اس وقت کی تنہائی سے ویرا کو شہ مل رہی تھی۔ اس کے تیور بالکل ہی بدلے ہوئے تھے۔ میں نے اس کے منہ لگنا مناسب نہ سمجھا اور شکست خوردہ انداز میں سر جھکا کر دوبارہ اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔

''اب کسی اداس بیوہ کی طرح منہ لٹکا کر نہ بیٹھو۔'' چند ثانیوں تک دلچسپی سے میرا جائزہ لینے کے بعد وہ پرسکون آواز میں بولی ''سوبھراج کا سراغ لگانا ہے تو اس سے سیٹ لائٹ فون پر رابطہ کیوں نہیں کر لیتے!''

اس کی زبان سے وہ تجویز سن کر میں اچھل پڑا۔ وہ بالکل سامنے کی اور آسان سی بات تھی۔ میں نے اچھل کر زقند لگائی اور ویرا کے لب و رخسار پر بوسوں کی بھرمار کر دی۔

کبھی کبھی وہ کفن پھاڑ کر بولتی تھی اور اپنی زبان کی ذرا سی جنبش سے کوئی مشکل گتھی نہایت آسانی سے سلجھا دیتی تھی۔

''تم درندے ہو۔'' چند ثانیوں بعد وہ اپنا داہنا رخسار سہلاتے ہوئے شوخی سے کہہ رہی تھی ''تمہارے دانت بہت تیز ہو گئے ہیں۔ غزالہ آئے گی تو یہ نشان اس کی عقابی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکیں گے۔ وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی۔''

''یہ تمہاری شاندار تجویز کی بے ساختہ داد تھی۔ میری اس حرکت سے کسی ناروا خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا۔''

''تو میں غزالہ کو بتا دوں کہ تم اب مجھے زبان کے بجائے لب و دنداں سے داد دینے لگے ہو!'' وہ ایک قہقہہ لگا کر بولی۔

''شرافت سے اپنے کمرے میں جاؤ اور ہلکا سا میک اپ کر لو۔ سب نشان چھپ جائیں گے۔'' میں نے غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا اور فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''ایک منٹ ٹھہرو، میں کمرے سے ہو کر آتی ہوں۔ ابھی سوبھراج سے بات نہ کرنا۔'' وہ یہ کہتی ہوئی تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

میں نے وقت گزارنے کے لیے سگریٹ سلگا لی۔

میں نے دل ہی دل میں تجزیہ کیا تو پوری نیک نیتی کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچا کہ میرا دل بھی کسی نہ کسی حد تک ویرا کی طرف مائل رہتا تھا۔ وہ جارحانہ مزاج کی مالک تھی اور ہمیشہ پیش قدمی اختیار کرتی تھی اس لیے میں نے رفتہ رفتہ گریز کا رویہ اختیار کر لیا تھا۔

میں جانتا تھا کہ میں اس کی انا کو مجروح کیے بغیر، اس سے کتنا ہی گریز اختیار کروں، وہ اپنے جذبوں کے اظہار سے کبھی باز نہیں آئے گی۔ سچ بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایسی اچانک چھڑپوں سے مجھے ایک عجیب سی تسکین ملتی تھی۔

وہ میرے لیے حلق کی ہڈی بنی ہوئی تھی۔ اگل سکتا تھا نہ نگل سکتا تھا۔ اسے دھتکارنا میرے دل اور ضمیر کو گوارا نہیں تھا، غزالہ کے ہوتے ہوئے اس سبک اندام مہ وش کو اپنانا محال تھا۔ وہ اس رمز کو سمجھتی تھی اس لیے جس حال میں تھی خوش تھی۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ دوسروں کی موجودگی میں محتاط رہتی تھی۔ تخلیہ میسر ہوتا تو وہ میرے سر چڑھ کر ناز و نخرے دکھاتی تھی۔ میرے نیم حوصلہ افزا رویے سے اس نے کبھی ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ اپنے کمرے سے ہلکا سا میک اپ کر کے واپس نمودار ہوئی تو شعلۂ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ بلش کی ہلکی سی تہ سے اس کے چہرے کی جلد مخمل کی طرح ہموار ہوگئی تھی۔ کہیں کوئی نشان نظر نہیں آرہا تھا۔

''اجازت ہو تو اب سوبھراج کو دیکھ لوں!'' میں نے اس کے چہرے کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے پرمزاح انداز میں پوچھا۔

''سیٹ لائٹ فون شاید اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو اپنی کال خود ہی ریسیو کرے گا۔''

میں نے نمبر ملایا۔ ایک ریڈیائی گونج کے ساتھ رابطہ قائم ہوا اور دوسری طرف گھنٹی بجنے لگی۔ اس دوران میں ویرا اپنے لیے سگریٹ سلگا چکی تھی۔

وقت رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ یکے بعد دیگرے تین طویل گھنٹیاں بج چکی تھیں لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ شاید میرا شکار اپنی موت آپ مر چکا تھا۔

چوتھی گھنٹی شروع ہونے کے بعد میرے کان میں سوبھراج کی نقاہت زدہ ہیلو گونجی۔ لہجہ وہی تھا، انداز تحکمانہ تھا لیکن آواز بہت کمزور تھی۔

''مبارک ہو! تم خاصے دھوم دھڑکے کے ساتھ پاکستان واپس آئے ہو۔'' میں نے اس کی آواز پہچان کر خوشی سے کہا۔

خوشی اس کی واپسی کی نہیں تھی۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ میں نے ویرا کے مشورے پر عمل کر کے اپنے گمشدہ شکار کا سراغ لگا لیا تھا۔

''ڈینی!'' اس نے تعارف کے بغیر میری آواز پہچان لی اور بے ساختہ کہا ''تم نے میرے ساتھ دغا کی ہے۔ میرا مقدر یاوری نہ کرتا تو میں مارا گیا تھا۔''

''میں نے دغا کی ہے!'' میں نے تحیر زدہ آواز میں سوال کیا۔

''میں نے موٹر سائیکل پر آنے والے دونوں حملہ آوروں کو دیکھا تھا۔ تم نے چالاکی سے کام لیا اور کرائے کے ایسے آدمیوں کو میرے پیچھے لگایا جو دیکھنے میں امریکی معلوم ہو رہے تھے۔ تم مجھ سے پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ وہ لوگ آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ تم سمجھ رہے تھے کہ اس طرح سارا شبہ نک پر آئے گا۔ تم صاف بچے رہو گے لیکن میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ تم نے مجھ سے کھلی بدعہدی کی ہے۔''

میں نے بہت تحمل اور حیرت سے اس کی پوری بات سنی۔ جب وہ خاموش ہوا تو میں نے کہا ''یہ زہر کس نے اگلا ہے؟ وہ میرے آدمی نہیں تھے۔''

''تم مجھے اُلو نہیں بنا سکتے۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں نے تمہارے وعدے پر اعتبار کر لیا۔ تمہارے سوا یہاں میرا کوئی دشمن نہیں ہے۔''

''وہ سو فیصد امریکی کمانڈوز تھے، کرائے کے آدمی نہیں تھے۔''

''میں کیسے مان لوں! میں ان لوگوں کے لیے اہم کام کر رہا ہوں۔ وہ برسوں سے میرے مربی اور ساتھی رہے ہیں۔ انہیں یکایک مجھ سے کیا پرخاش ہوگئی کہ انہوں نے مجھے صفائی کا کوئی موقع دیے بغیر مروانے کا فیصلہ کر لیا۔''

''تم نک ہاروے سے بات کرو۔ تم کو اپنے اس سوال کا جواب مل جائے گا۔''

''میں اس سے بات کر چکا ہوں۔ امریکی چہرے پہچان لینے کے بعد میرا خیال اسی کی طرف گیا تھا۔ وہ اب بھی میرا دوست اور بہی خواہ ہے۔ اس نے مجھ سے شکایت نہیں کی۔ میرے ساتھ پیش آنے والے روح فرسا واقعے پر شروع سے آخر تک ہمدردی کا اظہار کرتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ مجھے کیوں مارنا چاہے گا۔''

''تو کیا اس نے تمہیں بتایا ہے کہ وہ آدمی میرے بھیجے ہوئے تھے؟''

''اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ وہ راست گو آدمی ہے۔'' سوبھراج نک کے گن گا رہا تھا۔ ''اس نے یہ ضرور کہا کہ وہ حملہ میرے کسی دشمن کی طرف سے کیا گیا تھا۔ کوبرا کا درمیانی کردار اس کے لیے بہت اہم ہے۔ اس کے کھو جانے سے اس کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اسے یہ جان کر

صدمہ ہوا تھا کہ سفید فام حملہ آوروں کی وجہ سے میں نے اس پر شبہ کیا تھا۔''
نک بہت شاطر آدمی تھا۔ اس نے بہت ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اپنے دامن کی سیاہی میرے چہرے پر تھوپنے کی کوشش کی تھی۔
نک کی معلومات کے مطابق میں یعنی ڈینی، کرنل داور کی قید میں تھا اس لیے اس نے میرا نام نہیں لیا تھا۔ سوبھراج کے سامنے اپنی پوزیشن کی وضاحت پر اکتفا کیا تھا۔ وہ لومڑی کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ چالاک تھا۔ اس نے سوبھراج کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کر کے اور کسی قسم کی کوئی شکایت نہ کر کے اسے باور کرا دیا تھا کہ وہ حملہ امریکی کیمپ کی طرف سے نہیں کیا گیا تھا۔
اس وقت سوبھراج کے سامنے اس کا سب سے سرگرم دشمن میں تھا۔ نک کی وضاحت قبول کر لینے کے بعد منطقی طور پر اس کا دھیان میری طرف جانا چاہیے تھا۔ اس نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا تھا کہ میں نے اسے دو دن کی مہلت دینے کے بجائے، وعدہ خلافی کرتے ہوئے، اس کی زندگی کا چراغ فوری طور پر گل کرنے کی کوشش کی تھی۔
چند لمحوں کے لیے میں چکرا کر رہ گیا۔ فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آ سکا کہ سوبھراج کی وہ سنگین غلط فہمی رفع کرنے کے لیے کس رخ سے بات کروں۔
''تم کو معلوم ہے کہ آج کل کراچی امریکیوں کے لیے مرگھٹ بنا ہوا ہے۔'' میں نے سنبھالا لے کر اپنی بات شروع کی ''یہاں کرائے کی بات دور ہے، اصل امریکی بھی بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ تم کو یہ سوچنا چاہیے کہ میں انہیں کہاں سے لاتا۔''
''مجھے یہ سوچنے کی ضرورت نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہاں تم میرے اکلوتے دشمن ہو۔ میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، اس میں صرف تمہارا ہاتھ ہو سکتا ہے۔'' اس کی آواز تلخ ہو گئی۔ ''اس وقت میرے سینے، شانے اور گردن پر زخم ہیں۔ ابھی میں ڈاکٹر کے مشورے سے آرام کر رہا ہوں صحت یاب ہوتے ہی تمہارا حساب بے باق کر دوں گا۔''
''تم کہاں ہو...... میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''
میرے کانوں میں اس کی زہریلی ہنسی کی آواز گونجی پھر وہ بولا ''تم راج محل کی دیواروں سے اپنا سر پھوڑتے رہو۔ کہیں تمہیں میرا سایہ نہیں مل سکے گا۔ علاج کے لیے میں نے روپوشی اختیار کر لی ہے۔ اب میں اسی وقت منظرِ عام پر آؤں گا جب فضا میں منڈلاتے ہوئے خطرات کے بادل چھٹ جائیں گے اور تمہارا صفایا ہو چکا ہوگا۔''
''نک پکا منافق ہے۔ وہ دیدہ دلیری سے جھوٹ بول رہا ہے۔'' میں نے اپنی تشویش کو چھپاتے ہوئے جواب دیا ''پجیرو والے حادثے کے بارے میں جو باتیں کل تک صرف مجھے معلوم تھیں اور پوری طرح صیغۂ راز میں تھیں۔ وہ پھیل رہی ہیں۔ پولیس کو سرگرمی سے میری کلارک کی تلاش ہے۔ جسے تمہاری پجیرو میں راج محل سے باہر لایا گیا تھا۔ میری طرح نک بھی یہ جان چکا ہے کہ میری کلارک کے بھیس میں ویرا راج محل میں گئی تھی۔ تم نے یہ خبر ان لوگوں سے چھپائے رکھی کہ تم نے ویرا کو پکڑ لیا ہے اور آخر کار وہ تمہارے قبضے سے نکل گئی۔ ان کے لیے ویرا بہت اہم تھی۔ تم نے اس کو پکڑ لینے کا قصہ چھپا کر ان سے غداری کی ہے۔''
''میں نے خود اس سے بات کی ہے۔ اس نے مجھ سے اس بارے میں کوئی شکوہ نہیں کیا۔''
''شکوہ کر کے وہ تمہیں ہوشیار کیسے کر دیتا۔ اس بار تم اپنی قسمت کی خوبی سے بچ گئے۔ اگلی بار وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ اپنے غداروں اور دشمنوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہیں۔ تم کو معاف نہیں کریں گے۔''
اس بار وہ بری طرح چونکا تھا ''یہ جملہ تمہارا نہیں ہے۔ کیا اس بارے میں نک سے تمہاری کوئی بات ہوئی تھی؟''
وہ بہت نازک سوال تھا۔ میں نے اسے گھمانے کے ارادے سے پوچھا ''تم کس فقرے کی بات کر رہے ہو؟''
''غداروں اور دشمنوں والی بات تم نے کہاں سنی تھی؟''
''نک ہاروے، ٹام پیٹرک اور ایڈی ہاک!'' میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے تینوں نام دہراتے ہوئے کہا ''یہ سب اس ملک کے دشمن ہیں۔ وہ اسی اصول پر کام کرتے ہیں۔ وہ ناکامیوں کو درگزر کر دیتے ہیں، غداری کو معاف نہیں کرتے۔ ویرا کو ان سے چھپا کر تم اسی جرم کے مرتکب ہوئے ہو۔''
''لیکن راج محل کے اندر کی بات اسے کیسے معلوم ہو سکتی تھی۔''
اس کی کم فہمی پر میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا ''وہ عالمگیر نیٹ ورک چلاتے ہیں۔ ہر بات سے باخبر رہنے کا فن جانتے ہیں۔ راج محل کے ملازموں میں ان کے مخبر بھی ہیں۔ وہ تم سے تنخواہ لیتے ہیں اور نک کے لیے کام کرتے ہیں۔ اس کا انہیں انعام ملتا ہے۔''
''یہ بھی ہو سکتا ہے لیکن میرا ذہن تمہاری کہانی کو قبول نہیں کر رہا۔ اپنی پوزیشن بچانے کے لیے تم نک کو لپیٹ رہے

ہو۔''

''مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب پھر اپنی بات دہرا رہا ہوں کہ آج سے دو دن کی گنتی شروع ہوگئی۔ پرسوں شام تک تمہارے تائب ہونے کے شواہد سامنے آنے شروع نہ ہوئے تو میں تمہارے خون کا پیاسا بن جاؤں گا۔''

''میرا ذہن ماؤف ہے مگر میرا یہ فیصلہ اٹل ہے کہ اب میں خطرات ٹلنے سے پہلے سامنے نہیں آؤں گا۔ مجھے اندازہ ہوتا کہ یہاں میرے خون کے پیاسے پھر رہے ہیں تو میں بنکاک سے ہرگز واپس نہ آتا۔''

''میرا خیال ہے تم آئے نہیں ہو، زبردستی بلائے گئے ہو۔'' اس بار مجھے برجستہ وہ بات سوجھ گئی اور میں نے بلا تامل کہہ ڈالی۔

''لیع...... یہ...... یہ تم کیسے کہہ رہے ہو؟''

میری زبان سے حقیقتِ حال کا اظہار سن کر وہ بوکھلا کر ہکلانے لگا تھا۔ شاید میرا وہ تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ میں نے کہا ''مجھ سے زیادہ سوالات مت کرو۔ میں سوال سننے کا عادی نہیں ہوں۔ تم یہ دیکھو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور اس میں کتنا وزن ہے۔''

''تم نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ میں یہاں بھی محفوظ نہیں ہوں۔'' اس کی آواز سے فکرمندی اور مایوسی کا اظہار ہو رہا تھا۔

''تم کہاں ہو؟'' میں نے نرمی سے سوال کیا۔

''میں ایک غلطی دہرانے کا قائل نہیں ہوں۔ میں نے نک کو بتا دیا ہے کہ میں کہاں ہوں۔ اگر وہی میرا چھپا ہوا دشمن ہے تو میں یہاں بھی محفوظ نہیں ہوں۔ اس کے آدمی کسی بھی وقت یہاں گھس سکتے ہیں۔''

''بہت اچھا کیا کہ تم نے یہ بات مجھے بتا دی۔ اب تمہارا دشمن آسانی سے تمہاری نظروں میں آ جائے گا اور تم میری طرف سے اپنا دل صاف کر لوگے۔''

''وہ کیسے؟''

سوبھراج کا وہ سوال بے ساختہ تھا۔ میں نے لمحہ بھر کے بعد کہنا شروع کیا ''تم خاموشی سے اپنا ٹھکانا بدل لو۔ نک اپنے آدمیوں کی ناکامی پر مشتعل ہوگا۔ اس وقت پورے شہر میں صرف وہ تمہارے موجودہ ٹھکانے سے باخبر ہے۔ وہ ناکامی کا ازالہ کرنے کے لیے تیزی سے دوبارہ وار کرے گا۔ جگہ بدل لینے کے بعد تم محفوظ رہوگے۔ ناکامی دوبارہ اس کے آدمیوں کا مقدر بنے گی۔ موجودہ ٹھکانے پر حملہ ہوتا ہے تو یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ نک ہی تمہارا دشمن ہے۔''

''تم ذہین ہو!'' سوبھراج کی آواز سپاٹ تھی ''زخموں سے زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے میرا ذہن پوری طرح ساتھ نہیں دے رہا۔ یہ ترکیب بہت آسان اور محفوظ ہے۔ اگر نک مجھے غدار سمجھ رہا ہے تو وہ آج کی رات ضائع نہیں کرے گا۔''

''یہ بات طے ہے کہ تم اس وقت راج محل میں نہیں ہو!'' میں نے تصدیق چاہی۔

''میرے اعصاب ضرور بکھرے ہیں مگر ابھی میں اتنا دیوانہ نہیں ہوا کہ راج محل میں جا کر اپنے دشمنوں کے کھلے نشانے پر بیٹھ جاتا تاکہ آؤ اور مجھے مار کر چلے جاؤ۔ اگر تم نے اپنے آدمی راج محل پر لگائے ہوئے ہیں تو انہیں واپس بلا لو۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا کہ میں اس وقت کہاں ہوں۔''

''سنیل بھی تمہارے ساتھ ہے؟'' میں نے روا روی میں پوچھا۔

''اچانک وہ تمہیں کیوں یاد آ گیا؟'' میرے سوال پر وہ بھڑک اٹھا۔

''مرسیڈیز سے صرف دو لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ سنیل ان میں شامل نہیں تھا۔''

''وہ بھی کہیں نہ کہیں زیرِ علاج ہے۔'' سوبھراج کا جواب مبہم تھا۔

''سنا ہے کہ تم اسے شہر سے باہر بھیج کر اس کی بیوی کو راج محل میں بلاتے رہے ہو اور کھتری ذات کی وہ عورت ایک برہمن کی ہوس کا کھلونا بننے میں فخر محسوس کرتی ہے۔''

''یہ بات تم نے کس سے سنی؟''

''پھر سوال کیا تم نے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں زیادہ سوال سننے کا عادی نہیں ہوں۔''

''میں کسی کی چوری نہیں کرتا۔ نیچ ذات کی عورتوں پر میرا حق بنتا ہے۔''

''یہ کس وید میں لکھا ہوا ہے؟''

''میں وید نہیں پڑھتا...... پنڈتوں پجاریوں سے یہی سنا ہے۔''

''سنیل کا بھی یہی حال ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی بیوی کو اپنے پہلو میں جگہ دے کر تم اس کی عزت افزائی کرتے ہو۔''

''یہ دھرم کی بات ہے۔ نیچ ذات کی عورتیں اونچی ذات کے پنڈتوں سے ملاپ کرتی ہیں تو ان کے درجے بلند ہوتے

ہیں۔ میں دھرم کے ساتھ دنیا داری کا خیال رکھتا ہوں۔ اسے انعام واکرام سے اتنا نوازتا ہوں کہ وہ خوش رہتا ہے۔''

''اور جب اونچی ذات کی کوئی عورت کسی نیچ مرد سے ملاپ کرے تو کیا ہوتا ہے؟ کیا مرد کے درجے بلند ہو جاتے ہیں!'' میں نے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔

''یہ کشٹ ہے، پاپ ہے۔ ایسی عورت کو جو سزا نہ دی جائے وہ کم ہے۔'' اس نے بے ساختہ جواب دیا پھر کہا ''یہ تم کیا گندی باتیں لے بیٹھے۔''

بات اونچی ذات کے ہندوؤں کی عیاشی کی ہو رہی تھی تو سوبھراج کو اپنے دھرم کی باریکیاں سوجھ رہی تھیں۔ وہی موضوع اعلیٰ ذات کی عورتوں کی آوارگی کی طرف منتقل ہوا تو سوبھراج کو ان باتوں میں یکایک گندگی نظر آنے لگی۔

اس وقت مجھے اس سے کوئی محاذ آرائی مقصود نہیں تھی اس لیے میں نے بات آگے بڑھانے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی ورنہ یہ آج بھی ایک حقیقت ہے ذات پات کا کڑا ترجیحی نظام ہر روشن خیال ہندو کے لیے شرمندگی اور ندامت کا سبب بنتا ہے۔

''تم سے کل بات کی جائے تو تم زیادہ بہتر پوزیشن میں ہو گے!'' میں نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد نرمی سے کہا۔

''مشکل یہ ہے کہ میرے پاس تم سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے ورنہ میں اپنی سہولت کے مطابق تم سے بات کر لیتا۔ شاید کل بھی میری مرہم پٹی میں کافی وقت لگے گا۔ تم نے ڈریسنگ کے وقت فون کیا تو میں تم سے بات نہیں کر سکوں گا۔''

''ایسا ہو تو جواب ضرور دے دینا۔ میں دوبارہ فون کر لوں گا۔''

سوبھراج سے بات ختم ہو جانے کے بعد ویرا مجھے آنکھ مارتے ہوئے بولی ''پانی ہمیشہ نشیب کی طرف جاتا ہے۔ اسی طرح بوکھلایا ہوا مرد اپنی محبوبہ کی طرف جاتا ہے۔''

''آج تمہارے ذہن پر یہی سب خرافات سوار ہیں۔'' میں نے ترشی سے کہا ''کچھ دیر کے لیے خاموش بیٹھی رہو۔ مجھے کچھ ضروری کام نمٹانے دو۔''

میں نے سب سے پہلے جلال کو تازہ ترین خبر سے آگاہ کیا۔ وہ راج محل کے طواف میں کئی گھنٹے برباد کر چکا تھا۔ اسے یہ سن کر مایوسی ہوئی کہ سوبھراج نے زخمی ہونے کے بعد اپنے گھر کا رخ نہیں کیا تھا بلکہ کہیں اور پناہ لی تھی۔

بہرحال اسے اس بات کی خوشی تھی کہ اس کا مزید وقت برباد ہونے سے بچ گیا تھا۔ وہ اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ مسلسل راج محل کی نگرانی میں الجھا ہوا تھا۔

اس نے چند کاموں سے نمٹ کر ہماری طرف آنے کا وعدہ کیا اور بات ختم ہو گئی۔

جلال کو بریف کرنے کے بعد میں نے اول خان سے رابطہ کیا اور اسے بتایا کہ سوبھراج سے میری بات ہو جانے کے بعد کسی کو راج محل کی طرف بھیجنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

وہ اس وقت اپنے شناسا اخباری نمائندے کے ساتھ ملاقات میں مصروف تھا۔ اول خان کی زبانی وہ اطلاع پا کر میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اخبارات میں سوبھراج کے کرتوتوں کی تشہیر کا معاملہ ایک دو روز کے لیے موخر کر دوں لیکن پھر ارادہ ترک کر دیا۔

سوبھراج کے ساتھ تصادم ناگزیر ہو چکا تھا۔ وہ پاکستان میں موجود تھا۔ آثار یہ بتا رہے تھے کہ فوری طور پر قانون اس کے خلاف حرکت میں نہیں آسکے گا۔ اس کی سرکوبی کے لیے جو کچھ کرنا تھا، ہم کو اپنے طور پر کرنا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ اب تم اپنے ضروری کاموں سے نمٹ گئے ہو۔'' دوسری کال ختم ہونے کے بعد ویرا نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا۔

''اگر تم کوئی معقول بات کرنا چاہتی ہو تو میں سننے کے لیے تیار ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں نے تم سے ایک سوال کیا تھا۔ اس کا جواب تم پر قرض ہے۔''

''آفت زدہ مرد اپنی محبوبہ کو گولی مار کر نشیب میں کھڑے ہوئے پانی میں ڈوب کر خودکشی بھی کر سکتا ہے۔ اس کے رویے کا انحصار اس بات پر ہے کہ محبوبہ کیسی ہے اور اس کی عمر کیا ہے۔'' میں نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

''تم خوامخواہ پیچ وتاب کھا رہے ہو۔ میں کام کی بات کر رہی ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''فرض کرو کہ مرد سوبھراج ہو اور سنیل کی بیوی اس کی محبوبہ یا رکھیل ہو تو کیا ہو گا۔''

''اوہ!'' میں چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا ''کیا تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ سوبھراج نے سنیل کے گھر پر پناہ لی ہوئی ہے!''

''چاہ نہیں رہی بلکہ میں یہی کہہ رہی ہوں۔ اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ تمہاری زبان سے سنیل کا نام سن کر وہ بری طرح چونکا تھا۔''

''ہاں۔ مجھے یاد ہے وہ بری طرح چونکا تھا۔'' میں نے کہا ''لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ وہ اپنی جان کے بدترین خوف میں مبتلا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے میرے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اب تک وہ ٹھکانا چھوڑ دیا ہو۔''

''ہمیں اس سے کچھ نہیں لینا۔اسے نک کا امتحان لینے دو تا کہ اسے یقین ہو جائے کہ اس پر قاتلانہ حملہ کرنے والے تم نہیں تھے۔''

''پھر اس ساری بحث کا کیا فائدہ؟'' میں نے اسے گھور کر پوچھا۔

''امریکی کیمپ کو آج کل ہماری طرف سے بہت زیادہ ڈھیل ملی ہوئی ہے۔اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کیوں نہ ان کو تھوڑا سا رگید دیا جائے۔'' ویرا نے تجویز پیش کی۔

''خیال برا نہیں ہے۔'' میں نے اس کی تائید کی۔

''انتہائی برا بلکہ بالکل واہیات ہے۔'' باہر راہداری میں سے سلطان شاہ کی آواز آئی اور ویرا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

چند ثانیوں کے بعد وہ غزالہ کے پیچھے پیچھے آ گیا۔

''تم میری کس بات کو واہیات کہہ رہے تھے؟'' ویرا نے اس سے پوچھا۔

''وہی جو تم کہہ رہی تھیں۔'' سلطان شاہ نے پیر پر پیر رکھ کر بے نیازی سے کہا۔

''میں یہی پوچھ رہی ہوں کہ تم نے میری زبان سے کیا سن کر اپنی قیمتی رائے صادر کی تھی۔''

''پتا نہیں۔ میں فضول باتیں زیادہ دیر تک یاد نہیں رکھتا۔''

''ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ وہ لوگ اس ٹھکانے پر آئیں گے اور اپنے مطلوب آدمی کی تلاش میں ناکام ہو کر واپس لوٹ جائیں گے۔'' ویرا نے اسے یکسر نظر انداز کر کے مجھ سے کہنا شروع کر دیا۔''مگر ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ہم پہلے سے وہاں چھپ کر تماشا دیکھتے رہیں گے۔وہ لوٹیں گے تو ہم یکا یک ان پر حملہ کر دیں گے۔ان میں سے ایک آدھ مر بھی جائے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ہماری کوشش ہو گی کہ کسی کو زندہ پکڑ لیں......''

سلطان شاہ سے صبر نہ ہو سکا۔اس نے بے تابی سے ویرا کی بات کاٹ کر کہا''یہ تم معمے میں کن لوگوں کی بات کر رہی ہو، مطلوب آدمی کون ہے۔یہ اشارے کنایے میرے سر پر سے گزر رہے ہیں۔ان کا سر پیر کیا ہے۔''

''وہ تمہارے لیے نہیں ہیں۔ڈینی سمجھ رہا ہے کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔تمہارے لیے یہ سب واہیات باتیں ہیں۔ان پر اپنا ننھا سا سر نہ کھپاؤ۔''

''ارے، ہائیں!'' سلطان شاہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا''تم دونوں اتنے بڑے گھر میں اکیلے بیٹھے ہوئے ہو۔یہ اول خان کہاں چلا گیا۔

''نچلے بیٹھے رہو۔زیادہ چرب زبانی دکھانے کی کوشش نہ کرو۔وہ دو منٹ پہلے اٹھ کر ایک ضروری کام سے گیا ہے۔'' ویرا غرائی۔

''اسے وہ کام تم ہی نے سمجھایا ہو گا۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''تمہیں اول خان کیوں یاد آ رہا ہے۔اس کے ہونے یا جانے سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' غزالہ نے ہنستے ہوئے سلطان شاہ کو مزید اکسانے کی کوشش کی۔

''یہاں کی فضا صاف نہیں ہے۔'' سلطان شاہ نے ایک بہت گہرا سانس لے کر کہا''نامحرم مرد اور عورت کو تنہائی میسر ہو تو ان کے درمیان شیطان ضرور کود پڑتا ہے اور پھر یہاں تو عورت بھی ویرا خانم ہے۔تم دیکھ نہیں رہیں کہ یہ بلی کی طرح بناؤ سنگھار کر کے بیٹھی ہوئی ہے۔''

''ارے ہاں.....'' غزالہ اسی بے پروایانہ ہنسی کے ساتھ ویرا کی طرف متوجہ ہو گئی''آج تمہیں میک اپ کرنے کا خیال کیسے آ گیا؟''

''کبھی کبھی آ ہی جاتا ہے.....'' ویرا نے ہلکی سی خفت کے ساتھ بات شروع کی اور میں نے اس کی شرمندگی کا اندازہ کرتے ہی بات درمیان سے اچک لی۔

''تم دونوں نے آتے ہی موڈ برباد کر دیا۔اس وقت ہم سوبھراج کے بارے میں سوچ رہے تھے۔''

''کچھ پتا چلا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا۔'' سوبھراج کا نام سنتے ہی سلطان شان اپنی چوکڑی بھول کر راہِ راست پر آ گیا۔

''سیٹ لائٹ فون پر ڈینی نے اس سے بات کی ہے۔'' ویرا نے مجھ سے پہلے بولنا شروع کر دیا اور پھر ایک ہی سانس میں انہیں سب کچھ بتاتی چلی گئی۔

''تمہارا نظریہ بہت جاندار ہے۔'' غزالہ نے پوری بات سن کر ویرا کی تائید کی''سوبھراج کے سنیل کے گھر پر پائے جانے کے امکانات بہت قوی ہیں۔''

''سنیل بھی وہیں ہو گا۔'' سلطان شاہ نے رائے زنی کی۔

''اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' میں نے حقارت سے کہا''وہ ایک بے غیرت شوہر ہے۔سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے انجان بنا ہوا ہے۔وہ اپنی بیوی کے ساتھ مل کر اپنے ولی نعمت کی خدمت کر رہا ہو گا۔''

''اس وقت وہ کیا خدمت کرے گا۔وہ خود زخموں سے

چور ہوگا۔'' غزالہ بولی۔

''اس عورت کے لیے یہ بڑا کڑا امتحان ہوگا۔'' ویرا نے کہا ''ایک بستر پر اس کا محبوب پڑا ہے اور دوسرے پر شوہر۔ دونوں زخموں سے بے حال ہیں۔ وہ کسے دیکھے گی؟''

''وہ سوبھراج کو دیکھے گی۔'' سلطان شاہ کے پاس جواب تیار تھا۔

''کیوں؟''

''وہ عورت ہے۔ اس سے وفا کی امید ہی نہیں کی جا سکتی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آم کے پیڑ میں پپیتا آنے کی توقع کی جائے۔'' سلطان شاہ نے سنجیدگی سے ایک انوکھی مثال پیش کر دی۔

''یہ تم پر چوٹ ہے۔'' ویرا نے غزالہ کو ورغلایا ''تم بھی ایک عورت ہو۔''

''میں نے یہ بات سب عورتوں کے لیے نہیں کہی۔'' سلطان شاہ نے بوکھلا کر اپنی بات کی تصحیح کی۔ ''ویسے تو تم بھی عورت ہو لیکن اتنی بے وفا نہیں ہو۔''

''بلاوجہ مکھن لگانے کی کوشش نہ کرو۔ وفا مجھے چھو کر بھی نہیں گزری۔'' ویرا کے لیے اس کی رائے سے متفق ہونا ناممکن تھا۔ وہ کہہ رہی تھی ''میرے مزاج میں وفا ہوتی تو اپنے وطن کو چھوڑ کر پاکستان آتی اور نہ یہاں اپنے ہم وطنوں سے لڑ رہی ہوتی۔''

ان کے درمیان نوک جھوک کا سلسلہ چل پڑا۔ میں نے ان سب سے لاتعلقی اختیار کر کے اپنی آنکھیں موندلیں اور سنیل کے گھر کے بارے میں ویرا کی تجویز پر غور کرنا شروع کر دیا۔

جلالی آیا تو شام کا اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ روشنیاں جلا دی گئی تھیں۔ اس سے ملتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ مضمحل اور بددل سا ہو رہا تھا۔

''کمال ہے کہ کسی کو بھی پہلے اس کے سیٹ لائٹ فون کا خیال نہیں آیا۔'' اس نے ہمارے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا ''راج محل کے پیچھے میرا بہت سارا وقت برباد ہونے سے بچ جاتا۔''

''پہلے فون کیا جاتا تو شاید جواب ہی نہ ملتا اور ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ جاتے ہیں۔ میں نے جواب دیا ''اس وقت بھی اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سخت تکلیف اور اذیت میں مبتلا ہے۔ اس نے صرف زخموں کا ذکر کیا ہے لیکن مجھے شبہ ہے کہ گولیوں سے اس کی کوئی ہڈی بھی ٹوٹی ہے۔''

''مجھے تسلی ہے کہ وہ پاکستان ہی میں ہے۔ اس کے غائب ہونے سے میں شدید ذہنی پراگندگی کا شکار ہو گیا تھا۔''

''میں بھی اس خلجان سے گزر تا رہا ہوں۔'' میں نے ہنس کر کہا ''اس الجھن میں تم اکیلے نہیں تھے۔ سب کو پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔ تم نے وہاں کافی وقت گزارا ہے۔ یہ سناؤ کہ حادثے کے بعد راج محل کے کیا حالات ہیں۔''

''اس پرشکوہ عمارت کے درو دیوار سے اداسی ٹپک رہی ہے۔ پھاٹک اور دروازہ مسلسل بند ہے حد یہ ہے کہ اندر سے چڑیا کا کوئی بچہ بھی باہر نہیں نکلا۔ یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے سارے ملازمین اندر قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے ہوں۔''

''میرا وہاں فون کرنے کا ارادہ تھا۔ میں سوبھراج سے ملاقات کے بہانے سے وہاں جانا چاہتا تھا۔ میں نے ائر پورٹ پر سنیل کو بتا دیا تھا کہ میں شام کو راج محل آؤں گا لیکن تمہارے تجربے کی روشنی میں، میں نے وہ ارادہ ملتوی کر دیا۔''

''اب یہ پتا چل چکا ہے کہ سوبھراج اور سنیل وہاں نہیں ہیں پھر بھی میری رائے ہے کہ ہم میں سے کسی نہ کسی کو وہاں جانا چاہیے۔ پتا چلنا چاہیے کہ وہ سب اندر محصور ہو کر کیا کر رہے ہیں۔''

''آج کا وقت گزر گیا۔'' میں نے وال کلاک پر نظر ڈال کر کہا ''کل سوبھراج سے بات کرنے کے بعد میں ہی کرنل داور بن کر وہاں جاؤں گا۔''

''تم اس وقت بھی کوشش کر سکتے ہو۔ ابھی رات زیادہ نہیں ڈھلی!''

''سوبھراج راج محل سے رابطے میں ہوگا۔ اسے کرنل داور کی آمد کی خبر ملی تو وہ الجھ جائے گا۔ آج کی رات اسے یک سو ہو کر یہ اطمینان کر لینے دو کہ ڈینی نہیں بلکہ نک اس کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔''

''اس قاتلانہ حملے کی ناکامی نے سب کچھ چوپٹ کر کے رکھ دیا۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر مایوسانہ لہجے میں بولا۔

''اسلام آباد میں کیا ہو رہا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ میں اسی جمود پر کڑھ رہا ہوں۔ وہاں بیٹھے ہوئے بوجھ بجھکڑ نہ جانے کس وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ سب اس کے سیاسی مرتبے سے مرعوب بلکہ خائف نظر آ رہے ہیں۔''

''تم نے ہر ایک کو اپنا ہم نوا بنا لیا تھا پھر یہ تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔''

''میرا ڈائریکٹر، پاکستان کا صدر یا وزیراعظم اس کے وارنٹ پر دستخط نہیں کرے گا۔ یہ کام کسی متعلقہ مجسٹریٹ کو کرنا

ہے۔ وہ ڈرے ہوئے ہیں۔ بازی الٹ گئی تو کسی کا کچھ نہیں بگڑے گا، دستخط کرنے والا عتاب میں آ جائے گا۔‘‘

میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ ان مجبوریوں کا تفصیلی ذکر پہلے بھی کر چکا تھا۔ آثار یہ بتا رہے تھے کہ ڈھول بیٹھنے سے پہلے اسلام آباد والے ٹس سے مس نہیں ہوں گے۔

’’کل حالات ایک نئی کروٹ لیں گے۔ اول خان کو میں نے مشن پر لگا دیا ہے۔ کل کے کم از کم ایک بڑے اخبار میں سوبھراج کی پوری رام کہانی آ جائے گی۔‘‘

’’تم نے یہ کام لاجواب کیا ہے۔‘‘ وہ خبر سن کر جلال اچھل پڑا ’’راستے میں، میں یہی سوچ رہا تھا کہ سوبھراج کا سحر توڑنے کے لیے اخبارات وغیرہ موثر ثابت ہوں گے۔ ابھی تک اس کے خلاف جو فضا بنی ہے اس میں بعض اخباروں کا اہم کردار رہا ہے۔‘‘

’’اس سے بوجھ بجھکڑوں کا خوف بھی دور ہوگا لیکن اس کے بعد شاید ان کی مدد کی ضرورت باقی نہ رہے۔ ہم اپنے طور پر اسے مار لیں گے۔‘‘

’’تم ہمیشہ بہت آگے کی بات سوچتے ہو۔ اخبار والے چاہیں تو ذرا سی دیر میں کسی کی مٹی پلید کر سکتے ہیں۔ سوبھراج کا کیس ان کے لیے جان دار ثابت ہوگا۔‘‘

’’آج رات نک کے آدمیوں سے چھیڑ چھاڑ کا ارادہ ہے۔‘‘ میں نے اسے بتایا۔

’’تم گھر بیٹھے یہ سب کر رہے ہو۔ سوبھراج کا کھوج نکال لیا، اول خان کو اخبار والوں کی طرف روانہ کر دیا، اب اس مکار کے آدمیوں سے چھیڑ چھاڑ کی خبر سنا رہے ہو اور میں دن بھر سولجر بازار کی خاک چھاننے کے بعد بے نیل و مرام واپس لوٹا ہوں۔ وہ لوگ تمہیں کہاں ٹکرا سکتے ہیں۔‘‘

’’ویرا کا خیال ہے اور میں اس سے متفق ہوں کہ سوبھراج نے سنیل کے گھر میں پناہ لی ہے۔‘‘ میں نے بات شروع کی اور پھر اسے پورے منصوبے آگاہ کر دیا۔

فون پر اس سے تفصیلی گفتگو نہیں ہو سکی تھی۔ بعض باتیں اس کے لیے نئی تھیں۔ اس نے سوبھراج اور نک کے درمیان ہونے والی پرفریب باتیں بہت دھیان سے سنیں اور اس بات کا قائل ہو گیا کہ نک نے بہت عیاری کے ساتھ اپنا گناہ میرے سر ڈال کر سوبھراج کو اپنی معصومیت کا یقین دلا دیا تھا۔ مزید طرہ یہ تھا کہ سوبھراج نے اپنے اس جانی دشمن کو اپنا ہمدرد اور ہمنوا سمجھ کر اسے اپنی پناہ گاہ کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔

’’تم نے اس کی چالاکیوں کا زبردست توڑ کیا ہے۔‘‘ پے در پے متعدد سوالات کرنے کے بعد اس نے طمانیت کے ساتھ کیا ’’وہ سوبھراج پر ضرور دوسرا وار کرے گا۔ آج کی رات دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔‘‘

’’نک نے دوبارہ مجھے فون نہیں کیا۔ میں نے اس سے ادھوری بات کی تھی۔ یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کے آدمیوں کا وار ناکام رہا ہے اور سوبھراج زندہ بچ گیا ہے۔ جب اسے یہ خبر ملی ہوگی تو میری پوری بات اس کی سمجھ میں آ گئی ہوگی اور اس کے فرشتے کوچ کر گئے ہوں گے۔‘‘

’’اس کا اصل ہدف ڈیٹی ہے۔ اسے دوبارہ تم کو فون کرنا چاہیے تھا۔‘‘

’’یہ ٹائمنگ کی بات نظر آتی ہے۔‘‘ میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ’’نک نے مجھے فون کیا تو اس وقت تک سوبھراج نے اس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ بعد میں فون پر ان دونوں کی بات ہوئی اور نک کو اس کے نئے ٹھکانے کا سراغ مل گیا۔ اب وہ سوبھراج پر دوسرا وار کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہوگا۔ وہ مجھے دوبارہ اس وقت فون کرنا چاہ رہا ہوگا جب اس کے دوسرے وار کے نتیجے میں سوبھراج کا کام تمام ہو چکا ہو۔‘‘

’’بات سمجھ میں آنے والی ہے۔‘‘ ویرا نے پہلی بار زبان کھولی ’’اس طرح وہ اپنی پہلی گفتگو میں ہونے والی خفت کا ازالہ کرنا چاہتا ہوگا۔ پہلی بار وہ اپنے آدمیوں کے حملے کے نتائج سے بے خبر تھا۔ اب وہ اپنی دانست میں یہ جتانا چاہتا ہوگا کہ پہلی ناکامی کے صرف چند گھنٹوں بعد اس نے اپنے غدار کو جہنم واصل کر دیا۔‘‘

’’اس کی طویل خاموشی کا یہی سبب ہو سکتا ہے۔‘‘ جلال نے اعتراف کیا ’’اس وقت وہ پوری طرح نئے پلان پر کام کر رہا ہوگا۔ جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ سوبھراج وہ ٹھکانا چھوڑ چکا ہے تو یہ ناکامی اس کا دماغ الٹ دے گی۔‘‘

’’سوبھراج اب ہر طرف سے اپنے دشمنوں میں گھر گیا ہے۔‘‘ میں نے کہا ’’صرف را والوں کے دلوں میں اس کے لیے ہمدردی کا جذبہ ہوگا لیکن سیتا اور گوپال کے بعد اب یہاں ان کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ سوبھراج کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔‘‘

’’رات کے لیے تم نے کیا سوچا ہے۔‘‘ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد جلال نے پوچھا۔

’’یہ کوئی بڑا مقابلہ نہیں ہوگا۔ ایک یا زیادہ سے زیادہ دو آدمی سنیل کے گھر پہنچ سکتے ہیں۔ ان سے نمٹنے کے لیے دو آدمی کافی ہوں گے۔‘‘ میں نے اسے بتایا ’’میں اپنے ساتھ سلطان شاہ کو بھی لے جا سکتا ہوں مگر اول خان سے مشورہ

ضرور کروں گا۔ اس نے چلنا چاہا تو پھر سلطان شاہ گھر پر رہے گا۔''

''تمہارے یہ اندازے درست نکلے تو پھر خوں ریزی بھی ہوگی۔'' جلال بولا۔

''ان میں سے کوئی زندہ ہاتھ نہ آیا تو میں بے دریغ گولی ماردوں گا لیکن تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ کوئی مقدس گائے ماری گئی تو اس کا عذاب تمہارے سر نہیں آئے گا۔ وہ پولیس کیس بنے گا۔ سنیل کے گھر والے یا گھر والی بتائے گی کہ مارا یا پکڑا جانے والا سوبھراج کی تلاش میں اس کے گھر میں گھسا تھا۔ ان پیش بندیوں کے لیے اول خان سے مشورے کی ضرورت ہے۔''

''یہ پولیس کیس ہی بننا چاہیے۔ نک براہِ راست لوگوں سے کام نہیں لیتا۔ تمہاری فراہم کی ہوئی اطلاعات کے مطابق ان کی فیلڈ فورس کوبرا کے اشاروں پر کام کرتی ہے۔ سوبھراج کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد کوبرا والی کڑی ٹوٹ گئی ہے۔ نک کے پاس افرادی قوت کا شدید بحران آچکا ہوگا۔ وہ اس کام کے لیے گوروں پر ہی انحصار کرے گا۔''

''مجھے یہ اندازہ ہو چکا ہے۔'' میں نے جلال کے تجزیے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''یہ بحران نہ ہوتا تو صبح کے حملے میں امریکی کمانڈوز استعمال نہ کیے جاتے۔''

''یہ لوگ کس قدر سفاک ہیں۔'' غزالہ جھرجھری لے کر بولی ''اپنا نیٹ ورک ٹوٹنے کی پروا کیے بغیر سوبھراج کو جلد از جلد پیوند زمین کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔''

''شاید وہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے اسے کچھ ڈھیل دے دیتے۔ تمہارے شوہر نامدار کی وجہ سے وہ سوبھراج کو جلد از جلد ٹھکانے لگانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔''

''کیوں؟ ان کے اس فیصلے کا ڈینی سے کیا تعلق ہے؟'' ویرا نے پوچھا۔

''انہیں معلوم ہے کہ ڈینی اور کرنل داور، دونوں سوبھراج کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ڈینی قید میں ہے لیکن کرنل داور آزاد اور پوری طرح فعال ہے۔ انہیں ڈر ہے کہ سوبھراج زندہ رہا اور کرنل داور کے ہاتھ آگیا تو پھر وہ اپنا کھایا پیا تک اگلنے پر مجبور ہو جائے گا۔ نہ جانے وہ ان کے کن کن رازوں کا امین ہے۔''

''یوں کہو کہ وہ اپنے رازوں کی حفاظت کی طرف سے فکر مند ہیں۔ انہیں ڈینی کا نہیں کرنل داور کا خوف ستا رہا ہے۔'' ویرا بولی۔

''ان کے لیے یہ دونوں الگ الگ نام ہو سکتے ہیں۔ ہمارے لیے دونوں ڈینی ہیں۔'' جلال نے مسکراتے ہوئے ویرا کی تصحیح کی پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو گیا ''سنیل کے گھر پر تم ان کو گھیرنا چاہ رہے ہو تو پھر تم کو نکلنا چاہیے۔''

''میں تیار ہوں۔ مجھے اول خان کی آمد کا انتظار ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس کے انتظار میں تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں ہو کر لوٹ جائیں اور تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ۔''

''تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ایسے کاموں کے لیے رات گہری ہونے کا انتظار کیا جاتا ہے تاکہ ہر طرف ویرانی کا راج ہو اور کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہ ہو۔ ویسے بھی وہ سفید فام ہوں گے تو بلاوجہ ہر شخص کی توجہ کا مرکز بنیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ رات کے دو ڈھائی بجے سے پہلے سنیل کے گھر کا رخ نہیں کریں گے۔''

''یہ ویرا کا اندازہ ہے کہ سوبھراج نے سنیل کے گھر پر پناہ لی ہوگی۔ اگر وہ وہاں نہ رہا ہو تو پھر کیا ہوگا؟'' سلطان شاہ نے اچانک سوال داغ دیا۔

''کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اس چکر میں جلال کا دن برباد ہوا ہے، ہماری رات کالی ہوگی اور ہم منہ اندھیرے واپس آکر سو جائیں گے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا تمہیں سنیل کے گھر کا پتا معلوم ہے؟'' جلال نے مجھ سے پوچھا۔ وہ سوال کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''مشہور لوگوں کے حاشیہ بردار بھی اپنے ولی نعمت کی طرح مشہور ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کا پتا معلوم کرنے میں دشواری پیش نہیں آئے گی۔''

''مجھے معلوم تھا کہ تمہارا یہی جواب ہوگا۔'' جلال بے ساختہ ہنستے ہوئے بولا ''بعض امور کے بارے میں تمہارا تجربہ اور مشاہدہ قابلِ رشک ہے۔ تمہاری یہ بات سو فیصد درست ہے کہ وہ لوگ گہری رات کے سناٹے میں سنیل کے گھر کا رخ کریں گے۔ کوئی ان کا راستہ روکے گا اور نہ ان کو پہچان لیے جانے کا خوف ہوگا۔''

''آپس کی تعریفوں پر خوش ہونے کے بجائے اول خان کو کم از کم فون ہی کر دو۔'' ویرا نے مجھے سنجیدگی سے مشورہ دیا ''وہ کسی کو سنیل کے گھر کا سراغ لگانے پر مامور کر دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ سوبھراج کے وہاں ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بھی پتا چل جائے۔''

ویرا کا وہ مشورہ بہت معقول تھا۔ میں نے فوری طور پر

اس پر عمل کر ڈالا۔ اول خان اپنے صحافی دوست سے ملاقات کے بعد ہماری طرف آ رہا تھا۔ راستے میں اس سے میری بات ہوئی اور اس نے آسانی سے وہ ذمے داری قبول کر لی۔

''کام ہو جائے گا لیکن تم کو اچانک سنیل کا گھر کیوں یاد آ گیا!'' اس نے میری پوری بات سن لینے کے بعد اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

''سوبھراج اپنے گھر میں نہیں ہے۔ کہیں روپوش ہو گیا ہے......''

''اوہ! تو تمہارا خیال ہے کہ وہ سنیل کے گھر میں چھپا ہوا ہوگا۔'' وہ میری پوری بات سنے بغیر ہی میرا مدعا سمجھ کر بولا۔

''یہ ویرا کی رائے ہے جس سے سب متفق ہیں۔ تم آ جاؤ تو یہاں بیٹھ کر اس بارے میں تفصیلی باتیں ہوں گی۔'' میں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

''بی گن نک نے دی ہے۔ کیوں نہ آج اس کے آدمیوں پر یہی ہتھیار استعمال کیا جائے۔'' اس وقت ویرا کے ذہن میں اچانک نادر خیالات آنے شروع ہو گئے تھے۔

''مہلک تجویز ہے۔'' سلطان شاہ نے کسی تاخیر کے بغیر اعتراض کر دیا'' وہ گن نک نے کرنل داور کو دی ہے۔ حملہ ڈینی کی طرف سے ہوگا۔ وہ بی گن کو استعمال نہیں کر سکتا۔ تم ان دونوں کا بھانڈا پھوڑنے والی تجویز دے رہی ہو۔''

''ابھی وہ بڑی حد تک کرنل داور پر بھروسا کر رہا ہے۔ آج رات اس کے آدمیوں کے خلاف بی گن استعمال ہوئی تو وہ بدک جائے گا۔'' غزالہ نے سلطان شاہ کی تائید کی۔

''فی الحال اس کیمیائی ہتھیار کو بھولے رہنا ہی بہتر ہوگا۔'' میں نے نرمی سے کہا ''سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس میں کچھ نامعلوم آلات چھپے ہوئے ہیں۔ ان کے ذریعے ہماری نقل و حرکت ان کی نظروں میں آ جائے گی۔ ہوسکتا ہے کہ ان آلات کے ذریعے وہ ہماری آوازیں سننے پر بھی قادر ہوں۔''

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم بار بار اسے کیمیائی گن کیوں کہہ رہے ہو۔'' اعتراض کی معقولیت کا اندازہ لگاتے ہی ویرا نے بات دوسری طرف پلٹ دی۔

''پھر کیا کہا جائے؟'' جلال نے جاننا چاہا۔

''بایولوجیکل کا اردو مترادف حیاتیاتی ہوتا ہے۔'' ویرا نے اس کی طرف متوجہ ہو کر عالمانہ انداز میں کہا۔

''سب مانتے ہیں کہ تمہاری اردو بہت سے اردو دانوں سے بہتر ہے لیکن گن کا یہ نام گمراہ کن ہوگا۔ اگر اس گن کو اس لیے حیاتیاتی کہنا چاہتی ہو کہ یہ زندگی کے معمولات پر اثر انداز ہوتی ہے تو پھر ڈنڈا بھی ایک حیاتیاتی ہتھیار کہلائے گا۔ یہ اصطلاح صرف لوگوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اسے صرف جراثیمی ہتھیاروں تک محدود رہنا چاہیے۔ اس گن سے ٹریگر یا بٹن دبنے سے کیمیائی عمل کے ذریعے گیس کی ایک طے شدہ مقدار خارج ہوتی ہے جو اعصاب کو مفلوج کر دیتی ہے۔ نک نے اس گن کو غیر ضروری اہمیت دینے کے لیے بایولوجیکل کہہ دیا تو یہ حیاتیاتی گن نہیں بن گئی۔'' میں نے وضاحت کی۔

''ویری گڈ!'' جلال تحسین آمیز لہجے میں بولا ''میری غلط فہمی بھی دور ہو گئی۔ شاید ہم ایسے ہتھیاروں کو حیاتیاتی کہہ سکتے ہیں جن کے استعمال کے نتیجے میں چیچک، طاعون، ہیضے اور یرقان وغیرہ جیسی متعدی اور موذی بیماریوں کی وبا پھیل سکتی ہو۔''

''تم ان چکروں میں غلط پڑ گئے۔'' ویرا سر جھٹک کر مجھ سے بولی ''تم کو وکالت یا تدریس کا پیشہ اپنانا چاہیے تھا۔ رفتہ رفتہ تم اپنی بات منوانے کے فن میں طاق ہوتے جا رہے ہو۔ اپنے مطلب کی دلیلیں بھی خوب گھڑ لیتے ہو۔''

ویرا کے چڑ چڑے جواب پر غزالہ ہنس دی اور اس سے مخاطب ہو کر بولی ''خدا کا کچھ خوف کرو ویرا! انہوں نے کون سی من گھڑت بات کہی ہے۔''

''میں شرط لگا سکتی ہوں کہ ڈینی کبھی بھی سائنس کا طالب علم نہیں رہا ہوگا۔'' ویرا چیلنج کرنے والے انداز میں بولی ''لیکن آج یہ ہم سب کو حیاتیات اور کیمیا کا فرق سمجھا رہا ہے۔ یہ اندھیر نہیں تو اور کیا ہے۔''

''اندھیر نہیں، یہ روشن خیالی ہے۔'' جلال نے ناصحانہ لہجے میں کہا ''تعلیم سے بعض لوگوں کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ وہ جیسے ہیں ویسے کے ویسے رہتے ہیں اور بیشتر لوگ پڑھ لکھ کر ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے لگتے ہیں۔ گن کے بارے میں ڈینی کی دی ہوئی دلیل میری سمجھ میں آ رہی ہے۔''

''سب لوگ ایک طرف ہو تو پھر میں ہی خاموشی اختیار کیے لیتی ہوں۔'' ویرا نے روٹھنے کے انداز میں کہا اور منہ بنا کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گئی۔

جب سے ویرا نے دہلی سے میری حاصل کی ہوئی فائلوں کا پلندا حفاظت کے ساتھ لاہور پہنچایا تھا، جلال کے دل میں اس کے لیے عزت و احترام کے جذبات پیدا ہو گئے تھے جن میں کسی سفلی یا عامیانہ جذبے کا دور دور تک کوئی دخل نہیں تھا۔

ویرا کی ناراضی کو محسوس کر کے وہ اس کی دل جوئی کی کوششیں کرتا رہا۔ اس دوران میں سلطان شاہ موقع پا کر ویرا

کو چڑانے کی کوششیں کر رہا تھا۔ اس بہانے سے ڈرائنگ روم کی رونق برقرار تھی۔
اسی اثنا میں اول خان واپس لوٹ آیا۔ میں نے فون پر اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ جلال ہمارے ساتھ موجود تھا۔ وہ آتے ہی پر جوش انداز میں اس سے بغل گیر ہو گیا۔
میں محسوس کر رہا تھا کہ کسی حد تک ایک دوسرے کی رفاقت میں کام کرنے کے نتیجے میں ان دونوں کے درمیان پائے جانے والے پیشہ ورانہ فاصلے میں بتدریج کمی آتی جا رہی تھی ورنہ ابتدائی دنوں میں وہ آپس میں کھنچے کھنچے سے رہتے تھے۔
جلال سے پرتپاک ملاقات کے بعد اول خان نے اپنی جیب سے ایک تہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ اس پر سنیل پرکاش کے نام کے نیچے سولجر بازار کا ایک تفصیلی پتا درج تھا۔ اس رقعے کے مطابق سنیل سولجر بازار کی مارکیٹ کے عقب میں رہائش پذیر تھا۔
پوری تفصیلات جاننے کے بعد اول خان میرے پروگرام سے متفق ہو گیا۔
''ایک حملے کی ناکامی کے بعد وہ پہلی فرصت میں سوبھراج کو مروانے کی کوشش کرے گا۔'' اول خان کہہ رہا تھا ''اگر سوبھراج کی غلط فہمی دور کرنے کا مسئلہ درپیش نہ ہوتا تو اس کے آدمیوں کو سنیل کے گھر تک پہنچنے سے پہلے گھیرا جا سکتا تھا۔''
''اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہاں کچھ ہوتا ہے تو اس میں ہمارا یا ایس ٹی ایف کا کوئی ذکر نہیں آنا چاہیے۔'' میں نے کہا ''یہ پولیس کیس بننا چاہیے۔''
''جلال کی موجودگی میں تمہیں کسی فکر مندی کی ضرورت نہیں......''
میں نے اول خان کی بات کاٹ دی ''جلال کو ابھی تک کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ آئی بی اس وقت بھی الگ تھلگ رہے گی۔''
''یعنی اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی سوبھراج ایک معزز اور مراعات یافتہ شہری ہے!'' اول خان نے حیرت سے کہا۔
''مراعات وہی واپس لے سکتا ہے جس نے دی ہیں۔ میں اس معاملے میں بالکل بے قصور ہوں۔'' جلال نے اپنے شانے اچکا کے کہا۔
''لیکن تم کو پولیس کو ملوث کرنے کی کیا ضرورت محسوس ہو رہی ہے؟'' اس نے جلال کی پوزیشن کے بارے میں کوئی سوال کیے بغیر مجھ سے پوچھا۔
''میرا کوئی قانونی اختیار نہیں ہے اور ایس ٹی ایف تو خیر قانون کی نظروں میں اپنا کوئی وجود ہی نہیں رکھتی۔ پولیس ایسی فورس ہے جو کسی بھی ہنگامے میں اپنی ٹانگ اڑا کر تفتیش کا آغاز کر سکتی ہے۔ اگر ان کا کوئی آدمی زندہ یا مردہ ہاتھ آ جاتا ہے تو پولیس ان لوگوں کو کسی الزام تراشی کا موقع دیے بغیر یہ سوال اٹھا سکتی ہے کہ نک کے بھیجے ہوئے آدمی اپنی حدود سے بہت دور، سنیل کے گھر کے پاس کیا کر رہے تھے۔''
''یہ بندوبست بھی ہو جائے گا۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اول خان نے اثبات میں سر ہلا کر کہا ''مناسب وقت پر پولیس بھی آ جائے گی۔''
''یہ ایسے کام ہیں جو میں نہیں کر سکتا۔'' جلال نے زور دے کر کہا ''میرے ایک اشارے پر پولیس کی بھاری نفری اس علاقے کا محاصرہ کر سکتی ہے لیکن میں ان کے افسروں سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہماری موجودگی کا ذکر گول کر دیں۔''
''پولیس والے ایس ٹی ایف سے اسی لیے خوش رہتے ہیں کہ اول خان ہمیشہ پکی پکائی کھچڑی ان کے حوالے کر دیتا ہے۔'' ویرا سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے بولی ''سہرا ان کے سر بندھتا ہے اور شہر میں پولیس کی دھوم مچ جاتی ہے۔''
''مجھے دلی افسوس ہے کہ میں ابھی تک سوبھراج کے خلاف کچھ نہیں کر سکا مگر میں اس نئے مشن میں تم لوگوں کی کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔'' جلال یہ کہتا ہوا اٹھ گیا۔
نک بڑی حد تک کرنل داور پر اعتماد کر رہا تھا۔ سوبھراج نے ڈینی سے سمجھوتا کر کے دو دن کی مہلت لے لی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ میں ان دونوں کے ساتھ کامیابی سے کھیل رہا تھا۔ آثار کچھ ایسے نظر آنے لگے تھے جیسے سوبھراج کا قصہ، آنے والے دو چار دنوں میں نمٹ جائے گا اور پھر کوئی نیا مسئلہ سامنے آنے تک ہمیں کچھ آرام کرنے کا موقع مل جائے گا۔
شاید سب کچھ اسی طرح ہوتا چلا جاتا لیکن نک کے کیمپ کی طرف سے کیے جانے والے ناکام قاتلانہ حملے نے معاملے کو بہت زیادہ الجھا دیا تھا۔
امریکی کمانڈوز سے بچ کر اگر سوبھراج اپنے گھر لوٹ گیا ہوتا تو وہ معاملہ اس قدر نہ الجھتا۔ اسلام آباد والوں کی لیت و لعل کے باوجود سوبھراج کو کسی نہ کسی طرح گھیر لیا جاتا۔ اس کی روپوشی نے ہمارے لیے سنگین مسائل پیدا کر دیے تھے۔
سوبھراج کو زعم تھا کہ وہ ایک عزت دار سیاست داں ہے۔ اسے حکومت وقت کی طرف سے بہت سی رعایتیں ملی ہوئی ہیں۔ وہ کچھ بھی کرتا رہے، کوئی اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرات نہیں کر سکے گا۔

وہ یہ سوچ کر روپوش ہوا تھا کہ اس طرح وہ اپنے دشمنوں کی دسترس سے دور رہ سکے گا اور پھر اس دوران میں وہ اپنے اثر ورسوخ کو بروئے کار لا کر اپنی ذات کے گرد ایک ایسا حصار قائم کر لیتا جس سے گزر کر اس تک پہنچنا محال ہو جاتا۔

وہ سمجھ رہا تھا کہ اس کی لڑائی صرف ڈینی اور ویرا سے چل رہی ہے۔ جو کچھ ڈینی جانتا ہے، وہ دوسروں کے یا کم از کم قانون کے کسی محافظ کے علم میں نہیں ہے۔ اس کی خوش فہمی کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک اس کے جرائم کے سلسلے میں کسی نے اس سے کوئی باز پرس نہیں کی تھی۔

ڈینی کو مار کر یا رام کر کے وہ کھلے دل سے زندگی گزارنے کی خوش گمانی میں مبتلا تھا۔ اس وقت تک اسے یہ بھنک نہیں مل سکی تھی کہ جلال اس کے خلاف پوری قوت سے اپنی قانونی کارروائی کے آغاز کی تگ ودو کر رہا تھا۔

وہ بات زیادہ دیر تک چھپنے والی نہیں تھی۔ اپنے بارسوخ ہمدردوں اور سیاسی حلیفوں کے ذریعے جلد ہی اسے معلوم ہو جاتا کہ اسلام آباد میں اس کے خلاف کیا کھچڑی پک رہی تھی۔

اس انکشاف کے بعد وہ کوئی انتہائی قدم اٹھا سکتا تھا۔ میری پوری کوشش یہ تھی کہ ایسی کوئی صورتِ حال رونما ہونے سے پہلے اسے بے بس کر لیا جائے۔

مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ سنیل کے گھر پر ہی چھپا ہوا ہو گا۔ اس وقت تک کوئی اور متبادل مفروضہ ہمارے سامنے نہیں تھا اس لیے میں نے اوپری دل سے ویرا کی وہ رائے قبول کر لی تھی۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر، سوبھراج کے منظر عام پر آنے کا انتظار کرنے سے بہتر تھا کہ اس کی تلاش میں کچھ نہ کچھ کیا جائے۔

میں نے سلطان شاہ سے یہ بات بلاسبب نہیں کہی تھی کہ سنیل کے گھر تک دوڑ لگانے کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو ہماری رات کالی ہو گی۔ وہاں کچھ نہ ہونے کی صورت میں مجھے یہ اطمینان ضرور ہو جاتا کہ ہم نے سوبھراج تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ ناکامی کے مقابلے میں کچھ نہ کرنے کی خلش میرے لیے زیادہ پریشان کن ہوتی۔

☆☆☆

میں نے اول خان سے تہ کیا ہوا رقعہ لے کر سنیل کے گھر کا پتا دیکھا تو اس وقت میرے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا کہ راج محل سے اس گھر کا فاصلہ مشکل سے ایک کلومیٹر یا اس سے بھی کم رہا ہو گا۔

راج محل پرانی فروٹ مارکیٹ کے قریب واقع تھا۔ سنیل میونسپل مارکیٹ کے عقب میں رہتا تھا۔

وہاں پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ شاید سنیل نے ساری عمر راج محل والوں کی نوکری میں گزارنے کا فیصلہ کرنے کے بعد وہ گھر خریدا تھا جہاں سے وہ چند منٹ میں راج محل پہنچ سکتا تھا۔ وہاں سے اسے کام پر آنے جانے کی سہولت تھی تو سوبھراج کو بھی یہ اطمینان رہتا ہو گا کہ اس کا غلام اس کے ایک اشارے پر، ذرا سی دیر میں راج محل پہنچ جائے گا۔

اس گھر پر آدھی رات سے پہلے کسی کے آنے کا امکان نہیں تھا پھر بھی اول خان نے اس گھر کا سراغ لگاتے ہی اپنے ایک آدمی کو اس کی نگرانی پر مامور کر دیا تھا۔

رات کے بارہ بجے ہم وہاں پہنچے تو انگریزی حرف ایل کی صورت میں مارکیٹ کے ساتھ بنی ہوئی سڑک پر دور دور تک گہرے سناٹے کا راج تھا۔ مارکیٹ کی پختہ اور قدیم عمارت سے باہر بنے ہوئے چائے اور پان وغیرہ کے کیبن بھی بند پڑے ہوئے تھے۔

گنجان درختوں کے سائے میں کہیں کہیں بے سروسامان گداگر ایسی بے فکری سے سو رہے تھے جیسے انہیں اسی خاک نشینی کے لیے پیدا کیا گیا ہو۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لگے ہوئے اسٹریٹ لیمپس کی ناکافی روشنی سڑک پر پھیلے ہوئے اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی اور ماحول کچھ مہیب سا نظر آ رہا تھا۔

گھروں کے اندر وہ سونے کا وقت تھا مگر باہر کا سماں بھی کم خوابناک نہیں تھا۔ اول خان نے سڑک کی ویرانی دیکھتے ہی ایریٹس پر اپنے آدمی سے رابطہ کیا اور اسے اطلاع ملی کہ نگرانی بے سود رہی تھی۔ شام سے اس وقت کوئی مشتبہ فرد اس گھر کے قرب وجوار میں منڈلاتا ہوا نظر نہیں آیا تھا۔

پہلے سے طے کیے ہوئے پروگرام کے مطابق اول خان نے اسے اپنے ٹھکانے پر واپس جانے کی ہدایت دی اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

گاڑی سست رفتار سے اس دو منزلہ مکان کے سامنے سے گزری جس کی اوپری منزل پر سنیل رہتا تھا۔ اوپر گھپ اندھیرے کا راج تھا۔ گھر خالی پڑا ہوا تھا اور اگر وہاں کوئی رہ رہا تھا تو وہ آنے والے حالات سے بے خبر، اس وقت خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ اول خان وہاں رکے بغیر، گاڑی آگے لیتا چلا گیا۔

مین روڈ سے مارکیٹ تک آنے والی سڑک زیادہ لمبی نہیں تھی لیکن اس کا موڑ کے بعد والا حصہ خاصا طویل تھا۔ اول خان اپنی گاڑی میں آگے بڑھتا رہا۔ اس علاقے کا ایک چکر

لگانے کے بعد اس نے سڑک کے موڑ پر، مارکیٹ کے داخلی راستے کے قریب لگے ہوئے ایک تناور درخت کے نیچے گاڑی روک کر انجن بند کر دیا۔

ہمارے کام لیے وہ جگہ بہت موزوں تھا۔ درخت کے گھنے سایے کی وجہ سے وہ جگہ اسٹریٹ لیمپس کی روشنی سے محفوظ تھی۔ وہاں کھڑی ہوئی گاڑی پر کسی کی نظر پڑ بھی جاتی تو اسے کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔

اول خان کی گاڑی کے شیشے سیاہ تھے۔ وہاں رکنے کے چند منٹ بعد اس نے شیشے چڑھا دیے تاکہ باہر سے کسی کو اندر کا منظر نظر نہ آسکے۔

ہم دونوں نے وقت گزارنے کے لیے نیچی آواز میں باتیں شروع کر دیں۔ اس وقت ہمارے لیے سوبھراج ہی سب سے زیادہ حسّاس موضوع بنا ہوا تھا۔

انسان کے ذہن پر کوئی کام سوار نہ ہو تو وقت پر لگا کر اتنی تیزی سے اڑتا ہے کہ وہ حیران رہ جاتا ہے لیکن جب انتظار کا مرحلہ درپیش ہو تو وہی وقت ایک جگہ یوں تھما ہوا محسوس ہوتا ہے کہ ایک ایک پل گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔

''بیکاری میں وقت اسی رفتار سے گزرتا رہا تو میرے اوپر اونگھ سوار ہو جائے گی۔'' اول خان نے کچھ دیر بعد بے چینی سے کہا۔

''وقت ہمیشہ اپنی یکساں رفتار سے گزرتا ہے۔ یہ ہمارا احساس ہے کہ وقت کی نبض سست پڑ گئی ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''صبح کے اولین لمحات میں نیند بہت گہری ہوتی ہے۔ اگر ان لوگوں نے تین چار بجے آنے کا ارادہ کیا ہوا ہے تو ہم ان کے انتظار میں سوکھ جائیں گے۔''

''میں تو ناکامی کے لیے بھی تیار ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سرے سے ادھر کا رخ نہ کریں مگر ہم اذانوں کی ابتدا ہونے تک یہاں رکیں گے۔''

ہم دونوں کسی نہ کسی طرح وقت گزارتے ہی رہے۔ میرے لیے دہری مشکل یہ تھی کہ میں بند گاڑی میں سگریٹ نوشی نہیں کرسکتا تھا۔ مروت کا مارا اول خان میرے اگلے ہوئے دھویں کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتا مگر اندیشہ یہ تھا کہ رات کے اندھیرے میں، سگریٹ کا سلگتا ہوا سرا بہت دور سے دیکھا جا سکتا تھا۔

اس وقت رات کے دو بجے کا عمل رہا ہوگا کہ مین روڈ سے گھوم کر کوئی گاڑی اس ذیلی سڑک پر آئی۔ اول خان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے عقب نما آئینے میں ہیڈ لیمپس کا روشن انعکاس دیکھتے ہی مجھے ہوشیار کیا لیکن میں نیم تاریک سڑک پر دور تک پھیلنے والی روشنی دیکھ کر پہلے ہی سنبھل چکا تھا۔

وہ کار دھیمی رفتار سے آگے بڑھتی چلی آئی اور پھر موڑ گھوم کر سنیل کے گھر کی طرف چلی گئی۔ وہ سیاہ رنگ کی چھوٹی سی کار تھی۔ اس کی ساخت میرے لیے نامانوس تھی۔ اس میں اگلی نشستوں پر دو سفید فام سوار تھے۔ میں نے ان میں سے ایک کو پہلی نظر میں پہچان لیا کیونکہ میں سوبھراج کی آمد کے موقع پر اسے بہت قریب سے دیکھ چکا تھا۔ ائرپورٹ پر وہ جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس نظر آیا تھا لیکن اس وقت قمیص شلوار میں ملبوس نظر آیا تھا۔

ائرپورٹ پر میں نے ان دونوں میں سے صرف ایک کو دیکھا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس کا ساتھی بھی وہی رہا ہوگا۔ دن کے اجالے میں سوبھراج کو دوران سفر اپنا نشانہ بنانے کے لیے انہوں نے موٹر سائیکل استعمال کی تھی جو بلا رکاوٹ فرار کے لیے ایک بہترین سواری تصور کی جاتی ہے۔ سنیل کے گھر آنے کے لیے انہوں نے چار پہیوں والی سواری کا انتخاب کیا تھا اور اپنی وضع قطع بھی تبدیل کر لی تھی تاکہ سرسری نظر میں کوئی انہیں نہ پہچان سکے۔ کھلی سواری کے مقابلے میں کار کا ڈھانچا بھی انہیں دوسروں کی نظروں میں چھپانے کے لیے مددگار تھا۔ اپنا کام کرنے کے بعد ان کو واپسی کی کوئی فکر نہیں رہی ہوگی۔ رات کے دو بجے شہر کی ساری سڑکیں سنسان ہو جاتی ہیں۔ انہیں راستے میں کہیں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آسکتی تھی۔

''یہ دونوں وہی کمانڈوز ہیں جنہوں نے سوبھراج کو زخمی کیا تھا۔'' میں نے اول خان کی طرف سے ان کی رنگت پر حیرت کے اظہار پر جواب دیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دوسرا موقع دے کر اپنی پہلی ناکامی کے ازالے کی رعایت دی گئی ہے۔'' اول خان نے دھیرے سے کہا۔

''اس بار بھی ناکامی ان کا مقدر بننے والی ہے۔''

امریکی کمانڈوز کی سیاہ کار سنیل کے مکان سے ذرا پہلے رک گئی۔ گاڑی روکتے ہی انہوں نے اپنی ساری روشنیاں گل کر دیں۔

اسی لمحے صحت مند جسم والا ایک دراز قامت شخص پسنجر سیٹ سے اترا۔ سیاہ قمیص شلوار میں اس کے جسم کے کھلے ہوئے حصوں کی سفید رنگت بہت نمایاں ہو رہی تھی۔

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا سنیل کے دروازے پر رکا اور قدرے جھک گیا۔ اسٹریٹ لیمپس کی ناتواں روشنی میں مجھے

اس کی حرکات وسکنات صاف نظر آ رہی تھیں۔
اس گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں دروازے کی ساخت پر زیادہ غور نہیں کرسکا تھا لیکن یہ بات طے تھی کہ وہ اندر سے بند تھا۔
اس شخص کو دروازہ کھولنے میں صرف چند سیکنڈ لگے پھر وہ کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہو کر ہماری نظروں سے روپوش ہو گیا۔
مقابلہ برابر کا تھا۔ ہم دو تھے اور میرے اندازے کے مطابق آنے والوں کی تعداد بھی دو ہی تھی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہوئے ہر قسم کے خطرے کو نظر انداز کر دیا تھا۔ یہ ان کی بدترین بنیادی غلطی تھی۔
میں گاڑی سے اتر کر پیدل ان کی سیاہ کار کی طرف جاتا تو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص اپنے عقب نما آئینے میں میرا عکس دیکھ کر ہوشیار ہو جاتا۔ وہ پیشہ ور کمانڈو تھا۔ خطرے کا موہوم ترین اندازہ ہوتے ہی سفاکی کا کوئی بدترین مظاہرہ کرسکتا تھا۔
ایسی صورت میں وہ بند گاڑی میں میری دسترس سے دور ہوتا، میں اس کے کھلے نشانے پر آ جاتا۔ اس کی چلائی ہوئی ایک گولی میرا کام تمام کرسکتی تھی۔ یہ توقع عبث تھی کہ میں کوئی پھرتی دکھا کر اس کے فائر سے بچ سکوں گا اور پھر مجھے دوڑ کر اس تک پہنچنے کا موقع مل جائے گا۔
میں نے اول خان کے گھٹنے پر ہاتھ مار کر اسے گاڑی آگے بڑھانے کا مشورہ دیا۔ حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے وہ کسی بھی ہنگامی اقدام کے لیے پوری طرح مستعد تھا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کر کے اسٹیئرنگ گھمایا اور لینڈ روور کسی فولادی درندے کی طرح اچھل کر، غراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔
''دیکھو، وہ بھاگ رہا ہے۔'' سیاہ کار کی عقبی سرخ روشنیاں جلتے ہی میں نے اضطراری انداز میں کہا ''اس کے پیچھے جانے سے پہلے مجھے سنیل کے دروازے پر اتار دینا۔''
اس وقت مزید کچھ کہنے سننے کا وقت نہیں تھا۔ کمانڈوز کی موٹر سائیکل کی طرح ان کی چھوٹی سی سیاہ کار کا انجن بھی بہت طاقت ور تھا۔ حرکت میں آتے ہی وہ بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔
اول خان کی لینڈ روور پلک جھپکتے میں سنیل کے دروازے پر پہنچ گئی۔ اول خان نے بریک لگا کر ایک تیز جھٹکے سے گاڑی کو روکا اور مجھے اتار کر دوبارہ تیزی سے آگے روانہ ہو گیا۔ اس وقت تک اگلی سیاہ کار اگلے موڑ تک پہنچ چکی تھی اور بھاگنے والے نے سیدھا راستہ چھوڑ کر گاڑی ادھر گھمالی تھی۔
وہ بہت مختصر اور طوفانی منظر تھا۔ لمحوں ہی لمحوں میں لینڈ روور بھی اگلی گاڑی کے تعاقب میں مڑ گئی۔
میرے لیے اس کا فرار بہت حیرت ناک ثابت ہوا۔ وہ گنتی کے دو نفوس تھے۔ ایک سنیل کے گھر میں محبوس ہو چکا تھا۔ ڈرائیو کرنے والے کمانڈو نے تناور درخت کے نیچے ہماری گاڑی کو متحرک ہوتے دیکھ کر اگر خطرہ محسوس کیا تھا تو اسے اپنی جگہ جم کر کم از کم اتنی دیر تک مزاحمت کرنی تھی کہ اس کا ساتھی حالات کی نزاکت کا اندازہ لگا کر باہر آ سکے۔ اس کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر یوں بھاگ نکلنا ہر اعتبار سے بزدلی کے مترادف تھا۔
میں نے اس مکان کے احاطے کی دیوار سے چپکنے سے پہلے آہنی دروازے کا جائزہ لیا تو پٹ بند تھا۔ میں نے اس پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اندر جانے والے نے نہ جانے کس مصلحت کے تحت وہ دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا تھا۔
میرا ارادہ سنیل کے گھر میں گھس کر اسے زیر کرنے کا تھا۔ دروازہ بولٹ ہونے کی وجہ سے میں اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر تھا۔ میں دروازے کے ستون کے ساتھ، احاطے کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔
اس وقت میرے کان کہیں سے بھی آنے والی کسی آواز پر مرکوز تھے لیکن دونوں گاڑیوں کے چلے جانے کے بعد فضا پر دوبارہ پر ہول سناٹا چھا گیا تھا۔
میرا اندازہ تھا کہ سنیل اور سوبھراج کے زخمی ہونے سے سنیل کی بیوی نے ممکنہ خطرات کا ادراک کر لیا ہوگا۔ ان دونوں کے یکایک گھر سے چلے جانے کے بعد اس عورت کا پریشان ہونا ایک فطری عمل ہوتا۔ اکیلے گھر میں ایک سفید فام اجنبی کو اپنے روبرو پا کر اس کا دہشت زدہ ہو کر چیخنا چلانا بھی قرین قیاس تھا لیکن ہر طرف چھائے ہوئے گہرے سکوت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سنیل کے گھر کی صورتِ حال پوری طرح اندر گھسنے والے کمانڈو کے کنٹرول میں تھی۔
مجھے بھاگنے والے کی حماقت پر زیادہ دیر سر نہیں کھپانا پڑا کیونکہ میں اچانک دور سے آنے والی تیز روشنی کی زد میں آ گیا۔ اس بار وہ سیاہ کار بہت تیزی کے ساتھ اس سمت سے آئی تھی جدھر ہم نے اپنی لینڈ روور پارک کی ہوئی تھی۔
اسے سنیل کے گھر میں اپنے ساتھی کی مصروفیت کے دورانیے کا صحیح اندازہ تھا۔ ہماری گاڑی کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر اس نے بہت تیزی سے فیصلہ کیا کہ اگر وہ کچھ دیر کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دے تو صورتِ حال میں کوئی فرق نہیں

پڑے گا۔

وہ فرار نہیں ہوا تھا، اس نے مقابلے سے گریز کرتے ہوئے اچانک ایسی ترکیب استعمال کی تھی کہ اس کے سامنے ہمارے عزائم بے نقاب ہو گئے تھے۔

بھاگتے ہوئے وہ اول خان کو اپنے پیچھے لگا لے گیا اور مین روڈ کا ایک چکر لگا کر دوبارہ واپس آ رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ کچھ فاصلے سے اول خان اس کا پیچھا کر رہا ہوگا۔

اس وقت میری ہر خوش فہمی کافور ہو چکی تھی اور موت تیزی سے اپنی طرف بڑھتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

ایک قلیل سے عرصے میں وہ حالات کی بہت خطرناک کروٹ تھی۔ میں کھلی سڑک پر تھا، وہ کار میں سوار تھا۔ میرے لیے بس ایک ہی مثبت پہلو تھا کہ میں اس کے مخالف رخ پر تھا اور وہ آسانی سے میرے اوپر گولی نہیں چلا سکتا تھا۔

وہ اس سڑک پر کچھ آگے آیا تھا کہ اول خان کی گاڑی بھی موڑ گھومتی نظر آ ئی۔ اس وقت ان دونوں کا وہ فاصلہ میرے لیے بہت اہم تھا۔

جتنی دیر میں اول خان اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا کر اس کے سر پر پہنچتا، وہ میرے خلاف اپنی من مانی کارروائی کر سکتا تھا۔

پھر سیاہ گاڑی کا رخ دیکھ کر اچانک میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

اس نے بھی سنیل کے گھر کے باہر میرا رخ دیکھ کر یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ براہ راست فائر کر کے آسانی سے مجھے اپنا نشانہ نہیں بنا سکے گا۔ اگر وہ گاڑی چلاتے ہوئے پسنجر سیٹ کی کھڑکی کا شیشہ اتار کر میرے اوپر گولی چلاتا تب بھی نشانہ خطا ہونے کے واضح امکانات موجود تھے۔

وہ دونوں اسی صبح سوبھراج کے سلسلے میں ناکامی کا منہ دیکھ چکے تھے۔ ان جیسے پیشہ وروں کے لیے وہی ایک ناکامی روسیاہی کے لیے کافی تھی۔ وہ چند گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں کسی دوسری ناکامی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

وہ گاڑی سڑک پر سیدھی چلتے چلتے، یکایک ترچھی ہو گئی تھی۔ ڈرائیور کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ فائرنگ کا کوئی خطرہ مول لیے بغیر، اپنی گاڑی کو سڑک سے اتار کر مجھے سنیل کے احاطے کی دیوار اور گاڑی کے درمیان پیس کر ہلاک کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔

میرے پاس ذرا بھی مہلت نہیں تھی۔ میں دیوار سے ذرا آگے سرک کر نیچے جھکا اور... اپنی دونوں ہتھیلیاں کھول کر ہاتھ آگے بڑھا دیے۔

میں وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتا تو میرے لیے تیز رفتار کار کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ کسی بھی لمحے مجھے کچل دیتا۔

جب میری نگاہ چند قدم دور لگے ہوئے بجلی کے کھمبے پر پڑی تو کوئی متبادل راہ اختیار کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔

میں اسٹریٹ لائٹ والے اس کھمبے کی آڑ لینے کے لیے ایک پل کے لیے بھی اپنی طرف بڑھتی ہوئی سیاہ کار پر سے نظریں ہٹاتا تو اگلے ہی لمحے وہ کار میرے اوپر چڑھ دوڑتی۔

اس وقت میرے حریف کے سامنے دو مسائل تھے۔ وہ مجھے گاڑی اور دیوار کے درمیان کچل کر یا گاڑی کے نیچے روند کر مارنا چاہ رہا تھا۔ اسی کے ساتھ اس کی یہ خواہش بھی رہی ہوگی کہ اس کوشش میں اس کی گاڑی بری طرح تباہ نہ ہونے پائے تاکہ وہ سنیل کے گھر میں پھنسے ہوئے ساتھی کے باہر آتے ہی اپنی گاڑی میں فرار کی راہ اختیار کر سکے۔

میں کوئی غیب داں نہیں تھا۔ سیاہ کار کی رفتار میں اچانک کمی کی صورت میں مجھے اس کی حکمت عملی صاف نظر آ گئی تھی۔

وہ سب پلک جھپکنے کا کھیل تھا۔ رفتار کم ہونے کے باوجود خاصی تیز تھی۔ گاڑی زناٹے دار آواز کے ساتھ سڑک سے اتر کر میری طرف آئی اور میں اس کے بونٹ پر دونوں ہاتھ جما کر فضا میں یوں اچھلا جیسے میرے پیروں میں اچانک اسپرنگ نکل آئے ہوں۔

میں گاڑی کے بونٹ پر فضا میں اچھل گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ والے نے اسی لمحے بریک نہ لگا لیے ہوتے تو اس کی گاڑی دیوار سے ٹکرا کر تباہ ہو گئی ہوتی۔

میرے ہاتھ بونٹ پر سے ہٹ گئے تھے مگر میں نے... بدحواس ہو جانے کے بجائے اپنے اوسان بحال رکھے تھے۔ میں دوبارہ پرشور آواز کے ساتھ سیاہ گاڑی کے سپاٹ اور پھسلواں بونٹ پر گرا تو وہ اپنی گاڑی ریورس گیئر میں ڈال چکا تھا۔

اس موذی کو میرے جسمانی توازن کا بخوبی احساس تھا۔ میرے بونٹ پر گرتے ہی اس نے بہت تیزی کے ساتھ اپنی گاڑی الٹی چلائی۔ ہاتھ پیر مارنے کے باوجود میں چکنے بونٹ پر رکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

میں اس کی چال سمجھ رہا تھا۔ وہ مجھے گرا کر پھرتی سے دوبارہ گاڑی آگے بڑھاتا تو میں خود کو بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔

بونٹ پر سے پھسلتے ہوئے میں نے پوری کوشش کی کہ گاڑی کے سامنے نہ گرنے پاؤں اور آخر کار میں بائیں طرف

زمین پر ٹکنے میں کامیاب ہو گیا۔
یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس طرف بجلی کا کھمبا بہت قریب تھا۔ میں دوڑ کر اس کے پیچھے ہو گیا۔ اب وہ کھمبا گرائے بغیر اپنی گاڑی سے مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا تھا۔
وہ اپنی الٹی چلتی ہوئی گاڑی کو روکنے بھی نہیں پایا تھا کہ اول خان نے اپنی وزنی گاڑی پیچھے سے سیاہ گاڑی سے ٹکرا دی۔
ایک پرشور دھماکے اور شدید جھٹکے کے ساتھ سیاہ کار کا رخ گھوم گیا۔
میرا مشکل وقت ٹل چکا تھا۔ میں نے کھمبے کی آڑ سے جگہ چھوڑ کر سیاہ کار کی طرف چھلانگ لگائی۔ اس کا ڈرائیور تیزی سے پستول نکال چکا تھا مگر میں نے اسے کوئی فائر کرنے کا موقع دیے بغیر دروازہ کھولا اور اسے کالر سے پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔
اس افراتفری میں سیاہ کار کا انجن خاموش ہو چکا تھا اور اول خان بھی تیزی کے ساتھ گاڑی سے نیچے اتر رہا تھا۔
مجھے اپنے حریف کے خلاف پہل کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے وہ میرے ہاتھوں میں بالکل بے بس تھا۔
میں نے اسے گاڑی سے اتارتے ہی اپنے داہنے گھٹنے سے اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں ایک شدید ضرب لگائی اور وہ کراہ کر دہرا ہو گیا۔
میں نے سرعت سے پیچھے ہٹ کر اس کے داہنے ہاتھ پر ٹھوکر رسید کی۔ اس کے ہاتھ میں دبا ہوا پستول اس کی گرفت سے نکل کر تیز اور ٹھوس آواز کے ساتھ سڑک پر جا گرا۔
پستول یقیناً بھرا ہوا رہا ہوگا اور اس کا سیفٹی لاک بھی ہٹا ہوا ہوگا۔ یہ اتفاق تھا کہ گرنے کے جھٹکے سے پستول سے فائر نہیں ہوا لیکن اس دوران میں یکے بعد دیگرے اتنی تیز آوازیں پیدا ہو چکی تھیں کہ قرب و جوار کے مکینوں کا چونکنا بعید از قیاس نہیں تھا۔
ان آوازوں کے نتیجے میں سنیل کے گھر میں جانے والا سیاہ پوش سفید فام بوکھلائے ہوئے انداز میں دروازے سے برآمد ہوا تھا۔
میں اس وقت اپنے شکار سے دست و گریباں تھا۔ میں نے دوسرے کمانڈو کی صرف ایک جھلک دیکھی۔ اس وقت اول خان میری مدد کے ارادے سے آگے بڑھ رہا تھا۔
''تم دوسرے کو سنبھالو۔'' میں نے چیخ کر اول خان سے کہا ''اس حرام زادے کو میں سنبھال لوں گا۔''
اول خان رخ بدل کر بہت پھرتی سے نووارد کی طرف گھوم گیا۔
میں نے اپنے حریف کے پیٹ کے حساس حصے میں گھٹنے کی زوردار ضرب لگا کر اور پھر اس کی کلائی پر ٹھوکر رسید کر کے اپنی دانست میں اسے نڈھال کر دیا تھا لیکن اسے نہتا کر دینے کے بعد جب میں نے دوبارہ اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تو وہ حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ پیچھے ہٹا اور اگلے ہی لمحے اس نے میرے جبڑے پر مکا رسید کر دیا۔
میں چند لمحوں قبل زندگی اور موت کی کشمکش سے گزر چکا تھا اور اس وقت بہت بھڑکا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ کی حرکت کے ساتھ میں نے جھکائی دے کر خود کو اس کے وار سے بچانا چاہا لیکن پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکا۔
میری طرح اسے بھی پوری کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ اس کا مکا میرے جبڑے پر رگڑ کھاتا ہوا آگے نکل گیا۔ وہ ضرب بہت پھسپھسی تھی مگر مجھے تاؤ آ گیا۔ میرا جوابی حملہ بہت وحشت ناک تھا۔ یکے بعد دیگرے میرے مکوں نے اس کے دونوں جبڑے سہلا دیے۔
مار کھا کر وہ محتاط ہو گیا۔ مکے بنا کر اس نے اپنی دونوں کلائیاں اپنے چہرے کے سامنے کر لیں۔ اب وہ کسی باکسر کی طرح میرے اوپر حملہ آور ہونے کے لیے پر تول رہا تھا۔
باکسنگ میں میرا بہت وسیع تجربہ نہیں تھا لیکن کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران میں، میں ایک سال اپنے ویٹ میں چمپین رہ چکا تھا۔
میں نے اس دور میں سیکھے ہوئے اصولوں کو اپنے ذہن میں تازہ کیا اور پھر ہم دونوں کے درمیان باکسنگ کا مقابلہ شروع ہو گیا۔
مجھے ابتدا ہی سے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کا ڈیل ڈول محض دکھاوے کا نہیں تھا۔ اس کے ٹھوس وجود میں حیوانی طاقت رچی ہوئی تھی۔
برابر کے حریف ایک دوسرے کے مدمقابل آتے ہیں تو یہ نہیں ہوتا کہ جیتنے والا ہی شروع سے آخر تک مارتا رہتا ہے۔ گھاتیں لگا لگا کر دونوں ایک دوسرے کو دل کھول کر مارتے ہیں اور آخر میں کم پٹنے والا فاتح قرار پاتا ہے۔
جب پہلی بار اس کے آہنی مکے کی ایک بھرپور ضرب میری گردن کی بائیں طرف پڑی تو مجھے تارے نظر آ گئے۔ لمحہ بھر کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے میری گردن کے منکے ہل گئے ہوں اور میری گردن کسی بھی لمحے ایک طرف ڈھلک جائے گی۔

اس مرحلے پر میں نے بہت مشکل سے خود کو سنبھالا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میں نے ذراسی بھی کمزوری دکھائی تو وہ کسی درندے کی طرح مجھے چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔

میں ایسی لڑائی کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر آگے بڑھا۔ اس کوشش میں مجھے مزید مار کھانا پڑی لیکن آخر کار میں نے اسے اپنے تابڑ توڑ مکوں پر رکھ لیا۔

چند لمحوں میں مجھے اپنے ہاتھوں اور انگلیوں پر اس کے تازہ خون کی چپچپاہٹ محسوس ہونے لگی۔

اپنے ساتھی کی طرح وہ بھی رنگین قمیص شلوار میں ملبوس تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ڈھیلا ڈھالا لباس اس کے لیے ایک عذاب بنا ہوا تھا۔ اس کی کھلی ہوئی آستینیں اور فضا میں بار بار لہرانے والا دامن اس کی نقل وحرکت میں رکاوٹ بن رہا تھا۔

میں اپنا چہرہ بچا رہا تھا۔ اس کے مکے میرے بدن کے دوسرے حصوں پر پڑ رہے تھے لیکن میں تاک تاک کر صرف اس کے چہرے کو نشانہ بنا رہا تھا۔ اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں اس کا چہرہ خون سے بھرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی جلد پر آنے والی خراشیں مسلسل ضربات کے نتیجے میں زخموں میں تبدیل ہوتی جارہی تھیں۔

مقابلہ بہت تیزی کے ساتھ جاری تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کسی بھی لمحے آس پاس سے مداخلت کا سلسلہ شروع ہوجائے گا۔ اس سے پہلے اس جھگڑے کا نمٹنا ضروری تھا۔

وہ بہت استقامت سے لڑ رہا تھا۔ پٹنے کے باوجود اس کے قدم مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔ میں نے جھنجلا کر اس کا فضا میں لہراتا ہوا دامن پکڑ کر ایک جھٹکا مارا، اس کا کچھ نہ بگڑا لیکن دامن کے اطراف کی سلائیاں بغلوں تک ادھڑتی چلی گئیں۔

میں نے اس کا دامن چھوڑا تو وہ ہوا اور اس کی نقل و حرکت سے اس کے چہرے تک لہرا کر بہت زیادہ رکاوٹ پیدا کررہا تھا۔

وہ غراتے ہوئے بے تحاشا گالیاں بک رہا تھا۔ ایک بار دامن الٹ کر اس کے چہرے تک اڑا تو مجھے اپنے ہاتھ کی انگلیوں میں موجود انگوٹھیوں میں سے ایک کو گھمانے کا موقع مل گیا۔ وہ دامن چہرے سے جھٹک کر دوبارہ حملہ آور ہوا تو میں نے ہاتھ گھما دیا۔

اس بار میرے حریف نے اپنا چہرہ صاف بچالیا۔ میرا مکا اس کی کلائی پر پڑا۔ ضرب کے نتیجے میں انگوٹھی کا کھوکھلا نگینہ پچکا اور اس میں موجود سیال کی کچھ مقدار کلائی کے راستے اس کے خون میں شامل ہوگئی۔

لمحہ بھر بعد ہی سیال کے اثرات سامنے آگئے۔ مجھ سے لڑتے لڑتے وہ تیورا کر اچانک پختہ سڑک پر ڈھیر ہوگیا۔

مجھے اندازہ تھا کہ وہ کئی گھنٹوں تک ہوش میں نہیں آسکے گا۔ اس سے بے فکر ہوکر میں نے دوسری طرف کا جائزہ لیا تو اول خان دوسرے کمانڈو کو خاک پر گرا کر اس کے سینے پر چڑھا بیٹھا تھا اور اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کررہا تھا۔

میں لپک کر ان دونوں کے قریب پہنچا اور دوسری انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں بھرا ہوا مہلک سیال اول خان کے حریف کے بائیں کولہے میں اتار دیا۔

سریع الاثر زہر نے فوری رنگ دکھایا اور جب میں عقب سے وہ کارروائی کرکے اول خان کے سامنے پہنچا تو اس کا شکار بے حس وحرکت ہوچکا تھا۔

اس وقت اول خان کے خون میں گرمی سمائی ہوئی تھی۔ وہ بدستور اس کی گردن کو دونوں ہاتھوں میں دبوچے رہا۔

''اسے چھوڑ دو۔ یہ ٹھنڈا ہوچکا ہے۔'' میں نے اول خان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا ''اب یہاں سے بھاگنے اور پولیس کو بلانے کی فکر کرو۔''

اول خان نے بے اعتباری سے میری طرف دیکھا۔ احتیاط سے اپنے شکار کی گردن پر گرفت ڈھیلی کی اور جب اس نے کوئی جنبش نہیں کی تو وہ تھکے ہوئے انداز میں اپنے مردہ حریف کے سینے پر سے اتر آیا۔

''یہ دم گھٹنے سے مرا ہے یا تم نے اس کے ساتھ کوئی حرکت کی ہے۔'' اول خان نے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

میں نے اپنی انگلیوں میں موجود انگوٹھیاں اسے دکھادیں۔

وہ طلسماتی انگوٹھیاں مجھے اول خان کے ذخیرے سے ملی تھیں اور میں کئی اہم مواقع پر ان سے کام لیتا رہا تھا۔ حیرت کی بات تھی کہ میں نے اول خان کو کبھی ایسی کوئی انگوٹھی استعمال کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

وہ اپنے ہر حریف سے آمنے سامنے کے صاف ستھرے مقابلے کا قائل تھا خواہ اس کے نتیجے میں خود اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ کھوکھلے نگینوں والی ان انگوٹھیوں کو وہ مکارانہ شعبدے قرار دیتا تھا جو صرف میرے لیے موزوں تھے۔

گاڑی میں سوار ہوتے ہی اول خان نے انجن اسٹارٹ کرکے اپنا ہاتھ کھڑکی سے باہر نکالا اور یکے بعد دیگرے تین

ہوائی فائر کر دیے۔

لینڈ روور کو دشمنوں کی سیاہ کار سے الگ کر کے اول خان نے تیزی سے آگے بڑھایا تو مجھے یقین تھا کہ چند منٹوں میں پولیس وہاں پہنچ جائے گی۔

اول خان نے پولیس افسران سے یہ بات پہلے سے طے کی ہوئی تھی کہ اس علاقے میں تصادم کی صورت احوال جو کچھ بھی ہو، پولیس فورس لگاتار تین فائر ہونے سے پہلے معاملات میں دخل انداز ہونے کی کوئی کوشش نہیں کرے گی۔

''ہم ناگزیر مجبوری کی صورت میں آتشیں ہتھیاروں کے استعمال کا فیصلہ کر کے آئے تھے۔'' میں نے مین روڈ پر پہنچ جانے کے بعد اس سے کہا ''لیکن حیرت ہے کہ تمہارے حریف نے موقع ملنے کے باوجود کوئی فائر نہیں کیا۔''

''تم اپنی لڑائی میں مصروف تھے اس لیے تم نے کھٹکا نہیں سنا۔'' اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر بتایا ''اس خبیث نے میرے اوپر بے آواز فائر کیا تھا۔ میرے ستارے اچھے تھے کہ گولی میرے سر کے اوپر سے گزر گئی پھر میں نے اسے دوسری گولی چلانے کا موقع نہیں دیا۔ ایک لمبی جست لگا کر اسے دبوچ لیا۔''

''یہ بہت بڑی بات ہے کہ سب کچھ ہمارے منصوبے کے مطابق ہو گیا۔'' میں نے طمانیت کے گہرے احساس کے ساتھ کہا ''ان دونوں کے مخصوص انجام سے نک کو یہ پیغام مل جائے گا کہ میں ڈینی کے روپ میں میدان میں آ چکا ہوں۔''

''اوہ! تو تم ان دونوں کو گولیوں سے محفوظ رکھ کر نک کو یہ پیغام دینا چاہ رہے تھے۔'' اس نے حیرت سے کہا ''لیکن تم یعنی ڈینی تو کرنل داور کا قیدی ہے۔''

میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی ''اس سے بات ہو گی تو سب کچھ تمہارے سامنے آ جائے گا۔''

اول خان نے خاموشی اختیار کر لی۔ اس میں یہ بڑی خوبی تھی کہ وہ آپس میں کبھی غیر ضروری بحث نہیں کرتا تھا۔ میں جو کچھ کہتا تھا، اسے مان لیتا تھا۔

گھر سے روانہ ہونے سے پہلے میں نے اسے یہ ہدایت دی کہ ہم سنیل کے گھر والوں پر فائرنگ سے حتی الامکان گریز کریں گے۔ ان کو کسی اور طریقے سے زیر کرنے کی کوشش کریں گے تو اس نے مجھ سے میرے اس فیصلے کا سبب جاننے کے لیے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ یہ ضرور کہا تھا کہ فائرنگ کی ضرورت کا فیصلہ کون کرے گا اور یہ بات میں نے اس کی صوابدید پر چھوڑ دی تھی۔ اپنی اپنی ضروریات کے مطابق ہم دونوں یہ فیصلہ کرنے کے لیے آزاد تھے کہ اپنے دشمن پر کب فائر کرنا ناگزیر ہو گا۔

****

اجزائے ترکیبی

وکالت کی کلاس میں تمام اسٹوڈنٹس بے حد کوڑھ مغز تھے۔ ایک روز لیکچرر نے وصیت نامہ تحریر کرنے کے موضوع پر ایک طویل لیکچر دیا۔ لیکچر کے اختتام پر انہوں نے اندازہ کرنا چاہا کہ اسٹوڈنٹس کس حد تک لیکچر کو سمجھ پائے ہیں۔ انہوں نے سوال کیا ''وصیت نامہ تحریر کرنے کے لیے کیا چیزیں ضروری ہوتی ہیں؟''

''ایک مرتا ہوا آدمی اور کچھ دولت و جائداد''

ایک طالب علم نے جواب دیا۔

****

''تم نے میرے شکار کو بے ہوش کیا ہے یا مار دیا؟'' کچھ دیر کے سکوت کے بعد اول خان نے نیچی آواز میں سوال کیا۔

''ایک کو بے ہوش کیا ہے۔ تمہارے حریف کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان لوگوں کو کبھی کبھی یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ وہ امریکا میں نہیں دندنا رہے، پاکستان آئے ہوئے ہیں۔ یہاں بدمعاشی کی قیمت خون سے چکانی پڑتی ہے۔''

''یہ بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔'' وہ ہلکی سی جھرجھری لے کر بولا ''سنیل کے گھر پر ان دونوں کی آمد نے ویرا کا یہ نظریہ درست ثابت کر دیا کہ سوبھراج نے قاتلانہ حملے سے بچنے کے بعد یہیں پناہ لی ہوئی تھی۔''

''وہ اکثر ہماری مددگار ثابت ہوتی ہے لیکن یہ بات اس کے سامنے نہ کہہ دینا۔ وہ کئی دن تک نخرے دکھاتی رہے گی۔''

''وہ بے چاری کیا نخرے دکھائے گی۔'' اول خان نے ہمدردانہ لہجے میں کہا ''میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ اس کے ساتھ اکثر زیادتیاں ہوتی رہتی ہیں پھر بھی وہ بہت اپنائیت کے ساتھ تم تینوں کے ساتھ رہ رہی ہے۔''

''صرف سلطان شاہ کبھی کبھی حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ ہم دونوں محتاط رہتے ہیں۔ ویرا کو اتنا معصوم نہ سمجھو۔ وہ کسی سے کم نہیں ہے۔ ہمارا اور اس کا دن رات کا ساتھ ہے۔ تم اسے مجھ سے زیادہ نہیں جان سکتے۔''

''مجھے اندازہ ہے۔'' اول خان معنی خیز لہجے میں بولا

""تمہارے بارے میں بھی وہ اکثر یہی دعویٰ کرتی رہتی ہے۔"

""تمہارے چہرے مہرے سے یہ معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ تم کسی بڑے مقابلے سے نمٹ کر آ رہے ہو۔" میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا پھر پوچھا "میرا کیا حال ہے؟"

""تمہارے دونوں رخساروں کی ہڈیاں پھولی ہوئی ہیں۔ ہر کمانڈو لازمی طور پر ایک اچھا باکسر ہوتا ہے۔ غنیمت ہے کہ تمہارے چہرے پر کوئی کھلا ہوا زخم نہیں آیا۔"

""باکسنگ کی پرانی تربیت کام آ گئی ورنہ میرا چہرہ بھی لہولہان ہو گیا ہوتا۔ میں نے اس کا چہرہ بہت بری طرح ادھیڑا ہے تم کیسے بچ گئے۔ تمہارے فارمولے کے تحت دوسرے آدمی کو بھی اچھا باکسر ہونا چاہیے تھا۔"

""میں ابتدا میں ہی اس سے لپٹ گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے اسے دور رہ کر لڑنے کی آزادی دی تو وہ میرا حلیہ بگاڑ دے گا۔" اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔

میں نے دونوں رخساروں پر ہاتھ پھیرے۔ مجھے ان ہڈیوں میں جلن کا سا احساس ہو رہا تھا۔ ہم نے اس مہم میں اپنے طے شدہ منصوبے کے مطابق جو اہم ترین کامیابیاں حاصل کی تھیں اس کے لیے وہ جلن بہت حقیر سی قیمت تھی۔

گھر پر تینوں بہت بے چینی سے ہماری واپسی کے منتظر تھے۔

میرے چہرے کی بگڑی ہوئی حالت دیکھ کر ان کا مضطرب ہونا فطری تھا۔ میرے کپڑوں پر جا بہ جا خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ دونوں ہاتھوں کی جلد پر بھی خون خشک ہو چکا تھا۔ اول خان نے مختصر الفاظ میں انہیں اپنے مشن کی کامیابی سے آگاہ کر دیا۔

جب میں نے انہیں یہ سمجھایا کہ وہ میرے نہیں، دشمن کے خون کے نشانات تھے تو ان کو قدرے اطمینان ہوا۔ غزالہ اپنی حد سے بڑھی ہوئی تشویش کے باوجود ان لوگوں کی موجودگی میں مجھ سے بہت زیادہ قریب آنے کی ہمت نہ کر سکی لیکن ویرا نے میرے سر پر سوار ہو کر بہت غور سے میری چوٹوں کا معائنہ شروع کر دیا۔

""ویرا ذرا دور رہو۔" میں نے اس کے حد سے بڑھے ہوئے اور بے تکلفانہ قرب پر سٹپٹا کر کہا "تم میرے اوپر چڑھی آ رہی ہو۔"

""خاموشی سے بیٹھے رہو!" اس نے میرے داہنے رخسار کی ہڈی کو نرمی سے سہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے نرسنگ کورس کیا ہوا ہے مجھے معلوم ہے کہ کس طرح زخموں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہاری ہڈیاں سلامت ہیں۔"

اس کے بدن سے پھوٹنے والی مخصوص مہک میں اس کی عمر کے ساتھ کچھ پرفیوم کا بھی دخل تھا۔ وہ بو جب میرے نتھنوں میں گھس کر مجھے پریشان کرنے لگی تو میں نے اول خان کے اصرار کی پروا کیے بغیر، ہاتھ منہ دھونے کے بہانے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

کمرے سے ملحق باتھ روم میں غزالہ بھی میرے ساتھ ساتھ گھس آئی۔ وہ میری حالت پر خاصی دل گرفتہ نظر آ رہی تھی۔

""میں بالکل ٹھیک ہوں، مجھے کچھ نہیں ہوا۔" میں نے اس کے خوبصورت چہرے کو اپنی ہتھیلیوں میں سمیٹ کر، محبت سے اسے سمجھایا "باہر جا کر اول خان سے سنو کہ ہم کتنی بڑی کامیابی حاصل کر کے آئے ہیں۔"

وہ ایک وفا شعار اور محبت کرنے والی بیوی تھی۔ اس وقت اسے میری کسی کامیابی سے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ میرے لیے فکر مند تھی لیکن ضدی نہیں تھی۔ میں نے اسے سمجھا بجھا کر کسی نہ کسی طرح باتھ روم سے بھیج دیا۔

آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر مجھے بھی جھٹکا لگا۔ میں چند ثانیوں تک زاویے بدل بدل کر خود کو دیکھتا رہا۔ مجھے فوری طور پر یہ فکر لاحق ہو گئی تھی میں اس حالت میں فوری طور پر نک کا سامنا کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

کرنل داور کا زخمی چہرہ اس کے ذہن میں بہت سے سنگین شکوک و شبہات کو جنم دے سکتا تھا!

میں نے ہاتھ منہ دھو کر کپڑے تبدیل کیے اور دوبارہ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا فرسٹ ایڈ کا سامان لیے میری منتظر تھی۔ اس دوران میں وہ لوگ اول خان سے ہمارے تازہ ترین معرکے کی پوری تفصیل سن چکے تھے۔

میرا خیال تھا کہ سنیل کے گھر کے قریب حاصل ہونے والی بے مثال کامیابی کے ہیجان میں کھو کر وہ لوگ مجھے بھول جائیں گے لیکن ویرا ہر قیمت پر میری چوٹوں کی ڈریسنگ کرنے پر تلی ہوئی تھی میں نے اسے لاکھ سمجھانا چاہا کہ وہ کھلے ہوئے زخم نہیں تھے، اندرونی ضربات تھیں جو اپنے وقت پر از خود مندمل ہو جاتیں لیکن اس نے میری ایک نہ سنی۔ دوسرے بھی اس کے ہم نوا بن گئے۔

اس کا دعویٰ تھا کہ اس کی ڈریسنگ کے نتیجے میں چوٹوں کے نیچے جما ہوا خون بہت تیزی سے تحلیل ہو گا اور چوبیس گھنٹے

میں نیل کے نشانات معدوم ہونے کے بعد رخساروں کا ورم اترنا شروع ہوجائے گا۔

مجبور ہوکر میں خود کو اس کے رحم وکرم پر چھوڑنے پر مجبور ہوگیا۔

ویرا نے کسی پیشہ ور حجام کی طرح میرے پیچھے کھڑے ہو کر اپنی ہتھیلیوں پر کوئی مرہم لگایا اور پھر ہولے ہولے مضروب رخساروں کی مالش شروع کردی۔

میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا اسے ویرا کی دیدہ دلیری کا ذرا بھی اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ وہ ممنونیت سے لبریز نگاہوں سے ویرا کو دیکھ رہی تھی۔

''میں حیران ہوں کہ امریکا میں ایسے بودے اور نکمے کمانڈو نیل رہے ہیں جن کا نشانہ درست ہے اور نہ وہ مردانہ وار لڑنا جانتے ہیں۔'' چند ثانیوں تک خاموشی سے میری چوٹیں سہلانے کے بعد ویرا نے زبان کھولی۔

''گھر میں بیٹھ کر یہی محسوس ہوتا ہے۔'' اول خان نے اس کی بات کا فوری جواب دیا ''ان دونوں کو خونریز مقابلے کے بعد زیر کیا گیا ہے......''

ویرا نے اس کی بات درمیان سے اڑادی اور بولی ''پھر تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ آج ان دونوں کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے ورنہ لاتوں، گھونسوں اور ہاتھا پائی سے دو امریکی کمانڈوز کا زیر ہونا میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''مار دھاڑ کے بعد آخر میں ڈینی نے ان دونوں کو زہریلی انگوٹھیوں سے زیر کیا تھا۔ وہ موم کے پتلے نہیں تھے جو ہمارا اشارہ پاتے ہی ڈھیر ہوگئے۔ ہم نے جی جان سے مقابلہ کرکے انہیں مارا ہے۔'' اول خان نے وضاحت کی۔

''مقابلے کی خون خواری کا اندازہ ڈینی کے حال سے ہو رہا ہے۔'' ویرا نے نیم استہزائیہ انداز میں بے پروائی سے کہا ''اصل بات یہ ہے کہ میں نے تم دونوں کو صحیح راہ دکھائی۔ یہ ثابت ہوگیا کہ مصیبت میں گھرا ہوا مرد ہمیشہ اپنی محبوبہ کی طرف دوڑ لگاتا ہے۔''

''اور اگر کسی مرد نے محبوبہ نہ پالی ہوئی ہو!'' سلطان شاہ نے پوچھا۔

''وہ بے چارہ گھر جاکر بیوی کی جھڑکیاں سننے پر مجبور ہوتا ہے۔'' ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر جواب دیا ''اس لیے ہر عقل مند بیوی سے زیادہ محبوبہ کی تلاش میں رہتا ہے۔''

ویرا نے ہتھیلیوں سے ہڈیوں کی مالش کے بعد رخساروں پر موٹی موٹی چٹکیاں بھرنی شروع کردی تھیں۔ غزالہ کے

''ناگزیر''

ممتاز رضا صاحب کو ایک سنسان گلی میں ایک ڈاکو نے روک لیا اور پیشانی پر پستول رکھ کر بولا ''تمہارے پاس جو کچھ ہے نکال دو ورنہ بھیجا باہر نکال دوں گا۔''

''نکال دو......'' ممتاز صاحب نے بے پروائی سے کہا ''آج کے دور میں انسان بھیجے کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے...... پیسے بغیر نہیں......''

''احترام''

''فائیو اسٹار ہوٹل کے گارڈ نے جب تمہیں اٹھا کر پچھلے دروازے سے باہر پھینکا تو تم نے اس سے کچھ کہا؟''

''ہاں...... میں نے اسے بتایا کہ میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں۔ میرا تعلق بہت بڑے خاندان سے ہے۔''

''پھر اس نے کیا کہا؟''

''اس نے مجھ سے معذرت کی...... مجھے اٹھا کر اندر لایا......اور پھر اگلے دروازے سے باہر پھینکا۔''

چہرے کے تاثرات دیکھ کر میں خاموش بیٹھا رہا۔ پھر ویرا کو خود اپنی بے شرمی پر شرم آگئی اور اس نے میرے چہرے کے متاثرہ حصوں پر مرہم کا لیپ کرکے مجھے اپنی قید سے آزاد کر دیا۔

سلطان شاہ کی بروقت دخل اندازی کی وجہ سے ویرا کو صحیح قیاس کے بارے میں زیادہ اونچی اڑان لینے کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ بات جہاں تھی وہیں رہ گئی۔

میری طرح اول خان بھی شادی شدہ تھا۔ ویرا کی پھبتی اس پر بھی صادق آتی تھی لیکن اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مربیانہ مسکراہٹ ابھر آئی تھی وہ ویرا کے ساتھ عام طور پر بزرگانہ رویہ اختیار کیے رہتا تھا۔

اس رات کے واقعے سے فوری طور پر دوسرا محاذ بھی کھل گیا تھا۔ ایک طرف سوبھراج کا ہانکا جاری تھا تو دوسری طرف نک کے لیے سنگین مشکلات پیدا کردی گئی تھیں۔ دیکھنا یہ تھا کہ وہ ان سے کیسے نمٹنے کی کوشش کرتا ہے۔

اول خان کی وہ پوری رات برباد ہوچکی تھی۔ اس کے بارے میں مجھے ہمیشہ یہ تشویش رہتی تھی کہ وہ عیال دار آدمی تھا اور اپنے فرائض کی بجا آوری کی وجہ سے اپنے اہل خانہ کو بہت کم وقت دے پایا تھا۔ یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ اس کی بیوی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود ایک صابر وشاکر عورت تھی۔

اول خان کے معمولات کو ایک مجبوری سمجھ کر ہمیشہ بلا عذر قبول کر لیتی تھی۔

پونے چار بجے وہ روانگی کے ارادے سے اٹھا تو ہم میں سے کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اسے دروازے تک چھوڑنے آیا تو اس نے جاتے جاتے سوبھراج اور نک سے میرے متوقع رابطوں کے بارے میں جاننا چاہا اور میں نے سرسری طور پر یہ کہہ کر اسے ٹال دیا کہ فوری طور پر میرا کسی سے کوئی رابطہ کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔

نک کے پاس میرا موبائل فون نمبر موجود تھا۔ وہ جب چاہتا مجھ سے ازخود رابطہ کر سکتا تھا۔ مجھے اس سے چھیڑ چھاڑ میں پہل کرنے کی کوئی عجلت نہیں تھی۔

سوبھراج پر ناکام قاتلانہ حملہ ہونے کے بعد نک نے صرف ایک بار مجھے فون کیا تھا۔ اس نے سوبھراج کی واپسی کا حوالہ دے کر مجھ سے ڈینی کی سپردگی کا مطالبہ کیا تھا جو میں نے ٹال دیا تھا۔ میرا موقف تھا کہ سوبھراج کی واپسی کی اخباری تصدیق سے پہلے میں محض اس کی دی ہوئی اطلاع کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔

باتوں باتوں میں، میں نے اسے یہ جتا دیا تھا کہ میں سوبھراج پر قاتلانہ حملے کی خبر سے غافل نہیں تھا۔ مجھے اس واقعے کی ساری جزئیات معلوم تھیں۔ میں نے اسے تجسس کے ذہنی عذاب میں مبتلا کرنے کے لیے صرف یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کے بھیجے ہوئے دونوں قاتل سوبھراج کو مارنے میں ناکام رہے تھے۔

اپنی دانست میں وہ سوبھراج کو پاکستان بلا کر میری یعنی کرنل داور کی شرط پوری کر چکا تھا جس کے نتیجے میں ڈینی کو اس کے حوالے کر دینا چاہیے تھا۔ وہ اس کی غرض تھی۔ اسے خود مجھ سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔

سوبھراج کا معاملہ نک سے مختلف تھا کیونکہ میں نے اسے رابطے کے لیے کوئی فون نمبر وغیرہ نہیں دیا تھا۔ اسے مجھ سے کوئی کام نہیں تھا، صرف دو روز کی مہلت کی ضرورت تھی میں اسے وہ مہلت دے چکا تھا لیکن مجھے بہت شدت سے اس کی تلاش تھی۔ میں نے ویرا کی رائے کو ضروری اہمیت نہ دے کر سوبھراج کو سنیل کے گھر سے پکڑنے کا موقع کھو دیا تھا۔ وہ بدستور کہیں روپوش تھا۔

سوبھراج کو مقتدر حلقوں سے اپنے قریبی مراسم اور سیاسی رابطوں پر بہت گھمنڈ تھا۔ اسے خاک میں ملانے کے لیے صبح کے کم از کم ایک بڑے اخبار میں اس کے جرائم کی پوری روداد شائع ہونے والی تھی۔

مجھے پوری امید تھی کہ وہ تفصیل پڑھ کر سوبھراج کا دماغ اپنے ٹھکانے پر آ جائے گا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں اس کے بعد سوبھراج سے اس کے سیٹ لائٹ فون پر رابطہ کروں گا تاکہ اس کے آئندہ عزائم کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔

اول خان کو میں نے یہ تفصیل نہیں بتائی لیکن وہ خود سمجھدار تھا۔ جانتا تھا کہ آنے والی صبح کے اخبارات بازاروں میں آنے سے پہلے میرا کسی کو فون کرنا بلا جواز تھا کہ نک کو خود مجھ سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔

''میرا مشورہ ہے کہ اب نک کا فون آئے تو تم اس سے بات نہ کرنا۔'' ویرا نے گویا میرا ذہن پڑھ کر اچانک مجھے مشورہ دیا۔

''کیوں؟ تمہیں یہ نادر خیال کیوں آیا؟'' میں نے پوچھا۔

''سوبھراج آ گیا ہے۔ صبح کے اخباروں میں ساری تفصیل آ جائے گی۔ وہ ڈینی کی واپسی کا مطالبہ کرے گا تو تم کیا جواب دے سکو گے۔''

''اس کا فون آنے دو پھر دیکھا جائے گا کہ اس سے کیا کہنا ہے۔'' میں نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا ''تھوڑی دیر میں ہر طرف صبح کا اجالا پھیل جائے گا۔ ہم سب کو کچھ دیر کے لیے سو لینا چاہیے تاکہ صبح تازہ دم ہو کر توجہ سے اخبار دیکھ سکیں۔''

میں باہر سے لڑ بھڑ کر گھر واپس آیا تھا۔ وہ تینوں شب بیداری کی وجہ سے تھکے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ سب نے میرا مشورہ بے چون و چرا مان لیا۔

روشنیاں گل کر کے میں بستر پر دراز ہوا تو غزالہ والہانہ انداز میں میرے قریب آ گئی اور میرے سینے پر سر رکھ کر کہنے لگی ''کبھی کبھی ویرا ایسی فرشتہ صفت ہو جاتی ہے کہ مجھے اس پر پیار آنے لگتا ہے۔ بے چاری نے اتنی محنت سے آپ کی چوٹوں کی دیکھ بھال کی ہے کہ مجھے اپنے اوپر شرم آنے لگی تھی۔''

''کیوں...... تمہیں کیوں شرم آ رہی تھی؟'' میں نے پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''وہ میرا کام تھا جو ویرا کر رہی تھی۔ اول خان کے لحاظ کی وجہ سے میں بیٹھی رہ گئی۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ اتنی بے لوثی سے آپ کا دھیان رکھتی ہے۔''

میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ غزالہ سے ویرا کے بارے میں کوئی منفی بات کہہ کر میں اس کا بھرم نہیں توڑنا چاہتا تھا۔

ڈرائنگ روم میں مجھے واقعی نیند آ رہی تھی لیکن بستر پر

پہنچنے کے بعد غزالہ کا محبت آمیز قرب میسر ہوا تو نیند اڑ گئی۔ ہم دیر تک ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے پھر نیند اور تکان کا دوسرا غلبہ ہوا اور اس بار میری آنکھ لگ گئی۔

گہری نیند میں موبائل فون کی گھنٹی کا مسلسل شور اس قدر خلل انداز ہوا کہ آخر کار میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے غنودگی کے عالم میں سائڈ ٹیبل سے موبائل فون اٹھا کر کال وصول کی تو دوسری طرف سے نک مجھے صبح بخیر کہہ رہا تھا۔

''نک! اتنے سویرے فون کرنے کی کیا تک ہے!'' میں نے اسے کوئی معقول جواب دینے کے بجائے ناگواری سے کہا ''کم از کم دوسروں کے آرام کا خیال تو کیا کرو۔''

''یہ سویرا نہیں ہے، اس وقت صبح کے آٹھ بج چکے ہیں۔'' اس کی آواز آئی ''اگر تم دیر تک سونے کے عادی ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔''

''میں نیند بھر کر ڈیڑھ دو گھنٹے بعد تمہیں فون کروں گا۔'' میں نے اپنی جان چھڑانے کے لیے بیزاری سے جواب دیا۔

''نہیں کرنل...... اٹھ گئے ہو تو بات بھی کر لو۔ یہ بہت ضروری ہے۔'' اس کی آواز سے فکرمندی اور گہری تشویش کا اظہار ہو رہا تھا۔

''کیا تمہیں اپنے کمانڈوز کے حملے کا انجام معلوم ہو گیا؟'' میں نے بستر چھوڑ کر، کرسی سنبھالتے ہوئے ذرا ترش لہجے میں سوال کیا۔

''ہاں!'' اس نے کسی عذر کے بغیر اعتراف کر لیا ''وہ بچ گیا، اس کے دو نوکر مارے گئے۔ میں پھر بتا دوں کہ وہ میرے کمانڈوز نہیں تھے۔''

''جو بھی تھے، یہ طے ہے کہ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں بری طرح ناکام رہے۔''

''فی الحال یہی کہا جا سکتا ہے۔ وہ بری طرح زخمی ہوا ہے۔ امید نہیں ہے کہ زندہ بچ سکے گا۔ یہ بتاؤ کہ ڈینی کو کب میرے حوالے کر رہے ہو۔''

''ابھی اس کا ذکر نہ کرو۔ یہ پتا چلانے کی کوشش کرو کہ سوبھراج کہاں چھپا ہوا ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''اسے ڈھونڈنا میرا دردِ سر نہیں ہے۔ تم اس کی پاکستان واپسی کے خواہاں تھے۔ میں نے یہ شرط پوری کر دی۔ اب تم اپنا وعدہ پورا کرو۔ ڈینی کو میرے سپرد کر دو۔ میں اس کام میں زیادہ تاخیر کا متحمل نہیں ہو سکتا۔''

''میں نے اسے پالنے پوسنے کے لیے پاکستان نہیں بلایا تھا۔'' میں نے تلخی سے جواب دیا ''وہ ایک غدار سیاست داں ہے۔ اسے اس کے کیفرِ کردار تک پہنچانا بہت ضروری......''

''یہ تمہارے مسائل ہیں۔ ان سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اس نے اضطراری انداز میں میری بات درمیان سے اچک لی۔

''یہ نہ کہو نک! مسائل میرے ہیں۔ سوبھراج میرا مجرم ہے لیکن اس کی روپوشی کے ذمے دار تم ہو۔'' میں نے سختی سے کہا۔

''کیا میں نے اسے کہیں چھپایا ہے؟'' اس کی آواز تلخ ہو گئی۔

''تم نے نہیں چھپایا لیکن اسے بھگانے کی ذمے داری تمہارے سر ہے۔ وہ آرام سے پاکستان آ گیا تھا۔ تم لوگوں نے اپنی پھرتی دکھانے کے لیے بہت تیزی سے اس پر ایک اوچھا وار کیا اور اس نے خطرہ بھانپ کر روپوشی اختیار کر لی۔ اب میرے ساتھ تم کو بھی اس وقت کا انتظار کرنا ہوگا جب وہ میدان صاف پا کر دوبارہ منظر عام پر آئے گا۔''

''کیا میں سمجھ لوں کہ تم اپنے وعدے سے پھر رہے ہو؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''تیزی نہ دکھاؤ اور تحمل سے میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں اپنے وعدے پر سختی سے قائم ہوں۔ پاکستان آ کر روپوش ہونے سے بہتر تھا کہ سوبھراج بنکاک میں رہتا۔ کم از کم مجھے یہ تو معلوم تھا کہ وہ کہاں ہے۔ اب اس کے بارے میں ہم سب اندھیرے میں ہیں۔ وہ سامنے آ جائے، میں ڈینی کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔''

''وہ ایک پرانا سیاست داں ہے۔ زیادہ عرصے تک روپوش نہیں رہے گا۔ یہاں اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ تم یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہے کہ اپنا خوف دور ہو جانے پر وہ دو چار دنوں میں منظر عام پر آ جائے گا......''

''اسی وقت میں ڈینی کو دوبارہ پکڑ کر تمہارے حوالے کر دوں گا۔'' میں نے اچھی طرح سوچ سمجھ کر اپنی بات میں

دوبارہ پکڑنے کا شوشا لگا دیا۔
''دوبارہ پکڑنے سے کیا مطلب ہے تمہارا!'' میری توقع کے عین مطابق وہ حیرت اور بے اعتباری سے تقریباً چیخ اٹھا تھا ''اس وقت ڈینی کہاں ہے؟''
''مجھے سخت افسوس ہے نک کہ کل رات وہ مجھے جل دے کر نکل گیا۔'' میں نے گہرے تاسف کے ساتھ کہا ''میں نے اس کی قید کے سلسلے میں کسی کو اپنے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ یہ راز داری کا چکر مجھے لے ڈوبا۔ میں رات کو اسے کھانا دینے کے لیے گیا تو وہ کسی ترکیب سے اپنی بندشوں سے نجات حاصل کر چکا تھا۔ میرے جھکتے ہی اچانک مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ سخت مقابلہ ہوا اور وہ مجھے ادھ موا کر کے فرار ہو گیا۔''
''تم بکواس کر رہے ہو، تم جھوٹے ہو، میں تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کر سکتا۔''
''میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ہوں لیکن وہ میرے ہاتھوں سے نہیں بچے گا۔ اب وہ ہر وقت میری دسترس میں ہے۔ ابھی تک اسے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ پچھلے دنوں کس کا قیدی تھا۔ وہ مجھے سوبھراج کے کیمپ کا کوئی لالچی غنڈا سمجھ رہا ہے جو بالا ہی بالا انعام کی ساری رقم خود ہضم کرنا چاہ رہا تھا۔''
''تم پکے فراڈ اور دھوکے باز ہو۔ وہ بھاگ گیا تھا تو تم کو اسی وقت مجھے مطلع کرنا چاہیے تھا تاکہ میں اس کا توڑ کر کے نقصان سے بچا رہتا۔'' اس کی آواز غضب ناک ہو گئی ''میں حیران تھا کہ وہ شہر میں کیسے دندناتا پھر رہا ہے۔''
اس نے فرط جوش میں اپنے نقصان کا ذکر کر دیا تھا۔ کھل کر سنیل کے گھر پر پیش آنے والے واقعے کے بارے میں ایک لفظ نہیں بتایا تھا۔
''اس نے مجھے زک پہنچائی ہے، تمہارا کیا بگاڑا ہے؟'' میں نے انتہائی معصومانہ لہجے میں تعجب سے سوال کیا۔
''تم جھوٹے ہو۔'' قدرے توقف کے بعد اس کی آواز ابھری ''وہ تمہارے قبضے میں ہے۔ تم اسے میرے حوالے نہیں کرنا چاہتے اس لیے یہ بہانہ کر رہے ہو۔'' اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا تھا۔
''یہ بہانہ نہیں، حقیقت ہے۔'' میں نے اس کی مکاری کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا ''وہ خود نہ بھاگتا تو میں زیادہ دنوں تک اسے اپنی قید میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کے ساتھی اس کی گمشدگی سے بے چین ہو رہے تھے۔ وہ ڈینی کی تلاش کی مہم شروع کر دیتے تو میرے لیے اسے چھپائے رکھنا ناممکن ہو جاتا۔ وہ لوگ بہت طاقت ور ہیں۔''
''میں یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ وہ تمہیں مار پیٹ کر بھاگ گیا۔''
''مجھ سے ملو گے تو میرا چہرہ دیکھ کر تمہیں یقین آ جائے گا۔ اس مردود نے بہت بے رحمی سے میرا چہرہ بگاڑا ہے۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ کسی طرح نقاب نوچ کر میرا چہرہ دیکھ لے لیکن وہ آخر تک اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا۔''
''اس نے تم کو نہیں دیکھا لیکن اپنے قید خانے کو ذہن نشین کر لیا ہوگا۔ اس کے سہارے وہ آسانی سے تم تک پہنچ سکتا ہے۔'' نک کی آواز سے مسلسل بے اعتباری جھلک رہی تھی۔
''اسے مر کر بھی کچھ پتا نہیں چل سکے گا۔ وہ ملیر کے دور افتادہ علاقے میں پی ڈبلیو ڈی کے ایک ویران گودام کا کمرا تھا جہاں میں نے اسے رکھا تھا۔ میں نے اس پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہر ممکنہ خطرے کا توڑ کر لیا تھا۔''
اس سے وہ گفتگو کرتے ہوئے میں اس کی زبان سے دوبارہ اس کے نقصان کا ذکر سننا چاہ رہا تھا جسے اس نے گول کیا ہوا تھا۔ وہ روانی میں یہ بھی کہہ گیا تھا کہ اسے شہر میں ڈینی کی آزادانہ موجودگی کے آثار پر شدید حیرت تھی۔
''نہیں کرنل۔'' اس بار نک کی آواز سخت اور بے رحمانہ تھی ''میں تمہاری اس بے سروپا کہانی پر یقین نہیں کر سکتا۔ فوری طور پر ڈینی کو میرے حوالے کر دو ورنہ میں وہ قدم اٹھاؤں گا جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا۔''
''ایک وقت میں ایک قدم اٹھانا، دوسرا اٹھایا تو اوندھے ہو جاؤ گے۔'' اس کے لہجے پر مجھے بھی طرارہ آ گیا۔
''میں یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاؤں گا کہ کرنل داور اور ڈینی ایک ہیں۔'' نک کی وہ دھمکی سن کر میری رگ و پے میں سنسنی کی ایک لہری دوڑ گئی۔
''تم جو چاہو سمجھتے رہو۔'' میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں جواب دیا ''تمہاری دھمکیوں سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ وہ وہی رہیں گے جو ہیں۔ یہ تمہاری......''
اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔ درمیان میں ہی غصیلی آواز میں غرایا ''او کے کرنل! اب میں تمہیں تماشا دکھاؤں گا۔''
نک کے ان الفاظ کے ساتھ فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔
میرے لیے یہ بات سخت پریشانی اور تشویش کا باعث تھی کہ سوبھراج کا فتنہ ختم ہونے سے پہلے ہی نک میرے خلاف دوسرا سرگرم محاذ کھولنے پر تل گیا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

چڑھادیا گیا۔اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آرتھر کی بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا‘ ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اشارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ ہمارا اگلا مرحلہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جارہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کردیا تھا۔ اس نے میری تلاش میں جہانگیر کے گولڈ فارمیسی تک رسائی حاصل کرلی تھی جہاں اس سے میرا ٹکراؤ بھی ہوا مگر اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ بن نے ایجنٹوں کے ذریعے اپنی مذموم کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا مگر وہ ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انہیں ٹرانسیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی تائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی تائن پر دھاوا بولا اور ایک جاں گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے خود ہی اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کرلیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کے ہم سب کو چوکنا کردیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے تک ہاروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیبی کے خلاف ہوگیا ہوں۔ اس نے میرے جھانسے میں آکر مقامی ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں ٹپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر کے مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان نامی ایک مشکوک شخص تواتر کے ساتھ ہوٹل میں قیام کرتا رہا تھا اور اس وقت بھی ہوٹل میں موجود تھا۔ میں نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ بعد کی تحقیق نے ثابت کیا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں تل والی مشکوک لڑکی سلمٰی سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کردیا۔ اس حلیے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہوگئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہوسکتی تھی۔ اسی اثنا میں تک ہاروے نے تصدیق کردی کہ ڈیبی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کرلیا۔ ان میں سے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہوسکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کی فرضی رضاکارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کرلیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہوگی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بجلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا تھا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کرسکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہوگیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا ناکافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے منلقات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہوگئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہوگئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کرلی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں تک ہاروے سے بات کرکے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کرلی۔ میری اس خواہش پر تک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیبی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کرادی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہوسکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کی سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کرلیا تھا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہوگیا تھا۔ اسی وقت تک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوش گوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک تک کے افسر نے اپنا ریوالور میری کنپٹی سے لگادیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کردیا۔ تک کے بقول اس کا افسر ڈیبی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں سے اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کرلی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آگیا تھا۔ دوسرے دن تک نے مجھے بلوا کر اپنی گن میرے سپرد کردی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈیبی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تھا جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ تک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے تک کو آگاہ کردیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پچھاڑنا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کرلے مجھے امید تھی کہ تک اس پر دوسرا حملہ ضرور کرائے گا۔ اسی دوران تک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیبی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیبی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

”کس کا فون تھا...... کیا بات ہے۔ آپ بہت پریشان نظر آرہے ہیں۔“ غزالہ کی نرم اور محبت آمیز آواز نے میرے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا۔

میں نے اپنے موبائل فون پر تک کی کال وصول کی تو وہ مسہری پر بے خبری کی گہری نیند سو رہی تھی۔ دوران گفتگو وہ نہ جانے کب جاگ گئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس نے میری آخری گفتگو پوری بیداری کے عالم میں اور توجہ سے سنی تھی۔

”تک تھا!“ میں نے ایک گہرا سانس لے کر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا ”وہ رات کے واقعے سے خوف زدہ ہونے کے بجائے مشتعل ہوگیا ہے۔“

میری کوشش اور خواہش تھی کہ میں جھوٹ بولے بغیر اسے اس صورتِ احوال سے آگاہ کردوں کہ اس کے نیم خوابیدہ ذہن پر زیادہ دباؤ نہ پڑے۔

”فون اس نے کیا تھا یا آپ نے پہل کی تھی۔“ اس نے وال کلاک کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”اسی کا فون آیا تھا۔ مجھے کال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ میں نے بے پروائی سے کہا ”فون کی گھنٹیاں سن کر میں گہری نیند سے بیدار ہوا ہوں۔“

”پولیس والوں کی کارروائیاں سست ہوتی ہیں۔ اسے اپنے کمانڈوز کے انجام کا علم دیر سے ہوا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اسے لاش کی شناخت کے لیے تھانے وغیرہ بھی جانا پڑا ہو۔ اس نے ان چکروں سے نمٹتے ہی آپ سے رابطہ کیا ہوگا۔ سوبھراج کو مروانے کی دو کوششوں میں اپنی ناکامی کے بعد وہ شاید اس نتیجے پر پہنچ چکا ہے کہ اب وہ تیسری مرتبہ سوبھراج پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوسکے گا......“

”تمہارا اندازہ کسی حد تک درست ہے۔ وہ مصر تھا کہ

سوبھراج پاکستان آ گیا۔ اب مجھے ڈینی کو اس کے حوالے کر دینا چاہیے۔''

''اور آپ نے انکار کر دیا ہوگا۔'' غزالہ نے مسکرا کر پُرسکون انداز میں قیاس آرائی کی اور آگے بولی ''وہ آپ کے انکار سے مشتعل ہوا ہوگا۔ آپ نے کیسے کہہ دیا کہ وہ رات کے واقعے کی وجہ سے اشتعال کی حالت میں ہے۔''

''بات ایک ہی ہے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا ''اس نے رات کے واقعے کے نتائج سے آگاہ ہونے کے بعد مجھ سے رابطہ کیا تھا۔''

''شاید آپ اس کی باتوں سے اُلجھ گئے ہیں۔ ورنہ یہ نہ کہتے۔'' غزالہ نے تحمل اور بردباری کے ساتھ کہا ''کل صبح ہونے والے ناکام قاتلانہ حملے کے بارے میں وہ یوں انجان بن گیا جیسے اسے اس واقعے کا علم ہی نہ ہو۔ اپنی صداکاری سے وہ سوبھراج کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانے میں اس حد تک کامیاب ہو گیا کہ سوبھراج نے اسے اپنی کمین گاہ کے بارے میں بتا دیا۔ یہ نک کے لیے سنہرا موقع تھا۔ اس کا خیال تھا کہ صبح کے حملے میں ناکامی کا منہ دیکھنے والے دونوں کمانڈوز اپنی غلطی کا ازالہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس نے ان ہی دونوں کو سنیل کے گھر کی طرف ہانک دیا۔ جہاں سوبھراج کو موجود ہونا چاہیے تھا.....''

غزالہ کی بات طویل ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے مضطرب ہو کر اس کی بات کاٹ دی ''یہ سب درست ہے۔ ان باتوں کو نہ دہراؤ۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔''

وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی ''ارے بھئی، وہ سمجھ رہا تھا کہ دونوں کمانڈوز سنیل کے گھر جائیں گے اور اسے ذبح کر کے کامیابی کے شادیانے بجاتے ہوئے لوٹ جائیں گے۔ یوں وہ اپنے ایک غدار کو سزا دینے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن اس کی وہ بساط اسی پر الٹ گئی۔ نہ صرف سوبھراج ان لوگوں کے ہاتھ نہیں آیا بلکہ ان میں سے ایک مارا گیا اور دوسرا پولیس کی تحویل میں ہے۔ اس انجام پر اسے صرف اور صرف مایوسی ہو سکتی تھی۔ اتنی بڑی ناکامی پر اس کے مشتعل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

میں اپنے سر کی اثباتی جنبش سے اس کی ساری بات سنتا رہا پھر کہا ''تھوڑی دیر کے لیے میں تمہاری بات مان لیتا ہوں لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اصل اہمیت اس کی دھمکی کی ہے۔ وہ اشتعال یا مایوسی کے عالم میں بالکل صحیح نتیجے پر پہنچا ہے۔ کرنل داور اور ڈینی کو ایک شخصیت کے دو روپ قرار دے کر اس نے مجھے فکرمند کر دیا ہے۔''

''آپ غیر ضروری طور پر فکرمند ہو رہے ہیں۔ ایک شکست خوردہ حریف کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ اس کی بات کو اتنی اہمیت نہیں دینی چاہیے۔''

میں نے غزالہ کو کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا مشورہ سن کر خاموشی اختیار کر لی۔

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ مجھ سے فون پر بات کرتے ہوئے نک کو ڈینی کے فرار کی خبر سن کر سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ یہ حساب لگائے بیٹھا تھا کہ سوبھراج کو پاکستان میں واپس بلانے کے بعد وہ کرنل داور کی بنیادی شرط پوری کر دے گا اور اس کے نتیجے میں ڈینی اس کی تحویل میں آ جائے گا۔

یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس نے سوبھراج کو واپس بلانے پر اکتفا نہیں کیا۔ اس کی دانست میں سوبھراج نے ویرا کو قید کر لینے کے معاملے میں غیر ضروری رازداری سے کام لے کر اس سے غداری کا ارتکاب کیا تھا۔ وہ زیادہ دیر تک ویرا کو اپنی قید میں رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ وہ اسے جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

نک کی نظروں میں سوبھراج کا وہ جرم ناقابلِ معافی اور غداری پر مبنی تھا۔ ویرا کی قید کی خبر چھپا کر اس نے ایف بی آئی جیسے معتبر اور مقتدر امریکی ادارے کو فریب دینے کی کوشش کی تھی جس کی سزا موت سے کم نہیں ہو سکتی تھی۔

اس نے سوبھراج کے پاکستان لوٹتے ہی اس پر قاتلانہ حملہ کرایا اور سوبھراج خطرہ بھانپ کر روپوش ہو گیا۔

نک بہت چالاک افسر تھا۔ وہ اپنی چرب زبانی سے سوبھراج کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ قاتلانہ حملے کی سازش میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ سوبھراج نے اس کی باتوں میں آ کر اسے یہ بتا دیا کہ اس وقت وہ اپنے راج محل کے بجائے اپنے ملازم سنیل کے گھر پر پناہ گزین تھا۔

نک اس کے لہو کا پیاسا ہو رہا تھا۔ وہ ایف بی آئی کے غدار کو جلد از جلد اس کے کیفر کردار تک پہنچانے کا خواہاں تھا۔ سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہوتے ہی اس نے اپنے غدار پر دوسرے اور بھرپور قاتلانہ حملے کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔

یہ اس کی مزید بدنصیبی تھی کہ اسی دوران میں، میں نے سوبھراج سے رابطہ کر لیا اور کسی نہ کسی طرح اسے اپنی نیک نیتی کا یقین دلا کر بعض اہم باتیں معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے اسے بتا دیا کہ اگر نک اس کی نئی پناہ گاہ سے واقف ہو چکا ہے تو پھر اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ اس پر کسی بھی وقت دوسرا قاتلانہ حملہ ہو سکتا ہے۔

بات سوبھراج کی سمجھ میں آ گئی۔ نک کے متوقع وار سے بچنے کے لیے اس نے فوری طور پر سنیل کا گھر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس وقت تک مجھے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ سوبھراج نے کہاں پناہ لی ہو گی۔ اس نے مجھ سے سنیل کے گھر کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ اس بارے میں ویرا نے باتوں ہی باتوں میں میری رہنمائی کی اور مجھے بھی یقین ہو گیا کہ سوبھراج اس وقت سنیل کے گھر پر ہی ہو سکتا ہے۔

میرے اس نتیجے پر پہنچنے سے پہلے سوبھراج کو کافی وقت مل چکا تھا۔ وہ نک سے خوف زدہ تھا۔ یہ امکان دور دور تک نہیں تھا کہ ایک سنگین خطرے کی بھنک مل جانے کے بعد بھی وہ اپنے اسی ٹھکانے پر رکا رہا ہو گا۔

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ اولین فرصت میں سنیل کو اپنے ساتھ لے کر وہاں سے نکل چکا تھا۔

نک اس خوش فہمی میں مبتلا رہا کہ اس نے سوبھراج کو اپنی بے گناہی کا یقین دلا دیا ہے۔ اس نے سوبھراج پر دوسرا وار کرنے میں عجلت سے کام نہیں لیا۔ اس کے دو کمانڈوز رات گئے سنیل کے گھر پہنچے اور میرے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے۔

سنیل کے گھر کے باہر جو کچھ ہوا۔ وہ سنسنی خیز اور چشم کشا تھا۔ وہاں آنے والے دو امریکیوں میں سے ایک مارا گیا تھا۔ دوسرا پکڑا گیا تھا۔ ان دونوں کی بدترین ناکامی کے بعد نک مر کر بھی سوبھراج کو اپنی خیر خواہی کا یقین نہیں دلا سکتا تھا۔

یہ بات نک بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ پچھلی رات کی ناکامی کے بعد وہ سوبھراج کے سامنے بے نقاب ہو گیا تھا۔ ایک طرف وہ سوبھراج کی رفاقت سے محروم ہو کر، اس کی کھلی دشمنی مول لے چکا تھا۔ دوسری طرف کرنل داور نے اسے ڈینی کے بارے میں دھتا بتائی تھی۔ ابتدا میں سہل نظر آنے والا ہر کام بری طرح ناکامی سے دوچار ہو چکا تھا۔

سوبھراج کے بنکاک سے کراچی واپس پہنچتے ہی نک کو پے در پے جس طرح ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، ان کی روشنی میں اس پر مایوسی اور بد دلی کا غلبہ ہونا لازمی تھا۔ ایسی حالت میں وہ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اسے سوبھراج پر تیسرا مہلک وار کرنے کا موقع ملنے کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ میں نے کرنل داور کی حیثیت سے اسے دوٹوک الفاظ میں بتا دیا تھا کہ ڈینی میری قید سے فرار ہو چکا تھا اور جب تک سوبھراج اپنی روپوشی ترک کر کے منظرِ عام پر نہیں آئے گا، میں ڈینی کے خلاف کوئی بڑی کارروائی نہیں کر سکوں گا۔

میرا اندازہ تھا کہ مقررہ مدت میں اپنے اہداف حاصل نہ کر سکنے کی بنا پر امریکا سے نک کے تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اس نے اپنے بڑوں کی نظروں میں سرخ روئی حاصل کرنے کے لیے کچھ جتن کر کے عارضی طور پر اپنا تبادلہ رکوا لیا تھا۔

میری یعنی کرنل داور کی یقین دہانیوں کی بنا پر وہ پرامید ہو گیا تھا کہ پاکستان سے جاتے جاتے، وہ نہ صرف سوبھراج جیسے غدار کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچا دے گا بلکہ ڈینی جیسے خطرناک اور مطلوب مجرم کو اپنی تحویل میں لے کر ہر طرف تہلکہ مچا دے گا۔

اس کے وہ سنہرے خواب خاک میں مل چکے تھے۔ شاید غزالہ درست کہہ رہی تھی۔ نک کی ساری باتیں ایک ہارے ہوئے جواری کی ہرزہ سرائیوں سے زیادہ وقعت کی حامل نہیں تھیں۔ اس کے بلند بانگ دعوؤں کی ناکامی کے بعد مجھے نظر آ رہا تھا کہ اب اس کے بڑے اس کی کسی بھی بات کو زیادہ وقعت نہیں دیں گے۔

کچھ دیر کی خاموشی میں وہ سارا تجزیہ کر لینے کے بعد میں نے مسکرا کر غزالہ کی طرف دیکھا اور نرمی سے کہا ''تمہاری باتیں قرینِ قیاس ہیں۔ مجھے نک کی ہذیانی باتوں پر متفکر نہیں ہونا چاہیے۔ اب وہ اپنے بڑوں کا اعتبار کھو چکا ہے۔ اس کی کسی بھی بات پر زیادہ دھیان نہیں دیا جائے گا۔''

''وہ اب چند دنوں کا مہمان ہے......'' غزالہ نے مسکراتے ہوئے اپنی بات شروع کی جو میں نے چونک کر حیرت سے کاٹ دی۔

''کیوں؟ تم کس بنیاد پر یہ بات کہہ رہی ہو۔''

میرے ردِعمل پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی ''میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ چند دنوں میں عالمِ بالا کی طرف رخصت ہو جائے گا۔ ایسے فیصلے آپ ہی کر سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان دنوں آپ لوگوں نے امریکیوں پر ہاتھ اٹھانے سے گریز کیا ہوا ہے۔''

''بس غیر ضروری خوں ریزی سے بچ رہے ہیں۔ ان کی حرکتیں حد سے متجاوز ہونے لگیں تو پھر ہم بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے رہیں گے۔ کل رات کو ہی ان کا ایک کمانڈو مارا گیا ہے۔''

''امریکی اپنی طاقت کے نشے میں اندھے ہو گئے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ سنیل کے گھر کے پاس اپنے کمانڈوز کی موجودگی کا کیا جواز دیں گے۔''

''وہ باقاعدہ مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے ہیں۔ سنیل

کی بیوی گواہی دے گی کہ ان میں سے ایک نے اس کے گھر میں گھس کر کسی قسم کی پوچھ گچھ کی تھی۔ ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم نک کے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں۔''

''وہ آپ کو خود بتا چکا ہے کہ اس کا سامان تیار ہے۔ وہ کسی بھی وقت یہاں سے کوچ کر سکتا ہے۔ شاید اسے مصلحت کے تحت کچھ دنوں کی چھٹی دی گئی تھی۔ کمانڈوز والے قصے کو دبانے کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ اسے جلد از جلد پاکستان سے رخصت کر دیا جائے۔''

''اب اس کا چلا جانا ہی بہتر ہے۔ یہاں رکا رہا تو وہ کسی وقت میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔ وہ ہماری دی ہوئی ڈھیل کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔''

''وہ آپ کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔ رات کے واقعے کے بعد سوبھراج بھی اس کی جان کا دشمن ہو جائے گا۔ اس نے صرف نک کو یہ بات بتائی تھی کہ وہ سنیل کے گھر میں پناہ گزین ہے۔ وہاں مارے اور پکڑے جانے والے امریکی کمانڈوز کا قصہ اب تک اس کے علم میں آ چکا ہوگا۔ جب کوئی قریبی حلیف دشمنی پر تل جائے تو اس سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔''

''اب تک کھیل کے سارے کردار چھپے ہوئے تھے ان کے چہرے بے نقاب ہو جانے کے بعد کھیل میں یکا یک تیزی آ جائے گی۔ دیکھنا ہوگا کہ سوبھراج کیا کرتا ہے۔''

غزالہ سے وہ فقرے کہہ کر میں تیزی سے باتھ روم میں چلا گیا۔ اپنے سر سے نیند کا خمار دور کرنے کے لیے میں شدت سے غسل کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

ہمارے لیے سب کچھ بہت واضح تھا لیکن نک کی قلابازیاں جاری تھیں۔ اس نے اپنی تازہ ترین گفتگو میں سوبھراج پر کیے جانے والے قاتلانہ حملے کا اعتراف کیا تھا لیکن پچھلی رات کو کیے جانے والے دوسرے ناکام حملے کے بارے میں کھل کر ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ باتوں کی روانی میں اس نے بس اتنا ضرور کہا تھا کہ ڈینی شہر میں دندناتا پھر رہا تھا اور اس کی آزادی سے اسے نقصان پہنچا تھا۔

اپنی پوری کوشش کے باوجود میں اس کی زبان سے ان دو فقروں کے سوا کوئی بات اگلوانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

اپنے بدن پر گرم اور ٹھنڈے پانی کی تیز دھاریں بہا کر میں نے پوری دل جمعی کے ساتھ غسل کیا، تر و تازہ ہو کر لباس تبدیل کیا اور باتھ روم سے نکل کر میز پر پہنچا تو وہ تینوں مجھ سے پہلے وہاں موجود تھے۔

ویرا کے سامنے وہی کثیر الاشاعت اخبار پھیلا ہوا تھا۔ جس کا ایک اہم نامہ نگار اول خان کا گرویدہ تھا۔

''حیرت ہے کہ آج تم اتنے سویرے ناشتے کی میز پر نظر آ رہی ہو!'' میں نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے، ہنس کر ویرا سے کہا۔

''مجھے بے چینی سے اخبار کا انتظار تھا۔ اس میں سب کچھ آ گیا ہے اور اب سوبھراج کی سلامتی کا ہر دروازہ بند ہو چکا ہے۔'' ویرا نے اخبار سمیٹتے ہوئے کہا۔

''تم نے ڈینی کو اخبار کی اہم ترین خبر کے بارے میں نہیں بتایا۔'' سلطان شاہ نے اسے ٹوکا۔

''کیا سوبھراج کے کرتوتوں کے علاوہ بھی اخبار میں کوئی اہم خبر ہے؟'' میں نے حیرت کے ساتھ اس سے پوچھا۔

''کہہ سکتے ہو۔'' سلطان شاہ سے پہلے ویرا بے پروائی سے بولی ''جلال کی کوششیں بار آور ہوئی ہیں۔ اسلام آباد میں چھایا ہوا جمود ٹوٹ چکا ہے۔''

''آگے بھی تو کچھ بکو۔'' اس کی خاموشی پر میں نے جھلا کر کہا۔

''سوبھراج سے ساری مراعات واپس لے لی گئیں ہیں اور اس کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں ڈال دیا گیا ہے۔'' سلطان شاہ نے بتایا۔

''ویری گڈ!'' میں نے اپنے دل کی گہرائی سے کہا ''یہ خبر ایک دن بعد سامنے آتی تو میں سمجھتا کہ سوبھراج کے خلاف اخباری کہانیوں کے نتیجے میں یہ قدم اٹھایا گیا ہے لیکن کہانیوں کے ساتھ اس خبر کی اشاعت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اسلام آباد والوں نے آخر کار جلال کی باتوں پر یقین کر لیا ہے۔''

''ذرا خبر پڑھ لو۔ پہلے صفحے پر ہی ایک کالم کا نمایاں بکس چھاپا گیا ہے۔'' سلطان شاہ نے مشورہ دیا ''خبر کی زبان بہت محتاط ہے۔''

میں نے ویرا کے سامنے رکھا ہوا اخبار اٹھا لیا۔ اس کے پہلے صفحے پر ایک سنسنی خیز، چار کالمی سرخی میں سوبھراج کا نام نمایاں تھا۔ اسی کے برابر میں حاشیے کے ساتھ وہ ایک کالمی خبر تھی کہ وفاقی وزارت داخلہ نے بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر ملک کے نامور اور معزز سیاست داں سے عارضی طور پر ساری مراعات واپس لے لی ہیں۔ اخبار نے اپنے طور پر صرف اتنا اضافہ کیا تھا کہ وفاق کی طرف سے اس فیصلے کی وجوہ ظاہر نہیں کی گئیں۔ صرف یہ کہا گیا ہے کہ بعض نازک معاملات کی چھان بین کے بعد مراعات بحال کر دی جائیں گی۔

''یہ آج کی سب سے بڑی خبر ہے۔'' میں نے اخبار ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا ''اپنے سر سے وفاقی تحفظ کی چھتری ہٹ جانے کے بعد سوبھراج یکا یک یتیم ہو گیا ہے۔ اب وہ اپنے بدترین انجام سے نہیں بچ سکے گا۔''

''وہ اتنا احمق نہیں ہے کہ اسے آسانی سے مار لیا جائے۔'' ویرا نے میرے لیے ٹوسٹ پر مکھن لگاتے ہوئے کہا ''تک نے اس پر دو او چھے وار کر کے اسے ہوشیار کر دیا ہے۔ وہ منظر عام پر آنے کے بجائے روپوش ہے......''

''وہ کب تک روپوش رہے گا؟'' غزالہ نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا ''وہ بہت بڑے سیاسی، سماجی اور معاشرتی رتبے کا مالک ہے۔ یہاں اس کے کثیر اثاثے ہیں۔ وہ کب تک روپوش رہے گا۔ اسے جلد از جلد سامنے آ کر اپنا دفاع کرنا ہوگا۔''

''میری خواہش بھی یہی ہے کہ وہ جلد از جلد سامنے آجائے۔ وہ اس ملک سے دہری غداری کا مرتکب ہوا ہے۔ ایک طرف وہ را والوں کے کلیدی مہرے کا کردار ادا کر رہا تھا تو دوسری طرف وہ امریکا کی خفیہ ایجنسیوں کی فیلڈ فورس کا نگراں تھا۔'' میں نے حسرت زدہ لہجے میں کہا ''ایک بار وہ سامنے آ جائے تو میں اس سے یہ دونوں حساب بے باق کر لوں گا۔''

''وہ ان خطرات سے اچھی طرح واقف ہے۔'' ویرا نے تلخ لہجے میں کہا ''وفاقی وزارت داخلہ کے حکم نامے نے اس کے تابوت میں آخری کیل جڑ دی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج جلال اس کی گرفتاری کے وارنٹ حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو جائے۔ اب سوبھراج آسانی سے منظر عام پر نہیں آئے گا۔ آدمی کی جان خطرے میں ہو تو وہ کسی چیز کی پروا نہیں کرتا۔ اپنی جان بچانے کے لیے عزت، شہرت اور دولت سمیت ہر چیز کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔''

''سوبھراج ان لوگوں میں سے نہیں ہے۔'' سلطان شاہ بولا ''وہ اپنی عزت اور ساکھ کے لیے بہت فکر مند رہتا ہے۔ وہ ہر قیمت پر خود کو بچانے کی کوشش کرے گا۔''

''ضرور کرے گا۔'' ویرا نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ''لیکن وہ بھی یہ بات محسوس کر رہا ہوگا کہ اب اس کی واپسی کے راستے تیزی سے بند ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ سامنے آیا تو کوئی نہ کوئی وفاقی افسر اسے دھر لے گا۔''

ناشتے کے دوران میں سوبھراج ہی ہماری گفتگو کا مرکز و محور بنا رہا۔ اول خان کے ایما پر شہر کے سب سے بڑے اخبار نے اس کی ذات کے چیتھڑے اڑا کر رکھ دیے تھے۔

اپنے ملک میں وہ اپنے سیاسی اثر و رسوخ کی بنا پر معزز اور معتبر بنا ہوا تھا لیکن پس پردہ اس نے کوبرا کا بھیانک روپ دھارا ہوا تھا۔ کوبرا بن کر وہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے امریکی مخبروں اور ایجنٹوں کی رہنمائی کرتا تھا اور اسی نام سے وہ را کے ایجنٹوں کے لیے امرت دھارا بنا ہوا تھا۔ اپنے ملک سے کسی بھی مشن پر پاکستان آنے والے، را کے ایجنٹ اس کے سیٹ لائٹ فون پر اس سے رابطہ کرتے تھے اور وہ ان کو ہر ممکن مدد اور تحفظ فراہم کرتا تھا۔ اول خان کے ایما پر اس رپورٹ میں سوبھراج کے خفیہ ترین سیٹ لائٹ فون کا نمبر بھی دے دیا گیا تھا۔

''اس کے لیے ہر راستہ بند ہو چکا ہے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ وہ کیا کرتا ہے۔'' میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

''یعنی اب تم انتظار کرو گے؟'' ویرا نے تیزی سے کہا۔

میں ہنس پڑا اور ہنسی کے دوران ہی بولا ''انتظار رہے گا لیکن اس کے ساتھ ہاتھ پیر بھی چلتے رہیں گے۔ ابھی معاملہ تازہ ہے۔ میں سنیل کی بیوی سے مل کر یہ جاننے کی کوشش کروں گا کہ رات اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا۔''

''تمہیں وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔'' ویرا نے ترشی سے کہا ''وہ گندی ذہنیت کی عورت ہے۔ اپنی عزت افزائی کے نام پر سوبھراج کے پہلو کی زینت بنتی رہی ہے۔ وہ تم پر بھی ڈورے ڈالنے کی کوشش کر سکتی ہے۔''

بے اختیار میری نظریں غزالہ کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ ویرا

کی دلیل سے خاصی متاثر نظر آ رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''اس وقت وہ سوبھراج کے قصے کی ایک اہم کڑی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے کوئی سراغ مل سکے۔''

''اس سے مزید کچھ معلوم نہیں ہو سکے گا۔ ویرا نے تیزی سے کہا ''پولیس والوں نے اسے پہلے ہی نچوڑ لیا ہوگا۔ اول خان کے ذریعے تھانے سے اس کے بیان کی نقل لے لو۔ سب کچھ تمہارے سامنے آ جائے گا۔''

''ویرا ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' سلطان شاہ نے سر ہلا کر اس کی تائید کی۔

''میرا خیال ہے کہ آپ اس عورت سے ملے بغیر بھی سب کچھ جان سکتے ہیں۔'' غزالہ نے بھی ان دونوں کا ساتھ دینا ضروری سمجھا۔

''پولیس والے پوری کہانی سے واقف نہیں ہیں۔ انہوں نے اگر اس عورت سے کوئی پوچھ گچھ کی ہوگی تو وہ رات کے واقعے تک محدود رہی ہوگی۔ اس میں سوبھراج اور سنیل کا ذکر نہیں آیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان کے بارے میں کچھ بتا سکے۔''

رات والے واقعے میں پولیس نے اول خان کے منصوبے کے مطابق ایک خاص وقت پر مداخلت کی تھی۔ سب کچھ نمٹ جانے کے بعد اول خان نے انہیں تین ہوائی فائروں کے ذریعے مداخلت کا اشارہ دیا تھا۔ وہ آئے ہوں گے تو انہیں سڑک پر دو سفید فام امریکی زخمی حالت میں بے حس و حرکت پڑے ہوئے ملے ہوں گے۔ جن میں سے ایک زندگی کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کر چکا تھا۔

پولیس کو وہاں آمد کا اشارہ دینے کے بعد ہم نہیں رکے تھے۔ یہ بات یقینی تھی کہ پولیس والوں نے ان دونوں کو اپنی تحویل میں لے لیا ہوگا لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ لوگ فوری طور پر یہ جاننے میں کامیاب ہو گئے ہوں کہ ان امریکیوں کا اصل ہدف سنیل کا گھر تھا۔

وہ دونوں مجرم سہی لیکن امریکی تھے۔ مجھے شبہ تھا کہ ان کی چمڑی کی رنگت نے پولیس والوں کو مرعوب کیا ہوگا۔ زندہ بچنے والا ابھی اس وقت بے ہوش تھا۔ جائے واردات پر اس کا بیان لینے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ پولیس والے ان دونوں کو سڑک سے اٹھا کر سیدھے اسپتال لے گئے ہوں گے۔

اسپتال میں ہوش میں آنے کے بعد، زندہ بچ جانے والے کمانڈو سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ اس نے کھٹا کھٹ سچ بولنا شروع کر دیا ہوگا۔

تیسری دنیا کے ترقی پذیر ملکوں میں اپنی غیر قانونی سرگرمیاں انجام دینے والے امریکی ہمیشہ ایک مخصوص نسلی تکبر میں مبتلا رہتے تھے۔ امریکا کو ایک ارضی جنت تصور کرتے ہوئے، وہ روئے زمین کے دوسرے ملکوں کو حقیر سمجھتے تھے اور وہاں رہنے والوں کو عام طور پر دوسرے بلکہ تیسرے درجے کا شہری گردانتے تھے۔

ان لوگوں کی اس نفسیات کے پیشِ نظر مجھے اندیشہ تھا کہ رات کے اکلوتے قیدی نے پولیس کو اپنے عزائم کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہوگا۔ اپنی قومیت اور مراعات کی دھمکیاں دے کر اپنے کسی بڑے سے رابطہ کرنے کی اجازت حاصل کی ہوگی اور اس کے بعد سب کچھ اسی طرح ہوتا چلا گیا ہوگا جیسے وہ امریکی چاہتا تھا۔

اگر میرا وہ اندیشہ درست تھا تو پولیس کو سنیل کے گھر کی بھنک بھی نہیں مل سکی ہوگی۔ مغرور اور متکبر امریکی بھول کر بھی اپنے جرم کا اعتراف نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے یقینی طور پر اس واقعے کو یہ رنگ دینے کی کوشش کی ہوگی کہ اس علاقے سے گزرتے ہوئے ان دونوں کو نامعلوم مجرموں کی ناگہانی مداخلت کا نشانہ بننا پڑا جس کے نتیجے میں ایک مر گیا، دوسرا زخمی ہوا اور پھر پولیس نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔

سنیل کی بیوی کے معاملے میں وہ تینوں ہم نوا ہو چکے تھے۔ ان کی متفقہ رائے تھی کہ میرا وہاں جانا بے سود تھا۔

ان کے رویے کو دیکھتے ہوئے، میں نے ناشتے کے بعد اسپیکر فون پر اول خان سے رابطہ کیا۔ وہ اپنے گھر پر تھا نہ دفتر میں موجود تھا لیکن موبائل فون پر ہاتھ آ گیا۔

''رات والی بھاگ دوڑ کے بعد اس وقت تمہیں محوِ خواب ہونا چاہیے تھا۔ حیرت ہے کہ تم جاگ رہے ہو!'' ہنسی کے درمیان اول خان کی آواز ابھری۔

''نک نے فون کر کے جگا دیا ورنہ میں ابھی تک سو رہا ہوتا۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں ہو؟''

''سولجر بازار کے تھانے کی طرف جا رہا ہوں۔ قیدی

نے پورا تھانہ سر پر اٹھا رکھا ہے۔ پولیس والے اس پر اپنے حربے آزماتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں۔''
''پولیس والے اتنے بے بس بھی نہیں ہوتے۔ انہوں نے اس سے کچھ نہ کچھ اگلوایا ہوگا۔ صرف وہی نہیں پکڑا گیا۔ اس کا ایک ساتھی مارا بھی گیا ہے۔''
''پرانی کہانی ہے۔ وہ دونوں وہاں سے گزر رہے تھے غنڈوں نے ان کی گاڑی روک لی۔ مقابلہ ہوا اور جب ایک آدمی مارا گیا تو غنڈے بھاگ لیے۔''
''سنیل کے گھر کا کوئی ذکر نہیں آیا۔'' میں نے سوال کیا۔
''قیدی نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ پولیس والے پورے پس منظر سے بے خبر ہیں۔ اسی لیے میں خود تھانے جا رہا ہوں۔ پوری کہانی ریکارڈ پر آنے کے بعد امریکی قونصل خانے کو بتایا جائے گا کہ ان کا ایک پیشہ ور کمانڈو مارا گیا ہے اور دوسرا پکڑ لیا گیا ہے۔''
''اوہ......! پھر یہی وجہ ہے کہ نک نے اس تازہ واردات کا ذکر نہیں کیا۔ شاید اسے امید ہوگی کہ دوسرا کمانڈو آسانی سے پولیس کے چنگل سے نکل آئے گا۔''
''وہ خبیث تم سے کیا کہہ رہا تھا؟'' اول خان نے پوچھا۔
''ڈینی کو اپنے حوالے کرنے کا مطالبہ کر رہا تھا جو میں نے سختی سے مسترد کر دیا......''
''سوبھراج کی پاکستان واپسی کے بعد وہ اپنے اس مطالبے میں حق بجانب ہے۔ تم نے اس کو کس بنیاد پر کورا جواب دیا۔'' اس نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔
''اس نے اپنی حماقتوں سے سوبھراج کو روپوشی کی راہ دکھائی ہے۔ جب تک وہ منظر عام پر نہیں آتا، میں اپنا وعدہ پورا کرنے کا پابند نہیں ہوں۔''
''ویری گڈ! تمہارا حیلہ بہت جان دار ہے۔''
''تم تھانے کی طرف ضرور جاؤ لیکن مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو۔ میں پولیس کے پہنچنے سے پہلے سنیل کی بیوی سے ملنا چاہتا ہوں۔''
''تم اطمینان سے ادھر جا سکتے ہو۔ میری کوشش ہوگی کہ معاملہ طول پکڑے۔ ابھی ابھی میرے ذہن میں خیال آیا ہے کہ ہم از خود قونصل خانے کو اطلاع نہ دیں بلکہ تھانے میں اپنے قیدی کی سُتائی کرتے رہیں۔ جب ان لوگوں کو اپنے آدمیوں کے بارے میں کہیں سے کوئی خیر خبر نہیں ملے گی تو وہ خود ان کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائیں گے۔ اس کے جواب میں انہیں بتایا جائے کہ ان کا ایک آدمی سولجر بازار کے تھانے میں بند ہے اور دوسرا سرکاری مردہ خانے میں احتیاط سے رکھا ہوا ہے۔''
''یہ بہترین تجویز ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیے۔'' ویرا اضطراری انداز میں بول پڑی۔
''جب یہ لوگ ہر عالمی کنونشن اور معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، اپنے جنگی قیدیوں کو حیوانوں جیسے آہنی پنجروں میں بند کر کے ذرائع ابلاغ پر ان کی کھلی تشہیر کر سکتے ہیں تو ہم ان کے مجرموں سے قرار واقعی سلوک کیوں نہیں کر سکتے۔''
''امریکی دن بہ دن مغرور ہوتے جا رہے ہیں۔'' میں نے رسانیت سے کہا ''اپنی برتری کے زعم میں وہ دنیا میں اپنی مقبولیت کھوتے جا رہے ہیں۔ وہ دن زیادہ دور نہیں جب اس کرۂ ارض پر بسنے والا ہر انسان ان سے نفرت کرنے لگے گا۔ کوشش کرو کہ ان کا کمانڈو اپنی رہائی سے پہلے لنگڑا، لولا اور معذور ہو چکا ہو۔''
''یہی ہوگا۔'' اول خان کی آواز پُرعزم تھی ''یہ امریکی خودمختار قوموں کی آزادی پر شب خون مارتے ہیں تو حیوان بن جاتے ہیں۔ اپنی حریف قوموں کے حکمرانوں کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔ ان کے ساتھ کھلے بندوں بدسلوکیاں کرتے ہیں اور دنیا بھر کو دکھاتے ہیں۔ ان کا یہ گھمنڈ ایک نہ ایک دن ضرور رنگ لائے گا۔ ہمارا قیدی ان کے خلاف ہماری نفرت کا پہلا اظہار ہوگا۔''
''تمہاری ان باتوں سے دل میں ٹھنڈک سی پڑ رہی ہے۔ تم اسے ادھیڑو، میں مسز سنیل کی خبر لیتا ہوں۔''
''تم نے آج کا اخبار تو دیکھ لیا ہوگا۔'' اول خان نے پوچھا۔
''شان دار کہانی چھپی ہے۔ اس کے بعد سوبھراج کے لیے نجات کا ہر دروازہ بند ہو چکا ہے۔'' میں نے کھلے دل سے اس کی تعریف کی ''دیکھنا ہے کہ اب وہ کون سی راہ اختیار کرتا ہے۔ آج اس سے مراعات بھی واپس لے لی گئی ہیں۔''
''وقت کا پہیہ اس کے خلاف گردش میں آ چکا ہے۔ آثار بتا رہے ہیں کہ جلال کسی وقت بھی راج محل پر دھاوا بول دے گا۔''
''اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اب سوبھراج بھول کر بھی وہاں کا رخ نہیں کرے گا۔''
''وہ ادھر جائے یا نہ جائے، یہ علامتی کارروائی ضروری ہو گئی ہے۔ سب کو پتا چل جانا چاہیے کہ اب وہ ایک معزز

سیاست داں نہیں رہا، ایک مطلوب مجرم بن چکا ہے۔ وہ کو برا بنا ہوا تھا۔ پجیرو والے قصے میں ہونے والی خوں ریزی اس کی پیشانی کا داغ بن گئی ہے۔ اسے یہ بھی بتانا پڑے گا کہ راج محل میں آنے والی میری کلارک اب کہاں ہے۔"

"یہ سب اس وقت کی باتیں ہیں جب وہ ہم میں سے کسی کے ہاتھ آ جائے گا۔ اس نے وقت کے دھارے کو سمجھ لیا ہوگا۔ اب وہ مشکل سے کسی کی گرفت میں آئے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان کی آواز تفکر آمیز ہو گئی۔ "ہم نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اپنے خلاف ہونے والی کارروائیوں کے بعد وہ روپوش بھی ہوسکتا ہے۔"

"میرے ذہن میں یہ اندیشہ روز اول سے موجود تھا۔ پہلے وہ عزت دار آدمی تھا۔ اب اس کی حیثیت بدل چکی ہے۔ ہمارے لیے اس پر ہاتھ ڈالنا آسان ہوگیا ہے۔"

اسی موضوع پر مزید کچھ باتیں کرنے کے بعد اول خان سے گفتگو ختم ہوگئی۔

اس سے بات ہو جانے کے بعد رہا سہا ابہام بھی دور ہو چکا تھا۔ پولیس والوں نے مہمان بن کر رات والے واقعے میں مداخلت کی تھی۔ انہیں اس معاملے کے سر پیر کا کوئی علم نہیں تھا۔ قیدی سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ خود اپنے جرم کا اعتراف کرلے گا۔ پولیس والوں نے اسے پکڑا اور لے جا کر تھانے کے لاک اپ میں ڈال دیا تھا۔ اس واردات کے بارے میں سنیل کی بیوی سے کسی پوچھ گچھ کی نوبت نہیں آسکی تھی۔

"کبھی کبھی مجھے تم پر رشک کے ساتھ غصہ آنے لگتا ہے۔" کچھ دیر کے سکوت کے بعد ویرا بولی "تم بعض معاملات میں بیٹھے بٹھائے اس طرح صحیح قیافے لڑا لیتے ہیں۔ جیسے تم کو سب کچھ پہلے سے معلوم رہا ہو۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ ذرا سے سکون اور توجہ کے ارتکاز سے تم اس سے بھی بہتر نتائج اخذ کرسکتی ہو۔ یہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ پولیس فورس اس معاملے میں اچانک ملوث ہوئی تھی۔ ان کو پورے معاملات کا علم نہیں تھا۔"

"اب آپ سنیل کی بیوی سے ملنے جا رہے ہیں؟" غزالہ نے اچانک پوچھا۔

"ہاں!" میں نے مسکرا کر اثبات میں جواب دیا۔ میں اول خان سے باتوں میں اس ارادے کا اظہار کر چکا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ میرے اس ارادے پر کوئی اعتراض کرے گی یا کم از کم میرے ساتھ چلنے کی ضد کرے گی لیکن میرا جواب سننے کے بعد اس نے یکا یک خاموشی اختیار کرلی۔

میں ناشتے سے فارغ ہو چکا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے روانگی کے ارادے سے اپنی جگہ چھوڑی تو مجھے حیرت ہوئی کہ ان تینوں میں سے کسی نے میرے ساتھ چلنے پر اصرار نہیں کیا۔

گھر میں ایس ٹی ایف کے دو آدمی مستقل طور پر مامور تھے اس لیے کسی کو میرے ہاتھ باہر آنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ان دونوں میں سے ایک نے پھاٹک کھول کر گاڑی باہر نکالنے میں مجھے مدد دی اور میرے روانہ ہونے کے بعد دروازہ بند کرلیا۔

گلشن اقبال سے سولجر بازار تک کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ صبح کے ان اوقات میں سڑکوں پر ٹریفک کا زیادہ دباؤ نہیں تھا۔ میں ذرا سی دیر میں سنیل کے گھر پہنچ گیا۔

میں نے اپنی گاڑی اس دو منزلہ مکان کے سامنے روکی اور نیچے اترا تو مجھے زینوں تک رسائی کا دروازہ بند نظر آیا۔ میں نے سنگلاخ ستون پر لگا ہوا بٹن دبا کر گھنٹی بجائی اور اوپر سے کسی جواب کا انتظار کرنے لگا۔

مجھے اندازہ تھا کہ اس گھر میں عورت اکیلی تھی اور رات کے واقعے سے خوف زدہ تھی۔ میں نے دوسری مرتبہ گھنٹی بجانے سے پہلے خاصا طویل انتظار کیا اور آخر کار وہ انتظار بارآور ثابت ہوا۔

اوپری منزل کا داخلی دروازہ کھلا اور مجھے وہاں ایک سبک اندام خاتون کا دلکش چہرہ نظر آیا جس پر خوف کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔ دن کے اجالے میں اس کی پیشانی پر لگی ہوئی سرخ بندیا دور سے چمک رہی تھی۔

"میں سنیل کا خیر خواہ ہوں۔ اوپر آنا چاہتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا۔

وہ فوری طور پر کچھ نہ بولی۔ اپنی جگہ پر خاموش کھڑی میری طرف دیکھتی رہی۔ اس کا وہ تذبذب میرے لیے قابلِ فہم تھا۔ میں نے اس سے نظریں چار کیے رکھنے کے بجائے اپنا سر جھکا لیا۔ مختصر سی مدت میں، میں نے اس کی آنکھوں میں خوف و ہراس کے سائے لرزاں دیکھ لیے تھے۔ میں اسے سوچنے اور فیصلہ کرنے کا پورا موقع دینا چاہتا تھا۔ آخر کار اس کی نرم اور مترنم سی آواز سنائی دی۔ "اندر ہاتھ ڈال کر کھٹکا کھول لو اور اوپر آ جاؤ۔"

میں نے دروازے کی آہنی گرل میں سے اپنا ہاتھ گزار کر کھٹکا ٹٹولا اور اسے کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

میرے اوپر پہنچنے تک وہ اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ میرے اندر داخل ہونے کے بعد اس نے دروازہ بند کیا اور الجھن آمیز لہجے میں بولی "میں نے تم کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ تم کون ہو اور سنیل کو کیسے جانتے ہو؟"

''ان باریکیوں میں نہ پڑو۔'' میں نے اس مختصر لیکن آراستہ ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا ''میں اس کی تلاش میں پہلی بار یہاں آیا ہوں۔ میں اس کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ جس راستے پر چل رہا ہے وہ سراسر تباہی کی طرف جا رہا ہے۔''

''وہ گھر پر نہیں ہے۔ میں خود بھی اس کے لیے پریشان ہوں۔'' میری زبان سے ہمدردی کے دو بول سنتے ہی اس کی آواز دل گرفتہ سی ہوگئی۔

''مجھے معلوم ہے کہ وہ گھر پر نہیں ہے، سوبھراج کے ساتھ کہیں غائب ہے۔ اگر تم کو اس کے ٹھکانے کا علم ہے تو اس سے رابطہ کرواور اسے بتاؤ......''

''سب بے کار ہے۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر میری بات کاٹ دی ''سنیل میری کوئی بات نہیں سنتا۔ سوبھراج کی دولت کی چکا چوند نے اسے اندھا کر دیا ہے۔''

''سوبھراج بڑا آدمی ہے۔ وہ اپنے بچاؤ کے دس راستے نکال لے گا۔ سنیل پر برا وقت آیا تو اسے کوئی نہیں بچا سکے گا۔''

''میں بھی اسے سمجھاتی ہوں۔'' میرے لب و لہجے سے متاثر ہو کر وہ مجھ سے از خود کھلتی جا رہی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''پہلے سب ٹھیک ٹھاک تھا لیکن کچھ دنوں سے ایک کے بعد ایک گڑبڑ ہوتی جا رہی ہے۔ اب تو کچھ لوگ سوبھراج کے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کے ساتھ سنیل بھی نہ مارا جائے۔''

''کل رات کوئی گورا سوبھراج کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر سوال کیا۔

''وہ زبردستی گھر میں گھسا تھا۔ اس نے سارے کمرے دیکھے۔ مجھ سے ٹیڑھے سوال کیے اور پھر گالیاں دیتا ہوا واپس چلا گیا۔''

''سوبھراج بہت اونچا اور گندا کھیل کھیل رہا ہے۔ وہ بہت بری طرح مارا جائے گا۔ تم آج کا اخبار دیکھو گی تو تمہیں اس کا اصل چہرہ نظر آ جائے گا۔''

''ہمارے گھر اخبار نہیں آتا۔ میں باہر گئی تو ضرور اخبار دیکھوں گی۔''

''وہ گھناؤنا آدمی ہے۔ میں نے سنا ہے وہ تم سے چوری چھپے ملتا رہا ہے؟''

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ فوری طور پر میری بات کا کوئی جواب نہیں دے سکی۔ چند لمحوں کی خاموشی میں اپنے اندرونی ابال پر قابو پا کر اس نے کمزور آواز میں کہا ''تم کو یہ بات کس نے بتائی ہے۔''

''میرا راج محل میں آنا جانا ہے۔ ایسی باتیں چھپی نہیں رہتیں۔ سینہ بہ سینہ آگے بڑھتی رہتی ہیں۔ سنیل کو بھی ان ملاقاتوں کا علم ہو چکا ہوگا۔''

''وہ بے غیرت آدمی ہے۔'' سنیل کا نام سنتے ہی وہ پھٹ پڑی ''وہ پہلے سے مجھے سمجھاتا رہتا تھا کہ کبھی سوبھراج مجھ سے دوستی کرنا چاہے تو میں اس سے انکار نہ کروں۔ وہ سونے کے انڈے دینے والی مرغی ہے۔ اسے خوش کر کے ہم بہت جلد مال دار بن سکتے ہیں۔ ایک دن سوبھراج نے مجھے راج محل میں بلوایا تو میں انکار نہ کر سکی۔ سنیل ٹنڈو آدم گیا ہوا تھا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن۔ سوبھراج اسے بہانے سے شہر سے باہر بھیج دیتا ہے اور مجھے بلوا لیتا ہے۔ سنیل اس کو اپنی عزت افزائی سمجھتا ہے۔ اس میں نام کو بھی مردانہ غیرت نہیں ہے۔''

''وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ اس کا لالچ ہے۔'' وہ اپنے شوہر کی گھٹیا حرکتوں پر خوش نہیں تھی ''وہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہے۔ کہیں اور نوکری کرے گا تو اسے چار پانچ ہزار روپے سے زیادہ تنخواہ نہیں ملے گی۔ سوبھراج اسے بیس ہزار دیتا ہے۔ وقت بے وقت کے انعام اس کے علاوہ ہیں۔''

''تم اس کے دوست ہو۔'' چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ بولنے لگی ''اسے سمجھاؤ اور غیرت دلاؤ کہ وہ یہ راستہ چھوڑ دے۔'' بات کرتے کرتے وہ یکایک لپک کر میرے قریب آ گئی اور سرسراتی ہوئی نیچی آواز میں اپنی بات جاری رکھی ''کچھ دنوں سے سنیل کی حرکتیں پراسرار ہو گئی ہیں۔ وہ گھر آتا ہے تو چپ چپ اور کھویا کھویا سا رہتا ہے۔ میں پوچھتی ہوں تب بھی وہ کچھ نہیں بتاتا۔ مجھے خوف آنے لگا ہے کہ بات اب بے غیرتی سے بھی آگے بڑھ گئی ہے۔''

وہ میرے بہت قریب آ گئی تھی۔ میں اس کے قرب سے بوکھلا کر صوفے کے ایک کونے میں سمٹ گیا۔ وہ اس وقت اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ اسے گمان ہوا کہ میں نے ایک طرف سرک کر اس کے لیے اپنے قریب جگہ پیدا کی ہے۔ وہ وہیں ٹک گئی۔

''کیا بے غیرتی سے آگے بھی کچھ ہو سکتا ہے؟'' میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر، اس کی بات سے بات ملاتے ہوئے، روا روی میں پوچھا۔

''مجھے ڈر ہے کہ وہ سوبھراج کی خوشنودی حاصل کرنے کے چکر میں کسی جرم کی دلدل میں دھنستا جا رہا ہے۔'' اس بار اس کی آواز سرگوشیانہ اور خوف آور ہو گئی۔

وہ تنہا اور سہمی ہوئی عورت تھی۔ اس کا شوہر اسے حالات کے بے رحم دھارے میں یکہ و تنہا چھوڑ کر غائب ہو گیا تھا۔ اسے شدت سے کسی سہارے کی تلاش تھی۔ میں نے اس کے سامنے پہنچ کر سنیل کی خیر خواہی کا فرضی عندیہ دیا تو اس گھبرائی ہوئی عورت نے کسی چھان بین کے بغیر، آنکھیں بند کر کے مجھ پر اعتبار کر لیا۔ اس وقت اسے شدت سے کسی ہمدرد اور ہم نوا کے سہارے کی ضرورت تھی۔ میری ذات کی صورت میں اسے وہ سہارا میسر آ گیا تھا۔

میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر خود بھی ڈرامائی لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا ''جو بات میں کھل کر نہیں کہہ سکا تھا وہ تم نے بھانپ لی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے شوہر کے بارے میں قدرت نے تمہیں کوئی چھٹی حس بھی دی ہوئی ہے۔ سوبھراج بہت بڑا مجرم ہے۔ آج کا اخبار اس کے کالے کرتوتوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ اس ملک سے غداری کر کے دشمنوں کے لیے کام کر رہا ہے۔ وہ اپنے ساتھ سنیل کو بھی مروا دے گا اور تم ہاتھ ملتی رہ جاؤ گی۔''

''پہلے مجھے صرف شبہ تھا لیکن کل صبح وہ دونوں زخمی حالت میں گھبرائے ہوئے یہاں آئے تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ دونوں خون خرابے کی راہ پر چل رہے ہیں۔ سنیل کے بدن پر گولیوں کے تین زخم تھے۔ سوبھراج کے کپڑے بھی خون سے لتھڑے ہوئے تھے۔ ان دونوں نے مجھے اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ گھر بند کر کے خاموشی سے بیٹھنے کا حکم دیا اور دونوں ایک کمرے میں بند ہو گئے۔ وہاں انہوں نے خود ہی ایک دوسرے کی مرہم پٹی کی ہو گی اور کپڑے بدلے ہوں گے۔ میں ان دونوں سے ڈرنے کے باوجود اندر کی سن گن لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ دوپہر کو ایسا معلوم ہوا جیسے سوبھراج کسی سے فون پر بات کر رہا ہو۔ میں نے دوڑ کر گھر کا دوسرا فون اٹھایا تو ہماری لائن فارغ تھی۔ میں سمجھ گئی کہ وہ اپنے سیٹ لائٹ فون پر کسی سے بات کر رہا ہو گا۔ وہ اس چھوٹے سے سیٹ کو ہر وقت اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ راج محل میں میرے ساتھ وقت گزارتے ہوئے اس نے کئی بار سب کچھ بھول بھال کر اس فون پر آنے والی کالز سنی تھیں۔''

اسے پہلی بار اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع میسر آیا تھا اس لیے وہ مسلسل بولے جا رہی تھی۔ میرے لیے وہ نئی اور اندر کی باتیں تھیں اس لیے میں کوئی نکتہ آفرینی کیے بغیر بالکل خاموشی سے اس کی باتیں سنے جا رہا تھا۔ بولتے بولتے وہ سانس لینے کے لیے رکی تو میری محویت کا تسلسل ٹوٹ گیا اور میں نے مضطربانہ انداز میں کہا ''مجھے معلوم ہے کہ وہ اس ذاتی فون پر اپنے بیرونی آقاؤں سے ہدایات لیتا ہے اور غداروں سے رابطے قائم کرتا ہے۔ تم نے اس کی کچھ نہ کچھ باتیں تو ضرور سنی ہوں گی۔ وہ فون پر کیا کہہ رہا تھا؟''

''بند کمرے میں اس کی آواز کبھی دھیمی اور کبھی تیز ہو جاتی تھی'' وہ بتانے لگی ''وہ اڑتی اڑتی باتیں میرے پلے نہیں پڑ سکیں۔ اس وقت مجھے یہ خوف کھائے جا رہا تھا کہ وہ دونوں کہیں سے مار کھا کر آئے ہیں۔ میں نے ان کی مرضی کے خلاف کوئی حرکت کی تو وہ میرے ساتھ بری طرح پیش آئیں گے۔ وہ شاید اپنے کسی دشمن اور روپوشی کی باتیں کر رہا تھا۔''

''پھر کیا ہوا؟'' میں نے اسے دوبارہ لقمہ دیا۔

''کچھ دیر بعد وہ دونوں کمرے سے ایک چھوٹا سا تھیلا لے کر نکلے۔ ان کے زخموں کی مرہم پٹی ہوئی تھی، کپڑے بھی صاف تھے لیکن سوبھراج کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا۔ شاید اس کے زخموں سے زیادہ خون بہہ گیا تھا۔ سنیل نے جانے سے پہلے مجھے صرف اتنا بتایا کہ کچھ نامعلوم دشمن بلاوجہ ان دونوں کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ ان سے بچنے کے لیے وہ دونوں کسی نامعلوم ٹھکانے کی طرف جا رہے تھے۔ خطرہ ٹلنے تک اس نے مجھ سے فون پر رابطہ رکھنے کا پکا وعدہ کیا تھا۔ رات کو میرے اوپر ایک قیامت گزر گئی۔ امریکی گورے نے میرے بدن کو کسی مویشی کے بدن کی طرح نوچا اور ٹٹولا تھا جیسے میں نے ان دونوں کو اپنی کوکھ میں چھپایا ہوا ہو۔ وہ مجھے ننگی ننگی گالیاں اور دھمکیاں دے کر چلا گیا۔ میں اس کی دہشت سے رات کو ایک پل کے لیے بھی نہیں سو سکی مگر اب تک سنیل نے پلٹ کر میری کوئی خبر نہیں لی۔ پتا نہیں وہ کہاں ہے؟''

اس کے آخری اور بے ساختہ فقرے میں مجھے وہ جواب مل گیا جس کی تلاش میں، میں نے اپنے گھر سے وہاں تک کی دوڑ لگائی تھی۔ میں نے ایک زمانہ دیکھا ہوا تھا۔ میں پوری ایمانداری سے اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ عورت جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ اسے سنیل یا سوبھراج کے نئے ٹھکانے کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔

وہ دلکش اور خوبصورت ضرور تھی لیکن رنگین مزاج عورت نہیں تھی۔ میرا تجربہ بتا رہا تھا کہ وہ ایک سیدھی سادی گھریلو عورت تھی جسے اس کے شوہر نے اپنے مالی مفادات کی خاطر سوبھراج جیسے ہوس کے پجاری کے چنگل میں دے دیا تھا۔

وہ عورت ان دونوں کی شریک کار تھی اور نہ راز داں تھی۔ اس کی بدقسمتی نے اسے سنیل جیسے بے ضمیر شخص کے سر منڈھ دیا تھا اور وہ خاموشی کے ساتھ اس سے نباہ کیے جا رہی تھی۔

''تمہیں اپنے گھر میں اس گورے کی آمد کے علاوہ کچھ اور بھی معلوم ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ بہت پرسکون علاقہ ہے اور پھر اس وقت رات بھی بہت گہری ہو چکی تھی۔ اس کے اترتے ہی مجھے نیچے دھما چوکڑی کی آوازیں سنائی دی تھیں' پھر کسی گاڑی کے انجن کی تیز آواز سنائی دی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے کھڑکی سے باہر جھانکا تو مجھے ملگجی روشنی میں کئی آدمی ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے نظر آئے۔ وہ سب وحشی درندوں کی طرح ایک دوسرے کو مارنے پر تلے ہوئے تھے۔ میں نے سہم کر کھڑکی کے پردے گرائے اور اپنے بستر پر گر کر کانپنے لگی'' اس کی آواز میں خوف یوں در آیا تھا جیسے وہ پچھلی رات کا ڈراؤنا واقعہ دوبارہ رونما ہوتے دیکھ رہی ہو۔

وہ اسی لب و لہجے میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی ''کچھ دیر بعد تڑاتڑ تین گولیاں چلیں' ان کے دھماکوں سے میرا بستر ہل کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد آس پاس سے پولیس کی گاڑیوں کے سائرن سنائی دیے اور نیچے چہل پہل ہونے لگی۔ میرا دم سوکھنے لگا۔ میں ڈر رہی تھی کہ وہ بدمعاش گورا دوبارہ دروازہ توڑ کر میرے گھر میں گھس آئے گا یا پھر پولیس والے میرے دروازے پر دستک دینا شروع کر دیں گے۔ میں اٹھ کر دوبارہ کھڑکی سے باہر جھانکنے کی ہمت نہیں کر سکی۔ سارا وقت آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دیا۔ کافی دیر بعد وہ سب چلے گئے اور ہر طرف رات کے پہلے پہر جیسے سناٹے کا راج ہو گیا مگر میرا خوف صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے کم نہیں ہوا۔''

وہ اپنے گھر میں ضرور محصور تھی لیکن رات کو نیچے رونما ہونے والے واقعے سے بالکل بے خبر نہیں تھی۔ میں نے اس سے پوچھا ''صبح تو تم کو پتا چل گیا ہوگا کہ نیچے کیا ہوا تھا؟''

''میں نے اب تک گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔ ہم لوگ ہندو ہیں اس لیے ہمارے مسلمان پڑوسی ہم سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتے۔ بس ایک عورت کا فون آیا تھا۔ اس بے چاری کو بھی کچھ پتا نہیں تھا کہ رات کو کیا ہوا تھا۔ اس کا آدمی پولیس کے آنے کے بعد گھر سے نکلا تھا لیکن پولیس والوں نے ڈانٹ کر اسے گھر میں واپس بھگا دیا۔ وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ میں نے اپنے گھر سے کیا دیکھا تھا؟ میں نے اس سے کہہ دیا کہ میں ڈر کے مارے باہر جھانکنے کی ہمت نہیں کر سکی۔ تم کو معلوم ہے کہ کیا ہوا تھا؟''

مجھے مزید کچھ بتانے کے بجائے اس نے سوال کر کے سارا بوجھ میرے سر پر ڈال دیا تھا۔ میں نے پر خیال انداز میں جواب دیا ''بات بہت آگے بڑھ گئی ہے اسی لیے مجھے سنیل کی تلاش میں یہاں آنا پڑا۔ رات کو یہاں سے دو امریکی پولیس کے ہاتھ آئے ہیں۔ ان میں سے ایک مر چکا تھا اور دوسرا زخمی حالت میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ اب پولیس کو اس گورے کے قاتل کی سرگرمی سے تلاش ہے۔''

''یہاں سے وہ ٹھیک ٹھاک حالت میں اور غصے سے اکڑتا ہوا گیا تھا'' اس نے جلدی سے مدافعانہ لہجے میں کہا ''نیچے کوئی اس کی گھات لگائے بیٹھا ہوگا۔''

''تم سختی سے اپنی زبان بند رکھو۔ کسی کو یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ رات کو ان میں سے کوئی تمہارے پاس بھی آیا تھا۔ یہ بات باہر نکل گئی تو اصل قاتل پولیس کے ہاتھ آئے یا نہ آئے' وہ تم کو اٹھا کر لے جائیں گے اور تمہاری زندگی عذاب ہو جائے گی۔''

''اوہ بھگوان!'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر روہانسی آواز میں کراہی ''سنیل نے اپنی حرکتوں سے مجھے کس مشکل میں ڈال دیا' اب میں کیا کروں؟''

''میں یہی کہہ رہا ہوں'' میں نے اسے سمجھایا ''کچھ نہ کرو' چپ چاپ اپنے گھر میں بیٹھی رہو اور اگر تم کو سنیل کا کوئی بھی پتا معلوم ہے تو وہ مجھے بتا دو۔''

''میں نے تم سے کہا ہے نا کہ مجھے کچھ پتا نہیں۔ ان دونوں پر برا وقت آیا ہے تو وہ راج محل میں ہی چھپ سکتے ہیں۔ دونوں زخمی ہیں' ان کو آرام کی ضرورت ہے۔ راج محل اونچی چار دیواری میں بسی ہوئی ایک چھوٹی سی دنیا ہے جہاں سوبھراج کا حکم چلتا ہے۔ وہ دونوں وہیں محفوظ رہ سکتے ہیں۔''

وہ گھریلو عورت تھی۔ اس نے اپنی سوچ کے مطابق بہت اہم رائے زنی کی تھی مگر میں جانتا تھا کہ سوبھراج اس وقت کسی حالت میں راج محل کا رخ نہیں کرے گا۔

میں نے اس سے فون پر بات کرتے ہوئے بہت واضح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ راج محل میں اس کی تنخواہوں پر پلنے والے ملازموں کی فوج میں نک کے باقاعدہ مخبر بھی موجود تھے جنہوں نے اسے میری کلارک کی آمد اور پھر وہاں سے *بجیرو میں پراسرار روانگی کی پوری تفصیلات بتا دی تھیں۔ ایسے نمک حرام ملازموں کی موجودگی سے باخبر ہونے کے بعد سوبھراج اپنے گھر لوٹنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی محتاط روی کا یہ عالم تھا کہ میری زبانی وہ اطلاع ملنے سے پہلے ہی اس نے راج محل جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا اور اپنے اوپر ہونے والے پہلے قاتلانہ حملے کے بعد سنیل کے گھر میں پناہ گزین ہو گیا تھا۔

میں نے سنیل کی بیوی کو رات والے واقعے کے بارے میں سختی سے اپنی زبان بند رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کی حالت کے پیش نظر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ میرے مشورے پر عمل کرے گی۔ اس سے مجھے ایک ہی فائدہ ہو سکتا تھا کہ پولیس والے اس عورت سے دور رہتے اور میں اسے اپنے ہاتھ میں لے کر کسی مناسب موقع پر سنیل اور سوبھراج کے خلاف استعمال کر گزرتا۔

جہاں تک ان دونوں کا تعلق تھا تو انہیں اس زبان بندی سے کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس عورت سے کچھ پوچھے بغیر وہ یہ جان لیتے کہ نک نے سوبھراج کو کھلی دغا دی تھی۔ سوبھراج سے اس کی کمین گاہ کا پتا معلوم کر کے اپنے آدمی وہاں بھیج دیے۔ ان کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہ ہوتا کہ ان آدمیوں کی سرکوبی کس نے کی ہے؟

ہر چند کہ سوبھراج نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ شہر میں کہاں چھپا ہوا تھا لیکن واقعات کی روشنی میں وہ یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ ڈینی کے آدمی نک اور اس کے حواریوں کا خفیہ طور پر پیچھا کرتے ہوئے سنیل کے گھر تک پہنچے ہوں گے اور سوبھراج کی تلاش میں ان کی ناکامی کے بعد اچانک ان پر حملہ کر دیا ہوگا۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے لیے انہیں سنیل کی بیوی سے کچھ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

''میرے گھر میں ایک گورا گھسا ہے۔ گھر کے نیچے مار دھاڑ ہوئی ہے۔ سنیل یہ نہیں پوچھے گا کہ یہ سب ہونے کے باوجود میں کیوں خاموش رہی'' کچھ دیر تک خاموشی سے سوچتے رہنے کے بعد اس نے آخرکار میری تجویز میں ایک خامی تلاش کر لی۔

میں بے اختیار ہنس پڑا ''تم اس مقولے کو درست ثابت کر رہی ہو کہ عورتیں کم عقل ہوتی ہیں۔ تم اس سے کہہ سکتی ہو کہ جب دوبارہ کوئی تمہارے دروازے پر نہیں آیا تو تم کس کو تفصیلات بتاتیں۔ تم نے خود پولیس والوں کے پاس جانے کا خطرہ مول نہیں لیا کیونکہ اس میں تمہاری گردن پھنسنے کا امکان ہے اور پھر سنیل اور سوبھراج کا ذکر آنا بھی لازمی ہے۔''

''اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے'' اس نے بے ساختہ میری تائید کی ''اصل بات بھی یہی ہے۔ پریشانی اور بے خوابی کی وجہ سے میرا ذہن تھکا ہوا ہے۔''

''اتنی باتیں ہو گئی ہیں تو اب مجھے اپنا نام بھی بتا دو۔'' میں نے خواہش ظاہر کی۔

''تم سنیل کے گہرے دوست ہو اور میرے نام سے واقف نہیں ہو'' اس نے حیرت ظاہر کی۔

''میں سوبھراج کی طرح عورتوں کا رسیا نہیں ہوں کہ ہر جاننے والے سے اس کی بیوی کے بارے میں چھان بین کرتا رہوں۔ اب سے پہلے تک میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ تم سنیل کی بیوی ہو۔ وہ غائب ہو چکا ہے۔ میں مجبور ہو کر تم سے مل بیٹھا ہوں تو مجھے تمہارا نام بھی معلوم ہونا چاہیے۔''

''اور یہی بات میں تمہارے بارے میں بھی کہہ سکتی ہوں' کیا نام ہے تمہارا؟''

میں اس سے ایسے برجستہ سوال کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اپنے ذہن میں آنے والا پہلا نام دہراتے ہوئے کہا ''اگروال...... میرا پورا نام مہیش اگروال ہے۔ میں کیماڑی میں ہر چندرائے روڈ پر رہتا ہوں۔''

''میرا نام شیبا ہے اور میں یہیں رہتی ہوں'' میرے انداز کی نقل میں وہ فقرے ادا کرتے ہوئے اس کے گلابی ہونٹ قدرے وا ہوئے اور ان کے درمیان موتیوں جیسے سفید دانتوں کی قطار چمکنے لگی۔

''خدا کا شکر ہے کہ میں نے تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی'' میں نے ذرا بے تکلفی سے کہا ''جب سے میں یہاں آیا ہوں' تم اس طرح منہ لٹکائے بیٹھی ہو جیسے سنیل کا دیہانت ہو گیا ہو۔''

اس نے سنیل کے دیہانت والے تبصرے کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی اور ایک گہرا سانس لے کر بولی ''اس وقت تمہاری آمد سے میرے ذہن کا بوجھ اتر گیا ہے ورنہ میں سوچ سوچ کر اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی۔ کاش سنیل یہ اندازہ کر لیتا کہ اس کے بھاگ جانے کے بعد میں کس حال سے گزر سکتی ہوں۔''

''اسے سب معلوم ہے اور وہ اسی لیے بھاگا ہے'' میں نے بے پروائی سے اسے اکسایا۔

''اس وقت وہ سوبھراج کا غلام بنا ہوا ہے'' شیبا کی آواز میں ہلکا سا تنفر جھلکنے لگا۔ ''اس کی خاطر وہ مجھے بالکل بھول گیا ہے۔''

''اور سوبھراج کو بھی تمہاری پروا نہیں ہے جبکہ تم نے اپنا سب کچھ اسے سونپ دیا ہے۔''

''میں نے اپنی مرضی سے اسے کچھ نہیں سونپا۔ اس نے مجھ سے میری عزت چھینی ہے'' اس کا لہجہ یکا یک تلخ ہو گیا ''میں پہلی بار ریراج محل میں اس سے ملی تو مجھے اس کی انگلیوں سے گھن آ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے موٹے موٹے کیچوے میرے بدن پر رینگ رہے ہوں......''

''میں تمہارے زخموں کو کریدنا نہیں چاہتا'' میں نے اس

کی بات کاٹ کر اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا ''مجھے دکھ ہے کہ تمہارے وہ دونوں خوشہ چین تمہیں بھولے ہوئے ہیں۔''

''تم نے میرے اس آڑے وقت میں یہاں آ کر مجھے سہارا دیا ہے۔تم سنیل کے کوئی بہت سچے دوست ہو۔ میں تم کو ضرور بتاؤں گی کہ میں سوبھراج کے ہاتھوں کیسے ذلیل اور رسوا ہوئی۔''

''اگر یہ باتیں بتانے سے تمہارے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے تو میں خاموشی سے سن لوں گا۔''

وہ مجھے مسلسل سنیل کا دوست سمجھ رہی تھی جبکہ میں نے ایک بار بھی ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ میں ابتدا سے اسے یہ بتا رہا تھا کہ میں سنیل کا خیر خواہ ہوں۔ اس نے میری اس بات اور عمل سے اپنے طور پر ایک نتیجہ اخذ کر لیا تھا اور اس پر قائم تھی۔

''میں وہ دن نہیں بھول سکتی'' شیبا خلا میں کسی نکتے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر کے کہہ رہی تھی ''میرے تیور دیکھ کر وہ مکار شکاری اپنی ذات میں سمٹ گیا۔ کیچوؤں کا رینگنا تھم گیا۔ وہ مجھے اپنے گلاس سے شراب پلانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے ہنس بول کر اسے ٹالنے کی کوشش کی مگر وہ مجھے نشہ پلانے کی ضد کرتا رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ میرے مرد کا اَن داتا ہے۔ میرے دماغ میں سنیل کی پڑھائی ہوئی بات بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے کئی بار سمجھایا تھا کہ کبھی مالک مجھ سے دوستی کرنے کی کوشش کرے تو میں اسے مایوس نہ کروں' وہ خوش ہو گیا تو اس کی مہربان نظریں ہمارے دن پھیر دیں گی۔

''آخر میں نے مجبور ہو کر اس کے گلاس سے پہلا گھونٹ لے لیا۔ وہ میری بربادی کی پہلی سیڑھی تھی۔ گھونٹ گھونٹ کر کے اس نے میرے بدن میں اتنی شراب اتار دی کہ مجھے اپنی سدھ نہیں رہی۔ میرے بے سدھ ہونے سے پہلے ہی وہ بے تاب ہوا جا رہا تھا۔ وہ زندہ شکار کھانے والا شیر نہیں' مردار کی بوٹیاں نوچنے والا گدھ ہے۔ مجھے ہوش آیا تو میں اپنی عزت' آبرو اور لباس سے محروم ہو چکی تھی۔''

میرے دل میں آئی کہ اس سے ایک سوال ضرور پوچھوں کہ وہ پہلا واقعہ تھا۔ وہ اس کے بعد بھی اس راہ پر آتی جاتی رہی۔ اس آمدورفت میں جبر تھا نہ زبردستی۔ نہ سوبھراج ہر بار اس کی ناز برداریاں کر کے اسے اپنے گلاس سے نشہ پلاتا رہا ہوگا۔ پھر وہ اس دلدل میں کیوں دھنستی چلی گئی؟

شیبا نے شاید میرے دل میں ابھرنے والا وہ سوال میری آنکھوں میں پڑھ لیا اور چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد دوبارہ بولنے لگی ''وہ میری زندگی کا اندھیرا دن تھا۔ عورت زندگی میں صرف ایک بار لٹتی ہے' اس کے بعد وہ زندگی بھر بھی لٹتی رہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے تم کسی کے دل میں ایک گولی اتار دو اور پھر اس کی لاش پر زندگی بھر گولیاں برساتے رہو۔ میں نے سنیل کی خوشی اور خوش حالی کے لیے خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے سوبھراج سے کبھی محبت نہیں رہی لیکن ایک بات ضرور ہے کہ اب اس سے پہلی سی نفرت بھی نہیں۔ وہ کھرا سوداگر ہے۔ اس نے سنیل سے جو سودا چکایا' اس کے پورے دام چکاتا ہے۔ مجھے خالی ہاتھ لوٹاتا ہے نہ سنیل کی جیب خالی رہنے دیتا ہے۔ آج ہمارے پاس اتنا پیسہ جمع ہو چکا ہے کہ کل سوبھراج کو موت چاٹ جائے تو سنیل کو گزارے کے لیے دوبارہ چرس کے پوّے اور ہیروئن کی پڑیاں نہیں بیچنا پڑیں گی۔ وہ بچائی ہوئی رقم سے کوئی عزت کا دھندا شروع کر لے گا۔ اس نئی زندگی کی امید میں' میں یہ برے دن گزار رہی ہوں۔''

شیبا کی وہ باتیں بہت کھوکھلی تھیں۔ میں چاہتا تو اس کی ہر دلیل کی دھجیاں اڑا سکتا تھا مگر میں اس سے مباحثہ کرنے کے ارادے سے نہیں گیا تھا۔ میں نے اس کی کہی ہوئی باتوں پر ذرا بھی اعتراض نہیں کیا۔

اصل بات یہ تھی کہ مجھے اس کے اور سوبھراج کے مراسم کے بارے میں معلوم تھا۔ میں نے وہ بات اس کے منہ پر کہہ دی تھی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کیا کر رہی تھی لیکن اس میں اس گالی کو سننے کی تاب نہیں تھی۔ اس نے بدچلن عورتوں کا روایتی طریقہ اختیار کر کے اپنی بے گناہی جتانے کے لیے مجھ سے وہ سب کہہ ڈالا تھا جو اسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میرے لیے اس کی وہ صفائی قابلِ قبول نہیں تھی۔

اگر ان معاملات میں اس کی رضامندی شامل نہ ہوتی تو سنیل کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ شیبا کو زبردستی سوبھراج کی خلوت میں پہنچا دیتا۔ شیبا نے خود اپنے مالی حالات اور سنیل کی قابلیت کی جو منظر کشی کی تھی اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان دونوں نے ہوس پرست سوبھراج کو مشترکہ طور پر اپنا شکار بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرنے کی سازش کی تھی اور اس منصوبے میں وہ پوری طرح کامیاب رہے تھے۔

مجھے شیبا کی کہانی کے کسی حصے پر شبہ نہیں تھا۔ یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی تھی کہ اس نے سوبھراج سے پہلے ملاقات میں اپنی پاک دامنی کا ڈراما رچانے کے لیے گریز اور ہلکی پھلکی مزاحمت کی راہ اپنائی ہو تاکہ سوبھراج کے دل میں آتشِ شوق کو زیادہ ہوا دے سکے۔ وہ اپنے منصوبے میں کامیاب رہی تھی اور ان باتوں کو مظلومیت کی کہانی کا روپ دے کر' میرے سامنے سارا گناہ سنیل کے سر ڈالنے کی کوشش

کر رہی تھی۔

وہ اس کے ذاتی افعال تھے جن سے مجھے کوئی غرض نہیں تھی مگر میں اس کی زبان سے یہ انکشاف سن کر ضرور چونکا تھا کہ سنیل کسی زمانے میں منشیات فروش بھی تھا۔

ابتدا میں شیبا تنہائی کے خوف اور صدمے کی وجہ سے کم گو نظر آئی تھی لیکن رات بھر کے وہ اثرات زائل ہونے کے بعد وہ رفتہ رفتہ کھلتی جا رہی تھی۔ اپنے مزاج میں وہ کسی بھی عام عورت سے کم باتونی نہیں تھی۔

میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ چار برس پہلے تک سنیل حیدرآباد میں رکشا چلا کر اپنے گھر کے اخراجات پورے کرتا تھا۔ اس دوران میں وہ شام کے اوقات میں اسی رکشا پر سوار ہو کر ہیرآباد، مارکیٹ اور سرے گھاٹ کے مخصوص مقامات پر مقررہ اوقات میں رک کر ضرورت مند گاہکوں کو سستی منشیات فراہم کرتا تھا۔ اس نے کبھی ایسی چیزوں میں ہاتھ نہیں ڈالا تھا جن کا وزن اور حجم زیادہ ہو۔ وہ صرف چرس اور ہیروئن کا دھندا کرتا تھا جن کی آزادانہ نقل و حرکت میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی۔

وہ منشیات کا کوئی بڑا سوداگر نہیں تھا لیکن میرے لیے یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں تھی کہ فاضل آمدنی کے لالچ میں منشیات فروشی سے اپنے سفر کا آغاز کرنے والا سنیل کمار آخر کار اپنی حد سے اتنا گر گیا کہ ضمیر فروشی کی راہ پر چل پڑا۔

اس شخص نے پیسے کے لیے اپنی بیوی کو رضا کارانہ طور پر سوبھراج کو سونپ دیا تھا تو اس کے لیے اپنے ملک اور اس کے مفادات کی کیا اہمیت ہو سکتی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو دولت کے حصول کے لیے اپنا سب کچھ بیچنے اور لٹانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

میں شیبا کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ میں اس کے شوہر کا ہمدرد اور خیر خواہ تھا۔ اس کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں اسے اپنے دل کے بھڑاس نکالنے اور اپنی صفائیاں پیش کرنے کا پورا موقع فراہم کروں۔

میرا خیال تھا کہ میں نے اسے ضرورت سے زیادہ آزادی دے دی تھی اور اس کی بہت سی باتیں سن لی تھیں۔ اسے شیشے میں اتار لینے کے بعد میرا وہاں رکنا غیر ضروری ہو گیا تھا۔

''نالی کا کیڑا نالی میں ہی خوش رہتا ہے'' سنیل کی منشیات فروشی کی داستان سن لینے کے بعد میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا ''میں اس کے ماضی سے واقف نہیں ہوں۔ میری اور اس کی جان پہچان کچھ عرصے قبل کراچی میں ہوئی تھی۔ تمہاری باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ سنیل کے دماغ میں ایک مجرم چھپا ہوا ہے جو اپنے فائدے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ حیدرآباد میں وہ منشیات فروشی کرتا رہا۔ یہاں اس نے سوبھراج کے گرگے کا روپ دھار لیا ہے۔''

''حیدرآباد میں بھتے کے چکر میں مارکیٹ تھانے والے اس کے پیچھے لگ گئے تھے۔ وہ مجھے ساتھ لے کر کراچی چلا آیا۔ یہاں اس نے راج محل میں ڈرائیور کی نوکری کے لیے کوشش کی تھی۔ وہ میٹرک پاس ہے۔ خاصی انگریزی بول لیتا ہے۔ سوبھراج نے سوچا ہوگا کہ سنیل اس کا ہم مذہب بھی ہے۔ اس نے اسے نوکری پر رکھ لیا اور آج وہ دونوں ایک دوسرے کے راز داں بنے ہوئے ہیں۔''

''مجھے حیرت ہے کہ تم اس کے ساتھ رہ رہی ہو، اس کی مرضی پر چل رہی ہو اور اس کے خلاف بھی بول رہی ہو؟'' میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔ اس سے زندگی بھر کا بندھن میری مجبوری ہے۔ اب مجھے اس کی حرکتوں سے ڈر لگنے لگا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ سیدھے راستے پر آ جائے۔ ہمیں دو وقت کی نہیں تو ایک وقت کی روٹی ضرور ملے گی مگر دن رات کے خوف سے چھٹکارا مل جائے گا۔ تم خود بھی ہندو ہو۔ اچھی طرح جانتے ہو کہ ہمارے دھرم میں عورت کے لیے اپنے مرد کو چھوڑنا کتنا کٹھن ہے۔''

وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بول رہی تھی۔ بے خوابی کے ہلکے سے ورم سے بوجھل، بڑی بڑی آنکھوں میں ایک سوال سا مچل رہا تھا، جس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

''وہ گھر ضرور آئے گا۔ آئے تو خاموشی سے مجھے خبر کر دینا۔ میں مل کر اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔''

''پتا نہیں، وہ کب آئے گا۔ میں اکیلی رہ کر دھڑکوں میں ہی مر جاؤں گی۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم اپنا کچھ وقت میرے ساتھ گزار لو۔ میرے دل کو ڈھارس رہے گی۔ میں ہر طرح تمہاری خدمت کروں گی'' اس نے ذومعنی انداز میں ہر طرح پر زور دے کر کہا۔

''مرد اور عورت اکیلے ہوتے ہیں تو ان کے بیچ گناہ کا بیج پروان چڑھتا ہے......''

''ان باتوں کو چھوڑو۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ عورت زندگی میں صرف ایک بار لٹتی ہے'' اس نے میری بات کاٹ کر اپنا سر جھٹکتے ہوئے کہا ''اس کے بعد وہ اس کھیل کی عادی ہو جاتی ہے۔ میں سوبھراج جیسے لٹیرے کو برداشت کر رہی ہوں۔ اس کے مقابلے میں تم بہت شریف اور اچھے ہو۔''

وہ میرے قریب سرک آئی اور اس نے اپنائیت سے اپنا

داہنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔

وہ میرے لیے کڑا امتحان تھا۔ وہ خوب صورت اور سبک اندام تھی۔ میرے ایک حریف کی عورت اور دوسرے کی داشتہ تھی۔ میں اسے لڑائی میں ہاتھ آیا ہوا مال تصور کر کے آسانی سے اس پر تصرف کر سکتا تھا۔ میں کوئی جنبش کیے بغیر اپنی جگہ پر جما بیٹھا رہا۔

شیبا نے میری خاموشی کو نیم رضامندی تصور کیا اور میری طرف جھک آئی اور جسموں کے اتصال کے دوران میں سرگوشیانہ آواز میں بولی ”مہیش! میری طرف دیکھو۔ میں اکیلی اور پیاسی عورت ہوں۔ مجھے اپنائیت کے ساتھ اپنے بازوؤں میں لے لو۔ اس وقت میں محبت کے دو بولوں کے لیے ترس رہی ہوں۔ میرے وجود میں بھڑکی ہوئی تنہائی کی آگ کو بجھا کر میرا دل ٹھنڈا کر دو۔ مجھے یقین آ جائے گا کہ اس برے وقت میں، میں تنہا نہیں ہوں، تم میرے ساتھ ہو۔“

میں نے ایک ہلکی سی پھریری لے کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ دشمن کی عورت ضرور تھی لیکن میں اپنے دشمن کا جھوٹا کھانے کا عادی نہیں تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے اسے سمجھایا ”یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔ کیا پتا کہ پکڑا جانے والا گورا، پولیس والوں کو تمہارے گھر کے بارے میں بتا دے اور وہ کسی وقت یہاں پہنچ جائیں۔ ایسے وقت پر میرا یہاں موجود ہونا مناسب نہیں ہوگا۔ تمہارے ساتھ میں بھی مصیبت میں گھر جاؤں گا اور کوئی ہماری مدد کے لیے نہیں آئے گا۔“

پولیس کے ذکر پر اس کے ذہن پر چھایا ہوا خوف تازہ ہو گیا۔ میری دلیل وزنی تھی۔ بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس کے سر پر سوار ہونے والا خمار یک لخت اتر گیا۔

”تمہاری موجودگی میں، میں یہ سب بھول بیٹھی تھی“ وہ ہڑبڑا کر صوفے سے اٹھ گئی ”تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں اپنی دوستی بڑھانے کے لیے کسی بھلے وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔ یہ بتاؤ کہ سنیل گھر آئے یا اس کا فون آئے تو مجھے کیا کرنا ہوگا؟“

میں نے اسے اپنا موبائل فون نمبر لکھوا دیا ”اس نمبر پر مجھے خبر دے دینا۔ میں آ کر اسے سمجھاؤں گا۔ اب سوبھراج کا وقت پورا ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ سنیل کو اس ڈوبتے ہوئے جہاز سے اتر آنا چاہیے ورنہ وہ بھی اس کے ساتھ غرق ہو جائے گا۔“

وہ یکایک کسی جونک کی طرح میرے سینے سے لپٹ گئی۔ میں نے آہستگی سے اسے اپنے بدن سے الگ کیا اور الوداعی انداز میں ہاتھ لہرا کر گھر سے نکاس کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

سنیل کے گھر کا رخ کرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ اس کی بیوی سے کچھ اگلوانے کے لیے مجھے خاصے پاپڑ بیلنا پڑیں گے لیکن وہ مرحلہ میری توقع سے کہیں زیادہ آسان ثابت ہوا تھا۔ عملی طور پر شیبا کیسی بھی عورت رہی ہو ذہنی طور پر وہ بے راہ روی کا شکار تھی۔ اپنے گھر کی تنہائی میں آئے ہوئے ایک مرد کی باتوں کے جال میں آسانی سے پھنستی چلی گئی۔

میں دل ہی دل میں دعا گو تھا کہ وہ سنیل اور سوبھراج کو میرے بارے میں کچھ نہ بتائے اور ان کے بارے میں خاموشی سے مجھے خبر دے دے تو ان دونوں کا قصہ آسانی سے نمٹ سکتا تھا۔

اس سے گفتگو کرتے ہوئے میں نے اس کی کسی بات کو ضرورت سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی لیکن اس کا پیش کیا ہوا یہ نکتہ میرے ذہن کے کسی خانے میں جم گیا تھا کہ وہ دونوں زخمی تھے۔ خون بہہ جانے کی وجہ سے کمزور ہو چکے تھے اور انہیں آرام کی ضرورت تھی۔ ان کے لیے راج محل ہی سب سے بہتر ٹھکانا ثابت ہو سکتا تھا۔

سنیل کے گھر سے راج محل زیادہ دور نہیں تھا۔ اس راستے پر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرے ذریعے اپنے ملازمین میں نک کے وفادار مخبروں کی موجودگی کی اطلاع مل جانے کے بعد شاید سوبھراج کھلے بندوں وہاں جانے کی ہمت نہ کر سکے لیکن وہ عادی اور پرانا مجرم تھا۔ اس نے کئی برس پہلے پرانی عمارت کو گرا کر راج محل کو از سر نو تعمیر کرایا تھا۔ نئی عمارت بنواتے ہوئے اس نے کہیں نہ کہیں ایسا خفیہ راستہ ضرور رکھا ہوگا جس کے ذریعے پوری رازداری کے ساتھ

اپنے گھر کے کسی اہم اور خاص حصے میں آمدورفت کا سلسلہ جاری رکھ سکے۔

اگر راج محل میں آمدورفت کے لیے ایسا کوئی خفیہ راستہ موجود تھا تو پھر شیبا کی رائے درست ہوسکتی تھی۔ اس وقت ان دونوں کو وہیں ہونا چاہیے تھا۔

میں اپنے خیالات کی رو میں ڈوبا، بے دھیانی سے گاڑی چلاتا رہا۔ ایک موڑ سے جوں ہی راج محل کی عمارت میری نظروں میں آئی تو میں بری طرح چونک پڑا۔

راج محل کے دیوہیکل آہنی پھاٹک غیر معمولی طور پر کھلے ہوئے تھے اور بیرونی سڑک تک لوگوں کا ایک حیران و پریشان مجمع نظر آ رہا تھا۔

میں نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھادی۔ قریب پہنچنے پر مجھے راج محل کے احاطے میں سبز رنگ کی سرکاری نمبر پلیٹوں والی کئی گاڑیاں نظر آئیں تو فوری طور پر میرا خیال جلال کی طرف گیا تھا۔

اس روز جلال سے میری بات نہیں ہوئی تھی مگر مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ اس وقت بھی کراچی میں موجود تھا۔ تازہ ترین اخباری اطلاعات اس بات کا مظہر تھیں کہ سرتوڑ کوششوں کے بعد آخرکار جلال کو کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ سوبھراج کے اثر ورسوخ کے مقابلے میں قانون بالادست رہا تھا اور رات گئے سوبھراج سے ساری مراعات واپس لے لی گئی تھیں۔

جب تک سوبھراج ایک مراعات یافتہ سیاست داں کے معزز رتبے پر فائز رہا، جلال اس سے دور رہ کر دل ہی دل میں کڑھتا اور بل کھاتا رہا۔ جوں ہی سوبھراج کے سر سے تحفظ کا سایہ اٹھا، جلال نے شاید اپنے پورے قانونی جاہ وجلال کے ساتھ سوبھراج کے خلاف کارروائی کا آغاز کر دیا تھا۔

میری گاڑی پر غیر سرکاری نمبر پلیٹ تھی۔ راج محل کے پھاٹک پر موجود لوگوں نے ہیجان زدہ اشاروں اور آوازوں کے ذریعے مجھے باہر روکنے کی کوششیں کیں لیکن میں ان کے درمیان سے راستہ بنا کر گاڑی کو اندر، احاطے میں لیتا چلا گیا۔

گاڑی روکتے ہی میرے نتھنوں میں پیٹرول کی بہت تیز بُو آئی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے میں گھبرا گیا کہ میری گاڑی کی پیٹرول کی لائن کہاں سے لیک ہوگئی ہے۔ گاڑی سے نیچے قدم رکھتے ہی میری وہ پریشانی دور ہوگئی۔ اس وقت راج محل کی پوری فضا میں وہ تیز بو رچی ہوئی تھی۔

میں نے گاڑی چھوڑنے تک یہ اندازہ لگالیا تھا کہ دوسرکاری گاڑیوں میں مسلح اور سادہ پوش سرکاری اہل کاروں کی ایک معقول تعداد راج محل میں وارد ہوچکی تھی۔ گھبرائے ہوئے اور خوف زدہ لوگوں کا مجمع اس عمارت کے ملازمین پر مشتمل تھا۔ ان سب کی پُرتشویش نگاہیں اس پرشکوہ عمارت پر جمی ہوئی تھیں جس میں ان کے شب وروز گزرتے رہے تھے۔

پھر مجھے جلال بھی نظر آ گیا۔ وہ اپنے ہاتھ میں ایک میگافون لیے، اپنے ہتھیار بند محافظوں کے گھیرے میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کے قریب ایک دو ایسے پریشان حال افراد بھی نظر آ رہے تھے جو راج محل کے پرانے ملازم ہوسکتے تھے۔

جلال نے گاڑی کے انجن کے دھیمے شور اور ہٹو بچو، رکو کی آوازوں پر چونک کر میری طرف دیکھا تھا۔ میرے اترنے کے بعد اس نے گرم جوشی سے میری طرف ہاتھ لہرایا پھر میگافون اپنے دہانے کے قریب لاکر راج محل کی عمارت کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''سوبھراج! اب بھی وقت ہے'' اگلے ہی لمحے فضا میں جلال کی بھاری اور تحکم آمیز آواز گونجنے لگی۔ خود کو قانون کے حوالے کردو۔ ابھی تم ملزم ہو۔ تم کو اپنے دفاع کا پورا موقع دیا جائے گا۔ گھٹیا حرکتیں کرکے تم مجرم بن رہے ہو۔ تم زبردستی پکڑے گئے تو تمہیں روئے زمین پر کہیں امان نہیں ملے گی۔''

''قانون میری ٹھوکر میں ہے'' دوسری طرف سے سوبھراج کی حقارت زدہ آواز گونجی۔ شاید وہ بھی میگافون استعمال کررہا تھا'' قانون بنانے والے پر تم دو ٹکے کے سرکاری ملازم قانون لاگو کرنے چلے ہو۔ میں تمہیں بتارہا ہوں کہ اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھنا۔ میری پوری حویلی پیٹرول میں نہا چکی ہے۔ ایک دیاسلائی کے جلتے ہی یہ سب آگ میں گھر جائے گا۔ تمہارے ہاتھ کچھ بھی نہیں آسکے گا۔''

''یہ نہ بھولو کہ اپنی لگائی ہوئی آگ میں تم خود بھی جل مروگے'' جلال نے اسے ڈرایا ''راج محل کے چاروں طرف مسلح آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔ تم بچ کر نہیں نکل سکو گے۔ شرافت سے گرفتاری دے دو۔''

''میں مکھن سے بال کی طرح نکل جاؤں گا اور تم سب دیکھتے رہ جاؤ گے'' سوبھراج کی آواز تکبر آمیز ہوگئی۔ ''میرے ملازموں سے پوچھ لو کہ کیا کسی نے مجھے راج محل میں آتے ہوئے دیکھا تھا، جو لوگ بڑا شکار کھیلتے ہیں، وہ اپنی واپسی کے دس راستے کھلے رکھتے ہیں۔ تم کو پتا ہی نہیں چل سکے گا کہ میں کب اور کہاں سے نکل گیا۔ تم مر کر بھی مجھے نہیں پکڑ سکتے۔''

میں جلال کے قریب جاکر رک گیا۔ وہ خاصا فکرمند اور پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی چھوٹی چھوٹی بوندیں چمک رہی تھیں۔

''وہ یہاں کب آیا تھا؟'' جلال نے سوبھراج کے ایک نوکر سے قہربار آواز میں پوچھا۔

''صاحب! ہمیں نہیں پتا'' اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے گھگیا کر کہا ''میں تو شروع سے آپ سے کہہ رہا تھا کہ راج صاحب، ائرپورٹ سے گھر کی طرف نہیں آئے۔ ہم سب کل سے ان کا انتظار کررہے تھے۔ پتا نہیں وہ کب اور کہاں سے اندر پہنچ گئے۔''

جلال نے غصے میں اس کے منہ پر الٹے ہاتھ کا تھپڑ رسید کیا اور وہ چیخ مار کر لڑکھڑاتا ہوا دور جا گرا۔ میں ترحم آمیز نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"میرے ساتھ آؤ!" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا اور وہ راج محل کے دوسرے نوکروں کو غصیلی نظروں سے گھورتا ہوا میرے ساتھ ہولیا۔

فضا میں لمحہ بہ لمحہ پیٹرول کی بو بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ پہلے سے پھیلائے ہوئے پیٹرول کی تیز تبخیر کا نتیجہ تھا یا سوبھراج بقیہ حویلی میں مزید پیٹرول چھڑک رہا تھا۔

"تم بلاوجہ ان ملازموں پر اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ یہ واقعی بے خبر ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کسی خفیہ اور زیرزمین راستے سے اندر پہنچا ہوگا۔ وہ دونوں زخمی ہیں۔ انہیں آرام کی ضرورت تھی۔ وہ مجبور ہو کر خاموشی سے یہاں آئے ہیں۔"

"مجھے اول خان سے تمہاری رات کی کارگزاری کا علم ہو چکا ہے۔ دیر ہو جانے کی وجہ سے یہ خبر اخباروں کی زینت نہیں بن سکی لیکن بات ہر طرف پھیل چکی ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ مراعات ختم ہو جانے کے ساتھ سوبھراج کا بھرم توڑنا بھی ضروری ہو گیا ہے۔ صبح سات بجے سنیل اور سوبھراج کی گرفتاری کے وارنٹ مجھے مل گئے تھے" وہ چوکنے انداز میں اپنے گرد و پیش میں نظریں دوڑاتے ہوئے بتانے لگا۔ "مجھے رائی کے برابر بھی شبہ نہیں تھا کہ وہ راج محل میں آ چکا ہوگا۔ میں چند گاڑیوں میں اپنے اسٹاف کے ساتھ تھوڑی دیر پہلے یہاں پہنچا ہوں۔ میری کل نفری یہی ہے جو احاطے میں تمہیں میرے آس پاس نظر آ رہی ہے......"

"لیکن تم تو اسے دھمکی دے رہے تھے کہ اس وقت پورا راج محل محاصرے کی حالت میں ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔

"اس کی یہاں موجودگی کے انکشاف کے بعد اس حکمتِ عملی کا اپنانا ضروری ہو گیا تھا ورنہ باہر کچھ بھی نہیں ہے۔ اس دھمکی نے اس کا حوصلہ ضرور توڑ دیا ہوگا۔"

"صورت حال بہت گمبھیر ہے" میں نے پرتشویش لہجے میں کہا "وہ اپنے نوکروں کی نظروں سے بچ کر گھر میں چھپا ہوا تھا تو یکایک یہ محاذ آرائی کی صورت حال کیسے پیدا ہو گئی؟"

"میرا خیال ہے کہ ہم سے ایک بہت باریک تکنیکی غلطی ہو گئی" وہ دھیرے سے بولا "ایسے معاملات میں یہی ہوتا ہے کہ بروقت کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی' سب کچھ واضح ہوتا ہے تو پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے۔ مجھے یہ بات پہلے یاد آ گئی ہوتی تو ہم آسانی سے ان دونوں کو پکڑ سکتے تھے۔"

"پتا تو چلے کہ وہ تکنیکی غلطی کیا تھی؟" میں نے کہا۔

"میں نے کل دن بھر راج محل کی نگرانی کی تھی اور شاید میں نے تمہیں بتایا کہ کل دن بھر راج محل کا پھاٹک اور دروازہ بند رہا۔ چڑ کا کا بچہ بھی اندر گیا نہ باہر آیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اندر والوں کو سانپ سونگھ گیا ہو اور وہ اپنی چار دیواری میں محصور ہو کر بیٹھ گئے ہوں۔"

"ہاں! یہ بات تم نے بتائی تھی" میں نے سر ہلا کر جلدی سے اقرار کیا۔ میں اس کی زبان سے اگلی بات سننے کے لیے بے چین تھا۔

"میں نے گاڑیاں باہر چھوڑ کر خاموشی سے اندر داخل ہونے کے بجائے گاڑیوں میں سوار ہو کر پورے طمطراق سے راج محل میں گھسنے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ یہاں کے مکینوں کے حوصلے توڑ کر انہیں ہراساں کیا جا سکے۔ سرکاری نمبروں والی گاڑیوں کے سامنے گارڈز بے بس تھے۔ انہوں نے ہمارے لیے پھاٹک کھول دیا اور شاید یہی سب سے بڑی غلطی تھی۔ پھاٹک کھلتے ہی سوبھراج کو کسی نہ کسی طرح مشتبہ افراد کی آمد کی اطلاع مل گئی۔ ہمارے رکتے ہی اس نے میگافون پر للکارنا شروع کر دیا۔ اسی کے ساتھ فضا میں پیٹرول کی بو پھیلنے لگی۔ اس نے کچھ دیر بعد انکشاف کیا کہ وہ اپنے اہم کمروں میں پیٹرول چھڑک چکا ہے۔ کسی نے زبردستی اندر پہنچنے کی کوشش کی تو وہ آگ لگا دے گا۔"

"یہی ہوا ہوگا۔ شاید پھاٹک سے منسلک کوئی سوئچ اس کے کمرے میں کوئی بلب یا گھنٹی وغیرہ آن کر دیتا ہوگا' جس سے اسے پتا چل گیا کہ اس کی اجازت کے بغیر پھاٹک کھولا گیا ہے۔ شاید ویرانے بتایا تھا کہ راج محل میں اندر والوں کی اجازت کے بغیر پھاٹک نہیں کھولا جاتا۔"

"یہ اتنی باریک سی بات تھی کہ پہلے سے اس طرف دھیان جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ غلطی ہو گئی۔ اب اس پر سر کھپانا بے سود ہے۔"

"بات تل گئی ہے۔ وہ عمارت کو ضرور آگ لگائے گا تاکہ اندر کے ریکارڈ سے اس کے خلاف کوئی ثبوت کسی کے ہاتھ نہ آ سکے" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا "آگ لگانے سے پہلے وہ کچھ اہم دستاویزات یا نقدی وغیرہ اپنے ساتھ لے جانے کے لیے نکال رہا ہوگا۔"

"مجھے یہ اندازہ بھی ہے لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اندر گھسنا اپنی جان پر کھیلنے کے مترادف ہوگا۔ پیٹرول کی تیز بو بتا رہی ہے کہ اندر اس آتش گیر سیال کا خاصا ذخیرہ موجود تھا۔"

"آگ کی تباہ کاری کو قابو میں رکھنے کے لیے کم از کم فائر بریگیڈ کی گاڑیوں کو ضرور طلب کر لینا چاہیے۔ آگ لگاتے ہی وہ فرار کی راہ اختیار کرے گا۔"

"میں فون کر چکا ہوں۔ مقامی فائر اسٹیشن کی ایک گاڑی کا انجن کھلا ہوا ہے دوسری خراب ہے۔ اب کہیں اور سے گاڑیاں آ رہی ہوں گی۔"

"میں حیران ہوں کہ اس نے آتشیں اسلحہ کیوں استعمال

نہیں کیا؟"

"وہ بہت چالاک ہے۔ فائرنگ سے وہ دو آدمی اتنی بڑی عمارت کا دفاع نہیں کر سکتے تھے۔ کہیں نہ کہیں سے میرے آدمی اندر گھسنے میں کامیاب ہو جاتے۔ اس نے پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ہولناک آتش زنی کا ہوّا کھڑا کیا ہے۔"

"یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس خبیث نے شیطانی دماغ پایا ہے۔ وہ اس وقت ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو اسے دوبارہ پکڑنا مشکل ہو جائے گا۔"

"اس نے دھمکیوں کے آغاز میں اپنے نوکروں کو عمارت سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔ آگ میں جل مرنے کی دہشت سے وہ سب ایک دوسرے پر گرتے پڑتے باہر نکل آئے۔"

"تم خاموش کیوں ہو؟" اچانک میگافون پر سوبھراج کی بھاری اور وحشت زدہ آواز گونجی "تمہاری خاموشی سے مجھے کسی سازش کی بُو آ رہی ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ مجھے اپنی چھت کے نیچے کہیں کوئی سایہ بھی نظر آیا تو میں اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کو پھونک دوں گا۔"

فضا میں دور سے فائر انجنوں کے دل اڑا دینے والے سائرنوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ آوازیں بتدریج بلند اور واضح ہوتی جا رہی تھیں۔

"تم جو چاہو کر لو۔ اب تباہی تمہارا مقدر بن چکی ہے۔ مرد کے بچے ہو تو راج محل کی چتا سے باہر آ کر مقابلہ کرو۔ تمہیں قانون کی قوت کا اندازہ ہو جائے گا۔"

فضا میں اس کا شیطانی قہقہہ گونجا پھر اس نے کہا "تم بارود کے ڈھیر کو گھیرے کھڑے ہو۔ گولی چلتے ہی ہر طرف آگ پھیل جائے گی اور اس میں تم سب جل جاؤ گے۔"

وہ بس لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا تھا پھر زہریلی آواز میں بولنے لگا "تم متعصب اور کمینے لوگ ہو۔ اپنے قنوطی معاشرے میں ایک ہندو کو پھلتے پھولتے نہیں دیکھ سکے۔ میں تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہوں لیکن تم کو دیکھ چکا ہوں۔ تمہاری سرکاری گاڑیاں بتا رہی ہیں کہ تم مجھ سے وہ عزت اور اعزاز چھین چکے ہو جو میں نے اپنی دن رات کی محنت سے حاصل کیا تھا۔"

"تم جیسے بدمعاش اور غدار کا کوئی دین دھرم نہیں ہوتا۔ تم ہندو ہو نہ مسلمان۔ اپنی بے گناہی کے دعوے دار ہو تو کھلی عدالت کا سامنا کرنے سے کیوں ڈر رہے ہو؟ سامنے کیوں نہیں آتے؟"

ان دونوں کے درمیان میگافون پر باتیں ہوتی رہیں۔ اس اثنا میں نہایت خاموشی اور تیز رفتاری سے پولیس والوں کی باوردی، مسلح نفری سے بھری ہوئی دو موبائلز دندناتی ہوئی راج محل کے احاطے میں گھس آئیں۔

دونوں گاڑیوں سے چاق و چوبند سپاہی اتر کر ہر طرف پھیلنے لگے۔ ان کی سربراہی ایک سب انسپکٹر کر رہا تھا۔

جلال اپنے محکمے کا سینئر افسر تھا۔ اسے ان معاملات میں دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ شاید اس نے کسی مرحلے پر پولیس اسٹیشن فون کر کے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ سب انسپکٹر نے اپنی گاڑی سے اترتے ہی آئی بی کے وفاقی اہل کاروں کو سلیوٹ کیا تھا۔ شاید اس نے ان میں سے کسی کو پہچان لیا تھا۔

جلال کے ماتحتوں نے سب انسپکٹر کے ساتھ مختصر سے رسمی مذاکرات کیے۔ صورتِ حال سے واقف ہوتے ہی سب انسپکٹر نے اپنے عملے کو ہدایات دیں اور پولیس والے تقریباً دوڑتے ہوئے اس احاطے سے نکلتے چلے گئے۔

میرے لیے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا کہ پولیس والوں کی اضافی نفری آ جانے کے بعد آئی بی والے عملی طور پر راج محل کا محاصرہ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

جب سے میں نے راج محل کی حدود میں قدم رکھا تھا، میں نے سوبھراج کی زبان سے ایک بار بھی یہ دھمکی نہیں سنی تھی کہ [illegible] معاشرے کا ایک مراعات یافتہ شہری تھا اور کسی بھی مرد [illegible] قانون کے تحت اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔

اس نکتے پر غور کر کے میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ [illegible] اخبارات کے ذریعے مراعات کی سلبی سے آگاہ ہو چکا تھا۔ اس کی رہی سہی خوش فہمی سرکاری گاڑیوں اور پھر پولیس موبائلز کی آمد نے دور کر دی تھی۔ اس کے گھر کی حفاظت پر مامور پولیس والے بھی اپنے پیٹی بند بھائیوں کے ساتھ مل کر راج محل کا بیرونی محاصرہ کرنے کے لیے باہر جا چکے تھے۔

پھر سائرن بجاتے ہوئے، دو فائر انجن بھی وہاں آ گئے۔ راج محل کا احاطہ اتنا وسیع تھا کہ اتنی گاڑیوں کی آمد کے باوجود وہاں جگہ کی قلت کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

سرخ رنگ کے دمکتے ہوئے فائر انجنوں پر سوار ہو کر شہر بھر کی مسیحائی کرنے والے فائر مین عام طور پر کثیف دھوئیں کے بادل یا آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے دیکھ کر اپنی منزل کا تعین کرتے ہیں۔ راج محل میں آتش زنی کی تیاریاں مکمل تھیں لیکن ان میں سے کوئی علامت موجود نہیں تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ فائر بریگیڈ کا عملہ اس کے باوجود صحیح مقام پر پہنچ گیا تھا۔

ان لوگوں نے آتے ہی فائر پروف کینوس کے لمبے لمبے سفید پائپ کھول کر تیزی سے فرش پر پھیلانے شروع کر دیے تھے۔ وہ سماں بہت وحشت ناک اور خوف آور تھا۔ میں نے کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس لڑائی کے کسی مرحلے پر سوبھراج اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگا دے گا۔

"سوبھراج! حماقت مت کرو۔ راج محل میں بھڑکنے والی آگ میں تمہارے بیشتر اثاثے جل کر راکھ ہو جائیں گے۔" جلال مضطربانہ آواز میں بے بسی کے ساتھ اسے سمجھانے کی

کوشش کررہا تھا ”جذباتی اور احمقانہ فیصلہ مت کرو۔ یہ آگ تمہارے خاندان کو تباہ و برباد کردے گی۔ سب مل کر تمہیں کوسیں گے کہ تم نے ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔“

”میں اپنا سب کچھ پھونک کر تمہارا مقابلہ کروں گا۔ تمہاری یہ دم کلیں کچھ بھی نہیں کرسکیں گی“ اس بار سوبھراج کی آواز قدرے بھرائی ہوئی تھی۔

میں نے سمجھ لیا کہ فیصلہ کن گھڑی آگئی تھی۔ چند ثانیوں کے لیے فضا پر گہرا سکوت طاری رہا۔ جو بات میں نے سمجھ لی تھی، وہ دوسروں کی سمجھ میں بھی آگئی تھی۔ احاطے میں موجود ہر شخص ادم بخود تھا اور کچھ ہونے کا انتظار کررہا تھا۔

وہ چند اعصاب شکن لمحے دھیرے دھیرے گزرنے لگے۔ شاید وہ اپنے لیے کوئی محفوظ جگہ تلاش کررہا تھا جہاں سے وہ اپنے گھر کو آگ لگاسکے۔

اچانک بھق کی ایک گھٹی گھٹی اور ہولناک آواز کے ساتھ راج محل کی کھڑکیوں اور دروازوں سے آتشیں شعلے بڑے ناگوں کی لہراتی ہوئی، زندہ زبانوں کی طرح باہر لپک پڑے۔ تیز آوازوں کے ساتھ آگ بہت تیزی کے ساتھ پھیل رہی تھی۔

آگ بجھانے والی گاڑیوں کے پمپ چل پڑے اور بل کھائے ہوئے پائپوں سے پانی کی موٹی دھاریں جلتی ہوئی عمارت پر پڑنے لگیں۔

وہ آگ اتنی شدید تھی کہ اس کی تپش میں ہمارے لیے احاطے میں ٹھہرنا دشوار ہوگیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے احاطہ خالی ہوگیا۔ بس آگ بجھانے والا عملہ بے بسی کے ساتھ اس خوفناک آگ سے لڑتا رہ گیا۔

کھڑکیوں وغیرہ سے شعلے گزوں دور تک لپک رہے تھے پھر ان شعلوں کے ساتھ عمارت سے کثیف دھوئیں کے گہرے بادل بھی اُمڈنے لگے۔

پانی کی موٹی موٹی اور تیز دھاریں پڑنے کے باوجود آگ بڑھتی چلی جارہی تھی۔ آئی بی والوں نے اپنی گاڑیاں باہر نکالیں، پولیس والوں نے اپنی موبائلز بچانے میں سرعت دکھائی۔ میری گاڑی جلال کے ایک آدمی نے باہر نکال لی۔ سوبھراج کی کئی نئی نویلی اور بیش قیمت گاڑیاں جہاں تھیں، وہیں کھڑی رہیں۔ ان کو بچانے والا کوئی نہیں تھا۔

وہ گاڑیاں جلتی ہوئی عمارت سے اتنے قریب تھیں کہ کسی بھی لمحے شعلوں کی لپیٹ میں آسکتی تھیں۔ ان میں آگ لگنے کے بعد پیٹرول کی ٹنکیاں بموں کی طرح دھماکوں سے پھٹتیں اور پھر ہر طرف آگ ہی آگ پھیل جاتی۔

”آؤ!“ جلال نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر اداسی سے کہا ”اب یہاں کچھ نہیں رہا۔“

میں نے مایوسی اور بے بسی سے جلتے ہوئے راج محل کی طرف دیکھا اور بوجھل قدموں سے اس کے ساتھ ہولیا۔

راج محل ایک عمارت نہیں، پوری ایک کہانی تھی۔ سوبھراج نے اپنی زندگی کے قیمتی سالوں میں نہ جانے کیسی کیسی ریاکاریاں اور غداریاں کرکے بڑے ارمانوں کے ساتھ راج محل بنوایا تھا پھر اس کے ایک ایک گوشے کی آرائش کی تھی۔

اس نے اپنے جوڑ توڑ اور شعبدہ بازی سے ایک مقام حاصل کیا تھا لیکن راج محل کے حوالے سے بھی اس کی ایک خاص شہرت تھی۔ اس گھر سے نہ جانے کتنے خاندانوں کے چولھے جل رہے تھے۔ اسے نہ جانے کیا سوجھی تھی کہ اس نے پل بھر میں برسوں کی اس محنت کو آگ لگا کر برباد کردیا تھا۔

میرے لیے سوبھراج کا وہ قدم بہت حیرت ناک ثابت ہوا تھا۔ مجھے کچھ یوں محسوس ہورہا تھا کہ چوبیس گھنٹوں سے بھی کم مدت میں اپنے اوپر ہونے والے دو ناکام حملوں میں اس نے موت کو بہت قریب سے دیکھ لیا تھا جس کے نتیجے میں اس پر شدید ترین مایوسی کا دورہ پڑا اور اس نے اسی کیفیت میں اپنا سب کچھ پھونک کر رکھ دیا۔

راج محل سے آگ اور دھوئیں کے کثیف مرغولے بلند ہونے کے بعد قرب و جوار سے بہت سے تماشائی وہاں آنا شروع ہوگئے تھے۔ سب کی حسرت زدہ نظریں ان بے رحم شعلوں پر جمی ہوئی تھیں جو تیزی سے سب کچھ چاٹتے جارہے تھے۔

جلال نے راستے میں رک کر اپنے ایک آدمی سے مختصر سی گفتگو کی اور دوبارہ میرے ساتھ آملا۔

جب تک سوبھراج اپنے گھر میں موجود تھا، ہم سب اسے گھیر کر پکڑنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ کچھ نہ کرنے کے باوجود ہر شخص اپنی جگہ پر مصروف تھا لیکن وہاں آگ لگنے کے بعد یوں محسوس ہورہا تھا جیسے سارے کام یک لخت ختم ہوگئے ہوں۔

میں نے جلال اور سوبھراج کے درمیان ہونے والی گفتگو کا خاصا حصہ اپنے کانوں سے سنا تھا اور مجھے اس بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ سوبھراج نے اپنے محفوظ فرار کے متعلق کوئی بے بنیاد دعویٰ نہیں کیا تھا۔

وہ زخمی حالت میں جس رازداری کے ساتھ اپنے گھر پہنچا تھا اسی رازداری کے ساتھ وہاں سے فرار ہوگیا تھا۔ اس کے بارے میں کہیں سے کسی امید افزا خبر کی آمد کی توقع بے سود تھی۔ راج محل کے محاصرے کے لیے جانے والے پولیس والے اس کی راہ روک سکتے تھے نہ اس کی گرد پا سکتے تھے۔ وہ ان کے قدموں کے نیچے بنی ہوئی کسی سرنگ سے نکل کر دور کسی محفوظ علاقے کی طرف چلا گیا ہوگا۔

جلال نے کسی سرکاری گاڑی میں سفر کرنے کے بجائے میرے ساتھ سفر کرنے کو ترجیح دی تھی۔ میں نے انجن اسٹارٹ

کر کے دھیمی رفتار سے تماشائیوں کی بھیڑ میں سے گاڑی گزاری اور تیزی سے گلشن اقبال کی طرف روانہ ہوگیا۔

وہ دن کا وقت تھا اس لیے دور سے راج محل کے شعلے نظر نہیں آرہے تھے لیکن ایک موڑ گھومتے ہوئے میں نے اس حویلی پر سیاہ رنگ کے مہیب بادل چھائے ہوئے دیکھے جن میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

''میں ابھی تک پریشان ہوں کہ سوبھراج کب اور کیسے راج محل میں پہنچ گیا۔'' کچھ دیر کے بعد جلال نے مایوسانہ آواز سے سکوت توڑا۔

''بنکاک سے اس کی واپسی کے بعد کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ میری اس سے فون پر بات ضرور ہوئی مگر وہ مسلسل روپوش ہے۔ میں ابھی سنیل کی بیوی سے مل کر راج محل کی طرف آیا تھا......''

''اوہ!'' وہ میری بات کاٹ کر حیرت سے بولا ''رات کو تم نے اس کے گھر کے باہر ننک کے دو آدمیوں سے مقابلہ کیا اور آج اس سے مل بھی آئے۔''

''اس نے بتایا کہ دونوں بری طرح زخمی تھے۔ سنیل کو تین گولیاں لگی تھیں۔ سوبھراج خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ نقاہت سے اس کا چہرہ زرد ہورہا تھا۔''

''یہ تفصیلات پہلی مرتبہ سامنے آئی ہیں۔ وہ اتنے برے حال میں ہیں تو ان دونوں کو اب مرہی جانا چاہیے۔'' جلال کی دلی آرزو اس کی زبان پر آگئی۔

''شیبا نے خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ دونوں آرام کرنے کی غرض سے راج محل گئے ہوں گے۔ میں اس کی تھیوری پر غور کرتا ہوا راج محل کی طرف چل پڑا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کھلے بندوں ادھر کا رخ نہیں کرسکیں گے پھر مجھے کسی خفیہ راستے کا خیال آیا تھا۔''

''اور وہی درست ثابت ہوا۔ کیا شیبا، سنیل کی بیوی کا نام ہے؟''

میں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

اس چکر میں بظاہر شیبا کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ سنیل نے اس کے حسن و شباب کو اپنی ترقی کا زینہ بنایا ہوا تھا۔ سوبھراج کے لیے وہ اسٹنیچ کے ڈھیلے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ اس کی طبیعت اپنے رنگ پر آتی تھی تو وہ عیاشی کے لیے شیبا کو اپنے عشرت کدے پر بلوا لیتا تھا اور اس کے ساتھ کچھ رنگین وقت گزارنے کے بعد اس کی مٹھی گرم کرکے اسے واپس بھیج دیتا تھا لیکن جلال کے لیے اس کا ذکر بہت اہم ثابت ہوا۔

سوبھراج کی حالت اور کیفیت کے بارے میں وہ اکلوتی گواہ تھی۔ اس نے قاتلانہ حملے کے بعد ان دونوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، چھپ کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کی تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ میری باتوں میں آگئی تھی۔

جلال مجھ سے کرید کرید کر شیبا کے بارے میں سوالات کرتا رہا۔ اس تذکرے کے بعد اس کی مایوسی کا ایک دور ہوگئی تھی۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا وہ میں اس کے سامنے بلاکم و کاست دہراتا چلا گیا۔ گفتگو آگے بڑھنے کے ساتھ جلال کی دلچسپی بتدریج بڑھتی جارہی تھی۔

ان ہی باتوں میں ہم گھر پہنچ گئے۔ میں نے جلال کو مدد دینے کے خیال سے وہ باتیں بھی اس کے سامنے دہرا دیں جن کا تعلق صرف میری اور شیبا کی ذات سے تھا۔

گھر پر اول خان بھی موجود تھا۔ وہ فون پر ویرا سے یہ خبر سننے کے بعد مضطرب ہوگیا تھا کہ اس سے بات کرنے کے بعد میں اکیلا سنیل کی بیوی سے ملنے چلا گیا تھا۔ وہ بے چین ہوکر سیدھا ہمارے گھر دوڑا چلا آیا۔

''تم نے غلطی کی۔ تم کو اکیلے وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔'' اول خان نے مجھ سے رسمی علیک سلیک کرنے کے بعد ہلکے سے فہمائشی لہجے میں کہا۔

''اکیلا ہونے کی وجہ سے ڈینی نے اس سے بہت سی باتیں کی ہیں۔ کوئی اور ساتھ ہوتا تو وہ عورت اتنی آسانی سے اس پر اعتماد نہ کرتی۔ بہت سی باتیں سرے سے ہو ہی نہیں سکتی تھیں۔ ڈینی نے اسے دانہ بھی ڈال دیا ہے۔'' جلال نے میری حمایت کی۔

''اسے کیا دانہ ڈال کر آئے ہو؟'' ویرا نے پوچھا پھر وہ غزالہ سے مخاطب ہوگئی ''تم سن رہی ہو کہ جلال کیا کہہ رہا ہے؟''

''میں ان لوگوں کے آپس کے مذاق میں دخل نہیں دیتی۔'' غزالہ نے مسکرا کر بے پروائی سے جواب دیا اور میرا دل خوش کردیا۔

''پھر شاید تمہیں دانہ ڈالنے کا مطلب ہی معلوم نہیں ہے۔ ڈینی نے اس عورت کو ورغلانے کی کوشش کی ہے۔'' ویرا نے تیز لہجے میں کہا۔

''وہ پہلے ہی بگڑی ہوئی ہے، سوبھراج سے ملتی رہی ہے۔ اسے مزید کیا ورغلایا جاسکتا ہے۔'' ویرا کی کوشش کے باوجود غزالہ کی مسکراہٹ میں کوئی فرق نہیں آسکا۔

''ویری گڈ!'' جلال نے غزالہ کے جواب کو سراہا ''اچھی بیویاں اپنے شوہروں پر اسی طرح اعتماد کرتی ہیں۔ بات بات پر ان پر شبہ نہیں کرتیں۔''

''میرا خیال ہے کہ ہم سب بہک رہے ہیں۔'' اول خان نے سب کو ٹوکا ''سنیل کی بیوی سے ڈینی کی ملاقات کے معاملے پر گفتگو ہونی چاہیے۔''

''ضرور ہوگی۔ اس سے پہلے یہ سن لو کہ ہم دونوں ابھی راج محل سے آرہے ہیں۔ سوبھراج نے پیٹرول چھڑک کر

پوری عمارت کو آگ لگا دی ہے۔'' جلال نے اچانک دھماکا کر دیا۔
سب کے ہونٹوں سے بے ساختہ، مختلف تحیر زدہ آوازیں آزاد ہو گئیں، وہ اس قدر بڑی خبر تھی کہ کوئی فوری طور پر اس انکشاف پر یقین نہیں کر سکا۔
''یہ کیسے ہوا؟''
''تم دونوں ایک وقت میں وہاں کیسے جمع ہو گئے!''
''یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے گھر کو کیسے آگ لگا سکتا ہے!''
''وہ اچانک راج محل میں کیسے پہنچ گیا؟''
ان چاروں نے بیک وقت الگ الگ سوال کیے تھے۔ اپنی جگہ پر ہر سوال اہم اور جامع تھا۔ جلال کے ہونٹوں پر گہری اور آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔
''چند منٹ کے لیے تم چاروں خاموشی اختیار کرو تو ہر بات سمجھ میں آ جائے گی۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔ راج محل سے ہٹنے کے بعد اس کا موڈ تیزی سے بحال ہوا تھا۔
جلال کے مطالبے پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور اس نے میری اور شیبا کی ملاقات سے اپنی کہانی کی ابتدا کر دی۔
''جو کچھ ہوا، بالکل منطقی انداز میں ہوا ہے۔ کسی سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔'' پوری بات سن لینے کے بعد اول خان نے سنجیدگی سے تبصرہ کیا ''تم پھاٹک کھلوانے کے بجائے، گاڑیاں باہر چھوڑ کر دروازے سے اندر جاتے تب بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا۔''
''بنیادی بات یہ ہے کہ تمہیں یا راج محل کے کسی ملازم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ سوبھراج اندر پہنچ چکا ہے۔ تم کسی طرح بھی اندر جاتے، ملازموں سے پوچھ گچھ میں الجھے رہتے۔ بات بڑھتی تو سوبھراج کو معاملے کا علم ہو جاتا اور قصہ پھر اسی موڑ پر پہنچ جاتا۔'' ویرا نے اول خان کی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔
''ایسی صورت میں شاید وہ خاموشی سے نکل جاتا۔ راج محل کو آگ لگانے کی نوبت نہ آتی۔'' جلال نے افسردگی سے جواب دیا۔
''یہ موقع اسے تم نے بھی دیا تھا۔'' جلال کی بات سن کر اول خان نے سمجھایا ''وہ چاہتا تو خاموشی سے فرار ہو جاتا۔ اس نے تمہیں للکارنے میں پہل کر کے معاملہ بگاڑ دیا۔ وہ خاموش رہتا تو راج محل بھی بچ جاتا۔''
''وہ حویلی ہماری نہیں، اس کی تھی۔'' سلطان شاہ نے زبان کھولی ''ہمیں اس کے جل جانے پر افسوس ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں...... اس نے بالکل وہی کیا جو اس نے سوچا ہوا تھا۔ وہ نکل جاتا تو تم لوگ راج محل پر قبضہ کر کے اس کے چپے چپے کی تلاشی لیتے۔ سوبھراج نہ جانے کب سے غداروں کا ساتھ دے رہا ہے۔ اس کی حویلی میں جگہ جگہ اس کی بدعنوانیوں

اور سازشوں کے ثبوت بکھرے ہوئے ہوں گے۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا کہ کسی وقت پولیس اور ایجنسیوں کے اہل کار اس کی حویلی میں گھس آئیں گے۔ اس کے لیے قلیل سے وقت میں سارے ثبوتوں کو مٹانا ناممکن تھا۔ اس کا ایک ہی علاج تھا کہ پورے راج محل کو جلا کر کھنڈر بنا دیا جائے۔ اس کے لیے وہ تیار تھا۔''
''کمال ہے!'' ویرا بے ساختہ بول پڑی ''اصل بات یہی ہے۔ حویلی کو آگ لگانا اس کی ناگزیر ضرورت بن گیا تھا ورنہ ذرا سی دیر میں پیٹرول کی بڑی مقدار حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے اس برے وقت کے لیے پہلے سے تیاری کی ہوئی تھی۔''
''شاید اس کے بنکاک فرار ہونے کے بعد سنیل نے اس کی ہدایت پر پیٹرول کا ذخیرہ کیا ہوگا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''سوبھراج کو واپسی کے بعد راج محل میں ٹکنے کا موقع ہی نہیں ملا کہ وہ سارا بندوبست کرتا۔''
''اس نے بہت عجلت میں ایک احمقانہ فیصلہ کیا ہے۔ ریاست سے لڑ کر کوئی مجرم زیادہ دنوں تک نہیں پنپ سکتا۔ وہ بہت جلد کتے کی موت مارا جائے گا۔'' غزالہ نے حقارت سے کہا۔
''حیرت ہے کہ وہ چند دنوں کی پریشانی سے اس قدر اعصاب زدہ ہو گیا!'' اول خان بولا ''وہ مشکل سے چند روز کے لیے امتحان سے گزرا ہے۔ یہ وقت اس نے بنکاک میں عیش کرتے ہوئے گزارا تھا۔ یہاں وہ کل صبح پہنچا تھا۔''
''یہ چوبیس گھنٹے اس کے لیے عذاب سے کم نہیں تھے۔ جو لوگ عیش و نشاط کی زندگی کے عادی ہو جاتے ہیں ان میں پریشانیوں کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں رہتا۔ وہ ذرا سی دیر میں اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاتے ہیں۔'' میں نے کہا ''سنیل کے گھر پر رات کو پیش آنے والے واقعات نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہوگا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ نک جیسا قابل اعتماد ساتھی اس کے خون کا پیاسا بن سکتا ہے۔ سارے ثبوت اس کے سامنے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ایف بی آئی والے غداروں کو کیسے دردناک انجام سے دوچار کرتے ہیں۔''
''تو کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ وہ ہم سے نہیں، ایف بی آئی والوں سے دہشت زدہ ہو گیا تھا؟'' جلال نے چونک کر پوچھا۔
''تم پاکستان کے شیر ہو۔ ایف بی آئی دنیا بھر کو آپریٹ کرتی ہے۔ اسے نظر آ گیا تھا کہ اب اسے زندہ رہنا ہے تو راج محل سے دور رہنا ہوگا۔ اس نے راج محل کو کھنڈر کر دیا۔ یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ ایف بی آئی کے تیسرے وار سے پہلے تم اس کی حویلی میں پہنچ گئے۔'' میں نے جلال کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھیرے دھیرے اپنی بات پوری کی۔
''وہ یہی سمجھا ہوگا کہ نک نے دوبارہ منہ کی کھانے کے بعد

کسی ایجنسی کو اس کے پیچھے لگا دیا ہے اور اب وہ مارا جائے گا۔'' ویرا نے پرزور لہجے میں کہا۔

''میرا خیال ہے کہ ہم ان باتوں پر بلاوجہ اپنا سر کھپا رہے ہیں۔'' سلطان شاہ نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

''یہ بلاوجہ کی باتیں نہیں ہیں۔ سوبھراج زندہ ہے اور آزاد ہے۔ اب وہ کھل کر سامنے نہیں آئے گا۔ ہمیں اس کی نفسیات کو سمجھنا پڑے گا تاکہ ہم اسے گھیر کر پکڑ سکیں۔'' جلال نے ناصحانہ لہجے میں اسے سمجھایا ''اب وہ چین سے نہیں بیٹھے گا۔''

''ہاں! سوبھراج کے بارے میں تو ضرور سوچنا پڑے گا۔'' سلطان شاہ خفت آمیز ہنسی کے ساتھ جلدی سے بولا ''میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں راج محل کی بربادی پر سوگ منانے کی کیا ضرورت ہے۔ جس لڑائی میں دسیوں انسان مارے جاچکے ہیں اس میں ایک عمارت کی تباہی ذرا سی بھی اہمیت نہیں رکھتی۔''

''مکاری مت دکھاؤ!'' ویرا نے سلطان شاہ پر آنکھیں نکالیں ''راج محل کا ذکر پہلے ختم ہو چکا تھا۔ اس وقت صرف سوبھراج کی بات ہو رہی تھی۔''

''تم بات کرتی رہو۔ میں نے تمہیں کب روکا ہے۔'' وہ سادگی سے بولا۔

''ڈینی کی بات میرے دل کو لگی ہے۔'' اول خان نے ان کے درمیان کسی بحث کے آغاز سے پہلے کہا ''سی آئی اے، ایف بی آئی اور را سے سوبھراج کے برسوں پرانے مراسم ہیں۔ ان ہی کے سہارے اس نے پاکستان میں اپنا مقام بنایا تھا۔ میری کلارک بلکہ ویرا کے ذریعے ڈینی تک پہنچنے کے چکر میں وہ یہ بات فراموش کر بیٹھا کہ ویرا کو اپنی خفیہ قید میں رکھ کر وہ اپنے امریکی آقاؤں سے غداری کا مرتکب ہو رہا ہے اور اس کی یہی بھول آج اسے لے ڈوبی۔''

''یہ کرنل داور کا کمال ہے کہ سوبھراج کی پاکستان سے غیر حاضری میں وہ نک کو اس طرح ہینڈل کرتا رہا کہ آخر کار وہ سوبھراج کو بنکاک سے واپس بلانے پر مجبور ہو گیا۔'' جلال نے پوری فراخ دلی سے اعتراف کیا۔

''اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔'' اول خان نے بھرپور انداز میں اس کی تائید کی ''سوبھراج بنکاک سے چلا تو اس کے ذہن میں صرف ڈینی کی الجھن تھی۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکی ہوگی کہ نک اس کی جان کا دشمن ہو چکا ہے۔''

اول خان کی کہی ہوئی وہ بات سو فیصد درست تھی۔ سوبھراج کے ذہن میں نک کی طرف سے ذرا سا بھی شبہ پیدا ہو گیا ہوتا تو وہ بھول کر بھی پاکستان کا رخ نہ کرتا۔ ائرپورٹ سے اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے اس پر پہلا قاتلانہ حملہ ہوا تو اس کا ذہن نک کی طرف بھٹکا تھا لیکن نک نے بہت عیاری کے ساتھ اس کے شبہات کا رخ میری طرف موڑ دیا۔

وہ شطرنج کی ایک پُرپیچ بازی تھی۔ نک اپنی چالیں چل رہا تھا۔ میں اپنا کھیل کھیل رہا تھا۔ سوبھراج بیچ کا مہرہ بنا ہوا تھا۔ اسے بہت دیر سے اندازہ ہوا کہ اس کا دوست اس سے منہ پھیر چکا تھا۔

سوبھراج کو یہ مان تھا کہ کوبرا کے روپ میں وہ امریکی ایجنسی کی ایک ناگزیر ضرورت بنا ہوا تھا۔ وہ کسی قیمت پر اس سے ہاتھ دھونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اسے نک کی طرف سے بدظن کرنے کے لیے کنیل کے گھر پر ایک امریکی کمانڈو کی دستک ہی بہت کافی تھی لیکن اس رات ہمارے ستارے یاور تھے۔ کنیل کے گھر کے نیچے ایک کمانڈو کی موت اور دوسرے کی گرفتاری نے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچا دی کہ کون سوبھراج کا دشمن تھا۔

اس واقعے کے بعد یہ بات بھی اس کی سمجھ میں آجانی چاہیے تھی کہ اس پر پہلا حملہ کرنے والے کون لوگ تھے۔

میں فیصلہ کن لمحات میں بہ نفس نفیس جلال کے ساتھ راج محل کے احاطے میں موجود تھا لیکن یہ غنیمت تھا کہ اس واقعے میں کہیں بھی میرا نام نہیں آیا تھا۔ سوبھراج نے شاید یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ سرکاری گاڑیوں میں اس کے گھر آنے والے لوگوں کا تعلق کس ادارے یا محکمے سے تھا۔

اس کے ذہن میں صرف اور صرف نک کی دہشت سوار ہو چکی تھی۔ اس نے خوف اور اعصاب زدگی کے عالم میں اپنے گھر کو پھونک دینے کا دشوار فیصلہ کر لیا۔

وہ نک سے دوبار چوٹ کھا چکا تھا۔ مجھے قوی امید تھی کہ وہ شکوے اور شکایت کے لیے نک سے رابطہ ضرور کرے گا لیکن تیسری بار اس کے دام میں نہیں پھنسے گا۔ رات کے کھلے واقعے کے بعد نک جلتے توے پر بیٹھ کر بھی سوبھراج کو یہ باور نہیں کرا سکتا تھا کہ اس کے ہاتھ صاف تھے۔

سوبھراج کے دل میں نک کی طرف سے گرہ پڑ چکی تھی۔ ایف بی آئی کے کام کرنے کے طور طریقوں سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ ان لوگوں سے اس کی کوئی مفاہمت نہیں ہو سکتی تھی۔

دوسری طرف میرا راستہ صاف تھا۔ میں نے اسے پاکستان میں اپنے جرائم سے تائب ہونے کے لیے دو دنوں کی مہلت دی ہوئی تھی جس میں سے ایک دن گزر چکا تھا۔ سوبھراج کا دل جیتنے اور اس سے مفاہمت بڑھانے کے لیے میں اس مہلت میں چند روز کا اضافہ بھی کر سکتا تھا۔ میں جب چاہتا، سوبھراج سے بات کر سکتا تھا۔ اس وقت تک اسے میری نیت پر کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں اسے کوئی نہ کوئی فریب دے کر مار سکتا تھا۔

ہم سب کے اصرار کے باوجود جلال کھانے کے لیے نہیں رکا۔ وہ راج محل کے خلاف کیے جانے والے آپریشن کا چیف تھا۔ اپنی بددلی کے باعث وہ اس عمارت کو جلتا ہوا چھوڑ کر میرے ساتھ چلا آیا تھا۔ اس آپریشن کے بارے میں اس کا

فوری طور پر جائے واردات پر پہنچنا ضروری تھا۔
اس نے جو وقت ہمارے ساتھ گزارا تھا۔ وہ راج محل میں آگ سے لڑنے والوں کے لیے کافی تھا۔ آگ کی شدت کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ راج محل میں کسی چیز کو بچانا انسانی بساط میں نہیں رہا تھا۔ یہ توقع ضرور تھی کہ اس دوران میں وہاں لگی ہوئی آگ کا زور ٹوٹ چکا ہوگا۔
جلال کے چلے جانے کے بعد مجھے سنیل کے گھر کے قریب سے زندہ حالت میں پکڑے جانے والے کمانڈو کا خیال آیا اور میں نے اول خان سے کہا ''امریکی قیدی کے بارے میں تازہ ترین خبریں کیا ہیں۔ وہ کیا کہہ رہا ہے۔''
''وہ پہلے والی گھسی پٹی کہانی پر اڑا رہا'' وہ لڑنے بھڑنے کے معاملے میں بودا ثابت ہوا لیکن زبان کا بہت تیز وطرار ہے'' اول خان نے بتایا ''اس نے مسلسل ایک ہی رٹ لگائی ہوئی تھی کہ اسے اپنے قونصل خانے کے کسی سفارتی افسر سے رابطہ کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ اپنے ساتھ ہونے والی غنڈا گردی کی شکایت کرسکے!''
''یہ کھلی دیدہ دلیری ہے۔'' غزالہ نے کہا۔
''کیا اب تک قونصل خانے سے رابطہ نہیں کیا گیا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا ''اس واقعے کو تقریباً آدھا دن گزر چکا ہے۔''
''اسی لیے میں نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا تھا۔'' اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا ''قونصل خانے والے اپنے ذرائع سے شاید سب کچھ معلوم کرچکے تھے لیکن پولیس کی طرف سے رسمی اطلاع ملے بغیر، از خود کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ ان سے رابطہ ہوتے ہی ٹام پیٹرک تھانے پہنچا تھا اور اپنی موجودگی میں کمانڈو کا بیان ریکارڈ کرا کے اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ ابھی تک ان کا کوئی سرکاری ردِعمل سامنے نہیں آیا۔''
''اور لاش کا کیا بنا؟'' میں نے متجسس انداز میں پوچھا۔
''اسے قیدی نے شناخت کرلیا تھا۔ ٹام نے بھی پہچان لیا۔ اب تک وہ لاش ان کے حوالے کی جاچکی ہوگی۔''
''کسی نے ان مردودوں سے نہیں پوچھا کہ وہ دونوں اتنی رات گئے اس علاقے میں کیا کرتے پھر رہے تھے۔'' میں نے تیزی سے کہا۔
''ضرور پوچھا گیا ہوگا لیکن وہ اپنا جرم قبول نہیں کریں گے۔ بات اسی وقت بنے گی جب ہم پولیس کو پورے پس منظر سے آگاہ کریں گے اور شیبا سامنے آئے گی۔ اس وقت ان دونوں کے خلاف وہی سب سے مضبوط گواہ ہے۔''
میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا پھر کہا۔ ''اس کا نام فی الحال پردے میں رہنے دو۔ اسے سامنے لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ سفارتی مراعات کی آڑ میں بچے رہیں گے۔''

''تم شیبا کے بارے میں کچھ زیادہ پُرامید نہیں ہو!'' اول خان نے پوچھا۔
''کم اور زیادہ کی بات نہیں۔ اس وقت صرف وہی ہمارے سامنے ہے جس سے سنیل یا سوبھراج کا کوئی رابطہ ہونے کی امید ہے۔''
''تم اس سے بہت زیادہ امید باندھ بیٹھے ہو!'' ویرا نے طنز سے کہا ''ایسی عورتیں ذرا سے بھی اعتبار کے لائق نہیں ہوتیں۔ ایک سے شادی کرتی ہیں۔ دوسرے سے محبت کرتی ہیں اور تیسرے کا پہلو گرماتی رہتی ہیں۔ ہر مرد یہ سمجھتا ہے کہ عورت بس اسی کی ہے۔ وہ کسی کی نہیں ہوتیں۔ ہر وقت نئے مرد کی تلاش میں رہتی ہیں۔''
''ڈینی نے اس سے ایسا کوئی رشتہ استوار نہیں کیا۔'' اول خان نے میری صفائی پیش کی۔
''جلال نے شیبا کو دانہ ڈالنے کی بات کہی تھی؟'' ویرا نے مجھ سے پوچھا۔ کافی وقت گزر جانے کے باوجود وہ بات اس کے ذہن سے نہیں نکل سکی تھی۔
''مجھے موہوم سی توقع ہے کہ ان دونوں میں سے کسی نے شیبا کے گھر کا رخ کیا تو شاید وہ خاموشی سے مجھے اطلاع دے دے۔'' میں نے بتایا۔
''تم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں؟''
''وہ مجھے سنیل کا کوئی گہرا دوست سمجھ رہی ہے اور تمہارے قول کے مطابق اسے کسی نئے مرد کی تلاش بھی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ میرے جھانسے میں آجائے۔''
ویرا نے استفسار طلب نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا لیکن وہ خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھی مسکراتی رہی۔
''تم نے مجھے پولیس والوں کو اصل معاملے سے آگاہ کرنے سے روکا ہوا تھا۔'' اول خان کہہ رہا تھا ''اب اس بارے میں کیا کہتے ہو۔''
''فی الحال خاموش رہ کر تماشا دیکھتے رہو۔ شیبا کے بیان یا شناخت کے بغیر بھی امریکیوں کے لیے یہ سوال بہت مشکل ثابت ہوگا کہ ان کے دو آدمی رات کے دو بجے سولجر بازار کے ایک ویران اور رہائشی علاقے میں کیا کرتے پھر رہے تھے۔''
''یہ یاد رکھنا کہ اب تم اکیلے شیبا سے ملنے نہیں جاؤ گے۔'' ویرا نے کہا۔
''مجھے اس سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی دل میں نیکی آئی تو وہ موبائل فون پر مجھ سے رابطہ کرلے گی۔''
''تمہاری طرف سے اس کے دل میں صرف بدی آسکتی ہے۔ نیکی کے فرشتے ایسی عورتوں سے بہت دور رہتے ہیں۔''
''تم نے اسے دیکھا ہے نہ اس بے چاری سے ملی ہو۔ کیوں اس کے بارے میں بدگمانیاں پھیلا رہی ہو!'' غزالہ نے

ازراہِ تمسخر کہا۔

"یہ بدگمانیاں نہیں، زندہ حقیقتیں ہیں۔ میرے مقابلے میں تمہیں دنیا کا ذرا بھی تجربہ نہیں ہے۔ تم ڈینی کو اسی طرح ڈھیل دیتی رہیں تو یہ ایک دن تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے گا اور تم مجھے یاد کرتی رہ جاؤ گی۔"

"تم انتظار میں بوڑھی ہو جاؤ گی مگر وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔" اس بار سلطان شاہ بولنے پر مجبور ہو گیا۔

"تم چپ رہو، میں تم سے بات نہیں کر رہی۔"

"تم میرے سامنے ان دونوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہو تو میں کیسے خاموش رہ سکتا ہوں۔"

"غزالہ میری دوست ہے۔ اسے آنے والے طوفان سے باخبر رکھنا میرا فرض ہے۔ میں شترمرغ کی طرح ریت میں گردن دے کر مطمئن نہیں ہو جاتی۔"

"غنیمت ہے کہ تمہیں خود بھی اپنی حیثیت کا احساس ہے۔" سلطان شاہ نے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ کہا۔

"کیسی حیثیت؟ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

"یہی کہ تم خود اپنا موازنہ شترمرغ جیسے بدوضع جانور سے کر رہی ہو۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا "اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بن رہیں۔"

"بس! اب بات نہیں بڑھے گی؟" میں نے ویرا کے تیور دیکھ کر فوری مداخلت کی "بات کہیں کی ہو رہی ہوتی ہے اور تم دونوں اسے کہیں اور لے جاتے ہو۔ ہم بہت سنجیدگی سے امریکی کمانڈوز کے بارے میں بات کر رہے تھے۔"

اول خان کے پاس ساری خبریں کئی گھنٹے پہلے کی تھیں۔ میرے ایما پر اس نے سولجر بازار تھانے فون کیا تو اسے بتایا گیا کہ قیدی کے بعد لاش بھی امریکی قونصل خانے کے ایک افسر کے حوالے کر دی گئی تھی۔

جلال ان دنوں کراچی میں امریکیوں کے تحفظ کے معاملے میں بہت زیادہ حساس تھا۔ ہم لوگ سرکاری ملازم نہیں تھے۔ اس لیے سرکار کی بیشتر مصلحتیں ہماری نظروں سے اوجھل رہتی تھیں۔ ہم حالات کے پیش نظر فوری طور پر اپنے فیصلے کرتے تھے اور کسی تاخیر کے بغیر انہیں عملی جامہ پہنا دیتے تھے لیکن جلال کا معاملہ ہم سے بہت مختلف تھا۔

وہ ایک اہم سرکاری افسر تھا۔ اسلام آباد کے بااختیار حلقوں میں اس کی رسائی تھی اس وجہ سے وہ بعض ایسی باتوں سے بھی باخبر رہتا تھا جو کبھی منظر عام پر نہیں آتی تھیں لیکن ان کے اثرات ہر طرف نظر آتے تھے۔

ہمارے خطے میں امریکا کی بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔ آئے دن ان لوگوں کے بارے میں کوئی نئی بات سامنے آتی رہتی تھی۔ ان کی ایجنسیاں دن رات پاکستان میں اپنے قدم جمانے کے لیے کوشاں تھیں لیکن سرکاری حلقوں میں موجود فرض شناس افسروں کے تعاون سے ایس ٹی ایف پوری طرح سرگرم اور فعال تھی۔ ہم سب مل جل کر ان لوگوں کی ایسی کوششوں کو ناکام بناتے رہتے تھے۔

امریکیوں نے ان ناکامیوں کے نتیجے میں بھاری جانی نقصان اٹھایا تھا۔ گمنام کارندوں کے ساتھ انہوں نے کراچی کی بستیوں میں اپنے کئی اعلیٰ افسر بھی کھوئے تھے۔

وہ اپنی سازشوں کا سلسلہ ختم کرنے پر آمادہ تھے نہ ہم ان کی سرکوبی کے مقدس فرض سے دستبردار ہو سکتے تھے۔ فرق صرف ایک تھا کہ ہم تیسری دنیا کے ایک ترقی پذیر ملک کے باشندے تھے اور امریکا کو اکلوتی عالمی سپر پاور ہونے کی سند مل چکی تھی۔

اس زعم میں امریکا کی طرف سے کچھ عرصے پہلے یہ وارننگ آ چکی تھی کہ کراچی میں امن و امان کی صورت حال اتنی خراب تھی کہ وہاں امریکیوں کا جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ امریکی حکومت ان حالات کو تشویش کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

وہ مہذب الفاظ میں ایک کھلی سفارتی دھمکی تھی کہ امریکیوں کو کراچی میں من مانی کرنے کی آزادی نہ دی گئی تو امریکی حکومت اس شہر میں اپنے شہریوں کے تحفظ کے لیے بھی سخت کارروائی کر گزرے گی۔

کسی میں یہ تاب نہیں تھی کہ امریکیوں سے یہ کہا جاتا کہ ان کا کراچی میں جینا دوبھر ہو رہا ہے تو وہ سات سمندر پار کر کے، مرنے کے لیے کراچی کیوں چلے آ رہے ہیں۔ انہیں اپنی سلامتی عزیز ہے تو سازشوں سے کنارہ کش ہو کر اپنے ملک میں مرے رہیں۔ اپنی سرحدوں سے باہر جہاں بانی کا شوق اپنے آس پاس کے چھوٹے اور کمزور ملکوں میں پورا کر لیں۔

جلال کا مشورہ تھا کہ ہم اس معاملے میں بہت احتیاط سے کام لیں تاکہ امریکی انتظامیہ کو کسی بڑے اقدام کے لیے بہانہ نہ مل سکے۔

ہم لوگ کافی عرصے سے اس احتیاط پر کاربند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ٹام اور نک زندہ تھے۔ ان کا ایک افسر امریکا سے بھارت جاتے ہوئے کراچی میں رکا اور اپنی اوچھی حرکتوں کے باوجود زندہ سلامت آگے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

لیکن سنیل کے گھر کا رخ کرنے والے دونوں کمانڈوز کا معاملہ بہت مختلف تھا۔

سوبھراج کتنا ہی برا سہی لیکن ایک پاکستانی شہری تھا۔ ان دونوں نے ائرپورٹ کے راستے میں اس پر ناکام قاتلانہ حملہ کر کے ایک سنگین جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ ان دونوں کا اس سے زیادہ سنگین جرم یہ تھا کہ انہوں نے اس حملے میں سوبھراج کے دو

بیگناہ ملازموں کو قتل کر دیا تھا۔
ہمارے پاس ثبوت کوئی نہیں تھا لیکن سارے شواہد یہی بتا رہے تھے کہ سنیل کے گھر کا رخ کرنے والے دونوں سفید فام وہی تھے جنہوں نے سوبھراج کی مرسڈیز پر حملہ کیا تھا۔
وہ دونوں قاتل تھے اور ہر قانون کے رو سے واجب القتل تھے۔
سنیل کے گھر کے باہر وہ ہماری گرفت میں آئے تو میں نے جلال کی دی ہوئی مصلحت آمیز ہدایت کو نظر انداز کر کے ان میں سے ایک کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا۔
اول خان کے ذریعے وہ خبر جلال کو بھی مل چکی تھی اور مجھے خوشی ہوئی تھی کہ اس نے میری کارروائی پر کسی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔
اس کے رویے میں صرف اتنی سی تبدیلی آئی تھی اس نے اپنے معمول کے خلاف، اس واقعے پر ہم میں سے کسی سے کھل کر گفتگو نہیں کی تھی۔
میرے لیے وہ بہت اچھی علامت تھی۔ ایک قاتل امریکی کے قتل پر جلال کی خاموشی بہت زیادہ پر معنی تھی۔ اس سے یہ اشارہ بھی مل رہا تھا کہ غیر ملکی ایجنٹوں کے بارے میں ہمارے سرکاری رویے میں ایک قدرے سخت تبدیلی آ چکی تھی اور ہم ذرا کھل کر اپنے دشمنوں کے خلاف قدم اٹھا سکتے تھے۔ جس کے نتیجے میں ان کی سرگرمیاں ماند پڑ سکتی تھیں۔
کھانے سے فارغ ہو کر اول خان بھی چلا گیا۔ وہ راج محل کے سوختہ کھنڈرات کا بچشم خود مشاہدہ کرنا چاہتا تھا۔ ساتھ ہی اسے شہر میں اپنے آدمیوں کی سرگرمیوں کی خیر خبر لینی تھی۔
اسے گئے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔
میں نے چونک کر اسکرین پر نظر ڈالی تو وہاں نک کا نمبر آیا ہوا تھا اور گھنٹی بج رہی تھی۔
نک نے صبح آٹھ بجے مجھے نیند سے بیدار کر کے فون پر بات کی تھی۔ اس گفتگو میں تلخی کا رنگ نمایاں تھا۔ آخر میں اس نے دھمکیاں دے کر فون بند کر دیا تھا۔
مجھے توقع نہیں تھی کہ اس شدید تلخ کلامی کے بعد وہ دوبارہ مجھ سے رابطہ کرے گا لیکن موبائل فون کی بجتی ہوئی گھنٹی میرے اس اندازے کی نفی کر رہی تھی۔
''کرنل! تم کیا کر رہے ہو؟'' رابطہ ہوتے ہی نک کی سپاٹ آواز میرے کان میں آئی۔
''سوچ رہا ہوں کہ میں داور ہوں یا ڈینی۔'' میں نے سرد مہری سے جواب دیا۔
''اوہ! تم میری غصے میں کہی ہوئی باتوں کو اپنے دل میں لیے بیٹھے ہو!''
''تمہاری تلخ باتیں میرے دل پر نقش ہو چکی ہیں۔'' میں نے اسی لہجے میں اختصار سے کہا۔
''میں خلوصِ دل سے معذرت خواہ ہوں۔'' اس کی ڈھٹائی اور بے شرمی نے مجھے حیران کر دیا۔
کہا جاتا ہے کہ بیشتر امریکی بدزبان اور بے لگام ہوتے ہیں۔ سوچنے سمجھنے میں زیادہ وقت برباد نہیں کرتے۔ جو دل میں آتا ہے، بے دھڑک کر ڈالتے ہیں۔ اس بات کا لحاظ نہیں کرتے کہ سننے والے پر ان کی بات کا کیا اثر ہوگا۔
کسی مصلحت یا ضرورت کے تحت ان کو اپنی کہی ہوئی بات واپس لینی ہو تو وہ کسی ندامت کے بغیر یہ بھی کر گزرتے ہیں۔
نک کوئی عام امریکی نہیں تھا۔ وہ امریکی انتظامیہ کا ایک اہم کارندہ تھا۔ اس نے نہایت کروفر کے ساتھ کہی ہوئی اپنی ایک بات پر معذرت کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اپنے طرزِ عمل کے اعتبار سے وہ اپنے قومی دھارے سے الگ نہیں تھا۔
''تمہاری باتیں بہت ترش بلکہ زہریلی تھیں۔ میں انہیں آسانی سے فراموش نہیں کر سکوں گا۔'' میں نے گمبھیر آواز میں جواب دیا۔
میں اندازہ لگا چکا تھا کہ اس نے اپنی کسی غرض کے تحت مجھے فون کیا تھا ورنہ وہ اتنی آسانی سے اپنا تھوکا ہوا چاٹنے والوں میں سے نہیں تھا۔
''میں نے ڈینی کی گرفتاری پر بہت زیادہ انحصار کیا ہوا تھا۔ واشنگٹن میں اس اہم قیدی کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ تم نے اچانک اس کے فرار کی خبر سنا کر میری کھوپڑی اڑا دی۔ تم یقین کرو کہ وہ بری خبر سن کر میں آپے میں نہیں رہا تھا۔''
''یقیناً تم اپنے آپے میں نہیں تھے۔ تم نے وہ باتیں بھی کہہ ڈالیں جو تمہارے ذہن میں نہ جانے کب سے پروان چڑھ رہی تھیں۔''
''تم کن باتوں کا حوالہ دینا چاہ رہے ہو؟''
''میں دوسری تمام باتوں کو تمہارے ذہنی خلفشار کا نتیجہ قرار دے کر نظر انداز کر سکتا ہوں مگر دو نکتے ہمیشہ جواب طلب رہیں گے......''
''تم کھل کر بتاؤ میں وضاحت کروں گا۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ اس وقت وہ غیر معمولی مفاہمانہ رویے کا مظاہرہ کر رہا تھا۔
''تمہیں یہ خیال کیوں آیا کہ میں ہی ڈینی ہو سکتا ہوں۔''
''یہ اشتعال میں کہی ہوئی بات تھی۔ تم اسے اپنے دل پر کیوں لے بیٹھے ہو۔ میرے لیے ڈینی صرف ایک نام ہے جب کہ تم دیکھے بھالے آدمی ہو۔ میں خود تم سے مل چکا ہوں۔ غصے اور جھنجلاہٹ میں آدمی اس قسم کی الزام تراشیوں پر اتر آتا

ہے۔ خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو گے تو میری ان باتوں کو درگزر کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔''

اس کی وہ وضاحت سن کر میرے وجود میں سکون کی ایک لہر سی سرایت کر گئی۔ اگر وہ کسی مصلحت کی وجہ سے اس وقت جھوٹ بھی بول رہا تھا تو غنیمت تھا۔ اس کی طرف سے ایک سنگین الزام تراشی کا خطرہ کم از کم عارضی طور پر ٹل رہا تھا۔

''میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔ سوبھراج کو اس کے بل سے نکال کر منظرِ عام پر لے آؤ۔ میں ڈینی کو دوبارہ پکڑ کر منظرِ عام پر لے آؤں گا۔''

''میں اسی بارے میں بات کرنا چاہ رہا ہوں لیکن پہلے تم اپنی دوسری شکایت کے بارے میں بتاؤ۔ ایک دوسرے کے دل صاف کیے بغیر ہم کھل کر بات نہیں کر سکیں گے۔''

''تم میرے خلاف کون سا ناقابلِ تصور قدم اٹھانے والے تھے؟''

''وہ ایک ہی بات تھی۔ تمہارے خلاف اس سے بڑا اقدم کیا ہو سکتا تھا کہ میں تمہیں ڈینی قرار دے دیتا۔ اس خبیث کے فرار سے مجھے بہت بڑا نقصان پہنچا ہے۔''

''مناسب سمجھو تو اپنے نقصان کے بارے میں بتا دو۔''

''سوبھراج کو پتا چل گیا ہے کہ میں اس کے پیچھے لگ گیا ہوں۔''

''اور یہ بات ڈینی نے اسے بتائی ہے!'' میں نے جواب طلب لہجے میں کہا۔

''بات اتنی سیدھی نہیں، ذرا الجھی ہوئی ہے۔'' اس نے متذبذب لہجے میں جواب دیا ''پچھلی رات میرے دو آدمی ڈینی کا نشانہ بنے ہیں۔ اس نے ایک کو مار دیا۔ دوسرا پکڑا گیا اور بات کھل گئی کہ سوبھراج کا پیچھا کون کر رہا ہے۔''

''تم سولجر بازار والے واقعے کی بات تو نہیں کر رہے؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''اس واقعے نے مجھے پریشان کر دیا۔ اسی حالت میں، میں نے صبح تم کو فون کیا تھا۔ تم نے ڈینی کے فرار کی خبر سنائی تو میں خود پر قابو نہیں رکھ سکا۔''

''سوبھراج اپنے گھر سے اتنی دور کیا کر رہا تھا؟''

''ابھی یہ بات کھلی نہیں ہے۔ وہیں سنیل کا گھر ہے۔'' نک نے اپنی دانست میں انکشاف کیا۔ ''سوبھراج اسی کے گھر میں چھپا ہوا تھا۔ میرے آدمی وہاں پہنچے تو وہ سنیل سمیت غائب ہو چکا تھا۔''

''اوہ! تو یہ قصہ تھا۔'' میں نے چونکنے کی صداکاری کی۔ ''لیکن وہاں ڈینی کہاں سے آ گیا!''

''وہ وطن پرستی کے خبط میں مبتلا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کو کہیں سے سوبھراج کے بارے میں کوئی سن گن مل گئی ہو اور وہ تمہارے چنگل سے فرار ہونے کے بعد وہاں پہنچ گیا ہو۔''

''تم ڈینی کی موجودگی کے بارے میں اتنے پریقین کیوں ہو؟ ہو سکتا ہے کہ تمہارے آدمیوں کو کسی اور نے نقصان پہنچایا ہو۔''

''ہر بات ہر شک و شبے سے بالا ہے۔ پہلے وہ صرف بیم گن استعمال کرتا تھا۔ اب دہلی سے کراچی تک میں پیش آنے والے واقعات سے ایسی مستند شہادتیں مل چکی ہیں کہ وہ اپنے حریفوں کے خلاف دو قسم کی زہریلی سوئیاں استعمال کرتا ہے۔ ایک زہر آدمی کو بہت سرعت سے ہلاک کرتا ہے اور دوسرا اعصاب کو ناکارہ کر کے اس کے حریف کو بے ہوش کر دیتا ہے۔''

''تو کیا تمہارے دونوں آدمیوں پر وہی زہر آزمائے گئے ہیں؟''

''پوسٹ مارٹم رپورٹ اسی زہر کی کہانی سنا رہی ہے۔ زندہ بچ جانے والے کے خون کے ٹیسٹ میں دوسرے زہر کے سالمے پائے گئے ہیں۔''

''وہ واقعہ میرے علم میں آ چکا ہے۔ اس میں ملوث دونوں افراد سفید فام تھے۔ کیا تم کسی مقامی کو وہاں نہیں بھیج سکتے تھے؟''

''اس وقت یہ سب سے بڑی مجبوری ہے۔ مقامیوں سے میں سوبھراج کے ذریعے کام لیتا تھا۔ اب یہ کڑی ٹوٹ چکی ہے۔''

''وہ دونوں مقامی ہوتے تو سوبھراج تم پر شبہ نہ کرتا۔ اب معاملہ واقعی سنگین ہو گیا ہے۔ اس نے راج محل کو آگ لگا دی ہے.....''

''میں یہی کہنے جا رہا تھا۔ ڈینی نے سب کچھ تباہ کر دیا ہے۔ میری طرف سے بدک جانے کے بعد سوبھراج کسی پر اعتماد نہیں کرے گا۔ راج محل کی آتش زنی کے بعد اب غالب امکان یہ ہے کہ وہ زیرِ زمین چلا جائے گا اور ہمارے لیے مشکلات پیدا کرے گا۔''

''میں حیران ہوں کہ ڈینی سنیل کے گھر کیسے پہنچ گیا۔ اس کی کمین گاہ کے بارے میں تم نے اتنی رازداری سے کام لیا تھا کہ مجھے بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تمہارے آدمیوں کا پیچھا کرتا ہوا وہاں تک پہنچا ہو۔''

اس سے رابطہ بحال ہونے پر مجھے خاصی تقویت ملی تھی اور میں وہ موقع بھرپور انداز میں استعمال کر کے اس کے ذہن سے ہر قسم کے شکوک و شبہات مٹا دینا چاہتا تھا۔

''کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ زندہ بچنے والے کو یقین ہے کہ ان دونوں کا پیچھا نہیں کیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ڈینی پھر میدان میں اتر آیا ہے۔ ان دونوں کو میرے ایما پر وہاں بھیجا گیا تھا۔

میں ایک قیمتی آدمی کے قتل کی ذمے داری سے نہیں بچ سکتا۔''
''تمہیں سرکاری سطح پر احتجاج کرنا چاہیے۔'' میں نے مشورہ دیا۔
''نہیں کر سکتے۔'' اس کی آواز سے بے چارگی مترشح تھی ''پہلے ہمیں یہ بتانا پڑے گا کہ ہمارے دونوں آدمی اس علاقے میں کیوں گئے تھے۔''
''وہ راج محل میں آرام کر رہا تھا۔ تمہارے آدمی اسے سنیل کے گھر پر تلاش کر رہے تھے۔'' میں نے اس کی دکھتی ہوئی رگ کو دبایا۔
''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ یکا یک کیا ہو گیا۔ میں بہت مشکل میں پھنس گیا ہوں۔''
''مجھے بتاؤ کہ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔'' میں نے خلوص سے پوچھا۔
''سوبھراج پر نگاہ رکھو اور ڈینی کو کسی طرح میرے حوالے کر دو۔''
''نک.....! یہ نہیں ہو سکتا۔ زیرزمین چلے جانے کے بعد سوبھراج ہم کو بھی نقصان پہنچائے گا۔ راوا لے اسے بہت بے رحمی سے استعمال کریں گے۔ اب وہ عزت و وقار اور ساکھ سب کچھ کھو چکا ہے۔ ایک عام مجرم کی سطح پر گر کر وہ بہت خوفناک ہو جائے گا۔ اس کے بغیر ڈینی تمہارے ہاتھ نہیں آ سکتا۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر تم سے یہ سودا طے کیا تھا۔''
''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ انعام کی رقم دگنی کروا دوں گا۔''
''سو گنا بھی کم ہو گی۔ مجھے پیسے کی زیادہ ہوس نہیں ہے۔ میرا آدمی سامنے لے آؤ، اپنا آدمی مجھ سے لے لو۔ یہ بالکل سیدھا اور کھرا سودا ہے۔ اب تم کو یہ بات مان لینی چاہیے کہ تم نے تیزی دکھا کر اپنی غلطی سے حالات بگاڑے ہیں۔ بنکاک سے واپسی پر تم اسے نہ چھیڑتے تو وہ گھیر کر کسی چوہے کی طرح پکڑ لیا جاتا۔ اب وہ ہر طرف سے چوکنا ہو چکا ہے۔''
''خبریں واضح نہیں ہیں لیکن میں نے سنا ہے کہ کوئی سرکاری پارٹی اس کے وارنٹ لے کر راج محل پہنچی تھی۔ اس کے بعد سوبھراج نے اپنے گھر کو آگ لگائی تھی۔''
''تم نے ٹھیک سنا ہے۔ اس کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔''
''وہ مجھ سے بدظن ہو چکا ہے۔ اس سے ہر اعزاز چھین لیا گیا ہے۔ اس کے وارنٹ نکل چکے ہیں۔ ایک بڑے اخبار نے آج دل کھول کر اس کی کردار کشی کی ہے۔ اب وہ کسی قیمت پر سامنے نہیں آئے گا۔ بازی اچانک اس کے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔''
''اور اس کے ذمے دار تم ہو۔ تم اسے ہوشیار نہ کرتے تو وہ بے خبری میں آسانی سے پکڑ لیا گیا ہوتا مگر تمہارے سر پر غداری کی سزا کا بھوت سوار تھا۔ اس کا انجام تمہارے سامنے ہے۔''
''میرا کندھا استعمال ہوا ہے ورنہ بندوق چلانے والا کوئی اور ہے۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے دباؤ ڈال کر سوبھراج کو واپس آنے پر مجبور کر دیا تھا۔''
''ساری اطلاعات تم نے فراہم کیں۔ ان کی بنا پر ایڈی یا کسی اور نے کارروائی کی تو تمہیں اس کو روکنا چاہیے تھا۔''
''پہلا حملہ ناکام ہونے تک میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ سوبھراج کو کراچی پہنچتے ہی غداری کی سزا دینے کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ وہ جس کسی کا بھی فیصلہ تھا، بالکل غلط تھا۔ اب سب مل کر اس کا خمیازہ بھگتیں گے۔''
''سنیل کے گھر آدمی بھیجنے کا فیصلہ تمہارا تھا، بات وہیں سے بگڑی ہے۔''
''اعتماد کی فضا میں اس نے مجھے خود بتایا تھا کہ وہ وہاں موجود ہے۔ میں نے سوچا کہ اب پہلی غلطی کا ازالہ کر دیا جانا چاہیے مگر یہ کوشش بھی ناکام ہو گئی۔''
''تم نے میرا کام مشکل کر دیا ہے۔ پتا نہیں اب وہ کب قابو میں آئے گا؟''
''میں تمہاری جلد از جلد کامیابی کے لیے دعا گو رہوں گا'' اس وقت نک اپنی بدلی ہوئی عاجزانہ آواز کی وجہ سے کوئی اور ہی آدمی محسوس ہو رہا تھا ''اگر تم ڈینی کو اپنے ہاتھوں سے میرے حوالے نہیں کرنا چاہتے تو مجھے اس کا ٹھکانا ہی بتا دو۔''
''وہ ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔ تم نے اس کے خلاف کوئی غلط قدم اٹھایا تو سوبھراج کی طرح وہ بھی زیرزمین چلا جائے گا۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''
''میں حیران ہوں کہ ڈینی پر مقرر کیے ہوئے دو ملین ڈالر کے انعام میں کسی پاکستانی کو دلچسپی نہیں ہے۔'' اس کی مضمحل آواز ابھری ''اتنی بڑی رقم کے لیے امریکا میں لوگ اپنی جانیں لڑا دیتے۔''
''میرے لیے رقم سے زیادہ اہمیت اصولوں کی ہے۔''
''میرا خیال تھا کہ میں تمہیں قائل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا لیکن تم بہت سخت آدمی ہو۔ مجھے زندگی بھر قلق رہے گا کہ میں پاکستان سے جاتے ہوئے ڈینی کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکا'' اس کی آواز میں افسردگی اتر آئی۔
''میں کافی دنوں سے تمہارے جانے کا ذکر سن رہا ہوں لیکن تم ابھی تک یہاں ٹکے ہوئے ہو۔ شاید آنے والے دنوں میں تمہاری یہ حسرت پوری ہو جائے۔''
''پرسوں میں چلا جاؤں گا'' نک کی شکست خوردہ آواز مجھے کسی گہرے کنوئیں کی تہ سے آتی ہوئی محسوس ہوئی ''کئی دن

سے میں اپنی درخواست پر یہاں رکا ہوا تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ میں تم سے ڈینی والی ڈیل مکمل کرسکوں۔"

"شاید تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ پاکستان سے تم کہاں جارہے ہو؟"

"یہ سیکرٹ ہوتا ہے۔ جانے سے پہلے مجھے بایولوجیکل گن واپس چاہئے" میرا خیال تھا کہ وہ اس گن کو بھول چکا ہے لیکن اسے اپنا دیا ہوا وہ ہتھیار یاد تھا۔"

"کیا وہ گن واقعی اہم ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم" اس نے دوٹوک جواب دیا "مجھے جو کچھ بتایا گیا تھا' وہ میں نے تمہارے سامنے دہرادیا تھا۔ اس سے آگے میں لاعلم ہوں۔"

"پھر تمہارے محکمے میں کوئی تمہیں چکر دے رہا ہے" میں نے اسے ذہنی جھٹکا دینے کے ارادے سے کہا "میں نے اس گن کو ایک بلی پر آزمایا تھا۔ اس سے خارج ہونے والی گیس اعصاب کو واقعی مفلوج کردیتی ہے مگر اسی کے ساتھ اس میں حساس آلات پوشیدہ ہیں......"

"ہوں گے" اس نے میری بات کاٹ کر کہا "وہ جیسی بھی ہے' مجھے لوٹادو۔"

"اگر میں انکار کردوں؟" میں نے سوال کیا۔

"میں ایڈی کو بتادوں گا۔ یہ چوٹ بھی میرے حساب میں ڈال دی جائے گی۔ ہوسکتا ہے کہ میرا جانشین تم سے بی گن واپس لینے میں کامیاب ہوجائے۔"

میرے سوال نے اسے آزردہ کردیا تھا۔ میں نے خوش دلی سے کہا "کل صبح میرا کوئی آدمی وہ گن تمہارے دفتر پہنچادے گا۔ میں ایسے شعبدوں میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتا۔"

"گڈ! میں تمہارا ممنون رہوں گا۔ اس وقت میں خود کو ہارا ہوا جواری محسوس کررہا ہوں جسے ہر شخص زک پہنچا سکتا ہے۔"

"زندگی میں کبھی کبھی ایسا دور بھی آتا ہے۔ تمہیں دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں" میں نے اسے تسلی دی۔ مجھے حیرت ہورہی تھی کہ وہ اس قدر بددلی کا شکار ہوچکا تھا۔

"کامیابیاں اور ناکامیاں زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔ پاکستان آنے کے بعد مجھے فریب اور ناکامیوں کے سوا کچھ نہیں ملا۔ میں ایک مشن پر یہاں آیا تھا' مجھے صدمہ ہے کہ پرسوں میں خالی ہاتھ واپس چلا جاؤں گا۔"

میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ وہ آئندہ کبھی پاکستان آنے کا نام نہیں لے گا۔ وہ خوش نصیب تھا کہ اپنے قدموں پر چل کر واپس جارہا تھا۔ اس کے کئی ساتھی پاکستان سے تابوتوں میں بند کرکے لے جائے گئے تھے۔

"ماضی کی تلخیوں کو چھوڑ کر اس وقت ہمارے درمیان خیرسگالی موجود ہے۔ میں اسی جذبے کے تحت جاننا چاہتا ہوں کہ سوبھراج نے رات والے واقعے کے بعد تم سے کوئی با ہے یا اس نے خاموشی اختیار کی ہوئی ہے؟"

اس نے میری بات کا فوری طور پر کوئی جواب نہیں چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "تم اس کے دشمن ہو اور ا میرا بھی دوست نہیں رہا۔ وہ تمہارے ہاتھوں سے شا جائے لیکن ہم بیس برس بعد بھی اسے ضرور سزا دیں گے۔ یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں کہ اس نے مجھ سے بدکلامی کی اس کا دعویٰ تھا کہ اب ہم کسی قیمت پر اس تک نہیں پہنچ گے۔ وہ چن چن کر ہمارے مفادات کو نشانہ بنائے گا۔"

"وہ تمہارے لیے دوسرا ڈینی بننے کی کوشش کرے" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

وہ ملول اور افسردہ تھا۔ ایک کامیاب افسر کی زندگ مسلسل ناکامیاں آنے لگیں تو شاید یہی ہوتا ہے۔ میں نے دیر تک اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کیں پھر اس نے خود ہی کا وہ سلسلہ منقطع کردیا۔

"مبارک ہو" سلطان شاہ نے گرم جوشی سے کہا "ایک دشمن محاذ خالی کرکے میدان سے بھاگ رہا ہے۔"

"کیا احمقانہ بات کررہے ہو" ویرا منہ بنا کر بولی "دشمن کے مقابلے میں جانا بوجھا حریف ہمیشہ آسان ثابت ہے۔ وہ جائے گا تو کوئی اور اس کی جگہ لے لے گا۔ ضـ نہیں کہ وہ اسی آسانی سے ہمارے پھندے میں آجائے۔"

"پچھلے دنوں یہ بات بھی سننے میں آئی تھی کہ اب سے کسی کو یہاں بھیجا جائے گا" غزالہ نے یاد دلایا۔

"دیکھیں گے کہ کون آتا ہے؟ نک پرسوں چلا جا" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا "سوبھراج کو ابھی میں کچھ وقت لگے گا۔"

"سوبھراج یہاں پھنس گیا ہے" سلطان شاہ۔

"ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں نام آجانے کے بعد وہ کہیں نہیں ہوسکتا۔"

"وہ باضابطہ طور پر کہیں نہیں جاسکتا۔ اس کے فرا سب راستے کھلے ہوئے ہیں" ویرا نے فوری طور پر جواب "وہ سندھ کے ویران ریگستان سے کسی بھی وقت سرحد ہے۔"

ویرا کی بات درست تھی۔ میں نے یہ سوچ کر اس ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل کرانے کی تجویز دی تھی مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے سیاسی اور سماجی مقام پر فائ حالات کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرے گا اور ہم رفتہ ر گھیرا تنگ کرکے آخرکار اس پر ہاتھ ڈالنے میں کا ہوجائیں گے مگر اس کے واپس آتے ہی حالات نے ا کھایا تھا کہ سوبھراج کو ہر طرف سے اپنا مستقبل تار

آنے لگا تھا۔
چار بجے جلال کی طرف سے خبر ملی کہ کچھ نامعلوم شرپسندوں نے محمود آباد کے علاقے میں ایک مقفل مندر کو آگ لگا دی تھی اور اس علاقے کی ہندو آبادی میں بے چینی کی ایک شدید لہر دوڑ گئی تھی جس پر قابو پانے کے لیے سماجی عمائدین حرکت میں آ گئے تھے۔
''یہ تشویش ناک واقعہ ہے۔ یہ مذہبی رواداری کا شہر ہے۔ مسلمان آپس میں لڑتے رہتے ہیں لیکن اقلیتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے'' ویرا نے تفکر آمیز لہجے میں کہا ''پچھلے کئی برسوں میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے۔''
''ہوسکتا ہے کہ وہاں اتفاقی طور پر آگ لگی ہو؟'' غزالہ بولی۔
''خبر کسی ایرے غیرے نے نہیں، جلال نے دی ہے'' سلطان شاہ نے توجہ دلائی ''وہ سوچے سمجھے بغیر اتفاقی آگ کو نامعلوم شرپسندوں کی کارروائی قرار نہیں دے سکتا۔''
جلال نے وقت نکال کر مجھے وہ اطلاع دی تھی۔ اس کے پاس زیادہ گفتگو کا وقت نہیں تھا ورنہ میں اس سے مزید کچھ پوچھتا۔ یہ بات بہرحال طے تھی کہ اس واقعے کی کوئی نہ کوئی اہمیت ضرور تھی ورنہ جلال یوں مجھے مختصر فون نہ کرتا۔
''ایک مندر میں آگ لگنے کے واقعے میں ایسی کیا خاص بات پوشیدہ ہے کہ جلال نے اس بارے میں آپ کو فون کیا ہے؟'' غزالہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔
''میں خود بھی اسی فکر میں مبتلا ہوں'' میں نے اعتراف کیا۔
''زیادہ فکر نہ کرو۔ دبلے ہوجاؤ گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوبھراج کی حرکت ہے۔ اس نے شہر بھر میں پھیلی ہوئی ہندو برادری کو مشتعل کرنے کی کوشش کی ہے۔''
''کیا وہ چند گھنٹوں میں اتنا سنبھل گیا ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔
''سنبھل گیا ہوتا تو ایسی گھٹیا حرکت نہ کرتا'' ویرا نے بلاتوقف جواب دیا ''وہ ابھی تک صدمے، بے یقینی اور جھنجلاہٹ کا شکار ہے اور اسی عالم میں یہ حرکت کرگزرا ہے۔''
''اس وقت وہ روپوش ہے۔ سنیل کے سوا کوئی اس کے ساتھ نہیں ہے۔ وہ دونوں زخمی ہیں۔ اس نے یہ کام کن لوگوں سے لیا ہوگا؟'' ویرا کی بات مجھے ہضم نہیں ہورہی تھی۔
ویرا نے اپنی جگہ چھوڑ کر اطمینان سے سگریٹ سلگائی پھر ٹہلتے ہوئے بولی ''وہ سوبھراج کے ساتھ کوبرا بھی ہے۔ شہر بھر کے چھٹے ہوئے بدمعاش اس کے رابطے میں ہیں۔ کوبرا کے روپ میں وہ کسی سے بھی کام لے سکتا ہے۔''
ویرا کی وہ بات میرے دل میں گھر کرگئی۔ یہ بات نک بھی مجھے بتا چکا تھا کہ ایف بی آئی کی فیلڈ فورس سے کام لینے کی ساری ذمے داری سوبھراج کے سر تھی۔
''مندر کو اس نے آگ لگوائی ہے تو یہ آنے والے بڑے خطرے کی گھنٹی ہے'' میں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا ''وہ امن و امان کے سنگین مسائل پیدا کردے گا۔''
''یہ دیوانگی ہے، اسے روکنا ضروری ہے'' ویرا نے پرتشویش لہجے میں کہا ''تم کو اس سے رابطہ کرنا چاہیے۔ اس وقت وہ صرف تمہاری بات سنے گا۔''
اصل صورت حال جو بھی رہی ہو، یہ ایک حقیقت تھی کہ میں نے ڈینی کی حیثیت سے سوبھراج کے ساتھ اپنے مراسم نہیں بگاڑے تھے۔ کراچی آنے کے بعد اس کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس کی ذمے داری نک پر عائد ہوتی تھی اور یہ بات سوبھراج اچھی طرح جان چکا تھا۔
نک نے اپنی گردن بچانے کے لیے پہلے واقعے کی ذمے داری کا رخ میری طرف موڑنے کی کوشش کی تھی اور سوبھراج بھی اس جھانسے میں آگیا تھا لیکن میں اسے سمجھانے میں کامیاب ہوگیا۔ دوسرے واقعے کے نتیجے میں یہ بات خود بہ خود ابھر کر سامنے آگئی کہ پہلی حرکت بھی نک کی ہی تھی۔
مجھے یہ موقع نہیں مل سکا تھا کہ میں سوبھراج سے بات کرکے اس کے عزائم کا اندازہ لگاتا۔ وہ آسمان سے گر کر اچانک زمین پر آگیا تھا۔ سب کچھ کھو دینے کے بعد وہ جس ذہنی صدمے سے دوچار تھا، اس سے سنبھلنے کے لیے اسے دو چار دن درکار تھے۔
میرا ارادہ تھا کہ اس کے نارمل ہوجانے کے بعد اس سے بات کروں گا مگر تازہ ترین اطلاع اس بات کی متقاضی تھی کہ وہ کام مؤخر نہ کیا جائے۔ نقصانات سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہوگیا تھا کہ مصلحت سے کام لے کر بھڑکے ہوئے دشمن کو ٹھنڈا کیا جائے۔
وہ ایک بڑا فیصلہ تھا۔ اس پر عمل کرنے سے پہلے اس کے ہر پہلو پر غور کرنا ضروری تھا۔ میں نے مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ کر ویرا کے ساتھ کمرے میں ٹہلنا شروع کردیا۔
''کیا فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری محسوس کر رہے ہو؟'' ویرا نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''میں فیصلہ کرچکا ہوں، بس اس سے بات کرنے کے لیے تھوڑی سی ذہنی تیاری کر رہا ہوں۔ اس وقت وہ بہت زیادہ حساس اور چڑچڑا ہو رہا ہوگا۔''
''یہ نہ بھولو کہ وہ ایک غدار ہے'' ویرا نے تیکھے لہجے میں کہا
''اس وقت مجھے اس کو ہر وہ رعایت دینی ہوگی جو میں ایک مجروح اور محروم دوست کو دے سکتا ہوں......'' میں نے کہا

شروع کیا لیکن ویرا نے درمیان میں ٹانگ اڑا دی۔
''ڈیل کارنیگی کے کتابی فلسفے پر چلنے کی کوشش نہ کرو۔ اس کے شکستہ اعصاب پر تلی ضربیں لگا کر اسے اتنا نڈھال کردو کہ وہ کچھ کرنے کے قابل نہ رہے۔''
''اس وقت وہ چھپا ہوا ہے۔ اسے ہر طرف اپنے دشمن ہی دشمن نظر آ رہے ہوں گے'' میں نے کہا۔ ''اسے سامنے لانے کے لیے یہ یقین دلانا ضروری ہے کہ ابھی شہر میں اس کا کوئی ہمدرد اور خیر خواہ موجود ہے۔''
ویرا اپنے شانے اچکا کر رہ گئی مگر اس کی چہل قدمی جاری رہی۔
''ویرا کی باتوں پر نہ جائیں۔ آپ بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہیں'' غزالہ نے بھرپور انداز میں میری حمایت کی ''اسے ہمدردی جتا کر ہی ٹھکانے لگایا جا سکتا ہے۔''
''یہ بہت برا ہوا کہ اسے روپوش ہونے کا موقع مل گیا'' سلطان شاہ متاسفانہ لہجے میں بولا ''پتا نہیں اب وہ کب ہاتھ آئے گا؟''
''چپ چاپ بیٹھے رہو'' ویرا نے اسے ڈانٹا ''گڑے مردے مت اکھیڑو۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب آگے کی فکر کرو۔''
''پتا نہیں سوبھراج کی عقل پر کیسا پردہ پڑ گیا تھا کہ اس نے تمہیں بجیرہ میں باہر نکلنے کی اجازت دے دی!'' سلطان شاہ نے غصے سے جواب دیا ''تم اسی کے پاس رہتیں تو آج ہم سب کو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔''
''تمہیں معلوم ہے کہ کوّوں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرتے۔ میں تمہارے سینے پر اسی طرح مونگ دلتی رہوں گی'' سلطان شاہ کو تاؤ دلا کر ویرا نے ہنسنا شروع کر دیا تھا۔
''یہ پٹھان کا سینہ ہے'' سلطان شاہ اپنی چھاتی پر ہاتھ مار کر فخر سے بولا ''اس پر عورت تو کیا' کوئی سورما بھی سوار نہیں ہو سکتا۔ اس میں بس کوئی گولی ہی اتر سکتی ہے۔''
''کسی وقت مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ دو منٹ میں سارا زعم دور کر دوں گی'' ویرا نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔
''عورتوں سے لڑنا بہادری کے خلاف ہے'' وہ بے نیازی سے بولا۔
''بزدلی اور بہادری کے فیصلے بعد میں کر لینا۔ مجھے سوبھراج سے بات کرنے دو'' میں نے ترشی سے کہا اور ان دونوں نے خاموشی اختیار کر لی۔
گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن دوسری طرف سے جواب نہیں آیا۔ تیسری گھنٹی بجنے کے بعد مجھے شبہ ہونے لگا کہ بھاگ دوڑ میں سوبھراج اپنے سیٹ لائٹ فون سے محروم ہو چکا تھا۔ میں صبر کے ساتھ انتظار کرتا رہا۔ آخر پانچویں گھنٹی کے بعد سوبھراج

کی گونجیلی آواز سنائی دی جس میں رعب و دبدبے کے بجائے مجھے نقاہت اور تشویش سی محسوس ہوئی۔
''تم کہاں ہو؟ اب تمہیں دوست اور دشمن کا علم ہو چکا ہوگا'' میں نے اپنے فون پر اس کی آواز سن کر بے تکلفی سے کہا۔
''دشمن نہیں' وہ آستین کا سانپ ہے'' سوبھراج کی آواز نفرت آمیز ہو گئی ''کسی نمک حرام کی مخبری پر انہوں نے میری برسوں کی خدمات بھلا دیں۔ ویرا کو ان سے چھپا کر میں غدار بن گیا۔ وہ میرے خون کے پیاسے ہیں تو اب میں بھی ان کی جانوں کا دشمن ہوں۔''
''میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ لوگ بہت سفاک ہیں۔ تم تائب ہونا چاہو گے تب بھی وہ تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے' تمہیں مار دیں گے۔''
''اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اس سے پہلے نک نے اپنا کمینہ پن دکھا دیا'' اس کی آواز درشت ہو گئی۔ ''یہ بتاؤ' کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟''
''چھوٹ کا ایک دن پورا ہونے سے پہلے تم ان کی صفوں سے نکل چکے ہو......''
''اب یہ باتیں بے کار ہو چکی ہیں'' اس نے میری بات درمیان سے اڑا دی ''میں نے اپنی عزت اور ساکھ بچانے کے لیے تم سے وعدے کیے تھے۔ اب سب کچھ خاک میں مل چکا ہے۔ تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنا گھر پھونک دیا۔ لوگ اپنی کشتیاں جلا کر میدانِ جنگ میں اترتے تھے۔ میں اپنا گھر جلا کر میدان میں اترا ہوں۔ بہت کچھ اخباروں میں آ گیا ہے۔ جو رہ گیا ہے وہ تم چھپوا دو۔ اب مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔''
''راج محل جلنے کی خبر سن کر میں سکتے میں رہ گیا تھا۔''
''ایف بی آئی والے کینہ پرور ہوتے ہیں۔ ان کی ناگہانی دشمنی کا اندازہ ہونے کے بعد میں نے سمجھ لیا تھا کہ اب مجھے پوری زندگی روپوش رہنا ہوگا۔ میں منظر عام پر آیا اور یہ درندے میرا خون پی جائیں گے۔ مجھے ان سے بچ کر رہنا ہوگا۔''
''لیکن اپنے گھر کو جلانا کہاں کی دانائی ہے؟'' میں نے ہمدردی جتائی۔
''یہ باتیں تم نہیں سمجھ سکو گے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے کیوں فون کیا ہے؟''
''میں جاننا چاہتا تھا کہ اب تمہیں مجھ پر یقین آ گیا یا اب بھی بے اعتباری میں مبتلا ہو۔''
''تم پر یقین آ گیا لیکن دوسری ہر ذات پر سے اعتبار اٹھ گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میری چند دنوں کی غیر حاضری میں

یہاں کیا ہوگیا۔ سب کچھ الٹ چکا ہے۔ زندگی بھر کے ساتھی میری جان کے دشمن ہو چکے ہیں۔ اخبار میرے خلاف زہر اگل رہے ہیں، سرکار خفا ہوگئی ہے۔ سرکاری کارندے میرے وارنٹ لیے گھوم رہے ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ اگر میں اتنا ہی برا تھا تو مجھے اتنی عزت کیوں دی گئی تھی۔''

''میں نے تم سے کہا تھا کہ وہ اپنے غداروں اور دشمنوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہیں۔''

''یہ تم نے نہیں کہا تھا، تم سے کسی نے کہا ہوگا۔ یہ بات روز اول سے میرے ذہن میں بٹھادی گئی تھی۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ویرا کو چھپانا ایک قیامت بن جائے گا۔''

''تمہاری دشمنی میں انہوں نے ایک ساتھ سارے محاذ کھول دیے ہیں۔''

''میں بھی انہیں معاف نہیں کروں گا۔ نک کا حشر ایسا ہوگا کہ دوسرے کانپ اٹھیں گے'' اس کی آواز یکایک غضب ناک ہوگئی۔

''اس کا کیا کرو گے، وہ بے چارہ خود بھی ایک دو روز میں جانے والا ہے'' میں نے سرسری انداز میں اسے وہ اہم اطلاع فراہم کردی۔

''جانے والا ہے!'' اس نے میرے آخری الفاظ دہرائے اور کہا ''پھر مجھے تیزی سے کام لینا ہوگا۔ میری تباہی کا سبب تم ہو اور تباہی لانے والا نک ہے۔''

''مجھے یہ الزام نہ دو۔ میں اب بھی تمہارا خیر خواہ ہوں۔''

''یہ خیر خواہی اب میرے کسی کام نہیں آسکتی'' وہ زہریلے لہجے میں بولا ''تم نے ویرا کو میرے آدمیوں کے قبضے سے نکال کر میرے لیے مشکلات کھڑی کی تھیں۔ یہ تم ہی تھے جسے پکڑ لینے کی امید میں، میں نے ویرا کو اپنے آدمیوں کے ساتھ راج محل سے نکالا تھا۔ یہ باتیں میرے سینے پر نقش ہو چکی ہیں۔ انہیں میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔''

''خود کو اور ویرا کو بچانا میرا حق تھا اور موقع پا کر میں نے اسے استعمال کرلیا۔ لڑائی شروع ہوتی ہے تو یہی ہوتا ہے۔ ویرا کی آزادی کے بعد میری اور تمہاری لڑائی ختم ہوگئی تھی۔''

''بنکاک فون کرکے دوستی میں دھمکیاں دی تھیں!'' اس نے زہریلی آواز میں پوچھا۔

''وہ دھمکیاں نہیں تھیں، میری خواہش تھی کہ تم پاکستانی ہو تو پاکستانی بن کر رہو۔ اس ملک کے دشمنوں کے ہاتھوں میں نہ کھیلو۔ ان سے گلوخلاصی کے لیے میں نے تمہیں مہلت بھی دی تھی مگر نک نے سب کچھ تباہ کردیا۔''

''وہ اپنے کیے کی سزا بھگتے گا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ میرا ایسا دشمن ہوگیا ہے۔''

''تمہارا اصل دشمن وہی ہے۔ میری طرف سے تم بلاوجہ بدگمان ہورہے ہو۔ ذرا سی دیر کے لیے یہ بھول جاؤ کہ ماضی میں کیا ہوتا رہا تھا تو آج کی فضا میں تم مجھے اپنا دوست پاؤ گے۔ مجھے دکھ ہے کہ جب تک تم دوسروں کے اشاروں پر چلتے رہے، مقدر تمہارا ساتھ دیتا رہا اور جب تم نے اپنی مرضی کے راستے کا انتخاب کرنے کا فیصلہ کیا تو تقدیر کی دیوی تم سے روٹھ گئی۔''

''میری دوستی سے تمہیں کیا ملے گا؟'' یکایک اس نے سوال کیا۔

''دل کا سکون اور میرے لیے یہی سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اپنے گھر کو خود راکھ کردینا آسان کام نہیں ہے۔ تم بہت بڑے دل اور حوصلے کے مالک ہو۔''

''نہیں!'' قدرے توقف کے بعد اس کی آواز آئی ''اس وقت میں کسی پر بھروسا نہیں کرسکتا۔ مجھے کسی کی دوستی کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اس وقت تم اشتعال اور صدمے کی وجہ سے ذہنی انتشار میں مبتلا ہو۔ پرسکون ہوکر سوچو گے تو کسی مضبوط دوست کی ضرورت کے قائل ہوجاؤ گے۔''

''دوستی کے لیے دنیا میں صرف تم نہیں رہ گئے ہو۔ اپنا سب کچھ برباد کرکے مجھے عقل آئی ہے کہ تم بھی بھروسے کے قابل نہیں ہو۔ تم کو ایجنسیوں نے پالا ہوا ہے۔ تم مجھے وہاں لے جاکر مارو گے جہاں مجھے پانی بھی نہیں مل سکے گا۔''

''یہ کہانیاں ان لوگوں کی پھیلائی ہوئی ہیں جنہوں نے میری گرفتاری پر بڑے بڑے انعام مقرر کیے ہوئے ہیں۔ میرا کسی ایجنسی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

''تم جھوٹے ہو، ایس ٹی ایف تمہاری پشت پناہی کرتی ہے'' اس کی آواز بلند ہوگئی۔

''یہ سب من گھڑت باتیں ہیں مگر میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔ اس وقت تم غصے میں ہو۔ تمہاری کسی بات پر میرا دماغ سنک گیا تو بات بگڑ جائے گی۔''

''ہاں اس وقت تمہاری خاموشی ہی بہتر رہے گی'' درشت لہجے میں جواب آیا۔

''تم چاہو تو میں ایک اہم بات بتادوں؟'' میں نے نرمی سے پوچھا۔

''اس میں تمہاری طرف سے دوستی کا کوئی دعویٰ شامل نہ ہو تو ضرور بتادو۔''

''آج سہ پہر محمود آباد کے ایک مندر......''

''ہاں۔ وہاں آگ لگی ہے جو میں نے لگوائی ہے'' اس نے میری بات کاٹ کر اعتراف کیا ''میں اپنا گھر جلا سکتا ہوں تو بھگوان کا مندر کیوں چھوڑوں؟ کیا اسے نظر نہیں آرہا کہ میرے ساتھ اچانک کیسا ظلم ہورہا ہے، وہ کہاں سویا ہوا ہے؟''

''سوبھراج! اس وقت تمہاری ذہنی حالت قابلِ رحم ہے۔

اب تم اپنے بھگوان سے بھی لڑو گے؟'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

جواب میں اس کا ایک ہذیانی قہقہہ گونجا پھر اس نے کہا ''اب یہ نہ کہہ دینا کہ راج محل کو جلانے کے بعد میرا دماغ چل گیا ہے۔ میں بالکل نارمل ہوں۔ مندر جلا ہے تو اب ہندو سڑکوں پر آ جائیں گے۔ کل کچھ اور ہوگا' میں پورے شہر کی زندگی تہ و بالا کر کے رکھ دوں گا۔''

''دوسروں کو یہ بات معلوم نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ سوبھراج کے ساتھ تم کو برا بھی ہو'' میں نے اس کی خطرناک ذہنی حالت کے پیش نظر تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ ''نقاب پوش کوبرا بن کر تم راہ والوں سے ملتے رہے اور اسی کوبرا کی آواز شہر کے زرخرید بدمعاشوں پر راج کرتی تھی۔ ان کے ذریعے تم شہر میں چند روز کے لیے ہیجان پیدا کر سکتے ہو لیکن تمہارے لیے خطرات بڑھ جائیں گے۔ یہ خودکشی کا راستہ ہے' اس پر چلنے سے گریز کرو۔''

''اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے؟'' اس نے ٹکا سا جواب دے کر مجھے خاموش کر دیا۔

اس وقت سوبھراج کی ذہنی رو میرے خلاف چل پڑی تھی۔ بات جوں جوں آگے بڑھ رہی تھی' اس کا لہجہ جارحانہ ہوتا جا رہا تھا۔

''تم جو چاہو کرتے رہو۔ میں تمہاری سلامتی کے لیے فکرمند رہوں گا۔'' میں نے بات ختم کرنے کے ارادے سے کہا ''شہر کے بدمعاش کوبرا کے لیے صرف چند روز کام کریں گے۔ جب انہیں پیسے نہیں ملیں گے تو وہ سب تمہاری تلاش میں نکل پڑیں گے۔ کچھ باتیں آج کے اخبار میں چھپی ہیں' باقی کل آ جائیں گی' پورے شہر کو پتا چل جائے گا کہ کوبرا کون ہے؟''

''تم بہت دور دور کی کوڑیاں لا رہے ہو'' میری بات پوری ہونے کے بعد وہ بولا ''کان کھول کر سن لو کہ سوبھراج اب بھی فقیر نہیں ہوا ہے۔ میں وہاں سے لاکھوں ڈالر لے کر نکلا ہوں۔ مجھے نظر آ گیا تھا کہ میرے خلاف اب کیا ہونے والا ہے اسی لیے میں نے فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ اب میں ہر فکر سے آزاد اور بے نیاز ہو چکا ہوں۔''

''تم نے سب کچھ کر لیا مگر اپنی ذات کے لیے۔ اپنے گھر والوں اور سنیل کی گھر والی کے لیے کیا سوچا ہے؟ وہ سب مشکل میں گھر جائیں گے۔''

بات کا رخ میری ذات سے اس کی طرف مڑ گیا تھا۔ میں نے گفتگو منقطع کرنے کا ارادہ کچھ دیر کے لیے ملتوی کر دیا۔

''اگر قانون کے رکھوالوں نے انہیں تنگ نہ کیا تو وہ اپنا وقت گزار لیں گے اور اچھا گزاریں گے۔ کسی نے بلاوجہ ان کو ستایا تو وہ اپنی دردناک موت کو دعوت دے گا۔''

''پانی ابھی سر سے اتنا اونچا نہیں ہوا کہ تم ایسی حرکتیں کر کے اپنا دامن داغ دار کرو۔ ابھی بھی تم سامنے آ کر اپنا دفاع کر سکتے ہو۔ اچھے وکیل تمہیں عدالت سے بری کرا لیں گے۔ تم تنہائی اور روپوشی کی مجرمانہ زندگی گزارنے سے بچ جاؤ گے۔''

''نہیں ڈینی...... مجھے بچگانہ مشورے مت دو۔ میں قانون کی گرفت سے بچ جاؤں گا لیکن نک کا کوئی پالتو بھیڑیا مجھے عدالت کے کٹہرے میں گولی مار دے گا۔ ان کے اپنے طور طریقے ہیں جنہیں میں برسوں سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں۔ میں ایسی موت نہیں مرنا چاہتا۔''

''تم نے اپنے لیے جو راستہ چنا ہے اس کا رخ اسی انجام کی طرف جاتا ہے۔ نک کی نہیں تو قانون کے کسی محافظ کی گولی تمہارا کام تمام کر دے گی'' میں نے بے ساختہ اپنی نم ہوتی ہوئی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''یہ بھگوان کی مرضی ہوگی۔ انسان تدبیریں کرتا رہتا ہے۔ اپنی تقدیر کسی کو معلوم نہیں ہوتی۔ تم مجھ سے ہمدردی کے دعوے دار ہو تو نک کو مارنے میں میرا ہاتھ بٹاؤ......''

''میں یہی کہہ رہا تھا۔ مجھے بتاؤ کہ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''تم نے کہا ہے کہ نک پرسوں یہاں سے جا رہا ہے۔ وقت کم رہ گیا ہے' پھر بھی میں کوشش کروں گا کہ اس سے اپنا بدلہ لے لوں۔ اس دوران میں تم بھی لگے رہو'' دوران گفتگو میں پہلی بار اس کی آواز میں کچھ بشاشت اور اعتدال کا احساس ہوا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''اگر نک تمہارے ہاتھوں مارا گیا تو میں پرانی باتیں بھلا کر تم سے دوستی کر لوں گا۔ تم چھوٹ دینے کا وعدہ تمہارا ہے' ہو' میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔''

سوبھراج کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت اس کی طبیعت پر ہیجان اور تلون کا راج تھا۔ اس کی طبیعت میں ٹھہراؤ نام کو بھی نہیں تھا۔

میں نے ایک ثانیے کے لیے اس صورت حال کے بارے میں سوچا پھر کہا ''ٹھیک ہے۔ میں تم سے کوئی پکا وعدہ نہیں کر رہا لیکن اپنی سی پوری کوشش ضرور کروں گا۔ مجھے بھی اس سے نفرت ہوگئی ہے کہ اس نے تم پر پہلے حملے کا الزام میرے سر ڈالنے کی کوشش کی تھی۔''

''شاید تمہیں اندازہ نہ ہو۔ میں اپنی زندگی کے لیے ایک طرح سے تمہارا احسان مند ہوں'' مجھے برا بھلا کہتے کہتے اچانک اس نے میرے گن گانے شروع کر دیے ''تم نے سنیل کے گھر سے غائب ہونے کا مشورہ دے کر مجھے صحیح راہ سجھائی تھی۔ میں بچ گیا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگیا۔ اس

وقت تم مجھ سے بات نہ کرتے اور مجھے ہوشیار نہ کرتے تو میں بے خبری میں سنیل کے گھر پڑا رہتا۔ نک کے آدمی آتے اور میرا گلا کاٹ کر چلے جاتے۔''

''خدا کا شکر ہے کہ تمہیں میری کوئی اچھی بات بھی یاد ہے'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''تم سے تائب ہونے والا معاہدہ ہونے کے بعد سے میں نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ تمہیں بچانے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔''

''تمہارا ماضی بہت داغ دار ہے۔ تم پر بھروسا کرتے ہوئے خوف آتا ہے۔''

''میں نے نک کو مار دیا تو تمہارے دل سے یہ خوف نکل جائے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں...... ویسے تو وہ تمہیں اپنا دشمن سمجھتا ہے لیکن ابھی تک زندہ ہے۔ اسے تم میرے کہنے پر موت کے گھاٹ اتارو گے۔''

''میں پھر کہہ رہا ہوں کہ مجھ پر انحصار نہ کرنا' میں کوشش کروں گا۔''

''فکر نہ کرو۔ اب میں فارغ ہوں۔ پورا دھیان اسی پر دوں گا۔''

''کچھ دیر پہلے تم شہر کے امن وامان کو تہ وبالا کرنے کی بات کر رہے تھے۔''

''وہ کام بعد میں بھی ہوسکتا ہے'' اس کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی ''نک یہاں سے بچ کر نکل گیا تو میں اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکوں گا۔''

اس کی زبان سے وہ فقرے سن کر میری جان میں جان آئی۔ میں بہت مشکل سے اسے اس موڑ تک لانے میں کامیاب ہوا تھا۔ مجھے یہ اطمینان ہوگیا تھا کہ وہ کم از کم اگلے دو دنوں تک نک کی فکر میں مبتلا رہ کر دوسری تخریبی کارروائیوں سے دور رہے گا۔

جو شخص اپنی شکست کے انتقامی جنون میں مبتلا ہو کر اپنے بھگوان کے گھر کو آگ لگوا سکتا تھا' اس کے لیے شہر کی زندگی کو درہم برہم کرنا مشکل نہیں تھا۔

''کام کی کوئی بات سامنے آئی تو میں تم سے رابطہ کروں گا'' میں نے جلدی سے کہا۔ اس کی ذہنی رو کسی اور منفی سمت میں بھٹکنے سے پہلے میں خوشگوار فضا میں اس سے گفتگو ختم کرنا چاہتا تھا۔

سوبھراج نے کسی رسمی تکلفات کے بغیر محض او کے کہہ کر فون بند کر دیا۔

میں نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

''کیا سر میں درد ہو رہا ہے؟'' غزالہ نے سادگی سے پوچھا۔

''درد!'' میں نے حیرت سے کہا ''اس خبیث نے اتنی میں میرے دماغ کی چولیں ہلا ڈالیں۔ تم نے سنا نہیں کہ وہ کیسے نادر نکتے اٹھا رہا تھا۔''

''ناکامی سے اس کا دماغ چل گیا ہے'' ویرا تفکر آمیز میں بولی۔

''اس کی کسی بات سے پاگل پن نہیں جھلک رہا تھا'' سلطان شاہ نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا ''وہ ہر بات دلیل ساتھ کر رہا تھا۔''

''وہ صرف ذہنی انتشار کا شکار ہے۔ اپنی زندگی کا بدتر صدمہ اور نقصان اٹھانے کے بعد کوئی بھی شخص اس سے زیا پراگندہ خیالی کا شکار ہوسکتا ہے'' میں نے سلطان شاہ کی تا کرتے ہوئے کہا۔

''کاش' اسے یاد رہے کہ اس نے تم سے کیا طے کیا۔'' ویرا نے آرزو کی ''اس کے دماغ میں کوئی نیا فتور نہ آیا تو شہر دو دن سکون رہے گا۔''

''یہ ضمانت حاصل کرنے کے لیے آپ کو بہت پاپڑ پڑے ہیں'' غزالہ بولی۔

''اسے سمجھاتے سمجھاتے میری عقل ماؤف ہونے تھی۔ اب اسے نک کا شغل مل گیا ہے' اس دوران میں جلال اول خان کو اپنے سارے وسائل بروئے کار لانا پڑیں گے تا جلد از جلد سوبھراج کی گردن دبوچی جاسکے۔''

''اور اس وقت وہی دونوں یہاں سے غائب ہیں۔''

''وہ دانستہ غائب نہیں ہوئے'' میں نے ویرا کو گھور ہوئے جواب دیا ''اپنے کاموں میں الجھے ہوئے ہوں گے۔''

''راج محل اور پھر مندر کی تباہی معمولی واقعات نہیں'' سلطان شاہ تفہیمی انداز میں بولا۔ ''پورے شہر میں خوف و ہر پھیل گیا ہوگا۔''

سوبھراج سے میری فی البدیہہ گفتگو میرے لیے اعصا شکن ثابت ہوئی تھی۔ اس کے تیکھے سوالات اور کاٹ تبصروں کو تحمل سے سننا اور پھر موزوں ترین جواب دینا آ کام نہیں تھا۔ میں نے صوفے پر ہی دراز ہو کر سگریٹ سل اور آنکھ سے غزالہ کو اشارہ کیا تو اس نے سر ہلا کر مسکرا ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

''تم نے غزالہ سے کیا کہا ہے؟'' ویرا نے چونک کر سے پوچھا۔

''کسی نے کچھ نہیں کہا۔ تمہارے کان بج رہے ہیں'' سلطان شاہ نے کہا۔

''پھر وہ مسکراتی ہوئی کہاں گئی ہے؟'' ویرا کا لہجہ آمیز ہوگیا۔

''زحمت کرو اور اٹھ کر دیکھ لو'' میں نے جواب دیا

کچن میں ہوگی اور میرے لیے چائے بنا رہی ہوگی۔''
''جب گھر میں دو آدمی موجود ہیں تو اسے چائے بنانے کی کیا ضرورت ہے؟''
''جس دن یہ رمز سمجھ لوگی، سگھڑ ہو جاؤ گی'' سلطان شاہ نے فقرہ چست کیا ''گھر میں آدمیوں کی موجودگی کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ سارے کام ان کے سر ڈال کر مالکان حرام خوری کرتے رہیں۔ اپنا کام اپنا ہوتا ہے۔ اس کے لیے ہاتھ پیر ہلانے ضروری ہوتے ہیں۔''
''چائے بنانے کے لیے کون سے کمال کی ضرورت ہوتی ہے۔ دین محمد اور ابرار بہترین چائے بناتے ہیں۔ یہ بلاوجہ کے چونچلے ہیں کہ ڈیئی کے لیے ہر کام اس کی بیوی کرے۔''
''کبھی کبھی ایسا بھی ہونا چاہیے'' میں نے اسے آنکھ مار کر کہا۔
''غزالہ بھی موم کی پتلی ہے۔ تم مجھے اشارہ کرتے تو میں ہرگز نہ جاتی۔ دونوں میں سے کسی کو آواز دے کر چائے بنانے کی ہدایت دے دیتی۔''
''تم کند ذہن ہو اس لیے تم کو اشارے نہیں کیے جاتے'' سلطان شاہ پھر بول پڑا ''کہتے ہیں کہ عقل مند کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔ کند ذہن کے لیے چابک بھی کم پڑتا ہے۔''
''فکر نہ کرو۔ کسی وقت نخلیے میں ہاتھ آ گئے تو میں سارا حساب بے باق کر دوں گی'' ویرا سر ہلاتے ہوئے بولی ''میں نے نوٹ کر لیا ہے کہ تم اپنے چوڑے سینے کو کتنا مقدس سمجھتے ہو۔''
''اب تم ہوشیار رہنا'' میں نے سلطان شاہ کو وارننگ دی ''ویرا ایسے ارادوں کو بہت تیزی سے عملی جامہ پہناتی ہے۔''
''دیکھا جائے گا'' سلطان شاہ کی بے پروائی نے مجھے حیران کر دیا۔ اس نے مزید کہا ''میں یہ لحاظ نہیں کروں گا کہ ویرا ایک عورت ہے۔ عورت پہل کرے تو مرد کے لیے اپنا بچاؤ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔''
چائے غزالہ نے تیار کی لیکن کچن میں کھٹ پٹ کی آوازیں سن کر ابرار وہاں پہنچ گیا۔ وہ چائے لے کر آیا تو وہ دونوں خاموش ہو گئے۔
سوبھراج سے تھکا دینے والے مذاکرات کے بعد آپس کی ہلکی پھلکی باتوں نے میرا دماغ تازہ کر دیا تھا۔ چائے کا پہلا گھونٹ لیتے ہی مجھے جلال کا خیال آیا اور میں نے اس کا نمبر ملا لیا۔
جلال اس وقت کسی اہم اجلاس میں شریک تھا۔ اس نے نمبر دیکھ کر میری کال وصول کرتے ہوئے فوری طور پر اپنی پوزیشن کی وضاحت کر دی۔
میرے لیے وہ اشارہ کافی تھا۔ میں نے مختصر ترین الفاظ میں اسے یہ بتایا کہ فون پر نک اور سوبھراج سے میری کارآمد گفتگو ہوئی تھی۔ اس نے اجلاس سے نمٹتے ہی مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا اور فون بند کر دیا۔
''بیٹھے بٹھائے تم کو ایک دم جلال کیوں یاد آ گیا؟'' ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔
''اس کی آواز سننے کو دل چاہ رہا تھا'' میں نے مسکرا کر اسے سلگایا۔
''تم اس کے عادی ہو گئے ہو'' وہ جل کر بولی ''بات بات پر تمہیں اس کا خیال آنے لگتا ہے جیسے وہ تمہارا استاد ہو۔''
''استاد طبلے بجاتے پھرتے ہیں۔ اس شریف آدمی کو یہ الزام نہ دو'' میں نے کھولتی ہوئی خوشبودار چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔
''تم نے اسے اپنی کارگزاری کی رپورٹ اس طرح دی ہے جیسے تم اس کی ماتحتی میں کام کر رہے ہو۔'' میرے برجستہ جواب سے وہ کھسیا گئی۔
''ہم سب ایک دوسرے کے افسر اور ماتحت ہیں۔ کبھی تم نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ وہ بار بار یہاں کیوں دوڑا چلا آتا ہے۔ ہم اسے کیا دے سکتے ہیں؟''
''اسے یہاں سے تازہ ترین خبریں اور نت نئے خیالات ملتے ہیں۔''
''ہم سب اپنے لیے نہیں، ایک قومی مشن کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ہم برابری کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتے ہیں، معلومات کا تبادلہ کرتے ہیں اور پھر باہمی مشورے سے اپنی راہوں کا تعین کرتے ہیں۔ وہ پالیسی ساز سرکاری اداروں سے بہت قریب ہے اس لیے موجودہ مہم میں اس کی قریبی شمولیت بہت زیادہ ضروری ہے۔''
''مجھے سبق نہ پڑھاؤ۔ یہ سب باتیں مجھے معلوم ہیں۔''
''پھر تم اس کے نام سے کیوں چڑ رہی ہو؟''
''تم نے ان دونوں سے بات کر لی تھی اور قصہ ختم ہو گیا تھا'' اس نے چڑچڑے لہجے میں کہا ''اس ذرا سی بات کی جلال کو رپورٹ دینے کی کیا ضرورت تھی؟''
''ویرا! کچھ خدا کا خوف کرو'' سلطان شاہ نے اپنی ٹانگ اڑائی ''یہ ذرا سی بات نہیں تھی۔ نک آخرکار واپس جا رہا ہے۔ سوبھراج کی طرف سے شہر کا امن وامان خطرے میں تھا۔ شاید جلال اسی بارے میں کسی انتظامی اجلاس میں بیٹھا ہوا ہے۔ یہ بہت بڑی خبریں ہیں۔ جلال کو معلوم رہنا چاہیے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟''
''تم خاک بھی نہیں کر رہے۔ خود کو درمیان میں نہ لپیٹو!'' ویرا نے جلے بھنے لہجے میں بے ساختہ کہا اور سب ہنس دیے۔
''سوبھراج نے نک کو مار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب یہ

ناگزیر ہوگیا ہے کہ وہ یا سنیل، نک کی گھات میں اس کے قرب و جوار میں منڈلانا شروع کردے گا۔ ہماری وہاں تک رسائی نہیں ہے۔ کڑی نگرانی کا کام جلال کے پیشہ ور آدمی سرانجام دے سکتے ہیں۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ شہر میں سوبھراج کی طرف سے کوئی نئی تشدد آمیز کارروائی شروع ہونے سے پہلے ہم اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکیں۔''

ویرا نے بہت غور سے میری وہ بات سنی پھر قائل ہوکر بولی ''یہ الجھی ہوئی باتیں ہیں، جو میرے ذہن میں نہیں آسکی تھیں۔''

''تم بلاوجہ بات بڑھاتی ہو۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تو خاموش رہ کر اس کا نتیجہ برآمد ہونے کا انتظار کیا کرو'' غزالہ نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

''بات میں نہیں بڑھاتی' تم لوگ بڑھاتے ہو۔ ڈینی نے یہ باتیں پہلے ہی کیوں نہیں بتادیں بات وہیں ختم ہوجاتی۔''

''چڑچڑاپن رفتہ رفتہ تمہارے مزاج کا حصہ بنتا جارہا ہے'' اس بار ناصح کا منصب سلطان شاہ نے سنبھال لیا ''تم چڑتی ہو اور سب کو تمہیں چڑانے میں مزہ آتا ہے۔''

ویرا نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور مجھ سے مخاطب ہوکر بولی ''جلال کو دعوت دی ہے تو پھر تمہیں اول خان کو بھی بلالینا چاہیے۔ ایس ٹی ایف کے سارے اہلکار گھاگ اور پیشہ ور ہیں۔ وہ نک کو مارنے یا سوبھراج کا سراغ لگانے میں مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔''

''یہ خیال ذہن سے نکال دو'' میں نے کہا ''ہم میں سے کوئی نک کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔''

''تم نے سوبھراج سے وعدہ کیا ہے کہ اسے ٹھکانے لگانے کی سرتوڑ کوشش کروگے'' ویرا نے حیرت کے ساتھ مجھے یاددلایا۔

''میں نے اسے شیشے میں اتارنے کے لیے بہت کچھ کہا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر بات پر عمل بھی کیا جائے' جلال بھی سوبھراج کے اس ارادے کی تائید نہیں کرے گا۔''

''یہ فیصلے بعد میں ہوں گے' تم اول خان کو بلانے سے کیوں گریز کررہے ہو؟'' ویرا نے پوچھا۔

''اب وہ تمہارے سر پر سوار ہوگیا۔ مجھے سکون سے چائے ختم کرلینے دو۔ میں اس سے بھی بات کروں گا۔ اس کا آنا بھی بہت ضروری ہے۔''

چائے ختم کرنے کے بعد میں اول خان کو فون کرنے میں ذرا بھی تاخیر کرتا تو ویرا دوبارہ میرے سر پر سوار ہوجاتی۔ میں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ فوراً اس کا نمبر ملالوں۔

موبائل فون پر رابطہ ہونے پر پتا چلا کہ وہ سبزی منڈی کے علاقے سے گزر رہا تھا اور سیدھا ہماری طرف آرہا تھا۔

''جلدی آؤ۔ ویرا بے چینی سے تمہارا انتظار کررہی ہے'' اول خان کو یہ پیغام دے کر میں نے فون بند کردیا۔

چند منٹ بعد اول خان آپہنچا۔ اس کے بشرے سے تکان اور افسردگی کے آثار جھلک رہے تھے۔ چہرہ گردآلود ہورہا تھا۔

''معلوم ہورہا ہے کہ کسی محاذ سے آرہے ہو'' میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ''ہاتھ منہ دھولو پھر چائے کی پیالی پر باتیں ہوں گی۔''

وہ بیٹھتے بیٹھتے فوراً ہی اٹھ گیا ''میں محمود آباد سے آرہا ہوں۔ وہاں کے حالات بہت بگڑ گئے تھے۔ متعدد گاڑیوں، دکانوں اور مکانوں کو نقصان پہنچا ہے۔ پندرہ بیس آدمی زخمی ہوئے ہیں۔ غنیمت ہے کہ کسی ہلاکت کے بغیر حالات پر قابو پالیا گیا۔ میرے آدمی رینجرز کے ساتھ گشت پر ہیں۔ اس وقت وہاں اعلان کے بغیر کرفیو نافذ کردیا گیا ہے۔'' اس نے جانے سے پہلے سوبھراج کے پیدا کیے ہوئے فتنے کی تفصیل بتائی اور سلطان شاہ کے کمرے کی طرف ہولیا۔

''گھٹنے ہر حال میں پیٹ کی طرف جاتے ہیں۔'' اس کے جانے کے بعد ویرا نے دبی زبان سے کہا۔

''یہ مثال تمہیں کیوں یاد آگئی؟'' غزالہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''وہ منہ دھونے کے لیے ہمارے کمروں کی طرف نہیں گیا۔ ایک پٹھان نے منہ دھونے کے لیے دوسرے پٹھان کا کمرا پسند کیا ہے۔'' ویرا اسی دبی آواز میں بولی۔

''تم بہت شرانگیز اور فتوری عورت ہو۔'' میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے ملامت کی ''جہاں کچھ نہ ہو وہاں تم فساد کھڑا کرسکتی ہو۔''

''کیوں؟ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟'' اس کی آنکھوں میں شوخی ناچ رہی تھی۔

''تم عورت ہو۔ میرے کمرے میں غزالہ بھی رہتی ہے۔ وہ عورتوں کے زیراستعمال کمروں میں بے دھڑک ہوکر کیسے جاسکتا تھا۔ اس کے لیے سلطان شاہ کا باتھ روم سب سے زیادہ موزوں تھا۔ وہ اسی طرف چلا گیا۔'' میں نے کہا۔

اول خان غسل خانے سے تازہ دم ہوکر سلطان شاہ کے ساتھ واپس آیا تو میں نے اسے کچھ بتانے کے بجائے محمود آباد کے بارے میں بات چھیڑ دی۔ میری خواہش تھی کہ کچھ دیر میں جلال بھی آجائے تو ان دونوں کی موجودگی میں نک اور سوبھراج کا ذکر کیا جائے۔

محمود آباد میں چھوٹے موٹے کام کرنے والے ناخواندہ ہندوؤں کی خاصی تعداد آباد تھی۔ ان کا مندر عام طور پر مقفل رہتا تھا۔ خاص مواقع پر اس کا تالا کھول کر جھاڑ پونچھ کے بعد عبادت کی جاتی تھی۔ وہاں نامعلوم افراد نے چلتی گاڑی سے

آتش گیر بم پھینک کر آگ لگائی تو وہ خبر پھیلتے ہی ہندوؤں کی آبادی میں سخت اشتعال پھیل گیا۔

عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سمیت پوری ہندو آبادی اپنے مندر پر جمع ہونے لگی۔ آگ سے مندر کی عمارت کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ شعلوں پر بروقت قابو پالیا گیا مگر وہ واقعہ سنگین تھا۔ مشتعل ہجوم نے سڑکوں اور گلیوں میں پھیل کر سنگ باری کا سلسلہ شروع کر دیا۔

دکانیں تیزی سے بند ہونے لگیں۔ ٹریفک کا سلسلہ بھی موقوف ہو گیا اسی دوران میں کچھ ہندو لڑکے ایک درگاہ میں گھس گئے جس پر مسلمان تماشائی بپھر کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ پولیس کی بروقت آمد کی وجہ سے وہ محاذ آرائی زیادہ زور نہیں پکڑ سکی لیکن چند گھروں سے ہوائی فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

مشتعل ٹکڑیاں گلیوں میں پھیلی رہیں۔ متعدد افراد کو بے رحمی سے زدوکوب کیا گیا۔ چند افراد کو چاقوؤں کے زخم آئے۔ ان میں ہندو اور مسلمان، دونوں شامل تھے۔

حالات کا وہ رخ دیکھ کر علاقے کے بزرگ میدان میں آ گئے۔ کئی تھانوں کی نفری کے علاوہ رینجرز کی طلبی کے بعد تشدد آمیز واقعات کا سلسلہ کم ہوا لیکن لوگوں میں اشتعال بڑھتا جا رہا تھا۔ اندیشہ یہ تھا کہ رات کا اندھیرا پھیلنے کے بعد وہاں خوں ریزی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو جائے گا۔

کرفیو کا باضابطہ نفاذ انتظامیہ کی بدنامی تھی۔ تشدد کی لہر پر قابو پانے کے لیے متاثرہ علاقے کے رہے سہے بازار بند کرا دیے گئے اور لوگوں کو اپنے گھروں میں محدود ہو جانے کا حکم دیا گیا تو حالات میں تیزی سے بہتری آئی اور مار دھاڑ کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔

ان سخت اقدامات کے باوجود دونوں طرف لٹھ بردار لڑکوں کی ٹولیاں دیکھی جا رہی تھیں جو پولیس یا رینجرز کی گاڑیوں کے نمودار ہوتے ہی تنگ گلیوں میں بھاگ کر روپوش ہو جاتی تھیں۔ ان پر قابو پانے کے لیے پورے علاقے میں دو دو کی ٹولیوں میں مسلح سپاہیوں کی پیدل نفری پھیلائی جا رہی تھی تاکہ رات امن و امان سے گزر سکے۔

سوبھراج کراچی کا قدیم باشندہ تھا۔ وہ شہر کی نبض سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ اسے شہر کے مختلف علاقوں میں آباد ہندوؤں کی نفسیات سے بھی واقفیت تھی۔ اس نے شہر میں بدامنی پھیلانے کے لیے جان بوجھ کر اس حساس علاقے کا انتخاب کیا تھا جہاں انتظامیہ کی ذرا سی غفلت سے بڑے پیمانے پر خوں ریزی ہو سکتی تھی۔

یہ سوبھراج کی شیطانی کھوپڑی کا کمال تھا کہ اس نے فساد کی داغ بیل ڈالنے کے لیے ایک مندر کا انتخاب کیا تھا۔ مذہبی جنون انسانوں کو آپس میں لڑانے کا سب سے توانا مذہ[illegible] ہے اور سوبھراج نے اپنی مذموم مہم کی ابتدا اسی نکتے سے کی تھی۔

شبہات سب کو تھے کہ مندر کی تباہی راج محل کی آتش زدگی سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور رکھتی تھی۔ جب میں نے اول خان کو یہ بتایا کہ مندر میں سوبھراج ہی نے آگ لگوائی تو حیرت سے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ روپوشی کے دوران میں سوبھراج کو اپنے ہم مذہب لوگوں کی مظلومیت سے کیا فائدہ حاصل ہو سکے گا۔

وہاں سرے سے فائدے کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ اپنا محل جلا دینے کے بعد سوبھراج کا مقصد صرف امن و امان کو تباہ کرنا تھا اور وہ اپنی پہلی کوشش میں کسی نہ کسی حد تک کامیاب رہا تھا۔

وہ اس روز کا ایک سلگتا ہوا موضوع تھا۔ اول خان کی فراہم کی ہوئی چشم دید معلومات کی روشنی میں پورے زور و شور سے گفتگو کا دور چل رہا تھا کہ جلال بھی آ پہنچا۔

محفل میں شامل ہونے کے بعد جب اسے موضوع سخن کا علم ہوا تو اس نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا کہ وہ اسی سلسلے میں کمشنر ہاؤس میں ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں شریک تھا۔ وہاں فیصلہ کیا گیا تھا کہ فوری طور پر شہر بھر کے مندروں پر سخت حفاظتی پہرے بٹھا دیے جائیں۔

''میں تمہارے فون کی وجہ سے وہاں سے اٹھ آیا ورنہ اجلاس ابھی جاری ہے۔'' جلال نے بتایا ''وہاں یہ مسئلہ بھی زیر غور ہے کہ سوبھراج کو کیسے زیر کیا جائے۔''

''وہ اس وقت زخمی لومڑی کی طرح بھڑکا ہوا ہے۔ اس پر آسانی سے ہاتھ نہیں ڈالا جا سکے گا۔'' میں نے اسے بتایا ''وہ پورے شہر کو ہلا دینے پر تلا ہوا تھا۔''

ان دونوں میں سے کسی کے استفسار سے پہلے میں نے اپنی کہانی شروع کر دی۔

''مجھے حیرت ہے کہ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد تم کامیابی سے اپنا دہرا کردار نبھا رہے ہو۔'' میرے خاموش ہو جانے پر جلال نے بے ساختہ کہا ''ذہانت اور حاضر دماغی کے بغیر ایسی کامیابی کا دور تک تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔''

''یہ بڑی بات ہے کہ وہ دو دن کے لیے اپنے تخریبی منصوبے التوا میں رکھنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ آج کے تجربے کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ خطرناک تخریبی ذہن کا مالک ہے۔'' اول خان نے سنجیدگی سے کہا ''ان دو دنوں میں ہمیں اس تک پہنچ جانا چاہیے۔''

''سب اسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔'' ویرا بولی ''سوال یہ ہے کہ وہ کیسے پکڑا جائے گا۔''

''اس سلسلے میں قونصل خانے والے کراچی کی انتظامیہ کی بھرپور مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔'' جلال نے انکشاف کیا۔

''میٹنگ میں ڈی آئی جی کی زبانی پتا چلا ہے کہ وہ لوگ اپنے کمانڈوز کے بارے میں ایک انوکھی کہانی لے کر آئے ہیں۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہ رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ڈینی بھی سوبھراج سے ملا ہوا ہے۔ ان دونوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانا ضروری ہو گیا ہے۔''

''وہ کہانی کیا ہے؟'' میں نے تفکر آمیز لہجے میں پوچھا۔

''امریکی شہریوں کو کراچی میں آزادانہ نقل و حرکت کی اجازت نہیں ہے۔'' جلال بتانے لگا ''کل رات ان کے دو کمانڈوز تھوڑی سی شراب پی کر سرور کے عالم میں شہر کی سیر کو نکلے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ رات گئے شہر میں انہیں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ میٹروپول ہوٹل کے قریب ایک خوب صورت اور خوش پوش لڑکی نے اشارے سے انہیں روکا اور ان سے لفٹ مانگی۔ وہ دونوں اپنے گھروں سے دور، کئی مہینوں سے یہاں سفارتی عمارتوں کی اندرونی حفاظت کا کام سرانجام دے رہے تھے۔ وہ عورت کے سحر میں آ گئے۔ انہوں نے عورت کو اگلی سیٹ پر اپنے درمیان بیٹھنے کی پیش کش کی جو اس نے ہنستے ہوئے قبول کر لی۔ لڑکی بیٹھتے ہی ان سے بے تکلف ہو گئی۔ وہ شہر کی ویران سڑکوں پر گھومتے رہے۔ لڑکی نے انہیں اپنے گھر لے جانے کی پیش کش کی۔ وہ دونوں فوراً راضی ہو گئے۔ سولجر بازار میں اس عورت نے اپنے گھر کے قریب گاڑی رکوائی تو وہاں پہلے سے ایک گاڑی میں دو افراد بیٹھے ہوئے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ عورت گاڑی سے اترتے ہی تیزی سے زینوں پر چڑھتی چلی گئی۔ دونوں مرد اپنی گاڑی سے نکل کر کمانڈوز پر ٹوٹ پڑے۔ وہ شراب اور عورت کے نشے میں تھے، مار کھا گئے۔ ان کی اس کہانی کے چیتھڑے اڑائے جا سکتے تھے۔ لڑکی کو کیسے پتا چلا کہ وہ کمانڈوز اس راستے سے گزریں گے۔ اسے یہ یقین کیوں تھا کہ وہ انہیں اپنے گھر لے جانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ اس کے گھر کے باہر دو آدمی کب سے موجود تھے اور کب تک وہاں کھڑے رہتے۔ ڈی آئی جی کا کہنا ہے کہ ان کی وہ کہانی خاموشی سے لے لی گئی۔''

''اس طرح انہوں نے سنیل کی بیوی کو بھی گھیرنے کی کوشش کی ہے۔'' ویرا بولی۔

''ہاں۔ زندہ بچ جانے والے کمانڈو کا کہنا ہے کہ وہ دیکھتے ہی اس عورت کو پہچان لے گا۔'' جلال بولا۔

''اس لیے کہ وہی اوپر گیا تھا۔ اس نے شیبا کو دیکھا تھا۔'' میں نے کہا۔

''ڈینی کے بارے میں وہ اس وجہ سے پر یقین ہیں کہ اس واردات میں زہریلی سوئیاں استعمال ہوئی ہیں۔ انہوں نے سنیل کا نام نہیں لیا مگر مکان کی نشاندہی کر کے اسے بھی نامزد کر دیا ہے۔''

''پھر اس رپورٹ پر کیا کارروائی ہو گی۔'' اول خان نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔ خامیوں کی نشاندہی کے ساتھ رپورٹ فائل کر دی جائے گی۔ یہ سفارتی حیلہ سازیاں ہیں۔ پاکستان میں اس کمانڈو پر مقدمہ نہیں بن سکتا اس لیے رپورٹ پر جرح بے سود تھی۔ انہوں نے اپنی طرف سے کاغذی خانہ پری کی ہے۔ انہیں اپنے سفید جھوٹ کا علم ہے۔ وہ کارروائی پر اصرار نہیں کریں گے۔ کبھی انہوں نے یہ مسئلہ اٹھانا چاہا تو ان کی رپورٹ کے سارے جھول ان کے سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ سفارتی معاملات میں ایسے خاموش سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔''

''یہ بات واضح نہیں ہو سکی کہ انہوں نے مجھے سوبھراج کا حلیف کیسے بنا دیا۔'' میں نے پرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

''ڈینی ایک مدت سے روپوش ہے۔ اب سوبھراج نے بھی وہی راہ اختیار کی ہے۔ ان کے پاس اس کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ دونوں الگ الگ بھی بدترین سزاؤں کے مستحق ہیں۔ ڈینی امریکا کو مطلوب ہے۔ سوبھراج پاکستان کو مطلوب ہے۔''

''اور وہ ان دونوں کی گرفتاری میں بھرپور مدد فراہم کریں گے۔'' ویرا نے سوال کیا۔

''میٹنگ میں ڈی آئی جی نے یہ تمام باتیں سب شرکا کے سامنے بتائی ہیں۔ وہ اس مہم کے لیے اپنے جدید ترین آلات بھی فراہم کریں گے جن میں فون اور انسانی آواز کی مدد سے کسی شخص کے ٹھکانے کا پتا چلانے والے حساس ترین آلات بھی شامل ہیں۔''

''ان کی اس چال میں ہرگز نہ آنا'' ویرا نے بے ساختہ کہا ''آلات دیں گے تو اس کے ساتھ ان کے ماہر بھی آئیں گے۔ وہ مقامی انتظامیہ میں گھسنے کی سازش کر رہے ہیں۔ ایک بار ان کو ذرا سا موقع مل گیا تو ان سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا۔''

جلال کے ہونٹوں پر ایک نرم سی مسکراہٹ تیر گئی اور اس نے کہا ''مجھے بھی یہی شبہ تھا۔ میں نے یہ بات کہہ دی ہے کہ وہ ہمارے آدمیوں کو تربیت دیں تو ہم ان کے آلات بھی لے لیں گے۔ عملے کے ساتھ آلات ہمیں قبول نہیں ہیں۔ کمشنر اور ڈی آئی جی میرے ہم خیال تھے۔''

''ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ کیا ان سے عارضی طور پر مدد لے کر سوبھراج کا سراغ لگانا ہمارے لیے سودمند نہیں رہے گا؟'' اول خان نے پوچھا ''سوبھراج کے لیے وہ ہم سے زیادہ پریشان ہیں۔ اس بات پر رضامند ہو جائیں گے۔''

''وہ موقع دیکھ کر پیشکش کر رہے ہیں ورنہ وہ منہ مانگے داموں پر بھی ہم جیسے ملکوں کو ایسے حساس اور جدید ترین آلات

کی ہوا نہیں لگنے دیتے'' جلال نے اول خان کی تجویز سے ذرا بھی اتفاق نہیں کیا۔

''ان کے چنگل میں پھنسنے سے بہتر ہے کہ ہم مردانہ وار سوبھراج کا مقابلہ کریں اور اپنے نقصان کی پروا کیے بغیر اسے تباہ کردیں'' ویرا' جلال سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئی۔

''سوبھراج کی ذات اس طلسمی حصار سے باہر آچکی ہے جو سرکاری مراعات نے اسے فراہم کیا ہوا تھا۔'' میں نے جلال سے مخاطب ہوکر کہا ''ہم سب کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ ہمیں ہر قانونی اور غیر قانونی طریقہ اختیار کرکے اسے زیر کرنا پڑے گا۔''

''تم نک والی بات کیوں نہیں بتاتے!'' ویرا نے میری بات کاٹ کر اضطراری انداز میں کہا ''اس وقت وہ آسانی سے چارہ بن سکتا ہے۔''

''میں وہی بتانے جا رہا تھا۔ سوبھراج اس وقت نک سے اپنا بدلہ لینے کے لیے بے چین ہے۔ میں نے اسے یہ بتادیا ہے کہ نک پرسوں پاکستان سے چلا جائے گا۔ سوبھراج نے مجھے بھی نک پر ہاتھ ڈالنے کا مشورہ دیا ہے مگر وہ مجھ پر انحصار نہیں کرے گا۔ سوبھراج اور سنیل میں سے کوئی ایک اس پر مہلک وار کرنے کی کوشش کرے گا۔ نک کا پیچھا کیا جائے تو اس کی گھات لگانے والے کو پکڑا جا سکتا ہے۔ دوسرا آسانی سے ہاتھ آجائے گا۔''

''تمہاری تجویز معقول ہے۔ خرابی یہ ہے کہ نک اپنے گردوپیش سے اتنا غافل نہیں رہے گا کہ دو آدمی اس کا پیچھا کریں اور وہ بے خبر رہے'' جلال نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہمارے پاس اس کے سوا کوئی متبادل راستہ نہیں ہے'' اول خان بولا ''اس طریقہ کار میں ایک خوبی یہ ہے کہ ہم نک کو ان دونوں کے ہاتھوں مرنے سے بچا سکیں گے۔''

''کیوں؟ اسے تم کیوں بچانا چاہتے ہو؟'' جلال نے حیرت سے پوچھا۔

''پالیسی!'' اول خان پریشان ہوکر جلال کا منہ تکنے لگا۔ ''تم ہی نے تو کہا تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر امریکیوں کا مزید خون بہنے سے شدید مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔''

''ہمارے ہاتھ صاف رہنے چاہئیں'' جلال نے مضبوط لہجے میں زور دے کر کہا ''تم نے کل رات ایک کمانڈو کو صحیح موقع پر مار دیا۔ میں نے ایک لفظ کہا نہ کوئی مشکل پیدا ہوئی۔ اب سوبھراج یا کوئی اور نک کو مار دیتا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

''یہ سب سے اچھی بات ہوگی'' اول خان نے مسرت سے کہا۔ جلال کا جواب سن کر سب کے چہروں پر ایک چمک سی آگئی تھی۔

''ایسے معاملات میں ہمدردیوں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی مجبوری کے تحت رعایتیں دینا پڑتی ہیں اور وہ آج دی جا رہی ہیں۔ اس دوران میں کوئی موقع ہاتھ آتا ہے تو ہمیں اس سے پوری طرح فائدہ اٹھانا چاہیے۔'' جلال نے وضاحت سے کہا۔

''اول خان کی حیرانی اپنی جگہ بجا تھی۔ میرے لیے بھی نئی خبر ہے کہ سوبھراج اور نک کی لڑائی میں ہمیں تماشائی یا ریفری کا کردار ادا کرنا ہے۔ اپنے مقدروں کا فیصلہ وہ آپس میں لڑ بھڑ کر خود کریں گے'' میں نے کہا ''ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے کہ ان میں سے کون کس کے ہاتھوں مرتا ہے۔''

''میں سمجھ رہا تھا کہ ایک امریکی کمانڈو کی ہلاکت پر اپنا کوئی ردعمل ظاہر نہ کرکے میں نے خاموشی سے اپنا پیغام تم تک پہنچادیا ہے'' جلال نے قدرے بے آرامی سے جواب دیا۔

''کمانڈو کے بارے میں تمہاری خاموشی میرے لیے حیران کن رہی تھی۔ میں سمجھا کہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے تم نے اسے نظر انداز کردیا۔''

''تم یہ سوچ کر بھی خاموش رہ سکتے تھے کہ تمہاری کسی تنقید سے مرنے والے کمانڈو کی لاش میں جان نہیں پڑ سکے گی'' ویرا نے ہنستے ہوئے کہا ''تمہاری رائے سامنے آنے کے بعد اب بہت بڑی گتھی دور ہوگئی ہے۔''

''امریکیوں کے تعاون کے بارے میں ہم نے انتظامی سطح پر اپنا فیصلہ کرلیا ہے لیکن کل صبح ایک مرحلہ درپیش ہے'' جلال نے قدرے توقف کے بعد آہستگی سے کہا ''ڈی آئی جی نے قونصل خانے کے ایک افسر سے پہلے سے وقت طے کرلیا تھا۔ کل صبح نو بجے تم کو میرے ساتھ وہاں جانا ہے۔ ڈی آئی جی بھی ہمارے ساتھ ہوگا۔''

''وہاں کیا کرنا ہوگا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''ہم تینوں ان کے نمائندوں سے تعاون کے سوال پر رسمی مذاکرات کریں گے اور آخر میں انہیں اپنا فیصلہ سنادیں گے۔''

''اس کے لیے میرا جانا ضروری نہیں ہے۔ یہ کام تم بھی کرسکتے ہو'' میں نے تذبذب کے ساتھ کہا۔

''وہاں نکتہ آفرینی کی ضرورت ہوگی۔ وہ تعاون کے لیے ہر طرح سے دباؤ ڈالیں گے۔ وہاں تمہاری موجودگی ضروری ہے'' جلال نے اپنا فیصلہ سنادیا۔

میرے لیے وہ کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔ وہاں نک سے بھی سامنا ہوسکتا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں جانے کا مشورہ دیا جارہا ہو!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کرکے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کردیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کردیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کو نشانہ بنانا شروع کردیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کردیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہوکر انہیں ڈیوڈ اشارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہوکر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اشارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ ہمارا اگلا مرحلہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جارہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کردیا تھا۔ اس نے میری تلاش میں جہانگیر کے گولڈ فارمیسی تک رسائی حاصل کرلی تھی جہاں اس سے میرا ٹکراؤ بھی ہوا مگر اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ بن نے ایجنٹوں کے ذریعے اپنی مذموم کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا مگر وہ ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انہیں ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی نائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی نائن پر دھاوا بولا اور ایک جاں گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے خود ہی اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کرلیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کے ہم سب کو چونکا دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے تک باروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیبی کے خلاف ہوگیا ہوں۔ اس نے میرے جھانسے میں آکر مقامی ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں ٹپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر کے مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان نامی ایک مشکوک شخص تواتر کے ساتھ ہوٹل میں قیام کرتا رہا تھا اور اس وقت بھی ہوٹل میں موجود تھا۔ میں نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ بعد کی تحقیق نے ثابت کیا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں تل والی مشکوک لڑکی سلمٰی سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کردیا۔ اس حلیے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہوگئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہوسکتی تھی۔ اسی اثنا میں تک باروے نے تصدیق کردی کہ ڈیبی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کرلیا۔ ان میں سے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہوسکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کی فرضی رضاکارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کرلیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہوگی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا تھا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کرسکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہوگیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا ناکافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہوگئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہوگئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کرلی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں تک باروے سے بات کرکے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کرلی۔ میری اس خواہش پر تک باروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیبی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کرادی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہوسکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کی سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کرلیا تھا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا بانکا شروع ہوگیا تھا۔ اسی وقت تک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوش گوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک تک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کردیا۔ تک کے بقول اس کا افسر ڈیبی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں سے اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کرلی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آگیا تھا۔ دوسرے دن تک نے مجھے بلوا کر پی گن میرے سپرد کردی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈیبی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تھا جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہوکر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ تک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے تک کو آگاہ کردیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کرلے مجھے امید تھی کہ تک اس پر دوسرا حملہ ضرور کرائے گا۔ اسی دوران تک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیبی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیبی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہوگیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کرچکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کرلی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہوچکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار تک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن وامان کے مسائل بھی کھڑے کرنے کرنے جا رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کردوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جارہا ہو۔

اب آپ قسط نمبر 230 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

توقع یہ تھی کہ سوبھراج کو بہلا پھسلا کر کسی طرح بنکاک سے کراچی بلالیا جائے تو اس پر ہاتھ ڈالنا آسان ثابت ہوگا اور دو چار دنوں کی بھاگ دوڑ کے بعد اس کا قصہ نمٹا دیا جائے گا لیکن آثار کچھ اچھے نہیں تھے۔

سوبھراج کا ماضی جو کچھ بھی رہا ہو..... تازہ ترین حقیقت یہ تھی کہ قدرت نے اسے عزت، دولت اور شہرت جیسی نعمتوں سے نوازا ہوا تھا لیکن وہ گندی نالی میں پنپنے والا ایک گندا کیڑا تھا جسے قسمت کے عطا کیے ہوئے وہ بے مثال انعامات راس

نہیں آسکے۔ وہ درپردہ اپنی گھناؤنی مصروفیات میں مشغول رہا اور جب اس کے کرتوت حد سے تجاوز کر گئے اور ہاتفِ غیبی نے اس کی لگام کھینچی تو وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اپنی اصل کی طرف واپس لوٹ گیا۔

وہ بنیادی اور فطری طور پر زیرزمین دنیا کا آدمی تھا جسے محض اپنے مقدر کی خوبی کی وجہ سے خوب پھلنے پھولنے کا موقع مل گیا تھا۔ بُرا وقت آتے ہی وہ کسی تردد کے بغیر اپنی عزت، شہرت اور ساکھ سے دست بردار ہوکر زیرزمین چلا گیا۔

اس نے اپنے بچاؤ کے لیے وہی کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں پہلے سے اس کے متوقع اقدام کا اندازہ نہیں لگا سکا۔ مجھے یہ خوش فہمی رہی تھی کہ وہ منظرعام پر رہ کر اپنے تمام تر اثر و رسوخ اور وسائل سے ہمارا مقابلہ کرے گا لیکن وہ میری توقعات کے برعکس بزدل ثابت ہوا۔ آسانی سے حاصل کی ہوئی دنیاوی نعمتوں سے بہت آسانی کے ساتھ کنارہ کش ہوگیا۔ بھرے شہر میں اس کو تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا۔

اس کا تعلق انسانوں کے اس سفاک قبیلے سے تھا جو اپنی تحویل میں آئے ہوئے ہر ذی روح کو اپنا حقیر غلام تصور کرتے ہیں۔ اس کے نزدیک ماں باپ، بیوی اور بچوں کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ ان سب کو وہ بھیڑ بکریوں کی طرح اپنی ملکیت تصور کرتا تھا۔ جب تک قسمت اس پر مہربان رہی وہ ان سب پر مہربان رہا۔ وقت بگڑا تو وہ ان سب سے آنکھیں پھیر کر، انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر کہیں روپوش ہوگیا۔

سوبھراج کو اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں تھی کہ اس کے یکایک روپوش ہوجانے سے اس کے اہلِ خانہ کن پریشانیوں میں مبتلا ہوسکتے ہیں۔ اس کے وہ رشتے ویسے بھی کمزور ہی تھے۔ میرا یہ مشاہدہ اور اندازہ تھا کہ وہ اپنے قریبی رشتے داروں کو عام طور پر راج محل سے دور اور اپنے آبائی گاؤں میں رکھتا تھا تاکہ اسے راج محل کی محفوظ چار دیواری میں اپنے کھیل کھیلنے کی مکمل آزادی میسر رہے۔ وہ اپنے قرابت داروں کے مقابلے میں خود کو اپنے ملازموں کے حصار میں زیادہ محفوظ اور آزاد تصور کرتا تھا۔ اس نے تنخواہوں اور بھاری انعامات کے ذریعے اپنے ملازموں کی زبانیں بند کی ہوئی تھیں۔ ان کے بارے میں یہ نہیں سوچا جاسکتا تھا کہ انہوں نے سوبھراج کے اہلِ خانہ کو اس کی مذموم سرگرمیوں کے بارے میں کچھ بتایا ہوگا۔

سوبھراج کا صرف ایک ملازم اس کا گہرا رازداں تھا۔ اسے وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ان حالات میں یہ امید عبث تھی کہ سوبھراج کے اہلِ خانہ یا خاندان والوں پر محنت کر کے اس کے ٹھکانے کے بارے میں کوئی بات معلوم کی جاسکے گی۔

سوبھراج ایک شاطر مجرم تھا۔ وہ بھانپ چکا تھا کہ ہوا کا رخ اس کے خلاف ہوچکا تھا۔ اس نے کسی لالچ میں مبتلا ہوئے بغیر اولین موقع پر صحیح فیصلہ کیا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر روپوشی کی راہ اختیار کرلی۔

وہ ایک طویل عرصے سے دہری زندگی گزار رہا تھا۔ ایک طرف وہ معزز سیاست داں کے روپ میں کامیاب زندگی گزار رہا تھا تو دوسری طرف کوبرا بن کر ایف بی آئی، سی آئی اے اور را کے آدمیوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ سوبھراج سے کوبرا کا روپ دھارنے کے لیے وہ درمیان میں حشمت بن کر ہوٹل میں کمرا حاصل کیا کرتا تھا۔ اس کا وہ تیسرا روپ صرف ہوٹل والوں کے لیے مخصوص تھا کیونکہ وہ سوبھراج بن کر وہاں جانا چاہتا تھا اور نہ ہی کوبرا کے راز کو طشت از بام کرنے کا خطرہ مول لے سکتا تھا۔

ہوٹل والوں سے صرف یہ تصدیق ہوسکی تھی کہ سوبھراج کے چہرے پر داڑھی مونچھوں کا اضافہ کرنے کے نتیجے میں حشمت کا چہرہ وجود میں آجاتا تھا۔ وہ سوبھراج کے خلاف سب سے بڑی شہادت تھی لیکن اس نے اپنے ہاتھوں سے راج محل کو آگ لگا کر ان چھوٹی موٹی شہادتوں کو خود ہی بے وقعت بنادیا تھا۔

اس کے برسوں پرانے جرائم کا سارا ریکارڈ راج محل کی آگ میں جل کر خاکستر ہوچکا تھا۔ سوبھراج منظرِعام پر رہ کر باوقار انداز میں اپنا دفاع کرنے کی کوشش کرتا تو وہ ثبوت اس کے خلاف کام آسکتے تھے لیکن اس نے اپنے مسکن کو پھونک کر برسرِعام اپنے جرائم کا اعتراف کرلیا تھا۔ اس کے بعد سوبھراج کو اس کے کیفرِکردار تک پہنچانے کے لیے مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

جرائم سامنے تھے مگر مجرم روپوش تھا۔ اس وقت ملین ڈالر کا سوال یہ تھا کہ سوبھراج شہر کے کس حصے میں چھپا ہوا تھا۔

میرے ذہن میں رات بھر وہی سب باتیں خوابوں کی صورت میں گردش کرتی رہیں اور صبح جب میں بیدار ہوا تو میرا ذہن سوبھراج کے پیدا کیے ہوئے مسائل سے بوجھل تھا۔

"تم کن خیالوں میں کھوئے ہوئے ہو؟" ناشتے کی میز پر مجھے خاموش اور فکرمند پاکر ویرا نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بتایا "رات کو خواب میں سوبھراج پریشان کرتا رہا

ہے۔‘‘

’’اسے تم نے بلاوجہ اپنے سر پر مسلّط کیا ہوا ہے۔‘‘ ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا ’’یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ریاست سے لڑ کر کوئی بھی شخص زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ مجرم ہو یا نہ ہو، آخر کار موت اس کا مقدر بنتی ہے۔‘‘

’’بعض اوقات تم خاصی بہکنے لگتی ہو۔‘‘ سلطان شاہ نے پیالی سے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا ’’تم زندہ ہو، کیسے کہہ سکتی ہو کہ ریاست سے لڑ کر زندگی گنوانے کا ذاتی تجربہ رکھتی ہو۔‘‘

’’تم احمق ہو۔ یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ جمی لائیڈ میرا باپ تھا اور وہ وائٹ ہاؤس کی حدود میں پُراسرار حالات میں مارا گیا تھا۔‘‘ ویرا نے چڑ کر وضاحت کی۔

سلطان شاہ نے متفکرانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور کہا ’’جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے، وہ ریاست کا باغی نہیں تھا، صدر کا منظور نظر تھا اور وہی اسے پروان چڑھانے کا ذمے دار تھا۔‘‘

’’غنیمت ہے کہ تمہیں اتنا یاد ہے۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ اس کے قتل کے پس پردہ امریکی صدر کی ایسی کوئی خواہش کارفرما تھی جسے جمی لائیڈ نے ماننے سے انکار کر دیا ہوگا اسے بلاوجہ قتل نہیں کیا گیا تھا۔‘‘

’’تم بلاوجہ سلطان شاہ سے کیوں الجھنے لگتی ہو۔‘‘ غزالہ نے ہنستے ہوئے ان کی باتوں میں دخل اندازی کی ’’یہ باتیں روزِ اوّل کی طرح آج بھی سب کے ذہنوں میں تازہ ہیں۔‘‘

’’سوبھراج کو بھول جاؤ!‘‘ ویرا نے مجھے مشورہ دیا ’’اس نے تصادم کی راہ اختیار کی ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکتی۔ دیر سویر ہو سکتی ہے لیکن وہ اپنے عبرت ناک انجام سے نہیں بچ سکے گا۔‘‘

’’مجھے تمہاری ہر بات سے اتفاق ہے لیکن یہاں تم غلطی کر رہی ہو۔ اس کے دماغ پر انتقام کا جنون سوار ہے۔ اس تک پہنچنے میں دیر ہوئی تو وہ نہ جانے کیا کیا گل کھلائے گا۔ مندر کی آتش زنی سے اس کے خطرناک منفی رجحان کی نشان دہی ہو چکی ہے۔‘‘

’’بس، کوشش کرتے رہو۔ فکرمندی سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔‘‘ ویرا کے پتلے پتلے، گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی ’’یہ یاد رکھو کہ عورت اس دنیا میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ مرد کو بنانے اور بگاڑنے میں اس کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ تم نے شیبا پر ڈورے ڈالے ہوئے ہیں۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ وہ عورت سوبھراج کو مروانے میں اپنا کردار ضرور ادا کرے گی۔‘‘

’’عورت جب وفا کے روپ میں دغا دیتی ہے تو اس کا ڈسا ہوا کبھی نہیں بچتا۔‘‘ اس کے جواب میں سلطان شاہ بول پڑا ’’اسی لیے میں ڈینی کو ہر قسم کی عورتوں سے دور رہنے کا مشورہ دیتا ہوں۔‘‘

’’کیا میں بھی ان عورتوں میں شامل ہوں۔‘‘ ویرا نے غرا کر پوچھا۔

’’پتا نہیں۔‘‘ سلطان شاہ نے سادگی سے کہا ’’یہ بات آنے والا وقت بتائے گا۔ اس سے پہلے تمہیں اپنی داڑھی کا تنکا نظر آجائے تو بہتر ہوگا۔‘‘

’’کیا اول فول بک رہے ہو!‘‘ میں نے اپنی بے ساختہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا ’’عورتوں کی داڑھی نہیں ہوتی، وہ اس محاورے سے مستثنیٰ ہیں۔‘‘

اسے میری مداخلت گراں گزری اور وہ منہ ہی منہ میں کچھ بول کر رہ گیا۔

میں ناشتا کر کے پوری تیاری کے ساتھ جلال کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے اس کی گاڑی کا ہارن سنتے ہی میں گھر سے باہر نکل آیا۔

’’غنیمت ہے کہ مندر کو آگ لگانے کے بعد سوبھراج نے خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔‘‘ جلال نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

’’یہ خاموشی تک کی شامت کی نشاندہی کر رہی ہے۔‘‘ میں نے ہنستے ہوئے کہا ’’اسے علم ہو چکا ہے کہ تک کل کراچی بلکہ پاکستان سے جانے والا ہے۔ وہ پوری تن دہی سے اس کے خلاف کوئی منصوبہ بندی کر رہا ہوگا۔‘‘

’’کل تک یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ یوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں گے مگر آج یہ ایک اٹل حقیقت نظر آ رہی ہے۔ کم از کم اس معاملے میں، میں اس کی کامیابی کے لیے دعاگو ہوں۔‘‘

’’تم نیک اور شریف سرکاری افسر ہو۔ تمہاری دعا ضرور قبول ہوگی۔‘‘ میں نے ہنس کر اس کی حوصلہ افزائی کی۔

’’تم نے ان دونوں کے درمیان بدگمانیاں پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ تمہاری ان کوششوں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔‘‘

’’مجھے یہ الزام نہ دو۔ میں نے کوئی بدگمانی پیدا نہیں کی۔ بس حقائق کو ان کے علم میں لاتا رہا۔‘‘

’’اسی سے بات بگڑی ہے۔ اگر تم تک کو یہ نہ بتاتے کہ سوبھراج نے میری کلارک کے روپ میں راج محل میں آنے

والی ویرا کو پکڑ لیا تھا اور اپنی رازداری کے باوجود اس کو اپنے ہاتھوں سے کھو بیٹھا تو شاید آج کے حالات مختلف ہوتے۔''

''اس میں جھوٹ شامل نہیں تھا۔ یہ ایک کھلی حقیقت تھی۔''

''کبھی کبھی حقیقتیں بھی گلے کی ہڈی بن جاتی ہیں۔ ان سے فرار مشکل ہو جاتا ہے۔ میری دلی آرزو ہے کہ سوبھراج اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔'' جلال کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس معاملے میں بہت سنجیدہ تھا۔

''دیکھنا ہوگا کہ اب قونصل خانے میں کس کس سے سامنا ہوتا ہے۔'' میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

''کوئی بھی ہو، ہمارا فیصلہ اٹل رہے گا۔ ڈی آئی جی سے میری مفاہمت ہو گئی ہے۔ ان کی امدادی پیش کش کے بارے میں وہ میرا اہم خیال ہے۔''

ان موضوعات پر منتشر سی گفتگو کے دوران میں ہمارا سفر طے ہو گیا۔ اس وقت جلال کسی مصلحت کی بنا پر سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی میں ڈرائیور کے بغیر آیا تھا۔ ہم قونصل خانے کے پھاٹک پر پہنچے تو میرا خیال تھا کہ گاڑی کو کسی روک ٹوک کے بغیر اندر جانے کی اجازت مل جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

سرکاری نمبر پلیٹ کا صرف اتنا فائدہ ہوا کہ گاڑی کو پھاٹک سے اندر جانے کی اجازت دے دی گئی مگر پھر بھاری رکاوٹوں اور مسلح محافظوں نے ہمارا راستہ روک لیا۔ ایک باوردی امریکی افسر کے ایما پر ہم دونوں کو گاڑی سے اترنا پڑا۔

ایک ٹیم اپنے حسّاس آلات کی مدد سے گاڑی کی تلاشی لینے میں مصروف ہو گئی۔ وردی والے ہماری جامہ تلاشی لیتے ہوئے نرم، معذرتی کلمات ادا کر رہے تھے۔

ان کا سارا زور ایک نکتے پر تھا کہ پورا شہر دہشت گردی کی لپیٹ میں آیا ہوا تھا۔ مجرموں کے ہاتھ بہت لمبے تھے اور مقامی انتظامیہ اپنی سر توڑ کوششوں کے باوجود ان پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی اس لیے ان لوگوں کو اپنے طور پر غیر معمولی حفاظتی تدابیر اختیار کرنا پڑ رہی تھیں۔

جلال سرد انداز میں، تحکم آمیز خاموشی کے ساتھ ان کی باتیں سنتا رہا۔ ان لوگوں نے اپنا کام بہت تیزی سے نمٹایا اور ڈیڑھ دو منٹ کے مختصر سے وقفے کے بعد ہمیں گاڑی سمیت اندر جانے کی اجازت مل گئی۔

پارکنگ لاٹ میں ایک اور گورا ہمارا منتظر تھا۔ ہماری گاڑی پارک ہوتے ہی وہ تیر کی طرح ہماری طرف آیا تھا۔ اس نے جلال سے اس کے نام کی توثیق چاہی اور تصدیق ہوتے ہی پُرتپاک انداز میں ہم سے باری باری ہاتھ ملانے لگا۔

بظاہر وہ استقبال کرنے کا ایک خوش گوار انداز تھا لیکن مجھے اس کی تہ میں ان کی اشتباہ آمیز حکمتِ عملی کارفرما نظر آ رہی تھی۔

وہ باہر سے آنے والے کسی بھی شخص کو یہ موقع دینے کے لیے آمادہ نہیں تھے کہ وہ غیر ضروری طور پر قونصل خانے میں آزادی سے بھٹکتا پھرے۔

ہر مہمان کو پھاٹک سے پارکنگ لاٹ تک اخلاق اور نرمی سے گھیر گھار کر براہِ راست اس مقام پر پہنچانے کا بندوبست کیا گیا تھا جہاں اس کی ملاقات کا وقت پہلے سے متعین تھا۔

اپنے حد سے بڑھے ہوئے خوف کو احتیاطی تدابیر کا نام دے کر ان دنوں قونصل خانے نے ویزا کے اجرا اور درخواستوں کی وصولی کا کام سرے سے معطل کیا ہوا تھا اس لیے عمارت کے احاطے میں عجیب سی ویرانی اور بے رونقی کا راج تھا۔

اپنے امریکی مددگار کی رہنمائی میں ہم دونوں عمارت کے خاصے اندرونی حصے میں ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے تو میری رسٹ واچ نو بجے سے دو منٹ اوپر کا وقت بتا رہی تھی۔

کمرا آراستہ و کشادہ تھا۔ اس میں ایک بڑی میز کے گرد آٹھ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن میں سے چار پر کچھ افراد براجمان تھے۔

ان میں سے ایک شہر کا ڈی آئی جی تھا جو اپنی وردی کی بنا پر دور ہی سے پہچانا جا سکتا تھا۔ بقیہ دو چہرے میرے لیے اجنبی تھے۔ ان میں سے چوتھا فردینک تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے سب سے پہلے اپنی کرسی چھوڑی تھی اور غیر رسمی انداز میں میری طرف لپکا تھا۔

''یہ بہت ہی اچھا ہوا کہ جلال کے ساتھ تم بھی آ گئے۔'' اس نے پُرتپاک انداز میں مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''میری دلی خواہش تھی کہ کراچی چھوڑنے سے پہلے میں تم سے مل لوں۔ میں جلال کا ممنون ہوں کہ اس نے یہ موقع فراہم کر دیا۔''

''مجھے امید نہیں تھی کہ یہاں تم سے ملاقات ہو سکے گی۔'' میں نے کہا۔

''ثام کو بھی آنا تھا مگر اسے رات سے پیچش ہو گئی ہے۔'' اس نے اطلاع دی۔

تعارف کا سلسلہ شروع ہوا تو پتا چلا کہ گیری نامی امریکی شخص پینٹا گون کا نمائندہ تھا اور اس اجلاس میں وہی سب سے سینئر تھا۔ جیک نامی شخص کا تعلق امریکا کے محکمہ انصاف سے تھا۔

رسمی مزاج پرسی ختم ہونے کے بعد سب نے اپنی اپنی جگہیں سنبھال لیں۔ وہ اجلاس بہت قلیل نوٹس پر منعقد ہورہا تھا لیکن ہر شخص کے بشرے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ پوری تیاری کے ساتھ وہاں آیا تھا۔

''لیس سر!'' قدرے توقف کے بعد گیری نے ڈی آئی جی سے مخاطب ہوکر کہا ''دونوں مجرموں کے بارے میں ہماری پیش کش......''

''ذرا ایک منٹ!'' نک نے اس کی بات کاٹ کر معذرت خواہانہ لہجے میں کہا ''اصل موضوع پر بات شروع کرنے سے پہلے کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ ان لوگوں کو تازہ ترین واقعے سے بھی باخبر کردیا جائے۔''

''میری گفتگو کا اگلا نکتہ یہی تھا۔'' گیری نے سر ہلاتے ہوئے کہا ''تم کہتے ہو تو اب میں اسی سے ابتدا کرتا ہوں۔ ان لوگوں کو معلوم ہوجانا چاہیے کہ ان کی ناک کے نیچے پرورش پانے والے مجرموں کے حوصلے کتنے بڑھ چکے ہیں۔''

اس کے الفاظ میں چھپا ہوا تحقیر اور تنفر کا عنصر بہت ناگوار گزرا لیکن میں زبان بند کرکے اس کی بات پوری ہونے کا منتظر رہا۔

''گھر سے یہاں آتے ہوئے نک پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔'' گیری نے ڈی آئی جی سے مخاطب ہوکر سرد لہجے میں کہا ''نشانہ بہت بے خطا تھا۔ نک کو یہاں لانے والی گاڑی بلٹ پروف نہ ہوتی تو شاید ہم اس وقت نک کی نوحہ گری کررہے ہوتے۔''

''اوہ...... یہ کب ہوا؟ یہ واقعہ کہاں پیش آیا؟'' ڈی آئی جی نے مضطرب ہوکر اپنی کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا ''مجھے اس کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں ملی۔''

گیری کی سنائی ہوئی اس خبر نے مجھے بھی چونکا دیا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ سوبھراج ہر خطرے کو نظر انداز کرکے اتنی تیزی سے کام دکھانے کی کوشش کرے گا۔

''کہیں کوئی رپورٹ نہیں کی گئی!'' نک نے کہا ''کسی بے آواز ہتھیار سے دو گولیاں چلائی گئی تھیں۔ بلٹ پروف شیشے ان گولیوں کو نہ روکتے تو وہ میرے سر یا چہرے میں پیوست ہوسکتی تھیں۔ یہ فائر اس وقت کیے گئے جب میری گاڑی احاطے سے نکل رہی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی پہلے سے وہاں میری گھات لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ میرا ڈرائیور تیزی سے گاڑی نکال لے گیا اور میں یہاں پہنچ گیا۔''

''اس خوش نصیبی پر تم مبارک باد کے مستحق ہو۔'' میں نے بے ساختہ مسرت سے کہا۔ مجھے اس کے بچنے سے زیادہ اس بات کی خوشی تھی کہ سوبھراج نے نک کے خلاف اپنا کام شروع کردیا تھا۔

''تمہاری دانست میں یہ کس کا کام ہوسکتا ہے؟'' جلال نے بقراطی انداز میں پوچھا۔ اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ اس واقعے پر تشویش کا اظہار کرے۔

''ڈینی اینڈ سوبھراج!'' نک کے بجائے گیری نے کہا۔ ''اس وقت صرف وہی دو حریف ہمارے سامنے ہیں۔ ان کی گردنوں کو ناپنا ضروری ہوگیا ہے۔''

''ان کی تلاش کے لیے ہم اپنے سارے وسائل بروئے کار لاچکے ہیں۔'' ڈی آئی جی پورے پس منظر سے بے خبر تھا اس لیے اس کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

''دونوں بہت ہائی پروفائل مجرم ہیں۔ ان کے لیے تمہارے وسائل ناکارہ ہیں۔'' جیک نے سرد مہری سے کہا۔ ''ہماری مدد کے بغیر تم ان کو نہیں پکڑسکو گے۔ انصاف کے تقاضوں کو جلد از جلد پورا کرنے کے لیے تمہیں گیری کی پیش کش کو قبول کرلینا چاہیے۔''

''تمہاری بات درست ہے۔'' ڈی آئی جی سے پہلے جلال بول پڑا ''ہم خود بھی یہی محسوس کررہے ہیں لیکن حالات ایسی کسی ڈیل کے لیے سازگار نہیں ہیں۔ لوگ شور مچادیں گے کہ پولیس کا محکمہ امریکیوں کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ ہم آلات لے لیں گے مگر ان کو ہمارا عملہ استعمال کرے گا......''

''غیر تربیت یافتہ افراد ان آلات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاسکتے۔'' گیری نے بے رخی سے کہا۔

''میں تربیت کے لیے اپنے آدمی نامزد کردوں گا۔'' ڈی آئی جی نے کہا۔

''یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ جب تک تمہارے آدمی ان آلات وغیرہ کا استعمال سیکھیں گے، سوبھراج اور ڈینی مل کر یہاں ایک قیامت برپا کردیں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پولیس ہیڈ کوارٹرز میں آٹھ دس ہفتوں کے لیے تین امریکی ماہروں کے بیٹھنے سے کیا فرق پڑے گا۔ تعلیم وتربیت کے لیے دنیا بھر میں ایسی تعیناتیاں ہوتی رہتی ہیں۔ کہیں کوئی شور نہیں ہوتا۔''

''اس خطے کے حالات مختلف ہیں۔'' میں نے نرمی سے کہا ''یہاں عام طور پر امریکیوں کو پسند نہیں کیا جاتا۔ تم نے

سرکاری طور پر امریکی شہریوں کو ہدایت کی ہوئی ہے کہ وہ ناگزیر ضرورت کے بغیر ادھر ادھر کا رخ نہ کریں اور ادھر آنا ہی پڑے تو اپنی نقل و حرکت کو محدود رکھیں۔ یہ حالات ہمیں غیر ملکی تعاون کی اجازت نہیں دیتے۔''

''یہ تمہاری سوچ ہو سکتی ہے لیکن ہم انصاف کے تقاضوں کے پیشِ نظر ایسا تعاون ضروری سمجھتے ہیں۔'' اس طرح وہ کالی بھیڑیں بھی بے نقاب ہو سکیں گی جو تمہاری صفوں میں شامل ہو کر مجرموں کے ہاتھ مضبوط کر رہی ہیں۔''

''ایسے لوگوں کے احتساب کے لیے ہمارا اپنا نظام ہے۔'' ڈی آئی جی نے قدرے خفگی سے کہا ''ہم اپنی فورس کی تطہیر کے لیے دوسروں کی مدد کے محتاج نہیں ہیں۔''

''یہ تمہارا خیال ہے لیکن ایک بڑی تعداد ڈینی کے حوالے سے یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہے کہ تم لوگ سرکاری سطح پر جو کچھ کہتے رہتے ہو، عملی حقائق اس سے بہت مختلف ہوتے ہیں ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص قانون کی گرفت سے مسلسل بچا رہے۔'' اس بار گیری نے جیک کی بات آگے بڑھائی تھی۔

''اس کے سلسلے میں تم لوگ بھی ناکام رہے ہو۔ تم نے اس کے خلاف ہر روایتی اور غیر روایتی حربہ آزما کر دیکھ لیا ہے لیکن نتیجہ صفر رہا ہے۔'' جلال نے جواب دیا ''تم لوگوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ وہ امریکا بھی ہو آیا ہے۔ اس نے وہاں ایک ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ وہاں بھی تم اسے گھیرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔''

''وہ غیر معمولی کیس ہے۔'' نک نے اپنے ساتھیوں کو خفت سے بچانے کی کوشش کی ''اس کا عام مجرموں سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔''

''تم لوگ یہ بات اپنے ذہن میں بٹھا لو تو پھر تمہیں ہماری کارکردگی میں کوئی نقص نظر نہیں آئے گا۔'' جلال نے کہا۔

''میں کسی پر الزام تراشی نہیں کر رہا تھا۔'' جیک نے اپنی صفائی پیش کی ''میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے پاس معلومات ہیں۔ ہمارے پاس اعلیٰ ترین پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ جدید وسائل بھی ہیں، اپنے مشترک مجرموں کے خلاف ہمیں مل کر کام کرنا چاہیے۔ اس طرح بہت جلد اچھے نتائج سامنے آئیں گے۔''

''اس بارے میں، میں تمہیں اپنے تحفظات سے آگاہ کر چکا ہوں۔'' اس بار میں نے جواب دیا ''تم ہمارے افسروں کی تربیت کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے۔''

''یہ بہت حسّاس معاملہ ہے۔'' گیری نے نئی قلابازی کھائی ''ہم اپنے جدید ترین آلات کسی وسیع تر مفاہمت کے بغیر کسی اور کو نہیں سونپ سکتے۔''

''پھر ان کا ذکر بے سود ہے۔'' وہ صاف بات ہو جانے کے بعد جلال نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا ''تم ساز و سامان نہیں دے سکتے، ہم تمہارا عملہ قبول نہیں کر سکتے۔ بات ختم ہو جاتی ہے۔''

''کیا تم بھی جلال کے ہم خیال ہو؟'' گیری نے ڈی آئی جی سے پوچھا۔

''اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' ڈی آئی جی نے پرزور لہجے میں کہا ''پولیس کا دائرہ کار محدود ہوتا ہے۔ ایجنسیوں کو اپنے کاموں کی تکمیل کے لیے بہتر وسائل درکار ہوتے ہیں۔ تمہاری تجویز کا زیادہ تعلق جلال اور کرنل داور سے ہے۔ میرا محکمہ ان سہولتوں سے صرف ضمنی فائدے حاصل کر سکتا تھا۔''

''پولیس کا کردار اتنا محدود نہیں ہوتا۔ سولجر بازار کے علاقے سے ہمارے آدمی کو تمہاری فورس نے اپنی تحویل میں لیا تھا۔'' جیک بولا۔

ڈی آئی جی کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ ''کیا تم اس ناخوش گوار واقعے کو بھی زیرِ بحث لانا چاہتے ہو؟''

''قطعی نہیں۔'' جیک نے صاف انکار کر دیا ''میں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ کوئی بھی واقعہ رونما ہونے کے بعد سب سے پہلے پولیس حرکت میں آتی ہے۔''

''اور معاملہ اس کے اختیار سے باہر ہو تو اسے متعلقہ لوگوں کے سپرد کر دیتی ہے۔'' ڈی آئی جی نے اس کی بات میں اضافہ کیا۔

''یہ ذکر نکل ہی آیا ہے تو یہ بتاؤ کہ اس بارے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے۔'' جیک بولا۔

''کچھ نہیں۔'' ڈی آئی جی کے منہ توڑ جواب نے مجھے حیران کر دیا۔ ''زندہ پکڑے...... جانے والے کمانڈو کے بیان میں جو جھول ہیں، وہ تمہاری نظروں سے اوجھل نہیں ہوں گے۔ اس کیس پر کسی ذہین افسر نے کام شروع کر دیا تو وہ کہانی بے نقاب ہو جائے گی جسے چھپانے کے لیے کمانڈو نے ایک بے سر و پا بیان دیا ہے۔''

''واقعات کچھ بھی رہے ہوں، یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا ہے کہ وہ دونوں ڈینی کا نشانہ بنے تھے۔'' نک نے زور دے کر کہا ''ڈینی ہمارے ایک کمانڈو کا قاتل ہے۔ وہ پکڑا گیا تو اس سے اس خون کا حساب ضرور لیا جائے گا۔''

''ہم سب اس کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔'' جلال بولا ''سولجر بازار میں کمانڈوز والا واقعہ پیش نہ آتا تب بھی ڈینی کی تلاش کی مہم جاری رہتی۔''

''ویری گڈ!'' نک ایک گہرا سانس لے کر بولا ''میں بھی یہی کہہ رہا ہوں۔ ہمارے آدمی کے بیان سے قطع نظر ڈینی کی تلاش ضروری ہے۔''

''اور اب سوبھراج کا نام بھی اس فہرست میں شامل ہو چکا ہے۔'' میں نے یاد دلایا۔

نک سر ہلا کر رہ گیا۔ فون پر وہ مجھ سے کھل کر باتیں کرتا رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ سوبھراج کس وجہ سے ان لوگوں کے عتاب کا نشانہ بنا تھا لیکن اس اجلاس میں نک سمیت کسی نے بھی سوبھراج کے بارے میں اندر کی وہ باتیں نہیں چھیڑی تھیں۔

گفتگو کے دوران میں کافی لائی گئی مگر میں نے کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ میں پوری طرح محتاط تھا کہ وہاں کسی چیز پر اپنے فنگر پرنٹس نہ چھوڑوں جنہیں وہ بعد میں اپنے ریکارڈ کا ایک حصہ بنا سکیں۔

''مجھے مایوسی ہوئی ہے کہ ہمارا یہ اجلاس نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوسکا۔'' گیری نے اپنے شانے اچکا کے کہا ''میرا اندازہ تھا کہ ہم مل کر بیٹھیں گے تو آئندہ کے لیے ایک دوسرے کے کام کرنے کی راہ نکل آئے گی۔''

''دیکھا جائے تو ہم اب بھی ایک دوسرے سے مل کر کام کر رہے ہیں۔'' ڈی آئی جی نے جواب دیا ''ہمارے ہدف مشترک ہیں۔ ہم سب قانون کی بالادستی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ بس اتنا سا فرق ہے کہ ہمارے طریقے الگ ہیں۔''

''برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں!'' میں نے گیری سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ایک نہیں، دو باتیں پوچھ لو۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تمہاری طرف سے اس اجلاس کا انعقاد کیا اس بات کا غماز نہیں ہے کہ اب پینٹا گون والے بھی ان معاملات میں دلچسپی لے رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''امریکا کی حدود سے باہر ہونے والی ہر سرگرمی میں میرا محکمہ کسی نہ کسی حد تک ملوث ہوتا ہے۔ اپنے مطلوب مجرموں کو امریکا لا کر انصاف کے کٹہرے تک پہنچانا بھی ملکی دفاع کے زمرے میں آتا ہے اور پھر یہ معاملہ زیادہ اہم ہے۔'' گیری نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا ''ہم جن آلات اور سہولتوں کی باتیں کر رہے ہیں، وہ سب حسّاس دفاعی نوعیت کی حامل ہیں اور پینٹا گون کی تحویل میں ہیں۔ بات بن جانے کی صورت میں سارا بندوبست مجھ ہی کو کرنا ہوتا۔''

گیری کا وہ اعتراف خیال انگیز تھا۔ بات رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی تھی۔ کراچی میں اپنے کئی باوردی ملازمین کی جانوں سے ہاتھ دھو لینے کے بعد امریکی محکمہ دفاع براہِ راست ان معاملات میں کودنے کی تیاری کر رہا تھا۔

یہ غنیمت ہوا کہ ان کی پیش کی ہوئی تجویز مسترد کر دی گئی تھی ورنہ پینٹا گون والے کراچی میں اپنے پیر جمانے کے بعد اپنے مطلوب مجرم کی گرفتاری کے نام پر کوئی بھی محدود فوجی آپریشن شروع کر سکتے تھے۔

ان کو ایک بار مداخلت کی اجازت دے دینے کے بعد محض انتظامی سطح پر ان کو روکنا بہت مشکل ہو جاتا۔ فنی امداد اور سہولتوں کی فراہمی کے نام پر کراچی میں مامور کیے جانے والے امریکی افسر پوری انتظامیہ کے لیے ایک عذاب بن جاتے۔

میں نے اس کمرے میں داخل ہونے کے بعد نک کی صورت دیکھتے ہی اندازہ لگایا تھا کہ اس اجلاس میں وہ معاملات بھی زیرِ بحث آ سکتے تھے جن پر میرے یعنی کرنل داور اور نک کے درمیان مذاکرات چلتے رہے تھے۔

ان لوگوں کے لیے وہ بہت حسّاس موضوعات تھے جن میں سوبھراج اور ڈینی کے تبادلے والا معاملہ سب سے اہم تھا۔ میرے لیے یہ باور کرنا ممکن نہیں تھا کہ گیری اور جیک کو ان سب باتوں کی کوئی بھنک نہیں ملی ہوگی۔

ان دونوں نے سب کچھ جانتے بوجھتے اپنی زبانیں سختی سے بند رکھی ہوئی تھیں اور ان خفیہ معاملات کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

کافی دیر بعد ان کی پراسرار خاموشی کا جواز میری سمجھ میں آ گیا۔

یہ بات وہ سب جانتے تھے اور برملا اس کا اظہار کرتے رہتے تھے کہ ڈینی کے بارے میں پاکستانی حکام کے دلوں میں نرم گوشے موجود تھے۔ ان صفوں میں صرف کرنل داور ایسا آدمی تھا جو ڈینی کی حد سے بڑھی ہوئی آزادروی اور خودسری کو پسند نہیں کرتا تھا۔

نک کے ساتھ طے ہونے والی ڈیل کرنل داور نے اپنی ذاتی حیثیت میں کی تھی۔ اس کا دوسرے افسران سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ شاید ان کے ذہنوں میں ڈینی کی قید اور پھر یکایک فرار کے بارے میں بہت سے سوالات کلبلا رہے ہوں مگر وہ جلال اور ڈی آئی جی کے سامنے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھ سکتے تھے۔

وہ سب اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ اپنے اصل مشن میں ناکام رہنے کے باوجود نک نے یہ کامیابی ضرور حاصل کی تھی کہ وہ ایس ٹی ایف کی ناقابلِ شکست صفوں میں دراڑ ڈال کر، ڈینی کے خلاف کرنل دادر کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

وہ ایک طویل مدت کے بعد اپنے ہاتھ آئے ہوئے اس مہرے سے محروم نہیں ہونا چاہتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ذہن میں یہ بات موجود رہی ہوگی کہ ڈینی ایک بار کرنل دادر کے چنگل سے نکل گیا تھا لیکن بعد میں وہ دوبارہ اس کے قابو میں آسکتا تھا۔

وہ ان درپردہ معاملات کو موضوعِ سخن بنا کر ایسے امکانات ختم نہیں کرنا چاہتے تھے۔

''تمہارے چہرے پر کچھ ضربات نظر آرہی ہیں۔'' کافی نوشی کے دوران میں گیری نے مجھ سے کہا ''کیا تم اس سینئر پوزیشن میں بھی مار دھاڑ کے کاموں میں حصہ لیتے رہتے ہو؟''

مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے وہ سوال پوچھ لیا۔ وہ چوٹیں سنیل کے گھر کے باہر، امریکی کمانڈوز سے ہونے والے مقابلے کا نتیجہ تھیں مگر میں نے نک کو ان کے بارے میں کوئی اور کہانی سنائی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کسی وقت نک سے سامنا ہوا تو میرے چہرے پر نظر آنے والے وہ نشانات اسے شک و شبہے میں ڈال دیں گے۔ ایسے کسی امکان کا تدارک کرنے کے لیے میں نے فون پر اسے یہ بتایا تھا کہ ڈینی میرے ساتھ مقابلہ کرکے میری قید سے فرار ہوا تھا۔

گیری کے سوال پر میں نے مسکرا کر نک کی طرف دیکھا اور کہا ''ضرورت پڑ جائے تو پوزیشن کا خیال کیے بغیر سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ چہرے پر نظر آنے والی چوٹیں معمولی ہیں مگر یہ اس گہری چوٹ کی غماز ہیں جسے میں ایک مدت تک فراموش نہیں کرسکوں گا۔''

''تم ذومعنی مسکراہٹ کے ساتھ نک کی طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟'' جیک نے سوال کیا ''کھل کر ہمیں بھی کچھ بتاؤ۔''

''یہ غیر ضروری اور ذاتی باتیں ہیں۔ ان کے لیے یہ فورم مناسب نہیں ہے۔'' نک نے جلدی سے اپنے ساتھی کی بات اڑا دی۔

وہ تینوں اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہے تھے۔ کافی کا دور ختم ہونے کے ساتھ اجلاس بھی ختم ہوگیا۔ ان تینوں نے عمارت کے بیرونی دروازے تک آکر ہمیں گرم جوشی سے رخصت کیا۔ وہاں ہماری رہنمائی یا نگرانی کے لیے ایک باوردی گورا مستعدی سے کھڑا ہوا تھا۔ میری توقع کے برعکس نک نے بھول کر بھی اپنی بی گن کا کوئی ذکر نہیں نکالا تھا۔

گورے نے غیر ضروری طور پر پارکنگ لاٹ تک ہماری رہنمائی کی۔ وہاں ڈی آئی جی کی سرکاری جیپ میں ڈرائیور اس کی واپسی کا منتظر تھا۔ وہ ہم سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوگیا۔

ہمارے سروں پر مسلط امریکی محافظ کی موجودگی کی وجہ سے ہم تینوں کے درمیان کسی غیر رسمی تبادلہ خیال کی نوبت نہیں آسکی تھی۔

قونصل خانے کی بلند فصیل سے باہر نکلتے ہی جلال نے آزادی کا ایک گہرا سانس لیا اور کہا ''اس اجلاس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں کافی پلانے کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ میں تو اس سے بھی محروم رہا۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا ''اجلاس میں جو کچھ کہا گیا، وہ فون پر بھی بتایا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے چھ آدمیوں کا اجلاس بلانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''گیری نے اپنی تجویز پر مذاکرات کی پیشکش کی تھی جو ڈی آئی جی نے قبول کرلی۔ وہ عجلت میں بات کی تہ تک نہیں پہنچ سکا کہ آلات اور سہولتوں کی آڑ میں وہ اپنے آدمیوں کو پولیس کے محکمے میں بٹھانا چاہ رہا ہے۔''

''یہ بات تم نے اس کے ذہن میں ڈالی ہوگی!''

''نہیں۔ وہ خود ہی اس تجویز کے مضمرات سمجھ گیا تھا۔ اس نے مجھ سے مشورہ کیا اور پھر ہم نے اجلاس میں شریک ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ بات سہولتوں تک محدود رہتی تو ان کو قبول کیا جاسکتا تھا۔ اسٹاف کے بارے میں ڈی آئی جی کا موقف بہت سخت تھا۔''

''وہ اپنی تجویز اوپر لے جائیں گے۔ آئی جی اور محکمہ داخلہ والے اس فریب میں آسکتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہر شخص ان کی چال کو سمجھ سکے۔''

''ڈی آئی جی اس اجلاس کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کرچکا ہے۔ وہ اس کی رپورٹ اوپر ضرور بھیجے گا۔ اس کی روشنی میں کوئی فیصلہ تبدیل کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ ایک بات ریکارڈ پر آجاتی ہے تو اسے نظر انداز کرنا آسان نہیں ہوتا۔''

''اب وہ زور پکڑ رہے ہیں۔'' میں نے چند ثانیوں کے بعد کہا ''پینٹاگون کے کسی ذمے دار افسر کی کراچی میں موجودگی میرے لیے تعجب خیز ہے۔''

''اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ان کی نظروں میں پاکستان

کی اہمیت بڑھ رہی ہے۔ افسروں کی تعیناتی کے بارے میں ہم ان سے کوئی سوال نہیں کر سکتے۔ سرکاری محکموں میں افسران کے تبادلے ہوتے رہتے ہیں۔ کہہ دیا جائے گا کہ گیری کو کچھ عرصے کے لیے فارن سروس میں بھیج دیا گیا ہے۔''

''ان کی نظروں میں اہم ہونا ہمارے لیے اچھا شگون نہیں ہے۔ وہ یہاں پنجے گاڑنے کی کوششیں شروع کر چکے ہیں۔''

''یہاں ان کی ریشہ دوانیوں کا توڑ کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ ہر محکمے میں ڈی آئی جی جیسے راست گو اور بے خوف افسر موجود ہیں جو ان کی سازشوں کو ناکام بنا دیں گے۔''

''میں مانتا ہوں کہ اس ملک میں جہاں کرپشن کی جڑیں بہت گہری ہیں محبِ وطن اہلکاروں کی بھی کمی نہیں ہے لیکن کسی بھی سازش کی بیخ کنی کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ لوگ دشمنوں کے چہرے اور ان کے عزائم پہچانتے ہوں۔ یہاں خرابی یہ ہے کہ سب کچھ پس پردہ ہو رہا ہے۔ جو باتیں ہم لوگ جانتے ہیں، دوسرے ان سے بے خبر ہیں۔''

''عقابی نظریں رکھنے والے بین السطور بھی بہت کچھ پڑھ لیتے ہیں۔ اس وقت یہ سوال ہر حساس پاکستانی کو پریشان کر رہا ہے کہ دو امریکی کمانڈوز سولجر بازار کے علاقے میں کیا کرتے پھر رہے تھے۔ کسی کے کچھ نہ کہنے کے باوجود لوگ اپنے طور پر صحیح نتائج اخذ کر لیتے ہیں اور یہی رائے عامہ کسی ملک کے دفاع کی سب سے مضبوط ڈھال ہوتی ہے۔''

بات کرتے کرتے جلال چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''دو ریاستوں کی سرد جنگ میں افراد کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ وہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہمیں اپنی توجہ سوبھراج پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ اس وقت وہ سب سے خطرناک مقامی فتنہ ہے۔ اس کی جلد از جلد سرکوبی ضروری ہے۔''

''تمہاری بات درست ہے۔ ہم لوگ رہیں یا نہ رہیں، یہ ملک قائم رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے وقت میں امریکا کی ترجیحات بدل جائیں اور وہ ہمارا دوست بن جائے لیکن جب تک ہمارے دم میں دم ہے اور امریکا کی نیت خراب ہے، ہمیں کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہیے۔ یہ ہماری مٹی کا ہم پر قرض ہے جسے ادا کرنا ضروری ہے۔''

''میں یہ نہیں کہہ رہا کہ سب کچھ دوسروں پر چھوڑ دو۔'' جلال نے جلدی سے کہا ''جو کچھ کر سکتے ہو وہ کرتے رہو اور تم کر ہی رہے ہو لیکن صرف مضبوط دیوار سے سر نہ ٹکراتے رہو۔ اس میں دراڑیں ڈالنے کے ساتھ دوسری کمزور دیواروں کو بھی گراتے رہو۔''

ہماری پے در پے کوششوں کے نتیجے میں سوبھراج کے جمے جمائے پاؤں اکھڑ گئے تھے لیکن پھر بھی وہ بہت زیادہ کمزور نہیں ہوا تھا۔ شیبا کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق وہ خاصا زخمی ہو چکا تھا لیکن پھر بھی اس کا حوصلہ بلند تھا۔

اپنا سب کچھ کھو کر بھی وہ تہی دست نہیں ہوا تھا۔ راج محل سے ایک خطیر رقم لے کر نکلا تھا۔ اس رقم کے ذریعے وہ اپنے من پسند لوگوں کی خدمات خریدنے کی پوزیشن میں تھا۔ کام کے لوگ پہلے سے اس کی نظروں میں تھے۔ وہ نہ جانے کب سے کوبرا کے روپ میں ان سے امریکی ایجنسیوں اور را کے لیے کام لے رہا تھا۔

امریکی قونصل خانے میں ہونے والے اجلاس میں گیری صدر نشین تھا اس لیے نک پر ہونے والے قاتلانہ حملے پر زیادہ تفصیل سے بات نہیں ہو سکی تھی لیکن یہ جاننے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں تھی کہ نک پر ہونے والی فائرنگ نے امریکیوں کو مزید خوفزدہ کر دیا ہوگا۔

نک نے سوبھراج پر دو وار کیے تھے۔ ایک میں وہ زخمی ہوا، دوسرے میں صاف بچ کر نکل گیا۔ اس نے وہ حساب بے باق کرنے کے لیے نک پر جوابی وار کرنے میں بہت تیزی سے کام لیا تھا۔

یہ بات سوبھراج کے دماغ میں بیٹھ گئی تھی کہ نک کراچی سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا۔ اس کے پاس وقت کم تھا۔ نک ایک بار کراچی سے نکل جاتا تو سوبھراج کے لیے اس پر ہاتھ ڈالنا ناممکن ہو جاتا۔

سوبھراج زخمی تھا لیکن اس کا تخریبی ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ نک پر گولیاں برسانے کے لیے وہ خود میدان میں اترا ہوگا۔ وہ زخمی تھا۔ اس کے ساتھ سنیل بھی مجروح تھا۔ سوبھراج نے وہ کام یقینی طور پر کرائے کے کسی آدمی سے لیا تھا۔

اجلاس میں اس واردات کی جو مختصر روداد سامنے آئی تھی اس سے یہ واضح ہو گیا تھا کہ سوبھراج نے اس کام پر کسی ماہر نشانے باز کو مامور کیا تھا اور اگر نک کو بلٹ پروف کار کا تحفظ میسر نہ ہوتا تو اس کا کام تمام ہو گیا ہوتا۔

''سوبھراج کے لیے اب تم نے کیا سوچا ہے؟'' کچھ دیر بعد میں نے جلال سے پوچھا۔

''نک پر ہونے والے حملے نے مجھے حیران کر دیا ہے۔

اپنی زندگی کے بدترین مراحل سے گزرنے کے باوجود سوبھراج کے اعصاب بہت مضبوط ہیں۔ میں نے ایسے مجرم کم دیکھے ہیں۔''

''نک کے لوٹ جانے کے بعد اس کی توجہ دوسری طرف مبذول ہو جائے گی۔ وہ دہشت گردی پر تلا ہوا ہے۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''مندر میں آگ لگنے کا واقعہ معمولی نہیں تھا۔ ایسے کسی نئے واقعے کے سدِباب کے لیے پوری شہری انتظامیہ کے ساتھ وفاقی ادارے بھی حرکت میں آئے ہوئے ہیں۔ سوبھراج ایک مشہور و معروف آدمی ہے۔ کہیں بھی اس کی جھلک نظر آ گئی تو پھر وہیں ڈیرے ڈال دیئے جائیں گے۔ مجھے توقع ہے کہ وہ اب زیادہ دیر تک آزاد نہیں رہ سکے گا۔''

''نک کی نگرانی ہو رہی ہوتی تو اس پر حملہ کرنے والا ہاتھ آ سکتا تھا۔'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''نک غافل نہیں ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسے خطرات کا اندازہ ہے اسی وجہ سے اس نے سفر کے لیے بلٹ پروف گاڑی کا انتخاب کیا۔ اس تازہ ترین واقعے کے بعد وہ اور زیادہ محتاط ہو جائے گا۔''

ہم دونوں کے ذہن بہت زیادہ الجھے ہوئے تھے۔ ہماری گفتگو نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکی۔

وہ اس وقت سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی میں تھا۔ اس گاڑی کا زیادہ دیر تک ہمارے گھر کے سامنے موجود رہنا مناسب نہیں تھا۔ اس نے مجھے گھر پر اتارا اور ہاتھ لہرا کر تیزی سے آگے نکلتا چلا گیا۔

گھر پر اول خان بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔

''میٹنگ کا کیا رہا؟ نک بھی وہاں آیا ہوا تھا؟'' میری صورت دیکھتے ہی اس نے بے ساختہ دو سوال داغ دیئے۔

میں نے دل ہی دل میں اس کے تجسس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے، اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی تھی کہ وہ مضطربانہ انداز میں دوبارہ بول پڑا۔

''اس نے اپنی گاڑی پر ہونے والی بے آواز فائرنگ کا ذکر کیا تھا؟''

اول خان کی زبان سے وہ تذکرہ سن کر میں چونک پڑا۔ وہ شہر میں رونما ہونے والا تازہ ترین اہم واقعہ تھا۔ گولیوں سے بچ کر نک سیدھا اپنے قونصل خانے میں پہنچا تھا۔ واردات کی کہیں کوئی رپورٹ درج کرانے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ سوال یہ تھا کہ پھر اول خان کو آنِ واحد میں وہ خبر کہاں سے مل گئی۔

''اس بارے میں تمہیں کہاں سے اطلاع ملی؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

''کل کی گفتگو کے بعد میں نے اپنے ایک آدمی کو رابن ہائٹس نامی عمارت کی نگرانی پر مامور کر دیا تھا۔ آج کل ٹام اور نک اسی کے ایک فلیٹ میں رہ رہے ہیں۔ ساڑھے آٹھ بجے نک کی گاڑی رابن ہائٹس کے احاطے سے جونہی باہر نکلی، نکڑ سے ایک شخص نے تاک کر اس پر دو فائر کیے۔ گاڑی بلٹ پروف تھی۔ گولیاں لگتے ہی وہ بہت تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔'' اول خان نے بتایا۔

''گڈ!'' وہ خوش خبری سن کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا ''تمہارے آدمی نے نک کا پیچھا کیا ہوگا۔''

''نک بچ کر نکل گیا۔ اس وقت حملہ آور زیادہ اہم تھا۔ فائرنگ کرتے ہی وہ اپنی کار میں وہاں سے فرار ہوا تھا'' اول خان پُرجوش لہجے میں بتا رہا تھا ''میرے آدمی نے موٹر سائیکل پر اس کا پیچھا کیا اور ڈیفنس کی ایک گلی میں اسے روکنے میں کامیاب ہو گیا۔ مزاحمت کے دوران میں اس کا داہنا بازو ٹوٹا ہے۔ اب تک وہ بے ہوش کر کے اسٹیشن فور میں پہنچایا جا چکا ہوگا۔''

''تم نے اور تمہارے آدمی نے غیر معمولی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔'' میں نے اس کی پشت پر تھپکی دے کر کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ نیا قیدی ہمیں سوبھراج کی کمین گاہ کا کوئی سراغ بتا سکے۔ وہ سیٹ لائٹ فون کے ذریعے بھی گرفت میں نہیں آ سکتا۔''

''کوشش کر لینے میں کوئی ہرج نہیں لیکن مجھے قیدی سے زیادہ توقع نہیں ہے کہ وہ سوبھراج کے ٹھکانے کے بارے میں کچھ بتا سکے گا۔''

اجلاس کے بارے میں جان کر ان سب کو مایوسی ہوئی کیونکہ ہماری طرف سے وہاں وہی فیصلہ سنایا گیا جس پر پہلے سے اتفاقِ رائے ہو چکا تھا۔ کوئی نئی بات نہیں ہوئی تھی۔

''تم کو یہاں آئے ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے لیکن تم نے ہمیں نک پر ہونے والے حملے اور قاتل کے پکڑے جانے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔'' اہم باتوں کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد ویرا نے اول خان سے شکوہ کیا۔

''مجھے ڈینی کی واپسی کا انتظار تھا!'' اول خان نے ہنس کر کہا۔

''یہ مجھے بھی معلوم ہے۔ کیا تم ہم میں سے کسی کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ اسے کوئی بات بتائی جائے!'' ویرا کے لہجے

میں ہلکی سی تلخی آ گئی۔
''کیسی باتیں کر رہی ہو۔ اسے میری ذہنی اپچ کہہ لو۔ میں ڈینی کے آ جانے کے بعد ایک ہی مرتبہ بات کرنے کے موڈ میں تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ اس واقعے کے بعد نک کی کیا کیفیت تھی اور وہ اجلاس میں پہنچایا کہیں رہ گیا۔''
''یہ بلاوجہ کی باتیں ہیں۔ قونصل خانے میں اس کا دفتر ہے۔ وہ وہیں بیٹھتا ہے مگر اجلاس میں اس کی شرکت کا کوئی ذکر نہیں آیا تھا۔ جلال نے رات کو صرف یہ بتایا تھا کہ ڈی آئی جی نے باہمی تعاون کے مسئلے پر کسی افسر سے ملنے کا وعدہ کیا ہے۔ وہاں ڈینی اور جلال کا جانا بھی ضروری نہیں تھا۔ وہ ڈی آئی جی اور گیری کی ون ٹو ون ملاقات تھی۔''
''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مجھ سے غلطی ہوگئی، معاف کردو!'' اول خان نے خلوصِ دل سے اپنی غلطی تسلیم کر کے ہنستے ہوئے معافی مانگ لی۔
چائے کی ایک پیالی ختم ہونے تک ہم باتیں کرتے رہے۔ گیری اور جیک کے محکموں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی میری طرح دوسروں کے لیے بھی تشویش کا باعث تھی لیکن ہم اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ ٹھوس حقائق تھے جن کا سامنا کرنا ہی تھا۔
''ابھی تک تمہاری نئی گرل فرینڈ کا کوئی پیغام نہیں آیا!'' اچانک ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا ''وہ کہاں سو رہی ہے؟''
''کس کا ذکر کر رہی ہو؟'' میں نے بے ساختہ سوال کیا۔
''شیبا کے علاوہ تم نے کسی اور سے بھی نئی دوستی کی ہے؟''
''لاحول ولا قوۃ!'' میں نے برا سا منہ بنا کر کہا ''تم بلاوجہ اسے ایک اعزاز دے رہی ہو۔ میں بتا چکا ہوں کہ میرے نزدیک اس کی حیثیت ایک ٹاؤٹ سے زیادہ نہیں ہے۔''
''حیثیت کچھ بھی ہو۔ اس کا فون کیوں نہیں آیا؟''
''سوبھراج یا سنیل کے بارے میں اس کے پاس کوئی خبر ہوگی تو وہ مجھے ضرور فون کرے گی۔ مجھے اس سے بے مقصد فون کی توقع نہیں ہے۔''
''آوارہ مزاج والی عورتیں وجیہہ مردوں سے کبھی مایوس نہیں ہوتیں۔ ان پر ڈورے ڈالنے کی کوششیں جاری رکھتی ہیں۔''
''تم ڈینی کو وجیہہ سمجھتی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس بارے میں شیبا تمہاری ہم خیال نہ ہو۔'' سلطان شاہ کو اس پر چوٹ کرنے کا موقع مل گیا۔
ویرا نے پلٹ کر پھاڑ کھانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا ''میری زبان سے ڈینی کی تعریف سن کر تم کیوں مرچیں چبا رہے ہو۔''
''بلاوجہ لڑنے کی ضرورت نہیں۔ بات شیبا تک محدود رکھو۔'' اول خان نے ناصحانہ انداز میں ان دونوں کو ہلکی سی تادیب کی پھر مجھ سے مخاطب ہوگیا ''یہ ممکن نہیں ہے کہ راج محل چھوڑنے کے بعد سنیل نے اپنی بیوی سے رابطہ نہ کیا ہو۔''
''شیبا کو وہ شاید اہمیت نہیں دیتا۔ بیوی سے ذرا بھی مخلص ہوتا تو اسے اتنی آسانی سے سوبھراج کی گود میں نہ ڈالتا۔ وہ ضرورت کے بغیر شاید کسی سے کوئی رابطہ نہ کرے۔ اس وقت وہ دونوں راز داری کی اہمیت کو سمجھ رہے ہوں گے۔'' میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''وہ جانتے ہیں کہ ان کی جانوں کو سخت خطرہ لاحق ہے۔''
''چاہیں تو آپ شیبا سے بات کر لیں۔'' غزالہ نے پیشکش کی۔
''اس کا دماغ خراب ہو جائے گا۔'' میں نے کہا ''اپنے شوہر کو سوبھراج کے چنگل سے نکالنے کے لیے وہ مجھ سے ضرور رابطہ کرے گی۔ بہتر یہی ہے کہ اس کی کال کا انتظار کیا جائے۔''
اسے میں نے اپنا موبائل فون نمبر دیا ہوا تھا جو ان دنوں میرے ساتھ رہتا تھا۔ میں ان تینوں کو خدا حافظ کہہ کر اول خان کے ساتھ اسٹیشن فور کے لیے روانہ ہوگیا۔
''راج محل میں لگنے والی آگ اس قدر بھیانک تھی کہ عمارت میں سب کچھ جل کر خاک ہوگیا۔'' راستے میں جلال نے متاسفانہ لہجے میں کہا ''آگ اتنی شدید تھی کہ دھات کی بنی ہوئی بعض چیزیں پگھل کر بہہ گئیں۔ آہنی اشیا یوں تڑ مڑ کر رہ گئی ہیں جیسے کسی دیوزاد وحشی نے ان پر زور آزمائی کی ہو۔''
''چشم دید تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ کیا تم ادھر گئے تھے۔''
''مجھے شبہ تھا کہ اس واقعے کی رپورٹنگ میں مبالغے سے کام لیا جا رہا ہے۔ میں کچھ نہ کچھ تلاش کر لینے کی امید میں وہاں گیا تھا مگر مجھے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ آگ کی تپش سے کنکریٹ پھٹ جانے کے سبب سے عمارت کا بیشتر حصہ منہدم ہو چکا ہے۔''
''راج محل کو آگ لگا کر اس نے اپنے خلاف موجود ہر ثبوت کو ضائع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب جو کچھ ہے، اس کے سینے میں دفن ہے۔''
''اگر وہ بھی کہیں مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا تو بے شمار باتیں

ہمیشہ کے لیے تشنہ رہ جائیں گی۔ اسے زندہ ہاتھ آنا چاہیے۔''
وہ اول خان کی ایک نیک آرزو تھی۔ میں نے خاموش رہنا بہتر سمجھا۔

اسٹیشن فور میں اول خان نے اپنی گاڑی اسی بیرک کے قریب لے جا کر روکی جس کے ایک کمرے میں زخمی قیدی کو رکھا گیا تھا۔

کمرے کا دروازہ باہر سے مقفل تھا اور باہر ایک مسلح گارڈ موجود تھا۔ اول خان کو دیکھتے ہی اس نے کمرے کا تالا کھول دیا۔

وہ کمرا کشادہ ضرور تھا لیکن وہاں فرش پر ایک گدے کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ قیدی اسی گدے پر لیٹا ہوا تھا۔

اس کے داہنے بازو کی ٹوٹی ہوئی ہڈی پر تازہ اور گیلا پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ بائیں کلائی میں پڑی ہوئی ہتھکڑی بیڑیوں سے منسلک تھی۔ مجموعی طور پر وہ اس حالت میں تھا کہ نقل و حرکت ممکن نہیں تھی۔

جسمانی طور پر وہ صحت منداور توانا نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے مہرے سے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ وہ کوئی پیشہ ور قاتل ہوگا۔

''تم لوگ کون ہو؟ تم نے مجھے یہاں کیوں بند کیا ہوا ہے۔'' ہم دونوں کے اندر پہنچنے کے بعد اس نے بگڑی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''ہم خدائی فوج دار ہیں۔'' میں نے جارحانہ تیوروں کے ساتھ اسے گھورتے ہوئے جواب دیا ''ابھی تک تمہیں یہ اندازہ نہیں ہوا کہ تمہارا کیا قصور ہے۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا۔ میری چلائی ہوئی گولیوں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔'' اس نے تلملائے ہوئے انداز میں کہا۔

''نقصان پہنچنا بعد کی بات ہے۔ تم نے ایک بڑے غیر ملکی افسر پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ یہ کوئی معمولی جرم نہیں ہے۔''

''جرم کی بات پولیس والوں کے منہ سے اچھی لگتی ہے۔ تم لوگ مجھے بلاوجہ دھمکا رہے ہو۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔'' وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

''یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ تم پولیس والوں کے بجائے ہماری پارٹی کے ہاتھ آئے ہو۔'' میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا ''تم نے شرافت سے ہمارے سوالوں کے جواب نہیں دیے تو میں تمہارا ٹوٹا ہوا بازو کاٹ کر تمہارے جسم سے الگ کر دوں گا۔ تمہارا نام کیا ہے؟''

اول خان کے عملے نے شاید اس سے کوئی باز پرس نہیں کی تھی۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی پر پلاسٹر چڑھا کر اسے کمرے میں بند کر دیا تھا۔ اسے بے ہوش کر کے وہاں لایا گیا تھا۔ اس کی سرخ اور بوجھل آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ہوش میں آئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔

میرے اگلے قدم کے اٹھتے ہی وہ بول پڑا ''شیر دل نام ہے میرا۔''

''تمہیں کس نے نک کے پیچھے لگایا تھا؟'' میں نے دوسرا سوال کیا لیکن اسی لمحے ہماری توجہ دروازے کی طرف مبذول ہو گئی۔

بیرک کے برآمدے کے پختہ فرش پر کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ چند ثانیوں میں ایک شخص دوڑتا ہوا اندر آ گیا۔

وہ سادہ کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اس نے رکتے ہی اول خان کو سلیوٹ کیا پھر چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان بولا۔ ''سس...... سر! یہ بے ہوش تھا۔ اس کی ڈریسنگ کر دی گئی تھی۔ باز پرس کے لیے ہم اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔''

''یہ ہوش میں آنے کے لیے ہماری آمد کا انتظار کر رہا تھا۔'' اول خان نے خوش دلی سے کہا ''تم آرام کرو۔ اسے میں خود دیکھوں گا۔''

آنے والے کے سلیوٹ اور پھر تخاطب کے انداز نے قیدی کو پریشان کر دیا۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہنا شروع کیا ''مم...... میں اسے نہیں جانتا۔ وہ فون پر مجھے کام بتاتا ہے۔ میں اپنے آدمیوں کو اس کے بتائے ہوئے کام پر لگا دیتا ہوں۔ کل رات اس نے خاص طور پر کہا تھا کہ نک کا کام مجھے تمام کرنا ہے۔ میں رات کے دو بجے سے وہاں پہنچا ہوا تھا۔''

وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ نووارد کی مداخلت سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ پوری طرح ہمارے رحم و کرم پر تھا۔ اس کے لیے گلو خلاصی کی کوئی راہ نہیں تھی۔ اس نے ایک ہی سانس میں کئی ممکنہ سوال کے جواب دے ڈالے۔

''کیا تم نک کو پہلے سے جانتے تھے؟'' اول خان نے درشت لہجے میں پوچھا۔

''ہاں!'' اس نے اپنے سر کی جنبش سے کہا ''میں نے ایک مرتبہ نک کے گھر سے مال لے کر ایک ہوٹل میں پہنچایا تھا۔''

''کیسا مال تھا وہ؟'' اول خان نے کڑک کر سوال کیا ''کس کو پہنچایا تھا تم نے؟''

ہم میں سے کسی کے ہاتھ لگائے بغیر اس کے سارے کس

بل نکل چکے تھے۔ وہ جلدی سے بولا ''وہ بند کارٹن تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس میں کیا تھا۔ نک سے لے کر میں نے وہ بھاری ڈبا ایک ہوٹل کے منیجر کو پہنچایا تھا۔''

شیر دل کے ان الفاظ پر اول خان نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ اس کے جواب نے قدرے پرانے قصے کی گمشدہ کڑیاں یکجا کر دی تھیں۔

''اسی طرح بولتے رہو گے تو فائدے میں رہو گے۔'' اس بار میں نے نرمی سے کہا ''اڑنے کی کوشش کرو گے تو بری طرح مار کھاؤ گے۔ یہاں دور دور تک کوئی تمہاری چیخیں نہیں سنے گا۔ ہم تمہیں پیس کر رکھ دیں گے۔ یہ تمہارے لیے زندگی اور موت کا سب سے کٹھن مرحلہ ہے۔ اس کے نتیجے کا انحصار تمہاری زبان پر ہے۔''

وہ کچھ نہیں بولا۔ میلے گدے پر پڑا، خوف زدہ نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔

''ابھی تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کس کے لیے کام کرتے ہو؟'' سوچنے کے لیے اسے چند لمحوں کا وقفہ دے کر میں نے سوال کیا۔

''میں قسم کھا کر کہہ رہا ہوں کہ میں اسے نہیں جانتا۔'' اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا ''وہ ہمیشہ مجھے فون پر ہدایات دیتا ہے۔ میں اسے اس کی آواز سے پہچانتا ہوں۔ وہ اپنے لیے کوبرا کا لقب استعمال کرتا ہے۔''

''تم کو اپنے کام کا معاوضہ ملتا ہوگا۔ تم اس کے لیے مفت میں کسی کو قتل نہیں کر سکتے۔ تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ پیسے کے لیے تم ہر کام کر سکتے ہو۔''

''ہاں...... وہ ہر کام کے لیے معقول رقم دیتا ہے۔''

''رقم فون کے ذریعے نہیں دی جا سکتی۔ اس کا کوئی نہ کوئی آدمی تم سے ضرور ملتا ہوگا۔ اس کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔''

''میں کسی کو نہیں جانتا۔ مجھے اچانک فون پر ہدایت ملتی ہے کہ فلاں جگہ جا کر نیلے رنگ کی تھیلی یا براؤن رنگ کا لفافہ اٹھالوں۔ میں وہاں جاتا ہوں اور بتائی ہوئی تھیلی یا لفافے میں بڑی مالیت کے نئے نوٹ موجود ہوتے ہیں۔''

''کوئی فلمی کہانی سنا رہے ہو!'' میں نے زہریلے انداز میں کہا۔

''یہ حقیقت ہے۔ وہ ہمیشہ کسی سنسان مقام کا انتخاب کرتا ہے۔ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ اس نے مجھے کہیں پہنچنے کی ہدایت کی ہو اور مجھے وہاں سے رقم نہ ملی ہو۔ ہو سکتا کہ رقم پہنچانے والا آدمی چھپ کر نگرانی کرتا رہتا ہو اور رقم میرے ہاتھ میں آ جانے کے بعد خاموشی سے واپس لوٹ جاتا ہو۔''

''تم نے کبھی اس آدمی تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی!''

''مجھے اپنی جان عزیز ہے۔ وہ کہہ چکا ہے کہ میں نے کبھی اس تک پہنچنے کی کوشش کی تو کوئی اور خاموشی سے میری گردن کاٹ دے گا۔ اس سے کام ملتا رہتا ہے اور رقم بھی مل جاتی ہے تو مجھے ان چکروں میں پڑنے کی ضرورت نہیں رہتی۔''

''نک کے قتل کے لیے کیا معاوضہ طے ہوا تھا؟''

''کچھ نہیں۔ کام ہو جانے کے بعد وہ اپنی مرضی سے رقم بھیجتا ہے جو کم نہیں ہوتی۔''

''پھر بھی وہ ایسے کاموں کے لیے کیا دیتا ہے۔''

اس نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنی زبان سے کسی اور قتل کا اعتراف کرتے ہوئے جھجک رہا تھا۔

''ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ تم پیشہ ور قاتل ہو......''

''میں قاتل نہیں ہوں۔'' اس نے بلبلا کر میری بات کاٹ دی ''وہ مجھ سے دوسرے کام لیتا ہے۔ میں آج پہلی بار کسی کو مارنے کے ارادے سے......''

اس کے الفاظ یکایک ایک دردناک چیخ میں تحلیل ہو گئے۔ میں نے غصے کی اضطراری رو میں اس کی پسلیوں میں زوردار ٹھوکر رسید کی تھی۔

''صفائی پیش مت کرو۔ جو پوچھا جا رہا ہے، اس کا جواب دو۔'' میں نے کہا۔

''مم...... میرے آدمیوں نے اس کے کہنے پر دو خون کیے تھے۔'' وہ ہانپتے اور کراہتے ہوئے بولا ''دونوں بار اس نے ڈیڑھ لاکھ روپے پہنچائے تھے۔''

قتل اس نے کیے ہوں یا اس کے اشارے پر کسی اور نے انسانی خون بہایا ہو، بات ایک ہی تھی۔ اس تاویل سے شیر دل کی فرد جرم پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔

''تم اس سے کیسے رابطہ کرتے ہو؟'' میں نے اگلا سوال پوچھا۔

''میں اس سے رابطہ نہیں کر سکتا۔ میرے پاس اس کا کوئی فون نمبر نہیں ہے۔'' وہ کراہتے ہوئے کہہ رہا تھا اور ساتھ ہی اپنے جسم کو یوں سمیٹ رہا تھا جیسے میری لگائی ہوئی ضرب کے نتیجے میں اس کی پسلیوں میں شدید درد ہو رہا ہو۔

''اسے کام ہو جانے کی خبر کیسے دیتے ہو؟''

''اسے کام ہو جانے کی خبر خود بخود مل جاتی ہے اور

معاوضے کے لیے اس کا فون آجاتا ہے۔ مجھے اس کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔''

''تمہاری ناکامی کی صورت میں کیا ہوتا ہے؟''

''آج سے پہلے میں کبھی ناکام نہیں ہوا۔ میرے آدمی ہمیشہ سرخ رو رہے ہیں۔''

''نک اس کا اہم نشانہ تھا۔ تمہاری اس ناکامی کو وہ برداشت کرلے گا۔''

''میرا قصور نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہوتا کہ وہ بلٹ پروف کار میں سفر کرتا ہے تو میں اس کام میں ہاتھ ڈالنے سے انکار کردیتا۔''

''وہ تمہارے علاوہ کسی اور سے بھی کام لیتا ہے؟'' میری جرح جاری رہی۔

''ضرور لیتا ہوگا۔ شہر میں کئی ایسے واقعات ہوئے ہیں جن میں میرے آدمیوں کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔'' اس نے بتایا۔

''اور اس نے تمہیں دھمکی بھی دی تھی کہ تم نے اس تک پہنچنے کی کوشش کی تو وہ کسی اور کے ذریعے تمہیں مروادے گا۔''

''یہ بات میں تمہیں پہلے ہی بتاچکا ہوں۔''

''اب نک سے لیے ہوئے مال کی طرف آجاؤ۔ اس ڈبے میں کیا تھا؟''

''ڈبا بھاری تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس میں کیا تھا۔''

''کوکین...... ہیروئن!'' میں نے امکانات کی طرف اشارہ کیا''یا پھر بارودی ہتھیار!''

''ہیروئن نہیں تھی۔ ڈبا زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس میں ہتھیار نہیں ہوسکتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس میں کوئی ٹائم بم وغیرہ رکھا گیا ہو۔ ایسے ہتھیار چھوٹے ہوں تب بھی بیٹری اور دوسرے آلات کی وجہ سے بہت بھاری ہوجاتے ہیں۔''

''وہ ڈبا تم نے ہوٹل کے کس منیجر کو پہنچایا تھا؟''

''اگلے روز وہ اپنے دفتر میں مارا گیا تھا۔ اس کا نام ارجن کمار تھا۔''

ارجن کمار کا نام آتے ہی بات واضح ہوگئی۔ وہ سوبھراج کی سازشوں میں اہم کردار ادا کرتا تھا۔ شیردل نے نک سے لے کر اسے وہی ٹائم بم پہنچایا ہوگا جو گوپال راج نامی بلیک کیٹ نے کچھ دنوں پہلے ایمپریس مارکیٹ کے ایک پیشاب خانے میں نصب کرکے اس علاقے میں انسانی خون کی ہولی کھیلنے کی کوشش کی تھی۔

اس روز ہمارے ستارے یاور تھے کہ گوپال کی وہ کوشش بروقت ناکام بنادی گئی ورنہ شہر کے باسیوں کو نہ جانے کتنے جنازے ایک ساتھ اٹھانے پڑتے۔

نک ان سازشوں کا روح رواں تھا۔ وہ سوبھراج کو بربادی کا سامان فراہم کررہا تھا۔ ان کے درمیانی رابطے مقامیوں کے ذریعے استوار تھے۔ اس سازو سامان کو سوبھراج را کے ایجنٹوں کے ذریعے شہر میں استعمال کرتا رہا تھا۔

وہ سب ملک وقوم کے دشمن تھے۔ وہ آپس میں اس طرح مربوط اور منظم تھے کہ ان کے درمیان کہیں بھی حد فاصل قائم کرکے یہ تعین نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کون کیا کررہا تھا۔ ان تمام تخریبی رابطوں کی ہر کڑی اپنی جگہ پر بہت اہم تھی۔ اس میں شیردل کا نام بھی شامل تھا۔

سیتا کانت کو غزالہ نے جہنم واصل کردیا تھا۔ گوپال آئی بی کی تحویل میں تھا۔ شیردل ہمارے ہاتھ آچکا تھا مگر سوبھراج آزاد تھا اور نک ہمارے لیے شجر ممنوعہ بنا ہوا تھا۔

ہماری حکمتِ عملی کی بِنا پر ان دونوں میں ٹھنی ہوئی تھی۔ وہ ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہورہے تھے۔ میرے دل میں شدت سے آرزو ابھری کہ کاش اس روز شیردل اپنے مشن میں ناکام نہ ہوا ہوتا۔

وہ نک کو موت کے گھاٹ اتار دیتا تب بھی اول خان کے مامور کیے ہوئے آدمی کے ہاتھوں سے نہیں بچ سکتا تھا۔ نک کی ہلاکت کے بعد شیردل کی کہانی سامنے آتی تو دنیا بھر کے خفیہ اداروں میں ایک بھونچال آجاتا۔

یہ بات کسی کی سمجھ میں آہی نہیں سکتی تھی کہ اعلیٰ ترین سطح پر قریبی مراسم رکھنے والے دو سیکرٹ ایجنٹ یکساں مفادات کے لیے کام کرنے کے باوجود ایک دوسرے کے اتنے بڑے دشمن کیسے ہوسکتے ہیں۔

شیردل نے اپنی کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس کا نشانہ بے خطا رہا تھا۔ جس کا ذکر میں نک کی زبان سے سن چکا تھا لیکن شیردل کی کامیابی کا لمحہ بہت سرعت سے گزر گیا تھا۔ اس کی بدنصیبی بلٹ پروف کار کی صورت میں آڑے آگئی تھی۔

''ارجن کے قتل کے بعد تمہیں خیال نہیں آیا کہ تم ایک خطرناک کھیل میں گھسے ہوئے ہو۔'' میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد شیردل سے پوچھا۔

''اس لائن میں دن رات خطروں سے کھیلنا پڑتا ہے۔ جان سولی پر ٹنگی رہتی ہے۔ جب کوئی بات پہلے سے معلوم ہو

تو پھر کسی کے جینے مرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... خدا کے لیے اب تو مجھے بتا دو کہ تم لوگ کون ہو اور میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اول خان کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا اس کمرے سے باہر نکل گیا۔

ہم دونوں کی اچانک روانگی سے شیر دل دہشت زدہ ہو کر گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا ''مجھے مت مارو...... میں نے کچھ نہیں کیا...... میں زندہ رہنا چاہتا ہوں......''

وہ سمجھ رہا تھا کہ ہم نے اس کی قسمت کا فیصلہ کر کے وہ کمرا چھوڑا تھا اور کسی بھی لمحے کوئی اور آدمی اندر آ کر اس کی زندگی کا چراغ گل کر دے گا۔

''تم اس قدر اچانک اور ڈرامائی انداز میں کیوں لوٹ آئے؟'' اول خان نے شیر دل کے شور سے بچنے کے لیے اپنے کانوں پر ہتھیلیاں ٹکا کر مجھ سے پوچھا۔

''وہ وہی سمجھا ہے جو میں اسے سمجھانا چاہ رہا تھا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''اپنے آس پاس موت کے قدموں کی آہٹیں سن کر اس کے اوسان ٹھکانے آ جائیں گے اور ہم اس سے بہتر انداز میں سودے بازی کر سکیں گے۔''

''سودے بازی!'' اول خان نے حیرت سے دہرایا ''تم اس سے کس قسم کی سودے بازی کرنا چاہ رہے ہو۔''

''اسے بے ہوشی کی حالت میں یہاں لایا گیا تھا۔'' برآمدے میں کچھ دور نکلنے کے بعد میں نے کہا ''اس نے بند کمرے کی دیواروں کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔''

اول خان کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

''تمہارے سادہ پوش آدمیوں کے طور طریقوں کے علاوہ کوئی ایسی بات اس کے سامنے نہیں آئی جس سے وہ ہمارے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم کر سکے۔'' میں نے اپنی بات جاری رکھی ''میری خواہش ہے کہ تھوڑی سی برین واشنگ کے بعد اسے آزاد کر دیا جائے۔''

اول خان کی آنکھوں سے الجھن جھانکنے لگی۔ میں نے اس کے دونوں آدمیوں کو اشارے سے اپنے قریب بلایا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنے ہاتھ لہراتے ہوئے، وحشت زدہ انداز میں قیدی کے کمرے میں گھسیں اور اسے بری طرح خوف زدہ کر کے لوٹ آئیں۔

''پتا نہیں تم نے اچانک کیا چکر چلانا شروع کر دیا ہے۔'' ان کے چلے جانے کے بعد اول خان تشویش زدہ آواز میں بڑبڑایا۔

''میں اسے اپنی ناکامی کے ازالے کا ایک موقع دینا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تم اس کی کس ناکامی کی بات کر رہے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''شیر دل آج تک کو موت کے گھاٹ اتارنے کے مشن پر نکلا تھا۔''

''اوہ! تو تم تک کو اس کے ہاتھوں مروانا چاہتے ہو!'' اس کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز نکلی۔ میری بات سمجھ کر وہ بھونچکا رہ گیا تھا۔

فضا میں شیر دل کی گھگھیائی ہوئی آوازیں سنائی دیں۔ اسپیشل ٹاسک فورس کے دو مسلح آدمیوں کے روپ میں اسے اپنی موت سر پر نظر آنے لگی تھی۔

ان دونوں کی بلند آہنگ ڈانٹ پھٹکار کے بعد فضا پر سکوت طاری ہو گیا۔ شیر دل نے کسی خوف زدہ گیدڑ کی طرح چیخنا بند کر دیا تھا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اول خان کو اپنی تجویز سے آگاہ کیا۔ اس دوران میں اس کے دونوں آدمی اپنا کام پورا کر کے باہر آ چکے تھے اور داد طلب انداز میں شیر دل والے کمرے کے باہر ٹہل رہے تھے۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے بیشتر اہلکار صلے کی تمنا یا کسی ستائش کی پروا کیے بغیر، سر جھکا کر اپنے فرائض انجام دیتے تھے لیکن اپنی ہیئت میں وہ ایک انسانی فورس تھی جس میں ہر مزاج کے لوگ شامل تھے۔ ان دونوں کی فخریہ چھچھل قدمی کو ناپسند کرنے کے باوجود میں نے نظر انداز کر دیا۔

ہم دونوں دوبارہ کمرے میں پہنچے تو شیر دل کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا، اس کی آنکھیں متوقع موت کی دہشت سے پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔

''زندگی اور موت...... تم ان میں سے کیا چاہتے ہو؟'' میں نے ذرا سی دیر کے لیے خاموشی سے اسے گھورتے رہنے کے بعد سوال کیا۔

''میرے سامنے موت کا نام نہ لو۔ ابھی میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔'' وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے، سہمی ہوئی آواز میں بولا ''ابھی میری بیوی جوان ہے اور میرے دونوں بچے بہت چھوٹے ہیں، وہ اس عمر میں تمہارے ہاتھوں یتیم ہو گئے تو آگے چل کر مجھ سے بڑے مجرم بنیں گے...... مم...... میں انہیں پڑھا لکھا کر اچھا شہری بنانا چاہتا ہوں۔ میں اپنی مجرمانہ زندگی سے تنگ آیا ہوا ہوں۔ مجھ پر

نہیں تو میرے بیوی بچوں پر رحم کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب کسی جرم کے قریب نہیں پھٹکوں گا......''

''تم ایک سانس میں اتنی باتیں کہہ گئے ہو جو تم جیسے آدمی پوری عمر گزار کر بھی نہیں سوچتے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''یہ انقلاب کیسے آ گیا۔''

''اس وقت میں نے موت کے قدموں کی آہٹ سنی ہے اور میں اندر سے لرز کر رہ گیا ہوں۔'' اس کی آواز واقعی کانپ رہی تھی۔

''ہم اتنے اچھے آدمی نہیں ہیں کہ تم جیسوں کی اصلاح کرتے پھریں۔ تمہیں پکڑا نہیں گیا بلکہ کام کا آدمی سمجھ کر یہاں لایا گیا ہے۔ یہ تمہاری غلطی تھی کہ مزاحمت کی وجہ سے تمہارے بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی۔''

اس کے چہرے پر حیرت اور بے یقینی کے آثار ابھر آئے اور اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا ''میرے ساتھ ایسا بے رحمانہ مذاق مت کرو!''

''مذاق نہیں یہ حقیقت ہے۔ ہمارا آدمی بھی وہاں نک کی گھات میں بیٹھا ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ نک بلٹ پروف کار میں نکلے گا۔ وہ خاموشی سے نک کا پیچھا کرتا اور وہ جہاں بھی اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلتا، اس کے بھیجے میں گولی اتر جاتی۔ تم نے اس پر بے مقصد گولیاں چلا کر ہوشیار کر دیا۔ اب اسے مارنا مشکل ہو گیا ہے۔''

''للل...... لیکن تم تو کوبرا کے دشمن معلوم ہوتے ہو۔ تم نک کو کیوں مارنا چاہتے ہو۔''

''کیا کوبرا نے تمہیں نک کو مارنے کا مقصد بتایا تھا؟'' میں نے ترشی سے پوچھا۔

''نہیں!''

''پھر مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہے ہو۔ تم کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ یہ باتیں دس جنم لینے کے بعد بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔''

''اب میں کوئی سوال نہیں کروں گا۔'' وہ عاجزی سے گڑگڑایا ''تم مجھے کوئی کام دو گے تو میں اسے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''بازو کی ہڈی ٹوٹ جانے کے بعد تمہارے لیے یہ ممکن نہیں رہا کہ اب نک پر حملہ کر سکو۔''

''تم کام بتاؤ۔ میرے پاس آدمی ہیں۔ میرے ایک اشارے پر وہ اپنی جانیں لڑا دیں گے۔'' وہ ذرا سی حوصلہ افزائی پر دوبارہ اپنی پرانی ڈگر پر آ گیا۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ چند منٹ پہلے وہ اپنے بچوں کی یتیمی کی دہائی دے کر مجھ سے تائب ہونے کے بلند بانگ دعوے کر رہا تھا۔

''حیرت ہے کہ نک کا نام سن لینے کے باوجود تم بار بار کام جاننے کی خواہش کر رہے ہو۔ اس وقت وہی سب سے اہم کام ہے جسے جلد از جلد تمام ہو جانا چاہیے۔''

''یع......یعنی تم مجھے چھوڑ دو گے!'' مسرت سے اس کا چہرہ دمک اٹھا۔

''تم معذور ہو۔ خود کچھ نہیں کر سکتے۔ یہاں سے اپنے آدمیوں کو فون پر ہدایات دو۔ وہ اپنا کام پورا کر لیں گے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔'' میں نے اسے آزمانے کے لیے کہا۔

''ان لوگوں میں پہنچے بغیر میں اتنے بڑے کام کی ذمے داری نہیں لے سکتا۔ آج کے حملے کے بعد وہ بہت زیادہ ہوشیار ہو چکا ہوگا۔''

''تم اخبار پڑھتے ہو؟'' اچانک میں اس سے سوال کر بیٹھا۔

وہ حیرانی سے میرا منہ تکتے ہوئے بولا ''اخبار پڑھنا ہماری مجبوری ہے۔ جو ساتھی پڑھنا نہیں جانتے، وہ دوسروں سے خبریں سنتے ہیں۔ اخباروں سے پتا چلتا ہے کہ پولیس کدھر جا رہی ہے اور شہر میں کیا ہو رہا ہے۔''

''آج تم نے سوبھراج کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہوگا۔''

''کل زیادہ خبریں آئی تھیں۔ آج صبح سے میں کام پر تھا، اخبار نہیں پڑھ سکا۔'' اس کے لیے سوبھراج کے نام کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

''کوبرا کے نام سے وہی کام کر رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس جیسے مشہور، دولت منداور عزت دار آدمی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''نک اسے بلیک میل کر رہا تھا اسی لیے وہ اسے مروانا چاہتا ہے۔''

''کوبرا والی بات ابھی اخبار میں نہیں آئی ہے۔ ایک آدھ دن میں یہ بھی آ جائے گی۔'' شیر دل کو خاموش پا کر میں نے دوبارہ اپنی بات شروع کر دی ''ہمیں سوبھراج کی بہت سی ایسی باتیں معلوم ہیں جو اب بھی کسی کے علم میں نہیں ہیں۔ نک راستے سے ہٹ جائے گا تو ہم سوبھراج یا کوبرا سے اپنا حصہ وصول کر لیں گے۔''

''وہ ہماری برادری سے ابھر کر سیاست میں آیا تھا۔

اسے عزت کی زندگی زیادہ راس نہیں آئی۔ سنا تھا کہ کل اس نے اپنے محل کو بھی آگ لگادی۔'' تحفظ کی امید بندھ جانے کے بعد اس کی گفتگو میں اعتماد جھلکنے لگا تھا۔

''وہ پاگل ہوگیا ہے۔ پیسے کی کثرت نے اس کا دماغ الٹ دیا ہے۔ اس کی جیبیں ہلکی ہوں گی تو وہ اپنی عقل استعمال کرنی شروع کرے گا۔''

''یہ تمہاری اور اس کی باتیں ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔ یہ بتاؤ کہ میری آزادی کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''سوبھراج، کوبرا بن کر تم سے کام لے سکتا ہے تو تم فون پر اپنے آدمیوں سے فون پر کام کیوں نہیں لے سکتے؟''

''روز چہرے بدلتے رہتے ہیں۔ کوئی حوالات میں چلا جاتا ہے، کوئی پولیس سے چھپتا پھر رہا ہوتا ہے۔ کسی کو مال مل جاتا ہے تو وہ شراب اور عورت کو لے کر کہیں پڑ جاتا ہے۔ ہم ساتھ رہ کر کام کرتے ہیں۔ ان باتوں پر نظر رکھتے ہیں۔ میرے فون سے انہیں شبہ ہوجائے گا۔''

''رہا ہونے کے بعد تم اپنے وعدے سے پھر سکتے ہو۔''

''وعدے سے پھروں تو میری گردن کٹوا دینا۔''

''یہاں سے جانے کے بعد تم کو اس کام میں کتنا وقت لگے گا؟''

''اس کی زندگی پوری ہوچکی ہے تو ذرا سی دیر نہیں ہوگی۔ سوبھراج نے مجھے نک کا کام دیا تھا۔ وقت طے نہیں کیا تھا۔ وہ سمجھے گا کہ میں نے اسی کے کہنے پر نک کو مارا ہے۔ تم کسی کو نہ بتانا کہ تم نے بھی مجھے اسی کام پر لگایا ہے تاکہ مجھے کوبرا سے رقم مل جائے۔ کام ہوجانے پر وہ اس بار ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ہی دے گا۔''

''تم آرام کرو۔ ہم سوچتے ہیں کہ تم پر کتنا اعتماد کیا جاسکتا ہے۔''

''میری زبان پر یقین کرو۔ میں تمہیں دغا نہیں دوں گا۔'' میرے تذبذب کا اندازہ ہوتے ہی اس کی زبان تیزی سے چل پڑی ''تم سے وعدہ خلافی کروں تو میں اپنے باپ کی اولاد نہیں۔ میرے منہ پر پیشاب کردینا۔''

''نئے آدمی کے مقابلے میں تم بہتر ہو۔'' میں نے اسے تسلی دی ''تم نے نک کے ساتھ اس کا گھر بھی دیکھا ہوا ہے۔ تم آسانی سے اس تک پہنچ سکتے ہو۔''

''مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ اس کی گاڑی بلٹ پروف ہے تو میں اس کے گھر میں گھس کر اس کا کام نمٹاتا۔ ایک غلطی ہوگئی۔ اب میں اسے نہیں دہراؤں گا۔''

ہمارے باہر نکلتے نکلتے اس نے اپنی بات پوری کر ڈالی۔

اول خان کا دفتر اس بیرک سے زیادہ دور نہیں تھا۔ گاڑی وہیں چھوڑ کر ہم پیدل دفتر کی طرف چل دیے۔

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم شیر دل کے ساتھ بہت سنگ دلی سے کھیل رہے ہو۔'' راستے میں اول خان نے کہا ''اس کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔''

''وہ موت کا مستحق ہے مگر میں نک سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسے آزاد کروں گا۔''

''یہ بات تم مجھے سمجھا چکے ہو لیکن مجھے اب بھی معاملہ الجھا ہوا نظر آرہا ہے۔ رابن ہائٹس میں سکیورٹی کا نظام بہت مضبوط ہے۔ کوئی بھی آسانی سے وہاں گھسنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ محض تحفظ کی وجہ سے بہت سے آسودہ حال گھرانے اپنے بڑے گھر چھوڑ کر ایسے فلیٹوں میں منتقل ہورہے ہیں جہاں اغوا، چوری اور ڈکیتی کا کوئی ڈر نہیں ہوتا۔''

''آخر میں وہ نک کے فلیٹ میں گھسنے کی بات کررہا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''اس وقت وہ ہماری قید سے چھٹکارا پانے کے لیے آسمان میں تھگلی لگانے کا دعویٰ بھی کرسکتا ہے۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ اس کی تجویز کتنی قابلِ عمل ہے۔''

میں نک کی قیمت پر ہر خطرہ مول لینے کے لیے تیار تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ شیر دل ہماری قید سے نجات حاصل کرنے کے بعد اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوتا۔ اس سے صورت حال پر کوئی فرق نہ پڑتا۔

ہم شیر دل کو قید رکھتے یا اس کے سنگین جرائم کی پاداش میں مار دیتے تب بھی نک پاکستان سے زندہ و سلامت واپس لوٹنے میں کامیاب ہوجاتا۔ دونوں صورتوں میں اصل مسئلہ جوں کا توں رہتا۔ سارا فرق شیر دل کی قید یا آزادی کا تھا۔

میری نظروں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی جبکہ اول خان کے ذہن میں کئی تحفظات موجود تھے۔ وہ شیر دل کی آزادی کو نقصان تصور کررہا تھا۔

دفتر میں اپنی میز پر موجود کاغذات اور فائلوں کو نمٹاتے ہوئے وہ میرے ساتھ اسی بحث میں مشغول رہا۔

میں بہت مشکل سے یہ بات اس کے ذہن میں بٹھانے میں کامیاب ہوسکا کہ شیر دل، سوبھراج سے براہِ راست

رابطہ رکھنے والا آدمی تھا۔ اسے بساط پر آزاد چھوڑ کر ہم سوبھراج تک رسائی کی ایک نئی راہ پیدا کر سکتے تھے۔

اس دوران میں مجھے نک کی دی ہوئی بی گن یاد آ گئی۔ اس نے اجلاس کے دوران مجھ سے اپنے خفیہ مذاکرات کے حوالے سے کوئی بات کی تھی نہ اپنی گن کی واپسی کا سوال اٹھایا تھا مگر اس بارے میں مجھے اس کی بے چینی کا اندازہ تھا۔

میرے استفسار پر اول خان نے بتایا کہ پہلے سے دی ہوئی ہدایات کی روشنی میں اس کا ایک آدمی اس گن کا سر بمہر لفافہ نک کے نام تیار کر کے دس بجے قونصل خانے کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ اس کے حساب سے اسے اپنا کام پورا کر کے کچھ دیر بعد اسٹیشن فور لوٹ آنا چاہیے تھا۔ دفتر سے نکلنے سے پہلے خبر ملی کہ وہ لفافہ منزل پر پہنچا کر لوٹ آیا تھا۔

میں کرنل داور کے روپ میں ایس ٹی ایف کا افسر تھا اس لیے اس کام کی غرض سے اول خان کے عملے کے کسی آدمی کا استعمال مصلحت کے خلاف نہیں تھا۔

اس نے اپنے طور پر نک کی نگرانی کا جو بندوبست کیا تھا اس کا ثمر شیر دل کی صورت میں ہمارے ہاتھ آ چکا تھا۔ اس واقعے کے بعد نگرانی کا سلسلہ از خود منقطع ہو گیا تھا اور یہ بہتر ہی رہا تھا۔ نک کو اس بارے میں کوئی شبہ ہو جاتا تو وہ ایسی غیر معمولی حفاظتی تدابیر اختیار کر سکتا تھا جن کے روبہ عمل آنے کی صورت میں اس تک رسائی ناممکن ہو کر رہ جاتی۔

اسٹیشن فور سے روانگی سے پہلے ہم دونوں ایک مرتبہ پھر شیر دل کے کمرے میں پہنچے تو وہ امید و بیم کی حالت میں ہمارا منتظر تھا۔

''میرے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟'' ہمیں دیکھ کر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا ''اس وقت میں بے یقینی کی اذیت ناک حالت میں مبتلا ہوں۔''

''تمہیں تنہائی میں سکون سے سوچنے کا موقع مل گیا ہے۔ اب میں تمہارے متوقع پلان کی تفصیل سننا چاہتا ہوں۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''میرا سکون غارت ہو چکا ہے۔ میں خود کو پھانسی گھاٹ پر محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے کچھ پتا نہیں کہ میرے پیروں کے نیچے سے تختہ نکل جائے گا یا میری گردن سے پھندا نکال لیا جائے گا۔ ایسی حالت میں، میں کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہوں۔''

''تم اس کے فلیٹ میں گھسنے کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔ رابن ہائٹس میں کسی مکین کی اجازت کے بغیر تمہیں عمارت میں داخلے کی اجازت نہیں ملے گی۔''

وہ ایک عادی مجرم تھا۔ جرم کے بارے میں شاید سوتے ہوئے بھی اس کا ذہن کام کرتا رہتا تھا۔ اس نے بے ساختہ کہا ''یہ میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ میں ٹیلی فون کیبل کو کہیں سے کاٹ کر لائنوں کی مرمت کے بہانے وہاں جا سکتا ہوں۔ کوئی مجھے نہیں روکے گا۔''

اس کی وہ برجستہ تجویز واقعی بہت آسان اور قابل عمل تھی۔ ذہنی انتشار کے عالم میں وہ اتنا آسان نسخہ تجویز کر سکتا تھا تو یکسوئی کی حالت میں اس کی کامیابی پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں نے تائید طلب نظروں سے اول خان کی طرف دیکھا تو وہ براہِ راست شیر دل سے مخاطب ہو گیا ''تمہاری یہ ترکیب بہت عامیانہ ہے۔ اس کا کوئی متبادل بھی ہے؟''

''پھر پندرہ بیس ہزار روپے خرچ کرنا ہوں گے۔'' اس بار بھی شیر دل نے بلاتوقف جواب دیا تھا ''بازار سے ایک نیا ریفریجریٹر خرید کر کرائے کی گاڑی میں وہاں پہنچ کر میں کہہ سکتا ہوں کہ میں آٹھ نمبر والوں کے لیے کسی کمپنی کے ایما پر مفت انعامی فرج لایا ہوں۔ مفت کے انعام سے کوئی انکار نہیں کرے گا۔ ہلچل مچ جائے گی۔ نک سات نمبر میں رہتا ہے۔ جتنی دیر میں مزدور گاڑی سے فریج اتاریں گے، میں سات نمبر میں اپنا کام کر لوں گا۔''

میں حیرت سے اس کا منہ دیکھتا رہ گیا ''تم نکل بھاگو گے۔ کرائے کی گاڑی کے ڈرائیور اور اس کے مزدوروں کا کیا بنے گا۔''

''کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ایک آدھ رات حوالات میں گزارنے کے بعد انہیں آزادی مل جائے گی۔ یہ میرا نہیں، ان کا مسئلہ ہوگا۔''

''تم ایسا نہیں کرو گے۔'' میں نے اسے گھور کر سختی سے کہا ''ٹیلی فون کیبل کاٹنے والی بے ضرر تجویز زیادہ بہتر ہے۔''

''تو تم نے مجھے آزاد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' فرطِ مسرت سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا۔

''تم جس طرح لائے گئے تھے، کچھ دیر بعد اسی طرح واپس بھجوا دیے جاؤ گے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا ''وعدہ خلافی نہیں ہوگی۔ اس ملاقات کا تم کسی سے ذکر نہیں کرو گے۔''

''کاش میرے ہاتھ پیر آزاد ہوتے اور بازو نہ ٹوٹا ہوا ہوتا تو میں تم دونوں کے ہاتھ پیر چوم لیتا۔'' اس کی آواز

وفورِ جذبات سے بھرّا گئی۔ ”تم نے مجھے نئی زندگی کی نوید سنائی ہے۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔“

میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ میں واپس لوٹتے لوٹتے، ٹھٹک کر وہیں رک گیا۔ اس کی فی البدیہہ تجاویز کے سحر میں گرفتار ہو کر میں یہ بھول گیا تھا کہ وہ سب کام اس کی بساط سے باہر تھے۔ اپنے ٹوٹے ہوئے بازو کی وجہ سے وہ ہلنے جلنے سے بھی معذور تھا لیکن دعوے یوں کر رہا تھا جیسے نک جیسے شاطر حریف کو ٹھکانے لگانا اس کے بائیں ہاتھ کی بات ہو۔

”تم ہل جل بھی نہیں سکتے۔ رابن ہائٹس میں اپنی شعبدے بازیاں کیسے دکھاؤ گے۔“ میں نے ملامت آمیز لہجے میں پوچھا ”ہمیں چکر کیوں دے رہے ہو۔“

”میں چکر نہیں دے رہا۔“ اس نے عجلت سے جواب دیا ”میری حالت تمہارے سامنے ہے۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی میں آگ سی بھری ہوئی ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ کام میں کروں گا۔ میں سے مراد وہ چاق و چوبند آدمی ہے جسے میں اس کام پر لگاؤں گا۔ ہدایات میری ہوں گی۔ کام وہ کرے گا۔ اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہوگا۔“

اس کی وضاحت سے مجھے اطمینان ہو گیا۔ میں نے جرائم پیشہ لوگوں کی زیرِ زمین دنیا میں ایک طویل عرصہ گزارا تھا۔ میرا تجربہ مجھے بتا رہا تھا کہ شیر دل جان بوجھ کر وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔ حالات اس کے آدمی کی گرفت سے نکل جاتے تو اور بات تھی۔

شیر دل، سوبھراج کی طرح کوئی روپوش مجرم نہیں تھا۔ اول خان کے آدمی اس کے نام کے حوالے سے کسی بھی وقت اس تک رسائی حاصل کر سکتے تھے لیکن پھر بھی ہمارے لیے ضروری تھا کہ اس کے تمام رابطوں سے آگاہ رہتے۔

اسے نک کے خلاف استعمال کرنے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد اس کی اہمیت میں یکا یک اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کو سونپے جانے والے کام کی تازہ ترین صورتِ احوال سے واقفیت کے لیے مجھے کسی بھی وقت اس سے بات کرنے کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔

وہ خود کسی مہم جوئی میں عملی حصہ لینے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ اسے گھر یا اپنے کسی اڈے پر بیٹھ کر اپنے کسی آدمی کو میدان میں اتارنا تھا اس وجہ سے وہ ہر وقت میرے رابطے میں آ سکتا تھا۔

میں نے اس بارے میں اس سے پوچھ گچھ کی تو اس نے بلا تامل مجھے اپنے ٹھکانوں کے پتے اور فون نمبر وغیرہ بتا دیے جو اول خان نے اپنی جیبی ڈائری کے ورق پر نوٹ کر لیے۔

”اور اب مجھے ایک اہم سوال کا جواب درکار ہے۔“ میں نے اپنے ذہن پر زور دے کر، جانے سے پہلے آخری بات چھیڑی۔

آزادی کی امید ہو جانے کے بعد شیر دل کا رویّہ بہت سعادت مندانہ ہو چکا تھا۔ وہ ہمہ تن گوش ہو کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔

”کوبرا نے تم کو ذاتی طور پر نک کے پیچھے جانے کے لیے کہا تھا۔ کیونکہ تم اسے پہچانتے تھے۔ اب ایک نئے آدمی سے کیسے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے شکار کی شناخت میں کسی غلطی کا ارتکاب نہیں کرے گا؟“

”میں ہمیشہ کوبرا کی خوشنودی کا خیال رکھتا ہوں۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے، میں کوئی چوں و چرا کیے بغیر اس پر عمل کر گزرتا ہوں۔ کراچی میں کسی سفید فام غیر ملکی کی شناخت زیادہ مشکل نہیں ہے۔ میں نے اس پر گھر سے باہر گولیاں چلائی تھیں۔ میرے پاس شناخت کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ اس وقت غلطی ہو سکتی تھی۔ میرا آدمی اس کے گھر میں جا کر اپنی کارروائی کرے گا۔ اس سے غلطی ہونے کا امکان نہیں ہے۔ وہ رابن ہائٹس کے سات نمبر فلیٹ میں جائے گا تو وہاں اسے نک ہی ملے گا۔“

”اس بھول میں نہ رہنا۔ وہاں اس کے ساتھ ٹام بھی رہتا ہے۔“

”میں نک کے خدوخال اس کے ذہن میں بٹھا دوں گا۔ تم بلاوجہ فکرمند ہو رہے ہو۔ دو میں سے ایک آدمی کی شناخت میں مشکل نہیں ہوگی۔“

اپنی حد تک وہ ہر یقین دہانی کرانے پر تلا ہوا تھا لیکن میرا ذہن اس منصوبے کی عملی کمزوریوں میں الجھا ہوا تھا۔

”یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارا آدمی وہاں پہنچے تو فلیٹ میں نک سرے سے موجود نہ ہو۔ اس کا سامنا صرف ٹام سے ہو۔ ایسی صورت میں وہ کیا کرے گا۔“

اس بار شیر دل میرا منہ دیکھتا رہ گیا۔ اس سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ اس نے جھجکتے ہوئے کہا ”فون لائنوں کی مرمت کے لیے اسے دیر تک عمارت میں رکنا پڑے گا۔ وہ باہر آ کر نک کے پہنچنے کا انتظار کر لے گا......“

”اس حماقت کی ضرورت نہیں۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ”وہ دونوں خود کو درپیش خطرات سے پوری طرح واقف ہیں۔ تمہارے آدمی کو بار بار ان کے فلیٹ میں

گھسنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔''

''پھر اسے کیا کرنا ہوگا؟'' شیر دل کی آواز میں ہلکی سی مایوسی ابھر آئی۔

''ہمارا اصل نشانہ نک ہے۔ کوبرا بھی اسی کو مروانا چاہتا ہے لیکن ناگزیر مجبوری درپیش ہو تو اسے دوسرے موقع کا رسک لینے کے بجائے ٹام کو ہی اڑا کر پہلی فرصت میں وہاں سے نکل آنا چاہیے۔ یہ نک کے لیے سنگین وارننگ ہوگی۔''

اس کا چہرہ کھل اٹھا ''تم نے کام آسان کر دیا۔ اب کسی بھی قسم کی ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''یہ کام آج ہو جانا چاہیے۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

''آج ہی ہوگا۔ میں خوش خبری کے بغیر کوبرا سے بات نہیں کروں گا۔ اس نے بھی مجھے وقت کے بارے میں سخت تاکید کی تھی۔''

''تھوڑی دیر میں تمہیں واپس بھجوا دیا جائے گا۔'' یہ کہہ کر میں واپسی کے لیے مڑ گیا۔

اس کمرے سے باہر آنے کے بعد اول خان نے برآمدے میں رک کر اپنے آدمیوں کو شیر دل کی واپسی کے بارے میں ہدایات دیں اور پھر ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔

''تم نے بہت تفصیل سے شیر دل کی بریفنگ کی ہے لیکن پھر بھی ایک امکان پر سرے سے کوئی بات نہیں ہو سکی۔'' اسٹیشن فور کی حدود سے نکل کر چھاؤنی کی مرکزی سڑک پر آنے کے بعد اول خان نے لب کشائی کی۔

''اسے میں نے دانستہ چھوڑ دیا۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا ''اس مہم پر سلطان شاہ کو بھیجا جاتا تو میں اسے بہت لمبی بریفنگ دیتا۔ شیر دل کے آدمی کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ ضرورت سے زیادہ اندیشوں کی نشان دہی ہونے کی صورت میں وہ تذبذب کا شکار ہو سکتا تھا۔ نک کے خلاف یہ آخری موقع ہے۔ اسے بار آور ثابت ہونا چاہیے۔''

''تم کو کیا معلوم کہ میں کس امکان کی بات کر رہا ہوں!''

''صرف ایک بات باقی رہی ہے۔ اگر اس فلیٹ میں شیر دل کے آدمی کو ٹام اور نک کا ایک ساتھ سامنا کرنا پڑا تو کیا ہوگا۔''

''بالکل یہی بات ہے۔ یہ بات میرے ذہن میں چبھ رہی تھی لیکن میں نے شیر دل کے سامنے اس کا ذکر مناسب نہیں سمجھا۔''

''تم نے بہت اچھا کیا۔ دراصل ایسی خون ریز کارروائیوں کے لیے پہلے سے سب کچھ طے نہیں کیا جا سکتا۔ اہم ترین فیصلے موقع کی نزاکت کو دیکھ کر بہت سرعت سے کرنا پڑتے ہیں۔ ساری اہمیت آدمی کے انتخاب کی ہوتی ہے۔ اگر شیر دل نے غلط آدمی چن لیا تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ آدمی ذہین اور حاضر دماغ ہوا تو ہر صورت حال کو سنبھال لے گا۔''

''وہ دونوں ہوئے تو ان کا پلہ بھاری رہے گا۔'' وہ بڑبڑایا۔

''تم دونوں فریقوں کی نفسیات کو نظر انداز کر رہے ہو۔ شیر دل کا آدمی ایک جیتے جاگتے انسان کو قتل کرنے کی بھرپور ذہنی اور عملی تیاری کے ساتھ ان کے دروازے پر جائے گا۔ اپنی جانوں کے خوف میں مبتلا ہونے کے باوجود ان دونوں کے ذہن سپاٹ ہوں گے۔ قاتل نے پھرتی سے کام لیا تو وہ ان دونوں کے سنبھلنے سے پہلے اپنا کام کر گزرے گا۔ آگ اگلتے ہوئے بے آواز ریوالور کی نال کی ذرا سی جنبش دونوں کو ٹھنڈا کر سکتی ہے۔''

''یہ بہت بڑا رسک ہے۔ اس کے......''

میں نے اس کی بات کاٹ دی ''ہمارا کوئی رسک نہیں ہے۔ سارا رسک سوبھراج کے لیے ہے۔ یہ کہہ سکتے ہو کہ یہ ایک بڑا فیصلہ ہے۔ اس کے اثرات بہت دور رس ثابت ہوں گے۔ شیر دل کی آزادی کے ساتھ تمہارے کسی آدمی کو رابن ہائٹس کے قرب و جوار میں موجود رہنا ہوگا تاکہ وہاں رونما ہونے والے کسی بھی واقعے کے بارے میں ہمیں فوری اطلاع مل سکے اور ہم اس کی روشنی میں کوئی فیصلہ کر سکیں۔''

''مجھے توقع نہیں تھی کہ نک پر حملہ کرنے والے کو پکڑ کر ہم کسی اتنی بڑی کارروائی کی داغ بیل ڈال سکیں گے۔ تم نے شیر دل کو آج کا مرکزی کردار بنا دیا ہے۔''

میں نے اس کے تبصرے کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس وقت میرا ذہن اس معاملے کے کچھ اور پہلوؤں میں الجھا ہوا تھا۔

گھر پہنچنے کے بعد اس بارے میں گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو میں نے اول خان کے کسی آدمی کے بجائے سلطان شاہ کو رابن ہائٹس کی دیکھ بھال کے لیے بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے فوری رابطے کی سہولت فراہم کرنے کے لیے اول خان نے اپنا موبائل فون پیش کیا جو میں نے شکریے کے ساتھ لے کر سلطان شاہ کے حوالے کر دیا۔

میرے موبائل کا نمبر نک اور سوبھراج کے علاوہ شیبا کے بھی علم میں تھا۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی، کسی وقت مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کرسکتا تھا۔ اس فون کا ہر وقت میری تحویل میں رہنا ضروری تھا۔

''تم نے سلطان شاہ کے لیے کام نکال لیا ہے تو مجھے بھی کچھ بتاؤ۔ گھر میں پڑے پڑے میرے بدن کو زنگ لگ رہا ہے۔'' ویرا نے مجھ سے فرمائش کی۔

''زیتون کے تیل سے اپنے جوڑوں کی مالش کرو۔ سارا زنگ نکل جائے گا۔'' سلطان شاہ نے تمسخرانہ انداز میں تجویز پیش کی۔

''تمہارا باہر نکلنا مناسب نہیں ہے۔'' میں نے ویرا کو سمجھایا ''میری کلارک کے روپ میں راج محل جانے کی وجہ سے تمہارا نام سب دشمنوں کے ذہنوں میں تازہ ہوگیا ہے۔ کسی سے مڈبھیڑ ہوگئی تو دشواریاں پیدا ہوجائیں گی۔''

''اس وقت ہمارے دشمن خوف زدہ ہو کر اپنی کمین گاہوں میں دبکے ہوئے ہیں۔ سوبھراج کو نک کے آدمیوں سے اپنی جان کا خطرہ ہے، نک صبح کے حملے سے ڈرا ہوا ہوگا۔ ہمیں بڑھ کر ان کا سر کچل دینا چاہیے۔''

''سوبھراج کا ٹھکانا معلوم ہے تو اپنا یہ شوق ضرور پورا کرلو۔ نک کے لیے شیر دل کا بندوبست ہوچکا ہے۔ اسے چھیڑنا مناسب نہیں ہوگا۔'' غزالہ بولی۔

''تم سوبھراج کو فون کیوں نہیں کرتے۔ کچھ تو پتا چلے کہ وہ کیا کررہا ہے۔'' ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

''یہ سامنے کی بات ہے کہ وہ شیر دل کو نک کے پیچھے لگا کر نتیجے کا انتظار کررہا ہے۔ تم اور کیا معلوم کرنا چاہتی ہو!'' میں نے سوال کیا۔

''کیا اسے یہ معلوم ہوچکا ہوگا کہ شیر دل اپنی پہلی کوشش میں ناکام رہا ہے؟''

''مشکل ہے!'' میں نے اسے جواب دیا ''نک کی گاڑی پر بے آواز فائر کیے گئے تھے۔ کسی کو پتا نہیں چل سکا ہوگا کہ وہاں کیا ہوا ہے۔ شیر دل ایس ٹی ایف کی تحویل میں ہے۔ نک کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے کوئی باضابطہ رپورٹ درج کرائی ہے یا اس واقعے پر خاموشی اختیار کرلی ہے۔''

''سب چھپ کر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ جو سامنے آیا وہ بے موت مارا جائے گا۔'' ویرا نے بیزاری سے کہا ''ایسی صبر آزما لڑائیوں سے مجھے سخت کوفت ہوتی ہے۔ اعصاب تک چٹخنے لگتے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے حریفوں کی غلطیوں کا انتظار کرتے رہو۔''

''تم شی والی مار دھاڑ کی عادی ہو اور ہر وقت ایکشن دیکھنا چاہتی ہو۔'' میں نے خوش دلی سے جواب دیا ''آج صبح کے اجلاس میں کسی نے میرے اور سوبھراج کے لیے ہائی پروفائل مجرموں کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ جب مقابلہ چوروں، اُچکوں اور بدمعاشوں سے ہو تو ہر وقت ہاتھ پیر چلتے رہتے ہیں۔ ذہن پر بہت کم زور پڑتا ہے۔ خون خرابا اتنا ہوتا ہے کہ طبیعت مکدر ہونے لگتی ہے۔ جب جرائم کی نوعیت بدلتی ہے اور وہ بین الاقوامی روپ دھار لیتے ہیں تو ہر وقت ذہنی جنگیں ہوتی رہتی ہیں۔ جسمانی ٹوٹ پھوٹ کم رہ جاتی ہے۔ سوبھراج کو مہلت ملی تو وہ تمہارے شوق پورے کرادے گا۔''

ویرا کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اسی وقت میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

میں نے بٹن دبا کر انسٹرومنٹ اپنے کان سے لگایا تو دوسری طرف سے ایک سہمی ہوئی نسوانی آواز میرے کانوں میں آئی ''کیا تم مہیش اگروال ہو؟''

آواز میرے لیے اجنبی تھی لیکن سوال سے میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ شیبا ہی ہوسکتی تھی۔

''میں مہیش ہی ہوں۔'' میں اپنی جگہ چھوڑ کر ٹہلتا ہوا کھانے کے کمرے کی طرف نکل گیا تاکہ اس سے ذرا آزادی سے بات کرسکوں۔

''سنیل کا کہیں کوئی پتا نہیں ہے۔ اس نے گھر کا چکر لگایا نہ اس کا کوئی فون آیا۔ میں اس کی طرف سے بہت پریشان ہوں۔''

''اس کی غیر حاضری تمہارے لیے نئی بات نہیں ہے۔''

''مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ راج محل میں ہے۔ جب چاہتی، اس سے بات کرلیتی تھی مگر اب تو کچھ پتا ہی نہیں کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے۔''

''اس نے یہ روپوشی خود مول لی ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں اسے کہاں تلاش کروں۔''

''وہ نہیں مل رہا تو کچھ دیر کے لیے تم میرے پاس آجاؤ۔ تمہارے آجانے سے میرے دل کو بہت حوصلہ ملا تھا۔''

''اسے تمہارے پاس کسی کی موجودگی کی بھنک مل گئی تو وہ گھر کا رخ نہیں کرے گا۔ اس وقت وہ بھڑکا ہوا ہے۔ اسے ہر طرف خطرات ہی خطرات نظر آرہے ہوں گے۔

حوصلے کے ساتھ اس کی واپسی کا انتظار کرو۔''
''میں تمہارے قریب ہونا چاہتی ہوں۔'' اس کی آواز دھیمی ہوگئی ''تمہیں چھونا اور محسوس کرنا چاہتی ہوں۔ پلیز! کچھ وقت میرے ساتھ بھی گزارلو۔''
''جب تک سنیل سامنے نہیں آتا، یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ مجھے اس کے تعاون کی ضرورت تھی اس لیے میں اسے مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔
''پھر مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں۔ گھر میں اکیلی رہ کر میں گھٹ جاؤں گی۔''
''شاید تم بہت شدت سے کسی مرد کی ضرورت محسوس کررہی ہو!''
''میں کسی مرد کی نہیں، تمہاری ضرورت محسوس کررہی ہوں۔ میں نے بہت پریشان ہوکر اس وقت تمہیں فون کیا ہے۔ میں اتنی بری تو نہیں ہوں کہ تم مجھے یوں ٹھکرارہے ہو۔''
''میں تمہیں نہیں ٹھکرارہا۔ تم موتیوں میں تولے جانے کے قابل ہو، خوب صورت ہو، جوان ہو، اچھی باتیں کرتی ہو۔ سوبھراج بلاوجہ تمہارا دم نہیں بھرتا تھا۔ میں سنیل کے برے وقت سے ڈرا ہوا ہوں۔ حالات سازگار ہوگئے تو تم مجھے اپنے قریب پاؤگی۔''
میری ان جھوٹی تسلیوں نے اسے کچھ تسکین فراہم کردی۔ میری ان چکنی چپڑی باتوں کے سہارے کچھ اچھا وقت گزار لینے کی امید میں اس نے اپنی وارفتگی کے اظہار کے ساتھ فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔
تخلیے میں جاکر کس سے بات کررہے تھے؟'' میرے واپس لوٹتے ہی ویرا نے سوال داغ دیا۔
''شیبا تھی۔ وہ سنیل کے لیے پریشان تھی۔'' میں نے بتایا۔
''تمہیں بلارہی ہوگی تاکہ تم اس کے شوہر کی کمی کو پورا کرسکو!'' ویرا نے طنزیہ پیرایے میں تلخی سے کہا۔
''بعض اوقات تم حد سے تجاوز کرنے لگتی ہو۔ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔'' اس بار مجھے اپنی مدافعت کے لیے جھوٹ کا سہارا لینا پڑا۔
ایسے مشکوک معاملات میں ویرا کا قیاس اس قدر صحیح سمت میں کام کرتا تھا کہ وہ بے دھڑک ہوکر اپنے دل میں آئی ہوئی بات کہہ ڈالتی تھی جیسے اس نے دوسرے فریق کی پُر گفتگو اپنے کانوں سے سنی ہو۔
''اگر سنیل گھر نہیں لوٹا تو اس کے فون کرنے کا کیا مقصد تھا؟''
''وہ مجھے سنیل کا دوست اور خیرخواہ سمجھ رہی ہے۔ مجھ سے بات کرکے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہ رہی تھی۔ تم ہر ایک کی طرف سے اتنی بدگمان کیوں ہوجاتی ہو۔''
''میں بلاوجہ کسی سے بدگمان نہیں ہوتی۔ باتوں کے آئینے میں بعض عورتوں کے چہرے مجھے صاف نظر آنے لگتے ہیں۔''
''اس نے بلایا ہے تب بھی ڈینی وہاں کب جارہے ہیں۔'' اس بار غزالہ خاموش نہیں رہ سکی۔ ''تم بلاوجہ ان کے پیچھے پڑجاتی ہو۔''
ویرا نے مجروح نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا اور سپاٹ لہجے میں بولی ''تم گونگی گڑیا بنی رہتی ہو۔ میں تمہاری بھلائی کے لیے یہ سب کہتی ہوں۔ میری باتیں تمہیں ناگوار گزرتی ہیں تو میں بھی آئندہ تماشا دیکھتی رہوں گی، منہ سے کچھ نہیں بولوں گی۔''
''یہ بری بات ہے کہ آپس میں باتیں کرتے کرتے تم لوگ لڑنا شروع کردیتے ہو۔ ایسی تلخ کلامیوں سے بلاوجہ دل خراب ہوتے ہیں۔'' اول خان نے دونوں کو سمجھایا۔
کچھ دیر بعد سلطان شاہ مختصر سی تیاری کے ساتھ رابن ہائٹس کے لیے روانہ ہوگیا۔ میرا اندازہ تھا کہ شیر دل اسٹیشن نور سے واپسی اور ہوش وحواس میں آنے کے بعد اپنا کام شروع کرنے میں دیر نہیں لگائے گا۔
شہر کے کسی ویران پارک یا میدان میں ہوش میں آنے کے بعد اسے اپنے ٹھکانے تک پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیے تھی۔
پھر اول خان بھی چلا گیا۔ غزالہ اپنا کمرا سمیٹنے کے لیے چلی گئی لیکن ویرا ڈرائنگ روم میں میرے ساتھ بیٹھی سگریٹ پیتی رہی۔
بارہ بجے کے بعد میرے موبائل فون پر نک کی کال آئی تو میرا دل خوش ہوگیا۔ میرے ذہن میں اس کے لیے بہت سی باتیں جمع ہوچکی تھیں۔
میری آواز سن کر اس نے رسمی لہجے میں میرا شکریہ ادا کیا کہ میں نے اپنے وعدے کے مطابق بی گن اسے واپس بھجوادی تھی۔
''مجھے خوشی ہے کہ تم صبح کے حملے میں بچ گئے۔'' میں نے اس کے رسمی الفاظ ختم ہوتے ہی وہ بات چھیڑ دی۔
''یہ اچھی بات ہے کہ یہاں ایسی ناکامیوں پر خوش ہونے والے کچھ لوگ بھی موجود ہیں۔'' میرے الفاظ پر اس نے

کسی خاص ردِّعمل کے بغیر کہا ''تمہارا ملک اب بہت بدل گیا ہے۔ میں نے خود کو دوستوں کے بجائے دشمنوں کے درمیان گھرا ہوا محسوس کیا ہے۔''

''تم نے اس واقعے کی رپورٹ درج کرادی ہوگی۔''

''میرے پاس اب زیادہ وقت نہیں رہا۔ کسی نہ کسی نے یہ کام کرلیا ہوگا۔'' اس نے سرسری سا جواب دیا۔

''کچھ عجلت میں معلوم ہو رہے ہو!'' میں نے رائے زنی کی۔

''سر پر سفر سوار ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں جانے سے پہلے یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ صبح کے اجلاس میں تم کو دیکھنے کے بعد تمہاری طرف سے میرا دل صاف ہو چکا ہے۔ تمہارے چہرے پر آئی ہوئی چوٹوں کے نشان دیکھ کر یہ اندازہ ہوگیا کہ ڈینی تم کو اپنے تشدد کا نشانہ بنا کر فرار ہوا تھا۔ مجھے اس بات کا قلق رہے گا کہ تمہاری ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ میرے ساتھ تمہارے ہاتھوں سے بھی نکل گیا۔''

''دونوں کی طرف یکساں حال ہے۔ مجھے سوبھراج کے بارے میں افسوس ہے۔ تمہاری وجہ سے وہ کسی چکنی مچھلی کی طرح ہمارے ہاتھوں سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔''

''شاید میرے بعد آنے والے سے تمہاری کوئی بات بن سکے۔ زندگی رہی تو پھر کبھی ملاقات ہوگی۔ بس اپنا دھیان رکھنا۔'' اس نے فون بند کردیا۔

''اس کے سر پر سفر سوار ہوگیا ہے۔ وہ یہاں سے دل برداشتہ ہوکر جارہا ہے۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''دیکھنا ہے کہ وہ اپنے وطن جاتا ہے یا عالمِ بالا کے سفر پر روانہ ہوتا ہے۔'' ویرا نے سگریٹ کے دھویں کے مرغولے بناتے ہوئے کہا۔

''آدمی ساری عمر اپنی منصوبہ بندیوں میں لگا رہتا ہے۔ اسے یہ خبر نہیں ہوتی کہ اس کے لیے پردۂ غیب سے اگلے لمحے میں کیا ظہور میں آئے گا۔''

''کاتبِ تقدیر نے اب نک کی زندگی کا فیصلہ شیر دل کو سونپ دیا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کارنامہ دکھاتا ہے۔''

''یہ اچھی بات ہے کہ نک دفتر کے بجائے اپنے گھر میں ہے۔ موبائل فون میں یہ بڑی خوبی ہے کہ ہر آنے والے فون کا نمبر اسکرین پر آجاتا ہے۔'' یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب عام ٹیلی فون صارفین کو سی ایل آئی کی سہولت کا تصور ناپید تھا۔

''کل کسی وقت اسے روانہ ہوجانا ہے۔ اسے پیکنگ وغیرہ کے لیے چھٹی مل گئی ہوگی۔''

''صبح کے تلخ تجربے کے بعد اب وہ گھر سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ یہ صورتِ حال شیر دل کے آدمی کے لیے سازگار نظر آرہی ہے۔''

''میرا مشورہ ہے کہ اب سوبھراج کو بھی ٹٹول لو۔ دیکھو کہ وہ کیا کہانی سناتا ہے۔''

''کل بھی میں نے اسے فون کیا تھا۔ اب اس کا فون آنا چاہیے۔''

''اس چکر میں نہ پڑو۔ وہ مصائب میں گھرا ہوا ہے۔ زخمی بھی ہے۔ اس وقت اس کی ساری توجہ نک پر مرکوز ہے۔ پتا چلنا چاہیے کہ اسے نک پر کیے جانے والے ناکام حملے کا علم ہو چکا ہے یا وہ ابھی تک بے خبر ہے۔''

میں نے کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد سوبھراج کا سیٹ لائٹ فون نمبر ملالیا۔

اس بار پہلی گھنٹی پر جواب مل گیا۔ اس کی آواز کا کھویا ہوا تحکم بحال ہو چکا تھا۔

''تمہاری آواز سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تمہارے زخموں کا حال بہتر ہے۔'' میں نے دوستانہ لہجے میں اس کی مزاج پرسی سے بات کی ابتدا کی۔

''میں بہتر ہوں۔'' اس کا جواب بہت مختصر تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ اس سے بات کیسے آگے بڑھائی جائے پھر میں نے برجستہ کہا ''میں نک کی گھات میں لگا ہوا ہوں۔ اس وقت وہ اپنے گھر پر ہے۔''

نک کا نام سنتے ہی اس کے ایک بے ساختہ قہقہے کی آواز آئی پھر وہ بولا ''کل تک وہ مجھے بھگا رہا تھا۔ آج اس کی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔''

''کیا وہ بھی زخمی ہوگیا ہے!'' میں نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

''تھوڑی دیر پہلے اس کا فون آیا تھا۔ صبح وہ اپنی بلٹ پروف کار کی وجہ سے گولیوں کا نشانہ بننے سے بچا ہے۔ اب وہ مجھ سے صلح کرنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔''

''اسے کیسے پتا چلا کہ وہ گولیاں تم نے چلوائی تھیں۔''

''جو لوگ خطرناک دشمنیاں پالتے ہیں، وہ اپنے دشمنوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اس کی باری آئی ہے تو اب وہ گھبرایا ہوا ہے۔''

''میں اس کی گھات میں لگا رہا اور تم نے اپنا کام شروع بھی کردیا۔'' میں نے توصیفی لہجے میں اسے پھونک دینے کی کوشش کی۔

''اب وہ روئے زمین پر میرا بدترین دشمن ہے۔ اس

نے مجھے غدار قرار دے کر میری پیشانی پر کلنک کا ٹیکا لگایا ہے۔ وہ بھول گیا ہے کہ ایف بی آئی والے اپنے غداروں سے کبھی صلح کرتے ہیں نہ ان کو معاف کرتے ہیں۔''

''اس کا جانا طے ہو چکا ہے۔ وہ ایک دو روز کے لیے تمہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کررہا ہوگا تاکہ اس دوران میں اسے اپنی جان بچا کر یہاں سے نکلنے کا موقع مل سکے۔ بعد میں کوئی زرخرید قاتل آسانی سے تمہارا کام کردے گا۔''

''مجھے معلوم ہے کہ اب مجھے ان کے قاتلوں سے بچ کر زندہ رہنا ہوگا۔ میں ان کی نظروں میں آیا اور مار ڈالا جاؤں گا۔ اس سے پہلے میں نک کو جہنم واصل کرنا چاہتا ہوں۔ میری بربادی کے ذمے دار کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔''

''ابھی تم نے کہا ہے کہ صبح تمہارا آدمی اسے مارنے میں ناکام ہوگیا۔ کل وہ پاکستان سے چلا جائے گا۔ تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔''

''مجھے اسی آدمی کی تلاش ہے۔ پتا نہیں وہ کہاں مرا ہوا ہے۔'' اس کی غصیلی آواز گونجی۔

''تم اسے کیوں تلاش کررہے ہو؟'' میں نے سادگی سے پوچھا۔

''میں سامنے نہیں آسکتا۔ اسی کو کچھ کرنا ہوگا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ پے در پے حملوں کے باوجود نک مجھے نہیں مار سکا اور میں اسے نہیں مار سکا۔ پتا نہیں یہ کیا ہو رہا ہے۔''

''ان ناکامیوں کا قصور میرے سر نہ ڈال دینا۔''

''یہ کسی کا قصور نہیں ہے، مقدر کی خرابیاں ہیں۔ وقت بگڑتا ہے تو سب کچھ بگڑتا چلا جاتا ہے، کوئی تدبیر کسی کام نہیں آتی۔''

''اپنا وقت تم نے خود خراب کیا ہے۔ شہر کے معزز ہندو کہہ رہے ہیں کہ تم نے ان کی نیک نامی کو داغ لگایا ہے۔''

''یہ کون کمینہ کہہ رہا ہے؟'' وہ غرایا۔

''یہ بات شہر میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں تم اکیلے نہیں رہتے۔ صرف کراچی میں ہزاروں کی تعداد میں ہندو آباد ہیں۔ کوئی ان سے تعصب نہیں کرتا۔''

''وہ سب بزدل ہیں۔ یہاں دوسرے درجے کے شہری بن کر رہ رہے ہیں۔ مسلمانوں کی غلامی کرتے ہیں۔ میں نے ہر بات میں مسلمانوں کا مقابلہ کیا ہے، ان کو مات دے کر ان سے بہت آگے نکلا ہوں۔ میری یہ ترقی ان کو کھل رہی ہے۔ میرے اوپر کیچڑ اچھالی جارہی ہے۔ مجھے شرمناک نام دیے جارہے ہیں......''

میری قوتِ برداشت جواب دے گئی اور میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی ''یہ باتیں تم دوسروں کو بتا سکتے ہیں۔ مجھ سے نہیں کہہ سکتے۔ یہاں کسی کو تم سے کوئی پرخاش نہیں رہی۔ تمہاری گاڑی چل رہی تھی۔ ساری خرابی اس وقت پیدا ہوئی جب تم نے خاموشی سے ویرا کو پکڑ لیا اور کسی کو ہوا نہیں لگنے دی......''

اس بار اس نے درمیان سے میری بات اچک لی ''میں مانتا ہوں کہ خرابی وہیں سے ہوئی مگر پھر بات کا بتنگڑ بنایا جانے لگا۔''

''یہ بھی غلط ہے۔ سارے الزامات درست ہیں۔ تم نے اس کا سامنا کیوں نہیں کیا۔''

''ڈینی! تم سب کچھ جانتے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ وہ مجھے غدار قرار دے چکے تھے۔ میں اپنا دفاع کرنے کے لیے سامنے آتا اور وہ مجھے مروا دیتے۔''

''مائی ڈیئر سوبھراج! پھر مسلمانوں اور ہندوؤں کو گالیاں نہ دو۔ تمہاری بربادی کی ساری ذمے داری نک پر ہے۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے اس کا خوف نہ ہوتا تو آج میرے حالات مختلف ہوتے۔ میں بہترین وکیل کرسکتا تھا۔ منہ مانگی رشوتیں دے سکتا تھا۔ میرے پاس کس چیز کی کمی تھی۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں پیسے کے بل پر سب کچھ ہوسکتا ہے۔''

اس کی وہ بات بھی غلط تھی لیکن میں نے اسے چیلنج نہیں کیا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ جن معاملات کے پیچھے اول خان اور جلال جیسے لوگوں کا دماغ کام کررہا ہو وہاں قارون کا خزانہ بھی حقائق کو تبدیل نہیں کرسکتا تھا۔

اس وقت سوبھراج کی ذہنی حالت قابلِ رحم تھی۔ وہ ایک وقت میں متضاد باتیں کررہا تھا۔ بے مثال عروج کے بعد آنے والے زوال نے اس کے دماغ پر اچھا اثر نہیں ڈالا تھا۔

اس کے دماغ میں دو باتیں جم کر رہ گئی تھیں۔ اول یہ کہ ایف بی آئی کی سزا سے بچنے کے لیے اسے اپنی بقیہ زندگی روپوش رہ کر گزارنی تھی۔ دوئم یہ کہ ایف بی آئی کے سفاکانہ فیصلے کی ساری ذمے داری نک ہار دے کی تھی، اس سے بدلہ لینا ضروری تھا۔

''وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ اپنے آدمی کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ، میں اس کا کھوج لگانے کی کوشش کروں

گا۔‘‘ میں نے اشتعال انگیز اور متنازعہ باتوں سے گریز کرتے ہوئے مخلصانہ لہجے میں اسے پیش کش کی۔

’’ایسے کام کرنے والے رازداری کے معاملے میں بہت حسّاس ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ایک ناکامی کے بعد کوئی دوسرا منصوبہ بنا رہا ہو۔ وہ کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گا۔‘‘

’’میری کوشش سے وقت بچ سکتا ہے۔‘‘ میں نے اسے ترغیب دلائی۔

’’اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسے خود تلاش کروں گا۔‘‘

’’کیا سنیل بھی زخمی ہے۔‘‘ میں نے محتاط الفاظ میں پوچھ لیا۔

’’اس کا حال مجھ سے برا ہے۔ وہ ٹھیک ہوتا تو مجھے کسی سے مدد لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اب تک اپنا کام دکھا چکا ہوتا۔‘‘

’’وہ بھی تمہارے ساتھ روپوش ہے؟‘‘ میں نے سوال کیا۔

’’مجبوری ہے۔ مجھے ہر وقت ایک ساتھی اور سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔‘‘

’’اور تم بقیہ زندگی اسی طرح چھپ کر گزارو گے۔‘‘

’’دونوں سمندر امریکا پر چڑھ جائیں یا کوئی بھیانک زلزلہ آئے اور اس ملک کو ایف بی آئی سمیت صفحۂ ہستی سے مٹا دے تو اور بات ہے ورنہ مجھے یہی کرنا پڑے گا۔ اب روپوشی میرا مقدر بن چکی ہے۔‘‘

’’سکون اور خاموشی سے ایسی زندگی دشوار ہو جائے گی۔‘‘

’’تم میری فطرت سے واقف نہیں ہو۔ میں خاموش ہو کر بیٹھنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اس ملک اور معاشرے نے مجھے ٹھکرایا ہے۔ اس سے ایسا انتقام لوں گا کہ بھلائے نہ بھولا جاسکے گا۔‘‘

’’یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اسی ملک اور معاشرے نے تمہیں فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچایا تھا۔ آج تم ان کے دشمن ہو رہے ہو؟‘‘

’’میرے لیے کسی نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے اپنی کوششوں سے اپنا مقام بنایا تھا۔‘‘

’’اپنے اس مقام کو برقرار رکھنے کے لیے چند روز پہلے تک تم مجھ سے مہلت کے طلب گار تھے۔ کل تک کے خلاف مجھ سے مدد مانگ رہے تھے۔ آج تمہارے تیور بدلے ہوئے ہیں۔‘‘

’’مجھے تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس اب کیا رہا ہے جسے تم مجھ سے چھین سکتے ہو، نک مرجائے گا یا چلا جائے گا۔ اس کا قصہ بھی ختم ہو جائے گا۔‘‘

اس وقت سوبھراج کا ذہنی توازن کچھ بگڑا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس سے گفتگو کو طول دینے میں بات بگڑ سکتی تھی۔ میں نے اس کی صحت کی بحالی کے لیے ایک منافقانہ دعا مانگی اور فون بند کر دیا۔

’’معلوم ہوتا ہے کہ آج وہ تم سے بھی منحرف ہو گیا۔‘‘ ویرا نے ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

’’وہ شدید مایوسی کا شکار ہو چکا ہے۔‘‘ میں نے تفکر آمیز انداز میں بتایا۔

’’پھر اس کی واپسی کے سب راستے بند سمجھو۔ کوئی اس تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تو وہ پاگل ہو کر کہیں مرجائے گا۔‘‘

’’ابھی تک میں اس خوش فہمی میں تھا کہ وہ مجھ سے بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہتا۔‘‘ میں نے کہا ’’لیکن اس وقت اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس کی کسی بات پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ وہ کسی بھی وقت قلابازی کھا سکتا ہے۔‘‘

’’ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کو تمہارے پیچھے لگا دے۔‘‘

’’اس سے کیا فرق پڑے گا۔ اب بھی نہ جانے کون کون میرے خون کا پیاسا ہے۔‘‘

’’ہم لوگ شہر کے اس کونے میں چھپے بیٹھے ہیں لیکن جہانگیر سب کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔ ایسے حالات میں مجھے اس کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے۔‘‘

’’کیا کیا جاسکتا ہے۔ فی الحال ایس ٹی ایف کے دو آدمی وہاں دن رات ڈیوٹی دے رہے ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے۔‘‘

’’یہ مکان ہمارا اپنا ہے۔ تم اوپری منزل بنوا کر اسے یہاں کیوں نہیں بسا لیتے۔ آئے دن کے خدشوں سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔‘‘

’’یہاں دوسرے جھگڑے شروع ہو جائیں گے۔‘‘ میں نے سلمٰی کا تصور کرتے ہوئے کہا ’’اکیلے رہتے ہیں تو وہ دونوں ایک دوسرے کو برداشت کر لیتے ہیں۔ یہاں حمایتی مل جائیں گے تو ان دونوں کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔‘‘

’’جہانگیر سے زیادہ سلمٰی تمہیں پسند کرتی ہے۔ تمہیں وہ ایسی نظروں سے دیکھتی ہے جیسے تمہارا سینڈوچ بنا کر چٹ کر جانے کا ارادہ رکھتی ہو۔‘‘

''تمہیں دنیا کی ہر عورت میں یہی کیڑے نظر آتے ہیں۔ کسی کو تو معاف کر دیا کرو۔''

وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگی ''ایک بات سامنے نظر آ رہی ہو تو میں اس سے چشم پوشی نہیں کر سکتی۔ میں نے یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ تم اس کے رویے سے بے آرام ہونے لگتے ہو۔ وہ یہاں آباد ہو گئی تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

''ان دونوں کے ساتھ گزارا ہونا مشکل ہے۔ گولڈن فارمیسی جلنے کے بعد جہانگیر ذرا سکون سے ہے۔ کیا پتا کہ کسی دن اس کے سر پر پرچون کی دکان کھولنے کا خبط سوار ہو جائے۔ اسے میں کہاں کہاں سنبھالتا پھروں گا۔''

''اسے درزی کی دکان کھلوا دو۔ وہ بہت خوش رہے گا۔ ہر آنے والی عورت کا ناپ خود لے گا اور مگن رہے گا۔''

''تم اسے غلط سمجھتی ہو، وہ عیاش طبع نہیں، بس ذرا سا ٹھرکی ہے۔ عورتوں سے بات کر کے خوش رہتا ہے۔''

''بیوی ہر وقت نظر رکھتی ہو تو شوہر مجبور ہو جاتا ہے لیکن اپنی ہیرا پھیری سے باز نہیں آتا۔ کبھی کبھی مجھے ان دونوں پر بہت ترس آتا ہے۔''

''میری طرف سے اجازت ہے، روز ادھر کا چکر لگا لیا کرو۔''

''سلمٰی مجھ پر شبہ کرنے لگے گی۔ وہ ایسی ہی عورت ہے۔''

''دین محمد نے کھانے کی میز لگنے کا اعلان کیا اور وہ گفتگو وہیں ختم ہو گئی۔

کھانے کے دوران میں گفتگو کا رخ نک اور سوبھراج کی طرف مرکوز رہا۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں ستانے کے لیے اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔

لیٹے لیٹے نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔ شاید میں دیر تک سوتا رہتا مگر غزالہ نے مجھے جھنجوڑ کر اٹھا دیا۔

''کیا بات ہے...... ایسی کیا قیامت آ گئی جو مجھے اس طرح جگا رہی ہو!'' میں نے بےزاری کے عالم میں اس سے پوچھا۔

''منہ ہاتھ دھو کر آ جائیں۔ سلطان شاہ لوٹ آیا ہے۔''

غزالہ کی زبان سے وہ خبر سنتے ہی میری نیند کافور ہو گئی۔ میں اچھل کر بستر سے اتر آیا۔ اس وقت وال کلاک شام کے چار بجا رہا تھا۔

مجھے حیرت تھی کہ سلطان شاہ نے اول خان کا دیا ہوا موبائل فون استعمال کرنے کے بجائے گھر واپس آنے کو ترجیح دی تھی۔

میرے ذہن میں سب سے پہلے اس شبہے نے سر ابھارا کہ سلطان شاہ کو کسی گڑبڑ سے بچنے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا ہوگا ورنہ وہ اتنی جلدی واپس آنے والا نہیں تھا۔

میں منہ ہاتھ دھوئے بغیر تیزی سے اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔

وہ ڈرائنگ روم میں ویرا کو کچھ بتا رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی فضا میں دونوں ہاتھ اچھال کر بولا ''وہاں ضرورت سے کچھ زیادہ کام ہو گیا۔ نک مارا گیا۔ ٹام زخمی ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ایک دبلے پتلے مقامی آدمی کو بھی زخمی حالت میں اسپتال لے جایا گیا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ شیر دل کا بھیجا ہوا آدمی تھا۔''

''تمہیں وہاں اندازے لگانے کے لیے نہیں بھیجا گیا تھا۔'' میں نے قدرے غصے سے کہا ''تم کو وہاں سے پوری معلومات یک جا کر کے ہلنا چاہیے تھا۔''

''میں ویرا کو یہی بتا رہا تھا کہ عین وقت پر موبائل کی بیٹری جواب دے گئی۔ اس کی اسکرین صاف پڑی ہوئی تھی۔'' اس نے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا موبائل فون میری طرف بڑھا دیا۔

''بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ کر سکون سے بتاؤ کہ وہاں کیا ہوا تھا۔'' ویرا نے اس کے دونوں شانے تھام کر اسے صوفے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

''وہاں زبردست افراتفری اور خوف و ہراس کا راج ہے۔'' سلطان شاہ نے صوفے پر گر کر اپنی بات جاری رکھی ''میں بہت مشکل سے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو سکا کہ نک اپنے فلیٹ میں مارا جا چکا ہے۔ دبلے پتلے مقامی کے بارے میں پتا چلا ہے کہ وہ ٹیلی فون کمپنی کی طرف سے رابن ہائٹس کی بہت سی خراب لائنوں کی مرمت کے لیے وہاں آیا تھا۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ زخمی ہونے والے کا نام ٹام ہے؟'' مین نے پوچھا۔

''وہ وہیں رہتا ہے۔ سکیورٹی والے اسے پہچانتے ہیں۔ ہر طرف یہی سننے میں آ رہا تھا کہ کسی نے ٹام صاحب کو گولی مار کر زخمی کر دیا۔''

''نک کی موت کی تصدیق کیسے ہوئی؟'' میں نے اگلا سوال کیا۔

''وہاں یہ خبر پھیلی ہوئی تھی کہ ٹام صاحب کے فلیٹ میں دوسرے گورے کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اوپر سے ایک

فائر اور پھر چیخ کی آواز میں نے بھی سنی تھی۔''
''یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک فائر سے دو آدمی زخمی ہوں اور تیسرا مر جائے۔'' غزالہ نے تائید طلب انداز میں کہا۔
''وہ ٹام کی پستول کی آواز رہی ہوگی۔'' میں نے کہا ''شیر دل کے آدمی نے یقینی طور پر بے آواز ہتھیار استعمال کیا ہوگا۔''
''مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آخر کار نک مارا گیا۔'' ویرا بولی۔
''دشمن کی موت پر خوش ہونا کم ظرفی کے زمرے میں آتا ہے۔'' سلطان شاہ نے اسے جواب دینا ضروری سمجھا۔
''بات سمجھ میں آئی کہ وہاں کیا ہوا ہوگا؟'' میں نے ویرا سے پوچھا۔
''میں اتنی روشن ضمیر نہیں ہوں کہ یہاں بیٹھ کر وہاں کے بارے میں صحیح اندازے لگالوں۔'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔ وہ نک کی ہلاکت کی خبر سن کر واقعی بہت زیادہ مسرور نظر آرہی تھی۔
''میرا اندازہ ہے کہ قاتل فلیٹ میں داخل ہوا تو وہاں ٹام اور نک، دونوں موجود تھے۔'' سلطان شاہ نے از خود کہنا شروع کر دیا ''قاتل تیاری سے گیا تھا اور شاید اس نے ان میں سے نک کو پہچان لیا تھا۔''
''ویری گڈ!'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔
''قاتل نے اپنے بے آواز ہتھیار سے نک کا کام تمام کیا اور پھر ٹام پر گولی چلادی۔ اس اثنا میں ٹام کو اپنا پستول وغیرہ نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔ اس نے فائر کر کے قاتل کو زخمی کر دیا۔ اس کے فائر کی آواز دور تک سنی گئی تھی۔''
''میرا بھی یہی اندازہ ہے۔ نک کی لاش کے ساتھ دو زخمیوں کی موجودگی یہی کہانی سنا رہی ہے لیکن یہ بہت برا ہوا کہ شیر دل کا آدمی زخمی ہوگیا۔''
''زخمی ضرور ہوا لیکن اس نے اپنا کام پورا کر دیا۔'' ویرا بولی ''یہ خبر ملے گی تو کچھ دیر کے لیے سوبھراج بھی خوش ہو جائے گا۔''
''میرے لیے یہ خوشی کے ساتھ تشویش کی بات ہے۔'' میں نے فکر مندانہ لہجے میں کہا ''وہ زخمی ہوگیا ہے تو اسپتال میں ہی حراست میں لے لیا جائے گا۔''
غزالہ میرے الفاظ پر چونک پڑی اور بولی ''وہ کتنا ہی مضبوط ہو، پولیس کا تشدد زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکے گا۔ وہ جائے واردات سے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے۔ اسے ادھیڑ کر رکھ دیا جائے گا اور وہ اگل دے گا کہ اسے شیر دل نے وہاں بھیجا تھا۔''
''یہ معاملہ ٹام اور نک کا ہے۔ اب تک پورے شہر کی پولیس حرکت میں آچکی ہوگی۔ شیر دل بھی زیادہ مضبوط آدمی نہیں ہے۔ اس کے ذریعے یہ بات پھیل جائے گی کہ سوبھراج کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی نک کی موت کے خواہاں تھے جنھوں نے بلٹ پروف کاروالے معاملے کے بعد، بازو توڑ کر شیر دل کو اغوا کر لیا تھا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔
''نک کی موت کے بعد اس بات کا پھیلنا خطرناک ثابت ہوگا۔'' پوری بات سمجھ لینے کے بعد ویرا بھی فکر مند ہوگئی ''ایک نامعلوم پارٹی کا نام ریکارڈ پر آجائے گا اور امریکی اس فریق کا سراغ لگانے کے لیے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔''
''وہ سوبھراج کے نام سے زیادہ اس مسئلے کو اچھالیں گے۔'' غزالہ بولی۔
''اس طرف میرا دھیان نہیں تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ میں رابن ہائٹس سے ایک بہت بڑی خوش خبری لے کر گھر پہنچوں گا۔'' سلطان شاہ نے اعتراف کیا۔
''قاتل پولیس کی تحویل میں زیر علاج ہے۔ مگر شیر دل کا نام ابھی پردے میں ہے۔'' میں نے ان کے چہروں پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا ''اس مسئلے کا ایک ہی حل ہے کہ پولیس کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے شیر دل کو اڑا دیا جائے!''
''وہ قاتل اور مجرم ہے۔ اسے بے خوف ہو کر مارا جا سکتا ہے۔'' ویرا نے میری تائید کی۔
جلال صبح والے اجلاس کے بعد سے غائب تھا۔ میں نے اول خان کو اعتماد میں لینے کی نیت سے فون اٹھایا تو وہ اپنے دفتر میں تھا اور نہ گھر میں موجود تھا۔ اس کا موبائل فون اپنی ناکارہ بیٹری سمیت سلطان شاہ کی تحویل میں تھا۔ کوشش کی جاتی تو اسٹیشن فور کے ریڈیو روم والے اپنے وائرلیس سسٹم پر اول خان کو کہیں نہ کہیں تلاش کر کے میرے پیغام سے آگاہ کر سکتے تھے مگر میں وقت کے اس زیاں کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ اس وقت ساری اہمیت ٹائمنگ کی تھی۔ ہم سے پہلے پولیس شیر دل تک پہنچ جاتی تو آنے والے مصائب کو کسی طرح نہیں روکا جا سکتا تھا۔
''تم میرے ساتھ چلو گے۔'' میں نے سلطان شاہ سے کہا۔
''تو کیا تم شیر دل کے ٹھکانے کی طرف جا رہے ہو؟'' ویرا نے بے اعتباری سے پوچھا۔

''ارادہ یہی ہے۔ سلطان شاہ گاڑی میں رہ کر میرا انتظار کرے گا۔ میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''تمہارا جانا مناسب نہیں ہے۔ وہ کہاں رہتا ہے؟'' میرا ارادہ سن کر وہ مضطرب ہوگئی۔

''وہ دھوبی گھاٹ کے علاقے میں ملے گا۔ اس کا اڈا وہیں ہے۔ اس کے لیے میرے یا اول خان کے سوا کسی اور کا جانا ممکن نہیں ہے۔ وہ ہم دونوں کو پہچانتا ہے۔ اعتماد میں مار کھا جائے گا۔ کوئی اور ادھر گیا تو مشکل میں پھنس جائے گا۔''

''نام سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ کوئی گنجان آباد علاقہ ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ آپ وہاں جا کر پھنس جائیں۔'' غزالہ بھی یکا یک فکر مند نظر آنے لگی۔

''بڑے مسائل کو ٹالنے کے لیے یہ خطرہ مول لینا پڑے گا۔'' میں نے اس کے شانے پر تھپکی دے کر کہا ''میں وہاں سے نمٹ کر تھوڑی دیر میں واپس آ جاؤں گا۔''

وہ بلاوجہ جھنجلانے لگی کہ ایسے نازک وقت پر اول خان کا موبائل فون سلطان شاہ کے پاس کیوں تھا۔ میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

غزالہ کی طرح دھوبی گھاٹ کے نام سے میرا یہ اندازہ تھا کہ وہ تیسرے درجے کی کوئی گنجان آبادی ہوگی وہاں کے لیے معمولی لباس کا استعمال ضروری تھا تاکہ میں بلاوجہ لوگوں کی نگاہوں میں نہ آ سکوں۔

میں چند منٹ میں تیار ہو کر باہر نکلا تو سلطان شاہ بھی پھرتی سے قمیص شلوار تبدیل کر چکا تھا۔ چلتے چلتے میں نے سوچا کہ گاڑی بھی گھر پر چھوڑ دوں اور اس سفر کے لیے کرائے کی ٹیکسی لے لوں مگر پھر میں نے خود ہی وہ خیال مسترد کر دیا۔

شیر دل کے بارے میں مجھے زیادہ خوش فہمی نہیں تھی۔ وہ بہرحال ایک جرائم پیشہ شخص تھا۔ اس سے ملاقات کے دوران میں اگر کوئی ناخوش گوار صورت حال رونما ہوتی تو گاڑی نہ ہونے کی صورت میں میرا وہاں سے نکلنا محال ہو جاتا۔

''میں تمہارے ساتھ نکل آیا ہوں لیکن ایک بار پھر سوچ لو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے گڑھ میں جا کر ہم کسی مصیبت میں پھنس جائیں'' کچھ دور تک خاموشی کے ساتھ ڈرائیونگ کرنے کے بعد سلطان شاہ نے دھیرے سے کہا۔

''اس کا بازو ٹوٹا ہوا ہے۔ وہ عجلت میں وہاں سے نہیں نکل سکتا۔ جب اسے یہ خبر ملے گی کہ اس کا بھیجا ہوا آدمی زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا ہے تو وہ بہت زیادہ محتاط ہو جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ غائب ہی ہو جائے۔ اس سے پہلے کہ وہ ہوشیار ہو، ہمیں اس کے سر پر پہنچ جانا چاہیے۔ میں نے ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد وہاں جانے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''اسٹیشن فور میں تم نے اس پر زیادہ تشدد تو نہیں کیا تھا۔''

''اس کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ بس ایک مرتبہ اس کی پسلیوں پر ٹھوکر مارنی پڑی تھی۔ اس کے بعد وہ سیدھا ہو گیا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ حالات کے پیشِ نظر تم اس پر اپنی انگوٹھی آزماؤ گے!''

''تم سمجھ دار ہو۔ ایسی چھوٹی موٹی باتیں خود سمجھ لیتے ہو۔''

''میں راستے میں اس کی باتوں کا جواب دیتا رہا لیکن میرا ذہن کہیں اور بھٹکتا رہا۔ شیر دل نے قتل سمیت متعدد جرائم کے ارتکاب کا اعتراف کیا تھا۔ اسی صبح اس نے نک کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ مجرم تھا مگر اس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا تھا۔ دن ڈھلنے سے پہلے نک کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا تھا۔

رابن ہائٹس میں اس کے آدمی کے ساتھ بات نہ بگڑتی تو شیر دل کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ سوبھراج سے بھاری معاوضہ لینے کی خاطر اسے ہمارے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتائے گا۔

بدلی ہوئی صورت حال میں اس کو زندہ چھوڑنے کی دور دور تک کوئی گنجائش نظر نہیں آ رہی تھی اور شاید اسی کا نام مکافاتِ عمل تھا۔

اپنے سارے جرائم کے باوجود وہ سزایاب ہونے سے بچا ہوا تھا۔ قانون اسے اپنی گرفت میں لینے میں ناکام رہا تھا۔ شاید اس کے اسی ریکارڈ کی وجہ سے سوبھراج نے اس پر بھروسا کیا ہوا تھا۔ اس نے ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے ہم سے مصالحت کر لی تھی لیکن تقدیر نے آخر کار اسے دھکیل کر اس مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں میرے ہاتھوں اس کے سارے جرائم کا حساب ایک ساتھ بے باق ہونا تھا۔

سلطان شاہ کراچی کا کیڑا تھا۔ اس نے اپنے اندازے سے دھوبی گھاٹ کے بارونق بازار سے پہلے گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر روک لی۔ اس کی دانست میں شیر دل کا اڈا

ان ہی اطراف میں موجود ہونا چاہیے تھا۔
میں نے پیش قدمی کرتے ہوئے ایک جواں سال لڑکے سے شیر دل کے بارے میں پوچھا اور اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے ایک قریبی گلی کا راستہ بتا دیا۔
اس تنگ اور ٹیڑھی میڑھی گلی میں دوسرے مکان کی دیوار پر مجھے شیر دل کے نام کی تختی نظر آ گئی۔ دروازہ بند تھا اور اندر سے کئی افراد کے ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔
گلی میں سارے مکان آباد تھے۔ مٹی اور کیچڑ میں ہر عمر کے بچے کھیل رہے تھے۔ اس مکان کی ساخت سے شیر دل کوئی سکہ بند یا بڑا بدمعاش نہیں معلوم ہو رہا تھا۔
میں نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے آنے والی آوازیں یکایک تھم گئیں۔ دروازہ کھلا اور کالے کپڑوں میں ملبوس ایک درشت رو شخص ٹٹولنے والی نظروں سمیت میرے سامنے آ گیا۔ اس کے کچھ بولنے سے پہلے میں نے آہستہ سے شیر دل کا نام لیا۔
وہ اپنے چوڑے چکلے وجود سے میرا راستہ روکے دروازے پر جما ہوا تھا۔ اس نے وہاں سے ہلے بغیر، پلٹ کر کہا ''دادا! کوئی ملنے آیا ہے۔''
''اندر بلا لے!'' میں نے شیر دل کی آواز پہچان لی۔
اگلے ہی لمحے میں اندر داخل ہو چکا تھا۔ وہ مکان نہیں، اونچی چھت والا ایک بڑا سا کمرا تھا جہاں پورے فرش پر قالین بچھا ہوا تھا جس پر جابجا کئی تکیے پڑے ہوئے تھے۔ اس ہال میں ہر قسم کا سامان تعیش موجود تھا جس میں ٹیلی وژن اور ڈیک بھی شامل تھے۔
ہال کے اندرونی حصے میں شیر دل ایک شاہانہ مسہری پر لیٹا ہوا تھا۔ ایک بدمعاش اس کے پیر دبا رہا تھا۔ دو قالین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ چوتھا میرے ساتھ تھا۔ اندر داخل ہونے کے بعد یہ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ہال کسی گندی اور بے ترتیب آبادی میں واقع ہے۔
ہال میں پھیلی ہوئی تیز روشنی میں میرا چہرہ دیکھتے ہی شیر دل کے بشرے پر بے پناہ حیرت ابھر آئی ''ارے، تم یہاں کیسے!''
اس نے غیر ارادی طور پر بستر سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن بازو کی ٹوٹی ہوئی ہڈی میں ابھرنے والی ٹیس پر برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔
میں نے لپک کر اس کے جسم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا ''تم لیٹے رہو۔ میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ بس ملنے کے لیے آیا ہوں۔''
''شراب چلے گی یا باہر سے کچھ اور منگواؤں۔'' وہ میرے لیے بچھا جا رہا تھا۔
''کچھ نہیں، میں شراب نہیں پیتا......'' میں نے کہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔
''تم پہلی بار آئے ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کچھ پیے بغیر چلے جاؤ۔ جاؤ تم چاروں ہوٹل میں چلے جاؤ اور لڑکے سے بسکٹ، پیسٹری کے ساتھ ٹھنڈی بوتل بھجوا دو۔''
انہوں نے کسی شاہی فرمان کی طرح شیر دل کے حکم کی تعمیل کی اور ایک ایک کر کے ہال کے دروازے سے باہر نکلتے چلے گئے۔
میں شیر کے منہ میں ہاتھ ڈال چکا تھا۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں نے اپنی آمد کے راستے پر غور کیا۔ اس میں سرے سے کوئی ہوٹل نہیں آیا تھا۔ ہوٹل یقینی طور پر گلی میں سے نکلنے کے بعد بارونق بازار میں کہیں واقع تھا جبکہ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی بازار سے کافی پہلے روک دی تھی۔
''تم صرف ملنے کے لیے نہیں آئے'' تخلیہ ہو جانے کے بعد شیر دل نے نیچی آواز میں کہا ''تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے...... میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ میرا آدمی وہاں گیا ہوا ہے۔ وہ کسی بھی وقت اچھی خبر لے آئے گا۔''
میں نے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کے ہلاکت خیز زہر اگلنے والے نگینے کو ہتھیلی کی طرف گھمانا شروع کر دیا۔
''سوبھراج کیا کہہ رہا ہے؟'' میں نے بلاوجہ سوال کر دیا۔
''کچھ نہیں!'' وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا ''بار بار اس کے فون آ رہے ہیں۔ ابھی تک میں نے اس سے بات نہیں کی۔ اچھی خبر آ جائے گی تو بات کروں گا۔''
میں نے اندازہ لگایا کہ وہاں سے گئے ہوئے چاروں بدمعاش اس وقت تک گلی سے نکل کر بازار کی طرف مڑ چکے ہوں گے۔
''تم کو کبھی افسوس نہیں ہوا کہ تم کو برا کے لیے کام کرتے ہو؟'' میں نے رسانیت سے پوچھا۔ کھوکھلا نگینہ ہتھیلی کے رخ پر آ چکا تھا۔
''نہیں!'' اس نے بلاتردد جواب دیا ''آج صبح تمہارے قید خانے میں جب موت سامنے نظر آ رہی تھی تو

میں تھوڑی دیر کے لیے بہک گیا تھا مگر پھر راہ پر آ گیا۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا مگر میرے بچے یہ سب نہیں کریں گے۔ ان کے لیے میں نے ڈیفنس میں بنگلا لیا ہوا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں عزت کا کوئی کاروبار کرتا ہوں جس کے لیے کبھی کبھی مجھے دو چار دنوں کے لیے شہر سے باہر جانا پڑتا ہے۔''

''مجھے ایک آدمی کو مروانا ہے......''

اس نے دھیرے سے ہنس کر میری بات اڑا دی ''میں نے تمہارے آتے ہی تمہاری آنکھوں میں پڑھ لیا تھا کہ تم کسی خاص کام سے آئے ہو۔''

''کتنے پیسے لو گے؟'' اس کے خاموش ہونے پر میں نے پوچھا۔

''میں اس کام کی ڈیڑھ پیٹی لیتا ہوں مگر تم سے ایک لوں گا'' اس نے پورے خلوص سے کہا ''کام ستھرا ہوگا۔ تمہارا دل خوش ہو جائے گا۔''

''دادا! تم واقعی عظیم انسان ہو'' میں نے اپنے والہانہ پن کے اظہار کے لیے اپنا بایاں ہاتھ اس کے شانے کی طرف اٹھایا ہی تھا کہ مجھے ہال کے دروازے پر کھٹکا سا محسوس ہوا۔ میرے بدن کو ایک بے ساختہ جھٹکا لگا اور میرا اٹھتا ہوا ہاتھ نیچے گر گیا۔

میں نے گردن گھما کر دیکھا تو دروازہ خالی پڑا ہوا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

میرے تعریفی الفاظ پر اس کے ہونٹوں پر ابھرنے والی آسودہ مسکراہٹ اسی طرح جمی ہوئی تھی' وہ اپنی تعریف کے سحر میں مبتلا تھا کہ میں نے دروازے کی طرف سے مطمئن ہو کر اپنا ہاتھ اس کے پلاسٹر چڑھے ہوئے شانے سے نیچے' ننگی گردن پر رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ اسے آخری لمحے تک اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔ وہ میرے ہاتھ کے لمس کو میری طرف سے اپنائیت کا اظہار سمجھا اور جب ننھی سی سوئی سے گزر کر مہلک زہر کے قطرے اس کے جسم میں اترے تو اس کے بدن کو ایک خفیف سا جھٹکا لگا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اس کے ہونٹوں پر تیرتی ہوئی مسکراہٹ اسی طرح منجمد ہو گئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنی سہل ترین موت پر ناز کر رہا ہو۔

ڈیڑھ پیٹی میں دوسروں کی زندگی کا مول چکانے والا لمحہ بھر میں اجل کی سرد اور بے رحم وادیوں میں ڈوب چکا تھا۔

میرا دل چاہا کہ پوری قوت کے ساتھ دوڑ لگا کر گاڑی تک پہنچوں اور سلطان شاہ کے ساتھ وہاں سے دور نکلتا جاؤں لیکن احتیاط مانع تھی۔ میں نے اس کی بے جان گردن سے اپنا ہاتھ ہٹا کر ہال کی عقبی دیوار میں بنے ہوئے دوسرے بند دروازے پر نگاہ ڈالی اور تیز قدموں سے چلتا ہوا نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

گلی میں زندگی اپنے معمول کے مطابق رواں تھی۔ ایک عورت بچے کو گود میں لیے میرے سامنے سے گزری۔ میں ہموار قدموں سے واپسی کے راستے پر ہو لیا۔

بظاہر میں نظریں جھکائے چلا جا رہا تھا لیکن گرد و پیش سے غافل نہیں تھا۔ کن انکھیوں سے میں ہر طرف کا جائزہ لیتا جا رہا تھا۔

میں گلی سے نکل رہا تھا تو ایک لاابالی لڑکا کیک اسٹینڈ پر بہت سے لوازم سجائے اور دوسرے ہاتھ میں پیپسی کولا کی بوتل لیے' مخالف سمت سے گلی میں داخل ہو رہا تھا۔ اسے شبہ بھی نہیں ہو سکا کہ وہ جس مہمان کے لیے وہ سب چیزیں لے جا رہا تھا' وہ اپنا کام پورا کر کے دادا کے اڈے سے نکل چکا تھا۔

میری دانست میں وہ بہت بڑا اور کٹھن کام تھا لیکن حیرت ناک سرعت اور آسانی سے پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا تھا۔

میں گاڑی کا دروازہ کھول کر پسنجر سیٹ پر بیٹھا تو سلطان شاہ کی مستفسرانہ نظریں میری طرف اٹھ گئیں۔ جن میں سوال ہی سوال بسے ہوئے تھے۔

''یہاں سے جلدی نکلو ورنہ ابھی کہرام شروع ہو جائے گا'' میں نے دانت پیس کر مضطربانہ انداز میں سرگوشی کی ''میں نے اسے مار دیا ہے۔''

گاڑی کا انجن بیدار ہوا اور ہم تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

گھر پہنچے تو وہاں جلال اور ادل خان بھی موجود تھے۔ فضا سوگوار سی تھی جیسے وہ سب کسی کی تدفین سے فارغ ہو کر وہاں بیٹھے ہوں۔

دین محمد پھاٹک پر ہی کھڑا ہوا ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ گاڑی باہر بند کر کے ہم دونوں اچانک اندر پہنچے تو سب حیرت اور خوشی سے اچھل پڑے۔

''تم نے بہت غلط کام کیا ہے'' جلال نے مجھ سے بغل گیر ہو کر برہمی سے کہا ''اس علاقے میں شہر کے کئی چھٹے

ہوئے بدمعاش رہتے ہیں۔ تم کو وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔''
''کام بن گیا۔ اب تنقید کرنے کے بجائے کوئی اور بات کرو'' میں ہنستے ہوئے، صوفے پر اول خان کے برابر میں بیٹھ گیا۔
''تمہارا فیصلہ درست تھا'' جلال نے بیٹھ کر کہا ''کفیل کے زخمی اور گرفتار ہونے کے بعد شیر دل کا راستے سے ہٹایا جانا ضروری ہوگیا تھا۔ یہ کام کوئی بھی کرسکتا تھا۔ اس کے لیے تم کو وہاں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اپنے کاموں میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ یہاں فون کرنے پر جب بتایا گیا کہ تم کسی کو مارنے کے لیے نکلے ہوئے ہو تو میں پریشان ہوکر یہاں آ گیا۔ تمہارے ستارے اچھے تھے کہ تم وہاں سے بچ کر نکل آئے۔''
''تم صبح سے غائب تھے، اول خان کا بھی کہیں پتا نہیں تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ ان معاملات کا نک اور ٹام سے تعلق ہے اس لیے تمہارا کوئی آدمی آگے نہیں آئے گا۔ اسے لڑ بھڑ کر مارنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مجھے پہچانتا تھا۔ میں نے اسے اعتماد میں لے کر دھوکے سے مارا ہے۔ اس خطرے کو کسی اور طریقے سے ختم نہیں کیا جاسکتا تھا۔''
''اسے بھی تم نے زہر اتار کر مارا ہوگا؟'' جلال نے تائید چاہی۔
''خاموشی سے موت کے گھاٹ اتارنے کا وہی ایک راستہ تھا'' میں نے کہا۔
''اب ایک نیا چکر چل پڑے گا۔ زہر کی وجہ سے تمہارا نام لیا جائے گا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ تم نے شیر دل کو نک کے پیچھے لگایا تھا۔ شیر دل نے کفیل کو وہاں بھیج دیا۔ وہ پکڑا گیا تو تم نے شیر دل کو مار دیا تاکہ وہ تمہارے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتا سکے۔''
''تمہاری نظر ہمیشہ منفی پہلو پر جاتی ہے۔ کیا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شیر دل، سوبھراج کا دستِ راست بنا ہوا تھا۔ ڈینی نے اسے مار دیا تاکہ سوبھراج تنہا رہ جائے۔''
''یہ کون کہہ سکتا ہے، اس کے لیے کوئی جواز بھی ہونا چاہیے۔''
''جواز ان کے علم میں ہے۔ نک نے اپنی موت سے پہلے خود سوبھراج سے فون پر بات کی تھی اور اسے شیشے میں اتارنے کی کوشش کی تھی'' میں نے اسے مسکت جواب دیا پھر پوچھا ''یہ بتاؤ کہ تم اپنے چکروں میں الجھے ہوئے تھے تو تمہیں سارے دن کی کہانیاں کہاں سے مل گئیں۔''
''میری دو مرتبہ اول خان سے بات ہوئی تھی'' جلال نے کہا ''میں ان معاملات سے کسی بھی وقت غافل نہیں رہا۔''
''رابن ہائٹس کے بارے میں تمہارے پاس کیا خبریں ہیں؟'' میں نے پوچھا۔
''مجھے سنی سنائی باتیں معلوم ہیں۔ اصل خبریں تمہیں اول خان سے مل سکتی ہیں۔ میں آج دن بھر ادھر نہیں جاسکا۔''
''آخر ایسی کون سی مصروفیت تھی جو ان واقعات سے زیادہ اہم تھی'' اس بار ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں سوال کیا۔ ''اب تک میں سمجھ رہی تھی کہ تم رابن ہائٹس سے سیدھے یہاں آئے ہو۔''
''میں تمہیں کیا بتاؤں؟'' وہ بے بسی سے ہنس دیا ''میں کام کے بارے میں مبالغہ آرائی کا قائل نہیں ہوں۔ آج کل واقعی بہت مصروف ہوگیا ہوں۔''
''میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے کے رازوں کے امین ہیں'' میں نے ویرا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا ''تم نے اپنی مصروفیت کے بارے میں مجھے تجسس میں مبتلا کردیا ہے۔''
''تمہیں عبداللہ یاد ہے؟'' جلال نے چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد اچانک مجھ سے سوال کیا اور میرے چہرے پر اس نام کا کوئی ردِعمل نہ دیکھ کر، بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''یہ میرا وہی شہید ہے جو دہلی میں ریڈبل کے کوڈ سے اپنے دن گزار رہا تھا۔ اپریٹس پر رابطے کے لیے اس کا کوڈ جی فور ہوا کرتا تھا۔''
اس کی زبان سے ریڈبل کے الفاظ سنتے ہی میرے ذہن میں سب کچھ تازہ ہوگیا۔ وہ آئی بی کے ان تین ایجنٹوں میں سے ایک تھا جو دشمن کی سرزمین پر عدم تحفظ کی فضا میں اپنے شب و روز گزار کر اپنی مادرِ وطن کی خدمت کررہے تھے۔
ہمارے بھارت کے سفر میں ان تینوں نے ہماری بہت مدد کی تھی۔ بعد میں عبداللہ پکڑا گیا اور ونود نامی ایک بھارتی افسر کے ہاتھوں بے رحمی سے مارا گیا۔
جلال اس کی شہادت کی خبر سن کر بہت افسردہ ہوا تھا۔ وہ اپنے فرض شناس ماتحتوں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔
''اب مجھے سب یاد آ گیا'' میں نے جواب دیا ''تم نے ونود سے یہاں بدلہ لے لیا تھا۔''
''ہمارے ایسے ہی کچھ اور آدمی بھارت میں قید ہیں۔

ان میں بے گناہ شہری بھی شامل ہیں۔ ان کی کل تعداد سات ہے۔ آج کل گوپال راج نامی بلیک کیٹ کو مذاکرات کے ذریعے چھڑا کر لے جانے کے لیے ایک بھارتی وفد یہاں آیا ہوا ہے۔ دو روز سے میں ان کے ساتھ سر کھپا رہا ہوں۔''

''تم بہت پہلے ان کی آمد کی توقع کر رہے تھے'' اول خان بولا۔

''ہم بلیک کیٹ کے بدلے اپنے ساتوں آدمی واپس لینا چاہتے ہیں۔ وہ تین پرا اڑے ہوئے ہیں۔ میں آج بھی وہاں الجھا ہوا تھا۔''

''ہم سب تمہاری کامیابی کے لیے دعاگو رہیں گے'' میں نے خلوص دل سے کہا ''مجھے معلوم ہے کہ یہ معاملہ تمہارے لیے بہت حسّاس اور جذباتی ہے۔''

''ہمارا کوئی آدمی زیادہ دنوں تک ان کی قید میں رہ جائے تو وہ اپنی درندگی سے اسے چلتی پھرتی لاش میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ میں اپنے قیدیوں کو اس دردناک انجام سے بچانا چاہتا ہوں۔ ان پر ایک ایک دن بھاری گزر رہا ہوگا۔''

سب کے چہروں پر اداسی تیر گئی اور فضا پر سوگوار خاموشی چھا گئی۔

''میں اسی لیے خاموش تھا'' جلال نے وہ رنگ دیکھ کر کہا ''یہ سب زندگی کے جھمیلے ہیں جو ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں، تم اپنی باتیں کرو۔''

''وہاں کیا ہوا تھا؟'' اس بار میں نے اول خان سے سوال کیا۔

''کفیل ٹیلی فون کمپنی کا نمائندہ بن کر وہاں پہنچا تھا۔ وہاں بہت سے فون دیر سے بے جان پڑے ہوئے تھے'' اول خان بتانے لگا ''ان میں ٹام اور نک کا فون بھی شامل تھا۔ رابن ہائٹس میں ان دونوں کو وی آئی پی کا درجہ حاصل ہے۔ سکیورٹی گارڈ کفیل کو اپنے ساتھ لے کر سب سے پہلے ان ہی کے فلیٹ پر چلا گیا۔ نک نے دروازہ کھولا۔ ٹام لابی میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ کفیل نے اندر جاتے ہی اپنے ریوالور سے دو بے آواز گولیاں نک کے دل میں اتار دیں۔ ٹام آگے لپکا تو تیسری گولی اس کے پیٹ میں لگی۔ اسی وقت گارڈ نے اپنا پستول نکال کر پیچھے سے کفیل کی کمر پر گولی چلا دی اور یوں آناً فاناً میں وہ خونیں ڈراما ختم ہو گیا۔ گارڈ کے فائر کی آواز نے سب کو ہوشیار کر دیا۔''

''کفیل کو چوتھی گولی چلانے کی مہلت مل جاتی تو شاید ٹام کا کام بھی تمام ہو جاتا'' ویرا نے اس تفصیل سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

''شاید وہ بھی نک کے تابوت کے ساتھ واپس چلا جائے'' اول خان نے کہا ''وہ بہت خوف زدہ ہے۔ اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہے۔''

''کفیل کا کیا حال ہے، وہ کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ ٹام کے ساتھ آغا خان اسپتال میں ہے۔ گولی نے اس کی ریڑھ کی ہڈی کو نقصان پہنچایا ہے۔ اس کا آپریشن ہونے والا ہے۔''

''ابھی تک اس کا بیان لینے کی نوبت نہیں آئی ہوگی'' جلال نے پوچھا۔

''تکلیف کی شدت کی وجہ سے اسے خواب آور دوائیں دے دی گئی ہیں۔ اس کے کمرے پر پولیس کا پہرا لگا دیا گیا ہے۔ شاید کل اس کے بیان کی نوبت آئے گی۔''

''اس وقت تک شیر دل کا نام پوشیدہ رہے گا'' میں نے گہرا سانس لے کر کہا ''مجھے خوف تھا کہ پولیس ذرا سی دیر میں اس سے سب کچھ اگلوا لے گی۔ اس خوف کی وجہ سے میں نے بہت تیزی سے دھوبی گھاٹ کی طرف دوڑ لگائی تھی۔''

''اس واقعے سے سارے امریکی برہم اور خوف زدہ بلکہ اعصاب زدہ ہیں'' جلال نے ہنس کر کہا ''آغا خان اسپتال میں قونصل خانے کے ایک افسر نے ہوم سیکریٹری سے بہت بدتمیزی کی ہے۔ وہ واقعہ صحافیوں کے سامنے پیش آیا تھا۔ ہوسکتا ہے، کل اس کی باضابطہ شکایت کر دی جائے اور اسے پاکستان سے نکال دیا جائے۔''

''اپنے ایک ساتھی کی موت پر اس کی دیوانگی قابلِ فہم ہے'' میں نے کہا۔

''اس نے ادھیڑ عمر سیکریٹری کا گریبان پکڑ کر فحش گالیاں بکنی شروع کر دی تھیں۔ اس حرکت کو صدمے کا نتیجہ قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔''

''ان لوگوں سے مراسم رکھنے ہیں تو یہ سب برداشت کرنا ہوگا'' ویرا نے بے پروائی سے کہا ''میں تو کہتی ہوں کہ ہمارے سفارتی افسروں کو بھی امریکا میں یہی سب کرنا چاہیے تب ان کی عقل کسی ٹھکانے پر آئے گی۔''

''بی جمالو نہ بنو'' جلال نے اسے مشورہ دیا ''گالی کا جواب گالی سے دیا جائے تو ان میں اور ہم میں کیا فرق رہ جائے گا۔''

''پھر جو ہو رہا ہے، اسے خاموشی سے بھگتو۔''

''ہمارے ساتھ ان کو بھی نتائج کا سامنا کرنا پڑ رہا

ہے'' سلطان شاہ نے اس دوران میں پہلی مرتبہ زبان کھولی ''وہ اب تک اپنے کتنے آدمی کھو چکے ہیں؟''

''دیکھنے والی بات یہ بھی ہے کہ ان کے مقابلے میں ہم نے بہت کم نقصان اٹھایا ہے'' غزالہ نے بھی بولنے کی ہمت کر ہی ڈالی۔

''یہ بے کار باتیں ہیں'' جلال نے مربیانہ انداز میں کہا ''جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب ماضی کے واقعات پر سر کھپانا بے سود ہے۔ اپنی نگاہ آنے والے وقت پر رکھو۔ اس کا تقاضا ہے کہ دو باتوں کو مدنظر رکھا جائے۔ یہ بات ہر طرف پھیل جانی چاہئے کہ نک کو سوبھراج کے ایما پر مارا گیا ہے۔ اسی طرح سوبھراج کو یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ ڈینی نے شیر دل کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ اب اسے کوئی اور بندوبست کرنا پڑے گا۔''

''کل تک یہ دونوں کام خود بہ خود ہو جائیں گے'' اول خان بولا ''ڈینی نے بتایا ہے کہ صبح والے حملے کے بارے میں نک نے سوبھراج سے بات کی تھی۔ نک کے علاوہ دوسروں کے پاس بھی سوبھراج کا سیٹ لائٹ نمبر موجود ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ نک کی موت کے بعد سوبھراج سے کسی نہ کسی نے بات کی ہو۔ وہ اپنا سینہ ٹھونک کر کہے گا کہ نک کو اس نے مروایا ہے۔ کہیں نہ کہیں سے یہ بات اخبار والوں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔''

جلال بہت غور سے اس کی بات سن رہا تھا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کسی خاص مقصد کے تحت ان دو نکات میں دلچسپی لے رہا تھا۔

''یہی صورت شیر دل کے بارے میں ہے'' اول خان کی بات جاری تھی ''ابھی بہت وقت باقی ہے۔ صبح کے اخباروں میں شیر دل کی ہلاکت کے ساتھ اس کی لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی آجائے گی۔ سولجر بازار میں امریکی کمانڈو کی موت کا واقعہ تازہ ہے۔ سوبھراج کو اندازہ ہو جائے گا کہ شیر دل کس کا نشانہ بنا ہے؟''

''سوبھراج کمزور، زخمی اور ہراساں ہے'' جلال نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ''ہمیں کچھ پتا نہیں کہ وہ کہاں اور کس حال میں روپوش ہے۔ وہ جن حالات سے گزر رہا ہے، ان میں اپنے سائے پر بھی اعتماد نہیں کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ ڈینی کو اس سے رابطہ کرنا چاہئے۔ سوبھراج کو جلد از جلد پتا چلنا چاہئے کہ وہ اپنا ایک اہم ساتھی کھو بیٹھا ہے۔ ہمیں یہ اندازہ ہو سکے گا کہ وہ نک کو راستے سے ہٹانے کے بعد کیا سوچ رہا ہے؟''

میں نے محسوس کیا کہ جلال کے ذہن میں کوئی خاص بات چکرا رہی ہے، جسے وہ الفاظ کے جامے میں لانے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔

''مجھے اس سے بات کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے'' میں نے بے پروائی سے کہا ''اسے چڑا کر مجھے دلی راحت ملتی ہے۔''

''لیکن تم اس سے کیا بات کرو گے؟'' ویرانے درمیان میں ٹانگ اڑائی۔

''میں یہیں بیٹھ کر بات کروں گا۔ اپنے کانوں سے سن لینا کہ میں کیا کہتا ہوں۔''

''اس سے پہلے چائے کی ایک پیالی ضروری ہے'' جلال نے ہنستے ہوئے اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔

غزالہ فرض شناس مہمان دار تھی۔ اس کے ایما پر ایک آدمی کچن میں مصروف تھا۔ اسے نئی ہدایت دینے کی دیر تھی کہ بہت سے لوازم کے ساتھ چائے کی ٹرالی آ گئی۔

چائے کا دور ذرا طویل ثابت ہوا۔ اس دوران میں ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں، جن کا کام سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

آخر کار وہ سلسلہ ختم ہوا۔ برتن سمیٹ لیے گئے تو جلال نے مجھے فون کی طرف متوجہ کیا اور میں سوبھراج سے رابطہ قائم کرنے میں مصروف ہو گیا۔

''ہیلو سوبھراج! میں ڈینی بول رہا ہوں'' اپنے ریسیور میں اس کی آواز سن کر میں نے کہا۔

''اچھا ہوا کہ تم نے فون کر لیا'' اس کی دبنگ آواز میں عجیب سی وحشیانہ مسرت عود کر آئی ''آج تمہارا یہ دوسرا فون ہے۔ تم نے ٹیلی وژن پر سن لیا ہوگا کہ آخر کار میں نے نک سے اپنا بدلہ لے لیا۔ اسے جہنم واصل کیا جا چکا ہے۔''

''مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ تم کسی ویرانے میں نہیں، ایسے گھر میں روپوش ہو جہاں تم کو ٹیلی وژن جیسی سہولت بھی میسر ہے......''

''یہاں سب کچھ ہے'' اس نے میری بات کاٹ کر فخریہ انداز میں بتایا ''مجھے دنیا کی سب سہولتیں میسر ہیں۔ کیا نک کا انجام سن کر تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟''

''میرے لیے اب یہ خبر پرانی ہو چکی ہے، کچھ دیر پہلے یہ بات معلوم ہوئی تھی تو مجھے واقعی خوشی ہوئی تھی۔ وہ اس سے زیادہ برے انجام کا مستحق تھا۔ تم نے اسے مروا کر کافی دنوں بعد ایک نیک کام کیا ہے۔ اس پر تم مبارک باد کے مستحق ہو۔''

''میرے ذہن پر سے پہاڑ جیسا ایک بوجھ ہٹ گیا

ہے۔ اب میں یکسو ہو کر اپنے دوسرے مشن پر کام کر سکوں گا۔"

اس کی آواز اور باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت اس کی ذہنی حالت بڑی حد تک اعتدال پر آ چکی تھی۔ نک کے قتل کی خبر مل جانے کے بعد وہ بدترین ذہنی انتشار کے بھنور سے نکل چکا تھا۔

"دوسرے مشن کے بارے میں کچھ سوچنے سے پہلے اپنے کارنامے کی فکر کرو۔ تمہارے دشمن اس کامیابی کو کسی اور سے منسوب کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ تم سے کس نے کہا۔" میرے انکشاف نے اسے پریشان کر دیا۔

"کسی کو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تمہارے نام کو دبا کر یہ سہرا میرے سر منڈھنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ابھی تک کہیں سے تمہارا نام سننے میں نہیں آیا۔"

"میں نے سب کچھ چھوڑ کر یہ راہ اپنائی ہے۔ وہ مجھ سے میرا یہ اعزاز نہیں چھین سکتے۔" اس کی آواز قہر بار ہو گئی "ان کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ ان کے غدار قرار دیے ہوئے کسی شخص نے پلٹ کر ان سے ان کی بے وفائی کا بھیانک انتقام لیا ہو۔ میرے خلاف اخبار زہر اگل رہے ہیں۔ اب اخباروں میں میری طرف سے یہ بھی چھپے گا کہ نک کو میں نے مروایا ہے۔ غدار میں نہیں، وہ ملعون تھا جس نے میری برسوں کی رفاقت کو ایک پل میں خاک کر دیا۔"

"اس طرح تم ایک بہت بڑے قتل کا الزام اپنے سر لے لو گے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اب یہی الزام میرا انعام ہے۔ اخباروں میں اس سے بڑے بڑے الزام لگ رہے ہیں۔ اب ایک یہ بھی سہی۔ میں ان کے ارادے ناکام بنا دوں گا۔ اخباروں کے صفحوں میں یہ بات امر ہو جائے گی کہ نک کو سزا میں نے دی تھی، وہ مجھ سے کریڈٹ نہیں چھین سکتے۔ مجھے برا کہا گیا ہے تو میں اتنا برا بن کر دکھاؤں گا کہ لوگ میرے نام سے تھرانے لگیں گے۔"

"ابھی تم اپنے کسی اگلے مشن کی بات کر رہے تھے۔" میں نے یاد دلایا۔

"وہ بھی بہت جلد تمہارے سامنے آ جائے گا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ اب مجھے کسی مدد یا رعایت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی راہ خود بنا سکتا ہوں۔"

آسانی

"میں اس معاشرے میں دیانتداری سے زندگی گزارنے کا عزم کر چکا ہوں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے...... اس معاملے میں تمہیں یہاں زیادہ مقابلے بازی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

☆☆☆

ایک بھیڑ نے آواز نکالی "بھے.... بھے..."

دوسری بھیڑ بولی "میاؤں.... میاؤں..."

پہلی بھیڑ نے سمجھایا "دیکھو۔ بھیڑیں میاؤں میاؤں نہیں کرتیں، بھے بھے کرتی ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے" دوسری بھیڑ بولی "لیکن میں آج کل دوسری زبان بھی سیکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"دوپہر کو کہی ہوئی یہ بات میرے دل پر نقش ہو گئی ہے۔"

"مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ میں نک کو ٹھوکر مار سکتا ہوں تو تمہاری کیا حیثیت ہے!" وہ جوشِ جنون میں بڑے بول بولنے لگا تھا۔

"تمہیں اپنے اس آدمی کی کوئی خیر خبر ہے جسے تم نے نک کا کام سونپا تھا۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تم بار بار اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟" اس کے سوال سے ظاہر ہو گیا کہ وہ شیر دل کے انجام سے بے خبر تھا۔ وہ واقعہ اتنا تازہ تھا کہ سوبھراج کو اس کی خبر ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

"مجھے ایک شیر دل آدمی کی تلاش ہے۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"کیا کہا؟" میرے کانوں میں اس کی دہاڑتی ہوئی آواز گونجی۔

"مجھے ایک شیر دل آدمی کی تلاش ہے۔" میں نے اپنا فقرہ دہرایا۔

"ڈینی! تم بہت کمینے آدمی ہو۔ تم مجھے کیا جتانا چاہ رہے ہو؟"

"میرے دوستی کے لیے بڑھے ہوئے ہاتھ کو ٹھکرا کر تم نے اچھا نہیں کیا۔ شیر دل تمہارا دستِ راست اور مددگار

تھا۔ میں نے تمہارا وہ ہاتھ کاٹ کر پھینک دیا ہے۔''
''نہیں...... تم جھوٹے ہو۔'' اس کی آواز میں بے اعتباری تھی ''تم نے کہیں سے اس کا نام سن لیا ہے اور اب اس کی آڑ لے کر بے پر کی اڑا رہے ہو۔''
''نام ہی نہیں، کہو تو میں تمہیں اس کے اڈے کا پتا اور فون نمبر بھی بتا دوں۔ دھوبی گھاٹ کی آبادی میں اس وقت اس کی لاش پڑی ہوئی ہے۔''
''اوہ!'' اس کی آواز ایک بے ساختہ کراہ سے مشابہہ تھی۔ ''یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔''
''میں تم جیسے لوگوں کا دوست ہوتا ہوں۔ دوستی نہ ہو سکے تو پھر دشمن ہو جاتا ہوں۔ میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ تم نے پاکستانی بننے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ تم اس گمان میں ہو کہ روپوش ہو کر اپنی من مانیاں کرتے رہو گے۔ اسی لیے تم کو میری طرف سے مہلت کی ضرورت ہے۔ ورنہ تم مجھ سے واسطہ رکھنا نہیں چاہتے ہو، یہ یاد رکھو کہ میں جس کے پیچھے لگ جاتا ہوں، پاتال تک اس کا پیچھا کرتا ہوں۔''
''اگر تم نے شیر دل کو واقعی کوئی نقصان پہنچایا ہے تو اس سے مجھے صدمہ ہوگا۔ کچھ تکلیف بھی ہوگی۔'' اس بار سوبھراج کا لہجہ بہت محتاط تھا ''لیکن میرے لیے وہ کوئی اکلوتا مددگار نہیں تھا۔ اس جیسے کئی آدمی میرے لیے کام کرتے ہیں۔ تھوڑا سا وقت لگے گا پھر وہ شیر دل کے حصے کا کام بھی سنبھال لیں گے۔''
''رفتہ رفتہ تم ان سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔ شاید ایف بی آئی والے تمہیں بھول جائیں لیکن میں تمہیں من مانی نہیں کرنے دوں گا۔''
''یہ آنے والا وقت بتائے گا۔'' اس کی آواز سرد اور دھمکی آمیز تھی۔ ''مجھے معلوم تھا کہ تم کسی بھی وقت مجھے آنکھیں دکھا سکتے ہو۔ تمہاری ہمدردیاں فرضی اور خود غرضی پر مبنی تھیں۔ تم مجھے دھوکا دے کر گھیرنا چاہ رہے تھے۔ میں شروع سے اب تک غافل نہیں رہا۔ میں نے بھی تمہارا سر کچل دینے کا بندوبست کیا ہوا ہے۔''
اس کی باتوں میں ہلکا پن نہیں تھا۔ وہ کسی نہ کسی بنیاد پر وہ باتیں کہہ رہا تھا۔ میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ جس طرح میں اس کے ساتھ دہرا کھیل کھیل رہا تھا، اسی طرح وہ بھی ہر قیمت پر مجھے نیچا دکھانے کے چکر میں لگا ہوا تھا۔
''تم کسی خوف زدہ گیدڑ کی طرح چھپے ہوئے ہو۔ قانون کے محافظوں کو تمہاری تلاش ہے، ایف بی آئی والے تمہارے لہو کے پیاسے ہیں، تم نے مجھ سے دشمنی مول لی ہوئی ہے، شیر دل مارا جا چکا ہے۔ تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو۔''
''تم نے بزدلی اور خاموشی سے شیر دل پر وار کیا ہے۔ میں تمہیں بتا کر اس کا جواب دوں گا میری طرح تم بھی پردوں میں چھپے رہتے ہو۔ میں تمہیں سامنے آنے پر مجبور کر دوں گا۔ شیر دل کا بدلہ اب میں جہانگیر سے لوں گا۔''
''اس کی زبان سے جہانگیر کا نام سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ گئیں۔
''وہ باہر کا آدمی ہے۔ اسے تم نے ہاتھ بھی لگایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' میں نے مضطرب ہو کر کہا۔
''وہ کہیں کا بھی آدمی ہو، اس وقت میرے سامنے ہے۔'' اس نے سفاکی سے کہا ''وہ باہر کا آدمی ہو سکتا ہے تو شیر دل بھی باہر کا آدمی تھا۔''
''شیر دل تمہارے گندے کاموں میں تمہارا ساتھی تھا۔ جہانگیر میرا دوست ہے۔ اس کا میرے دھندوں سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔''
''نہ ہو...... اب اسی کی باری آئے گی۔'' وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔
لمحے بھر کے لیے میں سناٹے میں آ گیا۔ مجھے جہانگیر اور سلمٰی کا مستقبل خطرے میں نظر آنے لگا تھا۔ پھر یکایک میرے ذہن میں روشنی کی ایک طاقت ور کرن چمکی اور میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''تم روپوش ہو گئے ہو لیکن تم اپنے پورے خاندان کو پناہ نہیں دے سکتے۔ تمہارے بیوی بچے، ماں باپ بہن بھائی، ان میں سے کوئی میرے قہر سے نہیں بچ سکے گا۔ جہانگیر کا بال بھی بیکا ہوا تو یہ سب عتاب میں آ جائیں گے۔''
''آ جائیں! اب مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ میں صرف اپنے لیے زندہ ہوں۔'' اس کے الفاظ بہت سخت تھے لیکن میں نے محسوس کیا کہ میری دھمکی پر اس کا لہجہ اچانک ڈھیلا اور کمزور پڑ گیا تھا۔
''پھر جو چاہو کرتے رہو۔ اب ہمارے درمیان کھلی جنگ ہوگی جس میں کوئی محفوظ نہیں رہے گا۔ ایک ایک کر کے تم اپنے تمام ساتھیوں اور عزیزوں سے محروم ہو جاؤ گے۔''
میں اس کی طرف سے جواب کا منتظر تھا لیکن لائن پر گہرا سناٹا گونج رہا تھا۔ چند ثانیوں بعد مجھے احساس ہوا کہ اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی اپنا فون بند کر دیا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادیہ سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردکارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے لیے جان بازوں کی ایک ایسی پر اسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کا مکاؤ میں ڈون کوانگ فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مال و وسائل پر قابو ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پر اسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے لیے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جا رہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اس نے میری تلاش میں جہانگیر کی گولڈن فارمیسی تک رسائی حاصل کر لی تھی جہاں اس سے میرا ٹکراؤ بھی ہوا مگر اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ بن نے را کے ایجنٹوں کے ذریعے اپنی مذموم کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا مگر وہ ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انہیں ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی نائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی نائن پر دھاوا بولا اور ایک جان گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کر ہم سب کو چونکا کر دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہو گی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک ہاروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیبی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ اس نے میرے جھانسے میں آ کر مقامی ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں ٹپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر میں مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں قتل والی مشکوک لڑکی سلمی سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کر دیا۔ اس حلیے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہو گئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہو سکتی تھی۔ اسی اثنا میں نک ہاروے نے تصدیق کر دی کہ ڈیبی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں کے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کا فرضی رضا کارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کر لیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہو گی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض میں اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا۔ غزالہ سلمی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور وہ واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیبی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کی سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈیبی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈیبی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہو گا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہو گی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پچھاڑنا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کرلے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیبی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیبی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے

خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار تک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن وامان کے مسائل بھی کھڑے کرنے جا رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں تک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے تک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے تک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں تک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد جہانگیر پر حملہ کرنے والا ہے۔

اب آپ قسط نمبر 231 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

سوبھراج سے ہونے والی گفتگو نے اتنی تیزی سے رنگ بدلا تھا کہ آخر میں سب کے چہروں پر حیرت اور بے یقینی کے آثار ابھر آئے۔

چند ثانیوں تک کمرے کی فضا پر گمبھیر سکوت چھایا رہا۔ آخر کار اول خان نے زبان کھولنے میں پہل کی اور کہا ''اب وہ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچنے پر اتر آیا ہے۔''

''قصور سوبھراج کا نہیں، کھمبے کا ہے۔ وہ کہیں آتا ہے نہ جاتا ہے۔ ہمیشہ اپنی جگہ کھڑا رہتا ہے۔'' ویرا نے اس کی بات کاٹ کر نرم لہجے میں کہا ''یہی حال جہانگیر کا ہے۔ وہ سب کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔ اس کی دکان آگ کی نذر ہو گئی لیکن اب اس کا فلیٹ دشمنوں کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔''

''اس کے بارے میں زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اول خان نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''میرے دو آدمی ہر وقت وہاں موجود رہتے ہیں۔ میں انہیں مزید ہوشیار کر دوں گا۔ کسی نے ادھر کا رخ کیا تو بچ کر نہیں جا سکے گا۔''

''انہیں اسی وقت الرٹ کر دو۔'' میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا ''اس وقت سوبھراج کی ذہنی حالت پر زیادہ بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی وقت کسی کو جہانگیر کے پیچھے لگا دے۔''

اول خان کو صورتِ احوال کی سنگینی کا پورا پورا ادراک تھا۔ اس کے پاس اپنے ان آدمیوں سے براہِ راست رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس نے فون پر اسٹیشن فور کے ریڈیو روم سے رابطہ کر کے ہدایت دی کہ وہاں سے لاسلکی ریڈیائی رابطے پر ان دونوں کو ہدایت دی جائے کہ وہ اول خان سے فوری طور پر اس کے موبائل فون پر رابطہ کریں۔

اس کے بعد کمرے کی فضا پر سکوت چھا گیا۔ ہم میں سے ہر شخص اپنی جگہ پر کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

وہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہی۔ پانچ منٹ بھی نہیں گزرے ہوں گے کہ اول خان کے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

ہم لوگوں کے لیے اپنے دشمنوں کے چہرے جانے پہچانے تھے مگر اسپیشل ٹاسک فورس کے عام اہل کاروں کے لیے وہ سب اجنبی تھے۔ اول خان کی ہدایت پر وہ صرف ایسے لوگوں کے منتظر تھے جو جہانگیر کے خلاف کچھ معاندانہ عزائم رکھتے ہوں۔

اول خان نے اپنے آدمی کو بتایا کہ دشمن وقت اور خطرات کی پروا کیے بغیر، کسی بھی وقت جہانگیر کے گھر پر ایک مرتبہ پھر حملہ کر سکتا ہے اس لیے ان دونوں کو ہر وقت بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت تھی۔

بات زیادہ پرانی نہیں تھی۔ چند ہی روز پہلے سنیل کے بھیجے ہوئے بدمعاشوں نے جہانگیر کے گھر پر دھاوا بول کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی تھی جس کے نتیجے میں چارلی نامی ایک مقامی بدمعاش ہمارے قبضے میں آیا تھا۔ اس کی زبانی پتا چلا تھا کہ اس کام کے لیے سنیل نے پچاس ہزار روپے کے عوض اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔

وہ ان لوگوں کا معمول کا طریقہ کار تھا۔ وہ اپنی کھال بچانے کے لیے بھاری معاوضے پر مقامی بدمعاشوں سے کام لے رہے تھے۔ چارلی کے بعد انہوں نے شیر دل کو بھی اسی طرح استعمال کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ ان دنوں سوبھراج کے ستارے یاور نہیں تھے۔

جہانگیر کافی دنوں سے کلفٹن کے علاقے میں ایک محفوظ رہائشی عمارت کے فلیٹ میں رہ رہا تھا جہاں اسے روزمرہ زندگی کی تمام تر آسائشوں کے ساتھ خاصا تحفظ بھی حاصل تھا۔ اس عمارت کا اپنا حفاظتی نظام تھا۔ وہاں گراؤنڈ فلور پر موجود مسلح محافظ، چوبیس گھنٹے ہر آنے جانے والے اجنبی چہرے پر نظر رکھتے تھے۔ چارلی والے واقعے کے بعد انہوں نے اپنی دیکھ بھال میں زیادہ سختی کرنی شروع کر دی تھی۔

پروجیکٹ کے ان تنخواہ دار محافظوں کے علاوہ ایس ٹی ایف کے دو مسلح آدمی ہر وقت اس عمارت کی نگرانی کر رہے تھے۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ ان دہرے انتظامات کی موجودگی

میں سوبھراج کے بھیجے ہوئے آدمی اپنے عزائم میں کامیابی حاصل کرسکیں گے۔

اول خان اپنے آدمیوں کو ہدایت دے کر ہمارے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگیا۔

جلال کے ذہن میں ان واقعات کے بارے میں نہ جانے کیا کھچڑی پک رہی تھی کہ وہ بہت الجھا ہوا نظر آرہا تھا۔ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی اس کی آنکھوں سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ ذہنی طور پر وہ اس وقت ہمارے ساتھ نہیں تھا۔

''سوبھراج سے بات ہوگئی ہے، اول خان نے جہانگیر کی حفاظت پر مامور اپنے آدمیوں کو ہوشیار کردیا ہے پھر تم کیوں پریشان نظر آرہے ہو؟'' میں نے جلال کا شانہ ہلاتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''معاملہ خاصا سنگین ہوتا نظر آرہا ہے۔ جب تک صبح کے اخبارات میں سوبھراج کا یہ بیان نہیں آجاتا کہ نک ہاروے کو اس نے مروایا ہے۔ میرا ذہن ہلکا نہیں ہوسکے گا۔'' وہ جواب دیتے ہوئے جلال کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''لیکن کیوں؟'' ویرا... نے زور دینے والے انداز میں سوال کیا۔

''یہ دوسری بار ہوا ہے کہ ڈینی کا نام بہت مشتبہ انداز میں سامنے آنے والا ہے۔'' جلال نے اسی پرخیال لہجے میں کہا۔

''کیوں؟ ایسی کیا بات ہوئی ہے؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''حیرت ہے کہ ابھی تک تمہارے ذہن میں پورا منظر نامہ نہیں آسکا۔'' جلال کی آواز سرد اور سپاٹ ہوگئی ''امریکی میرین کمانڈوز نے سوبھراج کو ہلاک کرنے کے لیے سنیل کے گھر کا رخ کیا تھا جہاں وہ پناہ گزین تھا.....''

''ان دونوں کو وہاں سوبھراج کا سایہ تک نہیں ملا۔'' ویرا نے اس کی بات درمیان سے اچک لی ''ان دونوں کا اول خان اور ڈینی سے تصادم ہوا۔ ان میں سے ایک مارا گیا۔ دوسرا بے ہوشی کی حالت میں پکڑا گیا۔''

''اہم ترین بات یہ تھی کہ ان دونوں کمانڈوز کو ہلاک اور بے ہوش کرنے کے لیے ان کے جسموں میں سریع الاثر زہروں کی خفیف سی مقدار انجکٹ کی گئی تھی۔'' جلال نے اسی متانت کے ساتھ کہا۔ ''یہ طریقہ اب ڈینی سے موسوم ہوچکا ہے۔ ان کے لیے یہ بات ناقابلِ فہم رہی ہوگی کہ سوبھراج کی خفیہ پناہ گاہ کے قرب وجوار میں ڈینی کیا کررہا تھا۔''

''شاید تم بھول رہے ہو'' اول خان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا ''نک نے کرنل داور سے بات کرتے ہوئے اس الجھن کی وضاحت کردی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ڈینی کو بھی کہیں سے سوبھراج کی کمین گاہ کی بھنک مل گئی تھی۔ وہ بھی سولجر بازار جا پہنچا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ دونوں فریق وہاں اتفاق سے یک جا ہوگئے اور سوبھراج کو نشانہ بنانے کے بجائے آپس میں لڑ پڑے۔''

''مجھے سب یاد ہے۔'' جلال کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی ''اس واقعے کی ایک تکون بنی تھی۔ ڈینی، سوبھراج اور نک۔ اس میں کسی کا کچھ نہیں بگڑا۔ نک کا ایک کمانڈو مارا گیا، دوسرا بے ہوش ہوا۔ تازہ ترین واقعے کی تکون بھی بالکل یہی ہے۔ اس کے نتیجے میں نک کے ساتھ شیر دل بھی مارا گیا اور کفیل پکڑا گیا۔ کفیل ہوش میں آتے ہی شیر دل کی نشان دہی کرے گا۔ وہ ڈینی کے مخصوص زہر سے مارا گیا ہے۔ جب تک سوبھراج شیخی میں آکر نک کے قتل کی ذمے داری اپنے سر نہیں لے لیتا، بادی النظر میں یہ سمجھا جائے گا کہ ڈینی نے پہلے شیر دل کے آدمی کے ذریعے نک کو مروایا پھر شیر دل کو بھی ماردیا۔''

''میرے دوست!'' میں نے جلال سے مخاطب ہوکر کہا۔ ''تمہارے یہ اندیشے بجا ہیں لیکن تم نک کی موت سے کچھ زیادہ پریشان ہوگئے ہو۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو سوبھراج کسی بھی وقت کسی بڑے اخبار کے دفتر سے رابطہ کرکے نک کا قاتل ہونے کا دعویٰ کرڈالے گا پھر کفیل زخمی اور بے ہوش ہے۔ کل دن سے پہلے اس کا بیان لینے کی نوبت نہیں آسکے گی۔ تیسری اور اہم بات یہ ہے کہ شیر دل ایک بدمعاش تھا۔ اس کی موت کی خبر ضرور پھیلے گی لیکن اس کے قتل کے صحیح اسباب کا تعین کرنے کے لیے پوسٹ مارٹم کی نوبت دیر سے آئے گی۔ وہ نتائج آنے سے پہلے، صبح کے اخبارات میں سوبھراج کا اعلان چھپ چکا ہوگا۔''

''فرض کرو کہ یہ سب کچھ یوں ہی ہوتا ہے پھر بھی اس بات کا کیا جواز ہوگا کہ تم سوبھراج کے ساتھ مسلسل نک کے خلاف کام کرتے ہوئے نظر آرہے ہو۔''

''ہاں...... یہ ایک اہم نکتہ ہے۔ بات نک سے بڑھ کر امریکی مفادات تک بھی پہنچ سکتی ہے۔'' ویرا نے جلال کی تائید کرتے ہوئے کہا ''وہ لوگ یہ سوچ سکتے ہیں کہ امریکی مفادات کو نقصان پہنچانے کے لیے ڈینی اور سوبھراج نے ایکا کرلیا ہے۔''

''ایسا سوچنے والوں کی عقلوں پر ماتم کرنا پڑے گا۔'' میں نے خوش دلی کے ساتھ ہنستے ہوئے کہا ''پچھلی بار اگر ایک

امریکی کمانڈو مارا گیا تھا تو آج سوبھراج کا ایک قابلِ اعتماد آدمی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوا ہے۔ یہ دونوں واقعات کا بنیادی فرق ہے۔''

''اگر تم شیر دل پر انگوٹھیوں والا زہر استعمال نہ کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔'' اس بار اول خان نے اپنی رائے دی تھی ''قتل کے اس مخصوص طریقے کی وجہ تمہارا نام ضرور لیا جائے گا۔''

''اگر میں کچھ اور طے کر بھی لیتا تو اس پر عمل کرنا ممکن نہیں تھا۔ شیر دل کا اڈا گنجان آبادی میں ہے۔ جہاں گھروں کی دیواریں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔ ایک گھر میں زور سے بولنے کی آواز آسانی سے دوسرے میں سنی جا سکتی ہے۔ شیر دل کو ٹھکانے لگانے کے صرف دو راستے تھے۔ جن پر عمل کر کے میں رازداری اور خاموشی کے ساتھ واپس لوٹ سکتا تھا۔ زہر یا بیم گن اور ان دونوں پر میرے نام کی چھاپ لگ چکی ہے۔''

''ظاہر ہے!'' میری وضاحت پر اول خان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''وہاں کسی کو بھی شبہ ہو جاتا کہ شیر دل کے ساتھ کوئی واردات ہو گئی ہے تو وہاں سے تمہارا صحیح سلامت نکل آنا دشوار ہو جاتا۔'' یہ تمہاری ناگزیر مجبوری تھی۔''

''اس وقت تمہاری کیا پوزیشن ہے؟'' میں نے جلال سے پوچھا۔

''بہت نازک ہے۔'' وہ ہنس کر بولا ''نک کی موت کے اثرات دور تک محسوس ہوں گے اور شاید دیرپا بھی ثابت ہوں۔''

''تمہارا شیر دل واقعی شیر دل ثابت ہوا۔'' اول خان نے داد دی ''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نک کو اتنی آسانی سے راستے سے ہٹایا جا سکے گا۔''

''سوبھراج اب بھی یہی سمجھ رہا ہوگا کہ شیر دل نے اس کے اشارے پر نک کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست کیا ہوگا۔'' سلطان شاہ بولا ''اس بے چارے نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورے خلوص سے پورا کیا لیکن تم نے اسے کوئی اچھا صلہ نہیں دیا۔''

''وہ بے چارہ نہیں تھا۔'' میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا ''نہ جانے کتنے لوگوں کا قاتل تھا اور اب بھی ایک ڈیڑھ لاکھ لے کر کسی کو بھی مارنے کے لیے تیار تھا۔ ایسے موذی کا مر جانا ہی بہتر تھا۔ جو لوگ چند پیسوں کے عوض خود کو بیچ دینے پر تلے رہتے ہیں۔ ان کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ وہ جب تک جیتے ہیں، دوسروں کا خون پی کر جیتے ہیں۔''

''یہ سب ہو رہا ہے لیکن میں محسوس کر رہی ہوں کہ جہانگیر کے بارے میں سوبھراج کی دھمکی کو کوئی بھی زیادہ اہمیت نہیں دے رہا۔'' ویرا نے اچانک وہ ذکر نکال لیا۔

''اس سے زیادہ اور کیا اہمیت ہو گی کہ اول خان نے سب سے پہلے اپنے آدمیوں کو اس کی خصوصی حفاظت کی ہدایات دی ہیں۔ اب ہم وہاں ٹینک تو کھڑے نہیں کر سکتے۔'' میں نے قدرے ترشی سے کہا۔

''جو کچھ ہو سکتا ہے، وہ کیا جا رہا ہے۔'' غزالہ نے تحمل سے کہا ''تمہارے ذہن میں کوئی نئی بات آ رہی ہے تو وہ بھی کہہ ڈالو۔''

''ہم میں سے کسی نہ کسی کو اس کے گھر پر موجود رہنا چاہیے۔'' ویرا نے اپنی رائے دی۔

''میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔'' میں نے بے اعتنائی سے جواب دیا ''ہم میں سے کسی کے وہاں ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑے گا؟''

''اور کچھ نہیں تو اس کی دل جوئی ہوتی رہے گی۔'' ویرا بولی۔

''وہ سوبھراج کی تازہ ترین دھمکی سے بے خبر اور اپنے گھر میں مطمئن بیٹھا ہوا ہے۔ اسے کسی کی طرف سے دلجوئی کی ضرورت نہیں۔ اگر اس کے لیے تمہارا اپنا پھڑک رہا ہے تو پھر تم ہی وہاں چلی جاؤ۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔

''میں خوشی سے وہاں جانے کے لیے راضی ہوں۔ آج کے دور میں ایسے مخلص دوست نایاب ہوتے ہیں لیکن تم کو اس کی ذرا بھی قدر نہیں ہے۔''

میں نے اسے کوئی جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

''تم میری پوزیشن کی بات کر رہے تھے......'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد جلال نے میری طرف متوجہ ہو کر کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات اڑا دی۔

''تمہاری پوزیشن مجھے معلوم ہے۔ تمہارا دل ہر لمحہ ہمارے ساتھ ہے۔ تم وہی سوچتے ہو جو ہم سوچتے ہیں۔ میں تمہاری سرکاری پوزیشن کی بات کر رہا تھا۔''

اسی وقت ویرا نے خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑی اور کسی سے کچھ کہے سنے بغیر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

ویرا ہمیشہ سے موڈی عورت تھی۔ اس کے وہ انداز ہم میں سے کسی کے لیے بھی نئے نہیں تھے۔ کسی نے اس کے چلے جانے پر زیادہ دھیان نہیں دیا۔ میں نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور اسے نظر انداز کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ ہر

طرف شام کا اندھیرا اتر آیا تھا اور ویرا کے اعصاب پر شراب کی طلب سوار ہونے لگی تھی۔ وہ کسی سے کچھ کہے سنے بغیر، اپنی پیاس بجھانے کے لیے اپنے کمرے کی طرف گئی ہوگی۔

وہ ویرا کی ایسی موروثی عادت تھی جسے چھڑانا کسی کے بس کا روگ نہیں تھا۔ میں نے اسے جب بھی الکحل کے مضر اثرات کے بارے میں کچھ سمجھانے کی کوشش کی، اس نے یہ کہہ کر میرا مضحکہ اڑانا شروع کر دیا کہ نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی ہے۔

اس کے بتائے ہوئے حساب کی رو سے میں عین عالم شباب میں پہنچنے تک اتنی شراب پی چکا تھا جتنی کوئی عادی شرابی اپنی ساری عمر میں نہیں پی سکتا۔ اپنا زندگی بھر کا کوٹا پورا کر کے اگر میں نے وہ قبیح مشغلہ ترک کر دیا تھا تو اس میں میرا کوئی کمال نہیں تھا۔ وہ کہتی تھی کہ جب اس کا کوٹا پورا ہو جائے گا تو وہ بھی میری طرح شراب نوشی سے تائب ہو جائے گی۔

آثار و قرائن یہ بتا رہے ہے کہ ویرا کو زندگی بھر اپنا کوٹا پورا ہونے کا احساس نہیں ہو سکے گا۔ وہ اپنے آخری سانس تک شراب خانہ خراب کے طلسم میں گرفتار رہے گی۔ یہ عقدہ سمجھ میں آ جانے کے بعد میں نے اسے روکنا ٹوکنا چھوڑ دیا تھا۔

''میں نے بھی جو کچھ کہا، اپنی سرکاری پوزیشن کے بارے میں کہا تھا۔ پہلے جو کچھ ہوتا رہا، اسے امریکی کسی نہ کسی طرح سہہ گئے لیکن آج کے بدلے ہوئے حالات میں ان کے جارحانہ عمل کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔''

''جو کچھ ہوا، وہ ایک عام واقعہ ہے۔ اس قسم کے واقعات دنیا بھر میں رونما ہوتے رہتے ہیں۔ ان پر بہت اودھم ہوتا ہے لیکن آج تک دنیا کا کوئی بھی ملک ایسے واقعات سو فیصد تدارک کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔'' میں نے کہا۔

''بات گھوم پھر کر اسی نکتے پر آ جاتی ہے جو اول خان نے اٹھایا تھا۔'' جلال نے ایک گہری سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں کہا ''کفیل اور شیر دل کا تعلق زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہے گا۔ وہ اس بات کا بتنگڑ بنانے کی کوشش کریں گے کہ شیر دل کو تم نے مارا ہے اور اس طرح نک کے قتل کے حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اس واقعے میں کہیں نہ کہیں تمہارا ہاتھ ضرور ملوث ہے۔''

اول خان خاموش رہا۔ اس کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی طاری تھی۔ آخر غزالہ نے مضطربانہ انداز میں کہا ''جب سوبھراج ساری ذمے داری اپنے سر لے گا تو شیر دل کی کیا اہمیت رہ جائے گی۔''

''یہ ہم لوگ کہہ رہے ہیں، تم کہہ رہی ہو۔ وہ سوبھراج کے بیان کو زیادہ وقعت نہیں دیں گے۔ اپنے مطلب کے حقائق پر زور دیں گے۔'' جلال نے غزالہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''آج کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ شیر دل ایک زہریلی سوئی کا شکار ہوا ہے۔ ڈینی کے کئی حریف ایسی سوئیوں کے شکار ہو چکے ہیں۔ شاید وہ یہ دلیل اپنائیں گے کہ شیر دل کا قاتل ہی نک کا اصل قاتل ہے۔ اس نے اپنی پردہ پوشی کے لیے شیر دل کو مار ڈالا ورنہ قانون کے رکھوالے کفیل کے سہارے شیر دل تک پہنچ جاتے اور اس سے اصل قاتل کا کوئی نہ کوئی سراغ مل جاتا۔ شیر دل کی موت سے وہ راہیں مسدود ہو گئیں۔''

''صورتِ احوال واقعی بہت گنجلک ہے۔'' میں نے اعتراف کیا ''کیا ہم اس معاملے میں وقت سے پہلے اور شاید ضرورت سے زیادہ دماغ سوزی کر رہے ہیں۔ ابھی واقعہ تازہ ہے۔ ہمیں آج رات سکھ کی نیند سو جانا چاہیے۔ صبح دیکھیں گے کہ سوبھراج نے کیا گل کھلائے ہیں۔ اس کے بعد ہی نیا نقشہ سامنے آ سکے گا۔''

''ہاں!'' جلال ہولے سے ہنس دیا ''انگریزی محاورے کے مطابق ہم جھاڑیوں کے گرد بھٹک رہے ہیں شکار کا دور دور تک پتا نہیں ہے۔ گھوم پھر ایک جیسے خطرات اور خدشات سامنے آ رہے ہیں۔''

''بس، کھانے کی تیاری کرو۔'' میں نے غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا ''آج ہم سب ایک ساتھ ڈنر کریں گے۔ یہ موضوعات کل زیر بحث آئیں گے۔''

جلال لاکھ انکار کرتا رہا۔ وہ دیر سے کھانا کھانے کا عادی تھا لیکن میں نے اس کی ایک نہ سنی۔ اس کی سہولت کے لیے اسی وقت میز لگانے کی فیصلہ کن ہدایت جاری کر دی تا کہ اس کا زیادہ وقت خراب نہ ہو۔

غزالہ گھر میں موجود افراد کی تلاش میں اٹھ گئی۔ جب سے اول خان نے دو محافظوں کی صورت میں ہمیں ایسے افراد فراہم کیے تھے جو گھریلو کاموں میں بھی بھرپور مہارت رکھتے تھے، غزالہ کے سر سے کام کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ وہ دونوں اس کی سرسری ہدایات پر ہر کام اس قرینے سے انجام دیتے تھے کہ دل خوش ہو جاتا تھا۔

چند منٹ بعد ہی غزالہ بوکھلائی ہوئی واپس آئی۔ اس نے بتایا کہ ویرا اپنے کمرے یا باتھ روم میں تھی نہ گھر کے کسی اور حصے میں۔

ہم سب کے لیے وہ خبر ایک دھماکے سے کم نہیں تھی۔ میں

اٹھ کر تیزی سے ویرا کے کمرے کی طرف گیا تو وہاں کی فضا میں الکحل کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔ تپائی پر بلیک لیبل کی بوتل اور ایک گلاس میں بچی ہوئی اسکاچ کی چند بوندیں چغلی کھا رہی تھیں کہ کہیں جانے سے پہلے ویرا نے اسکاچ کا ایک لمبا گلاس لیا تھا۔

پھر مجھے مسہری پر بے ترتیبی سے پڑے ہوئے وہ کپڑے بھی نظر آ گئے جو کچھ دیر پہلے ویرا کے سڈول بدن کی زینت بنے ہوئے تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل بھی بکھری بکھری سی نظر آ رہی تھی۔

صاف ظاہر تھا کہ ویرا لباس بدل کر پوری تیاری کے ساتھ گھر سے نکل گئی تھی۔

ویرا کی تلاش کے سلسلے میں گھر میں افراتفری پھیلی تو ایس ٹی ایف کے دونوں آدمی بھی اندر آ گئے۔ میرے پُرتشویش استفسار پر ابرار نے بتایا کہ ویرا کچھ دیر پہلے پیدل گھر سے نکلی تھی۔ اس نے ابرار سے کہا تھا کہ کوئی اس کے بارے میں دریافت کرے تو وہ بتا دے کہ وہ جہانگیر کی طرف گئی تھی۔

ابرار کی زبان سے جہانگیر کا نام سن کر سب ہی ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ دین محمد اور ابرار کی موجودگی میں کوئی کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ان دونوں کو میز لگانے کے لیے کچن کی طرف بھیجا اور خود سر جھکا کر ڈرائنگ روم میں لوٹ آیا۔

''یہ عجیب غیر ذمے دار اور سنکی لڑکی ہے!'' جلال ڈرائنگ روم میں آ کر ناخوشگوار لہجے میں اپنے غصے کا اظہار کر رہا تھا ''ذرا سی بات پر یوں تنک کر گھر سے نکل گئی۔ اسے ذرا بھی اندازہ نہیں ہے کہ جہانگیر سے زیادہ وہ خود خطرات میں گھری ہوئی ہے۔ ایسی حرکت سے آخر وہ کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہے۔''

جلال کے اشتعال کا اندازہ کر کے میں نے بلاوجہ مسکرانا شروع کر دیا جیسے میں ویرا کی اس طفلانہ حرکت سے محظوظ ہوا ہوں۔ حقیقت یہ تھی کہ اس وقت میں غصے سے دل ہی دل میں ویرا پر بل کھا رہا تھا۔

''وہ کچھ بھی ثابت نہیں کرنا چاہتی۔'' غزالہ نے جلدی سے کہا ''بس، کبھی کبھی اس کی ذہنی رو ذرا بہک جاتی ہے۔''

''اسے یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس کی ذہنی رو بہکنے کے نتیجے میں دوسروں کو کس قدر ذہنی انتشار کا سامنا کرنا پڑتا ہے!'' جلال براہِ راست غزالہ سے مخاطب ہو گیا۔

غزالہ ایسے ترش سوال کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ بوکھلا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''وہ بدنیت یا بے وفا نہیں ہے۔'' غزالہ کے سٹپٹا جانے پر اول خان نے ویرا کی طرف داری کا فریضہ نبھانے کی کوشش کی ''بس ہر وقت ڈینی سے الجھی رہتی ہے۔ اس وقت بھی وہ ڈینی کو یہ جتانے کے لیے نکلی ہو گی کہ جہانگیر کی حفاظت سے بے پروائی دوستانہ مراسم کے منافی ہے۔ وہ غلطی کی مرتکب ضرور ہوئی ہے لیکن اس کی نیت نیک ہے۔ وہ اس آڑے وقت میں جہانگیر کے قریب رہ کر اس کی مدد کرنا چاہتی ہے۔''

''اس کی یہ حرکت ڈسپلن کے منافی ہے۔ ڈینی ان کا پارٹی لیڈر ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر اس نے گھر سے قدم کیسے نکالا؟ ایسی سر پھری لڑکی کیسی ہی دلیر اور نیک نیت ہو، میں اسے ایک لمحے کے لیے برداشت نہیں کر سکتا۔'' جلال کا غصہ برقرار تھا۔

''ابھی تم نے کچھ نہیں دیکھا۔'' اول خان نے قدرے متاسفانہ انداز میں کہا ''پاکستان کے لیے اپنے ملک اور ہم وطنوں کو چھوڑ کر اس نے سب کو اپنا بے کوڑی کا غلام بنا لیا ہے۔ یہ لوگ اسی طرح اس کی ناز برداریاں کرتے ہیں۔''

''یہ ان ہی کا دل گردہ ہے کہ اسے برداشت کرتے ہیں۔ میری بات کہیں لکھ لو کہ اپنی ان غیر ذمے دارانہ حرکتوں کی وجہ سے وہ کسی بھی وقت بے موت ماری جائے گی۔ حد سے بڑھی ہوئی یہ خود اعتمادی آدمی کو لے ڈوبتی ہے۔''

''اس کی حرکتیں اس کے ساتھ ہیں۔ اس کی خبر گیری ہمارا فرض ہے۔'' جلال سے یہ کہہ کر غزالہ مجھ سے مخاطب ہو گئی ''آپ جہانگیر کو فون کر دیں کہ ویرا کو فوراً گھر لوٹا دے۔''

''ہرگز نہیں!'' جلال نے سختی سے غزالہ کی مخالفت کی ''وہ چلی گئی ہے تو اسے جانے دو۔ اب انتظار کرو کہ وہ کس خبر کے ساتھ واپس آتی ہے اور آتی بھی ہے یا نہیں آتی۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اسے سبق ملنا چاہیے۔''

میں جلال کی دیگر باتوں سے متفق نہیں تھا مگر اس کی مخالفت میرے لیے ایک سہارا ثابت ہوئی۔ میں جانتا تھا کہ جہانگیر کے دل میں ویرا کے لیے بہت نرم گوشہ موجود تھا۔ وہ ہمیشہ ویرا کے ساتھ مل کر بیٹھنے کے لیے ترستا تھا۔

یہ ناممکن تھا کہ ویرا کی فوری واپسی کے بارے میں وہ میری کوئی ہدایت قبول کر لیتا۔ اس کے لیے ویرا کی صحبت ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں ہوتی۔ وہ اپنے گھر آنے والی اس خوش رو مہمان کو کسی قیمت پر لوٹانے پر آمادہ نہیں ہو سکتا تھا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم بھی ویرا کے بدخواہ نہیں ہو۔'' میں نے جلال سے کہا ''جو کچھ کہہ رہے ہو وہ غصے کا نتیجہ ہے۔ یہ تمہارے دل کی آواز نہیں ہے مگر میں اس بات سے متفق ہوں

کہ اس وقت ویرا کے لیے ہمیں کسی سے رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ چلی گئی ہے تو ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ وہ خیریت کے ساتھ واپس بھی لوٹ آئے۔''

''حیرت ہے کہ تمہیں اس کی حمایت میں میرے دل کی آواز سنائی دے رہی ہے۔'' جلال اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہرا کر بولا ''تم تینوں اس کی شخصیت کے سحر میں بری طرح گرفتار ہو۔ میرے لیے یہی غنیمت ہے کہ تم میری ایک بات مان رہے ہو۔ اب اس قصے کو ختم کرو۔ میں اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔''

ویرا کی خاموش روانگی کے انکشاف سے گھر کی خوشگوار فضا یکا یک بوجھل ہو گئی۔ اول خان کے آدمیوں کو بھی اس صورت حال کا ادراک تھا۔ انہوں نے تیزی کے ساتھ میز لگا دی اور ہم خاموشی کے ساتھ میز کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں پر جم گئے۔

کھانے دوران میں اِدھر اُدھر کی بے ربط باتیں ہوتی رہیں۔ اس وقت سب کے ذہنوں پر ویرا کی سلامتی کا مسئلہ سوار تھا لیکن جلال نے اسے ذکر ممنوعہ قرار دے دیا تھا۔ کسی غیر ضروری بدمزگی سے بچنے کے لیے ہر ایک ویرا کا تذکرہ کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

جب ذہن کہیں اور ہو، زبان ذہن کا ساتھ نہ دے رہی ہو تو کسی بات میں ربط اور تواتر برقرار نہیں رہتا۔ اس وقت کھانے کی میز پر یہی کچھ ہو رہا تھا۔

کھانا ختم ہوتے ہی چائے آ گئی اور وہ دور بھی خلاف توقع جلد ختم ہو گیا۔

جلال رسماً کچھ دیر تک بیٹھا رہا۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت ویرا اور جہانگیر کے سوا کیا بات کی جائے۔ ماحول پر عجیب سا جمود طاری ہو گیا۔

آخر کار جلال روانگی کے ارادے سے اٹھ گیا۔ میں اسے چھوڑنے کے لیے اس کی گاڑی تک آیا تو مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے وہ چند ثانیوں تک میری طرف دیکھتا رہا پھر دھیمی آواز میں بولا۔ ''وہ احمق لڑکی واپس آ جائے تو مجھے موبائل پر بتا دینا۔''

میں نے اسے یہ یاد دلانے کی کوشش نہیں کی کہ کھانے سے پیشتر اس نے ویرا کے بارے میں مزید کوئی بات نہ کرنے کا عزم ظاہر کیا تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ اپنے مخصوص مزاج کے باوجود وہ ویرا سے لاتعلق نہیں تھا۔ اس کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ سے گہری فکرمندی جھلک رہی تھی۔

میں جلال کو رخصت کر کے اندر آیا تو غزالہ اور سلطان شاہ میں کسی مسئلے پر بحث چھڑی ہوئی تھی۔ میرے قدموں کی آہٹ سنتے ہی دونوں خاموش ہو گئے۔

''کیا ہو رہا تھا؟'' ڈرائنگ روم میں پہنچ کر میں نے سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں!'' اس نے سٹپٹا کر جواب دیا۔

''میں بتاتا ہوں۔'' اول خان نے زیرلب مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''ایک حماقت ویرا نے کی ہے اور اب سلطان شاہ دوسری حماقت کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ یہ ویرا کے پیچھے جانا چاہتا ہے۔ غزالہ اسے روک رہی ہے۔''

''مجھے ہی نہیں، تم کو بھی چلنا چاہیے۔'' سلطان شاہ نے یکا یک مجھ سے نظریں ملا کر کہا ''ہمیں جلال کے ڈسپلن کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم اس کے ماتحت نہیں ہیں۔ اس نے ایک بات کہی اور سب کی زبانوں کو لگام لگ گئی۔''

''اس کے سامنے کیوں نہیں بولے؟'' غزالہ اس پر غرائی ''کیا تم کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ چلا گیا تو اب شیر ہو رہے ہو۔''

''وہ باہر کا آدمی ہے۔ اسے ویرا سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔'' سلطان شاہ بھرا بیٹھا تھا۔ ''میں اس سے الجھ کر کوئی بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''وہ ہم سے زیادہ ویرا کا ہمدرد ہے۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ملائمت سے کہا۔ ''جاتے جاتے کہہ کر گیا ہے کہ ویرا کے آتے ہی اسے اطلاع دی جائے۔ ویرا نے حرکت ہی ایسی کی ہے کہ مجھے بھی اس پر غصہ آ رہا ہے۔''

''وہ تو ویرا کے بارے میں ایک لفظ سننے کا روادار نہیں تھا۔ اب کیوں اس کے دل میں درد اٹھا ہے؟'' سلطان شاہ نے تلخی سے کہا۔

''ایمان داری سے بتاؤ کہ کیا ویرا نے صحیح حرکت کی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''میں اس کا دفاع نہیں کر رہا۔ وہ پاگل ہے۔ اس نے بڑی غلطی کی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگتنے کے لیے بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے۔ مجھے اس کی طرف سے تشویش ہے۔''

سلطان شاہ کا جواب سن کر میں بے اختیار مسکرا دیا ''وہ سامنے ہوتی ہے تو تم ہر لمحے اپنے پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑے رہتے ہو۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ تم اس کے لیے فکرمند ہو۔ ہمیں ہیجانی انداز میں بھاگ دوڑ کرنے کی ضرورت نہیں۔ آرام سے بیٹھے رہو۔ وہ تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ جائے

گی اور ضرور فون کرے گی۔''
میرے جواب پر سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا لیکن اس کی زبان بند رہی۔
اس وقت کے شہر کے حالات نارمل ہوتے تو شاید میں بھی ویرا کے پیچھے دوڑ لگا دیتا مگر حالات ہمارے دشمنوں کے خلاف جا رہے تھے۔ وہ آپس میں لڑ پڑے تھے۔ نک کے دیدہ دلیرانہ قتل کے بعد اس کیمپ کے لوگ بدترین خوف و ہراس میں مبتلا تھے۔ ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنی سلامتی کو پس پشت ڈال کر، شہر میں ہمیں اندھا دھند تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔
یہی بات سوبھراج پر صادق آتی تھی۔ اس نے شیر دل کی ہلاکت کی خبر پر مشتعل ہو کر بہت کچھ کہا تھا لیکن وہ دو طرفہ خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ اسے پوری طرح احساس دلایا جا چکا تھا کہ ویرا کے بارے میں رازداری کا رویہ اختیار کر کے وہ ایف بی آئی سے سنگین غداری کا مرتکب ہوا تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ لوگ اس کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے اور شکاری کتوں کی طرح شہر میں اس کی بو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔
وہ مجروح اور شکست خوردہ حریف تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ جہانگیر کے بارے میں اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے واضح ترین سنگین خطرات کو پس پشت ڈال دے گا۔
اس کا ریکارڈ گواہ تھا کہ وہ ایک اچھا خاصا منصوبہ ساز ہونے کے باوجود پس پردہ رہ کر دوسروں پر حکم چلانے کا عادی تھا۔
اس کی طرف سے زیادہ سے زیادہ یہ خطرہ تھا کہ وہ کرایے کے ایک دو بدمعاشوں کو جہانگیر کے پیچھے لگا دے۔ ایسے بدمعاش خطیر معاوضے کے لالچ میں اپنی ساری توجہ صرف اسی کام پر مرکوز رکھتے ہیں جو انہیں سونپا جاتا ہے۔ وہ اس سے آگے پیچھے کچھ نہیں کرتے۔
نچلے درجے کے ان بدمعاشوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ویرا کے کردار کی اہمیت سے پوری طرح واقف ہوں اور پہلی نظر میں اسے پہچان لیں۔ مجھے پورا اطمینان تھا کہ اگر سوبھراج کے کرایے کے غنڈے بہت زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کر کے جہانگیر کی رہائشی عمارت کے قرب و جوار میں پہنچ بھی چکے تھے تو وہ ویرا کے لیے براہِ راست کسی خطرے کا سبب نہیں بنیں گے۔ ویرا ان کے درمیان سے ہوتی ہوئی آسانی اور حفاظت سے جہانگیر کے گھر تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

☆☆☆

یہ بات ویرا کے ذہن میں جڑ پکڑ گئی تھی کہ اب سوبھراج اپنی ذلتوں کا بدلہ چکانے کے لیے پوری قوت سے جہانگیر کے خلاف کوئی نہ کوئی بڑا اقدام اٹھائے گا۔
اس اندیشے کے دباؤ میں اس نے تمام معروضی حالات کو نظر انداز کر دیا تھا۔ جہانگیر کے بچاؤ کے سلسلے میں اسے خاص طور سے میرا رویہ بہت سرد بلکہ بے رحمانہ محسوس ہوا تھا۔ اس نے اپنے تحفظات کے بارے میں کسی سے کھل کر بات نہیں کی اور تشویش کے بدترین ذہنی دباؤ میں اس نے از خود کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔
اس کی دانست میں جہانگیر مظلوم تھا۔ میں نے اسے قربانی کا بکرا بنایا ہوا تھا۔ ویرا کا فرض تھا کہ وہ سرعت سے اس مظلوم کی مدد کو پہنچتی۔
اپنی طبیعت کی بدمزگی دور کرنے کے لیے اس نے تیاری کے دوران میں اسکاچ کے دو بڑے گلاس بہت تیزی سے اپنے معدے میں انڈیلے تھے۔ چلتے ہوئے اس نے ریوالور اور فاضل راؤنڈ سے بھرا ہوا پاؤچ اپنے ساتھ لے لیا تھا۔
وہ بیم گن بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی لیکن اس وقت وہ میرے کمرے میں تھی۔ اس کی تلاش کے لیے ویرا کو ہمارے سامنے سے گزرنا پڑتا۔ وہ کپڑے وغیرہ تبدیل کر کے ہم سے کسی کی نظروں میں نہیں آنا چاہتی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ ہم سب مل کر اسے جانے سے روک لیں گے۔
وہ اسکاچ کے ہلکے سے سرور میں تھی اور کسی کو کچھ بتائے بغیر، خاموشی سے گھر سے نکلنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس نے قد آدم آئینے کے سامنے جا کر آخری بار اپنا ناقدانہ جائزہ لیا، گلابی ہونٹوں پر لپ اسٹک کی ہلکی سی تہ جمائی اور گھر سے نکل گئی۔
گلی میں اسے ابرار نظر آیا جو بازار سے کچھ سامان لے کر آ رہا تھا۔
اس پر نظر پڑتے ہی ویرا کو ہم لوگوں کا خیال آ گیا۔ اس نے سوچا کہ اس کی پُراسرار روانگی کا راز فاش ہوتے ہی سب لوگ پریشان ہو جائیں گے۔ اس نے ابرار کو روک کر سمجھایا کہ اسے اندر جا کر از خود کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کسی کو کوئی پریشانی لاحق ہو تو وہ صرف اتنا بتا دے کہ وہ جہانگیر کی طرف گئی ہے۔
ویرا اس گھر کی ایک معزز فرد تھی، اس وقت بالکل نارمل نظر آ رہی تھی۔ ابرار کے لیے اس کی ہدایت پر عمل کرنا لازم تھا۔

اس نے بالکل وہی کیا جو ویرا نے اسے بتایا تھا۔
گھر سے ذرا دور پہنچنے پر ویرا کو ایک خالی ٹیکسی نظر آ گئی اور وہ اس میں سوار ہو کر جہانگیر کے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔
راستے میں سگریٹ کے گہرے کش لیتے ہوئے وہ یہ سوچ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی کہ جہانگیر کی خبر گیری کے معاملے میں وہ میرے اوپر بازی لے گئی تھی۔ جہانگیر کے ساتھ کچھ بھی نہ ہوتا تب بھی ویرا کے لیے یہ احساس طمانیت کا باعث ہوتا کہ اس نے اپنے اخلاقی فرض سے روگردانی نہیں کی تھی۔ ضرورت محسوس کرتے ہی، کسی تساہل کے بغیر جہانگیر کے گھر کی طرف دوڑ پڑی تھی۔
گراؤنڈ فلور کے کاؤنٹر سے سکیورٹی والے نے جہانگیر کے فلیٹ کا نمبر ملا کر انٹر کام پر یہ بتایا کہ کوئی مس غزالہ ملنے کے لیے آئی ہے تو ویرا کو فوراً اوپر جانے کی اجازت مل گئی۔ وہ لفٹ استعمال کرنے کے بجائے زینے طے کر کے اوپر پہنچی تو سلمٰی دروازہ کھولے اس کا انتظار کر رہی تھی۔
غزالہ کے بجائے ویرا کو اپنے سامنے پا کر سلمٰی حیران رہ گئی۔ اس کے پیچھے جہانگیر بھی موجود تھا اور بے یقینی سے اپنی پلکیں جھپکا رہا تھا۔
پرتپاک استقبال کے دوران میں ویرا نے ان دونوں کو بتایا کہ سکیورٹی والوں کا سامنا کرتے ہی اسے اچانک خیال آیا کہ اسے اپنا نام استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ وہ اپنا کوئی فرضی نام بتاتی تو غالب امکان یہی تھا کہ دونوں میاں بیوی اسے نہ پہچانتے اور اس کا عمارت میں داخلہ مشکل ہو جاتا۔ اس نے فی البدیہہ غزالہ کا نام استعمال کر ڈالا۔
ویرا کی غیر متوقع آمد پر سلمٰی بھی بہت خوش ہوئی تھی لیکن جہانگیر کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ویرا اس سے ملنے کے لیے اکیلی آئی تھی۔
''آج تم اکیلی آئی ہو، ڈینی وغیرہ کہاں ہیں؟'' سلمٰی نے اپنے شوہر کی غیر معمولی مسرت پر دل ہی دل میں بل کھاتے ہوئے خوش خلقی سے پوچھا۔
''وہ تینوں ہی اپنی الجھنوں میں مصروف تھے۔ میرا دل گھبرایا تو میں ادھر نکل آئی۔'' ویرا نے ہنس کر جواب دیا ''کچھ دیر گپ شپ کر کے چلی جاؤں گی۔''
''ارے، اب کہاں جاؤ گی۔'' جہانگیر نے ترنگ میں کہا ''یہ تو تمہارا میکا ہے۔ جب تک دل چاہے یہاں رہو۔ اب کوئی لینے آئے گا تب ہی تم واپس جاؤ گی۔''
''کیا کہہ رہے ہو۔'' سلمٰی نے اسے گھور کر کہا ''بولنے سے پہلے سوچ لیا کرو۔ میکا اور سسرال شادی شدہ لڑکیوں کے ہوتے ہیں۔ ویرا ابھی کنواری ہے۔''
جہانگیر خفت آمیز انداز میں ہنس پڑا ''ولایتی عورتوں میں سب چلتا ہے۔ جب تک شادی نہیں ہوئی تو بوائے فرینڈ ہوتا ہے کیوں ویرا؟ میں درست کہہ رہا ہوں نا!''
ویرا نے مسکرا کر تائیدی انداز میں اپنا سر ہلا دیا۔
''تو تم ویرا کے بوائے فرینڈ بننا چاہ رہے ہو!'' سلمٰی نے تیوریوں میں بل ڈال کر پوچھا۔
''تم ہر بات کے غلط معنے نکال لیتی ہو۔ یہ تو ویسے ہی کہہ دیا تھا۔ میں ویرا کو یہ سمجھانا چاہ رہا تھا کہ وہ اسے اپنا ہی گھر سمجھے اور کم از کم آج یہاں رہ جائے۔''
''وہ تمہارے گھر کی گری پڑی نہیں ہے۔ ڈینی نے اسے بہت اچھے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ ہم سے ملنے آئی ہے۔ مل کر چلی جائے گی۔'' سلمٰی نے تیزی سے کہا۔
ویرا کند ذہن نہیں تھی۔ اس نے بھانپ لیا کہ اس کے وہاں پہنچتے ہی سلمٰی اور جہانگیر کے درمیان ایک سرد جنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔
سلمٰی بہت خوش دلی کے ساتھ اس کی میزبانی کے لیے آمادہ تھی مگر اسے یہ بات ایک آنکھ بھی گوارا نہیں تھی کہ اس کا شوہر ویرا کے لیے فرش راہ ہو جائے۔ ان دونوں کی اس کشمکش میں ویرا کو اپنی عافیت بھی خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔
''تم ان کی باتوں کا برا نہ منانا۔'' سلمٰی اچانک ویرا سے مخاطب ہو گئی ''کبھی کبھی یہ بے تول باتیں کہہ جاتے ہیں لیکن ان کا ارادہ نیک ہوتا ہے۔ تم کو اچانک اپنے گھر میں دیکھ کر اس وقت ان کا دماغ اپنے قابو میں نہیں رہا ہے۔''
ویرا نے ہنستے ہوئے جواب دیا ''میرا خیال ہے کہ جہانگیر نے اب تک کوئی بات بے تول نہیں کہی ہے۔ میری شادی نہیں ہوئی لیکن میرے ایک سے زائد بوائے فرینڈ رہے ہیں۔ مجھے اس پر کوئی ندامت نہیں ہے۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوئی پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی ''یہ بات میں خود ڈینی اور جہانگیر کو بتا چکی ہوں۔''
''یہ تمہارا اپنا فعل ہے لیکن ہمارے یہاں ایسی باتیں معیوب سمجھی جاتی ہیں۔'' سلمٰی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔
''مجھے معلوم ہے۔'' ویرا نے اثبات میں سر ہلایا ''کاروکاری اور ایسی دوسری رسمیں بہت بھیانک ہیں جنہوں نے آزادروی کو بہت سفّاکی سے روکا ہوا ہے...... یہ بتاؤ کہ اس وقت کیا پک رہا ہے۔ تمہارا فلیٹ اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہکا ہوا ہے۔'' ویرا نے بہت ہوشیاری کے ساتھ اچانک موضوع تبدیل کر دیا۔

''بریانی کو دم دینے والی ہوں۔'' سلمیٰ نے فخر سے بتایا اور اچانک ہی اپنی جگہ سے اٹھ گئی ''تم ان کے ساتھ بیٹھو۔ میں دو منٹ میں آتی ہوں۔''

''ڈارلنگ!'' جہانگیر نے بہت پیار سے اسے پکارا ''تم آرام سے بریانی تیار کرو۔ میں ویرا کو اپنے کمرے میں لے جارہا ہوں۔ یہ بھی ایک آدھ پیگ لے لے گی تو اسے کھانے کا مزہ آجائے گا۔''

''زیادہ نہ لے لینا۔'' سلمیٰ نے اسے گھورتے ہوئے کہا ''میں بستر پر کھانا نہیں لگاؤں گی۔ تم کو اپنے قدموں پر چل کر میز تک آنا ہوگا۔''

''آجاؤں گا، آجاؤں گا۔'' جہانگیر نے فضا میں ہاتھ لہرا کر بے پروائی سے کہا ''ضرورت پڑی تو ویرا مجھے ذرا سا سہارا دے دے گی۔ اب خوب گزرے گی جو ل بیٹھیں گے دیوانے دو۔''

''ذرا ان کا دھیان رکھنا۔'' سلمیٰ نے ویرا سے کہا ''یہ پیتے ہیں تو پھر پیتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ان کو کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا۔ میں ان کو سنبھالتے سنبھالتے تھک کر چور چور ہوجاتی ہو۔ مجھ سے ہزار وعدے وعید کرتے ہیں، قسمیں کھاتے ہیں لیکن شراب کا پہلا گھونٹ لیتے ہی سب کچھ فراموش کردیتے ہیں۔''

''یہ بری بات ہے۔'' ویرا نے گہری سنجیدگی سے کہا ''یہ علامت عادی شرابی کی نشانی ہے جہانگیر کو علاج اور سخت نگرانی کی ضرورت ہے۔ میں پیتی ہوں، ڈینی بھی ڈرنک کرتا تھا لیکن ہم کبھی نشے میں بدمست نہیں ہوئے۔''

''یہ میری ایک نہیں سنتے۔ تم انہیں کچھ سمجھاؤ۔ اپنی ان حرکتوں سے یہ مجھ سے زیادہ اپنی زندگی برباد کررہے ہیں۔''

سلمیٰ کچن کی طرف چلی گئی۔ جہانگیر نے ویرا کو آنکھ ماری اور اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف ہولیا جہاں شراب نوشی کے لوازم ہر وقت تیار رہتے تھے۔

''تم کیوں شراب کو گالی بنانے پر تلے ہوئے ہو؟'' کمرے میں ویرا نے دو گلاسوں میں اسکاچ کا پہلا پیگ بناتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

''زندگی کی یکسانیت اور جمود سے میں اکتا گیا ہوں۔ اس سے فرار کے لیے پیتا ہوں تو کبھی کبھی زیادتی بھی ہوجاتی ہے۔'' جہانگیر نے معصومیت سے جواب دیا۔

''اس طرح تم سلمیٰ کو اپنی ذات سے بیزار کررہے ہو۔ تم نے کبھی یہ سوچا ہے!''

''تم ان چکروں میں پڑ کر اپنا موڈ غارت مت کرو۔ یہ ہمارے خانگی مسائل ہیں۔ انہیں ہم خود سلجھالیں گے۔ اب تم خود ایمانداری سے غور کرو۔ میں تھوڑی سی شراب پی کر کھانا کھاؤں گا اور سوجاؤں گا۔ رات کے دو تین بجے آنکھ کھلے گی اور سلمیٰ کی ضرورت محسوس ہوگی تو یہ مجھے برا بھلا کہنا شروع کردے گی۔ بیزاری سے دھکے دے گی۔ اس وقت میں جھنجلا کر دوبارہ بوتل نہ کھولوں تو کیا کروں!''

''کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے تو اچھا لگتا ہے۔ یہ روز کا معمول بن جائے تو بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کیا تمہیں احساس نہیں کہ وہ دن بھر کی تھکی ہاری ہوتی ہے۔ اسے رات بھر کی گہری نیند کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''تم اسے یہ مشورہ کیوں نہیں دیتیں کہ وہ اپنے معمولات کو تبدیل کرے۔ دن میں کچھ دیر کے لیے سولیا کرے تاکہ رات کو میرے جگانے سے اسے تکلیف نہ ہو۔''

ان دونوں نے اپنے دو دو پیگ اسی گفتگو میں ختم کیے۔ اس دوران میں ویرا کو اندازہ ہوگیا کہ ان کی گفتگو ایک دائرے میں گھوم رہی تھی۔ اپنے مسائل وہ دونوں افہام وتفہیم سے حل کرسکتے تھے۔ کوئی تیسرا ان کی مدد نہیں کرسکتا تھا۔

''وہ مہمانوں کے آنے سے خوش ہوتی ہے لیکن اس وقت دل ہی دل میں جل بھن رہی ہوگی۔ یہ خیال اس کے لیے سینے پر سانپ بن کر لوٹ رہا ہوگا کہ اس وقت میں کمرے میں تمہارے ساتھ اکیلا ہوں۔'' جہانگیر نے اسی تسلسل میں بات ویرا کی ذات کی طرف موڑ دی۔

''اکیلے ہیں تو کیا ہوا۔ دروازہ تو کھلا ہوا ہے۔'' ویرا نے ہنس کر کہا۔

''میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہ دبے قدموں قریب آکر اب تک کئی مرتبہ ہماری سن گن لے چکی ہوگی۔''

''تم ندیدے ہو۔'' ویرا اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے شوخی سے بولی ''ایسے مردوں کی بیویاں ان پر بھروسا نہیں کرتیں۔''

''سچ پوچھو تو تمہارے آنے سے میرا دل ودماغ تازہ ہوگیا ہے۔ دن رات سلمیٰ کو ہی دیکھ دیکھ کر میری آنکھیں پتھرانے لگی ہیں۔''

''یہ تمہارا اپنا قصور ہے کہ تم دن رات گھر میں پڑے رہتے ہو۔ تم کو کچھ وقت گھر سے باہر بھی گزارنا چاہیے۔''

''ویری گڈ!'' جہانگیر چٹکی بجا کر بولا ''بہت اچھا خیال ہے۔ کیوں نہ کھانے کے بعد ہم لوگ لمبی ڈرائیو پر چلیں۔ مزہ آجائے گا۔''

''ہم لوگوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' ویرا نے اسے

گھورا۔
''مم......مطلب یہ کہ میں اور تم!'' جہانگیر نے گڑبڑا کر جواب دیا۔
''ہم باہر گئے تو سلمیٰ بھی ہمارے ساتھ ہوگی۔''
''اسے میز سمیٹنی ہوگی، برتن دھونے ہوں گے......'' جہانگیر نے بہانے بازی کا سہارا لینے کی کوشش کی مگر ویرا نے درمیان سے اس کی بات کاٹ دی۔
''ہم باہر گئے تو وہ ضرور ہمارے ساتھ ہوگی۔'' ویرا نے سختی سے کہا ''ویسے بھی میں سیر و تفریح کی بات نہیں کر رہی تھی۔ میرا مطلب تھا کہ تم مرد ذات ہو تم کو روزی روزگار کے لیے اپنا زیادہ وقت گھر سے باہر گزارنا چاہیے۔''
''تم ہماری بلیک کوئین ہوا کرتی تھیں۔ تم کو معلوم ہے کہ میں اپنا سارا وقت باہر بلکہ میدان میں رہ کر گزارتا تھا لیکن جب سے شی کا شیرازہ بکھرا ہے میرے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہوں اس کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔ گولڈن فارمیسی ذرا چل نکلی تھی لیکن سور کے بچوں نے اسے بھی تباہ کر ڈالا۔ میری عقل کام نہیں کرتی کہ اب کس کام میں ہاتھ ڈالوں جہاں اپنے دشمنوں سے بچا رہوں۔''
''اس وقت بھی دشمن تمہاری گھات میں لگے ہوئے ہیں۔'' ویرا نے سوبھراج کا نام لیے بغیر اسے چوکنا کرنا چاہا ''تم سے ذرا سی غفلت ہوگی اور وہ اپنا کام کر گزریں گے۔ کبھی کبھی مجھے تمہارے اوپر بہت ترس آنے لگتا ہے۔''
''میں کوئی لولا، لنگڑا یا معذور نہیں ہوں۔ تم کو میرے اوپر ترس کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے لیے کوئی کاروبار ذہن میں آتا ہو تو وہ بتاؤ۔''
سلمیٰ پہلی بار کمرے کے دروازے پر نمودار ہوئی۔ میز لگنے کا اعلان کرتے ہوئے اس نے بتایا کہ اس نے فون پر مجھ سے بات کی تھی۔ وہ مجھ سے یہ جاننے کے خواہاں تھی کہ میں نے ویرا کو تن تنہا وہاں جانے کی اجازت کیسے دے دی۔
اس وقت میرا بلکہ سب ہی کا خیال ویرا کی طرف لگا ہوا تھا۔ مجھے سلمیٰ کی زبان سے یہ سن کر سکون ہوا کہ ویرا خیریت سے اس کے گھر پہنچ گئی تھی۔
''معلوم ہوتا ہے کہ آج ڈینی سے تمہاری کچھ کھٹ پٹ ہوگئی ہے۔'' کھانے کے دوران سلمیٰ نے اپنا خیال ظاہر کر کے ویرا کو حیران کر دیا۔
''تم نے یہ اندازہ کیسے لگالیا؟'' ویرا نے اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔
''ڈینی نے تمہارے بارے میں کوئی سوال کیا نہ تم سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ سچ سچ بتاؤ کہ کیا اس سے لڑ کر آئی ہو۔''
''ایسی باتیں مت کرو۔'' جہانگیر نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا ''آج ویرا ڈنر کے بعد ہم دونوں کو شہر کی سیر کرانے کے ارادے سے آئی ہے۔''
سلمیٰ کے لیے جہانگیر کا وہ انکشاف اتنا ہیجان خیز ثابت ہوا کہ وہ ہر بات بھول گئی۔
جہانگیر کو درپیش خطرات کا ادراک کر کے ویرا گھر سے روانہ ہوئی تھی۔ اسے بخوبی اندازہ تھا کہ اپنے گھر کی چار دیواری میں جہانگیر زیادہ محفوظ تھا۔ باہر نکلنے کی صورت میں کہیں بھی کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آ سکتا تھا۔
جہانگیر اور سلمیٰ خود بھی سیر و تفریح کے لیے باہر جا سکتے تھے لیکن آپس کی نوک جھوک نے ان کی کھوپڑیوں پر برف سی جما دی تھی۔ وہ دونوں ویرا کے ساتھ باہر جانے کے سلسلے میں اتنے پرجوش ہوگئے کہ ویرا سنجیدگی سے اس امکان پر غور کرنے پر مجبور ہوگئی۔
اسے یہ اندازہ تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ ضرور پہنائے گا، خاموش نہیں بیٹھے گا۔ اس کے لیے اسے وقت درکار تھا۔ اگر اس نے کسی سے رابطہ کیا بھی تھا تو وہ اتنی سرعت سے جہانگیر کے گھر نہیں پہنچ سکتا تھا۔
پہلا اور غالب امکان یہی تھا کہ سوبھراج کا کوئی آدمی اپنے مورچے پر نہ پہنچا ہو۔ وہ لوگ آرام سے ایک لمبی ڈرائیو لے کر لوٹ آئیں۔ دوسری صورت میں ویرا کو احتیاط کی ایک صورت نظر آ رہی تھی۔
وہ لوگ ان پر چلتی گاڑی میں کوئی اوچھا وار کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ان کا ہدف صرف جہانگیر ہوتا۔ وہ ان کی گاڑی کا تعاقب کر کے ان کے کہیں رکنے کا انتظار کرتے تا کہ جہانگیر کے قتل یا اغوا کا ہدف پورا کر سکیں۔ اگر وہ لوگ کہیں رکے بغیر، تفریح بلکہ ڈرائیو کر کے واپس لوٹ آتے تو دو کامیابیاں حاصل ہو سکتی تھیں۔ تعاقب کرنے والی مشتبہ گاڑی اور شاید اس کے سواران کی نظروں میں آ جاتے اور وہ ناکام رہتے۔
ویرا کافی دیر تک خاموشی سے اسے موضوع پر اپنا سر کھپاتی رہی۔ اس دوران میں سلمیٰ کپڑے بدل کر روانگی کے لیے تیار ہوگئی۔
ویرا کی دانست میں اس وقت خطرہ موہوم تھا۔ سلمیٰ اور جہانگیر کو مایوس کرنا بھی مناسب نہیں تھا۔ وہ دونوں خطرے

سے بالکل بے خبر تھے۔
آخر کار وہ تینوں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ویرا ٹیکسی سے وہاں پہنچی تھی۔ اس کے ایما پر جہانگیر نے اپنی گاڑی کی چابی لے لی۔
جہانگیر نے کافی عرصے سے ڈرائیونگ نہیں کی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ وہی کار چلائے لیکن ویرا نے اس سے چابی لے کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔
ویرا ان دونوں کو متوقع تعاقب کے بارے میں کچھ بتا کر خوف زدہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ خود ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ہوتی تو عقب نما آئینوں کی مدد سے پوری طرح پیچھے کے حالات سے باخبر رہ سکتی تھی۔
عمارت کے احاطے اور سروس لین سے گزر کر مین روڈ پر آنے تک ویرا نے سیاہ رنگ کی اس چھوٹی کار کو نوٹ کر لیا جو ان کے پیچھے حرکت میں آئی تھی۔
اپنے اندازوں کی پہلی تردید سامنے آتے ہی ویرا کا دل حلق میں آ گیا۔ اس نے بہت دھیمی رفتار سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے نیون سائنز کی روشنی میں دیکھ لیا کہ اس سیاہ گاڑی کی اگلی نشستوں پر دو افراد براجمان تھے۔ پچھلی نشستیں خالی تھیں۔
ویرا کے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ وہ قریبی گلیوں کا چکر لگا کر گاڑی دوبارہ عمارت کے احاطے میں پارک کر کے تفریح کا ارادہ ملتوی کر دے۔
پھر اس نے سوچا کہ وہ مسئلے کا حل نہیں تھا۔ کالی گاڑی والے بدستور اپنی جگہ جم کر کسی اور موقع کا انتظار کرتے رہتے۔ وہ گھر سے جہانگیر کے بھرپور تحفظ کا مصمم ارادہ کر کے نکلی تھی۔ ان لوگوں سے خوف زدہ ہو کر دوبارہ گھر میں گھس جانے سے خطرہ نہیں ٹل سکتا تھا۔ بہتر صورت یہی تھی کہ کھلی سڑکوں پر نکل کر ان کے عزائم کا اندازہ لگایا جائے۔
اس مرحلے پر جہانگیر اور سلمٰی کی بے خبری مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ ویرا نے مین روڈ پر آنے کے بعد عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا ''مجھے پیچھے آنے والی ایک گاڑی پر شبہ ہو رہا ہے۔ شاید ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔''
''اوہ! تو اب ہم کیا کریں؟'' پچھلی سیٹ پر سے سلمٰی کی خوف زدہ آواز آئی۔
''صبر کے ساتھ حالات کا سامنا کرنے کے علاوہ اور کیا کریں گے!'' جہانگیر نے اطمینان سے جواب دیا۔ وہ ویرا کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے ویرا سے کہا ''بس ایک خراب بات ہے کہ اس وقت ہم لوگ غیر مسلح ہیں۔ شاید تمہارے پاس بھی کوئی ہتھیار نہیں ہوگا۔''
''ریوالور اور کچھ فاضل راؤنڈز ہیں۔'' ویرا نے اسے خوش خبری سنائی۔
''بس تو پھر ساحل کی طرف چل نکلو اور ذرا گاڑی کا رنگ وغیرہ بھی بتا دو۔ دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے، ہم ان سے ڈر کر لوٹ گئے تو یہ کسی وقت سلمٰی کو آتے جاتے گھیر لیں گے۔ اچھا ہے کہ اس وقت ہم تین ہیں۔''
ویرا کو خوشی ہوئی کہ خطرے کا ذکر سنتے ہی جہانگیر کا سرور غائب ہو چکا تھا۔ اس نے بہت دلیرانہ اور حوصلہ افزا ردِعمل کا مظاہرہ کیا تھا۔
''یہ کون لوگ ہیں، انہیں ہم سے کیا دشمنی ہے۔'' سلمٰی خوف زدہ آواز میں منمنائی ''گوشہ نشین ہو جانے کے باوجود دشمن ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔''
''یہ اسی کے ساتھی ہو سکتے ہیں جو مسز جمشید کو گن پوائنٹ پر لے کر تمہارے فلیٹ پر آیا تھا۔'' ویرا نے اس کی دل جوئی کے لیے کہا۔
''اوہ میرے خدا!'' سلمٰی کی آواز کانپ رہی تھی ''وہ بھی بڑا بھیانک تجربہ تھا۔ ان کے ہاتھ میں وزنی بوتل نہ آ جاتی تو نہ جانے کیا ہوتا۔''
''بوتل کبھی کبھی کام آ ہی جاتی ہے۔ اب ڈر خوف کو خیر باد کہہ کر کچھ دیر کے لیے خاموش بیٹھی رہو تاکہ ہم یکسوئی کے ساتھ ان لوگوں سے نمٹ سکیں۔''
''وہ کالے رنگ کی شیراڈ ہے۔ اس میں صرف دو آدمی سوار ہیں۔'' ویرا نے جہانگیر کو بتایا۔
''تم ڈرائیو کر رہی ہو۔ اپنا ریوالور مجھے دے دو۔''
''تم کئی پیگ پیے ہوئے ہو۔ تمہارا نشانہ خطا ہو جائے گا۔'' ویرا نے شبہ ظاہر کیا۔
''بستر پر سلمٰی قریب ہو تو بہت گہرا نشہ ہوتا ہے۔ اب وہ ہرن ہو چکا ہے۔''
ویرا نے اپنا وینٹی بیگ جہانگیر کی گود میں ڈال دیا ''ریوالور اور فاضل راؤنڈ کا پاؤچ اسی میں ہے نکال لو۔''
جہانگیر کے ایما پر ویرا عبداللہ شاہ غازی کے مزار سے آگے سیدھی نکلتی چلی گئی۔ اس دوران میں سیاہ شیراڈ مسلسل ان کے پیچھے آ رہی تھی۔ ویرا نے کئی مرتبہ اپنی گاڑی کی رفتار کم کر دی لیکن شیراڈ والوں نے آگے جانے کے بجائے اس کی تقلید میں خود بھی سست روی اختیار کر لی۔ ان کوششوں کے نتیجے میں انہیں یقیناً اندازہ ہو گیا تھا کہ انہیں دیکھ لیا گیا ہے۔

ٹریفک سگنل سے ویرا نے گاڑی داہنی طرف گھمالی۔ چند منٹ کی مسافت کے بعد وہ ساحل کے متوازی بنی ہوئی میرین ڈرائیو پر پہنچ چکے تھے جہاں اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں رونق کا ایک عجیب سماں تھا۔

ویرا کو یقین تھا کہ اس بھاگ دوڑ کے نتیجے میں شیراڈ والوں کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ان کے حریف بھاگنے والے نہیں تھے۔ ان سے کہیں نہ کہیں تصادم ہو سکتا تھا۔

میرین ڈرائیو کے قدرے سنسان حصے میں پہنچ کر ویرا نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھائی تھی کہ اچانک نظر آنے والے اسپیڈ بریکر کی وجہ سے اسے بریک لگانا پڑ گئے۔

''لعنت ہو!'' وہ جھلا کر بڑبڑائی ''یہ اسپیڈ بریکرز کچھ نہیں کرنے دیں گے۔''

''بائیں طرف درخشاں میں گھس جاؤ!'' اس کی بڑبڑاہٹ سن کر جہانگیر نے پورے خلوص سے مشورہ دیا ''آبادی عبور کرتے ہی ہم کسی نہ کسی لمبی اور صاف سڑک پر نکل جائیں گے۔''

ویرا نے کچھ کہے بغیر گاڑی اس آبادی میں موڑ لی۔ ویرا کی وہ حرکت اتنی غیر متوقع تھی کہ شیراڈ چلانے والے کے لیے اپنی تیز رفتار گاڑی کو سنبھالنا دشوار ہو گیا۔

سڑک پر گاڑی کے رگڑتے ہوئے ٹائروں کے تیز شور میں شیراڈ چکنی سڑک پر پھسلتی اور لہراتی ہوئی قریب آتی چلی گئی۔

وہ بہترین موقع تھا۔ ویرا نے بریک لگا کر اپنی گاڑی روک دی اور جہانگیر ریوالور سنبھال کر بہت تیزی سے گاڑی سے نیچے اتر گیا۔

اس وقت اس کی پھرتی اور مہارت قابل دید تھی۔

سڑک پر لہراتی ہوئی گاڑی جوں ہی جہانگیر کی رینج میں آئی، اس نے نشانہ لے کر پے در پے دو فائر کر ڈالے۔

ویرا کے اندیشے کے برعکس جہانگیر کا نشانہ بے خطا ثابت ہوا۔ پہلے فائر کے ساتھ فضا ایک کریہہ انسانی چیخ سے گونج اٹھی۔

اس وقت تک ویرا بھی گاڑی سے نیچے اتر چکی تھی۔ سلمٰی پچھلی سیٹ میں دبکی خوف سے کانپ رہی تھی۔ گاڑی کا انجن بدستور چل رہا تھا۔ ویرا نے گیئر نیوٹرل کر کے ہینڈ بریک کھینچ دیا تھا۔

ویرا نے نیچے اترتے ہی دیکھ لیا کہ شیراڈ کے ڈرائیور کا ساتھی جہانگیر کی چلائی ہوئی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ وہ اپنی سیٹ سے لڑھک گیا تھا۔ اس کی سمت کی کھڑکی خالی نظر آ رہی تھی۔

ڈرائیونگ سیٹ والا گاڑی کو اپنے قابو میں رکھنے کی کوششوں میں اپنے ایک ساتھی کو کھو چکا تھا۔ یہ کہنا محال تھا کہ وہ صرف زخمی ہوا تھا یا جہنم واصل ہو چکا تھا مگر ایک بات یقینی تھی کہ عملی طور پر وہ ناکارہ ہو چکا تھا۔

جہانگیر نے شیراڈ پر تیسری گولی چلائی جو آہنی باڈی کے کسی حصے میں اتر گئی۔

اسی لمحے شیراڈ والے نے بھی نیچے اتر کر اپنی گاڑی کی اوٹ سے تین فائر کیے تھے جو شعلوں کی صورت میں دور تک تیرتے چلے گئے۔

وہ شہر کا حساس علاقہ تھا جہاں ہر وقت پولیس کی بھاری نفری کا گشت رہتا تھا۔ درخشاں کے مکانات بھی ساتھ ہی تھے جہاں بہت سی اہم شخصیات رہتی تھیں اس لیے وہ مقابلہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکتا تھا۔

وہاں جو کچھ ہوا، اچانک ہی ہوا تھا ورنہ ویرا کسی کھلی سڑک پر نکل کر لمبی دوڑ لگانے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ کسی بھی ویرانے میں اچانک رک کر اپنا مورچا بنائے گی اور پھر شیراڈ والوں کو گھیرنے کی کوشش کرے گی۔

جہانگیر نے بہت پھرتی کے ساتھ اپنے ریوالور کا چیمبر خالی کر ڈالا مگر اس کا مزید کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا۔ اس دوران میں شیراڈ والے نے مزید دو گولیاں چلائی تھیں۔

دور سے پولیس کار کے سائرن کی آواز سن کر ویرا تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف لوٹی تو جہانگیر اس سے پہلے وہاں موجود تھا۔

وہ پاؤچ سے گولیاں نکال کر ریوالور کا چیمبر لوڈ کر رہا تھا۔

''اب اس کا وقت نہیں رہا۔ گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔'' ویرا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے تیزی سے کہا اور ہینڈ بریک چھوڑ دیا۔

پولیس کار کے سائرن کی آواز جہانگیر بھی سن رہا تھا۔ وہ کار میں سوار ہو گیا اور ان کی گاڑی تیزی سے درخشاں کی سنسان آبادی میں گھستی چلی گئی۔

''وہ آدمی زندہ ہے یا مر گیا ہوگا۔'' سلمٰی نے روہانسی آواز میں پوچھا۔

''کچھ نہیں کہا جا سکتا۔'' جہانگیر کے کسی ٹیڑھے سوال سے پہلے ویرا بول پڑی۔

''اب تم ہی بتاؤ ہم سیر و تفریح کے لیے کہاں نکلیں۔'' جہانگیر نے ویرا سے پوچھا ''باہر دن رات ایسے خونی خطرات کا راج ہے، معلوم ہوتا ہے کہ دن رات ہمارے گھر کی نگرانی

ہو رہی ہے۔"

"ایسا نہیں ہے۔" ویرا نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد جواب دیا "یہ لوگ ابھی آئے ہوں گے۔ مجھے ان کی بھنک مل گئی تھی اسی لیے میں تمہاری طرف آ گئی تھی۔ تمہیں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ آئے تھے تو ایس ٹی ایف کے دو آدمی بھی دن رات پوری مستعدی سے تمہارے فلیٹ کی حفاظت کر رہے ہیں۔"

"اس وقت وہ کہاں تھے؟" جہانگیر نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"ڈینی کی طرف سے تمہیں گھر میں محدود رہنے کی ہدایت ملی ہوئی تھی۔ وہ تمہارے گھر کی حفاظت پر مامور ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس کوئی سواری نہ ہو۔ ہم اچانک باہر نکلے تو وہ ہمارا ساتھ نہیں دے سکے۔ مجھے یقین ہے کہ انہوں نے اول خان کو ہم تینوں کی روانگی کی خبر ضرور دی ہوگی۔" ویرا نے اپنے ذہن پر ذرا سا زور دے کر ساری کڑیاں یک جا کر لیں۔

"تمہیں خطرے کی خبر کہاں سے اور کیسے ملی تھی؟ تم نے آتے ہی اس بارے میں کیوں نہیں بتایا۔ ہوسکتا ہے کہ ہم باہر نکلنے کا ارادہ نہ کرتے۔"

"میں تم دونوں کو بلاوجہ پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اچھا ہوا کہ اب ہمیں صحیح حالات کا اندازہ ہوگیا۔ گھر میں بیٹھے رہتے تو ہمیں پتا بھی نہیں چلتا کہ باہر کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ تم کسی وقت باہر نکلتے اور بے خبری میں دھر لیے جاتے۔"

"سلمٰی ہی گھر سے باہر کے سارے کام کاج کرتی ہے۔ ساری مصیبت اس کے سر آتی" جہانگیر نے فکر مندی کے ساتھ کہا "مجھے کچھ تو بتاؤ کہ یہ کس پارٹی کے آدمی تھے۔"

"یہ چارلی کے ساتھی تھے۔ وہ لوگ بار بار تم پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ان کے پیچھے سوبھراج کا ذہن کام کر رہا ہے۔"

"سوبھراج!" جہانگیر نے چونک کر دہرایا "آج کل کے اخبارات نت نئی خبروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ اندر سے اس قدر غلیظ اور قابلِ نفرت آدمی ہے۔"

جہانگیر کی تسلی کے لیے جو کچھ بتانا ناگزیر تھا، ویرا نے وہ بتا ڈالا۔ جہانگیر کے لیے بقیہ کہانی بے سود رہتی۔ تازہ ترین واقعے کے حوالے سے اس بارے میں باتیں کرتے ہوئے وہ گھر واپس پہنچ گئے۔

وہاں سب کچھ نارمل تھا۔ ایسی کوئی علامت نہیں تھی جس سے ظاہر ہو کہ ان لوگوں کی عدم موجودگی میں کسی نے گھر کی تلاشی لینے کی کوشش کی ہو۔

وہ تینوں آرام سے بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

☆☆☆

جب سے اول خان کے آدمیوں نے یہ خبر دی تھی کہ وہ تینوں گاڑی میں کہیں روانہ ہوئے ہیں اور سواری نہ ہونے کی وجہ سے ان کا پیچھا نہیں کیا جا سکا تھا، وہ بہت زیادہ مضطرب تھا۔ وہ یوں شرمندہ تھا جیسے ویرا کو اسی نے اکسا کر جہانگیر کے گھر بھیجا ہو۔

تقریباً پون گھنٹے بعد جب اسے ان تینوں کی واپسی کی اطلاع ملی تو اس کی جان میں جان آئی اور اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی۔

میں نے اندازے سے صرف اتنا توقف کیا کہ وہ تینوں اوپر پہنچ کر آرام سے بیٹھ جائیں پھر میں نے جہانگیر کے گھر کا نمبر ملا لیا۔

"میں نے تم کو گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا ہوا تھا۔ تم کہاں گئے تھے؟" فون پر جہانگیر کی آواز سنتے ہی میں نے غصے سے پوچھا۔

"ایک آدمی کے شکار پر گئے تھے۔ اس کے حلق میں کانٹا پھنسا کر لوٹ آئے۔" اس کی چہکتی ہوئی آواز آئی "یہ بتاؤ کہ تم کیوں مرچیں چبا رہے ہو۔"

جہانگیر کے جواب اور لہجے کی خوش دلی سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ گھر سے باہر نکل کر ان لوگوں نے کوئی قابلِ ذکر کامیابی حاصل کی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کوئی بڑا تیر مار کر آئے ہو!" میں نے طنز سے کہا۔

"تیر نہیں، ایک دشمن کو گولی مار کر آئے ہیں۔ پتا نہیں سالا زندہ ہے یا مر گیا۔ تمہارے دنیا جہان میں بڑے مراسم ہیں۔ ذرا کلفٹن تھانے سے پتا کرو کہ وہ پکڑے گئے یا بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔" جہانگیر فخریہ لہجے میں بتا رہا تھا "ہم پولیس کار کا سائرن سن کر وہاں سے بھاگ نکلے تھے۔"

میرے لیے اس کی فراہم کردہ اطلاعات اہم اور دلچسپ تھیں لیکن میں نے خوشی کا اظہار کرنے کے بجائے خشک لہجے میں کہا "سیر سپاٹے سے ویرا کا دل بھر گیا ہو تو اسے واپس بھیج دو۔"

"بلاوجہ اس پر آنکھیں نہ نکالنا۔ میری اور سلمٰی کی فرمائش پر وہ ہمارے ساتھ باہر گئی تھی۔ وہ کچھ دیر میں واپس پہنچ جائے گی۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ میں اسے یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ میری واضح ہدایت سے اس کا کھلا انحراف مجھے ذرا بھی پسند نہیں آیا تھا۔

اول خان کے لیے بھی وہ تفصیل بہت دلچسپ ثابت ہوئی۔ اس نے فوری طور پر پولیس ہیڈ آفس میں اپنے کسی شناسا سے رابطہ کیا اور وہاں سے یہ تصدیق ہو گئی کہ درخشاں تھانے کی حدود میں فائرنگ کے تبادلے کے بعد ایک شخص کو زخمی حالت میں پکڑ لیا گیا تھا جو اپنی سیاہ شیراڈ کار میں ایک تازہ لاش لے کر فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ زخمی کی حالت خاصی نازک تھی۔ اس کے زندہ بچنے کی زیادہ امید نہیں تھی۔

''اب ویرا فخر کے ساتھ سینہ تان کر آئے گی کہ اس کا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ سوبھراج کے آدمی حیرت ناک سرعت کے ساتھ وہاں پہنچے ہوئے تھے۔'' سلطان شاہ نے کہا۔

''ویرا وہاں نہ جاتی تو وہ دونوں میاں بیوی باہر نکلنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ دشمن عمارت میں گھس سکتے تھے۔'' میں نے جواب دیا ''وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ رات سکھ چین سے گزر جاتی۔ اس میں فخر کی کوئی بات نہیں ہے۔''

''تم ٹھیک تجزیہ کر رہے ہو لیکن یہ باتیں ویرا کے منہ پر نہ کہہ دینا۔'' اول خان نے ٹہلتے ہوئے مشورہ دیا۔ ''اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔''

''وہ ہماری اسی ڈھیل کے نتیجے میں بے لگام ہوئی ہے۔ میں دیکھوں گا کہ اس کی واپسی پر کیا رویہ مناسب رہے گا۔'' میں نے اسے گول مول جواب دے کر ٹال دیا۔

ویرا کی خیریت کی اطلاع مل جانے کے بعد اول خان رخصت ہو گیا۔ اس نے ویرا کے بارے میں مجھ سے کوئی اصرار نہیں کیا۔

''تم نے غلطی کی۔'' کچھ دیر کی بوجھل خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے مجھ سے کہا ''جہانگیر کے گھر فون کیا تھا تو تم کو ویرا سے بھی بات کر لینی چاہیے تھی۔''

''کیوں؟ اس میں غلطی کی کیا بات ہے؟'' غزالہ نے رکھائی سے پوچھا۔

''وہ حساس اور ضدی عورت ہے۔ ابھی تک ہم میں سے کسی نے اس سے بات نہیں کی۔ ہمارے اس رویے کو وہ ہتک آمیز سمجھ کر آج کی رات وہیں گزار سکتی ہے۔''

''وہ جو کچھ بھی سمجھے، یہ اس کا فعل ہوگا۔ تم اس خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دو کہ وہ رات جہانگیر کے گھر بسر کر لے گی۔ اس معاملے میں سلمیٰ بہت چالاک ہے۔ وہ اپنی چھت کے نیچے کسی دوسری عورت کو رات بسر نہیں کرنے دے گی۔ ویرا نے رکنا چاہا تب بھی وہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے اسے وہاں سے ٹال دے گی۔'' میں نے اسے اپنی بے لاگ رائے سے آگاہ کر دیا۔

''دیکھتے ہیں۔ اگر وہ جہانگیر کی بات مان لیتی ہے تو اسے ایک آدھ گھنٹے میں گھر لوٹ آنا چاہیے۔''

اور یہی ہوا۔ ایک گھنٹا گزرنے سے پہلے ویرا واپس آ گئی۔

وہ بہت خوش اور پُراعتماد تھا۔ آتے ہی اس سے گلے شکوے کیے گئے اور اس نے صاف کہہ دیا کہ گھر سے جاتے ہوئے اس کے دل میں کسی کے خلاف کوئی بات نہیں تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ دوسروں میں سے کوئی اس کا ہم خیال نہیں ہے تو اس نے اپنے دل کی آواز پر خاموشی سے اپنا فرض ادا کرنے کا فیصلہ کیا اور گھر سے نکل گئی۔

میں اس دوران میں خاموش رہا تھا۔ ان تینوں کا جوش و خروش ٹھنڈا ہوا تو میں نے پوچھا ''تم نے انہیں اپنی آمد کا کیا سبب بتایا تھا؟''

''پہلے تو کچھ نہیں بتایا۔ تعاقب کا سلسلہ دراز ہونے پر ان دونوں کو ہوشیار کرنا ضروری تھا۔ میں نے بتا دیا کہ انہیں پھر کسی دشمن کی طرف سے خطرہ ہے۔''

''اور تم نے ہم تینوں کے خلاف خوب زہر اگلا ہوگا!'' سلطان شاہ بولا۔

''میں نے کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہا نہ انہوں نے کچھ کریدنے کی کوشش کی۔ وہ دونوں اپنے خود ساختہ مسائل میں اس بری طرح گھرے ہوئے ہیں کہ انہیں کسی اور بات کا ہوش نہیں ہے۔ سلمیٰ کو ذرا سا تجسس تھا کہ میں خلافِ معمول تنہا وہاں کیسے پہنچ گئی۔''

''ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ واقعات کیسے رونما ہوئے۔'' غزالہ نے مطالبہ کیا۔ ویرا نے سگریٹ سلگائی۔ دو گہرے کش لیے اور اپنی کہانی چھیڑ دی۔

ویرا نے جو حرکت کی تھی اس کے بارے میں میری طے شدہ رائے تھی کہ وہ قطعی ناپسندیدہ تھی۔ ویرا کو بھول کر بھی وہ قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔

لیکن ان واقعات کے نتیجے میں سامنے آنے والے واقعات میرے لیے حیران کن تھے۔

سوبھراج کے دھمکی آمیز پیغام کے بعد ویرا نے جہانگیر کے گھر پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لیا تھا لیکن اتنی قلیل سی مدت

میں سوبھراج کے دو خطرناک آدمی جہانگیر کے گھر کے قریب پہنچ گئے تھے۔

سوبھراج رسوا ہو چکا تھا، زخمی تھا، روپوش تھا۔ اس کے باوجود وہ بہت طاقت ور تھا۔ اس نے شیر دل کو نک کے خلاف میدان میں اتارا تھا اور اس روز ذرا سی دیر میں اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیا تھا۔

اس کی وہ قوت ہر اعتبار سے بہت خطرناک تھی۔ اس نے نک کو مار لیا تھا۔ اس کے بعد وہ شہر میں دہشت پھیلانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اپنے کرایے کے آدمیوں کے ذریعے اپنا ہر کام نکال سکتا تھا۔

اخبارات اور دیگر ذرائع سے اس کے خلاف جو کچھ سامنے آ رہا تھا، اس سے اس کی عمومی ساکھ تباہ ہوئی تھی۔ لوگ اس پر لعن طعن کر رہے تھے لیکن زیرزمین دنیا میں اس کی ساکھ پر کوئی منفی اثر نہیں پڑ رہا تھا۔

کوبرا کے لیے کام کرنے والے ہر غنڈے کو کامل یقین تھا کہ وہ اپنے وعدے کا پکا ہے۔ کام پورا ہوتے ہی اسے معاوضہ ادا کر دے گا۔ اس کی ذات پر اس یقین کی وجہ سے شہر کے ناپسندیدہ عناصر اس کے ایک اشارے پر اپنا خون بہانے کے لیے تیار تھے۔

ویرا کی کہانی ختم ہو جانے کے بعد جب میں نے وہ بات ان تینوں کے سامنے دہرائی تو غزالہ اور سلطان شاہ کے بشروں پر فکر و تشویش کے سائے پھیل گئے لیکن ویرا کے لیے وہ اندیشہ قابلِ قبول ثابت نہیں ہوا۔

''یہ فیصلہ ابھی نہیں کیا جا سکتا۔'' اس نے برجستہ کہا ''ابھی تک سوبھراج کی آزمائش کا کوئی حقیقی مرحلہ نہیں آیا۔''

''چوبیس گھنٹوں سے بھی قلیل مدت میں دو سنگین واقعات سامنے آ چکے ہیں۔ شیر دل نے نک کی بلٹ پروف کار پر بے آواز فائر کیے اور ابھی تم کالی شیراڈ میں آنے والوں کا قصہ سنا رہی تھیں۔ کیا یہ دونوں واقعات اس کی طاقت کے مظہر نہیں ہیں۔''

ویرا نے اپنے سر کو نفی میں ہلا دیا ''دونوں کام ادھورے رہے۔ سوبھراج آزمائش سے بچا ہوا ہے۔ ابھی تک کسی نے کام پورا نہیں کیا اس لیے معاوضہ دینے کی نوبت نہیں آئی۔''

''ہاں!'' سلطان شاہ نے اس کا ساتھ دیا ''شیر دل کا حملہ ناکام رہا۔ وہ پکڑا گیا۔ یہ اور بات ہے کہ تم نے آخرکار اس سے وہ کام لے ہی لیا لیکن سوبھراج یا کوبرا سے اپنے کام کا معاوضہ وصول کرنے سے پہلے وہ مار دیا گیا۔ شیراڈ والوں کا بھی یہی معاملہ ہے۔ ایک مر چکا ہے۔ دوسرا قریب المرگ ہے۔ ان ناکامیوں کے سہارے اس کی ساکھ باقی ہے جو زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہے گی۔ وہ فون پر احکام دے سکتا ہے معاوضہ نہیں پہنچا سکتا۔''

''کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ راج محل کو جلانے کے بعد کنگال ہو گیا ہے؟'' غزالہ نے پوچھا۔

''اس کے پاس کروڑوں روپے ہو سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ رقم کون پہنچائے گا۔ اس کے ساتھ سنیل بھی زخمی ہے۔ کسی ایک کام کے معاوضے کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی تو اس کے نام کی ڈھول اڑ جائے گی۔ شرط یہ ہے کہ کام پورا ہونا چاہیے۔'' میں نے قائل ہوتے ہوئے کہا۔

''پہلے وہ نک کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس کے بعد اب اس نے جہانگیر کو تاکا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جب تک جہانگیر کو کوئی واضح نقصان نہیں پہنچ جاتا۔ سوبھراج کے بھرم کی آزمائش کی نوبت نہیں آئے گی۔'' غزالہ نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''اس لمحے کی صورتِ حال یہی بتا رہی ہے۔ دعا کرو کہ آج کی ناکامیوں کے بعد وہ کسی کو کوئی اور کام بھی سونپ دے۔'' یہ میری ایماندارانہ رائے تھی۔

دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ ویرا کے اچانک چلے جانے سے جو کشیدگی پیدا ہوئی تھی وہ مزید کسی بدمزگی میں تبدیل نہیں ہوئی۔ کھلے دل سے ہر بات صاف ہو گئی تھی۔ رات گئے سب ایک دوسرے سے رخصت ہو کر اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اگلی صبح میری آنکھ جلد کھل گئی۔ شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ شعوری اور لاشعوری طور پر مجھے سوبھراج کے اعتراف کا انتظار تھا۔

میں بستر چھوڑ کر اپنے کمرے سے باہر نکلا تو ڈائننگ ٹیبل پر ربر بینڈ میں لپٹے ہوئے تازہ اردو اور انگریزی اخبارات رکھے ہوئے تھے۔

میں نے وہیں کھڑے کھڑے، ربر بینڈ اتار کر اخبار کھول لیے۔

اردو اخبار کے پہلے صفحے پر شہ سرخی کے نیچے چار کالم کی ذیلی سرخی میں ایف بی آئی اور سوبھراج کی ہولناک مخاصمت کی خبر نمایاں تھی۔ اخبار محتاط تھا اس لیے اس نے تیسری اور قدرے باریک سطر میں سوبھراج کا یہ دعویٰ نقل کیا تھا کہ 'نک ہاروے سے میں نے بے وفائی کا بدلہ لے لیا۔' وہ سب اس قدر سنسنی خیز تھا کہ میں نے منہ ہاتھ دھوئے بغیر وہیں کرسی سنبھال لی۔

سوبھراج نے بالکل وہی کیا تھا جو اس نے مجھ سے کہا تھا۔

اس نے اخبار کے دفتر فون کر کے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ اخبار کے پہلے صفحے پر اپنی طرف سے ایک جعلی اشتہار چھپوانا چاہتا تھا۔ اشتہار کا معاوضہ نقد ادا کرنے کی پیش کش کی گئی تھی۔

کئی دن سے سوبھراج کا نام اخباروں کی زینت بن رہا تھا۔ اس کے سیاہ کارناموں پر سے ایک ایک کر کے پردہ اٹھ رہا تھا۔ ہر باخبر حلقے میں اس کا نام موضوعِ سخن بنا ہوا تھا۔ جوں ہی متعلقہ شخص کے استفسار پر سوبھراج نے اپنا نام بتایا، اخبار کے دفتر میں کھلبلی مچ گئی۔

وہ ماضی کا ایک بہت بڑا سیاسی نام تھا مگر اس وقت ایک روپوش ملزم تھا۔ جس کی گرفتاری کے وارنٹ نکلے ہوئے تھے۔ اس شخص نے وہ کال فوری طور پر اپنے چیف رپورٹر کو منتقل کر دی۔

اشتہارات ہر اخبار کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ہوتے ہیں اور پہلے صفحے کے قیمتی اشتہارات کو ترجیحی حیثیت دی جاتی ہے۔ وہ چیف رپورٹر سوبھراج کا شناسا تھا۔ مزاج پرسی کے بعد اس نے اشتہار چھاپنے کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کرتے ہوئے قدرے مکاری سے کام لیا اور سوبھراج سے جاننا چاہا کہ وہ اس سے کہاں مل کر اشتہار کا متن اور رقم لے سکے گا۔

سوبھراج نے اس سے ملنے سے صاف انکار کر دیا اور اپنے مجوزہ اشتہار کا متن پڑھ کر سنانا شروع کر دیا۔ اس میں ایف بی آئی کے خلاف زہر اگلا گیا تھا اور یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ برسوں کی خدمات کے صلے میں ہاردے نے اسے ایف بی آئی کا غدار قرار دے کر اس سے بے وفائی کی تھی جس کے بعد عبرت ناک موت نک کا مقدر بن کر رہ گئی تھی کیونکہ اس نے سوبھراج کو واجب القتل قرار دیا تھا۔

اس نے ایف بی آئی کے سفّاکانہ فیصلے کو قبول کرنے کے بجائے روپوشی اختیار کر لی تھی کیونکہ پاکستان آتے ہی اسے مارنے کی کوششوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

ایف بی آئی والے اس کی گھات میں تھے، وہ نک کی تاک میں لگا رہا اور آخر کار اس نے اپنے ایک جاں نثار کے ذریعے نک کو اسی کے فلیٹ میں جہنم واصل کر دیا۔

اخباری متن میں اس اشتہار کا سارا مواد شامل نہیں کیا گیا تھا مگر خبر تفصیل سے بنائی گئی تھی۔ اس میں سوبھراج کا یہ دعویٰ بھی شامل تھا کہ وہ ایف بی آئی کی تاریخ کا پہلا واقعہ تھا جس میں غدار قرار دیے جانے والے شخص نے ان سے بھرپور انتقام لیا تھا۔

متن سننے کے بعد چیف رپورٹر نے اس اشتہار کی حسّاس نوعیت کی بنا پر اشاعت سے اپنی معذوری ظاہر کی تو سوبھراج نے دھمکی دی کہ صبح کے اخبار میں وہ سب نہ چھاپا گیا تو وہ نک کی طرح اخبار کے مالک کو بھی موت کے گھاٹ اتار دے گا۔

چیف رپورٹر کو یقین تھا کہ فون کرنے والا سوبھراج ہی تھا۔ اخبار کے مالک کی موت کی دھمکی سے قطع نظر وہ ایک بہت بڑی اور ہولناک خبر تھی۔ مجلسِ ادارت کے تجربے کار اراکین نے طویل مشاورت کے بعد رات گئے اس خبر کو شاملِ اشاعت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس خبر میں نمائندوں کی بھاگ دوڑ کا نچوڑ بھی شامل تھا جس میں بہت سی باتیں پہلی مرتبہ منظرِ عام پر لائی گئی تھیں۔

مجھے خوشی تھی کہ سوبھراج کا وہ اعتراف منظرِ عام پر آ جانے کے بعد میرے خلاف کوئی بڑا محاذ کھلنے کے امکانات معدوم ہو گئے تھے۔

پہلے ہی صفحے کی دوسری خبر کفیل کے بارے میں تھی۔ وہ نک کو قتل کرنے کے بعد رابن ہائٹس کے ساتویں فلیٹ سے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔

نک کے قتل کا معاملہ بہت سنگین اور نازک تھا اس لیے کفیل کی حالت کو نظر انداز کر کے اسے طاقت ور انجکشن دیے گئے جن کے نتیجے میں وہ اپنی تکلیف کو بھول کر بیان دینے کے قابل ہو گیا تھا۔

اس نے بتایا کہ وہ خطیر معاوضے پر شیر دل کے لیے کام کرتا تھا۔ اس کے ایما پر اس نے رابن ہائٹس پہنچ کر وہاں موجود دونوں سفید فاموں کو ہلاک کرنے کے لیے بے آواز فائرنگ کی تھی۔ شیر دل کی پشت پر کون تھا۔ وہ اس راز سے بے خبر تھا۔

کفیل کی تان شیر دل پر آ کر ٹوٹ گئی تھی لیکن اخبار کے کرائم رپورٹر نے شہر کی زیرِ زمین دنیا کے سربر آوردہ لوگوں سے مراسم کی بنا پر سراغ لگا لیا تھا کہ شیر دل کافی عرصے سے کوبرا نامی کسی نامعلوم شخص کے لیے کام کر رہا تھا جب کہ پچھلے چند روز میں سامنے آنے والے انکشافات کی روشنی میں وہ سوبھراج کا ایک بہروپ تھا۔

وہاں تک سب کچھ ٹھیک تھا۔ اس سے آگے گڑبڑ ہو گئی تھی۔

شیر دل کی لاش کو سرکاری اسپتال کے روٹین کے مطابق مردہ خانے میں ڈال دیا گیا تھا لیکن جب کفیل کا بیان سامنے آیا تو شیر دل کا نام یکایک اہمیت اختیار کر گیا۔ اس کی لاش کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ زہر کا شکار ہوا تھا۔

پھر بھی ہنگامی طور پر اس کا رسمی پوسٹ مارٹم کیا گیا اور پولیس سرجن نے اس کی گردن کے ایک ننھے سے سوراخ کے

ذریعے ایک مہلک زہر کے اترنے کی تصدیق کر دی۔
امریکی سفارتی عہدے داروں کا خیال تھا کہ شیر دل کی موت کا طریقہ اس گتھی کی کلید تھا۔ وہ ڈینی کا مخصوص طریقہ تھا۔ اس نے شیر دل کو صرف اس لیے راستے سے ہٹا دیا کہ وہ نک کے اصل قاتل کی نشان دہی کر سکتا تھا۔
ان لوگوں کا موقف تھا کہ سارا کیا دھرا ڈینی کا تھا۔ سرکاری حلقوں میں موجود اس کے ہمدرد اسے بچانے کے لیے سارا ملبہ سوبھراج پر گرا رہے تھے جو روپوش تھا۔ سامنے آ کر اپنا دفاع کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔
وہ سوبھراج کے دعوے کو کوئی وقعت دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کسی ماہر صداکار نے فون پر اخبار کے چیف رپورٹر کو کامیابی سے دھوکا دیا تھا۔ سوبھراج ہر طرف سے اس بری طرف عتاب میں آیا ہوا تھا کہ اپنے بچاؤ کے سوا کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔
اخبار کا چیف رپورٹر بہت گھاگ تھا۔ اس نے مسئلے کی نوعیت کا بروقت اندازہ کر کے سوبھراج سے ہونے والی گفتگو ریکارڈ کر لی تھی۔ امریکی سفارتی موقف کے جواب میں اس نے قارئین کو بتا دیا تھا کہ مناسب وقت آنے پر وہ ریکارڈ کی ہوئی ساری گفتگو کسی بھی بااختیار فورم کے سامنے پیش کر دے گا۔
وہ تفصیل پڑھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ اخبار کے چیف رپورٹر نے غیر ارادی طور پر میرے ایک حلیف یا مددگار کی پوزیشن لے لی تھی۔ اس گفتگو کی اصلیت ثابت ہوتے ہی مجھ پر عائد کیا جانے والا قتل کا الزام باطل ثابت ہو جاتا۔
وہ پریس اور امریکی سفارت کاروں کی ایک قانونی لڑائی ہوتی جس کا نتیجہ سو فیصد میرے حق میں نکلنا تھا۔ اس میں دیر ہو سکتی تھی، تبدیلی نہیں ہو سکتی تھی۔
وہ حالات کی عجیب ستم ظریفی تھی کہ امریکی دوسروں سے مار کھا کر بھی میرے نام کا شور مچا رہے تھے اور ہر قسم کی بے بنیاد الزام تراشی پر اتر آئے تھے۔
ایک خبر اس جونیئر سفارت کار کی تھی جس نے مشتعل ہو کر آغا خان اسپتال میں ہوم سیکریٹری کا گریبان پکڑ کر فحش گالیاں بکنی شروع کر دی تھیں۔ اس شرمناک واقعے کے متعدد چشم دید گواہ موجود تھے۔ اسے جھٹلانا ممکن نہیں تھا اس لیے امریکیوں نے ہوم سیکریٹری کی اشک شوئی کے طور پر اس افسر کو ملازمت سے معطل کر کے فوری طور پر امریکا واپس بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔
ہمارا پچھلا دن بہت مصروف گزرا تھا۔ اس رعایت سے اخبار بھی بڑی بڑی خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ ہر شعبے کے لوگوں کی طرف سے سوبھراج کی مذمت میں بیانات آ رہے تھے۔ سیاسی پارٹی نے اس کی بنیادی رکنیت منسوخ کر دی تھی۔ معزز ہندو کھل کر اس پر لعنت ملامت کر رہے تھے۔
میں نے اخبار کا پہلا اور آخری صفحہ پوری طرح چاٹ ڈالا لیکن مجھے کالی شیراڈ کا کہیں ذکر نظر نہیں آیا۔ مجھے شبہ ہوا کہ وہ خبر دوسری اہم خبروں کی وجہ سے کہیں دبی رہ گئی ہوگی۔
جب میں نے پہلا ورق موڑ کر مقامی صفحے پر نظر ڈالی تو مجھے وہ آخری خبر بھی نظر آ گئی۔
وہ ایسا الگ تھلگ واقعہ تھا کہ کوئی بھی اسے سوبھراج کی ذات سے منسوب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اسے ایک بڑے مقامی واقعے کا درجہ دیا گیا تھا۔
خبر میں اس واقعے کا کوئی سر پیر نہیں تھا۔ بس یہ بتایا گیا تھا کہ درخشاں سے فائرنگ کی آوازیں سن کر پولیس کی ایک گشتی پارٹی تیزی سے ادھر روانہ ہوئی تو اسے دور سے ایک کار یوٹرن لے کر واپس آتی ہوئی نظر آئی۔ پولیس پارٹی نے اسے روکنا چاہا تو کالی شیراڈ سے ایک فائر ہوا اور اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ پولیس والوں نے گاڑی گھما کر اس کے پیچھے ڈال دی۔
پولیس فائرنگ کے نتیجے میں شیراڈ کا ڈرائیور زخمی ہو گیا اور گاڑی بے قابو ہو کر کچے میں اتر کر پھنس گئی۔ پولیس وہاں پہنچی تو ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر خون میں نہایا ہوا ایک بے جان انسانی وجود پڑا ہوا تھا۔ رات گئے تک دونوں کی شناخت نہیں ہو سکی تھی۔
پولیس ریکارڈ کے مطابق کالی شیراڈ مسروقہ تھی۔ اس میں پائے جانے والے کاغذات اصل مالک کے نام پر تھے۔ وہ گاڑی دو روز قبل ملیر کے علاقے سے چرائی گئی تھی۔
وہ خبر ختم کرتے ہی مجھے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس وقت میرے اعصاب شاید ان خون آشام خبروں کے زیر اثر کچھ بھڑکے ہوئے تھے۔ میں سرعت سے پلٹا تو دیرا کھڑی مسکرا رہی تھی۔
”گڈ......تو تم میری بنائی ہوئی خبر پڑھ رہے تھے!“ اس نے ہنس کر پوچھا ”پولیس مقابلے میں زخمی ہونے والے کا اب کیا حال ہے؟“
”گولی اس کی گردن میں لگی ہے۔ اب تک بے ہوش ہے۔ دوسرا واقعی مر گیا۔ مجھے حیرت ہے کہ جہانگیر کثرت سے شراب نوشی کے باوجود صحیح نشانہ لے کر گولی چلا سکتا ہے۔“
”وہ میرے ساتھ تھا۔ پارٹی لیڈر مضبوط ہو تو کبوتر بھی عقاب سے لڑ پڑتا ہے۔ جہانگیر تو پھر پرانا پاپی ہے۔ اسے ماضی یاد آ گیا ہوگا۔“

''کیا تم میرے اوپر کسی قسم کا طنز کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟''

''ہرگز نہیں!'' اس نے جلدی سے جواب دیا ''میں صرف یہ بتا رہی تھی کہ میں بھی خراب ٹیم لیڈر نہیں ہوں۔ جہانگیر حوصلے سے کام نہ لیتا تو ہمارے لیے شاید بھاگنا بھی دشوار ہو جاتا۔''

میں نے اس وقت تک ہاتھ منہ نہیں دھویا تھا۔ ویرا تازہ دم نظر آ رہی تھی۔ میں اس کے سراپا پر ایک نگاہ ڈال کر اپنے کمرے کی طرف ہولیا اور اس نے اخبار اٹھالیا۔

غزالہ بیدار ہو چکی تھی اور غسل خانے میں منہ دھو رہی تھی۔ وہ نکلی تو میں غسل خانے میں گھس گیا۔

میں دیکھ چکا تھا کہ اس وقت تک کچن میں کسی قسم کی سرگرمی کے کوئی آثار نہیں تھے اس لیے میں دیر تک نیم گرم پانی سے نہاتا رہا۔

میں لباس وغیرہ تبدیل کر کے اپنے کمرے سے دوبارہ باہر نکلا تو کچن آباد ہو چکا تھا اور میز پر ناشتے کی تیاری ہو رہی تھی۔

''سوبھراج کا واقعی دماغ الٹ چکا ہے۔'' ویرا نے مجھے دیکھتے ہی اطلاع دی ''میرا خیال تھا کہ اس کے اعترافی اشتہار والی خبر صرف اردو اخبار میں آئی ہوگی کیونکہ وہی زیادہ پڑھا جاتا ہے مگر وہ خاصے اختصار کے ساتھ انگریزی اخبار میں بھی موجود ہے۔''

''اس کا کسی انگریزی اخبار سے رابطہ کرنا ضروری تھا۔'' میں نے اپنی مخصوص کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''اس کا اصل پیغام ایف بی آئی والوں کے لیے ہے اور وہ صرف انگریزی پڑھ سکتے ہیں۔ اردو کا ترجمہ شاید ان کے لیے اتنا موثر نہ ہوتا۔''

تھوڑی دیر میں سلطان شاہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گیا۔ سب اس بات پر مسرور تھے کہ اخبارات سے سوبھراج کے براہ راست رابطے کے نتیجے میں بازی بہت تیزی کے ساتھ ان کے ہاتھ سے نکلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

سوبھراج کی کھلی کھلی باتیں ہر ایک کے لیے چشم کشا تھیں۔ ان سے ثابت ہو رہا تھا کہ امریکی ایجنسیاں دنیا بھر میں صرف تنخواہ دار مقامیوں سے کام نہیں لیتیں بلکہ بڑے بڑے نام نہاد لیڈروں کو بھی ان کی کمزوریوں کی بنا پر بے رحمی سے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

اس بدنامی اور روسیاہی کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہوا نظر آ رہا تھا کہ ان کی میرے خلاف چلائی ہوئی مہم کا زور بھی ٹوٹ جائے گا۔

انہوں نے سوبھراج کے تاریخی اعتراف کو فراڈ کہہ کر مسترد کر دیا تھا اور اصرار کیا تھا کہ شیر دل کی موت زہر سے ہونے کے سبب ساری ذمے داری میری تھی۔

وہ ایک مضحکہ خیز بیان تھا جو ان کی بوکھلاہٹ کا مظہر تھا۔ ساری تفصیلات پڑھ کر ایک عام آدمی بھی یہ آزادانہ رائے قائم کر سکتا تھا وہ امریکی ایجنسی اور سوبھراج کی لڑائی تھی جس میں مجھے زبردستی ملوث کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

مجھے حیرت تھی کہ اخبار والوں نے شیر دل کی موت کے سبب پر زیادہ دھیان نہیں دیا تھا اور نہ ہی اس کڑی کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی جس سے یہ پتا چلتا کہ اگر شیر دل سوبھراج کا آدمی تھا تو وہ ڈینی کا نشانہ کیسے بنا۔

اس نکتے پر خلوص نیت اور محنت کے ساتھ کام کیا جاتا تو ایک ہی نتیجہ سامنے آتا کہ ڈینی نے سوبھراج کی دشمنی میں شیر دل کو مار دیا۔ مجھے خلش تھی کہ وہ نکتہ ادھورا چھوڑ دیا گیا تھا۔ سوبھراج کے سر پر نک سوار تھا۔ اس نے بھی شیر دل کے بارے میں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش نہیں کی تھی ورنہ یہ مسئلہ وہی حل کر دیتا۔

سوبھراج قانون سے چھپتا پھر رہا تھا۔ میں اپنے قانون کے سائے میں امریکیوں سے چھپا ہوا تھا۔ اس نے اخبارات سے رابطہ کر کے مجھے ایک نئی راہ دکھائی تھی۔

اس وقت تک امریکی میرے بارے میں دل کھول کر زہر اگل رہے تھے۔ حقائق صرف چند گنے چنے لوگوں کو معلوم تھے۔ وہ باتیں رائے عامہ کی نظروں سے اوجھل تھیں۔ میں سوبھراج کی تقلید میں اخبارات سے براہ راست رابطہ کر کے امریکیوں کے نفرت انگیز پروپیگنڈے کا موثر سد باب کر سکتا تھا۔

میں نے وہ نکتہ اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا۔ اس کے استعمال کا وقت نہیں آیا تھا لیکن ضرورت پڑنے پر میں پوری بے خوفی سے وہ طریقہ اپنا سکتا تھا۔ اس سے صرف ایک ہی نقصان ہو سکتا تھا کہ میرے دشمنوں کو شہر میں میری موجودگی کا علم ہو جاتا۔ اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ لوگ ویسے بھی کسی تردید کو تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھے۔ ان کو یقین تھا کہ مجھے پاکستانی ایجنسیوں نے کراچی میں کہیں چھپایا ہوا ہے۔

نو بجے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی تو میرے ذہن میں جلال اور اول خان کا خیال آیا۔

میں نے بٹن دبا کر کال وصول کی تو میرے کانوں میں ایک نامانوس غیر ملکی آواز آئی اور میں چونک پڑا۔

اس نے ''ہائے!'' کہہ کر قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی ''کیا تم کرنل داور بول رہے ہو؟''

''ہاں! میں تمہاری آواز نہیں پہچان سکا۔'' میں نے ذہن

پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''میں گیری بول رہا ہوں...... گیری ہارٹ!''

''اوہ! مجھے افسوس ہے کہ گیری کہ آج نک ہم میں نہیں رہا۔''

''مجھے افسوس سے بڑھ کر صدمہ ہے۔ شاید اس کے مقدر کی خرابی اسے پاکستان لے کر آئی تھی۔ وہ زندہ رہتا تو آج یہاں سے چلا گیا ہوتا۔'' اس کی آواز سے غم و غصہ جھلک رہا تھا۔

''سوبھراج کی اس حرکت نے مجھے حیران کر دیا ہے......''

''تم بھی سرکاری بولی بول رہے ہو۔'' اس نے قطع کلامی کر کے کہا ''سوبھراج کے فرشتے بھی نک پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے۔ یہ ڈینی کا کام ہے۔ تم نے اخباروں میں نہیں پڑھا کہ نک کو ہلاک کرتے ہی اس نے کیسی سرعت اور سفاکی سے شیر دل کو مار ڈالا تاکہ اس کے خلاف کہیں سے کوئی ثبوت نہ مل سکے۔ وہ بہت خود غرض اور مکّار ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ تمہارا خیال درست ہو مگر اس بارے میں میرا اپنا نظریہ ہے۔ اس پر میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے کیسے فون کیا ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''میں فوری طور پر تم سے ملنا چاہتا ہوں۔'' اس نے میرا نظریہ جاننے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ملائمت سے جواب دیا ''آج میں بہت مصروف ہوں۔ ایک دو دن میں وقت نکال لوں گا۔''

''نہیں...... میں آج ہی ملنا چاہتا ہوں۔ یہ بہت اہم معاملہ ہے۔'' اس نے اصرار کیا۔

''میں ایک گھنٹے بعد بتا سکوں گا۔'' میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں دس بجے فون کروں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

پچھلے روز پے در پے رونما ہونے والے خوں ریز واقعات کے بعد گیری کا وہ فون بہت معنی خیز تھا۔ اپنے رتبے کے اعتبار سے وہ نک سے سینئر تھا۔ اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے رو بہ رو کچھ تلخ باتیں کرنے کے موڈ میں تھا جن کا نتیجہ اچھا نہیں ہوسکتا تھا۔

اس کے اضطراب کا اندازہ لگا کر میں نے وقتی طور پر اسے ٹال دیا تھا لیکن مجھے احساس تھا کہ اس سے ملنا میرے لیے اس اعتبار سے سود مند رہتا کہ مجھے اس کا ذہن پڑھنے کا موقع مل جاتا۔ نک کی موت کے بعد ان لوگوں سے میرا رابطہ ختم ہو چکا تھا۔ گیری نے پہل کر کے مجھے وہ رابطہ دوبارہ استوار کرنے کا ایک سنہرا موقع فراہم کر دیا تھا جسے گنوایا نہیں جاسکتا تھا۔

میرے ذہن میں ایک بات ضرور جم گئی تھی کہ اس سے ملنے کے لیے میرا تنہا جانا مناسب نہیں تھا۔ ویرا ان کو مطلوب تھی۔ غزالہ یا سلطان شاہ کو لے جا کر بلاوجہ خطرات میں ڈالنا تھا۔ ان کی رونمائی ہونے کے بعد وہ بھی دشمنوں کی نظروں میں آ جاتے۔ گیری سے ملاقات کے لیے پہلے سے جانا بوجھا کوئی فرد ہی موزوں ہوسکتا تھا۔

ان میں ایک نام جلال کا تھا۔ امریکیوں سے میل جول اور ڈینی کے مسئلے کے بارے میں اس کے اپنے تحفظات تھے۔ وہ ایسے معاملات سے دور اور الگ تھلگ رہنا چاہتا تھا۔ اسے ہٹا دینے کے بعد صرف اول خان ہی رہ جاتا تھا جو میرا ساتھ دے سکتا تھا۔

وہ پینٹا گون کے گیری ہارٹ سے نہیں ملا تھا لیکن نک کے بعد نام اسے جانتا تھا۔ دوسرے کئی امریکی اہل کار اس بات سے واقف تھے کہ وہ کراچی میں ایس ٹی ایف کا چیف تھا۔

اس کا خیال آتے ہی میں نے اس کا موبائل نمبر ملایا تو اس نے بتایا کہ وہ ہمارے دروازے پر اپنی گاڑی سے اتر رہا تھا۔ چند ثانیوں میں وہ ہنستا ہوا اندر آ چکا تھا۔

''اسے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہونا۔'' میں نے کہا اور تپاک سے اسے گلے لگالیا۔

اس دن کے لیے اخباری اطلاعات سب سے اہم اور سنسنی خیز موضوع سخن تھیں۔ ان پر اول خان کا ردِ عمل ہم سے مختلف تھا۔

پچھلے دن کے واقعات اس قدر بھرپور تھے کہ ان کے مختلف پہلوؤں پر گھنٹوں بات کی جاسکتی تھی مگر میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد گیری کا فون آنا تھا۔ اس سے قبل مجھے اس سے ملاقات کے بارے میں کچھ طے کر لینا تھا۔

''کچھ اور بھی ہوا ہے۔'' میں نے خبروں پر سرسری گفتگو کے بعد موضوع بدلتے ہوئے کہا ''گیری جلد از جلد مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے دس بجے تک کے لیے ٹال دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ کسی بہت اہم معاملے پر بات کرنے کا خواہاں ہے۔''

''یہ تشویش ناک خبر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت زیادہ اختیارات دے کر یہاں بھیجا گیا ہے۔'' اول خان فکر مند ہوگیا۔

''پینٹا گون کے ایک افسر کی یہاں آمد خطرے کی گھنٹی تھی اور اب وہ خطرہ سامنے آتا ہوا نظر آ رہا ہے۔'' میں نے کہا ''اس

کے تیور اچھے نظر نہیں آتے۔''

''اس کے تیور جو بھی ہوں، ہمیں حقائق کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میری رائے ہے کہ تمہیں اس سے مل لینا چاہیے۔ اس ملاقات کے نتیجے میں ان کی نئی سوچ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔''

''میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں اور تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔''

''مجھے کوئی عذر نہیں۔'' میری توقع کے عین مطابق وہ کسی پس و پیش کے بغیر آمادہ ہو گیا۔ ''یہ مکار اور فریبی لوگ ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہ تمہیں بلانے کے بعد وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں۔''

''میں سلوک سے نہیں ڈرتا۔ اندیشہ یہ ہے کہ انہیں کہیں سے کوئی نئی ٹپ نہ مل گئی ہو۔ نک مرنے سے پہلے کہہ چکا تھا کہ وہ کرنل داور اور ڈینی کو ایک شخصیت کے دو روپ سمجھتا ہے......''

''میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔'' اول خان نے میری بات کاٹ کر بے تابی سے کہا ''اگر اس نے دھوکے سے بلا کر تمہیں طاقت کے بل پر وہیں روک لیا تو جب تک ہمیں حقیقت کا علم ہوگا، وہ تم کو پاکستان کی حدود سے کہیں اور منتقل کر چکے ہوں گے۔''

''تم بات سمجھ گئے۔ مجھے یہی خوف ہے۔ ان کے پاس وسائل کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اکیلے آدمی کے ساتھ وہ کوئی بھی سلوک کر سکتے ہیں۔ ہم دونوں ایک ساتھ ہوں گے تو کوئی غلط قدم اٹھانے سے پہلے اسے دس بار سوچنا پڑے گا۔ یہ ایک اور ایک گیارہ والی بات ہوگی۔ اس بارے میں بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔''

''سازش کے سوا ہر صورت حال کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ مکّار اور پکے سازشی ہیں۔ ان سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ اس وقت نک کا زخم تازہ ہے۔ اشتعال اور انتقام سے مغلوب ہو کر وہ کوئی بھی قدم اٹھا سکتے ہیں۔'' اول خان کے چہرے پر فکر مندی کے سائے لرزاں تھے۔

''بس تو پھر یہ طے ہو گیا کہ ہم دونوں ایک ساتھ اس سے ملیں گے۔''

وہ فیصلہ کر لینے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے ذہن سے ایک بوجھ اتر گیا ہو۔ اس نازک معاملے میں ویرا سمیت کسی نے ٹانگ اڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ معاملہ طے ہو جانے کے بعد ہماری گفتگو کا رخ دوبارہ خبروں کی طرف تبدیل ہو گیا۔

ٹھیک دس بجے دوبارہ گیری کا فون آ گیا۔

''ہاں کرنل! تم نے کیا فیصلہ کیا؟'' سلسلہ جڑتے ہی اس نے پوچھا ''تم میرے دفتر میں کب تک آ رہے ہو؟''

''میں ایک بجے اپنے ساتھی کے ہمراہ پہنچ سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''اوہ نو!'' اس کی بے ساختہ آواز سے مایوسی مترشح تھی۔ وہ کہہ رہا تھا ''یہ میری اور تمہاری ون ٹو ون ملاقات ہوگی جس میں کسی تیسرے فرد کی شمولیت کی گنجائش نہیں ہے۔''

''ایسی کیا بات ہے جس کے لیے تم اتنی راز داری پر مصر ہو۔''

''مجھے معلوم ہے کہ تمہارے اور نک کے درمیان مفاہمت چل رہی تھی۔ پچھلے اجلاس میں بہت سے لوگ موجود تھے اس لیے وہاں اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا گیا بلکہ نک نے تیزی سے بات ٹال دی اس بارے میں کسی اور پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ شاید تم بھی یہ پسند نہیں کرو گے کہ تمہارے تعاون کے بارے میں تمہارے کسی ساتھی کو علم ہو۔ میں اسی باہمی تعاون کے حوالے سے تم سے ملنا چاہ رہا ہوں۔ تمہارا اکیلا آنا ضروری ہے۔''

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ میں گیری کو دوسری بار نہیں ٹال سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''پھر تم دو بجے کہیں مل لو۔''

''میرے دفتر آنے میں کیا دشواری ہے؟'' اس کی آواز تحیر آمیز تھی۔

''اس پُر تکلف فضا میں، میں خود کو بے آرام محسوس کرتا ہوں۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ تم کو مجھ پر بھروسا نہیں ہے۔'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی۔

''یہ بھروسے کی بات نہیں ہے۔ میں اپنے تحفظ کے دس طریقے جانتا ہوں۔ میں ایک بجے تمہارے پاس پہنچ کر دو بجے تک اپنے ٹھکانے پر واپس نہیں پہنچوں تو میرے مددگار حرکت میں آ سکتے ہیں۔ یہ بات تمہارے علم میں ہو تو تم بھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھا سکو گے۔ یہ بھروسے کی نہیں میرے ذہنی سکون کی بات ہے۔ ہم باہر کہیں بھی مل سکتے ہیں۔''

''اوکے!'' اس کا لہجہ سرد ہو گیا ''میں ایک بجے اولڈ کافنٹن پر پہنچوں گا۔ اگر تمہیں میری گاڑی میں بیٹھنا پسند نہ ہو تو میں تمہاری گاڑی میں بیٹھ کر گفتگو کر لوں گا۔''

''میری گاڑی بہتر رہے گی۔ مجھے یہ شبہ نہیں رہے گا کہ میری گفتگو کسی خود کار نظام کے تحت ریکارڈ کی جا رہی ہے۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''کرنل! تم بہت چالاک اور راست گو آدمی ہو۔'' اس کی

آواز آئی ''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس خطے میں ایسی انسانی ذہانت بھی پنپ سکتی ہے۔ وقت یاد رکھنا۔ میں ایک بجے اولڈ کلفٹن پہنچوں گا۔ مجھے توقع ہے کہ تم میرے ساتھ کوئی ہیر پھر نہیں کرو گے۔''

''تم بےفکر رہو۔ میں مقررہ وقت پر وہاں ملوں گا۔''

بات ختم ہوگئی۔ گیری نے دن ٹو دن ملاقات کی شرط عائد کر کے میری پیشگی تیاری پر پانی پھیر دیا تھا لیکن غنیمت تھا کہ بات بن گئی تھی۔

اس کے بنائے ہوئے کسی جال میں پھنسنے کے امکان کا سدباب کرنے کے لیے کھلی فضا میں ملاقات کی تجویز ایک بہترین متبادل تھی۔

''اب گیری کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' ویرا نے اس معاملے میں پہلی بار دخل انداز ہوتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

''خطرناک آدمی ہے۔ وہ کسی بھی وقت کوئی قلابازی کھا سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''امریکا میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ صدر کے دل و دماغ پر سی آئی اے کے بعد پینٹا گون والے راج کرتے ہیں۔ فوجی اور دفاعی حکمت عملی کے ساتھ خارجہ پالیسی کا منبع بھی وہی ہے۔''

''یہی وجہ ہے کہ امریکا میں سارے مسائل کو طاقت کے زور پر حل کرنے کا رجحان دن بہ دن زور پکڑ رہا ہے۔'' میں نے کہا ''اس وقت تمہیں یہ باتیں کیوں یاد آ رہی ہیں۔''

''بس گیری کے حوالے سے یہ باتیں ذہن میں آ رہی تھیں۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ اس کی شرائط ماننے کے بجائے اپنی شرط پر ملاقات طے کی ہے پھر بھی احتیاط لازمی ہے۔'' ویرا بولی۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ ابھی سے اپنے چند آدمی وہاں مامور کر دوں۔'' اول خان نے کہا ''اگر گیری کی طرف سے وہاں کوئی غیر معمولی کارروائی کی جاتی ہے تو وہ میرے آدمیوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہے گی۔ یہ شطرنج کی بساط ہے۔

اس پر جو پہلے اپنی چال چل جائے گا وہی کامیاب ہوگا۔''
''جب سے کلفٹن کی ساحلی پٹی کو ترقی دی گئی ہے، اولڈ کلفٹن اپنی کشش کھو چکا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''وہاں شام کو تھکے ہوئے جوڑے تازہ ہوا لینے کے لیے ضرور آتے ہیں لیکن دن کے وقت میں وہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی۔ تمہارے آدمیوں کو بھیس بدلنا ہوگا تا کہ وہ کسی کی نظروں میں نہ آسکیں۔ دن میں وہاں بھکاری اور نشے باز سستاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔''

''میرا ارادہ ہے کہ میں خود بھی ان لوگوں کی صف میں شامل ہو جاؤں۔'' اول خان نے ہنستے ہوئے عندیہ دیا ''اس بہانے گیری ہارٹ کا دیدار بھی ہو جائے گا۔''

''نیک خیال ہے۔'' غزالہ بولی ''میں محسوس کر رہی ہوں کہ ہم لوگ ہر بات نظر انداز کر کے گیری کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔''

غزالہ کا وہ نکتہ کچھ انوکھا سا تھا۔ سب چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''اس وقت گیری سامنے آنے پر مجبور ہے۔'' غزالہ نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی۔ ''نک مارا جا چکا ہے۔ ٹام زخمی ہو کر اسپتال میں پہنچا ہوا ہے۔ واقعات تیزی سے کروٹ لے رہے ہیں۔ وہ سامنے آنے پر مجبور ہے۔ کیونکہ خفیہ بلکہ کسی حد تک مجرمانہ معاملات عام سفارتی عملے کے دائرہ کار سے بالکل باہر ہیں۔''

''یہ نکتہ بجا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس وقت وہ یہاں کیوں موجود ہے۔'' میں نے کہا ''اس کی جگہ ایف بی آئی یا سی آئی سے کا کوئی افسر بھی ہو سکتا تھا۔ پینٹا گون اور انصاف کے محکموں کے نمائندوں کی موجودگی اس بات کی غمازی کر رہی ہے کہ امریکیوں نے کچھ نئے فیصلے کر لیے ہیں جو کسی بھی وقت ہمارے سامنے آسکتے ہیں۔''

غزالہ کے پاس میرے اعتراض کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموش ہو گئی۔

گیری سے ملاقات کے لیے ایک کھلے مقام کا تعین ہو جانے کے بعد مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن سب احتیاطی تدابیر اختیار کرنے پر متفق تھے۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ اول خان اولڈ کلفٹن کے محاذ پر تیاریوں کے ارادے سے روانہ ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد ویرا کو خیال آیا کہ صبح کے اخبارات میں پچھلی رات تک کی خبریں چھپی تھیں۔ اول خان سے شیراڈ والوں کے بارے میں تازہ ترین پوزیشن نہیں پوچھی گئی تھی۔

وہ واقعی ایک تشنہ سوال تھا۔ گیری کی فون کال نے ہم سب کے ذہنوں کو اس طرح الجھایا تھا کہ ہم دوسری باتیں فراموش کر بیٹھے تھے۔

میں نے اسپیکر فون آن کر کے اول خان کا نمبر ملایا۔ وہ اس وقت راستے میں تھا۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ مسروقہ شیراڈ سے پکڑے جانے والے زخمی نے صبح سویرے اسپتال میں دم توڑ دیا تھا۔ ان دونوں کی شناخت ہو گئی تھی۔ وہ دونوں کلاکوٹ کے علاقے کے پرانے بدمعاش تھے جو اپنی مجرمانہ حرکتوں کی وجہ سے آئے دن جیل یاترا پر جاتے رہتے تھے۔

ان دونوں کے مرجانے کی وجہ سے سوبھراج ایک مرتبہ پھر اپنے بھرم کی آزمائش سے بچ گیا تھا۔ ان کو سونیا جانے والا کام نہیں ہو سکا تھا۔ جہانگیر محفوظ تھا اس لیے کسی کو کوئی معاوضہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

دیکھنا یہ تھا کہ سوبھراج کب تک شہر کے بدمعاشوں کو اپنا تابع بنا کر رکھ سکتا ہے۔

بارہ بجے میں گھر سے روانگی کی تیاری میں مصروف تھا کہ جلال کا فون آ گیا۔

''بہت دیر کی مہرباں آتے آتے!'' میں نے اس کی آواز سنتے ہی مسرت کا اظہار کیا ''میں صبح سے تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا۔''

''میں بہت بری طرح الجھا ہوا تھا۔ بھارتی وفد کے ساتھ مذاکرات کا تیسرا دن بہت اعصاب شکن تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔''

''یعنی گوپال کے بدلے وہ سات قیدیوں کا تبادلہ کرنے پر راضی ہو گئے ہیں!''

''معاہدے پر دستخط ہو گئے ہیں۔ کسی بھی وقت تبادلہ عمل میں آ جائے گا۔ اسی چکر میں، میں تفصیل سے اخبارات نہیں پڑھ سکا لیکن سرسری طور پر جو کچھ دیکھا ہے وہ بہت حوصلہ افزا ہے۔ سوبھراج نے احمقانہ تیزی میں آ کر ان پر کڑا وقت ڈال دیا ہے۔''

''کل تم نے گیری سے ملوایا تھا آج وہ مجھ سے ملنا چاہ رہا ہے۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''مجھے تو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اس سے کل مذاکرہ ہوا تھا یا وہ کئی دن پرانی بات ہے۔ سب کچھ ایک دوسرے میں خلط ملط

ہو کر رہ گیا ہے۔ وہ تم سے کیا چاہ رہا ہے۔''

''فی الحال صرف ملاقات۔ ایک بجے اس سے ملوں گا تو پتا چلے گا کہ وہ کیا کہتا ہے۔''

''میں ندامت محسوس کرتا ہوں کہ ان معاملات میں، میں کھل کر تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں دل سے تم سب کی کامیابیوں کے لیے دعا گو رہتا ہوں۔ تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ کل رات ویرا کا کیا رہا۔ اس وقت وہ کہاں ہے۔''

''میں بالکل بھول گیا تھا۔'' اس بار مجھے معذرت خواہ ہونا پڑا اور میں نے اسے ویرا کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی تفصیل سنا دی۔

''یہ بہت اچھا ہوا۔ سوبھراج کو ایسی دو چار چوٹیں اور ہو گئیں تو وہ بلبلا اٹھے گا۔ میری طرف سے ویرا کو مبارک باد کے ساتھ یہ پیغام دینا کہ وہ جوش کے ساتھ ذرا ہوش سے بھی کام لیا کرے یہ ضروری نہیں کہ مقدر ہمیشہ اس کا ساتھ دیتا رہے۔''

''بھارت سے تمہارے ساتوں آدمی کب آ رہے ہیں؟'' میں نے اس کی بات سن کر پوچھا۔

''معاہدہ ہو گیا ہے۔ مجھے اب ان کی فکر نہیں۔ وہ جلد از جلد لوٹ آئیں گے۔ بھارتیوں کے لیے گوپال راج بہت اہم ہے۔ وہ اسے پہلی فرصت میں ہماری تحویل سے نکال لے جانا چاہتے ہیں۔ ہر بلیک کیٹ کو بھارتی نیٹ ورک میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔''

''تم داد کے مستحق ہو۔ مضبوط سودے بازی کے ذریعے تم نے ایک بلیک کیٹ کے بدلے سات پاکستانیوں کو آزادی دلائی ہے۔ ان کے خاندان تمہیں ہمیشہ دعائیں دیتے رہیں گے۔''

''ہم لوگ کسی نہ کسی کی دعاؤں کے سہارے چل رہے ہیں ورنہ عقل کام نہیں کرتی کہ ہم بڑے بڑے خطرات سے کیسے نکل جاتے ہیں۔ تمہیں ایک بجے گیری سے ملنے کے لیے جانا ہے۔ میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ آج کسی وقت ملاقات ہو گی۔''

میں نے جلال کا پیغام ویرا کو سنایا اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ شہر میں ٹریفک کی بدترین صورتِ حال کے پیشِ نظر وقت کی تھوڑی سی گنجائش رکھنی ضروری تھی۔

میرے پاس اولڈ کلفٹن پہنچنے کے دو متبادل راستے تھے۔ میں نے شہر کی پُرہجوم سڑکوں میں گھسنے کے بجائے نیشنل اسٹیڈیم اور کارساز روڈ کے طویل تر راستے کا انتخاب کیا اور اسی طرف چل پڑا۔

سوالاً جواباً

☆ ''ویٹر! یہ میری چائے میں کیا تیر رہا ہے؟''
''سر مجھ سے نہ پوچھیں۔ مجھے کیڑے مکوڑوں کی زیادہ پہچان نہیں ہے۔''

☆ ''سر! کیا آپ چپاتی کے ساتھ کچھ اور بھی منگوانا پسند کریں گے؟''
''ہاں..... ایک پیپر ویٹ لیتے آنا۔ پچھلی مرتبہ میں نے جو چپاتی منگوائی تھی وہ پنکھے کی ہوا سے اڑ گئی تھی۔''

☆ ''جناب! آپ کیوں اتنا شور مچا رہے ہیں؟ مجھے تو اس کافی میں کوئی خرابی نظر نہیں آ رہی۔''
''خرابی صرف یہ ہے کہ جسے آپ کافی کہہ رہے ہیں، آپ کا ویٹر اسے سوپ کہہ کر میری میز پر رکھ کر گیا ہے۔''

☆ ''آپ نے اپنے ہوٹل کے اشتہار میں یہ کیوں لکھا تھا کہ اب یہ نئی انتظامیہ کے تحت چلے گا؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا منیجر تو وہی ہے جو پہلے تھا؟''
''وہ تو ٹھیک ہے سر! لیکن کل منیجر صاحب کی شادی ہو گئی ہے۔''

☆ ''سر! میرا استرا کیسا تھا جس سے میں نے آپ کا شیو بنایا؟''
''اچھا..... تو تم استرے سے میرا شیو بنا رہے تھے؟ میں تو سمجھا تھا کہ تم اس کام کے لیے ریگ مال استعمال کر رہے ہو۔''

سوبھراج، سنیل، نک اور ٹام وغیرہ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے اور پوری یک جہتی کے ساتھ ہمارے ملک کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔ ہمیں بیک وقت ان سب سے لڑنا پڑ رہا تھا۔ یہ ہماری حکمتِ عملی کی نمایاں کامیابی تھی کہ ہم ان کے اتحاد میں زبردست دراڑیں ڈالنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ہم اپنی جگہ پر موجود تھے مگر ہمارے دشمن دو ٹکڑیوں میں بٹ گئے تھے۔

دشمن کی صفوں میں ہونے والی اس ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں میدان میں دو کے بجائے تین حریف آ گئے تھے جو ایک دوسرے کے بدترین دشمن تھے۔ ہر شخص موقع ملنے پر اپنے حریفوں کی گردن کاٹنے پر تلا ہوا تھا۔ سوبھراج کے چہرے سے

نقاب ہٹ چکا تھا لیکن کرنل داور کا بہروپ بہت کامیابی کے ساتھ چل رہا تھا۔ ڈینی امریکیوں کو مطلوب تھا مگر کرنل داور ان کا ہم خیال تھا۔

نک کے ساتھ میں نے بتدریج ایک مفاہمانہ فضا تیار کر لی تھی۔ مجھے ہر وقت یہ احساس رہتا تھا کہ میں تلوار کی باریک دھار پر چل رہا تھا۔ کرنل داور کی ذرا سی لغزش مجھے موت کی آغوش میں پہنچا سکتی تھی۔ نک کے بعد گیری سامنے آیا تھا۔ میرے لیے وہ بالکل نیا آدمی تھا۔ پہلے سے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ وہ کرنل داور کی شخصیت کو کس حد تک قبول کرتا ہے۔

میں مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے اولڈ کلفٹن پہنچ گیا۔ اس وقت وہاں عبرت ناک ویرانی کا سماں تھا۔ وسیع پارکنگ لاٹ میں ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں جن میں ظالم سماج کے ستائے اور شاید کالجوں سے بھاگے دو جوڑے راز و نیاز میں مشغول تھے۔ پان اور فاسٹ فوڈ کی دکانوں پر چند افراد اکٹھے ہو کر خوش گپیوں میں وقت گزارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لان کی جھلسی ہوئی خشک گھاس پر چند آوارہ کتے پڑے اونگھ رہے تھے۔ چھوٹی چھوٹی سایہ دار جگہوں پر گندے لباس والے کچھ ملنگ، گداگر، چرسی اور موالی بیٹھے یا لیٹے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

پارکنگ کے لیے کسی سایہ دار جگہ کی تلاش کے ساتھ ساتھ میری نظریں اول خان اور اس کے آدمیوں کی تلاش میں بھی بھٹک رہی تھیں جنہیں اس وقت وہاں موجود ہونا چاہیے تھا مگر میں اپنی پوری کوشش کے باوجود وہاں کوئی مشتبہ آدمی تلاش نہیں کر سکا۔

شاید ان لوگوں نے اتنی کامیابی کے ساتھ اپنا بھیس بدلا تھا کہ آسانی کے ساتھ ان کا سراغ لگانا ممکن نہیں تھا۔

ایک جگہ اپنی گاڑی پارک کرنے کے بعد میں نیچے اتر کر کھڑا ہو گیا تاکہ گیری وہاں پہنچے تو دور ہی سے مجھے دیکھ کر پہچان لے۔

اس وقت گاڑی پر جعلی نمبر پلیٹیں لگی ہوئی تھیں۔ ان دنوں یہ احتیاط ضروری تھی تاکہ ہمارا کوئی حریف گاڑی کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے ہمارا سراغ نہ لگا سکے۔ میں مختصر لیکن پوری منصوبہ بندی کے ساتھ وہاں پہنچا تھا اور گیری کے استقبال کے لیے تیار تھا۔

اس کی چمکتی ہوئی بڑی سی سرخ گاڑی مقررہ وقت سے پانچ منٹ پہلے ڈھلان چڑھتی ہوئی اوپر آئی اور میری گاڑی کے قریب رک گئی۔

یہ بات اطمینان بخش تھی کہ گیری گاڑی میں تنہا تھا۔

اس کی گاڑی کے رکتے ہی میں اپنی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ اتر کر میرے برابر والی نشست پر آ بیٹھا۔

''تم دیکھ رہے ہو کہ اس شہر میں کیا ہو رہا ہے!'' اس نے بیٹھتے ہی کسی تمہید یا رسمی گفتگو کے بغیر براہِ راست سوال کیا۔

''بہت کچھ ہو رہا ہے۔ دنیا کے بڑے شہروں میں کبھی کبھی تسلسل کے ساتھ پرتشدد واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اس وقت کراچی بھی اسی لہر کی زد میں آیا ہوا ہے۔''

''یہاں ہم لوگوں کی ٹارگٹ کلنگ ہو رہی ہے۔'' میرے محتاط جواب پر اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی ''چند روز پہلے ایک کمانڈو مارا گیا اور کل نک۔''

''نک کے بارے میں مجھے دلی افسوس ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔''

وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا پھر بولا ''اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ ہمیں فوری طور پر ڈینی مطلوب ہے۔''

''تم اس طرح مطالبہ کر رہے ہو جیسے وہ میری تحویل میں ہو؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''اس وقت ہو یا نہ ہو لیکن سوبھراج کے واپس لوٹنے تک وہ تمہارا قیدی تھا۔ نک نے بتایا تھا کہ اس کے بارے میں تم سے ڈیل بھی طے ہو گئی تھی۔''

''نک نے تمہیں کیا کیا بتایا تھا۔'' میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

''سب کچھ...... ایک ایک بات میرے علم میں ہے۔ ہماری آج کی ملاقات پرانی مفاہمت کے تسلسل میں ہے۔ فرق یہ ہے کہ آج میں نے نک کی جگہ لی ہوئی ہے۔''

''میرے چہرے پر نظر آنے والے زخموں کے نشانات کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

میرے سوال سے صاف ظاہر تھا کہ میں اس کا امتحان لے رہا تھا۔ اس نے جھلّا کر کہا ''یہ زخم اسی سن آف اے گن کے لگائے ہوئے ہیں جو آج مجھے مطلوب ہے۔''

گیری کا وہ جواب سن کر میرے وجود میں سکون کی ایک گہری لہر سرایت کر گئی۔ اس جواب میں یہ نکتہ مضمر تھا کہ وہ اس وقت بھی ڈینی اور کرنل داور کو دو الگ الگ شخصیتیں تصور کر رہا تھا۔ اس بارے میں اس کا ذہن ہر شک و شبہے سے پاک تھا۔

''بس تو پھر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ میری قید سے فرار ہو گیا تھا۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔

''تم کیوں چبا چبا کر باتیں کر رہے ہو۔ تم نے نک سے کہا

تھا کہ سوبھراج روپوشی ختم کر کے سامنے آئے یا مار ڈالا جائے تو تم ڈینی کو دوبارہ پکڑ کر اس کے حوالے کر دو گے۔''

''ان میں سے کوئی بھی شرط پوری نہیں ہوئی۔ سوبھراج نے نک کو بھی مار ڈالا۔''

''یہ بکواس ہے نک کا قاتل ڈینی ہے۔'' وہ مضطرب ہوا جا رہا تھا۔

''میں نے اخبارات دیکھے ہیں۔ میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ نک کا قاتل کون ہے۔ اٹل حقیقت یہ ہے کہ نک مارا جا چکا ہے۔ سوبھراج زندہ ہے اور روپوش ہے۔''

''اسی لیے میں کہہ رہا ہوں کہ اب اپنی شرائط کو بھول جاؤ اور ڈینی کو میرے حوالے کر دو۔ اسی میں ہم سب کی عافیت ہے ورنہ وہ ایک ایک کر کے سب کو کھا جائے گا۔''

''نہیں گیری! یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا ''ڈیل دوطرفہ ہوتی ہے۔ تم میری شرط پوری کرو۔ میں تمہارا مطالبہ پورا کر دوں گا اور یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ ڈینی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اس کے دروازے پر دستک دوں، وہ باہر آئے اور میں اسے پکڑ لوں۔ اس کا دوبارہ سراغ لگانے کے لیے مجھے ایڑی چوٹی کا زور لگانا پڑے گا۔''

''تم نے نک کو یہ تاثر دیا ہوا تھا کہ ڈینی ہر وقت تمہاری دسترس میں ہے۔ نک تمہاری شرط پوری کرے گا اور تم ڈینی کو اس کے بل سے نکال کر نک کے حوالے کر دو گے۔''

''وہ سودے بازی کا ایک ڈھنگ تھا۔ تمہیں اندازہ ہونا چاہیے کہ ڈینی جیسے چالاک آدمی کو دوبارہ پکڑنا اتنا آسان نہیں ہے۔''

''اسے آخر تک یہ پتا نہیں چلا کہ وہ تمہارا قیدی تھا۔ وہ اب بھی تم پر اعتماد کرتا ہوگا۔ ایس ٹی ایف والوں سے اس کی گاڑھی چھنتی ہے۔''

''نک کا تعلق ایف بی آئی سے تھا۔ گیری پینٹا گون سے آیا تھا لیکن اسے ایک ایک بات اس تفصیل کے ساتھ معلوم تھی جیسے نک اپنی ہر رپورٹ براہ راست اسی کو بھیجتا رہا ہو۔

''ڈینی اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کرتا اسی لیے وہ آج تک بچا ہوا ہے ورنہ وہ اب تک دس مرتبہ مارا جا چکا ہوتا۔''

''یہ سب تمہارے مسائل ہیں۔ اسے تلاش کرو اور جلد از جلد میرے حوالے کر دو۔''

''سوبھراج کے بارے میں تم کیا کر رہے ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہ پاگل کتا ہے۔ اسے بھول جاؤ۔ وہ خود اپنی موت مر جائے گا۔''

''میں تم سے ڈینی کے بارے میں بھی بالکل یہی بات کہہ سکتا ہوں۔ کوئی ذی روح ابدی زندگی نہیں پا سکتا۔ ہر انسان کی طرح ڈینی بھی فانی ہے۔ وہ ایک دن خود اپنی موت مر جائے گا۔''

گیری کے پتلے پتلے ہونٹوں پر زہر میں ڈوبی ہوئی سفاکانہ مسکراہٹ تیر گئی ''کرنل! تم یہ نہیں کہہ سکتے تم کو میرے لیے ڈینی کا کھوج نکالنا ہوگا۔ تم نے اس کام سے انکار کیا تو تمہاری بنیادیں ہلا دی جائیں گی۔ تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔''

اس کے خوفناک الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔ مگر میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے سرسری انداز میں کہا ''میری بنیاد ہی کیا ہے جسے تم ہلا سکو گے۔''

''میں تمہاری ذات کی نہیں، اس مافیا کی بات کر رہا ہوں جس کے تم تنخواہ دار ہو۔''

''اوہ!'' میں نے تحیر زدہ انداز میں ہونٹ سکیڑ کر کہا ''تو کیا تم اسپیشل ٹاسک فورس کو نقصان پہنچانے کی بات کر رہے ہو۔''

''نقصان بہت چھوٹا اور ہلکا لفظ ہے۔ ڈینی جلد از جلد ہاتھ نہیں آیا تو ایس ٹی ایف کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔'' گیری کی آواز بے رحمانہ ہو گئی۔

''ڈینی اور ایس ٹی ایف کے بارے میں تم کسی سنگین غلط فہمی کا شکار ہو۔ یہ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچنے والی بات ہے۔''

''ڈینی کو ایس ٹی ایف نے پالا ہوا ہے۔ ایس ٹی ایف کے غنڈے اسے تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ آج بھی تمہاری فورس اس کی پشت پناہ ہے۔ تم نے خود نک سے اعتراف کیا تھا کہ صرف تم ڈینی کی آزادروی سے متنفر ہو۔ دوسرے افسر اس کے حامی ہیں۔ پچھلے اجلاس میں تم لوگوں نے اپنی پالیسی کے تحت ہماری بیش بہا امداد قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ تم بلکہ تمہارے ہر ساتھی کو علم ہے کہ ہمارے دو تین ماہرین اپنے اپنے بہترین آلات اور مہارت کے ساتھ یہاں جم گئے تو ڈینی کا قصہ چند دنوں میں پاک ہو جائے گا۔''

''اب تم ڈیل سے پھر رہے ہو۔ یہ کھلی بلیک میلنگ ہے۔''

''تم جو چاہو کہہ لو۔ یہ ٹھوس حقیقت ہے۔ میں اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کی نیت سے یہاں آیا ہوں۔ ڈینی دو ورنہ ایس ٹی ایف سے ہاتھ دھو لو۔''

''ایس ٹی ایف کے بارے میں تم لوگ ایک مدت سے بہت کچھ جانتے ہو لیکن آج تک اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے پھر اب.....''

اس نے تلخی سے میری بات کاٹ دی ''اس ناپاک فورس

کے بارے میں ہمیں بہت کچھ معلوم ہے۔ اب تک ہم چشم پوشی اور درگزر سے کام لیتے رہے۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔''
''آخر تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟'' میں نے فکرمندی کے ساتھ پوچھا۔
''تمہیں تعاون پر آمادہ کرنے کے لیے یہ تصویر دکھانی ضروری ہے۔'' اس نے آسودگی کے ساتھ کہا۔ ''ہم سرکاری طور پر تمہاری حکومت سے اس گندی مافیا کے خاتمے کا مطالبہ کریں گے۔''
''تم ایک آزاد اور خودمختار ملک کے معاملات میں ایسی کھلی مداخلت نہیں کرسکتے۔ کل تم کہو گے کہ پولیس فورس توڑ دی جائے۔ پرسوں کسی اور ادارے کی باری آسکتی ہے۔''
''اقوام متحدہ کے چارٹر کا مطالعہ کرو۔ کسی بھی رکن ملک کو اپنی حدود میں آئین سے ماورا کوئی غیر قانونی فورس رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس ضمن میں اس فورس کا مسلح اور غیر مسلح ہونا غیر اہم ہے جب کہ تمہاری مافیا ایک مسلح اور بے لگام، بے دردی فورس ہے۔''
''جب تم اتنا کچھ جانتے ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ سرکاری سطح پر قائم کیے ہوئے کسی غیر آئینی ادارے کے وجود کو ثابت کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔''
''یہ تم کالے ایشیائیوں کی بھول ہے۔'' گیری نے حقارت سے کہا ''ہم اپنے دوستوں اور دشمنوں کی یکساں خبر رکھتے ہیں۔ کہیں کوئی بے اعتدالی ہو رہی ہو تو بظاہر ہم چشم پوشی سے کام لیتے ہیں لیکن درپردہ ہمارے ذہین ماہر اپنا کام شروع کردیتے ہیں۔ ہم پندرہ برس سے ایس ٹی ایف کا پیچھا کر رہے ہیں۔ نادیدہ آنکھیں ایس ٹی ایف کے ہیڈ کوارٹرز اور دس مراکز کی تصاویر بناتی رہی ہیں۔ وہاں فوجی نوعیت کی گاڑیاں اور ہتھیار پائے جاتے ہیں۔ کہوٹہ کے گرد پھیلی ہوئی ایٹمی تنصیبات کی نگہداشت اسی مافیا کے غنڈے کرتے ہیں۔ کوئی بھول کر بھی ادھر نکل جائے تو مار مار کر اس کے ہاتھ پیر توڑ دیتے ہیں۔ ادھر جانے والے کئی سفارت کار ان کے تشدد کا نشانہ بنے ہیں۔ اس مافیا کے چیف کے ذاتی اکاؤنٹ میں کروڑوں روپے آتے جاتے رہے ہیں۔ یہی حال ہر اسٹیشن کمانڈر کے بینک اکاؤنٹ کا ہے۔ ہمارے ماہر ورجینیا میں بیٹھے بیٹھے بینکوں کے کمپیوٹرز میں نقب لگا کر باقاعدگی سے ان کھاتوں کی فائلیں بناتے رہے ہیں۔ یہ سب ٹھوس ثبوت ہیں۔ میں نے تمہاری آنکھیں کھولنے کے لیے چند موٹی موٹی باتیں بتائی ہیں ورنہ ہمارا ریکارڈ بہت ضخیم ہے۔''
''میں تمہارے وسائل کی دسترس پر حیران ہوں۔ اتنے لمبے ہاتھ رکھنے کے باوجود تم اب تک ڈینی کو کیوں تلاش نہیں کرسکے۔''
''ہم اداروں، تنظیموں اور حکومتوں کی نگرانی کرسکتے ہیں۔ ان کے ٹھکانے، پالیسیاں اور ریکارڈ ہوتے ہیں۔ ایس ٹی ایف غیر آئینی ہے لیکن ہماری سخت مانیٹرنگ کی زد میں ہے۔ ہم ہر وقت اسے نیست و نابود کرسکتے ہیں لیکن ڈینی ایک سرپھرا آوارہ گرد اور قاتل ہے۔ وہ اپنے زعم میں بہت بڑا محب وطن بنا پھرتا ہے لیکن تم کو یقین ہونا چاہیے کہ ہمیں للکار کر وہ اپنے ملک کی کوئی خدمت نہیں کر رہا، اسے نقصان پہنچا رہا ہے۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے رکا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''ہم ایسے بے گھر اور بے در بدمعاشوں پر نظر نہیں رکھ سکتے۔ وہ اپنی مرضی سے وارداتیں کرتے ہیں پھر انسانوں کے سمندر میں گم ہوجاتے ہیں۔ جب انہیں کسی کی مضبوط پشت پناہی حاصل ہو تو ان کے حوصلے اور بڑھ جاتے ہیں۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ کسی کے پاس اس حرام زادے کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ تصویر ہے، آواز ہے اور نہ فنگر پرنٹس!''
اس کے آخری فقروں سے جھلکتی ہوئی مایوسی نے میرے اس تکدر کو دور کردیا جو اس کی زبان سے اپنے لیے گالی سن کر ہوا تھا۔
''تمہاری باتیں چشم کشا ہیں لیکن میں اب یہ ضرور کہوں گا کہ نک کے قتل میں ڈینی ملوث نظر نہیں آتا۔ تم غیر ضروری طور پر بات بڑھا رہے ہو۔''
''میں بات نہیں بڑھا رہا۔ حقائق بتا رہا ہوں۔ تمہارا کیا جواب ہے۔''
''میں ایس ٹی ایف کا ایک معمولی افسر ہوں۔ یہ باتیں میرے منصب سے بہت بڑی ہیں۔ ان پر تمہیں ہمارے باس سے بات کرنی چاہیے۔''
''باس اسلام آباد میں بیٹھا ہوا ہے۔ تم یہاں ہو اور ایک بار ڈینی کو اپنے چوہے دان میں بند کرچکے ہو اس لیے تم ہی ان باتوں کے لیے موزوں ترین شخص ہو۔ تمہارے انکار کے بعد جو کچھ ہوگا وہ باس تو کیا پوری دنیا کے علم میں آجائے گا۔''
''اگر صرف اتنی سی بات ہے تو میں کہوں گا کہ تم نے اب تک اپنا اور میرا وقت ضائع کیا ہے۔'' میں نے دوٹوک لہجے میں کہا اور وہ میرا منہ دیکھتا رہ گیا۔
''میں یہ سب سنے بغیر بھی ڈینی کی تلاش میں لگا ہوا تھا۔'' میں نے اپنی بات جاری رکھی ''وہ کچھ کر رہا ہو یا نہ کر رہا ہو، اس کا نام کچھ دوستوں کے ساتھ غلط فہمیاں پیدا کرنے کا سبب بن رہا ہے جن میں تمہارا ملک سرفہرست ہے۔''

''نک سے تمہارا ون ٹو ون رابطہ تھا۔ ٹام یہاں سی آئی اے کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ کئی بار تم سے ملا ہے لیکن تمہارے اور اس کے درمیان اعتماد کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ نک کے قتل کے بعد ہمارے اور تمہارے درمیان ایک بے نام خلا رہ گیا تھا جسے پاٹنا بہت دشوار تھا۔ اپنے رازوں میں تم ہم میں سے کسی کو شریک نہیں کر سکتے تھے۔''

''میں کسی اور کے سامنے زبان بھی نہیں کھول سکتا تھا۔'' میں نے بلاوجہ اعتراف کیا۔

''تم ڈینی کو پکڑنے میں کامیاب ہو جاتے تو اسے کس کے حوالے کرتے؟'' اس نے پوچھا۔

''کسی کے نہیں۔'' میں نے خیال انگیز لہجے میں کہا ''اسے دوبارہ پکڑنے کا ارادہ ترک کر دیتا یا اسے پکڑ لیتا تو خود ہی کیفرِ کردار تک پہنچا دیتا۔''

''اس ساری گفتگو کا یہ فائدہ ہوا کہ سوبھراج کی شرط درمیان سے نکل گئی کیونکہ ایس ٹی ایف کی بقا کا سوال سامنے آ چکا ہے۔ دوسری طرف تمہیں یہ یقین آ گیا ہوگا کہ میں نک کے تسلسل میں کام کر رہا ہوں۔ اجنبی ہوں اور نہ تمہارے لیے خطرہ بنوں گا۔''

''کیا سوبھراج کو اسی طرح بے لگام چھوڑ دیا جائے گا؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''اس نے ایف بی آئی کے خلاف بے بنیاد زہر اگلا ہے۔ اسے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ مجھے اس کی تلاش ہے۔ تم بھی کوشش کرتے رہو، جلد ہی اس کا انجام سامنے آ جائے گا۔''

''میں جلد از جلد اس کا انجام دیکھنے کا آرزو مند ہوں۔''

''تم میری خواہش پوری کر دو۔ میں تمہاری آرزو پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ یقین رکھو کہ ڈینی روئے زمین پر سوبھراج سے کئی ہزار گنا بڑا فتنہ ہے۔''

''تم کہہ رہے ہو تو ضرور ہوگا۔ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ایس ٹی ایف کے بارے میں تمہاری معلومات بہت بھرپور اور قابلِ رشک ہیں۔''

''ہم اپنے دوستوں اور دشمنوں کی کمزوریوں پر اسی طرح گہری نگاہ رکھتے ہیں۔'' اس نے ایک آسودہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''دوستوں اور دشمنوں والی بات تم نے دوسری مرتبہ کی ہے۔ میری دانست میں تم پاکستان کو بھی اپنا دوست ملک تصور کرتے ہو پھر دوستوں کی کمزوریوں پر نظر کیوں رکھتے ہو۔''

''یہ سیاسی رموز ہیں۔ اس طرح دوستوں کو قابو میں رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ تم دیکھو کہ ہم پندرہ برس سے ایس ٹی ایف کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، ریکارڈ موجود ہے لیکن تمہاری حکومت کہتی ہے کہ ملک میں اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی وجود نہیں تو ہم بے چون و چرا یہ دعویٰ تسلیم کر لیتے ہیں۔ سیاست میں اسی کا نام دوستی ہے۔''

''لیکن ڈینی کے چکر میں تم حقائق سامنے لانے کا ارادہ کر چکے ہو!''

''یہ ہماری مجبوری ہے۔ ہمیں یقین کی حد تک شبہ ہے کہ ڈینی کے خلاف تمہاری حکومت ہم سے بھرپور تعاون نہیں کر رہی۔ وہ کمی تم نے ذاتی طور پر پوری کر دی تو ایس ٹی ایف کا راز اسی طرح پوشیدہ رہے گا۔ ہم دوستوں کو بلاوجہ نقصان نہیں پہنچاتے۔''

''بہت صاف ستھری اور اصولی پالیسی ہے۔'' میں نے کسی طنز یا استہزا کے بغیر اس منافقانہ پالیسی کی تعریف کی ''اسی پالیسی کی وجہ سے دنیا بھر میں امریکا کی بات دھیان سے سنی جاتی ہے۔ اس کے لیے تمہارے منصوبہ ساز داد کے مستحق ہیں۔''

''ابھی نک کے سوگ میں تین دن تک دفاتر بند رہیں گے۔ اسی دوران میں، میں تمہیں اپنے رابطے کے نمبر دے دوں گا۔ مجھے جلد کوئی اچھی خبر ملنی چاہیے۔''

یہ کہہ کر وہ میری گاڑی سے اترا اور اپنی کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ میں بھی فوری طور پر وہاں سے چل دیا۔

راستے میں گیری کی کہی ہوئی باتیں ایک ایک کر کے میرے ذہن میں گونجتی رہیں۔ اس کے ایک ایک لفظ سے برتری کا گھمنڈ جھلک رہا تھا۔ سب سے قابلِ نفرت بات یہ تھی کہ وہ دوستوں کے اعتماد کو دغا دے کر ان کے خلاف مواد اکٹھا کرنے کے کام کو بھی قابلِ فخر قرار دے رہا تھا۔

اس سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں پاکستان کے مفاد کے حوالے سے کئی اہم ترین سوالات نے سر ابھارا تھا۔ باتوں کی روانی میں شاید وہ میرے سوالوں کے جواب بھی دے دیتا لیکن میں نے خود ہی ارادہ ترک کر دیا۔ ان حسّاس اور نازک معاملات پر زبان بندی ہی سب سے بہتر تھی۔ اس متعصب امریکی کی توجہ کسی اور کمزوری پر مرکوز ہو جاتی تو بات بگڑ سکتی تھی۔

ہم لوگوں کو جلال کے ذریعے سرکاری پالیسیوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ اشارے ملتے رہتے تھے۔ جب سے امریکی حکومت نے کراچی میں اپنے جانی نقصانات پر زیادہ سخت رویہ اختیار کیا تھا، میں محتاط ہو گیا تھا اور میں نے اپنی ساری توجہ سوبھراج پر مرکوز کر دی تھی۔

سوبھراج کے چکر میں ان کے کمانڈوز سے تصادم ہوا تھا اور پھر نک کے قتل میں بھی اصل سازش سوبھراج کی تھی جسے میں نے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرلیا تھا۔ اس وقت مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ نک کی ہلاکت پر بات اتنی بڑھ جائے گی تو شاید میں شیر دل کو نک کے قتل کی دوسری کوشش پر اکسانے کا ارادہ سرے سے ترک کردیتا۔

یہی معاملہ گیری کا تھا۔ میں اس سے ملنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے خود پہل کی تھی تو اس کا جواب دینا لازم ہوگیا تھا مگر نتائج کے اعتبار سے مجھے وہ ملاقات اپنے گلے پڑتی نظر آرہی تھی۔ اس سے ملنے کے بعد میں ذہنی طور پر الجھ کررہ گیا تھا۔

میں گھر پہنچا تو اول خان کو وہاں اپنا منتظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''تم یہاں بیٹھے ہوئے ہو اور میں وہاں گداگروں میں تمھیں تلاش کررہا تھا۔'' میں نے اسے دیکھ کر بے ساختہ کہا۔

''آخری لمحات پر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ میرے آدمیوں نے بتایا کہ اولڈ کلفٹن پر پرانے اور لڑاکا بھکاریوں کا قبضہ ہے وہ نئے آدمی کو وہاں نہیں آنے دیتے۔ مار کر بھگا دیتے ہیں۔ میں نے خود جانے کا ارادہ ترک کرکے اپنے ایک آدمی کو ہیروئنچی کے روپ میں وہاں بھیج دیا تھا۔ اس نے تمھاری واپسی کے بعد اپنی جگہ چھوڑی ہوگی۔''

''وہ شاہی مزاج کے گداگر معلوم ہوتے ہیں''۔ میں نے ہنستے ہوئے بتایا''۔ ہم لوگوں نے آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت وہاں گزارا لیکن کسی نے قریب آکر دست سوال دراز نہیں کیا۔''

''تم وہاں گداگروں پر ریسرچ کرنے کے لئے نہیں گئے تھے۔'' ویرا غرائی۔ ''ان پر لعنت بھیجو اور یہ بتاؤ کہ گیری سے ملاقات کا کیا رہا۔''

مجھے اپنی زیادتی کا احساس ہوگیا۔ ویرا چڑنے میں حق بجانب تھی۔

میں نے اپنی اور گیری کی گفتگو کی پوری روداد دہرادی۔

''وہ کھلی بلیک میلنگ پر اتر آیا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ ایس ٹی ایف کا کیا بگاڑ لیتا ہے۔'' اول خان نے فکرمند ہونے کے بجائے غصے سے کہا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ سوبھراج کا سراغ کھو چکے ہیں۔ اسی لیے اسے درمیان سے نکال دیا گیا ہے تاکہ ڈینی جلد از جلد ان کے ہاتھ آسکے۔'' سلطان شاہ بولا۔

''ڈینی زندگی بھر ان کے ہاتھ نہیں آئے گا۔'' ویرا حقارت آمیز لہجے میں بولی۔ ''گیری یہ حسرت اپنے دل میں لے کر قبر میں چلا جائے گا۔''

''اب بات گیری کی نہیں رہی۔'' میں نے کہا۔ ''وہ سرکاری پالیسی کی بات کررہا تھا۔ اگر یہ بات درست مان لی جائے تو ان کا سارا نزلہ ایس ٹی ایف پر گرے گا۔''

''یہ اس کا فریب بھی ہوسکتا ہے۔'' اول خان نے تسلی دی۔ ''اتنی بڑی تبدیلیاں آسمان سے نازل نہیں ہوتیں۔ امریکی حکومت نے ایسا کوئی فیصلہ کیا ہوتا تو اسلام آباد میں اس کی سن گن ضرور ہوتی جو جلال کے علم میں آجاتی۔''

اول خان کی بات اپنی جگہ پر درست تھی لیکن اس کا دوسرا پہلو بھی تھا۔ جلال کئی روز سے مستقل طور پر کراچی میں پھنسا ہوا تھا۔ فون پر اسے سلام آباد سے ہر چھوٹی بڑی خبر اس تفصیل سے نہیں مل سکتی تھی جس طرح شہر میں رہتے ہوئے حاصل ہوسکتی تھی۔

''تمھارے اور دوسروں کے بینک اکاؤنٹس کے بارے میں اس کی باتوں میں کتنی صداقت ہے؟'' میں نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ بات درست ہے اور اسی سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ان لوگوں کے پاس ہمارے بارے میں بہت ٹھوس معلومات کا ذخیرہ ہے۔'' اول خان بولا۔

''تمھارے پاس اتنا سرمایہ کہاں سے آتا ہے؟'' ویرا نے بے ساختہ پوچھا۔

''یہ سب سرکار دیتی ہے اور ایک ایک پیسا سرکار کے متعین کئے ہوئے مقاصد پر خرچ کیا جاتا ہے۔'' اول خان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''ایس ٹی ایف کے غیر آئینی وجود کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کا کسی بینک میں حساب ہے نہ اس کی کوئی ملکیت ہے جو کچھ ہے کمانڈرز یا پھر باس کے نام پر ہے۔ سرکار سے تنخواہوں اور دیگر ضروریات کے لئے باس کو نقد فنڈز فراہم کئے جاتے ہیں۔ یہ رقم باس بینک کے ذریعہ ہر اسٹیشن کمانڈر کے اکاؤنٹ میں منتقل کرتا ہے۔ برسوں سے یہ نظام اسی طرح چل رہا ہے۔ اس کا کوئی آڈٹ ہوتا ہے اور نہ حساب کتاب!''

''یہ تو بہت ہی خطرناک صورتِ حال ہے۔ سارا قانونی بوجھ بار تم لوگوں کے کندھوں پر ہے۔ آج کوئی تم سے پوچھ لے کہ یہ رقمیں کہاں سے آتی ہیں اور کہاں جاتی ہیں تو تمہارے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔'' ویرا تشویش سے بولی۔

''سب سے زیادہ نازک پوزیشن ہمارے باس کی ہوتی

ہے۔اس کے لئے یہ بتانا ممکن نہیں ہے کہ وہ لمبی رقمیں اسے کہاں سے ملتی ہیں کیونکہ ان کا کوئی ثبوت یا ریکارڈ نہیں ہوتا۔''

''میں اسلام آباد میں تمہارے باس سے مل چکا ہوں۔ وہ بہت ایمان دار اور مخلص آدمی ہے۔'' میں نے کہا۔''کوئی بے لوث آدمی ہی ایسے کام اپنے ذمے لے سکتا ہے۔''

''پچھلے سال ہمارا باس تبدیل ہوگیا ہے۔اب ایک ریٹائرڈ میجر جنرل یہ ذمے داری ادا کررہا ہے۔اس سے تمہاری ملاقات نہیں ہوئی۔'' اول خان نے بتایا۔

''وہ جو بھی ہے، میرا اندازہ ہے کہ تمہاری طرح نیک نیت اور پرخلوص ہوگا۔ بگاڑ کے دور میں مجھے تمہاری فورس اوپر سے نیچے تک شفاف نظر آتی ہے۔''

''شفاف ہوتی تو گیری اس کا نام لے کر تمہیں بلیک میل نہ کرتا۔'' سلطان شاہ بولا۔''سب کچھ مشتبہ ہے۔ریاست اپنے مقاصد کے لئے ان لوگوں کے کندھے استعمال کر رہی ہے۔خدانخواستہ کبھی کوئی آڑا وقت آیا تو حکومت ہی ان لوگوں سے یہ پوچھنے پر مجبور ہو جائے گی کہ ان کے ذاتی کھاتوں میں بڑی بڑی رقوم کہاں سے آرہی تھیں۔''

''ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو!'' غزالہ جھرجھری لے کر بے ساختہ بولی۔''ان لوگوں نے ملک اور قوم کی سلامتی کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگایا ہوا ہے۔یہ قوم کے ہیرو ہیں۔ان سے کوئی کسی قسم کی باز پرس نہیں کرسکتا۔''

''میری دلی آرزو بھی یہی ہے لیکن جب گیری جیسے بھیڑیے پندرہ سال سے کمر کس کر ان کے پیچھے لگے ہوئے ہوں تو ہر طرف سے چوکنا رہنا ضروری ہو جاتا ہے۔'' سلطان شاہ بولا۔

''ان غیر ضروری وسوسوں میں پڑ کر اپنے ساتھ ہمیں بھی ہلکان مت کرو۔'' ویرا نے سلطان شاہ کو ہلکی سی سرزنش کی۔

''اس سے ملاقات کے بعد میرا ذہن ماؤف سا ہوگیا تھا۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔''لیکن تم لوگوں کے درمیان آجانے کے بعد مجھے امید کی کچھ کرنیں نظر آرہی ہیں۔''

''تمہارے لئے ہم سب روشنی کے مینار ہیں۔'' ویرا بولی۔''یہ ایک اچھی خبر ہے کہ یہاں آتے ہی تم امید سے ہوگئے ہو۔''

اول خان کے ہونٹوں پر نمودار ہونے والی خفیف سی مسکراہٹ دیکھ کر میں نے ویرا کو جھڑکنے کا ارادہ ترک کر کے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔''میں گیری کی باتوں کو واقعات کے تسلسل میں دیکھ رہا ہوں۔ہوسکتا ہے کہ گیری کو یہاں کسی مشن پر نہ بھیجا گیا ہو۔وہ نک کی جگہ لینے کے لئے پاکستان آیا ہو اور یہ بات فی الحال چھپائی جا رہی ہو۔''

''اس کا امکان ہے۔'' اول خان نے میری تائید کی۔''ضرورت کے تحت کام کے آدمیوں کو ڈیپوٹیشن پر دوسرے محکموں میں بھیجنا معمول کی بات ہے۔''

''کل کے اجلاس میں گیری نے میرے سوال کے جواب میں خود کو ایف بی آئی کے بجائے پنٹاگون کا نمائندہ ظاہر کیا تھا۔'' میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

''وہ اس کا نفسیاتی دباؤ کا حربہ بھی ہوسکتا تھا۔ایک نیا اور بھاری نام سامنے آنے سے ہر پاکستانی افسر مرعوب ہوسکتا تھا۔'' ویرا نے مجھے سہارا دیا۔

''اس کی صحیح حیثیت کا علم ہو جائے تو کئی سوالوں کے جواب خود بخود مل جائیں گے۔''

''یہ مسئلہ صرف جلال حل کرسکتا ہے۔'' اول خان بولا''یہ بتاؤ کہ اپنے مفروضے کے تحت تمہیں کیا نقشہ نظر آرہا ہے۔''

''اسے نک کی مشکلات کا پورا علم ہے۔'' میں نے کہنا شروع کیا۔''اگر وہ نک کے جانشین کی صورت میں یہاں آیا ہے تو اس نے یہاں آتے ہی فنی اور افرادی امداد کے نام پر پولیس کے اہم ترین محکمے میں اپنے آدمی داخل کرنے کی کوشش کی جو ناکام ہوگئی۔وہ آج بھی برہم تھا کہ یہاں ڈینی کی تلاش میں روڑے اٹکائے جا رہے ہیں۔اب اس نے میرے اوپر دباؤ ڈالنے کا دوسرا حربہ استعمال کیا ہے۔اب مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے وہ ایک سوچی سمجھی حکمت عملی پر چل رہا ہے اور غیر مشروط طور پر مجھے یعنی ڈینی کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

''تمہارے نئے نظریے کی کچھ نہ کچھ وجوہ بھی ہوں گی!'' ویرا نے پوچھا۔

''دو باتیں بہت اہم ہیں۔وہ نک کی کارکردگی کی ساری جزئیات سے اس طرح واقف تھا جیسے نک براہِ راست اسی کو رپورٹ کرتا رہا ہو۔دوسری بات یہ ہے کہ اس نے ڈینی کے بارے میں وقت کا کوئی تعین نہیں کیا۔وہ جانتا ہے کہ کام بہت مشکل ہے۔''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ سی آئی اے کا کوئی شعبہ براہِ راست پنٹاگون کے لئے کام کررہا ہو اور نک کا تعلق اسی شعبے سے ہو۔'' سلطان شاہ کو ایک نیا خیال سوجھا۔

''پھر تم ایڈی کو کس خانے میں فٹ کرو گے جو چند روز پہلے نئی دہلی جاتے ہوئے چند گھنٹوں کے لئے یہاں رک کر بریفنگ دینے کے بہانے ڈینی سے ملا تھا۔'' اول خان نے اس سے ایک ٹیڑھا اور تیکھا سوال کرڈالا۔

''یہ سوال یوں ہی نکلتے چلے آئیں گے۔'' میں نے

کہا۔ ''یہ ان کے اندر کے مسائل ہیں کہ کون کس کے لئے کام کر رہا ہے۔ ان سب کا مقصد ایک ہی ہے۔ وہ مجھ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ اس وقت میرے ذکر میں ویرا کا نام دب گیا ہے لیکن یہ بھی ان کے نشانے پر ہے۔ وہ جس کے پیچھے لگ جائیں اس کو دوسری دنیا میں پہنچا کر رہتے ہیں۔ ان کی کینہ پروری کی تازہ ترین مثال سوبھراج کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔''

''اگر یہی قصہ ہے تو ہمیں گیری کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ویرا نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

''میں منطقی طور پر یہی کہنے جا رہا تھا۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ''ان کے پاس ایس ٹی ایف کے بارے میں حساس ترین معلومات ضرور موجود ہیں مگر امریکی حکومت فی الحال انہیں استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ گیری نے اپنے طور پر چالاکی سے میرے اوپر یہ کارڈ کھیلنے کی کوشش کی ہے۔''

''اس نے وقت کا بھی کوئی تعین نہیں کیا۔'' ویرا بولی۔ ''تم نک کی طرح کچھ دنوں تک اسے بھی بہلاتے رہو۔ آخر کار ایک دن اس کا بھی وقت پورا ہو جائے گا۔''

''یہ خیال ذہن سے نکال دو۔ گیری کی زبانی ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ہماری کمزوریوں سے کس حد تک واقف ہیں۔ ان کے آدمی پے در پے مرتے رہے تو زچ آ کر وہ ایس ٹی ایف کو اپنے انتقام کا کھلا نشانہ بنا لیں گے۔ ہماری قومی ضروریات ایسے کسی نقصان کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔'' اول خان نے ویرا کو سمجھایا۔

ویرا ہنس پڑی۔ ''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں اس کے تبادلے کی بات کر رہی تھی۔''

اول خان نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اس کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ان دنوں وہ اپنے آدمیوں سے رابطے کے لئے وائرلیس سیٹ وغیرہ کے بجائے موبائل فون پر زیادہ انحصار کرنے لگا تھا جو استعمال میں بہت آسان تھا۔

موبائل فون کی افادیت اپنی جگہ پر تھی لیکن طویل، مسلسل اور ایک سے زائد رابطوں کے لئے اپریٹس ہی سب سے بہتر تھے۔ کسی بھی مہم پر ایک سے زائد افراد سے رابطہ برقرار رکھنے کے لئے اول خان اپنے اپریٹس کو ترجیح دیتا تھا۔

وہ کال اس کے کسی آدمی کی طرف سے آئی تھی۔ اس سے گفتگو کر کے اول خان مسرت آمیز لہجے میں اعلان کیا کہ سوبھراج نے دوسرا دھماکا بھی کر دیا تھا۔

دھماکے کی نوعیت کی وضاحت کے بغیر اس کا وہ اعلان تشنہ تھا۔ سب کی مستفسرانہ نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

''شاید سوبھراج کو یہ بات گراں گزری ہے کہ امریکیوں نے شیر دل کی موت کو بنیاد بنا کر نک کے قتل کا کریڈٹ تمہیں دینے کی کوشش کی ہے۔'' اول خان نے کہا۔

''تمہاری یہ رائے الہامی نہیں ہو سکتی۔ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا۔'' اسے خاموش پا کر میں رسانیت سے لقمہ دیا۔

''آج صبح اس نے پھر شام کے ایک ممتاز اخبار کے دفتر فون کیا تھا۔'' اول خان بتانے لگا۔ ''اپنے روایتی ہذیان کے بعد اس نے کہا کہ امریکی عقل کے اندھے ہیں یا اپنی خجالت مٹانے کے لئے نک کے قتل کا سہرا زبردستی ڈینی کے سر منڈھ رہے ہیں۔ شیر دل اس کا آدمی تھا اور اسی نے نک کو مروایا تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ ڈینی نے اس کو مار ڈالا کیونکہ ڈینی سے اس کی یعنی سوبھراج کی دشمنی چل رہی ہے۔ اس نے یہ عزم ظاہر کیا ہے کہ نک کی طرح وہ ڈینی کو بھی بہت جلد جہنم واصل کر دے گا۔ اس سے ٹکرانے والا کوئی شخص زندہ نہیں بچے گا۔''

''تمہارے آدمی کو یہ خبر کہاں سے مل گئی؟'' ویرا نے پوچھا۔

''شام کے ایک اخبار نے یہی شہ سرخی لگائی ہے۔ مجھے اسٹیشن فور کے ریڈیو روم سے یہ اطلاع دی گئی ہے۔ ان کو فیلڈ اسٹاف سے اس خبر کے بارے میں کئی پیغام مل چکے ہیں۔''

''سوبھراج نے زبردست کام دکھایا ہے۔'' سلطان شاہ نے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ ''اب ہر بات آئینے کی طرح صاف ہو گئی۔ گیری کے پورے کیمپ کے ارمانوں پر اوس پڑ جائے گی اور وہ تمہارے خلاف مزید کوئی الزام تراشی نہیں کر سکیں گے۔''

''وہ ہٹ دھرم ہیں۔ صبح کے فون کو فراڈ کہہ رہے تھے۔ اب سوبھراج کی دوسری فون کال کو ماننے سے انکار کر دیں گے۔ وہ ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں دشمنی کا یہ سلسلہ کہاں ختم ہوگا۔'' غزالہ کو خوشی کے ساتھ تشویش بھی تھی۔

''تم کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اول خان نے اسے دلاسا دیا۔ ''ڈینی کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ سب کچھ یوں ہی چلتا رہے گا۔''

''سب کو ڈینی کی فکر ہے۔ میرا نام کوئی نہیں لیتا حالانکہ میں ان کی نظروں میں خار بن کر کھٹک رہی ہوں۔'' ویرا نے ہلکا سا احتجاج کیا۔

''ڈینی کا نام لیا جاتا ہے تو تمہارا نام از خود اس میں شامل ہوتا ہے۔'' اول خان نے اس کی دل جوئی کرتے ہوئے کہا۔ ''ان کی نظروں میں تمہارا جرم ڈینی کے گناہوں سے زیادہ سنگین ہے۔ تم امریکی نژاد ہوتے ہوئے ان سے منحرف ہوئی ہو۔''

ویرا کے رخساروں پر خوشی اور طمانیت کی سرخی پھیل گئی۔ ذہین، دلیر اور زمانہ شناس ہونے کے باوجود وہ ایک انسان تھی اور دوسرے عام انسانوں کی طرح اپنی تعریف و توصیف کی بھوکی تھی۔ اول خان کے کلمات سے اس کی انا کی تسکین ہوئی تھی۔

''کیوں نہ اس وقت سوبھراج کو چھیڑا جائے!'' سلطان شاہ نے تجویز پیش کی۔

''وہ امریکیوں سے سینگ لڑا رہا ہے۔ اسے اس سمت میں مصروف رہنے دو۔ میرا خیال آ گیا تو وہ ادھر گھوم جائے گا۔'' میں نے ہنس کر اسے ٹالنا چاہا۔

''اور کچھ نہیں تو اس کا شکریہ ہی ادا کر دو۔ اس نے بہت لگن کے ساتھ تمہاری پوزیشن بالکل صاف کر دی ہے۔'' اس نے اصرار کیا۔

''یہ غلطی بھول کر بھی نہ کرنا۔'' ویرا نے بے ساختہ میرے دل کی بات کہہ دی۔ ''اس وقت وہ سنگل ٹریک ہو چکا ہے۔ اپنی طاقت اور بڑائی جتانے کی دھن میں وہ یہ بھولا ہوا ہے کہ اس کی اخباری وضاحتوں سے کسی کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اسے تمہارے فائدے کا دھیان آ گیا تو وہ امریکیوں کو بھول کر تمہارے خلاف زہر اگلنا شروع کر دے گا۔''

''تم بہت دور کی کوڑی لائی ہو۔'' اول خان نے کھلے دل سے ویرا کی تعریف کی۔ ''اس وقت سوبھراج کو اس کے حال پر چھوڑ دینا سب سے اچھا ہے۔''

اول خان کی بات پوری ہونے سے پہلے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس کا فقرہ مکمل ہونے پر میں بٹن دبا کر فون کان سے لگایا تو سوبھراج کی آواز سن کر دنگ رہ گیا۔

ہم نے اس شیطان کا ذکر چھیڑا تھا کہ وہ فون پر آ موجود ہوا۔

''ڈینی! تم کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو؟'' سوبھراج نے اپنا نام بتانے کی زحمت کیے بغیر کہا تھا۔

''اپنے گھر میں ہوں اور مزے کر رہا ہوں۔'' میں نے بےفکری سے جواب دیا۔

''تم نے آج صبح اور شام کے اخبار دیکھ لیے ہوں گے۔'' میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ اس کی تحکم آمیز آواز میں اس وقت تختی نہیں تھی۔

''دیکھ چکا ہوں۔ ان میں میرے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تمہارے حریف تک کے قتل کا سہرا کسی اور کے سر باندھیں گے۔ اتفاق سے انہوں نے مجھے ہی منتخب کر لیا۔ تمہارے یہ بیان پڑھ کر مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ وقت بگڑ جانے کے باوجود تمہاری سیاسی ٹھرک ختم نہیں ہوئی۔ تم خبروں میں زندہ رہنے کا فن جانتے ہو۔''

''یہ لوگ احسان فراموش اور دغاباز ہیں۔ انہوں نے مجھے برباد کر دیا ہے۔''

''مجھے بھی یقین ہے کہ یہ ایسے ہیں۔ میں سنیل کے گھر پر تمہیں بروقت آگاہ نہ کرتا تو تم وہیں جمے رہتے اور اس رات تمہارا کام تمام ہو چکا ہوتا۔ شروع سے میری ہر بات حرف بحرف صحیح ثابت ہوتی آ رہی ہے میں نے کھلے دل سے تمہاری مدد کرنے کی کوشش کی مگر تم نے میری دوستی کی پیشکش کو میری کمزوری سمجھ کر ٹھکرا دیا۔''

''کیا تمہیں معلوم تھا کہ میں اس وقت سنیل کے گھر میں موجود تھا؟'' اس کی آواز تحیرزدہ تھی۔

''معلوم نہ ہوتا تو وہاں دونوں کمانڈوز کی درگت نہ بنتی۔ وہ آتے، تمہیں تلاش کرتے اور ناکام ہو کر واپس چلے جاتے۔''

''پھر تم نے مجھے وہاں سے کیوں نکل جانے دیا؟''

''میں وعدہ خلاف نہیں ہوں۔ اس وقت میں نے تمہیں دو دن کی مہلت دی ہوئی تھی۔''

''تم واقعی عظیم دشمن ہو۔'' اس کی آواز تشکر آمیز ہو گئی۔ ''خون آشام لڑائیوں میں اصولوں کا خیال رکھنے والے شاید ہی کہیں ملتے ہوں۔''

''آج تمہاری آواز میں پرانا دبدبہ نہیں ہے۔ کیا زیادہ کمزور ہو گئے ہو؟''

''میں پہلے سے بہتر ہوں اور تم سے سمجھوتے کی بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''مذاق مت کرو۔ میں نے تمہارا اخباری چیلنج بھی قبول کر لیا ہے۔ دیکھتا ہوں کہ جہانگیر کے بعد اب تمہارے آدمی کب میری طرف آتے ہیں۔ اس بار ملنے والی لاشیں سربریدہ حالت میں ہوں گی۔'' میں نے سردمہری سے جواب دیا۔

''آج میں نے شام کے اخبار والوں کو فون کیا تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ کلفٹن سے کالی شیراڈ میں میرے آدمی پکڑے گئے تھے۔ تم کو معلوم ہے کہ میں دوسروں سے کام لیتا ہوں۔ مجھے اپنے آدمی سے تھوڑی دیر پہلے معلوم ہوا ہے کہ ان دونوں کو اسی نے جہانگیر کے گھر کی طرف بھیجا تھا۔ ان کا انجام معلوم ہونے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ تم سے ٹکرا کر میں نے غلطی کی ہے۔''

''تمہیں یہ احساس بہت دیر سے ہوا ہے۔ اب لڑائی شروع ہو چکی ہے۔''

''صلح ہر وقت ہو سکتی ہے۔ تم سے لڑ کر میں نے کل چند گھنٹوں میں اپنے تین آدمی کھو دیے۔ میں مزید نقصان اٹھانے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔''

''اپنا وقت قریب دیکھ کر تم کو صلح کا خیال آیا ہے۔'' میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

''میں کوئی ڈینگ نہیں مار رہا۔ یہ حقیقت ہے کہ تم دس آدمیوں کو مار بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے۔ میں ان لوگوں کو بچانا چاہتا ہوں جو نک کے ہمدردوں سے لڑائی میں میرے دست و بازو بن سکتے ہیں یہ میرا وعدہ ہے کہ اب جہانگیر کی طرف کوئی نہیں جائے گا۔''

''مجھے تمہاری یقین دہانی کی ضرورت نہیں۔ تم جب اور جسے چاہو بھیج دو مگر اس کے لئے پہلے سے قبر ضرور تیار کرا لینا میں اپنے دشمنوں پر رحم کرنے کا عادی نہیں ہوں۔'' میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ ''میں نے ابھی تک صرف شیر دل کو مارا ہے۔ باقی دو آدمی خود موت مانگنے آئے تھے۔ کوئی اور آیا تو وہ بھی مایوس نہیں لوٹے گا۔''

''تم بڑے ظرف کے مالک معلوم ہوتے ہو۔ ایسی ڈراؤنی باتیں نہ کرو......''

میں نے اس کی بات درمیان سے اڑا دی۔ ''تم بھی ایک بلند پایہ قومی لیڈر رہ چکے ہو۔ خود کو اتنا نیچے نہ گراؤ۔ اگر مجھ سے کوئی سمجھوتا کرنے کے بارے میں سنجیدہ ہو تو سامنے آ کر بات کرو۔ میں فون پر تم کو کوئی رعایت نہیں دوں گا۔''

''تم سمجھتے کیوں نہیں۔ اس وقت خونی کتے میری بو پر لگے ہوئے ہیں۔ میں بہتر ضرور ہوں مگر اب بھی زخم تازہ ہیں۔ میں تم تک پہنچنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔''

''نہ لو۔ مجھے اپنا ٹھکانا بتا دو۔ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔'' رفتہ رفتہ میں اس پر بری طرح حاوی ہوتا چلا گیا تھا۔

''یہاں میں عیش و عشرت کے ساتھ ایک لمبی اور محفوظ زندگی گزار سکتا ہوں۔ اس کمین گاہ کے بارے میں، میں اپنے باپ کو بھی کچھ نہیں بتا سکتا۔''

''میں تمہارا باپ نہیں ایک ہمدرد ہوں۔ تم مجھ پر بھروسا نہیں کر سکتے تو پھر صلح کی باتیں بالکل بے کار ہیں۔ تم مجھے فریب نہیں دے سکتے۔''

''صلح، دوستی اور سمجھوتے کی باتیں چھوڑ دو۔ مجھے صرف اتنا یقین دلا دو کہ میں نے کوئی پہل نہیں کی تو تم میرے آدمیوں کو نہیں مارو گے۔'' اس کا لہجہ عاجزانہ ہو گیا۔

''میں بلاوجہ انسانی خون کی ہولی کھیلنے کا عادی نہیں ہوں۔''

''شیر دل نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ تم نے بے رحمی سے اسے مار ڈالا۔'' اس نے شکوا کیا۔

''تمہارے دماغ میں اپنی برتری کا خنّاس گھسا ہوا تھا۔ تم کو یہ جتانا ضروری ہو گیا تھا کہ میری مدد یا چشم پوشی کے بغیر تم اس شہر میں نہیں پنپ سکتے۔''

''کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم میری بات کی لاج رکھو گے؟''

''تم جو چاہو سمجھ سکتے ہو۔ یہ بات ضرور یاد رکھنا کہ نک کو مار کر تم نے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا ہے لیکن اس کی جگہ آنے والا اب تمہارا خون پی جائے گا۔ گیری ہارٹ ایک خوفناک دشمن ہے۔'' میں نے اس کی خوش فہمی کا خون نہیں کیا۔ اس مغالطے کو برقرار رہنے دیا کہ نک کو اسی کے ایما پر قتل کیا گیا تھا۔ اس واقعے میں میرا یا کسی اور کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اسی طرح میں نے رواروی میں گیری ہارٹ کا نام اس کے کان میں ڈال دیا تھا۔ شاید سوبھراج اس تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو پاتا لیکن وہ اس نام سے واقف ہونے کے بعد کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلا سکتا تھا۔

میں اسے گھیرنے کی فکر میں تھا۔ وہ لجاجت اور عاجزی کے ساتھ مجھے بے وقوف بنانا چاہ رہا تھا۔ اس سے روانی میں باتیں ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ معاً مجھے خیال آیا کہ مکالمات کی تیزی میں میں نے ایک پہلو کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

''وہ میرے خون کی ایک بوند بھی نہیں بہا سکیں گے۔ اس سے پہلے میں گیری کو مروا دوں گا۔ جب انہوں نے میری زندگی تباہ کی ہے تو مجھے بھی ان کی زندگیاں تباہ کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ اس بارے میں تم کہیں میرا ہاتھ نہیں روکو گے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''تم کو یاد ہے کہ میں نے کس بنیاد پر تم کو بنکاک سے واپسی پر دو روز کی مہلت دی تھی!'' میں نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''اچھی طرح یاد ہے اور یہ بھی یاد ہے کہ تم نے کہا تھا کہ ایف بی آئی اور راوالے آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ مجھے خوش فہمی تھی کہ میں انہیں سنبھال لوں گا۔ شاید میں سنبھال بھی لیتا لیکن نک نے اچانک دیرا کے حوالے سے مجھ پر غداری کا الزام لگا دیا اور میرے سارے خواب ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئے۔''

''تمہارا حافظہ بہت اچھا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ میں شہر میں دہشت گردی برداشت نہیں کروں گا۔'' میں نے اس کی چاپلوسی سے فائدہ اٹھا کر اسے دھمکایا۔

''ایف بی آئی سے میں لڑ رہا ہوں۔ را سے میرا ہر رابطہ ٹوٹا

ہوا ہے۔وہ بالا ہی بالا شہر میں کچھ کر گزریں تو میں اس کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔''

''محمود آباد کے ایک مندر میں آگ لگا کر تم نے شہر کو مذہبی فسادات کے جہنم میں دھکیلنے کی کوشش کی تھی۔اس کے بعد بھی تمہارے عزائم نیک نہیں تھے۔''میں نے اسے یاد دلایا۔

''راج محل میری عزت اور ساکھ کا نشان تھا۔''اس کی آواز میں اداسی اُمڈ آئی۔''اسے آگ لگاتے ہوئے میرا دل خون کے آنسو رو دیا تھا۔میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں پورے شہر کو جلا کر راکھ کر دوں۔وہ میری بھول،میری غلطی تھی۔اسے معاف کر دو۔اس وقت میرا دماغ الٹ گیا تھا۔''

اس وقت وہ میری دسترس سے باہر،کسی محفوظ ٹھکانے پر روپوش تھا۔میں اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔وہ اپنے تین آدمیوں کو کھو دینے کے بعد اپنی چکنی چپڑی باتوں سے مجھے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا یا شاید مجھ سے واقعی مرعوب ہو چکا تھا۔میرے دل میں اس کے لئے نفرت کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا مگر لفظی طور پر اسے معافی کا فریب دینے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔

''ماضی کو بھول جاؤ۔میں ایف بی آئی کی طرح را کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔جب تک تمہارے پاس سیٹ لائٹ فون موجود ہے ان سے تمہارا رابطہ ختم نہیں ہو سکتا جس دن تم نے ان کے لئے کوئی نیا کام کیا میں تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا۔''میں نے کہا۔

''میں تمہاری ایک ایک بات یاد رکھوں گا۔''اس کی آواز ممنونیت کے جذبے سے یوں لبریز تھی جیسے اسے میرے کھوکھلے وعدوں پر یقین آ گیا ہو۔

''تمہارے پاس اب بھی وقت ہے۔خود کو قانون کے حوالے کر دو اور ایک مرد کی طرح حالات کا سامنا کرو تم اس دردناک زندگی سے بچ جاؤ گے۔تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ مسلسل روپوشی کی زندگی کس قدر بھیانک ہو جاتی ہے۔''میں نے اسے دعوت دی۔

''نہیں......میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ یہ نہیں ہو سکتا۔مجھے قانون کا نہیں،ایف بی آئی کے بھیڑیوں کا خوف ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔سینوں میں چھپا ہوا گند اچھل کر اخباروں میں چھپ چکا ہے۔روپوش رہ کر میں انہیں تگنی کا ناچ نچاتا رہوں گا۔جس دن روپوشی ختم کی وہ میری زندگی کا چراغ گل کر دیں گے۔میری پوری زندگی اب روپوشی ہی میں گزرے گی۔''

''میں دیکھوں گا کہ اب زندگی کے کس موڑ پر تم سے ملاقات ہوتی ہے۔''سپاٹ لہجے میں وہ الوداعی فقرہ ادا کر کے میں نے فون بند کر دیا۔

''کیا اب وہ کسی قسم کی مفاہمت پر آمادہ ہے؟''میرے فارغ ہوتے ہی ویرا نے سوال داغ دیا جو وہ پہلے سے اپنے ذہن میں لئے بیٹھی تھی۔

''آمادہ نہیں بلکہ خواہش مند ہے۔''میں نے ہلکی سی انگڑائی لے کر جواب دیا۔''میں نے اسے ہر طرح گھیرنے کی کوشش کی مگر وہ سامنے آنے پر آمادہ نہیں ہے۔سب کچھ فون پر طے کرنا چاہتا ہے۔''

ویرا کی بات کا جواب دے کر میں نے سوبھراج سے ہونے والی گفتگو کا نچوڑ بھی بیان کر دیا۔

''تین آدمیوں کے پے در پے اتلاف نے اسے حواس باختہ کر دیا ہے۔اچھا ہوا کہ تم نے اسے کوئی ڈھیل یا رعایت نہیں دی۔اسے کس کر رکھا جائے تو شاید وہ کوئی بڑی شرارت نہ کرے۔دوسری صورت میں وہ سنگین مسائل پیدا کر سکتا ہے۔''اول خان نے اپنی رائے دی۔

''اس وقت اس کے کسی قول یا فعل پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔''غزالہ نے پر خیال انداز میں کہا۔''وہ سب کچھ کھو دینے کے بعد بدترین ذہنی بحران سے گزر رہا ہے۔پہلے آپ سے ذہنی لڑائیاں لڑتا رہا اور بار بار بدکتا رہا۔آپ نے رفتہ رفتہ اسے زیر کر کے راہ پر ڈالا تو کل شام کو آپ کی زبانی شیر دل کی موت کی خبر سن کر ہتھے سے اکھڑ گیا اور اب خود گڑگڑا رہا ہے۔اس کی طبیعت کا ٹھہراؤ بالکل ختم ہو کر رہ گیا ہو۔''

''تم کیوں خاموش ہو؟''سلطان شاہ نے ویرا کو چھیڑا۔''تم نے تو اس کے ساتھ خاصا وقت گزارا تھا۔تم اپنی رائے کیوں نہیں دیتیں!''

''تمہیں بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے''ویرا کو اس پر اچانک غصہ آ گیا۔''مجھے کسی کے ساتھ وقت گزارنے کی کیا ضرورت تھی۔مطلب کیا ہے تمہارا؟''

''میرا کچھ بھی مطلب نہیں ہے۔''سلطان شاہ اس کے جارحانہ تیور دیکھ کر سٹپٹا گیا۔''کیا راج محل میں تم سنیل اور سوبھراج کے ساتھ نہیں رہی تھیں؟''

''میں نے ان کے ساتھ وقت گزارا تھا نہ ان کے ساتھ رہی تھی۔''ویرا نے آنکھیں نکال کر،دانت پیستے ہوئے کہا۔''میں راج محل میں ان کی قیدی تھی۔''

''میں بھی یہی کہہ رہا تھا دد...دراصل میری اردو ذرا کمزور ہے اس لئے کبھی کبھی الفاظ کے انتخاب کی غلطی ہو جاتی ہے۔پشتو میں ایسا نہیں ہوتا۔''ویرا سے وضاحت کر کے وہ اول

خان سے مخاطب ہوگیا۔ ”کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی تھی۔“

”اب اس قدر معصوم بننے کی کوشش مت کرو۔“ ویرا نے تیزی سے کہا۔ ”میں تمہاری ان گھٹیا حرکتوں کو خوب سمجھتی ہوں۔“

”اسے اپنے آدمیوں کے مرنے کی پروا نہیں ہوسکتی۔“ اول خان نے ان دونوں کی جھڑپ ختم کرانے کی کوشش میں کہا۔ ”اسے ڈر ہے کہ ان دو واقعات کے بعد شہر کے بدمعاش اس کے لیے کام کرنے سے انکار نہ کردیں۔ سب کو پیسے سے زیادہ جان پیاری ہوتی ہے۔“

”سبب کچھ بھی ہو۔ یہ نیک شگون ہے کہ وہ ڈینی سے دوستی کی طرف مائل ہے۔“ ویرا نے پرسکون انداز میں کہا ”کم از کم فوری طور پر وہ شہر میں کوئی گڑبڑ نہیں کرائے گا۔“

”راوالے بھی شاید کچھ دنوں کے لئے خاموش رہیں۔“ میں نے امید ظاہر کی۔ ”ابھی ان کا زخم تازہ ہے۔ جلال سے ہونے والے معاہدے کے نتیجے میں جب تک وہ اپنے بلیک کیٹ کو یہاں سے نکال کر نہیں لے جاتے ان کا کوئی نیا مشن یہاں وارد نہیں ہوگا۔“

”کیا قیدیوں کے سلسلے میں جلال ان سے کوئی معاہدہ کرنے میں کامیاب ہوگیا...... وہ خود آج کہاں غائب ہے؟“ اول خان نے چونک کر ایک سانس میں دو سوال کرڈالے۔

”وہ ہمارے سات قیدی لوٹا کر گوپال راج کو لے جائیں گے۔ بارہ بجے جلال کا فون آیا تھا۔ وہ شام کو شاید یہاں کا چکر لگائے گا۔“ میں نے اسے آگاہ کیا۔

وہ ہمارے لئے کامیابیوں اور آسانیوں کا دن تھا۔ صبح کے اخبارات لے کر سوبھراج کے فون تک اچھی خبریں مل رہی تھیں ان میں گیری کا کردار ہمارے لئے تشویش ناک ثابت ہوا تھا مگر وہ بھی اس اعتبار سے بہتر تھا کہ ہمیں امریکی ایجنسیوں کے مقابلے میں ایس ٹی ایف کی صحیح پوزیشن کا علم ہوگیا تھا۔

اول خان کی روانگی کے بعد میں آرام کرنے کی غرض سے اپنے کمرے میں گیا تو چند منٹ بعد غزالہ بھی موقع پاکر وہیں آپہنچی۔ کمرے میں داخل ہوکر اس نے آہستگی سے دروازہ بولٹ کیا اور پھر تقریباً دوڑتی ہوئی، والہانہ انداز میں میرے پہلو میں آگری۔ میں نے کروٹ لے کر اسے اپنے بازوؤں میں

سمیٹ لیا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ آج میں گیری کی باتیں سن کر بہت پریشان ہو گئی ہوں۔'' اس نے خود کو میرے وجود میں سمیٹتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔

''یہ نئی باتیں نہیں ہیں۔ برسوں سے یہی سب ہوتا چلا آ رہا ہے۔'' میں نے بشاشت کے ساتھ اسے حوصلہ دیا۔ ''تم کو ان باتوں کا اتنا اثر نہیں لینا چاہئے۔''

''دشمن آپ کی جان لینے کی باتیں کر رہے ہوں اور میں ان کا اثر نہ لوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

''کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔ لڑائی ہوتی ہے تو ہر فریق ایک دوسرے کے بارے میں ایسی ہرزہ سرائیاں کرتا رہتا ہے۔ انہیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دینا چاہئے۔''

''ایک مرنے نہیں پاتا کہ اس کی جگہ دوسرا آ جاتا ہے۔ خوف رفتہ رفتہ میرے ذہن میں اس حد تک سرایت کر چکا ہے کہ راتوں کو مجھے ڈراؤنے خواب آنے لگے ہیں۔ کبھی کبھی میں گہری نیند سے چونک کر بیدار ہو جاتی ہوں اور میرا بدن پسینے میں ڈوب جاتا ہے۔''

''یہ بات تم آج پہلی بار بتا رہی ہو۔'' میں نے شکایت کی۔

''میں دیکھتی ہوں کہ آپ دن رات کاموں میں الجھے رہتے ہیں۔ دل نہیں چاہتا کہ میں اپنے مسئلے پیش کر کے آپ کی پریشانیوں میں اضافہ کروں۔ آج میں نے مجبور ہو کر زبان کھولی ہے۔ گیری اور اس کی باتوں نے مجھے بہت پریشان کر دیا ہے۔''

''کیا تم چاہتی ہو کہ میں بھی سوبھراج کی طرح روپوشی اختیار کر لوں۔'' میں نے ازراہِ مذاق پوچھا۔

''روپوشی کی کیا ضرورت ہے۔ ہم دونوں کچھ دنوں کے لئے ملک سے باہر جا سکتے ہیں۔ دن رات کے دھڑکوں سے نجات ملے گی۔ آب و ہوا بھی تبدیل ہو جائے گی۔''

''میں نے تمہاری یہ تجویز نوٹ کر لی۔ انشاء اللہ اس پر جلد ہی عمل ہوگا۔'' میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔ غزالہ کا وہ مشورہ مجھے بہت پسند آیا تھا۔

ہم دونوں بستر پر لیٹے ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ غزالہ کے قرب سے اس وقت مجھے عجیب سے سرور کا احساس ہو رہا تھا لیکن ہماری وہ آزادی زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ گھر کی فضا میں یکایک ایک فلمی دوگانے کی تیز آواز گونجنے لگی تھی۔

''دیکھ لیں ہم ذرا سی دیر کے لئے کمرے میں آئے ہیں اور کسی نے شرارت شروع کر دی!'' غزالہ نے میرے سینے پر سے اپنا سر اٹھا کر مسکراتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ شکایت کی۔

''یہ کون ہو سکتا ہے؟'' میں نے ہلکی سی جوابی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''یہ بدتمیزی صرف ویرا کر سکتی ہے۔'' غزالہ نے بے ساختہ کہا۔

ویرا خاصی مہذب اور تمیز دار تھی۔ بدتمیز ہوتی تو بند دروازہ پیٹنا شروع کر دیتی مگر وہ ویرا تھی اس لئے اس نے دستک کے متبادل کے طور پر فلمی نغمے کی اونچی آواز کا استعمال شروع کر دیا تھا۔

میں نے بستر چھوڑ کر آہستگی سے دروازہ کھولا تو ویرا ڈرائنگ روم میں ایک سنگل صوفے کو ایک سو اسّی کے زاویے پر گھما کر ہمارے دروازے کی طرف منہ کئے بیٹھی ہوئی تھی اس کی گود میں رکھے ہوئے کیسٹ ریکارڈر سے نغماتی بول ابل رہے تھے۔

''مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی ویرا کے ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ گانے کے شور میں میری آواز اس کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی اس لئے فوری طور پر اس سے کچھ کہنا بے سود تھا۔

وہ ڈھٹائی سے میری طرف دیکھ کر چڑانے والے انداز میں مسکراتی رہی۔ اس نے گانے کی آواز کم کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

''یہ کیا بیہودگی ہے۔'' میں اس کے قریب جا کر اونچی آواز میں غرایا کیا تم بہری ہو گئی ہو جو اتنی اونچی آواز میں گانا سن رہی ہو۔''

''بہری نہیں، آداب سے کچھ بے بہرہ ہو گئی ہوں۔'' وہ گانے کی آواز کم کرتے ہوئے بولی۔ ''جب لوگ دن دہاڑے کمرے میں بند ہو کر چابی گم کر دیں اور دروازہ کھلوانے کے لئے دستک دینا معیوب ہو تو پھر بند دروازوں کے پیچھے چھپے ہوئے لوگوں تک اپنی فریاد پہنچانے کے لئے اونچے سروں میں گنگنانا ضروری ہو جاتا ہے۔''

''تم کو احساس ہونا چاہیے کہ کسی کو آرام کی ضرورت بھی ہو سکتی ہے۔''

''آرام سے ہے کون جہان خراب میں'' اس نے تحت اللفظ میں وہ مصرعہ ادا کیا پھر کہا ''زندگی نام ہی بے آرامی کا ہے جب کوئی اندر سے خود بے کل ہو تو وہ دوسروں کو بھی آرام نہیں کرنے دیتا۔ یہی حال میرا ہے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' میں نے اسے گھور کر

غصے سے کہا۔ ''تمہیں یہ حیا بھی نہیں رہی کہ تمہاری یہ باتیں غزالہ کے کانوں تک پہنچ گئیں تو وہ تمہارے بارے میں کیا سوچے گی!''

''کچھ نہیں سوچے گی، وہ ایک ذہین بیوی ہے میرے اور تمہارے ماضی سے اچھی طرح واقف ہے۔ یہ بھی جانتی ہے تم ایک بھونرے کی طرح ڈال ڈال پھر کر کلیوں سے سرگوشیاں کرتے رہے ہو۔ اس کی خاموشی سے تمہیں کوئی خوش فہمی نہیں ہونی چاہیے، وہ کمرے میں کیا کر رہی ہے۔''

''وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ تم کو اس سے کیا لینا ہے۔'' میں نے چیخ کر کہا۔

''ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہم لوگ ایک چھت کے نیچے رہتے ہیں تو ہمیں ایک دوسرے کے بارے میں کسی نہ کسی حد تک باخبر ضرور رہنا چاہیے۔''

''سلطان شاہ کہاں ہے؟'' میں نے چونک کر اس سے سوال کیا۔

''یہ کیسٹ ریکارڈ اسی کا ہے۔ آج وہ بھی کچھ بہکا ہوا ہے۔ عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کے درد بھرے گانوں کا کیسٹ خریدنے گیا ہے۔ اردو گانوں میں اسے مزہ نہیں آ رہا تھا'' اس نے ہلکے سے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ آج تم دونوں ہی پٹری سے اترے ہوئے ہو!''

''ہاں! لیکن سمت کا فرق ہے۔ میں پٹری سے دائیں طرف اتری ہوں، وہ بائیں طرف اترا ہے۔ دونوں کی سمت ایک ہوتی تو ہم بھی کسی کمرے میں بند ہو کر آرام کر رہے ہوتے۔'' اس نے آرام کے لفظ کو بہت کھینچ کر ادا کیا تھا۔

اس وقت ویرا کی ذہنی رو بہکی ہوئی تھی۔ وہ ہر بات کا ٹیڑھا جواب دے رہی تھی۔ میں نے اس کے منہ لگنا مناسب نہ سمجھا اور اس پر ایک غصیلی نگاہ ڈال کر دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس بار میں نے کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔

غزالہ واش روم میں تھی۔ میں خاموشی سے بستر پر دراز ہو گیا۔

ویرا کے رویے نے میرے ذہن پر جھلاہٹ طاری کر دی تھی۔ میں ویرا کے ساتھ بیٹھا رہتا تو وہ میرا دماغ مزید خراب کر دیتی۔ بستر پر میں اضطراب کی کیفیت سے دوچار تھا۔ آخر مجھے جلال کا خیال آیا۔ اس نے شام کو آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس وقت شام ڈھلنی شروع ہوئی تھی۔ فرصت پا کر وہ کسی بھی وقت آ سکتا تھا۔

مجبوری

پولیس موبائل چند مجرموں کے تعاقب میں روانہ ہوئی۔ کافی دیر بعد موبائل واپس آئی تو اس میں کوئی مجرم نہیں تھا۔ ایس ایچ او نے غصے سے موبائل انچارج سے پوچھا ''مجرم کیوں نہیں پکڑے گئے؟''

''سر جی! ہم تو بڑی کامیابی سے مجرموں کا پیچھا کر رہے تھے لیکن ایک جگہ ہمیں مجبوراً رکنا پڑا۔'' موبائل انچارج نے جواب دیا۔

''کیوں......؟ کیا موبائل ٹریفک میں پھنس گئی تھی؟'' ایس ایچ او نے ذرا نرم پڑتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں سر جی......سڑک تو بالکل سنسان پڑی تھی اور ہم مجرموں کی گاڑی کے قریب بھی پہنچ گئے تھے......''

''تو پھر کیا ٹائر برسٹ ہو گیا تھا؟'' ایس ایچ او نے ذرا بے تابی سے پوچھا۔

''نہیں سر......ایسا بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا......وہ دراصل پچھلی مرتبہ جب ہم نے موبائل مرمت ہونے کے لیے دی تھی تو مکینک نے کہا تھا کہ ہر پانچ سو میل کے بعد گاڑی کا آئل ضرور بدلی کرتے رہنا......تو سر جی......! جب ہماری گاڑی مجرموں کی گاڑی کے پاس پہنچی تو ہمارے پانچ سو میل پورے ہو گئے ...... اور ہمیں آئل بدلوانے کے لیے رکنا پڑا......مجبوری تھی سر......!''

میں نے اپنے ذہنی ہیجان سے نجات حاصل کرنے کے لیے اضطراری طور پر اس کا نمبر ملا لیا۔

جلال اس وقت شاید فارغ تھا۔ اس نے پہلی گھنٹی پر ہی کال لے لی اور میری آواز سن کر مسرت آمیز لہجے میں بولا ''میں تھوڑی دیر میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ اپنے چکروں سے ابھی فارغ ہو کر چائے پینے کے لیے بیٹھا ہوں۔''

''تم اس وقت کہاں ہو؟'' میں نے پوچھ لیا۔

صدف مینشن میں فرصت سے بیٹھا ہوا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ گیری سے تمہاری ملاقات کیسی رہی۔'' وہ بجا طور پر اس ملاقات کا احوال جاننے کے لیے مضطرب تھا۔

''اس نے مجھے بہت زیادہ الجھا دیا ہے۔ اس کی کہانی ذرا

لمبی ہے۔ یہاں آؤ گے تو تفصیل سے بات ہوگی۔ ہو سکے تو ذرا ایک بات معلوم کرتے آنا۔"

"تمہارے لیے میں ایک نہیں، دس باتیں معلوم کر سکتا ہوں۔"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ گیری یہاں کس حیثیت سے آیا ہے۔"

جواب میں اس کی بے ساختہ ہنسی کی آواز آئی پھر اس نے کہا "کمال ہے، شاید ہم دونوں ہی ایک طرح سوچتے ہیں۔ اس سے کل کی ملاقات کے بعد سب سے پہلے میرا ذہن اسی نکتے کی طرف مبذول ہوا تھا اور میں نے اسے چیک کر لیا تھا۔ ان کے آنے سے پہلے دفتر خارجہ کو واشنگٹن سے باضابطہ فیکس ملا تھا۔ وہ دونوں پینٹا گون اور محکمہ انصاف کے افسران کی حیثیت سے سرکاری طور پر یہاں آئے ہیں۔"

"گیری ہر بات سے بہت زیادہ باخبر ہے۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ نک کے تبادلے کے بعد اس کی جگہ سنبھالنے کے لیے گیری کو یہاں بھیجا گیا ہے۔"

"یہ سب ان کے حساس محکمے ہیں۔ ان کے افسران مکمل بریفنگ اور ہوم ورک کے بغیر اپنے ملک سے باہر قدم نہیں نکالتے۔" اس کی آواز سے خوش دلی رخصت ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میں تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہوں پھر کھل کر باتیں ہوں گی۔"

اس سے بات کر کے میرے ذہن سے سارا غبار دھل گیا۔ ویرا کے تمسخرانہ رویے سے پیدا ہونے والی جھلاہٹ بھی دور ہو چکی تھی۔

اس دوران میں غزالہ باتھ روم سے نکل کر باہر جا چکی تھی۔ میں بستر پر دراز اپنی سوچوں میں غلطاں تھا کہ اچانک گھر کی راہداری میں کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز کے ساتھ ویرا اور غزالہ کی تحیر زدہ آوازیں سنائی دیں۔ وہ دونوں کسی سے اس کی خیریت جاننا چاہ رہی تھیں۔

میں اچھل کر بستر سے اترا ہی تھا کہ سلطان شاہ دوڑتا ہوا کمرے میں گھس آیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"ابھی...... ابھی ابھی اس علاقے میں ایک گاڑی داخل ہوئی ہے۔" اس نے اپنے چڑھے ہوئے بے ترتیب سانسوں کے درمیان مشکل سے کہا "اس میں دو امریکی سوار ہیں۔ گاڑی رینگتی ہوئی آئی ہے۔ صاف معلوم ہو رہا ہے کہ انہیں کسی کی تلاش ہے۔"

سلطان شاہ کی زبان سے وہ خبر سن کر میں سناٹے میں آ گیا۔ وہ اس کا مغالطہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس علاقے میں ساری آبادی متمول مقامی باشندوں کی تھی۔ وہاں غیر ملکیوں، خاص طور سے امریکیوں کی کسی گاڑی کا نظر آنا بہت غیر معمولی تھا۔

"کیا وہ اسی طرف آ رہے ہیں؟" میں نے ذہنی جھٹکے سے سنبھلتے ہوئے تیزی سے پوچھا۔

"وہ پہلی گلی میں گئے ہیں۔ ان کی رفتار بہت کم ہے۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ باری باری ہر گلی سے ہوتے ہوئے اسی طرف آئیں گے۔"

وہ کس کی تلاش میں تھے، ادھر کیوں اور کیسے آئے تھے۔ وہ سوال میرے ذہن میں آندھیوں کی طرح گردش کر رہے تھے۔ سلطان شاہ کے پیچھے دونوں عورتیں بھی میرے کمرے میں آ گئی تھیں اور وہ خبر سن کر دم بخود تھیں۔

اچانک میرے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا۔ دوپہر کو اولڈ کلفٹن کے علاقے میں گیری سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ کافی دیر تک میری گاڑی میں بیٹھا رہا تھا۔ ان لوگوں کے پاس جدید ترین سائنسی شعبدوں کی کمی نہیں تھی۔ وہ پہلے بھی مختلف اقسام کے چپس اور دوسرے آلات استعمال کرتے رہے تھے۔

مجھے یقین ہو گیا کہ دوپہر کو گیری نے موقع سے فائدہ اٹھا کر میری گاڑی کے کسی محفوظ حصے میں کوئی چپ ڈال دیا تھا جس سے خارج ہونے والے ریڈیائی سگنل ہر لمحے امریکیوں کی رہنمائی کر رہے تھے۔

مشتبہ کار میں سوار امریکی کسی بھی لمحے ہمارے گھر تک پہنچ سکتے تھے۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ گاڑی کی تلاشی لے کر چپ کو تباہ کرتے۔ ہماری ایسی کوئی بھی کوشش ہمارے لیے تباہی کا سبب بن سکتی تھی۔

"میرے ساتھ آؤ!" میں نے سلطان شاہ کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا اور باتھ روم سلیپرز پہن کر باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ بھی میرے پیچھے دوڑ پڑا۔

چند ثانیوں بعد میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی کو وحشیانہ تیزی کے ساتھ گھر سے باہر لیتا چلا گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤ داور نادیہ سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کا مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے لیے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جا رہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اس نے میری تلاش میں جہانگیر کی گولڈن فاریسی تک رسائی حاصل کر لی تھی جہاں اس سے میرا ٹکراؤ بھی ہوا مگر اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ بن نے را کے ایجنٹوں کے ذریعے اپنی مذموم کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا مگر وہ ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا اس نے انہیں ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایک جگہ ملنے کی ہدایت کی ہم نے اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر بن ہماری توقع سے زیادہ تیز نکلا۔ وہ دونوں ایجنٹ بھی مارے گئے۔ اب ہمارے سامنے صرف سی نائن کا سراغ موجود تھا۔ اس پر ہمیں کامیابی حاصل ہو گئی۔ میں نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ سی نائن پر دھاوا بولا اور ایک جاں گسل مقابلے کے بعد بن کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بد دل ہوا کہ اس نے اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کر ہم سب کو چوکنا کر دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہو گی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک ہاروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈینی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ اس نے میرے جھانسے میں آ کر مقامی ہوٹل میں کسی کوبرا نامی نقاب پوش سے ملنے کی ہدایت کی۔ میں نے نقاب کے بغیر ملنے پر اصرار کیا تو بات بگڑ گئی۔ تاہم اس دوران وہ ہوٹل کے منیجر کے بارے میں ٹپ دے چکا تھا۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے ہوٹل کے منیجر کو اٹھوانا چاہا مگر ہمارے دشمن بہت تیز تھے۔ منیجر کو ہوٹل میں مار دیا گیا۔ ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر میں مندرجات سے اندازہ ہوا کہ حشمت خان ہی کوبرا کا دوسرا نام تھا۔ اسی دوران میں تل والی مشکوک لڑکی سلمٰی سے ٹکرائی اور اس نے ایک شخص کا حلیہ بیان کر دیا۔ اس حلیے کا شخص ارجن کے ہوٹل میں دیکھا گیا تو ہماری تمام تر توجہ اسی کی جانب مبذول ہو گئی۔ وہ مشکوک شخص ایک جواں عمر لڑکی کے رابطے میں تھا۔ لڑکی را کی بلیک کیٹ ہو سکتی تھی۔ اسی اثنا میں نک ہاروے نے تصدیق کر دی کہ ڈینی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں کے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کا فرضی رضا کارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کر لیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے اور کوبرا صرف رابطے کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ سیتا کے تعلقات ایک نوجوان سے تھے جس کا باپ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وہیں گئی ہو گی۔ ہم نے گلاب خان کے گھر تک رسائی حاصل کی اور سیتا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ جل دے کر نکل گئی۔ دوسری طرف میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض میں اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا نا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈینی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کی سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈینی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈینی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر

وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈینی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈینی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن وامان کے مسائل بھی کھڑے کرنے جا رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈینی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسرپیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ میں بے تابانہ انداز میں اپنی کار میں بیٹھ کر گھر سے روانہ ہو گیا۔

اب آپ قسط نمبر 232 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

وہ متمول شہریوں کی بستی تھی، گلشن اقبال کو کراچی کے ان منتخب علاقوں میں شمار کیا جاتا ہے جہاں سفید پوش اور خوش حال پاکستانی امن وسکون کے ساتھ شانہ بہ شانہ رہتے ہیں۔
اس وسیع وعریض آبادی کا وہ بلاک جہاں ہم مقیم تھے۔ دوسرے حصوں سے بہتر تصور کیا جاتا تھا، جو وہاں بس گیا تھا ایک مدت سے وہیں رہتا چلا آ رہا تھا۔ علاقے میں مکان خال خال ہی بکتے تھے اور اگر کوئی گھر بیچ کر کہیں اور جانے کا ارادہ کر لیتا تو اسے ہاتھوں ہاتھ منہ مانگے دام مل جاتے تھے۔ اس رہائشی علاقے کی مجموعی خوبیوں کی بنا پر میں نے اسے پسند کیا تھا اور پھر تیزی سے فیصلہ کر کے وہ گھر خرید لیا تھا۔
اس علاقے میں گاڑیوں کی بہتات تھی رات گئے ہر گھر کے اندر اور باہر ایک دو گاڑیوں کا نظر آنا معمولات میں شامل تھا اور وہ معمولات سلطان شاہ کے بھی علم میں تھے۔ وہ محض کوئی گاڑی دیکھ کر بھڑک نے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس کی تشویش کا باعث وہ دو امریکی تھے جو اس گاڑی میں سوار تھے۔
اپنی پرانی لیکن جان دار کار کو تیزی سے دوڑاتے ہوئے میں نے اپنے بلاک کی گلیوں میں رینگتی ہوئی مشتبہ کار کو چشم تصور سے دیکھا۔

کار کو ایک نپی تلی سست رفتار کے ساتھ ایک مقررہ راستے پر رواں رکھنے کے لئے ایک ڈرائیور کا ہونا ناگزیر تھا۔ امریکا کے کراچی میں متعین سفارتی ملازمین میں مقامی ڈرائیوروں کی کمی نہیں تھی مقامی ڈرائیور راستوں اور ٹریفک قوانین سے اپنی واقفیت اور مروج طریقوں میں مہارت کی بنا پر ہر اعتبار سے بہتر ہوتے ہیں میں نے امریکی سفارتی نمبر پلیٹ والی کم وبیش ہر گاڑی میں اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقامی چہرہ ہی دیکھا تھا۔ سفارتی عملے کے علاوہ سیاحت یا کاروبار کی غرض سے آنے والے غیر ملکی بھی ہمیشہ مقامی ڈرائیوروں کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ وہ ڈرائیور کے ساتھ ایک موزوں گائیڈ بھی ثابت ہوتے ہیں۔ ایک اشارہ پاتے ہی اپنے غیر ملکی مہمانوں کو ان کے مطلوب مقام پر پہنچا دیتے ہیں۔
یہ کراچی کا کوئی انوکھا اصول نہیں ہے۔ دنیا کے ہر معروف اور بڑے شہر میں سفر کے لئے غیر ملکیوں کو مقامی ڈرائیوروں پر انحصار کرنا پڑتا ہے بس لندن اور نیویارک جیسے میٹروپولیٹن شہر اس ضابطے سے مستثنیٰ نظر آتے ہیں کیونکہ وہاں بسوں اور ٹیکسیوں وغیرہ کے ڈرائیوروں میں ترک وطن کر کے

آنے والے ایشیائی باشندوں کی کثیر تعداد بھی نظر آتی ہے۔ وہ محنت کر کے راستوں اور ضابطوں سے واقفیت حاصل کرتے ہیں، مقررہ اتھارٹی کا امتحان وغیرہ پاس کرتے ہیں اور پبلک ٹرانسپورٹ چلانے کیلئے اہل قرار دیے جاتے ہیں۔

وہ کراچی تھا' لندن یا نیویارک نہیں تھا' اگر کسی امریکی کو اپنی ناگہانی ضرورت کے تحت ہمارے رہائشی علاقے کی اجنبی گلیوں کا رخ کرنا ہی پڑ گیا تھا تو اصولی طور پر اس کی گاڑی کا ڈرائیور کوئی مقامی ہونا چاہئے تھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ اس مشتبہ گاڑی کے دونوں سوار سفید فام امریکی ہیں؟'' میں نے اس موضوع پر مزید ذہنی مشقت کرنے سے پہلے سلطان شاہ سے پُر خیال لہجے میں تصدیق کرنی چاہی۔

''میرے لیے یہی ایک بات باعث تشویش تھی!'' اس نے بلا تامل جواب دیا'' روزانہ یہاں سیکڑوں گاڑیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ میں کسی پر دھیان نہیں دیتا لیکن اس گاڑی میں موجود دو امریکی چہرے سے دیکھ کر میں بری طرح چونکا تھا۔''

سلطان شاہ نے جس انداز میں ہمارے علاقے کی پہلی گلی کا ذکر کیا تھا اس سے یہ نکتہ واضح تھا کہ وہ لوگ یونیورسٹی روڈ کی طرف سے ادھر آئے تھے۔ میں گاڑی میں گھر سے روانہ ہوا تو یہ بات میرے ذہن میں جاگزیں ہو چکی تھی۔

میں نے فرار کے لئے فطری طور پر یونیورسٹی روڈ کا رخ کرنے سے گریز کیا تھا اور اندرونی راستے اختیار کر کے نیشنل اسٹیڈیم کے عقب سے ہوتا ہوا اس سڑک پر نکل آیا تھا جو کراچی سینٹرل جیل سے شروع ہو کر آغا خان اسپتال وغیرہ سے ہوتی ہوئی ڈرائیوان سنیما کے مقام پر دائیں بائیں طرف مڑ جاتی تھی۔

''تم اچانک گھر سے نکل کر کہاں بھاگے جا رہے ہو؟'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد سلطان شاہ نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

اس کا وہ سوال برمحل تھا۔ اس نے جو کچھ دیکھا، وہ آکر مجھے بتا دیا میں نے اس سے صرف ایک سوال کیا اور بہت تیزی کے ساتھ اپنے ذہن میں امکانی خطرے کا ایک خاکہ بنا کر اسے اپنے ساتھ آنے کی ہدایت کی اور گھر سے گاڑی میں نکل کھڑا ہوا۔

اس بے چارے کو کچھ علم نہیں تھا کہ میرے ذہن میں کیا تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے' وہ دونوں اس طرف کیوں آئے ہیں؟'' میں نے پرسکون لہجے میں اس سے سوال کیا۔ اپنے گھر سے دور نکل آنے کے بعد میری تشویش اور پریشانی بڑی حد تک رفع ہو چکی تھی۔

''آثار یہ بتا رہے تھے کہ انہیں کسی طرح ہمارے ٹھکانے کی بھنک مل گئی ہے اور وہ کسی اشارے کی مدد سے ہمارا سراغ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں'' وہ بولا۔

''ویری گڈ!'' میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا'' بالکل یہی بات ہو سکتی ہے اور میں اسی اندیشے کی وجہ سے گھر سے نکلا ہوں۔''

''یہ تو مسئلے کا کوئی حل نہیں ہوا' اگر وہ ہمارے گھر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو آسانی سے ویرا اور غزالہ کو زیر کر لیں گے گھر چھوڑنے سے پہلے تم نے ان دونوں کو کسی قسم کی کوئی ہدایت نہیں دی۔ وہ بے خبری میں ماری جا سکتی ہیں۔''

''وہ دونوں اتنی بے خبر اور سادہ لوح نہیں ہیں اڑتی چڑیا کے پر گن لینے کی صلاحیتیں رکھتی ہیں تمہاری دی ہوئی اطلاع سن کر انہوں نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ اس وقت ہم سب کو کس قسم کا خطرہ درپیش ہے۔''

''پھر بھی تمہیں ان کو کچھ نہ کچھ بتانا چاہئے تھا'' سلطان شاہ کا لہجہ شکایتی ہو گیا'' یہ بری بات ہے کہ ہم دونوں اپنی جان بچا کر وہاں سے نکل آئے انہیں مشکل میں پھنسا ہوا چھوڑ دیا... کم از کم فون پر ہی انہیں کچھ بتا دو۔''

''ان کی حفاظت کے لئے گھر پر ایس ٹی ایف کے دو تجربے کار کمانڈوز بھی موجود ہیں'' میں نے اس کی پریشانی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا'' کسی نے زبردستی گھر میں گھسنے کی کوشش کی تو وہ اس کی لاش گرا دیں گے...... یہ بتاؤ کہ تم کیا سمجھ رہے ہو کیا میں ان دونوں سے ڈر کر گھر سے بھاگا ہوں!''

''میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا' میں بری طرح الجھ کر رہ گیا ہوں'' اس نے سادگی سے اعتراف کیا'' تم نے بوکھلائے ہوئے انداز میں آنے کو کہا اور میں تمہارے ساتھ دوڑا چلا آیا۔''

''پھر بھی یہ تو پتا چلے کہ تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''میرے ذہن میں جو بات آئی تھی وہ میں نے تمہیں بتا دی ہم دونوں کا یوں نکل آنا مجھے اچھا نہیں لگا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ خالی پڑی ہوئی ہے' چلتے ہوئے ان دونوں کو بھی ساتھ لیا جا سکتا تھا' گھر کے دفاع کے لئے ایس ٹی ایف والے کافی تھے۔''

''تم گدھے ہو'' میں نے مصنوعی خفگی سے کہا'' مجھے ایسا گیا گزرا سمجھتے ہو کہ میں دونوں عورتوں کو مشکل میں چھوڑ کر میدان سے بھاگ نکلوں گا۔''

''ہرگز نہیں'' اس نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی ''لیکن عجلت اور گھبراہٹ میں کسی سے بھی فیصلے کی غلطی ہو سکتی ہے''

''اس وقت ہمارا گھر محفوظ ہے۔ سارا خطرہ اس گاڑی کو ہے جس میں ہم دونوں سفر کر رہے ہیں۔ میں نے جان بوجھ کر ان دونوں کو گھر پر چھوڑا ہے تاکہ وہ ہر ناگہانی خطرے سے محفوظ رہ سکیں۔''

''گاڑی کو خطرہ ہے!'' حیرت سے اس کا منہ کھل گیا۔

''تمہاری لائی ہوئی خبر سنتے ہی میرے ذہن میں ایک نظریہ ابھرا تھا کہ دوپہر کو گیری نے اولڈ کلفٹن پر میری گاڑی میں کافی وقت گزارا تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس نے میری گاڑی کو بگ کر دیا۔ اب انہیں اپنے آلات کے ذریعے ہر لمحے اس گاڑی کی پوزیشن معلوم ہو رہی ہے گاڑی گھنٹوں سے گھر پر موجود تھی۔ وہ اپنے آلات کے سہارے اس علاقے میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ تم نے اتفاقاً ان کو نہ دیکھ لیا ہوتا تو وہ ہماری بے خبری میں ہمارے دروازے پر پہنچ جاتے اور شاید گھر دیکھ کر چلے جاتے۔''

''لیکن تم گیری سے کرنل داور کے روپ میں ملے تھے۔ گیری کی اس حرکت کا مطلب ہے کہ اسے اب بھی کرنل داور پر شبہ ہے وہ تم سے مطمئن نہیں ہے۔''

''اس کی کہی ہوئی ایک کلیدی بات میرے ذہن پر نقش ہو چکی ہے۔ ان کی پالیسیاں دو رخی ہوتی ہیں یہ اپنے دشمنوں کے ساتھ دوستوں کے بھی پیچھے لگے رہتے ہیں اور ان کی کمزوریاں تلاش کرتے ہیں تاکہ انہیں قابو میں رکھ سکیں۔''

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تمہارا نظریہ غلط ہو' وہ دونوں کسی اور چکر میں اس طرف آئے ہوں'' اس کا ذہن بدستور الجھا ہوا تھا۔

''وہ عام غیر ملکی ہوتے تو لازمی طور پر کسی مقامی ڈرائیور کے ساتھ اس اجنبی علاقے کا رخ کرتے۔ وہ کسی بہت اہم اور خفیہ مشن پر نکلے ہیں۔ انہیں کسی ماہر ڈرائیور کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک گاڑی چلا رہا ہے دوسرا اپنے آلات پر ہماری گاڑی میں چھپے ہوئے چپ کے سگنل مانیٹر کر رہا ہوگا۔ اس مانیٹرنگ کے نتیجے میں انہیں رہنمائی مل رہی ہے۔''

''اوہ! اب میں سمجھا'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ ''گاڑی گھر پر کھڑی رہتی تو وہ وہاں پہنچ جاتے۔ ہمارے روانہ ہوتے ہی وہ بوکھلا گئے ہوں گے' اب ان کے آلات ہر لمحے بدلتی ہوئی سمت کی نشاندہی کر رہے ہوں گے۔''

''گھر کو بھول کر اب وہ گاڑی کا پیچھا کر رہے ہوں گے'' میں نے ہنس کر کہا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بولا ''ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے اب تمہیں ان کی فکر نہ رہی ہوں۔''

''اب وہ ہم تک نہیں پہنچ سکتے'' میں نے پر اعتماد لہجے میں اپنی بے فکری کا اظہار کیا' ''انہیں ہماری بدلتی ہوئی پوزیشن کا علم ہو رہا ہوگا لیکن وہ ان پُرپیچ راستوں سے ناواقف ہیں۔ یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ کسی خاص مقام تک پہنچنے کے لیے کون سا راستہ موزوں اور مختصر ثابت ہوگا۔''

''ان کے ساتھ کوئی مقامی ڈرائیور ہوتا تو شاید ان کی یہ مشکل بھی حل ہو جاتی۔ مسئلہ یہ ہے کہ انہیں چکما دینے کیلئے ہم کب تک گاڑی دوڑاتے رہیں گے۔ پیٹرول کسی نہ کسی مقام پر ختم ہوگا اور گاڑی کھڑی ہو جائے گی'' میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

''مجھے چپ تلاش کرنا چاہئے!'' لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے اضطراری انداز میں کہا اور پھر اپنی سیٹ کے ارد گرد چپ کی تلاش شروع کر دی۔

گیری نے وہ چپ گاڑی میں ڈالا تھا۔ اس سے پہلے ایڈی بھی میرے ساتھ وہی حرکت کر چکا تھا۔ وہ زیادہ ہوشیار تھا اس نے چپ ڈالنے کے لئے میری جیب منتخب کی تھی۔ گیری نے وہی حربہ گاڑی پر آزمایا تھا۔

گاڑی کی گلشن اقبال کے ایک مقام پر دیر تک موجودگی پر ان عیار لوگوں کو فکرمند ہونا لازمی تھا۔ ان کی اطلاعات کے مطابق کرنل داور اپنا بیشتر وقت اسٹیشن فور پر گزارتا تھا اس کا کوئی متبادل ٹھکانا ان کی نظروں میں نہیں تھا۔

انہیں گمان ہوا ہوگا کہ کرنل داور کی گاڑی کئی گھنٹوں سے گلشن اقبال میں ایک ہی جگہ پر کھڑی ہوئی تھی تو وہ کرنل داور کا متبادل ٹھکانا یا اس کے کسی قریبی دوست کا گھر ہو سکتا تھا۔ انہوں نے وہ گھر دیکھنے کیلئے دوڑ لگا دی۔

ایک مرتبہ وہ گھر ان کی نظروں میں آ جاتا تو پھر وہ کوشش کر کے اپنے ذرائع سے بہت کچھ معلوم کر سکتے تھے لیکن سلطان شاہ کے عقابی مشاہدے نے ان کی کوششوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

میں ان کے ساتھ مفاہمت کا اظہار ضرور کر رہا تھا لیکن اپنے کسی بھی قول و فعل کے لئے ان کو جواب دہ نہیں تھا پھر بھی میں نے یہ سوچ لیا تھا کہ اس واقعے کے بارے میں گیری نے کسی وقت کوئی بات چھیڑی تو میں بے پروائی سے بتا دوں گا کہ میں نے اس سے ملنے کے لئے کسی دوست سے گاڑی مستعار لی تھی اور میرا وہ دوست گلشن اقبال میں رہتا تھا۔

وہ مجھ سے پوچھنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا کہ گاڑی میں ایک چپ ڈالا گیا تھا جو کئی گھنٹوں تک سگنل نشر کرتا رہا اور پھر یکا یک کیوں خاموش ہوگیا۔

اپنے اطمینان کے لئے وہ یہ فرض کرسکتا تھا کہ کار کی صفائی کے دوران وہ بخت جان چپ کسی طرح تباہ ہوگیا ہوگا۔

اس وقت کی پہلی اور اہم ترین ضرورت یہ تھی کہ کار میں چھپایا ہوا چپ جلد از جلد سلطان شاہ کے ہاتھ آجائے۔

میں نے گھر سے نکلتے ہوئے یہ نہیں سوچا تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے اپنے گھر کے قرب و جوار میں مشتبہ غیر ملکیوں کی موجودگی کی خبر ملتے ہی میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مجھے کار لے کر جلد از جلد گھر سے دور نکل جانا چاہئے۔

میں ڈیش بورڈ میں لگے ہوئے فیول گیج پر نظر ڈال کر یہ اطمینان کرچکا تھا کہ کار کی ٹنکی میں پیٹرول کی خاصی مقدار موجود تھی۔ وہ لوگ اپنے آلات کی مدد سے مجھ تک پہنچنے کی کوشش ضرور کرتے لیکن میں ان کی دسترس سے اتنی دور نکل چکا تھا کہ چند منٹ تو کیا کئی گھنٹوں میں بھی وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ میں اپنے جانے بوجھے راستوں پر رواں تھا وہ سڑکوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے پر مجبور تھے۔ اس دوران میں ضرورت پیش آتی تو ہم بے فکری سے کسی بھی پیٹرول پمپ پر رک کر مزید پیٹرول ڈلوا سکتے تھے۔

سلطان شاہ چپ کی تلاش میں مصروف تھا۔ میں نے اپنے ذہن پر زور دے کر یاد کیا اور مجھے پورا یقین ہوگیا کہ کم و بیش آدھے گھنٹے کی ملاقات میں گیری کو میری کار میں ایک بار بھی میرے جسم سے اتنا قریب ہونے کا موقع نہیں ملا تھا کہ وہ میری جیب میں کوئی چیز ڈالنے میں کامیاب ہوتا۔

میں نے اس بارے میں سلطان شاہ سے کوئی ذکر نہیں کیا لیکن سگریٹ اور لائٹر نکالنے کے بہانے باری باری اپنی سب جیبوں کی تلاشی لے ڈالی۔ میری کسی جیب میں ایسی کوئی مشتبہ چیز نہیں تھی جس پر چپ ہونے کا شبہ کیا جاسکتا۔

میں نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر سلطان شاہ گاڑی میں چپ تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوا تو میں گاڑی کو خاموشی سے ائرپورٹ کی پارکنگ لاٹ میں چھوڑ کر ٹیکسی میں گھر چلا جاؤں گا۔

اپنی جان اور سلامتی کے لئے کوئی خطرہ مول لینے سے بہتر تھا کہ گیری کی بگ کی ہوئی گاڑی سے ہاتھ دھو لیے جائیں۔

سلطان شاہ میرے اس فیصلے سے بے خبر اپنی دھن میں لگا ہوا تھا۔ میں نے ڈرگ روڈ اسٹیشن سے گاڑی بائیں طرف گھمائی اور شارع فیصل پر نکل آیا۔ میرا رخ کراچی کے ائیر پورٹ کی طرف تھا۔

اچانک اس کے منہ سے ایک ہلکی سی مسرت آمیز آواز برآمد ہوئی ”مل گیا!“

اس کا وہ لفظی فقرہ اس قدر سنسنی خیز تھا کہ میرے بدن کو اضطراری جھٹکا سا لگا اور لمحہ بھر کے لئے گاڑی سڑک پر لہرا کر رہ گئی۔

اس وقت وہ اپنے بائیں طرف دروازے کے اندرونی حصے کے ساتھ لگی ہوئی جیب کی تلاشی میں مصروف تھا۔

چند ثانیوں بعد وہ اپنی سیٹ پر سیدھا ہوا تو اس کے ہاتھ کی چٹکی میں اسی قسم کا ایک بھدا سا چپ دبا ہوا تھا جیسا پہلے میری جیب سے برآمد ہوچکا تھا۔

وہ چھوٹا سا غیر متحرک اور بے آواز پرزہ بظاہر حقیر اور بے ضرر نظر آتا تھا لیکن مخصوص قسم کی ریت کے ذرات کو سمو کر گوندھا ہوا وہ آلہ طاقت ور ریڈیائی اشارے نشر کرکے ہر لمحے قدرت کی صناعی کا اعلان کرتا رہتا تھا۔

میں ایک نظر میں اس چپ کو پہچان گیا جو بہ یک وقت مفید تھا اور مہلک بھی ثابت ہوسکتا تھا۔ ان نتائج کا انحصار اس کے استعمال کرنے والے کی نیت اور ارادوں پر تھا۔ گیری نے اسے کرنل داور کے ٹھکانے کا سراغ لگانے کیلئے استعمال کیا تھا لیکن مواصلات کے شعبے میں اس ننھے سے پرزے کو ایک مخصوص سسٹم سے منسلک کرکے بھٹکے یا ڈوبے ہوئے بحری جہازوں کا پتا چلانے کے لئے استعمال کیا جاسکتا تھا۔

”اسے یہیں سڑک پر پھینک دوں!“ سلطان شاہ نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

”ایسی حماقت نہ کرنا“ میں نے جلدی سے کہا ”اپنے دائیں طرف دیکھو۔ مال گاڑی کے لدے ہوئے ڈبوں کی کئی قطاریں روانگی کے لئے تیار کھڑی ہیں۔ میں آگے سے گاڑی گھمانے کے بعد اسی مقام پر رکوں گا' یہ چپ کسی ڈبے میں ڈال دینا۔“

میری تجویز سن کر سلطان شاہ خوش ہوگیا ”مال گاڑی کھڑی ہوتی ہے تو کئی دن کھڑی رہتی ہے۔ چلتی ہے تو سسک سسک کر چلتی ہے۔ کوئی میل ٹرین مل جائے تو مزہ آجائے وہ اپنا سر پیٹتے رہ جائیں گے سو پچاس میل کا فاصلہ ہوتے ہی ان کے آلات کا چپ سے رابطہ ٹوٹ جائے گا۔“

میں اس کا آخری فقرہ سن کر حیران رہ گیا۔ میرے ساتھ رہ کر اس نے خاصی روانی سے انگریزی بولنی سیکھ لی تھی لیکن اس کی تعلیم واجبی تھی یہ نئے دور کا کمال تھا کہ اسے بھی یہ

اندازہ تھا کہ حسّاس آلات ایک خاص حد میں کام کرتے ہیں۔ وہ حد عبور کرلی جائے تو رابطہ ٹوٹ جاتا ہے یہی کلیہ ہر اپریٹس کی رینج پر لاگو ہوتا تھا۔

''رفتہ رفتہ تم سائنسدان ہوتے جارہے ہو!'' میں نے ہنس کر کہا۔

''اب کانوں پر نہ گھسیٹو یہ باتیں آج کل کا بچہ بچہ جانتا ہے' ہمارے ٹیلی وژن کا ریموٹ کنٹرول تمہارے کمرے میں کام نہیں کرتا' دروازے پر کھٹا کھٹ چلتا ہے۔ یہی مسئلہ کارڈلیس فون کے ساتھ ہوتا ہے دور ہوتے چلے جاؤ تو آواز کمزور ہوتے ہوتے بالکل غائب ہوجاتی ہے' ان باتوں کو جاننے کیلئے کسی سائنسی لیاقت کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

میں نے شاہ فیصل کالونی جانے والے راستے سے گاڑی کو واپس گھمایا اور اسٹیشن سے پہلے گاڑی کو سڑک سے اتار کر کنارے پر روک لیا۔

اس مقام پر دور تک ریلوے کی پٹریاں پھیلی ہوئی تھیں جن پر مال گاڑی کے متعدد خاموش ڈبوں کے ساتھ کئی چلتے ہوئے ریلوے انجن اور مسافروں کی بوگیاں نظر آرہی تھیں۔ سڑک اور ریلوے ویگنوں کے درمیان دیوار جیسی کوئی رکاوٹ حائل نہیں تھی۔ سلطان شاہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ریلوے ٹریک پر پہنچا اور پھر مال گاڑی کے ڈبوں کی پہلی قطار کے نیچے سے ہوکر دوسری طرف میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

مجھے اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ سلطان شاہ نے ہمارے گھر کے اطراف میں جن سفید فاموں کو دیکھا تھا وہ گیری کے آدمی تھے۔ وہ گیری کے چھوڑے ہوئے جیپ سے خارج ہونے والے ریڈیائی اشاروں کی گھنٹوں مانیٹرنگ کے بعد جب اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ کرنل داور یا اس کی گاڑی اولڈ کلفٹن سے واپس اسٹیشن فور جانے کے بجائے مسلسل گلشن اقبال کے ایک مقام پر کھڑی ہوئی تھی تو انہوں نے گیری سے رجوع کیا ہوگا۔ گیری نے وہ اہم خبر ملتے ہی ان کو ہمارے گھر کا سراغ لگانے کا حکم دے دیا۔

سلطان شاہ گیری کو نہیں پہچانتا تھا۔ وہ یہ خبر لایا تھا کہ دو مشتبہ امریکی ہمارے علاقے کی گلیوں میں بھٹک رہے تھے۔ وہ عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کے درد بھرے گانوں کی تلاش میں گھر سے نکلا تھا اور اپنی فطری ذہانت کے بل پر ایک چونکا دینے والی اطلاع کے ساتھ گھر واپس آیا تھا۔ ایک موہوم سا امکان یہ بھی نظر آرہا تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک پینٹا گون کا گیری رہا ہو۔

وہ لوگ ایک ساکت جیپ کا سراغ لگاتے ہوئے گلشن اقبال تک پہنچے تھے۔ جب وہ اپنی منزل سے ذرا سی دور رہ گئے تھے تو سلطان شاہ نے ان کے رنگ میں بھنگ ڈال دی۔ میں خطرے کو سر پر پا کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

گھنٹوں سے ساکن جیپ کے یکایک متحرک ہوجانے پر وہ دونوں یقینی طور پر بوکھلا گئے ہوں گے۔ ان کو فطری طور پر جیپ کے اشاروں کے سہارے گاڑی کا پیچھا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔ اسی کام میں انہیں الجھن اور دشواری ضرور پیش آسکتی تھی لیکن وہ کام ناممکن نہیں تھا۔ وہ آسانی سے ہار نہیں مان سکتے تھے۔

ہمیں گھر سے نکلے ہوئے مشکل سے نصف گھنٹا ہوا تھا۔ اس دوران میں ہماری گاڑی کی بدلتی ہوئی سمتوں نے ان دونوں کو خاصا پریشان کیا ہوگا لیکن آخر کار وہ اپنے جدید اور حسّاس آلات کے سہارے اس نتیجے پر پہنچ گئے ہوں گے کہ ہم نے گلشن اقبال سے نکل کر شارع فیصل کا راستہ اختیار کیا تھا۔

وہ جہاں بھی تھے ان کو وہاں سے شارع فیصل کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ ہماری چلتی ہوئی گاڑی رک چکی تھی۔ سلطان شاہ جیپ لے کر ریلوے لائنوں پر گیا ہوا تھا۔ ان چند سو میٹر کی نقل و حرکت سے زیادہ فرق نہیں پڑنا چاہیے تھا ہماری گاڑی کے رک جانے سے ان کا جوش بڑھنے کی توقع تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اس مقام پر پہنچتے تو شاید مال گاڑی حرکت میں نہ آئی ہوتی' وہ دونوں یہ دیکھ کر اپنے سر پیٹ لیتے کہ کرنل داور کی گاڑی میں ڈالا ہوا جیپ مال گاڑی کے کسی ڈبے کے پوشیدہ مقام سے اپنے سگنل نشر کررہا تھا۔

''کیوں مسکرارہے ہو؟'' سلطان شاہ کی آواز سن کر میں چونک پڑا' وہ اپنا کام مکمل کرکے میری بے خبری میں واپس آچکا تھا۔

''یہ سوچ رہا تھا کہ انہیں اپنی بھاگ دوڑ کے اختتام پر ہماری گاڑی کے بجائے ریلوے ویگن ملے گی تو ان کا کیا حال ہوگا'' میں نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

ہمارے ذہنوں سے جیپ کا بوجھ اتر چکا تھا۔ میں نے گھر واپسی کے لیے گاڑی کارساز روڈ کی طرف ڈالنے کا فیصلہ کرلیا۔

☆☆☆

گیری مجھ پر حاوی ہونے کی کوشش کررہا تھا۔ اپنے پیش رو کی طرح اسے بھی اپنی برتری کا گھمنڈ تھا۔ میں نے خاصی سوچ بچار اور مشاورت کے بعد اسے ایک جوابی جھٹکا دینے کا

فیصلہ کرلیا۔

میرے لئے یہ نکتہ غیر اہم ہو گیا تھا کہ اس کا تعلق پینٹا گون سے تھا یا ایف بی آئی والوں نے اسے نک کی جگہ لینے کے لئے بھیجا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ میرے ہر روپ کا بدخواہ تھا۔ ڈینی کے خلاف اس نے کھل کر باتیں کی تھیں۔ وہ ڈینی کو مروانے یا پھر بے دست و پا کر کے پکڑ لینے کے عزائم کے ساتھ کراچی پہنچا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں یہ باتیں کرنل داور سے کی تھیں جسے وہ اپنا حلیف بنائے رکھنے کی کھوکھلی باتیں کرتا رہا تھا۔ اس کی اصل نیت کا اندازہ چپ والے واقعے سے ہو چکا تھا جو خاصا سنگین تھا۔

اس بارے میں میری ابتدائی رائے یہ تھی کہ جو کچھ ہوا ہے اسے وہیں چھوڑ دیا جائے۔ گیری خود اس معمے میں سر کھپاتا رہے کہ کرنل داور کی گاڑی میں ڈالا ہوا چپ ریلوے ویگن میں کیوں اور کیسے پہنچ گیا لیکن پھر میں نے ارادہ بدل دیا۔ گیری کراچی میں نووارد تھا۔ اسے ابتدائی مراحل میں یہ سمجھانا ضروری تھا کہ ان لوگوں کے وسائل کے سامنے ہم اتنے زیادہ بے بس نہیں تھے جتنا وہ سمجھ رہا تھا۔

اسے اور اس کے ہمدردوں کو سبق سکھانے کا بہترین راستہ یہ تھا کہ اسے کسی منفی قیاس آرائی کا موقع دیئے بغیر میں اس کے سر پر سوار ہو جاؤں۔

میں نے اس کا دیا ہوا نمبر ملایا تو اس نے خود ہی فون اٹھایا۔

''میں داور بول رہا ہوں تم سے ملنا چاہتا ہوں'' میں نے کسی رسمی تمہید کے بغیر خاصے خشک لہجے میں کہا۔

''کل میں نے یہی خواہش ظاہر کی تھی تو تم ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے۔ حیرت ہے کہ آج تم کو مجھ سے ملنے کی ضرورت پیش آ گئی' خیریت تو ہے نا!''

''یوں سمجھو کہ خیریت ہو گئی ورنہ کل کوئی حادثہ بھی پیش آ سکتا تھا۔''

''لیکن...... کیا ہو گیا؟'' میرے جارحانہ لب و لہجے نے اسے حیران کر دیا تھا۔

''یہ سب باتیں فون پر نہیں کی جا سکتیں۔ اسی لئے میں ملنا چاہ رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے' دفتر آ جاؤ تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔''

''لیکن تم نے تو کہا تھا کہ نک کی موت کے سوگ میں تمہارے دفاتر تین روز تک بند رہیں گے'' اس بار میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''روزمرہ کے کام بند ہیں لیکن اہم کاموں کو التوا میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ میں بیٹھا ہوا ہوں تم کتنی دیر میں آ رہے ہو۔''

''ایک گھنٹے سے پہلے میں وہاں پہنچ جاؤں گا'' میں نے کہا۔

''او کے!'' اس کی آواز آئی اور فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

گیری کے بارے میں ایک بات صاف ہو چکی تھی کہ اسے میرے کرنل داور ہونے کا یقین تھا۔ وہ اپنے بدترین دشمن ڈینی کو میری ذات سے بالکل جدا شخص تصور کئے بیٹھا تھا۔ اس لئے میں نے بے خوف و خطر اس کے دفتر جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

اپنی گاڑی سے وہاں جانے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن میں گیری کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ گاڑی تسلسل سے میرے استعمال میں رہتی ہے۔

گیری کے حساس دفتر میں کسی بھی قسم کا ہتھیار لے کر داخل ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ میں نے روانگی سے پہلے کھوکھلے نگینوں والی دونوں زہریلی انگوٹھیاں اپنی انگلیوں میں ڈال لیں۔ وہ آڑے وقتوں میں ہمیشہ میرے کام آتی رہی تھیں۔ مجھے امید تھی کہ گیری نے اگر غیر متوقع طور پر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو کسی بڑے ہتھیار کے مقابلے میں وہ بے ضرر انگوٹھیاں میرے زیادہ کام آ سکیں گے۔

رفتہ رفتہ میرے دشمنوں کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ میں نے کافی عرصے سے بیم گن سے خارج ہونے والی مہلک لیزر شعاعوں کا استعمال ترک کر کے زہر کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ اس بارے میں اخبارات وغیرہ کے ذریعے جو تفصیل سامنے آئی تھی اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا تھا کہ مرنے والوں کے جسموں میں ایک چھوٹی سی سوئی کے ذریعے زہر داخل کیا جاتا تھا۔ سوئی جسم میں خفیف سی گہرائی تک اترتی تھی۔ میرے کسی بھی شکار کے جسم سے یا اس کے بے جان جسم کے قریب سے کوئی سوئی نہیں ملی تھی اور یہ باور کیا جانے لگا تھا کہ میں کسی چھوٹی سرنج کے ذریعے ان لوگوں کو مارتا رہا تھا۔

کسی کو بھول کر بھی انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں سے زہر انجکٹ کرنے والی تکنیک کا خیال نہیں آیا تھا۔

انگوٹھیوں سے لیس ہو کر میں گھر سے نکلا اور ٹیکسی کے ذریعے گیری کے قونصل خانے کے گیٹ پر جا پہنچا۔ عمارت کے باہر فٹ پاتھ پر مقامی پولیس کے مسلح نوجوان مورچا لگائے حفاظت کے لئے مستعد بیٹھے ہوئے تھے۔

ٹیکسی ڈرائیور نے عمارت اور اس کے ظاہری حفاظتی

بندوبست سے مرعوب ہوکر ٹیکسی ذرا آگے لے جا کر روکی ہی تھی کہ ایک پولیس والے نے بلند اور کرخت آواز میں اسے وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا۔

ٹیکسی ڈرائیور کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس نے بے چارگی سے میری طرف دیکھا اور گاڑی گیئر میں ڈال دی۔ اس سے پہلے کہ ٹیکسی دوبارہ حرکت میں آتی دیوہیکل فولادی دروازے کی ذیلی کھڑکی کھلی اور ایک مسلح' باوردی امریکی سپاہی نے باہر نکل کر ہماری طرف ہاتھ لہرایا۔ وہ اشارہ بہت واضح تھا۔

میں ٹیکسی سے اتر کر اس کی طرف لپکا اس کی نظریں سخت ناقدانہ تھیں۔ اس نے نرم آواز میں مجھ سے وہاں رکنے کا مدعا پوچھا۔ جوں ہی اس نے میری زبان سے میرا اور گیری کا نام سنا اس نے مجھے ٹیکسی اندر لانے کیلئے کہا اور مڑ کر کھلی ہوئی ذیلی کھڑکی میں غائب ہوگیا۔ پولیس والے حیرت سے وہ تماشا دیکھتے رہ گئے۔

اس باوردی سپاہی کی اچانک مداخلت سے یہ واضح ہوگیا تھا کہ اندر والے باہر کے حالات کے بارے میں صرف مقامی پولیس پر انحصار نہیں کرتے تھے۔ اپنے خفیہ کیمروں کی مدد سے پھاٹک کے باہر ہونے والی ہر سرگرمی سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔

محض چند قدم کے فاصلے کے لئے دوبارہ ٹیکسی میں بیٹھ کر اندر جانا خاصا احمقانہ فعل تھا۔ میرے دل میں آئی کہ ڈرائیور کو کرایہ دے کر وہیں سے فارغ کردوں مگر پھر میری انا آڑے آگئی۔

گیری مجھے اتنی عزت دے رہا تھا تو اس سے مستفیض ہونا بہت ضروری تھا۔

حیران و پریشان ڈرائیور نے میرے ایما پر ٹیکسی کو ریورس کر کے گیٹ تک پہنچایا۔ اس بار مقامی پولیس والے خاموش تماشائی بنے رہے۔

پوشیدہ مشینی نظام کے سہارے ایک آہنی پھاٹک اندر کی طرف کھلتا چلا گیا اور اتنی جگہ پیدا ہوگئی کہ ٹیکسی تو کیا ٹرک بلکہ ٹینک بھی اندر جا سکتا تھا۔

میں جلال کے ساتھ وہاں آیا تھا تو ہم دونوں کو گاڑی سے اتار کر آلات اور لمبی لمبی چھڑیوں کے سروں پر لگے ہوئے آئینوں کی مدد سے پوری گاڑی کے اندرونی اور نچلے حصے کی تفصیلی تلاشی لی گئی تھی اور کار کو پارکنگ ایریا میں چھوڑ کر ہمیں ایک چالاک امریکی گارڈ کی رہنمائی بلکہ نگرانی میں اجلاس والے کمرے تک پہنچایا گیا تھا۔

جلال کی گاڑی کے مقابلے میں ٹیکسی بہت حقیر اور غیر معتبر تھی مگر مجھے حیرت ہوئی کہ اسے تلاشی وغیرہ کے لئے نہیں روکا گیا عمارت کے برآمدے میں کھڑا ہوا ایک شخص ہاتھ ہلا کر ہمیں اس طرف بلا رہا تھا۔

جلال ایک اجلاس میں شرکت کے لیے اپنی سرکاری حیثیت میں قونصل خانے میں پہنچا تھا۔ انہوں نے اپنی چاردیواری میں احتیاطی تدابیر کے نام پر اس کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ان کے احساس برتری کا مظہر تھا۔ وہ وہاں آنے والے ہر پاکستانی اہل کار کو نفسیاتی طور پر مرعوب کرنے کی پالیسی پر گامزن تھے جب کہ میں وہاں کسی سرکاری حیثیت میں نہیں آیا تھا۔ گیری کے ایک حلیف کے طور پر اس سے ملنے کے لیے وہاں پہنچا تھا۔

برآمدے کے قریب ٹیکسی سے اتر کر میں نے ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا۔ برآمدے میں کھڑا ہوا گورا میرے قریب آگیا۔ اس نے اپنی رفتار دانستہ اتنی سست رکھی تھی کہ جب وہ میرے قریب پہنچے تو میں کرائے کی ادائیگی سے فارغ ہو چکا ہوں۔

''جیک!'' اس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے دانت نکال کر اپنا تعارف کرایا۔

''ڈی!'' میں نے بھی اسی کے انداز میں برجستہ کہا۔ ٹیکسی واپس ہورہی تھی۔

''ڈی؟'' اس نے حیرت سے دہرایا۔ میرا تعارف سنتے ہی اس کے بشرے سے ساری خوش خلقی رخصت ہوگئی تھی۔

''تم حیران کیوں ہوگئے؟'' میں نے اپنے ہاتھ پر اس کے ہاتھ کی گرفت غیر دوستانہ حد تک سخت ہوتی ہوئی محسوس کی۔

''مجھے گیٹ سے بتایا گیا تھا کہ آنے والے کا نام کرنل داور ہے'' اس نے میری آنکھوں میں غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کا بایاں ہاتھ اس دوران میں بیلٹ کلپ سے لگے ہوئے واکی ٹاکی تک پہنچ چکا تھا۔

''صحیح بتایا گیا تھا'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''ڈی میرے نام کا پہلا حرف ہے اور بے تکلف ساتھی مجھے ڈی ہی کہتے ہیں۔ میں اپنے منہ سے اپنا سابق عہدہ دہرانا پسند نہیں کرتا۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں عہدہ جتا کر دوسروں کو مرعوب کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔''

اس کے چہرے پر دوبارہ دوستانہ ملاحت پھیل گئی ''ویسے ڈی بہت زیادہ مختصر اور عجیب سا نام لگتا ہے۔''

''تم لوگوں کے نام بھی اتنے ہی مختصر ہوتے ہیں۔ جیک' ڈک' ٹام' ٹک وغیرہ!'' میں نے اس کے ساتھ برآمدے میں

داخل ہوتے ہوئے جان بوجھ کر نک کا نام لیا۔
''آہ بے چارہ نک!'' وہ ایک گہرا سانس لے کر افسردگی سے بولا میرا چلایا ہوا تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔
''وہ بہت اچھا آدمی تھا مگر اس کی محنت اور کارکردگی کی وجہ سے اس کے سارے دشمن اس سے نفرت کرتے تھے ان میں ڈینی سرفہرست تھا۔ تمہاری زبان سے ڈی سنتے ہی ایک لمحے کے لئے مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے تم نے ڈینی کہا ہو۔''
اس کا جواب سن کر میں حیران رہ گیا۔ وہ قونصل خانے میں اپنے فرائض کے اعتبار سے ایک عام آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن اس کے ذہن میں میری طرف سے اتنا زہر بھرا ہوا تھا کہ میرا اصل نام اسے ازبر تھا۔
''یہ اتفاق ہے کہ ڈی دونوں جگہ مشترک ہے داور میں اور ڈینی میں بھی!'' میں نے اس کی بات مذاق میں اڑادی۔
''ہم سب کے دل نک کے سوگ میں ڈوبے ہوئے ہیں'' وہ مغموم لہجے میں کہہ رہا تھا ''یہاں ہمارا سہ روزہ سرکاری سوگ کل ختم ہوجائے گا لیکن میرا دل مدتوں اسے فراموش نہیں کرسکے گا وہ بہت ہمدرد اور بے لوث انسان تھا۔''
''اس جیسے لوگوں کو موت بہت جلد چاٹ لیتی ہے'' میں نے اپنے دل کا غبار نکالنے کے لئے ذومعنی بات کہی ''میرے لئے وہ اب گیری کے روپ میں زندہ ہے۔''
اس نے یکایک خاموشی اختیار کرلی — میرا آخری فقرہ سن کر اسے احساس ہوا ہوگا کہ اس بے تکلفی نے ہماری گفتگو کو خطرناک رخ دے دیا تھا۔
روشن اور کشادہ راہ داریاں ویران پڑی ہوئی تھیں۔ بیشتر دفاتر کے دروازے بند تھے اور ان کے شیشوں کے پیچھے اندھیرے کا راج نظر آرہا تھا۔ دبیز فرشی قالین پر ہم دونوں کے قدموں کی ہلکی سی دھمک سناٹے میں خاصی واضح سنائی دے رہی تھی۔
بقیہ راستہ ہم دونوں نے خاموشی سے طے کیا۔ جیک نے ایک بند دروازے کے سامنے رک کر اپنی شہادت کی انگلی سے چوبی دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور میرے لئے دروازہ کھول دیا۔ وہ باہر کا رہا' میں اندر داخل ہوگیا۔
کمرے میں دودھیا روشنی ہونے کے باوجود ماحول پر عجیب سی پراسراریت طاری تھی۔ گیری ایک بڑی میز کے پیچھے دروازے کے مقابل بیٹھا ہوا تھا اس کی میز پر کئی فائلیں بکھری ہوئی نظر آرہی تھیں جو سوگ والے دن اس کی مصروفیت کی مظہر تھیں۔
''ہائے ڈی! کیا حال ہیں'' اس نے اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی اور میں اس کے منہ سے اپنا تازہ ترین نام سن کر بری طرح چونک پڑا۔
کوئی مجھے اس نام سے پکارتا تھا نہ میں نے کبھی خود کو اس نام سے متعارف کرایا تھا۔ جیک سے ملتے ہوئے وہ حرف برجستہ میرے ذہن میں آیا اور میں نے زندگی میں پہلی بار اپنے لئے ڈی کا لقب استعمال کرڈالا۔ میں پریشان تھا کہ جیک مجھے دروازے پر چھوڑ کر لوٹ گیا تھا اس کی گیری سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی پھر وہ نیا نام گیری کو کیسے معلوم ہوگیا تھا۔
اس اثنا میں' میں گیری کی میز تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے اپنی کرسی سے اٹھ کر' گرمجوشی سے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ''تم بہت بوکھلائے ہوئے نظر آرہے ہو۔ زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میں نے تمہاری اور جیک کی گفتگو حرف بہ حرف اپنے ٹیبل ٹاپ پر سنی ہے۔ اس عمارت میں دنیا کا مضبوط ترین مواصلاتی نظام برقرار رکھا جاتا ہے۔ میں یہاں بیٹھے بیٹھے عمارت کے کسی بھی حصے میں ہونے والی باتیں سن سکتا ہوں۔''
میری پریشانی دور ہوگئی۔ میں نے ایک کرسی سنبھالتے ہوئے کہا ''پھر تو ویزا کے لئے آنے والوں کی باہمی باتیں بھی سنی جاتی ہوں گی۔''
''اوہ' یس!'' اس نے اپنی گھومنے والی کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بے ساختہ کہا ''وہ ایک مستقل شعبہ ہے۔ چند لوگ کچھ دیر کے لیے مل کر بیٹھتے ہیں تو اپنے تازہ ترین مسئلے پر باتیں ضرور کرتے ہیں ان کی مدد سے ویزا افسر کو یہ فیصلہ کرنے میں مدد ملتی ہے کہ کس کو ویزا دے دینا چاہئے اور کسے انکار کردینا بہتر ہوگا۔ ویسے یہ پرانی باتیں ہیں آج کل کے حالات کے پیشِ نظر ہم نے کچھ عرصے سے یہاں سے ویزا کے اجرا کا سلسلہ بند کیا ہوا ہے......''
''پھر یہ انٹرویو کا سلسلہ بس رسمی ہی ہوکر رہ جاتا ہے؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا کیونکہ وہ ایک اہم معاملہ تھا۔
''ہر شخص سادہ لوح اور باتونی نہیں ہوتا۔ بہت سے امیدوار چالاک اور محتاط ہوتے ہیں۔ وہ غیرضروری طور پر اپنی زبان نہیں کھولتے۔ ان کے ویزا کا فیصلہ صرف انٹرویو کے نتیجے پر منحصر ہوتا ہے ہم غیرضروری طور پر کسی کو تنگ نہیں کرتے۔'' اس نے اپنی کرسی پر آگے پیچھے جھولتے ہوئے کام کی بات چھیڑ دی۔ ''یہ بتاؤ کہ تم اس وقت کیسے آئے ہو۔''
''میں یہ بتانے کے لئے آیا ہوں کہ کل میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔ مجھے اپنے ایک دوست کے سامنے سخت

ندامت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔'' میں نے بہت سنجیدگی کے ساتھ سخت لہجے میں اپنی شکایت پیش کر دی۔
''تمہارے دوستوں کے معاملات سے مجھے کیا سروکار ہوسکتا ہے۔'' اس نے بالکل لاتعلقی اختیار کر کے سادگی سے سوال کیا۔
حلیفوں کے ساتھ حریفوں والا سلوک نہیں کیا جاتا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔'' کل تم نے میری مخبری کے لئے میری گاڑی کو بگ کیا تھا۔''
وہ الزام بہت واضح اور براہِ راست تھا۔ غصے کے ابال سے گیری کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ ''تم کو اندازہ ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' اس نے اپنے لہجے پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔
مجھے احساس ہوا کہ میں نے براہِ راست الزام تراشی کر کے غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ تھوڑی سی تمہید کے بعد وہ بات کہی جاتی تو شاید زیادہ کارگر رہتی۔
میں نے فوری طور پر سنبھالا لے کر کہنا شروع کیا۔ ''کم از کم میں یہی سمجھنے پر مجبور ہوں۔ کل دوپہر کو تم سے ملاقات کے لیے میں نے ایک دوست سے گاڑی مستعار لی تھی۔ واپسی پر میں نے وہ گاڑی اس کے گھر چھوڑ دی' شام کو ایک مشتبہ گاڑی اس کے گھر والی گلی میں سے رینگتی ہوئی گزری۔ اس میں تمہارے دو ہم قوم سوار تھے' ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں کسی کی تلاش ہے۔ میرا دوست دل کا مریض ہے' وہ اس قدر دہشت زدہ ہوا کہ اس کار کے غائب ہوتے ہی اپنی گاڑی لے کر اپنے گھر سے بھاگ کھڑا ہوا اور سیدھا میرے پاس آ پہنچا۔
میں دانستہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہوگیا۔ گیری بولا ''ابھی تک میرا کوئی ذکر سامنے نہیں آیا۔ یہ بالکل بے سرو پا کہانی ہے اس وقت تم کہاں تھے؟''
میرے لئے وہ سوال متوقع تھا اور میرے ذہن میں اس کا مسکت جواب بھی پہلے سے موجود تھا۔ میں نے اس کے سوال میں پنہاں تجسس کو یکسر نظر انداز کر کے سرسری لہجے میں جواب دیا ''میں اپنے ٹھکانے پر تھا۔ میرے لئے وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ چند روز پہلے ایڈی دہلی جاتے ہوئے کراچی میں رکا تھا تو کچھ دیر کے لیے مجھ سے بھی ملا تھا' اس سے ملاقات کے بعد مجھے اپنی جیب میں ایک چپ ملا تھا' تجزیہ کرانے پر پتا چلا کہ وہ سگنلز نشر کرنے والا ایک خاموش آلہ تھا میں نے اسے ایک طرف ڈال دیا اور آج تک تک سمیت کسی سے بھی کوئی شکایت نہیں کی۔ اپنے دوست کی کہانی سنتے ہی میرے ذہن میں اپنا تجربہ تازہ ہوگیا۔ اسے روکنے کے بجائے میں بھی اس کے ساتھ ہولیا۔ وہ ڈرائیونگ کرتا رہا اور میں نے پسنجر سیٹ کے اردگرد کی تلاشی لینی شروع کر دی کیونکہ کل دوپہر کو تم تقریباً آدھے گھنٹے تک گاڑی کی اسی سیٹ پر بیٹھے رہے تھے۔ آخر کار مجھے ڈور پاکٹ میں اسی قسم کا دوسرا چپ مل گیا جیسا ایڈی نے میری جیب میں ڈالا تھا۔''
''اور تم کو یقین ہوگیا کہ وہ چپ میں نے گاڑی میں ڈالا تھا!'' اس بار گیری کی آواز نرم اور شاید قدرے تمسخرانہ بھی تھی۔ ''وہ چپ کہاں ہے؟''
''میں نے راستے میں اسے ریل کی پٹریوں کی طرف اچھال دیا تھا' وہ وہیں سنگریزوں میں پڑا ہوا ہوگا۔ پٹری پر گرا ہوگا تو کسی ٹرین کے پہیوں کے نیچے آ کر تباہ ہو چکا ہوگا' اب اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے اسے تم سمیت کوئی بھی جھٹلانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔''
گیری اچانک ہنس پڑا اور بولا ''تم کو بدترین غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تمہارے تجربے کی سچائی کو پوری طرح تسلیم کرتا ہوں لیکن یہ کہانی ہی کچھ اور تھی۔ وہ بہت خاص اور بیش قیمت چپ ہے جسے چنے کے دانوں کی طرح برباد نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے وہ جان بوجھ کر تمہاری گاڑی میں نہیں ڈالا تھا مڑنے تڑنے میں وہ میری جیب سے نکل گیا ہوگا۔ جب مجھے اس کی گم شدگی کا احساس ہوا تو اس کی تلاش شروع ہوئی......''
''تم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ تم نے وہ چپ میری گاڑی میں کھویا تھا۔'' میں نے اس کے سفید جھوٹ پر اپنا غصہ دباتے ہوئے ترشی سے پوچھا۔
''معلوم ہوتا تو یہ سب چکر ہی نہ چلتا۔ میں تم کو فون کر دیتا اور تم اس گاڑی کی تلاشی لے کر میرا چپ برآمد کر لیتے۔ بات ختم ہوجاتی۔''
''تم کو اقرار ہے کہ تمہارے دو آدمی اس چپ کی تلاش میں گلشن اقبال میں پہنچے تھے!'' میں نے جرح کرنے والے انداز میں پوچھا۔
اس نے پرسکون انداز میں اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کہا ''اس چپ کے سگنل ایک خاص مشین پر مانیٹر کر کے یہ پتا چلایا جاسکتا ہے کہ وہ چپ ایک خاص وقت پر مشین سے کتنی دور اور کس سمت میں ہے۔ وہ دونوں آدمی اس مشین کے ساتھ ہی اپنی مہم پر روانہ ہوئے تھے۔ مجھے حیرت ہے کہ وہ اُلّو کے پٹھے تمہارے دوست کے مکان کے سامنے گزر گئے اور مشین پر یہ نہ دیکھ سکے کہ وہ اس وقت چپ سے کم ترین فاصلے پر تھے۔''

وہ مجھ سے جھوٹ بول رہا تھا۔ میں نے بھی اس سے سچ نہیں بولا تھا۔ دوست اور اس کے گھر کی باتیں بے بنیاد تھیں۔ میں دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ میں بروقت ان کی دسترس سے دور نکل جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''ان کی ولدیت کے بارے میں، میں وثوق سے کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔'' اس بار میں نے اس کی ہڈیوں کو سلگا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ تم کو اب احساس ہو جانا چاہئے کہ ان حالات میں میرا مشتعل ہونا اور یہاں تک آنا حق بجانب ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تمہاری مانیٹرنگ مشین اس چپ کے بارے میں کیا خبر دے رہی ہے۔''

گیری کی عقابی نظریں میرے چہرے پر جم گئیں۔ اس نے کہا ''وہ پٹری پر گرا اور نہ سنگ ریزوں میں۔ وہ مال گاڑی کی ایک بوگی کے کسی ایسے حصے میں پھنسا ہوا ہے جہاں تک پہنچنا محال ہے میرے آدمی وہاں رک کر اسے تلاش کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔''

''ظاہر ہے!'' میں نے سر ہلا کر اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔'' ریلوے ملازم یا پولیس والے ان کو مشتبہ انداز میں وہاں پھرتے ہوئے دیکھ لیتے تو غیر ملکی دہشت گردوں کے شبہے میں مار مار کر ان کی ہڈی پسلی ایک کر دیتے۔ تمہاری مانیٹرنگ مشین بھی تباہ ہو جاتی۔ اچھا ہوا کہ اس کا سراغ لگا لینے کے باوجود وہ خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ دو انسانی جانیں ایک چپ سے کہیں زیادہ قیمتی ہوتی ہیں۔''

''تمہارے لب و لہجے سے طنز کی بو آ رہی ہے۔'' اس نے ہلکی سی ترشی سے کہا۔

''ہرگز نہیں، تمہیں معلوم ہے کہ یہاں پھیلے ہوئے تخریب کار آئے دن ریل گاڑیوں اور ریلوے ٹریک کو دہشت گردی کا نشانہ بناتے رہتے ہیں۔ میں اسی حوالے سے کہہ رہا تھا کہ وہ دونوں وہاں رنگے ہاتھوں پکڑے جاتے تو ان کی بہت بری درگت بنتی اور تمہاری کوششوں کے بغیر ان کی گلوخلاصی ممکن نہ ہوتی۔''

''ایڈی والا چپ کہاں ہے؟'' اس نے یکایک وہ ناخوشگوار موضوع بدل دیا جو اس کی دکھتی ہوئی رگ پر دباؤ ڈال رہا تھا۔

مجھے ابتدا ہی سے اندازہ تھا کہ وہ چپ بھی مانیٹر کیا جا رہا ہوگا۔ میں نے اس بارے میں کوئی سوال کیے بغیر سادگی سے کہا ''تمہارے لئے وہ بیش قیمت ہو سکتا ہے۔ میرے لیے اس کی قیمت کچھ بھی نہیں تھی۔ میں نے بے پروائی سے اسے اپنے دفتر کی کسی میز کی دراز میں ڈال دیا۔ وہ اب بھی اسٹیشن فور میں پڑا ہوا ہوگا۔''

''تم نے جب سب کچھ سمجھ لیا تھا تو ایڈی کی اس حرکت کے بارے میں نک سے کوئی شکایت کیوں نہیں کی۔'' اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

''شکایت بے سود ہوتی۔ مجھے اپنی جیب میں چپ کی موجودگی کا پتا چلا تو ایڈی کو نئی دہلی پہنچے ہوئے ایک دن ہو چکا تھا۔ میں شکایت کرتا تو نک کچھ بھی نہ کرتا۔ ساری ذمے داری ایڈی کے سر ڈال دیتا جو رتبے کے لحاظ سے اس سے سینئر تھا۔''

''اور کچھ ہوتا یا نہ ہوتا' نک کو یہ پتا چل جاتا ہے کہ ایڈی اپنی کوشش میں ناکام رہا تھا'' وہ میرے جواب سے مطمئن نظر آیا تھا۔

''میں اپنے فیصلے خود کرتا ہوں۔ میں نک کو ہر بات سے باخبر رکھنے کا پابند نہیں تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ مجھ سے چپ کی واپسی کا مطالبہ کر دیتا۔''

اس کے ہونٹوں پر ایک گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنی کرسی آگے سرکائی اور کہنیوں کے بل اپنی میز پر آگے کی طرف جھک کر بولا ''یہ مطالبہ تو میرا بھی ہے۔ وہ چپ تمہارے لیے بے کار ہے۔ وہ مجھے لوٹا دو۔''

''میں لڑائی میں ہاتھ آیا ہوا مال لوٹانے کا عادی نہیں ہوں خواہ اس کی وقعت دو کوڑی سے بھی کم ہو۔'' میں نے قدرے سخت لہجے میں جواب دیا۔

''نک سے تمہاری کبھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ تم دونوں کے درمیان جذباتی غلط فہمیاں جنم لیتی رہیں اور دور بھی ہوتی رہیں۔''

''وہ الگ قصے تھے۔ ایڈی باہر سے آیا تھا۔ اسے سارے پس منظر کا علم نہیں تھا۔ اس نے آتے ہی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی مگر وہ اس کے کسی کام نہیں آ سکی۔ یہ بات تم بھی سمجھ سکتے ہو کہ میری بے خبری میں میری جیب میں چپ ڈال کر اس نے کوئی دوستانہ حرکت نہیں کی تھی۔ وہ چپ کسی کو نہیں دیا جا سکتا۔''

''تم اسے میری دوستانہ التجا بھی سمجھ سکتے ہو۔'' اس نے خلوص اور نرمی سے کہا لیکن مجھے اس کے ایک ایک لفظ سے مکاری کی بو آ رہی تھی۔

''نہیں گیری...... کوئی اور بات کرو۔ اس پرانے قصے کو طول دے کر تم میرے زخم کرید رہے ہو۔ یہاں آنے تک میں تمہیں بھی ایڈی کی قبیل کا مہم جو سمجھ رہا تھا کیونکہ تم نے بھی اسی کی طرح میری گاڑی میں چپ ڈالا تھا اور یہ دوستانہ فعل......''

اس نے مضطربانہ انداز میں میری بات درمیان سے اچک لی اور بولا ''میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ وہ چپ بے دھیانی میں میری جیب سے گر گئی تھی۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں گری ہوگی میرے آدمی الل ٹپ اس کی تلاش میں نکلے۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس گلی کے دوسرے سرے پر تم سے ملاقات ہوگی۔ تم بلاوجہ دوبارہ وہ ذکر نکال رہے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں میری مخلصانہ وضاحت پر یقین نہیں آیا۔''

''تم نے میری بات درمیان سے کاٹ دی۔ میں یہی کہنے جارہا تھا کہ یہاں آنے تک مجھے تمہاری حرکت پر غصہ تھا لیکن تمہاری وضاحت قبول کر لینے کے بعد میں ہر تلخی کو فراموش کر چکا ہوں اور تم سے دوستانہ ماحول میں باتیں کر رہا ہوں۔''

''اچھا ہوا کہ تم یہاں آگئے۔ فون پر یہ سب باتیں نہیں ہوسکتی تھیں۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میری وضاحت تم نے قبول کر لی ہے۔ آپس کی غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے مذاکرات کی راہ سب سے بہتر ہوتی ہے۔''

''تم مجھ سے ملنے سے ہچکچا رہے تھے، مجھے فون پر ٹال رہے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ روبرو اور دوٹوک بات چیت کیے بغیر یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔''

''ایمانداری سے بتاؤ۔ نک کے بعد میری بھی تم سے ذہنی ہم آہنگی ہوچکی ہے۔ میں جب چاہوں تم سے مل سکتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم اسپیشل ٹاسک فورس کے اسٹیشن فور میں رہتے ہو اور وہیں تمہارا کوئی دفتر بھی ہوگا۔ آخر مجھے تمہاری گاڑی میں چپ ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔''

اپنی پوزیشن کی ضرورت سے زیادہ صفائی پیش کرنے کی کوشش میں اس نے ایک بہت نازک سوال چھیڑ دیا تھا۔ مجھے دل کھول کر اسے رگیدنے کا موقع میسر آگیا۔ میں نے اپنی کرسی پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے کہا ''بات بہت سیدھی سی ہے۔ تم لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ میں ڈینی کی کمین گاہ سے واقف ہوں اور تمہیں وہاں تک لے جاسکتا ہوں۔ نک کو شبہ تھا کہ میں نے ڈینی کی گرفتاری کو سوبھراج کی موت سے مشروط کر دیا ہے۔ جب تک سوبھراج سامنے نہیں آئے گا یا مارا نہیں جائے گا۔ میں ڈینی کو اس کے حوالے نہیں کروں گا۔''

گیری بہت توجہ سے میری بات سن رہا تھا۔ میں نے سلسلہ کلام جاری رکھا ''میں تم سے ملنے کے لیے آتا ہوں تو تم مجھے پکڑ کر قید نہیں کر سکتے۔ تم جانتے ہو کہ میں احمق نہیں ہوں، اپنے اعتماد کے دو چار آدمیوں کو بتا کر آتا ہوں کہ کہاں جارہا ہوں۔ اگر ایک مقررہ وقت میں میری واپسی نہ ہوئی تو وہ ایک ہنگامہ کھڑا کر دیں گے۔''

اس نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا ''خاموشی سے میری بات سنتے رہو۔ ضروری نہیں کہ یہ سب درست ہو لیکن میں یہی سوچ رہا تھا۔ تم مجھے دھوکے سے اپنا قیدی بنانا چاہتے ہوتا کہ کسی کو کانوں کان پتا نہ چل سکے کہ کرنل داور کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ دوران قید مجھ پر تشدد کر کے تم میری زبان سے ڈینی کے ٹھکانے کا راز اگلوانا چاہتے ہو۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ تم لوگ میری پل پل کی نقل و حرکت سے باخبر رہو اور موقع ملتے ہی مجھ پر ہاتھ ڈال دو۔ اس بارے میں پہلی کوشش ایڈی نے کی۔ ایڈی چلا جاتا۔ وہ چپ میرے ہاتھ نہ لگتا تو میں بے فکری سے پورے شہر میں گھومتا رہتا اور اس کے آدمی میری گھات میں لگے رہتے اور کسی بھی وقت ان کا جال میرے اوپر آگرتا۔ ایڈی ناکام ہوگیا، نک مارا گیا۔ تم آئے تو تم نے بھی ایڈی والی راہ اختیار کی اور اس بار چپ میری جیب میں ڈالنے کے بجائے گاڑی میں ڈال دیا کیونکہ تم اسے میری گاڑی سمجھ رہے تھے۔ تمہارا منصوبہ بھی بالکل وہی تھا جو ایڈی کا تھا۔ تم نے اسی کارڈ کو محض اس وجہ سے دوبارہ استعمال کیا کہ تم ایڈی والے چپ کے انجام سے بے خبر تھے اور میں نے اس کے بارے میں نک سے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔''

''اوہ خدا!'' گیری اپنی دونوں ہتھیلیاں میز کی سطح پر مار کر بولا ''تم نے شیطانی دماغ پایا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں دور دور تک تمہارے اغوا کا کوئی گمان نہیں تھا اور تم نے ایک ذرا سی بات کو پکڑ کر اتنی لمبی چوڑی اور مربوط کہانی تیار کر لی۔ تم یقین کرو کہ یہ تمہارا واہمہ ہے۔ ہم ڈینی تک پہنچنے کے لیے واقعی بے چین ہیں لیکن اس کے لیے تمہارے ساتھ کسی غیر دوستانہ سلوک کے بارے میں نہیں سوچ سکتے۔''

میں نے اسے یہ یاد دلانا بھی مناسب نہیں سمجھا کہ اس نے ڈینی کے نہ ملنے کی صورت میں ایس ٹی ایف کی اینٹ سے اینٹ بجادینے کی کھلی دھمکی دی تھی۔ جو لوگ اداروں کے خلاف اس حد تک آگے جاسکتے تھے ان کے لیے کسی فرد واحد کو چیونٹی کی طرح مسل کر بھول جانا ذرا بھی مشکل نہیں تھا۔ اس ضمن میں ایس ٹی ایف کی قانونی پوزیشن غیر اہم تھی۔

''یہ حقیقت تم نے واضح کی ہے۔ آج میری اور تمہاری ملاقات نہ ہوتی تو میں اپنے مفروضات پر قائم رہتا اور

ہمارے درمیان عناد کی جڑیں گہری ہو جاتیں۔''

''اپنی مخاصمانہ رو میں بہتے ہوئے تم نے یہ نہیں سوچا کہ ہم ایک ناکام حربے کو تم پر دوبارہ نہیں آزما سکتے۔''

''سچ پوچھو تو میری دانست میں تمہیں ایڈی والے چپ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ وہ میری جیب میں تھا، جب اس کے سگنل مسلسل ایک ہی پوزیشن سے آتے رہے ہوں گے تو ایڈی یا نک کے کارندوں نے فرض کر لیا ہوگا کہ میں نے وہ لباس اتار کر میلے کپڑوں میں ڈال دیا ہے۔ انہیں چپ کی ناکامی کا علم اس وقت ہوتا جب میں نک سے اس کے بارے میں کوئی شکایت کرتا۔ میری خاموشی سے یہ مطلب اخذ کیا گیا کہ مجھے ایڈی والے چپ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوا۔ میں نے ہاپولا ٹیل گن کی شکایت کی تھی تو منطقی طور پر مجھے چپ کا ذکر بھی کرنا چاہیے تھا۔''

''تمہارے پاس ہر سوال کا جواب موجود ہے۔'' اس مرتبہ گیری کی آواز سے ہزیمت جھلک رہی تھی'' یہ بتاؤ کہ اب تمہارا ذہن صاف ہوا یا اس میں ابھی بھی بغض اور کینے کے کچھ جراثیم پرورش پا رہے ہیں؟''

''یہ بغض اور کینہ نہیں تھا۔ میرے نظریے کی بنیاد حقائق پر تھی۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں اس میں کہیں کوئی جھول نظر آیا۔''

''میں یہی کہہ رہا تھا کہ تم نے غضب کا دماغ پایا ہے۔ بکھری ہوئی کڑیوں کو خوب یک جا کرتے ہو۔''

''منتشر واقعات کو ایک دوسرے سے مربوط کرنا میرے منصب کے فرائض میں داخل ہے۔''

''کم و بیش ہم سب یہی کام کرتے ہیں۔ شاید ہی کوئی اس ذمے داری سے مستثنیٰ ہو مگر میں خود ایسی کہانی تیار نہیں کر سکتا تھا۔''

''میں تمہارے اعتراف پر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتا۔ برا نہ مانو تو میں اپنے ذاتی تجسس کو دور کرنے کے لیے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔''

''اس وقت ہم ایک دوسرے کو زیادہ بہتر جان چکے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ تم ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ صاف گو بھی ہو۔ وسوسوں کو اپنے دل میں پروان چڑھانے کے بجائے یہاں آئے اور مجھ سے کھل کر بات کر لی، کہو، کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''میرے معاملے میں تم خود کو نک کا قریبی جانشین قرار دے رہے ہو۔ وہ ایف بی آئی کا ایجنٹ تھا۔ تم پینٹا گون کے آدمی ہو۔ یہ کیا گورکھ دھندا ہے۔''

''یہ اختیارات کی سطح کی بات ہے۔ اس مثلث کے نچلے سرے پر دونوں کنارے ایک دوسرے سے بہت دور نظر آتے ہیں جوں جوں اوپر بڑھتے رہو وہ کنارے قریب تر ہوتے جاتے ہیں اور اوپر جا کر ایک نکتے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ اوپری نوک کو امریکا کا صدر تصور کر لو۔ وہ سارے اختیارات کا منبع ہے۔ ہم سب اس نیچے والی مثلث میں کہیں نہ کہیں ہیں۔ ہم کہیں بھی ہوں، سب مل جل کر اپنے قومی مفاد کے لیے کام کرتے ہیں۔ تم ان چکروں میں نہ پڑو کہ کون کیا ہے۔ اب تمہارا واسطہ مجھ سے رہے گا۔''

اس نے بہت مدلل انداز میں میرے سوال کو ٹال دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کھیل کے کسی مرحلے پر پینٹا گون والے بھی درمیان میں آکودیں گے۔

''تم نہیں بتانا چاہتے تو میں اصرار نہیں کروں گا۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

''اب تک ہم ڈینی کے بارے میں بات کرتے رہے ہیں۔ ویرا کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے سوال کیا۔

''وہ بھی تمہیں مطلوب ہے اور آج کل پاکستان ہی میں موجود ہے۔''

''اندر کی یہ خبر تم نے نک تک پہنچائی تھی کہ سوبھراج نے ویرا کو پکڑ لیا تھا لیکن وہ اسے جُل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔''

''نک نے اپنے ذرائع سے میری دی ہوئی خبر کی تصدیق کی تھی۔''

''تم اس کے بارے میں بہت باخبر ہو۔ وہ اب کہاں ہے؟''

''میرے اندازے کے مطابق اسے کراچی میں موجود ہونا چاہیے۔'' میں نے اپنے ذہن پر زور دینے کی اداکاری کرتے ہوئے جواب دیا۔

''ہماری اطلاعات کے مطابق وہ ہر وقت ڈینی کے ساتھ رہتی ہے۔''

''تمہاری اطلاعات ناقص ہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے رہتے ہیں لیکن ایک ساتھ رہنے کا خطرہ مول نہیں لیتے۔ میں نے جب ڈینی کو پکڑا تو ویرا وہاں موجود نہیں تھی۔''

''اس کا جرم ڈینی سے زیادہ سنگین ہے۔ وہ ایک وفادار امریکی شہری تھی۔ کسی میں جمی لائیڈ کی دستِ راست بنی ہوئی تھی لیکن اب گمراہ ہو کر اپنے ملک کے خلاف میدان میں اتری ہوئی ہے۔ ڈینی نے اس کا برین واش کر دیا ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ تم درست کہہ رہے ہو۔'' میں نے نرم لہجے میں کہا ''وہ جمی لائیڈ کو اپنا باپ سمجھتی تھی۔ جب اسے وائٹ ہاؤس کے احاطے میں قتل کیا گیا تو وہ بغاوت پر اتر آئی۔ اگر یہودیوں کے ایما پر جمی لائیڈ کو راستے سے نہ ہٹایا جاتا تو ویرا آج بھی باغی نہ ہوتی۔ صدر سے ملاقات کے چند منٹ بعد اس کا قتل بہت معنی خیز تھا۔''

''تم یہودیوں کے خلاف بغض اور منافرت میں مبتلا ہو......'' اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''میں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی۔ ویرا کی بات دہرائی تھی۔''

''ہم ویرا کو امریکا لے جاکر اس پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلائیں گے اور میڈیا پر اس کی بھرپور تشہیر ہوگی تاکہ وہ زہریلی ناگن دوسرے امریکیوں کے لیے عبرت کا سامان بن سکے۔ وہ بدترین سزا اور انجام کی مستحق ہے۔''

''اس کا سب سے بڑا جرم تو یہی ہے کہ وہ ہیروئن کے انسداد کے نام پر شی کے ذریعے اس وبا کی اسمگلنگ اور فروغ کی سرپرستی کرتی رہی۔''

''شی میرا موضوع نہیں ہے۔'' وہ کسمسا کر بولا۔ وہ بھی اس کی دکھتی رگ تھی۔ یہ ریکارڈ کی بات تھی کہ اپنے اچھے دنوں میں شی عالمی سطح پر ہیروئن کی سب سے بڑی اکیلی سوداگر تھی اور اس کے سربراہ کو براہِ راست امریکی صدر تک رسائی حاصل تھی۔

''شی کے بغیر ویرا کا ذکر ادھورا رہتا ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا ''مجھے معلوم ہے کہ اس تذکرے سے ہر امریکی بے آرام ہونے لگتا ہے۔ امریکا کی نئی نسل کو ہیروئن کی یلغار سے بچانے کے لیے شی کے ذریعے دنیا بھر میں اس نشے کی منڈیاں پیدا کرنا ایک بھیانک معاشرتی المیہ ہے۔ ڈینی اور ویرا نے اسی المیے سے جنم لیا تھا۔''

''بار بار ہیروئن کا ذکر درمیان میں نہ لاؤ۔ ماضی کو دفن رہنے دو اور آج کی بات کرو۔ میں ڈینی کے ساتھ ویرا کو بھی اپنے شکنجے میں کسنا چاہتا ہوں۔''

''وہ چھلاوا بنی ہوئی ہے۔ ڈینی ایک بار میری گرفت میں آچکا ہے لیکن ویرا کے ٹھکانے پل پل بدلتے رہتے ہیں۔ ویسے بھی وہ کبھی میرا ہدف نہیں رہی۔ میں خوب صورت، ذہین اور دلیر لڑکیوں کی قدر کرتا ہوں۔ جب تک وہ ہمارے قانون سے نہیں ٹکراتی، میں اس پر ہاتھ نہیں ڈالوں گا۔ اسے تم کو خود دیکھنا ہوگا۔''

''تو کیا قتل و خون ریزی کو تم اپنے قانون سے متصادم نہیں سمجھتے!'' اس نے حیرت اور قدرے اشتعال کے ساتھ کہا ''ویرا کے ہاتھ انسانی خون میں لتھڑے ہوئے ہیں۔''

''تمہاری کہی ہوئی بات کو سند نہیں مانا جاسکتا۔ میرے پاس ایسی کوئی شہادت نہیں ہے۔ فی الحال بات ڈینی کی ذات تک محدود رکھو۔''

''ویرا کو تم ڈینی سے کم نہ سمجھو۔ وہ آفت کی پرکالہ ہے......''

''کم ہو یا زیادہ، وہ سو فیصد تمہارا دردِ سر ہے، میں اس کی کوئی ذمے داری قبول نہیں کروں گا، اب کوئی اور بات کرو یا مجھے اجازت دو۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ اس بدمعاش لڑکی نے تم پر ڈورے ڈالے ہوئے ہیں۔ وہ مردوں کو رجھانے کے فن میں بہت طاق ہے۔'' اس نے یکایک لہجہ تبدیل کرلیا۔

''تم جو چاہو سمجھ لو۔ میں کسی بات کی تائید یا تردید نہیں کروں گا۔''

''وہ تمہاری گرل فرینڈ ہے تو اس کے عبرت ناک انجام پر تمہیں بہت جلد افسوس کا سامنا کرنا ہوگا۔ وہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ مردوں کو اُلّو بنائے رکھتی ہے۔ حیرت ہے کہ ڈینی سے اس کے قریبی مراسم کے بارے میں جانتے بوجھتے ہوئے بھی تم اس کے دام میں آگئے۔''

''تم بلاوجہ قیافے لڑا رہے ہو؟'' میں نے ہلکے سے طنز سے کہا ''کوئی کسی کے دام میں نہیں آیا۔ اس جنسی گند کو اپنے ذہن سے نکال دو۔''

''یہ مشرق کا تصور ہے۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ طویل سائنسی تحقیق کے بعد جنس کو انسانی ذہن اور اعصاب کے لیے سب سے بہترین فطری تفریح قرار دیا جارہا ہے۔''

''تم کو یہ آزادی ہے تو تمہارے گھر کی عورتوں کو بھی اس فطری تفریح سے فیض یاب ہونے کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔''

گھر کی عورتوں کا ذکر آتے ہی گیری نے یوں برا سا منہ بنایا جیسے چاکلیٹ چباتے ہوئے یکایک کوئی کنکر اس کے دانتوں میں آگیا ہو۔ ''تم میں ایک بری عادت ہے کہ تم ہر بات کو اس کی انتہا تک لے جاتے ہو۔ گھریلو عورتوں کے لیے ان کے شوہر کافی ہوتے ہیں۔ میں دوسری قماش کی بات کررہا تھا۔''

''وہ بھی کسی کی بیوی، بہن یا بیٹی ہوتی ہے۔ دوسروں کی جیب میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیے کہ تمہاری

بے خبری میں کوئی تمہاری جیب بھی کاٹ سکتا ہے۔''
''تم تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہونے کے باوجود اندر سے ایک دقیانوسی آدمی ہو۔'' میری نشتر زنی سے وہ جھلا کر بولا ''ویرا جیسی آوارہ اور رنگین مزاج لڑکی کے ذکر کو طول دے کر کہاں سے کہاں لے گئے۔ یہ بتاؤ کہ تم اس وقت ٹیکسی سے کیوں آئے ہو۔''
''کل شام والے واقعے کے بعد میں اپنے دوست سے دوبارہ اس کی گاڑی مانگنے کی پوزیشن میں نہیں رہا۔ اس کے سامنے مجھے بہت نادم ہونا پڑا ہے۔''
''اسپیشل ٹاسک فورس کے پاس بہترین گاڑیوں کی کمی نہیں ہے۔''
''اس ذاتی ملاقات کے لیے میں دفتر کی گاڑیوں میں سے کسی کا استعمال مناسب نہیں سمجھتا۔ وہ دفتری فرائض کی بجا آوری کے لیے مخصوص ہیں۔''
وہ دھیرے سے ہنس پڑا اور بولا ''تمہاری پوری کہانی سن لینے کے بعد مجھے اندازہ ہے کہ تمہیں یہ خوف لاحق رہا ہوگا کہ کہیں تمہاری بے خبری میں گاڑی میں کوئی نیا چپ نہ لگا دیا جائے۔''
''میرا دھیان اس طرف نہیں گیا تھا۔'' میں نے بھی خوش دلی سے جواب دیا ''میں گاڑی پارک کر کے تمہارے پاس بیٹھا رہتا اور تمہارے آدمی اطمینان سے کار کے کسی ایسے حصے میں چپ لگا دیتے کہ اسے ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا......''
''اور پھر ہم اس کی مدد سے تمہیں کسی سنسان سڑک سے اغوا کر لیتے۔'' اس نے میری بات کاٹ کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ''کرنل! اب ان بے ہودہ خدشات کو اپنے ذہن سے نکال دو اور کھلے دل کے ساتھ مجھ سے تعاون کرو۔ ڈینی کی رسی بہت دراز ہو چکی ہے۔ اب اسے زیر دام آنا چاہیے۔ یہ کام تم کر سکتے ہو۔ ویرا کو میں خود دیکھ لوں گا۔''
''او کے گیری! میں پوری کوشش کروں گا۔'' میں نے کرسی چھوڑ کر اس سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ وہ میرا ہاتھ تھام کر میز کے پیچھے سے نکل آیا۔
دروازہ کھول کر ہم دونوں اس کمرے سے باہر نکلے تو مجھے وہاں تک لانے والا شخص راہ داری میں ٹہل کر میری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔
گیری مجھے اس کے حوالے کرنے کے بجائے میرے ساتھ راہ داری سے نکاس والے سرے کی طرف چل دیا۔ دوسرا امریکی خاموشی سے ہم دونوں کے پیچھے ہولیا۔ گیری شروع سے ہی تند خو اور انا پسند افسر نظر آیا تھا۔ میرے لیے اس کا وہ مساویانہ رویہ حیران کن تھا۔
راستے میں ہم دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے لیکن میرا ذہن گیری کے رویے میں الجھا رہا۔ وہ لوگ میرے اور ویرا کے بارے میں اپنے سارے وسائل آزما چکے تھے۔ کسی مخبر کے لیے لاکھوں ڈالر کے خطیر انعامات کی بڑے پیمانے پر تشہیر کر چکے تھے لیکن ان کی وہ تمام کوششیں لاحاصل ثابت ہوئی تھیں۔ میری زندہ یا مردہ حالت میں گرفتاری ان کی انا کا زخم بن چکی تھی۔ شاید گیری اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ ڈینی کے خلاف کرنل داور وقت کی بساط کا سب سے طاقت ور مہرہ تھا جسے بہت زیادہ احتیاط اور احترام سے کھیل کر وہ ڈینی کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ گیری کے اس احساس نے اسے میرے ساتھ دوستانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔
برآمدے میں پہنچ کر گیری نے پرتپاک انداز میں مجھے رخصت کر دیا اور میں وہاں سے اتر کر پھاٹک کی طرف روانہ ہو گیا۔ وسیع و عریض پورچ سے پھاٹک کا فاصلہ طویل تھا۔ سر پر سورج پوری حدت اور توانائی کے ساتھ چمک رہا تھا اور میں وہ راستہ طے کرتے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ اس چار دیواری میں اپنے ملک کی سلامتی اور بقا کے خلاف ہونے والی پراسرار سازشوں سے باخبر ہونے کے باوجود ہم کب تک خاموش رہ سکیں گے۔
پھاٹک پر مامور عملے نے مسکراہٹوں کے ساتھ مجھے الوداع کہا اور میں فولاد سے بنے ہوئے مشینی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی سے گزر کر باہر فٹ پاتھ پر نکل گیا۔
میں ٹیکسی سے گھر پہنچا تو وہاں ایس ٹی ایف کے دو محافظوں کے سوا صرف غزالہ موجود تھی۔ ویرا اور سلطان شاہ گھر سے غائب تھے۔

☆☆☆

خبر بہت چھوٹی سی تھی لیکن وہ ویرا کے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی۔
میری زبانی اسے معلوم ہو چکا تھا کہ شیر دل ایک عیال دار مجرم تھا۔ وہ اپنے بچوں پر جرائم کا سایہ بھی نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا۔ اس نے بیوی بچوں کو شہر کے ایک صاف ستھرے علاقے میں رکھا ہوا تھا۔ بچے اچھے اسکولوں میں زیر تعلیم تھے۔
ویرا نے اخبار میں جب یہ پڑھا کہ شیر دل کی لاش کے حصول کے لیے کسی نے پولیس یا اسپتال سے رجوع نہیں کیا تھا اور شیر دل کی لاش کو لاوارث قرار دے کر ایدھی کے مردہ خانے بھجوا دیا گیا تھا تو وہ مضطرب ہو گئی۔
وہ خود ایک عورت تھی اور خوب جانتی تھی کہ مرد کیسا ہی

مردود اور نابکار کیوں نہ ہو، عورت مرنے کے بعد اپنے شوہر کو یوں لاوارث نہیں چھوڑ سکتی۔ اس کے لیے وہ چونکا دینے والا معاشرتی سانحہ ثابت ہوا تھا۔

وہ کچھ دیر تک غزالہ اور سلطان شاہ سے اس خبر پر تبادلہ خیال کرتی رہی۔

شیر دل بلاشبہ ایک سفّاک قاتل اور بھیانک مجرم تھا۔ سوبھراج کا ساتھ دے کر اس نے اپنا نام ملک کے غداروں کی فہرست میں بھی شامل کر لیا تھا لیکن سوبھراج کے سونپے ہوئے مشن میں ناکام رہنے کے بعد، میرے ورغلانے پر اس نے نک کو مروا کر ادھورا مشن پورا کر دیا تھا۔ اس کی وہ کارگزاری ہم سب کے لیے خوشی کا باعث ثابت ہوئی تھی۔

شاید ہم اسے معاف کر دیتے لیکن وقت کا بے رحم پہیہ اس کے خلاف حرکت میں آ چکا تھا۔ وہ اپنی بدقسمتی سے میرے ہاتھوں مارا گیا۔

کچھ دیر بعد ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

شیر دل کے گھر کا پتا چلانے کے لیے دھوبی گھاٹ کے علاقے میں اس کے اڈے پر جانا ناگزیر تھا۔ ویرا اس اڈے کے محلِ وقوع سے لاعلم تھی۔ باخبر ہوتی تب بھی پوچھ گچھ کے لیے اس علاقے میں جانے کا خطرہ مول نہ لیتی جہاں اس کا وجود سر سے پیر تک ایک اجنبی تماشا بن کر رہ جاتا۔ وہ کام سلطان شاہ بہتر انداز میں کر سکتا تھا۔

ویرا کے خدوخال خالص امریکی تھے۔ اس کی جلد کی میدے جیسی رنگت پاکستان کے گرم موسم کی تمازت سے خاصی جھلس گئی تھی۔ وہ اپنی رنگت کو گوری چٹی مقامی خواتین کے مقابلے پر لانے کے لیے گردن، چہرے اور ہاتھوں پر باقاعدگی سے وہ کریمیں بھی استعمال کرتی تھی جو دیارِ مغرب کے صاف ستھرے ماحول پر سن باتھ لینے والے اپنی جلد میں آفتابی کرنوں کے بہتر انجذاب کے لیے استعمال کرتے ہیں لیکن پھر بھی ویرا کی جلد کی رنگت اس کے غیر مقامی ہونے کی چغلی کھاتی رہتی تھی۔ اسے بس ایک کامیابی حاصل ہوئی تھی کہ باقاعدگی سے کانٹیکٹ لینس استعمال کرنے کی وجہ سے اس کی نیلی آنکھوں کا رنگ سیاہ نظر آتا تھا۔

ویرا ایک ہلکے پھلکے مقامی سوٹ میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر گھر سے روانہ ہو گئی۔ غزالہ نے اسے میری واپسی تک روکنا چاہا لیکن ویرا نے اس کے مشورے کو یکسر نظرانداز کر دیا۔ وہ جانتی تھی کہ میں لوٹ آیا تو پھر وہ شیر دل کی بیوہ کی طرف جانے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ میرے لوٹنے سے پہلے وہ اپنی من مانی کرنے کے لیے آزاد تھی۔

دھوبی گھاٹ کے علاقے میں پہنچ کر اس نے وہی کیا جو سلطان شاہ نے میرے ساتھ کیا تھا۔ وہ اسے گاڑی سے اتار کر آگے نکل گئی۔

وہ شیر دل کا علاقہ تھا۔ وہ کوئی نیک آدمی نہیں تھا لیکن اپنے علاقے میں بہت مقبول تھا۔ ہر ایک افسردہ اور اس کی موت کے سوگ میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا۔

ویرا نے سلطان شاہ کو راستے میں سمجھا دیا تھا کہ اسے شیر دل کے اڈے کے نواح میں پہنچ کر یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ اس کا بہت قریبی دوست ہے۔ اس کی موت کی خبر سن کر اس کے بیوی بچوں سے تعزیت کرنے کے لیے ایبٹ آباد سے کراچی آیا ہے۔

وہاں کے سوگوار ماحول میں ویرا کی بتائی ہوئی تدبیر بہت کارگر رہی۔ شیر دل کی موت کا قصہ تازہ تھا۔ انسان کی بے ثباتی زندگی کے مآل پر ہر دل موم بنا ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے ایک پان والے سے بات کی تو اس نے بہت دھیان سے سب کچھ سنا اور بتایا کہ گلی میں شیر دل کے اڈے پر اس کے بہت سے سوگوار دوست جمع تھے جو اس کی رہنمائی کر سکتے تھے۔

سلطان شاہ اس بھیڑ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا کہ دوستوں سے ملنا بے سود ہو گا۔ وہ سب اس کے لیے اجنبی ہیں۔ وہ شیر دل کے بیوی بچوں سے ملنا چاہتا ہے۔

پان والے کے لیے وہ ایبٹ آباد سے آیا ہوا ایک پردیسی تھا۔ غریب غربا پردیسیوں، مسافروں اور ایک دوسرے کے مہمانوں کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔ اس نے سلطان شاہ کو ایک سال خوردہ سی چوبی بنچ پر بٹھایا، آئس بکس سے پاکولا کی ایک ٹھنڈی بوتل نکال کر زبردستی اسے تھمائی اور قریب سے جاتے ہوئے ایک لڑکے کو آواز لگا کر ہدایت دی کہ وہ استاد کے ڈیرے سے شیدے کو وہاں بلا لائے۔

اس لڑکے کے ساتھ جو شخص آتا ہوا نظر آیا وہ خاصی مضحکہ خیز شخصیت کا حامل تھا۔ اتنا دبلا پتلا کہ تیز ہوا سے اس کے اڑ جانے کا خوف آئے۔ دراز قامت، پچکے ہوئے گالوں اور دھنسی ہوئی آنکھوں والا لمبوترا چہرہ اور بالائی لب پر لمبی لمبی سیاہ مونچھیں اسے دور ہی سے نمایاں کر رہی تھیں۔

رہی سہی کسر اس کے کپڑوں نے پوری کر دی تھی۔ اس نے سیاہ قمیص شلوار پہنی ہوئی تھی۔ قمیص کے گریبان، کالر اور آستینوں کے سروں پر سنہری کڑھائی کا کام بنا ہوا تھا۔ مجموعی

طور پر وہ مدقوق شخص بدمعاش سے زیادہ کسی سرکس کا مسخرہ معلوم ہورہا تھا۔
وہ دور سے سلطان شاہ کا جائزہ لیتا ہوا آرہا تھا مگر قریب آکر وہ براہِ راست پان والے سے مخاطب ہوگیا۔ پان والے نے اسے سلطان شاہ سے ملایا تو وہ یہ جان کر بہت متاثر ہوا کہ وہ ایبٹ آباد سے صرف تعزیت کے لیے آیا تھا۔
اس نے اچانک سلطان شاہ سے ہندکو میں بات شروع کردی۔ پشتو کی طرح سلطان شاہ کو اس زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ اسے یہ توقع نہیں تھی کہ پان والے نے اس کے بیان کی سچائی آزمانے کے لیے شیر دل کے اڈے سے کسی ایسے آدمی کو بلایا ہوگا جو ایبٹ آباد میں کثرت سے بولی جانے والی زبان پر عبور رکھتا ہو۔
دونوں کے درمیان چند منٹ تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس دوران میں شیدے نے بتایا کہ وہ لوگ تین دنوں تک انتظار کریں گے کہ کوئی رشتے دار ایدھی کے مردہ خانے سے مرحوم استاد کی لاش لے جائے۔ کوئی نہ پہنچا تو استاد شیر دل کی لاش حاصل کر کے تیسرے دن اس کی تجہیز و تکفین کی ہوئی میت کی تدفین کا ارادہ کرلیا تھا۔
اس نے سلطان شاہ کو دعوت دی کہ وہ اس وقت تک کراچی میں رکا رہے تو استاد کے جنازے میں ضرور شرکت کرے۔
استاد کی بیوی کا ذکر کرتے ہوئے شیدے کا لب ولہجہ رازدارانہ ہوگیا۔ اس نے بتایا کہ اس کا استاد کھلے دل کا ایک یار باش آدمی تھا اور اپنے دھندوں کی وجہ سے گھر بار سے دور رہتا تھا۔ اس کی وصیت تھی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے گھر سے کوئی نہ آئے تو گھر والوں کو نہ چھیڑا جائے۔ دوست اور شاگرد اسے دفنادیں۔
اس عجیب وصیت کے بارے میں شیدے نے سلطان شاہ کے کسی بھی سوال کا جواب دینے سے انکار کردیا لیکن اسے پردیسی سمجھ کر ناظم آباد کے اس گھر کا پتا بتادیا جہاں شیر دل کی بیوی اپنے بچوں کے ساتھ رہتی تھی۔
پان والا اپنی گدی پر بیٹھا اپنے کام میں مصروف تھا۔ وہ آنے جانے والے گاہکوں کو تیزی سے نمٹا رہا تھا۔ سلطان شاہ کو پورا یقین تھا کہ وہ شیر دل اور اس کے آدمیوں کا خاص مخبر تھا جو گلی کے نکڑ پر پان کی دکان کی صورت میں ایک اہم مورچا سنبھال کر بیٹھا ہوا تھا۔
سلطان شاہ نے پاکولا کی بوتل ختم کی۔ پان والے اور شیدے کو الوداع کہا۔ شیدا اس سے گلے ملنے کے لیے اس کی بانہوں میں آیا تو سلطان شاہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس نے کسی استخوانی ڈھانچے کو گلے سے لگالیا ہو۔
اپنے اہم ترین کام سے نمٹ کر وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ اسے چند قدم کے فاصلے پر ایک رکشا خالی ہوتا نظر آیا۔
اس نے مڑ کر دیکھا تو شیدا واپس نہیں گیا تھا۔ پان کی دکان کے پاس کھڑا، سلطان شاہ کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔
سلطان شاہ نے اس کام کو اپنے لیے سہل تصور کیا تھا لیکن اس مرحلے پر اسے اندازہ ہوا کہ وہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ لڑنے مرنے والے لوگ تھے۔ شیدے کو ذرا سا بھی شبہ ہوجاتا کہ اسے بے وقوف بنایا گیا ہے تو بات وہیں بگڑ سکتی تھی۔
وقت کی نزاکت کا تقاضا تھا کہ سلطان شاہ خالی رکشے میں بیٹھ کر کہیں بھی روانہ ہوجائے تاکہ شیدے کو اس پر کسی قسم کا شبہ نہ ہوسکے۔
اگر اس وقت سلطان شاہ دستیاب سواری استعمال کرنے کے بجائے اسے نظر انداز کر کے دیر تک پہنچنے کے لیے آگے بڑھتا تو شیدے کی نگاہیں اس کا پیچھا کرتی رہتیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ کسی لڑکے کو اس کے پیچھے لگادیتا۔
اگر وہ لوگ اس بات سے واقف ہوجاتے کہ آگے کوئی گوری چٹی، فیشن ایبل لڑکی سلطان شاہ کا انتظار کررہی تھی تو وہاں کچھ ہوتا یا نہ ہوتا، ان دونوں کے لیے شیر دل کے ناظم آباد والے گھر پہنچ کر اس کی سابقہ بیوی اور حالیہ بیوہ سے ملنا ناممکن ہوجاتا۔
سلطان شاہ کے پاس فیصلہ کرنے کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ مڑ کر شیدے کی طرف دیکھتے ہی اس نے سوچا اور رکشا خالی ہوتے ہی اس میں سوار ہوگیا۔
''ناظم آباد چلو!'' اس نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔
ڈرائیور نے میٹر گھمایا اور رکشا وہیں سے واپس موڑلیا۔
پان والے کی دکان کے قریب سے گزرتے ہوئے سلطان شاہ نے دیکھا کہ شیدا مٹھی میں دبی ہوئی سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ سلطان شاہ نے چلتے رکشے میں سے اس کی طرف ہاتھ ہلایا تو شیدے نے بھی جواب میں ہاتھ لہرایا اور رکشا آگے نکلتا چلا گیا۔
گندی ندی کے ساتھ وہ سڑک سیدھی تھی۔ سلطان شاہ کو رکشے میں کم از کم اتنی دور ضرور جانا تھا کہ وہ شیدے اور پان والے کی نظروں سے اوجھل ہوجاتا۔
اس نے اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو اسے دیرا سے الگ ہوئے نصف گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔

دونوں کے درمیان طے شدہ پروگرام کے مقابلے میں ویرا کو اگلے نکڑ پر انتظار کرتے ہوئے کم از کم سات منٹ ہو چکے تھے۔

ویرا بہت سادہ مزاج کی مالک تھی۔ اس کا چہرہ عام طور پر میک اپ سے بے نیاز رہتا تھا لیکن اپنے رنگ روپ کی وجہ سے وہ معمولی کپڑوں میں بھی فیشن ایبل نظر آتی تھی۔ اس کے لیے تیسرے درجے کے اس علاقے میں زیادہ دیر تک رکنا اور آوارہ مزاج شہدوں کے آوازوں کو برداشت کرنا بہت کٹھن کام تھا۔

سلطان شاہ سوچ رہا تھا کہ وہ رکشے میں چلا جا رہا تھا اور ویرا بے چاری مقررہ مقام پر گاڑی میں بیٹھی اس کے انتظار میں سوکھ رہی ہوگی۔

سلطان شاہ نے مڑ کر دیکھا اور خوشی سے اس کا دل بلّیوں اچھل پڑا۔

وہ مڑ کر یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ وہ شیدے وغیرہ کی نگاہوں کی رسائی سے دور آ چکا ہو تو رکشا وہیں رکوا کر اتر پڑے لیکن اسے زیادہ دور تک نظریں اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ رکشے سے کچھ فاصلے پر ویرا کی گاڑی چلی آ رہی تھی۔

اس کے مڑنے پر ویرا نے ہلکا سا ہارن بجا کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ سلطان شاہ نے اس سے پہلے ہی ویرا کو دیکھ لیا تھا۔

سڑک کے گنجان اور تنگ حصے پر وہ سفر یوں ہی جاری رہا۔ ویرا کو دیکھ لینے کے بعد سلطان شاہ کو اطمینان ہو چکا تھا کہ اسے ویرا کی تلاش میں واپس نہیں جانا تھا۔ کسی بھی مناسب مقام پر وہ رکشا رکوا کر اترتا اور ویرا کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو جاتا۔

سڑک کشادہ ہوتے ہی سلطان شاہ نے رکشا رکوا لیا۔ ڈرائیور نے حیرت ضرور ظاہر کی کہ وہ ناظم آباد جانے کے بجائے راستے میں اتر رہا تھا لیکن معترض نہیں ہوا۔ میٹر میں ظاہر ہونے والی رقم دو ہندسوں تک بھی نہیں پہنچی تھی۔ سلطان شاہ نے دس دس کے دو نوٹ ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھے اور رکشا چھوڑ دیا۔

ویرا نے کچھ دور اپنی گاڑی سڑک سے قدرے اتار کر روک لی تھی تاکہ پیچھے سے آنے والے ٹریفک کی روانی میں کوئی خلل نہ پڑے۔

رکشے سے اتر کر سلطان شاہ فوری طور پر ویرا کی طرف نہیں گیا۔ رک کر یوں جیبیں ٹٹولتا رہا جیسے کچھ تلاش کر رہا ہو۔ چند ثانیے اسی طرح گزار کر وہ واپس لوٹا اور دروازہ کھول کر ویرا کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔

''مجھے وہاں چھوڑ کر رکشے میں کہاں بھاگے جا رہے تھے!''

ویرا نے گاڑی کو آگے بڑھاتے ہوتے کسی قدر ترش لہجے میں کہا۔

''شیر دل کے گرگوں سے بات کر کے سیدھا تمہاری طرف آتا تو میرے ساتھ تم بھی ان کے چکر میں پھنس جاتیں۔ میں تھوڑی دور جا کر رکشا چھوڑ دیتا اور کسی دوسرے راستے سے ذرا سی دیر میں تمہاری گاڑی تک لوٹ آتا۔'' سلطان شاہ نے کہا۔

''اس گنجان آبادی کی ٹیڑھی میڑھی گلیوں میں راستہ تلاش کرنا آسان نہیں ہے۔ تم ندی کی دیوار کے ساتھ اندر ہی اندر چلتے ہوئے آ سکتے تھے۔''

''تمہارے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا۔ اچھا ہوا کہ تم نے مجھے وہاں سے روانہ ہوتے ہوئے دیکھ لیا اور میں واپسی کی زحمت سے بچ گیا۔''

''میرے لیے کچھ نہ کچھ کرنے سے کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا مجھ میں سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔''

''تم بلاوجہ ہر بات کا مطلب نکالنے بیٹھ جاتی ہو۔'' سلطان شاہ نے بے چارگی سے کہا ''میں اسی لیے تمہارے ساتھ آنے سے انکار کر رہا تھا۔''

''میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گی۔'' ویرا تنک کر بولی ''یہ یاد رکھو کہ حرکت میں برکت ہے۔ ہم گھر سے نکلے ہیں تو کچھ نہ کچھ کر کے واپس لوٹیں گے۔ تم کیا تیر مار کر آئے ہو۔''

''بھالا مارا ہے۔ شیر دل کی بیوہ کا پتا مل گیا۔'' وہ بولا۔

''ویری گڈ۔ تو اب ہمیں کہاں جانا ہے۔''

''ناظم آباد!'' سلطان شاہ نے مختصر ترین جواب دیا۔

''نام سنا ہوا ہے مگر وہ علاقہ میرا دیکھا ہوا نہیں ہے۔ تمہیں راستہ بتانا پڑے گا۔''

''سیدھی چلتی رہو۔ آگے یہ سڑک داہنی طرف گھوم جائے گی۔''

نشتر روڈ پر ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ سے ویرا بوکھلا گئی۔ ٹریفک میں کوئی نظم و ضبط نہیں تھا جس کو جہاں راہ مل رہی تھی وہ ادھر گاڑی گھما رہا تھا۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ اسے سلطان شاہ سے رہنمائی لینی پڑ رہی تھی۔

پاکستان کوارٹرز سے ذرا آگے اس نے ڈرائیونگ سیٹ سلطان شاہ کو سونپ دی اور خود اطمینان سے برابر والی نشست سنبھال لی۔

''یہ تم نے اچھا کیا۔'' سلطان شاہ نے گاڑی سڑک پر

دوڑاتے ہوئے مسرت سے کہا ''ڈرائیور عورتوں کے برابر میں بیٹھے ہوئے مرد مجھے احمق اور گاؤدی لگتے ہیں۔''

''فکر نہ کرو۔ تم اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے بھی ایسے ہی نظر آرہے ہو۔''

''ویرا! کیا میں واقعی تمہیں ایسا لگتا ہوں؟'' سلطان شاہ نے مجروح لہجے میں سوال کیا۔

''ارے نہیں...... میں مذاق کررہی تھی۔'' وہ جلدی سے بولی اور اس نے اپنا داہنا ہاتھ بے اختیار اس کے شانے پر رکھ دیا۔

''مہربانی کرکے اپنا ہاتھ ہٹالو۔ ہم دونوں کے درمیان فاصلہ ضرور برقرار رہنا چاہیے ورنہ میری کھوپڑی سنک سکتی ہے۔''

''کیا واقعی!'' ویرا نے مسرت سے پوچھا ''کھوپڑی سنک گئی تو تم کیا کروگے۔''

''گاڑی پر لعنت بھیجوں گا اور اتر کر پیدل گھر چل دوں گا۔''

ویرا نے جھلّا کر اس کا شانہ نوچا اور اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا ''تم بہت خشک آدمی ہو۔ عورتوں سے بات کرنے کا سلیقہ تمہیں چھوکر بھی نہیں گزرا۔''

''شکر ہے کہ اس وقت تم نے اپنا عورت ہونا تسلیم کرلیا ورنہ ابھی تک لال لگام لگا کر لڑکی ہونے کے دعوے کرتی رہتی تھیں۔'' اس نے برجستہ کہا۔

''خاموشی سے گاڑی چلاتے رہو۔ میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی۔''

''پہلی بات یہ کہ میں تمہارا ڈرائیور نہیں ہوں۔ اپنی مرضی سے گنگنا کر گاڑی چلاؤں گا اور دوسری بات یہ ہے کہ مجھ سے دور ہی رہنا۔ کوئی بھی نرم چیز میرے منہ سے لگتی ہے تو کچاکچا کر اسے چباڈالنے کو دل چاہتا ہے۔''

''تمہاری ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اندر سے اتنے سیدھے نہیں ہو جتنا نظر آنے کی کوشش کرتے ہو۔ صنف لطیف کے بارے میں تمہارے ذہن میں ہمیشہ تشدد جھلکتا ہے نفسیاتی اصطلاح میں تم کو اذیت پرست کہا جاسکتا ہے۔''

''تمہاری جیسی باتیں کوئی مرد کرے تو میں اسے اذیت کے اظہار پر معاف نہیں کروں گا بلکہ اسے اس عذاب میں مبتلا کردوں گا۔ اس میں عورت مرد کی کوئی تفریق نہیں' یہ جیسے کو تیسا والی بات ہے'' سلطان شاہ نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''کسی بے لباس لڑکی کو رسیوں سے باندھ کر چمڑے کے چابک سے مارنے کے بارے میں تمہارا ذہن کیا کہتا ہے'' ویرا نے اسی کے جواب کو نظرانداز کرکے پوچھا۔

''کبھی ایسا تجربہ نہیں کیا'' وہ بے رخی سے بولا'' میں تصورات کی دنیا میں نہیں رہتا' عملی آدمی ہوں تمہاری طرح فضول باتوں میں اپنا سر نہیں کھپاتا۔''

''کیا میری باتیں فضول لگتی ہیں!'' ویرا نے اپنی نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

''کبھی کبھی ایسا لگتا ہے'' سلطان شاہ کی بے پروائی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

''اچھا سچ سچ بتاؤ کہ کبھی کسی لڑکی سے تمہاری دوستی رہی ہے'' ویرا نے اپنی نشست میں پہلو بدل کر اچانک سوال کیا'' گاؤں' شہر یا تمہارے قصبے کی کوئی لڑکی۔''

''تم میری زبان سے کیا اگلوانا چاہ رہی ہو؟'' سلطان شاہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کچھ نہیں میں تمہارے دل کو ٹٹولنا چاہتی ہوں'' ویرا کی آواز دھیمی ہوگئی۔

''ناممکن ہے وہ پسلیوں کے پنجرے میں بند ہے تمہاری وہاں تک رسائی نہیں ہے'' سلطان شاہ کا لب ولہجہ بے رحمانہ تھا۔

''کبھی تمہارے دل میں خیال نہیں آتا کہ تم بھی ڈیبی اور غزالہ کی طرح سکھ کی زندگی گزارو کوئی دردمندی کے ساتھ تمہاری خبر گیری کرنے والا ہو جس سے تم اپنے دل کی ہر بات بلاخوف خطر کہہ سکو' جو ہمیشہ تمہارے لئے فکرمند نظر آئے۔''

''کبھی کبھی خیال آنے لگا ہے۔ وہ دونوں مثالی اور قابلِ رشک زندگی گزار رہے ہیں'' اس بار سلطان شاہ بہت سنجیدہ تھا۔

''پھر اپنے آس پاس دیکھو کسی کو تلاش کرو دکھ سکھ کے لمحوں کے کسی ساتھی کے بغیر زندگی کا طویل سفر گزارنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔''

''اوہ!'' وہ چونک کر بولا'' کیا تم میرے لئے اپنا رشتہ تجویز کررہی ہو؟''

''لعنت ہے تمہاری صورت پر!'' ویرا نے اپنے داہنے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں پھیلا کر ہتھیلی اس کے چہرے پر ٹکادی'' میں کروں گی تم سے شادی! اپنی صورت دیکھی ہے تم نے آئینے میں۔''

سلطان شاہ کا سوال ایسا بے تکا تھا کہ اس پر ویرا کا مشتعل ہونا لازمی تھا۔ دونوں کے درمیان مفاہمانہ فضا میں ہونے والی گفتگو یکا یک تکدر کا شکار ہوگئی' سلطان شاہ کے چڑانے والے

سوال کا وہی جواب ہو سکتا تھا جو تنک کر ویرا نے دیا تھا۔

''مم......میرا یہ مطلب نہیں تھا'' سلطان شاہ نے بوکھلا کر مدافعانہ انداز میں کہا ''دیکھو نا......اس وقت میرے آس پاس تو صرف تم ہی ہو......''

''مجھے معلوم ہے تم اتنے ہی بھولے ہو'' وہ زہریلے لہجے میں غرائی ''پانی کو مما اور روٹی کو چوچی کہتے ہو۔اب بک بک مت کرو' کوئی اور بونگی بات کی تو میں تماشا بننے کی پروا کیے بغیر ہاتھ مار دوں گی۔''

سلطان شاہ نے کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھا۔ اس کے تیور واقعی بہت خراب تھے۔اسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے ویرا سے وہ ٹیڑھا سوال کیوں پوچھا تھا۔

مشکل یہ تھی کہ ان دونوں کے درمیان اسے نازک موضوع پر براہِ راست گفتگو کا زیادہ دیر تک جاری رہنا ناممکنات میں سے تھا۔

چند منٹ پہلے سلطان شاہ چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا تو ویرا بدک رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ویرا راہ پر آئی تو سلطان شاہ نے اپنے ناموزوں سوال سے اسے پٹری سے اتار دیا۔

وہ آپس میں کچھ طے کرنے کے قابل تھے اور نہ دوسروں کے سامنے سنجیدگی سے وہ اہم باتیں کرنے پر آمادہ ہوئے تھے۔ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کیا تھا یہ وہی جانتے تھے دونوں میں سے کسی نے اپنے ساتھیوں کو اعتماد میں لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ویرا چند ثانیوں تک منہ پھلائے خاموش بیٹھی رہی پھر اس نے اپنے غصے کے اظہار کے لیے سگریٹ سلگا کر بلاوجہ پھونکنی شروع کر دی۔

سلطان شاہ بظاہر پورے انہماک سے ڈرائیونگ میں مصروف رہا لیکن وہ بار بار چور نظروں سے ویرا کے تنے ہوئے' بھبھوکا چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ویرا کی مزید برہمی کے خوف سے اس کے ہونٹ بند رہے اور وہ خلوص دل سے چاہتے ہوئے بھی ویرا سے معذرت کے دو بول نہیں کہہ سکا۔

باہمی کشیدگی کی اسی کیفیت میں وہ ناظم آباد تھانے کے عقب میں پھیلے ہوئے پرسکون رہائشی علاقے میں شیر دل کا گھر تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

گھنٹی کے جواب میں ایک خوش رو اور صحت مند عورت نے دروازہ کھولا جس کی آنکھیں متورم ہو رہی تھیں۔اس کی سوالیہ نظریں سلطان شاہ کے چہرے سے پھسل کر ویرا کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

''میرا نام مریم ہے'' ویرا نے بہت نرمی اور شائستگی سے کہا ''میں عورت فاؤنڈیشن سے آئی ہوں۔کیا میں کچھ دیر کے لیے تمہارے گھر میں آ سکتی ہوں۔

''میرے گھر میں کوئی مرد نہیں ہے'' اس عورت نے سلطان شاہ پر ایک نگاہ ڈال کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''تم اکیلی اندر آ سکتی ہو۔''

''تم گاڑی میں بیٹھو' ویرا نے پلٹ کر سلطان شاہ کو ہدایت دی'' میں مسز شیر دل سے بات کر کے کچھ دیر میں واپس آتی ہوں۔''

ہدایت پسندیدہ نہیں تھی لیکن مسز شیر دل کی خواہش کا احترام لازمی تھا۔سلطان شاہ سائے میں کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ عورت ویرا کو اپنے ساتھ لے کر اندر پہنچی تو ویرا کی آنکھیں کھل گئیں۔ ڈرائنگ روم مختصر تھا لیکن آرام و آسائش کی بیش قیمت اشیا سے لدا ہوا تھا۔وہ مسز شیر دل کی چال ڈھال اور مختصر سی گفتگو سے اندازہ لگا چکی تھی کہ وہ عورت تعلیم یافتہ نہیں تھی۔ اس کا پھوہڑپن اس کمرے کی آرائش کے ہر پہلو میں نمایاں تھا۔

''مجھے تمہارے شوہر کی ناگہانی موت پر گہرا دکھ ہے لیکن قانون سے کھیلنے والوں کا آخری انجام یہی ہوتا ہے جسے وہ ہر وقت بھولے رہتے ہیں'' ویرا نے بات شروع کی۔

عورت نے رونے کی آواز دبانے کے لیے اپنے دونوں ہونٹ دانتوں میں بھینچ لیے لیکن اس کی سوجی ہوئی آنکھوں کے گوشوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔

''میری زندگی میں یہ برا وقت بھی آنا تھا'' وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی ''تم میرے مرد کو کیسے جانتی تھیں؟''

''میں کسی کو نہیں جانتی۔ہم لوگ بے سہارا عورتوں کی مدد کرتے ہیں۔ شیر دل کی موت کی خبر ملی تو تمہاری تلاش میں نکلے۔دھوبی گھاٹ سے یہاں کا پتا چلا تو ادھر آ گئے مجھے تمہارے دکھ اور غم کا پورا پورا احساس ہے......''

ویرا کی بات سن کر وہ عورت چونکی اور پھر اس کی بات کاٹ کر بولی ''شیر دل تو کہتا تھا کہ اس کے اڈے کے پتے سے کوئی یہاں نہیں پہنچ سکتا۔ یہ گھر بس دو آدمیوں کو معلوم ہے اور وہ کسی کو یہاں کا پتا نہیں بتا سکتے پھر تم کیسے یہاں پہنچ گئیں؟''

''ہم تمہاری مدد کرنے کے لیے آئے تھے' شیدا نامی ایک آدمی نے پتا بتا دیا۔''

''اچھا......تو شیدا نے تمہیں پتا بتایا ہے۔ بتاؤ تم میری کیا مدد کرو گی؟''

''کسی اور بات سے پہلے یہ جاننا چاہوں گی کہ تم نے شیر دل کی لاش لینے کے لیے اب تک اسپتال وغیرہ سے کیوں رجوع نہیں کیا۔''

''مرنے والے کی یہی خواہش تھی'' وہ ایک گہرا سانس لے کر دردناک آواز میں بولی ''وہ پڑھا لکھا تھا نہ اس کے پاس کوئی ہنر تھا۔ وہ اپنے بچوں کو اپنے سائے سے بھی بچانا چاہتا تھا۔ اسے یہ پسند نہیں تھا کہ لوگ اس کے بچوں کو ایک مجرم کی اولاد ہونے کے طعنے دیں۔ اس کے ساتھی اور دوست اسے دفنا دیں گے۔''

''کیا بچوں کو پتا نہیں چلے گا کہ ان کا باپ مارا گیا ہے۔'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں.....شاید کبھی نہیں'' اس نے مغموم انداز میں سر ہلا کر کہا ''ان کو بتایا گیا ہے کہ ان کا باپ ایک تاجر ہے اور کاروبار کے سلسلے میں باہر جاتا رہتا ہے۔ دو ہفتے پندرہ دن میں ہم سب سے ملنے کے لئے یہاں آتا تھا اور خاموشی سے ایک دو راتیں گھر میں گزار کر چلا جاتا تھا اس بار وہ نہیں آئے گا تو بچے پریشان ہوں گے۔ میں انہیں دلاسے دوں گی۔ وقت گزرنے کے ساتھ انہیں صبر آجائے گا۔ وہ سمجھ لیں گے کہ ان کا باپ کہیں کام آچکا ہے۔''

''اسے مجرموں سے اتنی نفرت تھی تو وہ خود مجرم کیوں بن گیا۔ تم نے اسے اس راستے پر چلنے سے کیوں نہیں روکا؟'' ویرا نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

''میں نے اسے ایک امیر تاجر سمجھا تھا۔ میرے گھر والے اس کے خلاف تھے۔ اس نے مجھے گھر سے بھاگ کر شادی کرنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ فیصل آباد کے چکر لگاتا رہتا تھا۔ میرے نصیب پھوٹے تھے کہ میں ایک دن گھر چھوڑ کر اس کے ساتھ کراچی بھاگ آئی اور ہم نے شادی کر لی۔ اس کے اصل دھندوں کا مجھے اس وقت پتا چلا جب میں اس کے ایک بچے کی ماں بن چکی تھی'' بات بات کرتے اس نے اپنے دوپٹے میں منہ چھپایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''صبر سے کام لو'' ویرا نے اٹھ کر اسے دلاسا دیا ''اب ماضی پر رونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بڑوں کی عزت خراب کر کے جو کام کیے جاتے ہیں ان کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ غلط آدمی تھا اور آخر کار ان ہی چکروں کا ایندھن بن گیا اب اس سے تمہارا پیچھا چھوٹ چکا ہے۔''

اچانک اس نے اپنے منہ سے دوپٹا ہٹایا اور آنسو بھری سرخ آنکھوں سے ویرا کو گھورتے ہوئے دبی دبی آواز میں کسی شیرنی کی طرح غرائی۔ میرے سامنے دوبارہ ایسی بات کہی تو میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔ وہ میرا مرد تھا میرا سہاگ تھا اب میری مانگ اجڑ چکی ہے میرا پوچھنے والا کوئی نہیں رہا۔ میں بے سہارا ہو گئی' میرے چھوٹے چھوٹے بچے یتیم ہو گئے اور تم کہہ رہی ہو کہ اس سے میرا پیچھا چھوٹ گیا یہ بات اب نہ کہنا۔

اس عورت کا لہجہ بہت خوں خوار اور جارحانہ تھا' رندھی ہوئی غراہٹ میں عجیب سی دہشت تھی۔ ویرا سہم کر رہ گئی۔

وہ اس عورت کی ذہنی کیفیت کو سمجھنے سے یکسر قاصر تھی۔ وہ شیر دل کو برا کہہ رہی تھی اور پھر اس کے مرجانے پر اپنے مان ٹوٹ جانے کا شکوہ بھی کر رہی تھی۔ محبت اور نفرت کے ملے جلے جذبوں میں گندھی ہوئی باتیں ویرا کے لیے ناقابلِ فہم تھیں۔

''بعد میں اس نے تمہیں یہ تو بتایا ہوگا کہ وہ غلط راستوں پر کیسے پڑ گیا'' چند لمحوں کے اعصاب شکن سکوت کے بعد ویرا نے پوچھا۔ اس بار اس نے بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔ جرم یا مجرم کا لفظ کہیں استعمال نہیں کیا تھا۔

''پرانی کہانی تھی اس بے چارے کی'' وہ دوپٹے سے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی ''اس کی ماں بچپن میں مر گئی تھی باپ نے دوسری شادی کر لی سوتیلی ماں سے تنگ آکر وہ گھر سے بھاگ گیا اور برے لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ وہ اسے خوب استعمال کرتے رہے' جوان ہوا تو وہ خود بہت برا آدمی بن چکا تھا لیکن دولت سے اپنے سب عیب چھپائے رکھتا تھا' تم کو میرے مرد کی ان ساری باتوں سے کیا دلچسپی ہے۔''

''ہم جاننا چاہتے ہیں تاکہ دوسری لڑکیوں کی زندگی برباد ہونے سے بچا سکیں۔''

''کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا'' وہ دکھی لہجے میں بولی ''جو مقدر میں لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ میرے مرد کے مقدر میں مرنا لکھا ہوا تھا' وہ مجھے چھوڑ کر مر گیا۔''

''خدا کا شکر ادا کرو کہ وہ تمہارے لئے بہت کچھ چھوڑ کر مرا ہے'' ویرا نے ڈرائنگ روم میں بھرے ہوئے ساز و سامان پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا ''بہت سے لوگ دنیا میں کچھ لیے بغیر چلے جاتے ہیں اور ان کے بچے فاقوں میں پل کر بڑے ہوتے ہیں۔''

''جو کچھ ہے وہ یہی ہے'' وہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر چاروں طرف گھماتے ہوئے بولی ''میرے پاس دس بیس ہزار کی نقدی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سارے خرچے وہ خود پورے کرتا تھا۔ یہ پیسے کب تک میرا ساتھ دے سکتے تھے لیکن خدا کا شکر ہے کہ ابھی دل میں اس کا خوف رکھنے والے لوگ زندہ ہیں۔ کل ایک آدمی پُرسہ دینے آیا تھا آج تم آئی ہو۔ کیسا

اندھیر ہے کہ میرا مرد مر گیا۔ میں دل کھول کر رو سکتی ہوں نہ اس کی میت گھر لا سکتی ہوں میرے گھر کل دو آدمی اس کی موت کا پرسہ دینے آئے ہیں......"

وہ بہک رہی تھی۔ خود کو سنبھالے رکھنے کے باوجود اندر سے بکھری ہوئی تھی پیسوں کی بات ادھوری رہ گئی تھی' ویرا کو اس کے بارے میں تجسس تھا۔ اس نے عورت کی بات کاٹ کر کہا "تم ابھی کسی کی خدا ترسی کی بات کر رہی تھیں۔"

"پتا نہیں وہ کون تھا مجھے بچوں کی تعلیم اور پرورش کیلئے دو لاکھ روپے دے کر گیا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ میرے آدمی نے اس کا کوئی بڑا کام کیا تھا۔ معاوضہ لینے سے پہلے وہ مر گیا وہ بچوں کا حق انہیں دینے کے لیے آیا تھا۔"

وہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ دو لاکھ روپے کی رقم معمولی نہیں ہوتی' اس معاوضے کا کوئی گواہ تھا اور نہ دعوے دار پھر بھی وہ ایمان دار اور خدا ترس شخص از خود چل کر اس عورت کے پاس پہنچا تھا اور اسے وہ رقم ادا کر کے چلا گیا تھا۔

وہ ذکر سنتے ہی ویرا کے ذہن میں ایک دھماکا سا ہوا۔ اسے فوری طور پر یاد آیا کہ مرنے سے پہلے شیر دل نے صرف ایک بڑا کام کیا تھا کہ کفیل کے ذریعے نک ہاروے کو اس کے گھر میں مروا دیا تھا۔

اپنے اعترافی بیان کے مطابق وہ عام آدمیوں کے قتل کا معاوضہ ایک سے ڈیڑھ لاکھ تک لیتا تھا۔ نک بہت خاص آدمی تھا۔ اسے زبردست تحفظ اور مراعات حاصل تھیں۔ اس پر شیر دل کو خود وار کرنا تھا۔ اسے یہ کام سونپنے کے وقت سوبھراج انتقام کی آگ میں جل رہا تھا' عین ممکن تھا کہ اس نے نک کے قتل پر دو لاکھ روپے کے معاوضے کی پیشکش کی ہو۔ دوسرا امکان یہ بھی تھا کہ اصل بات ایک لاکھ کی ہی رہی ہو لیکن شیر دل کی موت کی وجہ سے سوبھراج نے اس کے ورثاء کے لئے دو لاکھ روپے بجھوا دیے ہوں تاکہ زیرِ زمین دنیا میں اس کی فیاضی اور دریا دلی کی شہرت ہو۔

شیر دل کے بیوی بچے گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہے تھے لیکن شیر دل کے ایک دو مقربین سے اس کی بیوی کا رابطہ اور واسطہ رہتا تھا۔ سوبھراج کو پورا یقین رہا ہوگا کہ وہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکے گی' زیرِ زمین دنیا میں سینہ بہ سینہ سفر کرے گی جس کے نتیجے میں اس کی ساکھ برقرار رہے گی اور شہر کا ہر بدمعاش اس کے ایک اشارے پر اپنی گردن کٹوانے کے لیے تیار رہے گا۔

وہ نکتہ ذہن میں آتے ہی ویرا نے اپنی ساری توجہ اس پر مرکوز کر دی۔ اس عورت کا زخم تازہ تھا اس کے لئے پیسے سے زیادہ قیمتی اس کے مرد کی جان تھی جو ضائع ہو چکی تھی۔ دورانِ گفتگو وہ بار بار بہکتی اور جانے والے کو روتی رہی۔ اسے دوبارہ مطلوب موضوع کی طرف لانے کے لئے ویرا کو دیر تک اس کی چاپلوسی کرنا پڑی۔

بات بہت دھیرے دھیرے آگے بڑھتی رہی۔ ویرا کی یہ کوشش بھی آڑے آ رہی تھی کہ وہ عورت اس کا مدعا نہ بھانپ سکے' ان باتوں میں یہ معما بھی حل ہو گیا کہ وہ بار بار اپنے جن بچوں کا ذکر کر رہی تھی وہ کہیں نظر کیوں نہیں آ رہے تھے۔

ان بچوں کی تعداد تین تھی' بڑی بیٹیوں کی عمریں سات اور چھ سال تھیں چھوٹا بیٹا پانچ سال کا تھا۔ وہ جولائی کا مہینہ تھا' اسکولوں کی گرمیوں کی تعطیلات میں تینوں بچے اپنے ماموں کے ساتھ فیصل آباد گئے ہوئے تھے۔ وہ خود شہر نہیں چھوڑ سکتی تھی کیونکہ اس کے آدمی کے گھر آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ وہ ہفتے پندرہ دن میں جب بھی موقع ملتا گھر آ جاتا تھا۔ اس وفا شعار عورت کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ اس کا بگڑا ہوا شوہر اپنی بدمعاشیوں کے بھنور نکل کر گھر آئے تو وہاں اسے خوش آمدید کہنے والا کوئی نہ ہو۔ وہ دروازے پر تالا پڑا ہوا دیکھے اور مایوس ہو کر دوبارہ اپنی گناہوں کی دنیا میں لوٹ جائے۔

پچھلے روز آنے والے نے شیر دل کی بیوی کو اپنا کوئی نام نہیں بتایا تھا۔ اگر ویرا کا نظریہ درست تھا تو اس کی ضرورت بھی نہیں تھی' ناظم آباد کے اس گھر کے دروازے پر آ کر شیر دل کا نام لینے والا کوئی خاص آدمی ہی ہو سکتا تھا۔

شیر دل سوبھراج کا دستِ راست تھا' اس اعتبار سے وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے خاص آدمی تھے۔ اگر سوبھراج کو شیر دل کے اڈے کے ساتھ اس کے خفیہ گھر کا پتا بھی معلوم تھا تو یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں تھی۔ اس کے ایما پر اس کا کوئی بھی آدمی وہاں پہنچ سکتا تھا۔

ویرا کو اشارے مل رہے تھے کہ وہ صحیح سمت میں سوچ رہی تھی۔ وہ شیر دل کی بیوی سے ہمدردی جتا کر اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئی کہ اسے عورت فاؤنڈیشن کی طرف سے بچوں کی اسکول فیس کی صورت میں مسلسل ماہانہ امداد ملتی رہے گی۔

عورت فاؤنڈیشن کے مالی وسائل کا ذکر کرتے ہوئے اس نے عورت کو یہ بتایا کہ فاؤنڈیشن شہر کے مخیر حضرات کے تعاون سے اپنا کام آگے بڑھا رہی تھی۔ اگر وہ اسے دو لاکھ روپے پہنچانے والے خدا ترس آدمی کا کوئی پتا یا ٹھکانا بتا سکے تو یہ عورت فاؤنڈیشن پر ایک احسان ہوگا۔ شاید وہاں سے اسے بھی کوئی گراں قدر عطیہ مل سکے۔

ویرا کے مسلسل اور عاجزانہ اصرار کے سامنے وہ عورت بے بس ہوگئی۔ فیسوں کی ماہانہ ادائیگی کے لئے ویرا اس کے بچوں اور اسکولوں کے ضروری کوائف دریافت کر کے نوٹ کر چکی تھی۔ اس نے اعتراف کرلیا کہ وہ فراخ دل شخص اسے اپنا فون نمبر دے کر گیا تھا تا کہ کسی مصیبت کے وقت وہ مدد کے لیے شیر دل کے حوالے سے اس فون نمبر پر پیغام دے دے۔

وہ عورت بچوں کی کسی کاپی پر لکھا ہو وہ نمبر تلاش کرنے کے لئے گھر کے اندرونی حصے کی طرف گئی تو خوشی کے باعث اس کا دل حلق میں دھڑک رہا تھا۔

وہ آگ لینے کے لئے آئی تھی مگر اسے پیغمبری مل رہی تھی۔ شیر دل کی بیوہ سے ملنے کا ارادہ کرتے ہوئے یہ بات اس کے قیاس میں بھی نہیں تھی کہ اس طرف سے سوبھراج اور شہر کے بدمعاشوں کے درمیان ہونے والے اہم ترین لین دین کی کوئی کڑی بھی مل جائے گی۔ لیکن اس غیر تعلیم یافتہ عورت کے تازہ زخم اور غیر محتاط انداز گفتگو کے باعث ویرا ایک بڑی کامیابی کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔

اسے اندازہ تھا کہ اسے گھر میں بیٹھے کافی وقت گزر چکا تھا اور سلطان شاہ گاڑی میں کسی اداس اُلو کی طرح اکیلا بیٹھا بری طرح بھنّا رہا ہوگا لیکن وہ مجبور تھی۔ اپنے شروع کئے کام کو ادھورا چھوڑ کر واپس جانا اس کے بس سے باہر تھا۔

چند منٹ کے صبر آزما انتظار کے بعد وہ اسکول کی ایک کاپی لے آئی۔ اس کے درمیانی صفحے پر بال پین سے ایک فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ نمبر بہت آسان تھا ویرا کو ایک نظر میں زبانی یاد ہوگیا لیکن وہ کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھی۔

اس نے پرس سے قلم اور کاغذ نکال کر وہ نمبر نوٹ کیا اور دونوں چیزیں بے پروائی سے اپنے پرس میں ڈال لیں۔

''دعا کرو کہ یہ نیک آدمی عورتوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہماری فاؤنڈیشن کا بھی ساتھ دے یہ کام بن گیا تو میں ہمیشہ تمہاری شکر گزار رہوں گی'' ویرا نے اس سے کہا۔

''مجھے دو بندے میرے آدمی کا پرسہ دینے کے لئے آئے اور دونوں ہی نیکی کے فرشتے نکلے'' وہ ممنونیت سے لبریز لہجے میں بولی ''بس یہ خیال رکھنا کہ میرے بچوں کی فیس دس تاریخ سے پہلے جمع ہو جایا کرے، دو لاکھ روپے میں بینک میں ڈال دوں گی۔''

فون نمبر مل جانے کے بعد ویرا پر لگا کر وہاں سے اڑ جانا چاہ رہی تھی' اس نے اٹھتے ہوئے کہا ''تم فکر نہ کرو میں دو چار روز میں دوبارہ تمہارے پاس آؤں گی۔ تمہارے گھر پر فون تو لگا ہوا ہے نا۔''

''نہیں!'' اس نے مایوسی سے جواب دیا۔ ''میری اور شیر دل کی دوستی فون سے شروع ہوئی تھی۔ اس نے یہاں فون نہیں لگوایا۔ وہ کہتا تھا کہ فون پر آوارہ مرد سیدھی سادی عورتوں کو آسانی سے پھانس لیتے ہیں یہ شیطانی چرخہ ہے۔''

ویرا نے دل ہی دل میں سوچا کہ مرنے والا ہر ایک کو اپنے جیسا سمجھتا تھا۔ اس نے فون کے غلط استعمال سے اپنی بیوی کو نکاح سے پہلے اپنے جال میں پھانس کر اس کی زندگی برباد کی تھی۔ وہ اپنی بیوی کے گھر میں فون کیسے برداشت کرسکتا تھا۔

اس نے عورت کو کوئی جواب نہیں دیا' مسکرا کر رہ گئی۔

چند ثانیوں بعد ویرا اس الم رسیدہ اور تنہا عورت کو الوداع کہہ کر اس گھر سے نکل آئی۔

سلطان شاہ گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا' پھاڑ کھانے والی نظروں سے اسی گھر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے غصے کا اندازہ لگاتے ہوئے ویرا نے تقریباً دوڑ کر سڑک عبور کی اور دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''میں تو سمجھ رہا تھا کہ اندر بیٹھے بیٹھے تمہارا انتقال ہو چکا ہے۔ اب اس گھر سے تمہارا جنازہ ہی نکلے گا' حیرت ہے کہ تم اپنے قدموں پر چل کر آئی ہو' سلطان شاہ نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

''سنو گے تو حیرت سے اچھل پڑو گے۔ مجھے یہاں ایک غیر متوقع کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ جلدی سے گاڑی آگے بڑھاؤ' ہمیں یہاں سے جلد از جلد نکل جانا چاہئے۔'' وہ بولی۔

''تم اپنی مرضی سے واپس آئی ہو' میں اپنی مرضی سے واپس جاؤں گا۔'' سلطان شاہ نے سیٹ پر قدرے آگے سرک کر پائیدان میں اپنے پاؤں پسار دیے۔

''میں کہتی ہوں'۔''

''ارے باپ رے!'' ویرا کی بات پوری ہونے سے پہلے سلطان شاہ بوکھلا کر بولا اور سیٹ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہیں عقب نما آئینے پر جمی ہوئی تھیں۔

''یہ سالا کالا مچھر یہاں کہاں آرہا ہے'' اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے اپنی بات پوری کی۔

اضطراری طور پر ویرا کی گردن گھوم گئی۔ پیچھے کالے رنگ کی ایک بڑی موٹر سائیکل پر کالے کپڑوں والا ایک مدقوق شخص چلا آرہا تھا' اس کے چہرے پر بڑی بڑی سیاہ مونچھیں حاوی تھیں۔

انجن اسٹارٹ کرتے ہی سلطان شاہ نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھا دی۔

''کیا تم اس منحنی موٹر سائیکل سوار سے ڈر کر بھاگ گئے ہو!'' ویرا نے تعجب سے پوچھا۔

''اس کی صورت اور جسامت پر نہ جاؤ یہ شیدا ہے۔ اسی نے مجھے یہاں کا پتا بتایا تھا۔''

''اوہو! تو یہ دیکھنے کے لئے آیا ہے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ تم تعزیت کے لئے پہنچے ہو یا راستے سے کہیں غائب ہو گئے ہو۔''

''مجھے اسی وقت اس کی آنکھوں میں ہلکے سے شبہے کی جھلکیاں تیرتی ہوئی نظر آ گئی تھیں'' سلطان شاہ نے گہرا سانس لے کر کہا ''اسی لئے میں تمہاری طرف آنے کے بجائے رکشے میں واپس چل دیا تھا لیکن یہ اُلو کا پٹھا یہاں کیوں دوڑا چلا آیا۔ فون پر شیر دل کی بیوہ سے بات کر سکتا تھا۔''

''شیر دل نے آج سے دس گیارہ سال پہلے فون پر اپنی بیوی سے عشق کا آغاز کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں یہ گھر فون سے محروم ہے' اسے ڈر ہوگا کہ فون پر اس کی بیوی سے کوئی اور عشق لڑانا شروع نہ کر دے۔''

''اس وقت ہم بال بال بچے ہیں یہ ذرا سی دیر پہلے آ جاتا تو تم اندر پھنس کر رہ جاتیں۔ شیدا اپنی آنکھوں سے بے رحم قاتل نظر آتا ہے۔ شک ہو جانے پر وہ تمہیں سرد مہری سے قتل کر ڈالتا۔''

''گاڑی کی رفتار بڑھاؤ اور راستہ بدل دو' ایسا نہ ہو کہ وہ اس عورت سے بات کرتے ہی ہماری تلاش میں نکل کھڑا ہو اس سے تصادم ہمارے لئے بے سود ہوگا۔''

بات اس کی سمجھ میں آ گئی' اس نے گاڑی ایک گلی میں گھمانے کے بعد مخالف سمت میں ڈال دی اس وقت وہ ایک عقبی سڑک سے دوبارہ شیر دل کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔

☆☆☆

وقت گزرنے کے ساتھ میری اور غزالہ کی تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور میں دل ہی دل میں ویرا اور سلطان شاہ کے لئے خیر کی دعائیں مانگ رہا تھا۔

اس تشویش اور فکر مندی کے ساتھ رہ رہ کر مجھے ویرا پر غصہ بھی آ رہا تھا جو بعض اوقات نہایت خود سری پر اتر آتی تھی۔ وہ نہ صرف خود گئی تھی بلکہ سلطان شاہ کو بھی اپنے ساتھ کھینچ کر لے گئی... جو لڑائی بھڑائی کے معاملے میں ہمیشہ پیش پیش رہتا تھا۔

بات اگر شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ہوتی تو مجھے اتنی فکر نہ ہوتی۔ اصل خرابی شیر دل کے اڈے پر جانے اور وہاں سے اس عورت کے گھر کا سراغ لگانے میں مضمر تھی۔ وہ جگہ میری دیکھی بھالی تھی اور کسی عورت کے جانے کے لائق نہیں تھی۔

شیر دل کے قتل کا واقعہ تازہ تھا۔ اس کی لاش ایدھی کے مردہ خانے میں پڑی ہوئی تھی۔ اس مرحلے پر وہاں جا کر شیر دل یا اس کی فیملی کے بارے میں پوچھ گچھ کرنا بھی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا' مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ ویرا اپنے ذہن میں کیا پروگرام لے کر وہاں گئی تھی۔

دو بجے کے قریب وہ دونوں واپس آئے تو میرے صبر کا پیمانہ لب ریز ہو چکا تھا۔ اس وقت ویرا سے میرا سامنا ہوتا تو کسی سنگین جھڑپ کی نوبت آ سکتی تھی۔

ان کی گاڑی کی آواز اس امر کی مظہر تھی کہ وہ دونوں کسی نہ کسی حد تک خیریت سے لوٹ آئے تھے۔ میں نے ویرا کا سامنا نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنی خواب گاہ میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔

میں اندر سے غصے میں پھنک رہا تھا۔ اس کے باوجود میں نے اجتماعی مفاد میں پسپائی کی راہ اختیار کر لی تھی۔

کچھ دیر بعد مجھے باہر سے ان تینوں کی آہٹیں اور آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں خاموشی سے بستر پر پڑا ویرا کے کسی ردِ عمل کا انتظار کرتا رہا لیکن کہیں کچھ نہیں ہوا۔

اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی' میں نے اضطراری طور پر بٹن دبا کر اپریٹس اپنے کان سے لگا کر ہیلو کہا۔

''مہیش! جلدی آ جاؤ' اس وقت میں خطرے میں ہوں!'' میرے کانوں میں ایک گھبرائی ہوئی نسوانی آواز آئی اور فون بند ہو گیا۔

وہ پیغام سنتے ہی میرا ذہن سنیل کی بیوی' شیبا کی طرف گیا تھا۔ میں نے خود کو اس سے مہیش اگروال کے نام سے متعارف کرایا تھا۔ پیغام اسی کا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ آواز اس کی نہیں تھی۔ میں اس سے روبہ رو بہت دیر تک باتیں کرتا رہا تھا' وہ ایک خوش غلاف عورت تھی اور مردوں سے ایک خاص صوتی رچاؤ کے ساتھ بات کرتی تھی۔ فون پر بھی میں دیر تک اس کی آواز سنتا رہا تھا جو فون پر سنائی دینے آواز سے بہت مختلف تھی۔

مجھے اس مسئلے پر زیادہ دیر تک اپنا سر نہیں کھپانا پڑا ایک فوری خیال کے تحت میں نے اپنے موبائل فون کے چند بٹن دبا کر آنے والے کال کا نمبر چیک کیا تو اسکرین پر ہمارے گھر کا فون نمبر میرے خیال کی تصدیق کر رہا تھا۔

ویرا نے مجھے کمرے سے باہر نکالنے کے لئے گھر کے عام فون پر آواز بدل کر مجھے وہ پیغام دیا تھا۔ وہ ویرا کی بے

ضرر لیکن ذہانت سے بھرپور حرکت تھی' میرا غصہ یک لخت کافور ہو گیا۔

میں چند منٹ تک کمرے میں رکا رہا اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ ان تینوں کی نظریں میرے کمرے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی ویرا نے اچھل کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔

''تم اپنی چھچھوری حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی۔'' اس کے کچھ بولنے سے پہلے میں نے ترش لہجے میں کہا'' تم کو کیا پریشانی لاحق ہے...... کیوں فون کیا تھا میرے موبائل پر؟''

میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر ویرا کا سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا اور وہ مردہ آواز میں بولی'' آئی ایم سوری! میرا خیال تھا کہ میں کچھ کامیابی حاصل کر کے آئی ہوں۔ اس بارے میں تم سے تبادلہ خیال کرنا ضروری ہے۔''

''زیادہ اچھلنے کودنے کی ضرورت نہیں'' میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر کہا۔'' تم نے میرا خون خشک کر کے رکھ دیا۔ آرام سے بیٹھو اور بلا کم و کاست اپنی کہانی سنا ڈالو۔''

ویرا اپنی جگہ پر بیٹھ گئی میں نے بھی ایک نشست سنبھال لی۔

میرے درشت رویے کا یہ فائدہ ہوا کہ ویرا اپنی کامیابی کو بھول گئی۔ اس نے میرا موڈ ٹھیک کرنے کے لئے شروع سے آخر تک کے واقعات تفصیل سے سنانے شروع کر دیئے' ابتدائی حصے میں سلطان شاہ نے اصل کردار ادا کیا تھا اس لئے اسے جا بہ جا ویرا کی تصحیح کرنی پڑی' ویرا نے کسی پس و پیش کے بغیر اس کی مداخلت قبول کر لی۔

ان دونوں نے باہمی کھنچاؤ کا حصہ گول کر دیا تھا جو بعد میں ان ہی کی زبانی رفتہ رفتہ میرے علم میں آ گیا۔ اس وقت ان ضمنی باتوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

''یہ مسز شیر دل کا دیا ہوا فون نمبر ہے۔'' آخر میں ویرا نے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا ایک رقعہ میری طرف بڑھا دیا۔ وہ ہندسے ویرا کی تحریر میں لکھے ہوئے تھے۔

''یہ تو سرکاری فون نمبر ہے!'' میں نے نائن ٹو کے ابتدائی دو ہندسوں پر نظر پڑتے ہی بے ساختہ کہا۔'' تم دھوکے سے کوئی غلط نمبر لے آئی ہو۔''

''اس نے کاپی پر لکھا ہوا یہی نمبر مجھے دکھایا تھا جو میں نے نوٹ کر لیا۔'' ویرا نے خفت سے اپنی صفائی پیش کی۔'' اس سے صفحہ تلاش کرنے میں غلطی ہوئی ہوگی۔''

''کریلا اور وہ بھی نیم چڑھا...... تم نے یہ کہاوت تو سنی ہو گی!'' سلطان شاہ نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا'' تمہارے قصے میں کریلا نیم کے دو پیڑوں پر چڑھا ہوا نظر آ رہا ہے۔''

میں خود بھی کشیدگی کی فضا کو ختم کرنے کا خواہاں تھا۔ وہ دونوں اپنی مہم میں خاصی کامیابی حاصل کر کے لوٹے تھے۔ نتیجہ حوصلہ افزا رہا تھا لہٰذا میں اس سے پہلے کی ہر کدورت کو دل سے نکال دینا چاہتا تھا۔ سلطان شاہ نے ایک ہلکی پھلکی بات کہی تو میں اسی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ کریلے اور نیم سے تمہارا کیا مطلب ہے۔''

''مسز شیر دل عورت ہے اور پھر شاید جاہلِ مطلق ہے یعنی کریلی اور وہ بھی نیم چڑھی۔''

اس نے اپنے ہاتھوں کی مضحکہ خیز حرکات کے ساتھ وضاحت کی۔'' رہی سہی کسر ہماری ویرا بیگم نے پوری کر دی کیونکہ یہ بھی ایک عورت ہے' معاملہ دو عورتوں کے درمیان تھا' جو کچھ ہو جاتا وہ کم تھا مرد بے چارہ باہر بیٹھا لو کے تھپیڑے کھا رہا تھا۔''

''کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے ہمیں اس نمبر کو چیک کر لینا چاہئے۔'' غزالہ نے ہنستے ہوئے تجویز پیش کی۔'' بہت سے سرکاری ملازم دل کھول کر دفتری فون کا ناجائز استعمال کرتے ہیں اس کا بل نہیں دینا پڑتا اور وہ محفوظ ہوتا ہے۔''

''کل شام سے جلال کی کوئی خیر خبر نہیں ہے۔'' اچانک مجھے وہ غیر متعلقہ بات یاد آ گئی۔ اس نے فون پر کہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر میں یہاں پہنچنے والا ہے۔ وہ رات کو آیا نہ اب تک اس کا کوئی فون آیا۔''

''کیا اس سرکاری فون نمبر کے بارے میں تم اس سے کوئی مدد لینے کے بارے میں سوچ رہے ہو؟'' ویرا نے رسانیت اور نرمی سے پوچھا۔

''اس بارے میں کسی کی مدد لینے کی ضرورت نہیں۔ مجھے ویسے ہی اس کا خیال آ گیا تھا۔ وہ عام طور پر وعدے کی پابندی کرتا ہے' وعدہ پورا کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم فون پر معذرت ضرور کر لیتا ہے۔

وہ بہت بے چینی سے اس گفتگو کو جاننے کا خواہش مند تھا جو کل دوپہر کو میرے اور گیری کے درمیان ہوئی تھی۔

پچھلی شام سے ہم سب کی مصروفیات میں یکایک تیزی آ گئی تھی۔ جلال سے فون پر آخری گفتگو ہونے اور اس سے قبل اول خان کے رخصت ہونے کے بعد سلطان شاہ امریکیوں کی آمد کی خبر لایا تھا۔ اور ہماری لمبی دوڑ لگ گئی تھی۔ صبح میں گیری ہارٹ کی طرف نکل گیا' واپس لوٹا تو پتا چلا کہ ویرا' سلطان شاہ کو لے کر مسز شیر دل کی تلاش میں نکلی ہوئی تھی۔

سب اپنی اپنی جگہ مصروف تھے۔ میری دانست میں یہ اچھی بات تھی کہ ہم ایس ٹی ایف اور آئی بی کے وسائل پر انحصار کرنے کے بجائے اپنے طور پر آگے بڑھنے کی کوشش کررہے تھے اور اس میں کامیابی کی امید نظر آرہی تھی۔

''چاہیں تو آپ خود جلال کو فون کرلیں۔'' غزالہ نے مجھے مشورہ دیا۔

''اسے چھیڑنا مناسب نہیں' پتا نہیں وہ کہاں الجھا ہوا ہوگا۔ وقت ملے گا وہ خود ہی فون کرلے گا میں اس سے صرف ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ گیری نے کل ایس ٹی ایف کے خاتمے کے بارے میں دھمکیاں دی تھیں ان کی کیا حقیقت ہے۔''

''اس بارے میں تم اول خان کی کہی ہوئی بات بھول رہے ہو'' ویرا نے مجھے یاد دلایا۔ ''اس نے کہا تھا کہ ایسی بڑی تبدیلیاں آسمان سے نازل نہیں ہوتیں۔ امریکی حکومت کے ایسے عزائم ہوتے تو ان کی طرف سے کوئی نہ کوئی پیش رفت ہوچکی ہوتی۔''

''ہم ایک نئے موضوع کی طرف بھٹک رہے ہیں۔'' غزالہ نے ہمیں ٹوکا ''اس وقت پہلا مسئلہ فون نمبر کا ہے جس کے ذریعے سوبھراج کا کوئی سراغ مل سکتا ہے۔''

''اس وقت ہم متضاد انتہاؤں کے درمیان جھول رہے ہیں۔'' ویرا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ایک طرف پاکستان کے خلاف عالمی سازشوں میں گیری ہارٹ کا نیا کردار ہے جو ایس ٹی ایف کی بقا کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ بن کر نمودار ہوا ہے' دوسری طرف شیر دل کی بیوہ کا مسئلہ ہے......''

''وہ ایک سنگین معاشرتی المیہ ہے'' میں نے ویرا کی بات کاٹ کر کہا ''تم نے اس کے بچوں کی جو عمریں بتائی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ فیصل آباد میں شیر دل کے ٹیلی فونک عشق کی کہانی کی داغ بیل گیارہ بارہ سال پہلے پڑی تھی' دونوں فریق جوانی کے جوش میں بدمست تھے۔ انہوں نے مستقبل کو فراموش کرکے باغیانہ راہ اپنائی اور اپنا گھر بسایا نتیجہ سامنے ہے۔ وقت نے اس لڑکی کے انتخاب کو غلط ثابت کردیا' بچوں کے مستقبل کی فکر نے شیر دل کو گھر سے دور کردیا ایک عشرے کے بعد آج چار انسان اس غلط فیصلے کا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔''

''میں اس عورت سے بات کرتے ہوئے حیران ہورہی تھی۔'' ویرا...... اپنے شانے سمیٹ کر بولی ''یقین نہیں آرہا تھا کہ عملی زندگی میں بھی ایسا ہوسکتا ہے' اس کی باتیں مجھے کسی فلم کی کہانی سے ملتی جلتی معلوم ہورہی تھیں۔''

''تم مسلسل اسے عورت' عورت کہے جارہی ہو۔'' سلطان شاہ نے چڑچڑے لہجے میں کہا ''اس کے ساتھ اتنا وقت گزارنے کے بعد بھی تم اس کے نام سے بے خبر ہو!''

''کاش تم وہاں ہوتے'' ویرا بولی۔ ''اس پر بار بار رقت آمیز جذباتی دورے پڑرہے تھے۔ اسے سنبھالنا اور پھر کام کی بات جاری رکھنا بہت دشوار ثابت ہورہا تھا۔ مجھے دھیان ہی نہیں آیا کہ اس بدنصیب عورت کا نام پوچھ لیتی۔''

''اسے معلوم ہے کہ تم مریم ہو اور تمہارا تعلق عورت فاؤنڈیشن سے ہے!'' غزالہ نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''میں اپنا کوئی موزوں تعارف نہ کراتی تو میرے لیے اس کے گھر میں داخل ہونا مشکل ہوجاتا۔''

''اور کالا مچھر ذرا پہلے آجاتا تو تمہارا وہاں سے نکلنا مشکل ہوجاتا۔'' سلطان شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا ''پتا نہیں ہمارے آنے کے بعد وہاں کیا ہوا ہوگا۔''

گھروں سے بھاگ کر شادی کرنے والے جوڑوں میں وہ ایک مثالی واقعہ تھا اور ایک خوف ناک معاشرتی مسئلے کی عکاسی کرتا تھا۔ میڈیا کے ذریعے ملک میں آزادیوں کے فروغ اور دونوں اصناف کے درمیان آزادانہ میل جول کی وبا پاکستانی معاشرے کی جڑوں میں تیزی سے سرایت کرتی جارہی تھی۔ پسند کی شادی کسی بھی دور میں معیوب نہیں رہی تھی۔ روشن خیال اور شائستہ گھرانوں کے بزرگ اس اہم معاملے میں اپنے جگر گوشوں کی پسند اور ناپسند کو اولین ترجیح دیتے چلے آئے تھے۔ رشتوں کی تلاش میں گھر سے قدم نکالنے سے پہلے وہ ہر ممکن ذریعے سے یہ اطمینان کرلیتے تھے کہ کسی کے دل کی ڈور کہیں اٹکی ہوئی نہ ہو۔

اس ابتدائی احتیاط کے بعد بھی جو کچھ طے ہوتا تھا، اس کے لیے بالواسطہ طور پر بچوں کی پسند یا ناپسند کا دھیان رکھا جاتا تھا۔ وہ صدیوں پرانی خاندانی روایات تھیں جن کے ذریعے رشتوں کے بندھن ہمیشہ بہت مضبوطی سے جڑے رہتے تھے۔

کچھ عرصے سے نئی نسل کے چند مخصوص طبقوں میں بڑوں سے بغاوت کرکے گھروں سے فرار ہونے کے واقعات میں تیزی سے اضافہ ہورہا تھا۔ خاندان کی عزت اور نیک نامی کے لیے بہت سے واقعات سختی سے دبا دیے جاتے تھے۔ کسی کو کانوں کان ان کا پتا نہیں چلتا تھا۔ بس سینوں کے داغ زندگی بھر رستے رہتے تھے۔ ظاہری طور پر وقت کی دھول ایسے واقعات کی پردہ پوشی کرلیتی تھی۔

کبھی کبھار کوئی جوشیلا جوڑا پریس والوں کے ہتھے چڑھ

جاتا تھا یا انا پرست بزرگ باغیوں کی سرکوبی کے لیے خم ٹھونک کر میدان میں اتر آتے تھے تو چند روز کے لیے اخبارات کو اپنی سنسنی خیز سرخیوں کا مواد مل جاتا تھا اور پھر شب و روز پہلے کی طرح ہو جاتے تھے۔

ایسے رجحانات طویل مباحث اور اصلاح کے طلب گار تھے لیکن ہم میں سے کوئی بھی سماجی مصلح نہیں تھا۔ وہ ہمارا موضوع نہیں تھا۔ ہم اس کی اہمیت کا ادراک کر رہے تھے لیکن اس کے تدارک کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

کچھ دیر تک خاموشی سے ان تینوں کے مذاکرات سننے کے بعد میں نے ویرا کے لائے ہوئے نمبر پر فون کر کے اس کا سراغ لگانے کا فیصلہ کر لیا۔

گھر والے فون پر سی ایس ڈی مسلسل آن رہتی تھی۔ وہ سرکاری فون کا معاملہ تھا اس لیے احتیاط ضروری تھی۔ میں نے خاموشی سے وہ نمبر ملا لیا۔

ان تینوں کو اندازہ تھا کہ اس وقت ساری اہمیت ویرا کے لائے ہوئے فون نمبر کی تھی۔ میں اسی پر رابطہ کر سکتا تھا۔ میرے ہاتھ میں ریسیور دیکھ کر ان تینوں نے خاموشی اختیار کر لی اور ہمہ تن میری طرف متوجہ ہو گئے۔

''کون بول رہا ہے۔'' فون پر مردانہ آواز میں ہیلو سن کر میں نے پوچھا۔

''بابا! یہ میرا نمبر ہے۔ تم نے ملایا ہے۔ تم بتاؤ کہ تمہیں کس سے بات کرنی ہے۔'' دوسری طرف سے ہلکی سی ناگواری کے ساتھ کہا گیا۔

''مجھے صرف نمبر دیا گیا ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ کس سے بات ہو گی۔'' میں نے دھیمے لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

وہ کوئی راست باز اور اصول پرست افسر ہوتا تو میرے مبہم جواب پر تنک کر اپنا فون بند کر دیتا لیکن وہاں دال میں کچھ کالا ضرور تھا۔ میرے کانوں میں اس کی الجھی ہوئی آواز آئی ''یہ نمبر تمہیں کس نے دیا ہے؟''

''ایک عورت نے جو حال ہی میں بیوہ ہوئی ہے۔'' میں نے صرف ایک لمحے کے لیے سوچا اور کہہ ڈالا۔ شبہ ہو جانے کے بعد میں نے اپنے مخاطب پر ہر کارڈ کھیل جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''اوہ...... کہو، کیا پیغام ہے اس کا۔'' دوسری طرف سے جلدی سے سوال کیا گیا۔ میرا دیا ہوا اشارہ اس نے فوری طور پر سمجھ لیا تھا۔

''وہ تمہاری معاونت کے لیے اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہاری ممنون ہے۔ ہم لوگ بھی اس کی کچھ مدد کر رہے ہیں مگر ہمارے وسائل محدود ہیں۔ ہماری فاؤنڈیشن پریشان حال اور بے سہارا خواتین کی مدد کرتی ہے۔ اس بارے میں ہم تمہارا تعاون چاہتے ہیں۔''

''تم کس فاؤنڈیشن کی بات کر رہے ہو؟'' یکایک اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

''عورت فاؤنڈیشن!'' میں نے جواب دیا ''یہ عورتوں کی معاشی اور معاشرتی امداد کے لیے قائم کیا ہوا ایک کثیر المقاصد ادارہ ہے جو اس وقت سات سو گیارہ......''

''بھاڑ میں گئی تمہاری فاؤنڈیشن!'' دوسری طرف سے غصیلے انداز میں میری بات کاٹ دی گئی ''یہ سرکاری دفتر ہے، کوئی یتیم خانہ نہیں ہے جو عورتوں کی مدد کرتا پھرے۔''

وہ فقرہ مکمل ہوتے ہی لائن بے جان ہو گئی۔ میں نے مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''اب مسز شیر دل کی شامت آ جائے گی۔'' ویرا نے بے ساختہ کہا ''تم نے یہ بتا کر اچھا نہیں کیا کہ فون نمبر تمہیں اس نے دیا ہے۔''

''اس نکتے کے بغیر پتا نہیں چل سکتا تھا کہ اس نمبر کا سوبھراج سے کوئی تعلق ہے۔ میری بات سنتے ہی اس نے تمہاری عورت کا پیغام جاننا چاہا تھا۔''

''مسز شیر دل کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ بھول کر بھی اس کی طرف نہیں جائیں گے۔'' غزالہ نے میرا ساتھ دیتے ہوئے کہا ''تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ نمبر دیا جا چکا ہے۔ اب اسے واپس نہیں لیا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ وہ اپنی کسی حقیقی ضرورت کے لیے بھی فون کرے گی تو اس کی بات نہیں سنی جائے گی۔ اسے صرف دو لاکھ روپے پر گزارا کرنا ہو گا۔''

''دو لاکھ وہ لے چکی ہے۔ فیسوں کی رقم ہم دیں گے۔ اس نے ہم سے تعاون کیا ہے۔ میرے وعدے کے مطابق اس کا صلہ ملنا چاہیے۔ ایک قاتل اور پاجی شخص کی اولادوں کی تعلیم و تربیت میں مدد دے کر ہم بہت بڑا کام کریں گے۔''

''ہم اپنے مسائل میں گھرے رہتے ہیں۔ ہر مہینے رقم پہنچانے کا کھٹ راگ ہمارے بس سے باہر ہے۔'' میں نے نیک نیتی سے کہا ''چاہو تو اسے یک مشت ایک دو لاکھ دے دو۔ وہ اس کے بچوں کی برسوں کی فیسوں کے لیے کافی ہوں گے۔''

''ویری گڈ!'' ویرا خوش ہو گئی ''تمہاری تجویز زیادہ بہتر ہے۔ مجھے امید تھی کہ تم میرا مان رکھو گے۔ مجھے اس پر بہت

ترس آرہا ہے۔ میں اس کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔''
''تم پٹڑی سے اتر رہی ہو۔'' سلطان شاہ نے ویرا سے کہا ''اب یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اس سرکاری فون کا سوبھراج سے گہرا تعلق ہے تو ہمیں تیزی سے کام کرنا چاہیے۔ دیر ہوگئی تو ہم اس کامیابی کے ثمرات سے محروم رہ جائیں گے۔''
''محرومی کا زیادہ اندیشہ نہیں ہے۔'' میں نے اطمینان سے کہا ''اس سے کوئی ٹیڑھی بات کی جاتی تو وہ بھڑک سکتا تھا۔ میں نے وہی بات آگے بڑھائی ہے جو ویرا نے مسز شیر دل سے کی تھی یعنی عورت فاؤنڈیشن۔ نام کے اس تسلسل کی وجہ سے اسے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔''
''اس واقعے کا تیسرا فریق شیدا بھی ہے......'' سلطان شاہ نے بولنا چاہا لیکن ویرا نے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔
''عورت فاؤنڈیشن والی کہانی پر اسے بھی شبہ نہیں ہوسکتا۔ ہو بھی جائے تو وہ غیر متعلق آدمی ہے۔ سوبھراج یا اس کے کسی آدمی سے شیدے کا کوئی رابطہ نہیں ہوسکتا۔''
ویرا درست کہہ رہی تھی۔ شیر دل کے گھر پر کوئی بھی دستک دے سکتا تھا۔ وہ ایک کھلا گھر تھا۔ اسے صرف یہ فکر ہوسکتی تھی کہ عورت فاؤنڈیشن والوں کو یہ کیسے پتا چلا کہ شیر دل کے بیوی بچے ناظم آباد کے اس مکان میں رہتے ہیں۔
شیر دل کا قتل کوئی ڈھکا چھپا معاملہ نہیں تھا۔ اخبارات میں اس کی خبر لگی تھی۔ شاید کسی چھوٹے موٹے اخبار نے مقتول کی تصویر بھی لگائی ہو۔ شیر دل ابتدا میں کھلے بندوں ازدواجی زندگی گزارتا رہا ہوگا۔ صاحب اولاد ہونے کے بعد اسے اپنے بچوں کے مستقبل کا خیال آیا ہوگا اور اس نے اپنی بیوی کو ایک الگ گھر میں آباد کردیا ہوگا۔ اس ابتدائی دور کے حوالے سے شہر میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہوسکتے ہیں جو زیادہ باخبر ہوں۔
عورت فاؤنڈیشن جیسے فلاحی اور بڑے ادارے کے لیے ایسے لوگوں تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں ہوسکتا تھا۔ ویرا نے کچھ سوچے سمجھے بغیر، اپنے ذہن میں آنے والا ایک مرعوب کن نام لے ڈالا تھا۔ اس کی لفظی ترکیب پر غور کرتے ہوئے مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ اس دور میں اس نام کا کوئی نہ کوئی معتبر فلاحی ادارہ کہیں نہ کہیں کام ضرور کررہا ہوگا۔
شیدے کی تشویش صرف اس مہمان کے بارے میں ہوسکتی تھی جو شیر دل کی موت پر تعزیت کے لیے فوری طور پر ایبٹ آباد سے چل کر دھوبی گھاٹ تک پہنچ گیا تھا لیکن پھر وہاں سے ناظم آباد تک نہیں پہنچ سکا تھا۔
وہ لاینحل معما شیدے کے لیے کچھ دنوں تک الجھن کا سبب بنا رہتا پھر وہ اسے بھول جاتا۔ اس میں اتنی صلاحیت نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ عورت فاؤنڈیشن اور پردیسی مہمان کی آمد کو ایک دوسرے سے مربوط کرکے کوئی نتیجہ اخذ کرلیتا۔
''تم کہو تو اب میں اس نمبر پر فون کرکے یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں کہ وہ کس سرکاری دفتر کا فون ہے اور وہ کہاں واقع ہے۔'' سلطان شاہ نے پیش کش کی۔
''اس وقت ڈینی نے ہوشیاری سے بات سنبھال لی۔'' ویرا نے کہا ''اسے دوبارہ کوئی مشتبہ فون ملا تو وہ چوکنا ہوجائے گا۔''
''ٹیلی فون انکوائری سے بھی مطلوبہ معلومات مل سکتی ہیں۔'' غزالہ نے تجویز دی۔
''یہ تو سب سے بہتر اور آسان راہ ہے!'' ویرا خوش ہوکر بولی۔
''کوشش کرکے دیکھ لو، کامیابی کا امکان نہیں ہے۔'' میں نے کہا ''ان سے نام بتا کر نمبر لیا جاسکتا ہے۔ نمبر کے ذریعے وہ نام پتا فراہم نہیں کرتے۔''
''نمبروں کی ترتیب سے ناموں والی ڈائریکٹری عرصہ دراز سے نہیں چھاپی گئی۔ پرانی ڈائریکٹری نامکمل اور فرسودہ ہے کیونکہ شہر کے بیشتر فون نمبر سات ہندسوں میں بدل چکے ہیں۔ لے دے کر اب اول خان ہی رہ جاتا ہے جو ہماری مدد کرسکتا ہے۔'' سلطان شاہ نے قدرے مایوسی سے کہا ''وہ روز بروز ہمارے لیے ناگزیر ہوتا جارہا ہے۔''
''کوئی ناگزیر نہیں ہوتا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''ذرا سی دیدہ ریزی کی زحمت کرو تو یہ کام تم خود بھی کرسکتے ہو۔''
''طریقہ بتاؤ، میں کام سے گھبرانے والوں میں سے نہیں ہوں۔''
''عام ڈائریکٹری چھانو۔ سب کچھ مل جائے گا۔'' میں نے اسے چڑایا۔
''ان سیکڑوں صفحات میں ایک نمبر تلاش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوگا۔'' میری تجویز پر اس کا منہ اتر گیا۔
''یہ ایسا مشکل کام نہیں ہے۔'' اس بار میں نے سنجیدگی سے کہا ''سارے صوبائی اور مرکزی فون نمبر پہلی جلد کے چند رنگین اوراق میں سمٹے ہوئے ہوتے ہیں، ان پر محنت کروگے تو تھوڑی دیر میں سب کچھ سامنے آجائے گا۔''
''آؤ! یہ کام ہم دونوں مل کر کرتے ہیں۔'' ویرا اسی لمحے

اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''انہیں دھندے سے لگادیا۔ اب ہم آرام کرتے ہیں۔'' میں نے بائیں آنکھ دبا کر غزالہ سے کہا ''یہ دونوں دو تین گھنٹوں کے لیے کام سے گئے۔''

''انہیں کوئی کام کی بات مل جائے گی یا آپ نے ان کے ساتھ شرارت کی ہے۔'' غزالہ نے اپنی غزالی نظریں میرے چہرے پر مرکوز کرکے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''تھوڑی دیر میں نتیجہ سامنے آجائے گا۔'' میں غزالہ کا ہاتھ تھام کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

ان دونوں کا پتا نہیں تھا۔ سلطان شاہ کے کمرے سے ویرا کی منمناتی ہوئی سی آواز آرہی تھی۔ شاید وہ دونوں ٹیلی فون ڈائریکٹری کی رنگین اوراق والی پہلی جلد لے کر وہیں بیٹھ گئے تھے۔ ویرا کی شراب نوشی کی وجہ سے سلطان شاہ اس کے کمرے میں کم ہی جاتا تھا۔

میں کمرے میں جاتے ہی بستر پر دراز ہوگیا۔ غزالہ اپنے مرمریں وجود کو سمیٹ کر میرے سرہانے بیٹھ گئی اور اپنے نرم وگداز ہاتھوں سے میرا سر دبانے لگی۔

''آج یہ دونوں خاصی اہم کامیابی حاصل کرکے آئے ہیں۔ کام کے سلسلے میں دونوں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ ویسے ان میں ذرا بھی نہیں بنتی۔'' میں نے کہا۔

''ویرا اس کے سامنے ہر وقت کڑک مرغی کی طرح اکڑی رہتی ہے۔'' غزالہ نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ پٹھان ہے۔ عورت کی یہ اکڑفوں برداشت نہیں کرسکتا۔ جب تک ویرا اپنے رویے میں نمایاں تبدیلی نہیں لائے گی۔ ان دونوں میں ذہنی مفاہمت نہیں ہوسکتی۔''

''ویرا کی عادتیں بہت پرانی اور راسخ ہوچکی ہیں۔ وہ خود کو دوسروں پر مسلّط کرنے کی عادی ہے۔ اس کے لیے بھی خود کو بدلنا بہت مشکل ہے۔''

''یہ نہ کہیں۔'' اس نے اٹھلا کر شوخی سے کہا ''یہ اس کی عادت نہیں ہے۔ وہ بنتی ہے۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ آپ کے سامنے وہ بھیگی بلی بن جاتی ہے۔ یہ فرق کیوں ہے۔ آپ بھی تو سلطان شاہ کی طرح ایک مرد ہیں۔''

غزالہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر بہت بھرپور وار کردیا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے میں بوکھلا گیا مگر پھر میں نے سنبھل کر کہا ''تمہارے اور میرے درمیان اعتماد کا رشتہ ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ شادی کے بعد میں نے تم سے کوئی بات نہیں چھپائی۔ میرے اور ویرا کے ماضی کے مراسم بھی تمہارے علم میں ہیں اور شاید اسی وجہ سے مجھ سے جھونک کھاتی ہے۔''

حجامتیں کیسی

''منیر صاحب کا انتقال کیسے ہوا؟''

''وہ ایک ماڈرن قسم کے باربر شاپ میں شیو کرانے گئے تھے جہاں لڑکیاں گاہکوں کا شیو کرتی تھیں۔ ایک لڑکی ان کا شیو بنا رہی تھی کہ ایک چوہا لڑکی کے پاؤں پر سے گزر گیا......''

☆☆☆

''تمہاری کبھی سرجری ہوئی ہے؟''

''بہت مرتبہ...... کیونکہ میں نائی سے شیو بنا تا ہوں۔''

☆☆☆

''میں بہت جلدی میں ہوں۔ کیا تم میرا کالر موڑے بغیر اور میری گردن کے گرد تولیا لپٹے بغیر میرا شیو بنا سکتے ہو؟''

''جی ہاں جناب...... اور اگر آپ حکم دیں تو میں آپ کی ٹوپی اتارے بغیر آپ کے بال بھی کاٹ سکتا ہوں۔''

☆☆☆

''تم بہت اچھے حجام ہو۔ تمہاری باتیں سنتے ہوئے پتا ہی نہیں چلتا کہ کب حجامت ہوگئی۔''

''یہ فن مجھے ورثے میں ملا ہے سر!''

''کیا تمہارے والد بھی حجام تھے؟''

''نہیں سر! وہ صرف داستان گو تھے۔ میں نے ان کے پیشے کو ترقی دی ہے۔''

☆☆☆

''سر آپ کس طرح حجامت بنوانا پسند کریں گے؟''

''تمہاری آواز سنے بغیر۔''

☆☆☆

''سر! میں شیو بنانے کے لیے آپ کے منہ پر جھاگ بنانے لگا ہوں۔ آپ اپنا منہ بند کرلیں۔''

''نہیں...... پہلے تم بند کرو۔''

☆☆☆

''سر آپ تیزی سے گنجے ہو رہے ہیں کیا آپ اس سلسلے میں کوئی احتیاطی تدبیر کررہے ہیں؟''

''ہاں میں اپنی بیوی کو طلاق دے رہا ہوں۔''

☆☆☆

’’آپ دونوں کا ماضی!‘‘ وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی ’’اس کا خیال آتا ہے تو میرے ذہن میں کبھی کبھی ٹیسیں سی اٹھنے لگتی ہیں۔ سوچتی ہوں کہ وہ سب میرے علم میں نہ آیا ہوتا تو بہتر ہوتا۔ بعض معاملات میں بے خبری انسان کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوتی ہے۔‘‘

’’مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایسے معاملات میں تم بھی عام عورتوں کی طرح متعصب ہو۔ آج تم پہلی بار یہ شکایت زبان پر لائی ہو۔‘‘

’’میں تنگ نظر نہیں ہوں۔ ایک دوسرے کے ماضی پر ہمارا کوئی حق نہیں تھا۔ وہ زندگی ہم نے اپنی اپنی مرضی سے گزاری ہے۔ شادی کے بعد ہمیں ایک دوسرے سے حساب لینے کا حق حاصل ہوا ہے۔ یہاں آ کر میں احساسِ بے بسی میں مبتلا ہو جاتی ہوں۔‘‘

’’کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟‘‘ میں نے چونک کر سوال کیا۔

’’یہ اعتبار ہی ہے جس کے سہارے میں سکھ کی زندگی گزار رہی ہوں‘‘ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ’’ویرا، آپ کی زندگی کا ایک اہم سنگ میل تھی۔ کشتی کے مقابلے میں اس نے دل و جان سے آپ کا ساتھ دیا۔ آپ اس منزل سے گزر آئے۔ سنگ میل وہیں رہ جاتا تو ہمارا ازدواجی سفر زیادہ آرام سے گزرتا لیکن ہم ابھی تک اس سنگ میل کو اٹھائے پھر رہے ہیں۔ دوسروں کی طرح ویرا آپ کی زندگی سے نکل جاتی تو کوئی بات نہیں تھی......‘‘

’’تمہارا مطلب ہے اب ہمیں اس سے اپنی جان چھڑا لینی چاہیے‘‘ میں نے اس کی بات کاٹ کر نرمی اور رسانیت سے پوچھا۔

’’میں یہ بھی نہیں چاہتی‘‘ غزالہ نے قدرے تذبذب کے ساتھ کہا۔

’’یہ بھی نہیں چاہتیں، وہ بھی نہیں چاہتیں! ڈارلنگ، آج تم کیسی الجھی الجھی اور مبہم باتیں کر رہی ہو، آخر تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔‘‘

’’وہ ہمارے گھر کے ایک فرد کی طرح دن رات ہمارے ساتھ رہتی ہے۔ آپ کسی چیز کی پروا نہیں کرتے لیکن جب وہ تیکھی چتون سے آپ کی طرف دیکھتی ہے تو اس کی نگاہوں میں ارمانوں کے الاؤ روشن ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی محسوس ہوا ہے جیسے وہ اٹھے گی اور یکایک آپ پر فدا ہو جائے گی۔ ان اشتعال انگیز لمحوں کو پی جانا میرے لیے ہمیشہ ایک کڑا امتحان ثابت ہوتا ہے۔ میں اپنی زندگی سے ان بدترین لمحات کو نکال دینا چاہتی ہوں۔‘‘

’’پھر تو وہی بات ہوئی نا کہ کسی مناسب ترکیب سے اسے گھر سے باہر ہانک دیا جائے۔‘‘

’’یہ اس کے ساتھ ظلم ہوگا۔ ہمارے اور ہمارے وطن کے لیے اس نے بہت بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اپنے باپ کے خلاف صف آرا ہوئی، اپنی مٹی کو خیرباد کہا، اپنے ہم وطنوں سے ہماری خاطر آج تک لڑ رہی ہے۔ ہم ان احسانات کو فراموش نہیں کر سکتے۔ وہ ہم میں سے کسی کی طرف سے ایسے برے سلوک کی مستحق نہیں ہے۔‘‘

میں بے بسی سے ہنس پڑا ’’تو پھر اسے اور اس کی حرکتوں کو برداشت کرتی رہو۔‘‘

’’کیسے کروں؟ آپ جانتے ہیں کہ میں ٹھنڈے مزاج کی مالک ہوں لیکن ڈرتی ہوں کہ کسی دن غصے سے مغلوب ہو کر اس سے الجھ نہ پڑوں، میں ایسے وقت سے ڈرتی ہوں۔‘‘

’’تمہاری زبان سے یہ باتیں اچھی نہیں لگ رہیں۔ ان سے نفرت کی بُو آ رہی ہے۔‘‘

’’کیا کروں، میں آخر ایک عورت ہوں، یہ باتیں نہیں سہہ سکتی۔‘‘

’’میں ابھی بتاتا ہوں کہ تم کیا کرو‘‘ میں نے اچانک اسے دبوچ کر بستر پر گرا دیا اور کمرا اس کی دبی دبی، مترنم ہنسی کی آواز سے گنگنا اٹھا۔

ہمارے درمیان وہ دوستانہ زور آزمائی زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی۔ گھر میں گھنٹی کی آواز گونجتے ہی غزالہ نے ایک جھرجھری سی لے کر نہایت مہارت سے اپنے مارشل آرٹ کا مظاہرہ کیا اور کسی چکنی مچھلی کی طرح میرے ہاتھوں سے پھسل کر، فضا میں قلابازی کھاتی ہوئی فرش پر سیدھی جا کھڑی ہوئی۔

اس وقت اس کے انگ انگ سے کسی الھڑ دوشیزہ جیسی شوخی جھلک رہی تھی۔ بڑی بڑی چمک دار آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔ یاقوتی ہونٹوں پر عجیب سی ہوش ربا مسکان تھی اور دورانِ خون کی تیزی کے سبب اس کے رخسار کشمیری سیبوں کی طرح تمتما رہے تھے۔

میں نے بستر سے اٹھنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اس نے میرے تیور بھانپ کر پھرتی سے دروازے کا رخ کیا اور بولٹ گرا کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

میں بستر سے اترا تو وہ مطمئن تھی کہ دروازے کا بولٹ گرا دیے جانے کے بعد میں اس سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کروں گا۔

میں نے عقب سے اسے اپنے دونوں بازوؤں میں سمیٹ کر اس کے لب و رخسار کو والہانہ انداز میں اپنی چاہت کا خراج پیش کرنا شروع کر دیا۔

اس روز وہ ایک مدت کے بعد مجھے اپنے پرانے شوخ وشنگ روپ میں نظر آئی تھی اور مجھ پر یکا یک کچھ دیوانگی سی طاری ہوگئی تھی۔ مسرت کے ایسے لمحے ہمیشہ ہم دونوں کے لیے ایک سرمایہ ثابت ہوتے تھے۔

میں دروازہ کھول کر باہر نکلا تو جلال اندر آ چکا تھا۔

''کیا کسی سے لڑ کر آ رہے ہو۔ چہرہ سرخ ہو رہا ہے'' میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس نے کہا۔

''بدن ٹوٹ رہا تھا۔ کچھ ورزش شروع کی ہوئی تھی'' میں نے ویرا سے نظر بچا کر ایک آنکھ دبا کر جواب دیا ''اب ہاتھ پیر کچھ کھلے ہوئے محسوس ہو رہے ہیں۔''

''ان کپڑوں میں ورزش کر رہے تھے!'' ویرا نے سر سے پیر تک میرا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''تو کیا کپڑے اتار کر ورزش کرتا؟'' میں نے بے ساختہ پوچھ لیا۔ جلال کا ایک جاندار قہقہہ آزاد ہوگیا۔ ویرا برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

سلطان شاہ اپنے کمرے سے برآمد ہوا اور جلال سے مل کر چلا گیا۔ ویرا وہیں جم گئی۔ غالباً اس نے رنگین اوراق کھنگالنے کا کام سلطان شاہ کے سر ڈال دیا تھا۔

''کل شام کے بعد مجھے اب وقت ملا ہے'' رسمی باتوں کے درمیان جلال نے کہا ''آج رات میں واپس اسلام آباد جا رہا ہوں۔ سوچا کہ جانے سے پہلے تم لوگوں سے مل لیا جائے۔''

''میں بے چینی سے تمہارا منتظر تھا۔ یہ بتاؤ کہ اسلام آباد کی کیا خبریں ہیں۔''

''کسی خبر کا نہ ہونا ہی اچھی خبر کہلاتا ہے'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''محاذ پر ہر طرف خاموشی ہے لیکن وہاں دفتری کام کا ایک انبار جمع ہوگیا ہے۔ فیلڈ اسٹاف کو الاؤنسوں کی ادائیگی سمیت کئی معاملات رکے ہوئے ہیں، میری واپسی ضروری ہے۔''

''گیری ہارٹ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں'' میں نے کہا ''وہ اسپیشل ٹاسک فورس کے بارے میں رتی سے رائی تک ہر بات جانتے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ڈینی کا قصہ جلد ہی ختم نہ ہوا تو اس کی حکومت ایس ٹی ایف کے خاتمے کے لیے بھرپور دباؤ ڈالنے کی تیاری کر رہی ہے۔''

''ایسے واقعات اچانک رونما نہیں ہوتے، اس کے لیے

مہینوں کی تیاریاں درکار ہوتی ہیں'' اس نے بالکل وہی بات کہی جو ہم اپنے طور پر سوچ رہے تھے۔

''ابھی تک ان کی طرف سے ایک سطر بھی ریکارڈ پر نہیں ہے'' وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ یہ ان لوگوں کے نفسیاتی حربے ہیں۔ تم اس کے لیے کرنل داور بنے ہوئے ہو۔ اس نے تم پر دباؤ ڈالنے کے لیے یہ بکواس کی ہوگی۔''

''وقتی طور پر میں پریشان ہوگیا تھا لیکن بعد میں، میں بھی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ اس کے دباؤ ڈالنے کے حربے تھے۔ وہ جانتا ہے کہ فورس کے بارے میں ہم لوگ کتنے حسّاس ہیں۔''

''کل اس نے تمہیں یہی جتانے کے لیے بلایا تھا؟'' جلال نے تصدیق چاہی۔

''جاتے ہوئے وہ میری گاڑی میں ایک چپ بھی ڈال گیا تھا'' میں نے کہا۔

چپ کے ذکر پر جلال کے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ آئی بی کا ایک اعلیٰ افسر تھا۔ جدید سراغ رسانی میں ایسے آلات کے استعمال سے اسے گہری واقفیت تھی۔ وہ پورا واقعہ جاننے کے لیے بے چین ہوگیا۔

میں نے اطمینان سے اسے پورا واقعہ سنا دیا جو ریلوے ویگن میں چپ کی تدفین پر ختم ہوگیا۔

''یہ کوئی تمہارے کان پر سے گزری ہے'' اس نے پورا قصہ سن کر کہا ''اگر تمہیں ان دونوں کی آمد کی بروقت اطلاع نہ ملتی تو یہ گھر اور یہاں رہنے والے چاروں افراد اب تک ان کے نرغے میں آچکے ہوتے۔ گیری نے یہاں آتے ہی اپنے ہاتھ دکھانے شروع کر دیے ہیں۔''

''پرسوں تم مجھے اس سے ملوانے کے لیے لے گئے تھے۔ کل اس نے مجھے اولڈ کلفٹن پر بلایا تھا۔ آج صبح میں اس کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا'' میں نے کہا۔

''خوب! تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تم اس سے تیسری ملاقات بھی کر چکے ہو۔ تم اس سے کس سلسلے میں ملنے کے لیے گئے تھے؟''

''چپ والا واقعہ سنگین تھا۔ اسے یہ بتانا ضروری ہوگیا تھا کہ ہم لوگ مٹی کے مادھو نہیں ہیں۔ اس کی دوغلی پالیسی کو اچھی طرح سمجھ رہے ہیں۔''

''سب کی بات نہ کرو۔ تمہاری اور اس کی ون ٹو ون بات چل رہی ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ گیری اور کرنل داور کے درمیان ہے۔ اس میں کوئی تیسرا فریق شامل نہیں ہے'' اس نے میری بات کی تصحیح کی اور پوچھا ''تمہاری شکایت پر اس کا کیا ردِعمل تھا؟''

''اسے ماننا پڑا۔ وہ چپ کو نہیں جھٹلا سکتا تھا لیکن اس نے یہ قلابازی کھالی کہ اس نے دانستہ چپ نہیں ڈالا تھا۔ وہ بے دھیانی میں اس کی جیب سے نکل گیا تھا اور اس کے آدمی اس انمول چپ کو شہر بھر میں ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔''

''تم نے بہت اچھا کیا کہ اسے آئینہ دکھا دیا'' اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''تم سرکاری پالیسیوں کی اسیری سے بڑی حد تک آزاد ہو۔ اس روک ٹوک سے ان لوگوں کو احساس دلا سکتے ہو کہ یہ ان کے لیے کھلا میدان نہیں ہے۔''

''یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ وہ میرے ساتھ ویرا کی گھات میں بھی لگے ہوئے ہیں۔ آج اس نے مجھ سے ویرا کے بارے میں بھی بات کی ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔

''میں اس بارے میں سوچتی رہی ہوں'' ویرا نے ہماری باتوں میں حصہ لیتے ہوئے کہا ''میرا خیال ہے کہ ایک مرتبہ تم مجھے گیری کے حوالے کر ہی دو۔''

''کیا کہہ رہی ہو!'' جلال نے حیرت زدہ ہو کر بے ساختہ کہا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں'' ویرا نے ہنس کر کہا ''کرنل داور اپنے فرض سے سبک دوش ہو جائے گا۔ میں اس کے ہاتھ پیر توڑ کر لوٹ آؤں گی۔ ان لوگوں کے جانی اتلاف سے تمہاری سرکار کے لیے کچھ پیچیدہ مسائل پیدا ہو سکتے ہیں لیکن اس قسم کی رسمی مار دھاڑ پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ وہ خود بھی اپنی اس تذلیل کا ڈھنڈورا نہیں پیٹیں گے۔''

''یہ نہ کہو۔ سیاسی فائدے کے لیے وہ اپنے آدمیوں کو ذلیل تو کیا، رسوا بھی کر سکتے ہیں۔ ان سے کوئی حرکت بعید نہیں ہے'' جلال نے چیونگم چباتے ہوئے کہا۔

''تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟'' میں نے پوچھا ''تمہاری بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ اگر یہ کوئی قابلِ عمل تجویز ہوئی تو میں اس پر ضرور غور کروں گا۔''

''سو فیصد قابلِ عمل اور آسان ترکیب ہے'' ویرا چٹکی بجا کر بولی ''اس نے تمہیں اولڈ کلفٹن بلایا تھا۔ تم اسے نیو کلفٹن کے کسی ویران حصے میں بلالو۔ میں بے ہوش بنی رہوں گی۔ تم مجھے اس کے حوالے کر کے لوٹ آنا۔ باقی کام میں خود سنبھال لوں گی۔''

''وہ تمہارے ساتھ کوئی نازیبا حرکت بھی کرسکتا ہے'' میں نے ہنس کر کہا ''تم کو اندازہ نہیں ہے کہ وہ سب تم سے کتنی نفرت کرتے ہیں؟''

''وہ کیا کریں گے۔'' ویرا مجھے گھورتے ہوئے بولی ''میں کوئی عام لڑکی نہیں ہوں، جسے وہ آسانی سے بے دست وپا کرکے من مانی کرلے گا۔ میں اسے زندگی بھر کے لیے عورت کی ضرورت سے محروم کردوں گی۔''

''افوہ!'' میں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کہا ''بعض اوقات تم سے بات کرنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔ تمہیں لے جانے سے پہلے وہ تمہارے ہاتھ پیر باندھ سکتا ہے، تمہارے اعصاب کو مفلوج کرنے والی کسی دوا کا انجکشن لگا سکتا ہے۔ کچھ بھی کرسکتا ہے۔ آخر تم اسے اتنا گھامڑ کیوں سمجھ رہی ہو، وہ بہت چالاک آدمی ہے۔''

اس کے بے جھجک جواب نے مجھے جلال کے سامنے شرمندہ کردیا تھا۔

''وہ کتنا ہی چالاک ہو۔ اگر اسے یہ نہ بتایا جائے کہ تم اسے کس مقصد کے لیے بلا رہے ہو تو اس کے پاس ایک دو ہتھیاروں کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ وہ اس ویرانے میں رسی اور انجکشن وغیرہ کہاں سے حاصل کرے گا؟'' ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

''بات سمجھ میں آرہی ہے'' جلال نے مجھے آنکھ مار کر کہا ''یہ ویرا کے دل گردے کی بات ہے کہ وہ اتنی بڑی پیشکش کررہی ہے۔ کسی مناسب وقت پر اس تجویز پر عمل کیا جاسکتا ہے۔''

جلال کے لیے گیری سے میری دو ملاقاتیں گہری دلچسپی کا مرکز تھیں۔ اس نے ویرا کی تجویز کی مشروط قبولیت کے ساتھ اسے خاموش کردیا اور پھر اپنے سوالات کا سلسلہ چھیڑ دیا۔

وہ ان ملاقاتوں کی ہر بات جاننے کا خواہاں تھا۔ اسے حیرت تھی کہ گیری نے جیپ کے بارے میں میرے الزام کو ذرا سے ہیر پھیر کے ساتھ تسلیم کرلیا تھا۔ اس کے تجربے کے مطابق وہ لوگ آسانی سے اپنی غلطی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ ہر حیل و حجت کے ساتھ اپنے سر سے بلا ٹالنے کی کوشش کرتے تھے۔

اس کی دانست میں وہ میرے مذاکرات کی خوبی تھی کہ میں نے دلائل کے سہارے گیری کو ایسے گوشے میں لے جاکر کھڑا کردیا تھا جہاں اس کے لیے حقیقت کو تسلیم کرلینے کے سوا کوئی متبادل چارۂ کار نہ رہا ہوگا۔

زور و شور سے باتیں ہوتی رہیں۔ ویرا پوری سرگرمی سے گفتگو میں حصہ لے رہی تھی۔ اس دوران میں جلال نے سوبھراج کا کوئی ذکر نکالا نہ میں نے وہ قصہ چھیڑا۔ اس بارے میں ہونے والی پیش رفت ویرا کی کوشش کا نتیجہ تھی۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ شیخی میں آکر اس بارے میں کچھ کہہ ڈالے گی اور ہمیں جلال کو وہ کہانی بھی سنانی پڑ جائے گی۔

ویرا بہت بولتی تھی۔ اسے دنیا کے ہر موضوع پر بے تکان بولنے کا خبط تھا لیکن دوران گفتگو وہ اپنے ہر مخاطب کے رجحان کا دھیان رکھتی تھی۔ اپنی اس ہوش مندی کی بنا پر اس نے اندازہ لگالیا کہ بات چیت میں کئی مرتبہ موقع آنے کے باوجود میں نے اپنی طرف سے سوبھراج کا ذکر چھیڑنے میں پہل نہیں کی تھی۔

اس بارے میں، میں چپ تھا تو ویرا نے بھی اپنی زبان بند رکھی۔

گفتگو کے دوران میں غزالہ، ابرار کے ساتھ چائے کی ٹرالی لے کر آئی تو جلال سے اس کی سلام دعا ہوچکی تھی۔ سلطان شاہ پہلے ہی اس سے مل کر چلا گیا تھا۔

جلال کے لیے اسلام آباد اور کراچی میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اس کا ایک پیر کراچی میں تو دوسرا اسلام آباد میں ہوتا تھا مگر اس نے اسی رات شہر سے روانگی کی اطلاع دے کر اس ملاقات کو کسی حد تک الوداعی رنگ دے دیا تھا۔

وہ روانگی کے ارادے سے اٹھا تو میں نے آواز دے کر غزالہ اور سلطان شاہ کو بھی بلالیا۔ چاروں نے پھاٹک تک آکر الوداعی انداز میں اسے رخصت کردیا۔

''کیا کررہے ہو؟ وہ نمبر تمہیں اب تک نہیں ملا'' گھر میں واپس جاتے ہوئے میں نے ازراہِ تمسخر سلطان شاہ سے سوال کیا۔

''ایک ایک نمبر کو دیکھنا بہت عرق ریزی کا کام ہے'' سلطان شاہ نے اعتراف کیا ''کئی نمبر ایک ایک ہندسے سے رہ گئے لیکن میں لگا ہوا ہوں۔ آدھے سے زیادہ اوراق دیکھ لیے ہیں۔ تھوڑی دیر میں نتیجہ سامنے آجائے گا۔''

''جلال آگیا تھا تو اس سے ذکر کردیتے'' ویرا بولی ''اس کا کوئی آدمی ذرا سی دیر میں سب کچھ معلوم کرکے فون پر بتادیتا۔''

''تمہاری زبان پر تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ یہ کام تم بھی کرسکتی تھیں۔'' میں نے کہا۔

''تم نے اس کے سامنے سوبھراج کا نام ہی نہیں لیا۔ میں سمجھی کہ تم اس کے سامنے تازہ قصے کا ذکر نہیں کرنا چاہتے۔ میں نے بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔''

''تم نے اچھا کیا۔ ذرا سی بات کرتا تو اسے پورا قصہ بتانا پڑجاتا'' ڈرائنگ روم میں پہنچ کر میں نے توصیفی لہجے میں کہا ''یہ ذرا نازک معاملہ ہے۔ سوبھراج کے وارنٹ نکلے ہوئے

ہیں، ملک بھر کی ساری صوبائی اور وفاقی ایجنسیاں اس کی تلاش میں لگی ہوئی ہیں۔ جلال کو ذرا سی بھی بھنک مل جاتی تو یہ قصہ ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا۔''

''تم نے اس بارے میں ابھی تک اول خان سے بھی بات نہیں کی۔ کیا اسے بھی اندھیرے میں رکھنے کا ارادہ ہے؟'' سلطان شاہ نے سوال کیا۔

''وہ خود غائب ہے۔ پتا نہیں کہاں الجھا ہوا ہے۔ ابھی ہمارے پاس ایک مشتبہ فون نمبر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اونٹ کسی کروٹ بیٹھے گا تو دیکھا جائے گا کہ ہمیں کس سے کتنی مدد لینے کی ضرورت ہے۔ اس وقت تک اول خان سے بھی رابطہ ہو جائے گا۔''

''آؤ! دھندے پر چلتی ہو؟'' سلطان شاہ نے ویرا سے پوچھا۔

''میرا موڈ نہیں ہو رہا۔ باقی اوراق تم ہی دیکھ ڈالو'' ویرا نے کسل مندی سے کہا۔

''مجھے معلوم تھا کہ یہ کام مجھے کرنا پڑے گا۔ تم صبر اور تحمل کے ساتھ ٹک کر کوئی کام نہیں کر سکتیں۔ فوری نتیجے والے کاموں میں تمہارا دل خوب لگتا ہے'' سلطان شاہ نے ڈرائنگ روم سے جاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ہاں ہاں، میں ایسی ہی نکمی اور نالائق ہوں۔ تم جا کر نمبر تلاش کرو۔ ہمیں اب دوسروں کی مدد کے بغیر اپنے کام کرنے کی عادت ڈالنے کی ضرورت ہے'' ویرا نے فضا میں ہاتھ لہرا کر نرمی سے کہا اور سلطان شاہ ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

''قصہ ہاتھ سے نکلنے والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی'' اس کے جاتے ہی ویرا مجھ سے مخاطب ہو گئی ''کیا تم سوبھراج کو اپنے ہاتھوں سے کیفرِ کردار تک پہنچانے کا ارادہ کر چکے ہو۔''

''تم قبل از وقت نتیجے اخذ کر رہی ہو۔ یہ سوت نہ کپاس، جولاہے سے لٹھم لٹھا والی بات ہے۔ ہم اپنے طور پر ایسا کوئی کام کر ہی نہیں سکتے کیونکہ ہماری کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ ہمیں اول خان کو اعتماد میں لینا ہوگا۔''

''میں یہی کہنا چاہ رہی تھی'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی ''خوشی کی بات ہے کہ تمہیں اپنی قانونی حیثیت کا علم ہے لیکن یہ نہ بھولو کہ اس معاملے میں اول خان اور ایس ٹی ایف کی پوزیشن ہم سے مختلف نہیں ہے۔''

اس کی بات درست تھی۔ ہم چاروں عام شہری تھے تو ایس ٹی ایف ماورائے آئین تھی۔ آئینی طور پر اسے قانون کے نفاذ یا تحفظ کا کوئی ریاستی اختیار حاصل نہیں تھا۔ ہمیشہ یہی ہوتا آیا تھا کہ ایس ٹی ایف کے مکمل کیے ہوئے کیسز کا سہرا آخر میں پولیس کے سر سجا دیا گیا تھا۔ اسی وجہ سے ہر پولیس افسر ایس ٹی ایف والوں کا لحاظ کرتا تھا۔

''سوبھراج وفاقی اور آئی بی کا کیس ہے۔ اگر کامیابی کی کوئی صورت پیدا ہوتی ہے تو سب سے پہلے جلال کو اعتماد میں لیا جائے گا۔''

''اور اول خان کو آپ نظر انداز کر دیں گے!'' غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

''ابھی تم نے سنا نہیں کہ ویرا کیا کہہ رہی تھی۔ ہماری اور اول خان کی حیثیت یکساں ہے۔ ہم سب مل کر چلیں گے۔ کسی قانونی ادارے کی اعانت کی ضرورت پیش آئے تو جلال ہمارا پہلا اور آخری انتخاب ہوگا۔''

''اب بات صاف ہو گئی'' ویرا مطمئن ہو کر بولی ''یہ سوبھراج کیس میں ہماری پالیسی ہوگی۔ دیکھنا ہوگا کہ سلطان شاہ کیا خبر لاتا ہے۔''

''مجھے قوی امید ہے کہ وہ اچھی خبر لائے گا۔ ہماری محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔ یہ سوبھراج کی کمین گاہ کا ابتدائی سراغ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔'' غزالہ نے کہا۔

''اپنی نہیں، میری محنت کہو'' ویرا نے شوخی سے اس کی تصحیح کی ''میرے چلے جانے پر تمہارے میاں مٹھو نے تو ناراض ہو کر خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیا تھا۔ میں گھر سے قدم باہر نہ نکالتی تو یہ ذرا سی ہلچل بھی نظر نہ آتی۔''

''چلو، یوں ہی سہی!'' غزالہ نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''یہ صرف تمہارے قدموں کی برکت ہے۔ وہ جہاں جاتے ہیں، کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہو جاتی ہے۔''

''تم اپنی زبان سے جو چاہو کہتی رہو، اس وقت بھی تمہارا دل گواہی دے رہا ہوگا کہ میری وجہ سے تم لوگوں کو کبھی خفت یا شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔''

''یہ فضول دعوے نہ کرو'' میں نے ان دونوں کی بحث میں شامل ہوتے ہوئے کہا ''تھوڑی دیر پہلے تم نے گیری کو عورت کی ضرورت سے محروم کرنے کا ذکر کر کے مجھے جلال کے سامنے پانی پانی کر دیا تھا۔ ایسی گھٹیا باتیں تیسرے درجے کے غنڈے کیا کرتے ہیں۔''

''میں بھول گئی تھی کہ آج کل گیری سے تمہاری گاڑھی چھن رہی ہے۔ میری بات تمہیں ضرور بری لگی ہوگی۔ اب تم اسے دوسرے پیرائے میں ظاہر کر رہے ہو۔''

''کیا قصہ تھا۔ کیا کہا تھا ویرا نے؟'' غزالہ نے متجسس

لہجے میں پوچھا۔

''میں ایسی فضول باتوں کو اپنی زبان سے دہرانا بھی پسند نہیں کرتا۔''

''حالانکہ تم نے ابھی چند ثانیوں پہلے میری کہی ہوئی بات دہرائی ہے'' ویرا بحث پر اتر آئی۔ ''کبھی کبھی تم میرے ساتھ گہری منافقت کا کھیل شروع کر دیتے ہو۔''

وہ غیر ضروری لیکن طبیعت کو چونچال کر دینے والی بحث زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکی۔ سلطان شاہ کو ڈائریکٹری میں مطلوب نمبر مل گیا تھا۔ وہ مسرت آمیز انداز میں ڈائریکٹری اٹھائے ہماری طرف دوڑتا چلا آیا تھا۔

''مل گیا، یہ دیکھو...... یہ رہا وہ نمبر'' اس نے ڈائریکٹری میز پر رکھ کر ایک نمبر پر انگلی رکھتے ہوئے کہا ''شروع سے آدھے صفحے دیکھ کر میں تھک گیا تو میں نے آخر سے الٹے صفحات دیکھنے شروع کر دیے۔ یہ نمبر تیسرے یا چوتھے صفحے پر مل گیا۔''

''پاپولیشن ویلفیئر یعنی خاندانی منصوبہ بندی!'' ویرا اس نمبر سے اوپر جلی حروف میں چھپی ہوئی تحریر پڑھتے ہوئے بولی ''یعنی خاندانی منصوبہ بندی کے محکمے کا کوئی افسر شیر دل کے بچوں کی پرورش کی ذمے داری پوری کر رہا ہے۔''

میں نے ویرا کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ میں ڈائریکٹری کے مندرجات دیکھ رہا تھا۔ وہ سندھ کی صوبائی حکومت کا ایک محکمہ تھا۔ نمبر سے پہلے نرمل کمار کا نام لکھا ہوا تھا۔

میں نے ڈائریکٹری کا سرورق دیکھا تو پتا چلا کہ وہ ڈائریکٹری کم و بیش ڈیڑھ سال پرانی تھی۔ ملک کی آزادی کے بعد ٹیلی فون کا محکمہ اس قدر آزاد ہوا تھا کہ سالانہ ڈائریکٹری کی بروقت اشاعت اور ترسیل کو ایک عیب سمجھ کر ترک کر دیا گیا تھا۔

سرکاری محکموں میں آئے دن تبادلے ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ فون نمبر ان دنوں بھی نرمل کمار نامی افسر کے استعمال میں رہا ہو۔

ڈائریکٹری سے محکمے کا نام اور پتا مل گیا تھا۔ نرمل کمار سمیت اس محکمے کے چند اور افسروں کے نام سامنے آ گئے تھے۔ ضروری نہیں تھا کہ ڈیڑھ دو سال کی مدت میں سب تبادلوں کی زد میں آئے ہوں۔ ان میں سے کئی کو اسی دفتر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔

''ساری تفصیلات ایک الگ کاغذ پر نوٹ کر لو'' میں نے ڈائریکٹری ویرا کی طرف سرکا دی۔

''یہ بھی عجیب محکمہ ہے۔ ہر دس پانچ سال بعد ان کے

کاریات

''آپ کی بیگم کی ڈرائیونگ کیسی ہے؟''

''وہ جس طرح گاڑی موڑتی ہے، کبھی کبھی اتفاقاً سڑک بھی اسی طرف مڑ رہی ہوتی ہے۔''

''آپ کی گاڑی ایک گیلن میں کتنا چل جاتی ہے؟''

''اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ گیلن کس چیز کا ہے؟''

☆☆☆

یہ خاتون سامنے سے اپنی گاڑی میں آ رہی تھیں۔ اگر آپ انہیں گزرنے کے لیے راستہ دے دیتے تو یہ حادثہ نہ ہوتا۔''

''میں ضرور راستہ دے دیتا جناب! بشرطیکہ مجھے اندازہ ہو جاتا انہیں کس طرف کا راستہ چاہیے۔''

☆☆☆

''اچھا...... تو تمہیں تیز رفتاری کے جرم میں میرے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے تم کتنی مرتبہ میرے سامنے پیش ہو چکے ہو؟''

''ایک مرتبہ بھی نہیں مجسٹریٹ صاحب! البتہ سڑکوں پر کئی مرتبہ میں نے آپ کو اوورٹیک کرنے کی کوشش کی ہے لیکن میری گاڑی اسّی میل فی گھنٹا کی رفتار سے زیادہ چلتی ہی نہیں......''

☆☆☆

''یہ صاحب اس وقت کس رفتار سے جا رہے تھے جب ان کا چالان کیا گیا؟''

''رفتار کا مسئلہ تو بعد کا ہے سر...... اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ یہ صاحب بادلوں کے قریب رانگ سائڈ جا رہے تھے۔''

☆☆☆

''میں نے دیکھا ہے کہ آپ اپنی کار اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو بھی چلانے کے لیے دینے لگے ہیں۔''

''ہاں...... اس کی عمر اور تجربہ اتنا نہیں ہے کہ میں اسے کراچی کی سڑکوں پر پیدل بھیجنے کا خطرہ مول لے سکوں۔''

نعرے بدلتے رہتے ہیں۔ پہلے کہتے تھے، کم بچے خوش حال گھرانا۔ پھر رت بدل گئی۔ کہا جانے لگا کہ بچے دو ہی اچھے۔ یہ ہدایت لوگوں کو پسند نہیں آئی کیونکہ وہ ہر کھیل کی گھریلو ٹیم پر یقین رکھتے تھے جس میں کم از کم گیارہ کھلاڑی ہوتے ہیں'' تفصیل لکھتے ہوئے ویرا کی زبان چل پڑی تھی ''ریفری بے ایمانی پر اتر آئیں تو کھلاڑیوں کی تعداد تیرہ تک پہنچ جاتی ہے۔ ادھر چین میں فی خاندان ایک بچے کی مہم زور و شور سے چل رہی تھی۔ انہیں اعتراض ہوسکتا تھا کہ چینیوں نے دو ہی اچھے پر عمل شروع کر دیا تو ان کی مہم پورے سو فیصد فرق سے ناکام ہوگی لہٰذا تعداد کو ترک کر کے وقفے پر زور دیا جانے لگا۔ دیکھنا......''

''کیا تم یہ سب ڈائریکٹری سے پڑھ کر سنا رہی ہو؟'' سلطان شاہ نے اس کی قطع کلامی کر کے ترشی سے پوچھا ''معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری زبان میں بچہ لگا ہوا ہے۔''

''کہتے ہیں جس کا کھاؤ اسی کا گاؤ۔ اس اصول کے مطابق جس کا لکھواؤ اسی کا بتاؤ'' ویرا نے سب کچھ نوٹ کرنے کے بعد نظریں اٹھا کر کہا ''میں تمہیں فیملی پلاننگ کے بارے میں بتا رہی تھی۔ یہ نام بدلیں یا نعرے، ہماری زرخیزی میں فرق پڑے گا نہ پیداوار کم ہوگی۔''

''تم بہک رہی ہو'' میں نے سنجیدگی سے اسے گھورتے ہوئے کہا ''شام ہوگئی ہے۔ اپنے کمرے میں جاؤ اور نارمل ہو کر واپس آؤ۔ ہمیں اس سراغ پر کام شروع کرنا ہے۔''

میں نے اس کے دل کی بات کہہ دی تھی۔ میری ہدایت سن کر وہ خوش ہوگئی۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

غزالہ، ویرا کا لکھا ہوا کاغذ اٹھا کر پڑھنے کے بعد بولی ''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ڈیڑھ دو سال گزر جانے کے باوجود نرمل کمار اس دفتر میں اس جگہ موجود ہو؟''

''یہ مثبت امکان بھی ہے'' میں نے سر ہلا کر اعتراف کیا ''فی الحال میں منفی پہلوؤں کو سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ کل بہت کچھ ہمارے سامنے آجائے گا۔''

''آپ اس بارے میں ویرا سے کیا کام لینا چاہ رہے ہیں؟'' غزالہ نے نیچی آواز میں پوچھا۔

''ابھی میرے ذہن میں اس کے لیے کوئی کام نہیں ہے'' میں نے کہا۔

''ابھی آپ نے اس سے کہا تھا کہ ہمیں اس سراغ پر کام شروع کرنا ہے۔''

میں ہنس دیا ''حیرت ہے کہ تم اتنی آسان باتیں بھی بعض اوقات نہیں سمجھ پاتیں۔ میں اسے تاکید نہ کرتا تو وہ اندر سے اپنا پیٹ بھر کر آتی، اب وہ ایک دو گلاس لے کر نکل آئے گی۔''

''یہ رموز وہی سمجھ سکتا ہے جو پیتا ہو یا پیتا رہا ہو'' سلطان شاہ نے غزالہ کی وکالت کی ''ہم دونوں اس معاملے میں اناڑی اور بے قصور ہیں۔''

ویرا کے ذہن پر اپنی کامیابی کا خمار طاری تھا۔ اس کی فطری خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد اپنے لائے ہوئے فون نمبر کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر لے۔ اس خواہش کے زیر اثر وہ زیادہ دیر تک اپنے کمرے میں نہیں ٹک سکی اور میری توقع سے پہلے لوٹ آئی۔

''ہاں، تو تم نے کیا سوچا ہے، نرمل کمار کے بارے میں؟'' اس نے آتے ہی سوال کیا۔

''اس کے بارے میں بھی سوچ لیں گے۔ فی الحال میں تمہاری تجویز پر عمل کرنے کے امکانات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا'' میں نے سنجیدگی سے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''کس تجویز کی بات کر رہے ہو؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہیں گیری ہارٹ کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ بہت خطرناک تجویز ہے۔ اس کامیابی کا سارا دارومدار تمہاری ہمت اور حوصلے پر ہوگا۔ اس نے تمہیں زیر کر لیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت تمہیں ان لوگوں کے شکنجے سے نہیں نکال سکے گی۔''

''کیا آپ واقعی سنجیدہ ہیں'' غزالہ نے بے یقینی سے پوچھا ''جب آپ دونوں اس بارے میں جلال سے بات کر رہے تھے تو میں کچن میں سب سن رہی تھی۔ وہ بہت خطرناک تجویز ہے جو ناکام ہوگئی تو وہ ویرا کے ساتھ من مانا سلوک کریں گے اور اسے امریکا لے جا کر عدالتی انصاف کے نام پر برقی کرسی پر بٹھا دیں گے۔''

''اس بہانے ویرا کو کرسی تو مل جائے گی'' سلطان شاہ بے ساختہ بول پڑا۔

اس بار میں نے اسے قہر بار نظروں سے گھورا اور وہ سہم گیا۔ میں نے غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا ''یہ میری یا جلال کی نہیں، ویرا کی تجویز تھی۔ اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ ویرا ناکام ہوئی تو اس کو بدترین انجام کا سامنا کرنا پڑے گا مگر میں پھر بھی سنجیدہ ہوں۔''

''تم دونوں بولے جا رہے ہو'' ویرا نے احتجاج کیا ''میرے بارے میں بات ہو رہی ہے تو سب سے پہلے مجھے بولنے کا حق ہے۔ کسی خطرے کی پروا کیے بغیر میں اب بھی اپنی

پیشکش پر قائم ہوں مگر یہ بعد کی بات ہے۔ پہلے نرل کمار کے بارے میں کچھ طے کرو۔''

''تمہارے ذہن میں اس بارے میں کیا موجود ہے؟''

''ہمیں اپنے کام کی ابتدا دفتر سے کرنی پڑے گی'' ویرا نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''یہ ابتدا کون کرے گا؟'' میں نے براہِ راست اسی سے سوال کیا۔

''بتا سیکریٹریٹ کا ہے۔ وہ حساس علاقہ ہے۔ وہاں سخت حفاظتی انتظامات ہوں گے۔ میں وہاں جانے کے لیے تیار ہوں مگر میری کامیابی کے امکانات کم نظر آتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں اس دفتر تک پہنچنے سے پہلے کسی شبہے میں دھرلی جاؤں اور پھر جلال کو میری رہائی کے لیے کام کرنا پڑے۔ یہ رسک منظور ہے تو میں صبح نکل جاؤں گی۔''

''میں یہ ہار تمہارے گلے میں ڈالنے کی کوشش نہیں کررہا'' میں نے نرمی سے اسے سمجھایا ''میں نے تم سے مشورہ طلب کیا تھا۔''

''سلطان شاہ بھی یہ کام کرسکتا ہے لیکن اس میں تیزی سے بروقت فیصلہ کرنے کی صلاحیت کی کمی ہے۔ اس کے مقابلے میں تمہارا جانا بہتر رہے گا۔''

''مجھے کوئی عذر نہیں لیکن غزالہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''اگر تمہیں اعتراض نہ ہو اور غزالہ رضامند ہو تو اسی کا جانا سب سے زیادہ سودمند رہے گا۔'' ویرا خوش ہو کر بولی ''بہبود آبادی والوں کو ہر وقت پڑھی لکھی لڑکیوں کی ضرورت رہتی ہے جو گھر گھر جا کر عورتوں کو اپنی مہم کی افادیت سمجھا سکیں۔ غزالہ ملازمت کی ایک امیدوار بن کر سیدھی نرل کمار کے پاس جاسکتی ہے۔''

''یہ طریقہ شاندار رہے گا'' سلطان شاہ نے اس کی تائید کی ''مجھے یہ جان کر دکھ ہوا ہے کہ میرے بارے میں ویرا کی رائے اچھی نہیں ہے لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ اس نے میرا مقابلہ کسی للو پنجو کے بجائے تم سے کیا ہے'' آخری فقرہ اس نے مجھ سے کہا تھا۔

''مجھے معلوم تھا کہ تم ضرور شکایت کروگے لیکن کام کے مسئلے میں، میں کوئی لگی لپٹی نہیں رکھتی۔ بے خوف ہو کر اپنی بے لاگ رائے دیتی ہوں۔''

میں نے ویرا کی بات کاٹ دی ''اب اس بحث کو طول نہ دو۔ غزالہ کے بارے میں میری بھی یہی رائے تھی کہ یہ ملازمت کی تلاش میں وہاں پہنچے۔''

''اپنی ڈگری اور دوسرے کاغذات وغیرہ بھی ساتھ لیتی جانا تاکہ کسی کو تمہارے اوپر کوئی شبہ نہ ہو'' ویرا نے اسے مشورہ دیا۔

''مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ گریجویشن کے بعد میں آج پہلی بار اپنی ڈگری کا ذکر سن رہی ہوں'' غزالہ بولی ''گھر داری اور دوسرے مسائل میں پڑ کر میں بھول چکی تھی کہ میں نے کوئی ڈگری بھی حاصل کی ہے۔''

''ڈگری پر تمہارے نام کے ساتھ ڈینی کا نام تو نہیں ہے؟'' ویرا نے چونک کر پوچھا۔

''ڈگری غزالہ زیدی کے نام پر ہے'' میں نے اسے بتایا ''غزالہ کے والد کا نام زوار زیدی تھا اور وہ ریٹائرڈ کرنل تھے۔ مرحوم بہت نفیس اور وضع دار انسان تھے۔''

''تبھی تم کرنل داور بنے ہوئے ہو'' ویرا یوں بولی جیسے اس نے کوئی بڑا راز پالیا ہو۔ دونوں ناموں میں حیرت انگیز مماثلت ہے اور عہدہ تو بالکل وہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سسر کا نام تمہارے لاشعور سے چپکا ہوا ہے۔ اس رشتے میں ایسی اپنائیت خال خال ہی ملتی ہے۔''

''ان کے ہمارے گھرانے پر بہت احسانات ہیں۔ ڈیڈی انہیں بہت پسند کرتے تھے۔'' بھولے بچھڑے باپ کا ذکر کرتے ہوئے یکایک اس کی آواز کچھ کمزور پڑ گئی۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی جھکی ہوئی آنکھوں کی نمی میں نہیں دیکھ سکا لیکن اس کے سینے کا زیروبم بتا رہا تھا کہ اسے یکا یک جذباتی ابال نے آلیا تھا۔

وہ زیادہ دیر تک ہمارے ساتھ نہیں بیٹھ سکی۔ ان دونوں نے بھی غزالہ کی بدلی ہوئی کیفیت بھانپ لی تھی۔ گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا اور کمرے کی فضا پر اداسی چھا گئی تھی۔ اچانک غزالہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ہمارے کمرے کی طرف چلی گئی۔

''بے چاری!'' ویرا نے سر جھٹک کر ہمدردانہ لہجے میں کہا ''لڑکیوں کے لیے شریف النفس باپ واقعی ایک نعمت ہوتا ہے۔ بدنصیب ہوتی ہیں وہ لڑکیاں جو اپنی ماؤں سے پیار کرتی ہیں لیکن باپ کو ایک آنکھ پسند نہیں کرتیں۔''

''حیرت ہے کہ ایک بنتِ مغرب ایسی خالص مشرقی بات کہہ رہی ہے'' سلطان شاہ بولا۔

''ایک غزالہ ہے جو اپنے باپ کے ذکر پر آزردہ ہو گئی اور مجھے دیکھو، میں بھی اپنے باپ کی یادوں کو پوجتی ہوں اور کبھی اس کی بے نیازی پر میرا خون کھولنے لگتا ہے۔'' وہ سلطان شاہ کی بات کو نظر انداز کر کے اپنی رو میں بولنے لگی ''میں زندگی بھر تڑپتی رہی، اس سے التجائیں کرتی رہی۔ وہ مرتے مر گیا لیکن اس نے ایک بار بھی بیٹی کہہ کر میرے سر پر شفقت کا ہاتھ نہیں رکھا۔ میری ماں کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے شادی کیے بغیر خود کو میرے باپ کے حوالے کر دیا تھا۔ ماں کی اس غلطی کی قیمت میں نے باپ کی محبت سے محرومی کی صورت میں ادا کی ہے۔ اسے میں کبھی نہیں بھول سکتی۔''

''اب جمی لائیڈ اس دنیا میں نہیں ہے'' میں نے نرمی سے ویرا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''وہ کسی دوسرے جہان میں اپنے کیے کی سزا بھگت رہا ہوگا۔ وہ میرا بدترین دشمن لیکن تمہارا باپ تھا۔ اب تمہیں اس کو معاف کر دینا چاہیے۔''

ویرا تلخ انداز میں ہنس پڑی ''وہ میری پہنچ سے بہت دور چلا گیا۔ اب میں اس کا کیا بگاڑ سکتی ہوں۔ میں نے اسے معاف کر دیا ہے اور کبھی کبھی اس کی مغفرت کے لیے دعا بھی کرتی رہتی ہوں۔ میرے سینے میں ایک محروم بیٹی کا دل ہے۔ کبھی کبھی وہ تڑپتا ہے تو میری زبان کھل جاتی ہے، ورنہ بند رہتی ہے۔''

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب ویرا سے کیا بات کروں؟ کچھ یہی کیفیت سلطان شاہ کی تھی۔ وہ بھی اپنی زبان بند کیے بیٹھا تھا۔

ویرا نے میز پر سے پیکٹ اٹھا کر سگریٹ سلگائی اور اس کا ایک گہرا کش لے کر ہونٹوں کو دائرے کی شکل میں سکیڑا اور دھوئیں کے گول گول مرغولے میرے چہرے پر چھوڑ دیے۔

''دغاباز!'' اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی استہزائیہ آواز نکلی جو میں نے سن لی لیکن دور ہونے کے سبب وہ دو ذومعنی الفاظ سلطان شاہ کے کانوں تک نہیں پہنچ سکے۔

میں یکا یک خود کو بے آرام محسوس کرنے لگا۔ میری دلی خواہش تھی، ویرا جلد از جلد اٹھے اور وہاں سے دوبارہ اپنے کمرے میں چلی جائے۔

''تمہاری بیوی بہت خوبصورت اور باوقار ہے'' اس نے میری طرف متوجہ ہو کر بولنا شروع کیا تو میرے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ ہمیشہ غزالہ کا نام لیتی تھی مگر اس وقت اس نے غزالہ کا ذکر میری بیوی کی حیثیت سے کیا تھا جو اچھا شگون نہیں تھا۔ وہ کہہ رہی تھی ''کسی مرد کے مقابلے میں اسے آسانی سے سندھ سیکریٹریٹ میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی۔ آج ماضی کی یادوں نے مجھے اور تمہاری بیوی کو کبیدہ خاطر کر دیا۔ امید ہے کہ آنے والا دن ہم دونوں کے لیے خوشی کا پیغام لائے گا۔ یہ......''

ویرا کی بات نامکمل رہ گئی۔ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنی شروع ہو گئی۔

میں نے اسکرین پر نظر ڈالی تو وہاں نظر آنے والا نمبر میرے لیے اجنبی تھا۔ اسی لمحے سات کے ابتدائی ہندسے سے مجھے کچھ خیال آیا اور میں نے سرعت سے کال لے لی۔

''مہیش! جلدی آؤ، وہ گھر آیا ہوا ہے'' فون پر شیبا کی دھیمی اور خوف زدہ آواز سنائی دی ''وہ کچن میں کاغذ جلا رہا ہے۔ میں نے اپنی جان پر کھیل کر تمہیں فون کیا ہے۔ اسی وقت اڑ کر یہاں آ جاؤ!'' اس نے میرا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔

دوپہر کو ویرا نے شیبا کے نام سے فون پر دھوکا دینے کی کوشش کی تھی لیکن اس بار یقیناً وہی تھی۔ میں نے اس کی آواز پہچان لی تھی اور اس کا پیغام سن کر سکتے میں آ گیا تھا۔

وہ پیغام واضح نہیں تھا۔ شیبا کے پاس دونوں میں سے کوئی بھی آ سکتا تھا۔ ایک اس کا شوہر تھا اور دوسرا اس کا عاشق۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس وقت شیبا کے کچن میں سوبھراج اور سنیل میں سے کون کاغذ جلا رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادیہ سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹار نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جا رہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اسے بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کی حمایت حاصل تھی اور اس کے ایجنٹ اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ ایس ٹی ایف اور ہم اس کے پیچھے تھے اور بالآخر وہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کر ہم سب کو چوکنا کر دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک ہاروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیبی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ نک ہاروے نے تصدیق کر دی کہ ڈیبی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور ایک مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت اس کے ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں کے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کا فرضی رضاکارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کر لیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے۔ تاہم یہاں ان کا رابطہ کوبرا سے تھا۔ اسی دوران میں مجھے کوبرا کا سیٹ لائٹ فون نمبر بھی مل گیا۔ اس وقت ہمیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کوبرا کے پردے میں ایک معزز اقلیتی سیاست دان چھپا ہوا تھا۔ میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض میں اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا۔ غزالہ سلمیٰ کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا نا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیبی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈیبی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی جیب برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈیبی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ دکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہو گا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہو گی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیبی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیبی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ

کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہوگیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کرچکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہِ فرار اختیار کرلی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہوچکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن و امان کے مسائل بھی کھڑے کرنے چاہ رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کردوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جارہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کردیا تھا۔ اجلاس حسبِ توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کرلیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کردیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہوگیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہوگئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہواخوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آگیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈیلی کے کھاتے میں ڈالا جارہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسرِ پیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہوگا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سودمند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سنیل کی خوبرو بیوی کا فون موصول ہوا اس کے گھر میں سوبھراج یا سنیل موجود تھا اور کچھ کاغذات کو نذرِ آتش کررہا تھا۔

اب آپ قسط نمبر 233 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

"تم سکتے میں کیوں آ گئے؟ یہ کس کا فون تھا؟" ویرا نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"تمہاری کالی زبان سے جو کچھ نکلا تھا وہ ہو کر رہا" میں نے اسی کے انداز میں جواب دیا "دوپہر کو تم نے شیبا کے نام سے دھوکا دے کر مجھے میرے کمرے سے باہر نکالنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت اسی کا فون آیا تھا۔"

"کیا کہہ رہی تھی وہ؟" غزالہ نے بے ساختہ پوچھا۔

"کیا وہ واقعی کسی خطرے سے دوچار ہے؟" غزالہ کی بات پوری ہوتے ہی ویرا نے تشویش زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"اس کے بارے میں یہ فرضی بات تم نے کہی تھی؟" میں نے تلخی سے اسے جتایا "اس وقت وہ کوئی اور خبر سنا رہی تھی۔"

ویرا ہنس دی اور قدرے بے بسی سے بولی "کیا کہہ رہی تھی وہ؟"

"وہ آیا ہوا ہے اور کچن میں کاغذ جلا رہا ہے" میں نے اسے بتایا۔

"کون...... وہاں کون آیا ہوا ہے؟" اس ادھوری اطلاع کے نتیجے میں ویرا کے ذہن میں بھی وہی سوال ابھرا تھا جو میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔

"اس نے جو کچھ بتایا' وہ میں نے دہرا دیا۔ یہ معمّا حل کرنا تمہارا کام ہے۔"

"سوبھراج یا سنیل...... ان دونوں میں سے کون وہاں ہوسکتا ہے؟" سلطان شاہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

"ایک اس کا شوہر ہے اور دوسرا عاشق، ہوسکتا ہے کہ تخلیے سے فائدہ اٹھانے کے لیے سوبھراج چپکے سے وہاں پہنچ گیا ہو۔ آوارہ مردوں کے لیے کسی پسندیدہ عورت کی طلب بہت منہ زور ہوتی ہے۔ اپنی من پسند عورت کی رفاقت میں چند خوشگوار لمحے گزارنے کی لیے وہ سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں۔"

"سوبھراج ہوتا تو شیبا اس کی آغوش میں ہوتی' اسے فون کرنے کا موقع نہ ملتا" میں نے سوچتے ہوئے کہا "وہاں آنے والے کو ایک دل کش اور جوان عورت سے زیادہ کاغذوں کی تلفی سے دلچسپی ہے......"

"کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ عاشق ہر لمحے اپنی معشوقہ پر فدا ہونے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ شوہر اپنی قابلِ رشک بیویوں کی طرف سے بھی اکثر بے رغبتی کا شکار ہونے لگتے ہیں' ویرا نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

"ویرا!" غزالہ نے تادیبی لہجے میں اسے مخاطب کیا "تم کیسی باتیں کررہی ہو۔ ایک عورت کی زبان سے ایسی کھلی کھلی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔"

غزالہ کے اعتراض پر ویرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "کسی کے کچھ کہنے یا نہ کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' حقائق اپنی جگہ برقرار رہتے ہیں پھر کیوں نہ زندگی کی حقیقتوں کے

بارے میں کھل کر بات کی جائے۔ اگر سوبھراج کے لیے عاشق کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے تو پھر اس کی معشوقہ کی بات کیوں نہ کی جائے؟"

"ضرور کرو!" اس بار سلطان شاہ بول پڑا "عشق کے لیے عاشق کی ایک طرح دار معشوقہ کا ہونا ضروری ہے۔ جب وہ دونوں ملتے ہیں تو بات بہت آگے تک چلی جاتی ہے۔ ڈینی نے سوبھراج کی آغوش کا ذکر کر کے بات کو ٹال دیا۔ تم اس بارے میں دل کھول کر تفصیل بیان کرسکتی ہو۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے" ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا "ہم چاروں قانونی اصطلاح میں عاقل و بالغ ہیں۔ ایک نکتے سے ہر رمز کو سمجھ سکتے ہیں۔ دو چاہنے والوں کے وصل کے لمحوں کی لفظی تصویر کشی فحاشی کے زمرے میں آتی ہے۔ میں یہ الزام اپنے سر لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ چاہو تو یہ کام تم کرسکتے ہو۔"

"میں بے تول بات نہیں کرتا" سلطان شاہ نے چیخ کر جواب دیا "میں پہلے تولتا ہوں پھر بولتا ہوں۔ یہ سبق میں نے ڈینی سے سیکھا ہے۔ ایسا نہ کیا جائے تو انسان کو اکثر اپنا تھوکا ہوا چاٹنا پڑجاتا ہے۔"

"تم لوگ کس بحث میں الجھ گئے؟" میں نے ترش لہجے میں انہیں ڈانٹا۔ "میں شیبا کی فون کال کے بارے میں تم تینوں کی رائے جاننا چاہ رہا تھا۔"

"میں تمہارے اندازے سے متفق ہوں" ویرا نے بلاتوقف جواب دیا "وہاں آنے والا سوبھراج ہوتا تو وہ شیبا کے ساتھ بستر پر رنگ رلیوں میں مصروف ہوتا۔ شیبا کو تمہیں فون کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ شیبا کا فون آنے کا مطلب ہے کہ وہاں پہنچنے والا اس کا شوہر ہے جو گھر کی مرغی کو دال برابر تصور کرتا ہے اس کی نظروں میں شیبا کے سنہرے وجود کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ جب چاہے اس سے کھیل سکتا ہے۔ اس کے لیے ان کاغذوں کی تلفی زیادہ اہم ہے جو اس کی گردن کٹوانے کا سبب بن سکتے ہیں......"

"یہ بقراطی جھاڑ کر تم وقت برباد کررہی ہو" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر ترش لہجے میں کہا "ہمارے لیے وہ دونوں اہم ہیں۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ وہاں آنے والا کون ہے۔ جو بھی ہے اس پر ہاتھ ڈال دینا چاہیے۔ شیبا نے فون کر کے اپنا فرض پورا کردیا۔ ہم یہاں بیٹھے وقت ضائع کررہے ہیں۔"

سلطان شاہ کی وہ ناراضی بالکل بجا تھی۔ میں نے مزید کچھ کہے بغیر اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"چاہو تو میں تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں" ویرا نے کہا۔

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر جواب دیا "تمہارا جانا مناسب نہیں ہوگا" یہ کہہ کر میں نے سلطان شاہ پر اپنی نظریں مرکوز کردیں "تم تیار ہوجاؤ۔ میں دو منٹ میں اپنے کمرے سے ہوکر آتا ہوں۔"

سنیل کے گھر آنے والا کوئی بھی رہا ہو میں اس سے اکیلا نمٹ سکتا تھا لیکن بہتر یہی تھا کہ اس مہم پر کوئی اور بھی میرے ساتھ ہو۔ سنیل کے گھر میں اپنے حریف کا سامنا کرتے ہوئے یہ بات ہر حال میں طمانیت کا باعث ہوتی کہ باہر سلطان شاہ موجود تھا اور میری تیز تر واپسی کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آسکتی تھی۔

چند منٹ بعد ہم دونوں سنیل کے گھر کی طرف روانہ ہوچکے تھے۔

"سولجر بازار کا نام تمہیں کچھ عجیب سا نہیں لگتا؟" راستے میں سلطان شاہ نے قدرے پرخیال انداز میں مجھ سے کہا۔

میں اپنے خیالات کی رو میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے چونک کر لمحہ بھر کے لیے اس کے الفاظ پر غور کیا پھر حلاوت سے پوچھا "اس نام میں تمہیں کیا خرابی نظر آتی ہے۔"

"ہماری قومی زبان اردو ہے۔ سولجر انگریزی لفظ ہے۔ کیا ہمارے شہری قائد اس کا نام فوجی بازار نہیں رکھ سکتے تھے؟"

"وہ علاقہ آزادی کے بعد قائم ہوا ہوتا تو شاید اس کا نام یہی یا اس جیسا ہوتا" میں نے ہنس کر کہا "تم کمسن ہو اس لیے نادان بھی ہو۔ تمہاری عمر پاکستان کی عمر سے بہت کم ہے اس لیے تم ان باتوں سے ناواقف ہو۔"

اس وقت سلطان شاہ کا ذہن اس گرہ میں الجھ گیا تھا۔ ویسے بھی خاموشی سے سفر کرنے کے بجائے باتیں کرنا زیادہ بہتر تھا۔ میں نے اپنی ناقص معلومات کے مطابق اسے شہر کے ماضی کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

پاکستان کے قیام کے وقت کراچی کوئی بڑا اور مشہور شہر نہیں تھا، نہ اس کی آبادی کروڑ سے متجاوز تھی۔ مختصر سی آبادی کے روزگار کا انحصار ماہی گیری اور تجارت پر تھا۔ آبی اور فضائی گزرگاہ پر واقع ہونے کی وجہ سے شہر کی اہمیت تھی اور اسی وجہ سے یہاں برطانوی افواج کی چھاؤنی قائم تھی۔

اپنے شہری اور فوجی عملے کی ضروریات پوری کرنے کے لیے برطانوی حکومت نے شہر میں بہت سے ترقیاتی کام کیے تھے جن میں بازاروں، مارکیٹوں اور تفریح گاہوں کا قیام شامل تھا۔ سولجر بازار، ایمپریس مارکیٹ، بولٹن مارکیٹ، فریئر ہال، میری ویدر ٹاور، لی مارکیٹ اور سر جہانگیر کوٹھاری پریڈ وغیرہ اسی

دور کی یادگاریں تھیں اور شہر کی سڑکوں پر بچھی ہوئی ٹرام وے لائن کی پٹریاں ان میں سے بیشتر مقامات کو ایک دوسرے سے ملاتی تھیں۔ صرف کلفٹن کی ساحلی تفریح گاہ ٹرام کی سہولت سے محروم تھی۔

''تم نے میری الجھن دور کر دی'' سلطان شاہ وہ سب سن کر بولا ''شہر بلکہ ملک کی تھوڑی بہت تاریخ تو میں نے اسکول میں بھی پڑھی تھی لیکن یہ سولجر بازار میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔ اب بات بالکل صاف ہوگئی۔''

''سولجر بازار اور گرومندر اس زمانے میں شہر کی آخری حد ہوا کرتا تھا......''

سلطان شاہ نے شوخ انداز میں میری بات اڑا دی ''تم اتنے اعتماد سے یہ بات بتا رہے ہو جیسے تم اس وقت موجود رہے ہو حالانکہ تمہاری عمر بھی پاکستان سے بہت کم ہے۔''

''یہ سنی اور پڑھی ہوئی باتیں ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد مہاجروں کی آمد کے نتیجے میں یہ شہر تینوں سمتوں میں بہت تیزی سے پھیلتا چلا گیا۔ اور آج بھی روزگار کی تلاش میں ملک کے دوسرے حصوں سے آنے والوں کے لیے اس غریب پرور شہر کا دامن کشادہ ہے۔ تم اپنے شہر سے یہاں آئے ہو۔ میں لاہور میں ٹھوکریں کھانے کے بعد یہاں آیا تھا۔ آج یہ شہر ہم دونوں کی بہترین پناہ گاہ ہے۔''

''تم ویرا کو بھول گئے؟'' سلطان شاہ نے ہنستے ہوئے کہا ''وہ امریکا سے ہجرت کر کے یہاں آئی ہے اور کراچی نے اسے اپنی گود میں لے لیا۔''

''کراچی کی مہمان نوازی کی تاریخ بہت قدیم اور وسیع ہے۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں یورپ سے آنے والے ہزاروں مصیبت زدہ لوگوں کے قافلوں نے یہاں پناہ لی تھی جن میں سے بہتیرے ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ وہ امتداد زمانہ سے مر کھپ گئے لیکن ان کی اولادیں آج بھی اسی شہر میں کہیں رہ رہی ہوں گی۔''

''سنیل کے گھر میں داخل ہونے کے لیے تم نے کیا سوچا ہے؟'' جیل والے چوراہے سے گزرتے ہوئے سلطان شاہ نے پُرخیال لہجے میں پوچھا۔

''شیبا میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ وہاں داخل ہونے میں کوئی مسئلہ پیش نہیں آنا چاہئے۔''

''اس نے سنیل کا دوست سمجھ کر تمہیں اپنے گھر بلایا ہے۔ تمہارے اندر پہنچنے کے بعد وہ تمہارے جارحانہ تیور دیکھے گی تو بوکھلا جائے گی......''

''ایک بار گھر میں داخل ہو جانے کے بعد میرے لیے ان دونوں کو سنبھالنا مشکل نہیں ہوگا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''وہاں پہنچنے سے پہلے ہمیں اپنے لائحہ عمل کا کوئی نہ کوئی خاکہ بنا لینا چاہئے'' اس نے دبے لفظوں میں مشورہ دیا۔

''سب کچھ سامنے کی بات ہے'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''میں اندر جاؤں گا۔ تم گاڑی کے ساتھ باہر رکے رہو گے۔ مجھے قوی امید ہے کہ میں اندر کے حالات پر قابو پا لوں گا۔ احتیاط کے طور پر تمہیں یہ دھیان رکھنا ہوگا کہ وہاں سے کوئی نکل کر فرار نہ ہونے پائے۔''

''میری دلی دعا ہے کہ تم اندر والے کو زیر کر لو لیکن وہاں سے کوئی نکلتا ہوا نظر آ گیا تو مجھے کس حد تک جا کر اسے روکنا ہوگا۔''

''ہاتھ پیروں سے کام نہ چلے تو تم بے دریغ ہتھیار استعمال کر سکتے ہو۔ اس کے زندہ ہاتھ آنے میں ذرا بھی شبہ ہو تو بے فکر ہو کر اسے وہیں ڈھیر کر دینا۔ اب سوبھراج اور سنیل کی جوڑی کو ٹوٹنا چاہئے۔ ان کی رسی بہت دراز ہو چکی ہے۔''

''میں یہی جاننا چاہ رہا تھا'' سلطان شاہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''بات بڑھ جانے کی صورت میں اب میں کھلے دل کے ساتھ معاملات سنبھال سکوں گا۔''

باتیں کرتے ہوئے ہم سولجر بازار میں مارکیٹ کے عقبی علاقے میں پہنچے تو ہر طرف اندھیرا پھیل چکا تھا اور اسٹریٹ لائٹس جل اٹھی تھیں۔

میں نے گاڑی سنیل کے گھر کے قریب روک دی اور الوداعی انداز میں سلطان شاہ کے شانے پر ہاتھ مار کر گاڑی سے اتر گیا۔

گھنٹی بجانے کے بجائے نیچے کا چوبی دروازہ کھول کر میں پنجوں کے بل مختصر سے زینے طے کرتا چلا گیا۔ دروازے پر دستک دینے کا ارادہ میں نے آخری لمحے پر ملتوی کر دیا اور دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ دروازے کی خفیف سی جنبش محسوس کرتے ہی میں نے ہاتھ ہٹا لیا۔ میرا دل خوش ہو گیا۔ واقعات سے ثابت ہو رہا تھا کہ شیبا نے سنیل سے میری گہری دوستی کی کہانی کو پوری طرح قبول کر لیا تھا اور وہ میری مدد سے اپنے نابکار شوہر کو سوبھراج کے چنگل سے نکالنے کی خواہش مند تھی۔

اگر سنیل گھر آیا ہوا تھا تو شیبا کی دانست میں مجھے اس کو سمجھانا چاہئے تھا۔ سوبھراج وہاں تھا تو اس سے میرا تصادم ضروری تھا۔

وہ شیبا کی سوچ تھی۔ اس نے مجھے فون پر باخبر کر کے اپنا

فرض پورا کر دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ مہیش اگروال اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کرے گا اور وقت ضائع کیے بغیر اس کے گھر آئے گا اسی لیے اس نے دروازہ اندر سے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

میں اس گھر میں شیبا کے ساتھ کچھ وقت گزار چکا تھا۔ میں نے اس گھر کا نقشہ اپنے ذہن میں تازہ کیا۔ اگر میرا حریف کچن میں ہی مصروف تھا تو اسے بیرونی دروازہ کھلتا ہوا نظر نہیں آسکتا تھا۔

میں نے دروازے سے کان لگا کر اندر کی سن گن لینے کی کوشش کی لیکن وہاں گہرے سناٹے کا راج معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں دعا مانگی کہ اس دروازے کے قبضے سخت اور زنگ آلود نہ ہوں۔ قبضوں سے پیدا ہونے والی کوئی بھی آواز اس وقت میرا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔ مزید چند ثانیوں کے انتظار کے بعد میں نے پٹ پر دباؤ ڈالا اور وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر روانی سے اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔

اس دوران میں، میں اپنی جیب سے پستول نکال چکا تھا۔ اپنے حریف کو دور سے خوف زدہ کرنے کے لیے کسی آتشیں ہتھیار کی نمائش ضروری تھی۔

میں نے دروازے کو صرف اتنا دھکیلا کہ میں گزر کر اندر داخل ہو سکوں۔ اگلے لمحے میں گھر میں داخل ہو چکا تھا جہاں جلے ہوئے کاغذوں کی تیز بو سے فضا بوجھل ہو رہی تھی۔

وہ قدیم طرز کی مضبوط پتھریلی عمارت کا اوپری حصہ تھا۔ فلیٹ نما گھر کی تعمیر بھی پرانے انداز میں کی گئی تھی۔ بیرونی دروازہ کسی راہ داری کے بجائے براہِ راست ایک کمرے میں کھلتا تھا۔ وہ کمرا روشن اور خالی تھا۔

میں احتیاط سے آگے بڑھنے لگا۔ اندرونی دروازے تک پہنچتے ہی میرے کانوں میں سنیل کی دھیمی آواز آئی۔ وہ اپنی بیوی سے کوئی الوداعی بات کہہ رہا تھا۔

وہ آواز اندرونی کمرے کی طرف سے آئی تھی اور یہ واضح ہو گیا تھا کہ وہاں آنے والا سوبھراج نہیں تھا۔ وہ سنیل کا گھر تھا۔ یقینی طور پر وہاں کچھ اہم کاغذات موجود رہے تھے جنھیں تلف کرنے کے لیے وہ وہاں آیا تھا۔

راج محل ان لوگوں کی مجرمانہ سرگرمیوں اور سازشوں کا گڑھ رہا تھا۔ وہ نہ جانے کب سے ان سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ راج محل میں ان لوگوں کے کرتوتوں کے ثبوت چپّے چپّے پر پائے جا سکتے تھے۔ سوبھراج کو اپنے سیاسی مرتبے اور راز داری کی بنا پر یہ گھمنڈ تھا کہ قانون کے پاسبان کبھی بھول کر بھی اس کی حویلی پر بری نظر نہیں ڈال سکیں گے۔ اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے اس نے راج محل میں بھی اپنی خفیہ چیزوں اور ریکارڈ کو یک جا رکھنے کی زحمت نہیں کی ہو گی۔ جب اچانک اس کی حویلی کا گھیراؤ ہوا تو سوبھراج کے اوسان خطا ہو گئے۔ ان نازک لمحات میں ہر ثبوت کو یکجا کر کے تلف کرنا ناممکنات میں سے تھا۔ اس نے اپنے خلاف کھلی شہادتوں کو ضائع کرنے کے لیے پورے راج محل کو آگ لگا دی اور خود وہاں سے فرار ہو گیا۔

راج محل میں موجود شہادتیں آگ کے بھیانک شعلوں کی نذر ہو چکی تھیں لیکن سنیل کے گھر میں کچھ نہ کچھ باقی رہ گیا تھا۔ چند روز کے انتظار کے بعد آخر کار سنیل بھی اس اہم ریکارڈ کے اتلاف کے لیے اپنے گھر آ پہنچا تھا۔

سب لوگوں سے ایک بڑی غلطی ہوئی تھی کہ بڑے مجرم، سوبھراج کے چکر میں سنیل کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ اگر اس کے گھر کی نگرانی ہوتی رہتی تو قانون کا نفاذ کرنے والے ادارے آسانی سے اسے پکڑ سکتے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ شیبا نے اپنی غلط فہمی کی وجہ سے اس بڑی غلطی کا ازالہ کر دیا تھا اور میں کامیابی کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔

سنیل کے جواب میں گھر کی فضا میں شیبا کی منمناتی ہوئی، غیر واضح آواز گھر کی فضا میں گونجی اور میرے قدموں کی رفتار یکایک تیز ہو گئی۔

چند لمحوں میں، میں ان کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ وہ دونوں بستر کے قریب کھڑے، ایک دوسرے سے ہم آغوش تھے۔

سنیل کی پشت دروازے کی جانب تھی۔ اسے میری آمد کی ہوا بھی نہیں لگ سکی لیکن اس کے سینے سے لگی ہوئی شیبا کا چہرہ میری طرف تھا۔ جوں ہی اس نے مجھے دیکھا، اس کی آنکھیں تحیر زدہ انداز میں پھیلیں اور میرے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول پر نظر پڑتے ہی اس کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ آزاد ہو گئی۔

یوں محسوس ہوا جیسے شیبا کی چیخ سے سنیل کو برقی جھٹکا لگا ہو۔ اس نے شیبا کو زور سے جھٹک کر اپنے بدن سے الگ کیا اور پھرتی سے میری طرف گھوم گیا۔

وہ کمرے میں تھے۔ میں وہاں سے نکلنے کے اکلوتے راستے پر موجود تھا۔ وہ دونوں نہتے تھے، میں ہتھیار بند تھا۔ میں ان دونوں کے ڈرامائی ردِ عمل سے بے نیاز، اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

''تت...... تم...... تم اندر کیسے آ گئے؟'' میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی سنیل کے منہ سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی ''اب یہاں سے تمہاری لاش ہی جائے گی۔''

''مہیش! یہ کیا ہو رہا ہے...... تت...... تم تو سنیل کے دوست ہو' تمہارے ہاتھ میں یہ پستول کیوں ہے...... بھگوان کے لیے اسے رکھ لو' شیبا کے ہونٹوں سے ٹوٹے ہوئے الفاظ برآمد ہوئے۔ وہ دہشت زدہ ہوگئی تھی۔ خوف سے اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔

میں کچھ نہ بولا۔ خاموشی اور سنجیدگی کے ساتھ اپنی جگہ پر جما کھڑا رہا۔

''مہیش!'' اپنی آوارہ بیوی کی زبان سے میرا اجنبی نام سن کر سنیل حیرت اور غصے سے غرایا ''کیا تیرا دماغ چل گیا ہے...... یہ...... یہ کرنل دادور ہے۔''

''نہیں!'' اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی شیبا اضطراری انداز میں بول پڑی ''اس نے تو مجھے اپنا نام مہیش اگروال بتایا تھا...... کیا یہ تمہارا گہرا دوست نہیں ہے؟'' شیبا پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

سنیل تیز وطرار ہونے کے ساتھ ذہین بھی تھا۔ شیبا کے کہے ہوئے آخری فقروں سے فوری طور پر صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ شیبا اس کی دسترس میں تھی۔ اچانک سنیل کا داہنا ہاتھ گردش میں آیا' پُرشور آواز کے ساتھ اس کا بھرپور تھپڑ شیبا کے بائیں رخسار پر پڑا اور وہ اپنا توازن کھوکر' لڑکھڑاتی ہوئی مسہری کے کنارے پر جاگری۔ اس کے حلق سے بے ساختہ ایک ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی تھی۔

''حرام زادی...... اُلّو کی پٹھی!'' سنیل اپنی بیوی پر برس رہا تھا ''تو میری آستین میں پلی ہوئی ناگن ہے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تو نے میرے دشمن کو اپنا یار بنایا ہوا ہے۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا' فنا کردوں گا۔''

اس نے بڑھ کر شیبا کے کولہوں پر ٹھوکر رسید کی اور وہ بلبلاتی ہوئی مسہری پر چڑھ کر اپنے مشتعل شوہر سے دور سرکتی چلی گئی۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

میرے لیے زن وشوہر کی بے اعتمادی کا وہ تماشا خاصا دلچسپ تھا مگر میں اس تماشے میں اپنا زیادہ وقت برباد کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔

''خبردار! اب حرکت کی تو میں گولی ماردوں گا'' میں نے نیچی مگر درشت آواز میں سنیل کو دھمکی دی۔

اس نے پلٹ کر خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔ وہ جانتا تھا کہ پستول کے سامنے وہ بالکل بے بس تھا۔

''تم بازی ہار چکے ہو' میں نے سرد لہجے میں کہا ''مجرم کتنا ہی چالاک اور بااثر کیوں نہ ہو' ایک نہ ایک دن اپنے انجام کو ضرور پہنچتا ہے۔''

''اسے ہار نہیں' دھوکا کہتے ہیں' وہ غصے اور بے بسی سے بولا ''میری عورت کو چارہ بنا کر تم نے مجھے گھیرا ہے۔ دلیر دشمن اس طرح پیٹھ میں چھرا نہیں گھونپتے' سامنے سے کھلا وار کرتے ہیں۔ مارتے ہیں یا پھر خود مر جاتے ہیں۔''

''جو شخص اپنی عزت اور ترقی کے لیے اپنی بیوی کو چارہ بنا تا رہا ہو' اسے یہ اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ شیبا کو تم نے سوبھراج کی گود میں ڈال کر گناہ کا جو بیج بویا تھا' آج اس کا پھل تمہارے سامنے ہے'' میں نے دھیرے دھیرے اس کی طرف سرکتے ہوئے کہا۔

شیبا سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق سنیل کو سوبھراج کے ساتھ ائرپورٹ سے آتے ہوئے ہونے والے پہلے حملے میں تین گولیوں کے زخم آئے تھے۔ اس وقت میں نے غور سے اس کے بدن کا جائزہ لیا لیکن مجھے اس کے جسم کے کسی کھلے ہوئے حصے پر زخم یا جراحت کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔ اس کے وہ زخم حیرت ناک سرعت سے مندمل ہوچکے تھے یا پھر اس کے کپڑوں نے جسم کے مجروح حصوں کی پردہ پوشی کی ہوئی تھی۔

''ہر بیوی اپنے دھرم پتی کی ملکیت ہوتی ہے'' اس نے نادم ہونے کے بجائے ڈھٹائی سے جواب دیا ''میری مرضی کہ میں اپنی بیوی کو جیسے چاہوں' استعمال کروں۔ اس سے اپنا بستر سجاؤں یا کبھی کبھی اسے اپنے کسی محسن کو دان کردوں' تم ہمارے بیچ میں دخل دینے والے کون ہوتے ہو۔''

''تمہارا مذہب تمہیں یہ سکھاتا ہے یا یہ تمہارا خود ساختہ فلسفہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں تم سے تمہارے اور سوبھراج کے گٹھ جوڑ کا حساب ضرور لوں گا۔ اپنے گھر کا رخ کرکے آج تم چوہے دان میں پھنس چکے ہو۔''

میں غیر محسوس انداز میں اس سے قریب ہوتا جارہا تھا۔ میرے داہنے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کی مہیب آہنی نال سنیل کی کھوپڑی کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور میں انگوٹھے کی مدد سے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں موجود انگوٹھی کے نگینے کو اپنی ہتھیلی کے رخ پر گھما چکا تھا۔

میں اس وقت سنیل کے سامنے پوری طرح بے خوف تھا۔ وہ قانون سے بھاگا ہوا ایک مستند مجرم تھا۔ اسے زیر کرتے ہوئے وہاں کوئی شور وغوغا ہوتا تب بھی کوئی نقصان نہ ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ پولیس وہاں آجاتی اور دخل انداز ہوکر اسے اپنے ساتھ تھانے لے جاتی مگر میری کوشش یہ تھی کہ میں خاموشی سے اسے زیر کرکے اپنے ساتھ لے جاؤں۔

اپنا مدعا حاصل کرنے کے لیے اس سے وہاں مار کٹائی موزوں نہیں تھی۔ انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سیال کے سہارے اسے بے ہوش کرکے میں سہولت سے اپنا مقصد حاصل کرسکتا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ سنیل باتوں کے جال میں الجھ کر میری غیر محسوس پیش قدمی سے بالکل بے خبر نظر آرہا تھا۔

''میں گیا گزرا نہیں ہوں'' وہ کہہ رہا تھا ''تم مجھے مار سکتے ہو لیکن زندہ نہیں پکڑ سکتے۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ ہمیشہ اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ جس کے لیے مجھے تنخواہ ملتی تھی۔ اگر مجھ سے کوئی غلط کام ہوا بھی ہے تو تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس کو راج صاحب سے اس کا حساب لینا چاہیے۔ میں بے قصور ہوں۔''

اس دوران میں شیبا مسہری کے آخری گوشے پر سکڑی سمٹی، خوف زدہ نظروں سے ہم دونوں کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اعصابی طور پر مفلوج ہو چکی تھی اور ہمارے مقابلے میں کوئی موثر کردار ادا نہیں کرسکتی تھی۔

''تمہیں شہر میں ہونے والی دہشت گردی کے ساتھ را اور بلیک کیٹس سے رابطوں کا حساب بھی دینا ہوگا۔ ان جرائم میں تم سوبھراج کے برابر کے شریک تھے'' میں نے کہا۔

میں اپنے ہدف کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے اپنا منہ کھولا مگر میں نے اسی لمحے اپنے بائیں ہاتھ سے اس کے داہنے گال پر ایک نپا تلا، ہلکا سا تھپڑ رسید کردیا۔ تھپڑ کے دباؤ کے نتیجے میں کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سوئی کے ذریعے سیال کا اخراج ہوا اور وہ سنیل کے رخسار سے اس کے دوران خون میں داخل ہوگیا۔

سنیل کے ہونٹ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ کھڑے کھڑے اس کے بدن کو ایک تیز جھٹکا لگا اور وہ کسی کٹے ہوئے بے جان شہتیر کی طرح فرشی قالین پر ڈھیر ہوگیا۔

''کیا ہوا...... کیا تم نے اسے مار ڈالا؟'' شیبا دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ تھام کر مسہری پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ اس کی سرسراتی ہوئی آواز میں خوف و دہشت کے سائے لرزاں تھے۔

''ہوش میں رہو!'' میں شیبا پر آنکھیں نکال کر غرایا ''یہ مرا نہیں، صرف بے ہوش ہوا ہے۔ نیچے آؤ اور اسے اٹھانے میں میری مدد کرو'' میں نے ٹریگر لاک کرکے پستول اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔

''تم نے مجھے دھوکا دیا ہے'' وہ مسہری سے اتر کر رو دینے والی آواز میں منمنانے لگی ''تم ٹھیش اگروال ہو اور نہ سنیل کے دوست ہو۔ میں تمہاری چکنی چپڑی باتوں میں نہ آتی تو آج مجھے یہ برا وقت نہ دیکھنا پڑتا۔ پتا نہیں اب تم اس کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟''

میرے لیے وہ بے سود باتیں تھیں۔ شیبا کو اس واقعے پر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا پورا حق حاصل تھا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس وقت میری نگاہ آخری نتیجے پر تھی۔ میرا خیال تھا کہ سنیل کو آسانی سے زیر کرکے میں نے سوبھراج کی کمر توڑ دی تھی۔

''اب تم اسے کہاں لے جاؤ گے؟'' شیبا نے میرے قریب پہنچ کر خوف زدہ لہجے میں سوال کیا۔

''میں اسے اپنے مہمان خانے میں لے جاؤں گا'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر درشت لہجے میں کہا اور یکایک اپنے بائیں ہاتھ سے اس کی برہنہ گردن دبوچ لی۔

میرا ہاتھ بڑھتا ہوا دیکھ کر شیبا ڈر گئی کہ شاید میں اس کا گلا گھونٹنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس کا خوف لمحہ بھر سے زیادہ برقرار نہیں رہ سکا۔ انگوٹھی کے نگینے میں موجود زہر اپنے جسم میں پہنچتے ہی وہ ہر فکر سے آزاد ہو کر قالین پر اپنے شوہر کے قریب ڈھیر ہوگئی۔

ان دونوں پر ایک ناقدانہ نگاہ ڈال کر میں اس کمرے سے نکل آیا۔ سب سے پہلے میں نے کچن کا رخ کیا۔ وہاں ہر طرف جلے ہوئے کاغذوں کی راکھ پھیلی ہوئی تھی۔ کاغذوں کے اتلاف کے لیے سنیل نے کسی دھاتی بالٹی وغیرہ کے بجائے براہِ راست چولھے کا انتخاب کیا تھا۔ جس پر جلے ہوئے کاغذوں کی آخری پرت دار راکھ جوں کی توں موجود تھی۔

وہ چار کمروں پر مشتمل مکان تھا۔ اس کے ایک کمرے کی الماری اور درازیں کھلی ہوئی تھیں۔ ان میں رکھا ہوا بیشتر سامان فرش پر بکھرا ہوا تھا جس میں بہت سی رنگین تصاویر بھی شامل تھیں۔ صاف نظر آرہا تھا کہ سنیل نے اپنے گھر آتے ہی اس الماری اور درازوں میں چھپائے ہوئے سارے کاغذات کی تلاش شروع کی تھی اور پھر انہیں یکجا کرکے کچن کے چولھے پر گیس کے شعلوں پر خاکستر کردیا تھا۔

راکھ کی کثرت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ جلائے جانے والے کاغذوں کی تعداد کم نہیں ہوگی۔ انہیں کسی بالٹی وغیرہ میں جلانے کی صورت میں یہ اندیشہ باقی رہتا کہ دھوئیں کی گھٹن کی وجہ سے آگ بعض کاغذوں تک نہ پہنچ پاتی اور وہ جلنے سے محفوظ رہ جاتے۔

نذرِ آتش کیے جانے والے کاغذوں کی اہمیت اپنی جگہ

پر مسلط تھی۔ سنیل نے وہ کام جس اطمینان سے سرانجام دیا تھا' اس کے بعد یہ توقع عبث تھی کہ گھر کی تلاشی لے کر کوئی کارآمد کاغذ تلاش کرنے میں کامیابی ہو سکے گی۔

پورے گھر کا سرسری جائزہ لینے کے بعد میں دوبارہ اس خواب گاہ میں پہنچا جہاں میرا شکار اپنی بیوی کے ساتھ بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

سنیل صحت مند آدمی تھا۔ میں نے جھک کر اس کے بدن کا وزن اپنے ہاتھوں پر تولا' اس کی گردن اور کمر کے نیچے ہاتھ ڈالے اور پھر ایک ہی جھٹکے میں اس کے بے حس و حرکت وجود کو اپنے کندھے پر لاد لیا۔

شیبا' سوبھراج جیسے عیاش طبع اور رنگین مزاج آدمی کے لیے بیش بہا مالِ غنیمت ہو سکتی تھی' میرے لیے بالکل ناکارہ بوجھ تھی۔ اسے وہیں چھوڑ کر میں کمرے سے نکل گیا۔

بیرونی دروازے سے نکل کر میں لمحہ بھر کے لیے رکا۔ شاید سلطان شاہ نچلے دروازے سے اندر گھس کر چھپا ہوا تھا۔ اس نے اپنی کمین گاہ سے میری ٹانگیں دیکھ لیں' ہو سکتا ہے کہ اسے میرے کندھے پر لدے ہوئے انسانی وجود کا کوئی حصہ بھی نظر آ گیا ہو۔ وہ پنجوں کے بل' بہت تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر آ گیا۔

سلطان شاہ کی وہ مستعدی اور فرض شناسی میرے لیے ہمیشہ قابلِ رشک رہی تھی۔ اسے دیکھ کر میرا دل خوش ہو گیا۔

وہ میرا بہت لحاظ کرتا تھا۔ اس نے میرا بوجھ اپنے شانے پر منتقل کرنا چاہا لیکن ایسی کسی کوشش کے نتیجے میں سنیل کے نیچے لڑھک جانے کا خطرہ تھا۔ میں نے سرگوشیانہ آواز میں سختی سے انکار کر دیا اور اسے نیچے جا کر گاڑی دروازے کے ساتھ لگانے کی ہدایت کی۔

وہ چلا گیا۔ میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد سنبھل کر نیچے اترنا شروع کر دیا۔ میں نیچے پہنچا تو گاڑی دروازے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اس کا جان دار انجن بہت دھیمی آواز سے چل رہا تھا اور سلطان شاہ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولے میرا انتظار کر رہا تھا۔

میں نے وہاں پہنچتے ہی سنیل کے بے ہوش وجود کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔

شہر کی مہنگی اور متمول بستیوں کی گلیوں میں اور سڑکوں پر پائے جانے والے سناٹے کو ان علاقوں کے مکین سکون کا نام دیتے ہیں لیکن مجھے ہمیشہ سے وہ ویرانی کاٹنے کو دوڑتی ہے۔ کسی کا پتا معلوم کرنا ہو تو دور دور تک کوئی متنفس نظر نہیں آتا۔ گھر برابر میں ہو تو پڑوسی فلسفیانہ غور و فکر کے بعد کہیں بہت دور بھٹکا دیتے ہیں' کسی کو کچھ علم نہیں ہوتا کہ اڑوس پڑوس میں کون رہ رہا ہے' برابر والے گھر کا کیا نمبر ہے۔ باہر نظر آنے والے اِکّادُکّا چوکیدار اور گھریلو ملازم اس بارے میں معصوم اور بے خبر ہوتے ہیں۔ کم علم ہوتے ہیں اور مالکوں کے بے جا عتاب کا نشانہ بن کر آئے دن ملازمتیں بدلتے رہتے ہیں۔ اپنی دلی خواہش کے باوجود کسی بھٹکے ہوئے اجنبی کی رہ نمائی کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

سولجر بازار کا وہ رہائشی علاقہ بھی اسی طرح پرسکون یا ویران تھا۔ دور دور تک کسی ذی روح کا وجود نظر نہیں آ رہا تھا۔ آوارہ کتوں اور بلیوں کو قریبی مارکیٹ سے اپنی خوراک وافر مقدار میں مل جاتی تھی۔ وہ شاید مستقل طور پر اپنے اسی ٹھکانے کی چار دیواری میں پڑاؤ ڈالے رہتے تھے۔

اس سناٹے کا فائدہ یہ ہوا کہ ہم نے اپنی کارروائی اطمینان سے مکمل کی اور گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چل سکا' اس علاقے میں اغوا کی ایک واردات رونما ہو چکی تھی۔

گھر سے وہاں آتے ہوئے گاڑی میں نے چلائی تھی' واپسی میں وہ ذمے داری سلطان شاہ نے رضاکارانہ طور پر اپنے سر لے لی تھی۔

''تم اسے اٹھا تو لائے ہو لیکن اب اسے کہاں لے جانا ہے؟'' سنیل کے گھر سے کچھ دور' کھلی سڑک پر نکل آنے کے بعد سلطان شاہ نے سکوت توڑتے ہوئے سوال کیا۔

''اسے اسٹیشن فور ہی راس آ سکے گا۔ یہ آسانی سے زبان نہیں کھولے گا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا ''وہاں پوری آزادی کے ساتھ اس کی خاطر تواضع کی جا سکے گی۔''

''لمبا چکر لگانے کے بجائے گھر کی طرف سے ہو کر نکلنا بہتر رہے گا۔ یونیورسٹی روڈ کے راستے سے اسٹیشن فور قریب پڑے گا۔''

''جدھر سے چاہو' چلے چلو۔ پتا نہیں اول خان کل سے کہاں غائب ہے۔ پہلے میں اس کی خیر خبر لے لوں۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہم اس کے لیے ایک مہمان لے کر آ رہے ہیں۔''

سلطان شاہ کو جواب دے کر میں نے اپنی جیب سے موبائل فون نکال لیا۔

رابطہ ہوتے ہی فون پر ریکارڈنگ چل پڑی۔ ایک نسوانی آواز بتا رہی تھی کہ اس وقت میرا مطلوبہ موبائل بند تھا۔

وہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ اول خان اپنے فرائض منصبی کی اہم نوعیت کی وجہ سے دن رات اپنا موبائل فون کھلا رکھتا تھا

تاکہ اپنے آدمیوں سے ہر وقت رابطے میں رہ سکے۔ میں نے یکے بعد دیگرے تین مرتبہ کوشش کی اور ہر بار وہی ریکارڈنگ سنائی دی تو مجھے تشویش ہونے لگی۔

میں نے موبائل فون پر تیزی سے اول خان کے دفتر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے ایک نامانوس آواز میں ہیلو کا لفظ سنائی دیا۔

مجھے مان تھا کہ اول خان کے دفتر سے وابستہ بیشتر اہل کار فون پر میری آواز پہچاننے لگے تھے اور کسی رسمی شناخت کے بغیر کھل کر مجھ سے بات کرتے تھے لیکن ہیلو کہنے والے کی آواز میں کچھ عجیب سی اجنبیت تھی، جس نے مجھے بے آرام کر دیا۔

''میں ڈینی بول رہا ہوں۔ اول خان کہاں ہے؟'' میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنا پیشگی تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''وہ موجود نہیں ہے سر!'' بولنے والے کے لہجے کی اجنبیت میں سرمو فرق نہیں آیا۔

''اس کا موبائل فون بند ہے، مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔ وہ اس وقت کہاں مل سکے گا؟'' میں نے قدرے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا'' آواز بالکل سپاٹ تھی۔

ایس ٹی ایف کے کسی رکن کی طرف سے ایسا سرد مہرانہ رویہ میرے لیے صدمے کا باعث تھا۔ وہ میرا نام جان لینے کے باوجود اپنے خول سے باہر نکلنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا جبکہ پچھلی شام تک اسپیشل ٹاسک فور کا ہر ملازم میرے ایک اشارے پر اپنا سر بھی کٹوانے کے لیے تیار رہتا تھا۔

وہ ایک غیر معمولی بلکہ انہونی سی بات تھی۔ میرا ذہن چکرا کر رہ گیا۔ اسی لمحے مجھے اندیشہ ہوا کہیں سوبھراج کا کوئی داؤ کامیاب نہ ہو گیا ہو۔ اخباری سرخیوں کا عنوان بننے تک وہ بہت اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ اس کی ذات سے سیاسی فائدے حاصل کرنے والے شاید اس کا کریہہ کردار سامنے آجانے کے باوجود اپنے دل میں اس کے لیے ہمدردی رکھتے تھے اور پس پردہ رہ کر سوبھراج کی مدد کے لیے ہاتھ پیر مار رہے تھے۔

غالب امکان یہ تھا کہ سوبھراج کی شکایت پر اول خان کو فوری طور پر معزول یا معطل کر دیا گیا ہو۔ کافی دنوں پہلے امریکی دباؤ پر اسے کراچی سے بھیجا جا چکا تھا۔ اس کے دفتری فون پر موجود شخص کے سرد انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ڈینی اور اول خان سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے ناواقف ہو۔'' میں نے آخری کوشش کے طور پر مجروح لہجے میں اس سے شکوہ کیا ''میرا نام......''

''سر! آپ کا نام میرے لیے نیا نہیں ہے میں نے آپ کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوا ہے۔'' اس بار اس کا لہجہ احترام آمیز ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں میرا اندرونی ابال کسی حد تک ٹھنڈا ہو گیا۔

''مگر میں مجبور ہوں۔ آپ کے نام سے کوئی بھی فون کر سکتا ہے شناختی کوڈ کے بغیر میں آپ کو کچھ بتانے کا مجاز نہیں ہوں۔'' اس نے اپنی بات پوری کر لی۔

''ڈیلٹا تھری ڈی زیرو سیون!'' میں نے لمحے بھر کے توقف کے بعد وہ کوڈ دہرایا جو اول خان نے ایسے کسی آڑے وقت کے لیے مجھے بتایا ہوا تھا۔

دوسری طرف سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا، لائن پر سکوت چھایا رہا۔ کسی بھی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ایک وقت میں بہت سے پاس ورڈز یاد رکھ سکے۔ وہ یقینی طور پر اپنی کوڈ بک میں میرا نام تلاش کر رہا تھا۔

چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میرے کانوں میں اس کی معذرت خواہانہ آواز آئی۔ ''کل شام سے باس کراچی آئے ہوئے ہیں۔ اول خان ان ہی کے ساتھ مصروف ہیں اسی وجہ سے ان کا موبائل فون بند ہے۔''

اسپیشل ٹاسک فورس کے سربراہ کی کراچی آمد کی خبر سن کر میں چونک پڑا اور بے اختیار میرے ذہن میں گیری کی وہ دھمکیاں ابھر آئیں جو اس نے ایس ٹی ایف کے خاتمے کے بارے میں دی تھیں۔

''باس کراچی کیوں آئے ہیں؟'' میں اپنے اس بے ساختہ سوال کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

''مجھے نہیں معلوم'' اس بار اس کی آواز سے بے چارگی مترشح تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا، نچلے درجے کا آدمی تھا۔ اسے یہ علم نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کی فورس کا سربراہ کراچی میں کس مشن پر آیا تھا۔

''اس وقت ایک بہت اہم قیدی میری تحویل میں ہے۔'' میں نے اسے بتایا ''میں اسے لے کر سیدھا اسٹیشن فور پہنچ رہا ہوں۔ وہ وہیں زیر تفتیش رہے گا۔''

اس نے میری قطع کلامی نہیں کی، تحمل سے میری پوری بات سنی پھر کہا ''سوری سر! اس وقت کسی قیدی کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔''

''مگر یہ بہت اہم اور ضروری ہے۔ وہ سوبھراج کا دست راست ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اصرار کیا۔

''اسٹیشن فور پر باہر کے آدمیوں کی آمد و رفت کل شام سے معطل ہے، سارے آپریشن روک دیے گئے ہیں۔ فیلڈز سے سارا اسٹاف واپس بلالیا گیا ہے۔ اگلی ہدایت ملنے تک یہ صورت حال اسی طرح برقرار رہے گی۔ میں کچھ نہیں کرسکتا۔''

وہ بہت بری اور خطرناک خبر تھی۔ اسپیشل ٹاسک فورس کا یوں اچانک مفلوج ہوجانا میرے لیے بہت زیادہ تشویش ناک تھا۔ اس اطلاع سے یہ پتا چل گیا تھا کہ اول خان پچھلی شام سے بلاوجہ غائب نہیں تھا۔ وہ اپنے سنگین مسائل میں الجھا ہوا تھا۔

''مجھے تمہاری پوزیشن کا اندازہ ہے۔'' میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا ''اول خان سے تمہارا کوئی رابطہ ہو تو اسے میرا یہ پیغام دے دینا کہ وہ چند لمحوں کے لیے مجھ سے بات کرلے۔ تمہاری سنائی ہوئی خبروں نے میرا دماغ ماؤف کردیا ہے۔''

اس نے مستعدی سے یس سر کہہ کر فون بند کردیا۔

''اب یہ ہمارے گلے پڑ گیا ہے۔ اسے گھر ہی لے جانا ہوگا۔'' میں نے فون بند کرکے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا ''ایس ٹی ایف کے دروازے بند ہوچکے ہیں۔''

وہ میری باتیں سن کر پریشان ہوگیا تھا لیکن اسے معاملات کی سنگینی کا پورا ادارک نہیں ہوسکا تھا۔

''اسٹیشن فور جانے میں کیا رکاوٹ درپیش ہے؟'' اس نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

''ایس ٹی ایف کا باس کل شام سے کراچی میں ہے، پوری فورس کو فیلڈ سے واپس بلا کر اسٹیشن فور میں گراؤنڈ کردیا گیا ہے۔ آپریشنز معطل کردیے گئے ہیں۔ ادھر کا رخ کیا تو ہمیں اندر داخلے کی اجازت نہیں ملے گی۔''

''یہ تو اسپیشل ٹاسک فورس کا بستر بوریا گول ہونے کی علامات ہیں!'' وہ پُرتشویش آواز میں بڑبڑایا ''ایسا ہوا تو بہت برا ہوگا۔''

''مایوسی کفر ہے'' میں نے اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی ''میں قبل از وقت نتائج اخذ کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ اب یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ قدم ملک کے اقتدار اعلیٰ کے حکم پر اٹھایا گیا ہے یا ایس ٹی ایف کے باس نے اپنے طور پر کوئی فوری فیصلہ کیا ہے۔''

''سبب کوئی بھی ہو، آثار اچھے نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ گیری کی ایک ہی دھمکی نے ان کو بری طرح اکھاڑ کر رکھ دیا ہے۔''

''چرچل کے الفاظ میں مصلحت آمیز پسپائی بھی فتح سے کم نہیں ہوتی۔ میری دلی آرزو ہے کہ یہ تعطل عارضی ثابت ہو۔''

''تم اسے اٹھا تو لائے ہو لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ کون ہے۔'' سلطان شاہ نے شکایت کی۔

''سوبھراج کی تصویریں ملک بھر کے اخباروں میں چھپی ہیں کیا یہ تمہیں اس سے مختلف نظر نہیں آیا؟'' میں نے رکھائی سے پوچھا۔

''اس کا چہرہ تمہاری پشت پر تھا۔ اندھیرے میں مجھے کیا نظر آتا!''

''یہ سنیل ہے۔ کاغذات تلف کرنے کے لیے اپنے گھر آیا تھا اور دھرلیا گیا ہے۔ پورے کچن میں جلے ہوئے کاغذوں کی راکھ بکھری ہوئی ہے۔''

''اور اس کی بیوی کہاں ہے؟'' سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کیا۔

''وہ اپنی خواب گاہ میں بے ہوش پڑی ہوئی ہے اس پر طبع آزمائی کا ارادہ ہو تو ابھی واپس چل کر اسے اٹھا لاتے ہیں۔ خاصی خوبصورت اور گداز عورت ہے۔''

''لعنت ہے اس کی صورت پر۔ اس نازک وقت میں بھی تمہیں واہیات باتیں سوجھ رہی ہیں۔'' وہ میری بات کا برا منا کر بولا ''میں نے تو روانی میں ویسے ہی اس کے بارے میں پوچھ لیا تھا ورنہ مجھے اس سے کیا لینا ہے۔''

''حالات کو فوری طور پر تبدیل کرنا ہمارے اختیار سے باہر ہے پھر کیوں نہ اپنا وقت ہنس بول کر گزاریں۔ دیکھنا ہوگا کہ یہ ہوش میں آکر کتنی سخت جانی کا مظاہرہ کرتا ہے۔''

''تم نے اسے پکڑ کر بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے لیکن اس کے ستارے اچھے ہیں کہ آج اسٹیشن فور کے دروازے بند ہیں۔ اپنے گھر لے جاکر ہم اس کی اچھی طرح مزاج پرسی نہیں کرسکیں گے۔ اس کی وحشیانہ چیخ پکار پورے محلے کو ہلا کر رکھ دے گی۔''

''محلے والے ویسے بھی ہم لوگوں کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں'' میں ہنس کر رہ گیا۔

ہم نے مزید کچھ فاصلہ خاموشی سے طے کیا۔ اس دوران میں میرے ذہن میں مسلسل ایک پھلجڑی سی چمکتی رہی۔ پھر اچانک مجھے صدف مینشن کا نام یاد آگیا۔ وہ ہمارے قیدی کے لیے ایک بہترین متبادل ٹھکانا ہوسکتا تھا۔

سنیل کو ہم اسٹیشن فور پر غیر معینہ مدت تک اپنا قیدی رکھ

سکتے تھے اور اس سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں اپنی مرضی سے کام آگے بڑھا سکتے تھے جب کہ صدف مینشن جانے کے بعد ہم ان آزادیوں سے محروم ہو جاتے۔

صدف مینشن میں وہ زیادہ سے زیادہ چند گھنٹوں کے لیے میری تحویل میں رہ سکتا تھا۔ جوں ہی یہ خبر پھیلتی کہ سوبھراج کا دستِ راست اس آسیبی عمارت کا قیدی بن چکا تھا' آئی بی کے اعلیٰ حکام فوری طور پر صدف مینشن پہنچ کر معاملات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیتے۔

جلال پچھلی رات کراچی سے اسلام آباد جا چکا تھا۔ وہاں بیٹھ کر وہ میری زیادہ مدد نہیں کر سکتا تھا۔ سنیل کے ساتھ وہی کچھ ہوتا جو ضابطوں کی رو سے روا ہوتا۔

مجھے معلوم تھا کہ آئی بی میں ہر مرحلے پر ضابطوں کی مکمل پاس داری کی جاتی تھی۔ صرف پکے اور ڈھیٹ مجرموں سے باز پرس بلکہ قانونی اصطلاح میں تفتیش کے لیے ان ضابطوں کو کسی حد تک نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔

سنیل کو ہم ویسے بھی زیادہ مدت تک اپنی قید میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ اچھی طرح نچوڑ لینے کے بعد آخر کار اسے پولیس یا انٹیلی جنس بیورو والوں کے ہی حوالے کیا جانا تھا کیونکہ وہ آئینی ادارے اسے عدالت کے کٹہرے میں لے جانے کے مجاز تھے۔

اس نشیب و فراز پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد میں نے سلطان شاہ کو فوری طور پر گاڑی موڑنے کی ہدایت کی تو وہ حیران رہ گیا۔

''برخوردار! یہ ضروری ہے!'' میں نے اس کے استفسار پر کہا ''اسٹیشن فور اور صدف مینشن کی سمتیں مختلف ہیں......''

''ویری گڈ!'' اس نے اپنی بھرپور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔'' میں نے وہ سرکاری قید خانہ نہیں دیکھا لیکن تم سے اس کے بارے میں جو کچھ سنا ہے وہ سنیل کے حواس ٹھکانے پر لانے کے لیے کافی ہوگا۔''

سڑک کی وسطی پٹی میں پہلا راستہ نظر آتے ہی سلطان شاہ نے گاڑی واپس گھمالی۔

''صدف مینشن میں مجھے اپنے ہاتھ سینکنے کا موقع مل جائے گا۔'' اس نے گاڑی سیدھی کرنے کے بعد چند ثانیوں کے لیے اسٹیئرنگ چھوڑا اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے مسرت سے کہا۔

''اس بھول میں نہ رہنا'' میں نے فوری طور پر اس کی تصحیح کی ''وہ ممنوعہ علاقہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری سفارش کے باوجود تمہیں اندر جانے کی اجازت نہ ملے۔ میرے بارے میں جلال نے وہاں کے محافظوں کو... خصوصی ہدایات دی ہوئی ہیں۔''

''یہ بھی غنیمت ہے۔ میری طرف سے تم ہی دو چار ہاتھ جھاڑ دینا۔''

ہم دوبارہ سولجر بازار کی مرکزی سڑک سے گزرتے ہوئے' چڑیا گھر کے مین گیٹ کے سامنے نشتر روڈ پر جا نکلے۔ وہاں سے شومارکیٹ زیادہ دور نہیں تھی۔ مجھے منزل کے بارے میں سلطان شاہ کو کچھ نہیں بتانا پڑا۔ قدیم طرز کی بلند و بالا اور مہیب عمارت کو نظر انداز کرنا آسان نہیں تھا۔ اس نے گاڑی صدف مینشن کے سامنے روک دی۔

صدف مینشن کے قرب وجوار میں اسٹریٹ لائٹس غائب تھیں۔ عمارت کی اونچی دیواروں پر کم طاقت کے دو بلب ٹمٹما رہے تھے۔ قمقموں پر جمنے والے گرد و غبار کی وجہ سے ان کی روشنی قابلِ رحم حد تک ناکافی تھی جو نیچے تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

میں نے دیوہیکل چوبی دروازے کی ذیلی کھڑکی کا کنڈا مخصوص انداز میں بجایا اور وہ کھڑکی فوراً کھل گئی۔

میں مختلف اوقات میں کئی بار وہاں آ چکا تھا۔ اس لیے شفٹوں میں اپنے فرائض انجام دینے والے کم و بیش سب محافظ مجھے پہچانتے تھے۔ کھڑکی کھولنے والے نے ادب سے مجھے سلام کیا۔

''گاڑی میں ایک بے ہوش قیدی اور دوسرا میرا ساتھی ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔

''قیدی کو ہم ابھی اندر لے آتے ہیں' ساتھی کے لیے میں معافی چاہتا ہوں آپ کے سوا کوئی اندر نہیں آ سکتا۔ جلال صاحب اجازت دے دیں تو اور بات ہے۔''

''تم قیدی کو اندر لانے کا بندوبست کرو۔'' میں یہ کہہ کر گاڑی کی طرف لوٹ گیا۔

سلطان شاہ کو میں نے راستے میں ہی ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا۔ اپنی واپسی کے بارے میں جان کر اسے کوئی صدمہ نہیں ہوا۔

صدف مینشن اس علاقے میں ایک پراسرار آسیبی عمارت کی شہرت رکھتی تھی۔ پیدل چلنے والے اس کے سایے تک سے بچ کر گزرتے تھے۔ اس وقت بھی دوسری طرف کی فٹ پاتھ پر لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی لیکن ہماری طرف کوئی نہیں تھا۔

بعد میں مجھے پتا چلا کہ آئی بی کے دو مخبر اس فٹ پاتھ کے دونوں سروں پر دن رات براجمان رہتے تھے اور آنے جانے

والوں کو بڑے بڑے پتھروں سے دھمکاتے رہتے تھے۔ کچھ عرصے کے اس معمول کے بعد وہ فٹ پاتھ عملی طور پر بالکل ویران ہوگئی۔ آسیبی عمارت کے خوف اور دونوں مجذوبوں کی دہشت کے سبب لوگوں نے ادھر سے گزرنا چھوڑ دیا۔ مجذوب پرسکون ہوگئے لیکن انہوں نے اپنے ٹھکانے نہیں چھوڑے تھے لوگ بدستور ان سے ڈرتے تھے۔

میں سلطان شاہ کو اس کی واپسی کے بارے میں بریف کر ہی رہا تھا کہ اندر سے پیرامیڈیکل اسٹاف جیسے، سفید براق کپڑوں میں ملبوس دو تنومند آدمی ایک اسٹریچر لیے نمودار ہوئے، انہوں نے آتے ہی سنیل کو ایک سفید چادر میں لپیٹ کر یوں تیزی سے اسٹریچر پر منتقل کیا جیسے اس عمل میں ذرا سی تاخیر بھی ان کے مریض کے لیے مہلک ثابت ہوسکتی ہو۔

''تم جاؤ۔ میں فارغ ہوکر ٹیکسی سے گھر لوٹ آؤں گا''

میں نے عجلت میں سلطان شاہ سے کہا اور سنیل کو لے جانے والوں کے تعاقب میں تقریباً دوڑتا ہوا صدف مینشن کی نیم تاریک اور وحشت ناک عمارت میں داخل ہوگیا جہاں تاریک تر کونوں کھدروں میں الٹی لٹکی ہوئی چمگادڑیں ٹرچ ٹرچ کی منحوس آوازیں نکال کر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی تھیں۔

بڑے چوبی دروازے کی ذیلی کھڑکی بند کردی گئی تھی۔ اسٹریچر لانے والے میری نئی ہدایت کے منتظر تھے۔

صدف مینشن کی اوپری منزل پر بنی ہوئی کوٹھریاں زیادہ خوف آور تھیں لیکن میں نے سنیل کے لیے نچلی منزل کو ترجیح دی۔ میں نے دونوں آدمیوں کو اسے ہوش میں لانے کی ہدایت کی اور گوشے میں بنے ہوئے دفتر کی طرف چلا گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ صدف مینشن میں کبھی بھی عملے کی کثرت نہیں ہوتی۔ وہاں گنے چنے آدمی ہوتے تھے جو ضرورت پر ہر کام کرنے پر کمربستہ رہتے تھے۔

مجھے اس کمرے میں بیٹھے ہوئے چند منٹ گزرے تھے کہ ایک سفید پوش میرے لیے چائے کی پیالی لیے نمودار ہوا۔ اس کی زبانی پتا چلا کہ یخ بستہ پانی کے چھڑکاؤ اور چند اعصابی جھٹکوں کے نتیجے میں سنیل نے ہلنا جلنا شروع کردیا تھا۔

میں نے سگریٹ سلگا کر چائے نوشی شروع کردی۔

لائبریری نما دفتر میں بیٹھ کر یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کمرا بھی صدف مینشن کا ہی ایک حصہ ہے۔ صرف باہر سے آنے والی آوازیں دفتر کی پرسکون فضا کو مکدر کرسکتی تھیں اور اس وقت وہ مفقود تھیں۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد سنیل کے ہوش میں آنے کی اطلاع ملی اور میں اٹھ کر نچلی منزل کے اس تنگ کمرے کی طرف ہولیا جہاں اسے رکھا گیا تھا۔

تنگ اور ناکافی روشنی والے اس سیل میں سنیل گندے اور گیلے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ فوری طور پر اس کے ہاتھ پیر باندھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔

''تم مجھے کہاں لے آئے ہو...... یہ کون سی جگہ ہے؟''

میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی سنیل نے پھنسی پھنسی اور خوف زدہ آواز میں سوال کیا۔

''سوال مت کرو!'' میں نے اس کے ایک ٹخنے پر زوردار ٹھوکر رسید کر کے بے رحمانہ غراہٹ کے ساتھ کہا'' جو پوچھا جائے، اس کا سیدھا اور سچا جواب دو!''

ضرب نازک مقام پہ آئی تھی۔ وہ کوشش کے باوجود اپنی بے ساختہ چیخ نہ روک سکا۔

''تم اچھا نہیں کررہے۔ اپنی حرکتوں کے لیے تم کو جواب دہ ہونا پڑے گا۔'' صدف مینشن کے اندرونی ماحول سے خوف زدہ ہونے کے باوجود اس کا حوصلہ باقی تھا۔

''تمہارے دماغ میں ابھی تک سوبھراج کی برتری کا خناس گھسا ہوا ہے۔'' میں نے نفرت سے کہا'' آج وہ کسی خارش زدہ چوہے کی طرح کسی بل میں گھسا ہوا ہے۔ اس کا بھرم ٹوٹ چکا ہے۔ ایک مجرم تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔''

''تم قانون کے رکھوالے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مجرموں کے ساتھ بھی تم ایسا غیر قانونی سلوک نہیں کرسکتے۔ میں ملزم ہوں، جب تک میرے خلاف عدالت اپنا فیصلہ نہ سنا دے، مجھے مجرم نہیں کہا جاسکتا۔'' اس نے کہنیوں کے بل فرش سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''مجھے قانون پڑھانے کی کوشش مت کرو، یہ بتاؤ کہ سوبھراج کہاں چھپا ہوا ہے۔'' میں نے اسے دوبارہ گرانے کی کوشش کیے بغیر پوچھا۔

میری چشم پوشی سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوچکا تھا۔ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا'' مجھے نہیں معلوم، راج محل میں آگ لگنے کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا۔''

''تم جھوٹے ہو۔ تم دونوں وہاں سے ایک ساتھ نکلے تھے۔''

''ہمت ہے تو خود اسے تلاش کرلو، میں کچھ نہیں جانتا۔''

میں نے محسوس کیا کہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوجانے کے بعد رفتہ رفتہ اس کا حوصلہ بڑھتا جارہا تھا۔

فرش بہت بری طرح گیلا تھا، سنیل بھی سر سے پیر تک پانی میں شرابور تھا۔ اسے سبق سکھانے کے چکر میں میرا لباس

اتنا گندا ہو سکتا تھا کہ میرے لیے اس حالت میں گھر لوٹنا محال ہو جاتا۔ میں نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے ایک سفید پوش کو آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ کسی پیشہ ور باکسر کی طرح اپنے دونوں مکے تان کر اچانک سنیل پر ٹوٹ پڑا۔

سنیل ایسے کسی ردِعمل کے لیے تیار تھا لیکن بے ہوشی سے ہوش میں آنے کی وجہ سے اس کے اعصاب شکستہ تھے۔ ابتدائی دو تین مکے اپنی کلائیوں پر روکنے کے بعد وہ سفید پوش کے تابڑ توڑ مکوں کی زد میں آ گیا۔

ذرا سی دیر میں اس کے چہرے کا حلیہ بگڑ گیا۔ سفید پوش کے لگائے ہوئے زخموں سے بہنے والے خون کی لکیروں نے سنیل کا پورا چہرہ چھپا لیا تھا۔

پھر سفید پوش کا ایک اچٹتا ہوا مکا سنیل کے پیٹ سے لگا۔ یکایک سنیل کی میلی قمیص پر خون کا رنگ پھیلنا شروع ہو گیا۔

ہلکے یا زوردار مکے سے پیٹ پر خون ریز زخم آنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ سنیل کے جسم پر لگی ہوئی تین گولیوں میں سے کسی کا کچا زخم تھا جو مکے کی ہلکی سی رگڑ سے دوبارہ کھل گیا تھا۔

''اب یہ مر جائے گا، اس کا پیٹ پھٹ گیا ہے۔'' میں نے سنیل کے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جان بوجھ کر وہ الفاظ کہے۔

سنیل کی نگاہیں بے اختیار اپنے پیٹ کی طرف گئیں، سفید پوش نے اس موقع کا فائدہ اٹھا کر سنیل کے بائیں جبڑے پر ایک بھرپور ضرب لگائی۔ وہ چکراتا ہوا اس تنگ کوٹھڑی کی عقبی دیوار سے ٹکرایا اور پھر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

''یہ سخت جان بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے چیرا لگانے کی تیاری کرو۔'' میں نے درشت لہجے میں سفید پوش کو حکم دیا۔

''نہیں...... تم ایسا نہیں کر سکتے!'' سنیل فرش پر مکا مار کر پوری قوت سے چلایا ''تم لوگ خونی درندے ہو، انسانیت تمہیں چھو کر بھی نہیں گزری۔''

''تم ہمیں نہیں روک سکتے۔ تمہیں صحیح چیرا لگ گیا تو عمر بھر تم شیبا کے قریب نہیں جا سکو گے۔'' میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

''ٹھہرو...... ذرا سی دیر کے لیے ٹھہر جاؤ۔'' وہ ہانپتے ہوئے بولا ''تم مجھے مارے جا رہے ہو۔ یہ نہیں بتاتے کہ مجھ سے کیا چاہتے ہو!''

مار کھا کر شاید اس کا دماغ الٹ گیا تھا۔ میں نے سرد آواز میں کہا ''ہمیں ہر قیمت پر سوبھراج کا پتا چاہیے۔ تم نے اپنی زبان نہیں کھولی تو ہم مار مار کر تمہیں پیوند زمین کر دیں گے۔ سوبھراج اب ایک پٹا ہوا مہرہ ہے، جو وقت کی بساط پر دیوانہ وار بھاگ رہا ہے۔ یاد رکھو کہ اس سنگین عمارت میں تم اس کے نام کی مالا جپتے رہے تو اس کے ساتھ تم بھی دردناک انجام سے دوچار ہو جاؤ گے۔ ہم کسی نہ کسی طرح اس گیدڑ تک پہنچ جائیں گے۔''

''یہ کوٹھڑی...... یہ چمگادڑوں کی بھوکی آوازیں...... یہ تمہارے خون آشام چہرے...... مجھے ان سب سے خوف آ رہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میں نے تمہارے ہر سوال کا جواب دے دیا تب بھی تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے، مجھے میرے خون میں نہلا دو گے!''

''یہ خوف اپنے ذہن سے نکال دو۔ تم راہِ راست پر آ گئے تو اس لمحے کے بعد تمہیں انگلی تک نہیں لگائی جائے گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''نہیں کرنل!'' وہ جھرجھری لے کر کراہنے والے انداز میں بولا ''مجھے یہ فریب مت دو۔ تم بہت بھیانک آدمی ہو۔ نہ جانے کس کس کا خون پی چکے ہو۔ تمہیں قانون کا ڈر ہے نہ انصاف کا خوف۔ تم جو چاہتے ہو وہ کرتے پھرتے ہو اور کوئی تم سے کچھ نہیں پوچھ سکتا۔ راج محل پھونک دینے کے بعد راج صاحب نے مجھے بہت کچھ بتا دیا ہے۔ اسپیشل ٹاسک فورس والے خونی درندے ہیں۔ وہ ایک بار جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں، وہ یکایک ہمیشہ کے لیے غائب ہو جاتا ہے۔''

میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنے مستقبل سے خوف زدہ تھا۔ اگر اسے مطمئن کر دیا جاتا تو شاید وہ زبان کھولنے پر آمادہ ہو جاتا۔ سوبھراج نے اپنے تحفظ کے لیے اس کے ذہن میں بہت زیادہ زہر انڈیلا ہوا تھا، اس زہر کا تریاق کرنا ضروری تھا۔

''یہ بے سبب، بے کار اور بے بنیاد باتیں ہیں جو سوبھراج نے اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لیے تمہیں سنائی ہیں۔'' اس بار میں نے قدرے نرمی سے کہا ''تم ہوش مندی سے کام لو تو تم اس کے خلاف سلطانی گواہ بن سکتے ہو۔''

وہ کراہتے ہوئے دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ چکا تھا۔ میری بات پر اس نے چونک کر اپنا خون آلود چہرہ اوپر اٹھایا اور تحیر زدہ آواز میں بولا ''کیا میں تمہاری اس بات پر یقین کر لوں کہ ایس ٹی ایف والے راج صاحب پر مقدمہ چلائیں گے۔ آج تک ایسا ہوا اور نہ سننے میں آیا۔ تم لوگ اپنے دشمنوں کو اٹھاتے ہو اور خاموشی سے غائب کر دیتے ہو۔ تمہارا اپنا قانون ہے۔ تم کو کسی عدالت اور مقدمے کی کیا ضرورت ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا''باہر سے آنے والے دشمن کے ایجنٹوں کے ساتھ ایس ٹی ایف یہی سلوک کرتی ہے مگر سوبھراج کا معاملہ ان سب سے الگ ہے۔ وہ یہاں کا شہری ہے۔ سماج اور سیاست میں اسے بہت اونچا مقام تھا۔ اس پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلے گا تو ساری دنیا کو اس کے کرتوتوں کا پتا چلے گا۔ یہاں کے بگڑے ہوئے سیاست دانوں کے لیے وہ عبرت کا نمونہ ثابت ہوگا۔''

''اخباروں نے راج صاحب کے خلاف دل کھول کر گند اچھالا ہے، انہیں سارے ملک میں بدنام کردیا ہے۔ اب مقدمے سے ان کی اور کیا رسوائی ہوگی۔''

''اخبار جھوٹ سچ سب کچھ چھاپتے ہیں۔ بہت سے لوگ خبروں پر آنکھیں بند کرکے اعتبار نہیں کرتے، خبریں پڑھ کر اپنے نتیجے اخذ کرتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اخباری خبریں لوگ جلدی بھول جاتے ہیں، عدالت کا ریکارڈ تاریخ کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ یہ بات شاید تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔ اس پر مقدمہ چلنا بہت ضروری ہے۔''

''اس کے خلاف اخباروں نے سب کچھ لکھ دیا ہے، سارے ثبوت موجود ہیں پھر تم میرے اوپر کیوں مہربان ہو رہے ہو؟''

''نک کے قتل کا اس نے اخباروں میں اعتراف کیا ہے۔ ہوٹل کے لوگ اسے حشمت کے روپ میں پہچانتے تھے۔ یہ باتیں اسے پھانسی کے پھندے تک پہنچانے کے لیے کافی ہیں۔ تم اس کے گھر کے بھیدی ہو۔ اس نے اپنا سارا ریکارڈ راج محل کے ساتھ جلا کر خاک کردیا ہے۔ رہے سہے کاغذ آج تم نے اپنے گھر میں پھونک دیے۔ اب جو کچھ ہے وہ تمہارے اور سوبھراج کے سینوں میں ہے۔ تم ہمارے کہنے پر چلو گے تو سکھی ہوگے، تمہاری جان بچ جائے گی۔ آزادی برقرار رہے گی۔ دوسری صورت میں تم عدالت کا منہ دیکھے بغیر کہیں گاڑ دیے جاؤ گے۔ کسی کو کانوں کان تمہاری بھنک نہیں مل سکے گی۔''

اس نے خون آلود حلقوں میں گھری ہوئی وحشت زدہ نظریں میرے چہرے پر جما کر دھیمی آواز میں کہا''تمہاری باتوں سے سچائی کی کچھ کچھ بو آرہی ہے۔ تم اپنی طاقت کا مظاہرہ کرچکے ہو۔ مجھے کچھ مہلت دے دو۔ میں کل تک اپنا فیصلہ کرلوں گا۔''

مجھے طرارہ آگیا۔ میں تیزی سے آگے لپکا اور اس کے گیلے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر اس کا سر عقبی دیوار پر دے مارا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر دردناک آواز میں چلا اٹھا۔

''تم یہاں چیخ چیخ کر مرجاؤ گے لیکن تمہاری آواز ان بے رحم دیواروں کے پار نہیں جاسکے گی۔ ہم ذہنی اور جسمانی مار کے ذریعے تمہارے وجود کو ایک زندہ لاش میں بدل کر رکھ دیں گے۔ موت تمہیں دیکھے گی تو کانپ اٹھے گی۔''

''مجھے ذرا سی مہلت دے دو۔ کل میں تمہاری ہر بات مان لوں گا یا پھر مرنے کے لیے تیار ہوجاؤں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔''

''یہاں موت اتنی آسانی سے ملتی۔'' میں نے اس کی مکاری پر دانت پیستے ہوئے کہا۔

وہ شہر کے کسی حصے میں سوبھراج کے ساتھ روپوش تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ وہ سوبھراج کے ایما پر ورنہ کم از کم اس کی رضامندی سے، ضروری کاغذات تلف کرنے کے لیے اپنے گھر آیا تھا۔

اسے اپنا کام مکمل کرکے رات گہری ہونے سے پہلے سوبھراج کے پاس لوٹ جانا چاہیے تھا۔ واپسی میں ایک دو گھنٹے کی تاخیر کو سوبھراج بے چینی کے ساتھ برداشت کرسکتا تھا۔ اس سے زیادہ دیر ہوتی تو سوبھراج کا ماتھا ٹھنک جاتا کہ سنیل کسی مصیبت میں نہ گھر گیا ہو۔ وہ امریکی ایف بی آئی کے ایجنٹوں اور مقامی قانون سے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا۔ وہ فوری طور پر سمجھ لیتا کہ سنیل تشدد سے مجبور ہوکر اس کے ٹھکانے کی نشاندہی کر بیٹھے گا۔ وہ اسی لمحے اپنا ٹھکانا بدل لیتا۔

ایک امکان یہ بھی تھا کہ سنیل کی واپسی میں تاخیر ہونے پر وہ اس کے گھر فون کرتا اور شیبا اسے ساری رام کہانی سنا دیتی۔

دونوں صورتوں میں ساری اہمیت وقت کی تھی۔

جیسے جیسے زیادہ وقت گزرتا جاتا، سوبھراج کے وسوسے قوی تر ہوتے جاتے۔ اس وقت سنیل اگلے روز تک کی مہلت مانگ کر اپنے نفس پرور آقا کو ہوشیار ہونے اور ٹھکانا بدل لینے کا موقع دینا چاہ رہا تھا۔

آگے بہت لمبی رات پڑی تھی۔ سوبھراج اس کی واپسی کے انتظار میں صبح تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ آدھی رات تک انتظار کرتا اور پھر اپنی کمین گاہ سے نکل کر کسی نئے ٹھکانے کی طرف دوڑ لگا دیتا۔

اگلی صبح ہم سنیل سے رجوع کرتے تو وہ ہتھیار ڈال دیتا۔ وہ جو کچھ کہتا، شاید سچ ہوتا لیکن وقت گزر جانے کی وجہ سے وہ بالکل بے فیض سچ ہوتا۔ ہم اس کی نشاندہی کے مطابق شہر کے

کسی مکان پر دھاوا بولتے تو وہاں چڑیاں پہلے ہی کھیت چگ گئی ہوتیں۔ سو بھراج ہمارے پہنچنے سے پہلے وہاں سے نکل چکا ہوتا۔ ہم بے نیل و مرام واپس لوٹ آتے۔

''تم کو کوئی فیصلہ کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ نصف گھنٹے کی مہلت دی جاسکتی ہے'' میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''اتنا وقت نہیں دیا جاسکتا کہ سو بھراج تمہاری واپسی سے مایوس ہو کر کہیں اور جا چھپے۔''

''میرے بغیر وہ کہیں نہیں جائے گا'' سنیل نے کمزور لہجے میں اصرار کیا۔

''عام حالات میں شاید یہی ہوتا۔ وہ کاہل اور عیاش ہو چکا ہے۔ خود کوئی کام نہیں کرتا۔ اس نے تم کو اپنی بیساکھی بنایا ہوا ہے۔ تمہارے ذریعے وہ اپنے نوکروں کی فوج سے کام لیتا ہے۔ تم اس کی ناگزیر ضرورت اور عادت بن چکے ہو لیکن آج کا معاملہ بہت مختلف ہے۔ وہ سایوں سے ڈر رہا ہے، اس کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ وہ زیادہ دیر تک تمہارا انتظار نہیں کرے گا۔ اسے موت کے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگے گی۔ وہ زیادہ سے زیادہ دو تین گھنٹوں بعد اپنا موجودہ مسکن چھوڑ کر کہیں اور نکل جائے گا۔''

سنیل کا پورا چہرہ خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں رہا تھا کہ میری باتوں کا اس پر کیا ردِعمل ہو رہا تھا۔

''وقت بہت کم ہے۔ میرا ذہن ماؤف ہو چکا ہے، ایسی حالت میں، میں کوئی صحیح فیصلہ نہیں کرسکتا۔'' اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''ذہن ماؤف ہے تو پھر تمہیں کچھ توانائی کی ضرورت ہے'' میں نے اسے گھورتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا پھر میں اچانک اپنے قریب کھڑے ہوئے سفید پوش سے مخاطب ہو گیا ''اس کے لیے توانائی کا بندوبست کرو۔ پہلے سو واٹ کا بلب سیریز میں جوڑ کر اسے کنپٹیوں اور ایڑیوں سے بجلی فراہم کرو، ہوسکتا ہے کہ اس کی عقل ٹھکانے پر آجائے۔''

''تم مجھے بجلی کے جھٹکے دو گے، مارو گے مجھے......؟'' وہ اٹھ کر یکایک اچھلنے اور ہذیانی انداز میں چیخنے لگا مگر میں بے پروائی سے کوٹھری سے باہر نکل گیا۔

اس نے میرے پیچھے لپک کر باہر آنے کی کوشش کی تھی لیکن سفید پوش نے اندر ہی اسے دوبارہ اپنے مکوں پر رکھ لیا تھا۔

''سر! جلال صاحب آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں'' باہر موجود دوسرے سفید پوش نے مودب لہجے میں مجھے آگاہ کیا۔ اس کی آواز دھیمی تھی۔

''جلال کو کیسے پتا چلا کہ اس وقت میں یہاں موجود ہوں!'' میں نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ سوال کیا۔

''آپ ان کے مہمان ہیں۔ کچھ اندازہ ہونے کے بعد میں نے فون کر کے انہیں خبر دی تھی کہ آپ سو بھراج کے سلسلے میں ایک قیدی کو یہاں لائے ہیں'' اس نے کسی ندامت کے بغیر دھیمی آواز میں وہ جواب دے کر میری حیرت دور کر دی۔

اسی وقت پہلا سفید پوش سنیل کو کوٹھری میں بند کر کے ہماری طرف آگیا۔ سنیل کے ساتھ مار دھاڑ کے نتیجے میں اس کا بے داغ لباس جگہ جگہ سے گندا اور خون آلود ہو چکا تھا۔ خون کے دھبے اس کے ہاتھوں اور چہرے پر بھی نمایاں تھے۔

''میں نے قیدی کے سامنے اپنی زبان بند رکھی۔ مجھے افسوس ہے کہ ہم اسے برقی جھٹکے نہیں دے سکیں گے۔ کسی ذمے دار افسر کی ہدایت پر اور اس کی نگرانی میں یہ طریقہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے ایسا انتہائی قدم نہیں اٹھا سکتے۔''

مجھے ذہنی جھٹکا لگا۔ میں ہر معاملے میں پوری نیک نیتی سے کام کرنے کا عادی تھا۔ وہ پہلا موقع تھا کہ میری ہدایت کو نرم الفاظ میں مسترد کیا جا رہا تھا۔

مجھے اس کیفیت سے سنبھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ میں ایس ٹی ایف کے ساتھ ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد رہ کر کام کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔ آئی بی والوں کے ساتھ براہِ راست رابطے کا وہ پہلا موقع تھا۔ مجھے یہ یاد نہیں رہا تھا کہ وہ لوگ قدم قدم پر اپنے آئینی ادارے کے کڑے ڈسپلن اور ضابطوں میں جکڑے ہوئے تھے۔

وہ فرض شناس اہل کار یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اپنے اختیارات کی حدود سے تجاوز کرنے کی صورت میں وہ سنیل سے پہلے کسی عدالت میں کھینچے جاسکتے تھے۔

وہ خیال ذہن میں آتے ہی میری کلفت دور ہو گئی۔ میں نے اپنی بات نبھانے کے لیے ہنستے ہوئے کہا ''مجھے تمہاری مجبوریوں کا احساس ہے۔ میں نے وہ بات اسے دھمکانے کے لیے کہی تھی، ضرورت ہوئی تو زیادہ سے زیادہ برقی جھٹکے کے لوازم ہم اس کے سامنے لے آئیں گے۔ مجھے امید ہے کہ وہ ان کے استعمال کے بغیر اپنی زبان کھول دے گا۔''

''ان آلات کا خیال ذہن سے نکال دو'' اس نے نہایت ملتجیانہ لہجے میں کہا ''کسی افسر کو ان باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو اسے یہ یقین دلانا مشکل ہو جائے گا کہ ہم ان آلات کو استعمال کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔''

''جلال سے بات کر کے کچھ سوچا جائے گا'' میں نے لفت آمیز لہجے میں' وہ بات وہیں ختم کر دی اور تیزی سے الز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

جلال اپنے گھر پر موجود تھا۔ میری آواز سنتے ہی اس نے پرتپاک لہجے میں کہا ''مبارک ہو' سنا ہے کہ آج تم کوئی بڑا شکار پکڑ کر صدف مینشن میں لائے ہو؟''

''وہ سنیل ہے اور آسانی سے زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے'' میں نے کسی گرم جوشی کے بغیر سرسری لہجے میں کہا ''مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے اسے صدف مینشن لا کر غلطی کی ہے۔ تمہارے آدمی اس سے باز پرس میں ایک حد سے آگے جانے پر آمادہ نہیں ہیں۔''

''بعض مقامات پر میں خود بے بس ہو جاتا ہوں۔ یہ باتیں تمہارے لیے نئی نہیں ہیں' میں تمہیں ہر بات بتاتا رہا ہوں۔ وہ میرے ماتحت ہیں' ان کی مجبوریاں مجھ سے کہیں زیادہ ہیں۔ یہ بتاؤ کہ وہ کیسے ہاتھ آ گیا اور اس کا گرو گھنٹال کہاں ہے؟''

''وہ سوبھراج کی کمین گاہ سے واقف ہے مگر زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے۔''

''اسے تم صدف مینشن میں چھوڑ دو۔ صبح تک میرے آدمی راہِ راست پر لے آئیں گے'' جلال کی پُراعتماد آواز ابھری۔

''اس وقت تک سوبھراج خطرہ بھانپ کر اپنا ٹھکانا بدل چکا ہوگا۔''

جلال کے لیے بھی وہ واقعہ بہت اہم تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سنیل کے پکڑے جانے کے بعد سوبھراج کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ وہ اس واقعے کی تفصیل جاننے کے لیے بے چین ہوا جا رہا تھا۔

اس کے اصرار پر میں نے اختصار کے ساتھ اسے سارے واقعات سنا دیے اور واضح الفاظ میں یہ بھی بتا دیا کہ سنیل کے معاملے میں ٹال مٹول کے نتیجے میں ہم سوبھراج پر ہاتھ ڈالنے کے ایک سنہرے موقع سے محروم ہو جائیں گے۔

''کاش! میں آج کے لیے کراچی میں رک گیا ہوتا تو یہ صورت حال پیش نہ آتی۔ یہاں سے کراچی کے لیے آخری پرواز بھی نکل چکی ہے۔ میں لاکھ کوشش کروں پھر بھی نائٹ کوچ کے ذریعے فجر سے پہلے کراچی نہیں پہنچ سکتا۔ اس وقت تک سوبھراج' سنیل کی طرف سے مایوس ہو کر اپنا ٹھکانا بدل چکا ہوگا...... بدقسمتی یہ ہے کہ ماضی میں ہمیں کئی تلخ تجربات سے گزرنا پڑا ہے۔ اس کے بعد سے ہم لوگ بہت محتاط ہو گئے ہیں۔''

''ایس ٹی ایف کی سرگرمیاں اچانک موقوف نہ ہو گئی ہوتیں تو مجھے یہ مشکل درپیش نہ ہوتی'' میں نے نرم لہجے میں شکایت کی۔

''یہاں ہر طرف اس واقعے کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اچانک کیا ہوا ہے۔ اڑتی اڑتی خبر ملی ہے کہ ان کا باس بھی کراچی میں ہے۔''

مجھے اس بارے میں خاصی اطلاعات مل چکی تھیں لیکن میں نے جلال کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور پوچھا ''پھر اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اس وقت سنیل کا مسئلہ سب سے اہم ہے۔''

''صدف مینشن میں آنے کے بعد وہ ہمارا قیدی ہے لیکن تم چاہو تو اسے اپنے ساتھ کہیں بھی واپس لے جا سکتے ہو'' وہ رک رک کر' پُرخیال آواز میں کہہ رہا تھا ''پھر بھی میرا مشورہ یہ ہے کہ اسے یہیں چھوڑ دو۔ میں اپنے کسی آدمی سے بات کرتا ہوں۔ تم چلے جاؤ' ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اسے زبان کھولنے پر مجبور کر دیں۔''

''میری موجودگی کیا ان کے لیے رکاوٹ ثابت ہوگی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ نازک باتیں ہیں۔ فی الحال انہیں بھول جاؤ اور کسی کو فون پر بلا دو۔''

میں نے ریسیور میز پر رکھا اور باہر جا کر صاف ستھرے سفید پوش کو اندر بھیج دیا کیونکہ اس نے جلال کو فون کر کے قیدی کی آمد کی اطلاع دی تھی۔

اسے بھیج کر میں اندر نہیں گیا تا کہ وہ کسی جھجک کے بغیر جلال سے دوٹوک باتیں کر سکے۔ میں نے باہر رک کر سگریٹ سلگایا' گندے لباس والا مجھ سے اجازت لے کر اپنے داغ دار کپڑے تبدیل کرنے کے لیے چلا گیا تھا۔

میں سگریٹ کے کش لگا کر اسی راہ داری میں ٹہلتا رہا۔ اس دوران میں مجھے صدف مینشن کی اوپری منزل سے ایک سے زیادہ افراد کی کراہیں اور بڑبڑاہٹیں سنائی دیں جن سے اندازہ ہوا کہ اس وقت سنیل وہاں کا اکلوتا قیدی نہیں تھا۔

اپنے آدمی سے جلال کی گفتگو زیادہ طویل نہیں رہی۔ سفید پوش نے اپنی گفتگو ختم کرنے کے بعد باہر آ کر مجھے اطلاع دی کہ جلال مجھ سے دوبارہ بات کرنے کا خواہاں تھا۔

اس وقت تک میری طبیعت مضمحل ہو چکی تھی۔ میں اس تلخ حقیقت سے آگاہ ہو چکا تھا کہ میرے لیے آئی بی والوں کے ساتھ رہ کر مکمل آزادی سے کام کرنا ممکن نہیں تھا۔ ان

لوگوں کے اپنے لگے بندھے طریقے اور ضابطے تھے۔ میری خوشنودی کے لیے وہ کسی قیمت پر بھی ان سے انحراف نہیں کر سکتے تھے۔

اس مرتبہ جلال کا لہجہ امید افزا تھا جیسے اس نے اپنے آدمی سے بات کر کے کامیابی کی کوئی کنجی پالی ہو۔ مجھے حوصلہ دلاتے ہوئے اس نے اپنی بات کا اعادہ کیا کہ مجھے سنیل کو وہاں چھوڑ کر گھر لوٹ جانا چاہیے۔ اس وقت ہمیں سنیل سے صرف سوبھراج کی کمین گاہ کا پتا درکار تھا۔ وہ کوئی پیچیدہ سوال نہیں تھا۔ اپنے روایتی طور طریقوں سے کام لیتے ہوئے، اس کے آدمی سنیل سے وہ تفصیل معلوم کر سکتے تھے۔

جلال سے بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ اپنی جن مجبوریوں کا اسیر تھا وہ بار بار میرے سامنے آتی رہی تھیں۔ میری خاطر وہ انہیں نظر انداز کر کے اپنی نوکری داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ میں نے بلاحیل وحجت اس کی بات مان لی۔

''کامیاب ہوتے ہی میرے آدمی سب سے پہلے تمہیں فون پر اطلاع دیں گے'' اس نے میری دل جوئی کے لیے زور دے کر کہا۔

''اب کامیابی اور ناکامی کا دارومدار تمہارے آدمیوں کی کارکردگی پر ہے'' سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی میں اپنے لہجے میں در آنے والی ہلکی سی تلخی پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

''مجھے تمہاری ذہنی کیفیت کا اندازہ ہے۔ تم نیک توقعات رکھو اور گھر جا کر آرام کرو۔ مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ تمہیں جلد ہی اچھی خبر سننے کو ملے گی۔ ابھی تک اس کی گرفتاری ظاہر کی گئی ہے نہ اس کا ریمانڈ لیا گیا ہے۔ میں تمہیں صرف اتنا اشارہ دے سکتا ہوں کہ اس وقت ہمارے ہاتھ بڑی حد تک کھلے ہوئے ہیں۔ اسے پکڑنے کی کوششوں میں اسے کوئی بھی شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

وہ ایک قانونی باریکی تھی جو میری سمجھ میں آ گئی لیکن میں نے اس پر کوئی بات نہیں کی اور رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد فون بند کر دیا۔

اس مختصر سے وقفے میں دونوں سفید پوش اپنے کپڑے تبدیل کر چکے تھے۔ وہ مجھے رخصت کرنے کے لیے عمارت کے صدر دروازے تک آئے۔ اس دوران میں ہمارے درمیان قیدی کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے میرا فون نمبر دریافت کیا۔ میں نے اس کی جیبی ڈائری پر گھر کے نمبر کے ساتھ موبائل فون کا نمبر بھی لکھوا دیا۔

دروازے پر ان دونوں کو الوداع کہہ کر میں وہاں سے رخصت ہو گیا۔ ٹیکسی لینے سے پہلے مجھے اچانک خیال آیا کہ میں واقعات کی روانی میں بہہ کر سنیل سے ایک اہم سوال پوچھنا بھول گیا تھا۔ میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا دوبارہ صدف مینشن کے دروازے پر پہنچ گیا۔

وہ لوگ چند منٹ بعد مجھے اپنے روبرو پا کر حیران رہ گئے۔

''قیدی سے ایک اہم سوال پوچھنا باقی رہ گیا ہے'' میں نے اندر پہنچ کر ان کے کسی سوال سے پہلے اپنی آمد کا مدعا بیان کر دیا۔

وہ میرا بہت زیادہ ادب کر رہے تھے۔ ایک نے پھرتی سے سیل کا جالی دار دروازہ کھول دیا۔ سنیل اس وقت فرش پر پاؤں پھیلائے بیٹھا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اپنے سیل کے سامنے آہٹیں سن کر اس نے آنکھیں کھول دیں اور بھڑک کر جارحانہ انداز میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''اب تم لوگ دوبارہ کیوں آئے ہو؟'' اس نے درشت آواز میں سوال کیا ''میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے آج کی رات یکسو ہو کر سوچنے دو، صبح میں تم سے بات کروں گا۔''

''میں تم سے تمہاری ولدیت کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''میرے باپ سے تمہیں کیا لینا ہے'' وہ چیخ کر بولا ''تمہارا جھگڑا مجھ سے ہے۔ مجھ سے میری بات کرو۔ باپ دادا تک کیوں پہنچ رہے ہو؟''

''یہ ضروری ہے'' میں نے اپنی سنجیدگی برقرار رکھی ''یہاں ایک نام کے دو قیدی بھی آ جاتے ہیں۔ ان کی شناخت ولدیت سے ہوتی ہے۔''

اس بار اسے کسی قسم کے تشدد کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ وہ اس کے لیے ایک غیر معمولی بات تھی۔ اس نے بحث کو طول نہیں دیا۔ لحہ بھر کی خاموشی کے بعد بولا ''بھولا رام!''

''اگر بھولا رام تمہارا باپ تھا تو پھر نرمل کمار کون ہے؟'' میں نے اچانک تیز اور تلخ لہجے میں سوال کیا۔ وہ نام سلطان شاہ نے ٹیلی فون ڈائریکٹری میں تلاش کیا تھا۔

وہ اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے یوں لہرایا جیسے میری زبان سے نرمل کمار کا نام سن کر اسے چکر آ گیا ہو مگر فوری طور پر اس نے سنبھالا لے لیا۔

''تم اس کے بیٹے کا نام جانتے ہو تو پھر میرے اوپر ظلم کیوں کر رہے ہو۔ جا کر اس کا گریبان پکڑو اور اس سے پوچھو کہ وہ کیا جانتا ہے؟'' سنبھلتے ہی اس نے شکست خوردہ لہجے

میں اعتراض کیا۔ میرے لیے اس کے وہ الفاظ بہت اہم تھے۔

سنیل کے وہ فقرے میری اس کوشش کا ماحصل تھے۔ ان سے صاف طور پر یہ نتیجہ اخذ ہو رہا تھا کہ نرمل کمار کا باپ اس چکر میں کوئی اہم حیثیت رکھتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ سنیل اور سوبھراج نے اسی کے گھر پناہ لی ہوئی ہو۔

وہ چالاک لوگ تھے۔ ہر محاذ پر اپنا دامن بچا کر لڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ شیر دل کی بیوہ کو نرمل کمار کے گھر کے بجائے دفتر کا نمبر دیا گیا تھا۔ سوبھراج اپنے وفاداروں میں بھی اپنی ساکھ قائم رکھنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے شیر دل کی بیوی کو ہر قسم کی مدد کی یقین دہانی کرائی تھی۔

اس مدد کے حصول کے لیے کسی نہ کسی رابطے کا ہونا ضروری تھا۔ سوبھراج کے بھیجے ہوئے آدمی نے اس عورت کو نرمل کمار کے دفتر کا فون نمبر دے دیا۔

ان لوگوں کو یہ گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ نمبر ہمارے ہاتھ لگ جائے گا۔ یہ ویرا کی چالاکی اور حاضر دماغی تھی کہ اس نے شیر دل کے گھر کے دروازے پر پہنچتے ہی بات کا رخ دیکھ کر عورت فاؤنڈیشن کی فرضی کہانی گھڑ لی اور گھر کے اندر پہنچنے کے بعد اس عورت کے دل میں اترنے میں کامیاب ہو گئی۔

نرمل کمار کے دفتر کا فون نمبر ہمیں شیر دل کی بیوی یا بیوہ سے ملا تھا۔ اس نمبر پر میری بات ہو چکی تھی۔ بات کرنے والے نے اپنا نام نہیں بتایا تھا لیکن میری زبان سے حال ہی میں بیوہ ہونے والی عورت کا ذکر سن کر وہ ہمہ تن گوش ہو گیا تھا۔

یہ دیگر بات تھی کہ جب میں نے اس سے عورت فاؤنڈیشن کے رفاہی کاموں کے لیے امداد کی بات چھیڑی تو اس نے برہم ہو کر فون بند کر دیا تھا مگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ وہ شخص سوبھراج کے کیمپ سے تعلق رکھتا تھا۔

اس نمبر کی مدد سے سلطان شاہ نے ٹیلی فون ڈائریکٹری پر عرق ریزی سے کام کیا تھا اور اس نمبر کے حوالے سے پاپولیشن ویلفیئر کے نرمل کمار نامی افسر کا نام دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

سنیل کافی مار کھانے کے باوجود اپنی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا لیکن میری زبان سے نرمل کمار کا نام سنتے ہی اس کا سارا کس بل نکل گیا تھا۔ اس کی زبان سے نکلنے والے بے ساختہ جواب نے میری مشکل یکایک آسان کر دی تھی۔

وہاں سے ناکام و نامراد لوٹتے لوٹتے' کامیابی نے اچانک میرے قدم چوم لیے تھے۔ سنیل پر اپنا وقت برباد کرنا بے سود تھا۔ میں اس سے یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ وہ مجھے نرمل کمار کے گھر کا پورا پتا بھی بتا دے گا۔

وہ کام مجھے اپنے طور پر اور بہت تیزی سے کرنا تھا۔

میرے اداس اور اترے ہوئے چہرے پر نمودار ہونے والی مسرت آئی بی والوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ انہیں پس پردہ واقعات کے سر پیر کا علم نہیں تھا۔ وہ بات کی گہرائی تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ انہیں صرف یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ان چکروں میں نرمل کمار کے نام کی بہت زیادہ اہمیت تھی۔

چلتے چلتے میرے دل میں آئی کہ شیر دل کی بیوی کو رقم پہنچانے والے شخص کے بارے میں بھی اس سے چند سوال کر ڈالوں لیکن میں نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ واقعات کی کڑیاں بتا رہی تھیں کہ وہ جو کوئی بھی تھا' سوبھراج کا آدمی تھا۔ اس کے نام سے مجھے کچھ نہیں لینا تھا۔ میں خاموشی سے سنیل کی کوٹھری سے نکل آیا۔

آئی بی والوں کے چہرے متجسس تھے۔ وہ باز پرس کے مختصر سے نئے دور کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہ رہے تھے لیکن ان میں مجھ سے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ ان کے محتاط اور مدافعانہ رویے کی وجہ سے میری رگ بھی ذرا بھڑکی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے طور پر انہیں ایک لفظ بھی نہیں بتایا اور خوش خلقی کے ساتھ ان سے مصافحہ کر کے صدف مینشن سے واپس روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

گھر پر ویرا منہ پھلائے میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ مجھ سے کسی محاذ آرائی کے لیے تلی بیٹھی تھی۔

''قدرت کے عطا کیے ہوئے خوبصورت چہرے کو تم نے کیوں بگاڑا ہوا ہے؟'' جمود توڑنے کے لیے میں نے اسے چھیڑنے میں پہل کر ڈالی۔

''اسٹیشن فور کے دروازے بند کر دیے گئے تھے تو تم اسے گھر کیوں نہیں لائے؟'' اس نے مجھے گھورتے ہوئے تیز لہجے میں سوال کیا۔

''مار کھانے کے بعد وہ پوری آواز میں چلا رہا تھا'' میں نے مفاہمانہ لہجے میں کہا ''یہاں آتا تو پورا محلہ ہمارے دروازے پر جمع ہو جاتا۔''

''اس حرام زادے کے منہ میں حلق تک روئی ٹھونس دیتے۔ پھر دیکھتے کہ وہ کیسے کوئی آواز نکالتا ہے۔ میں اسے اس بری طرح ادھیڑتی کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا۔''

''ہمارا مقصد اسے مارنا پیٹنا نہیں تھا۔ اس سے سوبھراج کی کمین گاہ کا پتا معلوم کرنا تھا'' میں نے رسانیت سے کہا ''مجرم کے منہ میں روئی ٹھونس کر باز پرس یا تفتیش نہیں کی جاسکتی۔ ہر تھپڑ اور مکے کے بعد رونما ہونے والی نفسیاتی تبدیلیوں سے آگاہ رہنے کے لیے قیدی کی زبان کا آزاد رہنا ضروری ہوتا ہے۔''

''پہلے اسے یہاں لانا چاہیے تھا کہ ہم سب اس پر اپنی بھڑاس نکال لیتے۔ وہ بے ہوش تھا۔ گاڑی اندر لا کر ہم پوری رازداری کے ساتھ اسے چوتھے بیڈروم کے غسل خانے میں ڈال سکتے تھے'' ویرا میری بات سمجھنے پر آمادہ نہیں تھی۔

''وقت کی بھی اہمیت تھی۔ سوبھراج غیر معینہ مدت تک اپنی جگہ بیٹھا اس کی واپسی کا انتظار نہیں کرتا رہے گا۔ گڑبڑ کا احساس ہوتے ہی اپنا ٹھکانا بدل لے گا۔''

''وقت بچا کر تم نے کیا تیر مارا ہے؟ بتادیا اس نے سوبھراج کا پتا؟'' اس نے لڑاکا انداز میں اپنے ہاتھ فضا میں نچاتے ہوئے سوال کیا۔

''سوبھراج کو پاپولیشن ویلفیئر والے نرمل کمار کے باپ .... نے پناہ دی ہوئی ہے'' میں نے مسکراتے ہوئے ان تینوں کو اطلاع دی۔

وہ خبر ان کے لیے غیر متوقع تھی۔ کسی کو امید نہیں تھی کہ سنیل آسانی سے کچھ اگل دے گا۔ ویرا چند ثانیوں تک سکتے کی حالت میں بیٹھی مجھے گھورتی رہی۔ میں گہری مسکراہٹ کے ساتھ اس کی غصیلی نگاہوں میں دیکھتا رہا۔ آخر کار وہ کھسیائے ہوئے انداز میں ہنس پڑی۔

''نرمل کمار کا باپ کہاں رہتا ہے؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''اس وقت یہ ملین ڈالر کا سوال ہے'' میں نے کہا ''اس بارے میں وہ ایک لفظ بھی بتانے پر آمادہ نہیں تھا۔ صدف مینشن سے نکل آنے کے بعد مجھے نرمل کمار کا نام یاد آیا۔ میں نے دوبارہ اندر جا کر نرمل کمار کا نام لیا اور وہ اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو نہ رکھ سکا۔''

''میں نے اس کی سرسری سی جھلک دیکھی تھی۔'' سلطان شاہ نے اپنی زبان کھولی ''ایسے قد' کاٹھ اور خدوخال والے عام طور پر بہت ڈھیٹ اور بے شرم ہوتے ہیں۔''

''واہ! تم تو قیافے کے پروفیسر ہو گئے۔'' ویرا نے اس کا مضحکہ اڑایا ''اس کے بارے میں تمہارا اندازہ سو فیصد سے زیادہ درست ہے۔ وہ مار کھانے کے باوجود نغمہ سرا نہیں ہوا۔ یہ اس کی ڈھٹائی کی دلیل ہے' بے شرمی کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ وہ سوبھراج اور اپنی بیوی کے قریبی مراسم سے چشم پوشی کرتا رہتا تھا۔''

''وقت ہاتھ سے نکلا جارہا ہے۔ نرمل کے گھر کا سراغ کیسے ملے گا؟'' غزالہ نے تادیبی لہجے میں کہا۔

''ڈائریکٹری پرانی ہے اور نرمل اپنی جگہ پر موجود ہے۔ اس حقیقت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پاپولیشن ویلفیئر کے محکمے میں ہر پتھر اپنی جگہ پر بھاری ہے'' غزالہ کی تنبیہہ سنتے ہی سلطان شاہ کی زبان چلنا شروع ہو گئی۔ وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے کہہ رہا تھا ''افسروں کے تبادلے کم ہوتے ہیں۔ نرمل اپنی جگہ پر موجود ہے تو ڈائریکٹری کے مطابق دوسرے افسر بھی اپنی جگہوں پر موجود ہوں گے۔ میں ابھی کسی کو فون کرتا ہوں۔ ڈائریکٹری میں کئی افسروں کے گھروں کے فون نمبر بھی دیے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کسی سے نرمل کے گھر کا پتا مل جائے گا۔''

''کیا تم دیوانے ہو گئے ہو؟'' ویرا نے ترشی سے کہا ''کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ تم جیسے اجنبی کو فون پر اس کے گھر کا پتا بتائے؟''

''یہ عقل کا کھیل ہے جس کا تمہارے پاس قحط ہے'' اس نے برجستہ جواب دیا ''عورتوں کی بیشتر عقل ان کے لمبے بالوں کی کھاد بن کر ضائع ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگوں کے یہاں عورتوں کو ناقص العقل قرار دیا جاتا ہے۔''

''ذرا پتا تو چلے کہ اس وقت تمہاری عقل پر کس قسم کا دورہ پڑا ہوا ہے؟'' ویرا غرائی۔

''مجھے گھبرائی ہوئی آواز میں صرف یہ کہنا ہوگا کہ نرمل ایک حادثے میں زخمی ہو کر اسپتال میں اپنے آخری سانس لے رہا ہے' اس کے گھر والوں سے فوری رابطہ ضروری ہے۔ پتا نہیں تو کم از کم اس کے گھر کا فون نمبر ضرور مل جائے گا۔''

''اس وقت تم واقعی دور کی کوڑی لائے ہو'' میں نے تعریفی لہجے میں کہا ''اس نیک کام کو خود ہی انجام دو۔ اس میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کرو۔''

ٹیلی فون ڈائریکٹری کی پہلی جلد اس وقت بھی ڈرائنگ روم میں پڑی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ نے سرکاری اوراق میں پاپولیشن ویلفیئر کا صفحہ کھولا اور محمد اصغر نامی ایک افسر کے گھر کا فون نمبر نوٹ کر کے ڈائریکٹری بند کر دی۔

اس نے نمبر ملانے کے لیے فون کا ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سلطان شاہ کی مستفسرانہ نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔ میرے اشارے پر اس نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔ میں نے بٹن دبا کر

موبائل فون اپنے کان سے لگا لیا۔
''تم اس وقت کہاں ہو؟'' دوسری طرف سے آنے والی جلال کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔
''صدف مینشن سے واپس گھر آچکا ہوں'' میں نے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''تم نے اس وقت کیسے فون کیا؟''
''قیدی بول پڑا ہے۔ چلتے چلتے تم نے اس سے کسی نرمل کمار کے بارے میں بات کی تھی۔ میرے اسٹاف نے اس کلیو پر کام شروع کر دیا۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ سوبھراج اور سنیل نے نرمل کے گھر پر پناہ لی ہوئی تھی......''
''یہ بات اس نے میرے سامنے اگل دی تھی۔ ان دونوں کو نرمل نے نہیں' ان کے باپ نے پناہ دی ہوئی ہے۔ اس وقت میں اس کے گھر کا کھوج لگانے کی کوشش کر رہا ہوں'' میں نے اس کی بات کاٹ کر تصحیح کرتے ہوئے کہا۔
''پھر بھی کام کچھ نہ کچھ آگے بڑھا ہے'' اس نے جواب دیا ''نرمل یا اس کے باپ کے گھر کا پتا بھی قیدی سے مل گیا ہے۔ وہ لوگ کینٹ اسٹیشن کے پاس رہتے ہیں۔ آج تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ اب سوبھراج پر ہاتھ ڈالنے کے بارے میں کیا ارادہ ہے؟''
میں سوچ میں پڑ گیا۔ سوبھراج نے ایک مدت سے شہر میں اودھم مچایا ہوا تھا۔ تسلسل اس کا نام سننے میں آ رہا تھا لیکن کہیں بھی میرا اور اس کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ میں اپنے ہاتھوں سے اس مردود کی سرکوبی کروں لیکن میرے لیے وہ وقت ناموزوں تھا۔
ایس ٹی ایف کے عملے کے ساتھ میں مکمل آزادی اور بالادستی کے ساتھ ہر کام کر گزرتا تھا۔ وہ لوگ ایکا ایکی غیر فعال ہو چکے تھے' اول خان کا کوئی پتا نہیں تھا۔ سوبھراج کے راج محل سے فرار کا واقعہ ابتدا سے میرے سینے کا ناسور بنا ہوا تھا۔ وہ بہت چالاک مجرم تھا۔ ہر وقت اپنے فرار کی راہیں کھلی رکھتا تھا۔
اس پر ہاتھ ڈالنا ہم چاروں کے بس سے باہر تھا۔ مسلح اور بھاری نفری کے ساتھ اس ٹھکانے کا محاصرہ کیے بغیر سوبھراج کو للکارنا بے سود ثابت ہو سکتا تھا۔ چند گولیاں برسا کر وہ ہمیں ایک سمت میں الجھاتا اور خود کسی اور راستے سے فرار ہو جاتا۔ سنیل کو کھو دینے کے بعد اس میں جم کر لڑنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔
ویسے بھی وہ دلیر نہیں تھا۔ اسے اپنی زندگی سے بہت زیادہ پیار تھا۔ بنیادی طور پر وہ ایف بی آئی والوں کی سزا سے بچنے کے لیے چھپتا پھر رہا تھا۔ قانون نے بعد میں اس کا پیچھا لیا تھا۔
ایس ٹی ایف نامعلوم وجوہ کی بنا پر مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ پولیس کے محکمے سے کبھی بھی میری زیادہ رسم و راہ نہیں رہی تھی۔ لے دے کر آئی بی رہ جاتی تھی جو بھرپور طاقت اور اختیار کے ساتھ سوبھراج کو گھیر سکتی تھی۔
وہ پر تشدد تفتیش کی طرح کوئی صوابدیدی معاملہ نہیں تھا جس کے لیے جلال یا کسی اور اعلیٰ افسر کی کراچی میں موجودگی ضروری ہوتی۔ سوبھراج ایک خطرناک مجرم تھا۔ اس کے وارنٹ نکلے ہوئے تھے۔ کسی بھی ایجنسی کا کوئی اہل کار اس پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ آئی بی والوں کے پاس افرادی قوت کی کمی ہوتی تو وہ باضابطہ طور پر پولیس سے مدد لے سکتے تھے۔
سوبھراج کی سرکوبی کے اس آپریشن میں شرکت کی خواہش کے باوجود میرا دل ادھر مائل نہیں ہو رہا تھا۔ سبب بہت واضح تھا۔ سنیل کے بارے میں میرا صدف مینشن کا تازہ ترین تجربہ زیادہ خوشگوار نہیں رہا تھا۔
مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ آئی بی والوں کے ساتھ اس مہم میں شامل ہو کر میں اپنے طور پر کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔ اول تا آخر انہیں بالادستی حاصل رہے گی۔ ان کی اجازت کے بغیر میں شاید ایک گولی بھی نہیں چلا سکوں گا۔ میری حیثیت ثانوی اور مبصر کی ہو کر رہ جائے گی۔ ایسی بے عمل شمولیت سے بہتر تھا کہ میں گھر بیٹھ کر اس آپریشن کے نتائج کا انتظار کر لیتا۔
میں نے چند لمحوں میں' بہت سرعت سے اپنا وہ ذہنی تجزیہ مکمل کیا اور جلال کے ٹوکنے سے پہلے کہا۔
''ایس ٹی ایف پس پردہ چلی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اپنے آدمیوں کو اسی وقت اس کام پر لگا دو۔ سوبھراج زیادہ دیر تک وہاں نہیں رکے گا۔ وہ تمہاری تیاریوں کے باوجود راج محل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسے پکڑنا ہم چاروں کے بس کی بات نہیں ہے۔''
''کیا تم میرے اسٹاف کے ساتھ اس مہم میں شریک نہیں ہونا چاہو گے؟'' اس نے حیرت زدہ آواز میں سوال کیا۔
''ایس ٹی ایف کے لمبے ساتھ نے قاعدوں اور ضابطوں کے بارے میں مجھے بے پروا بنا دیا ہے۔ میں تمہارے اسٹاف کے ڈسپلن کا ساتھ نہ دے سکا تو بلاوجہ کوئی بدمزگی پیدا ہو جائے گی۔ مجھے بھول جاؤ اور اپنے آدمیوں کو حکم دے ڈالو۔ میں ان کی کامیابی کے لیے دعا گو رہوں گا۔''
''مجھے تمہارا رویہ کچھ اکھڑا اکھڑا سا محسوس ہو رہا ہے'' میرے ساتھ خاصا وقت گزار کر وہ بڑی حد تک میرے موڈ اور

مزاج کو سمجھنے لگا تھا۔
''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے'' میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا۔
''میں مان ہی نہیں سکتا'' اس کا لہجہ پرزور ہو گیا ''تم سنیل کے واقعے سے کچھ روٹھے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔ وہاں کسی نے تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی تو نہیں کی تھی؟''
''تمہارے آدمی بہت مستعد، فرض شناس اور تمیز دار ہیں۔ ان سے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ قاعدے قوانین سے مجھے ذرا سی الجھن اور گھٹن محسوس ہوتی ہے کیونکہ میں ان کا عادی نہیں رہا۔ اس میں تمہاری کوئی خرابی نہیں ہے، یہ میری کمزوری ہے۔''
''اوکے ڈیئی!'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی ''دعا کرتے رہنا کہ آج کی رات سوبھراج کی آزادی کی آخری رات ثابت ہو۔''
''میری دعائیں تم سب کے ساتھ ہیں، گڈ لک!'' میں نے فون بند کر دیا۔
سلطان شاہ نے دوبارہ ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ میں نے اسے روک دیا ''اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ سنیل نے وہ پتا بتا دیا ہے۔''
''اوہ!'' ویرا کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی ''اب میں سمجھی کہ تم دونوں کے درمیان کیا باتیں ہو رہی تھیں۔ تم ان کے ساتھ شامل ہونے سے کیوں گریز کر رہے ہو؟''
''یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔ اب کوئی اور بات کرو'' میں نے ناگواری سے کہا۔
''سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اچانک کیا ہونے لگا ہے'' غزالہ نے پرتشویش لہجے میں کہا ''کل تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ آج ایسا نظر آ رہا ہے جیسے ہمارے سارے موثر رابطے ایک ایک کر کے ٹوٹتے جا رہے ہوں۔''
''کچھ نہیں۔ یہ سوبھراج کے ستاروں کی نحوست ہے جو ہمارے سروں پر بھی منڈلا رہی ہے'' سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا ''ایک بار اسے ہتھکڑیاں لگ جائیں گی تو سب حالات خود بخود ٹھیک ہوتے چلے جائیں گے۔''
''سوبھراج گھیرے میں آ رہا ہے تو کل غزالہ کا کیا پروگرام رہے گا؟'' ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر سوال کیا۔
''وہ پروگرام اپنی جگہ برقرار ہے'' میں نے جواب دیا ''جب تک اس کی گرفتاری کی خبر نہیں آ جاتی، ہم اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔''
''سنیل کے پکڑے جانے کے بعد وہ اپنے محور سے ہل چکا ہے۔ اس کے بدترین انجام میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے'' ویرا نے کہا۔
''سوبھراج کا ہانکا شروع ہونے والا ہے۔ سنیل پکڑا گیا۔ اب شیبا کا کیا ہو گا؟'' غزالہ نے یکایک بوجھل آواز میں پوچھا۔
''پہلے سلطان شاہ کو اس کی فکر لاحق ہوئی اب تم اس کے لیے پریشان ہو'' میں نے ہلکے سے استہزائیہ لہجے میں کہا ''وہ بے باک اور اوباش فطرت عورت ہے۔ اس کی فکر میں اپنی جان ہلکان مت کرو۔ وہ ہر صورت میں اچھی طرح وقت گزارتی رہے گی۔''
دیر ہو چکی تھی۔ ابرار کئی بار ڈرائنگ روم کے چکر لگا چکا تھا لیکن کسی نے اس کی بے چینی پر دھیان نہیں دیا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ اس وقت تک ہم نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ میں نے بات چھیڑی تو ہر ایک کو بھوک کا احساس ستانے لگا اور وہ محفل ہلچل کا شکار ہو گئی۔
ابرار میز پر برتن وغیرہ لگا چکا تھا۔ قاب میں سالن وغیرہ نکالنے کی دیر تھی۔ وہ تیاری ہو ہی رہی تھی کہ ویرا کے دل میں نہ جانے کیا بات آئی۔ وہ بازو پکڑ کر مجھے تقریباً کھینچتی ہوئی ڈرائنگ روم کے آخری کونے میں لے گئی۔
''تم کہہ رہے تھے کہ ایس ٹی ایف کے سارے عملے کو فیلڈ سے واپس بلا لیا گیا ہے'' اس نے تائید طلب سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔
''ہاں، اس میں ایسی رازداری کی کیا بات ہے؟'' میں نے جھنجلا کر پوچھا۔
''پھر یہ ابرار اور دین محمد یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' اس نے میری جھنجلاہٹ کو نظر انداز کر کے اپنا سوال کر ڈالا۔
ویرا کی وہ بات درست تھی۔ عملی طور پر وہ دونوں گھریلو کاموں میں ہم سب کی بہت زیادہ مدد کرتے تھے لیکن اصولی طور پر انہیں گھر کی حفاظت پر مامور کیا گیا تھا۔ رات کو ان میں سے ایک آدمی مسلح ہو کر چھت پر گشت کرتا رہتا تھا۔
''ہو سکتا ہے کہ اول خان نے ہماری ضروریات کی وجہ سے انہیں نظر انداز کر دیا ہو'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔
''اس قسم کے بڑے فیصلے کیے جاتے ہیں تو لوگوں کی چھوٹی موٹی ضروریات کو سرے سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ ایس ٹی ایف کو ختم نہیں کیا گیا۔ جو کچھ ہوا ہے، وہ ایک عارضی فیصلہ ہے۔ ایک دو روز میں ایس ٹی ایف کی ساری سرگرمیاں اپنے پرانے معمول پر آ جائیں گی۔''
''تم سے یہ کس نے کہہ دیا کہ فورس ختم کر دی گئی؟'' میں

نے ترشی سے پوچھا۔

''کسی نے نہیں کہا لیکن خبروں سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔ ابھی تک میں ابرار اور دین محمد کو بھولی نہیں تھی۔ ان کی موجودگی بتا رہی ہے کہ یہ تعطل عارضی ہے۔''

میں نے خود بھی اس نکتے پر دھیان نہیں دیا تھا۔ ان دونوں کو ہمارے گھر آئے ہوئے اتنے دن ہو گئے تھے کہ وہ بھی گھر کے افراد بن گئے تھے۔ یہ بات ہر ذہن سے محو ہو چکی تھی کہ خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے انہیں ایس ٹی ایف سے عارضی طور پر ہمارے گھر بھیجا گیا تھا۔

''یہ جمود جلد از جلد ختم ہونا چاہیے۔ پتا نہیں اول خان کہاں مرا ہوا ہے۔ اس سے بات ہو تو کچھ پتا چلے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے غصے سے کہا۔

''یوں سن رسیدہ بیوہ کی طرح کلکلا کر اسے نہ کوسو!'' دیرا نے مجھے سمجھایا ''وہ یقینی طور پر کسی بڑے چکر میں الجھا ہوا ہے ورنہ خود ہی تم سے رابطہ کرتا۔''

میں اسے گھور کر رہ گیا۔ مجھے اول خان پر غصہ اس بات کا تھا کہ وہ کہیں پھنس ہی گیا تھا۔ تو اسے کم از کم ایک مختصر سی کال کر کے مجھے کچھ بتا دینا چاہیے تھا کہ میرے ذہن پر وہ بوجھ نہ رہتا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ہمارا رابطہ کب بحال ہونا تھا۔

کھانے کی میز پر بیٹھ کر میں نے دوسرا لقمہ لیا ہی تھا کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میرا ذہن مسلسل اول خان کی طرف لگا ہوا تھا۔ میں نے موبائل فون جیب سے نکال کر اسکرین پر نظر ڈالی تو وہاں اول خان کے موبائل فون کا نمبر آیا ہوا تھا۔

میں نے اضطراری طور پر اپنی کرسی چھوڑ کر عجلت میں کال لی اور فون اپنے کان سے لگا لیا۔

''کل سے تم کہاں غائب ہو؟ کان تمہاری آواز سننے کو ترس گئے ہیں'' میں نے اس کی آواز سنتے ہی مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

حقیقت یہ تھی کہ جب سے مجھے ایس ٹی ایف کی بندش کی خبر ملی تھی' میرے ذہن میں اول خان کی طرف سے برے برے خیالات آ رہے تھے۔ فورس کے سربراہ کی کراچی میں موجودگی میری تشویش کا سب سے بڑا سبب تھی۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کراچی میں ہونے والی کسی گڑبڑ کے نتیجے میں وہ بڑا قدم اٹھایا گیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں فرائض سے غفلت برتنے کے کسی دور از کار الزام میں اسے فورس کے زنداں میں نہ ڈال دیا گیا ہو۔

''میں بہت بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ اٹھارہ بیس گھنٹوں کے بعد اب گھر جانے کی آزادی ملی ہے تو میں تمہیں راستے سے فون کر رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد میں پھر وہیں لوٹ جاؤں گا'' اس کی آواز سے گہری تھکن کا اظہار ہو رہا تھا۔

''کچھ تو بتاؤ کہ تم کہاں پھنسے ہوئے ہو' یہ کیا چکر چلا ہوا ہے۔'' اس کی بات پوری ہوتے ہی میں نے مضطربانہ انداز میں کہا ''تمہارے دفتر میں بھی کوئی نیا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ تمہاری ملازمت بحال ہے یا تم معزول کر دیے گئے ہو۔''

''ابھی ایسی نوبت نہیں آئی'' تھکی ہوئی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی ''مجھے تمہارا پیغام مل گیا تھا لیکن جنرل کی موجودگی میں' میں تم سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ کل سے وہ بھی میرے ساتھ کام میں جتا ہوا تھا' ہمیں سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی۔''

''اچھا! میں اس وقت تمہارے گھر آ رہا ہوں'' اس کی مبہم باتوں سے مجھے شدید الجھن ہو رہی تھی۔ میں جلد از جلد اس کی زبان سے ساری روداد سن لینا چاہتا تھا۔

''گھر آنے کی ضرورت نہیں۔ صبح نو بجے اسٹیشن فور آ جاؤ۔ جنرل تم سے ملنا چاہتا ہے۔''

''تو کیا تم لوگوں نے وہیں اپنا ڈیرا جمایا ہوا ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں لیکن کل صبح ہم وہیں ہوں گے'' اس بار بھی اول خان کا جواب مبہم تھا۔

''یہ بتاؤ کہ تم خیریت سے تو ہو نا...... کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے؟'' اس کے غیر واضح جواب مسلسل میرے اضطراب کو ہوا دے رہے تھے۔

''سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ صبح نو بجے کا وقت یاد رکھنا۔ یہ میری تجویز نہیں' جنرل کی ہدایت ہے۔ کام کا بوجھ ہلکا ہونے کے بعد وہ تم سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔''

''تم مطمئن رہو۔ میں نو بجے اسٹیشن فور پہنچ جاؤں گا'' میں نے اسے اطمینان دلایا۔

اول خان نے مزید کوئی بات کیے بغیر فون بند کر دیا۔

میں اس سے فون پر باتیں کرتا ہوا غیر ارادی طور پر ڈرائنگ روم میں نکل گیا تھا۔ فون جیب میں ڈال کر میں کھانے کی میز پر واپس پہنچا تو میرے اوپر سوالوں کی بھرمار ہو گئی۔

''تم یقین کرو کہ اس نے کوئی خاص بات نہیں بتائی۔ صرف اتنا پتا چلا ہے کہ وہ کل سے بہت بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ اب اسے کچھ دیر کے لیے گھر جانے کی چھٹی ملی ہے'' میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا ''اہم بات صرف ایک ہے کہ جنرل

مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"وہ خود تو خیریت سے ہے نا" ویرا نے جھلا کر پوچھا۔

"خیریت سے ہے مگر بری طرح تھکا ہوا ہے۔ اس کی آواز سن کر میرے ذہن سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ جنرل آپ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں' ایک لفظ نہیں بتایا۔ وہ میرے ہر سوال کو ٹال رہا تھا" میں نے جواب دیا "کاش! مجھے تمہارے اس سوال کا جواب معلوم ہوتا۔"

میز پر کھانے کے دوران میں اول خان کی ذات کے ساتھ ایس ٹی ایف ہمارا موضوع سخن بنی رہی۔ ہر بات قیاس آرائی پر مبنی تھی اور بے خبری کے دائرے میں گھوم رہی تھی۔ کسی کے پاس کسی سوال کا کوئی یقینی جواب موجود نہیں تھا پھر بھی گفتگو کا وہ سلسلہ زور و شور سے چلتا رہا۔

وہ باتیں ابرار کے کانوں تک بھی پہنچ رہی تھیں۔ وہ عام گھریلو ملازمین کی طرح عقل سے کورا نہیں تھا۔ نیم فوجی ہونے کے ناتے بہت اچھی طرح سمجھ بوجھ رکھتا تھا۔ ان باتوں نے اس بے چارے کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔ وہ مستعدی کے ساتھ میز کی ضروریات پوری کرتا رہا۔ اپنی پریشانی کے باوجود اس نے ہماری گفتگو میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سب اٹھ کر اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیے۔ میں ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا۔ ابرار نے مجھے فراغت سے سگریٹ نوشی کرتے دیکھا تو میز سمیٹنے کے بعد میرے پاس آ گیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں سے فکرمندی جھلک رہی تھی۔

"صاحب! یہ ہماری فورس کو کیا ہوا ہے؟" اس نے میرے قریب آ کر سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "باس اور چیف صاحب خیریت سے تو ہیں؟"

"سب خیریت سے ہیں۔ کہیں کچھ نہیں ہوا۔ تمہیں ہم لوگوں کی باتوں سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ تمہارا باس اسلام آباد سے اچانک یہاں آ گیا ہے اور شہر سے سارے اسٹاف کو سمیٹ کر اسٹیشن فور میں بلا لیا گیا ہے۔"

"خدا خیر کرے۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کل سے چیف صاحب بھی یہاں نظر نہیں آئے" میرے جواب سے اس کی تشفی نہیں ہو سکی۔

"وہ باس کی آؤ بھگت میں لگے ہوئے ہیں۔ صبح میں ان دونوں سے ملنے جا رہا ہوں۔ کوئی پیغام ہو تو مجھے بتا دو۔ میں ان تک پہنچا دوں گا۔"

"صاحب! ہم چھوٹے آدمی ہیں۔ ان کو کیا پیغام بھیج سکتے ہیں۔ یہاں آپ جیسے شریف لوگوں کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ گھر کا آرام مل رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ ان سب پر اپنے فضل کا سایہ رکھے۔"

وہ سر جھکا کر واپس لوٹ گیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میں نے اپنی گفتگو سے اس سادہ لوح سپاہی کی ہر تشویش رفع کر دی تھی۔

اول خان کے بارے میں میری الجھن دور ہو چکی تھی۔ میرا ذہن ایک مرتبہ پھر جلال اور اس کے عملے کی طرف مبذول ہو گیا۔

جلال کے بارے میں میرے تازہ ترین تجربات بہت خوشگوار تھے۔ اس نے اپنے رویے سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ ایک نفیس اور حساس طبع انسان تھا۔

میں نے صدف مینشن سے واپس آنے سے پہلے اس کے ماتحتوں کو اپنے فون نمبر لکھوا دیے تھے تاکہ وہ سنیل کے بارے میں ہونے والی کسی بھی پیش رفت سے براہِ راست مجھے آگاہ کر سکیں۔ اس دوران میں ان میں سے کسی نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ سنیل کی خاموشی ٹوٹنے کی خبر جلال نے خود فون پر دی تھی۔

یہ یقینی طور پر اس کی محتاط روی کا کمال تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ میں صدف مینشن سے بے مزہ ہو کر واپس آیا تھا۔ اس کا کوئی آدمی مجھ سے رابطہ کرتا تو میں اسے اپنی ہتک تصور کر سکتا تھا۔ جلال نے براہِ راست رابطے کے بارے میں میری ہدایت کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

اپنے آدمیوں سے کامیابی کی اطلاع ملنے پر اس نے خود مجھے اسلام آباد سے فون کیا تھا اور وہ خوش خبری سنانے کے بعد مجھ سے میری مرضی معلوم کی تھی۔

میں جتنی دیر ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر غور کرتا رہا' میرے دل میں جلال کے لیے عزت اور احترام کے جذبات میں اضافہ ہوتا رہا۔

میرا ذہن کہیں اور تھا لیکن میری نگاہیں ٹیلی وژن پر مرکوز تھیں جس پر رنگارنگ تصاویر آ رہی تھیں لیکن اس کی آواز بند تھی۔

پھر اسکرین پر سوبھراج کی تصویر ابھری تو میں نے قریبی تپائی سے ریموٹ اٹھا کر ٹیلی وژن کی آواز مناسب حد تک

کھول دی۔

اسکرین پر ایک مذاکرے کے آغاز کا اعلان ہورہا تھا' جس کا عنوان سیاسی افلاس تھا۔ پروگرام کے شرکا میں مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے پڑھے لکھے اور ممتاز شہری شامل تھے جو سوبھراج کے گھناؤنے کردار کی روشنی میں سیاسی عناصر کا جائزہ لینے کے لیے یکجا ہوئے تھے۔

پروگرام کا آغاز دلچسپ انداز میں ہوا۔ میزبان بہت نپے تلے اور محتاط انداز میں سوبھراج کے سیاہ کارناموں پر روشنی ڈال رہا تھا۔

پروگرام کے شرکا میں سے ایک صاحب سیاسی شعبے کے سرگرم ہم نوا تھے۔ میزبان نے جوں ہی سوبھراج کے لیے ممتاز سیاسی رہنما کے الفاظ استعمال کیے' انہوں نے اعتراض کردیا کہ کسی فردِ واحد کے مجرمانہ فعل کی وجہ سے کسی ایک طبقے یا برادری کو ملامت کا ہدف نہیں بنایا جاسکتا۔ جرم کو طبقاتی' لسانی' مذہبی یا گروہی حوالے کے بجائے ہمیشہ شخصی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ ایک فرد کے قبیح فعل کی وجہ سے کسی پورے گروہ کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

ان کی دوسری دلیل یہ تھی کہ الزام کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو' الزام رہتا ہے۔ عدالت کی توثیق کے بغیر اسے جرم کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ انہیں سوبھراج کے لیے مجرم سیاست داں کی اخباری اصطلاح پر سخت اعتراض تھا' جس سے سادہ لوح عوام گمراہ ہوسکتے تھے۔

میزبان کا ہوم ورک اچھا تھا۔ اس نے اپنے مسکت جواب سے ان صاحب کو لاجواب کرکے اپنی بات آگے جاری رکھی۔

سیاست داں کو کسی بھی ملک کا سب سے زیادہ باخبر شخص تصور کیا جاتا ہے۔ اگر سوبھراج ایک مدت سے جرائم میں ملوث تھا تو دوسرے سیاست داں اس کی حرکتوں سے کیوں بے خبر تھے۔ باخبروں کی وہ بے خبری ایک ہولناک کوتاہی تھی جس کی ذمے داری سے کوئی سیاست داں اپنا دامن نہیں چھڑا سکتا تھا۔

سوبھراج پر لگائے جانے والے الزامات کی فہرست طویل تھی لیکن اس نے اپنے دفاع میں قانون کا سامنا کرنے سے پہلے ازخود تنک کے قتل کا اعتراف کرلیا تھا۔ دیگر الزامات کے ثابت ہونے سے پہلے قتل کا اعتراف کرکے اس نے اقبالِ جرم کرلیا تھا۔ اس کے بعد اسے مجرم قرار نہ دینے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی تھی۔

وہ سلجھے ہوئے' باشعور لوگوں کی محفل تھی۔ بات دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی۔ آثار یہ بتا رہے تھے کہ وہ پروگرام لمبا چلے گا۔ میری معلومات اس پروگرام سے کہیں زیادہ تھیں۔ سوبھراج کا قصہ الزامات کی حد تک بہت آگے جاچکا تھا۔ اس کا پیچھا کیا جارہا تھا۔ اس کے بارے میں آئی بی والوں کی طرف سے کسی بھی وقت کوئی بڑی خبر آسکتی تھی۔ میں نے ٹیلی وژن بند کیا اور آرام کے ارادے سے اپنے کمرے کی طرف ہولیا۔

میں کپڑے بدل کر بستر پر دراز ہوا تو غزالہ کسی سلیقہ مند بیوی کی طرح اپنی ساری مصروفیات ترک کرکے میرے پاس آگئی۔ سرہانے بیٹھ کر اس نے میرے بالوں میں اپنی نرم وملائم انگلیاں پھیرنی شروع کیں تو میری پلکیں بوجھل ہونے لگیں اور کچھ ہی دیر میں میری آنکھ لگ گئی۔

اس وقت صبح کے چار بجے کا عمل رہا ہوگا کہ موبائل فون کی مسلسل بجتی ہوئی تیز گھنٹیوں سے میری آنکھ کھل گئی۔

''خدا خیر کرے...... اس وقت کس کا فون آگیا'' میرے کانوں میں غزالہ کی غنودہ آواز آئی۔ وہ مجھ سے پہلے بیدار ہوچکی تھی۔

''جلال کی کال ہوگی۔'' میں نے نیند سے بوجھل لہجے میں اسے جواب دیا اور فون پر کال لے کر اسے اپنے کان سے لگالیا۔

''اب بہت ہوگیا۔ میں سب کو برباد کردوں گا'' میرے کان میں سوبھراج کی غضب ناک آواز گونجی تو میری آنکھوں سے نیند کا سارا نشہ ہرن ہوگیا اور میں اچھل کر اپنے بستر پر سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا' تم اس قدر اشتعال میں کیوں ہو؟'' میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ سوال کیا۔ اپنے فون پر اس کی آواز سنتے ہی مجھے آئی بی والوں کے مشن کی ناکامی کا پورا یقین ہوگیا تھا۔ وہ کامیاب ہوگئے ہوتے تو سوبھراج اپنا فون استعمال کرنے کے قابل نہ رہتا۔

''خوں خوار بھیڑیے میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ میں مردانہ وار سامنے آکر قانون کا سامنا کروں۔ یہ مجھے عدالت میں لے جانے سے پہلے مسل کر فنا کردینا چاہتے ہیں۔ میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا' کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔''

''یہ سب باتیں تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟'' میں نے رسانیت سے پوچھا۔

''مجھے شبہ تھا کہ تم بھی میرے دشمنوں سے ملے ہوئے ہو اور ان کے لشکر میں شامل تھے' اس کی آواز کا زور اسی طرح

برقرار تھا'' میں نے ان کے نرغے سے نکلتے ہی تمہیں فون کیا ہے۔ وہ اندھیرے میں گولیاں برسا رہے ہیں اور دیوانہ وار مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے مگر اب میں ان کی پہنچ سے باہر نکل چکا ہوں' وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''اب میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''تمہاری آواز میں نیند کا خمار ہے مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ تم کو اپنی بات کا پاس ہے۔ جب تک میں تمہارے دشمنوں کے لیے کام نہیں کرتا۔ تم مجھے بھولے رہو گے مگر میں پریشان ہوں کہ اس وقت آنے والے کون تھے۔''

''میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میں تمہاری گھنٹیوں کی آواز سن کر گہری نیند سے اٹھا ہوں'' میں نے نرمی سے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

''وہ سرکاری آدمی ہی ہو سکتے ہیں مگر حیرت ہے کہ ان میں کوئی وردی والا نہیں تھا سب کے سب سادے کپڑوں میں تھے وہ چوروں کی طرح دیواریں کود کر مدن لال کے گھر میں گھسے تھے۔ آہٹوں سے میری آنکھ نہ کھلتی تو آج میرا کام تمام ہو گیا تھا۔''

رفتہ رفتہ اس کی آواز میں ٹھہراؤ آ رہا تھا۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مدن لال کے گھر سے نکل کر کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچ چکا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ شہر میں اس کے کتنے ہمدرد اور ہم نوا تھے جو ہر خطرہ مول لے کر اسے پناہ دینے کے لیے تیار تھے۔

اپنے بھگوان کا شکر ادا کرو کہ تم بچ گئے میں نے تمہاری طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں مگر یہ نہ بھولو کہ قانون کے محافظ پورے شہر میں تمہاری بو سونگھتے پھر رہے ہیں وہ کسی بھی وقت تمہیں پھر گھیر سکتے ہیں''

''ڈینی! تم تو ایسے منحوس کلمات اپنی زبان سے نہ نکالو اس شہر میں اب تم ہی ایسے اکلوتے آدمی رہ گئے ہو جس سے کھل کر اپنے دل کی بات کر سکتا ہوں''

''لیکن تم مجھ پر بھی بھروسا نہیں کرتے۔ مجھ سے ملنے سے انکاری ہو''

''وہ میری مجبوری ہے خود کو میری جگہ رکھ کر سوچ لو تم میری مجبوری کے قائل ہو جاؤ گے'' ابتدائی تیزی دکھانے کے بعد اس کا لہجہ معمول پر آ گیا تھا۔

''تم اتنے مجبور بھی نہیں ہو۔ مدن لال نے تمہیں پناہ دی ہوئی تھی وہاں سے بھاگے تو کسی اور گھر نے تمہیں اپنی چار دیواری کی پناہ میں لے لیا'' میں نے کہا۔

''یہ گھر نہیں ہے'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''مدن لال کے گھر سے نکلنے کے بعد میں کنکریٹ کے ایک بہت موٹے پائپ میں چھپا بیٹھا ہوں' اب یہاں سے کہاں جانا ہوتا ہے لگتا ہے کہ اب ساری زندگی اسی بھاگ دوڑ میں بسر ہوگی۔''

''سرکاری آدمیوں نے مدن لال کے گھر کا کھوج کیسے لگا لیا؟'' میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔ میں اس کی کہانی اس کی زبانی سننا چاہ رہا تھا۔

''یہ سب ایس ٹی ایف والے کرنل داور کا حرامی پن ہے'' کرنل داور کا ذکر کرتے ہوئے اسے ایک بار پھر غصہ آ گیا۔ وہ بولتا رہا'' وہ بہت دوغلا اور مکار آدمی ہے میں بنکاک میں تھا تو اس نے راج محل میں آ کر سنیل سے معافیاں مانگی تھیں۔ اب میرا وقت بگڑا تو اس نے مہیش اگروال بن کر سنیل کی آوارہ بیوی سے دوستی گانٹھ لی آج سنیل کسی ضروری کام سے اپنے گھر گیا تو کسی طرح کرنل کو بھنک مل گئی اور وہ بھی وہاں پہنچ گیا۔''

''تو سنیل کہاں ہے؟'' میں نے بے ساختہ حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''داور بے خبری میں وہاں پہنچا تھا۔ اس نے میاں بیوی کو بے ہوش کر دیا' شیبا ہوش میں آئی تو داور اس کے پتی کو اپنے ساتھ لے جا چکا تھا۔''

''تم کو یہ باتیں کس نے بتائیں؟'' میں موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کہانی کی گم شدہ کڑیاں یک جا کرنا چاہ رہا تھا۔

''شیبا اس واقعے کی اکلوتی گواہ تھی۔ اس کے سوا اور کون بتاتا؟ سنیل کو اپنا کام کر کے دو چار گھنٹوں میں لوٹ آنا چاہیے تھا میں اس کے انتظار میں غصے سے کھولتا رہا۔ نہ جانے کس وقت میں سو گیا' آنکھ کھلی تو مدن لال کے گھر میں سرکاری ڈکیت گھسے ہوئے تھے۔''

''کیا سونے سے پہلے تم نے شیبا سے فون پر بات نہیں کی تھی؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''بس مجھ سے یہی چوک ہو گئی اس کتیا کی بچی کو میں نے ابھی فون کیا تھا تو اس نے اپنی کتھا سنا دی' پتا نہیں اسے داور سے یاری گانٹھنے کی کیا ضرورت تھی اس عورت کی ذرا سی لغزش نے مجھے برباد کر دیا۔''

''سنیل بھی بودا نکلا وہ اپنی زبان بند رکھتا تو کوئی تمہارے ٹھکانے تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس سے مدن لال کے گھر کا پتا ملتے ہی کرنل داور نے وہاں چڑھائی کر دی۔''

''اپنی عورت کی کمائی کھانے والے بزدل ہوتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں نفرت اور حقارت رچی ہوئی تھی۔

”مار سہنا سنیل کے بس کی بات نہیں تھی۔ اب وہ میرے سامنے آیا تو میں اپنے ہاتھ سے اس کی گردن کاٹ دوں گا۔“

”تم سرکاری آدمیوں کے بارے میں بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو‘ ساری بات بہت سیدھی ہے سنیل کو کرنل داور اٹھا لے گیا تھا تو پھر مدن لال کے گھر پر ایس ٹی ایف والے ہی پہنچے ہوں گے۔ اب وہ بھی تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو‘ شاید پریشانیوں سے میری عقل الٹ گئی ہے جو اتنی آسان باتیں بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ میں نے تم کو اپنا ہمدرد سمجھ کر فون کیا ہے میں نے تنہائی میں بہت سکون سے تمہاری پچھلی باتوں پر غور کیا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم واقعی میرے بہی خواہ ہو تم کو معلوم تھا کہ میں نے ایئرپورٹ پر زخمی ہونے کے بعد سنیل کے گھر پناہ لی ہوئی تھی۔ تم نے مجھے دو دن کی مہلت دی ہوئی تھی اس لیے تم نے مجھے بالکل نہیں چھیڑا‘ نک کو میں نے دوست سمجھا اور اس نے مجھے دغا دی۔ میری پناہ گاہ کا پتا چلتے ہی اس نے دو قاتل کمانڈو میری طرف دوڑا دیے اگر تم... بروقت مجھے...... اس خطرے سے ہوشیار نہ کرتے تو اس دن میرے لیے بہت بڑی مشکل کھڑی ہو سکتی تھی۔“

”مشکل کی بات نہیں تھی وہ غفلت میں تمہارا کام تمام کر دیتے‘ اس روز تمہیں نئی زندگی ملی تھی یہ باتیں سمجھ میں آ جانے کے بعد تمہیں مجھ سے نہیں ڈرنا چاہیے۔“

”میں تم سے نہیں اپنے برے وقت سے ڈرتا ہوں۔ سنیل کے غائب ہو جانے کے بعد میں خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہا ہوں لیکن میرا حوصلہ برقرار ہے یہ بتاؤ کہ کبھی تم تو مجھ سے دھوکے بازی نہیں کرو گے۔“

”میں کچھ نہیں کہوں گا یہ باتیں آنے والا وقت ثابت کرے گا میری یہ بات یاد رکھنا کہ میں اپنے شہر میں کوئی دہشت گردی برداشت نہیں کروں گا“ میں نے سرد لہجے میں کہا ”ابھی تم غصے کی رو میں سب کو برباد کرنے کی باتیں کر رہے تھے!“

”وہ میرے دشمنوں کا ذکر تھا“ اس نے عجلت سے وضاحت کی ”میری طرف سے شہر میں کچھ نہیں ہوگا دوسرے کچھ کر گزریں تو میں اس کے لیے جواب دہ نہیں ہوں گا“

”تم تنہا ہو...... قانون سے کب تک بھاگتے رہو گے؟“ نیند کے اثرات زائل ہونے کے بعد مجھے اپنے اس حریف سے لچھے دار باتوں میں لطف آنے لگا تھا۔

”جب تک میرے دم میں دم ہے‘ میں بھاگتا اور بھگاتا رہوں گا“ وہ دعوا کرتے ہوئے اس کی آواز پرعزم ہو گئی

”سنیل کے پکڑے جانے کے بعد میں تنہا ضرور ہو گیا ہوں لیکن اس کا ایک فائدہ بھی ہوا ہے۔ میں کسی اور کی غلطیوں کا خمیازہ نہیں بھگتوں گا جو کروں گا۔“ صرف اسی کی فکر ہو گی۔“

”کنکریٹ کے پائپ میں پناہ لینے کے بعد تمہاری سوچ حقیقت پسندانہ ہو گئی ہے“ میں نے ہلکے پھلکے‘ تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

”مذاق مت سمجھو‘ یہ بات درست ہے“ اپنی پریشانی کے باوجود میرے مذاق کو سمجھ گیا ”راج محل میں رہ کر زندگی بہت حسین اور آسان نظر آتی تھی اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اب ہو رہا ہے۔“

”کہو تو میں تمہارے لیے کوئی ٹھکانا تجویز کروں؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں ڈینی! ابھی وہ وقت نہیں آیا“ اس نے دوٹوک الفاظ میں میری پیشکش مسترد کر دی۔ ”میں کہہ چکا ہوں کہ اب میں دوسروں کی غلطیوں کا خمیازہ نہیں بھگتوں گا‘ اپنے فیصلے خود کروں گا بعد میں یہ خلش نہیں ہوگی کہ دوسروں نے مجھے مروا دیا۔“

”یہ تمہاری مرضی ہے میرے دروازے تمہارے لیے کھلے رہیں گے۔“

اس سے گفتگو کے دوران یہ نکتہ مسلسل میرے ذہن میں چبھ رہا تھا کہ مسز شیر دل سے ملے ہوئے فون نمبر کے ذریعے نرمل کمار کا نام سامنے آیا تھا۔ سوبھراج نے مدن لال کے گھر پر نامعلوم افراد کے شب خون کی کہانی سنائی تھی۔ دونوں ناموں میں زمین آسمان کا فرق تھا‘ ایک کمار تھا اور دوسرا لال‘ ہندوؤں کے خاندانی نام میں وہ فرق غیر معمولی تھا۔

سوبھراج کو ہر طرف سے گھیرنے کی کوششیں جاری تھیں۔ اداروں کے پاس قانون کی قوت تھی میں اسے دوستی کا سراب دکھا رہا تھا۔ اس وقت میں اس سے کوئی ٹیڑھا سوال کر کے اسے بھڑکانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

نرمل کمار اور مدن لال‘ مسز شیر دل کو رقم پہنچانے والے شخص کی شناخت اور شیر دل کے جانشین وغیرہ کے سوالات ایسے تھے جن پر سوبھراج سے میری بات نہیں ہو سکتی تھی۔

”فی الحال مجھے تمہارے کھلے دروازوں سے زیادہ تھوڑی سی مدد کی ضرورت ہے‘ تم میرا ایک کام کر دو تو اس کام میں تم کو اپنی محنت کا انعام بھی مل جائے گا۔“

سوبھراج کی وہ پیشکش سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے میں اس کا اعتماد جیتنے کا کوئی موقع ضائع کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"کیا کام ہے؟" میں نے کسی اشتیاق کے بغیر، سرسری لہجے میں پوچھا۔

"شیبا کو اٹھوالو، آج کی ساری مصیبت اسی کی لائی ہوئی ہے، جب تک چاہو اسے اپنی داسی بنا کے رکھو، خود موج کرو، دوستوں کو موج کراؤ میں پلٹ کر کچھ نہیں پوچھوں گا دل بھر جائے تو اس کی گردن مروڑ کر اسے کسی گندے نالے میں پھینک دینا۔"

"ڈینی عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا" میں نے صاف انکار کر دیا۔

"تمہاری مرضی!" میرا جواب سن کر اس نے اصرار نہیں کیا "اس وقت میرے لیے یہ اطمینان کافی ہے کہ مدن لال کے گھر پر آنے والوں میں تم شامل نہیں تھے، مجھے جیسے ہی کوئی ٹھکانا مل گیا، میں تم سے دوبارہ رابطہ کروں گا تم سے بات کر کے دل کو ڈھارس سی ہوتی ہے۔"

اپنی بات پوری کر کے اس نے فون بند کر دیا۔

"اسے اتنی رات گئے فون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" غزالہ نے خمار کے سرخ ڈوروں سے بوجھل نگاہیں میرے چہرے پر جما کر سوال کیا۔

"اس کی کمین گاہ پر منظم حملہ ہوا ہے مجھے حیرت ہے کہ سوبھراج کیسے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اس وقت وہ یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ میں حملہ آوروں میں تو شامل نہیں تھا۔"

"شاید وہ سٹھیا گیا ہے!" غزالہ چڑ کر بولی "یہ جان کر اسے کیا مل گیا۔"

"ابھی تک وہ مجھے اپنا ہمدرد سمجھ رہا ہے" میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر کہا "اسے تھوڑا سا تذبذب ہے وہ اسے دور کرنا چاہتا ہے۔"

"جو دشمنی سے زیر نہ ہو رہا ہو اسے دوستی کی آڑ میں گھیر لینا چاہیے، آپ نے اس کے بارے میں صحیح فیصلہ کیا ہے آخر کار وہ آپ سے دھوکا کھائے گا۔"

درمیان میں نیند خراب ہونے کی وجہ سے غزالہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں لیکن اس کی نیند غائب ہو چکی تھی ہم دونوں ٹانگوں پر کمبل ڈال کر مسہری کے سرہانے سے ٹک کر بیٹھ گئے میں نے ایش ٹرے گود میں رکھ کر سگریٹ سلگالی۔

کچھ دیر تک ہم دونوں سوبھراج کے بارے میں باتیں کرتے رہے پھر اچانک مجھے جلال کا دھیان آ گیا۔ سوبھراج کو مدن لال کے گھر سے فرار ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی مگر جلال کی طرف سے مکمل خاموشی تھی۔ میرے لیے وہ تاخیر حیرانی کا باعث تھی۔

غزالہ ہمارے معاملات میں اکثر و بیشتر خاموش رہا کرتی تھی، میں نے بارہا دیکھا تھا کہ وہ جب بھی لب کشائی کرتی تھی، اس کی بات میں کوئی جھول نہیں ہوتا تھا وہ تول کر بولنے کی عادی تھی جلال کی طرف سے اطلاع میں تاخیر کے اسباب اس کے لیے قابلِ فہم تھے۔

سوبھراج اس واقعے کا ایک اور اکلوتا فریق تھا۔ اس کے ساتھ کوئی لاؤ لشکر نہیں تھا۔ وہ پھنس جاتا تو پکڑا جاتا۔ قصہ ختم ہو جاتا یہ اس کی قسمت کی خوبی تھی کہ وہ مدن لال کے گھر سے آئی بی والوں کی آنکھ بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

وہ بولایا ہوا تھا۔ اس نے کنکریٹ کے پائپ میں پناہ لیتے ہی مجھے فون کر ڈالا لیکن آئی بی والوں کا معاملہ مختلف تھا۔

سوبھراج کے بیان کے مطابق وہ بڑی نفری لے کر وہاں پہنچے تھے۔ گو اصل مجرم بچ نکلا تھا مگر وہ جب تک گھر کا ایک ایک حصہ نہ چھان مارتے، ان کے لیے یہ باور کرنا مشکل تھا کہ وہ ناکام ہو چکے ہیں۔

اس گھر کے مکینوں کے ساتھ فائرنگ کے تبادلے کے بعد... گھر کی مکمل تلاشی اور پھر باجماعت واپسی کے لیے انہیں وقت درکار تھا۔ ان کا سربراہ اپنے ٹھکانے پر واپس پہنچنے کے بعد جلال کو اپنی رپورٹ سے آگاہ کرتا تب جلال مجھے کچھ بتا سکتا تھا۔

وہ سلسلہ مکمل ہونے کے لیے خاصا وقت درکار تھا، ہمیں صبر کے ساتھ انتظار کرنے کی ضرورت تھی، غزالہ کی اس وضاحت پر میں نے اپنی زبان بند کر لی لیکن میرے وجود میں اضطراب کی لہریں کروٹیں لیتی رہیں۔

سوا پانچ بجے جلال کا فون آ گیا اس کی آواز بے جان اور مرجھائی ہوئی تھی "زبردست چوٹ ہو گئی وہ سب کو جل دے کر نکل گیا۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہوا؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

"یہ نہ پوچھو تو بہتر ہے" اس کی آواز تلخ ہو گئی "ہم دونوں بھی وہاں موجود ہوتے تو شاید اس غلطی کو رونما ہونے سے نہیں روک سکتے تھے۔ بس یہ کہہ لو کہ آج کی رات اس کے ستارے اس کی یاوری کر رہے تھے۔"

"سنا ہے کہ وہاں گولیوں کا تبادلہ بھی ہوا ہے!" میں نے اپنے ابتدائی سوال کو ترک کر کے سرسری لہجے میں کہا۔

جلال وہ فقرہ سن کر چونک پڑا "تم نے کس سے سن لیا مجھے ابھی ابھی کراچی سے رپورٹ ملی ہے وہ فون بند کر کے میں نے تم سے رابطہ کیا ہے۔"

"کافی دیر پہلے سوبھراج کا فون آیا تھا، وہ بہت بپھرا

ہوا تھا۔''

''اپنے فرار کے بارے میں وہ کیا کہہ رہا تھا؟'' جلال کی آواز میں اضطراب سمٹ آیا۔

''میں اس پر جرح نہیں کرسکا' میں اس سے دوستی کا سوانگ چلا رہا ہوں وہ سلسلہ آج کی گفتگو میں بھی جاری رہا۔ وہ کہہ رہا تھا اور میں سن رہا تھا۔''

''وہ آپریشن کی ابتدا میں ہی نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ احاطے میں کودنے کے بعد انہوں نے اصل عمارت کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا۔ سرونٹ کوارٹر کو سب نے نظر انداز کردیا' وہ وہیں چھپا ہوا تھا۔ مدن لال نے ڈاکوؤں کی آمد کا کھٹکا محسوس کرکے ہوائی فائر کیا تو سب نے پوزیشن لے کر ساری توجہ عمارت پر مرکوز کردی' گولیاں چلنے لگیں اور اسی افراتفری میں سوبھراج خاموشی سے نکل بھاگا۔''

''یہ اس کی ذہانت تھی کہ اس نے پورا گھر چھوڑ کر سرونٹ کوارٹر میں رہنا پسند کیا تھا۔ یہ کیسے اور کب پتا چلا کہ وہ وہاں تھا۔''

''کچھ دیر فائرنگ کا تبادلہ ہوا۔ قانون کے نام پر گھر والوں نے گھبرا کر فائرنگ روک دی' سارے گھر کی تلاشی لینے کے بعد کچھ بھی ہاتھ نہ آیا تو مدن لال سے سوبھراج کے بارے میں پوچھا گیا اس کی نشان دہی پر سرونٹ کوارٹر کا رخ کیا گیا اور وہ خالی پڑا ہوا تھا۔ یہ وہاں کی کل کہانی ہے اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں تھا۔''

''یہ بات سنیل نے دانستہ چھپائی ہوگی وہ سوبھراج کے ساتھ وہیں رہ رہا تھا'' میں نے کہا'' اب اسے اس کے کیے کی مناسب سزا ملنی چاہیے یہ بات کسی کے ذہن میں نہیں آسکتی تھی کہ سنیل سے گھر کے اس حصے یا کمرے کے بارے میں پوچھا جائے جہاں وہ دونوں روپوش تھے۔''

''غنیمت ہے کہ یہ بات آسانی سے تمہاری سمجھ میں آگئی۔ سبب کچھ بھی رہا ہو' میں اس مشن کی ناکامی پر خفت محسوس کررہا ہوں۔''

''یہ بے کار باتیں ہیں کام میں اونچ نیچ چلتی رہتی ہے' یہ بتاؤ کہ وہاں سے نرمل کمار نامی کوئی شخص ہاتھ آیا یا وہ بھی نکل گیا۔''

''وہاں سے سوبھراج کو پناہ دینے کے جرم میں صرف دو مرد گرفتار کیے گئے ہیں' مدن لال اور اس کا بیٹا نرمل کمار دونوں صدف مینشن پہنچائے جاچکے ہیں۔''

''گڈ' مجھے خلش ہے کہ دونوں کے آخری نام مختلف کیوں ہیں۔ ہوسکے تو یہ بات معلوم کرکے مجھے ضرور بتانا میں بے چین رہوں گا۔''

''کل بلکہ آج سورج طلوع ہونے کے بعد سب کچھ سامنے آجائے گا میرے آدمی ناکامی کی جھنجلاہٹ میں ان سے کھایا پیا تک اگلوالیں گے تم یہ بتاؤ کہ اب سوبھراج کیا سوچ رہا ہے۔''

''وہ بڑے بول بول رہا ہے لیکن اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے' مجھ پر پورا یقین نہ ہونے کے باوجود وہ مجھ سے دوستی بڑھانے کا خواہاں ہے۔''

''یہ کہو کہ اب وہ خود اپنی قبر کھود رہا ہے۔'' وہ اطلاع جلال کے لیے حوصلہ افزا ثابت ہوئی ''معلوم ہو رہا ہے کہ اس کے تابوت میں آخری کیل تم ہی ٹھوکو گے۔ سوبھراج کا معاملہ طول پکڑ گیا ہے اب اسے جلد ختم ہونا چاہیے ایسا نہ ہو کہ وہ مایوسی کے عالم میں دوبارہ تخریبی کارروائیوں کا سلسلہ شروع کردے۔''

''ابھی تک وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ اس سے میرا دو طرفہ سمجھوتا ہے اس نے شہر میں دہشت گردی کی کوئی حرکت کی تو میں اسے معاف نہیں کروں گا۔''

''ہم سب اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں دیکھنا ہے کہ کون پہلے کامیاب ہوتا ہے' آج ہم نے اسے پکڑنے کا ایک بہترین موقع گنوا دیا ہے۔''

''بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ جلد ہی وہ ہمارے دام میں آجائے گا۔''

''اول خان کی کیا خیر خبر ہے؟'' قدرے توقف کے بعد اس نے سوال کیا۔

''ابھی تک مکمل بلیک آؤٹ ہے صبح شاید کچھ معلوم ہوسکے گا۔'' میں نے گول مول جواب دیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایس ٹی ایف کے وہ معاملات کتنی رازداری کے متقاضی تھے۔ ناواقف ہونے کی صورت میں زبان کا بند رہنا زیادہ مناسب تھا۔

''ان کا باس کراچی میں ہے خبر وہیں سے ملے گی کوئی اہم بات ہو تو فوراً مجھ سے رابطہ کرلینا میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔''

ناکامی کی وجہ سے جلال کا موڈ اچھا نہیں تھا۔ میرا ذہن بھی انتشار کا شکار ہو چلا تھا ہم نے کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد فون بند کردیا۔

ایک بار نیند خراب ہوجائے تو دوبارہ سونا مشکل ہوجاتا ہے' میں دیر تک بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ غزالہ نے مجھ سے پہلے ہتھیار ڈال دیے تھے وہ منہ ہاتھ دھونے کے بعد میری الماری سنوارنے

میں مصروف ہوگئی تھی۔
کافی دیر تک ناکام کوششوں کے بعد میں نے بھی بستر چھوڑ دیا۔ ایس ٹی ایف کے آدمیوں میں سے کسی کی نیند خراب کرنے کے بجائے میں نے غزالہ کو ناشتا تیار کرنے کی ہدایت کی اور خود غسل خانے میں گھس گیا۔
نیم گرم اور پھر ٹھنڈے پانی کی تیز دھاروں میں دیر تک نہانے کے بعد تازہ دم ہوکر باہر نکلا تو رہا سہا خمار بھی جاتا رہا تھا۔
کھڑکی سے باہر فضا میں صبح کا ملگجا اجالا پھیلنا شروع ہوگیا تھا ہر طرف سے پرندوں کے چہچہانے کی خوشگوار آوازیں آرہی تھیں میں لباس تبدیل کر کے کمرے سے باہر نکل آیا۔
اس وقت تک اخبارات نہیں آئے تھے ہم دونوں نے ٹیلی ویژن آن کر کے اطمینان سے ناشتا کیا۔ ویرا اور سلطان شاہ اپنے کمروں کے دروازے بند کئے خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔
وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا' منہ اندھیرے اٹھنے میں ہم دونوں کی مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا لیکن وہ تجربہ بہت خوشگوار ثابت ہوا تھا' طبیعت بہت بشاش اور تازہ تھی۔
پھر اخبارات بھی آگئے میں نے پہلے اور آخری صفحات پر سرسری نظریں دوڑائیں تو کہیں کوئی کام کی خبر نہیں تھی۔ ایک اچھی بات یہ تھی کہ سوبھراج کے خلاف اس روز کی اشاعت میں بھی کچھ مواد شامل تھا۔ اخبارات نے تسلسل کے ساتھ اس موضوع کو زندہ رکھا ہوا تھا۔
مجھے اول خان اور اس کے باس سے ملنے کے لیے نو بجے اسٹیشن فور پہنچنا تھا۔ ہمارے گھر سے وہاں تک کی مسافت مشکل سے دس پندرہ منٹ کی تھی۔ میرے پاس وقت کی کمی نہیں تھی' اس سے پہلے کہ گھر میں کوئی اور بیدار ہوتا، میں نے آٹھ بجے گھر چھوڑ دیا۔
اسٹیشن فور پہنچنے کے لیے میرے پاس کافی وقت تھا۔ اس وقت شہر کی طرف جانے والے راستے پر ہر قسم کی گاڑیوں کا بہت ہجوم تھا۔ ہر شخص کو دکان یا دفتر پہنچنے کی عجلت تھی۔ اس کے برعکس کراچی یونیورسٹی کی طرف جانے والی سڑک پر ٹریفک کی زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔
ٹریفک زیادہ ہو تو کراچی کی سڑکوں پر کوئی اپنی مرضی سے ڈرائیونگ نہیں کرسکتا۔ آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے آنے والے ہر شخص کو ایک لگی بندھی اور بے تکی رفتار سے مخصوص سمت میں چلنے پر مجبور کرتے رہتے ہیں۔
کہیں بس اور منی بس والے مسافروں کو اتارنے یا چڑھانے کے لیے مصروف سڑک کے عین وسط میں بریک لگادیتے ہیں اور پیچھے آنے والی ٹریفک کی قطار یکا یک دور تک منجمد ہوکر رہ جاتی ہے۔ ہارن بجائے جاتے ہیں، گالیاں دی جاتی ہیں، خون سلگایا جاتا ہے لیکن اگلی بس یا منی بس اپنا من مانا ہدف حاصل کیے بغیر اپنی جگہ سے نہیں سرکتی۔ ایسی بے لگام گاڑیوں سے اترنے والے مسافر کترا کر گزرنے والے ٹریفک میں ہراساں کھڑے رہتے ہیں پھر اولین موقع پاتے ہی دوڑ لگا کر فٹ پاتھ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اکثر خوش نصیب زندگی کی اس دوڑ میں کامیاب ہوجاتے ہیں اور زندہ بچ جانے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جن کا نصیب ساتھ نہ دے وہ کسی اور تیز رفتار، بے لگام گاڑی کی زد میں آکر اتنی بری طرح روندے جاتے ہیں کہ اگلے روز ان کی تصویر سیاہ حاشیے کے ساتھ اخباروں کی زینت بنتی ہے۔ شہر میں یہ آئے دن ہوتا ہے۔ ٹریفک پولیس کی ناک کے نیچے ہوتا ہے لیکن ان میں سے بیشتر کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ وہ حساس مقامات سے آگے اپنے مورچوں پر جمے رہتے ہیں جہاں ٹریفک کی نام نہاد خلاف ورزیوں کے نام پر چالان کی دھمکی دے کر مال غنیمت بٹورا جاتا ہے۔
اس وقت میری سڑک پر ایسی کوئی صورت حال درپیش نہیں تھی۔ میں سڑک کے بائیں سرے پر آرام سے گاڑی چلاتا رہا تاکہ وقت گزار سکوں۔
میری وہ محتاط اور محفوظ ڈرائیونگ ٹریفک پولیس کے ایک افسر کو پسند نہیں آئی۔ وہ ناگہانی طور پر اپنی موٹر سائیکل پر کہیں سے نمودار ہوا۔ سائرن بجاتا ہوا میرے برابر سے گزرا اور اشارہ دے کر مجھے روک لیا۔
وہ ایک ناگہانی افتاد تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے کسی قاعدے یا ضابطے کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ میں اپنی جگہ بیٹھا اس افسر کی آمد کا منتظر رہا لیکن موصوف فرعون کے کوئی قریبی عزیز تھے۔ انہیں میری بے نیازی پسند نہیں آئی۔
اس نے اپنی موٹر سائیکل کھڑی کر کے نہایت درشت لہجے میں مجھے بلایا۔ وہ زبان کے ساتھ ہاتھ کا اشارہ بھی نہ کرتا تو مجھے یہ معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ مجھے بلا رہا تھا۔ ایسی تحقیر اور ذلت کے ساتھ کبھی میرے دشمنوں نے بھی مجھے نہیں بلایا تھا!
مجھے غرور نہیں تھا لیکن اس بات سے خوشی ضرور ہوتی تھی کہ میں ملک وقوم کی بساط بھر خدمت کر رہا تھا۔ سرکاری افسران مجھے ضرورت سے زیادہ عزت دیا کرتے تھے لیکن لوگوں کے ٹیکس پر پلنے والے ایک ٹریفک افسر نے نامعلوم

وجوہ کی بنا پر لمحہ بھر میں مجھے یہ احساس دلا دیا تھا کہ میں اس کی نظروں میں بہت حقیر اور کم تر تھا۔

''میں اتر کر اس کے قریب پہنچا تو اس نے گاڑی کے کاغذات اور میرے ڈرائیونگ لائسنس کا مطالبہ کیا۔ میں نے نرم لہجے میں اپنا قصور جاننے کی خواہش کی تو اس کی زہریلی زبان مشینی انداز میں چل پڑی۔

اسے میری ڈرائیونگ ناقص، خطرناک اور اناڑیوں جیسی محسوس ہوئی تھی۔ وہ اپنی فرض شناسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے نہ روکتا تو اسے ڈر تھا کہ میں گاڑی فٹ پاتھ پر چڑھا کر کسی راہ گیر کو کچل دیتا۔

میں نے اسے لاکھ سمجھانا چاہا کہ میں ڈرائیونگ سے لطف اندوز ہونے کے لیے سست روی کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن وہ نہ مانا۔ رجسٹریشن بک اور لائسنس پر قابض ہونے کے بعد اس نے چالان کاٹنے کے بجائے مجھے اس کے مضمرات سے ڈرانا شروع کر دیا۔ عدالت میں خواری اور پھر کاغذات کی گمشدگی کے اندیشے ظاہر کیے۔

اس کا مدعا صاف ظاہر تھا کہ میں ان مصائب سے گلوخلاصی کے لیے اسے نذرانہ دینے کی معقول پیش کش کروں اور مک مکا کر کے اپنی راہ لوں۔

سوبھراج جیسا قوی اور بارسوخ شخص میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا لیکن اس پولیس والے نے مجھے بے بس کر دیا تھا۔ میرے ذہن پر بھی ضد سوار ہو گئی تھی کہ میں اسے رشوت نہیں دوں گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے کاغذات کے ساتھ لائسنس بھی رکھ لیا اور کئی دفعات کے تحت میرا چالان کر کے پرچہ مجھے تھما دیا۔

میں نے ان میں کسی ایک چیز کی واپسی کا مطالبہ کیا تو اس نے بے رخی سے کہا کہ کاغذات عدالت میں پیشی کی ضمانت کے طور پر رکھے گئے تھے۔ لائسنس پر جعلی ہونے کا شبہ تھا۔ متعلقہ برانچ سے تصدیق کے بغیر وہ واپس نہیں دیا جا سکتا تھا۔

میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور دوبارہ اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔

اس نے میرا کافی وقت برباد کر دیا تھا۔ اس بار میں سست روی ترک کر کے اپنی گاڑی سڑک کے وسط میں لے آیا تا کہ ایک ہی جرم میں دوسرے چالان کی نوبت نہ آ سکے۔

میں گھر سے بہت خوش گوار موڈ میں روانہ ہوا تھا۔ اس پولیس افسر نے میرا موڈ غارت کر دیا تھا۔ غیر ارادی طور پر میرا وہ غصہ گاڑی کے کل پرزوں پر اتر رہا تھا۔

میں کراچی یونیورسٹی کے بارونق گیٹ سے کچھ آگے نکلا تھا کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی اور میں نے جلدی سے موبائل نکال کر کان سے لگا لیا۔

ہر مہذب ملک میں حادثات سے بچنے کے لیے ڈرائیونگ کے دوران موبائل فون کے استعمال کو جرم تصور کیا جاتا ہے لیکن کراچی بلکہ پاکستان میں وہ فیشن اور اسٹیٹس سمبل تھا۔ اس وقت تک اس فعل کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا تھا۔

وہ کال جلال کی تھی۔ وہ اچھے موڈ میں مجھ سے اول خان کی خیریت پوچھ رہا تھا۔

''اس وقت میں اسی سے ملنے جا رہا ہوں۔'' ان آخری لمحات میں، میں نے اس سے کچھ چھپانا مناسب نہ سمجھا۔ صبح سویرے میں اسے ٹال چکا تھا۔

''وہ خیریت سے تو ہے نا؟ اس کا موبائل مسلسل بند ہے۔ میں کئی بار اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر چکا ہوں لیکن فون پر ریکارڈنگ آ رہی ہے۔''

میں نے زیادہ معلومات کا اظہار نہیں کیا اور سرسری لہجے میں کہا ''بعض اوقات نیٹ ورک مصروف ہوتا ہے تب بھی یہی ریکارڈنگ سنائی دیتی ہے۔''

''اسے میرا پیغام دے دینا۔ وقت ملے تو مجھ سے ضرور بات کرے۔ غیر مصدقہ خبروں نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے۔'' اس کی آواز سے اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔

''فکر نہ کرو۔ تمہارا پیغام اس تک پہنچ جائے گا۔'' میں نے اسے اطمینان دلایا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تم منہ اندھیرے سے جاگ رہے ہو۔ کیا حال ہے تمہارا؟'' اچانک اسے یاد آ گیا کہ اس نے میری مزاج پرسی نہیں کی تھی۔

''حال ٹھیک ہے، چال بگڑی ہوئی ہے۔ ابھی ابھی چالان ہوا ہے میرا۔'' زخم تازہ تھا اس لیے وہ بات بے ساختہ میری زبان پر آ گئی۔

''تمہارا چالان ہو گیا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا ''مگر کیوں؟''

''سست رفتاری کے جرم میں رجسٹریشن بک ضبط ہو چکی ہے۔ لائسنس پر جعلی ہونے کا شبہ ظاہر کیا گیا ہے لہٰذا وہ بھی... فی الحال سرکاری تحویل میں چلا گیا ہے۔''

''کس بے ایمان نے چالان کیا ہے تمہارا۔ مجھے نام بتاؤ اس کا۔'' جلال کو غصہ آ گیا۔

''نام نہیں معلوم۔ پوچھنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔ اچھا خاصا بدزبان افسر تھا۔''

''پوچھنے کیا کیا ضرورت تھی۔ ہر پولیس والے کے سینے

پراس کے نام کا ٹیگ ہوتا ہے۔"
"اس کا ٹیگ نہیں تھا۔تم اس چکر میں نہ الجھو۔ جو دوسروں کے ساتھ دن رات ہوتا رہتا ہے، وہ میرے ساتھ بھی ہوگا۔ جرمانہ دے کر دونوں چیزیں واپس مل جائیں گی۔"
"میں کیسے نہ الجھوں۔" وہ بپھر گیا۔ "دوسروں میں اور تم میں بہت فرق ہے۔ میں اسے معطل کرادوں گا۔اس نے تمہیں روکنے کی جرأت کیسے کی۔"
"تم بلاوجہ اس پر برہم ہورہے ہو۔ میرے ماتھے پر کہیں نہیں لکھا کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ اس کا دل چاہا اور اس نے مجھے روک لیا۔ ایسے چھوٹے واقعات نہ ہوں تو یہ کیسے پتا چلے کہ میں پاکستان میں ہوں۔ یہ چلتا ہے۔ اسے چلنے دو۔ یہ بتاؤ کہ نرمل کمار اور مدن لال کا کیا رہا۔"
"میرا خون کھول رہا ہے خیر! میں کراچی آ کر یہ معاملہ دیکھوں گا......"
"تم کس کس معاملے کو دیکھو گے۔" میں نے قطع کلامی کر کے کہا "یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ سب سدھریں گے تو ہماری پولیس بھی سدھر جائے گی۔"
"وہ دونوں باپ بیٹے ہی ہیں۔" قدرے توقف کے بعد فون پر جلال کی آواز آئی "اس کا اصل خاندانی نام نرم لال تھا۔ اس نام کی وجہ سے اسکول کے ساتھی اس کو اکثر چڑاتے رہتے تھے،اس نے اپنا نام بدل لیا۔"
"ایسا کم ہی ہوتا ہے۔شاید تمہیں چوپڑا یاد ہو۔ وہ بدھو لال چوپڑا تھا۔ترقی کی تو وہ بی ایل چوپڑا بن گیا۔ یہ بھی این لال بن سکتا تھا۔"
"یہ جنریشن گیپ اور توہم پرستی کے مسائل ہوتے ہیں۔ پرانے ہندو جنم پتری دیکھ کر شگون لینے کے بعد نام رکھتے ہیں جو آج کل کے لڑکوں کی پسند پر پورے نہیں اترتے۔ اب یہ بدھو لال بھی کوئی نام ہوا مگر ان کے یہاں ہوتا ہے۔"
"تم نے میری الجھن دور کردی۔ مجھے ڈر تھا کہ تم یہ نکتہ بھول جاؤ گے۔"
"میں تمہاری کہی ہوئی بات نہیں بھولتا۔تم کو نرمل کمار کا نام کہاں سے مل گیا؟"
"ہم نے اس پر کام شروع کیا ہوا تھا......"
"میں نے بولنا شروع کیا تھا کہ اس نے میری بات کاٹ دی اور کہا "مجھے معلوم ہے کہ نرمل کمار کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے کے لیے تم واپس جانے کے بعد خاص طور پر دوبارہ صدف مینشن میں آئے تھے۔ اس وقت اپنے آدمیوں کی رپورٹ سن کر میں اس نام کی اہمیت کا اندازہ نہیں کرسکا تھا۔ میں پوچھ رہا ہوں کہ تمہیں اس کا سراغ کہاں سے ملا تھا۔"
"شیر دل کی بیوی سے اس کے دفتر کا فون نمبر ملا تھا۔" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا "اگر تمہارے آدمی سنیل کو زبان کھولنے پر مجبور نہ کردیتے تو ہم تھوڑی سی محنت کے بعد نرمل کے گھر تک پہنچ سکتے تھے۔ تمہارے آدمیوں کی کامیابی کے بعد ہم نے اپنی کارروائی منسوخ کردی۔ ہم اتنی تیزی سے وہاں نہیں پہنچ پاتے۔"
"شیر دل کی بیوی تم لوگوں سے کہاں ٹکرا گئی؟" اس کی آواز تحیرزدہ تھی۔
"یہ لمبی کہانی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ وہ ویرا کے ذہن کی اپج تھی۔ وہ پریشان تھی کہ شیر دل کی لاش مردہ گھر میں لاوارث کیوں پڑی ہوئی ہے۔ اس کے بیوی بچے کہاں ہیں۔ وہ ڈھونڈتی ہوئی اس کے گھر تک پہنچ گئی۔"
"اور اس نے ویرا کو دیکھتے ہی نرمل کا فون نمبر دے دیا۔" جلال کی آواز استہزائیہ ہوگئی "نہیں ڈیئی...... یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔ اس کے لیے یقیناً خاصے پاپڑ بیلے گئے ہوں گے۔ تم لوگ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہو۔ مجھے بھی اس کی ہوا نہیں لگنے دیتے۔ مجھے پوری تفصیل بتاؤ کہ یہ کیسے ہوا۔"
"ویرا کرتبی عورت ہے۔" میں نے سڑک کو بالکل ویران پا کر دوبارہ گاڑی کی رفتار دھیمی کی اور اسے وہ واقعہ سنانا شروع کردیا۔
"تم چاروں پتھر میں جونک تلاش کرلیتے ہو۔" میرے خاموش ہوجانے پر اس کی آواز آئی۔ "تم نے شیر دل کو ورغلا کر اس کے آدمی سے نک کو مروایا اور خطرہ محسوس کر کے شیر دل کو بھی راستے سے ہٹادیا۔ بات وہیں ختم ہوگئی تھی۔ یقین نہیں آتا کہ عورت فاؤنڈیشن والی کہانی اسی وقت گھڑی گئی ہوگی۔ اب نرمل لال یا نرمل کمار ہمارا قیدی ہے مگر مجھے اب تک یہ پتا نہیں کہ وہ پاپولیشن ویلفیئر کے محکمے کا کوئی سرکاری افسر ہے۔"
"سوبھراج کے مددگار ہر جگہ موجود ہیں۔ ان کے تعاون کے بغیر وہ اتنی بلندی تک نہیں جاسکتا تھا۔"
"واقعات سے ظاہر ہورہا ہے کہ ہندو اس کی زیادہ مدد کررہے تھے!"
"شیر دل مسلمان اور نک عیسائی تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "ویسے یہ بات درست ہے کہ بیشتر ہندو اس کے ہمدرد رہے ہوں گے۔ وہ اس برادری سے تعلق رکھتا تھا۔ اسے نیک نام اور بارسوخ سمجھا جاتا تھا۔ ہر برادری ایسے سپوتوں پر فخر کرتی ہے اور ہر طرح سے ان کے ہاتھ مضبوط کرنے کی کوشش

کرتی ہے۔ اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔''
''اب صورتِ حال بدل چکی ہے۔ اس کے کرتوت سامنے آ چکے ہیں۔ اس کا چہرہ بے نقاب ہو چکا ہے۔ اب جو لوگ اس کا ساتھ دے رہے ہیں، وہ بدنیت اور بدمعاش ہیں۔ مذہب کے کسی لحاظ کے بغیر وہ بدترین سزاؤں کے مستحق ہیں۔''
''میں تمہاری اس رائے سے متفق ہوں۔ پہلے سب کچھ پوشیدہ تھا۔ اب ہر راز طشت از بام ہو چکا ہے۔ تمہیں اس کے ساتھیوں کو کچلنے کا پورا حق حاصل ہے۔''
''تمہارے ان الفاظ نے میرے دل میں ٹھنڈک ڈال دی۔ میں یہاں کے معاملات سے نمٹ کر ایک دو روز میں کراچی آؤں گا تو مجھے امید ہے کہ حالات اور زیادہ حوصلہ افزا ہو چکے ہوں گے۔ مجھے اب ایک ہی فکر ہے جسے اول خان دور کر سکتا ہے۔''
''تم فکر نہ کرو، وہ فرصت پاتے ہی تم سے بات کرے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔
اس سے گفتگو کر کے میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ چالان والے قصے کی وجہ سے راستے میں میرا خاصا وقت خراب ہو چکا تھا لیکن پھر بھی میں پونے نو بجے چھاؤنی کے علاقے کے آغاز میں واقع ملٹری چیک پوسٹ پر پہنچ چکا تھا۔
اسٹیشن فور میں اتنی کثرت سے آتا جاتا رہا تھا کہ چیک پوسٹ کا عملہ مجھے اور میری گاڑی کو دور ہی سے پہچاننے لگا تھا گاڑی کو دیکھ کر رکاوٹ ہٹا دی گئی اور میں دھیمی رفتار سے وہاں سے گزر کر چھاؤنی کی حدود میں داخل ہو گیا۔
اسٹیشن فور پر باہر سے بظاہر کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی سب کچھ جوں کا توں نظر آ رہا تھا۔ عملے کو اگر واپس بلا لیا گیا تھا تو وہ لوگ اپنی بیرکوں میں رہے ہوں گے۔ میدان میں عملے کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی، وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔
ایس ٹی ایف کی چیک پوسٹ پر بھی مجھے نہیں روکا گیا' میں بدلے ہوئے حالات میں ہر تبدیلی کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرنے کے لیے تیار تھا لیکن اس وقت تک وہاں کچھ بھی بدلا ہوا نظر نہیں آیا تھا۔
میں نے اول خان کی دفتری بیرک کے باہر تین گاڑیاں دور ہی سے دیکھ لیں' ان میں سے ایک اول خان کی لینڈ روور تھی' دوسری دو کاریں پرانی اور معمولی سی تھیں ان پر کراچی کی عام نمبر پلیٹیں لگی ہوئی تھیں۔
میں نے اپنی گاڑی ان تینوں گاڑیوں کے ساتھ قرینے سے روکی تو اول خان انجن کی آواز سن کر تیزی سے اپنے دفتر سے باہر آ گیا تھا۔
اس کے چہرے پر تکان کے آثار تھے اور آنکھیں بھاری ہو رہی تھیں۔ وہ کام کی زیادتی کی علامات تھیں ورنہ اس کے چہرے پر ایسی کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی جو میرے لیے باعث تشویش ہوتی۔
وہ بیرک کے برآمدے سے نیچے اتر کر پرتپاک انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ دن میں کئی بار ایک دوسرے سے ملنے والے کم و بیش دو دن کے طویل وقفے کے بعد یک جا ہوں تو ایسی گرم جوشی کا اظہار ضروری ہو جاتا ہے۔
''تمہارا جنرل کہاں ہے'' میں نے دھیمی اور تجسس آمیز آواز میں اس سے پوچھا۔
''میرے دفتر میں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔'' اس نے تقریباً سرگوشیانہ لہجے میں بتایا۔
''تم دونوں یہیں بیٹھ رہے ہو تو کل تم نے میرا فون کیوں نہیں سنا تھا؟'' میں نے اس سے شکایت کے انداز میں کہا۔
''ہم آج پہلی بار یہاں بیٹھے ہیں' اندر چلو تمہیں سب پتا چل جائے گا۔''
میں اس کے ساتھ تین سیڑھیاں چڑھ کر برآمدے میں داخل ہوا۔ اول خان کے سادہ پوش اردلی نے ہمارے لیے دروازے کا پردہ اٹھایا اور ہم دونوں دفتر میں داخل ہو گئے۔
وہ بہت وجیہہ' دراز قامت اور دبلا پتلا شخص تھا جس کی سیاہ چمکیلی آنکھوں سے ذہانت اور بے خوفی جھلک رہی تھی' وہ آدھی آستینوں والی بش شرٹ اور خاکی پتلون میں ملبوس' اول خان کی میز کے عقب میں آرام دہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔
''سر! یہ ڈینی ہے'' اول خان نے کسی مصلحت کے تحت پہلے میرا تعارف کرایا۔
وہ میرا نام سنتے ہی ایک پھرتیلے جھٹکے سے اپنی کرسی سے اٹھا اور پھر اس نے میز پر قدرے جھک کر اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔
''مجھے وقار کہتے ہیں۔'' اس نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر زور زور سے ہلاتے ہوئے کہا ''ریٹائرڈ میجر جنرل ہوں' آج کل ایس ٹی ایف کی کمان کر رہا ہوں۔''
اسے اتنی تفصیل سے اپنا تعارف کرانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ایک بدیہی بات تھی کہ مجھے اس سے ملوانے کے لیے بلایا گیا تھا تو مجھے پہلے سے اس کے بارے میں بتا دیا گیا ہوگا۔ اسے اپنی زبان سے وہ سب کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ اس کے مزاج کا عجز و انکسار تھا کہ وہ مجھ سے بالکل برابری سے پیش آ رہا تھا۔

''میں آپ کے پیش رو سے......'' میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔

'نو آپ جناب!'' اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا'' تم ہمارے بلکہ سب پاکستانیوں کے دوست ہو' میرے ماتحت نہیں ہو' بے تکلف ہو کر بات کرو۔''

مجھے جنرل کا وہ انداز پسند آیا اور بے اختیار میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ میں نے اپنی ٹوٹی ہوئی بات جاری رکھی'' میں تمہارے پیش رو سے مل چکا تھا اور تم سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ آج میری یہ آرزو پوری ہو گئی۔''

''بیٹھو! اول خان' تم بھی بیٹھ جاؤ!'' اس نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے کہا'' میں بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ ڈینی کیا چیز ہے جس سے اس کے دشمن تھراتے ہیں۔ تم اچھے خاصے' خوبصورت شریف آدمی نظر آتے ہو۔''

''یہ دیکھنے والوں کی نظر کا حسن ہے دشمنوں کی رائے بہت مختلف ہوتی ہے۔''

''میں فوجی ہوں' ساری زندگی ٹیم ورک میں گزاری ہے اور اب بھی ایس ٹی ایف میری قابلِ رشک ٹیم ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی فردِ اتنی بڑی بڑی اور مسلسل کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے جو تمہارا مقدر بنی ہیں۔''

''میں کل سے بہت پراگندہ خاطر ہوں۔ ایس ٹی ایف یکایک کیوں گراؤنڈ کر دی گئی ہے؟'' اس کے کھلے رویے سے حوصلہ پا کر میں نے وہ سوال کر ڈالا۔

''شاعری کرتے ہو؟'' جنرل کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ نظر کا حسن اور پراگندہ خاطر جیسے الفاظ عام بول چال میں کم سننے میں آتے ہیں۔''

''شاعری کر رہا ہوتا تو بس وہی کرتا رہتا۔ کسی اور کام کا نہ رہتا۔'' وہ جواب دیتے ہوئے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ جنرل نے میرے سوال کا جواب بہت خوبصورتی سے گول کر دیا تھا۔

''گیری ہارٹ سے تمہارے کیسے مراسم ہیں؟'' سوال کرتے ہوئے اس کا مسکراتا ہوا چہرہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔

''میں ان لوگوں سے ایس ٹی ایف کے کرنل داور کے روپ میں ملتا ہوں' میں نے بہت گھما پھرا کر انہیں یہ تاثر دیا ہے کہ میں اپنی یعنی ڈینی کی حد سے بڑھی ہوئی آزادروی سے نالاں ہوں' یہ تاثر ان کے دلوں میں جاگزیں ہو چکا ہے۔ وہ مجھ پر محنت کر رہے ہیں' گیری کو بھی امید ہے کہ کسی نہ کسی وقت وہ مجھے فورس سے توڑنے میں کامیاب ہو جائے گا۔''

''بہت خوب......! اور وہ تمہارے ذریعے ڈینی پر ہاتھ ڈالنے کا خواب بھی دیکھ رہے ہیں!'' اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''ان کا یہی خواب مجھے ان کی دشمنی سے بچائے ہوئے ہے۔ گیری میرے ساتھ ویرا کو بھی پکڑنے کے لیے بے چین ہے۔ ان لوگوں کے لیے یہ بات ناقابلِ برداشت ہے کہ ایک امریکی لڑکی اپنے ہم قوموں کو ناک چنے چبوائی رہے۔''

''میں نے ویرا کی بہت تعریفیں سنی ہیں۔ ویرا کے علاوہ غزالہ اور سلطان شاہ کے کارناموں کی خبریں بھی مجھے ملتی رہتی ہیں۔ موجودہ بحران سے نکلنے کے بعد میں کسی وقت ان تینوں سے بھی ملنا چاہوں گا۔ تم چاروں کو میں اپنا قومی سرمایہ تصور کرتا ہوں۔''

''تم مجھے شرمندہ کر رہے ہو ہم وہی کرتے ہیں جو کر سکتے ہیں اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کر سکتے' یہ اپنی مٹی کے لیے ہمارا فرض ہے جو ہم پورا کر رہے ہیں' اس کے عوض ہمیں کسی صلے کی پروا یا ستائش کی تمنا نہیں ہے۔''

'یہ ایس ٹی ایف کا نصب العین ہے'' وہ یکایک پُرجوش ہو گیا'' صلے کی پروا یا ستائش کی تمنا کیے بغیر اپنے وطن کی بھلائی کے لیے لڑتے لڑتے ایک دن گمنام سپاہی کی طرح اپنی جان پر کھیل جاؤ۔''

''امریکیوں کے لیے یہ جذبہ ناقابلِ فہم ہے وہ دنیا کی ہر شے اور جذبے کو ڈالروں کی میزان میں تولنے کے عادی ہیں' گیری مجھے خریدنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''اس نے ایس ٹی ایف کے بارے میں تمہارے سامنے بہت زہر اگلا ہے!'' جنرل نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تصدیق چاہی۔

''وہ ہر بات سے واقف ہیں'' میں نے پلکیں جھپکائے بغیر جواب دیا'' اس کے بعض انکشاف میرے لیے حیران کن تھے۔ اول خان اور ایس ٹی ایف سے بہت زیادہ قریب ہونے کے باوجود میں ان رازوں سے بے خبر تھا۔ حد یہ ہے کہ اسے تمہارے اسٹیشنوں کی تعداد تک معلوم ہے۔''

جنرل ایک گہرا سانس لے کر اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ چند ثانیوں کے لیے اپنی آنکھیں موند کر اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا پھر میری طرف مخاطب ہو کر بولا'' ان کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ دنیا بھر میں ہونے والی جدید ترین سائنسی تحقیق اور ترقی سے امریکا نے سب سے زیادہ فیض اٹھایا ہے حد یہ ہے کہ افغان وار کے بعد روس کا شیرازہ بکھرا تو امریکا نے ان کے بہترین اور منتخب دماغوں کو خرید کر اپنی شہریت دے دی۔ اب ان کی بڑی تعداد متعدد امریکی منصوبوں پر کام کر رہی ہے۔ تم جانتے ہو کہ جیو اسٹیشنری سیارے کیا ہوتے ہیں؟

میں جنرل کی معلومات اورزوربیان سے ویسے ہی مرعوب ہوا جا رہا تھا' اس نے بات کرتے کرتے اچانک وہ سوال کیا تو میں بوکھلا کر رہ گیا۔

''اس بارے میں میری معلومات بہت ناقص ہیں'' میں نے اعتراف کیا۔

''یہ وہ جاسوس اور مواصلاتی سیارے ہوتے ہیں جو زمین سے ایک مخصوص بلندی پر اور اپنے مدار میں رہنے کے لیے ایسی رفتار سے گردش کرتے ہیں کہ زمین سے دیکھنے پر وہ ایک جگہ ٹھہرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس وقت خلا میں ایسے امریکی سیاروں کی تعداد تین سو سے بھی زیادہ ہے۔ ان کے ذریعے وہ زمین پر گری ہوئی سوئی کو بھی دیکھ لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔'' جنرل نے دوبارہ بولنا شروع کر دیا'' یہ اس کرۂ ارض پر بسنے والوں کی بدنصیبی ہے کہ ان کی ستر سے اسّی فیصد تعداد خلوت کا حق کھو بیٹھی ہے۔ ان امریکی سیاروں نے افراد اور قوموں سے یہ حق بہت خاموشی سے چھین لیا ہے۔ دنیا کے کسی بھی حصے میں کچھ ہوتا ہے تو امریکی آنکھیں اسے دیکھ رہی ہوتی ہیں۔ بدقسمتی سے پاکستان امریکی دلچسپی کے خطے میں واقع ہے۔

''ان کے سہارے وہ ایس ٹی ایف کے بارے میں بہت کچھ جان چکے ہوں گے۔ زمین پر ہونے والی کوئی نقل و حرکت ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔''

میرے لیے وہ موضوع ہمیشہ سے بہت مشکل اور ناقابل فہم رہا تھا لیکن جنرل کی باتیں آسانی سے سمجھ میں آنے والی تھیں۔ وہ تفصیل سن کر میں اندر سے کانپ اٹھا۔

''پھر تو کچھ بھی محفوظ نہیں ہے'' میں نے پرتشویش لہجے میں کہا'' ہماری دفاعی اور ایٹمی تنصیبات اور سرگرمیاں بھی ان کی نظروں میں ہوں گی!''

''زمین کی سطح پر جو کچھ ہوتا ہے وہ دیکھ لیتے ہیں۔'' جنرل نے پرزور لہجے میں کہا'' بہت سے سرکاری بقراط میری ان باتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ شترمرغ کی طرح ریت میں گردن دیے بیٹھے ہیں۔ کہتے ہیں کہ امریکا سب کچھ جانتا ہے تو آئے دن ہماری تنصیبات کے بین الاقوامی معائنے کے مطالبے کیوں کرتا رہتا ہے۔''

''اس وقت بالکل یہی سوال میرے ذہن میں ابھرا تھا!'' میں نے کہا۔

''میں بتاتا ہوں'' جنرل نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنی ہتھیلیاں میز کی سطح پر ٹکا دیں اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا'' وہ ایس ٹی ایف کے بارے میں بہت کچھ یا شاید سب کچھ جانتے ہیں مگر جب ہم سرکاری طور پر کہتے ہیں کہ پاکستان میں ایسی کسی فورس کا وجود نہیں ہے تو وہ ہماری بات مان لیتے ہیں' انہیں ہمارا اندر کا حال خوب معلوم ہے ہماری ساری خوبیاں اور خامیاں ان کی نگاہوں میں ہیں۔ جب وہ ہمیں دبانا یا جھکانا چاہتے ہیں کہ تو کوئی حساس مطالبہ کر بیٹھتے ہیں ہمارے لیے اسے تسلیم کرنا ممکن نہیں ہوتا' پس پردہ ڈوریاں ہلتی ہیں اور پھر وہ مطالبہ سردخانے کی نذر ہو جاتا ہے وہ ہم سے کھیلتے رہتے ہیں۔''

اس کی وہ چشم کشا باتیں روح فرسا تھیں۔ امریکا نے طاقت اور سائنسی برتری کے زعم میں تقریباً پوری دنیا کو اپنے دالان میں تبدیل کر لیا تھا۔

''سر! میں ایک بات کہوں!'' اول خان نے پہلی مرتبہ زبان کھولی اور بولنے کی اجازت چاہی۔

جنرل کی استفسار طلب نگاہیں پھسل کر اس کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

''سب کچھ اسی طرح ہے تو وہ لوگ یہ اعلان کیوں نہیں کر دیتے کہ اب وہ ہر کارروائی سے باخبر رہتے ہیں۔ ان کی اجازت کے بغیر کوئی ملک اپنی روایتی یا غیر روایتی طاقت بڑھانے کی کوشش نہ کرے دنیا بھر میں ان کی بالادستی قائم ہو جائے گی۔'' اول خان نے کہا۔

''یہ بھی ایک فطری سا سوال ہو سکتا ہے'' جنرل بہت اعتماد سے' ماہرانہ انداز میں اپنی رائے دے رہا تھا۔'' کھلے اعلان کے بعد وہ جوڑتوڑ کرنے کے سارے مواقع کھو دیں گے۔ پہلے خلا کے غیر فوجی استعمال کا بہت غلغلہ تھا۔ روس ٹوٹنے کے بعد وہ دب گیا' اعلان ہوا تو فرانس' جرمنی اور بعض دوسرے یورپی ملک چیخ اٹھیں گے کہ امریکا خلا سے خلوت کی حرمت پامال کر رہا ہے۔ ان کی طرف سے اعلان کو اقرار جرم تصور کیا جائے گا۔ امریکیوں سے نفرت کی لہر بہت زیادہ زور پکڑ جائے گی یہ الجھی ہوئی اور بہت لمبی باتیں ہیں...... میں جذبات کی رو میں آ کر بہک گیا' بات یہ ہو رہی تھی امریکی ایس ٹی ایف کے بارے میں بہت زیادہ جانتے ہیں'' آخری فقرے اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔

''ہاں! یہی بات ہو رہی تھی'' میں نے مسکرا کر اس کی تائید کی'' اس کی باتوں نے مجھے بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا۔''

''ایسی باتیں پہلے بھی میرے کانوں تک پہنچتی رہی ہیں میں ان کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ یہ بتاؤ کہ اس نے ہمارے مالی معاملات کے بارے میں کیا کہا تھا؟''

''وہ سب میں اول خان کو من و عن بتا چکا ہوں'' میں نے کہا۔

''میں ادل خان کی رپورٹ سن چکا ہوں' اس کی روشنی میں کچھ دوررس فیصلے بھی کیے جا چکے ہیں۔ میں تمہاری زبان سے ان باتوں کا اعادہ چاہتا ہوں۔'' اس نے اصرار کیا۔

میں نے چند ثانیوں کے لیے خاموش رہ کر اپنے ذہن پر زور دیا پھر کہا ''الفاظ میں ردوبدل ہوسکتی ہے مگر اس نے کہا تھا کہ ایس ٹی ایف کے سربراہ کے ذاتی اکاؤنٹ میں کروڑوں روپے آتے جاتے رہتے ہیں یہی حال ہر اسٹیشن کمانڈر کے بینک اکاؤنٹ کا ہے۔ ان کے ماہرین ورجینیا میں بیٹھے بیٹھے بینکوں کے کمپیوٹرز میں نقب لگا کر ان کھاتوں کی فائلیں بناتے رہتے ہیں اسے اپنے اس ریکارڈ پر بہت ناز ہے۔''

''اس کی یہ باتیں میرے لیے ناقابل یقین ہیں۔'' جنرل کی آواز تشویش زدہ ہوگئی۔ ''بینکوں کا کمپیوٹر سسٹم بہت محفوظ اور فول پروف ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو عالمی بینکاری کا نظام چند سیکنڈ میں بیٹھ جائے۔ میں حیران ہوں کہ انہوں نے بینکوں کے ریکارڈ تک کس طرح رسائی حاصل کی ہوگی۔''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ ہم پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لیے جھوٹ بول رہا ہو۔'' میں نے پُر امید انداز میں ایک امکان کی نشان دہی کی۔

''نہیں ڈینی! ایسا نہیں ہے۔'' اس نے مجھے سمجھایا ''وہ حقائق کی بات کررہا ہے پرسوں تک سب کچھ اسی طرح تھا جیسا اس نے کہا تھا۔ ایس ٹی ایف ایک منظم فورس ہے وہ اس میں کسی فرد واحد کو نشانہ نہیں بنا سکتے لیکن اس ریکارڈ کی وجہ سے گیارہ افراد کے سروں پر خطرے کی تلوار لٹکنے لگی ہے۔ مجھ سمیت وہ جسے چاہیں بدترین مشکلات میں مبتلا کرسکتے ہیں میں اور میرے دس اسٹیشن کمانڈر بہ یک وقت ان کے نشانے پر آگئے ہیں۔''

''مجھے فی الحال ایسا کوئی خطرہ نظر نہیں آرہا'' میں نے انجان بن کر کہا۔ میں اس بارے میں جنرل کی زبان سے زیادہ تفصیل سننے کا متمنی تھا۔

''تنظیمیں ہوا میں معلق نہیں ہوتیں۔ افراد سے تشکیل پاتی ہیں۔ افراد کی سرکوبی کردی جائے تو تنظیمیں خود بہ خود مجہول ہوجاتی ہیں مجھ سے ادل خان تک وہ کسی بھی فعال شخص کو تاک سکتے ہیں۔ ریکارڈ کی صحت سے بینک انکار نہیں کرسکتے اگر وہ لوگ ہمارے خلاف کسی بدمعاشی پر تل جائیں تو ناقابل تصور مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔ ایس ٹی ایف کے لیے فنڈز فراہم کرنے والے ہمیں زنداں میں ڈال کر یہ پوچھنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ ہمارے پاس وہ سرمایہ کہاں سے آرہا تھا۔''

''میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے لوگ یوں آنکھیں پھیر سکتے ہیں۔''

''وہ یقیناً ایسا نہیں کرنا چاہیں گے لیکن انہیں ناقابل تردید ثبوتوں کے ساتھ لاجواب کردیا جائے گا تو وہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہوجائیں گے' اتنا کالا دھن صرف ہیروئن کے دھندے سے آسکتا ہے۔ دنیا بھر میں منی لانڈرنگ کا شور مچا ہوا ہے۔ یہ مالیاتی اسکینڈل ہماری بھینٹ لے سکتا ہے ہمیں ہیروئن مافیا کا ساتھی قرار دے کر قربانی کا بکرا بنا دیا جائے گا۔''

''اوپر سے یہ یقین دہانی حاصل کی جاسکتی ہے کہ گیارہ میں سے کسی فرد کے ساتھ ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے تجویز پیش کی۔

''زبانی سب کچھ کہا جارہا ہے۔ کوئی بات ضبط تحریر میں نہیں ہے۔ ہم پر برا وقت آیا تو مہرے بدل جائیں گے۔ زبانی یقین دہانیاں کرانے والے اپنے منہ چھپالیں گے' نئے چہرے سامنے آکر بال کی کھال نکالنا شروع کردیں گے۔ اس وقت ہم بارود کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''یہ صورتِ حال ان لوگوں کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے جو دوسرے خفیہ منصوبوں پر کام کررہے ہیں اور انہیں خفیہ فنڈز فراہم کیے جارہے ہیں!'' میں نے سوچتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔

''تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔ ایٹمی منصوبوں پر بھی چوری چھپے کام ہورہا ہے۔ خلاؤں سے ان کی نگرانی ہورہی ہے خدا ان لوگوں کو ہر برے وقت سے محفوظ رکھے۔''

''یہ بہت بڑا مسئلہ ہے' ایس ٹی ایف کو میدان سے ہٹالینا اس کا حل نہیں ہے'' میں نے حوصلہ کرکے جنرل سے وہ چبھتی ہوئی بات کہہ ڈالی۔

جنرل نے فوری طور پر میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا' اس کی چمکیلی نگاہیں ایک مرتبہ پھر میرے چہرے پر گڑ کر رہ گئی تھیں۔

''ایس ٹی ایف کو میدان سے نہیں ہٹایا گیا یہ ایک......''

جنرل نے بولنا شروع کیا لیکن اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے کہیں قریب ہی کانوں کے پردے پھاڑ دینے والا ایک خوفناک بارودی دھماکا ہوا اور دفتر کے در و دیوار لرز کر رہ گئے۔ کمرے میں تیز جھونکے کے ساتھ گرد و غبار کا ایک طوفان گھس آیا تھا۔ ہم تینوں میں سے کوئی اپنی جگہ ٹکا نہیں رہ سکا تھا۔ دھماکے کے ساتھ میں اپنی کرسی سے اڑ کر دور جا گرا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤ داور نادیہ سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا بس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پر اسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ مین ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پر اسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جا رہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اسے بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کی حمایت حاصل تھی اور اس کے ایجنٹ اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ ایس ٹی ایف اور ہم اس کے پیچھے تھے اور بالآخر وہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کر ہم سب کو چونکا دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہوگی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک ہاروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈیبی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ نک ہاروے نے تصدیق کر دی کہ ڈیبی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور ایک مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت اس کے ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں کے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کا فرضی رضا کارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کر لیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے۔ تاہم یہاں ان کا رابطہ کوبرا سے تھا۔ اسی دوران میں مجھے کوبرا کا سیٹ لائٹ فون نمبر بھی مل گیا۔ اس وقت ہمیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کوبرا کے پردے میں ایک معزز اقلیتی سیاست دان چھپا ہوا تھا۔ میں نے کوبرا کے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض میں اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا نا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیبی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈیبی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی جیب برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈیبی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیبی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیبی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ

کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہوگیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کرلی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن وامان کے مسائل بھی کھڑے کرنے چاہ رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کردوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کردیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کرلیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کردیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہوگیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہوگئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آگیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈیلی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسر پیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہوگا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سود مند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کرکے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہوگئے۔ میں اسے اسٹیشن فور لے جانا چاہتا تھا مگر وہاں سے بتایا گیا کہ ایس ٹی ایف کی تمام سرگرمیاں معطل کردی گئی ہیں۔ ناچار میں نے صدف مینشن کا رخ کیا جہاں آئی بی کے اہلکاروں کے ساتھ سنیل سے گفتگو کی گئی۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہوگیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آگیا۔ اس وقت اول خان نے مجھے بتایا کہ اس کا باس کراچی میں تھا اور مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ ہماری ملاقات اسٹیشن فور میں ہوئی اور ابھی گفتگو کا ابتدائی مرحلہ تھا کہ اسٹیشن فور میں ایک دھماکا ہوا اور میں اپنی کرسی سے اڑ کر دور جا گرا۔

اب آپ قسط نمبر 234 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

جو کچھ ہوا، وہ اس قدر غیر متوقع اور حیران کن تھا کہ اپنی کرسی سے اچھل کر دور جا گرنے کے بعد میں کئی ثانیوں تک سکتے کی حالت میں اسی پوزیشن میں پڑا رہا، جس پوزیشن میں کرسی سے اچھل کر گرا تھا۔

وہ دھماکا ایک لمحاتی واقعہ تھا جو رونما ہو چکا تھا لیکن کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے بارودی دھماکے کی روح فرسا بازگشت میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ سب کچھ ہو جانے کے باوجود میرا ذہن یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ ہمارے دشمن اسٹیشن فور کی محفوظ ترین حدود میں گھس کر کوئی تخریبی کارروائی کرسکتے ہیں۔

وہ بے یقینی کی ایک لمحاتی کیفیت تھی جو زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ مجھے اپنی پشت میں درد کی لہریں کروٹیں لیتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ کرسی سے اچھل کر بے ڈھب انداز میں اچانک پختہ فرش پر گرنے کے سبب میری کمر میں خاصی ضرب آئی تھی۔ اسی کے ساتھ مجھے اپنی کہنیوں میں شدید جلن اور پھر خون کے رساؤ کا احساس ہوا۔

باہر سے چیخ و پکار اور متعدد لوگوں کی بھاگ دوڑ کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ دھماکا اس دفتر کے باہر ہوا تھا اس لیے اسٹیشن فور پر موجود عملے کی ساری توجہ اسی طرف مرکوز تھی۔ کسی کو بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اس دھماکے کے نتیجے میں دفتر والوں پر بھی اچانک براوقت آگیا تھا۔

میں بدقت تمام اپنی ساری توانائیاں مجتمع کرکے فرش سے اٹھا تو کمرے کی غبار آلود فضا میں مجھے جنرل وقار اور اول خان بھی کسی اچھی حالت میں نظر نہیں آئے۔

دھماکے نے انہیں بھی ان کی کرسیوں سے اڑا کر بے رحمی سے کنکریٹ کے پختہ فرش پر پٹخ دیا تھا اور وہ دونوں فرش سے اٹھنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔

بادی النظر میں اول خان کی حالت زیادہ بری نہیں تھی لیکن میجر جنرل وقار اس کی میز کے پیچھے والی کرسی پر براجمان تھا۔ اس کے اردگرد چوبی ریک وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ اس ناگہانی حادثے کے نتیجے میں اس کی پیشانی کسی ٹھوس اور سخت چیز سے ٹکرا کر لہولہان ہوگئی تھی۔ گردوغبار سے اٹی ہوئی فضا میں جنرل کا خون میں ڈوبا ہوا چہرہ کچھ زیادہ ہی بھیانک نظر آرہا تھا۔

سر یا پیشانی کی چوٹ فوری طور پر حواس مختل کردیتی ہے۔ مجھے اس بات کا اندازہ تھا۔ میں تیزی سے ریٹائرڈ جنرل کی طرف لپکا اور اسے بغلوں میں سہارا دے کر اس کے قدموں پر سیدھا کھڑا کردیا۔

''کیا ہوا...... یہ دھماکا کہاں ہوا؟'' اوسان قدرے بحال ہوتے ہی جنرل وقار کی زبان سے بے ساختہ وہ الفاظ برآمد ہوئے اور وہ جھپٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اس دوران میں اول خان بھی سنبھالا لینے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ہم دونوں جنرل کے پیچھے دفتر سے باہر نکلے تو بیرک کے سامنے ہوش اڑا دینے والا ایک منظر ہماری نظروں کے سامنے تھا۔

میری گاڑی سمیت وہاں کل چار گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں جن میں اول خان کی سرکاری لینڈ کروزر بھی شامل تھی۔ دھماکے کے نتیجے میں ان چاروں گاڑیوں کے چیتھڑے اڑ چکے تھے اور کچے میدان میں دور تک بکھرے ہوئے پرزوں میں جابہ جا آگ لگی ہوئی تھی جو ان گاڑیوں کی ٹنکیوں میں بھرے ہوئے آتش گیر ایندھن کا نتیجہ تھی۔

گاڑیوں کے مڑے تڑے ہوئے، تباہ حال ڈھانچے شعلوں کی لپیٹ میں آئے ہوئے تھے۔ ایس ٹی ایف کے بہت سے سادہ پوش نوجوان اضطراب اور بے بسی کے عالم میں تلملائے ہوئے پھر رہے تھے۔ اپنے گھر میں نازل ہونے والی اس تباہی کو وہ روک سکے تھے اور نہ اس پر قابو پانے پر قادر تھے۔ پیٹرول اور ڈیزل کی بھڑکی ہوئی آگ پر قابو پانا ان کے بس سے باہر تھا۔

چند جوشیلے جوان اپنے ہاتھوں سے ریت اور مٹی اس آگ پر اچھال رہے تھے۔ ان کوششوں کا آگ پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ فضا میں دھول اڑ رہی تھی۔

''چھوڑ دو!'' جنرل وقار نے وہ تماشا دیکھتے ہی تحکم آمیز لہجے میں کہا ''جو نقصان ہونا تھا، وہ ہو چکا۔ اب یہ آگ خود ہی ٹھنڈی ہوگی۔ اس سے مزید کسی نقصان کا خطرہ نہیں ہے۔ سب اپنی اپنی جگہوں پر واپس جاؤ۔''

وہ خود زخمی تھا۔ اس کی پیشانی کے زخم سے بہہ نکلنے والی خون کی کئی لکیریں اس کے چہرے پر جمتی جا رہی تھیں جن کے نتیجے میں اس کا چہرہ بھیانک نظر آ رہا تھا۔ ذہنی طور پر بھی وہ پریشان اور بوکھلایا ہوا تھا لیکن اس نے جائے وقوع پر پہنچتے ہی بہترین قائدانہ صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بالکل صحیح فیصلہ صادر کیا تھا۔

ایس ٹی ایف مقاصد کی خاطر اپنی جان لڑا دینے والوں کی ایک منظم فورس تھی۔ اللہ کے ان غازیوں کے دلی جذبات کبھی احکام سے متصادم نہیں ہوتے تھے۔ وہ بدترین حالات میں بھی اپنے سینوں پر پتھر کی سل رکھ کر اپنی فورس کے کڑے ڈسپلن کی پابندی کرنے کے عادی بنائے گئے تھے۔ جنرل وقار کے خاموش ہوتے ہی سب لوگ واپس جانے لگے۔ جو لوگ دور سے دوڑتے ہوئے اس طرف آ رہے تھے، وہ اپنے ساتھیوں کے اشاروں پر راستے سے ہی لوٹنا شروع ہو گئے۔ چند لمحوں میں وہاں صرف ہم تینوں کھڑے رہ گئے۔

''سر! آپ کی پیشانی زخمی ہے......'' اول خان نے بھیڑ چھٹ جانے کے بعد زبان کھولی ہی تھی کہ جنرل وقار نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی۔

''اول خان! پیشانی کے بجائے اس زخم کو ٹٹولنے کی کوشش کرو جس نے ہمیں اندر سے لہولہان کر دیا ہے۔ اب ہم اپنے گھر میں بھی محفوظ نہیں ہیں؟''

''یہ ہمارے دشمنوں کی طرف سے ہمارے لیے کھلا پیغام ہے کہ وہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں، ہمیں اپنا نشانہ بنا سکتے ہیں'' میں نے سر ہلا کر اس کی تائید کرتے ہوئے اس واقعے کی سنگینی پر روشنی ڈالی۔

''آثار بتا رہے ہیں کہ دھماکا میری گاڑی میں ہوا ہے'' جنرل وقار نے شعلوں میں دھڑا دھڑ جلتے ہوئے ڈھانچوں پر نظریں جما کر پُرخیال لہجے میں کہا ''ایسے خطرات سے بچنے کے لیے میں نے شہری نمبر پلیٹ والی ایک پرانی گاڑی اپنے استعمال میں رکھی تھی لیکن مجھے بدترین صدمہ ہے کہ میں خود کو اپنے دشمنوں کی نگاہوں سے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔''

''اس میں تمہاری کسی کوتاہی سے زیادہ دشمنوں کی ہوشیاری کا دخل ہے۔ گیری ہارٹ کی باتوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کم از کم امریکیوں کے لیے ایس ٹی ایف کوئی پراسرار معمّا نہیں رہی ہے۔ وہ لوگ فورس، اس کے سربراہ اور اس کے دس سینئر ماتحتوں کے بارے میں ضرورت سے زیادہ باخبر ہیں'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

''دشمنوں کی کامیابی ہماری ناکامی ہے'' جنرل نے دوٹوک لہجے میں کہا ''اول خان کراچی میں رہتا ہے۔ تم یہیں شب و روز گزارتے ہو۔ تم دونوں ابھی تک ان کی گرفت سے محفوظ ہو۔ انہوں نے آتے ہی مجھے تاکا ہے۔''

''تمہیں دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں'' میں نے کہا ''یہ ان کا نفسیاتی حربہ ہے کہ انہوں نے ہم دونوں کو چھوڑ کر تمہاری گاڑی کو نشانہ بنایا ہے۔ وہ چاہتے تو گاڑی میں لگا ہوا بم اس وقت بھی پھٹ سکتا تھا جب تم گاڑی میں سفر کر رہے ہوتے۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ صرف گاڑی کو تباہ کر کے تمہیں بلکہ ہم سب کو پیغام دیا گیا ہے۔ ابھی چند منٹ پہلے تم خلا میں زمین کے مختلف مقامات پر ٹھہرے ہوئے تین سو سے

زائد مصنوعی سیاروں کا ذکر کر رہے تھے، جن لوگوں کو ایسے وسائل دستیاب ہوں ان سے لڑنا آسان کام ثابت نہیں ہوگا۔''

''سر!'' اس آواز نے بہ یک وقت ہم تینوں کو چونکا دیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ اول خان کا اردلی تھا اور کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔

''کہو آدم، کیا کہنا چاہ رہے ہو'' جنرل نے پلٹ کر نرم آواز میں اس کی حوصلہ افزائی کی۔ میرے لیے یہ حیرت کی بات تھی کہ اسے اول خان کے اردلی کا نام معلوم اور یاد تھا۔

''سر! گاڑیوں میں کچھ نہیں تھا'' اس نے بہت محتاط لہجے میں اپنی بات شروع کی ''میں برآمدے سے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ جنوب کی طرف سے سیاہ رنگ کا ایک ڈیڑھ فٹ لمبا راکٹ اڑتا ہوا آیا اور آپ کی گاڑی پر گرا تھا۔ اس کے گرتے ہی دھماکا ہوا اور میں اچھل کر دور جا گرا۔ یہ حملہ باہر سے ہوا تھا۔''

''ویری گڈ!'' جنرل نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ''تم نے بہت اہم بات بتائی ہے۔ ہمیں اس نتیجے تک پہنچنے میں کئی گھنٹے لگ سکتے تھے۔''

''آگ سرد ہونے سے پہلے کچھ نہیں ہو سکے گا، آؤ اندر چلتے ہیں'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد جنرل نے ہم سے کہا۔

اس کا عندیہ پاتے ہی آدم لپک کر ہم سے پہلے دفتر میں جا گھسا۔ ہم تینوں بوجھل قدموں سے چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے تو آدم الٹی ہوئی کرسیوں کو سیدھا کر چکا تھا اور فرش پر بکھری ہوئی فائلوں اور دیگر اشیا کو یک جا کرنے میں مصروف تھا۔

''ان سب چیزوں کو بعد میں سمیٹ لینا'' اول خان نے اس سے کہا۔ اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی جنرل وقار بول پڑا۔

''مجھے اندازہ ہے کہ سب کچھ الٹ پلٹ ہو گیا ہوگا۔ ممکن ہو تو مزے دار چائے پلانے کا بندوبست کرو۔ اس وقت اس کی ضرورت ہے۔''

آدم سر جھکا کر دفتر سے نکل گیا۔ اپنی فورس کے سربراہ کی زبان سے اپنا نام سننے کے بعد اس کے وجود میں ایک عجیب سا والہانہ جذبہ سرایت کر گیا تھا۔ یوں نظر آ رہا تھا جیسے وہ اپنے باس کے ایک اشارے پر اپنی گردن بھی کٹوانے سے گریز نہیں کرے گا۔

''جنوب کی طرف ایک کشادہ سڑک ہے جو اکثر ویران پڑی رہتی ہے'' آدم کے چلے جانے کے بعد اول خان نے فکرمندانہ انداز میں لب کشائی کی ''آدم نے اس سمت کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ کسی نے وہیں رک کر راکٹ فائر کیا ہوگا'' لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو کر اس نے ایک گہرا سانس لیا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''اس کا نشانہ قابلِ رشک تھا۔ درمیانی رکاوٹوں کے باوجود زمین سے زمینی ٹارگٹ کو نشانہ بنا لینا آسان نہیں ہوتا۔''

''ایسا بے خطا نشانہ لگانا انسانی بساط سے باہر ہے'' میں نے رسانیت سے اپنی رائے ظاہر کی ''آگ بجھ جائے اور ملبہ ٹھنڈا ہو جائے تو تھوڑی سی عرق ریزی کے بعد اس دھماکے کا راز بھی سامنے آ جائے گا۔ میں شرط لگانے کے لیے تیار ہوں کہ جنرل کی گاڑی کو بگ کر دیا گیا تھا۔ اس پر گائیڈڈ راکٹ چلایا گیا ہے۔ کوئی اناڑی بھی صحیح سمت میں راکٹ چلا دے تو وہ حساس آلات کے سہارے اپنا نشانہ خود تلاش کر لیتا ہے۔''

''گائیڈڈ میزائلوں کا شہرہ بہت سنا ہوا ہے۔ شارٹ رینج راکٹوں کے لیے اس ٹیکنالوجی کا استعمال میرے لیے نئی بات ہے۔ یہ سسٹم بہت مہنگا اور......''

''نہیں، اول خان!'' جنرل نے اس کی بات کاٹ دی ''ڈینی صحیح سمت میں سوچ رہا ہے۔ سارے جدید آلات پچھلے چند برسوں میں بہت تیزی سے سستے اور عام ہوئے ہیں۔ انفرا ریڈ اور لیزر ٹیکنالوجی نے ہر طرف دھوم مچائی ہوئی ہے۔ اندھیرے میں دور تک دیکھ لینے والی دوربینیں، تاریکی میں واضح تصاویر لینے والے ننھے منے کیمرے اور وائرلیس مائیکروفون پر آوازیں سننے کے سسٹم ٹکے ٹوکرے ملنے لگے ہیں۔ اگر یہ مہنگے ہوتے تب بھی سی آئی اے اور ایف بی آئی والوں کی دسترس میں رہتے۔ وہ لوگ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اخراجات کی پروا نہیں کرتے۔''

''میں معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ یہ باتیں اہم ہیں لیکن ان سے بھی اہم تر بات کو تم نے سرے سے نظر انداز کیا ہوا ہے'' میں نے جنرل کے چہرے پر نظریں جما کر دھیرے سے کہا۔

جنرل وقار کی استفسار طلب نگاہیں میری طرف مرکوز ہو گئیں۔

''تم دلیر اور بے خوف آدمی ہو'' میں نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی ''تمہیں اپنی پیشانی کے زخم کی ذرا بھی پروا نہیں ہے لیکن تم ایس ٹی ایف کے وقار اور عظمت کی علامت ہو۔ تمہارا رستا ہوا زخم اور چہرے پر جما ہوا خون تمہارے ماتحتوں کا مورال گرانے کا سبب بن سکتا ہے۔ اجازت ہو تو میں یہ سب صاف کر دوں؟''

جنرل نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا ''بعض اوقات تم خاصی زہریلی باتیں کہہ جاتے ہو۔ میں باتھ روم میں جا کر خود یہ کام کرسکتا ہوں۔''

وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور باتھ روم میں گھس گیا۔

چند منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کا چہرہ دھل کر نکھر آیا تھا۔ خون کی لکیریں اور دھبے صاف ہوگئے تھے لیکن پیشانی کے بائیں گوشے پر آئے ہوئے زخم کے دہانے پر خون کو لوتھڑا بدستور موجود تھا۔ وہ اسے صاف کرتا تو زخم سے تازہ خون رسنا شروع ہوجاتا۔ وہ آیا اور پورے اعتماد کے ساتھ دوبارہ اپنی جگہ پر جم کر بیٹھ گیا۔

''ہاں، تو بات گائیڈڈ راکٹ کی ہورہی تھی'' اس نے میز کی سطح پر ہاتھ مار کر قدرے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''اس بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔ میں نے محض ایک شبہ ظاہر کیا تھا۔ تم نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے بات آگے بڑھائی تھی'' میں نے جواب دیا۔

''مجھے یقین کی حد تک شبہ ہے کہ میری تباہ ہونے والی گاڑی کے کسی حصے میں کوئی کثیر المقاصد چپ لگادی گئی تھی'' جنرل نے سنجیدگی کے ساتھ کہنا شروع کیا ''اس کی مدد سے میری نقل و حرکت پر نظر رکھی جارہی تھی، جب انہیں یہ پتا چلا کہ میں شہر بھر میں اپنے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر یعنی اسٹیشن فور پر پہنچ چکا ہوں تو مجھے دہشت زدہ کرنے کے لیے انہوں نے میری گاڑی کی سمت میں گائیڈڈ راکٹ داغ دیا۔ اس راکٹ کے سرے پر کوئی نہ کوئی ایسا آلہ موجود رہا ہوگا جسے میری گاڑی میں پوشیدہ چپ سے رہنمائی مل رہی ہوگی۔ قریبی سڑک سے چلایا ہوا راکٹ فضا میں تیرتا ہوا سیدھا میری گاڑی پر آگرا۔''

''یہ گاڑی ابتدا سے تمہارے استعمال میں ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''میں برسوں کراچی آیا تھا۔ اس وقت سے وہی کار میرے زیرِ استعمال تھی۔ تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے؟'' جنرل نے چونک کر پوچھا۔

''وہ کسی وقت اسے بگ کرچکے تھے تو ان کے پاس اسے تباہ کرنے کے لیے کئی بہترین مواقع میسر تھے'' میں نے کہا ''یہ بات یقینی ہے کہ کراچی آمد کے بعد تم اہم ترین مقامات پر بعض کلیدی شخصیات سے ملتے رہے ہوگے۔ وہ دھماکے کے لیے موزوں ترین وقت ہوسکتا تھا۔ آخر انہوں نے اسٹیشن فور کا ہی انتخاب کیوں کیا؟''

''ہوں......!'' جنرل ایک ہنکارا بھر کر خاموش ہوگیا۔

اس کی آنکھوں میں فکر و تشویش کے سائے لرزتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ میرے اٹھائے ہوئے نکتے نے شاید اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔

میرے ساتھ جنرل کا رویہ بہت دوستانہ تھا۔ میں نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اسے دکھایا اور اس کے سر کی خفیف سی اثباتی جنبش پر پیکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگالی۔

''تمہاری ہر بات میں منطق اور استدلال کا گہرا دخل ہوتا ہے'' طویل خاموشی کے بعد جنرل نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی زبان کھولی ''یہ نکتہ واقعی اہم ہے کہ راکٹ فائر کرنے کے لیے انہوں نے میرے اسٹیشن فور پہنچنے کا انتظار کیوں کیا۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے یہ بات کہی تھی کہ حملے کے لیے انہوں نے ایسے وقت کا انتخاب کیا جب میں گاڑی میں نہ ہوں۔ غور کرنے کے بعد یہ تمام نکتے صرف اور صرف ایک سمت کی نشاندہی کررہے ہیں۔''

وہ ایک مرتبہ پھر خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر ابھرنے والی علامات سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔

اس دوران میں آدم چائے کے ساتھ کچھ بسکٹ وغیرہ بھی لے آیا۔ اس نے اول خان کی میز پر قرینے سے اپنی ٹرے خالی کی اور واپس لوٹ گیا۔

اول خان اس کا ماتحت تھا۔ وہ جنرل کی طویل ہوتی ہوئی خاموشی پر اسے لقمہ دینے کی جرأت نہیں کرسکا۔ میں اس کے خیالات کا تسلسل نہیں توڑنا چاہتا تھا اس لیے دانستہ خاموش رہا۔ اپنی پیالی سے چائے کا دوسرا گھونٹ لینے کے بعد جنرل بولا ''کسی کو اس کے گھر میں گھس کر مارنا دیدہ دلیری کی انتہا ہوتی ہے۔ انہوں نے وہی کیا ہے۔ ان کا مقصد کھلی دہشت گردی نہیں ہے۔ وہ مجھے یا ایس ٹی ایف کو سنگین پیغام دینا چاہتے تھے۔ یہ کام وہ کرگزرے ہیں۔ وہ ایس ٹی ایف کا خاتمہ چاہتے ہیں نہ فی الحال مجھے مارنا چاہتے ہیں۔ بظاہر ان کی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے کہ ایس ٹی ایف ان کی راہ میں روڑے نہ اٹکائے۔ ان کی اس وارننگ کو نظر انداز کیا گیا تو پھر کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ ان کا اگلا وار زیادہ تباہ کن اور مہلک ہوگا۔''

''مجھے تمہارے تجزیے سے پورا اتفاق ہے'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا ''اب ایک سوال رہ جاتا ہے کہ انہوں نے تمہاری گاڑی تک کیسے رسائی حاصل کرلی۔''

''میں زیرِ زمین دنیا کا کوئی پراسرار نقاب پوش نہیں ہوں'' اس نے مضمحل سی ہنسی کے ساتھ کہا ''تھوڑی بہت

احتیاط ضرور کرتا ہوں لیکن کھلے بندوں گھومتا پھرتا ہوں۔ بہت سے لوگوں کو میری آمد و رفت کے پروگرام کا علم ہوتا ہے۔ ان طویل سلسلوں کی کوئی بھی کمزور کڑی ان کے لیے ایک سہارا بن سکتی تھی۔''

''ابھی تک ان لوگوں سے ایس ٹی ایف کا براہِ راست کوئی تصادم نہیں ہوا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ انہوں نے ہم کو دھمکی دینے کی ضرورت کیوں محسوس کی'' اول خان نے دھیمے لہجے میں اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

''وہ کراچی میں اپنے کئی اہم ترین اور تجربے کار آدمیوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں'' میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا ''انہیں پورا یقین ہے کہ ڈینی ایس ٹی ایف کی مکمل پشت پناہی کے ساتھ انہیں یہ زخم لگا تا رہا ہے۔ اب یہ سلسلہ ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگیا ہے۔ وہ ایس ٹی ایف کو سختی کے ساتھ روکنا چاہتے ہیں۔''

''اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تم پر ایس ٹی ایف کی مالی بے ضابطگیوں کا اظہار کیا ہے جس کا پورا ریکارڈ ان کی تحویل میں ہے'' اول خان نے سوچتے ہوئے کہا۔

''یہ سب واقعات ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں'' میں نے جواب دیا ''میری چھٹی حس فضا میں خطرے کی بو سونگھ رہی ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے وہ یہاں ہم سب سے آخری راؤنڈ لڑنے کی تیاریاں کر رہے ہوں۔''

''اس وقت ان کا پانسا بھاری نظر آرہا ہے'' جنرل نے مضبوط لہجے میں کہا ''لیکن حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے۔ انہیں جدید ترین وسائل کی مدد حاصل ہے۔ مگر ان میں جذبے کا فقدان ہے۔ وقت بتائے گا کہ اللہ کی مدد اور اپنے سرفروشانہ جذبے سے ہم ان کے دانت کھٹے کر دیں گے۔ پاکستان آنے کے نام سے ان کے افسروں کو ہول آنے لگیں گے۔''

''پہلے یہی ہو رہا تھا۔ آج کے حالات مختلف ہیں'' میں نے نرمی سے کہا ''تم جوش اور روانی میں آکر آج کے بدلے ہوئے حالات کو فراموش کر رہے ہو۔ اس وقت ناگزیر عالمی مجبوریوں کی بنا پر پاکستانی سرزمین پر امریکیوں کا خون بہانا ممنوع قرار دیا جا چکا ہے۔ وہ اس رعایت سے پورا پورا فائدہ اٹھانے پر تلے ہوئے ہیں۔''

''دشمن کو میدان سے بھگانے کے لیے ہمیشہ خوں ریزی ضروری نہیں ہوتی۔ بعض اوقات دوسرے حربے اس سے زیادہ بھیانک ثابت ہوتے ہیں'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا ''اسپیشل ٹاسک فورس ہر آئینی اور قانونی پابندی سے آزاد ضرور ہے مگر یہ حکومت کی بنیادی پالیسیوں کا پورا احترام کرتی ہے۔''

''لڑائی زور پکڑ رہی ہے'' میں نے تشویش ظاہر کی ''تازہ ترین دھماکے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دشمن کسی بھی لمحے ہمارے دروازے پر دستک دے سکتا ہے۔''

''یہ لوگ اپنے جدید ترین وسائل کے ساتھ جس طرح دنیا بھر کی چھوٹی قوموں کو دبانے پر تلے ہوئے ہیں، اس کے نتائج کچھ حوصلہ افزا نظر نہیں آتے'' اول خان نے مایوسانہ لہجے میں کہا ''ہم لوگ کب تک اور کہاں تک ان کا مقابلہ کر سکیں گے؟''

''تم جنرل کے الفاظ بھول رہے ہو۔ ان کے پاس سب کچھ ہے مگر وہ جذبے سے عاری ہیں۔ وہ دوسروں کو کھا جانے کے لیے اپنے ملک سے نکلتے ہیں۔ ہم ان سے اپنی بقا کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ویت نام سے افغانستان تک کی تاریخ دیکھ لو۔ طاقت کہیں بھی سرخ رو نہیں ہو سکی۔ ہمیشہ آخری فتح جذبے کی ہوتی ہے'' میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

اچانک مجھے یاد آیا کہ دھماکا ہونے سے پہلے میں جنرل سے ایس ٹی ایف کے مستقبل کے بارے میں جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ جنرل اور اول خان کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر میں نے قدرے توقف کے بعد جنرل سے مخاطب ہو کر اپنی بات جاری رکھی ''سچ پوچھو تو ایس ٹی ایف کو میدان سے ہٹا لینے کے فیصلے سے تمہارے آدمیوں میں بددلی اور مایوسی پھیلی ہے۔ ان کا اعتماد مجروح ہوا ہے۔ فورس کی بحالی کے بغیر اس رجحان کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔''

''مالی نظام میں فوری تبدیلیاں لانے کے لیے یہ فیصلہ ناگزیر تھا'' جنرل نے ایک گہرا سانس لے کر بولنا شروع کیا۔ ہمیں نقد رقمیں فراہم کرنے کا نظام خطرناک تھا۔ اس بارے میں غیر ملکیوں کے باخبر ہونے کے بعد اس نظام کو فوری طور پر ترک کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ متبادل نظام فوری طور پر نہیں لایا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے وقت درکار تھا۔ اگر میں فورس کی معمول کی سرگرمیاں جاری رکھتا تو کل شام کو ہمارے سارے فنڈز ختم ہو چکے ہوتے' میس میں جوانوں کو کھانا فراہم کرنے کے لیے بھی رقم نہ ہوتی۔ میں اگلی قسط نقدی کی صورت میں لینے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ گیری کی باتوں نے میری آنکھیں کھول دی تھیں۔''

''اور اب کیا صورت ہے؟'' اسے خاموش پا کر میں نے سوال کیا۔

''سارے آپریشنز روک دینے کے بعد ہم ایک ہفتے کی

ضروریات پوری کرسکتے ہیں" جنرل بولا۔ "ہم لوگوں کے ناموں پر کھلے ہوئے سب بینک اکاؤنٹ پرسوں بند کردیے گئے تھے۔ ہراسٹیشن بینک سے نکالی ہوئی رقوم سے چلایا جارہا ہے۔"

"ایک ہفتے میں یہ رقوم ختم ہوجائیں گی' پھر کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"بینک اکاؤنٹ بند ہونے کے بعد متبادل نظام پر کام شروع ہوچکا ہے۔ ہم لوگ اپنا آڈٹ کرارہے تھے۔ ایک ایک گولی کا حساب صاف ہے۔ اب ہمیں ایک قومی بینک کی دستخط کی ہوئی چیک بکس ملیں گی۔ ہمیں ان پر صرف رقم اور وصول کنندہ کا نام لکھنا ہوگا۔"

"ان چیکوں کی ادائی کس کھاتے سے ہوگی؟"

"یہ جاننا میرا کام نہیں ہے۔ امکان یہ ہے کہ سیکریٹ فنڈ سے ہماری ضروریات پوری کی جائیں گی۔ فنڈز کے لیے چیک بکس ملتے ہی ہم دوبارہ فعال ہوجائیں گے۔"

"اوہ!" میں نے بے ساختہ کہا "یہ ساری پیچیدگی فنڈز کی فراہمی کے طریقۂ کار میں تبدیلی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ میری دانست میں یہ معاملہ اتنا سنگین نہیں تھا کہ سب کچھ معطل کردیا جاتا۔ برسوں سے چلتا ہوا نظام مزید ایک دو ہفتوں کے لیے جاری رکھا جاسکتا تھا۔ متبادل بندوبست ہوتے ہی اسے ترک کردیا جاتا۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ایس ٹی ایف کے سر پہ کس کا ہاتھ ہے۔ گیری نے بہت سنگین معاملے کی نشاندہی کی تھی۔ وہ خبر سن کر سب ہل کر رہ گئے تھے۔ بات ہم گیارہ افراد تک محدود نہیں تھی۔ فنڈز کی فراہمی کے سلسلے میں ایسے ایسے نام بے نقاب ہوسکتے تھے کہ لوگ اپنے دانتوں میں انگلیاں دے لیتے۔ کوئی بھی آنے اور جانے والی رقوم کا حساب نہیں دے سکتا تھا۔ اس اسکینڈل کے انکشاف سے پورے ملک میں بھونچال آسکتا تھا۔"

"فنڈز اب بھی اسی مقدار میں آئیں گے۔ اس کی ذمے داری کس کے سر ہوگی۔"

"یہ باریکیاں شاید تمہاری سمجھ میں نہ آسکیں" جنرل نے گہری سنجیدگی سے کہا "پہلے یہ کام کسی ضابطے کے بغیر ہورہا تھا۔ لین دین کو کوئی قانونی تحفظ حاصل نہیں تھا۔ سیکرٹ فنڈ کو آئینی تحفظ حاصل ہے۔ وہ صوابدیدی فنڈ ہے جسے بااختیار شخص اپنی مرضی کے مطابق' جہاں چاہے خرچ کرسکتا ہے۔ اس کا آڈٹ ہوتا ہے نہ کوئی باز پرس کی جاسکتی ہے۔"

"یہ محفوظ چینل موجود تھا تو ابتدا سے ہی اسے اختیار کیوں نہیں کیا گیا؟" میرے ذہن میں اس منطقی سوال کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔

"ایس ٹی ایف کو بہت خفیہ رکھا گیا تھا۔ سرکاری اداروں اور محکموں سے الگ تھلگ رکھنے کے لیے اس کا مالی نظام انتہائی غیر روایتی رکھا گیا تھا۔ برسوں بہت سی اہم شخصیات کو یہ علم نہیں ہوسکا کہ ملک میں ایسی کوئی فورس موجود ہے۔ اب بات اس حد تک کھل گئی ہے کہ ہمارے امریکی دوست سب کچھ جان چکے ہیں۔ اس مرحلے پر افراد کو قربانی کا بکرا نہیں بنایا جاسکتا۔ ان کی گردنیں بچانے کے لیے سیکرٹ فنڈ کا سہارا ضروری ہے۔"

"سیکرٹ فنڈ کے استعمال کے بعد یہ بات کہی جاسکے گی کہ حکومت ایس ٹی ایف کی پشت پناہی کررہی ہے" میں نے الجھے الجھے انداز میں کہا۔

"یہ بات تو امریکی کہتے رہتے ہیں۔ ان کا موقف ہوتا ہے کہ سرکاری سرپرستی کے بغیر اتنی بڑی اور منظم فورس پنپ ہی نہیں سکتی۔ اس میں چھٹے ہوئے ریٹائرڈ افسر اور جوان بھرتی کیے جاتے ہیں جن کی کفالت حکومت کرتی ہے۔ اب ان کے اس دعوے میں زیادہ زور پیدا ہوجائے گا۔ اس سے زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔ ہماری اور دوسروں کی گردنیں ضرور بچ جائیں گی۔"

"حیرت ہے کہ ایک طرف وہ یہ زہر اگلتے رہتے ہیں دوسری طرف ان کی حکومت یہ تسلیم کرتی ہے کہ پاکستان میں ایسی کسی فورس کا وجود نہیں ہے۔"

"یہ سیاسی منافقت ہے۔ سرکاری سطح پر وہ ہمارا دعویٰ مانتے ہیں۔ غیر سرکاری طور پر زہر اگلتے رہتے ہیں۔ یہ بلیک میلنگ کے حربے ہیں۔"

"تمہاری ہر بات اپنی جگہ پر درست ہے مگر میرا ذہن یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ نظام کی تبدیلی کے لیے ایس ٹی ایف کا ایکا ایکی گراؤنڈ کیا جانا کیوں ضروری ہوگیا تھا" میں نے لگی لپٹی رکھے بغیر اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

جنرل ہنس پڑا "تمہارے ریکارڈ کی سوئی ابھی تک ایک ہی جگہ پر اٹکی ہوئی ہے۔ میں بتارہا ہوں کہ اس قصے میں ہم گیارہ افراد کے علاوہ بھی کئی بڑے پردہ نشینوں کے نام شامل تھے۔ بینکوں کے کھاتوں کا راز فاش ہوجانے کے بعد وہ ایک لمحے کا بھی رسک لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ میرے فیصلے میں ان لوگوں کی خواہشات کا بڑا دخل تھا۔"

بظاہر جنرل ہی ایس ٹی ایف کا کرتا دھرتا تھا۔ اس کی ہر کارگزاری اور ناکامی کی ذمے داری اسی کے سر آتی تھی لیکن

وہ اس قدر خودمختار نہیں تھا جتنا نظر آتا تھا۔ ڈسپلن کے تقاضوں کے تحت وہ بھی کسی نہ کسی کو جواب دہ تھا۔

اس کے کہے ہوئے آخری فقروں میں اس کی مجبوری کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ اپنا بھرم رکھنے کے لیے وہ ساری ذمے داری اپنے سر لے رہا تھا لیکن حقیقت کچھ اور تھی۔ اوپر والے اپنی مصلحتوں کو خود ہی جانتے تھے۔ یہ ان کی خواہش تھی کہ ایس ٹی ایف کو پرانے نظام کے تحت فنڈز کی فراہمی فوری طور پر روک دی جائے اور جنرل دستیاب وسائل کے سہارے زیادہ سے زیادہ دنوں تک اپنا کاروبار چلاتا رہے تاکہ اس دوران میں ادائیگیوں کا کوئی بہتر متبادل نظام وضع کیا جا سکے۔

وہ بات سمجھ لینے کے بعد جنرل سے بحث میں الجھنا بے سود تھا۔ وہ دوسروں کے کیے ہوئے فیصلے کا بھرپور دفاع کرنے پر مجبور تھا۔

میرے لیے خوشی کی بات یہ تھی کہ جو کچھ ہوا تھا، وہ کسی بڑی بربادی کا نکتۂ آغاز نہیں تھا۔ ایس ٹی ایف کی سرگرمیوں کا تعطل ایک عارضی اقدام تھا۔ کسی بڑی بربادی اور ناکامی سے بچنے کے لیے وہ عارضی پسپائی بہتر تھی۔ آنے والے چند دنوں میں اس کی سرگرمیاں پہلے کی طرح بحال ہونے والی تھیں۔

''میرے ریکارڈ کی سوئی کو تم نے ایک مقام پر اٹکایا ہوا تھا'' میں نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ آخری جھٹکے سے یہ آگے چل پڑی ہے۔ گیری کو ایس ٹی ایف کے عارضی تعطل کا علم ہوگا تو وہ شیر ہو جائے گا۔''

''اسے ہوا بھی نہیں لگ سکے گی کہ ایسا کوئی قدم اٹھایا گیا ہے۔ تم ہماری صفوں کے آدمی ہو۔ اگر تم نے بھی کل سنیل کو اسٹیشن فور لانے کی کوشش نہ کی ہوتی تو تمہیں اپنا پاس ورڈ بتانے کے بعد یہ تفصیل معلوم نہ ہوتی۔ دو چار دنوں تک تم الجھے رہتے۔ اس دوران میں سب نارمل ہو جاتا'' جنرل نے چائے کی پیالی خالی کر کے اطمینان سے جواب دیا ''تم اس گمان میں رہتے کہ ہم سب کسی خاص مشن پر کہیں مصروف ہو گئے تھے۔''

''یعنی مجھے اعتماد میں نہیں لیا جاتا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''میں غیرضروری سنسنی خیزی سے گریز کرتا ہوں۔ ازخود تمہیں کچھ بتایا جاتا نہ تم سے کوئی بات چھپانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہماری اس ملاقات کے دو مقاصد تھے۔ تم سے ذاتی تعارف حاصل کرنا اور گیری کے حوالے سے کھل کر بات کرنا۔ جنرل گہری سنجیدگی سے کہہ رہا تھا'' دونوں کام ہو چکے ہیں۔ میں نے بعض ایسی باتیں بھی بتا ڈالی ہیں جو ابھی تک اول خان کے علم میں بھی نہیں تھیں۔ اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ میرے دل میں تمہاری کتنی وقعت ہے۔''

''تم کو معلوم ہے کہ آج کل گیری اور کرنل داور میں گاڑھی چھن رہی ہے'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''میرا موبائل فون نمبر اس کے پاس ہے۔ اگر اس نے حالات نارمل ہونے سے پہلے مجھ سے رابطہ کر کے کچھ کریدنے کی کوشش کی تو میرا ردِعمل کیا ہونا چاہیے؟''

''کم آن ڈینی! اب کھیلنے کی کوشش نہ کرو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اسے کیسے ٹالا جا سکتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اپنے دشمنوں کو بہت فراخ دلی سے اپنا موبائل فون نمبر دینا شروع کر دیا ہے۔''

''میں نے اپنی ضرورت کے تحت صرف تین حریفوں کو یہ نمبر دیا ہے'' میں نے بھرپور اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔ گیری، سوبھراج اور شیبا۔ موبائل اول خان کے نام پر ہے۔ ان میں سے کوئی بھی نمبر کے سہارے مجھ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے فائدے ہم سب کے سامنے ہیں۔ شیبا نے میرے موبائل پر مخبری کر کے سنیل کو پکڑوا دیا۔ سوبھراج کے ذریعے مجھے جلال کے مشن کی ناکامی کی خبر قبل از وقت مل گئی۔ گیری، کرنل داور کو اپنا نرم چارہ سمجھ کر گا ہے گا ہے اپنے دل کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ میرے فیصلے بہت سوچے سمجھے ہوتے ہیں۔ اندھیرے میں ہاتھ پیر مارنے سے بہتر ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنے دشمنوں سے بھی رابطہ استوار رکھا جائے۔''

''مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ آئی بی والوں نے رات گئے، سوبھراج کی تلاش میں مدن لال نامی ایک مقامی کے گھر پر چھاپا مارا تھا لیکن وہ مکھن میں سے بال کی طرح صاف بچ کر نکل گیا۔ وہ کیا قصہ تھا؟'' سوبھراج کا نام آتے ہی جنرل متجسس ہو گیا۔

''اسٹیشن فور سے کورا جواب ملنے کے بعد میرے پاس آئی بی والوں کے سوا کوئی متبادل نہیں رہا تھا۔ میں نے سنیل کو ان کے حوالے کر دیا۔''

''ابھی تم نے شیبا کی مخبری کا حوالہ دیا تھا'' اول خان نے کہا ''کیا سنیل کو اسی نے تمہارے ہاتھوں پکڑوایا تھا۔''

ان دونوں کے لیے وہ نئی کہانی تھی۔ اول خان سے میرا رابطہ ٹوٹا ہوا تھا۔ میں نے اختصار کے ساتھ انہیں پورے واقعات سے آگاہ کر دیا۔ آئی بی والوں کے طریقۂ کار اور اس کے نتیجے میں اپنی طبیعت کی بدمزگی کا تذکرہ میں نے دانستہ حذف کر دیا۔

''کاش وہ خبیث نکلنے میں کامیاب نہ ہوا ہوتا!'' جنرل نے حسرت سے کہا ''آئی بی والے اسے پکڑنے میں کامیاب ہو جاتے تو یہ سہرا بھی تمہارے سر رہتا کیونکہ سوبھراج کے دست راست کو بے دست و پا کر کے تم نے ان کے حوالے کیا تھا۔''

''میں کام پر یقین رکھتا ہوں۔ مجھے سہروں کی کبھی پروا نہیں رہی۔''

''مجھے معلوم ہے'' جنرل ہنستے ہوئے بولا ''مجھے بتایا گیا تھا کہ مکاؤ میں تمہاری شادی خوف اور افراتفری کے عالم میں ہوئی تھی۔ کسی مافیا کے ڈان نے چین سے اغوا کیے ہوئے مولوی سے تمہارا نکاح پڑھوایا تھا۔ اس وقت بھی تم سہرے سے محروم رہے ہو گے۔''

''وہ واقعی ایک عجیب تجربہ تھا'' ماضی کی وہ یاد تازہ ہونے پر میں ایک جھرجھری لے کر رہ گیا ''یہ غنیمت تھا' ڈان کوانگ فو نے میرا نکاح غزالہ سے پڑھوایا۔ وہ چاہتا تو اپنے قیدی کو کسی بدصورت لٹیری کے پلے بھی باندھ سکتا تھا۔ تمہیں وہ باتیں کس نے بتائیں؟''

''پاکستان کے لیے قابلِ رشک کارنامے سرانجام دینے کے بعد اب تمہارا کچھ بھی اپنا نہیں رہا۔ ان دنوں میں حاضر سروس میں تھا۔ میس میں اکثر تمہاری ذات موضوعِ سخن بنی رہتی تھی۔ وہیں تمہارا ماضی بھی زیرِ بحث آتا تھا۔ تم نے یہاں جمی لائیڈ سے بروقت بغاوت کر کے اس کے قدم نہ اکھاڑے ہوتے تو آج یہاں کولمبیا سے زیادہ برے حالات ہو سکتے تھے۔''

''سوبھراج نے رات کا بقیہ حصہ کنکریٹ کے پائپ میں بسر کیا ہو گا'' اول خان نے پرخیال انداز میں رائے زنی کی ''یہ شخص شہر میں غنڈا راج کی سب سے بڑی علامت بن کر ابھرا ہے۔ اب اس کا آخری وقت قریب نظر آ رہا ہے۔''

''نام اور روپ بدلتے رہتے ہیں' شیطانی حرکتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں'' میں نے اس کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ''سوبھراج اپنے کیفر کردار کو پہنچے گا تو کوئی نیا نام اس کی جگہ سنبھال لے گا۔ نیکی اور بدی کی یہ جنگ ازل سے جاری ہے اور ابد تک چلتی رہے گی۔ جس روز دنیا سے بدی کا نام و نشان مٹ گیا' اچھائیوں کی پہچان ختم ہو جائے گی۔''

''تم بہت دلچسپ آدمی ہو'' جنرل کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی ''کبھی نثر میں شاعرانہ الفاظ استعمال کرتے ہو اور کبھی خشک فلسفہ بگھارنے لگتے ہو۔ تمہارے ذہن میں خیالات بہت روانی سے آتے ہیں اور تمہاری زبان سے بہتے چلے جاتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ میں بے سروپا باتیں نہیں کرتا' ہمیشہ محتاط رہتا ہوں۔''

''یہی تو کمال کی بات ہے۔ روانی سے بولتے رہنے کے باوجود تم کہیں نہیں بھٹکتے۔ تمہاری کہی ہوئی باتیں مربوط اور خیال انگیز ہوتی ہیں۔ زیادہ بولنے والوں کی گفتگو میں یہ خوبی شاذونادر ہی مشاہدے میں آتی ہے۔''

''ایس ٹی ایف کے تعطل کا دور کب تک ختم ہونے کی توقع ہے؟ اس صورتِ احوال سے مجھے سخت گھٹن ہو رہی ہے'' میں نے اس کے توصیفی الفاظ کو نظرانداز کر کے سوال کیا۔

''ہم دونوں پچھلی رقوم کا حساب کتاب دے کر فارغ ہو چکے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دو تین روز میں چیک بکس مل جائیں گی اور سارا کاروبار چل پڑے گا۔ مجھے کچھ شبہ سا ہو رہا ہے کہ سنیل والے معاملے میں تمہیں آئی بی والوں کے ساتھ کام کر کے خوشی نہیں ہوئی۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے'' میں نے بلاتوقف اس کی تردید ضروری سمجھی ''ان کا ایک لگا بندھا طریقۂ کار ہے۔ میرا ان کے ساتھ چلنا مناسب نہ ہوتا۔ میں نے سنیل کو ان کے سپرد کیا اور لوٹ آیا۔ خوشی یا ناخوشی کا سوال اس وقت پیدا ہوتا جب میں ان کے ساتھ رہنے پر اصرار کرتا۔ مجھے ایسی کوئی خواہش نہیں تھی۔''

جنرل ذہین آدمی تھا' بھانپ گیا کہ میں اس موضوع پر متنازع باتوں سے گریزاں تھا۔ اس نے فوری طور پر موضوع بدل دیا ''تمہارا شہر خوب صورت ہے۔ کام سے فارغ ہونے کے بعد اب میں دیکھوں گا کہ یہاں رات گئے تک لوگ سڑکوں پر کیوں نظر آتے ہیں۔''

''دھماکے کے بعد تمہیں محتاط رہنا چاہئے۔ شہرنوردی بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔''

''تمہارے ہمدردانہ مشورے کا شکریہ مگر ایک مسلمان اور پھر سپاہی کی حیثیت سے میرا ایمان ہے کہ جب تک میرا وقت پورا نہیں ہو گا' دشمن میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ وقت آ گیا تو چلتے پھرتے کوئی ہارٹ اٹیک ہو گا اور قصہ ختم!''

''میں نے سب کچھ سن لیا اور مان بھی لیا مگر ایک بات میرے ذہن میں کھٹک رہی ہے۔ دارالحکومت اسلام آباد ہے۔ سارے بڑے اور اہم ملکی معاملات وہیں طے ہوتے ہیں۔ تمہارا ہیڈکوارٹر بھی وہیں ہے پھر تبدیلیوں کے انتظار میں تم کراچی میں کیوں بیٹھے ہوئے ہو۔ اصولی طور پر یہ سارے معاملات اسلام آباد ہی میں طے ہو جانے چاہیے تھے۔''

''میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم نے اس اہم نکتے کو کیوں فراموش کیا ہوا ہے'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔
''یہ بات شروع سے مجھے پریشان کررہی تھی'' میں نے کہا۔
''اسلام آباد مرکزی شہر ہے۔ وہاں ذرا ذرا سی بات پر نظر رکھی جاتی ہے۔ ایس ٹی ایف کو وہاں کے سرکاری حلقوں سے دور رکھنے کے لیے کراچی میں مرکزی وزارت خزانہ کا ایک خاص ونگ قائم کیا گیا ہے۔ وہ لوگ تبدیلیوں پر کام کررہے ہیں۔ ایک بار سب کچھ طے ہوگیا تو پھر ہمارا ان سے اس حد تک رابطہ رہ جائے گا کہ استعمال ہونے والی چیک بکس کے کاؤنٹر فائل انہیں لوٹا کر نئی چیک بکس لیتے رہیں۔''
میں نے وہاں کافی وقت گزار لیا تھا۔ میری بعض سنگین الجھنیں دور ہوچکی تھیں۔ اس دوران میں کاروں کی تباہی کا خوفناک واقعہ بھی رونما ہوچکا تھا۔ آدم کے ذریعے اس تباہ کن دھماکے کا سبب سامنے آگیا تھا لیکن مجھے اندازہ تھا کہ جلی ہوئی گاڑیوں کا ملبہ ٹھنڈا ہونے پر وہ لوگ بہت احتیاط اور باریک بینی سے باقیات کا جائزہ لے کر اپنی آزادانہ رائے قائم کرنے کی کوشش کریں گے جس کے لیے وقت درکار تھا۔ میری موجودگی میں وہ اپنی کارروائی کا آغاز نہیں کرسکتے تھے۔ میں نے ان کے سروں پر مسلّط رہنے کے بجائے وہاں سے اٹھنا چاہا لیکن جنرل نے اصرار کرکے مجھے روک لیا۔ وہ اس پہلی ملاقات میں میرے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کا خواہاں نظر آرہا تھا۔
آخرکار گیارہ بجے میں ان سے روانگی کی اجازت لینے میں کامیاب ہوگیا۔ وہاں ہونے والے دھماکے میں میری گاڑی بھی تباہ ہوچکی تھی۔ برآمدے میں نکلنے کے بعد اول خان کو احساس ہوا کہ وہاں میری واپسی کے لیے کوئی گاڑی موجود نہیں تھی۔ اول خان کی سرکاری لینڈ کروزر بھی دھماکے کی خوراک بن چکی تھی مگر اس کی ذاتی گاڑی اسٹیشن فور کے کسی دور افتادہ مقام پر محفوظ حالت میں موجود تھی۔
اس نے آدم کے ذریعے فون پر اپنے کسی آدمی کو پیغام بھجوایا۔ ہمیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ایک شخص اول خان کی گاڑی لے کر چند منٹ میں وہاں آگیا۔
جلتی ہوئی گاڑیوں کے شعلے دم توڑ چکے تھے لیکن ہوا کے جھونکوں کے ساتھ ملبے میں چنگاریاں دہک رہی تھیں۔ جن سے کثیف دھواں فضا میں پھیل رہا تھا۔ اس دھوئیں میں تاروں اور گاڑیوں کے مختلف حصوں میں لگی ہوئی پلاسٹک کی اشیا جلنے کی بہت تیز اور ناگوار بو رچی ہوئی تھی۔ آثار بتا رہے تھے کہ پانی کے وافر استعمال کے بغیر وہ ملبہ شام سے پہلے ٹھنڈا نہیں ہوسکے گا۔
اول خان خود بھی گاڑی سے محروم ہوچکا تھا۔ جنرل کی کار دھماکے کا براہِ راست نشانہ بنی تھی۔ ان دشواریوں کا احساس کرتے ہوئے میں نے اوّل خان کی گاڑی لے جانے سے لاکھ انکار کیا لیکن وہ نہ مانا۔ میری گاڑی اسٹیشن فور کی حدود میں تباہ ہوئی تھی۔ وہ اس نقصان کی اخلاقی ذمے داری کے بوجھ تلے دبا جارہا تھا۔ اس نے اپنی ذاتی گاڑی کی چابی زبردستی میرے حوالے کردی۔
میں وہاں سے واپس روانہ ہوا تو اندر سے میرا دل اداس تھا۔ اسٹیشن فور کی حدود میں ہر طرف سناٹے اور ویرانی کا راج تھا۔ عملے کو وہاں محدود ضرور کیا گیا تھا لیکن ان لوگوں کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی تھی۔ پھر بھی سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں سمٹے ہوئے تھے۔
وہ لوگ میدان میں مردانہ وار زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ دشمن کے سامنے سینہ سپر ہوکر اس کا سر کچلنے کے سارے حربی طریقوں کے تربیت یافتہ تھے۔ میدان سے سب کی واپسی اور پھر تعطل نے ایس ٹی ایف کے سارے عملے کو شدید مایوسی میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ رہی سہی کسر راکٹ کے اس خوفناک دھماکے نے پوری کردی تھی جس کے نتیجے میں، دیکھتے ہی دیکھتے چار قیمتی گاڑیاں شعلوں کی لپیٹ میں آگئی تھیں۔
اداسی اور بددلی کی اس مایوس کن فضا کو اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ پر الوداع کہہ کر میں نے گاڑی سڑک پر ڈالی اور تیزی سے واپس روانہ ہوگیا۔
وہاں سے لوٹتے ہوئے میرے لیے صرف ایک خیال طمانیت کا باعث تھا کہ اس تاریک سرنگ کے آخری سرے پر امید کی روشنی نظر آرہی تھی۔ آنے والے چند دنوں میں ایس ٹی ایف کی مکمل بحالی ہونے والی تھی۔

☆☆☆

''ہمارا ایک چھت کے نیچے رہنے کا کیا فائدہ ہے!'' گھر پہنچتے ہی ویرا میرے اوپر پھٹ پڑی ''ہمیں یوں اجنبیوں کی طرح رہنا ہے تو ہم الگ الگ بھی رہ سکتے ہیں۔''
میرے لیے اس کے وہ تیور غیر متوقع تھے۔ میں کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سلطان شاہ کا منہ تکنے لگا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ اس نے میرے خلاف ویرا کے کان بھرے ہوں گے۔
''تم ان بے سروپا باتوں پر دھیان نہ دو!'' سلطان شاہ نے بے پروایانہ انداز میں مجھے دلاسا دیا۔ ''ہم ایک چھت کے نیچے بھی الگ الگ رہتے ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کی گود

میں نہیں چڑھا رہتا۔ ہر ایک کو سونے کے لیے الگ کمرا میسر ہے۔ تمہاری اور غزالہ کی بات الگ ہے۔ میاں بیوی زیادہ دیر تک الگ الگ رہیں تو تشویش ہونے......''

''تم اپنی زبان بند رکھو!'' ویرا نے بات کاٹ کر اسے ڈانٹ دیا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کی باتیں تلخ تھیں لیکن لہجہ دھیما ہی تھا۔ سلطان شاہ کو چپ کرانے کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوگئی۔ ''میں پوچھ رہی ہوں کہ تم نے کیا چکر چلایا ہوا ہے؟''

''پتا نہیں تم کس چکر کے چکر میں ہو'' میں نے اطمینان سے ایک نشست سنبھالتے ہوئے کہا ''اگر اول خان سے میری ملاقات کو تم چکر سمجھ رہی ہو تو اس بارے میں شام ہی کو سب کو معلوم ہوگیا تھا۔ میں صبح سویرے تمہیں نہیں اٹھا سکتا تھا۔ تم گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی تھیں۔''

''تم گرامر کی غلطی کر رہے ہو'' سلطان شاہ نے اسی لمحے مجھے ٹوک دیا ''مرد گدھے گھوڑے بیچ کر سوتے ہیں۔ قواعد کی رو سے عورتوں کو گدھیاں اور گھوڑیاں بیچ کر سونا چاہیے......''

''قواعد کے بچے! تم خاموش نہیں رہو گے؟'' ویرا نے اسے گھور کر کہا۔

''میں تم سے نہیں، ڈینی سے بات کر رہا تھا'' سلطان شاہ نے معصومانہ سنجیدگی سے کہا ''تم کو سات خون معاف ہیں لیکن ڈینی پاکستانی ہے۔ میں اسے مادر پدر آزاد اردو بولنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

''ذرا سی دیر کے لیے تم خاموش رہو'' میں نے ہاتھ اٹھا کر سلطان شاہ سے کہا۔ میں نے ویرا کے تیور خراب ہوتے دیکھ لیے تھے۔ میں ان دونوں کے درمیان مداخلت نہ کرتا تو ان کے درمیان باقاعدہ جھڑپ کا آغاز ہو سکتا تھا۔

میری ہدایت پر سلطان شاہ نے سختی سے اپنے دونوں ہونٹ بھینچ کر سعادت مندانہ انداز میں اپنا سر جھکا لیا۔ میں نے اپنی بے ساختہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے ویرا سے پوچھا ''ہاں تم چھت کے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں؟''

''رات کو فون پر تم نے سوبھراج اور جلال سے بات کی تھی؟''

''یکے بعد دیگرے ان دونوں کے فون آئے تھے۔ یہ رات کی نہیں، صبح سویرے کی بات ہے۔ اس وقت میں گہری نیند سویا ہوا تھا۔''

''ان دونوں سے تمہاری کیا بات ہوئی تھی؟'' ویرا نے اگلا سوال داغ دیا۔

''میں بتا چکی ہوں کہ سوبھراج نے اپنے فرار کی خبر دی تھی۔ بعد میں جلال نے اس کی تائید کر دی'' مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی۔

''گویا تم ان دونوں کے آقا ہو۔ انہوں نے اتنی سی بات بتانے کے لیے تمہاری نیند خراب کی تھی!'' ویرا نے جلے کٹے لہجے میں کہا ''ان ادھوری باتوں سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ غزالہ سے پوچھو تو اسے کچھ ہوش ہی نہیں ہوتا۔ اس نے دونوں فون کالز کو ایک چھوٹے سے جملے میں نمٹا دیا۔ آگے پیچھے کی باتیں اسے نہیں معلوم۔ سیدھا سا جواب مل جاتا ہے کہ تم آؤ گے تو تفصیل بتا دو گے۔ اندر سے جل جل کر میرا خون سیاہ ہوگیا ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہو'' سلطان شاہ نے سر ہلا کر طنز سے کہا۔ ''یہ سیاہی تمہارے گلابی شہابی چہرے سے بھی جھلک رہی ہے۔''

''اتنی سی بات پر تم کیوں کڑھ رہی ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ غزالہ ان باتوں میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتی۔ سلطان شاہ کو بھی زیادہ تفصیل نہیں معلوم لیکن یہ ہشاش بشاش ہے۔ تمہاری طرح جل بھن نہیں رہا۔'' میں نے نرمی سے اسے سمجھایا ''غزالہ زیادہ قصوروار نہیں ہے۔ وہ گہری نیند سے اٹھی تھی' اس نے صرف میرے مکالمے سنے ہوں گے۔ اسے کیا پتا کہ دوسری طرف سے کیا کہا جا رہا تھا۔ اس نے وہ خلاصہ سنا دیا جو میں نے اسے بتایا تھا۔''

''یہ بات غزالہ بھی اسی پیرائے میں بتا سکتی تھی'' ویرا نے شکوہ کیا۔ ''لیکن یہ میرے سوالوں پر یوں چڑ رہی تھی جیسے جانتے ہوئے بھی مجھے کچھ نہ بتانا چاہ رہی ہو۔''

''یہ تمہارا قصور ہے۔ بعض اوقات تم اس طرح دوسروں کے سر پر سوار ہونے کی کوشش کرتی ہو کہ اچھے خاصے آدمی کو تمہارے اوپر تاؤ آنے لگتا ہے۔ اگر کراچی یونیورسٹی نے کبھی چڑانے کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے اجرا کی منظوری دی تو اس کی سب سے پہلی حق دار تم ہوگی۔ تمہیں اپنے رویوں پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔''

''مانے لیتی ہوں کہ غزالہ کے ساتھ میرا رویہ درست نہیں رہا ہوگا لیکن تمہارے ساتھ میں نے کون سی بدسلوکی کی ہے جو تم اتنی دیر سے مجھے ٹال رہے ہو'' اس بار ویرا نے اپنے لب و لہجے پر قابو رکھنے کی شعوری کوشش کی تھی۔

''اس سے بڑی بدسلوکی کیا ہوگی کہ تم نے ڈینی سے تجریدی انداز میں بات شروع کی تھی۔'' سلطان شاہ ایک مرتبہ پھر بول پڑا ''چھت' اجنبی' الگ الگ' چکر...... یہ سب بے سروپا باتیں تھیں۔ تمہیں براہ راست پوچھنا چاہیے تھا کہ سوبھراج کیا بک رہا تھا اور جلال نے کیا فرمایا تھا۔ تمہیں

جواب مل جاتا۔''

''تم بہت آسانی سے مشتعل ہوجاتی ہو۔ سلطان شاہ تمہاری اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ سلسلہ دراز ہوجاتا ہے'' میں نے کہا۔

''دوسروں کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ یہ ایسے لٹھ مار انداز میں بات کرتا ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی میری کھوپڑی سنک جاتی ہے'' ویرا نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

''میں خان زادہ ہوں'' سلطان شاہ اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا ''میں کھیسیں نکال کر عورتوں کی خوشامد نہیں کرسکتا۔''

''دیکھو! یہ مجھ سے ایسی بکواس کرتا رہتا ہے'' ویرا نے مجھ سے شکایت کی۔

''تم لوگ مل کر مجھے پریشان کردیتے ہو۔ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ آج اول خان کے دفتر کے سامنے ایک راکٹ گرا ہے جس نے میری گاڑی سمیت چار گاڑیاں جلا ڈالیں'' میں نے ان کی زبانیں بند کروانے کے لیے اکتائے ہوئے انداز میں وہ خبر سنادی۔

''یہ کیسے ہوا؟''

''یہ واردات کس کی جانب سے کی گئی ہے؟''

''پھر آپ یہاں تک کیسے آئے ہیں؟''

وہ خبر سن کر ان تینوں کے اوسان خطا ہوگئے۔ ان کے بے ساختہ سوالوں پر میں افسردگی سے مسکرا کر رہ گیا۔

چند ثانیوں بعد میں نے انہیں اسٹیشن فور کی روداد سنادی جس میں سوبھراج اور جلال کا ذکر بھی شامل تھا۔ وہ تینوں حیرت اور بے یقینی سے منہ پھاڑے وہ تفصیل سن رہے تھے۔

''اس وقت میدان میں صرف دو حریف ہمارے سامنے ہیں'' میرے خاموش ہوتے ہی ویرا نے اپنی عادت کے مطابق تجزیہ نگاری شروع کردی ''سوبھراج پہلا اور پکا دشمن ہے لیکن وہ ہر طرف سے اپنی چمڑی بچانے کے چکروں میں الجھا ہوا ہے۔ اپنے بچاؤ کی فکر میں وہ کسی جوابی وار کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ صبح سویرے وہ مدن لال کے گھر سے بھاگ کر کنکریٹ کے پائپ میں گھسا ہوا تھا۔ اس کے پاس حملے کے لیے وقت تھا اور نہ وسائل یہ کام صرف اور صرف گیری کا ہوسکتا ہے۔ اس وقت وہ لوگ ہاتھ دھو کر ایس ٹی ایف کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے منتخب کیے ہوئے وقت پر جنرل کی گاڑی کو نشانہ بنایا ہے۔''

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فوجی چوکیوں پر کڑی دیکھ بھال کے باوجود کوئی شخص میزائل اور لانچر سمیت چھاؤنی کی حدود میں کیسے داخل ہوا؟'' غزالہ بولی۔

''کوئی حادثہ ہوتا ہے تو چند روز کے لیے کڑی جانچ پڑتال شروع ہوجاتی ہے جو رفتہ رفتہ معمول کی سرسری دیکھ بھال تک محدود رہ جاتی ہے'' میں نے جواب دیا ''یہ میری سنی سنائی نہیں' ذاتی تجربے کی بات ہے۔ چوکیوں کے گارڈز ہم جیسے انسان ہوتے ہیں۔ مسلسل ایک جیسا کام کرتے کرتے اکتا جاتے ہیں۔ گاڑیوں پر اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر راستہ دے دیتے ہیں۔ کسی پر شبہ ہوجائے تو اسے تفصیلی تلاشی کے لیے روک لیتے ہیں۔''

''گیری کو کیسے پتا چل گیا کہ جنرل اسٹیشن فور میں موجود ہے؟'' ویرا نے پوچھا۔

''حیرت ہے کہ تم میرے تازہ ترین تجربات کو بھول رہی ہو۔ گیری نے میری گاڑی میں چپ ڈال کر اپنے آدمی میری راہ پر لگادیے تھے۔ یہی کچھ جنرل کے ساتھ ہوا ہوگا۔ جس چپ سے گاڑی کی پوزیشن کی نشان دہی ہورہی تھی اسی سے راکٹ کی رہنمائی کی گئی۔''

''تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟'' سلطان شاہ کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں ابھر آئی تھیں۔ سنجیدہ باتیں شروع ہوتے ہی وہ ویرا کو بھلا بیٹھا تھا۔

''جنرل سے میری ملاقات کا وقت نو بجے کا تھا لیکن وہ آٹھ بجے اسٹیشن فور میں پہنچا ہوا تھا۔ دھماکا ساڑھے نو بجے کے لگ بھگ ہوا۔ اس ڈیڑھ گھنٹے کے وقفے میں ان کا کوئی آدمی اطمینان سے وہاں پہنچ کر راکٹ فائر کرسکتا تھا۔''

''اس دھماکے کے نتیجے میں پوری چھاؤنی میں ہلچل مچ گئی ہوگی۔'' غزالہ نے پھریری لے کر کہا۔

''ایس ٹی ایف والوں میں بے چینی کی لہر دوڑی تھی۔ دوسروں نے اس دھماکے پر دھیان بھی نہیں دیا ہوگا۔ وہ چھاؤنی کا علاقہ ہے۔ وہاں فائرنگ اور ہلکی گولا باری کی آوازیں معمولات میں شامل ہیں۔ دن میں چاند ماری کی مشقیں ہوتی رہتی ہیں۔'' میں نے بتایا۔

''یہ تصدیق ضروری ہے کہ جنرل کی گاڑی پر ایف بی آئی کی طرف سے حملہ ہوا ہے۔'' ویرا بڑبڑائی۔

''واقعات کھلی نشان دہی کررہے ہیں۔ مزید تصدیق ہو بھی گئی تو ہم کیا کرلیں گے!'' میں نے کہا۔

''وہ خود چھیڑ چھاڑ پر اتر آئے ہیں تو انہیں منہ توڑ جواب دینا ضروری ہوگیا ہے۔ احتیاط کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان سے دست بستہ مار کھاتے رہیں۔''

''اس بارے میں جنرل یا اول خان نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا!'' میں نے دل ہی دل میں ویرا کے اٹھائے

ہوئے نکتے کو سراہتے ہوئے اپنی تشویش ظاہر کی۔
''ان کے گھر میں ڈاکا پڑا ہے۔ ان کے اوسان ٹھکانے پر نہیں رہے ہوں گے۔ تمہارے آجانے کے بعد انہوں نے اس حملے پر کھل کر بات کی ہوگی۔''
''چاہو تو تم کھوج لگا سکتے ہو۔'' سلطان شاہ بولا ''ڈینی بن کر تم نے سوبھراج سے دوستی گانٹھی ہوئی ہے۔ کرنل داور کے روپ میں تم گیری کے دوست ہو۔ اسے ایک فون کیوں نہیں کر لیتے۔ اس سے تمہارا رابطہ ٹوٹے دو دن ہو رہے ہیں۔''
گیری ہارٹ کے ایما پر اس سے میری آخری ملاقات اولڈ کلفٹن پر ہوئی تھی جہاں اس نے میری گاڑی میں بیٹھ کر ایس ٹی ایف کے خلاف اس قدر زہر اگلا تھا کہ اس کی معلومات سے خوف زدہ ہو کر مقتدر قوتوں نے فوری طور پر اس فورس کی ساری سرگرمیاں معطل کرنے کا بڑا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسی دوران میں گیری نے کمینگی اور اپنی دانست میں چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری گاڑی میں ایک چپ ڈال دیا تھا جس کی مدد سے شام کو دو امریکی ہمارے رہائشی علاقے میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔
سلطان شاہ نے اتفاق سے انہیں نہ دیکھ لیا ہوتا تو ہمارے لیے وہ رات بہت بھاری ہو سکتی تھی۔ گھر سے فرار کے بعد جب ہم چپ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تو گیری کی بدنیتی کھل کر سامنے آ گئی۔
ایک طرف وہ ایس ٹی ایف کے خلاف زہر فشانی کر رہا تھا دوسری طرف میرے خلاف اپنے مذموم عزائم کو پروان چڑھا رہا تھا۔
اگلے روز میں امریکی قونصل خانے میں اپنی شکایت لے کر اس سے ملا تھا اور وہ ہماری آخری ملاقات تھی۔
مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ نک ہاروے کی موت ان کے لیے ایک گہرا گھاؤ ثابت ہوئی تھی۔ اسے اس کے گھر میں گھس کر مارا گیا تھا۔ قاتل رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ ان کے تمام دعوؤں کے برعکس، سوبھراج نے اخبارات سے رابطہ کر کے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ نک کو اس نے مروایا تھا۔ سوبھراج ان کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے عین مطابق ہم لوگوں سے نک کے خون کا بدلہ لینے پر تل گئے تھے۔
گیری کی ساری حرکتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پاکستان میں جلد از جلد کوئی بڑی کامیابی حاصل کر کے نک کی موت کے نفسیاتی اثرات کا ازالہ کرنا چاہ رہا تھا۔
میں نے اپنے ذہن میں ماضی قریب کے ان واقعات کا اعادہ کیا اور پھر گیری سے گفتگو کا ایک اجمالی خاکہ ترتیب دے ڈالا جس کی روشنی میں اس کا ذہن پڑھنے میں خاصی مدد مل سکتی تھی۔
''سوچ کیا رہے ہو۔ اس وقت سلطان شاہ کی نکمی کھوپڑی میں کام کی بات آئی ہے۔ اس پر اسی وقت عمل کر ڈالو!'' ویرا نے مجھے خاموش پا کر کہا۔
''اب اسے ہرگز فون نہ کرنا۔'' سلطان شاہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر اتنی برجستگی سے کہا کہ میں حیران ہو کر اس کا منہ تکنے لگا۔
''عورت کسی بات کی تائید کرے تو سمجھ لو کہ وہ بات بالکل غلط ہے۔'' سلطان شاہ نے اپنی بات جاری رکھی ''اس کے خلاف عمل کرنے میں فائدہ حاصل ہوگا۔''
''یہ اوندھا سبق تم نے کہاں سے سیکھ لیا؟'' غزالہ نے ترشی سے پوچھا۔
''یہ سبق میں نے تجربوں سے سیکھا ہے۔ تم خاموش بیٹھی رہو۔ تمہارا کوئی ذکر نہیں ہے۔ میں دوسری قسم کی عورتوں کی بات کر رہا تھا۔''
''کیا مطلب ہے تمہارا دوسری قسم سے؟'' ویرا آنکھیں نکال کر بولی ''کیا میں کوئی گئی گزری عورت ہوں جو تم میرے بارے میں یہ ہذیان بک رہے ہو؟''
''ابھی تم کہاں گزری ہو، زندہ ہو اور بول رہی ہو۔ یقین کرو کہ تم گزر گئیں تو میں تیسرے ہی دن سے تمہاری قبر پر چراغ جلا کر قوالی شروع کرا دوں گا۔ تمہارے گزر جانے سے بہت سے لوگوں کو فیض حاصل ہوگا......''
''شٹ اَپ!'' سلطان شاہ کی زبان جس روانی سے چل پڑی تھی اس میں لکنت کے کوئی آثار نہ پا کر مجھے اسے پھٹکارنا پڑ گیا ''تمہیں ذرا سا خیال نہیں رہتا کہ کب کیا بات ہو رہی ہے۔ ہر وقت اپنی خرمستیوں میں لگے رہتے ہو۔''
''یہ ہے تمہاری اوقات!'' ویرا نے خوش ہو کر اس پر طنز کیا ''صحیح خوراک مل گئی۔ اب کئی گھنٹوں کے لیے راہِ راست پر رہو گے!''
''تم بھی ہوش میں رہو!'' دونوں کے درمیان توازن برقرار رکھنے کے لیے میں نے ویرا کو بھی جھاڑ دیا ''تم بلاوجہ اس کے منہ کیوں لگتی ہو۔''
''میں اس جھاڑ کے کانٹے کے منہ نہیں لگتی۔ تم خاموش بیٹھے سوچے جا رہے تھے۔ بس میرا ایک مشورہ دینا قیامت ہو گیا اور اس کی زبان چل پڑی۔''
''گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں!''

سلطان شاہ نے چھت کی طرف منہ اٹھا کر وہ مصرع پڑھا پھر غزالہ سے بولا ''سیاہ خون والی گلابی عورت کو اس مصرع کا مفہوم سمجھا دینا۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' اپنی بات پوری کرتا ہوا وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا۔

''خس کم جہاں پاک!'' اس کے جانے کے بعد ویرا... بڑبڑائی۔

''اب اس کے بارے میں ایک لفظ نہ کہنا۔'' میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے کہا ''خود فساد کی داغ بیل ڈالتی ہو پھر شور مچاتی ہو کہ وہ زیادتی کر رہا ہے۔''

''اس وقت میں نے کیا کیا تھا۔ وہ بلاوجہ مجھ سے الجھا تھا۔''

''اتنی دیدہ دلیری اچھی نہیں ہوتی۔ نکمی کھوپڑی کہہ کر تم نے پہل کی تھی۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا اور وہ لاجواب ہو کر خاموش ہوگئی۔

میں گیری سے بات کرنے کے بارے میں اپنا ذہن بنا چکا تھا لیکن ویرا اور سلطان شاہ کی جھڑپ نے میری طبیعت مکدر کر دی تھی۔ میں نے وہ ارادہ ملتوی کر کے سگریٹ سلگائی اور پاؤں پسار کر صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔ غزالہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

''کیا گیری کو فون نہیں کرو گے؟'' چند منٹ کی بوجھل خاموشی کے بعد ویرا نے دھیرے سے پوچھا۔

''تم دونوں نے میرے دماغ کو اس قابل کہاں چھوڑا ہے کہ میں کسی سے ڈھنگ کی بات کرسکوں۔ تمہیں ذرا بھی احساس نہیں ہے کہ اس وقت ہم ایک نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ ہمیں ہر وقت ذہنی یکسوئی اور ارتکاز کی ضرورت ہے۔''

''پتا نہیں کبھی کبھی تمہیں کیا ہو جاتا ہے۔ ہلکی پھلکی نوک جھوک انسان کو ہر وقت چاق و چوبند رکھتی ہے۔ موقع ملنے پر وہ چوکتا ہے نہ میری زبان رکتی ہے۔''

''چاق و چوبند رہنے کا اتنا شوق ہے تو اسے اپنے کمرے میں بند کر کے تلخ کلامی کر لیا کرو۔ ہر وقت کے تماشے کبھی کبھی مجھے گراں گزرنے لگتے ہیں۔'' میں نے رکھائی سے جواب دیا۔

''ریفری کے بغیر زبانی لڑائی میں مزہ نہیں آتا۔ وہ میرے ساتھ اکیلا ہوتا ہے تو بھیگی بلی بنا رہتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اس کی عقل چوپٹ ہو کر رہ گئی ہو۔''

میں بے بسی سے ہنس پڑا ''ویرا! تم بہت ڈھیٹ ہوگئی ہو۔ جاؤ اور کچھ دیر کے لیے مجھے تنہا چھوڑ دو۔ اس نے تمہاری بات سن لی تو وہ اعتراض کرے گا کہ تمہاری باتوں میں تذکیر و تانیث کی غلطی ہے۔ وہ بھیگا بلا بن سکتا ہے، بلی نہیں۔''

''تم کہتے ہو تو چلی جاتی ہوں۔'' وہ اٹھ گئی پھر جاتے جاتے رک کر بولی ''سچ بات یہ ہے کہ مجھے اس پر غصہ نہیں آتا۔ اسے چڑانے اور سلگانے میں لطف آتا ہے۔''

ویرا کے کچھ کہے بغیر بھی میں وہ بات جانتا تھا۔ میں نے کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے خاموشی میں اپنی عافیت جانی اور وہ چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہاں سے چلی گئی۔

سگریٹ ختم کر کے میں کچھ دیر کے لیے آنکھیں موندے پڑا رہا۔ خلوت اور خاموشی کے وہ لمحات میرے لیے سکون آور ثابت ہوئے۔ رفتہ رفتہ میرا ذہن اعتدال پر آ رہا تھا۔

نک کی موت کے سوگ کے تین دن پورے ہو چکے تھے۔ قونصل خانہ کھل جانا چاہیے تھا۔ ویسے بھی گیری ضروری کام نمٹانے کے لیے سوگ کی چھٹیوں میں بھی اپنے دفتر آتا رہا تھا اور اسی دوران میں، میں اس سے مل چکا تھا۔ اسے ہر حال میں اپنے دفتر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد میں نے اپنے گھر والے فون سے گیری کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر ملایا۔ میں یہ بات پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ میرے کمرے میں فون کی لائن سے منسلک سی ایل ڈی آن تھی۔ پہلی گھنٹی پر مجھے گیری کی تحکم آمیز ہیلو سنائی دی۔

''گیری! کیا حال ہے...... کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے خوش دلی سے پوچھا۔

''اوہ! داور! تم اس وقت کہاں ہو، خاصے مطمئن اور خوش معلوم ہو رہے ہو!'' میری توقع کے مطابق اسے میرے اطمینان پر اچنبھا ہوا تھا۔

''ایک دوست کے پاس آیا ہوں۔ وہ لنچ کی تیاری کے لیے بازار کی طرف نکلا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر تم سے بات کرلوں۔''

''بہت اچھا کیا۔ یہ سناؤ کہ کیا خبریں ہیں؟'' اس کی آواز میں ہلکا سا اضطراب پنہاں تھا۔ وہ یقینی طور پر میری زبان سے ایس ٹی ایف کے قلب میں ہونے والے دھماکے کی خبر سننے کا خواہاں تھا۔

''کسی خبر کا نہ ہونا سب سے اچھی خبر ہوتی ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم کافی دیر سے اپنے آدمیوں سے کٹے ہوئے ہو۔ کسی نے تمہارے اپرئیس یا موبائل فون پر تمہیں ایک بری خبر سے آگاہ کرنے کی زحمت نہیں کی!''

''میں صبح سویرے اس خبر سے واقف ہو چکا تھا'' میں

نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے اس کی بات کا رخ گھما دیا ''یہ بہت برا ہوا کہ مدن لال کے گھر پر ہونے والی کارروائی ناکام ثابت ہوئی اور سوبھراج وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔''

''وہ بھی آج کی بہت بری خبر تھی لیکن میں ایک اور واقعے کا تذکرہ کر رہا تھا۔''

''میں اس کے علاوہ کسی اور واقعے سے بے خبر ہوں۔ برسوں بعد مجھے دو دن کی چھٹی ملی ہے۔ میں اسے بے خبر رہ کر ہنسی خوشی گزارنا چاہتا ہوں۔''

''تم جیسا ذمے دار افسر چھٹی پر ہوتے ہوئے بھی اپنے دفتری معاملات سے غافل نہیں رہ سکتا۔ کچھ دیر پہلے اسٹیشن فور کی حدود میں ایک زوردار دھماکے کے ساتھ شعلے بلند ہوتے ہوئے دیکھے گئے ہیں' وہاں کیا ہوا ہے؟''

''میں لاعلم ہوں'' میں نے پرسکون رہتے ہوئے جواب دیا۔ ''کیا تمہارے آدمی اسٹیشن فور کی نگرانی کر رہے ہیں؟''

''نن...... نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے'' اس نے بوکھلائی ہوئی آواز میں جلدی سے کہا۔

''پھر تمہیں دھماکے اور آگ کی اطلاع کس نے دی؟''

''مجھ سے یوں جرح مت کرو'' میرے سوال پر وہ تلملا اٹھا ''میں تم کو جواب دہ نہیں ہوں۔ تم سے صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس خبر میں کتنی صداقت ہے؟''

''تم تو یوں چڑ رہے ہو جیسے وہ دھماکا تم ہی نے کروایا ہو اور اب مجھ سے اس کی تصدیق چاہ رہے ہو'' میں ہلکے پھلکے لہجے میں گہرا طنز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''کل رات سے میں اپنے دوست کے پاس ہوں' اسٹیشن فور سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ میں تمہاری خبر کی تصدیق یا تردید کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ تم نے مجھے متفکر کر دیا ہے۔ اب مجھے وہاں کی صورتِ احوال جاننے کے لیے فون کرنا پڑے گا۔''

''حیرت ہے کہ تمہیں اپنے گھر کی خبر نہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ سوبھراج کو پکڑنے کی کوشش ناکام ہو گئی!'' اس کی طنزیہ آواز میں گہری کاٹ تھی۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ سوبھراج میری کمزوری بنا ہوا ہے۔ یہ کوئی خفیہ خبر نہیں ہے۔ پورے شہر کو معلوم ہے کہ ایک سرکاری ایجنسی اسے پکڑنے میں ناکام رہی ہے۔''

''میں اس بارے میں تم سے ضرور بات کروں گا لیکن پہلے میں اسٹیشن فور کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہاں کیا ہوا ہے'' سوبھراج کے قصے کی اہمیت کو تسلیم کر لینے کے باوجود اس کا ذہن اسٹیشن فور میں الجھا ہوا تھا۔

اس کا حد سے بڑھا ہوا تجسس میرے لیے حیران کن تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ وہ دھماکا ان لوگوں کے ایما پر کیا گیا تھا۔ ان کی دلی مراد پوری ہو گئی تھی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ وہ مجھ سے اس واقعے کی تصدیق کیوں چاہ رہا تھا۔

ذہن پر ذرا سا زور دیتے ہی سارے پردے سرک گئے اور بات یکایک میری سمجھ میں آ گئی۔

گیری ہارٹ اور اس کے سارے رازداں امریکی نژاد تھے۔ ان سفید فاموں کے لیے کسی حساس علاقے میں گھسنا تقریباً ناممکن تھا۔ وہ کسی حیلے بہانے سے کہیں گھسنے میں کامیاب ہو جاتے تو دھماکے جیسی کارروائی کر کے ان کا بچ نکلنا ناممکنات میں سے تھا۔

پاکستان میں اپنی تخریبی کارروائیاں جاری رکھنے کے لیے انہیں ہر لمحے مقامیوں کی مدد درکار تھی۔ اس کام کے لیے انہوں نے سوبھراج کو پالا ہوا تھا۔ پاکستان کی آستین میں پلنے والا وہ ناگ' نقاب پوش کو برا کے روپ میں مقامی مجرموں سے گہرے روابط رکھتا تھا اور انہیں معقول معاوضے پر اپنے آقاؤں کے لیے استعمال کرتا تھا۔

سوبھراج کے یکایک زیرِ زمین چلے جانے سے وہ خانہ خالی ہو گیا تھا اور امریکی مفلوج ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ کراچی میں بہت کچھ کرنا چاہتے تھے لیکن کچھ بھی نہیں کر پا رہے تھے۔

مقامی مجرموں سے براہِ راست رابطے ان کے لیے اتنے ہی خطرناک ثابت ہو سکتے تھے جتنا ان کا جرائم میں خود ملوث ہونا۔ اس مشکل کا توڑ کرنے کے لیے شاید گیری نے اسٹیشن فور پر راکٹ فائر کرنے کے لیے کسی مقامی کو اپنے اعتماد میں لیا تھا۔

اس مقامی ذریعے نے شاید گیری کو اپنی کامیابی کی اطلاع دے دی تھی اور وہ طے شدہ معاوضہ طلب کر رہا تھا۔ گیری کے لیے معاوضے کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ اس کے چنے ہوئے آدمی نے ایک مشکل ہدف کو واقعی حاصل کر لیا تھا یا وہ جھوٹ بول کر رقم اینٹھنے کے چکر میں پڑا ہوا تھا۔

وہ نکتہ ذہن میں آتے ہی میں نے اس سے کہا ''تم ایک منٹ ہولڈ کرو۔ میں اپنے موبائل پر پتا کر کے تمہیں بتاتا ہوں۔''

''ویری گڈ...... میں تم سے اسی تعاون کا خواہاں رہتا ہوں'' میری پیشکش سن کر وہ خوش ہو گیا۔

میں نے موبائل فون پر اپنا ہی نمبر ملایا تو مجھے اپنے ریسیور

پر موبائل کے خلل انداز ہونے کی آوازیں سنائی دیں جو گیری کے کانوں تک بھی پہنچ رہی ہوں گی۔

میرا فون مصروف تھا۔ موبائل پر ریکارڈنگ بجنے لگی لیکن میں نے چونکے ہوئے انداز میں گفتگو کا انداز اختیار کیا اور چند مکالموں کی ادائیگی کے بعد موبائل فون بند کر دیا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے تھے'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں کہا ''وہاں کچھ دیر پہلے ایک راکٹ گرا ہے۔ کئی گاڑیاں تباہ ہو گئیں مگر کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔''

''اتنی سی دیر میں انہوں نے یہ پتا بھی لگالیا کہ وہاں راکٹ گرا ہے'' اس کے بے ساختہ فقروں سے مسرت اور غصے کا امتزاج جھلک رہا تھا۔

''اب یہ نہ کہنا کہ یہ ایس ٹی ایف کے نامعلوم دشمنوں کا کام ہے۔ تمہارا لب ولہجہ چغلی کھا رہا ہے کہ اس واقعے کے پیچھے تمہارا دماغ کام کر رہا تھا'' میں نے اسے سوچنے سمجھنے کا کوئی موقع دیے بغیر وہ بات کہہ ڈالی۔

''وار کامیاب ہوا ہے تو مجھے بھی یہ ماننے میں عذر نہیں ہے کہ یہ ہمارا کام ہے۔ اب ہم تمہیں...... تم ہمارے دوست ہو۔ میرا مطلب ہے کہ ہم ایس ٹی ایف کو عقل کے ساتھ ساتھ طاقت سے بھی کچلیں گے۔ انہیں ہمارے آڑے نہیں آنا چاہیے۔''

''ابھی تک ایس ٹی ایف نے تمہارے ساتھ براہ راست تصادم کی راہ اختیار نہیں کی'' میں نے پرزور لہجے میں احتجاج کیا ''تم کیوں اس کے پیچھے پڑ گئے ہو؟''

''یہ غلیظ فورس ڈینی کو تحفظ کی چھتری فراہم کر رہی ہے'' اس کی آواز تلخ ہو گئی ''ہمیں ہر قیمت پر ڈینی درکار ہے...... زندہ یا مردہ...... اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا'' آج کا دھماکا صرف ایک وارننگ تھا۔ یہ اس وقت بھی ہو سکتا تھا جب تمہارا جنرل اس کار میں سفر کر رہا ہوتا۔ وقت کا انتخاب میں نے کیا تھا اور آئندہ بھی یہ انتخاب میرا ہوگا۔''

''تو کیا جنرل کی گاڑی کو نشانہ بنایا گیا ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ کئی دنوں سے کراچی میں ہے مگر مجھے کل شام کو اس کی شہر میں موجودگی کی اطلاع ملی ہے'' وہ پرغرور لہجے میں بتانے لگا ''وہ چوہے کی طرح چھپا رہ سکتا ہے لیکن دوسروں کی زبانیں بند نہیں رکھ سکتا۔ رات ہم نے ایک فون پر ہونے والی باتیں پکڑیں اور پتا چلا کہ جنرل آج صبح اسٹیشن فور میں ہوگا۔ شہر میں اس رتبے کے کسی آدمی کا سراغ لگانا مشکل نہیں ہوتا۔ رات کے دو بجے اس کی گاڑی میں موت کا بگ لگا دیا گیا تھا۔

وہ جہاں بھی جاتا' ہمیں پل پل کی خبر ملتی رہتی۔ وہ اسٹیشن فور پہنچا اور تھوڑی دیر بعد ہمارے نشانچی وہاں پہنچ چکے تھے۔''

''یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟'' میں واقعی الجھن میں پڑ گیا تھا۔

''تم اپنی فورس میں خاصے سینئر ہو۔ ہمیں جانتے ہو اور ڈینی کی بدمعاشیوں سے بھی واقف ہو۔ تم اپنے جنرل کو سمجھا سکتے ہو کہ وہ غلط راستے پر ہے۔ ایک شخص کو تحفظ دینے کے لیے اتنی بڑی فورس کو تباہی کے دہانے میں ڈال دینا دانش مندی کے خلاف ہے۔ ڈینی اگر تمہارے ہاتھ میں نہیں آ رہا تو جنرل کو اس کے گلے میں رسی ڈال دینی چاہیے۔''

''جنرل ٹیڑھا آدمی ہے۔ میں اس سے یہ سب نہیں کہہ سکتا'' میں نے اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہوئے کہا ''تم خود اس سے بات کیوں نہیں کرتے۔ دھماکے کا واقعہ تازہ ہے۔ وہ تمہاری بات سننے پر مجبور ہو جائے گا۔''

''یہ ناممکن ہے۔ میں اپنی حکومت کے موقف سے انحراف نہیں کر سکتا۔''

''اس میں انحراف کی کیا بات ہے۔ تم مجھ سے جو کچھ کہہ رہے ہو وہی اس سے براہِ راست کہہ ڈالو۔ نتیجہ سامنے آ جائے گا۔''

''سرکاری سطح پر امریکا قائل ہے کہ پاکستان میں اسپیشل ٹاسک فورس نام کی کوئی قوت موجود نہیں ہے۔ میں سرکاری ملازم ہوں۔ جنرل سے میرے رابطے کا مطلب ہوگا کہ میں نے سرکاری پالیسی کو نظرانداز کیا ہے۔ تمہارے جنرل نے کسی ذریعے سے یہ شکایت کر دی تو مجھے ملازمت سے برطرف بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''مجھے استعمال کرنے کی صورت میں تم ان ممکنہ نتائج سے بچے رہو گے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کوئی میرا نام نہیں لے سکے گا۔ سانپ مرجائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔''

''کیا یہ دورخی حکمت عملی نہیں ہے'' رفتہ رفتہ اس کا اصل مفہوم میری سمجھ میں آتا جا رہا تھا۔

''یہ تمہاری مرضی ہے۔ تم اس پالیسی کو جو نام چاہو دے سکتے ہو'' گیری کی آواز سے بے پروائی مترشح ہو رہی تھی۔

''یہ دوغلا پن ہے۔ سرکاری سطح پر تم ایس ٹی ایف سے الجھنے سے گریز کر رہے ہو۔ دوسرے طریقوں سے تم اسے تباہ کر دینا چاہتے ہو۔''

''پاکستان ہمارا دوست ملک ہے۔ ہم اس سے کوئی بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہتے۔ تمہیں میرے رویے میں اس خلوص اور

نیک نیتی کا تسلسل ملے گا۔‘‘

’’دوستی پورے وجود سے ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ تم اپنے دوست سے کہو کہ مجھے تمہارا پورا وجود بہت عزیز ہے لیکن تمہاری بائیں ٹانگ مجھے اچھی نہیں لگتی۔ دوستی کے نام پر اسے کٹوا کر الگ پھینک دو۔ غیر سرکاری طور پر تم جانتے ہو کہ ایس ٹی ایف پاکستان کے لیے کتنا کام کر رہی ہے۔ اس کے خلاف قدم اٹھا کر تم پاکستان کو نقصان پہنچانے کی تیاری کر رہے ہو۔‘‘

ریسیور پر اس کی ہلکی سی تکبّر آمیز ہنسی کے بعد آواز آئی ’’فورس سے تمہاری روزی وابستہ ہے اس لیے تم جذباتی ہو رہے ہو۔ مجھے فورس کے خاتمے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا ٹارگٹ صرف ڈینی اور ویرا ہیں۔ وہ دونوں ہاتھ آجائیں تو میں تمہاری فورس کو بھول جاؤں گا۔ تمہارے بڑوں کی حماقت سے یہ ٹوٹ گئی تو تم خاطر جمع رکھو، ہم تمہیں اس سے بہتر اور پرکشش ملازمت دیں گے۔ میرا اہم خیال بن کر تم نے اپنے شاندار مستقبل کی ضمانت حاصل کر لی ہے۔‘‘

’’مجھے بات بڑھتی ہوئی نظر آرہی ہے‘‘ میں نے تشویش سے کہا۔

’’تم میرا پیغام جنرل تک پہنچادو۔ بات ختم ہو جائے گی!‘‘ اس کا لہجہ پُرزور تھا۔

’’میں اپنی فورس میں اتنا سینئر نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہے ہو‘‘ میں نے بے بسی کا لہجہ اختیار کر لیا۔ ’’وہ میری رسائی سے باہر ہے۔ تم بتا رہے ہو کہ جنرل کئی دن سے کراچی آیا ہوا ہے۔ میں فورس میں ہوں اور مجھے اس کی آمد کی بھنک نہیں ملی۔ وہ اسٹیشن فور آیا ہوا ہے، میں دو روز کی چھٹی پر ہوں۔ یہ پیغام رسانی میری بساط سے باہر ہے۔‘‘

’’تمہیں معلوم ہے کہ سوبھراج کیوں راندۂ درگاہ ہوا ہے؟‘‘ چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس کی سخت اور کھردری آواز ابھری۔ اس کا لہجہ بالکل بے لوچ تھا۔

’’اس نے ویرا کے بارے میں تمہارے پیش روؤں کو اندھیرے میں رکھا۔ اسے پکڑا اور پھر کھو دیا۔ اس کا یہ جرم تم لوگوں کے نزدیک غداری کے برابر ہے۔‘‘

’’دیکھ لو۔ وہ پناہ کی تلاش میں دربدر مارا مارا پھر رہا ہے اور اسے کہیں پناہ نہیں مل رہی۔‘‘

’’اس وقت کچھ دوسری قوتیں بھی اس کا پیچھا کر رہی ہیں۔‘‘

’’میری یہ بات لکھ لو کہ آخر کار وہ ہمارے ہاتھوں کتے کی موت مارا جائے گا۔‘‘

’’اس وقت تم نے اس کا ذکر کیوں چھیڑا ہے؟‘‘ میں نے بے چینی سے پوچھا۔

’’تم نے ڈینی کو پکڑا اور اپنی حماقت سے کھو دیا‘‘ اس کی چبھتی ہوئی آواز ذو معنی تھی ’’ڈینی ہمارے نزدیک ویرا سے بڑا اور خطرناک مجرم ہے۔‘‘

’’تم میرا اور سوبھراج کا موازنہ نہیں کر سکتے‘‘ میں نے تیز احتجاجی لہجے میں کہا ’’وہ تمہارا تنخواہ دار ملازم تھا‘ میں نے آج تک تم سے ایک دمڑی نہیں لی۔ اس نے بدنیتی سے ویرا کو چھپا لیا تھا‘ میں نے نک کو بتا دیا تھا کہ میں نے ڈینی کو پکڑ لیا ہے‘ سوبھراج لوٹ آئے تو میں ڈینی کو اس کے حوالے کر دوں گا۔ وہ اوچھا وار کر کے سوبھراج کو بھڑکا نہ دیتا تو وہ ڈیل آسانی سے طے ہو جاتی۔ مہلت سے فائدہ اٹھا کر ڈینی بھاگ گیا۔‘‘

’’میں تمہارا اور سوبھراج کا موازنہ نہیں کر رہا‘‘ اس کی سرد آواز سے بے رحمی مترشح تھی ’’صرف اتنا بتا رہا ہوں کہ واقعات میں کتنی گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ اب تم ڈینی پر دوبارہ ہاتھ ڈال کر اپنی غلطی کا ازالہ نہیں کر سکتے تو جنرل کو رام کرو۔ اپنی فورس کی بقا کے لیے اسے ڈینی سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔‘‘

’’نہیں گیری...... یہ ناممکن ہے‘‘ میں نے اسے اپنا دوٹوک فیصلہ سنا دیا ’’میری زبان سے کوئی کچی بات سنتے ہی وہ سمجھ جائے گا کہ میں تم لوگوں سے مل گیا ہوں۔ وہ سخت گیر اور سفّاک ہونے کی شہرت رکھتا ہے۔ بے دریغ مجھے گولی مار دے گا۔ تمہاری ایف بی آئی کی طرح ایس ٹی ایف بھی اپنے غداروں سے ذرا بھی رو رعایت نہیں کرتی۔‘‘

’’تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ میں اب تک تم پر اپنا وقت برباد کرتا رہا؟‘‘

’’جو چاہو سمجھ سکتے ہو۔ ویسے یہ تمہاری نہیں‘ میری کال تھی۔ تم نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔‘‘

’’میں تم کو فون کرنا چاہ رہا تھا مگر تذبذب میں تھا۔ مجھے انتظار تھا کہ کسی اور ذریعے سے اسٹیشن فور والی اطلاع کی تصدیق ہو جائے۔ تھوڑی دیر تک تمہارا فون نہ آتا تو میں خود تم سے رابطہ کرتا۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں‘ حقیقت ہے۔‘‘

’’اتنی شدت سے تصدیق کی ضرورت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اب تمہارے پاس قابلِ اعتماد آدمیوں کی کمی ہے۔ کام کرنے والوں کی دی ہوئی اطلاعات تمہارے لیے قابلِ اعتبار نہیں ہیں‘‘ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

’’اسٹیشن فور کی حدود میں جنرل کی گاڑی کو راکٹ کا

نشانہ بنانا آسان کام نہیں تھا۔ دوسرے ذرائع سے اس اہم خبر کی تصدیق ضروری تھی۔''

''سوبھراج کے ہٹ جانے کے بعد ان مشکلات کا پیدا ہونا فطری بات ہے'' وہ کھل کر بات کررہا تھا اس لیے میں نے بھی بے دھڑک ہوکر وہ بات کہہ ڈالی ''کوبرا کے روپ میں وہ شہر کے ناپسندیدہ لوگوں سے ہر کام لے لیا کرتا تھا۔ وہ وسیلہ ختم ہوگیا ہے۔ اب تم کو یہ کام خود کرنا پڑرہا ہوگا۔ وہ لوگ آسانی سے کسی کے قابو میں نہیں آتے۔ موقع ملتے ہی چونا لگانے کی فکر میں رہتے ہیں۔''

''نک نے تمہیں پیش کش کی تھی کہ تم چاہو تو سوبھراج کی جگہ لے سکتے ہو۔ وہ پیش کش آج بھی برقرار ہے۔'' اس کی آواز میں بے آرامی اتر آئی ''تم کچھ ہی عرصے میں دولت میں کھیلنے لگو گے۔''

''عزت کی روزی کو لات مار کر میں یہ سب نہیں کرسکتا۔ وہ دولت آج سوبھراج کے کس کام آرہی ہے؟ وہ ذہنی سکون اور تحفظ کھو چکا ہے۔''

''یہ تمہارا اپنا خیال ہے۔ لالچ اور سنگین غلطیوں کو کوئی آجر معاف نہیں کرتا۔ تم انکار کرو گے تو ہمیں جلد ہی سوبھراج کا کوئی نہ کوئی متبادل مل جائے گا۔ کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے دنیا کا کوئی کام نہیں رکتا۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ دنوں بعد تمہارے خیالات میں تبدیلی آجائے۔ فی الحال اتنا ہی کافی ہے کہ ڈینی اور ویرا کے معاملے میں تم میرے ساتھ ہو۔''

''تم اس معاملے کو اپنی عینک سے دیکھتے ہو۔ میرا نظریہ تم سے مختلف ہے۔ میں ڈینی کی آزاد روی اور حد سے بڑھی ہوئی خودمختاری سے نالاں ہوں اس لیے اسے لگام دینا چاہتا ہوں۔ تمہارا اور اس کا معاملہ بالکل مختلف ہے......''

''اسباب کچھ بھی ہوں'' وہ میری بات کاٹ کر بولا ''یہ بات طے ہے کہ تم اسے پسند نہیں کرتے۔ یہ مشترک جذبہ اسی طرح برقرار رہنا چاہئے۔ اب یہ بتاؤ کہ سوبھراج کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے۔ ڈینی اور ویرا کے بعد وہ میری ترجیحات میں سب سے اوپر ہے۔''

''مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ آج پھر بچ نکلا۔'' میں نے اختصار سے کہا۔

'اس کا نصیب اس کا ساتھ دے رہا ہے ورنہ اب تک اسے ملک عدم کا راہی ہوجانا چاہئے تھا۔ مجھے بھی اڑتی اڑتی خبر ملی ہے کچھ دیر میں تفصیلات سامنے آجائیں گی۔''

''تمہاری خواہش بہت فطری ہے'' وہ تم لوگوں کے بہت سے رازوں کا امین ہے۔ ابھی اس نے صرف نک کو مروایا ہے۔ وہ زبان کھولنے پر تل گیا تو تمہارے لیے خاصی مشکلات پیش آسکتی ہیں۔''

''گھر کا کوئی بھیدی غداری پر تل جائے تو اس سے زیادہ تکلیف دہ بات کوئی اور نہیں ہوسکتی۔''

سوبھراج کے بارے میں اس سے کوئی نئی بات معلوم ہونے کی امید نہیں تھی' میں نے گفتگو کو طول دینے کے بجائے وہیں ختم کردیا۔

گیری سے میری وہ گفتگو ہر لحاظ سے نتیجہ خیز رہی تھی' بات قیاس سے بڑھ کر یقین کی حد میں داخل ہوگئی تھی کہ جنرل کی گاڑی پر ان ہی لوگوں کے ایما پر راکٹ چلا گیا تھا۔ دوسری اہم بات یہ سامنے آئی تھی کہ ایس ٹی ایف کے بارے میں چشم پوشی کا سرکاری رویہ تبدیل نہیں ہوا تھا۔ امریکی حکومت پاکستان کے ساتھ کھلی محاذ آرائی کے لیے آمادہ نہیں تھی لیکن سرکاری اہل کاروں کو یہ چھوٹ دے دی گئی تھی کہ وہ اپنے طور پر اس فورس کے خلاف جو کچھ کرسکتے ہیں وہ کرتے رہیں۔

غنیمت یہ تھا کہ گیری نے اپنے جملہ مذموم مقاصد کو میری اور ویرا کی ذات سے مربوط کردیا تھا اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ ہم دونوں کی سرکوبی کے بعد اسے فورس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔

جنرل وقار چوری چھپے کراچی آیا تھا نہ اس کی آمد کا ڈھنڈورا پیٹا گیا تھا۔ وہ مخصوص مقصد کے لیے کراچی آیا تھا اور اپنا کام پورا کرکے خاموشی سے واپس لوٹ جاتا۔ یہ شرمناک بات تھی کہ ایک دوسرے پر اپنی باخبری کا رعب جھاڑنے کے لیے سرکاری افسران فون پر ایک دوسرے سے حسّاس موضوعات پر بات کرنے کے عادی ہوچکے تھے۔

اگر ایف بی آئی والوں نے اپنے موثر اور جدید ترین مواصلاتی آلات پر دو افسروں کے درمیان ہونے والی گفتگو نہ سنی ہوتی تو انہیں کانوں کان بھی جنرل کی آمد کا پتا نہ چلتا اور اسٹیشن فور کا سانحہ وجود میں نہ آتا۔

مشکل یہ تھی کہ افسروں کی وہ عادتیں کسی حکم نامے سے تبدیل نہیں کی جاسکتی تھیں۔ ان کا تعلق لوگوں کے انفرادی مزاج اور قومی شعور سے تھا' کسی کو یہ احساس نہیں تھا کہ کون سی بات کہاں کی جاسکتی ہے اور اس کے مضمرات کیا ہوسکتے

ہیں۔

وہ افسوسناک صورت احوال تھی جس کا مداوا کرنا میرے بس سے باہر تھا۔

''تم نے شاید ایک اہم بات نوٹ نہیں کی۔'' گیری سے ہونے والی گفتگو پر تبادلہ خیال کے دوران ویرا نے کہا ''اپنی طویل باتوں میں گیری نے ایک بار بھی زہریلی باتوں کو نہیں دہرایا جو اس نے فورس کے مالی معاملات کے بارے میں تم سے کہی تھیں۔''

مجھے اولڈ کلفٹن پر ہونے والی وہ گفتگو لفظ بلفظ یاد تھی۔ میں نے کہا ''راکٹ فائر ہونے کے بعد اب وہ نئی راہ پر چل نکلا ہے' سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس سلسلے کا اختتام کہاں ہوگا۔''

''ہو جائے گا۔'' ویرا سر ہلاتے ہوئے بولی ''نک کے بعد اب گیری کی باری آنی چاہئے!''

نک کے ستارے خراب تھے کہ شیر دل ہمارے جال میں پھنس گیا اور بعد میں سوبھراج نے شیخی میں آکر نک کے خون کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ ہر بار ایسے اتفاق رونما نہیں ہوسکتے۔'' میں نے قدرے سختی سے کہا۔ ''گیری کا خون ہمیں مہنگا پڑ جائے گا۔''

''تم اسی سوچ بچار میں الجھے رہو۔ وہ اپنا کام کرتے رہیں گے یہ نہ بھولو کہ ان کا اصل نشانہ تمہاری ذات ہے۔ انہیں اسی طرح ڈھیل دی جاتی رہی تو ایک دن وہ تمہارے گریبان پر ہاتھ ڈال دیں گے اور ہم ان کا منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔''

''وقت گزر رہا ہے' میرا خیال ہے کہ اب میرا نرمل کمار کے دفتر جانا بے سود ہے......'' چند ثانیوں کا سکوت آتے ہی غزالہ نے اپنی بات کہہ ڈالی۔

میں اس کے خیال سے سو فیصد متفق تھا۔ نرمل کمار بساط کا ایک معمولی مہرہ تھا اس کی اہمیت اسی وقت تک تھی جب تک سوبھراج کا سراغ نہیں ملا تھا۔ وہ فرار ہوگیا تھا۔ نرمل اپنے باپ' مدن لال سمیت آئی بی والوں کے قبضے میں تھا اس کے دفتر جانا لاحاصل تھا۔

میرے ذہن پر ایک بوجھ سا سوار تھا۔ ویرا کی بات ایک گرہ کی طرح دماغ میں اٹک گئی تھی' گیری کے بارے میں میرا تجربہ تھا کہ وہ بہت جارحانہ مزاج کا مالک تھا۔ ڈھیل دینے سے اس کا حوصلہ بڑھ سکتا تھا یہ ضروری ہوگیا تھا کہ اسے جنرل کی گاڑی پر حملے کا بھرپور جواب دیا جائے۔

اس بارے میں جنرل اور اداول خان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا' وہ دونوں اپنے مسائل میں بری طرح الجھے ہوئے تھے۔ ویسے بھی وہ کسی سخت قدم کی حمایت نہیں کرسکتے تھے مجھے جو کچھ کرنا تھا اپنے طور پر کرنا تھا۔ نتائج سامنے آجانے کے بعد کوئی مجھ سے اختلاف نہیں کرسکتا تھا۔

گیری کے بارے میں سوچتے سوچتے میری ذہنی رو سنیل اور شیبا کی طرف بہک گئی۔ وہاں پیش آنے والے واقعات ایک ایک کرکے میرے ذہن میں تازہ ہونے لگے اور پھر یکا یک میں پریشان ہوگیا۔

اس وقت میں تلوار کی باریک دھار پر چل رہا تھا۔ گیری سے میں کرنل داور بن کر ملتا رہا تھا۔ سوبھراج سے میں نے ڈینی کی حیثیت سے رابطہ استوار رکھا ہوا تھا' میرا وہ خطرناک کھیل اسی وقت تک جاری رہ سکتا تھا جب تک وہ دونوں کردار ایک دوسرے سے الگ نظر آتے رہتے۔

سنیل کے گھر پر ایک گڑبڑ ہو چکی تھی' شیبا مجھے مہیش اگروال کے نام سے جانتی تھی اپنی بیوی کے منہ سے میرا وہ نام سن کر سنیل نے بہت تلملائے ہوئے انداز میں اسے پھٹکار کر بتایا تھا کہ میرا اصل نام مہیش نہیں' کرنل داور تھا۔

یہ بات شیبا کے ذہن میں ایسی بیٹھی تھی کہ سوبھراج کا فون آنے پر اس نے یہی بتایا کہ کرنل داور اس کے شوہر کو اٹھا لے گیا تھا۔

اس بیان کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی تھی کہ سوبھراج کی تلاش میں مدن لال کے گھر کا رخ کرنے والے ایس ٹی ایف کے آدمی تھے جب کہ میں نے گیری سے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ سوبھراج والے قصے کا فورس سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ کام کسی اور ایجنسی نے کیا تھا۔

اس تضاد پر پردہ ڈالنے کے لیے ضروری تھا کہ شیبا کی زبان بند کردی جائے یا پھر اسے کچھ عرصے کے لیے غائب کر دیا جائے کچھ دنوں بعد معاملہ ٹھنڈا ہو جاتا تو شیبا کو رہا کیا جاسکتا تھا۔

پہلی اور ضروری بات یہ تھی کہ شیبا کی اپنے گھر میں موجودگی کا یقین کرلیا جائے!

میں نے بلاتوقف اس کے گھر کا نمبر ملا لیا۔ پہلی چند گھنٹیوں کے بعد مجھے امید تھی کہ وہ ریسیور اٹھالے گی لیکن پھر گھنٹیاں بجتی چلی گئیں' دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

میں نے مایوس ہو کر فون بند کر دیا' شاید وہ خوف زدہ ہو کر اپنے گھر سے کہیں اور منتقل ہو گئی تھی۔ اس کے نئے ٹھکانے کا سراغ لگانا آسان کام نہیں تھا۔

چار بجے غیر متوقع طور پر جلال آن وارد ہوا۔ وہ سہ پہر کی فلائٹ سے کراچی پہنچا تھا۔ اور صدف مینشن سے ہوتا ہوا میرے پاس پہنچا تھا۔

''میں صرف تمہاری دل جوئی کے لیے کراچی آیا ہوں۔'' اس نے مجھ سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا ''کل رات تم صدف مینشن والوں سے ناراض معلوم ہو رہے تھے۔''

''میں کسی سے ناراض نہیں تھا۔'' میں نے خوش دلی سے جواب دیا'' مجھے تمہاری اور ان کی مجبوریوں کا علم ہے مجھے اس بات کا قلق تھا کہ میں ان کے ساتھ نہیں چل سکوں گا۔ یہ میرے اپنے مزاج کی خامی یا خرابی ہے' جس کی ذمے داری دوسروں پر نہیں ڈالی جا سکتی۔''

''صدف مینشن میں یکا یک بہت رونق ہو گئی ہے' اس کیس کے چار قیدیوں کے آجانے سے سارے سیل آباد ہو گئے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

میں چونک پڑا۔ ''سنیل' نرل اور مدن کے علاوہ چوتھا قیدی کہاں سے آ گیا؟''

''شیبا!'' اس نے مسکرا کر بتایا۔ ''وہ سنیل کے اغوا کی چشم دید گواہ تھی تمہیں پہچانتی ہے اور تم نے اس سے ناموں کا بھی کچھ چکر چلایا ہوا تھا' تم نے اسے چھوڑ دیا تھا میں نے صبح اٹھوالیا۔''

''وہ رنگین مزاج تتلی ہے وہاں کے ماحول سے دہشت زدہ ہو کر مر جائے گی۔''

''فکر نہ کرو اسے بہتر اور روشن کمرا دیا گیا ہے وہاں چمگادڑوں کی رسائی نہیں ہے۔ ان کی آسیبی آوازیں شیبا کو اسی کمرے میں محدود رکھیں گی۔''

جنرل وقار کی گاڑی پر راکٹ کے حملے کی خبر بہت سختی کے ساتھ دبا دی گئی تھی لیکن جلال اپنے حساس منصب کی بنا پر اس خبر سے واقف تھا۔ میں نے اسے اس واقعے کی ان تمام تفصیلات سے آگاہ کر دیا جو مجھے گیری سے معلوم ہوئی تھیں۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ گیری کیا چاہ رہا ہے!'' اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

''وہ اپنے مجرموں تک رسائی کی دھن میں پاگل ہوا جا رہا ہے۔'' میں نے جواب دیا ''ان کوششوں میں وہ جنگلی سور کی طرح ہر طرف منہ مار رہا ہے۔''

میں نے آئی بی والوں کے ہاتھوں شیبا کے پکڑے جانے کی اطلاع پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا لیکن مجھے خوشی ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنی مستعدی سے کام لے کر میری ایک ضرورت پوری کر دی تھی۔

''حملے کی خبر نے سب کو فکر مند کر دیا ہے۔'' جلال کہہ رہا تھا۔ ''یہ ہم سب کے لیے سبکی کی بات ہے کہ اب دشمن ایس ٹی ایف کے گھر میں گھس کر حملہ کرنے کی پوزیشن میں آ گیا ہے۔''

''خبر کی تشہیر ہو یا نہ ہو' دشمن کو اپنی کامیابی کا علم ہو چکا ہے۔ گاڑیوں کے ملبے سے کچھ نہ کچھ ایسے شواہد ضرور مل جائیں گے جن کی بنا پر ذمے داری کا تعین کیا جا سکے گا۔ میری خواہش ہے کہ اس واقعے کے بارے میں ان کے سفارت خانے سے احتجاج کر کے یہ بتا دیا جائے کہ ان کے آدمیوں کے غیر قانونی حرکات کے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔''

''یہی کیا جا رہا ہے' آج رات ماہرین کی ایک ٹیم کراچی میں جمع ہو رہی ہے۔ کل صبح وہ باریک بینی سے ہر چیز کا جائزہ لیں گے، راکٹ اور گائیڈنگ ڈیوائس کے کچھ نہ کچھ حصے مل جائیں گے۔ سائنس اتنی ترقی کر گئی ہے کہ اب راکھ سے بھی چیزوں کی اصل ماہیت کے بارے میں بہت کچھ پتا چل سکتا ہے۔''

''ایک طرف تم جنرل وقار سے بالکل لاتعلق ہو' دوسری طرف اندر کی باتیں بتا رہے ہو' یہ کیا چکر ہے؟'' میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''جنرل سے میرا تعارف ہے اور نہ کوئی رابطہ!'' اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا'' میں وہ باتیں بتا رہا ہوں جو اسلام آباد میں میرے علم میں آتی رہی ہیں۔ میری میز پر نجی اور سرکاری ذرائع سے روزانہ کم و بیش ایک ہزار رپورٹیں آتی ہیں جن سے بہت کچھ سامنے آ جاتا ہے۔''

''اب ان رپورٹوں میں میرے بارے میں کوئی ٹیڑھی بات آ جائے تو اسے نظر انداز کر دینا'' میں نے ہنستے ہوئے اس سے مطالبہ کیا۔

''کیوں؟ تمہارے کیا عزائم ہیں؟'' اس نے سر اٹھا کر سوال کیا۔

''گیری کی رفتار تیز ہے اسے روکنا ضروری ہو گیا

ہے۔''

''وہ تمہارا معاملہ ہے۔''اس نے جلدی سے وہ بات وہیں ختم کردی''یہ خیال رکھنا کہ تمہاری روک ٹوک کے نتیجے میں کوئی بڑا مسئلہ نہ کھڑا ہوا جائے۔''

''تم بے فکر رہو۔''میں نے اسے یقین دہانی کرائی پھر پوچھا۔''مدن لال کیا بتا رہا ہے۔''

''وہ بہت خوف زدہ ہے کسی بڑے مجرم کے ساتھ چھوٹے موٹے تعاون کو لوگ جرم نہیں گردانتے ان کو صرف اسی وقت ہوش آتا ہے جب تباہ کن نتائج سامنے آتے ہیں۔''

.... وہ بتانے لگا''مدن لال کا نام ایک عرصے سے ہماری چیک لسٹ پر تھا۔ وہ سوبھراج کو انتخابی مہم اور دوسرے مقاصد کے لیے اکثر بڑی بڑی رقمیں دیتا رہتا تھا۔ اس طرح پروان چڑھنے والی دوستی کے نتیجے میں سوبھراج بھی اسے مراعات دلواتا رہتا تھا۔ وہ پناہ کے لیے سنیل کے ہمراہ مدن لال کے گھر پہنچا تو وہ انکار نہیں کرسکا۔ ایک دوست کو اس کے آڑے وقت میں سہارا دینے کے خیال سے اسے رکھ لیا۔ مدن لال کا بیٹا سرکاری افسر ہے' سوبھراج نے کچھ فرضی باتیں بتا کر اسے بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ نرمل کمار قسمیں کھا کر کہہ رہا ہے کہ اس نے ایک مظلوم بیوہ کا پیغام سن کر سوبھراج تک پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے سوا اس نے اپنے باپ کے دوست کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔''

''دونوں کے جرائم سنگین ہیں۔ اخبارات میں سوبھراج کے خلاف مسلسل کہانیاں آرہی ہیں۔ ہر طرف اس کے کرتوتوں کا شور ہے۔ ان کو پتا نہیں تھا کہ وہ کیا کررہے ہیں! ایک سرکاری افسر ایسے معاملات میں کچھ زیادہ حساس ہوتا ہے۔''

''ان کی بہت مناسب دیکھ بھال کی جارہی ہے لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ وہ ابھی تک سوبھراج کے نئے ٹھکانے کے بارے میں کوئی کارآمد بات نہیں بتا سکے ہیں۔''

''وہ اپنی برادری میں گھوم رہا ہے۔''ویرا نے اپنا خیال ظاہر کیا''مدن لال کے گھر سے بھاگ کر کسی راج کپور کے پاس چلا گیا ہوگا۔''

''شاید ایسا نہیں ہے۔''میں نے کہا''وہ بہت چالاک آدمی ہے اب اپنی برادری سے دور رہے گا۔ اس کے ذہن میں کوئی متبادل ٹھکانا ہوتا تو وہ صبح کنکریٹ کے پائپ میں نہ ہوتا۔ مدن لال کے گھر سے بھاگ کر کہیں اور پناہ گزین ہوگیا ہوتا۔''

''تم اس کی بات کا یقین کررہے ہو' ہوسکتا ہے کہ وہ کسی آرام دہ بستر پر دراز ہوکر تمہیں پائپ کی کہانی سنا رہا ہو' ایسے آدمی کی کسی بات پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔''

ویرا سے بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ سوبھراج نے مجھے یعنی ڈینی کو اپنا خیر خواہ تصور کیا تھا۔ میری دانست میں اسے مجھ سے ایسا کھلا جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اپنی نئی کمین گاہ کے انتخاب کے سلسلے میں وہ واقعی محتاط تھا۔

جلال کے پاس سنیل اور سوبھراج کے بارے میں خبریں تھیں میں اسٹیشن فور میں ہونے والے دھماکے کا چشم دید گواہ تھا۔ ہمارے درمیان کافی دیر تک جزئیات پر سرگرمی سے باتیں ہوتی رہیں۔ ہم صرف ایک دوسرے کی معلومات میں اضافہ کرتے رہے تھے' ان میں کوئی بات نتیجہ خیز نہیں تھی۔

سنیل آئی بی والوں کے لیے بہت سخت جان ثابت ہوا تھا' جلال کے آدمیوں کا خیال تھا کہ میں صدف مینشن سے نکلنے کے بعد دوبارہ جاکر نرمل کمار کے بارے میں سوال نہ کرتا اور اس کا اضطراری ردِّعمل سامنے نہ آتا تو شاید وہ مرکر بھی سوبھراج کے بارے میں اپنی زبان نہ کھولتا۔ میری زبان سے نرمل کمار کا نام سن کر اس کے اوسان جاتے رہے تھے۔ اسے یہ یقین ہوگیا تھا کہ اس نے کچھ نہ بتایا تب بھی وہ لوگ نرمل کمار اور سوبھراج تک پہنچ جائیں گے۔ بھرپور شکست کے اسی خوف نے اسے کچھ ہی دیر میں زبان کھولنے پر مجبور کردیا تھا۔

سوبھراج کسی سیاسی جماعت میں شامل نہیں تھا لیکن اپنے مضبوط اقلیتی گروپ کی سربراہی کرتا تھا۔ وہ لوگ چڑھتے سورج کے پجاری تھے اور اقتدار میں رہ کر اپنی برادری کی بہبود کے لیے کام کرنے کے نام پر ہمیشہ حکومت وقت کا ساتھ دیتے چلے آئے تھے۔

سیاست کا چسکا لگ جانے کے بعد سوبھراج نے تیسرے درجے کی غنڈا گردی ترک کردی تھی لیکن وہ دوسرے غیر قانونی کاموں میں گردن تک غرق تھا۔

پلاٹوں اور پرمٹوں کی سیاست اس قدر عام ہوچکی تھی کہ اسے بددیانتی اور جرم کے زمرے سے خارج کر کے سیاست کے چلن شمار کیا جانے لگا تھا۔ سوبھراج شہر بھر میں پھیلے ہوئے گرگوں کے ذریعے جوئے کے اڈے اور منشیات

کے ٹھکانے چلاتا تھا' ریکروٹنگ کی آڑ میں انسانوں کی اسمگلنگ کے گھناؤنے کاروبار میں ملوث تھا۔ ایسے دھندے اس کے آدمی چلاتے تھے اور خاموشی سے اپنی آمدنی کا ایک بڑا حصہ اسے پہنچا دیتے تھے' ان چکروں میں اس کا نام کبھی سامنے نہیں آیا تھا۔

اس کے آدمی پکڑے جاتے تھے تو وہ انسان دوستی اور ہمدردی کے نام پر سفارشوں کے ذریعے انہیں آزاد کرا دیتا تھا۔

سنیل کی نظروں میں اس کے مالک کے وہ جرائم سنگین تھے لیکن ہمارے لیے ان کی زیادہ وقعت نہیں تھی۔

را' بلیک کیٹس' سی آئی اے اور ایف بی آئی کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے سوبھراج ایسے غدارانہ جرائم کا مرتکب ہوتا رہا تھا جن کی معافی ممکن ہی نہیں تھی۔

سوبھراج کے ان جرائم سے سنیل بڑی حد تک لاعلم تھا۔ اس نے صرف یہ بتایا تھا کہ اس کا مالک اکثر اپنے کمرے میں بند ہو کر سیٹ لائٹ فون پر نامعلوم لوگوں سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ اگر اس کے سیٹ لائٹ فون پر کوئی کال آجاتی تھی تو وہ سنیل کو ایک لمحے کے لیے بھی اپنے قریب نہیں ٹھہرنے دیتا تھا۔

راج محل میں سیاسی رہنماؤں سے لے کر شہر کے لفنگوں تک کی آمدورفت رہتی تھی۔ آبادی کے نچلے طبقات میں سوبھراج کے وہ روابط اس کے ماضی کا حصہ تھے۔ اس کی صرف ایک ہی خوبی تھی کہ اپنا سیاسی قد کاٹھ نکال لینے کے باوجود اس نے اپنے در پر آئے کسی شخص کو نہیں دھتکارا تھا۔ حتی الامکان ہمیشہ اور ہر شخص کے کام آنے کی کوشش کرتا تھا جسے اس کے مداح اور حواری اس کی غریب پروری کا نام دیتے تھے۔

سوبھراج عام ملاقاتیوں سے کھلی کچہری کی صورت میں ملتا تھا جہاں سنیل کسی ہم زاد کی طرح ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا اور اپنے مالک کی ضروری ہدایات نوٹ کرتا رہتا تھا۔ کچھ مشتبہ لوگ فارغ اوقات میں اس سے ملنے کے لیے آتے تھے' وہ ملاقاتیں مکمل تخلیے میں ہوتی تھیں۔

سنیل اپنے مالک سے کچھ پوچھنے کی جرأت کر سکتا تھا نہ سوبھراج نے کبھی اسے اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کی تھی لیکن سنیل نے اپنے طویل تجربے کی بنا پر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ان اہم اور پراسرار مقامیوں اور غیر ملکیوں کی آمد سیاسی ضرورتوں سے زیادہ مجرمانہ مقاصد کے لیے ہوتی تھی۔

سنیل اپنے مالک کے شب و روز کی زندہ اور متکلم ڈائری کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسے سب کچھ معلوم تھا' بس یہ معلوم نہیں تھا کہ سوبھراج نے اپنے مقام سے بہت نیچے گر کر شیبا کو اپنی داشتہ بنایا ہوا تھا۔

سنیل کے اس دعوے پر جلال کو یقین تھا نہ مجھے اعتبار آیا تھا۔ دوسری باتوں کی طرح وہ سوبھراج اور شیبا کے تعلقات سے بھی پوری طرح آگاہ تھا لیکن اس کا اعتراف کر کے روسیاہی کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد جلال واپس چلا گیا۔ اسلام آباد والوں کا کراچی میں جماؤ شروع ہو چکا تھا۔ جنرل وقار پہلے سے کراچی میں تھا' جلال سہ پہر کو آ گیا تھا۔ اس نے خبر دی تھی کہ رات تک بموں اور آتش گیر مادوں وغیرہ کے ماہرین کی جماعت بھی کراچی پہنچنے والی ہے۔ وہ آثار بہت حوصلہ افزا تھے امید بندھ رہی تھی کہ گیری کے دھاکے کے جواب میں کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔

شام ڈھلے میرے موبائل پر سوبھراج کی کال آ گئی۔ وہ سیٹ لائٹ فون استعمال کر رہا تھا۔ میں اس کی آواز سن کر حیران رہ گیا مجھے اس کی طرف سے اتنی جلدی دوبارہ رابطے کی توقع نہیں تھی۔

''ڈینی!'' میں اس وقت سخت پریشان ہوں' میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اپنی بات کہاں سے شروع کروں!'' رسمی مزاج پرسی کے بعد اس کی بھرّائی ہوئی آواز آئی۔

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ سوبھراج کا وہ لب و لہجہ میرے لیے اجنبی تھا۔ صبح سویرے بدترین حالات میں بھی اس کی آواز اتنی کمزور نہیں ہوئی تھی۔

''کہیں سے بھی شروع کر دو۔ میں تمہارا مقصد سمجھ لوں گا۔'' میں نے اضطراری انداز میں جواب دیا۔ ''بس خبر اچھی ہونی چاہئے!''

''مشکل یہی ہے ...... میرے پاس تمہارے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہے......''

''تم کہاں ہوں؟ کوئی ٹھکانا ملا یا ابھی تک اسی پائپ میں پڑے ہوئے ہو؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر بے چینی سے پوچھا۔

''میں سر چھپانے کے لیے ایک محفوظ جگہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں لیکن اب یہ سیٹ لائٹ فون مجھے اپنے

گلے پڑتا ہوا نظر آرہا تھا۔ تم نے ٹھیک کہا تھا کہ میں انہیں چھوڑنا چاہوں تب بھی وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔''

''تم کس کی بات کررہے ہو..... کیا ہوا ہے؟'' میں نے برہمی سے کہا۔ اس کے پس و پیش پر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔

''ابھی تک میں ایف بی آئی والوں سے چھپتا پھر رہا تھا اب را والے میرے پیچھے لگ گئے ہیں۔''

''را والے..... وہ کہاں سے آگئے؟'' اس کا انکشاف سن کر میری عقل چکرا کر رہ گئی۔

''وہ آج ہی کراچی پہنچے ہیں اور میری مدد کے طلب گار ہیں تم یقین کرو کہ میری نیت صاف ہے۔ میں نے ان سے صاف انکار کردیا ہے۔ کہہ دیا ہے کہ اس وقت میں خود مشکلات میں گھرا ہوا ہوں۔ ان کی کوئی مدد نہیں کرسکتا مگر وہ مجھ سے ملنے پر مصر ہیں۔''

''کیا تم پہلے بھی را والوں سے ملتے رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کوبرا کا روپ ان ہی کے لیے دھارا گیا تھا'' اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا'' وہ مجھے اسی نام سے جانتے ہیں۔''

''صبح تک ان کا کوئی پتا نہیں تھا۔ اب وہ اچانک کہاں سے نازل ہوگئے!'' میں نے برہمی سے سوال کیا۔ اس غیر متوقع خبر نے میرے ذہن کو بری طرح الجھا دیا تھا۔'' تم میرے ساتھ کیا چکر چلانے کی کوشش کررہے ہو۔''

''مجھے ڈر تھا کہ تم یہی کہو گے! میں ان سے الگ تھلگ ہوں۔ میرے ہاتھ صاف ہیں وہ دونوں شہر میں کوئی گڑبڑ کریں گے تو میری کوئی ذمے داری نہیں ہوگی۔ میں پہلے سے تمہیں ان کے بارے میں آگاہ کررہا ہوں۔'' اس کا انداز سراسر مدافعانہ تھا۔

''وہ تم سے کس قسم کی مدد چاہتے ہیں؟'' چند ثانیوں کے سکون کے دوران میں نے اپنے ابال پر قابو پانے کے بعد پوچھا۔

''وہ خانماں برباد خانہ بدوشوں کے روپ میں تھرپارکر کے علاقے سے سرحد پار کرکے آتے ہیں۔'' وہ بتانے لگا۔'' ان کے پاس رقم ہوتی ہے نہ ہتھیار یہ سب انہیں کراچی آنے کے بعد ملتا تھا۔ وہ اسی مقصد کے لیے مجھ سے ملنے کے لیے بے چین ہیں۔ میرے صاف انکار کے باوجود دو مرتبہ مجھے فون پر تنگ کرچکے ہیں۔''

''حیرت ہے کہ سیتا کانت اور گوپال کے قصے کی دھول بیٹھنے سے پہلے یہ لوگ آپہنچے.....''

''وہ بلیک کیٹس تھے۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا'' سیتا ماری گئی تھی' گوپال قیدی بنالیا گیا تھا۔ سنا ہے کہ تمہارے سات آدمیوں کے بدلے انہوں نے گوپال کو واپس لے لیا ہے۔ وہ قصہ ختم ہوگیا اب یہ نئی پارٹی آگئی ہے مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں۔''

''یہ سب مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟ کچھ اپنی عقل بھی استعمال کرو۔'' میں نے غصے سے جواب دیا۔

''میری عقل کام کررہی ہوتی تو تمہیں کیوں فون کرتا۔ اس وقت روئے زمین پر تم میرے اکلوتے ہمدرد رہ گئے ہو آج صبح تم سے بات کرتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ تم میرے بدخواہ نہیں ہو اسی لیے میں تم کو پوری بات بتارہا ہوں۔''

''کیا تمہارے پاس کوئی اور متبادل بھی تھا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''دس متبادل تھے۔ میری ذات سے بڑے بڑے فائدے اٹھانے والے آج مجھ سے کترا رہے ہیں لیکن ان کے دلوں میں بھارت سے آنے والوں کے لیے نرم گوشے موجود ہیں۔ میں ایک فون کرکے ان دونوں کو کہیں بھی بھیج دیتا تو ان کے مسئلے حل ہوجاتے لیکن میں نہیں چاہتا کہ دوسرے گڑبڑ کرتے پھریں اور تم میری طرف سے بدگمان ہوجاؤ۔''

''سوبھراج! مجھے گھسنے کی کوشش مت کرو!'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''یہ گھسنے والی بات نہیں ہے میں یہ بات جانتا ہوں کہ جو شخص مجھے موت کے خطرے سے بروقت آگاہ کرکے بچا سکتا ہے وہ مجھے آسانی سے مار بھی سکتا ہے۔ ایف بی آئی والے اندھیروں میں بھٹکتے رہ جائیں گے لیکن تم میرا کام تمام کردو گے۔''

'اگر تمہاری باتیں درست ہیں تو تمہارے تعاون کے بغیر ان کا مشن کبھی پورا نہیں ہوسکے گا۔ وہ مسلسل تمہیں تنگ کرتے رہیں گے!'' میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ دہلی سے ان کے کسی بڑے کا فون آجائے۔ ایسے رابطوں کے لیے میں ہمیشہ ان کے کام آیا

کرتا تھا۔'' باتوں باتوں میں وہ را کے طریقہ کار پر روشنی ڈال رہا تھا کسی پوچھ گچھ کے نتیجے میں وہ باریک باتیں میرے علم میں نہیں آسکتی تھیں۔

''ان سے ان کا پتا معلوم کروا اور کہہ دو کہ موقع ملنے پر تم خود ان سے ملنے کے لیے پہنچو گے۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہاری مشکل آسان ہو جائے۔''

''کیا تم انہیں مار دو گے؟'' سوبھراج نے بے ساختہ پوچھا۔

''میں نے یہ نہیں کہا۔ ویسے ضرورت ہوئی تو یہ کام بھی کیا جاسکتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اپنے وطن کے معاملے میں بہت حسّاس ہوں' یہاں کے امن و امان کی شرط پر میں نے تم کو چھوٹ دی ہوئی ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ قیدیوں کے تبادلے کے بعد یہاں آنے والے غیر ملکی خون کی ہولی کھیلیں اور اطمینان سے واپس چلے جائیں۔''

''تم نے گول مول جواب دیا ہے کھل کر نہیں بتایا کہ تم ان کے ساتھ کیا کرو گے۔''

''انہیں بھگانے کی کوشش کروں گا۔ وہ نہ بھاگے تو پھر مارے جائیں گے۔''

''نہیں ڈینی...... رہنے دو۔'' وہ میرے بیان سے ڈر گیا ''میں خود ان سے گلو خلاصی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں تمہارے تیور مجھے اچھے نظر نہیں آرہے۔''

میں ہلکی سی بھیانک آواز میں ہنس پڑا۔ ''تمہیں معلوم ہے کہ میرا نام ڈینی ہے میں ہر ایک پر اتنا مہربان نہیں ہوسکتا جتنا تم پر ہوں۔ راوالوں کے بارے میں مجھ سے مشورہ کر کے تم انتخاب کا حق کھو بیٹھے ہو۔ اب ان کا فیصلہ میں خود کروں گا۔ تمہیں ان کا پتا معلوم کر کے مجھے بتانا ہوگا یہ میرے ساتھ تمہارے خلوص کا امتحان ہے۔ میں تمہارے کئی امتحانوں میں پورا اتر چکا ہوں اب تمہاری باری ہے یہ کام آج ہی ہو جانا چاہیے۔''

''تم بہت سخت آدمی ہو۔'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس کی تھکی ہوئی آواز آئی۔

''باتوں میں نہ بہلاؤ' مجھے تمہارا جواب درکار ہے۔'' میں نے ٹہلتے ہوئے کہا۔

''میرے پاس ان کا فون نمبر نہیں ہے ان کی جیبیں خالی ہیں۔ پتا نہیں وہ کہاں پڑے ہوئے ہیں۔ مجھے ان کے فون کا انتظار کرنا ہوگا وہ رابطہ کریں گے تو میں کچھ پوچھ سکوں گا۔''

اس کے لہجے سے سچائی کی بو آرہی تھی میں نے سخت لہجے میں کہا ''تمہارا یہ عذر میرے دل کو نہیں لگ رہا مگر میں اسے تسلیم کیے لیتا ہوں وہ زیادہ انتظار نہیں کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ کل تک ان کا فون آجانا چاہیے۔ دشمن کی سرزمین پر آنے والے سیکرٹ ایجنٹ بلاوجہ اپنا وقت برباد نہیں کرتے۔ ان کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے۔ وہ جلد از جلد اپنا مشن پورا کر کے واپس جانا چاہیں گے۔''

''ٹھیک ہے پہلے میں نے تمہاری بات پر کان نہیں دھرے تھے لیکن اب مجھے رہ رہ کر تمہاری بات یاد آرہی ہے۔ ایف بی آئی اور را میرے گلے کی چھچھوندریں بن گئی ہیں' ان کی طرف سے فون آنے میں دیر ہوسکتی ہے میں تاخیر نہیں کروں گا۔''

''یہ تمہارا وعدہ تھا کہ تم ان دونوں کا ساتھ چھوڑ دو گے۔ میرے اور تمہارے سمجھوتے کی یہ اکلوتی شرط تھی اور تم نے ان دونوں کو سنبھالنے کی ذمے داری لی تھی۔''

''ذمے داری لیتے ہوئے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ کتنا مشکل کام ثابت ہوگا۔ ہر جگہ مافیاؤں کا راج ہے ان میں گھسنا اتنا مشکل نہیں ہوتا لیکن واپسی بہت مشکل یا شاید ناممکن ہوتی ہے۔''

''یہ سب دیکھنا تمہارا کام ہے۔'' میں نے بے رخی سے جواب دیا ''مجھے ان باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے یہ یاد رکھنا کہ ہم دونوں بہت دیر میں ایک دوسرے کو سمجھ پائے ہیں' تمہاری ذرا سی لغزش سے یہ مفاہمت خاک میں مل سکتی ہے۔''

''تم بے فکر رہو' میں نے اپنی زندگی کی پہلی اور سب سے بڑی ٹھوکر کھائی ہے میری طرف سے کوئی غلطی نہیں ہوگی۔ یہ مفاہمت دن بدن بڑھتی رہے گی ہوسکے تو مجھے ایک بات اور بتا دو۔ میرے پاس اخبارات اور ٹیلی وژن کے سوا خبروں کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اب یہ ذرائع بھی آسانی سے دستیاب نہ ہوں' نک کی موت کے بعد اب وہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟''

''بری طرح بوکھلائے ہوئے ہیں' خوف زدہ ہیں اور چپ سادھ کر بیٹھ گئے ہیں۔'' میں نے اس کو خوش فہمی میں مبتلا کرنے کے لیے بے پروائی سے جواب دیا ''تمہاری کارروائی نے ان کے حوصلے توڑ کر رکھ دیے ہیں۔''

''اس کی جگہ کون کام کر رہا ہے؟'' سوبھراج نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔
''مجھے نہیں معلوم!'' میں نے اس پر لاعلمی کا اظہار مناسب سمجھا۔
''کہا جاتا ہے کہ تم ایجنسیوں کے آدمی ہو۔ تمہیں ملک بھر کے واقعات کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ اس معاملے میں تم اتنے بے خبر کیوں ہو۔''
''یہ ان کے اندر کے معاملات ہیں جب تک کوئی کھل کر میدان میں نہیں آئے گا' یہ پتا نہیں چل سکے گا کہ نک کا جانشین کون ہے۔'' میں نے کہا ''اس کی جگہ کوئی بھی ہو' تم کو اس سے کیا لینا ہے۔''
''ان سے میری ٹھن گئی ہے' یہ بات تم نہیں سمجھ سکو گے۔'' وہ مجھ پر واقعی پوری طرح اعتبار کر بیٹھا تھا اور اپنے دل کی بات کہہ رہا تھا' وہ بولتا رہا ''انہوں نے غدار قرار دے کر میری موت کا پروانہ جاری کر دیا ہے۔ نک کی موت سے اس کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی جگہ آنے والا بھی اسی کی طرح میرے لہو کا پیاسا ہوگا خود کو بچائے رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ میں آنے والوں کو مارتا رہوں۔''
''اس وقت تم پر برا وقت آیا ہوا ہے' تم کسی کو کیا مارو گے!''
''یہ نہ کہو' پیر کے نیچے آئی ہوئی چیونٹی کاٹ لیتی ہے تو اس کے پھیلائے ہوئے زہر سے آدمی جہنم واصل ہو جاتا ہے۔ میرے لیے کسی کو مروانا اب بھی زیادہ مشکل نہیں ہیں۔ بس نام سامنے ہونا چاہئے۔''
''مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔ میں تمہارے آدمیوں کے حوصلے دیکھ چکا ہوں۔ وہ جہانگیر کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے تھے۔''
''اپنی بات چھوڑ دو' ہر دشمن ڈینی نہیں ہوتا۔''
وہ خیال برا نہیں تھا' میں خود بھی ان لوگوں کو ہراساں کرنے کی فکر میں تھا اس ضمن میں اگر سوبھراج سے کوئی مدد مل سکتی تھی تو اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی تھی۔
''تمہیں اتنا زعم ہے تو نک کے جانشین کا نام بھی سن لو۔ اسے گیری ہارٹ کہا جاتا ہے وہ امریکی دفتر خارجہ کا ملازم ہے اور اب نک کی جگہ کام کر رہا ہے۔''
''یہ نام تم پہلے بھی بتا سکتے تھے!'' اس نے شکوہ کیا۔
''مجھے شبہ ہوا تھا کہ تم اس سے معافی کی درخواست کرو گے۔''
''اسے بھول جاؤ۔ ایف بی آئی کے بڑوں کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں' وہ نوکریاں چھوڑ دیتے ہیں اپنے فیصلے نہیں بدلتے۔ وہ بھول کر بھی مجھے معاف نہیں کریں گے۔''
''کیا نک نے تمہیں تمہارے مقدر کے فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔
''یہ دغاباز لوگ ایسے فیصلوں سے آگاہ نہیں کرتے۔ گھیر کر دھوکے سے مارتے ہیں اگر تم نے بار بار میری مدد نہ کی ہوتی تو آج میں اس دنیا میں نہ ہوتا۔ یہ بات آج صبح میری سمجھ میں آئی ہے۔'' اس نے خیال انگیز آواز میں جواب دیا۔
''تم نک کے خون کا الزام اپنے سر لے چکے ہو۔ تم کامیاب ہو جاتے ہو تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ گیری بھی تمہارا نشانہ بنا ہے۔'' میں نے دور کی بات سوچتے ہوئے اسے مشورہ دیا۔
اسے ورغلانے میں وہ احتیاط ضروری تھی تا کہ اس خون کا الزام کسی اور کے سر پر تھوپ کر پاکستان کو بدنام نہ کیا جا سکے۔
ویسے وہ لوگ انتہائی درجے کے بدنیت تھے۔ سوبھراج کے اخباری اعلان کے باوجود اصرار کرتے رہے تھے کہ نک میرے ہاتھوں مارا گیا تھا لیکن سوبھراج کے اعتراف کی وجہ سے ان کی الزام تراشی زیادہ زور نہیں پکڑ سکی تھی۔
''تم بے فکر رہو' میں اپنا کریڈٹ کسی اور کو نہیں جانے دوں گا کچھ دنوں بعد وہ میرے نام سے بھی اسی طرح کانپنے لگیں گے جیسے تمہارے نام سے ڈرتے ہیں۔''
''وہ مجھ سے نہیں' میری سفاکی سے ڈرتے ہیں!'' میں نے کہا۔
''تمہاری سفاکی نے مجھے بھی خوف زدہ کر دیا تھا' تم سے الجھ کر میں نے کئی آدمی کھوئے ہیں ان میں شیر دل مجھے سب سے زیادہ عزیز تھا تم نے اسے مار کر اچھا نہیں کیا۔''
''اس وقت میری اور تمہاری لڑائی چل رہی تھی۔ لڑائی میں زیادہ سے زیادہ کاری زخم لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تم سامنے ہوتے تو شیر دل سے پہلے تمہاری باری آ جاتی۔''
''اب یہ باتیں ختم کر دو' میں تمہاری دوستی کا خواہاں ہوں۔''
''تمہاری خواہش سے پہلے ہی میں تمہیں اتنی ڈھیل دیتا

رہا ہوں جو تمہارے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔'' میں نے ذہن میں ایک نیا خیال آتے ہی بات کا رخ بدل دیا۔

''میں سب جانتا ہوں' تم نے کم از کم دو مواقع پر مجھے نک سے بچایا ہے۔''

''شاید تمہیں یہ معلوم نہ ہو کہ کل بھی میں نے تمہیں چھوڑا ہے!''

''کل کہاں چھوٹ ملی' پچھلی رات میرے لیے تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔''

''مدن لال کے گھر پر آنے والے دوسرے لوگ تھے' میں آتا تو تم بچ نہیں سکتے تھے۔''

''کیا تمہیں میری پناہ گاہ کا سراغ مل گیا تھا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''مجھے سب معلوم ہو گیا تھا۔ یہاں تک پتا چل گیا تھا کہ تم نے شیر دل کی بیوہ کو ایک بڑی رقم بھجوائی ہے تاکہ جرائم کی منڈی میں تمہاری ساکھ خراب نہ ہو۔''

''یہ تمہیں کس نے بتادیا؟'' اس کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔

''میں دوسروں سے الگ رہ کر اپنی راہ بناتا ہوں۔ اس عورت سے نرمل کمار کا فون نمبر ملا اس کے ذریعے مدن لال میرے سامنے تھا۔ میں جب چاہتا اس کے گھر میں گھس کر تمہاری گردن ناپ سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ تم کو تمہارے حال پر چھوڑ دیا' یہ اور بات ہے کہ سنیل کو اٹھانے والوں نے صبر نہیں کیا اور وہاں چڑھ دوڑے۔''

میں نے وہ باتیں سوچ سمجھ کر دہرائی تھیں۔ وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ کسی ذریعے سے مسز شیر دل سے رابطہ کر کے میری باتوں کی تصدیق کرتا۔ ویسے بھی وہ حقائق تھے صرف ویرا اور عورت فاؤنڈیشن کا ذکر غائب تھا۔ اس گفتگو کے ذریعے میں سوبھراج کے یقین کو پختہ کرنا چاہ رہا تھا۔ میری خواہش تھی کہ میں اس حد تک اسے اپنے اعتماد میں لے لوں کہ وہ سامنے آنے پر آمادہ ہو جائے۔

اس سے لڑائی بہت طول پکڑ گئی تھی۔ اس سے کھٹی میٹھی باتیں بھی ہوتی رہتی تھیں لیکن اس خبیث سے میرا سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی!

''تم یہ سب کرتے پھر رہے تھے۔ میرے خلاف مواد اکٹھا کر رہے تھے پھر ڈھیل کیوں دے رہے تھے؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔''

''مجھے تمہاری باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ تم میری طرف سے بے اعتمادی کا شکار ہو اور کسی بھی وقت بھڑک کر تصادم پر تل سکتے ہو اس لیے تمہاری حرکتوں کا ٹریک رکھنا ضروری ہو گیا تھا۔ یہ میری محفوظ چالیں تھیں مگر میں اپنے وعدے پر قائم تھا۔ جب تک تمہاری طرف سے وعدہ خلافی نہ ہوتی میں تم کو تمہارے حال پر چھوڑنے کا پابند تھا۔''

''اسی وجہ سے تم نے مدن لال کے گھر کا رخ نہیں کیا؟''

''رخ کیا تھا مگر باہر سے گھر کا جائزہ لے کر لوٹ آیا۔''

''یہ سب سنا کر تم نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں بھارت سے آئے ہوئے دونوں بدنصیب ایجنٹوں کے بارے میں تمہیں بتادوں۔'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ ''وہ آج کی رات صدر کے نیو خان نامی سستے سے ہوٹل میں گزاریں گے۔''

''کچھ دیر پہلے تو تم کہہ رہے تھے کہ تمہیں ان کے ٹھکانے کا علم نہیں ہے۔'' میں نے اپنے فوری اشتعال پر قابو پاتے ہوئے تحمل سے کہا۔

''میں تمہاری طرح سنگ دل نہیں ہوں' سوچنے کے لیے وقت لینا چاہ رہا تھا!''

''اب ان کا پتا کیوں بتادیا؟'' وہ سوال کرتے ہوئے میری کھوپڑی سلگ رہی تھی۔

میں تمہاری دیانت کا قائل ہو چکا ہوں۔''

''کچھ دیر پہلے تم روئے زمین پر مجھے اپنا اکلوتا ہمدرد قرار دے رہے تھے' کیا وہ ڈھکوسلا تھا؟'' اس بار میری آواز میں غیر ارادی طور پر ہلکی سی تلخی آگئی۔

''تم میرے ہمدرد تھے لیکن را کے ایجنٹوں کے ہمدرد نہیں ہو سکتے تھے۔'' اس نے جلدی سے بات بنائی۔ ''اب میں سمجھ چکا ہوں کہ میرے زندہ رہنے کے لیے ان دونوں کی بھینٹ ضروری ہو گئی ہے۔ تم جو چاہو کہتے رہو مگر مجھے یقین ہے کہ تم ان کو زندہ نہیں چھوڑو گے۔''

میں اسے باتوں کے داؤ پیچ میں الجھا رہا تھا تو وہ بھی مجھ سے کم نہیں تھا' اس کا نام سوبھراج تھا' چالاک آدمی کی طرح وہ ایک وقت میں اپنے سارے گھر کھیل جانے کا عادی نہیں تھا۔ رک رک کر اور سنبھل سنبھل کر مجھ سے کھل رہا تھا۔ ان باتوں پر اس سے الجھنا بے سود تھا۔ وہ ہر طرف سے خطرات میں گھرا ہوا تھا میری کسی بھی بات سے اچٹ جاتا تو میری وہ

ساری محنت پل بھر میں برباد ہوسکتی تھی۔

''تم بلاوجہ میری طرف سے بدگمانیوں میں مبتلا ہو۔ میں اتنا کٹھور انسان نہیں ہوں۔'' میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا۔ ''انسانوں کو گاجر مولی کی طرح نہیں کاٹا جاسکتا۔ ان کے بارے میں دیکھ بھال کر کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔''

''مجھے رہ رہ کر تمہاری باتوں سے خوف آرہا ہے تم میری شہ رگ سے بہت قریب رہ رہے ہو۔ اگر تم نے شیر دل کی بیوہ کو بھیجی جانے والی رقم کا حوالہ نہ دیا ہوتا تو میرے لیے اب بھی تمہاری باتوں پر اعتبار کرنا مشکل ہوتا۔''

''آگ سے کھیلنے والے انگاروں سے نہیں ڈرا کرتے' اپنا دل بڑا کرو۔'' میں نے مربیانہ لہجے میں کہا ''مجھ سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ...... ہاں' اب ان دونوں کے نام بھی بتادو۔''

''حسن اور رزاقی ان دونوں کے نام ہیں۔'' میرے بے ساختہ سوال پر اسے سوچنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

''وہ صرف نام کے مسلمان ہیں یا دوسرا کام بھی کرا کے آئے ہیں۔''

وہ میری بات سمجھ کر ہنس پڑا اور بولا ''پاکستان آنے والوں کے لیے ختنہ لازمی ہوتی ہے۔ ویسے بھی آج کل ایڈز سے بچاؤ کے لیے دنیا بھر میں اس کا رواج ہوگیا ہے' ان دونوں کے بارے میں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا روٹین کے مطابق ہر کام مکمل ہونا چاہئے۔''

سیتا اور گوپال کے بعد وہ نئی جوڑی تھی جسے دہلی والوں نے آنکھیں بند کر کے سوئے مقتل ہانک دیا تھا۔ وہ آکر ہوٹل میں ٹھہرے ہی تھے اور سوبھراج میرے ساتھ ان کا سودا طے کر چکا تھا۔ وہ آنے والے برے وقت سے بالکل بے خبر تھے!

سوبھراج سے میری گفتگو خاصی طویل ہوچکی تھی لیکن نظریہ ضرورت کے تحت وہ جائز بلکہ ناگزیر تھی۔ میں مر کر بھی اس پر بھروسا نہیں کرسکتا تھا لیکن مجھے گمان تھا کہ میں اپنی باتوں اور یقین دہانیوں سے اس کا دل جیتنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس کا واضح ثبوت یہ تھا کہ را کے دونو وارد ایجنٹوں کے نام اور پتے میرے علم میں آچکے تھے۔

چند ثانیوں بعد میں نے وہ سلسلہ منقطع کردیا۔

''تم اپنے دشمنوں کے ساتھ اتنی مغز زنی کرتے ہو۔ کیا تمہیں کوفت نہیں ہوتی؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔ وہ کئی منٹ پہلے وہاں آچکی تھی۔

''ان باتوں سے عقل رواں ہوتی ہے......''

''میری عقل رواں ہونے سے پہلے روانہ ہوگئی ہوتی۔'' وہ میری بات کاٹ کے بولی ''تم اتنی تیزی کے ساتھ جھوٹ پر جھوٹ بولے جارہے تھے کہ میں حیران رہ گئی۔''

''میں نے کیا جھوٹ بولا؟'' میں نے اسے گھور کر پوچھا۔

''تم نے کون سی چھوٹ دی ہوئی ہے'' ویرا نے پلٹ کر سوال کرڈالا۔

''وہ اب تک زندہ ہے یہ سب سے بڑی چھوٹ ہے۔''

''تمہیں اس کا سراغ ہی نہیں مل رہا تو تم اسے کیا چھوٹ دو گے۔ پچھلی رات بلکہ آج صبح جلال کا فون آنے تک تمہارے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ نرمل کہاں رہتا ہے' تم بلاوجہ اس سے اتنی لمبی چوڑی باتیں کررہے تھے۔''

''ان باتوں کے نتیجے میں را کے دو ایجنٹوں کا سراغ ملا ہے۔'' میں نے اس کے چڑچڑے پن سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا ''کھانے کے بعد ان پر کام شروع کردیا جائے گا۔''

''یہ سوبھراج کا کوئی نیا فریب بھی ہوسکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم وہاں پہنچو اور کسی طرف سے آنے والی گولی تمہاری خوبصورت کھوپڑی میں ہوادان ایجاد کردے۔''

''ایسا نہیں ہوسکتا۔'' میں نے وثوق سے کہا ''میں جھوٹ اور سچ میں اتنی تمیز کرسکتا ہوں۔'' ویرا کو وہ جواب دیتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ ایجنٹوں کے پتے ٹھکانے سے لاعلمی ظاہر کر کے سوبھراج نے ایک مرتبہ مجھے فریب دے دیا تھا۔ اس وقت مجھے اپنی دانست میں اس کے لہجے سے سچائی کی بو آرہی تھی اور میں نے اس کی بات پر یقین کرلیا تھا۔ تھوڑی دیر اس نے خود ساری تفصیل اگلی تو میں اپنے غلط اندازے پر خفت محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''اور کیا بتایا ہے تمہارے چہیتے نے ان کے بارے میں ؟'' ویرا نے پوچھا۔

''میرے ہوتے ہوئے کس چہیتے کی باتیں ہورہی ہیں یہاں؟'' سلطان شاہ نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے ہانک لگائی۔

''ابھی ابھی ڈینی کا ایک نیا چہیتا پیدا ہوا ہے جس کا نام

سوبھراج ہے۔'' ویرا نے شوخ لہجے میں اسے آگاہ کیا۔
''میری معلومات کے مطابق وہ چالیس پینتالیس سال پہلے پیدا ہو چکا تھا۔'' سلطان شاہ نے اپنی ناک بھوں پر زور دیتے ہوئے انکشاف کیا۔
''اس وقت یا شاید کچھ دیر بعد صدر کے نیو خان ہوٹل میں را کے دو ایجنٹ موجود ہوں گے۔'' میں نے ویرا کو نظر انداز کر کے سلطان شاہ کو بتانا شروع کر دیا۔ ''ان کے نام حسن اور ذکی ہیں وہ بھارت سے تازہ وارد ہوئے ہیں۔ سوبھراج کا کہنا ہے کہ اس وقت وہ رقم اور ہتھیاروں کی جستجو میں ہیں' ہمیں ان کو دیکھنا ہے۔''
''نیو خان ہوٹل!'' سلطان شاہ چٹکی بجا کر بولا ''وہ تو میرے گاؤں والے آدمی کا ہے۔ میں ابھی پتا کر لیتا ہوں کہ اس نام کے آدمی وہاں ہیں یا نہیں۔''
''ویری گڈ' اب کام آسان ہو جائے گا۔'' میرے لیے وہ اطلاع دل خوش کن تھی۔
''سوبھراج کی باتوں میں آ کر انہیں نہتا نہ سمجھ لینا۔'' ویرا نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
''سیکرٹ ایجنٹ کبھی نہتا نہیں ہوتا۔ چند شعبدے ہر وقت اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے اسے اطمینان دلایا۔ اس طرح وہ کنگال بھی نہیں ہوں گے۔ کراچی میں مخیر لوگوں کی کمی نہیں ہے انہوں نے مانگ تانگ کر اپنی ضرورت سے زیادہ رقم بٹور لی ہوگی' پرائے ملک کا یہی فائدہ ہوتا ہے کہ آدمی گزارے کے لیے بھیک بھی مانگ لے تو کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہیں ہوتا۔''
''جعل سازوں کے ہتھے چڑھنے والے بعض تارکین وطن روزگار نہ ملنے کی صورت میں اس فارمولے پر عمل کرتے ہیں اور پھر اسی کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔'' سلطان شاہ بولا۔ ''وطن واپس لوٹتے ہیں تو اپنی شاندار ملازمت کی کہانیاں سناتے ہیں۔''
''تم اس تجربے سے کب گزر رہے ہو؟'' ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''فکر نہ کرو' دونوں ساتھ چلیں گے میں اندھا بن جاؤں گا تم گوری ہو' آسانی سے کوڑھی بن سکتی ہو۔'' سلطان شاہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
''لعنت ہے تم پر...... کیسی غلیظ باتیں کرتے ہو۔'' ویرا پھریری لے کر بلبلا اٹھی۔

''جاؤ!'' میں نے ہاتھ اٹھا کر سختی سے کہا ''نیو خان ہوٹل کا نمبر دیکھو اور فون کرو۔ ان دونوں کو بھنک نہیں ملنی چاہیے کہ ان کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ ہوئی ہے۔''
''تم فکر نہ کرو' وہ وہاں ہیں تو ان کا آملیٹ بن جائے گا۔''
وہ بائیں آنکھ دبا کر ہنستا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔
ہوٹل کا نمبر سلطان شاہ کی ڈائری میں محفوظ تھا۔ وہ چند ثانیوں میں ڈائری لے کر لوٹ آیا۔ ہوٹل کا نمبر ملتے ہی اس نے چہک چہک کر گاڑھی پشتو میں باتیں شروع کر دی۔ شاید فون اس کے جاننے والے نے ہی اٹھایا تھا۔
اس گفتگو کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑ سکا۔ ویرا غور سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی لیکن اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔
سلطان شاہ کو احساس تھا کہ دو افراد اس گفتگو کا نتیجہ جاننے کے لیے بے چین تھے۔ اس نے محض دس منٹ کی قلیل سی مدت میں اپنی وہ بے تکلفانہ گفتگو ختم کر دی جس کے دوران میں اس کے زندگی سے بھرپور قہقہے بھی کمرے میں گونجتے رہے تھے۔
''وہ دونوں اسی ہوٹل میں ہیں لیکن اس وقت کہیں گئے ہوئے ہیں۔'' اس نے ریسیور رکھتے ہی مسرت آمیز آواز میں اعلان کیا۔
''ویری گڈ...... اب ہم پوری تیاری کے ساتھ وہاں جائیں گے۔'' اسے وہ جواب دے کر میں ویرا کی طرف گھوما تو حیران رہ گیا وہ تیز نگاہوں سے مسلسل سلطان شاہ کو گھورے جا رہی تھی۔
''گھنے!'' سلطان شاہ نے نگاہیں چار ہوتے ہیں وہ زہریلے لہجے میں بولی ''تم ہر وقت بنتے رہتے ہو، اب پتا چلا کہ تم اندر سے کتنے گہرے ہو۔ اپنے دوست سے باتیں کرتے ہوئے تم یہ بات فراموش کر بیٹھے تھے کہ میں پشتو سے خوب واقف ہوں۔ مومن خان سے شی کے لیے ہیروئن کے سارے سودے میں ہی طے کرتی تھی۔''
ویرا کے وہ الفاظ سنتے ہی سلطان شاہ کا چہرہ تمتما اٹھا' ہونٹوں کے گوشے کانپنے لگے اور پیشانی پر تیزی سے پسینے کی بوندیں ابھر آئیں۔ وہ ویرا سے نظریں چرا رہا تھا۔ وہ اس کیفیت میں بس چند لمحوں کے لیے وہاں رکا پھر سخت ندامت کے عالم میں سر جھکا کر تقریباً دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

''یہ کیا باتیں کر رہا تھا اس سے؟'' میں نے حیران ہو کر ویرا سے پوچھا ''اچانک شرمندہ ہو کر یہاں سے کیوں بھاگا ہے۔''

''پشتو سیکھ لیتے تو یہ نازک اسباب تمہارے علم میں بھی آ جاتے۔'' ویرا نے ہلکے سے تبسم کے ساتھ کہا۔ ''اب وہ مجھ سے آنکھ نہیں ملائے گا۔''

''یعنی تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گی؟'' میں نے شکایت کی۔

''نہیں!'' اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا ''یہ میری اور اس کی بات ہے۔ وہ واقعی بھول گیا تھا کہ میں پشتو جانتی ہوں۔''

''پھر بھی کچھ تو پتا چلے کہ موضوع کیا تھا!'' میرے دل میں تجسس جاگ اٹھا۔

''یہ دو مردوں کی باتیں تھیں۔ دونوں ہی کڑک پٹھان ہیں اور تجرد کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ اس کا دوست شاید رنگین مزاج ہے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ان کے درمیان کیسی کھلی کھلی باتیں ہو رہی ہوں گی۔''

''شرم کی بات ہے۔'' میں نے اسے لتاڑا۔ ''تم کو ابتدا ہی میں پشتو میں اسے ٹوک دینا چاہیے تھا تاکہ وہ وہیں محتاط ہو جاتا۔''

''میں کیوں ٹوکتی۔'' اس نے اپنی آنکھیں مٹکائیں ''مجھے اس کی زبان سے وہ باتیں سن کر جہاں حیرت ہو رہی تھی وہاں مزہ بھی آ رہا تھا یہ گھر میں ہر وقت بنا رہتا ہے اندر سے اتنا سیدھا نہیں تھا۔''

''اب اپنی زبان بند رکھو ورنہ وہ کئی دنوں تک میرے سامنے بھی نہیں آئے گا۔'' میں نے نیچی آواز میں سختی سے کہا۔

''ہائے!'' وہ آنکھ مار کر بولی ''جیسے وہ خان زادہ نہیں کوئی لچکیلی دوشیزہ ہو..... تم کو کیسا جوش آ رہا ہے اس کی حمایت میں، کبھی میرے بارے میں بھی اتنی ہمدردی سے سوچ لیا کرو۔''

''اچھا' اٹھو اور اب اپنے کمرے میں جاؤ' اسے نہ چھیڑنا۔'' میں نے خفگی سے کہا ''مجھے اس کے ساتھ بیٹھ کر ہوٹل کا پروگرام طے کرنا ہے۔''

''تم راوالوں سے نمٹ لو پھر دیکھنا کہ میں اس کی زندگی کیسے اجیرن کرتی ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے ایک ادا سے بولی ''تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ کیا کیا بک رہا تھا۔''

''ہاں' ہاں یہ کوئی خاص بات نہیں ہے ساری دنیا کے بے تکلف مرد آپس میں ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔'' میں نے فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا ''تم نے اس کے ساتھ جو حرکت کی ہے وہ تمہیں ذرا بھی زیب نہیں دیتی۔''

وہ میری طرف ہاتھ لہرا کر ڈرائنگ روم سے چلی گئی۔

میں نے ابرار کے ذریعے سلطان شاہ کو بلانے کا ارادہ کیا مگر پھر ملتوی کر دیا۔ اسے خاص طور پر بلانے سے بہتر تھا کہ کھانے کی میز پر سب کے یکجا ہونے کا انتظار کر لیا جائے۔ معمول کے مطابق جمع ہونے کی صورت میں سلطان شاہ کو زیادہ ندامت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور جمود غیر محسوس طریقے پر ختم ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

ویسے تو صدر۔ شہر کا ایک مشہور اور قدیم علاقہ ہے جس کا ہر حصہ صدر کے نام سے پہچانا جاتا ہے لیکن تھوڑے سے مشاہدے کے بعد اسے آسانی سے تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جس میں سرفہرست زیب النسا اسٹریٹ اور اس سے ملحقہ گلیوں کا نام رہے گا جہاں لدی پھندی دکانوں میں قدم رکھتے ہوئے عام خریدار گھبراتا ہے۔ ان دکانوں کے بارے میں تاثر عام ہے کہ ان مہنگی دکانوں میں خریداری صرف امرا کے بس کی بات ہے' عام آدمی قمیص کی خریداری کا ارادہ کر کے ایسی کسی دکان میں چلا جائے تو ان داموں میں ایک بنیان خرید کر باہر آ جائے گا۔

بوہری بازار' فریر روڈ' زینب مارکیٹ وغیرہ عوامی خریداری کے علاقے ہیں۔ جہاں ہر شخص بے خوف و خطر کسی بھی دکان میں گھس کر آزادی سے مول تول کر سکتا ہے۔ سودا نہ پٹے تو کسی خریداری کے بغیر باہر آنے میں بھی سبکی نہیں ہوتی۔

تیسرا علاقہ ایمپریس مارکیٹ اور اس کے سامنے والی سڑکوں پر مشتمل ہے۔ یہ صدر کا سب سے سستا علاقہ ہے جہاں شہر کے مضافات سے آنے جانے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔ نیو خان ہوٹل ایسی ایک سڑک پر قدرے آگے جا کر واقع تھا۔

اس کے محل وقوع سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ شہر کے قلب صدر میں واقع ہونے کے باوجود نیو خان ہوٹل بہت سستا ہو گا۔

گھر چھوڑنے سے پہلے ہم نے دونوں ایجنٹوں کو زیر کرنے کے بارے میں دل کھول کر بحث کی تھی۔ اس دوران

میں صحیح اندازے قائم کرنے کے لیے سلطان شاہ کو فون پر ایک بار پھر اپنے دوست سے رجوع کرنا پڑا تھا۔ اس بار وہ گفتگو میں بہت محتاط رہا تھا۔

حسن اور زکی کے ناموں سے ٹھہرے ہوئے راوالوں پر ہاتھ ڈالنے کے دو ہی طریقے تھے انہیں نیو خان ہوٹل سے طاقت کے زور پر اٹھا لیا جاتا یا پھر بہلا پھسلا کر وہاں سے نکال لیا جاتا۔

ہوٹل والے کو سلطان شاہ نے یہ بتا دیا تھا کہ وہ دونوں آدمی مشتبہ اور قانون شکن تھے جن کو پولیس کے بجائے ایک ایجنسی اس کے تعاون سے اٹھانا چاہتی تھی۔

ہوٹل والے کی رائے تھی کہ وہ دونوں بہت صحت منداور چاق و چوبند تھے۔ ہر وقت بھرے رہنے والے ہوٹل میں ان پر زبردستی ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں تھا۔ اگر فائرنگ وغیرہ کی نوبت آجاتی تو وہاں خاصا جانی نقصان ہو سکتا تھا جو ہوٹل کی ساکھ کے لیے تباہ کن ثابت ہوتا۔

اس مشورے کے بعد ایک ہی راہ باقی رہ جاتی تھی کہ انہیں کسی طرح دھوکا دے کر پھانسنے کی کوشش کی جائے۔

میرے ذہن میں تیسری اور آسان ترین تجویز نے سر ابھارا تھا۔ اگر ہوٹل کا عملہ ان دونوں کو چائے، پانی یا کسی اور مشروب میں کوئی خواب آور دوا ملا کر دے دیتا تو سارے مرحلے ہماری توقع سے زیادہ آسانی سے نمٹ سکتے تھے لیکن ہوٹل کی ساکھ کا ذکر سننے کے بعد میں نے اس تجویز کو اپنی زبان پر لانا بھی پسند نہیں کیا۔ ہوٹل والا اسے ہرگز قبول نہ کرتا۔

وہ کراچی کا بہت پرانا ہوٹل تھا اور خوب چلتا تھا، ہوٹل کا مالک سلطان شاہ سے دوستی کی خاطر اپنے چلتے ہوئے کاروبار کو تباہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

ان دونوں کو خواب آور دوا دے کر بے ہوش کیا جاتا یا انہیں پکڑنے کے لیے وہاں ہنگامہ آرائی کی جاتی۔ دونوں صورتیں ہوٹل والے کے مفاد میں نہیں تھیں۔ اس کی یہی مہربانی کافی تھی کہ اس نے ہمیں ان کے بارے میں کچھ اہم معلومات فراہم کر دی تھیں۔

آخر کار میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ان دونوں کو دھوکے سے گھیرنا سب سے بہتر تھا۔ ہمارا طریقہ ناکام رہتا تب بھی ہم انہیں اتنے قریب سے دیکھ لیتے کہ اگلی بار انہیں دور سے پہچان لیا جاتا، بعد میں پیچھا کر کے انہیں گھیرنے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔

میری گاڑی اسٹیشن فور کے دھماکے میں تباہ ہو چکی تھی اول خان کی ذاتی گاڑی میرے استعمال میں تھی۔ میں نے اسے ایمپریس مارکیٹ کی بغلی سڑک پر پارک کر دیا تھا۔

را کے دو خرانٹ ایجنٹوں کو پکڑنے کے لیے شروع کی جانے والی وہ مہم مجھے عجیب سی محسوس ہو رہی تھی۔ ان کے بارے میں سوبھراج کی مخبری نے اس کام کو بظاہر بہت آسان بنا دیا تھا۔ رہی سہی کسر سلطان شاہ کے دوست نے پوری کر دی تھی اس کے باوجود میرا دل مطمئن نہیں تھا۔ جب تک وہ دونوں ہاتھ نہ آجاتے اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔

کسی نے مجھ سے یہ پوچھنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ کامیابی کی صورت میں، میں قیدیوں کو کہاں لے جاؤں گا لیکن وہ پہلو میری نظروں سے اوجھل نہیں تھا۔

اسٹیشن فور کا تکنیکی تعطل بدستور جاری تھا، ادھر کا رخ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دوسرا ٹھکانا صدف مینشن تھا، را کے ایجنٹوں کے لیے وہی سب سے بہتر منزل تھی۔

مجھے توقع تھی کہ جلال کی کراچی آمد کے بعد مجھے صدف مینشن میں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ میں آسانی کے ساتھ باز پرس کے سارے مراحل میں شریک رہ سکوں گا۔

ہم نیو خان ہوٹل پہنچے تو وہاں بیرونی ہال میں پڑی ہوئی ساری میزیں اور کرسیاں بھری ہوئی تھیں۔ فضا لوگوں کی ملی جلی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ ہم دونوں کرسیوں کے درمیان اپنا راستہ بناتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف بڑھے تو وہاں کیش پر بیٹھے ہوئے سرخ و سفید شخص نے رسمی انداز میں ہمارا استقبال کیا۔

پہلے سے دی ہوئی ہدایات کے مطابق اس نے سلطان شاہ کے لیے کسی خاص گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

''دونوں اندر ہیں۔'' اس نے کاؤنٹر پر موجود شخص سے رقم وصول کرنے کے بعد دھیرے سے کہا۔ ''کیا انہیں پیغام بھجواؤں؟''

سلطان شاہ نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی، اس نے اشارے سے ایک ویٹر کو اپنے پاس بلایا۔ اس کے کندھے پر صافی اور ہاتھ میں پانی کے کئی گلاس دبے ہوئے تھے۔ ہوٹل والے نے اسے ہدایت دے کر اندر بھیج دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوٹ آیا' ہمیں اندر بلایا جارہا تھا۔

ہوٹل کے مالک کو اشارہ کر کے سلطان شاہ نے ویٹر سے ایک مرتبہ پھر ان دونوں کی موجودگی کے بارے میں تصدیق چاہی۔ اس نے بتایا کہ دونوں تین نمبر کمرے میں موجود تھے۔

ہم ویٹر کی رہنمائی میں اندر چل دیے۔ کچن کے برابر والی راہداری سے نکل کر ہم ہوٹل کے رہائشی حصے میں داخل ہوگئے۔

نیو خان ہوٹل صرف گراؤنڈ فلور پر واقع تھا اور خاصے وسیع رقبے پر مشتمل تھا۔ عقبی حصے میں پارٹیشن کھڑے کر کے چھوٹے چھوٹے رہائشی کمرے بنا دیے گئے تھے جو سستے کرائے کے متلاشی گاہکوں کے لیے اس علاقے میں نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھے۔

ویٹر نے اشارے سے تین نمبر کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے بڑھ کر دروازہ پر دستک دی اور اندر سے جواب کا انتظار کیے بغیر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

دروازہ اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ میرے اندر گھسنے کے بعد وہیں سے آجاؤ کی آواز ابھری تھی لیکن اندر قدم رکھتے ہی میرے قدم ٹھٹک کر رہ گئے۔

کمرے میں بستروں سمیت دو چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں ان کے درمیان بمشکل تین فٹ کا فاصلہ رہا ہوگا۔

ان میں سے ایک چارپائی خالی پڑی تھی' دوسری پر کسرتی جسم والا ایک تنومند اور چالاک آدمی بیٹھا سپاٹ نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

ویٹر نے اس نام نہاد کمرے میں دو افراد کی موجودگی کی اطلاع دی تھی۔ ملاقاتیوں کی آمد کی خبر پاتے ہی ان میں سے ایک باہر کھسک گیا تھا۔ وہ ان دونوں کی چالاکی اور ہوشیاری کی پہلی دلیل تھی۔

''تمہارا نام ذکی ہے؟'' میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے دھیمے' رازدارانہ لہجے میں اس سے سوال کیا۔

''وہ باہر گیا ہوا ہے میرا نام حسن ہے۔'' اس نے ڈھیلے انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے جواب دیا پھر پوچھا ''تم کون ہو؟''

اس دوران میں اس کی نگاہیں سر سے پیر تک میرا جائزہ لیتی رہی تھیں مجھے اس کی تیز اور چمکیلی نگاہیں اپنے بدن میں اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

''ہم دوست ہیں' تمہیں لینے آئے ہیں۔ وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔'' میں نے کھڑے کھڑے' اسی نیچی آواز میں کہا۔ اس اثنا میں اس نے سلطان شاہ سے بھی ہاتھ ملا لیا تھا مگر اس کی نظریں مسلسل مجھے ٹٹولے جارہی تھیں۔

میرا جواب بہت مبہم اور ناکافی تھا۔ وہ پرائی زمین پر بیٹھا ہوا تھا میرا جواب سن کر اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی۔ اس نے نیچی آواز میں پوچھا ''تم کس کی بات کر رہے ہو؟ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟''

میرے ذہن میں صرف کوبرا کا نام چکرا رہا تھا لیکن ان میں سے ایک کے اچانک غائب ہو جانے کی وجہ سے میرا ماتھا ٹھنک گیا تھا۔ ہم جس راستے سے اندر آئے تھے ادھر سے کسی کو باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا' وہ نظر آتا تو ویٹر اسے راستے میں ہی پہچان لیتا مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ ہوٹل کے وسیع گراؤنڈ فلور سے نکاس کا کوئی متبادل راستہ بھی موجود تھا یا دوسرا شخص کسی غسل خانے وغیرہ میں جا چھپا تھا۔

جب تک وہ دونوں ہمارے سامنے نہ آجاتے' کوبرا کا نام لینا مناسب نہیں تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ دوسرا آدمی آسانی سے اندر لوٹ آئے گا۔

''ہمیں اس کا نام لینے کی اجازت نہیں ہے ذکی کو آنے دو پھر میں تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا۔'' یہ کہتے ہوئے میں چارپائی کے سرے پر ٹک گیا۔

اس بار بھی حسن نے کسی الجھن یا پریشانی کا مظاہرہ نہیں کیا' اطمینان سے بولا ''وہ غیر ذمے دار ہے پان والے کے پاس بیٹھ گیا ہوگا' تم یہیں رکو میں اسے بلا کر لاتا ہوں۔''

ذکی نے وہ تجویز اتنے فطری انداز میں پیش کی تھی کہ میں اس سے اختلاف نہ کر سکا۔ اس نے چارپائی سے ٹانگیں لٹکا کر اپنی جوتیاں ٹٹولیں اور میری ٹانگوں سے پھنستا ہوا آگے نکل گیا۔

ذکی کے یکایک غائب ہونے کے علاوہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی تھی مگر میری چھٹی حس نے خطرے کا اعلان کرنا شروع کر دیا تھا۔

جوں ہی حسن دروازے سے نکلا' میں بھی اس کے پیچھے ہولیا۔

میرے قدموں کی آہٹ پر اس نے پلٹ کر دیکھا لیکن ذرا بھی نہ گھبرایا اپنی معمول کی رفتار سے چلتا ہوا ہوٹل سے

باہر نکلتا چلا گیا میں چند قدم کے فاصلے سے اس کے پیچھے تھا۔
ہوٹل سے باہر نکل کر اس نے اپنی رفتار بڑھا دی۔ لمحہ بھر کے لیے اس نے پلٹ کر دیکھا اور پھر پوری وقت سے دوڑ لگا دی۔

وہ کھلی ہزیمت تھی' ہاتھ آیا ہوا شکار میری آنکھوں میں دھول جھونک کر نکلا جا رہا تھا۔ میں نے بھی اس کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا مگر میں وہ تعاقب برقرار نہ رکھ سکا اچانک کسی نے پیچھے سے اڑنگا لگایا اور میں ہتھیلیوں کے بل سڑک پر گر کر دور تک گھسٹتا چلا گیا' گرتے ہوئے میں بس اتنا دیکھ سکا کہ ایک شخص اپنے کندھے پر کالا بیگ لٹکائے میرے برابر سے نکلتا چلا گیا تھا۔

ہماری اس بھاگ دوڑ کے نتیجے میں سڑک پر بھگدڑ اور افراتفری کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ میں سنبھل کر اٹھا تو دور دور تک حسن کا کوئی پتا تھا نہ کالے بیگ والا نظر آ رہا تھا وہ دونوں کسی گلی میں گھس گئے تھے یا انہوں نے سواری پکڑ لی تھی۔

سلطان شاہ کا بھی کہیں پتا نہیں تھا۔ حسن اس انداز میں اپنے کمرے سے نکلا تھا کہ سلطان شاہ رکنے یا اس کے پیچھے آنے کے بارے میں تذبذب میں پڑا رہ گیا تھا۔
غنیمت یہ تھا کہ اس علاقے کی مصروف سڑک چکنی تھی جس کے نتیجے میں میری ہتھیلیوں پر گہری خراشیں نہیں آئی تھیں لیکن دونوں گھٹنوں میں خاصا درد ہو رہا تھا۔
نیو خان ہوٹل میں ہر حلیے کے لوگ موجود تھے۔ میں واپس ہال میں داخل ہوا تو کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی میں نے کاؤنٹر پر رک کر سلطان شاہ کو وہیں بلوالیا' وہ میری حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ''یہ...... یہ کیا ہوا وہ دونوں کہاں ہیں؟''

''کس دوسرے کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے بدمزگی سے پوچھا۔
''جسے حسن بلانے گیا تھا۔'' اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔
''وہ کسی کو بلانے نہیں گیا تھا باہر پہنچتے ہی بھاگ نکلا کسی نے اڑنگا دے کر مجھے اس کا پیچھا کرنے سے روک دیا۔ ان کا سامان دیکھنا پڑے گا شاید کوئی سراغ مل جائے۔''
''میں اسی لیے رات کو کرایہ پیشگی لیتا ہوں۔'' کاؤنٹر والے نے فخریہ لہجے میں بتایا ''کیا پتا کون کب بھاگ جائے ان کنگلوں کے پاس ایک کالے بیگ کے سوا کچھ نہیں تھا۔''
میں نے دل میں ان کے سامان کی بھی فاتحہ پڑھ لی۔ ملاقاتیوں کی آمد کی خبر ملتے ہی ان میں سے ایک اپنا تھیلا لے کر نکل گیا تھا اور اسی نے مجھے پیچھے سے گرا کر تعاقب سے روکا تھا۔
ویٹر نے کمرا دیکھ کر تصدیق کر دی کہ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ بھی پتا چل گیا کہ کچن کا ساز و سامان لانے لے جانے کے لیے ہوٹل کے پچھلے حصے میں بھی ایک چھوٹا دروازہ تھا جسے بعض لوگ آمد و رفت کے لیے استعمال کر لیتے تھے۔
وہ مہم کسی ہتھیار کے استعمال کی نوبت آنے سے پہلے انتہائی خاموشی سے ناکام ہوگئی تھی۔

را کے ایجنٹوں کا آسانی سے ہاتھ آیا ہوا سراغ ضائع ہو چکا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ دونوں نیو خان ہوٹل کے بعد کہاں پڑاؤ ڈالیں گے۔

اس ناکام جدوجہد میں مجھ سے بس ایک عقل مندی سرزد ہوئی تھی کہ میں نے حسن کے سامنے کوبرا کا نام نہیں لیا تھا۔ توقع یہ تھی کہ وہ دونوں فرار ہونے کے بعد پہلی فرصت میں سوبھراج سے رابطہ کر کے اپنے اس تجربے کی رپورٹ دیں گے تو اسے اپنے نئے ٹھکانے کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور بتائیں گے اور مجھے اپنی ابتدائی غلطی کا ازالہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔

آثار یہ بتا رہے تھے کہ اس وقت سوبھراج عرف کوبرا پوری طرح میری خیر خواہی کے طلسم میں گرفتار ہو چکا تھا۔ اس سے راوالوں کے بارے میں دوسری مرتبہ بھی کوئی ایسا سراغ ملنے کی امید تھی جس کے سہارے انہیں گھیرا جا سکے۔
''وہ دونوں کون تھے تم ان کی طرف سے بہت پریشان نظر آ رہے ہو؟'' ہوٹل کے مالک نے میری موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے سلطان شاہ سے اردو میں پوچھا۔
کاؤنٹر خالی تھا۔ سلطان شاہ نے کہنیوں کے سہارے آگے جھک کر آہستہ سے کہا ''وہ دونوں غیر ملکی ایجنٹ تھے دہشت گردی کے لیے یہاں آئے ہیں۔''
''نہیں یار!'' اس نے بے اعتباری سے کہا ''دیکھنے میں دونوں مقامی لگتے تھے۔''
''کوئی اداکاری کرنے پر تل جائے تو بھارتی اور پاکستانی کے درمیان فرق محسوس کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔''

سلطان شاہ نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔ ''وہ دوبارہ نظر آ ئیں تو ان کا دھیان رکھنا بلکہ کسی کو پیچھے لگا کر مجھے بھائی کے موبائل نمبر پر خبر دے دینا۔ وہ دونوں بہت خطرناک آدمی ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے ہوٹل والے کو میرے موبائل فون کا نمبر لکھوا دیا۔

''وہ دونوں پکے خنزیر کے تخم ہیں۔'' ہوٹل والے نے نمبر لکھ لینے کے بعد سلطان شاہ سے اتفاق رائے کرتے ہوئے کہا ''ایک آدمی ادھر سے نکلا تھا دوسرے کو میں نے جاتے نہیں دیکھا' وہ اپنا بیگ لے کر پیچھے سے نکلا ہوگا......''

''تمہارے پاس ان کے شناختی کارڈ کی نقل ہے؟'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

گاہکوں کی کاؤنٹر پر آمدورفت کی وجہ سے ہمیں اس سے بات جاری رکھنے میں خاصی رکاوٹ پیش آرہی تھی۔ اس مختصر سی گفتگو میں دونوں فریقوں کو کئی بار اپنی بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہونا پڑا تھا۔

''نہیں! اس نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا'' ہم آنے والوں کا شناختی کارڈ دیکھتے ضرور ہیں' فوٹو کاپی نہیں دیتے دونوں خدائی خواروں کے پاس ادھر کے پکے کارڈ تھے۔ میں کارڈ کے بغیر کسی کو کمرا نہیں دیتا۔''

اسی لمحے کئی گاہک کاؤنٹر پر آ گئے۔ ویٹر دور سے گاہکوں کی عجیب نشانیاں بتا کر ان کی رقمیں دہرا رہے تھے' ٹوپی والا بھائی اٹھارہ روپے' کرتا پاجامہ اکیس روپے' مولوی صاحب سے تیس روپے لینا۔

ان ملی جلی آوازوں کی وجہ سے ہوٹل کچھ دیر کے لیے مچھلی بازار بن گیا تھا۔ میرے لیے وہاں ٹھہرنا دشوار ہو رہا تھا۔ ویسے بھی اس شخص سے کوئی کارآمد بات معلوم ہونے کی امید نہیں تھی میں نے آنکھ سے سلطان شاہ کو اشارہ کیا اور ہم دونوں اس سے ہاتھ ملا کر ہوٹل سے واپس روانہ ہو گئے۔

''یہ دونوں ہماری غلطی سے نکلے ہیں۔'' ہوٹل سے کچھ دور نکل آنے کے بعد میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''ایک ہماری کسی غلطی سے پہلے ہی نکل چکا تھا۔ تم دوسرے کے بارے میں جو چاہو کہہ سکتے ہو۔'' سلطان شاہ نے برجستہ کہا۔

''وہ جس وقت ذکی کو بلانے کے بہانے چلا تھا' مجھے اس کو زبردستی روک لینا چاہیے تھا مگر میں اس خیال سے اس سے اڑنے سے باز رہا کہ تمہارا دوست اپنے ہوٹل میں ہنگامہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔''

''اس کے تیور اچھے نہیں تھے' وہ تمہارے روکنے سے بھی نہ رکتا' مار دھاڑ ہوتی اور میرا دوست مجھ سے ہمیشہ کے لیے ناراض ہو جاتا۔'' اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا'' یہ ہوٹل ان کی تیسری نسل چلا رہی ہے ان کے بڑوں نے بہت محنت سے یہ کاروبار جمایا تھا۔ پورے مردان میں کراچی کا ہوٹل اس خاندان کی شناخت بنا ہوا ہے۔''

''کمرا اس قدر تنگ تھا کہ وہاں اپنی مرضی سے ملنے جلنے کی گنجائش نہیں تھی۔ مجھے پہلے سے اس کے فرار کا اندازہ ہوتا تو میں انگوٹھی کا رخ درست کر کے اسے خاموشی سے بے ہوش کر سکتا تھا۔ وہ اچانک اٹھا اور باہر نکل گیا۔

''یہ سب بعد کے پچھتاوے ہیں کام بگڑ جائے تو بعد میں بہت سی باتیں یاد آنے لگتی ہیں۔ یوں ہوتا تو یوں ہو جاتا۔ یہ سب بےکار ہے اصل بات وہ ہے جو وقت پر سوجھ جائے۔ وہ اپنی تیزی اور بے ساختگی سے ہمیں چکما دے کر نکل گیا۔ تمہیں ہوشیار ہونے میں بس پلک جھپکنے کی دیر ہوئی اور وہ کمرے سے باہر تھا' تم تقریباً اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکلے تھے۔''

''میں ہوٹل ہی میں زقند لگا کر پیچھے سے اس کا کالر پکڑ سکتا تھا مگر بات وہی تھی کہ ہوٹل میں مار دھاڑ شروع ہو جاتی باہر پہنچنے تک وہ آگے نکل گیا تھا پھر اس نے دوڑ لگا دی۔''

''ان کے نکل جانے پر افسوس کرنے کے بجائے خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم نے ان میں سے ایک کو دیکھ لیا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے وہ ہوٹل چھوڑ چکے ہوتے۔''

''مجھے بچوں کی طرح دلاسا دینے کی کوشش مت کرو!'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا ''میرے لیے آج کا دن اچھا ثابت نہیں ہوا۔ صبح اسٹیشن فور میں دھماکا ہو گیا' کمر اور کہنیاں زخمی ہو گئیں اور اب گھٹنوں اور ہتھیلیوں کی باری آ گئی' بھاگتے ہوئے دشمن کو پیچھے سے اڑنگا مارنے کا خیال کسی بہت ہی چالاک اور پھرتیلے شخص کے ذہن میں آ سکتا تھا۔''

''کیسی مجبوری ہے کہ تم ان کے قصیدے پڑھ رہے

ہو!'' وہ بے بسی سے ہنس پڑا۔

میں نے خاموشی اختیار کرلی' دشمن کے اتنے قریب جاکر ناکام ہوجانے کے خیال سے میرے ذہن میں انگارے سے دہک رہے تھے' سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جلد از جلد اس ناکامی کا کیسے ازالہ کرسکوں گا۔

دکھتے ہوئے گھٹنوں کے ساتھ طویل فاصلہ طے کر کے ہم گاڑی تک پہنچے تو میں نے چابی سلطان شاہ کی طرف بڑھادی۔ ''اب تم ڈرائیونگ کرو گے۔''

اس نے سرسری انداز میں میرے ہاتھ سے چابی لی اور بولا ''یہی بہتر ہے گھٹنوں پر زور پڑا تو تکلیف بڑھ جائے گی تمہیں آرام کرنا چاہئے۔''

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا' مجھے اپنی چوٹوں کی ذرا بھی پروا نہیں تھی' میرے ذہن میں وہ دونوں راوا لے سوار تھے۔ میں ہر پہلو سے ان کے فرار کے مضمرات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

نیوخان ہوٹل آنے سے ان دونوں کے بارے میں سوبھراج کی کہی ہوئی کم از کم دو باتوں کی تصدیق ہوگئی تھی اور وہ دونوں ہی اہم تھیں۔

پہلی بات یہ تھی کہ ان کی مالی حالت پتلی تھی وہ کسی ڈھنگ کے ہوٹل میں قیام کرنے کے بجائے نیوخان ہوٹل کی ایک تنگ کوٹھڑی میں چارپائیوں پر گزارا کررہے تھے۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ تھی کہ وہ دہشت گردی کے مہلک سازوسامان سے لیس نہیں تھے۔ ان کا کل اثاثہ کالے رنگ کے ایک چھوٹے سفری بیگ پر مشتمل تھا جس میں زیادہ چیزیں نہیں چھپائی جاسکتی تھیں۔ اپنی حفاظت کے لیے ان کے پاس کوئی پستول یا ریوالور موجود ہوتا تو دوسری بات تھی ورنہ وہ ان حالات میں شہر میں خوف و ہراس پھیلانے کی کوئی کارروائی نہیں کرسکتے تھے۔

گاڑی صدر اور پھر ایم اے جناح روڈ کے گندے ٹریفک میں سسکتی اور آگے رینگتی رہی۔ ہم قائداعظم کے مزار سے شارع قائدین پر مڑے تو ٹریفک کی صورت حال بہتر ہوگئی۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

''کس سے بات کرنے کا ارادہ ہے؟'' سلطان شاہ نے گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''سوبھراج کو ہوشیار کرنا ہے۔ وہ دونوں کسی بھی وقت

اس سے رابطہ کر سکتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اسے ننھا سا بچہ نہ سمجھو۔ وہ بہت عیار ہے۔ ضروری نہیں کہ تمہاری ہر بات مان لے۔ تم سے مفاہمت کا دعویٰ کرنے کے باوجود وہ تمہیں چکر دیتا رہا ہے۔''

''خالی بیٹھ کر انتظار کرنے سے بہتر ہے کہ کچھ نہ کچھ کیا جائے اور کچھ نہیں تو فون ہی کیا جائے۔ پتا نہیں یہ نمبر کیوں نہیں مل رہا۔ تین بار کوشش کر چکا ہوں۔''

''جھنجلانے کی ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ کوئی تکنیکی مسئلہ ہے۔ موبائل پر اس کا نمبر ملانے میں پہلے بھی تمہیں ناکامی ہوئی تھی۔ وہ تمہارے موبائل کا نمبر ملا لیتا ہے۔''

میری یادداشت تازہ ہوگئی۔ وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ میں نے اپنی کوششیں ترک کر کے فون جیب میں ڈال لیا۔

گھر پہنچتے ہی ویرا اور غزالہ نے سلطان شاہ کو گھیر لیا۔ میں سی ایس ڈی چیک کرنے کے بعد فون کے قریب آ بیٹھا۔

''یہاں شور نہ کرو!'' سلطان شاہ نے ان دونوں سے کہا ''ابھی سوبھراج سے بات ہونے والی ہے۔ آؤ، میرے کمرے میں آ جاؤ۔''

ویرا وہیں جمی رہی ''اس وقت سوبھراج اہم ہے۔ تمہاری کہانی بعد میں سن لیں گے۔''

دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنتے ہی میں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کر دیا۔

میری آواز سنتے ہی سوبھراج بھڑک اٹھا ''مجھے پکا یقین ہے کہ تم ان دونوں کی طرف گئے تھے اور وہاں سے ناکام لوٹے ہو۔''

''تمہاری بات درست ہے۔ تمہیں یہ الہام کیسے ہوگیا؟''

''ابھی ابھی میں حسن سے بات کر کے فارغ ہوا ہوں۔ تم نے اس سے کیا کہا تھا۔''

''میں نے اس سے کہا تھا کہ ہم اسے لینے آئے ہیں۔ وہ ان سے ملنا چاہتا ہے۔'' میں نے کسی تردد کے بغیر صحیح بات بتا دی حسن سے اس کی بات ہو جانے کے بعد میرے لیے زیادہ ہیر پھیر کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

''وہ کون؟'' سوبھراج نے تنک کر پوچھا۔

''اس نے بھی یہی پوچھا تھا۔ میں نے کہا کہ ہمیں اس کا نام لینے کی اجازت نہیں ہے۔''

''تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس کا دھیان میری طرف گیا تھا۔''

''میں اس کے دھیان کا ذمے دار نہیں ہوں۔ میں تمہارا نام استعمال کرتا تو شاید وہ چوں و چرا کیے بغیر میرے ساتھ ہو لیتا۔''

''پھر تمہارے ذہن میں کون تھا۔ اسے کس کے پاس لے جانا چاہ رہے تھے؟''

''کسی کے پاس نہیں۔ تم کو اندازہ ہو چکا ہے کہ مجھے را والوں سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ میں خود ہی اسے پرانے گودام میں لے جا کر تفصیل سے دیکھنا چاہ رہا تھا۔''

''یہ پرانا گودام کہاں ہے؟'' میری پرسکون باتیں اسے تاؤ دلا رہی تھیں۔

''وہی جہاں میں اپنے معزز مہمانوں کو رکھتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''اب ان کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔ وہ بہت چالاک اور مکّار ہیں۔ ایک خطرے سے بال بال بچنے کے بعد وہ تمہارے کسی اور پھندے میں نہیں پھنسیں گے۔ انہیں مارنا اب تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔''

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ مارنا ہوتا تو میں بات چیت کرنے کے بجائے اسے وہیں گولی مار دیتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب تم نے ان کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''تم سے معاملات طے ہو جانے کے بعد ان کی مدد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''پھر بتاؤ کہ اب وہ کہاں مل سکیں گے!'' میں نے مطالبہ کیا۔

''ابھی ان کے اوسان خطا ہیں۔ اس نے کسی پی سی او سے مجھے فون کیا تھا۔ ان کو کوئی سستا سا نیا ٹھکانا تلاش کرنا ہوگا۔ وہ پیسوں سے بری طرح ٹوٹے ہوئے ہیں۔''

''پتا بتا دو۔ میں انہیں دس پندرہ ہزار پہنچا دوں گا۔'' میں نے ازراہ مذاق کہا۔

''مجھے معلوم ہوگیا تو میں تمہیں بھی پتا بتا دوں گا۔ مجھے یہ اطمینان ہوگیا کہ تم انہیں مارنا نہیں چاہتے۔ مارنا ہوتا تو وہیں زہر سے مار دیتے۔''

''میں انہیں ہراساں کر کے یہاں سے واپس بھگانا چاہتا ہوں۔''

''میری بھی یہی خواہش ہے کہ وہ واپس لوٹ جائیں۔

وہ جب تک یہاں رہیں گے، میرے اوپر دباؤ ڈالتے رہیں گے۔''

''اس بار اور کچھ نہ ہوسکا تو ان کی ٹھکائی ضرور ہوگی۔ انہیں اندازہ ہوجانا چاہیے کہ کوئی ان کے پیچھے لگ گیا ہے۔ اس خوف کے بغیر وہ واپس بھاگنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ ان کے بارے میں تمہیں تیسری بار تنگ نہیں کروں گا۔''

''کچھ پتا چلے گا تو میں بتادوں گا۔'' اس کی طرف سے جواب آیا ''تم ان کے ساتھ کیا کرتے ہو، یہ تمہیں اور تمہارے خدا کو ہی معلوم ہوگا۔ انہیں لنگڑا لولا کردیا ویسے ہی یہاں سے بھگادو۔ مجھے وہ پتا چلے گا جو تم بتاؤ گے۔''

''تم گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ ہوجاتے ہو۔'' میں نے قدرے چڑنے کی صداکاری کی ''ابھی کہہ رہے تھے کہ مجھے مارنا ہوتا تو میں چھیڑ چھاڑ کرنے کے بجائے حسن کو زہر سے مار سکتا تھا۔ اب بے یقینی کی باتیں کررہے ہو۔''

''اس پر لعنت بھیجو۔ میرا دل تم سے کچھ ایسی باتیں کرنے کو چاہ رہا ہے جو میں کسی اور سے نہیں کرسکتا۔'' اچانک اس کا لہجہ تبدیل ہوگیا۔

''شہر میں تمہارے بیسیوں ہمدرد اور غم گسار ہوں گے۔ یہ مہربانی تم مجھ پر کیوں کررہے ہو؟'' میں نہ چاہتے ہوئے بھی روانی میں کہہ گیا۔ مجھے سکون سے اس کی بات سن لینی چاہیے تھی۔ میرے جواب سے وہ اچٹ سکتا تھا!

''میں تمہاری بات مانتا ہوں۔ میرے بہت سے دوست اور ساتھی ہیں مگر وہ سب مجھے اپنا لیڈر مانتے ہیں لیڈر ان سے ہلکی بات نہیں کرسکتا...... میں نے تمہیں بتایا تھا کہ نک والے مجھے بار بار فون کررہے تھے۔ میں آواز سنتے ہی لائن کاٹ دیتا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے اس سے بات کی ہے جانتے ہو وہ کون تھا؟''

اس بار میں نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا اور دھیرے سے کہا ''میں اندازہ نہیں لگا سکتا تم کو بتانا ہوگا۔''

''وہی گیری ہارٹ تھا جس کے بارے میں تم نے بتایا تھا۔'' اس کا لہجہ استہزائیہ ہوگیا۔ ''بہت چکنی چپڑی باتیں کررہا تھا۔ تمہاری طرح وہ بھی مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔''

''اسے مجھ سے نہ ملاؤ۔ یہ بات اب تمہاری سمجھ میں آچکی ہے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ میں دوست ہوں، دوست اور دشمن میں بہت فرق ہوتا ہے۔''

فرمائش

ہوائی جہاز میں پہلی مرتبہ سفر کرنے والے ایک صاحب کو الٹیاں آئے جارہی تھیں۔ آخرائر ہوسٹس ان کے قریب آئی اور ہمدردانہ لہجے میں بولی ''سر! میں آپ کے لیے کچھ لاؤں؟''

''ہاں......'' ان صاحب نے ہانپتے اور ہوئے کراہتے جواب دیا ''میرے لیے ایک ائرپورٹ لے آؤ۔''

''میں دوستی اور دشمنی کی نہیں، صرف ملنے کی بات کررہا تھا۔''

''کب مل رہے ہو اس سے؟'' میں نے دلچسپی سے سوال کیا۔

''میں پریشان ہوں لیکن ابھی میرا دماغ اتنا خراب نہیں ہوا۔ یہ بات میں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے تمہیں سنارہا ہوں۔ میں نے اس سے صاف انکار کردیا۔ نک بھی دوست بن کر میرے لیے اپنی بغل میں چھری لیے پھررہا تھا! اب یہ اس کا باپ آیا ہے۔ تم راوالوں کو ڈھونڈ رہے ہو میں اس کی گھات میں لگ گیا ہوں۔''

''تمہیں... اسے انکار نہیں کرنا چاہیئے تھا وہ ملنا چاہتا ہے تو اس بے چارے کا دل رکھنے کے لیے تمہیں اس کو کوئی وقت دے دینا چاہیئے تھا۔'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''صاف انکار سے میرا مطلب یہ تھا کہ میں نے اسے نہایت سخت شرائط کے ساتھ کل کا وقت دے دیا ہے۔ شرائط اتنی سخت ہیں کہ وہ کل وہاں نہیں پہنچے گا۔'' سوبھراج کی آواز میں گیری کے لیے تضحیک اور تحقیر کا عنصر شامل ہوگیا۔

''یار! تم پہیلیوں میں باتیں کررہے ہو۔ میں معموں میں سر کھپانے کا عادی نہیں ہوں۔ مجھے کھل کر بتاؤ کہ اس مردود سے تمہاری کیا بات ہوئی ہے۔'' سوبھراج کی ادھوری باتیں سن کر میرے تجسس میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

میں نے اس سے بے تکلفی اور قربت جتانے کے لیے جان بوجھ کر اسے یار کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ اگر اس کے دل میں میری طرف سے کوئی خوف ہو تو وہ اس گفتگو کے نتیجے میں زائل ہوجائے۔

''یہ خوشی کی بات ہے کہ اب تم مجھے یار کہہ رہے ہو۔'' سوبھراج کی مسرت آمیز آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ میرے

طرزِ تخاطب نے اسے بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''میری اس سے کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ ان لوگوں کا خوفناک عمل میرے سامنے ہے لیکن زبان سے نک نے کبھی دشمنی کا اظہار کیا نہ گیری نے کوئی مخاصمانہ بات کہی۔ وہ مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے میں اس کی گردن کاٹنے کی فکر میں لگا ہوا ہوں۔ میری ساری پریشانیاں ان لوگوں کی لائی ہوئی ہیں مجھے ان سے اپنی جان کا ڈر نہ ہوتا تو پاکستان کی ساری ایجنسیاں مل کر بھی میرے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں کر سکتی تھیں۔''

''کل تم اس کے کہاں پہنچنے کی بات کر رہے تھے؟'' میں نے اسے دوبارہ ٹریک پر لانے کے لیے واضح الفاظ میں سوال کیا۔

میرے کان میں اس کی استہزائی ہنسی کی آواز گونجی پھر اس نے کہا ''وہ ایک ہوائی بات تھی۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ اس برے وقت میں، میں اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے تو سوئمنگ کا سٹیوم میں یعنی صرف ایک چڈی میں کل دوپہر مجھے فرنچ بیچ پر ملے تاکہ میں دور ہی سے دیکھ لوں کہ اس کے ہاتھ خالی ہیں اور لباس میں کوئی ہتھیار پوشیدہ نہیں ہے۔''

''کیا وہ وہاں آئے گا؟'' میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

''مشکل ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ہوسکا تو وہ ایک اور دو بجے کے درمیان ساحل پر میرا انتظار کرے گا لیکن مجھے اس کے آنے کی امید نہیں ہے۔ وہ بعد میں غور کرے گا تو اسے خود اپنے وعدے پر شرم آجائے گی۔ شہر سے میلوں دور بالشت بھر کی چڈی پہن کر اپنے کسی حریف کا انتظار کرنا اس جیسے فرعون کے بس کی بات نہیں ہے۔''

''تم سے نجات پانے بلکہ تم کو سزایاب کرنے کے لیے یہ کوئی مشکل شرط نہیں ہے۔''

''بہت مشکل شرط ہے میں نے اس سے ملنے کا پکا وعدہ نہیں کیا۔ یہ کہا ہے کہ وہ وہاں موجود رہے مجھے موقع ملا تو میں وہاں ضرور پہنچوں گا۔ ذرا تصور کرو کہ مجھے موقع نہ ملا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ وہ اپنی چڈی پھاڑ کر جھاگ اڑاتے ہوئے سمندر میں کود جائے گا۔''

میں نہایت پرخلوص انداز میں ہنس پڑا۔ ''وہ لوگ چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہیں تو تم بھی مہا چالاک ہو۔ مجھے ایمانداری سے بتاؤ کہ تمہارا کیا ارادہ ہے۔''

''میں ہرگز وہاں نہیں جاؤں گا۔ میں نے اسے ذلیل کرنے اور بے بسی کا احساس دلانے کے لیے یہ باتیں کی تھیں ورنہ ان کی ضرورت نہیں تھی۔ چاہو تو تم وہاں جا کر اس سے پوچھ سکتے ہو کہ وہ تپتی ہوئی دھوپ میں جانگیہ پہنے وہاں کیا کر رہا ہے!''

''یہ پوچھنے والی بات نہیں ہے۔ یہاں آنے والے اکثر سفید فام سن باتھ لینے کے لیے اسی طرف جاتے ہیں، فرنچ بیچ اور مبارک ولیج ان لوگوں میں بہت مقبول ہیں۔'' میں کہتا رہا۔ ''ویسے پیراڈائز پوائنٹ اور ہاکس بے پر بھی یہ شوق پورے کیے جاتے ہیں۔'' میں اس سے مزید باتیں معلوم کرنے کی امید میں گفتگو کو طول دے رہا تھا۔

''وہاں بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے۔ صرف کنگال گورے وہاں نظر آتے ہیں۔ ایک عورت اوندھی لیٹی ہوتی ہے تو اسے دیکھنے کے لیے سیکڑوں مقامیوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے، سوئمنگ سوٹ پہننے والیوں کو ہمارے لوگ ننگا ہی تصور کرتے ہیں۔ اگلے ساحلوں پر بہت کم مقامی پہنچ پاتے ہیں وہاں سفید فاموں کو بہت زیادہ آزادی حاصل ہوتی ہے۔ آس پاس کا میدان صاف دیکھ کر بعض جوڑے فطری لباس میں شمسی توانائیاں جذب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔''

''ان علاقوں کے بارے میں خاصے تجربے کار معلوم ہوتے ہو!''

''اب میرا وقت بگڑ گیا ہے۔'' وہ جذباتی لہجے میں بتا رہا تھا ''بھلے وقتوں میں، میں مہینے میں کم از کم ایک بار فرنچ بیچ پر پارٹی کرتا تھا۔ میرے مہمانوں کے سوا پرندہ بھی وہاں پر نہیں مار سکتا تھا۔ کیٹرنگ والے جنگل میں منگل کر دیتے تھے۔ خوب شراب لنڈھائی جاتی تھی جب چودھویں کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا ہوتا تھا تو چٹانوں کے رومان انگیز سائے میں چاند جیسے بیسیوں چہرے کسی نہ کسی کے ساتھ عہد و پیمان کے مراحل سے گزر رہے ہوتے تھے۔ ان میں مقامی اور غیر ملکی، سب شامل ہوتے تھے۔ اب شاید وہ راتیں اور وہ باتیں میرے لیے خواب ہو کر رہ جائیں گی۔''

''تم خاصے رنگین مزاج معلوم ہوتے ہو۔ ایسے لوگ عام طور سے نرم دل ہوتے ہیں۔ گیری کی طرف سے تمہارا دل اتنا سخت کیوں ہوگیا ہے؟''

''انہوں نے مجھ سے میرا سکھ چین اور ساری آسائشیں

چھین لیں۔تم یقین کرو کہ آج پائپ میں بیٹھ کر میں آنسوؤں سے رویا ہوں۔کیا میں نے اس دن کے لیے ان حرام زادوں کا ساتھ دیا تھا؟ یہ بربادی نک کی لائی ہوئی ہے‘ تم دیکھ لو کہ اس کا انجام کیسا برا ہوا۔جنت اور جہنم تو بعد کی باتیں ہیں۔برا کرنے والوں کو اپنی زندگی میں ہی اپنے کیئے کا پھل مل جاتا ہے۔‘‘

’’میں کوشش کروں گا کہ کل ادھر جا سکوں۔‘‘ میں نے نیم دلی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ویسے بہتر ہوتا کہ تم خود وہاں جا کر اس کی مزاج پرسی کرتے۔‘‘

’’تم ان کمینوں کی خصلت سے واقف نہیں ہو اس لیے ایسا کچا مشورہ دے رہے ہو۔‘‘ وہ کہہ رہا تھا۔’’وہ دیکھنے میں اکیلا ہوگا اس کے ساتھی چٹانوں یا کھاڑیوں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ میں نے ادھر کا رخ کیا تو اچانک کہیں سے گولیوں کی باڑ آئے گی اور میرا بدن چھلنی کر دے گی ۔ یہ بھیڑیے جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں اسے ہر حیلے بہانے سے ٹھکانے لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ایف بی آئی کی دھاک بٹھائے رکھنے کے لیے گیری مجھے گھیر رہا ہے۔‘‘

’’تمہاری باتیں بے بنیاد نہیں ہیں لیکن مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم ان سے ضرورت سے زیادہ ڈرے ہوئے ہو۔‘‘ اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی میں نے بات اچک لی۔’’اب کل کے لیے مجھے وقت نکالنا ہی ہوگا میں دیکھوں گا کہ گیری کتنے پانی میں ہے۔‘‘

’’شاباش! تم نر کے بچے ہو‘ تم نے میرا دل خوش کر دیا۔‘‘ اس کی آواز سے واقعی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔’’تم نے گیری کو مار دیا تو میں تمہیں دو...... نہیں تین ...... بلکہ پانچ پیٹی انعام میں دوں گا۔ہم مل کر اس کامیابی کا جشن منائیں گے۔‘‘

اس کے آخری الفاظ سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں۔وہ گیری کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا مگر سرکار کی مصلحتوں کی وجہ سے میں گیری کے خون سے ہاتھ نہیں رنگ سکتا تھا۔اس کے مقابلے میں سوبھراج میرا اہم ترہدف تھا۔

اس نے مسرور ہو کر میرے ساتھ جشن منانے کی نوید سنا دی تھی۔جشن کی شرط بہت کڑی تھی جسے پورا کرنا میرے بس سے باہر تھا‘ پھر بھی سوبھراج کی زبان سے مل بیٹھنے کا تذکرہ میرے لیے بہت رومان انگیز ثابت ہوا تھا۔

آخری پناہ گاہ

بچے نے ماں سے پوچھا ’’مما! جب کار بہت زیادہ پرانی ہو جاتی ہے...... چلنے کے قابل نہیں رہتی تو اس کا کیا بنتا ہے...... وہ کہاں چلی جاتی ہے؟‘‘

’’تمہیں تو معلوم ہونا چاہیے بیٹا......!‘‘ ماں نے افسوس زدہ لہجے میں کہا ’’ایسی کار کا مالک اسے تمہارے پاپا کے ہاتھ یہ کہہ کر بیچ جاتا ہے ’’کہنے کو یہ سیکنڈ ہینڈ کار ہے مگر نئی جیسی ہے......‘‘

’’میں نے شراب پینی چھوڑ دی ہے۔‘‘ میں نے اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے اسے سرد لہجے میں جواب دیا۔’’تم کس برانڈ کی پیٹیوں کی بات کر رہے ہو۔‘‘

’’ارے یار ڈینی! تم نے تو حد کر دی۔‘‘ مجھ سے باتوں میں الجھ کر وہ کچھ دیر کے لیے اپنے مصائب کو فراموش کر بیٹھا تھا۔اس نے بے تکلفانہ لہجے میں بات جاری رکھی۔’’یہ ممبئی کی پیٹی ہے۔اپن سالا پیٹی بولے تو سمجھ کہ لاکھ بولا‘ کیا سمجھا!‘‘ آخری فقرہ اس نے خالص ممبئی کی زبان میں ادا کیا اور ہنسنے لگا۔

’’اس وقت تم موج میں آئے ہوئے ہو۔یہ تم نہیں شراب بول رہی ہے‘ کتنی لی ہوئی ہے تم نے؟‘‘ میں نے اس کی صداکاری سے محظوظ ہوتے ہوئے‘ معنی خیز لہجے میں کہا۔

’’تھوڑی سی لی ہے اور دیسی لی ہے۔‘‘ وہ یکایک سنجیدہ ہو گیا۔اس کی آواز بھی دھیمی ہو گئی تھی۔’’ میرا میزبان کھاتا پیتا آدمی ہے لیکن اسے ولایتی میں مزہ نہیں آتا۔یہ مری والوں کا شیر پیتا ہے میں نے بھی وہی لی ہے لیکن یار تم بہت کائیاں ہو۔تم کو کیسے پتا چل گیا کہ میں نے تھوڑی سی پی ہوئی ہے؟‘‘

’’تمہاری باتیں چغلی کھا رہی ہیں۔پہلے تم نے کبھی ایسی باتیں نہیں کیں۔‘‘ میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اس کی حیرت دور کرنے کی کوشش کی۔’’ایک اچھے اور عادی شرابی کے لیے دیسی اور ولایتی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔تم نے کسی شاعر کا کہا ہوا ضرور سنا یا پڑھا ہوگا ’اچھی پی لی‘ خراب پی لی۔جیسی مل گئی شراب پی لی۔‘‘

وہ بے ساختہ انداز میں ہنس پڑا۔اس کی ہنسی سے وقار

کے بجائے عامیانہ انداز جھلک رہا تھا۔''یہ لاکھ روپے کی بات ہے وقت پر جو مل جائے وہی سب سے اچھی ہوتی ہے۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ اس وقت تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟''میں نے اچانک اس سے ایک ٹیڑھا سوال کر ڈالا۔

''میں نے فون کیا ہے!''اس نے حیرت سے کہا۔

''بھگوان سے ڈرو ڈینی۔ یہ میری نہیں تمہاری کال ہے کیا تم میرا امتحان لے رہے ہو؟''

''پھر میری ہی کال ہوگی۔''میں نے بحث کیے بغیر کہا ''شراب تم نے پی ہے' نشہ مجھے ہو رہا ہے میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔''

''معذرت کو رنگ میں ڈالو۔ یہ بتاؤ کہ کل تم اسے مارو گے؟ میرا پانچ لاکھ کا وعدہ پکا ہے۔ تین دنوں میں ان کا دوسرا اہم آدمی مارا گیا تو وہ کئی مہینوں کے لیے خاموش ہو جائیں گے اور میں سکھ سے رہ سکوں گا۔ اس وقت میں اپنے سکھ اور آرام کے لیے ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

''میں پیسے کا لالچی نہیں ہوں لیکن اپنی سی کوشش ضرور کروں گا۔''میں نے اسے دلاسا دیا۔''ان سے مجھے بھی پرخاش ہے۔ یہ لوگ یہاں بربادی کا کھیل کھیل رہے ہیں بس یہ سمجھ لو کہ مجھ سے دشمنی کے معاملے میں وہ را سے بھی اوپر ہیں۔''

''بھگوان تمہیں سدا سکھی رکھے۔ میرے دشمنوں کو اپنا دشمن کہہ کر تم نے میرے دل میں ٹھنڈک ڈال دی ہے۔ سامنے ہوتے تو اس وقت میں تمہیں اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیتا۔''میری بات سن کر وہ بالکل ہی موم ہو گیا۔

وہ آگ اور پیغمبری والا معاملہ ہو گیا تھا۔ میں نے اسے صرف اس مقصد سے فون کیا تھا کہ اسے را کے ایک آدمی سے اپنے اچٹتے ہوئے مقابلے کے بارے میں بریف کر سکوں لیکن اس نے گیری کا ذکر چھیڑ کر ایک نئے تصادم کی داغ بیل ڈال دی تھی۔

میں نے اس سے گفتگو ختم کی تو تینوں میرے قریب موجود تھے۔ میری باتوں سے ان تینوں کو میرے اور سوبھراج کے مذاکرات کی نوعیت کا اندازہ ہو گیا تھا لیکن ویرا اس محاصرے سے فائدہ اٹھا کر میری زبان سے سب کچھ سننا چاہ رہی تھی۔

''یہ بہت بڑی کامیابی ہے وہ سوبھراج کو جہنم واصل کرنے کے لیے بے چین ہے۔ سوبھراج وہاں پہنچے یا نہ پہنچے' گیری مقررہ وقت پر وہاں ضرور موجود رہے گا۔''غزالہ نے اپنی رائے ظاہر کی۔

''پہلے میں فرنچ بیچ کے نام سے دھوکا کھا رہی تھی۔'' ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی''میں سمجھی تھی کہ پاکستان سے باہر کی بات ہو رہی ہے۔ یہ سمندری کنارا اگر کراچی کے مضافات میں ہے تو کل ہم وہیں پکنک منائیں گے۔ گیری آ گیا تو شکار کا مزہ آ جائے گا وہ نہ آیا تب بھی ہمارا دن بہت اچھا گزرے گا' کلفٹن کی بھیڑ بھاڑ میں، میں سن باتھ لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی' وہاں دن بھر ریت پر پڑی دھوپ سینکتی رہوں گی۔''

''ڈھنگ کے کپڑے ساتھ لے لینا۔''سلطان شاہ منہ بنا کر بولا''سوئمنگ کاسٹیوم میں......''

''ابھی فیصلہ نہیں ہوا اور تم نے یہ طے کر لیا کہ کل پورا جلوس وہاں جائے گا۔''میں نے اس کی بات کاٹ کر ترشی سے کہا''وہ مجھے کرنل داور کے نام سے جانتے ہیں لیکن ویرا دور ہی سے پہچان لی جائے گی۔ یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔''

''میں بدن پر لوشن لگا کر آنکھوں پر دھوپ کا تاریک چشمہ اور سر پر ٹوپی لگاؤں گی تو تم تینوں بھی مجھے نہیں پہچان سکو گے۔''ویرا مسکراتے ہوئے بولی۔''مار دھاڑ کی نوبت آئی تو میں گیری کے جبڑے ہلا دوں گی۔ لوشن کی وجہ سے اس کے فرشتے بھی مجھے نہیں پکڑ سکیں گے۔''

''ساحلوں پر نہانے والیوں سے فرشتے دور بھاگتے ہیں۔''سلطان شاہ بڑبڑایا۔''وہ واقعی تمہیں نہیں پکڑ سکیں گے۔ سوئمنگ کاسٹیوم پہننے والیوں پر شیطان کا خاص سایہ ہوتا ہے انہیں جو دیکھتا ہے' بہکنے لگتا ہے۔''

''اتنا نہیں بہکتا جتنا تم پشتو میں بہکتے ہو۔''ویرا نے مسکرا کر طنز سے کہا اور سلطان شاہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔ اس کی رحم طلب نگاہیں ویرا کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

وہ تینوں آپس میں الجھ رہے تھے اور میرا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ اگر گیری وہاں آ ہی جاتا تو وہ اس کو اغوا کرنے کا سنہری موقع تھا جس کے لیے پوری ہوش مندی سے تیاری اور منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں شی دوبارہ سرگرم عمل ہونے جا رہی تھی۔ اس مرتبہ اس کے احیا کی ذمے داری بن ڈیوڈ کے سپرد کی گئی تھی۔ جس نے نہایت ہوشیاری سے خود کو پس پردہ رکھ کر اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اسے بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کی حمایت حاصل تھی اور اس کے ایجنٹ اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ ایس ٹی ایف اور ہم اس کے پیچھے تھے اور بالآخر وہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔ بن اپنی گرفتاری پر اس قدر بددل ہوا کہ اس نے اپنی خودکشی کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا۔ دوسری طرف جہانگیر کے گھر ایک مشکوک لڑکی نے میرا ذکر نکال کر ہم سب کو چوکنا کر دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ را کی بلیک کیٹ رہی ہو گی۔ بن کی موت کے بعد میں نے نک ہاروے سے رابطہ کیا۔ اسے میری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں بھی ڈینی کے خلاف ہو گیا ہوں۔ نک ہاروے نے تصدیق کر دی کہ ڈینی کے شکار کی غرض سے بلیک کیٹ میدان عمل میں تھے۔ میں نے فوری کارروائی کی اور ایک مشکوک لڑکی کو اس کے ساتھی سمیت اس کے ہوٹل سے اغوا کر لیا۔ ان میں کے مرد کا نام گوپال اور لڑکی سیتا کانت تھی۔ سیتا کانت حیرت انگیز طور پر اسٹیشن فور سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مخصوص حالات کے پیش نظر اسے اپنے تن کے تمام کپڑے اسٹیشن فور میں ہی چھوڑنا پڑے تھے جن سے اس کی شناخت ممکن ہو سکی تھی۔ جس کے بعد گوپال سے تفتیش کی گئی اور اسے سیتا کا فرضی رضا کارانہ پسپائی کا قصہ سنا کر رام کر لیا گیا۔ اس کے مطابق وہ آزادانہ طور پر کام کرنے یہاں آئے تھے۔ تاہم یہاں ان کا رابطہ کوبرا سے تھا۔ اسی دوران میں مجھے کوبرا کا سیٹ لائٹ فون نمبر بھی مل گیا۔ اس وقت ہمیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کوبرا کے پردے میں ایک معزز اقلیتی سیاست دان چھپا ہوا تھا۔ میں نے کوبرا کے سیلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ بہت جلد اول خان کو مروا دے گا۔ اس کی شناخت ظاہر نہ کرنے کے عوض میں اول خان کو اس لڑائی سے دور رکھنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری طرف ویرا نے سوبھراج کے پی اے سے ایک فرضی امریکی ریڈیو اسٹیشن کے لیے انٹرویو کا وقت لے لیا۔ غزالہ سلمٰی کی طرف سے پریشان تھی اس کا خیال تھا کہ سیتا کانت کسی بھی وقت وہاں حملہ کر سکتی تھی وہ اس کے تحفظ کی خاطر وہاں گئی تھی اور واپسی میں اس کا ٹکراؤ سیتا سے ہو گیا جس کے ستارے گردش میں تھے۔ وہ غزالہ کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ادھر ویرا نا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اب سوبھراج کی حیثیت زخمی سانپ کی طرح ہو گئی تھی۔ اس نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈینی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروا دی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈینی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈینی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہو گا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہو گی۔ میں نے سیلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈینی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈینی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ

کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن وامان کے مسائل بھی کھڑے کرنے چاہ رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہو گا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمٰی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈینی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسرِ پیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہو گا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سودمند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں اسے اسٹیشن فور لے جانا چاہتا تھا مگر وہاں سے بتایا گیا کہ ایس ٹی ایف کی تمام سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں۔ ناچار میں نے صدف مینشن کا رخ کیا جہاں آئی بی کے اہلکاروں کے ساتھ سنیل سے گفتگو کی گئی۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ ان کے علاوہ سوبھراج نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں گیری ہارٹ کو شکار کر سکوں تو وہ مجھے پانچ لاکھ روپے کا انعام دے گا۔ اس کے مطابق وہ فرنچ بیچ پر اس سے ملنے آ رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ وہاں گیری ہارٹ کو سبق سکھایا جا سکتا ہے۔

اب آپ قسط نمبر 235 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

"تم کہاں کھوئے ہو؟" اچانک ویرا کی چبھتی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ براہ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہہ رہی تھی "تم نے سنا نہیں کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

"ہوں......اوں......!" میں نے تفکر آمیز نگاہوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے، خالی الذہنی کے عالم میں پوچھا "یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

"مجھے چور بنا رہا ہے!" ویرا غرائی۔

"تم نہ بنو......" میں نے اپنی اسی رو میں جواب دیا "یہ تمہارے ساتھ زبردستی تو نہیں کر سکتا۔"

ویرا نے جھلّائے ہوئے انداز میں اپنی جگہ چھوڑی، تیزی سے میری طرف لپکی اور پھر اس نے میرے سامنے جھک کر میرے دونوں شانے تھام کر مجھے بری طرح جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ "تم کہاں غائب ہو، تمہاری غنودہ آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو۔ تم ہوش میں آ کر میری بات کیوں نہیں سنتے؟"

ویرا نے مجھے ایسے جناتی انداز میں جھنجوڑا تھا کہ میں...... ایک ہلکی سی جھرجھری لے کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہو گیا۔

"کیا مصیبت ہے، کیا قیامت آ گئی جو اس طرح میرے سر پر سوار ہوئی جا رہی ہو؟" میں نے تقریباً پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔

"کچھ نہیں ہوا" غزالہ نے اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "ویرا اپنے بدن پر لوشن لگا کر گیری کی گرفت سے پھسل جانے کی بات بتا رہی تھی۔ اس بے چارے نے کہہ دیا کہ پرانے زمانے کے خاندانی چور بھی اپنے بدن پر تیل مل کر صرف ایک لنگوٹ میں وارداتیں کیا کرتے تھے۔ گڑبڑ ہونے کی صورت میں بھی کوئی انہیں پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا اور وہ صاف نکل جاتے تھے۔"

"اس میں چڑنے کی کیا بات ہے؟" میں نے ویرا سے سنجیدگی سے پوچھا "وہ تمہیں گُر کی بات بتا رہا ہے۔ پہلے ایسا ہی ہوتا تھا۔ پہلے چور اور ٹھگ بھی اپنی روایات سے انحراف نہیں کرتے تھے۔ آج شرفا روایات شکن ہوتے جا رہے

ہیں۔“

”تمہارا خیال ہے کہ چوروں سے میرا موازنہ کرنا درست ہے“ ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ترشی سے پوچھا۔

”براہِ راست موازنہ کرنا مناسب نہیں لیکن ایک آدھ بات میں مثال دینے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ایسی چھوٹی موٹی باتوں کو درگزر کر دینا چاہیے۔“

”آج تک میں اسے معصوم اور سادہ لوح سمجھ کر بہت ڈھیل دیتی آئی ہوں لیکن اب میں اسے معاف نہیں کروں گی......“

”چلو، غصہ تھوک دو۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں“ سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

”کیوں؟ اب اس میں ایسی کیا خرابی پیدا ہوگئی ہے کہ اس کی طرف سے تمہارا دل سخت ہوگیا ہے؟“ میں نے سلطان شاہ کے معذرتی فقروں کو نظر انداز کر کے ویرا سے پوچھا۔

”اب مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ یہ کتنے پانی میں ہے۔ نیو خان ہوٹل والے سے فون پر اس کی باتیں سن کر میں ہکا بکا رہ گئی تھی۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ اندر سے اتنا بدمعاش ہوسکتا ہے......“

”تت......تم نے پھر وہ بات نکالی“ سلطان شاہ نے ایک مرتبہ پھر ویرا کی بات اڑادی ”میں اپنے الفاظ واپس لے چکا ہوں۔“

ویرا نے مڑ کر سلطان شاہ سے پشتو میں کچھ کہا جو میرے پلے نہیں پڑ سکا لیکن سلطان شاہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ ویرا سے نظریں چار کرنے کے بجائے، شپٹائے ہوئے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

ویرا سے نظریں ملائے بغیر اس نے نیم مردہ آواز میں، پشتو میں کچھ کہا۔ وہ یقیناً کئی فقرے تھے، وہ جواب سن کر ویرا کے پتلے پتلے، گلابی ہونٹوں پر ہلکی سی فتح مندانہ مسکراہٹ تیر گئی جس میں طنز بھی شامل تھا۔

”یہ تم دونوں نے کیا شروع کر دیا“ غزالہ نے احتجاج کیا ”اردو میں بات کرو تاکہ ہم بھی کچھ سمجھ سکیں۔“

ان دونوں کی وہ خفیہ مفاہمانہ کارروائی مجھے بھی پسند نہیں آئی۔ میں نے ویرا سے کہا ”تم نے سلطان شاہ کو دوسری بار اس پراسرار گفتگو کا طعنہ دیا ہے۔ ایک بار کھل کر بتا کیوں نہیں دیتیں کہ اس نے اپنے دوست سے کیا باتیں کی تھیں۔ کب تک اسے اس طرح بلیک میل کرتی رہوگی؟“

سلطان شاہ نے مجروح اور شکایتی نظروں سے مجھے گھورا اور پیر پٹختا ہوا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

”سلطان شاہ کی اجازت کے بغیر میں اس گفتگو کا ایک لفظ بھی نہیں بتاؤں گی“ ویرا نے اسے سنانے کے لیے اونچی آواز میں کہا ”یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ کسی اور کو اس میں دخل انداز ہونے کا حق نہیں ہے۔“

”تمہارے ڈھنگ بہت نرالے ہیں“ غزالہ نے طنز سے کہا ”اسے دھمکاتی ہو اور پھر اس سے دوستی کی بھی دعوے دار ہو؟“

”سمجھا کرو!“ ویرا نے بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے جواب دیا ”بہت مشکل سے اسے لگام دینے کا ایک موقع ہاتھ آیا ہے تو میں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤں گی۔ کم از کم چند ہفتوں تک مجھ سے اس کی رگ دبتی رہے گی۔“

”اس خوش فہمی میں نہ رہنا“ غزالہ بولی ”اس کا دماغ سنک گیا تو وہ کسی وقت بھی تمہارے سامنے تن کر کھڑا ہوجائے گا۔ اس وقت تم ساری باتیں دہرا کر بھی اسے شرمندہ نہیں کرسکوگی......“

”میں اسے تم سے زیادہ جانتی ہوں“ اس نے غزالہ کی قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ”مجھے معلوم ہے کہ میں اس کو کہاں تک دبا سکتی ہوں۔ اس بارے میں مجھے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”اس وقت تم نے شور مچا کر میرا موڈ غارت کر دیا“ میں نے برا سا منہ بنا کر کہا ”بعض اوقات تم اپنی ذہنی سطح سے بہت نیچے آجاتی ہو۔ ایسے مفت کے جھگڑے اسکول اور کالج جانے والی لڑکیوں کو زیب دیتے ہیں۔“

”تم کون سا معرکہ سر کررہے تھے جو میں نے تمہارا موڈ خراب کر دیا؟“ وہ تیزی سے بولی ”اگر گھر میں ذرا سا شور شرابا نہ ہو تو میں دو دن میں اکتا کر یہاں سے کہیں اور نکل جاؤں گی۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کیا سوچ رہے تھے؟“

”یہ بتانے والی بات نہیں ہے۔ تم کو خود اندازہ ہونا چاہئے کہ اس وقت سوبھراج نے گیری سے ہونے والے اپنے مذاکرات کا ذکر کر کے ہمارے لیے ایک نئی راہ کھولی ہے اور اس وقت وہی سب سے زیادہ اہم ہے۔“

”سوبھراج!“ اس نے حقارت سے کہا ”اس وقت وہ کسی خارش زدہ پلے کی طرح پا پیوں اور گندی نالیوں میں چھپتا پھر رہا ہے اور تم اس کی باتوں کو لیے بیٹھے ہو۔ اس کی باتوں پر غور کرنے کے لیے ابھی بہت وقت پڑا ہوا ہے، گیری وہاں آیا تو کل دوپہر کو آئے گا۔ ابھی پوری رات اور کل کا

آدھا دن باقی ہے۔''

''ابھی تم خود ہی سوئمنگ کاسٹیوم میں فرنچ بیچ پرسن باتھ لینے کا پروگرام بنا رہی تھیں اور اب کچھ اور کہہ رہی ہو'' غزالہ نے اس پر چوٹ کی۔

''میں تفریح کے خیال سے خوش ہو رہی تھی'' ویرا ڈھٹائی کے ساتھ اپنے موقف پر اڑی رہی ''کاموں میں الجھ کر ہم سب مشینی روبوٹ بن کر رہ گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے زندگی کی تفریحات ہمارے لیے شجرِ ممنوعہ بن گئی ہوں۔ گیری کے دیدار کے بہانے اگر ہمیں شفاف ساحل پر کچھ وقت سکون سے گزارنے کا موقع مل جائے تو کیا برا ہے۔''

''یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو'' میں نے اپنی بات دہرائی ''گیری وہاں آ گیا تو تم دور ہی سے پہچان لی جاؤ گی۔ یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔ اس پروگرام میں تمہاری شمولیت کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکے گی۔''

''اور میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں اس طرح اپنا حلیہ بدلوں گی کہ کوئی مجھے نہیں پہچان سکے گا'' ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''اسی سے لوشن، تیل اور چور والا ذکر نکلا تھا'' غزالہ ہنس کر بولی۔

''سب بے سود ہے'' میں نے غزالہ کے تبصرے کو نظرانداز کر کے کہا ''تم اپنے خدوخال اور رنگ کو کسی طرح نہیں چھپا سکتیں۔ گیری اپنی دانست میں سوبھراج کو گھیرنے کے لیے وہاں آئے گا۔ یقینی طور پر اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہوں گے۔ وہ سب عقل سے کورے اور آنکھوں سے اندھے نہیں ہو سکتے۔ کوئی نہ کوئی تمہیں پہچان سکتا ہے۔ ایسا ہوا تو ساری بازی الٹ جائے گی اور ہمیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔''

''پھر تم نے کیا سوچا ہے؟'' ویرا نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد پوچھا۔

''میں یہی سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہیے لیکن تمہیں سوچ بچار سے للّٰہی بغض ہے۔ تم نے میرے خیالات کا تانا بانا بکھیر کے رکھ دیا۔''

''اب میں دخل نہیں دوں گی۔ اطمینان سے سوچ سمجھ لو۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تم کس نتیجے پر پہنچے ہو'' میری دلیل سے قائل ہو جانے کے بعد اس نے اپنی شمولیت پر اصرار نہیں کیا تھا لیکن آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے اس کے لہجے میں ہلکا سا تحکم شامل ہو گیا تھا۔

''بہت بہتر!'' میں نے مسکرا کر کہا ''تمہاری منظوری اور اجازت کے بغیر ہم فرنچ بیچ کا رخ نہیں کریں گے۔''

''کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ تم گیری کے بارے میں کن خطوط پر سوچ رہے ہو؟'' اس بار ویرا نے سنجیدگی اور بردباری سے سوال کیا تھا۔

''یہ ایک سنہرا موقع ہے۔ گیری نے اپنا پروگرام سوبھراج کے ساتھ طے کیا ہے۔ اس میں کسی اور فریق کا کوئی دخل نہیں ہے'' میں نے اسے بتانا شروع کیا ''سوبھراج کا فرنچ بیچ جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اس نے گیری کو ذلیل کرنے کے لیے ایک جانگیے میں اسے وہاں بلایا ہے۔ اس دوران میں گیری کے ساتھ جو کچھ ہوگا، وہ سوبھراج کے کھاتے میں جائے گا۔''

''آپ بھول رہے ہیں، یہ لوگ اتنے شریف نہیں ہیں۔ نک کو کفیل نے مارا تھا۔ وہ خود زخمی حالت میں پکڑا گیا۔ یہ بھی پتا چل گیا کہ اسے شیر دل نے اس کام پر مامور کیا تھا اور شیر دل کا سوبھراج سے گہرا تعلق تھا'' غزالہ کہہ رہی تھی ''سوبھراج نے خود ایک اخبار سے رابطہ کر کے فون پر اعتراف کیا کہ نک کو اس نے مروایا ہے لیکن ان لوگوں نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ نک کو آپ نے مارا ہے۔''

''زبان سے وہ جو چاہیں کہتے رہیں، حقائق ان کے سامنے ہیں۔ وہ لوگ میرے بارے میں حکومت پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لیے ایسی اوچھی حرکتیں کر رہے ہیں۔''

''گیری بھی اسی پالیسی پر عمل کرے گا۔ یہ لوگ ہر گڑبڑ میں آپ کو ملوث کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔'' غزالہ فکرمندی کے ساتھ بولی۔

''ان کی وجہ سے ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتے'' میں نے کہا۔

''میں تم سے سو فیصد متفق ہوں'' غزالہ بولی ''کتوں کے بھونکنے سے گاڑی کو نہیں رکنا چاہیے۔ گیری کے بارے میں تم کچھ بتانے والے تھے۔ وہ بات ادھوری رہ گئی۔''

''ہاں، یہ ہمارے لیے ایک بہترین موقع ہے، ہم گیری پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔''

''کیا تم اسے ختم کرنے کے امکانات پر غور کر رہے ہو؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''ابھی نک کے قتل کا معاملہ تازہ ہے۔ اس مرحلے پر گیری کے قتل سے سنگین پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں'' میں نے رائے ظاہر کی ''جلال کے ذریعے ملنے والی اندر کی معلومات فکرانگیز ہیں۔ ہم حکومت کے لیے کوئی نیا مسئلہ کھڑا نہیں کریں گے۔ گیری کو پکڑیں گے اور دل کھول کر اس کی دھنائی کر کے

چھوڑ دیں گے۔ اس وقت اس سے بڑی کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ اس کے بعد وہ جو چاہیں کہتے رہیں۔''

''تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو لیکن بہتر ہوگا کہ اس بارے میں جلال کی رائے بھی لے لی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ ہمیں گیری کے بارے میں اس سے گرین سگنل مل جائے'' ویرا پوری سنجیدگی سے اس مسئلے میں دلچسپی لے رہی تھی۔

''توقع نہیں ہے پھر بھی میں اس سے بات کرلوں گا'' میں نے اسے اطمینان دلایا اور ہمارے وہ مذاکرات وہیں ختم ہوگئے۔

سلطان شاہ پہلے ہی چیخ کر اپنے کمرے میں جاچکا تھا، ویرا بھی وہاں سے چلی گئی۔

''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' میں نے شوخ نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کا جاگنے کا ارادہ ہے تو میں چائے بنا کر لے آتی ہوں'' اس نے کسمسا کر جواب دیا۔

''طبیعت خلوت کی طرف مائل ہے'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''میں ابرار کو ناشتے کے بارے میں بتا کر آتی ہوں'' وہ سر جھکا کر ایک ادا کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

میں نے بھی ایک گہرا سانس لے کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میرے ذو معنی جملوں پر غزالہ کا وہ حیا آمیز رویہ ہمیشہ میرے دل کو بھلا معلوم ہوتا تھا۔

رات کے بارہ بجے کے قریب میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی تو میں چونک پڑا۔ اس وقت تک غزالہ گہری نیند سو چکی تھی مگر ازدواجی طمانیت کے حصول کے باوجود نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

''کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو؟'' کال لیتے ہی میرے کانوں میں جلال کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ اس وقت وہ تازہ دم محسوس ہورہا تھا۔

''بستر پر ہوں اور سونے کی کوشش کررہا ہوں۔ تم کہاں ہو؟ خاصے تازہ دم معلوم ہورہے ہو۔'' میں نے کہا ''گھنٹی کی آواز نے مجھے پریشان کردیا تھا کہ اتنی رات گئے کس کا فون آسکتا ہے؟''

''تم نے کئی خطرناک آدمیوں کو اپنا موبائل فون نمبر دیا ہوا ہے جو ہر وقت تمہیں تنگ کرسکتے ہیں'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''تم نہایت شریف آدمی ہو۔ شیبا رنگیلی عورت تھی، وہ صدف مینشن میں ہے۔''

اس نے میری بات درمیان سے اچک لی اور بولا ''اس فہرست میں گیری اور سوبھراج کے نام سب سے اوپر آتے ہیں۔''

میں نے ہنس کر کہا ''رابطوں کی یہ سہولت اول خان کے طفیل ملی ہوئی ہے۔ سوبھراج اس وقت ہر طرف سے کٹا ہوا ہے۔ گیری نے ہاتھ پاؤں مارے ہوں گے تو اسے پتا چلا ہوگا کہ میرا موبائل فون اول خان کے نام پر ہے اور وہ مطمئن ہوگیا ہوگا۔ کرنل داور اسی کا فون استعمال کرسکتا ہے۔ کیونکہ وہ کراچی میں ایس ٹی ایف کا کمانڈر ہے۔''

''موڈ ہو تو صدف مینشن چلے آؤ۔ میں اسی طرف جارہا ہوں۔''

''کیوں؟ وہاں کیا خاص بات ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''جنرل وقار بھی اول خان کے ساتھ وہاں آرہا ہے'' جلال نے وہ انکشاف کرکے مجھے حیران کردیا۔ وہ کہہ رہا تھا ''یہ جنرل سے میری پہلی ملاقات ہوگی۔''

''رات کے بارہ بجے ایسی کیا ایمرجنسی پیش آگئی کہ تم لوگ ایک جگہ جمع ہورہے ہو؟''

''ملبے سے کچھ ٹھوس شواہد ملے ہیں۔ اب بات آگے تک جائے گی۔''

''لیکن تم تو بتا رہے تھے کہ اسلام آباد سے ماہرین رات گئے پہنچیں گے اور ان کا کام صبح شروع ہوگا۔''

''پہلے یہی پروگرام تھا لیکن اس معاملے کی سنگین نوعیت کی وجہ سے ترجیحات تبدیل ہوئی ہیں اور کام وقت سے پہلے شروع کردیا گیا ہے۔''

''یہ بہت اچھا ہوا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جب اس شہر میں ایس ٹی ایف جیسی مضبوط فورس کا سربراہ محفوظ نہیں ہے تو دوسروں کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ یہ سنگین واقعہ فوری توجہ کا متقاضی تھا۔''

''یہ فیصلہ مرکزی وزارت داخلہ نے کیا ہے۔ جنرل وقار اس واقعے کو ذاتی قرار دے کر زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں تھا۔''

''وہ ٹھوس شواہد کیا ہیں؟'' میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''مجھے خود بھی صدف مینشن جانے کے بعد معلوم ہوسکے گا۔ اس وقت اسٹیشن فور کو کسی حد تک مخدوش سمجھا جارہا ہے۔ صدف مینشن محفوظ ہے۔ شہر کے قلب میں کوئی دشمن ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔''

''او کے۔ میں اسی طرف آ رہا ہوں'' میں نے اسے جواب دے کر آہستگی سے بستر چھوڑ دیا تا کہ غزالہ کی نیند خراب نہ ہو۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بیوی ہی کیا جو اپنے شوہر سے لمحہ بھر بھی غافل رہے۔ میں دیوار گیر الماری کی طرف بڑھا ہی تھا کہ غزالہ کی بوجھل اور غنودہ آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''اس وقت آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

غزالہ کی غیر متوقع آواز سن کر لمحہ بھر کے لیے میرے قدم فرش پر گڑ کر رہ گئے پھر میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا ''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم سوتے ہوئے بھی میری چوکیداری کرتی رہتی ہو۔''

''یہ چوکیداری نہیں، اپنائیت کا احساس ہے جو سوتے ہوئے بھی مجھے آپ کی طرف سے غافل نہیں ہونے دیتا۔ بستر کے ہلنے سے میری آنکھ کھلی ہے۔''

''ابھی جلال کا فون آیا تھا.....''

''اوہ! حیرت ہے کہ فون کی گھنٹی سے میری آنکھ نہیں کھلی، خیریت تو ہے؟''

''خیریت ہی ہے۔ مجھے صدف مینشن میں ایک اہم اجلاس میں شریک ہونا ہے۔''

''یہ اجلاس کا کون سا وقت ہے؟'' اس نے اپنے چہرے پر بکھری ہوئی زلفیں سمیٹتے ہوئے قدرے بیزاری سے کہا۔

''اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ دو اور سو جاؤ۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آ جاؤں گا'' میں نے الماری میں سے اپنے لیے ایک جوڑا منتخب کرتے ہوئے جواب دیا۔

غزالہ کی گہری نیند اچاٹ ہوگئی تھی۔ وہ بستر چھوڑ کر میرا ہاتھ بٹانے لگی۔

وہ میری بیوی تھی۔ اپنے آرام کو خیر باد کہہ کر باہر تک میرے ساتھ آئی۔ چھت پر ابرار اپنی ڈیوٹی پر مستعد تھا۔ آہٹیں سن کر وہ بھی دبے پاؤں نیچے آ گیا لیکن گاڑی کا دھیما انجن اسٹارٹ ہونے پر بھی ویرا اور سلطان شاہ کی نیند میں کوئی فرق نہ آیا۔ میرے روانہ ہونے تک وہ دونوں گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔

شہر پر رات کا سایہ گہرا ہو چکا تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک کے نام پر برائے نام گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ میں گھر سے نکلا اور جیل کا طواف کرتا ہوا نشتر روڈ پر نکل آیا۔ راستے میں لسبیلہ چوک کے ہوٹلوں پر رونق تھی ورنہ ہر طرف رات کے سناٹے کا راج تھا۔ میں تیز رفتاری کے ساتھ ذرا سی دیر میں صدف مینشن پہنچ گیا۔

نشتر روڈ سے صدف مینشن والی ذیلی سڑک پر گھومتے ہی میں نے عمارت کے ان اضافی محافظوں کو دیکھ لیا تھا جو ملنگوں اور موالیوں کے روپ میں آس پاس جمے ہوئے تھے۔

وہ تینوں مجھ سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے اور عمارت کے اس اکلوتے، دفتر نما کمرے میں موجود تھے جہاں دفتری لوازم کے ساتھ دیوار گیر الماریوں میں کتابیں بھی سجی ہوئی تھیں۔

جلال سے سہ پہر کو میری ملاقات ہو چکی تھی۔ میجر جنرل وقار سے ملے ہوئے مجھے بارہ گھنٹے سے زائد مدت گزر چکی تھی۔ اس نے گرم جوشی کے ساتھ مجھ سے بغل گیر ہو کر میرا استقبال کیا۔ اپنے افسر اعلیٰ کی موجودگی میں اول خان محتاط نظر آیا۔

''میرے لیے یہ فخر اور خوشی کی بات ہے کہ آج جنرل نے صدف مینشن کو عزت افزائی کے قابل سمجھا'' جلال پر جوش لہجے میں کہہ رہا تھا ''میرے لیے ایس ٹی ایف کے کسی سربراہ سے ملاقات کا یہ پہلا موقع ہے۔''

''یہ گیری کی مہربانی ہے کہ ہماری ملاقات ہوگئی'' جنرل نے ہنستے ہوئے کہا ''میری گاڑی پر راکٹ فائر کرنے کے لیے اس نے ایسے وقت کا انتخاب کیا ہوتا جب میں گاڑی میں سفر کر رہا ہوتا تو شاید اس وقت ہم یک جا نہ ہوتے۔''

''ہماری طرح شاید وہ بھی کچھ محتاط ہو گئے ہیں'' جلال بولا ''دہشت گردی کر رہے ہیں مگر خوں ریزی سے گریز کر رہے ہیں۔''

''وہ پوری قوت سے میدان میں اترے ہوئے ہیں اور کسی چیز سے گریز نہیں کر رہے'' میں نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ''وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے ایس ٹی ایف کے سربراہ کو نشانہ بنایا تو ان کا کوئی آدمی جوابی کارروائی سے محفوظ نہیں رہے گا۔ وہ اپنے محدود مقاصد کے لیے کام کر رہے ہیں اور ایس ٹی ایف پر دباؤ ڈال کر اسے میری حمایت سے باز رکھنا چاہ رہے ہیں۔ تمہاری گاڑی تباہ کر کے انہوں نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا ہے۔''

''اور وہ اس میں کامیاب رہے ہیں'' جلال نے لقمہ دیا۔

''ایسے کچھ نہ کچھ وسائل ہمارے پاس بھی ہیں۔ ہم چاہیں تو نیویارک یا واشنگٹن کے کسی مرکزی علاقے میں کسی اہم سرکاری افسر کی گاڑی کو اڑا سکتے ہیں لیکن یہ ایک بے مقصد اور مجنونانہ کارروائی ہوگی'' جنرل بولا۔

''ہم میں اور ان میں یہی بنیادی فرق ہے'' میں نے کہا۔

''وہ کھلی ریاستی دہشت گردی پر اتر آئے ہیں۔ ہم اس میں یقین نہیں رکھتے۔ گیری کے پینٹا گون اور ایف بی آئی سے گہرے مراسم ہیں۔ وہ یہاں مامور سفارتی عملے کا ذمے دار رکن ہے لیکن اس کی حرکتیں گھٹیا ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ملبے کے معائنے سے کیا نتائج برآمد ہوئے۔''

''ملبے سے ایچ فور نامی ایک خوفناک چپ برآمد ہوا ہے جو امریکا کی ایجاد ہے اور صرف ان ہی لوگوں کے استعمال میں ہے'' جنرل نے بتایا۔

''یہ کیسے پتا چلا کہ وہ جلی ہوئی شے ایچ فور ہے؟'' میں نے پہلو بدل کر پوچھا۔

''وہ سالم اور فعال ہے۔ ایچ فور اس پر کندہ ہے۔''

''کیا وہ آگ میں جل کر تباہ نہیں ہوا؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''اس کی خوبی یہی ہے کہ نوسو ڈگری سینٹی گریڈ پر بھی اس کا کچھ نہیں بگڑتا، یہ چپ اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اسے تباہ کرنے کی صرف ایک صورت ہے کہ اسے ہتھوڑی سے کچل کر توڑ دیا جائے۔ یہ بمشکل آدھے انچ کا ایک حقیر سا اور چپٹا مربع ہے۔''

''اور یہ کام کیا کرتا ہے؟'' میں نے سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔

''سگنل نشر اور وصول کرتا ہے۔ نشر ہونے والے اشاروں سے یہ اپنی جائے وقوع کی نشان دہی کرتا ہے۔ آنے والے اشاروں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کے برآمد ہونے کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ میری گاڑی پر گرنے والے راکٹ کو اسی ایچ فور نے گائیڈ کیا ہوگا۔ صحیح نشانے پر لگنے والے ہتھیاروں میں یہ ہوش ربا اضافہ ہے۔''

''مجھے کچھ کچھ یاد آ رہا ہے کہ میں نے ایچ فور کے بارے میں کہیں نہ کہیں سنا یا پڑھا ہے'' جلال نے خود کلامی کے انداز میں جنرل کی باتوں کی تائید کی۔

''اگر یہ چپ اسی قدر اہم ہے تو امریکیوں نے اسے خفیہ بھی رکھا ہوگا'' میں نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

''جب سے ایچ فور کو فوجی اور دفاعی استعمال میں لایا گیا ہے، اس کے بارے میں ہر تفصیل کا مکمل بلیک آؤٹ کر دیا گیا ہے۔''

''کیا اس سے پہلے اسے کسی اور مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا؟'' میں نے چونک کر سوال کیا۔

''یہ ناسا کے سائنس دانوں کی ایجاد ہے۔ سورج سے قریب، گرم سیاروں کی طرف بھیجی جانے والی خلائی مہمات میں اس کی کارکردگی کا چرچا ہوا تھا پھر امریکا کی فوج نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا'' جنرل کہہ رہا تھا۔

''مجھے حیرت تھی کہ اس خفیہ اور طاقت ور چپ کے بارے میں تمہیں کہاں سے معلومات مل گئیں'' میں نے کہا۔

''مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔'' جنرل وقار نے سادگی سے اعتراف کیا'' یہ باتیں مجھے اسلام آباد سے آنے والی ٹیم کے ایک رکن نے ایچ فور دریافت ہونے کے بعد بتائی تھیں۔ وہ اسی شعبے کا ماہر ہے۔ اس نے امریکا میں تعلیم اور تربیت حاصل کی ہے۔''

''اب وہ ایچ فور کہاں ہے؟'' جلال نے پوچھا۔

''وہ ان ہی لوگوں کے پاس ہے۔ وہ اسے پوری طرح تباہ کیے بغیر ناکارہ بنائیں گے تاکہ اس کے ذریعے کوئی دوسرا راکٹ نشانے پر نہ آ سکے۔ اس کی باقیات کو شاید ثبوت کے طور پر اعلیٰ امریکی حکام کے حوالے کیا جائے گا۔''

''یہ بات بہت تشویش ناک ہے کہ اب یہ لوگ ایسی ہائی ٹیک ایجادات بھی یہاں استعمال کر رہے ہیں۔ وہ کھلی دوغلی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں۔ سرکاری سطح پر ہمارے قریبی حلیف بنے ہوئے ہیں۔ غیر سرکاری طور پر اپنے افسروں کو بدمعاشی کی چھوٹ دی ہوئی ہے۔ پتا نہیں یہ سلسلہ کہاں رکے گا۔'' میں نے کہا۔

''تم کچھ زیادہ پریشان ہو رہے ہو'' جنرل نے تشفی آمیز لہجے میں کہا'' ابھی بات اتنی زیادہ نہیں بڑھی ہے۔ وہ کسی پاکستانی ایجنسی سے نہیں الجھے، انہوں نے پہلی بار مجھے ہدف بنایا ہے اور میں واضح طور پر ایک غیر آئینی فورس کا سربراہ ہوں۔ میرے ساتھ ہونے والے تصادم پر حکومت زیادہ مؤثر احتجاج نہیں کر سکے گی۔''

''نہیں جنرل! ایسا نہیں ہے'' جلال نے پورے اعتماد سے جواب دیا'' یہ بہت اچھا ہوا کہ ہم کو مل بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ وزارت خارجہ والے صرف محکمۂ داخلہ کی رپورٹ پر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ آئی بی سمیت دوسری ایجنسیوں سے بھی رپورٹیں طلب کی جائیں گی۔ میں نے اسی لمحے سے اپنا ذہن بنانا شروع کر دیا ہے۔ تمہاری گاڑی کی تباہی کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ یہ ساری پاکستانی ایجنسیوں کے وقار کا معاملہ ہے۔''

''میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم ان خطوط پر سوچ رہے ہو'' جنرل نے تشکر آمیز لہجے میں کہا'' تمہاری باتوں سے مجھے تقویت ملی ہے۔''

''یہ جلال کا فرض ہے بلکہ ہم سب کا'' میں نے گفتگو میں

حصہ لیتے ہوئے کہا ''ایس ٹی ایف تمہاری خود ساختہ فورس نہیں ہے۔ کسی نہ کسی مقتدر شخصیت کے اشارے پر اس کی داغ بیل ڈالی گئی تھی۔ تمہیں تحفظ فراہم کرنا ان قوتوں کی ذمے داری ہے۔ بیچ منجدھار میں تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑا جائے گا۔''

لمحہ بھر کے توقف کے بعد میں جلال کی طرف متوجہ ہو گیا ''تم اپنی رپورٹ کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو۔''

''پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ اس میں اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی ذکر نہیں ہوگا۔'' جلال نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''اس کے بغیر بات کیسے بنے گی؟'' اول خان نے مضطربانہ انداز میں پہلی بار اپنی زبان کھولی۔

''چھاؤنی کے حساس علاقے میں پاکستانی فوج کے ایک ریٹائرڈ میجر جنرل کی گاڑی پر راکٹ فائر ہونے کی رپورٹ دی جائے گی۔''

''ان کی طرف سے ایس ٹی ایف کا نام لیا جا سکتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جنرل وقار اس وقت ایس ٹی ایف کے کمانڈر ہیں'' اول خان نے اعتراض کیا۔

''ان کی حکومت مانتی ہے کہ پاکستان میں ایس ٹی ایف نامی کسی فورس کا وجود نہیں ہے۔ جب تک وہ اپنا موقف نہیں بدلتے، ان کی طرف سے ایس ٹی ایف کا نام لیے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔''

''یہ باریکی میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی'' اول خان نے اعتراف کیا ''اس وقت ہمارے آنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ مل بیٹھ کر آئندہ کے لیے کوئی لائحہ عمل طے کر لیا جائے۔''

''اسلام آباد بہت حساس شہر ہے۔ وہاں کچھ پتا نہیں چلتا کہ کون کس روپ میں کس کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس معاملے میں کراچی محفوظ شہر ہے۔ میرا خیال ہے کہ کسی کو کانوں کان بھی ہماری اس ملاقات کا علم نہیں ہو سکے گا۔'' جنرل وقار نے مزید وضاحت کی۔

''اسی وجہ سے میں تمہارا پیغام ملتے ہی تیار ہو گیا'' جلال نے کہا ''ایس ٹی ایف کے غیر فعال ہونے سے مجھے قومی سلامتی کے ڈھانچے میں ایک بہت بڑے خلا کا احساس ہو رہا ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ قومی ادارہ جلد از جلد بحال ہو۔''

''گیری نے ڈینی سے روح فرسا باتیں کی تھیں اور وہ سب سچ تھیں'' جنرل بولا ''ہم بے خبری میں تباہی کے ایک بھیانک غار کی طرف جا رہے تھے۔ ایس ٹی ایف کا ذکر درمیان میں لائے بغیر، کروڑوں کے لین دین کے الزام میں مجھے اپنے دس بارہ ساتھیوں سمیت اچانک پکڑا جا سکتا تھا۔ ہم سب بے موت مارے جا سکتے تھے۔''

''تم صحیح کہہ رہے ہو'' جلال سر ہلاتے ہوئے بولا ''ترقی یافتہ ملکوں نے کالے دھن کی منی لانڈرنگ کا بہت اودھم مچایا ہوا ہے۔ امریکی اشارے پر کسی بھی وقت انٹرپول حرکت میں آ سکتی تھی۔ ادارے افراد سے مل کر تشکیل پاتے ہیں۔ تمہارے ساتھ سارے اسٹیشن کمانڈر عتاب میں آتے تو اسپیشل ٹاسک فورس کی کمر ٹوٹ جاتی۔ ڈینی کے ذریعے وہ بھیانک خطرہ قبل از وقت سامنے آ گیا۔ اس کے سدِباب کے لیے کیا ہو رہا ہے۔''

''بہت کچھ ہو چکا ہے چند روز میں اس پرانی کہانی کے سارے ورق سادہ رہ جائیں گے۔'' جنرل نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''مجھے ان جزئیات سے دلچسپی نہیں رہی'' جلال نے جنرل کے مرتبے کا لحاظ کرتے ہوئے نرمی سے کہا ''فورس کب تک میدان میں واپس آ رہی ہے؟''

''میرا کام پورا ہو چکا ہے۔ صبح میں اسلام آباد واپس چلا جاؤں گا۔ اس وقت یہاں آنے کا سبب یہ بھی ہے کہ میرے پاس یہاں وقت نہیں رہا۔ اگلے دو روز میں ایس ٹی ایف کے سارے آپریشن دوبارہ شروع ہو جائیں گے۔''

''یہ میرے لیے بہت بڑی خوش خبری ہے'' اس اطلاع پر جلال کا چہرہ کھل اٹھا۔

''تم کو یہ اطمینان بھی رہنا چاہیے کہ گیری سے ذاتی طور پر بدلہ لینے کی کوشش بھی جاری ہیں۔'' میری زبان سے وہ انکشافات سن کر تینوں چونک پڑے۔

''جوش میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا لینا'' جنرل نے جلدی سے کہا ''میں تمہاری مہم جویانہ طبیعت کے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔ یقین کرو کہ گیری سے مجھے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ وہ امریکی مشینری کا ایک پرزہ ہے۔ وہ اپنی ذمے داریاں پوری کر رہا ہے۔ اس کی ڈور کہیں اور سے ہلائی جا رہی ہے۔''

''آنے والی دوپہر تک اس کے ستارے گردش میں آ سکتے ہیں'' میں نے بتایا۔

''تو......!'' جلال نے تیزی سے کہا ''تم اس سے دور رہو گے۔''

''اس کے قتل کے لیے مجھے پانچ لاکھ روپے کی پیشکش کی گئی ہے۔''

''کوئی تمہیں اس سے لڑوا کر ختم کرنا چاہتا ہے۔ بھول کر

بھی اس چکر میں نہ آنا'' اول خان نے بے ساختہ تنبیہہ کی۔
''دونوں ٹھیک کہہ رہے ہیں'' جنرل نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا ''اس وقت پاکستان میں کسی امریکی کا خون بہا تو بہت سنگین مسائل کھڑے ہو جائیں گے۔ یہ ہمارے لیے کڑا وقت ہے۔ تم کو بھی برداشت اور تحمل سے کام لینا چاہیے۔''
''یہ دو گیدڑوں کی لڑائی ہے، جس میں مجھے مفت کا ایک موقع ہاتھ آ رہا ہے اور تم سب میری پوری بات سنے بغیر اپنے فیصلے صادر کیے جا رہے ہو۔''
''تم اپنی کہانی سنا دو'' جنرل نے مربیانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''یہ خیال رہے کہ گیری کا خون اس وقت بہت قیمتی ہے۔ اس کا زیاں نہیں ہونا چاہیے۔''
میں نے ان تینوں کو پورے پس منظر سے آگاہ کر دیا۔
''یہ حیرت ناک صورت حال ہے'' پوری تفصیل سن کر جلال بے ساختہ بول پڑا ''چور کو مور پڑنا اسی کو کہتے ہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو مارنے کے درپے ہیں اور کمال ہے کہ سوبھراج اسے پلیٹ میں سجا کر نہ صرف تمہیں پیش کر رہا ہے بلکہ اس کام کے عوض پانچ لاکھ روپے دینے پر بھی آمادہ ہے۔''
''اب بتاؤ کہ ان حالات میں میری رال نہ ٹپکے تو کیا ہو؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔
''میرا اندازہ ہے کہ تم سوبھراج کی مکمل برین واشنگ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو'' اول خان نے پرخیال لہجے میں کہا ''وہ تم پر پورا بھروسا کرنے لگا ہے۔''
''ایسا ویسا...... شام کو اس نے مجھے را کے دو ایجنٹوں کی آمد کی خبر دی تھی۔ ان دونوں کے ستارے اچھے تھے کہ وہ بچ گئے ورنہ اس وقت وہ بھی یہاں موجود ہوتے۔''
میں جلال کے ایما پر صدف مینشن پہنچا تھا۔ میں نے وہاں جاتے ہی اپنی کوئی بات شروع نہیں کی۔ پوری توجہ سے ان لوگوں کی گفتگو سنتا رہا کیونکہ اس غیر رسمی اجلاس کا مقصد جلال اور جنرل کے درمیان آزادانہ تبادلۂ خیال تھا۔
ان دونوں کی وہ باتیں ختم ہونے کے بعد میں نے گیری کا ذکر نکالا تو مجھے خود بھی را والوں کا خیال نہیں آ سکا۔
حسن اور ذکی کے فرضی ناموں سے آئے ہوئے ایجنٹوں کے ساتھ کسی بڑی معرکہ آرائی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ وہ دونوں مجھے جل دے کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہ قصہ اس قدر پھسپھسا تھا کہ میں اسے بھول ہی گیا تھا۔
--- اول خان کی زبان سے سوبھراج کی برین واشنگ کا ذکر سنتے ہی مجھے وہ دونوں بھی یاد آ گئے۔
را کے ایجنٹوں کا ذکر اتنے سرسری انداز میں سامنے آیا تو وہ تینوں ہی حیرت سے اپنی جگہوں پر اچھل پڑے۔ جنرل کے لیے وہ دونوں گیری سے زیادہ اہم تھے۔
حسن اور ذکی کی روداد ان تینوں کے لیے بہت سنسنی خیز ثابت ہوئی۔
''صحیح معنوں میں یہ آج کی سب سے بڑی خبر ہے'' جلال نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا ''کاش ان دونوں میں سے کوئی تمہارے ہاتھ آ گیا ہوتا۔''
''سوبھراج ان دونوں کی طرف سے خوف زدہ ہے۔ اسے ڈر ہے کہ ان کی کسی دہشت گردی کو میں اس کے کھاتے میں نہ ڈال دوں'' میں نے کہا ''مجھے امید ہے کہ وہ دونوں اس سے رابطہ کریں گے اور وہ فوری طور پر مجھے اطلاع دے دے گا۔''
''مجھے توقع نہیں تھی کہ را والے ایک دو مہینے تک کسی کو ادھر بھیجنے کی ہمت کر سکیں گے۔'' جلال بولا ''گوپال راج ان کا بہت کامیاب بلیک کیٹ تھا۔ ہمارے سات قیدیوں کی رہائی کے بدلے اسے واپس لیتے ہی انہوں نے یہ ٹیم بھیجی ہے۔ میری تمنا ہے کہ وہ کوئی بڑی کارروائی کرنے سے پہلے پکڑے جائیں۔''
''ہر محاذ کی خبریں گرم ہیں'' اول خان ایک گہرا سانس لے کے بولا ''دیکھنا ہوگا کہ پہلے کہاں پیش رفت ہوتی ہے۔''
''پہلا معرکہ گیری والا ہی ہو سکتا ہے'' جنرل بولا ''اس کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا تھا؟''
''مجھے بھی اندازہ ہے کہ اس کی ہلاکت سے مسائل پیدا ہوں گے'' میں نے سنجیدگی سے کہا ''اسے مار پیٹ کر چھوڑنا زیادہ بہتر رہے گا۔''
''یہ کام تم کہاں کرو گے؟'' جلال نے مجھ سے پوچھا۔
''اسے اگر آنا ہے تو وہ فرنچ بیچ پر آئے گا۔ اس سے وہیں نمٹنا پڑے گا۔''
''شاید تم نے وہ علاقہ نہیں دیکھا، صرف فرنچ بیچ کا نام سنا ہے'' جلال نے میرے جواب پر اپنی رائے ظاہر کی اور میں اثبات میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔
''وہ کھلا ساحلی علاقہ نہیں ہے، جہاں ہر شخص کو جانے کی آزادی ہو'' جلال مجھے بتانے لگا ''وہ اعلیٰ سرکاری افسروں اور غیر ملکی سفارت خانوں کے لیے محفوظ کیا ہوا ساحل ہے جہاں اجازت نامے کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ وہاں ہر وقت چاق و چوبند بلوچ محافظ گشت پر رہتے ہیں اور تاک جھانک

کرنے والوں کے ساتھ بہت درشتی سے پیش آتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں تم گیری پر اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال سکو گے۔ وہ سختی سے مداخلت کریں گے اور گیری کو تمہارے چنگل سے نکال لے جائیں گے۔''

''پھر تو مسئلہ الجھ جائے گا۔ پہلا مسئلہ اجازت نامے کا ہوگا، وہ کہاں سے ملے گا۔''

''اس کی تم پروا نہ کرو۔ میں بندوبست کردوں گا لیکن سوال یہ ہے، تم فرنچ بیچ پر پہنچ گئے اور گیری بھی وہاں آ گیا۔ تب بھی تم اس کا کیا بگاڑ لو گے؟ تم دونوں کے دست و گریباں ہوتے ہی محافظ اسے بچانے کے لیے آ جائیں گے۔''

میں الجھ کر رہ گیا۔ سوبھراج گردش میں آنے سے پہلے معزز سیاست دانوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اپنی اس حیثیت میں اسے فرنچ بیچ تک رسائی حاصل تھی۔ اس نے خود مجھے بتایا تھا کہ وہ وہاں دعوتیں کرتا رہتا تھا اور جنگل میں منگل کا سماں ہو جاتا تھا اور اس کے مہمانوں کے سوا وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔

اس مقام پر کسی کمین گاہ سے گھات لگا کر کسی حریف کو موت کے گھاٹ اتارنا زیادہ آسان تھا۔ کسی کو مارنا پیٹنا اس کے مقابلے میں بہت دشوار تھا۔ سوبھراج نے یہ نکات اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے مجھے گیری کو ٹھکانے لگانے کا کام سونپا تھا۔

''تمہارا فرنچ بیچ جانا کیا ضروری ہے'' مجھے خاموش پا کر جنرل نے مشورہ دیا ''تم اسے راستے میں بھی روک سکتے ہو۔ وہاں آمدورفت کے لیے ایک ہی راستہ ہے۔''

جنرل کا مشورہ کسی حد تک معقول تھا مگر اس میں ایک سنگین خطرہ مضمر تھا۔

گیری اور سوبھراج ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ سوبھراج وہاں جانے سے منکر ہو گیا تھا۔ گیری اپنی دانست میں اسے مارنے کے لیے وہاں جاتا۔ اس مہم کے لیے گیری کا مسلح ہونا ناگزیر تھا۔

اسے راستے میں روکنے کی کوشش کی جاتی تو وہ بھڑک کر آتشیں ہتھیاروں کا استعمال شروع کر سکتا تھا اور وہ مقابلہ ایک خونی تصادم کی صورت اختیار کر سکتا تھا جب کہ میں خوں ریزی سے بچنا چاہتا تھا کیونکہ گیری کی موت ہمیں مہنگی پڑ سکتی تھی۔

''تم اجازت نامے کا بندوبست کرو۔ میں دیکھوں گا کہ کیا کرنا چاہیے'' میں نے ان پر اپنے خدشات کا اظہار کیے بغیر بے پروائی سے کہا۔

''کم از کم مجھے تو بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے ہو'' اول خان نے ہمدردانہ لہجے میں کہا ''تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ گیری کے معاملے میں آئی بی والے تمہاری مدد نہیں کریں گے۔ ایس ٹی ایف اس وقت بالکل مفلوج ہے۔ تم کو زیادہ خطرات مول لینے سے گریز کرنا چاہیے۔''

''یہ سب پہلو میرے ذہن میں موجود ہیں'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''تم بے فکر رہو۔ زیادہ خطرہ نظر آیا تو میں گیری سے بھڑنے کی کوشش نہیں کروں گا۔''

''یہ تمہارا وعدہ ہے!'' جلال نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''پکا وعدہ!'' میں نے اپنا داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

مجھ سے مضبوطی سے ہاتھ ملاتے ہی جلال نے میز کی دراز کھول کر انٹیلی جنس بیورو کا ایک چھپا ہوا لیٹر ہیڈ نکالا، اس پر ہاتھ سے کچھ لکھ کر اپنے دستخط کیے اور وہ کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے تحریر پر ایک نگاہ ڈالی۔ مخصوص سرکاری انداز میں لکھا ہوا تھا کہ اس تحریر کے حامل کو اپنے ہمراہیوں سمیت فرنچ بیچ کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے۔ وہ تحریر پڑھ کر میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کیوں ہنس رہے ہو؟ کیا میری تحریر میں کوئی غلطی ہے؟'' جلال نے کچھ بے آرام ہو کر خفت سے سوال کیا۔

''بھول گیا تھا کہ تم بیسویں گریڈ کے ایک بڑے سرکاری افسر ہو'' میں نے وہ کاغذ تہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

''میں تمہاری کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا'' جنرل نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کرسی چھوڑ دی ''اب میں چلوں گا۔''

وہ جلال کا مہمان تھا۔ اگلی صبح اسے اسلام آباد روانہ ہونا تھا۔ جلال نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اٹھا اور ان دونوں کے ساتھ ہو لیا۔

میں نے بھی دروازے تک آ کر ان کو رخصت کیا تو اول خان کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں ''کیا ابھی تم یہاں رکو گے؟''

''ڈینیل سے مل کر جاؤں گا۔ اسٹیشن نور کے دروازے بند ہونے کی وجہ سے میں نے اسے یہاں پہنچایا تھا'' میں نے جواب دیا۔

وہ جنرل وقار کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ جنرل نے جاتے جاتے مجھے نصیحت کی تھی کہ میں گیری ہارٹ کے معاملے میں جوش کے بجائے ہوش سے کام لوں اور اپنی سلامتی کو

انتقامی جذبے پر مقدم رکھوں۔
ان کے جاتے ہی مسلح محافظ نے صدف مینشن کا وزنی دروازہ بند کردیا۔
''مجھے وہ دونوں معزز چہرے ابھی تک نظر نہیں آئے جنہوں نے سنیل کو لے کر مجھے یہاں سے لوٹایا تھا۔'' لوٹتے ہوئے میں نے جلال سے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔
''آج ان کی ہفتہ وار تعطیل ہے۔ میں پھر پوچھ رہا ہوں کہ انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی تو نہیں کی تھی!''
''بدتمیزی نہیں کی تھی مگر اپنی اصول پرستی سے مجھے مایوس ضرور کیا تھا۔''
اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور اس بند کوٹھری کی طرف بڑھ گیا جس میں سنیل کو رکھا گیا تھا۔
دروازہ کھلتے ہی فرش پر سنیل نظر آگیا۔ کمرے میں پھیلی ہوئی یرقان زدہ روشنی میں اس کا چہرہ بہت بھیانک لگ رہا تھا۔ داڑھی بڑھی ہوئی، سر کے بال بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے اور لباس میلا ہورہا تھا۔ اس کے چہرے پر چمکتی ہوئی سفید آنکھوں میں دہشت کے سائے لرزاں تھے۔
''کرنل!'' میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ نحیف آواز میں کراہا'' مجھے معاف کردو، مجھے چھوڑ دو۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا......اپنے مالک کا حکم مانا ہے......''
''تم انسان کے نام پر ایک بدنما داغ ہو۔ تمہارے مقدر کا فیصلہ کوئی عدالت کرے گی۔ جب تک تمہارا مالک ہاتھ نہیں آجاتا، تم کو یہیں رہنا ہوگا۔''
اس کی حالت سے ظاہر ہورہا تھا کہ آئی بی والوں نے اس پر خاصی محنت کی تھی۔ اسے جو کچھ معلوم تھا وہ اگلوانے کی کوششیں کی جارہی تھیں۔ مجھے ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میں کوٹھری سے نکل آیا۔
مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ سنیل سے اس کے شایانِ شان سلوک کیا گیا تھا۔ میرے سامنے ضابطے اور اختیار کی رٹ اس لیے لگائی گئی تھی کہ میں ان لوگوں کے لیے باہر کا آدمی تھا۔ وہ ایسے کسی آدمی کو اپنے غیر روایتی تفتیشی طریقوں کا گواہ نہیں بنا سکتے تھے۔
''تمہیں اپنے سوال کا جواب مل گیا؟'' جلال نے مجھ سے پوچھا۔
''کس سوال کی بات کررہے ہو؟'' میں نے الجھ کر کہا۔
''میرے آدمیوں نے تمہیں ضرور مایوس کیا تھا لیکن سنیل کو مایوس نہیں کیا۔ کسی قیدی کو معذور کیے یا ہڈی پسلی توڑے بغیر مایوسی کی انتہا کو پہنچا دینا ایک پیشہ ورانہ فن ہے۔ جب قیدی کو کہیں سے کوئی مدد یا سہارا ملنے کی امید نہیں رہتی تو پھر وہ اپنی زبان کھولنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ سنیل اب اس منزل پر آپہنچا ہے۔''
''جب مدن لال بول پڑا تو اب اس کی کیا اہمیت رہ گئی ہے؟''
''مدن لال نے ان دونوں کو پناہ دی، سوبھراج کو رقوم وغیرہ فراہم کرتا رہا۔ اس سے زیادہ اسے کچھ معلوم نہیں۔ اس کا بیٹا اس سے زیادہ ناکارہ ثابت ہوا ہے۔ وہ دونوں صرف مینشن کے باورچی خانے پر بوجھ بنے ہوئے ہیں۔ سوبھراج کے کرتوتوں کی اصل کہانیاں سنیل کے سینے میں دفن ہیں۔ عدالت میں وہی کام آئیں گی۔''
''اب یہاں آہی گیا ہوں تو بقیہ قیدیوں کے دیدار بھی کرادو۔''
وہ اوپر جانے والے چوبی زینوں کی طرف ہولیا۔
نرمل اور مدن ایک ہی کوٹھری کے فرش پر بالکل بےسدھ پڑے ہوئے تھے۔ ان کو دنیا و مافیہا سے بےخبر پاکر میری سوالیہ نگاہیں جلال کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں تو اس نے بتایا کہ باپ بیٹے نے صدف مینشن کو سر پر اٹھایا ہوا تھا۔
الگ الگ کوٹھریوں میں بند ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے آوازیں ملا کر ایسے بھیانک سروں میں بین کررہے تھے کہ اس عمارت کے سنگ دل محافظوں کے دل بھی اڑنے لگے تھے۔ جلال ان دونوں کی گرفتاری ظاہر کرکے ضمانت پر رہائی کا اصولی فیصلہ کرچکا تھا لیکن اس پر عمل درآمد کرنے سے پہلے انہیں چند دنوں کے لیے صدف مینشن کا مہمان رکھنا چاہتا تھا تاکہ بقیہ زندگی میں انہیں بھول کر بھی کسی مجرم کا ساتھ دینے کا حوصلہ نہ ہوسکے۔
اوپر کی منزل کے ایک کشادہ کمرے میں شیبا بند تھی۔ وہ کمرا قدرے صاف اور روشن تھا۔ شیبا کو فرش پر گدا، تکیہ اور چادر فراہم کی گئی تھی۔
وہ صدف مینشن کے ماحول اور وہاں کی فضا میں گونجنے والی لرزہ خیز آوازوں سے واضح طور پر خوف زدہ تھی لیکن اس کے حواس زائل نہیں ہوئے تھے۔
اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اسے احتیاط کے طور پر تحویل میں لیا گیا تھا۔ اس سے کوئی باز پرس کی گئی تھی نہ اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔
ہم دونوں کو دیکھتے ہی وہ بستر سے اچھل کر کھڑی ہوگئی اور اس کی غصیلی نظریں میرے چہرے پر جم کررہ گئیں۔
''دغا باز!'' وہ خوف سے سرسراتی ہوئی، نفرت آمیز

آواز میں بولی ''مجھ سے کہتے تھے کہ میں سنیل کا چہیتا دوست، مہیش اگروال ہوں۔ مجھے معلوم ہوتا کہ تم کرنل داور ہو تو تمہیں اپنے گھر میں نہ آنے دیتی۔ میں......''

''خاموش رہو!'' میں نے آنکھیں نکال کر غراتی ہوئی آواز میں اسے ڈانٹا ''جو عورت ایک وقت میں دو مردوں کے بستر پر وقت گزارتی ہے، اس سے بڑا دغاباز اور بے وفا کوئی نہیں ہوتا۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے ورنہ اب تک تمہارا حشر خراب ہو چکا ہوتا۔''

میری پھٹکار سے وہ سہم گئی اور مدافعانہ لہجے میں بولی ''تمہیں اپنا ہمدرد سمجھ کر میں تمہیں ہر بات بتا چکی ہوں۔ میں اپنے مرد کی مرضی سے سوبھراج کو خوش کرتی تھی۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ اپنے مرد کی خوشی کے لیے کوئی عورت پاپ بھی کرتی ہے تو وہ اس کا پن بن جاتا ہے۔ میں نے......''

''شٹ اپ!'' اس بار جلال کو غصہ آ گیا ''دنیا کا کوئی دھرم ایسے غلیظ گناہوں کو نیکی کا درجہ نہیں دیتا۔ یہ سب تمہاری من گھڑت باتیں ہیں۔''

''میں اچھی بھلی اپنے گھر میں پڑی تھی۔ تم مجھے یہاں کیوں اٹھا کر لائے۔ مجھے میرا قصور تو بتا دو۔ میں نے تم لوگوں کا کیا بگاڑا ہے!'' وہ روہانسی ہو گئی۔

شیبا کے وہ سوال معقول تھے لیکن اسے یہ نہیں بتایا جا سکتا تھا کہ اسے سوبھراج کے پکڑے جانے تک کے لیے احتیاطاً قید کیا گیا ہے۔ جلال خاموش رہا۔ اسے جواب دینے کی ذمے داری میرے سر آن پڑی۔ میں نے کہا ''تمہارا یہ جرم معمولی نہیں ہے کہ تم نے ہمیشہ سنیل کا ساتھ دیا جو ایک مجرم ہے۔''

''مجھ سے بڑی سے بڑی سوگند لے لو۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ راج محل جا کر کیا کرتا ہے۔ میں مجرم نہیں ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔''

اس کے منہ لگنا فضول تھا۔ ہم واپسی کے لیے مڑے تو اس نے ہذیانی انداز میں اپنی رہائی کے لیے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ ہم دونوں اس کی فریادوں پر کوئی دھیان دیے بغیر باہر نکل آئے اور وہ دروازہ بھی بند کر دیا گیا۔

میرے نکتہ نظر سے وہ تینوں قیدی بے کار تھے۔ ان میں صرف سنیل کارآمد ثابت ہو سکتا تھا مگر وہ جگر خراش تشدد سہنے کے باوجود اپنے اس موقف پر اڑا ہوا تھا کہ اسے سوبھراج کی مجرمانہ سرگرمیوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ مشتبہ معاملات سے وہ بالا ہی بالا خود نمٹتا تھا۔ اس طرح کے اس کے مجرمانہ روابط سیٹ لائٹ فون کے ذریعے برقرار تھے جو ہر وقت سوبھراج کی ذاتی تحویل میں رہتا تھا۔

میں دل ہی دل میں دعا مانگ کر رہ گیا کہ اس کے بارے میں جلال کی توقعات جلد پوری ہوں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ سنیل اعصابی شکست و ریخت کے اس مرحلے پر آن پہنچا تھا جہاں اس کے لیے سچ کو چھپانا دشوار ہو جاتا۔

''تم ہر وقت یہاں نہیں ہوتے۔'' میں نے زینے اترتے ہوئے جلال سے کہا ''سنیل پر تمہارے خاص آدمی مامور ہوں گے۔ ان کو سنیل سے یہ ضرور پوچھنا چاہیے کہ اگر وہ جرائم میں اپنے مالک کا شریک نہیں تھا تو پھر زبردست خطرہ مول لے کر کسی قسم کے کاغذوں کو نذر آتش کرنے کے لیے اپنے گھر واپس کیوں آیا تھا؟''

یہ کلیدی سوال ہے۔ میں انہیں ضرور بریف کروں گا۔'' اس نے مجھ سے اتفاق کیا ''اسے تم نے پکڑا تھا۔ یہ سوال تمہارے ہی ذہن میں آ سکتا تھا۔ میرے آدمی اس کی گرفتاری کے پورے پس منظر سے بے خبر ہیں۔''

''اسی وجہ سے میں سنیل سے باز پرس کے دوران میں یہاں موجود رہنا چاہ رہا تھا لیکن بد قسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔''

''تم چاہو تو اس وقت سنیل پر کچھ طبع آزمائی کر سکتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے خوف سے اسی وقت بولنا شروع کر دے۔''

''اس وقت موڈ نہیں ہے۔'' میں نے ہنس کر اسے ٹال دیا۔

زینے اتر کر میں سیدھا دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ پھر ہم دونوں بند دروازے کے قریب رک گئے۔ محافظ دروازہ کھولنے کے لیے ہمارے اشارے کے منتظر تھا۔

میرے جواب پر جلال نے گہری نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن پھر یکایک موضوع بدلتے ہوئے بولا۔ ''میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال آ رہا ہے کہ کہیں دونوں کام ایک ہی وقت میں جمع نہ ہو جائیں۔''

اس کے وہ فقرے میرے سر پر سے گزر گئے۔ میں نے کہا ''تم کن دونوں کاموں کی بات کر رہے ہو؟''

''گیری نے سوبھراج کو ایک سے دو بجے کے درمیان کا وقت دیا ہے۔ اگر اسی دوران میں سوبھراج کی طرف سے را والوں کے بارے میں کوئی خبر آ گئی تو تمہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کو نظر انداز کرنا پڑے گا۔''

''گیری سے فوری طور پر کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔'' میں نے ذہن پر قدرے زور دیتے ہوئے کہا ''میں اسے سوبھراج کے نام پر سبق دینا چاہتا ہوں۔ اس کے برعکس را کے دونوں آدمی خطرناک ہیں۔ وہ موقع پاتے ہی کہیں بھی اپنا

کام دکھا سکتے ہیں۔ ان پر ہاتھ ڈالنا میری پہلی ترجیح ہوگی۔''

''مجھے تمہاری یہی ادا بہت پسند ہے!'' جلال خوش ہو کر بولا ''تم بہت تیزی کے ساتھ مثبت اور صحیح فیصلے کرتے ہو۔ میں ذرا تذبذب میں تھا کہ دونوں کاموں میں وقت کا ٹکراؤ ہو جائے تو کس کو ترجیح دینا مناسب ہوگا۔ تمہاری دلیل بہت وزنی ہے۔ فوری خطرے کا فوری سدِباب ہونا چاہیے۔''

''جنرل صبح کراچی سے روانہ ہو جائے گا لیکن تم یہاں رہو گے!'' میں نے اس سے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''فی الحال یہاں رکنا پڑے گا۔ راوالوں کی آمد کی خبر دے کر تم نے میرے بوجھ میں اضافہ کر دیا ہے۔ ان لوگوں کو مخبری کے لیے آنا ہوتا ہے تو یہ اسلام آباد کا رخ کرتے ہیں جہاں مرکزی حکومت کا سارا ریکارڈ رہتا ہے۔ کراچی میں ان کی موجودگی کا مقصد تخریب کاری اور دہشت گردی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ مجھے اپنے آدمیوں کو الرٹ کرنا پڑے گا۔ مجھے ابھی تک ان کے بارے میں کہیں سے کوئی خبر نہیں ملی ہے۔''

وہ جلال کی ایمانداری تھی کہ اس نے اپنا بھرم قائم رکھنے کی کوشش کیے بغیر صاف الفاظ میں حقیقت بیان کر دی۔ اس کی بے خبری میں ان کے محکمے کی کوتاہی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ آنے والے سرحد پار سے غیر قانونی طریقوں سے آتے تھے اور اپنے رنگ روپ اور خدوخال کی بنا پر آسانی سے مقامیوں میں گھل مل جاتے تھے۔ کسی مخبری کے بغیر ان کا سراغ لگانا آسان نہیں تھا۔

میں اس سے رخصت ہو کر واپس گھر پہنچا تو ڈھائی بج چکے تھے۔ غزالہ میری واپسی کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ ابرار اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔ بقیہ لوگ اطمینان سے خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔

☆☆☆

اگلی صبح پرسکون ثابت ہوئی۔ میرا دھیان مسلسل سوبھراج کی طرف لگا ہوا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ راوالوں کے بارے میں کوئی خبر ملتے ہی مجھ سے رابطہ کرے گا لیکن اس کی طرف سے مسلسل خاموشی تھی۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ نیو خان ہوٹل کے تلخ تجربے کے بعد را کے دونوں کارندوں میں سے کسی نے سوبھراج سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ان کی وہ خاموشی میرے لیے تشویش ناک تھی۔

اس دوران میں ویرا نے مجھے مشورہ دیا کہ میں خود سوبھراج سے رابطہ کر کے حقیقت جاننے کی کوشش کروں لیکن میں نے اس کا وہ مشورہ مسترد کر دیا۔ پچھلی رات اول خان کی کہی ہوئی یہ بات میرے ذہن میں بیٹھ چکی تھی کہ میری طرف سے سوبھراج کی مکمل برین واشنگ ہو چکی تھی۔ وہ میرے یعنی ڈینی کے سحر میں گرفتار ہو چکا تھا۔ اسے کوئی خبر ملتی تو اسے پہلی فرصت میں مجھے فون کرنا چاہیے تھا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق مجھے اور سلطان شاہ کو بارہ بجے گیری کی تلاش میں میں ساحلی علاقے کی طرف روانہ ہو جانا تھا۔ ویرا نے ہمارے ساتھ جانے کے لیے ایک مرتبہ پھر اصرار کیا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ قائل ہو چکی تھی کہ گیری سے اس کا سامنا ہونا ہمارے لیے کسی بھی طرح سودمند ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔

کچھ دیر کی نیم دلانہ بحث کے بعد ویرا نے خاموشی اختیار کر لی۔

صدف مینشن میں مجھے فرنچ بیچ کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا تھا وہ بہت اہم تھا لیکن میں نے وہ باتیں ان تینوں کے سامنے نہیں دہرائی تھیں۔ وہاں درپیش مشکلات کے پیشِ نظر میں نے خاموشی سے ایک لائحہ عمل طے کر لیا تھا مگر وہ اسی غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ گیری ساحل پر موجود ہوگا اور ہم دونوں اسے وہیں گھیرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

سوبھراج نے اسے سوئمنگ کاسٹیوم میں فرنچ بیچ پر ملنے کی شرط عائد کر کے بڑی حد تک بے دست و پا کر دیا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ اس مخصوص ساحلی علاقے میں گیری کو تاک کر نشانہ بنانا ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔

بارہ بجے ہم گھر سے روانہ ہوئے تو ویرا اور غزالہ بھی تیاری میں مصروف تھیں۔ انہوں نے دو کام از خود اپنے سر لیے تھے۔

مسز شیر دل سے ملاقات کا خیال ویرا کے ذہن میں پیدا ہوا تھا۔ وہ جب سے اس سے ملی تھی، ایک لمحے کے لیے بھی اسے اور اس کے بچوں کو نہیں بھول سکی تھی۔ وہ ایک مجرم کا گھرانا تھا جو عزت اور شرافت کے ساتھ اپنی بقیہ زندگی گزارنا چاہتا تھا۔

ویرا اس عورت سے وعدہ کر کے آئی تھی کہ وہ اپنی مفروضہ این جی او کی طرف سے اس کے بچوں کی ماہانہ فیس ادا کرتی رہے گی۔ ہم میں کوئی بھی ویرا کے کیے ہوئے اس وعدے سے منحرف ہونے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا لیکن اپنے چکروں کی وجہ سے ہمارے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وقت کی پابندی کے ساتھ ہر مہینے فیس کی رقوم باقاعدگی سے بھیجتے رہیں۔

اس دقت کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ مسز شیر دل کو

یک مشت ایک لاکھ روپے دے دیے جائیں اور وہ اس رقم میں سے اپنے بچوں کی فیسیں ادا کرتی رہے۔ وہ اس روز کے لیے ان دونوں کا پہلا کام تھا۔

دوسرے کام کا تعلق گاڑی سے تھا۔ میری کار اسٹیشن فور پر گرنے والے راکٹ کا نشانہ بن کر تباہ ہو چکی تھی۔ میرے اس نقصان کے بارے میں جنرل سے زیادہ اول خان نادم تھا کیونکہ میں اسی کے بلاوے پر جنرل سے ملاقات کرنے کے لیے اسٹیشن فور پہنچا تھا۔ ایس ٹی ایف کے مالی مسائل حل ہونے کے بعد شاید وہ میرے اس نقصان کا ازالہ کرنے کی کوشش بھی کرتا لیکن میں ایسی کسی پیشکش کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

اول خان متوسط طبقے کا ایک سفید پوش اور ایمان دار ملازم تھا۔ اس نے فوری طور پر اپنی گاڑی میرے حوالے کر دی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اپنی ذاتی گاڑی کے بغیر وہ پریشانی سے دوچار ہوگا۔ میری خواہش تھی کہ وہ دونوں اپنی پسند سے کوئی اچھی سی سیکنڈ ہینڈ گاڑی خرید لیں تاکہ اول خان کی گاڑی فوری طور پر اسے لوٹائی جا سکے۔

گھر سے تھوڑی دور نکلنے کے بعد سلطان شاہ بولا ''میں نے ابھی تک اس بارے میں اپنی زبان نہیں کھولی لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہتا ہوں کہ ہم مفت میں مسز شیر دل پر ایک لاکھ روپے کی خطیر رقم کیوں برباد کر رہے ہیں!''

''وہ ایک ضرورت مند بیوہ ہے!'' میں نے اختصار سے جواب دیا۔

''شہر میں اس سے کہیں زیادہ ضرورت مند بیوائیں موجود ہیں۔'' اس نے اعتراض کیا ''تم دس لاکھ روپے جیب میں ڈال کر میرے ساتھ چلو۔ میں پٹھان کالونی اور شیریں جناح کالونی میں تمہیں ایسے ایسے گھر دکھاؤں گا جہاں دو تین دنوں میں صرف ایک بار چولہا روشن ہونے کی نوبت آتی ہے۔ بیوائیں صبح سے شام تک محنت مزدوری کر کے بھی اپنے بچوں کے لیے دو وقت کی روٹی فراہم نہیں کر سکتیں۔ تم اپنی جیبیں خالی کر دو گے لیکن ایسے گھرانے ختم نہیں ہوں گے۔ شیر دل کی بیوہ میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔''

میں زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ اس کی وہ جذباتی تقریر سنتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے آہستہ سے کہا ''تم بھول رہے ہو۔ اس نے ہماری مدد کی ہے۔''

''مدد کرنے سے زیادہ اس نے دیرا کو اپنی درد بھری داستان سنائی تھی۔ یہ دیرا کی مرضی ہے کہ وہ جہاں چاہے، رقم لٹاتی پھرے!'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''نرمل کمار کا فون نمبر اسی سے ملا تھا۔ اگر سنیل کے سامنے وہ نام نہ لیا جاتا تو شاید وہ مر کر بھی یہ نہ بتاتا کہ سوبھراج نے مدن لال کے گھر میں پناہ لی ہوئی ہے۔ وہ بہت اہم پیش رفت تھی۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''سوال افادیت کا ہے۔ اس پیش رفت سے ہمیں کیا ملا؟ آئی بی والے مدن لال کے گھر پہنچے لیکن سوبھراج ان کے ہاتھ نہیں آ سکا۔'' وہ جھلّائے ہوئے انداز میں بحث پر آمادہ تھا۔

''سوبھراج کو وہاں سے بھاگنا نہ پڑتا تو آج حالات مختلف ہوتے۔ وہ میرے اوپر اتنا زیادہ اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ یوں سمجھ لو کہ وہ ایک لاکھ روپے مسز شیر دل کا انعام ہیں۔ اس نے ہماری مدد کی۔ ہم اس کی مالی مدد کر رہے ہیں۔''

''رقم تمہاری ہے۔ اگر تم اس طرح سوچتے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے!''

''مرچیں نہ چباؤ۔ اپنی کھوپڑی پر قابو رکھو۔'' میں نے رسانیت سے کہا ''اس وقت ہم ایک اہم مہم پر جا رہے ہیں۔ ہم ذرا بھی چوکے تو گیری ہم پر رحم نہیں کرے گا۔''

''تم پہلے بھی فرنچ بیچ گئے ہو؟'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس نے ایک معقول سوال کر کے اپنی حاضر دماغی کا ثبوت فراہم کر دیا۔

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''وقت نہیں تھا ورنہ ہمیں پہلے سے وہاں کا ایک چکر لگا کر جائزہ لے لینا چاہیے تھا۔''

''وہ کھلا ساحلی علاقہ نہیں ہے۔'' میں نے اسے فرنچ بیچ کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

''پھر وہاں جانا بے سود ہے۔ اس بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''میں تمہاری رائے سے سو فیصد متفق ہوں۔ سوبھراج نے جگہ کے انتخاب میں زبردست غلطی کی ہے۔ اسے کسی اور مقام کا انتخاب کرنا چاہیے تھا۔''

''وہ ڈی آئی بی کی حیثیت سے وہاں جاتا رہا ہوگا۔ یہ تفصیلات اس کے علم میں نہیں ہوں گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ گیری سے بات کرتے ہوئے اس نے تمہارے بارے میں نہ سوچا ہو۔ سب کچھ طے کر لینے کے بعد اسے تم کو گیری سے بھڑانے کا خیال آیا ہو۔''

سلطان شاہ کی دونوں باتیں درست تھیں۔ میں نے کہا ''وہاں جانے کے لیے ایک ہی راستہ ہے۔ ہم اس پر رک کر گیری کو گھیرنے کی کوشش کریں گے۔''

''موجودہ حالات میں یہی ایک راہ رہ جاتی ہے۔'' وہ بولا۔

اس کے بعد گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ خیالات کی رو میں ڈوبے ہوئے تھے۔

حسن اسکوائر سے میں نے گاڑی لیاقت آباد کی طرف موڑ لی تھی۔ لیاقت آباد، ناظم آباد اور پھر سائٹ کی مرکزی شاہراہ سے ہوتے ہوئے ہم تھوڑی دیر میں گلبائی کے چوک پر پہنچ گئے۔ وہاں سے داہنی طرف وہ سڑک تھی جو سرکلر ریلوے لائن کو عبور کر کے پی اے ایف مسرور سے ہوتی ہوئی ساحلی علاقے کی طرف نکل جاتی تھی۔

کسی کھلے ویرانے کے مقابلے میں پی اے ایف بیس سے آگے کا علاقہ میری نظر میں موزوں تھا۔ خودرو جھاڑیوں سے گھرے ہوئے میدان پر نظر پڑتے ہی میں نے اپنی گاڑی واپس گھمائی اور شہر کی طرف جانے والے رخ پر، سڑک سے اتار کر روک دی۔ اس طرح ہم شہر کی طرف سے آنے والی گاڑیوں پر نظر رکھ سکتے تھے۔

ہم ساڑھے بارہ بجے وہاں پہنچ گئے تھے۔ وقت بہت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا اس دوران میں ہم دنیا جہان کی باتیں کرتے رہے پھر تھک ہار کر خاموش ہو گئے۔ دونوں میں سے کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔

رسٹ واچ میں ایک بجا تو میرے ذہن پر مایوسی حملہ آور ہونے لگی۔ گیری کوئی احمق نہیں تھا۔ وہ سوبھراج کی چال کا اندازہ لگا کر فرنچ بیچ آنے کا ارادہ منسوخ کر سکتا تھا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ وہ اپنا مضبوط مورچا جمانے کے چکر میں ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ساحل کی طرف نکل گیا ہو۔

صورت احوال جو بھی رہی ہو، میں دو بجے تک وہاں رکنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ میں نے اپنے ذہن میں آنے والے منفی خیالات میں سلطان شاہ کو شریک نہیں کیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ اکتاہٹ کا شکار ہو کر اسی وقت واپسی کا دباؤ ڈالنا شروع کر دے گا۔

وہ چھٹی کا دن نہیں تھا اس لیے اس سڑک پر ٹریفک کی زیادتی نہیں تھی۔ شہر سے آنے والی گاڑیوں میں اس وقت تک سفارتی نمبر پلیٹ والی کوئی گاڑی نہیں گزری تھی۔ ویسے بھی مجھے یقین تھا کہ گیری نے ادھر آنے کا ارادہ کیا تو وہ سفارتی گاڑی کو اپنی آمد کا اشتہار نہیں بنائے گا۔

وہ آتا تو اپنے دل میں سوبھراج کو قتل کرنے کا ارادہ لے کر آتا۔ اس کے لیے بہتر یہ ہوتا کہ وہ عام نمبروں والی کسی بھی گاڑی میں مقررہ مقام پر پہنچتا اور اپنا کام پورا کر کے خاموشی سے واپس لوٹ جاتا۔

ایک بجے کے بعد سڑک پر ایک شاندار گاڑی تیرتی ہوئی نظر آئی۔ شہر کی طرف سے آنے والی اس گاڑی کی انفرادیت نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

گاڑی کے شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک مقامی کا ہیولا نظر آ رہا تھا۔ اس کے برابر والی نشست خالی تھی۔

گاڑی بہت تیزی سے آئی اور ہمارے قریب سے گزرتی چلی گئی۔ گاڑی کے چڑھے ہوئے شفاف شیشوں کے عقب میں گاڑی کی پچھلی نشست پر ایک سفید فام اس طرح دھنسا ہوا بیٹھا تھا کہ بادی النظر میں دور سے اسے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

میں پہلے سے اپنے شکار کی گھات میں تھا اور پھر گاڑی کے نئے نویلے پن نے مجھے مزید چوکنا کر دیا تھا اس لیے وہ سفید فام میری نظروں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس پر نظر پڑتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی لیکن دونوں گاڑیوں کے درمیان فاصلہ ہونے کی وجہ سے وہ کئی ثانیوں تک میری نگاہوں کی دسترس میں رہی تھی۔ میں نے پہلی نظر میں اسے پہچان لیا۔ وہ گیری ہی تھا جو گود میں رکھے ہوئے کسی اخبار یا رسالے کے مطالعے میں مستغرق تھا۔

مجھے زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سلطان شاہ نے میری نگاہوں اور جسمانی اضطراب سے معاملے کی نزاکت بھانپ لی اور ہیجان زدہ لہجے میں بولا ''کیا اس گاڑی کی پچھلی سیٹ پر کوئی موجود تھا؟''

میں نے گھور کر اسے دیکھا پھر مجھے خیال آیا کہ میرے مقابلے میں وہ خراب پوزیشن میں تھا۔ اپنی پسنجر سیٹ سے اس کے لیے سب کچھ دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

''وہی تھا، اب تک سوبھراج اپنی حکمت عملی میں کامیاب نظر آ رہا ہے'' میں نے کہا۔

''ایف بی، آئی والے واقعی سوبھراج کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ گیری کی آمد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اسے مارنے کے لیے بے تاب ہیں'' وہ جھرجھری لے کر بولا۔

وہ ساحل کی طرف گیا تھا۔ اسے کم از کم دو بجے تک فرنچ بیچ پر رک کر سوبھراج کی آمد کا انتظار کرنا تھا اس لیے اس کی فوری واپسی کی امید نہیں تھی۔

میں نے جوں ہی اگنیشن آن کیا، سلطان شاہ چونک پڑا ''کیا اس کے پیچھے جانے کا ارادہ ہے تمہارا؟''

''میں عقل سے اتنا عاری نہیں ہوں۔ ہم نے اسے دیکھ لیا ہے۔ وہ دیر میں واپس آئے گا۔ اس دوران میں ہم اپنے لیے کوئی بہتر جگہ تلاش کر سکتے ہیں۔''

میں نے گاڑی دوبارہ گھمالی اور درمیانہ رفتار سے اسی سمت میں ہولیا جدھر گیری کی گاڑی گئی تھی۔

شکار نظر آ جانے کے نتیجے میں میرا ذہنی دباؤ ختم ہو چکا تھا۔ اب یہ طے کرنا تھا کہ واپسی پر اسے کہاں اور کیسے روکا جائے۔

اپنی کارکردگی دکھانے کے چکر میں گیری تلوار کی دھار پر چل رہا تھا۔ نک ہاروے اس کا پیش رو تھا۔ اس کے انجام سے اسے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ آگ سے کھیلنے میں کیسے کیسے خطرات مضمر ہوتے ہیں۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ سلطان شاہ کے ہاتھ دکھانے پر وہ ترس کھا کر اپنی گاڑی رکوالے گا۔

کچھ دور جانے کے بعد ہمیں سڑک کی داہنی جانب مٹی کے اونچے ٹیلوں کی ایک لمبی سی قطار نظر آنے لگی۔ کافی فاصلے تک جائزہ لینے کے بعد میں نے گاڑی گھمالی اور اسے جھاڑیوں اور مٹی کے ٹیلوں کے قریب روک کر نیچے اتر گیا۔

وہاں کسی قسم کی موٹی پائپ لائن بچھانے کے لیے کھدائی کی گئی تھی لیکن شہر کی روایات کی پاس داری میں اس کام کو ادھورا چھوڑ دیا گیا تھا۔

ہمارا گیری کو ہلاک کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن ہمارے تصرف میں اول خان کی گاڑی تھی۔ جس میں کئی قسم کے آتشیں ہتھیار موجود تھے۔ میں نے ایک مورچے کا انتخاب کرنے کے بعد واپس آ کر گاڑی میں موجود ہتھیاروں کا جائزہ لیا اور پھر ایک ہلکی، خودکار رائفل منتخب کر لی جس کی نال پر سائلنسر چڑھا ہوا تھا۔

''اب ذرا غور سے میری طرف دیکھو اور پوری ایمان داری سے بتاؤ کہ گیری مجھے کرنل داور کے طور پر پہچان سکے گا یا نہیں!''

''مشکل ہے۔'' اس نے میرا جائزہ لینے کے بعد کہا ''بڑی سی بے ترتیب داڑھی لگانے کے بعد تم کرنل داور سے زیادہ فیڈرل کاسترو کے بھتیجے معلوم ہو رہے ہو۔ بقیہ کسر کانٹیکٹ لینسز نے پوری کر دی ہے۔ ان بھوری آنکھوں کو دیکھ کر وہ کرنل داور کا تصور بھی نہیں کر سکے گا۔ میری کوشش ہو گی کہ تمہیں سامنے نہ آنا پڑے۔ میں خود بھی اسے سنبھال سکتا ہوں۔''

''سنبھالنے کا سوال بعد میں پیدا ہو گا۔ پہلا مسئلہ اسے روکنے کا ہے۔ ہمیں دور سے نشانہ لے کر اس کی گاڑی کا ٹائر برسٹ کرنا ہو گا۔ تم یہ کام کر لو گے؟''

سلطان شاہ نے اپنے دونوں کان پکڑ کر کہا ''تمہارے ہوتے ہوئے میں یہ ذمے داری نہیں لے سکتا۔ تمہارا نشانہ بے خطا ہے۔ مجھ سے ذرا بھی گڑبڑ ہو گئی تو وہ صاف بچ نکلے گا اور میں اپنا سر پیٹتا رہ جاؤں گا۔''

''تو پھر آؤ۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا ''رائفل بے آواز ہے۔ فاضل راؤنڈ بھی وافر مقدار میں میسر ہیں۔ ذرا سی چاند ماری کی مشق کر لی جائے۔''

رائفل اور فاضل راؤنڈ کا ڈبا لے کر ہم دونوں مٹی کے ٹیلوں کے پیچھے نکل گئے۔

نرم اور گیلی مٹی میں بھٹکنے کے بعد ہم دونوں ایسی اوٹ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کے پیچھے رہ کر ہم ساحل سے آنے والی سڑک پر دور تک نظر رکھ سکتے تھے۔

''لو، اب شروع ہو جاؤ!'' میں نے رائفل سلطان شاہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا ''وہ کالا پتھر تمہارا ہدف ہے۔''

''پتھر چھوٹا ہے۔'' سلطان شاہ نے رائفل لے کر بے چارگی سے کہا۔

''متحرک ٹائر کے مقابلے میں یہ آسان نشانہ ہے۔'' میں نے اسے ہمت دلائی۔

اس نے نشست لی، ٹھک کی آواز کے ساتھ فائر کیا۔ سڑک کے کنارے دھول اڑی مگر پتھر وہیں پڑا رہا۔

اس کے تیسرے فائر کے نتیجے میں پتھر کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔

اس سڑک پر ٹریفک میں تسلسل نہیں تھا۔ وقفے وقفے سے اکا دکا گاڑیاں گزرتیں اور پھر کچھ دیر کے لیے سناٹا چھا جاتا۔ گاڑیوں کے نمودار ہونے سے پہلے ہوا کے دوش پر ان کے انجنوں کی ڈوبتی اور ابھرتی ہوئی آوازیں یہ بتادیتی تھیں کہ آنے والی گاڑی کس قماش کی ہے۔ ٹرک کے شور اور کار کے انجن کی گونج میں فرق بہت نمایاں تھا۔

سلطان شاہ کو نشانے بازی کا دلچسپ مشغلہ ہاتھ آ گیا تھا۔ وہ سناٹے میں بار بار گولیاں چلا رہا تھا اور میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ نوشی شروع کر دی تھی۔

میں دل ہی دل میں ایک دعا مانگ رہا تھا کہ گیری کی واپسی کے وقت سڑک کے دونوں سمتوں میں کوئی اور گاڑی نہ ہو۔ عین موقع پر کوئی اور ادھر نکل آتا تو سارا کام خراب ہو سکتا تھا۔

دو بج کر دس منٹ پر سلطان شاہ بے ساختہ بول اٹھا ''وہ

آ رہا ہے!''
میری نظریں دیر سے اسی سمت میں جمی ہوئی تھیں۔ میں نے گیری کی گاڑی کی پہلی جھلک دیکھتے ہی رائفل سیدھی کرلی۔ گاڑی کی رفتار اتنی تیز تھی کہ پہلی کوشش میں ناکامی کے بعد مجھے اس پر دوسرا وار کرنے کی مہلت نہیں مل سکتی تھی۔
میری شہادت کی انگلی ٹریگر پر تیار تھی جوں ہی وہ گاڑی میری زد میں آئی، میں نے بہت احتیاط سے اس کے اگلے ٹائر کا نشانہ لے کر فائر کردیا۔ فائر بے آواز تھا لیکن ٹائر پھٹنے کی آواز خاصی پرشور تھی۔ گاڑی لہرا کر سڑک سے نیچے کچی اور ناہموار زمین پر اتر گئی۔ ڈرائیور بہت ہوشیار تھا۔ اس نے رفتار کم کر کے گاڑی کو سنبھالنے کی بھرپور کوشش کی لیکن زمین کی ناہمواری نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔
گاڑی لہراتی ہوئی ہماری طرف آرہی تھی۔ اچانک پھٹا ہوا ٹائر ایک گڑھے میں گیا اور کار پہلو کے بل الٹ گئی۔
گاڑی کا ڈرائیور اس ناگہانی افتاد میں مبتلا تھا۔ گاڑی کے انجن کے ساتھ اس کے اگلے ٹائر تیزی سے گردش کر رہے تھے۔ گاڑی الٹتے ہوئے فضا میں ڈرائیور کی بے ساختہ چیخ بھی گونجی تھی۔
گیری کو گاڑی یا ڈرائیور سے زیادہ اپنی سلامتی کی فکر تھی۔ اچانک اوپری سمت کی کھڑکی سے اس کا سر اور پھر دھڑ نمودار ہوا۔ دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے کے بجائے وہ عقبی کھڑکی کا شیشہ اتار کر گاڑی سے نکل رہا تھا۔
میں نے بس اتنی دیر انتظار کیا کہ وہ گاڑی سے باہر کود جائے۔ جوں ہی وہ گاڑی کی اوٹ میں میری نظروں سے اوجھل ہوا، میں نے گاڑی پر دوسرا بے آواز فائر کردیا۔
گیری اپنی الٹی ہوئی گاڑی کی اوٹ سے نکل کر سڑک کی طرف بھاگتا ہوا نظر آیا تو میں نے نشانہ لے کر تیسرا فائر کردیا۔ گولی اس کے پیروں کے قریب زمین میں پیوست ہوگئی۔
تیسرے فائر سے وہی ہوا جو میں چاہتا تھا۔ گیری نے حواس باختہ ہوکر اپنا رخ بدل لیا اور سڑک کی طرف جانے کے بجائے مٹی کے ٹیلوں کی طرف دوڑنے لگا۔
شکار دام میں آرہا تھا۔ میں نے اسے مزید بھڑکانا مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا ریوالور دبا ہوا تھا جسے وہ کسی بھی لمحے استعمال کرسکتا تھا۔ اس کے قریب جانے سے پہلے اسے غیر مسلح کرنا ضروری تھا۔
وہ مٹی کے ٹیلوں کو عبور کر گیا اور ان کی آڑ میں واپس ساحل کی طرف دوڑنے لگا۔ اس وقت اس کے بائیں ہاتھ پر مٹی کے انبار اور داہنی طرف گہری خندق تھی جو شہر کی انتظامیہ نے شاید اسی کے لیے بنوائی تھی۔
میں نے ایک نظر الٹی ہوئی گاڑی پر ڈالی۔ ڈرائیور کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید وہ کسی بے ڈھب چوٹ کی وجہ سے گاڑی میں بے ہوش ہوگیا تھا۔ انجن سے تیل بہہ جانے کی وجہ سے انجن خود بہ خود بند ہوچکا تھا۔ گاڑی اور ڈرائیور کا حشر خراب ہوا تھا لیکن گیری اس وقت تک پوری طرح محفوظ تھا۔
مجھے حیرت تھی کہ گاڑی الٹنے کے باوجود اس میں آگ نہیں لگی تھی۔ میں نے نتھنے پھُلا کر فضا میں ایک گہرا سانس لیا۔ وہاں پیٹرول کی بو مفقود تھی۔ شاید وہ ڈیزل کی گاڑی تھی۔ الٹی ہوئی گاڑی کے قریب زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ سڑک سے گزرتی ہوئی ایک گاڑی کے سوار وہ منظر دیکھتے ہوئے نکل گئے۔ انہوں نے اسے کوئی پرانا حادثہ تصور کرلیا ہوگا۔
ایک ہلکی سی اجنبی چیخ نے مجھے چونکا دیا۔ میں پلٹا تو سلطان شاہ ڈھٹائی سے ہنس رہا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ایک پتھر دبا ہوا تھا۔
''کیا ہوا......کون چیخا تھا؟'' میں نے برہمی سے پوچھا۔
''میرا مارا ہوا پتھر گیری کی ٹانگ پر لگا تھا۔'' اس نے یہ کہہ کر ہاتھ میں دبا ہوا پتھر پوری طاقت سے گیری پر دے مارا۔
پتھر گیری کی پشت پر پڑا۔ اس کی دوسری چیخ زیادہ تیز تھی۔
''کیا کر رہے ہو......یہ کیا حماقت ہے۔'' میں نے جھلاّ کر کہا۔
''پتھر مار کر اس کے ہاتھ سے پستول گرانا چاہ رہا ہوں۔ یہ کام ہو یا نہ ہو، وہ سنگسار تو ہو ہی جائے گا۔''
سلطان شاہ کے اس خیال میں ندرت تھی لیکن اس کی کامیابی کی امید کم تھی میں نے ایک مرتبہ پھر رائفل سیدھی کرلی۔
گیری خندق اور مٹی کے سیدھے ٹیلوں کے درمیان بھاگتا ہوا خاصی دور نکل گیا تھا۔ میں کئی سیکنڈ تک اس کے داہنے ہاتھ کا نشانہ لینے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر کار میں نے یہ سوچ کر گولی چلادی کہ نشانہ خطا بھی ہوگیا تو گیری کی موت کا سبب نہیں بنے گا۔
اس کے متحرک وجود کے سبب میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ میری چلائی ہوئی گولی نے اس کے بدن کے کس حصے کو چاٹا

لیکن ایک دم ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گہری خندق میں چلا گیا۔ اس کی تیسری چیخ بہت دردناک تھی۔

ہم دونوں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ اس کا تعاقب کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ وہ لہرانے لگا تھا۔ شاید میری چلائی ہوئی گولی سے اس کے داہنے ہاتھ اور ران میں زخم آیا تھا!

وہ بدحواس تھا، بھاگتے بھاگتے تھک چکا تھا اور زخمی بھی ہو گیا تھا۔ اس کی رفتار دھیمی ہو گئی تھی جب کہ ہم دونوں تازہ دم اور ولولے سے سرشار تھے۔ ذرا سی دیر میں، میں اس کے سر پر پہنچ گیا۔

وہ اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سن کر بہت زیادہ خوف زدہ تھا پھر بھی وہ مڑ کر پیچھے دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔ غفلت کا ہر لمحہ اس کی زندگی مختصر کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن پر یقینی طور پر یہ خوف طاری تھا کہ اس کا پیچھا کرنے والے اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ آخر کار موت اس کا مقدر بنے گی۔

اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے اچانک مجھے اپنا پچھلا تجربہ یاد آ گیا اور میں نے پیچھے سے اڑنگا دے کر گیری کا توازن بگاڑ دیا۔

سنبھلنے کی کوششوں میں وہ لڑکھڑا کر اس بری طرح گرا کہ اگر میں اس کا کالر پکڑ کر اسے نہ سنبھال لیتا تو وہ سیدھا چھ سات فٹ گہری خندق میں جا گرتا۔

اس وقت میرے وجود میں نہ جانے کہاں کی طاقت سما گئی تھی کہ میں نے رائفل سلطان شاہ کی طرح اچھال کر گیری کے بھاری بھرکم وجود کو اس کے قدموں پر کھڑا کیا اور اس کے منہ پر داہنے ہاتھ کا زوردار مکا رسید کر کے اس کے ہوش اڑا دیے۔

''خخ...... خدا کے لئے...... مسیح کے نام پر...... مجھے مت مارو۔'' وہ بگڑی ہوئی اور دہشت زدہ آواز میں چلایا۔

''جیبیں خالی کر...... کتنا مال ہے تیرے پاس۔'' میں اس کے سر پر سوار ہو کر بدلی ہوئی آواز میں غرایا۔ ''ہم سے بچ کر کہاں بھاگ رہا تھا۔''

''مم...... میرے پاس زیادہ رقم نہیں۔'' وہ سازشی درندہ اپنے انجام کو سامنے پا کر خوف سے بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس نے بہت سرعت سے اپنی ہپ پاکٹ سے اپنا چرمی بٹوا نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ ''میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔ اس میں ڈیڑھ دو ہزار روپے اور سوا سو ڈالر ہوں گے۔''

''جھوٹے!'' اس بار میں نے اپنے بائیں مکے سے اس کا داہنا جبڑا سہلا دیا۔ ''سچ سچ بتا، تو نے رقم کہاں چھپائی ہے''۔ میں اس سے جان بوجھ کر ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول رہا تھا تا کہ وہ اس واردات کو رہزنی کا واقعہ سمجھتا رہے۔

یہ بات عین اس موقع پر میرے ذہن میں آئی۔ اگر اسے کسی اور حوالے سے مارا پیٹا جاتا اور زندہ چھوڑ دیا جاتا تو بات نہیں بن سکتی تھی۔

''میں نے رقم کہیں نہیں چھپائی، گاڑی میں بھی کچھ نہیں ہے۔'' وہ رو دینے والی آواز میں بولا ''تم میرے ساتھ چلو۔ جو مانگو گے میں دے دوں گا مگر میرے اوپر ظلم نہ کرو۔''

''تیری ایسی کی تیسی!'' سلطان شاہ اردو میں غرایا اور نال پکڑ کر اس نے رائفل کا دستہ گیری کی پنڈلی پر دے مارا۔

ہڈی ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ گیری چیختا ہوا زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ سلطان شاہ نے اسے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

سلطان شاہ نے جو کچھ کیا، درست کیا تھا۔ میں نے بڑھ کر گیری کے چہرے پر تھپڑوں کی برسات کر دی، ساتھ ہی میں اسے برا بھلا بھی کہتا جا رہا تھا۔

''ابے ذلیل بندر! تیری جیب میں پیسے نہیں تھے تو اتنی اچھی گاڑی میں ادھر جھک مارنے کیوں آیا تھا۔ تجھے نہیں معلوم کہ کنگلے شکار پر گولی ضائع کر کے ہم لوگوں کو افسوس ہوتا ہے۔ اب میں قیمتی گولی چلانے کے بجائے ہاتھوں سے تیرا بھرتا بناؤں گا۔''

گیری کو حملہ کرنے کا سرے سے کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ وہ مسلسل مدافعانہ جدوجہد کر رہا تھا جو یکسر ناکام ثابت ہو رہی تھی۔

''گگ...... گولی نہیں، میں تمہیں رائفل کے پیسے بھی دے دوں گا۔ کنواری مریم کے نام پر...... اپنے خدا کے نام پر مجھے معاف کر دو...... آئندہ میں پیسے ساتھ لے کر نکلا کروں گا۔''

وہ سفاک ضرور تھا مگر نازک اندام بھی تھا۔ میرے چند تھپڑوں سے اس کے چہرے کی کھال جگہ جگہ سے پھٹ گئی۔ خون کی لکیروں میں اس کا پورا چہرہ نیلا اودا ہو گیا تھا۔

دوسروں کے خلاف سفاکانہ سازشیں کرتے ہوئے اسے خدا یاد نہیں آیا تھا۔ اس کی اپنی جان پر بن آئی تھی تو اسے خدا سے مریم تک سب یاد آ رہے تھے۔

''تیرا گھر کہاں ہے؟'' میں نے اس کی تذلیل اور توہین کرنے کے لئے اسے ہلکی سی ٹھوکر مار کر پوچھا۔ ''ہم کسی بھی

وقت وہاں آ کر تجھ سے اپنی اس محنت کا ہرجانہ وصول کریں گے۔''

''میں امریکن ڈپلومیٹ ہوں۔ قونصل خانے میں رہتا ہوں۔'' اس نے پھنسی پھنسی اور خوف زدہ آواز میں جواب دیا۔

''ابے منحوس! یہ بات اب بتا رہا ہے۔'' میں نے اس کے بال نوچ کر اپنی برہمی کا اظہار کیا۔'' ہم لوگ غیر ملکی افسروں کے منہ نہیں لگتے۔ تیری گاڑی کی نمبر پلیٹ سادی کیوں ہے؟''

''میں اپنے ایک دوست سے ملنے آیا تھا اس لیے سرکاری گاڑی نہیں لایا۔'' اس نے عجلت سے بتایا پھر فریاد کی۔'' ذرا میری گاڑی میں دیکھ لو کہ میرا ڈرائیور صرف بے ہوش ہوا ہے یا مر چکا ہے۔ میرے لیے تو مٹی کے اس ڈھیر سے نکلنا عذاب ہو جائے گا۔''

''تو جھوٹا ہے۔ کس دوست سے ملنے آیا تھا؟ نام بتا اس کا!'' میں نے مطالبہ کیا۔

وہ میرے درشت بلکہ وحشیانہ رویے سے اس قدر دہشت زدہ تھا کہ بے ساختہ بول پڑا۔'' اس کا نام سوبھراج ہے۔ اس سے میرا وقت طے تھا۔''

عام حالات میں وہ فرعون ثانی بنا رہتا تھا لیکن جوتے کھا کر اس نے سچ بولنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا کہ سوبھراج پر آنے والی اخباری کہانیوں کے حوالے سے اسے مزید لعن طعن کروں مگر پھر وہ ارادہ ترک کر دیا۔

وہ موضوع اس وقت کے لئے بہت حساس اور نازک ثابت ہوتا۔ میرا انجان بن جانا ہی بہتر تھا۔ ویسے بھی لٹیروں اور رہزنوں کو سیاسی معاملات سے کیا واسطہ...... اس وقت ہم دونوں نے وہی روپ دھارا ہوا تھا۔

''کیا خیال ہے۔ اسے زندہ رکھا جائے یا گلا گھونٹ کر اس خندق میں پھینک دیا جائے!'' میں نے سلطان شاہ کو آنکھ مار کر انگریزی میں پوچھا تا کہ گیری بھی بات سمجھ لے۔

''مار ڈالو!'' سلطان شاہ نے اپنی گردن پر انگلی پھیر کر بے پروائی سے جواب دیا۔'' ویسے بھی یہ یہاں پڑے پڑے سسک سسک کر مر جائے گا۔''

ہماری وہ مشاورت مہنگی پڑی۔ گیری نے حلق پھاڑ کر پوری قوت سے چلانا شروع کر دیا۔ میں نے اس کا منہ دبوچنے کی کوشش کی تو اس نے بلبلا کر میری انگلیاں چبانے کی کوشش کر ڈالی۔ موت کے قدموں کی چاپ سن کر اس کی ساری توانائیاں یک جا ہو گئی تھیں۔

میں نے بہت مشکل سے اپنے ہاتھ کو اس کے دانتوں کی زد سے بچایا، اس کے منہ پر تھوکا اور پھر بوکھلاہٹ میں اس کی کنپٹی پر ایک تگڑا ہاتھ جما دیا۔

وہ ناہموار مٹی پر بیٹھے بیٹھے ہی ایک طرف لڑھک گیا۔

میں نے اس کی قمیص سے اپنے ہاتھ پونچھ لیے۔ ہم دونوں آس پاس کا جائزہ لیتے ہوئے، مٹی کے ٹیلوں سے نکلے تو میدان بدستور صاف تھا۔ گیری کی الٹی ہوئی کار آگ لگنے سے محفوظ تھی۔ ڈرائیور کا کہیں پتا نہیں تھا۔ حادثے کو پرانا سمجھ کر کسی نے وہاں رکنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

''ڈرائیور کا حشر بھی دیکھ لیا جائے!'' سلطان شاہ نے مشورہ دیا۔

''ہمیں وہاں دیکھ کر کوئی اور بھی رک سکتا ہے۔ تھوڑی دیر میں پولیس کی کوئی نہ کوئی گشتی پارٹی اسے دیکھ لے گی۔ ہمیں یہاں سے نکلنے کی فکر کرنی چاہیے۔''

میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ ہم دونوں برق رفتاری سے اپنی گاڑی تک پہنچے اور پھر تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

''کچھ مزہ نہیں آیا۔'' ریلوے لائن عبور کر کے مین روڈ پر آنے کے بعد سلطان شاہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تم نے اس کی پنڈلی توڑ دی اور پھر بھی تمہیں مزہ نہیں آیا۔ کیا اسے بھون کر کھانے کا ارادہ کیا ہوا تھا تم نے!''

وہ ہنس پڑا۔'' میں حرام نہیں کھاتا۔ گیری انتہائی بودا نکلا۔ پورا مقابلہ بے جان اور یک طرفہ رہا۔ مزہ تو جب تھا کہ وہ بھی جم کر مقابلہ کرتا اور زیر کر لیا جاتا۔''

''ویرا کا تجزیہ بالکل درست ہوتا ہے۔ یہ لوگ توپ و تفنگ اور ہتھیاروں سے لڑنا جانتے ہیں۔ ہاتھ پیروں کی لڑائی کا ان میں دم خم نہیں ہوتا۔''

''چیونٹی بھی پیر کے نیچے دبتی ہے تو کاٹ لیتی ہے۔ وہ چھٹا انسان ہے۔ شروع سے آخر تک کسی چوہے کی طرح ڈرا سہا رہا۔''

''میری انگلیاں کاٹنے کی کوشش اس نے بھی کی تھی مگر ناکام رہا۔''

''آج اس کے ستارے گردش میں تھے۔ اگر گاڑی ڈرائیور کے قابو سے باہر ہو کر نہ الٹتی تو ہم اسے اتنی آسانی سے زیر نہ کر پاتے۔''

''سلطان شاہ! خدا کا شکر ادا کرو کہ ہمیں اس مہم میں سرخ روئی حاصل ہوئی۔ اسے ذرا سا بھی موقع مل جاتا تو وہ ہمیں

مارنے سے نہ چوکتا۔'' میں نے اسے احساس دلایا۔'' یہ مزے اڑانے والی مہم نہیں تھی۔ زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ اس کے اثرات بہت دوررس ثابت ہوں گے اور ایک آدھ روز میں سامنے آجائیں گے۔''

اس نے خاموشی اختیار کر لی اور پورے انہماک سے ڈرائیونگ میں مصروف ہو گیا۔

ہم گھر پہنچے تو وہاں نئی جیسی سفید ٹویوٹا کرولا ہماری منتظر تھی جس پر لگی ہوئی نمبر پلیٹ بتا رہی تھی کہ وہ گاڑی نئی نہیں تھی۔

''تم دونوں نے کمال کر دیا۔'' سلطان شاہ نے اندر پہنچتے ہی ویرا اور غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا۔'' گاجر مولی کی طرح ذرا سی دیر میں گاڑی خرید کر لے آئیں!''

''یہ چیچو کی ملیاں نہیں، کراچی ہے۔'' ویرا نے اس کے چہرے کے سامنے ہاتھ نچاتے ہوئے جواب دیا۔'' جیب میں پیسے ہوں تو ذرا سی دیر میں ہر چیز خریدی جاسکتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے گھٹنے کیوں ڈھیلے ہیں۔ کیا تیر مار کر آئے ہو۔''

''آج کی ذلت گیری زندگی بھر فراموش نہیں کر سکے گا۔'' سلطان شاہ نے فخر سے اپنا سینہ ٹھونک کر کہا۔'' ہم نے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔''

گاڑی کی خریداری کا معاملہ ضمنی تھا۔ مجھے یقین تھا کہ شیر دل کی بیوی کو ایک لاکھ روپے بھی بھجوا دیے گئے ہوں گے۔ اصل معاملہ گیری کا تھا۔ اس پر بات شروع ہوئی تو سلطان شاہ نے یوں چہکنا شروع کیا کہ میں حیران رہ گیا۔

راستے میں وہ مزہ نہ آنے کی شکایت کر رہا تھا لیکن گھر پہنچتے ہی اس کا رویہ یکسر تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ ہر بات کو مزے لے لے کر اتنی تفصیل سے بیان کر رہا تھا جیسے اس نے گیری سے مقابلے کا ہر لمحہ سنسنی اور دلچسپی میں گزارا ہو۔

وہ میرے ساتھ تھا تو اس کی حالت اپنی ڈار سے بچھڑی ہوئی بھیڑ جیسی تھی جو ہراساں اور پریشان ہو جاتی ہے۔ سب کے ساتھ یک جا ہوتے ہی وہ دوبارہ اپنے رنگ میں آگیا تھا اور دونوں عورتوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

''وہ اس قدر بے بس ہو گیا تھا تو تمہیں اس کے ہاتھ پیر توڑ دینے چاہئے تھے۔'' گیری کی بے رحمانہ ٹھکائی کی تفصیل سن کر غزالہ نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔

''سب نہیں لیکن میں نے رائفل کی بٹ مار کر اس کی ایک پنڈلی کی ہڈی توڑ ڈالی۔ اب وہ دو تین مہینوں تک اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکے گا۔''

''اس کے لئے یہ سزا کم رہے گی۔'' ویرا نے سنجیدگی سے اپنی رائے دی اور کہا۔'' امریکی فطرت سے تم واقف نہیں ہو۔ یہ اپنی گرفت میں آئے ہوئے مشتبہ قیدیوں سے نامعلوم مقامات پر ایسا گھٹیا سلوک کرتے ہیں کہ انسانیت شرما جائے۔ گیری بھی کچھ دیر کے لئے تمہارا ایسا ہی قیدی تھا۔ وہ مشتبہ نہیں مستند قانون شکن ہے۔ اس کے ساتھ ہر زیادتی جائز ہوتی۔ یہ رعایت کم نہیں ہے کہ تم نے اسے زندہ چھوڑ دیا۔''

''تمہاری باتوں سے کبھی کبھی مجھے سہارا مل جاتا ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔'' میں نے مشتعل ہو کر اس کے منہ پر تھوک دیا تھا۔ اپنی اس حرکت پر میں اب تک نادم ہوں۔''

''تم امریکی سپاہی نہیں ہو اس لئے نادم ہو۔ وہ اپنے قیدیوں کے منہ پر پیشاب کر کے بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ اس کارنامے کو فخر سے اپنے ساتھیوں کو سناتے ہیں۔'' ویرا جب بھی اپنے ہم وطنوں کے بارے میں لب کشائی کرتی تھی، نت نئے انکشافات کرتی تھی۔ اس وقت تک امریکیوں کی وہ حرکتیں باہر کی دنیا کے علم میں نہیں آئی تھیں۔

''اسے مار مار کر لہولہان کر دیا، پنڈلی توڑ دی، منہ پر تھوک دیا اور تم پھر بھی مطمئن نہیں ہو۔ تم ہوتیں تو اس کے ساتھ اور کیا کرتیں!'' سلطان شاہ بولا۔

''ہاتھوں کے بجائے کسی پھٹے ہوئے جوتے سے اس کی مرمت کرتی!''

''وہاں مہلت نہیں تھی۔ تم پھٹا ہوا جوتا کہاں...... سلطان شاہ کا وہ تمسخرانہ فقرہ وہیں ادھورا رہ گیا کیونکہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

وہ کال سوبھراج کی تھی وہ میری طرف سے بھرا بیٹھا تھا۔ سلسلہ ملتے ہی پھٹ پڑا۔'' آج میں نے تمہیں بہترین موقع دیا تھا جو تم نے کھو دیا۔ تم فرنچ بیچ کیوں نہیں پہنچے!''

وہ روپوش اور گوشہ نشین تھا۔ میں حیران رہ گیا کہ اسے وہ خبر کیسے مل گئی۔

''وہ خبیث وہاں میرا انتظار کرتا رہا۔ دو بجے اس نے ریسٹ ہاؤس سے مجھے فون کیا کہ میں وہاں کیوں نہیں آیا۔''

''مجھے فرنچ بیچ کا جغرافیہ معلوم نہیں تھا ورنہ میں اسی وقت تم سے انکار کر دیتا۔'' میں نے رکھائی سے کہا۔'' تم وہاں کے محافظوں کو بھول گئے تھے۔ اسے مار کر میرا وہاں سے نکلنا ناممکن ہو جاتا۔ اس علاقے میں کسی کو قتل کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔''

میں دل ہی دل میں یہ طے کر چکا تھا کہ اسے اپنے اور گیری کے تصادم کی ہوا نہیں لگنے دوں گا۔ ان دنوں اس پر اپنی بڑائی جتانے کا بھوت سوار تھا۔ اس رو میں آکر وہ کسی بھی اخبار کو فون کر کے یہ بتا سکتا تھا کہ اس کے ایما پر ڈینی نے گیری

کا حلیہ بگاڑا ہے۔

ویسے امریکی جو کچھ بھی کہتے رہتے مجھے اس کی پروا نہیں تھی لیکن دوٹوک انداز میں اپنا نام ملوث ہونا مجھے ذرا بھی پسند نہیں تھا۔ میں محتاط روی کی اس پالیسی سے سرمو بھی انحراف نہیں کرسکتا تھا جو میں نے جنرل اور جلال کے ساتھ طے کی تھی۔

''آسان نہیں ہے تو ناممکن بھی نہیں ہے۔'' وہ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ ''میں ان لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت بٹھانی چاہتا ہوں تاکہ وہ میرا خیال اپنے دل سے نکال دیں۔ آج تم نے یہ موقع ضائع کردیا۔''

''سوبھراج! ہوش میں رہو اور اپنا لہجہ درست کرو۔'' میں نے سرد لہجے میں اسے تادیب کی۔ ''میں نینیل کی طرح تمہارا زرخرید غلام نہیں ہوں جو تم مجھ سے اس لب و لہجے میں بات کررہے ہو۔ میں نے تمہیں ڈھیل اور آزادی دی ہوئی ہے۔ تم پر میرے کئی احسانات ہیں جن کا بوجھ تم کبھی نہیں اتار سکتے۔''

''اوہ! تم برا مان گئے۔'' میری کڑی تادیب پر اس نے جلدی سے کہا۔ ''تم نے ایک ہی سانس میں ساری باتیں گنا ڈالیں۔ میں تمہیں برا نہیں کہہ رہا تھا۔ تم کو اپنا سمجھ کر کھلے دل سے شکوہ کررہا تھا۔''

''ایسے نازیبا گلے شکوے مجھے پسند نہیں ہیں۔'' میرا انداز بدستور خشک رہا۔ ''تمہاری طرح میں اسے اپنا دشمن ضرور سمجھتا ہوں مگر میں نے اس کے بارے میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ یہ کہا تھا کہ آج کے لیے مجھے وقت نکالنا ہوگا۔ شاید تمہیں یاد ہو کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم ان سے ضرورت سے زیادہ ڈرے ہوئے ہو۔ ان کو تم سے ڈرانے کے لیے میں اپنی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔''

''تم اب بھی ناراض معلوم ہو رہے ہو۔ میری باتیں بری لگی ہیں تو مجھے معاف کردو۔ اس آڑے وقت میں، میں تم جیسے دوست کو کھونا نہیں چاہتا۔ گیری کو خاک میں ڈالو۔ اس کے لیے یہی ذلت کافی ہے کہ وہ شہر سے میلوں دور ایک لنگوٹ باندھے، میرے انتظار میں چلچلاتی دھوپ پھانکتا رہا۔''

''اب تم نے مردوں والی بات کی ہے۔'' میں نے اپنے لہجے میں سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ ''آدمی میں حوصلہ ہو تو دشمن کو کبھی بھی زیر کیا جاسکتا ہے۔ بے وقوفی سے اپنی جان جوکھم میں ڈالنا عقل مندی نہیں ہوتی۔ وہ اب بھی میرا دشمن ہے۔''

''تمہاری باتوں سے مجھے بہت حوصلہ ملتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے گیری ایک نہ ایک دن تمہارے ہی ہاتھوں مارا جائے گا۔''

''تم سے میری دوستی رہے یا نہ رہے، اس سے میری دشمنی باقی رہے گی۔ میں اپنے دشمنوں کو پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑتا۔''

''یہ تم نے کیا کہہ دیا۔ مجھ سے تمہاری دوستی کیسے ختم ہوسکتی ہے؟''

''تم نے دوبارہ کڑوی کسیلی باتیں کیں تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تلوار کا گھاؤ بھر سکتا ہے زبان کا گھاؤ کبھی نہیں بھرتا۔''

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے حساس آدمی ہو۔ فون پر بات کرنے سے یہ سب معلوم نہیں ہوتا۔ آئندہ میں احتیاط سے کام لوں گا۔''

میں تم کو ملنے کی پیشکش کرچکا ہوں لیکن تم آمادہ ہی نہیں ہوتے۔ آمنے سامنے بیٹھ کر بات کی جائے تو ایک دوسرے کو سمجھنے کا بہتر موقع ملتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں مناسب وقت کے انتظار میں ہوں' ایف بی آئی والوں کا دباؤ ذرا کم ہو تو ہم ضرور ایک دوسرے سے ملیں گے۔ انہیں میرے آنے جانے کی بھنک مل گئی تو میرے ساتھ تم بھی مفت میں مارے جاؤ گے وہ تمہارے خون کے بھی پیاسے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں مگر میں ان سے نہیں ڈرتا۔ آزادی کے ساتھ شہر بھر میں بلکہ پورے ملک میں گھومتا پھرتا ہوں۔ آج تک وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔''

''مجھ میں اور تم میں بہت فرق ہے۔ تمہاری شناخت کے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے تم گیری کے پاس سے گزر جاؤ تو بھی وہ تم کو شناخت نہیں کرسکے گا۔ میں ان کا دیکھا بھالا آدمی ہوں مجھے ہزاروں کی بھیڑ میں پہچان لیا جائے گا۔''

اس وقت اس نے حسن اور ذکی کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ ان کے بارے میں بات کئے بغیر فون بند نہ کردے۔ میں نے اسے ٹریک پر لانے کے لئے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''تم نے اپنے لیے بہت بکھیڑے پالے ہوئے ہیں۔ سیاست میں آجانے کے بعد بھی تم ایف بی آئی اور را وغیرہ سے اپنا پیچھا چھڑانے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔''

''جوانی میں انسان اپنے عملی سفر کا آغاز کرتا ہے تو اسے کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ آگے کہاں تک جائے گا۔ اس سے غلطیاں ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اب میں پلٹ کر اپنے ماضی پر نگاہ ڈالتا ہوں تو پچھتاتا ہوں کہ میں نے وہ غلطیاں کیوں کی

تھیں!''

''یہ بھی تو ممکن تھا کہ ان بڑی غلطیوں کے ارتکاب کے بغیر تم اس مقام تک نہ پہنچے ہوتے جہاں تم پہنچ چکے تھے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تم نے بہت چبھتی ہوئی بات کہی ہے مگر میں اس کا برا نہیں مناؤں گا۔''

''ایف بی آئی تمہیں بھولنے پر آمادہ ہے نہ را والے تمہارا پیچھا چھوڑ رہے ہیں۔ نیو خان ہوٹل سے بھاگنے والوں نے دوبارہ تم سے رابطہ کیا یا کہیں غائب ہوگئے؟'' میں نے مضطرب ہوکر اس سے وہ براہ راست سوال کر ہی ڈالا۔

''کل رات فون آیا تھا۔ انہوں نے اسی واقعے کی اطلاع دی تھی جس کے بارے میں تم نے بتایا تھا۔ رات انہوں نے کسی کھلے پارک میں بسر کی ہوگی۔ میں نے انہیں مشورہ دیا ہے کہ وہ فقیرانہ بھیس اختیار کر کے کلفٹن پر عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر چلے جائیں۔ ان کا فون نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے میرے مشورے پر عمل کر ڈالا۔ وہاں ٹک کر وہ کسی اور ٹھکانے کا بندوبست کریں گے تو مجھ سے رابطہ کریں گے۔''

میں دل ہی دل میں اس پر تاؤ کھا کر رہ گیا۔ اس نے بھارت سے آنے والے دونوں ایجنٹوں کو خاصی موثر رہنمائی فراہم کی تھی۔ مزار پر آنے والے بے شمار زائرین اور عقیدت مندوں سے انہیں خاصی مالی مدد مل سکتی تھی۔

''مزار پر ان کا گزارہ تو ہو جائے گا، انہیں ہتھیار کون دے گا؟'' میں نے جل کر پوچھا۔

''یہاں تجربے کار لوگوں کو بھیجا جاتا ہے۔ مزار پر ان کے مقدر نے ساتھ دیا تو انہیں خاصا مال مل جائے گا۔ مال ہو تو بڑے شہروں میں انسان اپنی ضرورت کی ہر شے خرید لیتا ہے۔ ان دونوں سے میرا پیچھا چھوٹ جائے گا۔''

''ان کی رہنمائی کر کے تم نے سنگین بدعہدی کی ہے۔ انہوں نے شہر میں کوئی بھی گڑبڑ کی تو اس کا وبال تمہارے سر آئے گا۔''

''میں نے کوئی بدعہدی نہیں کی۔ وہ نیو خان ہوٹل والے تجربے سے خوف زدہ تھے اور ہر قیمت پر مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔ میں نے ان سے اپنی جان چھڑانے کے لیے انہیں مزار پر جانے کا مشورہ دے دیا۔ میں انہیں نہ بتاتا تب بھی وہ اپنے لیے کوئی نہ کوئی ٹھکانا تلاش کر لیتے۔ وہ مشن پر آئے ہیں تو یہیں مرکھپ جائیں گے یا اپنا مشن پورا کر کے لوٹ جائیں گے۔''

''تم نے گیری کو فرنچ بیچ پر آنے کا مشورہ دیا تھا تو ان دونوں کو ملاقات کے بہانے جہانگیر پارک میں بھی بلا سکتے تھے۔ میں انہیں وہیں چھاپ لیتا۔''

''یہ بات میرے دماغ میں نہیں آئی۔ آج کل کے حالات نے میرا ذہن ماؤف کیا ہوا ہے۔ وہ دونوں ابھی تمہاری دسترس میں ہیں۔ مزار پر مل سکتے ہیں۔ دو چار روز گزر جانے کے بعد شاید وہ وہاں سے کہیں اور منتقل ہو جائیں۔''

''وہ دونوں مٹی کے مادھو نہیں ہیں کہ میں جا کر انہیں پکڑ لوں۔ انہوں نے ایسی جگہ پر قبضہ کیا ہوگا جہاں سے وہ آسانی سے بھاگ سکیں۔ انہوں نے مجھے دیکھا ہوا ہے وہ دور سے مجھے پہچان کر کہیں بھی نکل جائیں گے۔''

''ڈینی! اب اتنی بے بسی ظاہر نہ کرو۔ تم اپنے آدمیوں کو اس کام پر لگا سکتے ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے بہت سے لوگوں کو پالا ہوا ہے۔''

''تمہاری عقل پر شاید کہر جم رہی ہے۔ ان دونوں کو میں نے دیکھا ہوا ہے۔ میرے آدمی بدلے ہوئے حلیے میں انہیں کیسے پہچان سکیں گے!''

''میں نے تو انہیں دیکھا بھی نہیں ہے۔'' اس کی تشویش زدہ آواز ابھری۔ ''فون پر ان میں سے ایک کی آواز سنی ہے۔''

میں نے اسے مزید ملامت کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ تحکم آمیز مزاج کا مالک تھا۔ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے میری تلخ باتیں برداشت کر رہا تھا۔ کسی بھی لمحے اس کے دماغ پر بالادستی کا وائرس سوار ہو جاتا تو اس سے بات بگڑ سکتی تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ اس نے ان دونوں کو مزار پر ڈیرا ڈالنے کا مشورہ دے کر میرا کام خاصا آسان کر دیا تھا۔ وہ ان کو وہ راہ نہ دکھاتا تو کراچی جیسے وسیع و عریض انسانی سمندر کو کھنگال کر ان دونوں کو تلاش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہ ہوتا۔

سوبھراج کے کہنے کے مطابق وہ اس وقت واقعی ہماری دسترس میں تھے۔ مزار کے تقدس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر ہم اپنے سارے وسائل وہیں مرکوز کر دیتے تو را کے ایجنٹ وہاں سے بچ کر نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔

''تم نے انہیں نہیں دیکھا۔ میں نے ان میں سے ایک کو دیکھا ہے مگر وہ دونوں مجھے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ مجھ سے سامنا ہوتے ہی وہ بھڑک جائیں گے۔ یہ بتاؤ کہ یہ معمّا کیسے حل ہوگا۔''

''میری عقل کام نہیں کر رہی۔'' اس کی آواز سے

یکا یک تھکن مترشح ہونے لگی۔ ''اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو تم کو اس کا توڑ کرنا ہوگا۔''

میں نے چند لمحوں کے لیے دانستہ خاموشی اختیار کر لی۔ میں اسے یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا جیسے میں سوچ میں پڑ گیا ہوں پھر میں نے پوچھا۔ ''ان دونوں کے پاس ورڈز کیا ہیں؟''

'' کیسے پاس ورڈز؟'' اس کی تحیر زدہ آواز سے بے ساختگی جھلک رہی تھی۔

'' اتنے انجان نہ بنو۔ ہرا یرا غیرا تم سے فون پر را کا ایجنٹ بن کر بات نہیں کر سکتا۔ ان دونوں کی کوئی نہ کوئی خفیہ شناخت ضرور ہوگی۔''

تم یقین کرو کہ میرے فرشتوں کو بھی ان کی آمد کا علم نہیں تھا پھر مجھے کوئی پاس ورڈ کیسے پتا چلتا۔ آنے والے ہمیشہ سے اچانک آتے ہیں۔ وہ سب اپنے لیے کے ٹو یعنی کوبرا ٹو کا کوڈ استعمال کرتے ہیں اور میرے سیٹ لائٹ فون پر رابطہ کر کے کوبرا کو پوچھتے ہیں۔ یہ تین باتیں یہ جاننے کے لیے کافی ہوتی ہیں کہ بولنے والا میرے اعتماد کا آدمی ہے۔''

''پھر کے ٹو ہی ان کا پاس ورڈ ہوا نا!'' میں نے کہا۔

''ان کا نہیں، یہ ہر را والے کا کوڈ ہوتا ہے۔''

میں دیکھتا ہوں کہ ان دونوں کی تلاش کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے۔''

''تمہیں تیزی سے کام لینا ہوگا۔ انہیں بارود یا بموں کے بجائے ٹیلی اسکوپک رائفلوں کی ضرورت تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں دہشت گردی سے پہلے کسی خاص ہدف پر وار کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں......''

'' یہ بات تم نے پہلے نہیں بتائی تھی!'' میں نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا۔

'' مجھے دھیان تھا اور نہ تم نے اس بارے میں کچھ پوچھا تھا۔ مجھے ابھی ابھی خیال آیا ہے کہ کہیں وہ کسی اہم شخصیت کو مارنے کے مشن پر نہ آئے ہوں۔''

'' دیکھو سوبھراج! تمہاری پوزیشن بہت نازک ہوگئی ہے۔ اچھی طرح سوچ لو۔ کوئی اور خاص بات رہ گئی ہو تو وہ بھی بتا ڈالو۔ ان دونوں کے گرفت میں آنے کے بعد کوئی نئی بات سامنے آئی تو تم اپنا اعتماد کھو دو گے۔''

''میری ایک بات ذرا دھیان سے سن لو!'' سوبھراج کی آواز ملتجیانہ ہوگئی۔ ''میں جان بوجھ کر تم کو چکر نہیں دیتا۔ آج کل پریشانیوں کی وجہ سے میرا دماغ ٹھکانے پر نہیں ہے۔ اس وجہ سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو تمہیں فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے اسے درگزر کر دینا چاہیے۔ میں نے تمہیں دوست مان لیا ہے تو اب آخری دم تک اس دوستی کو نبھاؤں گا۔ میرا خیال ہے کہ اب ان دونوں کی کوئی خاص بات باقی نہیں رہی۔''

''کل رات تم نے جان بوجھ کر مجھے چکر دیا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

'' ایسا نہیں ہے۔ تم کو کوئی بھول ہوگی!'' اس نے اپنا دفاع کیا۔

'' میں کام کی باتیں دس برس میں بھی نہیں بھولتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پہلے تم نے ان دونوں کے پتے ٹھکانے سے اپنی لاعلمی ظاہر کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد تم نے اگل دیا کہ وہ نیو خان ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ تم جب چاہتے ہو اپنی کینچلی بدل لیتے ہو۔''

'' میں نے تمہاری الزام تراشی صبر اور خاموشی سے سن لی اب تم بھی میری بات پوری ہونے دو۔ وہ کل شام ڈھلے کی بات ہے۔ میں نے ان بن بلائے مہمانوں سے گھبرا کر تمہیں فون کیا تھا۔ اس وقت تک میں تم کو اپنا دشمن سمجھ رہا تھا۔ میں ڈر رہا تھا کہ حسن اور زکی نے میری کسی مدد کے بغیر، اپنے وسائل سے کوئی واردات کر ڈالی تو تم اسے میرے کھاتے میں شمار کر کے مجھ سے خفا ہو جاؤ گے۔ میں نے سوچا کہ ایسا برا وقت آنے سے پہلے تم کو ان کے بارے میں خبردار کر دوں اس وقت تک مجھے تمہاری نیت کا اندازہ نہیں تھا۔ تم سے میری سرد جنگ چل رہی تھی اور میں تم سے ڈرا ہوا تھا اسی لیے میں نے دونوں کا پتا نہیں بتایا لیکن تم سے دیر تک باتیں ہونے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ تم میرے خیر خواہ ہو۔ وہاں سے ہماری دوستی کی ابتدا ہوئی اور میں نے تمہیں ان کا پتا بتا دیا۔ اس کے بعد میں نے تم سے کوئی ہیر پھیر کیا ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں اپنی غلطی مان لوں گا۔ اس کے بعد تم نے رات کو فون کیا تو میں نے کھل کر تمہیں گیری کے بارے میں بتا دیا۔ کوئی بات راز نہیں رکھی۔''

''میں نے تمہاری اس لمبی تقریر میں کوئی دخل اندازی نہیں کی، میں مانے لیتا ہوں کہ تم صحیح کہہ رہے ہوگے۔ اب ذہن پر تھوڑا سا زور ڈالو، ان دونوں کے بارے میں تم خاص باتیں بتا چکے ہو اب عام باتیں بھی بتا ڈالو۔''

''تم کو وکیل ہونا چاہیے تھا۔ تم ایک ایک لفظ کو پکڑتے ہو۔'' اس نے شکایتی انداز میں کہا۔ ''ان لوگوں کے لیے کوبرا ایک بہت بڑا نام ہے۔ سب آنے والے میرا ادب کرتے ہیں۔ میں ان کو زیادہ منہ لگاتا ہوں نہ ان سے فالتو بات کرتا ہوں۔ وہ مجھ سے مدد کے طلب گار تھے ان کی زبان میں مدد کا

مطلب روپیا اور ہتھیار ہوتے ہیں۔ ہتھیاروں کے بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ انہیں ٹیلی اسکوپک رائفلوں کی ضرورت ہے۔ وہ بے آواز ہوں تو زیادہ بہتر ہوگا......''

''پہلے تم نے بے آواز کا ذکر نہیں کیا تھا۔ یہ نکتہ بہت اہم ہے۔'' میں نے بات کاٹ کر اسے وہیں ٹوک دیا۔

''ہاں' شاید میں بھول گیا تھا۔'' اس نے اعتراف کیا اور اپنی بات جاری رکھی۔ ''ان رائفلوں کے ساتھ انہیں طاقت ور دوربینیں بھی درکار ہیں۔ ان کی یہ ضروریات صاف چغلی کھا رہی ہیں کہ اس بار وہ کوئی نیا پلان لے کر آئے ہیں۔ وہ یہاں کسی بھی بڑے آدمی کو اپنا نشانہ بنا سکتے ہیں۔''

''بے آواز رائفلیں اور دوربینیں اسی کام آسکتی ہیں۔ کراچی ویسے ہی آج کل جوالا مکھی بنا ہوا ہے۔ تم نے محمود آباد کے مندر کو آگ لگوا کر شہر میں مذہبی منافرت کو ہوا دینے کی بھیانک کوشش کی تھی جو ناکام ہوگئی۔''

''مجھے میرے پرانے گناہوں کے حوالے دے کر نادم نہ کرو۔'' اس نے قطع کلامی کر کے احتجاج کیا۔ ''اب میں ماضی کی کتاب بند کر چکا ہوں۔ زندہ رہنے کے لیے میں نے تمہارے ساتھ مل کر اپنی نئی زندگی کی داغ بیل ڈالنے کی کوشش کی ہے۔''

''میں تمہیں طعنہ نہیں دے رہا تھا' حقیقت بتا رہا تھا۔ تم اس شہر کے پرانے باسی ہو اور سیاست میں رہے ہو۔ تم شہر کی نبض کو پہچانتے تھے۔ تم نے کمزور پہلو پر وار کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس شہر میں فرقہ وارانہ' مذہبی' لسانی اور سیاسی نفرتیں عروج پر ہیں۔ کوئی بھی شرپسند کسی ایک فریق کے کسی اہم فرد کو نشانہ بنا کر دوسرے فریق کو آسانی سے اشتعال دلا سکتا ہے۔ بس میں ایک مرتبہ چنگاری ڈال دی جائے تو شعلوں پر قابو پانے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔''

''تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔'' اس کی پرخیال آواز ابھری۔ ''ہوسکتا ہے کہ وہ اسی مشن پر یہاں آئے ہوں۔''

''شاید تمہیں برا لگے لیکن میں پھر پرانی بات چھیڑنے پر مجبور ہوں۔ جب تک جڑوں کو نہ کریدا جائے اصل بات سامنے نہیں آسکتی۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ اس کی نیت جو کچھ بھی رہی ہو' اس کا وہ پرخیال لب ولہجہ سن کر مجھے گمان ہوا تھا کہ حسن اور ذکی کے عزائم کے بارے میں میری باتیں سن کر اسے اندرونی آسودگی حاصل ہوئی تھی۔ راج محل کو جلانے کے بعد اس نے شہر کے امن وامان کو تہ وبالا کرنے کی جو وحشیانہ دھمکیاں دے تھیں' حسن اور ذکی کے عزائم ان ہی کو عملی صورت دیتے نظر آرہے تھے۔

''اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں سے پھونک دینے کے بعد تم بہت مشتعل تھے۔'' میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''شہر کو شعلوں کی نذر کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ یہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ اس وقت اشتعال اور غصے کے عالم میں تم نے را کے کسی بڑے افسر سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ہو۔''

''اس وقت میرے اوپر دیوانگی طاری ہو چکی تھی۔ جس شخص نے ساری زندگی شاہانہ ٹھاٹ سے بسر کی ہو' وہ اچانک فٹ پاتھ پر آجائے تو اس کی کیا حالت ہوسکتی ہے۔ وہی حال میرا تھا۔ پھر بھی مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی سے ایسی کوئی بات کی ہو۔ اگر ذرا سی دیر کے لیے مان لیا جائے کہ میرے منہ سے کوئی ایسی ویسی بات نکل گئی ہو تو اس کا حسن اور ذکی کی آمد سے بھلا کیا واسطہ ہوسکتا ہے۔''

''مجھے ایک موہوم سا خیال آیا ہے کہ کہیں وہ تمہاری پرانی آرزو کی تکمیل کے لیے نہ آئے ہوں۔''

''نہیں ڈینی! مجھے ایسا الزام نہ دو۔'' اس کی آواز میں ایک مدافعانہ تڑپ تھی۔ ''میرے بلاوے پر آنا ہوتا تو وہ اسی وقت آئے ہوتے۔ نہیں' نہیں ان کا میرے پرانے خیالوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اتنے دنوں میں تو چتا کی آگ بھی ٹھنڈی ہو جاتی ہے' آدمی کا جھاگ جیسا غصہ کہاں برقرار رہ سکتا ہے۔''

''سوبھراج! میری باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔'' میں نے بہت رسانیت اور نرمی سے کہا۔ ''اس وقت ہم ایک دوسرے پر الزام تراشی نہیں کر رہے۔ میں را کے ایجنٹوں کی آمد کے بارے میں کسی منطقی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری اس کوشش کا سارا گند میری ذات پر گر رہا ہے۔ میں پھر پوچھتا ہوں کہ میرے کہنے پر آنا تھا تو وہ اس وقت کیوں نہیں آئے' اتنے دنوں بعد یہاں جھک مارنے کیوں آئے ہیں؟''

''تم بلاوجہ چڑ رہے ہو' وہ وقت ان کے لیے مناسب نہیں تھا۔ سیتا کانت ماری جا چکی تھی اور گوپال راج پکڑا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے اس بلیک کیٹ کو واپس لینے کے لیے بات چیت کا ڈول ڈالا ہوا تھا۔ وہ را کے نئے آدمیوں کو بھیج کر گوپال کی واپسی خطرے میں نہیں ڈال سکتے تھے۔ ان کے لیے گوپال کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے ہو جاتا ہے کہ اس کے بدلے میں انہوں نے سات پاکستانیوں کو آزاد کیا ہے۔''

''تم بلاوجہ اس بات پر اپنا دماغ لڑا رہے ہو' میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی بھارتی سے کوئی ایسی بات کی ہو۔'' وہ تلملا رہا تھا۔

''مجھے اپنی بات پوری کر لینے دو!'' اس بار میں نے قدرے سختی سے کہا ''تم نے مجھے دوست کہا ہے تو تمہیں میری ہر بری اور بھلی بات سننی پڑے گی۔ یہ سب میں تمہاری بھلائی کے لیے کہہ رہا ہوں۔ تمہارا برا چاہتا تو اب تک تمہیں مار چکا ہوتا۔''

میرا وہ آخری جھوٹ پھر کارگر رہا۔ اس کی اکتائی ہوئی آواز ابھری۔ ''کہو کہو...... تم کہے جاؤ۔ میں خاموشی سے سن رہا ہوں۔''

''میں کہہ رہا تھا کہ وہ وقت ان کے لیے سازگار نہیں تھا تمہاری کہی ہوئی بات کسی کے دماغ میں اٹکی رہی۔ پاکستانی قیدیوں سے گوپال کا تبادلہ ہوتے ہی ان کے ہاتھ کھل گئے اور انہوں نے تمہارے منصوبے کی تکمیل کے لیے اپنے دو آدمی بھیج دیے۔ ان کو یہ پتا نہیں ہے کہ گزرے ہوئے دنوں میں تم اپنے ماضی سے تائب ہو کر کچھ نئے دوررس فیصلے کر چکے ہو۔ ان کے لیے تم وہی خون خوار سوبھراج ہو جو اپنا گھر جلانے کے بعد پورے شہر کو پھونک دینا چاہتا تھا۔ یہ آنے والے دونوں آدمی بہت بڑے خطرے کی گھنٹی ہیں۔''

''یہ انطق منطق نہیں ہے۔ میری کسی سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ میرے بلانے پر یہاں نہیں آئے ہیں۔ میں یہ بات مانتا ہوں کہ ان کا آنا خطرے کی گھنٹی ہے' اس گھنٹی بلکہ گھنٹے کی آواز میں نے خود تمہیں سنائی ہے۔''

''تم سنانے پر مجبور تھے۔ تمہیں معلوم تھا شہر میں کوئی گڑبڑ ہوئی تو میں تمہارے پیچھے لگ جاؤں گا۔ میں نے اسی ایک شرط پر تمہیں چھوٹ دی تھی اور پوری شرافت سے اپنے وعدے پر عمل کر رہا تھا۔''

''تمہاری یہ بات کسی حد تک ٹھیک ہے' میری نیت کا حال میرا بھگوان جانتا ہے مگر تم کو یوں ہی سوچنا چاہیے۔''

''راوالوں کے لیے کوبرا یہاں کا ایک بہت بڑا اور بھرم والا نام ہے۔ تم نے انہیں ٹالنے کے لیے یہ چھوٹی بات کیوں کہی کہ تم خود مشکلات میں گھرے ہوئے ہو اس لیے ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے؟''

''کوبرا کا سارا بھرم راج محل کے ساتھ خاک میں مل گیا۔ یہاں کے اخبار والے ذلیل اور راشی ہیں۔ انہوں نے میرے خلاف جھوٹی سچی کہانیاں چھاپ کر ایک ناپاک مہم چلائی ہوئی ہے۔ سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ کوبرا کون تھا۔ یہ بات حسن کو بھی معلوم ہو چکی ہو گی۔ یہ اس کی مہربانی تھی کہ اس نے پھر بھی مجھے کوبرا ہی کہا۔ مجھے میرے نام سے نہیں پکارا۔ اب یہ جھوٹا کھیل بے کار ہو چکا ہے۔ راوالے یہاں آتے ہیں تو زبردست بریفنگ لے کر آتے ہیں اور تازہ ترین حالات سے باخبر ہوتے ہیں۔''

وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔ اس کی تضاد بیانی پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ وہ ایک ہارتے ہوئے مجرم کی ہرزہ سرائی تھی جسے کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی تھی۔ ایک طرف وہ اخبارات کو برا بھلا کہہ رہا تھا اور دوسری طرف یہ اعتراف بھی کر رہا تھا کہ اخباری اطلاعات کی بنیاد پر سب کو اس حقیقت کا علم ہو چکا تھا کہ وہی کوبرا بنا ہوا تھا۔

''تم اسے ادب اور احترام کہہ رہے ہو' میرا خیال ہے کہ وہ جان بوجھ کر بن رہا تھا۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''کوبرا کہہ کر وہ تم سے ہر مدد کے طلب گار ہو سکتے ہیں۔ سوبھراج سے وہ کیا لیں' اپنے اصل روپ میں تم ان کے لیے یکسر اجنبی ہو۔''

''میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم ہر بات میں فوراً منفی پہلو نکال لیتے ہو۔'' تھکی ہوئی اور خفت آمیز ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی۔ ''ویسے آج کا دن میرے لیے بہت برا ثابت ہوا۔ تم نے گیری سے نجات پانے کا ایک نادر موقع ضائع کر دیا۔ رہی سہی کسر تم نے یہ الزام لگا کر پوری کر دی کہ را کے ایجنٹ میرے ایما پر یہاں آئے ہیں۔''

''اپنی جان کے خطرے کی وجہ سے میں نے فرنچ بیچ کا رخ نہیں کیا لیکن آج دل بھر کر گیری کو کوسا ہے۔ میری بددعائیں بارآور ہوئیں تو اس کی گاڑی کو کوئی حادثہ پیش آئے گا اور وہ سیدھا جہنم واصل ہو جائے گا۔''

''انسان اپنے بدترین دشمن کو کوسنے پر اتر آئے تو وہ اس کی بےبسی کی انتہا ہوتی ہے۔ پچھلے دنوں میں بھی اس عذاب سے گزرتا رہا ہوں۔ اکثر تمہیں اور ایف بی آئی والوں کو کوستا رہتا تھا۔ تم دونوں نے مل کر مجھے اس حال کو پہنچایا ہے۔'' اپنی حالت زار کا اعتراف کرتے ہوئے وہ کھوکھلی اور شکست خوردہ آواز میں ہنس رہا تھا۔

''اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ تم نے مجھ تک رسائی کے چکر میں ویرا کو پکڑ کر اپنی خفیہ قید میں نہ رکھا ہوتا تو آج تمہیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ ایف بی آئی والوں نے وہیں سے تمہارا پیچھا لیا ہے۔ ویرا کو اور مجھے وہ بیٹی داماد سمجھتے ہیں جن پر دوسروں کا حق جتانا ان کے لیے ذرا بھی قابل برداشت نہیں ہے۔''

''کیا تم نے ویرا سے دوسری شادی کر لی ہے؟'' اسے

یکا یک ایک بے تکا سوال سوجھ گیا۔ ''میں نے سنا ہے کہ تم نے مکاؤ میں کسی لڑکی سے شادی کی تھی۔ تمہارے مذہب میں مرد کو ایک وقت میں چار شادیوں کی اجازت ہے۔''

''اپنی بدخیالی پر توبہ کرو۔ وہ میری دوست ہے اور بس!'' میں نے کن انکھیوں سے ان تینوں کا جائزہ لیتے ہوئے نیچی آواز میں کہا۔

سوبھراج بہت کائیاں تھا۔ میرے لہجے کی تبدیلی پر چونکی ہوئی آواز میں بولا ''تمہاری آواز اتنی دھیمی کیوں ہوگئی؟ کیا وہ پاس ہی موجود ہے؟''

''پاس اور دور سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' میں نے نارمل آواز میں محتاط رہ کر جواب دیا۔ کیونکہ میرے لہجے کی تبدیلی پر وہ تینوں بھی چونک گئے تھے۔ میں نے موضوع بدلنے کے لیے اپنی بات جاری رکھی۔ ''ان باتوں کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ آدمی دل پر رکھ لے تو پھر دوست ہو یا دشمن، وہ دنیا کے آخری سرے پر بھی اسے تلاش کر لیتا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ ان دونوں کے بارے میں مجھے کسی اچھی خبر کا انتظار رہے گا۔''

''تو کیا تم مزار پر دیکھ بھال کا ارادہ نہیں رکھتے؟'' وہ میری چال میں آ کر اس نازک موضوع سے بھٹک گیا جو مجھے بے آرام کر رہا تھا۔

''میں تمہیں مسائل سے آگاہ کر چکا ہوں پھر بھی جو کچھ ہو سکے گا وہ ضرور کروں گا۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہاں گداگروں اور سائلوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہو چکی ہے۔ ان میں دو افراد کو تلاش کرنا آسان نہیں ہوگا۔ ہاں، ایک بات ذہن میں ضرور رکھنا۔ میں نے تم پر کوئی الزام تراشی نہیں کی ہے۔ تمہارے ماضی کے حوالے سے چند ناگزیر باتوں کا ذکر کرنا پڑا ہے جو تمہاری بدقسمتی سے کچھ تلخ تھیں۔''

''میرا دل صاف ہے، آج جو کچھ ہو گیا وہ ہو گیا، تم سے میری ایک گزارش ہے کہ آئندہ میرے ماضی کا کوئی ذکر نہ کرنا میں اسے دفن کر چکا ہوں اس تذکرے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔''

میں اس کی ہاں میں ہاں ملا کر رہ گیا۔ میں اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اسے بہ نفس نفیس دفن کیے بغیر اس کے ماضی کی تدفین ممکن نہیں تھی۔

''ویری گڈ!'' بات ختم ہونے پر ویرا نے استہزائیہ انداز میں ہولے ہولے ہتھیلیاں بجا کر کہا ''مجھے کہنا پڑ رہا ہے کہ تم نے کسی اُلو کا دماغ پایا ہے۔ گھنٹوں بے تکان بولتے رہتے ہو اور پھر بھی تمہارا دماغ کام کرتا رہتا ہے۔''

''اپنے بیان پر نظر ثانی کر لو۔'' سلطان شاہ نے سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا۔ ''تم نادانستگی میں ڈینی کی تعریف کر گئی ہو۔ مغرب میں الو کو عقل و دانش کی علامت تصور کیا جاتا ہے۔''

''میں پاکستان میں ہوں اور اردو بول رہی ہوں۔'' ویرا مسکراتے ہوئے بولی ''میں مقامی الو کی بات کر رہی تھی۔ اس کا مغربی تصور سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔''

''الو کی مادہ کو کیا کہتے ہیں؟'' سلطان شاہ نے سادگی سے پوچھا۔

''الو ہی کہتے ہیں، کیا انسانوں سے مایوس ہو کر اب الو کی مادہ پر گزارہ کرنے کا ارادہ ہے تمہارا۔'' ویرا کو اس پر چوٹ کرنے کا موقع مل گیا۔

''پالتو جانوروں کے ساتھ ایسے رشتے مغرب میں استوار کیے جاتے ہیں، ہمارے یہاں اس کا رواج نہیں ہے۔'' سلطان شاہ نے بے دھڑک ایک نہایت کڑوی بات کہہ ڈالی۔ ویرا نے اس کی بات کاٹ کر احتجاج کرنے کی کوشش کی لیکن سلطان شاہ نے اپنی آواز اونچی کر کے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ اپنی بات کہتا رہا۔ ''تمہارے لیے مجھے کوئی ایسا نام سوچنا ہوگا جس سے جنس کا صحیح پتا چل سکے۔ تمہارے لیے الو کی مادہ کا نام خاصا طویل رہے گا۔''

''تم نے پھر الٹی سیدھی باتیں شروع کر دیں!'' غزالہ نے سنجیدگی سے اسے ٹوکا۔

''ایسے معاملوں کا افتتاح ویرا خانم کی مبارک زبان سے ہوتا ہے۔ اس نے ڈینی کو الو کہہ کر مجھے راہ دکھائی تھی میں نے اسی کی کہی ہوئی بات آگے بڑھائی ہے۔''

''آخر میں سوبھراج سے آپ کی کیا بات ہو رہی تھی؟'' سلطان شاہ کا جواب سن کر غزالہ نے مجھ سے سوال کیا اور میں قدرے پریشان ہو گیا۔ اس کے الفاظ سپاٹ اور سیدھے تھے لیکن اس کے لہجے میں کوئی ایسی غیر معمولی بات تھی جس نے مجھے مضطرب کر دیا تھا۔

''راوالوں کے بارے میں بات ہوتی رہی تھی۔'' وہ جواب دیتے ہوئے مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ غزالہ اس وضاحت سے مطمئن نہیں ہوگی۔

''ایف بی آئی اور ویرا کے حوالے سے آپ نے کچھ کہا تھا۔''

ویرا ہنس پڑی اور بے پروایانہ انداز میں بولی ''بیٹی اور داماد والی اس بات سے میں کافی محظوظ ہوئی تھی۔ وہ ہم دونوں کو مارنے اور رگڑنے کے بارے میں بہت حساس ہیں۔ سارے کام خود کرنا چاہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے

انہوں نے ہمیں کسی عالمی مافیا سے خرید لیا ہو اور اب ہماری قضا وقدر کے مالک بن گئے ہوں۔''

''کیا میری وہ بات تمہیں ناگوار گزری ہے؟'' میں نے غزالہ سے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا'' اس سے تلخ وترش گفتگو ہونے کے بعد میں ذرا ہلکی پھلکی بات کر کے اسے ٹھنڈا کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ مذاق کی ایک بات تھی تمہیں اس کا......''

''مجھے وہ بات ذرا بھی ناگوار نہیں لگی۔'' غزالہ نے ایک عجیب سی ہنسی کے ساتھ کہا'' بلکہ خوشی ہے کہ آپ نے اپنی زبان پر آنے والی بات دوٹوک انداز میں کہہ ڈالی۔ آپ چاہیں تو اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ میری طرف آپ دونوں کو اجازت ہے۔''

''ہرگز نہیں!'' غزالہ کے تیور بھانپ کر سلطان شاہ نے اونچی آواز میں نعرہ لگایا۔'' ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں' مذاق میں کہی ہوئی ایک بات کو مذاق ہی رہنا چاہئے۔ کسی نے بھی اس گاڑی کو آگے بڑھانے کی کوشش کی تو میں پٹڑی پر لیٹ جاؤں گا' اپنی جان دے دوں گا لیکن ایسا نہیں ہونے دوں گا۔''

سلطان شاہ کا انداز ہ اس قدر تمسخرانہ تھا کہ سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ہنسی کا سلسلہ تھما تو ویرا نے بڑھ کر غزالہ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور بہت اپنائیت سے بولی'' تم مسکرا رہی ہو لیکن میں تمہاری اس مسکراہٹ کے پیچھے چھپا ہوا ملال محسوس کر رہی ہوں۔ عورت مذاق میں بھی اپنے سہاگ کی حصے داری برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ اس کی فطرت ہے تم یقین کرو کہ میرے اور ڈینی کے درمیان گہری دوستی سے زیادہ اور کوئی رشتہ اب باقی نہیں رہا۔ میں ذرا آزاد خیال ہوں ہوسکتا ہے کہ میری بے تکلفی تمہیں گراں گزرتی ہو۔ تم کہہ دو تو میں اس بارے میں بھی احتیاط سے کام لوں گی' مجھے معلوم ہے کہ کبھی کبھی میں بے اختیار ہو کر حد سے تجاوز کر جاتی ہوں۔''

ویرا کی اس صاف گوئی پر غزالہ کی آنکھیں اندرونی مسرت سے جگمگا اٹھیں اور اس نے بھی ویرا کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

میری دانست میں غزالہ کو ویرا کے ان معذرتی فقروں پر اخلاقاً وضاحت کرنی چاہئے تھی کہ اس کا وہ مقصد نہیں تھا جو ویرا سمجھ رہی تھی لیکن اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا کی باتوں کو اس نے اقرار جرم پر محمول کیا تھا اور جرم کے اعتراف پر کسی رسمی دلاسے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

''تم لوگ فضولیات میں الجھ گئیں۔'' سلطان شاہ اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔'' ان باتوں میں وقت برباد ہوتا رہا تو راوالے کچھ بھی کر گزریں گے۔''

''ان کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟ ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

''تم لوگوں نے ساری باتیں اپنے کانوں سے سن لی ہیں۔ میں حقیقت میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ گوپال کے تبادلے کے فوراً بعد آنے والے سوبھراج کی فرمائش پر آئے ہیں مگر ذرا دیر سے آئے ہیں۔ اب سوبھراج کا اونٹ پہاڑ تلے آچکا ہے اس کو اندازہ ہو گیا ہے کہ زندہ رہنے کے لیے اسے کسی نہ کسی سے مفاہمت کرنا پڑے گی۔ وہ سب سے لڑتا رہا تو اس کی زندگی کا دورانیہ کسی بھی لمحے ختم ہو جائے گا۔''

''تم نے اس کے ماضی پر رکھ کر اپنی پوری بات اسے سمجھا دی۔'' ویرا نے توصیفی لہجے میں کہا'' یہ بتاؤ کہ حسن اور ذکی کے بارے میں کیا کیا جائے۔''

''اگر انہوں نے سوبھراج کے مشورے پر عمل کیا ہے تو ان کو کلفٹن پر عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر ہونا چاہئے۔ مجھے اور سلطان شاہ کو وہاں جانا ہوگا کیونکہ ہم دونوں نے ان میں سے ایک کو دیکھا ہوا ہے!'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''تم نے دوسرے کو بھی دیکھا ہوگا۔ اس نے اڑنگا مار کر تمہیں گرایا تھا۔'' سلطان شاہ بولا۔

''نہیں۔'' میں نے اپنے سر کو مایوسی سے جنبش دیتے ہوئے کہا'' وہ کسی چھلاوے کی طرح پیچھے سے آیا تھا اور مجھے گراتا ہوا آگے بھاگتا چلا گیا تھا اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ پشت سے اتنا ضرور نظر آیا کہ اس کے شانے پر ایک مختصر سا کالا بیگ جھول رہا تھا۔''

''آپ سوبھراج سے صحیح کہہ رہے تھے۔ آپ اسے پہچانیں گے تو وہ بھی آپ کو شناخت کر لے گا۔'' غزالہ نے فکر مندی سے کہا۔

''میں اسی حلیے میں وہاں جاؤں گا۔'' میں نے اپنی بے ترتیب داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا'' جب گیری جیسا چالاک آدمی مجھے نہیں پہچان سکا تو وہ بھی دھوکا کھا سکتے ہیں۔''

''اس حلیے میں تم واقعی کوئی خطرناک ڈاکو لگ رہے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری کسی کامیابی سے پہلے پولیس تمہیں دھر لے۔'' ویرا بولی۔

''مزاروں پر ہر طرح کے لوگ اپنی منتیں اور مرادیں لے کر آتے ہیں ان میں چور' ڈاکو' قاتل اور اسمگلر بھی شامل ہوتے ہیں۔ پولیس والے یہ بات جانتے ہیں اس لیے مزاروں سے دور رہتے ہیں مجھے ان کی پروا نہیں ہے۔''

''تم تو فیڈرل کاسٹرو کے بھتیجے بن گئے ہو میرا کیا ہوگا؟'' سلطان شاہ کراہا۔
''وہی ہوگا جو منظور خدا ہوگا۔'' ویرا بے ساختہ بولی ''تم بھی اپنے حلیے میں تھوڑی بہت تبدیلی کر لینا تم پاگل کا روپ بھی دھار سکتے ہو لوگ پاگلوں کو علاج کے لیے نفسیاتی ماہروں کے بجائے زیادہ تر مزاروں پر لے جاتے ہیں۔''
''صرف بال بکھیر لو تو تم خود پاگل نظر آنے لگو گی۔'' وہ ویرا کی ہنسی سے چڑ کر بولا ''مجھے معلوم ہے کہ تم بھول کر بھی مجھے نیک مشورہ نہیں دو گی۔''
''میں تمہیں ہمیشہ اچھی راہ سجھاتی ہوں۔ اس کا کیا علاج کہ تم ہر راہ میں کیڑے نکال لیتے ہو۔ ڈینی نے تمہارا انتخاب کر لیا ہے تو تمہیں مزار پر جانا ہی ہوگا۔ یہ تمہاری مرضی ہے کہ دیوانہ بن کر جاؤ یا فرتانہ بنے رہو۔''
''آپ نے سوبھراج سے گیری والا واقعہ کیوں چھپا لیا'' غزالہ نے مجھ سے پوچھا ''اسی کا حشر جان کر وہ آپ کی کارکردگی سے مرعوب ہو جاتا۔ یہ اس کا مزید اعتماد جیتنے کا سنہرا موقع تھا۔ اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔''
''وہ ایک پٹا ہوا مہرہ ہے اور اپنی بڑائی جتانے کے خبط میں مبتلا ہو چکا ہے۔ اس معاملے میں وہ پیٹ کرا تنا ہلکا تھا کہ ذرا سی دیر میں اخبار والوں کو بتا دیتا کہ گیری کو اس نے میرے ہاتھوں پٹوایا ہے۔ یہ انکشاف ہمارے حق میں نہ جاتا۔ سرکاری سطح پر اس کے سنگین اثرات مرتب ہو سکتے تھے۔''
''تم منع کر دیتے تو شاید وہ ایسی کوئی حرکت نہ کرتا۔ تم سے بہت مرعوب ہو چکا ہے تمہارے مشورے کو مشکل سے نظر انداز کرتا۔'' ویرا بولی۔
''تم شاید کا لفظ استعمال کر رہی ہو۔ یہی کھٹکا میرے ذہن میں بھی ہے۔ میں اس کے بہکنے کا ایک فیصد خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا۔ اس سے ذکر کرنے میں ایک اور اندیشہ تھا۔ اسے شکوہ ہوتا کہ میں نے پوری طرح غالب آنے کے باوجود اسے زندہ کیوں چھوڑا۔ شاید بحث میں 'میں اسے خاموش کرنے میں کامیاب ہو جاتا لیکن اس کے دل میں گرہ پڑ جاتی کہ میں نے اس کے خون کے ایک پیاسے کو زندہ چھوڑ کر بہت بڑی رعایت دی ہے۔''
''ہاں...... آں!'' ویرا پرخیال انداز میں بولی۔'' تمہاری دوسری بات قرین قیاس لگتی ہے یہ رعایت اسے بہت گراں گزر سکتی تھی۔''
''تم نے اس سے بہت کچھ کہہ ڈالا اور بات کو سنبھال بھی لیا میرا خیال ہے کہ وہ اب بھی تمہاری رفاقت کا قائل ہے۔ تمہیں دغا نہیں دے گا۔''
''وہ بہت چالاک اور مکار شخص ہے۔ اس پر اپنی بالادستی برقرار رکھنے کے لیے مجھے بہت پھونک پھونک کر قدم بڑھانا پڑ رہا ہے۔ ایک بار اس پر سے میری گرفت کمزور ہوئی تو میرے قابو سے باہر ہو جائے گا۔ اس کے دل میں کیا ہے یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔''
سلطان شاہ نہانے کے ارادے سے اٹھ گیا۔ اسی وقت دین محمد نے کھانے کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نہائے بغیر کھانے کی میز پر نہیں جا سکتا تھا۔ کیونکہ میرے ہاتھوں پر گیری کے خون کی چپچپاہٹ اس وقت تک موجود تھی۔
میں اپنے کمرے میں داخل ہوا تو میرے پیچھے غزالہ بھی اندر آ گئی۔ میں نے سنا کہ وہ ویرا سے میرے کپڑے نکالنے کا بہانہ کر کے آئی تھی۔
''تم نے ان دونوں کی موجودگی میں میری بات پکڑ کر اچھا نہیں کیا۔'' تخلیہ میسر آتے ہی میں اپنے دل کی بات زبان پر لے آیا ''تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ میں نے سوبھراج سے وہ بات رواروی اور مذاق میں کہی تھی۔''
''میں معافی چاہتی ہوں کہ میری نشان دہی آپ کو ناگوار گزری۔'' اس نے بڑھ کر والہانہ انداز میں اپنا سر میرے شانے پر ٹکا دیا ''میں اتنی نادان نہیں ہوں کہ سنجیدگی سے کہے ہوئے الفاظ اور مذاق میں امتیاز نہ کر سکوں۔ مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ میں پہلے بھی آپ سے کہہ چکی ہوں کہ آپ کی محتاط روی کے باوجود وہ اکثر آپ کے سر پر سوار ہونے کی کوشش کرتی ہے......''
''سب کچھ سمجھتی ہو تو اس وقت زبان کھولنے کی کیا ضرورت تھی!'' میں نے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے اس کی پشت تھپکتے ہوئے کہا۔
''میں کافی دنوں سے گھات میں لگی ہوئی تھی لیکن اسے سبق سکھانے کی کوئی موقع نہیں مل رہا تھا۔ آج موقع ملا اور میں نے آپ پر رکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ میں عقل سے پیدل نہیں' ایک دانا اور بینا عورت ہوں۔''
''تم نے اس کی موجودگی میں مجھے دوسری شادی کی اجازت دے کر اچھا نہیں کیا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔''
''وہ میرے اس کاٹ دار طنز کو نہ سمجھی ہوتی تو مجھ سے معافی نہ مانگتی۔ ایک بات کہہ کر میں نے اپنا سارا مفہوم اسے ذہن نشین کرا دیا ہے۔''

''اس وقت مجھ سے دور رہو!'' میں نے نرمی سے اسے الگ کرتے ہوئے کہا ''اس وقت میرے بدن میں گیری کے خون اور پسینے کی بو رچی ہوئی ہے۔ جب تک اس سے چھٹکارا حاصل نہ کرلوں، مجھے چین نہیں آئے گا۔''

''آپ کے بدن کی خوشگوار بو اس کی بیماری بساند پر حاوی ہے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور میں غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

پانچ بجے جلال گھر پر آدھمکا اور آتے ہی پرجوش انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ اس وقت اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ داڑھی وغیرہ کے باوجود اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔

''تم واقعی اپنے قول کے دھنی ہو۔ گیری اب کئی ہفتوں کے لیے صاحب فراش ہو چکا ہے۔ وہ اپنے بستر سے بھی نہیں اٹھ سکے گا۔'' وہ مجھ سے معانقہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تمہیں یہ خبر کہاں سے اور کیسے مل گئی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''گیری کی گاڑی میں بھی شاید چپ لگا ہوا تھا۔'' اس نے ایک نشست سنبھالتے ہوئے بتایا ''انہیں معاملہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ جب وہ گاڑی دیر تک ایک ہی جگہ رکی رہی اور انہیں اپنے آلات پر اس کے حرکت کرنے کے کوئی آثار نظر نہیں آئے تو قونصل خانے کے فرسٹ سیکریٹری نے پولیس کنٹرول سے رابطہ کر کے اندیشہ ظاہر کیا کہ ماری پور روڈ پر ان کے سینئر افسر کی گاڑی کو کوئی ناقابل فہم حادثہ پیش آ گیا ہے جس کی دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔''

''یہ کس وقت کی بات ہے؟'' میں نے درمیان میں سوال کیا۔

''پولیس کنٹرول کے ریکارڈ کے مطابق وہ کال دو بج کر اٹھائیس منٹ پر موصول ہوئی تھی!'' اس نے بتایا۔

میں سلطان شاہ کی طرف دیکھ کر جھرجھری لے کر رہ گیا ''اس وقت ہم دونوں اس منحوس سے برسرپیکار تھے۔ چپ کی وجہ سے پانچ دس منٹ میں انہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ گیری کی گاڑی سڑک پر رواں ہونے کے بجائے ایک جگہ رکی ہوئی ہے۔''

''پولیس اسکواڈ کے ساتھ ایدھی ایمبولینس وہاں پہنچی تھی۔ اس کے بعد قونصل خانے کا عملہ اپنی ایک ایمبولینس سمیت وہاں پہنچ گیا۔'' جلال بتا رہا تھا ''گاڑی الٹنے کے جھٹکے کی وجہ سے ڈرائیور کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ کافی دیر کی تلاش کے بعد پولیس پارٹی گیری کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوئی جو بے ہوشی کی حالت میں، مٹی کے ٹیلوں کے پیچھے خستہ حالت میں پڑا ہوا تھا۔''

''ابھی صرف پانچ بجے ہیں۔ تمہیں اتنی تیزی سے یہ ساری خبریں کہاں سے مل گئیں؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''میرے آدمی ہر وقت پولیس کنٹرول سے رابطے میں رہتے ہیں۔ پولیس کے ملوث ہو جانے کی وجہ سے مجھے پل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ پراسرار حالات میں ایک اہم غیر ملکی سفارت کار کا زخمی حالت میں ملنا معمولی واقعہ نہیں ہے۔ ابتدائی خبر سنتے ہی میں نے سمجھ لیا تھا کہ تمہارا منصوبہ کامیاب رہا ہے۔ گیری کی ایک ٹانگ بھی ٹوٹی ہوئی ہے۔''

''تمہاری یہاں آمد کا مطلب ہے کہ وہ قصہ تیزی سے نمٹا دیا گیا ہے۔''

''بچی ہوئی کار کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ڈرائیور کی لاش کے ساتھ وہ گیری کو اپنی ایمبولینس میں لے گئے تھے۔''

''وہ کار اب پولیس کی تحویل میں ہوگی؟'' میں نے پوچھا۔

''پولیس کو انہوں نے کار کی تلاشی لینے سے بھی روک دیا۔ اس کی نمبر پلیٹ غیر سفارتی ہے لیکن وہ کار قونصل خانے کے نام پر رجسٹرڈ ہے۔ پولیس بے بس ہو کر رہ گئی۔ جائے واردات پر پہنچنے والے ڈی ایس پی کی رائے ہے کہ کار کے معائنے سے کئی اہم باتیں سامنے آ سکتی تھیں۔ اب ہر شخص اندھیرے میں ہے۔''

''گیری کیا کہتا ہے؟'' میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ شاید کل تک بھی کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ آ سکے۔ پولیس رپورٹ کے مطابق اسے بہت بے رحمی سے مارا پیٹا گیا ہے۔ ابھی تک کسی نے اس واقعے کی ایف آئی آر درج نہیں کرائی۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ لوگ کیا راستہ اختیار کرتے ہیں۔'' جلال بہت خوش اور پرجوش تھا۔

''بے چارے کے ساتھ برا ہوا۔'' ویرا استہزائی انداز میں بولی ''آرام سے واپس آ رہا تھا کہ راستے میں چور اچکوں کے ہاتھ پڑ گیا۔''

''کیا تم نے اس واقعے کو رہزنی کا رنگ دینے کی کوشش کی تھی؟'' جلال نے پوچھا اور میں نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

''وہ تمہاری کوشش تھی۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ گیری اس واقعے کو کس رنگ میں لیتا ہے۔ آج تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ ان لوگوں کے ساتھ یہی ہونا چاہیے۔ جب تک گیری زندہ رہے گا، آج کی مار کو نہیں بھول سکے گا۔''

''مار پیٹ کر چھوڑ دینا کامیاب حکمت عملی نہیں ہے۔'' ویرا بولی ''گیری مار کو زندگی بھر یاد رکھے گا لیکن وہ دوسروں کے لیے عبرت کا سامان نہیں بن سکے گا۔ اپنے درد کو وہی سمجھ سکتا ہے۔ دوسروں کو اس کے درد کا ادراک نہیں ہوگا۔ ان کو یہ مار پیٹ کا ایک معمولی واقعہ محسوس ہوگا اور وہ اپنی حرکتوں میں لگے رہیں گے۔ موت سے ہر ایک سہم جاتا ہے۔''

''یہ واقعہ ابھی بہت تازہ ہے۔ کل تک اس بارے میں کچھ واضح ہو سکے گا۔'' جلال نے سگریٹ سلگا کر کہا ''اس دوران میں تمہیں سوبھراج کو بھی ٹٹول لینا چاہیے۔ گیری اس کی دعوت پر فرنچ بیچ گیا تھا۔ اسی کے ساتھی سوبھراج پر بھی شبہ کریں گے۔''

''تھوڑی دیر پہلے اس کا فون آ گیا تھا۔ گیری نے دو بجے فرنچ بیچ کے کسی ریسٹ ہاؤس سے فون کر کے اس سے شکوہ کیا تھا کہ وہ اپنے وعدے کے مطابق بیچ پر نہیں پہنچا......''

''اوہو...... یہ بات اپنے دل میں کیوں لیے بیٹھے تھے؟'' اس نے اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدل کر میری بات کاٹ دی۔

''تمہاری لائی ہوئی دلچسپ رپورٹ ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔''

''اصل کام تم کر آئے تھے۔ میری رپورٹ میں تو کچھ بھی نہیں تھا۔''

''مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ ان لوگوں کو بہت جلد گیری کے انجام کا پتا چل گیا۔ اب ان کی صفوں میں کھلبلی مچی ہوئی ہوگی۔''

''تم نے سوبھراج کو یہ تو نہیں بتایا کہ تم نے گیری کی ٹھکائی کی ہے؟'' کوئی خیال آتے ہی اس نے یکا یک سوال کیا۔

''کیا تم مجھے اتنا احمق سمجھتے ہو۔ وہ اسی وقت اخباروں میں اشتہار لگوانے کی تگ و دو شروع کر دیتا اور تم مشکلات میں پڑ جاتے۔ میں کسی سے کوئی وعدہ کر لیتا ہوں تو پھر پوری طرح اس کا پاس کرتا ہوں۔''

''اس واقعے کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے؟'' جلال روانی میں سوال کر گیا۔

''تم کہاں ہو، کس واقعے کی بات کر رہے ہو؟ جب اسے گیری کے واقعے کی ہوا ہی نہیں لگنے دی گئی تو اس کے بارے میں اس کی رائے کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا۔''

''اوہ! شاید میں الجھ گیا ہوں۔'' وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ اس کی رائے پر لعنت بھیجو اور یہ بتاؤ کہ اس سے تمہاری کیا بات ہوئی۔''

''راوالے بھٹک رہے ہیں۔ سوبھراج نے انہیں ایک مزار پر پناہ لینے کا مشورہ دیا ہے۔'' میں نے اسے اپنی اور سوبھراج کی گفتگو کی تفصیل سنانی شروع کر دی۔

جلال میری طرف ہمہ تن گوش تھا۔ وہ درمیان میں سوالات بھی کرتا جا رہا تھا۔ پوری بات ختم ہونے پر وہ بولا ''گیری کے پٹنے کی خبر سننے کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا تھا کہ وہ تمہارا کام ہے لیکن مجھے یہ فکر ستا رہی تھی کہ گیری تم کو کرنل داور کے روپ میں بہت قریب سے جانتا ہے۔ یہاں آ کر میں نے تمہاری ہیئت کذائی دیکھی تو میری تشویش دور ہو گئی۔ جھاڑ جھنکاڑ جیسی داڑھی اور آنکھوں کے رنگ کی تبدیلی کے بعد کوئی تمہیں نہیں پہچان سکتا۔ اس حلیے میں تم آسانی کے ساتھ ان دونوں کی تلاش میں نکل سکتے ہو۔''

''سرکاری عملے کی امریکیوں سے دوری پالیسی کی مجبوری ہے۔ کیا تم راوالوں سے بھی الگ تھلگ رہو گے!'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''تمہارے ذہن میں یہ خیال کیسے آ گیا؟'' اس نے سوال کیا۔

''تمہارے پاس عملہ ہے اور وسائل بھی۔ تم مجھے ان کی تلاش میں نکلنے کا مشورہ کیوں دے رہے ہو؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''انہیں میرے آدمی تلاش کریں گے۔ انہیں تلاش کر کے کیفر کردار تک پہنچانا میرے محکمے کی ذمے داری ہے لیکن تم ان میں سے کم از کم ایک کو پہچانتے ہو۔ تم میدان میں نکل آئے تو ان تک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔'' اس نے جلدی سے وضاحت کی۔

جلال کی اس وضاحت سے میں مطمئن ہو گیا اور وہ مجھے نئی مہم کی باریکیاں سمجھانے میں مصروف ہو گیا۔

اس کا کہنا تھا کہ عام طور پر ایک کام کے لیے ایک سیکرٹ ایجنٹ کو مامور کیا جاتا ہے تاکہ وہ ہر طرف سے بے فکر ہو کر اپنی پوری توجہ کام پر مرکوز کر سکے۔ دشمن کی سرزمین پر ایک سے زیادہ افراد کو بھیجنا پڑ جائے تو مشن سے پہلے کلیدی اہمیت ان کے باہمی رابطے کی ہوتی ہے۔

محفوظ ترین رابطے کے لیے وائرلیس ٹرانسمیٹر کامیاب

سمجھے جاتے ہیں جن میں کنکشن وغیرہ کا کوئی جھنجٹ نہیں ہوتا اور مخصوص حدود میں ایک سے زیادہ افراد ہر وقت ایک دوسرے کے رابطے میں رہ سکتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں موبائل فون کی وہ افادیت نہیں تھی۔

اسے یقین تھا کہ حسن اور ذکی کے فرضی ناموں سے کراچی پہنچنے والوں کے پاس خاص حد میں کام کرنے والے ٹرانسمٹرز ضرور موجود ہوں گے تاکہ وہ ایک دوسرے سے الگ ہونے کے باوجود ہر وقت باہمی رابطے میں رہ سکیں۔

ابتدا میں جلال کی وہ باتیں مجھے عجیب اور غیر ضروری محسوس ہو رہی تھیں لیکن جب اس نے دہلی میں پکڑے جانے والے عبداللہ کا ذکر چھیڑا تو پوری بات میری سمجھ میں آ گئی۔

عبداللہ دہلی میں آئی بی کا فعال ایجنٹ تھا۔ جن دنوں میں ویرا اور غزالہ کے ساتھ وہاں اہم بھارتی افسروں اور ٹھکانوں کو اپنی سرگرمیوں کا نشانہ بنا رہا تھا تو بھارتی دارالحکومت میں ایک بھونچال سا آ گیا تھا۔

دہلی میں نامعلوم غیر ملکی ایجنٹوں کا سراغ لگانے کے لیے ایسی فوجی اور نیم فوجی، بکتر بند گاڑیاں سڑکوں پر لائی گئی تھیں جن میں حساس اسکینر لگے ہوئے تھے۔ مشتبہ علاقوں میں گشت کے دوران وہ گاڑیاں آسانی سے یہ سراغ لگا سکتی تھیں کہ ان کے آس پاس کسی بھی فری کوئنسی پر کوئی لاسلکی مواصلاتی آلہ تو استعمال نہیں ہو رہا۔

بھارتی ایجنسیاں میرا سراغ نہیں لگا سکی تھیں لیکن ان ہیبت ناک گاڑیوں نے جامع مسجد کے علاقے میں ایک اپریٹس کے سگنل پکڑے اور ان کے سہارے عبداللہ کو رنگے ہاتھوں پکڑنے میں کامیابی حاصل ہوگئی۔

وہ کہانی مجھے پاکستان آنے کے بعد معلوم ہوئی۔ دہلی میں نازل ہونے والی تباہیوں اور ہلاکتوں پر بھارتی حکام غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔ وہ اپنے اصل حریف تک پہنچنے میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ انہوں نے سارا غصہ عبداللہ پر اتار دیا۔ وہ ونود نامی ایک افسر کے بہیمانہ تشدد کا شکار ہو کر، گردے پھٹ جانے کی وجہ سے شہادت کے رتبے پر فائز ہوگیا۔

وہ واقعہ جلال کے اشتعال کے سبب میرے ذہن میں جاگزیں ہو کر رہ گیا تھا۔ جلال نے ونود سے عبداللہ کے خون کا بدلہ لینے کی قسم کھائی تھی۔ جب ونود ایک سورما کی طرح سفارتی چھتری کے سائے میں پاکستان پہنچا تو جلال نے بہت بے رحمی سے اس کا کام تمام کر کے ونود سے اپنے ساتھی کی وحشیانہ موت کا بدلہ چکا دیا۔

جلال کلفٹن کے علاقے میں ان دونوں ایجنٹوں کا سراغ لگانے کے لیے وہی حکمت عملی اختیار کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ میں اس مشن میں شامل رہوں کیونکہ میں ان دونوں میں سے ایک کو پہلی نظر میں پہچان سکتا تھا۔

مشن میں شمولیت کے لیے ضروری تھا کہ مجھے پورے طریقہ کار کا علم ہو۔ جلال نے کسی تمہید کے بغیر وہ خلاصہ مجھے سنا دیا تھا۔

اصولی اتفاق ہو جانے کے بعد جلال نے وہیں سے اپنے کسی آدمی کو فون کر کے بتایا کہ را کے دو ایجنٹوں کے بارے میں کچھ سراغ ملے تھے جن کی روشنی میں اسکینگ وہیکلز کے ساتھ فوری طور پر کام شروع کرنا تھا۔

اس کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ آئی بی والے پہلے سے ان دونوں کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔

چند منٹ کی گفتگو کے بعد اس نے بتایا کہ آپریشن کے آغاز کے لیے آٹھ بجے کا وقت طے ہوا تھا۔ وہ گاڑیاں آئی بی کی ملکیت نہیں تھیں۔ آرمی گیریزن سے ان کے بندوبست کے لیے کچھ وقت درکار تھا اس لیے آپریشن آٹھ بجے سے پہلے شروع نہیں ہو سکتا تھا۔

جلال کے لیے کسی اسکینگ وہیکل میں ہمارے گھر آنا ممکن نہیں تھا۔ طے یہ ہوا کہ میں پونے آٹھ بجے سر جہانگیر کوٹھاری پریڈ کے سامنے پہنچ جاؤں۔

''اس آپریشن میں تمہارا کوڈ ایم ٹو ہوگا۔ میں ایم ون رہوں گا۔'' اس نے اٹھنے سے پہلے مجھے بتایا ''ہم دونوں کے علاوہ مزید تین آدمی شریک ہوں گے۔ پانچوں کا اپریٹس پر ایک دوسرے سے رابطہ ہو سکے گا۔ تمہارا اپریٹس میں ابھی گاڑی میں سے دے دوں گا۔''

اس کے پاس وقت کم تھا۔ وہ فرصت کے ساتھ وقت گزارنے کے ارادے سے ہماری طرف آیا تھا۔ سوبھراج سے ملنے والے سراغ کی روشنی میں جلد از جلد کام کا آغاز کرنا ضروری ہو گیا تھا جس کی تیاری کے لیے وقت درکار تھا۔ میری بریفنگ مکمل کرتے ہی وہ اٹھ گیا۔

اس نے گھر میں آ کر نئی گاڑی کا کوئی ذکر نہ کیا۔ میں نے بھی اسے کچھ بتانا مناسب نہ سمجھا۔ اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر اس نے پچھلے پائیدان میں پڑے ہوئے ایک سیاہ بریف کیس میں سے سگریٹ کے پیکٹ کے برابر ایک اپریٹس نکال کر میرے حوالے کیا، اختصار سے اس کے استعمال کا طریقہ بتایا اور واپس چلا گیا۔

میں اسے رخصت کر کے اندر پہنچا تو ویرا نے چھوٹتے ہی

سوال کیا ''اس نے ہماری گاڑی کے بارے میں کچھ کہا یا خاموشی سے چلا گیا۔''

''اس نے اس طرف دھیان نہیں دیا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''وہ آئی بی کا افسر ہے۔ نئی گاڑی دیکھتے ہی اسے چوکنا ہو جانا چاہیے تھا کہ ہمارے گھر کون آیا ہوا ہے۔ وہ ذکر کرتا تو بات صاف ہو جاتی۔''

''وہ یہاں افسر نہیں، دوست بن کر آتا ہے۔ دوست اتنی باریکیوں میں نہیں جاتے۔'' ویرا کو وہ منہ توڑ جواب دے کر میں سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا ''یہاں سے ہم دونوں الگ الگ گاڑیوں میں سات بجے روانہ ہوں گے۔ میں راستے میں اول خان کی گاڑی اس کے گھر پر چھوڑ دوں گا۔ وہاں سے تم مجھے اپنے ساتھ لو گے اور کلفٹن چھوڑ کر لوٹ آؤ گے۔''

''تم نے میرے بارے میں جلال سے بات نہیں کی۔'' سلطان شاہ نے موقع ملتے ہی شکایت کی ''میں نے بھی تو حسن کو دیکھا ہوا ہے۔ مجھے اس مشن میں شامل ہونا چاہیے تھا۔''

''میں نے تمہارے منہ میں لگام نہیں ڈالی ہوئی تھی۔ اپنی بات تم کو خود کرنی چاہیے تھی۔''

''میں اس ڈر سے خاموش رہا کہ کہیں تم دخل در معقولات پر ناراض نہ ہو جاؤ۔''

''بس تو اب بھی اسی ڈر سے خاموش رہو۔ تم نے سنا نہیں کہ پورے آپریشن میں کل پانچ افراد شریک ہوں گے۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

''پانچ کے بھی کل تین ہی سمجھو!'' ویرا نے میری حمایت میں کہا ''اسکینگ کے آلات والی گاڑیاں اگر آرمی گیریزن کی ہیں تو ڈرائیور بھی ان کے ہوں گے۔ اسپیشل گاڑیاں چلانے والے صرف ڈرائیور نہیں پورے آپریٹر ہوتے ہیں۔ سارے کل پرزوں کی کارکردگی ان کی صوابدید پر منحصر ہوتی ہے۔ کوئی نیا آدمی ایسی گاڑی نہیں سنبھال سکتا۔''

''تم ہر بات میں اپنی ٹانگ اڑاتی ہو اور عاقلہ فاضلہ بننے کی کوشش کرتی ہو۔'' سلطان شاہ نے ترشی سے کہا ''تم نے ایسی گاڑی کہاں دیکھ لی؟''

''ایسی گاڑی نہیں دیکھی لیکن اس جیسی دسیوں گاڑیوں میں سفر کر چکی ہوں۔ منشیات کے بڑے تاجروں کی گاڑیوں میں ریڈار لگے ہوتے ہیں۔ جوار دگرد کے علاقے پر نظر رکھتے ہیں۔ جہاں خطرہ نظر آتا ہے، وہ گاڑیاں چھوڑ کر پیدل فرار ہو جاتے ہیں۔''

''کس سیارے کی بات کر رہی ہو؟'' سلطان شاہ نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

''کولمبیا کے دارالحکومت بوگوٹا اور اس کے مضافات میں ایسی کئی گاڑیاں ہیں۔''

''اور حکومت انہیں کچھ نہیں کہتی!'' غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

''وہاں لاقانونیت کا دور دورہ ہے۔ ذاتی تحفظ کے نام پر حکومت لوگوں کو بہت سی رعایتیں دینے پر مجبور ہے۔ ان رعایتوں سے عام آدمی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ موت کے سوداگر اور زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔''

''حکومت ان کو کیوں نہیں پکڑتی؟'' غزالہ کے لیے وہ باتیں حیران کن تھیں۔

''ان کے خلاف کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ گواہ۔ رفتہ رفتہ وہ اتنے طاقت ور ہو گئے ہیں کہ ان پر ہاتھ ڈالنا ناممکن ہو گیا ہے۔ کئی بار وہ حکومت سے ٹکرا چکے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ اپنی بات منوائی ہے کیونکہ وہاں ان کے سوبھراج جیسے گرگے گھسے ہوئے ہیں۔ جو ان کے خلاف زبان کھولنے کی جسارت کرتا ہے، سرعام مار دیا جاتا ہے۔''

''ایسے معاملات میں بار بار کولمبیا کا نام کیوں آتا ہے؟'' اس بار میں نے ویرا سے سوال کیا تھا۔

''وہاں حکومت برائے نام ہے۔ پس پردہ ڈرگ مافیا راج کرتی ہے۔ امن و امان کے لحاظ سے وہ دنیا کا بدترین ملک ہے جہاں سرِشام سڑکیں ویران ہو جاتی ہیں اور ہر طرف بدمعاشوں کا راج ہوتا ہے۔''

''سیاست میں گندے لوگ پیسے کے زور پر گھسنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ملک کو اسی انجام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔'' میں نے افسردگی سے کہا ''میری آرزو ہے کہ سوبھراج ہماری سیاست کی اکلوتی کالی بھیڑ ثابت ہو۔ اسے ہم نے مفلوج کر دیا ہے۔''

''نہیں ڈیئی صاحب!'' ویرا طنز سے بولی ''اس کی بدقسمتی ہے کہ وہ کھل کر تمہارے سامنے آ گیا۔ ذرا اخبار غور سے پڑھا کرو۔ اخبار بڑے ناموں سے ڈرتے ہیں۔ ان کی بڑی بڑی خبریں بھی گھٹا کر چھاپی جاتی ہیں۔ ان چھوٹی خبروں میں تمہیں ایسے چہرے نظر آئیں گے کہ تمہاری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ یہاں سیاسی کرپشن تیزی سے بڑھ رہا ہے۔''

''تمہاری دانست میں اس کے کیا اسباب ہیں؟'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کمزور حکومتیں!'' ویرا نے بے ساختہ اور دو ٹوک جواب دیا ''وہ احتساب کو بلیک میلنگ کا ذریعہ بناتی ہیں اور ملزموں کے کیس داخل دفتر کر کے انہیں اپنے ساتھ ملا لیتی ہیں۔ جانے والوں کے ملزم آنے والوں کے منظور نظر بن جاتے ہیں اور یہی سب سے بڑا بگاڑ ہے۔''

وہ ہم میں سے نہیں تھی۔ سات سمندر پار سے دنیا جہان کے دھکے کھاتی ہوئی آئی اور پھر یہیں کی ہو کر رہ گئی۔ اس نے تھوڑے سے عرصے میں اپنے مطالعے اور مشاہدے سے ایک ایسا ٹھوس نتیجہ اخذ کر لیا تھا جو نصف صدی گزر جانے کے باوجود ہماری نظروں سے اوجھل تھا۔

ایک غلط آدمی اوپر آ جاتا ہے تو پھر وہ بھی اپنوں کو نوازنا شروع کر دیتا ہے اور یوں آوے کا آوا بگڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ اوپر والا کسی انقلاب یا احتساب کی نذر ہو جاتا ہے تب بھی اس کے لائے ہوئے، نیچے والے لوگ اپنی جگہوں پر جمے رہتے ہیں اور موذی تابکار شعاعوں کی طرح اندر ہی اندر سسٹم کو تباہی کی طرف دھکیلتے رہتے ہیں۔

ویرا نے یہ بات کھل کر نہیں کہی تھی مگر بین السطور میں اس کا یہی مقصد تھا کہ کسی پر ایک مرتبہ کوئی الزام لگ جائے تو پھر اسے لازمی طور پر عدالتی عمل کی چھلنی سے گزارنا چاہیے۔ وہ مجرم ثابت ہو تو سزا کے ساتھ نااہل بھی قرار دے دیا جائے، بے گناہ ہو تو عدالتی فیصلے کی سرخروئی کے ساتھ دوبارہ قومی دھارے میں شامل ہو جائے۔

''آپ دونوں نے حکومت اور سیاست پر کیا باتیں شروع کر دیں۔'' غزالہ نے اکتائے ہوئے انداز میں مجھ سے کہا ''یہ کبھی آپ کی دلچسپی کے شعبے نہیں رہے۔ اب اچانک ادھر کا خیال کیوں آ گیا؟''

''مجھے ان باتوں سے اب بھی دلچسپی نہیں ہے۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا ''بات کولمبیا سے شروع ہوئی اور سوبھراج سے ہوتی ہوئی سیاست کی طرف آ گئی۔ یہ مجبوری ہے کیونکہ سوبھراج چند روز پہلے تک ایک معتبر سیاست داں شمار کیا جاتا تھا۔''

''سیاست کو بھول جائیں اور اپنے کام سے کام رکھیں!'' غزالہ نے مجھے مشورہ دیا۔

''ہم جو کچھ کرتے ہیں ذاتی مفاد کے لیے نہیں کرتے۔ اس کا فائدہ حکومت کو ہوتا ہے۔ کئی حکومتیں آئیں اور چلی گئیں، ہم نے کبھی نہیں سوچا کہ کس کی حکومت ہے اور ہماری محنت کا فائدہ کس کو حاصل ہوگا۔''

''یہ آپ کی سوچ ہو سکتی ہے میری نہیں!'' اس نے خوش دلی کے ساتھ اختلاف رائے کیا۔ ''ہم کسی حکومت کے لیے کچھ نہیں کرتے۔ ہمارا ہر فعل اب ملک اور قوم کے مفاد کے لیے ہوتا ہے۔''

''تم خلوص سے یہ بات کہہ رہی ہو تمہارے سیاست داں بھی یہی کہتے ہیں۔ وہ ملک و قوم کے مفاد کے لیے گھلے مرے جا رہے ہیں۔'' ویرا بولی ''کل تک سوبھراج بھی یہی دعویٰ کرتا تھا۔ آج اس کا چہرہ تمہارے سامنے ہے۔''

''لعنت بھیجو ان باتوں پر!'' آخر کار سلطان شاہ بھی بول پڑا۔ ''یہ بتاؤ کہ نئے آپریشن کے لیے تم کیا تیاری کر رہے ہو۔''

''مجھے صرف وقت پر وہاں پہنچنا ہے۔ تیاری کرنا جلال کا کام ہے۔'' میں نے بے فکری سے کہا۔

اچانک میرے فون پر کال آ گئی۔ میں نے موبائل فون کا بٹن دبانے کے بعد ہیلو کہا تو دوسری طرف سے ایک بھرائی ہوئی، شکستہ اور اجنبی آواز آئی۔ ''کرنل! تم کہاں ہو؟''

''تم کون ہو؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا ''میں تم کو نہیں پہچان سکا۔''

''میں گیری بول رہا ہوں، گیری ہارٹ!'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''تمہاری آواز کو کیا ہوا؟'' میں نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا۔

''گڑبڑ ہو گئی۔ آج دو لٹیرے ٹکرا گئے تھے، ان سے مقابلے میں میرے جبڑوں پر کچھ چوٹیں آئی ہیں جن کی وجہ سے بولنے میں ذرا سی دقت ہو رہی ہے۔''

''اوہ! یہ افسوسناک خبر ہے، تم لٹیروں میں کہاں پھنس گئے؟''

''یہ شہر رہنے کے قابل نہیں ہے یہاں کی پولیس نکمی ہے، غنڈے اور بدمعاش شہر میں من مانی کرتے پھرتے ہیں، امن و امان بالکل تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔''

اس سازشی سفارت کار نے ایک سانس میں شہر کی کئی خرابیاں گنوا دیں۔ میرا دل چاہا کہ اس سے پوچھوں کہ جب اس نے جنرل وقار کی گاڑی پر راکٹ چلوایا تھا تو اسے شہر سے ایسی شکایات کیوں نہیں ہوئیں۔

اس کے آدمی غنڈا گردی کرتے پھر رہے تھے تو سب ٹھیک ٹھاک تھا، اس کی مرمت ہوئی تو اسے شہر کا پورا انتظامی ڈھانچا ناکارہ نظر آنے لگا۔

''پوری بات بتاؤ، یہ خبر سن کر تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔''

''فائر کر کے میرے گاڑی کا ٹائر پھاڑ دیا تھا' گاڑی الٹ گئی اور دو درہ زنوں نے مجھے گھیر لیا۔ وہ میرا پرس چھین کر بھاگ گئے۔''

''بات سمجھ میں نہیں آتی' صرف پرس چھیننے کے لیے کوئی اتنی بڑی کارروائی نہیں کرتا۔ گولی سے کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا؟'' میں نے پرتشویش آواز میں پوچھا۔

''گولی سے ٹائر پھٹا تھا' گاڑی الٹنے سے میرے ڈرائیور کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا۔ یہ قصہ میری بھی سمجھ میں نہیں آرہا۔ پاکستان میں جہالت عام ہے زیادہ لوگ انگریزی نہیں بول سکتے مگر ان میں سے ایک اچھی خاصی انگریزی بول رہا تھا۔''

اس کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹے چند ہی گھنٹے گزرے تھے' مجھے حیرت تھی کہ باتیں کرتے ہوئے وہ ایک مرتبہ بھی نہیں کراہا تھا پھر اس کا سبب میرے ذہن میں آگیا۔ اسے یقینی طور پر طاقت ور دردکش دوا کا انجکشن دیا گیا تھا جس کے زیر اثر وہ اپنی تکلیف کو بھولا ہوا تھا۔

''تم نے جنرل کی گاڑی پر وار کر کے ایک خطرناک دشمن کو للکارا ہے۔'' میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے خیالی آرائی شروع کر دی۔'' ابھی تک جنرل سے میری ملاقات نہیں ہوئی مگر میں نے سنا ہے کہ تباہ ہونے والی گاڑیوں کے ملبے سے کچھ ایسے سراغ ملے ہیں جن سے نشان دہی ہو رہی ہے کہ حملے میں امریکی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ جواب جنرل کی طرف سے آیا ہو۔ زک اٹھا کر خاموش رہنا ایس ٹی ایف کی سرشت میں شامل نہیں ہے۔''

''ان بدمعاشوں نے بھاگنے سے پہلے مجھے بے ہوش کر دیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے مجھے ہوش آیا ہے یہ میرا پہلا فون ہے نمبر ملانے تک میں خود بھی سوچتا ہوں۔ یہ ایس ٹی ایف کا کام نہیں ہوسکتا میں فرنچ پیچ گیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر یہ واقعہ رونما ہوگیا۔ جاتے اور آتے ہوئے میں بہت محتاط تھا۔ کسی نے ہمارا پیچھا نہیں کیا۔ میرا پروگرام اچانک بنا تھا۔ جنرل کو کیسے علم ہوسکتا تھا کہ میں اس وقت وہاں سے گزروں گا۔''

''تمہاری دلیل قابل غور ہے۔'' میں نے اعتراف کیا'' اگر یہ لوٹ مار کی واردات نہیں ہے تو یہ کام کسی ایسے آدمی کا ہے جسے تمہارے پروگرام کا پوری طرح علم تھا۔''

اس کے ذہن کو جنرل وقار کی طرف بھٹکانے میں ناکامی کے بعد میں نے نام لیے بغیر اسے سوبھراج کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

''بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔'' اس کی آواز اتنی بگڑی ہوئی تھی کہ اس کے لب و لہجے سے اس کی صحیح ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ اس کی بات جاری رہی۔'' میرے مخالفوں میں صرف ایک شخص ایسا ہے جسے میرے پروگرام کا علم تھا لیکن اس وقت وہ خود بہت بری طرح خوف زدہ ہے۔ چوہے کی طرح کسی نامعلوم بل میں گھسا ہوا ہے۔ اس کے پاس ایسی کارروائی کرنے کے وسائل دستیاب نہیں ہیں۔''

''تم سوبھراج کا ذکر تو نہیں کر رہے!'' میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

''میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔ اس سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایسی حرکت کرسکتا ہے۔''

''تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس نے ان ہی حالات میں نک کو مروایا تھا۔''

''یہ اس کی شیخی ہے' اب وہ چیونٹی کو بھی مروانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ اسے ڈینی نے مروایا اور سوبھراج نے وہ سہرا اپنے سر سجا لیا۔ تھوڑی دیر کے لیے میں تمہاری بات مان بھی لوں تو اس کے بھیجے ہوئے آدمیوں کو مجھے ہلاک کر دینا چاہیے تھا۔ وہ آسانی سے مجھے قتل کر سکتے تھے' انہوں نے مجھے مار پیٹ کر کیوں چھوڑ دیا؟''

میں فوری طور پر اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اس کی باتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے مجھے فون کرنے سے پہلے اس مسئلے پر خاصا سر کھپایا تھا۔ یہ بات حیران کن تھی کہ بری طرح مجروح ہونے کے باوجود اتنے زیادہ ذہنی ارتکاز کے قابل تھا۔

''تمہاری باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔'' چند ثانیوں بعد میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا'' یہ ڈکیتی کی واردات نہیں ہے' جنرل کا جوابی وار نہیں ہے' سوبھراج کی حرکت نہیں ہے تو پھر آخر کیا ہے کسی نہ کسی نے تمہیں گھیرا تھا۔ وہ تمہارے دشمنوں میں سے نہیں تھا تو کیا تمہارے کسی ساتھی نے تم کو نیچا دکھانے کے لیے یہ حرکت کی ہے۔''

''یہ کسی ایجنسی کی حرکت بھی ہوسکتی ہے' چند سال پہلے فرانس کے ایک سینئر سفارتی افسر کے ساتھ بالکل ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی خیر خبر لینے کے لیے کچھ حساس آلات سمیت کہوٹہ کے ممنوعہ علاقے میں جا نکلا تھا۔ وہاں اسے سادہ کپڑوں میں ملبوس کچھ لوگوں نے گھیر لیا۔ بری طرح مار مار کر لہولہان کر دیا۔ سارے آلات توڑ دیے یا چھین لیے پھر وہ غائب ہوگئے۔ اس کی حکومت نے احتجاج کیا تو پاکستان نے پہلا سوال یہ کیا کہ وہ اس ممنوعہ علاقے میں بلا اجازت کیا کرتا پھر رہا تھا۔ ان لوگوں کو جواب دینا مشکل

ہوگیا۔ لینے کے دینے پڑ گئے اور وہ معاملہ سرد خانے کی نذر ہوگیا۔''

''کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ یہاں کے ایٹمی بجلی گھر کے محافظوں نے تمہیں اس حال کو پہنچایا ہے؟'' میں نے تیزی سے سوال کیا۔

''فی الحال میں کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔'' اس بار اس کی بگڑی ہوئی آواز واضح طور پر الجھی ہوئی تھی۔'' میں اپنے ذہن میں آنے والی ہر بات تمہیں بتا رہا ہوں۔ شاید تم کسی نتیجے تک پہنچنے میں میری مدد کرسکو۔''

''میرے اور تمہارے درمیان کوئی رفاقت نہیں ہے۔ میں تمہاری خفیہ سرگرمیوں سے یکسر لاعلم ہوں۔ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے اپنی مجبوری ظاہر کی ''سب سے پہلے تو یہی بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ دونوں تمہیں آزادی سے مار پیٹ کر نکلنے میں کیسے کامیاب ہوگئے۔ تم ایک پیشہ ور آدمی ہو۔ تم نے یہاں کئی محاذ کھولے ہوئے ہیں تم اپنے ٹھکانے سے خالی ہاتھ نہیں نکلتے ہوگے۔ کیا تمہارے ہتھیار بھی انہیں گرانے میں کامیاب نہیں ہوسکے؟''

''برا وقت بتا کر نہیں آتا۔ آتا ہے تو سب کچھ الٹا ہوتا چلا جاتا ہے' میرے پاس اعشاریہ تین آٹھ کا اسمتھ اینڈ براؤن تھا۔ انہوں نے بے آواز رائفل سے میرے ہاتھ پر گولی چلا کر مجھے نہتا کردیا اور مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ وہ دونوں دیوہیکل تھے۔ میں نے ہاتھ زخمی ہونے کے باوجود جم کر ان کا مقابلہ کیا۔ میرے ہاتھوں سے مار کھا کر ان کے چہرے بگڑ گئے تھے لیکن وہ دو تھے میں کہاں تک ان کا مقابلہ کرتا۔ انہوں نے آخر کار مجھے زیر کرلیا۔''

اس نے میرے اوپر اپنا بھرم رکھنے کے لیے بیچ میں جھوٹ کی خاصی آمیزش کی تھی۔ اس کی بتائی ہوئی تفصیل سن کر مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ ہم نے اپنے منصوبے کے مطابق اسے بہت برے حال کو پہنچا دیا تھا۔

''فی الحال تم آرام کرو۔'' میں نے اسے مشورہ دیا ''میں دماغ لڑاتا ہوں کوئی بات ذہن میں آئے گی تو فون پر تم سے رابطہ کروں گا۔''

''میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔'' اس کی آواز سے اضطراب جھلکنے لگا۔ ''ان مردودوں نے رائفل مار کر میری پنڈلی توڑ ڈالی۔ دو پسلیوں میں بھی اسٹریس فریکچر کا شبہ کیا جارہا تھا' میرے علاج کے لیے میرے ساتھی چند گھنٹوں بعد مجھے اومان بھیج رہے ہیں۔ میں نے اسی وجہ سے اس وقت تمہیں فون کیا ہے ورنہ میرے ڈاکٹرز نے مجھے بولنے سے منع کیا ہوا

جواب

اسکول میں جمی نے کمال سے پوچھا ''فرض کرو۔ ایک بہت بڑا دریا ہے۔ دریا کے کنارے پر ہری ہری گھاس کا ایک گٹھا پڑا ہے۔ دوسرے کنارے پر ایک گدھا کھڑا ہے۔ دریا بہت گہرا ہے۔ گدھا تیر کر دوسری طرف نہیں جاسکتا۔ وہاں کوئی کشتی وغیرہ بھی نہیں ہے۔ بتاؤ گدھا گھاس تک کیسے پہنچے گا؟''

کمال نے کافی دیر تک سوچا اور آخر کار کہا ''میں نے ہار مان لی۔''

''گدھے نے بھی یہی کہا تھا۔'' جمی اطمینان سے بولا۔

ہے۔ جبڑوں کے ورم کی وجہ سے مجھے بولنے میں دقت ہو رہی ہے۔''

میرے لیے وہ خبر سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ وہ بہت پرغرور انداز میں میدان میں اترا تھا اور ایک قلیل سی مدت میں ذلیل و خوار ہو کر واپس جا رہا تھا۔ وہ اس قابل بھی نہیں رہا تھا کہ اپنے قدموں پر چل کر جا سکے۔

یہ قدرت کی ستم ظریفی تھی کہ وہ اپنی روداد الم اسی شخص کی سنا رہا تھا جس کے ہاتھوں وہ اپنے انجام کو پہنچا تھا۔ نک کی موت کے بعد زخمی حالت میں گیری کی واپسی ایف بی آئی کے دوسرے اہل کاروں کے لیے یقینی طور پر ایک خوفناک پیغام کی حیثیت رکھتی تھی۔

مجھے امید تھی کہ ان واقعات کے بعد ایف بی آئی والوں کے لیے پاکستان ایک ڈراؤنے خواب کی حیثیت اختیار کرلے گا اور کوئی بھی افسر رضا کارانہ طور پر ہمارے شہر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔

''یہ اچھی خبر نہیں ہے۔'' میں نے اپنے مسرت آمیز جذبات پر قابو رکھتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔ ''تم جا رہے ہو تو تمہارا جانشین کون ہوگا۔''

''اس وقت ایمرجنسی ہے۔ ابھی اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ فی الحال ٹام تم سے رابطہ رکھے گا۔ مجھے امید ہے کہ تم اس سے بھی تعاون کرتے رہو گے۔ تمہاری ذات سے ہم لوگوں نے بہت امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں۔ میں نے اپنے اوپر جبر کر کے تمہیں فون کیا ہے۔ میں یہاں سے جانے سے پہلے اس واقعے کے بارے میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔''

"تم نے میرے پیش کیے ہوئے ہرامکان کورد کردیا ہے اور اس کے لیے تمہارے پاس معقول دلائل بھی ہیں۔ ایسی صورت میں، میں اسے لوٹ مار کی ایک واردات سمجھنے پر مجبور ہوں۔ یہ اتفاق ہے کہ تم اس کا نشانہ بن گئے۔"

"یہ کیسی لوٹ مار تھی کہ وہ صرف میرا پرس لے کر بھاگ گئے۔" وہ پریشان تھا۔ "مجھے بے ہوش کرنے کے بعد وہ آرام سے میری جیبیں خالی کر سکتے تھے۔ میری رسٹ واچ بہت بیش قیمت ہے میری انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی تھی۔ جیب میں سونے کا سگریٹ کیس پڑا ہوا تھا۔ وہ کیسے لٹیرے تھے کہ انہوں نے گولی چلا کر مجھے زبردستی روکا اور صرف پرس پر قناعت کر کے بھاگ گئے، انہوں نے کسی اور چیز پر دھیان ہی نہیں دیا!"

"تم نے بتایا ہے کہ ان میں سے ایک لٹیرا اچھی خاصی انگریزی بول رہا تھا۔" اس کے تحفظات سے پوری طرح واقف ہونے کے بعد میں نے کہنا شروع کیا "تم کو معلوم ہوگا کہ پاکستان میں بے روزگاری کی شرح بہت اونچی ہے۔ لڑکے دن رات محنت کر کے ڈگریاں حاصل کرتے ہیں، ماں باپ اپنا پیٹ کاٹ کر بہتر مستقبل کی امید میں اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلواتے ہیں لیکن جب وہ عملی دنیا میں قدم رکھتے ہیں تو ان کے سارے خواب چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ ڈگریاں انہیں روزگار نہیں دلاتیں۔ ان کا منہ چڑانے لگتی ہیں، ان میں سے کچھ نوجوان معاشرے سے بغاوت کر کے غلط راستوں پر نکل جاتے ہیں۔ اپنے گھروں کے چولہے روشن رکھنے کے لیے وہ دوسروں کی کمائی پر شب خون مارنے لگتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تم ایسے اناڑی لٹیروں کے ہتھے چڑھ گئے ہو۔ انہوں نے پوری واردات کامیابی سے مکمل کر لی لیکن تمہیں بے ہوش کرتے ہی ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں مردہ سمجھے ہوں اور گھبرا کر بھاگ گئے ہوں۔"

"تمہاری یہ بات دل کو لگتی ہے۔ ویسے وہ نوعمر لڑکے نہیں تھے لیکن عمر رسیدہ بھی نہیں تھے۔ دونوں درمیانی عمروں کے لگتے تھے۔ یہاں میں دیکھا ہے کہ تعلیم مکمل کرنے والوں کی اوسط عمریں کچھ زیادہ ہوتی ہیں، وہ نوعمر آموز لٹیرے ہی رہے ہوں گے۔"

"تم اومان سے کب تک واپس لوٹ آؤ گے؟" میں نے اس کے زخم کو کریدا۔

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اس کی مایوسانہ آواز آئی۔ "چلتی ہوئی مشین سے ایک بار کوئی پرزہ نکل جاتا ہے کہ کچھ پتا نہیں ہوتا کہ اسے دوبارہ کہاں استعمال کیا جائے

گا۔ صحت یابی کے بعد کوئی فیصلہ ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ
کہیں اور بھیج دیا جائے۔"

"میں تمہاری صحت یابی کے لیے دعا گو رہوں گا۔"
نے اوپری دل سے کہا۔

"مجھے دکھ ہے کہ میں یہاں اپنا مشن ادھورا چھوڑ کر ج
ہوں۔ سوبھراج ہمارا مسئلہ ہے۔ اس نے غداری کی
اسے ہم خود سزا دیں گے لیکن ڈینی کو پکڑنے کے لیے میں
انحصار کر رہا تھا۔ وہ ہاتھ آجائے تو ویرا بھی زیادہ دنوں
آزاد نہیں رہ سکے گی۔ مجھے امید ہے کہ میری جگہ کسی اور
آنے تک تم ٹام سے پورا تعاون کرو گے۔ تم یقین کرو کہ
دن یہ معرکہ سر ہو گیا تم عزت اور دولت سے مالا مال ہو
گے۔"

"میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ہوں۔ تم کو زیادہ بو
کی ضرورت نہیں ہے، تمہارے جبڑوں کا ورم خراب ہو جا
گا۔ مجھے دکھ ہے کہ میرے ملک سے تم اتنی خراب حالت
جا رہے ہو۔ پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہے۔ پسلیاں مجر
ہیں، جبڑے سوجے ہوئے ہیں اور ہاتھ پر گولی کا زخم ہے۔
مہمان نواز لوگ ہیں آنے والوں کو پوری عزت د
ہیں....."

"بس!" اس نے تلملائی ہوئی آواز میں میری با
کاٹ دی۔ "اب اتنے نوحے نہ پڑھو کہ مجھے اپنے مقدر
خرابی پر سوگ منانا پڑ جائے۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہمیں آ
کے لیے تیاری کرنے کی ضرورت ہے۔"

میں گفتگو ختم کر کے ان تینوں کی طرف متوجہ ہوا تو
کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔

"خس کم جہاں پاک!" ویرا امریکی انداز میں ا
داہنے ہاتھ کا انگوٹھا فضا میں بلند کر کے بولی۔ "وہ چل کر آیا
اور اب اسٹریچر پر لے جایا جائے گا۔ ان لوگوں کی اس
بہتر مہمان نوازی کیا ہو سکتی تھی!"

"وہ تابوت میں جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔" سلطان
نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا "لیکن یہ انجام بھی برا نہیں ہے ا
کئی دنوں تک برے برے خواب آتے رہیں گے۔"

عارضی طور پر ہمارا ایک حریف کم ہو چکا تھا لیکن اس
جگہ لینے کے لیے را کے دو ایجنٹ پہلے سے کراچی میں دا
ہو چکے تھے اور اگلا معرکہ ان سے ہونے والا تھا!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف، جاری اس جنگ ک
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ویرا نا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اس کے بعد سوبھراج نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈینی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروادی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈینی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈینی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہو گا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہو گی۔ میں نے سیلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈینی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈینی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن و امان کے مسائل بھی کھڑے کرنے جا رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہو گا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی

ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈینی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسرپیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہو گا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سود مند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں اسے اسٹیشن فور لے جانا چاہتا تھا مگر وہاں سے بتایا گیا کہ ایس ٹی ایف کی تمام سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں۔ ناچار میں نے صدف مینشن کا رخ کیا جہاں آئی بی کے اہلکاروں کے ساتھ سنیل سے گفتگو کی گئی۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ ان کے علاوہ سوبھراج نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں گیری ہارٹ کو شکار کر سکوں تو وہ مجھے پانچ لاکھ روپے کا انعام دے گا۔ اس کے مطابق وہ فرنچ بیچ پر اس سے ملنے آ رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ وہاں گیری ہارٹ کو سبق سکھایا جا سکتا ہے۔ اس مہم پر میں اور سلطان شاہ گئے اور جب وہ فرنچ بیچ سے واپس لوٹ رہا تھا ہم نے اس کی خاصی مرمت کر ڈالی۔ اس معرکے میں اس کا ڈرائیور کام آ گیا اور خود گیری ہارٹ شدید زخمی ہوا۔ بعد میں اس نے مجھے بتایا کہ وہ پاکستان سے رخصت ہو رہا تھا اور اسے افسوس تھا کہ وہ اس مشن پر یہاں آیا تھا وہ مکمل نہیں ہو سکا۔ یہ خوشی کی بات تھی مگر اس کے ساتھ ہمیں علم تھا کہ را کے دو ایجنٹ ہمارے شہر میں موجود تھے اور ان سے بہت جلد ہمارا ٹکراؤ ہونے والا تھا۔

اب آپ قسط نمبر 236 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

"ابھی تک یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ کراچی میں دو بلیک کیٹس کی بدترین ناکامی کے بعد راوالوں نے اپنے دو ایجنٹ یہاں کیوں بھیجے ہیں۔" کچھ دیر کے سکوت کے بعد سلطان شاہ نے پرخیال آواز میں کہا۔

"تم کسی نکمے سرکاری افسر کے انداز میں سوچتے رہو گے تو کبھی کسی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکو گے۔ وہ دونوں اپنا کام کر گزریں گے" ویرا بولی۔

"تم مجھے نکمے سرکاری افسر کا طعنہ کیوں دے رہی ہو؟" سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"تم اخباروں میں آئے دن پڑھتے رہتے ہو گے کہ قتل جیسی سنگین واردات کے بعد پولیس افسر تھانے کی حدود کے بارے میں ٹال مٹول کرتے رہتے ہیں۔ حدود کے بارے میں لڑتے ہوئے وہ قتل کی واردات کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ ایک تھانہ کہتا ہے کہ مقتول کا دھڑ سڑک پر پایا گیا تھا اس لیے واردات اس کی حد سے باہر ہوئی ہے۔ دوسرا تھانہ کہتا ہے مقتول کی ٹانگیں سڑک سے نیچے تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے قتل کے وقت وہ دوسرے تھانے کی حد میں پیدل چل رہا تھا۔ قتل کی تفتیش دوسرے تھانے والوں کی ذمے داری ہے۔ کوئی اس حقیقت کا ادراک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا کہ وہ واردات فوری کارروائی کی متقاضی ہے تاکہ ضابطے کی تکمیل کے بعد مقتول کے ورثا لاش کی تدفین کر سکیں۔"

"یہ آئے دن ہوتا رہتا ہے" سلطان شاہ نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر اعتراف کیا۔ "لیکن ایسے واقعات کا میری سوچ سے کیا تعلق ہے؟"

"سرکاری افسر ہی راوالوں کے مقصد کے بارے میں سوچ سکتا ہے" ویرا بولی "اس بے چارے کو یہ تعین کرنا ہوتا ہے کہ وہ مقاصد اس کے دائرۂ کار میں آتے ہیں یا ان لوگوں سے نمٹنا کسی اور محکمے کی ذمے داری ہے۔ اس کی ساری سوچ بچار ذمے داری سے بچنے کے لیے ہوتی ہے۔ کسی حرام خور اہل کار کے سر پر بھاری ذمے داری آ جائے تو اسے نانی یاد آ جاتی ہے۔"

"سلطان شاہ نے کبھی کسی ذمے داری سے بچنے کی کوشش نہیں کی" غزالہ نے اس کی طرف داری کرتے ہوئے کہا۔

"پھر راوالوں کے بارے میں کچھ سوچنا بے کار ہے" ویرا بے پروائی سے بولی "وہ دس جنم لینے بعد بھی تمہارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ ان کے رہنماؤں نے یہ بات ان کے دل و دماغ میں بٹھا دی ہے کہ ان کے ملک کے ٹکڑے کر کے پاکستان بنایا گیا تھا۔ اس پر راج کرنا ہندوؤں کا پیدائشی حق ہے۔ تمہارے لیے ان کی سوچ اچھی نہیں ہو سکتی۔ وہ جب بھی یہاں آتے ہیں، بری نیت اور ارادے سے آتے ہیں۔ ان کے بارے میں کچھ سوچنا سمجھنا بے کار ہے۔ وہ یہاں آئے ہیں۔ تم کو بے دھڑک پیش قدمی کر کے ان کا سر کچل دینا چاہیے۔"

''اس سمت میں کوششیں ہو رہی ہیں'' اس وقت سلطان شاہ اور ویرا کے درمیان مفاہمانہ انداز میں مذاکرات چل رہے تھے اس لیے میں نے دخل اندازی کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا ''انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے بعد بھی ہم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ یہاں کس مشن پر آئے ہیں۔''

''ویری گڈ! تمہاری اس بات سے مجھے پورا اتفاق ہے۔''

''اور مجھے خوشی ہے کہ ایک طویل عرصے کی باہمی محاذ آرائی کے بعد آج تم دونوں دوستانہ انداز میں باتیں کر رہے ہو'' غزالہ نے میرے دل کی بات کو الفاظ کا جامہ پہنایا۔

''یہی مجھ سے لڑتا رہتا ہے۔ میں اس کی ہر درست بات کو تسلیم کر لیتی ہوں'' ویرا بولی۔

''بلاوجہ مجھے الزام نہ دو!'' سلطان شاہ کی آواز یکایک تیز ہو گئی ''ہمیشہ پہل تمہاری طرف سے ہوتی ہے۔ ہر وقت کسی نہ کسی سے بھڑ جانے پر تلی رہتی ہو۔''

''کیا میرا دماغ خراب ہے جو میں بلاوجہ ہر ایک سے لڑنے پر آمادہ رہتی ہوں؟'' ویرا جارحانہ انداز میں غرائی۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ معائنے کے بعد دماغی امراض کا کوئی ماہر ہی اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے۔'' سلطان شاہ نے معصومانہ بے بسی سے کہا۔

ویرا کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ سلطان شاہ کے چراغ پا کر دینے والے جواب نے اسے مشتعل کر دیا تھا۔ ان دونوں کی مفاہمت کو غزالہ کی نظر لگ گئی تھی۔ اس کے چند تعریفی کلمات نے ان دونوں کے درمیان مفت کے جھگڑے کی فضا پیدا کر دی تھی۔ اس سے پہلے کہ فضا ناخوشگوار ہوتی' میں نے جلدی سے کہا ''ان کے مقصد کے بارے میں ایک اشارہ مل چکا ہے۔''

''تم بات مت ٹالو'' ویرا نے خشک لہجے میں مجھ سے کہا ''اس سے یہ پوچھو کہ اس نے یہ بات کیسے کہی...... میں اس کا دماغ درست کر دوں گی۔''

''کیوں...... میں نے کیا کہہ دیا؟'' میرے کچھ پوچھنے سے پہلے سلطان شاہ نے سادگی سے سوال کیا۔

''ڈاکٹر کس بات کی تصدیق کرے گا؟ کیا کہا ہے تم نے؟'' ویرا نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

''میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ تمہارے شبہے کی بات تھی۔''

''تمہیں یقین ہے کہ وہ تصدیق ہی کرے گا'' تردید نہیں کر سکتا؟''

''ڈاکٹر اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے۔ وہ کچھ بھی کہہ سکتا ہے' میں اس معاملے میں اناڑی ہوں۔ میں اپنی رائے دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔''

''تم پھر بہک رہے ہو۔ مجھے اپنے بارے میں تمہاری رائے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' ویرا چیخ کر بولی ''میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم نے صرف تصدیق کی بات کیوں کی؟''

''غلطی ہو گئی!'' سلطان شاہ نے خلافِ توقع انتہائی تحمل سے کام لیتے ہوئے جواب دیا ''دراصل میں پٹھان آدمی ہوں' جو کچھ دل و دماغ میں آتا ہے' پورے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ بے دھڑک کہہ ڈالتا ہوں۔ بعد میں سوچنا پڑ جاتا ہے کہ میں کیا کہہ گیا ہوں۔ اس وقت بھی یہی ہوا ہے۔ مجھے تم بالکل ٹھیک ٹھاک لگتی ہو۔ اپنی دماغی حالت کے بارے میں تمہیں کسی ماہر سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں۔ آج کل ہر طرف ہوس اور خودغرضی کا دور دورہ ہے۔ یہ لوگ اچھے بھلے آدمی میں بھی گھما پھرا کر کوئی نہ کوئی نقص نکال دیتے ہیں اور پھر مہینوں تک اپنی فیس سیدھی کرتے رہتے ہیں۔''

سلطان شاہ کے ان فقروں میں بھی ویرا کے لیے قدرے توہین آمیز اور اشتعال آور مواد موجود تھا لیکن اس کے نرم لب و لہجے کی وجہ سے ویرا نے خاموشی اختیار کر لی۔

ان دونوں کے بارے میں یہ سمجھنا بہت دشوار تھا کہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں کب نیک نیتی سے بات کر رہے ہیں اور کب ان کے ارادوں میں فتور آ چکا ہے۔

''آپ کسی اشارے کی بات کر رہے تھے'' وہ جھگڑا نمٹ جانے پر غزالہ نے مجھے یاد دلایا۔

''شاید تم دور مار رائفلوں والی بات کو لیے بیٹھے ہو؟'' ویرا نے قیاس آرائی کی۔

''کیا تمہیں اس نکتے کی اہمیت میں شک ہے؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''شک نہیں ہے لیکن میں اسے بہت زیادہ اہم بھی نہیں سمجھتی۔ دہشت گردی کے لیے ہتھیار ضروری ہوتے ہیں۔''

''پاکستان کے کسی عام شہری کو ہلاک کر کے دہشت پھیلانے کے لیے ایسی رائفل ضروری نہیں ہے۔ خنجر دل میں اتار کر یا محض ہاتھوں سے گلا گھونٹ کر وہ دونوں کسی کو بھی ہلاک کرنے کے اہل ہیں'' میں نے کہا۔ ''مخصوص بناوٹ کی رائفل کے ذریعے وہ کسی خاص شخصیت کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ ان کا متوقع شکار کوئی عام آدمی نہیں ہو سکتا۔''

''وہ کوئی معروف سیاست داں بھی ہو سکتا ہے'' سلطان

شاہ نے رائے زنی کی۔
''سوبھراج بے نقاب ہونے سے پہلے ایک اہم لیڈر سمجھا جاتا تھا۔ ایسے لوگ زندگی کے ہر شعبے کے لوگوں سے میل جول رکھتے ہیں۔ اگر وہ اپنے معاشرے سے غداری پر تل جائیں تو ان کے لیے ہر قسم کی معلومات کا حصول بہت آسان ثابت ہوتا ہے'' میں نے کہا۔
''تم کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہو؟'' ویرا نے الجھے الجھے انداز میں سوال کیا۔
''صاف ظاہر ہے کہ سوبھراج کی صورت میں بھارت والے یہاں اپنا اہم ترین مہرہ کھو بیٹھے ہیں'' سلطان شاہ نے اس کی بات کا جواب دیا۔
''یہ پرانی بات ہو چکی' کوئی نئی بات بتاؤ۔'' ویرا بے رخی سے بولی۔
''وہ غافل نہیں ہیں۔ پوری صورتِ حال کا گہری نظروں سے جائزہ لے رہے ہوں گے'' اس بار میں نے ویرا کی بات کا جواب دیا ''ایسا مقام ایک دو روز میں نہیں مل جاتا۔ سوبھراج کئی عشروں کی محنت کے بعد یہاں تک پہنچا تھا۔ اس کا متبادل تلاش کرنے کے لیے یہاں کوئی بحران پیدا ہونا ضروری ہے۔ بحرانی حالات میں ہر شخص اپنی وفاداریاں بدلنے پر کمربستہ رہتا ہے۔ وہ صحیح وقت پر کسی صحیح آدمی کو دانہ ڈالنے میں کامیاب ہو گئے تو ان کے سارے دلدّر دور ہو جائیں گے۔''
''کیا تمہارا خیال ہے کہ را کے وہ دو ایجنٹ جو آج چوہوں کی طرح چھپتے پھر رہے ہیں' یہاں کسی قسم کا بحران پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟'' ویرا نے بے یقینی سے پوچھا۔
''مجھے ان کے یہی عزائم نظر آتے ہیں' آگے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''
''مجھے بھی کچھ بتاؤ' تم نے اتنا اہم نتیجہ کیسے اخذ کر لیا؟'' ویرا نے مطالبہ کیا۔
''آج کل سیاسی فضا بہت گرم ہے۔ جب تک سوبھراج آزاد ہے' اس ماحول میں اعتدال آنے کی امید نہیں ہے'' میں نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا ''سوبھراج کے حامی دبکے ہوئے ہیں۔ اس کے مخالفین روز بیان داغ رہے ہیں۔ ایجنسیوں کی کارکردگی کو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے' مخالف اسے پھانسی پر لٹکانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس پس منظر میں اگر سوبھراج کا کوئی سرکردہ مخالف اچانک مار دیا جاتا ہے تو تم خود اندازہ لگا سکتی ہو کہ کیا ہوگا؟''
''یہ بات دوسروں کو سمجھانی چاہیے تاکہ وہ حفاظتی انتظامات سخت کر سکیں'' ویرا پرتشویش لہجے میں بولی ''انتظامی کوششوں سے ایسے حادثے کو ٹالا جا سکتا ہے۔''
''میں اس موضوع پر بات کروں گا لیکن متعدد شخصیات کے لیے حفاظتی بندوبست کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ پولیس والے پہلے ہی نفری کی کمی کا رونا روتے رہتے ہیں۔ وہ ایک وقت میں کس کس کو گارڈ مہیا کریں گے۔''
''یہ اتنا مشکل کام ثابت نہیں ہونا چاہیے'' غزالہ نے پورے اعتماد سے کہا ''آپ ان واقعات میں جذباتی طور پر ملوث ہیں۔ میں ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اخبارات پڑھتی ہوں۔ اگر آپ کا نظریہ درست ہے تو اس وقت تین میں سے کوئی ایک شخص ان کا ہدف ہو سکتا ہے۔ ابتدا سے آج تک صرف وہی تین افراد سوبھراج کے خلاف بڑھ چڑھ کر بول رہے ہیں۔''
''بعض نام واقعی بار بار سامنے آ رہے ہیں لیکن تم نے اتنی آسانی کے ساتھ تین نام کیسے چن لیے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔
غزالہ نے مسکراتے ہوئے وہ تینوں نام دہرا دیے۔ میں نے اپنے ذہن میں چند روز کی اخباری سرخیوں کو تازہ کیا اور کسی بحث کے بغیر قائل ہو گیا کہ غزالہ کا تجزیہ بڑی حد تک درست تھا۔
''اب ہمیں ذرا جلدی روانہ ہونا پڑے گا'' میں نے سلطان شاہ سے مخاطب ہو کر کہا ''کچھ دیر کے لیے اول خان کے پاس رکنا پڑے گا۔''
''اسے فون کیوں نہیں کر لیتے'' ویرا نے مشورہ دیا۔
''بہت سی باتیں روبرو ہی بہتر ہوتی ہیں۔ اس کی گاڑی چھوڑنے کے لیے ہمیں وہاں جانا ہے۔ چند منٹ کے لیے رک گئے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''
ویرا خاموش ہو گئی مگر میں نے کریڈل سے ریسیور اٹھایا تو وہ چونک پڑی اور بولی ''اب تم کسے فون کر رہے ہو؟''
''اول خان کو!''
''میں نے کہا تھا تو صاف انکار کر دیا۔ اب اسے کیوں فون کر رہے ہو؟'' اس نے چڑ کر پوچھا۔
''مقصد دوسرا ہے' وہ مصروف اور سیلانی آدمی ہے میں یہ یقین کرنا چاہتا ہوں کہ میں اس کے گھر پہنچوں تو وہ وہاں موجود ہو۔''
''میں بالکل تیار ہوں۔ تم چاہو تو ہم ابھی روانہ ہو سکتے ہیں'' سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔
''تیاری کیسی؟ تمہیں کون سا لام پر جانا ہے۔ مزے سے

گاڑی میں بیٹھ کر تماش بینی کرتے رہو گے۔ کچھ کرنا پڑا تو تم سے پہلے دوسرے موجود ہیں۔'' ویرا نے اسے چڑایا ''تم ڈینی کو چھوڑ کر آ جاؤ گے۔''

''تماش بینی نہیں کروں گا' دشمن کو تماشا بنا دوں گا'' سلطان شاہ نے اسے جواب دیا ''تم کو معلوم ہونا چاہیے' اس وقت پورے شہر میں ڈینی کے علاوہ صرف میں نے را کے ایک آدمی کو دیکھا ہوا ہے۔ اسے پہچاننا بہت بڑا کام ہوگا۔ آخر کار مجھے بھی میدان میں آنا پڑے گا۔''

''واقعی بڑا کام ہوگا'' ویرا نے اپنا سر ہلا کر استہزائی انداز میں کہا ''مینڈک کا ایک بچہ گلاب کے پودے کی ننھی سی شاخ پر چڑھ کر اسی فخر کے ساتھ اپنی ماں سے کہہ رہا تھا کہ وہ اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ اس کے بوجھ سے درختوں کی شاخیں جھولنے لگتی ہیں۔''

''ضرور کہہ رہا ہوگا لیکن میں تمہارے کسی بچے کے وجود سے لاعلم ہوں۔ کل کتنے ہیں......؟'' وہ اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ کر وہاں سے بھاگ گیا کیونکہ ویرا اس کے ترکی بہ ترکی جواب پر پھاڑ کھانے والے انداز میں اسے مارنے کو دوڑی تھی۔

''یہ بہت خبیث ہو گیا ہے'' ویرا خفت آمیز انداز میں اپنے دانت پیستے ہوئے بولی ''ہر بات کا منفی پہلو فوراً اس کی کھوپڑی میں اجاگر ہو جاتا ہے۔''

''تم بلاوجہ اس کے منہ لگتی ہو۔ بھلا اس وقت مینڈک کی اور اس کے بچے کا ذکر نکالنے کی کیا تک تھی؟'' غزالہ نے نرمی سے اسے سمجھایا ''سلطان شاہ بہت ذہین ہے۔ اس سے ذرا سوچ سمجھ کر بات کیا کرو۔''

''میرا بس چلے تو میں اس سے بات ہی نہ کروں لیکن کیا کروں' ہم ایک چھت کے نیچے رہتے ہیں۔ بات کرنی ہی پڑتی ہے۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ اپنا سب کچھ چھن جانے کے بعد میں زبردستی تمہارے سروں پر مسلط ہو گئی ہوں۔ ایک ڈینی کی ذات کا مضبوط سہارا تھا۔ اس نے شراب نوشی ترک کر کے مجھے بالکل تنہا کر دیا ہے۔''

''یہ اب پتا چلا کہ تمہاری دوستی انسانوں سے نہیں' شراب نوشوں سے ہوتی ہے......''

''تو کیا شراب نوش انسان نہیں ہوتے؟'' ویرا نے میری بات کاٹ کر سوال کیا ''مغرب میں ساٹھ فیصد بالغ آبادی شراب پیتی ہے۔''

''وہ بھی انسان ہی ہوتے ہیں لیکن تمہاری دوستی کے لیے شاید اتنا کافی نہیں۔ تم شراب نوش انسانوں میں رہنا پسند کرتی ہو؟'' غزالہ بولی۔

''بات کہیں اور نکل گئی۔ میں یہ بتا رہی تھی کہ حالات ذرا سازگار ہوئے تو میں کسی ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں گی'' ویرا یکا یک کچھ اداس ہو گئی۔

''کیا سلطان شاہ کی باتوں نے تمہیں بہت زیادہ آزردہ کر دیا ہے؟'' میں نے بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی ''ارے' وہ تو میرا کھلونا ہے۔ جب اس کی چابی ذرا سا گھما دیتی ہوں' وہ چل پڑتا ہے ورنہ پرسکون رہتا ہے۔ اس کی بس زبان چلتی ہے۔ وہ دل کا صاف ہے' ایسے سادہ لوح آدمی میں نے کم ہی دیکھے ہیں۔''

''نیو خان ہوٹل کے مالک سے ہونے والی اس کی گفتگو سن کر بھی تم اسے سادہ لوح سمجھتی ہو!'' میں نے اسے مزید ٹٹولنے کی نیت سے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''میں نے تمہیں اس گفتگو کے بارے میں ایک لفظ نہیں بتایا لیکن تم یقین کرو کہ اس کی ان آوارہ اور بے لگام باتوں میں بدمعاشی نہیں' ایک معصومانہ مسرت پنہاں تھی۔''

''اور تم ایسے انوکھے انسان کو چھوڑ کر ہوٹل میں رہنے کے منصوبے بنا رہی ہو۔''

''یہ ناگزیر ہوتا جا رہا ہے۔ اب ہمیں ایک دوسرے کے غیر ضروری تسلط سے آزاد ہو جانا چاہیے۔ ہم چاہیں گے تو الگ رہ کر بھی روز ملتے رہیں گے۔''

''لوگ کہتے ہیں کہ دور رہنے سے آپس میں پیار بڑھتا ہے'' غزالہ نے سنجیدگی سے کہا ''سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر میاں بیوی کیوں زندگی بھر ایک ساتھ رہتے ہیں۔''

''کہاں رہتے ہیں؟'' ویرا نے برجستہ کہا ''مغرب میں میاں بیوی لڑتے ہیں تو میاں اپنی گرل فرینڈ کے پاس چلا جاتا ہے۔ بیوی اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ نکل جاتی ہے۔ تمہارے رواج مختلف ہیں۔ جب دونوں ایک دوسرے سے بیزار ہونے لگتے ہیں تو بیوی کچھ دنوں کے لیے اپنے میکے چلی جاتی ہے' واپسی پر شوہر اسے ہاتھوں ہاتھ لیتا ہے۔''

غزالہ کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر گیا۔ شاید لڑکیوں کی میکے کے ذکر نے اس کے دبے ہوئے زخم کرید دیے تھے۔ کرنل زدار زیدی' شمع زیدی اور کامران...... وہ پورا گھرانا ملکِ عدم کو سدھار چکا تھا۔ ماں' باپ اور بھائی کی شفقت سے محروم ہو کر وہ بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔

''کچھ لڑکیاں میکے کی نعمت سے محروم ہوتی ہیں'' غزالہ سے رہا نہ گیا اور وہ بوجھل آواز میں بول پڑی ''انہیں ساری عمر مسلسل اپنے مجازی خدا کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں کہ مجھے ایک اچھا شوہر ملا ہے اور مجھے

بھول کر بھی اپنے بچھڑے ہوئے میکے کا خیال نہیں آیا۔ یہ ان کی شرافت اور نیک نفسی ہے۔''

''بلاوجہ ڈینی کی خوشامد مت کرو'' ویرا نے ترشی سے کہا ''میکے کے نہ ہونے کے خوف سے اس کی زیادتیاں مت برداشت کیا کرو۔ تمہارے لیے سب گھر کھلے ہیں۔ جہانگیر تمہیں خوش آمدید کہے گا۔ سلطان شاہ تمہارا منہ بولا اور بہت سعادت مند بھائی ہے۔ میں ہوٹل میں چلی گئی تو بڑی بہن کی طرح تمہیں اپنے پاس رہنے کے لیے بلایا کروں گی۔ تم کو ڈینی سے بلاوجہ دبنے یا ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''تمہارے مشوروں کا شکریہ!'' غزالہ نے ایک تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ ویرا کو جواب دیا۔ ''میں ان کا بہت احترام کرتی ہوں۔ انہوں نے صرف مجھے نہیں، میرے ماں باپ اور بھائی کو بھی وہ عزت اور محبت دی جسے میں مرتے دم تک فراموش نہیں کرسکوں گی۔ کبھی یہ کسی کے ورغلانے میں آگئے تو بھی میں ان سے شکوہ نہیں کروں گی۔''

وہ شاید کوئی ناموزوں ساعت تھی جو سنجیدہ گفتگو کے لیے مناسب نہیں تھی۔ پہلے ویرا پر اداسی کا مختصر سا دورہ پڑا۔ وہ سنبھلی تو غزالہ نے بقراط جیسی باتیں شروع کردیں۔ میں کپڑے جھاڑ کر صوفے سے اٹھ گیا۔

''تم دونوں اس دنیا اور ازدواجی رشتے کی بے ثباتی پر اپنا غور جاری رکھو'' میں نے استہزائی انداز میں کہا ''میں اول خان کی طرف جارہا ہوں؟''

سلطان شاہ میری ایک آواز پر آموجود ہوا۔

غزالہ نے اس نازک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میرے ورغلائے جانے کا تذکرہ کرکے ویرا پر خاصی گہری چوٹ کی تھی۔ اس نے ویرا کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا لیکن اس کے الفاظ میں گہرا مفہوم پنہاں تھا جسے سمجھ کر ویرا کو چپ سی لگ گئی تھی۔

ان دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر میں نے کمرے سے جوتے پہنے اور پھر سلطان شاہ کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

سلطان شاہ نے نئی خریدی ہوئی کرولا کی چابی مجھے دینی چاہی، اس کا خیال تھا کہ مجھے اس گاڑی کا آزمائشی تجربہ کرلینا چاہیے لیکن میں نے اول خان کی گاڑی چلانے کو ترجیح دی۔ وہ گاڑی اس نے مجھے دی تھی۔ اخلاق کا تقاضا تھا کہ میں اسے خود ہی چلا کر اسے واپس اس کے گھر تک پہنچاتا۔

حسن اسکوائر سے جمشید روڈ کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ذرا سی دیر میں ہم دونوں آگے پیچھے اول خان کے گھر پہنچ گئے۔

میں کسی کے دروازے پر ہارن بجا کر اسے باہر بلانے کو بدتمیزی گردانتا ہوں۔ سڑک یا گلی سے گزرنے والی دسیوں گاڑیاں ہارن بجاتی ہوئی گزرتی ہیں۔ آنے والے کا فرض ہے کہ وہ اپنی گاڑی سے اتر کر ڈوربیل بجائے یا دروازے پر دستک دے کر اہلِ خانہ کو اپنی آمد سے باخبر کرے تاکہ کوئی ابہام نہ رہے۔

میں انجن بند کرنے بھی نہ پایا تھا کہ اول خان دروازے پر اپنی گاڑی کے انجن کی آواز پہچان کر باہر آگیا۔ میں اسے فون پر اپنی آمد کی اطلاع دے چکا تھا اس لیے وہ پہلے سے میرا انتظار کررہا تھا۔

اس سے مصافحہ کرنے کے بعد میں نے گاڑی کی چابی اسے پیش کی تو اس نے بے پروائی سے کہا ''اسے رکھو۔ گاڑی نہ ہونے سے مجھے کوئی پریشانی نہیں ہورہی۔ کل تمہارے لیے کوئی اچھی سی مگر پرانی گاڑی خرید لی جائے گی۔ جنرل نے تمہارے نقصانات کے ازالے کے لیے تین لاکھ کا بیرر چیک دیا ہے۔''

''گاڑی آگئی!'' میں نے مسکراتے ہوئے مڑ کر سفید کرولا کی طرف اشارہ کیا ''یہ ویرا اور غزالہ کی پسند ہے۔''

''میرے ایما پر اول خان نے گاڑی کے ساتھ سلطان شاہ کو بھی دیکھا اور بڑھ کر تپاک سے اس سے ملا۔ وہ صرف دو تین قدم کا فاصلہ تھا۔ وہ دونوں میرے قریب آئے تو اول خان اس سے یہ معلوم کرچکا تھا کہ سفید کرولا پونے چار لاکھ میں خریدی گئی تھی۔ اس وقت تک میں نے گاڑی کی قیمت جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''فی الحال پچھتر ہزار کا خسارہ ہے۔'' اول خان نے وہیں کھڑے کھڑے، اپنی قمیص کی جیب سے مڑا ہوا چیک نکال کر میری طرف بڑھا دیا ''مجھے یقین ہے کہ چند روز میں جنرل سے یہ رقم بھی مل جائے گی۔''

میں نے چیک لینے سے صاف انکار کردیا۔ اس کا اصرار تھا کہ وہ جنرل کی خواہش ہے۔ میں جنرل کے ایما پر اس سے ملنے کے لیے اسٹیشن فور پہنچا تھا اور وہیں میری گاڑی تباہ ہوئی تھی۔ اس کی ذمے داری ایس ٹی ایف پر عائد ہوتی تھی۔

اسی تکرار کے دوران میں وہ ہم دونوں کو اپنے ساتھ لے کر گھر میں داخل ہوگیا۔

وہ ہم میں سے کسی کا ذاتی معاملہ نہیں تھا۔ رقم کسی شخص کی جیب سے نہیں جارہی تھی، ایک قومی مقصد کے حصول کی جدوجہد میں گاڑیاں تباہی سے دوچار ہوئی تھیں۔ جنرل نے اپنے صوابدیدی اختیار کے تحت قومی وسائل سے وہ رقم دے کر ہمارے نقصان کے ازالے کی کوشش کی تھی۔ اول خان نے

اپنے دلائل سے مجھے لاجواب کر دیا اور میں نے مجبور ہو کر وہ چیک اس شرط کے ساتھ قبول کرلیا کہ بات وہیں ختم ہو جائے گی کیونکہ میری تباہ ہونے والی گاڑی کی اس وقت کی مالیت کم وبیش تین لاکھ ہی رہی ہوگی۔ اگر ہم نے دوسری گاڑی کا سودا اپنی پسند سے کیا تھا تو اضافی لاگت ہمیں اپنی جیب سے ادا کرنی چاہیے تھی۔ اول خان کو وعدہ کرنا پڑا کہ وہ ہمارے لیے مزید رقم کی فراہمی کا سوال نہیں اٹھائے گا۔

وہ معاملہ غیر متوقع طور پر درمیان میں آ گیا۔ اس سے نمٹتے ہی اول خان نے گیری کا قصہ نکال لیا جس پر اسے بہت خوشی تھی۔

پچھلی رات صدف مینشن میں جلال کی موجودگی میں میری جنرل اور اول خان سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس دوران میں جنرل نے گیری اور را کے ایجنٹوں کے بارے میں اپنی گہری دلچسپی ظاہر کی تھی۔ گیری کی خوفناک دھمکیوں کے نتیجے میں ان دنوں ایس ٹی ایف غیر فعال ہو چکی تھی لیکن جنرل ذاتی طور پر پوری طرح سرگرم اور باخبر تھا۔

اس کی دانست میں را کے نووارد ایجنٹ ہمارے لیے بہت زیادہ اہم تھے لیکن گیری کی سرزنش بھی ضروری تھی۔

اول خان کو اپنے ذرائع سے گیری کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا اور اس نے وہ خبریں جنرل کو بھی پہنچا دی تھیں۔ وہ کراچی میں اپنے کام نمٹانے کے بعد اسی صبح واپس اسلام آباد چلا گیا تھا۔ اس نے کراچی میں رہتے ہوئے ایس ٹی ایف کے لیے متبادل مالیاتی بندوبست مکمل کرلیا تھا۔ اسی کے تحت اس نے میری گاڑی کا نقصان پورا کرنے کے لیے چیک جاری کیا تھا۔ وہ مسئلہ حل ہو جانے کے بعد ایس ٹی ایف کسی بھی وقت پوری صلاحیتوں کے ساتھ دوبارہ میدانِ عمل میں آ سکتی تھی۔

اول خان کو یہ معلوم تھا کہ فرنچ بیچ سے واپسی پر گیری کی کار حادثے کا شکار ہوگئی تھی۔ اس کا ڈرائیور مارا گیا تھا اور دو نامعلوم افراد نے گیری کو گھیر کر بری طرح مارا پیٹا تھا۔ درمیانی تفصیلات سے وہ بے خبر تھا۔

اس وقت اول خان ہمارا میزبان تھا۔ اپنی آمد کا مدعا بیان کرنے سے پہلے اس کی دلچسپی کے معاملے کو نمٹانا ضروری تھا۔

گیری کی مرمت کی تفصیلات جان کر وہ بہت محظوظ ہوا۔ اسے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ میرے ہاتھوں سے پٹنے کے بعد اس نے اپنی درگت بننے کی کہانی خاصے مبالغے کے ساتھ مجھے سنائی تھی اور وہ مجروح حالت میں پاکستان سے باہر لے جایا جا رہا تھا۔

اول خان کے لیے وہ سب اتنا سنسنی خیز تھا کہ وہ دیر تک اس بارے میں کرید کرید کر سوالات کرتا رہا۔ اندرونی دروازے پر ہونے والی ہلکی سی دستک پر وہ سلسلہ منقطع ہوا۔

اول خان کی تعلیم یافتہ بیوی اپنی علاقائی روایات کے مطابق ایک پردہ نشین خاتون تھی۔ وہ اندر سے چائے اور اس کے لوازم کی ٹرے لے کر آیا تو میں نے اپنی بات چھیڑ دی۔

سب سے پہلے اسے یہ بتانا ضروری تھا کہ سوبھراج نے را کے ایجنٹوں کو عارضی طور پر کلفٹن والے مزار پر پناہ لینے کا مشورہ دیا تھا اور ہم دونوں جلال کی ٹیم کے ساتھ شامل ہو کر ان کی تلاش میں جانے والے تھے۔

''یہ سو فیصد اسی کا کیس ہے'' اول خان نے وہ خبر سن کر پرجوش انداز میں کہا ''اس کے پاس ذرائع کی کمی نہیں ہے۔ وہ دونوں ان اطراف میں موجود ہوئے تو بچ نہیں سکیں گے۔''

''ان کی یہاں موجودگی خطرناک ہے۔ سوبھراج کو ان کے صحیح عزائم کا علم نہیں ہو سکا ہے لیکن اس نے یہ ضرور بتایا ہے کہ وہ دونوں دور مار رائفلوں اور دوربینوں کے طلب گار ہیں۔ یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔''

''اوہ......!'' اول خان وہ خبر سن کر چونک پڑا ''وہ کسی کو تاک کر نشانہ بنانے کے چکر میں نظر آتے ہیں۔''

''بالکل یہی بات ہے۔'' میں نے اس کی بھرپور تائید کی ''کافی دماغ سوزی کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تین میں سے کوئی ایک اہم آدمی ان کا ہدف ہو سکتا ہے'' یہ کہہ کر میں نے اس کے سامنے وہ تینوں نام بھی دہرا دیے۔

''عام طور پر تمہارے انداز ے غلط ثابت نہیں ہوتے'' اس نے تفکر آمیز انداز میں کہا ''فوری طور پر ان تینوں کے تحفظ کا بندوبست ضروری ہے لیکن ایمان داری کی بات ہے کہ ایسی تدابیر عام طور پر کامیاب نہیں ہو پاتیں۔ ان پر کسی بھی وقت حملہ ہو سکتا ہے۔ حملہ آور نامعلوم ہوں تو پھر ساری احتیاطی تدابیر دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ کسی بھی سمت سے آنے والی برق رفتار گولی کو پورا لشکر بھی نہیں روک سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ واقعہ رونما ہونے کے بعد حملہ آور اس علاقے سے بچ کر نہ نکل سکیں۔ محافظ بہت تیزی کے ساتھ پورے علاقے کا محاصرہ کر کے ان کے فرار کی کوشش کو ناکام بنا سکتے ہیں۔''

''اس سلسلے میں پولیس والے صحیح پیش بندی کر سکتے ہیں۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ چند روز تک وہ تینوں اپنے گھروں میں محدود رہیں۔ کسی ناگزیر ضرورت کے بغیر منظرِ عام پر آنے کی کوئی کوشش نہ کریں۔''

''تمہارا یہ مشورہ اعلیٰ پولیس حکام تک پہنچادیا جائے گا مگر اس کے نتیجے میں ہر طرف خوف وہراس پھیل جائے گا۔ اتفاق سے وہ تینوں حزبِ مخالف کے سرکردہ رہنما ہیں۔ حکومت پر تنقید کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔ ان کے تحفظ کے لیے انہیں کوئی کمزور مشورہ دیا گیا تو وہ اگلے ہی دن اخباری سرخیوں کی زینت بن جائے گا۔ اس اندیشے کے باوجود میں تمہاری بات اوپر والوں تک ضرور پہنچاؤں گا۔''

''انہیں یہ وارننگ ضرور دے دینا کہ انہوں نے ان تدابیر کے بارے میں اپنی زبان کھولی تو ان پر کسی متبادل منصوبے کے تحت کامیاب وار ہوسکتا ہے۔ شاید اپنی جانوں کے خوف سے وہ اپنی زبانیں بند رکھیں'' سلطان شاہ نے کہا۔

''ایسے معاملات میں میرا براہِ راست کوئی عمل دخل نہیں ہوتا'' اول خان نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا۔ بہتر ہوگا کہ تم جلال سے بھی بات کرلو۔ اس کی طرف سے بھی اطلاع جائے گی تو بات میں وزن پیدا ہوجائے گا۔ میری دلی تمنا ہے کہ وہ دونوں اپنے مقصد میں کامیاب ہونے سے پہلے پکڑے جائیں۔''

خواہشیں سب کی یکساں تھیں لیکن واقعات کی ایک اپنی رفتار تھی۔ تمام تر کوششوں کے باوجود یقین سے یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ راوا لے جلد ہاتھ آجائیں گے۔

ایس ٹی ایف کے چندروزہ تعطل میں اول خان اندر سے بجھ کر رہ گیا تھا۔ اس کی بحالی کے آثار پیدا ہونے کے بعد اس کا جوش وخروش دوبارہ ابھر آیا تھا۔ اس وقت وہ زبانی حد تک اپنی پوری سرگرمی کا مظاہرہ کررہا تھا۔ اسے توقع تھی کہ کسی بھی وقت اسے میدان میں سرگرمِ عمل ہونے کے احکام مل جائیں گے۔

مجھے حیرت تھی کہ اول خان نے میرے حلیے میں تبدیلی کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ نہ ہی اسے مجھے پہچاننے میں کوئی دقت پیش آئی۔ چائے نوشی کے بعد میں نے اس سے پوچھ ہی لیا ''تم نے میری داڑھی وغیرہ پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔''

''میں تمہیں اس حالت میں دیکھ کر چونکا ضرور تھا لیکن بات سمجھ میں آگئی تھی اس لیے میں نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔'' اس نے ہنس کر جواب دیا۔

''اس بارے میں کیا بات سمجھ میں آئی؟'' میں نے اپنی بے ہنگم داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوال کیا۔

''تم گیری کے سامنے اپنی اصل شکل وصورت میں نہیں جاسکتے تھے کیونکہ وہ تم کو کرنل داور کے نام سے جانتا ہے۔ اس سے لڑائی بھڑائی میں تمہاری داڑھی اکھڑ جاتی تو اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے۔''

''لڑائی بھڑائی کا افسانہ اس کے شکست خوردہ ذہن کی پیداوار ہے۔ وہ مدافعت کے سوا کچھ بھی نہیں کرسکا تھا۔ میں چاہتا تو بے فکری سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرسکتا تھا......''

''اور تمہیں اب پھر وہی مرحلہ درپیش ہے'' اول خان میری بات مکمل ہونے سے پہلے بول پڑا ''ان میں سے ایک ایجنٹ سے تم براہِ راست ٹکرا چکے ہو۔ اس سے دوبارہ سامنا ہونے کی صورت میں اسے یہ اندازہ نہیں ہونا چاہیے کہ تم اس سے مل چکے ہو۔''

''مجھے اس ناکامی کا قلق ہے'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا ''میں نے ذراسی بہتر منصوبہ بندی کرلی ہوتی تو ان دونوں کو نیو خان ہوٹل میں آسانی سے گھیرا جاسکتا تھا۔ مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ مجھ سے مقابلہ کیے بغیر وہاں سے بگٹٹ بھاگ نکلے گا۔''

''ایک پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ اور عام محبِ وطن لوگوں میں تربیت کا یہی بنیادی فرق ہوتا ہے جس سے دشمن فائدہ اٹھالیتا ہے۔ تم میں دلیری اور بے خوفی کے سارے جواہر موجود ہیں لیکن تم براوقت آنے پر دم دبا کر بھاگ نکلنے کے فن سے ناواقف ہو اس لیے مار کھاگئے۔ دوبارہ ایسا نہیں ہوگا۔ تم ان تک ضرور پہنچ جاؤ گے۔''

آپس میں باتیں کرتے ہوئے ہم اول خان کے گھر سے نکل آئے۔ اس کی کار وہیں چھوڑ دی گئی۔ سلطان شاہ نے کرولا کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور میں اس کے برابر والی نشست پر بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔

اول خان کی زبان سے یہ بات سن کر مجھے حیرت ہوئی ہے کہ پیشگی اطلاع مل جانے کے باوجود کسی ناگہانی واردات کو روکنا سو فیصد ممکن نہیں ہے'' کچھ دیر تک خاموشی سے ڈرائیونگ کرنے کے بعد سلطان شاہ نے سکوت توڑا۔

''اس نے حقیقت بیان کی ہے۔ دوسرے ان باتوں کا اعتراف نہیں کرتے۔ یہ صورتِ حال پوری دنیا میں پیش آتی رہتی ہے۔ دہشت گردی وغیرہ جیسے جرائم کی پیشگی اطلاع مل جانے کے بعد امریکا جیسے ترقی یافتہ ملک میں ریڈ الرٹ کے احکام جاری ہوتے ہیں پھر بھی کوئی نہ کوئی واقعہ ہوجاتا ہے۔ جب تک مجرموں کی نشان دہی نہیں ہوتی' جرم کے ارتکاب کو روکنا تقریباً ناممکن ہوجاتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''پھر ان تینوں کو خانہ نشین ہوجانا چاہیے۔'' اس نے رائے دی۔

''ہم صرف ایک امکان پر سر کھپا رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے

کہ ان کی فہرست کچھ اور ہو یا پھر وہ ان تینوں کو چھوڑ کر کسی اور کو تاک لیں۔ وہ پروفیشنل ہیں۔ بھارت سے مرتے کھپتے یہاں تک آئے ہیں تو کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیں گے۔''

''یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب ان کی رسی دراز ہو۔ آج ان کا سراغ مل جاتا ہے تو ہر خطرہ سر سے ٹل جائے گا۔''

گاڑی میں ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی۔ میں اپنی سوچ میں گم ہو گیا۔

میں اپنے اندازے سے پہلے ہی کلفٹن پہنچ گیا۔ وقت کے بہتر استعمال کے لیے میں نے سلطان شاہ سے کہا کہ وہ مجھے کوٹھاری پیریڈ پر اتارنے کے بجائے مزار کے سامنے اتارے اور وہاں سے سیدھا آگے نکل جائے۔

اس وقت شام ہو چکی تھی۔ دن بھر کے سفر کے بعد، تھکا ہارا سورج مغربی افق سے دور اتر چکا تھا۔ اسٹریٹ لائٹس روشن تھیں اور اونچی پہاڑی پر واقع مزار کی سیڑھیوں سے نیچے بنے ہوئے عارضی بازار میں خاصی چہل پہل تھی۔

مین روڈ پر واقع باورچیوں کی دکانوں میں کھانوں کی تیار دیگیں ایسے عقیدت مندوں کی منتظر تھیں جو وہاں آ کر اپنے خرچ پر غربا اور مساکین کو کھانا کھلاتے تھے۔ ان کھانوں کی ملی جلی، اشتہا انگیز خوشبوؤں سے فضا مہک رہی تھی۔

گل فروشوں اور تبرکات و شیرینی والوں کے چھوٹے کیبنوں کی درمیانی گزرگاہ پر رنگ برنگ کپڑوں میں ملبوس، ہر عمر اور جنس کے زائرین کے ایک ہجوم کی آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا۔ میں اس بھیڑ میں اپنا راستہ بناتا ہوا کشادہ سیڑھیوں کی طرف ہولیا۔

میں بظاہر گردوپیش سے بے خبر تھا لیکن میری نگاہیں بہت باریکی سے ان فقیروں، ملنگوں اور موالیوں کا جائزہ لے رہی تھیں جو بھانت بھانت کے حلیوں میں زائرین کو گھیر کر ان کی عقیدت اور فراخ دلی سے فیض حاصل کر رہے تھے۔

سیڑھیوں کے دونوں سروں پر مانگنے والے تقریباً قطاروں کی صورت میں نیچے سے اوپر تک پھیلے ہوئے تھے۔ سیڑھیاں طے کرتے ہوئے میں نظروں ہی نظروں میں ان کو ٹٹولتا رہا۔ وہ سب دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اپنی اپنی دھن میں مگن تھے۔ بیشتر خاموش تھے، کچھ زائرین کی توجہ حاصل کرنے کے لیے آوازیں لگا رہے تھے۔

باہر سے گزرتے ہوئے مجھے کبھی مزار کی حدود کی وسعت کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ اس روز پتا چلا کہ وہاں پہاڑی کی چوٹی سے دامن تک انسانوں کے دکھ سکھ کی ایک چھوٹی سی دنیا آباد تھی جس میں تماش بینوں اور سیلانیوں سے عقیدت مندوں تک ہر طرح کے لوگ پائے جاتے تھے۔

میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ رکھتے ہوئے میں نے اپنا مختصر اور سرسری جائزہ مکمل کر لیا۔ عام گزرگاہ تک محدود تھا۔ کونوں کھانچوں میں پڑے ہوئے لوگوں تک رسائی کے لیے خاصی فرصت درکار تھی۔ جو اس وقت مجھے میسر نہیں تھی۔

اس بھیڑ میں مجھے کہیں کوئی مانوس یا مشتبہ چہرہ نظر نہیں آیا۔ اگر وہ دونوں سوبھراج کے مشورے پر عمل کر کے اسی طرف آئے تھے تو یہ ضروری نہیں تھا کہ میں دور سے انہیں پہچان لیتا۔ پکڑے جانے کے خوف سے وہ بھی اپنے خدوخال میں نمایاں تبدیلیاں لا سکتے تھے جن کی بنا پر بادی النظر میں حسن کو پہچاننا ممکن نہیں تھا۔

درگاہ کے دروازے پر ادب سے حاضری دے کر میں وہاں سے واپس ہولیا۔

میں مزار سے مقررہ مقام پر پہنچا تو مجھے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ذرا سی دیر میں بند آہنی باڈی والے چھوٹے ٹرک سے مشابہ ایک گاڑی رینگتی ہوئی میری طرف آئی۔ وہ غالباً بکتر بند گاڑی تھی۔ اس کے کیبن میں ڈرائیور کے برابر میں جلال کی صورت نظر آ رہی تھی۔

میں ہاتھ لہرا کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی جلال کچھ ٹھٹکا تھا مگر پھر وہ ٹرک نما گاڑی میرے قریب رک گئی اور میں دروازہ کھول کر اندر سوار ہو گیا۔

میرے بیٹھتے ہی گاڑی دھیرے سے مزار کی طرف چل دی۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اس انداز میں بے فکری سے یہاں ٹہل رہے ہو گے۔'' جلال ہنستے ہوئے بولا ''میں نے تمہیں اس حلیے میں پہلے نہ دیکھا ہوتا تو میرے لیے تم کو پہچاننا ممکن نہیں تھا۔ یہاں کی کھلی فضا میں تم بالکل ہی مختلف آدمی نظر آ رہے ہو۔''

اس دوران میں گاڑی کے ڈرائیور سے میری نگاہیں چار ہوئیں تو اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے سر کو قدرے خم دے کر مجھے تعظیم دی۔ میں منتظر رہا کہ جلال میرے اور اس کے تعارف کے سلسلے میں کوئی پہل کرے۔

ہم وہاں سے آگے بڑھے تھے کہ مجھے مخالف سمت سے اسی ساخت کی دوسری گاڑی آتی ہوئی نظر آئی۔ وہ آگے بڑھنے کے بجائے تیزی سے بائیں طرف گھوم کر دستکاری کے نمونوں والی دکانوں کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہ ایسی جگہ تھی جہاں گاڑی کی وجہ سے ٹریفک میں رکاوٹ پڑنے کا کوئی

امکان نہیں تھا۔
اس گاڑی میں صرف دو نفوس نظر آ رہے تھے۔ جلال نے مشن میں پانچ آدمیوں کی شرکت کا ذکر کیا تھا۔ اس اعتبار سے کورم پورا ہو چکا تھا۔
''یہ دوسری گاڑی بھی ہماری ہے؟'' میں نے اشارہ کیے بغیر جلال سے پوچھا۔
''ہاں، دو گاڑیاں اور پانچ افراد۔ اس وقت یہ ہماری کل طاقت ہے۔ ہر گاڑی تین کلومیٹر کے حیطہ عمل میں ہونے والی ہر ریڈیائی سرگرمی کو پکڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ یہاں مصروف کار ہوئے تو مجھے امید ہے کہ ہم ان کا سراغ لگالیں گے۔''
''رینج تین کلومیٹر ہے تو پھر ایک گاڑی بھی کافی تھی۔'' میں نے کہا۔
''یہ حساس علاقہ ہے۔ تھانے کے علاوہ یہاں کئی بینکوں ور کمرشل اداروں کی تنصیبات ہیں۔ حساس سفارتی عمارتوں یں ان کے اپنے مواصلاتی سسٹم کام کررہے ہیں۔ ان کی سوجودگی کی وجہ سے کم از کم دو گاڑیاں ضروری تھیں تاکہ کسی ڑ کا خدشہ نہ رہے۔'' جلال بتانے لگا ''یہ آرمی سگنلز کے سوبے دار اشرف ہیں۔ ان کے افسروں کا مشورہ بھی یہی تھا کہ کم از کم دو سسٹم استعمال کرنے ضروری ہیں تاکہ کام کے ساتھ نتائج کا موازنہ بھی ہوتا رہے۔''
ایک گاڑی مزار کے پہلو میں دکانوں کے سامنے روک ی گئی تھی۔ دوسری میں جلال نے مزار کے دوسرے حصے سے ساحل کی طرف جانے والی سڑک پر چکر لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔
مزار سے اگلے چوراہے پر وہ بھاری گاڑی داہنی طرف ڑ کر سست رفتاری سے ساحل کی طرف رواں ہوگئی۔
صوبے دار اشرف نے ڈیش بورڈ میں نصب کچھ سوئچز کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی اور کیبن میں ہلکے ریڈیائی شور کے ساتھ بھانت بھانت کی انسانی آوازیں سنائی دینے لگیں۔
''اس انسانی اور ریڈیائی شور میں تو کچھ بھی پلے نہیں ڑے گا۔'' چند لمحوں کے غور کے بعد میں نے الجھن آمیز لہجے ں کہا۔
''ابھی یہ تین کلومیٹر کی حد میں پوری بینڈو ڈتھ کی سکینگ ہورہی ہے۔ اسی لیے ملی جلی اور بدلتی ہوئی آوازیں رہی ہیں۔ ہر اپریٹس ایک الگ فری کوئنسی پر کام کرتا ہے اس لیے یہ اسکینر پورے بینڈ پر کام کررہا ہے......'' جلال بتانے لگا لیکن مجھے ان فنی جزئیات سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔
''ہمیں ان کا کیسے پتا چلے گا؟'' میں نے سوال کیا۔
اشرف نے دوبارہ چند بٹن چھیڑے۔ سب آوازیں معدوم ہوگئیں اور ایک چھوٹی سی اسکرین روشن ہوگئی۔
''اب یہ سیٹ ہوگیا۔'' اشرف بولا ''جوں ہی کوئی ریڈیائی سگنل پکڑا جائے گا، بیپ کی آواز کے ساتھ اسکرین پر اس کی فری کوئنسی ظاہر ہوجائے گی۔ اپریٹس کی فری کوئنسی سیٹ کرتے ہی ہم پوری گفتگو لفظ بہ لفظ سن سکیں گے۔''
''یہ ٹھیک ہے۔ شور سے مجھے الجھن ہونی شروع ہوگئی تھی۔''
گاڑی دھیرے دھیرے ساحل کی طرف اترتی رہی۔ ساحل کے متوازی سڑک پر داہنی طرف گھوم کر ہم کچھ دور گئے اور فن لینڈ کی بغلی سڑک سے دوبارہ اوپر آنے لگے۔
وہ شہر کا پُرہجوم تفریحی علاقہ تھا۔ وہاں ہماری عجیب ساخت کی وزنی گاڑی لوگوں کی توجہ کا مرکز بن رہی تھی۔ ہم ہلکی سی چڑھائی طے کرکے مین روڈ پر پہنچے اور وہاں سے دوبارہ مزار کی طرف مڑ گئے۔
غنیمت یہ تھا کہ صوبے دار اشرف سادہ کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اس کے بدن پر فوجی وردی ہوتی تو ہماری گاڑی زیادہ توجہ کا مرکز بنتی۔
مزار سے اگلے چوراہے پر اشرف نے جلال کے ایما پر گاڑی کنارے سے لگا کر روک دی۔
''گاڑی کے سارے آلات بالکل صحیح کام کررہے ہیں اور سیٹ ہیں۔'' انجن بند کرنے کے بعد اشرف نے کہا ''کوئی سگنل آئے گا تو تیز بیپ ہوگی۔ اجازت ہو تو میں کچھ دیر کے لیے گاڑی سے اتر کر آس پاس کا چکر لگا لوں۔''
جلال نے اسے اجازت دے دی۔ اشرف کے اتر جانے کے بعد اس نے بتایا ''یہ کافی دیر سے اپنے افسروں کے اور میرے درمیان پھنسا ہوا تھا۔ شاید اسے سگریٹ وغیرہ کی طلب ستا رہی ہوگی۔ اچھا ہے کہ اس بہانے اپنی ٹانگیں سیدھی کرلے گا۔''
''اور انتظار کے چکر میں ہماری ٹانگیں ٹیڑھی ہوجائیں گی!'' میں نے منہ بنا کر کہا ''کسی بھی کام میں انتظار کا مرحلہ سب سے ٹیڑھا ہوتا ہے۔''
''اس کے بغیر کوئی چارہ ہو تو بتاؤ...... چلو، ہم دونوں بھی اپنی اپنی سگریٹیں سلگا لیتے ہیں۔ کچھ وقت سکون سے گزر جائے گا۔''
وقت اپنی رفتار سے آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ گھر سے نکلتے ہوئے مجھے وہ کام بہت آسان اور دلچسپ محسوس ہوا تھا لیکن

آثار بتا رہے تھے کہ وہ روئے زمین کا سب سے زیادہ صبر آزما کام ثابت ہوسکتا تھا۔
کچھ دیر بعد اشرف واپس آیا تو میرے لیے اس آہنی کیبن میں بیٹھے رہنا دشوار ہوگیا۔ میں اپنی سمت کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ جلال خاموش تھا مگر وہ بھی اکتایا ہوا تھا۔ اس نے بھی میری تقلید کی۔
اسٹریٹ کیمپس کی روشنی میں ہم دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں اور دونوں ہی بے بسی سے ہنس پڑے۔
''اپنے کیریئر کی ابتدا میں، میں نے اکثر و بیشتر اسی قسم کے کام کیے ہیں لیکن اب عادت چھوٹ چکی ہے۔ نگرانی اور دیکھ بھال میرے آدمی کرتے ہیں۔''
''تمہیں اس وضاحت کی ضرورت نہیں۔'' میں نے بے تکلفی سے کہا ''اگر تم اس مشن پر خود آنے کا ذکر نہ کرتے تو میں بھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔ میں صرف اس وجہ سے آیا ہوں کہ حسن کو دیکھ کر پہچان سکوں اور تم بے خبری میں ان کا نشانہ نہ بن جاؤ۔''
''میرا آنا ضروری تھا۔ آرمی گریزن والے اپنی یہ گاڑیاں میرے آدمیوں کی تحویل میں ہرگز نہ دیتے یہ بہت حسّاس اور بیش قیمت گاڑیاں ہیں۔''
''تم گاڑی کا کیا کر رہے ہو۔ سارا کنٹرول اشرف کے پاس ہے۔ تمہارے آدمی بھی اسی پر انحصار کرتے۔ وہ گاڑیوں کا کیا بگاڑ سکتے تھے۔''
''کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن بات پروٹوکول اور معاملے کی اہمیت کی ہوتی ہے۔ روٹین میں کام ہوتا تو کئی دنوں تک یہ گاڑیاں ہاتھ نہ آتیں۔ میری شمولیت کا لحاظ کرتے ہوئے کرنل انچارج نے ذرا سی دیر میں فون پر اپنے افسرانِ بالا سے ضابطے کی ہر منظوری لے لی۔''
''حیرت ہے کہ را کے ایجنٹوں کی کراچی میں موجودگی بھی آرمی والوں کو تیزی سے متحرک نہیں کرسکتی تھی!'' میں نے بے ساختہ کہا۔
''اس وقت تم نے خاصی عامیانہ بات کہہ ڈالی ہے۔'' جلال نے گہری سنجیدگی کے ساتھ مجھ سے اختلاف رائے کیا ''فوج کا ہر افسر اور جوان ملک کے دشمنوں کے لہو کا پیاسا ہے مگر وہ سب اپنے سخت ڈسپلن میں بندھے ہوئے ہیں۔ ہر شخص اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ دوسروں کے معاملات میں اپنی ٹانگ نہیں اڑاتا۔ تم کو کیا معلوم کہ کراچی میں را والوں کی آمد کی خبر کے بعد ملٹری انٹیلی جنس اور انٹر سروسز انٹیلی جنس والے کیا کچھ کررہے ہیں۔''
''اوہ!'' میں نے حیرت سے کہا ''تو کیا ایم آئی اور آئی ایس آئی والوں کو بھی یہ خبر مل چکی ہے؟''
''ہمارے اور ان کے درمیان اہم اطلاعات کا بہت تیزی سے تبادلہ ہوتا ہے۔ قومی سلامتی کے معاملات میں سب چوکنا رہتے ہیں۔ تم سے بات ہوتے ہی میں نے یہ مصدقہ خبر آگے بڑھا دی تھی۔ وہ اپنے طور پر کام کررہے ہوں گے۔''
مجھے یہ جان کر تسلی ہوئی کہ جلال نے میری فراہم کردہ اطلاع کو خاطر خواہ اہمیت دی تھی اور اس پر ہر سمت سے کام شروع ہو چکا تھا۔
ہم اپنی باتوں کی دھن میں چہل قدمی کرتے ہوئے کافی دور نکل گئے تھے۔ اچانک مجھے اپنی جیب میں ہلکی سی.... تھرتھراہٹ کا احساس ہوا تو میں نے پھرتی سے اپنی جیب سے ٹرانسمٹر نکال لیا۔ شاید جلال کو بھی وہی احساس ہوا تھا کیونکہ وہ مجھ سے پہلے اپنا اپریٹس جیب سے نکال کر آن کرچکا تھا۔ اس پر ایم فور یعنی اشرف ایم ون کو پکار رہا تھا۔
ایم ون اس مشن کے لیے جلال کا پاس ورڈ تھا۔
جلال نے جونہی اشرف کو اپنی موجودگی سے باخبر کیا، اشرف نے اسے بتایا کہ اس کے آلات نے سگنل پکڑے تھے۔ نامعلوم افراد کا کوئی اپریٹس آن ہوا تھا لیکن لائن خاموش تھی۔
''تم نگاہ رکھو، ہم آرہے ہیں۔'' جلال نے ہیجانی انداز میں یہ کہہ کر دوڑ لگا دی۔ میں بھی اس کے پیچھے گاڑی کی طرف دوڑ پڑا۔
ہم دونوں تقریباً ہانپتے ہوئے، گاڑی میں سوار ہوئے تو اشرف پرسکون انداز میں ڈیش بورڈ پر جھکا ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں روشن اسکرین پر مرکوز تھیں۔
''میں نے فری کوئنسی پکڑ لی ہے۔'' اس نے مودب اور پرسکون لہجے میں اطلاع دی ''دو مردانہ آوازیں تھیں۔ ان کے درمیان ایک تجرباتی پیغام کا تبادلہ ہوا ہے۔ ایک نے کہا تھا الفا کالنگ دوسرے نے جواب دیا تھا۔ چارلی ریسیونگ اور پھر خاموشی چھا گئی۔''
بے اختیار میری نظریں اپنی رسٹ واچ پر گئیں۔ ڈائل کی سوئیاں نو سے ذرا ہی آگے سرکی تھیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ پیغامات کا وہ تبادلہ نو بجے عمل میں آیا ہوگا۔
''یہ کیا ہوا؟'' جلال نے میری طرف متوجہ ہوکر کہا ''کیا الفا اور چارلی نے ہمیں چڑانے کی کوشش کی ہے؟''
''تمہاری کیا رائے ہے؟'' میں نے اشرف سے پوچھا جو چند ثانیوں کے لیے ہم دونوں کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''یہ تجرباتی پیغام معلوم ہوتا ہے۔ اس قسم کے ٹیسٹ میسج عام طور پر یہ اطمینان کرنے کے لیے نشر کیے جاتے ہیں کہ ہر متعلقہ فریق رابطے میں ہے۔'' اس نے اپنے فوجی تجربے کا نچوڑ مختصر الفاظ میں بیان کیا۔

''اشرف کا خیال سو فیصد درست ہے۔'' میں نے جلال سے مخاطب ہو کر کہا ''وہ دونوں بہت چالاک ہیں۔ نیو خان ہوٹل والے تجربے کے بعد ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہیں۔ مقررہ اوقات میں وہ اپنے اپریٹس آن کر کے ایک دوسرے سے رابطہ کرتے ہوں گے۔ شاید نو بجے بھی ان کا مقررہ وقت تھا۔ کچھ دیر کے لیے وہ اپنے اپریٹس آن رکھیں گے۔ اس دوران میں کوئی خاص واقعہ رونما نہ ہوا تو وہ کچھ دیر کے بعد اپنے اپریٹس آف کر کے دوبارہ عام لوگوں میں گھل مل جائیں گے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟ اس وقت وہ کہاں ہو سکتے ہیں؟''

''جہاں بھی ہیں، ہماری گاڑی کے آلات کی رینج میں ہیں اور یقینی طور پر بھیڑ بھاڑ سے الگ ہوں گے۔ ہجوم میں رہ کر وہ اپریٹس استعمال نہیں کر سکتے۔''

''موبائل فون عام ہو جانے کے بعد اپریٹس کا استعمال اتنا دشوار نہیں رہا۔ دور سے دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ موبائل فون پر بات کی جا رہی ہے۔ مواصلاتی ترقی کے ساتھ وائرلیس ٹرانسمٹرز کی بناوٹ اور وزن میں انقلابی تبدیلیاں آ چکی ہیں۔''

''موبائل فون عام ضرور ہوتے جا رہے ہیں لیکن ابھی فقیروں اور ملنگوں کے تصرف میں نہیں آئے ہیں۔ موبائل فون استعمال کرنے والا فقیر ہر شخص کی توجہ کا مرکز بن جائے گا۔ اگر ان دونوں نے سوبھراج کا مشورہ قبول کر لیا ہے تو وہ یہاں ایسے ہی کسی روپ میں ہو سکتے ہیں۔ معززین بن کر وہ مزار کے قرب وجوار کے ماحول میں نہیں کھپ سکتے۔''

اچانک ڈیش بورڈ میں چھپے ہوئے اسپیکر سے ایک شناسا آواز ابھری۔ اس مرتبہ چارلی نے اپنے مخاطب کا نام لیے بغیر لائن پر اپنی موجودگی کا اعلان کیا تھا۔

ریڈیائی وسیلے کی وجہ سے آواز خاصی حد تک بدلی ہوئی تھی مگر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ را کے اسی ایجنٹ کی آواز تھی جو حسن کے فرضی نام سے نیو خان ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔

میں لمحہ بھر کے لیے تردد میں رہا پھر میرا ذہن صاف ہو گیا۔ مخصوص بٹن دبائے بغیر ہماری آواز کہیں بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ میں نے اضطراری لہجے میں جلال کو اپنے شک سے آگاہ کیا تو اس کا چہرہ وفور جوش سے تمتما اٹھا۔

''سر! ہم ان کی طرف چلتے ہیں۔'' اشرف نے اجازت لینے والے انداز میں جلال سے کہا اور اس کا جواب سننے سے پہلے اگنیشن آن کر کے انجن چلا دیا۔

ذرا سے توقف کے بعد الفا بھی لائن پر آ گیا۔ اس کا پیغام سنتے ہی چارلی نے کسی جناتی زبان میں اپنی روداد شروع کر دی۔

''اوہ!'' جلال کے منہ سے بے ساختہ نکلا ''سالا تامل یا تلگو میں بات کر رہا ہے۔ تم یہ زبانیں سمجھ سکتے ہو؟''

میں بے بسی سے اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔ گاڑی حرکت میں آ چکی تھی۔

ایک آواز میں نے پہچان لی تھی۔ اس کا مخاطب ذکی ہی ہو سکتا تھا۔ وہ دونوں بہت تیزی کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی اہم واقعے سے دوچار ہو چکے تھے۔

''تم ان تک کیسے پہنچ سکو گے؟'' ان دونوں کی ناقابلِ فہم گفتگو سے مایوس ہو کر جلال اشرف کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''یہ سبز بتی ظاہر کر رہی ہے کہ ہم صحیح سمت میں، ان میں سے کسی ایک سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔'' اس نے ڈیش بورڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا ''چوراہا گھومتے ہوئے سرخ بتی جل اٹھی تھی۔ اسی لیے میں نے گھوم کر مزار کا راستہ اختیار کیا ہے۔ نصف چوراہا گھومتے ہی سرخ کی جگہ سبز بتی جل گئی تھی۔ جونہی ہم اس کے قریب سے گزر کر آگے نکلیں گے، دوبارہ سرخ بتی جل جائے گی اور مجھے پتا چل جائے گا کہ ہم مطلوب مقام پر پہنچ چکے ہیں......''

اشرف فخریہ لہجے میں اپنی گاڑی میں نصب بیش قیمت آلات کی کارکردگی پر روشنی ڈال رہا تھا۔ وہ آلات ریڈیائی لہروں کی مدد سے کسی بھی ٹھکانے کا سراغ لگا سکتے تھے جبکہ میں چند روز پیشتر امریکیوں کے ان ہلکے پھلکے آلات کے تجربے سے گزر چکا تھا جو محض ایک چپ سے خارج ہونے والے اشاروں کی مدد سے مقام کی نشان دہی کر دیتے تھے۔

امریکی اپنے آلات کو ایک گاڑی میں ساتھ لیے پھر رہے تھے۔ ریڈیو سگنل پکڑنے والے وزنی آلات ہماری فوجی گاڑی میں نصب تھے۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا لیکن ان کے نتائج بڑی حد تک یکساں تھے۔

پھر یکایک ایم تھری کی طرف سے اپریٹس پر جلال کے لیے پیغام آنے لگا۔

گاڑی کے سسٹم پر حسن اور ذکی کی ناقابلِ فہم گفتگو جاری

تھی۔ اس دوران میں ایم تھری یعنی دوسری گاڑی میں سوار، جلال کے آدمی کا پیغام بہت معنی خیز تھا۔

''یس ایم تھری...... میں سن رہا ہوں......اوور!'' جلال نے جوابی پیغام نشر کیا۔

''سر! میں پچھلے بارہ منٹ سے گاڑی سے باہر ریکی پر ہوں۔'' جلال کا آدمی دبی دبی پرجوش آواز میں کہہ رہا تھا ''میں اپنی ٹانگیں سیدھی کرنے کے لیے گاڑی سے اتر کر فٹ پاتھ پر ٹہل رہا تھا تو مزار کی طرف سے لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا ایک لنگڑا فقیر نمودار ہوا۔ ہماری گاڑی پر نظر پڑتے ہی وہ بھونچکا رہ گیا۔ چند لمحوں تک وہ ٹھٹک کر ایک جگہ رکا گاڑی کو تکتا رہا پھر لنگڑاتا ہوا پلے لینڈ سے آگے کی طرف نکلتا چلا گیا۔ راستے میں اس نے ایک مرتبہ مڑ کر گاڑی کی طرف دیکھا......''

''پوری الف لیلہ سنا رہا ہے۔'' جلال نے جھلائے ہوئے انداز میں مجھ سے کہا۔ اس کی مجبوری تھی کہ وہ اپنے آدمی کی بات درمیان میں نہیں کاٹ سکتا تھا۔ جب تک وہ اپنی بات مکمل کر کے لائن اسے منتقل نہ کرتا وہ اس سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

اس کی بات جاری تھی۔ وہ کہہ رہا تھا ''اس کی حرکتیں مشتبہ تھیں۔ میں نے اس کا پیچھا شروع کر دیا۔ وہ پلے لینڈ کے برابر والی ڈھلان سے تیزی سے نیچے اترا اور پھر میدان صاف دیکھ کر لاٹھی بغل میں دبائی اور دوڑتا ہوا ریت کے ٹیلوں کے پیچھے گھس گیا۔ وہ کنکریٹ کے بوسیدہ زینوں کے نیچے اس طرح بیٹھا ہوا ہے جیسے پیشاب کر رہا ہو۔ اس کے لیے کیا حکم ہے......اوور!''

''اسے ہر قیمت پر پکڑو......ہم بھی ادھر آ رہے ہیں۔ تم اس سے کتنی دور ہو......اوور!''

''میں اس سے بیس پچیس گز دور ہوں۔ مجھے اس کی... بڑبڑاہٹیں سنائی دے رہی ہیں۔ شاید وہ کسی سے فون یا اپریٹس پر بات کر رہا ہے......اوور!''

''وہ ہمارا مطلوب آدمی ہے۔ ضرورت پڑے تو گولی چلا دینا۔ یہ یاد رہے کہ اس کا زندہ پکڑا جانا بہت اہم ہے...... اوور اینڈ آل!''

ہماری گاڑی مزار سے آگے نکل گئی مگر ڈیش بورڈ سے جڑے ہوئے حصے پر بدستور سبز بتی جلتی رہی۔ اگر ہم ایک اپریٹس والے کے قریب سے گزر کر دوسرے کی طرف جا رہے تھے تو اس دوران میں سرخ بتی جلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

مجھے دل ہی دل میں قلق ہو رہا تھا کہ میں جلال کے ساتھ دور بیٹھا جھک مار رہا تھا اور اس کے آدمی نے کھیل شروع کر دیا تھا۔

''میں نے جان بوجھ کر اسے لمبی گفتگو پر تادیب نہیں کی۔'' جلال کہہ رہا تھا ''اس نازک مرحلے پر اس کی دل شکنی مناسب نہیں تھی۔ وہ اپنی دانست میں مشتبہ آدمی کا پورا پس منظر بتا رہا تھا تاکہ میں آسانی سے فیصلہ کر سکوں۔''

جلال کا فیصلہ نہایت مناسب تھا۔ ایک دل شکستہ آدمی سے بہترین کارکردگی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

اشرف نے آواز دھیمی کر دی تھی لیکن اس کے آلات پر الفا اور چارلی کی ناقابلِ فہم گفتگو بدستور جاری تھی۔ اگر جلال کا آدمی ان دونوں میں سے کسی کا پیچھا کر رہا تھا تو وہ گفتگو کسی بھی لمحے اچانک ختم ہو سکتی تھی۔

پلے لینڈ سے پہلے ایک گاڑی اپنی مقررہ جگہ پر کھڑی ہوئی تھی۔ اپریٹس پر جلال اور ایم تھری کے درمیان ہونے والی گفتگو اس کے ڈرائیور نے بھی سنی ہوگی اور اسے صورت احوال کا مکمل ادراک ہو گیا ہوگا۔ کسی کو اس کے بارے میں فکر نہیں تھی۔

پلے لینڈ سے آگے ہماری گاڑی پتھریلے پلیٹ فارم کے قریب جھٹکے سے رکی ہی تھی کہ نامعلوم اپریٹس سے آنے والی، چارلی کی آواز یکا یک معدوم ہو گئی۔ شاید ایم تھری نے گہری تاریکی میں اپنی پوزیشن مستحکم کرتے ہی اسے للکارا تھا۔

''چارلی......تم کہاں ہو......؟ اوور!'' الفا کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

اس بار الفا نے انگریزی زبان کا سہارا لیا تھا۔

میں گاڑی سے اتر رہا تھا تو الفا کا پیغام دوبارہ فضا میں گونجا۔ میں صرف چارلی کا نام سمجھ سکا۔ بقیہ چند الفاظ میری فہم سے بالا تھے۔

میں نے پتھر کے چوڑے پلیٹ فارم پر دوڑ لگا دی۔ جلال کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک مجھے اپنے پیچھے سنائی دے رہی تھی۔

یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہو چکی تھی کہ ایم تھری اپنی عقابی نظروں کی وجہ سے چارلی کو گھیرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ یقینی طور پر وہی خبیث شخص تھا جو حسن کے نام سے مجھے اور سلطان شاہ کو جل دے کر نیو خان ہوٹل سے نکل بھاگا تھا۔

پتھریلے پلیٹ فارم پر کچھ بھی نہیں تھا۔ نصف صدی پہلے اس پلیٹ فارم کے ستونوں کے نیچے تک سمندر کا پانی آتا تھا لیکن انسانی صناعی نے پتھروں کی دیوار چن کر پانی کو بہت پیچھے سے روک دیا تھا۔ اس بارونق پلیٹ فارم کے نیچے اب ریت کے ناہموار ٹیلوں کی کثرت تھی جہاں ہر وقت تعفن اور

اندھیرے کا راج ہوتا تھا۔ رات کے وقت وہ اندھیرا ہولناک ہو جاتا تھا۔

اچانک فضا میں ایک فائر کی آواز گونجی، میرے کان کسی دلدوز انسانی چیخ کے منتظر رہے لیکن چند ثانیوں کے بعد فضا دوسرے فائر کی آواز سے لرز اٹھی۔

دوسرا فائر یقینی طور پر کسی اور ہتھیار سے کیا گیا تھا۔

میرے اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔ حسن نہتا نہیں تھا اور ایم تھری کا پہلا وار کارگر ثابت نہیں ہوا تھا۔ حسن کو سنبھل کر اس پر جوابی حملہ کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

کلفٹن کے بارونق میلے کو ہم دور چھوڑ آئے تھے۔ پتھریلی سیرگاہ پر اترے ہوئے لوگ پے در پے دو فائروں کی آوازیں سن کر بہت تیزی سے لوٹنے لگے تھے۔

ایم تھری نے بتایا تھا کہ لنگڑا فقیر پلے لینڈ کی سمت سے دوڑتا ہوا ٹیلوں کے پیچھے روپوش ہوا تھا۔ میں نے داہنی طرف کی سنگی دیوار پر چڑھ کر نیچے پھیلے ہوئے اندھیرے میں ریت پر چھلانگ لگا دی۔ میں نے فوری طور پر اپنے قدموں پر اٹھنے کی حماقت نہیں کی۔ جہاں کودا تھا، دبک کر وہیں بیٹھا رہا۔ جب تک دشمن کی کمین گاہ کی سمت کا تعین نہ ہو جاتا، میرا اٹھنا خطرناک تھا۔

دھم کی آواز کے ساتھ جلال بھی مجھ سے چند قدم دور آ کودا۔

وہ بہت کٹھن وقت تھا۔ مجھ پر ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔

''ایم ون کالنگ!'' اعصاب شکن سناٹے اور اندھیرے میں جلال کی سرگوشیانہ آواز میری سماعت کے پردے سے ٹکرائی۔ وہ ایرپیس پر بول رہا تھا ''ایم تھری تم کہاں ہو...... میں تمہارے آس پاس پہنچ چکا ہوں۔ مجھے تمہاری پوزیشن معلوم ہونی چاہیے۔ ورنہ ہم آپس میں ٹکرا جائیں گے۔ اوور!''

میں اضطراری انداز میں جلال کے قریب رینگ گیا تاکہ آسانی سے اس کے مذاکرات سننے میں کامیاب ہو سکوں۔''

''یہاں اندھیرا ہے۔ مجھے خود معلوم نہیں کہ میں کہاں ہوں۔ میں فائر......''

اچانک تیسرا فائر ہوا اور ایم تھری کی آواز معدوم ہو گئی۔ شاید حسن نے سناٹے میں اس کی آواز کی بھنبھناہٹ سن کر گولی داغ دی تھی۔

میں نے پتھریلی چھت کے نیچے سے شعلہ نمودار ہوتے دیکھ لیا تھا۔ میں نے نیچے جھک کر پنجوں کے بل اسی طرف دوڑ لگا دی۔ اس وقت میرے ذہن پر صرف ایک دھن سوار تھی کہ را کا ایک خطرناک ایجنٹ ہم سے کچھ دور موجود تھا۔ اس تک پہنچنے کے لیے میں نے ہر خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اندھیرے میں کچھ وقت گزار لینے کے بعد میری آنکھیں اس ماحول کی عادی ہو گئی تھیں۔ مجھے اپنے آگے پھیلی ہوئی تاریکی میں کوئی متحرک اور تاریک تر ہیولا نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں دبے قدموں آگے بڑھتا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ آخری گولی چلانے کے بعد وہ اپنی جگہ پر نہیں رکا رہا ہوگا۔ حریف کی گولی کا نشانہ بننے کے خوف سے اس نے تیزی سے اپنی پوزیشن تبدیل کی ہوگی پھر بھی اس کی بدلی ہوئی پوزیشن کا سراغ لگانے کے لیے کوئی نہ کوئی کارروائی کرنی ضروری ہو گئی تھی۔

اس وقت میں بالکل بے خوف ہو چکا تھا۔ مجھے جلال کی پروا نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے اور کس حد تک میرا مددگار ثابت ہو سکے گا۔ میں نے اپنا ریوالور سنبھالا اور اسی سمت میں ایک فائر جھونک مارا جدھر سے آخری شعلہ تیرتا ہوا نظر آیا تھا۔

اسے شاید دوسری طرف سے فرار کی کوئی راہ نہیں مل رہی تھی۔ وہ ریت کے ٹیلوں اور کنکریٹ کی فرسودہ چھت کے نیچے پھنس کر رہ گیا تھا۔

وہ مدافعت کی فکر میں مبتلا تھا اور ہر طرف نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ میرے فائر کے جواب میں اس نے اپنی بدلی ہوئی پوزیشن سے گولی چلائی۔ میں اس جوابی وار کے لیے تیار تھا۔ میں فوراً ہی سینے کے بل ریت پر گر گیا۔ اس کی چلائی ہوئی گولی میرے سر پر سے گزر گئی۔

مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ میرا دشمن نشانے کا بہت سچا تھا۔ میں نے اپنا ردِعمل دکھانے میں ذرا سی بھی کاہلی سے کام لیا ہوتا تو اس کی گولی نے میری کھوپڑی میں سوراخ کر دیا ہوتا۔

اس وقت تک وہ تین گولیاں چلا چکا تھا۔ میرے ذہن میں کسی کے کہے ہوئے یہ الفاظ گونج رہے تھے کہ ایک سیکرٹ ایجنٹ کبھی نہتا نہیں ہوتا۔

سوبھراج سے ملی ہوئی اطلاعات کی روشنی میں وہ دونوں بالکل بے سروسامانی کی کیفیت میں کراچی پہنچے تھے۔ انہیں جلد از جلد رقم اور ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔ گداگر کے بہروپ میں بے ضرر نظر آنے کے باوجود وہ مسلح تھا مگر مجھے پورا یقین تھا کہ اس کے پاس فاضل راؤنڈز نہیں رہے ہوں

گے، وہ تین گولیاں چلا چکا تھا۔ اس کے پاس زیادہ سے زیادہ مزید تین یا چار گولیاں ہو سکتی تھیں۔ انہیں ضائع کر دینے کے بعد وہ نہتا ہو جاتا۔

اس مقابلے کو قدرے طول دے کر اسے اپنا میگزین برباد کرنے پر مجبور کیا جا سکتا تھا۔ ایک بار وہ نہتا ہو جاتا تو میں تیزی کے ساتھ اس پر حملہ آور ہو کر اسے دبوچ سکتا تھا۔

اسی لمحے ایک نئی فکر نے مجھے گھیر لیا۔ ہم کلفٹن کے ایسے علاقے کے قریب موجود تھے جہاں ہر شام شہریوں کی ایک بڑی تعداد سیر و تفریح کے لیے آتی تھی۔ ان میں ہر قماش کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ وہاں امن و امان قائم رکھنے کے لیے پولیس کی بھاری نفری گشت پر رہتی تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ فائرنگ کے تبادلے کی وہ آوازیں زیادہ دیر تک پولیس والوں کو متوجہ نہ کر سکیں۔

مقابلہ طول پکڑتا تو پولیس والے دور ہی سے گولیاں برساتے ہوئے دخل انداز ہو سکتے تھے۔ جلال نے اپنی اس مہم کے سلسلے میں پولیس فورس سے کوئی مدد لی تھی، نہ انہیں اعتماد میں لیا گیا تھا۔ وہ بے خبری کے عالم میں مخل ہو کر ہماری ساری بساط بکھیر سکتے تھے۔

پولیس کی مداخلت کا وہ امکان کچھ دل خوش کن نہیں تھا۔ وقت کا تقاضا تھا کہ اس معاملے کو جلد از جلد نمٹانے کی کوشش کی جائے۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد میں نے پنجوں کے بل دوڑ کر اپنی جگہ تبدیل کی اور پھر ریت کے ٹیلوں میں گھستا چلا گیا۔ میں نرم ریت پر سینے کے بل آگے کھسک رہا تھا۔

اس وقت میرے حواس کسی وحشی درندے کی طرح پوری بیداری کی حالت میں تھے۔ میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر سنبھل سنبھل کر آگے بڑھ رہا تھا۔

اچانک پیچھے سے کسی نے میرا پیر پکڑ لیا۔ میں بھڑک کر پلٹا تو جلال پیچھے موجود تھا۔

''وہ چوہے دان میں پھنس کر خطرناک ہو گیا ہے'' وہ میرا پیر چھوڑے بغیر دردمندانہ آواز میں بولا ''آگے مت جاؤ۔ وہ نقصان پہنچا دے گا۔''

جلال کی آواز دھیمی تھی۔ میں نے بھی اسی لہجے میں کہا ''اس کا فیصلہ ہونا ضروری ہے۔ ایم تھری کو بتا دو کہ اب وہ گولی نہ چلائے، میں آگے جا رہا ہوں۔''

جلال کی اندھیرے میں چمکتی ہوئی آنکھوں میں اداسی تیر گئی اور اس نے خاموشی سے میرا پیر چھوڑ دیا۔ اس بار ہماری دبی دبی آوازوں پر اندر سے کسی ردِ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا گیا تھا۔

میں نے اپنے ریوالور سے صرف ایک فائر کیا تھا جبکہ دشمن اپنی تین گولیاں برباد کر چکا تھا۔ میں نے اندھیرے میں مزید ایک گولی چلا دی۔

''وہ میری حکمتِ عملی کو سمجھ چکا تھا۔ اس بار اس نے جوابی فائر نہیں کیا۔

میں ریت کے ناہموار ٹیلوں پر رینگتا ہوا اندر تک چلا گیا لیکن وہاں کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔ میں نے رک کر ہر طرف کا جائزہ لیا۔ وہاں ایسے گہرے سناٹے کا راج تھا جیسے برسوں سے کسی نے وہاں قدم نہ رکھا ہو البتہ بند فضا میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔

میں مطمئن ہو کر اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ اسی لمحے مجھے کچھ دور سے ایک بے ساختہ گہرے سانس کی موہوم سی آواز آئی اور میری پوری توجہ اسی طرف مبذول ہو گئی۔

اس کے سامنے ہم تھے۔ عقب میں ریت کے پہاڑ نے پلیٹ فارم کے نچلے حصے سے مل کر دوسری طرف نکلنے کا راستہ مسدود کیا ہوا تھا۔ حسن یا چارلی کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ریتیلے پہاڑ کو چیر کر اس پار نکل سکے۔ جب تک اس کے سامنے ایک حریف تھا وہ اپنی جگہ جم کر دشمن کو مار گرانے کی کوشش کرتا رہا لیکن جب اسے اندازہ ہوا کہ اس کے دشمن کی نفری میں اضافہ ہو چکا ہے تو اس نے نہایت عیاری سے کام لیتے ہوئے، مقابلے کا ارادہ ترک کر کے فرار کی راہ اختیار کر لی تھی۔

اس کے سانس کی آواز میرے بائیں طرف سے آئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ سمندر کی سمت میں دوڑ لگا کر اس متروکہ اور ریتیلی گزرگاہ پر نکل جانے کی کوشش کر رہا تھا جو رات کے اندھیرے میں سنسان پڑی رہتی تھی۔

وہ پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا اس لیے کسی غیر متوقع نشیب یا فراز میں پیر پڑنے کے سبب اس کے سینے سے یکا یک ایک گہرا سانس خارج ہوا تھا۔ جس کی آواز میرے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے میری اور جلال کی مختصر سی اور سرگوشیانہ گفتگو کا کوئی بارودی جواب نہیں دیا تھا۔

چند ثانیوں قبل جلال کو اپنے قریب پا کر مجھے یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ وہ لوگ مجھ سے غافل نہیں تھے اور میں اپنوں کی دوستانہ فائرنگ سے زخمی ہونے کے خطرے سے بے فکر ہو گیا تھا۔

وہ جان بچانے کے لیے دوڑ رہا تھا اور میں نے اسے پکڑنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

آخر کار اس کے سر پر سے سنگی پلیٹ فارم کا سایہ ختم ہوگیا اور وہ تاروں بھرے آسمان کے نیچے نکل آیا۔

ذرا سی دیر میں مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ بھاگنے میں کسی ایتھلیٹ کی طرح تیز رفتار تھا۔ میری پوری کوشش کے باوجود ہمارا درمیانی فاصلہ غیر محسوس طریقے پر بڑھتا جا رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ میری رینج سے باہر نکلتا' میں نے رک کر نشانہ لیا اور سانس روک کر اس پر یکے بعد دیگرے دو فائر کر دیے۔

پہلی گولی بھٹک گئی لیکن دوسری گولی اس کے جسم کے کسی حصے کو چاٹ گئی۔ فضا میں اس کی دبی دبی کراہ گونجی اور وہ اچھل کر دور جا گرا۔ ہمارے درمیان فاصلہ گھٹنے لگا۔

وہ صورت حال بس لمحہ بھر کے لیے برقرار رہی۔ وہ سنبھل کر اٹھا اور اس نے دوبارہ دوڑنا شروع کر دیا مگر اس بار وہ واقعی لنگڑا ہو چکا تھا۔ اس کی رفتار ٹوٹ گئی تھی۔

اس کے بدن پر موجود لمبا سا فقیری لبادہ ہوا سے پھڑ پھڑا رہا تھا اور شاید اس کے لیے الجھن کا سبب بن رہا تھا۔ اس نے بھاگتے بھاگتے وہ لبادہ اتار پھینکا۔ اس سے نجات حاصل کرنے کے بعد اس کے جسم پر صرف ایک بنیان اور گھٹنوں تک آیا ہوا چست نیکر باقی رہ گیا تھا۔

میں اس امکان سے غافل نہیں تھا کہ جلال کی طرح اسے بھی اپنے اپرنٹس پرذکی عرف الفا سے رابطہ کرنے کا موقع مل گیا ہو اور اس نے اپنے ساتھی کو صورت احوال کی سنگینی سے آگاہ کر دیا ہو مگر مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

سیکرٹ ایجنٹ آپس میں بنی کے یار ہوتے ہیں۔ جب تک حالات سازگار رہیں' وہ دل و جان سے ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں لیکن کسی ڈوبتے ہوئے جہاز پر ایک لمحے کے لیے نہیں ٹکتے۔ کسی پر بہت برا وقت آ جائے تو اس کا ساتھ دینے کے بجائے تیزی سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ ڈر یہ ہوتا ہے کہ پٹنے والے کو بچانے کے چکر میں خود ان کی چمڑی ادھڑنے کی نوبت نہ آ جائے۔

وہ دونوں کسی اہم مشن پر کراچی آئے ہوئے تھے۔ حسن کو بچانے کے چکر میں ذکی بھی مارا یا پکڑا جاتا تو ان کا مشن بری طرح ناکام ہو سکتا تھا۔ حسن کی بربادی کے بعد اگر ذکی بچا رہتا تو وہ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے بہت کچھ کر سکتا تھا۔ اس کے لیے فرد سے زیادہ اہمیت مشن کی ہونی چاہیے تھی۔ یہ فلسفہ اسے حسن کے جھگڑے میں شمولیت سے باز رکھنے کے لیے کافی تھا۔

تاریک اور بدبودار ریتیلے ٹیلوں میں ہونے والی لڑائی ناہموار ریتیلے میدان میں منتقل ہو چکی تھی۔ حسن میری گولی سے زخمی ہو گیا تھا۔ اس کی لنگڑاہٹ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کی ایک ٹانگ پر زخم آیا تھا۔

حسن کا بھاگنے کا دم خم ختم ہو چکا تھا۔ ہم دونوں کا درمیانی فاصلہ لمحہ لمحہ گھٹ رہا تھا۔ حسن کو بھی اندازہ ہو گیا کہ وہ بھاگ کر اپنی جان نہیں بچا سکے گا۔ اس کے پاس جم کر لڑنے کے سوا کوئی اور راستہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔

اچانک وہ پلٹا اور اس نے کسی بے خطا نشانے باز کی طرح دونوں ٹانگوں پر جھک کر اپنے داہنے ہاتھ میں دبے ہوئے ہتھیار سے میری طرف فائر کر دیا۔

اس وقت عزم' ارادے اور فیصلے کا کوئی کردار نہیں تھا۔ یہ میری چھٹی حس تھی جس نے مجھے یکایک بائیں طرف جھکنے پر مائل کر دیا اور گولی سنسناتی ہوئی میرے داہنے شانے کے قریب سے گزر گئی۔ میں اپنی جگہ جما رہتا تو وہ گولی میرے دل میں اتر سکتی تھی۔

ذرا سی دیر میں حسن نے دوسری بار اپنی بہترین نشانہ بازی کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے معلوم ہوتا تھا جو اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر محض آواز پر صحیح نشانہ لینے پر قادر ہوتے ہیں۔ دوربین اور لمبی رینج کی رائفل کے سہارے وہ کسی مشکل ترین ٹارگٹ کو آسانی سے گرا دینے کی صلاحیت سے مالا مال تھا۔

دونوں حریف اپنی چار چار گولیاں استعمال کر چکے تھے۔ حسن سے دور رہ کر مقابلہ کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس کی بچی ہوئی دو یا تین گولیوں میں سے کوئی بھی میرے لیے مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ وہ اپنی مہارت کے باوجود مجھے زخمی کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا جبکہ میں نے اسے لنگڑانے پر مجبور کر دیا تھا۔

فضا میں اس کے فائر کی بازگشت معدوم ہونے سے پہلے میں نے ریوالور تانا اور اس پر فائر کرتے ہوئے پوری طاقت سے دوڑ لگا دی۔

ایک خطرناک حریف کے سامنے وہ میری حرکت حسن کے وہم و خیال سے بھی ماورا تھی۔ میرا نشانہ بھی برا نہیں تھا۔ اسے بوکھلا کر دفاعی پوزیشن اختیار کرنی پڑی۔

وہ ایک جگہ رکا ہوا تھا، میں دوڑ رہا تھا۔ ہمارا درمیانی فاصلہ تیزی سے کم ہو رہا تھا۔ اس کے ہتھیار میں بچی ہوئی گولیاں میرے لیے مہلک ثابت ہو سکتی تھیں۔ پہلی گولی ہوا میں نکل جانے کے باوجود میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور دوسرا فائر کر دیا۔

وہ دوسری گولی سے بھی خود کو بچا گیا۔ میں نے چند فٹ کے فاصلے سے اس پر اپنی آخری گولی استعمال کی جو اس کے بازو میں اتر گئی اور وہ لڑکھڑا کر ریت پر ڈھیر ہو گیا۔

میرے ریوالور کا چیمبر خالی ہو چکا تھا۔ میں نے وزنی ریوالور پوری قوت سے حسن کے جسم پر دے مارا۔ وہ ٹھوس آہنی پتھر کی طرح حسن کی پسلیوں پر پڑا اور وہ بلبلا اٹھا۔ اگلے ہی لمحے میں نے چھلانگ لگا کر اس کے تنومند اور کسرتی وجود کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔

میرے ریوالور کی براہِ راست ضرب سے اس کا پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں، میں نے حسن کے چہرے پر خوف کا سایہ آتے دیکھا اور اس کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر اس کی ناک پر پوری قوت سے ٹکر رسید کر دی۔

وہ ویرانہ اس کی دبی دبی چیخ سے گونج اٹھا۔ اس نے میرے پیٹ میں اپنے گھٹنے اڑا کر مجھے دور اچھالنے کے لیے بہت زور مارا لیکن میں حسّاس مقامات پر ضرب آنے کے باوجود جونک کی طرح اس سے لپٹا رہا۔

وہ میری توقع سے کہیں زیادہ تنومند اور زور آور تھا۔ گولیوں کے دو زخم کھانے کے باوجود اس میں لڑ مرنے کا حوصلہ باقی تھا۔ وہ چاروں ہاتھ پیروں سے مجھے مارنے کی کوششیں کر رہا تھا اور میرے دونوں ہاتھ اس کے سر کو زمین سے ٹکائے رکھنے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔

اسے اپنے نیچے دبائے رکھنے کے لیے مجھے پوری طاقت صرف کرنی پڑ رہی تھی۔ میں مکا مارنے کے لیے ایک ہاتھ ہٹاتا تو اگلے ہی لمحے وہ زور لگا کر میرے نیچے سے نکل جاتا۔ سر میرے قابو میں آ جانے کی وجہ سے وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔

پھر میں نے وحشیانہ انداز میں اس کے چہرے اور پیشانی پر زوردار ٹکریں رسید کرنا شروع کر دیں۔

حسن کے پاس اس حملے سے دفاع کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔ لمحوں ہی لمحوں میں اس کا چہرہ پھٹے ہوئے زخموں سے بہنے والے خون سے لہولہان ہو گیا۔ ٹکروں سے اس کی تواضع کرتے ہوئے میرا سر بھی چکرانے لگا اور آخر کار میری آنکھوں کے سامنے رنگا رنگ چنگاریاں سی اڑنے لگیں۔

اچانک پشت سے کسی نے نرمی سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا ''الگ ہو جاؤ۔ اب یہ کہیں نہیں جا سکتا۔'' وہ جلال کی ہمدردانہ آواز تھی۔

اسی لمحے ایک اجنبی شخص نے اپنے ریوالور کی نال ریت پر گرے ہوئے حسن کی کھوپڑی سے لگا دی۔ شاید وہ ایم تھری تھا۔ ''ہلے تو گولی مار دوں گا۔ جہاں ہو وہیں پڑے رہو!'' اس نے خوں خوار لہجے میں حسن کو حکم دیا۔

میں حسن کے سینے سے اترا تو میرا سر چکرا رہا تھا۔ میں کسی بہکے ہوئے شرابی کی طرح اپنے دونوں پیر پھیلا کر ریت پر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت تک جلال کا ہاتھ میرے شانے پر تھا۔

دور سے پولیس کاروں کے سائرن کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کلفٹن آنے والے بعض من چلے نوجوان محض اپنی خوشی کے اظہار یا تفریح کے لیے اِکّا دُکّا فائر کرتے رہتے تھے اس لیے پولیس ان پر زیادہ دھیان نہیں دیتی تھی لیکن تواتر سے ہونے والے دس سے زیادہ فائر کسی بھی پولیس والے کو تشویش زدہ کر دینے کے لیے کافی تھے۔

حسن بہت سخت جان تھا۔ اس کے بدن پر گولیوں کے دو زخم آئے تھے، پسلیوں کو میرے آہنی ریوالور نے مجروح کر دیا تھا، چہرہ لہولہان تھا لیکن وہ ہاتھ پیر پھیلا کر اتنے اطمینان سے ریت پر چت لیٹا ہوا تھا جیسے اپنے آرام دہ بستر پر دراز ہو۔

''لڑائی میں تمہاری داڑھی کے کئی حصے نکل گئے ہیں۔'' جلال نے میرے کان میں سرگوشی کی ''بہتر ہو گا کہ پولیس والوں کے آنے سے پہلے پوری داڑھی نکال دو۔''

میرے ہاتھ بے اختیار اپنے چہرے پر چلے گئے اور میں نے بال صاف کرنے شروع کر دیے۔

جلال ایرپیس سنبھال کر اشرف کو گاڑی سمیت وہاں پہنچنے کی ہدایت دینے میں مصروف ہو گیا۔ حسن کے ساتھ آنکھ مچولی ہونے کے بعد اسے مقام کا تعین کرنے میں دشواری نہیں تھی۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے پختہ سڑک موجود نہیں تھی لیکن جلال کو توقع تھی کہ اشرف کی طاقت ور گاڑی سڑک سے اتر کر مختصر سا ریتیلا حصہ آسانی سے عبور کر لے گی۔

میں نے اپنے چہرے سے داڑھی صاف کی تو مجھے حسن کی تازہ خون کی چپچپاہٹ اپنے ہاتھوں پر محسوس ہوئی۔ میں نے جیب سے رومال نکال کر اپنا چہرہ صاف کیا تو حسن کی چمکتی ہوئی نظریں میری طرف مرکوز تھیں۔

میرا چہرہ قدرے صاف ہوتے ہی حسن بری طرح چونک پڑا اور بے ساختہ بولا ''اوہ! تو تم ہو۔ مجھے کل رات ہی شبہ ہو گیا تھا کہ دوستی کے پردے میں تم کسی بدترین دشمن کا پیغام لائے ہو۔ تم کون ہو؟'' اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی لیکن پُراعتماد تھی۔

''کوبرا!'' میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اچانک کہہ ڈالا۔

''تت..... تم نے غداری کی ہے۔'' اس کی آواز میں تنفر

...مت آیا "ہم سے مل کر دغا دینے سے بہتر تھا کہ تم صاف انکار کر دیتے۔ تمہارا حشر بہت عبرت ناک ہوگا۔"

"تمہارا دوسرا ساتھی کہاں ہے؟" میں نے اس کے چہرے کو نظر انداز کر کے سرد لہجے میں پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" اس نے بے پروائی سے کہا "میری طرح اسے بھی خود تلاش کرلو۔"

"تمہارا یہ خناس ذرا سی دیر میں نکل جائے گا۔" میں نے زہریلے لہجے میں جواب دیا "اس وقت کے لیے اتنا کافی ہے کہ تم بازی ہار چکے ہو۔"

پولیس موبائلز کے سائرنوں کی آوازیں فضا میں مسلسل گردش کر رہی تھیں۔ مختصر وقفوں سے وہ آوازیں گھٹ اور بڑھ رہی تھیں۔ شاید پولیس والے جائے واردات کی تلاش میں سرگرداں تھے اور اصل محاذ پر معاملہ ٹھنڈا ہو جانے کی وجہ سے اِدھر اُدھر بھٹکتے پھر رہے تھے۔ میری دانست میں یہ اچھا ہی تھا کہ پولیس کی مداخلت سے پہلے ہم لوگ را کے ایجنٹ کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل جاتے۔

اشرف نے کافی پھرتی کا مظاہرہ کیا۔ جلال کی ہدایت ملنے کے چند منٹ بعد ہی وہ میدان اس کی گاڑی کے ہیڈ لیمپس سے دور تک روشن ہو گیا۔ مگر یہ دیکھ کر مجھے تشویش ہوئی کہ اس کے پیچھے ایک اور گاڑی کے روشن ہیڈ لیمپس نظر آ رہے تھے۔

دوسری گاڑی کے ہیڈ لیمپس سطح زمین سے زیادہ اونچے نہیں تھے اس لیے وہ ہمارے مشن پر آئی ہوئی دوسری گاڑی نہیں ہو سکتی تھی۔ ویسے بھی جلال نے اس کے بارے میں پریٹس پر کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔ اسے اگلے حکم تک اپنی جگہ پر موجود رہنا چاہیے تھا۔

چند ثانیوں بعد اشرف کی گاڑی ہمارے قریب آ کر رکی تو حسن بے ساختہ بول پڑا "آخر میرا شبہ درست ثابت ہوا۔ آرمی کے نمبر والی یہ اسپیشل وہیکل دیکھتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ آج کی رات بھاری ہو سکتی ہے۔"

ہم تینوں نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔ اس وقت سب کی توجہ دوسری گاڑی کی طرف مرکوز تھی۔ وہ پولیس موبائل تھی جو سائرن بند کر کے خاموشی سے اشرف کا پیچھا کرتی ہوئی وہاں تک پہنچی تھی۔

اس موبائل میں سے چار مسلح پولیس والے اپنی رائفلیں سیدھی کرتے ہوئے بہت مستعدی کے ساتھ نیچے آئے۔ اشرف کی بھاری گاڑی کی نمبر پلیٹ سے انہیں علم ہو چکا تھا کہ وہ ایک فوجی گاڑی کا تعاقب کر رہے تھے اس لیے انہوں نے اپنے روایتی انداز سے ہٹ کر سائرن اور گردشی روشنی بند کی ہوئی تھی ان کے طور طریقوں سے بھی احتیاط کا اظہار ہو رہا تھا۔

پولیس موبائل کی اکلوتی پینجر سیٹ سے سب سے آخر میں ایک اے ایس آئی برآمد ہوا۔ اس سے پہلے اشرف اپنی گاڑی سے نیچے آ چکا تھا۔

پولیس موبائل کے ہیڈ لیمپس بجھا دیے گئے تھے لیکن اشرف کی گاڑی کی بتیاں جل رہی تھیں۔ نئے آنے والوں نے ہمارے زخمی شکار کو تحیر آمیز نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اس دوران میں حسن نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی تھی۔ لاتعلقانہ انداز میں ریت پر اسی طرح چت پڑا رہا تھا جیسے اسے آنے جانے والوں سے کوئی سروکار نہ ہو۔

جلال اپنی جگہ چھوڑ کر آگے بڑھا اور اے ایس آئی کی پیش قدمی رک گئی۔

جلال ایک سویلین محکمے کا ذمے دار افسر تھا۔ سادہ لباس میں اس کی شخصیت اتنی وجیہہ اور پروقار تھی کہ اے ایس آئی اس سے مرعوب نظر آنے لگا۔ یہ امکان بھی تھا کہ وہ جلال کو کوئی بڑا فوجی افسر تصور کر رہا ہو۔

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ کراچی اور دیگر بڑے شہروں میں بیشتر اعلیٰ پولیس افسران کسی موبائل میں بیٹھ کر علاقے کا گشت لگانے کو ہتک تصور کرتے ہیں۔ ابتدا میں شہری موبائل میں سوار کم خواندہ سپاہیوں کے رحم و کرم پر ہوتے تھے۔ شکایات بڑھیں تو موبائل کی سربراہی ہیڈ کانسٹیبل اور اے ایس آئی کے عہدے کے جونیئر افسروں کو سونپ دی گئی جو عام شہریوں کو آسانی سے اپنے رعب میں لے لیتے ہیں لیکن جارح شخصیات اور بیش قیمت گاڑیوں سے نفسیاتی طور پر مرعوب ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک پر قانون کا یکساں اطلاق نہیں کرتے۔

موبائل میں آنے والے اے ایس آئی کا المیہ بھی یہی تھا۔ اسے ریت پر پڑے ہوئے شخص کا خون آلود چہرہ صاف نظر آ رہا تھا مگر اس نے انجان بنتے ہوئے انتہائی فدویانہ لہجے میں جلال سے پوچھا "سر! کیا یہاں کوئی واردات ہوئی ہے؟"

جلال نے اس کے مدافعانہ رویے کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور کھردرے لہجے میں بولا "اس سے تمہارا کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ ہمارا کیس ہے۔"

"یس سر!" اے ایس آئی نے ایڑیوں سے ریت اڑا کر اسے سلیوٹ کیا۔ اس کے ماتحتوں نے اس کی تقلید کی اور وہ

سب اپنی موبائل کی طرف لوٹ آئے۔ کسی نے جلال سے اس کی شناخت طلب کرنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

شاید یہ اشرف کی گاڑی پر موجود آرمی کی نمبر پلیٹ کا کمال تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ مرعوب ہو کر لوٹ رہے تھے ورنہ انہیں کسی بھی مرکزی یا صوبائی ادارے کے بڑے سے بڑے افسر سے یہ پوچھنے کا حق حاصل تھا کہ وہ علاقے کے تھانے کو اطلاع دیے بغیر ان کی حدود میں کیا کرتا پھر رہا تھا، زخمی کون تھا اور اس واقعے کی نوعیت کیا تھی۔

ایسا وہیں ہوتا ہے جہاں قانون کی مکمل عمل داری اور بالا دستی ہو۔ جس ملک میں ایک اہم شخصیت کی گاڑی کے سیاہ شیشوں سے تاریک اسٹکر اتارنے کے جرم میں ایک سپاہی کو معطل اور معتوب کر دیا جائے، وہاں پولیس والے بھی معاشرے کے رسوم و رواج کے ساتھ چل کر اپنی نوکریاں بچانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ جب تک سدھار کی کوئی بھی مہم اعلیٰ ترین سطح سے شروع نہ کی جائے، وہ مزید بگاڑ کا سبب بنتی رہے گی۔

''میں پولیس کی مداخلت سے خائف تھا۔ یہ تو بہت آسانی سے لوٹ گئے!'' میں نے جلال پر اپنی حقیقی حیرت کا اظہار کیا۔

''ہر پولیس والا ایسا مرنجانِ مرنج طبیعت کا مالک نہیں ہوتا۔ ہمیں قیدی سمیت جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ فضا میں ابھی تک دوسری گاڑیوں کے سائرن کی آواز سنائی دے رہی ہیں۔'' اس نے پرتشویش سنجیدگی سے کہا۔

حسن کی جامہ تلاشی لی گئی۔ اس کے بدن پر پورے کپڑے تک نہیں تھے تو ان میں کیا ملتا۔ اس رسمی کارروائی کے بعد اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے گئے۔ پوری طرح زیر ہونے کے بعد اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ یوں بن گیا تھا جیسے وہ ربڑ کا کوئی بے جان بت ہو جسے اپنی مرضی سے توڑا مروڑا جا سکے۔

حسن کے پستول سے زیادہ اہمیت اس کے ایرپیس کی تھی جو جلال نے آف کر کے اپنے قبضے میں لے لیا۔ ایم تھری کی نگرانی میں حسن کو گاڑی کے عقبی حصے میں ڈال دیا گیا۔ ہم دونوں اگلی سیٹ پر بیٹھے اور اشرف کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

راستے میں ہمیں ہر طرف افراتفری و خوف و ہراس کی کیفیات نظر آئیں۔ فائرنگ کے شور اور پولیس موبائلز کی کثرت سے نقل و حرکت نے تفریح کے لیے آئے ہوئے تماشائیوں کا سارا مزہ کرکرا کر دیا۔ بیشتر افراد بال بچوں کو سمیٹ کر وہاں سے رخصت ہو چکے تھے۔ وہاں رہ جانے والے لوگ جگہ جگہ ٹولیوں کی صورت میں جمع ہو کر اپنی قیاس آرائیوں میں مصروف تھے۔ ان میں سے کچھ تماشائی تھے۔ بقیہ افراد اپنے روزگار اور تعمیراتی سلسلے میں وہاں رہنے والے تھے جنہیں الگ سے پہچانا جا سکتا تھا۔

جلال نے واپسی کا سفر شروع ہوتے ہی ایرپیس پر ایم فائیو یعنی دوسری گاڑی کے ڈرائیور کو اپنے گیریژن میں واپسی کی ہدایت دے دی۔ اس کا کام پورا ہو چکا تھا۔ اس مخصوص گاڑی کو بلا مقصد شہر کا طواف کرانا مناسب نہیں تھا۔

اشرف کی گاڑی کی اسکرین سپاٹ ہو چکی تھی۔ ذکی یا الفا نے اپنے ساتھی کی طرف سے مایوس ہو کر اپنا ایرپیس بند کر دیا تھا۔ چارلی کا ایرپیس جلال بند کر چکا تھا۔ سارے واقعات جتنی تیزی سے رونما ہونے شروع ہوئے تھے اسی تیزی کے ساتھ ختم ہو چکے تھے۔

''اب کہاں کا ارادہ ہے؟'' اشرف کی موجودگی کی وجہ سے میں نے جھجکتے ہوئے جلال سے پوچھا۔

''ہمیں قیدی سمیت صدف مینشن اتار کر اشرف بھی اپنے گیریژن میں واپس چلا جائے گا۔'' اس نے بتایا ''میں نے دونوں گاڑیاں بارہ بجے تک کے لیے مستعار لی تھیں لیکن ایم فور کی حاضر دماغی کی وجہ سے ہم بہت جلد اس قصے سے نمٹ گئے ہیں۔''

''میں اپنے ایرپیس پر سب کچھ سن رہا تھا۔'' اشرف نے ہماری گفتگو میں پہلی مرتبہ دخل انداز ہوتے ہوئے کہا ''اگر لنگڑا فقیر اس کی نظروں میں نہ آتا تو آپ لوگوں کو اپنے شکار تک پہنچنے میں کافی مشکل پیش آ سکتی تھی۔''

میری خواہش تھی کہ اول خان سے بات کر کے قیدی کو اسٹیشن فور منتقل کر دیا جائے۔ ایس ٹی ایف بحران سے نکل چکی تھی۔ کسی بھی وقت اس کی سرگرمیوں کی بحالی کا حکم آ سکتا تھا۔ اس عبوری مدت میں اول خان اپنے صوابدیدی اختیار سے کام لے کر چارلی کو قبول کر سکتا تھا۔

صدف مینشن میں مجھے سنیل کے بارے میں تلخ تجربہ ہوا تھا۔ آئی بی والے اپنے قیدیوں سے باز پرس کے سلسلے میں قانونی حدود کا خیال رکھنے کے عادی تھے جبکہ میں اس سے نہایت بے رحمانہ پوچھ گچھ کا ارادہ رکھتا تھا لیکن وہ ایک متنازعہ موضوع تھا جس پر اشرف کی موجودگی میں کھل کر بات نہیں کی جا سکتی تھی۔

اس وقت خاموشی بہتر تھی۔ جلال جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ ہو جاتا تو پھر میں اس سے چارلی کی منتقلی کے بارے میں بات

چھیڑ سکتا تھا۔

شہر سے گزرتے ہوئے ہم کچھ دیر میں صدف مینشن پہنچ گئے۔ جلال نے راستے میں ہی اپنے آدمیوں کو اپنے پہنچنے کی اطلاع دے دی تھی۔ وہ صدف مینشن کے دیوہیکل چوبی دروازے کے نہ جانے کن سوراخوں سے جھانک رہے تھے کہ گاڑی رکتے ہی دروازے کی کشادہ ذیلی کھڑکی کھلی اور دو سفید پوش افراد اسٹریچر سنبھالے، لپک کر گاڑی کے قریب آ گئے۔

جلال نے اشرف کا شکریہ ادا کیا۔ ہم دونوں اس سے ہاتھ ملا کر گاڑی سے اتر گئے۔

''اندر چلے آؤ۔'' جلال نے مجھ سے کہا ''اسے میرے آدمی بے ہوش کر کے اندر لے آئیں گے۔''

عمارت کی طرف جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ اشرف نے اتر کر ٹرک کا عقبی دروازہ کھول دیا تھا اور دونوں سفید پوش گاڑی میں گھس رہے تھے۔

جلال مجھے اپنے ساتھ لے کر اس کمرے میں چلا گیا جو بیک وقت دفتر، لائبریری اور آرام گاہ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ چند منٹ بعد ایم تھری نے آ کر اطلاع دی کہ چارلی کو بے ہوش کر کے اندر منتقل کیا جا چکا تھا اور اشرف گاڑی لے کر واپس چلا گیا تھا۔

''اسے جلد از جلد ہوش میں آنا چاہیے۔ اس کا دوسرا ساتھی ابھی تک آزادی سے شہر میں دندناتا پھر رہا ہے۔'' جلال کی وہ ہدایت سن کر ایم تھری خاموشی سے واپس لوٹ گیا۔

''میرا خیال ہے کہ چارلی کو اسٹیشن فور لے جانا زیادہ بہتر رہے گا۔'' چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد میں نے زبان کھولی۔

''فکر نہ کرو۔'' میری موجودگی میں یہاں تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ سنیل کے معاملے میں میرے آدمی ضابطوں سے مجبور تھے۔'' اس نے فوراً میری دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''یہ بہت ڈھیٹ اور پکا معلوم ہوتا ہے۔ تم نے نوٹ کیا ہوگا کہ ایک بار زیر ہونے کے بعد وہ پولیس کی آمد اور روانگی تک بے فکری سے ریت پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہمیں بے رحمانہ سلوک کرنا ہوگا۔''

''جو چاہو کر لینا۔ تمہیں مکمل آزادی حاصل ہوگی۔ میں صرف تماشا دیکھتا رہوں گا۔'' وہ مسکرا کر بولا ''تمہاری اجازت کے بعد میں اسے ہاتھ لگاؤں گا۔''

''بہتر ہوگا کہ دوسرے قیدیوں کو بھی اس کے سامنے جمع کر لیا جائے!'' میں نے مشورہ دیا۔

''اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ سب یک جا ہو کر رونا پیٹنا شروع کر دیں گے۔''

اس کے حشر سے دوسرے عبرت پکڑیں گے۔ کسی نے کوئی بات چھپائی ہوئی ہے تو وہ اسے بھی اگل دے گا۔ یہ سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور یکساں سلوک کے حق دار ہیں۔ ان میں سے کسی نے شور شرابا کیا تو اس کے حلق میں کپڑا ٹھونس دیا جائے گا۔''

''اسے ہوش میں آنے دو۔ یہ بھی ہو جائے گا۔'' جلال نے کسی بحث کے بغیر اپنی آمادگی ظاہر کر کے مجھے حیران کر دیا۔

''حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میرے چہرے کے تاثرات دیکھ کر جلال نے اپنی بات جاری رکھی ''آج میں نے تمہارے ذہن سے دھند صاف کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حالات مجبور کر دیں تو ہم اپنے دشمنوں کے حق میں بہت سفاک ثابت ہوتے ہیں۔ دوسری صورت میں ہم قانونی حدود و قیود کا پورا احترام کرتے ہیں۔''

''دوسری بات اپریٹس کے بارے میں ہے۔ میں ایک دو روز کے لیے اسے اپنے پاس رکھنا چاہوں گا تاکہ الفا سے بات کر سکوں۔''

''رکھ لینا مگر یہ یاد رہے کہ اپریٹس مجھے واپس دینا ہوگا۔ یہ چارلی کے جرم کا پہلا اور بنیادی ثبوت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم چکر دار باتیں کرنے میں مہارت رکھتے ہو۔ اس سے رابطہ ہو گیا تو کچھ نہ کچھ اگلوا لو گے۔''

''آج تم میری ہر بات پر آمناً و صدقناً کرتے جا رہے ہو۔''

''آج میں نے پہلی بار تمہاری بے جگری کا مظاہرہ دیکھا ہے۔ تم اپنی جان پر کھیل کر پیش قدمی نہ کرتے تو یہ معاملہ اتنی خوش اسلوبی سے نہیں نمٹ سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ان ہی ٹیلوں میں پھنس کر ہمارے ہاتھوں جہنم واصل ہو جاتا۔'' وہ بہت فراخ دلی سے کہہ رہا تھا ''اسے زندہ پکڑ کر ہم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔''

''کہیں تم گوپال کی طرح اس کا بھی تبادلہ کرنے کے بارے میں تو نہیں سوچ رہے؟''

''اب بھارت میں ہمارا ایسا کوئی قیدی نہیں ہے جس کے تبادلے کی ضرورت ہو۔ فی الحال اس کی گرفتاری کے ریکارڈ پر نہیں لائی جائے گی۔ تم دل کھول کر اس کا بھرکس نکال لو۔ یہ زندہ بچا تو پھر سوچیں گے کہ اس کا کیا کیا جائے۔''

وقت گزارنے کے لیے ہم فرصت سے مشترکہ دلچسپی کے موضوعات پر تبادلہ خیال کرتے رہے جن میں گیری کی اومان روانگی کا معاملہ بھی شامل تھا۔

جلال نے چارلی کا اپریٹس اپنی جیب سے نکال کر میرے حوالے کردیا تھا۔ اس دوران میں اس کا ایک آدمی چائے بنا کر لے آیا تھا۔ جس کی شدت سے ضرورت محسوس ہورہی تھی۔

چارلی کو انجکشن لگانے کے بجائے ضرب لگا کر بے ہوش کیا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد خبر آئی کہ وہ ہوش میں آ گیا تھا۔ ہم دونوں چائے ختم کرکے سگریٹ نوشی سے بھی فارغ ہو چکے تھے۔ جلال نے بے تکلفی سے میرے شانے پر ہاتھ مارا اور ہم دونوں دفتر سے باہر نکل گئے۔

چارلی کے چہرے سے خون کے داغ صاف کردیے گئے تھے لیکن اس کا پورا چہرہ کٹے پھٹے زخموں کی وجہ سے نیلا اودا ہوکر سوجا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ بدستور پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ ٹانگوں میں ڈیڑھ فٹ لمبی ہلکی زنجیر والی بیڑیاں پہنا دی گئی تھیں جن کی وجہ سے وہ آسانی سے چل پھر سکتا تھا لیکن بھاگنے سے قاصر تھا۔

وہ فرش پر پیر سمیٹ کر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ بولا ''بڑے غداری پر تل جائیں تو آنے والی تباہی کو کوئی نہیں روک سکتا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ تم ہمارے سب سے بڑے مددگار ثابت ہوگے۔ تم کیسے کوبرا ہو کہ تم نے ہم کو ہی ڈس لیا!''

''یہ ہوتا رہتا ہے۔ اب اٹھو اور اوپر چلو۔ میں تم کو کچھ مہمانوں سے ملواتا ہوں۔'' میں نے کسی اشتعال کے بغیر، سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کاش! دہلی والوں کو علم ہوجائے کہ تم آرمی کے ہاتھوں بک چکے ہو اور کوبرا کے مقام سے گر کر ہماری آستین کے سانپ بن گئے ہو!'' اس نے اٹھتے ہوئے حسرت سے کہا۔

''رفتہ رفتہ سب کچھ پتا چل جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔''

''میں وہ کام کرنے آیا ہوں جس کی مجھے تنخواہ ملتی ہے۔'' اس نے آہستہ آہستہ زینوں کی طرف بڑھتے ہوئے جواب دیا۔ اس کے پیروں میں پڑی ہوئی زنجیر کی کڑیاں آپس میں ٹکرانے سے اونچے ہال میں ایک وحشت ناک گونج پھیل رہی تھی۔

جلال نے اپنے آدمیوں کو پہلے ہی ہدایت کردی تھی۔

عمارت کی اوپری منزل سے ملی جلی آوازیں آنا شروع ہوگئی تھیں جن سے ظاہر ہورہا تھا کہ اوپر والے قیدیوں کو یکجا کیا جارہا تھا۔

چارلی بالکل مزاحمت نہیں کررہا تھا۔ جو کہا جارہا تھا، اس پر خاموشی سے عمل کررہا تھا۔ زنجیر کی وجہ سے اسے چوبی زینے طے کرنے میں دشواری ہورہی تھی لیکن وہ کوئی حرفِ شکایت اپنی زبان پر نہیں لایا۔ سنبھل سنبھل کر زینے چڑھتا رہا اور آخر کار اوپری منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے رویے سے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس نے وہ سب اپنا نوشتہ تقدیر سمجھ کر قبول کرلیا ہو۔

اوپر پانچ قیدی اپنے اپنے زنداں سے باہر نکل کر کھلی جگہ پر جمع کرلیے گئے تھے۔ ان میں سے چار کے چہروں کا تعلق سوبھراج کیس سے تھا۔ سنیل، نرمل، مدن لال اور شیا کے علاوہ وہاں موجود پانچواں چہرہ میرے لیے نیا تھا۔

چارلی کو دیکھ کر ان میں سے کسی کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ سب اس کے لیے یکسر اجنبی ثابت ہوا تھا۔

''یہ سب یہاں کے قیدی ہیں۔'' میں نے چارلی کو مخاطب کرکے کہا۔ اس کو حسن تصور کرتے ہوئے مجھے کچھ ذہنی اذیت سی ہورہی تھی۔ جب تک ان کے اصل نام سامنے نہیں آجاتے تھے، ان کو حسن اور ذکی کے بجائے چارلی اور الفا کے ناموں سے یاد کرنا زیادہ بہتر تھا۔

''سب مردوں کی حالت ابتر ہے۔'' اس نے ان کے چہروں پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا ''ان کے شیو بڑھے ہوئے ہیں، بدن اور کپڑے گندے ہیں، آنکھوں میں وحشت اور ویرانی کا راج ہے مگر عورت بہت بہتر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہارے استعمال میں آتی رہتی ہے۔''

''ہم عورتوں کا احترام کرتے ہیں، مردوں سے ذرا سی بھی رعایت نہیں کرتے۔ چند روز میں تم بھی اسی حال کو پہنچ جاؤ گے۔''

''کیا تم مجھے یہ جتانا چاہ رہے ہو کہ تم مجھے چند روز تک زندہ رکھنے کا ارادہ رکھتے ہو!'' اس کی بھرّائی ہوئی آواز استہزائی ہوگئی۔

''اس کا انحصار تمہارے رویے پر ہے۔ میں پھر پوچھ رہا ہوں کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔'' میں نے کینہ توز نظروں سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''خود کو دشمنوں کے ہاتھ بیچ کر تم یہ حق کھو چکے ہو۔'' اس نے جواب دیا ''اپنی قیمت لگوا کر تم کو برا رہے ہو نہ یہ لوگ

تمہیں سوبھراج رہنے دیں۔ تم سے کام نکل جانے کے بعد یہ تمہیں مجھ سے برے انجام کو پہنچا دیں گے۔''

''یہ...... یہ سوبھراج نہیں، کرنل داور ہے!'' سنیل پھنسی پھنسی آواز میں بولنے پر مجبور ہو گیا۔

میں زہریلے انداز میں مسکرایا ''اب بتاؤ کہ تم کیوں آئے ہو؟''

''بار بار اپنے سوال کو نہ دہراؤ۔'' اس کے تیوروں میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی ''مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ ایک ہارا ہوا جواری تمہارے جیسے لب و لہجے میں بات نہیں کر سکتا۔ سوبھراج کہاں ہے؟''

''یہ سب اس کے چیلے ہیں۔'' میں نے پانچوں قیدیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا ''اسے کہیں اور رکھا گیا ہے۔ وہ تم سے عاجز ہے کیونکہ تم اس کے عذاب میں اضافے کا سبب بن کر یہاں نازل ہوئے ہو۔ تمہیں دور مار رائفلیں کیوں درکار ہیں؟''

''سوبھراج کو بھگوان کی مار پڑے!'' اس بار چارلی کو قدرے طیش آ گیا ''معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تمہارے سامنے اپنا کھایا پیا اگل دیا ہے مگر میں سوبھراج نہیں ہوں۔ میری زبان سے تم ایک لفظ نہیں اگلوا سکو گے۔''

''میں تمہاری زبان حلق سے باہر کھینچ کر اس میں سوئی بھونک دوں گا۔ پھر دیکھوں گا کہ تم کتنی دیر خاموش رہتے ہو۔'' میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' اس کی آواز کا اعتماد متزلزل ہو گیا۔

''یہ ابھی سب کے سامنے ہو گا۔'' اپنی زبان بندی سے پہلے اپنا نام بتا دو۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ دیر بعد تم اپنی زبان کو خود دو پھانکوں میں تبدیل کر لو اور چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ بتا سکو۔'' اس سے بات کرتے ہوئے میں نے جلال کو اشارہ کیا۔

اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوک نگل کر رہ گیا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر، مسلسل مجھے گھورے جا رہا تھا۔

''اور یہی سلوک تم سے بھی ہو گا۔'' یکا یک جلال نئے قیدی سے مخاطب ہو کر غرایا۔ اس کے چہرے پر وحشت اور پریشانی کی علامات عود کر آئیں۔

میں اس شخص کے بارے میں الجھن میں مبتلا تھا لیکن سب قیدیوں کی موجودگی میں جلال سے اس کے بارے میں سوال کرنے سے قاصر تھا۔

صدف مینشن میں روایتی تفتیش کا بہت سا ساز و سامان موجود تھا لیکن لمبے سوئے وہاں دستیاب نہیں تھے۔ کچھ دیر بعد ایک شخص بازار سے تین انچ لمبے سوؤں کا ایک پیکٹ خرید کر لے آیا۔

میں نے پیکٹ کھول کر ایک سوا اپنی چٹکی میں دبا کر چارلی کو دکھایا اور کہا ''اب یہ تمہاری زبان میں جائے گا۔ تم کتنے کی طرح منہ کھولے رہو گے تمہاری زبان باہر لٹکتی رہے گی۔''

اس وقت ایم تھری سمیت تین افراد ہماری معاونت کے لیے موجود تھے۔ میرا اشارہ پاتے ہی وہ چارلی پر ٹوٹ پڑے۔ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ پیروں میں زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ تنومند ہونے کے باوجود وہ اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ چند لمحوں میں کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح ...... پختہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

فرش پر گر کر وہ بری طرح مچل رہا تھا لیکن جلد ہی بے بس ہو گیا۔ ایم تھری نے اس کی گردن پر گھٹنا جما کر اس کا سر قابو میں کر لیا تھا۔

میں نے اس پر ہاتھ ڈالا تو اس نے بہت سختی سے اپنے دانت بھینچ لیے۔ مجبور ہو کر میں نے اپنا ریوالور نکال لیا جس کا چیمبر خالی ہو چکا تھا۔ جبڑوں پر نال کی دوسری ضرب پڑتے ہی چارلی نے منہ کھولا تو میں نے اس کے دانتوں کے درمیان ریوالور کی نال اڑا دی۔ اگلے ہی لمحے میں، میں نے رومال سے پکڑ کر اس کی لیس دار زبان دہانے سے باہر کھینچی اور ہونٹوں کے قریب سے اس میں سوا گزار دیا۔

زبان میں سوا اترتے ہی چارلی کے جسم کو زبردست جھٹکا لگا لیکن کام مکمل ہو چکا تھا۔ سب اسے اس کے حال پر چھوڑ کر الگ ہٹ گئے۔

چارلی کرب ناک حالت میں تھا۔ اس کے حلق سے خرخر کی عجیب آوازیں برآمد ہو رہی تھیں۔ شیبا نے وہ منظر دیکھ کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور دوڑتی ہوئی اپنی کوٹھری میں جا گھسی۔

چارلی کی زبان کے زخم سے خون جاری ہو چکا تھا۔ سوجے ہوئے اور زخمی چہرے سے باہر نکلی ہوئی سرخ زبان بری طرح کانپ رہی تھی۔ اس کا تماشا دیکھنے والے قیدیوں کی حالت ابتر ہوئی جا رہی تھی۔

میرے ایما پر جلال نے چاروں قیدیوں کو ان کے ٹھکانے پر واپس پہنچانے کی ہدایت کی اور ہم دونوں واپس نیچے آ گئے۔

''یہ تشدد کا بہت بھیانک اور آسان طریقہ ہے۔'' راستے میں جھرجھری لے کر وہ بولا ''وہ اس عذاب کو زیادہ دیر تک نہیں سہہ سکے گا۔''

''نیا قیدی کون ہے۔ اس کے بارے میں تم نے کچھ نہیں بتایا۔'' دفتر میں واپس پہنچنے کے بعد میں نے دھیرے سے کہا۔

''اسے حیدر آباد سے پکڑا گیا ہے۔ سول ایوی ایشن کا ملازم ہے۔ شبہ ہے کہ وہاں کے ریکارڈ سے بہت سے اہم نقشے اس نے غائب کیے ہیں۔ اس کا سالا کراچی میں انڈین قونصل خانے کا پرانا ملازم ہے۔ اسے کل ہی اٹھایا گیا تھا۔''

''یہ بھی ہندو ہے۔'' میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''غدار کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ یہ مسلمان ہے اور اس کے خلاف مضبوط واقعاتی شہادتیں موجود ہیں۔ میں نے دانستہ اسے بلوایا تھا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ تم چارلی کو کسی انوکھے تشدد کا نشانہ بناؤ گے۔ یہ طریقہ تمہارے ذہن میں کیسے آ گیا؟''

''را کا ہر ایجنٹ اپنے زعم میں مرد آہن ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے خلاف میدان میں اترتے ہوئے ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچنا پڑتا ہے۔ جب تک ایسے لوگوں کے جسم کے حساس مقامات کو اذیت کا نشانہ نہ بنایا جائے، یہ زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔''

''اب اوپر سے کسی بھی وقت اچھی خبر آ سکتی ہے۔ ذرا سی دیر میں اس کے حلق میں کانٹے پڑنا شروع ہو جائیں گے اور وہ ہتھیار ڈال دے گا۔''

''اس نے اب بھی زبان نہ کھولی تو پانی میں تیز مرچیں گھول کر سارا پانی اس کے دہانے اور چہرے پر انڈیل دوں گا۔'' میں نے کہا ''ایسے لوگ مار پیٹ کے عادی ہوتے ہیں۔ اس سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔

ہمیں زیادہ دیر انتظار کرنا پڑا نہ اگلے مرحلے پر عمل پیرا ہونے کی نوبت آئی۔ صرف آدھے گھنٹے بعد ایم کھتری نے آ کر خبر دی کہ قیدی زمین سے اپنا سر ٹکرا کر اثباتی اشارے دے رہا تھا۔ زبان کے کھنچاؤ کی وجہ سے سوئے کا سوراخ خاصا پھیل گیا تھا جو اس کے لیے بدترین اذیت کا باعث بن رہا تھا۔

جلال نے ستائشی نظروں سے میری طرف دیکھا اور فتح مندانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔

☆☆☆

سلطان شاہ مجھے کلفٹن چھوڑنے کے بعد گھر پہنچا تو ویرا گھر سے باہر جانے کے لیے تیار بیٹھی ہوئی تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی سلطان شاہ چونک پڑا۔

''خیریت تو ہے۔ آج کس سے ملنے کی تیاری ہے؟'' اس نے سیدھا سوال کرنے کے بجائے ویرا سے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''میں بہت بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔'' ویرا مسکرا کر ایک ادا سے اس کی طرف بڑھی اور وہ بری طرح بوکھلا گیا۔

''یہ کیا حرکت ہے!'' وہ الٹے قدموں سرکتا ہوا ہکلایا ''اپنی جگہ پر بیٹھ کر بات کرو۔''

''صبح اٹھ کر آئینے میں اپنی صورت دیکھ لیا کرو، اوقات معلوم ہو جائے گی۔ میں تم سے ہم آغوش ہونے کے لیے نہیں، غزالہ کے دروازے پر دستک دینے کے لیے اٹھی ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر اس کے قریب سے گزرتی ہوئی غزالہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور سلطان شاہ خفت آمیز انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔

''جلدی آؤ۔ گاڑی لوٹ آئی ہے۔'' ویرا نے دروازے پر دستک دینے کے ساتھ ہانک لگائی۔

''دو منٹ میں آ رہی ہوں۔'' اندر سے غزالہ کا جواب آیا۔

''آج نئی گاڑی میں کہیں باہر کھانا کھانے کا ارادہ ہے۔ اکیلی عورتوں کو مرد ڈھٹائی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورنے لگتے ہیں۔ چاہو تو تم بھی ہمارے ساتھ چل سکتے ہو۔''

''تم نے ڈینی کے بغیر یہ پروگرام بنا لیا؟'' سلطان شاہ نے سر کھجاتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ دن رات اپنے چکروں میں الجھا رہتا ہے۔ آج بھی آدھی رات سے پہلے واپس نہیں آئے گا۔ اس کی واپسی سے پہلے ہم لوٹ آئیں گے۔''

''تم دونوں کا جانا مناسب نہیں۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' سلطان شاہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''شام ڈھلے ہوٹلوں میں شرفا کے ساتھ اوباش لوگ بھی آ جاتے ہیں۔ کسی نے زبردستی تمہارے ساتھ مل بیٹھنے کی کوشش کی تو ساری تفریح غارت ہو جائے گی۔''

''تفریح برباد کرنے کے لیے تو تمہارا ساتھ ہونا ہی کافی ہے۔ کسی اور کو دخل انداز ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔'' ویرا نے آنکھ مار کر کہا۔

''لاحول ولاقوۃ!'' سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ ''تم ذہین اور بردبار عورت ہو۔ تم کو ایسی بازاری حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔ بات کرتے ہوئے ذرا اپنی بائیں آنکھ پر قابو رکھا کرو۔''

''تم سامنے ہوتے ہو تو یہ بلاوجہ پھڑکنے لگتی ہے۔'' ویرا نے شوخی سے جواب دیا۔

اس وقت ان دونوں کے درمیان کوئی تیسرا موجود نہیں تھا اس لیے ویرا کھلے دل سے سلطان شاہ کو گھنسے پر تل گئی تھی۔ جب تک غزالہ تیار ہوکر اپنے کمرے سے باہر نہیں آ گئی ان دونوں کے درمیان نوک جھونک کا سلسلہ چلتا رہا۔

اس وقت ویرا کا ذہن منفی سمت میں چل رہا تھا۔ اس نے اصرار کیا کہ ڈنر کلفٹن کے علاقے کے کسی اچھے ہوٹل میں کیا جائے لیکن غزالہ نے کلفٹن کا رخ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ یہ بات سب کے علم میں تھی کہ میں راوالوں کی تلاش میں جلال کے ساتھ کلفٹن کی طرف گیا ہوا تھا۔ میں اس بات کو ہرگز پسند نہ کرتا کہ وہ لوگ کسی حیلے بہانے سے ان اطراف میں آ کر میری سرگرمی کے سلسلے میں کوئی متجسسانہ رویہ اختیار کریں۔

ویرا نے زیادہ زور دیا تو غزالہ نے صاف کہہ دیا کہ وہ اکیلی چلی جائے۔ سلطان شاہ غزالہ کا ساتھ دے رہا تھا۔ کیونکہ وہ بھی میرے مزاج اور ویرا کے شر پسندانہ رویے سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ کسی کو چڑانے کے لیے کچھ بھی کر سکتی تھی۔

آخر کار ویرا کو پسپائی اختیار کرنی پڑی اور قرعہ فال بیچ لگژری ہوٹل کے نام نکل آیا جو ساحل سمندر کے دوسرے سرے پر واقع تھا۔

گھر پر مامور ایس ٹی ایف کے دونوں اہل کاروں کو چوکنا رہنے کی ہدایت کرکے وہ تینوں نئی گاڑی میں ہوٹل کے لیے روانہ ہوگئے۔

''کلفٹن پر مزار کے گردونواح کا علاقہ ڈینی اور جلال کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہوگا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم دونوں نے پورے کلفٹن کو کیوں ممنوع علاقہ قرار دے دیا ہے۔'' راستے میں ویرا پھر وہی ذکر نکال بیٹھی۔

''وہ مزار سے کام کی ابتدا کریں گے لیکن ضروری نہیں کہ وہ دونوں وہیں تک محدود رہیں۔'' غزالہ نے اسے جواب دیا ''اپنے مطلوب افراد کی تلاش میں وہ کسی بھی سمت میں نکل سکتے ہیں۔ ان سے کہیں آمنا سامنا ہوگیا تو میں وہ خجالت برداشت نہیں کرسکوں گی۔''

''یہ وفا صرف عورت کے مزاج میں پائی جاتی ہے۔'' ویرا نے فوری طور پر پینترا بدل دیا۔ ''یہ چیز مردوں کو چھو کر بھی نہیں گزری۔''

''اپنے اپنے تجربے کی بات ہے۔'' غزالہ بے پروائی سے بولی ''ڈینی میرے لیے مثالی اور وفا شعار شوہر ثابت ہوئے ہیں۔''

''تم ان مردوں کو نہیں جانتی۔ یہ اوپر سے کچھ نظر آتے ہیں' اندر سے کچھ اور ہوتے ہیں۔ خوب صورت اور جواں سال عورتوں کے بارے میں دنیا کے سارے مرد ایک طرح سوچتے ہیں۔ ڈینی اور سلطان شاہ بھی اسی برادری میں شامل ہیں۔''

''بلاوجہ میرا نام مت لو۔ میں ایسے چکروں میں نہیں پڑتا۔'' سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔

''میں کسی کا نام نہیں لے رہی۔'' سلطان شاہ کو جواب دے کر وہ غزالہ سے مخاطب ہوگئی ''میں نے تمہیں ایک لفظ نہیں بتایا لیکن مجھے معلوم ہے کہ مرد اپنے پرانے دوستوں سے کس طرح کھلی کھلی باتیں کرتے ہیں۔ پیر کے ناخنوں سے لے کر سر کے بالوں تک' نسوانی سراپا کا کوئی حصہ ان کی زبانی دسترس سے باہر نہیں ہوتا' مثال کے طور پر......''

''کیا تم کچھ دیر کے لیے خاموش نہیں رہ سکتیں!'' سلطان شاہ نے مضطربانہ انداز میں اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''رہ سکتی ہوں' شرط یہ ہے کہ آج کے کھانے کا بل تم ادا کرو گے۔''

''بل کوئی بھی ادا کرے' زور ڈینی کی جیب پر پڑے گا' ہم اس کے مال پر مزے کر رہے ہیں۔''

''انہوں نے کبھی یہ بات نہیں کی!'' غزالہ نے اعتراض کیا۔

''کوئی کہے یا نہ کہے' حقیقت یہی ہے۔'' سلطان شاہ کو موضوع بدلنے کا موقع مل گیا۔

''یہ شی والوں کی گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والا سرمایہ ہے جو اب تک ہمارے کام آ رہا ہے۔'' غزالہ نے وضاحت کی ''یہ رقم ہم سب کی مشترکہ ملکیت ہے۔ کوئی کسی پر بار نہیں بنا ہوا۔''

''اگر یہ ڈینی کی سوچ ہے تو یہ اس کی شرافت اور مہربانی ہے۔'' ویرا نے سنجیدگی سے کہا ''ورنہ سب کچھ تم دونوں کا ہے۔''

سلطان شاہ ان دونوں کی گفتگو میں پوری طرح شامل ہوگیا تاکہ ویرا کو دوبارہ کوئی نازک بات چھیڑنے کا موقع نہ مل سکے۔

مولوی تمیز الدین روڈ سے ہوتے ہوئے وہ لوگ بیچ لگژری ہوٹل کے طرف جانے والے مختصر راستے پر مڑ گئے۔ جوں ہی سلطان شاہ نے ہوٹل پہنچنے کے لیے دوسرا موڑ کاٹا' ویرا اچانک نیم ہذیانی انداز میں بول پڑی ''روکو...... گاڑی روکو!''

سلطان شاہ نے گھبرا کر بریک لگا دیے اور گاڑی ایک جھٹکے سے وہیں جھول کر رہ گئی۔

''کیا ہوا...... کیا بات ہے؟'' غزالہ پچھلی نشست سے گھبرا کر آگے جھک آئی۔

سلطان شاہ نے برابر والی نشست پر نگاہ ڈالی تو وہ ہوٹل کے سامنے والی عمارت کی سمت میں دیکھے جا رہی تھی۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' سلطان شاہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرا کر پوچھا، وہ ویرا کی غیر متوقع حرکت سے بھنّا گیا تھا۔

''وہ سامنے سوبھراج جا رہا ہے۔'' ویرا نے ہیجان زدہ آواز میں سرگوشی کی۔

ان دونوں کی نظریں بے اختیار اسی سمت میں اٹھ گئیں جدھر ویرا نگراں تھی۔

ہوٹل کے سامنے والی کمرشل بلڈنگ کے سائے میں ایک دراز قامت اور صحت مند شخص اپنے شانے جھکائے آگے چلا جا رہا تھا۔ اس کے جسم پر سیاہ رنگ کا ایک نفیس سوٹ تھا۔ وہ دونوں اس کی پشت دیکھ کر اندازہ نہیں لگا سکتے تھے کہ وہ کون تھا۔

''تم خواب تو نہیں دیکھ رہیں...... سوبھراج یہاں کرنے آئے گا؟'' سلطان شاہ نے چڑچڑے لہجے میں سوال کیا۔

''میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔'' ویرا نے پرجوش لہجے میں دعویٰ کیا ''اس نے سیاہ شیشوں کی عینک لگائی ہوئی ہے۔ وہ سب کچھ بدل سکتا ہے لیکن طوطے کی چونچ کی طرح خم کھائی ہوئی اپنی ناک کو نہیں چھپا سکتا۔ میں نے صرف ایک جھلک دیکھ کر اسے پہچان لیا تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کر لیتے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' غزالہ نے مصالحانہ لہجے میں کہا۔ ''گاڑی ذرا آگے نکال کر جاؤ' سامنے سے دیکھ کر تصدیق ہو جائے گی کہ......''

''ہرگز نہیں!'' ویرا نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ''بھول کر بھی یہ غلطی نہ کرنا جس طرح میں نے اسے پہچانا ہے' وہ بھی ایک نظر میں مجھے پہچان لے گا۔ یہیں رکے رہو' دیکھتے ہیں کہ وہ کہاں جاتا ہے۔''

اچانک سیاہ سوٹ والے کا سفر ختم ہو گیا۔ وہ ایک سیاہ کار کے پاس رکا اور اطمینان سے دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ کے سامنے جم گیا۔ اس شاندار گاڑی کے دروازے غیر مقفل تھے یا پھر اس نے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے دور ہی سے دروازے کا لاک کھول لیا تھا۔ اس کی گاڑی کا رخ اس سمت میں تھا جدھر وہ گیا تھا۔ اس لیے اندر بیٹھتے ہوئے بھی اس کی پشت ان تینوں کی طرف رہی تھی اور انہیں اس کی دوسری جھلک دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

''اب دیکھتے ہیں کہ وہ کدھر جاتا ہے۔'' غزالہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔

ان تینوں نے دیکھا کہ کھڑے کھڑے اس گاڑی کے ٹائر پاور اسٹیئرنگ کی وجہ سے بائیں طرف گھومتے جا رہے ہیں، صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ سیاہ سوٹ والا یوٹرن لے کر ان کی طرف آنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

اس بار ویرا کو کوئی ہدایت جاری کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ موقع کی نزاکت بھانپ کر سلطان شاہ گاڑی کو ریورس گیئر میں سڑک کے پچھلے کنارے تک لیتا چلا گیا۔

معاً سیاہ کار تیزی سے حرکت میں آئی اور مختصر سے نیم دائرے میں یوٹرن لے کر آگے بڑھتی چلی آئی۔ سڑک پر اس گاڑی کے ٹائروں کی تیز آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گاڑی چلانے والا اگر کوئی شہدا نہیں تو اعصاب زدہ شخص ضرور ہے۔

وہ گاڑی اس مختصر سی سڑک پر بہت تیز رفتاری کے ساتھ ان کے سامنے سے گزری۔ اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی سے بچنے کے لیے ویرا ونڈ شیلڈ سے نیچے جھکتی چلی گئی۔ وہ گاڑی بائیں طرف مڑ کر مین روڈ کی طرف چلی گئی۔

اس دوران میں غزالہ اور سلطان شاہ نے سیاہ کوٹ والے کی خم دار ناک دیکھ لی تھی اور قائل ہو گئے تھے کہ ویرا سے اندازے کی کوئی غلطی نہیں ہوئی تھی۔

ان کی گاڑی کا انجن چل رہا تھا۔ سلطان شاہ نے پہلا گیئر ڈال کر ہانک لگائی ''سوبھراج یا ڈنر...... اس وقت کسے تناول فرمایا جائے؟''

''ڈنر پر لعنت بھیجو۔ اس کے پیچھے چلو۔'' ویرا سیدھی ہو کر جھلائی ہوئی آواز میں بولی ''تم دونوں کی بے مقصد جرح میں الجھ کر میں اس کی گاڑی کا نمبر بھی نہیں دیکھ سکی، کسی نے نمبر نوٹ کیا ہے اس کا؟''

ان دونوں کے پاس مجرمانہ خاموشی کے سوا کوئی جواب نہیں تھا!

سلطان شاہ نے خفت مٹانے کے لیے بہت تیزی سے گاڑی چلا دی۔ ویرا کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف ہونے کے باوجود وہ یہ دیکھنا نہیں بھولا تھا کہ سوبھراج کی کار مین روڈ پر دائیں طرف مڑ کر پی آئی ڈی سی ہاؤس کی سمت میں گئی تھی۔

وہ سڑک صاف اور کشادہ تھی۔ سوبھراج اپنے دیکھ لیے جانے کے خوف سے بہت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا تھا اگر

سلطان شاہ بھی اس وقت نئی جیسی اور طاقتور کار دوڑا رہا تھا۔ اس نے ذرا سی دیر میں سوبھراج کی کار کو جالیا۔

"تم نیچے جھک جاؤ!" غزالہ نے ویرا کے شانے پر ہاتھ مار کے کہا" اس نے عقب نما آئینے میں کسی زاویے سے تمہاری جھلک بھی دیکھ لی تو چوکنا ہو جائے گا۔"

ویرا نے بے چون و چرا اس کے مشورے کی تعمیل کی۔ اس کے لیے زیادہ دیر تک اس پوزیشن میں رہنا دشوار تھا۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ وہ ذاتی مشاہدے کی نعمت سے محروم ہو چکی تھی۔ اس نے اپنا چہرہ پیچھے گھمایا اور اگلی نشستوں کے درمیان سے گزر کر عقبی نشست پر غزالہ کے برابر میں پہنچ گئی۔

وہ پیچھے جا رہی تھی تو سلطان شاہ نے غیر ارادی طور پر اس کی پشت پر ایک دھپ رسید کر دیا۔ اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی اس نے تشینی انداز میں بولنا شروع کر دیا "تمہیں چلتی گاڑی میں بھی چین نہیں ہے۔ ذرا سی یوں ہی جھک کر بیٹھی رہتیں تو کون سی قیامت آجاتی۔ ابھی میرا ہاتھ بہک جاتا تو گاڑی فٹ پاتھ سے ٹکرا جاتی۔"

"میں تمہاری ان گھٹیا حرکتوں کو خوب سمجھتی ہوں۔" ویرا برا منائے بغیر بولی "اس کا حساب کتاب بعد میں ہوگا۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تمہارے پاس گاڑی میں کوئی ہتھیار موجود ہے؟"

"خدا کا خوف کرو ویرا۔" وہ تلخی سے منمنایا "ہم تفریح اور ڈنر کے لیے نکلے تھے۔ ہتھیار ساتھ لینے کی کیا تک تھی۔"

"پرانی گاڑی میں ہر وقت ایک آدھ پستول اور بھرے ہوئے میگزین پڑے رہتے تھے۔"

"یہ گاڑی ابھی نئی ہے۔ آہستہ آہستہ اس میں بھی چیزیں جمع ہوتی چلی جائیں گے۔ اس وقت گاڑی میں اوزاروں کے تھیلے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔"

"عجیب بے بسی ہے۔ یہ سوبھراج پر ہاتھ ڈالنے کا سنہرا موقع ہے جو قدرت نے ہمیں عطا کیا ہے اور ہم بالکل خالی ہاتھ ہیں۔" ویرا مضطربانہ لہجے میں بولی "اس وقت یہ نکل گیا تو ایسا موقع دوبارہ ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"کم از کم ہم نے گاڑی کا نمبر تو نوٹ کر لیا ہے۔ اس کے سہارے پتا چل سکے گا کہ اس وقت شہر کا کون ذی اثر شخص اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔" غزالہ نے دلاسا دیا۔

"تم دونوں ہمت کرو تو میں اس کا راستہ کاٹنے کی کوشش کرتا ہوں۔" سلطان شاہ نے پراعتماد لہجے میں پیشکش کی۔

"تم کیا کرو گے؟" ویرا نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"سائیڈ مار کر گاڑی لڑا دوں گا، وہ رکنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"یہ نہ بھولو کہ ہم بالکل نہتے ہیں وہ یقینی طور پر مسلح ہوگا۔ گاڑی سے اتر کر مقابلے پر جم گیا تو ہم بے موت مارے جائیں گے۔"

"میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ تم دونوں اپنے بارے میں سوچ لو!"

"نہیں۔" غزالہ نے سختی سے کہا "جب ہماری کامیابی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے تو خطرہ مول لینا بے سود ہوگا، ایسی احمقانہ خودکشی مجھے منظور نہیں ہے۔"

"تم اس کے ہتھیاروں کے بارے میں سوچ کر حوصلہ ہار رہی ہو ورنہ صورت حال اتنی مایوس کن نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی ہمت بڑھانے کی کوشش کی۔ "چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ وہ ایک مفرور اشتہاری ملزم ہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی ٹک کر مقابلہ نہیں کرے گا۔ کوئی گڑبڑ ہوتے ہی بھاگ نکلنے کی کوشش کرے گا۔ ہم اس کی بدحواسی سے فائدہ اٹھا کر اسے زیر کر سکتے ہیں۔"

"یہ صرف تمہارا اندازہ ہے جو غلط بھی ثابت ہو سکتا ہے۔" ویرا نے غزالہ کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں ہر پہلو پر غور کر لینا چاہئے۔ اس وقت سوبھراج کو نکل جانے دیا جائے تو بعد میں کار کے نمبر کے سہارے اس پر بھرپور تیاری کے ساتھ ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے۔ وہ بچ نہیں سکے گا۔"

"ابھی تم اسے گھیرنے کے لیے مری جا رہی تھیں اب نئی قلابازی کھا رہی ہو۔ ہمارے پاس زیادہ بحث کا وقت نہیں ہے۔ اس کشادہ سڑک سے گزر کر ہم شہر کے ٹریفک کی بھیڑ میں پھنس گئے تو چاہتے ہوئے بھی اسے نہیں روک سکیں گے۔"

"بولو! تم کیا کہتی ہو؟" ویرا نے فیصلہ غزالہ کے سر ڈال دیا۔

"یہ سڑک تیزی سے ختم ہوتی جا رہی ہے۔" غزالہ کی آواز گمبھیر ہو گئی۔ "اللہ کا نام لے کر گاڑی لڑا دو۔ کوشش کرنا کہ اس کے قریب نہ رکنا پڑے۔ ہلکا سا سائیڈ مارتے ہوئے آگے نکل جاؤ۔ اس کی گاڑی میں پاور اسٹیئرنگ ہے اور وہ خوف زدہ بھی ہے۔ گھبرا کر اپنی گاڑی کہیں اور مار دے گا۔"

"اوکے مادام!" سلطان شاہ نے تمسخر سے کہا "آج پتا چلا کہ تم بہت اچھی ہدایت کار بھی ثابت ہو سکتی ہو۔"

سلطان شاہ نے اچانک اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ سوبھراج نے غالباً عقب نما آئینے میں اسے قریب ہوتے دیکھ کر اپنی سیاہ کار بائیں طرف کر کے اس کے گزرنے کا

راستہ خالی کر دیا۔ سلطان شاہ تیزی سے اس کے برابر میں پہنچا پھر اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھوں نے ہلکی سی جنبش دی۔ فضا ایک ہولناک دھماکے سے گونج اٹھی۔ زبردست جھٹکے کے نتیجے میں ویرا اچھل کر غزالہ پر آ پڑی۔

سلطان شاہ سے اندازے کی ذرا سی غلطی ہوگئی تھی۔ اس کی گاڑی کی پسنجر سیٹ کا دروازہ پچک کر اندر آ گیا تھا۔ ویرا وہاں بیٹھی ہوتی تو اس کا شدید زخمی ہونے سے بچنا محال تھا۔ تصادم کچھ زوردار ہوگیا تھا۔

تصادم کے بعد سلطان شاہ نے اپنی گاڑی سنبھالی اور آگے بڑھتے ہوئے رفتار کم کرتا چلا گیا لیکن سوبھراج اپنی گاڑی پر کنٹرول برقرار نہ رکھ سکا۔ اس کی گاڑی سڑک پر تیزی سے بائیں طرف لہرائی پھر یکایک رخ بدل کر دائنی طرف، دو رویہ سڑک کی وسطی پٹی پر چڑھ کر مخالف سمت کی سڑک پر چلی گئی۔

بیک وقت بہت سی گاڑیوں کے بریک چیخے۔ تیزی سے چلتا ہوا ٹریفک تھما تو اندازہ ہوا کہ بظاہر خالی نظر آنے والی وہ سڑک اتنی ویران بھی نہیں تھی۔

ویرا اور غزالہ گاڑی سے اترتیں تو تماشا بن جاتیں۔ سلطان شاہ نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے گاڑی بائیں طرف کی فٹ پاتھ سے تقریباً ملا کر روکی تھی تاکہ گاڑی کا نقصان زدہ حصہ لوگوں کی نظروں میں نہ آ سکے۔

''خطرہ محسوس کرو تو گاڑی لے کر نکل جانا، میں اسے دیکھتا ہوں۔'' ویرا کو وہ دانش مندانہ مشورہ دے کر سلطان شاہ دوڑتا ہوا سیاہ کار کی طرف لپکا جو شہر سے آنے والی سڑک کے وسط میں ترچھی کھڑی ہوئی تھی۔

سیاہ کار کے گرد تماشائیوں کی بھیڑ جمع ہونے لگی تھی۔ ہر شخص اندر گھس کر اپنی نظروں سے گاڑی کا حشر دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔ اس ہجوم میں خم دار ناک والے سوبھراج کا کہیں پتا نہیں تھا۔ سلطان شاہ کو شبہ ہوا کہ وہ کسی شدید ضرب کے نتیجے میں بے ہوش نہ ہوگیا ہو۔

اپنے وجود اور طاقت ور بازوؤں کی مدد سے وہ ہجوم میں اپنا راستہ بنانے میں کامیاب ہوگیا تھا پھر یہ دیکھ کر اس کے دل کو دھچکا لگا کہ تباہ حال سیاہ گاڑی خالی پڑی ہوئی تھی۔ سوبھراج باہر کہیں نظر آیا تھا اور نہ اندر تھا۔

اس وقت اس کے حواس بہت تیزی سے کام کر رہے تھے۔ اس کی توجہ فوری طور پر اس ٹرک ڈرائیور کی طرف مبذول ہوگئی جو دوسرے تماشائیوں پر اپنی معلومات کا رعب جھاڑنے کے لیے حادثے کی تفصیلات بتا رہا تھا۔

اس کی زبان سے یہ سن کر سلطان شاہ کو مزید مایوسی ہوئی کہ ٹکر کے نتیجے میں کالے سوٹ والا زخمی ہوگیا تھا۔ اپنی گاڑی سے نکلتے ہی وہ ایک خالی ٹیکسی میں بیٹھا اور پورٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔

سڑک پر دونوں طرف ٹریفک جام ہو چکا تھا۔ سلطان شاہ اگلے کسی کٹاؤ سے گاڑی گھما لیتا تب بھی اس کے لیے آگے بڑھنا محال ہوتا۔ وہ کسی صورت میں سوبھراج کی ٹیکسی کا پیچھا نہیں کر سکتا تھا۔

وہ دوڑتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف ہولیا۔

اس وقت ہر شخص کی توجہ سوبھراج کی سیاہ گاڑی پر مرکوز تھی جو دہرے حادثے کے نتیجے میں خاصی برباد ہو چکی تھی۔ کسی نے اس کی گاڑی کے پچکے ہوئے دروازے پر دھیان نہیں دیا تھا۔ گاڑی بدستور وہیں موجود تھی جہاں وہ چھوڑ کر گیا تھا۔

اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کیا اور تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوگیا۔

''سوبھراج زندہ ہے یا اس حادثے میں مر گیا؟'' ویرا نے پوچھا۔

''مردے فرار نہیں ہوا کرتے۔'' سلطان شاہ نے کہا۔ ''میں کہہ رہا تھا کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ وہ کسی تاخیر کے بغیر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر پورٹ کی طرف فرار ہوگیا۔ اس وقت وہ راستہ مسدود ہے۔ کالی گاڑی کے ہٹنے سے پہلے راستہ صاف نہیں ہوگا۔''

''یہ بہت برا ہوا کہ وہ بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔'' غزالہ نے رائے زنی کی ''ہمیں اس کو چھیڑنا نہیں تھا۔ چھیڑا تھا تو اسے پکڑنا یا پھر مار ڈالنا چاہیے تھا۔ ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ اب وہ چوکنا ہو جائے گا۔''

''یہ تمہارے دل کا چور ہے جو تمہیں یہ بات کہنے پر مجبور کر رہا ہے۔'' سلطان شاہ نے ہلکی سی ناگواری سے کہا ''ویرا تو خیر پردیسی ہے۔ تم اس شہر میں پلی بڑھی ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ شہر میں روزانہ کتنے سنگین حادثے ہوتے ہیں۔ اس نے ویرا کو دیکھا نہ اس پر کسی قسم کا کوئی حملہ ہوا۔ آخر وہ کس بات سے چوکنا ہو جائے گا۔''

''اگر اس کے نزدیک یہ کوئی عام حادثہ تھا تو وہ گاڑی چھوڑ کر کیوں بھاگ گیا؟'' اس نکتے پر غزالہ اس کے ساتھ بحث پر آمادہ ہوگئی۔

''تمہیں بار بار یاد دلانا پڑ رہا ہے کہ اب وہ ایک مفرور اشتہاری ملزم ہے۔ اس کے وارنٹ نکلے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں

وہ کس مجبوری کے تحت اپنی کمین گاہ سے نکل کر ان اطراف میں آنے پر مجبور ہوا تھا۔ اس وقت وہ ایک لمحے کے لیے بھی منظرِ عام پر آنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ اسے ڈر تھا کہ وہ جائے حادثہ پر رکا رہا تو کوئی نہ کوئی اسے پہچان لے گا اور وہ پکڑا جائے گا۔''

''اس ملعون کو کوئی مجبوری نہیں تھی۔ وہ ہماری ڈنر پارٹی خراب کرنے کے لیے وہاں نمودار ہوا تھا۔'' ویرا جھلائے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی ''وہ ہمارے داؤ میں پھنسنے سے پہلے بھاگ نکلا۔ اب اسے جہنم میں ڈالو اور واپس بیچ لگژری کی طرف چلو۔ ہم پروگرام کے مطابق وہیں کھانا کھائیں گے۔''

''شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے۔'' سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ''ہمیں فوراً گھر لوٹ کر ڈینی کو اس واقعے سے آگاہ کرنا چاہیے۔''

''ڈینی کلفٹن پر موج کر رہا ہوگا۔ میں کہہ چکی ہوں کہ وہ بہت دیر سے واپس آئے گا۔ اس وقت اسے فون سننے کی فرصت بھی نہیں ہوگی۔''

''تم کچھ بھی کہتی رہو، ہم بیچ لگژری نہیں جائیں گے۔'' سلطان شاہ اڑ گیا۔

''کیسے نہیں جائیں گے۔ تمہارے تو فرشتے بھی وہاں جائیں گے۔'' ویرا نے پیچھے سے اس کی گردن دبوچ لی۔

''ہائیں ہائیں...... یہ تم کیا کر رہی ہو۔ گاڑی کہیں ٹکرا جائے گی اور اس کا حشر بھی سوبھراج کی کار جیسا ہو جائے گا۔'' وہ اپنی گردن ویرا کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

''پہلے یہ بتاؤ کہ بیچ لگژری جاؤ گے یا نہیں!'' ویرا نے اصرار کیا۔

''میں پہلے بتا چکا ہوں کہ دونوں طرف کے راستے بند ہیں۔ ادھر واپس جانا ممکن ہوتا تو میں سوبھراج کی ٹیکسی کا تعاقب کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔ تم بلاوجہ ذرا ذرا سی بات پر جذباتی ہو جاتی ہو۔ یہ انا کا مسئلہ نہیں مجبوری ہے۔''

''تم بلاوجہ مجھے تاؤ دلانے کی کوشش کرتے ہو۔'' ویرا نے اس کی گردن چھوڑ دی ''اب اپنی مرضی سے کسی اچھے ہوٹل میں لے چلو جہاں ہم ایک گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر سکون سے کھانا کھاسکیں۔ آج باہر کا کھانا ہر حال میں ہوگا۔''

''اچھی زبردستی ہے تمہاری، دھونس دے کر تفریح کرنے پر مجبور کر رہی ہو۔'' سلطان شاہ نے اسے غصہ دلانے کی کوشش کی۔

''تم لوگ شاید ایسی گھریلو زندگی کے عادی ہو لیکن میں نے اپنی ساری زندگی سوشل رہ کر گزاری ہے۔ گھر میں پڑے پڑے مجھ پر گھٹن سوار ہونے لگتی ہے۔'' ویرا سنجیدگی سے غزالہ کو اپنا مسئلہ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ سلطان شاہ پھر بول پڑا۔

''ہوٹل میں کسی نے تمہیں پہچان لیا تو ساری گھٹن کافور ہو جائے گی۔ امریکیوں کی طرف سے تمہاری گرفتاری پر آج بھی ایک بڑا انعام برقرار ہے۔''

''پاکستان میرے لیے بہترین جائے پناہ ہے۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ حکومتوں کے تعلقات خواہ کیسے ہی دوستانہ کیوں نہ ہوں، عام پاکستانی امریکا سے نفرت کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی انعام کے لالچ میں میری مخبری نہیں کرے گا۔''

''سوبھراج بھی پاکستانی ہے!'' سلطان شاہ اس سے الجھتا رہا۔

''اس گیدڑ کو میں جوتی کی نوک پر رکھتی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم ہمیں کس ہوٹل میں لے جا رہے ہو۔''

''آج دفتری کام کاج کا دن ہے۔ ویرا کو لال قلعہ لے چلو۔ وہاں جگہ مل جائے گی۔'' غزالہ نے اس بحث سے اکتا کر مشورہ دیا جسے دونوں نے تسلیم کرلیا۔

☆☆☆

مجھے جلال نے اپنی گاڑی سے گھر کے دروازے پر چھوڑا تھا۔ میں اندر گیا تو وہاں میدان صاف تھا۔ ابرار نے بتایا کہ وہ تینوں شہر نوردی کے ارادے سے باہر نکلے ہوئے تھے۔

میں نے ابرار کو اپنے لیے کھانا لگانے کی ہدایت کی اور خود غسل خانے میں جا گھسا۔ بدن اور کپڑوں سے چمٹی ہوئی ریت کی چبھن سے نجات حاصل کرنے کے لیے غسل ضروری تھا۔

میں تازہ دم ہو کر کھانے کی میز پر پہنچا تو یکا یک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

دوسری طرف اول خان موجود تھا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں اس وقت گھر میں اکیلا تھا اور کھانے کی تیاری کر رہا تھا تو اس نے اپنی آمد کی اطلاع دے کر فون بند کر دیا تاکہ میں فوری طور پر گرم کھانے سے لذت اندوز ہو سکوں۔

میں کھانے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اول خان آ پہنچا۔ اس کے بشرے سے مسرت اور تازگی کا احساس جھلک رہا تھا۔

''تمہارے مشن کے بارے میں بات کرنے سے پہلے میں ایک بہت بڑی خبر سنانی چاہتا ہوں۔'' چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد اس نے کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت قدرت کھل کر تمہارا ساتھ دے رہی ہے۔ تم نے گیری کو زندہ چھوڑ دیا تھا مگر اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔''

''اسے کیا ہوا...... وہ کیسے مر گیا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ میرے لیے وہ خبر اچھی ضرور تھی لیکن انتہائی غیر متوقع تھی۔

''گیری کو یہاں سے اومان لے جانے والا چھوٹا امریکی طیارہ مسقط ائرپورٹ پر لینڈنگ سے کچھ پہلے فضا میں پھٹ کر تباہ ہو گیا۔''

''اللہ کے یہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں۔'' میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا ''ہم نے اپنی مجبوریوں کی وجہ سے اسے زندہ چھوڑ دیا لیکن وہ بدترین موت کا حق دار تھا۔ آخر کار موت نے اسے زمین سے اوپر، آسمان کے نیچے گھیر ہی لیا۔ یہ کب کی خبر ہے؟''

''خبر کچھ بھی نہیں ہے۔ امریکی اس معاملے کو دبانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ اس واقعے میں مزید تین امریکی ہلاک ہوئے جن میں جہاز کے عملے کے دو افراد کے ساتھ گیری کے ساتھ جانے والی نرس بھی شامل ہے۔'' اول خان نے تفصیل بتائی ''مجھے کچھ دیر پہلے دوسرے ذرائع سے یہ اطلاع ملی ہے۔ مسافروں سمیت جہاز کا ملبہ سمندر میں گرا ہے۔ مسقط میں موجود دو امریکی بحری جہازوں کے غوطہ خوروں نے سمندر میں لاشوں کی تلاش کا کام شروع کر دیا ہے۔''

''ان کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔ فضا میں پھٹنے والے جہازوں کے مسافروں کے اعضا چیتھڑے ہو کر دور تک بکھر جاتے ہیں اور ان کی ایک آدھ ذاتی چیز کو علامتی تابوت میں رکھ کر باقیات کا نام دے دیا جاتا ہے۔ ہوش مندوں کے لیے یہ عبرت کا مقام ہے کہ کل تک جو شخص یہاں فرعون بنا ہوا تھا آج اس کے بدن کے ٹکڑوں کی تلاش جاری ہے۔''

''موت اس کی آئی ہوئی تھی۔ اپنے ساتھ مزید تین جانیں لے گیا۔''

''ایسا نہ کہو۔ موت اس کی آتی ہے جس کا وقت پورا ہو چکا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کوئی کسی کو نہیں مار سکتا۔ پتا نہیں ان تینوں کے کرتوتوں کی فہرست کتنی لمبی تھی جو وہ بھی گیری جیسی عبرت ناک موت کا شکار ہوئے ہیں۔''

''مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا اور ہمارے دامن اس کے خون سے آلودہ ہونے سے بچ گئے۔'' وہ واضح طور پر خوش نظر آ رہا تھا۔

''واقعہ اتنا سنگین ہے کہ وہ اسے چھپا نہیں سکیں گے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ اپنے طیارے کی تباہی کا الزام کس کے سر ڈالتے ہیں۔''

''واقعہ پاکستانی سرحد سے بہت دور ہوا ہے۔ وہ اپنے سروں میں خاک ڈالنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔'' اول خان نے ہنستے ہوئے کہا ''آج کل وہ ڈینی فوبیا کے مرض میں مبتلا ہیں۔ ان کے سروں پر تمہارا نام سوار ہے۔ یہ واقعہ پاکستانی حدود میں رونما ہوا ہوتا تو وہ اسے بھی کھینچ تان کر تمہارے سر منڈھ دیتے۔''

''تمہیں یہ خبر کس وقت مل گئی تھی؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''ابتدائی اطلاع کوئی دو گھنٹے پہلے ملی تھی مجھے فوری طور پر اس اطلاع پر یقین نہیں آیا تھا۔ سنا ہے کہ کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے مگر گیری کے معاملے میں ایسا ہی ہوا ہے۔ ہماری بددعائیں اسے کھا گئیں۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تعطل کے اس دور میں بھی تمہارے ذرائع مسدود نہیں ہوئے۔ اطلاعات کی بروقت فراہمی کا سلسلہ جاری ہے۔ ابھی تک جلال اس واقعے سے بے خبر ہے۔ اسے کوئی بھنک ملی ہوتی تو وہ مجھ سے اس کا ذکر ضرور کرتا۔''

''وہ کراچی میں ہے اور اس وقت تمہارے ساتھ مصروف تھا۔ افواہوں اور کچی خبروں سے آدمی اسی وقت باخبر رہتا ہے جب وہ اپنے حلقے میں موجود ہو، اس سے نکل کر رابطے کمزور پڑ جاتے ہیں۔ اسلام آباد اس کا مستقر ہے اسے چھوڑ کر وہ کراچی آیا ہوا ہے اور یہاں بھی بہت زیادہ مصروف ہو گیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم دونوں کی مہم کا کیا نتیجہ نکلا۔''

''مہم بہت کامیاب رہی 'را' کا ایک ایجنٹ اس وقت صدف مینشن میں اپنی سوجی ہوئی زبان کا زخم سینک رہا ہے۔ دوسرے کی تلاش جاری ہے۔''

وہ خبر سن کر اول خان اپنی جگہ سے اچھل پڑا ''انسانوں کے سمندر میں کسی گمنام آدمی کا کھوج لگانا آسان کام نہیں ہے۔ تم نے اتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے اور اس ذکر کو اپنے دل میں چھپائے بیٹھے ہو!''

''گیری کا قصہ زیادہ اہم ہے، میں اس کی تفصیل جاننے کے بعد اپنی کارگزاری کا تذکرہ شروع کرنے والا تھا۔

یہ کسی کی انفرادی کامیابی نہیں ہے۔ مربوط ٹیم ورک کے ذریعے ہم اس معاملے میں سرخ رو ہوئے ہیں۔ سوبھراج نے بے خبری میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اگر وہ یہ نہ بتاتا کہ اس نے راوالوں کو کلفٹن والی درگاہ پر پناہ لینے کا مشورہ دیا ہے تو ہم ان تک نہیں پہنچ سکتے تھے' پکڑا جانے والا وہاں فقیر کے روپ میں روپوش تھا۔''

''گیری کا قصہ بس اتنا ہی تھا۔ وہ تمہارے ہاتھوں پٹ کر زخمی ہوا' یہاں سے لے جایا گیا اور پھر سب کچھ تباہ ہو گیا۔ نک یہاں کفیل کے ہاتھوں مارا گیا' گیری مسقط کے کھلے سمندر کی مچھلیوں کی خوراک بن چکا ہے۔ ان کے لیے یہ دونوں صدمے کم نہیں ہیں۔ فی الحال اسے بھول جاؤ اور اپنی کتھا سناؤ' را کے ایجنٹ کا پکڑا جانا ایک معجزے سے کم نہیں ہے۔''

''معاملہ بہت دلچسپ ہے۔ وہ دوستوں سے گھیرا گیا۔'' میں نے تمہید اٹھائی ''ایک طرف وہ دونوں اپریٹس پر آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ جو ہم اپنے حسّاس آلات کے ذریعے سن رہے تھے مگر زبان سمجھنے سے قاصر تھے اور دوسری طرف جلال کا ایک آدمی ان دونوں میں سے ایک کے پیچھے لگ گیا تھا اور اسے اپنے ساتھی سے رابطہ کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔''

اول خان گہری دلچسپی اور توجہ سے میری بات سن رہا تھا۔

میں نے دھیرے دھیرے اسے سارے واقعات سے آگاہ کرتے ہوئے جب یہ بتایا کہ میں نے اپنے قیدی کی زبان کھلوانے کے لیے اس کی زبان میں لمبا سوا اتار دیا تو وہ چونک اٹھا۔

''یہ آسان کام نہیں تھا۔'' وہ بولا ''زبان بہت لجلجی' لچک دار اور لیس دار ہوتی ہے کسی کی زبان دہانے سے باہر کھینچنا آسان کام نہیں ہے۔''

وہ عملی دنیا کا آدمی تھا۔ ایک نکتہ سامنے آتے ہی پوری بات سمجھ گیا۔ میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا ''کام مشکل ضرور تھا لیکن وہاں افرادی قوت دستیاب تھی۔ اپنی سر توڑ کوششوں کے باوجود وہ اس دردناک سزا سے نہیں بچ سکا۔''

''اور اس کا نتیجہ کیا رہا۔'' اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''ذرا سی دیر میں وہ پاگل ہو گیا اور اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس پر مرچوں کے پانی والا مرحلہ آزمانے کی نوبت نہیں آئی۔''

''وہ کیا کہتا ہے:..... دونوں یہاں کیوں آئے ہیں؟''

''کسی مہم پر آئے ہوئے ایسے لوگوں کو عمومی صورت حال کے بارے میں بریف ضرور کیا جاتا ہے لیکن انہیں اپنے مشن سے آگے کچھ معلوم نہیں ہوتا......''

''میں وہی جاننا چاہ رہا ہوں۔'' اس نے میری بات کاٹ کر وضاحت کی ''ان کے عزائم کے بارے میں ہمارے اندازے کہاں تک درست تھے۔''

''اس نے ہمارے اندازوں پر پانی پھیر دیا' حکومت کے مخالفین ان کے ہدف نہیں ہیں۔ اس بار اہم حکومتی عہدے داران کا نشانہ بننے والے تھے۔''

''پھر تو صورتِ احوال بالکل ہی بدل گئی۔ میں نے ان تینوں رہنماؤں کے بارے میں تمہارے خدشات آگے بڑھا دیے تھے جو خطرے میں نظر آ رہے تھے۔ اب تک ان کے لیے فول پروف حفاظتی انتظامات شروع کیے جا چکے ہوں گے۔''

''کوئی حرج نہیں' ان انتظامات کو چلنے دو۔ بقیہ لوگوں کی حفاظت کے لیے جلال اپنے وسائل کو متحرک کر چکا ہے۔ اس بار انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''جب تک دوسرا آدمی بھی گرفت میں نہیں آتا' خطرہ سر پر منڈلاتا رہے گا۔'' وہ تشویش میں مبتلا نظر آ رہا تھا۔

مجھے تمہارے اس خدشے سے پورا اتفاق ہے۔ وہ اکیلا رہ گیا ہے۔ اسے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہم سب اس کے پیچھے لگ چکے ہیں۔ وہ کم سے کم وقت میں اپنا کام پورا کر کے یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرے گا۔''

''تم نے اس سے یہ ضرور پوچھا ہوگا کہ اپریٹس پر وہ دونوں کیا باتیں کر رہے تھے اور کون سی زبان استعمال کر رہے تھے۔''

''جلال کو اندازہ ہو گیا تھا وہ تلگو زبان میں اپنے ساتھی کو اس علاقے میں اسپیشل آرمی وہیکل کی موجودگی سے آگاہ کر رہا تھا۔'' میں نے بتایا ''وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ تھلگ تھے تاکہ کسی خطرے کی صورت میں دونوں ایک ساتھ نہ مارے جائیں۔ وہ ہر چار گھنٹے بعد کسی دور افتادہ گوشے میں جا کر ایک دوسرے کو اپنی خیریت سے آگاہ کر رہے تھے۔ نو بجے ہمارا قیدی اسی رابطے کے لیے تاریک ریتیلے ٹیلوں کی طرف جا رہا تھا تو اس نے آرمی کی گاڑی دیکھی۔ وہ اس کی نوعیت نہیں سمجھ سکا لیکن اسے خطرے کا ادراک ہو گیا۔ اپنے ساتھی سے ابتدائی رابطہ ہونے تک وہ شش و پنج میں مبتلا تھا کہ اپنے ساتھی کو اس بارے میں بتائے یا اس گاڑی کو غیر متعلق سمجھ کر نظر انداز کر دے۔ اس نے ٹیلوں میں بیٹھے بیٹھے فیصلہ کیا

کہ ہر بری بھلی بات میں دونوں کو شریک ہونا چاہئے۔ اس نے دوسرے کو اپنی مادری زبان میں وہ معاملہ بتایا اور ان کے درمیان بحث چھڑ گئی۔ اس دوران میں جلال کے آدمی نے ہدایت کے تحت اسے للکارا اور قصہ ادھورا رہ گیا۔''

''بات سمجھ میں آتی ہے۔'' اول خان سر ہلا کر بولا'' وہ یہ نہیں بتا سکا کہ اس کا ساتھی اب کہاں ملے گا۔''

''وہ بھی مزار پر پڑا ہوا تھا لیکن اب وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔ میں نے جلال سے قیدی کا ایرئیس لے لیا ہے۔ کسی وقت کوشش کروں گا اس سے بات ہو سکے۔''

''اسی وقت کوشش کیوں نہیں کر لیتے؟'' اس نے متجسس لہجے میں کہا۔

''وہ بھڑک جائے گا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا ایرئیس بند ہو۔ اب وہ اپنے ساتھی کی خیر خبر لینے کے لیے ایک بجے اپنا ایرئیس آن کرے گا۔ اس وقت میں اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''تم اسے دھوکا دے سکتے ہو کہ تم ہی اس کے ساتھی ہو۔''

''میں قیدی کی آواز کی نقل کر سکتا ہوں مگر تلگو زبان کا ایک لفظ بھی نہیں بول سکتا۔ آثار بتاتے ہیں کہ وہ آپس میں اسی زبان میں بات کرتے ہیں۔ یہ فریب ایک لمحے کے لیے بھی نہیں چل سکے گا۔ اسے گھیرنے کے لیے کوئی اور ہی گر آزمانا پڑے گا۔''

''وہ صدف مینشن لے جایا گیا ہے تو آئی بی والوں کا قیدی رہے گا یا اس کی ہمارے پاس منتقلی کا بھی کوئی امکان ہے؟''

''وہ وہیں رہے گا۔ جلال کی موجودگی میں مجھے وہاں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ نہ ہوتا تو قیدی کی زبان میں سوا اتارنا ممکن نہیں تھا۔''

''اس عجیب سزا کے نتائج کیا رہے، زبان بہت نرم عضو ہوتی ہے!''

''سوے کا سوراخ چھوٹا تھا جو بڑھ کر بڑے زخم میں تبدیل ہو گیا۔ اب اس کی زبان سوجی ہوئی ہے۔ اسے بولنے میں بہت دقت کا سامنا ہے۔''

''تم نے اس کا چہرہ اسیری سے پہلے ہی بگاڑ دیا تھا'' اول خان نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''میں چہرے کے ساتھ اس کا دماغ بھی بگاڑنا چاہ رہا تھا۔ ابتدا میں' میں نے اسے یہ تاثر دیا تھا کہ میں کو برا ہوں یہ کو برا ان لوگوں کے لیے ایک ان دیکھی شخصیت تھی' اخباروں میں بات کھل جانے کے باوجود اسے مجھ پر شبہ نہیں ہوا اور وہ مجھے سوبھراج یا کو برا سمجھ کر لعن طعن کرنے لگا، مجھ سے چوک یہ ہوئی کہ میں نے دوسرے قیدیوں کے سامنے اسے تشدد کا نشانہ بنانے کا فیصلہ کر لیا اور سنیل نے بات کھول دی۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ گرفت میں آ چکا ہے کس کو بتانے جائے گا وہ کس کا قیدی ہے۔''

''یہی سوچ کر میں نے سنیل کی حرکت کو نظر انداز کر دیا۔ ویسے بھی وہ بہت ابتر حالت میں ہے۔''

ابرار ہم دونوں کے لیے چائے بنا کر لے آیا تھا۔ چائے نوشی کے درمیان میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی تو میرا دھیان ان تینوں کی طرف گیا۔ ابرار کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق انہیں گھر سے گئے ہوئے بہت دیر ہو چکی تھی۔ ان کی طرف سے میری طبیعت فکر مند تھی۔

فون کی گھنٹی بجنے پر مجھے خیال آیا کہ شاید ان تینوں میں سے کسی نے یہ جاننے کے لیے فون کیا ہو گا کہ اس وقت میں کہاں تھا۔

فون پر سوبھراج تھا۔ سلسلہ ملتے ہی اس نے تفکر آمیز انداز میں براہِ راست اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی'' اس وقت میں نے ایک ضروری کام کے لیے تم کو فون کیا ہے۔ میرے سامنے تمہارے سوا کوئی متبادل آدمی نہیں ہے تم میرا کام کر سکو گے؟''

''یہ کام کی نوعیت پر منحصر ہے۔'' اسے سرسری انداز میں جواب دیتے ہوئے میں اپنے اندر ایک ہیجانی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔

''شہر میں میری گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا'' میں وہاں رک کر کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس لیے گاڑی وہیں چھوڑ کر عجلت میں ٹیکسی سے لوٹ آیا۔ حادثے میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ میں اس واقعے کی رپورٹ کے اندراج کے بغیر پولیس کی تحویل سے گاڑی نکالنا چاہتا ہوں۔''

میرے لیے وہ ایک اہم پیش رفت تھی۔ اس گاڑی کے نمبر سے یہ سراغ لگایا جا سکتا تھا کہ ان دنوں سوبھراج نے کہاں پناہ لی ہوئی تھی۔ میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا'' گاڑی کا میک، ماڈل اور رجسٹریشن نمبر کیا ہے۔''

سوبھراج نے کالی ہنڈا اکارڈ کے وہ کوائف بلا تردد بتا دیے جو میں نے بہت تیزی سے ایک سادہ کاغذ پر لکھ لیے۔ سوبھراج کے سلسلے میں وہ اہم سراغ بہت آسانی سے

ہاتھ آ گیا تھا۔ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گیری کے بعد اس کا وقت بھی پورا ہونے والا تھا۔

''تم روپوش ہو، شہر میں گاڑی میں کہاں گھومتے پھر رہے تھے؟'' کوائف مل جانے کے بعد میں نے ذرا حیرت سے پوچھا۔

''کئی دنوں سے میری ڈاڑھ میں ناقابلِ برداشت تکلیف تھی۔'' وہ بتانے لگا ''ڈاکٹر پہلے ہی اسے نکلوانے کا مشورہ دے چکے تھے مگر میں ٹال رہا تھا۔آج ہمت جواب دے گئی تو میں مجبور ہو کر اپنے ڈینٹل سرجن کے پاس چلا گیا۔ڈاڑھ نکلوا کر آ رہا تھا تو یہ حادثہ ہو گیا۔ایک سفید گاڑی والا بلاوجہ مجھے سائیڈ مارتا ہوا نکل گیا۔''

''وہ بھاگ گیا تو اس معمولی حادثے کے بعد تمہیں گاڑی وہاں چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ تم بھی خاموشی سے اپنی گاڑی میں نکل جاتے۔''

''تم بال کی کھال نکالتے ہو۔'' اس کی چڑچڑی آواز ابھری۔''میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ بلاوجہ گاڑی وہاں چھوڑ کر چلا آتا' سفید گاڑی والا بھاگ گیا مگر ڈاڑھ نکلنے کی وجہ سے میرے اعصاب کشیدہ تھے۔میں رفتار کی وجہ سے اپنی گاڑی پر قابو نہیں رکھ سکا۔وہ سڑک کی وسطی پٹی پر ٹکرا کر دوسرے ٹریک پر چلی گئی اور انجن بند ہو گیا۔میری گاڑی بری طرح تباہ ہوئی ہے۔غنیمت ہے کہ میں بال بال بچ گیا۔''

''تمہاری پریشانی میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔تم راج محل کو بھول سکتے ہو تو تمہارے لیے اس گاڑی کی کیا حیثیت ہے۔اسے بھی بھول جاؤ۔''

''گاڑی میری نہیں' میرے ایک دوست کی ہے۔اسے بھی گاڑی کی پروا نہیں ہو گی لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کوئی سامنے نہ آیا تو پولیس رجسٹریشن نمبر کے سہارے میرے دوست تک پہنچ جائے گی اور اسے تنگ کرے گی کہ حادثے کے بعد گاڑی کو مین روڈ پر لاوارث کیوں چھوڑ دیا گیا۔یہ معاملہ بہت پیچیدہ ہو سکتا ہے۔تم ان دشواریوں کو نہیں سمجھتے۔یہ قصہ یہیں ختم ہونا ضروری ہے۔''

''تم نے کھل کر بتایا ہے تو اب بات میری سمجھ میں آئی ہے۔ظاہر ہے کہ تمہارا دوست پولیس والوں کو حادثے اور کار کو لاوارث چھوڑنے کے بارے میں کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکے گا۔میں اسی وقت اپنے جاننے والوں سے رابطہ کرتا ہوں اور جو کچھ ممکن ہوا کر گزروں گا۔یہ بتاؤ کہ تھانے سے گاڑی مل جائے تو اسے کہاں پہنچانا ہو گا۔''

''میں وہ گھر جانتا ہوں۔اس کا پتا مجھے یاد نہیں ہے رجسٹریشن کے کاغذات ڈیش بورڈ میں ہیں۔ان سے تمہیں پورا پتا مل جائے گا۔کوئی دشواری محسوس کرو تو وقت کی پروا کیے بغیر مجھے فون کر لینا۔یہ کام بہت ضروری ہے۔'' مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ڈیفنس کا علاقہ ہے۔''

''تم اپنے اسی دوست کے گھر ٹھہرے ہوئے ہو؟'' میں نے جاننا چاہا۔

وہ مجھ سے زیادہ چالاک تھا۔اس نے گول مول سا جواب دے کر مجھے ٹال دیا۔''تم گاڑی وہاں پہنچوا دو، میرے سر سے بوجھ اتر جائے گا۔میرے وہاں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔میں دوسرے چکروں میں بھی الجھا ہوا ہوں۔''

''سنیل کے بعد تم اپنے گمبھیر مسائل میں گھر کر بالکل تنہا رہ گئے ہو مجھ پر بھی پوری طرح اعتماد نہیں کرتے۔مجھ سے اپنے دل کی بات کر لیا کرو۔تمہارا بوجھ بہت ہلکا ہو جائے گا۔''

''تم نے آج مزار پر حسن اور ذکی کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی؟'' چند ثانیوں کے گہرے سکوت کے بعد اس کی تفکر آمیز آواز ابھری۔اس نے میرا سوال پھر ٹال دیا تھا۔

''وقت ہی کہاں تھا۔کل ان کو دیکھوں گا۔'' میں نے اول خان کو آنکھ مار کر سوبھراج کو فون پر جواب دیا۔

''ذکی بہت بدتمیز اور حرام زادہ ہے۔'' میرا جواب سنتے ہی وہ پھٹ پڑا ''تھوڑی دیر پہلے اس نے مجھے فون کیا تھا وہ مجھے اپنے مسائل کا ذمے دار ٹھہرا رہا تھا۔''

''اسے کون سے مسائل درپیش ہیں؟'' میں نے سادگی سے پوچھا۔

''اسے سب سے زیادہ تکلیف اس بات کی ہے کہ اس کا مطالبہ پورا کرنے کے بجائے میں اسے ٹال رہا ہوں۔آج اس نے یہ الزام تراشی کی ہے کہ میں ان دونوں کی مخبری کر رہا ہوں۔جو بات مجھے معلوم ہوتی ہے وہ کسی اور تک بھی پہنچ جاتی ہے۔نیو خان ہوٹل میں دو آدمیوں نے اسے گھیرنے کی کوشش کی، آج مزار کے قریب ایک فوجی گاڑی موجود تھی۔حسن اپریٹس پر اس سے اس بارے میں بات کرتے کرتے اچانک خاموش ہو گیا۔اسے شبہ ہے کہ اس کا ساتھی کسی بڑی مشکل سے دوچار ہو چکا ہے۔''

''میں آج کے کسی واقعے سے بالکل بے خبر ہوں۔''

''میں کہتا ہوں کہ وقت نکال کر ان دونوں کا قصہ تمام کرو۔اس کمینے کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ مجھ پر الزام لگائے۔یہ امکان اس کے ذہن میں کیوں آیا کہ مجھ سے فون پر کی جانے والی باتیں کہیں سنی جاتی ہیں۔آدمی پر برا وقت آتا ہے

کہ اس پر چیونٹی بھی شیر ہونے لگتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دہلی میں میری شکایت کرے گا۔ تم اس سے پہلے دونوں کو جہنم واصل کردو تاکہ ان کی واپسی اور شکایتوں کا کوئی امکان ہی نہ رہے۔''

''آج کوئی واقعہ ہوا ہے تو وہ دونوں مزار سے غائب ہو گئے ہوں گے۔ انہیں تم پر شبہ ہو گیا ہے تو مجھے اپنے طور پر انہیں تلاش کرنا ہوگا۔ رفتہ رفتہ تم میرے بوجھ میں اضافہ کرتے جا رہے ہو۔ تمہیں زبان دے کر میں بندھ گیا ہوں۔''

''اس شہر کے لوگوں سے میرا دل اکتا گیا ہے۔ کل تک جو لوگ دن رات میرے دسترخوان پر منڈلاتے رہتے تھے آج میرا فون سننے سے بھی بچ رہے ہیں۔ ایسی طوطا چشمی میں نے کہیں سنی، نہ دیکھی ایک تم ہو جو مجھے سہارا دے رہے ہو۔''

''اس کے باوجود تم مجھ سے ملنے پر آمادہ نہیں ہو۔'' میں نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔

''ملنے کا وقت بھی آ جائے گا، ہوسکتا ہے کہ ہم پاکستان سے باہر بہت بہتر اور محفوظ ماحول میں آمنے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے کی صحت کا جام تجویز کریں۔''

''کیا تم دوبارہ باہر جانے کے لیے پر تول رہے ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''مسائل اسی رفتار سے بڑھتے رہے اور لوگوں نے دغابازی کا سلسلہ جاری رکھا تو مجبور ہو کر مجھے یہ قدم اٹھانا پڑے گا۔''

''تم نمک حراموں پر دھیان کیوں دیتے ہو۔ اپنی توجہ دوستوں پر مرکوز رکھو!''

''میں اتنی دیر سے یہی تو رو رہا ہوں کہ شہر میں میرے دوستوں کا کال پڑ گیا ہے۔''

''اس کے باوجود ابھی تم کم از کم دو ناموں کا حوالہ دے چکے ہو۔''

''تم غلط کہہ رہے ہو۔'' اس نے سختی سے میری بات کی تردید کی ''میں نے تم سے گفتگو کے دوران ابھی تک کسی دوست کا نام نہیں لیا۔''

''میں محاورے میں بات کر رہا تھا۔'' میں نے جلدی سے تصحیح کی۔ ''تم نے بے شک کوئی نام نہیں لیا لیکن دو ہمدرد شخصیات کا ذکر کر چکے ہو۔''

''مجھے یہ بھی یاد نہیں آ رہا۔ تم کس کی بات کر رہے ہو؟''

''شہر بلکہ ملک بھر میں سب کو علم ہے کہ تمہاری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو چکے ہیں۔ تم پر بہت گھناؤنے الزامات عائد کیے گئے ہیں اور قانونی چارہ جوئی سے پہلے تمہارا بدترین میڈیا ٹرائل ہو رہا ہے.....'' میں نے جان بوجھ کر خاموشی اختیار کر لی۔

''ہاں ہاں۔ بولتے رہو میں سن رہا ہوں۔'' اس نے بے چینی سے لقمہ دیا۔

''اور پڑھے لکھے لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ کسی ملزم کو پناہ دینا یا اس سے تعاون کرنا قابلِ سزا ہے۔ اس کے باوجود تمہارے ایک دوست نے اپنی گاڑی تمہارے تصرف میں دی ہوئی تھی۔ دوسرا تمہارا ڈینٹل سرجن ہے جس نے پولیس کو خبر دینے کے بجائے تمہاری خراب ڈاڑھ نکال کر تمہیں واپس آنے دیا۔ اب مجھے اور نام بھی یاد آ رہے ہیں۔ مدن لال نے تمہیں پناہ دی، تمہارے کاموں کے لیے اپنے بیٹے کو استعمال کیا اور دونوں کسی ایجنسی کی بے رحمانہ گرفت میں آ گئے۔ اس وقت بھی تمہارے کسی خیر خواہ نے تم کو پناہ دی ہوئی ہے۔ شکوے شکایات اپنی جگہ پر ہیں مگر ابھی یہ شہر اتنا بے مہر نہیں ہوا جتنا تم سمجھ رہے ہو!''

میں نے وہ تقریر بلا سبب نہیں کی تھی۔ اس نے ملک سے چلے جانے کا ذکر کر کے مجھے فکرمند کر دیا تھا۔ ملک سے باہر جانے کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر ہماری دسترس سے نکل جاتا۔ حادثے میں تباہ ہونے والی کار کے سلسلے میں میری مدد مانگ کر اس نے مجھے ایک راہ فراہم کی تھی۔ کار کے مالک پر کام شروع کر کے ہم بہت جلد سوبھراج تک پہنچ سکتے تھے۔

میری دلی خواہش تھی کہ وہ بس مزید چند دنوں کے لیے کراچی میں ٹکا رہے تاکہ ہم اس کی گردن ناپ سکیں۔ اس کے بعد کچھ بھی اس کے اختیار میں نہ رہتا۔

''تمہاری سوچ منطقی ہے۔ میں ذرا جذباتی ہو کر سوچتا ہوں۔'' اس نے تحمل سے میری پوری بات سن کر جواب دیا ''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو، ابھی یہ شہر میرے دوستوں سے خالی نہیں۔ یہ بتاؤ کہ گاڑی کے بارے میں تم مجھے کتنی دیر میں آگاہ کر رہے ہو۔''

''میں کسی قسم کا کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ بات بنی ہوئی تو دس منٹ میں بن جائے گی، کام کا آدمی ہاتھ نہ آیا تو کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ یہ بتاؤ کہ حادثہ پیش آئے ہوئے کتنی دیر ہو چکی ہے اور یہ کہاں ہوا تھا۔''

''ایسی دل توڑنے والی باتیں نہ کرو، میرے لیے یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔ یہ واقعہ تقریباً دو گھنٹے پہلے ایم ٹی خان روڈ پر مائی کلاچی کراسنگ والے ٹریفک سگنل سے کچھ پہلے پیش آیا تھا اس وقت وہاں کوئی پولیس والا نہیں تھا۔''

''دو گھنٹے پہلے کا واقعہ ہے اور تم مجھے اب بتا رہے ہو!''

"میرا ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں جوں ہی ذہن میں تمہارا نام آیا' میں نے تمہیں فون کر ڈالا۔"

"چلو' میں دیکھتا ہوں کہ کیا ہو سکتا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

اول خان کو میری باتوں سے بڑی حد تک صورت حال کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ کاغذ پر لکھے ہوئے کالی ہنڈا اکارڈ کے کوائف بھی پڑھ چکا تھا۔ فون بند ہوتے ہی اس نے اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا "گڈ لک...... اندازہ ہو رہا ہے کہ اب کوئی راہ ملی ہے۔"

"ذکی اس سے بدظن ہو گیا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "اب صحیح معنوں میں اس کے ستارے گردش میں آئے ہیں۔"

"کیا وہ باہر جانے کی بات کر رہا تھا؟ اس پر تم فکر مند ہو گئے تھے۔"

"وہ بھاگ گیا تو ہم اس کا کیا بگاڑ لیں گے۔"

"اس کا ملک سے نکلنا اتنا آسان نہیں ہے۔ اس کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں آ چکا ہے۔ اس نے کسی بھی ایئر پورٹ کا رخ کیا تو دھر لیا جائے گا۔"

"یہ نہ کہو' سرحدیں سیل ہیں۔ فوج اور رینجرز مامور ہیں پھر بھی را کے دو ایجنٹ ملک میں گھسنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ سب کاغذی باتیں ہوتی ہیں۔ عملی طور پر کہیں نہ کہیں کوئی خلا رہ جاتا ہے۔ وہ چمن کے راستے زاہدان کی طرف نکل سکتا ہے' طورخم سے کابل جا سکتا ہے۔ ساری ایگزٹ لسٹ دھری رہ جائے گی۔ ایران یا افغانستان سے وہ دنیا کے کسی بھی ملک کا سفر کر سکتا ہے۔ ایسے لوگ پاسپورٹ اور ویزے ہر وقت تیار رکھتے ہیں۔"

"غیر قانونی حرکتوں سے روکنا واقعی مشکل کام ہے' مجھے ایسے بیان پڑھ کر ہنسی آتی ہے کہ کسی کو لوٹ مار' بدعنوانی کرنے یا امن و امان خراب کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والے آپ سے اجازت کیوں لیں گے۔ قانون شکن عناصر ہر ملک میں اپنی من مانی کرتے ہیں یہ اور بات ہے کہ بعد میں ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

اول خان اس کی گاڑی کو پیش آنے والے حادثے کی تفصیل سن کر خاصا محظوظ ہوا۔ "اس کار سوار کو دعائیں دو جس نے سوبھراج کو سائیڈ مارا۔ اب ایک ٹھوس سراغ سامنے آ گیا ہے۔ تم کو اس کی مدد کرنی چاہیے۔"

"میں کیا کروں گا۔ یہ کام تم ہی کو کرنا ہوگا۔"

اول خان نے اپنی جیبی ڈائری نکالی اور متعلقہ تھانے کا فون نمبر تلاش کر کے رابطہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

اس وقت تھانے میں صرف محرر موجود تھا۔ افسران اپنے اپنے عملے کے ساتھ گشت پر نکلے ہوئے تھے۔ اس نے فون پر ذرا ڈپٹ کر بات کی تو اسے تھانے کے انچارج کا موبائل فون نمبر مل گیا۔

ایس ایچ او کے لیے اول خان کا سرسری تعارف کافی ثابت ہوا۔ اس رتبے کے پولیس افسران ایس ٹی ایف کی اہمیت سے آگاہ ہوتے تھے۔

گاڑی تھانے میں نہیں لائی گئی تھی۔ کرین دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے وہ کام اگلی صبح تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا تھا۔ اسے سڑک کے وسط سے ہٹا کر کنارے سے ضرور لگا دیا گیا تھا۔

ان لوگوں کا خیال تھا کہ کالی اکارڈ والا حادثے میں زیادہ زخمی ہو گیا تھا۔ صبح تک کار کے کسی وارث کو تھانے سے رجوع کرنا چاہیے تھا۔ اس خیال سے حادثے کی ایف آئی آر کاٹی گئی تھی نہ روزنامچے میں اس کا اندراج کیا گیا تھا۔

اول خان نے وہاں سے کار اٹھوانے کا ارادہ ظاہر کیا تو تھانے دار فوری طور پر رضا مند ہو گیا۔ اس نے تھانے سے رجوع کیے بغیر کار اٹھانے کی اجازت دے دی۔ اس طرح وہ اپنے علاقے میں ایک حادثے کی ذمے داری سے محفوظ ہو گیا تھا۔

"پولیس کی طرف سے معاملہ صاف ہو گیا اب کیا کرنا ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"ہم میں سے کسی کو وہاں جانا ہوگا تاکہ گاڑی کے کاغذات سے نام پتا وغیرہ لیا جا سکے۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے پرتشویش لہجے میں کہا "گیارہ بج چکے ہیں۔ مجھے پریشانی ہو رہی ہے کہ یہ لوگ کہاں رہ گئے۔ اب تک انہیں لوٹ آنا چاہیے تھا۔"

"ایسے وقت میں موبائل فون کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے پاس کم از کم ایک انسٹرومنٹ ہونا چاہیے۔"

"وہ بہت کم باہر جاتے ہیں۔ آج عجیب اتفاق ہے۔"

میری بات ادھوری رہ گئی چونکہ ہمارے گیٹ پر گاڑی رکنے کی آواز کے ساتھ ہارن سنائی دیا تھا۔

"لو' شاید آ گئے!" اول خان بے ساختہ بول پڑا۔

دروازہ کھولنے کے لیے ابرار موجود تھا۔ چند لمحوں میں وہ تینوں ہنستے مسکراتے اندر آ گئے۔

''یہ وقت ہے آنے کا!'' میں نے وال کلاک پر نظر ڈال کر خفگی سے کہا۔ میں نے جان بوجھ کر ان میں سے کسی کو مخاطب نہیں کیا تھا۔

''دیر سویر کی بات کر رہے ہو۔ یہ نہیں پوچھا کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے!'' ویرا نے میرے سوال کا جواب دینے کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔

''کیا ہوا؟'' اس بار میں نے اسی سے سوال کیا۔

''زبردست حادثہ۔'' اس نے خشک لہجے میں کہا ''پسنجر سیٹ کا پورا دروازہ پچک کر اندر گھس گیا ہے اور تم دیر سے آنے پر ملامت کر رہے ہو۔''

وہ کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔ میں اپنی جگہ بیٹھا رہا لیکن اول خان اضطراری انداز میں گاڑی کا معائنہ کرنے چل دیا۔

''کوئی پریشانی لاحق ہوگئی تھی تو تم فون کر سکتی تھیں...... کسی کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔''

''ضرور آئی ہوگی۔ ملاقات ہوگی تو پتا چلے گا۔'' وہ آنکھیں پھرا کر بولی۔

''کیا بک رہی ہو...... کس کی بات کر رہی ہو میں تم تینوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔''

''خدا نے خیر کی ہے۔'' اول خان واپس آتے ہوئے بولا ''پورا دروازہ تباہ ہوگیا ہے۔ وہ مرمت کے قابل نہیں رہا ہے۔''

''دوسری گاڑی کا حشر زیادہ خراب ہوا ہے۔'' ویرا نے اول خان کو بتایا ''ٹکر کے بعد وہ الٹتے الٹتے بچی تھی۔''

''وہ اندھا تھا یا نشے میں دھت ہو کر گاڑی چلا رہا تھا؟'' اول خان کو غصہ آگیا۔

''تم کیا کہتے ہو اس کے بارے میں؟'' ویرا نے سوال میری طرف منتقل کر دیا۔

میں دیکھ رہا تھا کہ اس دوران میں غزالہ اور سلطان شاہ کے لبوں پر ہلکا سا فخر آمیز تبسم رقصاں تھا۔ مجھے شبہ ہوگیا کہ ویرا مجھے چکر دے رہی تھی۔

حادثے کے بارے میں ویرا پر غلط بیانی کا شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اول خان اپنی آنکھوں سے گاڑی کا تباہ ہونے والا دروازہ دیکھ آیا تھا۔ میں الجھن میں پڑ گیا کہ ویرا کو کیا جواب دوں۔ اس وقت تک میرا ذہن ایک لمحے کے لیے بھی سوبھراج کی طرف نہیں گیا تھا۔

''مجھے ویرا کی کہانی میں کوئی شرارت کارفرما نظر آرہی ہے۔'' میں نے غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا ''تم بتاؤ کہ اصل قصہ کیا تھا۔''

''خبردار!'' ویرا نے پلٹ کر تادیب کی۔ ''تم نے زبان کھولی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ ذرا ان دونوں کے ذہنوں پر کچھ بوجھ پڑنے دو۔''

''تم لوگ گاڑی کو خاصا نقصان پہنچا کر آئے ہو۔ یہ فخر کی بات نہیں ہے۔'' اول خان نے ویرا کو سمجھایا ''ہوسکتا ہے کہ تمہاری کوئی غلطی نہ ہو۔ تم پورا واقعہ کیوں نہیں بتا دیتیں۔''

''نقصان کی ساری ذمے داری سلطان شاہ کی ہے۔ گاڑی یہی چلا رہا تھا۔'' ویرا نے برجستہ جواب دیا ''مجھے خدا کو منہ دکھانا ہے۔ میں کسی اور کو جھوٹا الزام نہیں دوں گی۔''

''تم کسے سمجھا رہے ہو'' میں نے اول خان سے کہا ''ان چکروں میں نہ پڑو اور یہ بتاؤ کہ اس کی گاڑی کے لیے کرین کے بندوبست میں کتنی دیر لگے گی۔''

میری زبان سے گاڑی اور کرین کا ذکر سن کر ویرا چونکی اور معنی خیز نظروں سے باری باری غزالہ اور سلطان شاہ کی طرف دیکھنے کے بعد بولی ''تم کس کی گاڑی کے لیے کرین کا بندوبست کر رہے ہو؟''

میرے جی میں آئی کہ میں بھی اسے کچھ نہ بتاؤں لیکن وہ واقعہ اتنا اہم تھا کہ اسے زیادہ دیر تک ان تینوں سے نہیں چھپایا جاسکتا تھا۔ میں کچھ دیر بعد کامیابی کی اطلاع دینے کے لیے سوبھراج کو فون کرتا تو انہیں از خود ہر بات معلوم ہو جاتی۔

''آج تمہارے اور سوبھراج کے ستارے خاصی حد تک مل رہے ہیں۔ وہ بھی بہت بری طرح اپنی گاڑی لڑا بیٹھا ہے'' میں نے سکون سے بتایا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا؟'' میرے جواب پر ویرا ہکا بکا رہ گئی تھی۔

''تھوڑی دیر پہلے اس نے گاڑی کی بازیابی کے لیے مجھے فون کیا تھا۔''

''سلطان شاہ نے اسی کی گاڑی کو سائیڈ مارا تھا'' وہ پرزور لہجے میں بولی ''میں نے اسے پنچ لگژری ہوٹل کے سامنے والی کمرشل عمارت سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہم نے اس کا پیچھا کیا اور سائیڈ مار کر آگے نکل گئے۔ ہم نے تمہارے لیے کار کا نمبر لے لیا تھا۔''

''اسے احتیاط سے اپنے پاس رکھ لو۔ چاہو تو موم جامہ کرا لو۔ سوبھراج نے ہر بات بتا دی ہے۔ شاید وہ تمہیں نہیں دیکھ سکا۔ وہ اس واقعے کو ایک حادثہ ہی سمجھ رہا ہے۔''

اول خان نے اٹھ کر سلطان شاہ کو گرم جوشی سے اپنے سینے سے لگا لیا اور اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے بولا ''آج تم نے کمال کر دیا۔ تمہارے کارنامے کی وجہ سے آج سوبھراج ہمارے قدموں میں آگرا ہے۔ قسمت نے ساتھ دیا تو وہ بہت جلد زنداں کی سلاخوں کے پیچھے نظر آئے گا۔''

''میں صرف ایک بات سمجھ سکا ہوں کہ سوبھراج نے اپنی چھوڑی ہوئی گاڑی کی واپسی کے لیے ڈینی سے رابطہ کیا۔

ہے۔'' سلطان شاہ نے کہا ''یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ اس کی تہ میں کیا راز پوشیدہ ہے؟''

ویرا نے آتے ہی تجسس اور اضطراب کی جو فضا پیدا کردی تھی' اس کے ردِعمل میں میری طرف سے سرد مہری کا مظاہرہ فطری تھا۔ وہ جمود ٹوٹتے ہی ہم پانچوں کے درمیان پورے زور وشور سے تبادلۂ خیال کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

ان تینوں کے پاس اپنی کامیابی کی ایک قابل فخر کہانی موجود تھی۔ میں بھی اپنی مہم سے ناکام نہیں لوٹا تھا۔ وہ الگ الگ واقعات معلوم ہوتے تھے لیکن درحقیقت ایک ہی لڑی سے وابستہ تھے اور ہماری مشترکہ کوششوں سے اس الجھی ہوئی گتھی کا سرا ملنے کی امید پیدا ہو چلی تھی۔

''یہ اچھا ہوا کہ گیری جہنم واصل ہوگیا'' اس کا انجام سن کر ویرا بے ساختہ بولی ''خس کم جہاں پاک۔ وہ پینٹا گون سے اپنی وابستگی کی بنا پر خود کو دوسروں سے برتر سمجھتا تھا۔ آج اس کا زعم خاک میں مل گیا۔''

''دیکھنا یہ ہے کہ اس کی جگہ کون لیتا ہے؟'' غزالہ پرخیال انداز میں بولی۔

''ہوسکتا ہے کہ کچھ دنوں تک کوئی نیا آدمی نہ آئے۔ اس نے اومان جانے سے پہلے بتایا تھا کہ ٹام عارضی طور پر اس کی جگہ لے گا۔ کچھ عرصے تک یہ سلسلہ یوں ہی چلتا ہوا نظر آرہا ہے۔ ٹام دوسروں کے مقابلے میں تندخو اور سخت گیر معلوم ہوتا ہے'' میں نے کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ تمہارا اندازہ درست ہو لیکن اس طرح گاڑی نہیں چل سکے گی۔ نک اور گیری یہاں ایف بی آئی کے نمائندے تھے۔ ٹام سی آئی اے کی نمائندگی کرتا ہے۔ دونوں اداروں کے ملازم ایک دوسرے کے دوست ہیں لیکن پالیسیوں میں اختلاف ہے۔ سی آئی اے والے اپنے ڈائریکٹر کی وجہ سے ہر وفاقی ادارے کو نیچا دکھانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں'' ویرا نے اس بارے میں اپنی جامع معلومات کا اظہار کیا۔

''یہ ان کے اپنے بکھیڑے ہیں۔ وہ ٹام کو یہاں رکھیں یا دہلی سے ایڈی ہاک کو لے آئیں۔ بار بار آدمی بدلنے سے ان کی حرکتوں کا تسلسل ٹوٹے گا۔ یہ ہمارے لیے سودمند ہے۔''

''تم سب کی کارگزاریاں سن کر مجھے رشک آرہا ہے'' اول خان نے سنجیدگی سے کہا ''تم نے جلال کے ساتھ مل کر چارلی کو اپنے چوہے دان میں پھانس لیا۔ لڑکیاں ڈنر کے لیے نکلیں تو انہیں سوبھراج ٹکرا گیا۔ میں آج کل بالکل بے کار بیٹھا ہوا ہوں۔''

''فکر نہ کرو۔ سوبھراج کی گاڑی تم ہی پہنچاؤ گے'' میں نے اسے کام یاد دلایا۔

''تمہارا کیا اندازہ ہے' سوبھراج وہاں موجود ہوگا؟'' اول خان نے پوچھا۔

''مشکل ہے۔ وہ لومڑی کی طرح چالاک ہے۔ وہ وہیں رہ رہا ہے تب بھی اس وقت وہاں سے سرک جائے گا۔ دیکھتا ہوں کہ فون پر اس سے کس ڈھب سے بات ہوتی ہے۔''

''تم نے کہا اور میں نے سن لیا لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا کہ تھانے دار کو فون کر کے گاڑی چھڑانے کی بات اور تھی' جب تک جنرل کی طرف سے گرین سگنل نہیں مل جاتا' میں عملی طور پر تمہارا ہاتھ نہیں بٹا سکوں گا۔''

''تم مجبور ہو تو میں خود اس معاملے کو دیکھوں گا۔ راج محل کے عملے نے مجھے کرنل داور کے روپ میں دیکھا ہوا تھا۔ سوبھراج سے آج تک کسی بھی روپ میں آمنا سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ آج میں ڈینی کا ہرکارہ بن کر چلا جاؤں گا۔''

''تمہیں یہ خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں' میں تروتازہ ہوں۔ چاہو گے تو گاڑی پہنچانے کے لیے میں چلا جاؤں گا۔''

''اسے فون کرلو'' اول خان نے مشورہ دیا ''وہ تمہارے انتظار میں بیٹھا سوکھ رہا ہوگا۔''

''سوکھنے دو۔ تھانے سے ایسی گاڑی چھڑانا آسان کام نہیں ہے۔ بھاگ دوڑ اور رابطوں میں وقت لگتا ہے'' میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''یہ یاد رکھنا کہ ایک بجے ذکی یا الفا سے رابطے کی کوشش بھی کرنی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ سوبھراج کی گاڑی کے چکر میں وہ موقع ضائع ہوجائے'' اول خان نے بتایا۔

''یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی'' میں نے ممنونیت سے کہا ''اب ایک بجے کا دھیان رکھوں گا۔ گاڑی کے لیے سوبھراج اپنی رات کالی کرسکتا ہے۔''

مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کالی اکارڈ اسی ڈینٹل سرجن کی تھی جو بیچ لگژری ہوٹل کے سامنے والی کمرشل بلڈنگ میں بیٹھتا تھا۔ شاید سوبھراج کو اسی نے اپنے گھر میں پناہ دی ہوئی تھی۔ اس کے گھر پر ڈاڑھ نکالنے کے اوزار نہیں رہے ہوں گے۔ جڑ ٹوٹ جانے کی صورت میں فوری طور پر ہلکی پھلکی سرجری کی نوبت بھی آسکتی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے اپنی گاڑی میں کلینک آنے کا مشورہ دے ڈالا جو اس وقت اس کے گلے پڑا ہوا تھا۔

میں کچھ دیر تک خاموش بیٹھا ذہنی ورزش کرتا رہا۔ وہ سب باہر سے شکم سیر اور تازہ دم ہو کر آئے تھے اس لیے بے

تکان اس دن کے واقعات پر بحث و تمحیص کیے جا رہے تھے۔

آخر کار میں نے سوبھراج کو فون کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے مجھ سے کھل کر اعتراف کر لیا تھا کہ اس کے لیے گاڑی کی واپسی کا مسئلہ سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔

''تمہارا کام ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں دس ہزار روپے خرچ ہوئے ہیں جو میں نے تمہاری اجازت کے بغیر ادا کر دیے ہیں۔'' اس کی آواز سنتے ہی میں نے وہ تفصیل بتا کر اس کے سر کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

''تم نے بہت اچھا کیا۔ تم عقل مند آدمی ہو۔ اس وقت گاڑی کی واپسی دس بیس ہزار روپے سے زیادہ اہم ہے۔ گاڑی لانے والے کو یہ رقم دے دی جائے گی'' اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خبر اس کے لیے سکون کا باعث بنی تھی۔

''مجھے رقم کی پروا نہیں ہے۔ میری ایک شام کی محفل کا خرچ تیس چالیس ہزار کے لگ بھگ ہوتا ہے۔ تمہارے لیے میں دس ہزار قربان کر سکتا ہوں'' سوبھراج کے لیے میرا نام ایک محب وطن بدمعاش کی حیثیت رکھتا تھا جسے برقرار رکھنے کے لیے اس قسم کی کچھ عامیانہ گفتگو ضروری تھی۔ ''تھانے دار نے ڈیڑھ بجے بلایا ہے۔ وہ کرین سے گاڑی لے کر سیدھا تمہارے ٹھکانے پر پہنچے گا۔''

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ میرا ٹھکانا نہیں ہے'' وہ اس معاملے میں بہت حسّاس ہو رہا تھا۔ ''ویسے میں کوشش کروں گا کہ تمہارے آدمی سے مل لوں۔ دس ہزار کے ساتھ اسے کچھ انعام بھی مل جائے گا تو اسے خوشی ہو گی۔''

''یہ تمہاری مرضی ہے۔ کچھ نہیں دو گے تب بھی اسے شکایت نہیں ہو گی'' میں نے بے پروائی سے کہا'' وہ گاڑی چھوڑ کر چلا آئے گا۔''

میں چاہتے ہوئے بھی اس کی آمد کے امکان پر کوئی بات کرنے کا موقع نہ نکال سکا۔ مگر وہ خود ہی اس موضوع پر آ گیا۔

''رقم کا معاملہ نہ ہوتا تو شاید میں ادھر نہ آتا۔ اب کوشش کروں گا کہ پہنچ جاؤں۔ اپنے آدمی سے کہہ دینا کہ وہ کسی سے کوئی مطالبہ نہ کرے۔ میں پہنچ گیا تو خاموشی سے اسے رقم دے دوں گا ورنہ تمہارا حساب مجھ پر باقی رہے گا۔ کسی اور کو اس کی بھنک نہیں ملنی چاہیے۔''

''رقم کے لیے تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔'' میں نے رقم کا شوشا اسے مرعوب کرنے کے لیے چھوڑا تھا اور ساری بات وہیں اٹکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تمہارا یہ احسان بہت ہے کہ کسی چکر کے بغیر گاڑی واپس مل رہی ہے۔ جو خرچ ہوا ہے وہ میری ذمے داری ہے۔ دراصل میں نہیں چاہتا کہ میرے دوست پر مزید کوئی مالی بار پڑے۔ اکارڈ بڑی گاڑی ہے۔ اس کی مرمت پر بہت بھاری لاگت آئے گی مگر وہ مجھ سے ایک پیسا نہیں لے گا۔''

''تم حساب کتاب پر اتنا زور دے رہے ہو تو پھر آج ہی حساب برابر کر دینا۔ مجھے حیرت ہے کہ ایسے ایسے مہربانوں کے ہوتے ہوئے بھی تم کراچی والوں کی بے وفائی کا شکوہ کر رہے تھے۔''

''اب ان باتوں کو بھول جاؤ۔ اس وقت شاید میں زیادہ جذباتی ہو گیا تھا۔'' اس نے میری بات کے پہلے حصے کا جواب نہیں دیا۔

''تو کیا میں سمجھ لوں کہ تم نے ملک چھوڑنے کا ارادہ منسوخ کر دیا ہے؟''

''اس کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ آج کل میرے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ پنڈت اور کاہن کہتے ہیں کہ سمندر پار کر لیا جائے تو مقدر کی ساری نحوستیں دور ہو جاتی ہیں'' مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اپنی روشن خیالی اور آزاد روی کی باوجود وہ عام ہندوؤں کی طرح اوہام پرست تھا۔

''تمہارے کسی پنڈت نے یہ نہیں بتایا کہ آدمی سمندر

میں غرق ہوجائے تو ذراسی دیر میں اس کے سارے دلدر دور ہوجاتے ہیں۔''

''اوہو......تم میری بات سے چڑ گئے۔ یہ پنڈت اور پجاری اپنے تجربے سے گر کی باتیں بتاتے ہیں۔ مجھے ان کی سچائی کا تجربہ ہوچکا ہے۔''

''میں بھی تجربے کی بات کر رہا تھا۔ تمہاری بد دعائیں گیری کو کھا گئیں۔ افواہیں ہیں کہ اس کو لے جانے والی ائر ایمبولینس مسقط کے قریب سمندر میں گر کر تباہ ہوگئی۔ سمندر میں غرق ہوتے ہی وہ تمہارے خوف سے آزاد ہوگیا۔''

''تمہارے منہ میں گھی شکر...... کاش ایسا ہی ہوا ہو'' اس کی آواز سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا'' مجھے قلق رہے گا کہ ہم دونوں مل کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ دو بازاری لٹیرے اس کا حلیہ بگاڑ کر چلے گئے۔''

''تم بات نہیں سمجھے۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ اس کے ستارے بھی گردش میں آئے ہوئے تھے۔ وہ سمندر پار جا رہا تھا اور سمندر ہی کی نذر ہوگیا۔ اس کے ساتھ تین آدمی اور مرے ہیں۔ سمندر پار کا سفر ہر ایک کو ہمیشہ راس نہیں آتا۔''

''افواہوں کی دھند چھٹے گی تو پتا چلے گا کہ کیا ہوا تھا۔ یہ کوئی تخریب کاری بھی ہوسکتی ہے۔ آج کل یمن سے اومان تک کے ساحلی علاقوں میں مذہبی انتہا پسندوں کا زور ہے۔ امریکا سے نفرت کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے جہاز مار گرایا ہو'' اس نے میری بات کو یکسر نظر انداز کردیا تھا۔

''اگر گیری مر چکا ہے تو میں کچھ دنوں کے لیے آرام سے کراچی میں رہ سکتا ہوں'' لمحہ بھر کے توقف کے بعد وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا'' میں دوسروں سے آسانی سے نمٹ سکتا ہوں لیکن ایف بی آئی والے درندوں سے میں خائف تھا۔ اب انہیں سنبھلنے کے لیے خاصا وقت درکار ہوگا۔ میں یکسو ہوکر اپنے دوسرے معاملات پر توجہ دے سکوں گا۔''

''میں نے کچھ دیر پہلے تم سے آج کا حساب آج ہی برابر کردینے کے لیے کہا تھا۔ تم نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا'' اس بار میں نے ذرا سرد مہری سے کہا۔

''میں نے تمہاری بات سن لی تھی۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا۔ کسی وجہ سے نہ آسکا تو تمہارا مقروض رہوں گا۔ اپنا پتا بتادو تو منی آرڈر بھجوا دوں گا۔''

میں اس کی آمد کی اس سے زیادہ یقین دہانی حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ میں اس کا کھوج لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے منی آرڈر بھجوانے کے بہانے میرے ٹھکانے کا سراغ حاصل کرنے کی کوشش کر ڈالی تھی۔ میں نے مسکت لہجے میں کہا ''منی آرڈر ضائع ہوجائے گا۔ خطرناک دشمنوں کی وجہ سے میں ٹھکانے بدلتا رہتا ہوں اسی لیے موبائل فون کے علاوہ میرا کوئی اور مستقل فون نمبر نہیں ہے۔ ادھر آؤ تو یہ دھیان میں رکھنا کہ میرا آدمی ڈھائی تین بجے سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکے گا۔''

''اوکے ڈینی! میں تہ دل سے تمہارا ممنون ہوں۔ میری وجہ سے تمہاری یہ رات کالی ہوگی۔''

میں نے ایک ہلکا سا استہزائی قہقہہ لگا کر کہا'' میں ان چکروں میں نہیں پڑتا۔ ابھی لمبی تان کر سوجاؤں گا۔ میرا آدمی تمہاری گاڑی کا کام نمٹا لے گا۔''

گفتگو ختم ہوگئی!

''کیا ارادہ ہے تمہارا؟'' اول خان نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دھیرے سے سوال کیا۔

''وہ وہیں ہے۔ نہیں ہے تو وہاں ضرور آئے گا۔ مجھے تذبذب میں رکھنے کے لیے وہ بے یقینی کی باتیں کر رہا تھا۔ میں اپنا آدمی بن کر خود گاڑی پہنچانے جاؤں گا۔''

''تنہا؟'' اول خان نے حیرت سے یک لفظی سوال کیا۔

''کسی اور کے شامل ہونے سے کھیل بگڑ جائے۔ تم ویسے ہی مجبور ہو۔ جنرل کے اشارے کے بغیر فعال نہیں ہوسکتے۔ جلال اپنی تازہ ترین رپورٹ کے ساتھ اسلام آباد چلا گیا ہوگا۔ وہاں چارلی کے بیان کی روشنی میں فوری اقدامات ضروری ہوگئے ہیں۔''

میرا جواب سن کر ہر چہرے پر فکر و تشویش کے سائے پھیل گئے۔ ویرا کی ساری شوخی اور خوش مزاجی رخصت ہوچکی تھی۔ اس نے سر ہلاتے ہوئے کمزور آواز میں کہا'' یہ صریحاً خودکشی ہوگی۔ میں تمہیں اس خطرناک ایڈونچر کا مشورہ نہیں دوں گی۔''

وہ بھول رہی تھی کہ جاں گسل معرکہ آرائیوں میں سوبھراج سے ایک بار بھی میرا سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ وہ مسلسل روپوش تھا۔ اگر اس سے ٹکراؤ ہونے کے ففٹی ففٹی امکانات بھی تھے تو میں وہ موقع ضائع نہیں کرسکتا تھا۔

میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ وہ سوبھراج سے میرے براہِ راست تصادم کی رات تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤ داور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ویرا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اس کے بعد سوبھراج نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈینی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروادی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈینی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈینی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہو گا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہو گی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈینی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈینی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن و امان کے مسائل بھی کھڑے کرنے چاہ رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہو گا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمٰی اور جہانگیر کی

ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈینی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسر پیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہوگا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سودمند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں اسے اسٹیشن فور لے جانا چاہتا تھا مگر وہاں سے بتایا گیا کہ ایس ٹی ایف کی تمام سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں۔ ناچار میں نے صدف مینشن کا رخ کیا جہاں آئی بی کے اہلکاروں کے ساتھ سنیل سے گفتگو کی گئی۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ ان کے علاوہ سوبھراج نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں گیری ہارٹ کو شکار کر سکوں تو وہ مجھے پانچ لاکھ روپے کا انعام دے گا۔ اس کے مطابق وہ فرنچ بیچ پر اس سے ملنے آ رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ وہاں گیری ہارٹ کو سبق سکھایا جا سکتا ہے۔ اس مہم پر میں اور سلطان شاہ گئے اور جب وہ فرنچ بیچ سے واپس لوٹ رہا تھا ہم نے اس کی خاصی مرمت کر ڈالی۔ اس معرکے میں اس کا ڈرائیور کام آ گیا اور خود گیری ہارٹ شدید زخمی ہوا۔ اس کے بعد گیری ہارٹ کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ وہ زخمی حالت میں عمان کی طرف عازم پرواز تھا کہ اس کا جہاز بحیرہ عرب میں گر کر تباہ ہو گیا۔ اب ہماری تمام تر توجہ بھارت سے آنے والے دونوں ایجنٹوں پر مرکوز تھی۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی۔ وہ اس گاڑی کے لیے بے چین تھا اور میں وہ گاڑی اسے خود پہنچانے جانا چاہتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ سوبھراج سے میرا ٹکراؤ ہونے والا ہے۔

اب آپ قسط نمبر 237 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

میں نے فیصلہ کن لہجے میں ان چاروں کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا تھا۔ سب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ مجھے اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے سے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

میرے فیصلے پر اول خان کے یک لفظی سوال اور ویرا کے کمزور مشورے کے بعد کمرے کی فضا پر گمبھیر سی خاموشی طاری ہو چکی تھی۔ ان میں ہر ایک اپنی جگہ پر فکرمند اور تشویش زدہ نظر آ رہا تھا لیکن سب کی زبانیں بند تھیں۔ اس رات درپیش مہم کو خوش اسلوبی سے نمٹانے کے لیے کسی کے پاس کوئی ایسی متبادل تجویز نہیں تھی جس پر عمل کر کے سوبھراج تک رسائی کا کوئی بے ضرر راستہ تلاش کیا جا سکتا۔

''تم میری بات پر غور کیوں نہیں کر رہے؟'' آخر کار سلطان شاہ نے اس بوجھل سکوت کو توڑتے ہوئے احتجاجی لہجے میں کہا ''میں کہہ رہا ہوں کہ تمہیں یہ خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں میں تر و تازہ ہوں۔ گاڑی میں لے جاؤں گا......''

غزالہ نے اس کی بات کاٹ دی ''تمہارا جانا مناسب نہیں ہے اس قضیے کی ابتدا تم سے ہوئی تھی سب سے پہلے تم ویرا کو لے کر راج محل گئے تھے اور ویرا وہاں پھنس گئی تھی۔''

''میں ڈرائیور بن کر اس کے ساتھ گیا تھا اور راج محل کے باہر رک کر اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا تھا۔ مجھے راج محل کے ملازموں نے ضرور دیکھا تھا مگر سوبھراج سے میرا سامنا نہیں ہوا تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ مجھے نہیں پہچان سکے گا۔''

''میں تمہاری پیشکش اور فکرمندی کی قدر کرتا ہوں۔'' میں نے سلطان شاہ سے کہا ''مسئلہ صرف گاڑی پہنچانے کا نہیں ہے یہ کام کرین والا بھی کر سکتا ہے۔ اسے پتا دے دیا جائے تو وہ اپنے کسی ساتھی کی مدد سے گاڑی وہاں پہنچا دے گا۔ اصل مسئلہ سوبھراج کا ہے اگر وہ وہاں موجود ہوا تو اسے گھیرنے کے لیے فوری طور پر فیصلہ کرنا ہوگا۔''

''اس میں کیا پریشانی ہے۔'' سلطان شاہ نے فوری طور پر جواب دیا ''وہ نظر آ گیا تو اسے ہر قیمت پر زندہ یا مردہ حالت میں پکڑنا ہوگا۔ وہاں اس کا سایہ بھی نظر آ گیا تو میں اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کے لیے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دوں گا۔''

سلطان شاہ کی دلیل میں وزن تھا لیکن میں اس سے اپنے دل کی بات کھل کر نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ بہت بے جگر اور دلیر شخص تھا لیکن مکاری اور چالاکی کے معاملے میں وہ سوبھراج کا پاسنگ بھی نہیں تھا۔ وہ

لڑبھڑ کر سوبھراج کو زیر کرنے کی پوری اہلیت رکھتا تھا لیکن عیاری میں اس سے آسانی سے مار کھا سکتا تھا۔

مجھے اپنے دشمنوں کے خلاف بہت بڑی کامیابیاں نصیب ہوتی رہی تھیں لیکن مجھے اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں تھی میں اپنی دانست میں ہمیشہ چاروں کھونٹ چوکس رہتا تھا مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں اندازے کی کوئی غلطی نقصان کا سبب بن جاتی تھی۔

نیو خان ہوٹل سے چارلی عرف حسن کا فرار زیادہ پرانا واقعہ نہیں تھا۔ میں نے اپنی دانست میں اسے پوری طرح گھیر لیا تھا مگر وہ مجھے اور سلطان شاہ کو جل دے کر مکھن میں سے بال کی طرح صاف نکل گیا تھا سڑک پر بھاگتے ہوئے اوندھے منہ گرنے کے سبب میری ہتھیلیوں میں آنے والی خراشیں زیادہ گہری نہیں تھیں لیکن ان کی سوزش کے باعث وہ واقعہ بار بار ایک کسک بن کر میرے ذہن میں ڈنک سے مارتا رہتا تھا۔

پھر بھی میرا خیال تھا کہ میں سلطان شاہ کے مقابلے میں زیادہ بہتر انداز میں سوبھراج کا سامنا کر سکتا تھا۔ میں نے اس نکتے پر سلطان شاہ کو قائل کرنے کی کوشش کرنے کے بجائے یکایک وہ موضوع ہی تبدیل کر دیا۔

''فی الحال یہ قصہ ثانوی حیثیت اختیار کر گیا ہے!'' میں نے سنجیدگی سے کہا'' اس سے پہلے الفا کا معاملہ درپیش ہے۔ چارلی سے اس کا رابطہ اچانک ٹوٹا تھا۔ وہ اس کے بارے میں پریشان ہوگا اور وہ ایک بجے اپنا اپریٹس آن کر کے اس کی خیریت جاننے کے لیے بے تاب ہو رہا ہوگا۔''

''کچھ دیر پہلے تم نے دوسرا فلسفہ بگھارا تھا۔'' ویرا نے مجھے ٹوکا'' تم کہہ رہے تھے کہ سیکرٹ ایجنٹ بنی کے یار ہوتے ہیں......''

میں نے ویرا کی بات درمیان سے اچک لی اور کہا'' جب تک اسے چارلی کے انجام کا علم نہیں ہو جاتا وہ اسے فراموش نہیں کر سکتا۔ ایک بار اسے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ دشمن کی قید میں چلا گیا ہے تو وہ اسے بھول بھال کر اپنا کام شروع کر دے گا۔''

''چارلی کا اپریٹس تمہارے قبضے میں ہے۔ وہ دونوں آپس میں کسی نامانوس زبان میں باتیں کرتے ہیں تم اسے کس طرح مطمئن کرو گے......اس سے کیا کہو گے؟''

''مجھے یہی سب سوچنا ہے۔ اس کے لیے ذہنی یکسوئی درکار ہے۔'' میں نے دزدیدہ نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا'' یہاں یہ بحث ہو رہی ہے کہ سوبھراج کی تباہ حال گاڑی پہنچانے کے لیے کون جائے گا۔''

''تم ایسے بہانوں سے بات بدلتے ہو کہ سامنے والے کو لاجواب کر دیتے ہو۔'' ویرا خشک لہجے میں بولی'' اب کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ جو چاہو سوچتے رہو۔ زیادہ یکسوئی کی ضرورت محسوس کر رہے ہو تو غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرے میں جا سکتے ہو۔ کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔''

غزالہ ایک خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ ویرا کی وہ چوٹ سہ گئی۔ اس کی بڑائی یہی تھی کہ وہ چھوٹی موٹی باتوں پر ویرا سے نہیں الجھتی تھی۔ یہ نکتہ ہمیشہ اس کے پیش نظر رہتا تھا کہ ویرا نے ہم لوگوں کی رفاقت اور ہمارے وطن کے مفادات کے لیے اپنا سب کچھ تج دیا تھا اور امریکا کو خیر باد کہہ کر پاکستان میں بس گئی تھی جہاں اسے کھلی آزادیاں میسر تھیں نہ مثالی آسائشیں دستیاب تھیں۔

ایسا بھی نہیں تھا کہ اس نے ویرا کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے اور اسے اپنا نوشتہ تقدیر سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ بظاہر وہ انجان بنی رہتی تھی مگر ویرا کی حرکات وسکنات پر گہری نظر رکھتی تھی اور جب بھی موقع ملتا تھا' سوسنار کی ایک لوہار کی کر جاتی تھی۔ غزالہ کے اِکّا دُکّا جوابی حملے بہت بھرپور ہوتے تھے جن میں سارا اگلا پچھلا حساب بے باق ہو جاتا تھا۔

وہ تینوں ہوٹل سے شکم سیر ہو کر آئے تھے۔ اول خان بھی اپنے گھر سے کھانا کھا کر آیا تھا۔ اس بھیڑ میں صرف میں ہی بھوکا رہ گیا تھا۔ غزالہ کو میرا خیال آیا اور اس کی ہدایت پر ایس ٹی ایف کا ایک آدمی ذرا سی دیر میں میرے لیے ٹرالی پر کھانا سجا کر لے آیا۔

''تم نے الفا کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟'' میرے کھانے کے دوران میں اول خان نے پوچھا۔

''میں تذبذب کا شکار ہوں۔'' میں نے ایمان داری سے جواب دیا'' آخری فیصلہ شاید اس کی آواز سننے کے بعد ہی ہو سکے گا۔''

''پھر یکسوئی اور سوچ کا ڈراما رچانے کی کیا ضرورت تھی۔'' ویرا منہ بنا کر بولی'' جب اس سے رابطہ ہوتا' جھٹ پٹ اپنا فیصلہ کر لیتے۔''

''اس کے لیے بھی پہلے سے ذہن میں کوئی خاکہ موجود ہونا ضروری ہے۔'' اول خان نے میری تائید کرتے ہوئے ویرا کو سمجھایا'' ایسے نازک معاملات فی البدیہہ نہیں نمٹائے جا سکتے۔''

''مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔'' ویرا نے خوش مزاجی سے کہا'' ابھی خود ڈینی سے اس کے فیصلے کے بارے میں پوچھ

رہے تھے اس پر میں نے زبان کھولی تھی۔''
''میں ایک چھوٹی سی بات جاننا چاہ رہا تھا۔'' اول خان نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ''تم اس سے کس روپ میں بات کرو گے۔ دوست بن کر یا دشمن کے روپ میں؟''
''دوست بن کر دغا دینے کی گنجائش نظر نہیں آتی۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا ''وہ دونوں بہت رازداری کے ساتھ یہاں آئے ہیں اور آنے کے بعد انہوں نے سوبھراج کے سوا کسی سے رابطہ نہیں کیا۔ اب الفا سوبھراج سے بھی بھڑکا ہوا ہے۔ اسے بجا طور پر شبہ ہے کہ سوبھراج ان کی کمین گاہوں کے راز افشا کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہمدردی یا دوستی کی کوئی بنیاد نہیں بن سکتی۔''
''دشمنی میں اس سے کچھ اگلوانا ناممکن ہے۔'' ویرا نے اپنا فیصلہ سنا دیا ''تم اسے دھمکیاں دو گے وہ تم کو برا بھلا کہتا رہے گا۔ حاصل کچھ بھی نہیں ہوگا۔''
ویرا کی بات اسی لمحے میری سمجھ میں آ گئی اور میں نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑ کر پوچھا ''تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟''
''اس سے دشمنی جتانا اور دھمکیاں دینا سب سے آسان کام ہے۔'' ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا ''اس سے ہمدردی جتانے کی کوشش کرو، ہوسکتا ہے وہ دھوکا کھا جائے اور اپنے دل کی کوئی بات اگل بیٹھے یہ تمہاری ذہانت کا امتحان ثابت ہوسکتا ہے۔''
''احمقانہ باتیں مت کرو۔ ڈینی کی ذہانت کو کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تم سے بہت زیادہ ذہین اور ہوشیار ہے۔'' سلطان شاہ بولا۔
''ویری گڈ!'' ویرا خوش ہو کر بولی ''ڈینی سے کم ہی سہی لیکن اس بہانے تم نے مجھے ذہین تو مان لیا۔''
''میں نے اس بات سے کبھی انکار نہیں کیا۔'' سلطان شاہ برجستہ بولا ''شیطان بہت ذہین ہے میں تم کو اس کی خالہ مانتا ہوں۔''
''تم دونوں ہر وقت فضولیات میں الجھے رہتے ہو۔ کسی وقت سنجیدگی سے کام کی باتیں کرنے دیا کرو۔'' اول خان نے ملائمت سے کہا۔
''اسی طرح کام کی باتیں نکلتی ہیں۔'' ویرا نے جواب دیا ''میں دیکھ رہی ہوں کہ کھانے میں مصروف ہونے کے باوجود ڈینی کے بشرے پر تفکر کے سائے نظر آ رہے ہیں۔''
''ہاں...... آں!'' میں نے سر ہلا کر اس کی تائید کی ''تمہاری بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ ایک کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ کوشش ناکام ہوگی اور وہ مجھے اپنا ہمدرد تسلیم کرنے سے انکار کر دے گا۔''
جب تک ہم باتوں میں الجھے رہے، وقت پر لگا کر اڑتا رہا۔ ایک بجنے کا انتظار کرنا شروع کیا تو یوں محسوس ہوا جیسے وال کلاک کی سوئیاں جم جم کر سرک رہی ہوں۔
ایک بجنے سے پندرہ منٹ پہلے میں نے اپریٹس آن کر کے تپائی پر رکھ دیا تاکہ دوسری طرف سے اشارہ آنے پر ایک لمحہ بھی برباد نہ ہو اور ہم فوری طور پر الفا کا اولین پیغام اس کے فطری لب و لہجے میں سن سکیں۔
آخر کار گھڑی کی سوئیاں سسک سسک کر ایک پر پہنچ ہی گئیں۔ میرا اندازہ تھا کہ مقررہ وقت پر الفا کی آواز ابھرے گی لیکن گزرتے ہوئے لمحوں نے میرا وہ اندازہ غلط ثابت کر دیا۔
''الفا کہاں مر گیا۔ مقررہ وقت سے دو منٹ اوپر ہو چکے ہیں۔'' کچھ دیر بعد اول خان بے چین ہو کر بول پڑا۔
''ہوسکتا ہے کہ اپریٹس آن کر کے وہ اپنے ساتھی کے پیغام کا انتظار کر رہا ہو!'' ویرا نے اپنی رائے ظاہر کی۔
وہی ایک امکان ہوسکتا تھا۔ چارلی پر بدنصیبی کا سایہ پڑنے سے پہلے شاید وہ دونوں پہل کرنے کے بارے میں کچھ بھی نہ سوچتے ہوں جسے موقع ملتا ہو وہ دوسرے کے لیے اپنا پیغام نشر کر دیتا ہو۔ چارلی اچانک اور غیر متوقع طور پر غائب ہوا تھا۔ ہم نے فوجی گاڑی کے آلات پر اس کی بے تابانہ آوازیں سنی تھیں۔ وہ پریشان ہو گیا تھا کہ اس کا ساتھی اس سے باتیں کرتے کرتے اچانک کہاں کھو گیا تھا۔
اس صورتِ حال کے پیش نظر الفا کا مضطرب ہونا ایک فطری امر تھا۔ وقت پورا ہوتے ہی اسے چارلی کی تلاش ہونی چاہیے تھی مگر وہ بہت چالاک تھا۔ اپنے تمام تر اضطراب کے باوجود خاموش تھا۔ اس کے حساب سے چارلی آزاد اور زندہ ہوتا تو مقررہ وقت پر خود اس سے رابطہ کرتا۔ اس کی طرف سے مکمل خاموشی سے ثابت ہو جاتا کہ چارلی کسی مصیبت میں گھر چکا تھا۔ الفا کچھ کہے بغیر اپنے نتائج اخذ کر سکتا تھا۔
یہ اس خبیث کی چالاکی اور مکاری کی انتہا تھی۔ کڑی مشکل سے دوچار ہونے کے باوجود اس کی ذہنی صلاحیتیں پوری طرح بیدار تھیں۔
آخر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں وہ موقع کھونا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اپریٹس اٹھایا اور اس کا بٹن دبا کر بولنا شروع کر دیا ''موہن کالنگ فار الفا...... موہن کالنگ فار الفا اوور!''

میرے خاموش ہونے کے چند ثانیوں تک لائن پر اعصاب شکن سکوت چھایا رہا۔ بٹن چھوڑ دینے کے بعد ہماری آوازیں دوسری طرف پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن سب مہر بہ لب تھے۔

''الفا آن لائن۔ اوور!'' آخر کار اپریٹس کا ریڈیائی سکوت ایک انسانی آواز نے توڑ دیا۔ آواز میرے کانوں کے لیے اجنبی نہیں تھی۔

''میں چارلی کا ہمدرد ہوں اور اس کی ہدایات پر عمل کر رہا ہوں اس وقت وہ زخمی ہے۔ کسی نے اس کی زبان کاٹ دی ہے۔ وہ بولنے کے قابل نہیں ہے......اوور!'' میں نے لائن ملتے ہی تیزی سے کہا۔

''میں تم کو نہیں جانتا وہ یکا یک تمہارے پاس کیسے پہنچ گیا؟ اوور!'' الفا کی ٹھہری ہوئی اور پرسکون آواز ابھری۔

''یہ ایک اتفاق ہے۔ یہ بہت ابتر حالت میں کلفٹن کے ایک ویران ساحلی علاقے میں دبکا ہوا بیٹھا تھا۔ میں اپنی دوست کے ساتھ تنہائی کی تلاش میں بھٹکتا ہوا ادھر جا نکلا۔ مجھے اس پر شبہ ہوا میں اس کی طرف بڑھا تو یہ خوف زدہ ہو کر بھاگا۔ میں نے پیچھا کر کے آسانی سے اسے پکڑ لیا۔ اس کی حالت قابلِ رحم تھی۔ باتوں باتوں میں میری ساتھی نے میرا نام لیا تو چونک پڑا وہ بولنے کے قابل نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے ریت پر اپنی انگلی سے دو الفاظ لکھے جو چارلی اور انڈیا تھے۔ بات میری سمجھ میں آ گئی۔ پہلے میں ڈر گیا مگر وہاں دور دور تک ہمیں دیکھنے والا کوئی نہیں تھا میں اسے اپنے گھر لے گیا......اوور۔''

''تمہاری کہانی بہت مختصر اور مکمل ہے۔'' اس کی آواز میں طنز کی آمیزش ہو گئی۔ ''تم کو یہ سب سوچنے کے لیے کافی وقت ملا ہے۔ کیا تم یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ تم بھارتیوں کے ہمدرد ہو اور مجھ کو تم پر بھروسا کر لینا چاہیے......اوور!''

''میں کچھ نہیں بتانا چاہ رہا۔ میں انسانی ہمدردی کے تحت اسے اپنے گھر لے آیا ہوں لیکن اسے پال نہیں سکتا۔ اس کی وجہ سے میں خود بھی کسی چکر میں پڑ سکتا ہوں۔'' میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا ''میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے کہنے پر تم سے بات کر رہا ہوں۔ تم کو اس سے ہمدردی یا دلچسپی نہیں ہے تو میں اسے زبردستی کہیں بھی چھوڑ دوں گا۔ یہ کھلی فضا میں نہیں جانا چاہتا۔ اسے اپنے دشمنوں کا خوف ہے۔ لکھ کر بہت زیادہ باتیں نہیں ہو سکتیں۔ مگر اس نے جو کچھ بتایا ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ یہ کوئی سرکاری آدمی ہے اور انڈیا سے غیر قانونی طور پر یہاں آیا ہے۔ اس طرح آنے والے کون ہو سکتے ہیں یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ اوور!''

''تمہاری کہانی بہت مربوط ہے۔ تم نے میرے پوچھے بغیر میرے کئی سوالوں کے جواب دے دیے ہیں لیکن یہ ماننے والی بات نہیں ہے کہ کسی نے زبان کاٹ کر الفا کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ زندگی اور موت کا کھیل ہے۔ اس میں حریف ایک دوسرے کی زبانیں نہیں، گردنیں کاٹتے ہیں۔ اس کا اپریٹس تمہارے قبضے میں ہے۔ میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ چارلی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اسے مار ڈالنے کے بعد اب تم میرے چکر میں ہو......اوور!'' الفا کی سوچ میری توقع سے کہیں زیادہ سیدھی اور درست تھی۔

''میں ایک سیدھا سادا، شریف آدمی ہوں۔ اپنے ملک کا پکا وفادار ہوں۔ بس دھرم کے ناتے سے جذباتی ہو کر اس چکر میں پھنس گیا ہوں۔ تم کو اپنے ساتھی سے ہمدردی نہیں ہے تو میں بھی اس کے لیے اپنی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ رات کے اندھیرے میں، میں اسے کسی بھی ویرانے میں چھوڑوں گا......اوور۔''

''اس کی آواز سنے بغیر میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا۔ وہ راستہ تم نے پہلے ہی بند کر دیا ہے جس کی زبان کٹ چکی ہو اور زخم تازہ ہو وہ غوں غاں کے سوا اور کیا بول سکتا ہے۔ موہن جی! میں مانتا ہوں کہ تم جو کوئی بھی ہو، بہت چالاک ہو مگر میں بھی عقل سے کورا نہیں ہوں۔ کان کھول کر سن لو کہ چارلی کا خون رائگاں نہیں جائے گا۔ ہم نے جو سوچا ہے وہ ہو کر رہے گا۔'' اس بار الفا کا لہجہ زہریلا ہو گیا تھا۔

''کیا ہو کر رہے گا۔ کیا مجھے دھمکی دے رہے ہو؟'' اس کی بات پوری ہوتے ہی میں نے اضطراری انداز اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔ بات کچھ آگے بڑھ جانے کے بعد ایک دوسرے کو رسمی طور پر لائن منتقل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

اس کی ہلکی سی تکبر آمیز ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ بولا 'تم بہت بودے اور ڈرپوک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم وہ نہیں ہو جس نے چارلی کو مارا ہے۔ اپنے استاد سے کہو کہ کٹھ پتلیاں لڑانے کے بجائے مرد بن کر مجھ سے بات کرے۔ اپریٹس پر میں اسے کھا نہیں جاؤں گا۔ چارلی نے مجھے بتا دیا تھا کہ کلفٹن کے علاقے میں آرمی کی اسپیشل گاڑی موجود تھی۔ تمہارا باس آرمی کا کوئی بڑا افسر ہی ہو گا۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے بات صاف کر دی۔ اپریٹس پر تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں نے تم کو غلطی سے اپنا نام بتا دیا ہے۔

اس سے کیا فرق پڑے گا......شہر میں دسیوں موہن ہوں گے۔ میں چارلی کو کہیں بھی پھینک دوں، تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ میں فوجی ہوں اور نہ کوئی میرا باس ہے میں خود اپنی مرضی کا مالک ہوں۔ میں چارلی کا اپریٹس کسی آنے جانے والے کے ہاتھ دہلی میں را کے ہیڈ کوارٹرز میں بھجواؤں گا اور انہیں کہلواؤں گا کہ تم لوگ یہاں اپنے ہمدردوں کے ساتھ کیسی بدسلوکی کرتے ہو۔''

''تم ایک دم را کا نام بیچ میں کیوں لے آئے؟'' اس کی تلخ آواز ابھری۔

''میں ننھا سا بچہ نہیں ہوں۔ تمہیں بتا چکا ہوں کہ بھارت سے غیر قانونی طور پر یہاں آنے والے سرکاری افسر والی بات سن کر سب کچھ سمجھ لینا مشکل نہیں تھا۔ چارلی نے وہ باتیں لکھیں تو میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کون ہے۔ تم بھی اسی کے ساتھی ہو۔''

''اگر تم واقعی وہی ہو جو ظاہر کررہے ہو تو میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تم سے معذرت چاہتا ہوں۔'' اس بار میرا زبانی وار خاصا کارگر رہا تھا۔ میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگیا تھا کہ میں ڈرپوک ہونے کے باوجود احمق نہیں تھا اور اس کے طنزیہ انداز گفتگو نے مجھے خاصی حد تک برہم کردیا تھا۔

اس نے کسی وقفے کے بغیر اپنی بات جاری رکھی ''تم سمجھ بوجھ کے مالک معلوم ہوتے ہو۔ تمہیں اندازہ ہوجانا چاہیے کہ میں اس وقت بہت خراب حالات سے دوچار ہوں۔ میرے لیے دوست اور دشمن میں تمیز کرنا مشکل ہوچکا ہے۔ میں اپنے سائے پر بھی اعتماد نہیں کرسکتا۔ تمہاری کہی ہوئی باتیں کتنی ہی سچی کیوں نہ ہوں میں ان پر بھروسا نہیں کرسکتا۔ یہ بات دہلی میں بیٹھے ہوئے بڑے لوگ بھی جانتے ہیں۔ وہ بہت غور سے تمہاری شکایت سنیں گے مگر اس کی بنا پر میرے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔''

''میرا خیال ہے کہ چارلی نے تم سے توقع وابستہ کرکے غلطی کی ہے مجھے اس بکھیڑے میں پڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' میں نے ترشی سے کہا۔

''ایک بار مجھے اس کی آواز سنوادو!'' الفا نے مطالبہ کیا۔

''اس کی زبان کا زخم تازہ ہے۔'' میں نے سلطان شاہ کو آنکھ مارتے ہوئے کہا ''اسے کسی بھی قسم کی آواز نکالنے میں تکلیف ہورہی ہے پھر بھی میں تمہیں اس کی بے مقصد اور بھیانک آوازیں سنوائے دیتا ہوں۔''

میں نے اپریٹس کا بٹن چھوڑے بغیر وہ ریڈیائی آلہ سلطان شاہ کے دہانے کی طرف بڑھا دیا۔ وہ میری آنکھ کا اشارہ پاکر تیار ہوچکا تھا۔ اس نے اپنے دہانے میں زبان پھرا کر ایسی غضب ناک اور ڈراؤنی آوازیں نکالنی شروع کیں کہ میں لرز کر رہ گیا۔ سب ہی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف تکے جارہے تھے۔

وہ مہمل اور بے معنی آوازیں ضرور تھیں لیکن ان میں بے بسی کے بجائے غیظ و غضب اور غصے کا بھرپور رچاؤ تھا۔ سلطان شاہ ان بھرپور غراہٹوں کے ذریعے الفا کو یہ پیغام پہنچانے میں کامیاب رہا تھا کہ چارلی اس کی باتوں سے خوش نہیں تھا۔

میں نے اپریٹس سلطان شاہ کے دہانے سے دور ہٹا کر بٹن چھوڑ دیا۔

''یہ تو بالکل گونگا ہوچکا ہے۔'' چند ثانیوں کے بعد الفا کی تھکی ہوئی آواز ابھری ''کیا اس کی زبان جڑ سے کاٹی گئی ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم وہ اذیت میں ہے اور کچھ نہیں بول پارہا۔ وہ تمہاری باتیں سن کر غصے میں آیا ہوا ہے۔ وحشت سے اس کی آنکھیں سرخ ہوکر اپنے حلقوں سے ابلی پڑرہی ہیں۔ اس کی آوازوں سے بھی غصے کا اظہار ہورہا تھا۔''

''اس کا غصہ بجا ہے۔ جب اس کے جذبات کا لاوا ٹھنڈا ہوگا تو اسے اندازہ ہوگا کہ میں غلطی پر نہیں ہوں۔ دشمن کی سرزمین پر کوئی کسی اور کی بدنصیبی میں حصے دار بننا پسند نہیں کرتا۔'' اس نے سلطان شاہ کی آوازوں پر کسی شبہے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بات ہوتی تو وہ اپنے ساتھی کی آواز پہچان سکتا تھا۔ غراہٹوں اور غوغا کے الفاظ ہوتے ہیں اور نہ کوئی لب ولہجہ، اسے کوئی شک نہیں ہوسکا تھا۔

''یہ تم دونوں کے آپس کے معاملات ہیں۔'' میں نے بیزاری سے کہا ''میں اس کے ساتھ جو بھلائی کرسکتا تھا وہ کرچکا ہوں۔ تم اس پر ہاتھ رکھنے کے لیے تیار نہیں ہو تو میں اسے کہیں چھوڑ دوں گا۔ آگے اس کا مقدر ہوگا۔ وہ زندہ رہے یا مارا جائے، اس کا بوجھ بار میرے کندھوں پر نہیں ہوگا۔''

''مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تم اسے کہاں چھوڑو گے!'' الفا کے لب و لہجے کی تلخی فکرمندی میں تحلیل ہوگئی تھی۔

''چارلی غصے سے مجھے گھوررہا ہے۔ یہ آسانی سے کہیں جانے کے لیے آمادہ نہیں ہوگا۔ میں اسے بے ہوش کرکے سہراب گوٹھ سے آگے کہیں بھی ویرانے میں ڈال دوں گا۔ جب تم کو اس سے دلچسپی نہیں ہے تو یہ سب کیوں جاننا چاہ رہے ہو؟''

''کچھ بھی ہو، وہ میرا پرانا ساتھی ہے۔ میں اس کے لیے

فکر مند ہوں لیکن مشکل یہ ہے کہ اسے بچانے کے لیے میں اپنی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔''

''چارلی بے یارومددگار ہے۔ تم اپنے سائے سے بھی خوف زدہ ہو۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم دونوں یہاں کیوں آئے ہو۔ میں نے تو سنا ہے کہ سیکرٹ ایجنٹ چلتے ہیں تو اپنے ساتھ حسن اور فتنوں کی برات لے کر چلتے ہیں، خوب رولڑکیوں کے ساتھ عیش کرتے رہتے ہیں یا دشمن کو موت کے گھاٹ اتارتے ہیں۔ ان کو کہیں آنچ نہیں آتی!'' اس بار میں نے بہت زہریلے لہجے میں باتوں کا رخ بدلنے کی کوشش کی تھی۔

''تم جیمز بانڈ کی فلموں کی باتیں کررہے ہو۔ عملی زندگی بہت مختلف اور کٹھن ہوتی ہے۔ کام کی اہمیت کا اندازہ صرف اس بات سے ہو جانا چاہئے کہ اسے پورا کرنے کے لیے ہم نے اپنی جانوں کی بازی لگائی ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ تم نہیں جان سکو گے۔ اگر تم کو چارلی سے ذرا بھی ہمدردی ہے تو اسے اسی جگہ پہنچانا جس کا تم نے ذکر کیا ہے تم نے اپنا ارادہ بدل دیا تو اس کے بچنے کی موہوم امید بھی ختم ہو جائے گی۔''

''کیا تم اس کی مدد کے لیے وہاں پہنچو گے؟'' میں نے سوال کیا۔

''میں تمہارے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا!'' اس کا لہجہ سرد اور روکھا ہو گیا۔

''پھر میں بھی وہاں پہنچنے کا وعدہ نہیں کرسکتا۔ تمہارے نزدیک انسانی جان کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ کیا پتا کہ تم مجھ سے پہلے ان اطراف میں پہنچ جاؤ اور مجھے اپنی گولی کا نشانہ بنا دو۔ ایک گواہ مرجائے گا اور چارلی تمہارے ہاتھ آجائے گا۔''

''میں یہ وعدہ ضرور کرسکتا ہوں کہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔''

''میں تمہارے کسی وعدے پر اعتبار نہیں کرسکتا۔ تمہاری طرح مجھ کو بھی اپنی زندگی عزیز ہے۔ مجھے اسی ملک میں رہنا اور مرنا جینا ہے۔ میں نے چارلی سے ہمدردی کر کے ایک بڑی غلطی کی ہے۔ مجھے اندازہ ہوتا کہ تم لوگوں کی سوچ اس قدر خود غرضانہ ہے تو میں ہرگز اسے منہ نہ لگاتا۔ وہ مجھے دیکھ کر بھاگ رہا تھا تو میں اسے بھاگ جانے دیتا۔ زبردستی پکڑ کر اپنے گلے کا ہار نہ بناتا۔ اب میں اس غلطی کا ازالہ کروں گا۔''

وہ کسی طرح اپنے عزائم کا اظہار کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں اسے یہ باور کرانے میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا تھا کہ ایک پاکستانی ہوتے ہوئے بھی مجھے مذہب کی بنیاد پر ان

دونوں سے ہمدردی ہو گئی تھی لیکن وہ پھر بھی بہت محتاط تھا۔ مجھے پہلے سے اندازہ تھا کہ کسی پیشہ ور اور گھاگ ایجنٹ کو شیشے میں اتارنا آسان نہیں تھا لیکن رابطے کی ایک سہولت ہاتھ آجانے کے بعد اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرنا کفران نعمت کے مترادف تھا۔ میں نے اپنی سی پوری کوشش کرلی تھی لیکن کامیابی کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ الفا گفتگو کو طول دینا چاہ رہا تھا مگر میں نے ایک مرحلے پر وہ سلسلہ منقطع کردیا۔

''تم اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتے تھے۔'' الفا سے گفتگو کا سلسلہ ختم ہو جانے پر اول خان نے ستائشی لہجے میں کہا۔

''مجھے سلطان شاہ پر حیرت ہے۔ یہ اپنے حلق سے کیسی عجیب وحیوانی آوازیں نکال رہا تھا۔ میں کانپ کر رہ گئی تھی۔'' ویرا بولی پھر وہ براہِ راست سلطان شاہ سے مخاطب ہوگئی ''تم نے مداریوں جیسی یہ حرکتیں کہاں سے سیکھی ہیں؟''

''یہ سب تمہاری صحبت کا فیض ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''تمہارے ساتھ رہ کر میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔''

''ایسی بے مقصد چیخ و پکار میرے بس سے باہر ہے۔ میں دوٹوک فیصلہ کرکے آر یا پار کردینے کی عادی ہوں۔ دشمن کی چاپلوسی اور چکر بازیاں میرے مزاج سے میل نہیں کھاتیں۔ یہ تمہارے اور ڈینی کے شعبدے ہیں تم ہی کو مبارک ہوں۔'' ویرا نے کہا۔

''تم کس گیراج سے کرین کا بندوبست کررہے ہو؟'' میں نے ان دونوں کی گفتگو کو نظر انداز کرتے ہوئے اول خان سے پوچھا۔

''کئی گیراج ہیں جو دن رات کرین سروس مہیا کرتے ہیں تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' اول خان کی تجسس نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

''ڈیڑھ بجنے والا ہے تم کرین کی بات کرلو۔ میں نکلنے کے لیے تیار ہوں۔'' یہ کہہ کر میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

''تم ابھی تک اپنے ارادے پر اڑے ہوئے ہو؟'' ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

میں سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف ہولیا۔

مجھے خوشی تھی کہ وہ چاروں میرے لیے فکر مند تھے میں نے اپنے ذہن میں ماضی قریب کے تمام تر واقعات کھنگال ڈالے تھے اور میں مطمئن تھا کہ میرا کسی بھی روپ میں سوبھراج سے سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

میں ڈینی کی حیثیت میں اس سے بارہا فون پر گفتگو کرتا رہا تھا۔ ابتدائی بے اعتمادی کے بعد رفتہ رفتہ اس نے یہ یقین

ہوگیا تھا کہ میں اس کا بدخواہ نہیں تھا۔ یہ اس کے اعتماد کی انتہا تھی کہ اس نے حادثے میں تباہ ہونے والی سیاہ اکارڈ کی بازیابی کے لیے مجھ سے رجوع کیا تھا۔ اس کے باوجود وہ مجھ سے ہمیشہ گریزاں رہا تھا۔ وہ میری آواز اچھی طرح پہچانتا تھا لیکن میرا صورت آشنا نہیں تھا۔ یہ میری قسمت کی خوبی تھی کہ میرے بدترین دشمنوں کے پاس بھی میری کوئی تصویر تھی اور نہ مصدقہ فنگر پرنٹس۔ سوبھراج کے لیے یہ ناممکن تھا کہ مجھے دیکھ کر وہ مجھے پہچان لینے میں کامیاب ہو سکے۔

میرا دوسرا روپ کرنل داور کا تھا۔ میں اس روپ میں راج محل جا چکا تھا۔ وہاں میری سنیل سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان دنوں سوبھراج اپنے گھر میں نہیں تھا اس لیے اس سے میرا سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

میں کرنل داور بن کر امریکی اداروں کے متعدد اہل کاروں سے مل چکا تھا جن میں سی آئی اے کا ٹام بھی شامل تھا۔ میں نے کرنل داور کے بہروپ کو اتنی کامیابی سے نبھایا تھا کہ ان میں سے کسی کو میری اصلیت پر ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکا تھا۔

ظاہری طور پر اس امر کا کوئی خدشہ نہیں تھا کہ سوبھراج مجھے دیکھتے ہی پہچان لیتا۔ بالفرض محال ایسا ہو بھی جاتا تو اس صورت میں میرے لیے کوئی فوری خطرہ ہرگز درپیش نہ ہوتا۔ میں اس کا خیرخواہ بنا ہوا تھا۔ انداز ذرا بدل جاتا لیکن میرے پروگرام میں کوئی خلل نہ پڑتا۔

سوبھراج کی پوزیشن اس کے برعکس تھی۔ وہ دنیا کا کوئی بھی بہروپ بدل لیتا' اس کے لیے اپنی ناک کی خم دار بناوٹ کو چھپانا ناممکن تھا۔ اس کی ناک اس کی پہچان کا ایک قدرتی اشتہار بنی ہوئی تھی۔ اسے ہزاروں کی بھیڑ میں الگ سے پہچانا جاسکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ منظر عام سے غائب ہو کر انتہائی سخت روپوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھا۔ اپنی ڈاڑھ کی تکلیف سے مجبور ہو کر اس نے اپنی کمین گاہ سے باہر نکلنے کی غلطی کی تھی اور ویرا کی عقابی نگاہوں میں آجانے کے سبب ایک مشکل سے دوچار ہو چکا تھا۔

میں اپنے کمرے سے تیار ہو کر باہر آیا تو اول خان نے بتایا کہ کرین دو بجے تک تباہ حال کار کے پاس پہنچ کر میرا انتظار کرے گی۔

انسان اپنی منصوبہ بندیوں میں ہر اہم نکتے پر ضرورت سے زیادہ دماغ سوزی کرتا ہے لیکن بعض چھوٹی باتوں کو یکسر نظرانداز کر دیتا ہے۔ اس وقت میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔ میں نے ان سب کے اصرار کے باوجود کسی کو اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا تھا لیکن میری روانگی کا مرحلہ آیا تو میں سوچ میں پڑ گیا۔

گھر سے کالی اکارڈ تک پہنچنا کوئی بڑا مرحلہ نہیں تھا۔ میں ٹیکسی لے کر آرام سے وہاں پہنچ سکتا تھا اور کالی اکارڈ میں بیٹھ کر' کرین کے سہارے اس ٹھکانے تک پہنچ جاتا جس کا سراغ گاڑی کے ڈیش بورڈ میں موجود کاغذات سے ملتا۔

سوبھراج نے مجھے صرف اتنا بتا دیا تھا کہ سیاہ اکارڈ والا ڈیفنس کے علاقے میں رہتا تھا۔ اس کا تفصیلی پتا کاغذات میں درج تھا۔ ڈیفنس کا رہائشی علاقہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہ شہر کے متمول اور آسودہ حال لوگوں کی ایک پرسکون آبادی ہے جہاں محنت کی روزی کمانے والے تاجروں اور صنعت کاروں سے لے کر سرکاری افسران تک ہر طبقے کے خوش حال لوگ پُر امن بقائے باہمی کے سنہرے اصول کے تحت اپنی چاردیواری میں رہتے ہیں۔ ڈیفنس کے کمرشل علاقوں کے فلیٹوں کو چھوڑ کر وہاں کے ہر مکان میں رہنے والے اپنے اپنے سواری کے وسائل رکھتے ہیں۔ ٹرانسپورٹ میں لوگوں کی خودکفالت کی وجہ سے آبادی کے اندرونی حصوں میں رکشے نایاب ہیں۔ بڑوں کے گھر آنے والے چھوٹے لوگ اس علاقے میں داخل ہونے کے لیے آٹو رکشے جیسی سواری کو ہتک آمیز تصور کرتے ہیں اور جیب پر ناگوار بوجھ پڑنے کے باوجود ٹیکسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہاں ٹیکسیاں بھی بھولے بھٹکے نظر آتی ہیں' قسمت کی خوبی کی بنا پر ہی کسی پیادے کو بروقت چار پہیوں والی وہ سواری میسر آسکتی ہے ورنہ دوسری صورت میں طویل مسافت طے کر کے کسی مین روڈ پر پہنچے بغیر کرایے کی سواری کا حصول ناممکن ہوتا ہے۔

مسئلہ صرف گاڑی پہنچانے کا ہوتا تو میں وہ کام پورا کر کے کرین ڈرائیور کے ساتھ کسی مناسب مقام تک واپس آسکتا تھا۔ اپنے مہم جویانہ مقاصد کے لیے میں سست رفتار کرین پر انحصار نہیں کر سکتا تھا۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد مجھے کیسے حالات سے دوچار ہونا پڑتا اور واپسی میں کیا صورت درپیش ہوتی۔

کسی ہنگامی صورت حال میں کرین پر واپسی میرے لیے موت کا پھندا ثابت ہو سکتی تھی۔ یہ ضروری تھا کہ اس مہم کے لیے اپنی گاڑی موجود ہو۔

میں نے شہر میں بہت سی نقصان زدہ گاڑیاں کرین کے پیچھے جاتی ہوئی دیکھی تھیں۔ اس کے لیے گاڑی میں کسی کا موجود ہونا ضروری نہیں تھا۔ میری گاڑی کا بایاں دروازہ پچک چکا تھا۔ سوبھراج نے بھی سفید گاڑی کا ذکر کیا تھا۔ وہ موجود ہوتا تو میری گاڑی کو دیکھتے ہی شک وشبے کا شکار ہو جاتا۔

میں نے کھڑے کھڑے اس ساری اونچ نیچ کا جائزہ لیا پھر اول خان سے مخاطب ہو کر کہا ''میری گاڑی پہچانی جاسکتی ہے۔ اجازت ہو تو میں تمہاری کار لے جاؤں۔''

''شوق سے!'' اول خان نے سرعت سے اپنی جیب سے چابی نکال کر میری طرف بڑھادی۔ میں نے وہ چابی سلطان شاہ کو دے دی ''میرے ساتھ آؤ گاڑی تم چلاؤ گے۔''

میری غیر متوقع ہدایت پر سلطان شاہ کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا ''میں جوتے پہن کر ایک منٹ میں آتا ہوں۔'' اس نے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

ویرا اور غزالہ کو بھی میرے نئے فیصلے پر حیرت تھی۔ میں انہیں حیران چھوڑ کر باہر نکلا تو سلطان شاہ جوتے پہن کر مجھ سے پہلے گاڑی تک پہنچا ہوا تھا۔

''تم نے اچانک اپنا ارادہ کیوں بدل دیا؟'' گھر سے کچھ دور نکل آنے کے بعد سلطان شاہ سے نہ رہا گیا اور وہ سوال کر بیٹھا۔

''ڈیفنس کے رہائشی علاقے میں اس وقت پبلک ٹرانسپورٹ دستیاب نہیں ہوگی۔ اپنی گاڑی کا ہونا ضروری ہے۔'' میں نے کہا۔

میرا جواب تشنہ تھا لیکن سلطان شاہ سر ہلا کر مطمئن ہو گیا۔ اس کے لیے یہی بات کافی تھی کہ وہ اس مہم میں میرے ساتھ شامل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

شہر پر رات کا سناٹا محیط ہو چکا تھا۔ سڑکیں خاصی سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ ہماری گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھتی رہی۔

پرل کانٹی نینٹل اور شیرٹن کی درمیانی سڑک سے گزر کر ہم پی آئی ڈی سی ہاؤس کے قریب واقع پل پر چڑھے اور اسے عبور کر کے مولوی تمیزالدین خان روڈ پر اتر گئے۔ اس علاقے میں ضرورت سے زیادہ سناٹے کا راج تھا اور کشادہ سڑک دور تک ویران نظر آرہی تھی۔

اس سڑک پر واقع الکوتے کراسنگ سے آگے نکلتے ہی مجھے کالی اکارڈ نظر آگئی۔ وہ کچھ دور سڑک سے نیچے کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے آگے ایک بریک ڈاؤن وہیکل موجود تھی۔ کرین والا ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔

سلطان شاہ نے مناسب فاصلے سے اپنی گاڑی کی رفتار گھٹانی شروع کی اور پھر اسے آہستگی سے اکارڈ کے پیچھے روک دیا۔ عقب سے وہ گاڑی بالکل ٹھیک ٹھاک نظر آرہی تھی۔

ہم اپنی گاڑی سے اتر کر طاقتور انجن والی اس ڈیزل پک اپ کی طرف بڑھے جس کے عقبی حصے پر گاڑی کو سڑک سے اٹھا کر کھینچنے والے آلات نصب تھے تو مجھے اندازہ ہوا کہ گاڑی واقعی بری طرح تباہ ہوئی تھی۔

بریک ڈاؤن وہیکل کا ڈرائیور غیر تعلیم یافتہ لیکن مہذب آدمی تھا۔ ہمارے پہنچنے تک اس نے اکارڈ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

میں نے گاڑی کے ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر کاغذات کا لفافہ نکالا اور دروازہ بند کر کے ڈرائیور کو گاڑی اٹھانے کی ہدایت دے دی۔

کاغذات پر سرسری نظر ڈالنے پر میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ گاڑی کا رجسٹریشن ڈاکٹر صادق احمد کے نام پر تھا۔ وہ وہی ڈینٹل سرجن ہو سکتا تھا جس کے کلینک سے واپسی پر سوبھراج ویرا کی نظروں میں آیا تھا۔

میں نے کاغذات لفافے میں ڈالے اور سلطان شاہ کے حوالے کر دیے ''انہیں احتیاط سے اپنی گاڑی میں رکھ لو۔''

اس دوران میں ڈرائیور اکارڈ کے دونوں اگلے ٹائر آہنی جھولے میں پھنسا کر بہت پھرتی کے ساتھ سڑک سے کئی انچ اوپر اٹھا چکا تھا۔

میں نے اسے ڈاکٹر صادق احمد کے پتے سے آگاہ کیا اور طے شدہ معاوضے سے دو سو روپے زائد اس کے حوالے کر دیے۔ اس نے جھک کر ادب سے میرا شکریہ ادا کیا اور اپنی پک اپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کر لیا۔ اس سے پہلے وہ اکارڈ کا گیئر اور ہینڈ بریک چیک کر چکا تھا۔

سڑک کشادہ ہونے کے باوجود ایک گاڑی کو ٹو کر کے وہاں سے یوٹرن لینا ممکن نہیں تھا۔ پک اپ کو ریوس کرنے کی صورت میں اکارڈ کو مزید نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ ڈرائیور کو انعام کی رقم پیشگی مل چکی تھی اس لیے وہ محتاط تھا۔ وہ سیدھا چل دیا اور ہماری گاڑی اس کے پیچھے ہو لی۔

اگلا کٹ اس مقام سے بہت دور تھا۔ وہاں سے یوٹرن لے کر وہ صحیح سمت میں چل دیا۔

مائی کلاچی بائی پاس سے ہوتے ہوئے ہم بوٹ بیسن کے علاقے سے گزرے جہاں شام کی بھرپور رونقیں ماند پڑ جانے کے باوجود خاصی چہل پہل نظر آرہی تھی۔

گزری سے ہو کر ہم ڈیفنس کے قلب میں داخل ہوئے تو سڑکوں پر ہر طرف ہُو کا عالم طاری تھا۔ اسٹریٹ لیمپس نے سڑکوں کو روشن کیا ہوا تھا لیکن راتوں میں محل سراؤں کی طرح جگمگانے والے گھروں پر انرجی سیورز کی ناکافی دودھیا روشنی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

''بجلی کمپنی والے بہت سفاک ہیں دیکھو! گھروں میں

کیسا اندھیرا ہے۔'' اچانک سلطان شاہ نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''بجلی کمپنی کا کیا قصور ہے' سوئچ گھر والوں کے ہاتھوں میں ہیں چاہیں تو ہر طرف چراغاں کیے رکھیں۔ انہیں کس نے روکا ہے!'' میں نے کہا۔

''برسوں سے چوری کی کھلی چھوٹ تھی اب دیکھ بھال اور پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی ہے۔ بل آتا ہے تو لوگ بلبلانے لگتے ہیں۔ شام کے اخباروں کا کہنا ہے کہ متمول علاقوں میں زیادہ بجلی چوری ہے' غریب چوری کرے گا تو بلب اور پنکھا چلائے گا۔ بڑے گھروں میں ائر کنڈیشنرز سے گرائنڈر تک' ہر چیز بجلی کی کھپت کا ایک گھریلو کارخانہ ہے......''

''یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے میرا خیال ہے کہ ڈرائیور پریشان ہے۔ یہاں سناٹا پڑا ہوا ہے پتا تلاش کرنے میں مشکل پیش آسکتی ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔

گاڑی روک کر پوچھا گیا تو ڈرائیور واقعی الجھن میں مبتلا تھا کیونکہ وہ اس علاقے سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ میرے ایما پر سلطان شاہ نے اپنی گاڑی آگے نکال لی۔

اکارڈ کی رجسٹریشن بک ایک ڈاکٹر کے نام پر تھی اس لیے اس پر گھر کا پتا بھی قرینے سے درج تھا۔ میں نے وہ ترتیب ذہن میں دہرائی۔ ہم اپنے مطلوب فیز میں پہنچ چکے تھے۔ صحیح سڑک پر پہنچ جاتے تو ذیلی سڑک اور گھر تک آسانی سے رسائی ہوسکتی تھی۔

کچھ دیر کی تلاش کے بعد ہم آخر کار اپنی منزل مقصود پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ قرب و جوار کے دوسرے مکانات کے مقابلے میں اس وقت ڈاکٹر صادق کا مکان زیادہ روشن نظر آرہا تھا۔ سلطان شاہ نے اپنی گاڑی کنارے سے لگا کر انجن بند کر دیا۔ بریک ڈاؤن وہیکل رک گئی مگر اس کا انجن چلتا رہا۔

''تم یہاں سے نہیں ہلو گے۔'' میں نے گاڑی سے اترتے ہوئے' سلطان شاہ کو ہدایت دی۔

میرے پہنچنے سے پہلے چوکیدار پھاٹک کھول کر باہر آچکا تھا۔ غالباً اسے پہلے سے بتا دیا گیا تھا کہ کچھ دیر بعد کرین گاڑی لے کر وہاں آنے والی تھی۔

چوکیدار کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر اور توانا آدمی اس گھر سے باہر آیا۔ اس کے بدن پر شلوار قمیص موجود تھی اور چہرہ میرے لیے اجنبی تھا۔

وہ کچھ معزز سا آدمی تھا۔ میری طرف کوئی دھیان دیے بغیر اپنی گاڑی کی طرف بڑھا اور اس پر ایک نگاہ ڈال کر چند ثانیوں تک برے برے منہ بناتا رہا پھر مڑ کر چوکیدار سے بولا'' گاڑی یہیں کنارے سے لگوالو' صبح یہ بننے کے لیے جائے گی۔''

چوکیدار کو ہدایت دے کر وہ دوبارہ اندر غائب ہوگیا۔ اس نے ایک بار بھی میری طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میرے لیے وہ صورتِ حال انتہائی مایوس کن ثابت ہوئی۔ میرے اندازے کے مطابق باہر آنے والا صادق ہی ہوسکتا تھا۔ مجھے سوبھراج سے ملاقات کی امید پر اوس پڑتی نظر آرہی تھی۔ وہ گھر میں موجود ہوتا تو اخلاقی طور پر اسے اپنے میزبان کے ہمراہ باہر آنا چاہئے تھا تاکہ معذرت کے دو بول ادا کر کے اس کے صدمے کا کچھ ازالہ کر سکے۔

چوکیدار کرین والے کو گاڑی لگانے کے بارے میں ہدایات دے کر میری طرف آیا'' یہ گاڑی تم لے کر آئے ہو؟'' اس نے تفتیشی لہجے میں سوال کیا۔

میری طبیعت ویسے ہی مکدر ہو رہی تھی' میں نے بھنّا کر کہا'' کیا یہاں تمہیں کوئی اور بھی نظر آرہا ہے جو تم مجھ سے یہ سوال کر رہے ہو!''

''اوئے برادر! غصہ مت کرو' غصہ حرام ہے۔'' اس نے دوستانہ انداز میں میرے شانے پر ہلکی سی تھپکی دے کر کہا'' یہ گاڑی اتر جائے تو تم صاحب سے مل کر جانا۔''

''تمہارا صاحب ابھی باہر آیا تھا تو مجھ سے کیوں نہیں مل لیا؟'' میں نے جل کر پوچھا۔

''بڑے لوگ کا بڑا نخرا ہوتا ہے۔'' وہ میرے قریب ہو کر سمجھانے والے' رازدارانہ لہجے میں بولا'' ابھی وہ تم سے گھر میں ملے گا۔''

چوکیدار پل بھر میں میرا دوست نہیں بن گیا تھا۔ وہ ایک طبقاتی رویہ تھا جس کا مظاہرہ ہر قدم پر سامنے آتا رہتا ہے۔ اپنے مالک کا وفادار اور خدمت گزار ہونے کے باوجود وہ ذہنی طور پر اس سے بہت دور تھا۔ موقع پاتے ہی اس نے میرے سامنے ایک ہلکی بات کہہ ڈالی تھی کیونکہ وہ اپنے مالک کے مقابلے میں مجھے خود سے قریب تر محسوس کر رہا تھا۔

گاڑی کو احاطے کی دیوار کے ساتھ قرینے کے اتار کر بریک ڈاؤن وہیکل چلی گئی اور چوکیدار مجھے اپنے ساتھ لے کر اندر داخل ہوگیا۔

وہ مکان کافی وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ تباہ حال اکارڈ باہر کھڑی ہوئی تھی۔ اندر بغلی پورچ میں دو چمکتی ہوئی بیش قیمت گاڑیاں موجود تھیں۔

چوکیدار نے مجھے برآمدے میں پڑی ہوئی بید کی ایک کرسی پر بٹھایا اور خود واپس اپنے کیبن کی طرف چلا گیا۔

مجھے وہاں بیٹھے کئی منٹ گزر گئے۔ اندر سے کوئی آیا نہ مجھے بلایا گیا۔ میرے اعصاب پر سخت بے چینی سوار ہونے لگی۔ میں خود پر جبر کیے سکون سے بیٹھنے کی اداکاری کرتا رہا۔ میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال کلبلا رہا تھا کہ کوئی کہیں چھپ کر پوری رازداری سے میرا جائزہ لے رہا ہے۔

اگر سوبھراج اسی چار دیواری میں موجود تھا تو وہ میرے سامنے آنے سے پہلے یہ اطمینان کرنا چاہ رہا تھا کہ اسے میری ذات سے کوئی خطرہ تو لاحق نہیں تھا۔

اعصاب شکن لمحات آہستہ آہستہ گزرتے رہے اور پھر میرے عقب سے ایک ہلکی مردانہ آواز ابھری "اندر آجاؤ!"

وہ آواز سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں۔ سوبھراج کی آواز میں ہزاروں آوازوں میں پہچان سکتا تھا۔

میں نے کسی غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ کیے بغیر اطمینان سے کرسی چھوڑ دی۔ میں کھڑا ہونے کے بعد اپنے قدموں پر گھوما تو ایک دروازہ کھلا ہوا تھا مگر وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید وہ آڑ میں ہو گیا تھا۔

میں چوکیدار کے ساتھ برآمدے میں پہنچا تو وہ دروازہ بند تھا۔ سوبھراج نے میری بے خبری میں وہ دروازہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر کھولا تھا۔

میں چھوٹے چھوٹے قدم لیتا ہوا اس دروازے میں داخل ہوا تو بہت کشادہ اور آراستہ ڈرائنگ روم میرے سامنے تھا۔

ڈرائنگ روم کی شوکت و وسعت سے کہیں زیادہ اہم بات یہ تھی کہ ایک صحت مند، تندرست اور قد آور شخص صوفے پر بیٹھا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی وحشیانہ چمک تھی۔ اس کے چہرے پر سیاہ و سفید کھچڑی جیسی داڑھی تھی جو یقینی طور پر مصنوعی نہیں تھی اور اس کی ناک طوطے کی چونچ کی طرح آگے سے خم کھائی ہوئی تھی۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ سوبھراج تھا۔

اس نے خود کو چھپانے کے لیے روپوشی کے دنوں میں داڑھی بڑھالی تھی جو زیادہ بڑی نہیں تھی۔ کچھ دنوں بعد وہ اسے قرینے سے ترشوالیتا تو وہی روپ دھار لیتا جو حشمت کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ ویرا نے سچ کہا تھا کہ اپنی ناک کی بناوٹ کو چھپانا اس کے بس سے باہر تھا۔

پہلا جھٹکا اس کی آواز سن کر لگا تھا۔ اس پر نظر پڑنے کے بعد میرے دل کی حالت زیروزبر ہو گئی، ہاتھوں میں خارش ہونے لگی۔ ایک روپوش مجرم یکایک میرے سامنے آچکا تھا اور میری دسترس میں تھا۔ میرا جی چاہا کہ چھلانگ لگا کر اس پر ٹوٹ پڑوں اور اپنی انگلی میں موجود انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں بھرا ہوا زہر اس کے توانا جسم کی رگوں میں اتار کر پل بھر میں اسے جہنم واصل کر دوں مگر وہ میری طرف سے غافل نہیں تھا۔ ہر قسم کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے مستعد اور چوکنا نظر آرہا تھا۔

میں نے بمشکل اپنے وجود میں ابھرنے والے طوفانی غبار پر قابو پایا اور ہموار چال چلتا ہوا اس کے مقابل ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تمہیں کس نے بھیجا ہے؟" سوبھراج نے اپنی بھاری مگر دھیمی آواز میں پوچھا۔

"تمہاری گاڑی لائی گئی ہے تو تمہیں اپنے سوال کا جواب معلوم ہونا چاہیے۔" میں نے براہِ راست جواب دینے کے بجائے ہلکی سی ناگواری سے کہا "وہ خود نشے میں مست ہو کر گہری نیند سو رہا ہوگا۔ تمہاری گاڑی کے چکر میں اس نے میری رات برباد کرادی۔"

میں نے اسے راہ دینے کے لیے جان بوجھ کر بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ وہ فوری طور پر کچھ نہ بولا" خاموشی اور غور سے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس کے لبوں کو جنبش ہوئی "میں معذرت چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے تمہاری رات کالی ہوئی مگر میرا یہ کام ہونا ضروری تھا۔ اس نے تمہیں اس بارے میں بتا دیا ہوگا۔"

"وہ کسی کو کام کے علاوہ کچھ نہیں بتاتا۔ بس یہ کہا تھا کہ کوئی آدمی رقم دے تو وہ لے لوں۔ خود سے کوئی بات نہ کروں۔ تم نہ کریدتے تو میں یہ بات بھی نہ بتاتا۔ تمہیں کچھ دینا ہے یا میں واپس چلوں!" میں اس سے آواز بدل کر بات کر رہا تھا۔

وہ مجھے دیکھ رہا تھا اور میں اس کے چہرے پر لحظہ بہ لحظہ بدلتے ہوئے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ آخری سوال کرنے سے پہلے مجھے یقین ہو چکا تھا کہ میری اکھڑی اکھڑی باتوں کی وجہ سے وہ میری ذات میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔

"آرام سے بیٹھو، رات خراب ہو گئی ہے تو ذرا سی دیر سویر.... سے کیا فرق پڑتا ہے۔ مجھے کرین کے خرچ اور تمہارے انعام کے علاوہ اس کے دس ہزار روپے بھی لوٹانے ہیں۔ میری اس سے فون پر بات ضرور ہوئی ہے مگر مجھے اس کا نام معلوم نہیں ہے۔"

انعام کا ذکر کر کے اس نے مجھے لالچ دیا تھا۔ میں نے ذرا نرم پڑتے ہوئے کہا "نام نہیں جانتے تو کیا فرق پڑتا ہے

تمہارا کام ہوگیا' ویسے وہ کوئی پردے دار آدمی نہیں ہے۔ آج کل وہ شہر میں اونچی بدمعاشی کررہا ہے۔''

''کون ہے وہ...... نام بتادو اس کا!'' وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بننے کی اداکاری کررہا تھا۔ شاید آزمارہا تھا کہ میں اپنے مالک کا کتنا وفادار ہوں۔

''ڈینی!'' میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد بے پروائی سے کہا'' آج کل میں اس کے لیے کام کررہا ہوں۔ ذرا میرا وقت بگڑ گیا ہے۔ چند مہینے پہلے دس بارہ آدمی میرے لیے کام کرتے تھے۔ اب میں ڈینی کا ملازم ہوں۔''

اس نے اپنی جیب سے نئے نوٹوں کی دو گڈیاں نکال کر مجھے دکھائیں اور اپنی گود میں رکھنے کے بعد بولا'' سو والی گڈی ڈینی کو پہنچانی ہے تم چاہو تو پانچ سو والی پوری گڈی یعنی پچاس ہزار تمہارے ہوسکتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟'' میں نے ندیدے پن کے ساتھ بے ساختہ سوال کیا۔

سوبھراج کی آنکھوں کی چمک تیز ہوگئی'' تمہارے لیے بہت آسان کام ہے۔ پہلے رضامندی ظاہر کردو پھر میں تمہیں طریقہ بھی بتادوں گا۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ میری بات سن کر تم کام کرنے سے انکار کردو اور میں مشکل میں پڑ جاؤں۔''

''الٹی بات ہے لیکن تم نے مجھے سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کمزور آواز میں کہا'' پچاس ہزار کی رقم معمولی نہیں ہوتی کیا تمہیں کسی کو اٹھوانا ہے؟''

''تمہیں کچھ بھی نہیں کرنا' سارا کام میں خود کروں گا' تمہیں میری رہنمائی کرنی ہے۔''

میں نے چند لمحوں کے لیے خاموش ہوکر سوچنے کی اداکاری کی پھر تذبذب کے ساتھ کہا'' اتنے آسان کام کے لیے کوئی پچاس ہزار جیسی رقم نہیں پھینک سکتا۔ پہلے تم کام بتاؤ اس کے بعد میں جواب دوں گا۔ یہ مرد کا وعدہ ہے کہ ہمارا سودا نہ بنا تو تمہاری بات باہر نہیں جائے گی۔''

''ڈینی تمہارا باس ہے۔ تم اسے بتانے پر مجبور ہوجاؤ گے۔'' سوبھراج نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''وہ باس ضرور ہے مگر مجھے زیادہ منہ نہیں لگاتا۔ مجھے کیا ضرورت ہے جو اسے ہر بات بتاؤں۔ تم اس کی فکر مت کرو۔ میں ڈینی کے ساتھ خوش نہیں ہوں۔ لستم پستم اپنا وقت گزار رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے پچاس ہزار میرے لیے کوئی نیا راستہ کھول دیں۔''

''یہ تمہارا پکا وعدہ ہے؟'' اس نے تائید طلب انداز میں کہا۔

''پکا وعدہ!'' میں نے پرزور لہجے میں جواب دیا'' زیادہ شک میں نہ پڑو اور کام بتاؤ۔''

''ایک مرتبہ پھر سوچ لو!'' وہ اصل معاملے پر اپنی لب کشائی سے پہلے پورا یقین کرنا چاہ رہا تھا کہ میں اسے دھوکا نہیں دوں گا۔ وہ کہہ رہا تھا'' میرے کام کا تعلق ڈینی کی ذات سے ہے!''

''یہ یاد رکھنا کہ میں اسے مار سکتا ہوں نہ اغوا کرسکتا ہوں۔''

''تم نے یہ باتیں کہہ کر میرا دل خوش کردیا۔ تم دلیر آدمی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ کسی کو مروانے کے لیے پچاس ہزار کی رقم کم ہے۔ میں تم کو بتا چکا ہوں کہ کام میں خود کروں گا۔ تم مجھے اپنی گاڑی میں پوری رازداری کے ساتھ اس ٹھکانے تک پہنچا دو۔ جہاں ڈینی نشے میں دھت ہوکر مدہوش پڑا ہوا ہے۔''

''اوہ!'' میں نے تحیرزدہ انداز میں اپنے ہونٹ سکیڑ کر کہا ''تم ڈینی تک پہنچنا چاہتے ہو۔ ابھی تمہیں یہ تک معلوم نہیں تھا کہ تمہاری گاڑی کس نے بھجوائی ہے۔ اب اس کے بارے میں تمہارے تیور اچھے نظر نہیں آرہے۔ کیا اس سے تمہارا کوئی پرانا حساب چل رہا ہے۔''

''فی الحال یہی سمجھ لو۔'' سوبھراج نے گول مول جواب دیا'' یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ تم کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔''

''تم ادھر کب جانا چاہتے ہو؟'' میں نے جان بوجھ کر پوچھا۔

''ابھی...... اسی وقت!'' اس نے زور دے کر کہا'' اس وقت وہ نشے میں غافل پڑا ہوا ہے۔ بعد میں اس سے بہتر موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔ میں نے کہا ہے نا کہ میں تمہاری گاڑی میں جانا چاہتا ہوں۔''

شکار خود میرے دام میں آرہا تھا۔ اسے قابو میں کرنے کا اس سے بہتر موقع ہاتھ آنا ممکن نہیں تھا۔ وہ شاید اس بارے میں پہلے سے اپنے ذہن میں منصوبہ تیار کیے بیٹھا تھا۔ میں نے فون پر اسے بتایا تھا کہ میرے پاس چھوٹے موٹے کاموں کے لیے وقت نہیں تھا۔ میرا ارادہ لمبی تان کر سونے کا تھا۔ میرا کوئی آدمی ڈیڑھ بجے کے بعد گاڑی جائے حادثہ سے اٹھوا کر متعلقہ آدمی تک پہنچادے گا۔

سوبھراج مجھے میرا بھیجا ہوا آدمی سمجھ رہا تھا۔ مجھ سے سامنا ہوتے ہی اس نے مجھے ٹٹولنے کی کوششیں شروع کردیں۔ وہ اپنے دل کی بات زبان پر لانے سے پہلے اندازہ

لگانا چاہ رہا تھا کہ میں کس حد تک ڈینی کا وفادار تھا۔
میں نے اس کی نیت بھانپ کر اسے راہ دینے کا فیصلہ کر لیا اور یوں وہ خود بخود میرے دام میں آتا چلا گیا۔
وہ خود اپنے قدموں پر چل کر پنجرے کی طرف جانے پر آمادہ تھا اس لیے گھر میں اس سے لڑائی بھڑائی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اسے اول خان کی گاڑی کی اگلی سیٹ پر، سلطان شاہ کے برابر میں بٹھاؤں گا اور خود عقبی نشست سنبھال لوں گا۔
راستے میں کہیں بھی میں پیچھے سے اس کی گردن پر انگوٹھی کا وار کر کے اسے بے ہوشی کی اتھاہ دلدل میں پہنچا سکتا تھا۔
بے ہوشی کی حالت میں اسے پورے اطمینان کے ساتھ کہیں بھی پہنچایا جا سکتا تھا۔ ایس ٹی ایف کا کیس صاف ہو چکا تھا لیکن اسے فعال ہونے کا پروانہ نہیں ملا تھا۔ اس لیے میں نے سوچا تھا کہ بے ہوش کرنے کے بعد سوبھراج کو میں پہلے اپنے گھر لے جاؤں گا تا کہ سب دیکھ لیں کہ ہمارا بلکہ ملک کا ایک بدترین دشمن کتنی آسانی کے ساتھ میرے چوہے دان میں پھنس گیا تھا۔ وہاں سے اسے صدف مینشن پہنچانے کے بعد میرا کام ختم ہو جاتا۔ آئی بی والے اس کے کرتوتوں سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ وہ اپنے روایتی طور طریقوں سے اس سے سب کچھ اگلوا سکتے تھے۔
اس پورے معاملے میں ایک نکتہ ایسا تھا جو مجھے مسلسل ستا رہا تھا۔
اپنی اصل حیثیت میں سوبھراج کے ساتھ میرے ٹیلی فونک مراسم بہت مضبوط بنیادوں پر استوار تھے۔ وہ میرے سامنے آنے سے کتراتا رہتا تھا۔ بالمشافہ ملاقات سے قطع نظر وہ میرے اوپر کامل بھروسا کرنے لگا تھا۔
یہ اس کے اعتماد کی انتہا تھی کہ کار کے حادثے سے دوچار ہونے کے بعد اسے کار کی خفیہ بازیابی کے لیے پورے شہر میں صرف میری ذات نظر آئی تھی۔ میں نے اسے مایوس نہیں کیا تھا۔ رات گئے کام مکمل ہو جانے کی خوش خبری سنا دی تھی۔
میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس دوران میں ایسی کیا بات ہو گئی تھی کہ سوبھراج سب کچھ بھول بھال کر یکا یک میرا دشمن ہو گیا تھا اور اپنی دانست میں میرے بھیجے ہوئے آدمی کو مجھ سے توڑنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا تھا۔
میں اس نکتے پر ہر پہلو سے سوچ رہا تھا۔ سوبھراج کے رویے میں انقلابی تبدیلی کا کوئی سبب میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ گھوم پھر کر صرف ایک بات میرے دماغ میں چکرا رہی تھی۔ اس کا تعلق میری کسی غلطی سے نہیں بلکہ سوبھراج کی اپنی سوچ سے تھا۔
اس نے ویرا کو حبس بے جا میں رکھ کر وہ راز امریکی ایجنسیوں سے چھپایا تھا۔ اسی سنگین غلطی کو غداری قرار دے کر اسے جہنم واصل کرنے کی کوششیں شروع کی گئی تھیں۔
ابتدا میں سوبھراج کو اپنی طاقت اور تعلقات کے بارے میں گھمنڈ تھا۔ وہ جذبات کی رو میں آ کر قانون کے سامنے ڈٹ گیا۔ خود کو ملکی قانون کے حوالے نہ کرنے کے نتیجے میں اسے روپوش ہونا پڑا اور رفتہ رفتہ وہ سہ رخی خطرات میں گھرتا چلا گیا۔
ایک طرف پاکستانی قوانین کے محافظوں کو شدت سے اس کی تلاش تھی، دوسری طرف را کے الفانے اس پر اپنے شکوک وشبہات کا برملا اظہار کر کے کسی بھی قسم کی بھارتی امداد کے راستے بند کر دیے تھے اور تیسری طرف ایف بی آئی اور سی آئی اے والے اس کے خون پیاسے ہو رہے تھے۔
خود کو قانون کی گرفت سے بچانے کے لیے اس نے مجھے ملک سے نکل بھاگنے کے اشارے دیے تھے جنہوں نے مجھے فکر مند کر دیا تھا۔ را والے اسے زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اس کے لیے سب سے بڑا خطرہ امریکی ایجنسیاں تھیں جن کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔
اپنے کارکنوں پر اپنے نظم و ضبط کی ہیبت اور دہشت برقرار رکھنے کے لیے وہ سوبھراج کو عبرت کا نشان بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں چلا جاتا، وہ لوگ آخر کار اس کا کھوج نکال کر اسے پیوندِ زمین کر دیتے۔
شاید وہ اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ اس وقت امریکا کے مطلوب ملزموں کی فہرست میں میرا نام سب سے اوپر تھا، اگر وہ کسی طرح مجھے مارنے میں کامیاب ہو جاتا تو ایف بی آئی والے اس کے پچھلے گناہ کو معاف کر سکتے تھے۔
میرے خون سے اپنی غلطی کا کفارہ ادا کر کے اگر اسے ایف بی آئی والوں سے معافی مل جاتی تو وہ پاکستان سے باہر بہت سکھ چین کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکتا تھا۔ ورنہ اسے دنیا کے کسی گوشے میں خوف و دہشت کے سایوں سے نجات نہیں مل سکتی تھی۔
”تم کس سوچ میں ڈوب گئے؟“ سوبھراج نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا ”مجھے بھی واپس آ کر آرام کرنا ہے۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔“ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بریف کیس تھا جو اس نے قالین سے اٹھایا تھا۔
”تم ایک عزت دار شہری نظر آتے ہو۔“ میں نے بھی اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے جواب دیا ”میری سمجھ میں نہیں آ رہا

کہ ڈینی جیسے بدمعاش سے تمہارا کیا جھگڑا ہوسکتا ہے۔''
''اپنے دماغ پر اتنا زور نہ دو!'' میرے قریب آ کر اس نے نئے نوٹوں کی دونوں مہکتی ہوئی گڈیاں میرے حوالے کردیں''یہ یادرکھو کہ ہر بدمعاش کسی نہ کسی شریف کے پیسے پر پلتا ہے۔'' ڈینی نے بہت سے شریفوں کی پگڑیاں اچھالی ہیں۔ وہ مفرور اور روپوش مجرم ہے......''
''مجھے معلوم ہے۔'' میں نے گڈیاں اپنی جیب میں اڑستے ہوئے اس کی بات کاٹ دی''امریکیوں نے اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر بہت بڑاانعام رکھا ہوا ہے۔ یہ بات سب کومعلوم ہے لیکن کوئی اسے نہیں پکڑواتا۔ مجھے دیکھ لو۔ میں اس فرعون سے نفرت کرتا ہوں لیکن اس کے خلاف مخبری نہیں کرتا۔ یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔''
''تم زیرزمین دنیا کے آدمی ہو۔ تمہیں اسی میں زندگی گزارنی ہے۔ تم ان اصولوں کی پاسداری پر مجبور ہو۔ میں ان کا پابند نہیں ہوں اور پھر میں کب اس کی مخبری کررہا ہوں یا اسے امریکیوں کے پاس لے جارہا ہوں۔ میرا اپنا حساب ہے جو میں اس سے بے باق کرنا چاہتا ہوں۔''
''تم کھل کر کیوں نہیں بتاتے کہ تم اسے مارنا چاہتے ہو!''
''مرنے یا زندہ رہنے کا فیصلہ اس کا اپنا ہوگا۔'' سوبھراج کی آواز میں سفّاکی اتر آئی''میں اس سے کچھ باتیں کرنے کے لیے جارہا ہوں۔''
''میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ اب تک وہ نشے میں دھت ہو چکا ہوگا۔ ایک مدہوش آدمی سے تم کیا بات کرسکو گے؟''
''مجھے دیکھ کر اس کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ تم ان فکروں میں نہ پڑو۔ ہاں، یہ بھی سن لو کہ ڈینی اپنی کسی حرکت کی وجہ سے میرے ہاتھوں مارا گیا تو پورے ساٹھ ہزار تمہارے ہوجائیں گے ورنہ پچاس پکے ہیں۔''
''آج کل میرے لیے ایک ایک پیسا بہت اہم ہے۔ میں تمہاری کامیابی کی دعا کروں گا۔''
میرے جواب پر اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اس کے لیے یہ بات طمانیت کا باعث تھی کہ ڈینی کا ایک آدمی پوری طرح اس کی مٹھی میں آچکا تھا۔
ہم دونوں باہر نکلے کیوں کہ ہماری گاڑی اندر نہیں آئی تھی۔ سوبھراج کالی اکارڈ پر سرسری نظر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ سوبھراج کو میرے ساتھ آتا ہوا دیکھ کر سلطان شاہ بھونچکا رہ جائے گا۔
سلطان شاہ اپنی گاڑی سے باہر کھڑا ہوا میری واپسی کا انتظار کررہا تھا۔ ہم دونوں کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر وہ سرعت سے ڈرائیونگ سیٹ میں گھس گیا۔ شاید وہ اس طرح سوبھراج سے اپنے تاثرات چھپانے کی کوشش کررہا تھا۔
میں نے بڑھ کر سوبھراج کے لیے اگلی نشست کا دروازہ کھول دیا۔
''تم آگے بیٹھ جاؤ، میں پیچھے بیٹھنے کا عادی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے عقبی نشست کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔
سوبھراج کی اس حرکت سے مجھے مایوسی ہوئی۔ اس کے پیچھے رہ کر میں اس کی بے خبری میں کسی بھی لمحے اس پر وار کرسکتا تھا۔ اس کے پیچھے بیٹھ جانے سے وہ امکان معدوم ہوگیا تھا۔ پیچھے بیٹھ کر وہ ہر لمحے ہم دونوں پر نظر رکھتا۔ میرے لیے پلٹ کر اسے زیر کرنا آسان نہیں ہوسکتا تھا۔
سوبھراج کو بے ہوش کرکے گھر اور پھر صدف مینشن لے جانے کا منصوبہ التوا کا شکار ہوتا نظر آرہا تھا۔ سوبھراج کے فیصلے کی وجہ سے پہل کرنے کا موقع میرے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ مجھے اپنے وار کے لیے کسی مناسب موقع کا انتظار کرنا تھا۔ موقع نہ ملنے کی صورت میں اسے کسی ویرانے میں لے جاکر زبردستی بے ہوش کیا جاسکتا تھا۔
سلطان شاہ انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی کو حرکت میں لاچکا تھا مگر اسے منزل کا کوئی علم نہیں تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد جو کچھ ہوا تھا اس میں میری کسی پیشگی منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ سوبھراج کی نیت بھانپ کر میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ جو ہونا تھا وہ خودبخود ہوتا چلا جارہا تھا۔ اس کے نتیجے میں ہم تینوں اس کار میں یکجا ہوچکے تھے۔
سلطان نے مختصر وقفے سے دو مرتبہ دزدیدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں کئی سوال مچل رہے تھے لیکن وہ خاموش رہنے پر مجبور تھا۔
''شارع فیصل سے ماڈل کالونی کی طرف چلو!'' میں نے اسے ہدایت دی اور اس نے گاڑی کی رفتار یکایک تیز کردی۔
''ماڈل کالونی!'' پیچھے سے سوبھراج کی تحیرزدہ آواز ابھری''یہ وہی علاقہ ہے جو آگے جاکر ملیر چھاؤنی سے مل جاتا ہے؟''
''تم ٹھیک سمجھے...... ہم چھاؤنی سے پہلے کالونی میں داخل ہوجائیں گے۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا ''ڈینی تیزی سے اپنے ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔ آج وہ ماڈل کالونی میں ہے۔''
''کوئی حرج نہیں۔ اس کی تلاش میں، میں کہیں بھی

جاسکتا ہوں۔'' سوبھراج نے پرسکون انداز میں جواب دینے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے لہجے کی تہ میں چھپی ہوئی بے آرامی مجھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔

سفر جاری رہا۔ گاڑی میں سکوت چھایا رہا۔ سوبھراج خاموش تھا، میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کو کس موضوع میں الجھاؤں کہ وہ مسلسل بولتا رہے۔

پھر میرا ذہن اس چھوٹے بریف کیس کی طرف منتقل ہوگیا جو اچانک سوبھراج کے ہاتھ میں نظر آیا تھا۔ صوفے کے برابر میں قالین پر رکھا ہوا ہونے کی وجہ سے وہ ابتدا میں میری نظروں میں نہیں آسکا تھا۔

وہ عام بریف کیس سے نصف اور قدرے پتلا تھا۔ سوبھراج جس انداز میں اسے اپنے ساتھ لایا تھا اس کی بنا پر مجھے شبہ ہورہا تھا کہ وہی اس کا سیٹ لائٹ فون تھا جسے وہ ہمیشہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔

''تمہارا بریف کیس بہت چھوٹا اور شان دار ہے۔ میں نے آج سے پہلے یہ سائز نہیں دیکھا۔'' میں نے اور کوئی موضوع نہ پا کر وہی ذکر چھیڑ دیا۔

''ہاں...... یہ میں نے آرڈر دے کر بنوایا ہے۔'' اس نے مختصر سا جواب دے کر بات ختم کردی۔ میں نے ایک مرتبہ پھر محسوس کیا کہ میری طرح اس کا ذہن بھی الجھا ہوا تھا۔

''خالص چرمی معلوم ہوتا ہے!'' میں نے زبردستی بات آگے بڑھانی چاہی۔

''ہاں!'' سوبھراج نے ایک لفظ میں بات وہیں ختم کردی۔

گاڑی میں دوبارہ گمبھیر خاموشی چھا گئی۔ مجھے بے نام سی خلش ستا رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس بے آرامی سے کیسے نجات مل سکے گی۔

جب گاڑی گورا قبرستان سے شارع فیصل پر داہنی طرف مڑ رہی تھی تو سوبھراج یکایک بول پڑا ''ذرا دو منٹ کے لیے یہاں گاڑی روک لو مجھے پیشاب آرہا ہے۔''

اس کی فرمائش بہت بے ساختہ اور سرسری تھی۔ کوئی سبب نہیں تھا کہ گاڑی روکنے سے انکار کیا جاتا۔ سلطان شاہ نے گاڑی بائیں طرف کنارے سے لگا کر روک دی۔

سوبھراج اپنے بریف کیس سمیت گاڑی سے اترا تو میں خاموش نہ رہ سکا ''بریف کیس کہاں لیے جارہے ہو؟ گیلا ہوجائے گا ہم اسے لے کر نہیں بھاگیں گے۔''

سوبھراج اچانک پلٹا اور فضا دو فائروں کے ہولناک دھماکوں سے گونج اٹھی۔ اس نے نہ جانے کب اور کہاں سے ایک پستول نکال لیا تھا۔ فائر بہت قریب سے کیے گئے تھے جو مہلک ثابت ہوسکتے تھے لیکن سوبھراج یکایک کچھ اعصاب زدہ سا ہوگیا تھا، ایک گولی ہوا میں تیرتی ہوئی دور نکل گئی دوسری گولی نے میری سمت کی کھڑکی سے ونڈ شیلڈ کو چکنا چور کردیا۔ اگر ہم دونوں بروقت نیچے نہ جھک گئے ہوتے تو دوسری گولی میرے جسم کے کسی اوپری حصے کو ضرور چاٹ جاتی۔

سوبھراج میری طرف اترا تھا اس لیے میں نے سیدھا ہونے میں ذرا ہچکچاہٹ سے کام لیا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ نشانے پر تیسرا فائر کرنے کے انتظار میں وہیں کھڑا ہوا تھا یا اندھا دھند دو فائر کر کے کسی سمت میں بھاگ نکلا تھا۔

سلطان شاہ مجھ سے پہلے اپنا دروازہ کھول کر ایک پستول سمیت باہر رینگ گیا۔ باہر نکلتے ہی اس نے بائیں طرف تین فائر کیے تھے۔ وہ تینوں کارگر نہیں ہوسکے۔ ان فائروں کے سائے میں میں بھی گاڑی سے اتر آیا۔

سوبھراج ناہموار میدان میں دور بھاگا جارہا تھا۔ نیم تاریکی میں اس کا دراز قامت سایہ بہت نمایاں نظر آرہا تھا۔ ہم دونوں نے پوری طاقت سے اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ وہ ہم سے کافی دور نکل چکا تھا میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ جستی چادروں والے احاطے کے قریب پہنچا اور زمین پر تقریباً لیٹ کر نچلے خلا میں سے دوسری طرف غائب ہوگیا جہاں گہری تاریکی کا راج تھا۔ ہم دونوں چادروں والے احاطے تک پہنچے' میں نے جھک کر نیچے سے دوسری طرف جھانکا۔ وہاں پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں دور تک کسی انسانی ہیولے کا نام و نشان نہیں تھا۔ آوارہ کتوں کی چند ٹولیوں نے میدان میں ڈیرا جمایا ہوا تھا۔

چادروں سے گھرا ہوا میدان بہت وسیع تھا۔ ان دنوں گورا قبرستان پر فلائی اوور کی داغ بیل نہیں پڑی تھی لیکن اس منصوبے کی ابتدا کے لیے ضروری زمین کی حد بندی شروع ہوچکی تھی۔ جستی چادروں سے گھرا ہوا علاقہ بہت سی ناجائز تعمیرات کے انہدام کے بعد وجود میں آیا تھا۔ تجاوزات کی نئی کھیپ سے بچانے کے لیے اس علاقے کے گرد ایک عارضی احاطہ کھڑا کردیا گیا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ چند منٹ میں سوبھراج وہ میدان پار کر کے دوسری طرف نکل گیا ہو۔ وہ اندھیرے اور چادروں کی باڑھ کا فائدہ اٹھا کر کہیں دبک گیا تھا۔ ہم اس طرف داخل ہونے کی کوشش کرتے تو اس کی چلائی ہوئی کسی گولی کا شکار ہوسکتے تھے۔

رات کے تین بجنے والے تھے۔ ہر طرف سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ مگر ہماری گاڑی شہر کی ایک اہم ترین شاہراہ کے کنارے

کھڑی ہوئی تھی۔ وہاں کئی گولیاں چل چکی تھیں۔ وہ آوازیں سن کر پولیس کی کوئی گشتی گاڑی ادھر آسکتی تھی۔ میں نے تیزی سے گاڑی کی طرف دوڑ لگادی۔ سلطان شاہ نے میری تقلید کی اور پولیس کی مداخلت سے پہلے ہم اپنی گاڑی میں سوار ہوکر وہاں سے روانہ ہونے میں کامیاب ہوگئے۔

مجھے سوبھراج کے ہاتھ آکر نکل جانے کا گہرا قلق تھا۔ اسے خوش اسلوبی کے ساتھ ڈھیر کرنے کے چکر میں، میں نے اسے بہت مہلت دے ڈالی تھی۔

ابتدا میں وہ جوش میں آکر ڈینی کو مارنے کے لیے میرے ساتھ چل پڑا تھا لیکن راستے میں ماڈل کالونی کا ذکر سن کر اس کا ماتھا ٹھنک گیا تھا۔ وہ مصائب میں گھرا ہوا تھا۔ ایک اشارہ ملتے ہی اس کی کھوپڑی سے خوش فہمی کی نقاب سرک گئی اور جوں جوں وہ اپنی ناکامی کے نتائج پر غور کرتا چلا گیا اسے یہ احساس ہونے لگا کہ وہ اپنی مرضی سے ایک چوہے دان میں پھنسنے جارہا تھا۔ جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

اسے پہلا اور بدیہی خطرہ محسوس ہوا ہوگا کہ رقم میرے ہاتھ میں آچکی تھی۔ میں منزل پر پہنچ کر سوبھراج سے آنکھیں پھیر لیتا تو میں ہر طرح فائدے میں رہتا۔ رقم کے ساتھ ڈینی کی خوشنودی بھی میرا انعام بن جاتی ہے۔ میں اپنے وعدے پر قائم رہتا اور اسے ڈینی تک لے جاتا تو یہ ممکن نہ ہوتا کہ سوبھراج ڈینی کے ساتھ کوئی بدسلوکی کرکے وہاں سے زندہ نکل جاتا۔

ان منفی امکانات نے اس کا دماغ الٹ دیا اور بہانے سے ہماری گرفت سے نکل بھاگا۔ جب تک ہمارا سفر اطمینان سے جاری تھا، مجھے سب کچھ ٹھیک ٹھاک لگ رہا تھا۔ سوبھراج کے فرار ہوتے ہی مجھے احساس ہوا کہ اپنی کمین گاہ سے نکل کر ہماری گاڑی کی طرف آتے ہوئے وہ میرے بہترین نشانے پر تھا۔ میں جب چاہتا اسے بے ہوش کرسکتا تھا مگر ڈاکٹر صادق کے چوکیدار کی گیٹ سے باہر موجودگی کی وجہ سے میں نے وہ موقع ضائع کردیا۔

سوبھراج کسی نرم ونازک وجود کا نام نہیں تھا۔ جسے آرام سے بانہوں پر سنبھالا جاسکتا۔ بے ہوش ہوتے ہی اس کا بھاری وجود کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر گرتا، ایسی حالت میں اسے چند گز دور لے جانا آسان نہ ہوتا۔ چوکیدار ہماری طرف متوجہ ہوجاتا اور کھیل وہیں خراب ہوجاتا۔ اس خوف نے مجھے پیش قدمی سے روک دیا تھا۔

ویسے فضا پرسکون تھی لیکن گاڑی کی رفتار کی وجہ سے گاڑی کی ٹوٹی ہوئی ونڈ شیلڈ میں سے آنے والی تیز ہوا براہِ راست میری آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔ ہم ہوا کے تھپیڑوں میں تیزی کے ساتھ گھر کی طرف بڑھتے رہے۔

اس ناکامی کے صدمے سے میرا دماغ ماؤف تھا۔ سلطان شاہ کو بھی چپ لگی ہوئی تھی۔ اتنا بڑا واقعہ رونما ہوگیا تھا لیکن ہمارے درمیان اس بارے میں ایک لفظ کا بھی تبادلہ نہیں ہوا۔ دونوں خاموش اور سوگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

ہم کسی روک ٹوک کے بغیر گلشن اقبال کے علاقے میں داخل ہوگئے۔ جب ہم حسن اسکوائر کے چوراہے سے ذرا دور تھے تو اسنیپ چیکنگ پر مامور موبائل کے باوردی عملے نے ہماری گاڑی روک لی۔

ونڈ اسکرین چکنا چور تھی اس کا وسطی حصہ نکل کر اندر اور باہر گر چکا تھا۔ ٹوٹے ہوئے کنارے ربڑ میں پیوست رہ گئے تھے۔ اس حالت میں وہ کار دور ہی سے مشتبہ نظر آرہی تھی۔ گاڑی میں ڈاکٹر صادق کی اکارڈ کے کاغذات موجود تھے۔ سلطان شاہ کا پستول میں نے دیکھ لیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اول خان کی گاڑی کی نشستوں کے نیچے کچھ نہ کچھ ہتھیار موجود ہوں گے۔ میرا خون خشک ہونے لگا کہ اب ہم ایک نئی الجھن میں گرفتار ہوجائیں گے، جس میں ہمارا کافی وقت برباد ہوگا۔ یہ بات بہرحال یقینی تھی کہ اول خان کی مداخلت کے نتیجے میں ہم کسی بڑی پریشانی سے بچ سکتے تھے۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کسی سپاہی کے بجائے ایک اے ایس آئی ہماری طرف آیا۔ اس نے آتے ہی ہم دونوں کو گاڑی سے اترنے کی ہدایت کی جس کی فوری تعمیل کی گئی۔

''یہ کس کی گاڑی ہے؟'' اے ایس آئی نے سلطان شاہ کو گھورتے ہوئے درشت لہجے میں سوال کیا۔

اس پولیس افسر کے لہجے میں کوئی ایسی بات پوشیدہ تھی کہ میں مداخلت کرنے پر مجبور ہوگیا۔ میں نے سلطان شاہ کے بولنے سے پہلے کہا ''یہ ایس ٹی ایف کے اول خان کی گاڑی ہے جو ہم نے ایک کام کے لیے مستعار لی ہوئی ہے۔''

''ہوں'' اس نے ذومعنی ہنکار بھر کر اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کردیں ''میں اس گاڑی کے ساتھ اس کے مالک کو بھی پہچانتا ہوں۔ اس سے بات کرکے تمہیں جانے کی اجازت دی جائے گی۔ کچھ دیر بعد ہم کام ختم کرلیں گے تو تم کو ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہوگا۔''

''کیا تھانے میں ہمارے خلاف ضابطے کی کوئی کارروائی ہوگی۔''

''میں وہاں سے اول خان کو فون کروں گا'' اس نے ناگواری سے جواب دیا۔

میں نے اپنی جیب سے موبائل فون نکال کر اس کے سامنے کردیا ''وہ ہمارے گھر پر بیٹھا ہوا ہماری واپسی کا انتظار کررہا ہوگا۔اس کے موبائل نمبر پر بات کرلو۔''

اسے اول خان کا نمبر زبانی یاد تھا۔نمبر ملا کر اس نے ادب اور اخلاق کے ساتھ اول خان کو صورت حال بتائی۔اس نے فون پر مجھ سے مختصر سی بات کی اور میں نے فون دوبارہ پولیس افسر کو لوٹا دیا۔دونوں میں کچھ دیر تک پشتو میں بات ہوتی رہی۔اے ایس آئی کا انداز بتا رہا تھا کہ اول خان سے اس کے گہرے نیازمندانہ مراسم تھے۔

وہ مذاکرات ختم ہوتے ہی ہمیں روانگی کی اجازت مل گئی۔میں نے اس گلوخلاصی پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔اے ایس آئی اول خان کا شناسا نہ ہوتا تو وہ بات کافی زیادہ طول کھینچ سکتی تھی۔

ہم گھر پہنچے تو وہاں کی فضا ہی بدلی ہوئی تھی۔وہ تینوں خوف اور سنسنی کے عالم میں گھر سے باہر پورچ میں کھڑے ہمارا انتظار کررہے تھے۔

پولیس افسر سے اول خان کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہمیں حسن اسکوائر کے قریب روکا گیا تھا۔انہوں نے اندازہ لگالیا کہ ہمیں چند منٹ میں گھر واپس پہنچ جانا چاہیے۔

باہر گاڑی رکتے ہی تینوں باہر آئے تھے۔گاڑی کی ٹوٹی ہوئی ونڈ شیلڈ کو انہوں نے تشویش زدہ نظروں سے دیکھا لیکن مجھے اور سلطان شاہ کو صحیح سالم دیکھ کر ان کے چہروں سے تشویش کے سائے چھٹ گئے۔

گھر میں داخل ہوتے ہی ویرا اور غزالہ نے ہم دونوں پر سوالات کی یلغار کردی۔تجسس کی علامات اول خان کے چہرے سے بھی عیاں ہورہی تھی مگر وہ ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ خاموش تھا۔اسے معلوم تھا کہ دونوں عورتیں خود ہی کرید کرید کر مجھ سے ساری تفصیلات اگلوالیں گی۔اس لیے اسے زبان کھولنے کی ضرورت نہیں تھی۔

''تم بتاتے کیوں نہیں کہ کیا ہوا تھا۔گاڑی کی ونڈ شیلڈ کیسے ٹوٹ گئی......تم لوگوں کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی......''

''ذرا سانس لینے دو۔سب کچھ بتادیں گے'' میں نے اس کی بات کاٹ کر تھکے ہوئے انداز میں کہا ''آج میں نے اسے زندہ پکڑنے کے چکر میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی چوٹ کھائی ہے جسے میں عمر بھر فراموش نہیں کرسکوں گا۔''

''ونڈ شیلڈ کی حالت بتارہی ہے کہ آج خدا نے خیر کی'' غزالہ ہلکی سی جھرجھری لے کر بولی ''سامنے سے آنے والی گولی سے کچھ بھی ہوسکتا تھا۔''

''یہی غنیمت ہوا کہ وہ گولی سامنے سے نہیں آئی تھی'' سلطان شاہ بولا ''شیشہ ٹوٹ کر اندر بکھرتا تو ہمارے چہرے لہولہان ہوجاتے۔ایس کی چلائی ہوئی گولی بائیں طرف کی کھڑکی سے گاڑی میں گھسی تھی۔''

''آج کا دن ہماری گاڑیوں کے لیے منحوس ثابت ہوا ہے۔ہماری گاڑی کا دروازہ تباہ ہوگیا۔اول خان کی گاڑی کی ونڈ شیلڈ تباہ ہوگئی'' ویرا متاسفانہ لہجے میں بولی۔

''تمہاری گاڑی کا واقعہ کل رونما ہوا تھا۔تم بھول رہی ہو کہ رات کے بارہ بجے تاریخ بدل جاتی ہے۔دونوں واقعات ایک دن کے نہیں ہیں۔''

''البتہ یہ کہہ سکتی ہو کہ دونوں مرتبہ سوبھراج کے درشن نے گاڑیوں کے نقصان کی بھینٹ لی ہے'' میں نے مسکراتے ہوئے لقمہ دیا۔

گھر میں موجود اول خان کے دونوں آدمیوں کو بھی وہ پریشان کن خبر مل چکی تھی اور وہ پورے واقعے کی سن گن لینے کے لیے آس پاس منڈلا رہے تھے۔

میں نے آہستہ آہستہ اس واقعے کی تفصیلات سنانا شروع کردیں۔

سوبھراج سے سامنا ہونا میرے لیے بھی ہیجان آمیز ثابت ہوا تھا۔میری طبیعت چاہی تھی کہ اڑ کر اس پر ٹوٹ پڑوں اور ذرا سی دیر میں اسے بے دست و پا کردوں لیکن اس کی کمین گاہ میں بیٹھ کر ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا جاسکتا تھا۔میں دیکھ رہا تھا کہ ویرا بھی کم و بیش اسی کیفیت سے گزر رہی تھی۔

''تم کو اسے مہلت نہیں دینی چاہیے تھی۔دیکھتے ہی اسے اڑا دیتے۔قصہ وہیں ختم ہوجاتا'' میرے خاموش ہونے پر وہ جوش اور غصے کے عالم میں بولی۔

''سوبھراج کا قصہ ضرور ختم ہوجاتا لیکن ڈینی کا وہاں سے آنا بھی مشکل ہوجاتا۔یہ خودکشی کا راستہ ہوتا۔مجھے ڈینی کے ہر فیصلے سے پورا اتفاق ہے'' اول خان نے کہا۔

''تنقید سے آدمی کی اصلاح ہوتی ہے'' ویرا اول خان سے مخاطب ہوگئی ''میں ڈینی کی ٹانگ کھینچنے کی کوشش نہیں کررہی۔کوتاہی کی نشاندہی کررہی ہوں۔سوبھراج جیسے مکّار مجرم روز ہاتھ نہیں آتے۔آج ایک مدت کے بعد اس کا ڈینی سے سامنا ہوا اور وہ صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔اس واقعے پر ہم سب سے زیادہ دکھ ڈینی کو ہوا ہوگا۔پتا نہیں اب وہ مردود کب گرفت میں آئے گا۔''

''سانپ نکل گیا۔اب اس کی چھوڑی ہوئی لکیر کو پیٹنا بے سود ہے'' میں نے دھیمی آواز میں کہا۔''اب دیکھنا ہے کہ

آ گے کیا ہوتا ہے؟''

''آ ثار اچھے نہیں ہیں؟'' اول خان اداس لہجے میں بولا ''اب تک وہ تم پر بھروسا کر رہا تھا اور تم نے اس سے رابطہ برقرار رکھا ہوا تھا۔ آج کے واقعے کے بعد اس کی دانست میں تم سے بھی ٹھن گئی ہے۔ تمہارے آدمی کے ساتھ معرکہ آرائی ہونے کے بعد وہ یہ توقع نہیں کر سکتا کہ تم اس واقعے سے بے خبر رہو گے۔''

میں نے جیب سے نوٹوں کی دونوں گڈیاں نکال کر میز پر ڈال دیں اور پژمردہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''اور کچھ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو' کم از کم گاڑیوں کے نقصان کی رقم مل گئی ہے۔ آرام سے دونوں گاڑیاں بن جائیں گی۔''

''اپنا دل بہلانے کے لیے تم کچھ بھی سمجھ سکتے ہو' ویرا نے بے پروائی سے کہا'' یہ بتاؤ کہ اب تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''سوبھراج ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ اب صرف ڈاکٹر صادق ہمارے سامنے رہ گیا ہے۔ اس نے سوبھراج کو اپنے گھر میں پناہ دے کر ایک سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے'' میں نے کہا'' یہی نہیں' اس نے سوبھراج کی ڈاڑھ کا علاج بھی کیا ہے۔''

''ڈاکٹر اپنے مریض سے اس کا پیشہ نہیں' مرض پوچھتے ہیں اور اس کا علاج کرتے ہیں۔ یہ کوئی جرم نہیں ہے'' ویرا نے نکتہ آفرینی کی'' ان کے پاس شرفا کے ساتھ چور' ڈاکو اور قاتل بھی آتے ہیں۔ وہ بلاامتیاز ان کا علاج کرتے ہیں۔ علاج معالجے کی بنیاد پر اس کی گرفت نہیں کی جاسکتی۔''

''تم ایک بات پکڑ کر بیٹھ گئیں'' غزالہ نے اعتراض کیا ''علاج ضمنی بات ہے۔ اصل جرم یہ ہے کہ اس نے سوبھراج کو اپنے گھر میں پناہ دی ہوئی تھی۔''

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس نے پناہ نہ دی ہو۔ وہ ڈینی کو دس ہزار روپے دینے کے لیے وہاں آیا ہو'' ویرا سنجیدگی سے بحث پر آمادہ تھی۔

''ان دونوں کا گٹھ جوڑ ہر شک وشبہے سے بالا ہے'' سلطان شاہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''ڈاکٹر کی گاڑی سوبھراج کے استعمال میں تھی۔ وہ ڈاکٹر کے گھر میں موجود تھا۔ اگر ان کے درمیان صرف مریض اور معالج کا رشتہ تھا تو ان واقعات کیا جواز ہے؟''

یکایک ویرا کی ہنسی چھوٹ گئی اور وہ سلطان شاہ سے بولی۔ ''ذرا اندر جا کر آئینہ دیکھو۔ تم لال پیلے ہو کر عجیب عجیب صورتیں بنا رہے ہو۔ پتا نہیں تم لوگ ڈینی کی حمایت میں اتنے جذباتی کیوں ہو جاتے ہو۔ یہ موٹی موٹی باتیں مجھے بھی معلوم ہیں لیکن جب کوئی ڈینی کی بے جا حمایت کرتا ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ اس کے ہر کام میں کیڑے نکالنا شروع کر دوں۔''

''ہم دل گرفتہ ہیں اور تم کو شوخیاں سوجھ رہی ہیں'' اول خان نے شکوہ کیا۔

''ہم رونما ہو جانے والے واقعات کو واپس نہیں لوٹا سکتے پھر روتی ہوئی صورتیں بنانے کا کیا فائدہ......! ہم سے کوئی بھی جان بوجھ کر غلطی نہیں کرتا۔ خطا ایک بشری تقاضا ہے' ہمیں ہنس بول کر آگے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''ڈاکٹر صادق!'' میں نے زور دے کر کہا ''اب وہ ہمارا پہلا نشانہ ہونا چاہیے۔ اس کے خلاف ثبوت موجود ہیں۔ تباہ ہونے والی اکارڈ اس کے گھر پر کھڑی ہے۔ کاغذات میرے پاس ہیں۔ اس کے گھر پر سوبھراج سے میری ملاقات ہو چکی ہے۔ اس سے بہت کچھ اگلوایا جا سکتا ہے۔ ایسے نام نہاد شرفا جب گرفت میں آتے ہیں تو آسانی سے بولنا شروع کر دیتے ہیں۔''

''تم اسے کہاں لے جاؤ گے؟'' اول خان نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''اسٹیشن فور میرے لیے بہترین ٹھکانا ثابت ہوتا رہا ہے۔ جب تک تم پابندی سے آزاد نہیں ہو جاتے' میرے پاس صدف مینشن کے سوا کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ جلال کے واپس چلے جانے کے بعد میں وہاں آزادی سے کام نہیں کر سکوں گا۔''

''ڈاکٹر صادق کے خلاف مضبوط کیس ہے'' اول خان بولا ''پولیس سے رجوع کیا گیا تو انہیں پورا پس منظر سمجھانے میں بہت دقت پیش آئے گی۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اس وقت تم الگ رہو۔ جلال کو تازہ ترین واقعات سے آگاہ کر دو۔ آئی بی والے خود اس غدار سے نمٹ لیں گے جو سب کچھ جانتے بوجھتے سوبھراج کی مدد کرتا رہا ہے۔ میں حیران ہوں کہ وہ کس محرک کی بنا پر ایسا کر رہا تھا۔''

ابتدا میں ایسے لوگ ہمارے سامنے آرہے تھے جو ہم مذہب ہونے کی بنا پر بھارتی ایجنٹوں کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے پھر میں نے صدف مینشن میں سول ایوی ایشن کے اس مسلمان ملازم کو دیکھا جو حیدرآباد سے نقشے چرانے کے جرم میں پکڑا گیا تھا۔ وہ ایک بے حیثیت شہری تھا۔ اس کے بارے میں یہ گمان کیا جا سکتا تھا کہ وہ پیسے کے لالچ میں غداری کا مرتکب ہو رہا تھا لیکن ڈاکٹر صادق کی حیثیت کو دیکھتے ہوئے لالچ کا تصور محال تھا۔ امکان یہ نظر آرہا تھا کہ وہ مشترکہ دلچسپیوں کی بنا پر سوبھراج کا پرانا اور گہرا دوست تھا اور صرف دوستی نبھانے کے لیے آڑے وقت میں اس کو مدد فراہم کر رہا

تھا۔

سوبھراج فرار ہو گیا تھا لیکن ڈاکٹر صادق کے لیے بھاگنا ممکن نہیں تھا۔ اس پر کسی بھی وقت ہاتھ ڈالا جاسکتا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ اسی وقت جلال کی نیند میں خلل ڈالا جاتا۔

وہ کراچی میں مصروف وقت گزارنے کے بعد اسی رات کو اسلام آباد واپس لوٹا تھا۔ وہاں بھی اسے بہت کچھ کرنا تھا۔ چارلی سے حاصل ہونے والی تازہ ترین معلومات کی روشنی میں کچھ اہم حفاظتی منصوبے بنانے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اسے بہت دیر سے بستر پر پہنچنا نصیب ہوا ہوگا۔ یہ سب سوچتے ہوئے میں نے اس سے بات کرنے کا پروگرام صبح تک ملتوی کر دیا۔

''بعض اوقات جرم کا کوئی خاص محرک نہیں ہوتا۔ مجرم کو اس وقت تک اپنے جرم کی سنگینی کا ادراک نہیں ہوتا جب تک اس کا کوئی خوفناک نتیجہ سامنے نہ آ جائے۔ شاید ڈاکٹر صادق کا کیس بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ صبح ہونے میں کچھ دیر رہ گئی ہے۔ جلال اپنی نیند پوری کر لے تو میں اسے بریف کر دوں گا'' میں نے اول خان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

''تم اس ناکامی سے بہت مضمحل اور اداس نظر آ رہے ہو'' ویرا کو یکا یک میری فکر لاحق ہو گئی۔ ''تم بہت تیز بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ٹھوکر لگنی ہی تھی سو لگ گئی۔ اسے اپنے دل پر لے کر نہ بیٹھو۔ تمہیں یہ سوچ کر خوش رہنا چاہیے کہ کل تم نے اپنی بے جگری کا مظاہرہ کرتے ہوئے چارلی کو پکڑا تھا۔ وہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ سوبھراج آج نکل گیا ہے تو کل ہاتھ آ جائے گا۔ وہ یہاں سے کہیں نہیں بھاگ سکے گا۔ اس کے فرار کی راہیں مسدود ہیں۔ اس کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل ہے۔ وہ تمہاری گرفت سے نہیں بچ سکے گا۔''

ویرا اس وقت خوش رہنے کے موڈ میں تھی۔ میں نے اس کی خوش گمانی دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ میں ایک بار بتا چکا تھا کہ جلال نے پیش بندیاں کر کے سوبھراج کے فرار کی قانونی راہیں مسدود کی تھیں۔ غیر قانونی راستے بدستور کھلے ہوئے تھے۔ وہ قانون شکن تھا اور جی جان سے اپنی بقا کی لڑائی لڑ رہا تھا۔ اس سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ اس جاں سوز مرحلے پر قانون کی حدود میں رہنے کی کوشش کرے گا۔

''الفا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اول خان نے وہ سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔

''میرا خیال ہے کہ اس وقت وہی سب سے زیادہ خطرناک ہے۔'' میں نے کہا۔

''سوبھراج سے بھی زیادہ؟'' ویرا نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا ''وہ آزاد ہے۔ ہمارے پاس اس کا کوئی سراغ نہیں اور چارلی کے بیان سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ پاکستان کے لیے ان دونوں کے عزائم بہت خطرناک ہیں۔ اس کے برعکس سوبھراج دفاعی لڑائی لڑ رہا ہے۔ رہا ڈاکٹر صادق تو وہ اب بے ضرر ہے۔ اس پر کسی بھی وقت ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔ سوبھراج اب دوبارہ اس کی طرف نہیں جائے گا۔''

''گڈ!'' ویرا مسرت آمیز آواز میں بولی ''یہ خوشی کی بات ہے کہ تم ناکامی کے صدمے سے باہر آ چکے ہو اور ہر سمت میں سوچ رہے ہو۔''

''میری ناکامی پر یوں نوحہ گری نہ کرو کہ میں بھی رونا شروع کر دوں'' میں نے کہا ''مقابلے میں کبھی دونوں فریق نہیں جیت سکتے۔ ایک نہ ایک ہار جاتا ہے۔ کل رات سے سوبھراج کے ستارے اس کی یاوری کر رہے ہیں۔ پہلے وہ تم تینوں سے بچا پھر میرے ہاتھ سے بھی نکل گیا۔ لڑائی میں یہی سب ہوتا ہے۔ کبھی کے دن بڑے ہوتے ہیں اور کبھی کی راتیں!''

''تاریخ بدلنے سے پہلے تک تم اس کے منظور نظر بنے ہوئے تھے۔ اکارڈ نکالنے کے لیے پورے شہر کو چھوڑ کر اس کی نگاہِ انتخاب تم پر پڑی تھی۔ ذرا دیکھو کہ اب وہ کیا کہتا ہے'' ویرا نے مجھے اس سے بات کرنے پر اکسایا۔

''میں یہی سوچ رہا ہوں'' میں نے اس کی تجویز کی تائید کی ''ذرا اسے اتنا وقت دے دوں کہ وہ فرار کے بعد کہیں ٹک سکے۔''

''وہ ڈاکٹر کے گھر سے تمہارے ساتھ نکلا تھا۔ اس کا سیٹ لائٹ فون وہیں رہ گیا ہوگا'' اول خان نے اندیشہ ظاہر کیا ''اس سے رابطہ کیسے ہوگا؟''

''وہ ایک چھوٹا بریف کیس لے کر نکلا تھا۔'' اس بار سلطان شاہ بول پڑا ''اس کا سیٹ لائٹ فون اسی میں ہوسکتا ہے۔ سنا ہے کہ وہ اس فون کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا اور ہر وقت اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔''

''یہ بات تم نے کس سے سن لی؟ ہمیشہ بے پر کی اڑاتے رہتے ہو'' ویرا نے کہا۔

''میرا یقین نہیں ہے تو ڈینی سے پوچھ لو۔''

''سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس کے لیے رابطے کا وہی ایک محفوظ ذریعہ ہے ورنہ وہ اپنے موجودہ حالات میں ہر ایک سے کٹا ہوا ہے۔'' میں نے بات سنبھال لی ''یہ سمجھ میں

نہیں آتا کہ اس نے اپنی رقم کہاں رکھی ہوئی ہے۔ رقم اور فون دونوں اس کی بنیادی ضرورتیں ہیں۔''

''ہوسکتا ہے کہ ڈاکٹر صادق کی طرح کوئی بینکار بھی اس کی مدد کررہا ہو'' اول خان نے اپنی رائے ظاہر کی'' پابندیوں کے باوجود بہت سے افسر اپنی کارکردگی میں اضافے کے لیے فرضی ناموں سے کھاتے کھلوانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ سوبھراج کے معاملے میں یہ کشش بھی ہے کہ وہ کسی مقابلے میں پکڑا یا مارا گیا تو اس کی ساری رقم بینک افسر کے حصے میں آسکتی ہے۔''

''نئی گڈیوں سے تمہارے اندازے کی تائید ہوتی ہے'' میں نے گڈیاں اٹھا کر الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا'' مگر ان پر کسی بینک کی مہر نہیں ہے۔''

''تمہارا مشاہدہ کمزور ہے'' ویرا بولی'' نئے نوٹوں کی گڈیوں پر بینک عام طور پر اپنی مہر نہیں لگاتے کیونکہ وہ نمبروں سے گنی جاسکتی ہیں۔ استعمال شدہ نوٹوں کی گڈیوں کو کئی طرح سے سیل کرکے مہر لگانا ضروری ہوتا ہے۔ یہ بینک کی تصدیق ہوتی ہے کہ گڈی میں نوٹ پورے ہیں۔ کمی کی ذمے داری بینک پر ہوتی ہے۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں پرائے نوٹوں کی گڈیاں دیکھنے کے سوا دنیا میں اور کوئی کام نہیں ہے۔ نئے اور پرانے سب نوٹوں کے بارے میں معلومات رکھتی ہو'' سلطان شاہ نے اس بات میں بھی اپنے تبصرے کی گنجائش نکال لی۔

''تمہاری طرح بے دردی سے' بغیر دیکھے بھالے خرچ نہیں کرتی۔ رقم اپنی ہو یا پرائی' آدمی کو دردمندی کے ساتھ پیسا خرچ کرنا چاہیے'' ویرا چوکنے والی نہیں تھی۔

ان کے درمیان ہونے والی یہ تکرار شاید اور طول پکڑ جاتی لیکن اسی وقت ہمارے فون کی گھنٹی بج اٹھی اور سب چونک پڑے۔

میری نظر بے اختیار وال کلاک کی طرف اٹھ گئی۔ صبح کے ساڑھے تین بج چکے تھے۔ میں پریشان ہوگیا کہ اس وقت کس کا فون آگیا تھا۔

اس وقت ویرا فون کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے بٹن دبا کر اسپیکر فون آن کردیا۔ لائن ملتے ہی اسپیکر پر جلال کی آواز ابھری جس پر نیند کا ذرا بھی شائبہ نہیں تھا۔

''تم ابھی تک جاگ رہے ہو؟'' اس کی آواز سن کر ویرا نے بے ساختہ کہا۔

''مجبوری ہے۔ اہم کام سامنے آجائے تو نیندیں خود ہی اڑ جاتی ہیں'' جلال کی طرف سے جواب آیا'' مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ تم بھی جاگ رہی ہو۔ پہلی گھنٹی پر فون اٹھالیا۔''

''یہاں بھی کام کا مسئلہ درپیش ہے۔ مجھے تم پر رشک آتا ہے۔ اپنے ہم وطنوں کی سکھ کی نیند کے لیے تم اپنے آرام کو بھول جاتے ہو' سب سوجاتے ہیں' تم جاگتے رہتے ہو۔''

''تم بھی اسی صف میں شامل ہو'' ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جلال نے جواب دیا'' کچھ نہ کچھ لوگوں کو ایسی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ وہاں کیا ہورہا ہے' ڈینی کہاں ہے؟''

''یہاں اپنی ناکامی پر ماتم ہورہا ہے۔ آج سوبھراج ڈینی کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ پوری بات وہی بتائے گا۔''

میں اپنی جگہ چھوڑ کر فون کے قریب پہنچ چکا تھا۔ میں نے کہا'' تم مجھے گھر پر چھوڑ کر گئے اور واقعات کا ایک نیا سلسلہ چل پڑا۔ میں اسی وقت تمہیں فون کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن اس خیال سے یہ ارادہ ترک کردیا کہ تم گہری نیند سو رہے ہوگے۔''

''اپنی قسمت میں گہری نیند کہاں!'' اس کی آواز سے حسرت جھلک رہی تھی'' الفا آزاد ہے۔ چارلی کا بیان سامنے آچکا ہے اور کل دو اہم ترین حکومتی شخصیات کراچی جارہی ہیں۔ میں ان کے حفاظتی انتظامات میں مصروف تھا۔''

''کیا ان کا یہ دورہ چند روز کے لیے ملتوی نہیں ہوسکتا؟'' میں نے بے آرامی سے پوچھا۔

''ناممکن ہے۔ میں نے متعلقہ حکام سے بات کی تھی۔ انہوں نے التوا کے ہر امکان کو مسترد کردیا۔ اسی وجہ سے میری مصروفیات اچانک بڑھ گئیں۔ آرمی ہیڈ کوارٹرز والے آج صبح سات بجے سی ون تھرٹی سے اپنے کمانڈوز کا ایک یونٹ کراچی بھیج رہے ہیں۔ دونوں شخصیات کو لے جانے والی پروازوں کے اوقات میں بھی ردوبدل کیا گیا ہے۔ یہ سب طے ہوجانے کے بعد میں تھوڑی دیر پہلے گھر آیا تھا۔ کھانا کھاتے ہی میں نے تمہیں فون کیا ہے۔''

''میں جھجکتا رہا۔ تم نے فون کر ڈالا۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات تھی؟'' میں نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

''اس وقت الفا اور چارلی ہی سب سے زیادہ اہم تھے۔ میں جاننا چاہ رہا تھا کہ ایک بجے الفا سے تمہاری کیا بات ہوئی۔ ویرا کچھ اور کہانی سنا رہی ہے۔ اچانک سوبھراج کیسے تم سے ٹکرا گیا؟''

وہ ایک واقعہ نہیں تھا۔ واقعات کا تسلسل تھا۔ میں نے بیچ لگژری ہوٹل کے قریب سوبھراج کے نظر آنے سے لے کر آخر

تک سارے واقعات ترتیب اور اختصار کے ساتھ دہرا دیے۔

''یہ حیران کن باتیں ہیں۔ کراچی میں رہتے ہوئے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے واپس لوٹتے ہی وہاں ایسے واقعات رونما ہونے شروع ہو جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ تم نے ضرورت کے تحت بہترین فیصلے کیے۔ ان میں کہیں کوئی جھول نہیں تھا۔ یہ ہم سب کی بدقسمتی یا سوبھراج کی خوش نصیبی ہے کہ وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔''

''میری دانست میں مجھ سے صرف ایک غلطی ہوئی کہ میں نے سوبھراج کے سامنے ماڈل کالونی جانے کا ذکر کر دیا اور وہیں سے اس کے دماغ کی چرخی الٹی گھومنی شروع ہوگئی۔ وہ کراچی کا قدیم باشندہ ہے۔ شہر کے ہر گلی کوچے سے واقف ہے۔ اسے شک ہو گیا کہ میں گھیر گھار کر اسے ملیر چھاؤنی میں کسی کے حوالے کر دوں گا۔ امریکیوں نے میری گرفتاری میں مدد دینے والے کے لیے لاکھوں ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا ہے تو ہماری حکومت نے بھی سوبھراج کا سراغ بتانے والے کے لیے دولاکھ روپے کے انعام کا اعلان کیا ہوا ہے۔ ساری بات وہیں سے بگڑی تھی۔''

''جو کچھ ہوا' اسے بھول جاؤ۔ مجھے اس ڈاکٹر کے بارے میں بتاؤ جو سوبھراج کا پشت پناہ بنا ہوا ہے۔ سوبھراج سے پہلے اس کی خبر لینی ضروری ہے۔''

''میں اسی کے لیے تمھیں فون کرنا چاہ رہا تھا۔ پھر یہ سوچ کر صبح ہونے تک ارادہ ملتوی کر دیا کہ وہ کہاں بھاگے گا' اسے کسی بھی وقت دبوچا جا سکتا ہے۔''

''اب ہمیں خوش فہمیوں کی دنیا سے نکل آنا چاہیے۔ گزرا ہوا وقت دوبارہ ہاتھ نہیں آتا۔ جو کام کرنا ہے' اسے فوری طور پر کر لینا چاہیے۔''

میں نے اسے ڈاکٹر صادق کا پورا پتا بتا دیا جو اس نے اپنے پاس نوٹ کر لیا۔

''اب اسے صبح کا اجالا دیکھنا نصیب نہیں ہوگا'' فون پر جلال کی قہربار آواز ابھری ''تھوڑی دیر میں اسے صدف مینشن میں پہنچا دیا جائے گا۔ جہاں آنے والے قیدی سورج کی روشنی اور کھلا آسمان دیکھنے کو ترس جاتے ہیں۔''

''وہاں کے پرانے قیدی کا کیا حال ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ بہتر ہو رہا ہے' تمھیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس کی زبان کا زخم کسی علاج کے بغیر خود ہی مندمل ہوگا۔ اسے بیرونی طور پر ایسے انجکشن دیے جا رہے ہیں' جن کے اثر سے وہ تکلیف محسوس نہیں کرے گا۔''

''کیا وہ کسی جناتی طاقت کا مالک ہے؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''مجھے یہ بات پہلی بار پتا چلی ہے کہ ہر جاندار کا لعاب دہن جب تک منہ میں رہتا ہے' اس کے لیے جراثیم کش' صحت افزا بلکہ اکسیر ہوتا ہے۔ باہر آتے ہی اس میں خطرناک جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں جن کا الٹا اثر ہوتا ہے۔''

''شاید اسی لیے تھوک کر چاٹنے والا محاورہ تذلیل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا ''مجھے اندیشہ تھا کہ اس کی زبان کا زخم کہیں ناسور میں نہ بدل جائے۔ ایسا ہوتا تب بھی مجھے کوئی ملال نہ ہوتا۔ را کے یہ دونوں ایجنٹ اس سے بری سزا کے مستحق ہیں۔ ان پر رحم نہیں کھایا جا سکتا۔''

''زخم تازہ ہونے کے باوجود اس نے تمہارے سامنے بولنا شروع کر دیا تھا۔ الفاظ شکستہ اور لہجہ بگڑا ہوا تھا مگر اس میں بتدریج بہتری آ رہی ہے لیکن ابھی تک اس سے کوئی نئی بات معلوم نہیں ہو سکی۔''

''تم ایسے مجرموں کو بھی بہت فکرمندی سے اپنی تحویل میں رکھتے ہو۔ ان کے لیے خاص قانون ہونا چاہیے۔ یہ اپنے جرم کا اعتراف کریں اور انہیں سسکا سسکا کر مار دیا جائے۔ جب تک ایسے انجام کا خوف نہیں ہوگا' یہ درانداز یاں یوں ہی چلتی رہیں گی۔''

''ذرا دھیرج سے کام لو مہاراج!'' ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی ''ہمارے جیسے قانون بھارت میں بھی نافذ ہیں۔ اس کے باوجود وہ درندگی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ اس ذکر پر مجھے ہمیشہ عبداللہ یاد آ جاتا ہے۔ وہ ایسی ہی بہیمت کا نشانہ بنا تھا۔ جنگل کا قانون چل پڑا تو وہ ہم سے آگے نکل جائیں گے۔ یہ نہ بھولو کہ ان کی دراندازیوں پر ہم خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کی سرحدوں میں آج بھی ہمارے ایجنٹ کام کر رہے ہیں۔''

''ایک دوسرے کے فوجی' دفاعی اور دوسری نوعیت کے رازوں تک رسائی کی کوششیں قابلِ فہم ہیں۔ دہشت گردی کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔''

''کسی حد تک تم ٹھیک کہہ رہے ہو' اس نے درمیان میں کہا ''ان کے ملک میں تخریبی کاموں کے سرچشمے موجود ہیں۔ مختلف قوم پرست گروپ آئے دن کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے آدمی کبھی کسی دہشت گردی میں ملوث نہیں رہے۔ یہ اور بات ہے کہ رائے عامہ کو بدلنے کے لیے وہ بعض واقعات میں بلاوجہ پاکستان کا نام اچھالنے لگتے ہیں۔''

''مجھے صدف مینشن میں چوپڑا نظر نہیں آیا۔ وہ کہاں

ہے؟'' اچانک مجھے آرام باغ کا رہائشی بدھو لال چوپڑا یاد آ گیا جو واقعات کی کڑیوں میں ہمارا پہلا مشترکہ قیدی تھا۔

''اس کا کیس چل رہا ہے۔ وہ عدالتی ریمانڈ پر کوٹ لکھپت کی جیل میں ہے۔ اعترافی بیانات کی وجہ سے اسے رعایت مل جائے گی۔ امکان ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ سات برس قید کی سزا ہو گی۔ وہ تمہیں کیوں یاد آ گیا؟''

''اس کی وجہ سے میں نے پہلی بار صدف مینشن میں قدم رکھا تھا۔''

''اب ڈاکٹر صادق بھی وہیں کی ہوا کھائے گا۔ کوئی ضروری بات ہو تو وقت کا خیال کیے بغیر مجھے فون کر لیا کرو۔ میرے لیے کام ہر چیز پر مقدم ہے۔''

چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد گفتگو ختم ہو گئی۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں نے شب بیداری کا پروگرام بنایا ہوا ہے؟'' ویرا نے اپنی انگڑائی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے بشرے سے اضمحلال ٹپک رہا تھا۔ غزالہ بھی کچھ سست نظر آ رہی تھی۔ میں نے ویرا کے فقرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ''تم دونوں چاہو تو اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ میری نیند اڑ چکی ہے۔ میں سوبھراج کو ٹٹولنے کے بعد چین سے لیٹ سکوں گا۔''

''تم فکر نہ کرو۔'' اول خان نے ٹکڑا لگایا ''میں ڈینی کے ساتھ ہوں۔ کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو ابرار یا دین محمد کو بلا لیا جائے گا۔ تم دونوں کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی ہیں۔ جا کر اپنے کمروں میں آرام کرو۔''

اول خان کی تائید سے ان دونوں کو سہارا ملا اور وہ تقریباً ایک ساتھ اٹھ کر اپنے کمروں کی طرف چل دیں۔

''ویرا بہت مضبوط اعصاب کی مالک ہے مگر آج تھکی ہوئی نظر آ رہی ہے'' ان دونوں کے چلے جانے کے بعد اول خان نے کہا۔

''وہ موڈی عورت ہے۔ میں نے سوبھراج کے ہاتھوں چوٹ نہ کھائی ہوتی تو وہ ہنستے بولتے ہوئے ساری رات گزار دیتی۔ ناکامی اس سے برداشت نہیں ہوتی'' میں نے جواب دیا۔

''تم سے پہلے وہ ناکام لوٹی تھی'' اول خان بولا ''سوبھراج کی گاڑی کو تباہ کر دینے کے باوجود کوئی اسے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔''

''وہ ایک اتفاق تھا کہ ویرا کی نظر سوبھراج پر پڑ گئی'' سلطان شاہ نے وضاحت کی ''ویرا اس کی گاڑی کا نمبر نوٹ کر کے بہت خوش تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ نمبر بتا کر ڈینی کو حیران کر دے گی۔ یہاں پہنچی تو دنیا ہی بدلی ہوئی تھی۔ سوبھراج نے فون کر کے خود ڈینی کو ہر بات بتا دی تھی۔ ویرا اسی وقت بجھ سی گئی تھی۔''

''یہ کہو کہ وہ اپنا جھنڈا اونچا رکھنا چاہ رہی تھی۔ اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی تو وہ اداس ہو گئی' یہ بچگانہ باتیں ہیں۔''

''اب بھی جھنڈا اسی کا اونچا ہے'' میں نے کہا ''وہ سوبھراج کو نہ دیکھتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ ویرا کے تیز مشاہدے کی وجہ سے یہ ممکن ہوا کہ سلطان شاہ نے سوبھراج کی گاڑی کو ناکارہ کر دیا اور اسے عجلت میں ٹیکسی سے بھاگنا پڑا۔''

''ہاں' یہ کہہ سکتے ہو'' اول خان بولا ''گاڑی تباہ نہ ہوتی تو سوبھراج تم سے رجوع نہ کرتا۔ اپنی ناکارہ ڈاڑھ نکلوا کر مزے سے آرام کر رہا ہوتا۔''

''ویرا کا سوچنے کا اپنا انداز ہے'' سلطان شاہ ہنس کر بولا ''یہ باتیں اس کی عقل میں آ گئی ہوتیں تو وہ اس وقت بھی یہاں بیٹھی ہوئی ہوتی۔''

اول خان چائے کا رسیا تھا۔ باتوں کے ساتھ ساتھ چائے کا ایک دور چلا پھر اس نے سوبھراج سے ملے ہوئے ساٹھ ہزار روپوں کو اٹھا کر رکھنے کی بات کی تو میں نے اس مالِ غنیمت میں سے تیس ہزار روپے الگ کر کے اس کی طرف بڑھا دیے۔

میری طرف سے رقم کی پیش کش پر اول خان یوں بھڑکا جیسے میں نے اسے کوئی گالی دے ڈالی ہو۔ میں مشکل سے اسے ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوا اور اس سے بھی کہیں زیادہ مشکل سے وہ مجھ سے صرف بیس ہزار روپے لینے پر آمادہ ہو سکا۔

میں نے اسے سمجھایا کہ سوبھراج نے دونوں گاڑیوں کو نقصان پہنچایا تھا۔ اس کے ازالے کے لیے سوبھراج کے ساٹھ ہزار روپے ہی استعمال ہونے چاہیے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ ونڈ شیلڈ چھ سات ہزار روپے میں بدل جائے گی۔ وہ میری دلیل کو مان لے تب بھی اس سے زیادہ رقم قبول نہیں کرے گا۔ میری کار کو زیادہ نقصان پہنچا تھا۔ میں دروازہ بدلوا دیتا تب بھی دس پندرہ ہزار روپے سے زیادہ رقم درکار نہ ہوتی۔ تاوان کی رقم دونوں گاڑیوں کے نقصان سے زیادہ تھی۔

یہ فیصلہ سلطان شاہ کا تھا کہ جھگڑا ختم کرنے کے لیے ایک اور دو کے تناسب سے بانٹ لی جائے' ہم دونوں کے یک زبان ہونے کے بعد اول خان کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑا مگر اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس فیصلے سے خوش نہیں تھا۔

وہ ایک ایمان دار اور ریٹائرڈ فوجی افسر تھا جس نے اپنی پوری زندگی صبر و قناعت کے ساتھ بسر کی تھی اور ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے گزارے کے لیے اسپیشل ٹاسک فورس میں کام

کر رہا تھا۔

اس کے ساتھ کام کرتے ہوئے میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ مال و دولت کی طمع سے بے نیاز رہ کر اپنے کام میں مصروف رہنے کا عادی تھا۔ ہمارے طویل ساتھ میں وہ پہلا موقع آیا تھا کہ کسی رقم کی تقسیم کی نوبت آئی تھی۔ میرے بجائے اس نے سوبھراج سے وہ رقم وصول کی ہوتی تو شاید اسے جوں کا توں اپنے کسی بڑے کے حوالے کر دیتا۔ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہاتھ آنے والی کسی بھی شے کو ذاتی تصرف میں لانا وہ گناہ تصور کرتا تھا اور ساٹھ ہزار روپے کی رقم کو بھی اسی زمرے میں شمار کر رہا تھا۔

''پانچ بج رہے ہیں۔ اب تک وہ کہیں نہ کہیں اپنا پڑاؤ ڈال چکا ہوگا'' سلطان شاہ نے موقع ملتے ہی کہا ''اس سے بات کر لو۔ اسے کوئی اور ٹھکانا میسر نہ آیا تو وہ ایک مرتبہ پھر کسی پائپ میں اپنا ڈیرا جما چکا ہوگا۔''

''اب نمٹ لیا جائے تو بہتر رہے گا'' اول خان نے اس کی تائید کی ''ایک مرتبہ سورج کی روشنی پر نگاہیں پڑ گئیں تو نیند نہیں آئے گی' سورج طلوع ہونے سے پہلے ہم تینوں دو تین گھنٹوں کی نیند لے لیں تو آنے والا دن اچھا گزرے گا۔''

میں نے سوبھراج کا سیٹ لائٹ فون نمبر ملانا شروع کر دیا۔

حالات کی ستم ظریفیوں کا شکار ہو کر وہ اس وقت ہر طرف سے تنہا ہو چکا تھا۔ شہر میں اس کے ڈاکٹر صادق جیسے دوست موجود تھے لیکن اسے کسی پر بھروسا نہیں رہا تھا۔ میری طرف سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو فوری طور پر جواب مل گیا۔

''گاڑی تمہیں واپس مل گئی؟'' میں نے رابطہ ہوتے ہی گمبھیر لہجے میں سوال کیا۔

دوسری طرف سے کئی لمحوں کی تاخیر سے جواب آیا ''ہاں' مل گئی!''

یوں محسوس ہوا تھا جیسے میرا سوال اس کے لیے غیر متوقع رہا ہو۔ وہ تذبذب کا شکار ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں میرے آدمی سے تصادم مول لے کر مجھ سے دشمنی کی داغ بیل ڈال دی تھی۔ میرے برہم نہ ہونے پر اس کا ششدر رہ جانا فطری امر تھا۔

''مگر میرا آدمی ابھی تک واپس نہیں آیا۔ وہ کہاں ہے؟'' میں نے اسی لہجے میں پوچھا۔

اول خان اور سلطان شاہ سے اس بارے میں کوئی تبادلۂ خیال نہیں ہوا تھا کہ میں سوبھراج سے کیا بات کروں گا۔ میرا بھی یہی خیال تھا کہ فون پر اس سے کھل کر تو تکار ہوگی۔ جو بات بگڑ چکی تھی۔ اس کا سنبھلنا بہت محال تھا۔ اس کی آواز سن کر یہ خیال میرے ذہن میں کوندے کی طرح لپکا تھا کہ مجھے اپنی طرف سے بدکلامی کی ابتدا نہیں کرنی چاہیے۔ سوبھراج کوئی غلط بات کہتا تو میں اس کا بھرپور جواب دینے کے لیے آزاد تھا۔

وہ دونوں گفتگو کے نرم آغاز پر بہت حیران تھے اور اپنی اپنی جگہوں پر سنبھل کر بیٹھ گئے تھے۔ آتشیں اسلحے کے ساتھ دو بدو مقابلے میں سوبھراج سے ہار جانے کے بعد وہ زبانی معرکہ آرائی ان دونوں کے لیے دلچسپی کا باعث تھی۔

''مجھے اندیشہ تھا کہ وہ تمہارے پاس واپس نہیں لوٹے گا۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے تمہارے دس ہزار کے علاوہ اسے پورے پچاس ہزار روپے تمہارے اور اس کے انعام کے دے دیے۔ اسی وقت اس کی آنکھوں میں لالچ کی چمک پیدا ہوگئی تھی'' سوبھراج کھل کر جھوٹ بول رہا تھا نہ پورا سچ بتا رہا تھا۔ ہر طرف خطرات میں گھر جانے کے باوجود اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میری طرح اس نے کوئی پیشگی تیاری نہیں کی ہوئی تھی۔ اس نے جس صفائی سے اپنی لگائی ہوئی غداری کی قیمت کو انعام میں تبدیل کیا تھا اس پر میں حیرت زدہ رہ گیا۔ افسانہ طرازی میں سوبھراج بہت آگے تھا۔

اسی لمحے سوبھراج کی کھلی اور برجستہ دروغ گوئی کا سبب بھی میرے ذہن میں آ گیا۔ وہ بہت نچلی سطح سے تیزی کے ساتھ اوپر آیا تھا اور پھر سیاسی میدان میں جوڑ توڑ کر کے اس نے ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا تھا۔ اصول پرست' جدی پشتی سیاست دانوں کے برعکس وہ ریت کا ایک حقیر ذرہ تھا جو اپنی کسی صلاحیت کے بجائے ہوا کے گرداب میں آ کر اوپر ہی اوپر' آسمان کی طرف اٹھتا چلا گیا تھا۔ اس کا شمار ان سیاست دانوں میں کیا جا سکتا تھا جنہوں نے اپنے جھوٹ اور قلابازیوں سے معاشرتی خدمت کے اس مقدس شعبے کو بے توقیر کر دیا تھا۔ وہ بنیادی طور پر جرائم پیشہ تھا لیکن یہ حالات کی ستم ظریفی تھی کہ مورد الزام ٹھہرائے جانے سے پہلے وہ ایک سیاست داں کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔

جھوٹ اس نام نہاد سیاست داں کا فن تھا' فریب اس کا ہنر۔ وہ پل بھر میں اپنی کہی ہوئی بات کی کوئی بھی تاویل پیش کر کے قلابازیاں کھانے کا عادی تھا۔ اس کے لیے حاضر دماغی کے ساتھ جھوٹ بولنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ اس وقت اس کے جھوٹ کی روانی میں کچھ سچ بھی

شامل تھا جس کا میں عینی شاہد تھا۔
''تم نے بہت بڑی غلطی کی۔ انعام میں اتنی بڑی رقم پاکر اس کا دماغ خراب ہوگیا ہوگا۔ اب میرے دس ہزار بھی خطرے میں ہیں۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔'' میں نے گہرے متاسفانہ لہجے میں اس سے احتجاج کیا۔
''میرے لیے تمہارا آدمی تم جیسا تھا کیونکہ وہ تمہاری نمائندگی کررہا تھا۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں وہاں آسکا تو اسے تمہارے دس ہزار کے ساتھ انعام بھی دوں گا۔ میرا خیال تھا کہ اسے انعام میں ایک بڑی رقم دے کر میں تم پر بوجھ ڈال رہا ہوں۔ رقم ملتے ہی اس نے تمہارے خلاف زہر اگلنا شروع کردیا۔''
''کیا کہہ رہا تھا وہ؟'' میں جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچانے پر تل گیا تھا۔
''چھوڑو اس نمک حرام کی باتوں کو...... بلاوجہ تمہیں تکلیف ہوگی'' اس مفروضہ آدمی کے غائب ہوجانے کی خبر پاکر سوبھراج شیر ہوگیا تھا۔
''مجھے اپنی آستین کے سانپوں کے بارے میں ہر بات کا علم ہونا چاہیے۔''
''اسے شکوہ تھا کہ تم نشے میں مست ہوکر سورہے تھے اور اس کی رات خراب کرادی تھی۔ اس وقت تمہاری آواز بالکل صاف ہے۔ نشہ کرنا تو دور کی بات ہے' تمہاری آواز میں نیند کا خمار تک نہیں ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اسے مجھ سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں اسے انعام دے چکا تھا۔ مجھے تمہاری غیبت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔''
''بعض لوگوں کی فطرت ہی ایسی ہوتی ہے۔ وہ مجھ سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ رات ہونے سے پہلے میرے آدمی اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔ میں اس کی کھال میں بھس بھروادوں گا۔''
میرا دعویٰ سن کر شاید سوبھراج کو ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ اسے یہ توقع نہیں رہی ہوگی کہ میں اتنی تیزی سے اپنے باغی تک رسائی حاصل کرسکوں گا۔ اس نے قدرے توقف سے کہا ''وہ خطرناک آدمی تھا۔ اس نے مجھے تمہارے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ بہت بڑے انعام کی خاطر مخبری کرکے تمہیں مروانے کی بات کررہا تھا۔''
''اس انعام کے لیے تم کسی بھی وقت کوشش کرسکتے ہو۔''
''جس شخص نے اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کو آگ لگادی ہو' اس کے لیے بڑے سے بڑے انعام کی کوئی وقعت نہیں ہوسکتی'' اس کا لہجہ تکبر آمیز ہوگیا'' وہ کہہ رہا تھا کہ وہ اکیلا تمہارے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ میں اس کا ساتھ دوں تو وہ تمہارا تختہ الٹ سکتا ہے۔''
''اوہ! تو اس کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا!'' میں نے غرا کر کہا ''تم نے اس کا منہ نہیں توڑا؟''
''دیکھو ڈینی! میں بھی ایک انسان ہوں۔ بہت سے مسائل میں گھرا ہوا ہوں'' اس نے نرم لہجے میں مجھے سمجھانے کی کوشش کی'' سچ پوچھو تو میں اس کی باتوں میں آکر کچھ دیر کے لیے بہک گیا۔ میں نے سوچا کہ تم میرے دوست' ہمدرد اور محسن ضرور ہو لیکن تمہاری قربانی دے کر میں اپنے سفید دشمنوں کی ناراضی دور کرسکتا ہوں۔ وہ مجھے معاف کردیں تو میری زندگی بہت آسان ہوجائے گی۔ میں اس کے ساتھ روانہ ہوگیا۔''
وہ سوچ سوچ کر' اپنی کہانی کو مرحلہ وار مگر بہت مربوط انداز میں آگے بڑھا رہا تھا۔ وہ ذرا خاموش ہوا تو میں نے اسے ٹوک دیا۔ ''بولتے رہو۔ میں تمہاری کہانی سن رہا ہوں۔''
''میں اس کے ساتھ روانہ ہوگیا مگر میرے دل و دماغ میں ایک بھونچال سا آگیا۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کررہا تھا کہ میں اپنے ایک محسن پر چوری سے وار کرنے جارہا ہوں' میں کافی دیر تک اسی عذاب میں مبتلا رہا پھر اندر کی آواز ہر خود غرضی پر غالب آگئی۔ گورا قبرستان پر میں نے خاموشی سے اس کا ساتھ چھوڑ دینے کی کوشش کی' اس نے مجھے للکارا اور میں گولیاں برساتا ہوا وہاں سے بھاگ نکلا۔ اس نے بھی فائر کیے مگر میری زندگی تھی کہ میں بچ نکلا۔''
''سوبھراج! یہ بہت برا ہوا'' میں نے مضطربانہ آواز میں کہا'' وہ بہت کمینہ اور کینہ پرور آدمی ہے۔ میرے ساتھ تمہارا بھی دشمن ہوجائے گا۔''
''میں نے تمہیں ہر بات سچ سچ بتادی ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے اپنے دماغ پر مسلّط ہونے والے شیطانی خیال سے بھی آگاہ کردیا ہے۔ تم اپنی خیر مناؤ' تمہارا باغی بہت کچھ کرسکتا ہے لیکن میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں روپوش ہوں۔ وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکتا۔''
''اس خوش فہمی میں نہ رہو۔ گاڑی پہنچانے کے بہانے اس نے تمہارا ٹھکانا دیکھ لیا ہے۔ میرا رخ کرنے سے پہلے وہ تمہیں ٹھکانے لگائے گا کیونکہ تم اس کی بدنیتی کے اکلوتے گواہ ہو۔''
''میں اس ٹھکانے پر کبھی نہیں رہا۔ میں تمہیں پہلے ہی

بتا چکا تھا کہ مجھے صرف رقم دینے کے لیے وہاں آنا تھا۔ وہ وہاں سے مایوس لوٹے گا۔‘‘
’’وہ اس گھر میں رہنے والوں کی زندگی جہنم بنا دے گا‘‘ بات آگے بڑھنے کے ساتھ میری طبیعت میں اشتعال آتا جا رہا تھا۔ سوبھراج نے جھوٹ اور سچ کے امتزاج کے ساتھ بہت خوبصورتی سے اپنی بے گناہی کی داستان مجھے سنا ڈالی تھی اور میں حقیقت سے پوری طرح واقف ہونے کے باوجود اس کا کچھ بگاڑنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔
’’مجھے یہ بھی اندازہ تھا۔ کھسیانی بلی ہمیشہ کھمبا نوچتی ہے۔ تم بدنام ہو تو میں بھی نیک نام نہیں ہوں اور کچھ نہ ہو سکا تو وہ مردود کسی ایجنسی کو میرے ڈاکٹر کے پیچھے لگا دے گا۔ اس بے چارے کا قصور صرف اتنا ہے کہ اس نے اپنے کلینک تک آنے کے لیے اپنی گاڑی مجھے دی تھی۔ وہ منحوس حادثہ نہ ہوا ہوتا تو مجھے آج کا دن نہ دیکھنا پڑتا۔‘‘
’’تم نے اس کا کیا توڑ سوچا ہے؟‘‘ میں نے بے تابی سے پوچھا۔
’’سرکاری ایجنسیوں کے لیے سوبھراج ایک ڈراؤنا خواب بنا ہوا ہے۔ یہ لوگ ہاتھ دھو کر کسی کے پیچھے پڑ جائیں تو اس کی زندگی کو جہنم بنا دیتے ہیں۔ وہ مرنے کی آرزو کرنے لگتا ہے لیکن موت اس سے دور کھڑی ہو کر ایسی زندگی سے لرزہ براندام رہتی ہے‘‘ میرے مفاہمانہ رویے کی وجہ سے سوبھراج کے اعتماد میں اضافہ ہو چکا تھا اور وہ بہت روانی کے ساتھ بول رہا تھا ’’مجھے معلوم تھا کہ میرے چکر میں وہ بے چارے ڈاکٹر کو ایک بار اٹھا کر لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔ اس کا ایک ہی علاج تھا کہ ڈاکٹر ان کی رسائی سے بہت دور، اتنی دور نکل جائے کہ وہ اپنے خواب میں بھی اس پر ہاتھ نہ ڈال سکیں۔ میں نے تمہارے آدمی کے چکر سے نکلتے ہی ڈاکٹر کو ایک جھٹکے میں ہمیشہ کی نیند سلا دیا تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ میں اس طرف سے بالکل بے فکر ہوں۔‘‘
سوبھراج کی زبان سے وہ خبر سن کر میں سناٹے میں آ گیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے اپنے ایک محسن کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔
’’یہ تم نے اچھا نہیں کیا سوبھراج!‘‘ میرے دل کی گہرائیوں سے آواز نکلی ’’اپنی اس حرکت کا انکشاف کر کے تم نے میری نظروں میں اپنا مقام کھو دیا ہے۔ ڈاکٹر تمہارا محسن تھا۔ تم نے اسے عذاب سے بچانے کے لیے نہیں، اپنی جان بچانے کے لیے مارا ہے۔ وہ یقینی طور پر کچھ ایسے رازوں سے واقف رہا ہوگا جن کے فاش ہونے سے تمہاری سلامتی خطرے میں پڑ جاتی۔ میرے آدمی کے بہکاوے میں آ کر تم مجھے مارنے کی آدھی کوشش کر چکے ہو۔ کل تم میری جان لینے کی کوشش بھی کر سکتے ہو۔ تم اعتماد کے قابل نہیں ہو۔ خونی بھیڑیے ہو جو بھوک سے مرنے کے بجائے اپنے کسی کمزور ساتھی کو چیر پھاڑ کر کھا جاتا ہے۔‘‘
اس کے اعتراف کے نتیجے میں مجھے اپنے دل کا وہ غبار ہلکا کرنے کا موقع مل گیا تھا جو ابتدا سے میرے دل میں جمع ہو رہا تھا۔
’’تم بلاوجہ جذباتی ہو رہے ہو‘‘ میرے تیز و تند فقروں کے جواب میں اس نے مشتعل ہوئے بغیر کہا ’’شاید میں نے تم سے سچ بول کر غلطی کی ہے۔ میں تمہیں کوئی فرضی کہانی سنا دیتا تو تم مطمئن ہو جاتے۔ ڈاکٹر کی طرف سے میرا دل صاف تھا۔ مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں تھا میں نے اسے اس کی بھلائی کے لیے مارا ہے۔ ہر شخص سوبھراج نہیں ہوتا۔ وہ عیال دار اور ذی حیثیت آدمی تھا۔ اپنی زندگی میں کچھ بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ جیتے جی اپنی عمر بھر کی ساکھ اور کمائی سے ہاتھ اٹھا لینا آسان نہیں ہوتا۔ وہ زندہ ہوتا تو ایجنسیوں والے اس کے نام کو اس کے گھرانے اور خاندان کے لیے ایک گالی بنا دیتے۔ تم ٹھنڈے دل سے ان باتوں پر غور کیوں نہیں کرتے۔‘‘
’’مجھے کسی بات پر غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘ میں نے رکھائی سے جوب دیا ’’تمہارے ہاتھ اپنے محسن کے خون میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ میرے لیے اتنی بات کافی ہے۔‘‘
’’میں تمہارے آدمی کی شیطانی باتوں میں آ جاتا تو شاید تمہیں ہمیشہ کے لیے کھو دیتا مگر مجھے تمہاری دوستی عزیز ہے۔‘‘
’’دوستی عزیز ہوتی تو تم میرے آدمی کی باتوں پر دھیان دینے کے بجائے اسے بے دست و پا کر کے میرے سپرد کرتے۔ اس کی پیروی نہ کرتے۔‘‘
’’میں پہلے ہی مان چکا ہوں کہ وہ میری غلطی تھی۔‘‘
’’میرے لیے یہ معمولی بات نہیں ہے کہ تم اس کے ساتھ میرے شکار کے لیے چل پڑے تھے۔‘‘ رفتہ رفتہ میرا پارا چڑھتا جا رہا تھا مگر میں نے بہت مشکل سے خود کو قابو میں رکھا ہوا تھا۔ اسے ملامت کرنے کے ساتھ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس سے تعلقات کے بگاڑ میں میری طرف سے کوئی پہل ہو۔
’’تم اس حقیقت کی قدر کیوں نہیں کرتے کہ میں اپنی جان پر کھیل کر راستے میں ہی اس سے الگ ہو گیا تھا۔‘‘
’’تم نے جس بے دردی سے ڈاکٹر کو مارا ہے اس کی بنا پر مجھے پورا یقین ہے کہ تم میری محبت میں نہیں بھاگے تھے، تم کو

میرے آدمی پر کسی سازش کا شبہ ہو گیا تھا۔'' میں اس کی باتوں کا سہارا لے کر گفتگو کو حقائق کی طرف لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تم ڈاکٹر کی مثال کو لیے بیٹھے ہو۔ میں کہہ رہا ہوں کہ اسے بروقت زندگی سے چھٹکارا دلا کر میں نے اس پر احسان کیا ہے وہ زندہ رہتا تو مردوں سے بدتر حال کو پہنچا دیا جاتا۔ تم ان واقعات کو میری نظروں سے دیکھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے!''

اس نے بہت چالاکی سے کام لیتے ہوئے ڈاکٹر صادق کو اپنی راہ سے ہٹا دیا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ سوبھراج اپنے تحفظ کے لیے پلٹ کر اس پر وار کر گزرے گا۔ اس اہم گواہ پر ہاتھ ڈالنے کی امیدیں خاک میں مل چکی تھیں اور وہاں جانے والے' آئی بی کے آدمیوں کو بے نیل و مرام لوٹ آنا تھا۔ وہ کٹھن حالات میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود مجھے بار بار حیران کیے دے رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس لڑائی کا اختتام کہاں ہوگا۔

''اب تک میں نے تمہارے لیے جو کچھ کیا وہ تمہارے سامنے ہے۔ اپنی نازیبا حرکتوں کا تم خود اعتراف کر رہے ہو۔ اب صرف ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے۔ تم حیلوں اور بہانوں سے مجھ سے ملنے سے کتراتے رہے ہو۔ اب یہ ڈراما ختم ہونا چاہیے اگر تمہیں مجھ پر اعتماد ہے اور تم اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنا چاہتے ہو تو اب تم کو میرے سامنے آنا ہوگا۔''

''میں نے انکار نہیں کیا۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ مناسب وقت پر میں تم سے ضرور ملوں گا۔''

''میری دانست میں وہ وقت آ چکا ہے۔ آج کا سورج طلوع ہونے کے بعد تمہیں مجھ سے ملنا ہوگا ورنہ ہمارے راستے جدا ہو جائیں گے۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔ کراچی میں حالات اچھے رخ پر نہیں جا رہے ہیں فوری طور پر ایک سفر پر نکلنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ واپسی پر تم سے ضرور ملاقات ہوگی۔''

آخر کار میرے اندیشے درست ثابت ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ اپنی گفتگو کو قابو میں رکھ کر میں نے ایک کامیابی حاصل کر لی تھی اور یہ بات سامنے آ گئی تھی کہ وہ کراچی سے فرار ہونے کی فکر میں تھا۔

''تم کہاں جا رہے ہو؟'' میں نے ترشی سے سوال کیا۔ میں اس پر یہ ظاہر کرنا چاہ رہا تھا کہ اس کے سفر پر جانے کی خبر میرے لیے ذرا بھی اہم نہیں تھی۔

''اس وقت کچھ بھی میرے اختیار میں نہیں ہے جدھر راہ ملی ادھر نکل جاؤں گا۔''

''ملک چھوڑ کر بھاگ رہے ہو؟'' اس بار میں نے گہرے طنز سے پوچھا۔

''ملک چھوڑ کر میں کہاں جاؤں گا۔'' اس کی حسرت زدہ آواز آئی ''یہاں کی مٹی سے جو کچھ کمایا تھا وہ یہیں خاک کر دیا۔ یہاں رہنا شاید میرا مقدر بن چکا ہے۔ ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں میرا نام آ جانے کے بعد میرے باہر جانے کی راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ شمال بہت خوب صورت ہے میں کسی گمنام گاؤں میں کچھ دن گزاروں گا جب گرد بیٹھ جائے گی تو خاموشی سے لوٹ آؤں گا۔''

میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا لیکن میں اسے چیلنج کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ اتنا بھولا بھالا نہیں تھا کہ ملک سے نکلنے کے دوسرے راستوں سے بے خبر ہوتا۔

''میں تمہیں کل تک کا وقت دے چکا ہوں۔ تم نے یہ وقت گزار دیا تو پھر میں خود تمہاری تلاش میں نکلوں گا۔ اس کے بعد ہمارا سامنا کسی اور انداز میں ہوگا۔''

''تم جذباتی ہو رہے ہو۔ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں!''

''کہنے سننے کا وقت گزر گیا۔ اب تمہیں اپنے عمل سے اپنی نیک نیتی ثابت کرنا ہوگی۔ دوسری صورت میں تم میری مخاصمت مول لو گے۔''

''میں ہرگز یہ نہیں چاہوں گا۔ میں تمہاری قدر کرتا ہوں اور آنے والے وقت کے لیے اس رشتے کو برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔'' اس کی آواز بدستور نرم اور مصالحانہ تھی۔

گندی سیاست اس کے خون میں شامل ہو چکی تھی وہ اس وقت مجھ پر اسی کے داؤ آزمانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے میرا دل چاہا کہ اسے کھل کر بتا دوں کہ وہ جسے میرا آدمی سمجھ رہا تھا وہ میں خود تھا لیکن میرے اس انکشاف سے کوئی فائدہ حاصل ہونے کی امید نہیں تھی۔ اس کے برعکس یہ امکان ظاہر تھا کہ وہ مفاہمت کا رویہ ترک کر کے مجھ سے کنارہ کش ہو جاتا۔

''میں اپنے طور پر تم تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو ہماری پہلی ملاقات تمہاری مرضی سے ہوگی مگر میری یہ بات یاد رکھنا کہ ڈاکٹر کو مار کر تم نے کوئی اچھا کام نہیں کیا۔''

''اس وقت تمہیں سمجھانا مشکل ہے میں کسی بھلے وقت میں تم سے بات کروں گا۔''

وہ میری دوسری کامیابی تھی۔ تلخ و ترش باتیں ہو جانے کے باوجود وہ مجھے مستقبل میں رابطے کی خبر دے رہا تھا۔

''بعد کی باتیں بعد میں دیکھی جائیں گی'' میں نے سردمہری سے کہا ''اس وقت کے لیے اتنا کافی ہے کہ تم اپنی مصلحتوں کے اسیر ہو۔ مجھ سے تعاون کے طلب گار ہو لیکن میرے اوپر مکمل بھروسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ تمہارا دوغلا رویہ میرے لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہیں اصل غصہ اس بات پر ہے کہ میں نے ڈاکٹر کو کیوں مار دیا۔ تم نے دوسری باتوں کو بھی اس کے خون سے ملا لیا ہے۔ چھاپے والے دن سے مدن لال اور اس کے بیٹے کا کوئی پتا نہیں ہے۔ کچھ نہیں معلوم کہ وہ دونوں کہاں ہیں اور کس عذاب سے گزر رہے ہیں۔ ڈاکٹر زندہ رہتا تو وہ بھی ان دونوں کی طرح اچانک غائب ہو جاتا۔ کسی کو پتا نہیں چلتا کہ وہ کہاں گیا۔ یہ سب......''

''اب ہماری ملاقات پر یہ سب باتیں طے ہوں گی'' میں نے اس کی بات کاٹ کر سپاٹ لہجے میں کہا ''اس وقت کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ زیادہ وضاحتیں کر کے مجھے غصہ نہ دلاؤ ورنہ بات بڑھ جائے گی۔''

''غصہ اتر جائے تو مجھے فون کر لینا ورنہ میں خود تم سے بات کروں گا۔''

اس کا جواب سن کر میں نے فون بند کر دیا۔

''یہ بہت برا ہوا'' اول خان اضطراری لہجے میں بولا ''سوبھراج لومڑی کی طرح چالاک ہے۔ اس نے پہلی فرصت میں ڈاکٹر کو مار ڈالا۔''

''ہر غدار کا انجام اسی قدر عبرت ناک ہوتا ہے'' میں نے ...ٹ آواز میں جواب دیا ''جلد ہی سوبھراج بھی مکافاتِ عمل سے دوچار ہوگا۔ قدرت اسے ڈھیل دے رہی ہے۔ یہ رسی یادہ دراز نہیں ہونے پائے گی۔''

''اس نے خود ہی تمہیں ہر بات بتا ڈالی!'' سلطان شاہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

''اس میں برابر کا جھوٹ شامل تھا۔ اپنا دامن بچائے رکھنے کے لیے اس نے ہر گناہ میرے سر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔''

''تمہیں بتا دینا چاہیے تھا کہ تم اس کے جھوٹ سے واقف ہو کیونکہ تم نے خود وہ گاڑی ڈاکٹر کے گھر پہنچائی تھی۔''

''یہ معلوم ہوتے ہی سب راستے بند ہو جاتے'' اول خان نے سلطان شاہ سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ''ڈینی نے بے خبری ظاہر کر کے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں، وہ ناکامی میں بدل جاتیں۔ اس سے ٹکراؤ بہت آسان تھا۔ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوتا۔''

''تم کن کامیابیوں کا ذکر کر رہے ہو؟'' سلطان شاہ نے پوچھا۔ شاید وہ میری اور سوبھراج کی باتوں کے رموز و نکات کو سمجھنے میں ناکام رہا تھا۔

''سب سے پہلا معاملہ ڈاکٹر صادق کے قتل کا ہے۔ وہ نہ بتاتا تو کل بلکہ تھوڑی دیر بعد آئی بی والے ڈاکٹر کے قاتل کی تلاش میں اپنا سر کھپا رہے ہوتے؟''

''یہ بات سمجھ میں آتی ہے'' سلطان شاہ نے اعتراف کیا۔

''یہ پتا چل گیا کہ وہ شہر چھوڑ رہا ہے لیکن پھر بھی ڈینی سے اپنا رابطہ استوار رکھنا چاہتا ہے۔ یہ چھوٹی کامیابیاں نہیں ہیں۔''

اول خان ان باتوں کو اہمیت دے رہا تھا۔ وہ نکات میری نظروں میں بھی تھے لیکن میرے لیے ان کی زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ بنیادی بات یہ تھی کہ سوبھراج ایک مرتبہ پھر ہماری دسترس سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ ملک کے کسی دور افتادہ شمالی علاقے میں پناہ لیتا یا ملک سے باہر نکل جاتا۔ دونوں صورتوں میں ہمارے لیے اس کا سراغ حاصل کرنا دشوار ہوتا۔ اپنی تمام تر مجبوریوں کے باوجود وہ اپنی آزادی کا کامیابی سے تحفظ کر رہا تھا۔ اس وقت وہ تصور میرے لیے سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے؟

اس رات کے لیے کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ اول خان نے تقریباً وہ پوری رات ہمارے ساتھ گزاری تھی۔ وہ روانگی کے لیے اٹھا تو میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی کہی ہوئی یہ بات میرے ذہن میں گردش کر رہی تھی کہ وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے کچھ دیر کی نیند لینے کا خواہاں تھا۔

''اب تم کب تک سوگ کی حالت میں بیٹھے رہو گے۔ کمرے میں جا کر کچھ دیر کے لیے آرام کر لو'' اول خان کے جانے کے بعد سلطان شاہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''میں ناکامی کا سوگ منانے کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے ایک فون کا انتظار ہے'' میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا۔

''کیا سوبھراج سے کوئی توقع کر رہے ہو؟'' اس کی نظروں میں حیرت تیر گئی۔

''وہ اب کئی دن کے لیے غائب ہو جائے گا' مجھے......''

میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

میری توقع کے مطابق دوسری طرف سے جلال بول رہا تھا۔ اس کی آواز سے پریشانی مترشح تھی ''میرے آدمیوں کو وہاں پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ خواب گاہ میں ڈاکٹر صادق کی لاش پڑی ہوئی ملی ہے۔ کسی نے اسے بستر پر گلا گھونٹ کر مارا ہے۔''

''تمہارے آدمیوں نے حیران کن تیزی دکھائی ہے'' میں نے اسے دلاسا دیا ''یہ اور بات ہے کہ ہمارا حریف ان سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا ہے۔''

''تم کس حریف کی بات کررہے ہو...... سوبھراج تو وہاں سے نکل گیا تھا۔''

''اس نے واپس لوٹ کر ڈاکٹر کو ٹھکانے لگایا ہے۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ڈاکٹر کی وجہ سے اس کے ستارے گردش میں آسکتے ہیں۔''

''تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا؟'' اس کی تجسس آمیز آواز آئی۔

''میں نے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے سوبھراج کو فون کیا تھا۔ وہ ابھی تک اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ گاڑی لے کر میرا آدمی وہاں گیا تھا۔ اپنے سچ اور جھوٹ کے درمیان الجھ کر اس نے بتایا کہ ڈاکٹر کو ایجنسیوں کی گرفت سے بچانے کے لیے اس نے اسے مارڈالا۔ مجھے اس کے اعتراف پر کوئی شبہ نہیں تھا۔ تم اس کی تصدیق کررہے ہو۔''

''واردات پوری مہارت اور رازداری کے ساتھ کی گئی ہے۔ چوکیدار نے دوبارہ کسی کو گھر میں داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ گھر سوبھراج کا دیکھا ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ڈاکٹر گھر میں اکیلا رہ رہا ہے۔ وہ چوری چھپے اندر داخل ہوا اور اسے مار کر نکل گیا۔ چوکیدار میرے آدمیوں کے ساتھ اپنے مالک کی خواب گاہ میں داخل ہوا تو لاش دیکھ کر خوف سے اس کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ بے خبر تھا۔''

''اتنے بڑے گھر میں وہ اکیلا رہ رہا تھا!'' میں نے حیرت اور بے یقینی سے کہا۔

''اس کی پوری فیملی سیر و سیاحت کے لیے یورپ گئی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر کی لاش ملنے کی خبر نے میرا ذہن ماؤف کردیا تھا۔ تم نے سوبھراج کے بارے میں بتا کر میرا بوجھ ہلکا کردیا ہے ورنہ اس مسئلے کو حل کرنے میں میرے آدمیوں کا خاصا وقت برباد ہوجاتا۔''

''اپنے معاملات کو تم بہتر سمجھتے ہو۔ میرا مشورہ ہے کہ ڈاکٹر کے قاتل کا نام ابھی صیغۂ راز میں رہنا چاہیے۔ بات کھل جانے سے نقصان ہوسکتا ہے۔''

''اب کیا نقصان ہوگا۔ سوبھراج کھل کر تمہارے سامنے آ گیا ہے۔''

''وہ ضرورت سے زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش کررہا ہے۔ میرے ساتھ اس کا رویہ مفاہمانہ ہے۔ اس نے ڈاکٹر کے قتل والی بات اعتماد میں بتائی ہے۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ تمہارے اور سلطان شاہ سے ایک کھلے مقابلے کے بعد مفاہمت کی کیا گنجائش رہ گئی ہے۔ وہ تمہیں چکر دے رہا ہے۔''

''اگر چکر دے رہا ہے تب بھی خاموش رہنے میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے۔ ساری بات یہ ہے کہ وہ ابھی تک اسی غلط فہمی کا شکار ہے کہ حادثے میں تباہ ہونے والی گاڑی لے کر میرا کوئی آدمی اس کے پاس پہنچا تھا۔''

''یہ بھی اس کا فریب ہوسکتا ہے۔ وہ اول درجے کا مکار ہے۔''

''تجربہ بھی کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس بارے میں اس نے سچ بولا ہے۔ میں نے اس کے سامنے اپنے بارے میں کچھ باغیانہ باتیں کی تھیں۔ ان سے شہ پاکر وہ مجھے گھیرنے کی طرف مائل ہوگیا تھا۔ کھیل بکھر جانے کے بعد وہ معصوم بن رہا ہے۔ اس نے ساری ذمے داری میرے آدمی پر ڈال دی ہے اور اسے میرا باغی قرار دے رہا ہے۔''

''میں تمہارے تجربے اور مشاہدے کو چیلنج نہیں کررہا لیکن ایک بات جانتا ہوں کہ اس بار بہت مکار دشمن سے پالا پڑا ہے۔ تمہیں اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔''

''میں غافل نہیں ہوں۔ جب تک وہ مجھ سے ملنے سے گریز کررہا ہے، مجھے براہِ راست کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ آمنا سامنے ہونے کی نوبت آئے گی تو مجھے ہوشیار رہنا ہوگا۔''

''تم اور سلطان شاہ اس سے مل تو چکے ہو۔'' اس کی آواز الجھن آمیز تھی ''وہ تم دونوں کو جل دے کر گورا قبرستان کے قریب سے فرار ہوا تھا۔''

''اس بارے میں تمہارا ذہن صاف نہیں ہے۔'' میں نے رسانیت سے اسے سمجھایا ''اس وقت میں سوبھراج سے اپنے نمائندے کی حیثیت سے ملا تھا......''

''ٹھیک ہے!'' اس نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی ''مجھے یاد آگیا۔ چند دنوں سے یہ نئی پریشانی شروع ہوئی ہے کہ بعض باتیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہونے لگی ہیں۔''

''یہ ذہنی پراگندگی کی پہلی علامت ہے، تم کو آرام کی ضرورت ہے۔''

''آرام ہمارے نصیب میں نہیں ہے کچھ عرصے پہلے پندرہ روز کی چھٹی لے کر سنگاپور گیا تھا لیکن تیسرے ہی دن

واپسی کا حکم آ گیا۔'' وہ بولا ''جب تک نوکری چل رہی ہے یوں ہی چلتی رہے گی تم ذرا کھل کر بتاؤ کہ سوبھراج سے تمہاری کیا باتیں ہوئی ہیں۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک طرف اس سے محاذ آرائی چل رہی ہے اور دوسری طرف وہ اب بھی تمہاری دوستی کا خواہاں ہے یہ کیا کھیل ہے۔''

وہ ایک پیچیدہ مذاکراتی سلسلہ تھا جس میں حاضر دماغی سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ میرے لیے ہر بات کو لفظ بہ لفظ دہرانا ممکن نہیں تھا لیکن میں نے ترتیب وار اسے ساری جزئیات سے آگاہ کر دیا۔

اس بریفنگ کے نتیجے میں پوری بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ خوش ہو کر بولا ''تم نے نرم انداز میں اس سے بات شروع کر کے یہ کامیابی حاصل کی ہے۔ میں دعاگو رہوں گا کہ وہ جلد ہی تم سے رابطہ کرے۔ میرے آدمی ابھی تک اس کا کوئی سراغ حاصل نہیں کر سکے ہیں۔''

''اس نے ایگزٹ کنٹرول لسٹ کا حوالہ دے کر مجھے گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اب وہ ہر قیمت پر یہاں سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ کام ناممکن ہے پھر بھی تمہارے آدمیوں کو کراچی سے نکلنے کے زمینی راستوں پر نظر رکھنی چاہیے ہو سکتا ہے کہ وہ شہر سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوا پکڑا جائے۔''

''شہر سے تین راستے نکلتے ہیں۔'' اس کی آواز سے کسی حد تک خود کلامی کا اظہار ہو رہا تھا ''نیشنل ہائی وے، سپر ہائی وے اور حب ریور روڈ' اگر وہ کچے راستوں کا انتخاب نہیں کرتا تو ان تین راستوں کی دیکھ بھال زیادہ دشوار نہیں ہونی چاہیے۔''

''ابھی ہم نے اپنی ساری توجہ اس کی ذات پر مرکوز کی ہوئی ہے اس نے حرام کی دولت سے کئی کاروباری ادارے بھی قائم کیے ہوئے ہیں۔ ان کی چھان بین بھی ضروری ہے۔''

''وہ بہت چالاک ہے ایسے ادارے دوسرے ناموں پر چل رہے ہیں۔ ان پر کنٹرول اسی کا ہے ان کے کوائف یک جا کیے جا رہے ہیں۔ کسی بھی وقت بھرپور کریک ڈاؤن شروع ہو جائے گا۔''

ہم دونوں کے پاس ایک دوسرے کو سنانے کے لیے اچھی خبر موجود نہیں تھی۔ معلومات کے تبادلے اور بہتر امیدوں کے اظہار کے سوا ہمارے بس میں کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ہماری گفتگو کا سلسلہ اختتام کو پہنچ گیا۔

☆☆☆

سلطان شاہ نے چند گھنٹوں میں گاڑی کا نقصان زدہ دروازہ تبدیل کرا لیا تھا۔ کرولا کی ایک خوبی یہ تھی کہ اس کے ہر ماڈل کے نئے اور پرانے حصے آسانی سے دستیاب تھے۔ مستری کے ساتھ شیر شاہ کا چکر لگانے کے سبب وہ مسئلہ آسانی سے طے ہو گیا تھا۔

''کل تم دونوں نے سوبھراج کو نہ بھگایا ہوتا تو آج ہم اس کی میزبانی کر رہے ہوتے۔'' دوپہر کے کھانے پر ویرا نے اچانک وہ ذکر نکال لیا۔

اسے یہ جان کر افسوس ہوا تھا کہ پچھلی رات اس کے ڈرائنگ روم سے چلے جانے کے بعد بھی واقعات کا سلسلہ جاری رہا تھا جن میں ڈاکٹر صادق کے قتل کی اطلاع سب سے اہم تھی۔

رات کے دو بجے کے بعد تک سوبھراج ہمارے ساتھ تھا۔ اس نے ہم سے گلوخلاصی حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹر صادق پر ہاتھ ڈالا تھا۔ آئی بی کے آدمیوں کے سرگرم ہونے تک صبح کے ابتدائی پہر کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ اہم خبر صبح کے اخبارات میں جگہ نہیں پا سکی تھی لیکن دن کے بارہ ایک بجے بازار میں آ جانے والے شام کے اخبارات میں اس خبر نے شہ سرخیوں میں جگہ پائی تھی۔ سلطان شاہ واپسی پر شام کے کئی اخبار خرید لایا تھا۔

وہ خبر خاصی تفصیلی اور چشم کشا تھی۔

ڈاکٹر صادق اس وقت شہر کا معروف ڈینٹل سرجن تھا۔ اس کی مالی حیثیت اور ساکھ قابل رشک تھی۔ اس کی بیوی اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ بیرون ملک تھی اور ان دنوں وہ اپنے وسیع و عریض گھر میں صرف چوکیدار کے ساتھ رہ رہا تھا۔ باورچی' ڈرائیور اور مالی اپنا کام ختم کر کے رات تک واپس چلے جاتے تھے۔ جوان بیٹیوں کا ساتھ ہونے کی وجہ ڈاکٹر صادق رات کو گھر میں ملازمین کے رہنے کے خلاف تھا۔

وہ آئی بی کا کیس تھا لیکن رسمی طور پر پولیس اس میں شامل تھی اور اخباری اطلاعات بھی اسی محکمے نے فراہم کی تھیں۔

چوکیدار نے بریک ڈاؤن وہیکل کے ذریعے اکارڈ کی آمد سمیت ہر بات درست بتائی تھی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس موقع پر ڈاکٹر کا سرور نامی ایک پرانا دوست گھر میں موجود تھا جو گاڑی لانے والوں کے ساتھ واپس چلا گیا تھا۔

میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ سوبھراج اگر ڈاکٹر کا پرانا دوست تھا تو اس نے سرور کا نام کیوں اختیار کیا ہوا تھا۔ حالات بگڑنے سے پہلے اسے ایک فرضی نام اختیار کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی لیکن پوری خبر پڑھنے کے بعد بات صاف ہو گئی۔

ڈاکٹر کے گھر پر سرور کی آمد و رفت ایک ڈیڑھ ہفتے پہلے

شروع ہوئی تھی۔ اس وقت سوبھراج مصائب میں گھر چکا تھا۔ اور روپوشی اختیار کر چکا تھا۔ ان حالات میں وہ کہیں بھی اپنا اصل نام استعمال کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔

چوکیدار کے لیے سرور ایک نیا چہرہ تھا۔ ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ سرور اس کا بچپن کا دوست تھا۔ شاید اس کی وہ بات درست تھی کیونکہ اخباری اطلاعات کے مطابق ڈاکٹر صادق ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے اپنی سخت محنت سے تعلیم حاصل کر کے معاشرے میں نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا جسے سوبھراج نے خاک میں ملا دیا تھا۔

امکان یہ نظر آ رہا تھا کہ ان دونوں کے درمیان دوستی کی داغ بیل ان ہی دنوں پڑی ہوگی جب ڈاکٹر احمد اپنے گھرانے کی غربت کے ہاتھوں پریشان تھا اور سوبھراج بدمعاشی کے میدان میں اپنے کل پرزے نکال رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ سوبھراج اس کی مالی مدد کرتا رہا ہو۔ اس احسان کے بوجھ تلے دب کر ڈاکٹر صادق سوبھراج کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

اچانک ویرا نے میرے سامنے اخبار کھینچ لیا ''اس میں کیا رکھا ہے کیا چاٹ رہے ہو۔''

''یہ کیا حرکت ہے! میں ڈاکٹر صادق کے قتل کی تفصیل پڑھ رہا تھا۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

''اپنا وقت برباد کر رہے تھے۔'' ویرا نے بے ساختہ بولی ''اخبار والوں کے لیے یہ قتل کی ایک پراسرار واردات ہے، تم قاتل کا نام تک جانتے ہو......''

''تم کیا چاہتی ہو؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

''الفا آزاد ہے۔ دو اہم ترین حکومتی عہدے دار آج کراچی آ رہے ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔'' وہ بولی۔

''ہم چاہیں بھی تو کچھ نہیں کر سکتے، عام حالات میں بھی لوگوں کو ان کی گزرگاہ پر پھٹکنے نہیں دیا جاتا۔ آج بہت سخت حفاظتی انتظامات ہوں گے۔'' سلطان شاہ نے جواب دیا۔

''یہ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' میں نے سلطان شاہ کی تائید کی ''ہم نے نیک نیتی سے ان کے کسی قافلے میں گھسنے کی کوشش کی تو مشکوک سمجھ کر دھر لیے جائیں گے۔''

''احتیاط کی جا رہی ہے یہ ضروری نہیں کہ آج کوئی واقعہ رونما ہو'' غزالہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا ''ایسے کاموں کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔''

''جب اکیلا آدمی کوئی کام کر رہا ہو تو سب کچھ اس کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔ الفا کی کھوپڑی سنک جائے تو وہ آج ہی کچھ کر گزرے گا۔ شرط صرف اتنی ہے کہ اسے اپنا مطلوب ہتھیار مل گیا ہو۔ جیب گرم ہو تو کراچی میں سب کچھ مل جاتا ہے۔''

''ویرا! اپنی زبان پر قابو رکھو۔ کیوں ایسے منحوس کلمات منہ سے نکال رہی ہو۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''شتر مرغ ریت میں گردن چھپا لے تو طوفان نہیں تھم جاتا۔ جب تک الفا آزاد ہے' خطرات سر پر منڈلاتے رہیں گے۔ نحوست اور برکت کی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

وہ بحث پر آمادہ تھی۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی سلطان شاہ نے کچھ کہنے کے لیے اپنا منہ کھولا تھا لیکن میرا اشارہ پا کر اس نے بھی اپنی زبان بند کر لی۔

ویرا نے دزدیدہ نظروں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔ ہم سر جھکا کر کھانے میں مصروف رہے اور ویرا نے بھی اپنی پوری توجہ اپنی پلیٹ پر مرکوز کر دی۔

پچھلی رات سب کی نیند خراب ہوئی تھی اس لیے ہر ایک کے بشرے سے تکان کا اظہار ہو رہا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر غزالہ ستانے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں ٹیلی وژن کھول کر ڈرائنگ روم میں ایک بڑے صوفے پر دراز ہو گیا۔ ویرا اور سلطان شاہ نے بھی شاید اپنے اپنے کمروں کا رخ کیا تھا۔

میں سکون سے لیٹا ہوا ٹیلی وژن پر غزلوں کا ایک اچھا پروگرام دیکھ رہا تھا اچانک ویرا وہاں آ گئی اس کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

خیریت تو ہے کیا کوئی نئی بات سوچ کر آئی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

وہ میرے قریب ایک سنگل صوفے پر بیٹھ گئی اور بولی ''میدان صاف تھا تم اکیلے تھے' میں نے سوچا کہ کچھ وقت تمہارے پاس گزار لوں تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔''

''میرے اعتراض سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم کسی کی پروا نہیں کرتیں۔ جو تمہارے دل میں آتا ہے وہ کر گزرتی ہو لیکن یہ خیال رکھنا کہ میں اکیلا نہیں ہوں۔ غزالہ کی چھٹی حس بیدار ہو گئی تو وہ کسی بھی لمحے یہاں آ جائے گی۔''

''مجھے معلوم ہے وہ آج کل پولیس والی بنی ہوئی ہے۔ ہم دونوں کو تخلیے کا کوئی موقع میسر نہیں آنے دیتی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی ''اچانک کہیں سے نازل ہو جاتی ہے۔''

''یہ غنیمت ہے کہ وہ خندہ پیشانی سے تمہارے ساتھ رہ رہی ہے۔ اس کی جگہ کوئی تنگ نظر اور متعصب عورت ہوتی تو اب تک ہمارے راستے جدا ہو گئے ہوتے۔''

''یہ صرف اس کا کمال نہیں ہے' بارہا تمہارے قریب ہونے کو دل چاہتا ہے لیکن میں بھی احتیاط سے کام لیتی ہوں۔ اسے شکایت کا کوئی موقع نہیں دیتی!''

''یہ احتیاط ہے کہ مجھے اکیلا دیکھا اور تم یہاں آگئیں!'' میں نے کہا۔

''وہ تھکی ہوئی ہے اب تک گہری نیند سو چکی ہوگی۔'' وہ میری پنڈلی میں چٹکی لیتے ہوئے بولی' ''یہ بتاؤ کہ آج باہر کھانا کھانے کے بارے میں کیا کہتے ہو۔''

''تم تینوں پچھلی رات ہی تو باہر گئے تھے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''کل مزہ آگیا تھا اسی لیے آج پھر دل چاہ رہا ہے۔ تم ساتھ ہو گئے تو ڈنر کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔'' وہ مجھے آنکھ مار کر بولی۔

''اپنے دل پر قابو رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم سب ایک ساتھ کسی چوہے دان میں پھنس جائیں۔''

''یہ نام نہ لیا کرو' مجھے چوہے کے تصور سے گھن آتی ہے۔''

''اس کا کوئی متبادل بتا دو۔ میں یہ نام نہیں لوں گا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ اس وقت ویرا کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ مجھے بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

''ہوٹل نہ سہی تو پھر جہانگیر کی طرف چلو' کبھی کبھی تم اسے بالکل بھلا دیتے ہو' وہ بے چارہ تمہاری دوستی کی بہت بھاری قیمت ادا کر رہا ہے۔''

ویرا کی اس بات پر میرے دل کے نہاں خانوں میں یکایک ندامت کا احساس جاگ اٹھا۔ میں ڈاکٹر صادق کے معاملے میں سوبھراج کو خود غرض اور احسان فراموش قرار دے رہا تھا۔ میرے لیے جہانگیر کا مرتبہ بہت بلند تھا لیکن اپنی مصروفیات میں گھر کر میں اس کی خبر گیری سے مجرمانہ غفلت کا مرتکب ہو رہا تھا۔ میں نے بلا تامل ویرا کی تجویز قبول کر لی' ''جہانگیر کے گھر جانے میں کوئی خطرہ نہیں ہے' ہم وہاں چل سکتے ہیں۔''

''مجھے معلوم تھا کہ تم وہاں جانے کے لیے فوراً رضامند ہو جاؤ گے۔'' ویرا ہنستے ہوئے بولی' ''اس گھر میں جہانگیر سے زیادہ سلمٰی کی کشش ہے۔ پتا نہیں وہ تمہاری ذات کے سحر میں کیوں گرفتار ہے۔ تمہارے آگے پیچھے گھومتی رہتی ہے۔''

ویرا پہلی بار وہ ناگفتنی اپنی زبان پر لائی تھی' میں نے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہا' ''ویرا! تم کسی کو تو معاف کر دیا کرو۔ وہ میرے جگری دوست کی بیوی ہے' میں اس کا بہت احترام کرتا ہوں۔ اس کے بارے میں کوئی غلط بات سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''میں تمہیں کب الزام دے رہی ہوں۔ وہ تمہارے لیے پسندیدگی کا جذبہ اپنے دل میں لیے پھرتی ہے۔ تم بے نیازی سے اسے نظر انداز کرتے رہتے ہو اور کچھ ہو یا نہ ہو اس طرح تمہاری مردانہ انا کو بہت تسکین ملتی ہوگی۔'' اس نے ٹٹولنے والے انداز میں کہا۔

''تم رنگین مزاج لوگوں کی بات کر رہی ہو۔ وہ ایسے واقعات سے حظ اٹھاتے ہوں گے۔ میرا ان میں شمار نہیں ہے۔'' میں نے بے رخی سے جواب دیا۔

''مرد کی فطرت نہیں بدل سکتی۔ یہ بات مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے کہ تم بھی بہت رنگیلے تھے۔ میرے بدن کا رواں رواں اس حقیقت کا گواہ ہے۔ اب تم نے اپنے اوپر پارسائی کا خول منڈھ لیا ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے! اندر سے تم وہی ہو جسے بلیک کوئن کو بار بار فتح کرنے کا جنون تھا۔''

میں صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ماضی کا ذکر چھیڑ کر اس نے میرے وجود میں عجیب سی سنسنی کی لہریں دوڑا دی تھیں' ''تم یہ باتیں کرنے کے لیے آئی ہو!''

اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور ایک مسکان کے ساتھ بولی' ''اتنی قربت اور چاہت کے بعد کبھی کبھی تمہارا رویہ دکھ دینے لگتا ہے۔ اس وقت تمہاری آنکھوں میں نمودار ہونے والی حیوانی چمک بتا رہی ہے کہ آج بھی یہ سب تمہیں اچھا لگتا ہے اپنے خول میں کیوں سمٹے رہتے ہو۔'' وہ اپنی جگہ چھوڑ کر میرے سامنے آکھڑی ہوئی اور اپنا نرم و نازک ہاتھ میرے کندھے پر رکھ دیا۔

''اپنی جگہ پر بیٹھ کر بات کرو۔'' میں نے بوکھلا کر اسے دور دھکیلنے کی کوشش کی۔ اسے چھوتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے میرا وجود سلگ اٹھا ہو میں نے گھبرا کر وہ کوشش ترک کر دی۔

ویرا اپنا سر او نچا کر کے آسودہ انداز میں ہنس پڑی اور نیم سرگوشیانہ آواز میں بولی' ''مجھے خوشی ہے کہ میرے معاملے میں تم آج بھی اندر سے اتنے ہی کمزور ہو جتنے ماضی میں ہوا کرتے تھے۔ ڈر کیوں گئے مجھے خود سے دور دھکیل دو نا۔''

وہ وہیں کھڑی رہی میرے دل و دماغ میں ایک ہلچل برپا ہو چکی تھی۔ اس کے وجود سے پھوٹنے والی مخصوص نشیلی بو مزید چند لمحوں تک میرے حواس کو ماؤف کرتی رہتی تو میرے لیے ویرا کے ہوش ربا پیکر کے سحر سے نکلنا دشوار ہو جاتا۔

میں وہاں سے اٹھ کر ویرا سے دور جا کھڑا ہوا۔

''ڈرپوک!'' ویرا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی شوخ آواز برآمد ہوئی' ''دنیا جہان سے لڑتے پھرتے ہو کچھ اپنے آپ سے لڑنا بھی سیکھو' چند لمحوں میں میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔''

''جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرو۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی'' مجھے کچھ دیر کے لیے سکون سے خبریں سننے دو میں بلاوجہ ڈرائنگ روم میں نہیں آیا تھا۔''

''خبریں سن کر میرے کمرے میں آؤ گے؟'' اس نے تیکھی چتون سے میری طرف دیکھتے ہوئے مخمور لہجے میں سوال کیا۔ مجھے چڑانے کے چکر میں وہ اس وقت خود بھی کچھ بہکی ہوئی نظر آرہی تھی۔

''وہاں آیا یا نہ آیا' یہ وعدہ ہے کہ شام کو ہم چاروں جہانگیر کے گھر چلیں گے۔'' میں نے جلدی سے اسے یقین دلایا۔

اس نے اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا۔ شکایتی نظروں سے مجھے گھورتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

میں نے اپنی گلوخلاصی ہوجانے پر اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور دوبارہ بڑے صوفے پر دراز ہوگیا وہ چلی گئی تھی لیکن میرے ذہن میں اس کا للکارتا ہوا چہرہ رقص کررہا تھا۔

اپنی بے ہنگم مصروفیات کی وجہ سے ہم میں سے کسی کو بھی مختلف ٹیلی وژن پروگراموں کے اوقات کا صحیح علم نہیں تھا۔ میں نے ویرا کو ٹالنے کے لیے بلاوجہ خبروں کا شوشا چھوڑا تھا جن کے نشر ہونے میں کافی وقت باقی تھا۔

وہیں لیٹے لیٹے میری ذہنی رو الفا کی طرف منتقل ہوگئی۔ یہ بہت اچھا تھا کہ جلال نے اسلام آباد پہنچتے ہی احتیاطی تدابیر کا ڈول ڈال دیا تھا اور اس روز کراچی آنے والے دو لیڈروں کے لیے فوجی کمانڈوز کے حفاظتی دستے کا بندوبست کرلیا تھا لیکن وہ تیاریاں کچھ قبل از وقت محسوس ہورہی تھیں' وہ معاملہ اس قدر فوری نوعیت کا نہیں تھا۔

بھارت سے آنے والے ایجنٹوں کی نفری کل دو نفوس پر مشتمل تھی۔ ان میں ایک صدف مینشن میں پہنچایا جاچکا تھا۔ اس وقت الفا بالکل تنہا تھا۔ کراچی پہنچنے پر ان دونوں نے مدد کے لیے سوبھراج سے رابطہ کیا وہ میرے دباؤ میں آیا ہوا تھا۔ اس نے دونوں کو ہری جھنڈی دکھادی۔

یہ سوبھراج کا جھوٹ نہیں تھا۔ بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ سوبھراج نے انہیں کسی قسم کا تعاون فراہم نہیں کیا تھا۔

الفا کے پاس پیسا نہیں تھا۔ اسے اپنے کام کے لیے ہتھیار دستیاب تھا جو مفت میں نہیں مل سکتا تھا۔ چارلی کی طرح اس کے پاس بھی زیادہ سے زیادہ ایک پستول یا ریوالور ہوسکتا تھا جو آمنے سامنے کی لڑائی میں ایک دفاعی ہتھیار ہوسکتا تھا لیکن تاک کر کسی کو نشانہ بنانے کے لیے وہ بالکل بے سود تھا۔

سے ایک بڑی رقم بٹورلی تھی تب بھی اسے بلیک مارکیٹ سے رائفل خریدنے کے لیے وقت درکار تھا۔

ہتھیار کھلے بازاروں میں نہیں بکتے تھے کہ ٹافی کی طرح قیمت ادا کرکے خریدے جاسکیں۔ جو لوگ اس غیر قانونی دھندے سے وابستہ تھے ان کو سب گھر گھاٹ معلوم تھے۔ وہ چٹکیوں میں بڑے چھوٹے سودے کراسکتے تھے جب کہ الفا شہر میں اجنبی تھا۔ اس کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ رقم ہاتھ آتے ہی اپنی پسند کا ہتھیار خرید سکے۔

جب تک وہ مسلح نہیں ہوجاتا' اس وقت تک اس کی جانب سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوسکتا تھا۔ ان کڑیوں پر غور کرتے کرتے مجھے یقین ہوگیا کہ اس روز الفا کوئی کارروائی کرنے کی پوزیشن میں نہیں آسکے گا۔

من پسند ہتھیار کے حصول کے ساتھ اس کے لیے ایک بڑا مسئلہ معلومات کی فراہمی کا تھا۔ وہ کوئی بھی روپ دھار کر مقامی آبادی میں گھل مل سکتا تھا لیکن اس کا ایسے لوگوں سے فوری رابطہ ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا جو اندر کی خبریں اسے پہنچا سکیں۔

باخبر اور بارسوخ طبقے کے امرا اور شرفا اسے شہر کی گلیوں' بازاروں اور خانقاہوں میں نہیں مل سکتے تھے۔ اگر وہ کسی طرح ہتھیار حاصل کر بھی لیتا تو اس کے لیے یہ معلوم کرنا ممکن نہیں تھا کہ مقتدر سیاسی شخصیات کی آمدورفت کے شیڈول کیا ہوں گے۔

ان معلومات کے بغیر وہ کوئی منصوبہ بندی نہیں کرسکتا تھا۔

ان دنوں ملک میں دہشت گردی کے واقعات زیادہ عام نہیں ہوئے تھے۔ پھر بھی بڑے آدمیوں کی نقل و حرکت کے بارے میں بہت زیادہ احتیاط اور رازداری سے کام لیا جاتا تھا۔ موہوم ترین شبہ ہونے پر آخری لمحات پر پروگرام بدل دیے جاتے تھے۔ مجھے یہ ناممکن نظر آرہا تھا کہ الفا ان تمام رکاوٹوں کو توڑ کر اس روز کوئی کام دکھا سکے گا۔

ساڑھے پانچ بجے اول خان کا فون آیا۔ جلال سے ساری گفتگو اس کے سامنے ہوئی تھی۔ بس ایک بات اس کے جانے کے بعد رونما ہوئی تھی کہ جلال نے اسلام آباد سے فون کرکے ڈاکٹر صادق کے قتل کی تصدیق کی تھی۔

اول خان نے پژمردہ انداز میں فون پر سلام دعا کی تو میں نے چونک کر پوچھا'' کیا بات ہے؟ تمہاری آواز سے کچھ پریشانی جھلک رہی ہے۔''

''خبر بہت پریشان کن ہے۔ ابھی ذرا سی دیر پہلے ڈرگ روڈ ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک اہم شخصیت کے موٹر کیڈ پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔ وہ اسلام آباد سے آنے والی پرواز سے ابھی کراچی آئے تھے اور ائرپورٹ سے شہر جارہے تھے۔'' یکایک

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اول خان کی آواز بہت دور کسی گہرے کنویں کی تہ سے آ رہی ہو۔ میرے سارے اندازے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے، ہونے والی بات ہو کر رہی تھی۔

''تم چپ کیوں ہو گئے...... آگے کیوں نہیں بولتے!'' میں نے جھنجلا کر کہا۔

''شاید تمہارا ذہن ماؤف ہو رہا ہے میں پوری بات بتا چکا ہوں۔ حملہ اس اعتبار سے ناکام رہا ہے کہ دی وی آئی پی کار بچ کر آگے نکل گئی۔ اس حملے میں ایک موٹر سائیکل سوار کمانڈو ہلاک ہوا ہے، دو شدید زخمی ہوئے ہیں۔'' اس بار اول خان کی آواز واضح تھی۔

''اصل گاڑی بچ گئی تو اس حملے کو ناکام ہی سمجھو بے چارہ کمانڈو مفت میں......''

''حملہ بہت شدید اور خوفناک تھا۔'' اول خان نے میری بات کاٹ کر کہا ''اس گاڑی پر کئی گولیاں لگی تھیں، نامعلوم نشانچی نے پورا برسٹ مارا تھا۔ وہ گاڑی بلٹ پروف نہ ہوتی تو آج ایک بدترین سانحہ رونما ہو چکا ہوتا۔''

''لیکن یہ کیسے ہو گیا۔'' میں نے بے یقینی سے کہا ''چند منٹ پہلے تک میں اسی مسئلے پر دماغ سوزی کر رہا تھا۔ الفا کے پاس کچھ بھی نہیں، وقت نہ سرمایہ نہ ہتھیار۔ نہ ہی اس کے پاس ایسے ذرائع تھے جن سے اسے آنے والے کے پروگرام کی اطلاع مل سکتی!''

''فی الحال میرے پاس ان سوالوں کے جواب نہیں ہیں۔ میں تمہیں ایک ٹھوس زمینی حقیقت بتا رہا ہوں۔ بھاری فورس نے پورے علاقے کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے اور سرگرمی سے حملہ آور کی تلاش شروع کر دی گئی ہے۔''

''تم اس وقت کہاں ہو؟'' اس کے ہیجان آمیز لب و لہجے نے مجھے وہ سوال کرنے پر مجبور کر دیا۔

''میں اپنے یونٹ کے ساتھ کارساز روڈ کے اتصال کے مقام پر اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔'' وہ اسی لہجے میں بتا رہا تھا ''وی وی آئی پی موٹر کیڈ کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے وائرلیس پر خبر گردش میں آ گئی تھی اور بقیہ راستے پر کھڑی ہوئی نفری کو ہائی الرٹ کے احکام جاری کر دیئے گئے تھے۔ وہ کارواں گزرتے ہی میں اپنے جوانوں کے ساتھ جائے واردات پر پہنچ گیا تھا۔''

''اوہ! تو تم بھی ان حفاظتی انتظامات میں شامل تھے۔''

''ہاں!'' اس نے اقرار کیا ''جلال کے پیغام کے بعد شہر میں ہنگامی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ ملٹری پولیس سمیت ہر فورس کو گزرگاہ کے چھوٹے چھوٹے حصوں کی دیکھ بھال سونپ دی گئی تھی۔ عام پولیس والے ان انتظامات سے بے خبر تھے اور اپنی مقررہ جگہوں پر کھڑے ہوئے ساری نقل و حرکت کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ رازداری کے ساتھ کیئے گئے ان حفاظتی اقدامات کے باوجود واردات کو نہیں روکا جا سکا۔''

''کیا تم وہاں بہت زیادہ مصروف ہو؟'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

''میرا یونٹ محاصرہ کرنے والوں میں شامل ہے۔ میں مغربی حصے کے سرچ آپریشن کی کمان کر رہا ہوں۔ مشکل سے وقت نکال کر تم کو فون کیا ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس وقت یہاں خوف و ہراس اور افراتفری کا کیا عالم ہے۔''

''تم اپنا کام کرو۔ میں کسی اور کو پکڑتا ہوں۔'' میں نے بات مختصر کر دی۔

''فکر نہ کرو۔ یہاں سے فارغ ہو کر میں سیدھا تمہاری طرف آؤں گا۔'' بات ختم ہو گئی۔

ٹیلی وژن کے خبرنامے میں پانچ بجے کوئی غیر معمولی بات نہیں بتائی گئی، شاید وہ واقعہ نیوز بلیٹن کا وقت نکل جانے کے بعد پیش آیا تھا۔ اول خان کی باتوں سے بھی اندازہ ہوا تھا کہ موٹر کیڈ پر فائرنگ کا واقعہ پانچ اور ساڑھے پانچ بجے کے درمیان پیش آیا تھا۔

دہشت گردی کی وارداتوں کے بارے میں دنیا کے سارے ممالک یہ راگ الاپتے رہتے تھے کہ کسی حادثے یا واقعے کے بارے میں پیشگی اطلاع مل جانے کے باوجود اسے رونما ہونے سے روکنا سو فیصد ممکن نہیں ہوتا۔ جب تک مجروں کی واضح نشان دہی نہ ہو، ایسے واقعات پر قبل از وقت قابو نہیں پایا جا سکتا۔

میں ایسے بیانات کو ہمیشہ سرسری طور پر پڑھتا تھا اور اعلیٰ حکام کی اس ٹال مٹول پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ جاتا تھا۔ میری دانست میں وہ باتیں صرف ذمے داری سے بچنے کے لیے کی جاتی تھیں لیکن تازہ ترین واقعے نے میرے اس خیال کی نفی کر دی تھی۔

گنے چنے لیکن کلیدی افسروں کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ را کا ایک ایجنٹ کسی انتہائی اہم حکومتی شخصیت کو نشانہ بنانے کے عزائم کے ساتھ شہر میں دندناتا پھر رہا ہے۔ پھر جلال کے ذہن میں اس شبہے نے سر ابھارا کہ اسلام آباد سے کراچی جانے والے دو اہم حکومتی عہدے داروں پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ ہنگامی طور پر ساری پیش بندیاں کر لی گئیں لیکن فائرنگ کے واقعے کو نہیں روکا جا سکا۔ زبردست حفاظتی حصار کے باوجود دہشت گرد اپنے مشن میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا تھا۔ ذہن میں تمام تر منفی پہلو روشن ہونے کے باوجود میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ واقعہ الفا

کی مہم جوئی کا نتیجہ تھا۔ اس نے اپنی مشکلات پر کب اور کیسے قابو پایا تھا' یہ عقل کو حیران کر دینے والا ٹیڑھا معمّا تھا۔

اس خبر نے مجھے اندرونی ہیجان میں مبتلا کر دیا' آدمی ایسی کسی کیفیت سے دوچار ہو جائے تو تنہائی میں اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کیفیت سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہوتا ہے کہ فوری طور پر تنہائی سے نجات حاصل کر کے کسی ایسے ہم نفس کو تلاش کیا جائے جس کے سامنے آزادی کے ساتھ دل کی بھڑاس نکالی جا سکے۔

غزالہ میری رفیق حیات اور فطرت کے اعتبار سے صلح جو تھی۔ اس سے جو کچھ بھی کہہ دیتا۔ وہ سعادت مندی سے سنتی رہتی۔ ویرا کا مزاج اس سے بالکل مختلف تھا۔ وہ اتنے انہماک سے بال کی کھال نکالنے کا فریضہ انجام دیتی تھی کہ اس کے سامنے بات کو آگے بڑھانا مشکل ہو جاتا تھا۔

میں نے سلطان شاہ کے کمرے کے بند دروازے کے سامنے رک کر اسے آواز دی تو اس سے پہلے ویرا اپنے کمرے سے نکل آئی۔

''کیا بات ہے...... کیوں شور مچا رہے ہو؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''بہتر یہ ہوگا کہ تم اپنے کمرے میں آرام کرو۔'' میں نے غور سے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا'' مجھے اس سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔''

''میں اس سے کسی طرح کم تر نہیں ہوں' تم مجھ سے بھی بات کر سکتے ہو۔'' اس نے اصرار کیا'' میں تم کو کچھ اچھے مشورے بھی دے سکوں گی۔''

''مجھے معلوم ہے!'' میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے ہلکے سے طنز سے کہا'' تم نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تھا تو اندر سے عقل مندی کی خاصی تیز بو آئی تھی۔ تمہارے چہرے اور آنکھوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس وقت تم مفت مشورے دینے کے موڈ میں آ چکی ہو۔''

وہ عجیب سے والہانہ انداز میں اپنا سر جھٹک کر ہنس پڑی اور بولی'' تم عورتوں سے زیادہ طنز کرتے ہو اور طعنے دیتے ہو۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اب تمہیں عقل مندی کی بو آنے لگی ہے۔ ایسا ہے تو تمہیں سلطان شاہ کے کمرے سے بے وقوفی کی بدبو بھی آنی چاہیے۔''

اسی وقت سلطان شاہ اس کی ادھوری بات سنتا ہوا اپنے کمرے کے دروازے پر آ گیا اور گہرے گہرے سانس لیتا ہوا مدافعانہ انداز میں بولا'' تم غلط کہہ رہی ہو یہاں کوئی بدبو نہیں آ رہی۔ یہ تمہارے دماغ کا فتور ہے۔'' ویرا کی پوری بات سرے سے اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔

''تم کو نہیں آئے گی۔'' ویرا نے ناصحانہ لہجے میں کہا'' جو جہاں رہتا ہے وہاں کے ماحول اور بو کا عادی ہو جاتا ہے۔ آؤ ڈرائنگ روم میں چلتے ہیں۔''

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

ویرا نے چلتے چلتے وہ شعر پڑھا اور میرے کندھے پر ہاتھ مار کر بولی'' مجھے نہیں معلوم کہ یہ کس شاعر کا شعر ہے لیکن میرے لیے حسب حال ہے۔ تم میرے پینے پر اعتراض کرتے ہو یہ نہیں پوچھتے کہ میں شراب خانہ خراب کو کیوں منہ لگاتی ہوں۔ میں اپنی غریب الوطنی کا دکھ بھلانے کے لیے تھوڑی سی پی رہی تھی کہ تم نے چیخ و پکار شروع کر دی۔''

اس کے لہجے میں لکنت تھی نہ چال میں لڑکھڑاہٹ۔ وہ بہت نپے تلے انداز میں بول رہی تھی مگر اس کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے خمار کے سرخ ڈورے چغلی کھا رہے تھے کہ اس نے دن دیہاڑے خاصی اسکاچ بوتل سے اپنے معدے میں منتقل کر لی تھی۔

''غم بھلانے کے اور بھی طریقے ہیں' تم کو یہی ایک طریقہ راس آتا ہے۔'' میں نے کہا'' ابھی سورج ڈھلنے میں دیر ہے' تھوڑی دیر میں اول خان آتا ہوگا۔ تم نے ابھی سے اپنا تماشا بنانا شروع کر دیا' پتا نہیں ان حرکتوں سے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔''

''وہی جو میں کچھ دیر پہلے تم سے کہہ رہی تھی۔'' اس نے آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے جواب دیا'' اب تم ایک اور شعر سنو۔

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
چوری تو نہیں کی ہے ڈاکا تو نہیں ڈالا

''شریف گھرانوں میں اس حرکت کو چوری اور ڈکیتی سے زیادہ برا سمجھا جاتا ہے۔''

''سبحان اللہ!'' اس نے روانی سے کہا'' تمہیں یہ شوق ترک کیے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں۔ کیا تم یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ اس سے پہلے یہ رذیل گھرانا تھا!''

''مس ویرا لائیڈ!'' میں نے دانت پیستے ہوئے اسے مخاطب کیا'' کیا ہم اس وقت کسی اور موضوع پر بات کر سکتے ہیں؟ میں نے ایک ضرورت کے تحت سلطان شاہ کو آواز دی تھی۔ تم بلائے ناگہانی کی طرح کیوں نازل ہو گئیں!''

ہماری آوازیں سن کر غزالہ بھی اپنے کمرے سے نکل آئی اور ہم چاروں ڈرائنگ روم میں جمع ہو گئے۔

''بالکل کر سکتے ہو تم خاموش تھے اس لیے میں بول رہی

تھی۔ تم بولنا شروع کر دو، میں خود ہی خاموش ہو جاؤں گی۔''
حاضر جوابی میں اسے خاص ملکہ حاصل تھا۔
مجھے اس پر غصہ آرہا تھا لیکن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ قہر درویش برجان درویش کے مصداق میں بھنا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔
''آپ کچھ کہنا چاہ رہے تھے۔'' میرے تیور دیکھتے ہوئے غزالہ نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی ''ویرا کو بھول کر مجھ سے بات کریں۔''
''خبروں میں کچھ نہیں تھا۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میں نے کہا ''ابھی ابھی اول خان کا فون آیا تھا تھوڑی دیر پہلے ملک کی ایک اہم مقتدر شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا ہے!''
''واقعی!'' ویرا نے حیرت سے اپنی آنکھیں پھاڑ کر سوال کیا۔
''اگر یہ مذاق ہے تو اس کی ذمے داری اول خان کے سر پر ہے۔'' میں نے جل کر کہا۔
''اوہو...... ڈینی ڈارلنگ!'' وہ لہک کر بولی ''بعض اوقات تم ذرا ذرا سی بات کا برا مان جاتے ہو۔ یہ بہت اہم واقعہ ہے اس کی تفصیل بتاؤ۔''
غزالہ خاموش بیٹھی اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ میرے لیے ویرا کا وہ بے تکلفانہ انداز تکلم غزالہ کی برداشت سے باہر تھا۔
ویرا کے پُرسرور موڈ کو بھول کر مجھے غزالہ کی فکر ہوگئی۔ آثار بتا رہے تھے کہ ویرا نے اسی انداز میں مزید کچھ کہا تو وہ پھٹ پڑے گی۔
اس متوقع تصادم کو ٹالنے کے لیے میں نے کسی توقف کے بغیر وہ سب دہرانا شروع کر دیا جو میں فون پر اول خان سے سن چکا تھا۔
میری بات مکمل ہوتے ہی ان تینوں نے بیک وقت بولنا شروع کر دیا۔ ہر ایک پُرجوش انداز میں کوئی نہ کوئی اہم بات کہنا چاہ رہا تھا۔
سلطان شاہ کی خالص مردانہ آواز ان دونوں کی آواز پر حاوی تھی۔ انہیں پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ الفا کے لیے اتنے قلیل وقت میں سنبھلنا اور اتنی بڑی واردات کی تیاری کرنا ممکن نہیں تھا۔
میں اپنی بات ختم کر چکا تھا اس لیے خاموش بیٹھا رہا۔ سلطان شاہ کے مدلل نظریے کا بیان مکمل ہونے کے بعد غزالہ اور ویرا کو بھی بولنے کا موقع مل گیا۔
اس واقعے کے بارے میں ان تینوں کے دماغوں میں کم و بیش وہی تحفظات تھے جن پر میں غور کرتا رہا تھا۔ کوئی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ وہ حملہ الفا نے کیا ہوگا۔
''پھر وہ کون ہو سکتا ہے؟'' میں نے اس اہم سوال کا بوجھ ان پر ڈال دیا۔
''تم بتا رہے ہو کہ وہاں محاصرے کی حالت ہے۔ حملہ آور کی تلاش جاری ہے۔ یہ اچھی علامتیں نہیں ہیں!'' ویرا کہہ رہی تھی ''ہائی الرٹ پوزیشن میں پہلی گولی نکلتے ہی حملہ آور کی کمین گاہ بہت سے لوگوں کی نظروں میں آگئی ہوگی۔ اسے رنگے ہاتھوں وہیں پکڑا جانا چاہیے تھا۔ اسے فرار کے لیے چند لمحوں کی مہلت درکار تھی۔ وہ اسے مل گئی وہ پورا برسٹ فائر کر کے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ اب وہاں رسمی کارروائی ہو رہی ہے۔ وہ سب مل کر بھی اس کی گردن نہ پا سکیں گے۔ یہ ایک نہیں کئی آدمیوں کا کام معلوم ہوتا ہے۔''
اور اگر حملہ آور اکیلا تھا تب بھی وہ الفا نہیں ہو سکتا۔ وہ کئی مسائل میں گھرا ہوا تھا۔ اس کی اپنی جان خطرے میں ہے۔'' سلطان شاہ پرزور لہجے میں بولا ''کل رات اس کا اکلوتا ساتھی پکڑا گیا ہے۔ اس کے لیے اتنے کم وقت میں وسائل یکجا کرنا اور ٹارگٹ کی نقل و حرکت کے خفیہ پروگرام سے آگاہی حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔''
''گولی چلانے والا ایک ہی رہا ہوگا لیکن اسے دوسروں کی پشت پناہی حاصل ہوگی۔'' غزالہ نے مزید باریکی میں جاتے ہوئے کہا ''ویرا صحیح سمت میں سوچ رہی ہے۔ یہ ایک فرد کے بجائے کسی دہشت گرد گروہ کی کارروائی معلوم ہوتی ہے۔ وہ الفا کی طرح اجنبی نہیں تھے۔ انہیں پورے علاقے سے اچھی طرح واقفیت تھی اور انہوں نے حملہ کرنے سے پہلے اپنے فرار کی محفوظ راہ کا تعین کرلیا تھا۔''
''آئی ایم سوری ڈینی!'' ویرا نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ آج کی اہم ترین خبر تھی اور میں شعر و شاعری میں تمہارا وقت برباد کر رہی تھی۔ اپنی بے وقت کی راگنی پر میں شرمندہ ہوں۔ خبر سن کر میرا نشہ ہرن ہو چکا ہے۔''
''اس بارے میں جلال کی طرف سے کوئی خبر نہیں آئی!'' غزالہ بولی۔
''ناکام حملے کی خبر پر اسلام آباد میں کہرام برپا ہوگیا ہوگا۔'' میں نے بوجھل لہجے میں کہا ''اول خان جائے واردات سے بہت قریب تھا۔ اس نے واقعہ رونما ہوتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن بعد کے حالات اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ اسلام آباد والے سیکڑوں میل دور بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کا دارالشہر اس وقت بدترین افواہوں کی زد میں آیا ہوا ہوگا۔ مجھے یقین ہے

کہ جلال اس بحران سے نکلتے ہی مجھے فون کرے گا۔"

"اول خان وہاں کیسے پہنچ گیا۔ اہم لوگوں کے راستوں کی حفاظت کرنا اسپیشل ٹاسک کے فورس کا کام نہیں ہوسکتا۔" ویرا نے اچانک سوال کیا۔

"بات صدف مینشن سے شروع ہوئی تھی۔" میں نے اسے پس منظر سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "وہاں چارلی نے سنسنی خیز انکشاف کیے اور جلال اپنی رپورٹ کے ساتھ فوری طور پر اسلام آباد روانہ ہوگیا۔ الفا کراچی میں دندناتا پھر رہا ہے اس لیے ساری توجہ یہیں مرکوز کردی گئی۔ کوئی حملہ روکنے کے لیے شہر میں موجود ہر فورس کو حفاظتی انتظامات میں شامل کرلیا گیا۔ اول خان اور اس کے یونٹ کو شارع فیصل پر کارساز کے آس پاس کا علاقہ سونپا گیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ان انتظامات میں ملٹری پولیس بھی شامل تھی۔"

"ایسے کام پھر بھی ایس ٹی ایف کے دائرہ کار میں نہیں آتے۔" ویرا مصر رہی۔

"دائرہ کار دوسرے اداروں کا ہوتا ہے۔ ایس ٹی ایف کا سرے سے کوئی دائرہ کار نہیں ہے۔ یہ معاملہ اونچی سطح کا تھا۔ یقینی طور پر مرکزی وزارت داخلہ نے جملہ مقامی وسائل کو متحرک کرنے کی ہدایت کی ہوگی۔ اسے نہیں ٹالا جاسکتا تھا۔"

میرے جواب سے ویرا خاموش ضرور ہوگئی لیکن اس کی نگاہوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پوری طرح مطمئن نہیں تھی۔

"تم مزید کچھ کہنے کے موڈ میں نظر آرہی ہو۔" غزالہ نے اسے ٹوکا۔

"یہ حکم حاکم مرگ مفاجات والی بات ہے۔ مرکز کی ہدایت کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ ہر حکومت میں وزیر داخلہ سب سے طاقتور ہوتا ہے۔" سہارا پاتے ہی اس نے بولنا شروع کر دیا "میں نے اکثر دیکھا ہے کہ سڑکوں کے کنارے پولیس والے اپنی رائفلوں کو لاٹھیوں کی طرح زمین پر ٹیک کر بیزاری سے اونگھتے رہتے ہیں۔ کسی کار، موبائل موٹر سائیکل کا سائرن سنائی دیتا ہے تو چونک کر ذرا سیدھے ہوتے ہیں اور اس کے گزرتے ہی دوبارہ اپنے پرانے شغل میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ ان میں ذرا سی دیر کے لیے اس وقت چونچالی نظر آتی ہے جب فرسٹ پائلٹ کے پیچھے پورا کارواں طوفانی رفتار سے نمودار ہوتا ہے اور زن سے آگے گزر جاتا ہے۔ یہ کام ایس ٹی ایف کا نہیں ہے۔"

"اس موضوع پر اول خان تمہیں بہتر جواب دے سکے گا۔" میں نے تحمل سے اسے سمجھایا "یہ وقت تنقید کا نہیں غور و خوض کا ہے۔ اگر حملہ آور اس وقت ہاتھ نہ آیا تو پھر انتہائی مغز سوزی کے بعد ہی اس تک رسائی کی کوئی راہ سامنے آسکے گی۔"

ہم چاروں ڈرائنگ روم میں اس طرح جم کر بیٹھے کہ شام کی چائے بھی وہیں منگوالی گئی۔ ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق اس واقعے کے بخیے ادھیڑنے میں مصروف تھا۔

ویرا نے اپنے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ سچ ثابت ہوتا نظر آرہا تھا۔ نشہ مدہوش کردیتا ہے لیکن فکر نشے کو نگل جاتی ہے۔ ویرا اس بحث میں اتنی سرگرمی سے ملوث ہوئی تھی کہ اس کے چہرے سے مے نوشی کے سارے اثرات کافور ہوگئے تھے۔ حد یہ تھی کہ اس کی خوب صورت آنکھوں میں تیرتے ہوئے 'خمار کے ڈورے بھی غائب ہوچکے تھے۔ وہ پوری ذہانت اور حاضر دماغی کے ساتھ بحث کو آگے بڑھانے میں کلیدی کردار ادا کررہی تھی۔

سرکاری ذرائع سے کسی خبر کی امید میں ٹیلی وژن مسلسل کھلا ہوا تھا۔ اس پر معمول کے پروگرام جاری تھے۔ مجھے توقع تھی کہ اس بڑی خبر کا بلیک آؤٹ کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ یہی ہوا سات بجے مختصر خبروں میں وہ واقعہ قدرے تفصیل سے رپورٹ کیا گیا پھر بھی اول خان کے ذریعے حاصل ہونے والی معلومات کا دائرہ وسیع تر تھا۔

آٹھ بجے اول خان آپہنچا۔ پولیس اور ایجنسیوں کے عملے نے مل کر وہ پورا علاقہ چھان مارا تھا مگر حملہ آور تو دور کی بات تھی وہاں سے کوئی مشتبہ شخص بھی ہاتھ نہیں آسکا تھا۔

"اس قافلے پر حملہ کہاں ہوا تھا؟" میں نے متجسس لہجے میں سوال پوچھا۔

"شاید میں نے تمہیں فون پر بتایا تھا کہ یہ واقعہ ڈرگ روڈ ریلوے اسٹیشن کے قریب پیش آیا ہے۔" اس نے مضمحل لہجے میں جواب دیا "بعد میں پتا چلا کہ قافلے پر اسٹیشن کی چھت پر سے گولیاں چلائی گئی تھیں۔"

"وہاں موجود حفاظتی عملے نے وہاں سے گولیوں کی بوچھاڑ آتی دیکھی ہوگی۔" ویرا نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"دن کا وقت تھا۔ ہر طرف چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے کوئی بھی یہ نہ دیکھ سکا کہ گولیاں کہاں سے آرہی تھیں۔ تڑاتڑ کی آوازیں سنتے ہی وہاں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ ہر شخص اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا۔" اول خان بتارہا تھا "کچھ مسلح افسروں نے جوش میں آکر اندھا دھند جوابی فائرنگ شروع کردی۔ وہاں موجود لوگوں کا کہنا ہے کہ کچھ لمحوں کے لیے وہاں قیامت کا سماں پیدا ہوگیا تھا......"

"یہ کیسے پتا چلا کہ فائرنگ اسٹیشن کی عمارت کی چھت سے کی گئی تھی؟" میں نے اس کی بات درمیان سے اچک کر بے تابی سے سوال کیا۔ میں اس ہولناک واقعے کی تفصیل سے زیادہ نتائج

جاننے کے لیے بے چین تھا۔

''افراتفری میں سارا عملہ آس پاس پھیل گیا تھا لیکن ڈی آئی جی نے فوری طور پر بلند مقامات پر پہنچنے کی ہدایت کی۔ وہ خود اسٹیشن کی عمارت میں گھس کر چھت پر چڑھا تو وہاں خودکار رائفل پڑی ہوئی تھی جس کا آدھا میگزین خالی تھا۔''

وہ خالص پیشہ ورانہ واردات تھی۔ حملہ آور پہلے سے سوچ کر آیا تھا کہ واپسی میں اسے خالی ہاتھ فرار ہونا ہے تاکہ کسی کو اس پر شبہ نہ ہو اور وہ عام لوگوں میں گھل مل کر جائے واردات سے دور نکل جانے میں کامیاب ہو سکے۔

''روسی کلاشنکوف اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ اسے کپڑوں میں چھپا کر آسانی سے کہیں بھی لے جایا جا سکتا اور یہ آسانی سے سستے داموں مل جاتی ہے۔'' سلطان شاہ نے ایک گہرا سانس لے کر پرتشویش لہجے میں کہا۔

''وہ کلاشنکوف نہیں تھی۔'' اول خان نے اس کی تردید کی۔ ''اس سے بڑی امریکی ساخت کی بہتر اور طاقت ور رائفل تھی اب وہ پولیس کی تحویل میں ہے۔''

اول خان کی زبان سے وہ ذکر سنتے ہی میں چونک پڑا۔

کراچی میں ہتھیاروں کے چور بازار کے بارے میں میری معلومات قابل رشک نہیں تھیں لیکن مجھے اتنا ضرور معلوم تھا کہ اس بازار میں امریکی ہتھیار دستیاب نہیں تھے۔ افغانستان میں روسی مہم جوئی کے زمانے میں ہر طرف امریکی ہتھیاروں کی بھرمار نظر آنے لگی تھی وہ آندھی کے بیر تھے۔ اس لائن سے تعلق رکھنے والوں کو معلوم تھا کہ ان ہتھیاروں کی سپلائی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکے گی۔ انہوں نے منہ مانگے داموں پر بازار خالی کر دیے اور جب افغانستان میں روس کی پسپائی کے جشن کا آغاز ہوا تو بازار سے وہ ہتھیار غائب ہو چکے تھے۔

حملہ آور نے اگر امریکی ساخت کی رائفل استعمال کی تھی تو وہ واقعہ بہت خیال انگیز تھا۔

میرا ذہن بھارتی دہشت گرد اور امریکی رائفل کی گتھی میں الجھا ہوا تھا اور ویرا نے اپنا سوال اول خان کے سامنے پیش کر دیا تھا۔

مجھے ان دونوں کی گفتگو سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی لیکن میں اپنے کان بند نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے سنا کہ جب ویرا نے حفاظتی فرائض کو معمولی قرار دے کر ان میں ایس ٹی ایف کی شمولیت پر اعتراض کیا تو اول خان ذرا جذباتی ہو گیا۔

اس کا کہنا تھا کہ ایس ٹی ایف آسمان سے اتاری ہوئی کوئی مخصوص فورس نہیں تھی۔ وہ لوگ آئین اور قانون کی پابندیوں سے ماورا ضرور تھے لیکن عام پاکستانیوں کے ادا کیے ہوئے ٹیکسوں کی رقوم پر پروان چڑھائے گئے تھے۔ ان کے لیے اس کام میں حصہ لینا ضروری تھا جس سے ملک اور قوم کے مفادات کے تحفظ کا فریضہ ادا ہوتا ہو۔

اس وقت ملکی قیادت کو غیر ملکی دہشت گردوں سے خطرہ لاحق تھا۔ ایس ٹی ایف ایک چھوٹی سی فورس تھی، ضرورت پیش آتی تو فوج کے بکتر بند دستے بھی شہر کی سڑکوں پر لائے جا سکتے تھے۔ وہ جواب ویرا کے لیے مسکت ثابت ہوا اور وہ خاموش ہو گئی۔

ان دونوں کی خاموشی سے ذرا سی ذہنی یکسوئی میسر ہوئی تو میرے ذہن میں اچانک ایک جھما کا ہوا اور مجھے اندھیرے میں یکا یک ایک نئی راہ سجھائی دینے لگی۔ ایک اہم نکتہ جسے ہم نے نظر انداز کیا ہوا تھا، یہ تھا کہ را اور امریکی ایجنسیوں کا بہت پرانا گٹھ جوڑ چلا آ رہا تھا۔ الفا اپنے ساتھی کو کھو دینے کے بعد شہر میں تنہا رہ گیا تھا۔ سوبھراج سے اسے کوئی مدد نہیں مل رہی تھی بلکہ اسے شبہ ہو چکا تھا کہ سوبھراج نے اس سے تعاون کرنے کے بجائے اس کی کاٹ شروع کر دی ہے۔

الفا یہ سمجھ چکا تھا کہ اس نے اپنے مشن کو پورا کرنے میں ذرا بھی تاخیر کی تو وقت کا بے رحم پہیہ اسے کچلتا ہوا آگے نکل جائے گا۔ اس کی بہتری اسی میں تھی کہ وہ جلد از جلد اپنا کام پورا کر کے خاموشی سے پاکستان سے نکل جائے۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد وہ اپنے طور پر یا دہلی سے ملنے والی ہدایات کے تحت کراچی میں امریکی ایجنسیوں کے دفاتر سے رجوع کر سکتا تھا۔ نک کے جہنم واصل ہونے کے بعد ٹام عارضی طور پر سی آئی اے کے ساتھ ایف بی آئی کا بھی نگراں بن گیا تھا۔ خود پس پردہ رہتے ہوئے کسی بڑی واردات کے لیے امداد فراہم کر کے اسے دلی مسرت حاصل ہوتی۔

اسٹیشن کی چھت پر پائی جانے والی امریکی رائفل یہ امکان ظاہر کر رہی تھی کہ الفا نے انتہائی مایوسی کے عالم میں ٹام سے رجوع کیا ہوا اور اس نے را کے بے وسیلہ دہشت گرد کو فوری طور پر ہر ممکن مدد فراہم کر دی ہو۔

میں نے اچھی طرح سوچ بچار کے بعد ان لوگوں کو اپنے نئے اندیشے سے آگاہ کیا تو حیرت سے سب کے منہ کھل گئے۔ اول خان نے اضطراری انداز میں کچھ کہنا چاہا تھا لیکن اس کے الفاظ اس کے دہانے میں ہی اٹک کر رہ گئے کیونکہ یکا یک فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤ دار نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ویرا نا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اس کے بعد سوبھراج نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈینی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروادی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل جا پہنچا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کروایا تھا۔ ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈینی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ ابھی کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈینی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہوگا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوگی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈینی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈینی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن وامان کے مسائل بھی کھڑے کرنے جا رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی

ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈینی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسرِ پیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہوگا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا جسے سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سودمند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں اسے اسٹیشن فور لے جانا چاہتا تھا مگر وہاں سے بتایا گیا کہ ایس ٹی ایف کی تمام سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں۔ ناچار میں نے صدف مینشن کا رخ کیا جہاں آئی بی کے اہلکاروں کے ساتھ سنیل سے گفتگو کی گئی۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ ان کے علاوہ سوبھراج نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں گیری ہارٹ کو شکار کر سکوں تو وہ مجھے پانچ لاکھ روپے کا انعام دے گا۔ اس کے مطابق وہ فرنچ بیچ پر اس سے ملنے آ رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ وہاں گیری ہارٹ کو سبق سکھایا جا سکتا ہے۔ اس مہم پر میں اور سلطان شاہ گئے اور جب وہ فرنچ بیچ سے واپس لوٹ رہا تھا ہم نے اس کی خاصی مرمت کر ڈالی۔ اس معرکے میں اس کا ڈرائیور کام آ گیا اور خود گیری ہارٹ شدید زخمی ہوا۔ اس کے بعد گیری ہارٹ کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ وہ زخمی حالت میں عمان کی طرف عازم پرواز تھا کہ اس کا جہاز بحیرہ عرب میں گر کر تباہ ہو گیا۔ اب ہماری تمام تر توجہ بھارت سے آنے والے دونوں ایجنٹوں پر مرکوز تھی۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈینی کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔

اب آپ قسط نمبر 238 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

اس وقت ویرا فون کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ گھنٹی بجتے ہی اس نے بٹن دبا کر انسٹرومنٹ آن کر دیا اور فوری طور پر ہیلو کہا۔

''کون بول رہا ہے؟'' اسپیکر فون پر سلمٰی کی روہانسی آواز سن کر میں بری طرح چونک پڑا۔ ویرا کا ان لوگوں سے کوئی گہرا جذباتی تعلق نہیں تھا۔ وہ سلمٰی کی آواز میں پنہاں کرب اور پریشانی کو محسوس کر سکی نہ اسے یہ اندازہ ہو سکا کہ دوسری طرف سے سلمٰی بول رہی تھی۔ اس نے سرسری انداز میں کہا ''تم کون ہو...... کس سے بات کرنا چاہتی ہو؟''

اس سے پہلے کہ ان دونوں کے درمیان وہ گفتگو آگے بڑھتی، میں لپک کر آگے بڑھا اور بے ساختہ پوچھ بیٹھا ''کیا بات ہے سلمٰی...... اس وقت تم خاصی پریشان ہو۔''

''ہم زیادہ دنوں تک سکھ سے نہیں رہ سکتے۔'' میری آواز پہچانتے ہی وہ رندھے ہوئے لہجے میں فون پر بولی ''کچھ دیر پہلے دو آدمی انہیں اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔''

''اوہ! یہ بہت برا ہوا...... کون تھے وہ' کیا چاہ رہے تھے؟'' میں نے غیر ارادی طور پر کہا۔

''انہوں نے کچھ نہیں کہا سنا...... وہ انہیں پہچانتے تھے۔'' اسپیکر فون پر سلمٰی کی خوف سے رندھی ہوئی آواز ابھری ''پچھلی مرتبہ کوئی منحوس مسز جمشید کی آڑ لے کر ہمارے گھر میں گھس آیا تھا۔ آج وہ دونوں سیدھے آئے۔ میں نے ڈور بیل سن کر بغیر کچھ سوچے سمجھے دروازہ کھولا اور ان میں سے ایک مجھے اپنے ریوالور کی نال پر دھکیلتا ہوا اندر گھس آیا۔ دوسرا اس کے پیچھے تھا......'' وہ واقعہ دہراتے ہوئے خوف سے سلمٰی کی گھگی بندھ گئی اور وہ بات پوری ہونے سے قبل ہی زاروقطار رونے لگی۔

جہانگیر کے بارے میں کچھ دیر پہلے ویرا باتیں کر رہی تھی اور میں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ شام کو ہم لوگ اس سے ملنے کے لیے جائیں گے۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ اچانک ایسی ناگہانی صورتِ حال پیدا ہو جائے گی کہ مجھے ہنگامی طور پر اس کی طرف جانا پڑے گا۔

وہ کافی عرصے سے میرے دشمنوں کی نگاہوں میں آیا ہوا تھا لیکن اپنے مقدر کی خوبی اور ہماری احتیاطی تدابیر کی بنا پر برے وقت سے بچتا رہا تھا۔

اس کے فلیٹ کی حفاظت کے لیے اول خان نے میرے

ایما پر اپنے دو آدمیوں کو وہاں مامور کیا ہوا تھا۔ ان سے قطع نظر عمارت کے اپنے حفاظتی انتظامات خاصے اطمینان بخش تھے۔ وہاں کے چوکیداروں وغیرہ کو ہدایات دی جا چکی تھیں۔ کسی بھی اجنبی شخص کو جہانگیر کے فلیٹ کا رخ کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔

میں حیران تھا کہ اس دہرے حفاظتی حصار کو توڑ کر کون اس کے فلیٹ تک پہنچ گیا تھا۔ اس سے بھی زیادہ تشویش ناک بات یہ تھی کہ عمارت کے داخلی دروازے پر ایس ٹی ایف کے دو آدمی موجود ہونے کے باوجود وہ نامعلوم افراد جہانگیر کو نکال لے گئے تھے اور ہمیں خبر نہیں ہو سکی تھی۔

کافی دیر کے دلاسے کے بعد سلمٰی اس قابل ہو سکی کہ کوئی بامعنی بات کر سکے۔ اس نے بتایا کہ وہ دونوں اس کے ہاتھ پشت پر باندھ کر اسے ایک باتھ روم میں ڈال گئے تھے۔ اس کے منہ پر مضبوط ٹیپ چپکا دیا گیا تھا۔ بندشیں ایسی تھیں کہ کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد سلمٰی اپنے ہاتھ آزاد کرانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

میں نے اندازہ لگایا کہ جہانگیر کو اغوا کر کے لے جانے والے سلمٰی کو کوئی گزند پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے اسے عارضی طور پر محبوس کیا تھا کہ وہ ان کی کارروائی میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈال سکے۔

وہ چاہتے تو اسے اس بری طرح جکڑ سکتے تھے کہ وہ سارے جتن کر کے بھی آزادی حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہونے پاتی۔ انہوں نے بندشیں دانستہ ڈھیلی رکھی ہوں گی تاکہ ان کے نکل جانے کے بعد سلمٰی رسیوں کی قید سے نجات پا کر وہ خبر آگے بڑھا سکے۔

سلمٰی نے اپنے ہاتھ آزاد کرانے کے بعد اپنے ہونٹوں پر مضبوطی سے چپکا ہوا ٹیپ ہٹایا تو رواں نچنے کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بہت زیادہ خوف زدہ تھی۔ پُرہول اندیشوں کی وجہ سے اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں۔

آنے والوں کے تیور شروع سے خراب اور جارحانہ تھے۔ وہ ان سے کسی بھلائی کی توقع نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد اپنے باتھ روم کی تنگ چار دیواری سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پوری قوت سے چیخ چیخ کر اپنے دل کا غبار ہلکا کر لے لیکن اندر کی کوئی قوت اسے ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔ خود پر قابو پا کر اس نے فلیٹ میں جہانگیر کی تلاش شروع کی۔ اس نے اپنے شوہر کو پکارنا چاہا لیکن اس کا حلق سوکھ چکا تھا۔ کوشش کے باوجود وہ اسے نہیں پکار سکی۔

اس نے دیوانہ وار گھر کا ایک ایک کونا چھان مارا لیکن جہانگیر کا کہیں پتا نہیں تھا۔ خوف سے سلمٰی کا دل بیٹھنے لگا اور پیٹ میں گرہیں سی پڑنے لگیں۔

اسے سارے پس منظر کا علم نہیں تھا لیکن وہ یہ بات اچھی طرح جان چکی تھی کہ میرا اور جہانگیر کا ماضی بڑی حد تک مشترک تھا۔ جہانگیر نے اپنی پرانی سرگرمیوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میرے خون کے پیاسے مجھ پر براہِ راست ہاتھ ڈالنے میں پے در پے منہ کی کھانے کے بعد آئے دن جہانگیر کو ہراساں کرتے رہتے تھے۔

سلمٰی کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ جہانگیر کا اغوا اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ وہ ایک مدت سے تمام سرگرمیوں سے تائب ہو کر خانہ نشین ہو چکا تھا۔ گولڈن فارمیسی کی تباہی کے بعد اس کی کاروباری مصروفیت ختم ہو چکی تھی اور وہ اپنا سارا وقت گھر میں گزارنے لگا تھا۔ کسی سے اس کی دشمنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

سلمٰی نے بلڈنگ میں کوئی ہنگامہ برپا کرنے کے بجائے اپنے حواس یک جا کرنے کی کوشش کی۔ پانی کے چند گلاس پی کر خوف اور کپکپی پر قابو پایا اور پھر میرا نمبر ملا لیا۔

وہ نہایت ذہانت سے کام لے کر اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اس معاملے میں میرے مشورے کے بغیر اس نے کوئی قدم اٹھایا تو اس کے لیے پیچیدہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

میں سلمٰی کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا لیکن اول خان اس کی زبان سے جہانگیر کے اغوا کی خبر سنتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ڈرائنگ روم سے باہر نکلتے ہوئے اس کا چہرہ طیش سے لال بھبھوکا ہو گیا تھا۔

میری اور سلمٰی کی گفتگو ختم ہونے سے پہلے وہ واپس لوٹ آیا تھا۔ اس کے چہرے پر غصے کے بجائے تشویش کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس کے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا مختصر سا ٹرانسمٹر دیکھ کر مجھے یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوئی کہ اس نے ڈرائنگ روم سے جا کر اپنے ان آدمیوں سے باز پرس کی تھی جو جہانگیر کے فلیٹ کی دیکھ بھال اور نگرانی پر مامور تھے۔

میں نے سلمٰی کو تسلی دی کہ میں ذرا سی دیر میں اس کے گھر پہنچ رہا ہوں۔ میرے وہاں پہنچنے سے پہلے وہ کسی کے لیے اپنا دروازہ نہ کھولے۔

''ذرا ایک منٹ!'' میری آخری ہدایت مکمل ہوتے ہی اول خان مضطربانہ انداز میں بول پڑا۔

''اوہ! یہ کس کی آواز تھی؟'' [illegible] خان کی آواز سن کر سلمیٰ بہت زیادہ خوف زدہ ہوگئی ''معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہماری باتیں سن رہا ہے۔''

''بھڑکنے کی ضرورت نہیں ۔'' میں نے نرمی سے دلاسا دیا'' یہ اول خان کی آواز تھی۔ ہم لوگ اس وقت اسپیکر فون پر بات کررہے ہیں۔''

''ہاں...... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میری بات مکمل ہوتے ہی اول خان نے براہِ راست سلمیٰ سے کہنا شروع کیا'' میں نے اپنے دونوں آدمیوں کو فوری طور پر تمہارے پاس پہنچنے کی ہدایت کی ہے۔ وہ نیچے ڈیوٹی دے رہے تھے۔ میں ڈینی سے یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ کیا تم ان دونوں کے لیے بھی دروازہ نہیں کھولوگی۔''

''ہاں فی الحال انہیں بھی روک دو۔'' میں نے اول خان سے مخاطب ہوکر کہا'' اجنبی چہرے اس وقت سلمیٰ کے لیے مزید ذہنی خلفشار کا سبب بنیں گے۔ اس وقت اسے جانے بوجھے لوگوں کی رفاقت کی ضرورت ہے۔ میں تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے میں انہیں روک دیتا ہوں۔'' اول خان اپنا ایرپیس سنبھالتا ہوا دوبارہ ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

وہ گفتگو اسپیکر فون کے ذریعے لفظ بلفظ سلمیٰ کے کانوں تک پہنچ چکی تھی۔ مجھے ان الفاظ کو دہرانے کی حاجت نہیں تھی۔

''یہ بہت بُرا ہوا۔'' فون بند ہوتے ہی ویرا دبی زبان سے بولی'' اول خان کے آدمیوں کے موجود ہوتے ہوئے وہ لوگ جہانگیر کو نکال لے گئے یہ سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔ آخر وہ وہاں کس قسم کی دیکھ بھال کررہے تھے؟''

''اول خان کو تمہارے ان الفاظ کی بھنک مل گئی تو وہ برا مان جائے گا۔'' میں نے دھیمی آواز میں اسے سرزنش کی'' واقعے کی تفصیلات جانے بغیر کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ میرا تجربہ ہے کہ ایس ٹی ایف کے آدمی اپنے فرائض سے لمحہ بھر کے لیے غافل نہیں رہتے۔''

''غافل نہیں رہتے تو کیا جہانگیر فضا میں تحلیل ہوگیا؟'' ویرا نے میری بات کاٹ کر ترشی سے کہا'' وہ اسے کیسے نکال لے گئے؟''

''یہ بعد کی باتیں ہیں۔ جہانگیر کے گھر سے واپسی پر میں اس بارے میں کچھ کہہ سکوں گا۔'' میں نے روانگی کے ارادے سے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔ ''ذرا یہ بھی سوچنا کہ یہ کس کی حرکت ہوسکتی ہے۔ اس کی بازیابی کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہئے اور اس کی زندگی کو کتنا خطرہ درپیش ہے!'' ویرا نے میرے چلتے چلتے قدرے استہزائی انداز میں وہ نکات گنوائے۔

میرے ساتھ غزالہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم کہاں چلیں؟'' ویرا نے اس پر ناقدانہ نظریں ڈال کر پوچھا۔

''میرا جانا ضروری ہے۔ وہ ان کے گہرے دوست کی بیوی ہے۔ اس مشکل وقت میں اسے کسی عورت کے سہارے کی شدید ضرورت ہوگی۔'' غزالہ نے متانت سے کہا۔

''غزالہ کے ساتھ تم بھی چل سکتی ہو۔'' میں نے مڑکر ویرا کو پیشکش کی'' ویسے بھی آج تم ان لوگوں سے ملنا چاہ رہی تھیں۔''

''میرا موڈ نہیں ہے۔'' ویرا نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا'' عورتیں ہنستی مسکراتی اچھی لگتی ہیں۔ روتی پیٹتی ہوئی عورتوں سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ میں نے اس وقت سلمیٰ کا سامنا کیا تو زندگی بھر کے لیے میرے ذہن میں اس کا ماتمی سراپا نقش ہوکر رہ جائے گا۔ میں کسی بھلے وقت میں اس سے ضرور ملوں گی۔''

راہداری میں اول خان مل گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو جہانگیر کے دروازے سے لوٹنے کی ہدایت کردی تھی۔ وہ خود وہاں جاکر یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ اس کے آدمیوں کے ہوتے ہوئے جہانگیر کو کیسے اغوا کرلیا گیا۔

اس نے دونوں آدمیوں کو جہانگیر کے فلیٹ میں جانے سے روک دیا تھا لیکن انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ اپنے طور پر یہ معلوم کرنے کی کوششیں کریں کہ جہانگیر کو کس راستے سے عمارت سے باہر لے جایا گیا تھا۔

سلطان شاہ اور ویرا کو گھر پر چھوڑ کر ہم تینوں تیزی سے کلفٹن کی طرف روانہ ہوگئے۔

''یہ حرکت کس کی ہوسکتی ہے!'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اول خان الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

''اس وقت صرف سوبھراج میدان میں ہے۔'' عقبی نشست سے غزالہ نے جواب دیا'' وہ پہلے بھی جہانگیر کو اٹھوانے کی ایک ناکام کوشش کرچکا ہے۔''

''لیکن اس کے بعد اس نے ڈینی سے سمجھوتا کرلیا تھا۔'' اول خان فکرمندانہ لہجے میں کہا'' اس لڑائی میں وہ اپنے آدمی تیزی سے کھو رہا تھا۔''

''اس وقت وہ خود کو ہر طرف سے گھرا ہوا محسوس کررہا ہے اور اپنے بچاؤ کے لیے بری طرح ہاتھ پیر ماررہا ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس وقت اسے جہانگیر کی طرف دھیان دینے کا وقت کیسے مل سکا ہوگا۔" وہ معما میرے لیے بھی قابلِ غور تھا۔

"جب تک یہ اندازہ نہیں ہو جاتا کہ جہانگیر کو اغوا کرنے والے کون تھے' اس کی تلاش کی کسی کوشش میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکے گی۔" اول خان بولا۔

"ایک بات طے ہے کہ جہانگیر کی کسی سے دشمنی نہیں تھی۔ وہ ایک مدت سے گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا۔ ماضی قریب میں اس کے ساتھ جو واقعات پیش آئے ان کا صرف ایک سبب تھا کہ اس کے مجھ سے قریبی مراسم تھے۔ مجھ تک رسائی حاصل کرنے یا مجھے بلیک میل کرنے کے لیے کئی بار اس پر وار کیے گئے جو کارگر نہ ہو سکے۔"

"آثار بتا رہے ہیں کہ اس بار آپ کے دشمنوں کا وار کامیاب رہا ہے۔" چند لمحوں کے سکون کے بعد غزالہ بولی۔

"میرے دشمن سامنے ہیں۔ شاید الفا نے ذاتی طور پر کل کام دکھایا ہو لیکن اس وقت کراچی میں را والوں کی کمر ٹوٹ چکی ہے۔ وہ میرے خلاف کوئی منظم قدم اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں رہے ہیں۔ سوبھراج بظاہر مجھ سے دوستی کا دم بھر رہا ہے لیکن آثار بتا رہے ہیں کہ اس کی نیت میں فتور آ چکا ہے۔ امریکی ایجنسیوں کو بھی روزِ اول سے میری تلاش ہے لیکن ان کے اہل کاروں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کا خطرہ مول لینے کی ہمت کر سکیں گے۔" میں نے اپنے ذہن میں پکنے والی کھچڑی ان دونوں کے سامنے اگل دی۔

"امریکی اپنے مقصد کے حصول کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔" اول خان نے اختلافِ رائے کیا" وہ طاقت کے نشے میں چور ہیں اور بے غیرتی کے ساتھ ہر ملک کے قوانین بلکہ بین الاقوامی قوانین تک کی دھجیاں اڑانے پر تلے رہتے ہیں۔ چوری اور سینہ زوری ان کا وتیرہ بن چکا ہے۔ ان کو اتنی آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔"

"پچھلے کئی واقعات ہمارے سامنے ہیں۔" غزالہ نے اس کی تائید میں کہا" ان کے کمانڈوز نے سوبھراج پر ناکام قاتلانہ حملہ کیا اور شاید وہی آدمی سنیل کے گھر بھی پہنچے تھے۔ ان سے کوئی حرکت بعید نہیں ہے۔ انہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔"

"را کا مقامی نیٹ ورک ٹوٹ چکا ہے۔" اول خان نے پُرخیال آواز میں اپنی بات آگے بڑھائی" یہ کام سوبھراج یا پھر ٹام کا ہو سکتا ہے۔ سوبھراج اس وقت ہر طرف سے پھنسا ہوا ہے۔ اس کی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ گیری ہارٹ کے راستے سے ہٹ جانے کے بعد ٹام کے سر پر اپنی کارکردگی دکھانے کا بھوت سوار ہو گیا ہو۔"

"یہ ان لوگوں کی پہلی کوشش ہے!" غزالہ نے سوال کیا "ان کو جہانگیر کی قیام گاہ کا علم کیسے ہوا ہوگا؟"

وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میرے کان ان کی طرف لگے ہوئے تھے' ذہن اپنے طور پر الجھا ہوا تھا' نگاہیں سڑک پر مرکوز تھیں اور میں پورے دھیان اور توجہ کے ساتھ تیز رفتاری سے گاڑی چلانے میں مصروف تھا۔

"یہ کوئی اچنبھے والی بات نہیں ہے۔" اول خان کہہ رہا تھا کہ" جہانگیر کا موجودہ گھر پہلے سے ڈینی کے دشمنوں کی نظر میں ہے۔ سوبھراج کی طرف سے وہاں حملہ ہو چکا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اسی نے نک، گیری یا ٹام وغیرہ کو اس پتے سے آگاہ کیا ہو۔"

"یہ بعد کی بات ہو سکتی ہے۔ ابتدا میں ان لوگوں کو جہانگیر کا پتا معلوم ہوتا تو بن ڈیوڈ گولڈن فاریسی کو اپنے انتقام کا نشانہ بناتا' براہِ راست جہانگیر کے گھر پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا۔" غزالہ نے ایک معقول نکتہ اٹھایا۔

ان کی باتوں میں وقت کا زیادہ احساس نہیں ہوا اور تھوڑی دیر میں ہم کلفٹن کی اس عمارت تک پہنچ گئے جس کی اوپری منزل پر جہانگیر کی رہائش تھی۔

وہ ایک معقول احاطے میں گھری ہوئی عمارت تھی۔ احاطے میں داخلے کا طرف ایک راستہ تھا جس سے عمارت کے مکینوں کی گاڑیاں اندر جاسکتی تھیں۔ مہمانوں کو اپنی گاڑیاں اندر لے جانے کی اجازت نہیں تھی۔

عمارت کے سامنے کے رخ پر نچلی منزل کی دیواریں شفاف شیشے کی تھیں۔ عمارت کے استقبالیہ عملے اور محافظوں سے بچ کر کسی کا اندر داخل ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ ہر آنے جانے والا اس داخلی ہال سے گزرے بغیر کسی کی رہائش گاہ کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت وہاں کے حالات پُرسکون تھے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکی تھی کہ وہاں سے ایک شخص کو اغوا کیا جاچکا تھا۔ اول خان کے آدمیوں نے بھی اب تک اس پر خبر مل جانے کے بعد شاید کسی کو اپنے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔

ایس ٹی ایف کے دونوں سادہ پوش نوجوان باہر موجود تھے۔ جوں ہی ہماری گاڑی احاطے کی دیوار کے قریب رکی، وہ تیزی سے قریب آ گئے۔ ان کے بشروں سے ندامت اور شرمندگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ اول خان سے نگاہیں چار کرنے سے کترا رہے تھے۔

''سر! یہ عجیب واقعہ ہوا ہے۔'' ان میں سے ایک نے اپنا سر جھکا کر دھیمی آواز میں کہا ''ادھر سے کوئی مشکوک آدمی عمارت میں داخل نہیں ہوا۔ آپ سے بات ہونے کے بعد ہم نے جائزہ لیا تو ہمیں اس پچھلے دروازے کا مخصوص قفل ٹوٹا ہوا ملا ہے جس کا مقصد عمارت میں آگ وغیرہ لگنے کی صورت میں لوگوں کو نکلنے کا متبادل راستہ فراہم کرنا ہے۔''

وہ ایک چونکا دینے والی خبر تھی۔ اول خان نے پوری حاضر دماغی کے ساتھ ان سے چند سوالات کیے جن کے جوابات سے صورتِ احوال خاصی حد تک واضح ہوگئی۔

ایمرجنسی میں کام آنے والا دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا تھا۔ عمارت آباد ہونے کے بعد کبھی اس دروازے کے استعمال کی نوبت نہیں آئی تھی۔ دروازے میں لگے ہوئے قفل کی ساخت ایسی تھی کہ اسے باہر سے کھولنا ممکن نہیں تھا۔ کسی بھی ہنگامی ضرورت کے وقت اسے اندر سے ایک اشارے سے کھولا جاسکتا تھا۔ اس دروازے تک رسائی کے لیے اندر ہی ایک گردشی زینہ بنا ہوا تھا۔ جو ہر فلور کی راہداری سے ہوتا ہوا اوپر تک چلا گیا تھا۔

اس دروازے پر باہر کسی پہرے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی کیونکہ اس سے نکلنے والے بھی شیشے کی دیوار کے سامنے سے گزرے بغیر احاطے سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ ضرور ہوتا تھا کہ صبح سات بجے ڈیوٹی پر آنے والے عملے کا نگراں روزانہ اندر سے اس دروازے کو چیک کرنے کا پابند تھا۔ وہ ایک بار یہ ضرور دیکھتا تھا کہ عمارت کے اندر اگر کوئی ہنگامی صورتِ حال پیش آجائے تو وہ دروازہ اندر سے آسانی سے کھولا جاسکے۔

معمول کی اس دیکھ بھال کے علاوہ کسی نے اس دروازے پر کبھی زیادہ توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ایس ٹی ایف والوں نے اپنے طور پر بالا ہی بالا یہ معلوم کرلیا تھا کہ اس صبح بھی وہ دروازہ چیک کیا گیا تھا اور وہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ انہوں نے عمارت کے عملے کو اس بات کی بھنک نہیں لگنے دی تھی کہ جہانگیر کے اغوا ہونے کے بعد اس دروازے کا تالا ٹوٹا ہوا پایا گیا تھا جیسے اسے باہر سے زبردستی کھولا گیا ہو۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے ان دونوں اہل کاروں کی ذہانت کی وجہ سے ہمیں فلیٹ میں جانے سے پہلے یہ معلوم ہوچکا تھا کہ وہ واردات کس طرح رونما ہوئی ہوگی لیکن ایک نکتہ پھر بھی میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

آنے والے ہنگامی دروازہ استعمال کر کے حفاظتی عملے میں سے کسی کی نظروں میں آئے بغیر اوپر پہنچ گئے تھے۔ وہ جہانگیر کو اپنے ہمراہ لے کر اسی راستے سے نیچے اور عمارت سے باہر آئے ہوں گے۔ سوال یہ تھا کہ وہ احاطے سے باہر نکلنے میں کیسے کامیاب ہوئے!

احاطے سے باہر نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا جہاں چوبیس گھنٹے مسلح محافظ موجود رہتے تھے اور وہ آنے جانے والی گاڑیوں کو پہچان کر راستے کی رکاوٹ ہٹاتے تھے۔ یہ سمجھ میں نہ آنے والی بات تھی کہ وہ نامعلوم افراد ان چاق و چوبند محافظوں کو دھوکا دے کر کس طرح اندر آنے اور پھر جہانگیر سمیت باہر نکلنے میں کامیاب ہوئے۔

واردات کو خفیہ رکھ کر اور وہاں خوف و ہراس پھیلائے بغیر ایس ٹی ایف والے جو کچھ معلوم کرسکتے تھے وہ سامنے آچکا تھا۔ چھان بین کا دائرہ وسیع کیا جاتا تو بات پھیلنی یقینی تھی۔ سنسنی اور ہراس کے عالم میں ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا کہ اغوا جیسی بڑی واردات کی خبر پولیس سے کیوں چھپائی گئی ہے۔

اپنے طور پر تفتیش کرنے میں قوی اندیشہ تھا کہ سلمٰی اپنے پڑوسیوں کی تمام تر ہمدردیاں کھو کر شکوک وشبہات کی زد میں آجاتی۔

میری دانست میں اسپیشل ٹاسک فورس کے دونوں محافظوں سے کوئی سنگین غلطی نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے ابتدا سے ساری توجہ اس راستے پر مرکوز رکھی تھی جو عمارت میں عام آمدورفت کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ انہیں ایمرجنسی راستے کی موجودگی کا علم تھا نہ کسی نے اس کی نشان دہی کی تھی۔ جہانگیر کے اغوا کی خبر ملنے کے بعد وہ اس دروازے کی موجودگی دریافت کرنے میں کامیاب ہوئے تھے پھر بھی اول خان ان پر برہم تھا۔

اس کے ذہن میں وہی بات چبھ رہی تھی جو ویرا نے اس کی لاعلمی میں مجھ سے کہی تھی۔ اسے قلق تھا کہ اس کے آدمیوں کے ہوتے ہوئے ہمارے نامعلوم دشمن جہانگیر کو آسانی سے نکال لے گئے تھے اور ان کے فرشتوں کو بھی اس واقعے کا علم نہیں ہوسکا تھا۔

وہ دونوں سعادت مند ماتحتوں کی طرح سر جھکا کر اول خان کی لعن طعن سنتے رہے پھر میں اول خان کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

مجھے جہانگیر کے اغوا پر سخت تشویش تھی۔ اسے لے جانے والے اپنا مہمان بنا کر نہیں لے گئے تھے۔ ان کے مذموم عزائم صاف ظاہر تھے۔ مجھے یقین تھا کہ جہانگیر کو ہوش میں آتے ہی

ان کے بدترین تشدد کا سامنا کرنے پڑے گا۔ مجھے قدرے اطمینان اس بات سے تھا کہ جہانگیر کی زندگی کو کوئی فوری خطرہ لاحق نہیں تھا۔ وہ لوگ اسے مارنا چاہتے تو فلیٹ ہی میں اس کا کام کر دیتے۔ اسے لاد کر اپنے ساتھ لے جانے کا خطرہ ہرگز مول نہ لیتے۔

ہم جہانگیر کے فلیٹ پر پہنچے تو سلمٰی خوف اور دہشت کے عالم میں ہماری منتظر تھی۔ میں نے دروازے پر دستک دینے کے ساتھ جہانگیر کا نام پکارا۔ اسے نیچے سے انٹر کام پر ہماری آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے میری آواز پہچان کر دروازہ کھول دیا۔

خوف سے اس کا چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا۔ آنکھوں میں دہشت رچی ہوئی۔ ہم تینوں کو اپنے سامنے پا کر اس کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ بے اختیار غزالہ سے لپٹ گئی۔

وہ ہچکیوں اور سسکیوں کے ساتھ رو رہی تھی اور شکستہ فقروں کی صورت میں اس قیامت کا بیان کرتی جا رہی تھی جو اس پر گزر چکی تھی۔

کافی دیر کے بعد غزالہ اسے دلاسا دے کر الگ کرنے میں کامیاب ہو سکی۔ سلمٰی کے چہرے پر ویرانی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ اس کی حالت ایسی کسی نئی سہاگن سے مختلف نہیں تھی جو تازہ تازہ بیوہ ہوئی ہو۔

جہانگیر اور سلمٰی کبھی قابلِ رشک میاں بیوی نہیں رہے تھے۔ دونوں میں ذرا ذرا سی بات پر کھٹ پٹ ہوتی رہتی تھی۔ حد یہ تھی کہ سلمٰی میرے سامنے بھی جہانگیر کی شکایتیں کرنے کا موقع ضائع نہیں کرتی تھی لیکن اس وقت سلمٰی کا بے ساختہ ردِ عمل یہ ظاہر کر رہا تھا کہ چھوٹی موٹی جھڑپوں کے باوجود وہ دل و جان سے ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔

جہانگیر کے اغوا کا واقعہ بہت مختصر تھا۔ وہ ہتھیاروں کے زور پر زبردستی اندر آئے، سلمٰی کو بے بس کیا اور جہانگیر کو لے گئے۔ سلمٰی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ دونوں اس کے شوہر کو کس طرح لے گئے تھے۔ اصل واردات کے وقت وہ باتھ روم میں بے بسی کی حالت میں پڑی اپنی رہائی کی کوششیں کر رہی تھی۔

روبرو گفتگو میں اس سے صرف ایک کام کی بات معلوم ہوئی کہ دونوں افراد کسی قسم کے میک اپ میں نہیں تھے۔ سلمٰی نے انہیں اچھی طرح پہچان لیا تھا اور دوبارہ سامنا ہونے کی صورت میں آسانی سے انہیں شناخت کر سکتی تھی۔

ان دونوں کے چہرے عام آدمیوں جیسے تھے۔ دونوں توانا اور جان دار نظر آ رہے تھے اور ریوالوروں سے مسلح تھے۔ انہوں نے آتے ہی اپنے کام سے کام رکھا تھا۔ سلمٰی خوب رو اور متناسب بدن کی مالک تھی لیکن ان دونوں میں سے کسی نے اس کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔ انتہائی سپاٹ انداز میں اسے بے بس کر کے بے رخی سے باتھ روم میں بند کر دیا۔

خاصی تفصیلی جرح کے بعد وہ یہ بتا سکی کہ ان میں سے ایک کے داہنے جبڑے پر کان سے لے کر دہانے تک کسی پرانے زخم کا نشان تھا جس کی چکنی جلد بالوں سے یکسر محروم تھی۔

وہ ایک بڑی اور واضح نشانی تھی جس کے سہارے مجرموں کا کھوج لگایا جا سکتا تھا۔

باہمی مشورے کے بعد اول نے علاقے کی پولیس کو اس واقعے سے باخبر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کچھ ہونا یا نہ ہونا بعد کی بات تھی، ہم تینوں کی رائے میں اس واقعے کا ریکارڈ پر آنا ضروری تھا۔

اول خان نے فون پر علاقے کے تھانے سے رابطہ کیا تو تھانے دار موجود نہیں تھا۔ اول خان نے اپنے مختصر تعارف کے بعد سب انسپکٹر کو واقعے سے آگاہ کر دیا۔

اول خان اور ایس ٹی ایف کے تذکرے کی وجہ سے مشکل مرحلہ بہت آسان ہو گیا۔ ذرا سی دیر میں تھانے دار اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ وہاں آ موجود ہوا۔

تھانے دار نے کسی جرح کے بغیر وہ واقعہ سنا۔ سلمٰی سے چند سوالات کئے اور پھر اس کا مختصر بیان قلم بند کر کے واپس چلا گیا۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اول خان نے رسمی کارروائی پوری کرنے کی غرض سے تھانے کو واقعے سے آگاہ کیا تھا اور نہ ایس ٹی ایف اس واردات کا کھوج لگانے کی پوری طرح اہل تھی۔ اس کی نگاہ میں دو نکات اہم تھے۔ اول یہ کہ مجرم عمارت سے پہلے احاطے میں گھسنے میں کیسے کامیاب ہوئے جب کہ احاطے کا راستہ ہر وقت نگرانی میں رہتا تھا۔ دوئم یہ کہ وہ عمارت میں سے ایک شخص کو زبردستی اپنے ساتھ لے جانے میں کیسے کامیاب ہوئے۔

تیسرا نکتہ اسے میں نے سمجھایا۔ سلمٰی کی کہانی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہاں آنے والے پیشہ ور مجرم تھے اور پولیس کے محکمے میں ان کا ریکارڈ ہونا چاہئے تھا۔ اس ریکارڈ کی چھان بین کر کے زخمی چہرے والے مجرم کی نشان دہی ہو سکتی تھی۔ اگر وہ سامنے آ جاتا تو اس کیس کی باقی کڑیاں بھی آسانی سے یکجا کی جا سکتی تھیں۔

تھانے دار نے جاتے جاتے بہت خلوص کے ساتھ وعدہ

کیا تھا کہ وہ اپنی ساری توجہ اس واقعے پر مرکوز کر کے اول خان کو جلد از جلد اپنی تفتیش کے نتائج سے آگاہ کرے گا۔
جہانگیر کے اغوا ہو جانے کے بعد سلمیٰ اکیلی رہ گئی تھی۔ وہ بہت پریشان اور خوف زدہ تھی۔ جب غزالہ نے اسے اپنے ساتھ لے جانے کی پیشکش کی تو وہ بلا پس و پیش ہمارے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوگئی۔
ہماری واپسی پر پوری عمارت کا ماحول بدلا ہوا تھا۔ جہانگیر کے اغوا کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل چکی تھی۔ پولیس والوں نے اپنے روایتی انداز میں گراؤنڈ فلور پر واقع منتظم کے کمرے میں اپنا ڈیرا جمایا ہوا تھا جہاں پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری تھا۔
پولیس والوں کا اپنا طریقۂ کار ہوتا ہے۔ ہمیں اس میں دخل انداز ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کو اطلاع دے کر ہم نے اپنی قانونی ذمے داری پوری کر دی تھی۔ اگر وہ جہانگیر کی بازیابی کے سلسلے میں کوئی راہ تلاش کر لیتے تو ہمارا کام آسان ہو سکتا تھا ورنہ یہ سامنے کی بات تھی کہ ہمیں جو کچھ کرنا تھا اپنے طور پر کرنا تھا۔
واپسی سے پہلے اول خان نے اپنے دونوں آدمیوں کو کچھ ہدایات دیں پھر ہم وہاں سے گھر کے لیے روانہ ہوگئے۔
سلمیٰ اپنے شوہر کے اغوا کی عینی شاہدہ تھی۔ خوف اس کے دل میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس پر ایسی شدید رقت طاری تھی کہ وہ بات بات پر روئے جا رہی تھی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ ویرا نے روتی ہوئی عورتوں کے بارے میں کوئی فرضی بات نہیں کہی تھی۔ روتی ہوئی عورت واقعی اپنی ساری کشش کھو بیٹھتی ہے۔
ہم گھر پہنچے تو ویرا نے بڑی ہمدردی کے ساتھ سلمیٰ کا استقبال کیا لیکن میں اس کے ابتدائی تاثر سے بھانپ چکا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ سلمیٰ کی آمد سے خوش نہیں تھی۔ اس نے ہمارے ساتھ جانے سے انکار کر کے جس صورت حال سے بچنے کی کوشش کی تھی وہ آخر کار اس کے سر پر مسلط ہوگئی تھی۔
''تمہاری دانست میں یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے؟'' سلمیٰ کے کچھ پرسکون ہو جانے کے بعد ویرا نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔
''میرے لیے وہ ناگہانی آفت تھی جو اچانک نازل ہوگئی۔ مجھے اس کے سر پیر کا کوئی علم نہیں ہے'' سلمیٰ نے بے چارگی سے جواب دیا ''یہ ڈینی سے ان کی دوستی کا شاخسانہ ہو سکتا ہے۔ ان کی کسی سے دوستی یا دشمنی نہیں تھی۔''
''تم کیا کہتے ہو اس بارے میں؟'' ویرا کا رخ میری طرف ہوگیا۔
''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا'' میں نے سلمیٰ سے نظریں بچا کر ویرا کو آنکھ مارتے ہوئے کہا ''اس وقت ایسے سوالات سے سلمیٰ کو پریشان نہ کرو۔ وہ ایک بھیانک تجربے سے دوچار ہوئی ہے۔ اس وقت اسے آرام اور ذہنی سکون کی ضرورت ہے۔''
''میں بہت زیادہ تھکن محسوس کر رہی ہوں'' سلمیٰ نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میں کئی آدمیوں سے لڑ کر آئی ہوں۔''
''ان بدمعاشوں نے تمہارے ساتھ چھیڑ چھاڑ بھی کی ہوگی'' ویرا ہر وقت گھات میں لگی رہتی تھی۔ سلمیٰ کی بات سے اسے ایک نیا موضوع مل گیا۔
''نہیں!'' سلمیٰ کے جواب نے ویرا کے تجسس پر اوس ڈال دی۔ وہ کہہ رہی تھی ''اس وقت وہ دونوں غالب تھے۔ جو چاہتے، کر سکتے تھے لیکن خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے مجھے بے بس کرنے کے باوجود میرے ساتھ کوئی گھٹیا حرکت نہیں کی۔''
''اس بات سے ثابت ہو رہا ہے کہ وہ پرانے اور عادی مجرم تھے۔ اناڑی کسی گھر میں گھستے ہیں تو عورتوں کو اپنی تحویل میں پا کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اپنا اصل مقصد پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ان عورتوں کو ستانا اور ان کی تذلیل کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں'' اول خان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اپنا مشاہدہ بیان کیا۔
''یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی'' میں نے ہاتھ اٹھا کر اونچی آواز میں کہا پھر غزالہ سے مخاطب ہوگیا۔ ''چوتھا بیڈ روم خالی ہے۔ ضرورت کی چیزیں مہیا کر کے سلمیٰ کو وہاں پہنچا دو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جہانگیر کی بازیابی کے لیے کیا، کیا جا سکتا ہے؟''
''وہ دونوں اپنی شکلوں سے سفاک اور خونی لگ رہے تھے'' سلمیٰ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی ''ان کا سراغ لگاؤ۔ مجھے ہول آ رہے ہیں کہ ان تک پہنچنے میں دیر ہوئی تو کہیں وہ مار مار کر ان کو ہلاک نہ کر دیں۔''
''تم بے فکر رہو'' میں نے بڑھ کر اس کے شانے پر ہلکی سی تھپکی دی ''اس وقت ہمارے سامنے سب سے مقدم کام یہی ہے۔''
''میں نے اپنے دونوں آدمیوں سے کہہ دیا ہے کہ وہ پولیس والوں کے ساتھ مل کر کام کریں تاکہ ہم جلد از جلد جہانگیر تک پہنچ سکیں'' اول خان نے اسے یقین دہانی کرائی۔
غزالہ اسے لے کر خالی بیڈ روم کی طرف چل دی۔

''مجھے اس بے چاری سے بہت ہمدردی ہے'' اس کے چلے جانے کے بعد ویرا نیچی آواز میں بولی ''لیکن میں کیا کروں، مجھے رونی صورتیں اچھی نہیں لگتیں......''

''خدا کا شکر ادا کرو کہ اس گھر میں چار بیڈ روم ہیں۔ چوتھا کمرا خالی نہ ہوتا تو ساری مہمان داری تمہارے سر آتی'' سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''کیا مطلب!'' ویرا نے تیزی سے پوچھا۔

''سلمٰی کو تمہارے کمرے میں آباد کیا جاتا۔ یہاں ایک تم ہی فالتو عورت ہو۔''

وہ ایک ان ہونی سی بات تھی، سلمٰی کا مسئلہ طے ہو چکا تھا مگر بات سلطان شاہ نے کہی تھی اس لیے ویرا کا چٹخنا ضروری تھا۔ وہ بلاتوقف بولی ''یہاں صرف میں ہی نہیں ہوں۔ غزالہ بھی اسی گھر میں رہتی ہے۔''

''وہ شوہر والی ہے۔ ڈینی کے ساتھ رہتی ہے۔ تم اپنے ڈبل بلکہ کنگ سائز بیڈ پر اکیلی سوتی ہو۔ سلمٰی کے لیے تمہارا ہی کمرا موزوں رہتا۔''

ان دونوں کی بحث آگے بڑھنے کے آثار واضح تھے۔ میں نے سختی سے مداخلت کر کے دونوں کو خاموش کر دیا ''تم کو ذرا بھی احساس نہیں ہے کہ وہ اس چھت کے نیچے ہماری مہمان ہے۔ اسے تم دونوں کی ان واہیات باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو وہ کس قدر آزردہ ہوگی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ جہانگیر کی بازیابی کے لیے فوری طور پر کیا، کیا جائے؟'' اول خان نے بائیں ہاتھ سے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

''فی الحال انتظار کے سوا کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ میں سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں کہ زخم کے نشان والے کی تلاش میں شہر کے بدنام علاقوں کا چکر لگاؤں۔ شاید وہاں سے اس کا کوئی سراغ مل سکے'' میں نے شکست خوردہ انداز میں جواب دیا ''زیرِزمین دنیا میں وہ اپنے چہرے کے نشان کی وجہ سے آسانی سے پہچانا جاتا ہوگا۔''

''کوفت اور وقت کی بربادی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا'' اول خان بولا ''تم جانتے ہو کہ مجرموں کی برادری میں بہت ایکا ہوتا ہے۔ وہ آسانی سے ایک دوسرے کے خلاف زبان نہیں کھولتے۔''

''میں جہانگیر کے لیے ہر مشکل کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

''تم جذباتی ہو رہے ہو'' اول خان نے ناصحانہ انداز میں مجھے سمجھایا ''تم کسی ایک آدھ آدمی کو تاڑ کر اپنے تشدد کا نشانہ بناؤ گے۔ تمہیں آخر تک اندازہ نہیں ہو سکے گا کہ وہ تمہارے مطلوب آدمی سے واقعی لاعلم ہے یا جان بوجھ کر جھوٹ بول رہا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہم سب سر سے کفن باندھ کر اسی وقت جہانگیر کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں۔ ہمیں جلد از جلد اس واردات کا کوئی سرا تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔''

''کیوں نہ سوبھراج کو ٹٹولا جائے؟'' ویرا نے تجویز پیش کی۔

اس کا مشورہ بہت صائب تھا۔ سیاہ اکارڈ کی واپسی کے مرحلے پر سوبھراج کی بدنیتی کھل کر میرے سامنے آچکی تھی۔ وہ منہ پر میری دوستی کا دم بھر رہا تھا لیکن میری طرف سے اپنے دل میں کینہ لیے بیٹھا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح میرا کام تمام کر کے اپنے امریکی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرلے تاکہ اسے سکون سے اپنی بقیہ زندگی گزارنے کا حق مل سکے۔

یہ اور بات تھی کہ اس نے فون پر بھرپور منافقت کا مظاہرہ کر کے ایک مرتبہ پھر میری خیر خواہی کے دعوے کیے تھے۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ میں اس سے بذاتِ خود ملا تھا۔ وہ مجھے، میرا بھیجا ہوا کوئی حریص آدمی تصور کر رہا تھا۔

پاکستان کے قانون سے اسے اسی وقت تک خطرہ لاحق تھا جب تک وہ پاکستان میں رہ رہا تھا۔ پاکستان سے کسی اور ملک میں جانے کے بعد اسے اس خطرے سے نجات مل سکتی تھی لیکن امریکی سی آئی اے والوں سے اسے دنیا کے کسی گوشے میں امان نہیں مل سکتی تھی۔

شاید وہ پاکستان چھوڑنے سے پہلے مجھے ختم کر کے اپنے امریکی دشمنوں کی خوشنودی حاصل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ ایک ادھوری اور ناکام کوشش کے بعد اگر اس نے کسی کو جہانگیر کے پیچھے لگا دیا تھا تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔

''کچھ نہ کرنے سے بہتر ہے کہ سوبھراج کو دیکھ لیا جائے'' میری سوالیہ نظریں اپنے چہرے پر مرکوز پا کر اول خان نے ویرا کی تائید کی۔

میں نے وقفے وقفے سے تین مرتبہ سوبھراج کا سیٹلائٹ فون نمبر ملایا اور تینوں مرتبہ لائن انگیج ملی۔ میری دانست میں یہ امکان نہیں تھا کہ وہ کسی سے اتنی طویل گفتگو کر رہا ہو۔ مجھے سیٹلائٹ فون کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں تھیں لیکن میرا اندازہ تھا کہ سوبھراج نے اس وقت کسی مصروفیت کی بنا پر اپنا فون بند کیا ہوا تھا۔

''ایسا تو نہیں کہ وہ پاکستان سے فرار کے سفر پر نکل کھڑا

ہوا ہو'' سلطان شاہ نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔
''اگر وہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث ہے تو ایسا ہونا ممکن نہیں ہے'' میں نے وثوق سے کہا ''وہ یہاں رک کر پورے قصے کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا، اس کے بعد اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے گا۔''
''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ اس وقت جہانگیر سے باز پرس میں مصروف ہو'' ویرا نے تشویش آمیز لہجے میں خدشہ ظاہر کیا۔
اس کے جواب میں کوئی کچھ نہ بولا۔ جہانگیر سے پرتشدد باز پرس کا تصور اس قدر اندوہناک تھا کہ ہم میں سے کوئی اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔
''یہ مسئلہ اچانک سامنے آجانے سے الفا کا معاملہ پس پشت چلا گیا ہے'' کچھ دیر کی بوجھل خاموشی کے بعد اول خان نے جھجکتے ہوئے زبان کھولی ''پولیس کی تحویل میں آنے والی، امریکی ساخت کی طاقتور رائفل کا ذکر سن کر تم چونک گئے تھے۔''
''مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے دشمنوں کا دائرہ بار بار پھیلتا اور سکڑتا جا رہا ہے'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے انداز میں جواب دیا۔
''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔
''بہت سیدھی سی بات ہے، کبھی وہ ایک دوسرے سے الگ نظر آتے ہیں اور اپنے اپنے انداز میں وار کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں، کبھی یکجا ہو جاتے ہیں۔''
''تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا؟'' اول خان نے پوچھا
''میں نے تم سے امریکی رائفل کے بارے میں ایک چھوٹا سا سوال پوچھا تھا۔''
''امریکی رائفل کے ذکر پر میرے ذہن میں ایک مفروضے نے سر ابھارا تھا'' میں نے نیچی آواز میں جواب دیا ''الفا بے یار و مددگار تھا۔ اس کا اکلوتا ساتھی پراسرار طور پر غائب ہو چکا ہے۔ سوبھراج نے اس کی مدد کرنے سے پہلو تہی اختیار کی ہوئی ہے۔ اسے ہر قیمت پر اپنا مشن مکمل کرنا تھا۔ اس کے سامنے ایک ہی راستہ باقی رہ گیا تھا جو اس نے اختیار کرلیا۔''
''امریکی رائفل اور ایک ہی راستہ!'' ویرا کی سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری پھر اس نے بے ساختہ کہا ''کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ الفا نے آخری در قسمت آزمائی کے ارادے سے کسی امریکی سے رجوع کیا اور وہ لوگ اس کی مدد کرنے پر آمادہ ہوگئے؟''
''میں بالکل یہی کہنا چاہ رہا ہوں'' میں نے اس کی تائید کی۔
''الفا سے اندازے کی ذرا سی غلطی ہوگئی'' سلطان شاہ بولا ''چارلی کے پکڑے جانے تک حالات کچھ اور تھے۔ اب سوبھراج کے دل میں بے ایمانی آگئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اب وہ الفا کی مدد کرنے پر آسانی سے آمادہ ہو جاتا۔''
''وہ ہرگز آمادہ نہ ہوتا۔ سوبھراج اس وقت دہری چال چل رہا ہے۔ وہ ایک طرف میری دوستی کا دم بھر رہا ہے اور دوسری طرف میرا کام تمام کرنے کی فکر میں ہے۔ اس مشن کے پیش نظر وہ کوئی اور ذمے داری قبول نہیں کرے گا۔'' میں نے جواب دیا۔
''تم نے سوبھراج کا ذکر کہاں نکال لیا'' ویرا نے چڑ کر سلطان شاہ سے کہا پھر مجھ سے مخاطب ہوگئی ''ہاں، تو الفا کے بارے میں تمہاری تھیوری کیا کہتی ہے؟''
''اسے نہ صرف ہتھیار فراہم کیے گئے بلکہ یہ بھی بتا دیا گیا کہ آج اسلام آباد سے کچھ اہم سرکاری شخصیات کراچی آرہی ہیں۔''
''اس معاملے میں رازداری سے کام لیا جا رہا تھا'' سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر اعتراض کیا۔ ''انہیں ہماری اہم شخصیات کی نقل و حرکت کی اطلاع کیسے مل گئی؟''
''سفارتی حلقوں کے اپنے ذرائع ہوتے ہیں۔ امریکی ان ذرائع سے تجاوز کرکے جاسوسی کے فراق میں بھی رہتے ہیں۔ پروگرام پہلے سے طے تھا۔ جلال کی کوششوں کے نتیجے میں ان کی آمد کے اوقات میں خاموشی سے تبدیلی کی گئی تھی۔ الفا کے لیے انتظار کرنا مشکل نہیں تھا۔''
''الفا کا نشانہ خطا ہوگیا لیکن اس کا ناکام قاتلانہ حملہ ہم سب کے لیے ایک کھلا چیلنج ہے'' سلطان شاہ بولا ''شہر کی سڑکوں پر جب حکمراں محفوظ نہیں ہیں تو عام آدمی کس گنتی میں ہیں۔ الفا جیسے دہشت گرد جب چاہیں، شہر کے حالات بگاڑ سکتے ہیں۔''
''تم نے صحیح رائے قائم کی ہے۔ الفا کو اپنا مشن پورا کرنے کے لیے وسائل کی ضرورت تھی'' ویرا نے کہا ''امریکیوں کے پاس سارے وسائل موجود ہیں، افرادی قوت کا قحط ہے۔ دونوں نے مل کر آج کے لیے ایک خونین ڈرامے کی تیاری کی تھی۔ یہ آنے والے وی آئی پی کے مقدر کی خوبی تھی کہ الفا کا نشانہ خطا ہوگیا۔''
''صرف امریکیوں کا ذکر کرنے سے بات ختم نہیں ہو جاتی۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ الفا نے کس سے رابطہ کیا

ہوگا؟'' سلطان شاہ بولا۔
''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' میں نے رسانیت سے سوال کیا۔
''نک ہاروے اپنے فلیٹ میں مارا گیا۔ گیری ہارٹ زخمی حالت میں سمندر میں غرق ہوگیا۔ اب لے دے کر ٹام ہی رہ گیا ہے۔ الفانے اس سے کیسے رابطہ کیا ہوگا؟''
سلطان شاہ کا وہ سوال سطحی تھا۔ ضروری نہیں کہ الفانے براہِ راست ٹام ہی سے رابطہ کیا ہو۔ وہ اپنی پیشہ ورانہ معلومات کی روشنی میں کسی بھی امریکی اہل کار سے رابطہ کرتا، وہ تخریبی مقاصد کے حصول کے لیے اسے ٹام تک پہنچا دیتا۔
ٹام پاکستان میں سی آئی اے کا نمائندہ تھا اور یقینی طور پر ایف بی آئی والوں کے ساتھ قریبی روابط رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دفاتر الگ الگ ہونے کے باوجود وہ ایف بی آئی کے نک ہاروے کے ساتھ ایک ہی فلیٹ میں رہتا تھا۔
نک ہاروے، شیر دل کے بھیجے ہوئے ایک قاتل کے ہاتھوں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا تو اس واقعے میں ٹام بھی زخمی ہوا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے نک کا تابوت اپنے وطن روانہ کیا تھا۔ نک کا جانشین گیری ہارٹ تھا جسے ٹام نے زخمی حالت میں اسٹریچر پر اومان کے امریکی اسپتال کے لیے رخصت کیا تھا۔ یہ گیری کی بدنصیبی تھی جو پورے جہاز اور اس کے مسافروں کو بحیرۂ عرب میں لے ڈوبی تھی۔
مقامی قیادت کی ان تبدیلیوں کی وجہ سے ایف بی آئی والوں کو ٹام کی اعانت کی سخت ضرورت تھی۔ حالات کی بنا پر اس کی پوزیشن خود بخود مضبوط ہوتی چلی گئی تھی۔ گیری کے بعد عملی طور پر وہ ایف بی آئی کے معاملات کا بھی نگراں بن گیا تھا۔ یوں پاکستان کے خلاف پروان چڑھنے والی ہر امریکی سازش کا روحِ رواں تھا۔ بات کہیں سے بھی چلتی، فیصلہ کن شخصیت کے طور پر آخری ذمے داری اسی کے سر آتی اس لیے اس بات پر سر کھپانا بے سود تھا کہ الفانے ٹام سے رابطہ کیسے کیا ہوگا۔
پاکستان کے مفادات کے خلاف سی آئی اے، ایف بی آئی، را اور سوبھراج کا گٹھ جوڑ بہت خطرناک تھا۔ سازشی افراد کا وہ ٹولا بہت دیدہ دلیری کے ساتھ پیش رفت کر رہا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ ہم نے اپنی کوششوں سے اس اتحاد میں دراڑیں ڈال دی تھیں اور نک یکا یک سوبھراج کے خون کا پیاسا ہوگیا تھا۔
میں ان خیالات کی رو میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔
''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔'' رابطہ ہوتے ہی کسی تمہید کے بغیر میرے کانوں میں ٹام کی سرد آواز آئی۔
''تم کون بول رہے ہو؟'' میں نے اسے اس کی اوقات یاد دلانے کے لیے سپاٹ بلکہ چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔
''کرنل! میرا خیال ہے کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے افسران زیادہ غیر ملکیوں سے میل جول نہیں رکھتے!'' اس کی طنزیہ آواز ابھری۔
''اوہ...... تو یہ تم ہو!'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''بعض سرکاری شعبوں میں امریکی اور غیر ملکی مشیر آجانے سے ہمارے رابطے بڑھ گئے ہیں۔ اس وقت میں تمہاری آواز نہیں پہچان سکا تھا۔ تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟''
''یہ بہت ضروری ہے کرنل۔'' اس نے زور دے کر کہا ''ہوسکے تو اسی وقت میرے دفتر آجاؤ۔ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔''
''ٹام! تم میرے تحفظات سے خوب واقف ہو۔ میں تم سے تمہارے دفتر میں نہیں مل سکتا۔ ایڈی ہاک اور گیری سے میری ملاقاتیں کھلے مقامات پر ہوئی تھیں جہاں کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ دوسری اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ میری اپنی بھی ذمے داریاں ہیں فی الحال میں مصروف ہوں، وقت نہیں نکال سکتا۔''
''اس وقت مصروف ہو تو کل صبح مل لو مگر میرے دفتر میں نہ آنے والی بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔'' وہ بولا۔
''یہ پرانی بات ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں تلوار کی دھار پر چل رہا ہوں۔ میرے بڑے یہ بات پسند نہیں کریں گے کہ میں غیر ملکی ایجنسیوں کے ملازمین سے اپنا میل جول رکھوں۔ مجھے اپنی حفاظت کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے۔''
''پتا نہیں یہ خوف تمہارے دل سے کیوں نہیں نکلتا۔ ہم لوگ تمہیں کھا نہیں جائیں گے۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔
''کوئی کسی کو نہیں کھاتا۔ زد پر آجائے تو بس ذرا سا مروا دیتا ہے۔ نک اور گیری دونوں مرچکے ہیں لیکن وہ کبھی یہ بات واضح نہیں کرسکے کہ وہ مجھ سے دوستی رکھنا چاہتے ہیں یا مجھے بلیک میل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔''
''میری کوشش ہوگی کہ میں ایسی غلط فہمیوں کو دور کرسکوں۔ تم سے کئی بار میرا آمنا سامنا ہوا ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ میں دوسروں کے معاملات میں اپنی ٹانگ نہیں اڑاتا۔ سر جھکا کر اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔''
''سچی بات یہ ہے کہ میں نے تمہارے بارے میں کبھی

سوچنے کی کوشش نہیں کی۔ جن لوگوں کے بارے میں غور کیا انہیں اپنی میزان پر پورا نہیں پایا۔'' میں نے اس بار بھی اس کی اہمیت گھٹانے کے موقع سے فائدہ اٹھالیا۔

''ملتے رہو گے تو میری طرف سے تمہارا ذہن صاف ہوجائے گا۔ میں دوست بناتا ہوں یا دشمن۔ بیچ کا راستہ مجھے پسند نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ کل کس وقت اور کہاں مل رہے ہو؟'' اس نے میری بات کا برا منائے بغیر سوال کیا۔

''دوستی اور دشمنی کا اصول تمہارے پیشے سے میل نہیں کھاتا۔ اس میں منافقت اور دھوکے بازی سے بڑی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں!''

''تم بھی کسی حد تک میرے ہم پیشہ ہو۔ ان باتوں کو چھوڑ دو۔ یہ بہت دور نکل جائیں گی۔ مجھے ملاقات کے بارے میں بتاؤ۔'' وہ میری بات ٹال کر اپنے سوال پر اڑا رہا۔

''تم شہر میں رونما ہونے والے بدترین واقعے سے بے خبر تو نہیں ہو گے!'' میں نے پوچھا۔

''اہم واقعات سے باخبر رہنا میرے فرائض میں داخل ہے۔ تم کس واقعے کا ذکر کر رہے ہو۔ آج شہر میں دو اہم واقعات نے جنم لیا ہے۔ ایک ناکام قاتلانہ حملہ اور دوسرا ایک ڈاکٹر کا قتل۔ تمہاری سرکار کو ڈاکٹر کے قاتل کا پتا ہے اور نہ قاتلانہ حملہ کرنے والے کا!''

''ڈاکٹر صادق کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟'' میں نے اچانک پوچھ لیا۔

''فی الحال وہی جانتا ہوں جو اخباروں میں چھپا ہے۔'' اس نے جواب دیا''میں کہہ رہا ہوں کہ فون پر یہ سب باتیں نہیں ہوسکتیں۔ ملاقات کا وقت طے کرلو۔ ہم دونوں کو اپنے بہت سے سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔''

''ابھی تم نے حکومت کی بے خبری کے بارے میں بہت عامیانہ سا طنز کیا تھا۔'' میں نے اپنی خلش دور کرنے کے لیے کہا''تم ایک ذمے دار افسر ہو۔ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ عام طور پر حکومتیں اتنی بے خبر نہیں ہوتیں جتنی اخباری اطلاعات میں نظر آتی ہیں۔''

''اوہ...... تمہیں میری بات بری لگ گئی میں تم کو حکومت کا کوئی کل پُرزہ نہیں سمجھتا۔ تمہاری فورس ایک انوکھی فورس ہے جو بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ بھی نہیں ہے۔''

''گیری کے سینے میں میری فورس کے بارے میں معلومات کا ایک خزانہ دفن تھا جسے وہ خاص موقع پر استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اس بے چارے کی بدنصیبی دیکھو کہ اپنی ساری معلومات سمیت سمندر کی تہ میں ڈوب کر مر گیا یہ فورس جو کچھ بھی ہے اس کے بارے میں تم لوگوں کی معلومات قابلِ رشک ہیں۔''

''پاکستان کے تجربے کی بنا پر دو اور ملکوں میں ایسی فورس قائم کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ آج کی دنیا میں ہر راز کھلا راز ہوتا ہے جس کے بارے میں ہر شخص جانتا ہے۔ صرف وہ باتیں خفیہ رہ سکتی ہیں جو افراد کے درمیان طے ہوں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس وقت دنیا کے کئی ملکوں میں تمہاری ایس ٹی ایف تحقیق کا موضوع بنی ہوئی ہوگی۔ یہ بتاؤ کہ اپنی حکومت کی بے خبری اور باخبری کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے۔''

''آج کا ناکام قاتلانہ حملہ امریکی ساخت کی ایک جدید رائفل سے کیا گیا ہے۔''

''ہتھیار سازی اور اس کی فروخت میں امریکا کا نام سرِفہرست ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں قانونی اور غیر قانونی طور پر امریکی ہتھیار پائے جاتے ہیں۔'' اس کی آواز میں ہلکا سا غرور ابھر آیا۔ وہ کہہ رہا تھا''امریکی رائفل سے کچھ بھی پتا نہیں چل سکے گا۔''

''اسے چلانے والا را کا ایک ایجنٹ تھا!'' میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

''یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟'' اس نے بے ساختہ سوال کیا۔

''کہنے والے کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے کسی نہ کسی شہادت کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہوگا۔ میں نے اڑتی اڑتی خبر سنی ہے۔''

''سب بکواس کر رہے ہیں۔'' وہ جھنجلا گیا''فائرنگ کرنے والا فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اب اس کے بارے میں اندازے لگائے جاسکتے ہیں۔ وثوق سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔''

''میں دوست سمجھ کر تمہیں بتا رہا ہوں کہ اسے پہچان لیا گیا ہے۔'' میں نے یوں کہا جیسے میں اپنی خفیہ معلومات کو ظاہر کرکے اسے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''وہ ذکی کے فرضی نام سے کراچی میں ٹھہرا ہوا ہے اور الفا اس کا خفیہ پاس ورڈ ہے۔''

''یہ ناممکن ہے کہ اتنی جلدی یہ سب معلوم کرلیا گیا ہو۔'' اس کی اضطراری آواز ابھری''ہو نہ ہو، یہ باتیں اس کے ساتھی سے اگلوائی گئی ہوں گی جنہیں آج کے واقعے سے جوڑ کر ایک کہانی بنالی گئی۔''

اس کی بدحواسی پر میں دل ہی دل میں ہنس پڑا پھر میں نے معصومیت سے پوچھا''تم کس کے ساتھی کی بات کر رہے

ہو؟''

''میں کسی کی بات نہیں کر رہا۔'' اس نے جھلائی ہوئی آواز میں جواب دیا ''ان باتوں پر لعنت بھیجو اور یہ بتاؤ کہ تم کل کس وقت مجھ سے مل رہے ہو۔''

زبان سے بے ساختہ نکل جانے والے کلمات کی ادائیگی کے بعد اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ کلفٹن کے علاقے سے را کے ایک ایجنٹ کی گرفتاری کا واقعہ پریس میں رپورٹ نہیں ہوا تھا۔ وہ خبر آئی بی اور مقامی آرمی گیریزن کے گنے چنے افراد تک محدود رہی تھی یا پھر ہمارے علم میں آئی تھی۔

اس نے ایک ایسی بات پر تبصرہ کرنے کی غیر ارادی غلطی کی تھی جس کا سرے سے کہیں ذکر نہیں آیا تھا۔ میری باتوں پر اشتعال میں آ کر وہ اضطراری طور پر چند فقرے کہہ گیا تھا کہ مگر فوراً ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور اس نے بگڑی ہوئی بات سنبھالنے کی کوشش کر ڈالی تھی۔

مجھے اس کے اعتراف یا انکار سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ ہمارے ملک میں دنیا کی اکلوتی سپر پاور کے ایک انتہائی طاقت ور شعبے کی نمائندگی کر رہا تھا۔ ان لوگوں کی ہٹ دھرمی کے پرانے تجربات میرے سامنے تھے۔ وہ دوسرے ملکوں کے قوانین کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی ثبوت کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ اپنے مفادات کے نام پر ہر جائز اور ناجائز کارروائی کو اپنا حق تصور کرتے تھے۔ ان حالات میں ٹام کے کسی اقرار سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔

میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ میں نے اس کی زبان سے نکلے ہوئے چند اضطراری فقروں سے اندر کی یہ بات جان لی تھی کہ الفا عرف ذکی اس سے مل چکا تھا اور ٹام اس کی پوری کہانی سے باخبر تھا۔

ان دونوں کے درمیان رابطے کے بعد وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ الفا نے بہت سرعت سے کام کر کے دہشت گردی کی ایک بڑی واردات کر ڈالی تھی۔ اگر وہ اپنے اس مشن میں کامیاب ہو جاتا تو ملک میں افراتفری اور ابتری کا ایک دور شروع ہو سکتا تھا۔

''کل کے بارے میں ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد ٹام کو جواب دیا ''وقت ملا تو میں فون کر کے تم سے پروگرام طے کر لوں گا۔''

''ٹھیک ہے میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔'' اپنی بات کا حتمی جواب ملتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ اسے اندیشہ رہا ہوگا کہ گفتگو نے غیر ضروری طول پکڑا تو بے دھیانی میں اس کی زبان سے مزید کوئی غیر محتاط بات نکل سکتی ہے۔

''یہ قصہ بھی صاف ہو گیا۔'' میری اور ٹام کی گفتگو سن لینے کے بعد ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''انہیں جو کچھ کرنا ہے وہ کر رہے ہیں۔ بات کھل کر تمہارے سامنے آ چکی ہے۔ اب تم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہو؟''

''بے بسی کا یہ احساس عارضی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آگے چل کر ہمیں کامیابی ضرور حاصل ہوگی۔'' اول خان نے پرامید لہجے میں کہا۔

''دراصل وہ اپنی پوزیشن سے بہت بے رحمی سے فائدہ اٹھانے پر تل گئے ہیں۔'' میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''اپنی تمام تر بدمعاشیوں کے باوجود انہوں نے دھونس اور دھمکیوں سے کام لے کر ہمیں ایسی پوزیشن میں دھکیل دیا ہے کہ آج ہم اپنی سرزمین پر امریکیوں کا خون بہانے سے خوف زدہ ہیں۔ وہ تو غنیمت ہے کہ گیری کا جہاز پاکستان کی بحری سرحد سے بہت دور سمندر میں گر کر تباہ ہوا۔ یہ حادثہ آس پاس رونما ہوا ہوتا تو اس کی ذمے داری بھی ہمارے سر ڈال دی جاتی۔''

''اندازہ یہ تھا کہ نک کے قتل کے بعد ان کی رفتار سست پڑ جائے گی۔'' اول خان بولا ''گیری نے اس کی جگہ لی تو واقعات کا رخ تیزی سے بدل گیا اور ایس ٹی ایف کی سرگرمیاں موقوف کرنی پڑ گئیں۔ وہ مرا ہے تو اب ٹام نئے تیور دکھا رہا ہے۔ الفا کا ساتھ دے کر اس نے اپنی طرف سے اعلان جنگ کر دیا ہے۔''

''یہ ریاستی مفادات کی جنگ ہے جس میں ہم لوگ بہت سی مصلحتوں کے قیدی بنے ہوئے ہیں۔'' میں نے کہا ''ہمارا کردار صرف اتنا رہ گیا ہے کہ ہم ان لوگوں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے رہیں۔ یہ کام ہم پوری سرگرمی سے انجام دے رہے ہیں۔''

''جلال را کے ایجنٹوں کے بارے میں بہت پرجوش تھا۔'' ویرا بولی ''اس کے لیے یہ اطلاع ایک جھٹکے سے کم نہیں ہوگی کہ ٹام نے الفا کی مدد کی ہے۔''

''یہ معاملہ اب اسی کے دائرہ کار میں آ گیا ہے۔ ہم اپنے طور پر ٹام سے کوئی تصادم مول نہیں لے سکتے۔ آثار بتا رہے ہیں کہ اس وقت سوبھراج بھی ان لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہا ہے۔ وہ ان کے خلاف میدان میں ڈٹا رہتا تو ہم اس کی آڑ لے کر ٹام کو کوئی سبق سکھانے کی کوشش کر سکتے تھے۔'' اول خان نے قدرے حسرت سے کہا۔

''تم کیا کر سکتے تھے؟'' سلطان شاہ نے سوال کیا ''تمہارے تو ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ تمہاری فورس کو ابھی تک میدان میں اترنے کی اجازت نہیں ملی۔''

''وہ برا وقت تھا جو گزر گیا۔ اب ہمارے لیے حالات

نارمل ہو چکے ہیں، ہمیں ملکی دھارے میں اپنا کردار ادا کرنے کی چھوٹ مل گئی ہے۔"

اول خان کی زبان سے وہ انکشاف سن کر میں بھی چونک پڑا" یہ بہت بڑی خبر ہے، یہ واقعہ کب رونما ہوا؟"

"آج صبح جنرل کا فون آیا تھا۔ اس کی طرف سے اجازت نہ ملی ہوتی تو میری فورس آج کے حفاظتی انتظامات میں شامل نہیں ہو سکتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ یہ بات تم لوگوں پر واضح ہو چکی ہوگی اسی لیے میں نے خاص طور پر اس کا ذکر نہیں کیا۔"

"تمہاری زبانی سب کچھ سن لینے کے باوجود میرا ذہن اس نکتے کی طرف مبذول نہیں ہو سکا تھا کہ پابندی کے ہوتے ہوئے تمہاری فورس کو نقل و حرکت کی اجازت کیسے مل گئی" میں نے سنجیدگی سے کہا" یہ آج کی پہلی اچھی خبر ہے۔ یوں سمجھو کہ میرے ذہن سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔ ایس ٹی ایف پر پابندی لگنے کے بعد میں نفسیاتی دباؤ میں آ گیا تھا۔"

"خس کم جہاں پاک!" ویرا مسکرا کر بولی "گیری سمندر میں غرق ہوا اور اس کا جگایا ہوا فتنہ بھی اسی کے ساتھ دم توڑ گیا۔"

"میں جہانگیر کی طرف سے فکر مند ہوں۔ پتا نہیں اس بے چارے پر کیا گزر رہی ہوگی۔ اب اس کے بارے میں کوئی اچھی خبر آنی چاہیے۔" اول خان نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا" اگر ہم پر پابندی برقرار رہتی تو میں آج اپنے آدمیوں کو پولیس والوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی ہدایت نہیں دے سکتا تھا۔ ہم دور کے تماشائی بنے رہتے۔"

کچھ دیر بعد غزالہ واپس آئی تو اس کے چہرے پر حزن و ملال کے سائے لرزاں تھے۔

میں جہانگیر کے اغوا کے واقعے کو منطقی نکتہ نظر سے دیکھ رہا تھا۔ میری دانست میں اس کی زندگی کو فوری طور پر کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا لیکن سلمیٰ اپنے شوہر کے بارے میں شدید جذباتی صدمے سے دوچار تھی۔ غزالہ بہت مشکل سے اسے سنبھالنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ اسے ایک مسکن دوا دے کر وہ اس وقت تک کمرے میں بیٹھی رہی جب تک سلمیٰ کو نیند نہ آ گئی۔

ہم پانچوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ہر ایک کے ذہن پر جہانگیر کی فکر سوار تھی لیکن کوئی بھی اس تکلیف دہ موضوع پر بات نہیں کر رہا تھا۔ اس وقت تک ہمیں اس کی بازیابی کی کوئی راہ نظر نہیں آئی تھی۔ ہمارے ساری امیدیں پولیس سے وابستہ تھیں۔

مجھے توقع تھی کہ ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کی گہری دلچسپی کی وجہ سے پولیس والے اپنے ریکارڈ کی چھان بین میں غیر معمولی سرگرمی سے کام لیں گے اور ہمیں جلد ہی کوئی اچھی خبر سننے کو مل جائے گی۔ اس بارے میں ان پر مزید کوئی دباؤ ڈالنے کی ضرورت نہیں تھی۔

بارہ بجے تک ہم اداسی کے عالم میں انتظار کی گھڑیاں گنتے رہے لیکن کہیں سے کوئی خبر نہیں آئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ تشویش اور مایوسی کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ آخر کار اول خان نے اپنے آدمیوں سے ٹرانسمٹر پر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ان دونوں کے لیے کلفٹن کی رہائشی عمارت کی اہمیت ختم ہو چکی تھی، جہانگیر کو اغوا کر لیا گیا تھا۔ سلمیٰ ہمارے ساتھ آ گئی تھی۔ وہ دونوں پولیس پارٹیوں کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔

اس واقعے کی تفتیش میں پولیس کے شامل ہونے سے یہ فائدہ ہوا تھا کہ قلیل سی مدت میں اس واردات کے خدوخال خاصی حد تک واضح ہو گئے تھے۔

باوردی پولیس کی موجودگی کی وجہ سے وہ خبر قرب و جوار میں بھی پھیل گئی تھی جس کے نتیجے میں دو اہم گواہ سامنے آئے تھے۔

انہوں نے عمارت کے احاطے کی عقبی دیوار کے قریب لگے ہوئے ٹیلی فون کے کھمبے پر دو آدمیوں کو کام کرتے دیکھا تھا۔

دن کا وقت ہوتا تو شاید کوئی ان دونوں پر دھیان نہ دیتا کیونکہ دن کے اجالے میں ہر سرکاری اہل کار کچھ نہ کچھ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ دن ڈھلنے کے بعد ان کی تعداد میں تیزی سے کمی آنے لگتی ہے اور آؤٹ ڈور میں کام کرنے والے بقیہ کاموں کو اگلے دن کے لیے ٹال دیتے ہیں۔

دیکھنے والوں کے لیے ان دونوں کی فرض شناسی حیرت ناک تھی کہ وہ اپنے اوقات کار ختم ہو جانے کے بعد رات کے اندھیرے میں بھی بہت انہماک سے اپنی ذمے داریاں سرانجام دے رہے تھے۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ ٹیلی فون کے عملے کے وہ لوگ کسی وی آئی پی کی شکایت پر وقت کی پروا کیے بغیر وہاں آ گئے تھے اور اس کی فون لائن کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔

ان میں سے ایک نیچے کھڑا رہا۔ دوسرا کسی بندر کی طرح کھمبے پر چڑھ کر کچھ دیر تک مصروف نظر آتا رہا۔ پھر کھمبے سے احاطے کی دیوار پر پہنچ کر اندر کود گیا۔ دوسرے نے اس کی تقلید کی اور وہ بھی تیزی سے کھمبے پر چڑھ کر احاطے کی دیوار کے پیچھے غائب ہو گیا۔

دیکھنے والوں کو ان پر کوئی شبہ نہیں ہو سکا۔ دونوں کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کھمبے کے تاروں پر اپنا کام ختم کر کے مزید دیکھ بھال لیے شارٹ کٹ سے عمارت میں گئے ہوں

گئے۔
پولیس والوں نے رائے قائم کی تھی کہ وہ دونوں جہانگیر کے اغوا کے ذمے دار تھے۔ رات ہو چکی تھی اور ٹیلی فون کے محکمے کے اعلیٰ افسران اپنے گھروں کو جا چکے تھے لیکن شفٹ ڈیوٹی پر موجود عملے کے نگراں نے تصدیق کر دی کہ ایکسچینج میں اس علاقے کی کوئی شکایت درج تھی اور نہ عملے کے کسی رکن کو ان اطراف میں بھیجا گیا تھا۔

گواہوں کے بیان اور محکمے کی تصدیق کے نتیجے میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اغوا کرنے والے چوروں کی طرح احاطے میں داخل ہوئے اور ایمرجنسی ڈور کا تالا توڑ کر عمارت میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

جہانگیر کے فلیٹ میں رونما ہونے والے واقعات کسی وضاحت کے محتاج نہیں تھے۔ اغوا کنندگان نے وہاں غلبہ پاتے ہی جہانگیر کو بے ہوش کرنے میں پھرتی دکھائی ہوگی۔ وہ ہوش و حواس میں رہتا تو کسی قیمت پر ان لوگوں کے ساتھ جانے پر رضامند نہ ہوتا۔

وہ دونوں اسے لاد کر گردشی زینے سے نیچے اترے اور ایمرجنسی ڈور سے باہر نکل گئے۔

اپنے قیدی کے ساتھ عمارت سے نکلنے کے لیے انہوں نے نیم تاریکی میں کھڑی ہوئی ایک گاڑی چوری کی تھی جس کا پتا چلانے میں خاصی دیر لگ گئی۔

یہ تھانے دار کی ذہنی اپچ تھی کہ ہر ایک سے پوچھ گچھ کے بعد اس نے احاطے میں پارک کی ہوئی گاڑیاں چیک کرنے کی ہدایت کی۔ عمارت کے محافظوں نے انٹر کام پر ہر فلیٹ کے مکین کو اپنی گاڑی دیکھنے کے لیے کہا تو پتا چلا کہ ایک گاڑی غائب تھی۔

وہ کڑیاں مل جانے کے بعد عمارت بلکہ احاطے سے نکاسی کے راستے پر مامور محافظوں کی باری آئی اور ایک گاڑی غائب ہونے کی خبر سن کر ان کے ہوش اڑ گئے۔

انہوں نے بتایا کہ وہ باہر سے آنے والی گاڑیوں کو دیکھ بھال کر احاطے میں آنے کی اجازت دیتے تھے۔ کیونکہ عمارت میں رہنے والوں کے سوا کسی کو اپنی گاڑی اندر لانے کی اجازت نہیں تھی البتہ احاطے سے باہر نکلنے والی گاڑیوں پر زیادہ دھیان نہیں دیا جاتا تھا۔ یک طرفہ دیکھ بھال کے نتیجے میں یہ امکان نہیں تھا کہ باہر جانے والی گاڑی کسی مجرمانہ مقصد کے لیے استعمال کی جا رہی ہو۔

عمارت کے نگراں گاڑیوں کو ان کی ونڈ شیلڈ پر لگے ہوئے اسٹکر سے پہچانتے تھے اور ویسے بھی ہر گاڑی ان کی نظروں میں تھی۔ انہوں نے کبھی اس نکتے پر دھیان نہیں دیا تھا کہ آنے جانے والی گاڑیاں کو کون چلا رہا تھا۔

بعض گاڑیاں گھر کے ایک سے زیادہ افراد چلاتے تھے۔ کبھی کبھار مہمان اپنے میزبان کی گاڑی لے کر نکل جاتے تھے۔ ایک دو مرتبہ اجنبی مہمانوں کو گیٹ پر کار سمیت روکا گیا تو وہاں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ اس روک ٹوک کو بیشتر مکینوں نے اپنی توہین تصور کیا تھا۔ ان واقعات کے بعد یہ اصول طے پا گیا تھا کہ عمارت کے چوکیدار گاڑیوں کی شناخت کریں گے۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوگی کہ گاڑی کون چلا رہا ہے۔

ان اطلاعات سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ جہانگیر کو اغوا کرنے سے پہلے مجرموں نے مکمل معلومات حاصل کر کے واردات کی بے داغ منصوبہ بندی کی تھی۔

پولیس والوں کو یقین تھا کہ مسروقہ کار جلد ہی کہیں نہ کہیں لاوارث حالت میں کھڑی ہوئی مل جائے گی۔ چالاک مجرم اسے ضرورت سے زیادہ دیر تک اپنے گلے کا ہار نہیں بنائیں گے۔

"مجھے امید ہے کہ اب تمہیں اپنے ہر سوال کا جواب مل گیا ہوگا۔" اول خان کی گفتگو ختم ہونے کے بعد میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ابھی صرف ایک رخ واضح ہوا ہے۔" ویرا نے اطمینان سے جواب دیا "مجرموں نے کسی کی غفلت سے زیادہ اپنی چالاکی سے فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ پتا نہیں چل سکا کہ اسے کن لوگوں نے اٹھایا ہے۔"

"وہ لوگ لگے ہوئے ہیں۔" اول خان نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے جواب دیا "توقع ہے کہ جلد ہی یہ بات بھی سامنے آ جائے گی۔"

"تم سے ایک چوک ہو گئی۔" ویرا نے مجھ سے کہا "تم نے ٹام سے جہاں بہت سی باتیں کہیں وہاں اس سے جہانگیر کے بارے میں بھی بات کر لیتے۔ شاید کوئی......"

"اس تذکرے کی کوئی تک نہیں تھی۔ اس کے لیے میں کرنل داور ہوں۔ میرا ڈینی کے کسی دوست سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کرنل داور اور ڈینی میں ٹھنی ہوئی ہے۔" اول خان نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "کرنل کو ڈینی کے دوستوں سے ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ اس وقت وہ ذکر نکالا جاتا تو ٹام کے کان کھڑے ہو سکتے تھے۔ وہ عقل سے کورا نہیں ہے۔"

"میں ان باریکیوں میں نہیں پڑتی۔" ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا "میرا مدعا صرف یہ ہے کہ ہمیں جلد از جلد

جہانگیر کے دشمنوں کے گریبان پر ہاتھ ڈال دینا چاہیے۔''
''فکر نہ کرو۔ وہ وقت بھی آجائے گا۔'' اول خان نے اسے تسلی دی اور نکاس کے راستے کی طرف ہولیا۔
رات گہری ہو چکی تھی۔ ہم میں سے کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

☆☆☆

اگلی صبح کا آغاز بوجھل انداز میں ہوا۔
سلمیٰ مسکن دوا کے زیر اثر گہری نیند لے کر سب سے پہلے بیدار ہو چکی تھی۔ میں اپنے کمرے سے تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں پہنچا تو وہ اداسی کے عالم میں بیٹھی ہوئی دیوار کو تک رہی تھی۔ تازہ اخبار اس کے سامنے میز پر بکھرے ہوئے تھے۔
''ان کے بارے میں اخبار میں کوئی خبر نہیں ہے۔'' میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس نے مرجھائی ہوئی آواز میں کہا۔
''اس معاملے کو ایس ٹی ایف والے بھی دیکھ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس واقعے کی باقاعدہ ایف آئی آر نہ کاٹی گئی ہو۔ پولیس والے عام طور پر کچی رپورٹ کی خبر آگے نہیں بڑھاتے۔ تم اخباری خبر کو اتنی اہمیت کیوں دے رہی ہو؟'' میں نے پوچھا۔
''میرے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ سوچ رہی تھی کہ خبر آئی ہوتی تو اس سے کچھ پتا چل جاتا کہ ان کی تلاش کے لیے کیا ہو رہا ہے۔''
''ایسے کام اعلان کر کے نہیں کیے جاتے۔ سب لوگ خاموشی مگر تن دہی سے سراغ لگانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔''
''کیا کامیابی کی کوئی امید نظر آرہی ہے؟'' اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔
''کافی پیش رفت ہوئی ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی اور پھر وہ تفصیلات دہرانی شروع کر دیں جو اول خان کو پچھلی رات اپنے آدمی سے ملی تھیں۔
''ابھی تک یہ پتا نہیں چلا کہ انہیں کن لوگوں نے اغوا کیا ہے!'' میرے خاموش ہو جانے پر اس نے بجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
''یہ معلوم ہو جائے تو ذرا سی دیر میں انہیں گھیر لیا جائے گا۔''
''میں تمہیں کوئی الزام نہیں دے رہی۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا ''یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ تمہارے دشمن ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ تم اپنے دشمنوں کو پہچانتے ہو۔ ان کو کیوں نہیں پکڑتے؟''
وہ بہت ٹیڑھا مسئلہ تھا جسے سلمیٰ نے بہت آسانی سے بیان کر دیا تھا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ''میں اپنے دشمنوں سے واقف ہوں لیکن وہ تیزی سے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں۔ روپوش مجرموں کا سراغ لگانا آسان نہیں ہوتا۔ ہماری طرف سے کوئی اندھا دھند کارروائی کی گئی تو وہ بھڑک کر جہانگیر کو کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس وقت ہم مجبور ہیں ان پر کوئی اوچھا وار نہیں کر سکتے۔''
اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ اس وقت وہ پرانی سلمیٰ سے بالکل مختلف نظر آرہی تھی۔ تنہائی میسر ہونے کے باوجود اس نے مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔
ہم دونوں ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اول خان آگیا۔ اسی کے ساتھ ویرا اور غزالہ بھی اپنے اپنے کمروں سے برآمد ہو گئیں۔
''تین تصویریں ملی ہیں۔'' اول خان نے ایک خاکی لفافہ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''میری دلی دعا ہے کہ ہمارا مطلوب آدمی ان میں شامل ہو۔''
میں نے تیزی کے ساتھ لفافے میں سے وہ تینوں تصویریں نکال لیں۔
وہ تینوں اپنے بشروں سے چھٹے ہوئے بدمعاش نظر آرہے تھے اور تینوں کے داہنے رخسار پرانے زخموں کے نشانات سے داغ دار تھے۔
میں پوری طرح ان تصاویر کا جائزہ نہیں لے پایا تھا کہ سلمیٰ اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی سے میرے پیچھے آئی اور پھر اس نے تینوں میں سے ایک تصویر پر بے ساختہ انگلی رکھ دی ''یہی ہے وہ مردود جس نے مجھے ریوالور کی نوک پر بے بس کیا تھا۔'' وہ رندھی ہوئی جذباتی آواز میں بولی ''خدا کا شکر ہے کہ تم نے اسے تلاش کر لیا۔''
میں اسے یہ بتانے کی ہمت نہیں کر سکا کہ اس وقت اسے صرف پہچانا گیا تھا۔ اس کی تلاش کا مرحلہ باقی تھا۔
اس زمانے میں ہر طرف کمپیوٹر اور اس کے بے اندازہ کمالات کا خوب چرچا تھا لیکن سرکاری محکموں اور خاص طور پر پولیس ڈپارٹمنٹ میں اسے رائج نہیں کیا گیا تھا۔ عادی مجرموں کا ریکارڈ، تصاویر، فائلوں اور رپورٹوں کی صورت میں کئی جگہ بکھرا ہوا ہوتا تھا۔
خاصی تلاش کے بعد وہ تینوں تصاویر پولیس ہیڈ آفس کے ریکارڈ سے حاصل کی گئی تھیں۔ ان کی پشت پر مجرموں کے مختصر کوائف درج تھے جن سے پتا چلا کہ ہمارے مطلوب آدمی کا نام

رشید عرف شیدا تھا اور وہ سیماڑی کے علاقے کا ایک عادی بدمعاش تھا جو مختلف افراد کو زخمی کرنے کے جرم میں دو بار جیل کی ہوا کھا چکا تھا۔ اس کے خلاف عدالتوں میں کئی بڑے مقدمات التوا میں پڑے ہوئے تھے کیونکہ وہ دوسری بار جیل سے رہا ہونے کے بعد روپوش ہو گیا تھا۔

''اب تمہارا کیا مشورہ ہے؟'' وہ مرحلہ طے ہو جانے کے بعد اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

''رشید کی تلاش کے سوا اور کیا مشورہ ہو سکتا ہے؟'' میرے بجائے ویرا بول پڑی۔

''میں یہی جاننا چاہ رہا ہوں کہ اس کی تلاش کے لیے کیا طریقہ اپنانا چاہیے۔'' اول خان نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اپنے مجرم کی تصویر دیکھ لینے کے بعد سلمٰی کے چہرے پر ہلکی سی رونق آ گئی تھی اور وہ پرامید نظروں سے باری باری ہمارے چہروں کا جائزہ لے رہی تھی۔

''پولیس کے محکمے میں کالی بھیڑیں گھسی ہوئی ہیں۔'' میں نے سگریٹ کا ایک ہلکا سا کش لے کر کہا ''ان کی وجہ سے بہت سی اہم باتیں قبل از وقت باہر نکل جاتی ہیں۔ اگر رشید کو یہ بھنک مل گئی کہ اسے پہچان لیا گیا ہے تو ہم اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔''

''تم جیسے ملکوں میں یہ بہت بڑی خرابی ہے کہ کرپشن ناسور کی طرح ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔'' ویرا نے ناگواری سے دخل اندازی کی ''اول تو بہت کم لوگ کام کرنے کے موڈ میں نظر آتے ہیں۔ وہ کام کرنا چاہیں تو کالی بھیڑیں ان کی راہ روک دیتی ہیں۔''

''یہ خرابیاں تمہارے وطن میں بھی پائی جاتی ہیں۔'' سلطان شاہ نے اپنے کمرے سے برآمد ہونے کے بعد پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا ''وہاں جنم لینے والے اسکینڈل آئے دن اخباروں کی زینت بنتے رہتے ہیں۔''

''میں نے کبھی امریکا کی بے جا حمایت نہیں کی۔'' ویرا نے کھلے دل کے ساتھ کہا ''کرپشن وہاں بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کا رواج کم ہے کیونکہ میڈیا والے ہر وقت اپنے کیمرے اور مائکروفون سنبھالے، بدعنوانیوں کی بو سونگھتے پھرتے ہیں جو بھی ان کی گرفت میں آ جائے اسے اس بری طرح رگڑتے ہیں کہ وہ زندگی بھر سوسائٹی میں اپنا منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔ ہمیشہ کے لیے عوامی اداروں سے دور ہو جاتا ہے۔''

میں نے محسوس کیا کہ ان باتوں سے سلمٰی مضطرب ہو رہی تھی۔ اس کی فطری خواہش تھی کہ جب تک جہانگیر بازیاب نہ ہو جائے۔ ہم سب کو اس کی تلاش کے امکانات پر مسلسل غور کرتے رہنا چاہیے۔

''میری رائے میں پولیس کا کام پورا ہو گیا۔'' میں نے اپنا سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہا ''ایک سرا ہمارے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ ہمیں کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہم نے اپنے مطلوب مجرم کو پہچان لیا ہے۔ اس کی تلاش کی مہم تمہارے آدمی سر کر سکتے ہیں۔''

''یہ کام رازداری سے ہونا چاہیے۔'' سلمٰی سے خاموش نہیں رہا گیا ''رشید ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو ہم اندھیرے میں ہاتھ پیر مارتے رہ جائیں گے۔''

''تم بے فکر رہو۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی کہ ہم کسے ڈھونڈ رہے ہیں۔'' اول خان نے اپنی چائے کی پیالی خالی کی اور اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے کے لیے میز سے اٹھ کر ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔

''ایس ٹی ایف والوں پر سر منڈاتے ہی اولے پڑ گئے۔'' ویرا نے دبی زبان سے کہا ''کل انہیں اپنے ہاتھ پیر چلانے کی آزادی ملی ہے اور کل ہی سے یہ مصروف ہو گئے ہیں۔''

''یہ لوگ کام میں مصروف رہ کر شاید زیادہ خوش رہتے ہیں بے کاری انہیں کھل رہی ہو گی۔'' میں نے جواب دیا۔

اول خان تینوں تصاویر کی شناخت کے لیے ہماری طرف آیا تھا۔ رشید کی نشان دہی ہو جانے کے بعد ہمارے لیے سرکاری ریکارڈ سے حاصل کی ہوئی تینوں تصاویر کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی تھی۔ اول خان کچھ دیر بعد ان تصاویر کے ساتھ واپس چلا گیا۔

میں نے سلمٰی کے بارے میں رات کو غزالہ کو ہدایات دے دی تھیں۔ سلمٰی اور ویرا کے مزاج میں بہت فرق تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکیں گے اور ان میں جھڑپ ہو جائے گی۔

سلمٰی اس وقت پریشان اور دل گرفتہ تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ جب تک وہ ہماری چھت کے نیچے رہے۔ اس کے ساتھ ایسی کوئی بات نہ ہو جو اس کی دل آزاری کا سبب بنے۔ اس کی دیکھ بھال کی ذمے داری میں نے غزالہ کو سونپ دی تھی۔

اول خان کے چلے جانے کے بعد غزالہ ناشتے سے فارغ ہوئی تو ویرا نے سلمٰی کے ساتھ اپنی چھیڑ چھاڑ کا آغاز کر دیا تھا۔ وہ ہنس بول کر وقت گزارنا اور شاید سلمٰی کا دل بہلانا چاہ رہی تھی لیکن اس کے باتیں سلمٰی پر گراں گزر رہی تھیں۔ میری نگاہوں کا

اشارہ پا کر غزالہ نے سلمٰی کو اپنے ساتھ آنے کی دعوت دی اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

سلطان شاہ کو کپڑے لانڈری میں ڈالنے تھے۔ اس کام کے لیے وہ ایس ٹی ایف کے آدمیوں کو استعمال کرنے سے گریز کرتا تھا۔ کپڑے سمیٹ کر خود ہی گھر سے روانہ ہو گیا۔

''میں تم سے ایک ذاتی سوال کرنا چاہتی ہوں۔ اجازت ہو تو پوچھ لوں!'' ویرا نے ڈرائنگ روم میں میرے قریب نشست سنبھال کر پوچھا۔

''آج تمہاری طبیعت کچھ خراب لگ رہی ہے۔'' میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

''کیوں...... کیا میرے چہرے سے کچھ ظاہر ہو رہا ہے؟'' اس نے قدرے بوکھلا کر پوچھا۔

''چہرے سے نہیں باتوں سے ایسا ظاہر ہو رہا ہے۔'' میں نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

''تو کیا اب تمہیں میری باتوں میں بھی کیڑے نظر آنے لگے ہیں۔'' اس نے اپنی غیر ارادی بوکھلاہٹ کی خفت کو لہجے کی ترشی میں چھپانے کی کوشش کی۔

''آج سے پہلے تم میری اجازت کے بغیر بہت کچھ پوچھتی رہی ہو۔ حیرت ہے کہ آج تم مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت محسوس کر رہی ہو۔''

''اوہ!'' اس کے خدوخال کی ترشی یک لخت ہلکی سی مسکراہٹ میں تحلیل ہو گئی ''آج تمہاری پرانی سہیلی آئی ہوئی ہے اس لیے میں محتاط رہنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

''میں تمہاری احتیاط کا اندازہ لگا چکا ہوں۔ وہ خود اندر سے بجھی ہوئی ہے ذرا بھی چوکتی تو تم پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتیں۔''

''رات سے وہ تم سے کچھ روٹھی ہوئی نظر آ رہی ہے!''

''بولتی ہو تو کم از کم ڈھنگ کے الفاظ چن لیا کرو۔ روٹھنے اور ناراض ہونے میں بہت فرق ہے۔ وہ اس بات سے ناراض ہو سکتی ہے کہ میری وجہ سے اس کا شوہر مصیبت میں گرفتار ہوا ہے......''

''مجھے الفاظ کی باریکیاں نہ سمجھاؤ۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا ''اب میں تم سے زیادہ اردو داں ہو چکی ہوں۔''

''تمہیں اللہ ہی سمجھا سکتا ہے۔ یہ کام انسانی بساط سے باہر ہے۔''

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' اس کی آنکھوں میں شوخی ناچ رہی تھی ''وہ تمہیں تیکھی نظروں سے دیکھ رہی ہے نہ تم سے میٹھے بول بول رہی ہے۔''

''بہتر ہوگا کہ یہ سوال اسی سے پوچھ لو۔ وہ تمہیں تھپڑ کی صورت میں جواب دے گی۔''

''چوری پکڑی جائے تو ہر عورت اسی طرح برہمی کا مظاہرہ کرے گی۔ شرافت سے کوئی ایسی باتوں کا اعتراف نہیں کرتا۔''

''ہر عورت کو اپنے جیسا نہ سمجھا کرو۔ وہ ایک شریف اور خانہ دار عورت ہے۔ اپنے شوہر سے میرے دیرینہ مراسم کی وجہ سے کبھی ہنس بول لیتی ہے تو اس سے غلط مفہوم اخذ مت کرو۔ ایسی باتیں بہتان طرازی کے زمرے میں آتی ہیں۔''

''تم نہیں مانتے تو نہ مانو۔ یہ بتاؤ کہ اسے کب تک ہمارے سروں پر مسلط رکھو گے۔ اس کے آنے سے فضا بوجھل اور اداس ہو گئی ہے۔''

''اس کو تنہا وہاں نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ یہ بات تم بھی جانتی ہو کہ جہانگیر کے ملتے ہی وہ اپنے گھر لوٹ جائے گی۔''

''وہ نہ ملا تو سلمٰی یہیں رہتی رہے گی۔'' اس نے بھویں اچکا کر پوچھا۔

''کیوں ایسے منحوس کلمات منہ سے نکالتی ہو۔ رشید کی نشان دہی ہو جانے کے بعد ہمیں کسی بھی وقت کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔''

''اس دوران میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اسے لے جانے والے بہت بے رحمی سے اس کو تشدد کو نشانہ بنا رہے ہوں گے۔'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''کھل کر کہو کیا کہنا چاہ رہی ہو؟'' میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

''وہ ایک مدت سے دل کھول کر شراب پی رہا ہے۔ ایسے لوگوں کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ زیادہ دیر تک سختیاں نہیں جھیل سکے گا۔ اگر اس نے مجبور ہو کر اپنی زبان کھول دی تو پھر ہم سب کہاں ہوں گے!''

ویرا کے سوال پر میرے بدن میں سنسنی کی ایک تیز لہر سرایت کر گئی، وہ کوئی نرالی بات نہیں کہہ رہی تھی۔ وہ خطرہ شروع سے موجود تھا لیکن میں نے ایک لمحے کے لیے بھی اس بارے میں نہیں سوچا تھا۔

میری دانست میں جہانگیر ایک جہاں دیدہ آدمی تھا اور فولادی اعصاب کا مالک تھا۔ اسے یہ اندازہ ہو جانا چاہئے تھا کہ ہماری اور اس کی سلامتی اس کی خاموشی سے وابستہ تھی۔ وہ لوگ اس کی زبان کھلوانے کے لیے اسے زندہ رکھنے پر مجبور تھے۔ جوں ہی وہ ان کے سامنے ہتھیار ڈالتا' وہ ہماری طرف چڑھ دوڑتے۔ ہمارا انجام جو بھی ہوتا اس مہم کی تکمیل کے بعد وہ جہانگیر کو ہرگز زندہ نہ چھوڑتے۔

''ایسی حوصلہ شکن باتیں مت کرو۔'' میں نے نرمی سے اسے سمجھایا ''جہانگیر شی کا پرانا آدمی ہے اس سے کسی حماقت کی توقع نہیں کی جاسکتی۔''

''توقعات میری بھی یہی ہیں لیکن ہمیں شتر مرغ کی طرح ریت میں گردن دے کر نہیں بیٹھ جانا چاہئے۔ تشدد کی ایک رات بہت لمبی ہوتی ہے ہمیں ابرار اور دین محمد کو ہوشیار کر دینا چاہئے، گھر داری میں پڑ کر وہ اپنے اصل کام سے خاصے بے پروا ہو گئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ دشمن ہمارے سروں پر آ پہنچے اور وہ ہماری خوشنودی کے لیے ہانڈی چولہے میں الجھے رہ جائیں۔ انہیں ہر وقت چھت پر موجود رہنا چاہئے۔''

ویرا کی باتیں ناخوشگوار ہونے کے باوجود حقیقت سے بہت قریب تھیں۔ کچھ ہونا یا نہ ہونا بعد کی بات تھی۔ عقل مندی کا تقاضا یہ تھا کہ ان احتیاطی تدابیر پر فوری عمل کیا جائے۔

میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے ابرار کو آواز دی۔ وہ لپک کر آیا میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ دین محمد بھی کچن سمیٹنے میں اس کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔

''کچن چھوڑ دو۔ اگلی ہدایات تک تم دونوں کو ہر وقت چھت پر موجود رہ کر اپنے اصل کام پر دھیان دینا ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔

''سر! ہم سے گھر کے کام میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے یا کوئی نیا خطرہ سر اٹھا رہا ہے؟'' اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

''تم دونوں سے گھر کے کاموں میں بہت مدد مل رہی ہے۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا ''لیکن رات سے حالات نے نئی کروٹ لی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ ہمارے گھر کو نشانہ بنانے کی کوشش کریں تم دونوں کا چوکنا رہنا ضروری ہے۔''

میری وضاحت سن کر اس کے سہمے ہوئے چہرے پر رونق لوٹ آئی میری ابتدائی ہدایت سے اسے شبہ ہوا تھا کہ شاید میں اسے کسی کوتاہی کی بنا پر کچن سے ہٹانے کا فرمان سنا رہا ہوں۔

''ہم دونوں کچن سمیٹ کر ابھی اوپر جاتے ہیں!'' اس نے سر جھکا کر کہا اور تیزی کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

''مجھے حیرت ہے کہ آج تم نے بے چون و چرا میرا مشورہ مان لیا'' ابرار کے جانے کے بعد ویرا نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

''میں ہر معقول بات کو اسی آسانی کے ساتھ مان لیتا ہوں۔''

''لیکن پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا!'' اس نے روانی میں کہا۔

''پہلے تم نے کوئی معقول مشورہ دیا ہوتا تو ایسا ضرور ہوتا۔''

''تم نے بارہا میرے مشوروں پر عمل کر کے کامیابیاں حاصل کی ہیں۔'' وہ تنک کر بولی۔

''تم میں ایک بڑی خرابی یہ آ گئی ہے کہ تم اچھے مشورے دینے کے بجائے ہر وقت تنقید کی تاک میں لگی رہتی ہو بال کی کھال نکالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔ بیچ میں کوئی کام کی بات زبان سے نکل جائے تو اس میں تمہارے ارادے کا قصور نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ تمہیں اندازہ نہیں ہوتا کہ تمہاری کس بات نے دوسروں کو متاثر کیا ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ تمہارا اندازہ درست ہو۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا ''میں آئندہ محتاط رہنے کی کوشش کروں گی۔'' دراصل ہمارے درمیان اس قسم کی ذاتی گفتگو ہونے کی نوبت نہیں آتی......''

''کیسے آئے گی۔'' میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی ''غزالہ اور سلطان شاہ کے سامنے اس قسم کی کوئی بات کہی جائے تو تم اسے ذاتی تنقید سمجھ کر چڑنے لگتی ہو۔ کبھی کبھار تخلیئے کی گنجائش نکلتی ہے تو تمہارا دماغ آسمانوں میں پرواز کر رہا ہوتا ہے۔''

''وہ بے ساختہ مسکرا دی'' کبھی کبھی مجھے وہ دن بہت شدت سے یاد آتے ہیں جب میں بلیک کوئین ہوا کرتی تھی اور تم مجھ سے ملنے کے بہانوں کی تلاش میں رہتے تھے۔''

''تم نے پھر بہکنا شروع کر دیا۔ یہ تمہاری سب سے بڑی خرابی ہے۔ ماضی تم سے بھلائے نہیں بھولتا۔ وہ باتیں تمہارے ذہن سے چپک کر رہ گئی ہیں۔ ماضی میں رہنا چھوڑ دو۔ یہ دیکھو کہ آج کے حالات کے کیا تقاضے ہیں۔''

''یاد ماضی عذاب ہے یارب......چھین لے مجھ سے حافظہ میرا'' ویرا نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ وہ شعر دہرایا پھر بولی ''ماضی کو بھلانا شاید دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔''

''اور حافظہ چھن جانے کے بعد انسان اپنی شناخت کھو دیتا ہے۔ ماضی اس کے لیے ایک بھولا ہوا خواب بن جاتا ہے جس کے دھندلائے ہوئے سپنے اسے ہر آن بے کل اور پریشان رکھتے ہیں۔ اس کے لیے بس وہ لمحہ اپنا ہوتا ہے جس میں وہ سانس لے رہا ہوتا ہے۔ گزرا ہوا ہر پل اس کے لیے خواب بن جاتا ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ''نہ یاد ماضی عذاب ہے اور نہ حافظے کا چھن جانا اچھا ہوتا ہے، میں صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ اپنے رویوں میں اعتدال اور توازن رکھا جائے۔''

''کہہ دینا بہت آسان ہے لیکن یہ باتیں انسان کے بس

سے باہر ہوتی ہیں۔ بچپن سے لڑکپن اور پھر جوانی تک انسان کی ایک سرشت بنتی چلی جاتی ہے جسے بدلنا اس کے اختیار سے باہر ہوتا ہے۔ میں دانستہ اپنے ماضی کو نہیں کریدتی۔ میرے خیالات کی رو خود بہ خود ادھر بہک جاتی ہے۔ میں بے بس ہو جاتی ہوں۔''

میں نے خاموشی اختیار کر لی کیونکہ ویرا کی باتیں بے بنیاد نہیں تھیں۔ اس کا ماضی شان و شوکت کا نقیب رہا تھا۔ اس کے اشاروں کو حکم کا درجہ حاصل تھا۔ اس نے جمی لائیڈ سے تصادم مول لینے سے پہلے بہت پرشکوہ زندگی گزاری تھی۔ ایسے شاندار ماضی سے رشتہ توڑنا آسان کام نہیں تھا۔

ویرا کے ماضی کے حوالے سے میرا ذہن بھٹک کر اچانک سوبھراج کی طرف چلا گیا۔ اس نے بے سروسامانی کے عالم میں اپنی زندگی کی ابتدا کی تھی اور قلیل سی مدت میں اپنے جوڑ توڑ کے نتیجے میں ایسے مقام پر جا پہنچا تھا۔ جہاں دولت اس کی باندی تھی اور مقتدر حلقوں میں اس کی آواز بہت دھیان سے سنی جاتی تھی۔ اپنی ایک لغزش کے نتیجے میں وہ اپنا سب کچھ کھو کر سڑک پر آ چکا تھا۔ اسے کہیں امان نہیں تھی۔ اس کے خون کے پیاسے ہر طرف اس کی بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ اس کی گہری رفاقتیں خون آشام دشمنیوں میں بدل چکی تھیں۔

پچھلی رات میں نے اس سے رابطہ کرنے کی کئی کوششیں کی تھیں اور ناکام رہا تھا۔ جہانگیر کے قصے کی وجہ سے میرا ذہن اس قدر الجھ گیا تھا کہ مجھے دوبارہ اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کا خیال نہیں آ سکا تھا۔ کسی اور نے بھی اس بارے میں مجھے یاد دہانی کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

ٹام کے لیے میں کرنل داور بنا ہوا تھا۔ اس حیثیت میں، میں اس سے ڈینی کے کسی دوست کے بارے میں براہِ راست بات نہیں کر سکتا تھا لیکن سوبھراج کے ساتھ میں نے اصل روپ میں رابطہ برقرار رکھا ہوا تھا۔ مجھ سے مصالحت کرنے سے پہلے وہ جہانگیر کے چکر میں اپنے آدمی کھو چکا تھا۔ اپنے آدمیوں کی پے در پے موت سے گھبرا کر اس نے مجھے صلح کی پیش کش کی تھی۔ اس جنگ بندی کا ایک اہم نکتہ یہ تھا کہ اس کا کوئی آدمی جہانگیر کو پریشان نہیں کرے گا۔

اس پس منظر کی وجہ سے میں اس سے بہت سی باتیں کر سکتا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ جہانگیر پر ہاتھ ڈالنے کے بعد میرے ساتھ اس کا رویّہ بدل جائے گا۔ اپنے اس اندازے کی تائید یا تردید کے لیے اس سے رابطہ کرنا ضروری تھا۔

''اب کسے فون کر رہے ہو؟'' مجھے فون کی طرف متوجہ دیکھتے ہی ویرا نے سوال داغ دیا ''میں تمہارے ساتھ سکون کے کچھ لمحے گزارنا چاہتی ہوں۔ اس وقت کوئی نہیں ہے۔ غزالہ، سلمٰی کو لیے بیٹھی ہے۔ ایسا پرسکون ماحول آسانی سے میسر نہیں آتا۔ تم بعد میں بھی فون کر سکتے ہو۔''

''ہم رشید کی تلاش پر انحصار کر کے نہیں بیٹھ سکتے۔'' میں نے اسے سمجھایا ''اس وقت میں سوبھراج کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''یہ بہت ضروری ہے۔'' وہ اپنی نشست میں پہلو بدل کر پرزور لہجے میں بولی ''مجھے یقین ہے ٹام کی طرح تم اس سے بھی کچھ نہ کچھ اگلوانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ جہانگیر کے اغوا کے بعد اس سے رابطہ بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔''

''سوبھراج نے مجھے الجھا دیا ہے۔ اس سے آخری بار بات ہوئی تو وہ کراچی سے کسی دور افتادہ علاقے میں جانے کا ذکر کر رہا تھا۔ اب جہانگیر کا قصہ درپیش ہے۔ اگر اس کے اغوا میں سوبھراج کا ہاتھ ہے تو وہ کراچی ہی میں جما ہوا ہے۔''

ویرا سے وہ فقرے کہنے کے ساتھ ہی میں نے سوبھراج کا نمبر بھی ملا لیا۔ چند ثانیوں کے بعد دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی تو یک بیک میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

میرے چہرے کے تاثرات سے ویرا نے اندازہ لگا لیا کہ میری کال مل گئی تھی۔ اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ہمہ تن گوش ہو کر سیدھی بیٹھ گئی۔

دوسری گھنٹی پر فون وصول کر لیا گیا۔ میرے کان میں سوبھراج کی جانی پہچانی، ہیلو کی آواز گونجی جس میں معمول کے مطابق تحکم رچا ہوا تھا۔

مجھے یاد تھا کہ آخری بار ہونے والی گفتگو میں سوبھراج کا انداز مدافعانہ تھا۔ جب کہ میں اس کی باتوں سے فائدہ اٹھا کر اپنی برہمی کا اظہار کرتا رہا تھا۔ ہماری گفتگو کا اختتام سوبھراج کے اس فقرے پر ہوا تھا کہ میرا غصہ اتر جائے تو میں اسے فون کر لوں ورنہ وہ خود مجھ سے دوبارہ بات کرے گا۔

میں نے اسی حوالے سے کہا ''تم کہاں غائب ہو...... میں تمہارے فون کا منتظر تھا۔''

''اوہ! معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا غصہ اتر گیا۔'' اس کی آواز میں ایسا عجیب سا اعتماد رچا ہوا تھا کہ میں بے اختیار پھریری لے کر رہ گیا۔

''کیا تم میرا غصہ اترنے کا انتظار کر رہے تھے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ''تم نے کہا تھا کہ میں نے فون نہ کیا تو تم خود مجھ سے بات کرو گے۔'' میں نے دانستہ یہ ذکر گول کر دیا کہ میں نے پچھلی رات کو بھی اس سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔

''میں اچانک مصروف ہو گیا تھا ورنہ تم سے ضرور بات

کرتا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت مجھے کیسے یاد کیا ہے۔ میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ تم اب بھی میرے رابطے میں ہو۔ مجھے امید ہے کہ ڈاکٹر کی موت کے بارے میں تم نے حقائق کو تسلیم کرلیا ہوگا۔''

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ کچھ دیر کے لیے جہانگیر کے ذکر کو التوا میں رکھ کر اسے دوسری باتوں میں الجھانے کی کوشش کروں لیکن میں نے وہ خیال اسی لمحے مسترد کردیا۔

اگر وہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث تھا اور مجھے قوی اندیشہ تھا کہ ایسا ہی تھا تو اس بارے میں میری خاموشی اسے ہوشیار کرسکتی تھی۔ اسے میرے اور جہانگیر کے انتہائی قریبی مراسم کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ میں اس ذکر کو گول کرکے دوسری باتیں شروع کرتا تو سوبھراج بھانپ لیتا کہ مجھے اس پر شبہ ہوچکا ہے اور میں اسے گھیرنے کی کوشش کررہا ہوں۔

اپنے ایک خیال کو مسترد کرنے کے بعد میرے لیے ایک ہی متبادل راہ رہ گئی تھی۔ میں نے گمبھیر لہجے میں کہا ''آج میں نے تمہیں ایک ضرورت کے تحت فون کیا ہے۔''

''کہو...... میں اپنی مجبوریوں کے باوجود تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ مجھ پر تمہارے کئی احسانات ہیں جبکہ میرا خانہ خالی ہے۔'' اس کی آواز پرتجسس تھی۔

''تم سے میرا معاہدہ ہوا تھا کہ جہانگیر کو نہیں چھیڑا جائے گا لیکن کل رات کو اسے اس کے گھر سے اغوا کرلیا گیا۔'' میں نے فوری فیصلے کے تحت ذمے داری اس کے سر ڈالنے کا فیصلہ کرلیا جو اس واقعے پر میرا فطری اور منطقی ردِّعمل ہونا چاہیے تھا۔''

''وہ اغوا ہوگیا!'' سوبھراج نے حیرت ظاہر کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی آواز کا کھوکھلا پن مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا ''یہ بہت برا ہوا۔ تم یقین کرو کہ اس واقعے میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ میں خود کسی محفوظ ٹھکانے کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔ میں کسی قیدی کو اپنے گلے کا ہار بنا کر کہاں لیے پھروں گا۔ مجھے اس کو ستانے یا اٹھوانے کی کیا ضرورت تھی۔ میرا اصل جھگڑا تم سے تھا۔ وہ بے چارہ بلا وجہ میری نظروں میں آگیا تھا۔ تم سے معاملات درست ہونے کی بعد میں اسے بھول گیا۔ اس بارے میں مجھ پر شبہ مت کرو۔''

''میں کسی پر شبہ نہیں کررہا۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا ''جب سے مجھے اس کے اغوا کی خبر ملی ہے، میرا دماغ گھوما ہوا ہے۔ میں رات سے ایک ایک کرکے ان سب لوگوں کو چیک کررہا ہوں جن سے جہانگیر کی ذرا سی بھی دشمنی تھی۔ اب تک میں چھ آدمیوں سے مل چکا ہوں۔ ان میں سے دو کے ہاتھ پیر توڑ ڈالے مگر اس معاملے سے ان کا کوئی تعلق سامنے نہیں آسکا۔ تم ساتویں آدمی ہو اور ایک بار اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرچکے ہو......''

''وہ قصہ پارینہ ہے۔ اسے بھول جاؤ۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میرے ہاتھ صاف ہیں۔ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہارا احسان مند ہوں۔ مجھے اب بھی تمہاری ضرورت ہے۔ میں اسے چھیڑ کر تمہاری مخاصمت مول نہیں لے سکتا۔''

''تم کہتے ہو تو میں مان لیتا ہوں لیکن تمہارا ریکارڈ اتنا صاف نہیں ہے۔ جو شخص سرد مہری سے اپنے ایک محسن کو مار سکتا ہے وہ ماضی کے ایک حریف پر بھی پلٹ کر حملہ کرسکتا ہے......''

''تم پھر ڈاکٹر صادق کا قصہ لے بیٹھے!'' اس نے میری بات کاٹ کر شکوہ کیا ''اس کا جہانگیر سے کوئی موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر کو مارنے کا ایک مقصد تھا۔ میں اسے بے آبروئی اور اذیت کی زندگی سے بچانا چاہتا تھا۔ تمہارا نظریہ ہے کہ میں نے اسے جان بچانے کے لیے مارا۔ ہر حال میں اس کے قتل کا ایک سبب تھا۔ جہانگیر کو اغوا کرکے میں کیا حاصل کرتا؟ تم مجھ سے رابطے میں [illegible] ملنے کے لیے بے چین ہو۔ میری نیت میں کوئی فتور ہوتا تو میں تم کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا۔ مجھے اس کے پیچھے جانے کی کیا ضرورت تھی!''

ہم دونوں کے درمیان رابطہ ضرور تھا لیکن دونوں ہی ایک دوسرے کی پہنچ سے دور تھے اور درپردہ ایک دوسرے کی گھات میں لگے ہوئے تھے۔ میرے سامنے کوئی ایسا مہرہ نہیں تھا جسے استعمال کرکے میں سوبھراج کے ٹھکانے تک پہنچتا۔ سوبھراج کے سامنے جہانگیر کا نام تھا۔ اس نے ایک فیصلہ کن نتیجے پر پہنچنے کے بعد جہانگیر پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ میں گھما پھرا کر اپنی بات واضح کرچکا تھا لیکن نتائج کے ڈر سے اس پر کھل کر الزام نہیں لگا پارہا تھا۔

''میں تم سے ملنے کے لیے اب بھی بے چین ہوں۔ کیا تم آج کوئی وقت نکال سکتے ہو؟''

''ڈینی! مجھے خوف زدہ مت کرو۔ شاید اس وقت تم پر دیوانگی طاری ہے۔ تم چھ آدمیوں کی کہانی سنا چکے ہو جن میں سے دو کے ہاتھ پیر توڑے گئے ہیں۔ میں ہرگز یہ نہیں چاہوں گا کہ مجھ سے سامنا ہونے پر تم مشتعل ہوکر تصادم پر تل جاؤ اور ہم دونوں میں سے کسی ایک کی دو چار ہڈیاں ٹوٹ جائیں۔''

''سوبھراج! میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر سرد لہجے میں کہا۔

''اپنے لہجے پر غور کرو ڈینی...... تمہاری آواز تمہارے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہی۔ اپنے دوست کے صدمے سے تمہارے سر پر خون سوار ہو چکا ہے۔ میں اس وقت کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے اور اب پھر کہہ رہا ہوں کہ کسی بھلے وقت میں ہماری ملاقات ہوگی۔''

''تم میرے احسان مند ہو، میری دوستی کے گن گا رہے ہو لیکن مجھ سے ملنے سے کترا رہے ہو۔ کہیں تمہیں یہ خوف تو نہیں ہے کہ میں دو لاکھ روپے کے انعام کے لالچ میں تمہیں پکڑوا دوں گا۔ مجھے دیکھو کہ میرے اوپر لاکھوں ڈالر کا انعام مقرر ہے پھر بھی میں بے خوف ہوں، مجھے یہ ڈر نہیں ہے کہ تم مجھے امریکیوں کے حوالے کر کے انعام کے ساتھ ان کی خوشنودی بھی حاصل کر لوگے۔''

''وہ باسٹرڈ ہیں۔'' لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس کا نفرت آمیز جواب آیا ''میرے اور ان کے راستے ہمیشہ کے لیے جدا ہو چکے ہیں۔ اب میرا اور ان کا ساتھ نہیں ہو سکتا۔''

اس مرتبہ وہ بے ساختہ نہیں بولا تھا۔ بگڑا ہوا سیاست داں تھا اس لیے میرے الفاظ کی اونچ نیچ پر لمحہ بھر کے لیے غور کر کے گویا ہوا تھا۔ میں اس کی ان ہی حرکتوں پر غور کرنے کے لیے جان بوجھ کر نپی تلی باتیں کر رہا تھا۔

''میں ان کا سب سے زیادہ مطلوب شخص ہوں۔ میرے بدلے میں ان سے اپنی معافی کا سودا کر لو۔ وہ سر کے بل تم سے سودا کریں گے۔ میں مکھن میں سے بال کی طرح ان کی گرفت سے نکل آؤں گا۔ تمہاری راہ سیدھی ہو جائے گی۔'' میں نے کہا۔

''یہ ناممکن ہے...... بالکل ناممکن!'' میری تجویز پر وہ بوکھلا کر رہ گیا ''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنی گلوخلاصی کے لیے تمہیں مصیبت میں ڈال دوں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم طنز کر رہے ہو، سنجیدگی سے مشورہ دے رہے ہو یا میرا مذاق اڑا رہے ہو۔''

''یہ ایک دانا دوست کا بہترین مشورہ ہے۔ فرصت میں اس پر غور کر لینا اور یہ بھی یاد رکھنا کہ میرے لیے تم نادان دوست ثابت ہو رہے ہو جس سے کوئی فیض حاصل نہیں ہوتا۔''

''مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ تم اپنی زہریلی باتوں سے مفاہمانہ فضا کو بگاڑنے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں نے تمہیں کیا نقصان پہنچایا ہے؟'' پہلی بار اس کے لہجے میں ہلکی سی ترشی آگئی۔ میری زبان سے اپنے دل کی باتیں سنتے سنتے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

''سب سے پہلا اور بڑا نقصان پرسوں ہوا۔ تم نے میرے ایک کارآمد کارکن کو ورغلا کر مجھ سے باغی کر دیا۔ تمہیں معلوم ہے کہ ایسے آدمی مشکل سے ملتے ہیں۔''

''کیا وہ ابھی تک واپس نہیں آیا؟'' اس نے اپنی ہلکی سی تلخ نوائی پر قابو پا کر حیرت کا اظہار کیا۔

''وہ کس منہ سے آئے گا۔ تمہارے بھاگ نکلنے سے اس کی بازی بھی بگڑ گئی۔ اسے ڈر ہوگا کہ اس کی باغیانہ باتیں میرے کانوں تک پہنچ چکی ہیں۔ اس کنگلے کی جیب میں ساٹھ ہزار کی رقم آچکی ہے۔ اب تک وہ کراچی سے بہت دور نکل چکا ہوگا۔''

''میں مانتا ہوں۔ مجھ سے غلطی ہوئی ہے کہ میں نے اسے اتنی بڑی رقم دے دی۔ میں تمہارے اس نقصان کا ازالہ نہیں کر سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہوں کہ وہ کہیں نظر آجائے تو خاموشی سے اسے وہیں پہنچا دوں جہاں ڈاکٹر صادق جا چکا ہے۔''

''تم نے پھر اس کا نام لیا۔'' میں نے اسے ٹوکا ''تمہیں معلوم ہے کہ وہ میرے لیے اجنبی تھا۔ اس کے باوجود مجھے اس کے قتل کی خبر سن کر دکھ ہوا تھا۔ اس کا ذکر کر کے تم میرے دکھ کو تازہ کر رہے ہو۔ میرے غدار سے اس کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔''

''اب اس کا ذکر نہیں آئے گا۔'' اس نے یقین دہانی کرائی اور پھر پوچھا ''تم نے میرے کام کے بارے میں اب تک کیا کیا ہے؟''

''کس کام کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ الفا کو ٹھکانے لگا دو۔ تم راوالوں کے دشمن ہو۔ اس کے بارے میں ابھی تک مجھے کوئی خبر نہیں ملی۔''

''وہ غائب ہے۔ تم سے اس کا آخری رابطہ کب ہوا تھا؟'' میں نے اس سے یوں سوال کیا جیسے وہ اس معاملے میں میرا رفیق کار رہا ہو۔

''میرے اوپر الزام تراشی کے بعد سے وہ غائب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائے۔ میں دو ٹکے کے آدمی کی بدتمیزی اور الزام تراشی برداشت نہیں کر سکتا۔''

''میں اس کی تلاش میں ہوں۔ تم سے زیادہ وہ میرا مجرم ہے۔ مل گیا تو عبرت ناک انجام سے دوچار ہوگا۔ اس کی بگڑی ہوئی لاش کی تصویریں اخباروں کی زینت بنیں گی۔''

''مجھے افسوس ہے کہ تمہارا دوست غائب ہے اور میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔''

''وہ بہت دلیر اور بے خوف آدمی ہے۔ اس کا بال بھی بیکا ہوا تو میں اس کو اغوا کرنے والے کو اس کے پورے گھرانے سمیت خون میں نہلا دوں گا۔'' جہانگیر کا ذکر آتے ہی میرا پارا چڑھ گیا''اس کے خاندان کا نام ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔''

''میرے لیے تمہارا یہ غصہ قابلِ فہم ہے۔ میری دعا ہے کہ اسے کچھ نہ ہو اور وہ خیریت سے اپنے گھر لوٹ آئے۔'' سوبھراج کی منافقانہ آواز ابھری۔

''تم یہاں بیٹھے ہمدردی کا اظہار کرتے رہو۔ میں جلد ہی اسے ڈھونڈ لوں گا۔'' میں نے جل کر کہا۔

سوبھراج کی باتوں اور ردِّعمل سے مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ جہانگیر کے اغوا میں اسی مردود کا ہاتھ تھا مگر میں اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود اس سے واضح طور پر کوئی بات اگلوانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

میرا ذہن الجھا ہوا تھا کہ جب جہانگیر اس کے قبضے میں چلا گیا تھا تو وہ کھل کر مجھے بلیک میل کرنے کے بجائے مسلسل دوستی اور مفاہمت کی باتیں کیوں کیے جا رہا تھا۔ اس مرحلے پر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے ذہن میں سوچ کے نئے دریچے کھل گئے ہوں۔

وہ بہت گھاگ اور مکّار تھا۔ حالات کے گرداب میں پھنس کر وسائل کی قلت کا شکار ہو چکا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ مجھے اپنی کامیابی کی ہوا نہ لگنے دے تاکہ میں اس کی طرف سے غافل ہو جاؤں۔ وہ جہانگیر سے میرا پتا ٹھکانا معلوم کر کے اچانک وار کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ شاید اس کا خیال تھا کہ وہ بے خبری میں مجھے آسانی سے مار لے گا۔ میرے بعد وہ جہانگیر کو بھی ٹھکانے لگا دیتا۔ اپنے اس کارنامے کے صلے میں وہ وہی کچھ حاصل کرنا چاہتا تھا جس کی تجویز میں دے چکا تھا۔

''تم بلاوجہ میری باتوں سے چڑ رہے ہو؟'' سوبھراج فون پر کہہ رہا تھا''میں پہلے بھی تم کو بتا رہا ہوں کہ گیری کس طرح تمھیں گھیرنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ تنگ آ کر میں نے اس سے بات نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی آواز سنتے ہی فون بند کر دیتا تھا۔ اس کے جہنم واصل ہونے کے بعد ٹام میرے پیچھے لگ گیا ہے۔ مجھے ان درندوں کا خوف نہ ہوتا تو زبانی ہمدردی جتانے کے بجائے تمہارا ہاتھ بٹا سکتا تھا۔ زبانی ہمدردی کو میری مجبوری سمجھ کر قبول کر لو۔''

''تم کراچی سے نکلنے کا ارادہ کر چکے تھے۔ ابھی تک یہاں بیٹھے ہوئے ہو۔ کیا تم نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے؟'' بات ہو رہی تھی تو میں نے لگے ہاتھوں وہ سوال بھی پوچھ لیا۔

''یہ تم سے کس نے کہہ دیا!'' اس بار اس نے برجستہ کہا ''میں کراچی سے سیکڑوں میل دور بیٹھا ہوا ہوں۔ سیٹ لائٹ فون میں یہ کمال ہے کہ دنیا میں کہیں بھی چلا جاؤں، تم مجھ سے اسی آسانی کے ساتھ رابطہ کر سکو گے۔''

وہ ایک مرتبہ پھر سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ یہ بھول گیا تھا کہ چند لمحے پہلے وہ میرا ہاتھ بٹانے کی بات کر رہا تھا۔ گیری اور ٹام کے خوف کا اظہار کرنے کے ساتھ اسے یہ بھی کہہ دینا چاہیے تھا کہ شہر سے باہر ہونے کی وجہ سے وہ میری کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ آخری جواب سے پہلے اس نے کسی بھی مرحلے پر بیرونی شہر ہونے کا تاثر نہیں دیا تھا۔ میرے سوالوں کے جواب میں پے در پے جھوٹ بولے جا رہا تھا جس کا واحد مقصد یہ نظر آ رہا تھا کہ میں اس کی بدنیتی اور مکروہ عزائم کا اندازہ نہ لگا سکوں اور اسے شہر سے باہر تصور کر کے بھولا رہوں۔

''ایسی ایجادات کا دہرا فائدہ ہوتا ہے۔ موبائل اور سیٹ لائٹ فون میں جہاں ہر وقت رابطے کی سہولت ہے، وہاں یہ آزادی بھی ہے کہ تم جہاں موجود نہ ہونا چاہو، وہاں موجود نہیں ہوتے۔ کیماڑی میں بیٹھ کر تم جھوٹ بول سکتے ہو کہ اس وقت نیو کراچی میں ہو۔ سننے والا یہ بات ماننے پر مجبور ہوگا۔''

میں نے رشید کے حوالے سے جان بوجھ کر کیماڑی کا ذکر کیا تھا لیکن سوبھراج نے اس پر کسی ردِّعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ہنس کر بولا''سہولتوں کے ساتھ آزادیاں میسر نہ ہوں تو وہ بے سود ہو جاتی ہیں۔ یقین کرو کہ میں کراچی میں نہیں ہوں۔''

''میں تمہاری ہر بات پر یقین کرتا چلا آ رہا ہوں۔ میں نے تم پر طنز نہیں کیا، ایک عمومی بات کہی تھی جس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا''شہر سے نکلنے کے بعد تمھیں فرصت اور سکون کے لمحات میسر آ گئے ہوں گے۔ اگر تم چاہو تو میں تم سے ملاقات کرنے کے لیے لمبا سفر طے کر کے تمہارے پاس آ سکتا ہوں۔''

''فکر نہ کرو۔ میں ایسے موقع کی تلاش میں ہوں۔ بہت جلد تمہاری یہ خواہش پوری ہو جائے گی۔ آپس میں اعتماد کا رشتہ مضبوط کرنے کے لیے میں خود بھی تم سے ملنے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔'' مجھے اس کا جواب ذو معنی محسوس ہوا۔

''میں تمہارے پیغام کا منتظر رہوں گا۔'' میں نے گفتگو کا سلسلہ ختم کر دیا۔

''تم ہوشیار ہو تو وہ بھی بہت شاطر ہے!'' سوبھراج سے ہونے والی گفتگو پر تبادلہ خیال کے دوران میں دیرانے کہا''تم اس کی طرف سے اپنے ذہن میں کچھ مفروضے لیے بیٹھے ہو۔ اس لیے تم نے اس کی باتوں سے کئی نتائج اخذ کر لیے لیکن وہ

اب بھی تمہارے جال میں نہیں آسکا۔''

''وہ کھل کر مقابلے پر آنے سے گریز کر رہا ہے۔اس سے کہیں اچانک سامنا ہوگا۔''

''تمہارے ارادے اس سے مختلف نہیں ہیں۔تم پہلی فرصت میں اسے جہنم واصل کرنے کا فیصلہ کیے بیٹھے ہو لیکن فون پر اس سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہو۔دونوں طرف ایک جیسا حال ہے۔دونوں کی بغلوں میں چھریاں ہیں اور منہ سے رام کی مالا جپ رہے ہو۔''

''سوبھراج میری توقع سے بڑھ کر سخت جان ثابت ہوا ہے۔وہ عیش وعشرت اور سہاروں کا عادی تھا۔اسے اب تک بکھر کر رہ جانا چاہیے تھا لیکن وہ بہت دل جمعی سے حالات کا مقابلہ کر رہا ہے۔سنیل کے پکڑے جانے سے بھی اس کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔''

''بعض لوگ اس سے زیادہ سخت جان ہوتے ہیں۔'' ویرا بولی ''ان کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے۔وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے حالات کو اپنا تابع نہ بنایا تو وہ خود واقعات کی چکی میں پس کر فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے۔''

اسی وقت بیرونی دروازے پر کھٹکا ہوا۔ایس ٹی ایف کے دونوں آدمیوں کو گھر کی حفاظت کی ڈیوٹی پر اوپر بھیج دیا گیا تھا لیکن وہ آنے جانے والوں کے لیے گیٹ اور دروازے کا خیال رکھ رہے تھے۔ہم میں سے کسی کو اٹھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔میرا خیال تھا کہ سلطان شاہ لانڈری میں کپڑے ڈال کر لوٹا ہوگا۔

فرش پر قالین کی وجہ سے اندازہ نہیں ہوسکا کہ گھر میں آنے والوں کی تعداد ایک سے زائد تھی۔میں نے سلطان شاہ کے پیچھے جلال کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھا تو حیرت سے غیر ارادی طور پر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تت......تم کراچی کب آئے؟'' ویرا بھی اچانک اسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی تھی۔

''صبح کی پہلی پرواز سے آیا تھا۔'' اس نے مجھ سے بغل گیر ہو کر مسکراتے ہوئے جواب دیا ''صدف مینشن میں چارلی سے تفصیلی ملاقات کر کے سیدھا ادھر آرہا ہوں۔''

''اس سے ملاقات کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''جو بولے وہ دروازہ کھولے۔'' اس نے جگہ سنبھالتے ہوئے خوش دلی سے جواب دیا ''کراچی میں کسی وی آئی پی پر قاتلانہ حملے کی سازش کی اطلاع میں نے اسلام آباد پہنچائی تھی اس لیے اس واقعے کی تفتیش میں میری شمولیت ضروری سمجھی گئی ہے۔''

اسے جہانگیر کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کا علم نہیں تھا اس لیے وہ اپنے فطری انداز میں باتیں کر رہا تھا۔اس کی آواز سن کر غزالہ اپنے کمرے سے باہر آئی تو سلمیٰ بھی اس کے ساتھ تھی۔

ان دونوں کو دیکھتے ہی جلال اپنی نشست سے احتراماً کھڑا ہوگیا۔سلام کا جواب دیتے ہوئے اس کی نظریں سلمیٰ کے سوگوار چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

''یہ میرے دوست جہانگیر کی بیوی سلمیٰ ہے۔'' اس کے کسی سوال سے پہلے میں نے بتایا ''کل رات اسے گھر سے اغوا کر لیا گیا۔ہم سلمیٰ کو عارضی طور پر یہاں لے آئے ہیں۔''

''اس پر پہلے بھی ہاتھ ڈالنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔یہ میرے لیے بہت اندوہناک خبر ہے۔'' جلال نے گہرے افسوس کے ساتھ کہا ''اس کی بازیابی کے لیے کیا کر رہے ہو؟''

''غزالہ کو اپنی ذمے داری کا احساس تھا۔وہ زیادہ دیر تک وہاں نہیں رکی۔سلمیٰ کے ساتھ دوبارہ اپنے کمرے میں چلی گئی تاکہ ہم آزادی کے ساتھ گفتگو کر سکیں۔

جلال کی آمد کا قصہ ادھورا رہ گیا۔وہ جہانگیر کے بارے میں تفصیلات جاننے کے لیے بے چین ہوگیا تھا۔اسے شکوہ تھا کہ میں نے اسے اس واقعے کی اطلاع نہیں دی تھی۔

وہ جہانگیر سے ذاتی طور پر متعارف نہیں تھا۔میری زبان سے اس کے تذکرے سنتا رہا تھا۔میں نے اسے ابتدا سے لے کر سوبھراج سے ہونے والی گفتگو کی ساری جزئیات ایک ہی سانس میں بتا ڈالیں۔اسے یہ جان کر تسلی ہوئی کہ اغوا کرنے والوں میں سے ایک کا سراغ مل چکا تھا اور اس کی تلاش کی مہم جاری تھی۔

''ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے برا وقت آتا ہے تو ہر طرف سے ایک جیسی خبریں آنے لگتی ہیں۔گیری کے سمندر میں ڈوبنے کے بعد سے کان کسی اچھی خبر کے لیے ترس گئے ہیں۔سوبھراج کی آنکھ مچولی پہلے کی طرح جاری ہے۔وہ ڈاکٹر صادق کو ہلاک کر کے ایک اہم گواہ سے چھٹکارا حاصل کر چکا ہے۔الفا غائب ہے۔ایک وی آئی پی پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوچکا ہے۔جہانگیر کو اغوا کر لیا گیا ہے اور ہم ابھی تک کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکے۔''

''جب شیطانی قوتیں کسی کے خلاف ایکا کر لیتی ہیں تو ایسے مشکل مرحلے آجاتے ہیں۔حالات بتا رہے ہیں کہ ہمارے دشمنوں کو ایک مرتبہ پھر یکجا ہونے کا موقع مل گیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''جلال کی آنکھوں میں چمک سی عود کر آئی۔ ''تم کن حالات کی بات کر رہے ہو؟''

''سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ ٹام اور سوبھراج سے فون پر میری بات ہو چکی ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ رشید کو سوبھراج نے استعمال کیا ہے اور ٹام نے کھلے دل سے الفا کی مدد کی ہے۔ اس میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں ہے۔''

''سوبھراج کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن ٹام کے بارے میں تمہاری رائے بالکل درست ہے۔'' اس نے پرزور انداز میں کہا ''میں نے چارلی پر ایک گھنٹے تک بہت محنت کی ہے۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں رہا ہے۔ بھارت سے روانہ ہونے سے پہلے اسے مشن کا جو ماسٹر پلان دیا گیا تھا اس میں یہ نکتہ مدِنظر رکھا گیا تھا کہ اپنی مشکلات کی وجہ سے سوبھراج ان دونوں کی خاطر خواہ مدد نہ کر سکے تو انہیں کیا کرنا ہوگا۔''

ہم تینوں پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھے۔ وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''اس پلان کے مطابق سی آئی اے کا کراچی آفس میں متبادل امدادی سہولیات فراہم کر سکتا تھا۔''

''انہیں نیو خان ہوٹل والے تجربے کے بعد سی آئی اے سے رجوع کر لینا چاہیے تھا۔ انہوں نے سوبھراج کے مشورے پر مزار کا رخ کرنے کی غلطی کیوں کی؟'' ویرا کے پاس سوال تیار تھا جو اس نے کسی پس وپیش کے بغیر داغ دیا۔

''سوبھراج ان کے ماسٹر پلان سے واقف نہیں تھا۔ وہ انہیں ٹال رہا تھا۔ دونوں کو توقع تھی کہ سوبھراج ان کی مدد کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال لے گا۔ وہ راوالوں کا پرانا مددگار تھا۔ جب مزار کے نواح میں چارلی پراسرار حالات کا شکار ہو کر غائب ہوا تو الفا کی آنکھیں کھل گئی ہوں گی۔ یہ بات تم بتا چکے ہو کہ چارلی کے پکڑے جانے کے بعد الفا نے فون پر سوبھراج کو کھری کھری سنا ڈالی تھیں۔ اس نے سوبھراج پر لعنت بھیج کر ٹام کا رخ کیا ہوگا۔ وہاں اسے بھرپور پذیرائی ملی اور یوں وہ سانحہ رونما ہو گیا جسے روکنے کے لیے میں نے اسلام آباد کی دوڑ لگائی تھی۔ وہ واقعہ ٹام اور الفا کی سازش کا نتیجہ تھا۔''

''یہ پیش رفت بہت اہم ہے۔ ان لوگوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں۔ اب اسلام آباد والوں کا کیا ردِعمل ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''ردِعمل کچھ بھی ہو۔ ان کو لگام دینا بہت مشکل ہے'' ویرا اپنے ہم وطنوں کو بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی ''کل کا واقعہ ان کے لیے بہت معمولی تھا۔ وہ پس پردہ تھے۔ کام کرنے والا را کا آدمی تھا۔ ان کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے جن میں سی آئی اے نے حکومتوں اور حکمرانوں کے خلاف براہِ راست سازشیں تیار کیں اور ان کا تختہ الٹ دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ خفیہ کہانیاں منظر عام پر آ چکی ہیں لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ سی آئی اے امریکا سے باہر آج بھی وہی سب کر رہی ہے جو ماضی میں کرتی تھی۔ فرق یہ پڑا ہے کہ آج انہوں نے جدید ترین ٹیکنالوجی کا سہارا لیا ہوا ہے۔''

''ویرا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تفصیلات وقت گزر جانے کے بعد منظر عام پر آتی ہیں۔ اس وقت الزامات کو ثابت کرنا دشوار ہوگا۔ عدالت کے کٹہرے میں پہنچتے ہی سیکرٹ ایجنٹ اپنے اقبالی بیان سے پھر جاتے ہیں۔ اپنی لڑائی ہمیں خود لڑنا ہوگی۔''

''کیا ہمیں ٹام کو ٹھکانے لگانے کی اجازت ہوگی؟'' ویرا نے پوچھا۔

''خون سے ہاتھ رنگنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکے گا'' جلال نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ مدافعانہ لہجے میں کہا ''ایک ایک کر کے ان کے کئی اہم آدمی موت کی آغوش میں جا چکے ہیں۔ ایک مرتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ ٹام مارا گیا تو کوئی اور آ جائے گا۔ انہیں روکنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ان پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔''

''لیکن الفا پر تم اس اصول کا اطلاق نہیں کر سکتے'' میں نے کہا۔

''الفا اور ٹام میں بہت فرق ہے۔ وہ غیر قانونی طور پر مسلّح دہشت گردی کے عزائم لے کر یہاں آیا ہے۔ ٹام کی حیثیت سرکاری اور قانونی ہے۔''

اس نے کھل کر بات نہیں کی تھی لیکن اس کے فقروں میں پنہاں اشارہ بہت واضح تھا۔ راوالوں کو اس نے کبھی نہیں بخشا تھا بلکہ ان میں سے ایک کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔

''میں نے کچھ ایسے اداروں کے نام حاصل کیے ہیں جو دوسروں کے نام پر غیر قانونی دھندے کر رہے ہیں لیکن خفیہ اطلاعات کے مطابق ان میں ساری سرمایہ کاری سوبھراج کی ہے۔ ان سے حاصل ہونے والی خطیر آمدنی اس کی جیب میں جاتی ہے۔''

''ان اداروں سے اسے افرادی قوت بھی دستیاب ہو سکتی ہے'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''فی الحال اس بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

جلال نے جواب دیا ''ہوسکتا ہے کہ وہاں کام کرنے والے عام شہری ہوں اور جرائم سے ان کا کوئی واسطہ نہ ہو مگر ان سب کو ضرور دیکھا جائے گا۔ یہ بات بہرحال یقینی ہے کہ وہ اپنے اداروں کے غیر قانونی کاموں سے بے خبر نہیں ہوں گے۔ جرم میں دانستہ اعانت جرم سے کم نہیں ہوتی۔''

''ان کاروباری اداروں کی ظاہری مصروفیات کیا ہیں؟'' ویرا نے پوچھا۔

''ایک ریکروٹنگ ایجنسی ہے جو جعلی کاغذات پر انسانوں کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ دوسری ایک فشری ہے۔ شبہ ہے کہ سمندری غذا کے ساتھ وہ منشیات کی برآمد میں مصروف ہے۔ تیسرا ایک کلیرنگ فارورڈنگ کا ادارہ ہے۔''

''اس نے چھانٹ کر تینوں شعبوں کا انتخاب کیا ہے'' میں نے بے ساختہ کہا ''ہوسکتا ہے کہ یہ تینوں دفاتر ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے رہے ہوں۔''

''اچانک کارروائی کر کے ریکارڈ قبضے میں لیا جائے گا تو سب کچھ سامنے آجائے گا۔ یہ کام اگلے اڑتالیس گھنٹوں میں کسی بھی وقت پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا جائے گا۔''

سوبھراج کے کاروباری اداروں کے بارے میں چند روز پہلے میری اور جلال کی گفتگو ہو چکی تھی۔ اس نے اس سمت میں فوری طور پر کام شروع کرنے کا عندیہ دیا تو مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ سوبھراج بے اندازہ دولت کا مالک ہوتے ہوئے بھی ملک میں غیر قانونی دھندے چلا رہا ہوگا۔

یہ اس کی عیاری تھی کہ اس نے اپنا کالا دھن ٹھکانے لگانے کے لیے دوسروں کو اپنا آلۂ کار بنایا ہوا تھا۔ خود پس پردہ رہ کر ان کی ڈوریاں ہلاتا رہتا تھا۔ ظاہری طور پر دوسرے ان دھندوں کے مالک بنے ہوئے تھے۔

سوبھراج ابتدا سے مجرمانہ ذہنیت کا مالک تھا۔ اسے سیدھے سادے کاموں سے ہونے والی محدود آمدنی سے کوئی سروکار نہیں ہوسکتا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو اپنے اعتماد میں لیا ہوگا جو ہیر پھیر میں ماہر ہوں۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ خطیر آمدنی کے لالچ میں اس نے اپنے کچھ شناساؤں کی تجاویز قبول کر کے وہ راہ اختیار کی ہو۔

اپنا دامن بے داغ رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ سوبھراج ان اداروں میں کام کرنے والوں سے دور رہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ شیر دل اور اس جیسے لوگوں کو بھاری معاوضے دے کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا رہا تھا۔

اپنی بقا کی لڑائی لڑتے ہوئے رفتہ رفتہ وہ تنہا ہوتا چلا گیا تھا۔ اس کے لیے معاوضے پر کام کرنے والے مارے یا پکڑے گئے تھے۔ سنیل جیسا وفادار غلام صدف مینشن میں پڑا سڑ رہا تھا۔ یہ امکان قوی نظر آتا تھا کہ اس برے وقت میں سوبھراج نے اپنے کسی کاروباری حلیف کے ذریعے ان بدمعاشوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہو جنہیں بدعنوانیوں کی پردہ پوشی کے لیے ان اداروں میں پروان چڑھایا جا رہا تھا۔

جلال نے دھیرے دھیرے مجھے ان اداروں کے کوائف سے آگاہ کر دیا جن کے بارے میں وہ اپنے ذرائع سے تصدیق کر چکا تھا کہ وہ سوبھراج کے سرمائے سے چل رہے تھے۔

جلال کی کراچی آمد کا اصل مقصد ناکام قاتلانہ حملے کی تفتیش میں مقامی حکام کی مدد کرنا تھا۔ اس بارے میں اسے کئی میٹنگز میں شرکت کرنی تھی۔ اس نے چارلی سے اپنی تازہ ترین بازپرس کے نتیجے میں ٹام کی نگرانی بھی شروع کرا دی تھی۔

ٹام ایک امریکی خفیہ ایجنسی کا عہدے دار تھا۔ اسے پاکستان میں کئی سفارتی مراعات بھی حاصل تھیں اس لیے اس کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھانا مصلحت کے تقاضوں کے منافی تھا۔ اس پر نظر رکھ کر وہ الفا پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں تھا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ ٹام نے اسے ہتھیاروں کے ساتھ کوئی محفوظ ٹھکانا بھی فراہم کیا ہوگا۔

وہ دونوں ایک سازش میں شریک تھا۔ اپنے سارے معاملات ریموٹ کنٹرول کے ذریعے نہیں چلا سکتے تھے۔ مشاورت اور افہام و تفہیم کے لیے ان کی ملاقاتیں ناگزیر تھیں۔ الفا اس کے پاس آتا یا ٹام اس سے ملنے کے لیے جاتا، دونوں صورتوں میں آئی بی کے نگراں الفا تک پہنچ سکتے تھے۔ ایک بار وہ ان کی نظروں میں آجاتا تو اس کا بچنا ممکن نہیں تھا۔

جلال وقت نکال کر ہم سے ملنے کے لیے چلا آیا تھا۔ وہ زیادہ دیر تک ہمارے پاس نہیں رک سکتا تھا۔ معلومات کا دوطرفہ تبادلہ ہو چکا تھا۔ وہ جہانگیر کے بارے میں بہت زیادہ فکرمند تھا۔ وہ متذبذب تھا کہ اپنی کارروائیوں کو جہانگیر کی بازیابی تک موخر کر دے یا ان پر فوری طور پر عمل کر گزرے۔

اسے اندیشہ تھا کہ سوبھراج کے مفادات پر کاری ضرب پڑنے کے بعد وہ جھنجلا کر جہانگیر کے خلاف کوئی انتہائی قدم اٹھا سکتا تھا۔ اس کا وہ خدشہ بے بنیاد نہیں تھا۔ وہ نکتہ اس نے اٹھایا تھا۔ جانے سے پہلے اس نے فیصلہ کیا کہ عمل کا مرحلہ آنے پر وہ مجھ سے آخری بار مشورہ ضرور کرے گا اور رشید کی تلاش میں ہونے والی پیش رفت کی روشنی میں طے کرے گا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

☆☆☆

شام تک اول خان کی طرف سے کوئی خبر نہیں مل سکی۔

رشید کی شناخت کا مرحلہ جتنی سرعت کے ساتھ طے کیا گیا تھا۔ اس کی تلاش میں اتنی ہی دیر ہورہی تھی۔

گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ایک طرف میرے اعصابی تناؤ میں اضافہ ہورہا تھا تو دوسری طرف سلمٰی کی حالت ابتر ہوتی جارہی تھی۔ اس پر بار بار رقت آمیز دورے پڑ رہے تھے جن کی وجہ سے گھر کی فضا بہت بوجھل اور سوگوار ہوگئی تھی۔

ویرا زندہ دلی کے ساتھ ہنس بول کر وقت گزارنے کی عادی تھی۔ اس ماحول سے وہ سخت گھٹن میں مبتلا ہوگئی تھی۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہونے لگا تھا کہ اسے ذرا بھی چھیڑا گیا تو وہ ایک دم پھٹ پڑے گی۔

میں خود بھی اس فضا سے دل برداشتہ تھا۔ سلمٰی کی موجودگی میں ہنسنا تو درکنار، مجھے مسکرانا بھی جرم محسوس ہورہا تھا۔ ہم سب کے اداس اور لٹکے ہوئے چہرے جہانگیر کی بازیابی میں کوئی کردار ادا نہیں کررہے تھے بلکہ ہر ایک کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ماؤف سی ہورہی تھیں۔

چار بجے میں نے اپنے وقت کو بہتر انداز میں استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

ویسے سارے معاملات ایک دوسرے کے ساتھ گتھے ہوئے تھے لیکن جب تک سوبھراج اور ٹام کے درمیان صلح نہیں ہوجاتی تھی، وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر تھے۔

جہانگیر کا قصہ سوبھراج کی ذات سے وابستہ تھا۔ اس سے میں بہت زیادہ باتیں کرچکا تھا اور شاید اسے یہ پیغام دینے میں کامیاب ہوگیا تھا کہ جہانگیر کی زندگی میرے لیے بہت اہم تھی۔ اسے کچھ ہوتا تو سوبھراج کے ساتھ اس کا پورا خاندان میرے انتقام کا نشانہ بن سکتا تھا۔

اس کے برعکس ٹام سے میری زیادہ گفتگو نہیں ہوسکی۔ اسے چھیڑ چھیڑ کر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ را کا اکلوتا ایجنٹ اس کی مدد حاصل کرچکا ہے۔ جلال نے چارلی سے معلوم ہونے والے ماسٹر پلان کی مدد سے میرے شبہے کی تصدیق کردی تھی۔

ٹام جس شدت کے ساتھ مجھ سے ملاقات کا خواہاں تھا۔ اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی نئی بات جنم لے چکی تھی۔

چار بجے میں نے ٹام کو فون کیا۔ اس وقت اندھیرا پھیلنے میں کافی وقت باقی تھا۔ جب میں نے اسے یہ بتایا کہ پانچ بجے اسٹیڈیم کے سامنے اس سے ملنے کو تیار تھا۔ تو اسے کوئی خاص خوشی نہیں ہوئی۔

وہ ملاقات کے لیے شہر کے کسی مرکزی علاقے میں ملاقات کا خواہاں تھا۔ اس کی دانست میں میری مجوزہ جگہ اس کے لیے دور اور غیر محفوظ تھی۔

کرنل داور کے روپ میں، میں ایک سے زائد مرتبہ اس سے مل چکا تھا۔ وہ تند خُو اور بد دماغ تھا اس لیے مجھے کبھی بھی متاثر نہیں کرسکا تھا۔ میں نے اس سے ملاقات کے لیے جان بوجھ کر اسٹیڈیم کا علاقہ منتخب کیا تھا۔ وہ میرے گھر سے قریب ہونے کے ساتھ اس اعتبار سے محفوظ تھا کہ وہاں میں دور تک نگاہ رکھ سکتا تھا۔

اس نے مقام کی تبدیلی کے لیے اصرار کیا تو میں نے اسے دوٹوک الفاظ میں بتادیا کہ اس شام میں صرف اسٹیڈیم تک آسکتا تھا۔ وہ مقام میں تبدیلی چاہتا تھا تو اسے ملاقات کا پروگرام ملتوی کردینا چاہیے۔ میں اگلے ایک دو روز میں دوبارہ وقت نکالنے کی کوشش کروں گا۔

وہ حربہ کارگر رہا اور ٹام نیشنل اسٹیڈیم آنے پر تیار ہوگیا۔

میں نے بہت خاموشی کے ساتھ ٹام کو فون کیا تھا۔ ویرا اکتائے ہوئے انداز میں گھر بھر میں بھٹکتی پھر رہی تھی۔ اس نے مجھے فون پر انگریزی میں بات کرتے سنا تو سیدھی وہیں آگئی۔ اسے ابتدائی مذاکرات کا علم نہیں ہوسکا لیکن گفتگو کا اختتام اس کے لیے واضح تھا۔

''بیٹھے بٹھائے تم کو کیا سوجھی ہے کہ کسی سے مشورہ کیے بغیر اس سے ملنے جارہے ہو؟'' اس نے حیرت سے دریافت کیا۔

''طبیعت اکتا رہی تھی۔ پتا چل جائے گا کہ وہ کیوں ملنا چاہ رہا ہے۔''

''اس کیفیت میں تم حاضر دماغی سے کام نہیں لے سکو گے۔ تمہارے چہرے سے بیزاری جھلک رہی ہے۔ میں اس حالت میں تمہیں اس سے ملنے کا مشورہ نہیں دوں گی۔''

''فکر نہ کرو۔ گھر سے نکلتے ہی میرا موڈ بحال ہوجائے گا۔''

''میرا بھی دم گھٹ رہا ہے'' اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا ''سلمٰی کی وجہ سے گھر کا ماحول یکا یک بوجھل ہوگیا ہے۔''

''مجبوری ہے۔ اسے برداشت کرو'' میں نے کسی برہمی کا مظاہرہ کیے بغیر کہا۔

''کیا میں تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں؟'' اس نے میری نرمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جھٹ فرمائش کردی ''ذرا ماحول بدل جائے گا۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے۔ کیا میری ساری محنت پر پانی پھیرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔ وہ ایک نظر میں تمہیں پہچان لے گا

پھر اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ میں کرنل داور بن کر ایک مدت سے ان لوگوں کو فریب دیتا چلا آ رہا ہوں۔''

''مجھے اس سے ملنے کا شوق نہیں ہے۔ راستے میں مجھے کہیں بھی اتار دینا، واپسی میں ساتھ لیتے آنا۔ کھلی ہوا میں نکل کر میرا دماغ تازہ ہو جائے گا۔''

''اس مقصد کے لیے میرا ساتھ ضروری نہیں ہے۔ چاہو تو دھند لکا پھیلنے کے بعد سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر نکل جانا۔ اس وقت تک میں بھی لوٹ آؤں گا۔''

''تمہارے پاس ہر وقت بہانے تیار رہتے ہیں'' وہ چڑ کر بولی ''صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے۔''

وہ زیر لب کچھ بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

میں گاڑی کا جائزہ لینے کے لیے پورچ کی طرف ہو لیا۔

اپنی حسّاس مصروفیات کی وجہ سے میرے لیے اپنی گاڑی کے نمبروں کو چھپائے رکھنا ضروری تھا۔ نمبر پلیٹوں کو بار بار تبدیل کرنا دشوار تھا اس لیے میں نے سلطان شاہ کی ذمے داری لگائی ہوئی تھی کہ نئی کرولا کی دونوں نمبر پلیٹیں ہر وقت اس طرح مٹی سے لتھڑی رہیں کہ انہیں صاف کیے بغیر کار کا رجسٹریشن نمبر پڑھنے میں نہ آسکے۔ پورچ میں یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ میری ہدایت پر پابندی سے عمل ہو رہا تھا۔ ٹام کی طرف جانے کے لیے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں کرنا تھا۔

میں واپس آیا تو غزالہ میری منتظر تھی۔ ویرا نے میری نئی مصروفیت کے بارے میں اس کے کان بھر دیے تھے۔

غزالہ نے مجھ سے سوال ضرور کیا لیکن الجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ویرا کی کوششوں کے باوجود وہ میرے ساتھ الجھنے سے گریز کرتی تھی۔ میں نے اسے اپنے پروگرام کی نوعیت سے آگاہ کیا اور وہ سر ہلا کر یوں مطمئن ہو گئی جیسے کوئی بات نہ ہو۔

''سلمٰی کہاں ہے؟'' میں نے وہ بات ختم کر کے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''اپنے کمرے میں سو رہی ہے'' غزالہ نے تھکی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا ''مجھے پہلی بار اندازہ ہوا ہے کہ کسی غم زدہ فرد کا ساتھ دینا کتنا مشکل کام ہے۔ میں نے آرام کرنے کے لیے اسے خواب آور دوا دے دی ہے۔ اسے سکون ملے گا اور میں بھی تھوڑی سی بے فکر ہو جاؤں گی۔''

گھر سے نیشنل اسٹیڈیم کا فاصلہ چند منٹ کا تھا۔ میں نے فرصت سے ایک گوشے میں بیٹھ کر اپنی ضروریات پر غور کیا۔ ٹام کوئی غنڈا نہیں تھا، جس سے مار دھاڑ ہونے کا خطرہ ہو۔ حفظِ ماتقدم کے لیے میرے پاس بیم گن اور دو انگوٹھیوں کا ہونا کافی تھا۔ ان کی مدد سے میں ہر قسم کی صورت حال پر قابو پا سکتا تھا۔

ٹام نے مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس بارے میں اس سے فون پر دو مرتبہ میری بات ہوئی اور کچھ دیر بعد میں اس سے ملنے کے لیے جا رہا تھا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ میں ملاقات کے مدعا سے بالکل ناواقف تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ ٹام مجھ سے ملنے کے لیے کیوں بے چین تھا۔

پونے پانچ بجے میں گھر سے نکل کھڑا ہوا اور مقررہ وقت سے کئی منٹ پہلے نیشنل اسٹیڈیم کے سامنے کے حصے میں داخل ہوا تو وہاں بنی ہوئی پختہ پارکنگ میں پہلے سے کچھ گاڑیاں موجود تھیں۔ میں اپنی گاڑی کی رفتار دھیمی کر کے داہنی طرف کی پارکنگ میں مڑنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اچانک میری نظر ٹام پر پڑی۔ وہ بائیں طرف اپنی گاڑی سے اتر رہا تھا۔

میں اپنی گاڑی اسی طرف لیتا چلا گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ بائیں طرف کے حصے میں ہماری دو گاڑیوں کے سوا کسی تیسری گاڑی کا وجود نہیں تھا۔ ٹام نے شاید اسی لیے اس حصے کا انتخاب کیا تھا۔

ٹام بہت ہوشیار اور چوکنا نظر آ رہا تھا۔ اس نے دور ہی سے مجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ میں نے کار روکی تو ٹام لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا میرے قریب آ گیا۔

''ویری گڈ!'' اس نے خشک لہجے میں کہا ''ہم دونوں وقت سے چند منٹ پہلے آ گئے۔ میں اس طرف پہلی بار آیا ہوں۔ بس آغا خان اسپتال میرا دیکھا ہوا تھا۔ اسی کے سہارے میں بھٹکے بغیر یہاں تک پہنچ گیا۔''

اس نے مجھ سے ہاتھ ملانے میں پہل نہیں کی تھی۔ میں نے گاڑی سے اتر کر بے نیازی سے اپنے دونوں ہاتھ جیبوں میں اڑس لیے۔

''کیا تمہاری گاڑی میں بیٹھ کر بات کرنا مناسب نہیں رہے گا؟'' اس نے پوچھا۔

''میرے پچھلے تجربات تلخ ہیں'' میں نے طنز سے کہا ''ایسا نہ ہو کہ تمہاری جیب سے کوئی قیمتی چپ میری گاڑی میں گر جائے اور تمہارے آدمیوں کو میرا گھر ڈھونڈنا پڑ جائے۔ بیٹھنا ضروری ہے تو میں کچھ دیر کے لیے تمہاری گاڑی میں بیٹھ سکتا ہوں۔''

''تم بہت منہ زور ہو...... آؤ!'' وہ اپنی گاڑی کی طرف مڑ گیا۔

''میں صاف بات کرنے کا قائل ہوں۔ اپنے دل میں گرہ ڈال کر نہیں بیٹھتا۔ یہی وجہ ہے کہ نک اور گیری کے بعد آج

تم سے میری ملاقات ہو رہی ہے۔''
وہ دروازہ کھول کر اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا، میں نے دوسری طرف جا کر اس کے برابر والی نشست سنبھال لی۔

''صاف گوئی میں اعتدال ضروری ہوتا ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہم اپنے مخاطب کی دل آزاری کے اندیشے کی وجہ سے اپنی زبان پر نہیں لاتے۔''

''یہ یورپ کا رواج ہو سکتا ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ امریکی منہ پھٹ ہوتے ہیں۔ کسی کی پروا نہیں کرتے۔ جو کہنا ہوتا ہے، کہہ ڈالتے ہیں۔''

''اس اعتبار سے تمہارا مزاج امریکیوں سے قریب تر ہے۔''

''شاید اسی لیے میں اس وقت ایک امریکی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس کے روکھے سوکھے چہرے کو دیکھ کر میں نے سرد مہری اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''ڈینی آج کل کہاں ہے؟'' اس نے اپنی نشست میں ترچھا ہو کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے نرم آواز میں سوال کیا۔

''وہ زیادہ تر اسی شہر میں ہوتا ہے مگر ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔ میں اس کے موجودہ ٹھکانے سے بے خبر ہوں'' میں نے پلکیں جھپکائے بغیر جواب دیا۔

''وہ کب تک پکڑا جائے گا؟'' ٹام نے اگلا سوال کیا۔

''ایک دن...... ایک ماہ یا شاید ایک سال میں...... میں اس بارے میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں رہا۔ کیا تم نے اتنی سی بات پوچھنے کے لیے مجھے بلایا تھا؟''

''یہ باتیں فون پر بھی ہو سکتی تھیں'' وہ بولا ''تم کو یہاں بلانے کا مقصد کچھ اور تھا۔ تم کو شاید یہ جان کر حیرت ہو کہ وہ مقصد پورا ہو چکا ہے۔''

اس کا جواب سن کر مجھے ذہنی جھٹکا لگا اور میری چھٹی حس نے اچانک خطرے کا اعلان کر دیا مگر میں نے کسی اضطراب کا مظاہرہ کیے بغیر بہت سکون سے کہا ''اگر تمہارا مقصد پورا ہو چکا ہے تو مجھے چلا جانا چاہیے۔''

''ضرور چلے جانا۔ آئے ہو تو کچھ اور باتیں بھی ہو جائیں۔ تم بے فکر رہو کہ میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ ہمیں تمہارے تعاون کی شدید ضرورت ہے۔''

اس کی مبہم باتوں سے مجھے بے چینی ہونے لگی تھی۔ میں نے کہا ''ان باتوں سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ مجھے بلانے سے تمہارا کیا مقصد تھا جو میری بے خبری میں پورا ہو چکا ہے۔''

''کل تم نے فون پر بہت زہریلی باتیں کی تھیں'' ٹام کا لہجہ درشت ہو گیا ''تمہاری باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ تم کل کے قاتلانہ حملے کا ذمے دار ہمیں سمجھتے ہو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے یہ سب کس بنیاد پر کہا تھا۔''

''اگر تم مجھے دھمکی دے رہے ہو تو اس بارے میں میری زبان سے ایک لفظ بھی نہیں سن سکو گے۔'' میں نے سختی سے جواب دیا۔

''دیکھو کرنل! ہم نے تمہارے بہت نخرے برداشت کر لیے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ کوئی بہت لمبا کھیل، کھیل رہے ہو۔ اصولی طور پر ہم کسی ایسے آدمی کا وجود برداشت نہیں کر سکتے جو امریکا اور پاکستان کے دوستانہ مراسم میں دراڑیں ڈالنے کی کوشش کر رہا ہو۔''

''یہ تمہاری الزام تراشی ہے'' میں نے برہمی سے کہا ''اب یہ بھی سن لو کہ تمہاری ایجنسیوں کی تمام غیر قانونی سرگرمیاں میرے سامنے ہیں۔ تم ہر قیمت پر یہاں اپنی من مانی کرنا چاہتے ہو۔ ڈینی کی بات اور تھی۔ اس سے بہت سے لوگ نالاں ہیں۔ اس سے آگے میری زبان نہ کھلواؤ ورنہ بات بگڑ جائے گی اور تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ کرنل داور دھمکیوں سے خوف زدہ ہونے والا آدمی نہیں ہے۔ وہ سر اٹھا کر زندہ رہنا جانتا ہے۔''

وہ کسی سانپ کی طرح چند ثانیوں تک مجھے گھورتا رہا پھر بولا ''نک اور گیری بے وقوف تھے۔ میں تمہارے کھیل کو بڑی حد تک سمجھ گیا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم قیامت تک ڈینی یا ویرا کو ہمارے حوالے کرنے کے قابل نہیں ہو سکو گے۔ تم ان کے ناموں کی آڑ لے کر ہمارے پیٹ میں گھسے ہوئے تھے مگر اب تمہارا کھیل ختم ہو چکا ہے۔ میں تمہارے کسی چکمے میں نہیں آؤں گا۔''

وہ بہت کھل کر بول رہا تھا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکی تھی کہ میری اور ٹام کی وہ ون ٹو ون ملاقات اس قدر اہم ثابت ہو گی۔ میں نے پُراعتماد انداز میں کہا ''میں اپنی دنیا میں مگن ہوں۔ مجھے کسی کو چکمہ دینے کی ضرورت نہیں۔ نک نے مجھے سبز باغ دکھا کر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تھی۔ میں تمہارے پاس نہیں آیا تھا۔ تمہارے پیش رو ایف بی آئی میں ملازمت کی پیشکش کے ساتھ میرا پیچھا کرتے رہے ہیں۔ یہ سب ریکارڈ کی باتیں ہیں۔''

''مجھے ماضی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ انہوں نے غلطیاں

کیں تو اس کا نتیجہ بھی بھگت لیا۔ مجھے شبہ ہے کہ اب سوبھراج بھی تمہارے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ ہر وہ بات جو اس کے علم میں آتی ہے، الٹی پڑ جاتی ہے۔ گیری اس سے ملنے کے لیے فرنچ پہنچ گیا اور واپسی میں لہولہان ہو کر بے ہوش ہو گیا۔ را والے اس پر بھروسا کر کے مار کھا رہے ہیں...... آخر یہ سب کیا ہے؟"

"یہ سب تمہارے اندر جنم لینے والے خوف کا نتیجہ ہے۔ تم را کے کن لوگوں کا ذکر کر رہے ہو۔ آدمی اندر سے خوف زدہ ہو تو اسے چھوٹی چھوٹی باتیں بہت بڑی نظر آنے لگتی ہیں۔ تم......"

"مجھے یہ فلسفے پڑھانے کی کوشش نہ کرو" اس نے سختی سے میری بات کاٹ دی "مجھے دوسروں سے کوئی غرض نہیں ہے، میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے کل والے حملے کا الزام میرے سر کیوں ڈالا۔ تمہارے پاس اپنے ہذیان کا کیا ثبوت ہے؟"

اس کی آنکھوں سے درندگی جھانکنے لگی تھی اور وہ واضح طور پر محاذ آرائی پر تل گیا تھا۔ بات اتنی بڑھ چکی تھی کہ اس کے سنبھلنے کا ہر امکان ختم ہو گیا تھا۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ ہاتھاپائی سے گریز نہیں کرے گا اور شاید ہتھیار بھی نکال لے۔

میں نے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں پڑی ہوئی زہر آلود انگوٹھیوں کے نگینے دھیرے دھیرے ہتھیلی کے رخ پر گھمانے شروع کر دیے اور فیصلہ کن لہجے میں کہا "کل مجھے صرف شبہ تھا اور اس کی بنیاد وہ امریکی رائفل تھی جو ریلوے اسٹیشن کی چھت سے ملی تھی۔ آج بات کھل چکی ہے۔ تم را والوں کے ساتھ مل کر یہاں دہشت پھیلانا چاہ رہے ہو۔ ابھی تم نے را والوں سے ہمدردی ظاہر کی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کس پر بھروسا کر رہے تھے لیکن تمہارے ساتھ ان کا گٹھ جوڑ ہے۔"

"کرنل!" اس کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر ایک سفاکانہ مسکراہٹ تیر گئی "شروع سے میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ تم خطرناک آدمی ہو۔ آج تمہاری شناخت ہو گئی ہے۔ ادھر جھاڑیوں میں ایک گن مین چھپا بیٹھا ہے۔ تمہارے اترتے ہی اس نے اشارہ دے دیا ہے۔ تم نے اسے صدر کے ایک ہوٹل میں گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ آج وہ میرے ساتھ ہے۔"

"مجھے کل ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ الفاتم سے مل گیا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ اس کا ساتھی غائب ہے۔ اس نے سب کچھ اگل دیا ہے۔ یہاں تک بتا دیا ہے کہ سوبھراج کے بعد تم ان کے وارث تھے۔"

"چارلی کہاں ہے؟" میں نے محسوس کیا کہ میرے انکشاف سے اسے ذہنی جھٹکا لگا تھا۔

"جہاں ہے، بہت برے حال میں ہے اور کھایا پیا سب اگلنے کے لیے تیار ہے۔"

"اب تک کوئی فورس یا ایجنسی ہمارے سامنے نہیں آئی۔ ہر طرف تمہارے سائے منڈلاتے ہوئے نظر آتے رہے ہیں۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ تم یہاں آئے ہو۔ یہ ملاقاتیں خفیہ ہوتی ہیں اس لیے کسی کو بتا کر نہیں آئے ہو گے۔ کرنل! ڈرنے اور پہلو بدلنے کی ضرورت نہیں، میں امن پرور آدمی ہوں۔ ہتھیاروں کے استعمال سے ڈرتا ہوں، تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ اب میری گاڑی سے اترو اور اپنی راہ لو۔ میں تمہیں اس سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔"

اس نے اچانک بات ختم کر دی۔ میرے وجود میں سنسنی کی لہریں دوڑنے لگیں۔ چند ثانیے قبل اس نے جھاڑیوں میں چھپے ہوئے گن مین کا ذکر کیا تھا۔ وہ الفا کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ را کا خونی درندہ اپنی کمین گاہ میں تیار بیٹھا ہوا تھا۔

وہ کسی بھی لمحے میرے اوپر گولی چلا سکتا تھا۔ ٹام واپسی میں اسے اپنے ساتھ لے کر تیزی سے نکل جاتا۔

حالات بگڑنے کی صورت میں ٹام اسے اس کے حال پر چھوڑ کر فرار ہو سکتا تھا۔ الفا اپنے انجام کا خود ذمے دار ہوتا۔

بہتر ماحول میں شروع ہونے والی اس ملاقات کا انجام میرے لیے بہت غیر متوقع اور خون آشام نظر آ رہا تھا۔ مجھے اپنی زندگی میں کبھی موت سے خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔ میں نے بدترین حالات میں موت کے جبڑوں میں ہاتھ ڈال کر زندگی کی نوید حاصل کی تھی لیکن اس وقت ٹام نے نہایت مکاری سے مجھے عجیب صورت حال میں ڈال دیا تھا۔

را کا ایک مسلح کارندہ ڈھلتی شام کے سایوں میں کہیں چھپا ہوا تھا۔ وہ میری گھات میں تھا مگر میں اس کی پوزیشن سے بے خبر تھا۔ میرے پاس بیم گن اور انگوٹھیوں کے سوا کوئی تیسرا ہتھیار نہیں تھا جو زیادہ دور تک مار کر سکتا۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ ٹام کی گاڑی سے اتر کر اپنی گاڑی تک جانے کے دوران میں کب اور کہاں سے مجھ پر فائر کرنا ہو گا۔ وہ مقابلہ نہیں، گھات لگا کر مجھے ہلاک کرنے کی گہری سازش تھی جس کا بظاہر کوئی توڑ نہیں تھا۔

اس وقت صرف ٹام میرے قریب موجود تھا۔ وہ مجھے ہاتھ نہ لگانے کا اعلان کر چکا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ وہیل پر جمے ہوئے تھے۔ وہ تحقیر آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے میرے اترنے کا منتظر ہو۔

میرے لیے ایک ہی راہ باقی رہ گئی تھی۔ میں پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے بیم گن نکال کر ٹام کو یرغمال بناتا اور اس کی آڑ میں وہاں سے بچ کر نکل جاتا۔

اس دباؤ کے عالم میں میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں نے ایک لمحے کے سویں حصے کے لیے اپنی گلوخلاصی کی اس تدبیر کے بارے میں سوچا اور اسے مسترد کر دیا۔ ٹام جیسے مکّار اور سازشی کی آڑ لے کر اس محاذ سے بھاگنا، ذلت آمیز تھا۔ اگر میرا وقت پورا ہو چکا تھا تو ٹام کی آڑ کیا، دنیا کی کوئی طاقت مجھے موت کے چنگل سے نہیں بچا سکتی تھی۔

میں نے اللہ پر توکل کر کے دروازہ کھولا اور ٹام کی گاڑی سے اتر گیا۔

وہ انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ میرے اترتے ہی گاڑی بہت تیزی سے آگے نکال لے گیا۔ میں اپنے چھپے ہوئے دشمن کے کھلے نشانے پر آسمان تلے کھڑا رہ گیا۔

میں نے اپنی کار کی طرف قدم بڑھایا ہی تھا کہ فضا فائر کی ایک ہولناک آواز سے لرز اٹھی۔ شاید میرے دشمن نے گولی چلادی تھی۔ میں بے اختیار تارکول سے بنی ہوئی پارکنگ لاٹ پر گر گیا۔ اسی لمحے فضا میں ایک بھیانک انسانی چیخ گونجی اور میں چکرا کر رہ گیا۔

وہ سب تواتر کے ساتھ ایک ہی وقت میں یوں رونما ہوا تھا کہ میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔ میں سڑک پر سینے کے بل سرکتا ہوا اپنی کار کی طرف بڑھا‘ دروازہ کھول کر جھکے جھکے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور پھر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

ٹام کی کار کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ میرے سامنے بھی کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ میں نے اپنی کار کی رفتار بڑھادی۔

نیشنل اسٹیڈیم سے مین روڈ پر نکلتے ہوئے میں نے داہنی طرف سے جھاڑیوں میں کچھ ہلچل سی دیکھی لیکن میں نے وہاں رکنے کی حماقت نہیں کی۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ میں الفا کا نشانہ بننے سے بال بال بچ گیا تھا اور میری واپسی کی راہ مسدود نہیں تھی۔

انسانی چیخ کس کی تھی...... جھاڑیوں میں کیا ہو رہا تھا، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ دھماکے اور چیخ کی آوازیں سن کر وہاں آنے والے خود ہی ان سب باتوں کا سراغ لگا لیتے۔

نیشنل اسٹیڈیم سے میں چند منٹ میں واپس گھر پہنچ گیا۔ وہاں تینوں سکون سے ٹیلی وژن کے سامنے بیٹھے میری واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ سلمٰی بدستور اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔

''ٹام سے ملاقات کیسی رہی...... تمہارا چہرہ تمتمایا ہوا کیوں ہے؟'' ویرا نے میری طرف دیکھتے ہی سوال کیا۔

''ملاقات زوردار رہی۔ ٹام دوسروں سے زیادہ چالاک ثابت ہوا۔ آج اس نے کرنل داور کا قصہ ختم کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔'' میں نے اختصار سے کہا۔

''کیا اس نے تمہیں پہچان لیا؟'' ویرا میرے ذومعنی الفاظ کا مفہوم نہیں سمجھ سکی۔

''پہچاننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ کرنل داور انہیں چکر دے رہا ہے۔ وہ الفا کو مسلح کر کے اپنے ساتھ لایا تھا اور اس کے ہاتھوں مجھے مروانا چاہتا تھا لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہاں کیا ہوا۔ گولی چلی‘ کوئی بے ساختہ چیخا اور میں وہاں سے نکل آیا۔''

میری زبان سے سپاٹ انداز میں وہ تفصیل سن کر تینوں کی آنکھیں حیرت سے پیشانیوں پر جا چڑھیں۔ غزالہ اٹھ کر میرے قریب آئی اور دوسروں کی موجودگی کی پروا کیے بغیر‘ والہانہ انداز میں میرے بدن کو ٹٹولتے ہوئے بولی ''ایسا بھیانک واقعہ ہو گیا اور آپ اس طرح بتا رہے ہیں جیسے آپ ٹام کے ساتھ پنگ پانگ کھیل کر آئے ہوں۔''

''ٹام نے مجھے حیران کر دیا۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی تیزی سے نتائج اخذ کر لے گا۔ اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ اس نے الفا کی کہانی سننے کے بعد یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ کرنل داور سے اپنی جان چھڑا لے گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''کل فون پر بات کرتے ہوئے اس کا ذہن بہت صاف تھا۔ وہ ہر قیمت پر مجھ سے ملنا چاہتا تھا اس لیے اس نے میری وہ باتیں بھی خندہ پیشانی سے سن لیں جو اسے اشتعال دلانے کے لیے کافی تھیں۔''

''الفا سے تمہارا یعنی کرنل داور کا کیا واسطہ!'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ ماننا پڑے گا کہ ٹام بہت ذہین ہے۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ میں ڈینی کے روپ میں سوبھراج سے مل بیٹھا ہوں۔ اس کے باوجود اسے میری اور سوبھراج کی سازباز کا شبہ ہو گیا تھا۔ رہی سہی کسر الفا کی شناخت نے پوری کر دی۔''

وہ بہت الجھی ہوئی باتیں تھیں جنہیں سمجھنا آسان نہیں تھا۔ میں بہت تحمل کے ساتھ انہیں ٹام کے بھڑکنے کے اسباب سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔

واقعہ رونما ہو چکا تھا‘ میں بچ کر گھر لوٹ آیا تھا لیکن وہ تینوں رہ رہ کر یوں قلق کا اظہار کر رہے تھے جیسے وہ میرے ساتھ گئے ہوتے تو صورت بدل گئی ہوتی۔ وہ میرے ہم دم اور ہم نوا تھے میں خاموشی سے ان کے پُرخلوص تبصرے سنتا رہا۔

''خدا کا شکر ہے کہ تم صحیح وسلامت لوٹ آئے لیکن فائر اور چیخ کا معماحل نہیں ہوسکا۔'' ان باتوں سے نمٹتے ہی ویرا کو وہ موضوع یاد آگیا ''فائر تم پر کیا گیا تھا تو وہ چیخ کس کی تھی۔ اگر چیخنے والے پر گولی چلائی گئی تو عین وقت پر الفا کہاں غائب ہوگیا۔ تم ایک دومنٹ کے لیے وہاں رک جاتے تو یہ باتیں بھی صاف ہوجاتیں۔''

''وہاں رکنے میں میری کھوپڑی صاف ہونے کا خطرہ تھا۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر یہ رائے دینا بہت آسان ہے موت پیچھا کررہی ہوتو انسان کو اور کسی بات کا ہوش نہیں رہتا۔'' میں نے قدرے تلخی سے جواب دیا اور ویرا سر ہلا کر رہ گئی۔

''اسٹیڈیم کتنی دور ہے۔ ہم وہاں کا ایک چکر لگا لیتے ہیں۔ اب تک ہر خطرہ ٹل چکا ہوگا اور واقعات سامنے آچکے ہوں گے۔'' سلطان شاہ نے ویرا سے کہا۔

''ہاں!'' ویرا اسی لمحے اٹھ کھڑی ہوئی ''تجسس میں سسکتے رہنے سے بہتر ہے کہ وہاں کا ایک چکر لگا ہی لیا جائے۔''

میں نے ان دونوں کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ سلطان شاہ نے کہنے کو بات کہہ دی تھی لیکن اپنی جگہ سے اٹھنے میں کسمسا رہا تھا۔ اسی لیت ولعل میں اچانک گھنٹی چیخ اٹھی۔ ایس ٹی ایف کے آدمیوں کے آجانے کے بعد سب کی عادتیں بگڑ گئی تھی۔ کسی نے دروازے کی طرف جانے کی زحمت نہیں کی سب استفہامیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

چند لمحوں بعد جلال اندر آگیا۔ مجھے اول خان کی آمد کی توقع تھی۔ جلال کی بے وقت آمد نے مجھے چونکا دیا۔ شہر میں اپنی مصروفیات کو چھوڑ کر اس کا ہماری طرف آنا معنی خیز تھا۔

''تھوڑی دیر پہلے تم ٹام سے ملنے کے لیے نیشنل اسٹیڈیم کی طرف گئے تھے؟'' اس نے بیٹھتے ہی مضطربانہ انداز میں مجھ سے سوال کیا۔

''تمہیں یہ خبر کہاں سے مل گئی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''تم کو اندازہ ہے کہ آج تم موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچے ہو!'' اس نے ہلکی سی جھرجھری لے کر اگلا سوال کیا اور میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

''الفا جھاڑیوں میں پورے میگزین کے ساتھ اسی قسم کی رائفل لیے تیار بیٹھا ہوا تھا جو ناکام قاتلانہ حملے میں استعمال کی گئی تھی۔'' جلال کہہ رہا تھا ''اگر میرا آدمی اس پر فائر کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر کرتا تو وہ پورا برسٹ چلا کر تمہارا بدن چھلنی کردیتا۔''

''اوہ!'' میں بے ساختہ کہہ اٹھا ''وہ چیخ الفا کی تھی!''

''تم یہ سب بتا کر حیران کیے دے رہے ہو۔'' ویرا جلال سے مخاطب ہوکر بولی ''یہ کیوں نہیں بتاتے کہ تمہارا آدمی اچانک وہاں کیسے پہنچ گیا۔''

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ الفا کی تلاش کے لیے میں نے اپنے آدمیوں کو ٹام کی نگرانی میں مامور کردیا تھا۔'' جلال نے بتانا شروع کیا ''آج ٹام اپنے دفتر سے نکلا تو میرے آدمی اس کا پیچھا کررہے تھے۔ راستے میں انہوں نے دیکھا کہ گاڑی میں الفا بھی اس کے ساتھ موجود ہے۔ شاید ٹام نے اسے اپنی دفتری عمارت میں پناہ دی ہوئی تھی......''

''ذرا ایک منٹ!'' ویرا نے جلال کی بات میں دخل انداز ہوتے ہوئے کہا ''تمہارے آدمیوں کو کیسے پتا چلا کہ وہ الفا ہی ہے۔''

''ان دونوں کو الفا کا وہ حلیہ ذہن نشین کرادیا گیا تھا جو چارلی نے بتایا تھا'' جلال نے وضاحت کی ''وہ ساڑھے چار بجے نیشنل اسٹیڈیم پہنچ گئے تھے۔ ٹام نے ہلکی رفتار سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اسٹیڈیم کے آس پاس کے علاقے میں کئی چکر لگائے اور پھر میدان صاف پاکر پھرتی سے الفا کو جھاڑیوں کے پاس اتار دیا۔ وہ ایک تھیلا لے کر جھاڑیوں میں غائب ہوگیا۔ ٹام گاڑی کو پارکنگ کی طرف نکال لے گیا۔''

''حیرت ہے کہ تمہارے آدمی اتنے قریب رہ کر ان کا پیچھا کررہے تھے اور ٹام جیسے زیرک آدمی کو ان کی موجودگی کا اندازہ نہیں ہوسکا۔'' اسے خاموش پاکر ویرا بولی۔ ہم تینوں نے انہماک کے ساتھ مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔

''تم بھول رہی ہو۔ آئی بی میں ایسے تجربے کار آدمیوں کی کمی نہیں ہے جن کی عمریں ان ہی کاموں میں گزری ہیں۔ وہ گاڑیوں کے بجائے اسکوٹرز استعمال کرتے ہیں اور ہمیشہ دو کی نفری میں چلتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ٹام کو ان اطراف میں بار بار منڈلاتے دیکھ کر دونوں الگ ہوگئے ہوں اور ان میں سے ایک نے کسی اوٹ میں پناہ لے لی ہو۔ مجھے اپنے آدمیوں کے طریقہ کار سے زیادہ نتائج سے دلچسپی ہوتی ہے۔ مطلوب نتائج کے لیے انہیں اپنی مرضی کے طریقے اختیار کرنے کی آزادی ہوتی ہے۔''

''بار بار دخل اندازی نہ کرو۔'' سلطان شاہ نے مربیانہ انداز میں ویرا کو فہمائش کی ''جو کہا جارہا ہے اسے غور سے سنو۔ سوال بعد میں کرلینا۔''

''ٹام کافی دیر تک اپنی گاڑی میں بیٹھا رہا۔ اس دوران

میں الفا نے جھاڑیوں میں رائفل کے حصے جوڑ کر اسے لوڈ کر لیا تھا۔ اسی اثنا میں تم وہاں پہنچ گئے۔ میرے دونوں آدمی تمہیں پہچانتے ہیں۔ ٹام کی دیکھ بھال کرنے والے کا ماتھا ٹھنک گیا۔ جب تم ٹام کی گاڑی سے اترے تو الفا نے تمہاری شست باندھ لی تھی۔ ٹام کی گاڑی روانہ ہوتے ہی وہ تمہارے نشانے پر برسٹ فائر کرنے والا تھا۔ میرے دوسرے آدمی نے پشت سے فائر کر کے اس کا بھیجا اڑا دیا، وہ ذرا بھی چوکتا تو وہاں الفا کے بجائے تم مارے گئے ہوتے۔''

''لرزہ خیز واقعہ ہے!'' غزالہ بے اختیار جھرجھری لے کر بولی۔

''مجھے یہی پریشانی تھی کہ مجھ پر فائر ہوا ہے تو وہ چیخ کس کی تھی۔'' میں نے کہا۔

''کیا تمہیں معلوم تھا کہ تم پر فائر ہونے والا ہے؟'' جلال نے حیرت سے پوچھا۔

''ٹام نے مجھے بتا دیا تھا کہ اور میں تن بہ تقدیر ہو کر اس کی گاڑی سے اتر گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میرا وقت پورا نہیں ہوا تو الفا مجھے نہیں مار سکے گا۔''

''وہی ہوا۔ اس کا وقت پورا ہو چکا تھا۔'' ویرا نے ٹکڑا لگایا ''یہ کیسی عجیب بات ہے کہ کسی کو دوسرے کے پروگرام کا علم نہیں تھا۔ سب اپنی دھن میں مگن تھے لیکن کاتب تقدیر نے تینوں فریقوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔''

''مجھے جوں ہی اپنے آدمیوں سے اطلاع ملی۔ میں تمہاری طرف دوڑا چلا آیا۔ یہ میرے لیے دہری خوشی کا موقع ہے۔ تم بچ گئے اور ہم نے را کے مطلوب دہشت گرد کو مار کر بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ ریلوے اسٹیشن کی چھت سے ملنے والی رائفل پر پائے جانے والے فنگر پرنٹس محفوظ کر لیے گئے تھے۔ ان سے تصدیق ہو جائے گی کہ وی آئی پی موٹر کیڈ پر الفا نے حملہ کیا تھا۔''

''تم رائفلوں کی مشابہت کو بھول رہے ہو۔ الفا کے پاس آج بھی اس امریکی ساخت کی رائفل تھی جو پچھلے قاتلانہ حملے میں استعمال کی گئی تھی۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''وہ مر چکا ہے اس لیے اب یہ رسمی باتیں ہیں۔ زندہ ہاتھ آتا تو اس کا جرم ثابت کرنے کے لیے ان سب چیزوں کی اہمیت ہوتی۔ یہ بتاؤ کہ اچانک ٹام سے ملنے کا پروگرام کیسے بن گیا؟'' جلال نے وہ سوال مجھ سے کیا تھا۔

''ملاقات طے نہ ہوتی تو آج اتنی بڑی کامیابی نصیب نہ ہوتی۔ الفا آزادی سے شہر میں دندناتا رہتا۔'' میرے بجائے ویرا نے جواب دیا ''یہ ڈینی کی ذہنی اپچ تھی، جہانگیر کے اغوا کی کوفت دور کرنے کے لیے یہ کسی مشغلے کی تلاش میں تھا کہ اسے ٹام کا خیال آ گیا۔ ڈینی نے میرے سامنے فون کر کے اسے پانچ بجے کا وقت دیا اور وہ کچھ پس و پیش کے بعد ملنے پر رضا مند ہو گیا۔''

جلال بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے میرے دونوں بازو تھام کر مجھے صوفے سے اٹھایا اور والہانہ انداز میں اپنے سینے سے لپٹا لیا۔

''آج مجھے یقین آ گیا کہ تم مقدر کے دھنی ہو۔'' وہ مجھ سے کہہ رہا تھا ''اندھیرے میں تیر چلاتے ہو تو وہ بھی نشانے پر لگتا ہے شاید تمہارا وجدان تمہاری رہنمائی کرتا ہے۔''

''مجھے ایک خلش ہے کہ ٹام صاف بچ کر نکل گیا۔ اس موقع پر اسے بھی رنگے ہاتھوں پکڑا جانا چاہئے تھا۔'' ویرا نے مجھے دل کی بات جلال سے کہہ دی۔

''وہ پکڑا جاتا تو اس کے لیے جواب دہی خاص مشکل ہو جاتی لیکن ہم اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے۔ مجھے زیادہ تفصیل کا علم نہیں ہے۔ وہاں جاؤں گا تو بات پتا چلے گی۔ میرا خیال ہے کہ اسے دو وجوہ کی بنا پر نہیں روکا گیا ہوگا۔ میری ہدایت ہے کہ جرم کے ارتکاب کے بغیر غیر ملکیوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ یہ ملک کی نیک نامی کے لیے ضروری ہے۔ ٹام نے اپنی روانگی تک کوئی جرم نہیں کیا تھا میرے آدمی نے اسے نہیں روکا۔ دوسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کو ہر وقت ایک دوسرے سے رابطے کا موقع نہ ملا ہو۔ وہ کوئی پیغام دینے کی کوشش کرتے تو ان کی آوازیں سن کر دشمن چونک سکتے تھے۔''

''جب اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے تو اس کو روکنا بھی بے سود ہوتا۔'' ویرا نے مایوسی سے کہا ''بات تو جب بنتی کہ اس کی کچھ درگت بنائی جاتی۔''

''یہ کہہ سکتی ہو۔ تم کو اندازہ نہیں ہے کہ ایک بلائنڈ واردات کے ارتکاب کے چوبیس گھنٹوں میں الفا کو ٹھکانے لگا کر ہم نے کتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ مجھے ٹام کے نکل جانے کا کوئی ملال نہیں ہے۔ تم یہ دیکھو کہ انسانوں کے سمندر میں گم ہو جانے والے را کے دونوں ایجنٹ کتنی سرعت سے اپنے کیفر کردار کو پہنچے ہیں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ ہم الفا کو اتنی تیزی اور آسانی سے ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

جلال پوری تفصیلات جان لینے کے بعد خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا اور کامیابی کا سارا کریڈٹ مجھے دے رہا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس نے اپنے آدمیوں کا ٹام کے پیچھے نہ لگایا ہوتا تو میری مہم جوئی کا نتیجہ بہت ہولناک ہو سکتا تھا۔ وہ کوئی باقاعدہ مہم تھی نہ الفا کو گھیرنے کے لیے کوئی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ ایک قابلِ

رشک اتفاق تھا کہ دشمن آئی بی کے آدمیوں کی نظروں میں آ گیا تھا۔ صحیح وقت پر طاقتور مہرے مناسب ترین مقامات پر موجود تھے۔ جلال وہ خبر سنتے ہی ہماری طرف دوڑا چلا آیا تھا۔ اس کے آدمی الفا کی لاش کے ساتھ نیشنل اسٹیڈیم کے قریب اس کا انتظار کر رہے تھے۔ قریبی پولیس چوکی سے ایک پارٹی جائے واردات پر پہنچ چکی تھی۔ اگر جلال کو وہاں پہنچنے میں تاخیر ہوتی تو رسمی کارروائیوں کے ضمن میں گڑبڑ ہونے کے امکانات تھے۔

وہ جہانگیر کی بازیابی کے لیے اپنی بہترین امیدوں کا اظہار کرتا ہوا اسٹیڈیم کی طرف روانہ ہو گیا۔

ویرا نے اس طرف کا ایک چکر لگانے کا خیال ظاہر کیا تو جلال نے اسے سختی سے منع کر دیا۔ اس کی رائے میں ہم میں سے کسی کا وہاں پایا جانا مناسب نہیں تھا۔

اسے یقین تھا کہ ٹام کو واپسی پر الفا کو اپنے ساتھ لے جانا تھا لیکن اس کی گاڑی حرکت میں آتے ہی امریکی رائفل کے برسٹ کے بجائے فضا میں اکلوتے فائر اور الفا کی ہولناک چیخ کی آوازیں گونجنے کے سبب اسے گڑبڑ کا احساس ہو گیا اور وہ رکے بغیر اس علاقے سے نکلتا چلا گیا۔ حالات و واقعات کے پیش نظر یہ خدشہ باقی تھا کہ کچھ وقت گزارنے کے بعد وہ دوبارہ وہاں لوٹ کر اصل صورت احوال جاننے کی کوشش کرے۔ اگر وہ ویرا کو وہاں منڈلاتا ہوا دیکھ لیتا تو اس کے لیے نئی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔

''خدا خدا کر کے ناکامیوں کا حصار ٹوٹا ہے۔'' جلال کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے تشکر آمیز لہجے میں کہا ''اب جہانگیر کے بارے میں بھی کوئی اچھی خبر آ جائے تو اس خوشی کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔ میں نے جلال کو پہلی بار اتنا خوش دیکھا ہے۔''

''اس قسم کے واقعات میں لمبی تحقیقات چلتی ہیں۔ بہت سے مشتبہ افراد پکڑے اور پھر چھوڑے جاتے ہیں اور کچھ عرصے بعد فائلیں سرد خانے کی زینت بن جاتی ہیں۔ اصل مجرم کبھی ہاتھ نہیں آتے۔'' میں نے کہا ''اس پس منظر میں آج کا واقعہ ناقابلِ فراموش ہے مجھے توقع نہیں تھی کہ الفا اتنی آسانی سے چوہے دان میں پھنس جائے گا۔''

''یہ برا ہوا کہ ٹام سے تمہارا رابطہ ختم ہو گیا'' ویرا سگریٹ سلگاتے ہوئے بولی ''اب ہمیں ان کے عزائم کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکے گا۔''

''وہ کاٹھ کی ہانڈی تھی جو بہت دیر تک چڑھی رہی۔'' میں نے جواب دیا ''یہ قصہ بہت پہلے ختم ہو جانا چاہیے تھا لیکن نک اور گیری کی حماقتوں کی وجہ سے چلتا رہا۔''

''اب بھی ٹام کو یہ شبہ نہیں ہوا تھا کہ تم کرنل داور نہیں ہو!'' سلطان شاہ نے مجھ سے تصدیق چاہی۔

''وہ آخر تک اس فریب سے نہیں نکل سکا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''ان کے بارے میں بہت زیادہ جاننے کی کیا ضرورت ہے۔'' غزالہ ویرا سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''یہ بات ہم سب کو معلوم ہے کہ وہ تمہاری اور ان کی تلاش میں ہیں۔ اسی کے ساتھ یہاں افراتفری پھیلانے کے چکر میں لگے رہتے ہیں۔''

ان کی.... حرکتوں کو ان چند فقروں میں نہیں سمیٹا جا سکتا۔'' ویرا نے اعتراض کیا ''جوڑ توڑ ذہنی لڑائی اور سازشوں کا ایک باب بند ہو گیا۔ جب تک ان سے رابطہ برقرار تھا ہمیں کچھ نہ کچھ کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں۔''

''کامیابیاں مل رہی تھیں' انہیں نقصان بھی پہنچ رہا تھا غور کرو تو وہ عارضی اور وقتی فائدے تھے۔ کرنل داور انہیں روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔'' میں نے کہا۔

''اب تم زیادہ انکسار سے کام نہ لو۔'' ویرا تیزی سے بولی ''آج کا واقعہ لے لو۔ ٹام سے تمہارا رابطہ نہ ہوتا تو تم اس سے ملاقات کا وقت طے نہیں کر سکتے تھے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ وہ تمہیں اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک افسر سمجھنے کے باوجود تم پر بڑی حد تک اعتماد کرتے تھے۔ اعتماد کا وہ رشتہ اب ٹوٹ چکا ہے۔''

''رابطے کے لیے ڈینی کے پاس اب بھی ٹام کے نمبر موجود ہیں۔ ان پر اس سے ہر وقت رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔'' سلطان شاہ نے کہا۔

''تم نے میرے آخری جملے پر دھیان نہیں دیا۔'' ویرا ہلکے سے غصے سے بولی ''سب کچھ ہے مگر ان کا اعتماد ختم ہو چکا ہے۔ اب شاید وہ کرنل داور سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرے گا۔''

''بات ہو گی۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''لیکن وہ دل کی بات نہیں کرے گا۔''

''میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔ ابھی تو وہ اس چکر میں ہو گا کہ اسٹیڈیم میں اچانک کیا ہو گیا۔ یہ معاملہ آسانی سے اس کی سمجھ میں نہیں آ سکے گا۔''

''ہو سکتا ہے کہ وہ تفصیل کریدنے کے لیے آپ کو فون کر لے۔'' غزالہ بولی۔

''یہ ناممکن ہے۔ اس کی آخری گفتگو نفرت اور غصے سے بھرپور تھی۔ وہ بھول کر بھی مجھ سے رابطہ کرنے میں پہل نہیں کرے گا۔''

''سوبھراج کوبرا کے روپ میں ان لوگوں کا بہت مددگار تھا۔'' ویرا کو یکا یک ایک نئی بات یاد آ گئی وہ کہہ رہی تھی ''انہیں سامنے آنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ زبان ہلاتے تھے اور وہ مقامی لوگوں کی مدد سے کام کروالیتا تھا۔ اب ان کے پاس فیلڈ فورس کا قحط تھا۔ یہ انتہا ہے کہ آج را کے ایک ایجنٹ کو وہ براہ راست میدان میں لے آئے اور اس سے ہاتھ دھو بیٹھے، نفری کا یہ بحران انہیں مفلوج کر کے رکھ لے گا۔''

''ان کے بارے میں سوچ کر خود کو ہلکان مت کرو۔'' سلطان شاہ بولا ''اچھا ہوا کہ ڈینی کو ان کے چکروں سے نجات مل گئی۔ یہ سوچو کہ اب جہانگیر کے لیے کیا کرنا ہے۔''

''اس کا بھی کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔'' غزالہ نے پرامید لہجے میں کہا ''ہمیں صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہئے۔ اول خان کی طرف سے جلد ہی کوئی اچھی خبر آئے گی۔''

اسی وقت سلمٰی مضمحل انداز میں وہاں آ گئی۔ وہ اپنے کمرے سے ہاتھ منہ دھو کر آئی تھی اور قدرے بشاش لگ رہی تھی۔ خواب آور دواؤں کے زیر اثر زیادہ سونے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے پپوٹے کچھ سوجے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

''یہ گولیاں بہت تیز ہیں۔ اس وقت بھی میرا دماغ بوجھل ہو رہا ہے۔'' اس نے ہمارے درمیان بیٹھتے ہوئے غزالہ سے شکایت کی پھر میری طرف متوجہ ہو گئی۔ ''اس آدمی کا کچھ پتا چلا؟''

''وہ ایک روپوش ملزم ہے۔ اس کا سراغ آسانی سے نہیں مل سکے گا۔'' میں نے معذرت خواہانہ انداز میں بتایا ''اول خان نے اپنے آدمیوں کو اس کی تلاش پر مامور کیا ہوا ہے۔''

''پولیس والے بھی اسے تلاش کر رہے ہوں گے!'' اس نے جاننا چاہا اس کی دھیمی آواز میں عجیب سا کرب پنہاں تھا۔

''انہیں بھی شامل کر لیا گیا ہے۔'' میں نے سر جھکا کر جھوٹ بولا۔ میں سلمٰی کی اس امید کی تردید کرنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔

میرے جواب پر ویرا نے چونک کر میری طرف دیکھا مگر بات سمجھ کر نظریں جھکا لیں۔ پولیس والوں کے طریقہ کار اور اس کے بارے میں میرے تحفظات پر پہلے ہی تفصیلی بات ہو چکی تھی۔ سلمٰی کی پریشان خیالی کی وجہ سے وہ نکات اس کے ذہن سے نکل گئے تھے اس لیے میں نے نئے سرے سے پوری بات دہرانے کے بجائے اس کی ہاں میں ہاں ملانی ضروری سمجھی تھی۔

اس شکستہ دل عورت کے لیے اس کا شوہر ہی سب کچھ تھا۔ سسرال نام کو بھی موجود نہیں تھی۔ میکے والے لاہور میں تھے۔ جہانگیر کے اغوا کے بعد وہ بالکل تنہا ہو کر ہم لوگوں کے رحم و کرم پر رہ گئی تھی۔ میں اس کی موہوم سی امید پر بھی پانی نہیں پھیر سکتا تھا۔

''پتا نہیں وہ کس حال میں ہوں گے۔'' سلمٰی بھرائی ہوئی آواز میں بولی ''مجھے رہ رہ کر ان کا خیال آ رہا ہے۔ وہ میرے بغیر پانی کا ایک گلاس بھی نہیں پی سکتے تھے۔ اب ان ظالموں کے رحم و کرم پر بھوکے پیاسے پڑے ہوئے ہوں گے۔''

''اس کے بارے میں اتنا نہ سوچو۔'' میں نے غزالہ کو چائے لانے کی ہدایت دینے کے بعد کہا ''وہ بہت مضبوط اور بہادر آدمی ہے۔ میں اسے تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ وہ بہت تیزی کے ساتھ حالات سے سمجھوتا کرنا جانتا ہے۔ وہ یہ کٹھن وقت آسانی سے گزار لے گا۔''

سلمٰی کو دوسرے واقعات کا علم نہیں تھا۔ اسے ہماری سرگرمیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی میں نے بھی اسے کچھ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ویسے بھی اس کی آمد کے بعد جہانگیر کی ذات کے سوا ہمارے درمیان کوئی مشترک موضوع نہیں رہا تھا۔ اس بارے میں بات کرتے ہوئے سلمٰی کی حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔ اس لیے سب نے خاموش رہنا بہتر سمجھا اور اسی خاموش فکرمندی کے عالم میں چائے کا دور شروع ہو گیا۔

ہر طرف سے فرصت اور فراغت میسر آنے کے بعد ذہن اول خان کی طرف مبذول ہو گیا۔ وہ پولیس ریکارڈ سے حاصل کی ہوئی تصویر کی شناخت کے بعد صبح سے ایسا گیا تھا کہ اس نے پلٹ کر اپنے بارے میں کوئی خبر نہیں دی تھی۔

مجھے احساس تھا کہ ایس ٹی ایف کے طویل تعطل کے بعد سرگرمیاں بحال ہونے سے اول خان کی مصروفیت میں اضافہ ہو گیا تھا لیکن وہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ سب لوگ جہانگیر کے بارے میں فکرمند تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا اس کی سلامتی کے بارے میں میری تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اگر اول خان کچھ وقت نکال کر صرف فون ہی کر لیتا تو میری اور سلمٰی کی پریشانی میں خاصی کمی آ سکتی تھی۔

چائے ختم کرنے کے بعد میں نے موبائل فون پر اس سے رابطہ کرنا چاہا تو اس کا فون بند تھا۔ اسٹیشن فور کا نمبر ملایا تو پتا چلا کہ وہ صبح سے وہاں نہیں پہنچا تھا۔ میری تشویش میں اضافہ ہو گیا۔ اس کی کوئی اطلاع نہ ملنے پر دوسرے بھی فکرمند نظر آنے لگے تھے۔

میرے لیے زیادہ دیر تک سلمٰی کے ساتھ بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا۔ جب بھی اس سے نگاہیں چار ہو رہی تھیں میں اندر سے خود کو اس کا مجرم محسوس کر رہا تھا۔ اسے چپ لگی ہوئی تھی مگر اس کی نگاہوں میں ایک ہی سوال بسا ہوا تھا جس کا میرے پاس کوئی

جواب نہیں تھا۔
میں خاموشی سے ڈرائنگ روم سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔
آخر رات کے آٹھ بجے اول خان کا فون گیا۔ اس نے سلام دعا کرتے ہی یہ خوش خبری سنائی کہ آخر کار رشید عرف شیدے کا سراغ مل گیا تھا۔
''کیا صبح سے تم اسی کی تلاش میں مصروف تھے!'' وہ اچھی خبر سن لینے کے بعد اس کی طویل غیر حاضری کے بارے میں سوال کرنا ضروری ہو گیا تھا۔
''یہ کام میں نے اپنے آدمیوں کو سونپ دیا تھا۔ وہ بہت عرق ریزی کے بعد اس تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ میں صبح سے میٹنگز میں الجھا ہوا تھا۔ وہ آئی پی قافلے پر ہونے والے حملے کے سلسلے میں ہر طرف سے سخت دباؤ آیا ہوا ہے۔''
''کیا جلال اسی واقعے کے بارے میں الگ رہ کر کام کر رہا ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا کیونکہ جلال نے اول خان سے اپنی کسی ملاقات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ جب کہ وہ بھی دن بھر اجلاسوں وغیرہ میں الجھا رہا تھا۔
''اس سے ایک جگہ ملاقات ہوئی تھی۔ اسی پر سب سے زیادہ دباؤ ہے۔ بے چارے کو اسلام آباد سے یہاں طلب کر لیا گیا ہے۔ سب سے پہلے اسی نے خطرے کی نشان دہی کی تھی اس لیے ہر شخص اسی کی طرف دیکھ رہا ہے۔''
''اب سے کچھ دیر پہلے اس کہانی کا اختتام ہو چکا ہے۔'' میں نے اسے اطلاع دی ''کچھ دیر پہلے آئی بی والوں نے الفا کو مار لیا ہے۔''
میں نے دانستہ وہ خبر اسے سنائی تھی تاکہ وہ یکسو ہو کر مجھ سے رشید کے معاملے پر بات کر سکے۔ اس کے لیے وہ خبر ناقابل یقین ثابت ہوئی تھی۔
وہ فون پر ہی سب کچھ جاننا چاہ رہا تھا مگر میں نے وہ بات وہیں ختم کرتے ہوئے اسے بتایا کہ وہ قصہ طویل تھا۔ وہ آئے گا تو اسے سب کچھ بتا دیا جائے گا۔
وہ عقل مند تھا۔ میرا اشارہ سمجھ گیا اور رشید کے بارے میں بتانے لگا ''وہ فش ہاربر کے علاقے میں ایک فشری میں کام کر رہا ہے اور دن رات وہیں رہتا ہے۔ سنا گیا ہے کہ وہ قاسم فشریز والوں کی ناک کا بال بنا ہوا ہے۔''
فشریز کا ذکر آتے ہی میرا ذہن جلال کی کہانی کی طرف مبذول ہو گیا۔ اس کی اطلاعات کے مطابق سوبھراج کے تین دھندوں میں ایک فشری بھی شامل تھی۔
''تم نے قاسم فشریز کی نگرانی شروع کرا دی ہو گی۔'' میں نے دبے دبے جوش کے ساتھ پوچھا۔
''نگرانی ہو رہی ہے مگر اس میں کچھ مشکلات کا سامنا ہے۔ کچھ لوگ پہلے سے اس کارخانے کے گرد منڈلا رہے ہیں۔ میرے آدمیوں کو ان سے بچ کر اپنا کام کرنا پڑ رہا ہے۔''
''ہو سکتا ہے کہ وہ ان ہی لوگوں کے کارندے ہوں اور باہر سے کارخانے کی حفاظت کر رہے ہوں۔'' میں نے خیال ظاہر کیا ''رشید کی موجودگی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہاں کوئی نہ کوئی غیر قانونی دھندا ابھی چل رہا ہے جس کے تحفظ کے لیے وہ کوئی بھی چکر چلا سکتے ہیں۔''
''ایسا نہیں ہے۔'' اس نے پورے اعتماد سے میری تائید کی ''وہ لوگ مشتبہ ہیں۔ میرے آدمیوں کی طرح وہ بھی کارخانے والوں سے چھپ کر کام کر رہے ہیں۔''
''اب تمہاری کیا مصروفیت ہے...... تم کب تک فارغ ہو رہے ہو؟'' میں نے تیزی سے سوال کیا
''اگر الفا مارا جا چکا ہے تو یہ خبر پھیلتے ہی دباؤ ختم ہو جائے گا۔ میں تھوڑی دیر میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔''
''خبر مصدقہ ہے۔ میں خود اس واقعے کا ایک کردار تھا۔'' میں نے اسے یقین دلایا ''جلال اس وقت نیشنل اسٹیڈیم کی پارکنگ سے اس کی لاش اٹھوا رہا ہو گا۔ تم اپنے طور پر اس خبر کی تصدیق کر وا اور جلد از جلد یہاں آ جاؤ۔''
میری ہیجانی آواز سے اس نے ایمرجنسی کا اندازہ لگا لیا۔ اس وقت فون پر مزید کسی سوال جواب کی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے فون بند کر دیا۔
اگر قاسم فشریز کے گرد منڈلانے والے مشتبہ آدمی مجرموں کے ساتھی نہیں تھے تو پھر وہ آئی بی کے اہل کار ہی ہو سکتے تھے۔ جلال بتا چکا تھا کہ اس نے فوری طور پر سوبھراج کے تینوں کاروباری اداروں کے خلاف کریک ڈاؤن کا فیصلہ کر لیا تھا جن میں سے ایک مچھلیوں وغیرہ کی برآمد میں مصروف تھا لیکن مجھے اس ادارے کا نام معلوم نہیں تھا۔
اگر قاسم فشریز کا نام جلال کی فہرست میں شامل تھا تو اس سے میرا فوری رابطہ ناگریز ہو گیا تھا۔ آئی بی والوں کو قاسم فشریز کے خلاف کارروائی سے روکنا ضروری تھا تاکہ میں اول خان کے تعاون سے محتاط اور بھرپور کارروائی کر کے جہانگیر کو ان کے چنگل سے نکال سکوں۔ آئی بی والے جہانگیر کے پورے قصے سے بے خبر تھے۔ ان کی ذرا سی بے احتیاطی کے نتیجے میں جہانگیر کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ نونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک نیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک نیل اس ٹولے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ویرا کافی تیاریوں کے ساتھ سوبھراج کا انٹرویو لینے اس کے گھر پہنچ گئی جہاں وہ اس کے لیے جال بچھائے تیار بیٹھا تھا۔ میں نے طے شدہ وقت کے مطابق سوبھراج کو فون کیا تو اس نے مغلظات کے ساتھ مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے بتایا کہ ویرا اس کی قید میں تھی۔ اب ہمارے لیے ویرا کی رہائی سب سے اہم تھی۔ ویرا اور ہمارے ستاروں نے یاوری کی اور ویرا ہماری مدد کے باعث سوبھراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اس کے بعد سوبھراج نے ملک سے راہ فرار اختیار کر لی۔ میں نے دہری چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کرنل داور کے روپ میں نک ہاروے سے بات کر کے اپنی قیمت سوبھراج کی صورت میں طلب کر لی۔ میری اس خواہش پر نک ہاروے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے اسے اکسایا کہ ڈیبی کو حاصل کرنے کے لیے وہ قیمت بہت کم تھی۔ اس نے مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اول خان کو سوبھراج سے دور رہنے کا حکم مل گیا کیونکہ اس نے ایس ٹی ایف کے خلاف باقاعدہ شکایت ریکارڈ کروادی تھی۔ میں اس شکایت کے ازالے کے سلسلے میں راج محل پہنچ گیا۔ میری ملاقات سوبھراج کے سیکریٹری سنیل سے ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہی ارجن کا قاتل ہو سکتا تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ دوسری طرف میں امریکیوں کو مسلسل سوبھراج کے خلاف اکساتا رہا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اسی وقت نک نے کرنل داور سے ملنے کی خواہش کی وہ میرے اس روپ میں مجھے اپنے ایک آفیسر سے ملوانا چاہتا تھا۔ میں مکمل تیاری کے ہمراہ بوٹ بیسن پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان قدرے خوشگوار فضا میں گفتگو جاری تھی کہ اچانک نک کے افسر نے اپنا ریوالور میری پشت سے لگا دیا۔ اس کی وہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی تاہم اسی وقت ایس ٹی ایف کے جوانوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ نک کے بقول اس کا افسر ڈیبی کے معاملے پر حتمی گفتگو کرنے آیا تھا۔ ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اس بے معنی ملاقات کے پس پردہ یقیناً کچھ اور مقاصد رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی جیب میں اس کی رکھی ہوئی چپ برآمد کر لی اب اس ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ دوسرے دن نک نے مجھے بلوا کر بی گن میرے سپرد کر دی اس کا خیال تھا کہ یہ ڈیبی کو قابو میں کرنے کے لیے نہایت اہم تھی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں گھر پہنچا تو جب جلال کی کال مجھے موصول ہوئی۔ خلاف معمول اس کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے کیے گئے وعدے کا پاس نہ رکھتے ہوئے سوبھراج کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ میری وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج زخمی ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ اطلاع خاصی سنسنی خیز تھی کہ سوبھراج اس قاتلانہ حملے میں زندہ بچ گیا تھا۔ ہم اس کے ممکنہ ٹھکانے کے بارے میں قطعی اندھیرے میں تھے پھر ویرا نے نکتہ اٹھایا کہ وہ یقیناً اپنے سیکریٹری سنیل کے گھر گیا ہو گا جہاں اس کی خوب رو بیوی اس کے نخرے اٹھانے کو تیار ہو گی۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے موجودہ ٹھکانے سے نک کو آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے اسے رائے دی کہ وہ اگر اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ فوری طور پر اپنی رہائش تبدیل کر لے مجھے امید تھی کہ نک اس پر دوسرا حملہ ضرور کروائے گا۔ اسی دوران نک نے کرنل داور سے رابطہ کیا اور ڈیبی کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگا۔ سوبھراج پر دوسرے قاتلانہ حملے کی ناکامی پر وہ جھنجلایا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کرنل داور اور ڈیبی دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ اس کی یہ سوچ اضطراری تھی جس پر بعد میں اس نے خود معذرت کی۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایک بار پھر سوبھراج پر حملہ کرایا تھا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ جلال کو سوبھراج کے خلاف کارروائی کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوب رو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھلی کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کارروائیوں کا مرکزی کردار نک کی ذات تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر میں امن و امان کے مسائل بھی کھڑے کرنے کرنے جا رہا تھا۔ میں نے اس سے بات کی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وقت امریکیوں نے سوبھراج کی تلاش کے لیے معاونت کی پیش کش کی۔ جلال اس پیش کش سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امریکیوں کے ساتھ ایک اجلاس میں شرکت کروں اور اس پیش کش کو مسترد کر دوں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے کسی زخمی شیر کی کچھار میں بھیجا جا رہا ہو مگر میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے جلال کے ہمراہ اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں نک بھی موجود تھا۔ اسی نے انکشاف کیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سوبھراج نے نک کو ٹھکانے لگوانے کے اپنے ارادے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اجلاس حسب توقع ناکام ثابت ہوا۔ واپسی پر اول خان نے بتایا کہ ایس ٹی ایف کے جوانوں نے نک پر گولی چلانے والے کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ بڑی خبر تھی۔ میں نے اس مجرم سے ملاقات کی اور تفتیش کے دوران اس نے اپنا نام شیر دل بتایا اس کے مطابق وہ کسی کو نہیں جانتا تھا اسے ٹیلی فون پر ہدایات ملتی تھیں۔ میں نے اس کا ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے آزاد کر دیا یوں نک اپنے فلیٹ میں مارا گیا جب کہ اس کا ساتھی شام زخمی ہو گیا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہو گا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمٰی اور جہانگیر کی

ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اب سوبھراج کے غبارے کی ہوا نکل چکی تھی دوسری طرف نک کی موت کو ڈیلی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔ یہ بات سوبھراج کے لیے نا قابل برداشت تھی۔ دو دشمن باہم برسر پیکار تھے اور ہم لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران امریکی قونصلیٹ کے گیری نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا اور اس کے بعد سلطان شاہ نے اطلاع دی کہ ایک مشتبہ کار میں دو امریکی ہمارے گھر کے اطراف میں منڈلا رہے ہیں۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ گیری نے مجھ سے ملاقات کے دوران میں کار میں کوئی چپ چھوڑ دیا ہوگا اور اب وہ کرنل داور کا پتا ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے ان اطراف میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔ میں کار سمیت گھر سے نکل گیا اور ذرا سی تلاش کے بعد ایک چپ مجھے مل گیا۔ سلطان شاہ کی تجویز کے مطابق مال گاڑی کے ڈبے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے گیری سے دوٹوک بات کی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اسی دوران میں ویرا نے شیر دل کی بیوہ سے ملاقات کی ٹھانی اور اس سے ملنے چل دی۔ سلطان شاہ نے اس علاقے سے اس کا پتا معلوم کیا اور ویرا اس کے گھر پہنچ گئی۔ یہ ملاقات خاصی سود مند رہی وہاں سے ہمیں ایک ٹیلی فون نمبر مل گیا جو ایک سرکاری افسر کا تھا۔ ہم اس سرکاری نمبر اور سوبھراج کے درمیان تعلق پر سوچ بچار میں مصروف تھے کہ مجھے سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں اسے اسٹیشن فور لے جانا چاہتا تھا مگر وہاں سے بتایا گیا کہ ایس ٹی ایف کی تمام سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں۔ نا چار میں نے صدف مینشن کا رخ کیا جہاں آئی بی کے اہلکاروں کے ساتھ سنیل سے گفتگو کی گئی۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی ذہانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ ان کے علاوہ سوبھراج نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں گیری ہارٹ کو شکار کر سکوں تو وہ مجھے پانچ لاکھ روپے کا انعام دے گا۔ اس کے مطابق وہ فرنچ بیچ پر اس سے ملنے آ رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ وہاں گیری ہارٹ کو سبق سکھایا جا سکتا ہے۔ اس مہم پر میں اور سلطان شاہ گئے اور جب وہ فرنچ بیچ سے واپس لوٹ رہا تھا ہم نے اس کی خاصی مرمت کر ڈالی۔ اس معرکے میں اس کا ڈرائیور کام آ گیا اور خود گیری ہارٹ شدید زخمی ہوا۔ اس کے بعد گیری ہارٹ کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ وہ زخمی حالت میں عمان کی طرف عازم پرواز تھا کہ اس کا جہاز بحیرہ عرب میں گر کر تباہ ہو گیا۔ اب ہماری تمام تر توجہ بھارت سے آنے والے دونوں ایجنٹوں پر مرکوز تھی۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈیلی کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر نا کام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چند نا معلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران ثام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اترا یا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔

اب آپ قسط نمبر 239 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

مسئلہ بہت سنگین اور فوری اہمیت کا حامل تھا۔ جلال مجھے پہلے ہی اپنے عزائم سے آگاہ کر چکا تھا۔ اگر نیشنل اسٹیڈیم کے قریب الفا کی ہلاکت کا سنسنی خیز واقعہ رونما نہ ہوا ہوتا تو شاید اس کی پوری توجہ ان مشکوک کاروباری اداروں پر مرکوز رہتی جو اس کی معلومات کے مطابق سوبھراج کے کالے دھن سے چل رہے تھے۔ ان اداروں کو چلانے والے دوسرے لوگ تھے لیکن ان کے پیچھے سوبھراج کا ذہن اور سرمایہ کام کر رہا تھا۔

جلال واقعی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس کی فہرست میں ایک ریکروٹنگ ایجنسی اور دوسری کلیئرنگ اینڈ فارورڈنگ فرم کے ساتھ ایک فشری کا نام بھی شامل تھا۔ مجھے اس فشری کا نام معلوم نہیں ہو سکا تھا لیکن اول خان سے بات ہونے کے بعد اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ قاسم فشریز ہی ہو سکتی تھی۔

جلال نے سوبھراج کی آمدنی کے وسائل پر کام کرتے ہوئے قاسم فشریز تک رسائی حاصل کی تھی۔ اول خان کے آدمی رشید عرف شیدے کا کھوج لگاتے ہوئے وہاں پہنچے تھے۔ آثار یہ بتا رہے تھے کہ وہ دونوں ٹیمیں پوری رازداری کے ساتھ اپنے اپنے طور پر قاسم فشریز پر دھاوا بولنے کی تیاری کر رہی تھیں۔ اگر فوری طور پر ان دونوں میں سے ایک فریق کو نہ روکا جاتا تو غالب امکان یہ نظر آ رہا تھا کہ دشمن پر چڑھائی کرتے ہوئے وہ دونوں حلیف پوری شدت سے آپس میں نہ ٹکرا جائیں۔

آئی بی اور ایس ٹی ایف، دونوں بہت مضبوط ادارے تھے۔ ان کے پاس وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی۔ ملک بلکہ کراچی میں پیش آنے والے تازہ ترین واقعات کے پیش نظر وہ سب پورے جوش و خروش کے ساتھ پیش قدمی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اگر وہ قاسم فشریز پر شب خون مارنے کے چکر میں پوری قوت کے ساتھ آپس میں ٹکرا جاتے تو اس کا سارا فائدہ ہمارے دشمنوں کو حاصل ہوتا۔ اگر جہانگیر اس وقت تک

رشید ہی کی تحویل میں تھا تو اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔

رشید عرف شیدا ہمارے لیے ایک کلیدی کردار تھا۔ سلمٰی نے کسی شک و شبہے کے بغیر اس کی تصویر شناخت کی تھی۔ وہ جہانگیر کو اغوا کرنے والی دونفری جماعت میں پیش پیش تھا۔ کیماڑی کے علاقے کا وہ بدنام ہسٹری شیٹر دو مرتبہ کا سزا یافتہ اور مفرور تھا۔ قانون کے محافظ اسے اپنی گرفت میں لینے میں ناکام تھے لیکن ایس ٹی ایف والوں نے سراغ لگالیا تھا کہ وہ سفاک غنڈا سوبھراج کی قاسم فشریز میں ملازمت کررہا تھا۔

اگر جہانگیر کو قاسم فشریز میں قید نہیں کیا گیا تھا تب بھی رشید پر ہاتھ ڈال کر اس سے یہ معلوم کیا جاسکتا تھا کہ اس نے جہانگیر کو اغوا کرنے کے بعد کس کے حوالے کیا تھا۔

اس وقت جلال نیشنل اسٹیڈیم کے علاقے میں الفا کے چکر میں الجھا ہوا تھا۔ وہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ ملک کے کسی مقتدر شخص کے خلاف بدترین دہشت گردی کرنے والے کو بہت کم وقت میں کیفرِ کردار تک پہنچا دیا گیا تھا۔ اس کا سہرا جلال اور اس کے محکمے کے سر تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اعلیٰ ترین ریاستی افسران اور میڈیا کے جونک جیسے کارکنوں کے ہجوم میں وہ ہر ایک کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہوگا۔ ایسی صورت میں اس سے فون پر کوئی تفصیلی بات نہیں کی جاسکتی تھی۔

بہتر یہی تھا کہ میں خود وہاں جاکر اس سے مل لیتا۔ گھر سے نیشنل اسٹیڈیم کا فاصلہ مختصر ہونے کی وجہ سے وہ مرحلہ دشوار نہیں تھا۔

اس وقت میں اپنے کمرے میں اکیلا تھا کیونکہ غزالہ مسلسل سلمٰی کی دیکھ بھال اور دل جوئی میں لگی ہوئی تھی۔ جب سے سلمٰی ہمارے گھر آئی تھی، غزالہ پر ذمے داری کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔ میری تادیب کے باوجود ویرا نے سلمٰی کو زیادہ گھاس نہیں ڈالی تھی۔ میں نے اسے سلمٰی کے رویوں کے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا تھا لیکن ویرا کی نسوانی چھٹی حس سلمٰی سے مطمئن نہیں تھی۔ اس کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ میرے بارے میں سلمٰی کے عزائم نیک نہیں تھے۔ جہانگیر کے اغوا ہوجانے کی وجہ سے وہ عارضی طور پر ذہنی اور جذباتی صدموں سے مغلوب ہوگئی تھی۔ وہ مسئلہ حل ہوتے ہی سلمٰی مجھے رجھانے کی کوششیں شروع کردے گی۔ وہ ہر لمحے سلمٰی کا ناقدانہ جائزہ لے رہی تھی۔ ایسی صورت میں اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ سلمٰی سے ہمدردی کے دو بول بھی بول سکے گی۔

میں روانگی کے ارادے سے اپنے کمرے سے باہر نکلا تو صرف ویرا ڈرائنگ روم میں بیٹھی، ٹیلی وژن دیکھ رہی تھی۔

''کہاں جارہے ہو، کدھر کا خیال ہے؟'' مجھے دیکھتے ہی ویرا نے ہانک لگائی ''ابھی کس کا فون آیا ہوا تھا؟''

''جلال سے ملنے جارہا ہوں۔'' میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''اسے بتادینا کہ اس کے آدمیوں کے کارنامے کی خبر ٹیلی وژن پر آگئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ وی آئی پی پر ناکام قاتلانہ حملے کا مجرم ایک ایجنسی سے مقابلے میں مارا گیا۔'' اس نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر ہلکے سے طنزیہ لہجے میں بتایا ''تمہارے یہاں یہ عجیب بات ہے کہ خبر کو خبر نہیں رہنے دیا جاتا، انا کا مسئلہ بنالیا جاتا ہے۔ بری خبروں کو سرے سے دبادیا جاتا ہے یا پھر گھنٹوں بعد مبہم الفاظ میں تھوڑا بہت بتادیا جاتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ آج کی اچھی خبر بہت تیزی سے ٹیلی وژن اسکرین کی زینت بنی ہے۔''

''مرنے والے کے بارے میں کیا بتایا گیا ہے؟'' میں نے رک کر سوال کیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے وقت گزاری کے دوران کام کی وہ خبر سن لی تھی۔

''فی الحال اسے ایک غیر ملکی دہشت گرد کا نام دیا گیا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی ''را کے ایجنٹوں کا یوں بے نام ونشان مرجانا ہی بہتر ہے۔ ویسے بھی آئی بی کے نشانچی نے الفا کی کھوپڑی اڑادی تھی۔ بغیر چہرے والی لاش کو پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے۔''

ویرا کی بات بڑی حد تک درست تھی۔ ٹام نے مجھے بتایا تھا کہ جھاڑیوں میں چھپے ہوئے مسلح شخص نے اشارے سے بتادیا تھا کہ میں نے ہی اسے نیو خان ہوٹل میں گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ یوں مجھے پتا چل گیا کہ ٹام کا ساتھی صرف اور صرف الفا تھا۔ دوسری طرف جلال کے آدمیوں نے اسے ٹام کی گاڑی میں دیکھ کر پہچانا تھا۔ انہوں نے چارلی کے بتائے ہوئے حلیے کی بنا پر الفا کو شناخت کیا تھا۔ ان دونوں باتوں کا اظہار قطعی ضروری نہیں تھا۔ مرنے والے کا بے نام ونشان رہنا ہی سب سے بہتر تھا۔ ہمارے سوا صرف ٹام اس کی اصلیت پر روشنی ڈال سکتا تھا۔

الفا کی لاش کے ساتھ برآمد ہونے والی امریکی، ساختہ رائفل اور الفا کے فنگر پرنٹس یہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھے کہ ڈرگ روڈ، ریلوے اسٹیشن کی چھت پر سے وی وی آئی پی موٹر کیڈ پر اسی نے حملہ کیا تھا۔ وہ سب سامنے کی باتیں تھیں۔ آنے والا وقت انہیں آسانی سے ثابت کردیتا لیکن میری دانست میں ٹیلی وژن پر وہ باتیں بتاکر عجلت کا مظاہرہ کیا گیا

تھا۔ شاید اس طرح شہریوں کو یہ تسلی دینے کی کوشش کی گئی تھی کہ شہری انتظامیہ حساس اداروں کے تعاون سے دہشت گردوں کی سرکوبی کے لیے ہمہ تن تیار تھی۔

''مجھے اس بات کا قلق رہے گا کہ الفا میرے ہاتھوں اپنے انجام کو نہیں پہنچا۔'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''یہ تمہاری نفسیاتی گرہ ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس اہم ترین کامیابی میں کلیدی کردار تمہارا ہی ہے......'' وہ بے پروایانہ لہجے میں بولی۔

وہ خاموش ہوگئی لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ میں نے اپنی مستفسرانہ نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کردیں۔

''اگر تم ٹام کو پانچ بجے نیشنل اسٹیڈیم کے پاس ملنے کا وقت نہ دیتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔'' وہ دوبارہ بولنے لگی ''وہ تمہاری وجہ سے الفا کو اپنے ساتھ لے کر اپنی کچھار سے نکلنے پر مجبور ہوا اور پھر وہ ہو گیا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکی کہ وہ الفا کو اپنے ساتھ کیوں لے کر آیا تھا۔ اگر تم کو مارنا تھا تو اس کے لیے الفا کی موجودگی ضروری نہیں تھی۔ یہ کام وہ خود زیادہ آسانی سے کرسکتا تھا۔''

''تم نے ہر نکتے پر غور نہیں کیا۔'' میں نے کہا ''وہ میری یعنی کرنل داور کی طرف سے شبہات میں مبتلا ہو چکا تھا اور اپنے اس تذبذب کو دور کرنا چاہتا تھا۔ جب الفا نے جھاڑیوں میں سے اشارہ کرکے اسے یہ بتایا کہ میں نے ہی اسے نیو خان ہوٹل میں ہراساں کیا تھا تو ٹام کا ذہن صاف ہوگیا۔ اسے یقین ہوگیا کہ سوبھراج نے کرنل داور سے را کے دو ایجنٹوں کی مخبری کی ہوگی ورنہ شہر میں کوئی اور ان دونوں کی نقل و حرکت سے باخبر نہیں تھا۔ مجھے سوبھراج کا ساتھی تصور کرتے ہوئے اس نے اپنا آخری فیصلہ کرلیا۔''

''اب بات واضح ہوگئی۔ تم اس کے نزدیک دہرے مجرم تھے۔ ایک طرف سوبھراج سے مل کر را والوں کی راہ میں روڑے اٹکا رہے تھے اور دوسری طرف ایف بی آئی والوں سے ملے ہوئے تھے اور ان کو ڈبل کراس کر رہے تھے۔''

''بس یہی اس معرکہ آرائی کا نچوڑ تھا۔ ٹام کو یہ جان کر بدترین جھٹکا لگا ہوگا کہ اس کا مشن ناکام ہوگیا۔ میں زندہ ہوں، الفا جہنم واصل ہو چکا ہے۔''

''ہاں! اس نے تو اپنی طرف سے تمہاری زندگی کا باب ہمیشہ کے لیے بند کردیا تھا۔ دیکھنا ہے کہ اب اس کا کیا ردِ عمل ہوتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی وقت تم سے رابطہ کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔''

''دیکھا جائے گا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا ''ابھی دوسرے مسائل اس کی ذات سے زیادہ اہم اور ضروری ہیں۔''

''لیکن تم کہاں جا رہے ہو؟ اس وقت جلال سے ملنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔'' میرے پیش قدمی کرتے ہی اس نے سوال کیا۔

''اول خان نے رشید کا سراغ لگالیا ہے۔'' میں نے دھیمی آواز میں اسے بتایا ''وہ ایک فشری میں کام کررہا ہے۔ ایس ٹی ایف والوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے کچھ لوگ چوری چھپے اس فشری کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں جلال سے بات کرنی ضروری ہے۔''

''جلال کے آدمیوں کو شیدے کی بھنک کیسے مل گئی؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا ''تم نے تو اس کی شناخت کا معاملہ پولیس والوں سے بھی چھپانے کا ارادہ کیا ہوا تھا!''

''یہ دوسرا چکر ہے۔ جلال نے تین ایسے اداروں کے خلاف کریک ڈاؤن کی تیاری کی ہوئی ہے جن کے مالک بظاہر دوسرے لوگ ہیں لیکن ان میں ساری سرمایہ کاری سوبھراج کی ہے وہ فشری بھی ان میں شامل ہے۔''

''حیران کن بات ہے۔'' ویرا اپنی بھویں چڑھا کر بولی

''تم ٹام سے ملنے کے لیے گئے اور جلال کے آدمی پہلے سے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ نیشنل اسٹیڈیم میں سب یک جا ہوگئے۔ اب پھر وہی صورتِ حال بنتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ اول خان جہانگیر کی وجہ سے شیدے کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ جلال نے سوبھراج کے مالی مفادات پر کاری ضرب لگانے کا ارادہ کیا ہوا ہے اور دونوں ہی کی توجہ اس فشری پر مرکوز ہے۔''

''یہ حیرت کی بات نہیں ہے۔ مجرم مشترک ہوں تو ہر سمت سے کی جانے والی چھان بین ایک ہی راستے کی نشاندہی کرتی ہے۔ فی الحال اس بارے میں کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔''

دیرا کو وہ ہدایت دے کر میں آگے بڑھ گیا۔ میری توقع کے برعکس اس نے میرے ساتھ چلنے کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا اور میں اطمینان سے گھر سے نکل گیا۔

میں گھر سے نکل کر اسٹیڈیم کے قریب پہنچا تو مجھے اپنے اندازے کی غلطی کا احساس ہوگیا۔ وہاں دور تک پولیس اور رینجرز کی موبائلیں کھڑی ہوئی تھیں جن میں آئے ہوئے باوردی اہل کار ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔

میں نے مین روڈ سے جائے واردات کی طرف مڑنا چاہا تو مجھے سختی سے روک دیا گیا۔ متعدد سرکاری محکموں کے باوردی اور سادہ پوش اہل کاروں نے جائے وارادت کے قرب وجوار میں ایک وسیع علاقے کا سختی سے محاصرہ کیا ہوا تھا اور کسی غیر متعلقہ شخص کو ان حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ حد یہ تھی کہ متعدد اخبار نویس قلم اور کاغذ یا کیمرے سنبھالے اس حصار سے باہر سن گن لیتے پھر رہے تھے۔ ان کو بھی آگے جانے کی اجازت نہیں دی جا رہی تھی۔ اندر سے خبر رسانی کا انحصار شاید سرکاری رپورٹروں تک محدود تھا۔

الفا کے قتل کا واقعہ پانچ اور ساڑھے پانچ کے درمیان پیش آیا تھا۔ تین گھنٹے گزر جانے کے باوجود وہاں ایک مہیب سماں بندھا ہوا تھا۔ پولیس گاڑیوں کی چھتوں پر لگی ہوئی گردشی روشنیاں دور دور تک بھیانک سائے پیدا کر رہی تھیں۔ اپنی رینگتی ہوئی گاڑی میں سے اس علاقے کا جائزہ لینے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ سرکاری عمال کے لیے الفا کی موت کا واقعہ کس قدر اہم تھا۔

آس پاس کی سڑکوں پر بیشتر سرکاری گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ رہی سہی کسر ٹریفک کی سست روی نے پوری کر دی تھی۔ ہر گزرنے والی گاڑی کے سوار رک کر یا رفتار کم کر کے وہاں رونما ہونے والے واقعے کے بارے میں کچھ نہ کچھ جاننے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس بے ہنگم ٹریفک سے کشاں کشاں کچھ دور نکل کر میں نے اپنی گاڑی کنارے سے لگا کر انجن بند کیا اور اپنے موبائل پر جلال کا نمبر ملا لیا۔

تیسری گھنٹی پر اس کی طرف سے جواب ملا تو اس کی آواز پرسکون تھی۔

''میں آس پاس بھٹک رہا ہوں لیکن تم پہنچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی!'' میں نے کسی تمہید کے بغیر اپنا مدعا بیان کر دیا۔

''سکیورٹی بہت سخت ہے۔ تمہارا اندر آنا ممکن نہیں ہے۔ اپنی لوکیشن بتاؤ، میں تمہارے پاس آ جاتا ہوں۔'' اس نے میری آمد کے مدعا کے بارے میں کوئی سوال کیے بغیر کہا۔

''باہر خوف و ہراس اور تشویش کا عجیب سماں ہے۔ تم اپنی آواز سے بہت مطمئن نظر آ رہے ہو۔ یہ کیا چکر ہے؟'' میں اس سے وہ سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''باہر افواہیں گردش کر رہی ہیں۔ اندر حقائق سب کے سامنے ہیں۔ تم تصور نہیں کر سکتے کہ آج ہم نے کتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے...... یہ بتاؤ کہ تم کہاں ہو؟''

''اس وقت اپنی مرضی سے کہیں رکنا ممکن نہیں ہے۔ میں کافی دور ہوں۔ اپنی گاڑی گھما کر مراد میڈیکوز کی طرف آنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم وہیں پہنچو۔''

''اوکے!'' اس نے فون بند کر دیا۔ اس مختصر گفتگو کے دوران میں، میں نے دوسری ہیجان آمیز آوازیں بھی سنی تھیں جن سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ خونین واقعہ رونما ہو جانے کے بعد جائے وقوع پر پہنچنے والا ہر شخص بڑھ چڑھ کر اپنی اہمیت جتانے میں مصروف تھا۔

موبائل فون جیب میں ڈالنے کے بعد میں نے گاڑی گھمائی اور اسٹیڈیم کی طرف جانے والے ٹریفک میں شامل ہوگیا جو بہت سست رفتار سے آگے رینگ رہا تھا۔

مجھے مطلوب مقام تک پہنچنے میں اپنے اندازے سے زیادہ وقت لگ گیا۔

مراد میڈیکوز والے نکڑ پر ٹریفک پولیس کی ایک موبائل کھڑی ہوئی تھی اور وہاں کسی گاڑی کو رکنے کی اجازت نہیں تھی۔ صرف جلال کی گاڑی وہاں موجود تھی۔ اسے دیکھ کر میں نے جوں ہی ٹریفک سے الگ ہونے کے لیے بایاں انڈیکیٹر جلایا، کئی سپاہیوں نے غصیلے انداز میں ہاتھ لہرا کر میری طرف بڑھنے کی کوشش کی۔

جلال اپنی گاڑی سے اتر آیا۔ اس کے کچھ کہتے ہی ٹریفک کے عملے کے تیور اچانک بدل گئے اور وہ پارکنگ کے

لیے میری رہنمائی کرنے لگے۔

جوں ہی میں نے گاڑی روک کر انجن بند کیا، جلال بے تکلفی سے میرے برابر والی سیٹ پر آ بیٹھا اور ہنستے ہوئے بولا ''میں پہلے بھی ادھر سے گزر تا رہا ہوں۔ آج تمہارے دم سے یہاں جنگل میں منگل ہو گیا ہے۔ اندر سے آنے والے ہر شخص پر رپورٹر ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ میں بہت مشکل سے اپنی جان بچا کر یہاں تک آیا ہوں۔''

''گھر پر بیٹھ کر مجھے بھی اندازہ نہیں تھا کہ یہاں ایسی گمبھیر صورت حال ہو گی۔ میرا خیال تھا کہ اب تک لاش اٹھوائی جا چکی ہو گی۔''

''لاش اٹھوانے کا مرحلہ ابھی دور ہے۔ اس کی کمر سے بندھی ہوئی ایک خوف ناک بارودی بیلٹ دریافت ہوئی ہے۔ اسے خطرے کا ذرا سا بھی ادراک ہو جاتا تو وہ ایک بٹن دبا کر پل بھر میں چیتھڑوں میں تبدیل ہو جاتا اور اپنے ساتھ نہ جانے کس کس کو لے ڈوبتا۔ ابھی وہ بیلٹ ناکارہ بنا کر اس کے جسم سے الگ کی گئی ہے......''

''حیرت ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''کچھ دیر پہلے یہ خبر ٹیلی وژن پر آ چکی ہے کہ ناکام قاتلانہ حملے کا مجرم ایک مقابلے میں مارا گیا۔ ضابطے کی ساری کارروائیاں مکمل ہونے سے پہلے یہ اعلان کیسے کر دیا گیا۔''

''شاید محکمہ اطلاعات والوں سے صبر نہیں ہو سکا۔ وہ اندر ہونے والی باتوں کو لے اڑے۔ تم کو بھی معلوم ہے کہ ضابطے کی کارروائی اس خبر کی تردید نہیں کر سکے گی۔ دوسری شہادتوں کے علاوہ صدف مینشن سے چارلی کو بھی یہاں بلوا لیا گیا تھا۔ وہ تصدیق کر چکا ہے کہ مرنے والا اس کا ساتھی ہے۔ اس سے مزید پتا چلا ہے کہ ان لوگوں کے پاس کوئی بارودی بیلٹ نہیں تھی۔ الفا کو وہ بیلٹ ٹام نے فراہم کی ہو گی۔

بارودی بیلٹ کی فراہمی کے صرف دو مقاصد ہو سکتے تھے۔ اول یہ کہ کسی بھی خطرناک صورت حال سے دوچار ہونے کی صورت میں الفا خود کو دھماکے سے اڑا کر اپنی شناخت کا ہر امکان ختم کر سکے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ مجھ سے نمٹنے کے بعد الفا شہر کے کسی مصروف علاقے میں خودکش حملہ کر کے بڑے پیمانے پر تباہی و بربادی پھیلانے کا منصوبہ بنائے بیٹھا ہو۔

اصل مقصد جو بھی رہا ہو، بنیادی نکتہ یہ تھا کہ الفا بہت بے خوف ایجنٹ تھا اور اپنے مقصد کی بھرپور تکمیل کے لیے ذہنی طور پر خودکشی کے لیے تیار ہو چکا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ جلال اپنی مصروفیات ادھوری چھوڑ کر وہاں تک آیا تھا۔ میں نے اس نکتے پر کوئی بات کیے بغیر کہا

ترجیح

ٹریول ایجنٹ ایک صاحب کو سیر کے لیے یونان جانے کا مشورہ دیتے ہوئے بولا ''سر! وہاں آپ کو پرانے کھنڈرات دیکھنے کو ملیں گے۔''

وہ صاحب نفی میں سر ہلاتے ہوئے ''میں نئے کھنڈرات دیکھنے کے لیے فرانس جانا پسند کروں گا۔''

''قاسم فشریز کے بارے میں تمہارا کیا پروگرام ہے؟''

''آج رات بارہ بجے قاسم فشریز کے ساتھ روز گار انٹرنیشنل اور کار گو کنگ پر بھی کارروائی ہو گی اور سارا ریکارڈ قبضے میں لے لیا جائے گا۔'' اس نے بتایا۔

''رات کے بارہ بجے وہاں کوئی متنفس نہیں ملے گا۔'' میں نے خیال ظاہر کیا۔

''نہ ملے، ہم صرف ریکارڈ قبضے میں لیں گے اور ان کے نام نہاد مالکان کو ان کے گھروں سے اٹھائیں گے۔ باقی اقدامات کا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا۔''

''قاسم فشریز کو اس پروگرام سے خارج کر دو۔ تمہارے آدمی اس وقت بھی فشری کے گرد موجود ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''آدمی تینوں جگہ موجود ہیں۔ کیا قاسم فشریز میں تم دلچسپی لے رہے ہو؟''

''جہانگیر کو اغوا کرنے والوں میں سے ایک عادی مجرم وہاں موجود ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔

''یہ سمجھ لو کہ وہاں کچھ ہوا تو اس کا مالک غائب ہو جائے گا......''

''مالک کو تم اٹھوالو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''میری اطلاع کے مطابق رشید نامی مجرم فشری میں موجود ہے۔ فی الحال میری دلچسپی اس کی ذات تک محدود ہے۔''

''تو کیا وہ دن رات وہیں رہتا ہے؟'' جلال نے حیرت سے پوچھا۔

''ہو سکتا ہے۔'' میں نے بے یقینی سے جواب دیا ''اس کے خلاف عدالتوں میں کئی مقدمات زیر سماعت ہیں اور وہ روپوش ہے۔ اس کی روپوشی کے لیے قاسم فشریز ایک بہترین ٹھکانا ثابت ہو سکتی ہے۔ اول خان کا قیاس ہے کہ وہ وہیں رہتا ہو گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں فشری سے آدمی ہٹائے لیتا ہوں۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا ''لیکن یہ خیال رکھنا کہ آج کل

مچھلیوں کا سیزن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں عملہ موجود ہو اور کسی مداخلت پر مزاحمت کرنے کی کوشش کرے۔ ان کا سامنا کرنے کے لیے تمہیں نفری کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اول خان تمہارا ساتھ دے گا۔''

''رشید کی تلاش پر وہی کام کر رہا ہے۔'' میں نے بتایا ''اس کے آدمی میرے ساتھ ہوں گے۔ مجھے شبہ ہے کہ جہانگیر کو اسی کارخانے میں رکھا گیا ہے۔''

''میری دلی دعا ہے کہ تمہاری کوششیں بار آور ثابت ہوں۔ یہ اچھا ہوا کہ تم بروقت یہاں چلے آئے۔ میرے آدمی اچانک وہاں گھستے تو جہانگیر کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ میں ابھی ان کو ہدایات جاری کر دیتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ اول خان کے آدمیوں کو اس فیکٹری کے آس پاس منڈلاتا ہوا دیکھ کر شش و پنج میں پڑ گئے ہوں۔''

''میں چلتا ہوں۔ اب تم سے کل ملاقات ہوگی۔'' میں نے مسکراتے ہوئے مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''اچھا کیا تم خود چلے آئے۔'' اس نے پرتپاک انداز میں مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا ''میں لوگوں کے درمیان اس طرح گھرا ہوا تھا کہ فون پر کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔''

وہ گاڑی سے اتر گیا اور میں گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گھر سے جاتے ہوئے میں نے ویرا کو منع کیا تھا کہ وہ رشید کے بارے میں ہونے والی نئی پیش رفت کے سلسلے میں کسی سے بات نہ کرے مگر وہ پیٹ کی ہلکی تھی۔ اس نے یہ خبر سب کو سنا دی تھی کہ اول خان کے آدمی رشید کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

میں واپس پہنچا تو سب بے چینی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی سلمیٰ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور میرے روبرو آ کھڑی ہوئی۔

''اب وہ مل جائیں گے نا؟'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عجیب سے ملتجیانہ لہجے میں سوال کیا۔

''ضرور ملے گا۔ ہم سب اسی کے لیے کام کر رہے ہیں۔'' میں نے نرمی سے اسے دلاسا دیا ''سب سے پہلے ہمیں اس آدمی کو اپنے قابو میں کرنا ہے جس نے تمہارے گھر سے جہانگیر کو اغوا کیا تھا۔''

''ویرا بتا رہی تھی کہ اس کا پتا چل گیا ہے۔ وہ کب تک پکڑ لیا جائے گا؟'' اس نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں امید و ناامیدی کا امتزاج رچا ہوا تھا۔

''ویرا درست کہہ رہی تھی۔ دعا کرو کہ ہم کامیاب ہو جائیں۔ اب مجھے سکون سے اس کے بارے میں کچھ سوچنا ہے۔'' میں نے تحمل سے کہا۔

سلمیٰ آسانی سے میرا پیچھا چھوڑتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ویرا اپنی جگہ پر بیٹھی استہزائی انداز میں وہ تماشا دیکھ رہی تھی لیکن غزالہ موقع کی نزاکت بھانپ کر میری مدد کے لیے آگے بڑھی اور سلمیٰ کا ہاتھ تھام کر اس کے کمرے کی طرف مڑتے ہوئے بولی ''یوں فکر مند ہو کر اپنی جان ہلکان نہ کرو۔ ان کو آرام سے سوچنے دو۔ یہ کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیں گے۔''

سلمیٰ نے بے بسی سے میری طرف دیکھا اور مجبوری کے عالم میں غزالہ کے ساتھ ہولی۔

''کیا تیر مار کر آئے ہو؟'' ان دونوں کے چلے جانے کے بعد ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

''قاسم فشریز سے آئی بی والے اپنا ہاتھ اٹھا لیں گے!'' میں نے اسے اطلاع دی۔

''اور تم تنہا وہاں جاؤ گے!'' ویرا نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

''تمہارا دماغ خراب ہوا ہے۔'' میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا ''اول خان اپنے آدمیوں سمیت میرے ہمراہ ہوگا۔''

''ویری گڈ!'' اس نے تعریفی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی پھر پوچھا ''غزالہ کو تم نے سلمیٰ خانم کی باندی بنایا ہوا ہے۔ رہے ہم دونوں تو ہمارے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''تمہاری زبان بہت زیادہ لمبی ہو گئی ہے۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا ''غزالہ کو باندی نہیں بنایا گیا۔ وہ اپنی دوستی اور میزبانی کا حق ادا کر رہی ہے۔''

''چلو، یوں ہی سہی۔'' وہ ڈھٹائی سے بولی ''میں تمہارے ساتھ چلوں گی؟''

''واقعات نے تیزی سے رخ بدلا ہے۔'' میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا ''اپنی شکست پر ٹام سکتے کی حالت میں نہ ہوا تو جھلا کر اپنے بال ضرور نوچ رہا ہوگا۔ وہ ہم پر کسی اور سمت سے حملہ آور ہو سکتا ہے......''

''یہ باتیں رہنے دو!'' اس نے میری قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''اس نے جو کچھ کیا ہے، کرنل داور کے ساتھ کیا ہے۔ ڈینی اس کے لیے ایک الگ شخصیت ہے۔ فی الحال وہ سب کو بھول کر کرنل داور کے پیچھے لگا رہے گا۔''

''اور دوسری طرف سوبھراج جو تمہیں پہچانتا ہے۔'' اس بار سلطان شاہ نے میرا ساتھ دیتے ہوئے کہا ''اس نے کھل کر ڈینی سے کچھ نہیں کہا لیکن اس کی باتوں میں ایسے اشارے تھے

کہ اب وہ بھی دہرا کھیل، کھیل رہا ہے۔ قاسم فشریز کا اصل مالک وہ ہے۔ رشید وہاں اہم حیثیت کا حامل ہے اور وہ جہانگیر کے اغوا میں شامل تھا۔ ہوسکتا ہے کہ قاسم فشریز میں سوبھراج سے بھی ہمارا آمنا سامنا ہوجائے۔''

سلطان شاہ نے بہت ہوشیاری کے ساتھ مجھے یہ جتادیا تھا کہ ویرا کے بارے میں میرا جو بھی فیصلہ ہو، وہ بہرحال مہم میں شریک ہوگا۔ میں نے اس کے آخری فقرے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ ویرا شاید کچھ اور سوچ رہی تھی۔ سلطان شاہ کا وہ ذومعنی فقرہ اس کے سر پر سے گزر گیا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سلمٰی از خود کمرے میں چلی گئی۔ شاید غزالہ اسے یہ سمجھانے میں کامیاب ہوگئی تھی کہ اسے جہانگیر کی بازیابی کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کو ہماری پرخلوص صوابدید پر چھوڑ کر خود دست بہ دعا رہنا چاہیے۔ کھانے کی میز پر بھی اسے چپ سی لگی رہی۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے اپنی شکم سیری کرتی رہی۔ اس کی موجودگی میں دوسروں نے بھی سنجیدگی اختیار کرنے کی ضرورت کا احساس کرلیا تھا۔

سلمٰی کے بعد ویرا اور سلطان شاہ نے بھی اپنے کمروں کا رخ کیا۔ میں غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آگیا۔ سلمٰی کی آمد کے بعد اسے پہلی بار میرے ساتھ فرصت سے بیٹھنا نصیب ہوا تھا۔ وہ اس مہلت سے خوش نظر آرہی تھی۔

وہ جب بھی جہانگیر کے گھر گئی، اس نے میاں بیوی کے درمیان تناؤ کی کیفیت محسوس کی تھی۔ میری طرح اس کا بھی یہی مشاہدہ تھا کہ سلمٰی اپنے شوہر کی بلانوشی سے عاجز تھی اور ہر وقت اس پر تنقید کرتی رہتی تھی جبکہ جہانگیر اس کی ذرا بھی پروا نہیں کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دونوں اپنے مقدر کے بندھن کو زبردستی گزار رہے ہوں۔

اپنی چھت کے نیچے غزالہ نے سلمٰی کا ایک بدلا ہوا روپ دیکھا تھا۔ وہ حیران تھی کہ اپنے شوہر کی حرکتوں سے نالاں رہنے والی وہ عورت جہانگیر کے اغوا پر غم واندوہ کے ایسے اتھاہ سمندر میں ڈوب کر رہ گئی تھی جس سے باہر آنا اس کے بس سے باہر تھا۔

وہ بھرائی ہوئی آواز میں اپنے شوہر کی ایک ایک حرکت کا ذکر کرتی تھی اور پھر اپنی بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی تھی۔

سلمٰی کی دردناک گریہ وزاری غزالہ کے پورے وجود کو ہلاکر رکھ دیتی تھی۔ اسے ماننا پڑا تھا کہ مشرق میں ازدواجی بندھن کے رموز ہی نرالے ہوتے ہیں جن کی تھاہ تک پہنچنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں تھی۔

میں غزالہ کے ساتھ باتوں میں مصروف رہا۔ ہماری گفتگو کے موضوعات بار بار بدل رہے تھے۔ میں اس کی ذات کو موضوع سخن بنائے رکھنا چاہ رہا تھا اور وہ بار بار دوسری باتیں چھیڑ رہی تھی جن میں ہمارے سرکردہ دشمنوں کے تذکرے بھی شامل تھے۔

''سچ سچ بتاؤ کہ کبھی میرے دشمن مجھے یرغمال بنانے میں کامیاب ہو......'' میں نے موقع پاکر ایک مفروضے کا ذکر کرنا چاہا لیکن غزالہ نے بوکھلا کر میرے دہانے پر اپنی نرم ونازک ہتھیلی جمادی اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولی ''اللہ آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے۔ آپ کی بلائیں مجھے دے دے، ایسی بدفالیں منہ سے کیوں نکال رہے ہیں۔''

میں نے بے اختیار اس کی گداز ہتھیلی چوم لی۔ اس نے یوں چونک کر اپنا ہاتھ پیچھے کھینچا جیسے میرے ہونٹوں سے اسے کرنٹ لگا ہو۔

''کوئی بھی ہمیشہ فاتح نہیں رہتا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ''گرتے ہیں شہ سوار ہی میدان جنگ میں۔ لڑنے والوں کو بھی کبھار ہار کا سامنا بھی کرنا پڑجاتا ہے۔''

''میرے علاوہ نہ جانے کتنے لوگوں کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ اپنے دشمنوں پر غالب رہے اور انشاءاللہ آئندہ بھی رہیں گے۔ آپ کے دشمن اسی طرح ایک ایک کرکے فنا ہوتے رہیں گے جیسے آج الفاموت کے منہ میں گیا ہے۔'' اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے نہایت جذباتی انداز میں کہا۔

ہماری شادی کو کافی عرصہ ہوگیا تھا لیکن اس وقت غزالہ کے چہرے پر اور آنکھوں میں یوں جوش وحیا کی تمازت تیر گئی تھی جیسے ہمارے درمیان وہ رشتہ نیا ہو۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ وہی غزالہ تھی جو ویرا کے ہاتھوں ملک بدر ہونے کے بعد دیار مغرب میں بہت جاں فروشی کے ساتھ اپنی بقا کی لڑائی لڑتی رہی تھی۔ وہ سو فیصد مشرقی لڑکی نظر آرہی تھی جو روایتی طور پر شرم وحیا کا پیکر ہوتی ہے۔

ڈرائنگ روم کی کھلی خلوت میں وقت بہت خوش گوار انداز میں تیزی سے گزر گیا اور پھر اول خان آپہنچا اور ہم دونوں کی ذاتی باتوں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

اس نے آتے ہی پرتپاک انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے مژدہ سنایا کہ الفا کے بارے میں میری دی ہوئی اطلاع درست ثابت ہوئی تھی۔ شہر کے انتظامی شعبوں پر آیا ہوا دباؤ

یکلخت ختم ہو چکا تھا اور وہ ہر طرف سے بے فکر ہو کر وہاں آیا تھا۔

جہانگیر کو اغوا کرنے والوں کی طرف سے کسی خطرناک اقدام کے پیش نظر ایس ٹی ایف کے دونوں اہل کاروں کو گھریلو خدمات سے سبک دوش کر کے فوری طور پر چھت پر مامور کر دیا گیا تھا۔ اس لیے کچن وغیرہ کی ذمے داری ایک مرتبہ پھر غزالہ اور ویرا کے سر آ گئی تھی۔ عام دنوں میں ویرا بہت لیت و لعل سے کام لیتی تھی اور کاموں کا زیادہ بوجھ غزالہ کو اٹھانا پڑتا تھا لیکن اس بار ویرا کو یہ احساس تھا کہ غزالہ، سلمٰی کے ساتھ الجھی ہوئی ہے۔ اول خان کی آواز سن کر وہ اپنے کمرے سے نکل آئی اور جب اس نے اپنے معمول کے مطابق گرما گرم چائے کی فرمائش کی تو ویرا رضا کارانہ طور پر کچن کی طرف چلی گئی۔

اول خان کے لیے الفا اور ٹام کی کہانی خاصی حیران کن ثابت ہوئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ الفا تک رسائی اتنی آسان ثابت ہوگی۔ سوبھراج سے مایوس ہونے کے بعد اس نے جن لوگوں پر انحصار کیا، ان کا ماضی قابل رشک نہیں تھا۔

دنیا کے مختلف خطوں میں جنم لینے والی کہانیاں وقتاً فوقتاً منظر عام پر آتی رہی تھیں۔ ان سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ امریکی اپنا آلہ کار بننے والوں کو ہر قسم کی امداد دے کر اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہ ہتھیار فراہم کرتے ہیں، تربیت دیتے ہیں، ڈالروں سے بھرے ہوئے بریف کیس سونپ دیتے ہیں لیکن اپنا دامن بچائے رکھتے ہیں۔ کوئی برا وقت آ جائے تو وہ اپنے خون کا ایک قطرہ تک قربان کرنے پر از خود آمادہ نہیں ہوتے۔ اپنے پٹھوؤں کو قربانی کا بکرا بنا کر بے رحمی سے ذبح کرا دیتے ہیں اور خود صاف بچ نکلتے ہیں۔

الفا کے ساتھ بھی وہی کہانی دہرائی گئی۔ ٹام نے اسے بے رحمی سے اپنی سازش کا ایندھن بنا دیا۔ وہ کامیاب ہو جاتا تو ٹام اسے اپنے ساتھ لے کر نکل جاتا۔ ناکامی کی صورت میں اسے خود اپنا نوشتہ تقدیر بھگتنا پڑتا۔ بازی الٹ گئی اور ٹام لقمہ اجل بن گیا۔

''تم اس کا منصوبہ سمجھ گئے تھے تو تم نے اسے اتنی آسانی سے کیوں نکل جانے دیا۔ تم کو اسے وہیں ٹھکانے لگا دینا چاہیے تھا۔'' اول خان نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

ہونے والی باتیں تیزی سے رونما ہوتی چلی گئی تھیں۔ نتائج سامنے آ چکے تھے جو حوصلہ افزا ثابت ہوئے تھے لیکن ان واقعات پر کسی سے تفصیلی گفتگو کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اول خان نے وہ بات نکالی تو میں فوری طور پر اسے کوئی جواب نہیں دے سکا۔

میں نے نیشنل اسٹیڈیم کی سنسان پارکنگ میں رونما ہونے والے اس واقعے کی جزئیات کو اپنے ذہن میں تازہ کیا اور کہا ''اس کے عزائم نیک نہیں تھے۔ اس سے میری تلخ و ترش باتیں بھی ہوئی لیکن اس نے کھل کر یہ عندیہ نہیں دیا تھا کہ وہ مجھے مروانے کی کوشش بھی کر گزرے گا۔ اگر وہ ایسی کوئی بات کہتا تو میں اس سے مقابلے کی تیاری کر چکا تھا۔''

''اس کے مزید کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ تم اس کی باتوں سے اس کے ارادوں کا صحیح اندازہ لگا چکے تھے۔''

''یہ بعد کے واقعات سے ثابت ہوا کہ میں صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔ اس وقت وہ صرف اندازہ تھا۔ جھاڑیوں میں اس کا گن مین چھپا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے گاڑی سے اترنے کے لیے کہا تو میں تذبذب میں تھا۔ اس وقت ٹام کو مارنا بالکل بلا جواز تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اپنے ملک کے دشمنوں کی گردنیں اتارنے میں ذرا سی بھی نرمی اور لچک کا مظاہرہ نہیں کرتا لیکن محض ایک قیاس کے نتائج دور رس ہو سکتے تھے۔ فرض کرو کہ وہاں کچھ بھی نہ ہوتا تو بات بہت بڑھ جاتی۔ وہ میری شکایت کرتا اور اسی بات کی پردہ پوشی مشکل ہو جاتی کہ کرنل داور کا ایس ٹی ایف میں کوئی وجود نہیں ہے۔ ویسے بھی وہ حرکت بزدلانہ ہوتی۔ میرے لیے وہ طریقہ توہین آمیز تھا۔ میں نے بہت تیزی سے یہ سب سوچا۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ اندیشہ بھی سر ابھار چکا تھا کہ ٹام مارا گیا تو امریکی ایک طوفان کھڑا کر دیں گے۔ سرکاری سطح پر ہمارے حکمراں بدترین دفاعی پوزیشن سے دوچار ہو جاتے۔ میں نے تن بہ تقدیر ہو کر اس کی گاڑی چھوڑ دی۔ میری نیت صاف تھی اور ارادہ راسخ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔''

''نیت اور ارادوں کی راستی ہمیشہ اس طرح ساتھ نہیں دیتی۔'' اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''مجھے یہ سوچ کر پھریریاں آ رہی ہیں کہ آئی بی والے ان دونوں کے پیچھے نہ لگے ہوئے ہوتے تو کیا ہوتا!''

میں بے ساختہ ہنس پڑا ''اس بارے میں زیادہ نہ سوچو۔ مقدرات اٹل ہوتے ہیں جن کو بدلنا انسانی بساط سے باہر ہے۔ ہونے والی بات کو ہم کسی صورت میں نہیں ٹال سکتے۔ اس قصے کو چھوڑو اور آگے کے لیے سوچو۔''

ویرا ہر بات میں حصہ لینا اپنا حق تصور کرتی تھی۔ وہ بہت پھرتی کے ساتھ چائے تیار کر کے لے آئی تاکہ ہمارے درمیان ہونے والی زیادہ سے زیادہ باتوں سے باخبر رہ سکے۔

''یہ واقعہ مدتوں میرے ذہن پر سوار رہے گا۔'' اول

خان نے ٹرے میں سے چائے کا مگ اٹھاتے ہوئے کہا ''اس کے باوجود میں جہانگیر کے لیے فکرمند ہوں۔ اب سلمٰی کا کیا حال ہے؟''

''برا حال ہے۔'' مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی ''بے چاری غزالہ مسلسل اس کی نرسنگ میں لگی ہوئی ہے۔ شیدے کا سراغ ملنے کی خبر سن کر سلمٰی کی بے چینی بڑھ گئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ جہانگیر کے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو سلمٰی کا کیا بنے گا۔''

''اسے کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے کہا ''پتا نہیں تمہارے ذہن میں بار بار ایسی باتیں کیوں آرہی ہیں!''

''قاسم فشریز کے گرد منڈلانے والے لوگوں کے بارے میں کیا خبریں ہیں؟'' اول خان نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ آئی بی کے آدمی ہیں۔ آج رات بارہ بجے سوبھراج کے تینوں اداروں پر بیک وقت چھاپے مارے جائیں گے۔'' میں نے دانستہ اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''تم نے جلال کو شیدے کے بارے میں ضرور بریف کردیا ہوگا!'' اول نے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے مضطربانہ لہجے میں پوچھا ''اس پر بہت احتیاط سے ہاتھ ڈالنا ہوگا۔ وہ بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا تو ہم جہانگیر کا ہر سراغ کھودیں گے۔''

''اب کڑیاں مل گئی ہیں کہ جہانگیر کے اغوا میں سوبھراج کے آدمی ملوث ہیں تو کیا یہ ممکن نہیں کہ سوبھراج، جہانگیر کو اپنے ساتھ لے کر پاکستان سے نکل گیا ہو!'' ویرا بولی۔

''تمہارے ذہن پر مسلسل منفی امکانات کیوں سوار ہیں؟'' میں نے رکھائی سے پوچھا ''تم کوئی اچھی بات کیوں نہیں سوچ سکتیں!''

''میں خوابوں کی دنیا میں نہیں رہتی، حقائق پر نظر رکھتی ہوں۔ سوبھراج تم سے کہہ چکا ہے کہ اس وقت وہ کراچی سے سیکڑوں میل دور بیٹھا ہوا تھا۔ جہانگیر اس کے لیے اہم ہے وہ اسے بھی اپنے ساتھ لے گیا ہوگا۔''

''وہ جھوٹا ہے اور اسی شہر میں موجود ہے۔'' میں نے تیزی سے کہا ''جہانگیر سے اسے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ اسے مجھ تک رسائی کے لیے اغوا کیا گیا ہے۔ موجودہ حالات میں وہ کراچی سے نکلنے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔''

''یہ تمہاری خام خیالی ہے۔'' ویرا نے بے پروائی سے کہا ''جب تک وہ اپنے کرائے کے آدمیوں پر انحصار کررہا تھا وہ مجبور تھا۔ اب اس نے اپنے کاروباری اداروں میں موجود بدمعاشوں سے کام لینے کا ارادہ کرلیا ہے تو حالات بدل گئے ہیں۔ روزگار انٹرنیشنل اور کارگو کنگ کی مدد سے وہ شہر اور ملک سے باہر نکل سکتا ہے۔ اس کے لیے فرار کے سارے غیرقانونی راستے شروع سے کھلے ہوئے ہیں۔ اب وہ انہیں استعمال کرسکتا ہے۔''

''اس وقت یہ بحث بالکل بے سود ہے۔'' اول خان نے ہمارے درمیان مداخلت کرتے ہوئے کہا ''فی الحال ہمیں رشید پر اپنی توجہ مرکوز رکھنی چاہیے۔''

''میں نے جلال سے کہہ دیا ہے، اس کے آدمی قاسم فشریز سے دور رہیں گے۔'' میں نے اول خان کو آگاہ کیا ''وہاں ہم خود جائیں گے۔''

''یہ تم نے بہت اچھا کیا۔'' اول خان ایک گہرا سانس لے کر بولا ''میں پہلے ہی تمہیں بتا چکا ہوں کہ رشید دن رات اس فیکٹری میں رہتا ہے۔ میری آخری اطلاعات کے مطابق وہ وہیں موجود تھا۔ کچھ کرنا ہے تو ہمیں تیاری کرلینی چاہیے۔''

''میں ایک ذہنی کشمکش سے دوچار ہوں۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اعتراف کیا ''وہاں زبردستی گھسنے کی کوشش سودمند ثابت ہوگی یا ہمیں چوری چھپے وہاں داخل ہونا چاہیے؟''

''چوری چھپے اندر جانے میں نقصان اور ناکامی کا اندیشہ ہے۔'' اول خان نے جواب دیا ''یہ بات سوفیصد درست ہے کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ پوری تیاری کے ساتھ قاسم فشریز کا محاصرہ کرلیا جائے تو وہ گھبرا جائے گا۔''

وہ مسئلہ اتنا سیدھا نہیں تھا۔ دونوں طریقوں میں کچھ نہ کچھ خطرات مضمر تھے۔ اس بارے میں تبادلہ خیال شروع ہوا تو ہماری آوازیں سن کر غزالہ بھی سلمٰی کے کمرے سے آگئی۔ سلمٰی کے اعصاب کو پرسکون رکھنے کے لیے اسے تسلسل کے ساتھ ہلکی مسکن دوائیں دی جارہی تھیں اس لیے وہ اس وقت تک سو چکی تھی۔

کچھ دیر بعد وہی فیصلہ ہوا جس کے تجویز اول خان نے پیش کی تھی۔

وقت گزرتا جارہا تھا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ قاسم فشریز کے خلاف ہمیں بارہ بجے سے پہلے اپنی کارروائی کا آغاز کردینا چاہیے۔ اگر ان لوگوں کو روزگار انٹرنیشنل اور کارگو کنگ کے خلاف کسی کارروائی کی بھنک مل جاتی تو ہمیں وہاں ناکامی کے سوا کچھ نہیں مل سکتا تھا۔ خطرے کی بو پاتے ہی رشید وہاں سے غائب ہوجاتا۔

اول خان کی فورس پر سے ہر اختیاری پابندی ختم ہو چکی تھی۔ اپنے آدمیوں کے فعال ہو جانے کے بعد وہ اپریٹس سے لیس تھا۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنے آدمیوں کو گیارہ بجے قاسم فشریز کا مکمل محاصرہ کرنے کی ہدایات دینی شروع کر دیں۔

اول خان نے خود قاسم فشریز کا گہرا جائزہ لیا ہوا تھا۔ وہ فش ہاربر کے علاقے میں اس فیکٹری کے محل وقوع سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو بتا دیا تھا کہ وہ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے وہاں پہنچے گا اور پھر آپریشن کر دیا جائے گا۔

جلال اپنے کاموں میں مصروف تھا۔ ثام کی طرف سے مکمل خاموشی تھی مگر مجھے امید تھی کہ وہ واقعات کی دھند صاف ہونے کے بعد مجھے ضرور فون کرے گا۔ را کے بھیجے ہوئے دونوں دہشت گردوں کا قصہ بھی تمام ہو چکا تھا۔ اس وقت ہمارے سامنے صرف دو اہم کام باقی رہ گئے جن میں جہانگیر کی بازیابی ہماری اولین ترجیح تھی۔ اس کی واپسی کے بعد سوبھراج کی سرکوبی کی کوششیں نئے سرے سے شروع کی جا سکتی تھیں۔

اس مشن میں ویرا کی شمولیت کے بارے میں اول خان میرا ہم خیال تھا۔ ویرا نے بھی اصرار نہیں کیا اور گیارہ بجے ہم گھر سے بندرگاہ کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔ سلطان شاہ ہم دونوں کے ساتھ گاڑی میں موجود تھا۔

اول خان کے زیر استعمال ہر گاڑی ہمیشہ سے ایک چلتے پھرتے اسلحہ خانے کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہمیں روانگی سے پہلے کسی خاص تیاری کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میرے مشورے پر تینوں نے بڑے بور کے پستول فاضل میگزین کے ساتھ اپنی جیبوں میں ڈال لیے کیونکہ گاڑی سے اتر جانے کے بعد ہتھیاروں کے بارے میں ہم تینوں کا خود کفیل ہونا ضروری تھا۔

سفر کے دوران میں اول خان کو اچانک پولیس کی طرف سے کسی امکانی مداخلت کا خیال آ گیا۔ اگر رشید اس فیکٹری میں موجود تھا تو طاقت کے استعمال کے بغیر وہاں داخلے کا امکان بہت کم تھا۔ شور شرابے اور فائرنگ کی نوبت آ جاتی تو پولیس والوں کی بے وقت مداخلت سے ہمارا کھیل بگڑ سکتا تھا۔ اس بارے میں ان کا بریف کیا جانا ضروری تھا۔

اول خان نے اپنے موبائل فون پر کسی اعلیٰ پولیس سے رابطہ کیا۔ اپنے تعارف کے بعد اپنا خفیہ شناختی کوڈ بتایا اور پھر فش ہاربر کے علاقے میں اپنے مجوزہ آپریشن کے بارے میں بریف کرتے ہوئے یہ خواہش ظاہر کی کہ پولیس فورس اس معاملے سے دور اور لاتعلق رہے۔ شہر میں امن و امان کے قیام کی بنیادی ذمے داری پولیس کی ہوتی ہے اور اول خان کا مخاطب کوئی عام تھانے دار نہیں بلکہ شہر کا کوئی کوتوال تھا۔ اس لیے اول خان کو اپنے مشن کی نوعیت کے بارے میں اس کے کچھ سوالوں کے جواب دینا پڑے۔ دوسری طرف سے پولیس کی عدم مداخلت کی یقین دہانی حاصل کرنے کے بعد اول خان نے فون بند کر دیا۔

کراچی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں راتیں جاگتی ہیں لیکن اس کہاوت کا اطلاق شہر کے گنے چنے علاقوں پر ہوتا ہے۔ شہر کے خالص کاروباری علاقوں میں رات اپنے وقت سے ڈیرے ڈالتی ہے اور سڑکیں سنسان ہونے لگتی ہیں۔

اس وقت ایم اے جناح روڈ پر عیدگاہ سے آگے سناٹے کا راج تھا جو ہمارے آگے بڑھنے کے ساتھ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

ہم مقررہ وقت سے پہلے فش ہاربر کے علاقے میں داخل ہو گئے جہاں فضا میں مچھلیوں کی مخصوص بسا ندرچی ہوئی تھی۔ اس علاقے میں صبح پو پھٹنے سے پہلے چہل پہل کا آغاز ہوتا ہے جو رات گئے تک انسانی رونق اور سرگرمیوں کی صورت میں برقرار رہتی ہے مگر اس وقت وہاں بھی تقریباً سناٹا ہی تھا۔ ہم مچھلی کو منجمد کر کے پیک اور برآمد کرنے والے کارخانوں کے علاقے میں داخل ہوئے تو قاسم فشریز کا بورڈ دور ہی سے نظر آ گیا۔

رات کی پرسکون فضا میں اس علاقے میں مشینوں کی ہلکی سی گونج رچی ہوئی تھی جو وہاں موجود برف خانوں میں زندگی کے آثار کا پتا دے رہی تھی۔ سمندر سے آنے والی مچھلیوں کو برآمد کے مرحلے تک محفوظ رکھنے کے لیے ان کارخانوں کے کولڈ اسٹوریج یا برف خانے دن رات مصروف کار رہتے ہیں۔ ان مشینوں کی دیکھ بھال کے لیے راتوں میں وہاں ضروری عملے کی موجودگی بھی ناگزیر ہوتی ہے۔

مجھے توقع تھی کہ رشید جیسا بدمعاش رات کو اپنی فیکٹری میں اکیلا نہیں رہتا ہوگا۔ ضروری عملے میں اس کے مطلب کے ایسے مضبوط آدمی ضرور شامل ہوں گے جو کسی برے وقت میں اس کے کام آ سکیں۔

اول خان نے مطلوبہ فیکٹری کا بورڈ نظر آتے ہی اپنی گاڑی کی رفتار کم کر دی تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ اس اہم برآمدی علاقے میں صنعتوں کی سہولت کے لیے مناسب انتظام نہیں تھے۔ سڑکیں ٹوٹی پھوٹی تھیں۔ بیشتر کھمبوں پر اسٹریٹ لائٹس تاریک پڑی ہوئی تھیں۔ کچھ جل رہی تھیں تو گرد و غبار میں

اُٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے ان کی روشنی ناکافی تھی۔
دور سے مجھے فیکٹری کے آس پاس ایسا کوئی مشتبہ شخص نظر نہیں آرہا تھا جس پر نگرانی کرنے والے کا گمان کیا جاسکے۔ دوسری جو چیز میں نے فوری طور پر نوٹ کی وہ یہ تھی کہ قاسم فشریز کے دونوں پہلوؤں پر فیکٹریاں واقع تھیں جن کی وجہ سے قاسم فشریز کا مکمل محاصرہ کرنا ممکن نہیں تھا۔
''دونوں طرف کارخانے موجود ہیں۔'' میں نے پرتشویش لہجے میں اول خان سے کہا ''وہ کسی طرف بھی کود کر فرار ہوسکتا ہے۔''
''تم فکر نہ کرو۔ اگر وہ اب تک اندر موجود ہے تو اب کہیں فرار نہیں ہوسکے گا۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا ''یہ نکتہ شروع سے میرے ذہن میں تھا اور محاصرے کی ہدایت میں اسے شامل کرلیا گیا تھا۔ دونوں بغلی فیکٹریوں کی طرف سے میرے دو دو آدمی قسم فشریز میں کود چکے ہوں گے۔ جب تک کوئی ان سمتوں سے فرار ہونے کی کوشش نہیں کرے گا وہ خاموشی سے اپنی کمین گاہوں میں دبکے تماشا دیکھتے رہیں گے۔''
میں لاجواب ہوکر خاموش ہوگیا۔ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کے اپنے طور طریقے تھے جن میں میرا کوئی دخل نہیں تھا۔ میرے اطمینان کے لیے اتنا کافی تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے قاسم فشریز کے مکمل محاصرے کی کارروائی پوری ہوچکی تھی۔
اول خان نے قاسم فشریز سے کچھ پہلے اپنی گاڑی ایک تناور درخت کے گھنے سائے میں روک دی اور جیب سے اپریٹس نکال کر کسی ایگل ٹو کے لیے پیغام نشر کرنے لگا۔
''ایگل ٹو آن لائن سر!'' اول خان کے پہلے نشریے کے جواب میں دوسری طرف سے ایک بھاری اور مودب آواز آئی۔
''میں آچکا ہوں یہاں کیا پوزیشن ہے؟'' اول خان نے پوچھا۔
''سر! میں نے آپ کی گاڑی دیکھ لی ہے۔ یہاں سب اپنی فارمیشن لے چکے ہیں۔ ہر ایگل الرٹ ہے میں لوکیشن کے سامنے کوڑا گھر کی دیوار کے پیچھے موجود ہوں۔''
''ٹارگٹ کی کیا لوکیشن ہے؟'' اول خان کا وہ مبہم سوال میرے پلے نہ پڑسکا۔
''وہ شام سے اندر ہے' ابھی تک اسے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔'' ایگل ٹو کے جواب سے بات واضح ہوگئی کہ ٹارگٹ سے مراد رشید کی ذات تھی۔
''ایڈوانس ون پوزیشن لے لو۔ میں گیٹ پر جارہا ہوں۔''
اس آخری ہدایت کے اجرا کے ساتھ ہی اول خان نے اپنی گاڑی آگے بڑھادی۔ چند ثانیوں بعد اس نے گاڑی قاسم فشریز کے سیاہ آہنی پھاٹک کے سامنے روک کر ہارن بجایا۔ سنسنی خیز انتظار کے کئی لمحے گزر گئے۔ اول خان کی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی پھاٹک کی درزوں سے براہ راست فیکٹری کے احاطے میں پڑرہی تھی جو چوکیدار کو یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ گیٹ پر کوئی موجود تھا۔ رہی سہی کسر تیز ہارن کی آواز نے پوری کردی تھی لیکن لمحے گزرتے گئے۔ اندر سے کوئی جواب ملنے کے آثار ظاہر نہیں ہوئے۔
میں اول خان کے برابر والی نشست پر موجود تھا۔ اس نے فیکٹری کے گیٹ لیمپس کی روشنی میں پرتشویش نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اس بار میں نے گاڑی کا ہارن بجایا۔
''شاید چوکیدار نشے میں دھت ہوکر سورہا ہے۔'' ہارن کی آواز فضا میں تحلیل ہونے پر سلطان شاہ پچھلی نشست سے بڑبڑایا ''کہو تو میں نیچے اتر کر پھاٹک پیٹوں۔''
نقارے پر چوٹ پڑچکی تھی۔ قاسم فشریز کے پھاٹک پر پہنچ کر ہم نے رشید کے خلاف اعلان جنگ کردیا تھا۔ اسے عبور کرنے کے بعد ہی کوئی پیش رفت ممکن تھی۔ میں نے سلطان شاہ کی تجویز اسی لمحے منظور کرلی۔
سلطان شاہ کو ہدایت دینے کے لیے میں پیچھے گھوما تو میری نگاہ ان تین افراد پر پڑی جو ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر رہ کر آہستہ آہستہ ہماری طرف آرہے تھے۔ ان کے ڈھیلے ڈھالے اور پھولے ہوئے لباسوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ مسلح تھے۔ ان کے اطمینان سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اول خان کے آدمی تھے۔
تین وہ تھے۔ چار فیکٹری کی بغلی سمتوں میں کہیں چھپے ہوئے تھے۔ اگر فیکٹری کے پیچھے بھی تین ہی آدمی تھے تو ان کی کل نفری دس ہوجاتی تھی۔ ہم تینوں کو ملا کر کل تعداد تیرہ تھی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ اول خان نے اس مہم کے لیے واقعی بھرپور تیاری کی تھی۔
سلطان شاہ نے زور زور سے پھاٹک پیٹنا شروع کیا تو میں نے اضطراری طور پر اپنی جگہ چھوڑ دی اور لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا۔
''کون ہے...... کیا مصیبت ہے؟'' میرے پہنچنے پر اندر سے ایک غراتی ہوئی آواز ابھری۔
''پھاٹک کھولو...... ہم سرکاری آدمی ہیں۔'' میں نے دبنگ لہجے میں کہا۔

''صبح آنا۔ اس وقت پھاٹک نہیں کھلے گا۔'' اندر والے کے لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ہماری حیثیت کے بارے میں جان کر بھی مرعوب نہیں ہوا تھا۔
پھاٹک کھلا نہ ذیلی کھڑکی۔ آہنی کھٹکے کی ہلکی سی آواز کے ساتھ زمین سے تقریباً پانچ فٹ کی بلندی پر ایک چوکور اور روشن خلا پیدا ہوا جو بمشکل چار انچ قطر کا تھا۔ اس کے پیچھے ایک چہرہ نظر آیا۔ گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں وہ چہرہ خاصا درشت بلکہ مجرمانہ نظر آ رہا تھا۔
''تم نے ہمیں اندر آنے کا راستہ نہ دیا تو ہم پھاٹک توڑ دیں گے۔'' میں نے گول خلا کے پیچھے نظر آنے والے چہرے پر اپنی نگاہیں جما کر کہا۔
''تم لوگ کون ہو اور کیوں آئے ہو؟'' اس نے اسی مختصر کھڑکی میں سے جرح جاری رکھی۔
''میں بتا چکا ہوں کہ ہم سرکاری آدمی ہیں۔ ہم رشید سے ملنے آئے ہیں۔''
''یہاں کوئی رشید نہیں ہوتا۔'' اس کا جواب بے ساختہ تھا۔
مجھے احساس ہوا کہ میں نے براہِ راست اس کا نام لے کر غلطی کی تھی وہ ایک روپوش مجرم تھا۔ مجھے پہلے ہی سوچ لینا چاہئے تھا کہ وہ نام بدل کر اس کارخانے میں کام کر رہا ہوگا۔ میں نے بات سنبھالتے ہوئے کہا ''رشید ہو یا نہ ہو، ہمارا فیکٹری میں آنا ضروری ہے ہم کسی ذمے دار آدمی سے ملنا چاہتے ہیں۔''
''یہ ملنے کا وقت نہیں ہے۔ صبح نو بجے آنا۔'' اس نے خشک لہجے میں کہا اور کھٹاک کی آواز سے وہ گول کھڑکی بھی بند ہوگئی۔
میرے قدم زمین پر جم کر رہ گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چوکیدار کی ہٹ دھرمی کا کیا سدِباب کیا جائے مجھے وہ رشید کا خاص آدمی نظر آ رہا تھا۔
چند لمحے بھی نہیں گزرے تھے کہ اندر سے دھینگا مشتی کے ساتھ اوغ...... اوغ کی دبی دبی آوازیں آئیں جیسے کوئی کسی کو دبوچ کر اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔
میں تیزی سے پیچھے پلٹا تو اول خان کو بھی گاڑی سے باہر موجود پایا۔ گاڑی کا انجن چل رہا تھا ہیڈ لیمپس بھی روشن تھے۔ اول خان تفکر آمیز انداز میں قاسم فشریز کے پھاٹک کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے تینوں آدمی غائب ہو چکے تھے۔
میری بے چین اور استفہامیہ نظریں اول خان کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔
''مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ چوکیدار ہٹ دھرم ہے۔ وہ تینوں اندر کود چکے ہیں۔ چوکیدار کو بے بس کر کے وہ دروازہ کھول دیں گے۔'' اول خان دھیمی آواز میں بولا۔
مجھے خوشی ہوئی کہ وہ اس نازک مرحلے پر خاموش تماشائی نہیں بنا رہا تھا۔ اس نے موقع کی نزاکت کے پیشِ نظر بہت مناسب فیصلہ کیا تھا۔
اندر سے چند لمحوں تک زور آزمائی کی آوازیں آتی رہیں جو زیادہ واضح نہیں تھیں۔ اگر میں نے اپنی پوری توجہ اس طرف مرکوز نہ کی ہوئی ہوتی تو شاید میں بھی ان آوازوں پر دھیان نہ دے پاتا۔
ہمارا انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ اول خان کے آدمی جفاکش اور زور آور تھے۔ انہوں نے ذرا سی دیر میں اپنے حریف کو بے بس کیا اور پھر اندرونی کھٹکا کھول کر فیکٹری کا پھاٹک کھول دیا۔ اول خان نے پھرتی سے اپنی نشست سنبھالی اور اپنی گاڑی اندر لے کر جا کر روک دی۔
میں اس سے پہلے اندر پہنچ چکا تھا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔
گاڑی کے اندر پہنچتے ہی ایک شخص نے پھاٹک دوبارہ بند کر دیا۔
چوکیدار کچی زمین پر منہ کے بل بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ ایک شخص اسے گھسیٹ کر تیزی سے لکڑی سے بنے ہوئے کیبن کی طرف لے گیا۔ اس اثنا میں اول خان بھی گاڑی بند کر کے ہم لوگوں سے آن ملا۔
''تم تینوں یہیں رک کر پھیل جاؤ۔'' میں نے اول خان کے آدمیوں کو ہدایت دی ''اندر سے چڑیا کا بچہ بھی باہر نہیں نکلنا چاہئے۔''
انہیں ہدایات دے کر ہم تیزی سے عمارت کی طرف بڑھے ہی تھے کہ اچانک چوبی کیبن میں انٹر کام کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔
وہ کچھ سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ ہم اوکھلی میں سر دے چکے تھے۔ آگے جو کچھ ہونا تھا اس کا مردانہ وار مقابلہ ضروری تھا۔
میں تیزی سے پلٹا اور میں نے چوبی کیبن کی دیوار سے لٹکے ہوئے انٹر کام کا ریسیور اٹھا لیا۔
''اے گلو! یہ تیرے پھاٹک پر کیا ہو رہا ہے؟ ابھی پھاٹک کھلنے کی آواز آئی تھی!'' میرے کانوں میں ایک بگڑی ہوئی آواز گونجی۔
اس وقت مجھے یاد آیا کہ پھاٹک کے آہنی قبضے واقعی بالکل

خشک تھے جو کھلتے اور بند ہوتے وقت تیز آوازیں پیدا کر رہے تھے۔ ماحول میں گنگناتی ہوئی یکساں مشینی گونج میں وہ آوازیں کہیں سن لی گئی تھیں۔

چوکیدار سے مذاکرات کے دوران میں اس کی آواز سن چکا تھا۔ میں نے اس کی نقل اتارتے ہوئے عجلت آمیز انداز میں کہا ''پھاٹک تو نہیں کھلا تھا۔ سامنے کچرا گھر پر ایک ٹرک آیا تھا۔ اس کا ڈھکن کھلنے کی آوازیں آئی ہوں گی۔''

انٹرکام پر ایک غلیظ گالی سنائی دی اور پھر وہ بے جان ہو گیا مجھے بالکل اندازہ نہیں ہو سکا کہ میری صداکاری کامیاب رہی تھی یا میرا مخاطب شبہے میں پڑ گیا تھا۔

میں نے کیبن سے نکلتے ہی تیزی سے فضا میں ہاتھ لہرایا۔ روپوشی کا وہ اشارہ پاتے ہی اول خان اور سلطان شاہ نے ایک طرف دوڑ لگا دی۔ میں لوٹ کر کیبن میں دبک گیا۔

اندر گھسنے سے پہلے کچھ دیر تک رک کر یہ اندازہ لگانا ضروری ہو گیا تھا کہ انٹرکام پر ہونے والی مختصر سی گفتگو کا کیا نتیجہ رہا تھا۔

گیٹ سے ملحق کیبن میں بیٹھ کر مجھے گرد و پیش کا جائزہ لینے کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ سامنے چند پختہ کمروں پر مشتمل دفاتر کے پہلو میں ٹرکوں وغیرہ کی آمد و رفت کے لیے خاصی جگہ چھوڑ کر کولڈ اسٹوریج کی مخصوص دو منزلہ عمارت بنائی گئی تھی۔ مشینوں کی ہموار گھوں گھوں کی آوازیں اسی سمت سے آ رہی تھیں۔

دفتری عمارت کے کمروں کی کھڑکیاں تاریک پڑی ہوئی تھیں لیکن راہ داری روشن تھی۔ میں نے اپنی توجہ اس روشن راہ داری پر مرکوز کر دی۔

ایک مرتبہ پھر انتظار کے صبر آزما لمحات شروع ہو گئے۔ بمشکل ڈیڑھ دو منٹ گزرے ہوں گے کہ وہ راہ داری یکا یک تاریکی میں ڈوب گئی۔

''گلو!'' اس تاریکی میں سے ایک قہر بار آواز گونجی ''یہاں کیا ہو رہا ہے۔ یہ گاڑی کس کی ہے؟'' وہ وہی آواز تھی جو میں سن چکا تھا۔

وہ آواز معدوم ہوتے ہی کسی نے گولی چلا دی۔ فضا میں تیرتے ہوئے شعلے کی سمت بتا رہی تھی کہ وہ فائر ہماری طرف سے کیا گیا تھا۔ اول خان نے مقابلے میں پہل کرنے کا حق اپنے لیے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اس لیے مجھے یقین تھا کہ دشمن کی آواز پر پہلی گولی اسی نے چلائی تھی۔

وہ فائر رائیگاں گیا لیکن اس کی گونج ختم ہونے سے پہلے مزید تین رائفلیں چلیں۔ اس بار تاریک راہ داری کی طرف سے ایک ہلکی سی کراہ سنائی دی۔

میرے پاس پستول موجود تھا جو دو بدو مقابلے کے لیے بہت کارآمد تھا لیکن دور کی لڑائی میں اس کی کوئی افادیت نہیں تھی۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

لمحہ بھر بعد عمارت کی طرف سے گولیوں کی ایک زبردست باڑھ آئی۔ اسی دوران میں اس طرف سے مزید دو خودکار رائفلیں حرکت میں آ گئیں۔ اندر والوں نے نامعلوم حملہ آوروں کے خوف سے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی تھی۔

اول خان اور اس کے آدمیوں نے اس وقت تک ایک ایک فائر کیا تھا۔ اندر والے اندھا دھند اپنا میگزین برباد کر رہے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ زیادہ دیر تک نہیں جمے رہ سکیں گے۔ میگزین خالی ہونے پر ان کے ہوش ٹھکانے آئیں گے تو انہیں پسپائی اختیار کرنا پڑے گی۔

وہ تاریک راہ داری میں سے فائرنگ کر رہے تھے اس لیے ان کی شعلے اگلنے والی نالوں کی پوزیشن بہت واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ میں اپنی جگہ پر بے چین تھا۔ اگر میرے پاس لمبی رینج کا کوئی ہتھیار ہوتا تو میں تاک کر ان میں سے ایک آدھ کو اپنا نشانہ بنا سکتا تھا۔

اچانک باہر سے پانچواں فائر ہوا۔ اس بار فضا ایک بے ساختہ انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔ کسی نے میری سوچ کو عملی جامہ پہنا دیا تھا۔

چیخ کے ساتھ کسی وزنی وجود کے پختہ فرش پر گرنے کی ہلکی سی دھمک میرے کانوں میں آئی۔

راہ داری کی طرف سے تین کی جگہ صرف دو رائفلیں چل رہی تھیں جب کہ اول خان اور اس کے آدمیوں نے اپنے کسی حریف کی چیخ سننے کے بعد کئی فائر کیے اور دفاتر کے کھڑکیوں کے شیشے پرشور چھناکوں کے ساتھ چکنا چور ہو گئے۔

پھر بہت تیزی کے ساتھ وہ لمحہ آ گیا جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔ دو میں سے ایک رائفل کے خالی کھٹکے کی آواز آئی۔ وہ ٹھک کر کے رہ گئی۔ میگزین خالی ہونے کے بعد اس طرف صرف ایک رائفل بردار رہ گیا۔

ایک رائفل کا میگزین ختم ہو جانے کے بعد تیسرے کو اپنا انجام سامنے نظر آ رہا تھا۔ اچانک اس نے فائرنگ کا سلسلہ ختم کر دیا اور تاریک راہ داری کے پختہ فرش پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔

میں نے اپنے کانوں پر ذرا ساز ور دیا۔ بھاگنے والے دو تھے۔ تیسرا زخمی ہو گیا تھا۔ محاذ خالی ہونے کا اندازہ ہوتے ہی

میں نے اپنی جگہ سے دوڑ لگادی۔ مجھے امید تھی کہ فیکٹری کے گیٹ لیمپس کی روشنی میں میرے ساتھی سمت کی بنا پر آسانی سے مجھے پہچان لیں گے اور میں کسی دوستانہ گولی کی زد میں نہیں آؤں گا۔

میں نے رک کر اول خان کی گاڑی کی عقبی نشست کے پائیدان سے لمبے میگزین والی ایک خودکار رائفل نکال کر پستول کو جیب میں اڑسا اور دوبارہ راہ داری کی طرف دوڑ پڑا۔ میں جتنی دیر گاڑی کے قریب رہا اتنی دیر میں اول خان اور سلطان شاہ بھی میری طرف آچکے تھے۔ ان دونوں نے میری رفتار سے میرے ارادے کا اندازہ لگالیا تھا۔

میں اندھادھند دوڑتا ہوا راہ داری میں گھستا تو بے خبری میں زخمی شکار سے الجھ کر بہت بری طرح منہ کے بل گرتا۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس کی ہلکی سی کراہ نے عین وقت پر ہم تینوں کو ہوشیار کردیا اور ہم یک لخت اس کے قریب رک گئے۔

اول خان نے اپنی جیبی ٹارچ کی روشنی اس پر ڈالی تو اس کا چہرہ زخم کے کسی بھی نشان سے عاری تھا۔ اس کا داہنا بازو بری طرح زخمی تھا۔ رائفل دیوار کی جڑ میں پڑی ہوئی تھی۔ وہ اندھیرے میں سنبھل کر اپنے قدموں پر اٹھنے کی کوشش کررہا تھا۔

''تم اسے سنبھالو ہم اندر جارہے ہیں۔'' میں نے سلطان شاہ کے شانے پر ہاتھ مار کر تیز لہجے میں سرگوشی کی اور پھر آگے بڑھ گیا۔

اس وقت تک آگے دوڑنے والوں کے قدموں کی آوازیں معدوم ہوچکی تھیں۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ کہیں اور نکل گئے تھے یا راستے میں کہیں چھپ گئے تھے۔

میں رک گیا۔ اول خان میرے ساتھ تھا۔ اس وقت میں کسی بھڑکے ہوئے درندے کی طرح اپنے سارے حواسوں سے کام لے رہا تھا لیکن آگے پھیلی ہوئی تاریکی میں مجھے کوئی تاریک تر ہیولا نظر آرہا تھا نہ کسی کے سانس لینے کی کوئی موہوم سی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''مین سوئچ یہیں کہیں ہونا چاہئے۔ اسے آن کرو!'' میں نے اول خان کی طرف جھک کر سرگوشی کی مگر مجھے اپنی آواز اس سناٹے میں بہت بلند محسوس ہوئی۔

اول خان نے ٹارچ روشن کئے بغیر سوئچ بورڈ تلاش کرلیا۔ کھٹکے کے ساتھ ہر طرف روشنی پھیل گئی اور میں نے دیکھا کہ پیچھے سے راہ داری کھلی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں طرف بنے ہوئے کمروں کے دروازے بند تھے۔

''وہ گھیر لیے گئے ہیں!'' اچانک اول خان نے ہیجان آمیز آواز میں کہا۔

پھر میں نے بھی جسمانی تصادم کی وہ آوازیں سن لیں جو ہوا کے دوش پر پچھلے حصے سے آرہی تھیں۔ میں غیر ارادی طور پر ادھر دوڑ پڑا۔

اس کارخانے کا عقبی میدان بہت متعفن اور سیلن زدہ تھا۔ وہاں ناکافی روشنی میں پانچ افراد دست بدست لڑائی میں مصروف تھے۔ اس حصے میں ان پانچوں کے سوا اور تک کوئی اور متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔

ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ان میں سے دو آدمی گلی سڑی ہوئی مچھلیوں کے ڈھیر پر گرے ہوئے نظر آئے۔ انہوں نے سنبھل کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ایس ٹی ایف کے جوانوں نے بڑھ کر انہیں اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ ان دونوں نے عجیب وغریب اور اذیت ناک آوازوں کے ساتھ اپنا دفاع کرنے اور حریفوں کو گرانے کی کوششیں کیں لیکن مسلسل زخم کھانے کے بعد ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیے۔

بھاگنے والوں کا وہ انجام میرے لیے اطمینان بخش تھا۔ قریب پہنچ جانے کے باوجود میں نے اس لڑائی میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ ان میں سے ایک کے داہنے جبڑے پر کان سے دہانے تک پھیلا ہوا پرانے زخم کا نشان یہ ثابت کررہا تھا کہ ہماری بھاگ دوڑ بے ثمر نہیں رہی تھی۔ آخرکار ہم اپنے مطلوب آدمی تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے جو جہانگیر کی بازیابی کے سلسلے میں کارگر ثابت ہوسکتا تھا۔

رشید کو پہچانتے ہی میرا دورانِ خون یکا یک تیز ہوگیا اور سلمٰی کی غم زدہ صورت میری نظروں میں گھومنے لگی۔ رشید نے بہت چالاکی اور سفاکی سے کام لیتے ہوئے جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کیا تھا۔ میں اس کے خلاف اپنے دل میں پیدا ہونے والی نفرت کی لہر پر قابو نہ پاسکا اور اپنی رائفل کو لاٹھی کی طرح استعمال کرتے ہوئے اس کے آہنی کندے کو رشید کے شانے پر دے مارا۔ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ وہ بلبلا کر زمین پر دہرا ہوگیا۔

مجھے توقع تھی کہ وہ اس چوٹ سے خوف زدہ ہوجائے گا لیکن اس کے خون آلود اور زخمی چہرے پر عزم واستقامت کی عجیب سی جھلک رقصاں تھی۔ ایس ٹی ایف والوں کے بے رحمانہ مار بھی اس کی قوتِ ارادی کو متاثر نہیں کرسکتی تھی۔

اس کارخانے کے چوکیدار نے رشید کے نام سے کسی کو پہچاننے سے انکار کردیا تھا۔ وہ وہاں کسی اور نام سے رہ رہا تھا۔ میں نے اپنے جوتے کی نوک سے اس کی پیشانی سہلاتے ہوئے اس کا نام پوچھا تو وہ چند ثانیوں کے لیے مجھے گھورتا رہا

پھر ہکلاتے ہوئے اس نے اپنا نام صفدر بتایا۔

''میں وہ نام پوچھ رہا ہوں جو تیرے باپ نے رکھا تھا۔'' میں نے اس کی پسلیوں میں ایک ٹھوکر مار کر درشت لہجے میں کہا۔

وہ ضرب رشید ایک گھٹی گھٹی غراہٹ کے ساتھ سہہ گیا۔ چند ثانیوں کے بعد وہ کمزور آواز میں بولا ''تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

''جہانگیر کہاں ہے؟'' میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''اوہ!'' اس کے حلق سے ایک بے ساختہ آواز برآمد ہوئی ''میں نے اسے اٹھایا ضرور تھا مگر بے ہوش کر کے اولڈ کلفٹن کی پارکنگ میں ڈال دیا تھا۔ اس کے بعد اسے کون اور کہاں لے گیا' یہ مجھے نہیں معلوم۔''

''تم جھوٹے ہو۔ اسے یہیں رکھا گیا ہے۔'' میں نے اصرار کیا۔

''نہیں صاحب...... یہاں کوئی قیدی نہیں ہے میں اپنی ماں کی قسم کھاتا ہوں کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا'' اس بار رشید کا زخمی ساتھی بول پڑا تھا۔

''تم پورا کارخانہ دیکھ لو وہ یہاں نہیں ہے۔'' رشید نے کراہ کر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

رشید بہت سخت جان تھا۔ وہاں رک کر اس پر وقت برباد کرنا بے سود تھا۔ میں نے اول خان کے تینوں آدمیوں کو ہدایت کی کہ وہ زخمیوں کو پھاٹک کی طرف لے آئیں۔

''اب کیا ارادہ ہے؟'' اول خان نے راہ داری میں داخل ہوتے ہوئے نیچی آواز میں سوال کیا۔

''اب تک صرف چار آدمی ہمارے مقابلے پر آئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہی اصل گرگے ہیں۔ یہاں موجود دوسرے لوگوں کا مجرمانہ سرگرمیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' میں نے پرخیال لہجے میں جواب دیا ''ان دونوں کے بیان کے باوجود پوری فیکٹری کی تلاشی لینی ضروری ہے یہاں سے جانے سے پہلے میں یہ اطمینان کرنا چاہتا ہوں کہ جہانگیر یہاں نہیں ہے۔''

اول خان نے اسی وقت ائرپیس پر اپنے عملے کے اراکین کو ہدایت کی کہ وہ سب تیزی سے پھاٹک کے قریب جمع ہو جائیں۔

ہم راہ داری پار کر کے دوسری طرف نکلے تو سلطان شاہ گولی سے زخمی ہونے والے پر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد اطمینان سے ٹہل رہا تھا۔

رشید اور اس کے ساتھی کے وہاں لائے جانے تک ایس ٹی ایف کا پورا عملہ پھاٹک کے قریب جمع ہو چکا تھا۔ اتنی بھاری نفری کو دیکھ کر وہ تینوں پریشان نظر آنے لگے۔ چوکیدار اپنی بے ہوشی کے سبب ہر فکر سے آزاد ہو چکا تھا۔

''اس کا نام صفدر نہیں رشید ہے۔'' میں نے دونوں خائف قیدیوں سے مخاطب ہو کر کہا'' اس نے شہر کے ایک اہم آدمی کو اغوا کیا ہے۔ ابھی وقت ہے کہ سچ اگل دو۔ ابھی ہم چپّے چپّے کی تلاشی لیں گے۔ اگر مغوی یہاں سے برآمد ہوا تو یہیں تمہاری کھالیں جسموں سے اتار لی جائیں گی۔''

رشید کے مقابلے میں وہ دونوں کمزور اور بودے تھے۔ میری دھمکی پر وہ بری طرح رونے اور گڑگڑانے لگے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ کسی کے اغوا میں شامل نہیں رہے اور نہ فیکٹری میں کسی قیدی کو رکھا گیا ہے۔

رشید ایک طرف کھڑا خاموشی سے ان کا تماشا دیکھ رہا تھا۔

''فی الحال ان تینوں کو بے ہوش کردو۔'' میں نے سلطان شاہ کو ہدایت کی'' تاکہ ہم بے فکری سے پورے کارخانے کی تلاشی لے سکیں۔''

وہ دونوں میرے قدموں میں گرنے کے لیے روتے ہوئے آگے بڑھے تھے کہ سلطان شاہ نے ان میں سے ایک کو درمیان میں ہی چھاپ لیا۔ اس نے اپنے شکار کی بائیں کنپٹی پر اتنا زوردار گھونسا رسید کیا کہ وہ اپنی ہی جھوک میں زمین پر گر کے بے سدھ ہو گیا۔

دوسرے کو میں نے ٹھوکر ماری۔ وہ چیخ مار کر سیدھا ہوا اور سلطان شاہ نے اس کی گردن دبوچ کر چند ثانیوں میں اسے بھی زمین بوس کر دیا۔

''میرے قریب نہ آنا میں...... مم......'' رشید نے لنگڑا کر پیچھے سرکتے ہوئے سلطان شاہ کو کوئی دھمکی دینے کی کوشش کی۔ وہ یہ بھول گیا کہ اول خان اس کی پشت پر موجود تھا۔ اس نے بہت سرعت اور خاموشی سے اپنی رائفل کا آہنی کندہ رشید کی داہنی کنپٹی پر بجا دیا۔ وہ اپنی دھمکی مکمل کرنے سے پہلے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

''خس کم جہاں پاک!'' سلطان شاہ اپنے ہاتھ جھاڑتے ہوئے بڑبڑایا۔

وہ اس کا اضطراری ردّعمل تھا۔ میں نے کچھ نہیں کہا۔

اول خان نے پوری فیکٹری کی تلاشی کے بارے میں اپنے آدمیوں کو بریف کیا اور وہ سرعت سے مختلف سمتوں میں پھیل کر غائب ہو گئے۔

سلطان شاہ کو بے ہوش قیدیوں کی نگرانی پر چھوڑ کر ہم دونوں عمارت میں گھس گئے۔ ہم نے چھت سے لے کر تمام دفتری کمروں کو چھان مارا لیکن وہاں کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا پھر ہم دونوں نے برف خانے کا رخ کیا جہاں کی یخ بستہ فضا میں سانس سینے میں جمتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہاں اونگھنے والے اکادُکا ملازمین نے خوف زدہ نظروں سے ہماری طرف دیکھا لیکن کسی نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

سردخانے میں زیادہ رکنا محال تھا لیکن سرسری نظر میں یہ پتا چل گیا کہ وہاں مختلف حالتوں میں مچھلیوں کے انبار اور چھوٹے بڑے پیکٹ چنے ہوئے تھے۔ وہاں کسی ذی روح کا زیادہ دیر تک زندہ رہنا ناممکنات میں سے تھا۔

اول خان کے آدمی بھی ایک ایک کر کے بے نیل و مرام لوٹ آئے۔ اس پوری مہم کا ثمر رشید کی صورت میں ہمارے سامنے آیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس سخت جان اور ڈھیٹ شخص پر کچھ محنت کر کے بہتر نتائج حاصل کیے جاسکتے تھے۔

''ان چاروں خبیثوں کا کیا کرنا ہے؟'' اپنی نفری گن لینے کے بعد اول خان نے مجھ سے پوچھا۔

''تینوں رشید کے ساتھی ہیں لیکن ہمارے لیے بے کار ہیں۔ انہیں یوں ہی کھلے آسمان کے نیچے پڑا رہنے دو۔ رشید کو اسٹیشن فور کی ہوا کھلانی ہوگی۔'' میں نے اپنی رائے دی۔

اول خان نے رشید کو لے جانے کی ذمے داری اپنے آدمیوں کو سونپی اور ہم دونوں کے ساتھ وہاں سے واپس روانہ ہوگیا۔ اسے اندازہ تھا کہ رشید کے بھاری وجود کو پچھلی سیٹ پر ڈالنے کی صورت میں سلطان شاہ بے آرام ہوجائے گا۔

''رشید کی کہانی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' کچھ دیر تک خاموشی سے سفر کرنے کے بعد سلطان شاہ نے کسی کو خاص طور سے مخاطب کیے بغیر سوال کیا۔

''وہ بدمعاش اور جھوٹا ہے۔'' اول خان بھرا بیٹھا تھا ''اس کی کہانی پر اعتبار ہوتا تو پھر اسے اسٹیشن فور لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کی کمر سے بھاری بوجھ باندھ کر اسے اونچائی سے فرش پر اچانک کھڑا کیا جائے گا تو ذرا سی دیر میں اسے نانی یاد آجائے گی۔''

''کیا ہوگا۔ ذرا تفصیل سے بتاؤ!'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''بغلوں میں بیلٹ ڈال کر اسے اٹھایا جائے گا اور بلندی سے بوجھ سمیت اچانک فرش پر پھینک دیا جائے گا۔ یہ تازہ اور محفوظ ترکیب ہے جو ایک امریکی سرجن کے مشورے پر خطرناک غیر ملکی قیدیوں پر کامیابی سے آزمائی گئی ہے۔''

''اگر یہ کسی سرجن کا مشورہ ہے تو ان جھٹکوں کے بہت برے اثرات ہوسکتے ہیں۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''ہرنیا کی بدترین تکلیف بھی ہوسکتی ہے۔''

''وہی ہوتی ہے۔'' اول خان نے پرزور لہجے میں میری تائید کی ''رشید تھرڈ ڈگری کی اس ترکیب کا پہلا شکار ہوگا۔''

''تجربہ کامیاب رہا تو میں اس بارے میں جلال کو ضرور بتاؤں گا۔ وہ مجرموں سے بازپرس کے معاملے میں قانونی حدود کا بہت زیادہ خیال رکھتا ہے۔'' میں نے کہا ''ہرنیا ایک قدرتی بیماری ہے۔ کوئی بھی بے رحمانہ تشدد ثابت نہیں کرسکے گا۔''

''بارہ بجے اس کے اسٹاف نے بھی کام شروع کیا ہوگا۔ پتا نہیں ان کے کیا نتائج رہتے ہیں۔'' اول خان نے یاد دلایا۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو سوا بارہ بجے تھے۔ جلال سے ایک بجے کے لگ بھگ ہی کوئی جامع رپورٹ مل سکتی تھی۔

گاڑی میں ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی۔ تینوں اپنی اپنی جگہ کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ قاسم فشریز سے جہانگیر کے برآمد نہ ہونے سے ہمیں گہری مایوسی ہوئی تھی۔

حسن اسکوائر سے گزرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے مجھے خیال آیا کہ ہم کچھ دیر کے لیے گھر پر رک جائیں لیکن سلمٰی کا خیال آتے ہی میں نے وہ ارادہ ترک کردیا۔ وہ بے چاری رشید کی تلاش سے بہت آس لگائے بیٹھی تھی۔ اسے یہ جان کر سخت صدمہ ہوتا کہ رشید کے ہاتھ آجانے کے باوجود جہانگیر کی بازیابی کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوسکی تھی۔

ہم دونوں نے وقت پر رات کا کھانا کھالیا تھا لیکن اول خان اپنی مصروفیات کی بنا پر بھوکا رہ گیا تھا۔ ہر طرف سے فارغ ہونے کے بعد بھوک اسے ستا رہی تھی۔ میرے ایما پر اس نے گاڑی عثمانیہ ریستوران کے قریب روک لی۔

اندر کی خنک فضا میں مختلف کھانوں کی ملی جلی، اشتہا انگیز خوشبوئیں چکرا رہی تھیں۔ ہم نے کچھ اضافی آرڈر دے دیا۔ کھانے کا آغاز لذت انگیز تھا۔ ہم تینوں کے ہاتھ اس وقت رکے جب میز پر کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور اول خان کی کمزوری تھا۔ ہم شکم سیر ہوکر ریستوران سے باہر نکلے تو فضا کچھ خنک ہوچکی تھی۔

اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ پر پتا چلا کہ اول خان کے آدمی قیدی سمیت واپس آچکے تھے۔ ہوٹل پر رکنے کی وجہ سے ہمیں وہاں پہنچنے میں خاصی تاخیر ہوگئی تھی۔

اول خان نے دفتر میں پہنچتے ہی انٹرکام پر اپنے کسی ماتحت سے بات کی اور بتایا کہ رشید کو راستے میں ہی ہوش آگیا تھا۔ اس

کے آدمیوں نے اپنے ٹھکانے پر واپس آتے ہی رشید پر تشدد کا نیا حربہ آزمانے کی تیاریاں شروع کردی تھیں۔

وہ ہمیں اپنے ساتھ لے کر تیزی سے اس بیرک کی طرف چل دیا جہاں قیدی سے باز پرس ہوئی تھی۔

رشید کے بدن پر ایک بنیان اور انڈر ویئر کے سوا کچھ نہیں تھا۔ قاسم فشریز میں اس کی اچھی خاصی مرمت ہوئی تھی۔ اس تواضع کے نشانات اس کے بدن کے کھلے ہوئے حصوں پر نمایاں تھے۔ اندرونی ضربات کے ساتھ اس کے جسم پر متعدد کھلے ہوئے زخم بھی تھے جن سے بہنے والا خون جم کر سیاہی مائل رنگت اختیار کر چکا تھا۔

اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ دونوں بغلوں کے درمیان سے نواڑ کا پٹا گزار کر ایک رسی سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس رسی کا دوسرا سرا ایک سقف گیر چرخی پر سے ہو کر فرش تک آیا ہوا تھا۔

کمرے میں رشید کے علاوہ مزید دو آدمی تھے۔ اول خان کے وہاں پہنچتے ہی ان میں سے ایک نے فرش پر پڑی ہوئی چرمی بیلٹ اٹھائی اور ذرا سی دیر میں ویٹ لفٹنگ میں استعمال ہونے والی دو وزنی آہنی پلیٹیں اس بیلٹ کی مدد سے رشید کی کمر سے باندھ دی گئیں۔ رشید ان حرکتوں سے بہت ہراساں نظر آ رہا تھا لیکن اس وقت وہ بالکل مجبور اور بے بس تھا۔ احتجاج اور اچھل کود کے باوجود وہ خود کو اس بوجھ سے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

مجھے اول خان نے تشدد کے اس حربے کے بارے میں راستے میں بریف کر دیا تھا لیکن رشید کے چہرے پر پائے جانے والے الجھن کے آثار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ سمجھنے سے قاصر تھا۔

وہ ان دونوں کو برا بھلا کہتا رہا لیکن کسی نے اس کی پروا نہیں کی۔ ایک بڑی کارروائی کی تیاری ہو جانے کے بعد انہوں نے اسے ہاتھ لگانے کی زحمت بھی نہیں کی۔

''شیدے!'' اس تیاری کی تکمیل کا اندازہ ہو جانے کے بعد میں نے آگے بڑھ کر اسے مخاطب کیا۔ ''اگر تو نے اب بھی جہانگیر کے بارے میں زبان نہیں کھولی تو تو زندگی بھر پچھتائے گا۔''

''مجھے جو معلوم تھا وہ میں نے بتا دیا۔'' وہ جھلائی ہوئی آواز میں بولا ''پتا نہیں، تم کون ہو اور مجھ سے کیا سننا چاہتے ہو۔''

وہ اپنے انجام سے ہراساں اور خوف زدہ ضرور تھا لیکن اس کے کس بل ختم نہیں ہوئے تھے۔ میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے، اپنے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا فضا میں بلند کیا۔

اسے اپنے آدمیوں سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور وہ چرخی پر سے آئی ہوئی رسی کا سرا آہستہ آہستہ کھینچنے لگے۔ رشید کے پیر فرش سے اٹھے تو وہ بری طرح بلبلایا۔ اس کی ٹانگیں آزاد تھیں۔ وہ فضا میں معلق کسی قد آدم پتلے کی طرح ٹانگیں چلا رہا تھا۔ پیٹ اور کمر سے لٹکی ہوئی گول گول آہنی پلیٹوں نے اس کی ٹانگوں کی بے ساختہ حرکات کو بڑی حد تک محدود کیا ہوا تھا۔

ڈھلوان چھت کے ایک شہتیر سے بندھی ہوئی چرخی کے سہارے اس کا وجود فرش سے اوپر اٹھتا چلا گیا۔

ان دونوں کو بہت اچھی طرح معلوم تھا کہ انہیں اپنے شکار سے کیا سلوک کرنا ہے۔ وہ رشید کے بدن کو چھ سات فٹ کی بلندی تک اٹھاتے چلے گئے۔ پھر انہوں نے اچانک رسی چھوڑ دی۔

رشید شاید یہ سمجھ رہا تھا کہ اسے اضافی بوجھ کے ساتھ لٹکا کر اذیت سے دوچار کیا جائے گا۔ رسی کا سرا چھوٹتے ہی اس کا بھاری وجود کشش ثقل کے تحت تیزی سے نیچے آیا تو بے اختیار اس کی چیخ نکل گئی۔

فاصلہ کم تھا اور وجود ضرورت سے زیادہ وزنی ہو چکا تھا۔ ایک تیز دھمک کے ساتھ رشید کے قدم فرش سے ٹکرائے۔ اس بار وہ ایسی وحشت ناک آواز میں چیخا جیسے اسے ذبح کر دیا گیا ہو۔ اس نے غیر ارادی طور پر سارا جھٹکا اپنے قدموں پر لیا تھا لیکن اس جھٹکے کے نتیجے میں رونما ہونے والی اندرونی تبدیلیوں نے اسے لمحہ بھر کے لیے بھی اپنے قدموں پر نہیں کھڑا رہنے دیا۔ وہ فرش پر گر کر بری طرح تڑپنے اور چلّانے لگا۔

''جہانگیر کہاں ہے؟'' میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں اپنا سوال دہرایا۔

''مجھے نہیں معلوم!'' وہ حلق کے بل چیخا ''تم درندے ہو۔ تم نے مجھے تباہ کر دیا۔ میں درد سے مر رہا ہوں...... ظالمو! میرے ہاتھ کھول دو۔''

''تمہیں بار بار اسی طرح لٹکایا اور گرایا جائے گا۔'' اس بار اول خان نے درشت لہجے میں کہا ''حتیٰ کہ لوہے کی پلیٹیں تمہاری رانوں کی ہڈیاں اور ریڑھ کی ہڈی توڑ دیں گی اور تم اپنے قدموں پر اپنا بوجھ بھی سہارنے کے قابل نہیں رہو گے۔ تمہاری اس وقت کی تکلیف تمہارے انجام کے مقابلے میں بہت حقیر ہے۔ اب بھی بتا دو کہ وہ کہاں ہے۔''

اس کی آنکھوں سے خوف کے ساتھ بے پایاں نفرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ چیخا ''میں نہیں جانتا...... مجھے نہیں معلوم!''

اسی لمحے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ کمرے

میں شیدے کی چیخ و پکار جاری تھی۔ میں تیزی کے ساتھ باہر نکلتا چلا گیا۔

''ہمارے لیے یہ کامیابیوں کی رات ثابت ہوئی ہے۔''

دوسری طرف سے جلال خوش دلانہ لہجے میں بتا رہا تھا ''الفا مارا گیا۔ ہلکا پھلکا مقابلہ ہونے کے بعد تینوں دفاتر کے مالکان ہاتھ آ گئے۔ ان کا سارا ریکارڈ بھی ہمارے قبضے میں ہے۔''

''کیا قاسم فشریز کا مالک بھی تمہاری تحویل میں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں! وہ اپنی ایک داشتہ کے فلیٹ سے ہاتھ آیا ہے۔ وہ تینوں مسلسل میرے اسٹاف کے آبزرویشن میں تھے۔ فیصلہ ہو جانے کے بعد ان تک پہنچنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ سناؤ کہ قاسم فشریز کا کیا بنا، جہانگیر کہاں ہے؟''

اس کی زبان سے جہانگیر کا ذکر سن کر میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ اپنی کامیابیوں کے خمار میں ڈوب کر وہ میرے مسئلے کو نہیں بھولا تھا۔

''قاسم فشریز سے شیدا ہاتھ آ گیا ہے لیکن وہ بہت ڈھیٹ ثابت ہوا ہے۔ جہانگیر کے بارے میں کوئی کارآمد بات بتانے پر آمادہ نہیں ہے۔'' موبائل فون پر اس سے بات کرتے ہوئے میں نے غیر ارادی طور پر اول خان کے دفتر کی طرف چلنا شروع کر دیا تھا اور وہ خود بھی شیدے کو اپنے دونوں ماتحتوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر میرے ساتھ آ گیا تھا۔

''شاید اس پر اپنے آقا کی دہشت بیٹھی ہوئی ہے۔'' جلال نے اپنا قیاس ظاہر کیا ''وہ روپوش مجرم ہے۔ ڈر رہا ہوگا کہ اس نے اپنی زبان کھولی تو اس کا مالک اسے جہنم واصل کر دے گا۔''

''کیا تمہارا اشارہ سوبھراج کی طرف ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میری معلومات کے مطابق ان تینوں کاروباری اداروں میں ساری سرمایہ کاری اسی کی ہے۔ سامنے کوئی بھی ہو، پس پردہ ڈوریاں سوبھراج کے ہاتھ میں ہوں گی۔''

''کیا ان تینوں نے اس کے بارے کوئی بات اگلی ہے؟''

''ابھی میری کسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ تینوں کو صدف مینشن پہنچایا جا رہا ہے۔ میں نے رپورٹیں ملتے ہی تم سے رابطہ کیا ہے۔ میں اس وقت ملٹری انٹیلی جنس والوں کے دفتر میں ہوں۔ یہاں سے نمٹوں گا تو ان سے پوچھ گچھ ہوگی۔ شیدے کو تم نے کہاں رکھا ہے؟''

''صدف مینشن کے علاوہ اسٹیشن فور ہی رہ جاتا ہے۔'' وہ جواب دیتے ہوئے یکایک میرے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا اور میں نے قدرے پرجوش لہجے میں کہا ''کیا یہ ممکن ہے کہ تم فشریز کے مالک کو صدف مینشن کے بجائے یہاں بھجوا دو؟''

''تم کہو تو میں اسے جہنم میں بھی بھجوا سکتا ہوں۔'' ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری ''الفا کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے بعد تم اس وقت ہر بڑے آدمی کے منظورِ نظر بن چکے ہو۔ ضرورت پیش آئی تو وہ تمہاری ہر بات مان لیں گے۔''

''الفا کو تمہارے کسی آدمی نے مارا ہے۔ اس میں میرا کوئی حصہ نہیں تھا!'' میں نے قدرے حیرت سے کہا۔ اس وقت رشید کا معاملہ یکایک پسِ پشت چلا گیا تھا۔

''میں دوسروں کا کریڈٹ اپنے سر منڈھنے کا قائل نہیں ہوں۔ الفا کے معاملے میں ہم سب کی تیز ترین کامیابی پر سب حیران ہیں اور میں نے انہیں اس کا جواز پیش کر دیا ہے۔ اسے بے شک میرے آدمی نے مارا لیکن وہ تمہارا پلان تھا۔ اگر تمہیں ٹام سے ملاقات کی راہ نہ سوجھتی تو الفا جیسے بزدل چوہے کو اس کے محفوظ بل سے باہر نکالنا مشکل تھا۔''

''اگر تم میرا نام جھنڈے پر چڑھانا چاہتے ہو تو میں تمہیں نہیں روک سکتا۔ یہ بتاؤ کہ تم فشریز والے کو کب بھیج رہے ہو۔'' میں نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔

''وہ سیٹھ قاسم کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ جب تک اس کی گرفتاری کا معاملہ ریکارڈ پر نہیں آتا، میں اس کے بارے میں اپنے طور پر فیصلہ کر سکتا ہوں۔ ہو سکا تو میں کسی ایک پارٹی کو راستے سے ہی تمہاری طرف بھیج دیتا ہوں۔ اس کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جہانگیر کو کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ جائے۔'' میں نے دھیمی آواز میں کہا ''اس وقت سوبھراج خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ وہ کسی کے سامنے آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اس نے قاسم کے ذریعے شیدے کو استعمال کیا ہوگا۔''

''تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔'' اس نے میری تائید کی ''ہو سکتا ہے کہ شیدا اسی کے زعم میں اپنا دم خم دکھا رہا ہو۔ اسے بے دست و پا دیکھ کر اس کا حوصلہ جواب دے جائے گا۔ میں ابھی قاسم کو تمہاری طرف بھجوانے کا بندوبست کرتا ہوں۔''

''یہ پورا کیس تمہارا ہے۔ میں قاسم کو ادھار مانگ رہا ہوں۔ کام پورا ہونے کے بعد اسے واپس لوٹا دیا جائے گا۔''

''اب اس کی قسمت کا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ سوبھراج جیسے غدار کا ساتھ دینے والوں کے ساتھ ہر بے رحمانہ

سلوک روا ہوگا۔ فی الحال میں اسے بھول جاؤں گا۔ ادھار میں لیا ہوا مجرم پوچھ گچھ میں خرچ نہ ہوا تو اس کے بارے میں کچھ سوچا جائے گا۔''

اس کی یقین دہانی پر بات ختم ہوگئی۔ اس گفتگو کے دوران میں ہم اول خان کے دفتر کے قریب پہنچ چکے تھے۔

''شیدے کو ہم درمیان میں چھوڑ آئے ہیں!'' اول خان نے اپنی دانست میں مجھے یاد دلایا۔

''اسے کچھ دیر کے لیے بھول جاؤ۔ جلال کے آدمی کچھ دیر میں قاسم کو لے کر آئیں گے تو دونوں سے ایک ساتھ نمٹ لیا جائے گا۔ اس وقت تک ہم تمہارے دفتر میں بیٹھتے ہیں۔'' میں نے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''سلطان شاہ وہیں رہ گیا ہے۔ اسے بھی بلالیا جائے!''

''فضا میں رہ رہ کر شیدے کی چیخیں ابھر رہی ہیں۔ درد کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو، آدمی یوں بے ساختہ نہیں چیختا۔ میرا خیال ہے کہ سلطان شاہ اس پر کام کر رہا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اسے بھی بلوا لو۔ کچھ دیر کے سکون کے بعد شیدا اپنے باس کو اچانک اپنے سامنے دیکھے گا تو اس کا ردِعمل زیادہ فطری ہوگا۔ اس جھٹکے کے لیے وقفہ دینا ضروری ہے۔''

دفتر میں پہنچ کر اول خان نے انٹرکام پر کسی سے بات کی اور سلطان شاہ کو اپنے دفتر میں بلوانے کے ساتھ یہ ہدایت بھی دی کہ قیدی کو عارضی طور پر تنہا چھوڑ دیا جائے۔

''سیٹھ قاسم کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟'' اپنی میز پر سامنے رکھے ہوئے کاغذات کو سمیٹتے ہوئے، اول خان نے سوال کیا۔

''شیدا میری توقع سے زیادہ سخت جان ثابت نہ ہوا ہوتا تو شاید میں قاسم کی طرف دھیان نہ دیتا لیکن اب باز پرس کا سارا دارومدار اسی کی ذات پر ہوگا۔''

چند منٹ بعد سلطان شاہ بھی وہیں آ گیا۔ اس کے بشرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اس نے آتے ہی فون کے بارے میں سوال کیا۔ جب اسے یہ پتا چلا کہ وہ کال جلال کی تھی تو اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔

اول خان کے استفسار پر اس نے بتایا کہ رشید اس کمرے میں شدید درد اور اذیت میں مبتلا تھا اور ہم لوگوں کو مغلظات بک رہا تھا۔ وہ کوئی مظلوم ہوتا تو شاید سلطان شاہ اس کی ہرزہ سرائی کو درگزر کر دیتا لیکن ایسا نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے خاصی فراخ دلی سے اس کی مرمت کی لیکن وہ پھر بھی اپنی بدگوئی سے باز آیا نہ اس نے جہانگیر کے بارے میں کوئی بات بتائی۔ وہ مسلسل اپنی ابتدائی کہانی پر اڑا ہوا تھا۔

ہمیں گھر سے نکلے کافی دیر ہوگئی تھی۔ ان لوگوں کو ہماری تازہ مہم کے نتائج کا بے چینی سے انتظار ہونا چاہیے تھا۔ سلطان شاہ کے ایما پر میں نے گھر فون کیا تو میری غزالہ سے بات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ اس وقت ویرا، سلمٰی پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہوگئی تھی اور اسے اپنی خواب گاہ میں لے گئی تھی اور اسے فرصت کے کچھ لمحات میسر آ گئے تھے۔

غزالہ کو یہ سن کر مایوسی ہوئی کہ رشید کے ہاتھ آ جانے کے باوجود ہم لوگ جہانگیر کا کوئی سراغ پانے میں ناکام رہے تھے۔ سلمٰی یہ آس لگائے بیٹھی تھی کہ رشید کے ہاتھ آتے ہی ہمیں جہانگیر کا پتا مل جائے گا اور وہ قصہ تیزی سے نمٹ جائے گا۔

میں نے واپسی میں تاخیر کے امکان کا ذکر کرنے کے بعد بات ختم کر دی اور سلطان شاہ مطمئن نظر آنے لگا۔ اس وقت اس کا رویّہ کسی ایسی عمر رسیدہ خاتون جیسا تھا جو گھر سے باہر گئے ہوئے ہر فرد کے بارے میں اس کی واپسی تک مسلسل فکرمند رہنا اپنا فرض سمجھتی ہو۔

جلال کی طرف سے پیغام ملا کہ وہ اپنے آدمیوں سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ وہ قاسم سمیت اسٹیشن فور کی طرف آ رہے تھے۔

اول خان نے فوری طور پر اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ پر مامور عملے کے نگراں کو متوقع مہمانوں کے بارے میں ہدایات دیں اور ہم دوبارہ رشید کی طرف چل دیے۔

ملیر چھاؤنی کے علاقے میں اسپیشل ٹاسک فورس کا وہ ٹھکانا کچھ متروک بیرکوں اور ایک وسیع میدان پر مشتمل تھا۔ وہاں لائے جانے والے قیدیوں سے پوچھ گچھ کے لیے ایک الگ تھلگ بیرک مخصوص تھی جس میں کئی چھوٹے بڑے کمروں کے علاوہ ایک کمرا ایسا بھی تھا جہاں لیٹ بیٹھ کر آرام سے وقت گزارا جا سکتا تھا۔ عملے کے آرام اور باہمی مشاورت کے علاوہ وہ کمرا ان ملزموں سے تفتیش کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا جو کسی قسم کے تشدد کا سامنا کرنے سے پہلے سچ اگلنے پر آمادگی ظاہر کر دیتے تھے یا مار کھا کر راہِ راست پر آ جاتے تھے۔

رشید کے قید خانے کا دروازہ بند تھا اور اس کے دونوں نگراں باہر برآمدے میں موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ رشید کو فرش سے چند فٹ اوپر لٹکا کر رسی کا سرا فرشی کنڈے سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس عذاب کے نتیجے میں اس کے اعصاب کسی بھی وقت جواب دے سکتے تھے۔

قاسم کی آمد سے پہلے میں دوبارہ رشید کا سامنا کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ اسے یکایک اس کے حال پر چھوڑ دینا بھی ایک ذہنی جھٹکے سے کم نہیں تھا۔ ہم تینوں ریٹائرنگ روم میں چلے

گئے۔

ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ انٹیلی جنس بیورو کے دو اہل کار قاسم کو لے کر آ گئے۔ قاسم متوسط قامت و جسامت کا ایک عام اور بے ضرر شخص نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں اسے اول خان کے سپرد کر کے لوٹ گئے۔

میں قاسم کے قریب گیا تو اس کے منہ سے شراب کے بھپکے آ رہے تھے۔ جلال نے مجھے اس کی گرفتاری کے پس منظر سے آگاہ کر دیا تھا۔ اگر وہ نشے میں دھت ہو کر اپنی داشتہ کے پہلو میں پڑا ہوا پایا گیا تھا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ ناجائز ذرائع سے حرام کی بے اندازہ دولت کمانے والے عام طور پر ایسی کج روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کے نفس کی بھڑکتی ہوئی آگ رفتہ رفتہ کبھی سرد نہ ہونے والے جہنم میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ وہ در بدر بھٹکتے ہیں اور ہر نیا وجود ان کے اندر کی اس آگ کے لیے جلتی پر تیل کا کام دیتا ہے۔

اس نے جی بھر کر شراب پی ہوئی تھی لیکن انٹیلی جنس بیورو والوں کے مخصوص رویے کی وجہ سے اس کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ وہ اپنی سرخ اور خوف زدہ آنکھوں سے باری باری ہمارا جائزہ لے رہا تھا۔

آئی بی والوں کی موجودگی میں، میں نے قاسم کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی۔ ان کے جانے کے بعد میں خشم ناک تیوروں کے ساتھ قاسم کے قریب گیا تو وہ سٹپٹا گیا۔

''تم کون لوگ ہو!'' وہ الٹے قدموں پیچھے سرکتا ہوا خوف زدہ آواز میں بولا ''اب تک مجھے یہ نہیں بتایا گیا کہ میرا کیا قصور ہے۔''

''میں نے اس کے بائیں رخسار پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔

''ضروری نہیں کہ تمہیں کچھ بتایا جائے۔ ہر مجرم اپنے جرم کے بارے میں جانتا ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا اور دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''مم...... میں نے کچھ نہیں کیا۔ میرے ہاتھ صاف ہیں...... تت...... تم مجھے کیوں مار رہے ہو؟'' وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے ہکلایا۔

سلطان شاہ کو غصہ آ گیا۔ اس نے لپک کر اپنا بایاں گھٹنا زور سے اس کی پشت پر رسید کیا۔ اس بار قاسم اپنی اضطراری چیخ پر قابو نہیں پا سکا اور خوف زدہ آوازیں نکالتا ہوا دروازے سے باہر، برآمدے میں جا گرا۔

اس کے سنبھلنے سے پہلے سلطان شاہ دوبارہ اس کے سر پر سوار ہو چکا تھا۔

''مم...... میں عزت دار شہری ہوں۔'' قاسم نے ہانپتے ہوئے احتجاج کیا ''ملک کے لیے زرمبادلہ کماتا ہوں، حکومت کو انکم ٹیکس دو...... دیتا ہوں۔ تم لوگوں کی یہ مجال کہ مجھے دو کوڑی کے چوروں اور اچکوں کی طرح یوں ذلیل کرو!''

''بیٹے! سب کچھ درست ہے مگر یہ بتاؤ کہ اس کاروبار کے لیے مال کہاں سے آیا اور مچھلیوں کے ساتھ کیا کیا باہر جا رہا ہے۔'' سلطان شاہ نے کالر پکڑ کر اسے دوبارہ قدموں پر کھڑا کیا اور رشید والے بند دروازے کی طرف دھکا دے دیا۔

قاسم کے ہاتھوں کے دباؤ سے دروازہ کھل گیا۔ جوں ہی وہ اپنی جھونک سے سنبھلا، اس کی نگاہ رشید کے فضا میں جھولتے ہوئے زندہ وجود پر پڑی اور وہ بھونچکا رہ گیا۔

''یہ...... لیع...... یہ تمہیں بھی لے آئے!'' قاسم کو دیکھ کر رشید کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز نکلی۔

''اوہ......!'' قاسم اپنے ابتدائی ردعمل سے سنبھل کر بولا ''اب سمجھا کہ یہ لوگ تیری وجہ سے مجھے یہاں لائے ہیں۔''

''خدا پاک کی قسم باس، میں نے تمہارا نام بھی نہیں لیا۔'' رشید بے ساختہ بولا ''پتا نہیں یہ کون لوگ ہیں۔ میں نے انہیں کچھ نہیں......''

وہ نئے قیدی کو بریف کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سلطان شاہ نے لوہے کی پلیٹوں سے ہاتھ بچا کر رشید کے پیٹ کے نچلے حصے میں اچانک ایک زوردار مکا رسید کیا اور رشید کی ادھوری بات ایک دردناک چیخ میں ڈھل گئی۔

''قاسم کو دکھاؤ کہ شیدے کے ساتھ کیا ہوا ہے۔'' میں نے اول خان کے آدمیوں سے کہا۔ وہ دونوں ہمارے پیچھے اس کمرے میں آ گئے تھے۔

انہوں نے نہایت سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرشی کنڈے سے بندھی ہوئی رسی کھول کر آزاد چھوڑ دی۔ رشید کسی زندہ لوتھڑے کی طرح تڑپتا ہوا نیچے آیا۔ اس بار اس کے پیر اس کا بوجھ نہ سہار سکے۔ وہ بہت بری طرح فرش پر ڈھیر ہوا۔ لوہے کی وزنی پلیٹوں نے اس بار اسے بہت بری طرح مجروح کیا تھا۔

''میں مر گیا...... میں مر گیا!'' رشید فرش پر اس طرح پیر چلاتے ہوئے تڑپ رہا تھا جیسے اس پر واقعی نزع کا عالم طاری ہو۔

''تمہارے ساتھ بھی یہی ہونے والا ہے۔'' میں نے رشید کو نظر انداز کر کے قاسم سے کہا۔

وہ رشید پر ہونے والا عملی مظاہرہ دیکھ کر دہشت زدہ ہو چکا تھا اور اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ پہلے

اس کے ہونٹوں کے گوشے پھڑ کے پھر ان سے نقاہت زدہ آواز برآمد ہوئی ''رمّو میرے ایک دوست کی ہے اور قاسم فشریز کی اصل آمدنی ہیروئن کے دھندے سے ہے۔ باہر اس کی بہت ڈیمانڈ ہے۔''

اس کا وہ رضا کارانہ اعتراف چشم کشا تھا۔ اس نے ابتدا میں سلطان شاہ کے کیے ہوئے دونوں سوالوں کے ایک سانس میں جواب دے دیے تھے۔

اس وقت تک قاسم سے مزید کوئی سوال نہیں کیا گیا تھا۔ اس لیے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا کہ اسے لائے جانے کے مقاصد وہی تھے جن کے بارے میں سلطان شاہ نے اس سے سوال کیے تھے۔ وہ دونوں سوال ٹیڑھے تھے۔ میرے لیے یہ بات قابلِ اطمینان تھی کہ وہ رشید کی طرح ڈھیٹ اور بے خوف نہیں تھا۔ اس نے صرف ایک ٹھڈا کھانے کے بعد سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں ہونا چاہیے تھا کہ رشید پر آزمائے جانے والے آسان حربے سے پیچیدہ انسانی آنتوں پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے تھے۔

''یہ بات بعد میں ہوگی۔ اس سے پہلے یہ بتاؤ کہ جہانگیر کہاں ہے۔'' میں نے رشید کی چیخ و پکار کے دوران قاسم سے سوال کیا۔

اس بار اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے چہرے سے تذبذب کا اظہار ہو رہا تھا، آنکھوں میں گہرا خوف اتر آیا تھا۔

''کک...... کیا تم ڈینی ہو؟'' اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''میں کالا چور ہوں۔ تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔'' میں نے درشت لہجے میں کہا ''جو کچھ پوچھا جا رہا ہے، اس کا جواب دو ورنہ لٹکنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

''میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا مگر اس بارے میں مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔'' وہ رو دینے والی آواز میں بولا ''وہ مجھے کھا جائے گا، زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''اگر تم سوبھراج سے خوف زدہ ہو تو اس کی فکر مت کرو۔'' میں نے سرد لہجے میں اسے یقین دلایا ''وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔''

میری زبان سے سوبھراج کا نام سن کر اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں ''تمہیں کس نے بتایا کہ میری اس سے دوستی ہے۔ یہ بات تو اس کمینے شیدے کو بھی نہیں معلوم تھی۔''

''یہ سوال کرنے سے باز نہیں آئے گا۔'' سلطان شاہ نے دانت پیس کر دخل اندازی کی ''میں کہتا ہوں کہ اس سالے کو بھی لٹکا دو۔''

''لٹکا دو!'' میں نے بے جان آواز میں کہا۔ اس دوران میں، میں کن انکھیوں سے قاسم کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے پسینے آنا شروع ہو گئے تھے۔

سلطان شاہ وحشیانہ انداز میں قاسم کی طرف لپکا اور اسے زبردستی اپنے دونوں بازوؤں میں دبوچ لیا۔

''چھوڑ دو...... مجھے چھوڑ دو!'' قاسم اس کی گرفت میں مچلتے ہوئے چیخا ''میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔''

''جہانگیر کہاں ہے؟'' سلطان شاہ نے اس کی کمر پر زوردار جھٹکا دے کر پوچھا۔

قاسم کے حلق سے ایک بے ساختہ کراہ برآمد ہوئی پھر وہ جلدی سے بولا ''اگر سوبھراج ابھی تک ایران سے واپس نہیں آیا تو جہانگیر کو میرے گھر پر ہونا چاہیے۔''

ہم تینوں کے لیے وہ خبر چونکا دینے والی تھی۔ سوبھراج نے کراچی سے سیکڑوں میل دور ہونے کی بات کی تھی مگر میں اس کے بیان پر یقین نہیں کر سکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنی طرف سے ہماری توجہ ہٹانے کے لیے وہ جھوٹ بول رہا تھا لیکن قاسم کا بیان کچھ اور ظاہر کر رہا تھا۔

اس کا انکشاف سنتے ہی سلطان شاہ نے اسے چھوڑ دیا یا شاید اضطراری طور پر اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ قاسم مچل کر اس کی گرفت سے نکلا اور چند قدم دور ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

''تم یقین کرو کہ میں بے قصور ہوں۔'' وہ کمزور شکست خوردہ آواز میں کہہ رہا تھا ''میں محنت مزدوری کر کے چار پیسے کمانے والا کاروباری آدمی ہوں۔ دو نمبر کے دھندوں سے ہمیشہ دور رہا ہوں۔ میں پیسے سے ٹوٹا ہوا تھا۔ میرا مقدر خراب تھا۔ میں سوبھراج کی باتوں میں آ گیا۔ آج کل کوئی چار پیسے کے لیے اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتا۔ سوبھراج نے میرے نام سے فشری خریدی تو میں اس کے احسان تلے دب گیا۔ میں نے اسی کے کہنے پر شیدے کو کام بتایا تھا۔ جب سے شیدے نے اسے میرے گھر کے تہ خانے میں پہنچایا ہے، میں اپنے گھر نہیں گیا۔ کل سے روحی کے فلیٹ پر سو رہا ہوں۔ تمہارے آدمیوں نے مجھے وہیں سے اٹھایا ہے۔ میری بات کا یقین نہ ہو تو تم ابھی روحی سے پوچھ سکتے ہو۔''

شیدا اپنی شدید تکلیف میں مبتلا تھا۔ اسے اپنے انجام کی فکر ستا رہی تھی اس لیے اس کے کان ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔ دوسری طرف میں یہ بھی دیکھ رہا تھا

کہ قاسم کی خوف زدہ نظریں بار بار شیدے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

''میں نے اپنی مرضی سے اسے اٹھایا نہ کہیں لے گیا۔'' قاسم کے خاموش ہوتے ہی شیدے نے کمزور آواز میں بولنا شروع کر دیا ''میں کسی کو نہیں جانتا۔ میں نے ہر کام تمہارے حکم پر کیا ہے۔ میں نے اپنی زبان بند رکھ کر ان لوگوں کے ہاتھوں خود کو برباد کروالیا ہے اور تم نے آتے ہی سب کچھ اگلنا اور میرے سر ڈالنا شروع کر دیا۔ یہ یاد رکھنا کہ میرا نام شیدا ہے۔ اس وقت بھی تین سو دو کے تین کیس میرے نام پر چڑھے ہوئے ہیں۔ بچ گیا تو میں تم کو دیکھ لوں گا۔''

ان دونوں کی راہیں جدا ہو گئی تھیں۔ رشید برے انجام سے دو چار ہونے کے باوجود اپنی ذات کے زعم میں مبتلا تھا۔ قاسم اس کا حشر دیکھ کر راہِ راست پر آ گیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ رشید کی غیر موجودگی میں وہ زیادہ کھل کر بات کر سکے گا۔

''اسے دوسرے کمرے میں لے آؤ۔'' میں نے قاسم کے بارے میں ہدایت دی اور وہاں سے نکل گیا۔

دوسرے کمرے کا نارمل ماحول قاسم کے لیے حوصلہ افزا ثابت ہوا۔ میں اس وقت وہاں رک کر اپنا زیادہ وقت برباد کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس وقت میری ساری دلچسپی جہانگیر کی ذات پر مرکوز تھی۔ قاسم سے بقیہ باتیں بعد میں بھی معلوم کی جاسکتی تھیں۔

قاسم کی زبان سے سوبھراج کی ایران سے واپسی کا ذکر سنتے ہی میری طبیعت بے چین ہوگئی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں سوبھراج ہمارے پہنچنے سے پہلے جہانگیر کو نہ لے اڑے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

شیدا، سوبھراج سے قطعی واقف نہیں تھا۔ نہ ہی سوبھراج نے کبھی اس سے براہِ راست کام لیا تھا لیکن اس سمیت کل چار افراد کا تقرر سوبھراج کے ایما پر کیا گیا تھا۔ فشری خریدنے کے بعد سوبھراج نے قاسم کو ان چاروں کے نام اور متوقع ٹھکانے بتاتے ہوئے، انہیں فیکٹری میں ملازم رکھنے کی سفارش کی تھی جو قاسم کے لیے اس وقت ہدایت کا درجہ رکھتی تھی۔

وہ چاروں ابتدا سے فیکٹری کے کل وقتی ملازم تھے اور دن رات وہیں رہتے تھے۔ رشید ان کا سرغنہ تھا۔ سوبھراج، قاسم کے ذریعے کئی مرتبہ رشید سے کام لے چکا تھا لیکن خود کبھی اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔ اس نے قاسم کو سختی سے ہدایت کی ہوئی تھی کہ فشری کے معاملات میں کہیں بھی اس کا نام نہ آنے پائے۔

قاسم کی تعلیم واجبی سی تھی لیکن وہ کافی سوجھ بوجھ کا مالک تھا۔ سوبھراج کی سیاسی شہرت اس کے سامنے تھی۔ وہ اس وقت سے سوبھراج کو جانتا تھا جب وہ نچلے درجے سے اوپر جانے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اس نے سوبھراج سے کوئی سوال کیے بغیر یہ اندازہ لگالیا کہ سوبھراج الگ تھلگ رہ کر اپنے کالے دھن سے ایک مستقل کاروبار کی داغ بیل ڈالنے کا خواہاں تھا۔

اس پس منظر میں سوبھراج نے فون پر قاسم کو جہانگیر کے اغوا کی ہدایت کی تھی۔ وہ کام بہت خطرناک تھا۔ قاسم کے پس و پیش پر سوبھراج نے بتایا کہ جہانگیر کا تعلق اس کے ان دشمنوں سے ہے جنہوں نے اسے تباہ و برباد کر کے اس حال کو پہنچادیا تھا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے در در کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا تھا۔

قاسم اس کی ہدایت پر عمل کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اسے معلوم تھا کہ مچھلی کی برآمد کی آڑ میں ہیروئن کی تجارت میں ملوث ہونے کے بعد اس کی لگامیں سوبھراج کے ہاتھ میں چلی گئی تھیں۔ اس نے سوبھراج کی ناراضی مول لی تو وہ اسے کہیں کا نہ چھوڑے گا۔

اس وقت تک سوبھراج کراچی میں موجود تھا اور کسی بھی وقت قاسم کے سر پر سوار ہوسکتا تھا۔ اس نے رشید عرف شیدے کو کام پر لگادیا۔

شیدے نے جہانگیر کے گھر کا جائزہ لے کر قاسم کو بتایا کہ کام بہت کٹھن تھا۔ وہ بات سوبھراج تک پہنچی تو وہ برہم ہوگیا۔ وہ جہانگیر کو ہر حال میں اپنا قیدی دیکھنا چاہتا تھا۔

دو دن کی منصوبہ بندی کے بعد آخر کار شیدا اپنے مشن میں کامیاب ہوگیا۔ جہانگیر کو فیکٹری میں رکھنا خطرناک تھا کیونکہ دن میں وہاں خواتین اور مردوں کی خاصی تعداد کام کرتی تھی۔ قاسم نے رازداری کے خیال سے جہانگیر کو اپنے گھر بھجوادیا۔

اس نے سوبھراج کو فون پر کامیابی کی اطلاع دی تو اسے پتا چلا کہ وہ پاکستان سے ایران پہنچ چکا تھا۔ اس کے لیے جہانگیر کے اغوا کی خبر اتنی اہم تھی کہ وہ پہلی فرصت میں کراچی آنے پر تیار ہوگیا۔

قاسم نے اسے بتادیا کہ قیدی کو تہ خانے میں رکھا گیا تھا اور وہ اپنا گھر چھوڑ رہا تھا۔ سوبھراج کو قاسم کا گھریلو چوکیدار پہچانتا تھا۔ وہ جب چاہتا، گھر میں داخل ہوسکتا تھا۔

جہانگیر کو اپنا قیدی بنالینے کے بعد قاسم زبردست ذہنی دباؤ کا شکار ہوگیا۔ وہ اپنی زندگی میں کبھی اغوا جیسے سنگین جرم میں ملوث ہونے کا تصور نہیں کر سکا تھا لیکن سوبھراج نے اسے زبردستی اس اندھی دلدل میں دھکیل دیا تھا۔

وہ اپنے گھر سے بھاگا ہوا تھا۔ چوکیدار اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ گھر کے تہ خانے میں کوئی شخص قید تھا۔ قاسم نے اپنے

گھر سے رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ سوبھراج اپنے شکار تک پہنچے گا تو خود اسے اطلاع دے گا۔

ان میں سے کچھ باتیں ایس ٹی ایف کے مہمان خانے میں قاسم سے معلوم ہوئیں۔ ان میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ قاسم نے جہانگیر کو سرے سے نہیں دیکھا تھا۔ شیدے نے اسے تہ خانے میں جس حال میں چھوڑا تھا وہ اسی حال میں، بھوکا پیاسا وہاں بند تھا۔

وہ بات سن کر غصے سے میرا خون کھول کھول اٹھا۔ جی چاہا کہ اسی وقت شیدے کو مار مار کر مزید لہولہان کر دوں مگر مسئلہ وہی تھا کہ وقت دھیرے دھیرے ہمارے ہاتھ سے نکل رہا تھا۔ ہم تینوں قاسم کو اپنے ساتھ لے کر اسی لمحے اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس بارے میں مزید باتیں سفر کے دوران میں پتا چلیں۔ قاسم نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا اور ہماری ہر بات کا بے چون وچرا جواب دے رہا تھا۔

راستے میں قاسم سے بہت کھل کر باتیں ہوئیں مگر ان کا محور صرف اور صرف جہانگیر کی ذات تھی۔ اس وقت سوبھراج کا نام میرے لیے ثانوی ہو کر رہ گیا۔ شدید غصہ آنے کے باوجود شیدے کا نام بھی ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ مجھے صرف جہانگیر کی فکر تھی۔

اس کی ذات کو سب سے بڑا خطرہ سوبھراج کی ذات سے تھا۔ زیر زمین دنیا میں کوبرا کے لقب سے اپنا سکہ چلانے والا وہ زہریلا ناگ کسی بھی وقت اپنے شکار پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جہانگیر جیسے تندرست اور توانا شخص کے لیے ایک دو دن کی بھوک پیاس مہلک ثابت نہیں ہو سکتی تھی لیکن مجھے یہ خوف تھا کہ ایسی ناتوانی کے عالم میں وہ سوبھراج تو کیا، قاسم جیسے آدمی کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اسٹیشن فور سے ایک طویل مسافت طے کر کے آخر کار ہم شارع فیصل پر لال کوٹھی کے علاقے میں پہنچ گئے جہاں پی ای سی ایچ ایس میں قاسم کی رہائش تھی۔

یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ درمیانی رقبے پر بنے ہوئے اس مکان کے باہر کوئی اور گاڑی موجود نہیں تھی۔ سلطان شاہ نے گاڑی گیٹ کے سامنے لگا کر ہارن بجایا تو چوکیدار بہت پھرتی کے ساتھ باہر آیا۔

سلطان شاہ نے گاڑی کے ہیڈ لیمپس بجھا کر کیبن لائٹ آن کر دی۔ چوکیدار نے ڈرائیور کے برابر والی نشست پر اپنے گم شدہ مالک کی صورت دیکھی تو خوش ہو کر تیزی سے گیٹ کھول دیا اور ہماری گاڑی مختصر پورچ میں سما گئی۔

''ہم سے پہلے یہاں اور کوئی آیا تھا؟'' میں نے گاڑی سے اترتے ہی چوکیدار سے سوال کیا۔

''صاحب! کوئی نہیں آیا۔'' چوکیدار نے گیٹ بند کرتے ہوئے جواب دیا ''میں نے کل صبح کے بعد اب اپنے صاحب کی صورت دیکھی ہے خیر ہے نا!''

''میں کام میں پھنس گیا تھا۔'' قاسم نے متانت سے کہا۔ چوکیدار سر ہلا کر رہ گیا جیسے وہ اس کے لیے معمول کی بات ہو۔

بعد میں پتا چلا کہ چوکیدار کے تاثرات کے بارے میں میرا قیاس غلط نہیں تھا۔ قاسم لاولد تھا۔ اس کی بیوی کافی عرصے پہلے اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ وہ تجرد کی زندگی گزار رہا تھا اور اپنی تنہائی کا احساس بھلانے کے لیے کبھی کبھی اپنی راتیں باہر گزارتا تھا۔

مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے اس کا گھر ایک بہترین ٹھکانا تھا کیونکہ وہاں چوکیدار کے سوا کوئی اور کل وقتی ملازم نہیں تھا۔ دن میں دو جز وقتی ماسیاں آتی تھیں جو گھر کی صفائی کرنے اور کھانا پکانے کے بعد واپس چلی جاتی تھیں۔

وہ اپنی محدود ترین ضروریات سے زیادہ کشادہ گھر میں اپنی زندگی کیسے گزار رہا تھا۔ مجھے اس امر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس وقت میں جلد از جلد اس کے گھر میں بنے ہوئے تہ خانے تک پہنچنے کے لیے بے چین تھا۔

میں تیزی سے آگے بڑھا پھر میں نے ٹھٹک کر سلطان شاہ کو پورچ میں چوکیدار کے ساتھ رکنے کی ہدایت کی۔ میرے ذہن میں اچانک اس شبہے نے سر ابھارا تھا کہ اگر سوبھراج وہاں آنکلا تو وہ تنہا ہونے کے باوجود ہمیں کچھ دیر کے لیے گھر میں محصور ہونے پر مجبور کر دے گا۔

قاسم کے چوکیدار کے سر پیر کا کوئی علم نہیں تھا۔ اس کے لیے سوبھراج ایک شناسا چہرہ تھا۔ وہ آجاتا تو چوکیدار اسے بلاکم و کاست ہر بات بتا دیتا۔

سلطان شاہ اہم مواقع پر ہمیشہ بہت گہری سوجھ بوجھ اور سعادت مندی کا مظاہرہ کرتا تھا، وہ وہیں رک گیا۔ ہم دونوں قاسم کے ساتھ برآمدے میں داخل ہو گئے۔

قاسم نے اپنی چابی سے داخلی دروازے کا قفل کھولا اور اندر قدم رکھتے ہی سوئچ آن کر کے تاریک راہ داری روشن کر دی۔

وہ مختصر سی راہ داری گھر کی لابی میں ختم ہو گئی۔ اس سے آگے زینے تھے جو اوپر جاتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ نیچے اترنے والے زینوں پر ایک مقفل دروازہ سد راہ بنا ہوا تھا۔

قاسم نے اپنی جیب سے دوسری چابی نکال کر جوں ہی وہ

دروازہ کھولا‘ میں اسے ایک طرف دھکیل کر تیزی سے نیچے اترتا چلا گیا۔

آخری زینے سے فرش پر قدم رکھتے ہی میں نے ہولے سے جہانگیر کو آواز دی‘ تہ خانے کی فضا میں حلق سے نکلنے والی چند مضطرب آوازیں گونج کر رہ گئیں۔ اسی لمحے قاسم نے مجھ سے آگے بڑھ کر تہ خانہ روشن کر دیا۔

یہ دیکھ کر میرا دورانِ خون اچانک تیز ہو گیا کہ جہانگیر ایک کشادہ مسہری پر پڑے ہوئے شکن آلود بستر پر سیدھا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں خون کبوتر کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔

اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے‘ ٹخنوں سے پنڈلیوں تک بھی رسی بندھی ہوئی نظر آ رہی تھی اور ہونٹوں پر چوڑا ٹیپ چپکا ہوا تھا۔ تہ خانے میں یکایک روشنی ہونے سے میری آنکھیں چند ثانیوں کے لیے چندھیا گئیں۔

میری بصارت بحال ہوئی تو جہانگیر حیرت اور مسرت سے دیدے پھاڑ کر مجھے دیکھ رہا تھا۔

میں نے بے اختیاری کے عالم میں اپنی جگہ چھوڑی اور دوڑ کر اس کے بے دست و پا وجود سے والہانہ انداز میں لپٹ گیا۔

جہانگیر نے اپنے حلق سے غوں غاں کی تیز آوازیں نکال کر اپنے بدن کو جھٹکے دیے۔ فوری طور پر بات میرے پلے نہیں پڑ سکی لیکن لمحہ بھر بعد مسئلہ سمجھ میں آ گیا اور میں نے اس کے ہونٹوں پر چپکا ہوا ٹیپ ایک جھٹکے سے اکھاڑ دیا۔

ٹیپ کے ساتھ اس کے قدرے بڑھے ہوئے شیو کی جڑیں بھی اپنی جگہ سے ہل گئی ہوں گی۔ دہانہ آزاد ہونے کے بعد اس کے ہونٹوں سے پہلی آواز ایک سسکاری کی صورت میں آزاد ہوئی پھر اس نے اپنے اغوا کنندگان کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔

”تم ٹوٹ پھوٹ سے تو محفوظ ہو نا؟“ میں نے اس کے بدن کو ٹٹولتے ہوئے پوچھا۔

”پہلے یہ رسیاں کھولو!“ وہ میرے سوال کو نظر انداز کر کے غرایا۔

رسیوں کی بندشیں بہت سخت تھیں۔ میں ان میں الجھا ہوا تھا کہ اول خان اوپر سے ایک چھری ڈھونڈ کر لے آیا اور اس نے رسیاں کاٹ کر اس کے ہاتھ پیر بھی آزاد کر دیے۔

”خدا کی پناہ!“ وہ مسہری پر ہی کھڑا ہو گیا ”ایسا لگ رہا تھا جیسے میں یوں ہی بستر پر پڑے پڑے مر جاؤں گا‘ بھوک اور پیاس سے میرا برا حال ہے۔“

میں نے سہارا دے کر اسے مسہری کے لچک دار گدے سے فرش پر اتار لیا۔ اول خان نے تہ خانے میں موجود چھوٹے ریفریجریٹر سے پانی کی بوتل نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔ جہانگیر نے مسہری کے کونے پر ٹک کر غٹاغٹ وہ چھوٹی بوتل خالی کر کے مسہری پر اچھال دی۔

”تمہارے ساتھ یہ چوہا کون ہے...... اس کے چہرے پر پھٹکار کیوں برس رہی ہے؟“ قاسم کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس نے سوال کیا۔

”یہ اس گھر کا مظلوم مالک ہے......“ میں نے اسے بتانا چاہا لیکن جہانگیر نے میری وہ ادھوری بات سنتے ہی قاسم کا گریبان پکڑا اور اس کے چہرے پر وحشیانہ انداز میں ٹکر رسید کر دی۔ تہ خانے کی بند فضا قاسم کی چیخ سے گونج اٹھی۔ اس کی ناک سے خون کی کئی پتلی پتلی دھاریں بہہ نکلی تھیں۔

اس سے پہلے کہ جہانگیر اسے مزید تشدد کا نشانہ بناتا‘ اول خان جھپٹ کر ان دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔

میں بہ دقت جہانگیر کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو سکا کہ اس وقت قاسم ہمارے ساتھ تعاون کر رہا تھا۔ اسے برے حال کو پہنچانے والے دوسرے تھے جن میں سے ایک ہمارے قبضے میں تھا‘ دوسرے کو کسی بھی وقت اٹھایا جا سکتا تھا۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ دوسرا آدمی قاسم کے کارخانے میں ملازم تھا۔

قاسم اتنا صلح جو ثابت ہوا کہ اپنی آستین سے ناک سے بہنے والا خون صاف کر کے مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے پیشکش کی کہ اوپر کچن ریفریجریٹر میں موجود اشیائے خورونوش سے جہانگیر اپنی شکم سیری کر لے لیکن میرے ذہن کے کسی گوشے میں سوبھراج کی طرف سے مسلسل خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس کے لیے میرا اور جہانگیر کا معاملہ بہت اہم تھا۔ وہ کسی بھی وقت وہاں پہنچ سکتا تھا۔ اس کے آنے سے قبل جہانگیر کا وہاں سے نکل جانا بہت ضروری تھا۔ کسی فوری تصادم کی صورت میں اسے سنبھالنا دشوار ہو سکتا تھا۔

ہم بہت تیزی کے ساتھ تہ خانے سے نکلے۔ میں نے قاسم کو بتا دیا تھا کہ اس سے کچھ اہم گفتگو باقی رہ گئی تھی۔ اسے بھی ہمارے ساتھ چلنا تھا۔ وہ اس وقت موم کی ناک بنا ہوا تھا۔ خاموشی سے ہمارے ساتھ نکلتا چلا آیا۔

ہم زینے طے کرنے کے بعد لابی کی طرف بڑھ رہے تھے کہ اچانک باہر سے گولی چلنے کی آواز آئی۔ لمحہ بھر بعد اسی ہتھیار سے دوسرے فائر کی آواز آئی پھر کسی گاڑی کے انجن کی پرشور آواز سنائی دی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی بدحواسی میں گیئر بدلے بغیر اپنی گاڑی کو ہوا کے دوش پر اڑانے کی کوشش کر رہا ہو۔

''سلطان شاہ! کیا ہو رہا ہے؟'' اول خان نے چیخ کر پوچھا۔

قاسم کا گھر زیادہ وسیع وعریض نہیں تھا۔ فوری طور پر جواب آ گیا ''جلدی باہر آؤ' وہ آ گیا ہے۔ میں نے اسے بھگا دیا۔''

میں دوڑتا ہوا گھر سے نکلتا چلا گیا۔ برآمدے میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی اور سلطان شاہ اپنا پستول ہاتھ میں لیے پھاٹک کی کھلی ہوئی ذیلی کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ چوکیدار اس کے پیچھے سہا ہوا کھڑا تھا۔

جہانگیر کے ذہن پر اپنی افتاد سوار تھی۔ وہ اس قابل نہیں ہوسکا تھا کہ ان الجھنوں کو فوری طور پر سمجھ سکے وہ مسحور سے انداز میں اول خان کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔

سلطان شاہ نے تیز اور پرجوش لہجے میں اپنی کہانی سنانی شروع کر دی تھی۔

وہ چوکیدار کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا کہ قاسم کے دروازے پر کوئی گاڑی آ کر رکی۔ ہارن کی آواز سن کر چوکیدار نے آہنی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھولی تو سلطان شاہ بھی اس کے پیچھے موجود تھا۔

آنے والی گاڑی میں کل دو نفوس موجود تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک اجنبی چہرہ براجمان تھا۔ اس کے برابر والی نشست پر ایک باریش اور توانا شخص موجود تھا۔ بڑھی ہوئی داڑھی اور گھنی مونچھوں کے باوجود وہ اپنی مڑی ہوئی ناک کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔

چوکیدار اسے پہچانتا تھا، وہ ادب سے اس کی طرف بڑھا۔ سلطان شاہ کے لیے وہ بہت نازک لمحہ تھا۔ ایک رسوائے زمانہ مجرم اس کی دسترس میں تھا۔ جس شخص نے ملک کی ساری ایجنسیوں کو نچایا ہوا تھا' اسے وہ پل بھر میں خون میں نہلا سکتا تھا۔ اس سے صبر نہ ہوسکا۔ اس نے پھرتی کے ساتھ اپنا پستول نکالا اور تاک کر سوبھراج پر گولی چلا دی مگر چوکیدار کو بچانے کے چکر میں اس کا نشانہ خطا ہو گیا۔

سوبھراج کی گاڑی کا انجن چل رہا تھا۔ پہلی گولی چلتے ہی ڈرائیور نے گاڑی ریورس کی، سلطان شاہ نے گاڑی کے ٹائر پر دوسرا فائر کیا لیکن گاڑی نہ رک سکی۔ ڈرائیور اگلا ٹائر پھٹنے کی پروا کیے بغیر گاڑی کو آگے دوڑاتا لے گیا۔

''یہ بہت برا ہوا۔ وہ یہاں آ گیا تھا تو اسے بچ کر نہیں جانا چاہیے تھا۔'' میں نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا ''تمہیں دوسرا فائر گاڑی کے ٹائر کے بجائے ان دونوں پر کرنا چاہیے تھا......''

''سوبھراج ڈرائیور کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔'' سلطان شاہ نے میری بات کاٹ کر اپنی صفائی پیش کی ''میں گولی چلاتا تو سوبھراج کا کچھ نہیں بگڑتا' ڈرائیور ہلاک یا زخمی ہو جاتا۔''

''گاڑی رک جاتی' تمہیں وقت مل جاتا ہم لوگ باہر آ جاتے۔'' میں نے تیزی سے کہا ''ذرا سا وقت مل جاتا تو بہت کچھ ہوسکتا تھا۔ وہ اتنی آسانی سے نہ نکل پاتا۔''

''بس غلطی ہو گئی!'' سلطان شاہ نے اپنی نظریں جھکا کر مجرمانہ احساس کے ساتھ کہا ''یہ بات میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔''

''انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔'' اول خان نے نرمی سے کہا ''کسی زور آور حریف کو اچانک اپنے سامنے پا کر بڑے بڑوں کے ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں۔ ہر شخص کے اعصاب فولادی نہیں ہوتے۔ اب یہاں سے نکلنے کی فکر کرو۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا مگر میں جانتا کہ سوبھراج دوبارہ ادھر آنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ وہ بہت چالاک اور بزدل مجرم تھا۔ میدان صاف پانے کی توقع میں ادھر آ گیا تھا۔ دو گولیوں کا سامنا کرنے کے بعد اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ کوئی بڑا خطرہ مول لیتا۔

''گھر میں تالا ڈال دو۔'' میں نے چوکیدار سے تحکمانہ لہجے میں کہا ''کوئی بھی آ جائے' دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں۔''

قاسم نے زور زور سے سر ہلا کر میری تائید کی اور گاڑی کی پچھلی سیٹ میں گھس گیا۔ جہانگیر کو اس وقت آرام کی ضرورت تھی' اول خان نے اسے اگلی نشست پیش کر دی اور چابی میری طرف بڑھا دیا۔

گاڑی چلتے ہی اول خان نے قرب وجوار کی گلیوں کا ایک چکر لگانے کی تجویز پیش کی۔ وہ اس خوش گمانی میں مبتلا تھا کہ وہ دونوں کہیں رک کر اپنی گاڑی کا ٹائر بدل رہے ہوں گے۔ میری دانست میں وہ وقت کی بربادی تھی لیکن اس وقت ہمیں کوئی فوری کام درپیش نہیں تھا۔ مین نے گاڑی اگلی گلی میں موڑ لی۔

کافی دیر تک آس پاس کی گلیوں میں بے نیل ومرام بھٹکنے کے بعد میں نے گاڑی شارع فیصل پر نکال لی۔

''سلمٰی کا کیا حال ہے...... وہ کہاں ہے؟'' اچانک جہانگیر کو اپنی بیوی کا خیال آ گیا۔

''اس کی حالت بہت خراب ہے۔ اسے میں اپنے گھر لے آیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''کیا واقعی اس کی حالت بہت خراب ہے؟'' جہانگیر نے حیرت سے سوال کیا۔

''اس سے بات کر لو۔'' میں نے اپنا موبائل فون اس کی طرف بڑھا دیا ''ہم لوگوں کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا

ہے۔''

''گاڑی میں تمہارا ایک مددگار بھی موجود ہے۔'' جہانگیر نے چند لمحوں تک سوچنے کے بعد کہا ''جب ہم گھر کی طرف جارہے ہیں تو فون کرنے کی کیا ضرورت ہے وہیں ملاقات ہوجائے گی۔''

''گھر نہیں، اب تم اسٹیشن فور جاؤ گے۔'' اول خان نے دوٹوک الفاظ میں وہ فیصلہ صادر کر کے مجھے حیران کردیا۔

''کیوں؟'' جہانگیر نے سوال کیا ''کیا وہاں کوئی ضروری کام ہے؟''

''تمہارے لیے اب وہی سب سے بہتر اور محفوظ ٹھکانا ہے۔'' اول خان بھی قاسم کی موجودگی کی وجہ سے کھل کر بات کرنے سے جھجک رہا تھا ''تمہاری بیوی کو بھی عارضی طور پر وہیں بلالیا جائے گا۔ کسی متبادل جگہ کا بندوبست ہونے تک تم دونوں میرے مہمان رہو گے۔''

''لیکن کیوں؟'' جہانگیر نے احتجاج کیا ''میں اپنے گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ زیادہ خوش رہتا ہوں۔ میں سلمیٰ کو لے کر اسی وقت گھر جانے کو ترجیح دوں گا۔''

''ہم دوسری بار تمہارے اغوا کے متحمل نہیں ہوسکتے۔'' میں نے ہنستے ہوئے اس بحث میں دخل اندازی کی ''فی الحال اتنا کافی ہے باقی باتیں اسٹیشن فور پر ہوں گی۔''

جہانگیر میرا اشارہ سمجھ گیا اور اس نے خاموشی اختیار کرلی۔ شدید ذہنی اور جسمانی عذاب سے گزرنے کے باوجود وہ معاملے کی نزاکت کو سمجھ رہا تھا۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ اس نے ایک بار بھی میرا نام نہیں لیا تھا اور یہ بات اس اعتبار سے اچھی تھی کہ میں نے قاسم کو آخرکار آزاد کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اسٹیشن فور پر حفاظتی تحویل کے چند روز گزارنے کے بعد وہ اپنے معمولات کی طرف لوٹتا تو کسی سے یہ دعویٰ نہیں کرسکتا تھا کہ وہ ڈینی کو دیکھ چکا ہے۔

گھر کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کردیا گیا۔ جہانگیر سب کی موجودگی میں اپنی بیوی کو فون کرنے سے کترا رہا تھا۔ مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ آپس میں دن رات کی تُوتکار کے باوجود جب وہ فون پر ایک دوسرے کی آوازیں سنیں گے تو دونوں ہی جذباتی ہوجائیں گے۔ جہانگیر کسی کو اپنی ان احمقانہ حرکات اور باتوں کا گواہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔

میں نے موبائل فون سلطان شاہ کو دے دیا تاکہ وہ گھر پر موجود خواتین کو جہانگیر کی صحیح سلامت واپسی کی خوش خبری سنا دے۔

☆☆☆

اسٹیشن فور پر سب سے اہم مسئلہ جہانگیر کی بحالی کا تھا۔ اول خان نے دورانِ سفر ایریٹس استعمال کر کے اپنے آدمیوں کو ہدایات دے دی تھیں۔ ان کی روشنی میں ایک آرام دہ اور کشادہ کمرا اس کی میزبانی کے لیے تیار کرلیا گیا تھا۔ ایک آدمی سلمیٰ کو ہمارے گھر سے وہاں لانے کے لیے گیا ہوا تھا۔

قاسم کو اسی بیرک پر اتار کر اول خان نے اپنے آدمیوں کے حوالے کردیا جہاں شیدا قید تھا۔ قاسم بھی ایس ٹی ایف کا قیدی تھا لیکن اس کے رضاکارانہ تعاون کی روشنی میں اسے بستر اور پنکھے وغیرہ کی مراعات دینے کا فیصلہ کرلیا گیا تھا۔

اس سے جہانگیر کے بارے میں گفتگو چلتی رہی تھی۔ سوبھراج اور اس کی سرگرمیوں کا معاملہ ہنوز باقی تھا۔ وہ مرحلہ بعد میں طے کیا جاسکتا تھا۔

قاسم کو اتارتے ہوئے جب میں نے جہانگیر کو یہ بتایا کہ اسے اغوا کرنے والا ایک شخص اسی بیرک کے ایک عقوبت خانے میں قید ہے تو وہ اپنے کمرے کی طرف جانے سے پہلے اسے ایک نظر دیکھنے پر تل گیا۔ وہ خاصے خراب تیوروں کے ساتھ شیدے کے کمرے میں داخل ہوا لیکن اس کا عبرت ناک حشر دیکھ کر اس کا غصہ خود ہی کافور ہوگیا۔

شیدے کا رسی سے بندھا ہوا جسم بہت غیر فطری انداز میں فرش پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کا بدن زخموں سے چور تھا۔ چہرے پر ورم آیا ہوا تھا اور داہنی ران کی ہڈی ٹوٹ جانے کے باعث وہ سوج کر کپا ہورہی تھی۔

تکلیف کی شدت سے شیدا اس وقت بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

''مجھ سے پہلے تم لوگوں نے اس کا حلیہ بگاڑا ہوا ہے۔ اب میں اسے اور کیا سزا دوں گا۔ یہی ہوسکتا ہے کہ اس کے گلے پر چھری پھیر دی جائے۔'' اسے دیکھ کر جہانگیر نے آسودہ لہجے میں کہا ''اس کے ساتھی پر میں اپنا کام کروں گا۔''

میں نے اسے اطمینان دلایا کہ اس کا مطلوب مجرم اگلے دن وہاں پہنچادیا جائے گا۔

جہانگیر ہنگامہ خیز شہری زندگی کا عادی تھا۔ اسے اسٹیشن فور پر چھایا ہوا خواب ناک سناٹا بہت حیران کررہا تھا۔ اس نے سرگوشیانہ لہجے میں مجھ سے شکایت کی کہ وہ ایسی سنسان جگہ پر کس طرح رہ سکے گا۔ میں نے اسے دلاسا دیا کہ اس کا کلفٹن والا فلیٹ کئی دشمنوں کی نظروں میں آچکا تھا۔ اس کا فوری طور پر وہاں جانا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ کسی متبادل ٹھکانے کا بندوبست ہونے تک اس کا اسٹیشن فور پر رہنا ناگزیر ہوچکا تھا۔

ہم لوگوں کی آمد کی وجہ سے وہاں بہت محدود سی نقل و حرکت شروع ہوچکی تھی۔ اول خان کی رہنمائی میں ہم جہانگیر کے لیے تیار کیے

گئے کمرے میں پہنچے تو حیران رہ گئے۔ وہاں ائرکنڈیشنر سے ٹیلی وژن تک ہر چیز موجود تھی۔ میں دل ہی دل میں اول خان کی مہمان نوازی کا قائل ہوگیا۔

ہم چاروں کو وہاں بیٹھے ہوئے چند منٹ ہوئے تھے کہ جہانگیر کے لیے گرماگرم کھانے کے ٹرے آگئی اور وہ ہر تکلف کو بالائے طاق رکھ کر اپنی شکم سیری میں مصروف ہوگیا۔ میں بہت غور سے اس کی حرکات دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ خوراک کے وہ چند لقمے ہیں جو انسان کی بنیادی ضرورت ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ وہ جو کچھ بھی کماتا اور خرچ کرتا ہے' حقیقی معنوں میں اس کے کام نہیں آتا۔ اس کے ذریعے دوسروں کی نذر ہو جاتا ہے۔

وہ کھانے میں مصروف تھا کہ ویرا کے ساتھ سلمٰی وہاں آپہنچی۔ جہانگیر نے اچانک سلمٰی کو اپنے سامنے دیکھا تو بس اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کے ہاتھ جہاں تھے وہیں تھم گئے۔ دوسری طرف سلمٰی کی آنکھوں سے اچانک موتیوں کی لڑیاں بہہ نکلی تھیں۔

میں نے اپنے خون آشام دشمنوں سے لڑتے لڑتے اپنی زندگی گزاری تھی۔ اس جنگ میں انسانی جانوں کی کوئی اہمیت تھی نہ انسانی جذبوں کا کوئی گزر۔ پھر بھی ان دونوں کی اس ملاقات نے میرا دل یوں پانی پانی کر دیا کہ میں سب کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا اس کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

''تم مجھے باہر کیوں بلا لائے۔ میں وہیں رک کر ان دونوں کا تماشا دیکھنا چاہ رہی تھی۔'' ویرا نے کمرے سے باہر آنے کے بعد احتجاج کیا۔

''اسے نئی زندگی ملی ہے اور تم اسے تماشا کہہ رہی ہو!'' میں نے اسے ملامت کی۔

''یہ دونوں ایک دوسرے کو اتنا چاہتے ہیں تو پھر گھر میں ہر وقت لڑتے کیوں رہتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے تو پھر وہ تماشا ہوتا ہوگا۔'' اس نے ہمارے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''یہ مشرق ہے۔'' اول خان نے نرمی سے کہا' ''یہاں زندگی کی یہی رونق ہوتی ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر بپھر کر بکھر جانا یہاں کا رواج نہیں ہے۔ ڈینی نے بالکل ٹھیک کیا کہ سب کو باہر لے آیا۔ یہ ان کے ذاتی لمحے ہیں کسی کو ان میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔''

ویرا کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنا سر جھٹک کر رہ گئی۔

''تم غزالہ کو گھر پر اکیلا چھوڑ کر آئی ہو؟'' اچانک سلطان شاہ نے رکھائی سے پوچھا۔

''وہ اکیلی نہیں ہے۔ وہاں ابرار اور دین محمد بھی موجود ہیں۔'' ویرا بولی۔

''وہ تمہت پر ہوں گے' گھر میں تو صرف وہی ہے!''

''تو کیا ہوا۔ وہ کوئی نابالغ لڑکی نہیں ہے۔ وہ سلمٰی کی دیکھ بھال کی وجہ سے اتنی تھکی ہوئی تھی کہ ہمارے ساتھ آنے پر رضامند نہیں ہوئی۔ وہ اپنا کمرا بند کرکے گہری نیند سو رہی ہوگی۔'' سلطان شاہ سے بات کرتے کرتے وہ میری طرف متوجہ ہو چکی تھی' ''یہ بتاؤ کہ کیا یہ دونوں اب اسٹیشن فور پر ہی رہیں گے!''

''فی الحال یہی پروگرام ہے۔'' میں نے مختصر سا جواب دیا۔

''زبردست پروگرام ہے۔ ہمارے گھر میں زیادہ مہمان نوازی کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ غزالہ کا حوصلہ ہے کہ اس نے سلمٰی کو سہہ لیا۔ مجھے وحشت ہونے لگی تھی۔''

ویرا نے اپنے دل کی بات کھل کر کہہ دی تھی۔ میں نے اس بارے میں اپنی زبان بند رکھی۔ جہانگیر کے لیے اس کا گھر محفوظ نہیں رہا تھا۔ ہم نے اسے اغوا کرنے والوں کی کمر توڑ دی تھی لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس ناکامی پر سوبھراج کا کیا ردعمل ہوگا۔ ایران کے کسی سرحدی قصبے سے کراچی آنے کے بعد وہ اپنی ناکامی کے ازالے کے لیے کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتا تھا۔

گھر کی طرح شہر کا کوئی ہوٹل بھی ان دونوں کے لیے محفوظ نہیں تھا۔ لے دے کر ہمارا گھر ان کے لیے بہتر پناہ گاہ ثابت ہوسکتا تھا۔ وہاں ان دونوں کے طویل قیام سے ہمارے لیے بہت سنگین مسائل پیدا ہوسکتے تھے۔ میں اپنی گہری دوستی کی بنا پر جہانگیر اور اس کی بیوی کو برداشت کرسکتا تھا لیکن ویرا' غزالہ اور سلطان شاہ کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ مجموعی طور پر ہمارے گھر کا ماحول گھٹن کا شکار ہو جاتا۔ اسی کے ساتھ آزادیاں بھی محدود ہو جاتیں۔

اول خان نے ان کے لیے فراخ دلی کا مظاہرہ کرکے ہماری ایک بڑی مشکل آسان کر دی تھی۔

ہم باتیں کرتے ہوئے قیدیوں والی بیرک تک پہنچ گئے۔ میں اول خان کے ساتھ ریٹائرنگ روم میں آگیا۔ ویرا' سلطان شاہ کو ساتھ لے کر اس کمرے کی طرف بڑھ گئی جہاں شیدے کو رکھا گیا تھا۔ ہر آنے والا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا متمنی تھا۔

جلال نے اس معاملے میں جس دلچسپی کا مظاہرہ کیا وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں تھی۔ اس نے میرے ایک اشارے پر قاسم کو ہمارے حوالے کرکے جہانگیر کی واپسی میں اہم ترین

کردار ادا کیا تھا۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا تھا کہ ہم نے جہانگیر تک پہنچنے میں ذرا بھی تاخیر کی ہوتی تو سوبھراج اس پر ہاتھ ڈال چکا ہوتا۔

میں نے جلال کو فون کیا تو وہ صدف مینشن پہنچ چکا تھا۔ سلام دعا کے بعد اس کا پہلا سوال جہانگیر کے بارے میں تھا۔

میں نے اسے تفصیل بتائی تو وہ خوش ہو گیا ''خدا کا شکر ہے کہ وہ سوبھراج کے چنگل میں جانے سے بال بال بچ گیا۔ تمہیں بروقت قاسم کا خیال کیسے آ گیا؟''

''شیدے پر محنت بارآور نہ ہونے کے بعد ایک وہی نام سامنے رہ گیا تھا۔'' میں نے جواب دیا ''مجھے یہ امید نہیں تھی کہ جہانگیر اسی کے گھر سے بازیاب ہو سکے گا۔''

''وہ میرے آدمیوں کی تحویل میں رہتا تو روٹین میں اب اس کی باری آ گئی ہوتی۔ ہماری پوچھ گچھ سوبھراج کی ذات تک محدود رہتی اور وقت ہاتھ سے نکل جاتا۔'' وہ کہہ رہا تھا ''بس یہ برا ہوا کہ سوبھراج ایک مرتبہ پھر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔''

میں نے اسے یا ویرا کو سلطان شاہ کی اس حماقت کے بارے میں نہیں بتایا کہ اس نے بوکھلاہٹ میں دوسرا فائر سوبھراج کی گاڑی کے ٹائر پر کیا تھا۔ ان دونوں کے لیے اتنا کافی تھا کہ سلطان شاہ کی فائرنگ کے باوجود سوبھراج نکل گیا۔ ویرا کو اصل واقعے کی بھنک مل جاتی تو وہ سلطان شاہ کا جینا حرام کر سکتی تھی۔

''یہ بات قابلِ غور ہے کہ ہم لوگوں کی ساری تدابیر کے باوجود وہ سرحد پار کر کے ایران جانے میں کامیاب ہو گیا'' میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا ''اب وہ کراچی لوٹ آیا ہے تو ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ اس بار وہ سرحد پار نہ جا سکے۔''

''وہ بہت عیار اور جھوٹا ہے' ہو سکتا ہے کہ کراچی میں چھپا ہوا اور اس نے قاسم سے جھوٹ بولا ہو'' اس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''اس بارے میں مجھے کوئی شبہ نہیں ہے۔ وہ کراچی کے قرب و جوار میں ہوتا تو کامیاب اغوا کی خبر ملنے کے بعد قاسم کے گھر تک پہنچنے میں اتنی دیر نہ کرتا۔ آثار بتا رہے ہیں کہ پاکستان میں اسے اپنے گرد موت کے سائے پھیلتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ جہانگیر کے ذریعے مجھے گھیرنے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد وہ زیادہ دیر تک یہاں نہیں رکے گا۔ پہلی فرصت میں بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ اس بار بھی ایران کا آزمودہ راستہ اختیار کرے۔''

''کراچی سے نکلنے والے راستوں کی مسلسل نگرانی ہو رہی ہے۔ کچے اور غیر روایتی راستوں کو سیل کرنا ممکن نہیں ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ناکہ بندی زیادہ سخت ہو جائے۔ تم بھی قاسم پر محنت کرو۔ اس وقت وہ بہت اہم مہرہ ہے۔''

''دوسرے کیا کہہ رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ابھی وہ صدف مینشن کے اعصاب شکن ماحول سے خوف زدہ کئے جا رہے ہیں۔ میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ان دونوں کا رخ کروں گا۔ چاہو تو تم بھی میرے ساتھ شامل ہو سکتے ہو۔ تمہارے بیشتر سوال بہت تیکھے اور برجستہ ہوتے ہیں۔''

میں نے اس سے صدف مینشن کا چکر لگانے کا وعدہ کیا اور ہماری گفتگو ختم ہو گئی۔ اسے تازہ ترین واقعات سے باخبر کرنے کے بعد میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔

اس دوران میں ویرا اور سلطان شاہ واپس آ چکے تھے۔ غالباً اس دوران میں سلطان شاہ نے اسے سارے واقعات سے آگاہ کر دیا تھا۔

میں نے سلطان شاہ کی سنگین غلطی کو چھپا لیا تھا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ احساس اس کے سر پر مسلط ہو گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اس کی فطری خوش دلی رخصت ہو چکی تھی اور وہ ویرا کے مقابلے میں دبا دبا نظر آ رہا تھا۔

''شیدے پر بلاوجہ اتنی محنت کی گئی۔'' کچھ دیر کی بوجھل خاموشی کے بعد ویرا بولی ''شاید قاسم اس سے زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔''

''اس وقت صرف شیدا ہمارے ہاتھ آیا تھا۔ میں حیران ہوں کہ برے حال کو پہنچ جانے کے باوجود وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوا۔ میں نے ایسے سخت جان مجرم بہت کم دیکھے ہیں۔''

''اسی وجہ سے سوبھراج نے اسے قاسم فشریز میں لگوایا ہوگا۔'' اول خان بولا ''جرائم کی دنیا میں ایسے جی دار لوگ بہت کم ملتے ہیں جو اپنی جان دے دیتے ہیں لیکن زبان نہیں کھولتے۔ مجھے حیرت ہے کہ اسے سوبھراج کی ہدایت پر قاسم نے اپنی فیکٹری میں ملازم رکھا لیکن شیدا سوبھراج سے بالکل واقف نہیں ہے۔''

''سوبھراج عتاب میں آنے سے پہلے دہری زندگی گزار رہا تھا۔'' میں نے کہا'' ایک طرف اسے اقتدار کے ایوانوں میں رسائی حاصل تھی تو دوسری طرف کوبرا کے روپ میں مجرموں سے اس کے گہرے روابط تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ ان دنوں شیدا اس کی نظروں میں آیا ہوگا۔ اسے قانون سے پناہ اور گزارے کے لیے روزگار کی ضرورت تھی' سوبھراج کام کے آدمیوں کی تلاش میں تھا۔ شیدا آرام سے قاسم فشریز میں کھپ گیا۔''

''ہر طرف سے رابطے ختم ہونے کے بعد وہ اس سے کام

لینے پر مجبور ہوگیا۔'' ویرا نے بات آگے بڑھائی'' اس کے حالات زیادہ خراب نہ ہوتے تو شاید وہ اسے داؤ پر نہ لگاتا۔''

''شیدا ایک مفرور اشتہاری مجرم ہے۔ یہاں اسے کافی سزا مل گئی۔ اسے یہاں رکھ کر پالنے کے بجائے اب پولیس کی تحویل میں دے دینا بہتر ہوگا تاکہ وہ کھلی عدالتوں میں اپنے خلاف مقدمات کا سامنا کرکے اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے۔'' اول خان نے تائید طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا'' رات تقریباً گزرنے والی ہے کیوں نہ ہم قاسم کا قصہ بھی نمٹالیں۔''

قاسم کو اسی وقت بلالیا جائے تو میں بھی اس کارروائی میں شامل ہوجاؤں گی۔'' ویرا نے اپنی ٹانگ اڑائی'' البتہ شیدے کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے مجنوں سے مشورہ ضرور کرلینا۔ اپنے ہاتھوں سے شیدے کو مارے بغیر اسے چین نہیں آئے گا۔''

''وہ شیدے کی حالت زار پر ترس کھا کر اسے اپنی طرف سے معاف کرچکا ہے۔'' سلطان شاہ نے ویرا کو آگاہ کیا'' ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے ساتھی پر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا ہو۔ شیدے کے بارے میں اس سے مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

قاسم کو ریٹائرنگ روم میں بلوایا گیا تو ناک پھول جانے کی وجہ سے اس کا چہرہ مضحکہ خیز ہوچکا تھا۔ اس نے اپنی خون آلود قمیص دھولی تھی پھر بھی اس کی ناک سے گرنے والے خون کے داغ خاصے نمایاں تھے۔ ہمارے ساتھ ویرا کو موجود پاکر اس کی آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی مگر اس نے اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ اس وقت تک اسے اندازہ ہوچکا تھا کہ ہم لوگ اپنے قیدی کی زبان سے سوال سننا پسند نہیں کرتے۔

اسے اپنی طلبی کا سبب نہیں بتایا گیا تھا اس لیے وہ بہت زیادہ سہما ہوا تھا۔ جب میں نے اسے بٹھا کو سوبھراج کے بارے میں پہلا سوال کیا تو اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

قاسم کی معلومات کے مطابق شہر کے کاروباری حلقوں میں سوبھراج کے جاننے والوں کی تعداد کافی تھی لیکن اس نے اپنے کالے دھن کی سرمایہ کاری کے لیے کسی چلتے ہوئے کاروبار کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ اپنے پیسے کی مدد سے ڈوبے ہوئے لوگوں کو سہارا دے کر دوبارہ کھڑا کیا تھا۔

قاسم فش ہاربر کا ایک کامیاب تاجر تھا۔ وہ نیلام ہونے مچھلی خرید کر آگے بیچتا تھا۔ ایک بڑے سودے میں رقم ڈوب جانے کی وجہ سے وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہوگیا۔ دوسرا شیرازی تھا جو کلیئرنگ اور فارورڈنگ کی مشہور فرم میں بڑے عہدے پر ملازم تھا۔ اسے غبن کرنے کے الزام میں کئی برس پہلے ملازمت سے برطرف کردیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ دوسری ملازمت حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا۔ تیسرے شخص کا نام رفیق تھا۔ وہ ریکروٹنگ کا کام کرتا تھا۔ فراڈ اور جعل سازی کی متعدد شکایتوں کے بعد اس کا زرضمانت ضبط کرکے اس کی ریکروٹنگ ایجنسی کا لائسنس منسوخ کردیا گیا تھا۔

قاسم فشریز کی کامیابی کے بعد سوبھراج نے ایک ایک کرکے رفیق اور شیرازی کو ان کے مخصوص شعبوں میں دوبارہ مارکیٹ میں آنے میں مدد دی تھی۔

قاسم کے ان دونوں سے گہرے روابط تھے۔ ان کے سوا وہ کسی چوتھے شخص سے واقف نہیں تھا جو سوبھراج کا شریک کار ہو۔

قاسم انڈسٹریز سے بیرون ملک بھیجی جانے والی مچھلی کے کنٹینرز لوڈ کرنے کے لیے کارگو کنگ کے دو مخصوص آدمی آتے تھے۔ قاسم ہیروئن کے پیکٹ ان کے حوالے کردیتا تھا جو صفائی سے آگے نکل جاتے تھے۔ اس بارے میں کہیں سے کوئی شکایت نہیں آئی تھی۔

باہر کے خریداروں کی ضرورت کے مطابق مقامی بلیک مارکیٹ سے ہیروئن کی خریداری شیدے کے ذمے تھی۔ وہ نہایت مناسب نرخوں پر اعلیٰ ترین معیار کی ہیروئن مہیا کرنے میں پوری رازداری سے کام لیتا تھا۔ بظاہر کسی اور کو فشری کے اس غیر قانونی دھندے کا علم نہیں تھا لیکن قاسم کو شبہ تھا کہ فشری میں سوبھراج کے رکھوائے ہوئے دو ملازم بھی اس کام میں رشید کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ صرف چوکیدار بے خبر ہوسکتا تھا۔

برآمدی مچھلی کے ساتھ اسمگل ہونے والی ہیروئن کی قیمت براہِ راست سوبھراج کے ان کھاتوں میں منتقل ہوجاتی تھی جو روایتی قانون سے ماورا' آف شور بینکوں میں کھلے ہوئے تھے۔ قاسم کو منافع کا بیس فیصد حصہ مقامی کرنسی میں الگ سے مل جاتا تھا۔ جب کہ مچھلی کے کاروبار میں وہ نصف منافع کھاتوں سے باہر رکھ کر خاموشی سے سوبھراج کو ادا کردیتا تھا۔

وہ قاسم فشریز میں سوبھراج کے غیر قانونی کاروبار کی ایک کہانی تھی۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی تھی کہ روز گار انٹرنیشنل اور کارگو کنگ کو بھی ان خطوط پر چلایا جارہا تھا۔ سوبھراج نے اپنے راج محل کو آگ لگادی تھی مگر اس کے خفیہ مقامی اثاثے محفوظ تھے۔ اس کی آمدنی کے دوسرے ذرائع سامنے آگئے تھے لیکن پھر بھی سوبھراج کی اندھی آمدنی کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

اتنے رازدارانہ روابط کے باوجود سوبھراج کسی پر آنکھیں بند کرکے اعتماد کرنے کا قائل نہیں تھا۔ نہ وہ اپنے ذاتی معاملات

میں کسی کو دخیل ہونے کی اجازت دیتا تھا۔ قاسم اس کی سرحدوں سے غیر قانونی نقل و حرکت پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکا۔

یہ ایک اتفاق تھا کہ جہانگیر کے اغوا کی خبر دینے کے موقع پر اسے سوبھراج کی زبانی یہ معلوم ہو گیا کہ ایران میں ہونے کی وجہ سے اسے جہانگیر تک پہنچنے میں تاخیر ہو جائے گی۔ وہ چاہتا تو اپنی بیرون ملک موجودگی کا ذکر کیے بغیر تاخیر سے آمد کا فیصلہ سنا سکتا تھا۔

سوبھراج کے جرائم بہت واضح اور سنگین تھے۔ اس کے خلاف کئی گواہ آئی بی کے قبضے میں آچکے تھے۔ ان میں سنیل اور چارلی کے نام قابل ذکر تھے۔ اس صف میں قاسم کا نام نیا مگر بہت اہم تھا۔ اگر اسے پوچھ گچھ کے بعد اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو یہ امکان بہت روشن تھا کہ سوبھراج' ڈاکٹر صادق کی طرح اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دے۔

سوبھراج ایک بھڑکے ہوئے درندے کا روپ دھار چکا تھا۔ ہم اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ آنکھ مچولی کب اور کیسے ختم ہو گی۔ اس محاذ آرائی کے نتیجے میں اگر وہ مارا جاتا تو اس کا حساب بے باق ہو جاتا۔ کسی مقدمے کی نوبت آتی نہ گواہوں کی ضرورت پیش آتی۔ اس کے زندہ پکڑے جانے کی صورت میں دوسروں کے ساتھ قاسم کی ذات بھی اہمیت اختیار کر جاتی۔

قاسم تھکا ہوا اور خوف زدہ تھا' پہلے سلطان شاہ نے اس کی ٹھکائی کی پھر جہانگیر نے اسے اپنے قہر کا نشانہ بنایا۔ اسے یقینی طور پر آرام کی ضرورت تھی۔ میں نے بازپرس کے ابتدائی مراحل ختم ہونے کی نوید سنا کر اسے اس کے کمرے کی طرف بھیج دیا۔

''صبح کے تین بج رہے تھے۔ اب کیا ارادہ ہے؟'' اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر سوال کیا۔ اس کے بشرے سے تکان کے آثار مترشح تھے۔

''آج کا کام پورا ہو گیا۔ ہم تینوں کی روانگی کا بندوبست کرو!'' میں نے ہلکی سی جمائی لے کر کسل مندانہ انداز میں کہا۔

''میں تمہیں چھوڑتا ہوا گھر نکل جاؤں گا۔ تم جہانگیر کو بریف کر دو کہ اب وہ یہاں سے نکلنے کی کوشش نہ کرے۔'' اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

جہانگیر کو ایک کرب ناک تجربے کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ ملنے کا موقع ملا تھا۔ اس وقت ان دونوں کو چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔ جہانگیر سمجھ دار تھا۔ اسے ہم سب سے زیادہ اندازہ ہو چکا تھا کہ حالات نے کس قدر سنگین رخ اختیار کر لیا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ وقت کے دھارے کے خلاف چل کر کوئی خطرہ مول لے گا۔

اول خان ہمیں گھر کے دروازے پر گاڑی سے اتار کر آگے نکل گیا۔ ابرار نے چھت سے ہمیں دیکھا اور نیچے آکر دروازہ کھول دیا۔ ہم گھر میں داخل ہوا تو غزالہ اپنے کمرے سے برآمد ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ آہٹیں سن کر گہری نیند سے بیدار ہوئی تھی۔

''آخر آپ لوٹ آئے!'' اس نے اپنے بکھرے ہوئے بال پشت پر سمیٹتے ہوئے کہا' جہانگیر کہاں ہے سلمٰی کو کہاں چھوڑ آئے؟''

''ابھی تمہاری نیند اچاٹ ہوئی ہے اور غنودگی کے عالم میں بھی تمہیں ان دونوں کی فکر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نیند میں ان ہی کے خواب دیکھ رہی تھیں۔'' ویرا طنز سے بولی۔

''سلمٰی کے آجانے سے سب سے زیادہ پریشانی تم کو تھی۔ یہ تمہاری کوئی شرارت معلوم ہوتی ہے۔'' غزالہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔

''یہ کسی کی شرارت نہیں ہے۔ وہ دونوں اب اول خان کے مہمان ہیں!'' میں نے بات وہیں ختم کرنے کے لیے جلدی سے کہا۔

''اب میں سکھ کی نیند سوؤں گی' سوگ کی فضا میں میری نیند بھی اڑ گئی تھی۔'' ویرا یہ کہتی ہوئی اپنے کمرے میں گھس گئی۔

سلطان شاہ کی مستفسرانہ نگاہیں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے سر ہلا کر اسے بھی رخصت کر دیا اور غزالہ کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

غزالہ کی خمار سے بوجھل آنکھوں میں ایسی کشش عود کر آئی تھی کہ میں کمرے کی خلوت میں اس سے دور نہ رہ سکا اور والہانہ انداز میں اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

غزالہ جیسی بیوی میرے لیے کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔ اس کی ذات سے مجھے خلوص' محبت' دردمندی اور خوش مزاجی کے ایسے لاہوتی چشمے پھوٹتے نظر آتے تھے جن سے انسان صرف مسرتیں اور آسودگی کشید کرتا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ اس نے کبھی مجھ سے تلخ کلامی کی ہو۔ میں باہر سے جب بھی گھر میں داخل ہوا اس نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ اس کی رفاقت میں' میں باہر کی ساری کلفتیں بھول جاتا تھا۔

''آپ تھکے ہارے آئے ہیں۔ کپڑے بدل کر آرام سے سو جائیں!'' اس نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہا' اور مچل کر میری بانہوں سے پھسل گئی۔ مجھ سے چند قدم دور جا کر اس نے میری طرف ہاتھ ہلاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی'' اس وقت نیند سے میرا برا حال ہو رہا ہے۔ مجھے سو جانے دیں تو یہ آپ کی بڑی عنایت ہوگی۔''

میں نے بھی اس کی طرف ہاتھ لہرایا۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں ایک کروٹ سے بستر پر دراز ہوگئی اور میں باتھ روم میں گھس گیا۔

چند منٹ بعد میں بھی لیٹنے کی تیاری کررہا تھا کہ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے غزالہ پر ایک نظر ڈالی وہ ذرا سی دیر میں نیند کی گہری آغوش میں جا چکی تھی۔ میں سرعت سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں نے فون آن کر کے کان سے لگایا تو ٹام کی خشک آواز سنائی دی ''کرنل! مجھے کل شام کے واقعے پر دلی صدمہ ہے۔''

''بلی تھیلے سے باہر آچکی ہے۔ اب تمہاری یہ ریاکاری نہیں چل سکے گی۔'' میں نے تاریک ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر ٹک کر تلخی سے کہا۔

''یہ ریاکاری نہیں' حقیقت ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا ''مجھے واقعی دکھ ہوا ہے۔''

''شاید اب تم یہ کہو گے کہ الفا سے تمہارا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ مجھے مارنے کے لیے آسمان سے وہاں ٹپکا تھا۔'' میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کرنل! تم غلط سمجھ رہے ہو۔ مجھے اصل ملال اس بات کا ہے کہ وہ کوشش ناکام ہوگئی۔ اس ناکامی سے میرا یہ شبہ بھی درست ثابت ہوگیا کہ تم مجھ سے مخلص نہیں رہے۔ تم نے مجھے دھوکا دیا میں یہ سمجھتا رہا کہ تم پوری رازداری کے ساتھ مجھ سے ملنے کے لیے آئے ہو مگر ایسا نہیں تھا۔ تم اپنی حفاظت کے لیے کچھ لوگوں کو اپنے اردگرد پھیلائے رکھتے تھے۔''

''بہت خوب! اگر میں الفا کے ہاتھوں مارا جاتا تو تمہیں میرے مخلص ہونے کا یقین آجاتا۔ یہ بہت عجیب منطق ہے جو صرف تم پیش کرسکتے ہو۔ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا کوئی عام آدمی بھی ایسی نرالی منطق پیش نہیں کرسکتا۔''

''یہ کوئی منطق نہیں ہے۔ تم اچھی طرح جان چکے ہو کہ تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں تھا تو میں بھی تمہاری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو چکا تھا۔ تم ایک وار سے بچ گئے۔ اگلی بار تمہیں کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملے گا۔''

''اگر تم نے یہ دھمکی دینے کے لیے فون کیا ہے تو کان کھول کر سن لو کہ میں ایسے ہذیان کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں دیتا۔'' میں نے درشت لہجے میں جواب دیا ''ایسی گیدڑ بھبکیاں میں ایک مدت سے سنتا چلا آرہا ہوں۔ اب ان کا عادی ہو چکا ہوں۔''

''یہ دھمکی نہیں ایک حقیقت ہے۔ ابھی اس واقعے کے خدوخال واضح نہیں ہوئے۔ وہ باتیں سامنے آئی ہیں جو ٹیلی وژن پر بار بار دہرائی جارہی ہیں۔ ان میں تمہارے انجام کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ تمہارا فون آن ہوا تو مجھے اندازہ ہوگیا کہ الفا اپنا کام دکھانے سے پہلے بدنصیبی کا نشانہ بن گیا۔ کل شام ہمارے درمیان جو باتیں ہوئیں وہ کسی اور تک نہ پہنچیں۔ اس واقعے میں تم نے کہیں بھی میرا نام لیا تو پھر میں برائی کا ذمہ دار نہیں ہوں گا۔''

''تم نے دیر کردی!'' میں نے زہریلے انداز میں کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ اب تک تم سکتے کے عالم میں تھے۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔''

''بکواس مت کرو!'' فون پر اس کی غراہٹ سنائی دی ''تم نے میرے اوپر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی تو وہ تمہارے منہ پر گرے گی۔ تمہارے لیے بہتر راستہ یہی ہے کہ اپنی زبان بند رکھو' ایس ٹی ایف سے مستعفی ہو جاؤ اور کہیں روپوشی اختیار کرلو۔''

''کیا میرے لیے ایف بی آئی میں شاندار ملازمت کی پیشکش واپس لے لی گئی ہے!'' میں نے اس کا مضحکہ اڑانے والے لہجے میں سوال کیا۔

''کرنل! تم کو اپنی ان باتوں پر پچھتانا پڑے گا۔ تم سوبھراج کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہو۔ وہ تمہارے ملک کا ایک نامور آدمی تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہم سے غداری کرنے کے بعد وہ کتنا خوف زدہ ہے۔ اب وہ ہم سے معافی اور سمجھوتے کا طلب گار ہے' گڑگڑا رہا ہے' وہ جانتا ہے کہ ہم سے دشمنی مول لینے والے کو کہیں پناہ نہیں ملتی۔ اب وہی وقت تم پر آنے والا ہے۔''

ٹام کے دماغ میں اپنی بڑائی اور برتری کا خناس گھسا ہوا تھا۔ اس گھمنڈ میں اس سے پہلے بھی غلطی ہو چکی تھی اور اس وقت اس نے یہ اہم انکشاف کرڈالا کہ سوبھراج اپنے بارے میں ایف بی آئی کے سفاکانہ عزائم سے پوری طرح باخبر ہونے کے باوجود اس سے معافی اور سمجھوتے کا خواہاں تھا۔

اپنے ڈسپلن کے معاملے میں وہ لوگ بہت سخت اور سنگ دل تھے۔ کوئی فیصلہ کرلیتے تھے تو وقت اور فاصلے کی پروا کیے بغیر اسے عملی جامہ پہناتے تھے۔ ان سے مفاہمت کے لیے سوبھراج کے پاس کوئی ایسی پیشکش ہونی ضروری تھی جس کے عوض ایف بی آئی والے اسے معاف کرسکیں۔

اس خطے میں ان دنوں امریکیوں کی ساری دلچسپی صرف میری ذات میں مرکوز تھی۔ اپنے عالمگیر مقاصد کے تحفظ کے لیے وہ ہر قیمت پر مجھے لقمہ اجل بنانے پر تلے ہوئے تھے۔

سوبھراج نے ایک طرف جہانگیر کے اغوا کا بندوبست کرکے میری گردن پر ہاتھ ڈالنے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ دوسری

طرف وہ ٹام سے رعایت اور مفاہمت چاہتا تھا۔ بات بالکل واضح تھی کہ ٹام اس کی کسی یقین دہانی پر اعتبار کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ سوبھراج مجھے ان کے حوالے کر کے خود کو ان کی سزا سے بچا سکتا تھا۔

سوبھراج کا منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ میرے مقدر کی خوبی کی وجہ سے الفا مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کے چکر میں اپنی جان گنوا بیٹھا تھا۔ میرے دشمنوں کی خوش فہمیاں دھری کی دھری رہ گئی تھیں اور میں ان کے سینوں پر مونگ دلنے کے لیے زندہ تھا۔

''سوبھراج تمہارے لیے کوئی نامور اور بڑا آدمی ہو سکتا ہے' میری نظروں میں اس کی حیثیت دو ٹکے کے کسی بازاری بدمعاش سے زیادہ نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا ''وہ تمہارے سامنے گڑگڑا سکتا ہے' تمہارے پیروں میں گر سکتا ہے' میں مسلمان ہوں اور یہ یقین رکھتا ہوں کہ میرا وقت پورا نہ ہوا تو تم جیسے ہزار بندر مل کر بھی مجھے نہیں مار سکیں گے.....''

''شٹ اَپ!'' اس نے دہاڑتے ہوئے میری بات کاٹ دی ''میں دیکھوں گا کہ تمہارا کیا انجام ہوتا ہے۔ موت سے اس بے خوفی نے تم لوگوں کو سرکش بنا دیا ہے۔''

تم لوگوں کا اجتماعی صیغہ استعمال کر کے اس نے مسلمانوں کے خلاف اپنے بغض کا اظہار کر دیا۔ میں نے باتوں کی روانی میں اپنے مسلمان ہونے کا حوالہ دیا تھا۔ وہ بات اس کے دل میں چبھ گئی تھی۔ اس کے دل میں چھپا ہوا زہر زبان پر آ گیا۔

میں نے اس کے تعصب کا حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھا۔ میرے کہے ہوئے چند کڑوے کسیلے جملے اس کی ذہنیت نہیں بدل سکتے تھے۔ میں نے دھیمے لہجے میں کہا ''میرا انجام دیکھنے کے شوق میں تم الفا کو کھو چکے ہو۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اتنا سا فرق ہے کہ تم موت سے ڈر کر منصوبے بناتے ہو ہم بے خوف ہو کر اپنے فیصلے کرتے ہیں۔ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ ہماری سرزمین پر ایک ذمے دار امریکی افسر ہوتے ہوئے تم ایسی گھٹیا باتیں کر رہے ہو۔''

''تم میری اس گفتگو کو کہیں ثابت نہیں کر سکو گے۔ میرے اپریٹس سے لگے ہوئے آلات بتا رہے ہیں کہ تم یہ گفتگو ریکارڈ نہیں کر رہے۔ میں نے تمہیں وارننگ دے دی ہے۔ اپنی زبان بند رکھو اور اپنا راستہ بدل لو۔ دوسری صورت میں تم برے انجام کا سامنا کرو گے۔''

''کیا میں یہ سمجھ لوں کہ اب مجھے ڈینی کی تلاش کی ذمے داری سے سبکدوش کر دیا گیا ہے؟'' میں نے اچانک اس کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''یہ ہم لوگ کی غلطی تھی کہ ہم نے اس مردود کو پکڑنے کے لیے تمہارا سہارا لیا۔'' اس کی آواز ایک دم تیز ہو گئی ''میں نے کل کھل کر تمہیں بتا دیا تھا کہ اب ہم نے تمہیں سمجھ لیا ہے۔ تم ڈینی کا نام لے کر ہمارے ساتھ کوئی گھناؤنا کھیل' کھیل رہے ہو۔ اسے ہم خود پکڑ لیں گے۔ ایک مجرم کو پکڑنے کے لیے اب ہم دوسرے کو پروان نہیں چڑھائیں گے۔''

''ذرا جڑ سے پکڑنا ورنہ وہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔'' میں نے اس کا مضحکہ اڑایا ''یہ اچھی بات ہے کہ اب تمہیں عقل آتی جا رہی ہے۔ تم مجھے دھمکا رہے ہو تو یہ یاد رکھنا کہ میں بھی تمہاری درگت بنا سکتا ہوں۔ بعد میں وزارت خارجہ میں شکایتیں نہ کرتے پھرنا۔''

''تم بہت لاف وگزاف کر رہے ہو۔ میری خواہش ہو گی کہ کوئی تمہارے منہ میں نال ٹھونس کر گولی چلائے تا کہ اس بڑے منہ کا نام ونشان باقی نہ رہے۔''

''میں نے تمہارا چیلنج قبول کر لیا ہے۔'' میں نے اس کی بات اڑا کر کہا ''بات مرنے مارنے کی ہے تو میری کوشش ہو گی کہ یہاں سے تمہارا تابوت جائے اور.....''

اس بار میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ ٹام نے فون بند کر دیا تھا۔

ہم دونوں کے درمیان پچھلی شام جو تلخیاں پیدا ہوئی تھیں انہیں کسی نے دور کرنے کی کوشش نہیں کی تھی' بات بڑھتی چلی گئی۔

ان لوگوں کے دماغوں پر اپنی طاقت کا نشہ سوار تھا۔ وہ جو چاہتے کہہ سکتے تھے مگر میں ایس ٹی ایف کے کرنل داور کی حیثیت سے کوئی غیر ذمے دارانہ بات کرنے سے کافی دیر تک گریز کرتا رہا مگر اس نے آخر میں مجھے جوابی دھمکیاں دینے پر مجبور کر دیا۔

ٹام سے گفتگو ختم ہونے کے بعد میں کافی دیر تک ڈرائنگ روم کے اندھیرے میں بیٹھا سوچتا رہا کہ ٹام کی اس کال کا کیا مقصد تھا۔

اس نکتے پر خاصی دماغ سوزی کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کی ساری باتیں خرافات پر مبنی تھیں۔ اس فون کال کے ذریعے وہ صرف میرے انجام کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔ ٹیلی وژن پر وی آئی پی کے کارواں پر ناکام قاتلانہ حملہ کرنے والے کے مارے جانے کی خبر نشر ہو چکی تھی۔ اس میں کسی اور کردار یا واقعے کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

اسٹیڈیم کی پارکنگ سے ٹام کی گاڑی روانہ ہوتے ہی وہاں گولی چلی تھی۔ اس ایک فائر سے ہونے والی موت کی خبر شہر میں ہر طرف پھیل چکی تھی۔ وہاں کوئی دوسرا فائر نہیں ہوا تھا۔ مجھے

حیرت تھی کہ ثام کو میری سلامتی کے بارے میں خدشات کیوں تھے۔

پھر وہ بات بھی میری سمجھ میں آ گئی۔ جلال سے ضرورت کے تحت فون پر کئی مرتبہ میری بات ہو چکی تھی۔ پچھلی شام مراد میڈیکوز کے قریب اس سے ملنے کے لیے بھی گیا تھا لیکن اس سے تفصیلی بات چیت کی نوبت نہیں آ سکی تھی۔ ہر بار مختصر اور کام کی باتوں کے بعد سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ اس دوران میں اس نے یہ بتایا کہ الفا کی لاش کے قریب پورے میگزین کے ساتھ امریکی ساخت کی ایک رائفل ملی تھی۔ اس نے سائلنسر کا ذکر کیا تھا نہ مجھے اس بارے میں کچھ کریدنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ثام کے تجسس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ الفا کی رائفل بے آواز تھی۔ اس نے صرف یہ جاننے کے لیے مجھے فون کیا تھا کہ الفا اپنا کام پورا کرنے کے بعد مارا گیا یا تھا اس سے پہلے فرشتہ اجل نے اس کی گردن دبوچ لی تھی۔

میں اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ غزالہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں خاموشی سے اس کے پہلو میں لیٹ گیا اور اپنی آنکھیں موند لیں۔

میں تھکا ہوا تھا اور چند گھنٹوں کے لیے سونا چاہ رہا تھا۔ میری آنکھیں بند تھیں مگر ذہن پوری طرح جاگ رہا تھا۔ دھیمی روشنی میں خواب گاہ کا سناٹا میرے لیے خیال انگیز ثابت ہو رہا تھا۔ ذہن میں دوستوں اور دشمنوں کے عجیب و غریب پیکر بن اور بگڑ رہے تھے۔

میں کافی دیر تک بستر پر لیٹا کروٹیں بدلتا رہا نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ میرے ذہن میں ابھرنے والے تصوراتی خاکوں میں ثام اور سوبھراج کا غلبہ ہوتا جا رہا تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری بے چینی غزالہ کی نیند میں خلل کا سبب نہ بن جائے۔ میں نے خاموشی سے بستر چھوڑا اور ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ اس بار میں نے باہر سے آنے والے انعکاس کو ناکافی تصور کرتے ہوئے ایک سائیڈ لیمپ روشن کر دیا۔

میں نے وال کلاک پر نظر ڈالی تو اندازہ ہوا کہ صبح کا اجالا نمودار ہونے میں بہت دیر باقی تھی۔ مجھے نیند آ جاتی تو وہی وقت تیزی سے گزر جاتا۔ بے خوابی اور تنہائی کے عالم میں ایک ایک لمحہ گزارنا دوبھر ہو رہا تھا۔

خودرو خیالات میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ میں نے اپنا ذہن پچھلے چند گھنٹوں کے واقعات پر مرکوز کر دیا۔

جہانگیر کو سوبھراج کے بھیانک چنگل میں جانے سے پہلے رہا کرا کے میں نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے قسمت ہمارا ساتھ دے رہی ہو۔ میرے ساتھ میرے دشمنوں کے ستارے بھی ان کی یاوری کر رہے تھے۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ ایک ہی وقت میں دونوں حریف اپنی اپنی جگہ پر کامیاب تھے۔

آئی بی والوں نے الفا کو مار کر کامیابی حاصل کی تھی تو ثام نے اسٹیڈیم کی پارکنگ سے بروقت فرار ہو کر اپنی جان بچانے میں کامیابی حاصل کی تھی، سوسائٹی کے علاقے میں، میں نے جہانگیر کو رہا کرا کے سرخروئی حاصل کی تھی اور اسی مقام سے سوبھراج، سلطان شاہ کی فائرنگ سے بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

آویزش جاری تھی۔ ہمیں کوئی فیصلہ کن فتح نصیب نہیں ہو سکی تھی۔ یہ نقصان ضرور ہوا تھا کہ میں کرنل داور بن کر امریکی اہل کاروں کے ساتھ بلی اور چوہے کا جو دہرا کھیل، کھیل رہا تھا اس کا خاتمہ ہو چکا تھا، ثام سے میری کھل کر ٹھن گئی تھی۔

اس حد تک سب کچھ واضح تھا لیکن سوبھراج کا معاملہ مختلف تھا۔ وہ حیران کن تیزی کے ساتھ ایران سے کراچی پہنچا اور ایک جھلک دکھا کر غائب ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔

ثام نے اپنی خلش دور کرنے کے لیے وقت کی پروا کیے بغیر مجھے فون کیا تھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں خود سوبھراج کو ٹٹول کر اپنی الجھن دور کرنے کی کوشش کر لوں۔ وہ میرے وقت کا بہترین مصرف ثابت ہو سکتا تھا۔

قاسم کے گھر پر پیش آنے والے واقعے کے بعد یہ جاننا بہت ضروری تھا کہ اس وقت سوبھراج کی سوچ کس سمت میں کام کر رہی تھی۔

میں نے خاموشی سے اس کا سیٹ لائٹ فون نمبر ملا لیا۔

دوسری گھنٹی پر سوبھراج کی ہیلو کی آواز سنائی دی تو میرا دل خوش ہو گیا۔ میں اپنے گھر میں مضطرب تھا تو میرے دشمن بھی سکھ کی نیند سے محروم ہو چکے تھے۔ سوبھراج کی بھاری آواز میں خمار کا ہلکا سا شائبہ تک نہیں تھا۔

''کیا اس وقت بھی تم کراچی سے سیکڑوں میل دور ہو؟'' میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد جذبات سے عاری لہجے میں سوال کیا ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میں نے سوچ لیا تھا کہ میں اپنی طرف سے تلخ کلامی کی ابتدا نہیں کروں گا۔

''اوہ......! ڈینی!'' اس کی تحیر زدہ آواز آئی ''کیا تمہیں جہانگیر کے سلسلے میں کوئی کامیابی ہوئی ہے؟'' اس نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے میرے سوال کا جواب گول کر دیا تھا۔

اس کا سوال بہت مشکل تھا۔ اصولی طور پر اس کے معصومانہ

انداز پر مجھے پھٹ پڑنا چاہئے تھا۔ مصلحت کا تقاضا تھا کہ میں نرمی سے کام لوں۔ میں نے کہا" اسے انٹیلی جنس بیورو والوں نے کسی مکان کے خانے سے برآمد کرلیا ہے۔ ابھی وہ ان کی تحویل میں ہے۔"

"یہ بہت اچھی خبر ہے۔ ایجنسیوں سے تمہارے بہت اچھے مراسم ہیں۔ اب تک اسے گھر لوٹ آنا چاہئے تھا۔" میری طرح وہ بھی صبر اور تحمل سے بات کررہا تھا۔

"وہ ابھی نہیں لوٹا۔ آئی بی والے اپنی پوچھ گچھ مکمل کرنے کے بعد اس کی جان چھوڑیں گے۔ کام کے معاملے وہ کسی بات کو خاطر میں نہیں لاتے۔ مجھے سن گن ملی ہے کہ وہ تمہارے آدمیوں کے خلاف کسی کریک ڈاؤن میں مصروف ہیں۔ اس دوران میں جہانگیر ان کے ہاتھ آیا ہے۔ وہ خاص طور پر اس کو تلاش نہیں کررہے تھے۔"

"تم کس کریک ڈاؤن کی بات کررہے ہو؟" اس کی آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ میرے انکشاف نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ شہر میں لوٹ آیا تھا۔ شاید اسے اپنے کاروباری دوستوں سے رابطہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا اس لیے وہ تفصیلات سے بے خبر تھا یا شاید بن رہا تھا۔

"تم نے میرے پہلے سوال کا جواب نہیں دیا۔" اس بار میں نے اس کی بات ٹال دی۔

فون پر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر وہ بولا۔ "میں کراچی سے بہت دور تھا۔ چند گھنٹے پہلے یہاں واپس آیا ہوں جہانگیر کے اغوا سے میرا یا میرے کسی آدمی کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ کسی نے تم کو میرے خلاف اکسانے کی کوشش کی ہے۔ میں ایک بہت ضروری فائل لینے کے لیے آیا ہوں۔ کچھ آرام کر کے دوبارہ لوٹ جاؤں گا۔"

"اگر تمہارے ہاتھ صاف ہیں تو تم کو خاموشی سے لوٹ جانا چاہئے۔" کوشش کے باوجود میں اپنے لہجے کی تلخی پر قابو نہیں پاسکا۔ وہ بہت دیدہ دلیری کے ساتھ میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کررہا تھا۔ ضروری فائل والی بات مجھے بے سروپا محسوس ہوئی تھی۔

"میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔ مجھے شبہ ہورہا ہے کہ شہر میں کچھ گڑبڑ ہوئی ہے۔ میں اپنے جن دوستوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کررہا ہوں ان کے فون بند پڑے ہوئے ہیں۔"

"کیا میں تمہارے ان دوستوں کے نام جان سکتا ہوں؟"

"تمہارے لیے وہ اجنبی ہیں۔ تم میرے خیر خواہ ہو اس لیے یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں کہ انہیں رفیق اور شیرازی کے ناموں سے پہچانا جاتا ہے۔" اس نے بہت مکاری سے کام لیتے ہوئے قاسم کا نام حذف کردیا۔

"یہ نام میرے لیے واقعی اجنبی ہیں۔" میں نے بے ساختہ کہا" مجھے صرف قاسم کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ جہانگیر کو اس کے گھر میں قید کیا گیا تھا۔"

"یہ وہی قاسم تو نہیں جو ایک فنشری کا مالک ہے؟" سوبھراج نے قلابازی کھائی۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ مکمل بے خبری کا اظہار کر کے وہ بات آگے نہیں بڑھا سکے گا۔

"سوبھراج! مجھ سے چال بازی مت کرو!" میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ پھر بھی میں نے اپنی آواز زیادہ تلخ نہیں ہونے دی۔" وہ تمہارا پارٹنر بتایا گیا ہے۔ اسے پکڑ لیا گیا ہے اور اس نے بدترین عذاب کے سامنے ہتھیار ڈال کر بہت کچھ اگل دیا ہے۔"

"وہ جھوٹا ہے' اپنی جان بچانے کے لیے میرا نام لے رہا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ کیا کہا ہے اس حرام زادے نے؟"

"میں بتا چکا ہوں کہ ابھی مجھے زیادہ تفصیلات کا علم نہیں۔" قاسم کا نام لے کر اسے مضطرب کرتے ہی میری کھوپڑی کچھ ٹھنڈی ہوگئی اور میں اپنے لب و لہجے پر قابو پانے میں کامیاب ہوگیا" مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ اب تم اپنے محسنوں کو ٹھکانے لگانے پر تل گئے ہو۔ ڈاکٹر صادق کے بعد قاسم بھی تمہارے ہاتھوں مارا جائے تو مجھے تعجب نہیں ہوگا۔"

"تم پھر صادق کا نام لے بیٹھے۔ اس کا معاملہ دوسرا تھا۔ قاسم کو اس کے جھوٹ کی سزا ملنی چاہئے۔"

"یہ بھی کہا جارہا ہے کہ قاسم کے گھر پر خفیہ چھاپے کے وقت ایک گاڑی میں دو مشتبہ آدمی وہاں آئے تھے جو للکارنے پر وہاں سے بھاگ گئے۔" میں نے سچ میں جھوٹ کی آمیزش کرتے ہوئے بات آگے بڑھائی۔

"کہنے والے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک میں خود تھا۔" اس نے جھلاہٹ کا سا لہجہ اختیار کر کے پیش بندی کرنی چاہی۔

"یہی کہا جارہا ہے۔ خم دار ناک کی وجہ سے تم کو ہزاروں کی بھیڑ میں الگ پہچانا جاسکتا ہے۔ تم وہاں کیا کرنے کے لیے گئے تھے؟" میں نے بات کھول دی۔

"یہ جھوٹ ہے' سراسر بکواس ہے۔ آئی بی کوئی معمولی ایجنسی نہیں ہے۔ انہوں نے میرا سایہ بھی دیکھ لیا ہوتا تو دنیا کے آخری سرے تک میرا پیچھا کرتے۔ مشتبہ آدمیوں کے فرار ہونے کی کہانی کیا تمہیں بودی نہیں معلوم ہوتی؟"

وہ اس کا مضبوط نکتہ تھا۔ میں نے اسے نظر انداز کر کے کہا" میں کہانی نویس ہوں اور نہ کہانیوں پر غور کرتا ہوں۔ مجھے حقائق بتائے گئے ہیں جنہیں جھٹلانا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت ان کی ساری توجہ قاسم کے گھر پر مرکوز تھی جہاں ایک قیدی مل چکا

تھا۔ وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر تمہارے پیچھے نہیں جا سکتے تھے اس لیے تم نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔''

''تم خود سوچو! میرے لیے وہاں کیا رکھا ہوا تھا۔ میں وہاں کیوں جاتا؟''

''سوچنے کی بات مت کرو۔ میں نے ان کڑیوں پر بہت غور کیا ہے اور ایک نتیجے پر پہنچ چکا ہوں۔ میں اس بارے میں ابھی اپنی زبان نہیں کھولنا چاہتا۔ جہانگیر آ جائے تو اس کی کہانی سننے کے بعد میں کوئی قدم اٹھاؤں گا۔''

''مجھے بتاؤ کہ تم کس نتیجے پر پہنچے ہو۔ تمہاری باتوں نے مجھے فکر مند کر دیا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے دشمن میرے خلاف تمہارے کانوں میں زہر انڈیلنے میں کامیاب رہے ہیں۔ مجھ سے کھل کر بات کرو میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مناؤں گا۔''

وہ مجھے خود راہ دے رہا تھا۔ اس موقع سے فائدہ نہ اٹھانا کفرانِ نعمت تھا۔ میں نے ٹھنڈے اور دھیمے لہجے میں ''سچی بات یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ تم میری نظروں میں دھیرے دھیرے اپنا اعتبار کھوتے جا رہے ہو۔ میرے ذہن میں ایک کچا نظریہ جنم لے چکا ہے۔ جہانگیر آ جائے تو وہ اس کی تائید یا تردید کر سکے گا۔'' میں دانستہ خاموش ہو گیا۔

''چپ کیوں ہو گئے۔ بولتے رہو۔ میں دھیان سے تمہاری بات سن رہا ہوں۔'' اس کی اضطراری آواز ابھری ''مجھے اپنے کچے نظریے کے بارے میں بتاؤ۔''

''قاسم تمہارا دوست اور پارٹنر ہے۔ تمہارے اشارے پر اس نے جہانگیر کو پکڑ کر اپنے گھر میں قید کر لیا۔ قاسم سے وہ خبر ملتے ہی تم لوٹے اور اس کے گھر پہنچے لیکن آئی بی والے تم سے پہلے وہاں موجود تھے۔ تمہیں بھاگنا پڑا۔''

''مگر کیوں؟ تم نے یہ نہیں سوچا کہ میرا تم سے براہِ راست رابطہ تھا تو میرے لیے جہانگیر کی کیا افادیت رہ گئی تھی۔ اتنے پاپڑ بیل کر مجھے کیا مل جاتا؟''

''میں نے خود تم کو مشورہ دیا تھا کہ ایف بی آئی والوں سے میرا سودا کر لو۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ''وہ مشورہ بلا سبب نہیں دیا گیا تھا۔ میں تمہارا ذہن پڑھ رہا تھا تم پہلے سے اس لائن پر کام شروع کر چکے تھے۔ مجھے امریکیوں کے حوالے کر کے تمہیں ایف بی آئی سے معافی مل سکتی تھی۔ تمہیں امید تھی کہ جہانگیر تمہیں میرے ٹھکانے تک پہنچا دے گا لیکن آئی بی والوں نے تمہاری ان امیدوں پر پانی پھیر دیا۔''

''بہت انوکھی کہانی سوچی ہے تم نے!'' وہ گمبھیر آواز میں بولا ''میرے خلاف تمہارے دماغ میں لاوا ایک رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں تمہاری ان غلط فہمیوں کو کیسے دور

کر سکوں گا۔"

"تم مجھ سے ملنے سے ہمیشہ کتراتے رہے ہو۔ ایک بار آمنے سامنے بیٹھ کر بات کرلو۔ میں تمہاری آنکھوں میں سچ پڑھ لوں گا۔"

"میں بھی بہت شدت سے ایک تفصیلی ملاقات کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ یہ بدقسمتی ہے کہ میرے حالات اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اس وقت بھی کچھ ایسی ہی مجبوری ہے۔ مجھے بینک لاکر سے ایک اہم فائل نکال کر لے جانی ہے اس کام سے نمٹنے کے بعد میں تم سے ضرور ملوں گا۔"

اس کی زبان سے دوسری بار فائل کا ذکر سن کر میں چونک گیا۔ میں نے سرسری لہجے میں کہا "تم بار بار کس فائل کا ذکر کر رہے ہو۔ اس کی کیا اہمیت ہے۔"

"تم یہ سوال نہ کرتے تب بھی میں تمہیں ضرور بتاتا کہ وہ کیسی فائل ہے۔ تم کو گرین کوبرا یاد ہے؟" اس کی آواز یکایک پرسکون ہوگئی۔

فائل کا وہ نام میرے دل و دماغ پر نقش تھا۔ یادداشت تازہ نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دہلی کے تیرتھ رام اسپتال کے قریب واقع را کے دفاتر کا سربراہ انل بسواس تھا۔ میں نے اس کے ماتحت نریش شرما کو جہنم واصل کرکے اور اپنی جان پر کھیل کر گیارہ اہم ترین فائلوں کا بنڈل وہاں سے نکالا تھا۔ جن میں گرین کوبرا فائل سب سے اہم اور خطرناک تھی جسے جی سی کا کوڈ دیا گیا تھا۔

ویرا نے وہ تمام فائلیں لاہور میں جلال کے حوالے کی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ وہ فائل سرکاری تحویل سے سوبھراج کے قبضے میں کیسے چلی گئی تھی۔

"یہ کوئی پرانی بات ہے تو مجھے یاد نہیں رہی۔" میں نے جھوٹ بولا۔

"ذہن پر زور دو۔ سب یاد آجائے گا۔ وہ را کے پاکستان ونگ کے سربراہ انل کی بنائی ہوئی فائل تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اسے تم اڑا کر لائے تھے۔ اب وہ میرے قبضے میں ہے۔"

وہ ہولناک انکشاف تھا۔ میرے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اس فائل کا غیر متعلقہ لوگوں کے ہاتھ میں جانا بہت خطرناک تھا۔ میں نے اپنے اوپر جبر کرکے بے زاری سے کہا "یہ سب تم مجھے کیوں بتا رہے ہو؟"

"جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا۔ یہ بات سب کو معلوم ہونی چاہیے کہ وہ فائل میرے پاس ہے۔ تم یہ بات دوسروں کو ضرور بتاؤ گے۔ مرا ہوا ہاتھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسرائیل اور امریکا اس فائل کے بہت بڑے خریدار ہیں۔ بتا کر ایسے کام کرنے میں مزہ آتا ہے۔ اب میں اسے کھلی منڈی میں نیلام کروں گا۔ اب تک مجھے کچھ امید تھی کہ پاکستان میں میرے لیے فضا سازگار ہوجائے گی اور میں یہاں رہ سکوں گا مگر اب میں مایوس ہوچکا ہوں۔ جس ملک میں مجھے عزت نہیں مل سکتی، مجھے اس کی پروا نہیں ہوگی۔"

"مجھ سے ملنے کی بات کرتے کرتے تم نے اچانک یہ نئی کہانی شروع کردی۔ تمہارے کیا ارادے ہیں؟"

"اب میرے ارادے اچھے نہیں ہیں۔ تم فکر نہ کرو فائل اپنے قبضے میں محفوظ کرنے کے بعد میں تم سے ضرور ملوں گا۔ اب وہ فائل میری زندگی کی ضمانت ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے تم سمیت پاکستان کا ہر نمک خوار مجھے زندہ رکھنے پر مجبور ہوگا۔"

"میرا کسی فائل سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس گمان میں نہ رہنا کہ میں چند کاغذوں کے لیے اپنے فیصلے بدلوں گا۔ اگر تم کو مجھ سے کوئی ڈر ہے تو پھر مجھ سے نہ ملو۔"

"نہیں ڈینی! میں تم سے ضرور ملوں گا۔ یہ ملاقات مجھ پر قرض ہے۔ تم جو چاہو کہتے رہو۔ تمہارا عمل میرے سامنے ہے را والے پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لیے یہاں آتے ہیں اس لیے تم ان کے خون کے پیاسے ہو۔ تم اس فائل کو کیسے بھلا سکتے ہو جسے حاصل کرنے کے لیے تم نے دہلی میں خون کا ایک دریا پار کیا تھا۔"

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا "اس وقت تم متضاد باتیں کر رہے ہو۔ کبھی فائل کو نیلام کرنے کی بات کر رہے ہو اور کبھی اسے اپنی زندگی کی ضمانت قرار دے رہے ہو۔ تمہارا دماغ دھندلایا ہوا ہے۔"

"پہلے میں قاسم جیسے لوگوں سے یہاں اپنے حساب بے باق کروں گا۔ اس دوران میں فائل کی بولی بڑھتی رہے گی۔ بھارت والے بھی اسے واپس خریدنا چاہیں گے۔ وہ اسرائیل اور امریکا سے بڑے دام لگائیں گے۔ جب میں تمہاری مٹی کو آخری بار خیر باد کہوں گا تو اس فائل کا فیصلہ ہوگا۔ اس وقت تک یہ میری ڈھال بنی رہے گی۔ یہ یاد رکھنا کہ اب جلد ہی میرا اور تمہارا آمنا سامنا ہوگا۔"

ہلکی سی آواز کے ساتھ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا ذہن اچانک خالی ہوگیا ہو۔ اس میں کوئی بات باقی نہیں رہی تھی، صرف گرین کوبرا کے الفاظ گونج رہے تھے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ فائل محفوظ ترین سرکاری تحویل سے سوبھراج کے ہاتھ میں کیسے چلی گئی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردکارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمٰی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی ذہانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن نور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈیلی کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران ٹام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ قاسم فشریز پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوبھراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد فشریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوراً طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سوبھراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کوبرا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔

اب آپ قسط نمبر 240 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

"تم خاموش کیوں ہو...... کیا سوچ رہے ہو؟" ویرا نے لیے تپائی سے اخبار اٹھا کر اپنے سامنے پھیلا لیا۔
زچ ہو کر تیسری مرتبہ وہ سوال کیا اور میں نے اسے ٹالنے کے "آپ اس بے چاری کو کیوں ستار ہے ہیں؟" غزالہ

نے اس کی سفارش کی" وہ آپ سے کچھ پوچھ رہی ہے۔"

"جب میں کچھ سوچ ہی نہیں رہا تو اسے کیا بتاؤں!" میں نے غزالہ سے کہا" کبھی کبھی آدمی کو خاموش رہ کر سکون ملتا ہے۔ اس وقت میں ایسی ہی کیفیت سے گزر رہا ہوں۔"

"زیکھوڈِیئی!" ویرا آنکھیں نکال کر بولی" میں دودھ پیتی بچی نہیں ہوں۔"

"بے شک!" اچانک سلطان شاہ نے اس کی بات درمیان سے اچک لی" میں ایک مدت سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تم ایک بالغ اور نیم عاقل عورت ہو، بچی یا لڑکی نہیں رہی ہو مگر یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔"

"بڈھے طوطے! تم خاموش رہو، میں تم سے بات نہیں کر رہی۔" ویرا جل کر بولی" خود کو افلاطون مت سمجھا کرو۔ میں تم سے زیادہ عقل مند ہوں...... اگر میں نیم عاقل ہوں تو تم چوتھائی بلکہ اس سے بھی کم عاقل ہو۔"

"میرا درجہ گھٹانے کی کوشش مت کرو۔ تم ہر حال میں مجھ سے آدھی رہو گی۔" سلطان شاہ اس کے تلملانے پر ہنستے ہوئے بولا" اپنے مسلک میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی شہادت کے برابر ہوتی ہے۔"

"مسلک کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہوں گی۔ تمہاری بدزبانی کے جواب میں دوسروں کی دل آزاری نہیں کی جاسکتی لیکن میری آرزو ہے کہ تمہاری شہادت کا موقع جلد از جلد آئے تاکہ زمین کا بوجھ کچھ کم ہو سکے!" ویرا نے زہریلے لہجے میں جواب دیا۔

"میں اصلی شہادت کی نہیں، گواہی کی بات کر رہا تھا۔" سلطان شاہ بوکھلا کر بولا" تم میرے مرنے کی دعاؤں پر اتر آئیں!"

"مجھے پڑھانے کی کوشش مت کرو، اتنی اردو میں بھی جانتی ہوں۔" ویرا نے اسی لہجے میں کہا" میں نے وہی لفظ استعمال کیا ہے جو تمہاری زبان پر آیا تھا۔ حیرت ہے کہ تم ایک مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور شہید ہونے سے ڈرتے ہو!"

سلطان شاہ منہ چلا کر رہ گیا۔ اسے ویرا کا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

"تم نے جو بات اچھے پیرایے میں استعمال کی ہے، وہ ٹام کے لیے سخت تکلیف کا باعث بنی ہوئی ہے۔" میں نے ان کی تکرار ختم کرانے کے لیے دخل اندازی کی۔

"تمہیں یکا یک ٹام کیسے یاد آگیا؟" ویرا اپنی بحث کو بھول کر میری طرف متوجہ ہوگئی۔

"رات گئے اس کا فون آیا تھا۔ اسے سخت تکلیف ہے کہ موت سے بے خوفی نے ہم لوگوں یعنی مسلمانوں کو سرکش بنا دیا ہے۔" میں نے وضاحت کی۔

"وہ صحیح کہتا ہے۔ دنیا بھر میں یہ سوچ بہت تیزی سے پروان چڑھ رہی ہے کہ شہادت کے نظریے نے مسلمانوں کے لیے موت کو پرکشش بنا دیا ہے۔ جب کہ دوسرے تمام مذاہب کے ماننے والے اور دہریے بھی موت سے ڈرتے کانپتے ہیں۔" ویرا نے کسی تردد کے بغیر کہا" یہ اس کرۂ ارض کی بدنصیبی ہے کہ طاقت کا توازن اس وقت عیسائی دنیا کے ہاتھ میں ہے اور امریکا اس کا سرخیل بنا ہوا ہے۔ دنیا میں جہاں بھی ظلم ہوتا ہے اس کی ذمے داری امریکا کے سر پر ڈالی جاتی ہے اور ظلم کے خلاف لڑنے والوں کی اکثریت مسلمان ہے۔ وہ اپنے اللہ کے احکام کی سربلندی اور زمین کی حفاظت یا آزادی کے جذبے میں ڈوب کر لڑتے ہیں۔ ان کے دلوں میں موت کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ ان کے مخالف مرنے سے ڈرتے ہیں، کئی عشروں سے چلنے والی یہ مقامی لڑائیاں اب رفتہ رفتہ امریکا اور مسلمانوں کے تصادم میں ڈھل چکی ہیں۔ اسی وجہ سے امریکی زیادہ تشویش میں مبتلا ہیں۔ سب وہی سوچتے ہیں جو ٹام کہہ چکا ہے لیکن یہ بات دانستہ اچھالی نہیں جارہی۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ آج کی مشینی دنیا کی روح یعنی تیل پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ اگر امریکا کھل کر مسلمانوں کے خلاف میدان میں اتر آیا تو اس کے جگمگاتے ہوئے شہر ہولناک اندھیروں میں ڈوب جائیں گے اس کے لیے اپنا تیل ناکافی ہے۔"

"بہت خوب!" ویرا کی تقریر پر سلطان شاہ خاموش نہ رہ سکا۔" تم نے ٹام کی ذرا سی بات کو کھینچ تان کر اس عالمی سیاست سے ملا دیا جس کے خلاف دنیا بھر میں شدید غم و غصے کی لہر اٹھی ہوئی ہے۔ تیل اور دوسرے وسائل کی لڑائی سے ہمارا کیا تعلق...... ! اس وقت ہمارا جھگڑا ٹام اور سوبھراج سے ہے۔ بات کو وہیں تک رہنے دو۔"

"تم میرا مضحکہ اڑاتے رہو لیکن میری یہ بات کہیں لکھ لو کہ ایک دن دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ اس وقت تمہیں پتا چلے گا کہ میری ہر بات سچ ہے۔" ویرا بولی۔

"پاکستان میں کہیں بھی قابلِ ذکر مقدار میں تیل نہیں پایا جاتا پھر تمہارے ہم وطن کیوں ہمارا تیل نکالنے پر تلے ہوئے ہیں؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"تمہارے دو قصور ہیں۔ اول یہ کہ تمہارا ملک انتہائی حساس جغرافیائی خطے میں واقع ہے۔ روس کو دندان شکن ہار کا

سامنا نہ کرنا پڑتا تو وہ افغانستان کو روندنے کے بعد پاکستان کا رخ کرتا تاکہ اسے گرم پانی کی سال بھر کھلی رہنے والی بندرگاہوں تک رسائی مل سکے۔'' سلطان شاہ کی ظالمانہ جرح کے باوجود ویرا کا جوش ٹھنڈا نہیں ہوسکا تھا۔ وہ اپنی رو میں بولے جارہی تھی اور میں محض اس وجہ سے خاموش تھا کہ سلطان شاہ سے الجھ کر وہ مجھے بھولی ہوئی تھی۔

''تمہاری یہ اسٹریٹجک اہمیت ہمیشہ بڑی طاقتوں کی نگاہ میں کھٹکتی رہی ہے۔ بھارت تم سے بہت بڑا ملک ہے لیکن اسے یہ اہمیت حاصل نہیں ہے۔'' وہ اپنی رو میں بولے جارہی تھی ''اس کو یہ خلش ہے کہ پاکستان نہ بنا ہوتا اور برصغیر ایک ہی مملکت ہوتی تو یہ اعزاز بھارت کو ملتا۔ اب ان کے پاس ایک کمزور کارڈ ہے کہ وہ چین کے پڑوسی ہیں۔ چین نے جب سے آہنی دیوار گرا کر معاشی میدان میں اوپن ڈور پالیسی اپنائی ہے اس کے بارے میں مغرب کا رویہ بہت تیزی سے بدلا ہے۔ دشمنی اور مخاصمت کو بھول کر ہر ترقی یافتہ ملک اب دنیا کی سب سے بڑی منڈی میں گھسنے کی کوشش کررہا ہے......''

''تم بالکل درست کہہ رہی ہو!'' سلطان شاہ نے تمسخر آمیز انداز میں سرہلاتے ہوئے اس کی بات میں دخل اندازی کی ''سامراجیت کے نئے روپ کے بارے میں برسوں سے شور مچا ہوا ہے۔ اب فوجی قبضے کا تصور معاشی غلبے میں معدوم ہورہا ہے۔ امن و امان کے ساتھ آمدنی اور وسائل پر قبضہ ہوجانے کے بعد کسی جگہ فوجیں اتارنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اپنی بات آگے بڑھاؤ۔''

''بار بار بیچ میں ٹانگ مت اڑاؤ!'' ویرا نے ناگواری سے کہا ''مجھے بولنے دو۔ مصر ایک زمانے میں عرب قومیت کا سب سے بڑا داعی تھا۔ آج جمال عبدالناصر کا وہ مصر امریکا کی بغل میں دبا ہوا ہے۔ سوئیکارنو کے انڈونیشیا کا کیا حشر ہوا...... یہ سب کھلے کھلے سبق ہیں۔ چین کے گلی کوچوں میں آج راک، پاپ اور ڈسکو میوزک کی دھنیں گونج رہی ہیں۔ چینی نوجوانوں میں جینز اور ٹی شرٹ تیزی سے مقبول ہورہی ہے۔ اس ثقافتی اور معاشی یلغار سے بچنا بہت مشکل ہے۔ امریکی فرعونوں کے لیے تیسری دنیا سے کوئی موسیٰ نہ اٹھا تو اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں امریکی پوری دنیا کو نگل جائیں گے۔ اقوام متحدہ کٹھ پتلی اور بے بس تماشائی بن کر رہ جائے گی۔ دنیا بھر کے لیے فرمان امروز ہر صبح وائٹ ہاؤس سے جاری ہوا کرے گا۔ اس سے انحراف کرنے والوں کو پابہ جولاں کرکے دنیا بھر کے سامنے کسی چوپائے کی طرح ذلیل کیا جائے گا۔ کمزور قومیں ان سے دوستی کو اپنے لیے باعث افتخار سمجھیں گی۔ بے فیض حکمراں ان کے بڑوں کے ساتھ اپنی تصویریں کھنچوانے کو عین سعادت تصور کریں گے۔''

''یہ ماننا پڑے گا کہ تمہارے تجزیے بہت بے لاگ اور تیکھے ہوتے ہیں۔'' ویرا کے خاموش ہونے پر میں نے تعریفی لہجے میں کہا ''امریکی ہونے کے باوجود تم ہر بات کو غیر جانب داری کی عینک سے دیکھتی ہو۔ اپنوں کی برائی کو بھی برائی سمجھتی ہو۔ دوسرے امریکیوں کی طرح اس کی پردہ پوشی کی کوشش نہیں کرتیں!''

''عام امریکی میری طرح سوچتے ہیں۔'' اس نے جواب دیا ''جس طرح امریکا دوسری دنیا سے الگ تھلگ، تقریباً ایک براعظم ہے اسی طرح امریکی سوسائٹی بھی دوسرے معاشروں سے بہت زیادہ مختلف ہے۔ وہاں ہر شخص سیاست میں اپنا سر کھپانے کا عادی نہیں ہے۔ وہ اپنی کھال میں مست اور اپنے حال پر خوش رہنے والوں کا ملک ہے۔ ہر چار برس بعد وہ اپنے صدر کا انتخاب کرتے ہیں اور پوری نیک نیتی سے پچھلے چار سالوں کی حکومتی کارکردگی کا جائزہ لے کر اپنے ضمیر کے مطابق ووٹ دیتے ہیں اور پھر سیاست کو بھول کر اپنے روزمرہ کے معمولات میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ ان کے نزدیک ملک اور سیاست کو چلانا ان پیشہ ور لوگوں کی ذمہ داری ہوتی ہے جو ان کے ووٹ سے برسرِ اقتدار آتے ہیں۔''

''حکمرانوں کے ساتھ رائے عامہ کا بھی ایک وزن ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ فراڈ ہے۔'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''وہاں حکومت کے علاوہ دوسری قوت ذرائع ابلاغ کی ہوتی ہے۔ وہ گیلپ پول کے نام پر ہر مسئلے پر رائے شماری کراتے رہتے ہیں اور اس کے نتائج کو خوب اچھالتے ہیں جسے رائے عامہ کا نام دے دیا جاتا ہے۔ کروڑوں کی آبادی میں دس پانچ ہزار افراد کی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ایسے گیلپ پول میں جان بوجھ کر سوالات کی زبان اس طرح احتیاط سے منتخب کی جاتی ہے کہ ہر صورت میں پہلے سے طے شدہ ایک اکثریتی فیصلہ سامنے آجائے۔ امریکی معاشرت کا محور ڈالر ہیں۔ وہاں ہر شخص، ہر لمحے ڈالر کمانے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔ اس کے پاس سیاست لڑانے کا وقت نہیں ہوتا۔''

''تم یہ نہیں کہہ سکتیں، عام امریکی اتنے بے حس ہوں تو وہاں حکومتوں کی تبدیلی عمل میں نہیں آسکتی!'' میں نے اعتراض کیا۔

''وہ بے حس نہیں ہوتے۔'' اس نے تیزی سے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا ''پوری ہوش مندی سے ووٹ دیتے ہیں

اور چار سال کے لیے اکثریتی فیصلہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ دوبارہ ووٹ دینے کا وقت آتا ہے تو پچھلے چار سالوں کا کچا چٹھا ان کے سامنے ہوتا ہے۔ یہ کمزور ہو تو حکمراں پارٹی آن واحد میں اپوزیشن میں دھکیل دی جاتی ہے۔''

''پتا نہیں یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔'' غزالہ نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا ''امریکا اپنی ایسی کی تیسی میں جائے ہمیں اپنے مسائل کے حل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''ہم اسی بارے میں بات کر رہے ہیں۔'' ویرا نے کسی ندامت کے بغیر کہا ''پورا پس منظر جانے بغیر کوئی مسئلہ حل نہیں کیا جاسکتا۔''

''امریکیوں کی پاکستان دشمنی کوئی نئی بات نہیں ہے۔'' غزالہ بولی ''اس موضوع پر ہم بارہا بات کر چکے ہیں۔''

''کچھ باتیں نئی ہیں۔'' ویرا نے جواب دیا ''پچھلے چند برسوں میں دہشت گردی کو مسلمانوں سے منسوب کر کے امریکیوں کے ذہنوں میں پروپیگنڈے کے ذریعے اتنا زہر بھر دیا گیا ہے کہ اب امریکا میں وہی پارٹی حکمرانی کرے گی جو مکاری کے ساتھ دنیا بھر میں مسلمانوں کی سرکوبی کے عزائم رکھتی ہو۔ آج عام طور پر ہر امریکی مسلمانوں سے ڈرا سہما ہوا ہے۔''

''تمہارے پاس کوئی اور موضوع نہیں ہے تو میں باہر چلا جاؤں؟'' سلطان شاہ نے طنز کے ساتھ سوال کیا۔

''تمہاری وجہ سے بات اتنی بڑھی ہے۔'' ویرا نے دھیمے انداز میں کہا ''میں ڈینی کی بات کا جواب دے رہی تھی۔ تمہارا دوسرا قصور یہ ہے کہ تم عالم اسلام کی اکلوتی ایٹمی طاقت بن چکے ہو۔ امریکی یہ بات جانتے ہیں کہ وہ زیادہ عرصے تک اپنے عزائم کی پردہ پوشی نہیں کر سکیں گے۔ فیصلہ کن معرکے کے لیے انہیں ایک نہ ایک دن کھل کر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہونا پڑے گا۔ اس وقت کے آنے سے پہلے وہ تمہاری ایٹمی صلاحیت کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ شہادت کے جذبے میں ڈوبے ہوئے مسلمان کے ہاتھ میں ایٹم بم آجانے کے تصور سے وہ لرزہ براندام ہیں۔''

ویرا خاموش ہوگئی۔ اس کے جواب میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔

ٹام اور پھر سوبھراج سے فون پر ہونے والی گفتگو کے بعد رات کا بقیہ حصہ جیسے تیسے گزر گیا تھا۔ وہ تینوں دنیا و مافیہا سے بے خبر سوتے رہے لیکن میں ایک پل کے لیے بھی نہیں سو سکا تھا میں نے ناشتا کرتے ہوئے تازہ اخبار کا مطالعہ کیا پھر ایک ایک کر کے وہ تینوں بھی میز پر آگئے۔ ناشتے سے فارغ ہوتے ہی ویرا نے میرے بشرے سے فکرمندی بھانپ لی اور پھر اس نے میری تفکر آمیز خاموشی کے بارے میں پے در پے سوال کر کے دوسروں کو بھی اکسانا شروع کر دیا۔

''ٹام کے بارے میں آپ کیا کہہ رہے تھے...... اس سے آپ کی کب بات ہوئی؟'' ویرا کی پھیپھے دار باتوں کے سحر سے آزاد ہوتے ہی غزالہ کو ٹام یاد آگیا۔ اس نے میری بات وہیں سے پکڑی تھی جہاں سے میری فکرمندی کا سرا نکلتا تھا۔

''میں کہہ رہی ہوں کہ کوئی نہ کوئی بات ہوئی ہے جس نے ڈینی کو پریشان کیا ہوا ہے۔'' غزالہ کے سوال سے شہ پا کر ویرا شیر ہوگئی ''میں اتنی مدت سے تم لوگوں کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ ایک ایک..... کے تیوروں کو پہچانتی ہوں۔ میں نے آتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ڈینی فکرمند ہے اور شاید رات کو سو بھی نہیں سکا۔'' عمومی انداز میں وہ شیخی بگھارنے کے بعد ویرا میری طرف متوجہ ہوگئی ''تم سے کیا کہہ رہا تھا ٹام!''

''اتنی اونچی اڑان لینے کی کوشش نہ کرو۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے جواب دیا ''ٹام کی بکواس کی مجھے ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ اس نے اپنی دانست میں مجھے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ الفا نے مرنے سے پہلے اپنے کام دکھا دیا تھا یا وہ حرکت میں آنے سے پہلے مارا گیا تھا۔''

''خبر شہر میں پھیل چکی تھی۔ اسے یہ سب معلوم ہو چکا ہوگا۔'' ویرا نے بے اعتباری سے کہا۔

''شہر میں صرف یہ خبر پھیلی تھی کہ وی آئی پی موٹر کیڈ پر حملہ کرنے والا دہشت گرد ایک ایجنسی کے ہاتھوں مارا گیا اور یہ خبر سرکاری ذرائع سے ریڈیو اور ٹیلی وژن پر نشر کی گئی تھی۔ اس سے آگے پیچھے کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔''

''وہ اتنا اُلو کا پٹھا نہیں ہو سکتا تھا کہ فائر کی آواز سن کر بھی صحیح نتیجہ اخذ نہ کر سکا ہو۔'' ویرا نے جل کر کہا۔

''اس پر تاؤ کھانے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے رسانیت سے اسے سمجھایا ''ہر روز نت نئے ہتھیار بازار میں آرہے ہیں۔ پھر سائلنسر لگے ہوئے بے آواز ہتھیاروں کا رواج پرانا ہے۔ اسے الفا کی تیزی کے بارے میں خوش فہمی رہی ہوگی۔ اس نے سمجھا کہ الفا نے اپنی رائفل سے ایک بے خطا فائر کر کے میرا کام تمام کیا اور پھر خود کسی نے بے آواز گولی کا نشانہ بن گیا۔''

''یہ ایک کمزور نظریہ ہے۔'' ویرا مطمئن نہیں ہو سکی ''ہر ہتھیار کے فائر کی ایک مخصوص آواز اور گونج ہوتی ہے وہ کیسا

سیکرٹ ایجنٹ ہے کہ اپنی دی ہوئی امریکن رائفل کے فائر کی آواز نہیں پہچانتا۔ اسے کہیں ڈوب مرنا چاہیے۔''

''عجلت اور بدحواسی میں آدمی ایسی تکنیکی باریکیوں کو فراموش کر جاتا ہے۔'' غزالہ نے میرا ساتھ دیا ''تم نے سنا نہیں کہ وہ انہیں اپنی گاڑی سے اتارتے ہی کیسی عجلت میں وہاں سے فرار ہوا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی خاموشی سے اس کا پیچھا کرتا ہوا نیشنل اسٹیڈیم کی پارکنگ میں پہنچ چکا ہوگا۔''

''ٹام کے قصے پر لعنت بھیجو!'' ویرا نے جھلاّئے ہوئے انداز میں کہا ''تم کہہ چکے ہو کہ ٹام سے ہونے والی گفتگو تمہارے لیے پریشان کن نہیں تھی پھر تم کس کے فراق میں رات بھر جاگتے رہے؟''

''میں نے سوبھراج سے بات کی تھی!'' میری زبان سے وہ انکشاف سنتے ہی وہ تینوں حیران رہ گئے۔

''اور تم اتنی دیر سے ہر بات اپنے دل میں لیے بیٹھے ہو!'' ویرا چیخ کر بولی۔

''قاسم' رفیق اور شیرازی کی گرفتاری نے اس کے اوسان خطا کیے ہوئے ہوں گے!'' سلطان شاہ نے پورے وثوق سے امید ظاہر کی۔

''اس کے دماغ میں یہ بات گھس گئی ہے کہ قاسم نے اپنے پکڑے جانے کے بعد اس کی پول کھول دی ہے۔ وہ مسلسل اپنی صفائیاں پیش کررہا تھا۔''

''ظاہر ہے کہ وہ کھل کر جہانگیر کے اغوا کا کبھی اعتراف نہیں کرے گا۔'' ویرا نے کہا ''اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ میرا خیال ہے کہ اصل بات کچھ اور ہے جسے تم نے ظاہر نہیں کیا۔''

''تم پوری بات سنے بغیر نتائج پر چھلانگ لگانے لگتی ہو۔'' میں نے ہلکی سی خفگی سے کہا ''اس کے ساتھ میرا رویہ شروع سے آخر تک جارحانہ رہا۔ وہ مدافعت کرتا رہا لیکن آخر میں اس نے گرین کوبرا کا ذکر کر کے مجھے حیران کر دیا۔''

''گرین کوبرا!'' ویرا نے حیرت سے دہرایا ''یہ تو وہی اہم ترین فائل تھی جسے تم نے دوسری فائلوں کے پلندے کے ساتھ دہلی سے اڑایا تھا۔''

''وہ پلندا ویرا نے امرتسر سے لاکر لاہور میں جلال کے حوالے کیا تھا'' ویرا کی بات ختم ہوتے ہی غزالہ نے ٹکڑا لگایا۔

''اس کا کہنا ہے کہ وہ فائل اب اس کے قبضے میں ہے۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔

''وہ جھوٹ بولتا ہے۔'' ویرا کے لہجے سے بے اعتباری مترشح تھی۔ ''تمہاری زبان سے کئی مایوس کن خبریں سننے کے بعد اس نے تم سے جھوٹ بولا ہوگا۔''

''ایسا نہیں تھا'' میں نے اس کی خوش فہمی کی تردید کی ''گفتگو کی ابتدا میں ہی اس نے ذکر کیا تھا کہ وہ ایک ضروری فائل لینے کے لیے بہت دور سے کراچی واپس آیا تھا۔ اس وقت میں نے فائل کے تذکرے کو اہمیت نہیں دی تھی۔ دوبارہ اس نے اپنے بینک لاکر سے فائل نکالنے کا ذکر کیا تو میرے کان کھڑے ہوئے۔ میرے استفسار پر اس نے گرین کوبرا کا نام اگلا۔ وہ اس فائل کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہے اور اب اسے اپنی زندگی کی ضمانت قرار دے رہا ہے۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے!'' میری وضاحت اسے مطمئن نہیں کرسکی۔ ''وہ ایک اہم ترین فائل تھی۔ جلال نے پوری ذمے داری کے ساتھ اسے آگے پہنچا دیا تھا۔ بعد میں اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ فائل میں موجود مواد حیران کن اور چشم کشا ثابت ہوا تھا۔ اس کی روشنی میں حکومت پاکستان دوسرے دوست ممالک سے خصوصی رابطے کر رہی تھی۔''

''یہ سب مجھے یاد ہے۔ سب سے پہلا نکتہ تو یہ ہے کہ اسے گرین کوبرا فائل کے بارے میں کیسے علم ہوا۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

''تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ پوری طرح بے نقاب ہونے سے پہلے وہ ایک اہم اور انتہائی بارسوخ سیاست داں تھا۔ اسے حکومتی حلقوں میں رسائی حاصل تھی۔ گرین کوبرا فائل کے علاوہ وہ نہ جانے کن کن سرکاری رازوں سے واقف ہوگا۔''

''وہ آستین کا سانپ تھا۔'' سلطان شاہ نے نفرت آمیز لہجے میں کہا ''سیاست کی بازی گری میں اپنے کمال دکھا کر اس نے اپنا ایسا مقام بنالیا تھا کہ اسے بہت کچھ معلوم ہوگا۔ دوسری طرف وہ را کا ہمدرد تھا۔ ساری خبریں اپنے اَن داتاؤں کو پہنچاتا ہوگا۔''

''اس نے گرین کوبرا فائل کی نقل بھی بھارتیوں کو پہنچا دی ہوگی۔'' غزالہ اپنے غصے کے اظہار میں ان دونوں سے پیچھے نہیں رہی۔

''وہ خودغرض اور دغاباز آدمی ہے۔'' ان کے دلوں کی کچھ بھڑاس نکل جانے کے بعد میں نے دھیمے لہجے میں اپنی زبان کھولی ''اس نے فائل کی نقل ابھی تک کسی کو نہیں دی۔ اس نے فائل اپنے راج محل کے بجائے کسی بینک کے لاکر میں رکھی ہوئی ہے اور اب وہ اسے بھارتیوں' اسرائیلیوں یا امریکیوں کے ہاتھ بیچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔''

''بھارتی اسے کیوں خریدیں گے؟'' سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کیا ''وہ ان ہی کی بنائی ہوئی فائل ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں کیا مواد تھا۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فائل کو دہلی میں بہت محفوظ رکھا گیا تھا۔ دوسروں کو سن گن رہی ہوگی کہ گرین کوبرا کے نام سے راداکے دہلی میں کسی بڑے منصوبے پر کام کررہے ہیں۔ اس کی تفصیل انل بسواس اور نریش شرما کے سوا شاید ہی کسی کو معلوم ہو۔ وہ دونوں جہنم واصل کردیے گئے تھے۔ ان کے بعد منصوبے کے خدوخال صرف فائل میں محفوظ ہیں۔ ایسی فائلوں کی نقلیں نہیں بنائی جاتیں۔ اصل فائل پر اصل آدمی کام کرتا ہے۔ پورا منصوبہ تیار ہو جانے کے بعد ہر ایک کو اس کے حصے کا کام بتادیا جاتا ہے۔ ڈینی ان کی ساری تیاریوں اور حفاظتی تدابیر پر پانی پھیر کر وہ فائل اڑالایا تھا۔ بھارتی اس فائل کے سب سے بڑے خریدار ہوں گے۔'' ویرا نے قدرے تفصیل کے ساتھ اس فائل کی اہمیت اجاگر کی۔

''سوبھراج نے ایک بات کہی اور ہم اسے سچ مان کر اپنے سر جوڑے بیٹھے ہیں۔'' غزالہ نے کوئی نئی بات شروع کی ''سب سے پہلے ہمیں یہ تصدیق کرلینی چاہیے کہ وہ فائل کہاں ہے۔ اس بات کا سراغ صرف جلال سے مل سکتا ہے۔''

''میں تمہاری جگہ ہوتی تو اس خبر پر تم سے زیادہ پریشان ہوجاتی۔'' ویرا نے مجھے دلاسا دینے والے بزرگانہ انداز میں کہا ''لیکن کسی بات کو اپنے دل پر لے کر بیٹھ جانا اچھا نہیں ہوتا۔ اتنا وقت گزارنے کے بجائے تمہیں چاہیے تھا کہ اسی وقت ہم لوگوں کو جگادیتے۔ آپس میں مشورہ کرنے سے نئے راستے کھلتے ہیں۔ اس وقت غزالہ کا مشورہ بہت صائب ہے۔ تمہیں اسی وقت جلال سے بات کرلینی چاہیے۔ وہ اپنے ذرائع سے اس فائل کے بارے میں معلوم کرلے گا۔''

میں نے چند ثانیوں کے لیے غور کیا اور پھر جلال کا موبائل فون نمبر ملالیا۔

اس وقت جلال بہت خوشگوار موڈ میں تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے بتایا کہ وہ ہماری طرف آرہا تھا اور چند منٹ میں وہاں پہنچنے والا تھا۔

میں نے مزید کچھ کہے سنے بغیر فون بند کردیا۔

''کیا وہ زیادہ مصروف ہے؟'' ویرا نے بے تابی سے سوال کیا۔

''یہ زیادہ اچھا ہے کہ وہ یہیں آرہا ہے۔ آمنے سامنے بیٹھ کر ہم بہتر انداز میں گفتگو کرسکیں گے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا اور وہ خوش ہوگئی۔

''جلال اچھا اور محنتی آدمی ہے!'' وہ روا روی میں بولی۔

''ہوں...... خاصا اچھا اور وجیہہ ہے ہوسکتا ہے اس نے تم پر محنت کی ہو مگر وہ عیال دار ہے۔ ایسی حرکتیں نہیں کرسکتا۔'' دباؤ اور تناؤ کی کیفیت میں ذرا سی نرمی آتے ہی سلطان شاہ کی زبان چل پڑی۔ اس نے وہ فقرے ذومعنی انداز میں ادا کیے تھے۔

''اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ!'' ویرا نے اسے گھور کر کہا ''میں اس کے کام کے حوالے سے بات کررہی تھی۔ مجھے اس کی وجاہت سے کیا لینا۔''

''بلی اگر دودھ سے بھرے ہوئے برتن کی تعریف کرے تو یہ نہیں مانا جاسکتا کہ اس کی نگاہیں دودھ پر نہیں ہیں۔'' سلطان شاہ نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا بک رہے ہو۔ میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔'' ویرا تاؤ میں آگئی۔

''ضرور توڑ دو مگر یہ سوچ لینا کہ پھر کہاں سوار ہوسکو گی!'' وہ اسی بے نیازی سے بولا۔

''تو میں تمہارے سر پر سوار ہورہی ہوں؟'' ویرا کا پارا چڑھنے لگا۔

''آواز نیچی اور موڈ اچھا رکھو۔ اچھا اور محنتی آدمی کسی بھی لمحے یہاں وارد ہوسکتا ہے۔'' اس بار سلطان شاہ نے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب تم بولے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''وہ تو اب بھی کوئی نہیں ہے...... لل...... لو! میں چپ ہوگیا۔'' سلطان شاہ کو بولتے بولتے اپنا ٹریک بدلنا پڑا کیونکہ ویرا اپنی جگہ سے اٹھنے کی پوزیشن لے چکی تھی۔

''تم دونوں اپنا زیادہ وقت بے مقصد باتوں میں ضائع کرنے کے عادی ہوتے جارہے ہو۔'' غزالہ نے سلطان شاہ سے مخاطب ہوکر کہا۔

''مجبوری ہے۔'' سلطان شاہ نے اپنے کندھے اچکا کر بے پروائی سے جواب دیا ''بات کرتے ہوئے اپنے سامنے والے کی ذہنی سطح کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اسی لیے بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ آدمی کو اچھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے۔''

''کچھ دیر کے لیے سنجیدگی اختیار کرلو!'' میں نے کہا ''گرین کوبرا والے معاملے نے میرے پیروں کے نیچے سے زمین نکال دی ہے، یہ بہت سنگین معاملہ ہے۔''

سلطان شاہ نے چپ سادھ لی۔ ویرا کی پیشانی پر کئی بل

آئے ہوئے تھے۔

''آپ بلاوجہ پریشان ہورہے ہیں۔'' غزالہ نے مجھے تسلی دی ''جب تک جلال کی طرف سے اس اطلاع کی تصدیق یا تردید نہیں ہوجاتی۔ ہم سوبھراج کے بیان پر آنکھیں بند کرکے اعتبار نہیں کرسکتے' وہ سازشی اور جھوٹا ہے۔''

غزالہ سوبھراج کے الفاظ میری زبانی سن چکی تھی۔ وہ اس کے لب ولہجے اور گفتگو کے تسلسل سے سراسر ناواقف تھی۔ اگر سوبھراج کو صرف دھمکی دینا ہوتی تو اسے ابتدا میں کوبرا فائل کا نام لینا چاہیے تھا۔ ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس نے تیسری مرتبہ اس اہم فائل کا ذکر کیا تھا جسے لینے کے لیے اسے ایران سے کراچی واپس آنا پڑا تھا۔

آثار وقرائن سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ سوبھراج ابتدائی جھٹکوں سے سنبھالا لے چکا تھا اور اس کا ذہن صدماتی کیفیت سے باہر آچکا تھا۔

اسے پاکستان میں اپنے سیاسی جوڑتوڑ اور داؤ پیچ کے ذریعے جو اہم مقام مل گیا تھا۔ وہ کبھی بھی اس کا اہل نہیں رہا تھا لیکن اسے زعم تھا کہ کوئی اسے ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔

وہ بہت کامیابی کے ساتھ کوبرا کا دہرا رول ادا کررہا تھا' اس راز سے ایف بی آئی کے سرکردہ افسران واقف تھے یا دہلی میں بیٹھے ہوئے را کے اعلیٰ عہدے دار۔ دوسروں کے لیے وہ صرف کوبرا تھا۔ اس روپ میں وہ ایک آواز کی صورت میں اپنے مخبروں اور را کے ایجنٹوں پر راج کررہا تھا۔ اسے کبھی ان کے سامنے آنا پڑتا تھا تو وہ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں چھپ کر ان سے ملتا تھا۔ اس کام میں ہوٹل کا ارجن نامی منیجر اس کا بہترین معاون بنا ہوا تھا۔ جوں ہی حالات نے پلٹا کھایا' سوبھراج نے اپنے رازوں کی حفاظت کے لیے ارجن کو بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

دغابازی اور محسن کشی سوبھراج کے خمیر میں شامل تھی۔ اسے پاکستان میں عزت' شہرت اور دولت ملی تھی۔ اس نے اسی ملک کی جڑیں کاٹنے پر کمر باندھی ہوئی تھی۔ ارجن اور ڈاکٹر صادق نے برے وقت میں اس کا ساتھ دیا اور اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ان دونوں کو نہایت سفاکی سے جہنم واصل کردیا۔

اسے گھمنڈ تھا کہ اس کی طاقت اور حیثیت کی وجہ سے اس کا گھناؤنا کردار کبھی بے نقاب نہیں ہوسکے گا لیکن وقت کا پہیہ اس کے خلاف حرکت میں آچکا تھا۔

اس کی بے خبری میں اس کے خلاف چپکے چپکے کام ہوتا رہا اور جب ساری پیش بندیوں کے بعد ایک روز اچانک اس کے راج محل پر دھاوا بولا گیا تو اس اچانک کایا پلٹ پر سوبھراج کی کھوپڑی بھق سے اڑ گئی۔

ایسا برا وقت اس کے سان وگمان میں بھی نہیں تھا۔ صدمے' جنون اور اشتعال کے عالم میں اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کو آگ لگادی تاکہ قانون کے محافظ اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہ کرسکیں۔

اس کے بعد وہ جو کچھ کرتا رہا۔ اس سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اپنے ہوش وحواس میں نہیں رہا تھا۔ اس کی ناکام دفاعی کوششوں کے نتیجے میں اس کے خلاف فرد جرم طویل ہوتی چلی گئی۔ دن بہ دن اس کے گرد دائرہ تنگ ہورہا تھا۔

جہانگیر کے اغوا کی گتھی سلجھنے کے بعد یہ ظاہر ہورہا تھا کہ سوبھراج جنون اور انتقام کے اعصاب شکن گرداب سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ سنیل جیسے بے ضمیر غلام کو کھودینے کے بعد اس نے اپنے گرد وپیش کا جائزہ لے کر یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ حقیقت میں اتنا بے یار ومددگار نہیں ہوا تھا' جتنا وہ سمجھ رہا تھا۔

اس نے اپنے ان کاروباری حلیفوں پر نگاہ دوڑائی جو اپنی بدعنوانیوں کی وجہ سے اپنے اپنے شعبوں میں نااہل قرار دے کر کسمپرسی کی راہوں پر دھکیل دیے گئے تھے اور سوبھراج نے انہیں اپنے کالے دھن سے سہارا دے کر غیر قانونی دھندوں میں لگادیا تھا۔

سوبھراج بن کر وہ روپوش مجرم منظر عام پر آنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔ زیرزمین دنیا میں کوبرا کی ساکھ تیزی سے ختم ہوچکی تھی۔ کھلے جرائم میں اس کا دست وبازو بننے والے اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے تھے۔ اس نے کالے دھن سے کالا کاروبار کرنے والوں کو استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

وہ اس کی طاقت کا ذریعہ تھے لیکن یہ سوبھراج کی بدقسمتی تھی کہ اسی وقت جلال نے بھی اس کے دوسرے دھندوں کا کھوج لگانے کا ارادہ کرلیا۔

سوبھراج نے جہانگیر کے اغوا کے لیے قاسم کے ذریعے اپنے پروردہ بدمعاشوں سے کام لیا لیکن عین وقت پر اس کا وہ منصوبہ ناکامی سے دوچار ہوگیا۔ جہانگیر کی بازیابی کے ساتھ' سوبھراج کے سارے حلیف قانون کے آہنی چنگل میں پھنس چکے تھے۔

حالات بتا رہے تھے کہ اپنے بدترین دماغی بحران سے نکل جانے کے بعد سوبھراج نے افرادی قوت کی دست یابی کے ساتھ اپنے ان وسائل کے بارے میں بھی سوچنا شروع کردیا تھا جو راج محل کے خاک ہوجانے کے باوجود دوسری

جگہوں پر محفوظ تھے۔

مجھے اس کے مال و دولت کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ جب بھی قانون کی گرفت میں آتا، لوٹ کا سارا مال اس کی تحویل سے نکل جاتا۔ فکرمندی کی بات یہ تھی کہ اس نے اپنی سیاسی پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھا کر جن قومی رازوں تک رسائی حاصل کی تھی، وہ خطرے میں پڑ گئے تھے۔ اس کی پہلی مثال گرین کوبرا فائل کے تذکرے کی صورت میں سامنے آچکی تھی۔

مصائب کے بے امان صحرا میں اپنی زندگی بچانے کے لیے بگٹٹ بھاگتے ہوئے سوبھراج کو یکایک ایک مضبوط سائبان میسر آگیا تھا۔ اگر گرین کوبرا فائل اس کے قبضے میں تھی تو اس کی واپسی تک سوبھراج کو نہیں مارا جاسکتا تھا۔ اس کا یہ دعویٰ بالکل درست تھا کہ گرین کوبرا فائل اس کے لیے زندگی کی ضمانت ثابت ہوگی۔

میں ان ہی خیالات میں غلطاں تھا کہ جلال آگیا۔ اس کے چہرے کی نس نس سے اندر کی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

اس سے پتا چلا کہ اسٹیشن فور میں موجود دونوں قیدیوں کو اول خان نے آئی بی کے حوالے کر دیا تھا۔ ان دونوں کا تعلق سوبھراج کے کیس سے تھا اور وہ معاملہ سرکاری طور پر آئی بی کے سپرد کیا جاچکا تھا۔ ہمیں ان لوگوں سے براہ راست صرف اتنا سروکار تھا کہ ان کی چمڑی ادھیڑ کر جہانگیر کا سراغ لگایا جائے۔ ان دونوں کو اسٹیشن فور کا مہمان بنا کر ہم نے اپنا وہ مقصد حاصل کر لیا تھا۔

جہانگیر کی بازیابی کے بعد قاسم اور رشیدے کی محدود افادیت ختم ہوگئی تھی۔ اول خان نے ان دونوں کو ایس ٹی ایف کے وسائل پر بوجھ بنائے رکھنے کے بجائے آئی بی والوں کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر کے اپنی معاملہ فہمی کا ثبوت دیا تھا۔

جلال خوشی خوشی ہمارے پاس آیا تھا۔ میں نے فوری طور پر اسے ذہنی جھٹکا دینا مناسب نہ سمجھا۔ وہ کچھ دیر تک گزرے ہوئے واقعات پر باتیں کرتا رہا۔ اس کے لیے الفا کی اتفاقی موت اس وقت بھی حیران کن بنی ہوئی تھی۔ وہ تصور نہیں کرسکتا تھا کہ ٹام کی نگرانی کی ایک روٹین کی کارروائی اس قدر بارآور ثابت ہوسکے گی۔ وہ واقعہ اپنی جگہ پر اتنا اہم تھا کہ کراچی سے اسلام آباد تک اس کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ جلال نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اپنے بڑوں کو بتا دیا تھا کہ ٹام کو اس کی کمین گاہ سے ہانک کر الفا سمیت میدان میں لانا میری حکمتِ عملی کا نتیجہ تھا مگر ایس ٹی ایف کی طرح میں بھی پسِ پردہ رہنے پر مجبور تھا۔ امریکیوں کی طرف سے دہشت گردوں کی پشت پناہی کے الزام سے بچنے کے لیے بھی کوئی سرکاری ایجنسی کھل کر مجھے قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھی اس لیے الفا کی موت کا سہرا آئی بی کے سر باندھا جا رہا تھا۔

''تازہ ترین واقعات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اب سوبھراج دوبارہ اپنے پیر جمانے کی کوششیں کر رہا ہے۔'' اِدھر اُدھر کی باتوں کے دوران جلال نے کہا۔

''جلد ہی کوبرا کا سر کچل دیا جائے گا۔'' میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بات نکالی ''یہ بتاؤ کہ گرین کوبرا کا کیا ہو رہا ہے۔ کافی دنوں سے اس پر کوئی بات نہیں ہوئی۔''

جلال کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا پھر اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''اچانک تمہیں وہ فائل کیوں یاد آگئی؟''

''پرانی باتیں کبھی کبھی یاد آ ہی جاتی ہیں!'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''میں دانستہ اس فائل کے تذکرے سے گریز کرتا رہا۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ''تم اپنی جان پر کھیل کر وہ فائل بھارت سے نکال لائے تھے لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہم اس کی حفاظت نہیں کرسکے۔ وہ کئی ہفتوں پہلے گم ہوچکی ہے!''

''گم ہوچکی ہے!'' ویرا حیرت اور بے یقینی سے تقریباً چیخ پڑی۔

''زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ وفاقی وزارت داخلہ کے سیکریٹری دفتر سے چرالی گئی ہے۔'' جلال نے آزردگی کے ساتھ اپنے ابتدائی بیان کی تصحیح کی ''غنیمت یہ ہے کہ وہ فائل آتے ہی اس کی تین نقلیں کرالی گئی تھیں جو صدر، وزیراعظم اور وزیر خارجہ کے دفاتر میں محفوظ ہیں اور اب ان ہی سے مدد لی جا رہی ہے ورنہ دوسری صورت میں ہم اس خوف ناک ماسٹر پلان سے ہاتھ دھو چکے ہوتے۔''

''لیکن اصل فائل کیسے چوری ہوگئی؟'' ویرا کے لیے اپنی حیرت پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا ''دشمن کے جبڑوں سے نکالی ہوئی ایک اہم فائل چوری ہوچکی ہے تو اس ملک میں کیا چیز محفوظ ہے؟ ہوم سیکریٹری ملک بھر کا نباض ہوتا ہے۔ وہ اپنے دفتر کی حفاظت نہیں کرسکتا تو اتنے بڑے ملک کی داخلی سیکیورٹی کو کیسے سنبھال سکتا ہے۔''

''اسے معطل کر کے حراست میں لے لیا گیا ہے۔ اس کے دفتر کے مزید سات افراد پکڑے گئے تھے جن میں سے چھ بے گناہ ثابت ہوئے۔ جب گھر میں بدنیت لوگ موجود ہوں تو

باہر سے کسی چور کو آنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ غداری کے ایسے واقعات دنیا بھر میں ہوتے رہتے ہیں......''

''یہ کوئی جواز نہیں ہے۔'' ویرا نے اس کی بات کاٹ دی ''دنیا بھر کے کلبوں میں ننگے ناچ ہوتے ہیں، یہاں کیوں نہیں ہوتے؟''

ہم سب بہت حسّاس اور دردمند پاکستانی تھے لیکن اس وقت ویرا ہم سے زیادہ غصے میں آئی ہوئی تھی۔ جلال نے اس کے جذبے کا احترام کرتے ہوئے اسے کوئی سخت جواب نہیں دیا۔ نرمی سے بولا ''تم نے میری پوری بات نہیں سنی۔ اس واردات میں کسی لالچ کا کوئی دخل نہیں تھا۔ ان دفاتر کا سکیورٹی افسر سوبھراج کا گہرا دوست ہے۔ وہ اسلام آباد جاتا تھا تو ہر شام سکیورٹی آفیسر کے گھر پر شراب وشباب کی مہکتی محفلیں سجاتا تھا۔ جن میں دوسرے لوگ بھی بلائے جاتے تھے۔ سوبھراج نے پڑھنے کے لیے اس سے وہ فائل مانگی تھی۔ وہ شیخی میں آکر آمادہ ہوگیا۔ سوبھراج نے کہا تھا کہ گرین کوبرا فائل کے مطالعے سے اسے زبردست سیاسی فائدہ حاصل ہوگا۔ دفتر بند ہونے کے بعد فائل نکالی جاتی اور اگلی صبح واپس اپنی جگہ پر رکھ دی جاتی تو کسی کو کانوں کان کچھ پتا نہ چلتا۔ اس نے فائل سوبھراج کے حوالے کردی۔ فائل ملتے ہی سوبھراج نائٹ کوچ سے کراچی آگیا۔ اگلی صبح سکیورٹی افسر کو اس کی واپسی کی خبر ملی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ دن بھر فون کرتا رہا لیکن سوبھراج نہیں ملا۔ اس کے ملازمین بتاتے رہے کہ وہ راج محل سے باہر ہے۔ سکیورٹی افسر کراچی آیا۔ اس نے اپنی ملازمت کے واسطے دیے، روتا اور گڑگڑاتا رہا لیکن سوبھراج نے فائل لوٹانے سے صاف انکار کردیا۔ مایوس ہوکر وہ لوٹ آیا اور خاموشی سے برے وقت کا انتظار کرتا رہا۔ دوسرے دن فائل منگوائی گئی تو وہ غائب تھی!''

''خلوت کی دوستیاں پیسے کے لالچ سے زیادہ رنگ دکھاتی ہیں۔'' ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی ''اب اس افسر کا کیا بنے گا؟''

''سیکریٹری کو برطرف کردیا جائے گا۔ سکیورٹی آفیسر کو عمر قید کی سزا ہوگی۔'' جلال نے بے آرامی سے جواب دیا ''وہ اپنی بقیہ عمر سلاخوں کے پیچھے گزارے گا۔''

''اس بارے میں تم نے ہمیں ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔'' ویرا نے شکایت کی۔

''میں دانستہ خاموش رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ خبر سن کر تم کو دکھ ہوگا۔ فائل لانے میں ڈینی کے ساتھ تمہارا اور غزالہ کا کردار بھی بہت اہم تھا۔ ویسے بھی اس واردات پر مکمل راز داری سے کام کیا گیا تھا۔ سارے معاملات خاموشی سے نمٹا دیے گئے۔''

''یہ واقعہ کب رونما ہوا تھا؟'' میں نے جلال سے پوچھا۔ وہ سوال جلال کے لیے مبہم ثابت ہوا۔ وہ استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں سوبھراج کے حوالے سے پوچھ رہا ہوں۔ ان دنوں اس کی کیا پوزیشن تھی۔'' میں نے اپنے سوال کی وضاحت کی۔

''جب میں نے راج محل پر ریڈ کیا اور اس نے وہاں آگ لگائی تو فائل کو اس کے قبضے میں آئے ہوئے دو دن ہوئے تھے۔ اس وقت تک سکیورٹی افسر نے اپنی زبان نہیں کھولی تھی۔'' سوال سمجھ میں آجانے کے بعد اس نے بتایا۔

''یہ بھی عجیب اتفاق تھا۔ وقت مل گیا ہوتا تو سب سے پہلے اسے سرکاری رازوں کے تحفظ کے قانون کے تحت، فائل رکھنے کے جرم میں پکڑا جاسکتا تھا۔'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''بعد میں بات کھل جانے کے بعد میں یہ سوچ کر مطمئن تھا کہ راج محل میں لگنے والی ہولناک آگ کے شعلوں نے اس فائل کے اوراق کو راکھ میں بدل دیا ہوگا۔ فائل کی نقلیں ہمارے کام آئیں گی۔ اصل کا نام ونشان ہمیشہ کے لیے مٹ گیا ہوگا۔'' بات کرتے کرتے وہ اچانک چونکا پھر تیز لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوگیا ''اس وقت تمہیں گرین کوبرا فائل کیوں یاد آگئی؟''

''تمہاری اور ہماری سب خوش فہمیاں بے سود ہیں۔ وہ فائل جلی نہ برباد ہوئی۔ اس وقت سوبھراج کے قبضے میں ہے۔'' میں نے پژمردہ لہجے میں بتایا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا؟'' وہ انکشاف سن کر جلال اپنی جگہ سے بے ساختہ اچھل پڑا۔

''رات گئے میں نے اسے فون کیا تھا۔ وہ اس فائل کو ہمارے دشمنوں میں سے کسی کے ہاتھ بیچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔''

''اتنے دنوں سے وہ خاموش تھا۔ اب اسے اچانک وہ فائل کیسے یاد آگئی!'' جلال کا وہ سوال کافی جان دار تھا۔

اس کے جواب میں، میں نے اسے پوری کتھا سنادی۔

''وہ اتنے دنوں سے کسی خارش زدہ چوہے کی طرح دربدر مارا مارا پھر رہا ہے۔ اپنے اوپر برا وقت آتے ہی اسے گرین کوبرا فائل کیوں یاد نہیں آئی۔'' اس مرتبہ جلال نے ذرا مختلف الفاظ میں اپنا پہلا سوال دہراتے ہوئے کہا ''اتنے لمبے عرصے کے بعد اس نے یہ شوشا چھوڑا ہے۔ تم مانو یا نہ مانو، مجھے دال میں کچھ کالا نظر آرہا ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال تھا۔'' ویرا نے جلدی سے جواب دیا ''لیکن پھر... بات سمجھ میں آ گئی۔ پہلے وہ غصے میں اپنے آپے سے باہر ہو رہا تھا اور اسے کچھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے اپنے مقدر کے لکھے سے سمجھوتا کر لیا ہے تو اسے بہت کچھ نظر آنے لگا ہے۔''

''یہ ماننے والی بات نہیں ہے۔ مجرموں کی یادداشت بہت اچھی ہوتی ہے۔ پھنسنے سے پہلے وہ اپنی نکاس کے راستے پر نظر رکھتے ہیں۔'' جلال اپنی بات پر اڑا رہا۔

''سوبھراج کو اس اصول سے مستثنیٰ سمجھ لو۔'' میں نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا ''اس کا دماغ صحیح خطوط پر کام کر رہا ہوتا تو وہ صرف سنیل اور شیر دل پر انحصار نہ کرتا۔ اسی وقت قاسم وغیرہ کے آدمیوں کو میدان میں لے آتا۔''

''ہم گرین کو برا فائل سے ہاتھ دھو چکے ہیں اور اس کے انجام سے بے خبر ہیں اس لیے ہمیں اس کی بات پر اعتبار کرنا پڑے گا۔'' جلال قدرے توقف کے بعد فکرمندانہ انداز میں بولا ''اب اس کی گردن پر ہاتھ ڈالنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔''

''اس پر ہاتھ ڈالنا روز اول سے ضروری تھا۔'' ویرا جلال کے عہدے کی پروا کیے بغیر اس سے برابری اور بے باکی کے ساتھ بات کرنے کی عادی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی ''پتا نہیں ہم کیا کر رہے ہیں کہ وہ کئی بار سامنے آنے کے باوجود کسی چکنی مچھلی کی طرح ہمارے ہاتھوں سے پھسل کر انسانوں کے سمندر میں گم ہو جاتا ہے۔''

مدن لال کے مکان سے اس کے فرار ہونے میں میرے آدمیوں کی کسی کوتاہی کا دخل نہیں تھا۔'' جلال نے اپنی پوزیشن کا دفاع کرتے ہوئے کہا ''کون سوچ سکتا تھا کہ اپنے دور کا اتنا اہم آدمی مدن لال کے سرونٹ کوارٹر میں رہ رہا ہوگا۔''

''میں نے ڈاکٹر صادق کے گھر پر اسے تقریباً گھیر لیا تھا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''وہ ڈینی کو پکڑنے کے چکر میں خود میرے ساتھ چل پڑا تھا۔ راستے میں اس کے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ میری گاڑی سے اتر کر وہ تاریک ویرانے میں روپوش ہو گیا۔''

''میں کسی کو الزام نہیں دے رہی۔'' ویرا کی سنجیدگی میں سرِ مو فرق نہیں آیا ''دیکھا جائے تو اس نے سلطان شاہ کو دو مواقع پر زک دی ہے۔ اس نے سائیڈ مار کر سوبھراج کی کالی اکارڈ کو تباہ کر دیا تھا۔ پھر بھی وہ غائب ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قاسم کے گھر پر سلطان شاہ نے اسے پہچان لیا تھا تو اسے للکارنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ گھر میں داخل ہوتا تو اسے کسی خون خرابے کے بغیر آسانی سے پکڑا جا سکتا تھا۔''

یہ غنیمت تھا کہ ویرا کو قاسم کے گھر پر پیش آنے والے واقعے کے حقیقی خد و خال سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ سلطان شاہ کے ایک غلط فائر نے اس خبیث کو مکمل ترین تباہی کے دہانے سے زندہ لوٹ جانے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

''تم بھول رہی ہو'' جلال نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ ویرا سے کہا۔ ''سلطان شاہ کو تین چوٹیں ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر صادق کے گھر سے واپسی پر پیش آنے والے واقعے میں یہ بھی ڈینی کے ساتھ شامل تھا۔''

''اب میرا خون نہ سلگاؤ'' ویرا اچانک ہنس پڑی ''ہم سب ایک ہی ہیں، چوٹ کسی کو بھی ہوئی ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں یہ سوچ سوچ کر کڑھ رہی ہوں کہ کئی مواقع ملنے کے باوجود ہم اسے پکڑنے میں کیوں کامیاب نہیں ہو سکے۔''

''اب تم نے ڈھنگ کی بات کی ہے'' میں نے مسکرا کر کہا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ کچھ کہنے کے لیے سلطان شاہ کے ہونٹوں کے گوشے کپکپائے تھے لیکن پھر وہ بولنے سے پہلے خاموش ہو گیا۔ غزالہ اور وہ، دونوں جلال کی موجودگی کا لحاظ کرتے تھے۔ اس کے سامنے آپس میں بے تکلفانہ گفتگو سے بڑی حد تک اجتناب کرتے تھے۔

''تمہارا غم و غصہ میرے لیے قابلِ فہم ہے'' جلال نے سنجیدگی سے کہا ''میرا خیال ہے کہ اس کی رسّی دراز ہونے میں ہماری کسی کوتاہی سے زیادہ اس کے مقدر کا دخل ہے۔ قدرت اسے بے سروسامانی کے عالم میں بھگا بھگا کر ہلکان کر رہی ہے۔ اس کا وقت پورا ہوگا تو وہ کسی خوف زدہ چوہے کی طرح اچانک ہمارے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جائے گا۔''

''گڈ!'' ویرا نے سر ہلا کر زہرخند سے کہا ''تم مسلمانوں کی یہ ادا بھی خوب ہے کہ جہاں بے بس ہو جاتے ہو تو اپنے حصے کا بہت سا کام قدرت اور اپنے اللہ پر چھوڑ دیتے ہو۔ میں کہتی ہوں کہ اب اسے گھیرنے کے لیے منظم منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ ابھی اس نے گرین کو برا فائل کا ذکر کیا ہے۔ نہ جانے اس کے پٹارے میں اور کیا مواد ہوگا۔ اسے یوں ہی وقت ملتا رہا تو وہ ہمارے سروں پر ناچے گا اور ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔''

گرین کو برا فائل کی گمشدگی کا اعتراف کر کے جلال دباؤ میں آیا ہوا تھا۔ فائل کا غائب ہونا ایک بڑا واقعہ تھا۔ اس کی پوری ذمے داری اس محکمے کے سر جاتی تھی جہاں سے فائل غائب ہوئی تھی۔ آئی بی والے قصوروار نہیں تھے لیکن ہمارے درمیان اکلوتا سرکاری اہلکار ہونے کے ناتے سے وہ

خود شرمسار سا نظر آ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جذبات کی رو میں آ کر ویرا حد سے تجاوز کر رہی تھی۔ میں نے ذرا سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے اس سے کہا ”تم قنوطیت کا مظاہرہ کر رہی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ سوبھراج کسی آسیب کی طرح تمہارے سر پر سوار ہو گیا ہے۔ افرادی قوت اور وسائل ہی سب کچھ ہوتے تو اب تک تمہارے ہم وطن ایک ہزار مرتبہ تمہیں اور مجھے پکڑ چکے ہوتے۔ انہیں ہماری گرفتاری پر بڑے بڑے انعام مقرر کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔“

سو سنار کی، ایک لوہار کی۔ میرا وہ جواب ویرا کے لیے مسکت ثابت ہوا۔ وہ کھسیانے انداز میں سر ہلا کر رہ گئی۔ اس سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

”ہم لوگوں نے بھی سوبھراج کی کامیاب نشان دہی کرنے والے کے لیے دو لاکھ روپے کا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔ اب اس رقم میں اضافہ کرنا پڑے گا“ ویرا کی خفت کا اندازہ لگا کر جلال نے پرسکون انداز میں کہا ”اب وہ یہاں آ گیا ہے تو اسے دوبارہ باہر بھاگنے کا راستہ نہیں ملنا چاہیے۔“

”تازہ ترین پوزیشن تمہارے سامنے آ گئی ہے۔ اس کے بارے میں تم خود صحیح ترین فیصلے کر سکتے ہو۔ یہ بتاؤ کہ اب ٹام کا کیا، کیا جائے۔“

”الفا والے قصے کے بعد اب وہ تمہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ تمہیں اس کی فکر کیوں ہے؟“ جلال نے حیرت سے سوال کیا۔

”وہ ڈھیٹ اور بے شرم ہے!“ ویرا سنبھالا لے چکی تھی، دوبارہ گفتگو میں شامل ہو گئی ”رات کو اس نے ڈیزی کو فون کیا تھا۔“

”کیا کہہ رہا تھا وہ؟“ جلال نے متجسس انداز میں سوال کیا۔

”مجھے یعنی کرنل داور کو دھمکیاں دے رہا تھا کہ میں ایس ٹی ایف چھوڑ کر کہیں روپوش ہو جاؤں ورنہ وہ مجھ پر زمین تنگ کر دے گا“ میں نے کہا۔

وہ بات میں نے پہلے نہیں بتائی تھی۔ گفتگو کسی اور ڈھب پر چل رہی تھی اس لیے وہ بات دہرانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ میری زبان سے وہ الفاظ سن کر غزالہ کی نگاہوں میں عجیب سا ملال سمٹ آیا۔ شاید اسے شکوہ تھا کہ میں نے اسے بھی اپنے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔

”ویرا کو مجھ سے پھر شکایت ہو گی کہ ہم اپنے بہت سے کام اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں“ جلال نے مسکراتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا ”لیکن مجھے مکافاتِ عمل پر بہت پختہ یقین ہے۔ جو جیسا کرتا ہے، ویسا بھرتا ہے۔ تم دیکھ لو کہ ہم نے گیری ہارٹ کو اس کی ساری خباثتوں کے باوجود ہلاک نہیں کیا لیکن قدرت نے اسے ہمیشہ کے لیے خلیج کے گہرے پانیوں میں غرق کر دیا۔ تم موجودہ سرکاری پالیسی سے واقف ہو، ہم گندے خون کے چھینٹوں سے اپنا دامن بچا رہے ہیں۔ میں ایک ذمے دار سرکاری افسر ہوتے ہوئے تمہیں کوئی سخت مشورہ نہیں دے سکتا۔ میرے دوست ہونے کے ساتھ تم ایک آزاد اور خود مختار شہری ہو۔ اگر کوئی شخص تمہاری زندگی کے لیے کھلا خطرہ بن رہا ہے تو تم کو اس کی قومیت کا لحاظ کیے بغیر اپنے دفاع میں ہر کارروائی کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے۔“

جلال محتاط آدمی تھا۔ اس نے سوچ سمجھ کر الفاظ کا انتخاب کیا تھا۔ اس کے فقروں میں چھپا ہوا پیغام میرے لیے بہت امید افزا تھا۔ میں نے اس سے مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

ویرا نے پھر کچھ کہنا چاہا تھا لیکن میں نے آنکھ کے اشارے سے اسے خاموش کر دیا۔

جلال تازہ ترین کامیابی پر ذاتی مبارک باد دینے کے ارادے سے ہماری طرف آیا تھا لیکن وہاں اسے ٹام اور سوبھراج کے دہرے بوجھ کا سامنا کرنا پڑا۔ ٹام سے میری کھل کر ٹھن گئی تھی اور سوبھراج گرین کوبرا فائنل پر قابض ہونے کا دعوے دار تھا۔

اس نے ڈھکے چھپے لفظوں میں مجھے ٹام سے ٹکرا جانے کی چھوٹ دے دی تھی۔ اس معاملے میں وہ کھل کر میرا ساتھ نہیں دے سکتا تھا لیکن سوبھراج کے سلسلے میں سب کچھ اسی کو کرنا تھا۔ اس وقت اہم ترین کام، اس کے فرار کی راہوں کو مسدود کرنے سے متعلق تھا۔

جلال زیادہ دیر تک ہمارے پاس نہیں رکا۔ کام کی باتوں کا سلسلہ مکمل ہونے کے بعد اس نے عجلت میں چائے کی پیالی خالی کی اور واپسی کے لیے اٹھ گیا۔

”بعض اوقات تم حد سے تجاوز کرنے لگتی ہو“ جلال کے جانے کے بعد سلطان شاہ نے ملامت آمیز لہجے میں ویرا سے کہا ”جلال ایک شریف آدمی ہے۔ تم پنجے جھاڑ کر اس طرح اس کے پیچھے پڑ گئی تھیں جیسے سارے بگاڑ کا وہی ذمے دار ہو۔“

”تمہیں زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں“ ویرا نے اسے جھاڑ دیا ”وہ اتنا شریف نہیں ہے کہ کوئی غلط بات خاموشی سے برداشت کر لے، وہ سمجھ رہا تھا کہ میرے کیا جذبات ہیں۔ میں اسے لعن طعن نہیں کر رہی تھی، کھلے دل سے اور اپنائیت کے

ساتھ سوبھراج پر بات کر رہی تھی۔''
''سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے'' غزالہ نے ویرا سے کہا ''فائل کی گمشدگی کی وجہ سے اس کی پوزیشن خراب ہوگئی ہے۔ تم نے اس کے گال پر تھپکیاں دیتے دیتے ہلکے تھپڑ لگانے شروع کر دیے تھے۔ تمہیں نہ روکا جاتا تو تلخ کلامی کی نوبت آ سکتی تھی۔''
''اب اس قصے کو ختم کرو'' میں نے بیزاری سے کہا ''مجھے ٹام کے بارے میں سوچنے دو۔''
''ضرور سوچو مگر یہ یاد رکھنا کہ سوبھراج بھی کم اہم نہیں ہے'' ویرا بولی۔
''اصل اہمیت اسی کی ہے'' میں نے جواب دیا ''اس کو قابو میں کرنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔ ٹام کا معاملہ جلد نمٹ جائے گا۔ جلال کی طرف سے چھوٹ مل گئی ہے تو میں جلد از جلد اس سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''
''جہانگیر کی بازیابی کے بعد ہمارے گھر پر کسی حملے کا خطرہ شاید ٹل چکا ہے'' ویرا نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ''اگر تم اجازت دو تو اوپر سے ایک آدمی کو کچن میں واپس بلا لیا جائے۔ بے چاری غزالہ کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔''
''تم کس مرض کی دوا ہو؟'' میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔
''جو مل جائے، صبر شکر کر کے کھا لیتی ہوں، کسی سے شکوہ نہیں کرتی'' اس نے منہ بنا کر جواب دیا ''یہ طے ہے کہ مرد عورتوں سے اچھا کھانا بناتے ہیں۔''
''ڈھٹائی اور باتیں بنانے میں تم اپنا ثانی نہیں رکھتیں'' سلطان شاہ نے کڑوے لہجے میں کہا ''کام سے جان بچانے کا یہ اچھا نسخہ ہے کہ مرد باورچیوں کو آسمان پر چڑھا دو۔''
''تم کیوں کسی بھٹیارن کی طرح جل رہے ہو؟'' ویرا ہنستے ہوئے بولی ''میری تعریف غلط ہے تو مجھے یہ بتا دو کہ دعوتوں کا منوں کھانا کون پکاتا ہے...... بڑے ہوٹلوں کے شیف اور چیف کک کون ہوتے ہیں۔ گھروں میں کھانا پکانے کی ذمے داری بلاوجہ بے چاری عورتوں کے سر ڈال دی گئی ہے۔ کمانے اور پکانے کا کام مرد ہی بہتر انداز میں کر سکتے ہیں۔''
''اور عورتیں صرف کھانے اور بستر توڑنے کے لیے بنائی گئی ہیں؟'' سلطان شاہ نے جل کر کہا۔
''انہیں نزاکت، حسن اور کشش دے کر مردوں کی دل جوئی کے لیے بنایا گیا ہے'' ویرا نے فضا میں ہاتھ نچا کر چڑانے والے انداز میں جواب دیا ''انہیں دن بھر عیش و آرام کرنا چاہیے۔ شام کو بن سنور کر اپنے مردوں کو خوش کرنا چاہیے۔''
''اور جن کے اپنے مرد نہ ہوں وہ دوسرے مردوں پر ڈورے ڈالنے کی کوشش میں لگی رہیں'' سلطان شاہ نے براہِ راست ویرا پر طنز کیا۔
''تمہاری سوچ بہت گھٹیا ہے، تم ساری کنواریوں پر الزام تراشی کر رہے ہو۔''
''ساری دنیا کو بیچ میں نہ گھسیٹو۔ اس وقت میری اور تمہاری بات ہو رہی ہے۔ اس کو اسی حد میں رہنے دو۔ تمہیں عیش و آرام اور مردوں سے سروکار ہے۔ غزالہ بھی تم جیسی عورت ہے مگر وہ گھر کے سارے کام کرتی ہے۔ عورت کا اصل روپ اور حسن یہی ہوتا ہے۔''
''کیا یہ ممکن ہے کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک اپنے کمرے میں چلا جائے؟'' میں نے سنجیدہ ہو کر تیکھے لہجے میں ان دونوں سے سوال کیا۔
دونوں اپنی جگہ پر جمے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔
غزالہ کی ہنسی چھوٹ گئی ''آپ نے بہت زیادہ ڈھیل دے کر ان دونوں کو سر چڑھا لیا ہے'' وہ کہہ رہی تھی ''یہ دونوں کہیں نہیں جائیں گے۔ آپ کو زچ کر دیں گے۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ سکون سے اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں۔ وہاں آپ کو کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔''
ان دونوں پر سر کھپانے سے بہتر تھا کہ غزالہ کی تجویز پر عمل کر لیا جاتا۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف ہو لیا۔ وہ اپنی جگہ بیٹھے مجھے جاتا ہوا دیکھتے رہے۔ کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔
میں زیادہ دیر تک اپنے کمرے میں نہیں ٹک سکا۔ ڈور بیل بجنے کے چند ثانیوں بعد باہر سے اول خان کی آواز سنائی دی تو مجھے اپنا کمرا چھوڑنا پڑا۔ جلال کی طرح اول خان بھی خوش و خرم نظر آیا۔ پچھلی رات کو وہ ہمیں اتارنے کے بعد اپنے گھر کی طرف گیا تھا لیکن صبح سویرے پھر اسٹیشن فوراً پہنچا تھا۔
وہ قاسم کو آئی بی والوں کے حوالے کرنے سے پہلے مزید باتیں اگلوانے کا ارادہ رکھتا تھا۔
شیدے کا حشر دیکھ کر قاسم نے ہاتھ پیر چھوڑ دیے تھے۔ اس کے سینے میں بہت سے راز پنہاں تھے جنہیں وہ از خود نہیں اگل سکتا تھا۔ اس سے حاصل کی جانے والی معلومات کا انحصار اس بات پر تھا کہ اس سے کس نوعیت کے سوالات کیے جاتے

ہیں۔
اول خان کو اپنے دشمن کو تہس نہس کرنے میں خاص درک حاصل تھا۔ پیچ دار باتیں اس کے بس سے باہر تھیں۔ پھر بھی اس نے اپنی بساط بھر کوشش کر کے ایک نیا نام معلوم کر لیا۔
وہ ممبئی اور دہلی کی زیرزمین دنیا کا ایک معروف نام تھا۔ بھارت ایک بڑا ملک ہے، بڑی معیشت کی وجہ سے وہاں کی انڈرورلڈ بھی بہت وسیع ہے جہاں کئی بڑے ناموں کا راج ہے۔ ان میں سے داؤد کا نام پہلے ہی میرے سامنے آ چکا تھا اور میں نے دہلی میں دیکھ لیا تھا کہ اس کے ہرکاروں سے پولیس اہلکار کس طرح ڈرتے تھے۔
دوسرا نام جو قاسم نے بتایا، وہ چھوٹا راجن تھا۔ شاید اس قانون شکن سلطنت میں کوئی بڑا راجن بھی رہا ہو لیکن ان دنوں چھوٹا راجن ایک ہوّا بنا ہوا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس کے کئی ساتھی طاقت اور پیسے کے بل پر بھارتی پارلیمنٹ میں پہنچے ہوئے تھے۔ ان لوگوں پر قتل اور ڈکیتیوں جیسے سنگین جرائم میں معاونت اور سرپرستی کے الزامات تھے۔ پُراسرار وجوہ کی بنا پر عدالتیں ان کے خلاف فیصلے نہیں سنا سکی تھیں۔ مقدمات زیرِ سماعت تھے یا التوا میں پڑے ہوئے تھے۔ سزایافتہ نہ ہونے کی بنا پر وہ اسمبلیوں میں بیٹھنے کے حق دار بنے ہوئے تھے۔
چھوٹا راجن اپنی دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا۔ پس پردہ رہ کر ڈوریاں ہلاتا رہتا تھا۔ اس کے پالے ہوئے اراکین اسمبلی اس کو بھرپور حمایت فراہم کرتے تھے لیکن وہ اپنے وطن میں رہنا پسند نہیں کرتا تھا۔ بھارت آتا جاتا رہتا تھا لیکن اس کی آمد کی سنسنی خیز کہانیاں اس وقت منظرِ عام پر آتی تھیں جب وہ خاموشی سے واپس لوٹ چکا ہوتا تھا۔
چھوٹا راجن مستقل طور پر بنکاک میں رہتا تھا۔ قاسم نے بتایا کہ وہ اس خطے میں ہیروئن کا بہت بڑا خریدار تھا۔ اس کے سوبھراج سے دوستانہ مراسم تھے۔ قاسم فشریز کے ذریعے ہیروئن چھوٹے راجن کو بھیجی جاتی تھی۔ لین دین کے معاملات وہ براہِ راست سوبھراج سے طے کرتا تھا۔
قاسم سے وہ سب معلوم کرنے کے بعد اول خان نے اسے اور رشیدے کو آئی بی کے ان اہلکاروں کے حوالے کر دیا جو اس کے ایما پر سورج طلوع ہوتے ہی ایک بند وین لے کر اسٹیشن فور پہنچ چکے تھے۔ اسے امید تھی کہ آئی بی والے اس سے مزید جو باتیں معلوم کریں گے، وہ جلال کے ذریعے اس کے علم میں ضرور آ جائیں گی۔
اس کام سے نمٹ کر اس نے جہانگیر کی خیر خبر لی۔ وہ بے چارہ اپنی زندگی کے ایک کرب ناک تجربے سے گزرا تھا۔ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ ہلا ہوا تھا۔ بھوک اور پیاس کے عالم میں قاسم کی قید بھگتنے کے بعد اسے طویل آرام کی ضرورت تھی۔
وہ اسٹیشن فور کے آرام دہ اور ائرکنڈیشنڈ کمرے میں سلمٰی کے ساتھ بے خبر سویا ہوا تھا۔ اول خان دن چڑھنے تک اپنے دفتر میں مصروف رہا۔ اس دوران میں ان دونوں کی بیداری کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ وہ ان دونوں کی خبر گیری کے بارے میں اپنے آدمیوں کو مزید ہدایات دے کر ہماری طرف چلا آیا۔
اس کی پوری کہانی سننے کے بعد میں نے ٹام اور سوبھراج سے ہونے والی گفتگو کا ماجرا اس کے گوش گزار کر دیا۔
اس کے لیے وہ خبریں تشویش انگیز ثابت ہوئیں۔ گرین کوبرا فائل کو فراموش کیا جا سکتا تھا نہ ٹام کو نظرانداز کیا جا سکتا تھا۔
''یہ دائرہ پھیلتا ہوا نظر آ رہا ہے۔'' ہم دونوں کو یکسوئی سے باتیں کرنے کا وافر موقع دینے کے بعد ویرا نے اپنی زبان کھولی ''چھوٹا راجن کوئی نیا اور معمولی نام نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اپنی قید سے میرے فرار کے بعد سوبھراج بنکاک فرار ہوا تھا تو وہ چھوٹے راجن کے پاس گیا ہوگا۔''
''وہ اتنا جانا بوجھا مجرم ہے تو تھائی لینڈ میں آزادی سے کیسے دندناتا۔۔ پھر رہا ہے۔'' غزالہ نے اپنے بے ساختہ سوال سے گفتگو کا رخ راجن کی طرف پھیر دیا۔
''شاید بھارت اور تھائی حکومت کے درمیان تحویل مجرمان کا کوئی معاہدہ نہیں ہے۔'' ویرا نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''وہ بھارت کا مجرم ہے۔ تھائی قانون کے تحت وہ آزاد ہے۔''
''وہ وہاں بھی شرافت سے نہیں رہتا ہوگا۔ بدمعاش ہر جگہ اپنی بدمعاشی کے بل بوتے پر پنپتا ہے۔ ان جرائم پر اس کی گرفت کیوں نہیں ہوتی؟'' غزالہ نے اعتراض کیا۔
''چند مہینے پہلے میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ بنکاک کے مضافات میں غنڈوں کی لڑائی میں چھوٹے راجن کا ایک آدمی مارا گیا تھا۔'' سلطان شاہ نے غزالہ کے اعتراض کے لیے ایک اخباری سند فراہم کرتے ہوئے کہا۔
''اخباری اطلاعات کا قانونی پوزیشن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔'' ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ''بڑے مجرم اپنے وطن کی سرحدوں سے باہر بہت محتاط رہتے ہیں۔ اپنے جاں نثاروں کے جتھے ساتھ لے کر نکلتے ہیں اور بہت ہوشیاری سے اپنا دامن بچا کر کام کرتے ہیں۔ سیاحت تھائی لینڈ کی آمدنی کا

سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ باہر سے آنے والوں کے لیے وہاں کے قوانین بہت نرم اور لچک دار ہوں گے۔ چھوٹے راجن جیسے لوگ اس لچک اور نرمی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔''

''ٹام کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے تمہیں اپنی حفاظت کا بندوبست کرنا چاہیے۔'' اول خان نے گفتگو کو دوبارہ اصل موضوع پر لاتے ہوئے کہا ''یہ کینہ پرور لوگ ہیں۔ ٹام نے کچھ کہا ہے تو اسے دیوانے کی بڑ قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

''میں کہیں چھپنے یا فرار ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''میرا بھی یہ مطلب نہیں ہے لیکن اب تم کو بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔''

''جو ہوگا، دیکھ لیا جائے گا۔ میں کبھی بھی غافل نہیں رہتا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ یہ حقیقت تھی کہ ٹام کی دھمکیوں نے مجھے ذرا بھی خوف زدہ نہیں کیا تھا۔

''اسٹیشن فور کی حدود میں جنرل وقار کی اور تمہاری گاڑی کی تباہی کا قصہ زیادہ پرانا نہیں ہے۔'' اس نے مجھے یاد دلایا۔

''میں اس واقعے کو بھولا نہیں ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''ہم میں سے کوئی بھی وہاں ہوتا تو گاڑیوں کے ساتھ اس کے بھی چیتھڑے اڑ گئے ہوتے۔ مجھ میں اور جنرل میں بہت فرق ہے۔ وہ ایک معروف آدمی ہے۔ ان کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔ اس کی نقل و حرکت کے دوران انہوں نے کسی وقت اس کی گاڑی میں سینسر ڈیوائس چپکا دی اور پھر موقع پا کر مناسب فاصلے سے ایک گائیڈڈ بم یا راکٹ چلا دیا جو سیدھا ڈیوائس سے ٹکرا کر پھٹ گیا۔ یہ بچگانہ شعبدے ہیں۔ ان پڑھ افغان قبائلی بھی ان کے مظاہرے کرتے رہتے ہیں۔ میں ان کے لیے بالکل گمنام اور بے نشان ہوں۔ وہ کرنل داور کو کہاں تلاش کریں گے؟''

میرے اختتامی سوال پر اس کے چہرے کے تنے ہوئے عضلات ڈھیلے پڑ گئے ''کیا اسے ابھی تک شبہ نہیں ہوا کہ ڈینی اور کرنل داور ایک ہی ہیں۔''

''کم از کم مجھے یہی خوش گمانی ہے۔ اس نے واضح طور پر کہا تھا کہ ایک مجرم کو پکڑنے کے لیے وہ دوسرے کو پروان نہیں چڑھائیں گے۔''

''یہ سب سے اچھی خبر ہے۔'' اول خان کے چہرے پر بشاشت لوٹ آئی ''کرنل داور کو وہ قیامت تک نہیں ڈھونڈ سکیں گے۔''

''اور ڈینی پہلے ہی ان کے لیے چھلاوا بنا ہوا ہے۔'' ویرا نے لقمہ دیا۔

اول خان کے پاس فوری اہمیت کا کوئی کام نہیں تھا۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنے جیبی اپریٹس پر چند لوگوں سے رپورٹیں لیں جن کی نوعیت میرے لیے ناقابلِ فہم تھی۔ میں نے اس بارے میں اول خان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔

''اب جہانگیر کی بھی خبر لے لی جائے۔'' ان کاموں سے فارغ ہو کر اس نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر اپنے کوڈ میں اسٹیشن فور کے ریڈیو روم کو پکارنے لگا۔

رابطہ ہوتے ہی اول خان نے ''مہمانوں'' کے بارے میں دریافت کیا تو اسے بتایا گیا کہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد دونوں میاں بیوی کھلی فضا میں کرسیاں ڈالے، دھوپ سینک رہے تھے اور خاصے بشاش نظر آ رہے تھے۔

''وہ میرے خاص مہمان ہیں۔'' اول خان نے وہ تفصیل سن کر کہا ''ہر طرح ان کے آرام کا خیال رکھا جائے۔ میں ذرا دیر سے دفتر آؤں گا...... اوور!''

''سر! بات تو کوئی خاص نہیں ہے لیکن میں آپ کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں...... اوور!'' اپریٹس پر ابھرنے والی آواز میں ہچکچاہٹ کا عنصر نمایاں تھا۔

''جو کہنا چاہتے ہو، کہہ ڈالو۔ میں سن رہا ہوں۔ اوور۔''

''سر! پچھلے دس منٹ سے ایک ہیلی کاپٹر اس علاقے میں منڈلا رہا ہے۔ ابھی ابھی وہ ایک چکر کاٹ کر تیسری مرتبہ اسٹیشن فور پر آیا ہے۔ اس کی پرواز بہت نیچی ہے۔ ہمارا ایریا اس کا خاص ہدف معلوم ہو رہا ہے۔ اوور!''

''کیا یہ آرمی یا ائر فورس کا ہیلی کاپٹر ہے؟ اوور!'' اول خان نے پوچھا۔

''نو سر!'' اس کا جواب میرے لیے غیر متوقع ثابت ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا ''اس پر اقوام متحدہ کا نمایاں نشان نظر آ رہا ہے۔ اوور!''

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ اقوام متحدہ کے کسی ادارے کو اسپیشل ٹاسک فورس کے ٹھکانے سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔

''وہ اب کہاں ہے......؟ مجھے دال میں کالا نظر آ رہا ہے۔ اوور!''

''وہ اسٹیشن فور پر ایک دائرے کی صورت میں پرواز کر رہا ہے۔ ابھی میری بیرک کے اوپر سے گزرا ہے۔ شاید آپ نے اس کے انجن اور پنکھوں کا شور سنا ہو۔ اوور!''

''تم خطرے کی بو پانے کی سپاہیانہ صفت رکھتے ہو!'' اول خان نے بجا طور پر اپنے ریڈیو آپریٹر کی تعریف کرتے ہوئے کہا ''اقوام متحدہ کا ہیلی کاپٹر اس فوجی علاقے میں کیا

تلاش کر رہا ہے۔ میں ابھی اس کی چھان بین کرتا ہوں۔ تم ڈی او سے کہہ کر دونوں مہمانوں کو بلا تاخیر کھلے میدان سے ہٹا کر ان کے کمرے میں پہنچا دو۔ ہیلی کاپٹر کی پرواز مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ میری طرف سے آرڈر جاری کرا دو کہ ساری نفری خودکار رائفلیں لے کر میدان میں نکل آئے اور ہیلی کاپٹر کی طرف دیکھنا شروع کر دے۔ کسی کو فائر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے وہ خوف زدہ ہو کر اس علاقے سے دور نکل جائیں۔ اوور اینڈ آل۔''

اول خان نے اپریٹس بند کر دیا اور خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا ''اقوام متحدہ والے اس فوجی علاقے میں کیا کر سکتے ہیں۔ یہ پرواز تشویش ناک ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہ بھٹک کر ادھر نکل آئے ہوں۔'' سلطان شاہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''تم نے سنا نہیں کہ وہ ذرا سی دیر میں تیسری مرتبہ اسٹیشن فور پر آیا تھا اور ایک دائرے میں چکر کاٹ رہا تھا۔'' اول خان نے تیزی سے کہا ''مجھے سول ایوی ایشن والوں سے معلوم کرنا ہوگا کہ وہ ہیلی کاپٹر کس مشن پر ہے۔''

ویرا نے اپنی شہادت کی انگلی سے پُرزور انداز میں میری طرف اشارہ کیا لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ اشارے کا مقصد یہی رہا ہوگا کہ وہ سب میری وجہ سے ہو رہا تھا مگر اس کا صحیح مقصد میرے پلے نہیں پڑ سکا۔

سول ایوی ایشن کے مقامی دفتر کے نمبر ٹیلی فون ڈائریکٹری میں آسانی سے مل گئے۔ اول خان براہِ راست ان کے افسر اعلیٰ سے رابطہ کرنا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اسے مشورہ دیا کہ اعلیٰ ترین سطح سے فوری طور پر کام کی کوئی بات معلوم نہیں کر سکے گا۔ اسے سول ایوی ایشن اتھارٹی کے متعلقہ شعبے سے رجوع کرنا چاہیے جو اسے شہر کی فضا میں موجود ہوائی ٹریفک کے بارے میں تازہ ترین معلومات فراہم کر سکے۔

مختلف سرکاری محکموں کی ہیت کے بارے میں اول خان کی معلومات قابلِ رشک تھیں۔ اس نے فوری طور پر ان کے ائر ٹریفک کنٹرولر کا نمبر ملا لیا۔

بات اسپیکر فون پر کی جاتی تھی۔ ہم نے سنا کہ دوسری طرف سے بولنے والے تند خو افسر کے لیے اول خان کا نام بے اثر ثابت ہوا تھا۔ اول خان نے ایس ٹی ایف کے حوالے سے اپنا تعارف کراتے ہوئے کوئی کوڈ دہرایا تو اس کی مشکل آسان ہوگئی۔

بولنے والے افسر کا لہجہ نرم ہوگیا مگر وہ تفصیل بتانے میں متذبذب تھا۔ اول خان نے اسے بتایا کہ ملیر چھاؤنی کے حساس فوجی علاقے پر ایک مشتبہ ہیلی کاپٹر نیچی پرواز کر رہا تھا۔ وہ شہر کے بین الاقوامی ائرپورٹ کی لینڈنگ اور ٹیک آف حدود میں موجود تھا جس کے نتیجے میں شہر میں کوئی ہولناک تباہ کن حادثہ پیش آ سکتا تھا۔

وہ وضاحت کارگر ثابت ہوئی۔ پتا چلا کہ اس وقت فضا میں اقوام متحدہ کے ترقیاتی فنڈ کا اکلوتا ہیلی کاپٹر محو پرواز تھا جو کل تین رکنی ٹیم کے ساتھ شہر کے مضافاتی علاقوں کی غریب بستیوں کا فضائی سروے کرنے کے مشن پر تھا۔

ائر ٹریفک کنٹرول کے افسر کے لیے وہ اطلاع پریشان کن تھی۔ اس نے اول خان سے وعدہ کیا کہ کنٹرول ٹاور سے لاسلکی ریڈیائی رابطے پر اس ہیلی کاپٹر کو مخدوش اور حساس علاقے سے فوری طور پر دور نکل جانے کا حکم دیا جائے گا۔ کسی بھی اَن شیڈولڈ ہیلی کاپٹر یا طیارے کو بین الاقوامی ائرپورٹ کے گرد، مخصوص حدود میں پرواز کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ نیچی پرواز اس علاقے میں سختی سے ممنوع تھی۔

اول خان نے ہیلی کاپٹر کی شناخت ظاہر کیے بغیر اسے مشتبہ قرار دیا تھا۔ ائر ٹریفک کنٹرول والوں نے تصدیق کر دی کہ وہ اقوام متحدہ کے ایک ذیلی ادارے کا ہیلی کاپٹر ہی تھا۔ اسٹیشن فور کے ریڈیو آپریٹر نے اسے پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔

اول خان نے ہیلی کاپٹر میں سوار تینوں افراد کے بارے میں جاننا چاہا لیکن اسے اپنے سوال کا جواب نہیں مل سکا۔ وہ لوگ ہر پرواز کے عملے اور مسافروں کی تعداد کا ریکارڈ رکھتے تھے۔ محو پرواز ہیلی کاپٹر کے مسافروں کے کوائف حاصل کرنا اس وقت تک ان کے دائرہ کار میں شامل نہیں تھا۔

اول خان کے اصرار پر بات کرنے والے افسر نے اقوام متحدہ کے ترقیاتی فنڈ کے مقامی دفتر کا فون نمبر دے دیا جہاں سے مسافروں کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا تھا۔

''یہ کوئی نیا چکر چل پڑا ہے۔'' اول خان نے فون بند کرتے ہی ہیجانی انداز میں کہا ''سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے جہانگیر اور سلمٰی کو کھلے میدان سے ہٹوانے کی ہدایت دے دی۔'' ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''مجھے یقین تھا کہ دھمکیاں دینے کے بعد ٹام نچلا نہیں بیٹھے گا۔ شاید اس نے کرنل داور کی تلاش شروع کر دی ہے۔''

ویرا کی بات سن کر میں بھی سناٹے میں آ گیا۔ ٹام کی ناقص معلومات کے مطابق کرنل داور ایس ٹی ایف کا افسر تھا۔ اسٹیشن فور پر نیچی پرواز بلکہ اونچی پرواز کر کے حساس کیمروں کی

مدد سے ان حدود میں نقل وحرکت کرنے والے کسی بھی شخص کی واضح تصاویر لی جاسکتی تھیں اور دوربینوں کی مدد سے تنکوں تک کا جائزہ لیا جاسکتا تھا۔

''مگر وہ اقوام متحدہ کے نشان والا ہیلی کاپٹر ہے۔'' اول خان نے کمزور آواز میں اعتراض کیا۔

''اقوام متحدہ ان لوگوں کی لونڈی ہے۔'' ویرا بولی ''اپنے مقاصد کے لیے انہوں نے کراچی میں ایسے لوگوں کو مامور کرایا ہوگا جو ضرورت پڑنے پر ان کے اشاروں پر ناچ سکیں۔ میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ اس ہیلی کاپٹر کے تین سواروں میں ٹام ضرور ہوگا۔''

''اگر ٹام بھی فضا میں ہے تو وہ دوربینوں اور کیمروں کے استعمال پر اکتفا نہیں کرے گا۔'' میں نے کہا ''میری نشان دہی ہوتے ہی وہ فضا سے قاتلانہ حملے کی پوری تیاری کر کے آیا ہوگا۔''

''میں یہی کہہ رہی تھی۔'' ویرا مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے بولی ''انتقام کے معاملے میں امریکی بہت سفاک اور کینہ پرور ہوتے ہیں۔ بدلہ لینے کا پہلا موقع ملتے ہی وار کر گزرتے ہیں۔''

اول خان نے تیزی سے اپریٹس پر اپنے کسی آدمی سے رابطہ کیا اور اسے جلدی جلدی ہدایات دیں کہ کراچی میں اس ہیلی پیڈ یا عمارت کا سراغ لگائے جہاں اقوام متحدہ کے ترقیاتی فنڈ کے ہیلی کاپٹر رکھے جاتے ہیں اور یہ معلوم کرے کہ وہاں سے اڑنے والے ہیلی کاپٹر کے تین مسافروں میں کون کون شامل تھا۔

''اگر انہوں نے اقوام متحدہ کے ملازمین کو بھی اپنا آلہ کار بنالیا ہے تو یہ بات بہت افسوس ناک ہے۔'' اول خان نے اپنے آدمی کو پوری بات سمجھانے کے بعد متاسفانہ لہجے میں کہا ''یہ دیدہ دلیری کی انتہا ہے کہ وہ قانون اور اخلاقیات کے ہر ضابطے کو پامال کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔''

''یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔'' ویرا نے استہزائی انداز میں کہا ''ٹام اس وقت خود کو کرنل داور کے خلاف میدانِ جنگ میں تصور کر رہا ہے۔ الفا کے عبرت ناک انجام نے اسے مایوسی کے عالم میں انتہا کی طرف دھکیل دیا ہے۔''

''اب سو بھراج سے پہلے آپ کو ٹام کے فتنے پر توجہ دینی ہوگی۔'' غزالہ نے تفکر آمیز لہجے میں زبان کھولی۔

''وہ ہیلی کاپٹر میں کرنل داور کے شکار پر نکلا ہوا ہے۔'' ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ''اسٹیشن فور میں اسے تمہاری ایک جھلک بھی نظر آجاتی تو وہ بے دریغ گولی چلا دیتا۔ آن واحد میں کرنل داور کا قصہ ختم ہو جاتا۔ ٹام اسے اتفاقی فائر قرار دے کر معذرت کر لیتا۔ اس کے ہم سفر بھی اس کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہو جاتے۔''

''غزالہ کو اس منظر کشی سے زیادہ خوف زدہ مت کرو۔'' میں نے مسکرا کر ویرا سے کہا پھر غزالہ کی طرف متوجہ ہو گیا ''بات صرف اتنی سی ہے کہ وہاں ایک ہیلی کاپٹر اڑتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ اس میں کون کون پرواز کر رہا ہے، ان کے کیا عزائم ہیں...... یہ سب ہماری خیال آفرینی ہے۔ جب تک کوئی ٹھوس ثبوت سامنے نہیں آجاتا، فکر مند ہونا بیکار ہے۔ وہ بھٹکا ہوا ہیلی کاپٹر بھی ہوسکتا ہے۔''

''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ دیکھ لینا کہ میری یہی خیال آفرینی حقیقت ثابت ہوگی۔'' ویرا نے چیلنج کرنے والے انداز میں جواب دیا ''تم مجھے بار بار یہ بات جتانے پر مجبور کر دیتے ہو کہ میں اپنے ہم وطنوں کو تم سب سے زیادہ جانتی ہوں۔''

''کم از کم ایک بات تو میں اسی وقت چیک کرسکتا ہوں۔'' میں نے اپنی جیب سے موبائل فون نکالتے ہوئے کہا ''اگر وہ اس وقت اپنے دفتر میں موجود ہے تو تمہاری کہانی یہیں دم توڑ دے گی۔ وہ ایک وقت میں دو مختلف مقامات پر نہیں ہوسکتا۔''

وہ بات کسی کے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔ ویرا چپ رہی اور میں نے ٹام کے دفتر کا ڈائریکٹ نمبر ملالیا۔

دوسری گھنٹی پر ایک پرکشش نسوانی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ میں نے ٹام سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے بتایا کہ وہ دفتر میں موجود نہیں تھا۔ وہ عورت یا لڑکی اس کی واپسی کے وقت کا تعین کرنے سے بھی قاصر تھی۔

''جب وہ اپنی پرواز سے واپس آئے تو اسے بتا دینا کہ کرنل داور نے اسے یاد کیا تھا۔'' میں نے وہ چبھتا ہوا پیغام دیا تو میری مخاطب چونک گئی۔

''تم کس پرواز کا حوالہ دے رہے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ تمہارے سمجھنے کی بات نہیں ہے۔ ٹام کو میرا پیغام من وعن سنا دینا۔'' یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

''ویری گڈ!'' ویرا خوش ہو کر بولی ''یہ میرے شبہات کی تصدیق کا پہلا مرحلہ تھا جو خوش اسلوبی سے طے ہو گیا۔''

اسی دوران میں اسٹیشن فور سے اپریٹس پر ریڈیو آپریٹر کی کال آگئی۔ اس نے جوشیلی آواز میں خبر دی کہ اول خان کی بتائی ہوئی تدبیر کارگر رہی تھی۔ جونہی ایس ٹی ایف کے مسلح اہلکار آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائے اپنی بیرکوں سے میدان

میں آئے، فضا میں منڈلانے والا ہیلی کاپٹر بہت تیزی سے مغرب کی طرف پرواز کرتا ہوا معدوم ہو گیا۔

''یہ دوسری تصدیق ہے۔'' ویرا نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا ''بھٹکا ہوا ہیلی کاپٹر کبھی دائرے میں پرواز نہیں کرتا اور نہ ڈر کر یوں فرار ہوتا ہے۔''

''دل بہلانے کی بات اور ہے۔ مجھے تمہارے نظریے سے پورا اتفاق ہے۔'' غزالہ ہولے سے بولی ''ایک خطرہ سامنے آ گیا ہے تو ہمیں خود فریبی میں مبتلا رہ کر وقت ضائع کرنے کے بجائے دلیری سے اس کا مقابلہ کرنے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''وہی کیا جائے گا۔'' اول خان نے اسے یقین دلایا ''مگر اپنے وقت پر۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم سب اسی وقت تلواریں سونت کر ٹام کی طرف مارچ شروع کر دیں۔''

اول خان کا جواب بالکل درست لیکن ذرا سخت تھا۔ غزالہ کچھ دیر تک چپ چاپ بیٹھی رہی پھر خاموشی سے ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ وہ اتنے ڈھیلے تیوروں کے ساتھ گئی تھی کہ کسی کو اس کی خفگی کا اندازہ نہیں ہوسکا۔ میں نے بھانپ لیا کہ اول خان کا کڑک اور دوٹوک جواب اسے پسند نہیں آیا تھا۔

اول خان فرصت کے ایک دو گھنٹے ہمارے ساتھ گزارنے کے ارادے سے آیا تھا۔ پہلے ٹام اور سوبھراج کے ذکر نے اسے فکرمند کیا پھر ہیلی کاپٹر کی مشتبہ پرواز کا چکر چل نکلا۔ وہ وہیں جم کر رہ گیا۔

تین بجے میرے موبائل فون پر ٹام کی کال آ گئی۔ میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا تھا لیکن میں اپنے ذو معنی پیغام کے نتیجے میں اس کال کی توقع کر رہا تھا۔

''تم نے مجھے کیوں فون کیا تھا؟'' میری آواز سنتے ہی ٹام نے کٹکھنے کتے جیسی آواز میں سوال کیا۔

''آج تم واقعی اونچی اڑان لے رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ کچھ دیر کے لیے تمہیں زمین پر لے آؤں۔'' اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے میں نے اپنی جگہ سے اضطراری انداز میں اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا تھا۔

میرے جواب سے ان چاروں نے کال کرنے والے کا اندازہ لگا لیا تھا اور اپنے سانس روک کر ہمہ تن میری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

''چبا چبا کر کیوں بول رہے ہو۔ کھل کر کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''تمہاری آج کی پرواز کیسی رہی؟'' میں نے بہت تیزی سے سوچا۔ اس سے بات بگڑ چکی تھی۔ مزید بگاڑ کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے براہِ راست سوال کر ڈالا۔

''کس پرواز کی بات کر رہے ہو؟'' وہ دہاڑا۔

''تم اپنی دوربین سے مجھے اسٹیشن فور میں تلاش نہیں کر سکے مگر میں نے اپنی دوربین سے تمہیں یو این او کے ہیلی کاپٹر میں بیٹھا ہوا دیکھ لیا تھا۔ اگر تم کچھ دیر کے لیے وہیں فضا میں رہنے کی ہمت کر لیتے تو میری رائفل تمہیں نیچے لے آتی۔''

میرے دو نپے تلے فقرے جھوٹ اور سچ کا مرکب تھے مگر نشانے پر بیٹھے اور وہ بھڑک اٹھا ''کرنل! مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو۔ ہم بیس بال نہیں کھیل رہے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ روپوشی اختیار کر لو ورنہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں مارنے کے لیے پورے اسٹیشن فور کو تباہ کرنا پڑا تو میں اس سے بھی گریز نہیں کروں گا۔''

''معلوم ہوتا کہ مجھے ایس ٹی ایف چھوڑنے کا مشورہ دیتے دیتے تم نے سی آئی اے کی نوکری ترک کر کے یو این او کی ملازمت اختیار کر لی ہے۔''

''تم نے دیکھ لیا ہے کہ میرے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔ تم نے ڈینی کے نام پر بھی بہت گمراہ کیا ہے۔ میں تم سے یہ حساب ضرور بے باق کروں گا۔ روپوش ہو کر بھی تم میری دسترس سے دور نہیں جاسکو گے۔ اب عبرت ناک موت تمہارا مقدر بنے گی۔''

''ایسی باتیں نہ کرو کہ مجھے اپنے انجام پر خود رونا آ جائے۔ میں نے ان دونوں کو بھی دیکھ لیا ہے جو ہیلی کاپٹر میں تمہارے ہم سفر تھے۔'' میں نے ترش آواز میں کہا ''اب تمہارے ساتھ وہ دونوں بھی جہنم کا سفر کریں گے۔''

''ڈینی سے زیادہ دہشت گرد تم ہو...... سارے پاکستانی دہشت گرد ہو۔ ان دونوں کا بال بھی بیکا ہوا تو یہاں یو این کے سارے امدادی دفاتر بند ہو جائیں گے۔ چار دنوں میں تمہارا خزانہ خالی ہو جائے گا اور یہاں دھول اڑنے لگے گی۔''

مجھے طمانیت کا ہلکا سا احساس ہوا۔ ان دونوں کا دفاع کر کے اس نے وہ سب مان لیا تھا جو لاوا بن کر ویرا کے ذہن میں کھول رہا تھا۔

''تم مارے گئے تو شاید آسمان ٹوٹ کر گر جائے گا، پہاڑ دھنس جائیں گے اور سمندر ابل پڑیں گے؟'' میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

''تم زندہ ہاتھ آ گئے تو یقین کرو کہ میں نال تمہارے منہ میں ٹھونس کر گولی چلاؤں گا۔'' اس نے اپنی پرانی بات دہراتے ہوئے کہا ''تم بہت بڑی بڑی باتیں کرتے ہو۔''

''مجبوری ہے۔ ایک بڑے آدمی سے چھوٹی باتیں نہیں کی جاسکتیں۔ تمہیں شکرگزار ہونا چاہیے کہ میں تمہارے رتبے کا لحاظ کرتا ہوں۔''

''ان باتوں سے تم اپنے برے وقت کو قریب سے قریب ترلا رہے ہو۔'' رفتہ رفتہ اس کا پارا مزید چڑھتا جارہا تھا اور لہجہ زہریلا ہورہا تھا ''تمہیں زیادہ مہلت نہیں دی جاسکتی۔ اگلے دو دنوں میں یہ زمین تمہارے ناپاک وجود سے آزاد ہوجائے گی۔''

''میرے لیے یہ گیدڑ بھبکیاں بے سود ہیں۔ اپنے دعوؤں کے باوجود تم آج تک ڈینی کو پکڑ سکے ہو نہ مجھ تک پہنچ سکتے ہو۔ مرد اور اپنی آن کے سچے ہوتے تو آج سے ایک مدت پہلے ڈینی کو مار چکے ہوتے۔ اب میں تمہارے دل کا دوسرا ناسور بن جاؤں گا۔''

''دو دن یا اڑتالیس گھنٹے...... یہ یاد رکھنا۔'' اس کی قہربار آواز ابھری ''ڈینی صرف ایک نام ہے اس لیے وہ آج تک بچا ہوا ہے۔ تم کو یہ تحفظ حاصل نہیں ہے۔ تم میری نظروں میں ہو۔ دیکھتا ہوں کہ کیسے بچتے ہو!''

وہ اس کی کال تھی۔ اسی نے سلسلہ منقطع کردیا۔

''وہ واقعی غصے میں پاگل ہوا جارہا ہے۔'' میں نے انہیں بتایا ''اب اس نے اگلے اڑتالیس گھنٹوں میں مجھے مارنے کا دعویٰ کیا ہے۔''

''ڈینی کی کیا بات ہورہی تھی؟'' ویرا نے بے ساختہ پوچھا۔

''وہ تذکرہ میں نے اسے آزمانے کے لیے جان بوجھ کر چھیڑا تھا۔ معاملہ صاف ہے۔ وہ پوری سنجیدگی سے ان دونوں کو الگ الگ آدمی سمجھ رہا ہے۔''

''اب تم کیا سوچ رہے ہو؟'' اول خان نے پوری تفصیل سننے کے بعد پوچھا۔

''ایک انوکھی بات ذہن میں آرہی ہے۔'' میں نے بے خوفی سے مسکراتے ہوئے کہا ''کسی طرح کرنل داور کی خودکشی کی خبر اخباروں میں آجائے تو ٹام کا سارا جوش وخروش ٹھنڈا ہوجائے گا اور میں اطمینان سے اسے گھیر سکوں گا۔''

''تجویز شان دار ہے۔'' ویرا بول اٹھی ''ویسے بھی اب کرنل داور کا کردار بیکار ہوگیا ہے۔ اس سے خوامخواہ الجھاوے پیدا ہوتے رہیں گے۔''

''یہ اچھا ہوا کہ ٹام سے ہی ہر بات کی تصدیق ہوگئی۔'' میں نے اول خان سے کہا ''ہیلی کاپٹر کے مسافروں کے بارے میں ابھی تک تمہارے آدمی سے کوئی خبر نہیں ملی۔''

میرے توجہ دلانے پر اول خان نے اسی وقت اپنے ماتحت سے آپریٹس پر رابطہ کیا۔ وہ اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود صرف یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوسکا تھا کہ ہیلی کاپٹر مشن پر تین افراد گئے تھے۔ ان کے نام سختی سے صیغہ راز میں رکھے گئے تھے۔

شام ڈھلے جلال کی طرف سے آنے والی خبر نے ہر شبہ زائل کردیا۔

اس نے الفا کا سراغ لگانے کے لیے اپنے دو آدمیوں کو ٹام کی نگرانی پر مامور کیا تھا۔ الفا کا قصہ نمٹ جانے کے بعد بھی نگرانی جاری تھی۔ جلال کے لیے یہ خبر حیران کن ثابت ہوئی تھی کہ ٹام نے اس روز تقریباً تین گھنٹے اقوام متحدہ کے ترقیاتی فنڈ کے دفتر میں گزارے تھے۔ اس کے اندر جانے کے تقریباً پندرہ منٹ بعد اس عمارت کی چھت سے ایک ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوا جو ڈیڑھ گھنٹے بعد اسی مقام پر واپس اترا تھا۔ اس ہیلی کاپٹر کی واپسی کے تقریباً ایک گھنٹے بعد ٹام وہاں سے واپس لوٹا تھا اور سیدھا اپنے دفتر چلا گیا۔

وہ دو اور دو، چار والی سیدھی سی بات تھی۔ پرواز سے واپس آنے کے بعد کیمروں وغیرہ کے ریکارڈ حاصل کرنے کے لیے ٹام کو ایک گھنٹے تک وہاں رکنا پڑا۔ ساری تفصیلات کے حصول کے بعد وہ اپنے دفتر لوٹ گیا۔

سرکاری طور پر وہ سہ نفری ٹیم ایک سروے کے لیے گئی تھی۔ اسٹیشن فورکا فضائی سروے کرکے آدھے گھنٹے میں لوٹ آنے سے اس مشن کی حیثیت مشکوک ہوسکتی تھی۔ ٹام اپنا اصل کام ذرا سی دیر میں پورا کرلینے کے باوجود کراچی کی فضاؤں میں موجود رہا اور ڈیڑھ گھنٹے کا معقول وقت گزارنے کے بعد وہ تینوں واپس آگئے۔

''تمہارے آدمیوں نے بہت کارآمد معلومات حاصل کی ہیں۔'' میں نے وہ باتیں سننے کے بعد کہا ''میرا خیال ہے کہ اب وقت آگیا ہے۔ مجھے خودکشی کرلینی چاہیے۔''

میرے اس ارادے پر جلال کا بھونچکا رہ جانا ایک فطری امر تھا۔ وہ بھول کر بھی مجھ سے خودکشی جیسی گھٹیا حرکت کا تصور نہیں کرسکتا تھا۔ جب میں نے اسے تفصیل بتائی تو وہ خوش ہوگیا۔

''تم نے بہت موزوں ترکیب سوچی ہے۔ اس طرح فوری طور پر کم ازکم ایک سرگرم محاذ بند ہوجائے گا۔'' اس نے میری تائید کی ''لیکن ایک بات بتادوں۔ یہ لوگ بال کی کھال نکالتے ہیں۔ اپنے مجرموں کی ہلاکت کا پکا یقین کرنے کے لیے ان کی ناقابلِ شناخت لاشوں کے ڈی این اے ٹیسٹ تک

کرانے سے گریز نہیں کرتے۔ صرف اخباری خبر سے کام نہیں چلے گا۔''

''کیا تم چاہتے ہو کہ میں واقعی خودکشی کرلوں؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''اول خان سارا بندوبست کرلے گا۔ اسے بھی کرنل داور کی طرف سے بار بار وضاحتیں کرنے سے چھٹکارا مل جائے گا۔ سرکاری مردہ خانے سے کوئی تازہ لاش لے کر اسے کرنل داور کے نام سے باضابطہ طور پر دفن کرنا بہتر رہے گا۔ وہاں روز لاوارث لاشیں آتی رہتی ہیں۔ قبرستان کے رجسٹر میں بھی اس کا اندراج ہونا ضروری ہے۔'' وہ بتانے لگا ''وہ لوگ چھان بین کریں تو کسی مقام پر انہیں شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ انہیں دھوکا دینے کے لیے کوئی ڈراما رچایا گیا ہے۔''

''کل یہ کام اسی طرح کرلیا جائے گا۔'' میں نے اسے یقین دلایا ''پرسوں کے اخباروں میں چھوٹی سی خبر آجائے گی۔ اس دوران میں اپنے آدمیوں کو دوڑاتے رہو۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی موقع مل جائے اور اس ڈرامے کی نوبت ہی نہ آئے۔''

''یہ ڈراما بہت ضروری ہوگیا ہے۔ میری نظریں بہت دور تک دیکھ رہی ہیں۔ تمہارا اور ٹام کا حساب برابر ہوجانے کے بعد بھی اس کی ضرورت رہے گی۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ''مشترکہ اجلاسوں میں تمہاری کارکردگی کی بنا پر تمہارا نام اوپر تک پہنچ چکا ہے۔ ان سے مراسم خراب ہونے کے بعد کرنل داور والا باب اب ہمیشہ کے لیے بند ہوجانا چاہیے۔''

''یہ سوچ لو کہ خودکشی کرنے کے بعد میں اپنی اصل شکل و صورت میں کبھی ان کے سامنے نہیں آسکوں گا۔'' میں نے اس پر ایک منفی پہلو واضح کیا۔

''شاید اس کی ضرورت پیش نہ آئے۔'' وہ اپنی تجویز پر قائم رہا۔ جو دراصل میں نے ہی پیش کی تھی لیکن جلال نے اسے ایک نیا روپ دے دیا تھا۔

''سوبھراج کے بارے میں کیا ہورہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''فی الحال اسے بھول جاؤ۔ اپنا ذہن ایک طرف مرکوز رکھو۔ میں نے کوشش کی ہے کہ پولیس اور رینجرز کی مدد سے کچھ راستے بھی بلاک کردیئے جائیں لیکن تم جانتے ہو۔ میلوں لمبے ناہموار اور دشوار گزار راستوں کو سیل کرنا کتنا مشکل ہے۔''

اس سے بات ختم ہونے کو تھی کہ مجھے چھوٹا راجن یاد آگیا۔ جلال کے لیے وہ نیا نام نہیں تھا۔ وہ اسے ایک سیاسی بدمعاش کی حیثیت سے اچھی طرح جانتا تھا۔ قاسم اس کی تحویل میں تھا۔ اسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اس کے پاس جانے سے پہلے وہ اول خان کو کیا کچھ بتا چکا تھا۔

سوبھراج ایک بدمعاش سیاست داں تھا۔ جبکہ چھوٹا راجن سیاسی بدمعاش تھا۔ ذرا سے فرق کے ساتھ سیاست اور بدمعاشی دونوں کے خون میں رچی بسی ہوئی تھی۔ ان دونوں کے گٹھ جوڑ کی اطلاع جلال کے لیے بہت زیادہ دلچسپی کا باعث بنی تھی۔

بنکاک میں جہاں پاکستان سے جانے والے سیاحوں کی بہتات ہوتی ہے وہیں قانونی اور غیر قانونی طور پر طویل عرصے سے مقیم پاکستانیوں کی تعداد بھی قابل ذکر ہے۔ جلال نے بتایا کہ اس شہر کی مقامی آبادی میں پاکستانیوں کی تعداد کے پیش نظر وہاں ان دنوں آئی بی کا ایک نفری بیورو قائم تھا جو عارضی طور پر رکھے گئے مقامیوں کی مدد سے پاکستانیوں کے حالات اور مشاغل پر گہری نظر رکھتا تھا۔

اگر سوبھراج دوبارہ بنکاک کا رخ کرتا تو آئی بی کا وہ آدمی اس پر نظر رکھ سکتا تھا۔

وہ گفتگو سب کے لیے حوصلہ افزا ثابت ہوئی۔ یہ بات ہر شک و شبہے سے بالاتر ہوچکی تھی کہ ٹام، کرنل داور تک رسائی کے لیے اپنی قانونی حدود سے کہیں زیادہ تجاوز کررہا تھا اور اسے اس کی چیرہ دستیوں کی سزا دینا ضروری ہوگیا تھا۔

☆☆☆

اگلی شام کرنل داور کی خودکشی کی شام تھی!

ہونا کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف اس بہروپ کا خاتمہ ہونا تھا جو میں نے ضرورت کے تحت اختیار کیا ہوا تھا لیکن میں نے ایک طویل عرصے تک جس محنت اور دل سوزی سے اس بہروپ کو نبھایا تھا، اس کے بعد مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس شام میری ذات کا کوئی لازمی حصہ میرے بقیہ وجود سے الگ ہوجائے گا اور میں ادھورا رہ جاؤں گا۔

میری طبیعت پر اداسی کی لہر غالب آتی جارہی تھی۔ میں اپنا دل بہلانے کے لیے اسٹیشن فور کی طرف ہولیا جہاں جہانگیر مقیم تھا۔ اس بہانے اس کی مزاج پرسی اور خبر گیری بھی ہوجاتی ورنہ اسے اور سلمیٰ کو شکوہ ہوتا کہ میں نے وہاں ڈال کر ان کی خبر تک نہ لی۔

اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ پر مجھے پتا چلا کہ اول خان اپنے اسٹاف کے کئی آدمیوں کے ساتھ کسی کی تدفین میں گیا ہوا تھا۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ اسے کوئی تازہ اور لاوارث لاش مل چکی تھی جسے کرنل داور کا نام دے کر عزت و احترام سے دفن کرنا تھا۔

میرے لیے وہاں کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ میں سیدھا اس پر آسائش کمرے کی طرف گاڑی لیتا چلا گیا جہاں وہ دونوں مقیم تھے۔

اسٹیشن فور کی حدود میں گاڑیوں کی آمدورفت کوئی نئی بات نہیں تھی۔ میں انجن بند کر کے گاڑی سے اترا تو اندر سے کسی ردِعمل کے آثار نظر نہ آئے۔ میں نے دروازے پر دستک دینے کے بعد دروازہ کھولا تو میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ دونوں خوشی سے اچھل پڑے۔

''آؤ، آؤ...... تم بہت عظیم آدمی ہو۔'' جہانگیر اپنے بستر پر بیٹھے بیٹھے، دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا کر مسرت آمیز آواز میں بولا ''تم مجھے ایک عذاب سے نکال کر جنت میں لے آئے ہو۔''

میں اس کا لب ولہجہ سن کر چونک گیا۔ وہ ہلکی سی ترنگ میں آیا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ کمرے میں دو قدم آگے بڑھنے کے بعد، ائرکنڈیشنر کی بند خنکی میں مجھے الکحل کی بو آنے لگی۔

''وہ لوگ تمہیں جنت یا جہنم میں پہنچانے کے ارادے سے لے گئے تھے۔'' میں نے خوش دلی سے جواب دیا ''میں نہ پہنچتا تو اس وقت تم وہیں ہوتے۔''

''تم نے واقعی دوستی کا حق ادا کر دیا۔'' سلمٰی نے بڑھ کر میرا بازو تھام لیا۔ مجھے غیر متوقع طور پر اپنے سامنے دیکھ کر وہ یکا یک جذباتی ہو گئی تھی ''اس بار مجھے ان کے بچنے کی امید نہیں تھی۔''

''جسے خدا رکھے اسے کون چکھے!'' میں نے اس کا شانہ تھپتھپا کر کہا ''اور یہ تو چکھنے میں بھی بہت کڑوا ہوگا۔ پتا نہیں تم اسے کیسے برداشت کرتی ہو۔''

''ایسا نہ کہو!'' وہ تڑپ کر بولی ''یہ میرے سرتاج ہیں، میری زندگی انہی کے دم سے ہے۔''

''ضرور ہوگی۔'' میں نے اس کی طرف جھک کر دھیرے سے کہا ''مگر میرا بازو چھوڑ دو۔ تمہارے ناخن میری جلد میں چبھ رہے ہیں۔''

سلمٰی نے تیکھی چتون سے میری طرف دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے میرا بازو چھوڑ دیا۔

''اس واقعے نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔'' میں نے مسہری کے قریب پڑی ہوئی کرسی سنبھال کر بے تکلفی سے کہا ''سلمٰی تمہیں ٹوٹ کر چاہتی ہے۔ اس نے تمہارے فراق میں رو رو کر ہمارا برا حال کر دیا تھا۔ تم دونوں بلاوجہ آپس کے جھگڑوں کے ڈرامے کرتے رہتے ہو۔''

''میں نے تمہارا برا حال کر دیا تھا یا میں خود ہلکان ہو رہی تھی؟'' سلمٰی نے تیزی سے پوچھا۔

''تم آنسوؤں سے روتی تھیں تو میرا دل روتا تھا کہ میں کس مصیبت میں پڑ گیا۔ تمہارے لیے جہانگیر کو کہاں سے پیدا کروں!'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس وقت ان دونوں کے پاس پہنچتے ہی میرے ذہن پر چھائی ہوئی قنوطیت کی دھند اچانک معدوم ہو گئی تھی۔

''بڑے بے درد ہو تم!'' سلمٰی نے مجھے کہنی مار کر رکھائی سے کہا ''اس وقت بڑے ہمدرد بنے ہوئے تھے اور اب مذاق اڑا رہے ہو۔ خود آئینہ نہیں دیکھا کہ اس وقت تمہارا منہ کسی گھوڑے کی طرح لٹکا ہوا تھا۔ اس قدر بونگے لگ رہے تھے کہ بس!''

''اس وقت نہ لڑو سلمٰی!'' جہانگیر کراہا ''تمہاری بک بک سے میرا سارا سرور غارت ہو جائے گا۔''

''تم یہاں بھی پی رہے ہو؟'' میں نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

''یار، کئی وقت کے فاقے سے تھا۔ سالا دماغ ٹھکانے پر نہیں تھا۔ خدا اسے سلامت رکھے۔ اول بھائی سے التجا کی تو انہوں نے ذرا سی دیر میں ڈیلکس اسکاچ کی میگنم سائز بوتل منگوا دی۔'' جہانگیر نے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے بتایا ''میں نے اس میں سے صرف چار پیگ لیے ہیں۔ باقی بوتل سلمٰی نے تالے میں رکھ دی ہے۔ وہ کل پیوں گا۔''

''تم کون سے فاقے سے تھے۔ کل رات میں نے اپنے سامنے تمہیں کھانا کھلایا تھا۔''

''کھانے کا نہیں، پینے کا فاقہ چل رہا تھا اپنا۔ پینے کے نام پر پانی تک نہیں تھا وہاں۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھے بھوکا پیاسا مارنا چاہتے تھے!'' اس نے کھیسیں نکالیں ''وہ کون لوگ تھے...... مجھ سے ان کو کیا پرخاش تھی۔ اب وہ کہاں ہیں؟''

''ٹیڑھے لوگ ہیں۔'' میں نے سلمٰی کی موجودگی کی وجہ سے اسے گول مول جواب دیا ''ان میں سے ایک کا براحشر تم رات کو دیکھ چکے ہو۔ اب وہ دونوں بہت بری جگہ پر ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا حال ہے۔''

''اصل پریشانی بھوک اور پیاس کی تھی۔ اس کے بعد آج ذرا سی شراب پیٹ میں پڑی ہے تو طبیعت چونچال ہو گئی۔ اب دماغ صحیح طرح کام کر رہا ہے۔''

''تمہاری یہ باتیں مجھے زہر لگتی ہیں۔'' میں نے چڑ کر کہا ''تم ان پاپی شرابیوں کی طرح ندیدے پن کا اظہار کرتے ہو جو دنیا و مافیہا کو بھول کر دن رات شراب کے نشے میں دھت پڑے رہتے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔''

''دن رات سلمٰی بیگم کی ایسی باتیں سن سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔ تم آئے ہو تو تم نے بھی وہی تقریر شروع کردی۔ ایسی باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ کچھ دن پہلے تک تم میرے ہم پیالہ ہوتے تھے۔ تمہارے خون میں اب تک شراب کے اثرات باقی ہوں گے۔'' جہانگیر نے پلکیں جھپکاتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں شکوہ کیا۔

''میں پیتا ضرور تھا لیکن میں نے تمہاری طرح کبھی کوئی گھٹیا حرکت نہیں کی۔''

''لو میں نے کون سی گھٹیا حرکت کی ہے۔'' اس نے اپنا داہنا ہاتھ فضا میں لہرا کر احتجاج کیا۔ گھر میں بندہ بشر سے بھول چوک ہو جاتی ہے۔ یہاں تو مجھے اول بھائی کی بھی فکر ہے کہ ان کے سامنے کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔''

''اس نے تمہیں بوتل منگوادی تو اب وہ تمہارا بھائی ہو گیا'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''دو بوتلیں لا دیتا تو تم ابا جان کہہ کر اس کے سینے سے لپٹ جاتے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ شراب کے چکر میں نئے رشتے کیوں ایجاد کر رہے ہو؟''

''تمہیں اعتراض ہے تو میں اسے بھائی نہیں کہتا'' اس نے سر جھکا کر سعادت مندی کا مظاہرہ کیا ''میں اسے عزت دینا چاہ رہا تھا۔ اس نے ہمیں اتنے شان دار اور آرام دہ کمرے میں مہمان رکھا ہوا ہے۔ میں یہاں ہر خوف اور فکر سے بے پروا ہو کر، دونوں پاؤں پسار کر سو سکتا ہوں۔ ایسے میزبان آج کل کہاں ملتے ہیں۔''

''وہ بے چارہ رات سے تمہاری میزبانی میں لگا ہوا ہے۔'' سلمٰی نے تیزی سے کہا ''اس وقت تم اسے اول خان کہے جا رہے تھے۔ جب سے بوتل ملی ہے وہ تمہارا بھائی ہو گیا۔ ڈینی تمہاری رگ رگ کو پہچانتا ہے۔ اس حرام شربت کے لیے تم گدھے کو بھی باپ بنا سکتے ہو۔''

''آہستہ بولو!'' جہانگیر نے تیز سرگوشی کی ''اس نے سن لیا کہ تم اسے گدھے سے ملا رہی ہو تو وہ کھڑے کھڑے ہمیں یہاں سے نکال دے گا۔''

''میں اسے کچھ نہیں کہہ رہی۔ تمہاری ذہنیت کی بات کر رہی ہوں۔'' سلمٰی نے برا سا منہ بنا کر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تم سے خدا سمجھے گا۔'' جہانگیر چھت کی طرف نگاہیں اٹھا کر بولا ''ڈینی جب بھی مجھ سے ملنے کے لیے آتا ہے تم شیر ہو جاتی ہو۔''

''میں خدا لگتی بات کرتی ہوں۔'' سلمٰی سب کچھ بھول بھال کر اس سے لڑنے پر آمادہ تھی ''مجھے رو رو کر اپنی ساری زندگی تمہارے ساتھ گزارنی ہے۔ ڈینی کا کیا ہے۔ یہ تھوڑی دیر تک بیٹھ کر یہاں سے چلا جائے گا۔''

جہانگیر نے کسی چڑچڑی بیوہ کی طرح دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور کراہتے ہوئے بولا ''خدایا......! میں کہاں جاؤں......؟ یہاں تو دوسرا کمرا بھی نہیں ہے۔ تم مفت کا جھگڑا کھڑا کر رہی ہو مجھے غصہ آیا تو بات بڑھ جائے گی۔''

''میں بات بڑھنے سے نہیں ڈرتی۔ تم ہزار بار طلاق دینے کی دھمکی دے چکے ہو۔ میں کہتی ہوں کہ تم میں ہمت ہے تو ابھی تین بول کہہ دو۔ میں ڈینی کے ساتھ چلی جاؤں گی۔''

وہ واقعی مفت کا جھگڑا تھا۔ میں حیران و پریشان تھا کہ پچھلی رات تک جہانگیر کے لیے رو رو کر بے حال ہونے والی سلمٰی اس وقت بے بات پر ناروا طرزِ عمل کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ شاید وہ دونوں خلوت میں ایک دوسرے کو آخری حد تک برداشت کرنے کے عادی ہو گئے تھے۔ درمیان میں کسی مشترک شناسا کے آتے ہی وہ ایک دوسرے پر اپنے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے پر تل جاتے تھے۔ ان کا وہ رویہ میرے لیے بالکل ناقابلِ فہم تھا۔

''سلمٰی!'' میں نے ترش لہجے میں اسے فہمائش کی ''تم بلاوجہ بات بڑھا رہی ہو۔ اس وقت جہانگیر نے ایسی کوئی بات نہیں کہی کہ تم طلاق کا مطالبہ لے کر بیٹھ جاؤ۔''

''اس وقت نہیں کہا تو کیا ہوا۔ گھر پر تو یہ کہتے رہتے ہیں!''

''گھر کی باتیں بھول جاؤ!'' میں نے تقریباً دانت پیستے ہوئے کہا ''میرا خیال تھا کہ اس کے اغوا ہو جانے سے تم نے نئی زندگی شروع کی ہے دونوں کو ایک دوسرے کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو چکا ہو گا مگر یہ میری بھول تھی۔ تم دونوں کے پرنالے اپنی اپنی جگہ پر بہہ رہے ہیں۔''

''پچیس ہزار!'' جہانگیر نے میری سرزنش پر خوش ہو کر ہانک لگائی۔

''کیا بک رہے ہو۔'' میں نے درشت لہجے میں کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ اب تمہارا دماغ چل گیا ہے۔''

''غصہ مت کرو مائی ڈارلنگ ڈینی!'' وہ بائیں آنکھ دبا کر بولا ''تم قدر و قیمت کی بات کر رہے تھے نا۔ تو مرد بے چارہ ہمیشہ سے دو کوڑی کا رہا ہے، اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ پہلے ماں کی خدمت کرتا ہے پھر بہنوں کے مان رکھتا ہے اور آخر کار بیوی کی ناز برداریاں کرتے کرتے قبر میں اتر جاتا ہے۔ کان میں اذان سے آخری نماز تک عورت کسی خرکار کی طرح اسے گھن چکر بنائے رکھتی ہے۔ اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ سلمٰی

ابھی اڑ جائے تو مجھے اس کو پچیس ہزار سکہ رائج الوقت دینا پڑیں گے۔ یہ موجل تھے۔ سلمٰی جب چاہے مجھ سے طلب کرسکتی ہے۔''

''طبیعت چاہ رہی ہے کہ میں پوری قوت سے تم دونوں کے سر آپس میں لڑادوں۔'' میں نے غصے میں پھنکتے ہوئے کہا۔

''جاؤ! تم باہر کھلی ہوا میں چلی جاؤ۔'' جہانگیر نے ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سلمٰی کو مشورہ دیا ''کچھ دیر ٹہلنے سے طبیعت ہری ہوجائے گی۔ آپس کا جھگڑا اہم ڈینی کے جانے کے بعد طے کرنے کی کوشش کریں گے۔''

سلمٰی نے غصے سے ناک بھوں چڑھا کر اس کی طرف دیکھا اور تنک کر پیر پٹختی ہوئی دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ اس نے جہانگیر کے مشورے یا ہدایت پر بے چون وچرا عمل کر کے مجھے ایک مرتبہ پھر حیران کردیا تھا۔ ان کے باہمی مراسم کی سیمابی نوعیت میری عقل سے بالاتھی۔

''چلی گئی!'' سلمٰی کے نکل جانے اور دروازہ پرشور آواز میں بند ہونے کے بعد وہ مسرت آمیز لہجے میں بولا ''اب کونے والی الماری سے بوتل نکال لاؤ۔ چابی وہیں لگی ہوئی ہے۔ ہم بیٹھ کر آرام سے باتیں کرسکیں گے۔''

''اب تم بوتل کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے۔ تمہیں پہلے ہی کافی چڑھی ہوئی ہے۔''

''تمہارے سر کی قسم' مجھے ذرا سا بھی نشہ نہیں ہوا'' اس نے ہنستے ہوئے کہا ''شراب اپنے لیے پانی بن چکی ہے۔ اس کے سامنے میں اداکاری کررہا تھا۔ بہت مزہ آتا ہے۔ اسے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نشے میں میرے منہ سے کوئی الٹی سیدھی بات نکل گئی تو ذرا سی دیر میں ہم دونوں کی زندگیاں تباہ ہوجائیں گی۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کیونکہ سلمٰی کے وہاں سے جاتے ہی جہانگیر کی آواز سے خمار کے اثرات یکایک کافور ہوگئے تھے۔

''تم اپنی بیوی کے ساتھ مکاری کرتے ہو!'' میں نے اسے ملامت کی۔

''مجبوری ہے۔ اسے دبائے رکھنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔'' اس نے معصومیت سے کہا ''میں نارمل ہوتا ہوں تو وہ مجھ پر حاوی رہتی ہے۔''

''کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں بڑی!'' اس کی سادگی پر میرا غصہ رفع ہوگیا ''اس طرح تم دونوں کا حساب کتاب برابر رہتا ہے۔''

''تمہارے جانے کے بعد وہ ناک منہ چڑھا کر روہانسی آواز میں مجھ سے شکایت کرے گی کہ میں دوسروں کے سامنے اسے برا بھلا کہتا رہتا ہوں اور میں اسے پچکارنا شروع کردوں گا۔ اپنی زندگی میں اسی طرح کچھ رنگ آمیزی ہوتی رہتی ہے ورنہ ہم ایک دوسرے کی صورتیں دیکھ دیکھ کر بیزار ہوجائیں۔ ہمارے درمیان یہ سب چلتا رہتا ہے۔ تم ان باتوں کو اپنے دل پر نہ لو۔''

''تمہارے فراق میں سلمٰی کی حالت دیکھ کر مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ تم دونوں مل کر دوسروں کو چکر دیتے اور بے وقوف بناتے ہو۔ اندر سے شیر وشکر ہو۔''

''ان چھوٹی موٹی باتوں پر لعنت بھیجو۔'' اس نے بے پروائی سے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا ''یہ چلتی رہتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم کن چکروں میں پھنسے ہوئے ہو۔''

''امریکیوں نے میرے اوپر بڑے انعام مقرر کر کے مجھے دیوار سے لگایا ہوا ہے۔'' میں نے اس کی تسلی کے لیے افسردگی سے بتایا ''زندہ رہنے کے لیے دشمنوں سے چوکھی لڑائی لڑنا پڑ رہی ہے۔ جس دن خطرے کی یہ تلوار میرے سر سے ہٹ گئی' میں نارمل زندگی کی طرف لوٹ آؤں گا۔''

''تم حکومتوں سے لڑ کر نہیں جیت سکتے۔'' وہ پورے ہوش وحواس میں بہت دانش مندی سے بات کررہا تھا۔ ''ایک کے بعد دوسری حکومتیں آتی جاتی رہیں گی۔ یہ انعام واپس نہیں لیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ سو برس بعد بھی خطرے کی تلوار نہیں ہٹے گی لیکن تم سو برس تک نہیں جیو گے۔ بتاؤ' کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

''اپنی جگہ پر تمہاری باتیں درست ہیں مگر میں ان مردودوں کے سامنے ہتھیار ڈال سکتا ہوں' نہ ان سے معافی مانگ سکتا ہوں۔'' میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا ''ویرا کا ساتھ مل جانے سے مجھے نیا حوصلہ ملا ہے۔ وہ ساری آسائشوں کو لات مار کر اپنے ہم وطنوں سے ہماری لڑائی لڑ رہی ہے۔ اس روشن مثال کی موجودگی میں' میں دشمن کو اپنی پیٹھ نہیں دکھا سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ میری پوری زندگی اسی طرح لڑتے لڑتے گزر جائے۔''

''میں تم سے بے وقوفی کی باتوں کی توقع نہیں کرسکتا۔'' وہ اپنی بلا کی سنجیدگی سے مجھے حیران کیے دے رہا تھا۔ ''خاموشی سے کہیں بھی نکل جاؤ۔ دنیا تمہارے سامنے پھیلی ہوئی ہے۔ نئے ناموں اور نئی شناختوں کے ساتھ تم چاروں یورپ سے افریقا تک کہیں بھی سکھ کی زندگی گزار سکتے ہو۔ اپنی زندگی کو یوں برباد نہ کرو۔ سنجیدگی سے کچھ سوچو۔ غزالہ پر دھیان دو۔

اب تک اسے ماں بن جانا چاہیے تھا۔ تمہارے گھر میں اولاد کی بہار آئے گی تو تمہیں خود اپنی زندگی سے پیار ہو جائے گا۔''

''اب اس زاویے سے بھی سوچوں گا!'' میں نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

''سوچنے سے کام نہیں چلے گا۔ تمہیں کچھ کرنا پڑے گا۔ اپنا اور غزالہ کا علاج کراؤ۔ سلمٰی مجھ سے بار بار پوچھتی ہے کہ تم دونوں اب تک بے اولاد کیوں ہو۔ یہ سوال میرے دل میں بھی پھانس بن کر چبھا ہوا ہے۔ آج ہمت کر کے میں نے تم سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔ اس پر غور کرو۔ تمہاری زندگی کا رنگ ڈھنگ بدل جائے گا۔''

''ابے اُلّو!'' میں نے مسکراتے ہوئے بے تکلفی سے کہا ''کیا تو سمجھتا ہے کہ تو ہی بیٹے کا باپ بن سکتا ہے۔ غزالہ کو کسی علاج کی ضرورت ہے نہ مجھے۔ ہم فیصلہ کرلیں گے تو قدرت ہمیں بھی نو مہینوں میں اولاد کی نعمت سے نواز دے گی مگر یار! میں ڈرتا ہوں۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر ایک خطرناک راہ اختیار کی ہے۔ میں غداروں سے اپنی مٹی کی آبرو کے لیے لڑتا ہوا مارا گیا تو میری اولاد در بدر ہو جائے گی۔ میرے لہو کے پیاسے میری اولاد سے اپنا انتقام لینے پر تل جائیں گے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ میرے بچے بھی میری طرح مقدر کے سکندر ثابت ہوں گے۔ ہم دونوں کا مشترکہ فیصلہ ہے کہ جب تک ہم بھیڑیوں کے لشکر سے لڑ رہے ہیں، خود لڑتے رہیں، کسی تیسری معصوم زندگی کو اس خطرے میں نہ ڈالیں۔ کبھی نہ کبھی یہ دن گزر جائیں گے۔ مطلع صاف ہو گا تو ہماری گودوں میں بھی معصوم بچے قلقاریاں ماریں گے۔ تمہیں یاد ہے کہ تمہارے شیر خوار بیٹے کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اس کی تلاش میں ہم نے کس طرح دیوانہ وار شہر کی خاک چھانی تھی۔ اسے اٹھانے والی ویرا تھی۔ وہ بدمعاشی کرتی تھی مگر سفاک اور درندہ صفت نہیں تھی اس لیے تمہارا بیٹا واپس مل گیا اور آج وہ لاہور میں پل کر دھیرے دھیرے اپنی جوانی کی طرف بڑھ رہا ہے لیکن میرے دشمن ویرا سے بہت مختلف ہیں۔ ان میں رحم اور انسانیت نام کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ یہ درندے اپنی راہ میں آنے والے بوڑھے کو بخشیں گے نہ بچوں پر رحم کھائیں گے۔ میرے دوست......

میرے پیارے! میں تمہاری تڑپ اور دردمندی کی دل کی گہرائیوں سے قدر کرتا ہوں۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ڈینی اور غزالہ اپنے دلوں کی ٹھنڈک اور آنکھوں کے نور کو اولاد کی صورت میں مجسم دیکھ سکیں۔ ابھی وطن کی خاک کو ہماری قربانیوں کی ضرورت ہے۔''

جہانگیر کسی بت کی طرح خاموشی سے اپنے بستر پر بیٹھا میری باتیں سنتا رہا پھر اس کی آنکھوں کے گوشوں سے آنسوؤں کے دو موتی لڑھک کر اس کی گود میں گر گئے۔

''تم اپنے حق میں اپنے دشمنوں سے زیادہ سفاک اور سرد مہر ہو۔'' وہ اپنی آنکھیں بھینچ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا ''میں کہہ رہا ہوں کہ امن و امان کے سائے میں کہیں سکھ اور گمنامی کی زندگی گزارنے کے بارے میں سوچو۔ لڑائیاں لڑنے والے دوسرے لوگ بھی موجود ہیں۔ سارا بوجھ بار تمہارے سر پر نہیں ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتے؟''

اس کا آخری سوال ایک ہلکی سی بے ساختہ چیخ کی صورت میں اس کے حلق سے برآمد ہوا اور دیر تک کمرے کی بند فضا میں گونجتا رہا۔ چند لمحوں کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کمرے کے در و دیوار سے بھی وہ سوال ایک لاہوتی صدا بن کر ابل رہا ہو۔

یکایک وہ سحر ٹوٹ گیا۔ سلمٰی دروازہ کھول کر تیزی سے اندر داخل ہوئی اور وہ کرشماتی لمحے چشم زدن میں گزر گئے۔ میں عالم خیال سے عالم ہست و بود میں لوٹ آیا۔

''اول خان ابھی اپنی گاڑی میں یہاں سے گزرا ہے۔'' سلمٰی نے اندر آتے ہی کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنی دھن میں کہنا شروع کر دیا ''اس نے کہا ہے کہ میں تمہیں اس کی واپسی کے بارے میں بتا دوں۔ وہ اپنے دفتر میں تمہارا انتظار کرے گا۔''

''یہ یاد رکھنا کہ میں تمہارے کمرے سے چائے پیے بغیر جا رہا ہوں۔'' میں نے اپنی کرسی چھوڑتے ہوئے سلمٰی سے شکوہ کیا۔

''ارے بیٹھ جاؤ!'' وہ دوڑ کر مجھ سے تقریباً لپٹ گئی اور مجھے کرسی میں گرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی ''تاؤ میں آ کر میں ہر بات بھول گئی تھی۔ تمہارے لیے ابھی چائے منگواتی ہوں۔''

''میں مذاق کر رہا تھا۔ ایسا ہی اصرار کر رہی ہو تو اپنی چائے اول خان کے دفتر میں بھجوا دینا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''ہم خود اس کے مہمان ہیں۔ یہاں بھی تمہیں جو چائے ملتی وہ اسی کی ہوتی۔'' سلمٰی مجھے چھوڑ کر الگ ہٹ گئی۔ اس وقت اس کی ہر حرکت میں اپنائیت اور بے ساختگی تھی۔ میرے اندیشوں کے برعکس اس کے ذہن میں کسی فتور نے جنم نہیں لیا تھا۔

''ذرا ایک بات کا خیال رکھنا۔'' میرے چلتے چلتے جہانگیر نے ہانک لگائی اور میں ٹھٹک کر وہیں رک گیا۔

''اب کیا یاد آ گیا تم کو؟'' میں نے پلٹ کر پوچھا۔

''جب تک ہم یہاں موج کر رہے ہیں، ہمارے فلیٹ کو

لاوارث نہ چھوڑ دینا۔ سلمٰی کے کپڑوں کی الماری میں تمہارا خزانہ محفوظ ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے کہاں اتنا لمبا ہاتھ مارا تھا۔ وہ تھیلا خالی ہونے کا نام نہیں لے رہا۔"

"اب سارا نشہ ہرن ہوگیا۔" سلمٰی نے خوش ہو کر مجھ سے کہا "دیکھو کیسی دور دور کی کوڑیاں لا رہے ہیں۔ تمہارے آنے سے ان پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ میں کئی بار کہہ چکی ہوں کہ چکر لگاتے رہا کرو لیکن تمہیں وقت ہی نہیں ملتا۔"

"میرے نہ آنے پر یہ حال ہے کہ جہانگیر آخر کار اغوا ہوگیا۔ میں نے آمد و رفت کا سلسلہ شروع کر دیا تو وہاں ایسا دنگا فساد ہوگا کہ بس رہے نام اللہ کا۔"

"فلیٹ بلکہ اپنی رقم کے بارے میں تم نے میری بات سن لی نا!" جہانگیر نے مجھ سے تائید چاہی۔

"تم بے فکر رہو۔ وہاں سے تنکا بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوگا۔ ویسے میری جیب خالی ہوتی جا رہی ہے۔ دو چار دن میں مجھے کچھ ڈالروں کی ضرورت پڑے گی۔"

"اس حساب سے وہ رقم تمہارے عمر بھر کے گزارے کے لیے کافی ہوگی۔ جب ضرورت ہو سلمٰی سے الماری کی چابی لے لینا۔ یہ اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہے۔ ہر وقت اس کے ازار بند سے بندھی رہتی ہے۔" جہانگیر نے بتایا۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ شرم اور خفت سے سلمٰی کا گورا چٹا چہرہ لال بھبوکا ہوگیا۔ وہ جہانگیر کو غصیلی نظروں سے گھور رہی تھی۔

سلمٰی کا وہ بے ساختہ رویہ میرے لیے حیران کن تھا۔ میرے لیے وہ کوئی نئی اطلاع نہیں تھی۔ سلمٰی نے مجھے چابی کے ٹھکانے کے بارے میں بہت پہلے بتا دیا تھا۔ اس وقت حد ہوگئی تھی جب اس نے اپنی کسی ذہنی کج روی کی وجہ سے مجھے خود چابی حاصل کرنے پر اکسایا تھا اور میرے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

"بہت محفوظ جگہ ہے۔" میں نے ایک قہقہہ لگا کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "وہاں تم دونوں کے سوا کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔"

تیزی سے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے میں نے سنا کہ سلمٰی بے شرمی کے بارے میں جہانگیر کو جھاڑ پلا رہی تھی۔

میں نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور سرعت کے ساتھ چند لمحوں میں اول خان کے دفتر کے سامنے پہنچ گیا۔

ویسے ہم روز ہی ملتے رہتے تھے لیکن میرا اسٹیشن فور کی طرف زیادہ آنا جانا نہیں تھا۔ اول خان ایک مہذب اور وضع دار آدمی تھا۔ اس نے اپنے دفتر کے برآمدے سے نیچے آ کر

میرا استقبال کیا اور گرمجوشی سے میرا ہاتھ تھام کر واپس اپنے دفتر کی طرف ہولیا۔

''کس کی تدفین میں گئے ہوئے تھے؟'' میں نے انجان بن کر سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

اول خان نے چونک کر اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ اس کا اردلی دروازے کی چق اٹھانے کے لیے لپک کر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا ''کرنل داور کی تدفین سے فارغ ہو کر واپس آرہا ہوں۔''

کرنل داور کا کردار میری تخلیق تھا۔ ایس ٹی ایف کے عام اہلکار اس کے وجود سے باخبر نہیں تھے۔ اس فورس کی ساخت کچھ ایسی پراسرار تھی کہ ہر شخص کا ہر بات سے باخبر ہونا ضروری نہیں تھا۔ اول خان نے بالا ہی بالا اس کردار کو زندہ رکھا ہوا تھا جس سے ایس ٹی ایف کے چند بڑے اور گنے چنے افسر واقف تھے۔ اردلی اپنے افسر کی زبان سے کرنل داور کا نام سن کر بھی کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن اول خان اپنی احتیاط کی عادت سے مجبور تھا۔

''مجھے تم سے ایک سنگین شکایت ہے۔'' اس کے دفتر میں تخلیہ میسر آتے ہی میں نے کہا۔

وہ بے چارہ حیران ہو کر مستفسرانہ نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

''تم نے جہانگیر کے لیے اسکاچ کی بوتل کا بندوبست کر کے بہت ظلم کیا۔ وہ شراب کے بغیر یہاں دس پانچ دن گزار لیتا تو شاید میری طرح اس بری عادت کو ترک کر دیتا۔ بوتل ملنے کے بعد یہ امکان سرے سے ختم ہو گیا ہے۔''

''تمہاری شکایت بجا ہے لیکن اس کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ اس کا سانس سینے میں رک رک کر آرہا تھا اور آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ اس نے گڑگڑا کر مجھ سے التجا کی تھی اور میرا دل پسیج گیا۔ میں نے سنا تھا کہ نشے کے عادی کو وقت پر کوٹا نہ ملے تو اس کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ میں نے ڈر کر جلدی سے بوتل منگوا دی۔'' اول خان نے اپنی صفائی پیش کی۔

''وہ بہت بڑا اداکار اور مکار ہے۔ اپنی بیوی کو ایسے چکمے دیتا ہے کہ وہ پریشان ہو جاتی ہے۔ سینے میں سانس پھنسانے اور آنکھیں پھیلانے کے لیے کسی مہارت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس نے بہت کامیابی سے تمہیں اُلو بنا لیا۔''

بات پوری کرتے ہی میں نے آنکھیں پھیلا کر دونوں ہاتھ ڈھیلے چھوڑے اور یوں رک رک کر سانس لینے لگا جیسے چند لمحوں میں میرا دم نکلنے والا ہو۔

''یہ کیا کر رہے ہو۔'' اول خان مضطرب ہو کر بولا ''اس پاجی کی حرکتیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے تمہاری بات پر یقین ہے۔ اگر وہ اس کی اداکاری تھی تب بھی وہ بہترین اداکاری کے انعام کا مستحق تھا۔ وہ اسے بوتل کی صورت میں مل گیا۔ اب اسے بھول جاؤ۔''

''میں نے اس پر تمہارا بھرم رکھا ہوا تھا۔ میں تمہیں گاہے گاہے اس کی حرکتوں کے بارے میں بتاتا رہا ہوں۔ تم اپنا دل سخت کر لیتے تو یہ اس سے شراب چھڑوانے کا بہترین موقع تھا جو تمہاری رحم دلی کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔''

''اب اس لکیر کو زیادہ نہ پیٹو۔'' وہ مسکرا کر بولا ''تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اسے واپس لانا ناممکن ہے۔ قصور تمہارا بھی ہے۔ تم نے مجھے کبھی یہ بات نہیں بتائی کہ جہانگیر مکر بھی کر سکتا ہے۔ مکاری کے لیے ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں اسے نرا گاؤدی سمجھتا تھا۔''

''اس گمان میں نہ رہنا۔ وہ بہت کائیاں ہے۔ میں نے شی میں پس پردہ رہ کر اسے اپنا باس بنایا ہوا تھا۔ وہ بہت تحکم اور اعتماد کے ساتھ مجھ سے کام لیتا تھا۔''

''تمہاری خواہش کے مطابق اسپتال میں تجہیز و تکفین کے بعد کرنل داور کو میوہ شاہ قبرستان میں دفن کر دیا گیا ہے۔ اس جنازے میں میری فورس کے دس آدمی شامل تھے۔'' اس نے گفتگو کا موضوع تبدیل کر کے مجھے اپنی کارگزاری سے آگاہ کیا۔

''وہ لاش کس بدنصیب کی تھی؟'' میں نے سگریٹ سلگا کر پوچھا۔

''بدنصیب نہیں، اسے خوش نصیب کہو۔ وہ لیاری میں موسیٰ لین کے علاقے میں کچّی کی زہریلی شراب پی کر مرا تھا۔ اسے بہت عزت اور احترام کے ساتھ دفنایا گیا ہے۔ اسپتال میں پڑا رہتا تو نہ جانے کب اسے دفن کرنے کی باری آتی۔ ہر لاوارث لاش کو شناخت کے لیے ایک مقررہ مدت تک مردہ خانے میں رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بعد اسے ایدھی والوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔''

''دیکھنا ہو گا کہ یہ خبر ہمارے حریفوں تک کب پہنچتی ہے'' میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔

''یہ پورے پلان کا مرکزی نکتہ ہے۔ خبر لیک کرا دی گئی ہے'' اول خان نے پہلو بدلتے ہوئے بتایا۔ ''ایس ٹی ایف کا ملک میں کوئی قانونی وجود نہیں ہے۔ اس کا نام کسی خبر میں نہیں آسکتا مگر صبح کے کم از کم دو اخبارات میں ریٹائرڈ کرنل داور کی خودکشی کی خبر نمایاں طور پر شائع ہو گی۔''

''میں نے کوشش کی ہے کہ اخبارات آنے سے پہلے یہ خبر پھیل جائے'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اول خان نے اپنی بات آگے بڑھائی ''کرنل داور کے ساتھ مشترکہ اجلاسوں میں شرکت کرنے والے افسروں کے لیے یہ خبر الم ناک ہونے کے ساتھ سنسنی خیز بھی ثابت ہوگی۔ ہر ذہن میں سوال اٹھے گا کہ اس رتبے کے ایک معزز آدمی کی خودکشی کے کیا اسباب ہیں۔ ہوتے ہوتے یہ بات امریکی کیمپ تک پہنچ جائے گی اور ہمارا مقصد حل ہوجائے گا۔''

''رات گزر جائے گی اور صبح کے اخبارات بازار میں آجائیں گے'' میں نے کہا۔

''میرا اندازہ ہے کہ یہ رات یوں ہی نہیں گزرے گی۔ میں نے لاش کا بندوبست ہوتے ہی اپنے ایک خاص اخباری رپورٹر کو ٹپ دے دی تھی۔ اب تک وہ کئی دروازوں پر دستک دے چکا ہوگا۔ ایسی خبریں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں پھر ان کا ردِعمل آنا شروع ہوجاتا ہے۔''

''تم اجلاسوں کے شرکا کی بات کر رہے ہو تو ایس ٹی ایف کا نام بھی ضرور سامنے آئے گا'' میں نے ایک قوی اندیشے کا اظہار کیا۔

''بعض سینئر صحافیوں کے لیے ایس ٹی ایف کا نام نیا نہیں ہوگا۔ جب امریکا والے ہر بات سے باخبر ہوسکتے ہیں تو خبروں کی تلاش میں سرگرداں رہنے والے مقامی صحافی کیسے بےخبر رہ سکتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ ایس ٹی ایف ایک ریاستی راز ہے جسے قانون سے بالاتر رکھ کر بھرپور تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ کسی نے ان چنگاریوں کو کریدنے کی کوشش کی تو اس کا دامن جل اٹھے گا۔''

''کرنل داور کی خودکشی کی خبر کس ادارے نے جاری کی ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

میرا سوال سن کر اول خان مسکرا دیا ''کرنل داور ایس ٹی ایف کے لیے کام کر رہا تھا۔ قانونی طور پر یہ فورس بےوجود ہے۔ خبر کون جاری کرتا۔ یہ کام بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا ہے۔ کسی نے کوئی خبر جاری نہیں کی بلکہ یوں ظاہر کیا گیا ہے جیسے اس واقعے کو چھپانے کی کوشش کی جارہی ہو۔ تم نے غور نہیں کیا۔ میں نے خبر لیک ہونے کا ذکر کیا تھا۔ اخباروں میں جو کچھ آئے گا وہ اخباروں کے اپنے ذرائع سے آئے گا۔ ایک خاموش اور پراسرار جنازہ کسی بھی رپورٹر کی توجہ کا مرکز بن سکتا ہے۔''

''ویری گڈ!'' میں نے بےساختہ کہا ''تم نے اس معاملے کے ہر نشیب و فراز پر نظر رکھی ہے۔ اب میں بھی تمہارا

ہم خیال ہوں کہ یہ رات خالی نہیں جائے گی۔''

''ابھی صرف چھ بجے ہیں'' اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا''آنے والی رات بہت لمبی ہے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ کرنل داور کی خودکشی کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلائے گی۔ کیا ہوگا...... کیسے ہوگا...... پہل کہاں سے ہوگی۔ اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

میں نے اول خان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے ذہن میں از خود ٹام کا خیال ابھر آیا تھا۔ پچھلی رات کے آخری پہر میں اس سے ہونے والی باتوں کی روشنی میں کرنل داور کی خودکشی کی خبر اس کے لیے کسی ایٹمی دھماکے سے کم نہیں ہوتی۔

اردلی چائے کی ٹرے لایا تو اول خان کے لیے انٹرکام پر ایک کال آ گئی۔ وہ چند ثانیوں تک ہوں ہاں کر کے دوسری جانب والے کی باتیں سنتا رہا پھر مجھے چائے پینے کا مشورہ دے کر چند منٹ میں واپسی کے وعدے پر اپنے دفتر سے نکل گیا۔

دفتر میں تنہائی میسر آتے ہی میرا ذہن غیر ارادی طور پر سلمٰی کی طرف پھسل گیا۔

میری واپسی کے آخری لمحات میں اس کا رویہ میرے لیے بہت حیران کن رہا تھا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ تنہائی میں مجھ سے بے حجابی سے باتیں کرنے والی یکا یک اتنی شرمیلی ہوسکتی ہے کہ اپنے شوہر کے چند الفاظ پر شرم سے گلابی ہوجائے۔

وہ کسی بنا پر مجھ سے بدظن ہوگئی تھی یا پھر اسے دھیان آ گیا تھا کہ وہ جس راستے پر چل رہی تھی وہ شوہر سے کھلی بے وفائی کی طرف جاتا تھا۔

ماضی میں، میں نے سلمٰی کی کسی پیش قدمی کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔ لغزشوں کے بہت سے لمحات میں نے کمال ضبط سے کام لیتے ہوئے محض ہنس بول کر گزار دیے تھے۔ وہ میرے ایک عزیز ترین دوست کی بیوی تھی۔ اس کے حوالے سے میرے ذہن کے دور دراز گوشوں میں بھی گناہ کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ پھر بھی مجھے اس کی بے تکلفیاں اچھی لگتی تھیں۔ اس نے ایکا ایکی تکلف کا بالواسطہ اظہار کر کے مجھے بے نام سی خلش میں مبتلا کر دیا تھا۔

شاید اس کے بدلے ہوئے تیوروں سے میرے مردانہ پندار کو کوئی ٹھیس پہنچی تھی۔

اول خان اپنے وعدے کے مطابق بہت جلد لوٹ آیا اور میری سوچ کی وہ لڑی وہیں بکھر گئی۔

چائے نوشی کے دوران میں اول خان کے لیے فون آتے رہے۔ ہماری گفتگو کا سلسلہ بار بار ٹوٹتا اور جڑتا رہا۔ اول خان نے افادیت کے پیش نظر اپنی میز پر اسپیکر فون لگوا لیا تھا۔ کاغذات اور فائلوں کو نمٹاتے ہوئے وہ ریسیور اٹھانے کے بجائے اسپیکر فون استعمال کر رہا تھا۔

ساڑھے چھ بجے اول خان اخراجات کا ایک گوشوارہ دیکھ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے اپنے سامنے پھیلے ہوئے کاغذوں سے نظریں ہٹائے بغیر، بٹن دبا کر اسپیکر فون آن کر دیا۔

''ہائے...... میں اول خان سے بات کرنا چاہتا ہوں'' وہ جملہ خالص امریکی لب و لہجے میں ادا کیا گیا تھا۔ وہ آواز پہچانتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

آواز اول خان کے لیے بھی اجنبی نہیں تھی۔ اس نے گوشوارے کو یوں چھوڑا جیسے اسے ان کاغذوں پر بچھو نظر آ گیا ہو۔ اس نے میری طرف دیکھا تو اس کی نگاہیں بلور کی گولیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ چارا کامیاب رہا تھا۔ شکار نے اس پر منہ مار دیا تھا۔

''تم کون بول رہے ہو؟'' اول خان نے نہایت پرسکون آواز میں سوال کیا۔

''ٹام...... ٹام پیٹرک فرام سی آئی اے۔ مجھے اول خان سے ضروری بات کرنی ہے'' اپنا تعارف کراتے ہوئے اس کی آواز میں رعونت آ گئی تھی۔ وہ اول خان کی آواز نہیں پہچان سکا۔

''ہیلو ٹام! میں اول خان ہی بول رہا ہوں'' اس نے دھیمی مگر بوجھل آواز میں کہا''تم نے مجھے کیسے فون کر لیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ رابطہ پروٹوکول کے خلاف ہے۔''

''ان رسمی باتوں کو چھوڑو'' ٹام کی آواز دوستانہ ہوگئی ''میں ان کی پروا نہیں کرتا۔ یہ بتاؤ کہ آج کی کیا خبریں ہیں؟''

''کسی خبر کا نہ ہونا سب سے اچھی خبر کہلاتا ہے'' اول خان نے انگریزی محاورہ دہرا دیا۔ اس وقت مجھے اس کے صبر اور سکون پر رشک آ رہا تھا۔ وہ میرے بدترین حریف کو بہت خوب صورتی سے ہینڈل کر رہا تھا۔

''تم بے شناخت لوگ ہو۔ میں نے پروٹوکول توڑ کر کچھ دوستانہ تبادلۂ خیال کے لیے تمہیں فون کیا ہے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم مجھ سے بات کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہو۔''

''میری انگریزی کمزور ہے۔ اپنی مادری زبان میں، میں روانی سے بات کر سکتا ہوں۔ اس وقت تم کس قسم کے تبادلۂ خیال کی ضرورت محسوس کر رہے ہو؟''

''کرنل داور تو بہت شستہ اور رواں انگریزی بولتا ہے''

ٹام نے اول خان کے سوال کو نظر انداز کر کے کرنل داور کے ذکر کا موقع نکال لیا۔
اول خان ایک ہنکارہ بھر کر رہ گیا۔
''کرنل داور کے ذکر پر تم چپ کیوں ہوگئے؟''
''کہنے کے لیے کچھ نہ ہو تو چپ رہنا بہتر ہوتا ہے۔ تم اپنے کام کی بات کرو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''
''اس وقت کرنل داور کہاں ہے؟'' ٹام کو براہِ راست وہ تجسس آمیز سوال کرنا پڑ گیا۔
''ہم سے اچھی جگہ پر ہے'' جواب مبہم لیکن اول خان کے عقیدے کے عین مطابق تھا۔ اس کی سرد اور سپاٹ آواز سن کر مجھے ماننا پڑا کہ وقت اور ضرورت کے مطابق وہ اپنی آواز پر قابو رکھنے پر قادر تھا۔
''شہر میں خبر گرم ہے کہ اس نے خودکشی کر لی ہے'' اول خان نے آخر کار اسے کھل کر سوال کرنے پر مجبور کر دیا ''کیا یہ خبر درست ہے؟''
''اوہ!'' اول خان کے ہونٹوں سے ایک بے ساختہ سی آواز برآمد ہوئی ''مجھے افسوس ہے کہ ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود یہ خبر لیک ہوگئی۔''
میں نے ہاتھ فضا میں بلند کر کے اول خان کی حوصلہ افزائی کی۔ وہ بہت کامیابی کے ساتھ بات آگے بڑھا رہا تھا۔
''اخباری رپورٹر جونکوں سے کم نہیں ہوتے۔ پاتال سے بھی خبریں نکال لاتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ کسی رپورٹر نے اس افواہ کی تصدیق کے لیے آئی جی سے رابطہ کیا تھا۔''
''وہ واقعی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ وہ بہت اچھا اور ذہین ساتھی تھا۔ اس کے لیے میرا دل اداس ہے۔'' اول خان نے رقت سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''میں اس کی نیک روح کی مغفرت کے لیے دعا گو ہوں۔''
''لیکن اس نے اچانک خودکشی کیوں کر لی؟''
''ان باتوں کو نہ کریدو تو بہتر ہے۔ اس کی موت میں تم برابر کے شریک ہو۔''
''میں......؟'' ٹام کی پاٹ دار آواز ابھری ''تم نے مجھ پر اتنا بڑا الزام کیسے لگا دیا؟''
''ایس ٹی ایف کا بہت مضبوط نیٹ ورک ہے۔ باتیں کھلنا شروع ہوگئی تھیں۔'' اول خان نے کسی بحث کا آغاز کرنے کے بجائے کوئی کہانی سوچ لی تھی۔ میں ہمہ تن گوش ہوگیا۔
''میں تم لوگوں کا دشمن نہیں، دوست ہوں۔ وہ واقعی ذہین افسر تھا۔ مجھے اس کے انجام پر دکھ ہوا ہے۔ میں اس کی غلطیوں کے بارے میں جاننا چاہ رہا ہوں۔''
''ڈینی کے معاملے میں وہ فورس کی پالیسی سے انحراف کر کے اپنی راہ پر چل پڑا تھا'' اول خان کی اس تمہید نے میرا دل خوش کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا ''ملک اور قوم سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم سب امن و امان کے علم بردار اور ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں۔ اس جذبے کے تحت میں نے کسی عذر کے بغیر، تمہاری سنائی ہوئی خبر کی تصدیق کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم بھی اسی رواداری سے کام لوگے۔ ہمیں مسلسل خبریں مل رہی تھیں کہ وہ تم لوگوں سے قریبی رابطے میں ہے۔ اس نے ڈینی کی نقل و حرکت کا مکمل بلیک آؤٹ کر دیا تھا۔ اپنی معلومات اپنی ذات تک محدود کر لی تھیں۔ دفتر میں کوئی رپورٹ داخل نہیں کر رہا تھا۔ شبہ کیا جا رہا تھا کہ بڑے انعام کے لالچ میں وہ تم لوگوں سے ڈینی کا سودا کرنے کے چکر میں پڑ گیا ہے۔ اپنے ساتھیوں کے رویے سے اسے شبہ ہوگیا تھا کہ اس کی خفیہ نگرانی ہو رہی ہے اور اس کی ذاتی سرگرمیوں کا بغور جائزہ لیا جا رہا ہے۔ ان باتوں نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ وہ کئی دنوں سے خاموش اور فکرمند رہنے لگا تھا۔ آج اس نے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔''
اول خان بہت تسلسل اور روانی کے ساتھ بولتا چلا گیا۔ اس کی وہ صلاحیت پہلی مرتبہ میرے مشاہدے میں آئی تھی۔
''خودکشی کے وقت کو تم کوئی اہمیت دیتے ہو؟'' ٹام نے اول خان کے الزامات کی تردید کیے بغیر پوچھا۔
''مزید کسی سوال کا جواب دینے سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ کرنل داور کی خفیہ سرگرمیوں کی رپورٹیں کس حد تک درست تھیں؟'' اول خان نے باوقار انداز اپنایا ہوا تھا۔
''میں کسی بات کی تردید نہیں کروں گا'' قدرے سکوت کے بعد ٹام کا جواب آیا ''تمہیں بخوبی اندازہ ہونا چاہیے کہ ڈینی نے ہمارے مفادات کو کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ وہ خونی درندہ ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ہر قیمت پر اسے پکڑ کر قرار واقعی سزا دی جائے۔ اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری میرا اور میرے پیش رووں کا مشن ہے۔ وہ خونی دہشت گرد امریکی حکومت کے لیے ایک چیلنج اور انا کا مسئلہ بن چکا ہے لیکن کسی طرح ہاتھ نہیں آ رہا۔ سننے میں آیا ہے کہ بعض پاکستانی ایجنسیاں اس کی پشت پناہ ہیں۔ کرنل داور اس کی راہ پر لگ گیا تھا۔ اسے انعام کی ہوس تھی۔ ہمیں ڈینی کا سر درکار تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے درمیان بہت سنجیدہ ڈیل چل رہی تھی۔ میری جگہ تم ہوتے تو تم بھی اس موقع کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا پھر کرنل نے کیوں خودکشی

کر لی؟''

''کوئی نہیں جانتا کہ کرنل کے دل میں کیا تھا'' اول خان نے کہنا شروع کیا ''وہ کئی دنوں سے پریشان تھا لیکن کل صبح سے وہ عجیب کرب اور اضطراب کے عالم میں تھا۔ شاید کوئی نئی بات رونما ہوئی تھی جس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ایس ٹی ایف کا اعتماد کھو کر کڑی نگرانی میں آچکا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی وجہ سے اسے تمہاری نیت پر شبہ ہوگیا ہو۔ ڈینی کو اپنی تحویل میں لے کر تم انعام کی رقم دینے سے انکار کردیتے تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ تم اسے بلیک میل کرسکتے تھے۔''

''تم نے کہا کہ کل صبح سے وہ اضطرابی کیفیت سے گزر رہا تھا'' ٹام نے تائید چاہی۔ وہ کرنل داور کی حرام موت کا سہرا اپنے سر لینے کی کوشش کررہا تھا۔

''میرا یہی مشاہدہ ہے'' اول خان نے گمبھیر لہجے میں کہا ''رات گئے کچھ نہ کچھ ہوا تھا جس نے کرنل داور کے دل ودماغ کو زیروزبر کردیا۔ شاید وہ اپنی فورس سے غداری کررہا تھا۔ اس کے صلے میں تم سے کچھ پانے کی امید ختم ہوگئی تو اسے اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ ہر سیکرٹ سروس کی طرح ایس ٹی ایف میں بھی غداری کی ایک ہی سزا ہوتی ہے۔ کرنل داور کسی جان لیوا حادثے میں نہیں مرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ ایک ذہین اور محنتی لیکن بھٹکے ہوئے افسر کا افسوسناک انجام تھا۔ اس کے کمانڈنگ آفیسر کی حیثیت سے میں ساری رپورٹوں سے واقف ہوں پھر بھی مجھے کرنل کی موت کا قلق ہے۔ میں نے اپنا ایک بہترین ساتھی کھودیا۔ اس کی موت میں تم برابر کے شریک ہو۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو'' ٹام کی آواز میں عجیب سی وحشیانہ طمانیت ابھر آئی ''گیری ہارٹ کے بعد میں محسوس کررہا تھا کہ کرنل نے ہماری کمزوری کو بھانپ لیا ہے۔ وہ ڈینی کے نام پر ہمارے ساتھ کھیل رہا تھا۔ پرسوں رات میں نے اسے اپنی بے لاگ سوچ سے آگاہ کردیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اسی کے بعد اس کا دماغ الٹ گیا ہو اور اس نے خودکشی کا مصمم ارادہ کرلیا ہو۔''

''تم نے ابھی تک اس تبادلہ خیال کی ابتدا نہیں کی جس کا شروع میں حوالہ دیا تھا!'' اول خان نے سپاٹ انداز میں اسے یاد دلایا۔

''وہ یہی سب باتیں تھیں۔ میں تم سے کرنل کی خودکشی کی تصدیق کرنا چاہ رہا تھا۔ میں تمہارا شکرگزار ہوں کہ تم نے ہر بات صاف کردی۔ تم بہت کھرے اور اچھے انسان ہو۔ مجھے ہمیشہ اپنا مخلص دوست پاؤ گے۔ میں رسمی مراسم سے بڑھ کر تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔''

کرنل داور کا قصہ نمٹ گیا تھا۔ وہ بہت ہوشیاری کے ساتھ اول خان کو دانہ ڈالنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اول خان کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تیر رہی تھی۔

''آج اداکاروں اور صداکاروں کا دن ہے۔'' فون بند ہوتے ہی میں نے کہا ''پہلے جہانگیر نے تم کو اپنی اداکاری کے جوہر دکھا کر موم کیا۔ اب تم نے اپنی صداکاری سے ٹام کو چت کردیا۔ اتنی عمدہ اور مربوط کہانی گھڑنا میرے بس سے باہر تھا۔''

''لیکن یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔'' اول خان نے مایوسی سے کہا ''باتوں ہی باتوں میں معاملہ ٹل گیا۔ وہ اپنے گھر خوش ہے۔ ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''کیا تم کسی چاند ماری کی آس لگائے بیٹھے تھے؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''ہم نے اپنے ہاتھوں سے کرنل داور کی تدفین کی ہے تو دشمن کا بھی ایک آدھ آدمی گرنا چاہیے۔'' اس نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

''کوؤں کے کوسنے سے ڈھور مرنے لگتے تو آج ہم بھی سبزی خور ہوتے۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا ''سب کچھ ہماری خواہشات کے مطابق نہیں ہوسکتا۔ دیکھتے ہیں کہ ٹام کب ہماری دھار پر آتا ہے۔''

وہ مجھے روکتا رہ گیا لیکن میں واپسی کا قصد کرچکا تھا۔ میں محسوس کررہا تھا کہ وہاں آکر میں نے اپنے وقت کا بہترین مصرف تلاش کیا تھا۔

ٹام، کرنل داور سے پرپیچ باتیں کرتا تھا۔ اس نے اول خان سے گفتگو میں اپنے دل کا سارا غبار نکال لیا تھا، اس کی نیت اور ارادوں کے بارے میں ہماری سوچی ہوئی ہر بات درست نکلی تھی۔

وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے میرے بدترین انجام کا خواہاں تھا اسی طرح میں اسے ہر قیمت پر نیچا دکھانے کا آرزومند تھا۔

☆☆☆

میں گھر پہنچا تو جلال مجھ سے پہلے وہاں موجود تھا۔ ڈرائنگ روم میں اس کے ساتھ سلطان شاہ بھی موجود تھا لیکن

اس کی میزبانی کا بیشتر بوجھ ویرا نے اٹھایا ہوا تھا۔ وہ پورے زوروشور کے ساتھ اس سے کسی بحث میں الجھی ہوئی تھی۔
''یہ کیسی عجیب بات ہے کہ آج سرکاری ریکارڈ کے مطابق تم اپنے ایک روپ میں مرحوم ومغفور ہو چکے ہو۔'' جلال نے مجھ سے ملتے ہی پرتپاک انداز میں کہا۔
''کس سرکاری ریکارڈ کی بات کررہے ہو۔ کرنل داور ایک خیالی افسانہ تھا۔ کس سرکاری ریکارڈ میں اس کا اندراج تھا؟'' ویرا نے برجستہ سوال کیا۔
''زندگی میں اس کا کہیں ریکارڈ نہ رہا ہو۔ خودکشی کے بعد قبرستان کے ریکارڈ میں اس کا نام ضرور آچکا ہے۔'' جلال نے خوش دلی سے اسے یاد دلایا۔
''اول خان بہت زیرک اور پھرتیلا آدمی ہے۔'' میں نے ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بتایا ''اس کی لیک کی ہوئی خبر تیزی سے اپنا سفر طے کرتی ہوئی ہمارے دشمن تک پہنچ گئی ہے۔''
''خبر واقعی سرعت سے پھیلی ہے۔ کرنل داور کو ایک زندہ کردار سمجھنے والے بہت سے افسران اس خبر کی تصدیق کے لیے اِدھر اُدھر فون گھما رہے ہیں۔ جلال بولا'' یہ پتا چلنا چاہیے کہ تمہارے حریفوں کے کیمپ میں اس خبر پر کیا ردِعمل ہے۔''
''وہ سامنے آچکا ہے۔'' میں نے کہا ''ٹام نے کہیں اور بھٹکنے کے بجائے براہِ راست اول خان کو فون کیا تھا۔ ساری گفتگو میری موجودگی میں ہوئی ہے۔ وہ اس خبر پر بہت خوش ہے۔''
''تم خاموشی سے ادھر کیوں نکل گئے تھے؟'' ویرا نے پوچھا۔
''اپنی خودکشی کے پروگرام پر دل اداس تھا۔ جہانگیر سے ملنے کے لیے چلا گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر بہت سی باتیں سامنے آگئی ہیں۔ ٹام نے اپنی کئی چالبازیوں کا اعتراف کرلیا ہے۔''
''مجھے یقین تھا کہ یہ خبر ان کے لیے طمانیت کا باعث بنے گی۔'' جلال نے کہا ''ٹام نے جس طرح الفا کو داؤ پر لگا کر تم کو مروانے کی ناکام کوشش کی تھی اس سے یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ اب تمہارا وجود برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔''
''وہ مجھے مروانے میں ناکام رہا۔ اب اس کی باری ہے!''
''یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' جلال کے ہونٹوں پر استہزائی مسکراہٹ رقصاں تھی۔
''کچھ کہو یا چپ رہو، میری مدد تو کرتے رہو گے نا......!'' میں نے پوچھا۔

''اس بارے میں تمہیں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ میرے دو آدمی اس وقت بھی قونصل خانے کے باہر موجود ہیں۔ وہ اپنے شب وروز وہیں بسر کررہا ہے۔''
''اس قلعے میں گھسنا محال ہے۔ اسے وہاں سے نکلنا چاہیے۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''اس نے الفا کو بھی وہیں روکا ہوا تھا۔ وہ کب تک وہاں محصور رہ سکے گا۔''
''قونصل خانے میں آسائشوں کی کمی نہیں ہے۔'' جلال نے بتایا ''حساس ملکوں میں ان کی سرکاری عمارات بہت وسیع و عریض ہوتی ہیں جہاں سوئمنگ پول سے بلیرڈ ٹیبل تک کی سہولتیں دستیاب ہوتی ہیں۔ ایسی منصوبہ بندی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی برے وقت میں ان کے شہریوں کی ایک معقول تعداد وہاں پناہ لے سکے۔ ٹام ایک لمبی مدت تک وہاں رہ سکتا ہے۔''
''تم اپنی کتھا سناؤ۔'' ویرا نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا ''تمہاری تدفین کے علاوہ دوسری اطلاعات بھی بہت دلچسپ ہونی چاہئیں۔''
اس روز جہانگیر سے پہلی مرتبہ کھل کر باتیں ہوئی تھیں جن کا تعلق صرف میری ذات سے تھا۔ اس نجی گفتگو کا ہمارے کاموں سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ ذکر گول کر کے میں نے دوسری تمام باتیں، پوری جزئیات کے ساتھ دہرانا شروع کردیں۔
میرے پہنچنے کے بعد غزالہ بھی ڈرائنگ روم میں آگئی تھی۔ ان چاروں نے گہری دلچسپی کے ساتھ وہ تفصیلات سنیں۔ اس دوران میں میری بیشتر توجہ جلال پر مرکوز رہی تھی۔ واقعات کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات میں پل پل تبدیلی آرہی تھی۔
''مجھے ڈر تھا کہ کرنل داور کا کردار ختم ہوتے ہی ہماری صفوں میں ایک خلا پیدا ہوجائے گا۔'' میرے خاموش ہونے کے بعد جلال نے طمانیت سے بھرپور لہجے میں کہا ''لیکن اول خان نے بہت کامیابی سے یہ خلا پر کرنے کی کوشش کی ہے۔''
''اس قماش کے لوگوں سے بات کرتے ہوئے چاروں کھونٹ چوکس رہنا پڑتا ہے۔'' ویرا نے اقرار کیا ''یہ بہت بڑی بات ہے کہ اول خان نے یہ مرحلہ کامیابی سے سر کرلیا۔''
''اس سے ایک غلطی ہوگئی'' جلال نے توقف کے بعد اپنی بات آگے بڑھائی ''ٹام سے اس کی اتنی لمبی گفتگو ہوئی تھی تو اسے کرنل داور کے حوالے سے کوئی ایسا شوشا بھی چھوڑ دینا چاہیے تھا کہ ٹام اس سے فوری طور پر ملنے کے لیے بے چین ہوجاتا۔''
''اس وقت میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں آرہی تو

بے چارہ اول خان ذہنی دباؤ کے عالم میں کیا سوچ سکتا تھا؟'' ویرانے اول خان کی طرف داری کی۔

''بس اپنی اپنی سوچ کی بات ہوتی ہے۔ میں جلال کے خیال سے متفق ہوں۔'' میں نے کہا ''اور کچھ نہیں تو کرنل داور کی چھوڑی ہوئی کسی ڈائری کا ذکر کیا جا سکتا تھا۔ ٹام اسے حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو جاتا۔''

''میں شرط لگا سکتی ہوں کہ اپنے کانوں سے ساری باتیں سننے کے باوجود اس وقت یہ نکتہ تمہارے دماغ میں نہیں آیا ہوگا تو بے چارہ اول خان کیسے یہ بات سوچ سکتا تھا'' ویرا اپنی بات پر اڑی رہی۔

''یہ بحث بے سود ہے۔ اب آنے والے وقت پر نگاہ رکھو'' جلال نے بردباری سے کہا۔

''اب سارا انحصار تمہارے آدمیوں کی رپورٹ پر ہے۔ ہم میں سے کوئی ان اطراف میں جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔''

''ان کی طرف سے تم بےفکر رہو'' جلال میری بات کے جواب میں بولا ''وہ پل پل کی خبریں دیتے رہیں گے۔ دونوں تجربے کار آدمی ہیں۔ عقاب جیسی نگاہیں رکھتے ہیں۔ میں یہ بھی بتا دوں کہ اب اس مہم میں ہمارا زبانی کلامی ساتھ رہے گا۔ عملی فیصلے تمہارے ہوں گے۔ اس میدان میں میرا کوئی آدمی تمہارا ساتھ نہیں دے سکے گا۔''

اسے وہ بات کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ضابطوں کی سختی سے پابندی کرنے والا افسر تھا۔ اس سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ ہم سے اپنے مراسم نبھانے کے لیے سرکاری پالیسی سے تجاوز کر کے کسی بدطینت امریکی افسر کی گوشمالی میں ہمیں عملی مدد فراہم کرے گا۔

''ٹام کے چکر میں ہم نے سوبھراج کو فراموش کر دیا ہے'' میں نے دھیرے سے کہا ''گرین کوبرا کی وجہ سے اس وقت وہ زیادہ اہم ہے۔''

''اس پر بھی کام ہو رہا ہے۔ اس کا سراغ مل جائے تو ہم بے خوف ہو کر اسے رگید سکتے ہیں۔ ٹام کے معاملے میں ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس سے صرف تم نمٹ سکتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تمہیں اس پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کے لیے کہا ہے۔ جو سامنے ہے اسے گھیرنے کی کوشش کرو۔ سوبھراج بھی جلد ہی سامنے آ جائے گا۔ اس وقت تک تم ٹام سے نمٹ چکے ہو گے۔''

''تم نے اپنے طور پر کام بانٹ لیا ہے لیکن معلومات میں شراکت کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔'' میں نے نرمی سے کہا

''سوبھراج کے بارے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے؟''

''فی الحال سناٹا ہے'' جلال نے بتایا ''میں نے بنکاک والے آدمی کو ہوشیار کر دیا ہے۔ اس سے چھوٹے راجن کا ذاتی موبائل فون نمبر بھی مل گیا ہے۔ سوبھراج نے ادھر کا رخ کیا تو ہمیں بلاتاخیر اطلاع مل جائے گی۔ میں کسی طرف سے غافل نہیں ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں وہ فوری طور پر یہاں سے نہیں جائے گا'' ویرا پرخیال انداز میں بولی ''کسی نہ کسی طرح یہ بات جلد ہی سامنے آ جائے گی۔''

وہ سلسلہ آگے بڑھانے سے پہلے میں نے جلال سے راجن کا فون نمبر مانگ لیا۔ دوسرے مسائل میں الجھ کر وہ نکتہ میرے ذہن سے نکل سکتا تھا۔ جلال کو پہلے سے میری فرمائش کا اندازہ تھا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک مڑا ہوا کاغذ نکال کر میری طرف بڑھا دیا اور خود ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''تمہارے اس اندازے کی کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور ہو گی'' اس نے ویرا سے کہا۔

''ابھی تک وہ ڈینی کے نام پر امریکیوں سے سودے بازی کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید ڈینی کے بدلے ایف بی آئی اس کے ناکردہ گناہ کو معاف کر دیتی لیکن جہانگیر کی بازیابی نے سوبھراج کی بساط الٹ دی ہے۔ وہ مر کر بھی دوبارہ اس پوزیشن میں نہیں آ سکتا۔ اب اس کے ہاتھ میں گرین کوبرا کارڈ ہے۔ اسے اپنی زندگی عزیز ہے تو وہ اس پر کوئی سمجھوتا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے لیے وقت درکار ہے۔ وہ یہاں رکنے پر مجبور ہو جائے گا۔''

سوبھراج نے مجھ سے گرین کوبرا کی نیلامی کے بارے میں جو ہرزہ سرائی کی تھی وہ میرے لیے اس کے جذباتی ابال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی۔ اس معاملے میں ویرا نے بہت قوی امکان کی نشاندہی کی تھی۔ سوبھراج کے پاس کالے دھن کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اپنی تمام تر بدنصیبی کے باوجود وہ بہت خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا اہل تھا اور زندگی اس کے لیے سب سے بڑا سوالیہ نشان بنی ہوئی تھی۔ جب تک ایف بی آئی والے اسے معاف نہیں کرتے، وہ سکھ کی نیند نہیں سو سکتا تھا۔

اس موضوع پر جلال کے ذہن میں کئی سوال مچل رہے تھے۔ ان پر اطمینان ہو جانے کے بعد وہ ہم سے رخصت ہوا تو سوبھراج کے معاملے میں وہ ویرا کا ہم خیال ہو چکا تھا۔

کچھ دیر کے بعد میں اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس وقت میرے ذہن میں خیالات کے گرداب سے بن اور

بگڑ رہے تھے۔ میرے لیے ٹام اور سوبھراج دونوں ہی اہم حریف تھے۔ اپنی سہولت کے لیے ان میں سے کسی ایک کو نظرانداز کر کے دوسرے پر پوری توجہ مرکوز کرنا مناسب نہیں تھا۔ دونوں مہلک اور موذی دشمن تھے۔ ان پر بیک وقت نگاہ رکھنی ضروری تھی۔

پھر غزالہ بھی کمرے میں آ گئی۔ دوسرے مسائل کے باوجود جہانگیر سے ہونے والی باتیں میرے دل پر ایک بوجھ بنی ہوئی تھیں۔ میں نے بہت نرمی اور چاہت کے ساتھ غزالہ سے اس ذاتی موضوع پر بات چھیڑ دی۔

ہم لوگ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ میرے موبائل فون پر جلال کی کال آ گئی۔

''تمہاری دعائیں رنگ لے آئی ہیں۔ ٹام اپنی کمین گاہ سے نکل کر ساحل سمندر کی کھلی فضا میں پہنچ چکا ہے'' اس نے پرجوش آواز میں بتایا۔

''خبر بہت اچھی ہے۔ اس کی تفصیلات کیا ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''آج چودھویں نہیں لیکن چاندنی رات ہے'' جلال کہہ رہا تھا ''ٹام دو گاڑیوں میں سات نفری کارواں لے کر شب بسری کی پوری تیاری کے ساتھ ہاکس بے کے سنی ہٹ پر پہنچا ہے۔ ایک گاڑی میں اس کے ساتھ ایک اور مرد اور دو عورتیں تھیں۔ دوسری گاڑی میں سوار تینوں آدمیوں نے اپنے اسلحے کے ساتھ ہٹ کے گرد اپنی جگہیں سنبھال لی ہیں۔ وہ کمانڈوز معلوم ہو رہے ہیں۔''

''دو مرد، دو عورتیں، تین کمانڈوز اور شب بسری کے لوازم!'' میں نے اس کی بتائی ہوئی تفصیل دہراتے ہوئے کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ وہ کرنل داور کی موت کا مادر پدر آزاد جشن منانے کی نیت سے وہاں پہنچا ہے۔ دو مردوں کے لیے دو عورتوں کی موجودگی بتا رہی ہے کہ رات گہری ہونے تک وہاں طرب ونشاط کی محفل سج چکی ہو گی۔''

''معلوم یہی ہو رہا ہے'' اس نے میری تائید کی۔ ''تم دو عورتوں کے لیے دو مرد بھی کہہ سکتے ہو۔ ان لوگوں کی جدید معاشرت میں جنس سے عزت وعصمت کا تصور ناپید ہو چکا ہے۔ اسے جسمانی تفریح کا ایک درجہ دے دیا گیا ہے۔''

''ان کی اخلاقیات پر زیادہ دھیان مت دو۔ یہ سوچو کہ اس وقت ہمارا ہدف ایک ساحلی ویرانے میں موجود ہے'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''ہمارا نہیں صرف اپنا ہدف کہو'' اس نے میری تصحیح کی

''اور یہ بھی سن لو کہ آج ہفتے کی رات ہے۔ شہر کے من چلوں کی خاصی تعداد وہاں پہنچی ہوئی ہے۔ ساحل پر خاصے ہٹ آباد نظر آ رہے ہیں۔ کوئی بھی پلان بناتے ہوئے اس بات کو ملحوظ رکھنا ہو گا۔''

''وہ سات ہیں۔ ساحل پر دوسرے لوگ بھی آئے ہوئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ زیادہ نفری درکار ہو گی۔ مجھے اول خان کو ٹٹولنا پڑے گا'' میں نے تفکر آمیز انداز میں کہا۔ میرے ذہن میں ہاکس بے کی ساحلی پٹی کا نقشہ جمنا شروع ہو گیا تھا۔

''جنرل کی طرف سے پابندیاں ہٹائے جانے کے بعد وہ تمہارا ساتھ دے سکے گا'' جلال نے اپنا خیال ظاہر کیا ''آج کی رات تمہارے لیے فیصلہ کن ہے۔ یہ موقع دوبارہ نہیں آئے گا۔ میرا مشورہ ہے کہ جو کچھ کرنا ہے، دو بجے کے بعد کرنا۔ شراب کے بغیر ان کا کوئی جشن پورا نہیں ہوتا۔ وہ دو جوڑے ہیں۔ اس وقت تک نشے میں دھت ہو چکے ہوں گے اور آسانی سے زیر ہو جائیں گے۔ تم کو تینوں کمانڈوز سے اصل مقابلہ کرنا ہو گا۔ ان کے لیے بہت زیادہ آدمیوں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔''

''تمہارے دونوں آدمی کب تک وہاں رہیں گے؟''

''انہیں بھول جاؤ۔ اپنے بارے میں وہ خود فیصلہ کریں گے۔ فی الحال وہ وہیں موجود ہیں۔ کوئی نئی بات سامنے آئی تو وہ فوراً مجھے اطلاع دیں گے۔''

''او کے جلال۔ میں ان تفصیلی معلومات کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں۔''

''میں تمہاری سلامتی اور کامیابی کے لیے دعا گو رہوں گا'' ان کلمات کے ساتھ فون خاموش ہو گیا۔

اس خبر پر ہمارے درمیان جوش اور سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ غزالہ سمیت ہر ایک اس مہم پر جانے کے لیے کمر بستہ نظر آ رہا تھا۔

میں نے اول خان کو فون کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر رک گیا۔ دو عیش کوش جوڑوں کو مقابلے سے خارج کر کے تین کمانڈو رہ جاتے تھے۔ وہ ہٹ کے گرد موجود اور آنے والے وقت سے بے خبر تھے۔ ہم پوری تیاری کے ساتھ ان پر شب خون مارتے تو ان تینوں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ہم چاروں کافی تھے۔ اضافی نفری اپنے ساتھ لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

میں کچھ دیر تک اس مشن کے نشیب وفراز پر غور کرتا رہا۔ ہمارے پاس پستول، ریوالور، بیم گن اور زہریلی انگوٹھیوں جیسے

دستی ہتھیار موجود تھے جب کہ اس مہم کے لیے لمبی رینج کے جدید ہتھیار لے جانے ضروری تھے جو اول خان ہی ہمیں فراہم کر سکتا تھا۔

فائرنگ کے نتیجے میں پولیس کی مداخلت متوقع تھی۔ اس سے نمٹنا ہمارے بس سے باہر تھا۔ مجھے اس جشن کے دوسرے شرکا سے کوئی سروکار نہیں تھا مگر میری خواہش تھی ٹام کو زندہ قیدی بنایا جائے۔ اس خواہش کی تکمیل کی صورت میں اسے ہاکس بے سے شہر لانا ایک دشوار ترین مرحلہ تھا۔ جلال اس معاملے سے بالکل الگ تھا۔ ٹام کو صرف اسٹیشن فور لے جایا جا سکتا تھا۔

وہ ایک خطرناک اور بڑی مہم تھی۔ اس میں اول خان کی عدم شمولیت کی وجہ سے ہماری اولین کامیابی کسی بھی مرحلے پر بدترین ناکامی اور سنگین مسائل سے دوچار ہو سکتی تھی۔

وہ بہت واضح خطرات تھے۔ مجھے اس بارے میں کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اس فیصلے پر پہنچتے ہی اول خان سے موبائل فون پر رابطہ کر لیا۔

اس وقت وہ اپنے گھر پر آرام کر رہا تھا۔ نئی خبر سنتے ہی وہ چونچال ہو گیا ”میں کہہ رہا تھا کہ میری چھٹی حس مجھے آج کی رات بھاری پڑنے کی خبر دے رہی تھی۔ دیکھ لو کہ بڑی خبر آ ہی گئی۔ اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔ وہ سات ہیں تو ہم بھی دس بارہ ہونے چاہئیں۔“

”یہ رات ہم پر نہیں، ان پر بھاری پڑے گی۔“ یہ کہہ کر میں نے اسے تفصیلات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ ان میں جلال کے بیش قیمت مشورے بھی شامل تھے۔

اس نے بہت سکون اور تحمل سے ہر بات سنی پھر بولا ”جلال نے تجربے کے گر بتائے ہیں۔ سب کچھ اسی طرح ہو جاتا ہے تو زیادہ پھیلاوے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی جیپ میں ایک آدمی کے ساتھ ہتھیار لے کر آتا ہوں۔ تم چاروں روانگی کی تیاری شروع کر دو۔ دونوں گاڑیوں میں تین تین کی نفری بٹ جائے گی۔ چاہو تو صرف میری جیپ میں چل سکتے ہو۔ سب آرام سے اس میں سما جائیں گے۔“

”اس اہم مشن میں دو گاڑیاں بہتر رہیں گی۔ راستے میں کوئی ٹائر پنکچر ہو گیا تو بلاوجہ کوفت ہو گی۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

اس نے اپنی گاڑی اور اس کے ٹائروں کی شان میں کچھ قصیدے سنائے مگر اصولی طور پر میری تجویز مان لی۔

اس سنہرے موقع کے انتظار میں ہم کب سے گن گن کر گھڑیاں کاٹ رہے تھے۔ سب کچھ یکایک اتنا آسان نظر آنے لگا تھا جیسے ہم ہاکس بے کے سنی ہٹ پر پہنچیں گے اور ٹام دست بستہ ہمارے سامنے آ جائے گا۔ آنے والے وقت کی ہم میں سے کسی کو خبر نہیں تھی۔

اول خان کا گھر ہتھیار خانہ نہیں تھا۔ ضروری ہتھیاروں اور میگزین وغیرہ کے لیے اسے اپنے گھر سے اسٹیشن فور جانا تھا۔ وہ ہر طرف سے فارغ ہو کر ٹھیک گیارہ بجے ہمارے پاس پہنچ گیا۔

ٹام سے ہماری ذاتی لڑائی چل رہی تھی۔ اس کے اسباب کی جڑیں قومی سلامتی کے اہم ترین معاملات تک جاتی تھیں لیکن یہ کھلی بدنصیبی تھی کہ وہ ہمارے قوانین کی نظروں میں مجرم نہیں، ایک مراعات یافتہ سفارتی اہل کار تھا جسے انگلی لگانا بھی قابلِ تعزیر تھا۔

ہاکس بے کے ساحل پر جم کر ان لوگوں کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مجرم ہوتے تو ان سے ڈٹ کر محاذ آرائی کی جا سکتی تھی۔ میں اس مشن میں مارنے اور بھاگ نکلنے کے نظریے پر کاربند رہنا چاہتا تھا۔

بارہ بجے ہم دونوں گاڑیوں میں گھر سے روانہ ہو گئے۔ میں اول خان اور اس کے آدمی کے ساتھ جیپ میں سوار تھا۔ بقیہ تینوں نفوس ہماری گاڑی میں پیچھے آ رہے تھے۔

ہم وقت سے پہلے ہاکس بے پہنچ کر حملے سے پہلے سنی ہٹ اور اس کے قرب و جوار میں پائے جانے والے حالات کا گہری نظر سے جائزہ لینا چاہتے تھے تاکہ بعد کی امکانی دشواریوں کا پیشگی سدِباب کیا جا سکے۔ ڈرائیونگ میں کسی عجلت کا مظاہرہ کیے بغیر ہم مقررہ وقت سے بہت پہلے آبادی کو بہت پیچھے چھوڑ کر سمندر کے متوازی پھیلی ہوئی سڑک پر پہنچ گئے جہاں چڑھتی رات کی خنک ساحلی ہواؤں نے ہمارا استقبال کیا۔

عام دنوں میں تاریک اور ویران ساحل کے ساتھ جا بجا روشنیوں کے جگنو چمک رہے تھے۔ جلال کے آدمیوں کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق بہت سے ہٹ روشن نظر آ رہے تھے۔ ہوا کے دوش پر کبھی کبھی مسرت آمیز انسانی آوازیں اور چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

راستے میں تین مقامات پر پولیس موبائلوں سے ہمارا سامنا ہوا تھا لیکن کسی نے ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ عام پولیس والے افراد سے پہلے شان دار گاڑیوں سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ اول خان کی چمچماتی ہوئی جیپ ان کے سامنے ہماری ڈھال بنی ہوئی تھی۔

اپنے رقبے، ساخت اور بلندی کی وجہ سے سنی ہٹ اس علاقے کی مشہور عمارت تھی۔ اس پر جس فراخ دلی سے کثیر

سرمایہ لگایا گیا تھا اس سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ عمارت امریکی قونصل خانے کی ملکیت رہی ہوگی۔
اول خان کے ایما پر ڈرائیور نے جیپ کی رفتار کم کر دی۔ میری نگاہیں سنی ہٹ پر مرکوز ہو گئیں۔ درمیان میں آنے والے ناہموار ٹیلوں کی وجہ سے اس طرف کی ساحلی پٹی ابھر ابھر کر معدوم ہو رہی تھی۔ چاند کی ٹھنڈی اور دھیمی روشنی میں مجھے ساحل ویران نظر آیا۔ ٹام اور اس کے تینوں ساتھیوں میں سے کوئی بھی باہر نظر نہیں آ رہا تھا۔ ان کے محافظوں میں سے صرف ایک میری نظر میں آ سکا۔ وہ وسیع ہٹ کے عقبی چبوترے پر اطمینان سے بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔
سنی ہٹ کا گہرا جائزہ لیتے ہوئے ہم آگے نکل گئے۔ کچھ دیر بعد واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ اس دوران میں اول نے اس مقام کا تعین کر لیا تھا جہاں سے ہم اپنی گاڑیاں ریتیلی پگڈنڈی پر اتار کر سنی ہٹ کے ایک قریبی ہٹ تک پہنچ سکتے تھے جو تاریک اور ویران نظر آ رہا تھا۔
جیپ بائیں طرف مڑ کر ریت میں اتری تو مجھے دوسرا کمانڈو نظر آ گیا۔ وہ سنی ہٹ کی بغلی سمت میں بے پروایانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنے بھاری وجود پر منڈھے ہوئے کپڑوں پر نظر آنے والی گن کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تیسرا ساتھی ہٹ کے دوسرے پہلو کی حفاظت کر رہا ہوگا۔
بظاہر کوئی خطرہ نہ ہونے کے باوجود وہ تینوں نہایت پیشہ ورانہ انداز میں اپنی اپنی جگہوں پر چٹان بنے ہوئے تھے۔
تاریک ہٹ سے آگے نکل کر جیپ روک دی گئی۔ وہاں سے سنی کا برآمدہ اور اگلا حصہ بہت واضح نظر آ رہا تھا۔ وہ چاروں نہانے کے مختصر ترین لباسوں میں روشن برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وسط میں پڑی ہوئی میز پر رکھی ہوئی کسی شراب کی بڑی بوتل دوسرے لوازم سے بہت ممتاز تھی۔
اتنی دور سے ٹام مجھے نہیں پہچان سکتا تھا مگر پھر بھی احتیاط ضروری تھی۔ میں خالی ہاتھ جیپ سے دوسری طرف اتر گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر کوفت ہوئی تھی کہ ڈیڑھ بجنے کے باوجود وہ چاروں اس قابل تھے کہ ساحل کی طرف سے کھلے ہوئے برآمدے میں بیٹھ کر خوش گپیاں کر سکیں۔
صرف ایک بات حوصلہ افزا تھی کہ وہ چاروں شراب نوشی میں مصروف تھے۔ ان کی دلچسپیاں جھاگ اڑاتے سمندر سے ہٹ کر ایک دوسرے کے جسموں تک محدود ہو چکی تھیں۔ مردوں کی چھیڑ چھاڑ اور لڑکیوں کے بے ساختہ قہقہے فضا میں ترنم سا بکھیر رہے تھے۔
اس سے آگے بہت سے سر پھرے لڑکے لڑکیاں پانی سے اٹھکیلیاں کرتے پھر رہے تھے۔ وہ خوش حال گھرانوں کے روشن خیال چشم و چراغ تھے۔ انہیں نیم برہنہ سفید فاموں اور ان کی سرگرمیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہاں آئے ہوئے سب لوگ اپنی اپنی دنیا میں مگن تھے۔
اس وقت مجھے احساس ہوا کہ ہم شہر سے میلوں دور، ساحل پر آ گئے تھے لیکن کسی کے پاس تیراکی کا لباس نہیں تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہاں متعدد لوگ پائنچے چڑھا کر پورے لباس کے ساتھ سمندر کی خنکی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ میں نے جھک کر پائنچے چڑھائے اور خراماں خراماں ساحل کی لکیر کی طرف ہو لیا۔
میں خود کو ٹام کی نظروں سے بچائے رکھنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ویرا سفید فام ہونے کی وجہ سے مجھ سے زیادہ مشکل سے دوچار ہوگی۔ اول خان کا بھی محتاط رہنا ضروری تھا۔
چند منٹ بعد ہم سب سنی ہٹ سے کافی دور، سمندر کے اتھلے پانی میں کھڑے ہوئے تھے۔
''چاروں بلانوش لگتے ہیں۔'' ویرا تشویش آمیز آواز میں بڑبڑائی ''ان کے مدہوش ہونے کا انتظار کرتے رہے تو ہمیں سویرا ہو جائے گا۔''
''اس سے کیا فرق پڑے گا۔'' میں نے کہا ''یہاں تک آ گئے ہیں تو انتظار کرنے میں کیا حرج ہے۔ ہمارے اطمینان کے لیے کافی ہے کہ ٹام ہمارے سامنے ہے۔ کچھ دیر تک تیل اور تیل کی دھار دیکھتے ہیں پھر فیصلہ کریں گے کہ انتظار کرنا بہتر رہے گا یا اللہ کا نام لے کر دھاوا بول دینا چاہیے۔''
''انتظار بھی کر لیا جائے گا۔'' سلطان شاہ بولا ''اس دوران میں یہ فیصلہ کر لو کہ کون کدھر کا رخ سنبھالے گا۔ تینوں کمانڈوز الگ الگ سمتوں میں جمے ہوئے ہیں۔ انہیں ایک پوزیشن سے نشانے پر نہیں لیا جا سکے گا۔''
مجھے چاندنی کی فکر ہونے لگی۔ وہ باضابطہ طور پر مسلح کمانڈوز کو اپنے ساتھ لے کر سمندری پکنک پر آئے تھے اور بے فکری سے اپنے ہتھیاروں کی نمائش کر رہے تھے۔ ان کی بے خبری میں حملہ آور ہونے کے لیے آڑ بہت ضروری تھی لیکن چاند کی پھیکی روشنی نے دور دور تک سب کچھ اتنا واضح کر دیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے ریتیلے ٹیلے ہمیں کوئی تحفظ فراہم نہیں کر سکتے تھے۔
میں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو مطلع بالکل صاف تھا۔ چاند پر بدلی آنے کے دور دور تک کوئی آثار نہیں

تھے۔

گھر بیٹھ کر نہایت آسان نظر آنے والا وہ مشن میدان میں اترتے ہی دشواریوں کا شکار ہوتا نظر آرہا تھا۔ ان تینوں محافظوں کو بیک وقت پہلے فائر میں ہلاک یا زخمی کرنا بہت ضروری تھا۔ انہیں ذرا بھی مہلت ملتی تو وہ اپنے جوابی فائر سے سامنے والے کو بھون ڈالتے۔ ہماری کسی غلطی سے فائدہ اٹھا کر وہ کمانڈوز ہٹ میں گھسنے میں کامیاب ہوجاتے تو ہم کسی قیمت پر اپنے مقاصد حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ پولیس یا اپنے قونصل خانے سے کوئی کمک آنے تک وہ ہمیں آسانی سے باہر روک سکتے تھے۔ سنی ہٹ کی چھت پر پہنچا ہوا ایک کمانڈو باہر پھیلے ہوئے بیس آدمیوں کے لیے کافی ہوتا جبکہ ہماری نفری کل چھ تھی جن میں دو عورتیں شامل تھیں۔

میرا ذہن بری طرح الجھ گیا۔ وہاں تک آجانے کے بعد دشمن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر واپس لوٹ جانا ناممکن تھا۔ تصادم میں پوشیدہ خطرات و امکانات دماغ کو ماؤف کیے دے رہے تھے۔ میرے دل ودماغ میں ایک ہیجان سا برپا ہو چکا تھا۔

مجھے خوف آنے لگا کہ کہیں ٹام بھی سوبھراج کی طرح ہمیں اپنی جھلک دکھا کر صاف نہ نکل جائے۔ اندیشوں کے اس ہجوم میں کامیابی کی صرف ایک راہ نظر آرہی تھی کہ بے مقصد گولیاں چلا کر انہیں ہوشیار کرنے کے بجائے سنی ہٹ پر ایک ساتھ کئی دستی بموں سے حملہ کردیا جائے۔ یقینی طور پر وہ ایک اندھا دھند اور خودکش حملہ ہوتا جو جس کی زد میں آتا، مارا جاتا۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر سرعت سے ٹام تک پہنچنا ممکن تھا۔

وہ کامیابی کی ایک راہ ضرور ثابت ہوسکتی تھی لیکن ہمیں اس کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی۔ ہماری ٹیم میں سب ایک دوسرے کے چہیتے اور پیارے تھے کوئی ایسا نہیں تھا جسے اس نازک وقت پر قربانی کا بکرا بنایا جاسکے۔

ٹام کے لیے وہ قیمت بہت زیادہ تھی، میں اس کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔

''کیا بات ہے...... تم بہت پریشان نظر آرہے ہو!'' اول خان نے مجھے ایک طرف لے جاکر پوچھا۔

اسے سب کچھ بتانا ممکن نہیں تھا۔ میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے کہا ''آمنے سامنے کے مقابلے کے لیے ان کی دفاعی پوزیشن بہت مضبوط ہے۔ میں سنی ہٹ پر دستی بموں سے اچانک حملہ کرنے کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہورہا ہوں۔''

اول خان ریٹائرڈ فوجی تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایسے بہت سے تماشے دیکھے ہوئے تھے۔ اس نے دوٹوک الفاظ میں انکار کردیا ''میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ ہم میں سے ایک بھی مارا گیا تو تم ساری زندگی خود کو کوستے رہوگے۔ اس سے بہتر ہوگا کہ ہم جس طرح آئے ہیں، خاموشی سے واپس لوٹ جائیں۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''اس کے ساتھ یہ بھی بتادوں کہ ہم یہاں بمباری کرنے کے ارادے سے نہیں آئے تھے۔ میری جیب میں دو چار ہلکے دستی بم ضرور ہوں گے لیکن وہ سنی ہٹ کی مضبوط عمارت کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔''

''میں پہلے ہی نکال چکا ہوں، اپنی تسلی کے لیے تمہاری رائے لے رہا تھا۔''

''اوہ! اندھیرا ہوگیا!'' یکایک ویرا کی بے ساختہ آواز ابھری۔

میں نے چونک کر سر گھمایا تو سنی ہٹ کا روشن برآمدہ تاریک ہوچکا تھا۔ وہ چاند کی براہِ راست کرنوں سے محروم تھا لیکن ادھر ادھر سے آنے والے انعکاس میں صاف نظر آرہا تھا کہ برآمدے کی دو کرسیاں خالی ہوچکی تھیں۔ ایک دوسرے میں مدغم ہونے کے بعد بے چین اور بھاری ہیولوں کی کل تعداد دو رہ گئی تھی۔

ان کے معدوں میں اتری ہوئی شراب ان کے دماغوں میں چڑھ رہی تھی۔ بنتِ عنب نے اپنا کام دکھانا شروع کردیا تھا۔ عفت و آبرو کے مفہوم سے ناآشنا کھوپڑیوں پر شیطان نے اپنی سواری گانٹھنی شروع کردی تھی۔

ساحل پر دم توڑنے والی موجوں کے ہلکے ہلکے ماورائی شور میں وہ چاروں تاریک برآمدے میں بیٹھے رہے۔ میری نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں مگر میرا ذہن کہیں اور تھا۔ میں نے سنجیدگی سے اول خان کی دی ہوئی واپسی کی تجویز پر غور کرنا شروع کردیا۔

اچانک رات کے سناٹے میں کہیں سے فائر کی ایک گرج دار آواز گونجی اور میں بے اختیار اپنے سینے کے بل نرم اور گیلی ریت پر گرتا چلا گیا۔ آواز قریب کی تھی۔ مجھے اپنے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے تھے!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈیلی کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران ٹام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ قاسم فشریز پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوبھراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد فشریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوراً طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سوبھراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کوبرا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔ بعد میں جلال نے اس دعوے کی تصدیق کر دی۔ اس کے مطابق مذکورہ فائل سوبھراج نے اپنے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ سوبھراج کا کہنا تھا کہ وہ گرین کوبرا اس کی سلامتی کی ضمانت تھی۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکرا اتار رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا سامان پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ موقع اچھا تھا اور اس موقع پر انہیں گھیرا جا سکتا تھا۔

☆☆☆

ساحل پر دم توڑنے والی موجوں کے دھیمے دھیمے مگر پُر ہول شور میں فائر کی وہ آواز کسی بھیانک آسیبی چیخ سے کم نہیں تھی۔ ٹام اور اس کے ساتھی اس ساحلی ویرانے میں بے فکری سے جشن منانے کے ارادے سے آئے ہوئے تھے۔ ان کی طرف سے وہ فائر قطعی غیر متوقع تھا۔

میں نے سینے کے بل نرم ریت پر گرتے ہی اپنے گرد و پیش میں نگاہیں دوڑائیں اور یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ میرے تمام ساتھی میرے آس پاس، کم و بیش اسی دفاعی پوزیشن میں لیٹے ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔

فائر کی گرج دار آواز سے صاف اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی طاقت ور رائفل سے کیا گیا تھا۔

فضا میں اس فائر کی گونج معدوم ہونے سے پہلے اچانک غزالہ کی دبی دبی ہیجانی آواز ابھری "وہ کیا...... ابھی ابھی ہوا میں کوئی چوپایہ سا اچھلا ہے!"

اس وقت میں ان لوگوں کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ غزالہ کی آواز سنتے ہی میری نظریں غیر ارادی طور پر اس سمت میں اٹھ گئیں جدھر غزالہ دیکھ رہی تھی۔

"میں نے بھی سنی ہٹ کے پیچھے وہ سایہ اچھلتے دیکھا ہے۔" اول خان نے دھیمی آواز میں غزالہ کی تائید کی "کوئی کتا یا بھیڑیا معلوم ہو رہا تھا۔"

میں نے ان دونوں کی آرا پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میری نگاہیں سنی ہٹ کی طرف جمی رہیں۔

وہ شہر سے بہت دور، ویران ساحلی علاقہ ضرور تھا لیکن وہاں بھیڑیوں اور گیدڑوں وغیرہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اگر غزالہ اور اول خان نے مختصر وجود والے کسی چوپایے کو فضا میں اچھل کر گرتے ہوئے دیکھا تھا تو وہ کوئی آوارہ کتا ہی ہو سکتا تھا۔

کھلے ویرانے میں فائر کی آواز بہت دور تک پھیلی تھی۔ وقتی طور پر شاید لوگ چونکے ہوں مگر ان کی تفریحی سرگرمیاں دوبارہ بحال ہو چکی تھیں۔

وہ ایک تفریحی علاقہ تھا۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ شہر کے اوباش امراء اپنی عیاشیوں کے لیے اکثر اپنے ان ساحلی ٹھکانوں میں راتیں بسر کرنے کے لیے آتے ہیں۔ جہاں قانون کی عمل داری برائے نام ہے۔ جب تک کہیں کوئی دنگا فساد نہ ہو، قانون کے رکھوالے لوگوں کی خلوتوں میں دخل انداز ہو کر رنگ میں بھنگ نہیں ڈالتے۔ کبھی کبھار نشے میں بہکا ہوا کوئی شخص اپنی والہانہ خوشی کے اظہار میں اکا دُکا ہوائی فائر بھی کر ڈالتا ہے جسے لوگ جشنِ طرب کا ایک حصہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ہماری ٹولی کی کیفیت وہاں آئے ہوئے دوسرے سیلانیوں سے بہت مختلف تھی۔ ہم اپنے ایک اہم اور خطرناک دشمن کی سرکوبی کے مشن پر آئے ہوئے تھے۔ دشمن مسلح اور چوکنا تھا۔ اس کے عشرت کدے کی طرف سے چلائی جانے والی گولی کو ہم میں سے کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

اس وقت ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔ میں کئی ثانیوں تک ریت پر اسی طرح پڑا، کسی اور فائر یا جوابی آواز کا انتظار کرتا رہا لیکن وہاں کچھ بھی نہیں ہوا۔ پہلے کی طرح ہر طرف سکوت کا راج ہو چکا تھا۔ سمندری پانی میں تفریح کرنے والوں کی مسرت آمیز آوازیں، ساحل پر دم توڑتی ہوئی موجوں کی مہیب آوازوں میں دب کر رہ گئی تھیں۔

اس فائر کے نتیجے میں سنی ہٹ کا ساحلی برآمدہ ویران ہو چکا تھا۔ وہاں کی روشنیاں گل ہونے کے بعد دو کرسیاں پہلے ہی خالی ہو چکی تھیں۔ بقیہ دو کرسیوں پر باہم شیر و شکر ہونے والے چاروں وجود فائر ہوتے ہی اندر بھاگ گئے تھے۔ اس وقت چاروں خالی کرسیاں ہمارا منہ چڑا رہی تھیں۔

ابتدائی جھٹکے سے سنبھالا لینے میں کئی ثانیے گزر گئے۔ اندھیرا ہونے کے باوجود ہم میں سے کسی نے فائر کی چمک نہیں دیکھی تھی لیکن آواز کی سمت سے یہ تعین ہو گیا تھا کہ گولی سنی ہٹ کی طرف سے چلائی گئی تھی۔ وہاں نظر آنے والے چاروں افراد کا ردِعمل ہم سے مختلف نہیں تھا۔ گولی چلتے ہی وہ اضطراری طور پر اندر بھاگ گئے تھے۔ اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ سامنے آ رہا تھا کہ وہ گولی سنی ہٹ کے گرد مامور کسی کمانڈو نے چلائی تھی۔

اس مفروضے کو غزالہ اور اول خان کے مشاہدے سے جوڑنے کے بعد میرے ذہن میں ایک ہی امکان ابھر رہا تھا کہ خوراک کی بُو پا کر سنی ہٹ کا رخ کرنے والا کوئی آوارہ کتا کسی محافظ کی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ گولی کی زد میں آ کر مرنے والے کتے کی چیخ نہ ابھرنے کا ایک ہی سبب ہو سکتا تھا کہ طاقت ور رائفل کے فائر نے چشم زدن میں کتے کی مختصر سی کھوپڑی اڑا دی ہو۔

وہ خیال ذہن میں راسخ ہوتے ہی میں زمین چھوڑ کر اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

"کیا کر رہے ہو؟" ویرا میری پتلون کا گیلا پائنچا کھینچ کر

مضطربانہ آواز میں بولی ''کچھ دیر تک نیچے پڑے رہو۔ پتا نہیں کب دوسری گولی چل جائے۔''

''اب کوئی گولی نہیں چلے گی۔'' میں نے نیچی آواز میں پورے اعتماد سے جواب دیا ''سنی ہٹ کی طرف بڑھنے والا کوئی بھوکا اور آوارہ کتا مارا گیا ہے۔ ابھی انسانوں کا نشانہ لینے کی باری نہیں آئی ہے۔ میں بڑھ کر دیکھتا ہوں کہ وہاں کیا ہوا ہے۔''

میرے تجزیے سے میرے ساتھیوں کو حوصلہ ملا اور وہ ایک ایک کر کے اپنے قدموں پر کھڑے ہوتے چلے گئے۔

''ہوسکتا ہے کہ تمہارا اندازہ درست ہو لیکن وہ سب ہوشیار ہیں۔ اس وقت تمہارا ان کی طرف جانا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔'' اول خان نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''کتا مارا گیا ہے تو اسے دیکھ کر تم کیا تیر مار لو گے!'' ویرا نے اپنے مخصوص انداز میں مجھے پیش قدمی سے روکنے کی کوشش کی۔

میں نے ان دونوں کو فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ اس واقعے کے نتیجے میں مجھے اپنی مشکل آسان ہوتی نظر آرہی تھی۔ چند منٹ پہلے میں بے نیل ومرام واپسی کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور ہوگیا تھا مگر عین وقت پر قدرت نے مجھے سنی ہٹ تک جانے کا ایک سنہرا موقع فراہم کردیا تھا۔

میرے ذہن میں یکایک روشن امکانات کی ایک یلغار ہونے لگی تھی۔ ان لوگوں کو چند فقروں میں وہ سب سمجھانا ممکن نہیں تھا۔ میرے لیے کچھ کر گزرنے کے بس وہی چند لمحے تھا۔ وقت گزر جاتا تو میری حکمتِ عملی بری طرح ناکام ہوسکتی تھی۔

''کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد انہیں یقین دلایا ''ہوسکتا ہے کہ مجھے ان سے مل بیٹھنے کا کوئی موقع مل جائے۔ خطرہ دیکھتے ہی میں لوٹ آؤں گا۔''

میں نے کسی کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ اپنی بات پوری کرتے ہی چھوٹے چھوٹے قدموں سے سنی ہٹ کی طرف ہولیا۔

یہ خیال میرے ذہن میں شروع سے ہی جاگزیں تھا کہ اس علاقے میں ٹام اور اس کے ساتھیوں کی موجودگی کی اطلاع ہمیں جلال کے آدمیوں سے ملی تھی جو الفا والے قصے کی ابتدا سے سایہ بن کر ٹام کی نگرانی کررہے تھے۔ ان لوگوں سے ہمیں کسی قسم کی کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی مگر یہ بات یقینی تھی کہ وہ اپنے پیشہ ورانہ تجسس سے مجبور ہوکر اس کھیل کا اختتام ضرور دیکھنا چاہتے جس کی داغ بیل انہوں نے ڈالی تھی۔

آئی بی والے ہماری نظروں سے اوجھل تھے مگر میں پورے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ وہ اس وقت بھی کسی نہ کسی بہروپ میں کسی ایسے مقام پر منڈلا رہے ہوں گے جہاں سے سنی ہٹ پر نگاہ رکھی جاسکے۔

میں چند قدم آگے بڑھا تو میں نے یہ دیکھ لیا کہ سنی ہٹ کی وہ سمت خالی پڑی ہوئی تھی۔ اس طرف مامور کمانڈو شاید فائر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی غرض سے کسی اور طرف نکل گیا تھا۔

میں نے اپنی رفتار بڑھادی۔

سنی ہٹ کی باہر کی طرف کھلنے والی تمام کھڑکیاں بند تھیں اور شاید ان پر پردے بھی کھنچے ہوئے تھے لیکن درزوں سے جھلکنے والی روشنی اندر کی زندگی کی خبر دے رہی تھی۔ چار سفید فام افراد یا دو جوڑے باہر سے بھاگ کر اندر پناہ لے چکے تھے۔ گزرے ہوئے لمحوں میں انہیں اپنے کسی محافظ سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ فائر کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔ وہ باہر کی دنیا سے اپنا ہر رابطہ ختم کر کے اندر مگن تھے۔

میں عجلت میں آگے بڑھتا رہا پھر مجھے وہ دونوں کمانڈوز نظر آگئے جو سنی ہٹ کی پچھلی سمت میں کھڑے باتیں کررہے تھے۔ ان کے تیسرے ساتھی نے ان کے ساتھ آملنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ میں بہت تیزی سے گردوپیش کا نقشہ اپنے ذہن میں محفوظ کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

اچانک ایک کمانڈو نے مجھے دیکھ لیا۔ وہاں میرے چھپنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں ان میں سے کسی سے ملاقات کا ارادہ کر کے اپنے ساتھیوں سے الگ ہوا تھا۔

''ہالٹ! کون ادھر آرہا ہے؟'' اس نے اضطراری آواز میں مجھے للکارتے ہوئے اچانک اپنی گن سے نشانہ لے لیا۔

''میں دوست ہوں۔'' میں نے خطرے کے پیشِ نظر اپنی پیش قدمی ترک کر کے نرمی سے جواب دیا ''ابھی ابھی ادھر سے گولی چلنے کی آواز آئی تھی۔ کیا تم نے سنی تھی؟''

اکلوتے فائر کی آواز نہ سننے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر میرا آخری سوال اضطراری سا تھا۔ اس نے بلا توقف کہا ''ہاں۔ ہم نے ایک آوارہ کتا مارا ہے۔ ادھر آنے کی ضرورت نہیں۔ واپس جاکر موج کرو۔''

''اوہ!'' میں نے بے ساختہ کہا ''کیا میں ایک نظر مرے ہوئے کتے کو دیکھ سکتا ہوں؟ میرا پالتو کتا کہیں بھٹک گیا ہے اور ڈیڑھ دو گھنٹے سے غائب ہے۔''

''کتا مرچکا ہے!'' اس نے اپنی رائفل شانے سے لٹکا کر جواب دیا ''اگر یہ تمہارا پالتو تھا تب بھی تم اسے دیکھ کر زندہ نہیں کرسکو گے۔ ہم لوگوں کے جانے کے بعد اچھی طرح اسے دیکھ لینا۔ اس وقت یہاں سے دور رہو۔''

جواب دیتے ہوئے اس نے میری طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اس کا انداز کسی بھی اعتبار سے جارحانہ نہیں تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس نے اپنی جگہ پر واپس پہنچنے کے ارادے سے اچانک میری طرف چلنا شروع کر دیا تھا۔

شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس کے اپنی جگہ پر موجود نہ ہونے کے باعث مجھے آگے بڑھنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر رہتا تو مجھے پہلے ہی روک سکتا تھا۔

''تمہارا مشورہ سر آنکھوں پر۔'' میں نے لجاجت سے کہا ''لیکن ہم زیادہ دیر تک یہاں نہیں رکیں گے۔ ہمارے ساتھ گڑ بڑ ہو گئی ہے۔ ہم تھوڑی دیر میں شہر واپس چلے جائیں گے۔''

وہ میرے قریب پہنچ کر رک گیا اور اپنی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر بولا ''کیسی گڑ بڑ ہوئی ہے......؟ تم بلاوجہ بحث کیوں کر رہے ہو؟'' اس کا لہجہ اشتباہ آمیز تھا۔

''میں بلاوجہ بحث نہیں کر رہا۔ میری شکل و صورت سے تم کو اندازہ لگا لینا چاہیے کہ میں ایک معزز اور شریف آدمی ہوں۔'' اس بار میں نے اسے قائل کرنے کے لیے ہلکی سی خفگی کا اظہار ضروری سمجھا ''ہم نے پکنک منانے کے لیے جو ہٹ کرایے پر لیا تھا اس کا چوکیدار چابی سمیت غائب ہے۔ پتا نہیں اس پر کیا مصیبت آ گئی ہے۔ ہم اس موسم میں کھلے آسمان کے نیچے پوری رات نہیں گزار سکتے۔ ہمیں ابھی واپس جانا پڑے گا۔ آخر تم مجھے کتے کو دیکھنے سے کیوں روک رہے ہو؟''

''صورت سے تم واقعی شریف لگتے ہو۔'' اس نے میرے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کاٹ دار لہجے میں کہا ''خالی ہاتھ بھی ہو۔ یہ تمہاری بدنصیبی ہے کہ تمہارا پالتو کتا غائب ہو گیا اور ہٹ کا چوکیدار بھی نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بیمار ہو گیا ہو۔ کبھی کبھی ایسے اتفاقات ہوتے رہتے ہیں۔ جاؤ اور اس پاکستانی کتے کو ایک نظر دیکھ کر فوراً لوٹ آؤ۔''

وہ حد سے تجاوز کر گیا تھا۔ اس سے اجازت مل جانے پر میں نے اپنے اشتعال پر قابو پانے کی بہت کوشش کی لیکن میرا خون کھول اٹھا تھا۔ میں اس کی زہر فشانی برداشت نہ کر سکا۔

''میں نے بہت سے امریکی کتے بھی دیکھے ہیں۔ وہ انگریزی نہیں بولتے۔ پاکستانی کتوں کی طرح بھونکتے ہیں۔ کیا تمہیں ان میں کوئی فرق نظر آتا ہے؟'' میں نے کڑوے لہجے میں پوچھا۔

''تم نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ میں امریکی ہوں؟'' اس نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

''میں نے تمہارا نہیں، امریکی کتوں کا ذکر کیا تھا۔'' مجھے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل رہا تھا۔

''میں سمجھ رہا ہوں...... تمہیں فرنچ، جرمن یا انگلش کتے کیوں یاد نہیں آئے؟''

''میرا مخاطب کوئی جرمن ہوتا تو میں جرمن کتے کی بات کرتا۔''

''میں یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ تم نے مجھے امریکی کیسے سمجھ لیا؟''

اس کا سوال بہت تیز دھار تھا۔ میں مشتعل ہو کر اسے منہ توڑ جواب دینے میں کامیاب ضرور ہو گیا لیکن اس کی قومیت کا حوالہ میرے لیے گلے کی ہڈی بن گیا تھا۔ وہ ان ڈھیٹ اور بے شرم لوگوں میں سے نظر آ رہا تھا جو دوسروں کو گالی دینے میں عار سمجھتے ہیں نہ گالیاں کھا کے بے مزہ ہوتے ہیں۔ اس نے یکا یک وہ نکتہ پکڑ لیا تھا جو مجھے لاجواب کر سکتا تھا۔

اسے برابری سے جواب دینے کے بعد میرا غصہ دب چکا تھا۔ بدترین ذہنی دباؤ کے عالم میں مجھے موزوں جواب سوجھ ہی گیا۔ میں نے بہت نرمی سے کہا ''اس طرف آنے والوں کو معلوم ہے کہ سنی ہٹ امریکیوں کی ملکیت ہے۔ یہاں وہ خود آتے ہیں یا ان کے مہمان۔ یہ بات سمجھنے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی۔''

وہ پرغرور انداز میں دھیرے سے ہنس پڑا۔ یہ جان کر اس کی انا کی تسکین ہوئی تھی کہ کسی واضح حوالے کے بغیر بھی اس کی قومیت کا تعین کر لیا گیا تھا۔

''جاؤ اور اسے دیکھ کر الٹے قدموں لوٹ آؤ۔ ہماری موجودگی میں یہ ممنوعہ علاقہ بن جاتا ہے۔ میرے للکارنے پر تم نہ رکے ہوتے تو میں ایک گولی تمہارے نام بھی کر دیتا۔ آج رات یہاں پرندے کو بھی پر مارنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''میں تمہارا شکر گزار ہوں۔'' اس سے کسی غیر ضروری بات میں الجھنے کے بجائے میں ممنونیت کا اظہار کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اس وقت میں کامل بے یقینی کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ اگلے لمحے میں کیا ہو جائے گا۔ مجھے اپنا دل حلق میں دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور دورانِ خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں سی مار رہا تھا۔

ان میں سے کسی نے ایک آوارہ کتے پر طبع آزمائی کر کے اچانک ایک نئی راہ کھولی تھی۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیر کی کچھار میں قدم رکھ دیا تھا جہاں سے واپسی کی کوئی راہ نہیں تھی۔ میں لوٹتا تو وہ مجھے بے دریغ گولیوں کی باڑ پر لے کر بھون ڈالتے۔ واحد راستہ یہ تھا کہ میں مردانہ

وار ان سے مقابلہ کر کے انہیں زیر کرنے کی کوشش کرتا۔ کامیابی کی صورت میں مجھے زندہ رہنے اور لوٹنے کا حق مل سکتا تھا۔

مجھے پیش قدمی کی اجازت دینے والا کمانڈو پیچھے رہ گیا تھا۔ سنی ہٹ کے عقبی حصے کی حفاظت کرنے والا پوری مستعدی کے ساتھ میرے استقبال کے لیے تیار تھا۔ سنی ہٹ کے دوسرے پہلو پر ماموٗر تیسرا کمانڈو اس وقت تک میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔

''مرنے والا کتا تمہارا ہے؟'' میرے قریب پہنچنے پر اس نے تفتیشی رکھائی کے ساتھ سوال کیا۔

''میں اسے دیکھے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' میں نے محتاط لہجے میں کہا ''وہ کوئی آواز نکالے بغیر مرا ہے۔ چیخا ہوتا تو شاید میں اسے اس کی آواز سے پہچان لیتا۔''

ان کے درمیان پہنچنے تک میں نے کچھ طے نہیں کیا تھا کہ میں کس حیلے سے ان کا قرب حاصل کرسکوں گا۔ بات سے بات نکلی اور میں نے مرنے والے کتے کی ملکیت کا امکانی دعویٰ کردیا۔ وہ بہت معمولی سا واقعہ تھا جو اچانک اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ میں اپنے دوسرے حریف سے مکالمہ کرتے ہوئے اپنے دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ کتے کی ملکیت کا دعویٰ میرے گلے نہ پڑنے پائے۔

''پالتو کتے اپنے مالک کی بُو پہچانتے ہیں۔ یوں ویرانوں میں مارے مارے نہیں پھرتے!'' وہ آسانی سے مجھے راہ دینے پر آمادہ نہیں تھا۔

''میں تمہارے ساتھی کو اپنی کتھا سنا چکا ہوں۔'' میں نے بیزاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''اب تم کو بھی بتائے دیتا ہوں کہ ہم نے ہٹ کرائے پر لیا تھا۔ ہم یہاں آگئے۔ چوکیدار نہیں پہنچا۔ ہٹ پر تالا پڑا ہوا ہے۔ ہمارا کتا بوکھلا کر غائب ہوگیا۔ ہم اس کی تلاش میں یہاں رکے ہوئے ہیں۔ وہ تمہارے ہاتھوں مر چکا ہے تو ہم ابھی لوٹ جائیں گے۔''

''اوہ! اس کا مطلب ہے کہ تم اکیلے نہیں ہو۔ تمہارے ساتھ اور کتنے آدمی ہیں؟'' اس خبیث کو ایک نئی بات سوجھ گئی۔

''وہ دو یا دو سو بھی ہوسکتے ہیں۔'' میں نے چڑ کر جواب دیا ''تمہیں ان سے کیا لینا ہے۔ تمہارے پاس میں اکیلا آیا ہوں۔ تم لوگ ایک معمولی سی بات کو اتنا طول کیوں دے رہے ہو۔ کتے کی لاش دکھانے میں تم اتنی حیل حجت کیوں کررہے ہو؟''

''بات کتے کی نہیں' سنی ہٹ کی ہے۔'' اس نے میرے لہجے کا برا منائے بغیر تشویش زدہ لہجے میں کہا ''تم نے مشتبہ انداز میں ہمارے ہٹ تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ اپنا اطمینان کرنا میرا پورا حق ہے۔ کیا یہ بات عجیب نہیں ہے کہ میں نے ایک کتے کو مارا اور تم اس کے مالک ہونے کا دعویٰ کرکے سامنے آگئے۔ ساحلوں پر کون پالتو کتے لے کر آتا ہے!''

''تم غیر ضروری باتیں کررہے ہو۔ لوگ کتوں کو بستر میں اپنے ساتھ لے کر سوتے ہیں۔ میں اسے ساحل پر ہوا خوری کے لیے لے آیا تو کیا برا کیا؟''

''یہ انگریزوں کے شوق ہوتے ہیں۔'' میرے چڑنے پر وہ بے ساختہ ہنس پڑا ''تم کسی کالے انگریز سے کم نظر نہیں آتے۔ جاؤ! اسے دیکھ لو۔ وہ ادھر پڑا ہوا ہے۔'' اس نے چند گز دور' ایک تاریک ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس وقت وہ میری پہنچ سے دور تھا۔ میں نے سرسری انداز میں سر گھمایا تو پہلا کمانڈو نظر آیا۔ وہ پوری طرح ہم دونوں کی طرف متوجہ تھا۔ اس وقت میں ذرا بھی گڑبڑ کرتا تو وہ لمحہ بھر میں اپنے ساتھی کی مدد کے لیے آسکتا تھا۔ میرے لیے ان مسلح گینڈوں کا مقابلہ کرنا محال تھا۔

میں سر جھٹک کر اس مختصر سی ڈھلان سے اترنے لگا جو ریتیلے ٹیلے پر ختم ہورہی تھی۔

میں نے ٹیلے پر چڑھ کر دوسری طرف دیکھا تو چاند کی پھیکی روشنی میں مجھے کتے کا بے جان دھڑ نظر آگیا۔ اس بے حس و حرکت وجود کا سر سرے سے غائب تھا۔

اس وقت تک میں انہیں فریب دینے میں کامیاب رہا تھا اور ان کے درمیان گھس آیا تھا لیکن مجھے ان پر وار کرنے کا کوئی بے داغ موقع نہیں مل سکا تھا۔ میری صحیح سلامت واپسی کے لیے اتنا کافی ہوتا کہ میں متوفی کتے کی ملکیت کے دعوے سے یکسر دستبردار ہوجاتا' اسے پہچاننے سے انکار کردیتا اور ان دونوں زورآور کمانڈوز کا شکریہ ادا کر کے واپس لوٹ جاتا۔

مجھے یہ اندازہ بھی تھا کہ مجھے اپنے ساتھیوں سے الگ ہوئے خاصی دیر ہوچکی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تشویش میں اضافہ ہونا لازمی تھا۔ میں ان کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ وہ سب اپنی اعصابی کشیدگی کے نتیجے میں کسی بھی لمحے میرے لیے کوئی امدادی کارروائی عمل میں لاسکتے تھے۔ اس وقت تک انہیں ایک ہی بات نے کسی عملی قدم سے روکا ہوا تھا کہ اپنے حریفوں سے میرے مذاکرات میں کوئی شدید تلخی پیدا ہوئی تھی نہ کوئی ہنگامہ خیز شور شرابا ہوا تھا۔ تصادم کی ایسی کوئی بھی علامت انہیں اندھا دھند حملے پر مجبور کرسکتی تھی۔

میں ٹیلے پر بس لمحہ بھر کے لیے رکا۔ خالی ہاتھ واپس لوٹنا ذلت کے مترادف ہوتا۔

''اوہ! مائی ہمبگ ڈارلنگ!'' میں نے ایک بہت ہلکی سی جذباتی چیخ ماری اور ٹیلے سے نیچے کود گیا۔ مجھے یقین تھا کہ میری آواز دوسرے کمانڈو کے کانوں تک ضرور پہنچی ہوگی۔

نرم ریت پر قدم ٹکاتے ہی میں نے کسی آنے والے کے استقبال کی تیاری کرنے کا ارادہ کیا مگر اسے فوری طور پر ملتوی کردیا۔ وہ دونوں محتاط تھے۔ ان سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ میری دردمندانہ آواز سنتے ہی ٹیلے سے نیچے کود پڑیں گے۔ وہ اوپر رک کر نگاہیں دوڑاتے اور مجھے اوٹ میں دبکا ہوا دیکھتے تو ایک ہی سانس میں کئی گولیاں میرے بدن میں اتار دیتے۔

میں لپک کر کتے کی لاش کی دوسری جانب پہنچ گیا۔ اس پوزیشن سے میں ٹیلے پر نمودار ہونے والے ہر شخص پر نظر رکھ سکتا تھا۔

میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر' اپنائے ہوئے اس بے نام ونشان کتے کی لاش کے قریب ریت پر بیٹھ گیا۔

چند لمحوں میں میری توقع پوری ہوگئی۔ میری ترکیب کارگر رہی اور کتوں کی ساحلی سیر پر اعتراض کرنے والا دوسرا کمانڈو ٹیلے کے سرے پر آموجود ہوا۔

''اب کیا مصیبت ہے۔'' وہ اوپر سے غرایا ''تم نے اپنے کتے کو پہچان لیا ہے تو اسے اٹھاؤ اور یہاں سے چلتے بنو...... ہمارا وقت برباد مت کرو!''

''تم بہت نرم دل اور مہربان ہو!'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''اپنے چہیتے کتے کی لاش کو یہاں گیدڑوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ اس بدنصیب کا وقت پورا ہوگیا تھا جو یہ تمہارے نشانے پر آگیا۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ ذرا نیچے آکر اسے میرے کندھے پر ڈلوادو۔ میں چلا جاؤں گا۔ تمہارا وقت برباد نہیں کروں گا۔''

اس نے ریت پر ٹھوکر مار کر' بڑبڑاتے ہوئے چند پیچیدہ گالیاں دیں اور کود کر نیچے آگیا۔ میں اسی مبارک لمحے کا منتظر تھا۔ نیچے قدم ٹکانے کے بعد وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ میں چھوٹی سی جست لگا کر اس کے قریب پہنچا اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے اپنا بایاں ہاتھ اس کی ننگی گردن پر رکھ دیا۔

میری انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کا' موت کا زہر اگلنے والا کھوکھلا نگینہ میری ہتھیلی کے رخ پر آیا ہوا تھا۔ اس کمانڈو کی گردن پر میری گرفت قدرے سخت ہوتے ہی سریع الاثر زہر اس کے بدن میں سرایت کر گیا۔

مرے ہوئے کتے کی طرح کمانڈو کے حلق سے کوئی آواز نکلی نہ وہ اپنے ہاتھ پیروں کو کوئی دفاعی حرکت دے سکا۔

میں نے اس کے گرتے ہوئے وجود کو ایک ہلکا سا جھٹکا دیا اور اس کی بے جان لاش اوندھے منہ کتے کے دھڑ پر جا گری۔

امریکی اور کتا بلکہ امریکی کتا۔ میرے دل و دماغ کی گہرائیوں سے ایک اچھوتا خیال ابھرا اور میرے پورے وجود کو نہال کر گیا۔

باتوں کا وقت گزر چکا تھا۔ تیز ترین عمل کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس وقت ایک لمحے کی لغزش بھی میرے لیے موت کا پیغام بن سکتی تھی۔

میں نے کمانڈو کی لاش سے رائفل اتارنے کے بارے میں سوچا لیکن اس وقت میرا یوں مسلح ہونا سودمند نہیں تھا۔ نہتا رہ کر میں اپنے حریفوں سے بہتر انداز میں نمٹ سکتا تھا۔

میں بغلی سمت سے قدرے لمبا چکر کاٹ کر ٹیلے پر چڑھ گیا۔ دوسرے کمانڈو کی نگاہیں اسی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ان کا تیسرا ساتھی میری نظروں سے بدستور اوجھل تھا۔ وہ کسی ایسی پوزیشن میں موجود تھا جہاں سے اسے اپنے دونوں ساتھیوں کی خیر خبر نہیں مل سکتی تھی۔

میری چیخ وپکار تیسرے کمانڈو کو بھی ہوشیار کردیتی۔ میں نے ٹیلے پر پہنچتے ہی اپنے دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر دوسرے کمانڈو کو اپنی طرف بلانا شروع کردیا۔

اپنے ساتھی کے بجائے مجھے ٹیلے پر دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہوگئے تھے۔ رہی سہی کسر میرے مضطربانہ اشاروں نے پوری کردی۔

''منہ سے کچھ پھوٹو...... وہاں کیا ہورہا ہے؟'' وہ میری طرف دوڑتے ہوئے غرایا۔

اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ وہ ہوا کے دوش پر تیسرے کمانڈو کے کانوں تک پہنچ گئی اور وہ اپنی رائفل تانے اوٹ سے نکل آیا اور میرے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑ گئیں۔

وہ سنی ہٹ کی دوسری سمت میں تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے مگر میں ایک وقت میں ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

تیسرے کمانڈو کو واقعات کے سرپیر کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ اپنی رائفل تانے بہت احتیاط سے ایک ایک قدم کر کے آگے بڑھ رہا تھا۔

اسی اثناء میں دوسرا کمانڈو دوڑتا ہوا سنی ہٹ کی اوٹ سے نکل آیا۔ تیسرے کمانڈو نے اسے دیکھ لیا لیکن دوڑنے والے کی پشت سنی ہٹ کی طرف تھی۔ وہ میری سمت میں آرہا تھا' اپنے تیسرے ساتھی کو نہیں دیکھ سکا۔

’’کیا ہوا...... ٹیڈ کہاں ہے؟‘‘ اس نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ٹیلے سے نیچے پھیلے ہوئے اندھیرے کی طرف اشارہ کرکے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا ’’وہ...... وہ اچانک کٹتے پر گر گیا......!‘‘

غصے، تجسس اور سنسنی سے مغلوب ہوکر وہ اپنے ساتھی کا جائزہ لینے کے لیے بس لمحہ بھر کے لیے ٹیلے کے سرے پر رکا۔ اس کی ساری توجہ نشیب میں مرکوز تھی۔ میں نے اپنے بائیں ہاتھ سے اچانک اس کی داہنی کلائی تھام لی۔

میرے ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی اس نے بھڑک کر میری طرف دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ اتنی دیر میں زہر اس کے دوران خون میں شامل ہوکر اپنا رنگ دکھا چکا تھا۔ وہ ٹیلے سے اچانک نشیب میں گرا۔ میں نے اس سے پہلے نیچے چھلانگ لگادی۔

میں نے قلیل سے وقت میں بہت کامیابی سے اپنے دو حریفوں کو جہنم واصل کردیا تھا۔ تیسرے نے کچھ مناظر دیکھ لیے تھے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اس جال میں پھنس سکے گا۔

میں نے پھرتی سے دونوں کمانڈوز کی رائفلوں پر قبضہ کرلیا۔ ایک اپنے شانے سے لٹکا کر دوسری کو ہاتھ میں رکھا اور جیب سے اپریٹس نکال لیا تاکہ اپنے انتظار میں سوکھتے ہوئے ساتھیوں کو اپنی تازہ ترین پوزیشن سے باخبر کرسکوں۔

’’ہے...... ٹیڈ...... گراہم......! تم کہاں ہو...... وہاں کیا ہورہا ہے؟‘‘ فضا میں تیسرے کمانڈو کی بھاری اور تشویش زدہ آواز گونجی۔

’’میں نے دو کو ماردیا ہے۔‘‘ اپریٹس اپنے دہانے کے قریب لاکر میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا ’’ان کی رائفلیں میرے پاس ہیں۔ تیسرا زندہ ہے۔ سارا کھیل ہٹ کے پیچھے مرکوز ہے۔ تم لوگ بقیہ تین سمتوں سے دھاوا بول دو! اوور!‘‘ میں نے اس خطرناک نشیب سے کسی بہتر پوزیشن کی تلاش میں نکلتے ہوئے کہا۔

’’شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔‘‘ اول خان کی آواز ابھری ’’تیسرے کو اسی طرف الجھائے رکھو۔ ہم بڑھ رہے ہیں...... اوور......‘‘

میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں نے کوئی جواب دیے بغیر اپریٹس اپنی جیب میں ڈال لیا۔ میرے لیے اتنا کافی تھا کہ دوسروں نے میرا پیغام سن لیا تھا۔ میرے ذہن سے یہ خطرہ ٹل گیا تھا کہ کہیں میں بے خبری میں اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں نہ مارا جاؤں۔

میں نرم ریت پر بھاگنے میں دقّت محسوس کررہا تھا۔ اندھیرے میں خودرو جھاڑیاں بھی میری راہ میں رکاوٹ بن رہی تھیں لیکن کہیں سے کوئی فائر ہونے سے پہلے میں اس نشیب سے کافی دور نکلنے میں کامیاب ہوگیا جہاں دو کمانڈوز کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔

’’ٹیڈ...... گراہم...... میری آواز کا جواب دو!‘‘ کچھ دیر کے سکوت کے بعد پھر وہی آواز گونجی۔ اس بار آواز خاصی بلند تھی اور اس میں تشویش کا عنصر نمایاں تھا۔

میں ٹیلے کی طرف گھات لگائے، جھاڑیوں کی اوٹ میں دبکا بیٹھا رہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اپنے دو ساتھیوں کی اچانک اور پراسرار خاموشی تیسرے کمانڈو کے اعصاب کو ہلا کر رکھ دے گی۔ کوئی گولی چلی تھی نہ تصادم ہوا تھا پھر بھی ان کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو سنی ہٹ کے عقب میں دوڑ لگاتے اور پھر ریتیلے ٹیلے سے نشیب میں کودتے یا گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد اسے صورتِ حال کا صحیح ادراک کرنے کے لیے ٹیلے پر آنا چاہیے تھا۔ اسے صرف ایک خوف نے فوری طور پر ادھر کا رخ کرنے سے روکا ہوا تھا۔ وہ دوسرے کمانڈو کے ساتھ مجھے دیکھ چکا تھا۔ اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے میں دوسرے کمانڈو کا کام تمام کرتا ہوا نشیب میں کود گیا تھا۔ اسے یہ خوف ہوسکتا تھا کہ میں نے طاقت کے بل پر اس کے ساتھی یا ساتھیوں کو یرغمال بنا رکھا ہو اور جب وہ سامنے آئے تو اسے بھی میں اپنی زد پر لے لوں۔

وقت دھیمے دھیمے سرکتا رہا۔ میری بے چینی میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہورہا تھا۔ میرے اصل حریف وہ کمانڈوز نہیں تھے۔ وہ تینوں ہماری راہ کی بھاری رکاوٹیں بنے ہوئے تھے۔ دو کے مارلیے جانے کے بعد تیسرے نے مجھے اٹکایا ہوا تھا۔ اس کا قصہ نمٹ جاتا تو میں اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر اپنے اس اصل حریف سے ٹکر لے سکتا تھا جو سنی ہٹ کی چار دیواری میں پناہ گزیں تھا۔

اول خان وغیرہ کی طرف سے بھی خاموشی تھی۔ شاید وہ سنی ہٹ کے گرد اپنی فارمیشن ترتیب دے رہے تھے۔ وقت مل جانے کے بعد اس حملے کے لیے منصوبہ بندی ناگزیر تھی۔

اچانک مجھے ٹیلے کے سرے پر ایک سیاہ دھبا ابھرتا ہوا نظر آیا اور میرے سینے سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہوگیا۔ ٹیڈ اور گراہم کی تلاش میں نکلا ہوا شخص منجھا ہوا کمانڈو ثابت ہوا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ ریت کا ٹیلا اس کے لیے موت کا پھندا ثابت ہوسکتا ہے۔ اپنے قدموں پر چل کر وہاں تک

پہنچنے کے بجائے وہ کسی عیار چیتے کی طرح سینے کے بل ریت پر سرکتا ہوا وہاں تک پہنچا تھا۔ ٹیلے پر اس کے ابھرے ہوئے سر کا نشانہ لینا آسان نہیں تھا۔

میں نے اسے وہاں ٹکنے کا وقت نہیں دیا۔ وہ اپنی آنکھوں سے نشیب کا منظر دیکھ لیتا تو بہت کچھ سمجھ سکتا تھا۔ اس کا تجسس اور بے یقینی میں مبتلا رہنا میرے لیے سود مند تھا۔ ٹیلے پر اس کا سر ابھرتے ہی میں نے نشست باندھ کر امریکی رائفل سے فائر کر دیا۔

فضا میں ایک زبردست دھماکا ہوا۔ میری چلائی ہوئی گولی اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ وہ اسی لمحے وہاں سے غائب ہو گیا۔

اگلے لمحے میں ٹیلے سے ایک پرشور آواز کے ساتھ گولی میری طرف آئی۔ میں نے فائر کرتے ہی اپنی جگہ تبدیل نہ کر لی ہوتی تو میرے حریف کا فائر مجھے چاٹ گیا ہوتا۔ اس کی عقابی نظروں نے میرے فائر کی چمک سے میری پوزیشن کا بالکل صحیح اندازہ لگاتے ہی بے خطا فائر کیا تھا۔

میرے بدن کے مساموں سے پسینہ پھوٹ نکلا۔ میں نے زبردست مکاری سے کام لے کر دو کمانڈوز کو اپنا نشانہ بنالیا تھا۔ مجھے گمان تھا کہ تیسرا بھی میرے لیے آسان شکار ثابت ہوگا مگر اس کے طور طریقے بتا رہے تھے کہ وہ آسانی سے مار کھانے والوں میں سے نہیں تھا۔ اسے فنِ حرب پر پوری دسترس حاصل تھی۔ اس سے مقابلہ طول پکڑتا ہوا نظر آنے لگا۔

دور دور سے گولیوں کے تبادلے میں اسے مات دینا مشکل نظر آ رہا تھا۔ مجھے فکر و تشویش نے آن گھیرا۔ اس معرکے میں ایس ٹی ایف پس پردہ تھی اس لیے اول خان نے مقامی پولیس سے کسی قسم کی مراعات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مقابلہ طول پکڑتا تو پولیس کی مداخلت یقینی تھی۔ ایک مسلمہ سفارتی پارٹی کے مقابلے میں ہم بے نام ونشان حملہ آور تھے۔ پولیس ہمارے خلاف پوری طرح ان لوگوں کا ساتھ دیتی اور ہمارا مشن ناکام ہو جاتا۔

چند لمحوں کے بعد فضا پستول یا ریوالور کے فائروں سے گونج اٹھی۔ اول خان اور دوسرے لوگوں سے اس مقابلے میں ایسے بے وقعت ہتھیاروں کے استعمال کی توقع نہیں تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ان لوگوں نے خاموشی سے سنی ہٹ پر دھاوا بول دیا تھا۔ اپنی خلوت کے اطراف میں مشتبہ قسم کی نقل و حرکت کے آثار محسوس کر کے ٹام یا اس کے بہکے ہوئے ساتھی نے خوف زدگی کے عالم میں اپنا پورا پستول یا ریوالور خالی کر دیا تھا۔ پورے سات فائر ہونے کے بعد وہ آوازیں دم توڑ گئیں۔

میں نے مضطرب ہو کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میں ایک لمبا چکر کاٹ کر سنی ہٹ تک پہنچنا چاہ رہا تھا۔ تیسرا کمانڈو میری تلاش میں وہیں بھٹکتا رہ جاتا۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔ رکاوٹیں ختم ہو جانے کے بعد مجھے صرف ٹام تک رسائی کی جستجو تھی۔

میں دو بھری ہوئی وزنی رائفلوں کے بوجھ کے ساتھ دوڑتا ہوا آخر کار ایک ایسے مقام پر جا نکلا جہاں سے سنی ہٹ صاف نظر آ رہا تھا۔

بھاری فائرنگ کے نتیجے میں پوری ساحلی پٹی ویران ہو چکی تھی۔ وہاں دور دور تک کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔ رات کے گہرے سکوت میں بکھری ہوئی ہلکی سی چاندنی میں سمندر کا مزہ لینے والے قتل و غارت گری کے خوف سے اپنے اپنے ہٹ کی چار دیواری میں سمٹ چکے تھے۔

رائفل کا ایک فائر ہوا۔ وہ آواز امریکی رائفلوں کے فائر سے مختلف تھی۔ اسی کے ساتھ ایک کرب ناک انسانی چیخ فضا میں بلند ہوئی اور بتدریج دم توڑ گئی۔ چیخ اجنبی تھی۔ یقینی طور پر دشمن کا کوئی اور آدمی گرالیا گیا تھا۔

سنی ہٹ کی طرف دوڑتے ہوئے میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ چیخ کسی بند چار دیواری سے نہیں ابھری تھی۔ اس کی گونج بتا رہی تھی کہ کوئی کھلی فضا میں مارا گیا تھا۔ اگر میرے ساتھی سنی ہٹ میں گھس چکے تھے تو انہیں اپنے بدمست حریفوں کو زیر کرنے کے لیے رائفل جیسے طاقت ور ہتھیار کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ انہیں ٹام کو بے بس کرنا تھا۔ اسے مارنے یا زندہ رکھنے کا فیصلہ کرنے کا حق صرف مجھے حاصل تھا۔ میرے پہنچنے سے پہلے کوئی اسے موت کے گھاٹ نہیں اتار سکتا تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات طے تھی کہ سنی ہٹ میں موجود دونوں جوڑوں میں سے کوئی نہیں مارا گیا تھا۔ لے دے کر وہ تیسرا کمانڈو ہو سکتا تھا جو اپنی بدقسمتی سے میرے کسی ساتھی کی زد میں آ گیا ہو۔

اس نتیجے پر پہنچتے ہی میرے وجود میں جوش و ولولے کی ایک نئی لہر سرایت کر گئی۔ میں پوری طاقت سے دوڑتا ہوا سنی ہٹ کے برآمدے تک پہنچ گیا۔

وہاں بدستور اندھیرے کا راج تھا مگر ہلکی چاندنی میں سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ ویران برآمدے میں پڑی ہوئی خالی کرسیوں اور مے نوشی کے لوازمات کے سوا وہاں کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا۔ البتہ اندر سے کچھ عجیب و غریب اور ملی

جلی آوازیں آ رہی تھیں۔

میں ان پر دھیان دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ تاریکی میں سے اچانک ایک سایہ برآمد ہوا اور میرے گلے میں جھول گیا۔ مجھے اس کو پہچاننے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس کے وجود کی خوشبو بتا رہی تھی کہ وہ غزالہ تھی۔

''تم یہاں اندھیرے میں کہاں چھپی ہوئی تھیں؟'' میں نے تحیر زدہ سرگوشی میں پوچھا۔

''یہاں پہرا دے رہی ہوں۔ ویرا عجیب سنکی عورت ہے۔ رائفل لے کر آپ کی تلاش میں نہ جانے کہاں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ اول خان اپنے آدمی اور سلطان شاہ کے ساتھ اندر ہے۔'' اس نے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا۔

''ابھی رائفل کہاں چلی تھی؟'' میں نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

''باہر!'' عقب سے آواز آئی۔ میں بری طرح چونک کر مڑا تو ویرا اپنی رائفل سمیت موجود تھی۔ اس نے اپنے چہرے پر آنکھوں کے نچلے حصے تک سیاہ اسکارف باندھا ہوا تھا۔ اس نے ہم دونوں کی طرف بڑھتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''مجھے تمہاری تلاش تھی۔ میں نے تیسرے کمانڈو کو بھی ٹھکانے لگادیا ہے۔ اب اندر والے چار رہ گئے ہیں۔ ان کی طرف جانے سے پہلے اپنے چہرے پر رومال یا پھر اپنا بنیان باندھ لو۔ اول خان نے بھی یہی کیا ہے۔ ٹام ہم تینوں کو دیکھتے ہی پہچان لے گا۔''

ویرا کا مشورہ بہت صائب اور قیمتی تھا۔ جیب میں رومال رکھنے کی پرانی عادت اس وقت میرے کام آئی۔ میں نے ہاتھ میں موجود امریکی رائفل غزالہ کے حوالے کی اور شانے سے دوسری رائفل اتار کر بہت تیزی سے اندر گھس گیا۔

برآمدے سے گزر کر میں لابی میں پہنچا جہاں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی داہنی طرف وہ تینوں ایک بند دروازے کے دائیں بائیں موجود تھے۔ دروازے کی نچلی درز سے روشنی چھن کر باہر آرہی تھی۔

''چاروں اندر بند ہو کر بیٹھ گئے ہیں، میں......'' اول خان نے میری آمد کا اندازہ لگاتے ہی کہنا شروع کیا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''تم دروازہ کیوں نہیں توڑ دیتے؟'' میں نے دبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''کوشش کی تھی۔ اس نے اندر سے فائرنگ شروع کردی'' منہ پر چڑھے ہوئے بنیان کے پیچھے سے اول خان کی آواز آئی ''دروازہ بہت مضبوط ہے مگر کوئی بھی گولی دروازہ پار کر کے ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔''

''ٹام! دروازہ کھولو ورنہ ہم تمہیں اڑادیں گے'' میں نے بدلی ہوئی اونچی آواز میں اپنے اصل حریف کو للکارا۔

''اس سے پہلے تم فنا ہو جاؤ گے'' اندر سے آنے والی ٹام کی آواز میں دور دور تک نشے کا شائبہ نہیں تھا ''میں نے اپنے موبائل پر آگے خبر دے دی ہے۔ کسی بھی وقت تم سب گھیر لیے جاؤ گے۔ تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔''

وہ اس کا سفید جھوٹ بھی ہوسکتا تھا مگر ہم کس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر وقت کھونے کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ اول خان وہاں خاصا وقت ضائع کرنے کے باوجود کامیابی حاصل نہیں کرسکا تھا۔ شاید وہ اس احتیاط میں الجھارہ گیا تھا کہ اسے ٹام کو ہر حال میں زندہ پکڑنا ہے۔

ٹام نے مجھے للکارا تھا۔ وہ میرے خون کا پیاسا تھا۔ میرے لیے اس کی سلامتی کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ میں نے دوسروں کو صرف اس وجہ سے محتاط رہنے کی ہدایت کی تھی کہ میں اسے اپنے ہاتھوں سے کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہتا تھا۔ میری وہ ہدایت اس وقت تک اول خان کے قدموں کی زنجیر بنی ہوئی تھی۔

میں نے اپنے قبضے میں موجود رائفل کی نال ٹھوس لکڑی کے بنے ہوئے دروازے کے اس اوپری کونے پر ٹکادی جہاں اندر کا بولٹ ہوسکتا تھا۔ ٹریگر دباتے ہی فضا لرز اٹھی۔ اندر سے کئی بے ساختہ چیخوں کی آوازیں آئیں جن میں لڑکیوں کی بھی بھی چیخیں نمایاں تھیں۔ چیخنے کے ساتھ انہوں نے رونا بھی شروع کردیا تھا۔

میں نے پیچھے ہٹ کر دروازے پر زوردار لات ماری لیکن وزنی دروازہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوا۔ انہوں نے اندر سے دروازے کا ہضمی قفل بھی بند کیا ہوا تھا۔

ٹام کی زبان سے موبائل فون کا ذکر سن کر میری کھوپڑی سنک گئی تھی۔ ہماری مہلت کسی بھی لمحے ختم ہوسکتی تھی۔ اس بار میں نے دروازے کے قفل کا نشانہ لے کر رائفل سے فائر کیا اور خوش نما دروازے میں تالے کی جگہ ایک بھدا سا سوراخ نمودار ہوگیا۔

اندر چیخ و پکار کا ایک طوفان برپا تھا۔ تاہم ان میں سے کسی نے جوابی گولی چلانے کی ہمت نہیں کی تھی۔

اس بار سلطان شاہ نے پوری طرح بے خوف ہو کر دروازے پر زور ڈالا اور وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔

بے دھڑک ہو کر اندر گھسنا دل گردے کا کام تھا جو ہم

چاروں میں سے کسی ایک کو کرنا تھا۔ اول خان کے آدمی نے ہمیں اس بارے میں سوچنے کی کوئی مہلت دیے بغیر پہل کر ڈالی۔ کمرے میں چند قدم آگے بڑھتے ہی وہ بہت تیزی سے پلٹا تھا۔ اس وقت تک میں بھی اندر پہنچ چکا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ چاروں دروازے والی دیوار سے لگے، خوف سے کانپ رہے تھے۔ دروازہ کھل جانے کے بعد انہیں اپنا انجام سامنے نظر آنے لگا تھا۔

لڑکیاں نیم برہنہ اور شرمناک حالت میں تھیں۔ دونوں خوش شکل اور سیمیں بدن تھیں لیکن سلطان شاہ میرے پیچھے کمرے میں داخل ہوا تو ایک لمحے کے لیے بھی مرمر سے تراشے ہوئے ان گلابی پیکروں سے محظوظ نہ ہوسکا۔ وہ خاصا نیک نفس آدمی تھا۔ انہیں دیکھتے ہی آگ بگولا ہو کر ان کی طرف لپکا اور ان میں سے ایک کے کولہوں پر زوردار لات رسید کر کے بے ساختہ اردو میں گرجنے لگا ”بے شرمو! دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ منہ کالا کرلو اپنا۔“

اردو ان دونوں کے بس سے باہر کی بات تھی۔ ان کے رونے کی رفتار تیز ہوگئی۔ میں نے شہادت کی انگلی سے کھلے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کر کے پاٹ دار آواز میں گٹ آؤٹ کہا تو وہ گرتی پڑتی اسی سمت میں بھاگ نکلیں۔

مجھے توقع تھی کہ برآمدے میں موجود غزالہ اور دیرا انہیں وہاں سے نکلنے نہیں دیں گی۔ ان کی مزید درگت بنا کر انہیں بے حال کر دیں گی۔ ان بدکار لڑکیوں سے نمٹنے کے لیے وہی دونوں موزوں تھیں۔

سلطان شاہ نے ان دونوں لڑکیوں کو وہاں سے بھگا کر مجھے ایک نئی راہ سجھا دی۔ ہمارے سامنے صرف ٹام اور اس کا ساتھی رہ گیا تھا۔

وہ چہرہ میرے لیے اجنبی تھا۔ وہ عیاشی میں ٹام کا ساتھی تھا لیکن جرائم میں شاید اس کا شریک کار نہیں تھا۔ اسے صرف اس بنا پر مارنا مناسب نہیں تھا کہ اپنے چہرے مہرے سے وہ بھی امریکی نظر آ رہا تھا۔

اس بار میں نے اپنی انگلی میں پڑی ہوئی دوسری انگوٹھی کو گھمایا اور بڑھ کر ٹام کے ساتھی کے رخسار پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ اس کے حلق سے ایک ہچکی سی برآمد ہوئی اور وہ تیورا کر فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ مجھے امید تھی کہ وہ دو تین گھنٹوں سے پہلے اپنے ہوش وحواس میں نہیں آسکے گا۔

”تم لوگ کون ہو...... ہم سے کیا چاہتے ہو؟“ ٹام کے ہونٹوں سے پھنسی پھنسی، خوف زدہ آواز برآمد ہوئی۔

اس کے لٹکے ہوئے داہنے ہاتھ میں اس وقت بھی پستول دبا ہوا تھا۔ ٹام دہشت کی وجہ سے اپنے اس ہاتھ کو جنبش دینے سے معذور ہو چکا تھا۔ یا پھر میگزین خالی ہو جانے کے سبب سے وہ پستول لوہے کے ایک ٹکڑے کی طرح بے وقعت ہو کر رہ گیا تھا اور ٹام نے اس سے کوئی کام لینے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ میں نے اسے حکم دیا کہ وہ پستول فرش پر گرا دے۔ ٹام نے میرے الفاظ پورے ہونے سے پہلے اپنا پستول چھوڑ دیا۔

”تم کون ہو...... تم دونوں کے چہرے چھپے ہوئے کیوں ہیں؟“ ٹام کی مضطربانہ آواز ابھری۔

سلطان شاہ کی عمدہ حکمت عملی کی بنا پر میدان صاف ہو چکا تھا۔ وہاں کوئی ایسا گواہ نہیں رہا تھا جو اپنے زندہ بچ جانے کی صورت میں ٹام کے کہے ہوئے الفاظ کو کسی اور تک پہنچا سکے۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنے چہرے سے رومال الگ کر دیا۔

”کک...... کرنل تم......!“ اس کے منہ سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔ بے یقینی کے سبب سے اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر ابلی پڑ رہی تھیں ”تت...... تم تو خودکشی کر چکے تھے۔“

”میں زندہ ہوں اور تمہارے سامنے موجود ہوں۔ میں اتنی آسانی سے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔“ میں نے زہریلی آواز میں کہا۔

”میں قسم کھاتا ہوں، میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ فساد کی جڑ ڈینی ہے۔ اس کی وجہ سے میرے اور تمہارے درمیان غلط فہمیوں نے جنم لیا تھا۔“ اس نے ہکلاتے ہوئے تیزی سے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

وہ میرے دام میں آیا ہوا دلچسپ شکار تھا۔ مہلت ہوتی تو میں گھنٹوں اس کا خون خشک کر سکتا تھا۔ میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں نے ترشی سے کہا ”یہ اور بھی بری بات ہے کیونکہ تمہارے اسی خادم کو کچھ لوگ ڈینی کے نام سے بھی جانتے ہیں۔ آؤ، اب میں دیکھوں کہ تمہارے بازوؤں میں کتنا دم خم ہے؟“

میں نے اپنی رائفل سلطان شاہ کی طرف اچھال دی۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر، آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھے جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میرا انکشاف سن کر اس پر سکتہ طاری ہو گیا ہو۔

میں نے اچھل کر اس کے منہ پر ایک فلائنگ کک ماری اور وہ کریہہ چیخ مار کر اپنی عقبی دیوار سے جا ٹکرایا۔

”آؤ!“ میں نے اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا ”میں تمہیں گولی بھی مار سکتا تھا مگر میں تمہارا گھمنڈ توڑنا چاہتا

ہوں۔تم نہتے ہو تو میں بھی خالی ہاتھ ہوں۔تمہارے ہاتھوں میں دم ہے تو آگے بڑھ کر اپنے ارمان پورے کرلو۔''

''میں تم سے سودا کرنے کے لیے تیار ہوں'' وہ اپنے دہانے سے بہنے والا خون پونچھتے ہوئے بولا ''میں امریکا کو مطلوب مجرموں کی فہرست سے تمہارا نام نکلوا سکتا ہوں۔''

''ان باتوں کا وقت گزر گیا۔اب تم آسمان سے تارے توڑ لانے کا دعویٰ بھی کر سکتے ہو۔مجھے کسی سودے سے زیادہ تمہارے انجام سے دلچسپی ہے۔''

''ڈینی! یہ تماشا ختم کرو'' اول خان نے مجھے تنبیہ کی ''پولیس کسی بھی وقت آسکتی ہے۔''

اول خان کی بات سننے کے لیے میں لمحہ بھر کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا کہ ٹام نے اپنا سر آگے جھکا کر اچانک میری طرف دوڑ لگا دی۔

وہ میرے پیٹ میں ٹکر رسید کر کے مجھے مفلوج کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔جوں ہی وہ میرے قریب آیا، میں نے پھرتی سے ایک طرف سرک کر اس کے جبڑے پر ایسا زوردار مکا رسید کیا کہ وہ کسی زخمی سانڈ کی طرح ڈکراتا ہوا اپنے بے ہوش ساتھی پر جا گرا۔

میں نے اسے وہاں سے اٹھنے کی مہلت نہیں دی۔اچھل کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔

وہ بری طرح مچل کر میری گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔وہ میرے اندازے سے زیادہ جان دار ثابت ہو رہا تھا۔میں نے جھک کر اس کی گردن کو اپنی بے رحمانہ گرفت میں جکڑ لیا۔میری دونوں کہنیاں آہنی شکنجوں کی طرح اس کی ٹھوڑی کے نیچے پھنس گئی تھیں۔

ٹام کے حلق سے صحیح طرح آواز نہیں نکل پا رہی تھی لیکن وہ بے تحاشا مغلظات بکنے پر اتر آیا تھا۔

بہت احتیاط کے ساتھ میں نے اس کی پشت پر دھیرے دھیرے سرک کر ایسی سواری گانٹھی کہ اس کے لیے ہلنا جلنا مشکل ہو گیا۔میں نے پوری قوت مجتمع کر کے اس کی گردن کو پیچھے کی طرف زوردار جھٹکا دیا۔اس کی گردن کا کوئی منکا ٹوٹنے کی آواز بہت نمایاں تھی۔وہ اس قدر وحشیانہ انداز میں اچھلا کہ اس بار میں اس کی پشت پر سوار نہ رہ سکا اور الگ جا گرا۔

اس کے حلق سے بے معنی آوازیں نکل رہی تھیں اور جسم بری طرح تھرا رہا تھا۔وہ اس کی زندگی کے آخری لمحے تھے جو نہایت عبرت آموز تھے۔

مجبوری

گاؤں میں رہنے والے پپومیاں کے نانا جان نہایت کم گو اور ٹو دی پوائنٹ گفتگو کرنے والے آدمی تھے۔ایک روز وہ صبح سیر کرنے گھر سے نکلے تو شام ڈھلے تک واپس نہیں آئے۔اندھیرا پھیلنے لگا تو گھر والوں کو تشویش ہوئی۔انہیں تلاش کرنے کے لیے پپومیاں کو روانہ کیا گیا۔کافی دیر ادھر ادھر پھرنے کے بعد آخر کار وہ پپومیاں کو جنگل کے قریب ایک جگہ جھاڑیوں میں کھڑے مل گئے۔

''نانا جان! شام ہوگئی ہے۔'' پپومیاں نے آغاز کلام کیا۔

''ہاں۔'' نانا جان نے حسب عادت مختصر جواب دیا۔

''نانا جان! کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔'' پپومیاں نے اپنی دانست میں انہیں احساس دلانے کی کوشش کی کہ انہیں گھر سے نکلے کتنی دیر ہوگئی ہے۔

''ہاں۔'' ساکت کھڑے نانا جان نے اس بار بھی پپومیاں سے اتفاق کیا۔

''کیا آپ کو بھوک نہیں لگی نانا جان؟'' پپومیاں نے دریافت کیا۔

''لگی ہے۔''

''تو کیا آپ گھر نہیں چلیں گے؟''

''نہیں۔''

''کیوں نہیں؟''

''مجبوری ہے۔''

''مجبوری......؟ کیسی مجبوری؟'' پپومیاں نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہیں پتا ہے یہاں کچھ لوگوں کو گیدڑ پکڑنے کا شوق ہے۔''

''جی ہاں۔'' پپومیاں نے جواب دیا۔

''تمہیں یہ بھی پتا ہے کہ اس مقصد کے لیے وہ اِدھر اُدھر پھندے لگا دیتے ہیں؟''

''جی ہاں، نانا جان! مجھے پتا ہے۔''

''میرے دونوں پاؤں اس وقت ایسے ہی ایک پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔'' نانا جان نے اب ہلکی سی کراہ کے ساتھ کہا۔

میں نے اسے دوبارہ ہاتھ لگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ گردن کی ہڈی ٹوٹ جانے کے بعد دنیا کی کوئی طاقت اسے موت کی بھیانک دلدل میں ڈوبنے سے نہیں بچاسکتی تھی۔

آخرکار اس کے جسم نے آخری جھٹکا لیا۔ اس کا پورا وجود فرش سے کئی انچ اوپر اچھل گیا۔ دھپ سے فرش پر دوبارہ گرنے کے بعد اس کا جسم بالکل ساکت ہوگیا۔

میرے نزدیک اس کی کوئی قومیت تھی نہ عہدہ۔ وہ امریکی تھا اور نہ سفارت کار۔ وہ صرف ایک مجرم تھا جو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے دنیا کے کسی اخلاقی یا تعزیری قانون کو خاطر میں نہ لانے کا عادی ہو چکا تھا۔ وقت کی تنگی کی وجہ سے وہ بہت آسان طریقے سے اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔

میرے سر پر پولیس کی مداخلت کا خوف سوار نہ ہوتا تو اس کے لیے گھنٹوں اور دنوں پر محیط موت کا سسکتا اور تڑپتا ہوا عمل اس قدر بھیانک بنا دیا جاتا کہ وہ جہنم میں بھی اس کا تصور کر کے دہشت سے لرز جاتا۔

ٹام کو بے جان چھوڑ کر ہم تینوں بہت تیزی سے برآمدے تک پہنچے۔ غزالہ رائفل لیے ایک کونے میں کھڑی ہوئی تھی۔ ویرا کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ایک سلگتی ہوئی سگریٹ دبی ہوئی تھی۔ وہ اطمینان سے ایک خالی کرسی پر بیٹھی اس اسکاچ کا گلاس نوش کر رہی تھی جو ٹام اور اس کے ساتھی گھبراہٹ میں وہیں چھوڑ گئے تھے۔ اس کی رائفل اس کے شانے سے جھول رہی تھی۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ اس وقت اسے کسی قسم کی فکر لاحق نہیں تھی۔

مجھے حیرت تھی کہ اندر سے نکالی جانے والی دونوں نیم برہنہ لڑکیوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ ویرا نے انہیں بے مصرف سمجھ کر وہاں سے بھگا دیا تھا۔

پہلے کمانڈو سے سامنا ہونے سے ٹام کی گردن توڑنے تک میں نے سب سے زیادہ جاں گسل لمحات گزارے تھے۔ ویرا کو اس حالت میں دیکھتے ہی میرا پارا چڑھ گیا ”یہ کیا ہو رہا ہے۔ تم یہاں پکنک منانے کے لیے نہیں آئی ہو۔“ میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

معاملے کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہی اول خان کا ماتحت برآمدے میں رکنے کے بجائے ریت پر اتر کر سیدھا گاڑیوں کی طرف ہولیا۔

ویرا نے میری بات کا فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ اسکاچ اور سوڈے سے بھرے ہوئے گلاس سے چھوٹا سا گھونٹ لینے کے بجائے اس نے پانی کی طرح وہ ساری شراب غٹاغٹ اپنے معدے میں اتار لی اور خالی گلاس کو زور سے میز پر رکھ کر کرسی سے اٹھ گئی۔

”دشمنوں کے مال پر موج نہ اڑانا کفران نعمت کہلاتا ہے“ اس نے بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے جواب دیا ”ان میں سے کوئی بھی اب شراب نوشی کے قابل نہیں رہا ہوگا۔ میں نے سوچا کہ بچی کھچی اسکاچ میں ہی ٹھکانے لگادوں۔ میں اسے یوں ہی چھوڑ دیتی تو اس سے پولیس والوں کا اخلاق خراب ہونے کا اندیشہ تھا۔“

”تمہیں احساس نہیں ہے کہ ہم کتنے نازک اور خطرناک مشن پر آئے ہوئے ہیں؟“ میں نے غصے سے تقریباً دانت پیستے ہوئے پوچھا۔

”سب معلوم ہے“ اس نے بے پروائی سے کہا ”فساد کی اصل جڑ وہ تینوں کمانڈو تھے۔ دو کو تم نے مار دیا، تیسرے کا میں نے صفایا کر دیا۔ اب کیا رہ گیا تھا۔ میرے اور تمہارے لوٹ آنے کے بعد چار شرابیوں کے خلاف رسمی کارروائی ہونی تھی۔ وہ ہوگئی ہوگی۔ اس میں مجھے کیا کرنا تھا۔ میں نے چوکیداری کرنے کے ساتھ ذرا اپنا دل بھی بہلا لیا۔“

”وہ دونوں لڑکیاں کہاں ہیں جنہیں میں نے اندر سے بھگایا تھا؟“ اس بار سلطان شاہ نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

”اوہ...... تو تمہیں ان کے ہاتھ سے نکل جانے کا قلق ہے؟“ وہ تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ”وہ جل پریاں تھیں۔ سمندر کے کنارے مدہوش بلکہ بے ہوش پڑی ہوئی ہوں گی۔ میں نے ان کے جسموں پر نظر آنے والی چند دھجیاں بھی نوچ کر اتار دی تھیں۔ مطلع صاف ہوگا تو کوئی بھی شوقین سیلانی انہیں سمندر کا تحفہ سمجھ کر اپنے ہٹ میں اٹھا لے جائے گا۔ چاہو تو یہ نیک کام تم بھی کر سکتے ہو۔ زیادہ دیر تک وہاں پڑے رہنے سے بے چاریوں کو نمونیا نہ ہو جائے۔“

”ہم بلاوجہ اپنا وقت برباد کر رہے ہیں“ اول خان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا ”ہمیں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہیے۔“

”میں تیار ہوں“ یہ کہہ کر ویرا برآمدے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی ”لڑکیوں کے چکر میں سلطان شاہ وقت خراب کر رہا ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ مہنگی تفریح کے شوق میں بہت سی ناسمجھ لڑکیاں مجرموں کے ہتھے چڑھ جاتی ہیں۔“

کسی نے ویرا کے منہ لگنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اس مہم

کے مثبت نتائج کے بارے میں حد سے زیادہ پرامید نظر آرہی تھی۔ حد یہ تھی کہ اس نے کسی سے یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ ہم نے ٹام کو وہاں کس حال میں چھوڑا تھا۔

ہم سب بہت تیز رفتاری کے ساتھ اپنی گاڑیوں تک پہنچے۔ اول خان کی سرزنش کے بعد ویرا نے بھی چپ سادھ لی تھی لیکن اس کی حرکتوں میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ وہاں تک غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ آئی تھی۔ روانگی کا مرحلہ آیا تو سب سے پہلے اول خان کی گاڑی کی عقبی سیٹ میں جا گھسی۔

اول خان نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں بے بسی سے اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

میرے ایما پر اول خان کا آدمی اپنی گاڑی کو ساحل کے متوازی دور تک لیتا چلا گیا۔ سلطان شاہ ہمارے پیچھے آرہا تھا۔ اس وقت میں سنی ہٹ کے قریب سے سڑک پر نکلنے سے گریز کرنا چاہ رہا تھا۔

کئی سو گز دور نکلنے کے بعد ہمارے ڈرائیور نے ایک موزوں مقام پر جیپ بائیں طرف گھمالی۔ ہماری گاڑی کہیں سے بھی ریتیلا راستہ پار کرسکتی تھی مگر ہمیں اپنی کرولا کا بھی خیال تھا۔ کہیں وہ ریت میں پھنس جاتی تو اسے نکالنے کی کوششوں میں ہمارے کئی گھنٹے برباد ہوسکتے تھے۔

پانی کی چمکیلی ساحلی لکیر اور ہٹس کے درمیان سفر کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ بیشتر ہٹس روشن اور آباد تھے لیکن باہر کوئی شخص نظر نہیں آرہا تھا۔ سنی ہٹ کے قرب وجوار میں ہونے والی روح فرسا فائرنگ نے اس طرف آئے ہوئے لوگوں کو خوف زدہ کرکے اندر محصور ہوجانے پر مجبور کردیا تھا۔

سڑک پر پہنچنے کے بعد ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ سنی ہٹ کو ہم دور چھوڑ آئے تھے۔ اس وقت سنی ہٹ کے قرب وجوار کا علاقہ بہت حساس ہوچکا تھا۔ پولیس کی نفری وہاں پہنچنے کے بعد کئی غیر ملکیوں کی لاشیں دریافت کرتی تو ان اطراف میں موجود افراد، تفتیش کے نام پر خاصی پریشانیوں سے دوچار ہوسکتے تھے۔

''تم نے اب تک یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ٹام کا کیا انجام ہوا ہے'' ہموار سڑک پر کچھ دیر کے سفر کے بعد اول خان نے ویرا سے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ اسے مار آئے ہو؟'' ویرا پورے اعتماد سے بولی۔

''کیا الہام ہوا ہے تم کو؟'' اول خان نے چڑ کر پوچھا۔

''ڈینی اپنے چہرے پر رومال باندھ کر اندر گیا تھا۔ واپس آیا تو اس کا چہرہ بے نقاب تھا۔ یہ سامنے کی بات تھی کہ ڈینی نے اپنی رونمائی کرانے کے بعد اسے زندہ نہیں چھوڑا ہوگا ورنہ ٹام دنیا کو بتاتا پھرتا کہ کرنل داور زندہ ہے۔ اس کی خودکشی محض ایک ڈراما تھی۔''

اس وقت ویرا کا انداز چڑانے والا تھا اور اول خان کی کھوپڑی واقعی سنک گئی۔ اس نے ترش لہجے میں کہا ''یہ بھی تو ممکن تھا کہ ڈینی نے برآمدے کی طرف آتے ہوئے، راستے میں اپنا چہرہ بے نقاب کیا ہو۔''

''ایسا ہوا ہوتا تو تم بھی اپنے چہرے سے بنیان اتار لیتے۔ تم دونوں ٹام کے قتل کے ٹرانس میں آئے ہوئے تھے۔ راستے میں تم دونوں کو کسی بات کا خیال نہیں آیا ہوگا۔ تم نے برآمدے میں پہنچنے کے کئی منٹ بعد اپنے چہرے سے بنیان اتارا تھا'' ویرا کے پاس اس وقت ہر سوال کا ایک منطقی جواب موجود تھا۔ لمحہ بھر توقف کے بعد اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا ''چلو اب بتا دو کہ ٹام کا کیا، کیا گیا۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے'' اول خان کو سکی سے بچانے کے لیے میں نے جلدی سے جواب دیا ''اسے ہر قیمت پر جہنم واصل ہونا تھا۔ آج اس سمیت چار آدمی مارے گئے۔ دیکھنا ہوگا کہ اس خوں ریزی پر ہمارا مخالف کیمپ کس ردِّعمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔''

''وہ بلبلا اٹھیں گے'' ویرا آسودہ لہجے میں بولی ''اب جلال اور دوسرے اعلیٰ سرکاری افسروں کا کڑا امتحان شروع ہوگا۔ ہونے والا کام ذرا سی دیر میں ہو جاتا ہے۔ اس کے اثرات برسوں تک زائل نہیں ہوتے۔''

''میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم ان لوگوں میں گھس کر دیر تک کیا کرتے رہے اور تم نے خاموشی سے دو کمانڈوز کو کیسے مار لیا؟'' اول خان کو میدانِ کارزار سے دور نکلنے کے بعد دوسری باتیں یاد آنا شروع ہو گئی تھیں۔

''تمہارا اور غزالہ کا مشاہدہ سو فیصد درست تھا۔ انہوں نے میرے پالتو کتے کو مار دیا تھا......''

''تمہارا پالتو کتا کہاں سے آ گیا؟'' ویرا نے میری بات درمیان سے اڑا کر تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''پہلے کمانڈو سے ملاقات ہونے تک مجھے خود بھی اس بے چارے کے وجود کا علم نہیں تھا'' میں نے ہنستے ہوئے بتایا ''انہوں نے مجھے بہت مشکل سے اپنے کتے کے پاس جانے کی اجازت دی اور وہیں سے میرا کھیل شروع ہو گیا۔ وہ دونوں ایک ایک کر کے انگوٹھی کے شکار ہوئے تھے۔ سچ پوچھو تو آج کا اصل ہیرو وہی آوارہ اور گمنام کتا ہے جو اُن کا نشانہ بنا تھا۔ وہ نہ مارا گیا ہوتا تو ہم سنی ہٹ کے قریب نہیں پھٹک سکتے تھے۔''

''دلچسپ کہانی معلوم ہوتی ہے'' اول خان بولا ''ذرا تفصیل سے واقعات سناؤ۔ سفر مزے سے گزر جائے گا۔''

''گھر چل کر بات ہوگی۔ حسب منشا نتائج حاصل کر لینے کے بعد مجھے یکایک تکان کا احساس ہونے لگا ہے۔ میں کچھ دیر اونگھنا چاہتا ہوں'' میں نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

''بڑے معرکوں کے بعد ایسا ہوتا ہے۔ تم واقعی تھک گئے ہو گے!'' اول خان نے ہمدردانہ لہجے میں میری تائید کی اور پھر چپ سادھ لی۔

ویرا بھی خاموش ہو گئی۔ وہ دشمن کا خون نہیں پی سکی تھی لیکن اس کی خاصی شراب پی گئی تھی اور شاید کچھ دیر کے لیے اس کے سرور میں کھو جانا چاہتی تھی۔

میں نے نشستوں کی درمیانی جگہ میں اپنے پاؤں پسار کر اپنا سر سیٹ کی پشت گاہ سے ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔

اول خان کی جیپ ویران سڑک پر فراٹے بھرتی ہوئی تیزی سے منزل کی طرف رواں تھی۔

☆☆☆

کہیں سے خبر تولد ہونے کی موہوم سی امید بھی ہو تو اخباری رپورٹر وہاں منڈلاتے رہتے ہیں۔ ہاکس بے اور اس سے ملحقہ طویل ساحلی پٹی کراچی کے شہریوں اور باہر سے آنے والے سیاحوں کے لیے نہایت پرکشش ضرور ہے لیکن خبروں کے اعتبار سے وہ پوری پٹی خاصی بنجر تصور کی جاتی ہے۔ اخباری صنعت سے وابستہ افراد سیر و تفریح کے لیے ادھر جا نکلیں تو اور بات ہے، خبر کی تلاش میں کوئی سمجھ دار رپورٹر اس دور افتادہ ساحل ویرانے کا رخ نہیں کرتا۔ وہاں کوئی واقعہ رونما ہونے کے بعد ریکارڈ پر آ ہی جائے تو اس کی خبر متعلقہ تھانے کے ذریعے چند گھنٹوں میں اخبارات تک پہنچ جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صبح کے اخباروں میں ہاکس بے کی اس خوں آشام رات کے بارے میں کوئی خبر جگہ نہیں پا سکی۔ واقعہ بہت دیر سے رونما ہوا تھا۔ جب تک اخبار والوں کو اس کی بھنک ملتی، اخبارات کی آخری کاپیاں شاید طباعت کے آخری مراحل سے گزر رہی تھیں۔

واقعہ بلکہ واقعات بہت سنگین اور سنسنی خیز تھے۔ سلطان شاہ دس بجے بازار سے سودا سلف لینے کے لیے گیا تو واپسی پر

اس کی بغل میں کئی اخباری ضمیمے دبے ہوئے تھے جن کی چنگھاڑتی ہوئی سرخیاں کراچی کے ساحلی ویرانے میں ہولناک دہشت گردی کی خبر دے رہی تھیں۔ ایک ضمیمے کی شہ سرخی میں میرا نام نمایاں تھا۔

سلطان شاہ کے لائے ہوئے وہ اخباری ضمیمے ہم سب کے لیے گہری دلچسپی کا مرکز بن گئے۔ ہر ضمیمے کی سرخیوں میں معلومات کے دریا بہا دیے گئے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ متن میں ایسی کوئی نئی بات نہیں ہوگی جسے سرخیوں میں بیان نہ کر دیا گیا ہو۔ میں نے عجلت میں سب ضمیموں کی سرخیاں دیکھ ڈالیں۔

وہاں کمانڈوز کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا، اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہر کمانڈو اپنے آخری لمحات کی کہانی اپنے سینے میں لے کر اس دنیا سے سدھار گیا تھا۔ اخبارات نے ان تینوں کی اموات کے بارے میں قیاس آرائیاں کی تھیں۔ ان کے نزدیک اہم ترین نکتے صرف دو تھے۔ اول یہ کہ دو کمانڈوز کی بے داغ لاشیں، ایک مرے ہوئے کتے کے ساتھ پڑی ہوئی ملی تھیں۔ اسے قاتل کی طرف سے ایک پیغام قرار دیا گیا تھا، جس کا ایک مفہوم یہ نکالا گیا تھا کہ کراچی میں باہر سے آئے ہوئے مسلح فوجیوں کو اس کتے جیسے انجام سے دوچار کر دیا جائے گا۔ میں متعلقہ نامہ نگار کی افتادِ طبع پر اپنے دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ دوسرا نکتہ بہت اہم اور پُرمغز تھا۔ کتے کے بغیر سر والی لاش کے ساتھ پائے جانے والے دونوں کمانڈوز بظاہر کسی زہر کا شکار ہوئے تھے۔ شہر میں اس سے پہلے پائی جانے والی ایسی لاشیں ڈینی کے نام سے منسوب کی جاتی رہی تھیں۔ شبہ ظاہر کیا گیا تھا کہ تازہ واردات میں میرا ہاتھ تھا۔

امریکی قونصل خانے کے حکام نے اپنے ابتدائی ردِعمل کے اظہار میں بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بیم گن کی طرح زہریلی سوئیوں سے ہونے والی ہلاکتیں ڈینی کی شناخت ضرور بنی ہوئی تھیں لیکن نئے واقعات کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوتا۔ لاشوں کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اور دیگر شواہد کے سامنے آنے کے بعد قاتل کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جاسکتی تھی۔

ٹام کے رنگین مزاج ساتھی کا نام فشر تھا۔ وہ کراچی میں ایک امریکی بینک کا افسر تھا۔ وہاں آئی ہوئی دونوں لڑکیاں بھی اسی بینک میں اہم عہدوں پر کام کر رہی تھیں۔ ان تینوں کے بیانات کو صیغۂ راز میں رکھا جا رہا تھا مگر میں جانتا تھا کہ وہ تینوں پولیس یا امریکی حکام کو کوئی قابلِ ذکر بات نہیں بتا سکیں گے۔

ویرا کے اندازے کے عین مطابق شہر کے ایک نامور گھرانے کے نوجوان ساحل پر بے ہوش پڑی ہوئی لڑکیوں کو انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت اٹھا کر اپنے ہٹ میں لے گئے تھے لیکن جب وہاں ہونے والے کشت و خون کی خبریں ان کے کانوں تک پہنچیں تو انہوں نے رضاکارانہ طور پر دونوں لڑکیوں کو پولیس کے حوالے کر دیا۔

ان خبروں سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ٹام اور تینوں کمانڈوز کی موت نے امریکی حکام کو بری طرح خائف کر دیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ نک اور گیری کے بعد ٹام نے کسی سے تصادم مول لیا ہوا تھا۔ انہوں نے بیک وقت اپنے چار انتہائی اہم آدمیوں کے جانی نقصان کی صورت میں میری طاقت کا مظاہرہ دیکھ لیا تھا۔ وہ کھل کر کہہ سکتے تھے کہ ان چاروں کی موت میں میرا ہاتھ تھا مگر وہ ڈرے ہوئے تھے کہ ان کی کھلی الزام تراشی پر مشتعل ہو کر میں ان کے مزید آدمیوں کو موت کے گھاٹ نہ اتار دوں۔ ان کے وہ رجحانات میری نگاہ میں پسپائی سے کم نہیں تھے۔ مجھے جہانگیر کی کہی ہوئی یہ بات لغو محسوس ہونے لگی کہ حکومتوں سے ٹکرا کر کوئی فرد زیادہ دیر تک نہیں پنپ سکتا۔

امریکی انتظامیہ کے بہترین دماغ میرے خلاف یک جا تھے، وہ میری بو پر لگے ہوئے تھے۔ ان کے پاس جدید ترین وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی مگر وہ سہم گئے تھے۔ وہ ان کی سرکاری مشینری کی ایک فرد کے ہاتھوں کھلی شکست تھی۔

''کیا سوچ رہے ہو!'' ویرا نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ''تمہارے ہونٹوں پر خود بخود ہلکی سی مسکراہٹ تیر رہی ہے'' وہ بہت غور سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

''تمہارا خیال تھا کہ وہ بلبلا اٹھیں گے۔ وہ بے چارے تو کھلی کھلی شہادتوں کے باوجود مجھ پر الزام لگانے سے گریز کر رہے ہیں۔ ان کے بجائے اخبار والوں نے میرا نام اچھالنے کی کوشش کی ہے۔''

''ان کی مجبوری پر نازمت کرو۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں چرچل نے ایک بار کہا تھا کہ ہماری فوجیں بہادری سے پسپا ہو رہی ہیں۔ ان کی یہ پسپائی مصلحت آمیز اور خطرناک ہے۔ اندر کا حال تمہیں اپنے گرد گھنٹال سے معلوم ہوگا۔''

''میں دو مرتبہ جلال کا فون ملانے کی کوشش کر چکا

ہوں۔ اس کا موبائل بند پڑا ہوا ہے۔ دونوں بار ریکارڈنگ چل پڑی تھی۔''

''اب اس کا نمبر ملانے کی غلطی نہ کرنا۔ اس وقت تمہاری پوزیشن بہت مخدوش ہے۔ وہ تم سے دور رہنے کی کوشش کرے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے تمہارے کسی رابطے سے بچنے کے لیے اپنا فون بند کیا ہوگا۔ موقع ملنے پر وہ خود تم سے رابطہ کرے گا۔'' ویرا نے بہت سنجیدہ ہو کر مشورہ دیا ''یہ کھیل بہت خطرناک حدوں میں داخل ہو گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم سے پہلے وہ کسی ناگہانی عتاب کا نشانہ بن جائے!''

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ جلال کے بارے میں وہ بات میرے ذہن میں نہیں آ سکی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ کسی اجلاس وغیرہ میں الجھا ہوا ہوگا۔

''اخبار والوں نے بدنصیب کتے کو بھی زبردستی ایک علامتی دھمکی بنا ڈالا ہے۔ کیا ان دونوں کی لاشیں وہاں ڈالتے ہوئے تمہارے ذہن میں ایسا کوئی خیال آیا تھا؟'' سلطان شاہ نے اپنے سامنے پھیلا ہوا آخری ضمیمہ ایک طرف ڈالتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''میں نے کسی کو نہیں ڈالا!'' میں نے اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا ''میرے پاس اتنا وقت ہی نہیں تھا جو کچھ ہوا، وہ ہوتا چلا گیا۔ اس میں میری حاضر دماغی کے علاوہ کسی منصوبہ بندی کا دخل نہیں تھا۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے لڑکیوں کے بارے میں بے چارے سلطان شاہ کی منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ گئی۔''

''میری کوئی منصوبہ بندی نہیں تھی۔ یہ سب تمہارے دماغ کی گندگی ہے۔'' سلطان شاہ نے کھسیا کر جواب دیا ''میں نے تو ان بے شرموں کو لات مار کر کمرے سے بھگایا تھا۔''

''اور ندیدے انہیں ساحل سے اٹھا لے گئے!'' ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

''وہ شہر کے اعلیٰ گھرانوں کے چشم و چراغ تھے!'' میں نے متاسفانہ انداز میں تبصرہ کیا۔

''ایسی حرکتیں بڑے گھرانوں کے بگڑے ہوئے لڑکے ہی کرتے ہیں۔'' ویرا نے برجستہ جواب دیا ''کوئی ایرا غیرا ان لڑکیوں کو ہاتھ لگانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا۔''

''اخبار والوں نے ان لڑکوں کے نام نہیں دیے لیکن سینہ بہ سینہ بات بہت پھیلی ہوگی۔'' سلطان شاہ نے کہا

''انہیں اپنے گھرانے کی عزت و آبرو کا بھی خیال نہیں آیا!''

''یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکے گی۔ عورت کا نشہ آدمی کو ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیتا ہے۔'' ویرا کو اس پر فقرہ چست کرنے کا موقع مل گیا ''تم ذرا بڑے ہو جاؤ تو یہ نازک باتیں تمہاری سمجھ میں آنے لگیں گی۔''

''میں اتنا بڑا ضرور ہوں کہ تمہاری گھٹیا باتوں اور حرکتوں کو سمجھ سکوں۔ نشہ عورت کا ہو یا شراب کا۔ یہ ہر وقت تمہارا پسندیدہ موضوع ہوتا ہے۔ شی کی تربیت تمہاری نس نس میں رچی ہوئی ہے۔ آج تک تم اس سحر سے باہر نہیں آ سکیں۔'' سلطان شاہ نے یکایک بہت لمبی چھلانگ لگا ڈالی مجھے ڈر تھا کہ شی کے حوالے پر ویرا بپھر جائے گی لیکن وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''آج میں اسی تربیت کے سہارے زندہ ہوں۔'' اس نے فخریہ لہجے میں کہا ''شی میں رہ کر میں نے بدترین حالات میں زندہ رہنا سیکھا ہے۔ میری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اب تک دس دفعہ خودکشی کر چکی ہوتی۔''

''اپنے اس اعتراف پر ٹھنڈے دل سے غور کر لو۔ مجھے مزید کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔'' سلطان کا لہجہ طنز کی تلخی میں ڈوبا ہوا تھا ''آن کی خاطر اپنی جان پر کھیل جانے والے لوگ دوسرے ہوتے ہیں۔ تم میں ایسی کوئی خوبو نہیں ہے۔''

''دونوں کان پکڑ کر اپنے منہ پر زور سے تھپڑ لگاؤ۔'' ویرا نے اس کا مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا ''تم حرام موت مرنے والوں کی شان میں قصیدے پڑھ رہے ہو۔ خودکشی کرنے والے دنیا کے بزدل ترین لوگ ہوتے ہیں جس میں زندگی کی تلخ و ترش سچائیوں سے لڑ کر جینے کا حوصلہ نہ ہو وہ موت کی آغوش میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے۔''

''میں بھی خودکشی کو حرام سمجھتا ہوں۔'' سلطان شاہ نے مدافعانہ لہجے میں جواب دیا ''لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ جانتے بوجھتے ہوئے موت کو گلے لگانے کے لیے دل گردہ درکار ہوتا ہے۔''

''تم دوغلی باتیں کر رہے ہو۔'' ویرا نے احتجاج کیا ''ایک حرام کام کی تکمیل میں کہیں بھی کوئی قابلِ تعریف مرحلہ آ ہی نہیں سکتا۔ جس فعل کا کل حرام ہو، اس کا ہر جز حرام ہوگا۔ اس میں دل گردوں اور پھیپھڑوں کے ذکر کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔''

بات لڑکیوں کے ذکر سے شروع ہوئی تھی لیکن ایک

دوسرے کو نیچا دکھانے کی بحث میں وہ دونوں اپنے اصل موضوع کو بھول کر بہت آگے نکل گئے تھے۔ میں نے سختی سے کہا "تم دونوں شرفا کی محفل میں بیٹھنے کے قابل نہیں رہے ہو۔ ہر وقت چڑی ماروں کی طرح آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہو۔"

'اوہو..... تو یہاں کوئی شریف بھی ہے!" ویرا نے اپنے اردگرد نگاہیں دوڑاتے ہوئے بے ساختہ کہا "یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے۔"

"تم نے اپنی زبان بند نہ کی تو میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔" میں نے جھلا کر دھمکی دی۔

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ اندر سے خالی نکلے گا۔" اس بار سلطان شاہ بولے بغیر نہ رہ سکا۔

"تم اس کی زبان درازی پر دھیان نہیں دیتے۔" ویرا تنک کر بولی "بس یہ چاہتے ہو کہ میں اس کی کسی بات کا جواب نہ دوں۔ یہ جو چاہے بکتا رہے!"

"میں کسی سے کچھ نہیں چاہتا۔' میں نے اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سنجیدگی سے کہا "تھوڑی دیر کے لیے ذہنی سکون چاہتا ہوں۔"

"ہم پنگ پانگ نہیں کھیل رہے۔" غزالہ نے ان دونوں کی طرف متوجہ ہو کر ناصحانہ لہجے میں کہا "دشمنوں سے ہونے والی لڑائی بہت نازک مرحلے میں داخل ہو چکی ہے، ہم کو ہر وقت سنجیدہ اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔"

"میری رائے تم سے مختلف ہے۔" ویرا ایک بیک سنجیدہ نظر آنے لگی "نازک ترین مرحلہ پچھلی رات کو گزر گیا۔ ٹام کو ٹھکانے لگانے کے بعد ہمیں کچھ دنوں کے لیے سکھ کا سانس لینے کا موقع مل گیا ہے۔ ان کو اپنا کوئی متبادل مہرہ میدان میں اتارنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔"

"وہ ٹام کی موت کو آسانی سے ہضم نہیں کر سکیں گے۔" غزالہ نے متانت کے ساتھ اسے سمجھانے کی کوشش کی "ہمیں اخباری اطلاعات پر خوش نہیں ہونا چاہیے۔ پسِ پردہ نہ جانے کیا کچھ ہو رہا ہوگا۔"

ویرا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا "چند منٹ پہلے میں ڈینی کو یہی سب سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تم میری کہی ہوئی بات دہرا رہی ہو۔"

"پھر تم نے نازک ترین مرحلہ گزر جانے والی بات کیوں کہی؟ میرا خیال ہے کہ اصل امتحان اب شروع ہوگا۔" غزالہ بولی۔

"میں جسمانی مشقت اور مار دھاڑ کی بات کر رہی تھی۔ ٹام کو ٹھکانے لگا کر ہم نے وہ محاذ ٹھنڈا کر دیا ہے۔ اب ذہنی جمناسٹک کا آغاز ہوگا۔ ٹام کا کوئی جانشین سامنے آنے تک ہم دہری مشقت سے بچے رہیں گے۔"

غزالہ کی بروقت مداخلت کی وجہ سے ان دونوں کے موڈ اور ماحول میں یکایک سنجیدگی کا عنصر آ گیا اور میں نے سکون کا سانس لیا۔ وہ تینوں حالات و واقعات پر اپنا سر کھپانے میں مصروف ہو گئے۔ میرے کان ان کی طرف لگے ہوئے تھے لیکن ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔

شام کو پانچ بجے غیر متوقع طور پر سوبھراج کا فون آ گیا۔ وہ اسی شام مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔

میرے لیے اس کی وہ فرمائش بہت انوکھی تھی۔ پچھلے دن تک وہ مجھ سے کترا رہا تھا۔ وہ جہاں کہیں بھی تھا، مکمل روپوشی کی زندگی گزار رہا تھا اور اس وقت یکایک مجھ سے مل بیٹھنے کی نرالی بات کر رہا تھا۔

میں لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑ گیا مگر پھر میں نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ سبب کچھ بھی رہا ہو یہ ایک حقیقت تھی کہ وہ کئی بار مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کر چکا تھا اور ہمیشہ یہ کہتا رہا تھا کہ وہ موزوں وقت پر مجھ سے ضرور ملے گا۔ شاید اس کی دانست میں وہ موزوں وقت آ ہی گیا تھا۔

اس ملاقات کا امکان سامنے آتے ہی میرے ذہن میں متعدد سوالات ابھرے تھے مگر میں نے اس سے کوئی بات پوچھنی مناسب نہیں سمجھی۔ میں اس کو یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ وقت گزر جانے کے بعد میری نگاہوں میں اس ملاقات کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ وہ ملنے کا خواہاں تھا تو میں کسی پس و پیش کے بغیر اس کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھا۔

سوبھراج کی دانست میں میری اور اس کی پوزیشن تقریباً یکساں تھی۔ وہ قانون کو مطلوب تھا۔ ریکارڈ کی حد تک میری بھی وہی حیثیت تھی۔ اسے ایف بی آئی والوں کی کسی خون ریز انتقامی کارروائی کا خدشہ تھا تو میری گرفتاری کے لیے امریکیوں نے لاکھوں ڈالر کے خطیر انعام کا اعلان کیا ہوا تھا۔ دونوں کے مسائل مشترک تھے۔ ہم دونوں روپوشی کی زندگی گزار رہے تھے اور بے خوف ہو کر منظرِ عام پر آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

ملاقات پر اصولی آمادگی کے بعد مسئلہ یہ تھا کہ کہاں ملا جائے۔ وہ میرے طے کیے ہوئے مقام پر آنے سے ہچکچا رہا تھا۔ میں اس کی تجویز قبول کرنے سے گریزاں تھا۔ زبان

سے دونوں ایک دوسرے کو اپنی نیک نیتی کا یقین دلا رہے تھے مگر اسے مجھ پر بھروسا تھا نہ میں اس کے لیے آسان شکار بننے پر آمادہ تھا۔

میں نے شہر کے کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ملنے کا مشورہ دیا تو وہ اس پر بھی رضا مند نہیں ہوا۔ یہ بات کئی مرتبہ اس کے تجربے میں آ چکی تھی کہ وہ اپنی شکل وصورت میں لاکھ تبدیلیاں کر لے، اپنی ناک کی غیر معمولی بناوٹ کو نہیں چھپا سکتا۔ بڑے ہوٹلوں کے اخراجات ہر کس وناکس کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ وہاں وہی لوگ پہنچتے ہیں جن کے لیے بھاری اخراجات کی کوئی وقعت نہ ہو۔ یہ ہمارے ملک کی بڑی بدنصیبی ہے کہ سیاست اور سماج میں کسی کو عقل ودانش کے اعتبار سے رتبہ نہیں ملتا۔ جس کی جیب میں پیسے ہوں اسے سب کچھ مل جاتا ہے۔ سوبھراج کے لاشعور میں یہ خوف جاگزیں تھا کہ اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں بکثرت آنے والے متمول اور مقتدر لوگوں میں اس کے شناساؤں میں سے کسی نے اسے دیکھ کر پہچان لیا تو وہ ناقابلِ تصور مشکلات کا شکار ہو جائے گا۔

آخر اس نے خود ہی پارک ٹاورز کا نام تجویز کیا۔

وہ کلفٹن کے مہنگے اور ستھرے علاقے کی ایک جدید اور کئی منزلہ مارکیٹ ہے جہاں نیچے سے اوپر تک ہر قسم کے سازوسامان کی خوب صورت دکانیں خریداروں کے استقبال کے لیے تیار رہتی ہیں۔

اس مارکیٹ کی ایک اوپری منزل خریداروں کے ستانے اور کھانے پینے کے لیے مخصوص ہے جہاں شہر کے مشہور ریستوران وغیرہ اپنے اسٹال سجائے بیٹھے ہیں۔ روغنی نان سے اطالوی پزا تک ہر شے مناسب نرخوں پر دستیاب ہوتی ہے۔ جی چاہے تو پیسے دے کر خود کچھ خریدیں، اپنی میز پر لائیں اور شوق کریں۔ کوئی تھکا ہارا خریدار اس فوڈ کورٹ کی دکانوں سے کچھ خریدے بغیر وہاں بیٹھا ستاتا رہے تو کوئی اس سے یہ پوچھنے کے لیے نہیں آتا کہ وہ وہاں کیوں بیٹھا ہوا ہے۔ یہ شہر کے متوسط طبقے کے بالائی خاندانوں کا ایک مقبول ٹھکانا ہے۔

پارک ٹاورز میں عام خریداری کے لیے امرا اور روٴسا یا پھر شاہ خرچ نوجوان آتے ہیں۔ فوڈ کورٹ ان کی منزل نہیں ہوتی۔ شاید وہ جگہ سوبھراج کی دیکھی بھالی تھی۔ اسے یقین رہا ہوگا کہ اس کے جاننے والوں میں سے کوئی وہاں نہیں پھٹکے گا اور وہ شناخت کے خطرے سے محفوظ رہ کر مجھ سے ملاقات کر سکے گا۔

پارک ٹاورز کے فوڈ کورٹ میں سات بجے ملاقات کا وقت طے ہو جانے کے بعد سوبھراج نے میری پہچان کا سوال اٹھا دیا۔ اسے معلوم تھا کہ میں اسے بھیڑ میں بھی پہچان لوں گا مگر اس نے اپنی دانست میں مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

یہ ایک حقیقت تھی کہ اپنی شدید ترین خواہش کے باوجود میں کبھی ڈینی کی حیثیت میں اس سے نہیں مل سکا تھا۔ کرنل داور کے روپ میں اس سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے راج محل پہنچا تو وہ غائب تھا۔ مجھے سنیل سے مل کر لوٹ آنا پڑا۔

میں نے اسے حادثے میں تباہ ہونے والی کالی اکارڈ یاد دلائی۔ وہ اس واقعے کو زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

وہ میرے بھیجے ہوئے اس آدمی کو بھی نہیں بھول سکا تھا جو اس کی مولوی تمیز الدین روڈ پر چھوڑی ہوئی گاڑی کو کرین کے ذریعے لے کر ڈاکٹر صادق کے گھر پہنچا تھا۔

سوبھراج نے رقم کا لالچ دے کر اس آدمی کو میرے خلاف ورغلانے کی کوشش کی تھی اور میرے جال میں پھنستے پھنستے رہ گیا تھا۔

جب میں نے اسے یہ بتایا کہ وہ میرا آدمی نہیں، میں خود تھا، وہ اس صورت کو اپنے ذہن میں تازہ کرلے تو پل بھر میں

مجھے پہچان لے گا تو فرطِ حیرت سے وہ ہکلا کر رہ گیا۔
اس واقعے کے بارے میں سوبھراج نے دل کھول کر مجھ سے جھوٹ بولا تھا اور میں نے اسے اصلیت سے آگاہ کیے بغیر یہ شکایت کی تھی کہ اس سے رقم لینے کے بعد میرا آدمی واپس نہیں لوٹا تھا۔ اس نے اپنی فیاضی کے سبب سے مجھے اپنے ایک کارآمد آدمی سے محروم کر دیا تھا۔
اس وقت میں نے سوبھراج سے کوئی گلہ نہیں کیا تھا۔ اسے یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ مجھے کیسے پہچان سکے گا لیکن اس کے دل میں چور تھا۔ اس نے میرے بہروپ سے فریب کھا کر مجھ سے بہت زہریلی باتیں کی تھیں۔ اس نے ازخود کہا کہ وہ سات بجے کی مجوزہ ملاقات میں اس واقعے کے بارے میں اپنی پوزیشن صاف کرے گا۔
میں نے ہنس کر اس کی بات سنی اور ہمارے درمیان گفتگو ختم ہوگئی۔
''اسے اچانک تم سے ملنے کا خیال کیوں آ گیا؟'' ویرا میرے اور سوبھراج کے درمیان طے ہونے والی ملاقات کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا تھی۔
''وہ آزاد ہے اس لیے ابھی تک اسے قانون کا کوئی خوف نہیں ہے۔ اسے دو فریقوں کی طرف سے خطرات لاحق ہیں۔ ایف بی آئی اور میں۔ ہوسکتا ہے اب وہ مجھ سے مفاہمت کے بارے میں سوچ رہا ہو۔ اس ملاقات میں جنگ وجدل کا امکان نہیں ہے۔ یہ بس ملاقات ہی رہے گی۔''
''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ بچھو سے بوسے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ وہ جب آگے بڑھے گا، ڈنک مارنے کی کوشش کرے گا۔ تم اسے نہ مارو لیکن وہ تمہیں معاف نہیں کرے گا۔''
''اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔'' غزالہ نے اس کی تائید کی ''آپ نے بہت آسانی کے ساتھ اس کی تجویز قبول کر لی۔''
''تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں اس پر بھروسا کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا ''میں وہاں اکیلا نہیں جاؤں گا۔ اس نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو اسے وہیں کچل دیا جائے گا۔''
''اسے اپنی شناخت بتا کر تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔'' ویرا بولی ''ابھی تک تم اس کے لیے صرف ایک نام تھے۔ تم اس کے برابر میں سے گزر جاتے تو بھی وہ تمہیں نہیں پہچان سکتا تھا......''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں اس سے اپنے ایک آدمی کے روپ میں مل چکا تھا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔
''میں ڈینی کی بات کر رہی ہوں۔'' ویرا زور دے کر بولی ''اسے یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ تم ڈینی ہو۔ اب تم اس کے سامنے آ گئے ہو۔ وہ ایک نظر میں تمہیں پہچان لے گا۔''
''تم ایک دوراز کار اندیشے کے بارے میں سوچ رہی ہو۔''
''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اپنے ذہن پر ذرا سا زور دو۔'' اس نے کہا ''ہوسکتا ہے اس نے یہی جاننے کے لیے ملاقات کا ڈراما رچایا ہو۔ تمہیں مان لینا چاہیے کہ تم سے غلطی ہوئی ہے۔''
''ویرا ایک معقول اندیشے کا اظہار کر رہی ہے۔ آپ اس کی بات پر غور کیوں نہیں کرتے۔'' غزالہ نے اس کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔
''ہم ان اندیشوں میں الجھتے رہے تو یہ بات بہت دور نکل جائے گی۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''آسمان ہمارے سروں پر معلق ہے۔ کل کلاں کو یہ اچانک نیچے گر سکتا ہے۔''
''آسمان کچھ بھی نہیں ہے۔'' ویرا نے پرسکون رہتے ہوئے نکتہ آفرینی کی ''یہ ہماری حدِ نگاہ کا ایک نام ہے مگر سوبھراج ٹھوس زمینی حقیقت ہے۔ ہم یہ بات فراموش نہیں کر سکتے کہ وہ پرلے درجے کا عیار اور مکار ہے۔''
''تمہاری دانست میں مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟'' میں نے طنز سے پوچھا۔
''اپنی شناخت بتانے کے بجائے اسے آمادہ کرتے کہ وہ مقررہ وقت پر فوڈ کوٹ میں پہنچ جائے۔ تم خود اسے پہچان کر اس تک پہنچ جاتے۔''
''اسے کیسے پتا چلتا کہ وہ ڈینی ہی سے مل رہا ہے؟'' دل ہی دل میں ویرا کی بات کی معقولیت کو ماننے کے باوجود میں نے کٹھ حجتی اختیار کر لی۔
''اپنے اور اس کے درمیان ہونے والی کلیدی باتوں کو دہرا کر تم آسانی سے اسے باور کرا سکتے تھے کہ تم کون ہو؟''
''چلو، مان لیا کہ مجھ سے یہ احمقانہ غلطی سرزد ہوگئی۔'' میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا ''یہ بتاؤ کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔''
''ہوشیاری کے ساتھ ہوش میں رہنا چاہیے۔'' ویرا کی سنجیدگی میں سرموفرق نہیں آیا ''سوبھراج اپنا مقصد حاصل

کر چکا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ سات بجے فوڈ کورٹ میں نہیں پہنچے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری نشاندہی کر کے کرائے کے کسی قاتل کو وہاں بھیج دے۔ تم سے مصالحت کے مقابلے میں وہ چھٹکارا پانے کو ترجیح دے گا۔ یہی اس کا منصوبہ نظر آتا ہے۔''

''ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آتا لیکن پھر بھی تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے اس امکان کو نشاندہی کر دی۔'' میں نے اس کی فکرمندی کا اندازہ کرتے ہوئے پورے خلوص سے کہا ''میں وہاں جاؤں گا تو اس امکان کو نظرانداز نہیں کروں گا۔''

''اپنے ساتھ کس کس کو لے جانے کا ارادہ ہے؟'' غزالہ نے پوچھا۔

''سلطان شاہ مجھ سے الگ رہ کر حالات پر نظر رکھے گا۔ اس کی مداخلت کی ضرورت پیش نہ آئی تو وہ خاموشی سے لوٹ آئے گا۔''

''اگر سوبھراج آ ہی جاتا ہے تو کیوں نہ سلطان شاہ کو اس کے پیچھے لگا دیا جائے!'' اس وقت غزالہ کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

''تمہارے کہنے سے پہلے میں یہ فیصلہ کر چکا تھا۔'' سلطان شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا ''وہاں جا کر خالی ہاتھ لوٹ آنے سے بہتر ہے کہ اس کے ٹھکانے کا سراغ لگانے کی کوشش کی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی طرح میری غلطی کا ازالہ ہوجائے!''

اس کی زبان سے غلطی کا ذکر سن کر ویرا بری طرح چونکی تھی۔ اس کا ردِعمل دیکھتے ہی سلطان شاہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ روانی میں ایک غلط بات کہہ گیا ہے۔ میں نے اس صورت حال کو سنبھالتے ہوئے دخل اندازی کی ''اس کی کوئی غلطی نہیں تھی۔ بے چارے کے ذہن میں یہ خیال بیٹھ گیا ہے کہ ڈاکٹر صادق کے مکان سے اس نے سوبھراج کو میرے ساتھ لانے کے بجائے اسے وہیں گولی ماردی ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔''

''یہی ہونا چاہیے تھا۔'' ویرا نے زور دے کر کہا ''یہ بات کئی مرتبہ میرے ذہن میں آچکی ہے مگر میں نے اب تک منہ نہیں کھولا۔ سوبھراج کو وہاں سے بچ کر نہیں نکلنا چاہیے تھا۔''

''سانپ گزرنے کے بعد لکیر کو پیٹنا فضول ہے۔ اب آگے کے بارے میں سوچو۔'' میں نے اس موضوع کو وہیں ختم کرنے کی نیت سے کہا۔

''آج چاروں کھونٹ چوکس رہنا!'' ویرا نے سلطان

ضرورت

کراچی کے بہت سے اسٹیٹ ایجنٹ ان دنوں ایک دور دراز اور بنجر علاقے کی زمینیں مہنگے داموں بیچنے میں مصروف تھے جہاں کئی ترقیاتی منصوبے زیرِ تکمیل تھے اور مزید بہت سے منصوبوں کے بارے میں بڑی امید افزا باتیں سننے میں آرہی تھیں۔

ایک اسٹیٹ ایجنٹ وہاں کی چند ایکڑ زمین خریدنے کے سلسلے میں ایک سیٹھ صاحب کو راضی کرنے کے لیے باتیں کرتے ہوئے کہہ رہا تھا ''ارے صاحب......! دیکھیے گا۔ وہ علاقہ تو جنت بن جائے گا۔ جنت......! وہاں کی زمین آج کی مٹی کل کا سونا ہے۔ اس علاقے کو جنت بنانے کے لیے بس صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو میٹھے پانی کی۔ دوسرے اچھے اور شریف لوگوں کی۔''

''جہنم کو بھی جنت بنانے کے لیے صرف انہی دو چیزوں کی ضرورت ہے۔'' سیٹھ صاحب نے جواب دیا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

شاہ کو تاکید کی ''ایسا نہ ہو کہ وہ راستے میں تمہیں جل دے کر کہیں غائب ہوجائے۔''

وہ بات وہیں آئی گئی ہوگی۔ سلطان شاہ کی نگاہوں میں میرے لیے ممنونیت کا جذبہ موجزن نظر آرہا تھا۔

میں نے سوبھراج سے فون پر بہت بے فکری کے ساتھ گفتگو کی تھی اور ان تینوں سے تبادلہ خیال کرتے ہوئے بھی میں نے کسی گہری تشویش کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ اس میں میری کسی خاص کوشش کا دخل نہیں تھا۔ اس وقت میرا موڈ ہی کچھ ایسا تھا کہ میں کسی بات کو زیادہ اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھا لیکن اس کے بعد میرے ذہن میں وسوسوں نے سر ابھارنا شروع کر دیا۔

میرے ذہن میں ایک خیال یہ بھی آیا کہ سوبھراج زیرِ زمین دنیا کے لوگوں کو چھوڑ کر اپنے ان کاروباری حلیفوں سے مدد لے رہا تھا جو کسی نہ کسی اعتبار سے قانون شکنی کے مرتکب ہورہے تھے اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے جرائم پیشہ افراد کی پرورش کرنے پر مجبور تھے۔ ان میں تین پر آئی جی والے ہاتھ ڈال چکے تھے لیکن کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ شہر میں ایسے مزید کتنے لوگ موجود تھے۔

اگر سوبھراج پارک ٹاورز والے مشن کے لیے ان کا رخ کرلیتا تو وہاں خاصا بڑا ہنگامہ جنم لے سکتا تھا جس سے نمٹنے کے لیے سلطان شاہ ناکافی ہوتا۔ ایسی کسی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے میں نے سوچا کہ اول خان سے چند افراد کی کمک طلب کی جائے مگر پھر خود ہی یہ خیال ترک کردیا۔

پچھلی رات کو ہم لوگوں سے الگ ہونے کے بعد اول خان نے ہم سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس نے ٹام کے خلاف مہم میں جس طرح کھل کر ہمارا ساتھ دیا تھا اس کے بعد اسے چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔ اپنی تمام تر آزادیوں کے باوجود وہ بہرحال جلال کی طرح ایک سرکاری افسر تھا۔ اس پر کسی قسم کی قانونی پابندیاں نہیں تھیں پھر بھی وہ کسی نہ کسی کو جواب دہ تھا۔

مجھے شبہ تھا کہ رات کے واقعات کے بعد اپنا دامن بچائے رکھنے کے لیے وہ دانستہ ہم سے الگ تھلگ ہوگیا۔ اسے غیرقانونی طور پر کسی نئے معاملے میں گھسیٹنا مناسب نہیں تھا۔ ٹام کی ہلاکت کے بعد پیدا ہونے والے حالات میں اسے اپنے بچاؤ کے لیے وقت دینا ہماری اخلاقی ذمے داری تھی۔

میں نے اپنے ذہن میں آنے والے ان خیالات میں کسی کو شریک نہیں کیا، خاموشی سے اپنی تیاری میں لگا رہا۔ ٹھیک چھ بجے میں سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

گھر کے پرتجسس ماحول سے باہر آتے ہی سلطان شاہ بولا ''آج تم نے عین وقت پر مجھے بہت بڑی شرمندگی سے بچالیا۔''

''میرا کام اب یہی رہ گیا ہے کہ میں تم لوگوں کی غلطیوں کی لیپاپوتی کرتا پھروں'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''تمہیں اپنی غلطی کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''مجھے آپس میں جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے۔ روا روی میں زبان پھسل گئی تھی لیکن ویرا کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میں پریشان ہوگیا تھا۔ پتا نہیں اسے دوسروں کی خامیوں کی ٹوہ لگانے میں کیا مزہ آتا ہے۔'' اس نے نادم ہوتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی۔

''حیرت ہے کہ اس کے ساتھ اتنی مدت گزار لینے کے بعد آج تمہیں یہ سوال یاد آیا ہے۔ اس کے حواس ہر وقت پوری طرح کام کرتے ہیں۔ جہاں ذرا سی چوک ہوتی ہے اس کے کان کھڑے ہوجاتے ہیں۔''

وہ خاموش ہوگیا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے دھیمی آواز میں کہا ''تم مجھے اپنے ساتھ لے جارہے ہو لیکن ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

میں نے آنے والے وقت کے بارے میں اسے بریف کرنا شروع کردیا۔

☆☆☆

پارک ٹاورز کی عمارت باہر سے اتنی روشن نظر نہیں آتی۔ خواب ناک روشنی میں نہائے ہوئے سائن بورڈ اپنی طرف بلاتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن اندر پوری عمارت یوں جگمگا رہی تھی کہ فرش پر گری ہوئی سوئی بھی آسانی سے تلاش کی جاسکتی تھی۔

میں مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے وہاں پہنچ گیا۔ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتا ہوا، میں فوڈ کورٹ کی حدود میں داخل ہوا تو شام کا وقت ہونے کے باوجود وہاں بیشتر میزیں بھری ہوئی نظر آرہی تھیں۔

میں خاموشی سے ایک ستون کی آڑ میں اس طرح کھڑا ہوگیا کہ ستون کے سائے نے مجھے اپنی پناہ میں لیا ہوا تھا۔ میں مضبوط ریلنگ کے سہارے یوں ٹک کر کھڑا ہوا تھا جیسے مجھے کسی کی آمد کا انتظار ہو اور واقعی، مجھے انتظار تھا۔ کسی خوش جمال کا نہیں بلکہ سوبھراج جیسے بدخصال کا۔ میں نے جس جگہ کا انتخاب کیا تھا وہاں سے فوڈ کورٹ میں آنے جانے والوں پر آسانی سے نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔

اس وقت سوبھراج کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ دھیرے دھیرے سات بھی بج گئے لیکن اس کا کہیں اتا پتا نہیں تھا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا، میرے اعصاب پر عجیب سی بے چینی طاری ہوتی جارہی تھی۔

کسی جگہ کچھ دیر کے لیے کسی کا انتظار کیا جائے تو آدمی دوسروں کی توجہ کا مرکز نہیں بنتا۔ انتظار ضرورت سے زیادہ طویل ہوجائے تو بلاوجہ ہر ایک کی نگاہیں اٹھنے لگتی ہیں۔ میرے لیے مشکل یہ تھی کہ میں نے فوڈ کورٹ آنے والوں پر نگاہ رکھنے کے لیے بہترین جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ مجھے اپنے قرب و جوار میں اس کی کوئی متبادل جگہ نظر نہیں آرہی تھی۔ جہاں بھی کھڑا ہوتا، ہر اوٹ اور سائے سے محروم ہوتا۔

سات بج کر دس منٹ پر میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی اور میں چونک پڑا۔

''تم کہاں ہو؟ کیا ملاقات کا پروگرام منسوخ کردیا

ہے؟'' دوسری طرف سے سوبھراج نے کسی تمہید کے بغیر متجسس لہجے میں سوال کیا تھا۔

''میں تمہارا منتظر ہوں، تم کہاں ہو؟'' میں نے اپنی پوزیشن کی نشان دہی کیے بغیر کہا۔

''لیکن تم فوڈ کورٹ میں نہیں ہو'' اس کی آواز پُریقین تھی۔

''تم وہاں پہنچو، اگلے لمحے میں، میں بھی پہنچ جاؤں گا۔''

''اوہ......! تم سامنے آنے سے ڈر رہے ہو؟'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی۔

''میں کسی خطرے کو خاطر میں نہیں لاتا لیکن احتیاط اچھی چیز ہے۔''

''محتاط رہنا اچھی عادت ہے۔ ہم دونوں میں کئی باتیں مشترک ہیں۔ میں بھی غیر ضروری طور پر منظرِ عام پر آنا پسند نہیں کرتا۔ ایک جگہ رک کر تمہارے نمودار ہونے کا انتظار کررہا تھا۔ اب تم کہتے ہو تو میں پانچ منٹ میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔''

''پانچ منٹ!'' میں نے حیرت اور طنز سے کہا ''اس کا مطلب ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اس وقت اس عمارت میں نہیں ہو۔''

''میں وہیں تھا۔ سیٹ لائٹ فون کا بکھیڑا ہر جگہ نہیں پھیلایا جاسکتا۔ تم سے رابطہ کرنے کے لیے مجھے اپنی گاڑی میں واپس آنا پڑا ہے۔ مجھے فوڈ کورٹ میں پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔''

فون بند ہوگیا اور میں دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ سوبھراج عقل سے عاری نہیں تھا۔ سوچ سمجھ کر ہر قدم اٹھانے کا عادی تھا۔ اس سے بات ہوجانے کے بعد میرے اعصابی تناؤ میں کمی آگئی۔ اس کے آنے کی اطلاع نے ویرا کے ایک اندیشے کو باطل ثابت کردیا تھا۔

آخر کار وہ مجھے زینوں سے نمودار ہوتا نظر آگیا۔ اس کے چہرے پر گھنی داڑھی اگی ہوئی تھی۔ سر پر بنی ہوئی ٹوپی اور آنکھوں پر کشادہ فریم والی شفاف عینک نظر آرہی تھی۔ اپنی ناک کی بناوٹ سے قطع نظر، اسے پہچاننا مشکل تھا۔

اگر وہ اپنی ناک کی اوپری گولائی کی سرجری کرالیتا تو اسے خود کو چھپائے رکھنے میں قابلِ رشک کامیابی حاصل ہوسکتی تھی۔

وہ فوڈ کورٹ کی حدود میں داخل ہوتے ہی مشروبات کے اسٹال پر گیا تھا۔ میں نے بہت تیزی سے اپنی جگہ چھوڑی اور اس کی طرف ہولیا۔

''ایک نہیں، دو گلاس لو'' میں نے اس کے عقب میں پہنچ کر دھیرے سے کہا ''اس وقت میں تمہارا مہمان ہوں۔''

میری آواز سنتے ہی وہ بہت پھرتی سے ایڑیوں کے بل گھوما تھا۔ مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی اس کے ہونٹوں پر مکّارانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

کاؤنٹر والا دو دوستوں کی اس اتفاقی ملاقات پر زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔

فریش لائم کے دو گلاس خرید کر ہم دونوں ایک دور افتادہ گوشے میں لگی ہوئی اس خالی میز کی طرف بڑھ گئے جس کے ساتھ صرف دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس میز کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ایک اور کرسی لگائی جاسکتی تھی۔ چوتھی طرف میز دیوار سے جڑی ہوئی تھی۔

''سیٹ لائٹ فون میں واقعی بکھیڑا ہوتا ہوگا'' میں نے اپنی کرسی سنبھالتے ہی اس سے کہا ''تم کو موبائل فون خرید لینا چاہیے۔''

''جس زمانے میں موبائل یہاں بہت مہنگا اور عجوبہ تھا، راج محل کے سارے ملازم اس سے لیس ہوتے تھے'' شاید اسے موبائل فون خریدنے کا مشورہ پسند نہیں آیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''موبائل بہت خطرناک ہے۔ آدمی کسی بھی وقت پکڑا جاسکتا ہے۔ میں ایسا خطرہ مول نہیں لیتا۔''

''تم ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر نظر رکھتے ہو اسی لیے اب تک محفوظ ہو ورنہ اب تک کہیں اور ہی ہوتے'' میں نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر کہا۔

''میرے پاس وقت کم ہے'' وہ اپنی گھڑی پر نظر ڈال کر بولا ''میں تمہارے لیے خیر سگالی کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ میری طرف سے تمہارے دماغ میں بہت زہر بھرا ہوا ہے۔''

''اس کے ذمے دار تم خود ہو'' میں نے میز پر کہنیاں ٹکا کر نیچی آواز میں کہا ''تمہیں یاد ہے کہ جب میں اکارڈ لے کر پہنچا تھا تو تم نے کیا کچھ کہا تھا؟''

''وہ میری غلطی تھی'' اس نے خندہ پیشانی سے سرگوشی کی ''میں نے یہاں آ کر پچھلی تمام غلطیوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''لیکن کیوں؟'' میں نے زور دے کر سوال کیا ''تمہیں میری دل جوئی کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟''

''بنکاک سے میری واپسی کے بعد تم نے مجھے بہت سہارا دیا تھا'' اس نے بدستور نیچی لیکن تشکر آمیز آواز میں کہا ''میں تمہارے اس تعاون کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ بعد میں ہمارے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس ناخوشگوار ماضی کو بھلا دو۔''

''شاید تم میرے اصولوں کو بھول گئے ہو؟'' میں نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔

''مجھے سب یاد ہے۔ را والے پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لیے آتے ہیں اس لیے تم ان کے خون کے پیاسے ہو۔ تمہاری کسی سے ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ تم اپنے ملک کے دشمن کے دشمن ہو۔ میں پاکستان کا پرانا نمک خوار ہوں۔ اس ملک کا برا نہیں چاہوں گا۔''

''یہ تمہاری سوچ کی نئی تبدیلی ہے جو میرے لیے حیران کن ہے۔ پرسوں تک تم پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجانے پر تلے ہوئے تھے کیونکہ یہاں تمہاری عزت اور ساکھ کو خاک میں ملا دیا گیا ہے۔''

''غصے میں انسان بہت کچھ کہہ جاتا ہے، اسے درگزر کر دینا چاہیے۔''

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم یہ باتیں مجھے کیوں بتا رہے ہو؟ میں تمہارے لیے کیا کر سکوں گا؟''

''تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ مجھے اپنے دشمنوں سے لڑائی لڑنے دو۔ میں نے تمہاری طاقت دیکھ لی ہے۔ جو شخص ٹام کو اس کے محافظوں سمیت جہنم واصل کر سکتا ہے وہ میری راہ میں بہت سے روڑے اٹکا سکتا ہے۔''

''یہ کوئی بات نہیں ہوئی'' میں نے بے پروائی سے کہا ''تم نے بھی شیر دل کے ہاتھوں نک ہاروے کو مروایا تھا'' میں نے اسے اس کا فرضی کارنامہ یاد دلایا۔ وہ اس واقعے کے پس پردہ محرکات اور حالات سے یکسر بے خبر تھا۔ اسے یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے شیر دل پکڑا گیا تھا۔ اس نے میرے ایما پر دوسری کوشش میں نک کو ٹھکانے لگایا تھا۔ اس راز کی حفاظت کے لیے مجھے بعد میں شیر دل کو بھی ٹھکانے لگانا پڑ گیا۔ سوبھراج نیک نیتی سے نک کے قتل کو اپنا کارنامہ سمجھتا رہا۔ حد یہ تھی کہ اس نے اپنے اس کارنامے کی تشہیر اخباروں تک میں کر ڈالی تھی۔

''وہ میری طاقت کا مظاہرہ تھا۔ نیا واقعہ تمہاری طاقت کا مظہر ہے۔ سچ پوچھو تو ٹام کی بے وقت موت سے مجھے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔''

اس کا آخری فقرہ چونکانے والا تھا مگر میں نے میز کی سطح پر اپنی کہنیوں کے بل مزید آگے کی طرف جھکتے ہوئے نیچی آواز میں کہا ''تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''اس سے میرا سمجھوتا ہونے والا تھا'' سوبھراج نے انکشاف کیا ''ایف بی آئی والے میرا پیچھا چھوڑ دیں تو میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتا ہوں۔ میرے ہاتھ اب بھی بہت لمبے ہیں۔''

''سمجھوتا کس بات پر ہونا تھا؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''سچ پوچھو تو تم ان کے سینوں کا ناسور بنے ہوئے ہو'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر بدستور نیچی آواز میں جواب دیا ''وہ اڑے ہوئے تھے کہ میری جان صرف تمہارے عوض بخشی جا سکتی ہے۔''

''اور اسی لیے تم نے جہانگیر کو اغوا کرایا تھا؟'' میرے زخم تازہ ہونے لگے۔

''میں تم کو بتا چکا ہوں کہ میرے ہاتھ صاف ہیں۔ تم میرے رابطے میں تھے تو مجھے جہانگیر کو اٹھوانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر جہانگیر قاسم کے گھر پر قید تھا تو اس کا ذمے دار قاسم ہے۔ میں اپنے جاننے والوں کی ہر حرکت کا ذمے دار نہیں ہوں۔''

''تو کیا آج تم نے مجھے ان لوگوں کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا ہوا ہے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں پوچھا۔

''تم میری طرف سے پھر بدگمان ہو رہے ہو'' اس نے

نرمی سے احتجاج کیا ''میں نے تمہیں دوستی بحال کرنے کے لیے بلایا ہے، تم دشمنی کی باتیں نکال رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تمہیں گھیرنے کے چکر میں میری موت بھی آسکتی ہے۔''

''ان باتوں کو تم خود اپنی گفتگو سے ہوا دے رہے ہو۔ نک مرا تو اس کی جگہ گیری آگیا۔ گیری سمندر میں غرق ہوا تو ٹام نے اس کی جگہ لے لی۔ اب ٹام مرچکا ہے تو کوئی اور اس کی جگہ آجائے گا۔ تمہارا سودا چلتا رہے گا۔ نئے آدمی سے پروگرام طے کرکے مجھے بتادینا۔ میں آجاؤں گا۔ مجھے ان کے حوالے کرکے تمہاری جان بچ......!''

اس نے بے چینی سے پہلو بدل کر میری بات کاٹ دی ''آدمی ڈھنگ کے ہو لیکن باتیں بہت کڑوی کرتے ہو۔ میں کہہ رہا ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں، ان سے میری دوسری ڈیل چل رہی ہے۔''

''ایسی کیا ڈیل ہوسکتی ہے۔ کہیں تم نے گرین کوبرا ان کے حوالے کرنے کا فیصلہ تو نہیں کرلیا ہے؟'' اس بار میں نے چونک کر قدرے برہمی سے سوال کیا تھا۔

''ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ میں نے ٹام کو پیشکش کی ہے۔ اسے واشنگٹن سے منظوری آنے کا انتظار تھا۔ اب دیکھو کہ اس کے مارے جانے کے بعد کیا ہوتا ہے؟''

''تو کیا تم گرین کوبرا فائل انہیں دے دو گے؟'' میں نے درشتی سے پوچھا۔

''مجبوری ہے۔ میری وفاداری کے کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔''

میں نے اپنے داہنے ہاتھ سے یکایک اس کی بائیں کلائی مضبوطی سے تھام کر کہا ''سوبھراج! تم جانتے ہو کہ وہ فائل کتنی اہم ہے اور یہ بھی جانتے ہو کہ میں اپنے ملک کے دشمنوں کا بدترین دشمن ہوں۔ وہ فائل ان کے ہاتھ لگی تو میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔''

اس نے زور لگانے کی کوشش کی تو میں نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔ وہ بے ڈھنگی ہنسی کے ساتھ بولا ''تم میں بڑی خرابی ہے کہ تم بات بات پر بگڑ جاتے ہو۔ میں اسی سے ملتی جلتی، اوٹ پٹانگ کاغذوں پر مشتمل جعلی فائل بنا کر ٹام کو تھما دیتا اور میری جان بچ جاتی۔ کسی کو نہیں معلوم کہ اس فائل میں کیا ہے، جو کچھ میں دے دوں گا، وہ قبول کرلیں گے۔''

''عالمی ایجنسیاں کچی گولیاں نہیں کھیلتیں۔ ان سے تمہاری جعلسازی زیادہ دیر تک نہیں چھپی رہے گی۔ حقائق کے سامنے آتے ہی وہ تمہاری گردن ماردیں گے۔ یہ باتیں تم بھی جانتے ہو۔ مجھے کوئی ایسی کہانی سناؤ جو سمجھ میں آنے والی ہو!'' اس سے باتیں کرتے ہوئے میں نے ایک پل کے لیے بھی اس کے چہرے سے اپنی نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔

''وہ مرکر بھی اصلیت کا پتا نہیں چلاسکیں گے'' وہ کچھ پریشان ہوکر بولا ''ان کے ماہران کاغذوں پر مہینوں اپنا سر کھپاتے رہیں گے......''

''اتنے بھولے نہ بنو۔ دنیا بھر میں سرکش حکومتوں کے تختے الٹنے والے اتنے بے وقوف نہیں ہوسکتے۔ ان کو معلوم ہے کہ گرین کوبرا فائل دہلی سے اڑائی گئی ہے۔ کاغذوں کا کوئی سر پیر نہ ملا تو وہ بھارتیوں سے رجوع کریں گے۔ وہ ان کے گہرے دوست ہیں۔ تمہاری پول کھل جائے گی'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''سوبھراج کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئیں۔ اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا'' یہ بات میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔''

''اب آ گئی ہے تو تم کیا کرو گے؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے سوچنا پڑے گا۔ تمہاری باتیں عجیب ہیں۔ مم...... میں تم کو نقصان پہنچا سکتا ہوں، نہ اپنے پاکستان کو۔ ہوسکتا ہے کہ میں اب ان سے کوئی بات نہ کروں، جو جیسا چل رہا ہے، چلنے دوں'' وہ بہت زیادہ مضطرب اور پریشان نظر آنے لگا تھا۔

اس کی زبان سے اپنے پاکستان کے الفاظ بالکل اوپری اور بناوٹی محسوس ہوئے۔ میرا مشاہدہ بتا رہا تھا کہ وہ واقعی بہت بڑا سیاست داں بن چکا تھا۔ اس کی ہر بات میں سیاست اور مکاری گھسی ہوئی تھی۔ اس کی کسی بات پر یقین کرنا دشوار تھا۔

''اتنا وقت گزر جانے کے باوجود میں اس ملاقات کا مقصد سمجھنے سے قاصر ہوں'' چند ثانیوں تک خاموشی سے اسے گھورنے کے بعد میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''سب کچھ بتا چکا ہوں۔ میں نے اپنا دل کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ ابھی تک اس ملاقات کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا...... خوب...... بہت خوب......''

اپنی بات پوری کر کے اس نے ہنسنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے سرد آواز میں اسے ٹوک دیا۔ ''میری باتوں کو مذاق میں اڑانے کی کوشش مت کرو۔ مجھے تمہارے دل کی باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے۔ مجھے چند جملوں میں بتاؤ کہ تم نے مجھے کیوں بلایا ہے۔''

''ایف بی آئی والے تمہارے عوض میری خطا معاف کرنے پر تیار تھے۔ میں نے دیکھا کہ تم بہت خطرناک آدمی ہو۔ میں تم تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کوشش میں میری جان ضرور جاسکتی ہے۔ میں نے ان سے انکار کر دیا۔'' وہ سوچ سوچ کر نپے تلے الفاظ میں کہہ رہا تھا ''دشمنی اور مکاری ختم ہوگئی تو اب میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ اصل کہانی ہے باقی میرا اور ایف بی آئی والوں کا معاملہ ہے۔ اسے میں خود نمٹا لوں گا۔ اس کا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

مجھے اس کی باتیں بے وزن محسوس ہوئیں۔ مجھے ویرا کا آدھا نظریہ درست نظر آنے لگا۔ وہ مجھے مروانے کا کوئی فوری منصوبہ لے کر نہیں آیا تھا لیکن مجھے دیکھنے اور پہچاننے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس وقت تک میرے دشمنوں میں ایسا کوئی فرد زندہ نہیں رہا تھا جس نے مجھے ڈپنی کی حیثیت سے دیکھا یا پہچان لیا ہو۔ سوبھراج مجھ سے مل کر واپس لوٹ جاتا تو وہ مجھے پہچاننے والا اکلوتا حریف ہوتا جسے ایف بی آئی اور سی آئی اے والے ہاتھوں ہاتھ لیتے۔

وہ ادارے میرے پیچھے لگے ہوئے تھے مگر اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود مجھ پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔ ان کی واحد کمزوری یہ تھی کہ ان کے پاس میرے نام کے سوا کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ تصویر، خاکہ یا فنگر پرنٹس نہ ہونے کے سبب وہ مسلسل اندھیرے میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ ایسی بے بسی کے عالم میں اگر سوبھراج ان سے جاملتا تو وہ اس کی یادداشت کی مدد سے میرا خاکہ تیار کر سکتے تھے، جس کے بعد میرے لیے بہت سی دشواریاں کھڑی ہوسکتی تھیں۔

وہ ایک قرین قیاس امکان تھا لیکن اس کا ایک پہلو بہت کمزور تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ سوبھراج نے اس موقع پر صرف مل بیٹھنے پر کیوں اکتفا کیا۔ وہ چاہتا تو ٹام کے ماتحتوں میں سے کسی کو اعتماد میں لے کر یہ خبر پہنچا سکتا تھا کہ میں اس رات سات بجے پارک ٹاور کے فوڈ کورٹ میں پہنچنے والا تھا۔ امریکیوں کے لیے یہ اشارہ کافی ہوتا۔ وہ بے گناہوں کی ہلاکت اور مقامیوں کے بھاری مالی نقصان کی پروا کیے بغیر اپنی بھرپور طاقت استعمال کر کے مجھے ٹھکانے لگانے کے لیے پہنچ جاتے۔ سوبھراج کو نہ صرف معافی مل جاتی بلکہ وہ دو ملین ڈالر کے خطیر انعام کا حق دار بھی بن جاتا۔

وہ گتھی میرے ذہن میں چکرا رہی تھی۔ اسی اثنا میں مجھے راج محل میں ویرا کے پکڑے جانے کا واقعہ یاد آگیا۔ وہ سوبھراج کے برے وقت کے آغاز کی پہلی کڑی تھی۔ امریکی حکام کی نظروں میں ویرا مجھ سے کم معتوب نہیں تھی۔ انہوں نے اس کی گرفتاری پر بھی دو ملین ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ سوبھراج نے وہ سب جانتے بوجھتے ہوئے نک ہاروے یا کسی اور امریکی کو ویرا کے پکڑے جانے کی خبر نہیں دی۔ خاموشی سے اسے اپنی قید میں لیے بیٹھا رہا۔ یہ ویرا کی قسمت تھی کہ وہ راج محل سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئی جہاں سے اس کو طاقت کے زور پر چھڑا لیا گیا۔

وہ سوبھراج کی کوئی ذہنی گرہ ہوسکتی تھی۔ جس طرح اس نے کسی کو کانوں کان یہ خبر نہیں ہونے دی تھی کہ ویرا اس کی گرفت میں آچکی تھی اسی طرح وہ میرے بارے میں ہر

بات اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہ رہا تھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ مجوزہ ملاقات کے لیے میری آمد کے بارے میں وہ شکوک وشبہات کا شکار رہا ہو۔ ادھوری اطلاع دے کر اپنا مذاق بنوانے کے بجائے اس نے پہلے مرحلے میں صرف اپنا اطمینان کرنا کافی سمجھا ہو۔ اس وقت اس کے لیے میری تباہی سے زیادہ اہم مسئلہ اپنی سلامتی کا تھا۔ ایک بار مجھے اچھی طرح شناخت کر لینے کے بعد وہ مجھے پکڑوانے یا مروانے کے لیے کسی بھی وقت دوسری کوشش کر سکتا تھا۔ اس حکمتِ عملی میں ناکامی یا سبکی کا کوئی امکان نہیں تھا۔

اس کے کھل کر اعتراف نہ کرنے کے باوجود مجھے بہت کچھ اندازہ ہو چکا تھا۔ اسی کے ساتھ یہ یقین بھی ہو گیا تھا کہ رازداری کی وجہ سے وہ اکیلا ہی مجھ سے ملنے کے لیے آیا ہوگا۔ وہ کسی کو ساتھ لاتا تو وہ ڈینی کو پہچاننے والا دوسرا شخص بن جاتا۔ سوبھراج کی اہمیت گھٹ جاتی۔ وہ اس قدر انا پرست اور متکبر تھا کہ اس طرح اپنے پیروں پر خود کلہاڑی نہیں مار سکتا تھا۔

"ایف بی آئی سے اپنے معاملات طے کرنے کے لیے تم آزاد ہو مگر گرین کوبرا ایک قومی راز ہے۔ وہ فائل اپنے دوست کو نہ لوٹا کر تم نے بددیانتی کی ہے۔ اسے تمہارے پاس نہیں چھوڑا جا سکتا۔ وہ فائل مجھے درکار ہے" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"نہیں......!" اس نے سختی سے جواب دیا "میں وہ فائل کسی کو نہیں دوں گا" میرا مطالبہ سنتے ہی اس کی پیشانی کی رگیں تن گئی تھیں۔

"اگر میں کہوں کہ فائل لوٹانے کا وعدہ کیے بغیر تم یہاں سے نہیں جا سکو گے تو تمہارا فیصلہ کیا ہوگا؟"

"مجھے معلوم ہے کہ تم ایسی نامناسب بات نہیں کہو گے" اس نے پلکیں جھپکائے بغیر اپنی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔

"تمہارا اندازہ غلط ہے۔ گرین کوبرا مجھے واپس چاہیے۔"

"تلخی پیدا نہ کرو ڈینی! یہ ناممکن ہے۔ میں اپنے آخری سہارے سے محروم نہیں ہو سکتا۔"

"تم اپنی مرضی سے یہاں آئے ہو اور میری اجازت کے بغیر واپس نہیں جا سکو گے" اس کے لہجے کی سختی محسوس کر کے میں نے کھلی دھمکی دی۔

"یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میں دیکھوں گا کہ کون مجھے روک سکتا ہے" اس نے اپنی کرسی پر پہلو بدل کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آس پاس تمہارے آدمی پھیلے ہوئے ہیں؟"

"میرے ساتھ چڑیا کا بچہ بھی نہیں ہے" اس نے اپنی گردن جھٹک کر جواب دیا "میں اکیلا یہاں آیا ہوں اور اکیلا ہی واپس جاؤں گا۔"

میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ اس انا پرست نے میری شناخت کے مرحلے میں کسی کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

"یہاں تماشا بن جائے گا۔ میں دو منٹ میں تمہارا سارا بھرم خاک میں ملا دوں گا" میں نے بہت ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ کہا "دیکھتا ہوں کہ تم یہاں سے کیسے جاتے ہو؟"

"کرسی چھوڑنے کی کوشش نہ کرو" اس نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "عجلت میں تم سب کچھ کھو دو گے۔ بیٹھ کر اطمینان سے پوزیشن سمجھ لو پھر جو دل چاہے کر گزرنا۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھا اسے گھورتا رہا۔

"فائل ایک لفافے میں سیل ہے اور وہ لفافہ میرے ایک گہرے دوست کی تحویل میں ہے" اس نے میری استفسار طلب نگاہوں کے جواب میں کہنا شروع کیا "مجھے یہاں آئے ہوئے خاصا وقت گزر چکا ہے۔ اب مجھے چلنا چاہیے۔ وقت کم رہ گیا ہے۔ میں نے ٹھیک پونے آٹھ بجے اپنے دوست کو فون کر کے ایک مخصوص پیغام نہ دیا تو وہ گرین کوبرا فائل والا لفافہ اسی وقت امریکی قونصل خانے کو پہنچا دے گا اور تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔"

میرے دماغ میں بے ساختہ ایک گالی نے جنم لیا جسے میں نے اپنے لبوں پر آنے سے روکتے ہوئے کہا "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔"

"پھر من مانی کر گزرو۔ میرے اور تمہارے لیے سب کچھ تباہ ہو جائے گا" اپنی وضاحت کے بعد وہ خاصا مطمئن نظر آنے لگا تھا۔

میں مخمصے میں پڑ گیا۔ اس نے اپنی اچانک قلابازی سے مجھے جائے ماندن نہ پائے رفتن والی صورتِ حال سے دوچار کر دیا تھا۔

"آج میرے بُرے وقت نے مجھے آن گھیرا ہے مگر تم

میرے ماضی سے اچھی طرح واقف ہو' قدرے توقف کے بعد اس نے دوبارہ بولنا شروع کر دیا تھا ''میں کچا کام کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ جب میں نے تم سے ملنے کا فیصلہ کیا تو یہ خطرہ میرے دماغ میں کلبلایا تھا جو اس وقت سامنے آچکا ہے۔ میری نیت صاف تھی۔ میری جیب میں ہتھیار کے نام پر قلم تراش چاقو تک نہیں ہے۔ چاہو تو تم میری جامہ تلاشی لے کر اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو۔ میں نے تمہاری کینہ پروری کے قصے سنے ہوئے ہیں۔ تم اپنے دشمنوں کو بھی معاف نہیں کرتے۔ مجھے شبہ تھا کہ مجھے اکیلا اور نہتا دیکھ کر تمہاری نیت ڈانوا ڈول ہو جائے گی۔ ایسے میں گیدڑ بھی شیر ہو جاتے ہیں۔ تمہارے بہکنے کا خطرہ بہت قوی تھا۔ میں اس کا پورا بندوبست کر کے یہاں آیا ہوں۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

اس بار بھی میں فوری طور پر اسے کوئی جواب نہ دے سکا۔ میں غصے سے اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ وہ خبیث میری دسترس میں آ کر بھی نکل بھاگنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا کیا، کیا جائے؟

گرین کو برا اس کی تحویل میں رہتی تو کسی نہ کسی وقت اس کی بازیابی کی امید کی جا سکتی تھی۔ وہ فائل ایک مرتبہ دشمنوں کے ہاتھ لگ جاتی تو سب کچھ زیر و زبر ہو سکتا تھا۔

''جلدی فیصلہ کرو!'' سوبھراج نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے مجھے لقمہ دیا ''میرے دیے ہوئے وقت میں صرف چھ منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ سیٹ لائٹ فون گاڑی میں پڑا ہوا ہے۔ مجھے وہاں تک پہنچنے کے لیے بھی وقت درکار ہے۔ پونے آٹھ بجتے ہی وہ اپنے ٹھکانے سے نکل کھڑا ہوگا۔ میرا فون بھی اسے نہیں روک سکے گا کیونکہ وہ موبائل فون رکھنا پسند نہیں کرتا۔ اس کے گھر کا فون گھر ہی میں رہ جائے گا۔''

وہ مجھے اعصاب زدہ کیے دے رہا تھا۔ میں نے اضطراری طور پر بایاں بازو جھٹک کر اپنی رسٹ واچ دیکھی، پونے آٹھ بجنے میں چھ منٹ سے بھی کم وقت رہ گیا تھا۔

''جاؤ!'' میں نے اسے خوں خوار نظروں سے گھورتے ہوئے دانت پیس کر کہا ''بہت جلد تم سے دوبارہ ملاقات ہوگی......''

وہ میری پوری بات سننے کے لیے نہیں رکا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے میرا داہنا ہاتھ دبایا اور تیزی سے زینوں کی طرف ہولیا۔

فریش لائم کے دونوں گلاس آدھے سے زیادہ بھرے ہوئے تھے۔

جوں ہی وہ زینوں پر میری نگاہوں سے اوجھل ہوا، میں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہاں بیٹھے ہوئے کچھ لوگوں نے اپنی محویت سے چونک کر میری طرف دیکھا مگر میں کسی کی پروا کیے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا زینے کی طرف چل دیا۔ اس وقت میں سوبھراج کی گردن ناپنے کا کوئی موہوم ترین موقع بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جس طرح مجھے چوٹ دے کر نکلا تھا اس کی بنا پر میرے دل میں اس کے لیے بغض اور نفرت کے جذبات جنم لے چکے تھے۔

میں بہت تیزی کے ساتھ سیڑھیاں طے کرتا ہوا نیچے پہنچا تو سوبھراج کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ وہ کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو چکا تھا۔

اس وقت میری ساری توقعات سلطان شاہ سے وابستہ تھیں۔ میرا رواں رواں اس کی بڑی کامیابی کے لیے دعا گو تھا۔

ہم دونوں وہاں پہنچے تو پارک ٹاور کے قرب و جوار میں پارکنگ کا بہت رش تھا۔ دور دور تک گاڑیوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس علاقے کے سارے مکین اس مختصر سے ٹکڑے میں سمٹ آئے ہوں۔

ہمیں بہت مشکل سے اپنی گاڑی پارک کرنے کی جگہ ملی تھی۔ ضروری نہیں تھا کہ سوبھراج کی کار اس کے قریب موجود ہو۔ سوبھراج کی روانگی کے بعد اگر سلطان شاہ کو اپنی گاڑی تک پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی تو اس دوران میں سوبھراج نہ جانے کس طرف نکل جاتا۔ پارکنگ کے مسائل کی وجہ سے تعاقب کا موقع ضائع ہو سکتا تھا۔

سوبھراج کی تلاش میں بھٹک کر اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے میں عمارت سے نکل کر سیدھا اس طرف ہولیا جہاں ہماری سفید کرولا پارک کی گئی تھی۔ مجھے دور ہی سے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہماری گاڑی کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اس کی جگہ سرخ رنگ کی بی ایم ڈبلیو کھڑی ہوئی تھی۔

شکست کی تلخی میں وہ ایک حوصلہ افزا علامت تھی۔ میں تیزی سے اسی طرف بڑھتا چلا گیا۔ میں نے وہاں ٹہلتے ہوئے پرائیویٹ سیکیورٹی گارڈ سے سفید کرولا کے بارے میں استفسار کیا تو وہ بے چارہ پریشان نظر آنے لگا۔ اسے شبہ ہوا تھا کہ میری گاڑی وہاں سے چرالی گئی تھی۔ میرے اطمینان دلانے پر اس نے بتایا کہ رش کے ان اوقات میں اس کے لیے ہر گاڑی کے بارے میں یاد رکھنا دشوار ہوتا ہے

البتہ اس نے یہ بتادیا کہ سرخ بی ایم ڈبلیو وہاں کم وبیش بیس پچیس منٹ سے کھڑی ہوئی تھی۔
میں ٹہلتا ہوا مین روڈ کی طرف چل دیا تاکہ وہاں سے ٹیکسی لے کر گھر جاسکوں۔ اپنی گاڑی کے نہ ہونے کی وجہ سے مجھے سلطان شاہ کی کامیابی کی کچھ نہ کچھ آس ہو چلی تھی۔

☆☆☆

سلطان شاہ کو میری دیکھ بھال نہیں کرنی تھی۔ اس کا پہلا ہدف سوبھراج تھا۔ وہ ہر فلور پر موجود لوگوں کا جائزہ لیتا ہوا فوڈ کورٹ سے اوپری منزل کی راہ داری میں پہنچا تو اسے وہ دراز قامت شخص دوسروں سے بالکل الگ تھلگ نظر آیا جو ریلنگ کے سہارے کھڑا، نیچے کے مناظر سے لطف اندوز ہورہا تھا۔
وہ آنے جانے والوں کی طرف پشت کیے کھڑا ہوا تھا اس لیے سلطان شاہ اس کا چہرہ دیکھنے کے ارادے سے آگے بڑھ گیا۔ کافی دور نکلنے کے بعد وہ پلٹا تو اس مشتبہ آدمی کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔
اس معتنک اور باریش شخص کی ناک آگے سے خم دار تھی!
سلطان شاہ کسی ایسے مورچے کی تلاش میں سرگرداں ہوگیا جہاں جم کر وہ سوبھراج کی نقل وحرکت پر نظر رکھ سکے۔ اس نے سوبھراج کو پہچان لیا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کے سامنے ہی رہتا۔ اس نے سوبھراج کی پشت پر واقع ایک دکان میں چمڑے کی بیلٹیں دیکھنی شروع کردیں۔
دکان میں زیادہ دیر تک اپنی موجودگی کا جواز پیدا کرنے کے لیے اس نے غیر ضروری طور پر چند بیلٹیں پسند کر کے الگ رکھوالیں۔ اس دوران میں وہ بار بار وقت کا جائزہ لیتا رہا۔ جب سات بج گئے اور اس کے شکار نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی تو سلطان شاہ کو تشویش ہونے لگی۔ اس نے بڑھ کر ریلنگ سے نیچے نظریں دوڑائیں تو میرا ابھی کہیں پتا نہیں تھا۔
میرا نظر نہ آنا اس کے لیے زیادہ اہم نہیں تھا کیونکہ اوپر کے کسی بھی فلور سے ایک وقت میں پورے فوڈ کورٹ کا جائزہ لینا ممکن نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ میں شاید کسی ایسی میز پر بیٹھا ہوا تھا جو اس کی نظروں سے اوجھل تھی۔
یکایک سوبھراج نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سلطان شاہ نے عجلت میں رقم ادا کر کے اپنی خریدی ہوئی بیلٹوں کا تھیلا اٹھایا اور آگے چل پڑا۔
سوبھراج نے ریلنگ کے سہارے کشادہ راہداری کا پورا چکر لگایا۔ اس دوران میں اس کی نظریں بار بار نچلے فلور کا جائزہ لے رہی تھیں۔
اپنا جائزہ مکمل کر کے وہ فلور پر موجود لفٹ کے کھلے ہوئے دروازے میں گھس گیا۔ سلطان شاہ اس کے قریب موجود تھا۔ چاہتا تو وہ بھی لپک کر لفٹ میں سوار ہوسکتا تھا لیکن اسے سوبھراج کا پیچھا کر کے اس کے ٹھکانے کا پتا لگانے کی ذمے داری سونپی گئی تھی۔ وہ غیر ضروری طور پر اس کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ وہ تیزی سے نیچے جانے والے زینوں کی طرف ہولیا۔ اس کے ذہن میں یہ خدشہ بھی موجود تھا کہ شاید ڈاکٹر صادق والے قصے میں سوبھراج نے اس کی صورت ذہن نشین کرلی ہو اور اس پر نگاہ پڑتے ہی اس کی یادداشت تازہ ہوجائے۔ ایسی صورت میں سلطان شاہ کا تعاقب کا منصوبہ بری طرح ناکامی سے دوچار ہوسکتا تھا۔
وہ نیچے پہنچا تو سوبھراج لفٹ سے نکل کر عمارت کے نکاس کی طرف بڑھ رہا تھا اور خاصی عجلت میں تھا۔ اس وقت وہ اپنے گردوپیش سے قدرے غافل نظر آرہا تھا۔ انتہائی روشن فلور کا راستہ طے کرتے ہوئے اس نے اپنا سر جھکایا ہوا تھا تاکہ کم سے کم لوگ اس کا چہرہ دیکھ سکیں۔
سلطان شاہ چند قدموں کے فاصلے پر اس کا پیچھا کرتا رہا۔ سوبھراج پارک ٹاورز سے نکل کر پارکنگ ایریا میں ہولیا۔ عمارت کے گرد بنے ہوئے پختہ راستے کی ایک جانب گاڑیوں کی طویل قطار لگی ہوئی تھی۔ وہیں سلطان شاہ کی گاڑی بھی موجود تھی۔
سوبھراج کہیں رکے بغیر تیزی سے مین روڈ پر نکل آیا۔ گاڑیوں کی بھیڑ وہاں تک پھیلی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ کو تشویش ہونے لگی، وہ سمجھ رہا تھا کہ سوبھراج کسی وجہ سے چوکنا ہوگیا تھا اور مجھ سے ملنے کا ارادہ منسوخ کر کے واپس لوٹ رہا تھا۔
سوبھراج کی گاڑی مین روڈ پر کہیں پارک کی ہوئی تھی۔ سلطان شاہ اسے دیکھ کر جتنی دیر میں اپنی گاڑی تک پہنچتا، سوبھراج کہیں کا کہیں نکل سکتا تھا۔
سخت ذہنی دباؤ اور تذبذب کے عالم میں سلطان شاہ اس کے پیچھے لگا رہا۔ سوبھراج کی گاڑی دیکھے بغیر وہ کوئی متبادل راہ اختیار نہیں کرسکتا تھا۔
جب سوبھراج نے ایک کالی مرسڈیز کے پاس رک کر دروازہ کھولا تو سلطان شاہ ایک فیصلہ کر چکا تھا۔ اپنی

گاڑی لینے کے چکر میں وہ کسی طرح سوبھراج کا تعاقب نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے مرسیڈیز کا نمبر ذہن نشین کرتے ہی کسی خالی ٹیکسی کی تلاش میں سڑک پر نظریں دوڑانا شروع کردیں۔

وہاں سے کچھ فاصلے پر کلفٹن کے مین بس اسٹینڈ پر ہی ٹیکسی اسٹینڈ بھی تھا جہاں سے وہ کسی بہتر ٹیکسی کا انتخاب کرسکتا تھا مگر مسئلہ وہی تھا کہ سوبھراج کے عزائم کا اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ وہ وہاں سے ہلتا اور سوبھراج غائب ہوجاتا تو وہ اسے کھودینے کا صدمہ برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

سڑک پر دور دور تک کسی خالی ٹیکسی کا پتا نہیں تھا۔ ناکامی کے احساس سے سلطان شاہ کے ہاتھ پیروں میں ہلکی ہلکی اینٹھن سی ہونے لگی جو اس کے بدترین اعصابی دباؤ کا نتیجہ تھی۔

اس دوران میں اس کی نظر بار بار کالی مرسیڈیز کی طرف اٹھتی رہی۔ یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ سوبھراج نے گاڑی میں بیٹھتے ہی انجن اسٹارٹ نہیں کیا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے کے بعد اس نے دروازہ بند کرلیا تھا۔ پھر اس کے ہاتھ میں ایک بڑا اور دقیانوسی سا موبائل فون نظر آیا۔ وہ اس پر کسی سے بات کررہا تھا۔

سلطان شاہ زیرک آدمی تھا۔ چند لمحوں کی بے یقینی کے بعد اس نے سمجھ لیا کہ وہ موبائل فون نہیں تھا۔ سوبھراج گاڑی میں رکھے ہوئے سیٹ لائٹ فون پر کسی سے بات کررہا تھا۔

سلطان شاہ کو ایک خالی ٹیکسی نظر آگئی۔ اس نے ہاتھ کے بے تابانہ اشارے سے اسے روک لیا۔ ٹیکسی رکتے ہی اس نے شہر کے دستور کے خلاف ڈرائیور سے کچھ کہے سنے بغیر اگلا دروازہ کھولا اور پسنجر سیٹ پر سوار ہوگیا۔

''بابو! کیا بات ہے، کدھر جانا ہے؟'' ڈرائیور نے ناپسندیدہ نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

سلطان شاہ کن انکھیوں سے مسلسل سوبھراج کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کے لہجے اور نگاہوں کو برداشت کرتے ہوئے نرمی سے کہا ''معمولی کام ہے۔ میٹر سے سو روپے زیادہ دوں گا......''

''نیچے اتر جاؤ'' ڈرائیور نے اس کی پوری بات سنے بغیر کہا ''میں صاف ستھری سواریاں اٹھاتا ہوں۔ ایسے چکروں میں نہیں پڑتا۔''

سلطان شاہ کا خون کھول اٹھا۔ اس نے دل ہی دل میں طے کرلیا کہ مرسیڈیز حرکت میں آگئی تو وہ اپنا پستول دکھا کر ٹیکسی ڈرائیور کو نیچے اتار دے گا اور خود اس کی ٹیکسی لے کر سوبھراج کے تعاقب میں روانہ ہوجائے گا۔ آگے جو کچھ ہوگا، اسے بعد میں بھگت لیا جائے گا۔

اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتا، سوبھراج اپنی گاڑی سے اترتا ہوا نظر آیا۔ فون پر اس کی گفتگو بہت مختصر ثابت ہوئی تھی۔ گاڑی بند کرکے وہ تیزی سے پارک ٹاورز کی طرف واپس جارہا تھا۔

سلطان شاہ نے کینہ توز نظروں سے ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھا اور اپنی سمت کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ ڈرائیور نے اسے برا بھلا کہا تھا نہ گالی دی تھی۔ بس ایک مشتبہ ذمے داری قبول کرنے سے انکار کیا تھا جس پر سلطان شاہ کا مشتعل ہونا غیر ضروری تھا مگر وہ خود حالات کے دباؤ کا شکار تھا۔ اس نے ٹیکسی سے اتر کر اپنے غصے کے اظہار میں دروازہ اتنی زور سے بند کیا کہ پوری ٹیکسی ہل کر رہ گئی۔

سلطان شاہ وہاں رکنے کے بجائے واپس چل پڑا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ سوبھراج کیا کرتا پھر رہا تھا' اس نے کسے فون کیا تھا اور مجھ سے مجوزہ ملاقات کا کیا بنا تھا۔

اس بار سوبھراج سیدھا فوڈ کورٹ میں پہنچا اور مشروبات والے کاؤنٹر پر جا پہنچا۔ سلطان شاہ نے چند لمحوں بعد مجھے اس کے قریب پہنچتے دیکھا تو اطمینان کا سانس لیا۔

سوبھراج کی مشتبہ سرگرمیوں کی وجہ سے وہ ملاقات خاصی تاخیر سے شروع ہوئی تھی۔ سلطان شاہ کو توقع تھی کہ ہم دونوں کم از کم پندرہ بیس منٹ تک ضرور مصروف رہیں گے۔ ٹیکسی کے حصول کے سلسلے میں اسے تلخ تجربہ ہوا تھا۔ فوری طور پر وہ ڈرائیور کے رویے پر مشتعل ہوگیا تھا لیکن راستے میں اسے احساس ہوا کہ وہ غلطی پر تھا۔ یہ خوشی کی بات تھی کہ کراچی میں کچھ ٹیکسی ڈرائیور ایسے بھی تھے جو رزق وروزی کے مسائل میں مبتلا ہونے کے باوجود آمدنی کے مشتبہ ذرائع سے فائدہ اٹھانے پر تیار نہیں تھے۔

اس کے لیے وہ مہلت ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی۔ ہم دونوں فریش لائم کے گلاس لے کر میز کی طرف بڑھے تو سلطان شاہ آسودہ انداز میں وہاں سے واپس ہولیا۔

اس نے اپنی گاڑی پارکنگ سے نکالی اور ایک لمبا چکر کاٹ کر مین روڈ کی اس سمت میں پہنچ گیا جہاں سوبھراج کی کالی مرسیڈیز کھڑی ہوئی تھی۔ اسے اپنی گاڑی لگانے کے لیے فوری طور پر کوئی موزوں جگہ نہیں مل سکی۔ وہ انجن

اسٹارٹ کیے انتظار کرتا رہا۔ جوں ہی اسے ایک گاڑی اپنی جگہ سے باہر نکلتی نظر آئی' اس نے کرولا آگے بڑھا کر خالی جگہ میں پارک کردی۔

وہ سوبھراج کو میرے ساتھ دیکھ چکا تھا۔ گاڑی بھی اس کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے اطمینان تھا کہ وہ اسے جل دے کر کہیں نہیں نکل سکے گا۔ اسے ہر حال میں اپنی گاڑی تک واپس آنا تھا۔

اپنی کار پارک کرنے کے بعد وہ بے پروایانہ انداز میں ٹہلتا ہوا کالی مرسڈیز تک پہنچ گیا۔ رات گہری ہوتی جارہی تھی لیکن اس علاقے میں اسٹریٹ لائٹس اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ روشن تھیں۔ سلطان شاہ کسی خاص زحمت کے بغیر مرسڈیز کا اندرونی جائزہ لینے میں کامیاب ہوگیا۔

سوبھراج کی گاڑی کی تمام نشستیں خالی تھیں لیکن پسنجر سیٹ کے پائیدان میں ایک چوکور چرمی بریف کیس نظر آرہا تھا جو سلطان شاہ نے سیٹ لائٹ فون کے طور پر پہچان لیا۔

بے اختیار اس کا دل چاہا کہ مرسڈیز کی کھڑکی کا کوئی شیشہ توڑ کر سوبھراج کا سیٹ لائٹ فون نکال لے جو اس کے رابطوں کا اہم ترین ذریعہ تھا مگر چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد اس نے اپنا وہ منصوبہ ترک کردیا۔

سب سے پہلی بات یہ تھی کہ گاڑی پر نظر پڑتے ہی سوبھراج ضرورت سے زیادہ چوکنا ہوجاتا۔ اسے یہ احساس ہوجاتا کہ اس کی گاڑی کسی کی نگاہوں میں آچکی ہے تو وہ سب سے پہلے اپنے تعاقب کے امکانات پر غور کرتا۔ شہر کے اس ساحلی علاقے میں ایسی ویران سڑکوں کی کمی نہیں تھی جہاں تیز رفتاری کے ساتھ میلوں کی مسافت طے کی جاسکتی ہے۔ اپنے اصل راستے پر جانے سے پہلے وہ ایسے کسی راستے پر نکل جاتا تو سلطان شاہ کے لیے خود کو چھپائے رکھنا ناممکن ہوجاتا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ جہاں سوبھراج اپنے سیٹ لائٹ فون کو مجرمانہ رابطوں کے لیے استعمال کرتا تھا وہیں مجھ سے بھی اسی فون پر بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ سوبھراج سیٹ لائٹ فون سے محروم ہوجاتا تو مجھ سے اس کا رابطہ یکسر ختم ہوجاتا۔

ایک نتیجے پر پہنچنے کے بعد وہ واپس پارک ٹاورز کی طرف چل پڑا۔ اس نے وہی راستہ اختیار کیا تھا جس پر چل کر سوبھراج دوبارہ عمارت میں داخل ہوا تھا۔

ہمارے مذکرات جاری تھے' ہم دونوں اپنی کہنیاں میز پر ٹکائے ایک دوسرے کی طرف جھکے ہوئے نیچی آواز میں باتیں کرتے رہے' سلطان شاہ ہم دونوں کی نگاہوں سے دور رہ کر خاموشی سے ہمارا جائزہ لیتا رہا۔ آخر کار وہ سلسلہ ختم ہوا جوں ہی سوبھراج میرا ہاتھ دبا کر واپسی کے لیے پلٹا' سلطان شاہ بھی وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اسے حیرت ہوئی تھی کہ میں نے اپنے دشمن کو آسانی سے لوٹ جانے دیا۔ اس بار اس نے سوبھراج کا پیچھا کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اسے معلوم تھا کہ مجھ سے رخصت ہونے کے بعد وہ سیدھا اپنی گاڑی کی طرف جائے گا۔ سلطان شاہ اس کے آنے سے پہلے اپنی گاڑی تک پہنچ گیا اور نشست سنبھال کر انجن اسٹارٹ کرلیا۔

اس مرتبہ سوبھراج بہت زیادہ عجلت میں اپنی گاڑی تک آیا اور اس میں سوار ہوتے ہی وہاں سے آگے روانہ ہوگیا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہورہا تھا جیسے اسے کسی کے پیچھا کرنے کا خطرہ ہو۔

سوبھراج کی طاقتور مرسڈیز کا پیچھا کرتے ہوئے سلطان شاہ زیادہ درمیانی فاصلہ رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس کے پاس نئی جیسی اور جاندار انجن والی کرولا تھی لیکن وہ اپنی کارکردگی کے اعتبار سے مرسڈیز کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔

پُرہجوم ٹریفک میں بے قاعدگی سے اپنا راستہ بناتا ہوا' سوبھراج ذرا سی دیر میں اس کشادہ سڑک پر جا نکلا جو ساحل کے متوازی بہت دور تک چلی گئی ہے۔

سلطان شاہ کا ماتھا ٹھنک گیا۔ وہ خالص تفریحی علاقے کی سڑک تھی' داہنی طرف پتھر کی بنی ہوئی فصیل تھی دوسری طرف رہائشی مکانات تھے جن کا سلسلہ کچھ دور جا کر ختم ہوگیا تھا۔ سوبھراج کی رفتار سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اس سڑک پر کہیں مڑے بغیر سیدھا نکلتا چلا جائے گا' وہ کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔ تفریحی حدود سے باہر نکلنے کے بعد سلطان شاہ کے لیے اس سنسان اور کشادہ سڑک پر خود کو چھپائے رکھنا ناممکن تھا۔

اسے پورا یقین تھا کہ اس وقت تک وہ خود کو سوبھراج کی نظروں سے بچانے میں کامیاب رہا تھا لیکن سوبھراج نے جو راستہ اختیار کیا تھا اس پر زیادہ دیر تک وہ بھرم برقرار نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ اس نے کسی ناگہانی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لے اپنا بھرا ہوا پستول جیب سے نکال کر اپنی گود میں ڈال دیا۔

بائیں طرف پھیلی ہوئی آبادی کا سلسلہ ختم ہونے کے

بعد ویرانہ شروع ہوگیا۔ سڑک پر جلنے والے اسٹریٹ لیمپس کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ دونوں گاڑیاں اپنے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں تارکول کی سیاہ سڑک پر دوڑ رہی تھیں۔ سلطان شاہ کو اپنے عقب نما آئینے میں دور تک کسی گاڑی کا نام ونشان نظر نہیں آر ہا تھا۔

اچانک مرسڈیز کی سرخ بریک لائٹس جل اٹھیں۔ سلطان شاہ کا داہنا پیر ایک ایکسی لریٹر سے ہٹ کر بریک پیڈل پر منتقل ہوگیا۔

چند لمحوں میں مرسڈیز رک گئی۔ وہ سلطان شاہ کے لیے فیصلہ کن لمحہ تھا۔ وہ رکتا تو سوبھراج کو یقین ہو جاتا کہ اس کا پیچھا کیا جار ہا تھا۔ سیدھا نکل جاتا تو سوبھراج کو کھو دینے کا اندیشہ تھا۔ کرولا اور مرسڈیز کا درمیانی فاصلہ تیزی سے کم ہو رہا تھا۔ اس کے پاس زیادہ سوچنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ اس نے دوبارہ اپنی گاڑی کی رفتار بڑھادی اور ایک زناٹے کے ساتھ مرسڈیز کے برابر سے ہوتا ہوا آگے نکل گیا۔

اس کے آگے نکلتے ہی مرسڈیز نے واپسی کے لیے یُوٹرن لے لیا۔ سلطان شاہ کو یہی خدشہ تھا۔ تعاقب کا اندازہ لگانے کی وہ مثالی ترکیب تھی سوبھراج اس پر عمل کر گزرا تھا۔

اس نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ وہ کسی قیمت پر سوبھراج کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس نے نتائج کی پروا کیے بغیر اپنی گاڑی کی رفتار کم کی اور اسے گھما کر دوبارہ سوبھراج کے پیچھے ہولیا۔

سوبھراج نے اپنے عقب نما آئینے میں اسے پلٹتے دیکھا تو اپنی گاڑی روک لی۔ اپنے اندیشے کی تصدیق کے بعد وہ تصادم کے موڈ میں آ گیا تھا۔

سلطان شاہ نے بھی اپنی گاڑی سڑک کے کنارے روک کر ہیڈ لیمپس گل کیے اور بہت خاموشی سے گاڑی سے اتر کر تاریک میدان میں آگے کی طرف دوڑ لگادی۔ اس کا خیال تھا کہ سوبھراج کی توجہ اس کی گاڑی پر مرکوز رہے گی۔ اتنی دیر میں وہ ریتیلے میدان پر راج کرنے والی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر اس کے سر پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اسے قوی امید تھی کہ اس کی کوشش کامیاب رہی تو وہ دوبدو مقابلے میں سوبھراج کو زیر کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس رات بھی ہر سو چاند کی بہت ہلکی روشنی چٹکی ہوئی تھی جس پر بار بار گہرے بادلوں کا سایہ پڑ رہا تھا۔ وہ روشنی بہت ناکافی تھی پھر بھی دور سے ہیولے دیکھے جا سکتے تھے۔ وہ دعا کر رہا تھا کہ کچھ دیر کے لیے چاند گہرے بادلوں کی اوٹ میں چلا جائے تاکہ اسے سوبھراج کو مکمل بے خبری کے عالم میں ڈھیر کرنے کا موقع مل جائے۔

اس کی دعا بار آور ثابت نہ ہوسکی۔ آسمان پر تیرنے والے بادلوں کا رخ بدل گیا اور سوبھراج نے اسے دیکھ لیا۔ وہ اپنی گاڑی کے باہر کھڑا ہر سمت کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے ایک فائر کیا۔ گولی سلطان شاہ کے قریب سے گزر گئی۔ وہ فوری طور پر وہیں رک گیا۔

سوبھراج کو اپنا نشانہ خطا ہونے پر مایوسی ہوئی۔ اس نے دوسری گولی نہیں چلائی۔ سلطان شاہ نے اپنی کمین گاہ سے اس کی پنڈلیوں کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔

سوبھراج ایک دبی چیخ کے ساتھ فضا میں اچھلا اور بہت تیزی سے اپنی گاڑی میں گھس گیا۔ سلطان شاہ کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مرسڈیز پر گولی چلادی۔ گولی اس کار کی باڈی میں گھس گئی یا پھر ہوا میں تیر گئی۔ شیشہ ٹوٹنے کی کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ فضا میں مرسڈیز کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنتے ہی سلطان شاہ نے اس کی طرف دوڑ لگائی لیکن اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے سوبھراج رفو چکر ہوگیا۔

سلطان شاہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔ سوبھراج مرسڈیز میں بھاگ گیا تھا۔ وہ جوش میں آکر اپنی گاڑی سے کافی دور آ چکا تھا۔ جتنی دیر میں وہ اپنی گاڑی تک پہنچتا سوبھراج غائب ہو چکا ہوتا۔

وہ تھکے ہوئے قدموں سے چلتا ہوا سڑک تک آیا اور سر جھکا کر اپنی گاڑی کی طرف ہولیا۔ اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ سوبھراج کو مار گرانے کے چکر میں اپنی گاڑی سے دور آ کر اس نے غلطی کی تھی۔ سوبھراج اپنے بنیادی مورچے پر جما رہا تھا اور اس کی گولی سے زخمی ہونے کے باوجود اپنی گاڑی میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

سلطان شاہ نے اس مہم میں دو نمایاں کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ مرسڈیز کا نمبر نوٹ کر لیا تھا اور سوبھراج کو زخمی کر دیا تھا۔ اس کے باوجود سوبھراج کے تجربے نے اس کے جوش و جذبے کو مات دے دی تھی۔

اس کے لیے بس ایک خیال تسلی بخش تھا۔ میں تو رو بیہ رو بیٹھنے کے باوجود سوبھراج کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا تو بھاگتے ہوئے مجرم کو پکڑنا یا اس کے ٹھکانے کا سراغ لگانا اس سے کہیں زیادہ مشکل کام تھا۔ اپنی اس دلیل

سے وہ ویرا سمیت کسی کو بھی قائل کر سکتا تھا۔

☆☆☆

میرے گھر پہنچنے کے چند منٹ بعد سلطان شاہ بھی واپس لوٹ آیا۔ میری طرح اس کا بھی چہرہ اترا ہوا تھا۔ ویرا نے نظر بھر کر اس کا جائزہ لیا اور خلافِ معمول خاموش رہی۔ اس نے سلطان شاہ پر کوئی زہریلا فقرہ کسا نہ اس کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی۔

''شاید میری طرح وہ تمہیں بھی جُل دے کر نکل گیا!'' میں نے مسکراتے ہوئے گفتگو میں پہل کی۔

''وہ ہر بار اس طرح پھسل کر نکل جاتا ہے کہ میں حیران رہ جاتا ہوں۔'' اس نے ڈھیلی آواز میں جواب دیا ''معلوم ہوتا ہے کہ وہ آسیبی صفات کا مالک ہے۔''

سلطان شاہ نے میرے ایما پر اپنی مختصر سی کہانی سنا ڈالی۔ اس میں ابتدا سے انتہا تک اس کی کوئی غلطی نہیں تھی۔

اسی دوران میں اچانک جلال آ پہنچا۔ وہ بشرے سے خاصا مطمئن اور آسودہ نظر آ رہا تھا۔

''کہاں غائب تھے۔ تمہارا موبائل فون بھی بند پڑا ہوا تھا۔'' علیک سلیک کے بعد میں نے ازراہِ تمسخر اس سے پوچھ لیا ''کیا مجھ سے پیچھا چھڑانے کے لیے اسے آف کیا ہوا تھا؟''

''موبائل فون اب میری ضرورت بن کر رہ گیا ہے۔ قصہ یہ ہوا کہ وہ میری جیب سے نکل کر پانی میں گر گیا اور اب خاموش ہے۔ سروس ہوگی تو پھر چل پڑے گا۔'' وہ بولا۔

''میں اسے ٹام کے قتل کا شاخسانہ سمجھ رہا تھا۔'' میں نے ہنس کر اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''وہاں خاصی ماردھاڑ کے آثار پائے گئے ہیں۔ تم لوگوں کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا؟'' ٹام کا نام آتے ہی اس نے ہم چاروں کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''مقدر ساتھ دے رہا ہو تو آدمی کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔'' میں نے جواب دیا ''ان کا کوئی وار کارگر نہیں ہوسکا کہ ہم سب صحیح سلامت لوٹ آئے۔''

''سب کچھ واضح تھا لیکن میں یہ سمجھنے سے اب تک قاصر ہوں کہ تم کو ایک کتے کو مارنے کی کیا ضرورت تھی!'' اس نے قدرے حیرت سے کہا ''بہت بے رحمی سے اس کا سر اڑا دیا گیا تھا۔''

''وہ اس مقابلے کا پہلا مقتول تھا اور ٹام کے کسی محافظ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔''

''اسے کتے کو مارنے کی کیا ضرورت تھی؟'' بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی۔

''وہ کتا نہ مارا گیا ہوتا تو شاید ٹام بھی بچ جاتا۔'' میں نے یہ کہہ کر ہاکس بے پر رونما ہونے والے واقعات کا خلاصہ بیان کرنا شروع کر دیا۔

''ناقابلِ یقین اور حیرت ناک کہانی ہے۔'' میرے خاموش ہو جانے پر وہ تعجب سے بولا ''تمہیں بروقت کیسے خیال آ گیا کہ اس کتے کی ملکیت کا دعویٰ سودمند ثابت ہوسکتا ہے۔''

''ابتدا میں میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔'' میں نے ایمان داری سے بتایا ''میں ان اطراف میں پہنچنے کے کسی بہانے کی تلاش میں تھا۔ ان کے ہاتھوں کتے کی موت کی تصدیق ہوئی تو ایک ہی خیال سوجھا کہ میں اس کی ملکیت کا دعوے دار بن جاؤں۔ وہاں سے بات چلی تھی جو آخر کار ٹام کی ہلاکت پر ختم ہوئی۔''

''کتے کی لاش پر دو کمانڈوز بے جان پڑے ہوئے تھے۔ میں ان تینوں کو تمہارے حساب میں گن رہا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ دونوں تمہارے جال میں پھنس گئے؟''

''ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔ میں نے اپنے پالتو کتے کی لاش کو پہچان لیا تھا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''پہلا کمانڈو لاش اٹھانے میں میری مدد کرنے کے لیے آیا تھا۔ جب وہ بے جان ہو کر گر گیا تو میں نے بوکھلا کر دوسرے کو بلایا تھا کہ وہ اپنے ساتھی کی کچھ دیکھ بھال کر سکے۔''

''ایسے برجستہ خیال ہر ایک کے ذہن میں نہیں اگتے۔'' جلال نے توصیفی لہجے میں کہا ''میں شروع سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں کہ تمہیں بروقت بہت عمدہ بلکہ نادر نکتے یاد آتے ہیں۔''

''مجھے بہلانے کے لیے ایسی باتیں نہ کرو۔ اب میں اس منزل سے گزر چکا ہوں جہاں انسان اپنی تعریف سننے کا خواہاں ہوتا ہے۔''

''بہت ہولناک اور بھرپور واقعہ تھا۔'' جلال میری بات کو نظر انداز کر کے بولا ''تین کمانڈوز سمیت ٹام کی موت پر ان میں صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے۔ زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ اس بار انہوں نے زیادہ اودھم نہیں مچایا۔''

''اس کا اندازہ آج کے اخباری ضمیموں سے ہوگیا تھا۔'' ویرا نے کہا ''دو کمانڈوز زہر سے مارے گئے۔ فشر بھی

ایک زہر کے زیرِ اثر بے ہوش کیا گیا تھا۔ ان شہادتوں کے باوجود انہوں نے کھل کر ڈینی پر الزام تراشی نہیں کی۔''

''ادھم سے میری یہی مراد تھی۔'' جلال نے اپنی بات کی وضاحت کی''اخبار والوں کے سامنے انہوں نے باوقار انداز اپنایا ہے مگر سرکاری سطح پر سارا نزلہ ڈینی کی ذات پر گرا ہے۔ جو باتیں اخباروں تک نہیں پہنچیں وہ خفیہ سرکاری ریکارڈ پر آچکی ہیں۔ پوری شدومد کے ساتھ تم دونوں کی گرفتاری کا مطالبہ کیا گیا ہے۔''

''سرکاری موقف کیا ہے؟'' میں نے پرخیال لہجے میں سوال کیا۔

''ان کے سارے عملے کو ہدایت کی گئی ہے کہ کہیں بھی جانے سے قبل مقامی انتظامیہ کے سکیورٹی کلیرنس لیں اور پولیس گارڈز کے بغیر کہیں نہ جائیں۔'' جلال بتانے لگا ''وہ اس ہدایت پر کان نہیں دھرتے ان کو شبہ ہے کہ پولیس میں موجود کالی بھیڑیں ان کی نقل و حرکت کی اطلاع تخریب کاروں تک پہنچا دیں گی۔ انہیں صرف تم سے نہیں عالمی دہشت گردوں سے بھی خطرہ ہے جن کے متعدد ایجنٹ کراچی میں زیرِ زمین زندگی گزار رہے ہیں۔''

''شاید تمہاری بات ادھوری رہ گئی ہے!'' میں نے اسے ٹوکا۔

''میرا خیال ہے کہ میں نے پوری بات واضح کردی۔ ٹام نے اپنی بیچ پارٹی کے بارے میں کوئی سکیورٹی کلیرنس لی تھی نہ انتظامیہ کو کوئی اطلاع دی تھی۔'' وہ بولا ''ہدایات اور ضابطوں کی اس سنگین خلاف ورزی کے پیشِ نظر مقامی انتظامیہ پر کوئی ذمے داری عائد نہیں ہوتی۔''

''کیا یہ بات انہیں بتادی گئی ہے؟'' ویرا نے پوچھا۔

''ان کا شکایت نامہ ملتے ہی تحریری جواب دے دیا گیا ہے۔ اسی خط میں پچھلے تمام واقعات کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ وہ اپنی دانست میں جس عمل کو احتیاط سمجھ رہے ہیں وہی ان کے لیے موت کا پھندا ثابت ہو رہی ہے۔''

میری اور سوبھراج کی ملاقات کے بارے میں جلال سمیت سب ہی تجسس میں مبتلا تھے۔ میں نے اپنی روداد سنانی شروع کردی۔

سوبھراج ایک بدنام مجرم تھا جس نے سیاست میں اپنا قد کاٹھ نکال کر اس سے ناجائز فائدے اٹھانے شروع کردیے تھے۔ اس کی یہ بے راہ روی اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس نے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کارروائی شروع کردی تھی۔ وہ ہر اعتبار سے واجب القتل تھا۔ سب کو حیرت تھی کہ وہ آیا، مجھ سے ملا اور صحیح سلامت واپس لوٹ گیا۔ جلال کی اطلاع کے لیے میں نے اپنی کہانی کے اختتام سے سلطان شاہ کی کارکردگی بھی جوڑدی تاکہ اس کے ذہن میں مکمل صورتحال کے بارے میں کوئی شائبہ نہ رہے۔

''مجھے اس کی باتوں پر بھروسا نہیں ہے وہ تمہیں فریب دے رہا ہے۔'' پوری تفصیل جاننے کے بعد جلال نے متاسفانہ لہجے میں کہا ''وہ گرین کوبرا کے بارے میں سراسر جھوٹ بول رہا ہے۔''

''تم اسے جھوٹا کیسے کہہ سکتے ہو۔ فائل غائب ہے۔ اس کے ذمے دار عتاب میں آئے ہوئے ہیں۔ تم خود بتا چکے ہو کہ سکیورٹی افسر نے خود وہ فائل سوبھراج کو دی تھی۔ ان تمام شواہد کے باوجود تم اسے کیسے جھوٹا قرار دے رہے ہو؟'' میں نے جرح کی۔

''سب کچھ درست ہے۔ فائل سرکاری ریکارڈ سے نکل کر اس کے قبضے میں چلی گئی تھی اور واپس نہیں آئی مگر اب وہ اس کے پاس بھی نہیں ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ مجھے یقین ہوتا جارہا ہے کہ وہ فائل راج محل کے ساتھ جل کر خاک ہوگئی ہوگی۔'' جلال نے پرزور لہجے میں کہا۔

''میری بھی یہی آرزو ہے۔ کاش ایسا ہی ہوا ہو۔ مگر ہمارے پاس ایسا ہونے کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ اسی بات کا بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کررہا ہے۔'' جلال بولا۔

''مجھے اس میں شبہ ہے۔ اگر وہ جھوٹ بول رہا ہوتا تو آج پوری دیدہ دلیری سے مجھ سے ملنے کے لیے نہیں آسکتا تھا۔''

''تم نے اس کی دو باتوں پر یقین کرلیا ہے۔ وہ غیر مسلح تھا اور اکیلا وہاں آیا تھا۔ تم نے ان میں سے کسی بات کی تصدیق کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔''

''جب میں نے پیچھے سے اسے مخاطب کیا تھا تو میں نے ہاتھ مار کر اس کی جیبیں دیکھ لی تھیں۔ وہ خالی تھیں۔ ہتھیار کے بوجھ سے جھولتی ہوئی جیبیں دور سے نظر آجاتی ہیں......''

''پھر اس نے سلطان شاہ پر کیسے گولی چلادی؟ اس کے پاس وہ ہتھیار کہاں سے آگیا؟'' اس نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

''ہوسکتا ہے کہ پستول اس کی گاڑی میں پڑا ہوا ہو۔''

''سلطان شاہ نے اس کی گاڑی میں جھانک لیا تھا۔ اس کے پائیدان میں سیٹ لائٹ فون کے سوا کوئی اور چیز نہیں تھی۔''

''اس وقت تم ویرا کی طرح بحث برائے بحث پر تل گئے ہو۔'' میں نے ایک لمبا سانس لے کر کہا ''کوئی اپنی گاڑی میں کھلے بندوں ہتھیار لے کر نہیں پھرتا۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ ایسی چیزوں کے لیے ڈیش بورڈ کا خانہ سب سے موزوں ہوتا ہے۔''

''اور اس کے اکیلا ہونے کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' ویرا نے سوال کیا۔

''اس کے ثبوت کے لیے سلطان شاہ کی کہانی کافی ہے۔'' میں نے جواب دیا ''اس کے ساتھ کوئی اور ہوتا تو سلطان شاہ کے لیے بچ کر لوٹنا محال ہو جاتا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ میرا اندازہ درست ہے۔ تم اس کی بات پر یقین کرنے کے لیے ان دو نکتوں پر انحصار کر رہے ہو!'' جلال نے تصدیق چاہی۔

''یہ دو نکتے خاصے اہم ہیں۔ جھوٹ بولنے والے کو خود اپنی بات پر یقین نہیں ہوتا۔ اپنے جھوٹ کا سب سے بڑا گواہ وہ خود ہوتا ہے۔ آدمی اندر سے متذبذب ہو تو وہ یوں بے خوفی سے اپنی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتا۔'' میں نے کہا۔

''سوبھراج سب کچھ کر سکتا ہے۔'' اس وقت ویرا جلال کا ساتھ دے رہی تھی ''تم یہ بات بھول رہے ہو کہ آج کل اس کی زندگی ہر وقت خطرے میں ہے اسے بچانے کے لیے وہ کوئی جوا کھیل سکتا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ اس کا کارڈ مضبوط ہے۔ وہ بے خوف ہو کر تمہارے سامنے آ گیا۔''

جلال ابتدا سے اس بات پر اڑا ہوا تھا کہ سوبھراج نے کافی دنوں کے بعد یکا یک گرین کوبرا فائل کا ذکر چھیڑا تھا اس لیے یہ سو فیصد اس کا سوچا سمجھا جھوٹ تھا۔ اس میں دور دور تک حقیقت نہیں تھی۔ ہماری مجبوری یہ تھی کہ ہم اس کا جھوٹ ثابت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ہمیں مجبور ہو کر اس کی بات سننا پڑ رہی تھی۔

''آج اس نے تمہیں نفسیاتی مات دی ہے۔'' جلال نے اپنی بات آگے بڑھائی ''اس کی دھمکی کی پروا کیے بغیر تم اسے روک لیتے تو اس کا کھیل وہیں ختم ہو جاتا۔''

''اس کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ گرین کوبرا ایک غیر اہم فائل ہے۔'' میں نے تیکھے انداز لہجے میں اس سے تائید چاہی۔

''قطعی نہیں...... اس وقت وہ ہمارے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں جنگی پلان سے لے کر ایسے آبی ذخیروں کا ذکر بھی موجود ہے جو عام دنوں میں پاکستان کے بیشتر علاقوں کو بنجر کر سکتے ہیں۔ بارانی موسم میں ان کے گیٹ کھول کر بالائی پنجاب کو تباہ کن سیلابی حالات سے دو چار کیا جا سکتا ہے۔ اس فائل کو بھارت سے نکال لانا تمہارا بہت بڑا کارنامہ تھا۔'' فائل کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے جلال کچھ جذباتی ہو گیا۔

''بس میں نے یہی سوچ کر اس سے الجھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ننانوے فیصد امکان تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا لیکن ایک فیصد شبہ سچائی کا بھی تھا یوں سمجھ لو کہ میں نے اس ایک فیصد کی وجہ سے وہ کڑوا گھونٹ پی لیا۔ میں زبانی دعویٰ نہیں کر رہا یہ حقیقت ہے کہ اس سے دشمنی کے معاملے میں، میں تم سب سے آگے ہوں۔''

''اس بارے میں بحث بے سود ہے۔'' ویرا بولی ''ایک واقعہ رونما ہو جانے کے بعد اس پر تنقید کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔ ڈینی وہاں خود موجود تھا۔ اس کی حاضر دماغی اور تیز مشاہدے کے ہم سب قائل ہیں۔ اس نے اپنی دانست میں بہترین فیصلہ کیا ہوگا۔''

''میں تنقید نہیں کر رہا۔'' جلال نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی ''گزرے ہوئے تلخ تجربات کا ناقدانہ جائزہ لے کر انسان بہت کچھ سیکھتا ہے۔ ٹام کی بات اور تھی وہ تمہارا اپنا معاملہ تھا جس سے مجھے یا میری ایجنسی کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ سوبھراج کا قصہ مختلف ہے۔ ہم سب کو اس کی تلاش ہے ہمیں فیصلہ کر لینا چاہیے کہ وہ اسی دھمکی کے ساتھ دوبارہ ہمارے سامنے آیا تو ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔''

''جب تک ہمیں پورا یقین نہیں ہو جاتا کہ فائل آگ میں جل کر تباہ ہو گئی تھی ہمیں اس کو ڈھیل دینا ہو گی۔'' میں نے اسے اپنا بے لاگ فیصلہ سنا دیا۔

''وہ پہلے سے پروگرام طے کر کے آپ سے ملنے کے لیے آیا تھا۔'' غزالہ نے زبان کھولی اور سب کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ ابتدا سے خاموش بیٹھی پوری توجہ سے ہماری گفتگو سن رہی تھی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی ''اس کے پاس یہ عذر تھا کہ وہ ایک مقررہ وقت تک واپس نہ لوٹا یا اس نے کسی کو کوئی مخصوص پیغام نہ دیا تو سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔ گرین کوبرا ہمارے دشمنوں کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ آج سلطان شاہ نے دو

بڑے کام کیے ہیں۔ سوبھراج کو زخمی کیا ہے اور اس کی مرسڈیز کا نمبر لے آیا ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اسے تلاش کر کے اچانک پکڑلیں۔ اس وقت وہ ایسا کوئی بہانہ نہیں بنا سکے گا۔ وہ کچھ کہے گا تو اس کی بات بےوزن ہوگی۔ اس وقت وہ سچ اگلنے پر مجبور ہو جائے گا۔ میں نے سنا ہے کہ صدف مینشن کے درو دیوار مجرموں کا آدھا خون خشک کر دیتے ہیں۔''

''تمہاری تجویز بہت معقول ہے۔'' جلال نے مسکراتے ہوئے بزرگانہ انداز میں کہا'' سب سے بڑا مسئلہ اسے پکڑنے کا ہے۔ وہ پکڑلیا جائے تو سارا چکر ختم ہو جائے گا۔ ہاں اس کی گاڑی کے نمبر والی بات بہت اہم ہے میں ابھی اس کے بارے میں معلوم کرتا ہوں۔''

سلطان شاہ نے اسے سوبھراج کی مرسڈیز کا نمبر بتایا جو جلال نے فون پر اسی وقت اپنے کسی شناسا کو لکھوادیا۔ اس سے ہونے والی گفتگو میں جلال نے اسے تاکید کی کہ وہ جلد از جلد اس گاڑی کے کوائف حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کے لیے وہ دفاتر کھلنے کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔

دوسری جانب سے کرائی جانے والی کسی یقین دہانی پر اپنے تشکر کا اظہار کر کے جلال نے فون بند کر دیا۔

''کار کا سراغ مل جاتا ہے تو میں اسے ذرا بھی مہلت نہیں دوں گا۔'' جلال کہہ رہا تھا'' ابھی اس کی پنڈلی زخمی ہے۔ اسے فرسٹ ایڈ کی ضرورت ہوگی۔ وہ جہاں ہے وہیں زیر کیا جا سکتا ہے۔''

''فرض کرو کہ تمہارے موبائل فون نے غسل نہ کیا ہوتا اور میں تمہیں آج کی ملاقات کے بارے میں مطلع کر دیتا تو تمہارا کیا ردِعمل ہوتا؟'' میں نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

''میں اسے گھیرنے کے لیے اپنے گھٹنے ٹیک دیتا۔ ساری نفری وہیں لگا دیتا۔ آج وہ بچ کر نہیں نکل پاتا'' جلال نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''میرے لیے تمہارا کیا مشورہ ہوتا؟'' میں نے اگلا سوال کیا۔

''جب پہلے سے کچھ معلوم ہو تو کوئی مشورہ نہیں دیا جا سکتا۔ وقت پر جو بات سوجھ جائے وہی سب سے بہتر ہوتی ہے۔'' اس نے جواب دیا'' تم بہت ذہین اور حاضر جواب ہو۔ ویسے بھی میں تم کو کیا مشورہ دے سکتا تھا۔''

''وہ مجھے پونے آٹھ بجے والا ہوّا دکھاتا اور میں مجبور ہو کر اسے جانے کی اجازت دے دیتا۔'' میں اسے گھیرنے کی کوشش میں کامیاب ہو رہا تھا۔

''اس سے کوئی فرق نہ پڑتا۔ یہاں تمہاری کہی ہوئی بات آجاتی ہے۔ اگر اس کی سچائی کا ایک فیصد بھی امکان تھا تو وہ اپنی گاڑی میں واپس پہنچتے ہی فون پر اپنے آدمی کو مخصوص پیغام دیتا۔ گرین کو برا فائل کا سفر رک جاتا۔ وہ وہاں سے چلتا تو میرے آدمی اسے گھیر لیتے۔''

''ضروری نہیں کہ سب کچھ اسی طرح ہوتا۔'' ویرا نے شوخ لہجے میں کہا'' دو حریف میدان میں ٹکراتے ہیں تو سوچی ہوئی چالیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم اور تمہارے آدمی اسے اپنی گاڑی تک پہنچنے کا موقع نہیں دیتے۔ راستے میں اسے دبوچ لیتے۔''

''یہ امکان بھی ہو سکتا تھا۔'' جلال نے اعتراف کیا۔

''اور وہ ایک فیصد خطرہ اسی طرح برقرار رہتا!'' میں نے کہا۔

جلال اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

جو ہو چکا ہوتا ہے اس کے بارے میں انسان ہزار پہلوؤں سے سوچتا ہے اور اسے اپنے پسندیدہ نتائج حاصل کرنے کے بہتیرے امکانات نظر آنے لگتے ہیں لیکن آنے والے وقت کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ جو کچھ ہونا ہوتا ہے وہ اچانک سامنے آتا ہے اور انسان ایک اضطراری کیفیت میں پیش آمدہ حالات و واقعات سے نمٹتا چلا جاتا ہے۔ چند لمحوں بعد جب وہی سب ماضی بن جاتا ہے تو انسان اضطرار کی حالت سے باہر آچکا ہوتا ہے۔ اسے اپنے رویے میں بہتری پیدا کرنے کے بہت سے گر یاد آنے لگتے ہیں۔ مشکل یہ ہوتی ہے کہ ماضی کو لوٹانا اس کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے چند سوالات کے ذریعے جلال کو یہ امر سمجھانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''اب تمہارے لیے دہرا خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔'' چند لمحوں کے سکوت کے بعد جلال نے زبان کھولی۔

''کن خطروں کی بات کر رہے ہو؟'' مجھ سے پہلے ویرا نے سوال کر ڈالا۔

''پاکستانی ایجنسیوں کو ڈینی کی تلاش ہے جسے کوئی نہیں پہچانتا۔''

''یہ نہ کہو۔'' میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی'' تم سمیت بہت سے لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔ تم جب چاہو مجھے آہنی زیور پہنا سکتے ہو۔''

''لاحول ولاقوۃ!'' وہ برا سا منہ بنا کر بولا'' میں ایسا

سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں تمہارے حریفوں کی بات کررہا تھا۔ ان میں سے کوئی تمہیں نہیں پہچانتا۔ اب سوبھراج نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔ اگر میرا یہ شبہ درست ہے کہ سوبھراج اپنے پرانے آقاؤں سے مل گیا ہے تو اگلے چوبیس گھنٹوں میں تمہارا ایک حقیقی خاکہ جاری ہوسکتا ہے۔''

''یہ سر پر موم بتی جلا کر بگلا پکڑنے والی بات ہوگی۔'' میں نے اس امکان کو مسترد کرتے ہوئے کہا ''میں اس پہلو پر غور کرچکا ہوں۔ انہیں میرے خاکوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ مجھے زندہ یا مردہ پکڑنا چاہتے ہیں۔ سوبھراج چاہتا تو ملاقات کے موقع پر مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کرسکتا تھا۔''

''اس کوشش کے نتیجے میں وہ خود بھی مارا یا پکڑا جاتا۔ اسے اپنی زندگی سے پیار ہے۔ زندہ رہنے کے لیے وہ ایسی کوشش نہیں کرسکتا تھا۔''

''میں غیر ضروری بحث میں نہیں پڑتا۔ اگلے دو چار دن میں سب کچھ سامنے آجائے گا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا ''خاکہ جاری ہوگیا تو میرا اندازہ غلط ثابت ہوجائے گا۔''

اس روز میں نے جلال کے رویے میں نمایاں تبدیلی محسوس کی۔ اس سے پہلے وہ ہمیشہ میرا ہم خیال ہوتا تھا اور بڑھ چڑھ کر میرے ہر قول و فعل کی تائید کرتا رہتا تھا لیکن اس دن وہ ہر بات میں اٹک رہا تھا۔ سوبھراج کے پاس گرین فائل کے ہونے یا نہ ہونے کے سلسلے میں اس سے پہلی بار جو اختلاف ہوا تھا وہ شاید اس کے ذہن میں جڑ پکڑ چکا تھا۔

وہ پڑھا لکھا، تجربے کار اور شائستہ آدمی تھا۔ اس نے کھل کر کسی بڑے اختلاف کا مظاہرہ نہیں کیا تھا لیکن اس کے طور طریقوں کی تبدیلی میری نظروں میں کھٹک رہی تھی۔ ان دنوں مجھے اس کی مدد اور معاونت کی ضرورت تھی۔ میں نے غیر محسوس تلخی کو وہیں تک محدود رکھنے کی نیت سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کسی بھی موضوع پر اس سے بحث نہیں کروں گا۔ اس نے کہیں بھی کوئی اختلافی نکتہ اٹھایا تو میں خاموشی اختیار کرکے بات کو ٹال دوں گا۔

''تم آگئے لیکن اول خان کل رات سے غائب ہے۔'' ویرا سگریٹ کا ایک گہرا کش لینے کے بعد دھواں اگلتے ہوئے جلال سے کہہ رہی تھی۔

''وہ بھی کہیں پھنسا ہوا ہوگا۔ ہاکس بے پر رونما ہونے والے واقعے کے بعد کراچی میں غیر اعلانیہ ہنگامی صورتِ حال پیدا ہوچکی ہے۔ کیا اس آپریشن میں ایس ٹی ایف بھی تمہارے ساتھ شامل تھی؟'' جلال نے وضاحت کرنے کے ساتھ سوال کیا۔

''ایس ٹی ایف نہیں، صرف دو آدمی ہمارے ساتھ تھے۔ اول خان اور ایک ڈرائیور تم جانتے ہو کہ وہ لوگ ہر فن مولا ہوتے ہیں ضرورت پڑتی تو وہ ڈرائیور بھی اپنے سپاہیانہ جوہر ضرور دکھاتا لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔''

''انہوں نے شکایت کی ہے کہ لڑکیوں کے ساتھ بہت زیادتی کی گئی ہے۔'' جلال بولا ''اس بار اس نے براہِ راست مجھے مخاطب کیا تھا۔

''ٹام اور فشر ان کے ساتھ زیادتیاں کرنے کی تیاریاں کررہے تھے۔ انہیں ہمارا ممنون ہونا چاہیے کہ انہیں ایسی کارروائیوں سے بچا لیا گیا۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں نے ان کا نشہ ہرن کرنے کے لیے انہیں بے ہوش کرکے ساحل پر ڈال دیا تھا۔'' ویرا نے اپنی کارکردگی کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہوئے کہا ''وہاں سے انہیں کچھ لڑکے اٹھا کر لے گئے تھے۔ انہوں نے لڑکیوں کے ساتھ کوئی ناروا حرکت کی ہو تو ہم اس کے ذمے دار نہیں ہیں۔''

''مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ کھسیانی بلی کھمبا نوچ رہی ہے۔ وہ اپنی خفت مٹانے کے لیے بات کا بتنگڑ بنانے کی کوششیں کررہے ہیں۔''

صاف پتا چل رہا تھا کہ جلال نے میری خفگی کا اندازہ لگا لیا تھا اور وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے بار بار موضوع بدلنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس سے اختلاف رائے اپنی جگہ پر تھا مگر میرے دل میں اس محنتی اور فرض شناس افسر کی بڑی قدر تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس وقت وہ ہمارے گھر آیا ہوا مہمان تھا۔ میں نے کسی اختلافی مسئلے میں الجھنے سے گریز کرتے ہوئے کہا ''ابھی اول خان کی بات ہورہی تھی اس نے پورے مشن میں بہت سرگرمی سے حصہ لیا تھا لیکن اتفاق سے کلیدی کردار مجھے ادا کرنا پڑا۔ ٹام کی گردن میرے ہاتھوں ٹوٹی تھی۔ فشر کو بھی میں نے بے ہوش کیا تھا۔ کتے کی لاش کے ساتھ پائے جانے والے دونوں کمانڈوز میرا شکار ہوئے تھے۔ تیسرے کو ویرا نے اپنی گولی کا نشانہ بنا لیا تھا۔''

''یہ باتیں میں جاننا چاہ رہا تھا۔'' جلال نے گہری دلچسپی کے ساتھ کہا ''وہاں پہلی گولی چلنے کے ساتھ ہی میرے آدمیوں نے اپریٹس پر مار دھاڑ شروع ہونے کی خبر دے دی تھی لیکن انہیں دور رہنے کی ہدایت کی گئی تھی اس لیے وہ پوری تفصیل نہیں جان سکے۔ بقیہ اعداد و شمار پولیس کے ذریعے

سامنے آئے۔ تمہارا اسکور خاصا شاندار رہا۔ تم کو اچانک اپنے سامنے پا کر ٹام حیران رہ گیا ہوگا۔''

''وہ مجھے اول خان کو اور ویرا کو پہچانتا تھا۔ ہم نے اپنے چہرے چھپا لیے تھے۔'' ان واقعات کا زبانی اعادہ کرتے ہوئے میرا موڈ بحال ہونے لگا ''فشر کو بے ہوش کرنے کے بعد میں نے اپنے چہرے سے رومال ہٹا دیا تھا۔ میرا چہرہ دیکھ کر وہ بری طرح بوکھلا گیا تھا۔''

''وہ ڈر گیا ہوگا کہ کرنل داور کیسے زندہ ہوگیا۔'' جلال نے محظوظ ہوتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''میں نے اسے بتا دیا کہ کرنل داور اور ڈینی ایک شخص کے دو روپ ہیں۔ اسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ وہ کس کے ہاتھوں مارا جانے والا ہے۔''

''تم نے بہت بڑا معرکہ سر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب تم کو کچھ دنوں کے لیے چھٹی پر چلا جانا چاہیے۔ واپسی پر تم خود کو تر و تازہ محسوس کرو گے۔'' اس نے کہا۔

''مجھے کون سا ملازمت پر جانا ہوتا ہے۔ دن رات چھٹی ہی چھٹی ہوتی ہے۔ ٹام کے مارے جانے کے بعد اب ویسے بھی کافی دن سناٹا رہے گا۔''

''میں مذاق نہیں کر رہا۔ گھر بیٹھنے کو چھٹی نہیں کہا جا سکتا۔ تمہیں ماحول اور علاقے کی تبدیلی کی ضرورت ہے!''

''کیا تم مجھے یہاں سے فرار پر اکسانے کی کوشش کر رہے ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''یہی سمجھ لو۔ یہ فرار عارضی ہوگا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا ''یہاں کے حالات تمہارے لیے بہت مخدوش ہوگئے ہیں۔ کچھ دنوں کے لیے یورپ کی طرف نکل جاؤ۔ تم آمادگی ظاہر کرو تو میں فرضی نام سے تمہارا پاسپورٹ بنوا دوں گا۔''

حالات کا ذکر کر کے جلال نے مجھے سوچ میں ڈال دیا۔

''چاہو تو اول خان سے بھی مشورہ کر لو۔'' جلال نے مجھے خاموش پا کر کہا ''وہ بھی میری اس تجویز کی تائید کرے گا۔ گھر کی چار دیواری میں محصور ہو کر تم چار دنوں میں زندگی سے بیزار ہو جاؤ گے۔ باہر نکلنے میں ہر طرف خطرات منڈلاتے ہوئے نظر آئیں گے۔''

''اگر میں نے کچھ دنوں کے لیے ملک سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو میرا رخ مغرب کے بجائے مشرق کی طرف ہوگا۔'' میں نے پُرخیال لہجے میں کہا ''تفریح کے لیے تھائی لینڈ بہتر رہے گا۔''

''کان کھول کر سن لو!'' ویرا نے غزالہ سے کہا ''تھائی لینڈ اور خاص طور پر بنکاک کی شہرت کے اسباب ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ دنیا کے سارے اوباش مرد وہاں کا رخ ضرور کرتے ہیں۔''

''میرے ساتھ یہ دنیا کے کسی بھی حصے میں جا سکتے ہیں۔ مجھے ان پر پورا اعتماد ہے۔'' غزالہ نے جلال کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''ویری گڈ!'' جلال نے تحسین آمیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا ''تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ بیوی ہو تو بس ایسی ہی ہو جو اپنے شوہر پر اندھا اعتماد کرتی ہو۔''

''تم نے غزالہ کی پوری بات پر غور ہی نہیں کیا۔'' ویرا نے جلال سے کہا ''وہ دعوت میں اپنی دال روٹی ساتھ لے جانے کی بات کر رہی ہے۔ خود بھی ڈینی کے ساتھ جائے گی۔''

''تم ڈینی کے ساتھ امریکا کے سیر سپاٹے کر سکتی ہو تو غزالہ کو بھی اس کے ساتھ جانے کا پورا حق حاصل ہے۔'' اس مرتبہ سلطان شاہ نے غزالہ کی وکالت کی تھی ''بیوی ہونے کے ناتے اس کا ڈینی پر زیادہ حق ہے۔''

''حیرت ہے کہ تم اس جان توڑ سفر کو سیر سپاٹا کہہ رہے ہو۔'' ویرا نے افسوس کے ساتھ کہا ''ہم نے وہاں ایک ایک لمحہ بہت مصروف رہ کر گزارا تھا۔''

''یہ بتانے والی باتیں نہیں ہوتیں۔'' جلال نے اپنی دانست میں فساد ٹالنے کے لیے ویرا کا ساتھ دیا ''یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ دشمن کی سرزمین پر جا کر اپنے مشن کے لیے کام کرنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔ ہم ترقی کی دوڑ میں ان سے بہت پیچھے ہیں لیکن ہم نے یہاں غیر ملکی ایجنٹوں کا ناطقہ بند کیا ہوا ہے۔ آئے دن ان کا کوئی نہ کوئی آدمی مارا جاتا ہے۔ یہ بہت غنیمت ہے کہ تم دونوں وہاں سے بخیریت واپس لوٹ آئے۔''

''وہ تینوں آپس میں باتیں کرتے رہتے تو شاید جوشِ گفتگو میں ان کے تیور بدل جاتے لیکن جلال نے ان کی باتوں میں دخل اندازی کر کے جوں ہی اپنی موجودگی کا واضح احساس دلایا' ویرا کا لب و لہجہ یکایک نرم ہوگیا ''میں امریکا گئی تھی تو بعد میں غزالہ بھی ہمارے ساتھ باہر گئی تھی۔ اس سے پوچھو کہ دشمن کے ملک میں جان کس طرح سولی پر لٹکی رہتی ہے۔''

''تم ہمیشہ بات کا رخ گھما دیتی ہو۔'' سلطان شاہ نے بھی نرمی اختیار کر لی ''بات غزالہ کے جانے کی ہو رہی تھی۔

اس پر تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

"کچھ بھی نہیں!" ویرا نے معصومیت سے کہا "وہ جانا چاہتی ہے تو ضرور جائے۔ میرے خیال میں وہ ملک شریف عورتوں کے جانے کے لیے نہیں ہے۔ میں اس کے بھلے کے لیے مشورہ دے رہی تھی ہوسکتا ہے کہ اسے وہاں کسی وقت کسی جذباتی صدمے کا سامنا کرنا پڑے، بنکاک کی شہرت اچھی نہیں ہے۔"

اس وقت تک میں خاموشی سے ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔ ویرا نے دوبارہ وہ ناپسندیدہ موضوع چھیڑا تو مجھے مجبور ہوکر دخل اندازی کرنا پڑی "بنکاک کی شہرت کتنی ہی خراب کیوں نہ ہو اس شہر میں تھائی شرفا کی بڑی تعداد رہتی ہے۔ وہاں آنے والے غیر ملکیوں میں سب عیاش طبع نہیں ہوتے۔ لوگ وہاں کے قدرتی حسن اور ساحلی نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے لیے بھی آتے ہیں۔"

"مجھے ان سب باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے پھر بھی میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تم نے ساری دنیا کو چھوڑ کر تھائی لینڈ جانے کا ارادہ کیوں کیا ہے؟" جلال نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"میرا خیال تھا کہ تھائی لینڈ کا نام سنتے ہی تمہارے ذہن میں چھوٹا راجن کا نام ابھر آئے گا۔ آب و ہوا کی تبدیلی اور تفریح کے ساتھ وہاں تھوڑا بہت کام ہوجائے تو کیا حرج ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ابھی تک مجھے اپنے آدمی سے اس کے بارے میں کوئی تازہ رپورٹ نہیں ملی۔ تم وہاں پہنچ جاؤ تو بہت تیزی سے کام آگے بڑھا سکو گے۔ اب میں تمہاری رائے سے سو فیصد متفق ہوں۔ موجودہ حالات میں تمہارے لیے روئے زمین پر تھائی لینڈ سب سے بہتر ملک ثابت ہوگا۔ کیا میں تمہارا اور غزالہ کا بندوبست کرادوں۔"

"تمہیں گھما پھرا کر بات کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔" ویرا نے خفت آمیز لہجے میں کہا "پہلے ہی اس بدمعاش کا نام لے لیتے تو اتنی بحث کی نوبت نہ آتی۔"

"اور تمہیں پوری بات سننے سے پہلے اپنے تبصرے جاری کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔" میں نے کہا "تم نے مجھے اتنا موقع نہیں دیا کہ میں اپنی بات پوری کرتا۔"

"سوبھراج تم سے کئی بار ذکر کرچکا ہے کہ وہ پاکستان چھوڑ دے گا۔" ویرا نے اپنی جھینپ مٹانے کے لیے میری ہم نوائی شروع کردی "ہوسکتا ہے وہ یہاں سے نکل کر دوبارہ بنکاک کا رخ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ ایسا ہوا تو تمہیں بنکاک میں تفریح کے لیے وقت نہیں مل سکے گا۔ تم کو پوری طرح اپنی طاقت پر انحصار کرنا پڑے گا۔"

ایک اور صاحب پرانی کار کے فوائد اور نئی کار کے نقصانات پر روشنی ڈالتے ہوئے بولے "کار جب بھی خریدیں پرانی خریدیں اولڈ از گولڈ پرانی کار کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ کیا اچھی شے ہوتی ہے۔ نہ کسی کا جی للچائے۔ نہ کوئی نظر بد ڈالے۔ نہ کوئی ہاتھ لگائے۔ ایک شیشہ نہیں چڑھتا نہ چڑھے کوئی بات نہیں۔ کوئی پتھر سے لکیر کھینچتا چلا گیا تو کیا ہوا۔ کسی نے کیل سے اپنا اسم گرامی جلی حروف میں لکھ ڈالا اچھا کیا برا نہ کیا۔ باہر کھڑی ہے کھڑی رہے۔ کون لے جائے گا کسی کی مت تو ماری نہیں گئی۔ جہاں جی چاہے لے جاؤ۔ جتنی دیر چاہے کھڑی کرو۔ اطمینان سے اپنا کام کرو۔ جب بھی لوٹ کر آؤ وہیں ملتی ہے جہاں کھڑا کرتے ہیں۔ چور اُچکے بھلا کیوں لفٹ دینے لگے ایسی کار کو۔ باڈی اتنی مضبوط کہ برسوں سروس نہ کرائیں۔ نہ گلے سڑے۔ جتنا چاہیں لوڈ اٹھائیں۔ سیمنٹ کی بوریاں۔ اینٹیں، کاٹھ کباڑ۔ جو چاہیں ڈگی میں بھر کر لائیں جتنی چاہیں سواریاں بٹھائیں۔ کیا مجال سسپینشن چوں بھی کر جائیں۔ کھمبے سے ٹکرا جائے کھمبا گر جائے گا۔ کار کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ اک ذرا سا ڈینٹ پڑ گیا تو پڑ گیا۔ چھوٹی کار والے تو خود ہی احتراماً ایک طرف ہوجاتے ہیں جیسے کسی سربراہ کی کار ہو۔ واللہ بات ہی کچھ اور ہے پرانی کار کی۔ پریشان بھی زیادہ نہیں کرتی۔ پیٹرول بھی کم کھاتی ہے۔ اکثر دھکے جولگواتی ہے۔ دھکے لگوانا کوئی عیب نہیں اس میں کچھ فوائد مضمر ہیں۔ گھر کے بیشتر افراد کی صحت ٹھیک رہتی ہے۔ اسی بہانے کچھ ورزش ہوجاتی ہے۔ ورنہ اس مشینی دور میں وقت کہاں ملتا ہے ان کاموں کے لیے۔ دل کے مریضوں کی تشخیص میں مدد دیتی ہے۔ انجائنا کا مریض ذرا دھکا لگا کر تو دیکھے فوراً پکڑا جائے گا۔ کتنا خوش نصیب ہوتا ہے پرانی کار والا۔ کیسی پرسکون زندگی گزارتا ہے۔ کیسے مزے سے سوتا ہے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوکر۔ نہ گیراج کی ضرورت محسوس کرتا ہے نہ چوکیدار کی۔ گلی میں کھڑی کرتا ہے اور بے فکر ہوجاتا ہے۔ پرانی کار کم خرچ بالانشیں، پائیدار، فائدے بے شمار۔

ڈاکٹر محمد محسن کی کتاب "اے دوست" سے فرحان شیخ کراچی کی تلاش

سامنے آئے۔ تمہارا اسکور خاصا شاندار رہا۔ تم کو اچانک اپنے سامنے پا کر ٹام حیران رہ گیا ہوگا۔''

''وہ مجھے اول خان کو اور ویرا کو پہچانتا تھا۔ ہم نے اپنے چہرے چھپا لیے تھے۔'' ان واقعات کا زبانی اعادہ کرتے ہوئے میرا موڈ بحال ہونے لگا ''فشر کو بے ہوش کرنے کے بعد میں نے اپنے چہرے سے رومال ہٹا دیا تھا۔ میرا چہرہ دیکھ کر وہ بری طرح بوکھلا گیا تھا۔''

''وہ ڈر گیا ہوگا کہ کرنل داور کیسے زندہ ہوگیا۔'' جلال نے محظوظ ہوتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''میں نے اسے بتا دیا کہ کرنل داور اور ڈینی ایک شخص کے دو روپ ہیں۔ اسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ وہ کس کے ہاتھوں مارا جانے والا ہے۔''

''تم نے بہت بڑا معرکہ سر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب تم کو کچھ دنوں کے لیے چھٹی پر چلا جانا چاہیے۔ واپسی پر تم خود کو تر و تازہ محسوس کرو گے۔'' اس نے کہا۔

''مجھے کون سا ملازمت پر جانا ہوتا ہے۔ دن رات چھٹی ہی چھٹی ہوتی ہے۔ ٹام کے مارے جانے کے بعد اب ویسے بھی کافی دن سناٹا رہے گا۔''

''میں مذاق نہیں کر رہا۔ گھر بیٹھنے کو چھٹی نہیں کہا جا سکتا۔ تمہیں ماحول اور علاقے کی تبدیلی کی ضرورت ہے!''

''کیا تم مجھے یہاں سے فرار پر اکسانے کی کوشش کر رہے ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''یہی سمجھ لو۔ یہ فرار عارضی ہوگا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا ''یہاں کے حالات تمہارے لیے بہت مخدوش ہوگئے ہیں۔ کچھ دنوں کے لیے یورپ کی طرف نکل جاؤ۔ تم آمادگی ظاہر کرو تو میں فرضی نام سے تمہارا پاسپورٹ بنوا دوں گا۔''

حالات کا ذکر کر کے جلال نے مجھے سوچ میں ڈال دیا۔

''چاہو تو اول خان سے بھی مشورہ کر لو۔'' جلال نے مجھے خاموش پا کر کہا ''وہ بھی میری اس تجویز کی تائید کرے گا۔ گھر کی چار دیواری میں محصور ہو کر تم چار دنوں میں زندگی سے بیزار ہو جاؤ گے۔ باہر نکلنے میں ہر طرف خطرات منڈلاتے ہوئے نظر آئیں گے۔''

''اگر میں نے کچھ دنوں کے لیے ملک سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو میرا رخ مغرب کے بجائے مشرق کی طرف ہوگا۔'' میں نے پُرخیال لہجے میں کہا ''تفریح کے لیے تھائی لینڈ بہتر رہے گا۔''

''کان کھول کر سن لو!'' ویرا نے غزالہ سے کہا ''تھائی لینڈ اور خاص طور پر بنکاک کی شہرت کے اسباب ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ دنیا کے سارے اوباش مرد وہاں کا رخ ضرور کرتے ہیں۔''

''میرے ساتھ یہ دنیا کے کسی بھی حصے میں جا سکتے ہیں۔ مجھے ان پر پورا اعتماد ہے۔'' غزالہ نے جلال کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''ویری گڈ!'' جلال نے تحسین آمیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا ''تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ بیوی ہو تو بس ایسی ہی ہو جو اپنے شوہر پر اندھا اعتماد کرتی ہو۔''

''تم نے غزالہ کی پوری بات پر غور ہی نہیں کیا۔'' ویرا نے جلال سے کہا ''وہ دعوت میں اپنی دال روٹی ساتھ لے جانے کی بات کر رہی ہے۔ خود بھی ڈینی کے ساتھ جائے گی۔''

''تم ڈینی کے ساتھ امریکا کے سیر سپاٹے کر سکتی ہو تو غزالہ کو بھی اس کے ساتھ جانے کا پورا حق حاصل ہے۔'' اس مرتبہ سلطان شاہ نے غزالہ کی وکالت کی تھی ''بیوی ہونے کے ناتے اس کا ڈینی پر زیادہ حق ہے۔''

''حیرت ہے کہ تم اس جان توڑ سفر کو سیر سپاٹا کہہ رہے ہو۔'' ویرا نے افسوس کے ساتھ کہا ''ہم نے وہاں ایک ایک لمحہ بہت مصروف رہ کر گزارا تھا۔''

''یہ بتانے والی باتیں نہیں ہوتیں۔'' جلال نے اپنی دانست میں فساد ٹالنے کے لیے ویرا کا ساتھ دیا ''یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ دشمن کی سرزمین پر جا کر اپنے مشن کے لیے کام کرنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔ ہم ترقی کی دوڑ میں ان سے بہت پیچھے ہیں لیکن ہم نے یہاں غیر ملکی ایجنٹوں کا ناطقہ بند کیا ہوا ہے۔ آئے دن ان کا کوئی نہ کوئی آدمی مارا جاتا ہے۔ یہ بہت غنیمت ہے کہ تم دونوں وہاں سے بخیریت واپس لوٹ آئے۔''

''وہ تینوں آپس میں باتیں کرتے رہتے تو شاید جوشِ گفتگو میں ان کے تیور بدل جاتے لیکن جلال نے ان کی باتوں میں دخل اندازی کر کے جوں ہی اپنی موجودگی کا واضح احساس دلایا، ویرا کا لب و لہجہ یکایک نرم ہوگیا ''میں امریکا گئی تھی تو بعد میں غزالہ بھی ہمارے ساتھ باہر گئی تھی۔ اس سے پوچھو کہ دشمن کے ملک میں جان کس طرح سولی پر ٹنگی رہتی ہے۔''

''تم ہمیشہ بات کا رخ گھما دیتی ہو۔'' سلطان شاہ نے بھی نرمی اختیار کر لی ''بات غزالہ کے جانے کی ہو رہی تھی۔

اس پر تمہیں کیا اعتراض ہے؟''

''کچھ بھی نہیں!'' ویرا نے معصومیت سے کہا ''وہ جانا چاہتی ہے تو ضرور جائے۔ میرے خیال میں وہ ملک شریف عورتوں کے جانے کے لیے نہیں ہے۔ میں اس کے بھلے کے لیے مشورہ دے رہی تھی ہوسکتا ہے کہ اسے وہاں کسی وقت کسی جذباتی صدمے کا سامنا کرنا پڑے' بنکاک کی شہرت اچھی نہیں ہے۔''

اس وقت تک میں خاموشی سے ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔ ویرا نے دوبارہ وہ ناپسندیدہ موضوع چھیڑا تو مجھے مجبور ہوکر دخل اندازی کرنا پڑی ''بنکاک کی شہرت کتنی ہی خراب کیوں نہ ہو اس شہر میں تھائی شرفا کی بڑی تعداد رہتی ہے۔ وہاں آنے والے غیر ملکیوں میں سب عیاش طبع نہیں ہوتے۔ لوگ وہاں کے قدرتی حسن اور ساحلی نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے لیے بھی آتے ہیں۔''

''مجھے ان سب باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے پھر بھی میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تم نے ساری دنیا کو چھوڑ کر تھائی لینڈ جانے کا ارادہ کیوں کیا ہے؟'' جلال نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

''میرا خیال تھا کہ تھائی لینڈ کا نام سنتے ہی تمہارے ذہن میں چھوٹا راجن کا نام ابھر آئے گا۔ آب و ہوا کی تبدیلی اور تفریح کے ساتھ وہاں تھوڑا بہت کام ہوجائے تو کیا حرج ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''ابھی تک مجھے اپنے آدمی سے اس کے بارے میں کوئی تازہ رپورٹ نہیں ملی۔ تم وہاں پہنچ جاؤ تو بہت تیزی سے کام آگے بڑھا سکو گے۔ اب میں تمہاری رائے سے سو فیصد متفق ہوں۔ موجودہ حالات میں تمہارے لیے روئے زمین پر تھائی لینڈ سب سے بہتر ملک ثابت ہوگا۔ کیا میں تمہارا اور غزالہ کا بندوبست کرادوں۔''

''تمہیں گھما پھرا کر بات کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔'' ویرا نے خفت آمیز لہجے میں کہا ''پہلے ہی اس بدمعاش کا نام لے لیتے تو اتنی بحث کی نوبت نہ آتی۔''

''اور تمہیں پوری بات سننے سے پہلے اپنے تبصرے جاری کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔'' میں نے کہا ''تم نے مجھے اتنا موقع نہیں دیا کہ میں اپنی بات پوری کرتا۔''

''سوبھراج تم سے کئی بار ذکر کرچکا ہے کہ وہ پاکستان چھوڑ دے گا۔'' ویرا نے اپنی جھینپ مٹانے کے لیے میری ہم نوائی شروع کردی ''ہوسکتا ہے وہ یہاں سے نکل کر دوبارہ بنکاک کا رخ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ ایسا ہوا تو تمہیں بنکاک میں تفریح کے لیے وقت نہیں مل سکے گا۔ تم کو پوری طرح اپنی طاقت پر انحصار کرنا پڑے گا۔''

ایک اور صاحب پرانی کار کے فوائد اور نئی کار کے نقصانات پر روشنی ڈالتے ہوئے بولے ''کار جب بھی خریدیں پرانی خریدیں اولڈ از گولڈ پرانی کار کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ کیا اچھی شے ہوتی ہے۔ نہ کسی کا جی للچائے۔ نہ کوئی نظر بد ڈالے۔ نہ کوئی ہاتھ لگائے۔ ایک شیشہ نہیں چڑھتا نہ چڑھے کوئی بات نہیں۔ کوئی پتھر سے لکیر کھینچتا چلا گیا تو کیا ہوا۔ کسی نے کیل سے اپنا اسم گرامی جلی حروف میں لکھ ڈالا اچھا کیا برا نہ کیا۔ باہر کھڑی ہے کھڑی رہے۔ کون لے جائے گا کسی کی مت تو ماری نہیں گئی۔ جہاں جی چاہے لے جاؤ۔ جتنی دیر چاہے کھڑی کرو۔ اطمینان سے اپنا کام کرو۔ جب بھی لوٹ کر آؤ وہیں ملتی ہے جہاں کھڑا کرتے ہیں۔ چور اُچکے بھلا کیوں لفٹ دینے لگے ایسی کار کو۔ باڈی اتنی مضبوط کہ برسوں سروس نہ کرائیں۔ نہ گلے سڑے۔ جتنا چاہیں لوڈ اٹھائیں۔ سیمنٹ کی بوریاں۔ اینٹیں، کاٹھ کباڑ۔ جو چاہیں ڈگی میں بھر لائیں جتنی چاہیں سواریاں بٹھائیں۔ کیا مجال سسپنشن چوں بھی کر جائیں۔ کھمبے سے ٹکرا جائے کھمبا گر جائے گا۔ کار کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ اک ذرا سا ڈینٹ پڑ گیا تو پڑ گیا۔ چھوٹی کار والے تو خود ہی احتراماً ایک طرف ہوجاتے ہیں جیسے کسی سربراہ کی کار ہو۔ واللہ بات ہی کچھ اور ہے پرانی کار کی۔ پریشان بھی زیادہ نہیں کرتی۔ پیٹرول بھی کم کھاتی ہے۔ اکثر دھکے جو لگواتی ہے۔ دھکے لگوانا کوئی عیب نہیں اس میں کچھ فوائد مضمر ہیں۔ گھر کے بیشتر افراد کی صحت ٹھیک رہتی ہے۔ اسی بہانے کچھ ورزش ہوجاتی ہے۔ ورنہ اس مشینی دور میں وقت کہاں ملتا ہے ان کاموں کے لیے۔ دل کے مریضوں کی تشخیص میں مدد دیتی ہے۔ انجائنا کا مریض ذرا دھکا لگا کر تو دیکھے فوراً پکڑا جائے گا۔ کتنا خوش نصیب ہوتا ہے پرانی کار والا۔ کیسی پرسکون زندگی گزارتا ہے۔ کیسے مزے سے سوتا ہے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوکر۔ نہ گیراج کی ضرورت محسوس کرتا ہے نہ چوکیدار کی۔ گلی میں کھڑی کرتا ہے اور بے فکر ہوجاتا ہے۔ پرانی کار کم خرچ بالانشیں، پائیدار، فائدے بے شمار۔

ڈاکٹر محمد محسن کی کتاب ''لے دست'' سے فرحان شیخ کراچی کی تلاش

"یہ باتیں قبل از وقت ہیں۔ اس نے اتنی عجلت میں یہاں سے بھاگنے کا ارادہ کرلیا ہوتا تو وہ مجھ سے ملنے کا خطرہ مول نہ لیتا۔ فی الحال میرے ذہن میں صرف چھوٹا راجن ہے۔ آس پاس کے ملکوں میں پھیلے ہوئے بھارتی بدمعاش ہمیشہ سے میری دلچسپی کا مرکز رہے ہیں۔ اب سوبھراج کے حوالے سے چھوٹا راجن کا نام سامنے آیا ہے تو میں دیکھنا چاہوں گا کہ یہ لوگ دوسرے ملکوں میں رہ کر اپنا نیٹ ورک کیسے چلاتے ہیں۔"

"یہ اچھا ہے کہ اس وقت جلال بھی یہاں موجود ہے۔" ویرا کچھ سوچتے ہوئے بولی "میری التجا ہے کہ اس سفر میں مجھے بھی شامل کرلو۔ ایک اجنبی سرزمین پر تم شدت سے افرادی قوت کی کمی محسوس کروگے۔ میں وہاں تمہارا ہاتھ بٹا سکوں گی۔ یہاں رکی رہی تو سلطان شاہ دو چار دنوں میں مجھے پاگل کردے گا۔"

"تمہارے اعصاب اتنے کمزور نہیں ہیں۔" جلال نے مسکراتے ہوئے ویرا کی تعریف کی "میں تمہاری بہت سی صلاحیتوں کا معترف ہوں۔ میری پیشہ ورانہ زندگی میں تم جیسی دلیر اور صاف گو لڑکی آج تک میری نظروں سے نہیں گزری۔"

"صاف گو سے زیادہ منہ پھٹ بہتر رہے گا۔" میں نے لقمہ دیا۔

"صاف گوئی میں اکثر یہ محسوس ہونے لگتا ہے۔" جلال نے میری تائید کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ اپنی ان صفات کے باوجود تمہارا بنکاک جانا مناسب نہیں رہے گا۔"

"مجھے روکنے کے لیے تم نے خاصی لمبی تمہید باندھی ہے۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا "کیا میں جان سکتی ہوں کہ میری تفریح کو تم کیوں نامناسب قرار دے رہے ہو!"

"وہ تمہید نہیں تھی۔ میں نے پورے خلوص سے اپنے دل کی بات کہی تھی۔" جلال بولا "تم ایک جانی پہچانی شخصیت کی مالک ہو۔ تمہارے دشمن تمہیں دنیا کے ہر خطے میں بہت آسانی سے شناخت کرسکتے ہیں۔ ڈینی کا معاملہ مختلف ہے یہ اپنے دشمنوں کے لیے صرف ایک نام ہے اب تک صرف سوبھراج نے اسے دیکھا ہے۔ تم ساتھ گئیں تو ڈینی کے پہچانے جانے کے امکانات بہت بڑھ جائیں گے۔ تم دونوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ پیدا ہوجائے گا۔"

"بھارت کے سفر میں بھی یہ مسئلہ درپیش تھا۔" ویرا کے پاس جلال کی دلیل کا جواب تیار تھا "ہم نے ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ رہ کر اس کا توڑ کرلیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ بنکاک میں بھی یہ تجربہ کامیاب رہے گا۔"

"میں نے اپنی رائے دے دی۔" جلال نے کسی بحث میں پڑنے کے بجائے دوٹوک جواب دیا "اگر تم لوگ اس سے مختلف فیصلہ کرتے ہو تو مجھے تمہارے سفری کاغذات بنوانے میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ ڈینی اور غزالہ کے ساتھ تمہارا پاسپورٹ بھی آجائے گا۔"

"اسی وجہ سے میں تمہاری موجودگی میں فیصلہ کرنا چاہ رہی ہوں۔" ویرا نے اصرار کیا "تینوں کا کام ایک ساتھ ہوجانا چاہیے۔"

"اتنی بے تابی کی ضرورت نہیں۔" میں نے ویرا کو سمجھایا "پاکستانی پاسپورٹ پانچ سال کے لیے کارآمد ہوتے ہیں۔ اول خان نے بھارت کے سفر کے لیے جو پاسپورٹ بنوائے تھے وہ ابھی کارآمد ہوں گے۔ سفر کے لیے صرف ویزا درکار ہوگا۔"

"گڈ...... کام بہت آسان ہوجائے گا۔ ویزا ایک دن میں مل جائے گا۔" جلال کے لیے وہ اطلاع سودمند ثابت ہوئی۔ "سفر کے لیے کچھ طے کرلو تو مجھے بتادینا۔"

"جانے سے پہلے میں چھوٹا راجن کا فون نمبر لینا چاہوں گا۔" میں نے اس بات کو وہیں ختم کرنے کے لیے جلال سے فرمائش کی۔

میرا وہ مطالبہ سن کر جلال چونک کر بولا "کیا تم ابھی سے اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا ذہن بن گیا تو میں اسے فون کرنے سے پہلے تم سے مشورہ ضرور کروں گا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"میں تھوڑی دیر میں تمہیں اس کا فون نمبر دے دوں گا۔" اس نے وعدہ کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی "بنکاک سے موصول ہونے والی فیکس رپورٹوں میں اس کے بارے میں خاصی معلومات مل جائیں گی۔ وہ ریکارڈ تمہارے لیے کارآمد ثابت ہوگا۔"

جلال روانگی کے ارادے سے ڈرائنگ روم سے نکاس کے راستے کی طرف مڑا ہی تھا کہ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ جلال ٹھٹک کر اپنی جگہ پر رک گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ذیلی کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران ٹام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ قاسم فشریز پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوبھراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد فشریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوراً طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سوبھراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کوبرا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔ بعد میں جلال نے اس دعوے کی تصدیق کر دی۔ اس کے مطابق مذکورہ فائل سوبھراج نے اپنے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ سوبھراج کا کہنا تھا کہ وہ گرین کوبرا اس کی سلامتی کی ضمانت تھی۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکرا تار رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا ساماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز کے بعد

دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر نام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور نام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش وخروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کردی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کوبرا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تھائی لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کر رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔

اب آپ قسط نمبر 242 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

''جلال کی طرف کیا دیکھ رہے ہو۔ تمہارے موبائل فون کی گھنٹی بج رہی ہے!'' ویرا نے چڑ کر مجھے یوں مطلع کیا جیسے مجھے اس حقیقت کا علم نہ ہو۔

''مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ کال میرے لیے آئی ہے تو جلال کو رسیو کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' میں نے ویرا کو جواب دیا ''میں بہرا نہیں ہوں۔ میں نے اپنے فون کی گھنٹی سن لی ہے۔''

اس اثناء میں فون کی دوسری گھنٹی بج اٹھی تھی۔ میں نے جلدی سے بٹن دبا کر موبائل فون اپنے کان سے لگالیا۔

''لعنت ہو تم پر۔ تم بہت جھوٹے اور مکّار ہو!'' سلسلہ ملتے ہی دوسری طرف سے سوبھراج کی بپھری ہوئی آواز ابھری۔ اس نے یہ جاننے کی کوشش تک نہیں کی تھی کہ اس کی کال میں نے ہی وصول کی تھی یا میرا فون کسی اور کے استعمال میں تھا۔

''تم کو یہ اطلاعات کس اُلّو کے چرخے سے ملی ہیں؟'' میں نے اس کا مضحکہ اڑانے والے انداز میں سوال کیا۔

''میری بات اڑانے کی کوشش مت کرو۔'' سوبھراج کا وہی لہجہ برقرار رہا ''میں تم سے دوستی کا پیغام لے کر خالی ہاتھ اور اکیلا وہاں آیا تھا۔ میں نے اپنے سارے کارڈز تمہارے سامنے رکھ دیے تھے لیکن تمہاری نیت میں ابتدا سے فتور تھا۔ پارک ٹاورز کے باہر تمہارے مسلح غنڈے موجود تھے جو میری واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔''

سچ بولنا دنیا کا آسان ترین کام ہے۔ اس سے ذہن پر کوئی بوجھ پڑتا ہے نہ آگے چل کر یادداشت کے کسی کڑے سے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ جو بات جس طرح رونما ہوتی ہے اسی طرح یاد رہتی ہے جھوٹ بولا جائے تو کچھ دنوں کے بعد یہ یاد نہیں رہتا کہ کس موقع پر کس سے کیا کہا گیا تھا۔ سب کچھ آپس میں گڈمڈ ہو جاتا ہے مگر سوبھراج ٹیڑھا آدمی تھا۔ وہ جس طرح دھمکی دے کر میرے سامنے سے واپس لوٹا تھا اس کی روشنی میں اس کو چکر دینا بہت ضروری ہوگیا تھا۔ میں نے کسی توقف کے بغیر کہا ''تم کو بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ تمہاری طرح میں بھی وہاں اکیلا پہنچا تھا۔''

بات اس کے لیے ناقابل یقین تھی مگر میرا لب ولہجہ اتنا پُراعتماد تھا کہ وہ تذبذب میں پڑ گیا۔

''وہ تمہارا آدمی نہیں تھا تو پھر کون تھا؟'' فون پر اس کی پرتشویش آواز ابھری۔

''تم پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ کچھ پتا چلے تو میں اپنی رائے دے سکوں گا۔ میں صاف ستھری لڑائی لڑنے والا آدمی ہوں۔ تم نے گرین کوبرا والا چکر نہ چلایا ہوتا تو میں دیکھتا کہ تم فوڈ کورٹ سے اپنی مرضی سے کیسے جاتے ہو!''

میری وہ دورخی حکمت عملی کامیاب رہی۔ میں نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے اسے دھمکانے کی کوشش بھی کی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ اس سے میرا رابطہ ختم نہ ہوتا کہ مجھے اس کے ارادوں کی کچھ نہ کچھ سن گن ملتی رہے۔ وہ اپنے سیٹ لائٹ فون پر میری آواز سنتے ہی نفرت اور غصے سے فون بند نہ کرے۔ اس سے وہ صوتی رابطہ ٹوٹ جاتا تو کراچی میں انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں مڑی ہوئی ناک والے اس مردود کا سراغ لگانا مشکل ہو جاتا۔

فوڈ کورٹ میں سامنا ہونے کے بعد بات جہاں ختم ہوئی تھی۔ وہاں اس سے دوبارہ بات ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔ اس نے اشتعال اور غصے کے عالم میں مجھے برا بھلا کہنے کے لیے فون کر کے مجھے اپنی ساکھ دوبارہ بحال کرنے کا سنہرا موقع فراہم کیا تھا جسے میں کسی قیمت پر ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''تم سچ کہہ رہے ہو کہ تمہارے ساتھ کوئی آدمی نہیں تھا......!'' اس کی تحیر زدہ آواز آئی۔

''کہو تو لکھ کر دوں کہ تمہارے رام کی قسم کھاؤں۔ تمہیں کیسے یقین آئے گا میری بات کا؟'' اس بار میں نے بیزاری کا مظاہرہ کرنا ضروری سمجھا۔ راہِ راست پر لانے کے لیے اسے اس قسم کے جھٹکے دینے ضروری تھے۔ میرا مفاہمانہ انداز اس وقت نقصان دہ ثابت ہوسکتا تھا۔

''تمہارے پاس سے واپسی پر کسی نے سفید رنگ کی ایک کرولا میں میرا پیچھا کیا تھا۔'' آخرکار اس نے تشویش زدہ آواز میں ذکر کیا۔

میرا سینہ خوشی سے پھول گیا۔ پلان میرا تھا مگر سلطان شاہ نے اس پر بہت خوش اسلوبی سے عمل کیا تھا۔ سونے پر سہاگا یہ تھا کہ سوبھراج مجھے اپنی پریشانی کی کتھا سنا رہا تھا۔

''باہر میرا کوئی آدمی نہیں تھا۔ تم میرے پاس سے بھڑک کر بھاگے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں وہم ہوا ہوگا۔'' میں اسے مزید کھلنے پر مجبور کرنا چاہ رہا تھا۔

''میں بہت محتاط ہوگیا ہوں۔ باہر نکلتا ہوں تو سب سے پہلے چند بے مقصد چکر لگا کر یہ دیکھ لیتا ہوں کہ کوئی میرے پیچھے تو نہیں لگا ہوا ہے۔'' وہ پُر خیال آواز میں کہہ رہا تھا ''پارک ٹاورز سے نکلنے کے بعد میں اسی خیال سے میرین ڈرائیو پر کافی دور تک نکلتا چلا گیا۔ وہاں وہ خود کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔''

''یہ اتفاق بھی ہوسکتا ہے۔'' میں اسے چڑانے پر تل گیا''بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دو گاڑیاں میلوں دور تک ایک دوسری کے پیچھے دوڑتی چلی جاتی ہیں۔ ان کو ایک دوسرے سے غرض نہیں ہوتی۔ آگے والے کے ہاتھ پیر پھولنے لگتے ہیں کہ کوئی اس کا پیچھا کررہا ہے۔''

''تم وہی مرغے کی ایک ٹانگ لیے بیٹھے ہو۔ میں کہہ رہا ہوں کہ پیچھا کیا گیا تھا۔'' میری مسلسل تکرار پر اسے طرارہ آگیا ''ہمارے درمیان گولیوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ اس کی ایک گولی میری پنڈلی کا گوشت پھاڑتی ہوئی نکل گئی۔ اب تم کہو گے کہ وہ زخم بھی میرا وہم ہے۔''

''تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔'' اس بار میں نے تشویش کا اظہار کیا۔

''کیوں......؟ تمہیں کیوں الجھن ہورہی ہے...... یہ نہ کہنا کہ میرے زخمی ہونے کی خبر نے تمہیں پریشان کردیا ہے۔ مجھ سے یہ ڈھکوسلا نہیں چلے گا۔ میں نے تمہاری آنکھوں میں وحشیانہ چمک دیکھی تھی۔ تمہارا بس چلتا تو تم فوڈ کورٹ میں مجھے مار ڈالتے۔''

''اچھا ہوا کہ اس نے تمہاری پنڈلی توڑ دی......''

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے میری بات کاٹ کر ترش لہجے میں کہا ''صرف زخم آیا ہے۔ ہڈی سلامت ہے۔ میں خود اپنی کار چلا کر واپس آیا ہوں۔''

''مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں ہے کہ تمہاری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی ہے یا صرف زخم آیا ہے مجھے اپنی سلامتی کی فکر ہوگئی ہے۔ تمہارا تعاقب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری کسی حماقت کی وجہ سے کسی تیسرے فریق کو ہماری ملاقات کا علم ہوگیا تھا۔ اس کے کسی آدمی نے تمہارا پیچھا کیا تھا تو لامحالہ میں بھی اس کی نظروں میں آگیا ہوں گا۔ اب مجھے ازسرِنو سارے معاملات کو دیکھنا پڑے گا۔ میں اسی وقت موجودہ ٹھکانا چھوڑ رہا ہوں۔'' میرے ذہن میں اچھوتے خیالات کی یلغار شروع ہوگئی تھی۔

دوسروں کو ستانے والا خود بھی سکھی نہیں رہتا۔'' اس کی آواز سے گہری سنجیدگی جھلک رہی تھی''اسے آپس کی پھوٹ جگت کی لوٹ کہتے ہیں۔ میرے ساتھ تم بھی پریشان ہوگئے۔ تیسرا آدمی ہم دونوں کو رگید دے گا۔''

''تم نے مجھے کیوں فون کیا تھا؟'' میں نے برہمی سے پوچھا۔

''گالیاں سنانے کے لیے!'' اس نے بے ساختہ جواب دیا''میں تم کو اپنے مسائل کا ذمے دار سمجھ رہا تھا۔ تم کچھ اور ہی کہانی سنا رہے ہو۔''

''میرا وقت برباد مت کرو۔ میں فرصت میں کسی وقت بات کروں گا۔ اس وقت مجھے یہاں سے بستر بوریا سمیٹ کر کسی اور ٹھکانے کا رخ کرنا ہے۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

اسے متاثر کرنے کے لیے میں نے فون بند کردیا۔

''یار! تم مجھے صرف ایک بات بتادو!'' میری گفتگو ختم ہوتے ہی جلال نے پُر اشتیاق لہجے میں کہا ''تمہارے بھیجے میں یکایک ایسی پر پیچ باتیں کہاں سے اترنا شروع ہوجاتی ہیں؟'' وہ میرے یک طرفہ مکالموں سے بڑی حد تک صورت حال کا اندازہ کرچکا تھا۔

''اللہ کی دین ہے!'' میں نے مسکرا کر جواب دیا'' جب بھی کوئی آڑا وقت آتا ہے' کسی کوشش کے بغیر دماغ تیزی سے اپنا کام کرنا شروع کردیتا ہے۔''

''ڈیڈی نے اُلو کا گوشت کھایا ہوا ہے۔'' ویرا نے تیزی سے کہا'' مجھے خود حیرت ہوتی ہے کہ یہ اتنی روانی سے خرافات کا دریا کیسے بہا دیتا ہے۔''

''روایت ہے کہ اُلّو کا گوشت کھا کر آدمی زن مرید ہوجاتا ہے......'' غزالہ نے میرے دفاع میں کچھ کہنا چاہا لیکن ویرا نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔

''یہ یہاں کی روایت ہوگی۔ میں مغرب کی بات کررہی تھی۔ وہاں اُلّو کو عقل و دانش کی علامت سمجھا جاتا ہے۔''

''تم اسے مسلسل بولتے رہنے پر اکسا رہے تھے پھر تم نے فون کیوں بند کردیا؟'' جلال نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''میں نے اگلے رابطے کی داغ بیل ڈالی ہے۔'' میں

نے بائیں آنکھ دبا کر کہا ''مجھے قلق تھا کہ گدھے کے ساتھ رسی بھی ہاتھ سے گئی۔ فوڈ کورٹ سے وہ بچ کر صاف نکل گیا تھا۔ وہاں تلخی اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس سے فون پر دوبارہ بات ہونے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔'' میں نے لحہ بھر خاموش رہنے کے بعد اپنی بات جاری رکھی ''کال اس کی تھی۔ میں نے عجلت کا اظہار کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔ اسے یقین ہو گیا ہوگا کہ اس کے زخمی ہونے کی خبر سن کر میں اپنی سلامتی کے بارے میں واقعی فکر مند ہو گیا ہوں۔''

''اس کی تسلی کے لیے تمہیں کوئی تیسرا فریق پیدا کرنا پڑے گا۔'' جلال نے مسکرا کر کہا ''ٹام کی موت کے بعد یہ آسان کام نہیں ہوگا۔''

''مجھے حیرت ہے کہ اس نے اپنی گفتگو میں ٹام کے قتل کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔'' ویرا اچانک بولی۔

''تم ذہنی طور پر اس وقت کہیں اور ہو۔'' سلطان شاہ نے طنزیہ لہجے میں کہا ''پارک ٹاورز کے فوڈ کورٹ میں وہ ٹام کے بارے میں کھل کر باتیں کر چکا ہے۔ اس وقت اس کے ذکر کی کیا تک ہوتی؟''

''میں تم سے نہیں' سمجھ دار لوگوں سے بات کر رہی تھی۔'' ویرا نے متانت سے جواب دیا ''جلال اور ڈینی میرے اس استعارے کو سمجھ چکے ہیں۔''

''اسے تیسرا فریق قرار نہیں دیا جا سکتا۔'' جلال بولا ''ٹام کی موت کے ساتھ ان لوگوں کا فتنہ کافی دنوں کے لیے دب گیا ہے۔ یہ بات سوبھراج بھی جانتا ہوگا کہ ٹام کے قتل کے بعد وہ اتنی تیزی سے میدان میں نہیں اتر سکتے۔''

''ہمیں اس نکتے پر اپنا سر کھپانے کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے کہا ''تیسرے فریق کا شوشا میں نے چھوڑا تھا۔ یہ سوبھراج کا دردِ سر ہے کہ وہ اسے تلاش کرے۔ یہ اچھا ہے کہ اس کی توجہ کسی اور طرف بھی بٹی رہے گی۔''

پارک ٹاورز میں سوبھراج سے میری کڑوی کسیلی گفتگو اور پھر سلطان شاہ کے ساتھ اس کے ہلکے پھلکے بارودی تصادم کے بعد میری دانست میں اس سے دوبارہ رابطہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہا تھا۔ میرے اور اس کے درمیان کھلی محاذ آرائی کی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے جھلاہٹ کے عالم میں مجھے برا بھلا کہنے کے ارادے سے فون کر کے وہ رکاوٹ دور کر دی تھی۔

وقتی طور پر میں نے کسی تیسرے فریق کا ذکر کر کے اسے تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ کچھ غور کرنے کے بعد میں کوئی مناسب پلان بنا کر اسے گھیرنے کی ازسرِنو کوشش کر سکتا تھا۔

اسی کے ساتھ میرے ذہن میں یہ خیال بھی کھٹک رہا تھا کہ قاسم کے بیان کے مطابق سوبھراج ایران سے پاکستان واپس آیا تھا۔ میرے ساتھ مراسم میں خرابی پیدا ہونے سے پہلے بھی سوبھراج مجھ پر پوری طرح اعتماد نہیں کر رہا تھا لیکن لاسلکی رابطے پر ہونے والی باتوں میں وہ کئی بار یہ عندیہ دے چکا تھا کہ پاکستان میں اس کے لیے حالات کا رخ سازگار نہ رہا تو وہ خاموشی سے باہر چلا جائے گا۔

شاید اسے ایف بی آئی کے قاتلوں سے کچھ زیادہ ہی خوف آنے لگا تھا کہ وہ قاسم کے ذریعے شیدے وغیرہ کو جہانگیر کو اغوا کرنے کی ذمے داری سونپ کر کسی سے کچھ کہے سنے بغیر' کسی غیر روایتی راستے سے ایران کی طرف فرار ہو گیا۔

قاسم سے جہانگیر کے کامیاب اغوا کی خبر سننے کے بعد وہ عجلت میں ایران سے دوبارہ سرحد عبور کر کے کراچی پہنچا لیکن وقت اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ ہم اس سے پہلے قاسم کے گھر پہنچ کر جہانگیر کو آزادی دلا چکے تھے۔

جہانگیر کے ذریعے میری ذات تک پہنچنے کا خواب چکنا چور ہونے کے بعد مجھے سوبھراج کا زیادہ دیر تک پاکستان میں رکنا محال نظر آ رہا تھا۔ اپنے قول کے مطابق اس نے اپنے کسی بینک کے لاکر سے گرین کو برا فائل بھی حاصل کر لی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ کراچی میں رک کر کسی تیسرے فریق کے کھوج میں اپنا وقت برباد نہیں کرے گا۔ چپ چپاتے ایک مرتبہ پھر پاکستان سے نکل جائے گا۔ میری دلی خواہش تھی کہ اس کی ایسی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو اور میں اسے پاکستان کی حدود میں ہی کیفرِ کردار تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤں۔

انسان اپنے کسی مضبوط حریف کے خلاف صف آرا ہوتا ہے تو ضروری نہیں کہ اس کی سب خواہشات پوری ہوتی چلی جائیں۔ اگر سوبھراج مجھے جُل دے کر پاکستان سے بھاگنے میں کامیاب ہو جاتا تو یہ بات یقینی تھی کہ وہ ایران میں زیادہ دیر تک نہیں ٹک سکتا تھا۔

پہلی بار خطرے کا ادراک کرتے ہی اس نے بنکاک کا رخ کیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہاں اس کے مضبوط روابط رہے ہوں گے۔ اس دوران میں چھوٹا راجن کا نام سامنے آیا تھا۔ میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ اس بار سوبھراج نے پاکستان چھوڑا تو ابتدائی مرحلے میں ایران کا رخ کرنے کے باوجود وہ بنکاک پہنچنے سے پہلے دم نہیں لے گا۔

اس اندیشے کی بنا پر میں نے جلال سے چھوٹا راجن کے فون نمبر کی فرمائش کی تھی۔ ویسے بھی وہ ٹام کے قتل کے بعد پیدا

ہو جانے والے حالات کی روشنی میں مجھے پاکستان سے عارضی طور پر کہیں نکل جانے کا مشورہ دے چکا تھا۔ وہ ایک اہم اور ذمے دار سرکاری افسر تھا۔ اس سے زیادہ کھل کر وہ کچھ اور نہیں کہہ سکتا تھا۔

جلال کے پُر خلوص مشورے میں یہ حقیقت بھی پنہاں تھی کہ وقت کا دھارا میرے حق میں نہیں رہا تھا۔ میں کسی ناگہانی مصیبت کی زد میں آ جاتا تو جلال میری کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ گفتگو کا دور چلتا رہا لیکن میرا ذہن مسائل میں الجھا رہا۔

میرے موبائل پر سوبھراج کا فون آنے سے پہلے جلال وہاں سے جانے کے ارادے سے اٹھ گیا تھا۔ فون کی گھنٹی سن کر وہ رک گیا۔ میری اور سوبھراج کی گفتگو کے دوران وہ واپسی کا ارادہ ملتوی کر کے ایک صوفے پر ٹک گیا۔ اپنی سوچ کے دھارے میں بہتے ہوئے' یہ خیال رہ رہ کر میرے ذہن میں ابھر رہا تھا کہ جلال نے دوبارہ واپسی کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ جم کر اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے اسے کوئی اہم واقعہ رونما ہونے کا انتظار ہو۔

''تم نے اپنی بات بہت خوب صورتی سے نبھائی ہے۔'' جلال کہہ رہا تھا ''تم بے ساختہ اس کی ہر بات کا جواب دے رہے تھے۔ تمہاری کہانی میں کہیں کوئی جھول نہیں تھا۔ اس پر پوری طرح اعتبار کر لینے کے بعد وہ فکر مند ہو گیا ہوگا کہ ایف بی آئی والوں کے علاوہ اور کون اس کا پیچھا کر سکتا ہے۔''

''اصولی طور پر اسے زیادہ نہیں سوچنا چاہیے۔'' ویرا نے بے پروائی سے کہا ''ہو سکتا ہے کہ تمہارے نظریے کے مطابق اس نے ٹام کے پس ماندگان کو خارج از امکان تصور کر لیا ہو مگر وہ جانتا ہے کہ اب وہ پاکستان میں اپنے ہر مرتبے اور اعزاز سے محروم ہو چکا ہے' اسے اشتہاری مجرم قرار دے دیا گیا ہے۔ پولیس کے علاوہ ساری ایجنسیاں اس کی تلاش میں لگی ہوئی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اس کی راہ میں مزاحم ہو سکتا ہے۔''

جلال کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس نے بہت تحمل اور خاموشی سے ویرا کو اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیا۔ وہ چپ ہو گئی تو جلال بولا ''ایجنسی کوئی بھی ہو' سرکاری ہرکاروں کا اپنا ہی انداز ہوتا ہے۔ بڑے مجرموں سے کوئی اکیلا نہیں ٹکراتا۔ وہ اپنے شکار کا خاموشی سے پیچھا کرتے رہتے ہیں اور پھر اسے ایسے موقع پر گھیرتے ہیں جہاں سے اس کا زندہ بچ نکلنا ممکن ہوتا ہے۔ سوبھراج بہت گھاگ مجرم ہے۔ وہ اس نکتے کو سمجھتا ہے۔ وہ سلطان شاہ سے ہونے والے ٹکراؤ کے بارے میں کسی مغالطے کا شکار رہا تو مجھے حیرت ہوگی۔''

''ہمیں اس کے ذہن میں جھانکنے کی کیا ضرورت ہے؟'' اچانک غزالہ بول اٹھی ''کیا ہمارے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ اس وقت اس نے ڈینی کی اس بات پر یقین کر لیا ہے کہ اس سے ٹکرانے والا ان کا کوئی ساتھی نہیں تھا۔''

''میرے لیے سب سے زیادہ دلچسپ بات یہی ہے۔'' جلال نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا ''مجھے ڈینی کا یہ انداز اچھا لگا کہ وہ اپنے دشمن کی ٹھکائی کرنے کے بعد اسے پچکارنے کا فن جانتا ہے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میری چلائی ہوئی گولی اس کی پنڈلی کی ہڈی توڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔'' سلطان شاہ متاسفانہ لہجے میں بولا ''موجودہ زخم کے باوجود وہ پوری آزادی کے ساتھ نقل و حرکت کر سکتا ہے۔ ہڈی ٹوٹ جاتی تو وہ کچھ دنوں کے لیے معذور ہو جاتا اور ہمیں اس تک پہنچنے کا موقع مل جاتا۔''

''تمہارے ہر کام میں کوئی نہ کوئی کسر رہ جاتی ہے۔'' ویرا نے اس سے مخاطب ہو کر کہا ''ذرا دیکھ بھال کر فائر کرتے اور اسے وہیں لنگڑا کر دیتے تو اس کی کہانی ختم ہو جاتی۔ وہ اپنی گاڑی میں نہ بھاگ پاتا' تم آسانی سے اس کی گردن ناپ لیتے۔''

''کیوں اس بے چارے کی ٹانگ کھینچ رہی ہو۔'' جلال نے سلطان شاہ کی طرف داری کی ''دوبدو ہونے والے مقابلوں میں گھات یا نشانہ لگانے کی نوبت نہیں آتی۔ سب کچھ خود بخود ہوتا چلا جاتا ہے۔ سلطان شاہ کے بس میں ہوتا تو یہ سوبھراج کو وہاں سے زندہ نہ نکلنے دیتا۔''

''قسمت کسی کا ساتھ دے رہی ہو تو اسے مار گرانا ناممکن ہو کر رہ جاتا ہے۔'' میں نے وہ بحث وہیں ختم کرنے کی کوشش کی اور پھر جلال کی طرف متوجہ ہو گیا ''اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔ کھانا ہمارے ساتھ کھا لو!''

''میں سوبھراج کے فون کی وجہ سے جاتے جاتے رک گیا تھا۔ تمہیں فرار کے لیے خاصا وقت مل گیا ہے۔ تم اسے دوبارہ فون کر لو تو میں سکون سے واپس لوٹ سکوں گا۔'' وہ بولا ''میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اب وہ کن خطوط پر سوچ رہا ہے۔''

لمحہ بھر کے لیے میں الجھ گیا۔ اس کی بات فوری طور پر میرے پلے نہیں پڑ سکی تھی لیکن پھر اس کا مفہوم سمجھ میں آ گیا۔ میں نے سوبھراج سے گفتگو کے اختتام پر یہ فرضی عذر پیش کیا تھا کہ اس کے زخمی ہو جانے کے بعد مجھے بھی تیسرے فریق کی طرف سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ جس کے سدِّباب کے لیے ضروری تھا کہ میں کسی تاخیر کے بغیر اپنا ٹھکانا تبدیل کر لوں۔ جلال نے اس طرف اشارہ کیا تھا۔

مجھے سوبھراج سے بات ختم کیے کافی دیر ہو چکی تھی۔ ایک مقام سے نکل کر کسی دوسری جگہ تک پہنچنے کے لیے وہ وقت زیادہ نہیں تو مناسب ضرور تھا۔

''میں نے اس سے کل بات کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ تم کہتے ہو تو ابھی بات کیے لیتا ہوں۔'' اس کی بات سمجھتے ہی میں نے خوش دلی سے کہا۔

''اب تمہیں اس کے پیچھے لگ جانا چاہیے۔ اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ پتا نہیں وہ کب کیا کر بیٹھے!'' جلال نے زور دے کر جواب دیا۔

''اس کے علاوہ تمہیں بھی اپنا فیصلہ کرنا ہے۔'' ویرا نے اس کی تائید کی'' ٹام کی موت کے بعد وقت کا پہیہ تمہارے خلاف گردش میں آ چکا ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ حالات کب گمبھیر رخ اختیار کرلیں۔ تمہیں اس کا قصہ ابھی نمٹالینا چاہیے۔''

میں نے مزید کچھ کہے بغیر سوبھراج کا سیٹ لائٹ فون نمبر ملا لیا۔

''اب سناؤ' تم کیا کہہ رہے تھے!'' میں نے اس کی آواز سن کر کہا۔

''اوہ......! تم نے بہت تیزی سے اپنا ٹھکانا تبدیل کیا ہے۔'' اس کی آواز سے ہلکی سی حیرت مترشح تھی'' میں آج کی تاریخ میں تمہارے فون کی توقع نہیں کر رہا تھا۔''

''میں تمہاری طرح کسی راج محل میں نہیں رہتا جسے آگ لگائے بغیر بھاگنا ممکن نہ ہو۔'' میں نے اپنے لہجے میں نرمی برقرار رکھتے ہوئے جواب دیا'' میں خانہ بدوش آدمی ہوں۔ تن کے دو کپڑوں اور چند دفاعی ہتھیاروں کے ساتھ ذرا سی دیر میں ایک سے دوسری جگہ جا سکتا ہوں۔ باقی ضروریات خود بخود پوری ہو جاتی ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے کہ تمہارے دفاعی ہتھیار بہت خوفناک ہیں۔'' اس نے کہا'' پہلے تمہاری بیم گن کا بہت شہرہ تھا۔ لیزر شعاعوں سے بدن میں سوراخ ہونے کی وجہ سے مرنے والوں کی لاشیں دیکھتے ہی شور مچ جاتا تھا کہ اسے تم نے مارا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری وہ گن اب ناکارہ ہو گئی ہے۔ اب تمہارے شکار زہریلی سوئیوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ تم روایتی ہتھیاروں کے استعمال سے گریز کرتے ہو۔''

''یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میں ہر داؤ اور ہتھیار استعمال کرتا ہوں۔ اپنے بچاؤ کے لیے اگر دشمن کو دانتوں سے کاٹنا پڑے تو میں اس سے بھی گریز نہیں کروں گا۔''

''مجھے اس کا بھی اندازہ ہو چکا ہے۔ ٹام کی گردن کی ہڈی ٹوٹی ہوئی پائی گئی ہے۔'' اس کی آواز معنی خیز ہو گئی'' اگر تم نے کمانڈوز اور ٹام کے دوست پر زہریلی سوئیاں نہ آزمائی ہوتیں تو اس واقعے کو آسانی سے تمہارے سر نہیں تھوپا جا سکتا تھا۔''

''کیا تم مجھ سے اس واقعے کی تفتیش کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟'' میں اس کے سوال پر چوکنا ہو گیا۔

''ان کی کل تعداد سات تھی۔'' سوبھراج نے اسی لہجے میں اپنی بات جاری رکھی'' چار مارے گئے تین کو بے ہوش کر دیا گیا۔ مرنے والوں میں دو اور بے ہوش ہونے والوں میں سے ایک کی جلد میں زہریلی سوئی چبھنے کا نمایاں نشان موجود تھا۔ ہر باخبر شخص سمجھتا ہے کہ وہ تینوں تمہارے ہاتھوں اس انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ ٹام کی بات سیدھی سی ہے۔ تم نے اسے آسان موت مارنا پسند نہیں کیا۔ اپنے ہاتھوں سے مرمت کرنے کے بعد اس کی گردن توڑ دی۔ اس وقت تین امریکی جانوں کا تازہ وبال تمہارے سر آ چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ گولی کا نشانہ بننے والا کمانڈو بھی تمہارا شکار ہوا ہو۔''

''شہر میں یا رے جانے والے ہر امریکی کا خون میں کرتا ہوں۔'' میں نے تلخی سے کہا'' ان لوگوں کا بس نہیں چلا ورنہ خلیج کے سمندر میں گیری ہارٹ کا ہوائی جہاز غرق ہونے کی ذمے داری بھی میرے سر ڈال دیتے۔ آخر یہ باتیں دہرا کر تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟''

''مجھے کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ آخر تم حالات کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے۔''

''میری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں تو تم سمجھا دو!'' میں نے چیخ کر کہا۔

''تم میں یہ بہت بڑی خرابی ہے کہ تمہیں بہت جلد غصہ آ جاتا ہے۔'' اس کا لہجہ ناصحانہ ہو گیا'' تمہارے لیے حالات بہت مخدوش ہو گئے ہیں۔ کھلے ثبوت سامنے آ جانے کے بعد مقامی حکام بھی تمہاری کوئی مدد وغیرہ نہیں کر سکیں گے۔ اب تک سب نے مل کر تمہاری تلاش کی مہم شروع کر دی ہوگی۔''

''تمہیں زیادہ ہمدردی جتانے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنا بچاؤ کرنا جانتا ہوں۔''

''میری مانو تو اس آڑے وقت میں اپنی اکڑفوں کو بالائے طاق رکھ کر خاموشی سے پاکستان سے باہر نکل جاؤ۔'' آخر کار اس نے بھی وہی بات کہہ ڈالی جو جلال مجھ سے کہہ چکا تھا۔ اس نے کسی توقف کے بغیر اپنی بات جاری رکھی'' چاہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ ایسے کئی لوگوں سے میرے گہرے

مراسم ہیں جو لوگوں کو بہت حفاظت اور رازداری کے ساتھ سمندر اور خشکی کے راستے سے ملک سے باہر بھیجتے رہتے ہیں۔"

وہ بہت مکّاری سے کام لے کر مجھے ایک نئے جال میں پھانسنے کی کوشش کررہا تھا۔ بگڑتے ہوئے مقامی حالات کا ہوّا دکھا کر اس نے ابتدائی طور پر مجھے اچھا مشورہ دیا تھا کہ میں ملک سے کہیں چلا جاؤں۔ وہ میرے اثر رسوخ سے بے خبر تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ مجھے آسانی سے مفروضہ نام پر سفری دستاویزات مل سکتی ہیں۔ اسے یقین تھا کہ میں خوف زدہ ہوکر فرار پر مائل ہوا تو مجھے یقینی طور پر غیر قانونی راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔

پہلے سانس میں ایک اچھی بات کہہ کر اس نے دوسرے سانس میں زہر گھولنا شروع کردیا تھا۔ اس کے ذہن میں یہ خیال جاگزیں رہا ہوگا کہ ہر کس و ناکس کے لیے چوری چھپے سرحد عبور کرنا آسان نہیں تھا۔ اس کام کے لیے مجھے کسی نہ کسی کی مدد درکار ہوتی۔ میں اس کی پیشکش قبول کرلیتا تو وہ حیلے بہانے سے کسی بھی وقت مجھے اپنی گرفت میں لے سکتا تھا۔

مکاریوں میں وہ بے مثال ملکہ رکھتا تھا۔ بات میں سے بات نکالنا اور پھر اسے اپنے ڈھب پر لے جانا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

وہ میرے ساتھ کوئی سیدھی بات کرتا تھا نہ میں اس پر لمحہ بھر کے لیے بھروسا کرنے پر تیار تھا۔ میں نے انجان بن کر کہا "تمہارا مشورہ قابلِ غور ہے۔ یہی بات میرا ایک اور جاں نثار کہہ چکا تھا۔ ایک طرف میرے اور تمہارے درمیان کوئی تیسرا آدمی آن کودا ہے۔ دوسری طرف ملک بھر میں میری تلاش شروع ہونے والی ہے۔ تیسری طرف دشمنوں کی طرف سے دس لاکھ ڈالر کے انعام کے لالچ میں کوئی بھی مہم جو میرے لیے خطرہ بن سکتا ہے......"

"وہ موقعے سے فائدہ اٹھانے میں ماہر ہیں۔ لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگادیں گے۔" اس نے میری بات کاٹ کر لقمہ دیا "ہوسکتا ہے کہ وہ انعام کی رقم بڑھادیں۔"

"تم نے مجھے تشویش میں ڈال دیا ہے۔ میں تمہاری تجویز پر غور کروں گا۔"

"میں دل کھول کر تمہاری مدد کروں گا۔ اس خیال میں نہ رہنا کہ میں تمہیں دھوکا دوں گا۔"

"کارگو کنگ اور روزگار انٹرنیشنل کے دفاتر سیل ہونے کے بعد تم میرے نکلنے کے لیے کن لوگوں سے مدد لے سکو گے؟" میں نے اپنی تشویش ظاہر کی۔

"دفاتر سیل ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ قاسم، رفیق اور شیرازی پکڑے گئے ہیں۔ سارے کام وہ خود نہیں کرتے تھے۔ ان کے مضبوط مہرے آج بھی بازار میں موجود ہیں۔ بس اتنا فرق ضرور پڑ گیا ہوگا کہ اب وہ صرف پیسے کے لیے اندھا دھند کام نہیں کریں گے۔ اپنے دیکھے بھالے لوگوں کے لیے بہت احتیاط سے کسی کام میں ہاتھ ڈالیں گے۔ ان کے لیے میرا نام کافی ہے۔" اس نے مجھے یقین دلایا۔

"قاسم کے مارے جانے کے بعد حالات میرے خلاف ہوگئے ہیں تو تم بہت پہلے سے عتاب میں آئے ہوئے ہو۔ اخبارات نے تمہارے خلاف اتنا زہر اگلا ہے کہ ہر شخص تم سے دور رہنے کی کوشش کرے گا۔"

میرے فون پر اس کی ہلکی سی ہنسی کی کھوکھلی آواز آئی پھر وہ بولا "یوں سمجھو کہ اس وقت ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ امریکیوں اور پاکستانی ایجنسیوں کو ہم دونوں کی تلاش ہے۔ اصولی طور پر ہمیں اکٹھا کرلینا چاہیے تھا مگر ہم ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کررہے ہیں۔ تم یہاں چوہے دان میں پھنسے ہوئے ہو۔ میں پاکستان سے نکل جانے کے بعد دوبارہ یہاں واپس آیا ہوں۔ مجھے گرین کو برا فائل کا دھیان نہ آتا تو میں اب تک نہ جانے کہاں نکل گیا ہوتا۔ میرے رابطے اب بھی برقرار ہیں۔"

اس وقت بھی وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ وہ جہانگیر کے اغوا کی خبر سننے کے بعد ایران سے سیدھا قاسم کے گھر لوٹا تھا۔ مشکل ترین حالات میں بھی وہ پوری حاضری دماغی سے کام لے رہا تھا اور اپنے موقف پر قائم تھا۔

میں نے چند ثانیوں کے لیے دانستہ خاموشی اختیار کرلی۔ میں اس پر یہ ظاہر کرنا چاہ رہا تھا جیسے اس کی باتوں نے مجھے سوچ میں ڈال دیا ہو پھر میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "مجھے اپنے کسی آدمی کا نام اور پتا ٹھکانا بتادو۔ ضرورت پڑی تو میں اس سے رابطہ کرلوں گا۔"

"بچوں جیسی باتیں مت کرو۔" اس کا لہجہ خشک ہوگیا "ایسے نام آسانی سے ظاہر نہیں کیے جاتے۔ کوئی فیصلہ کرلو تو مجھے فون پر آگاہ کردینا۔ میں تمہیں اس سے ملوانے کا بندوبست کردوں گا۔ اس وقت وہ براہِ راست کسی نئے آدمی سے بات بھی نہیں کرے گا۔"

"کیا میں یقین کرلوں کہ میں نے اس سلسلے میں تم سے رجوع کیا تو تم امریکیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مجھے پکڑنے کی کوشش نہیں کروگے؟" میں نے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔

''ان وسوسوں کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ میں بتا چکا ہوں کہ میرے دل میں تمہاری بہت عزت ہے۔ اگر تم گرین کوبرا فائل کو فراموش کر دو تو ہم ایک دوسرے کے بہترین دوست اور معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔''

''پاکستان چھوڑنے کے بعد میں کچھ عرصے کے لیے یورپ کے کسی پُرفضا مقام پر چھٹیاں گزارنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ایک دفعہ یہاں سے نکل جاؤ تو پھر تمہاری مرضی ہوگی کہ تم کہاں جانا چاہتے ہو۔ تمہارے لیے ساتوں براعظموں کے راستے کھلے ہوں گے۔ اصل مسئلہ یہاں سے نکلنے کا ہے۔''

''یہاں سے نکلنے سے پہلے نئی منزل کا تعین ہونا ضروری ہے؟'' میں نے اصرار کیا۔

''آج کل افغانستان کے حالات بہت مخدوش ہیں۔'' وہ بولا ''وہاں کے باشندے اپنے ملک میں محفوظ نہیں ہیں۔ آئے دن قتل و غارت گری اور لوٹ مار کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ اجنبیوں کو کوئی اپنے علاقے میں برداشت نہیں کرتا' دیکھتے ہی گولی مار دیتا ہے۔ میرا آدمی تمہیں سرحد پار کرا کے ایران کے کسی سرحدی قصبے میں پہنچا دے گا۔ وہاں دم لینے کے بعد تم جدھر چاہو' نکل سکتے ہو۔ ایران تمہارا عارضی پڑاؤ ہوگا۔ تم وہاں پہنچنے کے بعد اپنی نئی منزل کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکو گے۔''

''یہ معاملہ اتنا آسان اور سیدھا نہیں ہے۔ ایران سے آگے سفر کرنے کے لیے میرے پاس پاسپورٹ اور ویزا ہونا ضروری ہے۔ یورپی ممالک پاکستانیوں کو آسانی سے ویزا نہیں دیتے۔ میں نے یہاں سے پاسپورٹ حاصل کر لیا تو اس پر ایران میں داخلے کا اندراج نہیں ہوگا۔ میں نے اس پاسپورٹ پر ایران سے نکلنے کی کوشش کی تو ایرانی امیگریشن پولیس مجھے دھر لے گی......''

''تم ان تفکرات میں پڑ کر بلاوجہ ہلکان ہو رہے ہو۔'' اس نے میری بات کاٹ کر تشفی آمیز لہجے میں کہا ''تم کو ان بکھیڑوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ کچھ پیسے خرچ کر کے تمہیں ایران میں ایرانی پاسپورٹ مل جائے گا۔ میں یہ بندوبست بھی کروا دوں گا۔''

میری توقع کے برعکس سوبھراج نے ایک بار بھی مجھے تھائی لینڈ کا رخ کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا۔ اسے پورا یقین ہو چلا تھا کہ وہ سرحد پار کرانے کے چکر میں ہی مجھے گھیرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور پھر اپنے امریکی آقاؤں سے اپنی شرائط پر میرا سودا کر لے گا۔

سوبھراج بہت پُراسرار انداز میں یکایک میرے سامنے آیا تھا اور پھر رفتہ رفتہ میرے لیے ایک بڑے چیلنج کا روپ دھار گیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں تہیہ کیا ہوا تھا کہ اسے جہنم واصل کرنے کے لیے مجھے دنیا کے آخری سرے تک دوڑ لگانا پڑی تو میں اس سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ آثار و قرائن بتا رہے تھے کہ اس مرتبہ وہ پاکستان سے نکل کر بنکاک کا رخ کرے گا اور میں ذہنی طور پر اس سفر کے لیے تیار تھا۔

اس دوران میں اگر اسے پاکستان ہی میں رگیدنے کا کوئی موقع میسر آ سکتا تھا تو میں پوری سنجیدگی سے اس سے استفادہ کرنا چاہتا تھا۔

''پھر تم بندوبست کر لو۔ میں کل یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔'' اس کی یقین دہانیوں کی روشنی میں' میں نے ہتھیار ڈال دیے۔

''ویری گڈ!'' اس کی آواز بے ساختہ تھی ''تم بہت ذہین اور معاملہ فہم ہو۔ ٹام کے قتل کا قصہ آسانی سے نہیں دبے گا۔ پانی سر سے اونچا ہونے لگے تو کامیاب پسپائی بھی فتح سے کم نہیں ہوتی۔ میں کل کے لیے تیاری کر لیتا ہوں۔''

''اور تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' مصالحانہ فضا ہموار ہو جانے کے بعد میرا وہ سوال کسی بھی اعتبار سے ناموزوں نہیں تھا۔

''میں گرین کوبرا فائل کے لیے آیا تھا۔ آج یہاں سے نکل جاتا۔ اب تمہارا معاملہ سامنے آ گیا ہے تو تمہاری روانگی کے بعد یہاں سے جاؤں گا۔''

''تمہیں بھی ایران کے راستے جانا ہے۔ میرے ساتھ کیوں نہیں نکل جاتے؟''

''تم ذہن پڑھنے میں ماہر ہو!'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی ''میرا یہی ارادہ ہے مگر ابھی میں بات کھولنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔''

''تم یہاں سے نکل جاؤ گے تو ٹام کے جانشینوں سے گرین کوبرا والے سودے کا کیا بنے گا؟'' میں نے اس کے توصیفی کلمات کو نظرانداز کر کے نیا سوال داغ دیا۔

''سیٹ لائٹ فون پر وہ مجھ سے دنیا کے ہر گوشے میں ہر وقت رابطہ کر سکتے ہیں۔'' اس کی آواز میں ہلکا سا تکبر ابھر آیا۔

''اپنے لوگوں سے ہر وقت رابطے میں رہنے کے لیے مجھے بھی ایک سیٹ لائٹ فون لینا پڑے گا۔''

''لائسنس کے بغیر اس کا حصول بہت مشکل ہے۔ مجھے اپنے اثر رسوخ کی وجہ سے یہ سیٹ مل گیا تھا اور اس کا کہیں کوئی

ریکارڈ نہیں ہے۔ یہ تمہارے شعبدوں میں ایک اضافہ ثابت ہوسکتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم زہریلی سوئیاں چلانے کے لیے کون سا ہتھیار استعمال کرتے ہو۔ جلد میں ایک ہلکا سا سوراخ ہوتا ہے اور تمہارا شکار مرجاتا ہے۔ کوئی سوئی گہرائی تک نہیں اترتی اور آج تک کہیں کوئی سوئی نہیں ملی۔ تم ہمیشہ اسے نکال لے جاتے ہو۔''

''یہ تبت کے سانگ پو قبیلے کا قدیم روایتی ہتھیار ہے۔'' میں نے اسے چکر دیا ''ایران تک قسمت نے ہمارا ساتھ دیا تو میں وہاں تمہیں اس کا عملی مظاہرہ دکھاؤں گا۔''

''وہاں سب دوست ہوں گے۔ اپنا ہتھیار کس پر آزماؤ گے؟'' اس کا لہجہ یکا یک محتاط اور اشتباہ آمیز ہوگیا۔

''آوارہ کتے کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ یہ زہر انسانوں سمیت ہر جان دار پر یکساں اثر کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ زہریلے سانپوں پر یہ بے اثر ثابت ہو۔ مجھے یہ تجربہ کرنے کا ابھی تک کوئی موقع نہیں مل سکا۔''

''تبت کا یہ ہتھیار تم تک کیسے پہنچ گیا؟'' سوبھراج نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

''تم ایک سانس میں سب کچھ جان لینا چاہ رہے ہو۔ صبر سے کام لو۔ رفتہ رفتہ سب راز تم پر ظاہر ہوجائیں گے۔''

''تم بہت شکی مزاج کے مالک ہو۔ اپنے رازوں میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔'' خفت آمیز ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی ''ایسے لوگ اپنی زندگی میں کامیاب رہتے ہیں جو غیر ضروری باتیں اپنی زبان پر لانے سے گریز کرتے ہیں۔ تم اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہو۔''

''دھیرے دھیرے ہم ایک دوسرے کے قبیلے کو اچھی طرح پہچان لیں گے۔''

''او کے ڈینی! میں کل کے لیے پروگرام طے کرکے تمہیں بتاتا ہوں۔'' آخر کار اس نے گفتگو کے اختتام کا اعلان کردیا۔ میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے فون بند کردیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ آج کل تم نے آوارہ کتوں کو مارنے کا ٹھیکا لے لیا ہے۔'' میری اور سوبھراج کی گفتگو ختم ہوتے ہی ویرا بول پڑی ''سنا ہے کارپوریشن والے دس روپے فی کتے کے حساب سے شکاریوں کو معاوضہ دے رہے ہیں۔''

''تمہارے ذہن میں یہ نادر خیال کہاں سے سما گیا؟'' میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''کل سنی ہٹ کے قریب ایک مردہ کتے کو تم سے منسوب کیا جارہا تھا۔ ابھی تم سوبھراج سے آوارہ کتوں پر کوئی زہر آزمانے کی بات کررہے تھے!'' اس نے دیدہ دلیری سے جواب دیا۔

''وہ اس ہتھیار کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا جس سے پھینکی جانے والی زہریلی سوئیوں کا آج تک سراغ نہیں مل سکا۔'' میں نے ہنستے ہوئے بتایا ''اس حوالے سے کتوں کا ذکر آگیا تھا۔

میری اور سوبھراج کی گفتگو کی تفصیل جلال کے لیے دلچسپ ثابت ہوئی۔

''شروع سے اب تک اس کے ساتھ مفاہمت کا ایک تسلسل چل رہا ہے جو پارک ٹاورز میں گرین کوبرا کی وجہ سے کچھ دیر کے لیے ٹوٹا تھا۔ ظاہری طور پر وہ تسلسل برقرار ہے۔'' میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لینے کے بعد جواب دیا ''وہاں سے وہ دھمکی دے کر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اب سامنا ہوا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''تم دونوں ایک دوسرے کو دھوکا دے رہے ہو۔'' جلال نے سنجیدگی سے کہا ''اس نے ابھی تک یہ تسلیم نہیں کیا کہ اس نے قاسم اور رشیدے کے ذریعے جہانگیر کو اٹھوایا تھا نہ تم نے یہ مانا ہے کہ پارک ٹاورز سے واپسی پر تمہارے کسی آدمی نے اس کا پیچھا کیا تھا۔ تم دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کینہ پروان چڑھ رہا ہے۔ وہ بھی یہ سوچ بیٹھا ہوگا کہ اپنی اولین فرصت میں تمہارا کام تمام کردے گا۔ وہ یقینی طور پر کل تمہیں نہیں بلائے گا؟''

جلال کی سوالیہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا ''وہ بلائے گا تو میں ضرور جاؤں گا۔''

''میرے آدمی ہر طرح تمہاری مدد کریں گے۔'' اس نے مجھے یقین دلایا۔

''مجھے اندازہ ہے۔'' میں نے اعتراف کیا ''تمہاری یا اول خان کی مدد کے بغیر اسے قابو میں کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ کل جو کچھ ہوگا باہمی مشورے سے ہوگا۔''

''ثام کا معاملہ مختلف تھا۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ اس معاملے میں تم میری سرکاری مجبوریوں کو سمجھ رہے تھے۔ اس کے بارے میں تم نے مکمل آزادی سے اپنا فیصلہ کیا اور اسے کامیابی سے عملی جامہ پہنادیا۔ سوبھراج قومی مجرم ہے۔ تمہارا نام درمیان میں لائے بغیر اسے پکڑنے میں میرے آدمی پیش پیش رہیں گے۔''

مجھے بھرپور یقین دہانی کرانے کے بعد وہ رخصت ہوگیا۔

''مجھے آثار کچھ اچھے نظر نہیں آرہے۔'' کچھ دیر بعد ویرا

کہ میں ایک لمحے کے لیے بھی اسے اپنا ہونے والا شوہر تصور نہیں کرسکتی۔''

''میں یہ کب کہہ رہا ہوں؟'' میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان تھام کر یکایک بات بدل دی'' میرا مطلب تھا کہ اس کے لیے لڑکی تم ہی کو تلاش کرنا ہوگی۔''

''لڑکی تو کیا میں اس کے لیے لڑکی کی جوتی بھی تلاش نہیں کروں گی۔'' ویرا کا پارا بتدریج چڑھتا جارہا تھا۔

''شاید اس وقت ستارے کوئی الٹی چال چل رہے ہیں۔ فی الحال اس موضوع کو بھول جاؤ اور یہ بتاؤ کہ تمہیں آثار میں کیا خرابی نظر آرہی تھی۔'' میں نے کہا۔

''کسی چیز میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ اس وقت مجھے مت چھیڑو۔ میرا دماغ ٹھکانے پر نہیں ہے۔'' ویرا یہ کہہ کر اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

میں غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہ گیا۔

''اس وقت آپ نے اس کا موڈ خراب کردیا۔'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد غزالہ بولی۔

''ہمارے درمیان مذاق چلتا رہتا ہے۔ پتا نہیں اس کی ذہنی رو کیوں بہکی ہوئی تھی۔ وہ بلاوجہ اتنی جذباتی ہوگئی۔''

''اب کئی دنوں تک وہ روٹھی رہے گی۔ گھر کی فضا بھی مکدر رہے گی۔''

میں بے ساختہ ہنس دیا'' وہ اپنے کمرے میں نہ جاتی تو شاید ایسا ہی ہوتا۔ وہ دو تگڑے پیگ لگا کر خود نارمل ہوجائے گی۔''

''ذائقہ تلخ' بُو ناگوار' اثرات انتہائی ناخوشگوار...... پتا نہیں لوگ اتنے ذوق وشوق سے شراب کیوں پیتے ہیں!'' غزالہ ناک منہ چڑھا کر بولی۔

''تم جیسے لوگوں کے لیے شاعر نے کہا ہے کہ ظالم تو نے پی ہی نہیں۔'' میں نے اس کے شانے پر ہلکا سا ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے کہا۔

''یہ بات آپ ہی کہہ سکتے ہیں۔ سچ بتائیں کہ آپ شراب نوشی کرتے تھے تو اس سے کیا حاصل ہوتا تھا؟'' اس نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

''بے خودی اور ہلکی سی خود فراموشی...... دراصل پینے کا ایک اپنا سرور ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ بلانوشی کی طرف لے جاتا ہے جہاں آدمی مدہوشی کی نرم دلدل میں پھنس کر سارے آلام ومصائب کو بھول جاتا ہے۔ تائب ہونے کے بعد مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ نہ پینے میں ہی انسان کی عظمت اور بڑائی ہے۔ قدرت نے اسے ہوش مند بنایا اور پیدا کیا ہے۔ دانستہ مدہوش ہوکر آدمی بڑے گناہ کے ساتھ کفرانِ نعمت کا بھی مرتکب ہوتا ہے......''

غزالہ نے اچانک میرے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا ''میں مزید کچھ نہیں جاننا چاہتی۔ میرے لیے اتنا کافی ہے جتنا بتادیا گیا ہے۔ اس میں آپ سمیت کوئی بھی کمی یا بیشی نہیں کرسکتا۔ گناہ اور ثواب' حلال اور حرام کے موضوع پر میں جب کچھ سوچتی ہوں تو ہیبت سے میری روح تک کانپ جاتی ہے۔ ان معاملات میں حد سے ذرا سا تجاوز انسان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ یہ بہت نازک معاملے ہوتے ہیں۔''

ازل سے دنیا میں جو کچھ ہوتا چلا آیا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا' وہ سراسر مشیت ایزدی کے تابع ہے۔ انسان اللہ کی تخلیق ہے تو شیطان بھی اسی کی مخلوق ہے۔ جنت میں حضرت آدمؑ کو بہکانے والا شیطان تھا اور آج کے انسانوں کو بھی وہی راہ سے ہٹا کر بے راہ روی پر مائل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھلے الفاظ میں اچھائی اور برائی کا فرق بتادیا ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھاما ہوا ہے' ان کے ایمان مضبوط ہیں۔ ان پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔ جو کج روی کا شکار ہیں وہ آسانی سے اس کے بہکاوے میں آجاتے ہیں اور تیزی سے گمراہی کی جانب بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ایک وقت وہ آتا ہے کہ ان کے ضمیر مردہ ہوجاتے ہیں۔ وہ نیکی اور بدی کے فرق کو بھول جاتے ہیں۔ اپنی بربادی کے آخری مرحلے میں ایسے لوگ اپنے استدلال سے غلط کو صحیح ثابت کرنے کی کوششیں شروع کردیتے ہیں اور آخر کار اپنے تیرہ و تار دلوں کے ساتھ ابدی سفر پر روانہ ہوجاتے ہیں۔

مجھے خوشی ہوئی کہ میری اور غزالہ کی سوچ بہت صحت مند تھی۔ ہم تینوں میں سے کوئی بھی بہت کٹر مذہبی نہیں تھا لیکن ہم جان بوجھ کر کوئی غلط راستہ اختیار نہیں کرتے تھے۔ ہمیں اپنی خطاؤں پر ندامت رہتی تھی۔ ہمارے ضمیر زندہ تھے جو ہماری کوتاہیوں پر ہمیں ملامت کرتے رہتے تھے۔

غزالہ کے چند فقروں سے میری ذہنی رو کو عجیب سی جلا ملی تھی۔ میں دیر تک بہت کچھ سوچتا رہا۔ ڈور بیل کی آواز سن کر میں چونکا تو غزالہ وہاں نہیں تھی۔ وہ نہ جانے کب اٹھ کر جاچکی تھی اور مجھے پتا تک نہیں چل سکا تھا۔

محویت کا طلسم ٹوٹتے ہی میں ہلکی سی جھرجھری لے کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اسی اثنا میں سلطان شاہ' اول خان کو اپنے ساتھ گھر میں لے آیا۔

''رات کو تم ایسے بچھڑے کہ اب اپنی صورت دکھائی ہے۔'' میں نے پُرتپاک انداز میں اس کا استقبال کرتے

ہوئے کہا۔
''تم مصرع غلط پڑھ گئے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''اصل یوں ہے' اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں۔''
''حیرت ہے کہ تم جیسا کڑک سپاہی بھی شعر جانتا ہے!'' میں نے کہا۔
''تمہاری اس حیرت پر بھی مجھے ایک لنگڑا لولا فلمی شعر یاد ہے۔ میں شاعر تو نہیں۔ جب سے دیکھا ہے تم کو' مجھ کو شاعری آگئی۔'' اول خان نے بیٹھتے ہوئے کہا۔
''کمال کردیا تم نے۔'' سلطان شاہ پھڑک اٹھا ''ایسے برمحل شعر تو شاید استاد بھی نہ سنا سکیں۔''
''شاید تم ٹرانسپورٹ لائن والے استادوں کی بات کررہے ہو!'' ویرا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے تبصرہ کیا ''اصل استاد دوسروں کے شعر نہیں سناتے' برجستہ اپنے شعر موزوں کرتے ہیں۔ بات کس کے شعر کی ہورہی ہے؟''
میں نے غور سے ویرا کی طرف دیکھا۔ اس کی نیلی آنکھیں بلور کے ڈھیلوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس نے الکحل کی تیز تو مارنے کے لیے کوئی ٹوٹکا استعمال کیا تھا مگر میں اس کی آنکھوں سے پڑھ رہا تھا کہ وہ تیزی کے ساتھ اسکاچ کی خاصی مقدار اپنے معدے میں اتار کر آئی تھی۔
ویرا کی اس عادت بد کا ایک مثبت نتیجہ یہ نکلا تھا کہ وہ کچھ دیر قبل ہونے والی تلخ گفتگو کو یکسر فراموش کرچکی تھی۔ سبب یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے ہوش وحواس پر قادر نہیں رہی تھی۔ اصل نکتہ یہ تھا کہ اس کے موڈ میں تبدیلی رونما ہوچکی تھی۔
''اول خان کے اعصاب پر اس وقت شاعری سوار ہے۔'' میں نے آنکھ مار کر ویرا کو آگاہ کیا۔
''اتفاق ہے کہ اس وقت کچھ یاد آگیا ورنہ تمہارے گھر کی گھنٹی بجانے تک میرا دماغ سائیں سائیں کررہا تھا۔'' اول خان یک لخت سنجیدہ ہوگیا۔
''کیا کوئی گمبھیر مسئلہ درپیش ہے؟'' میں نے اپنی جگہ سے آگے سرک کر پوچھا۔
''امریکی قونصلر کے پی' اے نے تمہارے خلاف ایف آئی آر درج کرادی ہے۔ ٹام کے قتل کے بارے میں شہادتیں اتنی مضبوط ہیں کہ سندھ کے ہوم سیکریٹری کی ہدایت پر مجسٹریٹ نے تمہاری گرفتاری کے ناقابلِ ضمانت وارنٹ جاری کردیے ہیں۔'' خان نے بتایا۔
''یہ وارنٹ رکوائے نہیں جاسکتے تھے؟'' میں نے سپاٹ انداز میں پوچھا۔
''سیاہ کو گہرا سرمئی' نیلا یا سبز تو کہا جاسکتا ہے' سفید نہیں۔ وہاں تم نے فراخ دلی سے زہریلی انگوٹھیاں استعمال کی تھیں۔ اب وہ تمہاری شناخت بن چکی ہیں۔ یہ بات جلال کے بھی علم میں ہے۔ کچھ ممکن ہوتا تو وہ وارنٹ نہ نکلنے دیتا۔ صوبے میں اس کے رتبے کا وفاقی افسر بہت طاقت ور ہوتا ہے۔''
''وہ تھوڑی دیر پہلے یہاں سے گیا ہے۔ اس نے وارنٹ کا کوئی ذکر نہیں کیا......!'' میں نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
''شاید وہ تمہیں یہ بری خبر سناتے ہوئے ہچکچا رہا ہو!'' اول خان نے اپنی رائے ظاہر کی۔
''اس نے وارنٹ کا لفظ استعمال نہیں کیا لیکن اس میں مضمر سارے خطرات کا برملا اظہار کرکے گیا ہے۔'' ویرا نے اچانک کہا ''اس نے تمہیں کچھ دنوں کے لیے پاکستان سے نکل جانے کا مشورہ بلاوجہ نہیں دیا...... اس کا سبب وارنٹ ہی رہا ہوگا۔''
''یہی بات ہوسکتی ہے۔'' اول خان نے پُرتشویش انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا ''اس وقت یہاں کے حالات کا رخ تمہارے خلاف جارہا ہے۔ ہر طرف تمہاری تلاش جاری ہے۔ سچ پوچھو تو جنرل نے مجبور ہوکر مجھے بھی ہدایت دی ہے کہ میں تمہاری گرفتاری کے سلسلے میں مقامی حکام کی مدد کروں۔ شاید آج کی رات جیسے تیسے گزر جائے۔ مجھے اندازہ ہے کہ اگلی صبح سے ہر طرف سے میرے اوپر دباؤ آنا شروع ہوجائے گا۔''
''یہی ہوگا۔'' اس بار ویرا نے اس کی تائید کی ''تمہارے اور ڈینی کے مراسم اب ایک کھلے راز کی حیثیت اختیار کرچکے ہیں جن سے بہت سے اعلیٰ افسران باخبر ہیں۔''
''اس بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' میں نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔
''جلال نے بہترین مشورہ دیا ہے۔ میں اس سے بہتر رائے نہیں دے سکتا۔ تم کو آنکھیں بند کرکے اس پر عمل کرگزرنا چاہیے۔''
''مجھے کل کا دن درکار ہے' پرسوں میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا ''تم نے میرا تذبذب ختم کردیا ہے۔ ہر طرف سے ایک ہی صدا آرہی ہے کہ اب میرا یہاں رہنا خطرناک ہوچکا ہے۔''
''وقت سب سے زیادہ اہم ہے۔'' اول خان کی آواز گمبھیر تھی ''تمہیں جلد از جلد پاکستان سے نکل جانا چاہیے۔ تاخیر کی وجہ سے کوئی گڑبڑ ہوگئی تو ہم سب اپنے سر پیٹتے رہ

جائیں گے۔ تمہارے لیے کوئی بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔"

"کل سوبھراج سے آمنا سامنا ہونے کی توقع ہے۔ میں اس کا حساب بے باق کرتے ہی یہاں سے نکلنے کے لیے تیار ہوجاؤں گا۔ اس دوران میں ویزا وغیرہ کے مراحل طے ہوجائیں گے۔"

"سوبھراج پر لعنت بھیجو اور اپنی فکر کرو!" اس وقت اول خان کو میری ذات کے سوا کسی کی پروا نہیں رہی تھی۔" اس کے ستارے گردش میں آئے ہوئے ہیں۔ اس پر یہاں کی زمین تنگ ہوچکی ہے۔ وہ زیادہ دیر تک یہاں نہیں ٹک سکے گا۔ اسے یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔ تم پاکستان سے باہر کہیں بھی اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکتے ہو۔"

اول خان روانی میں اپنے دل کی بات کہہ گیا تھا لیکن اس کے آخری فقرے پر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی تپتے ہوئے صحرا میں بے یار ومددگار کھڑا رہ گیا ہوں۔ میرے دل ودماغ پر یکایک مایوسی کی ایک خوف ناک لہر حملہ آور ہوئی تھی۔

سوبھراج نے میری جاگیر نہیں ماری تھی۔ اس سے میری کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ میں صرف اس وجہ سے اس کے خون کا پیاسا ہوگیا تھا کہ وہ اپنے سیاسی منصب اور اثر ورسوخ کا فائدہ اٹھا کر پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا رہا تھا۔ میں ذاتی نفع ونقصان کے تصور سے بہت بالا ہوکر اس سے ایک اصولی لڑائی لڑ رہا تھا۔

میں اپنے ملک میں رہ کر اس لڑائی کو اس کے فطری انجام تک نہیں پہنچا سکتا تھا تو ملک سے باہر اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ کسی اجنبی سرزمین پر میرے اور اس کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دوسرے ملکوں کو پاکستان کے مفاد سے کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی تھی۔ ان کے لیے میری اور سوبھراج کی حیثیت میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ وہاں کی سرکاری صفوں میں میرے لیے کوئی جلال یا اول خان نہ ہوتا۔ میں سوبھراج کو ہاتھ بھی لگاتا تو وہاں کے قانون کا مجرم قرار پاتا۔

میں پاکستان میں رہ کر، اپنے وسائل کے سہارے اور اپنے زور بازو پر سوبھراج کا قلع قمع کرنا چاہ رہا تھا لیکن میری راہیں مسدود کی جارہی تھیں۔

میرا قصور صرف اتنا تھا کہ میں نے ایک بے ایمان اور بدمعاش امریکی کو اس کے حواریوں سمیت کیفرِ کردار تک پہنچا دیا تھا۔ مجھے ٹام کے رتبے اور عہدے سے کوئی غرض نہیں تھی۔ ملک دشمن عناصر سے اپنے قریبی گٹھ جوڑ کی وجہ سے وہ میری نظروں میں آیا۔ وہی حرکتیں کوئی نامور اور بارسوخ پاکستانی کررہا ہوتا تو میں اس کی رگوں سے بھی لہو کی آخری بوند نچوڑنے پر تل جاتا۔ سوبھراج اس کی واضح ترین مثال تھا۔

یہ ایک اتفاق ہے کہ سوبھراج ہندو تھا اور درپردہ امریکی ایجنسیوں کا آلہ کار بنا ہوا تھا۔ میں نے مذہب کی بنا پر اس سے کبھی کوئی تعصب نہیں برتا تھا۔ اس کی جگہ کوئی مسلمان بھی اس جیسی حرکتوں میں ملوث ہوتا تو میں اس سے بھی کوئی رعایت نہ کرتا۔

میری اور سوبھراج کی لڑائی میں ٹام کا خون ایک آہنی دیوار کی طرح حائل ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔ یہ میری ہی نہیں، پورے کرۂ ارض کی بدنصیبی تھی کہ روسی فیڈریشن کی شکست وریخت کے بعد دنیا میں طاقت کا توازن بگڑ گیا تھا۔ ایک مضبوط اور بے خوف حریف کو مٹا دینے کے بعد امریکا نے دنیا بھر کا عسکری اور سیاسی نظام اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ اس سے اتفاق نہ رکھنے والے بھی اس کی ہم نوائی کرنے پر مجبور تھے۔

امریکا نے دنیا کو ایک نیا نعرہ دیا تھا جو ہمارا دوست نہیں وہ ہمارا دشمن ہے۔ انہوں نے کسی ملک کے لیے کوئی تیسری راہ نہیں چھوڑی تھی۔ وہ زبردست کی دوستی تھی جسے اختیار کرنا دنیا کے بیشتر ملکوں کی مجبوری تھی۔

پاکستان عالمی سورما کی دشمنی کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اسے اپنے کھیتوں کو سرسبز وشاداب، آبادیوں کو روشن وخوش حال اور جوانوں کو زندہ رکھنا تھا۔ اس نے زبردست کی دوستی قبول کرلی تھی۔ اس دوستی کی قیمت چکانا ضروری تھا۔ وہ سود در سود ادائیگی جاری تھی۔

بات بہت دور کی تھی لیکن وہ ہر جہت میں اثر انداز ہورہی تھی۔ امریکی چوہوں تک کو عالمی مراعات مل گئی تھیں۔ وہ لوگ چاہتے تو اپنی امدادی گندم کے ساتھ دساور کی بندرگاہ میں پہنچ جانے والے کسی چوہے کی ناگہانی موت پر ذمے دار ملک پر لشکر کشی کرسکتے تھے۔

ٹام چوہے کی طرح بزدل ضرور تھا مگر وہ چوہا نہیں تھا، ایک جیتا جاگتا سفارت زدہ انسان تھا۔ اس کے جہنم واصل ہوجانے پر وہ لوگ جو طوفان چاہتے، برپا کرسکتے تھے لیکن انہیں اپنی تمام کمزوریوں کا مکمل ادراک تھا۔ ٹام نے مقامی قوانین اور ہدایات سے کھلا انحراف کیا تھا۔

بظاہر مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے مجھے پاکستان سے فرار ہونے کا مشورہ دے کر میرے ساتھ سنگین ظلم کیا جارہا ہو لیکن سارے پس منظر اور پیش منظر کی روشنی میں یہ بہت غنیمت تھا کہ امریکی حکام نے پاکستان سے کوئی سرکاری لڑائی مول

نہیں لی تھی۔ انہوں نے ضوابط کے دائرے میں رہتے ہوئے، میرے خلاف قتل کی ایف آئی آر کٹوانے پر اکتفا کیا تھا۔

تھانے میں چار ایسے افراد کے قتل کی ایف آئی آر درج ہونے کے بعد، جنہیں بھرپور انفرادی اور اجتماعی سفارتی تحفظ حاصل رہا ہو، مقامی انتظامیہ کا حرکت میں آنا ناگزیر تھا۔ رپورٹ میں مجھے قاتل نامزد کیا گیا تھا۔ اخلاق اور قانون کے تقاضوں کے مطابق میری تلاش اور گرفتاری ضروری ہوگئی تھی۔

صوبے کے ہوم سیکریٹری سے لے کر عام سپاہی تک کسی کو مجھ سے پرخاش نہیں تھی، کوئی میری راہ روکنے کی کوشش نہیں کررہا تھا۔ وہ ٹام کے قتل کا کم از کم ردِعمل تھا جو سامنے آرہا تھا۔ مجھے بہت تحمل اور ہوشیاری کے ساتھ خود کو اس خوف ناک لہر سے بچانا تھا۔

اول خان سے ملاقات ہونے سے پہلے تک میں جذباتی انداز میں سوچ رہا تھا۔ مجھے اپنوں کے رویے میں بے اعتنائی کی بُو آرہی تھی۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اپنے اور پرائے، سب میرے خلاف یک جا ہورہے ہوں مگر حالات کے معروضی تجزیے کے بعد مجھے سب کچھ قابلِ فہم اور فطری محسوس ہونے لگا تھا اور میرا جذباتی ابال سرد ہونے لگا تھا۔

ہاکس بے کے علاقے میں ٹام کے قتل کے بعد سے اول خان غائب تھا۔ اس دوران میں سوبھراج کے قصے نے بہت تیزی سے رخ بدلا تھا۔ اول خان ان تبدیلیوں سے بے خبر تھا۔ میں نے چند ثانیوں کی خاموشی میں اپنا ذہنی تجزیہ مکمل کرنے کے بعد اسے پوری روداد سنادی۔

اس کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ چند گھنٹوں کے قلیل سے عرصے میں سوبھراج سے میری ایک سنسنی خیز ملاقات ہوچکی تھی اور دوبار فون پر رابطہ ہوا تھا۔

''وہ اول درجے کا فریبی اور لومڑی کی طرح مکار ہے۔'' اس نے تفکر آمیز لہجے میں کہا ''وہ بزدلی سے وار کرنے والوں میں سے ہے۔ مجھے توقع نہیں کہ وہ سامنے آکر کوئی خطرہ مول لینے کی ہمت کرے گا۔ پھر بھی تمہیں خطرہ مول لینا پڑے گا۔ یہاں کا قضیہ یہیں نمٹ جائے تو سب سے بہتر رہے گا۔ ملک سے باہر جانے کے بعد تمہیں بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

ہم سب سر جوڑ کر اس بارے میں مشورے کرتے رہے۔ یہ بات بیشتر سرکاری افسران جانتے تھے کہ میں مسلسل کراچی میں موجود تھا۔ گاہے گاہے رونما ہونے والے واقعات میرے دشمنوں اور بہی خواہوں کو شہر میں میری موجودگی کی خبر دیتے رہے تھے لیکن بہت زیادہ بھروسے کے چند گنے چنے افراد کے علاوہ کسی کو ہمارے ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔

ہم ایک طویل عرصے سے کراچی میں رہ رہے تھے۔ میرے اور ویرا کے خلاف امریکی افسران ایک سے زائد بار اشتہاری مہم چلا چکے تھے لیکن ہم کسی نہ کسی طرح خطرات سے محفوظ رہے تھے۔ ہم نے جہاں اتنا وقت گزارا تھا وہاں مزید ایک دن عافیت سے گزار لینا بظاہر زیادہ دشوار نظر نہیں آرہا تھا۔ اول خان میرے اس استدلال سے متفق ہوچکا تھا۔

''یہ سوچ لو کہ کوئی پُرجوش افسر ہتھکڑیاں لے کر ہمارے دروازے پر آپہنچا تو تم کیا کرو گے!'' وہ سب طے ہوجانے کے بعد ویرا نے قدرے شوخی سے کہا۔

''تمہارے منہ میں خاک!'' سلطان شاہ نے جل کر کہا ''کیوں ایسے منحوس کلمات اپنی زبان سے نکال رہی ہو؟''

''اپنی ناپسندیدہ باتوں کو منحوس قرار دے کر تم حقائق کو تبدیل نہیں کرسکتے۔'' ویرا نے کسی جوابی اشتعال کا مظاہرہ کیے بغیر کہا ''آدمی کو بہتر توقعات رکھنا چاہئیں۔ اسی کے ساتھ بدترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ جو لوگ اس اصول کو فراموش کرکے خوش فہمیوں کے سراب میں گم رہتے ہیں وہ خسارہ اٹھاتے ہیں۔''

''ایسا کوئی امکان نہیں ہے لیکن اس کے بارے میں بات کرلینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔'' اول خان نے ویرا کی تائید کرتے ہوئے مجھ سے کہا ''ایسی کسی صورت حال میں تمہارا ردِعمل کیا ہوگا؟ مقابلہ کرو گے یا ہتھیار ڈال دو گے؟''

''میں اپنے ملک کے قانون سے بغاوت کرسکتا ہوں نہ اپنی گردن میں خود پھانسی کا پھندا ڈال سکتا ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''کسی کو زحمت دینے کے بجائے میں خود دروازے پر جاکر اسے بتاؤں گا کہ ڈینی گھر پر موجود نہیں ہے۔''

''اور وہ مان لے گا!'' ویرا نے حیرت سے دیدے پھاڑ کر سوال کیا۔

''ایس ٹی ایف اور آئی بی کے چند اہل کاروں کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ڈینی کون ہے۔'' میں نے رسانیت سے کہا ''نام سب کو معلوم ہے۔ صورت آشنا کوئی نہیں ہے۔ محض اسی وجہ سے میں آج تک اپنے دشمنوں کے چنگل میں پھنسنے سے محفوظ رہا ہوں۔ دشمنوں میں سے صرف سوبھراج نے آج مجھے دیکھا ہے۔ اس میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ مجھے پکڑوانے کے لیے کسی پولیس افسر سے رجوع کرسکے۔ ایسا

کرے گا تو مجھ سے پہلے اسے سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جائے گا۔ کسی بھی آنے والے کو میری بات پر یقین کرنا پڑے گا۔ وہ ہٹ دھرم نہ ہوا تو مجھے اطمینان سے نکل جانے کا موقع مل جائے گا۔ سانپ مرجائے گا، لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔''

''بالکل سامنے کی بات ہے!'' ویرا نے سر ہلا کر اقرار کیا ''یہ بات میری سمجھ میں آ گئی ہوتی تو میں اپنا سوال زبان پر نہ لاتی۔''

''میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تمہارے بال بہت گھنے ہیں یہ تمہاری خاصی عقل چوس گئے ہیں۔'' سلطان شاہ نے متانت سے کہا ''زیادہ تر عورتوں کے ساتھ یہی مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ مسائل آگے دوڑتے رہتے ہیں، ان کی عقلیں پیچھے رہ جاتی ہیں۔''

''فکر نہ کرو۔ ایک دن کوئی عورت ہی تمہیں راہِ راست پر لائے گی۔''

باہمی مشاورت سے ایک فیصلے پر پہنچ جانے کے بعد ماحول کے تناؤ میں خاصی کمی آ گئی تھی۔ نیا مسئلہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ سوبھراج سے مجوزہ ملاقات میں کون میرا ساتھ دے گا۔ اس معرکے میں اول خان میرا ہم رکاب رہنے کا متمنی تھا جب کہ جلال پہلے سے اس معاملے میں دلچسپی لے رہا تھا۔

ثام کے برعکس سوبھراج ایک مسلّمہ قانون شکن اور دہشت گرد تھا جسے آخر کار ملکی قانون کی گرفت میں آنا تھا۔ میں نے اول خان کے جذبات کو مجروح کیے بغیر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ایس ٹی ایف کی نفری کو بھول جائے۔ افرادی قوت جلال اپنے محکمے سے فراہم کرے اور وہ انفرادی حیثیت میں میرے ساتھ اس مہم میں شریک ہو۔

ہم لوگ رات کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے نوشی میں مصروف تھے کہ میرے موبائل فون پر سوبھراج کی کال آ گئی جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔

''میں نے کل کے لیے سب کچھ طے کر لیا ہے۔'' وہ اپنی مخصوص، تحکم آمیز آواز میں مجھے بتا رہا تھا ''تم خالی ہاتھ آؤ تو زیادہ بہتر رہے گا لیکن مجھے معلوم ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ چیزیں تم ضرور اپنے ساتھ لو گے۔ یہ خیال رکھنا کہ تمہارا کل اسباب ایک ہلکے پھلکے دستی تھیلے سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ تم کو ٹھیک نو بجے مقررہ مقام پر پہنچنا ہوگا۔''

وہ اپنے بچھائے ہوئے جال کی رسیاں کھینچ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رہا ہوں۔ اس احساس سے میرا دورانِ خون یک بیک تیز ہو گیا۔ میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا ''اس مقررہ مقام کا نام کیا ہے؟''

''ابھی صرف وقت دیا گیا ہے۔ مجھے خود معلوم نہیں کہ تم کو کہاں پہنچنا ہوگا۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ اصل آدمی کو تم پر بھروسا نہیں ہے!'' میں نے ہلکا سا طنز کیا۔

''اس دھندے میں کوئی اپنے سگے باپ پر بھی بھروسا نہیں کرتا۔ وہ مجھے جانتا ہے تم اس کے لیے نئے آدمی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں ایک ساتھ وقت اور جگہ کا پتا چل جائے تو تم پولیس میں مخبری کر دو اور اس کا سارا کام چوپٹ ہو جائے۔''

''جگہ کے بارے میں کب پتا چلے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''تمہیں نو بجے پہنچنا ہے۔ وہ کل رات سات آٹھ بجے تک جیسے ہی مجھے جگہ کے بارے میں بتائے گا، میں تمہیں فون کر دوں گا۔ تمہیں اتنا وقت مل جائے گا کہ تم آسانی سے وہاں پہنچ سکو۔''

''کیا تم بھی وہاں آؤ گے؟'' میں نے دل کڑا کر کے وہ ٹیڑھا سوال بھی کر ڈالا۔

''میری فکر چھوڑ دو۔ میں نے تمہارے نکلنے کا بندوبست کر دیا ہے۔ مجھے آنا ہوا تو میں بھی نو بجے تک وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

''مائی ڈیئر سوبھراج! مجھے تمہاری نہیں اپنی فکر ہے۔'' میں نے کہا ''تم وہاں نہ ہوئے تو میں اسے کیسے پہچانوں گا؟''

''اب اتنے بھولے نہ بنو۔ تم ان چکروں کو خوب سمجھتے ہو۔ کل رات جگہ کے بارے میں بتاؤں گا تو یہ سب بھی طے ہو جائے گا۔ میں فول پروف کام کرنے کا عادی ہوں۔''

''میں کل تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔'' میرا جواب سن کر اس نے فون بند کر دیا۔

''وہ کوئی رسک لینے پر آمادہ نہیں ہے۔'' ویرا نے تفصیل جاننے کے بعد اپنا فیصلہ صادر کیا ''دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو اور حریف کو بہلا پھسلا کر اپنا اپنا وار کرنے کی تیاریاں کر رہے ہو۔ ایسا مقابلہ میں نے پہلے نہیں دیکھا۔ آنے والی رات کے تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں۔ وہ بہت خون آشام رات ثابت ہوگی۔''

''خون ریزی ضرور ہوگی۔ اسے ٹالنا ناممکن ہے۔'' اول خان نے پورے وثوق سے کہا ''اتنے کم وقت میں آدمیوں کو وہاں پہنچا کر مورچے جمانا بہت مشکل ہوگا۔''

''یہی اس کی حکمتِ عملی ہے۔ وہ مجھے کسی پیش بندی کا

موقع نہیں دے رہا۔'' میں نے اس کی تائید کی ''وہ اپنی تیاریاں مکمل کرنے کے بعد مجھے مقام کے بارے میں آگاہ کرے گا تاکہ کوئی مشتبہ شخص ان حدود میں نہ گھس سکے۔''

''خبر ملنے کے بعد جلال کے آدمیوں نے ادھر کا رخ کیا تو وہ بے موت مارے جائیں گے۔'' اول خان نے خدشہ ظاہر کیا ''سوبھراج کے آدمی اپنے ہتھیاروں کے ساتھ وہاں پہلے سے تیار بیٹھے ہوں گے۔ وہ خطرہ بھانپتے ہی بے دردی سے فائر کھول دیں گے۔''

''مفروضوں میں الجھ کر خود کو ہلکان نہ کرو۔'' سلطان شاہ نے وہ بات ایسے لہجے میں کہی کہ میں چونک گیا۔ وہ کہہ رہا تھا ''اب سب کچھ کل رات کے لیے ٹل گیا ہے۔ ضروری نہیں کہ سوبھراج لڑنے مرنے پر تلا بیٹھا ہو۔ وہ تمہیں کراچی سے نکال کر ویران سرحدی علاقے میں آسانی سے بے قابو کرسکتا ہے۔ شہر میں لڑائی بھڑائی کا امکان بہت کم ہے۔''

''ہمیں اس کے ارادوں سے زیادہ اسے پکڑنے میں دلچسپی ہے۔'' میں نے ہلکا سا توقف اختیار کر کے ویرا کو بولنے کا موقع فراہم کردیا۔ میری کوشش تھی کہ وہ آپس میں زیادہ سے زیادہ بات چیت کرتے رہیں تاکہ ان کے دلوں سے ہر کدورت دور ہوجائے۔

''ڈینی اس کے کسی آدمی کے ساتھ سرحد کا رخ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔'' ویرا کی بات جاری تھی ''وہ چاہے یا نہ چاہے، کل تصادم ضرور ہوگا۔ وہ اکیلا آئے یا اپنے ساتھ لشکر لے آئے، جلال کے آدمی اسے واپس نہیں جانے دیں گے۔''

''کل کا معاملہ جلال کو سنبھالنا ہے۔'' اول خان بولا ''اسے سوبھراج کی چال سے اسی وقت آگاہ کردو تاکہ وہ اپنی منصوبہ بندی کرسکے۔''

اول خان کی یاددہانی سے پہلے میں جلال کو اسی وقت فون کرنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ سوبھراج کے علاوہ مجھے اس سے اپنی روانگی کے بارے میں بھی بات کرنی تھی۔

''ایک منٹ ٹھہرو۔'' مجھے فون کی طرف متوجہ ہوتا ہوا دیکھ کر ویرا اچانک بول پڑی ''وہ تم سے یہ بھی جاننا چاہے گا کہ تم نے ملک چھوڑنے کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔''

''فیصلہ ہوچکا ہے، پرسوں ہم نکل جائیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تمہارے ہم میں کون کون شامل ہے؟'' ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں اور غزالہ..... تم سلطان شاہ کے ساتھ یہیں رہو گی۔'' میں نے کہا ''کیا تمہیں اس فیصلے پر کوئی اعتراض ہے؟''

''مجھے کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے؟'' اس نے خندہ پیشانی سے جواب دیا ''میں اس مرحلے پر ضد کر کے کوئی بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتی۔ تمہیں اپنے اور غزالہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کی پوری آزادی ہے۔ اپنا فیصلہ میں خود کروں گی۔ اس سے کہو کہ میں بھی ملک سے باہر جانا چاہتی ہوں۔ وہ میرا بھی بندوبست کردے۔''

''اور سلطان شاہ کا کیا بنے گا؟'' میں نے بے ساختہ پوچھا۔

''یہ شیر خوار بچہ نہیں ہے۔'' اس نے رکھائی سے جواب دیا ''اپنی دیکھ بھال خود کرلے گا۔ ہم تینوں بھارت کے سفر پر گئے تھے تو یہ اکیلا کراچی میں تھا۔''

''تم کہاں جاؤ گی؟'' اول خان نے الجھن آمیز نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ملکِ خدا تنگ نیست، پائے گدا لنگ نیست!'' اس نے اردو میں رائج وہ ثقیل فارسی محاورہ دہرا کر سب کو حیران کردیا۔ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی ''میں درویش صفت عورت ہوں۔ کسی کو میرے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ جدھر منہ اٹھا، ادھر نکل جاؤں گی۔ ایک لمبے عرصے سے یہاں پڑے پڑے میں بھی اکتا گئی ہوں۔''

''جلال کو ویزا اور ٹکٹ کا بندوبست کرنا ہوگا۔ اسے میں کیا بتاؤں؟''

''کہہ دینا کہ میں چند روز کے لیے لندن میں رک کر نیویارک جانا چاہتی ہوں۔ اس سے پہلے کہ یہ ساحلی شہر سمندر میں ڈوب جائے، میں ایک بار پھر دل بھر کر اس کی سیر کرنا چاہتی ہوں۔'' اس کے ہونٹوں پر سفاکانہ مسکراہٹ تیر رہی تھی۔

''خدا کے غضب سے ڈرو ویرا..... تم مایوسی کے عالم میں اپنے ہم وطنوں کو بددعا دے رہی ہو۔'' میں نے اسے گھور کر کہا۔

''میں مایوس ہوں نہ یہ کوئی بددعا ہے۔ میرے ہم وطن اپنی حرکتوں سے بار بار قہر خداوندی کو دعوت دے رہے ہیں۔ میرا وجدان مجھے بتا رہا ہے کہ یہ رنگینیاں چند روز کی ہیں پھر سمندر ایک بھیانک انگڑائی لے گا اور سارے ساحل ویرانوں میں ڈوب جائیں گے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' غزالہ بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے بولی ''ہر وقت اپنی زبان سے

سے وہاں کا سفر کیا تھا۔ وہ بھی ایک چکر میں ملوث ہوگئی تھی۔ میں اس نام کو بھی محفوظ نہیں سمجھتا۔''

''اس بارے میں تم زیادہ بہتر جانتے ہو۔'' میں نے کسی بحث میں پڑنے کے بجائے اس کی بات مان لی''اب تمہیں ہم چاروں کی تصاویر کی ضرورت ہوگی۔''

''کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ تمہاری تصاویر میرے پاس موجود ہیں۔'' اس نے ہنستے ہوئے وہ انکشاف کر کے مجھے حیران کردیا۔

''ہماری تصاویر تمہارے پاس کیسے آگئیں؟'' میں وہ سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''تمہیں علم نہیں مگر میں تم سب کی تصاویر لے چکا ہوں جو میرے ذاتی ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔''

میرے وجود میں سنسنی کی ایک تیز لہر سرایت کر گئی۔ جلال کے الفاظ نے مجھے ہکا بکا کردیا تھا۔ وہ میرا دوست اور ہمدرد تھا لیکن اس کی پیشہ ورانہ ذمے داریاں اس کے ہر جذبے پر غالب تھیں۔ اس نے میری لاعلمی میں ہماری تصاویر لے کر میرے اندھے اعتماد کو نقصان پہنچایا تھا جس کا کوئی ازالہ نہیں ہوسکتا تھا۔

وہ اول و آخر آئی بی کا ایک افسر تھا۔ شاید اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ اندیشہ موجود تھا کہ میں اس سے منحرف بھی ہوسکتا ہوں۔ اگر اس نے ہماری تصاویر لی ہوئی تھیں تو اس کے ریکارڈ میں ہم چاروں کے فنگر پرنٹس بھی ہونے ضروری تھے۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ اس نے وہ کارروائی کب کی تھی۔

دوستی کے نام پر اس نے ہماری شہ رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اپنے منصب سے وابستہ فرض کی کسی پکار کے سامنے بے بس ہوکر وہ کسی بھی وقت ہمیں اپنے آہنی چنگل میں لے سکتا تھا۔ وہ ایک دور از کار امکان تھا مگر اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

یکا یک مجھے اندر سے اپنے خالی پن کا احساس ہونے لگا۔

''کیا بات ہے؟ کس سوچ میں گم ہوگئے؟'' میری خاموشی پر جلال نے مجھے ٹوکا۔

''تم نے خاموشی سے ہماری تصاویر لے لی تھیں تو یہ بات مجھ پر ظاہر نہ کرتے۔'' میں نے مجروح لہجے میں کہا''یہ بات جان کر مجھے صدمہ ہوا ہے۔''

''اوہو...... تم یہ سمجھ رہے ہوگے کہ تصویریں لینے کے بعد اب میں کسی بھی وقت تمہیں پکڑوا دوں گا کیونکہ تمہارے لیے

میں آئی بی کا ایک افسر ہوں۔'' اس کا لہجہ بے پروایانہ تھا۔

''ایسا ہو یا نہ ہو مجھے دھچکا لگا ہے۔'' میں بدستور سنجیدہ رہا۔

''میں نے دانستہ کچھ نہیں کیا یہ سسٹم کی کارکردگی ہے۔'' اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی''تم کو معلوم ہے کہ یہ جدید آلات کا دور ہے میری جیب میں قلم نما اسپائی کیمرا ہر وقت موجود رہتا ہے۔ تم کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس فتنے کی میموری چھ ہزار فریم کی ہے۔ جب بھی میں کسی نئے آدمی سے ملتا ہوں یہ خود بخود اس کی تصویر لے لیتا ہے۔ میرے ملاقاتی کی تصویر پہلے سے کیمرے کی میموری میں موجود ہو تو یہ حرکت میں نہیں آتا۔ کسی وقت عجلت میں یہ کیمرا کھلا رہ گیا ہوگا۔ میرے علم اور ارادے کے بغیر تم چاروں کی تصاویر محفوظ ہوگئیں۔''

''ایسا ہوا تھا تو تمہیں اسی وقت مجھ کو بتادینا چاہیے تھا۔'' میں نے شکایت کی۔

''میں ہفتے میں ایک آدھ بار اس کیمرے کو اپنے کمپیوٹر سے جوڑ کر نئے فریم دیکھتا ہوں اور میموری سے غیر ضروری تصاویر صاف کردیتا ہوں تاکہ کیمرے پر ہر وقت فاضل میموری دستیاب رہے۔'' وہ مدافعانہ لہجے میں کہہ رہا تھا''کچھ عرصے پہلے ایسی چیکنگ کے دوران تمہاری تصاویر سامنے آئیں تو میں چونکا۔ یہ کام میں اپنے اسلام آباد کے دفتر میں کرتا ہوں۔ میں نے تم چاروں کی تصاویر کو رہنے دیا تاکہ کیمرا دوبارہ حرکت میں نہ آئے۔ بعد میں یہ بات میرے ذہن میں سے نکل گئی۔ اب تصویروں کا ذکر آیا تو مجھے وہ قصہ یاد آگیا۔ میرے دوست! میری نیت پر شبہ مت کرو۔ میں تمہارا بدخواہ ہوتا تو اس وقت بھی تمہیں ان تصویروں کی ہوا نہ لگنے دیتا۔''

اس کا دیا ہوا جواز معقول اور قابلِ فہم تھا۔ اپنے دل کی خلش کے باوجود میں نے بات بڑھانے کا ارادہ ترک کردیا۔ شروع سے اس وقت تک ہم چاروں اس کی دسترس میں تھے۔ ایسے لمبے چوڑے چکروں میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ جب چاہتا مجھے یا چاروں کو اطمینان سے داخلِ زنداں کرسکتا تھا۔

اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ میرے دل کے کسی گوشے میں چھپا ہوا چور تھا جو مجھے ذرا ذرا سی بات پر اپنے ہمدردوں سے بدگمان کردیتا تھا۔

''کیا تمہارے ننھے سے کیمرے کی لی ہوئی تصاویر پاسپورٹ اور ویزا کے لیے کارآمد ثابت ہوں گی؟'' میں نے

شکوک و شبہات کی دلدل سے باہر آ کر سوال کیا۔
''چھوٹے قد والے جاپانیوں نے اس ننھے سے کیمرے میں حیرتوں کی ایک دنیا سموئی ہوئی ہے۔ کیمرا جب کسی نئے چہرے کو دیکھ لیتا ہے تو خود کار طریقے سے اپنے ہدف کے چہرے کو فوکس کر کے اس کی پورٹریٹ محفوظ کر لیتا ہے۔ تصویر کو کمپیوٹر پر لے کر ہزار شعبدے دکھائے جا سکتے ہیں۔'' اسے خوشی ہوئی تھی کہ میں نے اس کی وضاحت قبول کر لی تھی۔ وہ قدرے پُر جوش لہجے میں کہہ رہا تھا ''تم لوگوں کی تصاویر صرف پاسپورٹ پر لگیں گی کیونکہ وہ ناگزیر ہیں۔ پاسپورٹ تمہاری تحویل میں رہیں گے۔ ویزا کے لیے کوئی تصویر دینے کا خطرہ مول نہیں لیا جائے گا۔''
''پھر ویزا کا کیا بنے گا؟'' میں مسئلے کا حل جاننا چاہ رہا تھا۔
''یہ تمہارا نہیں میرا دردِ سر ہے۔ تم چاروں کو کئی اہم ممالک کے ویزا کے ساتھ پاسپورٹ ملیں گے۔ ان پر تم بے دھڑک ہو کر سفر کرو گے۔''
وہ اپنی زبان سے کھل کر کوئی غیر قانونی بات کہنے سے گریز کر رہا تھا۔ میں نے اس کے فقروں میں مضمر مفہوم پا لیا تھا۔ خطرات سے بچنے کے لیے وہ بالا ہی بالا اپنا کام کرنا چاہ رہا تھا۔
''پاسپورٹ کب مل جائیں گے؟'' میں نے پوچھا۔
''پرسوں تم روانہ ہو جاؤ گے۔ اس سے پہلے پاسپورٹ اور ٹکٹ پہنچ جائیں گے۔ میری کوشش ہوگی کہ ویرا اور سلطان شاہ بھی پرسوں نکل جائیں۔''
''ٹکٹوں کے لیے اندازاً کتنی رقم درکار ہوگی؟''
''تم اس کی فکر نہ کرو۔ سیکرٹ فنڈ سے ادائیگی ہو جائے گی۔'' اس نے بے پروایانہ آواز میں جواب دیا ''بہت سے سرکاری کام انجام دینے کے بعد تمہارا اتنا حق بنتا ہے۔''
''وہ ہمارے ساتھ خوش کلامی اور نرم گفتاری سے پیش آتا تھا لیکن اندر سے خاصا سخت آدمی تھا۔ اس نے وہ خطیر رقم اپنی جیب سے ادا کرنے کی بات نہیں کی تھی۔ میں نے اس سے کوئی بحث نہیں کی۔
ہماری گفتگو ختم ہونے والی تھی کہ اسے یکایک اول خان کا خیال آ گیا ''وہ تمہارا ریٹائرڈ کرنل کہاں غائب ہے۔ اس کی کوئی خیر خبر ہے۔''
''وہ میرے ساتھ موجود ہے۔'' میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا ''اس کی لائی ہوئی خبریں وہی ہیں جو تم نے سنائی تھیں۔ اس نے وارنٹ کے اجرا کا اضافہ کیا ہے۔''
''مجھے وہ خبر سن کر دکھ ہوا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر تم سے اس کا ذکر نہیں کیا۔''
''رفتہ رفتہ یہ مجبوریاں میری سمجھ میں آ چکی ہیں۔ واقعاتی شہادتیں میری نشان دہی نہ کر رہی ہوتیں تو یہ نوبت نہ آتی...... اول خان کا ذکر نکلا ہے تو یہ بتا دوں کہ کل رات وہ بھی میرے ساتھ آئے گا۔''
''یہ گڑبڑ ہو جائے گی۔'' اس کی آواز تشویش آمیز ہو گئی ''کسی غلط فہمی کے نتیجے میں میرے آدمی ایس ٹی ایف کے جوانوں سے بھڑ گئے تو بہت نقصان ہوگا۔ دشمن اس بحران سے فائدہ اٹھا لے گا۔''
''اس کی فورس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ وہ اکیلا میرے ساتھ آئے گا۔''
''پھر تو وہ سر آنکھوں پر آئے!'' میری وضاحت سنتے ہی جلال کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ''مجھے خوشی ہوگی۔''
اول خان کی نگاہوں میں میرے لیے ممنونیت جھلک رہی تھی۔ اس کے لیے یہ بات اطمینان کا باعث تھی کہ میں نے جلال سے اس کی شمولیت کا معاملہ طے کر لیا تھا۔
''تمہیں اور ویرا کو اب گھر میں رہنا ہے۔'' جلال سے میری گفتگو ختم ہوتے ہی اول خان نے تاکید کی ''آج اور کل کا دن خیریت سے گزر جائے تو میں خدا کا شکر ادا کروں گا۔''
''کل دشمن کی تباہی کا دن ہوگا۔'' ویرا نے اسے لقمہ دیا پھر مجھ سے مخاطب ہو گئی ''تمہارے اور جلال کے درمیان تصاویر کا کیا تنازع کھڑا ہو گیا تھا؟''
''میری غلطی تھی۔ شاید میں ضرورت سے زیادہ حسّاس ہو گیا ہوں۔''
''اول خان اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر ہم لوگوں سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ اسے ان جزئیات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ جلال سے اگلے دن کا پروگرام طے ہو گیا تھا اور اسے میرے ساتھ سوبھراج کی مزاج پرسی کے لیے جانا تھا۔
وہ رخصت ہو گیا اور میں نے خود کو ویرا کی جرح کے لیے تیار کر لیا۔

☆☆☆

میں نے غزالہ سمیت کسی سے اس مسئلے پر دوبارہ بات نہیں کی لیکن ویرا اور سلطان شاہ کا معاملہ پورے دن رہ رہ کر مجھے پریشان کرتا رہا۔
میرے نزدیک سلطان شاہ کے رویے میں کہیں کوئی

ابہام نہیں تھا۔ وہ ویرا کو چڑا کر اور ستا کر خوشی محسوس کرتا تھا لیکن کہیں بھی اپنے مردانہ وقار کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔

اس نے بھی ویرا کے لیے ایک خاص مفہوم میں اپنی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ وہ ویرا کو اور اس کی بہت سی باتوں کو پسند کرتا تھا۔ اسی کے ساتھ وہ ویرا کی حد سے بڑھی ہوئی بے باکی اور بے حجابی کو سخت ناپسند کرتا تھا۔

ویرا کے لیے اپنی ان راسخ عادتوں کو ترک کرنا ممکن نہیں تھا۔ سلطان شاہ اسے جوں کا توں قبول نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی طرف سے معاملہ بالکل صاف تھا۔

ویرا کا رویّہ بہت عجیب اور پر اسرار تھا۔ ابتدائی ایام میں، میں نے اسے سلطان شاہ کے ساتھ ہاتھا پائی تک میں مصروف دیکھا تھا۔

دراصل ڈان مرسیانو نے خود آگاہی کے جس اصول کے تحت ویرا کو تربیت دی تھی، اس کی روشنی میں وہ اپنے حسن و شباب کی فتنہ انگیزی سے خوب واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی ایک ایک حرکت کسی بھی زندہ دل مرد کے دل و دماغ میں ہلچل برپا کر سکتی تھی۔ اسے شاید سلطان شاہ کی ذات سے لگاؤ پیدا ہو گیا تھا مگر اس نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کی خود آگاہی اس کی نسوانی انا کو ابھار کر اس درجے پر لے گئی تھی کہ وہ دنیا کے کسی بھی مرد کے لیے پسندیدگی کے اظہار کو اپنی ہتک تصور کرنے لگی تھی۔

اس کو گھمنڈ تھا کہ اس کے حسن و شباب سے سلطان شاہ خود پگھل کر موم ہو جائے گا۔ یہ نہ ہوا تو اس نے اپنے جسمانی لمس کا سہارا لیا۔ شاید اس کی دست درازیوں پر سلطان شاہ کا جوان خون اس کی کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگتا ہو لیکن اس نے کبھی ویرا کے سامنے سپر نہیں ڈالی۔ اپنی زبان سے مسلسل اسے چرکے لگاتا رہا۔

زبانی جنگ میں ویرا نے بھی کبھی ہار نہیں مانی۔ اس لڑائی میں وہ سلطان شاہ پر حاوی رہنے کی کوشش میں لگی رہتی تھی لیکن جذباتی محاذ پر وہ رفتہ رفتہ شکست سے دو چار ہو رہی تھی۔ سلطان شاہ نے کبھی اس کا دل جیتنے کی کوشش نہیں کی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس خلش کے انگارے ویرا کے دل میں الاؤ کی صورت اختیار کر چکے تھے۔

سلطان شاہ سے ایک شدید زبانی جھڑپ کے بعد اس کی طرف سے سلطان شاہ کو اپنے ساتھ امریکا لے جانے کی پیشکش میری نگاہ میں بہت ذومعنی اور دوررس نتائج کی حامل تھی۔

اپنی تمام تر فکرمندی کے باوجود میں دل ہی دل میں دعا گو تھا کہ ان دونوں کا امریکا کا سفر ان کے لیے مفاہمت اور مصالحت کا ایسا سنگ میل ثابت ہو کہ ان کے ذاتی مسائل ہمیشہ کے لیے حل ہو جائیں اور مجھے ان کی دیکھ بھال سے چھٹکارا مل سکے۔

وہ دن جیسے تیسے گزرتا چلا گیا۔ گھر کی فضا میں کشیدگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ ویرا امریکا جانے کے لیے اپنا رختِ سفر سمیٹنے میں مصروف رہی۔ سلطان شاہ لمبے سفر پر روانہ ہونے کے خیال سے خوش نظر آ رہا تھا۔

شام کو پانچ بجے اول خان آ موجود ہوا۔ اس نے بتایا کہ وہ میری تلاش میں سارا دن اپنے آدمیوں کو شہر میں دوڑاتا رہا تھا۔ اس کی معلومات کے مطابق متعدد امریکی افسران شہر میں قانون کے محافظوں کی سرگرمیوں پر قریبی نظر رکھے ہوئے تھے۔ وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ مقامی حکام میری گرفتاری کے معاملے میں کتنے سنجیدہ تھے۔

اول خان کے آنے تک ہم چاروں اپنی اپنی مصروفیات میں الجھے ہوئے تھے۔ صرف لنچ کے لیے چاروں کچھ دیر کے لیے میز پر یک جا ہوئے تھے پھر وہ تینوں اپنے اپنے کمروں میں جا گھسے۔ میں اپنے ذہنی بوجھ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں جم گیا۔

اول خان آیا تو ایک ایک کر کے سب جمع ہوتے چلے گئے۔ ابرار معاملہ فہم آدمی تھا۔ کسی کے کچھ کہنے سے پہلے کچن میں جا گھسا اور چائے تیار کر کے لے آیا۔

ہم چاروں کے مجوزہ سفر سے لے کر سوبھراج اور پھر چھوٹا راجن تک کے موضوعات پر باتوں کا نہ ختم ہونے والا دلچسپ سلسلہ چل پڑا جس میں ویرا پیش پیش تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ امریکا یاترا کے لیے ایک دوسرے کا ساتھی بننے کے بعد ان کے باہمی رویے میں نمایاں تبدیلی آ گئی تھی۔ بار بار مواقع آنے کے باوجود وہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے سے دانستہ گریز کر رہے تھے۔

میری دانست میں وہ آغاز سفر کا ایک نیک شگون تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سوبھراج کی ذات ہمارے مذکرات کا محور بنتی چلی گئی۔ اس کے بارے میں ہر ایک کا ذہن اپنی زرخیزی کی بہار دکھا رہا تھا۔ ہزار اندیشوں اور وسوسوں میں کامیابی کی بہت سی کرنیں بھی نظر آ رہی تھیں۔

چھ بجے جلال کا ایک آدمی موٹر سائیکل پر آیا اور سلطان شاہ کو ایک پھولا ہوا وزنی لفافہ تھما کر واپس چلا گیا۔

لفافے پر کسی کا نام درج نہیں تھا مگر صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ جلال نے اپنے وعدے کے مطابق ہماری سفری دستاویزات

تیار کرا کے بھیج دی تھیں۔

میں نے لفافہ کھولا تو اس میں چاروں پاسپورٹوں کے ساتھ ہمارے ٹکٹ اور شناختی کارڈ بھی موجود تھے۔ میں کارڈز پر لگی ہوئی تصاویر دیکھ کر جلال کے ننھے سے اسپائی کیمرے کی افادیت کا قائل ہو گیا۔

چاروں تصاویر بہت صاف اور واضح تھیں جن سے ہر ایک کو پہلی نظر میں پہچانا جا سکتا تھا مگر چاروں نام اجنبی تھے۔

ان شناختی کارڈز کے مطابق مجھے علی احمد کا نام دیا گیا تھا۔ سلطان شاہ کو اکبر خان بنا دیا گیا تھا۔ غزالہ کو صدف علی اور ویرا کو مس ریٹا ایف ہیریسن کے نام دیے گئے تھے۔

بھارت کا تلخ تجربہ جلال کے ذہن میں محفوظ تھا۔ وہاں ابتدائی مرحلے میں پولیس افسر نے سب سے پہلے یہ نکتہ پکڑا تھا کہ ایک جوان اور دلکش عورت جو میری بیوی نہیں تھی، پاکستان سے میرے ساتھ کیوں آئی تھی اور میرے ساتھ ایک کمرے میں کیوں رہ رہی تھی۔

وہاں میرا نام مظہر خان تھا جبکہ غزالہ کا پاسپورٹ غزالہ تنویر کے اصل نام پر بنا ہوا تھا۔ اس بار جلال نے ناموں کا وہ تضاد دور کر دیا تھا۔ میں علی احمد تھا اور صدف میری بیوی۔ ہمارے فرضی ناموں کی بنا پر بنکاک میں کوئی ہم پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ ہم ہر شک و شبہے سے بالاتر ہو کر ایک ساتھ رہ سکتے تھے۔ میں جلال کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اسے فون کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی کال آ گئی۔ وہ لفافہ مل جانے کی تصدیق کرنا چاہ رہا تھا۔

''تصویریں اور سب نام بہت اچھے ہیں۔ میں ابھی تمہارا شکریہ ادا کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔'' میں نے پُرجوش لہجے میں کہا ''ابھی تک اس کی طرف سے کوئی خبر نہیں آئی جیسے ہی اطلاع ملے گی، میں تم کو خبر دے دوں گا۔''

''میرے پاس ایک خبر ہے، کل سلطان شاہ کی ساری محنت رائگاں گئی۔ اس نے سوبھراج کی مرسڈیز کا جو نمبر نوٹ کیا تھا وہ جعلی ثابت ہوا ہے۔ بہت مشکل سے سراغ ملا ہے کہ اس نمبر کی گاڑی دو سال پہلے شیر شاہ کے کباڑ خانے میں مکمل چکی ہے۔''

''سوبھراج سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ اصل نمبر پلیٹ کے ساتھ کوئی بھی گاڑی لے کر شہر میں گھومتا پھرے گا۔'' وہ خبر سن کر میرے لہجے میں غیر ارادی طور پر ہلکی سی مایوسی سمٹ آئی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''شہر میں کالے رنگ کی ہزاروں نہیں تو سیکڑوں مرسڈیز گاڑیاں ہوں گی۔ ان سب کو ایک ایک کر کے چیک کرنا ممکن نہیں ہے۔''

''بظاہر یہ خبر مایوس کن معلوم ہوتی ہے لیکن میرے خیال میں اس کی اہمیت ختم ہو چکی ہے۔ واقعات تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے ہیں۔'' جلال کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''اگر وہ آج نو بجے کہیں بھی تم سے ملنے کے لیے آ جاتا ہے تو پھر ہمیں کہیں سر کھپانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ یہ قصہ آج ہی ختم ہو جائے گا۔''

''کاش! ایسا ہو سکے۔'' میں نے حسرت سے کہا ''میں بہت ہلکے دل کے ساتھ ملک سے باہر جا سکوں گا ورنہ سوبھراج میرے سینے کا ناسور بنا رہے گا۔''

''آخر کار اس کا انجام بہت برا ہونا ہے۔ اب تک اسے قدرت کی طرف سے ڈھیل ملی ہوئی تھی۔ کہیں نہ کہیں اس کی ڈوری کھینچ لی جائے گی۔''

اس سے میری بات ختم ہو گئی ''مرسڈیز کے نمبر جعلی تھے!'' میں نے ہلکی سی انگڑائی لیتے ہوئے پست لہجے میں کہا۔

''مجھے پہلی نظر میں شبہ ہوا تھا مگر میں نے اپنی زبان بند رکھی تھی۔'' سلطان شاہ نے بے ساختہ کہا۔

''کیا میں تمہارے شبہے کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟'' ویرا نے سوال کیا۔

''وہ دیکھنے میں تقریباً نئی گاڑی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے نمبر کی سیریز پرانی تھی۔ ٹرانسپورٹ لائن میں رہ کر مجھے نمبروں سے گاڑی کی عمر کا اندازہ لگانے کی مشق ہو گئی تھی۔'' اس نے بھی پوری سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کیا بات ہے؟ تم سلطان شاہ سے بہت ادب سے بات کر رہی ہو!'' ان دونوں کا براہِ راست مکالمہ مکمل ہو جانے کے بعد غزالہ نے ویرا سے کہا۔

''مجبوری ہے!'' ویرا نے اپنے شانے اچکا کے جواب دیا ''سفر لمبا ہے، کچھ عرصہ امریکا میں بھی گزارنا ہے۔ میں نے ابھی سے اکبر خان کو برداشت کرنے کی مشق شروع کر دی ہے۔''

''اب بھی وقت ہے!'' سلطان شاہ بولا ''مجھے بوجھ سمجھتی ہو تو اکیلی چلی جاؤ۔ میں تمہارے مشورے کے مطابق اپنے گاؤں چلا جاؤں گا۔ جلال میرا ٹکٹ واپس کر کے سرکاری رقم کھری کر لے گا۔ اچھا ہے، سرکار کی کچھ بچت ہو جائے گی۔''

''تم سراسر بوجھ ہو...... وزن کرنے کی مشین پر چڑھ جاؤ تو اس کی سوئی دو مرتبہ گھوم جائے گی۔'' ویرا نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''ہر ذی روح کا کوئی نہ کوئی وزن یا بوجھ ہوتا ہے۔ دراصل میں ابھی سے تمہارا موڈ درست رکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ تم نے امریکا پہنچ کر اپنے نخرے دکھانے شروع

کر دیے تو میں مشکلات سے دو چار ہو جاؤں گی۔ وہاں دور دور تک کوئی بیچ بچاؤ کرانے والا بھی دستیاب نہیں ہوگا۔''

''تم مبالغے سے کام لے رہی ہو۔'' اول خان نے ہنس کر ویرا سے کہا ''تم تینوں بھارت گئے ہوئے تھے تو اس نے میرے ساتھ کافی وقت گزارا ہے۔ یہ بہت ذہین، دلیر اور کھرا آدمی ہے۔ پتا نہیں تمہارے ساتھ اس کی کیوں نہیں بنتی۔''

''اب بننے لگے گی۔'' غزالہ بولی ''سفر و سیاحت میں اجنبی لوگ ایک دوسرے کو برداشت کر لیتے ہیں۔ یہ تو ایک دوسرے کے پرانے شناسا ہیں۔ یہاں ہم کو سنانے کے لیے لڑتے رہتے ہیں۔ ہم سے الگ ہوتے ہی ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر ہو جائیں گے۔''

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ ویرا نے سب کی نظریں بچا کر سلطان شاہ کو معنی خیز انداز میں آنکھ ماری اور وہ برا سا منہ بنا کر خاموشی سے چھت میں کوئی خرابی تلاش کرنے میں مصروف ہو گیا۔

''ابھی سلطان شاہ سرکاری رقم کا کیا تذکرہ کر رہا تھا؟'' اول خان نے ان دونوں کو مزید کوئی موقع دیے بغیر، متجسس لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

''جلال نے ہم چاروں کے ٹکٹ کسی سیکرٹ فنڈ سے بنوائے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اوہ!'' اول خان کے ہونٹوں سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی ''کیا تم لوگوں نے کسی فارم یا کاغذ پر دستخط بھی کیے تھے؟''

سیکرٹ فنڈ کا ذکر سن کر اول خان کے تجسس میں یکایک اضافہ ہو چکا تھا۔ اس کے دوسرے سوال پر سب چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''کسی نے کوئی دستخط نہیں کیے!'' میں نے جواب دیا ''کیا تمہیں اس معاملے میں کسی گڑبڑ کا احساس ہو رہا ہے؟''

''جلال اپنی صوابدید سے بہت کچھ کر سکتا ہے۔'' اس نے کہا ''گڑبڑ بالکل نہیں ہوئی۔ بس میں تم لوگوں کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ تم چاروں کا سفر آئی بی کے عارضی ایجنٹوں کی حیثیت سے شروع ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ جلال تم کو اخراجات کے لیے بھی کوئی آفر دے۔''

''ہمیں کسی امداد کی ضرورت نہیں ہے۔'' ویرا بولی ''ابھی ہمارے پاس اتنی رقم محفوظ ہے کہ ہم ایسے دس سفر کر سکتے ہیں۔''

''تم ہر بات پر بلاوجہ اُچٹ جاتی ہو!'' اول خان کی آواز میں بہت ہلکی سی بزرگانہ خفگی تھی ''یہ برا ماننے کی نہیں، فخر کرنے کی بات ہے۔ مستقل عملے کے علاوہ آئی بی کسی مشن کے لیے بہت چیدہ اور گھاگ افراد کو بھی عارضی طور پر اپنے لیے منتخب کرتی ہے۔ یہ اس قدر پرکشش تقرری ہوتی ہے کہ بڑے بڑے سینئر اور ریٹائرڈ افسران اس کے چکر میں لگے رہتے ہیں اور ان کی دال نہیں گلتی۔ تم چاروں خوش قسمت ہو کہ تم بیٹھے بٹھائے آئی بی کے ایجنٹ بن گئے ہو۔''

''تم تو یہ بات نہ کہو!'' میں نے احتجاج کیا ''ہم نے کسی صلے کی تمنا کیے بغیر ان کے کاموں کے لیے بہت پاپڑ بیلے ہیں۔ بیٹھے بٹھائے کسی کو کچھ نہیں ملتا۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' اس نے بوکھلا کر وضاحت کی ''میں صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ تم کو کسی خواہش اور کوشش کے بغیر یہ انعام ملا ہے۔ اب تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ تم یہاں سے معتوب ہو کر فرار نہیں ہو رہے، ایک اعزاز کے ساتھ باہر جا رہے ہو۔''

''اب بات سمجھ میں آگئی۔'' ویرا خوش ہو کر بولی ''کاش تمہارا یہ اندازہ درست ہو!''

''میں کہتا ہوں کہ یہ سو فیصد درست ہے۔'' اول خان نے دعویٰ کیا ''آئی بی والے اپنا بلکہ عوام کا پیسا بلاوجہ خرچ نہیں کرتے۔ کہیں تم جلال کو نہ بتا دینا کہ میں نے تم کو بریف کیا ہے۔ وہ جو کچھ دے، اسے اپنا حق سمجھ کر قبول کر لینا۔''

''میں انعام کی ایک دمڑی بھی چھوڑنے کی قائل نہیں ہوں۔''

''لیکن ہمارا مشن کیا ہے؟'' سلطان شاہ نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''گرین کوبرا فائل کا حصول، سوبھراج کی سرکوبی!'' اول خان نے جواب دیا۔

''ڈینی اور غزالہ کی حد تک یہ بات درست ہے۔ ہم دونوں امریکا میں تفریح کے علاوہ اور کیا کریں گے؟'' ویرا بولی۔

''اس کے ذہن میں کوئی نہ کوئی اہم کام رہا ہوگا۔'' اول خان نے وثوق سے کہا ''مناسب وقت آنے پر وہ خود ہی تمہیں تفصیل سے آگاہ کر دے گا۔''

وہ بہت اہم اور نازک موضوع تھا جو غیر ارادی طور پر زیر بحث آگیا تھا۔ اول خان ریٹائرڈ فوجی تھا اور ایس ٹی ایف میں ملازمت کی وجہ سے بہت سے سرکاری اداروں کے طریقۂ کار سے قریبی واقفیت رکھتا تھا۔ اسے ان امور تک بھی رسائی حاصل تھی جو عام شہریوں کی نگاہوں سے ہمیشہ اوجھل رہتے ہیں۔ اس کی کسی بات کو اس کی ذہنی اپچ قرار دے کر نظر

انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔
ہم پانچوں کو سوبھراج کے متوقع فون کے انتظار میں بہر حال وقت گزارنا تھا۔ ہم اس موضوع پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔
توقعات، امکانات اور خدشوں کا ایک سیل رواں تھا جو ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں موج زن تھا اور پرجوش الفاظ و فقروں کی صورت میں سامنے آتا جا رہا تھا۔
اول خان کے لیے اپنے دل میں موجود ادب و احترام کے باوجود میری رائے تھی کہ کراچی میں امریکی ایجنسیوں کے کچھ قانون شکن افسران کے عبرت انجام کی روشنی میں جلال فوری طور پر امریکی سرزمین پر کوئی مشن بھیجنے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ اس وقت امریکی اہل کار بھڑکے ہوئے تھے۔ انہیں کسی پاکستانی مشن کی بھنک مل جاتی تو وہ انتقامی جذبے کے زیر اثر، مشن کے اراکین کو پھانسنے کے لیے اپنے سردھڑ کی بازی لگا دیتے۔ یہ امکان بھی تھا کہ جوابی کارروائی کے طور پر وہ ان لوگوں کو کسی نام نہاد مقابلے میں موت کے گھاٹ اتار کر الزامات کا ایک پلندا ان کے سر ڈال دیتے۔
میری اور غزالہ کی حد تک یہ امکان ہوسکتا تھا کہ جلال نے اپنے ریکارڈ میں ہماری عارضی ایجنٹوں کے طور پر تقرری کر لی ہو لیکن ویرا اور سلطان شاہ کے لیے امریکا کا تفریحی سفر ایک بونس سے زیادہ نہیں ہوسکتا تھا۔
پرجوش اور گرما گرم باتوں میں وقت یوں چپکے سے گزرتا چلا گیا کہ ہمیں احساس نہ ہوسکا۔ ہم سب اس وقت چونکے جب اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنا شروع ہوگئی۔ وہ کال وصول کرنے سے قبل میری نظریں بے اختیار وال کلاک کی طرف گئیں تو وہاں سوئیاں آٹھ بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔
''جلدی دیکھو، کہیں وہ فون بند نہ کر دے!'' ویرا نے موبائل فون کی دوسری گھنٹی بجتے ہی اضطراری لہجے میں مجھے ٹوکا۔
کال وصول کرتے ہی میرے کانوں میں سوبھراج کی بھاری اور پرسکون آواز گونجی ''تم تیار ہو یا ارادہ کچھ ڈانواں ڈول ہے۔''
''یہی سوال میں تم سے کرسکتا ہوں۔ تم کہاں پہنچ رہے ہو؟'' میں نے اپنے ہیجان کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔
''تم نے کبھی آرسی ڈی ہائی وے پر سفر کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔
مجھے فخر تھا کہ اپنے شہر کے بارے میں میری معلومات خاصی وسیع تھیں مگر اس کے سوال پر میں لحہ بھر کے لیے الجھ گیا اور قدرے توقف کے بعد بولا ''میرا امتحان لینے کے بجائے تم اپنے مقرر کیے ہوئے مقام کے بارے میں بتاؤ!''
''مقام میں نے مقرر نہیں کیا۔ وہ تیسرے آدمی کا انتخاب ہے۔ وہ تمہیں اسی راستے سے آگے سرحد کی طرف لے جائے گا۔''
''بتاتے جاؤ! میں سن رہا ہوں۔'' اسے خاموش پا کر میں نے ٹوکا۔
''اس سڑک پر پرانا مہاجر کیمپ اور بلدیہ کالونی وغیرہ بھی واقع ہے۔ سعید آباد سے آگے، حب چوکی کی طرف جاتے ہوئے ویرانہ شروع ہو تو ذرا اپنی رفتار دھیمی کر لینا۔ ایسا نہ ہو کہ رات کے اندھیرے میں تم بائیں طرف کی ایک پہاڑی پر بنی ہوئی درگاہ کو نظر انداز کر دو۔ وہاں عام طور پر کچھ نہ کچھ روشنی رہتی ہے جسے میلوں دور سے دیکھا جا سکتا ہے۔ تمہیں سڑک کا ہلکا سا گھماؤ طے کر کے اسی پہاڑی کے دامن میں رکنا ہے۔''
''وہاں تک پہنچنے کے لیے مجھے کوئی سواری لینی پڑے گی۔'' میں نے تشویش ظاہر کی ''اتنے کم وقت میں وہاں کے لیے سواری کا ملنا دشوار ہوگا۔''
''ڈرائیور کے ساتھ اپنی گاڑی میں آ جاؤ۔'' اس نے فراخ دلی سے پیش کش کی ''تم کو وہاں سے آگے روانہ ہونا ہے۔ ڈرائیور تمہیں چھوڑ کر گاڑی واپس لے آئے گا۔ یہ یاد رکھنا کہ کوئی بھی گڑبڑ ہوئی تو تم اپنی جان سے ہاتھ دھو سکتے ہو۔ ایسے کام والے لوگ بہت سفاک ہوتے ہیں خطرہ بھانپتے ہی خون ریزی شروع کر دیتے ہیں۔''
''جو شخص اپنے ہاتھوں سے اپنا گھر پھونک دے اس سے زیادہ سفاک کون ہوسکتا ہے۔'' میں نے موقع پاتے ہی اس پر فقرہ چسپاں کر دیا۔
''مجھے راج محل کا قصہ جب بھی یاد آتا ہے، دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔ مجھ سے اس کا ذکر مت کرو۔ وہ کل کی بات ہے لیکن اب ایک بھولا بسرا خواب بن چکی ہے!'' اس کی بھاری آواز میں حسرت سی تیر گئی۔
''تم نے مجھے مزار والی پہاڑی کے دامن میں تو پہنچا دیا۔ یہ نہیں بتایا کہ ہم دونوں خود ایک دوسرے کو پہچانیں گے یا تم میرا تعارف کراؤ گے۔ وہ جگہ میری دیکھی بھالی ہے۔ نو بجے پہاڑی کے دامن میں اتنا گھور اندھیرا ہوگا کہ کسی کو پہچاننا مشکل ہوگا۔ میں اپنا اطمینان کیے بغیر خود کو کسی اجنبی کے حوالے نہیں کرسکتا۔''
''مجھے معلوم ہے!'' اس کی ہلکی سی ہنسی میں مجھے استہزا کا احساس ہوا ''تم کو ذرا سا بھی شبہ ہوا تو تم بیم گن یا زہریلی سوئی

سے اس کا خاتمہ کردو گے۔ دراصل میری بات ادھوری رہ گئی۔ راج محل کے ذکر پر میری ذہنی رو ہمیشہ بہک جاتی ہے۔ وہاں پہنچتے ہی تم اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس دو مرتبہ جلا کر بجھاؤ گے تو اسے پتا چل جائے گا کہ صحیح آدمی پہنچ گیا ہے۔ وہ تمہاری گاڑی کے قریب آ کر رام رام کہے گا اور تم روان کہہ کر جواب دو گے۔ یہ تم دونوں کی باہمی شناخت ہوگی۔ بقیہ باتیں وہ تمہیں سمجھا دے گا۔ اس سے سامنا ہوتے ہی تم اپنے ڈرائیور کو گاڑی سمیت لوٹا دو گے۔''

''ویری گڈ!'' میں نے اطمینان کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''رام اور راون کے پاس ورڈز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آدمی بھی تمہارا ہم مذہب ہے۔''

''غیر ضروری باتیں مت چھیڑو۔'' اس نے میرے قیاس کا جواب سختی سے گول کر دیا ''تم آم کھانے سے غرض رکھو۔ پیڑ گننے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''بھ) تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہاں آ رہے ہو یا نہیں!''

''میرے کام تقریباً نمٹ چکے ہیں۔ عین وقت پر کوئی اڑچن پیدا نہ ہوئی تو میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔ کسی وجہ سے دیر سویر ہوئی تو آگے حب میں تم دونوں سے مل جاؤں گا۔''

''تم میرے دفاعی ہتھیاروں کا عملی مظاہرہ دیکھنا چاہ رہے تھے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''حب سے سرحد تک ساری رات کا سفر ہے۔ راستے میں کہیں بھی موقع مل جائے گا۔'' اس کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی۔

اس کی زبان سے آرسی ڈی ہائی وے یا پرانے حب ریور کا ذکر سنتے ہی میرا دل چاہا کہ میں فوری طور پر فون بند کر دوں اور ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر اول خان کو اس مقام سے آگاہ کر دوں تاکہ وہ تیزی سے اپنے آدمیوں کو وہاں پہنچا سکے لیکن میں سوبھراج کو کسی شبہے کا موقع دیے بغیر اس سے کچھ اور باتیں اگلوانا چاہ رہا تھا جن میں اہم ترین بات یہ تھی کہ وہ نو بجے اپنے مقرر کیے ہوئے مقام پر پہنچنے کے بارے میں کیا سوچ رہا تھا۔

اس نکتے پر سوبھراج کا جواب بہت مبہم اور حوصلہ شکن تھا جس سے اس کی چالاکی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اگر وہ وہاں آ رہا تھا تب بھی اس بارے میں مجھے بتانا غیر ضروری سمجھ رہا تھا۔ اگر میں صحیح سمت میں سوچ رہا تھا تو سوبھراج کے لیے وہ رات بہت اہم تھی۔ اگر وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بول رہا تھا تو اس وقت میری ذات اس کے لیے ہر خوف سے آزادی کی کلید بنی ہوئی تھی۔

گرین کو برا فائل پر سودے بازی کے لیے امریکی اہل کاروں کو واشنگٹن کی منظوری کا انتظار تھا لیکن وہ سوبھراج سے میرا سودا طے کرنے میں ذرا سی بھی تاخیر نہ کرتے۔ یہ بات بدستور سوبھراج کے دماغ میں گھسی ہوئی تھی۔ وہ اس موقع کو ضائع نہیں کر سکتا تھا۔

راج محل کی طرح اس کی پنڈلی کا زخم بھی اس کی دکھتی ہوئی رگ بنا ہوا تھا۔ میں نے اس سے زخم کا حال پوچھا تو چڑ گیا۔ اس نے میری مزاج پرسی کا کوئی جواب دیے بغیر مجھ پر فضول گوئی کا الزام لگایا اور نو بجے مقررہ مقام پر پہنچنے کی تاکید کر کے فون بند کر دیا۔

میں نے اسی لمحے جلال کا نمبر ملایا۔ وہ بہت بے چینی سے میرے پیغام کا منتظر تھا۔ میں نے اسے اختصار کے ساتھ کام کی باتوں سے آگاہ کر دیا۔

''یہ بہت اچھا ہوا۔'' وہ مزار والی پہاڑی کا ذکر سنتے ہی بولا ''یہاں اس سے ایک سنگین عسکری غلطی ہوگئی۔ میرے آدمی ملنگوں اور درویشوں کے روپ میں ایک ایک کر کے پہاڑی پر پہنچ جائیں گے۔ بلندی سے وہ اپنے حریف کو بہت آسانی سے بھون ڈالیں گے۔ اس کے آدمی وہاں ہوئے تب بھی وہ خستہ حال لوگوں کی آمدورفت پر دھیان نہیں دیں گے۔''

''اگر وہ خود وہاں نہ آیا!'' میں نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔

''اب اگر مگر کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ مجھے سرعت سے اپنے آدمیوں کو حرکت میں لانا ہے۔ وہاں جو بھی آیا، مارا یا پکڑا جائے گا۔''

''ایسا نہ ہو کہ اوپر سے آنے والی باڑ مجھے یا اول خان کو چاٹ جائے!''

''پہلی گولی چلتے ہی اپنی گاڑی میں مورچا بنا لینا۔ میرے آدمی اس کا خیال رکھیں گے۔'' بات کرتے کرتے اچانک اسے اپنا ایرپیس یاد آ گیا ''میرا دیا ہوا ایک ایرپیس کافی دنوں سے تمہارے پاس پڑا ہوا ہے۔ ابھی اس کی بیٹری وغیرہ چیک کر لو۔ چلتے ہوئے ساتھ لے لینا۔ اس آپریشن میں اسی ساخت کے ایرپیس استعمال ہوں گے۔ ضرورت ہوئی تو میں تم سے رابطہ کر لوں گا۔ تمہارا کوڈ ڈبل اے یعنی علی احمد ہوگا۔ تم مجھے چیف کے نام سے مخاطب کر سکو گے۔''

''تو کیا تم بھی وہاں آؤ گے؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''وقت کی کمی کی وجہ سے میری موجودگی ضروری ہوگئی ہے۔ کوئی اور اس صورتِ حال کو آسانی سے نہیں سنبھال سکے گا۔''

وقت سرکتا جارہا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ اس کے پاس زیادہ باتوں یا تبصروں کے لیے وقت نہیں تھا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کے لیے دعائیہ کلمات استعمال کیے اور بات ختم ہوگئی۔

میرا اور اول خان کا پروگرام پہلے سے طے ہو چکا تھا۔ اس کی ذاتی گاڑی سالخوردہ اور ناقابلِ اعتبار تھی۔ وہ کسی حساب کتاب کے بغیر لاکھوں کی رقوم استعمال کرتا تھا لیکن اس نے اپنی تنخواہ کے علاوہ کبھی کوئی پیسہ اپنے ذاتی تصرف میں نہیں لیا تھا۔ وہ بے ایمان ہوتا تو کھٹیا کار کی جگہ کئی نئی اور شان دار گاڑیوں کا مالک بن سکتا تھا۔

اس کی سرکاری جیپ بہت طاقت ور اور نئی جیسی تھی لیکن اس کا پہچان لیا جانا قرین قیاس تھا۔ سوبھراج نے مجھے کسی ڈرائیور کے ساتھ مقررہ مقام پر پہنچنے کی رعایت دے کر کام بہت آسان کر دیا تھا۔ میں اول خان کے ساتھ بے فکری سے اپنی گاڑی میں وہاں جاسکتا تھا۔

اپنے کاموں کی ہنگامی نوعیت کی وجہ سے میری گاڑی کی دونوں نمبر پلیٹیں ہمیشہ خشک کیچڑ اور مٹی میں اس طرح لتھڑی رہتی تھیں کہ قریب سے بھی ان کے نمبر پڑھنے ممکن نہیں تھے۔ اس میں ضرورت کے چند ہتھیار ہر وقت پڑے رہتے تھے۔

ہر وقت ہتھیار بند رہنے کا وہ سنہرا اصول میں نے اول خان سے سیکھا تھا۔ اس کی دونوں گاڑیاں چلتے پھرتے اسلحہ خانوں سے کم نہیں جن میں جدید رائفلوں سے لے کر ہلکے پھلکے دستی بموں تک، ہر چیز موجود رہتی تھی۔ اسے اپنی حیثیت کا بھرپور فائدہ حاصل تھا۔ ایس ٹی ایف سے وابستہ ہونے کی بنا پر وہ ہر چیکنگ سے بہ آسانی نکل جاتا تھا جبکہ میرے لیے ہتھیاروں کی موجودگی کا کوئی جواز پیش کرنا ممکن نہیں تھا۔ میری گاڑی میں چند گنے چنے اور موثر ہتھیار موجود تھے۔

ہمارے لیے گلشن اقبال سے مقررہ مقام تک پہنچنا دشوار نہیں تھا۔ وہاں تک جانے کے لیے آدھا گھنٹا بہت کافی تھا لیکن میں گھر میں بیٹھ کر انتظار کے اعصابی دباؤ سے گزرنے کے بجائے اسی وقت گھر سے روانہ ہوگیا۔

ہمارا مقصد واضح تھا۔ منزل متعین تھی۔ اول خان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی ہوئی تھی۔ میں اس کے برابر والی نشست پر موجود تھا۔

حسن اسکوائر کے چوراہے سے گاڑی سیدھی سرشاہ سلیمان روڈ پر نکلتی چلی گئی۔ لیاقت آباد کے پُرہجوم ٹریفک سے نکلنے کے بعد راستہ صاف ملا۔ ہم ناظم آباد سے گزر کر سائٹ کے صنعتی علاقے میں داخل ہوگئے۔

''میرا اندازہ ہے کہ ہم نو بجنے سے بیس پچیس منٹ پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔'' اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا۔

''دیکھتے ہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔'' میں نے چونک کر جواب دیا ''اس وقت میرا ذہن آنے والے وقت میں الجھا ہوا تھا۔

''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس ویرانے میں ہم اتنا وقت کیسے گزاریں گے!''

''وقت گزر ہی جائے گا۔'' میں نے کہا ''فی الحال ہم وہاں نہیں رکیں گے۔ سست روی سے مزار والی پہاڑی کا جائزہ لیتے ہوئے آگے نکل جائیں گے۔ ہمیں وہاں کوئی نہ کوئی سرگرمی نظر آجانی چاہیے۔ اگر سوبھراج کے آدمی پہلے سے وہاں پہنچے ہوئے ہیں تو دیکھنا ہوگا کہ جلال کا اسٹاف ان سے بچ کر اوپر جانے میں کیسے کامیابی حاصل کرتا ہے۔''

''جلال کا دماغ تیزی سے کام کرتا ہے۔'' اس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ''مزار کا نام سنتے ہی اسے ملنگوں اور فقیروں کا خیال آگیا۔ اس کا پلان کامیاب رہے گا۔''

باتوں باتوں میں ہم شیر شاہ کے چوراہے پر پہنچ گئے۔ وہاں سے ہمیں داہنی طرف مڑ جانا تھا۔

سڑک پر لگے ہوئے بعض اسٹریٹ لیمپس روشن تھے لیکن بیشتر تاریک پڑے ہوئے تھے۔ دونوں طرف بنی ہوئی روشن فیکٹریوں کا سلسلہ ختم ہوا تو ان سے تقریباً جڑی ہوئی رہائشی عمارات اور مکانات کی روشن قطاریں شروع ہوگئیں۔

ہم تیزی کے ساتھ شہری زندگی کی ان علامات کو پیچھے چھوڑتے جارہے تھے۔ گنجان آبادی کا تسلسل رفتہ رفتہ ٹوٹنے لگا۔ تاریک قطعات کے درمیان کہیں کہیں روشنی کے جزیرے نظر آرہے تھے پھر وہ بھی ختم ہوگئے اور سڑک کے دونوں جانب تاریکی میں ڈوبے ہوئے چٹیل میدان نظر آنے لگے جن کے درمیان سے گزرتی ہوئی تارکول کی سڑک ہماری گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں کسی بل کھاتی ہوئی سیاہ ناگن کی طرح چمک رہی تھی۔

''اس ویرانے میں کہیں بھی کوئی گاڑی رک جائے تو وہ تاریکی میں چھپے ہوئے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔'' اول خان بولا۔

''اور وہ گولیاں برسا کر اسے چھلنی کر دیں گے!'' میں

نے اپنی بات پوری کر کے ہلکا سا قہقہہ لگایا ''گاڑی کے مسافروں کی جان بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔''

''کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں خوف زدہ ہوں؟'' اس نے میرے قہقہے کا برا مان کر قدرے ترشی سے سوال کیا۔

''لاحول ولا قوۃ۔'' میں نے جلدی سے کہا ''مجھے ہنسی اس بات پر آئی کہ جو نکتہ تمہارے ذہن میں اب آیا ہے، اس پر میں گھر سے نکلتے ہوئے غور کر چکا ہوں، ہمارا مشن واقعی خطرناک ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ میری طرح تم بھی بے خوف ہو کر خطروں میں کود پڑنے کے عادی ہو۔ آدمی کا حوصلہ بلند ہو تو کامیابی خود بہ خود قدم چومتی ہے۔''

''اس وقت مقابلے میں دو حریف ہیں۔ ایک طرف سوبھراج اور دوسری طرف جلال۔ دونوں کے آدمی اندھیرے میں ایک دوسرے کی گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ہم دونوں کی حیثیت قربانی کے بکروں جیسی ہے۔ جب تک تم وہاں جا کر روشنی کے مخصوص اشارے نہیں کرو گے، دونوں فریق خاموشی سے اپنی کمین گاہوں میں دبکے بیٹھے رہیں گے۔''

''کبھی کبھی قربانی کے بکرے قصاب کو ٹکر بھی مار دیتے ہیں۔''

''آج یہی کرنا ہوگا۔ مگر اپنے ہاتھ پیر بچا کر۔ اندازے کی کوئی غلطی ہوئی تو ہم بے موت مارے جائیں گے۔'' اس نے کسی فکر اور تشویش کے بغیر کہا۔

تاریک سڑک پر گاڑی کا سفر جاری رہا۔ اس وقت کراچی سے حب جانے والا ٹریفک سرے سے مفقود تھا۔ ہمارے آگے اور پیچھے سڑک پر دور تک ویران پڑی ہوئی تھی البتہ حب کی جانب سے کراچی جانے والی گاڑیوں کی بہتات تھی۔

مزار والی پہاڑی میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ میں پہلے بھی وہاں ایک معرکے سے دوچار ہو چکا تھا۔ دور ہی سے پہاڑی کی چوٹی پر روشنی نظر آنا شروع ہو گئی۔

وہ شہر سے دور افتادہ ویرانہ تھا۔ لوگ وہاں آئے تھے تو قرب و جوار میں ان کی گاڑیوں وغیرہ کو بھی نظر آنا چاہیے تھا۔ میں اپنی جگہ چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔

اسی سمت میں جاتے ہوئے چڑھائی کے ساتھ سڑک بھی خم دار تھی۔ اول خان نے گاڑی کی رفتار کم کر لی۔ گاڑی کے ہیڈ لیمپس کا انعکاس دونوں سمتوں میں کافی دور تک پھیل رہا تھا۔ میں اس سے بھی آگے پھیلی ہوئی گھور تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا لیکن مجھے کہیں کسی گاڑی کی پرچھائی تک نظر نہیں آئی۔

''یہاں تو ہر طرف لامتناہی سناٹے کا راج ہے۔ کہیں کوئی سرگرمی نظر نہیں آ رہی۔'' اول خان نے سڑک سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

اسی وقت مخالف سمت سے آتی ہوئی ایک کوسٹر کی روشنی، سڑک کے خم کی وجہ سے، پہاڑی کے دامن میں پڑی تو بس لمحہ بھر کے لیے مجھے کم از کم دو گاڑیوں کے چمکتے ہوئے ہیولے نظر آئے جو اگلے لمحے ہی معدوم ہو چکے تھے۔ موڑ گھومتے ہوئے، کوسٹر کا رخ تیزی کے ساتھ بدلا تھا اور اسی کے ساتھ پہاڑی کا دامن پھر تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔

''ابھی مجھے اس طرف دو گاڑیاں نظر آئی ہیں۔'' میں نے داہنی طرف اشارہ کرتے ہوئے، دھیمی آواز میں کہا۔

''سوبھراج یا اس کے آدمی پہنچے ہوئے ہیں۔'' اول خان بولا۔

''یہ تم نے کیسے کہہ دیا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''جلال کے آدمی فقیروں وغیرہ کے حلئے میں آئے ہوں گے۔ ایسے تہی دست لوگ گاڑیوں سے اترتے تو اسی لمحے مار دیے جاتے۔''

ہم اس مقام کا جائزہ لیتے ہوئے آگے نکل گئے۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو نو بجنے میں دس منٹ باقی تھی۔

اس وقت مجھے جلال کے اپریٹس کا خیال آیا اور میں نے اسے آن کر کے اپنی گود میں رکھ لیا۔ لاسلکی آلے پر بس لمحہ بھر کے لیے ریڈیائی شور برقرار رہا پھر وقفے وقفے سے کئی انسانی آوازیں سنائی دیں۔ وہ ایک دوسرے سے ناقابلِ فہم انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان کے الفاظ مانوس تھے مگر فقرے مہمل معلوم ہو رہے تھے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اردو اور انگریزی کے ملے جلے الفاظ کو کوڈ ورڈز کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔

مجھے اپریٹس کے حیطہ عمل کا علم نہیں تھا اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ لوگ کہاں تھے۔ اپنے مورچوں پر پہنچ گئے تھے یا وہاں تک جانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ ریڈیائی لہروں کی وجہ سے آوازیں اتنی بگڑی ہوئی تھیں کہ انہیں شناخت کرنا ممکن نہیں تھا۔ کوشش کرنے کے باوجود میں ان میں جلال کی آواز نہیں پہچان سکا۔

آخر میں نے براہِ راست اس سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک بار سکون طاری ہوتے ہی اپریٹس اٹھا کر اس کا بٹن دبایا اور جلال کے لیے اپنا پیغام نشر کر دیا۔

''چیف کالنگ!'' فوری طور پر اس کی طرف سے جواب آ گیا اس کی آواز اتنی بدلی ہوئی تھی کہ اجنبی معلوم ہو رہی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا ''تم بے فکر رہو۔ میرے تین آدمی اوپر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ میں کچھ لوگوں کے ساتھ نیچے موجود ہوں۔ ہم نے دامن میں ان کی دو گاڑیاں دیکھ لی ہیں۔ وہ ہم سے پہلے سڑک کی سمت سے یہاں پہنچے ہوئے تھے۔ ہم کچے راستے سے پہاڑی کے پچھلے حصے میں آئے تھے اور میں وہیں ہوں۔ تمہاری کیا پوزیشن ہے؟ اوور!''

جلال کا پیغام سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ میں نے فوری طور پر جواب دیا ''ہم سڑک سے جائزہ لیتے ہوئے آگے جا رہے ہیں، چند منٹ بعد واپس لوٹیں گے۔ ان کی دو گاڑیاں پل بھر کے لیے مجھے بھی نظر آئی ہیں لیکن ان کی پوزیشن کا اندازہ نہیں ہے۔ اوور۔''

''میرے اوپر والے آدمیوں نے اپنی انفراریڈ دوربینوں سے انہیں دیکھ لیا ہے۔ وہ اوپر سے بالکل بے پروا ہیں اور اپنی گاڑیوں کے عقب میں چل پھر رہے ہیں۔ ان کی تعداد سات ہے اور ان میں لنگڑانے والا کوئی آدمی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ چند منٹ بعد یہ پھیلنا شروع کر دیں۔ دعا کرو کہ یہ اسی جگہ جمع رہیں۔ کام بہت آسان ہو جائے گا۔ اوور!''

''لنگڑا نہیں ہے!'' میں نے مایوسی سے دہرایا ''ابھی دس منٹ باقی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ آخری لحات پر پہنچے۔ اوور!''

''مجھے بھی اسی کا انتظار ہے، حالات پوری طرح میرے کنٹرول میں ہیں۔ اوور!''

''تمہیں یقین ہے کہ ان اطراف میں ان کا کوئی آٹھواں آدمی موجود نہیں ہے؟ اوور!''

''بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے لیکن یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ لوگ پہلے سے یہاں آئے ہوئے تھے۔ ہوسکتا ہے کوئی ایک آدھ آدمی اِدھر اُدھر نکل گیا ہو۔ اوور!''

''پھر نو بجے کا انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ساتوں کو اسی وقت کیوں نہیں گھیر لیتے؟ اوور!'' میں نے فوری خیال کے تحت کہا۔

''یہ خیال آیا تھا لیکن میں لنگڑے کی وجہ سے رکا ہوا ہوں۔ آج کا بڑا شکار وہی ہے۔ اوور!'' جلال نے سوبھراج کا نام لیے بغیر جواب دیا۔

اپریٹس پر ہونے والی وہ گفتگو اس کے دوسرے آدمی بھی اپنے اپنے ٹرانسمیٹر پر سن رہے تھے اس لیے جلال بے تکلفی سے بات نہیں کر پا رہا تھا۔ مجھے اس بات کا اندازہ تھا۔ میں بھی اس سے محتاط رہ کر بات کر رہا تھا تاکہ اسے اپنے ماتحتوں کے سامنے کسی سبکی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

گفتگو میں وقفہ آتے ہی اچانک کسی اور نے بولنا شروع کر دیا۔ اس بار میں نے اندازے کی غلطی نہیں کی۔ بولنے والے کو جلال نے مانوس الفاظ لیکن ناقابل فہم فقروں میں جواب دیا تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ دخل اندازی کسی ایمرجنسی کی مظہر تھی۔

اول خان گاڑی کو اتنی دور تک لیتا چلا گیا کہ طے شدہ پہاڑی تک واپس پہنچنے میں وقت پورا ہو جائے۔ اس نے واپسی کے لیے گاڑی گھمائی تو نو بجنے میں چند منٹ باقی رہ گئے تھے۔

اپریٹس پر مختصر وقفوں سے گفتگو کا سلسلہ جاری تھا۔

پہاڑی کے قریب پہنچنے پر میں نے موقع پاتے ہی جلال کو بتایا کہ ہم کسی بھی لمحے وہاں پہنچنے والے تھے۔ جلال نے مجھے گرین سگنل دیتے ہوئے بتایا کہ لنگڑا اس وقت تک وہاں نظر نہیں آیا تھا۔ اس کے بھیجے ہوئے آدمیوں میں سے تین سڑک کی طرف بڑھ گئے تھے۔ چار افراد بدستور گاڑیوں کے عقب میں موجود تھے۔

اول خان نے گاڑی کی رفتار دھیمی کر کے اپنے پائیدان میں رکھی ہوئی چھوٹی خودکار رائفل کی پوزیشن درست کی اور پھر رفتار بڑھا دی۔

چند لمحوں بعد ہماری گاڑی بہت دھیمی رفتار سے سڑک سے اتری اور ناہموار پتھریلی زمین پر ہچکولے لیتی ہوئی پہاڑی کے دامن کی طرف بڑھی تو ہمارے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہماری گاڑی کے ہیڈلیمپس کا رخ اسی سمت میں تھا جہاں میں نے حریفوں کی دو گاڑیاں دیکھی تھیں۔

وہ لوگ کچے راستے پر کافی دور چلے گئے تھے۔ ہماری گاڑی کی بھرپور روشنی وہاں تک ساتھ نہیں دے سکی لیکن اس کے انعکاس میں ان دونوں گاڑیوں کے ہیولے نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ اول خان نے بریک لگا کر گاڑی روک دی۔ میں نے اپریٹس آف کر کے جیب میں ڈال لیا۔

تاریکی میں ڈوبے ہوئے اس سنگلاخ ویرانے میں مجھے کوئی متنفس نظر نہیں آیا تھا۔ اول خان نے سوبھراج کی ہدایت کے مطابق دو مرتبہ ہیڈلیمپس جلا کر بجھا دیے۔ اسی لمحے سامنے سے کسی ٹارچ کی روشنی چمکی اور معدوم ہو گئی۔

میں نے جھک کر اپنے پائیدان سے رائفل اٹھا لی۔ اول خان بھی کسی اچانک افتاد کے مقابلے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔

میں سامنے پھیلے ہوئے گہرے اندھیرے میں نظریں جمائے بیٹھا رہا۔ آخر کار مجھے پہاڑی کے پیش منظر میں ایک متحرک انسانی ہیولا نظر آیا جو چھوٹے چھوٹے بے آواز قدموں سے ہماری گاڑی کی طرف آ رہا تھا۔

''یہ تو اکیلا ہے..... جلال نے تین بتائے تھے!'' اول خان نے زیرِ لب سرگوشی کی۔

''ہوسکتا ہے کہ وہ پیچھے رک گئے ہوں۔'' میں نے بہت دھیمی آواز میں جواب دیا۔

فضا پر چھائے ہوئے گہرے اور پرہول سکوت میں وہ متحرک انسانی ہیولا قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک کلاشنکوف دبی ہوئی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا، بہت بے جگر تھا یا پھر پرلے درجے کا گدھا تھا' اسے یہ خوف نہیں تھا کہ آنے والا اسے اپنی گولی کا نشانہ بھی بنا سکتا ہے۔

وہ انتہائی مخدوش پوزیشن میں یوں بے فکری سے چلا آ رہا تھا جیسے اسے ہم دونوں کی طرف سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ ہو۔

اس وقت میرے ذہن نے بہت تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

دو گاڑیوں میں سوار ہو کر سات افراد کے آنے کا مطلب تھا کہ وہ ہر قسم کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر کے وہاں پہنچے تھے۔ انہیں اندازہ تھا کہ کسی تصادم کی صورت میں انہیں آتشین ہتھیاروں کے ساتھ افرادی قوت کی ضرورت بھی پیش آسکتی ہے۔

ایسی مخدوش صورتِ حال میں کلاشنکوف بردار کا بے خوفی سے بڑھتا چلا آنا بہت غیر فطری محسوس ہو رہا تھا۔ میں سانس روکے اس کے قریب آنے کا انتظار کرتا رہا۔

شاید اسے بھی توقع تھی کہ جب تک کوئی گڑبڑ نہ ہو اس کی جان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ میری اور اول خان کی نگاہیں اس پر مرکوز تھیں۔ اس کے بقیہ دو ساتھیوں کا کہیں پتا نہیں تھا۔

اچانک وہ سینے کے بل زمین پر گر گیا۔ اس وقت وہ ہماری گاڑی سے کئی گز دور تھا۔ خطرہ بھانپ کر میں نے پائیدان سے رائفل اٹھانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اچانک کھلی ہوئی کھڑکی میں سے ایک سرد آہنی نال میری کنپٹی سے آ لگی اور میں اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ اول خان کی پوزیشن مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ اس طرف بھی ایک رائفل بردار موجود تھا جس نے اس کی کھوپڑی کا نشانہ لیا ہوا تھا۔

بے اختیار میرے سینے سے ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔

ان لوگوں نے ہمیں اپنے جال میں پھانسنے کے لیے ایک زبردست نفسیاتی حربہ استعمال کیا تھا۔ تین کی وہ ٹکڑی اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر ہماری طرف آئی تو سامنے سے آنے والے نے دانستہ اپنی رفتار دھیمی رکھ کر ہمیں پوری طرح اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ہمیں ہر حال میں اس پر نگاہ رکھنی تھی۔ ہم اس کی پیش قدمی کا مشاہدہ کرتے رہے اور اس کے دونوں ساتھی گہری تاریکی میں ایک لمبا چکر کاٹ کر ہمارے پیچھے سے نمودار ہو گئے۔

وہ بہت خطرناک صورت حال تھی۔ ہم دونوں میں سے کوئی بھی اسلحہ برداروں کی مرضی کے خلاف کوئی حرکت کرتا تو پل بھر میں اس کا بھیجا اڑ سکتا تھا۔

سامنے سے آنے والا اپنے دونوں ساتھیوں کو ہماری گاڑی کے پہلوؤں کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر چند سیکنڈ کے لیے پوزیشن لیتا ہوا زمین پر گرا تھا۔ جب اس نے اندازہ لگا لیا کہ اس کے ساتھیوں نے چیتے کی سی عیاری اور خاموشی سے ہمیں اپنی زد پر لے لیا ہے تو وہ بھی اپنی کلاشنکوف تان کر پھرتی سے سیدھا کھڑا ہوا۔

وہ ساتوں دو ٹکڑیوں میں بٹے تو جلال کے آدمیوں کی دوربینوں کی زد میں تھے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اپنی گاڑیوں سے اتنی دور نکل آنے کے بعد وہ دیکھے جا رہے تھے یا نہیں میرے ذہن پر بے یقینی کی وہ لہر بس لمحہ بھر کے لیے چھائی رہی۔ بے اختیار میری نگاہیں پہاڑی کی چوٹی کی طرف اٹھ گئیں جہاں اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مزار اور اس کی روشنی اس پہاڑی کی ڈھلانوں کی عقب میں اوجھل ہو چکی تھی۔

جلال وہاں صرف سوبھراج کو مارنے یا پکڑنے کے ارادے سے نہیں آیا تھا۔ اس کا اولین مقصد ہم دونوں کی حفاظت کرنا تھا۔ وہ اس فرض سے پل بھر کے لیے بھی غافل نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق اس کے تین آدمی بھیس بدل کر پچھلے حصے سے اس پہاڑی پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہ ہتھیاروں کے علاوہ اندھیرے میں دور تک دیکھ لینے والی انفرا ریڈ دوربینوں سے بھی لیس تھے۔

وہ تین تھے تو ایک ہی وقت میں تین مختلف سمتوں کی دیکھ بھال کر سکتے تھے۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ تینوں سوبھراج کے بھیجے ہوئے آدمیوں میں الجھے ہوئے ہوں۔

جلال کو علم تھا کہ ہم دونوں کو ٹھیک نو بجے سڑک کے راستے سے وہاں پہنچنا تھا۔ رابطے کے آخری لمحات میں اس کا

کہا ہوا یہ فقرہ میرے ذہن میں گونجا کہ صورت حال اس کے کنٹرول میں تھی اور ہم بے فکر ہو کر مقررہ جگہ پر پہنچ سکتے تھے۔
اس نے یقینی طور پر اپنے کسی آدمی کو اس سمت کی دیکھ بھال پر مامور کیا ہوا تھا۔ میرا اپریٹس بند پڑا ہوا تھا لیکن مجھے توقع تھی کہ اس وقت چوٹی پر بیٹھا ہوا کوئی نہ کوئی شخص جلال کو نیچے کے پل پل کے حالات سے آگاہ کر رہا ہوگا۔
اس بار سامنے والا بہت تیزی سے ہماری گاڑی کی طرف آیا اور چند قدم دور سے للکار کر بولا ''اپنا نام بولو!''
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سوبھراج سے طے ہونے والے کوڈ ورڈز کے تبادلے کے بغیر میں ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکالنا چاہتا تھا۔
رائفل کی نال میری کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی جبکہ جلال اور اس کے آدمی مجھ سے بہت دور تھے۔ میری کسی بھی اضطراری حرکت کے نتیجے میں چشم زدن میں میرا کام تمام ہو سکتا تھا۔ جب تک جلال کے آدمی حرکت میں آتے میں ان کی کسی مدد کی ضرورت سے یکسر بے نیاز ہو چکا ہوتا۔
سامنے والے نے شاید میرا امتحان لینے کے لیے میرا نام پوچھا تھا۔ اپنے دبے دبے چپٹے خدوخال اور لہجے کی بنا پر وہ مقامی نظر نہیں آ رہا تھا۔ چھوٹے قد، چوڑے شانوں اور بھرے بھرے جسم کی وجہ سے وہ بھارتی گجرات کے کسی ساحلی علاقے کا باشندہ معلوم ہو رہا تھا۔
''رام!'' میرے خاموش رہنے پر اس نے اپنا داہنا پیر زمین پر مار کر زور سے کہا۔ اسی کے ساتھ اس نے اپنی کلاشنکوف کی نال میری طرف سیدھی کر لی تھی۔
''راون!'' میں نے مشینی انداز میں بلا تامل جواب دیا۔
''گڈی گڈ!'' اس نے جاہلوں والے انداز میں کہا ''تم دونوں سالا نیچو اترو!''
وہ اس کا حکم تھا۔ میری کنپٹی سے سرد نال ہٹ گئی۔ اس وقت تک ان تینوں میں سے کسی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ہماری گاڑی میں ہتھیار بھی موجود تھے۔
میرے لیے وہ کچھ کر گزرنے کا اکلوتا موقع تھا۔ مجھے اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ شرافت سے نیچے اترنے کے بعد میں ان کے سامنے بے بس ہو جاؤں گا۔ بعد میں جلال کے آدمی ان کا جو حشر کرتے، سو کرتے مگر اس سے پہلے میرا تتمہ بالخیر ہو جاتا۔
دوسری طرف مجھے اول خان کی جان کی فکر تھی۔ اس کی پوزیشن مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ ان نازک لمحات میں ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار تھے۔ میں اسے نظرانداز کر کے اپنے موقع کو دیکھ کر کوئی کارروائی کر بیٹھتا تو شاید میں بچ جاتا مگر اول خان کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔
تاروں بھرے آسمان کے نیچے، گھپ اندھیرے میں وہ اعصاب شکن کھیل جاری تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ مسلح بدمعاشوں کی اس سہ نفری ٹولی نے صرف ایک مرتبہ اپنی ٹارچ چمکانے کے بعد دوبارہ کسی قسم کی روشنی نہیں کی تھی۔ انہیں اندیشہ رہا ہوگا کہ سڑک سے گزرنے والے کسی بھی گاڑی کے سوار اس ویرانے میں روشنی دیکھ کر ادھر کا رخ کر سکتے تھے۔
میں نے تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اپنی نشست میں پہلو بدلتے ہوئے اول خان کو ہولے سے کہنی ماری اور داہنے ہاتھ میں رائفل سنبھالتے ہوئے دروازہ کھول کر تیزی سے نیچے اترا۔
سامنے والا فاتحانہ انداز میں گاڑی کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ مجھے اپنی زد پر لینے والے نے مجھے نیچے اترنے کے لیے جگہ دے دی تھی۔
میں نے کار سے نیچے اترتے ہی اپنے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ کی آواز نکالی۔ میرے سامنے والے کی توجہ لمحہ بھر کے لیے زمین کی طرف مبذول ہوئی اور میں نے اپنی رائفل کی نال پوری قوت سے اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں گھسا دی۔
وہ قیامت کے لمحات تھے۔ میرا حریف اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ایک بے ساختہ چیخ کے ساتھ اس کی رائفل ہاتھ سے نکل گئی اور میں نے بہت سرعت سے اپنی رائفل کا ٹریگر دبا دیا۔ وہ ان لمحات میں زمین بوس ہونے کے تیز عمل سے گزر رہا تھا۔ میری رائفل کی گولی تیز ترین رفتار سے اس کے جسم کے آر پار گزر گئی اور فضا اس کی دل دوز چیخ سے لرز اٹھی۔
وہ کھڑا ہوا تھا۔ میں کار کی نشست سے اٹھ کر اس پر حملہ آور ہوا تھا اس لیے میری رائفل کی نال کا رخ اوپر کی طرف تھا۔ مجھے کامل یقین تھا کہ وہ گولی اس کے پیٹ میں گھس کر سارے اعضائے رئیسہ کر چیرتی پھاڑتی ہوئی اس کے شانوں کے قریب سے نکلی ہوگی۔
ان ہی لمحات میں اول خان شاید اپنے حریف سے لپٹ گیا تھا۔ میری اچانک چیخ نے چند ثانیوں کے لیے ان تینوں کو بوکھلا دیا تھا اور ان کے کچھ سمجھنے سے پہلے مجھے اور اول خان کو حرکت میں آنے کا موقع مل گیا تھا۔
تین میں سے دو زیر ہو چکے تھے یا ہونے والے تھے۔ سامنے والا خطرہ بھانپتے ہی دوبارہ زمین پر لیٹ گیا تھا۔ اس نے میری طرف پے در پے تین گولیاں چلائیں مگر میں اپنے مدِ

مقابل کو ڈھیر کرتے ہی سینے کے بل زمین پر گر چکا تھا۔ سخت سنگریزوں کی چبھن سے میرے سینے میں خاصی تکلیف ہوئی مگر سامنے سے آنے والی تینوں گولیاں مجھے کوئی نقصان پہنچائے بغیر اوپر سے گزر گئیں۔

میں نے لیٹے لیٹے تیسرے کی پوزیشن کا جائزہ لینا چاہا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ فائر کرتے ہی کسی اور طرف رینگ گیا ہوگا۔ اس پر اندھادھند گولیاں برسانا بے سود تھا۔

مجھے کہیں بھی اس کا سایہ تک نظر نہیں آیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ اول خان کو اپنا نشانہ نہ بنالے۔ میں نے اپنی رائفل کی نال سیدھی کی اور اسے جنبش دیتے ہوئے تڑاتڑ تقریباً آدھا میگزین خالی کردیا۔ فائرنگ کی بازگشت میں چیخ تو درکنار کوئی انسانی کراہ بھی نہیں سنائی دی۔

پھر وہاں قیامت سی برپا ہوگئی پہاڑی کی چوٹی پر سے رائفلوں کے نغمے گونجنے لگے۔ کہیں دور سے پے در پے کئی لرزہ خیز انسانی چیخیں سنائی دیں۔ پھر قریب سے ایک ہولناک چیخ ابھری۔ مجھے گمان ہوا کہ میرا تیسرا حریف بھاگتے ہوئی کسی گولی کا نشانہ بن چکا تھا۔

وہ سب کچھ چشم زدن میں تقریباً ایک ساتھ ہوتا چلا گیا۔ جلال کے آدمیوں کو انفرارڈ دوربینوں کی مدد حاصل تھی۔ وہ نشانے تاک کر بلندی سے آگ برسا رہے تھے۔ ان کے حریف نشیب میں ان کے کھلے نشانے پر تھے۔ ان کا برے انجام سے بچنا ناممکنات میں سے تھا۔

میں نے ایک لمحے کے لیے کسی متوقع خطرے کا انتظار کیا پھر دوڑ کر اپنی کار کے آگے سے ہوتا ہوا۔ اول خان والی سمت میں پہنچا تو وہاں ایک روح پرور منظر میرا منتظر تھا۔

اول خان ریٹائرڈ فوجی اور تربیت یافتہ کمانڈو تھا۔ اس نے اپنے حریف کو کار کے کھلے ہوئے دروازے کے قریب زمین پر گرایا ہوا تھا اور اس کے سینے پر سوار ہو کر مکوں سے اس کا چہرہ بگاڑنے میں مصروف تھا۔ اس کا حریف بے دست وپا ہو کر گھٹی گھٹی آواز میں چیخ رہا تھا۔

اس نے اچانک نمودار ہو کر اول خان کی کھوپڑی کا نشانہ لیا تھا۔ وہ تماشا دیکھتے ہی میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے بڑھ کر اپنی رائفل کی نال اس کے بائیں کان پر رکھی۔ لمحہ بھر کے لیے اول خان کے ہاتھ رکے اور میں نے رائفل چلا دی۔

کھوپڑی سمیت اس کا آدھا چہرہ اڑ کر تاریکی میں کہیں بکھر گیا۔ اول خان اس کے تڑپتے ہوئے وجود کو چھوڑ کر تیزی سے نیچے اتر گیا۔

''باقی دونوں کا کیا بنا؟'' اول خان نے ہانپتے ہوئے سوال کیا۔

''دونوں جہنم واصل ہوگئے۔'' فائروں کی گونج میں، میں نے اسے بتایا ''گاڑی میں گھس جاؤ کوئی بھٹکی ہوئی گولی ادھر بھی آسکتی ہے۔''

میں نے لپک کر اپنی جگہ سنبھالی اور جیب سے ایرپیس نکال کر آن کرلیا۔

''چیف کالنگ ڈبل اے......اوور!'' ایرپیس آن ہوتے ہی میرے کانوں میں جلال کی وحشت زدہ آواز ابھری وہ نہ جانے کب سے مجھے پکار رہا تھا۔

''ڈبل اے آن لائن!'' میں نے بلاتاخیر جواب دیا ''میں نے ابھی ابھی ایرپیس آن کیا ہے ہم بدترین مشکل میں پھنس گئے تھے۔ اب مطلع صاف ہے۔ اوور!''

''خدا کا شکر ہے کہ تمہاری آواز سنائی دی!'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی ''میرے آدمی سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ ان تینوں میں سے دو اچانک کہیں غائب ہوگئے۔ وہ دوبارہ نظر آئے تو تمہاری گاڑی کے دونوں دروازوں پر رائفلیں تانے ہوئے تھے اس پوزیشن میں ان پر گولی نہیں چلائی جاسکتی تھی۔ لنگڑا کہیں نظر نہیں آیا۔ تم تیزی سے لوٹ جاؤ......اوور اینڈ آل!''

''جلال کی گفتگو بہت منتشر سی تھی۔ اس کے مدافعانہ انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہماری ناگہانی مشکل کے لیے خود کو ذمے دار تصور کر رہا تھا۔

اول خان گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس پہاڑی کے دامن میں ہونے والی دھواں دھار فائرنگ دم توڑ چکی تھی۔ نیچے سے کی جانے والی فائرنگ کا سلسلہ یکسر موقوف ہو چکا تھا۔ اوپر سے اِکّا دُکّا فائر ہو رہے تھے۔

اول خان نے میرے کچھ کہنے سے پہلے گاڑی سڑک کی طرف گھمالی۔

''خوفناک معرکہ تھا'' سڑک پر آنے کے بعد اول خان نے جھرجھری لے کر کہا ''اپنے سر پر رائفل کی نال کا دباؤ محسوس کرتے ہی میں نے کلمہ پڑھ لیا تھا۔''

''وہ واقعی جاں گسل لمحات تھے۔'' میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''خرابی یہ ہوئی کہ ہم دونوں نے اپنی ساری توجہ سامنے سے آنے والے پر مرکوز کردی تھی۔ بقیہ دو کو بھول گئے۔ آج قدرت نے ہمارا ساتھ نہ دیا ہوتا تو کام تمام ہوگیا تھا۔''

''اسے دیکھنا پڑ رہا تھا۔ کسی اُلو کے پٹھے کی طرح سینہ

تا نے یوں بے خوف وخطر چلا آرہا تھا جیسے اپنی سسرال میں آرہا ہو۔'' اول خان کی آواز میں جھنجلاہٹ نمایاں تھی۔

''میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہ پاکستانی نہیں تھا۔'' میں نے زور دے کر کہا'' مجھے شبہ ہے کہ سوبھراج نے دوبارہ راوالوں کے لیے کام کرنا شروع کردیا ہے۔''

''وہ را کے لیے کام کرے گا تو گرین کوبرا فائل پر کھلی سودے بازی کر کے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ وہ اس سے فائل کی واپسی کا مطالبہ کریں گے اور اسے جھکنا پڑے گا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا'' ہوسکتا ہے کہ وہ گجرات اور کاٹھیاواڑ کے ساحلوں سے مشرق وسطیٰ کی طرف انسانی اسمگلنگ کرنے والا کوئی گروہ بند ہو جو سوبھراج سے اپنی دوستی نبھانے کے لیے یہاں آیا ہوا ہو۔''

''وہ جو بھی رہا ہو، یہ خوشی کی بات ہے کہ اس کا قصہ تمام ہوگیا۔ آج سوبھراج کی نیت کھل کر سامنے آگئی۔ وہ اب بھی تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے۔'' اول خان بولا'' آج اگر ہمارا ہوم ورک ذرا بھی کمزور ہوتا تو سوبھراج اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتا تھا۔''

''مجھے اس بات کی خلش ہے کہ آج اس سے سامنا نہیں ہوا۔''

''اس کی کوئی بات قابلِ اعتبار نہیں ہے وہ ہر صورت سے تمہیں گھیر گھار کر یہاں بلانا چاہ رہا تھا اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوگیا۔ اپنی آمد کے بارے میں اس نے تمہیں شروع سے تذبذب اور بے یقینی میں مبتلا کیے رکھا۔''

''وہ جتنی شدت سے میرے پیچھے لگا ہوا ہے اس کی بنا پر میرے ذہن میں ایک نیا نظریہ جنم لے رہا ہے۔ آج کے واقعات اس نظریے کی تائید کررہے ہیں۔''

''کیا کوئی نئی بات ذہن میں آئی ہے؟'' اول خان نے پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

''مجھے جلال کی باتوں میں وزن نظر آرہا ہے۔'' میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دے کر کہا'' شروع سے اسے شبہ ہے کہ گرین کوبرا راج محل کی آتش زنی میں جل کر راکھ ہوچکی ہے۔ سوبھراج نے اپنی پوزیشن بہتر بنانے کے لیے فائل محفوظ ہونے کا شوشا چھوڑا ہے۔''

''پہلے تم جلال سے اختلاف کررہے تھے۔ اس تبدیلی کا کوئی نہ کوئی سبب تو ہوگا!''

''وہ امریکیوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلا کر ان سے معافی حاصل کرنا چاہتا ہے۔'' میں نے پُرخیال لہجے میں جواب دیا'' اس کے لیے گرین کوبرا کافی ہے۔ امریکی اس خطے میں چین اور بھارت کے ماسٹر پلان جاننے کے لیے کوئی بھی قیمت ادا کرسکتے ہیں۔ فائل کے مقابلے میں سوبھراج کی معافی کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ یہ بات یوں ہی ہوتی تو اب تک طے ہوچکی ہوتی۔ سوبھراج نے بلاوجہ واشنگٹن کی منظوری کا ڈھکوسلا کھڑا کیا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ہم اس کے دعوے کی تصدیق یا تردید حاصل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔''

''میری بات کا برا نہ منانا۔'' اول خان نے نرمی سے کہا'' تمہاری اس تھیوری میں کئی خامیاں ہیں۔ اول تو یہ تمہاری رائے ہے۔ تم نے اس کے حق میں کوئی دلیل نہیں دی......''

''دلیل بھی سن لو!'' میں نے اس کی بات وہیں کاٹ دی'' مجھ تک رسائی کی کوششوں میں حریفوں کے بہت سے اہم مہرے اپنی جانوں سے ہاتھ دھوچکے ہیں۔ ٹام کا تازہ ترین واقعہ اس کی بدترین مثال تھا۔ سوبھراج یہ باتیں جانتا ہے اس لیے خود الگ تھلگ رہ کر مجھے گھیرنے کی کوششیں کررہا ہے۔ وہ اپنے پیسے کے بل پر آدمی لڑانے کا عادی ہے۔ آج بھی اس نے ایک ایسی کوشش کر کے منہ کی کھائی ہے۔ اس کے پاس وہ فائل ہوتی تو وہ بھاری کشت وخون کا خطرہ مول لیے بغیر اسی کے ذریعے اپنی راہ سیدھی کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ اس متبادل راستے سے محروم ہے اس لیے اپنے سردھڑ کی بازی لگا کر مجھے پکڑنے یا مارنے کی کوششیں کررہا ہے۔''

''تمہاری یہ بات درست ثابت ہوئی تو تمہیں گہرا قلق ہوگا۔''

''قلق کس بات کا ہوگا!'' میں نے نیم دلی سے کہا'' لڑائی میں حقائق ہر لمحے بدلتے رہتے ہیں۔ سچائی آخر میں سامنے آتی ہے۔''

''پارک ٹاورز میں وہ تمہیں گرین کوبرا کا فریب دے کر بھاگنے میں کامیاب ہوا تھا'' اول خان نے مجھے یاد دلایا'' اس وقت تم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہوتے تو سوبھراج کا قصہ وہیں ختم ہوجاتا۔ اتنی بھاگ دوڑ کی نوبت نہ آتی۔''

''یہ ہوتا رہتا ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اسے نہیں چھوڑا تھا۔ ابھی بھی یہ سب ہمارے خیالات ہیں حقیقت سوبھراج اپنی زبان سے اگلے گا کہ فائل آگ کی نذر ہوگئی تھی یا واقعی اس کی تحویل میں ہے۔''

''دوسری بات یہ ہے کہ چین کی حد تک تمہاری بات درست ہے۔ گہری دوستی نہ ہونے کی وجہ سے امریکا چینی عزائم سے بے خبر ہے اور ان کے ہر راز کا سب سے بڑا خریدار ثابت ہوسکتا ہے مگر بھارت سے اس کی گہری دوستی

ہے۔ خطے میں دونوں کی ملی بھگت چل رہی ہے۔ اس کے لیے اس فائل کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے!''

''بھارت بہت بڑا جمہوری ملک ہے۔ وہ اپنے خفیہ قومی منصوبے کسی دوست کو بھی نہیں سونپ سکتے۔ امریکا وہ جانتا ہے جو سامنے ہے۔ طویل مدت کے بھارتی منصوبے ایک راز ہیں۔ وہ فائل ان رازوں کی نقاب کشائی کرتی ہے۔'' میں نے تفصیل سے بتایا ''اگر وہ فائل جل چکی ہے تو اس کی نقلیں بھی اسی قدر اہمیت رکھتی ہیں۔ اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ سوبھراج کے پاس اصل ہے اور نہ اس کی نقل۔ اس نے مجھے اپنے اعتماد میں لینے کے لیے وہ کہانی سنائی تھی۔ اس کی ساری جستجو مجھے زیر کرنے کے لیے ہے۔''

''آج ہونے والا بھاری جانی نقصان اس کے ہوش اڑا دے گا۔''

''اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔'' میں نے کہا ''اسی وجہ سے اس نے بیک وقت سات آدمیوں کا لشکر بھیجا تھا۔ یہ ان کے مقدر کی خرابی تھی کہ ان کی موجودگی میں جلال کے تین آدمی پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔''

''ساتوں میں سے کوئی بھی وہاں سے نہیں نکل سکا ہو گا۔ سب زخمی یا مردہ حالت میں وہاں پڑے ہوئے ہوں گے۔ آئی بی والوں کو خراش تک نہیں آئی ہو گی۔''

''یہ تفصیل جلال سے معلوم ہو گی۔ آج کا سہرا اسی کے سر ہے۔''

''اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں نے بروقت فائر کھول کر تمہارے دشمنوں کے قدم اکھاڑ دیے لیکن پہل تم نے کی تھی۔ تم نے پہلے سے کہنی مار کر مجھے ہوشیار نہ کر دیا ہوتا تو میں تمہاری چیخ سن کر گھبرا جاتا میں نے وہ اشارہ پاتے ہی اس پر حملہ کر دیا۔''

''میں حیران ہوں کہ دونوں انفرا ریڈ دوربینوں کو دھوکا دینے میں کیسے کامیاب ہو گئی۔''

''وہ سب کرائے کے جنگجو تھے۔ انہیں پہاڑی پر جمے ہوئے لوگوں کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ اتفاق سے پہاڑی کی جڑ میں چلے گئے ہوں گے۔ ڈھلان اور چٹانوں کی وجہ سے وہ دونوں اوپر والوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔''

''میں حیران ہوں کہ سوبھراج کو پیسے کے بل پر ایسے لوگ کہاں سے مل جاتے ہیں جو چند سکوں کے حصول کے لیے اپنی جانوں پر کھیل جاتے ہیں!''

''شیر دل کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ بعد میں تم نے اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر لیا لیکن اس نے تک کو مارنے کی پہلی کوشش سوبھراج کے ایما پر کی تھی۔ یہ دور بہت برا آ گیا ہے۔ لوگوں نے پیسے کو اپنی ذات بنا لیا ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے لیے وہ عزت، شہرت اور جان تک داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ میں اپنے شکار کو کُکے مار مار کر ختم کرنا چاہ رہا تھا۔ ایسے لوگ سسک سسک کر مریں تو انہیں اندازہ ہو کہ زندگی کتنی بڑی نعمت ہے۔ تم نے غصے میں اس کی کھوپڑی اڑا کر میرے ساتھ ظلم کیا۔ آج میرا اسکور پھر صفر رہ گیا ہے۔''

''یہ سب دل کو سمجھانے والی باتیں ہیں۔ ہم دونوں کا کوئی اسکور نہیں ہے۔ آج کا پورا آپریشن آئی بی والوں کے کھاتے میں درج کیا جائے گا۔''

''وہ چوروں اور اسمگلروں کی ٹولی کو ٹھکانے لگانے پر ہر اعزاز کے مستحق ہیں۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان ساتوں میں کوئی نام نہاد شریف آدمی بھی شامل نہیں ہو گا۔ ایسے بدخصلت لوگوں کی سرکوبی آئی بی کے دائرہ کار میں نہیں آتی۔ سوبھراج کی وجہ سے جلال کو آج کے قضیے میں ہاتھ ڈالنا پڑا۔ خوشی کی بات ہے کہ وہ سرخرو رہا۔''

اس دوران میں اپریٹس میری گود میں پڑا رہا۔ کچھ دیر تک اس پر پیغامات کے بھرپور تبادلے کی آوازیں آتی رہیں۔ شاید وہ لوگ اپنے حریفوں کے گرد سمٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر انسانی آوازوں کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ شاید وہ پہاڑی سے اتر کر نیچے آ چکے تھے۔ میں نے ریڈیائی لہروں کے بے معنی شور سے اکتا کر اپریٹس بند کر دیا۔

کارروائی کے اس مرحلے پر جلال کو چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہم روشنیوں کی حدود میں داخل ہوئے تو مجھے اول خان کے چہرے پر ایک دو ضربات نظر آئیں۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر سوکھے ہوئے خون کے نشان بھی نمایاں تھے۔ میں نے کسی چیز کی نشان دہی نہیں کی اور سفر خاموشی کے ساتھ جاری رہا۔

ہم گھر پہنچے تو وہاں سب لوگ بے چینی سے ہماری واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔

اول خان ہاتھ منہ دھو کر تازہ دم ہونے کے لیے سیدھا سلطان شاہ کے باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ ان تینوں نے مجھے گھیر لیا۔

کچھ تفصیلات کے ساتھ تازہ ترین واقعات سن کر غزالہ نے سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ہم دونوں ایک جان لیوا صورت حال سے دو چار ہونے کے بعد کامیابی سے زندہ

وسلامت لوٹ آئے تھے۔ سلطان شاہ کو بھی یہ جان کر خوشی ہوئی کہ وہ لوگ تعداد میں سات ہونے کے باوجود ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے تھے۔ ان دونوں کے برعکس ویرا نے کسی خاص ردِّعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے اس کے لیے ان واقعات کی زیادہ اہمیت نہ ہو۔

''تم ان دونوں کی واپسی سے کچھ ناخوش نظر آ رہی ہو۔'' سلطان شاہ نے اسے ٹوکا۔

''تمہیں عینک کی ضرورت ہے۔ تمہاری بینائی خراب ہو رہی ہے۔'' ویرا کے پاس دندان شکن جواب تیار تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے سلطان شاہ کے ساتھ میانہ روی ترک کر کے دوبارہ جارحانہ انداز اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسی لمحے ویرا کو احساس ہو گیا کہ وہ اسے سخت جواب دے بیٹھی ہے۔ اس نے کسی کے منہ کھولنے سے پہلے جلدی سے کہا ''میرا مطلب ہے کہ تمہارا اندازہ غلط ہے۔ میرے حساب سے سوبھراج کو خود وہاں آنا چاہیے تھا۔ میں سوچ رہی ہوں کہ ڈینی سے کہاں غلطی ہوئی تھی۔''

''ڈینی سر کے بل کھڑا ہو جاتا تب بھی وہ بزدل وہاں نہ آتا۔'' اول خان نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے جواب دیا ''اس وقت سوبھراج کا صرف ایک مقصد نظر آ رہا ہے کہ وہ کسی بھی طرح ڈینی کو زیر کر لے۔ وہ خود مقابلے پر آنے سے گھبرا رہا ہے۔ سارا کام بھاڑے کے ٹٹوؤں سے نکلنا چاہ رہا ہے اور آج اس کوشش میں ناکام ہوا ہے۔''

''حیرت ہے کہ وہ سات تھے اور تم دونوں کو زیر نہیں کر سکے۔'' ویرا کی منفی تنقید جاری رہی۔

''تم وہاں موجود ہوتیں تو یہ سوال نہ کرتیں۔ ان کے تین آدمی سامنے آئے تھے۔ چار افراد اپنی کمین گاہ میں دبکے ہوئے تھے۔ ضرورت پڑنے پر وہ بھی سامنے آتے لیکن واقعات اتنی تیزی سے رونما ہوئے کہ ان کی مداخلت کی نوبت آنے سے پہلے ان پر آگ برسنے لگی۔'' میں نے بتایا۔

''یعنی اب سوبھراج کھل کر تمہارے سامنے آ گیا ہے!'' ویرا نے مجھ سے تصدیق چاہی۔

''آج کے واقعات کے بعد کسی آڑ موڑ کی گنجائش نہیں رہی۔''

''یہ برا ہوا۔'' ویرا سوچتے ہوئے بولی ''اب اس سے تمہارا رابطہ ٹوٹ جائے گا اور کچھ پتا نہیں چل سکے گا، وہ کس سمت میں سوچ رہا ہے۔''

''کھلی دشمنی میں یہی ہوتا ہے۔ حریف ایک دوسرے کو بتا کر وار نہیں کرتے۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''اب سوبھراج اس صف میں آ گیا ہے۔''

''اسے فون کر کے دیکھو کہ اب وہ کیا کہتا ہے۔'' ویرا نے مشورہ دیا۔

''اس کے آدمی بدترین شکست سے دو چار ہوئے ہیں۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''میں نے اپنے ہاتھ سے دو آدمیوں کو مارا ہے مگر مجھے یہ پتا نہیں کہ سات میں سے کتنے زندہ بچے ہیں۔ آج کی رات گزر جانے دو کل روانگی سے پہلے اسے چھیڑوں گا۔ اس وقت تک اسے اپنے بھیجے ہوئے آدمیوں کے انجام کا علم ہو چکا ہوگا۔''

''میں نے ٹکٹ دیکھے ہیں۔ ہماری سمتیں مختلف ہیں مگر دونوں پروازوں کی روانگی میں صرف آدھے گھنٹے کا فرق ہے۔ تم گیارہ بجے اور میں ساڑھے گیارہ بجے روانہ ہو جاؤں گی۔''

''میں اس سے بہت پہلے سوبھراج سے بات کر لوں گا۔'' میں نے اسے یقین دلایا ''میں تمہارے مشورے سے پہلے یہ فیصلہ کر چکا تھا۔''

ہمارے ساتھ پیش آنے والے واقعات بہت سنگین نوعیت کے تھے وہ تینوں اس بارے میں بہت کچھ جاننا چاہ رہے تھے لیکن ہم خود پوری تفصیلات سے باخبر نہیں تھے۔ اس تصادم میں میری اور اول خان کی حیثیت مہمان اداکاروں جیسی رہی تھی۔ ہم سجے سجائے محاذ پر پہنچے، دشمن نے للکارا تو ہم نے اپنے جوہر دکھائے اور واپس لوٹ آئے۔ اس سے آگے کی تفصیلات جلال سے معلوم ہو سکتی تھیں۔

اگلی صبح ہماری روانگی کے پیش نظر مجھے توی امید تھی کہ وہ ان ساتوں کے معاملے کو تیزی سے نمٹا کر کسی بھی وقت ہم سے ملنے کے لیے ضرور آئے گا۔ دو بجے میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ ڈور بیل بجی اور پھر وہ ابرار کے ساتھ گھر میں آ گیا۔

اس وقت تک ہم سب ان واقعات پر مغز زنی کر رہے تھے۔ اول خان اپنے گھر فون کرنے کے بعد جم کر وہیں بیٹھ گیا تھا۔ وہ ہماری روانگی سے قبل وہ رات ہمارے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف اسے جلال کی آمد کا انتظار تھا۔

وہ آتے ہی باری باری ہم دونوں سے بغل گیر ہوا اور پھر خاص طور پر ویرا کی طرف متوجہ ہو کر بولا ''آج ساری تیاریوں کے باوجود میں یکا یک بے بس ہو گیا تھا۔ بدمعاشوں پر فائر کیا جاتا تو گولی بہک کر ان کو ہلاک یا زخمی کر سکتی تھی مگر

ان دونوں نے زبردست بہادری دکھائی اور چشم زدن میں وہاں کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔''

''جس طرح تمہارے آدمی بعد میں لڑائی میں شامل ہو گئے تھے اسی طرح میں نے بھی ڈینی کی تقلید کی تھی۔'' اول خان نے وہ وضاحت ضروری سمجھی۔'' اصل کارستانی ڈینی کی تھی۔ اس کی کہنی لگتے ہی میں تیار ہو گیا کہ بس اب کچھ ہونے والا ہے اور وہ ہو گیا۔''

''ان میں سے چار مرے ہیں۔ تین زخمی حالت میں پکڑے گئے ہیں۔ وہ سب سورت کے وجے نامی بدمعاش کے لیے کام کر رہے تھے۔ تینوں میں سے کوئی سوبھراج کو نہیں جانتا۔'' جلال نے مزید انکشاف کیا۔

''سورت!'' ویرا نے حیرت سے دہرایا ''یہ تو شاید کوئی بھارتی شہر ہے!''

''ہاں! ایک شخص کی اکھڑی اکھڑی اردو اور ناک نقشے سے مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ مقامی نہیں ہے۔'' میں نے ویرا کی تائید کرتے ہوئے کہا ''اب جلال اس کی تائید کر رہا ہے۔''

''وجے کیا کہتا ہے؟'' اول خان نے تجسس کے ساتھ سوال کیا۔

''وہ کچھ کہنے سننے کی پوزیشن میں نہیں رہا۔'' جلال نے متاسفانہ لہجے میں بتایا ''جیسے ہی وہ بھاگتا ہوا تمہاری گاڑی سے دور نکلا، میرے ایک نشانچی نے اسے تاک کر ڈھیر کر دیا۔ پکڑے جانے والوں میں دو اس کے ساتھی ہیں۔ وہ بھی بھارتی شہری ہیں۔''

''سورت کے بدمعاش کراچی میں کیا کر رہے تھے!'' ویرا نے حیرت سے کہا۔

''یہ وجے اور سوبھراج کا گٹھ جوڑ تھا۔'' جلال نے بتانا شروع کیا ''ان تین بھارتیوں سمیت چاروں پاکستانی بھی ماہی گیری کرتے ہیں۔ اس آڑ میں یہ سب سادہ لوح لوگوں کو بھاری رقموں کے عوض خلیج کے دہانے پر واقع ریاستوں میں اسمگل کرتے ہیں۔ وجے ایک بڑے فشنگ ٹرالر کا مالک تھا۔ وہ سال کے زیادہ حصے میں گہرے سمندر میں رہتا تھا۔ اس کے کارندے ماہی گیری کی چھوٹی لانچوں میں چوری چھپے لوگوں کو وجے کے ٹرالر پر پہنچاتے ہیں۔ یہ دھندا کاٹھیاواڑ سے گوادر تک کی ساحلی پٹی پر ہوتا ہے۔ ہمارے بعض ماہی گیر بھی وجے کے لیے یہ کام کرتے ہیں۔ ٹرالر پر پہنچائے جانے والے بے یقینی کے عالم میں جانوروں کی طرح اپنے دن گزارتے ہیں۔ بیماروں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ مرنے والوں کی لاشوں کو بے رحمی سے سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے۔ جب ٹرالر پر

پیمانہ صبر

چڑیا گھر میں ایک خاتون نے چڑیا گھر کے ایک ایسے ملازم کو روک لیا جو دیکھ بھال کے لیے اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔ انہوں نے جانوروں کے بارے میں سوالات کر کر کے ملازم کا ناک میں دم کر دیا۔

آخر میں وہ دریائی گھوڑے کے پنجرے کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور اس کے بارے میں بھی کئی سوالات کرنے کے بعد بولیں ''اچھا...... یہ نر ہے یا مادہ......؟''

ان کے سوالات سے ملازم کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے محترمہ؟ فرق تو صرف اس صورت میں پڑ سکتا تھا کہ آپ خود دریائی گھوڑا...... یا پھر اس کی مادہ ہوتیں!''

کھیپ پوری ہو جاتی ہے تو وجے اپنا رخ خلیج کی طرف موڑ لیتا تھا۔ وہاں اس کا ٹرالر گہرے سمندر میں بظاہر ماہی گیری کرتا رہتا تھا۔ اس دوران میں اس کے عرب ایجنٹ اپنی لانچوں کے ذریعے ان لوگوں کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں اومان کے کسی ویران ساحل تک پہنچا دیتے تھے۔''

''یہ وجے کی کہانی ہوئی، وہ سوبھراج سے کیسے مل بیٹھا؟'' ویرا نے پوچھا۔

''اس بارے میں کوئی کچھ نہیں بتا سکا۔ قاسم فشریز، روزگار انٹرنیشنل اور کارگو کنگ کے واقعات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں کے پرانے مراسم تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وجے مقامیوں سے لین دین کے معاملات نمٹانے کے لیے یہاں آیا ہوا ہو اور سوبھراج نے اسے اپنے کام میں اٹکا لیا ہو۔ یہ سب ابتدائی معلومات ہیں۔ تفتیش ہوگی تو بہت کچھ سامنے آ سکتا ہے۔ میں تم لوگوں کی روانگی کے پروگرام کی وجہ سے سب کچھ ادھورا چھوڑ کر ادھر چلا آیا تھا کہ تم کو بریف کر سکوں!''

''کس سلسلے میں؟'' بریفنگ کا ذکر آتے ہی میرے کان کھڑے ہو گئے۔

جلال نے اول خان پر ایک نظر ڈالی پھر اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کر میری طرف بڑھایا ''یہ تم لوگوں کی سفری ضروریات کے لیے ایک چھوٹا سا نذرانہ ہے۔ اس میں چالیس ہزار ڈالر کے ٹریولرز چیک ہیں۔ انہیں آپس میں بانٹ کر پشت پر دستخط کر لینا تاکہ ان کے

کھوتے کی صورت میں کلیم کیا جا سکے۔"
میں نے لفافہ تھام کر کہا "ہمیں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ بڑی رقم ہے۔ کہاں سے دے رہے ہو؟"
"میں خود تنخواہ دار سرکاری ملازم ہوں۔ اپنی جیب سے نہیں دے سکتا۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "یہ رقم اسی مد میں سے آئی ہے جس سے ٹکٹ بنوائے گئے ہیں۔" اول خان کی موجودگی کی وجہ سے اس نے سیکرٹ فنڈ کا ذکر گول کر دیا۔
"ایسا تو نہیں کہ یہ ہمارے کام کا پیشگی معاوضہ ہو؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
"چاہو تو یہ بھی سمجھ سکتے ہو۔" اس نے بلا پس وپیش جواب دیا "تم نے پہلے بہت سے کام کیے ہیں اور اب گرین کوبرا قاتل کی تلاش میں ہو، وجے کا معاملہ سامنے آنے کے بعد مجھے یقین ہو چلا ہے کہ چھوٹا راجن اور سوبھراج میں بھی مفاہمت چل رہی ہے۔"
"اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہنا چاہیے۔" میں نے کہا "قاسم بتا چکا ہے کہ یہاں سے جانے والی ہیروئن چھوٹا راجن کے ذریعے ہی بیچی جاتی تھی اور سوبھراج اسی سے اپنا حساب کتاب کرتا تھا۔"
"بس یہی تمہاری بریفنگ ہے۔ تم جانتے ہو کہ ان لوگوں سے کیسے نمٹا جا سکتا ہے۔"
"میں مشرق کی طرف جا رہا ہوں۔ ویرا اور سلطان شاہ کا رخ مغرب کی طرف ہوگا۔ یہ دونوں سیر وتفریح کے سوا کیا کریں گے۔ انہیں نذرانہ مل رہا ہے تو کام بھی ملنا چاہیے!"
"تمہاری طرح ویرا بھی بہت سمجھ دار ہے۔ اگر اس کے اور سلطان شاہ کے درمیان مفاہمت کی فضا رہی تو یہ دونوں وہاں سے واپسی پر خالی ہاتھ نہیں آئیں گے۔ بس یہ خیال رکھنا کہ اس سرزمین پر تم سے کوئی چوک ہو گئی تو پھر نجات کی راہ نہیں مل سکے گی۔ کوئی کام ہو یا نہ ہو، اپنی زندگیوں کو ہرگز داؤ پر نہ لگانا۔" آخری فقرے اس نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔
"کام ہو یا نہ ہو، سرکاری وظیفہ مل گیا ہے۔" ویرا نے شوخی سے کہا "اپنی جان ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے۔ کوئی اسے بلاوجہ داؤ پر نہیں لگاتا۔ تم مجھے ان لوگوں کے فون نمبر دے دو جو امریکا میں تمہارے لیے کام کرتے ہیں تاکہ کسی ضرورت کے وقت میں ان سے رابطہ کر سکوں۔"
"فی الحال یہ ممکن نہیں ہے!" جلال نے کہا۔
اس کا جواب سن کر ویرا کا چہرہ اتر گیا اور وہ بولی "تم نے ڈینی کو اپنے بنکاک بیورو والے کا نمبر دے دیا ہے تو میرے لیے یہ سہولت کیوں نہیں ہے؟"
"اوہو! تم ہر بات کو پل بھر میں ذاتی سطح پر لے جاتی ہو۔" جلال نے ہنس کر جواب دیا "تمہارے بجائے ڈینی امریکا جا رہا ہوتا تو اسے بھی میرا یہی جواب ہوتا۔ اس وقت امریکا اور یورپ کے بعض اہم ملکوں میں ہمارے آدمی کسی خاص مشن میں مصروف ہیں۔ ہم خود بھی کسی ناگزیر ضرورت کے تحت ان سے رابطہ کرتے ہیں۔"
جلال کا جواب سن کر اول خان کی آنکھوں میں یکا یک چمک سی لہرا گئی جیسے وہ جلال کی بات کی تہ تک پہنچ گیا ہو مگر ویرا مطمئن نہیں ہو سکی۔
"تم بھی ان سے رابطہ کرنے سے گریز کر رہے ہو تو وہ کس کے لیے کام کر رہے ہیں؟"
"میں اس تفصیل پر روشنی نہیں ڈال سکتا۔" جلال نے معذرت کی "تمہارے اس سوال کا جواب ریاستی رازوں کے تحفظ کے قانون کے دائرے میں آتا ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ جوں ہی حالات نے اجازت دی تمہیں سب کچھ بتا دیا جائے گا۔"
"یہ تمہارے مسائل ہیں!" ویرا نے شانے اچکا کر بے پروائی سے کہا "ان کے بارے میں تم بہتر فیصلے کر سکتے ہو۔ میں امریکا میں اپنے وسائل سے بھی بہت کچھ کر سکتی ہوں۔"
ویرا اس وقت اچھے موڈ میں تھی۔ وہ بات کسی بدمزگی کے بغیر ٹل گئی۔
جلال کو زندہ پکڑے جانے والوں سے بازپرس کی زیادہ فکر تھی۔ وہ اس اہم کام کو ذاتی طور پر انجام دینا چاہتا تھا۔ ویرانے میں ہمارے ساتھ اچانک رونما ہونے والی خطرناک صورت حال پر ذاتی معذرت کرنے کے لیے وہ لاشوں اور قیدیوں کو اپنے آدمیوں کے سپرد کر کے ہماری طرف دوڑا چلا آیا تھا۔ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ چند منٹ بعد وہ انتہائی پرتپاک انداز میں ہم چاروں کو الوداع کہہ کر رخصت ہو گیا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنی مصروفیات کی بنا پر ہماری روانگی کے وقت ائرپورٹ پر نہیں آسکے گا۔
میں نے بھی اس بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے امید تھی کہ ہماری پاکستان سے روانگی میں کوئی رکاوٹ پیش آئی تو اول خان ہماری مدد کے لیے وہاں موجود ہوگا۔ ایک بار اپنے وطن کی زمین چھوڑ دینے کے بعد ہمیں درپیش فوری خطرات میں نمایاں کمی آسکتی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈیلی کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ را اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران ٹام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ قاسم فشریز پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوبھراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد فشریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوری طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سوبھراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کوبرا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔ بعد میں جلال نے اس دعوے کی تصدیق کر دی۔ اس کے مطابق مذکورہ فائل سوبھراج نے اپنے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ سوبھراج کا کہنا تھا کہ وہ گرین کوبرا اپنی سلامتی کی ضمانت تھی۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکرا تا رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا ساماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے

معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز یکے بعد دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر نام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور نام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش و خروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کردی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کو برانامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تھائی لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کر رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلاتوقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ٹاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہوگیا۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے مخدوش ہوگیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کرلی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کر سکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے نام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کرلی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوگئے تھے۔ ان حالات میں میرا ملک سے نکل جانا ہی بہتر تھا لہٰذا میں نے اپنی تیاریاں مکمل کرلیں۔ میرا ارادہ تھائی لینڈ جانے کا تھا۔ جب کہ ویرا نے حیرت انگیز طور پر سلطان شاہ کے ساتھ امریکا کا رخت سفر باندھ لیا تھا۔

اب آپ قسط نمبر 243 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

''مبارک ہو!'' ایک قدرے طویل اور بوجھل سکوت کے بعد ویرا مجھ سے مخاطب ہو کر بولی'' اب ہم چاروں پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ بن گئے ہیں۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو!'' میں نے قدرے ترش لہجے میں کہا'' تم ننھی سی بچی نہیں ہو۔ ان کھیلوں کو خوب اچھی طرح جانتی ہو۔ ہم امن و عافیت کی راہ سے اچانک تلوار کی تیز دھار پر آگئے ہیں۔ تلوار اپنی جگہ سے ہل جائے یا ہم سے کوئی لغزش ہو' دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی نکلے گا۔ ہم بے موت مارے جائیں گے۔''

''یہ ایسا خطرناک معاملہ ہے تو تمہیں جلال کی پیشکش قبول کرنے سے صاف انکار کر دینا چاہیے تھا۔'' وہ میرے لہجے کی ترشی کی پروا کیے بغیر بولی'' وہ تمہارا گہرا دوست ہے۔ تم پر زبردستی کوئی ذمے داری نہیں تھوپے گا۔''

''اس نے اپنی دانست میں ہمارے ساتھ بہت بڑی بھلائی کی ہے۔ میں اس سے اس فیصلے کے منفی پہلوؤں پر بات نہیں کر سکتا تھا۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تو پھر تمہیں اس فیصلے میں کیڑے کیوں نظر آرہے ہیں؟'' اس نے برجستہ سوال کر ڈالا'' تم اس وقت الجھی ہوئی باتیں کر رہے ہو۔''

''ڈینی کی باتوں میں کوئی ابہام نہیں ہے۔'' اول خان نے مضبوط لہجے میں میرا ساتھ دیا'' ایسے کاموں میں عارضی عملے کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ کرائے کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتے ہیں۔ جب تک حالات سازگار رہتے ہیں سب انہیں اپنے سر کا تاج بنائے رہتے ہیں۔ ان پر کوئی برا وقت آتا ہے تو ان سے فیض اٹھانے والے بھی ان سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ وہ دشمن کے چنگل میں بے یار و مددگار رہ جاتے ہیں انہیں اپنی لڑائی خود لڑنا پڑتی ہے۔''

اول خان میرے ذرا سے اشارے پر بات کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہی ایک بات میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔

ان دنوں میں نے اخبارات میں ایک بھارتی مسلمان کا دردناک احوال پڑھا تھا جو بارہ برس پہلے اپنے عزیزوں سے ملنے کے لیے پاکستان جانے کا خواہش مند تھا۔ شاید را کے کسی سورما نے اسے پہلے سے تاکا ہوا تھا۔ کافی پھیروں کے بعد جب وہ آخرکار اپنا ویزا حاصل کر کے پاکستانی سفارت خانے سے لوٹ رہا تھا تو راستے میں را کے آدمی نے اسے گھیر لیا۔

وہ شخص غریب طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ را والے نے اسے بھاری زادِ راہ کے ساتھ آنے والے دنوں کے سہانے سپنے دکھائے تو وہ اس ترغیب کو نظر انداز نہیں کر سکا' آسانی کے ساتھ اس کے جال میں پھنس گیا۔

دو ہفتوں کی ہنگامی تربیت اور بریفنگ کے بعد اسے پاکستان روانگی کی اجازت مل گئی۔ وہاں وہ چشمہ نیوکلیر پاور پروجیکٹ کے قریب مشتبہ حالت میں گھومتا ہوا پکڑا گیا۔ اس کے کیمرے میں کئی حسّاس مقامات کی تصاویر موجود تھیں۔ وہ پاکستانی حکام کے عتاب کا نشانہ بن گیا۔

اپنی زندگی کے اس بدترین دور میں اسے را والوں کی طرف سے مدد کی امید تھی لیکن کوئی اس کا پرسانِ حال نہیں تھا۔

وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا اور غیر ملکی تخریب کار ثابت ہو چکا تھا۔ تفتیش اور مقدمے کے دوران وہ کئی برس تک مختلف پاکستانی جیلوں میں سڑتا رہا پھر اسے لمبی مدت کی قید

بامشقت کی سزا سنادی گئی۔ بھارت سے کسی نے پلٹ کر اس کی خبر لی نہ اس کے مقدمے کی پیروی میں کوئی مدد فراہم کی گئی۔

وہ بارہ برس بعد رہا ہو کر بیماری اور کمزوری کی حالت میں اپنے وطن واپس پہنچا تو را والوں نے سرے سے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا' مہینوں اِدھر اُدھر دھکے کھانے کے بعد اس نے پارلیمنٹ کے سامنے دھرنا دینے کی کوشش کی تو پولیس والوں نے لاتیں مار کر اسے بھگا دیا۔

وہ را والوں سے اس رقم کا طلب گار تھا جو اسے پاکستان سے واپسی پر غیر مشروط طور پر دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے محض اپنے وطن کی خاطر اپنی جوانی کے بارہ برس دشمن کی جیلوں میں گزارے تھے تو اسے باقی ماندہ زندگی نئے سرے سے شروع کرنے کے لیے وہ رقم طلب کرنے کا پورا اخلاقی اور قانونی حق حاصل تھا۔

نئی دہلی کے ایک مشہور وکیل نے اس بدنصیب کی کتھا سن کر اس کی طرف سے عدالت میں را کے خلاف ہرجانے کا دعویٰ دائر کر دیا تھا جسے سماعت کے لیے منظور کر لیا گیا تھا۔

ویسے شاید کسی کو کانوں کان بھی اس شخص کی روداد ابتلا کا علم نہ ہوتا لیکن عدالت میں مقدمے کی سماعت کی منظوری ملتے ہی اس کی کہانی نے اخباری حلقوں کی توجہ حاصل کر لی اور یوں وہ خبر میری نظروں میں بھی آ گئی جو ریاستی مہم جوئی کے خوفناک حقائق کو بے نقاب کرتی تھی۔ کہنے کو کچھ بھی کہا جا سکتا تھا لیکن میری نگاہ حقائق پر مرکوز تھی۔

ہمارے لیے حالات سازگار نہیں رہے تھے۔ دشمن نے ہمارے ہاتھوں پے در پے اتنی مار کھائی تھی کہ اس وقت اپنی پوری توجہ ہماری سرکوبی پر مرکوز کر دی تھی۔ ان لوگوں کے دماغوں میں بجا طور پر یہ خیال جاگزیں ہو چکا تھا کہ بعض بارسوخ اور سرکردہ سرکاری اہل کار ہماری پشت پناہی کر رہے ہیں۔ وہ چوہوں کی طرح بلوں میں چھپے ہوئے اپنے حریفوں کو ڈھونڈ نکالنے کے دعوے دار تھے۔ یہ اور بات تھی کہ میرے اور ویرا کے بارے میں وہ ایک مدت سے ناکامیوں کی خاک چاٹ رہے تھے۔

حد یہ تھی کہ مقامی حالات کا فائدہ اٹھا کر انہوں نے کراچی کی پوری انتظامیہ کی سرگرمیوں کی انفرادی مانیٹرنگ شروع کی ہوئی تھی۔ وہ ان افراد اور قوتوں کا کھوج لگانا چاہتے تھے جو زبانی طور پر ہمارے بدترین دشمن بنے ہوئے تھے اور ہمیں ہر قیمت پر پکڑنے کے لیے کوشاں تھے لیکن عملی طور پر ہمارے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔

وہ کوئی بے سروپا افواہ نہیں ایک مصدقہ خبر تھی۔ ان لوگوں کی پر اسرار سرگرمیوں کی بنا پر اول خان جیسا جاں نثار دوست بھی ہماری بے مقصد تلاش میں اپنے آدمیوں کو شہر بھر میں ادھر سے ادھر دوڑانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

ان حالات میں ہم شہر بلکہ ملک سے کوچ کرنے والے تھے۔ ہماری کوئی چیز اصلی نہیں تھی۔ ناموں اور شناخت ناموں سے لے کر ویزا تک ہر چیز جعلی تھی۔ ایک مرتبہ ہم اپنے وطن کی مٹی چھوڑ کر دور نکل جاتے تو یقینی طور پر بے امان ہو جاتے۔ جب تک تقدیر ہمارا ساتھ دیتی ہم آگے بڑھتے رہتے۔ کہیں بھی کوئی رکاوٹ پیش آنے کی صورت میں اپنی کھال بچانے کی ذمے داری ہماری اپنی ہوتی۔ پاکستان سے کوئی بھی ہماری مدد نہیں کر سکتا تھا۔

وہ ایک تلخ ترین حقیقت تھی جس کا پوری طرح ادراک کیے بغیر ملک سے باہر قدم نکالنا حماقت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔

ملک اور قوم کے دشمنوں سے محاذ آرائی کے لیے کسی نے ہمیں مجبور نہیں کیا تھا۔ پاکستان کے کروڑوں شہری ان سیاسی' فوجی' معاشی اور معاشرتی دشمنیوں سے بے نیاز ہو کر' لگے بندھے انداز میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ سر جھکا کر اپنی روزی اور روزگار کے مسائل حل کرنے میں لگے رہتے ہیں اور پھر فرصت کے اوقات اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ ہنسی خوشی گزارتے ہیں۔ انہیں کسی سوبھراج کی فکر ہوتی ہے نہ ٹام ڈک اور ہیری کی۔

چاہتا تو میں بھی کروڑوں کی اس بھیڑ میں شامل ہو کر سکھ چین کی زندگی بسر کر سکتا تھا لیکن میں نے ملک میں ہیروئن کی پھیلتی ہوئی وبا کے خطرے کو بھانپ کر جی لائیڈ اور اس کی شی کی خلاف بغاوت کر کے اپنی مرضی سے اس پُر خطر راہ کا انتخاب کیا تھا۔ مجھے جلال' اول خان یا کسی اور نے ان معرکہ آرائیوں میں نہیں دھکیلا تھا۔

کروڑوں انسانوں کے سکون کے لیے ملک بھر میں ہزاروں یا شاید لاکھوں انسان دن رات خطرات سے کھیل کر اپنے وطن کی مٹی کی حفاظت کر رہے تھے۔ مجھے کبھی یہ زعم نہیں رہا تھا کہ میں ان راستوں کا اکلوتا راہی تھا۔ بہت سے لوگ حدود و قیود میں رہ کر بھی بڑے بڑے کام کر رہے تھے۔ مجھے یہ فخر ضرور تھا کہ میں بھی ان کا ہم سفر تھا اور اسی مشن کی تکمیل کے لیے ہمیں بیرون ملک کا سفر درپیش تھا۔

اس مرحلے پر ملک سے باہر کا سفر خطرناک ضرور تھا لیکن

مایوس کن نہیں کہا جا سکتا تھا۔
جمی لائیڈ سے شروع ہونے والی لڑائی کی بنا ہیروئن بنی تھی جو قرب و جوار کے سرحدی علاقوں سے سستے داموں لا کر اس سے بھی سستے داموں پر ملک بھر میں پھیلائی جا رہی تھی اور کئی سو گنا منافع پر باہر بھی اسمگل کی جا رہی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بنیاد وسیع تر ہوتی چلی گئی منفی مقاصد کے لیے کام کرنے والے دشمنوں کے چہرے مختلف تھے لیکن ان میں کہیں نہ کہیں ہیروئن ایک قدر مشترک ضرور تھی۔ میں اس بات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا تھا کہ افیم کی کاشت والے پاکستانی اور افغان علاقوں میں ایک جرمن کیمسٹ نے ہیروئن بنانے کا نسخہ پھیلایا اور پھر پیداوار پر جمی لائیڈ نے قبضہ جما لیا۔ جمی لائیڈ وہ شخص تھا جو واشنگٹن کے وائٹ ہاؤس کی پختہ روش پر اپنی کار کے قریب کسی بے آواز رائفل کی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ ایک مستند ہیروئن فروش کا امریکی ایوانِ صدر میں مارا جانا کسی وضاحت کا محتاج نہیں تھا۔ دوسرے سرے پر سوبھراج نظر آ رہا تھا جو خود بھی در پردہ ہیروئن کی بھاری اسمگلنگ میں ملوث تھا۔
''تم کس سوچ میں ڈوب گئے؟'' مجھے خاموش پا کر ویرا نے ٹوکا۔
''میرا ذہن ماضی میں بھٹک گیا تھا۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
''کیا بھارت کا سفر یاد آ گیا؟'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
''ڈالٹن...... ڈاکٹر پی جے ڈالٹن یاد آ گیا تھا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔
''اوہ!'' ویرا نے ہلکا سا بے ساختہ قہقہہ لگایا ''تم تو بہت پیچھے چلے گئے۔ اب یہ نہ کہہ دینا کہ اس خطے میں ہیروئن کو میں نے متعارف کرایا ہے۔''
''مجھے خوشی ہے کہ میرے کہنے سے پہلے تم نے یہ بات کہہ ڈالی۔ اسی کو ضمیر کہتے ہیں۔ انسان زبان سے جو چاہے کہتا رہے' اندر کی آواز رہ رہ کر اسے کچوکے لگاتی رہتی ہے۔''
''میں نے یہ بات مذاق میں کہی تھی تم بلا وجہ سنجیدہ ہو رہے ہو۔'' ویرا کے تیور بدل گئے۔
''تم دونوں نے اچانک کیا قصہ شروع کر دیا؟'' اول خان نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔
''دلچسپ کہانی ہے۔'' سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔
''اس علاقے میں افیم صدیوں سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس کا ہیروئن نامی الکلائیڈ بنانے کی سادہ سی ٹکنالوجی ڈاکٹر ڈالٹن نے سب سے پہلے مومن خان کو فروخت کی تھی۔ یہ زیادہ پرانا واقعہ نہیں ہے۔'' میں نے اول خان کو بتا کر تائید طلب نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا۔
''آج تم نے میرے سامنے پہلی بار یہ ذکر چھیڑا ہے تو اپنی معلومات کی تصحیح بھی کر لو۔'' ویرا نے دھیمے اور قدرے شکست خوردہ لہجے میں کہا ''مومن خان اس وقت افیم کی سب سے بڑی فصل کا مالک تھا۔ ڈالٹن کو شی نے ایک لاکھ جرمن مارک دیے تھے۔ مومن خان بیچ کا آدمی تھا۔ ڈالٹن اسے طریقہ سکھا کر واپس چلا گیا۔ ہم مومن خان سے اس کی فصل کا سودا افیم کے دام پر طے کرتے تھے۔ وہ خاموشی سے اس کی ہیروئن بنا کر ہمیں دے دیتا تھا۔ مومن خان کی لیبارٹری سے بات باہر نکلنے کے بعد صورتحال بدل گئی۔ لوگ افیم کے بجائے ہیروئن کے سودے کرنے لگے۔''
''شاید تم لوگ ہیروئن کی تاریخ میں الجھ گئے ہو۔'' اول خان نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ''اس وقت اس تذکرے کی کیا تک ہے...... صبح تم چاروں کی روانگی ہے۔''
''اس سفر کے خیال سے پرانی یادیں خود بہ خود بیدار ہو رہی ہیں۔'' میں نے دھیمے سے کہا ''وہ میرے سفر کی ابتدا تھی اور اب تک میں کم و بیش وہی لڑائی لڑ رہا ہوں۔''
اول خان ہنس دیا ''تم بھی دور کی کوڑی لاتے ہو۔ اب سوبھراج اور چھوٹا راجن ہیروئن کے بڑے بیوپاری ہیں اور تمہارے دشمن ہیں۔''
''ڈینی کے ذہن میں فلیش بیک ہو رہے ہیں۔'' ویرا نے ہنستے ہوئے سرسری انداز میں کہا ''شاید اس کا سبب وہی دونوں ہیں جن کے نام تم نے لیے ہیں۔ قصہ یہ تھا کہ ہیروئن کوئی نئی ایجاد نہیں تھی۔ یورپ میں اسے بنانے کا نسخہ موجود تھا لیکن اس کے مضر اثرات کی وجہ سے اسے ادویات کی فہرست سے خارج کر دیا گیا تھا۔ شی نے میرے ذریعے ایک لاکھ جرمن مارک کے عوض ڈاکٹر ڈالٹن کی خدمات خریدی تھیں تاکہ وہ تمہارے قبائلی علاقے کے سب سے بڑے زمیندار اور اس کی آدمیوں کو افیم سے ہیروئن بنانا سکھا دے۔ ڈالٹن نے یہ گُر مومن خان کے آدمیوں کو سکھا دیا اور افغانستان پر روسی یورش کے دنوں میں اس خطے میں پہلی بار ہیروئن بننا شروع ہو گئی۔ یوں سمجھ لو کہ تقریباً سات کلو افیم سے صرف ایک کلو ہیروئن تیار ہوتی ہے۔ نقل و حمل کے وزن میں

زبردست کمی ہو جاتی ہے اور ایک کلو ہیروئن کے دام عالمی منڈی میں سات کلو کیا بلکہ دس کلو افیم سے بھی کئی سو گنا زیادہ ہوتے ہیں۔ شی نے مختصر سی مدت میں مومن خان کی مدد سے کروڑوں ڈالر کما لیے۔''

''ہمارے خطے کے لیے ہیروئن کا نشہ چند برس پہلے تک کوئی وجود نہیں رکھتا تھا'' اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر تفکر آمیز لہجے میں جواب دیا'' اگر ڈالٹن نے رقم کے لالچ میں یہ بیج یہاں بویا تھا تو تاریخ اسے کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اچھا ہوا کہ یہ راز بھی آج کھل کر سامنے آ گیا۔ مجھے ہمیشہ سے حیرت تھی کہ مجرموں نے خسارے کی سرمایہ کاری کیسے کی۔ اب پتا چلا کہ وہ مومن خان کو اندھیرے میں رکھ کر ہیروئن کوڑیوں کے مول خرید رہے تھے!''

''یہ بھی یاد رکھنے والی بات ہے کہ شی کا بانی جمی لائیڈ تھا جسے ویرا اپنا باپ کہتی ہے۔'' سلطان شاہ نے اس کی بات پوری ہوتے ہی لقمہ دیا'' اور شی کے ایما پر ویرا نے ڈالٹن کو گھیر کر جرمنی سے ہمارے سرحدی پہاڑوں میں پہنچایا تھا۔''

اول خان کے ہونٹوں پر ہلکی سی، بے جان مسکراہٹ تیر گئی'' میرے یاد رکھنے یا بھول جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آنے والے وقتوں میں ساری کڑیاں خود بہ خود سامنے آتی چلی جائیں گی۔ تاریخ کے بے رحم دھارے کو موڑا نہیں جا سکتا۔''

''آج اتنے برسوں کے بعد تمہیں یہ بھولی بسری باتیں کیسے یاد آ گئیں؟'' ویرا نے مجھ سے خفت آمیز لہجے میں پوچھا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے تم اول خان کے ایسے ہی سوال کا جواب دے چکی ہو۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا'' ایسے دور رس حقائق پر جب تک کھل کر تبادلہ خیال نہ ہو، الجھنیں ستاتی رہتی ہیں، بندشیں بیک ہوتے رہتے ہیں۔''

''ہم مدت سے ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ تم کسی بھی وقت بات کر کے اپنی الجھنیں دور کر سکتے تھے!'' ویرا نے نرمی سے کہا۔

''بس تمہاری دل آزاری کے خیال سے خاموش رہا۔''

''تو کیا اب مجھے نادم کرنے کے لیے یہ قصہ نکالا ہے؟''

''دیکھو! تم نے بہکنا شروع کر دیا۔'' میں نے اسے وہیں ٹوک دیا'' اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی میں وہیں کھڑا ہوا ہوں۔ صرف نام اور چہرے بدلے ہیں، دھندا وہی پرانا ہے۔ بس یہ خیال مجھے دور تک بہا کر لے گیا۔''

ویرا چند ثانیوں تک خاموش رہی پھر ہلکے سے استہزائیہ انداز میں بولی'' میرے بارے میں تم کو دوسرے ذرائع سے بہت سی معلومات حاصل ہوئی ہوں گی۔ مجھے بھی تمہارے بارے میں بالا ہی بالا بہت کچھ معلوم ہوتا رہا۔ ہم ایک دوسرے کی دشمنی کو بھول کر اب دوستی کی راہ پر گامزن ہیں لیکن ہم نے کبھی آمنے سامنے بیٹھ ان باتوں کو صاف نہیں کیا جو ایک دوسرے کے خلاف ہمارے ذہن میں جڑیں پکڑی ہوئی ہیں۔''

''میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کی وضاحت یا صفائی کی ضرورت ہو۔''

''ابھی تم نے ڈالٹن کا ذکر چھیڑا تھا!'' ویرا نے طنز سے کہا۔

''وہ کوئی وہم نہیں تھا۔ میں نے ایک ٹھوس حقیقت کا ذکر کیا تھا۔ تم اسے تسلیم کر رہی ہو۔ حقائق اور شکوک و شبہات میں بہت فرق ہوتا ہے۔''

''کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تمہیں میرے کسی قول، فعل یا نیت پر کسی قسم کا کوئی شک یا شبہ نہیں ہے؟'' ویرا نے زور دے کر مجھ سے تائید طلب کی۔

''چاہو تو میں یہ باتیں لکھ کر دے سکتا ہوں۔ ایک دوسرے پر بھرپور اعتماد کیے بغیر ہم زیادہ دیر تک ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔

''ویری گڈ!'' ویرا خوش ہو کر اپنے دیدے گھماتے ہوئے بولی'' یہ میرے لیے ایک اعزاز ہے۔ تم سب گواہ رہنا کہ آج ڈینی نے مجھے زبانی سرٹیفکیٹ دے دیا ہے۔''

''یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔'' غزالہ بلا توقف بولی'' ہم سب عملی طور پر تم پر اپنے پورے اعتماد کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ ڈینی تم کو بعض ایسے رازوں میں شریک کر لیتے ہیں جن کے بارے میں مجھے بہت دیر سے علم ہوتا ہے۔''

''میرے لیے یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' ویرا اپنے شانے جھٹک کر بے پروائی سے بولی'' قصہ در اصل یہ ہے کہ تم اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لینے کے بعد خالص خانہ دار خاتون بن گئی ہو عملی کارروائیوں سے عام طور پر دور رہتی ہو۔ کبھی کبھی جوش آتا ہے تو کچھ کر گزرتی ہو ورنہ تمہاری ذات پر پھر وہی جمود طاری ہو جاتا ہے۔ یہ.....''

غزالہ نے اچانک اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا'' میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس وقت تم میری تعریف کر رہی ہو

یا میرا مذاق اڑا رہی ہو!''

''میں تمہارا مذاق اڑانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔'' ویرا نے جلدی سے وضاحت کی ''ہم میں سے کسی نہ کسی کو گھر بھی سنبھالنا چاہیے۔ ایک سگھڑ بیوی کی حیثیت سے تم نے یہ ذمے داری رضا کارانہ طور پر اپنے سر لی ہوئی ہے۔ یہ بہت اچھی اور قابلِ تعریف بات ہے۔ ذرا سی تنقید کا جواز یہ ہے کہ ڈینی کو اپنا کام آگے بڑھانے کے لیے ہر وقت نفری کی ضرورت رہتی ہے۔ اس معاملے میں تم پیچھے رہتی ہو۔''

''میں ہر جگہ اپنی ٹانگ نہیں اڑاتی جہاں میری ضرورت ہوتی ہے' میں کبھی پیچھے نہیں ہٹتی۔ متعدد واقعات کی تم خود گواہ ہو۔'' غزالہ نے بے باکی سے جواب دیا۔

''ہاں...... آں......!'' ویرا پُر خیال انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولی ''تمہاری یہ بات بھی کسی حد تک درست ہے۔ دراصل میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ ڈینی مجھے اعتماد میں لے کر مجھ پر کوئی احسان نہیں کرتا۔ مشورے اور معاونت کے لیے مجھے بہت کچھ بتانا اس کی مجبوری بن جاتا ہے اور میں نے اسے کبھی مایوس نہیں کیا۔''

''ہٹ دھرمی ایک خوفناک بیماری ہے۔'' سلطان شاہ نے اول خان سے مخاطب ہو کر گہری سنجیدگی سے کہا ''یہ کسی کو لاحق ہو جائے تو اسے اپنے گرد و پیش میں اپنی ذات کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ کوئی ہوتا بھی ہے تو وہ اسے بونا لگتا ہے۔''

''اول خان کو کیا بتا رہے ہو۔ میری طرف دیکھ کر بات کرو؟'' ویرا بولی۔

''میں خاص طور پر تمہاری بات نہیں کر رہا۔ اول خان کو اپنے تجربے کی بات بتا رہا تھا۔ میں نے عام طور پر یہی سب دیکھا ہے۔''

''تم جو چاہو کہتے رہو۔ میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''میں بھی اول خان کو یہی بتا رہا تھا۔ ہٹ دھرم پر کسی کے کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اپنی ہانکنے میں مگن رہتا ہے۔'' سلطان شاہ نے کہا۔ اس نے درمیان میں دخل انداز ہو کر غزالہ اور ویرا کی بحث کا رخ اچانک موڑ دیا تھا۔

''دنیا کا کوئی معقول آدمی بے سر و پا باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔'' قدرے ترش لہجے میں سلطان شاہ کو وہ جواب دے کر ویرا میری طرف متوجہ ہوگئی ''جلال کا دیا ہوا لفافہ کب تک میز پر پڑا رہے گا۔''

''اوہ...... تو تمہاری نظر ان ٹریولرز چیکس پر ہے!'' سلطان شاہ نے پھر اپنی ٹانگ اڑائی۔ ویرا نے اس کی بات سنی اَن سنی کر دی۔ اس کی نگاہیں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''چاہو تو تم پورا لفافہ لے سکتی ہو۔''

''میں نے ساری رقم لے لی تو میں عمر بھر تم تینوں میں سے ایک شخص کے جلے کٹے طعنے سنتی رہوں گی۔'' اس نے کہا ''بہتر یہی ہے کہ جلال کے مشورے کے مطابق اس کے حصے بخرے کر دو۔ کسی کے پیٹ میں مروڑ نہیں ہوگی۔''

اس نے کسی کا نام نہیں لیا تھا لیکن اس کا واضح اشارہ سلطان شاہ کی طرف تھا۔ اس نے برا سا منہ بنایا اور اپنی جگہ پر کسمسا کر رہ گیا۔

میں نے لفافہ اٹھایا اور اس میں سے دس دس ہزار ڈالرز کے ٹریولرز چیک گن کر ویرا اور سلطان شاہ کے حوالے کر دیے۔

ویرا نے اس گڈی کو گنے بغیر' موڑ کر چوما اور فخریہ لہجے میں بولی ''میں جب سے پاکستان میں ہوں تم لوگوں کے مال پر عیش کر رہی ہوں۔ یہ یہاں میری پہلی کمائی ہے جو مجھے میرے حق کے طور پر ملی ہے۔''

''شہر کی کچی آبادیوں میں ابھی کمانے والیوں کی مانگ ہے۔ تم چاہو تو وہاں دل کھول کر کما سکتی ہو۔'' سلطان شاہ نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

ویرا بہت اردو داں بنتی تھی لیکن اس وقت سلطان شاہ سے مات کھا گئی۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کمانے والی بات اس کے سر پر سے گزر گئی تھی۔ شاید وہ اپنی خفّت چھپانے کے لیے اسے گول ہی کر دیتی مگر غزالہ اور اول خان کے ہونٹوں پر ابھرنے والی خفیف سی مسکراہٹ نے اسے تذبذب میں ڈال دیا۔

''تم کن کمانے والیوں کی بات کر رہے ہو؟'' اس نے غرا کر سلطان شاہ سے پوچھا۔

''ابھی رہنے دو۔ امریکا پہنچ کر بتا دوں گا۔'' سلطان شاہ نے فتح مندانہ انداز میں جواب دیا ''بے فکر رہو۔ یہ کوئی برا حوالہ نہیں ہے۔''

''یہ باتیں ساری رات چلتی رہیں گی۔'' اول خان نے موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے کہا ''ہوسکے تو کچھ شکم پری کے بعد آرام کر لیا جائے۔''

باتوں میں کسی کو کھانے کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ اس دوران میں دین محمد ہم لوگوں کی جانب سے کسی ہدایت کے انتظار میں آس پاس منڈلا رہا تھا۔ اول خان کے بلند آہنگ لہجے میں شکم پری کا ذکر سنتے ہی وہ ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

ویرا ڈھٹائی سے اپنی جگہ پر جمی رہی۔ غزالہ اٹھ کر اس کے ساتھ کچن کی طرف ہو لی۔

''کھانے اور آرام کے درمیان میں سوبھراج کا کوئی ذکر نہیں ہے!'' غزالہ کے چلے جانے کے بعد ویرا نے اول خان سے کہا۔

اول خان کی مستفسرانہ نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

''میرا ارادہ ہے کہ دو بجے کے بعد اس کو دیکھا جائے۔'' میں نے کہا۔

تو کیا سفر سے پہلے سونے کا ارادہ نہیں ہے؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''تم چاہو تو اسی وقت سو سکتی ہو۔ مجھے نیند نہیں آئے گی۔ تھوڑی دیر کے لیے کمر سیدھی کرنے کے بعد میں سکون کے ساتھ اس سے بات کروں گا۔''

''کیا دو بجے کے بارے میں تمہیں کسی جوتشی نے ہدایت دی ہے؟'' ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

''بعض اوقات تمہاری عقل پٹری سے اتر جاتی ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا'' سوبھراج کے لیے وہ بہت بڑی مہم تھی۔ تمہیں اس کا اندازہ اس کے بھیجے ہوئے آدمیوں کی تعداد سے ہو جانا چاہیے۔ وہ خود وہاں نہیں آیا۔ اپنی کمین گاہ پر رک کر اپنی مہم جوئی کے نتائج کا انتظار کر رہا ہوگا۔ کم از کم دو تین گھنٹوں تک وہ اپنے آدمیوں کی طرف سے کسی خبر کا انتظار کرے گا۔ اس کے بعد وہ مایوس ہو کر دوسرے ذرائع کو حرکت میں لائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں اسے فون کروں تو اسے اپنے آدمیوں کے انجام کا علم ہو چکا ہو۔''

ویرا خاموشی اور دھیان سے میری بات سنتی رہی۔ میرے خاموش ہوتے ہی وہ فیصلہ کن انداز میں بولی'' تم اس انتظار میں ہو تو میری بات کہیں لکھ لو کہ اسے اپنے ذرائع سے زندگی بھر ان ساتوں کے انجام کا علم نہیں ہو سکے گا۔''

''میں نے تلخی سے اس کے دعوے پر تنقید کرنے کا ارادہ کیا اور اسے فوری طور پر ملتوی بلکہ منسوخ کر دیا۔

اپنے آدمیوں کی طرف سے کوئی رابطہ نہ ہونے سے اسے یہ یقین تو ہو جاتا کہ وہ ناکامی سے دوچار ہو چکے ہیں لیکن اس کے پاس یہ حقیقت معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ ان سب کا کیا انجام ہوا ہے۔

واقعہ بھرے پرے شہر میں نہیں بلکہ ایک ویرانے میں پیش آیا تھا۔ فائرنگ کے دھواں دھار تبادلے اور انجام سے صرف وہی لوگ واقف تھے جو اس مقابلے میں شریک تھے اور زندہ بچے تھے۔ سوبھراج یا وجے کے زندہ بچنے والے تینوں آدمی آئی بی کے قیدی بن چکے تھے۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ سوبھراج یا کسی اور کو اپنی حالت سے آگاہ کر سکیں۔ جو مارے گئے تھے' ان کا ذکر ہی بے سود تھا۔

دوسری طرف سوبھراج خود مخدوش حالات سے دوچار تھا اور روپوشی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ وہ چوری چھپے باہر نکلنے کا خطرہ مول لیتا تھا۔ اس کے لیے یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کی تلاش میں جائے واردات تک پہنچنے کی ہمت کر سکے۔

وقت گزرنے اور اپنے آدمیوں کی طرف سے کوئی رپورٹ نہ ملنے سے اسے یہ اندازہ ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ ناکامی سے دوچار ہوئے ہیں۔ اس سے آگے کچھ جاننا اس کی بساط سے باہر تھا۔ اسے صرف اخبارات میں آنے والی خبروں سے ہی کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔

آئی بی والے اپنی سرگرمیوں کی اخباری تشہیر سے ہمیشہ گریز کرتے ہیں۔ ان کے آپریشنز کی کوریج کے لیے اخباری رپورٹر اور فوٹو گرافر موجود نہیں ہوتے۔ ملک و قوم کے مفاد میں انہیں جو کچھ کرنا ہوتا ہے وہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے کر گزرتے ہیں اور ضروری ہو تو ان کے اعلیٰ افسران غور و فکر کے بعد اپنی پالیسی کے مطابق اخبارات کے لیے بریفنگ جاری کر دیتے ہیں۔

مجھے مکمل یقین تھا کہ اگلی صبح کے اخبارات میں اس واقعے کے بارے میں کچھ بھی نہیں آ سکے گا۔ واقعہ بہت اہم تھا جس میں دو مقامیوں کے ساتھ پانچ بھارتی اسمگلر بھی ملوث تھے جن میں سورت کا وجے نامی بدمعاش بھی شامل تھا۔ چار بدمعاشوں کی ہلاکت اور تین کی گرفتاری کے بارے میں کم از کم ایک دن کی تاخیر سے اخبارات میں کوئی خبر آ سکتی تھی۔ اس وقت سے پہلے سوبھراج کو علم نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے بھیجے ہوئے درندے کس افتاد سے گزرے تھے۔

''اسے صحیح واقعات کا علم ہو یا نہ ہو' وقت گزرنے سے

اسے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ اس کے آدمی ناکامی سے دوچار ہوئے ہیں۔'' میں نے مصالحت آمیز انداز میں ویرا سے کہا۔

''سوبھراج نے وہ بکھیڑا تمہیں گھیرنے کے لیے پھیلایا تھا۔ تمہاری آواز سنتے ہی اسے اندازہ ہو جانا چاہیے کہ اس کے آدمی تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔'' ویرا اپنی جگہ پر اڑی رہی۔

''یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو؟'' میں نے زچ ہو کر پوچھا۔

''وقت ضائع کرنے کے بجائے کھانے سے فارغ ہو کر اس خبیث سے بات کرو۔'' ویرا نے ناصحانہ لہجے میں کہا'' ذہن سے ایک بوجھ اتر جائے گا اور ہم یکسو ہو کر کچھ دیر کے لیے آرام کر سکیں گے۔ ہم کسی غیر معمولی بندوبست کے بغیر عام مسافروں کی طرح اپنے سفر پر روانہ ہوں گے۔ ہمیں نو بجے تک ائرپورٹ پر پہنچ جانا چاہیے تاکہ ہم روٹین میں چیک اِن اور امیگریشن کے مراحل سے گزر سکیں۔ اس کے لیے ہمیں سات بجے سے تیاری شروع کرنا ہوگی۔''

''چلو تمہاری یہ بات مان لی گئی!'' میں نے اس کے مشورے کی معقولیت تسلیم کر لی۔

''اور یہ بھی طے کر لو کہ گھر کا کیا بنے گا۔ ہم چاروں کے روانہ ہونے سے پہلے گھر کو بھی سمیٹنا ہے۔'' وہ بولی۔ ''گلنے سڑنے والی چیزوں کو ریفریجریٹر سے نکال کر پھینکنا ہے۔ گھر کو احتیاط سے مقفل کرنا ہے۔ بہتر ہوگا کہ جہانگیر کو بھی اپنے پروگرام سے مطلع کر دو۔ تمہارے یکایک غائب ہونے سے وہ بے چارہ اور اس کی بیوی پریشان ہو جائے گی۔''

''تم کو بھی سوچنے کی عادت پڑتی جارہی ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا'' گھر کو سمیٹنا اور سنگوانا عورتوں کا کام ہے۔ اس بارے میں تم غزالہ سے مشورہ کر لو۔ میں جہانگیر سے بات کر لوں گا۔ یہ ضروری ہے اچھا ہوا کہ تم نے یاد دلا دیا۔ میں اسے بھول گیا تھا۔''

''گھر کو مقفل کر کے چابیاں اول خان کو دے دی جائیں!'' ویرا نے تائید چاہی۔

''یہ تمہارا گھر ہے۔'' میرے کچھ کہنے سے پہلے اول خان بول پڑا'' جو چاہو فیصلہ کرو' میری رائے ہے کہ تمہیں ان بکھیڑوں میں الجھ کر اپنا وقت خراب کرنے کی ضرورت نہیں' ابرار اور دین محمد میرے اعتماد کے آدمی ہیں تم چاہو تو تمہاری غیر حاضری میں وہ یہاں رہ کر گھر کی دیکھ بھال کرتے رہیں گے۔ تم لوگ آؤ گے تو تمہیں گھر صاف ستھرا اور کھلا ہوا ملے گا۔''

''ویری گڈ...... یہ تجویز بہت اچھی ہے۔'' ویرا خوش ہو کر بولی'' تمہارے شہر میں سبزے کا قحط ہے۔ ہوا کے ساتھ ہر وقت دھول اڑتی رہتی ہے' چار دنوں میں پورا گھر گرد و غبار سے اَٹ جائے گا۔ وہ دونوں یہاں رہتے رہیں گے تو ہمیں بے فکری رہے گی۔ تمہارے دونوں آدمی محنتی اور ایمان دار ہیں۔ بس ایک ڈر ہے۔ کمرے میں میری کئی بوتلیں پڑی ہوئی ہیں۔ میدان صاف پا کر کہیں ان کی نیت خراب نہ ہو جائے۔''

''دونوں پکے دین دار اور نمازی ہیں۔ مجھے ان سے ایسی توقع نہیں ہے۔'' اول خان نے پورے اعتماد سے کہا'' پھر بھی تنہائی میں شیطان کو آتے دیر نہیں لگتی۔ میرا مشورہ ہے کہ بوتلوں کو کہیں چھپا کر مقفل کر دو۔''

''بہتر یہی ہوگا کہ انہیں نالی میں بہا کر خالی کر دو۔'' سلطان شاہ نے بھی اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھا'' شیطان تمہارا پیچھا چھوڑ دے گا اور تم ڈینی کی طرح پارسا ہو جاؤ گی۔''

''شیطان تمہاری کھوپڑی میں گھسا رہتا ہے۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

''مجھے بیچ میں مت لاؤ۔ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا' اول خان کی بات دہرائی ہے' تم اپنے کمرے میں تنہا ہوتی ہو اور تم پر شیطان آجاتا ہے۔ نتیجے میں ایک آدھ بوتل خالی ہو جاتی ہے۔ اس کا عذاب ہم سب کو بھگتنا پڑتا ہے۔''

''یہ میرا ذاتی معاملہ ہے!'' ویرا اسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں بولی'' کسی کو اس پر رائے زنی کا حق نہیں ہے میں جو کچھ کرتی ہوں' اپنے کمرے میں کرتی ہوں۔ تمہاری طرح گھر بھر میں بہکی بہکی باتیں نہیں کرتی پھرتی۔ جس دن مجھ پر واقعی شیطان آگیا میں ایسی بے ہودہ باتوں پر تمہارا گلا دبوچ لوں گی اور تمہاری زبان کو ہمیشہ کے لیے قرار آجائے گا۔''

''میں نے تمہارے بارے میں کچھ نہیں کہا'' ویرا کے تیور دیکھ کر اول خان نے مدافعانہ لہجے میں وضاحت کی'' میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میرے آدمیوں پر تنہائی

میں شیطان آ گیا تو وہ تمہاری امانت میں خیانت کر سکتے ہیں۔ کیوں کسی کو ایسی کھلی آزمائش میں ڈالا جائے۔''
وہ بات وہیں ختم ہو گئی۔ غزالہ نے آکر کھانے کی میز لگ جانے کا اعلان کیا تھا۔
کھانے کے دوران میں باتوں کا دور چلتا رہا۔ ان میں تلخی نام کو نہیں تھی۔ ہم لوگوں میں یہ رسم اچھی تھی کہ کوئی کسی بات کو اپنے دل میں لے کر نہیں بیٹھتا تھا۔ وقتی طور پر کوئی تلخی ترشی ہو جاتی تھی تو ہر فریق اسی وقت اپنی بھڑاس نکال کر اپنے دل کو ٹھنڈا کر لیتا تھا' کوئی بات ضرورت سے زیادہ طول نہیں پکڑتی تھی۔
کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پانچوں ایک ایک کر کے دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ میں سگریٹ سلگا کر فون کے قریب والے صوفے پر ٹک گیا۔
چائے کا دور شروع ہوا تو ویرا رہ رہ کر مجھے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اسے انتظار تھا کہ میں کب سوبھراج سے رابطہ کرتا ہوں۔
میں نے چائے ختم کرنے کے بعد فون کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ویرا غیر ارادی طور پر پہلو بدل کر رہ گئی۔ میں نے نمبر ملانے کے بعد اسٹیشن فور کے آپریٹر سے جہانگیر کا نمبر مانگا تو ویرا کے چہرے پر یکایک مایوسی پھیل گئی۔ میں ریسیور کان سے لگائے کن انکھیوں سے اسے دیکھتا رہا۔
جہانگیر سے فون پر بات کرنے کا مشورہ بھی اسی کا تھا اس لیے وہ کوئی اعتراض نہیں کر سکی۔ غصیلی نظروں سے مجھے گھورتی رہ گئی۔
اسٹیشن فور پر جہانگیر ہائی سکیورٹی کے درجے کا مہمان تھا۔ کسی اجنبی کے لیے اس سے کسی بھی طرح رابطہ قائم کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسٹیشن فور کا آپریٹر میری آواز پہچانتا تھا اور ایس ٹی ایف کے ساتھ میرے قریبی مراسم سے بھی پوری طرح باخبر تھا۔ اس نے کسی توقف کے بغیر جہانگیر سے لائن ملا دی۔
آپریٹر نے جہانگیر کو شاید یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ میری کال تھی۔ اس نے بہت خشک لہجے میں ہیلو کہا تھا'' معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری مادہ تم سے کچھ روٹھی ہوئی ہے!'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
''ابے! یہ تم ہو!'' میرے کان میں اس کی بے ساختہ اور مسرت آمیز آواز گونجی'' کہاں مرے ہوئے ہو۔ یہاں تو کوئی تم کو نہیں جانتا۔ جس سے تمہارے بارے میں پوچھتا ہوں وہ من بھر کی منڈیا ہلا کر صاف انجان بن جاتا ہے۔ یہ کیا چکر ہے؟''
''کوئی چکر نہیں ہے۔ تم بے فکری سے مفت کی روٹیاں توڑتے رہو اور عیش کرو' وہاں پرندہ بھی اجازت کے بغیر پر نہیں مار سکتا۔ میرے بارے میں اول خان کے سوا کوئی تمہیں کچھ نہیں بتائے گا۔ یہ بتاؤ کہ وہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔''
''یہ لوگ بہت مہمان نواز ہیں۔ ہر بات کا خیال رکھتے ہیں۔ کمرے میں ساری سہولتیں موجود ہیں۔ سچ پوچھو تو میرے لیے یہ جگہ جنت سے کم نہیں۔ جان کا خطرہ ہے نہ دشمن کا کوئی خوف' جب جی چاہتا ہے بے فکری سے ٹانگیں پسار کر سوتا ہوں' بس ایک چیز کی کمی ہے۔''
''وہ کیا۔'' میں نے فکرمندی سے پوچھا'' مجھے بتاؤ میں اول خان سے بات کروں گا۔''
فون پر اس کی ہنسی کی بے ساختہ آواز آئی پھر اس نے کہا'' وہ شریف آدمی ہے اس سے کوئی بات نہ کرنا دراصل یہاں رونق نہیں ہے۔''
''میں تمہاری بات نہیں سمجھا' کیا تمہارے باہر نکلنے پر اب بھی پابندی ہے؟'' جہانگیر سے وہ سوال کرتے ہوئے میری نظریں اول خان کی طرف اٹھ گئیں۔ ریسیور پر بات ہونے کی وجہ سے اول خان کو موضوع سخن کا علم نہیں ہو سکا تھا لیکن اس نے میرا سوال سن کر اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔
اسی لمحے جہانگیر نے اول خان کی تائید کر دی۔ وہ کہہ رہا تھا'' ہیلی کاپٹر کی پرواز والے واقعے کے بعد ذرا احتیاط کا مشورہ دیا گیا تھا۔ اب ہر طرف گھومنے پھرنے کی پوری آزادی ہے۔ ایس ٹی ایف والے فوجی تو نہیں ہیں لیکن ان کی ساری عادتیں اور طور طریقے فوجیوں جیسے ہیں۔ ہر وقت سنجیدہ اور مودب رہتے ہیں۔ کھانا لانے والے سے ذرا مذاق کرنے کی کوشش کی تو وہ یوں اٹینشن کھڑا رہا جیسے میں اسے کوئی سنگین حکم نامہ سنا رہا ہوں......''
''میں سمجھ گیا۔'' میں نے گفتگو مختصر کرنے کے لیے اس کی بات کاٹ کر کہا'' اول خان اپنے عملے کو ہدایت کر دے گا کہ وہ لوگ تمہارے ساتھ برابری کا دوستانہ رویہ اپنائیں......''
''خاک سمجھ گئے۔'' اس بار جہانگیر نے جل کر میری بات کاٹ دی'' مجھے ان لوگوں کی دوستی اور دشمنی سے کیا لینا ہے میں کہہ رہا تھا کہ یہ بغیر حوروں کی جنت ہے۔ روکھی پھیکی اور بے رونق!''

''لعنت ہو تم پر!'' میں نے جھلا کر کہا ''دشمن کی قید میں بھوکا پیاسا مرنے کے بعد تمہارا یہ حال ہے۔ سلمٰی کہاں ہے اس وقت؟''

''غسل فرما رہی ہے!'' جہانگیر کی آواز میں شوخی اُمڈ آئی ''اس پر فرض ہو گیا تھا۔''

''میں نے تم سے زیادہ ڈھیٹ اور بے شرم آدمی آج تک نہیں دیکھا!'' اس کا جواب سن کر میرا پارا چڑھ گیا ''وہ کمرے میں نہیں ہے۔ اسی لیے تم بہک رہے ہو۔''

''ابھی کہاں۔ بہکنے کا وقت تو سورج ڈھلنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اول بھائی نے سارا بندوبست کیا ہوا ہے اور یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ میں دن میں نہ پیا کروں۔ میں پورے خلوص سے ان کے مشورے پر عمل کر رہا ہوں۔ جب تک باہر نکل کر سورج غروب ہونے کا یقین نہیں کر لیتا، بوتل کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ میرے اس روٹین سے سلمٰی بھی بہت خوش ہے۔ اول بھائی کو دل سے دعائیں دیتی ہے۔''

اس کی زبان سے اول بھائی کی تکرار سن کر میرا خون کھول اٹھا۔ اسٹیشن فور پر ملاقات کے موقع پر اس نے یکایک اول خان کو اپنا بھائی قرار دیا تھا تو میرے ساتھ مل کر سلمٰی نے بھی اسے بہت مطعون کیا تھا کہ محض شراب ملنے کے چکر میں اس نے اول خان کو اول بھائی بنا لیا تھا۔ اس وقت جہانگیر شرمندہ ہوا تھا۔ رواروی میں اس نے وعدہ بھی کر لیا تھا کہ وہ آئندہ اسے اول بھائی نہیں کہے گا لیکن وہ شرابی ہی کیا جو اپنے دماغ میں گھسی ہوئی کسی بات کو آسانی سے نکالنے میں کامیاب ہو سکے۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ اپنا وعدہ بھول گیا مگر اسے اول بھائی یاد رہا۔

اسے لعنت ملامت کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اول خان کے نام کے ساتھ پہلے کی طرح مزید کچھ نازیبا حوالے دیے جاتے لیکن اول خان ہمارے ساتھ موجود تھا۔ وہ جہانگیر کا کہا ہوا نہیں سن رہا تھا۔ میری باتیں اسے ناگوار گزر سکتی تھیں۔

میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا ''اول خان تمہارا سگا بھائی ہے تو میرا گہرا دوست ہے۔ میں اسے منع کر دوں تو اسٹیشن فور میں تمہیں شراب کا ایک قطرہ بھی نہیں ملے گا۔''

''ایسا ظلم نہ کرنا!'' اس کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی ''میرے لیے یہاں سکھ سے رہنا مشکل ہو جائے گا۔ میں ذرا نشے میں ہوتا ہوں تو سلمٰی اول فول بک کر اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لیتی ہے۔ مجھے پتا بھی نہیں چلتا کیونکہ میرے لیے اس وقت وہ صرف ایک عورت ہوتی ہے۔ مرد اپنے پہلو میں آئی ہوئی عورت کی گالیاں کھا کر بھی بے مزہ نہیں ہوتا۔ صبح ہوتی ہے اور سلمٰی کا دل ہلکا ہو چکا ہوتا ہے، اپن کو کچھ یاد نہیں ہوتا۔ سارا دن اچھا گزر جاتا ہے۔''

''اگر تم سکھی ہو تو میں بھی خوش ہوں۔'' میں نے اس کی وضاحت قبول کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں نے اس وقت یہی معلوم کرنے کے لیے فون کیا تھا کہ وہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ دراصل میں کچھ عرصے کے لیے باہر جا رہا ہوں۔ میری غیر حاضری میں اول خان تمہاری ضروریات کا خیال رکھے گا۔ اس دوران میں تم اپنے فلیٹ میں واپسی کے بارے میں نہیں سوچو گے۔''

''تم کہاں جا رہے ہو؟'' اس کا لہجہ تجسس آمیز ہو گیا۔

''تمہاری بازیابی کے بعد سے میرے دشمنوں کے حملوں میں تیزی آ گئی ہے۔ ان کا زور توڑنے کے لیے میرا کراچی سے غائب ہونا ضروری ہو گیا ہے۔''

میرے پیش کیے ہوئے اس مضبوط جواز نے اسے تشویش میں ڈال دیا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس کی سنجیدہ آواز ابھری ''اکیلے جا رہے ہو؟''

''غزالہ میرے ساتھ ہو گی۔'' میں نے اس کی تشویش رفع کرنے کے لیے جواب دیا۔

''پھر اپنی بلبل کو بھی یہاں بھیج دو۔'' وہ خوش ہو کر بولا ''ویرا بہت اچھی لڑکی ہے۔ آئے گی تو یہاں رونق ہو جائے گی۔''

جہانگیر جو اپنے دور کا ایک بے جگر لڑاکا اور نامور سورما تھا، خانہ نشین ہونے کے بعد رفتہ رفتہ اس حال کو پہنچ گیا تھا کہ اسے شراب اور عورت کے سوا دنیا و مافیہا میں کسی چیز کا ہوش نہیں رہا تھا۔ شراب نوشی کے معاملے میں وہ اپنے شوق سے زیادہ ندیدے پن کا مظاہرہ کرتا تھا۔ عورتوں کے بارے میں اس پر ایک ٹھرک سوار تھی۔ وہ کسی کا پیچھا نہیں کرتا تھا۔ سامنے آنے والی ہر عورت پر اس کی رال ٹپک پڑتی تھی۔ اس کی اسی عورت نوازی سے تنگ آ کر سلمٰی نے گھر میں کام کرنے والی کئی عورتوں کو نکالا تھا اور آخر کار خود ہی گھریلو کام کرنے لگی تھی۔

غصے کے ساتھ مجھے اس پر رحم آ گیا۔ میں نے اسے زیادہ ملامت کرنے کے بجائے ہلکی سی سرزنش پر اکتفا کرتے ہوئے کہا ''یہ بلبل عقاب کی طرح پنجوں سے آنکھ نوچ لینے کا فن جانتی ہے۔ ان چیزوں کی خواہش مت کیا کرو جو کبھی تمہاری دسترس میں نہ آ سکیں۔''

''شاعری کر رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قتالہ تمہارے

آس پاس موجود ہے۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے اپنے ہوش حواس میں رہا کرو۔ تمہاری باتیں کسی اور نے سن لیں تو تمہارا اعتبار جاتا رہے گا۔''

''آئندہ خیال رکھوں گا۔ اتنی اجازت تو ہے نا کہ کبھی دل گھبرائے تو فون پر اس سے بات کرلیا کروں۔ اس بہانے تمہاری یاد تازہ ہوتی رہے گی۔''

''ابھی میں مر نہیں رہا جو تمہیں میری یاد تازہ کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ میری غیر حاضری میں تمہارا فون کرنا بے سود ہوگا۔ دشمن ہم سب کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ سلطان شاہ گھر کو تالا ڈال کر ویرا کو اپنے ساتھ گاؤں لے جائے گا۔''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم دونوں بھی یہاں رہنے کے بجائے سلطان شاہ کے گاؤں چلے جائیں۔ ہماری آب و ہوا تبدیل ہو جائے گی۔'' اس نے جھٹ سوال کر دیا۔

''میرے فیصلے کے مطابق تم کو وہیں رہنا ہے۔ اپنی مرضی سے تم جہنم میں بھی جا سکتے ہو میں تمہیں نہیں روکوں گا۔''

''نہیں بھیجنا تو انکار کر دو۔ یوں ناراض کیوں ہو رہے ہو۔'' بات کرتے کرتے اچانک اس کا لہجہ بدل گیا۔ ''لو! تمہاری چہیتی بھی بدن پر گز بھر کا تولیا لپیٹ کر غسل خانے سے آ گئیں؟''

وہ اس کی طرف سے اطلاع تھی۔ میں نے کہا ''ابھی تم مجھ سے جو بکواس کر رہے تھے وہ سلمٰی کے سامنے دہرا دو تو میں تمہاری باتیں مان لوں گا۔''

''یار! تم بھی نرے گھامڑ ہو۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ تم ذرا ذرا سی بات پر سنجیدہ ہو جاتے ہو۔ یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔''

''بس، اب اپنی کھال میں رہنا۔ اول خان کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ واپسی پر میں نے تمہاری کوئی شکایت سنی تو کھال اُتروا دوں گا۔''

''میں کسی کی دھمکیوں سے نہیں ڈرتا لیکن یہ میرا شریفانہ وعدہ ہے کہ اول...... بھھ...... بھا...... خان کو مجھ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تم کتنے دنوں میں آ جاؤ گے۔؟''

اس نے جن مضحکہ خیز آوازوں کے ساتھ اول خان سے اپنا برادرانہ رشتہ جوڑنے سے گریز کیا تھا ان پر میں بہت مشکل سے اپنی بے ساختہ ہنسی ضبط کر سکا۔ لمحہ بھر بعد میں نے جواب دیا۔ ''مطلع صاف ہونے سے پہلے میری واپسی مشکل ہے۔ یہ مدت دو دن سے دو چار مہینے تک کچھ بھی ہو سکتی ہے۔ میں آتے ہی تم سے رابطہ کروں گا۔''

''اب اتنے طوطا چشم نہ بنو۔ کبھی کبھی باہر سے بھی فون کر لینا۔''

میں نے اس سے رسمی وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔

''اس سے کس بلبل کا ذکر ہو رہا تھا؟'' ویرا اسی لمحے سوال کر بیٹھی۔

''بلبل!'' میں نے حیرت سے دہرایا پھر سنبھل کر کہا۔ ''ہاں...... دراصل وہ کسی ایسی بلبل کی تمنا کر رہا تھا جو اس کے اشاروں پر سلمٰی کو تنگ کر سکے۔ ظاہر ہے کہ ایسی بلبل پلٹ کر خود اس پر بھی حملہ کر سکتی ہے۔ بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔''

''تم کچھ چھپا رہے ہو!'' ویرا نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا ''تم نے کسی خاص بلبل کے بارے میں پورے وثوق سے بتایا تھا کہ وہ عقاب کی طرح آنکھ نوچنے کا فن بھی جانتی ہے۔''

''بتایا تھا!'' میں نے دیدہ دلیری کے ساتھ اعتراف کیا ''جانور کتنا ہی پالتو اور وفادار کیوں نہ ہو، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس پر کب حیوانی جبلّت غالب آ جائے گی۔''

ویرا کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرے جواب سے مطمئن نہیں ہو سکی تھی لیکن اس نے مجھ سے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ چپ سادھ لی۔

جہانگیر سے ہونے والی گفتگو سب نے سنی تھی۔ اس کی ذاتی نوعیت کی بنا پر کسی نے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں نے ویرا کی زبان بند رکھنے کے لیے اسپیکر فون پر سوبھراج کا نمبر ملا لیا۔

''تت...... تم ڈینی...... تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟'' میری آواز سنتے ہی اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں سوال کیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ جب ریور روڈ والے واقعے کے بعد میں اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''آج تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا ''میں نو بجے سے وہاں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ ابھی ابھی واپس آیا ہوں۔''

''تم جھوٹے اور اوّل درجے کے کمینے ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ میرے آدمی کہاں ہیں۔''

''کن آدمیوں کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے ذہن میں ایک خیال آتے ہی معصومانہ لہجے میں پوچھا۔

''وہی جو تمہیں اپنے ساتھ سرحد لے جاتے۔'' اس کی اضطراری آواز آئی۔

''مجھے بھی شکوہ ہے کہ تمہارے مضبوط وعدے کے باوجود کوئی وہاں نہیں آیا۔ کسی وجہ سے پروگرام بدل گیا تھا تو مجھے

فون کر دیتے!''

ویرا نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ کر مسرت سے فضا میں ہاتھ اچھالے۔ اسے خوشی ہوئی تھی کہ میں نے سوبھراج کی بے خبری اور مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک برجستہ قلابازی کھائی تھی۔

''ڈینی! مجھ سے تمہارا یہ حرامی پن نہیں چلے گا۔'' اس بار سوبھراج کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی ''تم نے میرے ساتھ کوئی بڑا گیم کھیلا ہے۔ کہیں سے کوئی خبر نہ ملنے پر، میں نے مجبور ہو کر ایک آدمی کو ادھر بھیجا تھا۔ وہ پہاڑی پر بنے ہوئے مزار کے اندھے مجاور سے مل کر تھوڑی دیر پہلے واپس آیا ہے۔ اس نے مجھے رپورٹ دی ہے کہ وہاں زبردست لڑائی ہوئی تھی۔ دھواں دھار فائرنگ کے ساتھ چیخیں بھی فضا میں گونجتی رہی تھیں۔ اندھے مجاور کو کچھ پتا نہیں چلا کہ وہاں کیا ہوا تھا۔ وہاں کی کھلی ہوئی فضا میں ابھی تک جلتے ہوئے بارود کی بو موجود تھی اور تم سفید جھوٹ بول رہے ہو کہ کوئی وہاں نہیں پہنچا۔ وہاں کوئی نہیں تھا تو گولیاں کس نے چلائیں؟ چیخیں کس کی تھیں؟''

''ہوسکتا ہے کہ میرے پہنچنے سے پہلے وہاں کچھ ہوا ہو۔ میں سڑک کے کنارے رکا رہا لیکن راون سے ملنے کے لیے کوئی رام نہیں آیا۔'' اس کے مشتعل ہونے کے باوجود میں اپنی کہانی پر ڈٹا رہا۔ میں کچے میں اترتا تو شاید مجھے بھی جلتے ہوئے بارود کی تیز بو محسوس ہو جاتی۔ تمہارا آدمی وہاں سے اور کیا خبر لایا ہے۔''

''وہ چوہے کا بچہ تھا۔ وہاں سے ڈر کر بھاگ آیا۔'' اس کی آواز میں نفرت اور حقارت کے کوندے لپک رہے تھے ''وہ کچھ معلوم کر کے آیا ہوتا تو مجھے تم سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ وہاں سات آدمی گئے تھے۔ ان میں سے کسی کی کوئی خبر نہیں مل رہی۔ یہ بتاؤ کہ انہیں زمین کھا گئی یا آسمان؟''

''مجھے سرحد پار پہنچانے کے لیے سات آدمی بھیجے گئے تھے!'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کیوں چبا چبا کر باتیں کر رہے ہو۔ وہاں گولیاں چلی ہیں، خون بہا ہے۔ یہ مذاق نہیں ہے۔ کل تک اخباروں میں سب کچھ آ جائے گا۔ اب میں تمہارے دھوکے میں نہیں آؤں گا۔ تم میری گھات میں لگے ہوئے ہو اور میں تمہاری تاک میں تھا۔ وہ لوگ تمہاری قبر کھودنے کے لیے گئے تھے۔''

''میرے لیے یہ نئی اطلاع ہے کہ تم میرے اتنے خطرناک دشمن ہو۔ میں اب تک تم پر بھروسا کر رہا تھا۔ اب مجھے خوشی ہے کہ میرے چکر میں تم اپنے سات آدمی کھو چکے ہو۔ میں نے کئی بار تمہیں ڈھیل دے کر تمہارے جھوٹے وعدوں پر اعتبار کیا ہے۔ آج پتا چلا کہ تم روز اول کی طرح اب بھی میرے خون کے پیاسے ہو۔ اب میں تمہیں پاتال میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔''

وہ خوف، تذبذب اور انتشار کی ملی جلی کیفیات میں مبتلا تھا۔ اس نے میری طرف سے لاعلمی کے اظہار کا فائدہ اٹھا کر کوئی نئی کہانی تراشنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کھل کر اپنے ارادوں کا اظہار کر دیا تھا۔ اس کے بعد میری طرف سے جوابی سختی کا مظاہرہ ناگزیر ہو گیا تھا۔ سوبھراج سے منافقانہ مفاہمت کے سارے دروازے بند ہو چکے تھے۔ میرا لب ولہجہ یکسر تبدیل ہو گیا۔

''دیکھتا ہوں کہ کون کس کو چھوڑتا ہے۔'' اس کی سفاکانہ آواز ابھری ''اب تک تمہارے بچے رہنے کی وجہ یہ تھی کہ کوئی تم کو نہیں پہچانتا تھا۔ نک سے ٹام تک سب اسی سبب سے تم سے مار کھاتے رہے۔ میں نے پارک ٹاورز میں تم کو دیکھ لیا ہے۔ میں سیکڑوں کی بھیڑ میں تمہیں الگ سے پہچان سکتا ہوں۔ اب تم میرے ہاتھوں کتے کی موت مارے جاؤ گے۔''

''سنی ہٹ کا واقعہ یاد رکھنا۔'' میں نے زہریلے لہجے میں جواب دیا ''وہاں ٹام کے دو کمانڈوز کتے کے ساتھ مارے گئے تھے۔ تمہاری لاش کسی خارش زدہ کتے کی دم سے بندھی ہوئی پائی جائے گی۔ جسے اپنے بھیجے ہوئے سات آدمیوں کی کوئی خیر خبر نہیں وہ زیادہ دیر تک اپنی چمڑی نہیں بچا سکتا۔''

''وہ فریب کا شکار ہوئے ہیں۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے!'' وہ غرایا۔

''بہت خوب۔ وہ ساتوں شاید میرے لیے حلوا پوری کے خوان لے کر آئے تھے۔''

''تم مان رہے ہو کہ ان سے تمہارا سامنا ہوا تھا؟'' بگڑی ہوئی دماغی حالت کے باعث وہ اپنے بے ساختہ تجسس کو دبانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

''تم جیسے مکار بھیڑیے سے اب کچھ چھپانا بے سود ہے۔ آخر کار تم اپنی اصل کی طرف لوٹ کر پاکستانی ہندوؤں کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا بن رہے ہو۔ تمہارے بھارتی بدمعاشوں نے مجھے گن پوائنٹ پر لے کر تصادم کی ابتدا کی تھی۔ اس کے بعد وہاں وہ ہوا جو تمہارے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا۔''

''یہ جھوٹ ہے۔ ان میں کوئی بھارتی نہیں تھا۔'' وہ غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''سورت کا وجے کہاں سے آیا؟ اس کے دونوں ساتھی

کون تھے؟''
''پتا نہیں تم کہاں کی ہانک رہے ہو۔ وہ تین نہیں، سات تھے، سات!''
''رام بن کے میرے سامنے آنے والا وجے بھی سات کی ٹولی میں آیا تھا۔ تین بھارتی اور چار مقامی۔ اب تم کبھی ان سے نہیں مل سکو گے!''
''کیا تم نے ان سب کو مار ڈالا؟'' پہلی بار اس کی آواز سے سراسیمگی کا اظہار ہوا۔
''مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟'' میں نے طنز سے کہا ''کل کے اخباروں سے تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ وجے سورتی کی جے ہوگی۔ تمہارا بول بالا ہوگا۔''
''تم بار بار وجے کا نام لے کر مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارے ہاتھ لگ گیا ہے۔ اس سے بچ کر رہنا۔ وہ مرتے مرتے بھی اپنے ساتھ دو چار کو لے مرے گا۔''
''ہوسکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہو۔ وہ اپنے ساتھ اپنے تین ساتھیوں کو بھی لے مرا ہو۔''
''یعنی چار مارے گئے' تین زندہ ہیں!'' اس نے میرے کہے ہوئے الفاظ سے ایک مفہوم اخذ کر کے تائید طلب لہجے میں کہا۔
''مجھے پتا نہیں کہ کتنے مارے گئے اور کتنے زندہ پکڑے گئے۔'' میں نے اس کی بے تابی سے محظوظ ہوتے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا ''تم نے دو چار کو لے مرنے کی بات کی تھی۔ یہ مل کر چھ ہو جاتے ہیں اور اوسط تین نکلتا ہے۔ وہ میں نے دہرایا تھا۔''
''وجے اتنا مردار نہیں ہے کہ اسے کسی چوپائے کی طرح مار لیا جائے' تمہیں خود کچھ پتا نہیں ہے۔ تم بلاوجہ بے پر کی اڑا رہے ہو۔'' میرے جوابات پر وہ جھنجلا گیا۔
''پتا نہ ہوتا تو مجھے کیسے پتا چلتا کہ ان مرداروں میں وجے بھی شامل تھا۔ تھوڑی دیر پہلے تم انکار کر رہے تھے کہ ان میں بھارتی بھی تھے۔ غنیمت ہے کہ اب تم نے اپنی زبان سے وجے کے خواص گنوانا شروع کر دیے ہیں۔''
''مجھ سے وکیلوں جیسی جرح مت کرو۔ میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔''
''اپنا یہ شوق بھی پورا کرلو۔ مجھے بتاؤ کہ میں اپنا منہ تڑوانے کے لیے کہاں پہنچوں!''
سوبھراج اپنے آپے سے باہر ہو گیا۔ فون پر گندی گالیاں برسنے لگیں۔ وہ مزید کوئی بات کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ذرا سی دیر کی ذہنی ورزش نے اس کا دماغ ماؤف کر کے رکھ دیا تھا۔ میں نے خاموشی سے فون بند کر دیا۔
''تم اسی بے رحمی سے ہر ایک کو زچ کر دیتے ہو۔'' ویرا بولی ''تمہارے حریف کے اعصاب کمزور ہوں تو وہ ذرا سی دیر میں اپنے ہوش و حواس کھو دیتا ہے۔''
''یہ اس کی مجبوری ہے کہ وہ اپنی کمین نگاہ سے باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ تیر چلا دیتا ہے مگر اسے یہ پتا نہیں چلتا کہ تیر نشانے پر لگا ہے یا بھٹک کر برباد ہو گیا ہے۔'' میں نے کہا۔
''یہ اس کی آخری اور بھرپور کوشش تھی۔ وجے اور اس کے ساتھیوں کے عبرتناک انجام سے واقف ہونے کے بعد وہ زیادہ دیر تک یہاں نہیں ٹکے گا۔'' اول خان نے مطمئن انداز میں اپنی رائے دی۔
''سوبھراج سے بات کرنے کے بعد میری دلی خواہش ہے کہ جلال نے بلاتاخیر اخبارات کو خبر جاری کرادی ہو۔ سب کچھ صبح کے اخبارات میں چھپ جائے تو سوبھراج کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے اور وہ یہاں سے بھاگ نکلے گا۔'' میں نے اول خان کی رائے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔
''وہ سمجھ دار آدمی ہے۔'' غزالہ دھیرے سے بولی ''اس نے ہم سے پہلے ان نزاکتوں کے بارے میں سوچ لیا ہوگا۔''
''کیوں نہ اسے ایک فون کرلیا جائے!'' سلطان شاہ نے تجویز پیش کی۔
''ملکی سرزمین پر پانچ غیر ملکی دہشت گردوں کی ہلاکت اور گرفتاری کا واقعہ معمولی نہیں ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا ''اس وقت وہ بہت زیادہ مصروف ہوگا۔ وقت ہوتا تو وہ ہمارے پاس سے اتنی عجلت میں رخصت نہ ہوتا۔''
''رات گزر رہی ہے۔ چند گھنٹوں بعد سب کچھ سامنے آ جائے گا۔'' اول خان نے ہلکی سی جمائی لیتے ہوئے کہا ''تم سے جو کچھ ہوسکتا تھا' وہ کر گزرے ہو۔ اب ہمیں صبر کے ساتھ ان کاوشوں کے نتائج کا انتظار کرنا چاہیے۔ زیادہ اضطراب سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''
''وہ بھی صبح بنکاک فرار ہونے کے لیے اسی پرواز پر سوار ہو جس سے تم جا رہی ہو تو مزہ آ جائے۔'' ویرا' غزالہ سے کہہ رہی تھی۔
''معلوم ہوتا ہے کہ تم عقل کی کوئی بات کہنا گناہ سمجھتی ہو!'' سلطان شاہ کو پھر اس سے الجھنے کا موقع مل گیا۔
''کیا تم نے انسانی خواہشوں کو بھی عقل کے پیمانے پر ناپنا شروع کر دیا ہے؟'' ویرا نے ترش روئی سے سوال کیا۔

''سوچنے پر کوئی پابندی نہیں ہے لیکن آدمی کو محفل میں کوئی بات اپنی زبان پر لانے سے پہلے اسے عقل کے پیمانے میں تول لینا چاہیے۔ پہلے تو لو پھر بولو کی بنیاد یہی ہے۔''

''اس وقت میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی جو تمہاری نحیف عقل سے باہر ہے؟'' ان دونوں کے درمیان باقاعدہ بحث کا آغاز ہوگیا۔

اول خان اکتائے ہوئے انداز میں باری باری انہیں دیکھ رہا تھا' مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بہت زیادہ تھکا ہوا تھا۔ فرصت میسر آجانے کے باعث کچھ دیر کے لیے شدت سے آرام کی طلب محسوس کر رہا تھا لیکن محفل کو چھوڑ کر اکیلا اٹھنے کی اخلاقی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ میں نے ان دونوں کی بحث کے درمیان میں اول خان سے مخاطب ہو کر کہا ''یہاں سب کے سروں پر اُلو کا سایہ ہے' یہ رات بھر جاگتے رہیں گے۔ تم جا کر آرام کرلو۔''

اول نے مسکرا کر ممنونیت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور کسی سے کچھ کہے بغیر وہاں سے اٹھ کر چل دیا۔

میری مداخلت کی بنا پر سلطان شاہ ویرا کو جواب دیتے دیتے رک گیا تھا۔ اول خان کے وہاں سے جاتے ہی اس کی زبان دوبارہ چل پڑی' وہ کہہ رہا تھا ''اول تو اسے اتنی رات گئے بنکاک جانے والی کسی بھی پرواز پر کھڑے گھاٹ سیٹ نہیں مل سکتی۔ دوسری اور سب سے اہم بات جو تم فراموش کر رہی ہو وہ یہ ہے کہ سوبھراج کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ پر موجود ہے۔ ائرپورٹ کا رخ کرتے ہی وہ دھر لیا جائے گا۔ اس وقت وہ کتنا ہی خبط الحواس کیوں نہ ہو رہا ہو' بھول کر بھی ایسی سنگین غلطی نہیں کرے گا۔ اب تم خود سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہی تھیں۔''

اس بار سلطان شاہ کا لہجہ جارحانہ نہیں رہا تھا۔ گفتگو میں ناگہانی وقفہ آنے کی وجہ سے اس کے لہجے کا تسلسل ٹوٹ چکا تھا۔ اس کا نتیجہ خوشگوار نکلا۔ بات ویرا کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے بحث آگے بڑھانے کے بجائے تفہیمی انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا ''ہاں! جوشِ انتقام میں ایگزٹ کنٹرول لسٹ میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ وہ کسی بھی طرح ڈینی کا ہم سفر ہونے کی سعادت حاصل نہیں کرسکتا۔ وہ گھبرا کر بھاگا تو زمینی راستے سے ایران کا رخ کرے گا۔''

''وہاں سے وہ کہیں بھی نکل سکتا ہے!'' غزالہ نے لقمہ دیا۔

''ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو' سلطان شاہ بولا ''دعا کرو کہ وہ صرف اور صرف بنکاک ہی کا رخ کرے۔ یہاں اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہے۔ وہ کسی بزدل چاہے کی طرح اپنے بل میں چھپا رہتا ہے۔ بنکاک میں وہ تمہارے کھلے نشانے پر آجائے گا۔''

''اللہ نے چاہا تو یہی ہوگا'' غزالہ نے بھی اس کی بات مان لی۔

''ہم نے ایک ایک کر کے ہر اہم موضوع پر مغز زنی کرلی ہے۔'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا ''تمہاری اجازت ہو تو ہم لوگ بھی کچھ دیر کے لیے آرام کرلیں۔''

''بیٹھے رہو!'' وہ داہنا ہاتھ جھٹک کر بولی ''آج کے بعد ایک لمبی مدت کے لیے آرام ہی آرام کرتے رہنا۔ سفر سے پہلے یہ ہماری آخری رات ہے۔ مل جل کر گزارو گے اور جاگتے رہو گے تو فلائٹ پر سوتے ہوئے جاؤ گے۔ سفر میں سونے کا مزہ ہی اور ہوتا ہے۔''

''سفر کو وسیلہ ظفر کہا جاتا ہے۔ آدمی کو کھلی آنکھوں اور حاضر دماغی کے ساتھ سفر کرنا چاہیے تاکہ وہ راستے کے ہر تجربے سے کچھ نہ کچھ سیکھے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم نے گر کی بات بتائی ہے۔'' وہ زور زور سے اپنا سر ہلاتے ہوئے بولی ''ابھی ہم اپنے اپنے بستروں میں دبکے ہوئے ہوتے تو میں تمہارے اس سنہرے مشورے سے محروم رہ جاتی۔ جاگتے رہنے میں فائدہ ہی فائدہ ہے جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے!''

''سندھی میں گدھے کو کھوتا کہتے ہیں۔'' سلطان شاہ نے اپنی علمیت بگھاری۔

''اس سے بھی محاورے کے مفہوم میں فرق نہیں پڑتا بلکہ بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔'' رات گہری ہونے کے ساتھ ویرا کی چونچالی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا ''بعض جگہوں پر لفظوں کے یا معنی کے ہیر پھیر سے بات بالکل بدل جاتی ہے۔''

''کوئی مثال دے کر بتاؤ!'' سلطان شاہ نے مطالبہ کیا۔

''تم میں سے کسی نے داشتہ آید بکار کا کوئی انوکھا مطلب بتایا تھا۔'' ویرا نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد جواب دیا۔

''یہ تو سیدھا سا محاورہ ہے کہ رکھی ہوئی چیز کبھی نہ کبھی کام آہی جاتی ہے۔''

''دوسرا مطلب یہ بتایا گیا تھا کہ داشتہ کار سے آتی ہے۔'' ویرا نے ذہن پر زور دے کر کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی۔'' غزالہ نے اعتراض کیا ''کوئی کسی سے بھی آئے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ ایک سیدھا

سا بیانیہ فقرہ رہ جاتا ہے۔''

''مجھے بتایا گیا تھا کہ روز مرہ کی بول چال میں اس محاورے کا پہلا حصہ عام طور سے حذف کر دیا جاتا ہے لیکن سمجھنے والے پوری بات سمجھ لیتے ہیں۔'' ویرا نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

''یاد کر کے دونوں حصے بتاؤ۔ پتا چل جائے گا کہ یہ پٹی کس نے پڑھائی ہے۔'' سلطان شاہ اسے پوری طرح گھسنے پر تلا ہوا تھا۔ میرے کان ان تینوں کی گفتگو پر مرکوز تھے مگر بظاہر میں نے بے تعلقی اختیار کی ہوئی تھی۔ غزالہ کی موجودگی میں، میں ترمیم کا سہرا اپنے سر نہیں لے سکتا تھا۔

''زن آید پا پیادہ، داشتہ آید بکار!'' ویرا کو وہ جدت یاد آ ہی گئی۔

سلطان شاہ کے ساتھ غزالہ بھی بے ساختہ ہنس پڑی۔

''یہ کسی رنگین مزاج مرد کا تصرف معلوم ہوتا ہے۔'' غزالہ نے ہنسی کے درمیان کہا ''بیوی پیدل آتی ہے اور داشتہ گاڑی سے۔ یہ بالکل لغو بات ہے۔ کسی نے تمہیں بے وقوف بنایا ہے۔ آئندہ کسی کے سامنے یہ خود ساختہ محاورہ نہ دہرا دینا۔''

ویرا کی غصیلی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ ''میرا کہیں آنا جانا نہیں ہے۔ صرف ڈینی ہی مجھے زبان کے بارے میں گمراہ کر سکتا ہے۔''

''بلاوجہ میرا نام مت لو۔'' میں نے بگڑ کر کہا ''میں ایسی احمقانہ باتوں میں نہیں پڑتا۔ پشتو کے ساتھ سلطان شاہ کی اردو اور فارسی بھی بہت اچھی ہے۔ اس سے تمہاری گھٹتی رہتی ہے۔ وہی تم کو ایسی باتیں سکھا سکتا ہے۔''

میں اپنے ساتھیوں میں کسی پر براہِ راست الزام تراشی نہیں کیا کرتا تھا۔ اس وقت لفظی تصرف کا وہ ناموزوں الزام بجا طور پر میرے سر آیا تو بوکھلاہٹ میں مجھے سلطان شاہ ہی ایک ایسا حلیف نظر آیا جس کی ذات کا سہارا لے کر میں غزالہ کی نگاہوں میں سرخ رو رہ سکتا تھا۔

سلطان شاہ ویرا کے ساتھ عام طور پر کج حجتی کا مظاہرہ کیا کرتا تھا لیکن وہ عقل و دانش کے کسی بھی پیمانے سے غبی نہیں تھا۔ ہمیشہ اپنے ذہین ہونے کے ثبوت فراہم کرتا رہتا تھا۔ اس وقت وہ میری زبان سے غیر متوقع طور پر اپنی نامزدگی سن کر لمحہ بھر کے لیے پریشان نظر آیا پھر اسے میری پوزیشن کا صحیح اندازہ ہو گیا۔

میرے جواب کے نتیجے میں ویرا کی نگاہیں میرے چہرے سے ہٹ کر سلطان شاہ کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

غزالہ بھی اس صورت حال سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس کی طرف متوجہ تھی۔ دونوں کی عدم توجہی کا فائدہ اٹھا کر میں نے سلطان شاہ کو آنکھ ماری اور اس کے ذہن پر رہی سہی دھند اسی لمحے میں صاف ہو گئی۔

''ہو سکتا ہے کہ تمہاری فضول باتوں کے جواب میں، میں نے تمہیں بیوی اور داشتہ کا فرق سمجھانے کے لیے یہ محاورہ ایجاد کیا ہو۔'' اس نے پُرخلوص انداز میں الزام اپنے سر لیتے ہوئے کہا ''سامنے والا ڈھنگ کی بات نہ کر رہا ہو تو یہی سب ہوتا رہتا ہے۔''

''تم کو شرم آنی چاہیے۔'' ویرا نے اسے ملامت کی ''اردو میری مادری زبان نہیں ہے۔ اپنی زبان سیکھنے کے شوقین غیر ملکی کی رہنمائی کرنے کے بجائے تم اسے گمراہ کرتے ہو!''

''تم اردو کہاں سیکھ رہی ہو؟'' سلطان شاہ نے اس کا مضحکہ اڑایا ''تم ہمیشہ ہماری زبان کی والدہ صاحبہ ہونے کے دعوے کرتی رہی ہو۔ تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ میں تمہاری بے مغز باتوں کے جواب میں کیا سکھا سکتا ہوں۔''

''یہ بھی غنیمت ہے۔'' میں نے سلطان شاہ کا ساتھ دینا ضروری سمجھا ''مفت میں اجنبی زبان سیکھنے کے شوقینوں کا پہلا واسطہ گندی گالیوں سے پڑتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ سلطان شاہ نے اس میدان میں تم کو کچھ نہیں سکھایا ہوگا۔''

ویرا ہنس پڑی ''اس ضمن میں میری اردو بہت مضبوط ہے۔ سلطان شاہ کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ سب سے پہلے میں نے بھی اردو گالیاں سیکھی تھیں، کہو تو دو چار سناؤں!''

غزالہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتی ہوئی اس لمحے اپنی جگہ سے اٹھ گئی ''اپنی معلومات کا خزانہ اپنی ذات تک محدود رکھو تو بہتر رہے گا۔ اب میں یہاں نہیں بیٹھ سکتی۔''

ویرا اسے روکتی رہ گئی۔ وہ وعدے کر رہی تھی کہ اپنی زبان پر اردو کا کوئی نازیبا لفظ نہیں لائے گی لیکن غزالہ نے اس کی ایک نہ سنی۔ مڑے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''اول خان کے بعد یہ بھی گئی۔'' ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی ''اب تم بھی اس کے پیچھے چلے جاؤ گے۔ یہاں ہم دونوں رہ جائیں گے۔''

''تمہاری لمبی زبان سے سب گھبراتے ہیں۔'' سلطان شاہ بولا ''تم اچانک وزنی گالیاں بکنا شروع کر دیتیں تو وہ بے چاری شرم سے پانی پانی ہو جاتی۔''

''وہ اتنی حیادار نہیں ہے۔ یہ باتیں اس کو سنانا جس نے غزالہ کو انگلینڈ میں نہ دیکھا ہو۔ وہ خاصی مرد مار عورت ہے۔ یہاں مسکین بنی رہتی ہے تو اس سے دھوکے میں نہ پڑو۔ عورت

کی یہی ادائیں مرد کو فنا کر دیتی ہیں۔ وہ جانتی ہے کہ اس کا مرد کیا پسند کرتا ہے۔ وہ تم لوگوں کے سامنے ہر وقت وہی روپ دھارے رہتی ہے۔"

"اس کے جاتے ہی تم نے اس کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا" میں نے خفگی سے کہا "انگلینڈ میں تمہارے آدمی اس کی عزت اور جان کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ یہ نہ بھولو کہ پیر کے نیچے آئی چیونٹی بھی زچ ہو کر کاٹ لیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ بے ضرر چیونٹی ہی بنی رہتی ہے۔ اس کی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔"

سلطان شاہ کی موجودگی میں مجھے کبھی غزالہ کی حمایت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ خود ہی پنجے جھاڑ کر دیرا کے پیچھے پڑ جاتا تھا اسے عاجز کر دیتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان نئی تکرار کی ابتداء ہوئی تو میں کچھ دیر خاموشی سے بیٹھا دونوں کی ترکی بہ ترکی گفتگو سنتا رہا پھر اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ دونوں میں سے کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

غزالہ اپنے بیڈروم کا دروازہ بند کر کے صبح روانگی کی تیاری میں مصروف تھی۔ اس نے ایک مختصر سے سوٹ کیس میں میرے اور اپنے چند جوڑے ڈال لیے تھے۔ دیگر ضروری اشیاء ایک دستی بیگ میں رکھ لی تھیں۔ اس کے حساب سے وہ تیاری مکمل تھی۔

بنکاک کے لیے ہمیں کسی آتشین ہتھیار کی ضرورت نہیں تھی۔ میری معلومات کے مطابق وہ بھی کراچی کی طرح کھلا شہر تھا جہاں پیسے کے زور پر دنیا کی ہر شے آسانی سے دستیاب ہو سکتی تھی۔ اپنی ضرورت کے مطابق ہم وہاں سے کوئی بھی ہتھیار خرید سکتے تھے۔

تین چیزیں ایسی تھیں جو ہمارے لیے ناگزیر تھیں اور دنیا کی کسی کھلی منڈی میں میسر نہیں تھیں۔ ان میں سے زہریلی انگوٹھیاں میری انگلیوں میں موجود تھیں۔ غزالہ نے سی ایس ڈی سوٹ کیس میں ڈال دی تھی مگر بیم گن باقی رہ گئی تھی۔

غزالہ کو خوف تھا کہ مشین پر سامان کی اسکیننگ میں وہ ہتھیار کسی کی نظروں میں آ گیا تو نہ صرف ہم اس نادر الوجود سے محروم ہو جائیں گے بلکہ دوسری سنگین مشکلات سے بھی دوچار ہو سکتے تھے۔ اس کے وہ اندیشے بے بنیاد نہیں تھے۔

بیم گن کو ساتھ لے جانے اور خطرات سے بچنے کی صرف ایک ہی ممکنہ صورت تھی کہ اسے کسی مضبوط آہنی بکس میں بند کر دیا جائے تاکہ اسکرین پر بیم گن کے بجائے بکس نظر آئے۔

اس مسئلے کو صبح تک التوا میں ڈال کر میں بستر پر دراز ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ اس بارے میں اول خان بھی کوئی بہتر مشورہ دے سکتا تھا۔

☆☆☆

نو بجے سے پہلے اول خان ہمیں ہماری سفید کرولا میں لے کر ائرپورٹ پہنچ گیا۔ ہماری روانگی کے لیے کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ ہم چاروں کو دو الگ الگ پروازوں پر عام مسافروں کی طرح روانہ ہونا تھا اس لیے اس نے اپنی سرکاری گاڑی کا استعمال موزوں نہیں سمجھا تھا۔

اس نے ہمیں قائد اعظم انٹرنیشنل ائرپورٹ کی بالائی منزل پر انٹرنیشنل ڈپارچر لاؤنج کے سامنے اتارا اور ایک ٹریفک کانسٹیبل کی ہدایت پر گاڑی کو پارکنگ کے لیے آگے نکال لے گیا۔

گاڑی سے اترتے ہی دیرا اور سلطان شاہ ہم سے الگ ہو گئے۔ ان کے پاس زیادہ سامان تھا نہ ہمارے پاس، دونوں پارٹیوں کی منزلیں ایسی تھیں جہاں ضرورت کی ہر چیز آسانی سے دستیاب ہو سکتی تھی۔ کراچی سے غیر ضروری سامان لاد کر اس سفر پر نکلنا حماقت کے مترادف ہوتا۔

میں غزالہ کے ساتھ برآمدے کے ایک گوشے میں ستون کی اوٹ میں چلا گیا۔ وہ دونوں ریلنگ کے سہارے جا کھڑے ہوئے۔ ان کے رخ اندرونی لاؤنج کی طرف تھے۔ باہر گھومنے پھرنے والے ان کے پورے چہرے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

پارکنگ لاٹ سے اول خان کی واپسی میں تاخیر ہوئی تھی کیونکہ فاصلہ زیادہ تھا۔ میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگا لی۔

اول خان کے مشورے سے بیم گن کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو گیا تھا۔ اسے جیومیٹری بکس جیسے ایک ڈبے میں بند کرنے کے بعد غزالہ کے ایک خالص ریشمی سوٹ میں لپیٹ کر سوٹ کیس میں رکھ دیا گیا تھا۔ اول خان کی رائے تھی کہ اس طرح جستی ڈبے کی واضح تصویر بہت مشکل سے اسکرین پر دیکھی جا سکتی تھی۔ سرسری دیکھ بھال میں اس کا پکڑا جانا ممکن نہیں تھا۔

میرے ذہن پر دوسرا مسئلہ جو سوار تھا، اس خطیر رقم کے تحفظ کا تھا جو جہانگیر کے ویران فلیٹ میں بند تھی۔ اس فلیٹ کی بھی نگرانی ہو رہی تھی لیکن فول پروف بندوبست کے لیے اول خان نے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ جہانگیر کی اجازت سے کسی کو وہاں بسا دے گا۔

اس عمارت کا حفاظتی نظام بہت مضبوط تھا۔ اس کے باوجود ہمارے دشمن دو مرتبہ ہر ایک کو چکما دے کر جہانگیر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ایک بار وہ اپنی حاضر دماغی اور شراب کی خالی بوتل کی وجہ سے بال بال بچ گیا تھا جب کہ دوسری بار اسے بہت کامیابی سے اغوا کر لیا گیا تھا۔ فلیٹ خالی رہتا تو عین ممکن تھا کہ وہاں کوئی تیسری واردات بھی ہو جاتی۔ وہاں کسی ہوشیار اور اسلحہ بند آدمی کی ہمہ وقت موجودگی ایسے ہر خطرے کا سدِّباب کر سکتی تھی۔

میری سگریٹ ختم ہونے سے پہلے اول خان خود کار زینوں سے اوپری منزل پر نمودار ہوا۔ اس وقت تک سب کچھ پروگرام کے مطابق ہو رہا تھا۔ ٹریفک کانسٹیبل اسے نہ ٹوکتا تب بھی گاڑی کو پارکنگ ہی میں کھڑا کرنا تھا۔

متحرک زینوں سے فلور پر آتے ہی اول خان نے ادھر ادھر دیکھا۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور لاؤنج کے داخلی دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ میں نے اس کی تقلید میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔

وہ موٹے پائپوں کی ریلنگ سے آگے بڑھا تو ویرا اور سلطان شاہ نے بھی اسے دیکھ لیا۔ وہ دونوں ہمارے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوئے۔

ان دنوں اعلان شدہ پرواز کے ٹکٹ یا خصوصی پاس کے بغیر ائرپورٹ کی عمارت میں کسی غیر متعلقہ شخص کا داخلہ ناممکن تھا لیکن اول خان کا ایس پی ایف کا کارڈ ایک ایسا شعبدہ تھا جس کے سامنے ہر بند راستہ کھل جاتا تھا۔ وہ تقریباً رکے بغیر ہال میں داخل ہوا تھا۔

روشن اور کشادہ ہال میں داخل ہو کر اول خان اطمینان سے ایک ایسے خالی صوفے پر جا بیٹھا جہاں سے وہ تقریباً ہر طرف نظر رکھ سکتا تھا۔

میں نے سامنے رکھے ہوئے کنوے یر پر سوٹ کیس اور بیگ رکھ دیا اور خود دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ گھوم کر آگے پہنچا تو دونوں عدد اسکیننگ کے بعد مشین سے نکل آئے۔ اسکرین پر سامان کی پڑتال کرنے والے کو سوٹ کیس پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔

اگلا مرحلہ چیک اِن کا تھا۔ میں نے سامنے قطار سے بنے ہوئے کاؤنٹر پر نگاہ ڈالی۔ بیشتر مصروف تھے اور ان پر متعلقہ پرواز کے نمبر جلی ہندسوں میں روشن تھے۔ بعض کاؤنٹر خالی اور تاریک پڑے ہوئے تھے جو کسی بھی وقت فعال ہو سکتے تھے۔

اپنی پرواز کا نمبر دیکھ کر میں کاؤنٹر کی طرف بڑھا تو اس وقت تک وہاں بھیڑ نہیں ہوئی تھی۔ بروقت پہنچ جانے کی وجہ سے وہاں چند مسافر قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ وہاں پہنچنے تک میری نگاہیں ویرا اور سلطان شاہ کی پرواز کے نمبروں کی تلاش میں سرگرداں رہیں لیکن وہ حروف اور ہندسے کہیں نظر نہیں آئے۔ وہ دونوں ہماری وجہ سے قبل از وقت وہاں آ گئے تھے۔ انہیں اپنا کاؤنٹر کھلنے کا انتظار کرنا تھا۔

میں نے مڑ کر ہال سے داخلی گیٹ تک کا جائزہ لے ڈالا لیکن ان دونوں کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اول خان بدستور اپنی جگہ پر براجمان تھا اور گرد و پیش سے بظاہر بے پروا نظر آ رہا تھا۔

ہم چاروں نے گھر سے نکلنے سے پہلے اپنے بالوں کے اسٹائل میں تبدیلی اور چشموں کے استعمال سے اپنے حلیوں کو اس حد تک بدل لیا تھا کہ ہمیں ایک بار دیکھنے والا سرسری نظر میں دوبارہ نہیں پہچان سکتا تھا۔ ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود ہم محتاط تھے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ان دونوں نے وقت گزارنے کے لیے اس کھلے ہال کے کسی ایسے حصے کا انتخاب کیا تھا جہاں وہ میری نظروں سے بھی بچے ہوئے تھے۔

اول خان کو اپنی جگہ پر دیکھنے کے باعث مجھے یہ اطمینان تھا کہ ان دونوں کو ابتدائی مرحلے پر نہیں روکا گیا ہوگا۔ انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اول خان فوری طور پر ان کی مدد کے لیے پہنچ جاتا۔

قطار سرکتی رہی اور آخرکار ہمارا نمبر بھی آ گیا۔ کمپیوٹر پر پاسپورٹ اور ٹکٹ کے کوائف ڈالتے ہی ہمارے بورڈنگ کارڈز پرنٹر سے چھپ کر باہر آ گئے۔

سوٹ کیس وزن کرنے کی مشین سے ہوتا ہوا پہلے ہی لوڈنگ کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ ہم نے بورڈنگ کارڈز لے کر اپنے دستی سامان پر ٹیگ لگائے اور امیگریشن کاؤنٹر کی طرف ہو لیے۔

چیک اِن کاؤنٹر پروازوں اور درجوں کی وجہ سے بٹے ہوئے تھے لیکن وہاں سے فارغ ہونے والوں کے لیے امیگریشن کے صرف تین کاؤنٹر کام کر رہے تھے جن میں سے ایک خواتین کے لیے مخصوص تھا۔ دو پر مردوں کی قطاریں تھیں۔

میری باری آئی تو ترش رو امیگریشن افسر نے پاسپورٹ پر لگی ہوئی تصویر پر ایک نظر ڈال کر مشکوک نظروں سے میری طرف دیکھا اور دوبارہ پاسپورٹ کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔

''پہلی بار باہر جا رہے ہو؟'' اس نے مجھے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں پوچھا۔ اس کے تیور دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔

میں پہلے بھی باہر جاتا رہا تھا مگر اس وقت مجھے وہی کہنا تھا جو میرا پاسپورٹ بتارہا تھا ''ہاں! یہ میرا پہلا سفر ہے۔'' میرے حلق سے پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی۔

''ادھر آجاؤ۔'' اس نے پاسپورٹ اپنے پاس رکھ کر برابر والی خالی ڈیسک کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی ایک باوردی شخص وہاں نمودار ہوچکا تھا۔

میں نے قطار سے الگ ہوتے ہوئے قرب و جوار کا جائزہ لیا۔ اول خان میری نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ غزالہ عورتوں کی قطار میں اپنی باری آنے پر پہلے ہی اندر جاچکی تھی۔

مجھے اپنے بدن کے مساموں سے پسینہ پھوٹتا ہوا محسوس ہوا۔ پیٹ بھی عجیب سی گرہیں پڑرہی تھیں۔ مجھے یقین ہوگیا کہ میرا جعلی پاسپورٹ پکڑا گیا تھا۔ پرواز سے پہلے میرے پر قینچ ہونے والے تھے اور کسی مددگار کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

میں قطار سے نکل کر دوسرے کاؤنٹر پر پہنچا تو وہاں موجود شخص نے میری طرف جھک کر دھیمی آواز میں کہا ''تمہارا پاسپورٹ ضبط ہوگیا ہے۔ تمہیں بورڈنگ کارڈ لوٹانا ہوگا۔''

''مگر کیوں......؟ میرے پاسپورٹ پر کیا اعتراض ہے؟'' میں نے ڈرتے ڈرتے اس سے سوال کیا۔ وہ پہلے افسر کے مقابلے میں ذرا نرم مزاج کا مالک نظر آرہا تھا۔

''یہ سب ضابطے کی کارروائی کے بعد بتایا جائے گا۔ ابھی تم سفر نہیں کرسکتے۔''

''اس پابندی کا سبب جاننا میرا حق ہے۔'' میں نے دبی آواز میں احتجاج کیا۔

''میرا افسر ہوشیار آدمی ہے اور غصے والا ہے۔'' اس بار اس کا لہجہ رازدارانہ ہوگیا ''تم کو نہیں معلوم کہ ہم لوگوں کو کتنے اختیارات حاصل ہیں۔ اس سے حق اور قانون کی بات کروگے تو وہ تمہیں آف لوڈ کرا کے لاک اپ کرادے گا۔ جانا ہے تو دو سو ڈالر دو اور اپنی جان چھڑاؤ۔ اس نے تمہارے پاسپورٹ میں کچھ دیکھ کر تم کو روکا ہے۔''

بات میری سمجھ میں آگئی۔ وہ اختیارات بیان کر کے مجھے ڈرا رہا تھا۔ میرا قصور صرف اتنا تھا کہ کاغذات کے مطابق میں پہلی بار کسی غیر ملکی سفر پر جارہا تھا۔ وہ دونوں مجھے ڈرا دھمکا کر ڈالر وصول کرنا چاہ رہے تھے۔ وہ دھندا کھلے بندوں ہورہا تھا اور کوئی ان سے باز پرس کرنے والا نہیں تھا۔

میرا مسئلہ یہ تھا کہ غزالہ اندر جاچکی تھی۔ میں اس سے اڑنے کی کوشش کرتا تو میرا اس پرواز سے روانہ ہونا محال تھا۔ غزالہ پریشان ہوجاتی۔ سارا منصوبہ درہم برہم ہوجاتا۔

اس کی نیت ظاہر ہونے کے بعد میرے اندر ابھرنے والا خوف ماند پڑچکا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ''کیوں تنگ کرتے ہو کوئی ڈھنگ کی بات کرو تو میں تیار ہوں۔ دو سو ڈالر بہت زیادہ ہوتے ہیں۔''

''چلو! جلدی سے سو ڈالر کا نوٹ نکالو!'' وہ بھی جھٹ پٹ معاملہ نمٹانے کے موڈ میں تھا۔

میں نے دل ہی دل میں سو ڈالروں کو مقامی کرنسی میں تبدیل کیا اور رقم نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اسی لمحے عقب سے اول خان کی آواز آئی ''کیا بات ہے؟ تمہیں کیوں روکا گیا ہے؟'' اس کی تحکم آمیز اور اونچی آواز سن کر مجھ سے مک مکا کرنے والے کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

اول خان کی بے جا مداخلت پہلے ترش رو افسر کو بہت گراں گزری۔ وہ اپنے سامنے موجود قطار کو بھول کر خطرناک تیوروں کے ساتھ اپنی کرسی سے اترا اور اول خان سے بھی زیادہ دبنگ آواز میں بولا ''تم کون ہوتے ہو سرکاری کام میں مداخلت کرنے والے؟''

اول خان میرے قریب آچکا تھا۔ میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی ''بات مت بڑھاؤ۔ صرف سو ڈالر کا معاملہ ہے۔''

''سو ڈالر!'' اول خان دہاڑا ''میں ان حرام خوروں کو ایک پیسہ نہیں دوں گا۔ ایسی کالی بھیڑوں نے سارے سرکاری اہل کاروں کو بدنام کیا ہوا ہے۔''

قطاروں میں اضطراب کی حالت میں کھڑے ہوئے مسافر وہ تماشا دیکھ کر حیران تھے۔ قریب سے گزرتے ہوئے پورٹرز وغیرہ بھی اونچی آوازیں سن کر رک گئے۔ اس بار اول خان کے الفاظ اور لب و لہجے نے ان دونوں راشیوں کو ہراساں کردیا۔

''سس......سر! آپ کون ہیں؟'' نرم خو افسر نے خوشامدانہ لہجے میں اول خان سے پوچھا۔ اس کا ترش رو ساتھی تشویش زدہ نظروں سے اول خان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اول خان نے اپنی جیب سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا اور اس نے بوکھلا کر ڈیسک کے پیچھے کھڑے کھڑے اسے سلیوٹ جھاڑ دیا۔

اول خان نے بڑے افسر کو منہ لگانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ نخوت کے ساتھ کارڈ دوبارہ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس کی خشمناک نگاہیں سلیوٹ کرنے والے پر مرکوز تھیں۔

''سر! فیڈرل اتھارٹی!'' نرم خو افسر نے اپنے ترش روساتھی کی طرف متوجہ ہوکر رودینے والی آواز میں انکشاف کیا۔

دوسرے نے وہیں کھڑے کھڑے میرے پاسپورٹ میں سے روانگی کا کارڈ نکالا' ایک صفحے پر مہر لگائی اور پاسپورٹ مجھے لوٹاتے ہوئے بولا ''سر! آپ ادھر سے نکل جائیں۔''

ہر رشوت خور کی طرح وہ بھی بہت بزدل اور بے ضمیر تھا۔ ذرا سی دیر پہلے مجھ سے توہین آمیز لہجے میں بات کر رہا تھا۔ اول خان کے دخل انداز ہوتے ہی آپ جناب پر آگیا۔

میں ملک اور قوم کے ان دشمنوں سے لڑ رہا تھا جو باہر سے آکر ہمارے مفادات کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ کوئی ہیروئن فروشی میں مصروف تھا اور کوئی دہشت گردی کی کارروائیاں کر رہا تھا۔ ان سب سے بڑے ملک دشمن وہ تھے جنہیں اپنے لوگوں کی خدمات کا مقدس فریضہ سونپ کر کرسیوں پر بٹھایا گیا تھا۔ انہیں شہریوں کے ٹیکسوں کی رقوم سے بھاری تنخواہیں اور سہولیات دی جاتی تھیں۔ اس کے باوجود وہ اپنے ہم وطنوں کو ستا کر دونوں ہاتھوں سے رشوتیں بٹور رہے تھے۔ دولت کی ہولناک چمک نے ان کے دماغوں کو مفلوج' ضمیر کو مردہ اور دلوں کو تاریک کر دیا تھا۔ سوبھراج اور چھوٹا راجن سے پہلے ان کے سروں کو کچلنا ضروری تھا۔

اس وقت میں جس ڈیسک پر موجود تھا وہ ویران پڑی ہوئی تھی۔ مشینی آلات بند تھے۔ اس تند خو' ترش رو اور بد دماغ افسر نے میرے دستی سامان کی کسی مشینی دیکھ بھال کے بغیر مجھے بند مقناطیسی چوکھٹ سے گزرنے کا اشارہ کیا تھا۔

میں نے پلٹ کر اول خان کی طرف دیکھا۔ اس کے تیور ہی بدلے ہوئے تھے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر تیزی سے کہا ''تم اپنا وقت خراب نہ کرو۔ اندر جاؤ میں انہیں ڈالر دلواتا ہوں۔''

مشینی انداز میں میرے قدم بڑھ گئے۔ میں نے آگے جا کر آخری بار پیچھے نظر دوڑائی تو وہ دونوں ہکا بکا کھڑے ہوئے تھے۔ اول خان ان سے بحث میں الجھنے کے بجائے مڑ کر تیزی سے واپس جا رہا تھا۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ میرا معاملے ان کے بڑے افسر سے طے کرے گا۔

رشوت ایک ناسور بن کر معاشرے کی ہر رگ میں سرایت کر چکی ہے۔ اس کے بغیر بجلی کا کنکشن ملتا ہے نہ ریل کا ٹکٹ۔ چھوٹے سے بڑے تک سرکاری ملازم ریٹائر ہوتے ہیں تو برسرکار افسر اور کلرک ان کے واجبات ادا کرنے سے پہلے انہیں دفتروں کے دھکے کھلواتے ہیں' فائل جگہ جگہ رکتی ہے' اعتراضات ہوتے ہیں' رشوت کے پہیے لگتے ہیں تو فائل چلتی رہتی ہے ورنہ اس کے گم ہونے کے امکانات ہر وقت ایک تلوار بن کر حق دار کے سر پر سوار رہتے ہیں۔

میں اس لعنت کے سدباب کے بارے میں سوچتا ہوا دوسری طرف نکلا تو غزالہ پریشانی کے عالم میں میرا انتظار کر رہی تھی۔ ان جانے اندیشوں سے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بے تابی سے لپک کر میری طرف آئی۔

''آپ کہاں رہ گئے تھے...... وسوسوں سے مجھے ہول آنے لگے تھے۔'' اس نے آتے ہی اضطراری لہجے میں شکایت کی۔

اپنی روداد سنا کر اسے پریشان کرنا بے سود تھا۔ میں نے ہنس کر کہا ''ایک شخص جعلی ویزا پر جاپان جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی وجہ سے میری باری آنے میں دیر ہوگئی۔ بس اتنی سی بات تھی تم بلاوجہ پریشان ہو رہی تھیں۔''

''جب تک ہمارا جہاز فضا میں بلند نہیں ہو جاتا مجھے دھڑکا لگا رہے گا۔ ابھی تو پونے دس بھی نہیں بجے۔ ہمیں کافی دیر انتظار کرنا ہوگا۔'' وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے منمنائی۔

''حوصلہ رکھو اب کچھ نہیں ہوگا۔ تم یوں ہی ہراساں ہوتی رہیں تو تمہیں دیکھ کر کوئی بھی شک وشبے میں پڑ سکتا ہے۔''

ہم طویل راہ داری طے کر کے اس ویٹنگ روم میں پہنچ گئے جہاں ہمارے طیارے تک جانے والے گینگ وے کا دروازہ کھلتا تھا۔ اس دروازے پر ائرلائن کے عملے کے دو باوردی افراد واکی ٹاکی سمیت موجود تھے۔ ان میں سے ایک مرد اور دوسری خاتون تھی۔

ائرپورٹ کی وسیع وعریض عمارت کے مقابلے میں وہ ویٹنگ روم چھوٹا تھا لیکن اس کا سائز بھی کسی حال سے کم نہیں تھا۔ وہاں نشستوں کی تعداد زیادہ تھی جن میں سے بیشتر خالی تھیں۔ ہم دونوں پہلی قطار کے سرے پر بیٹھ گئے۔

رفتہ رفتہ مسافروں کی آمد کی رفتار تیز ہوگئی۔ نشستیں بھرتی جا رہی تھیں۔ اسی دوران میں پیجنگ سسٹم پر ہماری پرواز پر بورڈنگ کے آغاز کا اعلان ہوا اور گینگ وے کا بند دروازہ کھول دیا گیا۔

اس سفر میں میری مرضی اور انتخاب کا سرے سے کوئی دخل نہیں تھا۔ میں نے جلال کے ایک مشورے پر عمل کرنے کی رضامندی ظاہر کی تھی۔ فرضی نام پر شناخت نامے کی تیاری سے لے کر سیٹ کی بکنگ تک کے سارے مراحل جلال نے اپنی مرضی سے طے کیے تھے۔

میں طیارے میں پہنچا تو میرا دل خوش ہوگیا۔ وہ بڑا جہاز

تھا جس میں بیٹھنے کے بعد گھٹن کا ذرا بھی احساس نہیں ہو رہا تھا۔

خوش رو عملے کی استقبالیہ مسکراہٹوں سے گزرنے کے بعد میں نے اخبارات ورسائل کی ٹرالی سے بے اختیار دو بڑے مقامی اخبار اٹھالیے۔

وہ عجیب اتفاق تھا کہ اس روز ہماری روانگی تک ہاکر ہمارے گھر نہیں پہنچا تھا۔ ہمارے ذہنوں پر سفر کے مضمرات کا اتنا بوجھ تھا کہ کسی کو اخبارات کا خیال نہیں آیا۔ طیارے میں اس ٹرالی پر نظر پڑتے ہی سوبھراج کے بارے میں میرے ذہن میں سویا ہوا تجسس جاگ اٹھا۔ میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہو گیا کہ اس کے بھیجے ہوئے سات بدمعاشوں کے بارے میں اخبارات کیا کہہ رہے تھے۔

دستی بیگ جہاز کے کیبن ریک میں اڑسنے کے بعد میں نے غزالہ کے ساتھ اپنی سیٹ سنبھالی اور پھر ایک اخبار اس کی گود میں ڈال کر دوسرا خود کھول لیا۔

انگریزی اخبار کے پہلے صفحے پر رات کے واقعے کی تین کالمی سرخی دیکھ کر میرا دل خوش ہو گیا۔

غیر ملکی دہشت گردوں سے خون ریز مقابلہ' چار ہلاک تین گرفتار وہ جلی سرخی تھی۔ ذیلی سرخی میں سوبھراج کے بچ جانے کی اطلاع تھی۔

ہم سب اپنے گھر کے بند کمرے میں بیٹھ کر جو کچھ سوچ رہے تھے' جلال بے خوفی سے اس پر عمل کر گزرا تھا۔ بر وقت اور صحیح فیصلے اس کے کردار کی خاص پہچان بنتے جا رہے تھے۔

''جلال بہت تیز اور فطین آدمی ہے۔'' غزالہ اردو اخبار دیکھ کر دبی آواز میں کہہ رہی تھی'' وہ اپنے دشمن سے نفسیاتی جنگ لڑنا جانتا ہے۔''

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا' آس پاس نظریں دوڑائیں پھر آہستہ سے کہا'' میں بھی وہی خبر پڑھ رہا ہوں' اس پر کوئی تبصرہ مت کرو۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔''

''او کے سر!'' غزالہ نے ایک ادا سے اپنے سر کو خم دے کر کہا'' میں بھی محتاط ہوں۔ ابھی ہمارے آس پاس کی بیشتر نشستیں خالی ہیں۔''

وہ خاصی طویل خبر تھی۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اخبار نے اس واقعے کی پوری تفصیل رپورٹ کی تھی۔

خبر میں سب کچھ وہی تھا جو جائے واردات پر پیش آیا تھا۔ اس میں صرف اتنا اضافہ کیا گیا تھا کہ سرکاری ایجنسیاں اپنے بھرپور وسائل کے ساتھ سوبھراج کا پیچھا کر رہی تھیں۔ انہیں باوثوق ذرائع سے خبر ملی تھی کہ سوبھراج بھارت سے آئے ہوئے پانچ خطرناک دہشت گردوں کے ساتھ ان کے دو مقامی ساتھیوں کو شہر میں دہشت گردی کی نئی وارداتوں کے بارے میں ہدایات دینے کے لیے نو بجے حب ریور روڈ پر واقع مزار والی پہاڑی کے دامن میں آئے گا۔ ایک ایجنسی کی پارٹی نے اسے وہاں گھیرنے کی پوری تیاری کرلی تھی۔ ساتوں افراد مقررہ وقت تک وہاں پہنچ گئے لیکن سوبھراج نہیں آیا۔ اس کے طویل انتظار کے بعد ساتوں مجرموں نے وہاں سے لوٹنا چاہا تو انہیں للکارا گیا۔ انہوں نے اچانک اندھا دھند فائرنگ شروع کردی۔ ایجنسی کے مشاق عملے نے اپنے دفاع میں جوابی فائر کھولا اور کچھ دیر کی خوفناک فائرنگ کے بعد مجرموں کے ہتھیار خاموش ہو گئے۔

ان تک پہنچنے کے بعد پتا چلا کہ ساتوں میں سے چار افراد ہلاک ہو چکے تھے جن میں بھارتی گجرات کے شہر' سورت کا بدنام زمانہ اسمگلر اور دہشت گرد' ڈو جے بھی شامل تھا۔ اس کے بقیہ تین ساتھی بری طرح زخمی ہوئے تھے۔

زخمی حالت میں گرفتار ہونے والوں میں رتن سیٹھ نامی ایک بھارتی مجرم بھی شامل تھا جس نے کچھ اہم انکشافات کیے تھے۔ قیدیوں سے تفتیش کے نتیجے میں مزید اہم معلومات حاصل ہونے کی توقع تھی جس کے بعد سوبھراج کے گرد گھیرا تنگ ہو جاتا۔ خبر میں سرکاری ایجنسی کا نام ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔

واقعے کی ابتدا اور انتہا کے بارے میں مصلحت کے تحت مبالغے سے کام لیا گیا تھا جس کے نتیجے میں اس خون آشام واقعے کی ذمے داری سوبھراج کے سر جاتی تھی اور وہی ہمارا اصل ہدف تھا۔ خبر کا اختتامی حصہ بہت بھرپور تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ سب پڑھ لینے کے بعد سوبھراج ایک لمحے کے لیے بھی کراچی میں رکنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔

خبر تفصیلی تھی لیکن اسے پڑھ کر میری تسلی نہیں ہوئی۔ میں نے غزالہ سے اخبار بدل لیا۔ اس انگریزی اخبار کا سپاٹ اور پھیکا انداز مجھے کبھی پسند نہیں آسکا تھا۔ اپنی رپورٹنگ میں وہ حقائق بیان کر کے نتیجہ اخذ کرنے کی ذمے داری اپنے قاری پر چھوڑ دیتا تھا جبکہ اردو اخبار خبر کے حقائق کے ساتھ اپنے رپورٹرز کی تحقیق و تفتیش کو خبر کا ایک حصہ بنا کر تاثر کو بھرپور بنا دیتا تھا۔

دوسرے اخبار میں وہی خبر پڑھ کر مجھے واقعی مزہ آ گیا۔ اس کے مطابق سوبھراج کو کسی طرح عین وقت پر یہ بھنک مل گئی تھی کہ وہ ان ساتوں سے ملنے کے لیے گیا تو اس کی آزادی کے دن پورے ہو سکتے ہیں۔ اس نے وہاں جانے کا ارادہ منسوخ کر دیا۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ

وجے اور اس کے ساتھیوں کو مزار والی پہاڑی تک پہنچنے سے روکتا۔ اس نے سفاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے' اپنی جان بچا کر ان ساتوں کو سرکاری ایجنسی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

دونوں اخبارات پڑھ لینے کے بعد اندازہ ہوا کہ اس واقعے پر اخبارات کو بھرپور بریفنگ دی گئی تھی۔ جو باتیں کھل کر نہیں کہی جاسکتی تھیں۔ وہ بین السطور میں بیان کر دی گئی تھیں۔ ان مستور نکات کو دوسروں نے نظر انداز کر دیا۔ اردو رپورٹر نے انہیں شامل کر کے خبر میں جان ڈال دی تھی۔

اردو اخبار میں سوبھراج کے ماضی کے بارے میں کئی چھوٹی چھوٹی خبریں تھیں جو اس کے گھناؤنے کردار کو اجاگر کر رہی تھیں۔ میں نے وہ سب چاٹ کر اخبار اگلی نشست کی عقبی جیب میں ڈالا تو جہاز میں مسافروں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ جہاز کی دونوں راہداریوں میں مسافر اپنی اپنی نشستوں کی تلاش میں بڑھ رہے تھے۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ پرواز کی روانگی میں صرف پندرہ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ بے اختیار مجھے سلطان شاہ اور ویرا کا خیال آیا۔ ان کی پرواز پون گھنٹے بعد روانہ ہونے والی تھی۔ شاید وہ اپنے جہاز پر سوار ہو چکے تھے۔ جہاز میں حفاظتی بند باندھنے اور موبائل فون بند کرنے کی ہدایات جاری کی گئیں۔ تمبا کو نوشی کی ممانعت کی ہدایات پہلے سے روشن تھیں۔

چند ثانیوں کی تاخیر سے مجھے یاد آیا کہ میری جیب میں موبائل فون موجود تھا۔ میں نے عجلت میں اسے نکال کر بند کر دیا۔

اول خان نے وہ موبائل فون اس وعدے کے ساتھ سفر پر لے جانے پر اصرار کیا تھا کہ وہ فوری طور پر اس پر بین الاقوامی رومنگ جاری کرا دے گا۔ اس صورت میں واجبی اضافی نرخ ادا کر کے میں ہر وقت اسی نمبر پر کراچی سے رابطہ کر سکتا تھا۔ دوسری طرف اول خان کو مقامی نرخوں پر مجھ سے رابطے کی سہولت دستیاب ہوتی' رومنگ میرے بل میں ڈال دی جاتی۔

دونوں صورتوں میں خسارہ اول خان کا تھا کیونکہ فون اسی کے نام پر تھا اور بل بھی اسی کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ وہ ایس ٹی ایف کی طرف سے مجھے ملی ہوئی ایک اعزازی سہولت تھی جس کے برقرار رہنے سے مجھے بنکاک میں بہت آسانی ہو سکتی تھی۔

جہاز کے انجن چل رہے تھے۔ گیارہ بجنے سے چند منٹ پہلے دروازہ بند کر دیا گیا۔ مسافر اپنی جگہیں سنبھال چکے تھے۔ ہنگامی حالت پیش آنے کی صورت میں اختیار کی جانے والی تدابیر پر ایک مختصر تقریر اور عملے کے عملی مظاہرے کے ساتھ جہاز رن وے پر حرکت میں آ گیا۔

دھیمی رفتار سے رن وے کے سرے پر پہنچنے کے بعد طیارہ لمحہ بھر کے لیے رکا۔ اس کے انجنوں کی رفتار تیز ہوئی اور رن وے پر بڑھتی ہوئی رفتار سے دوڑ لگانے کے بعد جہاز تیزی سے فضا میں اٹھتا چلا گیا۔

غزالہ کی سیٹ جہاز کی کھڑکی کے ساتھ تھی۔ وہ مسلسل اس سے باہر دیکھے جا رہی تھی۔ چند منٹ بعد جہاز بادلوں کی چادر سے اوپر نکلا اور نیچے پھیلے ہوئے شہر کے گھٹتے ہوئے مناظر نظر آنا بند ہو گئے تو وہ میری طرف متوجہ ہو گئی۔

''اللہ کا شکر ہے کہ ہم کچھ دنوں کے لیے حالات کے گرداب سے نکل آئے ہیں۔'' اس نے آسودہ لہجے میں کہا۔

''سرکاری سطح پر میری تلاش شروع ہو جانے کے بعد حالات واقعی بہت خراب ہو گئے تھے۔ اب دیکھنا ہو گا کہ بنکاک میں کیا ہوتا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''وہاں جو کچھ ہو گا' سامنے ہو گا۔ آپ نے خاموشی اختیار کی تو کچھ بھی نہیں ہو گا مگر یہ ممکن نہیں ہے پھر بھی وہاں یہ ڈر نہیں ہو گا کہ راستے میں کوئی بھی آپ کو پہچان کر ٹوٹ پڑے اور پکڑوا دے۔ ان لوگوں نے بدمعاشی کی انتہا کی ہوئی ہے۔ ایسے حربے استعمال کر رہے ہیں کہ کراچی کی انتظامیہ ان کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔''

''اب کراچی کے تذکرے بے سود ہیں۔ وہاں رہ جانے والے وہاں کے مسائل حل کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ہمیں آگے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

دائیں بائیں گھومتے ہوئے اونچی اڑان لینے کے بعد طیارہ اپنی مقررہ بلندی پر پہنچنے کے بعد سیدھا ہوا تو مسافروں کو ہلکے پھلکے مشروبات فراہم کرنے کے لیے کیبن کا عملہ حرکت میں آ گیا۔ میں نے طیارے میں موجود مسافروں کا جائزہ لینے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اپنی جگہ سے اٹھتے ہی مجھے ہر سیٹ کی پشت گاہ سے ٹکے ہوئے انسانی سر ہی سر نظر آئے۔ ان میں ہر رنگ اور قومیت کے لوگ نظر آ رہے تھے لیکن سفر کرنے والوں میں اکثریت مقامیوں کی تھی۔ خاص بات یہ تھی کہ ان میں سب ہی مردانہ اور نوجوان چہرے تھے۔ کوئی مقامی عورت مسافروں کی بھیڑ میں شامل نہیں تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں دنیا بھر میں تھائی لینڈ اور اور خاص طور پر بنکاک کی شہرت اچھی نہیں تھی۔ وہاں عیاشی کی سستی سہولیات میسر آنے کا شہرہ ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ تھائی لینڈ کی معیشت صنعتوں یا

زراعت کے بجائے سیاحت سے ہونے والی قومی آمدنی پر چل رہی تھی۔ اس میں سے بیشتر زرمبادلہ وہ منظم گروہ کما رہے تھے جو آمدنی اور ملازمت کے لالچ میں دیہی علاقوں سے بنکاک کا رخ کرنے والی نوخیز مقامی لڑکیوں کو گھیر کر گناہوں کی دلدل میں اترنے پر مجبور کرتے تھے۔ ان لڑکیوں کی رفاقت میں رنگین لمحات گزارنے کے سہانے سپنوں کے ساتھ عیاش طبع مقامی جوق در جوق ادھر جاتے تھے۔ ان کے ایسے پروگراموں میں کسی عورت کا ساتھ نہ ہونا قابلِ فہم تھا۔

دوسری قوموں کے مسافروں میں خال خال عورتیں نظر آرہی تھیں۔ راہداری سے گزر کر عقبی باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے میری نظر چند حسین اور شاداب سفید فام نسوانی چہروں پر پڑی تو میرے ذہن میں غیر ملکی چینل سے نشر ہونے والا ایک انٹرویو تازہ ہوگیا جو بنکاک کی معاشرت کے ساتھ مغرب کی بے راہ روی کا کھلا اشتہار تھا۔

وہ ایک جرمن جوڑے کی کہانی تھی۔ دونوں کسی اولاد کے بغیر خوش و خرم زندگی گزار رہے تھے اور ایک دوسرے کی خفیہ سرگرمیوں سے یکسر بے خبر تھے۔ دس برس گزار لینے کے بعد دونوں کو تھائی لینڈ کی سیاحت کی سوجھی۔ بنکاک پہنچنے کے پانچویں دن عورت نے ایک قریبی ہوٹل میں اپنے شوہر کو رنگے ہاتھوں پکڑلیا۔ وہ ہوٹل میں ایک سترہ سالہ مقامی لڑکے سے کئی روز سے ملاقاتیں کر رہا تھا۔ بیوی کی لاعلمی میں اس نے ایک کمرا اس ہوٹل میں بھی لیا ہوا تھا۔

شوہر دہل گیا۔ اس کی ازدواجی زندگی یکا یک تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی تھی۔ دونوں میں علیحدگی کی نوبت آتی تو وہ بدترین مالی بحران کا شکار ہوجاتا مگر اس کی بیوی سمجھ دار تھی۔ اس نے صاف الفاظ میں اپنے شوہر کو بتایا کہ پچھلے کئی سالوں سے وہ اس سے مطمئن نہیں تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ کسی کم عمر نوجوان سے مراسم استوار کرے۔ اس مقصد کے لیے اسے اپنے شوہر کا مقامی دوست پسند آیا تھا۔ دونوں میں سمجھوتا ہوگیا۔ شوہر نے دوسرے ہوٹل کا کمرا چھوڑ دیا اور وہ مقامی لڑکا ان دونوں کی خلوت کا تیسرا شریک بن گیا۔

انہوں نے لڑکے کو اپنے ساتھ جرمنی چلنے کی پیشکش کی۔ اس نے مقامی مافیا کے چنگل سے نکلنے کے لیے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور چوری چھپے سفر کی تیاری کرلی۔ وہ تینوں روانگی کے ارادے سے ائرپورٹ پہنچے تو جرمن جوڑے کو اس نابالغ لڑکے کو ورغلا کر بیرون ملک اسمگل کرنے کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ سترہ سالہ لڑکا بلوغت کی قانونی عمر سے ایک برس چھوٹا تھا۔ بنکاک کی جنسی مافیا کے کارندے خود کو اس کا سرپرست ظاہر کرکے لڑکے کو اپنے ساتھ لے گئے۔ جرمن جوڑا اپنے مقدر کا لکھا بھگتنے کے لیے مقدمے کا سامنا کر رہا تھا۔

میں بنکاک جارہا تھا۔ اس شہر کے بارے میں سنے سنائے واقعات یکے بعد دیگرے میرے ذہن میں سر ابھار رہے تھے۔ میں یہ بات جانتا تھا کہ سارا شہر اور سارا ملک ایسا نہیں تھا لیکن وہاں اخلاقی بگاڑ کی جڑیں خاصی گہری ہوچکی تھیں۔ بے راہ روی کے واقعات عام تھے۔ میرے لیے اس کیچڑ سے اپنا دامن بچائے رکھنا ضروری تھا۔

میں واش روم سے ہوکر اپنی سیٹ پر واپس لوٹا تو غزالہ سنگتروں کے ٹھنڈے رس سے لطف اندوز ہورہی تھی۔

''آپ نے مسافروں کا جائزہ لے لیا......!'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''مطلع صاف ہے۔ اس طرف کوئی مشتبہ چہرہ نظر نہیں آیا۔ سب شرفا ہیں۔''

بنکاک تک کا سفر کم و بیش ساڑھے چار گھنٹے کا تھا۔ ہم مشرق کی سمت میں سفر کررہے تھے اس لیے وقت لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جارہا تھا۔ ہمارے بنکاک پہنچنے پر وقت ہماری گھڑیوں سے دو گھنٹے آگے ہوچکا ہوتا۔ وقت کے اس زیاں کو پورا کرنے کے لیے جہاز میں کچھ دیر بعد ہی دوپہر کے کھانے کی فراہمی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

کھانے کے بعد میرے ذہن پر ہلکی سی غنودگی طاری ہونے لگی اور میں نے اپنی آنکھیں موند لیں۔ غزالہ کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔ جہاز ابر آلود فضاؤں سے نکل کر شفاف فضا میں اڑ رہا تھا جس کے نتیجے میں زمینی مناظر صاف نظر آرہے تھے۔

پرواز موسمی زیر و بم سے آزاد اور بہت ہموار تھی۔ میں اپنی سیٹ میں کافی دیر تک اونگھتا رہا۔ چائے اور کافی کا دور شروع ہوا تو میں سنبھل کر سیدھا ہوگیا۔

جہاز کے پیجنگ سسٹم پر بنکاک کے موسم وغیرہ کے بارے میں معلومات فراہم کی گئیں پھر لگی بندھی احتیاطی پیش بندیوں کے ساتھ لینڈنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

اس پرواز کے لیے بنکاک آخری منزل نہیں تھی۔ کچھ دیر رک کر طیارے کو ہانگ کانگ کے لیے روانہ جانا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ جہاز میں نظر آنے والے بیشتر پاکستانیوں کا سفر بنکاک میں ختم ہوجانا تھا۔

ہم بنکاک پہنچے تو فضا روشن تھی۔ سورج غروب ہونے میں خاصی دیر باقی تھی۔ امیگریشن اور کسٹم کے رسمی مراحل سے

گزر کر ہم باہر نکلے تو زرمبادلہ کا کاؤنٹر نظر آیا۔ میں نے سوٹ کیس غزالہ کے پاس چھوڑ کر فوری ضروریات کے لیے سو ڈالر کا ایک چیک بھات میں منتقل کرایا پھر ہم دونوں گرد و پیش سے لطف اندوز ہوتے ہوئے خراماں خراماں عمارت سے نکاس کے راستے پر چل پڑے۔ بنکاک میں کسی نے ہمارا سوٹ کیس کھلوانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی اور بیم گن آرام سے نکل آئی تھی۔

بیرونی ہال میں تھائی لینڈ کے کئی محکموں کے اسٹال وہاں آنے والے سیاحوں کی رہنمائی کے لیے موجود تھے۔ میں نے ہوٹل میں کمرے کے حصول کے لیے ایک کاؤنٹر کا رخ کیا جہاں ایک متبسم خاتون سیاحوں کی میزبانی کے لیے موجود تھی۔

میں تنہا ہوتا تو تیسرے درجے کے ہوٹل میں بھی قیام کر سکتا تھا لیکن غزالہ کے ساتھ اس شہر خرابات میں کوئی رسک نہیں لیا جا سکتا تھا۔ خوش شکل سفید فام خواتین پر نظر پڑنے کے بعد یاد آنے والے انٹرویو کی وجہ سے میں اس بارے میں زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔

ڈبل روم کی فرمائش پر اس خاتون نے اپنے کمپیوٹر کے کی بورڈ پر تیزی سے انگلیاں چلائیں پھر یکے بعد دیگرے کئی ہوٹلوں کے نام لیے جہاں معیاری کمرے دستیاب تھے۔ میرے استفسار پر اس نے بہت تحمل کے ساتھ ان ہوٹلوں کے کرائے بھی بتائے اور میں نے اسی وقت ہلٹن ہوٹل کا انتخاب کر لیا۔

اس عورت نے ہم دونوں کے نام اور پاسپورٹ نمبر کمپیوٹر میں ڈالے اور پرنٹر سے ایک سلپ نکال کر مجھے تھما دی جسے دکھا کر میں ہوٹل میں کمرا حاصل کر سکتا تھا۔

بیرونی ہال سے نکلتے ہی ٹیکسیوں کی قطار ہمارے سامنے تھی۔ اگلی ٹیکسی کا ڈرائیور ہماری طرف لپکا۔ اسے توقع تھی کہ میں اپنے معیار کے کسی ہوٹل تک رسائی کے لیے اس کی مدد لوں گا۔ یوں اسے ہوٹل سے کمیشن کی صورت میں اضافی آمدنی ہو سکتی تھی۔

میں نے ہلٹن ہوٹل کا نام لے کر اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس نے وہاں تک پہنچانے کے لیے سات سو بھات طلب کیے جو میری دانست میں بہت زیادہ تھے۔ دوسرے ایشیائی ملکوں کی طرح تھائی لینڈ بھی مول تول کے لیے بدنام ہے۔ ٹیکسی کے کرائے سے چیزوں کے دام تک بڑھا چڑھا کر بتانا وہاں کا رواج ہے۔ بھاؤ طے ہونے کا انحصار خریدار کے حوصلے پر ہوتا ہے کہ وہ اپنی بات کہاں سے شروع کرتا ہے۔ میں نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولنے والے تھائی ڈرائیور کی آنکھوں میں حریصانہ چمک دیکھ کر اسے دو سو بھات کی پیشکش کی۔

اس نے یوں برا سا منہ بنایا جیسے میں نے اس کی شان میں کوئی گستاخی کی ہو۔ وہ اس کا ایک انداز تھا۔ میرے بجائے کوئی نرم دل اور مہذب سیاح ہوتا تو شرمندہ ہو کر فوری طور پر اپنی پیشکش میں خاطر خواہ اضافہ کر دیتا جسے مول تول کے ذریعے مزید بڑھایا جا سکتا تھا۔ میرے لیے وہ شہر نیا نہیں تھا۔ میں خاموشی سے اس کے جواب کا منتظر رہا۔ اس نے منہ بنانے کے نفسیاتی حربے کے استعمال کے بعد کچھ دیر توقف کیا۔ مجھے خاموش پا کر وہ یکا یک چار سو پر آ گیا۔

ان لوگوں میں اچھی بات یہ ہوتی ہے کہ اپنا اور خریدار کا زیادہ وقت برباد نہیں کرتے۔ ہر حجت کے جواب میں اپنی مانگ میں ڈرامائی کمی کرتے ہیں اور پھر ایک مقام پر اٹک جاتے ہیں۔

وہ تین سو پر اٹک گیا اور میں نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔

اپنی نگرانی میں ہلکا پھلکا سوٹ کیس ٹیکسی کی ڈکی میں رکھوانے کے بعد ہم دونوں گاڑی میں سوار ہو گئے۔ ڈرائیور نے اپنی نشست سنبھالی اور ٹیکسی تیزی کے ساتھ چل پڑی۔

غزالہ کے لیے وہ مول تول بہت دلچسپ ثابت ہوا۔ وہ اس کے لیے بنکاک کا پہلا سبق تھا۔ ٹیکسی کچھ دیر تک باغات یا کھیتوں کے درمیان سے گزرتی رہی۔ سڑک کشادہ تھی اور اس پر ٹریفک بہت زیادہ نہیں تھا۔ شاید وہ سڑک ائرپورٹ تک آنے جانے کے لیے ہی بنائی گئی تھی۔

رفتہ رفتہ آبادی کے آثار نظر آنا شروع ہو گئے۔ غزالہ حیرت اور دلچسپی سے ان اجنبی مناظر کا نظارہ کر رہی تھی۔

گنجان اور بارونق شہری علاقے میں داخل ہوتے ہی غزالہ رکشے نما، عجیب سی سواری کو سڑک پر دوڑتا ہوا دیکھ کر چونک پڑی ”رکشوں کی وبا یہاں بھی پھیلی ہوئی ہے!“

”یہ یہاں کی سب سے مقبول پبلک ٹرانسپورٹ ہے۔ اسے ٹک ٹک کہا جاتا ہے۔“

”کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ ہمارے آٹو رکشا کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔“

شہر میں ہر طرف گندمی رنگت کے پستہ قامت تھائی باشندوں کے ہجوم رواں دواں تھے۔ ان میں کثرت سے غیر ملکی چہرے نظر آ رہے تھے۔

بنکاک کے ٹیکسی ڈرائیوروں کے بارے میں میرے پرانے تجربات خوشگوار نہیں تھے۔ وہ غیر ملکی سیاحوں پر

ضرورت سے زیادہ مہربان ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ موقع ملتے ہی اپنی سیٹ کے قرب و جوار میں کسی پوشیدہ جگہ سے تصویری البم نکال کر سواری کو دکھانا وہ اپنا فرض تصور کرتے تھے۔

میں راستے بھر ڈرتا رہا کہ کہیں وہ مجھے بھی البم نہ تھما دے۔ وہ یک طرفہ طور پر ہمیں راستے میں آنے والے مشہور مقامات کے بارے میں بتاتا جا رہا تھا۔ ایک طرف اس کا لہجہ صاف نہیں تھا۔ دوسری طرف وہ تھائی نام اور الفاظ ایک دوسرے سے اتنے ملتے جلتے تھے کہ مجھے ان میں کوئی فرق محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی حوصلہ شکنی کرنے کے لیے میں نے خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ میں نے اسے ذرا بھی منہ لگایا تو وہ مجھے کوئی شرمناک البم تھما دے گا۔

وہ معاملہ فہم ثابت ہوا۔ اس کی ٹیکسی ہوٹل کے ڈرائیو وے میں داخل ہوگئی لیکن اس نے راستے بھر مجھے کوئی البم وغیرہ نہیں دی۔ اپنے تجربات کی بنا پر وہ جانتا تھا کہ اپنی عورتوں کے ساتھ بیرون ملک سے آنے والے لوگ عیاشی کے معاملے میں اتنے بے حوصلہ ہوتے ہیں کہ ان پر محنت کرنا کبھی بار آور ثابت نہیں ہوسکتا۔

ائرپورٹ سے ہوٹل کا فاصلہ خاصا طویل ثابت ہوا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں نے تین سو بھات پر اپنی رضامندی ظاہر کر کے کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا تھا۔

ہوٹل کے باوردی پورٹر نے ٹیکسی سے ہمارا سوٹ کیس اتارا اور ہم ہوٹل کے بکنگ کاؤنٹر پر پہنچ گئے۔

میں نے اپنے پاس موجود رسید دی جس کا اندراج ہوٹل کے کمپیوٹر میں موجود تھا۔ کچھ لیے دیے بغیر ائرپورٹ سے ہی کمرا محفوظ ہو چکا تھا۔ ہم دونوں کے پاسپورٹ لے کر ہوٹل والے نے اپنے اندراجات مکمل کیے اور ذرا سی دیر میں ہم ہوٹل کی چوتھی منزل پر اپنے کمرے میں موجود تھے۔ جو آنے والے دنوں میں ہماری پناہ گاہ ثابت ہونے والا تھا۔

''آخر کار ہم اس گرداب سے نکل ہی آئے!'' پورٹر کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے آرام دہ بستر پر گر کر، مسرت کے ساتھ کہا۔

''ابھی ان خوش فہمیوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اتنا کافی ہے کہ ہم کراچی سے نکل آئے۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں کے حالات وہاں سے زیادہ گمبھیر ثابت ہوں۔'' میں نے اس کے قریب بیٹھ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا ''یہاں تمہارے کہنے کے مطابق ایک اچھائی ہے کہ امریکیوں کا سازشی عنصر ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔''

کمرے میں ضرورت کی بنیادی چیزیں موجود تھیں۔ منی بار میں مختلف مشروبات کے ساتھ شراب کی کئی چھوٹی بوتلیں بھی موجود تھیں جن سے مجھے کوئی سروکار نہیں تھا۔ غزالہ کی خواہش تھی کہ روم سروس والوں سے کہہ کر وہ بوتلیں وہاں سے ہٹوا دی جائیں۔ چھوٹے ریفریجریٹر میں ان کی جگہ دوسری چیزیں رکھی جاسکتی تھیں۔

میرے پاس بنکاک کے دو اہم فون نمبر موجود تھے۔ ان میں سے ایک نمبر آئی بی کے مقامی بیورو چیف اسد خان کا تھا۔ جلال کے اندازے کے مطابق وہ شخص چھوٹا راجن تک میری رسائی کے سلسلے میں مددگار ثابت ہوسکتا تھا۔

دوسرا فون نمبر راجن کا تھا۔ کراچی میں رہ کر اسے چھیڑنا ہوتا تو میں وہ نمبر استعمال کر سکتا تھا۔ میں نے یہی سوچ کر وہ نمبر حاصل کیا تھا۔ بنکاک پہنچنے کے بعد چھوٹا راجن سے رابطہ کرنا غیر ضروری تھا۔ بہتر یہی تھا کہ میں خاموشی سے اس تک پہنچنے کی کوشش کروں۔

کمرے میں کچھ دیر تک ستانے کے بعد میں نے اسد خان سے رابطہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔

میں نے چیک کرنے کے لیے جیب سے اپنا موبائل فون نکالا تو اس پر کوئی سگنل نہیں آ رہا تھا۔ دستیاب نیٹ ورک کی حدود سے ہزاروں میل دور نکل آنے کی وجہ سے فون نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ جب تک اس پر رومنگ بحال نہ ہوتی، فون بے کار تھا۔

ہوٹل کے کمرے میں براہِ راست ڈائلنگ کی سہولت دستیاب تھی۔ میں آپریٹر کو درمیان میں لائے بغیر اسد کو فون کر سکتا تھا۔ میں نے ذرا سی دیر کے لیے سوچا۔ ہوٹل سے فون کرنے کی سہولت مفت میں فراہم نہیں کی جاتی تھی۔ دنیا کے ہر حصے میں ہوٹل والے فون کے اصل بل کے ساتھ ہر کال پر اپنے اضافی سروس چارجز بھی وصول کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے ہر کال کا کہیں نہ کہیں ریکارڈ ہونا ضرور تھا۔

میں نے وہ نکتہ ذہن نشین کرلیا۔ اس سسٹم کے تحت اسد سے رابطہ کرنے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ وہ بنکاک میں آئی بی کا اکلوتا افسر ہونے کے ساتھ ایک عام پاکستانی بھی تھا۔ اس کے برعکس میں راجن کے لیے ہوٹل کا فون استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

''یہاں قدم رکھتے ہی آپ کی مصروفیات شروع ہوگئیں!'' غزالہ نے مجھے فون کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر کہا۔

''زندگی حرکت کا نام ہے۔ جمود آدمی کو لے ڈوبتا ہے۔'' اسے جواب دے کر میں نے اسد کا نمبر ملا لیا۔

دوسری طرف گھنٹی بجی اور بجتی ہی رہی۔ تیسری گھنٹی پر

مجھے شبہ ہوا کہ اس نمبر پر کوئی موجود نہیں تھا۔ جلال نے مجھے اس کا فون نمبر دے دیا تھا مگر مجھے اس سے یہ پوچھنا یاد نہیں رہا تھا کہ وہ نمبر اس کے دفتر کا تھا یا گھر کا۔

اگر وہ دفتر کا نمبر تھا تو دفتری اوقات ختم ہو چکے تھے۔ اس سے اگلے دن رابطہ ہو سکتا تھا۔ میں فون بند کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اچانک میرے کانوں میں ہیلو کی ایک بھاری مردانہ آواز گونجی۔

''اسد خان؟'' میں نے استفسار طلب لہجے میں دھیرے سے کہا۔

''بول رہا ہوں!'' میرے سوال کا جواب شستہ اردو میں آیا تھا۔

''میں علی احمد بول رہا ہوں۔ تھوڑی دیر......'' میں نے اپنا تعارف کرانا شروع کیا تھا کہ اس نے گرمجوشی کے ساتھ میری بات درمیان سے اچک لی۔

''ویری گڈ...... میں نے ائرپورٹ سے فلائٹ کی آمد کنفرم کر لی تھی اور تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے ائرپورٹ جانے سے منع کر دیا گیا تھا ورنہ تم سے وہیں ملاقات ہوتی۔ یہ بتاؤ کہ سفر کیسا گزرا۔ اس وقت تم کہاں ہو۔''

وہ ایک سانس میں بولتا چلا گیا۔ اس کے لب و لہجے سے یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔ وہ یوں بات کر رہا تھا جیسے برسوں سے میرا آشنا سا ہو۔

''سفر خوشگوار گزرا۔ میں اپنے ہوٹل میں ہوں۔ تم کو معلوم ہوگا کہ صدف میرے ساتھ آئی ہے۔''

''سب معلوم ہے۔ اگر تم تکان محسوس نہ کر رہے ہو تو ہم رات کے کھانے پر کہیں مل سکتے ہیں۔'' میں نے محسوس کیا کہ وہ فون پر تفصیلی بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

''یہیں آ جاؤ۔ نو بجے لابی میں ملاقات ہوگی پھر ہم ریستوران میں کھانا کھائیں گے۔'' میں نے سوچتے ہوئے اسے پیشکش کی۔

''یہی بہتر رہے گا۔ ابھی یہ شہر تمہارے لیے اجنبی ہے۔ تمہارے لیے کہیں اور پہنچنا مشکل ہو جائے گا۔ تم برا نہ مانو تو صدف کو کمرے میں چھوڑ سکتے ہو۔''

''میں دیکھوں گا۔ یہ بتاؤ کہ یہ فون نمبر تمہارے دفتر کا ہے گھر کا۔''

''دونوں ایک ہیں۔ میں نے گھر کو دفتر بھی بنایا ہوا ہے۔ تم کو یہ خیال کیوں آیا؟''

''تم نے کافی دیر بعد فون اٹھایا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

ہنسی کے ساتھ اس کی بے تکلفانہ آواز آئی ''اکیلے مرد کے یہی مسائل ہوتے ہیں۔ میں کچن میں اپنے لیے چائے اور سینڈوچ بنا رہا تھا۔''

وہ بے تکلفی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ میرے لیے احتیاط غیر ضروری تھی۔ میں نے پوچھا ''تمہارے گھر میں کچن کے لیے کوئی ملازمہ نہیں ہے۔''

''یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ وہ جملہ خدمات انجام دینے کے لیے زیادہ تنخواہیں مانگتی ہیں۔ میں اتنے پیسے دے سکتا ہوں نہ مجھے ان کی دوسری خوبیوں سے دلچسپی ہے۔ تنخواہ کے مطابق اپنی اوقات میں رہتا ہوں۔ کچن کے تھوڑے سے کام اپنے ہاتھوں سے کر کے ڈیڑھ دو ہزار ماہانہ بچا لیتا ہوں۔ یہاں کی یہ کہانیاں عجیب ہیں۔ ملو گے تو سناؤں گا۔ میں نو بجے وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

میں نے خوش دلی سے الوداعی فقرے کہہ کر فون بند کر دیا۔

بنکاک میں وہ میرا پہلا رابطہ تھا۔ اس سے بات کر کے مجھے خوشی ہوئی تھی۔ اپنی باتوں سے وہ کھلے دل و دماغ کا آدمی معلوم ہو رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ آئی بی جیسے حساس ادارے میں ایک غیر ملکی محاذ پر تن تنہا کام کرنے والا شخص اس قدر خوش مزاج کیسے تھا!

اس سے بات ہونے سے پہلے میرے ذہن میں اس کا جو خاکہ تھا' اس کے مطابق اسے خشک مزاج اور روکھا پھیکا ہونا چاہیے تھا۔ سرکاری ایجنسیوں میں طویل مدت تک کام کرنے والے عام طور پر اپنے کام سے کام رکھنے والے' محتاط' سرد مہر اور جذبات سے عاری ہو جاتے ہیں۔ اسد اس سے مختلف محسوس ہوا تھا۔

فائیو اسٹار ہوٹل میں قیام کی وجہ سے مجھے غزالہ کی کوئی فکر نہیں تھی۔ میں نے ائرپورٹ سے ہوٹل تک کے طویل سفر میں کہیں دنگا فساد ہوتا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ اپنی بہت سی خرابیوں کے باوجود تھائی قوم مجھے صلح جو اور امن پرور محسوس ہوئی تھی۔ کم از کم بنکاک میں ایسا ہی تھا۔

ہمارے پاس جلال کے دیے ہوئے بیس ہزار ڈالروں کے علاوہ وہ خطیر رقم بھی موجود تھی جو میں روزمرہ اخراجات کے لیے آخری بار سلطی سے لایا تھا۔ غزالہ نے چالاکی بلکہ بڑی حد تک خودغرضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ویرا اور سلطان شاہ سے اس بچی ہوئی رقم کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ خاموشی سے سب کچھ سمیٹ کر اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ اس رقم کی

موجودگی میں ہم بے فکر ہو کر بنکاک میں ایک طویل عرصہ گزار سکتے تھے۔

پونے نو بجے میں نے غزالہ کے ساتھ کمرا چھوڑ دیا۔ وہ بنکاک میں اس کا پہلا ڈنر تھا۔ بند کمرے میں تنہا بیٹھ کر کھانا کھانے کا تصور اس کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوتا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق وہ نچلے فلور پر پہنچتے ہی مجھ سے الگ ہو کر ہوٹل کے ریستوران کی طرف چل دی۔ میں مڑ کر لابی کی طرف ہولیا۔

میں ایک صوفے پر بیٹھا ہی تھا کہ قریبی صوفے سے ایک خوش شکل پاکستانی اٹھ کر مسکراتا ہوا میری طرف آیا۔ اس نے مقامی رواج کے مطابق شوخ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ گلے میں ہلکا سا پھول دار اسکارف قرینے سے لگا ہوا تھا۔

میں نے کن انکھیوں سے اسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا مگر اس کے قریب آنے تک میں انجان بنا بیٹھا رہا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ میں نے اسد سے ملاقات کا وقت طے کرتے ہوئے باہمی شناخت کے بارے میں کچھ طے نہیں کیا تھا۔

''مجھے اسد کہتے ہیں۔'' اس شخص نے میرے قریب آ کر کہا ''کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں؟''

میں نے اس کی آواز پہچان لی۔ میرے خدوخال کی بنا پر اس نے صحیح اندازہ لگایا تھا اور میرے قریب آ پہنچا تھا مگر وہ اس بارے میں پر یقین نہیں تھا۔ اسے اپنے اندازے پر سو فیصد یقین ہوتا تو وہ مجھے آپ جناب سے مخاطب نہ کرتا۔ فون والی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغل گیر ہو جاتا۔

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اجنبیت کا اظہار کر کے اسے ذہنی جھٹکا دوں مگر پھر وہ ارادہ منسوخ کر دیا اور علی احمد کہتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''میں وقت سے پہلے آ گیا تھا۔'' اس نے ہاتھ ملا کر بے تکلفی سے میرے قریب بیٹھتے ہوئے کہا ''میں نے اوپر سے آنے والوں پر نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ شاید صدف بھی تمہارے ساتھ نیچے آئی تھی اور کھانے کے لیے ریستوران کی طرف نکل گئی۔''

''مجھے مرعوب کرنے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کس محکمے کے لیے کام کرتے ہو۔''

''میں کیا مرعوب کروں گا!'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا ''مجھے بتایا گیا ہے کہ تم خاصی توپ چیز ہو۔ ہم لوگوں کے لیے اکثر کام کرتے رہتے ہو۔''

''اور کیا بتایا گیا ہے؟'' میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اطمینان سے سوال کیا۔ یہ معلوم ہونا بہت ضروری تھا کہ اسے میرے بارے میں کیا بتایا گیا تھا۔ اصولی طور پر مجھے کراچی چھوڑنے سے پہلے جلال سے اس بارے میں سب کچھ معلوم کر لینا چاہیے تھا۔ عجلت اور شاید خود اعتمادی کی وجہ سے مجھ سے وہ چوک ہو گئی تھی جس کا تدارک مجھے خود کرنا تھا۔

''تم کو کسی مشن پر یہاں بھیجا گیا ہے'' اس نے نیچی آواز میں کہا ''اس میں چھوٹا راجن ایک اہم آدمی ہے۔ اس تک پہنچنے میں مجھے تمہاری مدد کرنا ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ معاملہ راجن تک محدود نہ رہے۔ اس چکر میں کوئی اور اہم نام بھی ملوث ہوسکتا ہے۔''

''اس بارے میں تم کیا کر سکتے ہو؟'' میں نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر پوچھا۔

''فی الحال انتظار کرنا ہوگا۔ ایک ہفتے سے راجن غائب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کام سے ممبئی چلا گیا ہو۔ اس کے کام وہاں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔''

''وہ یہاں کیا کرتا ہے؟'' راجن کے بارے میں میرا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔

''بظاہر وہ ایک مال دار بھارتی ہے جو اپنا زیادہ وقت بنکاک میں گزارنا پسند کرتا ہے۔ پارٹیوں پر وہ پانی کی طرح پیسہ بہاتا ہے۔ یہاں کے بڑے سرکاری افسروں میں اس کا بہت اثر و رسوخ ہے۔ وہ بہت شوق سے راجن کی پارٹیوں میں شریک ہوتے ہیں۔''

''یہ راجن کی اپنی بنائی ہوئی تصویر ہے۔ دوسروں کے لیے یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہونی چاہیے کہ وہ دراصل بھارت کا ایک چھٹا ہوا بدمعاش ہے جس کی ساری دولت غیر قانونی ہے۔''

''اس کی قانونی آمدنی بھی بے حساب ہے۔ وہ ممبئی میں بڑی جائیدادوں کا لین دین کرتا ہے۔ بنکاک میں اس کے کئی نائٹ کلب اور کیسینو چل رہے ہیں۔ حال ہی میں اس نے وائٹ ہاک نامی ایک لگژری بوٹ خرید کر اس پر تیرتا ہوا کیسینو اور عیاشی کا اڈا قائم کیا ہے جہاں ہر کس و ناکس نہیں جا سکتا۔ وہ صرف ممبروں کے لیے مخصوص ہے۔ ان ذرائع سے وہ کروڑوں کماتا ہے۔ اس پر یہاں اور بھارت میں ٹیکس بھی دیتا ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ ایسے کاموں میں بدمعاشی ضروری ہوتی ہے اس لیے وہ راجن کے خلاف پھیلنے والی کہانیوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔''

''اس وقت تم بھی اس کے مداح معلوم ہو رہے ہو'' میں نے ہنس کر کہا۔

''یہ تصویر کا ایک رخ ہے، اس کا دوسرا رخ بہت بھیانک ہے۔ اس نے بنکاک سے ممبئی تک میں غنڈوں کی ایک فوج پالی ہوئی ہے۔ وہ راجن کے نام پر چھوٹے دھندے کرنے والوں سے بھتے لیتے ہیں۔ لاوارث جائدادوں پر جعلی کاغذوں کے ذریعے قبضہ کر لیتے ہیں۔ اسمگلنگ اور منشیات فروشی پر ان کا راج ہے۔ حریفوں سے سرکاری افسران تک جو کوئی ان کی راہ میں مزاحم ہوتا ہے اسے وہ خاموشی اور سفاکی سے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں'' اسد نے بتایا۔

''اس کے باوجود اسے معزز سمجھا جاتا ہے'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''اس کے آدمی بے داغ جرائم کرتے ہیں۔ کسی سے لغزش ہو جائے تو وہ اس کا بھی صفایا کرا دیتا ہے۔ جب تک کوئی ثبوت نہ ہو، ان کہانیوں کی کوئی وقعت نہیں ہے۔''

''اس تک رسائی کی کیا صورت ممکن ہے؟'' میں نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''یہاں کی مہنگی آبادی میں اس کا گھر کسی قلعے سے کم نہیں ہے۔ مسلح بدمعاشوں کی ایک بڑی ٹولی گھریلو ملازموں کی صورت میں وہاں ہر وقت دندناتی رہتی ہے۔ وہاں اس کی مرضی کے خلاف اس تک پہنچنا ناممکنات میں سے ہے۔ وہ باہر نکلتا ہے تو اس وقت بھی محافظ اس کے ساتھ چلتے ہیں'' اس نے منفی نکتے بیان کر دیے۔

''ملکوں کے حکمراں منصوبہ بندی کر کے مار دیے جاتے ہیں۔ راجن ایسا ناقابلِ تسخیر نہیں ہو سکتا'' میں نے بے یقینی سے کہا۔

''کوئی ناقابلِ تسخیر نہیں ہوتا۔ اگر تم اس تک پہنچنا چاہتے ہو تو کوئی نہ کوئی راہ نکال لی جائے گی۔ میں تمہیں اس کے معمولات بتا رہا تھا'' اسد نے کہا۔

اسد نے پوری گفتگو میں ایک بار بھی میرے اصل نام کا حوالہ نہیں دیا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ جلال نے اسے میرے بارے میں محدود معلومات فراہم کی تھیں۔ اس سے آگے کا معاملہ میری صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

ہم دونوں وہاں سے اٹھ کر ہوٹل کے اس ریستوران کی طرف چل دیے جہاں خاص طور پر کئی ملکوں کے ایشیائی کھانے دستیاب تھے۔

ریستوران بھرنا شروع ہو گیا تھا۔ فضا میں تمباکو کے دھوئیں، الکحل اور کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوؤں کے گہرے اثرات چھائے ہوئے تھے۔ میں نے وہاں داخل ہوتے ہی پورے ہال پر نگاہیں دوڑائیں۔ وہاں غزالہ کا نام ونشان نہیں تھا۔ شاید اس نے اپنی شکم پری کے لیے ہوٹل کے کسی اور حصے کا انتخاب کیا تھا۔

ہم ایک گوشے میں دیوار کے ساتھ لگی ہوئی، ایسی میز کے گرد جا بیٹھے جہاں صرف تین کرسیوں کی گنجائش تھی۔ اسی مناسبت سے وہ میز بھی چھوٹی تھی۔

ریستوران میں بیٹھنے کے بعد گفتگو کا رخ بدل گیا۔ وہ مجھے اپنے بارے میں بتا رہا تھا۔ اس کے بیوی بچے لاہور میں رہتے تھے۔ اپنی پیشہ ورانہ ذمے داریوں کی انجام دہی اور بچت کے لیے وہ تقریباً دو سال سے بنکاک میں تنہا رہ رہا تھا۔ اس کی بیرون ملک تعیناتی کی مدت پوری ہو چکی تھی۔ کسی بھی وقت اس کی پاکستان واپسی کے احکام آ سکتے تھے۔

اس کے تجربے اور مشاہدے کے مطابق مشرق کا وہ شہر اپنی رنگارنگی اور حیات آفرینی کے باوجود گناہوں کی ایک خوشنما دلدل میں تبدیل ہو چکا تھا جہاں قدم قدم پر اس دلدل کی طرف بھٹکنے کے واضح امکان تھے لیکن وہ نہایت صبر وقناعت کے ساتھ وہاں اپنا وقت گزار رہا تھا۔ ہر قسم کے مقامی اور غیر مقامی لوگوں سے مراسم ہونے کے باوجود وہ شراب اور عورت کے سحر سے آزاد تھا۔

بنکاک میں پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی۔ وہ لوگ ملازمتوں اور چھوٹے موٹے کاروبار سے اپنی روزی کما رہے تھے۔ اسد کے لیے پوری پاکستانی برادری کی انفرادی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنا ممکن نہیں تھا لیکن اپنے خصوصی مراسم کی وجہ سے اسے اہم واقعات سے بروقت آگاہی حاصل ہو جاتی تھی۔ اس کا کام کسی کارروائی میں ملوث ہونے کے بجائے اہم واقعات کی مانیٹرنگ تک محدود تھا۔ وہ اپنی ساری ماہانہ رپورٹیں اسلام آباد کو ارسال کرتا تھا۔

بنکاک میں اپنے قیام کے دو سالوں میں اسے اس وقت پہلا ذہنی جھٹکا پہنچا تھا جب اسے یہ پتا چلا کہ سوبھراج پاکستان میں غداری جیسے سنگین جرائم میں ملوث ہے۔ سوبھراج اپنے عروج کے زمانے میں اکثر نجی دوروں پر بنکاک آتا رہا تھا۔ سفارتی عملے کے علاوہ اسد بھی اسے اپنا بھرپور ذاتی تعاون فراہم کرتا تھا۔ میل جول کی وجہ سے اس کی سوبھراج سے خاصی شناسائی تھی۔

اسے سوبھراج کی صرف ایک بات ناپسند تھی۔ وہ پاکستان کا ایک معروف سیاست داں تھا لیکن بنکاک میں اس کی راجن سے گہری دوستی تھی۔

بنکاک میں اپنی موجودگی کے دوران میں وہ راجن کی کوئی پارٹی نہیں چھوڑتا تھا۔ عیاش طبع ہونے کی وجہ سے

بنکاک کی بدنام عورتیں اکثر اس کے اردگرد منڈلاتی رہتی تھیں۔ وہ اس کی گندی دلچسپیاں تھیں۔ اسد کئی بار اپنی رپورٹوں میں ان کا ذکر کر چکا تھا۔

پاکستان سے سوبھراج کے خلاف چشم کشا خبریں آنے تک وہ اسے ایک بگڑا ہوا اور رنگین مزاج سیاست داں سمجھتا رہا تھا۔ وہ خبریں سننے کے بعد اسے صدمہ ہوا کہ وہ بے خبری کے عالم میں دو سال سے ملک وقوم کے ایک غدار کی خدمت کرتا رہا تھا۔

اسی دوران میں اسد نے ویٹر کو کھانے کا آرڈر دے دیا۔

کھانا شروع ہوا تو ہم دونوں کی گفتگو پھر پچھلے ڈھب پر آ گئی۔

''مجھے تمہارے بارے میں زیادہ تفصیلات کا علم نہیں ہے'' وہ کہہ رہا تھا ''مجھے ہر حال میں تمہاری مدد کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ میں حیران ہوں کہ تم راجن میں اتنی زیادہ دلچسپی کیوں لے رہے ہو۔ کیا تم کو اسی کے خلاف کسی مشن پر مامور کیا گیا ہے؟''

میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا ''بنکاک میں اس جیسے نہ جانے کتنے بدمعاش پل رہے ہوں گے۔ فرق یہ ہے کہ وہ اپنی دولت کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہے۔ مجھے اس سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا ہدف سوبھراج ہے......''

''اوہ خدا!'' وہ ایک گہرا سانس لے کر حیرت سے بولا ''راجن کی جڑ بنیاد کرید کر تم نے میرا خون آدھا کر دیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہم دو بے بساط آدمی اس عفریت کو کیسے پچھاڑ سکیں گے۔ اس کے مقابلے میں سوبھراج چوہا ہے۔ اسے مارنا مشکل نہیں ہوگا۔''

''بنکاک آنے کے بعد وہ راجن کا مہمان ہوتا ہے۔ ہمیں دونوں کو نگاہ میں رکھنا ہوگا'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہمارے آس پاس کی میزوں پر غیر ملکی بیٹھے ہوئے تھے پھر بھی ہم اردو میں نیچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔

''کیا وہ یہاں آ گیا ہے؟'' اسد نے حیرت زدہ ہو کر سوال کیا۔

''نہیں، آیا تو آ جائے گا'' میں نے اطمینان سے جواب دیا ''معلوم ہوتا ہے کہ تم کو یہاں پاکستانی اخبار دستیاب نہیں ہوتے؟''

''پی آئی اے کی پرواز شام کو یہاں پہنچتی ہے۔ اسی وقت اخبار آتے ہیں۔ آج تمہاری فکر میں، میں اخبارات لینے کے لیے نہیں جا سکا۔ میں پاکستانی اخباروں کا مستقل خریدار ہوں۔ آج کی کاپی صبح جا کر لے لوں گا۔ کیا آج کوئی خاص خبر ہے؟''

''خبریں ہی خبریں ہیں۔ پچھلی رات سوبھراج کے چار آدمی مارے گئے ہیں، تین پکڑے گئے ہیں۔ ان میں وجے نام کا کوئی نامی گرامی بدمعاش بھی شامل تھا'' میں نے اسے بتایا۔

''پھر تو میں یہاں سے واپسی پر ہی اخبار لیتا ہوا جاؤں گا۔ کیا تمہاری آمد اسی سلسلے کی کڑی ہے؟'' وہ یکایک ہیجان زدہ نظر آنے لگا۔

''اب اس کے لیے پاکستان میں رہنا ممکن نہیں رہا۔ وہ سیدھا اسی طرف آئے گا۔ ہم کو پہلے سے راجن پر نظر رکھنا ہوگی۔ جیسے ہی سوبھراج اس سے ملے، ہمارا کام شروع ہو جائے گا۔''

''پاکستان کے حوالے سے پچھلے دنوں دو ناموں نے بہت شہرت پائی ہے'' وہ لقمہ نگل کر بولا ''سوبھراج سے پہلے ڈینی کا قصہ چلا آ رہا ہے۔ امریکی اس کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ پتا نہیں اسے امریکیوں سے کیا پرخاش ہے۔ آئے دن ان کے کسی نہ کسی اہم آدمی کو مارتا رہتا ہے۔''

میری دانست میں اسد ایک باخبر آدمی تھا۔ اس کی زبان سے وہ فقرے سن کر مجھے صدمہ ہوا۔ اس کا وہ حال تھا تو عام پاکستانیوں کے بارے میں کیا کہا جا سکتا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اپنے ملک کی نہیں، کوئی ذاتی لڑائی لڑ رہا ہوں جس سے گنے چنے لوگوں کے سوا کسی کو زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ عین ممکن تھا کہ بہت سے لوگ یہ بھی سوچتے ہوں کہ میں امریکیوں کو اشتعال دلا کر پاکستان کے لیے غیر ضروری طور پر مشکلات پیدا کر رہا تھا، میری سرزنش ضروری تھی۔

میں اس نکتے پر ہر ایک کو قائل نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اسد کو بات سمجھانے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔ میں نے کہا ''شاید تم اس مسئلے کے پورے پس منظر سے بے خبر ہو۔''

''میں سب کچھ جانتا ہوں'' اس نے سر ہلا کر کہا ''میری دانست میں کوئی شخص ریاست سے لڑ کر نہیں جیت سکتا اور پھر ریاست بھی وہ جو دنیا کی اکلوتی سپر پاور ہو۔ اس نے امریکیوں کی شی سے بغاوت کر کے ہیروئن کے خلاف علم اٹھایا تھا۔ اس کی کوششوں سے شی برباد ہو گئی۔ ڈینی کا مشن پورا ہو گیا، اب وہ خودکشی کے راستے پر بڑھ رہا ہے۔''

''شی کی تباہی سے پہلے امریکیوں نے اسے زندہ یا مردہ پکڑنے کے لیے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا دیے تھے'' میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد کہا ''وہاں سے لڑائی

کا رخ بدل گیا۔ اب ڈینی خاموش ہو کر بیٹھ جائے، تب بھی وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ کسی بے گناہ کو نہیں مارتا۔ پاکستان کے خلاف سازشیں کرنے والوں کے خون کا پیاسا ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ پاکستان میں سوبھراج کو کن قوتوں نے پالا ہوا تھا؟'' میں نے اپنی نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں ''ڈینی کیا کر رہا ہے؟''

''محکمے میں ڈینی کے بارے میں کوئی زبان نہیں کھولتا'' اس نے مایوسی سے کہا ''مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے محکمے کے لیے وہ ایک حسّاس نام ہے۔ میری اطلاعات ان خبروں تک محدود ہیں جو کبھی کبھی اخباروں میں آتی رہتی ہیں۔ یہی معاملہ سوبھراج کا ہے۔ یہاں رہ کر اس کے بارے میں زیادہ جاننا مشکل ہے۔''

''را اور سی آئی اے بیک وقت دونوں بدنام ایجنسیاں سوبھراج کی پشت پناہی کر رہی تھیں اور اس سے گھناؤنے کام لے رہی تھیں۔ اب امریکی ایجنسیاں اس کی بھی دشمن ہیں۔''

میرے بارے میں اسد کی معلومات محدود اور ناقص تھیں۔ یہ بات بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ وہ میری اصلیت سے واقف نہیں تھا۔ اس کے لیے میں صرف علی احمد تھا۔

اپنے پیشے کی وجہ سے تجسس اس کے خمیر میں شامل ہو چکا تھا۔ ایک مرتبہ بات چھڑ گئی تو اس نے پے در پے سوالات کرنا شروع کر دیے۔ میں بہت مشکل سے اسے یہ سمجھانے میں کامیاب ہو سکا کہ سوبھراج اپنی کالی کمائی کے سہارے سیاسی قد کاٹھ نکالنے میں کامیاب ہوا تھا ورنہ بنیادی طور پر وہ گندی نالی کا کیڑا تھا جو صرف غلاظت میں پنپ سکتا تھا۔ جرائم سے کنارہ کش ہو کر وہ اپنا وجود تک برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ اسے بے نقاب کرنے میں ڈینی نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔

''ڈینی کے بارے میں ریکارڈ پر ناقص اور ادھوری باتیں ہوں گی'' وہ بولا ''اسلام آباد میں سینہ بہ سینہ چلنے والی کہانیوں سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ وہ کوئی پاگل شخص یا پھر حد سے زیادہ بے خوف اور دلیر ہے۔ کاش کبھی اس سے سامنا ہو سکے۔ اس کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو اس کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔''

''فری لانسر ہر شخص کے لیے کام کرتے ہیں'' میں نے ہنس کر اسے ٹال دیا۔

''اس کی آمدنی کے کیا ذرائع ہیں؟'' اسد آسانی سے میری جان چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا ''اپنے ذاتی وسائل سے ایسی لڑائی لڑنا ناممکن ہے۔''

''ان سوالوں کے جواب وہی دے سکتا ہے یا پھر جلال کو کچھ معلوم ہوگا۔''

''جلال بہت ٹیڑھا اور خطرناک افسر ہے۔ ڈینی اور سوبھراج کے معاملات کسی اور کے پاس ہوتے تو کوئی نہ کوئی خبر لیک ہو جاتی۔ اب مکمل بلیک آؤٹ ہے۔ اسی لیے میں تم سے زیادہ سوالات کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم نے برا نہیں مانا ہوگا؟''

''برا ماننے کی کوئی بات نہیں۔ جو کچھ مجھے معلوم تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔''

''سنا تھا کہ ڈینی کے ساتھ ویرا لائیڈ نامی کوئی لڑکی بھی ملی ہوئی ہے'' راہ پاتے ہی اسد نے اگلا سوال داغ دیا ''امریکیوں نے دونوں کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر بڑے بڑے انعامات رکھے ہوئے ہیں؟''

''یہ بہت پرانی بات ہے۔ اس بارے میں ان کی طرف سے اخباروں میں بڑے بڑے اشتہارات آتے رہے ہیں'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''شبہ مجھے بھی ہے کہ ہماری کوئی نہ کوئی ایجنسی ڈینی کو بچا رہی ہے ورنہ وہ اب تک پکڑا گیا ہوتا۔ درپردہ وہ پاکستان کے لیے کام کر رہا ہوگا۔''

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ آخرکار میں اسے اندر کی بات سمجھانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے غیر ضروری ذکر سے جان چھڑانے کے لیے کہا ''مجھے سوبھراج کے فتنے کے خاتمے کے لیے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے اور تم ڈینی کے قصوں میں الجھے ہوئے ہو۔''

اس کا ہاتھ پلیٹ میں رک کر رہ گیا۔ اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور نیچی آواز میں بولا ''کیا تم اسے مارنے کا مشن لے کر آئے ہو؟''

''یہاں اس کے خلاف اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ یہاں ہمیں اس کی گرفتاری کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ مقامی انتظامیہ کی مدد لینے کا طریقہ کار اتنا طویل ہے کہ فیصلہ ہونے تک سوبھراج یہاں سے نکل جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ راجن کے اثر و رسوخ کی وجہ سے کوئی کامیابی نہ ہو۔''

''علی! مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ دشمن کو مارنا ہماری پالیسی کے خلاف ہے۔ تصادم میں کوئی حریف اتفاق سے مارا جائے تو دوسری بات ہے۔ تم تو براہِ راست اسے مارنے کا ارادہ کر کے آئے ہو۔ مجھے اپنے افسرانِ بالا سے رجوع کرنا ہوگا۔''

''تمہیں کچھ نہیں کرنا۔ سارا کام میں خود کر دوں گا۔ تم

مجھے راجن تک پہنچنے کا راستہ بتا دو۔ باقی کام میں خود کر لوں گا۔ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

''میں اس بارے میں کل کوئی جواب دے سکوں گا'' اس نے فکرمندی سے کہا۔

جوش و خروش سے شروع ہونے والی وہ ملاقات آخرکار سرد مہری پر ختم ہوگئی۔ وہ مجھ سے ہوٹل کے کمرے کا نمبر لے کر رخصت ہوگیا۔ میں اپنے کمرے میں لوٹ آیا جہاں غزالہ مجھ سے پہلے فارغ ہو کر واپس آ چکی تھی اور کپڑے بدل کا بستر پر آرام کر رہی تھی۔

میرا لٹکا ہوا چہرہ دیکھتے ہی غزالہ نے گڑبڑ کا اندازہ لگا لیا اور بولی ''معلوم ہوتا ہے کہ اسد سے آپ کی ملاقات کامیاب نہیں رہی؟''

''عجلت میں کیے جانے والے کاموں میں کہیں نہ کہیں گڑبڑ ضروری ہوتی ہے۔ جلال سے اسد کے بارے میں تفصیلی بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ سوبھراج کو مارنے میں میرا ساتھ دینے سے گریز کر رہا ہے۔'' میں نے افسردگی سے بتایا۔

''اسے کیسے پتا چلا کہ آپ اسے مارنے کا ارادہ لے کر آئے ہیں؟''

''مجھ سے غلطی ہوگئی۔ میں نے خود ہی ذکر کر دیا تھا'' میں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا'' وہ جلال سے بہت جونیئر ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اپنا قاعدہ قانون لے کر بیٹھ جائے گا۔ جلال سے ایک بات طے ہو چکی تھی، سوبھراج کو زندہ یا مردہ زیر کرنا ہے۔ اس کے ہر ماتحت کو اس فیصلے پر سر جھکا کر عمل کرنا چاہیے۔''

''کسی کو زندہ یا مردہ پکڑنے اور گھیر کر مار دینے میں بہت فرق ہے۔ آپ خود اس غلطی کو مان چکے ہیں پھر بے چارے اسد کو الزام کیوں دے رہے ہیں؟ سوبھراج کے خلاف الزامات کی فہرست کتنی ہی گندی اور طویل کیوں نہ ہو، یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ماضی قریب میں وہ ممتاز سیاسی حیثیت کا حامل تھا۔ ایسے مجرموں پر ہاتھ ڈالنے سے ہر ایک گھبراتا ہے۔''

''غلطی کسی کی بھی ہو، گڑبڑ ہو چکی ہے۔ اسد کو یہاں آئے دو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ کسی بھی وقت اسے پاکستان واپس بلایا جا سکتا ہے۔ اس مرحلے پر وہ از خود کوئی بڑا فیصلہ نہیں کرے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جلال یا کسی اور افسر سے ہدایات لینے کے بعد مجھے اس معاملے میں اپنے فیصلے سے آگاہ کرے گا۔''

''اس سے پہلے آپ جلال کو فون کر کے بریف کیوں نہیں کر دیتے؟'' غزالہ نے سوال کیا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ جلال پوری بات سمجھ لے گا۔ اس کا فیصلہ برقرار رہے گا'' میں نے کہا'' رہی سہی کسر آج کے اخبارات پوری کر دیں گے۔''

غزالہ نے حسب عادت بحث نہیں کی، خاموشی اختیار کر لی۔

اس وقت ساڑھے دس بجے تھے۔ کراچی کا وقت دو گھنٹے پیچھے تھا اور ہم وہاں سے تازہ وارد ہوئے تھے۔ میرے اعصاب پوری طرح ترو تازہ تھے۔ نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ میں نے بنکاک کی جاگتی ہوئی راتوں کا سرسری نظارہ کرنے کا ارادہ کیا اور غزالہ کی طرف دیکھتے ہی ترک کر دیا۔ اس نے سونے کا لباس پہن کر بزبان خاموشی یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ باہر نہیں جائے گی۔

میں نے کمرے میں موجود ٹیلی وژن آن کیا اور پی ٹی سی لگا کر ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا۔ میں نے روشنی گل کر کے ہلکی روشنی والا بیڈ لیمپ روشن کر دیا تھا۔

میں دیر تک ٹیلی وژن کے سامنے جما رہا۔ نگاہیں روشن اسکرین پر مرکوز تھیں، ذہن سوبھراج اور راجن میں الجھا ہوا تھا۔

اسد نے راجن کے سلسلے میں جو کچھ بتایا تھا، وہ میرے لیے حیران کن تھا۔ بدمعاش کتنا ہی دولت مند ہو جائے، ہمیشہ بدمعاش رہتا ہے۔ لوگ اس سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں۔ اس کی عزت نہیں کرتے۔ ان کے دلوں میں اس کے لیے نفرت کے جذبات موجزن رہتے ہیں لیکن راجن کے معاملے میں وہاں الٹی گنگا بہہ رہی تھی۔ تھائی حکام نے اس کی بدمعاشیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے اسے ایک معزز سیاح کا درجہ دیا ہوا تھا۔

مجھے صاف نظر آ رہا تھا کہ مجھے راجن اور سوبھراج کے خلاف کہیں سے کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا، اپنے طور پر کرنا تھا۔

میری دلی خواہش تھی کہ ان دونوں کے خلاف میری پہلی کارروائی اتنی سخت اور بھرپور ہو کہ ان کے ہوش اڑ جائیں۔ اس خواہش کے باوجود مجھے اپنے کام کے آغاز کے لیے کوئی سرا نظر نہیں آ رہا تھا۔

بارہ بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ بنکاک میں ایسا کون تھا جو اتنی دیر سے مجھے فون کر سکتا تھا؟

میں نے غزالہ پر نظر ڈالی تو وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ اس

کی نیند خراب ہونے کے خوف سے میں نے لپک کر فون اٹھالیا۔
ریسیور کان سے لگتے ہی میرے کانوں میں ایک رسیلی نسوانی آواز آئی "گڈ ایوننگ سر! میرا نام سیفل ہے، عمر بائیس سال ہے۔ کسی کام کے لیے میری ضرورت ہو تو میں ذرا سی دیر میں آپ کے دروازے پر آسکتی ہوں" وہ مقامی لہجے میں صاف ستھری انگریزی بول رہی تھی۔
"شاید تم کو علم نہیں کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ مقیم ہوں" میں نے غزالہ کی طرف دیکھ کر خاصے تیکھے بلکہ ترش لہجے میں کہا۔
"مجھے معلوم ہے سر!" نہایت سعادت مندی سے کہا گیا "میں بہترین مساج کرتی ہوں۔ آپ کی مسز کو لطف آجائے گا۔ میری فیس بھی بہت کم ہے......"
"فیس پر لعنت بھیجو۔ میں ابھی آپریٹر سے پوچھتا ہوں کہ اس وقت اس نے میرے کمرے سے تمہاری کال کیوں ملائی۔"
"سر! کال میں نے خود ملائی ہے۔ ہوٹل کا نمبر ملانے کے بعد اب کمرے کا نمبر ڈائل کرنا ہوتا ہے۔ آپریٹر کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب کمرے کا نمبر معلوم نہ ہو۔ آپ چاہیں تو مجھے کل وقت دے سکتے ہیں۔ میں پہنچ جاؤں گی" اس نے میری برہمی کو سرے سے نظر انداز کر دیا تھا۔
"مجھے کسی مساج کی ضرورت نہیں ہے۔ دوبارہ مجھے فون نہ کرنا" میں نے غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔
ریسیور رکھتے ہی دوبارہ فون کی گھنٹی بجی اور میں نے بھنّا کر ریسیور اٹھالیا۔ میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اس بار میں سیفل کو ایسی کھری کھری سناؤں گا کہ وہ تیسری بار مجھے فون کرنے کی ہمت نہیں کر سکے گی "اب کیا مصیبت ہے؟"
"کیا بات ہے...... اس وقت تم بہت غصے میں ہو؟"
اسد کی آواز سن کر میرا غصہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا "کیا کسی سے لڑ رہے تھے؟"
"ابھی ابھی کوئی عورت کان کھا رہی تھی۔ وہ میرا اور صدف کا مساج کرنا چاہتی تھی" میں نے بے بسی کی ہنسی کے ساتھ اسے بتایا "میں سمجھا کہ اس نے دوبارہ فون کیا ہے۔"
"یہاں یہ ہوتا رہتا ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر تاؤ کھاؤ گے تو بنکاک میں رہنا دشوار ہو جائے گا۔" اس نے ہمدردانہ مشورہ دینے کے بعد اپنی بات جاری رکھی "وہ معاملہ صاف ہو گیا ہے۔ جیسا تم چاہو گے، وہی ہوگا۔ آج کے پاکستانی اخبارات نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ یہ رحم کھانے کے قابل نہیں ہیں۔"
مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے وقت کی پروا کیے بغیر مجھے فوری طور پر اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا تھا۔
"آنے والے پر نگاہ رکھو، مجھے فوری طور پر اس کی آمد کی خبر لینی چاہیے" میں نے فون پر سوبھراج کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے اسے ہدایت دی۔
"تم بےفکر رہو۔ مجھے بتا دیا گیا ہے کہ اس بار وہ کراچی کے بجائے تہران سے آئے گا۔ ادھر سے روزانہ صرف ایک پرواز آتی ہے۔ اسے میں خود دیکھوں گا۔"
اسد سے بات ہونے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ اس کے ابتدائی تذبذب نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا، میں کسی قریبی معاون کے بغیر اس اجنبی شہر میں ایک بڑا معرکہ کیسے سر کرسکوں گا۔
نیند اس وقت بھی میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ٹیلی وژن میں مجھے کوئی دلچسپی نظر نہیں آرہی تھی۔ اسے آف کرکے میں بستر پر غزالہ کے پہلو میں دراز ہوگیا۔
وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ میں اپنے ذہن میں کوئی حکمتِ عملی بنانے کی کوشش کررہا تھا لیکن کامیابی نہیں ہورہی تھی۔ یکایک میرے ذہن میں راجن کی وائٹ ہاک نامی بوٹ کا نام ابھرا۔ وہ بنکاک میں راجن کی تازہ ترین سرمایہ کاری تھی۔ شاید اسد کو بھی اس بوٹ پر جانے کا موقع نہیں مل سکا تھا لیکن اس نے سنی سنائی باتوں کی بنا پر جو کچھ بتایا تھا وہ میرے لیے دلچسپ تھا۔
شہر کے گنے چنے لوگوں اور ان کے مہمانوں کے لیے وہ تیرتا ہوا عشرت کدہ بنا کر راجن نے ایک منفرد اعزاز حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے وائٹ ہاک پر ناز ہونا چاہیے تھا۔ یہ امکان قوی نظر آرہا تھا کہ بنکاک کے ممتاز شہریوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے وہ اپنی بیشتر شامیں اسی پرشکوہ بوٹ پر گزارتا ہو۔ اس تک پہنچنے کے لیے وہ بہترین راستہ تھا۔
اسد کی معلومات کے مطابق راجن ان دنوں شہر میں نہیں تھا۔ میں اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر وائٹ ہاک کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرسکتا تھا۔ راجن اور اس کے بعد سوبھراج شہر آجاتا تو میں تیزی کے ساتھ اپنے منصوبے پر عمل کرسکتا تھا۔
کمرے میں پھیلی ہوئی ناکافی سبز روشنی میں میرے ذہن میں نت نئے امکانات ابھر رہے تھے۔ خاکے بننے اور بگڑنے کا سلسلہ جاری تھا۔ اس دوران میں کسی وقت میری

آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح ہم دونوں کمرے میں ناشتا کر رہے تھے تو اچانک میرے موبائل فون میں جان پڑ گئی اور اس کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ میرے لیے خوشی کا موقع تھا۔ میں نے ناشتا چھوڑ کر وہ کال وصول کرلی۔

''کیا حال ہیں۔ میں نے تمھیں نیند سے تو نہیں اٹھایا''

موبائل فون پر جلال چہک رہا تھا۔

''ہم ناشتا کر رہے ہیں۔ تم نے اتنے سویرے کیسے فون کرلیا۔ اس وقت وہاں سات بجے ہوں گے'' میں نے کمرے میں لگے ہوئے خوبصورت وال کلاک پر نظر ڈال کر کہا۔

''تمہارے فون پر ایمرجنسی میں رومنگ کھلوائی گئی ہے۔ میں ہوٹل کے فون پر تم سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تم یہاں سے اتنی افراتفری کے عالم میں روانہ ہوئے کہ کئی باتیں ہونے سے رہ گئیں۔ رات کو میرے پاس اسد کا فون آیا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم وہاں پہنچتے ہی اس سے کھل کر بات کر دگے، وہ سخت تذبذب میں مبتلا تھا۔''

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ میری بات کا اتنا اثر لے گا۔ وہی بات میں دوسرے پیرائے میں بھی کہہ سکتا تھا۔ یہ غلطی ہونا تھی اور ہوگئی۔''

''ہر آدمی جلال نہیں ہوتا۔ کل کے اخباروں نے اسے بہت متاثر کیا ہوا تھا۔ میں نے بہت تحمل سے کام لے کر اسے سمجھا دیا ہے۔ تمھیں اس سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ میں اس غلط فہمی پر تم سے معذرت خواہ ہوں۔ تمہارے وہاں جانے سے پہلے مجھے تم کو اور اسد کو بریف کر دینا چاہیے تھا۔''

''رات بارہ بجے کے بعد اس کا فون آ گیا تھا۔ بات صاف ہوگئی ہے۔ یہ سناؤ کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اسے کب تک ادھر ہانک رہے ہو؟''

''تمھیں اس کی وجہ سے وہاں نہیں بھیجا گیا۔ یہ بات ذہن میں رکھو کہ یہاں کے حالات تمہارے لیے بہت مخدوش ہوگئے تھے۔ آج انہوں نے ممتاز مقامی اخبارات میں پہلے صفحے پر تمہارے اور ویرا کے خلاف پھر انعامی اشتہار چھپوائے ہیں۔ یہاں تمہاری تلاش کی مہم میں بھی تیزی آ گئی ہے۔''

''اس وقت پورے زور و شور سے ہم دونوں کو تلاش کر کے انہیں باور کرایا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں کوئی ہمارا ساتھ نہیں دے رہا۔ اس مہم میں ہمارے مکان پر کارروائی بھی کی جا سکتی ہے۔''

''نہ، نہ! یہ ہرگز نہیں ہوگا۔'' فقرہ پورا ہوتے ہی اس نے میری بات کاٹ دی ''انہیں یہ علم ہوگیا کہ تم دونوں نے کچھ عرصہ اس گھر میں گزارا ہے تو وہ اپنے جدید ترین آلات کے ساتھ وہیں ڈیرے ڈال دیں گے اور تمہارے خلاف خاصا مواد حاصل کرلیں گے، جن میں تمہارے فنگر پرنٹس بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ ہم انہیں ایسا کوئی موقع نہیں دیں گے۔''

''یہ باتیں تم بہتر سمجھ سکتے ہو۔ میری طرف سے تمھیں کھلی اجازت ہے۔''

''تم بے فکر رہو۔ منظر سے تم دونوں کے ہٹ جانے کے بعد ان کے ذہنوں سے ہر شک و شبہ مٹا دیا جائے گا'' جلال نے کاٹ دار آواز میں کہا ''وہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اب تم دونوں کراچی میں نہیں ہو۔ ایک بار یہ ثابت کر دیا جائے تو وہ مہینوں کے لیے خاموش ہو کر چین سے بیٹھ جائیں گے۔''

''یہ یاد رکھنا کہ میرے لیے خالی رہ کر وقت گزارنا بہت مشکل ہوگا۔''

''مجھے یقین ہے کہ اب تک وہ پاکستان سے نکل چکا ہوگا۔ وہ پڑوسی ملک میں زیادہ دیر تک نہیں رکے گا۔ جلد از جلد تمہاری طرف آئے گا۔ اس دوران میں تم راجن کے بارے میں اپنا ہوم ورک مکمل کرلو۔ وہ زیر ہوگیا تو تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

''رتن سیٹھ کیا کہانی سنا رہا ہے؟'' جلال کی آواز سن کر میں ناشتے کو بھول چکا تھا اور اس سے جلد از جلد پچھلے چوبیس گھنٹوں کی روداد جاننے کے لیے مضطرب ہوگیا تھا۔

''وجے کی سرگرمیوں کی ہولناک داستانوں کے سوا اس کے پاس کچھ نہیں ہے'' اس نے بتایا ''وہ ہر کام میں وجے کے ساتھ شریک ہوتا تھا۔ سوبھراج اور وجے کے گٹھ جوڑ کے بارے میں وہ اندھیرے میں ہے۔ مقامیوں کو بھی کچھ پتا نہیں ہے۔ وہ صرف وجے کو جانتے تھے اور اسی کے ایما پر آخری مہم میں شریک ہوئے تھے۔ وجے کی موت سے معلومات کا ہر دروازہ بند ہوگیا۔''

اس مہم میں چار پاکستانی ماہی گیروں کی شمولیت کے بارے میں کوئی سوال کرنا بے سود تھا۔ اس بارے میں صرف قیاس کیا جا سکتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ سوبھراج نے مجھے گھیرنے کا کام وجے کو سونپا تھا۔ اس کا کراچی آنا جانا رہا ہوگا مگر وہ کراچی کے مضافات سے اتنا واقف نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک خوں ریز ڈراما اسٹیج کرنے کے لیے کسی موزوں ویرانے کا انتخاب کر سکے۔ اس کام کے لیے اسے مقامیوں کی مدد درکار تھی۔ اس نے اپنے لیے کام کرنے والے چار پاکستانیوں سے مشورہ کر کے مزار والی پہاڑی کا انتخاب کیا اور سوبھراج کو

گرین سگنل دے دیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے تھا۔

''تم نے بہت اچھا کیا کہ وقت ضائع کیے بغیر ساری تفصیلات اخبارات کو جاری کرادیں'' میں نے تعریفی لہجے میں کہا ''کراچی چھوڑنے سے پہلے میں یہی سوچ رہا تھا کہ اس معاملے میں تاخیر ہمارے مقاصد کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔''

''یہ سامنے کی بات تھی۔ سوبھراج کو جلد از جلد پتا چلنا چاہیے تھا کہ اس کے آدمیوں کا کیا حشر ہوا ہے۔ اس کے لیے اخبارات بہترین ذریعہ تھے۔''

''وہ میری زبان سے وجے کا نام سن کر ہراساں ہو گیا تھا'' میں نے ہنس کر کہا۔

''مجھے معلوم ہے۔ اول خان نے بتایا تھا کہ تم نے فون پر اسے بہت سلگایا تھا۔''

''وہ یہ ماننے کے لیے آمادہ نہیں تھا کہ اس کے آدمی برے حشر سے دوچار ہوئے ہیں۔ میری آواز سن کر اسے شدید مایوسی ہوئی تھی۔''

''وہ تم سے خوف زدہ ہو چکا ہے۔ اسے بری خبر کا انتظار تھا۔ اسے وہی خبر ملی جو اس کے اپنے آدمیوں کے بارے میں تھی۔ سوبھراج جانتا ہے کہ وہ سارا چکر تمہیں گھیرنے کے لیے چلایا گیا تھا۔ تم اس واقعے میں شریک تھے لیکن اخبارات میں کہیں بھی تمہارا نام نہیں ہے۔ امریکی اپنے شبہات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ سوبھراج پر یہ بات کھل گئی ہے کہ کوئی ایجنسی تمہارا ساتھ دے رہی ہے۔ اب وہ تمہارے سائے سے بھی دور رہنے کی کوشش کرے گا۔''

''کہیں تم یہ تو نہیں کہہ رہے کہ اسے بنکاک میں میری موجودگی کا علم نہیں ہونا چاہیے۔''

''یہ میرا بہترین مشورہ ہے۔ اسے تمہاری موجودگی کا علم ہو گیا تو وہ وہاں سے کہیں اور نکل جائے گا۔ تم کو خاموشی سے اپنا کام کرنا چاہیے۔''

میں نے جلال کے مشورے پر کوئی اعتراض نہیں کیا مگر میری رائے اس سے مختلف تھی۔

پاکستان میں سوبھراج تنہا رہ گیا تھا جبکہ میرے ہاتھ بہت مضبوط تھے۔ اپنے ساتھ پیش آنے والے پے در پے واقعات سے اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ میں اکیلا نہیں تھا۔ بہت سے لوگ میرے دست و بازو بنے ہوئے تھے۔ جو دشمن سے لڑائی میں میری بھرپور مدد کر رہے تھے۔

جلال کے کہنے کے مطابق وجے والے واقعے کی رپورٹنگ نے سوبھراج کو یہ بھی باور کرا دیا ہوگا کہ پاکستان کی کوئی ایجنسی میرا بھرپور ساتھ دے رہی ہے۔ یہ اطلاعات سوبھراج کے حق میں نہیں تھیں۔ اس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ مجھ سے لڑنے کے لیے پاکستان اس کے لیے سازگار میدان نہیں تھا۔

بنکاک سوبھراج کے لیے اس کا اپنا شہر تھا جہاں اسے راجن جیسے مضبوط گروہ بند کی پوری حمایت اور سرپرستی حاصل تھی۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوتی کہ میں پاکستان چھوڑ کر بنکاک میں اس کے مضبوط چنگل میں آ پھنسا تھا۔ وہ اپنے بلکہ راجن کے پورے وسائل کے ساتھ میری تلاش شروع کر دیتا۔ اس کے بنکاک سے فرار کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔

وہ بعد کا مسئلہ تھا جس کے بارے میں ضرورت کے تحت کوئی بھی فیصلہ کیا جا سکتا۔ میں اس نکتے پر قبل از وقت بحث کر کے جلال کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''یہ سب زندگی کے بکھیڑے ہیں۔ ساتھ ساتھ چلتے رہیں گے۔ یہ بتاؤ کہ وجے اینڈ پارٹی کے انجام پر بھارتیوں کا کیا ردِعمل ہے؟''

''وہ بہت محتاط ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سوبھراج اور وجے کے گٹھ جوڑ کی کہانی نے انہیں پریشان کر دیا ہے۔ اخباروں میں تین مجرموں کی قومیت کے بارے میں کھل کر لکھا گیا ہے اس لیے اسلام آباد سے ان کا ایک سفارتی افسر کراچی آ گیا ہے۔ وہ قیدی سے ملاقات کے ساتھ دونوں لاشوں کو دیکھنے کا خواہاں ہے۔''

''تم ان تینوں کی قومیت کے بارے میں اتنے پُریقین کیوں ہو؟''

''ہمارے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ اس پہاڑی کے دامن میں بھارتی بدمعاش گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔ اگر رتن بھی مارا جاتا تو ان تینوں کی شناخت بہت دشوار ہوتی۔ اس کی زندہ گرفتاری کی وجہ سے وہ کام بہت آسان ہو گیا۔''

''اور امریکی کیا کہتے ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''تمہاری تلاش جاری ہے اس لیے ان سے رابطے چل رہے ہیں، انہیں کراچی میں امن و امان کے حالات پر تشویش ہے۔ اس واقعے سے ٹام اور تین کمانڈوز کی موت کا زخم تازہ ہو گیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کراچی رفتہ رفتہ بین الاقوامی بدمعاشوں کا گڑھ بنتا جا رہا ہے۔''

''کاش! انہیں یہ بتایا جا سکے کہ سب سے بڑے بدمعاش وہ خود ہیں۔''

''تم ان کو یہ بات بتاتے رہے ہو۔ سرکاری سطح پر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔''

''مجھے خوشی ہے کہ میرا موبائل فون کھل گیا۔ اب تم لوگوں سے بات ہوتی رہے گی۔ ویرا اور سلطان شاہ کی کیا خیر خبر ہے؟''

''ان کی پرواز تم سے لمبی تھی۔ دوپہر میں لندن پہنچنے کے بعد اب وہ ٹرانزٹ ہوٹل میں رات گزار رہے ہوں گے۔ وہاں کے وقت کے مطابق صبح وہ نیویارک کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔''

جلال سے وقت کی کمی کی وجہ سے جو باتیں کراچی میں نہیں ہوسکی تھیں، وہ فون پر ہوگئیں۔ اس نے غزالہ کی خیر خیریت معلوم کرنے کے بعد فون بند کردیا۔

ناشتے کے بعد ہم دونوں تیار ہوکر ہوٹل سے نکل گئے۔ ہر طرف زندگی کے معمولات بھرپور توانائیوں کے ساتھ رواں تھے۔ پرہجوم راستوں پر ٹہلتے ہوئے ہم قریبی بازار کی طرف نکل گئے جہاں مقامی دستکاری کی بہت سی اشیا غزالہ کی توجہ کا مرکز بنیں لیکن وہ خریداری سے گریز کرتی رہی۔

ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ ہمیں کتنے دنوں تک وہاں رہنا تھا۔ اتنی مدت تک ان چیزوں کو سنبھالنا ممکن نہیں تھا۔ غزالہ نے وہ خریداریاں آخری ایام کے لیے التوا میں ڈال دیں۔

بازار گھوم کر ہم واپس اپنے ہوٹل پہنچے تو اسد لابی میں بیٹھا ہماری واپسی کا انتظار کررہا تھا۔ میں نے صدف کے نام سے غزالہ کو اس سے متعارف کرایا۔ اس نے روایتی ادب واحترام سے غزالہ کو سلام کیا پھر ہم لابی کے اندرونی حصے میں ایسی جگہ جا بیٹھے جہاں زیادہ روشنی کا گزر نہیں تھا۔

ہم دونوں بازار سے تھک کر آئے تھے۔ میں نے بیٹھتے ہی چائے کا آرڈر دیا اور اسد کی طرف متوجہ ہوگیا۔

وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ جن میں غزالہ کے لیے مقامی مصروفیات اور دلچسپیوں کا ذکر بھی شامل تھا۔ چائے آئی اور ختم کرلی گئی لیکن اسد نے کوئی کام کی بات نہیں چھیڑی تو مجھے الجھن ہونے لگی۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیوں آیا تھا اور کیا چاہتا تھا۔

اس نے دو مرتبہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی لیکن اپنی جگہ جما رہا۔ صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ طے شدہ وقت پر کہیں جانا چاہتا تھا لیکن کسی وجہ سے میرے پاس سے نہیں اٹھ رہا تھا۔

''اگر تم کو کہیں جانا ہے تو چلے جاؤ۔'' اس نے تیسری مرتبہ اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا تو میں خاموش نہ رہ سکا۔

''جانا ہے لیکن اس سے پہلے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔'' اسد نے جھجکتے ہوئے کہا۔ اس نے خاموش ہوکر ایک لمحے کے لیے غزالہ کی طرف دیکھا پھر اس سے نظریں چرا کر بات جاری رکھی ''میں تم سے تخلیے میں بات کروں گا۔''

وہ مہذب اور شائستہ آدمی تھا۔ اس نے غزالہ کے منہ پر وہ بات کہہ کر اچھے قرینے کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ میں نے رسانیت سے کہا ''میاں بیوی میں مفاہمت ہو تو وہ ایک دوسرے کے بہترین معاون اور مددگار ثابت ہوتے ہیں صدف میری رازدار بھی ہے اور دستِ راست بھی۔ تم بے فکر ہوکر اس کے سامنے ہر بات کرسکتے ہو۔''

اسد کے ہونٹوں پر خفت آمیز مسکراہٹ تیر گئی۔ اسے اندازہ ہوگیا کہ اس سے غلطی ہوگئی تھی۔ اسی وقت غزالہ نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ واپسی کا ارادہ کررہی تھی۔

''ارے بھابی!'' اسد بوکھلا کر احتراماً کھڑا ہوگیا ''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ علی کی خواہش ہے تو تم بیٹھی رہو۔ مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ میں تمہارے سامنے لڑائی جھگڑے اور بدمعاشی کی باتیں کروں میں انہیں مردانہ کھیل سمجھتا ہوں۔''

میری آنکھ کا اشارہ پاکر غزالہ نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور خندہ پیشانی سے بولی ''میں برا مان کر نہیں جارہی۔ مجھے ابھی ابھی یاد آیا ہے کہ مجھے اپنے کمرے سے کسی کو فون کرنا ہے۔ تم سے مل کر مجھے خوشی ہوئی ہے پھر کبھی ملاقات ہوگی۔''

وہ اسد کی طرف دیکھ کر الوداعی انداز میں مسکرائی اور پھر لابی سے چل دی۔

''یار! مجھے ندامت ہورہی ہے۔'' غزالہ کے چلے جانے کے بعد اسد متاسفانہ لہجے میں بولا ''بھابی کو میری بات ضرور بری لگی ہوگی۔ میں مجبور تھا۔ میں نے کسی کو ملاقات کا وقت دیا ہوا ہے۔ اسے میرا گھر بند ملا تو اسے تلاش کرنا دشوار ہوجائے گا۔''

''اب تم وقت ضائع کررہے ہو۔ اپنی بات شروع کیوں نہیں کرتے؟''

''تم سوبھراج سے پہلے راجن پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہو؟'' دھیمی آواز میں وہ فقرہ ادا کرتے ہوئے اس نے اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کردیں۔

''ہاتھ صاف ہو یا نہ ہو میں اس تک پہنچنے کی کوئی سبیل ضرور نکالنا چاہتا ہوں۔''

''میرے نزدیک بات ایک ہی ہے۔ دراصل یہاں میرا کام کسی آپریشن کے بجائے صرف مانیٹرنگ کا رہا

ہے۔''اس نے پُرخیال انداز میں تمہید باندھتے ہوئے کہا''میں نے کبھی کسی کے بارے میں تخریبی انداز میں نہیں سوچا لیکن تمہارے یہاں آتے ہی حالات نے ایک نئی کروٹ لی ہے۔ تمہاری زبان سے راجن کے بارے میں سخت کلمات سن کر مجھے ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ مجھے تمہارے آنے کی خبر مل گئی تھی مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ تمہارے کام کا اسکوپ کیا ہے۔ یہ بات مجھے پہلے سے معلوم ہونی چاہیے تھی۔ بہر حال میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے اس گڑبڑ کا برا نہیں مانا اور میری مجبوری کو سمجھ لیا۔ رات کو میں نے یہاں سے واپس جاتے ہوئے کراچی کے اخبار اپنے بک اسٹال سے لے لیے تھے۔ ان میں سوبھراج اور وجے کے بارے میں چھپنے والی خبریں پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ اب پانی سر سے گزرتا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے ہاکس بے کے سنی ہٹ کے قریب و جوار میں امریکیوں سے ڈینی کا تصادم ہوا تھا جس میں دو امریکی کمانڈو ڈینی کی زہریلی سوئیوں کا شکار ہوئے تھے' تیسرا گولی سے مارا گیا تھا اور ٹام نامی افسر کی گردن توڑ دی گئی تھی۔ آثار یہ بتا رہے ہیں کہ سنی ہٹ کے واقعے کا انتقام لینے کے لیے وجے کی پارٹی کو کراچی بلایا گیا تھا۔ ان کے کچھ کرنے سے پہلے انہیں کچل دیا گیا۔ اب سوبھراج کے بارے میں بھی اسی بے رحمی کی ضرورت ہے۔ اس کے بارے میں تم نے کسی مبالغے سے کام نہیں لیا۔''

میں خاموشی سے اس کی وہ تقریر سنتا رہا۔ نتائج اس کے اپنے اخذ کردہ تھے۔ میں نے ان کی تصحیح کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے زبان کھولی''تمہیں یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ تمہارے بڑوں نے میری بات کی توثیق کی ہے۔ اب تم میرے ساتھ مل کر سکون سے کام کرسکو گے۔''

''دیارِ غیر میں کسی خطرناک مشن پر ایک ساتھ کام کرنے والوں کے درمیان ذہنی ہم آہنگی ضروری ہوتی ہے اس لیے یہ صفائی پیش کرنی ضروری ہے۔ مجھے خوب اندازہ ہے کہ کل رات میرے انکار سے تمہارے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہوگی۔''

اس کے آخری فقرے نے میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔ مجھے اس سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ اس نے اپنی حدود میں رہنے کی کوشش کی تھی جس پر برا نہیں ماننا چاہیے تھا۔ مجھے ہر حال میں اس کے ساتھ مل کر کام کرنا تھا۔ وہ اتنی لمبی تقریر نہ کرتا تب بھی میں اس سے مدد لینے پر مجبور تھا۔ یہ خوشی کی بات تھی کہ اس نے اپنی حدود و قیود کے ساتھ میرے جذبات کا بھی احترام کیا تھا اور کھلے دل سے اپنی غلطی تسلیم کر کے میرا دل صاف کر دیا تھا۔

''یہ باتیں تم صدف کے سامنے بھی کر سکتے تھے۔''میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے خوش دلی سے کہا''تم نے ابھی تک مار دھاڑ یا بدمعاشی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔''

''میں اسی طرف آرہا ہوں۔''وہ بولا''کام کی نوعیت بدل جانے کے بعد میں نے بہت غور سے سارے نکات کا جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ڈان برنارڈ سے تمہاری ملاقات بہت سودمند رہے گی۔''

''یہ کون ہے؟''اس کی زبان سے وہ نیا نام سن کر میں نے حیرت سے پوچھا۔

''دو سال پہلے تک وہ بنکاک کی زیرِ زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا۔''اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا''میری یہاں پوسٹنگ ہوئی تو یہاں اس کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ بڑے بڑے سورما اس کے نام سے تھراتے تھے۔ راجن یہاں قدم جما رہا تھا لیکن اسے ڈان اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ آئے دن راجن کے آدمی ہلاک اور زخمی ہو رہے تھے۔ شاید یہاں سے اس کے قدم اکھڑ جاتے لیکن ایک بائیس سالہ عورت نے یکایک سب کچھ بدل دیا۔ ڈان گوشہ نشین ہوگیا۔ اور چھوٹا راجن ہر طرف چھاتا چلا گیا۔''

''وہ بائیس سالہ عورت کون تھی۔ اس کا ہمارے کام سے کیا تعلق ہے؟''

''ڈان برنارڈ پختہ عمر کا آدمی ہے۔ اس نے ایک بائیس سالہ لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو کر اس سے شادی کر لی۔ ایک دن اس لڑکی نے کسی بات پر مشتعل ہو کر بھرے بازار میں جوتی سے ڈان کی پٹائی کر دی۔ وہ اپنے بچاؤ کی کوششوں میں لڑکی سے پٹتا رہا۔ پلٹ کر اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ تھک کر لڑکی نے وہیں بیٹھ کر رونا شروع کر دیا۔ ڈان اسے چھوڑ کر سر جھکائے واپس لوٹ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس ذلت آمیز واقعے نے ڈان کے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ کئی دنوں تک وہ منہ چھپائے اپنے گھر میں چھپا رہا۔ اس کے بعد وہ سیلرز بار میں نمودار ہوا تو بالکل بدل چکا تھا۔ اپنی روزی کمانے کے لیے وہ خاموشی سے اپنا بار چلاتا ہے۔ بدمعاشی سے تائب ہو چکا ہے۔ بنکاک والوں کے لیے وہ عبرت کا ایک مرقع ہے۔''

''کمسن بیوی کی جوتیوں نے اسے یکایک شرافت کی راہ پر ڈال دیا۔''

''یہی کہا جاتا ہے۔''اس نے سنجیدگی سے میرے مزاحیہ تبصرے کی تائید کی''وہ واقعہ کمزور عورت کی طاقت کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔''

’’ڈان میرے لیے کس طرح سود مند ثابت ہوسکتا ہے؟‘‘ میں نے پوچھا۔

’’اس کی پسپائی کے بعد یہاں چھوٹا راجن کی راہ روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس نے بہت تیزی سے ڈان کی خالی کی ہوئی جگہ پر قبضہ کرلیا۔ ڈان آج بھی کڑھتا رہتا ہے اور بنکاک کے بدمعاشوں کو گالیاں دیتا ہے کہ وہ اپنی سلطنت نہیں بچاسکے اس کے ہٹتے ہی چھوٹا راجن کے باج گزار بن گئے۔ اب اس کی غلامی کررہے ہیں۔‘‘

وہ دو سال سے عملی زندگی سے کنارہ کش ہے تو میرے یا تمہارے لیے کیا کرسکے گا؟‘‘

’’اس کے دل میں راجن کے خلاف نفرت کی چنگاریاں سلگ رہی ہیں۔ اسے ذرا سے تیل کی ضرورت ہے وہ تمہارے ساتھ میدان میں آئے یا نہ آئے، تمہارے لیے مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔‘‘

’’ڈان اس کے نام کا حصہ ہے یا وہ واقعی مافیا کا ڈان تھا؟‘‘

’’اس کی بدمعاشی کے اعتراف میں زیرزمین دنیا کے لوگوں نے خود ہی اسے اپنا ڈان تسلیم کرلیا تھا۔ ان کے آپس کے جھگڑوں میں برنارڈ کا فیصلہ آخری ہوتا تھا جسے تسلیم کرنا ہر فریق کے لیے ضروری ہوتا تھا۔ یہاں اس کا بہت رعب اور دبدبہ تھا۔‘‘

’’اور اب وہ سیلرز بار کی آمدنی پر گزارا کررہا تھا!‘‘ میں نے تائید چاہی۔

اسد اثبات میں سرہلا کر رہ گیا۔ وہ ڈان سے خاصا متاثر نظر آرہا تھا۔

’’تم اس سے مل چکے ہو؟‘‘ میں نے اس کی تجویز کے عملی امکانات پر غور کرتے ہوئے سوال کیا۔

’’باقاعدہ ملاقات نہیں ہوئی لیکن سیلرز بار میں کئی بار اسے دیکھا ہے۔ اب بھی اس کی صورت دیکھ کر لوگوں کا دم نکلتا ہے۔ وہ کسی بات میں دخل دیتا ہے نہ کسی کو کچھ کہتا ہے۔ اس کے باوجود اس کے بار میں لوگ نشے میں دھت ہوکر آپس میں نہیں لڑتے۔ نشے کی حالت میں بھی ڈان کی موجودگی کا احترام کرتے ہیں۔‘‘

’’عجیب وغریب کہانی ہے اس کی!‘‘ میں نے اپنے سینے سے گہرا سانس خارج کرکے کہا ’’کام ہو یا نہ ہو اس سے ملنا ضروری ہوگیا ہے۔ اس کی کایا پلٹ کی ذمے دار لڑکی کہاں ہے؟‘‘

’’اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم۔ بعض لوگ

کہتے ہیں کہ بھرے بازار میں ڈان کی بے عزتی کرنے کے بعد اس نے خودکشی کرلی۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ خاموشی سے شمال میں اپنے گاؤں چلی گئی۔ صحیح بات کا کچھ پتا نہیں چلتا۔''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ بنکاک سے نکل کر کہیں اور دھندے سے لگ گئی ہو۔''

''اس پر بھی قیاس آرائیاں ہوئی تھیں۔ ڈان نے اسے طلاق نہیں دی تھی۔ وہ ایسا کرتی تو ڈان اسے چیر کر رکھ دیتا۔ وہ کم بولتا ہے لیکن ہر بات کی خبر رکھتا ہے۔''

''ڈان برنارڈ.....'' میں نے کہا ''کیا تمہیں یہ نام عجیب نہیں لگتا؟''

''یہاں دوغلی نسل کے لوگوں میں ایسے نام عام ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''تو کیا ڈان تھائی نہیں ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''وہ دوغلا ہے۔ ماں کمبوڈین تھی۔ باپ امریکن سپاہی تھا۔''

وہ ڈان کی ذات کا ایک نیا پہلو تھا جو غیر متوقع طور پر سامنے آیا تھا۔ میں نے کہا ''امریکا اور کمبوڈیا میں دور دور تک کوئی تال میل نہیں ملتا۔ یہ شادی کیسے ہوگئی۔''

''یہ اس علاقے کا بہت بڑا المیہ ہے۔ امریکا نے ویت نام کی جنگ میں اندھا دھند فوج جھونکی تھی۔ اس کی طرف سے لڑنے والوں میں کنوارے لڑکوں کی کثرت تھی۔ ویت کانگ گوریلوں نے ان پر زمین تنگ کی ہوئی تھی۔ ان کو محاذ پر ہر طرف موت کے سائے لہراتے ہوئے نظر آتے تھے۔ ویت نام میں لڑنے والے امریکی سپاہی مختصر چھٹیوں پر لاؤس، کمبوڈیا اور تھائی لینڈ آتے تھے تو اپنی چھٹیوں کو زندگی کے آخری جشن کے طور پر مناتے تھے۔ بہت سے سپاہی جذبات کی رو میں بہہ کر کھڑے کھڑے ایک رات کی ساتھیوں سے شادی کرلیتے تھے تاکہ ویت کانگ گوریلوں کے ہاتھوں ان کی موت کے بعد اولاد ان کے نام کو زندہ رکھ سکے۔ وہ جنگ اور موت کی وحشت میں ڈوبے ہوئے رشتے ہوتے تھے جو اکثر ایک ملاقات سے زیادہ قائم نہیں رہتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ برنارڈ کے والدین کی شادی بھی ایسے ہی کسی واقعے کا شاخسانہ ہو۔''

''بڑی گہری نظر ہے تمہاری ان باریکیوں پر!'' میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''یہاں آتے ہی میں نے یہ سب جاننے کی کوشش کی تھی۔ کمبوڈیا اور لاؤس کی سرحدیں ویت نام سے ملی ہوئی تھیں۔ جنگ کے بھٹکے ہوئے بادل اکثر ان کے سرحدی علاقوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتے تھے۔ ان کے مقابلے میں تھائی لینڈ محفوظ ملک تھا۔ محاذ کے بھیانک ماحول سے نکلنے والے زیادہ تر سپاہی اس طرف آتے تھے۔ انہیں صرف اور صرف زندگی کی رعنائیوں سے پیار تھا۔ وہ اندھا دھند ڈالر لٹاتے تھے۔ یہ اسی دور میں پروان چڑھنے والی خرابیاں ہیں جو آج بھی تھائی معاشرے پر چھائی ہوئی ہیں۔''

''جنگ سب سے پہلے اخلاق کو تباہ کرتی ہے اور یہ تباہی برسوں پیچھا نہیں چھوڑتی۔'' میں نے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''یہ معاشرتی ماہروں کے سوچنے کی بات ہے۔ میری خواہش صرف اتنی تھی کہ ڈان برنارڈ سے ملاقات سے پہلے مجھے اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہوجائیں۔ یہ بتاؤ کہ سیلرز بار کہاں ہے اور ڈان وہاں کن اوقات میں بیٹھتا ہے۔''

''تم پروگرام طے کرلو۔ میں خود تمہیں وہاں تک پہنچادوں گا۔'' اس نے پیشکش کی۔ ''برنارڈ شام چھ بجے سے رات کے بارہ بجے تک خود کاؤنٹر پر موجود ہوتا ہے۔ بار بند ہونے کے بعد وہ حساب کتاب کرکے سونے کے لیے اوپر چلا جاتا ہے۔''

''تو کیا وہ وہیں رہتا ہے؟''

''اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کے بعد اس نے سب کچھ بدل ڈالا ہے۔'' اسد نے بتایا ''گھر چھوڑ کر اپنے بار کی اوپری منزل پر رہنا شروع کردیا ہے۔''

''کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ اس سے بار کے بجائے فرصت کے اوقات میں گھر پر مل لیا جائے۔''

''یہ ناممکن ہے۔'' اسد نے اپنے سر کو مایوسی سے جنبش دیتے ہوئے کہا ''وہ گھر پر کسی سے نہیں ملتا ایک بار اس نے انکار کردیا تو بار میں بھی اس سے بات نہیں ہوسکے گی۔''

''ضدی اور انا پرست آدمی معلوم ہوتا ہے۔'' میں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ''ایک کام کرنا ہے تو اس میں وقت ضائع کرنا بے سود ہے ہمیں آج شام کو اس سے مل لینا چاہیے۔''

''اوکے میں پانچ بجے یہاں پہنچ جاؤں گا۔'' اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اسے رخصت کرکے میں اپنے کمرے کی طرف ہولیا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ راجن اور سوبھراج کے معاملے میں برنارڈ بہت کارآمد ثابت ہوسکتا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری کیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ذہنی کاہر کارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف، چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران ٹام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ قاسم فشریز پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوبھراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد فشریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوری طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سوبھراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کوبرا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے پیچھے اندھیرا چھانے لگا۔ بعد میں جلال نے اس دعوے کی تصدیق کر دی۔ اس کے مطابق مذکورہ فائل سوبھراج نے اپنے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ سوبھراج کا کہنا تھا کہ وہ گرین کوبرا اس کی سلامتی کی ضمانت تھی۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکرا تا رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا سامان پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز کے بعد

دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر ٹام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور ٹام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش وخروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کوبرا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تھائی لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کر رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلاتوقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ٹاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہوگیا۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے مخدوش ہوگیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کر لی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کر سکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے ٹام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کر لی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے تھے۔ ان حالات میں جلال اور اول خان دونوں نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ حیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہوئی۔ ہمارے سفری اور دیگر اخراجات آئی بی نے ادا کیے۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم لوگ آئی بی کے عارضی ایجنٹ قرار پائے تھے۔ اول خان کا کہنا تھا کہ یہ ہم سب کے لیے اعزاز کی بات تھی۔ تھائی لینڈ کا سفر خوش گوار تھا۔ اس سے پہلے سوبھراج نے مجھ سے فون پر اپنے فرستادوں کی خیر خبر معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔ تھائی لینڈ میں میرا اولین رابطہ آئی بی کے ایجنٹ اسد سے ہوا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہمارے مشن میں ڈان برنارڈ اہم کردار ادا کر سکے گا۔

اب آپ قسط نمبر 244 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

غزالہ کمرے میں ٹیلی وژن آن کیے، بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔ ہلکی سی دستک پر اس نے پھرتی سے دروازہ کھول دیا۔ اس کی تجسس میں ڈوبی ہوئی، گہری سیاہ آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''آپ کے دوست نے آپ سے تخلیے میں بات کرنے کی خواہش ظاہر کر کے میری طبیعت مکدر کر دی تھی۔''

اس نے میرے ساتھ کمرے کے وسط کی طرف جاتے ہوئے کہا ''ایک لمحے کے لیے میں نے سوچ لیا تھا کہ ڈھیٹ بن کر وہیں بیٹھی رہوں گی مگر اس خیال سے اٹھ گئی کہ کہیں میری وجہ سے آپ کے مشن میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آجائے۔''

میں نے ہنس کر ہولے سے اس کی پشت پر ہاتھ مارا اور جواب دیا ''وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ہماری گفتگو میں بعض باتیں ایسی تھیں جو تمہاری موجودگی میں نہیں ہو سکتی تھیں۔ وہ غریب تم کو ایک شریف اور خانہ دار عورت سمجھ رہا ہے۔''

غزالہ چلتے چلتے وہیں رک گئی اور پلٹ کر مجھے شکایتی نظروں سے گھورتے ہوئے بولی ''وہ مجھے ایسا سمجھ رہا تھا لیکن میں درحقیقت ایسی نہیں ہوں...... آپ یہی کہنا چاہ رہے ہیں نا؟''

''تم ایسی ہی ہو۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھام کر آگے کھینچتے ہوئے کہا ''لیکن ضرورت پیش آجائے تو خاصا ڈھول دھمکا بھی کر لیتی ہو۔ وہ اب تک اس بات سے بے خبر ہے۔ جلد ہی اس پر تمہارے جوہر کھل جائیں گے۔''

وہ اپنی مصنوعی خفگی کو بھول کر، کھلکھلاتی ہوئی، میرے ساتھ صوفے پر تقریباً گر گئی۔ میرے لیے وہ چند لمحات عجیب سی مسرت اور سنسنی سے بھرے ہوئے ثابت ہوئے۔

وہی غزالہ تھی اور وہی میں تھا۔ فرق یہ تھا کہ بنکاک کے ہوٹل کے کمرے میں ہم دونوں کے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا۔

گلشن اقبال میں ہمارا ذاتی گھر خاصا کشادہ تھا۔ وہاں ویرا اور سلطان شاہ کے لیے الگ کمرے مخصوص تھے۔ اس کے علاوہ گھر میں ایک فاضل خواب گاہ بھی موجود تھی لیکن وہاں ہم اپنے کمرے سے باہر ایک لمحے کے لیے بھی ایک دوسرے سے بے تکلف ہونے کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔ خاص طور پر میرے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں ہر وقت ویرا کا خوف بسا رہتا تھا۔ کچھ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے چوبیس گھنٹے میرے اور غزالہ کے سامنے نہ رہتے ہوئے بھی وہ چھپ کر ہماری سرگرمیوں پر گہری نظر رکھنے کی کوشش کرتی ہو۔

مجھے اعتراف ہے کہ ویرا ایسی گئی گزری عورت نہیں تھی۔ اپنے کردار کی تمام خامیوں کے باوجود وہ دوسروں کے ساتھ باوقار انداز میں رہنے کے فن میں طاق تھی۔ یہ اس کا قصور نہیں تھا۔ بس میرے ذہن میں گھسے ہوئے وسوسے تھے جو ویرا کی موجودگی میں مجھے کچھ مضطرب کیے رہتے تھے۔ بنکاک میں ویرا نہیں تھی۔ کمرے میں غزالہ کے سوا کسی تیسرے نفس کا وجود نہیں تھا۔ مجھے اس کی بے ساختہ اور فطری بے تکلفی بہت بھلی لگی تھی۔

''کراچی سے نکلنے کے بعد تم بہت تروتازہ نظر آرہی ہو!'' میں نے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر معنی خیز لہجے میں کہا۔

''میں کب سے آپ سے کہہ رہی تھی کہ کہیں سفر پر چلیں۔'' اس نے شوخی سے جواب دیا۔ ''وہاں رہتے رہتے

مجھے گھٹن کا احساس ستانے لگا تھا۔ کبھی کبھی ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے ہم چاروں ایک دوسرے کے لیے آسیب بن گئے ہوں۔''

''کچھ دنوں پہلے تم میرے ساتھ بھارت گئی تھیں!'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''وہاں پیش آنے والے واقعات کو کچھ دیر کے لیے فراموش کردیا جائے تو میرے لیے وہ سفر بہت خوش گوار تھا۔ اس کے بعد ہی مجھے احساس ہوا کہ ہمیں گھر میں محصور ہو کر بیٹھ جانے کے بجائے کبھی کبھی سیر و تفریح کے لیے بھی نکلنا چاہیے۔''

اس وقت مجھے غزالہ کی خاطر داری عزیز تھی۔ میں نے اس کی رائے سے اختلاف نہیں کیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اپنے درندہ صفت اور خون آشام دشمنوں سے جاری پیکار میں میرے لیے ذاتی آرام اور تفریح کا تصور ہی ممکن نہیں تھا۔ ایک چکر ختم ہونے سے پہلے کوئی ایسا گمبھیر مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا تھا کہ میں حالات کے اس گرداب سے نکل ہی نہیں سکتا تھا۔

یہ غزالہ کی خوش گمانی تھی کہ ہم تفریح کے لیے بنکاک آئے تھے۔ وہ اتنی غافل اور بے خبر نہیں تھی کہ وقت کی سنگین حقیقتوں کو یکسر نظر انداز کردیتی۔ جذبات کی ایک وقتی رو میں بہہ کر اگر وہ کچھ دیر کے لیے ایسا سمجھ رہی تھی تو اس میں میرا کوئی نقصان نہیں تھا۔ دوسروں کی طرح اسے بھی اپنے تصورات کی جنت میں رہنے کا حق حاصل تھا۔

وہ کسی جواب کی توقع میں چند ثانیوں تک اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کیے رہی۔ میری طرف سے ایک خاموش مسکراہٹ کے سوا کوئی جواب نہ پا کر اسے اچانک اسد خان یاد آ گیا۔

''تخلیے میں اسد آپ کو کیا بتانا چاہ رہا تھا؟'' اس نے یکایک سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

''چھوٹا راجن یہاں ایک بڑا نام ہے۔'' میں نے پرسکون ہو کر اپنی بات شروع کی ''اس کی کہانی سوبھراج سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دنیا کا کوئی مجرم اپنے زور بازو اور ذہانت کے بل پر ناقابلِ تسخیر نہیں بنتا۔ اسے عیاش طبع اور کرپٹ افسران رفتہ رفتہ اتنا بڑا بنا دیتے ہیں کہ آخر کار وہ خود اس عفریت سے ڈرنے لگتے ہیں۔ راجن نے ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی بے حساب دولت کو بہت قرینے سے استعمال کیا ہے۔ بھارت سے کروڑوں کمانے کے بعد وہ کسی فیاض شہزادے کی طرح یہاں آیا ہے۔ اپنی پرتعیش دعوتوں کے ذریعے اس نے بنکاک کے مقتدر حلقوں میں اس قدر اثر و نفوذ حاصل کرلیا ہے کہ اس کے جرائم کے بارے میں گردش کرنے والی کہانیوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ثبوت کے بغیر پھیلنے والے قصوں کو راجن کے حاسدوں کی شرانگیزی قرار دے کر مسترد کردیا جاتا ہے۔ اس کے پالتو غنڈوں کے خوف سے ہر شخص اس کے سامنے آتے ہوئے ڈرتا ہے۔ وہ اپنے مخالفوں کو بہت صفائی اور سفاکی سے ہمیشہ کے لیے غائب کرا دیتا ہے......''

''اس کے یہ پالتو غنڈے بنکاک کی انتظامیہ کو نظر نہیں آتے؟'' غزالہ نے میری بات کاٹ کر حیرت سے سوال کیا۔

''وہ یہاں کاروبار کررہا ہے۔ کئی نائٹ کلب اور کیسنو اس کی ملکیت ہیں۔ ایسے کاموں کو چلانے کے لیے دادا گیر قسم کے چند تنومند اور جھگڑالو آدمی ضروری ہوتے ہیں۔ اس نے بہت چالاکی کے ساتھ اس نکتے سے فائدہ اٹھایا ہے اور اب یہاں کا سب سے بڑا گروہ بند بنا ہوا ہے۔ یہاں کی زیر زمین دنیا کے لوگ بھی شاید اس سے ڈرتے ہوں۔ اسد نے ان کی سرگرمیوں کی جو تصویر کشی کی ہے اس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔''

''آپ کی باتوں سے شبہ ہو رہا ہے کہ آپ اس سے کچھ مرعوب ہوگئے ہیں!'' غزالہ نے شوخی سے ہنس کر مزاحیہ لہجے میں کہا۔

''تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ ڈر اور خوف میری سرشت میں شامل نہیں ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا بدمعاش بھی مجھے مرعوب نہیں کرسکتا۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ اس وقت ہم اپنی سرزمین پر نہیں ہیں اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمارے وسائل بہت محدود ہیں۔ ہمیں ہر قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا ہوگا۔ اس وقت میری تمام امیدیں ڈان سے وابستہ ہیں!''

''ڈان!'' اس نے تحیر زدہ آواز میں وہ نام دہرایا اور بھڑکے ہوئے انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا ڈان کو انگ فو مکاؤ سے یہاں آیا ہوا ہے۔''

میں بے ساختہ ہنسنے لگا۔ غزالہ کچھ سہمے ہوئے انداز میں مسلسل مجھے دیکھے جارہی تھی۔ میری ہنسی کم ہوئی تو میں نے اسے سمجھایا ''تمہارے ذہن پر وہی ایک ڈان سوار ہے۔ پھر وہ بے چارہ اتنا برا بھی نہیں تھا۔ اگر اس نے ہم دونوں کو رشتے کے بندھن میں باندھنے کے لیے چین سے ایک مسلمان نکاح خواں نہ بلوایا ہوتا تو کیا پتا کہ ہم آج بھی ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہوتے۔ اس کی ایک نیکی کے عوض اس کی ساری زیادتیاں معاف کی جاسکتی ہیں......''

''پھر آپ کس ڈان کا ذکر کررہے ہیں؟'' اس نے میری بات درمیان سے اچک کر مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔
''یہ بنکاک کا ڈان برنارڈ ہے، بہت انوکھا آدمی ہے۔'' میں نے اسے بتایا ''اگر وہ کسی طرح میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگیا تو پوری دنیا راجن اور سوبھراج کا تماشا دیکھے گی۔''
''ڈان برنارڈ اچانک کیسے دریافت ہوگیا؟''
''اسد نے اس کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔ وہ میرے کام کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔''
''کل اس نے آپ کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس سے مل کر آئے تو آپ کے چہرے پر مایوسی جھلک رہی تھی۔ اس کی موشگافیوں نے آپ کو پراگندہ خاطر کردیا تھا۔ آپ کا موڈ اتنا خراب تھا کہ میں نے اسد سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ اب اٹھارہ بیس گھنٹوں میں اس میں ایسی کیا تبدیلی آگئی کہ وہ آپ کو نئے راستے بتارہا ہے؟''
''یہاں آکر تمہارا حافظہ خراب ہوگیا ہے۔ کل میں نے اسد کے پاس سے لوٹتے ہی تمہیں بتایا تھا کہ وہ اپنی تعیناتی کی مدت پوری کرنے کے بعد اپنی پاکستان واپسی کا انتظار کررہا ہے۔ اس مرحلے پر وہ اپنے افسران بالا سے ہدایات لیے بغیر کوئی بڑا فیصلہ نہیں کرے گا۔''
''اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ اپنے کسی بڑے سے بات کرنے کے بعد آپ سے دوبارہ ملنے کے لیے آیا تھا!'' غزالہ نے تائیدطلب لہجے میں کہا۔
''ان ہدایات کے ساتھ اسے کراچی کی اخباری اطلاعات نے بھی بہت متاثر کیا ہے۔'' میں نے اسے بتایا ''کل وہ یہاں سے واپسی پر اپنے اخبارات لیتا ہوا گیا تھا۔ جب ریور روڈ کے ویرانے میں وجے اور اس کے ساتھیوں کے انجام نے اس کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ اب وہ راجن اور سوبھراج کے خلاف کھل کر میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہوچکا ہے۔ ڈان برنارڈ اسی کی دریافت ہے۔ وہ بنکاک کا ایک گوشہ نشین بدمعاش ہے۔ جس سے آج بھی ہر شخص تھرّاتا ہے لیکن وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوکر اپنی گزراوقات کے لیے ایک شراب خانہ چلارہا ہے۔''
''بدمعاش اگر قانون کی گرفت سے بچے رہیں تب بھی ان کا انجام بہت عبرت ناک ہوتا ہے۔ یہ قدرت کا قانون ہے جس سے کسی کو مفر نہیں۔ اگر برنارڈ اپنا سارا دم خم کھودینے کے بعد تائب ہوچکا ہے تو وہ آپ کے لیے کیا کرسکے گا؟''
''اس کا دم خم ختم نہیں ہوا۔ دو سال پہلے تک وہ یہاں راجن کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بنا ہوا تھا پھر یکایک ایک بائیس سالہ عورت نے سب کچھ بدل دیا'' ڈان گمنامی کے گوشے میں چلا گیا اور راجن بہت تیزی کے ساتھ یہاں اپنے قدم جماتا چلا گیا۔''
''بائیس سال کی عمر تو کچھ بھی نہیں ہوتی۔'' غزالہ نے حیرت سے کہا ''اس بے بساط لڑکی نے ڈان جیسے گھاگ آدمی کو ایسی پسپائی پر کیوں مجبور کردیا؟''
''وہ لڑکی نہیں، عورت تھی، عورت!'' میں نے زور دے کر جواب دیا ''وہ ڈان کی عورت تھی جو اس کی محبوبہ سے بیوی بنی تھی۔ ایک روز اس نے بھرے بازار میں ڈان پر جوتیاں برسانی شروع کردیں۔ ڈان اس سے پٹتا رہا اور جب وہ تھک کر رونے بیٹھ گئی تو ڈان سر جھکا کر اپنے گھر چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے بدمعاشی ترک کردی۔''
''وہ چاہتا تو اس بے ہودہ عورت کے چیتھڑے اڑا سکتا تھا۔'' غزالہ کو اس کہانی پر فوری طور پر یقین نہیں آرہا تھا۔
''یہ اس کی شرافت تھی کہ شہر کا نامی گرامی بدمعاش ہونے کے باوجود اس نے اپنی گستاخ بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اس معاملے میں دوسری کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔''
''آخر اسے اپنے شوہر پر جوتی اٹھانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟'' وہ ایک عورت کی سنگ دلی کا واقعہ تھا۔ اس کے بارے میں غزالہ کا تجسس بیدار ہوچکا تھا۔
''میں نے اس بارے میں اسد سے کوئی سوال نہیں کیا۔'' میں نے ایمان داری سے اعتراف کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''اسے سبب معلوم ہوتا تو وہ ضرور اس کا ذکر کرتا۔ میرا خیال ہے کہ یہ راز اب ہمیشہ برنارڈ کے سینے میں دفن رہے گا۔''
''کیوں؟ اس نے اپنی زبان بند کی ہوئی ہے تو اس کی بیوی لوگوں کو اصل حقیقت بتاسکتی تھی۔ وہ کہاں ہے؟'' غزالہ سب کچھ بھول کر ڈان اور اس کی بیوی کے پیچھے پڑ گئی تھی۔
''اس واقعے کے بعد سے وہ غائب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے خودکشی کرلی ہو۔''
''عورت کوئی بھی ہو، بہت ٹھنڈے دل ودماغ کی مالک ہوتی ہے، آسانی سے چراغ پا نہیں ہوتی۔ ان دونوں کے درمیان یقیناً کوئی بہت بڑی بات ہوئی ہوگی جس کے نتیجے میں ایک کی کایا پلٹ گئی اور دوسری ہمیشہ کے لیے روپوش ہوگئی۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوئی لیکن اس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ دوبارہ بولی تو اس کی آواز پُرخیال تھی ''ہوسکتا ہے کہ ڈان نے کسی راہ چلتی عورت

کے مقابلے میں اس کی تذلیل کی ہو۔ کوئی عورت بلاوجہ اتنی مشتعل نہیں ہوسکتی کہ دیوانی ہو کر اپنے شوہر کو مارنا شروع کردے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں مسئلے کے اس پہلو پر ریسرچ نہیں کرسکا۔" میں نے ہلکی سی ترشی کے ساتھ جواب دیا "اسد اس واقعے کا چشم دید گواہ نہیں تھا۔ اس نے مجھے سنی سنائی باتیں بتائی ہیں۔ یہ بات ہر شک وشبے سے بالاتر ہے کہ تقریباً دو سال پہلے یہاں ایسا واقعہ رونما ہوا تھا اور اس کا ایک کردار میرے لیے کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔"

"اوہو...... آپ برا مان گئے!" وہ ہنس کر بولی "ہمیں اس عورت سے کیا لینا۔ ہمیں اپنی توجہ ڈان برنارڈ پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ اگر وہ چھوٹا راجن کا پرانا حریف ہے تو اسے کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر راہ پر لایا جاسکتا ہے۔"

"میں تمہیں یہی بتا رہا تھا۔ میں اس پر کچھ محنت کرنا چاہتا ہوں۔ آج شام کو پانچ بجے اسد یہاں آئے گا اور مجھے سیلرز بار لے جائے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ اس بار میں میرا جانا مناسب نہیں رہے گا۔" وہ بولی "نام ہی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اچھی جگہ نہیں ہوگی۔"

وہ معاملہ فہمی اور مزاج شناسی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ میرے چڑچڑے پن کا اندازہ کرتے ہی اس نے ڈان برنارڈ کے موضوع کو وہیں سمیٹ دیا۔

"بہتر یہی ہے کہ تم ہوٹل میں رکی رہو یا آس پاس کے بازار کی سیر کرلو۔" میں نے نرمی سے مشورہ دیا "یہ خیال رکھنا کہ ہوٹل سے زیادہ دور نہ نکل جانا۔ میں اپنی شدید ترین خواہش کے باوجود اس سے یہ نہ کہہ سکا کہ وہ بنکاک کی کسی ٹیکسی میں اکیلی لمبا سفر نہ کرے۔

میرا پچھلا تجربہ تھا کہ بنکاک کے ٹیکسی ڈرائیور عام طور پر لفنگے نہیں ہوتے۔ وہ اپنی سواریوں سے کرائے کے مول تول میں اپنے گر ضرور آزماتے ہیں لیکن اپنے بقیہ کام نہایت سپاٹ اور پیشہ ورانہ انداز میں سرانجام دیتے ہیں۔ کسی سواری سے جھگڑا کرتے ہیں نہ اکیلی دکیلی عورتوں کے ساتھ کوئی لوفرانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ مجھے ڈر صرف اس بات کا تھا کہ وہ جس طرح مردانہ سواریوں کی مہمان داری کے لیے لڑکیوں کے تصویری البم ساتھ لیے پھرتے ہیں، اسی طرح زنانی سواریوں کی دلبستگی کے لیے کہیں مردانہ البم لیے نہ گھومتے ہوں۔ میرے اس شبے کی تصدیق یا تردید کوئی اکیلی سیاح ہی کرسکتی تھی جو بنکاک کی ٹیکسیوں میں کثرت سے سفر کرتی رہی ہو۔ ایسی کسی عورت سے میرا رابطہ ہونا محال تھا۔

اپنے پہلے پھیرے میں، میں نے دیکھا تھا کہ بنکاک میں نظر آنے والے غیر ملکی سیاحوں میں یورپ سے افریقا تک کے مرد اور عورت شامل تھے۔ بیشتر خواتین اپنے اہل خانہ کے ساتھ یا گروپوں کی شکل میں گھومتی پھرتی نظر آتی تھیں لیکن ایک بڑی تعداد اکیلی عورتوں اور لڑکیوں کی بھی تھی۔ یہ کہنا دشوار تھا کہ ان کا مقصود صرف سیاحت تھا یا وہ اس مردم خیز خطے کے دوسرے اسرار ورموز سے بھی بہرہ ور ہونے کا ارادہ لے کر آئی تھیں۔ یورپ سے آنے والی کہانیوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ سیام کی سرزمین عیاش طبع مردوں اور عورتوں میں یکساں مقبول تھی۔

"میرے لیے ہوٹل کا وسیع شاپنگ آرکیڈ بہت کافی ہے۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے وہ رائے ظاہر کر کے میرے ذہن کا بوجھ ہلکا کردیا "یہاں نوادرات سے روز مرہ کی ضرورت کی اشیا تک بھری ہوئی ہیں۔ آپ کے بغیر دور جانے کے بجائے ان دکانوں کی سیر کو ترجیح دوں گی۔"

وہ بات ختم ہوتے ہی میرے ذہن پر خود ملامتی کی ایک رو سوار ہوگئی۔

تھائی لینڈ اور ان اطراف میں واقع دوسرے ممالک میں ہزاروں میل لمبے، صاف ستھرے ساحل، قدرتی جنگلات، چھوٹی چھوٹی جھیلوں، جھرنوں، حیوانی حیات اور نوادرات سمیت، سیاحوں کی دلچسپی کے بے شمار لوازم ہر طرف کثرت سے بکھرے ہوئے تھے اور دور دراز سے سیاحت کے لیے ان علاقوں میں آنے والے بیشتر افراد ان علاقوں میں اس قدرتی حسن اور فطری رنگینیوں کے مشاہدے سے لطف اندوز ہونے کی نیت سے آتے تھے۔ گھٹیا قسم کی شبینہ تفریحات کا جال صرف بنکاک اور اِکا دُکا قریبی مراکز میں پھیلا ہوا ہوسکتا تھا۔ اس غریب اور ترقی پذیر ملک کے دور افتادہ مقامات میں ایسی خرافات کا گزر نہیں ہوسکتا تھا مگر ساری خوبیوں کو نظر انداز کر کے میرے ذہن میں بنکاک کی زندگی کا صرف وہ پہلو جاگزیں ہوچکا تھا جس کی عکاسی رات گئے کمرے میں آنے والے سیفل کے فون نے کی تھی۔

یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی کہ میں بنکاک میں بسنے والے عزت دار شرفا کی اکثریت کو بھول کر صرف ان بگڑے ہوئے لوگوں کے حوالے سے فکرمند تھا جو عزت، انا اور خودداری جیسی ذاتی صفات کو بھول بھال کر، ہر قیمت پر غیر ملکی سیاحوں کی جیبیں خالی کرانے پر تلے رہتے تھے۔ دنیا کے بڑے بڑے شہر میں ایسے لوگوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ پائے جاتے

ہیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ بنکاک میں شاید ایسے گروہ زیادہ بڑے تھے اور ان کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ وہ نفس پرستوں کو لبھانے اور رجھانے کی کوششیں ضرور کر سکتے تھے، کسی کو زبردستی اس دلدل میں نہیں ڈال سکتے تھے۔

صبح بازار کا چکر لگاتے ہوئے ہم دونوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس روز بنکاک کا موسم گرم اور کچھ مرطوب سا تھا۔ فضا نمی کے بڑھے ہوئے تناسب کی وجہ سے اس قدر بوجھل ہو رہی تھی کہ سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا۔ کھانے کے بعد میں نے غزالہ کو سیر کے لیے نکلنے کی پیش کش کی لیکن اس نے حبس اور گرمی کی وجہ سے کسل مندی کا اظہار کیا اور ہم نے اپنا وقت ہوٹل کے خنک اور آرام دہ کمرے میں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

ٹھیک پانچ بجے فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو اسد ہوٹل کی لابی میں اپنی موجودگی کی اطلاع دے رہا تھا۔

میں پہلے سے روانگی کے لیے تیار تھا۔ صرف جوتے پہننے کی دیر تھی۔ میں دروازے کی طرف بڑھا تو غزالہ نے مجھے ٹوک دیا ''کیا آپ خالی ہاتھ وہاں جا رہے ہیں؟''

اول خان سے حاصل کی ہوئی زہریلی انگوٹھیاں ہر وقت میری انگلیوں میں موجود رہتی تھیں۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے دکھاتے ہوئے کہا ''میں وہاں لڑنے کے لیے نہیں جا رہا۔ پھر بھی یہ انگوٹھیاں موجود ہیں۔ کسی ہنگامی صورتِ حال میں کام آ سکتی ہیں۔''

''ڈان برنارڈ کوئی نیک انسان نہیں ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا ''اپنی بیوی سے پٹ کر گوشہ نشین ہوا ہے۔ اس کی خصلت وہی پرانی ہوگی۔ ہم بیم گن یہاں تک لانے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو میرا مشورہ ہے کہ اسے ساتھ لیتے جائیں۔ اچھا ہے کہ اپنے بچاؤ کے لیے کوئی فالتو ہتھیار جیب میں پڑا رہے۔ وہ زیادہ بھاری نہیں ہے۔''

میری رضامندی پا کر غزالہ نے سوٹ کیس میں سے بیم گن نکال کر میرے حوالے کر دی۔

میں چوتھی رہائشی منزل سے لفٹ کے ذریعے گراؤنڈ فلور پر پہنچا تو سامنے ہی اسد ایک صوفے پر آرام سے بیٹھا، سگریٹ کے گہرے کش لیتا ہوا نظر آیا۔ اس کی نگاہیں لفٹ کی طرف مرکوز تھیں۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر نرم سی دوستانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

میں سیدھا اس کی طرف ہو لیا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پُرتپاک انداز میں میرا استقبال کیا۔ پھر میرا ہاتھ تھام کر لابی کے اندرونی حصے کی طرف چل دیا۔

''ادھر کہاں جا رہے ہو..... کیا ڈان کی طرف جانے کا ارادہ نہیں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ادھر بھی چلیں گے۔'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا ''آج کل یہاں کے دن لمبے ہوتے ہیں۔ ابھی جھٹپٹا ہونے میں دیر ہے۔ چائے کی ایک پیالی پر کچھ باتیں کر کے نکل جائیں گے۔ اس سے ہمارا کوئی وقت طے نہیں ہے۔ بن بلائے مہمان کسی بھی وقت پہنچ سکتے ہیں۔''

اس کا جواب معقول تھا۔ میں مطمئن ہو گیا اور اس کی رہنمائی میں ایک الگ تھلگ صوفے پر جا بیٹھا۔

اس نے قریب ہی منڈلاتے ہوئے ویٹر کو کافی کا آرڈر دیا اور پھر میری طرف متوجہ ہو گیا۔

''مجھے میدان میں کوئی عملی کام کیے تقریباً دو سال گزر چکے ہیں۔'' اس نے دھیمی اور پُرخیال آواز میں کہنا شروع کیا ''جب سے یہاں آیا ہوں، اوپری دیکھ بھال اور مانیٹرنگ کا کام کر رہا ہوں۔ اب تمہارے آ جانے کے بعد ایک کام سامنے آیا ہے تو وہ بہت بڑا محسوس ہو رہا ہے۔''

''مجھے تمہاری پوزیشن کا اندازہ ہے۔'' میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا ''تم یہاں میری طرح خفیہ طور پر نہیں آئے۔ تمہاری باقاعدہ پوسٹنگ ہوئی ہے۔ تم بنکاک کے مقامی حکام کی نظروں میں آئے ہوئے ہو۔ عین ممکن ہے کہ تمہاری خفیہ نگرانی بھی ہوتی ہو۔ ان حالات میں تمہارے لیے کھل کر میدان میں آنا دشوار ہو سکتا ہے......''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے میری قطع کلامی کرتے ہوئے جواب دیا ''ابتدا میں بہت سے چکر تھے۔ کئی ہفتوں تک میری نگرانی بھی ہوتی رہی۔ رفتہ رفتہ مقامی حکام میری سرگرمیوں سے مطمئن ہو گئے اور اب میں آزادی سے پورے شہر بلکہ ملک بھر میں گھومتا پھرتا ہوں۔ پتایا اور پھوکٹ سے چیانگ مائی تک میرے مرغوب ٹھکانے ہیں۔ کراچی سے ملنے والی اخباری اطلاعات سے مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ سوبھراج اب ایک زخم خوردہ ناگ بن چکا ہے۔ اسے چھوٹا راجن کی پناہ میں جانے سے پہلے مار لیا جائے تو کام آسان ہو سکتا ہے۔ ایک بار وہ اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تو ہمیں اسے زیر کرنے میں دانتوں پسینہ آ جائے گا۔''

اس کی زبان سے سوبھراج کو مار لینے کا ذکر سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ اپنے کسی بڑے افسر سے رابطہ کرنے کے بعد اس کی سوچ میں نمایاں تبدیلی آئی تھی۔ میں نے دھیرے سے کہا ''اب اوکھلی میں سر دیا ہے تو موسلوں سے کیا ڈرنا۔ میں اس مشکل کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑا اٹھا کر یہاں آیا ہوں۔ کوئی میرا ساتھ دے یا نہ دے مجھے یہ کام پورا کرنا

ہے۔“

”شاید میری طرف سے تمہارے ذہن میں کوئی گرہ پڑ گئی ہے۔“ اس نے مجروح لہجے میں کہا ”میں محسوس کر رہا ہوں، تم میری ہر بات کو غلط پیرائے میں لے رہے ہو۔“

”یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔“ میں نے اس کا بازو دبا کر کہا ”میں تمہاری مجبوریوں کو سمجھ رہا ہوں۔ میں اپنی سہولت کے لیے تمہیں کسی مشکل صورت حال میں پھنسانا پسند نہیں کروں گا۔“

اس نے خاموشی سے میری بات سنی پھر ایک گہرا سانس لے کر بولا ”میرا خیال ہے کہ غلطی میری ہے مجھے لمبی تمہید اٹھانے کے بجائے براہِ راست سیدھی بات کہنی چاہیے تھی۔ یہ کام آسان ہو یا مشکل میں گلے تک تمہارا ساتھ دوں گا۔ اس معاملے میں ڈان سے ہونے والی ملاقات بہت اہم ہے اگر تم اسے شیشے میں اتارنے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارا کام بہت آسان ہو جائے گا۔ کسی وجہ سے ڈان نے تمہیں اپنے پٹھے پر ہاتھ نہ رکھنے دیا تو ہمیں اپنا کام خود پورا کرنا ہوگا۔“

”مجھے اس بات کا پورا ادراک ہے۔“ میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر کہا ”میری کوشش ہوگی کہ میں ڈان کو رام کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اس سے اکیلا ملوں۔ تم مجھے دور سے سیلرز بار دکھا کر لوٹ آنا۔“

”یہ نہیں ہو سکتا۔“ اس نے تیزی سے کہا ”اس ملاقات میں ہم دونوں کا ساتھ رہنا ضروری ہے میں نے یہاں رہ کر اتنی تھائی سیکھ لی ہے کہ پوری بات سمجھ لیتا ہوں۔ تھوڑی سی دشواری سے بات بھی کر لیتا ہوں۔ مقامی زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے تمہارا اکیلا جانا مناسب نہیں ہوگا۔“

”تو کیا ڈان صرف تھائی زبان میں بات کرتا ہے؟“ میں نے حیرت سے سوال کیا۔

”وہ روانی سے انگریزی بھی بولتا ہے لیکن اپنے آدمیوں سے مقامی زبان میں بات کرتا ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ہمارے بارے میں اپنے آدمیوں سے کیا کہتا ہے۔“

میں نے وہ پیشکش کر کے اسے دور رہنے کا ایک سنہرا موقع فراہم کیا تھا۔ اس نے مضبوط جواز کے ساتھ میری پیشکش مسترد کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ میرا شریکِ کار بننے کے لیے تیار تھا۔

میں نے خوش دلی سے کہا ”پھر تو معاملہ فہمی کے لیے تمہاری موجودگی ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ سیلرز بار میں الجھ جانے کی وجہ سے تم تہران سے بنکاک آنے والی آج کی پرواز کی دیکھ بھال نہ کر سکو۔ اس وقت وہ معاملہ سب سے زیادہ اہم ہے۔“

”وہ پرواز رات کو دیر سے آتی ہے میں اسے دیکھ لوں گا۔“ اس نے اپنے جواب سے مجھے مطمئن کر دیا۔

اس دوران میں کافی آئی اور ختم کر لی گئی۔ ویٹر کو بل ادا کر کے ہم دونوں وہاں سے اٹھے اور ہوٹل کی عمارت سے باہر نکل گئے۔

اسد اپنے خدوخال کے لحاظ سے اس شہر میں اجنبی تھا لیکن وہاں اپنی دو سالہ اقامت کے نتیجے میں وہ ہر طور طریقے سے پوری طرح باخبر تھا۔

باہر موجود ٹیکسی کی عقبی نشست پر سوار ہوتے ہوئے اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو مقامی زبان میں کچھ ہدایت دی جس میں صرف سیلرز بار کے دو الفاظ میرے پلے پڑ سکے۔ ڈرائیور نے ٹیکسی کا میٹر چلایا اور ہمارے سفر کا آغاز ہو گیا۔

ٹیکسی ہوٹل کے صاف ستھرے علاقے سے جوں ہی ایک مصروف شاہراہ پر آئی۔ مجھے بے اختیار اپنا شہر یاد آ گیا۔ سڑک پر ٹریفک کا زبردست ہجوم تھا۔ دفتری اور کاروباری اوقات ختم ہونے کے بعد ہر شخص سڑک پر آیا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ دو طرفہ سڑک خاصی کشادہ تھی لیکن بسوں، ٹیکسیوں، ٹک ٹک اور بھانت بھانت کی سواریوں کی کثرت کی وجہ سے ٹریفک کی رفتار بہت سست تھی۔ ان گاڑیوں کے درمیان نوجوان اپنی موٹر سائیکلوں پر ڈرائیونگ کے کرتب دکھا کر سب سے پہلے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

دونوں طرف بنی ہوئی فٹ پاتھوں پر ساز و سامان بیچنے والے خوانچہ فروشوں کا قبضہ تھا، پیدل چلنے والوں کے لیے فٹ پاتھ پر جگہ نہیں تھی تو وہ بچ بچا کر سڑک پر اپنی راہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مجموعی طور پر ایسی بدنظمی کا راج تھا کہ اپنا شہر کراچی یاد آ رہا تھا۔ فرق صرف ایک تھا۔ کراچی کے ڈرائیور عام طور پر بے صبرے ہوتے ہیں اپنے سے آگے والے کی مجبوری کا پورا اندازہ ہونے کے باوجود راستہ لینے کے لیے ہارن بجاتے رہتے ہیں۔ بسوں اور منی بسوں والے اس دوڑ میں سب سے آگے نظر آتے ہیں لیکن بنکاک کے ڈرائیوران کے مقابلے میں بہت صابر و شاکر نظر آ رہے تھے، جو جہاں تھا اپنے حال میں مگن تھا۔ ہر قسم کے ملے جلے شور میں کسی ہارن کی اعصاب شکن آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

آگے بڑھنے پر ایک اور تماشا نظر آیا۔ بازار کی گہما گہمی

ذرا کم ہوئی اور فٹ پاتھ خوانچوں سے خالی نظر آئے تو ان پر موٹر سائیکلیں دوڑتی ہوئی دکھائی دیں۔ بے صبرے نوجوان سڑک پر رینگنے والے ٹریفک میں پھنس کر اپنا وقت برباد کرنے کے موڈ میں نہیں تھے جس کو جہاں راہ مل رہی تھی وہ اسی طرف دوڑا جا رہا تھا۔ ان کے لیے آسان ترین ترکیب یہ تھی کہ سڑک کے کنارے آکر اپنی موٹر سائیکل کے اگلے ٹائر کو اچھال کر سڑک سے اٹھی ہوئی فٹ پاتھ پر چڑھیں اور جہاں تک راہ ملے سیدھے دوڑتے چلے جائیں۔ ان خطرناک موٹر سائیکلوں سے بچنا پیدل چلنے والوں کی اپنی ذمے داری تھی۔

''آرہا ہے اپنے لاہور کا سا مزہ!'' مجھے اس بے ہنگم ٹریفک کے مشاہدے میں منہمک پا کر اسد نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی۔

''لاہور!'' میں نے حیرت سے دہرایا ''مجھے تو کراچی یاد آرہا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آنے والے نوجوان واپسی پر فٹ پاتھوں کا صحیح استعمال سیکھ کر وہاں جاتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پیدل چلنے والے حادثات سے کیسے بچتے ہیں۔''

''بس بچ ہی جاتے ہیں۔'' وہ ہنس کر بولا ''مقامی ان چیزوں کے عادی ہیں۔ باہر سے آنے والے دو چار دنوں میں سب سیکھ جاتے ہیں۔ تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہاں ٹریفک کے حادثات کی شرح بہت کم ہے۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر کہنے لگا ''پہلے میں بھی کراچی کی بھیڑ بھاڑ دیکھ کر بہت حیران ہوتا تھا۔ اب لاہور اس کا مقابلہ کر رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم بہت عرصے سے لاہور نہیں گئے۔ کراچی ہی میں پلے بڑھے ہو۔''

اس کے آخری تبصرے پر مجھے اپنے دل میں کسک سی محسوس ہوئی۔ وہ میری جائے پیدائش کو میرے لیے اجنبی قرار دے رہا تھا۔ لاہور میرا آبائی شہر تھا مگر اس شہر سے میرے ماضی کی بہت سی تلخ یادیں وابستہ تھیں۔ میں اسی شہر میں گھر سے بے گھر اور یتیم سے یسیر ہوا تھا۔ اپنے موروثی شہر کی زمین تنگ ہوجانے کے بعد میں نے اسے خیر باد کہا تھا۔ اس میں میری مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا۔

''میں کافی دنوں سے لاہور نہیں گیا۔'' میں نے اس کے ساتھ مل کر اپنے دل کا غبار ہلکا کرنے کے بجائے مختصر سا جواب دیا۔

اسد سے ذکرِ شہرِ خوباں چھڑ جاتا تو بات بہت لمبی ہوسکتی تھی جب کہ میں اس وقت ہر جذباتی ابال سے الگ تھلگ رہ کر اپنی ساری توجہ ڈان برنارڈ کے معاملے پر مرکوز رکھنا چاہتا تھا۔

سورج مغرب کی طرف ڈھلتا جا رہا تھا۔ شہر کی اونچی نیچی عمارتوں کے عقب میں سرخی گہری ہوتی جا رہی تھی۔ شہر کے گنجان وسطی علاقے میں ہمارے سفر کی رفتار بہت سست رہی۔ اس ہجوم سے نکلنے کے بعد ٹیکسی کی رفتار تیز ہوگئی۔

منزل پر پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ ہمارے ہوٹل سے سیلرز بار کا فاصلہ اتنا نہیں تھا جتنا وقت صرف ہوا۔ ہم ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ میں نہ پھنسے ہوتے تو زیادہ سے زیادہ بیس منٹ میں وہاں پہنچ سکتے تھے۔

اسد نے ٹیکسی کچھ دور رکوائی مگر میں وہاں سے بڑے بڑے روشن حروف میں سیلرز بار کا رنگ بدلتا ہوا نیون سائن دیکھ رہا تھا۔

وہ شہر کا خاصا قدیم اور پسماندہ علاقہ تھا۔ بیشتر مکانات سال خوردہ تھے لیکن ان کے درمیان کہیں کہیں کئی منزلہ شاندار مکانات بھی نظر آرہے تھے۔ ہوا میں رچی ہوئی مخصوص سیلن سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بندرگاہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔

مکانوں کے درمیان اِکّا دُکّا دکانیں اور ہوٹل بھی موجود تھے۔ ان ہی میں سیلرز بار بھی شامل تھا۔ ان دکانوں وغیرہ نے بازار کی صورت اختیار نہیں کی تھی البتہ ایک بات بہت نمایاں تھی کہ رہائشی مکانات کے مقابلے میں ہر تجارتی ٹھکانا بہت روشن اور پرکشش نظر آرہا تھا۔ دکانوں کی بیرونی آرائش اور گاہکوں کو متوجہ کرنے کے لیے مقامی انداز کے ساتھ شوخ رنگ استعمال کیے گئے تھے۔

سورج راستے میں ہی غروب ہوگیا تھا۔ اسٹریٹ لیمپس روشن ہو چکے تھے۔ اندھیرے کی گہری ہوتی ہوئی چادر میں دور تک روشن گھر نمایاں تھے۔

''چلو اب ہم کچھ دور پیدل چلیں گے۔'' اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو نمٹانے کے بعد کہا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈان نے شہر کے مرکز سے اتنی دور آکر بار کیوں کھولا ہے۔'' میں نے اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے اپنی الجھن کا اظہار کیا۔

''اس کے کاروبار کے لیے یہ علاقہ خاصا زرخیز ہے۔ یہ دیکھ رہے ہو۔'' اس نے فٹ پاتھوں پر چلتے ہوئے نوجوان اور معمر مرد وزن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''ان میں سے بیشتر اس کے مستقل گاہک ہوں گے۔ گودی سے آنے والوں کے لیے بھی سیلرز بار سانس لینے کا اکلوتا ٹھکانا ہے۔ ڈان کے مقابلے میں آج تک کوئی شخص کئی کلومیٹر دور تک کوئی بار کھولنے کی ہمت نہیں کر سکا۔''

''حیرت ہے کہ تھائی معاشرہ ایک مردہ گھوڑے کا اتنا

احترام کرتا ہے۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑا پھر بولا" یہ احترام سے زیادہ روایت کی بات ہے۔ ڈان کا یہ بار اس وقت سے قائم ہے جب ہر طرف اس کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ بعد میں وہ سمٹ کر اسی ایک ٹھکانے تک محدود ہو کر رہ گیا۔"

اس سے میں نے ڈان کے بارے میں جو کچھ سنا اس کی روشنی میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی تھی کہ وہ کچھ بھی ہو سکتا تھا مگر بے وقوف ہرگز نہیں تھا۔ اس نے کچھ نہ کچھ سوچ سمجھ کر بندرگاہ سے آنے والے راستے پر اپنا ٹھکانا بنایا تھا۔ وہ اس کے عروج کا زمانہ رہا ہوگا۔ وہ چاہتا تو سیلرز بار کے لیے شہر کے قلب میں کوئی جگہ لے سکتا تھا لیکن وہ شاید اس کے لیے موزوں ثابت نہ ہوتی۔

اس الگ تھلگ علاقے میں وہ شہری انتظامیہ کی نظروں سے دور رہ کر اسمگلنگ اور چوری کے مال کی خرید و فروخت سے لے کر نوادرات کے ہیر پھیر تک ہر کام اطمینان سے سرانجام دے سکتا تھا۔ کوئی ادھر کا رخ کرتا تو اس کے کارندے دور ہی سے اس ناپسندیدہ شخص کو تاڑ کر ڈان کو بروقت ہوشیار کر سکتے تھے۔ یہ اس کے مقدر کی بات تھی کہ زوال کی راہ اختیار کر لینے کے بعد بھی وہ وہیں پھنسا ہوا تھا۔

"سنو!" چلتے چلتے میں نے ایک فوری خیال کے تحت اسد کوٹوکا "ہم سیلرز بار میں عام گاہکوں کی طرح داخل ہوں گے تم تھوڑی بہت تو پی لیتے ہونا؟"

"پہلے نہیں پیتا تھا۔ بال بچوں سے دوری کی وجہ سے میری راتوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں۔ کسی دوست کے مشورے پر پینی شروع کر دی۔"

"بس، بس یہ کافی ہے!" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "تم اسکاچ لوگے، میں فریش لیمن۔"

"یہ کیا بات ہوئی!" اس نے چونک کر پوچھا "تم فریش لیمن کیوں پیو گے؟"

"مجھے معدے کی ایک بیماری لاحق ہے۔" میں نے اسے بہت سنجیدگی سے بتایا "الکحل کی ایک بوند بھی میرے لیے زہر ثابت ہو سکتی ہے۔"

وہ تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

وہ شام کے ابتدائی لمحات تھے پھر بھی سیلرز بار کے سامنے فٹ پاتھ کے کنارے دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔

پگوڈا جیسی ڈھلوان چھت والے مختصر سے داخلی برآمدے میں قدم رکھتے ہی وزنی چوبی فریم والے شیشے کے دروازے سے میں نے ایک نظر اندر ڈالی اور پھر دروازہ کھول کر بار میں داخل ہو گیا۔

باہر کی آرائش کے مقابلے میں اندر سے بار بہت خوب صورت تھا۔ میزوں کے گرد بید کی بنی ہوئی ہلکی اور آرام دہ کرسیاں قرینے سے سجی ہوئی تھیں۔ نیلے کپڑوں میں ملبوس ایک سبک اندام اور خوش رو لڑکی میزوں اور کرسیوں کی مزید دیکھ بھال میں مصروف تھی۔ نیچی چھت کے ساتھ جا بجا ایسی چھوٹی چھوٹی آرائشی اشیا جھول رہی تھیں جو شاید مقامی تہذیب کے بعض پہلوؤں کی عکاسی کرتی تھیں۔

عقبی حصے میں لکڑی کا منقش بار کاؤنٹر نیم دائرے کی صورت میں پھیلا ہوا تھا۔ چوڑی سطح والے کاؤنٹر کے سامنے کئی اونچے اسٹول رکھے ہوئے تھے۔ کاؤنٹر کے پیچھے کا حصہ مختصر سے ہال کے مقابلے میں زیادہ روشن تھا جہاں بھانت بھانت کی شرابوں کی بوتلیں سجی یا لٹکی ہوئی تھیں۔ وہاں دو لڑکیاں شیشے کے گلاسوں اور پیمانوں کو کپڑے سے رگڑ رگڑ کر چمکانے میں مصروف تھیں۔

میں نے ان جزئیات سے پہلے یہ دیکھ لیا تھا کہ بار کی صرف دو میزیں آباد تھیں جن پر کل پانچ نوجوان نظر آ رہے تھے جن میں دو لڑکیاں تھیں جو ایک دوسرے سے قدرے فاصلے پر لگی ہوئی میزوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دو الگ الگ ٹولیاں تھیں جو ظالم سماج کے چنگل سے بچ کر ڈان کے گوشۂ عافیت میں آئی ہوئی تھیں۔

کاؤنٹر کے انتہائی عقبی داہنے سرے پر خطرناک صورت والا ایک تنومند اور دراز قامت شخص اونچی کرسی پر بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ بار کا دروازہ کھلنے پر بجنے والی مترنم گھنٹیوں کی ہلکی سی آواز پر اس شخص نے اطمینان سے گردن گھما کر گہری نظروں سے ہماری طرف دیکھا تھا پھر بے فکر ہو کر دوبارہ اپنے سامنے رکھے ہوئے چھوٹے سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جس کی اسکرین پر ہونے والی وحشیانہ کشتی ہمیں کئی لمحوں بعد نظر آ سکی تھی۔

ہمارے کاؤنٹر پر پہنچتے ہی ایک وردی پوش لڑکی اپنے موتیوں جیسے دانتوں کی نمائش کرتی ہوئی ہماری طرف متوجہ ہوئی۔

لڑکی کی زبان سے یس سر کے الفاظ سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ وہ پوری نہیں تو تھوڑی بہت انگریزی ضرور سمجھ سکتی تھی۔ ہوٹل، بار اور دکانوں میں آنے والے گاہکوں سے لین دین کرنے کے لیے انگریزی سے واقفیت تھائی باشندوں کی مجبوری تھی جس کا مشاہدہ شہروں اور سیاحتی مراکز میں کیا جا سکتا تھا۔ عام مقامیوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ کوئی

دوسری زبان جانتے ہوں۔

ہم دونوں نے کاؤنٹر کے سامنے پڑے ہوئے اسٹول سنبھالے اور میں نے لڑکی کو آرڈر دے دیا۔ اس نے برق رفتاری سے اپنے بدن کو کئی ہلکورے دیتے ہوئے چند لمحوں میں دونوں مطلوب مشروبات کے گلاس ہمارے سامنے سجا دیے۔

میں نے اسے سو بھات کا نوٹ دیا۔ وہ نوٹ لے کر مرد کی طرف گئی اور اس سے بقیہ رقم لے کر مجھے لوٹا دی۔ میں کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا کہ بار کے عقب میں بیٹھا ہوا دراز قامت شخص پوری توجہ سے ٹی وی پر خونی مقابلہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے ٹی وی کی آواز بند کی ہوئی تھی۔

ہمیں سرو کرنے کے بعد وہ لڑکی دوبارہ اپنے کاموں میں مصروف ہوگئی۔ اس کی ہمراہی دوسری سمت میں اپنے کام میں لگی ہوئی تھی۔ اس وقت تک بار میں کام کرنے والوں میں کوئی مرد نظر نہیں آیا تھا۔ نیلی وردیوں میں ملبوس تینوں لڑکیاں پھرکی بنی ہوئی تھیں۔

”مس!“ میں نے قدرے بلند آواز میں لڑکی کو پکارا تاکہ میری آواز ریسلنگ کے شوقین کے کانوں تک پہنچ سکے۔

لڑکی اپنی جگہ کھڑے کھڑے میری طرف گھومی تو میں نے اپنی بات شروع کردی ”میں خاص طور پر ڈان برنارڈ کی زیارت کے لیے یہاں آیا ہوں۔“

مجھے اندازہ نہیں ہوسکا کہ لڑکی میری پوری بات سمجھ گئی تھی یا نہیں۔ اتنا ضرور ہوا کہ میری زبان سے ڈان کا نام سنتے ہی اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار عود کر آئے۔

لڑکی نے براہِ راست میری بات کا جواب دینے کے بجائے بے بسی سے ٹیلی وژن والے کی طرف دیکھا۔ وہ میری بات سن کر پہلے ہی میری طرف متوجہ ہو چکا تھا اور کینہ توز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

میری اور ڈان کی نظریں چار ہوئیں۔ میں نے دوستانہ انداز میں مسکرانے کی کوشش کی لیکن ڈان کے چہرے کی کرختگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

ہمیں سرو کرنے والی لڑکی اس صورت حال سے سراسیمہ ہوگئی اور تیزی کے ساتھ کاؤنٹر کی گولائی کے دوسرے حصے کی طرف چلی گئی جہاں نیلی وردی والی تیسری لڑکی کسی گاہک کے نہ ہونے کے باوجود مصروف نظر آرہی تھی۔

ڈان نے میرے چہرے سے ایک لمحے کے لیے بھی نظریں ہٹائے بغیر ٹیلی وژن کے پینل کے کسی بٹن پر زور سے ہاتھ مارا۔ اسکرین یکایک تاریک ہوگئی۔

ڈان نے اپنی کرسی چھوڑ دی۔ اسی وقت کسی میز سے اٹھ کر ایک لڑکا بار کے کاؤنٹر پر آگیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں بیئر کے خالی مگ دبے ہوئے تھے۔

مجھے اس لڑکے پر دھیان دینے کی فرصت نہیں تھی۔ ڈان کے عجیب و غریب اور جارحانہ تیوروں نے مجھے پریشان کردیا تھا۔ رہی سہی کسر اسد نے پوری کردی۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں میرے پہلو میں مسلسل دو باریوں کہنی ماری جیسے مجھے وہاں سے نکل بھاگنے پر اکسانا چاہ رہا ہو۔ میں فوری طور پر بار اسٹول سے اتر کر فرش پر کھڑا ہوگیا تاکہ ڈان کی کسی جارحانہ پیش دستی سے اپنا بچاؤ کرسکوں۔

ڈان نے کاؤنٹر کے عقب میں اپنی کرسی چھوڑنے کے بعد کسی اشتعال آمیز عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ مجھے گھورتا ہوا نپے تلے قدموں سے کاؤنٹر کے پیچھے عین میرے سامنے آکر رک گیا۔ اس نے اپنی دونوں کہنیاں بار کے کاؤنٹر کی چوبی سطح پر ٹکائیں اور دھیمی مگر غراتی ہوئی آواز میں انگریزی میں بولا ”معلوم ہوتا ہے کہ تم یہاں سے چار آدمیوں کے کندھوں پر سوار ہوکر لوٹنے کے ارادے سے آئے ہو۔ میں نے آج ایک مدت کے بعد کسی اجنبی کی زبان سے اپنا پورا نام سنا ہے!“

لمحہ بھر میں بات میری سمجھ میں آگئی میں نے اس سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے ادب و احترام کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا لیکن نادانستگی میں مجھ سے یہ غلطی ہوچکی تھی کہ میں نے اس کا پورا نام لے لیا تھا۔ اس جیسے اونچے پائے کے بدمعاش عام طور پر اپنی عرفیت سے پکارا جانا پسند کرتے ہیں۔ اس کے ہم جلیسوں نے اسے بنکاک کے ڈان کے رتبے پر فائز کردیا تھا۔ وہ فعال تھا یا اپنی ساری سرگرمیوں سے کنارہ کش ہوچکا تھا۔ یہ ایک الگ کہانی تھی۔ وہ بزعم خود ڈان تھا اور مرتے دم تک ڈان ہی رہنا چاہتا تھا۔

میں اس کے اعتراض کا خاصا مسکت جواب دے سکتا تھا لیکن اس طرح بات بڑھ جاتی۔ میں اس سے لڑنے کے لیے نہیں مل بیٹھنے کے لیے آیا تھا۔ میں نے روایتی انداز میں لمحہ بھر کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم جوڑ کر کہا ”ڈان! یہ واقعی خطا ہے جو نادانستگی میں سرزد ہوگئی۔ اس پر میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔“

اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ عقابی نظروں سے مسلسل میری طرف دیکھتا رہا جیسے میری آنکھوں میں سچ پڑھنے کی کوشش کررہا ہو۔ پھر اسے میری بات پر اعتبار آگیا۔ اس نے اپنی آواز بلند کیے بغیر اسی لہجے میں کہا ”تم کون ہو...... تمہیں مجھ سے کیا کام ہے؟“

عقب میں سیلرز بار کے داخلی دروازے کی گھنٹیاں گنگنائیں۔ اسی کے ساتھ میرے کانوں میں کئی قدموں کی آہٹیں اور ملی جلی شوخ آوازیں آئیں جو مقامی تھیں۔ میں نے مڑنے کی حماقت کیے بغیر اندازہ لگایا کہ کوئی نیا گروپ بار میں وارد ہو چکا تھا۔

''چھوٹا راجن!'' میں نے ڈان ہی کے انداز میں کہنیوں کے بل کاؤنٹر پر جھک کر سرگوشی کی ''میں اس کا خون پینے کا ارادہ لے کر یہاں آیا ہوں۔''

اس مرتبہ وہ پھر چند ثانیوں تک متردّد رہا پھر اس نے اپنا بھاری ہاتھ فضا میں لہرا کر آہستہ سے کہا ''ادھر چلے آؤ۔''

مجھے ہدایت دے کر وہ دوبارہ اپنے ٹیلی وژن والے گوشے کی طرف چل دیا۔

ڈان کے اشارے پر میں اپنا گلاس اسی طرح چھوڑ کر اس کی بتائی ہوئی سمت میں چل دیا۔ اس دوران میں اسد نے گھبرا کر اپنا لارج پیگ تیزی سے حلق سے اتار لیا تھا اور میرے ساتھ ہو لیا تھا۔

ڈان سے وہ مختصر سا مذاکرہ ختم ہونے کے بعد میں نے دیکھا کہ بار کی مزید کئی میزیں آباد ہو چکی تھیں اور چند نئے چہرے مشروبات خریدنے کے لیے کاؤنٹر پر آ گئے تھے۔ نیلی وردی والی دونوں لڑکیاں نئے گاہکوں کی طرف متوجہ تھیں لیکن ان کی خوف زدہ نظریں ایک آدھ بار ہماری طرف بھی اٹھی تھیں۔ ان کی دانست میں ہم دونوں ڈان کے عتاب میں آ چکے تھے۔

ہم کاؤنٹر کے اختتامی سرے پر موجود بند ٹیلی وژن کے پیچھے پہنچے تو ڈان پہلے ہی کاؤنٹر سے باہر آ کر ہمارا انتظار کر رہا تھا۔

کاؤنٹر کے پیچھے والے حصے کے مقابلے میں پورے بار میں روشنی خاصی کم تھی۔ شراب خانوں کے اندرونی ماحول کو خواب ناک بلکہ ہوش ربا بنانے کے لیے روشنی کی وہ تقسیم غیر معمولی نہیں تھی۔ ہر بار میں کم و بیش ایسا ہی ہوا کرتا ہے لیکن ہماری موجودگی کے مقام سے آگے جانے والا راستہ خطرناک حد تک نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

اس راستے کے ایک سرے پر چوکور سرخ سائن روشن تھا۔ دھندلائی ہوئی مقامی تحریر میرے لیے ناقابلِ فہم تھی مگر تحریر کے نیچے بنے ہوئے خاکے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بار کا واش روم تھا۔ مرد و زن کسی امتیاز کے بغیر اس سے مساویانہ استفادہ کر سکتے تھے۔

اس اکلوتے واش روم کے سامنے مجھے اوپر جانے والے زینے نظر آ رہے تھے۔ ہمارے پہنچتے ہی ڈان اس تنگ اور نیم تاریک راہ داری میں گھس گیا۔ بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

اسد نے مجھے بتایا تھا کہ ڈان کی رہائش اسی شراب خانے کی اوپری منزل پر ہے اور وہ اپنے گھر میں کسی سے نہیں ملتا لیکن اس وقت نظر آنے والے آثار کچھ اور بتا رہے تھے۔ ڈان بہت بے پروائی کے ساتھ ہمیں اپنے گھر کی طرف لے جا رہا تھا۔

ڈان اصول پرست آدمی تھا۔ اپنے شراب خانے میں میرے ساتھ مار دھاڑ کر کے وہ اپنے بار کی ساکھ اور کاروبار کو تباہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا ہمیں اوپر لے جا کر وہ ہمارے ساتھ درشت اور توہین آمیز رویہ اختیار کرے گا۔

اس نے ابتدا ہی سے مجھ پر اپنی گرفت اتنی مضبوط رکھی تھی کہ مجھے اس سے کچھ پوچھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ڈان سب کچھ اپنی مرضی سے کر رہا تھا۔ میں خاموشی سے اپنا سر جھکا کر اس کی تقلید کرنے پر مجبور تھا۔

ڈان اتنا مطمئن تھا کہ چلتے ہوئے بھی سگار پی رہا تھا۔ تنگ اور نیم تاریک راہ داری جلے ہوئے عمدہ تمباکو کی بو سے بھرتی جا رہی تھی۔

''ڈان......!'' میں نے کچھ جاننے کی نیت سے سرگوشیانہ آواز میں اسے پکارا لیکن اس نے مجھے آگے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

''خاموش رہو۔ تم سے اوپر بات ہو گی!'' اس کی تحکم آمیز آواز فیصلہ کن تھی۔

پھر مجھے اس راہ داری کے اختتام پر دیوار کا ہم رنگ دروازہ نظر آیا جو بند تھا۔ صورت کچھ یوں تھی کہ ہمارے داہنے ہاتھ پر واش روم تھا، بائیں طرف اوپر جانے والے زینے تھے اور سامنے وہ بند دروازہ تھا جسے استعمال کر کے خاموشی سے باہر نکلا جا سکتا تھا۔

لکڑی دنیا کے اس خطے کی اعلیٰ پیداوار ہے اور ہر جگہ مضبوط اور عمدہ لکڑی کا استعمال کثرت سے نظر آتا ہے۔ ڈان نے زینوں پر قدم رکھا اور ہلکی سی چرچراہٹ سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ چوبی زینے تھے۔ نکاس کے چور دروازے پر ہاتھ مار کر میں نے یہ اطمینان کر لیا کہ وہ بھی چوبی دروازہ تھا۔ کوئی برا وقت آنے کی صورت میں اس پر بیم گن استعمال کر کے ذرا سی دیر میں راہ کھولی جا سکتی تھی۔

زینوں کے اختتام پر ایک روشن بلب کی وجہ سے گھٹن کا احساس یکایک ختم ہو گیا۔ ڈان نے بند دروازے کو اندر دھکیلا اور آگے بڑھ گیا۔ میں نے بھی اندر گھسنے میں تکلف نہیں کیا اسد خاموشی سے میرے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

نچلی منزل کا خاصا رقبہ کاؤنٹر اور اس کے پیچھے بنے ہوئے بار نے گھیرا ہوا تھا۔ وہاں جگہ کی تنگی کا شدت سے احساس ہوا تھا لیکن شراب خانے کی اوپری منزل بہت کشادہ نظر آرہی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ وہاں کمرے اور دیواریں نہیں تھیں جو کچھ تھا ایک ہال کی صورت میں ہمارے سامنے تھا۔ ہال صاف ستھرا تھا۔ وہاں کنگ سائز کی صرف ایک مسہری تھی۔ ہال کے ایک گوشے میں خطرناک چہروں اور مضبوط جسموں والے چار مقامی باشندے ایک میز کے گرد بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ ان چاروں کے سامنے موجود رقموں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جوا کھیل رہے تھے۔ میز کے وسط میں بھی رقم پڑی ہوئی نظر آرہی تھی۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ ان چاروں سے کوئی جواری شراب سے شغل نہیں کررہا تھا۔

ان چاروں نے ڈان کی طرف دیکھا' اپنے سروں کو تھوڑا سا تعظیمی خم دیا اور دوبارہ اپنے کھیل میں مصروف ہوگئے۔ انہوں نے مجھے یا اسد کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

ڈان اپنی مسہری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ مسہری کے گرد آرام دہ کرسیاں اور صوفے ترتیب سے لگے ہوئے تھے۔ ڈان مسہری پر بیٹھ گیا۔ اس کے اشارے پر ہم دونوں بھی صوفے پر ایک دوسرے کے قریب ہوکر بیٹھ گئے۔

ڈان نے مسہری پر بیٹھنے کے بعد سگار کا ایک گہرا کش لیا پھر اپنے دہانے سے کثیف دھویں کے مرغولے خارج کرتا ہوا بولا ''راجن اس زمین کی سب سے گندی اور خبیث مخلوق ہے۔ کوئی اسے زیر کردے تو میں اسے اس دور کا سب سے بڑا ڈان مان لوں گا۔''

''یہ کام تم خود کرسکتے ہو۔'' میں نے خوشامدانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''بنکاک کے سارے سورما دل و جان سے تمہاری عزت کرتے ہیں تم ایک اشارہ کردو تو وہ سب مل کر اسے چیونٹی کی طرح پیس ڈالیں گے۔''

ڈان نے متاسفانہ انداز میں زور زور سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی ''یہ سب بودے اور بزدل ہیں مجھے امید تھی کہ میرے کنارہ کش ہونے کے بعد یہ اس بھارتی کتے کی ٹانگیں چیر ڈالیں گے مگر ان سے کچھ بھی نہیں ہوا! ایک ایک کر کے سب اس کی غلامی میں چلے گئے اور آج وہ پورے بنکاک پر راج کررہا ہے۔''

''تم خود اس کا سر کیوں نہیں کچل دیتے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں اپنا تھوکا ہوا نہیں چاٹتا۔ جو میدان چھوڑ دیا' دوبارہ اس میں نہیں اتروں گا۔'' ڈان نے نخوت سے جواب دے کر سگار ہونٹوں سے لگایا۔

''تم ان چاروں کو دیکھ رہے ہو؟'' اس نے لمحہ بھر کے بعد تاش کھیلنے والوں کی طرف اشارہ کر کے کہا ''دو سال پہلے شہر میں ان کا بھی طوطی بولتا تھا مگر چھوٹا راجن نے انہیں بھی میدان سے بھگا دیا۔ یہ ان کا احسان ہے کہ انہوں نے اس کی غلامی نہیں کی میرے پاس چلے آئے۔ اب ان کو پالنا بھی میری ذمے داری ہے۔''

ڈان نے جس بے فکری سے ان چاروں کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا اور وہ جس بے نیازی سے اپنے کھیل میں منہمک رہے تھے اس سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ انگریزی زبان سے بالکل نابلد تھے۔ میرے لیے یہ بات اہم تھی کہ اپنے ان آدمیوں کی طرف سے ڈان برنارڈ کے دل میں کینہ موجود تھا۔

''انہیں مفت کی روٹیاں نہ توڑنے دو۔'' میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا ''تمہارے پاس آدمی ہیں۔ میرے پاس راجن سے نفرت کے سوا کچھ نہیں ہے انہیں میرے حوالے کردو۔ میں راجن کو چند ہی دنوں میں پیوند زمین کردوں گا۔''

''تم بہت بڑی بڑی باتیں کررہے ہو!'' ڈان نے میرے چہرے پر نظریں جما کر ہلکے سے استہزائی انداز میں کہا ''چھوٹا راجن بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اس سے ٹکرانے کے لیے زور بازو چاہیے!''

''بارہ برس کے ایک دھان پان سے لڑکے میں حوصلہ ہو تو وہ میرے سینے میں چار گولیاں اتار سکتا ہے.....'' میں نے اسے قائل کرنے کے لیے کہنا چاہا لیکن اس نے سختی سے میری بات کاٹ دی۔

''مجھ سے بحث مت کرو۔ میری کہی ہوئی ہر بات کے پیچھے تجربہ ہوتا ہے اور وہ پتھر پر لکیر کی طرح اٹل ہوتی ہے۔ میں نے اپنے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ تمہارے منہ سے ابھی دودھ کی بو آرہی ہے۔ میرے تجربے کو چیلنج مت کرو۔''

''ڈان......! میں بڑی امیدیں لے کر تمہارے در پر آیا تھا۔'' میں نے التجا کی۔

''میں نے بھی تمہیں مایوس نہیں کیا۔ میں اجنبیوں کو اپنے گھر میں نہیں بلاتا۔''

''تو کیا میں خود کو تمہارا دوست سمجھ لوں؟'' میں نے خوش ہو کر سوال کیا۔

''ابھی دوست ہو نہ اجنبی۔ میں نے تم سے تمہارا نام تک نہیں پوچھا۔ پچھلے دو برسوں میں تم پہلے جوان ہو جو اپنی آنکھوں میں راجن کی بربادی کے خواب لیے میرے پاس آئے ہو۔ تم نے چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ چھوٹا راجن کا خون پی لینے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ آج تک کسی نے میرے سامنے ایسا حوصلہ نہیں دکھایا۔''

اس کی زبان سے حوصلے کا ذکر سنتے ہی میں نے سوچا کہ

اسے زور بازو کے مقابلے میں حوصلے کی اہمیت سے آگاہ کرنے کی کوشش کروں مگر میں نے چپ سادھ لی۔ دوبارہ اس کی انا کو ٹھیس پہنچانے کی صورت میں، میں بھاری خسارے سے دو چار ہو سکتا تھا۔

''بنکاک کے سارے سورما نامرد ہو گئے ہیں۔'' ڈان کہہ رہا تھا ''وہ میرے سامنے آتے ہیں تو بوڑھی بیواؤں کی طرح چھوٹا راجن کو آگ اور پانی کی دردناک موت کی بددعائیں دیتے ہیں لیکن اس سے لڑنے کی ہمت کسی میں نہیں ہے۔''

''ڈان! تم میرے سر پر ہاتھ رکھ دو۔ میں آخری سانس تک اس سے لڑوں گا۔'' موقع پاتے ہی میں نے اس کی انا کو ابھارنے کی کوشش کی۔

''لڑائی ہتھیاروں سے نہیں ہوتی۔ آئندہ میرے سامنے یہ بات نہ دہرانا۔'' اس نے مجھے نصیحت کی ''ہتھیاروں کے بل پر چور اُچکے دلیری دکھاتے ہیں۔ کسی کو نوچا' لوٹا اور گولی مار کر بھاگ گئے۔ نر ہمیشہ اپنے زور بازو سے لڑتا ہے۔ ہتھیار ناکارہ ہو جائیں تو اپنے ہاتھوں سے دشمن کی گردن اس کے شانوں سے اکھاڑ لیتا ہے۔''

''میں تمہاری ہر ہدایت پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' میں نے سر جھکا کے ادب سے کہا ''تم دیکھو گے کہ میں اس کا کیا حشر کرتا ہوں۔''

''یہ چاروں نکمے ہیں۔'' قدرے توقف کے بعد اس نے جواریوں کے بارے میں زبان کھولی ''تم راجن سے لڑنے کے لیے انہیں مانگ رہے تھے۔ یہ تمہارے لیے عذاب بن جائیں گے کیونکہ یہ اپنی بولی کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں سمجھتے۔ تم ان سے بیٹھنے کے لیے کہو گے' یہ لیٹ جائیں گے۔''

''تمہاری باتیں بہت امید افزا ہیں۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آج میں یہاں سے مایوس نہیں جاؤں گا۔''

''تمہاری یہ توقعات قبل از وقت ہیں۔ تمہیں ثابت کرنا ہوگا کہ تم میں چھوٹا راجن سے لڑنے کا دم خم ہے۔''

''میں ہر امتحان کے لیے تیار ہوں۔'' میں نے بلا جھجک اپنی آمادگی ظاہر کر دی۔

''اس کی ایک صورت یہ ہے کہ تم بنکاک کے کسی ویرانے میں دس منٹ تک میرا مقابلہ کرو۔ تم اپنے قدموں پر کھڑے رہے تو میں تمہیں مان لوں گا۔''

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر فیصلہ کر لیا کہ وہ ڈان کو شیشے میں اتارنے کا بہترین موقع تھا۔ میں نے مایوسی سے جواب دیا ''یہ ناممکن ہے۔ میں پہلے منٹ میں ہی خاک چاٹتا نظر آؤں گا۔''

''کیوں؟'' اس نے پہلی بار حیرت سے پوچھا ''تم خود کو اتنا گیا گزرا سمجھتے ہو اور صرف ہتھیاروں کے بل پر چھوٹا راجن کو مارنے کے لیے نکلے ہو!''

''میں ہتھیاروں پر لعنت بھیجتا ہوں۔'' میں نے ہلکی سی تلخی سے کہا ''تم میری بات کو نہیں سمجھ سکے۔ دراصل میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جس شخص کو لوگ جھک جھک کر سلام کرتے ہوں' اس پر میرا ہاتھ کبھی نہیں اٹھ سکے گا۔ اپنے کسی آدمی کو نامزد کر دو۔ میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔''

ڈان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ نکتہ اس کے ذہن میں دور دور تک نہیں تھا۔ اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ آواز نکلی ''تم واقعی اصیل اور خاندانی آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تم جیسا کڑیل جوان لڑنے پر تل جائے تو مجھ جیسے ادھیڑ عمر ڈان کو ذرا سی دیر میں تھکا سکتا ہے۔''

''یہی تمہارا امتحان ہے تو مجھے مقابلہ کیے بغیر اپنی شکست منظور ہے!'' لوہا گرم دیکھ کر میں نے ایک اور ضرب لگا دی۔

''میں اپنی کہی ہوئی بات واپس نہیں لیتا۔ یہ میں نے امتحان کی ایک صورت بتائی تھی۔ اپنی شرافت کی وجہ سے یہ تمہیں قبول نہیں تو پھر مجھ سے ہاتھ لڑا لو۔ تم کو میری کلائی گرانی ہوگی۔''

مجھے محسوس ہوا کہ ڈان برنارڈ کی کوئی رگ بھڑک ہوئی تھی۔ اس نے اپنی کہی ہوئی بات واپس نہ لینے کا ذکر کر کے مجھے فکرمند کر دیا۔ میں کلائی گرانے والی تجویز نہ مانتا تو وہ کوئی مشکل تر متبادل پیش کر سکتا تھا۔

اس کا جسم بہت مضبوط اور گٹھا ہوا تھا۔ دیکھنے میں وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ توانا نظر آ رہا تھا مگر پھر بھی مجھے امید تھی کہ میں اس پر حاوی ہو جاؤں گا۔ میں نے اس کی تجویز قبول کر لی۔

ڈان نے مسہری پر رکھی ہوئی بلور کی بڑی ایش ٹرے میں سگار کا سلگتا ہوا سرا مسل کر بجھا دیا۔ وہ اس کی طرف سے مقابلے کی تیاری کی ابتدا تھی۔

''اب مجھے تمہارا نام معلوم ہو جانا چاہیے۔'' اس نے مسہری سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''علی احمد اور یہ اسد خان ہے۔'' میں نے اسے دونوں کے نام بتا دیے۔

''جب سے آئے ہو' تم ہی بولے جا رہے ہو۔ اس بے چارے کو وہسکی کے ایک ڈبل پیگ کے بعد چپ لگ گئی ہے۔'' ڈان نے سنجیدگی سے کہا۔

بار کاؤنٹر پر وہ بظاہر ٹیلی وژن دیکھنے میں منہمک تھا لیکن اپنے گرد و پیش میں ہونے والے واقعات سے پوری طرح باخبر تھا۔

میں نے وضاحت کی کہ اسد اپنے روزگار کے سلسلے میں کچھ عرصے سے بنکاک میں مقیم تھا۔ وہ مجھے سیلرز بار تک پہنچانے کے لیے آیا تھا۔ چھوٹا راجن والے معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ میرا ذاتی معاملہ تھا۔ اسد مجھ سے دوستی کی وجہ سے میرے ساتھ تھا۔ پورے جھمیلے سے واقف نہ ہونے کی بنا پر وہ گفتگو میں دخل نہیں دے رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ ڈان اس کے بعد مجھے مزید کریدنے کی کوشش کرے مگر اس نے میری قومیت اور راجن سے میری دشمنی کے سبب کے بارے میں ایک لفظ نہیں پوچھا۔

مسہری سے اٹھنے کے بعد اس نے اونچی آواز میں اپنے چاروں آدمیوں سے کچھ کہا۔ انہوں نے فوری طور پر رقم اور پتے سمیٹ کر میز خالی کر دی۔

آثار بتا رہے تھے کہ دست آزمائی کا مقابلہ اسی میز پر ہوگا جو زیادہ چوڑی اور اونچی تھی۔ وہ چاروں اپنی رقوم جیبوں میں ڈال چکے تھے اور مقابلہ شروع ہونے کے منتظر تھے۔

میرے لیے وہ ہر لحاظ سے ایک عجیب تماشا تھا۔ مجبوری یہ تھی کہ وہ ڈان کا فیصلہ تھا۔ اس کے نتیجے پر میرے آئندہ منصوبوں کا دارومدار تھا۔

میں نے اٹھ کر اس وسیع و عریض ہال پر نظر دوڑائی تو مجھے ڈان کی مسہری سے دور ایک دیوار کے سہارے فرش پر چار گدے پڑے ہوئے نظر آئے جو ان چاروں کے لیے ہو سکتے تھے۔ ڈان کے دل میں ان کے لیے عزت نہیں تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس نے اپنی ضرورت اور مصلحت کے لیے ان کو قبول کیا ہوا تھا۔ کسی بھی بڑے بدمعاش کے لیے یہ بات بہت سبکی کا سبب بنتی ہے کہ اپنی زندگی کے کسی مرحلے پر وہ بالکل تنہا رہ جائے۔ ان مفت خوروں کی موجودگی نے ڈان کو اس سبکی سے بچایا ہوا تھا۔

ڈان ایک چوبی سینٹر ٹیبل کے ساتھ فرشی قالین پر بیٹھ گیا۔ مکروہ چہروں والے بدمعاش اپنی زبان میں ہنستے بولتے اس کے قریب پہنچ گئے۔

میں نے ڈان کے سامنے والی جگہ سنبھال لی۔ میرا حمایتی صرف اسد تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس کے بارے میں ڈان سے میری گفتگو ہونے کے بعد اس کے بشرے پر کبیدگی کے آثار ابھر آئے تھے۔ شاید اسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی کہ میں نے اسے الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کی تھی۔

ڈان نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اس رسمی انداز میں میری طاقت کا اندازہ لگانے کی کوشش شروع کرے گا مگر اس نے نرمی سے ہاتھ ملا کر چھوڑ دیا۔

لمحہ بھر بعد ہم دونوں سینٹر ٹیبل پر اپنی داہنی کہنیاں ٹکا کر ایک دوسرے کے ہاتھوں کو اپنی مخصوص گرفت میں لے چکے تھے۔

مجھے ڈان پر اپنی طاقت کا اظہار کرنا تھا۔ میں نے گرفت درست ہوتے ہی زور لگایا۔ ڈان اپنا بایاں ہاتھ پشت پر رکھے سکون سے بیٹھا رہا۔ میرے ابتدائی جھٹکے میں ڈان کی کلائی میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ اس کے بعد وہ ایک جگہ تھم گئی۔

میں نے بتدریج زیادہ زور لگانا شروع کیا اور ڈان کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ اسے اپنی کلائی کو روکنے کے لیے بہت محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ اس کے حمایتی اچھل اچھل کر اس کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ ڈان عمر میں مجھ سے کافی بڑا تھا مگر اس کے جسم میں توانائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ جاں گسل زور آزمائی کئی منٹ تک جاری رہی۔ دو تین بار مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ڈان کا دم ٹوٹ رہا ہو۔ میں نے اپنی پوری قوت صرف کر دی لیکن اس کی کلائی گرانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

زور لگانے کی وجہ سے ہم دونوں کے داہنے ہاتھوں کی انگلیاں سفید پڑ چکی تھیں۔ مجھے اپنا بازو سن ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اس وقت تک ڈان اپنی کلائی کو گرنے سے روک رہا تھا۔ یکایک اس نے جوابی کارروائی شروع کر دی اور میری کلائی گرانے کی کوششیں شروع کر دیں۔

لمحہ بھر بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ صرف میرا احساس تھا۔ اصل صورتِ حال جوں کی توں تھی۔ اولین لمحے سے ہی ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ گرانے کے لیے اپنی اپنی پوری طاقت صرف کر رہے تھے اور نتیجہ صفر تھا۔

اس وحشیانہ زور آزمائی کے نتیجے میں میرے بدن کے سارے مساموں کے دہانے کھل گئے تھے۔ ہر طرف پسینے کی لکیریں بہہ نکلی تھیں۔ یہی حال ڈان کا تھا۔ بڑھتے ہوئے دورانِ خون سے اس کا گندمی چہرہ سیاہی مائل ہو چلا تھا اور پسینوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

ڈان کے چاروں ساتھیوں کا جوش و خروش دھیما پڑ چکا تھا۔

ہم دونوں کے دہانوں سے غیر ارادی طور پر خارج ہونے والی آوازیں واضح ہو گئیں۔

ایک لمبا سانس کھینچ کر میں نے سینے میں روکا اور سر جھکا کر آخری زور لگانا شروع کر دیا۔ ڈان کے ہاتھ میں ہلکی سی لرزش نمودار ہونے لگی۔

یکایک کوئی بھاری وجود میرے بائیں جوتے کے تلے پر سوار ہو گیا۔ وہ بہت بے رحمی سے میرے پیر کو دبا رہا تھا۔ میں اس وقت بول سکتا تھا نہ سر گھما سکتا تھا۔ میری ذرا سی توجہ کسی اور طرف مبذول ہوتی اور ڈان میری کلائی گرا دیتا۔

بائیں پیر کی تکلیف ناقابلِ برداشت ہونے لگی۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میرا ٹخنا اتر جائے گا۔ میں نے یکا یک ڈان کا ہاتھ چھوڑا اور قالین پر ذرا گھوم کر بائیں گھٹنے سے ایک اٹھتی ہوئی ضرب لگائی۔ ڈان کا ایک ساتھی کریہہ چیخ کے ساتھ پیچھے الٹ گیا۔

اپنے بائیں پیر کو آزادی ملنے کے بعد میں نے دیکھا کہ ڈان کے پیچھے تین آدمی رہ گئے تھے۔ چوتھا میری بےخبری میں میرے پیچھے آکر میرا پیر کچل رہا تھا تاکہ میں ڈان کے مقابلے پر جما نہ رہ سکوں۔

''ڈان! یہ زیادتی ہے۔'' میں نے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو تیزی سے حرکت دے کر گرم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے احتجاج کیا ''تمہارا آدمی میرا پیر کچل رہا تھا۔''

میری شکایت سن کر ڈان آگ بگولا ہوگیا۔ پلٹ کر اپنی زبان میں گرجنے برسنے لگا۔

بقیہ تینوں نے شاید میری شکایت کی تائید کی۔ ڈان نے وہیں سے ایک لمبی زقند لگائی اور فضا میں اڑتا ہوا اپنے اس آدمی پر جا گرا جو میرے ہاتھوں پہلے ہی مجروح ہوچکا تھا۔

ڈان نے اسے گریبان سے پکڑ کر بہت بےرحمی سے فرش سے اٹھایا۔ وہ مدافعانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر جلدی جلدی کچھ کہہ رہا تھا۔ یقینی طور پر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کررہا ہوگا۔ ڈان نے اس کی ایک نہ سنی۔ یکے بعد دیگرے دو زناٹے دار تھپڑ اس کے رخسار پر رسید کیے اور پھر اسے زور سے دھکا دے کر پیچھے گرادیا۔

اسے سزا دے کر ڈان اپنی زبان میں بڑبڑاتا ہوا واپس لوٹا۔ میرے قریب آکر اس نے دوستانہ انداز میں میرے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''اس بےایمانی میں میری مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا'' اس نے سیدھے اور سپاٹ انداز میں انگریزی میں کہا ''یہ وہ لوگ ہیں جو شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس نے اپنی دانست میں مجھے مقابلہ جتوانے کے لیے وہ حرکت کی تھی۔ تم میرا بازو نہیں گرا سکے۔ اسی کے ساتھ تم نے اپنا بہترین دفاع کیا ہے۔ چند منٹ کی اس آزمائش کے بعد میں تمہارے دم خم کا قائل ہوگیا ہوں۔ تم چھوٹا راجن کو جہنم واصل کرنے کی طاقت اور صلاحیت رکھتے ہو۔''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ڈان کی آواز بہت دور، کسی گہرے کنویں سے آرہی ہو۔ میرے لیے یہ بات ناقابلِ یقین تھی کہ مقابلہ نہ جیتنے کے باوجود میں ڈان کا دل جیتنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ میرے لیے وہ ایک عظیم کامیابی تھی۔

سیلرز بار میں پہنچنے کے بعد سے جو کچھ ہوتا رہا تھا وہ نہایت عجیب اور سنسنی خیز تھا۔ ڈان نے ایک بالادست کی طرح اپنی مرضی سے سب کچھ طے کیا تھا۔ ایک مرحلے پر مجھے وہ سب نہایت مضحکہ خیز نظر آرہا تھا۔ چھوٹا راجن اور سوبھراج جیسے خطرناک مجرموں کے خاتمے کے لیے تعاون کا فیصلہ دست بدست لڑائی یا بازو گرانے کے مقابلے کے ذریعے کرنا ایک مذاق معلوم ہورہا تھا۔ مجھے شک ہورہا تھا کہ ڈان میرے ساتھ کھیل رہا تھا۔ جب تک میں نے مقابلے کو بھول کر ڈان کے آدمی کو گھٹنے کی ضرب نہیں لگائی میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ ڈان کا سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔ اس کی جیت کے لیے اس کے آدمی نے اس کی پیشگی رضامندی سے میرا پیر کچل کر مجھے ہروانے کی کوشش کی تھی۔ میرا ہاتھ گرانے کے بعد ڈان مجھے ذلیل کرکے اپنے گھر سے نکال دیتا۔

ڈان نے اپنی برہمی سے میرے ان تمام اندیشوں کو باطل ثابت کردیا تھا۔ میں نے اس سے زور آزمائی کرکے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کی ڈھلتی ہوئی عمر میں بھی اس کی ہڈیوں میں بہت جان تھی۔ وہ خود جان دار تھا اور حوصلہ مند شہ زوروں کی قدر کرتا تھا۔

ڈان نے پلٹ کر اپنے آدمیوں سے کچھ کہا اور وہ چاروں خاموشی سے اس طرف چلے گئے جہاں دیوار کے ساتھ ان کے لیے بستر لگے ہوئے تھے۔

ڈان مجھے اپنے ساتھ لے کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کی ذہنیت کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات اہم تھی کہ اس بار اس نے اپنے بیٹھنے کے لیے الگ جگہ کا انتخاب کرکے خود کو ممتاز کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میری طاقت کا اعتراف کرلینے کے بعد وہ عملی طور پر برابری کی سطح پر آگیا تھا۔

''اب بتاؤ کہ تم چھوٹا راجن سے کیا چاہتے ہو۔'' وہ دھیمی آواز میں بولا۔

''دراصل اس سے میری پرانی دشمنی ہے۔ میں......!'' میں نے از خود اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کردیا۔

''علی! مجھے ان کہانیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ تم کسی وجہ سے اس کے خون کے پیاسے ہورہے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ دو برس کے بعد آخر کار ایک ایسا بےجگر نوجوان میرے پاس آیا ہے جو میرے حریف کو بددعائیں دینے کے بجائے اسے واقعی صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ میں تمہارے لیے کیا کرسکتا ہوں۔''

میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ مجھے کسی دروغ گوئی کی

ضرورت نہیں تھی۔ ڈان سے سوبھراج کا کوئی ذکر کرنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ اس کی دشمنی صرف راجن سے تھی۔ اس بغض سے فائدہ اٹھانے کے لیے میں نے اپنی ساری گفتگو راجن کی ذات پر مرکوز رکھی تھی۔

"سب سے پہلے میں اسے ہراساں کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد جواب دیا "اسے پتا چل جانا چاہیے کہ اب اسے للکارنے والا میدان میں آ گیا ہے۔"

پہلی بار ڈان کے موٹے موٹے اور سیاہی مائل ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی "مجھے یہ بات پسند آئی۔ بے خبری میں کوئی بھی کسی کو مار سکتا ہے۔ دشمن کو للکار کر خاک چٹوانے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ اس کام کے لیے تمہیں آدمی درکار ہوں گے۔"

"اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔ مجھے مسلح آدمیوں کے ساتھ کچھ بارودی شعبدوں کی بھی ضرورت ہوگی۔ میں ان کی قیمت ادا کروں گا۔"

"یہ بات بھی صاف ہوجانی چاہیے۔ ڈان کنارہ کش ہوا ہے، ابھی کنگال نہیں ہوا۔ چھوٹا راجن دو برسوں سے میرے سینے کا ناسور بنا ہوا ہے۔ اس کے خاتمے کے لیے سارے وسائل میں اپنے خرچ پر فراہم کروں گا۔ کمان تمہاری ہوگی۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "میرے لیے بس ایک مشکل ہوگی۔ تم غیر ملکی ہو۔ ہماری زبان سے ناواقف ہو۔ مجھے ایسے آدمی تلاش کرنا ہوں گے جو انگریزی بھی سمجھ لیتے ہوں اور تمہارے ساتھ آسانی سے کام کرسکیں۔"

مجھے اچانک اسد کا خیال آ گیا۔ وہ سارے معاملات سے الگ تھلگ کردیے جانے پر ناراض ناراض سا تھا۔ میں نے ڈان سے کہا "تم زبان کی فکر نہ کرو۔ اسد انگریزی کے ساتھ تھائی بھی بول لیتا ہے اور میرے بھروسے کا آدمی ہے۔ اس کے ذریعے میں اپنا کام چلالوں گا۔"

وہ تجویز سن کر اسد کے چہرے پر رونق آ گئی۔

"راجن اور اس کے آدمیوں کو خون میں نہلا دو!" ڈان کہہ رہا تھا "میری خواہش ہے کہ کسی بے گناہ کے خون کی ایک بوند بھی نہ بہے۔ یہ میری پوری زندگی کا ریکارڈ ہے۔ اسے داغ دار نہیں ہونا چاہیے۔ ہاتھیوں کی لڑائی میں مینڈکوں کا پسنا مجھے پسند نہیں ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ میری بھی یہی کوشش ہوگی۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"یہاں کی پولیس سے بچ کر رہنا۔" اس نے مجھے نصیحت کی "یہ سختی سے قانون کے دائرے میں رہ کر کام کرتے ہیں۔ ہمارے آپس کے جھگڑوں میں بلاوجہ اپنی ٹانگ نہیں اڑاتے۔ جس پر ہاتھ ڈال دیں اس کی آسانی سے گلوخلاصی نہیں ہوتی۔"

میں اس وقت ڈان کی ہر بات سننے پر مجبور تھا۔ میں نے خلوص سے کہا "میں تم سے ہدایات لیتا رہوں گا۔ یہ بتاؤ کہ میں کب سے کام شروع کرسکتا ہوں۔"

"کل آ جاؤ۔ میرے گھر کے دروازے تمہارے لیے کھلے رہیں گے۔" اس نے نپے تلے لہجے میں جواب دیا "میں گیارہ بجے تک ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوجاتا ہوں اور شام تک گھر میں رہتا ہوں۔ چھ بجے بار کھل جاتا ہے۔ اس وقت سے رات گئے تک میں نیچے رہتا ہوں۔ مجھ سے وہاں ملنے کی کوشش نہ کرنا۔ کوئی ضرورت ہوتو فون پر بات کرسکتے ہو۔"

اس نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ ایک طرف تھائی زبان میں کچھ چھپا ہوا تھا۔ دوسری طرف انگریزی میں سیلرز بار کا نام، پتا اور فون نمبرز موجود تھے۔ کارڈ پر ڈان کا نام کہیں نہیں تھا۔

"موبائل فون پر میں ہر وقت دستیاب ہوتا ہوں۔" کارڈ دینے کے بعد ڈان نے اپنی بات میں اضافہ کیا "اس پر میرا نام نہیں ہے لیکن سب کچھ میرا ہے۔"

میں نے کارڈ پڑھ کر جیب میں رکھ لیا۔

"بار میں رش اور بزنس کا وقت شروع ہوگیا ہے۔" ڈان یہ کہتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا "میرا وہاں موجود رہنا ضروری ہے۔"

ہم دونوں بھی اٹھ گئے۔ ڈان کی رہنمائی میں ہم زینے سے نیچے نیم تاریک راہداری میں پہنچے تو بار سے آنے والی ملی جلی آوازوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہاں بنکاک کے زندہ دلوں کا خاصا ہجوم جمع ہوچکا تھا۔ ان انسانی آوازوں کے درمیان بار کے ساؤنڈ سسٹم پر ایک مشہور امریکی نغمے کی گونج بہت نمایاں تھی۔

ڈان نے بار کا رخ کرنے کے بجائے عقبی دروازہ کھول دیا۔ ہم دونوں کے باہر نکلتے ہی وہ وزنی چوبی دروازہ پھرتی سے بند کرلیا گیا۔

ہم سیلرز بار کی عمارت سے شکستہ اور ناہموار، پتلی سی سڑک پر نکل آئے تھے جو زیادہ روشن نہیں تھی اور دور تک ویران پڑی ہوئی تھی۔

اسد تیزی کے ساتھ ایک طرف ہولیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ہم ایک لمبا چکر کاٹے بغیر مین روڈ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

"آج تم نے مجھے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر میرا دماغ ماؤف کردیا تھا۔" سیلرز بار سے کچھ دور نکل آنے کے بعد اسد نے کہا "تم نے بعد میں بات نہ سنبھالی ہوتی تو آج میرے اور تمہارے درمیان شدید جھڑپ ہوجاتی۔"

"ڈان اور راجن ہمارے لیے درمیان کے آدمی ہیں۔ ان

کے ذریعے ہمیں سوبھراج تک پہنچنا ہے۔ میں اپنے سارے کارڈ ڈان پر ظاہر نہیں کرسکتا۔" میں نے فوری طور پر سوچتے ہوئے بات بنائی۔ "بہتر یہی تھا کہ تمہارا کردار پس منظر میں رہے۔ اب ڈان کے لیے تمہارا کردار صرف ایک مترجم کا ہے۔ وہ تمہیں دوسرے چکروں سے لاتعلق سمجھتا رہے گا۔"

ڈان تمہارے ساتھ مخلص نظر آرہا ہے اور تم اسے بے رحمی سے غیر متعلق بلکہ بیچ کا آدمی قرار دے رہے ہو۔ ڈان کو تمہارے یہ رائے جان کر صدمہ ہوگا۔"

"تو کیا تم اس سے میری مخبری کرو گے؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"میں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔" وہ اپنے کانوں کو چھو کر بولا "آج میں ڈان سے پہلی بار ملا ہوں۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ بہت ٹیڑھا آدمی ہے مگر تم اس سے زیادہ خطرناک ہو۔ تم نے اس کے تکبر سے کھیل کر بہت خوب صورتی سے اسے رام کیا ہے۔"

"بس یہی ہنر ہے جو تم لوگوں سے کام دلاتا رہتا ہے۔ ورنہ تمہارے محکمے میں محنت اور لگن سے کام کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔"

"کیا پاکستان میں تم نے کبھی ڈینی کے ساتھ کام کیا ہے؟" اسد نے غیر متوقع طور پر وہ سوال کر کے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ پچھلے روز بھی اس نے یہی سوال کیا تھا اور میں نے اسے ٹال دیا تھا۔

"میری طرح وہ بھی فری لانسر ہے۔" میں نے اس کے سوال پر کسی تشویش کا اظہار کیے بغیر کہا "دونوں کی لائن ایک ہے۔ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں اس لیے آج تک اس سے میرا سامنا نہیں ہوا۔ مل جائے تو میری لاٹری نکل آئے گی۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو...... تم اسے پکڑوا دو گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"دوملین یعنی بیس لاکھ ڈالر کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے۔ آدمی عیش سے بقیہ زندگی گزار سکتا ہے۔" میں نے اس کی حیرت سے محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"تم بہت عجیب آدمی ہو۔" اسد کی آواز تحیر زدہ تھی "کل تم ڈینی کے گن گا رہے تھے۔ پورے زور و شور سے اس کی وکالت کر رہے تھے اور آج اس سے بدظن نظر آرہے ہو۔"

"میں کسی سے بدظن نہیں رہا ہوں۔ مجھے اس کی کارکردگی کا بھی پورا اعتراف ہے لیکن یار، یہ تو دیکھو کہ کسی کو بیٹھے بٹھائے اتنی بڑی رقم مل رہی ہو تو کون دل پر پتھر رکھے......"

اسد نے میری بات کاٹ دی "دولت سب کچھ نہیں ہوتی۔ تمہارے نزدیک عزتِ نفس، قومی وقار اور اپنی زمین سے محبت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ میرے سامنے اس قسم کی باتیں نہ کرو۔ میں نے اپنی زندگی کسی اور ڈھب سے گزاری ہے۔ میں اندر سے بہت مطمئن اور آسودہ ہوں۔ مجھے دولت کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔"

"ویری گڈ!" میں نے اس کی پیٹھ تھپک کر کہا "میں تمہاری زبان سے یہی سب سننا چاہ رہا تھا۔ امریکیوں کو یہی خلش ہے کہ ان کی طرف سے اتنے بڑے بڑے انعامات کی پیشکش کے باوجود آج تک ڈینی اور ویرا کے خلاف پاکستان سے کوئی آگے نہیں آیا۔ ہمارے لوگ غریب ضرور ہیں، وطن فروش نہیں ہیں۔ دنیا چاہے کتنا ہی زہر اگلتی رہے، وہ جانتے ہیں کہ کون ان کا ہیرو ہے اور کون دشمن!"

"یار، تم عجیب آدمی ہو۔" اسد بدمزگی سے بولا "کچھ پتا نہیں چلتا کہ کب کس موڈ میں بات کر رہے ہو۔ ایسا تو نہیں ہے کہ تم میری ٹوہ لینے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اسے یقین دلایا "رفتہ رفتہ سب کچھ تمہاری سمجھ میں آتا چلا جائے گا۔ میرے بارے میں تمہارے ذہن میں کوئی غلط خیال سر ابھارے تو فوری طور پر جلال سے بات کر لینا۔ روئے زمین پر شاید میں ڈینی کا سب سے بڑا پرستار ہوں۔ اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سوچ سکتا۔"

ہم مین روڈ پر نکل آئے تھے۔ اسد نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

اس وقت تک ہم نے راجن کے خلاف کوئی منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ خوش قسمتی سے ڈان برنارڈ پہلی ہی ملاقات میں میرے دام میں آگیا تھا۔ اس نے ہمیں اگلے دن کا وقت دے دیا تھا۔ اس سے دوسری ملاقات سے پہلے ہمارا کچھ نہ کچھ ہوم ورک ہونا ضروری تھا۔ اسد بھی اس معاملے میں میرا ہم نوا تھا۔ اس نے مجھے اپنے گھر لے جانے کی پیشکش کی جسے میں نے نرمی سے ٹال دیا اور اسے آمادہ کیا کہ وہ کچھ دیر کے لیے ہوٹل میں میرے پاس رک جائے تاکہ میں غزالہ کی موجودگی میں کوئی لائحہ عمل طے کرسکوں۔

میرا خیال تھا کہ اسد ان معاملات میں غزالہ کی شمولیت پر اعتراض کرے گا لیکن اس نے خاموشی سے میری تجویز مان لی۔ میں خود اپنی بیوی کو آگے لانا چاہ رہا تھا تو اسے کیا عذر ہوسکتا تھا۔

مضافات کے راستے عبور کر کے ہماری ٹیکسی بنکاک کی شہری حدود میں داخل ہوئی تو ہر طرف رنگ و بو کا ایک سیلاب آیا

ہوا تھا۔ شبینہ تفریحات کے مراکز پر لوگوں کی زیادہ بھیڑ تھی۔ چند معروف سڑکوں پر تجارتی ساز و سامان سے لدی پھندی فٹ پاتھوں کے قرب و جوار میں پیدل چلنے والوں کی اتنی کثرت تھی کہ شہر کے سارے سیاح سڑکوں پر نکلے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

ٹریفک سے بچنے کے لیے ہمارے ٹیکسی ڈرائیور نے چند اندرونی راستے اور گلیاں استعمال کیں اور ہم کچھ دیر بعد ہوٹل پہنچ گئے۔

اسد کو کچھ دیر کے لیے ہوٹل کی لابی میں روکنا نا مناسب ہوتا۔ میں اسے ساتھ لے کر اچانک اپنے کمرے میں پہنچ جاتا تو غزالہ کے لیے پریشانی پیدا ہو سکتی تھی۔ میں نے لابی کے ایک گوشے سے انٹر کام پر اسے بتا دیا کہ میں چند منٹ میں اسد کے ساتھ اوپر آ رہا تھا۔

اسد ہوشیار آدمی تھا۔ میری الجھن کو سمجھ رہا تھا۔ میں سگریٹ خریدنے کے لیے ہوٹل کی ایک اندرونی دکان میں داخل ہوا تو اس نے دیکھ بھال کے بہانے چند منٹ وہیں گزار دیے۔ غزالہ کے لیے وہ مہلت کافی تھی۔ ذرا سی دیر میں ہم اپنے کمرے میں موجود تھے۔

مغربی معاشرت کے اعتبار سے ہمارے کمرے میں اسد کی موجودگی معیوب تھی کیونکہ وہ اکلوتا کمرا ہماری خواب گاہ بھی تھا مگر وہاں بیٹھنا ہماری مجبوری تھی۔ راجن کے بارے میں کسی کھلے مقام پر بات نہیں کی جا سکتی تھی۔ اجنبی سرزمین پر اپنی مادری زبان میں بات کرنے کا فائدہ حاصل ہونے کے باوجود راجن کے نام پر کسی کے کان کھڑے ہو سکتے تھے۔

ہمیں سیلر زبار میں اپنے لبوں کو تر کیے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ ڈان نے ہمارے ساتھ اپنی گرم جوشی کے تمام تر مظاہرے کے باوجود مہمان داری کے نام پر پانی کے ایک گلاس تک کی پیشکش نہیں کی تھی۔ میرے ایما پر غزالہ نے انٹر کام پر روم سروس کو چائے اور کلب سینڈوچز کا آرڈر دے دیا۔

غزالہ کے لیے اسد کی موجودگی میں بے تکلفی کا اظہار ممکن نہیں تھا۔ کوئی بات شروع کرنے سے پہلے میں نے اسے یہ خوش خبری سنا دی کہ ہم ڈان برنارڈ کا اعتماد جیتنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

''اب اگلے قدم کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' میں نے اسد سے پوچھا۔

''تم ڈان سے کہہ کر آئے ہو کہ فوری طور پر راجن کو ہراساں کرنا چاہو گے۔ مجھے اندازہ نہیں ہے کہ یہ ارادہ ظاہر کرتے ہوئے تمہارے دماغ میں کیا تھا۔'' وہ بولا۔

''میں نے وہ بات روانی میں کہہ دی تھی۔ مسئلہ یہ ہے کہ راجن اس وقت تھائی لینڈ میں نہیں ہے۔ وہ آ جائے تو اس تک رسائی دشوار ہوگی......''

''وہ ہو یا نہ ہو، یہاں اس کے مفادات ہیں۔'' غزالہ نے میری بات درمیان سے اچک کر کہا ''آپ نے بتایا تھا کہ یہاں اس کے کئی کیسینو اور نائٹ کلب چلتے ہیں۔''

اسد ہمہ تن غزالہ کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر بولا ''یہ بات میں نے ہی علی کو بتائی تھی۔''

''انہیں نقصان پہنچا کر راجن کو پیغام دیا جا سکتا ہے۔'' غزالہ نے برجستہ کہا۔

''تمہارا مشورہ بہت مناسب ہے۔ یہ کام نسبتاً آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔'' اسد نے اعتراف کیا ''تمہارے بارے میں میرا یہ اندازہ غلط ثابت ہو رہا ہے کہ عورت ہونے کی وجہ سے تم ایسے معاملات میں کوئی بہتر مشورہ نہیں دے سکو گی۔''

''ان ٹھکانوں کی فہرست تم کو مہیا کرنا ہوگی۔'' میں نے اس کے تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''میں یہاں سے جاتے ہی فہرست تیار کر لوں گا۔ کم از کم تین کیسینو اور دو نائٹ کلب میری نظروں میں ہیں جو بلاشرکت غیرے راجن کی ملکیت ہیں۔''

''یہ کام کی ابتدا ہوگی۔ آگے کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''ایک مرتبہ آغاز ہو جائے پھر راہیں نکلتی چلی آئیں گی۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیا سوبھراج کے یہاں آنے سے پہلے ایسی کارروائیاں راجن کو ہوشیار نہیں کر دیں گی؟'' غزالہ نے ایک معقول نکتہ اٹھایا۔

''وہ ضرور چوکنا ہو جائے گا۔ ڈان کی تسلی کے لیے ہمیں ایسے اقدام اٹھانا ہوں گے۔'' میں نے وضاحت کی ''اسے راجن سے پرخاش ہے۔ وہ ہر قیمت پر اسے نیچا دکھانا چاہتا ہے۔ اس کے لیے سوبھراج ایک نیا نام ہوگا۔ وہ ہمارا مسئلہ ہے۔''

''اب بات سمجھ میں آئی۔'' غزالہ پُرخیال انداز میں اپنے ہونٹ سکیڑ کر بولی ''آپ نے راجن اور ڈان کی دشمنی سے فائدہ اٹھا کر ڈان کو رام کیا ہے۔''

''اصل بات یہی ہے۔'' اسد نے کہا ''ہمیں سوبھراج کا نام لیے بغیر اس کا کھوج لگانا ہوگا۔ بظاہر ہم راجن کے خلاف کام کر رہے ہوں گے۔''

اسی وقت روم سروس کی ایک مقامی ویٹرس چائے اور سینڈوچز کی ٹرالی لے کر آ گئی اور کچھ دیر کے لیے گفتگو کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔

اس وقت صورتِ حال واضح نہیں تھی۔ چھوٹا راجن نامعلوم وجوہ کی بنا پر بنکاک سے باہر گیا ہوا تھا۔ سوبھراج یقینی طور پر کراچی سے فرار ہو کر ایران پہنچ چکا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کب تک بنکاک کا رخ کرے گا۔ وہ آخری لمحات پر اپنا ارادہ تبدیل کر کے خاموشی سے کسی اور سمت میں نکل جاتا تو ہماری پوری مہم بدترین ناکامی سے دوچار ہو سکتی تھی۔

یہ ہماری تقدیر کی خوبی تھی کہ ہمیں ڈان کی حمایت میسر آ گئی تھی۔ اسے ہاتھ میں رکھنے کے لیے ہمارا راجن کے مفادات کے خلاف میدان میں اترنا لازم ہو گیا تھا۔ ڈان کا مان رکھنے کے لیے راجن کے ملکیتی کاروبار کو نقصان پہنچانا ضروری تھا۔ وہ کام ہم دونوں میں سے کسی کو نہیں کرنا تھا۔ اس کے لیے ڈان کے آدمیوں کو دھندے سے لگایا جا سکتا تھا۔

چائے نوشی کے درمیان ہم تینوں ان معاملات کے مختلف پہلوؤں پر باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے اسکرین پر نمودار ہونے والا نمبر دیکھا۔ وہ جلال کی کال تھی۔ میں لمحہ بھر کے لیے الجھن میں پڑ گیا۔ اسد کی موجودگی میں، میں جلال سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ کال منقطع کرنا مناسب نہیں تھا، پتا نہیں اس نے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر کس ضرورت کے تحت فون کیا تھا۔

گھنٹی کی آواز پر اسد نے کسی تجسس کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ غزالہ کو کوئی بات سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور کال وصول کر لی۔

''بنکاک میں تمہارا وقت کیسا گزر رہا ہے شہزادے!'' میرے کان میں جلال کی بے تکلفانہ آواز آئی۔ وہ اس وقت اچھے موڈ میں تھا۔

''میں خیریت سے ہوں سر!'' میں نے محتاط ہو کر جواب دیا۔

جلال کے لیے میرا وہ تخاطب اجنبی تھا۔ وہ فوراً بات کی تہ تک پہنچ گیا ''مجھے اتنی عزت دے رہے ہو۔ کون آیا ہوا ہے تمہارے پاس؟''

''اسد بیٹھا ہوا ہے۔ ہم ابھی ڈان برنارڈ سے مل کر آئے ہیں۔'' میری زبان سے اپنا نام سن کر اسد چونکا اور گفتگو روک کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔

''یہ ڈان برنارڈ کیا بلا ہے؟'' جلال نے حیرت سے پوچھا۔

''اس پر اسد زیادہ بہتر روشنی ڈال سکے گا۔'' میں نے مودب رہتے ہوئے کہا۔

''میں ابھی اس سے بھی بات کروں گا۔ میں نے تمہیں دو باتیں بتانے کے لیے فون کیا ہے۔ بھارتی سفارت خانے کے افسر نے وجے کی لاش اور دوسرے بھارتی شہریوں کو شناخت کر لیا ہے۔ وہ مدافعانہ پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ دوسری خبر یہ ہے کہ ڈینی ہونے کے شبہے میں ہمارے ایما پر ایک ایجنسی نے دو آدمی پکڑ لیے ہیں۔ ان سے باز پرس کی جا رہی ہے۔''

''دونوں خبریں اچھی ہیں۔ ڈینی کا قصہ کہیں نہ کہیں ختم ہونا چاہیے۔ اسد کو اس سے بہت زیادہ ہمدردی ہو گئی ہے۔''

اس بار اسد اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔ اسے یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ میں جلال سے بات کر رہا تھا لیکن میرے لب و لہجے سے اس نے اتنا ضرور سمجھ لیا تھا کہ میں رتبے میں اپنے سے بڑے آدمی سے گفتگو میں مصروف تھا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اس بے چارے کے ساتھ کوئی شرارت کی ہے۔ اسے پریشان مت کرو۔ وہ بہت محنتی اور محب وطن آدمی ہے۔''

''میں نے اس سے ذرا سا مذاق کیا تھا جس پر وہ پریشان ہے۔ آپ اسے بتا دیں کہ میں بھی ڈینی کا خیر خواہ ہوں۔''

''میں اس کی الجھن دور کر دوں گا اور ہاں، یہ بھی سن لو کہ وہ دونوں نیویارک پہنچ گئے ہیں۔ اول خان نے آخری لمحات میں اپنا موبائل فون ریٹا کو دے دیا تھا۔ اس نمبر پر بھی رومنگ کھل چکی ہے۔ چاہو تو اس سے بات کر سکتے ہو۔''

''اطلاع دینے کا شکریہ۔ اب میں فون اسد کو دے رہا ہوں۔''

''ایک منٹ ٹھہرو۔ ڈان برنارڈ کے ذکر سے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم نے وہاں پہنچتے ہی دوڑنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ اس وقت راجن اور سوبھراج سے زیادہ اہم تمہاری سلامتی ہے۔ کام ضرور کرو مگر یہ نہ بھولو کہ تم کو یہاں موجود خطرات کی وجہ سے باہر جانا پڑا ہے۔''

''سب یاد ہے سر! آپ میری فکر نہ کریں اور اسد سے بات کریں۔''

میں نے اپنا موبائل فون اسد کی طرف بڑھا دیا۔ فون ہاتھ میں آتے ہی اس نے اضطراری طور پر اپنی جگہ چھوڑ دی پھر اس کی زبان سے مشینی انداز میں سر، سر کی آوازیں برآمد ہونے لگیں۔ بات کرتے ہوئے بلکہ سنتے ہوئے اس نے کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا تھا۔

شاید جلال اسے کچھ سمجھا رہا تھا۔ کچھ دیر وہ سلسلہ جاری رہا پھر اس نے اپنے باس کو ڈان کے بارے میں اختصار سے بتانا شروع کر دیا۔

وہ افسری اور ماتحتی کا معاملہ تھا۔ میرا تجربہ تھا کہ جلال اپنے آدمیوں پر مہربان ہونے کے ساتھ ڈسپلن کے معاملے میں بہت

سخت تھا۔ وہ گفتگو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی۔ اسد نے فون بند کر کے میرے حوالے کیا اور تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

''اچھا ہوا کہ بات اسی وقت صاف ہوگئی۔'' چند ثانیوں بعد اس نے رومال سے اپنی پیشانی صاف کرتے ہوئے کہا ''ڈیبی پر مقرر کیے ہوئے انعام کے بارے میں تمہاری حریصانہ باتوں نے ابھی تک مجھے پریشان کیا ہوا تھا۔ تمہارے صفائی پیش کرنے کے باوجود میرا ذہن صاف نہیں ہوسکا تھا۔ اس بارے میں تمہیں مذاق نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''آئندہ خیال رکھوں گا۔'' میں نے مسکرا کر وہ بات وہیں ختم کردی۔

اسد اگلے روز گیارہ بجے آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوگیا۔

☆☆☆

گیارہ بجے اسد نے فون پر اطلاع دی کہ سوبھراج اس رات کی ایئر ایران کی پرواز سے خاموشی سے بنکاک پہنچ گیا تھا۔

اس کے بارے میں ہمارا یہ اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا تھا کہ پاکستان سے فرار کی راہ اختیار کرنے کے بعد وہ غیر ضروری طور پر ایران میں رک کر اپنا وقت برباد نہیں کرے گا۔ پہلی فرصت میں بنکاک کا رخ کرے گا جہاں اس کے لیے چھوٹا راجن جیسا میزبان موجود تھا۔

مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کی آمد کی اطلاع سے مجھے دہری خوشی ہوئی تھی۔ اس نے پناہ لینے کے لیے کسی اور ملک کا انتخاب نہیں کیا تھا اور بہت جلد بنکاک آگیا تھا۔

جو لوگ اپنے اصولوں کی پاس داری کرتے ہوئے ایمان داری سے دولت کماتے ہیں وہ کروڑپتی ہوجانے کے باوجود بے جا اصراف اور نمود نمائش کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ ناجائز ذرائع استعمال کر کے آسانی سے دولت بٹورنے والوں کا حال ان سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ وہ قدم قدم پر اپنی ثروت اور حیثیت کا مظاہرہ کرنے کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔

چھوٹا راجن کا تعلق اس دوسرے قبیلے سے تھا۔ وہ خود بنکاک میں نہیں تھا لیکن اس کے آدمیوں کو سوبھراج کی آمد کا علم تھا۔ اس کے تین مسلح محافظ ایک پرشکوہ بلٹ پروف گاڑی میں ائرپورٹ پہنچے تھے اور سوبھراج کو اپنی حفاظت میں براہِ راست راجن کے گھر لے گئے تھے۔

سوبھراج اپنے ساتھ صرف ایک سوٹ کیس لے کر بنکاک پہنچا تھا۔ اسد کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق سوبھراج جب بھی بنکاک آتا تھا شہر کے کسی اچھے ہوٹل میں قیام کرتا تھا۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اسے ائرپورٹ سے راجن کے گھر پہنچا دیا گیا تھا۔

سوبھراج کے لیے حالات نے بہت تیزی سے پلٹا کھایا تھا۔ پہلے وہ پاکستان کے ایک معزز سیاست دان کی حیثیت سے بنکاک آتا تھا' اس بار وہ پاکستانی قانون کو مطلوب ایک مفرور مجرم تھا جو اپنے ملک کی سرحد کو غیر قانونی طور پر عبور کر کے پڑوسی ملک سے بنکاک پہنچا تھا۔

ایک امکان یہ بھی تھا کہ ہوائی اڈے سے راجن کے گھر منتقل ہوکر اس نے اپنی آمد کو خفیہ رکھنے کی کوشش کی ہوتا کہ اس کی نئی کمین گاہ کا علم نہ ہوسکے۔

اسباب وامکانات کچھ بھی رہے ہوں' یہ خبر بہت بڑی تھی کہ میرا بدترین حریف آخر کار میرے قریب آچکا تھا۔

اسد ہمارے ہوٹل سے رخصت ہوکر سیدھا ہوائی اڈے کی طرف گیا تھا۔ وہاں پتا چلا کہ تہران سے آنے والی پرواز تاخیر سے بنکاک پہنچے گی۔ اس کا کافی وقت انتظار کی کوفت میں برباد ہوا تھا۔ میں نے اس سے طویل گفتگو نہیں کی۔ کام کی چند باتیں معلوم کرنے کے بعد فون بند کردیا۔

''سوبھراج آگیا ہے اور راجن یہاں سے غائب ہے کیا یہ موقع اسے گھیرنے کے لیے مناسب نہیں ہے؟'' غزالہ نے تجسس لہجے میں پوچھا۔

''تم نے سنا نہیں کہ وہ راجن کے گھر میں ٹھہرا ہے۔ وہ گھر کسی ہتھیار بند مورچے سے کم نہیں ہے۔ کسی کا وہاں گھسنا ممکن نہیں ہے۔''

''اسے خاصی ڈھیل مل چکی ہے۔ اب آپ اسے فون کر کے تو پریشان کر ہی سکتے ہیں۔''

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے مجھ سے نظریں چرا کر اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا۔

''جب ریور روڈ والے تصادم کے بعد اسے فون کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔'' میں نے کہا۔

''آپ آنکھ مچولی کی بات سوچ رہے ہیں میں اسے دھمکانے کا مشورہ دے رہی ہوں۔ اب ہر بات کھل کر سامنے آچکی ہے۔ آپ اس سے دوٹوک بات کرسکتے ہیں۔''

''وہ بھڑک سکتا ہے۔ بنکاک پہنچتے ہی اسے میرا فون موصول ہوا تو اس کے کان کھڑے ہوجائیں گے۔''

''آپ کو کیا پتا کہ وہ کہاں ہے' سیٹ لائٹ فون پر اس سے دنیا کے ہر حصے میں رابطہ ہوسکتا ہے وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ وہ اس وقت کراچی میں ہے۔''

''اسے فون کر کے ہمیں کیا حاصل ہوگا؟'' میں نے چڑ کر پوچھا۔

''ذہنی سکون اور آسودگی۔'' اس نے جواب دیا ''لڑائی کا

بنیادی اصول یہ ہے کہ اپنے دشمن کو کبھی چین سے نہ بیٹھنے دو۔ مار نہ سکو تو اسے بھگاتے رہو۔ آپ کا ایک فون اس کی راتوں کی نیند حرام کردے گا۔"

"تمہارے مزاج میں کسی کو اذیت پہنچانے کا عنصر نہیں ہے لیکن بنکاک آنے کے بعد تم رفتہ رفتہ تبدیل ہورہی ہو۔ یہ بتاؤ کہ میں اس سے کیا کہوں۔"

وہ ہنس پڑی "باتیں بنانا آپ کا فن ہے۔ مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں۔"

میں نے سائیڈ ٹیبل سے اپنا موبائل فون اٹھایا تھا کہ اس کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے اسکرین پر نظر ڈالی اور وہاں اول خان کا فون نمبر دیکھ کر غزالہ سے کہا "لو! امریکا سے تمہاری چہیتی کا فون آگیا!"

دوسری طرف واقعی ویرا تھی اور چہک رہی تھی "میں نے جان بوجھ کر اس وقت فون کیا ہے تم دونوں کسی ہوٹل کے کمرے میں اپنے بستر میں لیٹے ہوئے ہوگے۔"

"اس وقت اور کیا کیا جاسکتا ہے!" میں نے کہا۔

"قدرت کا کیا نظام ہے تم وہاں گہری رات کے مزے لے رہے ہو۔ میں ناشتا کرکے بیٹھی ہوں اور باہر چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی ہے۔"

"سورج کی تیز روشنی سے تمہاری آنکھیں چندھیا رہی ہوں گی!"

"چمگادڑوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ راتوں کو جاگنا اور دشمن کی تلاش میں مارے مارے پھرنا تمہارا شوق ہے یہ تم ہی کو مبارک ہو۔"

"کھسیانی بلی کھمبا نوچ رہی ہے۔ دشمن کے پیچھے جانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"ان خرافات کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم کیا کررہے ہو۔ سوبھراج کہاں ہے، راجن کا کیا بن رہا ہے۔" وہ اچانک اپنے مدعا پر آگئی۔

جب تک وہ میرے ساتھ تھی، میں ہر بات میں اس کا مشورہ ضرور لیتا تھا۔ اس مشاورت میں اکثر کوئی نئی راہ سوجھ جایا کرتی تھی۔ اس وقت وہ مجھ سے ہزاروں میل دور مختلف ماحول میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے ساری تفصیلات بتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں اسے کوئی ایک بات بتاتا اور وہ بال کی کھال نکالنا شروع کردیتی۔ گفتگو کا سلسلہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا جاتا۔

میرے اور اس کے موبائل فون ہماری اپنی ملکیت نہیں تھے۔ وہ دونوں اول خان بلکہ ایس ٹی ایف کی ملکیت تھے، ہمیں اس میں کارڈ ڈالنا تھا نہ کوئی بل ادا کرنا تھا۔ انٹرنیشنل رومنگ پر طویل فاصلے کی گفتگو کے جاری اخراجات اول خان کے سر جاتے تھے۔ بہتر یہ تھا کہ فون کے استعمال میں احتیاط برتی جاتی۔

میں نے بے پروائی سے کہا "ابھی ہر طرف سناٹا ہے۔ ہمارے لیے راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔ دن میں شہر گھومتے ہیں۔ رات کو پاؤں پسار کر سوتے ہیں۔"

"یہ چند دنوں کی بات ہے۔ جلال کے دیے ہوئے ٹریولرز چیک جلد حلال کرنا پڑیں گے۔"

"یہ سچ تم پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ تمہارا جوڑی دار کہاں ہے؟"

"وہ میرے لیے ناقابلِ فہم آدمی ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "جہاز میں سوار ہونے کے بعد یوں کھویا کھویا نظر آرہا تھا جیسے اپنی ماں سے بچھڑا ہوا بچہ..... پتا نہیں اس کی عقل کب بالغ ہوگی۔"

"فکر نہ کرو۔ امریکا میں کچھ دن تمہارے ساتھ رہے گا تو بلوغت کے سارے رموز سمجھ جائے گا۔"

"شاید وہ اس قابل ہی نہیں ہے۔ لندن سے پرواز کے بعد ذرا سی دیر کے لیے میری آنکھ لگ گئی اور میری گردن ڈھلک کر اس کے شانے پر ٹک گئی۔ وہ بدک گیا بے دردی سے میری گردن ہٹا کر جہاز کے پچھلے حصے میں چل دیا۔ میں آدھے گھنٹے بعد اسے منا کر سیٹ پر واپس لاسکی۔"

"شاید وہ تمہارے پاس نہیں ہے ورنہ تم یہ ہرزہ سرائی نہیں کرسکتی تھیں۔"

"اب میں نے اسے گھن چکر بنایا ہوا ہے۔" اس نے ایک جان دار قہقہہ لگا کر بتایا "میرے الٹے ٹخنے میں موچ آگئی ہے۔ وہ اس کے لیے اینٹی فلوجسٹین اور بینڈیج خریدنے کے لیے نکلا ہوا ہے۔ پتا نہیں کتنی دیر میں واپس آئے گا۔"

"تمہارے ٹخنے میں موچ کیسے آگئی؟" میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میرے پیر میں موچ نہیں آسکتی۔ وہ تین گھنٹوں سے میرے پیر کو اپنی گود میں لے کر برل کریم سے مالش کررہا تھا اور مجھے مزہ آرہا تھا۔ اس کی حالت پر ترس کھا کر میں نے اپنی تکلیف بڑھا دی اور اسے بازار بھیج دیا۔ اسی طرح اس کی عقل ٹھکانے پر آئے گی۔"

"تم اس کے ساتھ ظلم کررہی ہو۔ یہ بدسلوکی رنگ لائے گی۔" میں نے غصے سے کہا۔

"ظلم نہیں یہ پُرامن بقائے باہمی کے نادر حربے ہیں۔ میرے پیر میں موچ آنے سے پہلے وہ مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کررہا تھا۔ اب میرے لیے پریشان ہے۔" لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھی "ابھی تم اپنے بدن میں درد

ہونے کی شکایت کرو۔ غزالہ اپنی نیند کو بھول کر ایسی چاہت سے تمہارا بدن دبائے گی کہ تمہاری طبیعت نکھر جائے گی۔ ایسے بے ضرر حیلوں اور بہانوں سے آپس کی محبت بڑھتی ہے۔''
''تم یہ کھیل کھیلنے کے لیے وہاں گئی ہو؟'' میں نے ترشی سے پوچھا۔
''جب تک کام کا آغاز کرنے کے لیے کوئی سرا نہیں ملتا اسی طرح خوش رہ کر وقت گزارنا ہوگا۔ یہ ناممکن ہے کہ بل کلنٹن یہاں آکر مجھے پاکستان کے خلاف اپنے سرکاری منصوبوں سے آگاہ کردے۔'' وہ رکے بغیر بولتی چلی گئی۔
وہ نیویارک میں صبح کا وقت تھا۔ ویرا کا ذہن تروتازہ تھا۔ میں نے بات ختم کرنے کے لیے نرمی سے کہا ''جھوٹ سچ بول کر سلطان شاہ کو تنگ نہ کرو۔ وہ دوسرے ڈھب کا آدمی ہے' میری دعا ہے کہ تم دونوں کے درمیان کوئی تلخی جنم نہ لے۔''
''غزالہ جاگ رہی ہو تو اس سے بھی بات کرادو۔'' ویرا نے میرا ارادہ بھانپ کر کہا۔
''وہ سو چکی ہے۔'' میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر جواب دیا۔
''او کے میں رات کو اس سے بات کرلوں گی۔''
''موبائل فون کو اتنی بیدردی سے استعمال نہ کرو۔ یہ اول خان کی مہربانی ہے کہ اس نے چلتے چلتے اپنا سیٹ تمہارے حوالے کردیا۔ اسے اہم ضرورت کے لیے مخصوص رکھو۔ چند روز تک ہم لوگوں سے بات نہیں کروگی تو قیامت نہیں آجائے گی۔''
''میں خیال رکھوں گی۔'' اس نے شرافت سے میری بات مان کر مجھے حیران کردیا اور اسی کے ساتھ لائن بے جان ہوگئی۔
''کیا آپ سوبھراج سے بات نہیں کریں گے؟'' میں نے جوں ہی فون سائیڈ ٹیبل پر رکھا' غزالہ نے ایک سوال داغ دیا۔
''صبح دیکھا جائے گا۔ اب بہت دیر ہوگئی ہے۔'' میں نے کسل مندی سے جواب دیا۔
''وہ آپ کا دوست نہیں' دشمن ہے' آپ وقت کی پروا کیوں کررہے ہیں...... رات کے اندھیرے میں لفظوں کی کاٹ بڑھ جاتی ہے' اس وقت وہ زیادہ بے چین ہوگا۔''
غزالہ کی بات درست تھی۔ مجھے اس نابکار کا سیٹ لائٹ فون نمبر زبانی یاد تھا۔ میں نے تیزی سے سوبھراج کا نمبر ملایا۔
میں نے بولنے میں پہل نہیں کی۔ تیسری گھنٹی کی ادھوری آواز ختم ہونے کے بعد دوسری طرف سے آنے والی آواز کا منتظر رہا پھر میرے کان میں سوبھراج کی مانوس ہیلو گونجی۔
''مجھے دکھ ہے کہ تم ابھی تک زندہ ہو!'' میں نے سرد اور زہریلی آواز میں کہا۔
''اور یہی رنج مجھے بھی ہے۔'' لمحہ بھر کے بعد سوبھراج کی آواز آئی۔
''تم پرلے درجے کے مکار اور دغا باز ہو' مجھے سرحد پار کرانے کا فریب دے کر تم نے قاتلوں کے نرغے میں لینے کا پروگرام بنایا تھا جو الٹا ہوگیا...... کاش تم بھی لنگڑاتے ہوئے وہاں آگئے ہوتے تو وہاں سے تمہارا تابوت واپس جاتا۔''
''ڈینی! تم سے بڑا ڈھوکے باز میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ تمہاری نیت صاف تھی تو وہاں لشکر لے کر کیوں آئے تھے...... مجھے شروع سے تمہاری نیت پر شک تھا' آخر کار وہ درست ثابت ہوا تم تنہا وہاں آئے ہوتے تو میرے آدمی واقعی تمہیں سرحد پار لے جاتے!''
''دوستوں پر خودکار رائفلیں نہیں تانی جاتیں' خود کو رام کہنے والے نے مجھے اپنے نشانے پر لیا ہوا تھا۔ میں نے تیاری نہ کی ہوئی ہوتی تو وہ میری زندگی کی آخری رات ثابت ہوسکتی تھی۔ تمہارا ودجے اپنی حسرتوں سمیت جہنم میں پہنچا دیا گیا' میں زندہ ہوں۔''
''سازشیں کرنے والوں کی زندگی زیادہ طویل نہیں ہوتی' اس کی بھاری اور زہریلی آواز آئی ''تم ایجنسیوں کے سہارے زندہ ہو۔ ان سے مل کر تم نے اس معاملے میں بلاوجہ میرا نام اچھالا ہے۔ مجھ پر بہتان لگائے ہیں تم کو اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔''
''میں تیار ہوں' آؤ اور قیمت لے جاؤ!'' میں نے استہزائی لہجے میں جواب دیا۔
''میں آؤں گا اور اس بار تمہیں ٹھنڈا کر کے لوٹوں گا۔''
''زیادہ ٹھنڈا نہ کرنا۔ مجھے سردی محسوس ہوگی۔'' میں نے حقارت سے جواب دیا ''تم جیسا بھگوڑا اب کچھ نہیں کرسکتا۔ جو اپنی جان بچانے کے لیے دربدر مارا مارا پھر رہا ہو وہ کسی کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ مجھے یقین ہے کہ تم دہشت زدہ ہوکر کراچی سے بھاگ چکے ہو۔''
''کراچی میں تم میری دھول بھی نہیں پاسکو گے۔ میں تمہارے قانون کی گرفت سے بہت دور آچکا ہوں' یہ دہشت نہیں میری مصلحت کا کمال ہے میرا راستہ روکنے کی کوئی کوشش بار آور ثابت نہیں ہوسکی۔ میں وہاں سے نکل آیا۔''
''ودجے مارا گیا۔ اس کے دو بھارتی ساتھی زندہ پکڑے گئے ہیں۔''
''مجھے یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے تلخی سے میری بات کاٹ دی ''ایجنسیوں کے دلال اخبار...... یہ سب چھاپ چکے ہیں۔''
''یہ نہیں چھپا کہ ایک بھارتی افسر نے ان تینوں کو اپنا شہری مان لیا ہے۔''

''اس سے میرے لیے کیا فرق پڑے گا؟'' وہ سوال استہزائی تھا۔
''تمہارے خلاف دو نئے زندہ گواہ موجود ہیں۔''
''وہ کاٹھ کے اُلّو ہیں ایک لفظ بھی نہیں بتا سکیں گے۔ جو جانتا تھا وہ اب زندہ نہیں ہے۔'' اس نے فاتحانہ لہجے میں مجھے آگاہ کیا' میری یہ بات لکھ لو کہ اب تم بہت جلد مارے جاؤ گے۔''
''مجھے بتا دو کہ تم کہاں ہو۔ میں اپنی گردن سمیت تمہارے پاس آجاؤں گا۔''
''اب یہ کھیل ختم ہو گیا۔ روز اول سے مجھے تمہاری نیت پر بھروسا تھا نہ تم مجھ پر اعتماد کرنے کے لیے تیار تھے۔ دونوں خود کو ہوشیار سمجھ کر ایک دوسرے پر چالیں چل رہے تھے' شطرنج کھیل رہے تھے۔ اب یہ بساط الٹ چکی ہے۔ ہمت ہے تو مجھے ڈھونڈ لو ورنہ میں تم تک پہنچ کر تمہارا کام تمام کردوں گا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میری تقدیر بگاڑنے میں شروع سے تمہارا دخل رہا ہے۔ یہ میری بھاری غلطی تھی کہ شروع میں' میں نے تمہیں اپنا ہمدرد سمجھ لیا' غنیمت ہے کہ میرا وہ گمان زیادہ دیر باقی نہیں رہا۔ میں تمہیں دیکھ چکا ہوں۔ ہزاروں کی بھیڑ میں دوبارہ دیکھا تو ایک نظر میں پہچان لوں گا تم میرے ہاتھوں سے نہیں بچ سکو گے۔''
''کون بچتا ہے اور کون اپنے انجام کو پہنچتا ہے' یہ آنے والا وقت بتائے گا۔'' میں نے سرد لہجے میں وہ بات کہہ کر فون بند کر دیا۔
بنکاک پہنچنے کے بعد مجھے کسی بھی لمحے تنہائی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ احساس بے کاری سے جنم لیتا ہے اور میں وہاں آنے کے بعد ایک دن بھی بیکار نہیں رہا تھا۔ اسد سے ملاقات ہونے کے بعد ڈان برنارڈ تک رسائی کی راہ نکلی تھی اور پھر سوبھراج کے وہاں پہنچنے کی خبر نے حالات میں مزید گرمی آنے کا امکان پیدا کر دیا تھا۔
غزالہ بھی اس پیش رفت پر خوش تھی۔ پاکستان سے روانہ ہوتے ہوئے وہ یہ سوچ کر اداس تھی کہ ہم اپنی مرضی سے اپنا ملک اور شہر نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ہمارے خلاف پیدا ہو جانے والے حالات کے جبر نے ہمیں وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہم بنکاک پہنچ کر بے کاری اور جلاوطنی کے عالم میں اپنا وقت بسر کریں گے۔ ان امکانات کے باوجود اس نے سفر کی تیاری میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ وہ خود بھی اس بات سے پریشان رہتی تھی کہ ہمارے خلاف غیر ملکی دشمنوں کی سازشیں روز بروز زور پکڑتی جا رہی تھیں۔ اس نے کئی بار اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ حالات کے اس گرداب سے نکلنے کے لیے مجھے کچھ عرصے کے لیے خاموشی کے ساتھ ملک سے باہر نکل جانا چاہیے۔ اس سفر کے لیے ہمیں زیادہ منصوبہ بندی کی مہلت نہیں ملی تھی۔ حالات خود بخود اس نہج پر آگئے تھے کہ آخر کار ہم پاکستان سے باہر آگئے تھے۔
اگلی صبح اسد اپنے وعدے کے مطابق گیارہ بجے آگیا اور میں نے اسے اوپر اپنے کمرے میں بلا لیا۔
اس نے آتے ہی سلام دعا کے بعد پچھلے روز کے دو پاکستانی اخبار میرے سامنے ڈال دیے۔ دیار غیر میں اپنے وطن سے آئے ہوئے ہر سند یسے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ وہ پورے اخبار تھے میں نے جوں ہی ایک اخبار کی تہ کھولی' پہلے صفحے کے نچلے حصے میں چھپے ہوئے بڑے سے اشتہار پر نظر پڑتے ہی میرے ذہن میں جلال کے الفاظ تازہ ہوگئے۔
اس نے اپنی پہلی کال میں ہی مجھے بتا دیا تھا کہ پچھلے دن کے اخبارات میں امریکیوں نے میرے اور ویرا کے خلاف نمایاں انعامی اشتہارات چھپوائے تھے۔ اسد کی مہربانی سے ان میں سے ایک اشتہار اس وقت میرے سامنے تھا۔
اشتہار کی متن مختصر اور بہت نمایاں تھا۔ ماضی کے مقابلے میں اس میں کئی تبدیلیاں کردی گئی تھیں جو چونکا دینے والی تھیں۔
اس بار انہوں نے مجھے مفرور اشتہاری مجرم قرار دیا تھا۔ پاکستان میں میرے خلاف باقاعدہ ایف آئی آر کے اندراج کے بغیر مجھے باضابطہ طور پر مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ ان لوگوں نے ہاکس بے پر سی ہٹ کے خونین واقعے کو بنیاد بنا کر مجھے ملزم نامزد کیا تھا۔ اس بارے میں وہ بڑی حد تک حق بجانب تھے کیونکہ ان کے دو تربیت یافتہ کمانڈوز میرے ہاتھوں ان زہریلی سوئیوں کے شکار ہوئے تھے جو میری ذات سے منسوب ہو کر رہ گئی تھیں۔
پہلے بیم گن میری شناخت ہوا کرتی تھی بعد میں زہریلی سوئیوں کا چرچا شروع ہو گیا۔ یہ بات کسی کے علم میں نہیں آسکی تھی کہ وہ سریع الاثر زہر سوئیوں کے ذریعے میرے شکار کے جسم میں داخل نہیں ہوتا تھا' اس کا مخرج وہ کھوکھلے اور زہر سے بھرے ہوئے مصنوعی نگینے تھے جو اول خان سے ملنے والی انگوٹھیوں میں جڑے ہوئے تھے۔
اشتہار میں میری کوئی تصویر نہیں تھی۔ دھندلائی ہوئی ناقابل شناخت تصویر کو انہوں نے سرے سے حذف کر دیا تھا البتہ ویرا کی پرانی تصویر بہت واضح تھی۔ ہم دونوں پر سنگین الزامات عائد کیے گئے تھے اور ہمیں پاکستانی قانون کے ساتھ بعض امریکی قوانین کا مجرم بھی قرار دیا گیا تھا۔ ہم دونوں کے بارے میں کارآمد مخبری کرنے والوں کے لیے دو ملین ڈالر کے الگ الگ انعام کے ساتھ مکمل رازداری' تحفظ اور مستقل امریکی شہریت فراہم کرنے کے اعلان اخبار میں موجود تھے۔
میں نے دوسرے اخبار کا جائزہ لیا۔ اس کے پہلے صفحے پر

بھی وہی اشتہار من وعن موجود تھا۔

جلال کی زبان سے اشتہارات کا ذکر سن کر میں نے انہیں زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ امریکیوں کی طرف سے ماضی میں کسی نہ کسی قانونی سہارے کے ساتھ وہ اشتہار آتے رہے تھے لیکن اسد کے لائے ہوئے اخبارات دیکھ کر میری آنکھیں کھل گئی تھیں۔

اول خان نے مجھے یہ بتایا تھا کہ امریکیوں نے ہاکس بے کے تفریحی مقام پر ہونے والے تصادم کے بعد میرے خلاف خاموشی سے ایف آئی آر درج کرادی تھی اور اسی وجہ سے میری پاکستان میں موجودگی مخدوش ہوگئی تھی۔ جلال نے البتہ وہ حقیقت چھپا کر اپنا سارا زور اس بات پر صرف کر دیا تھا کہ میں جلد از جلد پاکستان سے باہر نکل جاؤں۔ آخر کار وہ اپنی ان مخلصانہ کوششوں میں کامیاب ہوگیا تھا۔

جہاں تک مجھے یاد پڑتا تھا' ماضی میں انہوں نے ویرا کو اپنا قومی مجرم بنا کر مجھے اس کے سرگرم معاون کے طور پر اپنا ہدف بنایا تھا۔ میرے خلاف قتلِ عمد کی شکایات کے اندراج کے بعد انہیں اس آڑ موڑ کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ میں براہِ راست ان کی دسترس میں آگیا تھا۔

کراچی سے بنکاک کے لیے روانہ ہونے تک مجھے یہ احساس نہیں ہوسکا تھا کہ میرے خلاف حالات کتنا خطرناک رخ اختیار کر چکے تھے۔ جلال کے رویے کو میں احتیاط اور دوست نوازی کا نتیجہ سمجھ رہا تھا جب کہ وہ دباؤ میں آیا ہوا تھا۔

یہ اوپر سے آنے والے اسی دباؤ کا نتیجہ تھا کہ میرے پاکستان سے نکل آنے کے بعد کراچی میں دو افراد کو ڈینی ہونے کے شبہے میں پکڑ لیا گیا تھا تاکہ امریکیوں کا منہ بند کیا جاسکے۔

مجھے ماننا پڑا کہ جلال نے اس معاملے میں بھی بہت ہوشیاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ ان دونوں کو اس کے محکمے نے نہیں پکڑا تھا' ان کے ایما پر کسی اور ایجنسی نے گرفتار کیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دونوں بے گناہ نہیں ہوں گے۔ یقینی طور پر سنگین جرائم میں ملوث رہے ہوں۔ ان کے ریکارڈ کی پوری جانچ پڑتال کے بعد ان پر ہاتھ ڈالا گیا ہوگا۔

وہ لوگ شبہے میں کسی ایک شخص کو گرفتار کرتے تو باز پرس کے سلسلے میں امریکی اس کی زندگی جہنم بنا سکتے تھے۔ ان کے آدمی مارے جا رہے تھے۔ وہ ہر قیمت پر تفتیش میں شامل رہنے کی کوشش کرتے اور کامیاب ہوجاتے' پھر اکلوتے ملزم سے ڈینی ہونے کا اقبالی بیان لینے کے لیے اپنی پوری کوششیں صرف کر دیتے۔ دو ملزموں کی گرفتاری سے وہ خطرہ ٹل گیا تھا۔ یقین میں بے یقینی اور تذبذب کا عنصر غالب آگیا تھا۔ وہ دونوں بیک وقت ڈینی نہیں ہوسکتے تھے۔ تفتیشی حکام کا بے یقینی کا رویہ ان دونوں کو بہت سے ناگفتہ مصائب سے بچا سکتا تھا۔

وقت کو ٹالنے کے لیے اس سے بہتر کوئی راہ نہیں ہوسکتی تھی۔ مشتبہ افراد کی گرفتاری کے بعد میری تلاش کی مہم ٹھنڈی پڑ جاتی۔ کچھ دن دونوں ملزموں سے تفتیش میں گزر جاتے۔ آخر کار یہ ثابت ہوجاتا کہ اپنی ناپسندیدہ اور غیر قانونی سرگرمیوں کے باوجود ان دونوں میں سے کوئی ڈینی نہیں تھا۔ قصہ وہیں ختم ہوجاتا اور امریکی تفتیش کار مایوسی کے عالم میں اپنے بال نوچتے رہ جاتے۔

اس ناکامی کے بعد میری تلاش کی مہم دوبارہ شروع ہو جاتی۔ اس میں کوئی جوش ہوتا نہ جذبہ۔ وہ کاغذی خانہ پری کے لیے چلائی جانے والی ایک روایتی مہم ہوتی۔ امریکی تھک ہار کر خاموش ہوجاتے۔ کسی اگلے بڑے واقعے تک کے لیے ہر محاذ پر خاموشی چھا جاتی۔

میری پاکستان سے روانگی تک صورتِ حال واقعی بہت نازک تھی جسے بہت ہوش مندی کے ساتھ ٹالنے کا عمل بدستور جاری تھا۔ میرے تجزیے کے مطابق مایوسی اور جھنجلاہٹ ایک مرتبہ پھر میرے سفید فام دشمنوں کا مقدر بننے والی تھی۔

''تم نے دیکھ لیا کہ لوگ کس طرح ڈینی کی جان کے در پے ہیں۔'' اسد نے مجھ سے کہا ''وہ اسے زندہ یا مردہ' کسی بھی حالت میں پکڑنا چاہتے ہیں۔''

''لوگوں کی بات کر کے تم نے مجھے بھی لپیٹ لیا ہے۔ لوگ نہیں صرف امریکی اہلکار کہو۔'' میں نے مسکرا کر اس کی تصحیح کی ''تم نے بہت اچھا کیا کہ کل کے اخبارات اپنے ساتھ لے آئے۔ انہیں دیکھے بغیر کسی بات کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔''

''میں ایک نتیجے پر پہنچا ہوں۔'' اس نے اپنی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا ''امریکی ہر محبِ وطن پاکستانی کے بدترین دشمن ہیں۔ ایٹمی استعداد کے میدان میں ترقی سے روزمرہ کاروبار تک میں یہی صورت کارفرما ہے۔''

''ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ ہمارے دوست ہیں۔'' غزالہ نے لقمہ دیا ''ان کی دوستی ایسی ہے تو دشمنی کیا ہوگی!''

''ان کے حکمراں طاقت کے نشے میں بدمست ہو کر زمین' آسمان اور سمندروں میں اپنی بڑائی کے دعوے کرتے رہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اب دنیا ان کی مرضی پر چلے۔ جو اس راہ پر چلنے سے انکار کرے' اس کا سر کچل دیا جائے۔'' میں نے کہا۔

''اس کا انجام بہت بھیانک ہوگا۔'' اسد بولا ''سب مل کر انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے یا وہ سب کی سب بستیوں کو تاراج کر دیں گے۔''

''یہ عالمی سیاست کی باتیں ہیں۔ ان کا رخ موڑنا ہمارے بس سے باہر ہے۔''میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا''ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم اپنے ضمیر کے مطابق کام کر رہے ہیں۔''

''میں مختصر سی ملاقاتوں میں تمہاری کارکردگی کا قائل ہوگیا ہوں۔ تم نے جس طرح ڈان کو رام کیا ہے وہ ناقابل یقین ہے۔ اپنے مخاطب کی بات کو سننا' سمجھنا اور پھر اس کے دل کی تحریر پڑھ کر اسے برجستہ جواب دینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ سچ پوچھو تو کل انعام کے لانچ میں تمہاری زبان سے ڈینی کو پکڑوانے کا ذکر سن کر میرے ذہن میں بیک وقت دو متضاد خیالات آئے تھے۔''

''وہ کیا؟''غزالہ نے اخبار ایک طرف ڈال کر بے اختیار سوال کیا۔

''تم خود ڈینی ہو اور نام بدل کر یہاں آئے ہو یا پھر واقعی اس کے بدترین دشمن ہو!''اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا''کوئی بھی عام پاکستانی اس کے بارے میں سفاکی سے بات نہیں کرسکتا۔''

''اسد! خدا کا خوف کرو۔ کسی کو ان باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو میری زندگی عذاب ہوجائے گی۔ مجھے وہی رہنے دو جو میں ہوں۔ مجھے دنیا جہان سے لڑنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں نے وہ بات یوں ہی مذاق میں کہہ دی تھی۔''

''وہ ایک خیال تھا جو میرے ذہن میں آیا اور گزر گیا۔''وہ ہنس کر بولا''رات کو جلال صاحب نے بتایا کہ تم ڈینی کے بہت بڑے غائبانہ مداح ہو۔''

''تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ کام کا کیا رہا۔''میں نے یکا یک موضوع بدل دیا۔

''یہ پانچ نام اور پتے ہیں۔''اس نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا''دو نائٹ کلب اور تین کیسینو' سب راجن کی ملکیت ہیں اس کا چھٹا اڈا وائٹ ہاک ہے جو کھلے سمندر میں اپنی جگہیں بدلتا رہتا ہے۔ آج کل ہاربر سے دو ناٹ کے فاصلے پر ایک دلدلی جزیرے کے قریب لنگر انداز ہے۔''

''یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے۔ ڈان بھی راجن کے ان ٹھکانوں کے بارے میں جانتا ہوگا۔''وہ سوال کرتے ہوئے میں نے کاغذ پڑھ کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ لفافہ میز پر رہ گیا۔

''یہ ایک کھلا راز ہے۔ ڈان کو علم ہونا چاہیے۔''اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگیا لیکن اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اپنی بات جاری رکھنے کے لیے وہ موزوں الفاظ کی تلاش میں تھا۔

''رات کو میں نے بہت غور کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ فی الحال مجھے تمہارے ساتھ شامل نہیں ہونا چاہیے۔ ابتدائی مراحل تم خود طے کرسکتے ہو!''آخر اس نے جھجکتے ہوئے اپنی زبان کھولی۔

''تمہیں یہ خیال کیوں آگیا؟''میں نے چونک کر سوال کیا۔

''ابھی راجن کے مفادات کو نقصان پہنچانے کا مرحلہ ہے۔ یہ کام تم ڈان کے آدمیوں سے لو گے۔ مجھے کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ میں الگ رہوں۔''

''کل تم دودھ میں سے مکھی کی طرح نکالے جانے کی شکایت کر رہے تھے۔ آج ایک نئی بات کیوں کر رہے ہو۔ کیا میری کوئی بات بری لگی ہے؟''

وہ دھیرے سے ہنس دیا''تمہاری کوئی بات بری لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دو تین دنوں میں تم سے عجیب سی اپنائیت محسوس ہونے لگی ہے۔ یہ قصہ کچھ اور ہے۔ یہاں آنے سے پہلے میری جلال صاحب سے بات ہوئی تھی۔ انہوں نے فیصلہ کرنے کی ذمے داری تم پر ڈال دی ہے۔''

''اوہ......! تو تم جلال سے بھی بات کرچکے ہو۔''میں نے بے ساختہ کہا''پتا تو چلے کہ قصہ کیا ہے' ایسی کیا بات ہوئی ہے کہ تمہیں اپنے افسر سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش آگئی؟''

''صاف بات یہ ہے کہ تھائی لینڈ پاکستان کا دوست ملک ہے' یہاں راجن کے ٹھکانوں کو نشانہ بنایا گیا تو امن و امان کا مسئلہ پیدا ہوگا۔ زیادہ واضح الفاظ میں ایسی کارروائیاں دہشت گردی کے زمرے میں شمار کی جائیں گی......''

''آگے بولو!''اسے خاموش پا کر میں نے ٹوکا۔

''ہر کام کے لیے منصوبہ بندی کی جاتی ہے' تم بھی کرو گے۔''اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا''یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ ہر کام ہمارے منصوبے کے مطابق پورا ہو۔ کوئی ناکامی ہوئی اور ڈان کا کوئی آدمی دھر لیا گیا تو میرا نام کھلنے کا خطرہ پیدا ہوسکتا ہے۔ میں یہاں سرکاری پوزیشن میں تعینات ہوں۔ ایسی کسی ناکامی کے اثرات بہت دور رس ہوں گے جنہیں سنبھالنا مشکل ہوجائے گا۔''

''یہی خطرہ مجھے بھی لاحق ہوسکتا ہے میرے بارے میں تم کیا کہو گے؟''

''تم پاکستانی ضرور ہو مگر انفرادی حیثیت میں یہاں آئے ہو۔ میری اور تمہاری پوزیشن میں فرق ہے۔ خدانخواستہ تمہارے ساتھ کچھ ہوتا ہے تو تمہارے اعمال کی ذمے داری پاکستانی حکومت پر نہیں ڈالی جاسکے گی۔ انفرادی طور پر کوئی کچھ بھی کرسکتا ہے۔''

''پھر تو تم کہیں بھی میرا ساتھ نہیں دے سکو گے!''

''تم نے میری بات پر غور نہیں کیا، میں کہہ رہا ہوں کہ ابتدائی مرحلہ میری شمولیت کے بغیر بھی طے کیا جا سکتا ہے اس میں میرا کوئی اہم کردار نہیں ہے۔ جہاں ضروری ہوا' میں تمہارا بھرپور ساتھ دوں گا۔ یہ نہ سمجھو کہ میں تمہیں اکیلا چھوڑ رہا ہوں۔''

وہ محتاط روی ان لوگوں کا خاصہ تھی۔ میں پاکستان میں بارہا ایسے تجربات سے گزر چکا تھا۔ وہ لوگ کسی کام سے منہ نہیں موڑتے تھے لیکن ہمیشہ اپنا دامن بچا کر چلنے کے عادی تھے۔

''شاید آج مجھے اکیلا جانا پڑے گا!'' میں نے اس سے تائید چاہی۔

''میں نے حقائق تمہارے سامنے رکھ دیے ہیں۔ فیصلہ تمہارا ہوگا میں اس کی پوری پابندی کروں گا۔ تم کہو تو میں تمہارے ساتھ ڈان کے گھر جانے کے لیے تیار ہوں۔'' اس نے خندہ پیشانی سے کہا۔

''ٹھیک ہے!'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''کوشش کروں گا کہ تمہارے بغیر کام چل جائے۔ کل میں نے ڈان سے تمہارے مترجم ہونے کا ذکر کر دیا تھا۔ دعا کرو کہ اس کے بلائے ہوئے آدمی انگریزی میں کورے نہ ہوں۔''

''میں پھر کہہ رہا ہوں کہ کہیں کوئی ضرورت یا مجبوری پیش آ گئی تو میں حاضر ہوں۔ مجھے تمہارا ساتھ دینے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ کوشش یہ ہے کہ خطرات سے بچ کر چلا جائے۔''

''مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ انتخاب کے بعد تم سب کی ایک ہی سانچے میں برین واشنگ کی جاتی ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا ''مشترک معاملات پر سب ایک بولی بولتے ہیں۔''

''کل رات تم جس بے تکلفی سے فون پر جلال صاحب سے بات کر رہے تھے اس کی وجہ سے میرے دل میں تمہاری قدر و منزلت بہت بڑھ گئی ہے۔''

''بے تکلفی!'' میں نے حیرت سے کہا ''تم نے غور نہیں کیا میں اس سے بہت ادب سے بات کر رہا تھا۔''

''علی! میں بچہ نہیں ہوں۔ آپ جناب سے مخاطب کے باوجود تمہارے انداز میں بے تکلفی تھی۔ اب بھی تم برابری سے ان کا ذکر کر رہے ہو۔ وہ بہت سخت اور ایمان دار افسر ہیں۔ اپنے سے جونیئر افراد سے زیادہ بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتے۔''

''مجھے ان باتوں کا اندازہ نہیں تھا۔ تم بلاوجہ میری عزت افزائی پر تلے ہوئے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' میں نے وہ بات وہیں ختم کر دی۔

میرے لیے راجن کے سب ٹھکانے اہم تھے۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت وائٹ ہاک کی تھی۔ اسد سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں وہ راجن کی تازہ ترین اور سب سے بڑی سرمایہ کاری تھی، جس پر اسے خود بھی ناز تھا۔

سب سے اچھی بات یہ تھی کہ وائٹ ہاک شہری بندرگاہ سے کافی دور' کھلے سمندر میں لنگر انداز تھی۔ یہ بات یقینی تھی کہ معزز مہمانوں اور گاہکوں کو شہر سے اس لگژری بوٹ تک پہنچانے کے لیے شہری گھاٹ سے بوٹ تک چھوٹی موٹر بوٹس چلتی ہوں گی۔ شہری حدود سے باہر کھلے سمندر کے سینے پر موجود وہ بحری عشرت کدہ بنکاک کے قانون کی دسترس سے آزاد تھا۔ اسد کی زبان سے پہلی بار وائٹ ہاک کا ذکر سن کر مجھے خیال آیا تھا کہ ایک غوطہ خور کے ساتھ کسی چھوٹی اور برق رفتار موٹر بوٹ میں وائٹ ہاک تک پہنچ کر اس کے نیچے کوئی واٹر پروف بم نصب کر دیا جائے تو ریموٹ کنٹرول کے ذریعے وائٹ ہاک کو کسی بھی وقت اڑایا جا سکتا تھا۔

سوچنے کی حد تک وہ کام بہت آسان اور سنسنی خیز تھا لیکن عملی طور پر اس کی راہ میں بہت سی دشواریاں تھیں' سب سے بڑا خطرہ وائٹ ہاک پر مامور مسلح محافظوں کی طرف سے تھا۔ راجن نے بوٹ خریدنے سے پہلے یہ امکان اپنے ذہن میں رکھا ہوگا کہ اس کے بحری اڈے پر سمندر کی راہ سے کوئی حریف یا حاسد حملہ آور ہو سکتا ہے۔

برا آدمی کوئی بھی منصوبہ بناتا ہے تو سب سے پہلے اس کے برے پہلوؤں پر غور کرتا ہے۔ چھوٹا راجن اپنی ظاہری حیثیت اور امارت کے باوجود زیر زمین دنیا کا ایک برا آدمی تھا۔ وہ بنکاک میں ڈان پر نارڈ سے نبرد آزما بھی رہ چکا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ اس نے وائٹ ہاک جیسی بیش قیمت بوٹ کے تحفظ کا کوئی پہلو نظر انداز کر دیا ہوگا۔

اسد بھی وائٹ ہاک پر حملہ کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ اس نے سہ منزلہ بوٹ کو افتتاحی تقریب کے موقع پر دور سے دیکھا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ شام کے تفریحی اوقات میں اس پر ڈیڑھ دو سو افراد کے سمانے کی گنجائش تھی۔ ان آنے جانے والوں کے علاوہ بوٹ پر ہر وقت مامور رہنے والے ملازموں کی تعداد بھی قابل لحاظ ہونی چاہیے تھی۔ بار' ریستوران اور چھوٹے کیبنوں میں مدہوش جوڑوں کو جملہ خدمات مہیا کرنے والے راجن کے ملازم ضرور تھے لیکن سب کے سب مجرم نہیں ہو سکتے تھے۔ بوٹ کو اڑانے کی صورت میں ان بے چاروں کی موت یقینی تھی۔

میں نے راجن کی بوٹ کا خیال ترک کر دیا۔ دوسری پانچ میں سے چار جگہوں پر ہر عام آدمی تفریح کے لیے جا سکتا تھا لیکن گولڈن ڈریگن نامی کیسینو کا معاملہ مختلف تھا۔

اس زمینی جوئے خانے کے حفاظتی انتظامات وائٹ ہاک سے کم نہیں تھے۔ وہاں داخلے کے لیے رکنیت کی کوئی پابندی نہیں

تھی لیکن آنے والے کا شکل وصورت اور لباس سے معزز و معقول نظر آنا ضروری تھا۔

اسد سے ان موضوعات پر تفصیلی گفتگو ہو جانے کے بعد میں چند منٹ میں تیار ہو گیا پھر ہم دونوں غزالہ کو الوداع کہہ کر کمرے سے باہر نکل آئے۔

اسد کو ڈاک، فون اور فیکس کے ذریعے آنے والے پیغامات وغیرہ کی دیکھ بھال کے لیے اپنے دفتر جانا ضروری تھا۔ بنکاک کے گنجان ٹریفک کی وجہ سے اس نے ذاتی گاڑی کا روگ نہیں پالا تھا۔ اس کی آمدورفت کا انحصار پبلک ٹرانسپورٹ پر تھا۔ وہ ہوٹل سے ٹیکسی میں میرے ساتھ روانہ ہوا اور پھر ایک قریبی بس اسٹاپ پر اتر گیا۔

اسے اتارنے کے بعد ٹیکسی آگے روانہ ہوگئی۔

سیلرز بار بنکاک میں مشہور تھا۔ ڈرائیور اس کا نام سنتے ہی کسی حیل وحجت کے بغیر روانگی پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اسد کو اتارنے کے بعد وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں مجھ سے مخاطب ہو گیا۔

''تم سیلرز بار کیوں جا رہے ہو؟'' میرے لیے اس کا پہلا سوال چونکا دینے والا ثابت ہوا۔ ''وہ تو اس وقت بند ہو گا۔''

اس کا دوسرا فقرہ سن کر میری جان میں جان آئی۔ میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''مجھے وہاں نہیں اس کے قریب جانا ہے۔''

''تم ٹورسٹ معلوم ہوتے ہو۔ تمہارے پاس وقت ہو تو میں تمہیں بعض بہترین مقامات کی سیر کرا سکتا ہوں۔ میرا شہر بہت خوب صورت اور رنگینیوں سے بھرا ہوا ہے۔''

''اگر تم ہمیشہ ہلٹن کے باہر ہوتے ہو تو پھر کسی وقت تمہارے ساتھ گھوموں گا۔ اس وقت مجھے ایک جاننے والے سے ضروری کام ہے۔''

''ادھر کاسٹ یونیورسٹی کے پاس سیام پارک سٹی ہے بہت خوب صورت جگہ ہے، چاہو تو یہاں سے دس منٹ کے فاصلے پر مگرمچھوں کے فارم کی سیر کر سکتے ہو۔ میجک لینڈ یہیں شہر میں ہے۔ شہر میں بہت سے قابل دید بدھ مندر اور پگوڈا ہیں۔ ان میں گھس کر آدمی صدیوں پیچھے چلا جاتا ہے۔ گولڈن پیلس ضرور دیکھنا، وہاں تم بدھا کی جڑاؤ مورتی کو دیکھتے رہ جاؤ گے۔''

وہ بولے جا رہا تھا اور میں خاموشی سے سن رہا تھا۔ مجھے انتظار تھا کہ وہ مجھے ان لچھے دار باتوں میں الجھا کر کب اپنی پٹری بدلتا ہے۔

وہ بے چارہ رک رک کر مجھے اپنے شہر کے تاریخی ورثے کے بارے میں بتاتا رہا۔ اپنے ملک کے لیے وہ بار بار سیام کا متروک نام استعمال کر رہا تھا۔ جب اس نے کافی دیر تک زندہ حسن و نزاکت کا کوئی ذکر نہیں کیا تو میں نے اسے ٹوک دیا ''میں نے سنا ہے کہ یہاں کی لڑکیاں بہت مہمان نواز ہوتی ہیں۔''

''ہوتی ہیں!'' اس کی دھیمی آواز میں مایوسی اتر آئی ''روزی کمانے کے لیے لڑکیاں ہر قسم کے کام کرتی ہیں مگر ان کی زیادہ آمدنی دلال لوٹ لیتے ہیں۔ اس کام میں بہت آمدنی ہے مگر میں لڑکیوں کی دلالی نہیں کرتا۔ تمہیں قدم قدم پر ایسے ٹیکسی ڈرائیور مل جائیں گے جو بہت شوق سے یہ کام کرتے ہیں انہوں نے مجھ جیسے لوگوں کو بھی بدنام کیا ہوا ہے۔''

میں اپنی جگہ پر سن ہو کر رہ گیا۔ پانچوں انگلیاں واقعی برابر نہیں ہوتیں۔ اس ایک سادہ لوح شخص نے پل بھر میں بنکاک کے بارے میں میرا تصور بدل کر رکھ دیا۔ پتا نہیں شہر میں اس جیسے کتنے ڈرائیور ہوں گے۔ مجھے ندامت ہونے لگی کہ میں نے اس سے وہ ذو معنی سوال کیوں کیا تھا۔

وہ اپنے شہر میں ہونے والے جنس کے بیوپار سے خوش نہیں تھا۔ اس کی ناخوشی کا اندازہ اس کے کہے ہوئے چند فقروں سے ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی دکھتی ہوئی رگ کو مزید چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی اختیار کر لی۔

میرے سوال نے شاید اسے آزردہ کر دیا تھا۔ اسے بھی چپ لگ گئی اور سفر خاموشی کے ساتھ طے ہونے لگا۔

''ہم قریب آ گئے ہیں۔'' ایک طویل خاموشی کے بعد ڈرائیور نے مجھے آگاہ کیا ''جہاں گاڑی رکوانی ہو مجھے بتا دینا۔''

ڈرائیور کا وہ اعلان سنتے ہی میں اپنی جگہ پر سنبھل کر بیٹھ گیا اور اپنی نظریں تیزی سے پیچھے دوڑتے ہوئے مناظر پر مرکوز کر دیں۔

پچھلی بار اسد میرے ساتھ تھا۔ آپس کی باتوں میں، میں نے راستے پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ دوسری بار مجھے تنہا ادھر آنا ہو گا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر باہر دیکھتا رہا میرے لیے سب کچھ اجنبی تھا۔

یکایک ڈرائیور نے ٹیکسی کے بریک لگائے اور اسے سڑک کے کنارے روک دیا۔ مجھے سامنے ہی سیلرز بار کا نمایاں سائن بورڈ نظر آیا جو اس وقت روشن نہیں تھا۔

''تم یہاں بالکل نئے معلوم ہوتے ہو۔'' ڈرائیور نے کرایہ وصول کرتے ہوئے ہنس کر کہا ''یہ کوئی اچھا علاقہ نہیں ہے۔ ذرا اپنی جیب سے ہوشیار رہنا۔ یہاں ٹھگ بھی گھومتے رہتے ہیں جو نوادرات کے نام پر بے وقعت نقلی چیزیں لوگوں کو بیچ دیتے ہیں۔''

''مفت مشوروں کا شکریہ، میں یہاں اتنا نیا بھی نہیں ہوں۔''

"مجھے بار سے ذرا آگے جانا ہے۔" یہ کہہ کر میں ٹیکسی سے اتر گیا۔

میرا اندازہ تھا کہ سیلرز بار کی عقبی گلی سے دونوں سمتوں میں باہر نکلنے کا راستہ ہوگا۔ میں نے بار کے بند دروازے پر ایک سرسری نگاہ ڈالی اور بے فکری سے آگے چل دیا۔

پچھلی گلی اس وقت بھی تقریباً سنسان پڑی ہوئی تھی۔ راستے میں دو بچے اپنی سائیکل کی اتری ہوئی چین چڑھانے میں مصروف نظر آئے۔ میں مسکرا کر ان کی طرف دیکھتا ہوا آگے نکل گیا۔

وہاں بنے ہوئے مکانات کا سامنے کا حصہ بہت سجا بنا ہوا تھا۔ دکانوں کی آرائش کی بات ہی کیا تھی۔ دن کی روشنی میں اس گلی میں گھسنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ کسی واضح نشانی کے بغیر پیچھے سے کسی مکان یا دکان کا پہچاننا تقریباً ناممکن تھا' پیچھے سے ہر عمارت اپنے مکینوں کی غفلت کا شکوہ کرتی ہوئی نظر آرہی تھی۔

میں رات کے اندھیرے میں سیلرز بار کے پیچھے سے نکلا تھا۔ دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ اس گلی سے سیلرز بار کی عمارت کو پہچاننا مشکل نہ ہوجائے۔ میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ کسی دشواری کی صورت میں سامنے جا کر سرے سے عمارتیں گنوں گا اور پھر پیچھے آکر اسی گنتی کے سہارے ڈان کے دروازے تک پہنچ جاؤں گا۔

غنیمت ہوا کہ وہ نوبت نہیں آئی۔ سیلرز بار کا سیاہ چوبی دروازہ اس گلی میں سب سے نمایاں تھا۔ میں نے اطمینان کا سانس لے کر چوکھٹ پر لگا ہوا گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دروازہ کھل گیا میرے سامنے چست پھول دار کپڑوں میں ملبوس ایک دھان پان سی لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔ پچھلی رات وہ نیلی وردی پہنے بار کی میزیں وغیرہ درست کرتی پھر رہی تھی۔

"میرا نام علی ہے...... میں ڈان سے ملنے آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ٹھہرو...... میں پوچھتی ہوں۔" مجھے جواب دے کر لڑکی دروازہ بند کررہی تھی کہ اندر سے یا شاید اوپر سے ڈان کی دبنگ آواز آئی وہ اپنی زبان میں لڑکی سے کچھ پوچھ رہا تھا۔

ان دونوں میں چند فقروں کا تبادلہ ہوا۔ دروازہ بند ہونے سے پہلے کھل گیا۔ لڑکی نے راہ دی اور میں اندر داخل ہوگیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی سیلرز بار کی عقبی راہ داری میں رات جیسا نیم اندھیرا پھیل گیا۔

"اوپر آجاؤ!" ڈان کی آواز سنائی دی اور میں چوبی زینوں پر بڑھ گیا۔ لڑکی نیچے رہ گئی۔

ڈان اوپر کا دروازہ کھولے میرا منتظر تھا۔ اس وقت وہ قمیص اور جینز کے بجائے سفید سلک کے پاجامے اور گون میں ملبوس تھا۔

ڈان نے پُرتپاک انداز میں مجھ سے ہاتھ ملا کر میرا دل خوش کردیا۔ مجھے وہ عزت مل رہی تھی جس کا میں طلب گار تھا۔

ڈان دوستانہ انداز میں مجھے اپنے ساتھ لے کر اپنے رہائشی ہال میں داخل ہوا تو وہاں اس کے چاروں چیلوں میں سے کوئی موجود نہیں تھا۔ مجھے ان کے نہ ہونے کے بارے میں تجسس ضرور ہوا مگر میں خاموش رہا۔ کوئی غیر متعلقہ سوال کرکے میں ڈان کو ناراض نہیں کرسکتا تھا۔

"تم ہلٹن میں ٹھہرے ہوئے ہو؟" ڈان نے اپنی مسہری پر بیٹھ کر پہلا سوال کیا۔

میرے کان کھڑے ہوگئے۔ ڈان اتنا سیدھا اور بے ضرر نہیں تھا جتنا مجھے نظر آرہا تھا۔ میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

"چھوٹا راجن سے لڑنے کے لیے آئے ہو تو اپنی خوب صورت بیوی کو اپنے ساتھ کیوں لائے ہو؟" ڈان نے دوسرا سوال کرکے اپنی باخبری کا مربیانہ اظہار کیا۔

"بیوی ہونے کے ساتھ وہ میری دستِ راست بھی ہے۔ مارشل آرٹس جانتی ہے، لڑنے پر آجائے تو جان دار مردوں کے چھکے چھڑا دیتی ہے۔"

"گڈ!" ڈان نے توصیفی انداز میں سر ہلایا' "آج تمہارا ساتھی کہاں ہے؟"

ڈان مجھ سے اس طرح سوالات کررہا تھا جیسے میرا انٹرویو لے رہا ہو۔ میں فوری طور پر اس کے آخری سوال کا جواب نہیں دے سکا۔ وہ مجھ سے جس انداز میں پوچھ گچھ کررہا تھا، اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ پچھلی رات سیلرز بار سے واپسی پر ہمارا تعاقب کیا گیا تھا۔ ہمارا پیچھا کرنے والے کے لیے ہوٹل کے ریکارڈ سے یہ جاننا دشوار نہیں تھا کہ میں ہوٹل کے کس کمرے میں اور کس کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا؟ مجھے تشویش یہ تھی کہ کہیں بعد میں اسد کا بھی پیچھا نہ کیا گیا ہو۔

میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اسد کی پیشانی پر اس کے محکمے کا نام درج نہیں تھا۔ وہ بنکاک میں واقعی ایک دفتر چلا رہا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا' "وہ نوکری پر گیا ہوا ہے۔"

"یہ بتاؤ کہ تم کیا پلان لائے ہو؟" ڈان مزید کوئی سوال کرنے کے بجائے اصل موضوع کی طرف آگیا۔

میں نے اسد کا دیا ہوا کاغذ اپنی جیب سے نکالا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈان کو پیش کردیا۔ اس نے کاغذ کی تحریر پر ایک نظر ڈال کر پوچھا "ان کا کیا کرو گے؟"

"یہ سب مصروف تفریحی مقامات ہیں اور راجن کی ملکیت

ہیں۔ میں ان پانچوں ٹھکانوں پر صبح سویرے بموں کے دھماکے کرانا چاہتا ہوں تاکہ کوئی جانی نقصان نہ ہو اور راجن کو پیغام مل جائے کہ اب وہ میدان میں اکیلا نہیں ہے۔“

نیچے والی لڑکی ایک ٹرے میں چائے کی دو پیالیاں لے آئی۔ پیالیاں ہم دونوں کے سامنے رکھ کر وہ لوٹ گئی تو ڈان بولا ”ان کے علاوہ بنکاک میں چھوٹا راجن کا ایک گھر ہے اور ایک دفتر۔ ان دونوں جگہوں پر کسی کا گھسنا ناممکن ہے۔“

”میں کوشش کروں گا کہ اسے اس کے گھر میں گھس کر مارا جائے۔“

”یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔ رفتہ رفتہ وہ بھی ڈان بنتا جا رہا ہے۔ اس تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ وہ اپنے ٹھکانوں سے دور قابو میں آئے گا۔“

”تم مجھے آدمی اور سامان دے دو۔ باقی کام میں خود سنبھال لوں گا۔“

”تم بہت بڑے دعوے کر رہے ہو“ ڈان کی آواز سرد ہو گئی ”یاد رکھو کہ تم ایک بہت بڑے کام میں ہاتھ ڈال رہے ہو۔ اسے ادھورا چھوڑ کر بھاگنے کی کوشش کی تو میں تمہیں مار کر کھال میں بھس بھروا دوں گا۔“

”وہ نہیں یا پھر میں نہیں...... یہی میرا مشن ہے۔“

”چاؤ فان بہت دلیر اور ذہین آدمی ہے“ ڈان نے اپنے تکیے کے نیچے سے ایک کاغذ نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا ”بہت روانی سے انگریزی بولتا ہے۔ آج کے بعد تم سیلرز بار کا رخ نہیں کرو گے۔ تمہارا رابطہ چاؤ فان سے رہے گا۔ کاغذ پر اس کا فون نمبر لکھا ہوا ہے۔ چاہو تو اس سے آج ہی مل سکتے ہو۔ وہ تمہیں علی کے نام سے پہچان لے گا۔“

”کل تم نے میرے لیے اپنے دروازے کھول دیے تھے۔ آج پابندی کیوں لگا رہے ہو؟“ میں نے کاغذ پر چاؤ کا نام اور فون نمبر پڑھ کر کہا۔

”یہ سزا نہیں احتیاط ہے، میں اب لڑائی بھڑائی سے دور ہو چکا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس جھگڑے میں میرا نام لیا جائے۔ تمہاری زبان سے چھوٹا راجن کو مارنے کا ذکر سنا تو پرانا زخم تازہ ہو گیا۔ تمہارے بازوؤں کا دم دیکھ کر میں نے تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔“

”چاؤ سے میرا فون پر رابطہ رہے گا؟“ میں نے پوچھا۔

”یہ تم دونوں کی مرضی اور سہولت پر منحصر ہے“ ڈان نے ہاتھ اٹھا کر کہا ”چاؤ فان تمہیں آدمی سے ہتھیاروں تک ہر چیز فراہم کرے گا۔ ہو سکے تو اپنی عورت کو ان چکروں سے دور رکھنا۔ چھوٹا راجن دل کے ساتھ نگاہوں کا بھی گندا ہے۔“

میرے پاس ڈان کے اس مشورے کا جواب نہیں تھا میں سر ہلا کر رہ گیا۔

ڈان نے مختصر الفاظ میں طریقۂ کار بتا دیا تھا۔ مجھے ایک مرتبہ پھر خیال آیا کہ ڈان سے اس کے چاروں آدمیوں کے بارے میں کچھ پوچھوں کہ کہیں ان میں سے کسی کا نام تو چاؤ نہیں تھا مگر میں نے وہ ارادہ اسی لمحے ترک کر دیا۔

ڈان کے بیان کے مطابق چاؤ روانی سے انگریزی بول سکتا تھا جبکہ پچھلی رات وہاں نظر آنے والے چاروں جواری صرف مقامی زبان جانتے تھے۔

”میں تمہیں ایک بار پھر بتا رہا ہوں کہ بے گناہوں کا خیال رکھنا، وہ نہ مارے جائیں۔“

”اسی وجہ سے میں صبح سویرے دھماکوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اس وقت تک ساری تفریح گاہیں ویران ہو چکی ہوں گی۔“

”صبح کا وقت اس لیے چنا ہے تو اسے اور آگے بڑھا دو۔ ایسی گھٹیا جگہوں پر آنے والے لوگ بھی گھٹیا ہوتے ہیں۔ دھت ہو کر گرتے ہیں تو ساری رات اسی عالم میں گزار دیتے ہیں۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے کوئی ٹھکانا خالی نہیں ہوتا۔ کہیں نہ کہیں کوئی مردہ پڑا ہوا ہوتا ہے۔“ یہ سامنے کی بات تھی کہ وہ کسی لاش کا ذکر نہیں کر رہا تھا۔ ازراہِ تحقیر مدہوشوں کو مردہ قرار دے رہا تھا۔

میں کسی نہ کسی بہانے سے وہاں مزید وقت گزارنا چاہ رہا تھا۔ ڈان کے ساتھ بیٹھ کر مجھے عافیت کا عجیب سا احساس ہو رہا تھا مگر اس نے اپنی جگہ چھوڑی تو مجھے بھی اٹھنا پڑ گیا۔

”بس، ایک بات اور پوچھنا چاہتا ہوں“ میں نے اٹھ کر کہا۔

ڈان کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ میرے سوال کا منتظر تھا، میں نے اپنی بات جاری رکھی ”میرے آنے پر پابندی ہے۔ میں تم کو فون تو کر سکتا ہوں نا؟“

”ضرورت پڑ جائے تو فون کر سکتے ہو“ ڈان نے مجھے رعایت دے دی۔

اس نے اوپر کے دروازے سے مجھے رخصت کر دیا۔ ہماری آوازیں سن کر شراب خانے کی ملازمہ نچلے دروازے پر آ گئی تھی۔ نیچے اتر کر میں نے اس کے سراپا پر مسکراتی ہوئی نظریں ڈالیں اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

میں واپس ہوٹل پہنچا تو غزالہ کمرے میں نہیں تھی۔ کاؤنٹر سے چابی لے کر میں اوپر پہنچا تو وہاں ایک رقعہ میرا منتظر تھا۔ وہ کچھ خریداری کے لیے بازار گئی ہوئی تھی۔

میں جوتے اتار کر بستر پر دراز ہوگیا۔ میرے شناساؤں میں صرف جلال ایسا تھا جسے پوری بات بتا دی گئی تھی۔ ویرا کو بریف کرنے کی ضرورت نہیں تھی مجھے اول خان کا خیال آیا۔ بنکاک آنے کے بعد اس سے سرے سے میری بات نہیں ہوئی تھی۔ اس کے ذریعے مجھے سلمٰی اور جہانگیر کی خیریت بھی مل سکتی تھی ان دنوں وہ اسٹیشن فور کے مہمان تھے۔

اول خان ہم لوگوں کی خیر خواہی میں ہمیشہ پیش پیش رہا تھا، مجھے توقع تھی کہ جلال نے اسے میرے اور غزالہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہوگا۔ اس کی خاطر داری کے لیے مجھے جلد از جلد اس سے بات کرنے کی ضرورت تھی۔

جلال کو ڈان برنارڈ سے ملاقات تک کا احوال بتایا گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ پہلے چاؤ فان سے بات کرلوں تاکہ اول خان کو کچھ اضافی معلومات بھی فراہم کرسکوں۔

فون پر پہلے کسی مقامی کی ہیلو کی آواز سنائی دی۔ میں نے چاؤ فان کا نام لیا تو وہ کوئی نامانوس لفظ کہہ کر غائب ہوگیا۔ اس کال کے لیے میں نے ہوٹل کا فون استعمال کیا تھا، کریڈل دبانے پر لائن منقطع نہیں ہوئی۔ میں ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ دوسری طرف مکمل سناٹے کا راج تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے فون کے آس پاس کوئی ذی روح موجود نہ ہو۔

طویل انتظار کے بعد ہیلو کی آواز آئی۔ میں نے تائید طلب انداز میں صرف چاؤ فان کا نام دہرایا۔ وہ میرے لہجے سے کوئی اندازہ نہیں لگاسکا۔ اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا جو میرے پلے نہیں پڑسکا۔

"میں صرف انگریزی جانتا ہوں" میں نے مخاطب کو اپنی مجبوری سے آگاہ کیا۔

"اوہ...... مجھے اندازہ نہیں تھا۔ میں چاؤ بول رہا ہوں" اس بار اس نے انگریزی میں جواب دیا۔ اس کی گفتگو میں روانی تھی لیکن وہ غلط سلط زبان بول رہا تھا۔

"میں علی ہوں" میں نے اپنا تعارف کرایا۔

"تمہاری آواز سن کر خوشی ہوئی۔ میں تمہاری کال کا انتظار کررہا تھا" اس کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑرہی تھی "میرے لیے کیا حکم ہے ماسٹر!"

اس کا دیا ہوا خود ساختہ خطاب آبرومندانہ تھا۔ فون پر زیادہ بات کرنے سے گریز کرتے ہوئے میں نے کہا "میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں ابھی آجاتا ہوں" وہ مجھ سے ملنے پر تلا بیٹھا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں کہاں ہوں؟" میں نے ہلکی سی ناگواری سے پوچھا۔

"یس ماسٹر! روم چار سو دس، ہلٹن بنکاک!"

اس کی زبان سے اپنے کمرے کا نمبر سن کر میں حیران رہ گیا۔ میرے بارے میں جملہ معلومات ڈان اور اس کے ساتھیوں میں پھیل چکی تھیں۔

"آجاؤ...... لابی سے فون کرکے اپنا نام بتا دینا۔"

"اوکے ماسٹر۔ یہ یاد رکھنا کہ شناخت کے لیے میرا نام صرف چاؤ ہوگا۔ میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔ ہم کسی پارک میں بیٹھیں گے۔"

میں نے فون بند کردیا۔ یہ اچھا تھا کہ اس نے خود ہی پارک میں بیٹھنے کی تجویز پیش کردی تھی۔ آواز اور لب و لہجے سے وہ مجھے پسندیدہ آدمی نہیں لگا تھا۔ وہ آتا تو میں اسے اپنے کمرے میں ہرگز نہ بٹھاتا۔

غزالہ غائب تھی۔ چاؤ آنے والا تھا۔ میں نے اپنے موبائل فون پر اول خان کے دفتر کا نمبر ملالیا۔ میری خوش قسمتی سے وہ اپنے دفتر میں موجود تھا۔

میری آواز سن کر اس نے اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار کیا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے بتایا کہ جہانگیر اسٹیشن فور کے ایک آرام دہ کمرے میں پڑا پڑا گھبرا گیا تھا اور اپنے گھر جانے کے لیے زور لگا رہا تھا۔

میری دانست میں خطرات ٹل چکے تھے۔ "کل رات سوبھراج یہاں آگیا ہے۔ وہ ضد کررہا ہے تو اسے گھر جانے دو" میں نے کہا۔

"تم وہاں بھی چین سے نہیں بیٹھے۔ اسی کے کھوج میں لگے ہوئے ہو۔"

"یہاں باخبر رہنا میری مجبوری ہے۔ راجن بھی میری نگاہوں میں آنے والا ہے۔"

"ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ایک دو ہفتوں کے لیے آرام کرو" اس نے اپنائیت سے مشورہ دیا "اللہ کا شکر ادا کرو کہ تم یہاں سے بروقت نکل گئے۔ تمہارے دشمنوں نے ایک بار پھر اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کردیا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ کل فون پر رومنگ کھلنے کے بعد دو مرتبہ جلال کا فون آیا تھا۔ اس سے پتا چلا کہ تم نے اپنا فون ویرا کو دے دیا تھا۔ اب تمہارا نیا نمبر کیا ہے؟"

اول خان نے اپنا نیا موبائل نمبر نوٹ کرادیا۔ اس کے پاس وہی خبریں تھیں جو مجھے جلال سے معلوم ہوچکی تھیں۔ ان میں کوئی نئی بات نہ ہونے کے باوجود میں اس کے تبصروں میں گہری دلچسپی کا مظاہرہ کرتا رہا۔ دوران گفتگو اس کا بھی سارا زور اسی نکتے پر تھا جس کا ذکر جلال کرچکا تھا۔ مجھے تحفظ فراہم کرنے کے لیے

پاکستان سے باہر بھیجا گیا تھا۔ عجلت میں دشمنوں کا پیچھا کرنے کے بجائے مجھے کچھ دنوں کے لیے خاموش ہو کر بیٹھ جانا چاہیے تھا۔

وہ کراچی میں بیٹھ کر مجھے کچھ کرنے یا نہ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے خلوص کی بنا پر میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا پھر بات ختم ہو گئی۔

ٹھیک دس منٹ پورے ہونے پر چاؤ کی کال آ گئی۔ وہ قابلِ رشک حد تک وقت کا پابند تھا۔ میں کمرا مقفل کر کے نیچے پہنچ گیا۔

وہ لفٹ سے ذرا دور میرا انتظار کر رہا تھا۔ تھائی فیشن کے مطابق اس کے بدن پر آدھی آستینوں والی بش شرٹ اور جینز نظر آ رہی تھی۔ اس کے کشادہ شانوں پر لمبے لمبے، موٹے موٹے بال بھلے لگ رہے تھے۔ مجموعی طور پر وہ گٹھے ہوئے جسم والا ایک صحت مند شخص تھا۔

اس نے میرے قریب آ کر اپنا نصف نام بتایا۔ میں نے علی کہا اور اندازے کی کسی غلطی کے بغیر باہمی شناخت کا وہ مرحلہ طے ہو گیا۔

''ماسٹر! میرے ساتھ آؤ'' اس نے دونوں ہاتھوں سے ہوٹل کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ راستے میں، میں نے کمرے کی چابی کاؤنٹر پر چھوڑ دی۔

فون پر بات کرتے ہوئے اس کے بارے میں پیدا ہونے والی ناپسندیدگی اس سے بالمشافہ ملاقات کے بعد دور ہو گئی تھی۔ اپنے بشرے سے وہ ملنسار اور وفادار نظر آ رہا تھا۔

ہوٹل کے پورچ میں اس کی کالی اکارڈ ایک کنارے سے لگی کھڑی ہوئی تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ وہ بنکاک کا کوئی ٹٹ پونجیا بدمعاش نہیں تھا۔ رہنے سہنے کا ڈھنگ جانتا تھا۔

ہوٹل سے نکل کر اس کی گاڑی تک آتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ باہر کا موسم گرم ہونا شروع ہو گیا تھا۔ گاڑی ٹھنڈی تھی۔ اس کے حرکت میں آتے ہی چاؤ نے ائرکنڈیشنر چلا دیا تھا۔

''کسی پارک میں بیٹھنے کے بجائے ہم گاڑی میں بات کر سکتے ہیں۔ گاڑی کسی ویران سڑک پر لے لو'' ہوٹل کی حدود سے نکل آنے پر میں نے کہا۔

''ماسٹر!'' تم نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ آج واقعی گرمی ہے'' اس نے میری تائید کی پھر کہا'' تم آج پانچ گملوں میں پھول کھلانا چاہتے ہو۔''

اس کی وہ پہیلی میرے سر سے گزر گئی ''میں تمہاری بات نہیں سمجھ سکا۔''

''ماسٹر! یہ بنکاک ہے۔ یہاں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ پانچ گملے راجن کے ہیں۔ تین کلب اور دو کیسینو۔ بم پھٹتا ہے تو باہر بارود کا پھول بنتا ہے۔ فون پر ہم ان اشاروں میں بات کریں گے اور کبھی ڈان کا نام نہیں لیں گے۔''

''ماسٹر میں ہوں اور ہدایات تم دے رہے ہو؟'' میں نے مذاق میں کہا۔

اس نے اسٹیئرنگ چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے اپنے گال چھوئے اور جلدی سے دوبارہ اسٹیئرنگ تھام کر بولا۔ ''ماسٹر! یہ مشورہ ہے، میری یہ ہمت نہیں کہ تم کو ہدایت دے سکوں۔ میں تمہارا بے دام غلام ہوں۔ جو کہو گے وہی کروں گا۔''

''تمہیں سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔ مجھے وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ تمہارا کیا ارادہ ہے...... یہ کام آج ہو جائے گا؟'' میں نے کہا۔

''بھاگ دوڑ کی جائے تو کام آج بھی ہو سکتا ہے۔ اچھا یہ ہو گا کہ مجھے کل تک کی چھوٹ دے دو۔ ہر کام سکون سے ہو جائے گا۔ آج میرے آدمی ان ٹھکانوں کو دیکھ لیں گے۔ کل رات گملوں میں بیج ڈال دیے جائیں گے۔ پرسوں صبح وہاں پھول کھل اٹھیں گے'' وہ کسی جوش یا ہیجان کے بغیر کہہ رہا تھا۔ ''بس ایک گڑبڑ ہے۔ چار گملوں کی طرف سے تم بے فکر ہو جاؤ۔ پانچویں کو چھوڑ دو۔ وہاں بڑے گیم ہوتے ہیں۔ چپے چپے پر محافظ ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھ بچا کر کچھ کرنا مشکل ہے۔''

''گولڈن ڈریگن کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''تم کو ہر بات معلوم ہے۔ اسے میری لسٹ سے نکال دو۔''

''تمہارے لیے مشکل ہے تو اسے میں خود دیکھ لوں گا۔''

''ماسٹر! جو کام میرے لیے مشکل ہے۔ وہ تمہارے لیے بھی مشکل ہو گا'' اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے زور دے کر کہا۔

''سب ہلکی قوت کے آتش گیر بم ہوں گے تاکہ ان کے پھٹنے سے زیادہ تباہی نہ ہو۔'' میں نے اس کی بات سنی ان سنی کر کے کہا'' ہر جگہ ایک بم رکھا جائے گا۔ دو ٹائم بم مجھے دے دو۔''

''گولڈن ڈریگن کے لیے؟'' اس نے بے بسی سے پوچھا۔

''ہاں، میرا بس چلے تو میں وائٹ ہاک کو بھی نہ چھوڑوں۔ شہر کے ہر ٹھکانے پر کچھ نہ کچھ ہونا ضروری ہے۔ یہ میری انا کا مسئلہ ہے۔ اسے میں خود سنبھال لوں گا۔ باقی چار ٹھکانوں کی ذمے داری تمہاری ہے۔ جو کہا ہے وہ ہو جانا چاہیے۔''

''اور وقت کے لیے کیا کہتے ہو؟'' اس نے بے جان آواز

میں سوال کیا۔
''آج کا دن لے لو اور اس وقت مجھے دور سے گولڈن ڈریگن دکھادو۔''
وہ منہ سے کچھ نہیں بولا۔ سر ہلا کر رہ گیا۔ گولڈن ڈریگن کے بارے میں اس نے مجھ سے بحث کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ میرے ساتھ اس طرح پیش آرہا تھا جیسے میں واقعی اس کا آقا ہوں۔
''ٹائم بم مجھے کب ملیں گے؟'' کچھ دیر بعد میں نے سکوت توڑا۔
''اپنی سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر کینوس کا تھیلا نکال لو۔ اس میں دو پاؤنڈ بارودی طاقت والے پانچ ٹائم بم موجود ہیں'' اس نے سڑک سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔
میرے بدن میں بے اختیار سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ خیال روح فرسا تھا کہ میں ایک اجنبی کے ساتھ بارود کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا تھا۔
ہتھیار اور گولا بارود میرے لیے نئے نہیں تھے۔ اول خان کی گاڑی میں ہر وقت ایسے بیسیوں شعبدے پڑے رہتے تھے اور میں بے فکر ہو کر اس کے ساتھ سفر کرتا تھا مگر چاؤ فان، اول خان سے بہت مختلف تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ بارودی بموں کے بارے میں اسے کتنی معلومات حاصل تھیں۔
''تم اتنی غیر ذمے داری سے ٹائم بم اپنے ساتھ لے کر گھوم رہے ہو؟'' میں نے ترشی سے کہا۔
''ماسٹر! سب کے ٹائمر آف ہیں۔ وہ خود سے آن نہیں ہو سکتے'' اس نے مدافعانہ لہجے میں وضاحت کی'' میں تیاری کے ساتھ پانچ ٹائم بم لے کر نکلا تھا۔ اگر تم ایک دن کی مہلت دینے پر راضی نہ ہوتے تو مجھے اسی وقت سے کام شروع کرنا ہوتا۔ بم اپنے آدمیوں کے حوالے کر کے انہیں بریف کرنا ہوتا۔ ان کے ٹائمر صرف بارہ گھنٹے کے ہیں۔ صبح کے دھماکے کے لیے انہیں رات گئے آن کرنا ضروری ہے۔ کوئی آدمی وقت سے پہلے ٹائمر آن کر دے تو خود دھماکے سے اڑ سکتا ہے.....''
''یہ باتیں مجھے معلوم ہیں۔ انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں'' میں نے اس کی بات کاٹ کر اسے خاموش کر دیا۔ سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر میں نے وزنی تھیلا نکالا، پائیدان میں اس کی زپ کھولی اور سیاہ پلاسٹک کی ایک وزنی ڈبیا باہر نکال لی۔
وہ خاصے قیمتی بم تھے۔ ان کے پچھلے حصے پر گول اور شفاف پلاسٹک کے نیچے سرخ اور سیاہ رنگ کی دو گھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ سیاہ بٹن وقت کے تعین کے لیے تھا۔ سرخ بٹن سے ٹائمر کو آن کیا جا سکتا تھا۔ اس بم کو صبح گیارہ بجے سیٹ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ سیاہ بٹن سے بارہ گھنٹے کا وقت مقرر کر کے سرخ بٹن رات کے گیارہ بجے کے بعد آن کیا جائے۔ مہم کی مخصوص نوعیت کی وجہ سے کم مدت کے ٹائمر والے سستے بم کسی مصرف کے نہ ہوتے۔
میں نے چاؤ کے تھیلے سے ایک اور ڈبیا نکال کر اپنی گود میں رکھی اور تھیلا بند کر کے واپس سیٹ کے نیچے سرکا دیا۔
''یہ دونوں ٹائم بم تم اسی طرح لے جاؤ گے؟'' چاؤ نے ہراساں ہو کر پوچھا۔
''کوئی تھیلا ہے تو دے دو ورنہ ایسے بھی لے جا سکتا ہوں'' میں نے اسے مرعوب کرنے کے لیے بے پروائی سے جواب دیا۔
اس نے اپنی سمت کے دروازے کی جیب سے گاڑی صاف کرنے والا بڑا سا کپڑا نکال کر جلدی سے میری طرف بڑھا دیا۔
میں نے دونوں بموں کو احتیاط کے ساتھ کپڑے میں لپیٹ کر اپنے قدموں میں رکھ لیا۔
''ماسٹر! میری بات مان لو۔ گولڈن ڈریگن کو فی الحال بھول جاؤ'' کچھ دیر کے بوجھل سکوت کے بعد چاؤ نے فکر مندانہ آواز میں کہا'' مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے یہ کام اپنے ہاتھ میں لے کر تم میری سات پشتوں پر لعنت ملامت کر رہے ہو۔ میں ڈرپوک نہیں ہوں۔ وہاں موجود خطرات نے میرا حوصلہ پست کیا ہے۔ وہاں ایک آدمی پکڑا گیا تو سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔''
''تم اس بارے میں خاموش رہو تو زیادہ بہتر ہو گا'' میں نے نرمی سے جواب دیا'' مجھے خودکشی کا شوق نہیں ہے۔ بہت زیادہ خطرہ نظر آیا تو میں خاموشی سے لوٹ آؤں گا۔''
وہ خاموش ہو گیا لیکن اس کے چہرے پر فکرمندی کی علامات واضح تھیں۔
چاؤ کی گاڑی بنکاک کی غیر مصروف سڑکوں کو چھوڑ کر دوبارہ مصروف علاقے میں داخل ہو رہی تھی۔ مجھے امید تھی کہ چاؤ کو گولڈن ڈریگن کی طرف سے نکلنا یاد ہو گا۔
کچھ دیر بعد ہم شہر کے تفریحی علاقے سے گزر رہے تھے جہاں عمارتوں پر بڑے بڑے نیون سائن لگے ہوئے۔ اس وقت ان عمارتوں پر ویرانی کا راج تھا لیکن قرب و جوار میں انسانوں کی خاصی ریل پیل تھی۔ لوگوں کو ایک دوسرے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ سب اپنی دھن میں چلے جا رہے تھے۔
''ماسٹر! آگے بائیں ہاتھ پر پانچواں کمپلا آئے گا'' چاؤ نے مجھے آگاہ کیا'' میں وہاں سے گاڑی سست رفتار سے گزاروں گا۔ جگہ اچھی طرح دیکھ لینا۔''
گولڈن ڈریگن قدیم طرز کی دو منزلہ اور پرشکوہ عمارت تھی۔ عمارت کی چھت پر ڈریگن کا بہت بڑا خاکہ لگا ہوا تھا جو رات میں دور سے جگمگاتا ہوا نظر آتا ہوگا۔ عمارت کا داخلی برآمدہ بہت وسیع

تھا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ کم حیثیت افراد ادھر کا رخ کرنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتے تھے۔
گولڈن ڈریگن پیچھے رہ گیا تو چاؤ نے اس کے بارے میں کوئی بات کرنے کے بجائے ایک نیا ذکر نکال لیا اور پوچھا "ماسٹر! ہلٹن میں تمہارا دل لگ رہا ہے؟"
"رہنے کے لیے اچھی جگہ ہے" میں نے سرسری سا تبصرہ کیا۔
"مجھے بڑے بڑے ہوٹل، روکھے پھیکے اور بناوٹی نظر آتے ہیں۔" اس نے اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھا "یہ امیروں کے چونچلے ہیں۔ بنکاک میں لندن جیسے ہوٹل میں رہنا ہے تو پھر بنکاک آنے کی کیا ضرورت ہے۔ لندن میں رہو۔ بنکاک کا اصل مزہ گیسٹ ہاؤسز میں آتا ہے۔ جہاں بھانت بھانت کے لوگ مقامیوں سے مل کر رہتے ہیں۔"
"وہاں دوسرا گند بھی بہت ہوتا ہوگا؟" میں نے کہا۔
"بالکل ہوتا ہے...... دنیا بھر میں ہوتا ہے" اس نے اعتراف کیا "یہاں کے فیملی گیسٹ ہاؤسز بہت صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ کمپنی کے ساتھ تازہ گھریلو کھانے ملتے ہیں۔ یہاں رہنے کا مزہ اٹھانا ہے تو ماسٹر! میں کہتا ہوں جگہ بدل لو۔"
"میں تمہاری تجویز پر غور کروں گا" میں نے اسے ٹال دیا۔
"ماسٹر! کھاؤ سان روڈ یہاں کا دل ہے۔ کہو گے تو وہاں بندوبست کرا دوں گا۔ میں اپنے دوستوں کو وہیں ٹھہراتا ہوں۔"
ہوسکتا ہے کہ اس کی تجویز معقول رہی ہو۔ سیاحت کا صحیح لطف مقامیوں میں گھل مل کر ہی آتا ہے۔ مگر میں وہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ہماری نقل و حرکت دوسرے مقامیوں کی نظروں میں آنے سے ہمارے لیے دشواریاں پیدا ہوسکتی تھیں۔ ہمیں سیاحت سے زیادہ اپنے دوسرے اہداف سے دلچسپی تھی۔ ان کے حصول کے لیے بہتر یہی تھا کہ ہم ہلٹن میں سب سے الگ تھلگ رہ کر اپنا کام کرتے رہیں۔ سوبھراج کا قصہ نمٹ جانے کے بعد حالات اجازت دیتے تو سیاحت کے پہلو پر بھی غور کیا جاسکتا تھا۔
ہوٹل کے قریب پہنچنے پر چاؤ نے مجھے اپنا موبائل فون نمبر لکھواتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ رات کو فون پر مجھے اپنی کارکردگی کی رپورٹ دے گا۔ اس وقت ہم اگلے دن کے لیے کچھ طے کر سکتے تھے۔
ہوٹل کے پورچ میں اس کی گاڑی سے اترتے ہی گرم ہوا کے جھونکوں نے میرا استقبال کیا۔ میں ٹائم بموں والے پیکٹ کو سنبھال کر تیزی سے ہوٹل میں گھس گیا۔
چیک ان کاؤنٹر کے پیچھے، دیوار پر آویزاں کی بورڈ پر کمرا نمبر چار سو دس کی جگہ خالی تھی۔ غزالہ یقینی طور پر کمرے میں واپس آچکی تھی۔
غزالہ میرے انتظار میں پریشان اور متفکر تھی۔ میرے پہنچتے ہی اس نے شکایتی سوالات کی بھرمار کردی۔ میں اس سے بچتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گیا اور کپڑے میں لپٹے ہوئے ٹائم بم احتیاط سے وہاں رکھ دیے۔
"آپ یہ کیا اٹھا لائے؟" پیکٹ کو دیکھ کر غزالہ اپنے سارے شکوے بھول گئی۔
"چاؤ فان کے دیے ہوئے ٹائم بم ہیں جو کل گولڈن ڈریگن میں پہنچانے ہیں" میں نے مسہری پر گر کر ہنستے ہوئے جواب دیا۔
"چاؤ فان کون ہے؟ آپ تو ڈان برنارڈ سے ملنے گئے تھے۔"
مجھے یاد آیا کہ اسد کے ساتھ ہوٹل سے روانہ ہونے کے بعد وہ غزالہ سے میری پہلی ملاقات تھی۔ میں واپس آیا تو وہ باہر نکلی ہوئی تھی۔ میں نے اسے ابتدا سے سب کچھ بتانا شروع کیا۔
اپنی ٹولی سے بچھڑ جانے کے بعد وہی میری ہم دم اور ہم ساز رہ گئی تھی۔ ہر قسم کے برے بھلے مشورے بھی اسی سے مل سکتے تھے اور حالات سے واقف رہنا اس کا حق بھی تھا۔
میری روداد اس کے لیے دلچسپ ثابت ہوئی لیکن اسے اس بات کا رنج تھا کہ میں اپنے لیے گولڈن ڈریگن کی ایک ذمے داری سمیٹ لایا تھا۔
"جب تک یہ ہم یہاں رہیں گے، میری جان سولی پر ٹنگی رہے گی" غزالہ بولی "انہیں کل استعمال کرنا تھا تو آج یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی؟"
"مجبوری تھی۔ چاؤ یہ مال گاڑی میں لے کر آیا تھا" میں نے بتایا "اگر ان کو گرایا نہ جائے تو یہ موجودہ حالت میں بالکل بے ضرر ہیں۔"
"یہاں آپ دونوں بم لے آئے۔ کراچی میں ہوتے تو ان بموں کی وجہ سے ہوٹل کے گیٹ پر ہی دھر لیے گئے ہوتے۔ آپ نے بہت خطرناک کام کیا ہے۔"
کراچی میں ایسا ہونا واقعی ناممکن تھا۔ شہر میں بیرونی قوتوں کی دن بدن بڑھتی ہوئی چیرہ دستیوں کی وجہ سے ہر اہم عمارت میں سیکیورٹی کے ایسے فول پروف انتظامات کیے گئے تھے کہ کسی بارودی یا مشتبہ چیز کے ساتھ ان عمارات میں داخلہ ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ بنکاک میں حالات اتنے خراب نہیں تھے۔ مجھے اس کا فائدہ مل گیا تھا۔
"میں کہتی ہوں کہ آپ اب بھی یہ بم چاؤ کو لوٹا دیں۔ جب

وہ آپ کو وہاں جانے سے خود روک رہا ہے تو آپ اس کام پر کیوں مصر ہیں۔ راجن کے چار ٹھکانوں پر ہونے والے دھماکے اسے حواس باختہ کرنے کے لیے کافی ہوں گے۔''

''اس بارے میں مزید بحث بے سود ہے' میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ اسے تبدیل کرنا ناممکن ہے۔ میں کل وہاں ضرور جاؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ وہاں کوئی موقع میسر نہ ہوا تو یہ دونوں بم ہمارے ساتھ واپس آ جائیں گے۔''

غزالہ کو میرے مزاج کا بخوبی اندازہ تھا، اس نے وہ بات وہیں ختم کر دی۔

ہمارے درمیان گولڈن ڈریگن ممنوعہ موضوع قرار پا چکا تھا لیکن وقفے وقفے سے ہمارے درمیان دوسرے واقعات اور نئے کرداروں کے بارے میں تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ غزالہ کی نپی تلی رائے تھی کہ بنکاک آنے کے بعد ہمارے کام کی رفتار سست ہونے کے بجائے زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ راجن کے خلاف ڈان کے منفی جذبات اور سوبھراج کی آمد نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

میرے ذہن میں یہ بات جاگزیں ہو چکی تھی کہ جب تک دونوں ٹائم بم ٹھکانے نہ لگ جاتے، ہوٹل کے کمرے کو خالی چھوڑنا مناسب نہیں تھا۔ کمروں کی صفائی پر مامور عملے کا ذرا سا تجسس ہمارا پورا کام بگاڑ سکتا تھا۔ اس خدشے کے پیش نظر میں نے دوپہر کا کھانا کمرے میں منگوایا اور پھر شام کی چائے بھی وہیں منگوالی۔ میں نے غزالہ کو ہدایت کر دی تھی کہ مجھے کسی کام سے باہر جانا پڑے تو وہ کمرے کو اکیلا چھوڑ کر کہیں نہ جائے۔

سات بجے اسد آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک وزنی تھیلا تھا جس سے اشتہا انگیز خوشبوئیں پھوٹ رہی تھیں۔ کمرے میں آتے ہی اس نے وہ تھیلا میز پر رکھ دیا۔

''تم یہ کیا اٹھا لائے؟'' سلام دعا کے بعد غزالہ نے اس سے سوال کیا۔

''امپیریل تارا ہوٹل سے ڈنر کا ساز و سامان لے کر آیا ہوں'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''مجھے وہاں کے کھانے بہت پسند ہیں۔ جبری تجرد کی دو سالہ زندگی گزار کر میں نے صرف یہ دریافت کیا ہے کہ بنکاک میں ہم لوگوں کے مطلب کے کھانے کہاں کہاں ملتے ہیں۔ ہندوؤں اور سکھوں نے چٹخاروں کے لحاظ سے بنکاک کو دہلی کے ساتھ لا کھڑا کیا ہے۔''

''ابھی تھیلا کھلے گا تو تمہارے ذوق کا اندازہ ہو جائے گا...... یہ بتاؤ کہ تم آج دن بھر کہاں غائب تھے؟ صبح کے بعد اب نظر آئے ہو۔''

''روٹین کی کچھ رپورٹیں وغیرہ اسلام آباد بھیجنا تھیں۔ اس کے بعد میں سوبھراج کے چکر میں لگا۔ اس کے بارے میں کہیں سے کوئی خبر نہیں مل رہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے یہاں پہنچتے ہی اسے زمین نگل گئی ہو۔''

سوبھراج اپنے عروج کے دنوں میں بنکاک آتا تھا تو اس معزز پاکستانی سیاست داں کی مہمان داری کے سلسلے میں اسد کا شہر کے بہتیرے لوگوں سے رابطہ رہتا تھا۔ اس نے ایک ایک کر کے ان سب کو ٹٹول لیا تھا لیکن سوبھراج کی آمد کے بارے میں کہیں سے کوئی خبر نہیں مل سکی تھی۔ اس نے خود اسے بنکاک میں اترتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو ہمیں کانوں کان بھی پتا نہ چلتا کہ ہمارا سب سے بڑا حریف شہر میں وارد ہو چکا ہے۔

قرائن بتا رہے تھے کہ پاکستان میں ہوا خیزی کے بعد سوبھراج نے ذہنی طور پر اپنے زوال کو تسلیم کر لیا تھا۔ وہ سینہ تان کر وہاں آنے کے بجائے خاموشی سے آیا تھا اور راجن کے گھر میں پناہ گزین ہو گیا تھا۔ وہاں سے اس کے بارے میں کسی خبر کا باہر آنا ممکن نہیں تھا۔

''وہ اسی طرح وہاں دبکا رہا تو ہمیں اس قلعے کو سر کرنے کے بارے میں سوچنا ہوگا'' وہ سب سن کر میں نے پُر خیال انداز میں کہا۔

''ایک بار اس گھر کو دیکھ لو گے تو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب ڈان کہاں تک تعاون کرنے پر آمادہ ہے' اپنی روداد سناتے سناتے اسد کو اچانک ڈان برنارڈ کا خیال آ گیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ میرے ساتھ فٹ بال ہو رہی ہے'' میں نے ہنس کر جواب دیا ''تم نے ڈان کی طرف لڑھکایا تھا۔ اس نے چاؤ فان کی طرف بڑھا دیا۔ وہ جی دار آدمی معلوم ہوتا ہے۔''

''ڈان نے تمہیں صحیح آدمی سے ملایا ہے'' اس نے پرجوش لہجے میں کہا ''وہ بنکاک کا بہت خطرناک بدمعاش ہے۔ ہر ایک کے اثر سے آزاد رہ کر اپنی سنڈیکیٹ چلا رہا ہے۔ وہ چاہے تو تمہیں لڑنے والوں کا پورا لشکر فراہم کر سکتا ہے۔''

میرے لیے یہ بات حوصلہ افزا تھی کہ چاؤ کا نام اسد کے لیے نیا نہیں تھا۔ بنکاک کی زیر زمین دنیا کے بارے میں اس کی معلومات قابل رشک تھیں۔

چاؤ کا ذکر آیا تو اسد تفصیلات جاننے کے لیے بے چین ہو گیا۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ بات ایک سے دوسرے آدمی تک پہنچ گئی تھی۔

میرے لیے تفصیلات دہرانا مشکل تھا۔ میرے اشارے پر غزالہ نے اسے شروع سے ہر بات بتانی شروع کر دی۔ گولڈن ڈریگن کا ذکر کرنے سے پہلے اس نے اسد کو یہ بتا دیا کہ میں اس بارے میں ایک فیصلہ کر چکا تھا اور اس پر کوئی تنقید سننے کے لیے

تیار نہیں تھا۔

غزالہ سے سب کچھ سن لینے کے بعد وہ تیر کی طرح ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گیا اور احتیاط سے کپڑا ہٹا کر ایک چوکور ٹائم بم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

تیز روشنی میں کئی منٹ تک اس کا جائزہ لینے کے بعد اس نے بم واپس رکھتے ہوئے انکشاف کیا کہ اس پر ساخت کے بارے میں کوئی نشان نہ ہونے کے باوجود اسے شبہ تھا کہ وہ امریکی ساختہ تھا اور اپنے وزن کے اعتبار سے خاصا تباہ کن ثابت ہو سکتا تھا۔

بنکاک میں مستقل بنیادوں پر ایک فوجی اڈا قائم تھا جس کی ضروریات پوری کرنے کے لیے شہر سے دور ایک بھاری اسلحہ ڈپو بھی موجود تھا۔ اسد کی اطلاعات کے مطابق بہت سے امریکی سپاہی فاضل رقم کے لالچ میں ہتھیار اور اسلحہ چرا کر شہر کے گنے چنے لوگوں کے ہاتھوں بیچ دیتے تھے جو بعد میں چور بازار میں دستیاب ہوتا تھا۔

چوروں کے لیے چور بازار تک رسائی دشوار نہیں تھی۔ چاؤ نے اپنی ضرورت کے تحت وہ بم ایسے ہی کسی ذریعے سے خریدے تھے۔ اسد کی رائے میں گولڈن ڈریگن میں محدود تباہی پھیلانے کے لیے ایک آتش گیر بم کافی تھا۔ دونوں کے بیک وقت استعمال کے نتیجے میں جوئے خانے کی عمارت سنگین نقصان سے دوچار ہو سکتی تھی۔

غزالہ نے روم سروس کے عملے سے کچھ مشروبات کے ساتھ خالی پلیٹیں اور ڈشیں منگوالی تھیں۔ وہ اسد کا لایا ہوا کھانا میز پر لگانے کے ساتھ ہماری باتوں میں بھی حصہ لے رہی تھی۔

کھانے کے دوران میں زور وشور سے گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران میں اسد نے ایک عمدہ تجویز پیش کی کہ وہ شہر سے کسی اچھی گاڑی کا بندوبست کر کے ڈرائیور کی حیثیت سے ہمارے ساتھ گولڈن ڈریگن جائے تاکہ اپنا کام پورا کرنے کے بعد ہمیں وہاں سے واپسی میں کوئی دشواری نہ ہو۔

میری مہم کے لیے وہ نکتہ بہت اہم تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ گولڈن ڈریگن میں کیا حالات پیش آتے۔ وہاں ہماری اپنی گاڑی موجود ہوتی تو ہم کسی بھی وقت سرعت سے وہاں سے نکل سکتے تھے۔

بات طے ہوگئی۔ ٹائم بم ایک استعمال کیا جانا تھا۔ اس کو آن کرنے کے لیے رات کے گیارہ بجے کے بعد کا وقت ضروری تھا اس لیے یہ پروگرام بنالیا گیا کہ اسد گاڑی لے کر دس بجے ہمارے ہوٹل آجائے۔ وہاں سے گولڈن ڈریگن کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔

اسد ہنس مکھ اور خوش اخلاق آدمی تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کے ساتھ ہماری ذہنی ہم آہنگی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اسے بھی ہمارے کمرے میں گھر کا سا ماحول مل رہا تھا۔ وہ جم کر ہمارے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ دو سالہ جمود کے بعد کوئی بڑا کام شروع ہونے کی وجہ سے وہ خاصا پرجوش نظر آرہا تھا اور ہمیں درپیش مہم کے ہر پہلو پر باریک بینی کے ساتھ بات کررہا تھا۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ گیارہ بجے وہ رخصت ہوگیا۔ ہم دونوں بھی کپڑے بدل کر بستر پر دراز ہوگئے۔

غزالہ کے ذہن پر کمرے میں رکھے ہوئے ٹائم بموں کا خوف سوار تھا۔ پھر بھی مجھ سے پہلے اس کی آنکھ لگ گئی۔ میں بستر پر لیٹا خاموشی سے آنے والے دن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

ایک بجے یکایک میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ غزالہ کی نیند میں خلل پڑنے کے خوف سے میں نے جلدی سے فون اٹھایا لیکن وہ بے جان ہو چکا تھا۔

اس وقت میرے ذہن پر اس متوقع تصادم کے مسائل سوار تھے جو راجن اور سوبھراج کے ساتھ ہونے والا تھا۔ ایک گھنٹی بج کر فون بند ہونے سے مجھے تشویش ہونے لگی۔ نہ جانے وہ کون تھا جو اتنی رات گئے مجھے ہراساں کرنا چاہ رہا تھا۔

میں نے بٹن دبا کر کال کرنے والے کا فون نمبر دیکھا اور میری ہڈیاں تک سلگ اٹھیں۔ اسکرین پر اول خان کا فون نمبر میرا منہ چڑا رہا تھا۔ وہ نمبر اس وقت دیرا کے استعمال میں تھا۔

وہ امریکا میں بیٹھی ہوئی تھی مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آرہی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ ہمارے سونے کا وقت تھا۔ اس نے جان بوجھ کر ہمارے آرام میں خلل انداز ہونے کی کوشش کی تھی۔

وہ اپنی رات کی نیند پوری کر چکی تھی۔ دوبارہ مجھے ستانے کی کوشش کر سکتی تھی۔ میں نے فون بند کر کے تپائی پر رکھ دیا۔

رات گزر گئی' اگلا دن پرسکون انداز میں شروع ہوا۔ اسد کو شام کو گاڑی لے کر ہمارے پاس آنا تھا۔ صبح اس نے چکر لگانے کے بجائے فون کرنے پر اکتفا کیا۔ دوپہر کو چاؤ کا فون آیا اور اس نے اطلاع دی کہ گملوں میں بیج اگانے کے لیے اس نے اپنے چار ہوشیار مالیوں کو مامور کر دیا تھا۔ اس نے جھجکتے ہوئے میرے پروگرام کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے خشک لہجے میں اسے بتا دیا کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ پانچواں گملا میرا تھا۔

آدمی مصروف ہو تو وقت اتنی تیزی سے گزرتا ہے کہ اس کا اندازہ نہیں ہو پاتا۔ انتظار میں وہی لمحات اتنے طویل ہو جاتے ہیں کہ ایک ایک پل گزارنا دشوار ہو جاتا ہے۔ دن ڈھلنے کے ساتھ میرے اعصاب پر ہلکی سی بے چینی سوار ہوتی جارہی تھی جو انتظار کے تناؤ کا نتیجہ تھا۔

اس دوران میں غزالہ نے مجھے یاد دلایا کہ میں نے گولڈن

ن میں ایک بم استعمال کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ دوسرے بم کو
سے پہلے کہیں چھپانا ضروری تھا۔ اسے کمرے میں چھوڑنے
رہ مول نہیں لیا جاسکتا تھا۔
وہ مسئلہ اہم تھا۔ چند لمحوں کے لیے میں چکرا گیا۔ اس وزنی
و بلاوجہ ساتھ لے کر گھومنا مناسب نہیں تھا۔ اچانک میرے
میں اس مسئلے کا حل آگیا۔
اس رات اسد کی لائی ہوئی گاڑی ہمارے استعمال میں
" فاضل بم اس میں چھوڑا جاسکتا تھا۔ بعد میں اسد وہ بم اپنے
ر لے جاکر محفوظ کرلیتا۔ ضرورت پیش آنے پر اسے دوبارہ
ں کیا جاسکتا تھا۔ نو بجے ہم دونوں نے گولڈن ڈریگن جانے
لیے تیاری شروع کردی۔
غزالہ پاکستان میں ہمیشہ پاکستانی لباس میں رہتی تھی۔ اس
ہ دوپہر میں بازار گئی تھی تو اپنے لیے کچھ قمیصیں اور پتلونیں
ی تھی، وہ کپڑے زیب تن کرنے کے بعد غزالہ کی سج دھج ہی
ی۔ سیاہ ہم رنگ پھولوں والے لباس اور گلے میں اسکارف
اتھ وہ پاکستانی تو کیا ایشیائی بھی نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے
ہوئے رنگ روپ پر ہلکے سے میک اپ نے رہی سہی کسر
پوری کردی تھی میں نے اسے دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔
"کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں جو مجھے اتنے غور سے گھورے جارہے ہیں۔" اس نے میری شوخ اور تیز نظروں سے بے آرام ہوکر کہا۔
"میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہاں آکر تم نے بھی پر پرزے نکال لیے ہیں۔ اس وقت تم سراپا قیامت لگ رہی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری وجہ سے وہاں کسی سے میری جھڑپ ہوجائے۔"
"معزز اور باوقار نظر آنے کے لیے یہ سب ضروری تھا۔" میری بالواسطہ تعریف پر اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا "میں نے یہ کپڑے خریدے تو میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ آج مجھے آپ کے ساتھ گولڈن ڈریگن جانا پڑے گا۔"
غزالہ بہرحال عورت تھی، ذاتی زیبائش اس کا فطری حق تھا مگر مجھے مرد ہوتے ہوئے بھی اپنے لباس پر خاص توجہ دینی پڑی۔ ٹائم بم کو اپنے لباس میں چھپا کر لے جانے کے لیے کوٹ کا استعمال ناگزیر نظر آرہا تھا۔ میں نے ایک وزنی ڈبیا کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر آئینے میں جھول وغیرہ کا جائزہ لیا اور اس رات سوٹ پہننے کا فیصلہ کرلیا۔

اسد اپنے وعدے کے مطابق گاڑی لے کر دس بجے آ گیا۔ انٹر کام پر اس کی آمد کی اطلاع ملتے ہی ہم نے کمرا چھوڑ دیا۔ فاضل ٹائم بم غزالہ کے وینٹی بیگ میں رکھ لیا گیا تھا۔

اسد نے ہم دونوں کو دیکھا اور بے اختیار مسکرا دیا ''اب کوئی مائی کا لال تم دونوں کو وہاں سے نہیں لوٹا سکے گا۔ دونوں ایک دوسرے کی شان بڑھا رہے ہو۔''

سفر مختصر تھا۔ میں نے راستے میں فاضل ٹائم بم اسد کے حوالے کر دیا۔ ذرا سی دیر میں ہماری گاڑی گولڈن ڈریگن کے سامنے جا رکی۔ برآمدے سے ایک پستہ قامت آدمی لپک کر گاڑی کی طرف آیا اور میری سمت کا دروازہ کھول کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔ اسد نے پیشہ ور ڈرائیور کی طرح اتر کر غزالہ کا دروازہ کھول دیا۔

ہم دونوں اتر کر برآمدے کی طرف بڑھے۔ وہاں موجود دربان نے ہمارے لیے دروازہ کھول دیا۔ میں نے برآمدے میں گھستے ہی یہ نوٹ کیا تھا کہ کیسینو میں بڑے گملے کثرت سے رکھے ہوئے تھے۔

داخلی زینوں کے قریب رکھی ہوئی تختی سے پتا چلا کہ کیسینو کی اوپری منزل بھری ہوئی تھی وہاں داخلہ بند تھا۔ میں نے کاؤنٹر سے دو ہزار بھات کے ٹوکن خریدے اور غزالہ کے ساتھ ہال میں داخل ہو گیا جہاں مخصوص بوجھل ماحول میں ہر طرف رقموں کی بازیاں لگی ہوئی تھیں۔

وہاں کارڈز اور بلیرڈ سے لے کر مشینوں پر رقمیں لگ رہی تھیں۔ ہال کی فضا میں الکحل اور تمباکو کی تیز بو رچی ہوئی تھی۔ ہال مردوں اور عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہاں جوڑوں کے علاوہ پیشہ ور لڑکیوں اور عورتوں کی خاصی تعداد بھی موجود تھی۔

ہال کے کئی گوشوں میں پودوں کے گملے نظر آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے راجن کو پھولوں اور پودوں کے استعمال کا خبط ہو۔ عین ممکن تھا کہ چاؤ نے اسی وجہ سے راجن کے ٹھکانوں کے لیے پھولوں اور گملوں کے استعارے استعمال کیے ہوں۔

میں غزالہ کے ساتھ ایک رولیٹ مشین پر رک گیا۔ وہاں آنے کا جواز پیدا کرنے کے لیے کام کرنے سے پہلے کچھ رقم گنوانی ضروری تھی۔ ہم دونوں مشین پر کافی دیر تک مختلف نمبروں پر ٹوکن لگاتے رہے۔ ہمارے ستارے یاور نہیں تھے۔ ٹوکن تیزی کے ساتھ ختم ہوتے رہے۔

تقریباً پون گھنٹے میں ہمارے ہاتھ خالی ہو چکے تھے۔ میں ہال کے دور افتادہ گوشے کی طرف بڑھ گیا جہاں میزوں پر لوگ خورد و نوش میں مصروف تھے۔

ایک خالی میز پر قبضہ جمانے کے بعد میں نے خوبرو ویٹرس کو مشروبات کا آرڈر دیا۔ میں اپنی جیب میں موجود وزنی ٹائم بم کی وجہ سے بہت بے آرامی محسوس کر رہا تھا۔ میری نظریں کیسینو کے واش روم کی تلاش میں چکرا رہی تھیں۔

آخر کار مجھے واش روم نظر آ گیا۔ غزالہ کو میز پر چھوڑ کر میں تیزی سے واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں اوٹ میں ایک مسلح محافظ موجود تھا۔ میں اندر داخل ہوا تو میدان بالکل صاف تھا۔

میرے سوا اندر کوئی موجود نہیں تھا۔ میں لمحہ بھر کے لیے واش بیسن پر رکا۔ دھڑ کتے ہوئے دل کے ساتھ اپنی جیب سے ٹائم بم نکالا، پلٹ کر دیکھا تو میدان بدستور صاف تھا۔ میں اندر آتے ہوئے ان دو گملوں کو دیکھ چکا تھا جو ان حدود میں قرینے سے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے بم نکال کر اس کا سرخ بٹن آن کیا اور بہت سرعت سے وہ ڈبیا گملے پر جھکے ہوئے پتوں کے نیچے ڈال دی۔

میں سیدھا ہونے بھی نہ پایا تھا کہ اچانک ایک آواز نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ''مسٹر! تم نے وہاں کیا رکھا ہے؟''

وہ درشت آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں پلٹا تو باہر والا مسلح چوکیدار اندر آ چکا تھا۔ اس کی نگاہوں میں واضح طور پر شکوک و شبہات نظر آ رہے تھے۔

''یہاں مجھے سرسراہٹ کی آواز آئی تھی۔'' بوکھلاہٹ کے عالم میں، میں نے اسے بتایا ''شاید اس گملے میں کوئی چوہا گھسا ہوا ہے۔''

''چوہا!'' اس نے حیرت سے دہرایا اور تیزی سے آگے گملے کی طرف بڑھ گیا۔

میرے لیے وہ بہت نازک لمحات تھے۔ چوہے کی تلاش میں محافظ ٹائم بم تک پہنچ جاتا تو میرے فرار کی ہر راہ مسدود ہو سکتی تھی۔ وقت بہت کم تھا۔ میرے پاس اس محافظ کو ختم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

وہ جان دار آدمی تھا۔ اس کا گلا گھونٹنا آسان کام نہ ہوتا۔ دوسری طرف مجھے ہر آن کسی ضرورت مند کی ادھر آمد کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ میرے پاس انگوٹھی کا زہر موجود تھا جو میرا سب سے موثر ہتھیار ثابت ہو سکتا تھا۔

میں نے نگینے کو ہتھیلی کے رخ پر گھمایا۔ جوں ہی محافظ چوہا تلاش کرنے کے لیے گملے پر جھکا، میں نے عقب سے جھپٹ کر اس کی برہنہ گردن پر ہاتھ رکھ دیا۔

وہ اپنے منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر اسی گملے پر ڈھیر ہو گیا جس میں ٹائم بم رکھا ہوا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کے انشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی نظانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈیلی کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران ٹام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ قاسم فشریز پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوبھراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد فشریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوری طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سوبھراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کوبرا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔ بعد میں جلال نے اس دعوے کی تصدیق کر دی۔ اس کے مطابق مذکورہ فائل سوبھراج نے اپنے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ سوبھراج کا کہنا تھا کہ وہ گرین کوبرا اس کی سلامتی کی ضمانت تھی۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکر اتار رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا ساماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے ۔

معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز کیے بعد دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر ٹام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور ٹام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش و خروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کردی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کوبرا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تھائی لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کررہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلا توقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کردیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ٹاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہوگیا۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے مخدوش ہوگیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کرسکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کرلی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کرسکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے ٹام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کرلی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوگئے تھے۔ ان حالات میں جلال اور اول خان دونوں نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ حیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہوئی۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیرزمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کرسکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہوگیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ ویرا اور سلطان شاہ امریکا پہنچ چکے تھے اور بے کاری کے دن گزار رہے تھے۔ میں نے چھوٹا راجن کے مختلف کلبز میں دھماکے کرنے کی ٹھانی۔ چاؤ فان میرے ساتھ تھا۔ سب سے اہم ٹھکانے پر میں خود گیا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی۔ جب میں نے وہاں بم رکھا ہی تھا، ایک محافظ میرے سر پر مسلط ہوگیا۔

اب آپ قسط نمبر 245 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

وہ فرش سے دیواروں تک سفید ٹائلوں سے مزین ایک کافی کشادہ کمرا تھا جہاں ایک طرف دیوار کے ساتھ چھ بڑے بڑے واش بیسن ٹھنڈے اور گرم پانی کی دہری ٹونٹیوں کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ ہر واش بیسن کے اوپر الگ دمکتا ہوا آئینہ لگا ہوا تھا' بغلی دیوار کے ساتھ مردوں کے لیے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا بندوبست تھا۔ عقب میں ایک قطار سے کموڈ وغیرہ کے ساتھ کئی کیبن بنے ہوئے تھے میں ان میں سے کسی کیبن میں داخل نہیں ہوا تھا لیکن ان کے دروازوں کی قدرے کشادہ جھریوں سے مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس وقت وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

مسلح محافظ اس کمرے سے باہر جس طرح جم کر کھڑا تھا اس کے پیش نظر مجھے گمان تک نہیں تھا کہ وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اندر کا رخ کرے گا۔ مجھے زیادہ سے زیادہ یہ دھڑکا تھا کہ گولڈن ڈریگن کا کوئی اور گاہک فطری دباؤ کے تحت مجبور ہوکر ادھر نہ آنکلے۔

ایسی کسی امکانی مداخلت سے بچنے کے لیے میں نے بہت تیزی سے اپنا کام مکمل کیا تھا۔ محافظ کو وہاں آنے میں لمحہ بھر کی بھی تاخیر ہوتی تو میں سرسبز گملے کے پتوں میں ٹائم بم چھپا کر وہاں سے صاف نکل گیا ہوتا۔

قدرت کو وہ منظور نہیں تھا۔ چوکیدار نہ صرف وہاں آیا تھا بلکہ اس نے مجھے گملے میں کچھ ڈالتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا۔ میرے لیے وہ زندگی کے بدترین لمحات تھے۔ میں اسے ذرا بھی مہلت دیتا یا کچھ سمجھانے کی کوشش کرتا تو وہ لپک کر۔۔۔ مشکوک گملے تک پہنچ جاتا اور سیاہ ڈبیا میں بند ٹائم بم دریافت کرلیتا۔ اس کی نوعیت سمجھنے کے لیے محافظ یا چوکیدار کو کسی خاص مہارت کی ضرورت نہیں تھی۔ میں ٹائمر چلا چکا تھا۔ بم ہاتھ میں لیتے ہی اسے موت کی گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے جاتی اور میرا وہاں سے بچ کر نکلنا ناممکن ہوجاتا۔

گولڈن ڈریگن راجن کی ملکیت تھا۔ بات اس تک پہنچتی تو وہ کسی صورت میں مجھے معاف نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی سفاکی اور بربریت کے قصے میں سن چکا تھا۔ ڈان نے اس کی بدنگاہی کا بھی ذکر کیا تھا۔ میرے ساتھ جو ہوتا سو ہوتا' غزالہ اس درندے کے ہاتھوں زندہ درگور ہوجاتی۔ اس وقت میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں نے بہت تیزی سے وہ سب سوچا۔ مجھے یہ خیال بھی آیا کہ پاکستان میں زہریلی سوئیوں سے ہونے والی اموات کا بہت چرچا ہوچکا۔ انہیں میری شناخت بنا دیا گیا تھا۔ ہاکس بے کے سنی ہٹ کے پاس دو امریکی کمانڈوز اس ہتھیار کے زیادہ پرانے شکار نہیں تھے۔

سوبھراج کو ڈان کے ذریعے اس محافظ کی موت کا سبب معلوم ہوتا تو فوری طور پر اس کا ذہن میری طرف مبذول ہوجاتا۔ انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ زہر کے استعمال کے نتیجے میں بنکاک میں میری موجودگی کا راز فاش ہوسکتا تھا۔

نفع اور نقصان' زندگی اور موت...... وہ سب پلک جھپکتے میں ایک فلم کی طرح میرے ذہن میں گھوم گیا۔ اس وقت میرے لیے اپنی جان بچانا سب سے زیادہ ضروری تھا۔ اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد میں نے گملے پر جھکے ہوئے مسلح محافظ کی

ننگی گردن میں سرعت سے زہر اتار دیا تھا۔
وہاں خون کا کوئی نشان تھا نہ تشدد کی کوئی علامت۔ اس کے باوجود وہ جس غیر فطری انداز میں منہ کے بل گھنے گملے کے پتوں پر گرا ہوا تھا اس سے کوئی بھی آنے والا دور سے یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی اچانک اور ناگہانی حادثہ پیش آیا ہے۔
اسے اٹھایا جاتا تو ٹک ٹک کی بہت مدھم سی آواز پیدا کرتا ہوا ٹائم بم لوگوں کی نظر میں آجاتا۔ گولڈن ڈریگن کے منتظمین کو اس کی اصلیت معلوم ہونے میں دیر نہ لگتی۔ بم کے پھٹنے کا وقت صبح کا تھا کسی نہ کسی طرح اسے ناکارہ بنا دیا جاتا لیکن اگلی صبح راجن کے چار ٹھکانوں پر دھماکے ہونے کے بعد پانچوں واقعات ایک لڑی میں پرو دیے جاتے۔
وہاں بم کی افادیت ختم ہو چکی تھی۔ وہ کسی بھی طرح گولڈن ڈریگن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔
میں نے مسلح محافظ کو مار کر اپنے خلاف ایک شہادت پیدا کر لی تھی۔ بے مصرف بم کو وہاں چھوڑنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے مردہ محافظ کے سینے کے نیچے ہاتھ ڈال کر گملے میں سے بم اٹھایا اور کچھ دیکھے بھالے بغیر دوبارہ کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔
اس زندہ بم کی ٹک ٹک محسوس کر کے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اگلی صبح سے پہلے نہیں پھٹے گا مگر وہ انسان کا بنایا ہوا تھا۔ سرکٹ کے کسی معمولی نقص کی وجہ سے میری جیب میں ایک ہولناک دھماکا ہو سکتا تھا۔
خیالات کی تیز ترین روانی جگہ پر تھی۔ اس کی وجہ سے میری عملی کارروائی میں کہیں بھی کوئی تاخیر نہیں ہوئی۔ بم اپنی جیب میں ڈالتے ہی میں نے واش رومز کا وہ حصہ چھوڑ دیا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔
ہال میں جواری اپنے کھیل میں بہت زیادہ منہمک تھے یا پھر ان کے مثانے مضبوط تھے۔ یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ قریب میں کوئی امیدوار موجود نہیں تھا۔ کئی قدم دور سے ایک ادھیڑ عمر امریکی سیدھ باندھ کر ٹوائلٹ کی طرف آرہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس کے باتھ روم میں پہنچنے سے پہلے میں غزالہ تک پہنچ جاؤں گا۔
حالات کی نزاکت کی وجہ سے میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں پوری قوت سے غزالہ کی طرف دوڑ لگا دوں لیکن میں دل پر جبر کر کے ہموار قدموں سے چلتا رہا۔ میری کوئی بھی غیر معمولی حرکت وہاں کے نگرانوں کو میری طرف متوجہ کر سکتی تھی۔
اسے معلوم تھا کہ میں کس ارادے سے واش روم کی طرف گیا تھا۔ وہ کسی اضطراب کا مظاہرہ کیے بغیر کن انکھیوں سے واش روم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جوں ہی میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں میں نے گردن کی خفیف سی جنبش سے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔
میرے موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت تک غزالہ نے مزید کسی چیز کا آرڈر نہیں دیا تھا۔ مشروب کے دو گلاس میز پر آئے تھے جن میں سے ایک خالی ہو چکا تھا۔ میرے لیے آنے والا دوسرا گلاس جوں کا توں لبریز رکھا ہوا تھا۔
میری گردن کی جنبش دیکھتے ہی غزالہ نے کمال ہوشیاری کا مظاہرہ کیا۔ میرے میز تک پہنچنے کا انتظار کیے بغیر اپنے وینٹی بیگ سے ایک بڑا نوٹ نکال کر خالی گلاس کے نیچے دبا دیا اور وہاں سے اٹھ کر پورے اطمینان سے نکاس کے راستے کی طرف چل دی۔ میں چند قدموں کے فاصلے سے اس کے پیچھے جا رہا تھا۔
اس وقت میری کیفیت ناقابلِ بیان حد تک عجیب تھی۔ بدن میں رہ رہ کر پھریریاں دوڑ رہی تھیں کہ میں جاتے جاتے کسی ناگہانی مصیبت میں دوچار نہ ہو جاؤں۔
ہال کے سرے پر پہنچنے تک مجھے یقین ہو چکا تھا کہ اس وقت تک ادھیڑ عمر امریکی نے واش روم جا کر محافظ کی لاش دریافت کر لی ہو گی یہ اور بات تھی کہ اس کی ساکت نبضیں دیکھے بغیر کسی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔
گڑبڑ کی ابتدا مردہ محافظ کی دیکھ بھال سے ہوتی۔ جب تک لوگوں کو اس کی ہلاکت کا اندازہ ہوتا، ہم دونوں گولڈن ڈریگن سے دور نکل گئے ہوتے۔
میں نے راستے میں عجلت دکھانے کی کوئی کوشش نہیں کی' کیسینو کے باہر ہماری گاڑی موجود نہیں تھی' اسد کسی فرض شناس پیشہ ور ڈرائیور کی طرح ہمارے انتظار میں برآمدے کے نیچے منڈلا رہا تھا تاکہ گاڑی تک ہماری رہنمائی کر سکے۔
ہم دونوں کی جھلک دیکھتے ہی وہ آگے چل دیا۔ گولڈن ڈریگن کے برآمدے سے اتر کر میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ میں برابر میں پہنچا تو غزالہ نے لاتعلقانہ انداز میں میری طرف دیکھا اور اس کے قدم بھی تیز ہو گئے۔
چند لمحوں میں ہم اسد کی لائی ہوئی گاڑی میں سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔
''آپ کچھ خاموش اور گھبرائے ہوئے نظر آرہے ہیں۔'' گاڑی کے حرکت میں آتے ہی غزالہ نے میری طرف

دیکھتے ہوئے فکر مندی سے کہا۔

''بہت بڑی گڑبڑ ہوگئی' چلتا ہوا ٹائم بم میری جیب میں ہے وہاں ایک محافظ میرے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ انتہائی مجبوری کے عالم میں مجھے اس پر انگوٹھی استعمال کرنی پڑگئی۔'' میں نے مختصر ترین الفاظ میں ان دونوں کو اپنی روداد سے آگاہ کیا۔

''کیا...... زندہ بم تمہاری جیب میں ہے؟'' میرا انکشاف سنتے ہی اسد اپنی نشست میں تقریباً اچھل پڑا'' مجھے ایسے بموں کے بارے میں تھوڑی بہت شدبد ہے۔ اسے جیب سے نکالو میں گاڑی کسی ویران مقام پر روک کر اسے ناکارہ بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''نہیں اسد!'' میں نے سختی سے کہا'' کسی تجربے کی گنجائش نہیں ہے' ذرا بھی گڑبڑ ہوگئی تو ہم تینوں کے چیتھڑے اڑ جائیں گے میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔''

''تو کیا اس مصیبت کو ساتھ لے کر پھرتے رہو گے؟'' وہ اعصاب زدہ ہوا جا رہا تھا۔

''اگر کوئی بدنصیبی آڑے نہ آئی تو یہ بم صبح گیارہ بجے سے پہلے نہیں پھٹے گا۔ اپنے حواس یکجا کرو اور اسی حالت میں اسے ٹھکانے لگانے کا کوئی طریقہ سوچو!''

اسد چپ ہوگیا۔ غزالہ کے استفسار پر میں نے پورا واقعہ سنا دیا جو بہت مختصر لیکن انتہائی ہولناک تھا۔

''کچھ لیا دیا کام آگیا تم بال بال بچے ہو۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا'' گولڈن ڈریگن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہاں گڑبڑ کرنے والا اچانک غائب ہو جاتا ہے پولیس ڈھونڈتی رہ جاتی ہے مگر اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ وہاں کا ہر محافظ تربیت یافتہ اور ظالم ہے۔ وہ کسی پر رحم کھانا نہیں جانتے۔''

''آئندہ ان باتوں کا خیال رکھوں گا۔'' میں نے ہنس کر بے پروائی سے جواب دیا۔ میں خود بھی اس واقعے کے اعصاب شکن اثرات سے نکلنے کی شعوری کوشش کر رہا تھا

''ہم نے ابھی تک بم کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں کچھ نہیں سوچا!'' غزالہ نے مخل ہو کر ہم دونوں کو یاد دلایا۔

''گاڑی کسی ویرانے کی طرف نکال لو۔'' میں نے اسد سے مخاطب ہو کر کہا'' موقع پا کر بم وہیں کہیں پھینک دیں گے تاکہ کوئی جانی نقصان نہ ہو۔''

''اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔'' وہ سوچتے ہوئے بولا'' رات کے اندھیرے میں ہر غیر آباد جگہ ویرانہ نظر آتی ہے کیا پتا اجالا پھیلتے ہی وہاں لوگوں کی آمدورفت شروع ہو جائے۔ تمہارے حساب سے یہ بم صبح گیارہ بجے کے لگ بھگ پھٹے گا۔''

''ہم نے اس سے چھٹکارا نہ پایا تو یہ بم ہمیں لے ڈوبے گا۔''

''میرا خیال ہے کہ دریا کی طرف نکلا جائے۔'' اسد نے تجویز پیش کی۔

''کس دریا کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''دریائے چاؤ پرایا۔'' اس نے کہا'' بنکاک کسی طرح لندن سے کم نہیں ہے یہ دریا شہر کے وسط میں بہتا ہے۔ پل سے دریا عبور کرتے ہوئے تم اس منحوس بم کو دریا میں اچھال دینا جان چھوٹ جائے گی۔''

''اگر بم کسی کشتی وغیرہ پر جا گرا تو کیا ہوگا۔''

''رات کو دریا میں زیادہ کشتی رانی نہیں ہوتی۔ بنکاک کی تفریحات دوسری ہیں۔ دریا کی تہ گہری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پانی میں بھیگ کر بم ناکارہ ہو جائے۔ یہ دریا کی تہ میں پھٹا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ گہرائی میں دھماکے کی آواز بھی دب جائے گی۔''

اسد کی وہ تجویز قابلِ عمل محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے پوچھا'' دریا یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''میں گاڑی اس راستے پر ڈال چکا ہوں۔ چند منٹ میں ہم میموریل برج پر سے گزریں گے۔ میں گاڑی کی رفتار دھیمی رکھوں گا۔ تم دیکھ بھال کر اپنا کام کر لینا۔''

اس سمت میں سفر جاری رہا۔ ہمارے درمیان گزرے ہوئے واقعے کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے اپنے ذہن میں جائے واردات کا پورا نقشہ بنایا ہوا تھا۔ وہ دونوں ہمارے فرار کے بعد کے واقعات کے بارے میں بے یقینی کا شکار تھے اور مسلسل قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ میں خاموشی سے کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔

وہ علاقہ زیادہ روشن نہیں تھا۔ دور سے دریا کے تاریک پانی میں قرب و جوار کی روشنیوں کا انعکاس نظر آ رہا تھا۔ گاڑی پل پر چڑھی تو اسد کے اندازے کی تائید ہوگئی۔ دریا میں تیرتی ہوئی روشنیوں کے فقدان سے میری ہمت بندھی اور میں نے جیب سے سیاہ وزنی ڈبیا نکال کر اپنی سمت کا پورا شیشہ اتار دیا۔

اسد کہہ چکا تھا کہ دریا گہرا ہے مگر میں بھی عقل سے پیدل نہیں تھا وہ گہرائی دریا کے وسط ہی میں مل سکتی تھی میں نے مڑ کر دیکھا ہمارے پیچھے زیادہ ٹریفک نہیں تھا۔ اسد کی سمت

روی کی وجہ سے دو گاڑیاں تیزی سے قریب آتی جارہی تھیں۔
یکے بعد دیگرے وہ دونوں گاڑیاں ہمارے برابر سے آگے نکل گئیں۔ اس وقت اس کی کار پل کے وسط سے ذرا دور تھی۔ اس سے پہلے کہ ہمارے پیچھے کسی اور گاڑی... کی روشنیاں نمودار ہوتیں، میں نے بم کو اپنے ہاتھ میں تولا اور سیٹ سے اچک کر اسے پوری قوت سے کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔ وہ فضا میں اڑتا ہوا نیچے کی طرف چلا اور لمحہ بھر میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔
میں دم بخود اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے غزالہ بھی سہمی ہوئی نظر آرہی تھی۔ میرے کان کسی بھی لمحے دھماکے کے منتظر تھے۔
اسد باقاعدہ ڈرائیور کے روپ میں تھا اس لیے اس کے برابر والی سیٹ خالی تھی۔ ہم دونوں عقبی نشست پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے کچھ پتا نہیں چل سکا کہ کب کیا ہوا۔ چند ثانیوں بعد وہ بولا ''میدان صاف ہے اب اسے پھینک دو!''
''بم اب تک دریا میں تہ نشین ہو چکا ہوگا۔'' میں نے اسے مطلع کیا ''میں پہلے ہی اس بوجھ سے آزاد ہو چکا ہوں۔''
''زندہ باد!'' اسد نے بے ساختہ کہا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔
میموریل برج کے اختتام پر واقعی کوئی یادگار تھی جہاں روشنیوں کا ایک سیلاب آیا ہوا تھا مگر اس وقت ہم تینوں میں سے کسی کو ایسی چیزوں سے دلچسپی نہیں تھی، اسد اپنی گاڑی حتی الامکان تیزی سے بھگاتا لے گیا۔
اسد کی معلومات کے مطابق اس دریا پر کئی پل تھے۔ وہ کسی دوسرے پل سے دریا کو واپس عبور کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے فرمائش کی کہ وہ دوبارہ اسی طرف سے لوٹے جہاں سے ہم آئے تھے تاکہ ہمیں اپنے پھینکے ہوئے ٹائم بم کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔
اس نے میری بات مان لی۔ ہم وہیں سے گزرے، دونوں سمتوں کا ہلکا پھلکا ٹریفک پل پر سے معمول کے مطابق گزر رہا تھا۔ کہیں کوئی ہلچل نظر نہیں آرہی تھی۔ ان علامتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بم ایک چھپاکے کے ساتھ دریا کی دلدلی تہ میں بیٹھ چکا تھا۔ امید یہ تھی کہ پانی میں غرق ہو جانے کی وجہ سے وہ مقررہ وقت پر ناکارہ ثابت ہوگا۔
''سب کچھ خیریت سے ہو گیا، صبح گولڈن ڈریگن پر دھماکا نہیں ہو سکے گا۔'' غزالہ نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا ''چاؤ کے چاروں پھول شاید کھل جائیں گے۔''
''میری کوشش کو چاؤ فان کی نظر لگ گئی۔ وہ مسلسل مجھے اس کوشش سے باز رہنے کے مشورے دے رہا تھا'' میں نے جواب دیا۔
''وہاں کے محافظ کو مار کر تم نے دھماکے سے بڑا دھماکا کر دیا ہے۔'' اسد حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولا ''آج چھوٹا راجن کی نیند حرام ہو جائے گی۔ لاش کا معما حل ہونے سے پہلے صبح چار دھماکے بھی ہو جائیں گے۔''
''چاؤ کی دم اونچی ہو جائے گی۔'' میں نے افسردگی سے کہا ''وہ بدمعاش مجھے ماسٹر کہتا ہے لیکن میرے ساتھ اس کا رویہ کسی اتالیق جیسا ہوتا ہے۔''
''اس طرف کے لوگوں سے آپ کا تال میل نہیں ملتا۔'' غزالہ ہنس کر بولی ''ڈان کوانگ فو، ڈان برنارڈ اور اب چاؤ فان آپ سے ٹکرایا ہے۔''
باتوں باتوں میں ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ اسد نے ہمیں پورچ میں اتارا اور وہیں سے گاڑی میں ہوا ہو گیا۔
ہم دونوں کمرا کھول کر بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔
میں نے بڑھ کر ریسیور اٹھایا اور پھاڑ کھانے والی آواز میں ہیلو کہا۔
''ماسٹر! گرم معلوم ہو رہے ہو!'' میرے کان میں چاؤ کی دھیمی آواز گونجی ''وہاں تم بہت کرارا کام کر کے آئے ہو!''
میری سمجھ میں نہ آسکا کہ میں فون پر اس کی بات کا کیا جواب دوں۔ میں نے خشک لہجے میں پوچھا ''تم کہاں ہو؟''
''میں نیچے لابی میں ہوں، کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ تم وہاں سے بہت پہلے نکل گئے تھے۔ اتنی دیر کہاں ہو گئی؟''
اس نے ایک سانس میں سب کچھ کہہ ڈالا۔ ابتدائی فقروں میں پورے وثوق سے کرارے کام کا حوالہ دے کر اس نے مجھے یہ جتا دیا تھا کہ وہ گولڈن ڈریگن میں رونما ہونے والی واردات سے باخبر تھا۔
میرے ذہن میں کڑیاں یکجا ہونے لگیں۔ وہ مقررہ وقت پر کسی کونے کھانچے سے کیسینو میں آنے جانے والوں کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ اس نے ہمیں کیسینو میں جاتے اور وہاں سے لوٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ شاید ہمارے گاڑی تک پہنچنے سے پہلے کیسینو میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ گولڈن ڈریگن جیسی پرسکون جگہ پر کسی ملازم کا پراسرار حالات میں بے ہوش پایا جانا ایک ایسا واقعہ تھا جس نے الکحل کے نشے میں مخمور جواریوں کو ہراساں کر دیا ہوگا۔ مجھے پوری امید تھی کہ پہلی نظر میں کسی کو اندازہ نہیں ہو سکا ہوگا کہ محافظ اپنی زندگی کے بوجھ سے ہمیشہ

کے لیے آزاد ہو چکا تھا۔

تفریحی مقامات پر رونما ہونے والے معمولی واقعات بھی اہم ثابت ہوتے ہیں اور ذرا سی دیر میں وہاں اُلّو بولنے لگتا ہے۔ چاؤ نے گولڈن ڈریگن سے من چلوں کی اچانک روانگی کا منظر دیکھتے ہی اندازہ لگالیا ہوگا کہ وہاں کوئی گڑبڑ ہو چکی تھی۔

ہم دونوں کو اس نے خیریت کے ساتھ وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ میرے مشن سے پوری طرح باخبر تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ میں نے اپنا کام پورا کردیا تھا اور ہم وہاں سے واپس اپنے ہوٹل جائیں گے۔

چاؤ گولڈن ڈریگن میں یکایک رونما ہونے والی افراتفری کے اسباب جاننے کے لیے وہاں رک گیا۔ اسی دوران میں یہ انکشاف ہوگیا ہوگا کہ واش روم میں پایا جانے والا مسلح محافظ بے ہوش نہیں ہوا تھا بلکہ مر چکا تھا۔

وہ وہاں سے پوری بات کا کھوج لگانے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ محافظ کی موت کا میرے مشن سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔ اس نے ہمارے ہوٹل کی طرف دوڑ لگادی۔ اس کے اندازے کے مطابق ہمیں اس سے پہلے اپنے ہوٹل پہنچ جانا چاہیے تھا مگر ہم غائب تھے اور ٹائم بم کی مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لیے مخالف سمت میں دریا کے پار نکل گئے تھے۔

میں نے شاید ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ان سب نکات کے بارے میں سوچا اور فون پر چاؤ سے کہا ''فوراً واپس چلے جاؤ اس وقت تمہارا یہاں پایا جانا بہت خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ میں الجھن سے دوچار ہوگیا تھا۔ کل دن میں ملاقات ہوگی۔''

میں نے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔ وہ زیر زمین دنیا کا ایک سکہ بند آدمی تھا۔ میرا جواب سن کر اسے حالات کی نزاکت کا اندازہ ہوجانا چاہیے تھا۔

''کون تھا؟'' غزالہ نے اسی لمحے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

''ان اطراف کے لوگ جونک ہوتے ہیں۔'' میں نے بے زاری سے جواب دیا ''جس کام کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اُلّو کا پٹھا مجھ سے بات کرتا ہے تو ماسٹر ماسٹر کرتے ہوئے آدھا ہوا جاتا ہے اور اب میری نگرانی کررہا تھا۔ اسے سب معلوم ہے۔ پوچھ رہا تھا کہ مجھے وہاں سے ہوٹل پہنچنے میں اتنی دیر کیوں ہوئی!''

''ایسے جاں نثار معاون مشکل سے ملتے ہیں۔ آپ کو اس کی قدر کرنی چاہیے۔ ڈان نے کچھ سوچ سمجھ کر اسے آپ کے حوالے کیا ہے۔'' غزالہ نے ہنس کر مجھے چڑانے کی کوشش کی۔

''آئندہ اس نے میری اجازت کے بغیر ایسی حرکت کی تو اس کی ایسی قدر کروں گا کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔''

''ویرا سچ کہتی ہے۔ جہاں آپ کے قدم جاتے ہیں وہاں کوئی نہ کوئی کام پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ گولڈن ڈریگن میں سیدھا سا کام تھا لیکن وہ ناگہانی سامنے آکر اپنی جان گنوا بیٹھا۔ خدا کرے کہ افراتفری میں کسی نے ہماری طرف دھیان نہ دیا ہو۔''

''ہمارے بارے میں کوئی کچھ نہیں سوچ سکے گا۔ مجھے صرف اس ویٹر کی فکر ہے جو تمہاری میز پر مشروب لایا تھا۔ میرا گلاس بھرا ہوا تھا اور تم ویٹر کا انتظار کیے بغیر بڑی مالیت کا ایک نوٹ میز پر رکھ کر آگئی تھیں۔ اس کے لیے یہ بات بھلانی مشکل ہے'' میں نے ویرا کے حوالے کو دانستہ نظرانداز کرکے کہا۔

''اسے واقعہ ضرور یاد رہے گا، میری شکل یاد نہیں رہ سکتی'' غزالہ نے وثوق سے کہا ''جب کسی حادثے کی خبر اچانک پھیلتی ہے تو جائے واردات کے آس پاس پائے جانے والے لوگوں کے اوسان خطا ہوجاتے ہیں۔ ذہن میں اٹکی رہ جانے والی چیزیں بھی یقین اور بے یقینی کے درمیان گم ہوجاتی ہیں۔''

''خدا کرے کہ ایسا ہی ہو'' میرے دل سے بے ساختہ دعا نکلی ''رات یوں ہی گزر جائے گی۔ کل پتا چلے گا کہ ہمارے چلے آنے کے بعد حالات کیا رہے تھے؟''

''یہاں ایک بڑی خرابی ہے کہ ہر طرف مقامی زبان کا راج ہے۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ مقامی ٹی وی پر کیا ہورہا ہے۔ ابھی تک مجھے کوئی انگریزی پروگرام نظر نہیں آیا۔ ہمیں کہیں سے تازہ خبریں نہیں مل سکیں گی۔ بازار میں کوئی انگریزی اخبار ڈھونڈنا پڑے گا۔''

''مختصر دورانیے کی انگریزی خبریں ضرور آتی ہوں گی۔ وقت کا دھیان رکھنا ہوگا'' میں نے کہا ''یہاں دنیا بھر سے سیاح آتے ہیں اور وہی تھائی لینڈ کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ ان کے لیے انگریزی پروگرام بھی آتے ہوں گے۔ اس بارے میں اسد سے معلوم کرنا پڑے گا۔ معتبر انگریزی اخبار کے بارے میں بھی وہی بتا سکے گا۔''

میں نے چاؤ کو اپنی دانست میں ڈانٹ کر اس سے بات کرنے سے انکار کردیا تھا۔ میں بستر پر دراز ہوا تو میرے

ذہن میں ایک خلش موجود تھی۔ غصے میں آ کر مجھے اس سے یہ پوچھنا ہی یاد نہیں رہا تھا کہ شہر میں پائے جانے والے راجن کے بقیہ چار ٹھکانوں میں ٹائم بم نصب کرنے کے پروگرام کا کیا رہا تھا۔

غزالہ من موجی عورت تھی۔ گھر کے کاموں سے لے کر بیرونی مہم جوئی تک پر پوری سنجیدگی سے محنت کرتی تھی۔ جب تک کوئی بھی کام اس کے سامنے رہتا تھا، وہ جی جان سے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں مصروف رہتی تھی، اسے بھول کر بھی آرام کا خیال نہیں آتا تھا۔ ہر طرف سے فارغ ہو کر وہ بستر پر دراز ہوتی تو ذرا سی دیر میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر گہری نیند کی آغوش میں پہنچ جاتی تھی۔ دنیا کا بڑے سے بڑا مسئلہ بھی اس کی بے فکری کی نیند میں حارج نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ بستر پر لیٹی اور مجھ سے باتیں کرتے کرتے سو گئی۔

مجھے اکثر اس پر رشک آتا تھا۔ میں اس کی طرح دنیا جہان کے بکھیڑوں کو نہیں بھول سکتا تھا۔ بستر پر دراز ہونے کے بعد ادھورے رہ جانے والے کام ایک آسیب بن کر میرے ذہن پر سوار ہو جاتے اور جب تک سوچتے سوچتے میرے اعصاب شل نہ ہو جاتے، نیند کی دیوی مجھ سے روٹھی رہتی۔

اس وقت بھی میری یہی کیفیت تھی۔ اسد اپنا کام خوش اسلوبی سے نمٹا کر اپنے گھر جا چکا تھا۔ چاؤ کو میں نے ہوٹل سے بھگا دیا تھا۔ ڈان برنارڈ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ راجن کے معاملے کو میرے اور چاؤ کے سپرد کر دینے کے بعد ہماری سرگرمیوں میں کس حد تک دلچسپی لے رہا تھا۔

مجھے جو کچھ کرنا تھا، میں کر گزرا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ شومئ قسمت کی وجہ سے میرا ہدف از خود بدل گیا تھا۔ میں اگلی صبح گولڈن ڈریگن کی عمارت کو نقصان پہنچانے کا کوئی بندوبست نہیں کر سکا تھا۔ راجن کے قیمتی کیسینو کے بجائے اس کا ایک تربیت یافتہ نمک خوار میرا نشانہ بن گیا تھا۔

رات بہت لمبی تھی۔ نیند کب تک نہ آتی۔ کمرے کی خوابناک اور خنک فضا نے آخر کار مجھے نیند کی دیوی کی آغوش میں پہنچا دیا۔

میں دیر سے سویا تھا اس لیے صبح دیر سے میری آنکھ کھلی۔ غزالہ مجھ سے پہلے نہ صرف بیدار ہو چکی تھی بلکہ اس نے تیار ہونے کے بعد کمرے میں ہی ناشتا بھی کر لیا تھا۔ ہوٹل کی روم سروس کا عملہ بہت مستعد تھا۔ وہ کمرے میں جھوٹے برتن زیادہ دیر تک نہیں چھوڑتے تھے۔ کمرے میں موجود ٹرے وغیرہ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ غزالہ کو ناشتا کیے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔

میں نے بستر سے اٹھ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر میری نظریں اس کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

پچھلی رات اس نے گولڈن ڈریگن جانے کے لیے بھرپور تیاری کی تھی تو میں نے روا روی میں اس پر زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔ اس وقت غزالہ کے چہرے پر نظر پڑی تو مجھے احساس ہوا کہ پچھلی شب اس نے میک اپ کا سہارا لے کر اپنے چہرے مہرے کو اس حد تک بدل لیا تھا کہ دوبارہ اسے اس حیثیت میں کسی طرح نہیں پہچانا جا سکتا تھا۔

"صبح ہی صبح میرے چہرے کو کیا تک رہے ہیں؟" غزالہ نے میری تیز... نگاہوں سے کسمسا کر خفت آمیز لہجے میں کہا۔

"اللہ کی قدرت دیکھ رہا ہوں" میں نے مسکرا کر جواب دیا "رات کو تم آفت کی پرکالہ بنی ہوئی تھیں۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ کل رات تم گولڈن ڈریگن میں تھیں۔"

"آپ کو میرا وہ روپ اچھا لگا ہو تو میں پاکستان جانے کے بعد وہی ڈھنگ اپنا لوں گی" اس نے خوش ہو کر ایک ادا سے کہا "میں نے کوشش کی تھی کہ میک اپ سے میری شکل صورت بدلی ہوئی نظر آئے۔ شاید میں اس کوشش میں کامیاب رہی، مجھے یہ گر ویرا نے سکھائے ہیں۔"

"مجھے سرخی پاؤڈر اور ایسے دوسرے لوازم کھانے کا شوق نہیں ہے۔ تم جیسی ہو اسی طرح زیادہ اچھی اور لذیذ لگتی ہو؟" میں نے ذومعنی لہجے میں اس کی ستائش کی "فی الحال میرے لیے ناشتے کا آرڈر دے دو۔ میں پانچ منٹ میں آ رہا ہوں" اس کا آخری فقرہ میں نے نظر انداز کر دیا۔

اسے ہدایت دیتا ہوا میں باتھ روم میں گھس گیا۔

چند منٹ بعد میں شاور سے گرنے والی ٹھنڈے پانی کی تیز دھاروں کے نیچے کھڑا ہوا نہا رہا تھا کہ مجھے کمرے میں فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی جو فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ شاید غزالہ نے فون اٹھا لیا تھا۔

میرا ذہن فون کی طرف مبذول ہو گیا۔ میں نے تیزی سے شاور میں پانی کا بہاؤ بڑھا دیا تا کہ بدن پر لگے ہوئے صابن سے جلد چھٹکارا مل جائے۔

میں غسل ختم کر کے تولیے سے بدن خشک کر رہا تھا کہ باتھ روم کے دروازے پر غزالہ کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی "آپ کے ہم زاد کا فون تھا۔ وہ دس منٹ بعد دوبارہ فون کرے گا۔"

بنکاک میں میرے دو ہم زاد کہے جا سکتے تھے۔ ایک

اسد اور دوسرا چاؤ۔ پتا نہیں وہ کس کا فون تھا۔ میں نے غزالہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بدن خشک کر کے کپڑے پہنے اور باتھ روم سے باہر آ گیا۔

"میرے کس ہم زاد کا فون آیا تھا؟" باہر آتے ہی میں نے غزالہ سے پوچھا۔

"وہ بے چارہ ایک ہی تو ہے" وہ ہنستے ہوئے بولی "رات کو آپ نے اسے ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔ اب وہ ہوٹل نہیں آیا، کہیں اور سے فون کر رہا تھا۔ میں نے اسے بتا دیا کہ آپ نہا رہے ہیں......"

"یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر قدرے سختی سے کہا "تم نے اسے دیکھا ہے، نہ اب سے پہلے اس کی آواز سنی تھی۔ تم نے کیسے یقین کر لیا کہ آنے والی کال چاؤ فان ہی کی تھی؟"

"میری آواز سنتے ہی اس نے نہایت فدویانہ انداز میں ماسٹر سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس کے بعد اس پر شبہ کرنے کی کوئی بنیاد نہیں رہ جاتی تھی۔"

"اس نے تمہیں کیا کہا تھا؟" میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "آپ اس بے چارے کے بارے میں اتنے بدگمان کیوں ہو رہے ہیں، وہ مجھے مادام کہہ رہا تھا۔"

"آہستہ آہستہ یہ باتیں سمجھنے لگو گی" میں نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر اپنے بال سنوارتے ہوئے کہا "میرے ہاتھوں ایک آدمی کی ہلاکت کے بعد ہماری پوزیشن بہت نازک ہو گئی ہے۔ آئندہ محتاط رہنا۔ تم کو سب سے پہلے اس کا نام پوچھنا چاہیے تھا۔"

اس نے کسی تاخیر کے بغیر اپنی غلطی مان لی، بات وہیں ختم ہو گئی۔

چند منٹ بعد میرے لیے ناشتا آ گیا۔ ناشتے کے دوران میں چاؤ کا فون آ گیا۔

"ماسٹر!" میری آواز سنتے ہی چاؤ مودب انداز میں بولا "میں مارکیٹ کے چوراہے پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

"مگر ہمارا تو کوئی پروگرام طے نہیں تھا!" میں نے دانستہ بے اعتنائی سے کہا۔

"میں تم سے ملنے کے لیے بے چین ہوں، پندرہ منٹ رہ گئے ہیں۔ میں تمہارے ساتھ کسی ایک گملے کے پاس موجود رہنا چاہتا ہوں۔"

میری نظریں بے اختیار وال کلاک کی طرف اٹھ گئیں۔

سوئیاں واقعی پونے گیارہ بجا رہی تھیں، پندرہ منٹ بعد راجن کے ٹھکانوں پر تباہی نازل ہونے والی تھی۔

"میں ناشتے سے فارغ ہو کر آ رہا ہوں" میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد اسے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

"کیا اس کے ساتھ آپ کہیں جا رہے ہیں؟" غزالہ نے پر تجسس لہجے میں پوچھا۔

"اس کا دماغ خراب ہے۔ وہ کسی ایک ٹھکانے کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا خواہش مند ہے۔ وہ اپنے ساتھ مجھے بھی مروائے گا۔ وہ گولڈن ڈریگن میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بھی جاننا چاہ رہا ہوگا۔ میں اس سے مل کر تھوڑی دیر میں لوٹ آؤں گا۔" میں نے اسے اپنی بے لاگ رائے سے آگاہ کر دیا۔

میں نے عجلت میں ناشتا ختم کیا اور بیم گن اپنی جیب میں ڈال کر ہوٹل کے کمرے سے نکل گیا۔ میں خود بھی اس سے مل کر کئی سوالوں کے جواب حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں اس کے آدمی بھی میری طرح ناکامی سے دوچار نہ ہوئے ہوں۔ اس نے پندرہ منٹ بعد کسی گملے کے پاس موجود رہنے کی خواہش ظاہر کر کے مجھے یہ جتا دیا تھا کہ پچھلی رات کم از کم اس کے سب آدمی ناکام نہیں ہوئے تھے۔

بنکاک ایک وسیع شہر ہے۔ میں مختصر سی مدت میں اس کے ہر علاقے سے واقف نہیں ہو سکتا تھا لیکن ہوٹل کے قرب و جوار کا جغرافیہ میں نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تھا اس لیے مجھے ہوٹل سے نکل کر مارکیٹ کے مجوزہ چوراہے تک پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

اس وقت تک اس علاقے میں کاروبار پوری طرح بحال نہیں ہوا تھا لیکن سڑک پر بسوں اور گاڑیوں وغیرہ کا خاصا ہجوم تھا۔ ڈرائیوروں کی عجلت پسندی اور بدنظمی کی وجہ سے ٹریفک کی رفتار بہت سست تھی۔ اصولی طور پر ان اوقات میں وہاں گاڑی پارک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس کے باوجود چاؤ نے اپنی کالی اکارڈ نہایت ڈھٹائی سے ایک طرف کھڑی کی ہوئی تھی۔ وہ بنکاک کا چلن تھا۔ کسی کو اس سے شکایت نہیں تھی۔ سب گاڑیاں کالی اکارڈ سے بچ کر گزر رہی تھیں۔

غیر ارادی طور پر میرے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی۔ چاؤ کی بے چین نظریں میری تلاش میں سرگرداں تھیں۔ اس نے دور ہی سے مجھے دیکھ لیا۔ میرے سوار ہونے سے پہلے وہ اپنی گاڑی کا انجن چلا چکا تھا۔ میرے بیٹھتے ہی اس نے ایک ہچکولے سے اپنی گاڑی آگے بڑھالی۔ اس کے پیچھے سے

آنے والی کئی گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرانے سے بال بال بچیں۔ کچھ دل جلوں نے ہارن بجائے لیکن چاؤ فان کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگی۔ وہ بے فکری سے ٹریفک میں اپنا راستہ بناتا رہا۔

''تم نے پیچھے سے آنے والوں کے ساتھ زیادتی کی ہے'' میں اس کی حرکت پر اپنی زبان کھولے بغیر نہ رہ سکا ''کوئی غصہ ور ڈرائیور اتر کر تمہارا گریبان تھام سکتا تھا۔''

وہ محظوظ ہونے والے انداز میں ہنسا پھر بولا ''ماسٹر! تم یہاں پردیسی ہو۔ رفتہ رفتہ ہم لوگوں کے مزاج کو سمجھ جاؤ گے۔ ہم ٹھنڈے ماتھے کے لوگ ہیں۔ غصہ کرکے رہ جاتے ہیں۔ ہاتھا پائی نہیں کرتے اور ویسے بھی تم دیکھو، اس ٹریفک میں اتنا راستہ کہاں ہے جو کوئی میرے برابر میں آ کر منہ در منہ گالی دے۔ کوئی اپنی گاڑی چھوڑ کر لڑنے کے لیے اترے گا تو پیچھے والے اسے گھسیٹ کر واپس اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر پہنچا دیں گے۔ یہ بنکاک ہے، یہاں یہ سب چلتا ہے'' اپنی بات پوری کرکے وہ پھر ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

''اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' اس کی ہنسی کا سلسلہ ختم کرانے کے لیے میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''میں نے فون پر بتایا تھا نا'' وہ بے پروائی سے بولا ''چھوٹا راجن کا بے بی کلب یہاں سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ میں گیارہ بجے وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔''

''میں وہاں نہیں جاؤں گا'' اس کی بے نیازی پر مجھے واقعی غصہ آ گیا۔

''ارے ماسٹر! غصہ کیوں کر رہے ہو؟ وہاں گملے میں پھول کھلتا دیکھو گے تو طبیعت خوش ہو جائے گی۔ میں نے رات تمہارا کام دیکھا تھا۔ اب تم میرا کام دیکھو!''

''ماسٹر میں ہو یا تم؟'' میں نے بھنّا کر سوال کیا۔

''ماسٹر تو تم ہی ہو۔ میں تمہارا معمولی خادم ہوں'' اس نے نیم مردہ آواز میں کہا۔

''بس، میرا حکم ہے کہ ہم کسی گملے کی طرف نہیں جائیں گے'' اس کی آواز کی کمزوری بھانپ کر میں شیر ہو گیا۔

''جیسی تمہاری مرضی!'' وہ منہ لٹکا کے بولا ''شاید تم ڈر رہے ہو کہ کہیں کوئی تمہیں پہچان نہ لے۔ یہ خدشہ بے کار ہے۔ رات کو تم نے کمال کی تیاری کی تھی۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ راجن کا مرنے والا آدمی زندہ ہو جائے تو وہ بھی اب تمہیں نہیں پہچان سکتا۔''

اس کا انداز سعادت مندانہ تھا لیکن باتیں سلگانے والی تھیں۔ میں نے چیخ کر کہا ''میں کسی کے باپ سے بھی نہیں ڈرتا۔ لیکن جان بوجھ کر اپنی گردن چھری کے نیچے دینے کا قائل نہیں ہوں۔ وہاں جو کچھ ہوگا، تھوڑی دیر میں پورے شہر کو معلوم ہو جائے گا۔''

غنیمت ہوا کہ اس بار چاؤ خان نے اپنی زبان نہیں کھولی، سر ہلا کر رہ گیا۔

''کچھ دیر پہلے تم نے بے بی کلب کا نام لیا تھا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد مجھے اپنے تجسس سے مجبور ہو کر سوال کرنا پڑ گیا۔

''بے بی کا مطلب بتاؤں یا کلب کا؟'' اس نے بے ساختہ معصومیت سے پوچھا۔

میں نے گھور کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہاں گمبھیر سنجیدگی کا راج تھا۔ مذاق کی کوئی گنجائش نظر نہیں آ رہی تھی۔ یکایک میرا اشتعال دور ہو گیا۔ میں نے نرمی سے کہا ''دونوں کا مطلب بتاؤ۔ وہ کس قسم کا کلب ہے؟''

''درمیانے درجے کا نائٹ کلب ہے۔ وہاں بیس سال سے کم عمر کی لڑکیاں اپنی اپنی کھال میں ناچتی ہیں اس لیے اس کا نام بے بی کلب رکھا گیا ہے۔ دو بجے فلور شو ختم ہوتا ہے تو وہ ان تماشائیوں کے ساتھ چلی جاتی ہیں جن کو وہ شو کے دوران میں تاک چکی ہوتی ہیں۔''

''وہ کلب دھڑلے سے چل رہا ہے؟''

''ہاں ماسٹر...... اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ بنکاک میں ایسے کئی نائٹ کلب ہیں مگر راجن نے نام چھانٹ کر بہت انوکھا رکھا ہے۔ سب کو لائسنس ملے ہوئے ہیں۔ کلب والے کسی ڈانسر کے ساتھ زبردستی نہیں کرتے۔ پیسہ کمانے کے شوق میں لڑکیاں خود وہاں آتی ہیں۔ رات گہری ہوتی ہے تو ان نائٹ کلبوں میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ آنے والے دونوں ہاتھوں سے ڈالر لٹاتے ہیں اور خوش ہو کر جاتے ہیں۔''

''نابالغ اور کم سن لڑکیوں کو اس گندے دھندے میں لگانا سنگین جرم ہے۔ ان کو اس کام کے لائسنس کون دیتا ہے؟''

''ماسٹر! تم بلاوجہ جذباتی ہو رہے ہو۔ یہاں سیکس مافیا بہت مضبوط ہے۔ یہ لوگ ہر کام دیکھ بھال کر کرتے ہیں۔ بارہ برس کی لڑکی کو فلور پر لانے سے پہلے اس کے پکے کاغذات بنوا لیے جاتے ہیں جن کی رو سے وہ بالغ ہوتی ہے۔ ریکارڈ کی رو سے پورے بنکاک کے کسی نائٹ کلب میں اٹھارہ برس سے کم عمر کی کوئی لڑکی نہیں مل سکتی۔ ڈانسر ہو یا ویٹریس، سب بالغ ہوتی ہیں، یہ دھندے ہر فریق کی رضامندی سے ہوتے

ہیں۔“

بے بی کلب سے بات نکلی اور دور چلی گئی۔ دنیا کے کس بڑے شہر میں ایسے گھناؤنے دھندے نہیں ہو رہے تھے۔ لندن، پیرس اور نیویارک جیسے مہذب اور ترقی یافتہ ممالک میں یہ نام نہاد کاروبار اس سے زیادہ کریہہ صورتوں میں خوب پھل پھول رہے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ بنکاک کو ذرا زیادہ شہرت دے دی گئی تھی۔ اس بگاڑ پر میرا خون کھولانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چاؤ فان ہر قسم کے جذبات سے عاری ہو کر مجھے ان رموز سے آگاہ کر رہا تھا تو مجھے ان باتوں پر جذباتی ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ میرا ملک تھا نہ میری قوم!

”تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ ہماری اس وقت کی ملاقات کا کیا مقصد تھا؟“ قدرے توقف کے بعد میں نے چاؤ فان سے کہا۔

”ماسٹر! مجھے یہ الزام نہ دو“ اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ”میں نے پہلے ہی تمہیں بتا دیا تھا۔ تم نے بے بی کلب کی طرف جانے سے انکار کر کے بات ختم کر دی!“

”پھر گاڑی کنارے سے لگا کر مجھے اتار دو“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ”میں یہاں سے ٹہلتا ہوا اپنے ہوٹل چلا جاؤں گا۔“

”ضرور چلے جانا۔ میری بس ایک گزارش ہے کہ مجھے رات کی کتھا سنا دو“ اس نے حسرت آمیز لہجے میں کہا ”رات کو مرنے والے کی لاش اتنی تیزی سے نیلی ہونا شروع ہوئی کہ گولڈن ڈریگن میں سانپ، سانپ کا شور مچ گیا۔ کیسینو کا خوف زدہ عملہ بہت دیر تک وہاں انڈین کوبرا تلاش کرتا رہا، تم نے اسے کیسے مارا تھا؟“

”وہ انڈین کوبرا کے زہر سے مرا ہے۔ زہر اتنی تیزی سے کام کرتا ہے کہ اس کا شکار ہونے والے کو اپنا سانس پورا کرنے کا موقع نہیں ملتا۔“

”یہ زہر تم اپنے شکار کے بدن میں کیسے اتارتے ہو؟“ اس بارے میں چاؤ فان کا تجسس حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔

”ایک بہت خاص اور مختصر سا ہتھیار ہے“ میں نے اسے گول مول سا جواب دیا۔

”افریقی بلو پائپ جس میں زہریلا تیر رکھ کر منہ سے پھونک ماری جاتی ہے اور ہلکا تیر اڑتا ہوا نشانے میں پیوست ہو جاتا ہے“ اس نے تائید طلب لہجے میں قیاس آرائی کی۔

”آسانی کے لیے کچھ ایسا ہی سمجھ لو“ میں نے بے پروائی سے کہا۔

”ماسٹر! تم مجھے چکر دے رہے ہو؟“ اس نے میرے

چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے شکوہ کیا۔ ''میں دیر تک گولڈن ڈریگن کے آس پاس منڈلاتا رہا تھا۔ تیرا استعمال کیا گیا ہوتا تو بات صاف ہو جاتی۔ وہ لوگ کوبرا کی تلاش میں پورے کیسینو کو تہ و بالا نہ کرتے۔ لاش میں کوئی تیر نہیں تھا۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم نے اس پر کیا منتر پڑھا تھا؟''

''میں تمہیں کوئی چکر نہیں دے رہا۔ تم نے خود بلو پائپ کا نظریہ پیش کیا۔ اب خود اس کی تردید کر رہے ہو۔ وہ میرا خفیہ ہتھیار ہے، میں تمہیں بس اتنا بتا سکتا ہوں کہ اس کے بدن میں خارجی طریقے سے زہر داخل کیا گیا تھا۔''

''ماسٹر! تم بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''لاٹھی اور گولی کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے لیکن زہر......'' وہ ایک جھرجھری لے کر خاموش ہو گیا۔ اس نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''رات والے واقعے کے بارے میں تمہارے اصلی ماسٹر کی کیا رائے ہے؟'' چند ثانیوں کے بعد میں نے سوال کیا۔ میرا اشارہ ڈان برنارڈ کی طرف تھا۔

وہ فوراً میری بات سمجھ گیا اور خشک لہجے میں بولا ''تم اس کی ہدایت کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ کیا اس نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ اب تم بھول کر بھی اس کا نام اپنی زبان پر نہیں لاؤ گے؟''

''اس نے ایسی کوئی ہدایت نہیں دی۔ یہ ضرور کہا تھا کہ اب میں سیلرز بار کا رخ نہ کروں۔'' میں نے جواب دیا۔

''ایک ہی بات ہے۔ ویسے تم میرے ماسٹر ہو۔ میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل کروں گا لیکن یہ نکتہ کان کھول کر سن لو کہ اب تم بڑے آدمی کا کوئی ذکر نہیں کرو گے۔ تم نے ایسی غلطی کی تو ہمارا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔ سنگین نتائج کے تم خود ذمے دار ہو گے۔''

اس کا لہجہ ایسا سرد اور سفاکانہ تھا کہ میرے بدن میں پھریری سی دوڑ گئی۔ میں اس کے بارے میں اس سے کوئی اور سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ گاڑی ٹریفک میں اپنی راہ بناتی رہی۔ ڈان کے بارے میں رازداری کے حوالے سے ایک کھلی دھمکی دے کر چاؤ فان نے ماحول میں کشیدگی پیدا کر دی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اپنی دھمکی کی اہمیت جتانے کے لیے مجھے خاموشی کے ساتھ ہوٹل کی طرف لے جا رہا ہو گا۔

چند منٹ بعد فاسٹ فوڈ کی ایک مخصوص دکان دوبارہ میری نظروں کے سامنے سے گزری تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ فاسٹ فوڈ کی بڑی اور عالمگیر چین سے تعلق رکھنے والی بیشتر دکانیں یکساں انداز میں بنائی اور سجائی جاتی ہیں اور ہر سلسلہ اپنے مخصوص رکھ رکھاؤ کی وجہ سے الگ پہچانا جاتا ہے مگر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دو دکانوں کی یکسانیت کا معاملہ نہیں تھا۔ چند منٹ کی مدت میں ہم دوسری بار اس دکان کے سامنے سے گزرے تھے۔

''ہم ایک ہی علاقے میں کیوں گھوم رہے ہیں؟'' نرم الفاظ میں کسی شک و شبہے کا اظہار کرنے کے بجائے میں نے چاؤ فان سے دوٹوک الفاظ میں پوچھا۔

کچھ دیر پہلے کی ترشی کو بھول کر وہ اچانک ہنس پڑا اور بولا ''ماسٹر! تم بہت چالاک ہو...... تم نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ ہم ایک علاقے میں گھوم رہے ہیں؟''

پہل اس نے کی تھی۔ میں نے بھی جمود توڑنے کا فیصلہ کرتے ہوئے خوش دلی سے کہا ''ہم کے ایف سی کی ایک برانچ کے سامنے سے دوبارہ گزر رہے ہیں۔''

''تمہارا مشاہدہ واقعی بہت تیز ہے'' یہ کہتے ہوئے اس نے گاڑی کے ڈیش بورڈ میں لگے ہوئے کلاک پر نظر ڈالی اور اپنی بات جاری رکھی ''تم نے مجھے بے بی کلب کی طرف جانے سے روک دیا، میں نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ اب گیارہ بج کر پانچ منٹ ہو رہے ہیں۔ چاروں ٹھکانوں پر جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا ہو گا۔ اگر تم اجازت دو تو اب دور سے بے بی کلب کا جائزہ لیتے ہوئے گزر جائیں۔''

چاؤ فان کی وہ خواہش غیر فطری نہیں تھی۔ وہ اپنی آنکھوں سے اپنے آدمیوں کی کارکردگی دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔ وہ چاہتا تو تنہا ادھر جا سکتا تھا، میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو پاتا کہ وہ ادھر گیا تھا۔

وہ ہر کام ترتیب اور تیزی سے کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے گیارہ بجے تک بیکار بیٹھنے کے بجائے مجھے بلا لیا تھا کہ میری زبان سے گولڈن ڈریگن کا اصل احوال سن سکے۔ میرا کارنامہ اس نے دیکھ لیا تھا اور موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے اپنی کارگزاری دکھانے کا خواہش مند تھا۔ میں نے اسے اجازت دے دی۔

سوا گیارہ بجے کے قریب مجھے ٹریفک کے بے ہنگم الجھاؤ، رکاوٹوں اور افراتفری سے اندازہ ہو گیا کہ چاؤ فان کی گاڑی راجن کے بے بی کلب کے قریب پہنچ چکی تھی۔ لمحہ بھر بعد چاؤ فان کے مسرت آمیز لہجے نے میرے اندازے کی تائید کر دی۔

''یہاں تو کچھ زیادہ ہی گڑبڑ معلوم ہو رہی ہے، ماسٹر!''

''یہ کون سی جگہ ہے؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"ماسٹر! وہ دیکھ رہے ہو...... تین اونچے اور دیوہیکل بل بورڈز......" وہ ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "چھوٹا راجن کا قحبہ خانہ ٹھیک ان بل بورڈز کے سائے میں ہے۔ بم زیادہ طاقت ور نہیں تھے، پھر بھی ان سے کافی دہشت پھیلی ہے، سب کچھ درہم برہم نظر آرہا ہے۔"

"تم بے بی کلب کی بات کررہے ہو؟" میں نے تصدیق چاہی۔

"اس وقت میں اور کس کی بات کروں گا!"

کچھ آگے بڑھنے کے بعد ٹریفک کی حد سے زیادہ بدنظمی کا سبب میرے سامنے آگیا۔

اگر چاؤ فان کے آدمیوں کا نصب کیا ہوا ٹائم بم گیارہ بجے ہی پھٹنا تھا تو بے بی کلب میں اس واقعے کو رونما ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ اس قلیل مدت میں بھاری پولیس فورس کے ساتھ امدادی ٹیمیں بھی جائے وقوعہ پر پہنچ چکی تھیں۔ ان کی امدادی کارروائیوں میں سہولت کے لیے پولیس والوں نے عارضی رکاوٹیں کھڑی کرکے آدھی سڑک کو ہر قسم کے ٹریفک کے لیے بند کردیا تھا۔ اس خالی سڑک پر متعدد باوردی افراد کے ساتھ آگ بجھانے والی دو گاڑیاں بھی آموجود ہوئی تھیں۔ سارا دوطرفہ ٹریفک پتلی سی آدھی سڑک سے گزر رہا تھا اور اس کی رفتار بہت سست تھی۔

"ماسٹر! یہاں تو پورا ڈراما چل رہا ہے" چاؤ فان نے وہ صورت احوال دیکھ کر خوشی سے کہا پھر چونک کر اپنی بات آگے بڑھائی "اوہو...... وہ دیکھو، بے بی کلب کا ایک حصہ منہدم ہوگیا ہے۔ پرانی عمارتوں میں یہی خرابی ہوتی ہے یہ ذرا سا دھماکا بھی نہیں سہار سکتیں، سیدھی سجدے میں چلی جاتی ہیں۔"

"عمارت کا ایک حصہ گرا ہے تو کچھ لوگ بھی ہلاک اور زخمی ہوئے ہوں گے" میں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"ماسٹر! جس کی موت آگئی ہے اسے عظیم بدھا بھی مرنے سے نہیں بچا سکتے۔ میں نے پوری احتیاط کی تھی کہ کوئی بے گناہ اس دھماکے کی زد میں نہ آئے۔ کوئی مارا گیا ہے تو یقین کرلو کہ وہ بے گناہ نہیں ہوگا۔"

بے بی کلب کی تباہ حال عمارت کا جائزہ لینے کے لیے چاؤ فان کو کوئی کاوش نہیں کرنا پڑی۔ ٹریفک رک رک کر جوں کی رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نائٹ کلب کا اگلا حصہ تباہ ہوچکا تھا۔ شاید اندر کسی حصے میں آگ بھی لگی تھی کیونکہ فائر انجنوں کی ٹنکیوں سے منسلک کئی موٹے موٹے پائپ عمارت کے ملبے سے گزر کر اندر جاتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ درمیان میں کھڑے ہوئے فائر مین چلا چلا کر دونوں اطراف

بوجھ

طلاق کی درخواست علاقے کے کونسلر کے پاس گئی تو اس نے درخواست گزار کو بلا کر صورت حال معلوم کرتے ہوئے پوچھا "تم نے لکھا ہے کہ تمہیں اپنی بیوی کے کنبے کی کفالت کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟"

"جی ہاں۔ جناب عالی!" درخواست گزار نے جواب دیا۔

"تمہاری بیوی کا کنبہ کتنے افراد پر مشتمل ہے؟" کونسلر نے پوچھا۔

"آٹھ بچے ہیں جناب عالی!" درخواست گزار نے بتایا۔

"ان بچوں کا باپ کون ہے؟" کونسلر نے پوچھا۔

"میں......" درخواست گزار نے سر جھکا کر جواب دیا۔

کے ساتھیوں کو ہدایات دینے میں مصروف تھے۔ واقعہ شاید بہت بڑا نہیں تھا لیکن تھائی اہل کاروں کی غیر معمولی مستعدی نے واردات کے مقام پر خاصا سنگین اور پرہول سماں پیدا کردیا تھا۔

وہاں جو کچھ نظر آرہا تھا، وہ میری توقع سے بہت زیادہ تھا۔ دو پاؤنڈ بارودی قوت والے ٹائم بم سے مجھے اتنی بربادی پھیلنے کی امید نہیں تھی۔ اگر بقیہ تین ٹھکانوں پر بھی وہی کچھ ہوا تھا تو چھوٹا راجن کے لیے پیغام بہت واضح تھا۔ بنکاک میں اس کی بادشاہی کا زمانہ لد چکا تھا۔ اسے اپنا بستر بوریا سمیٹ لینا چاہیے تھا۔

ہم یک طرفہ سڑک سے گزرنے والے دوطرفہ ٹریفک سے نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ اچانک موبائل فون کی گھنٹی نے میرے خیالات کا سلسلہ درہم برہم کردیا۔ میرا ہاتھ بے اختیار اپنی جیب کی طرف گیا۔

میرا فون خاموش تھا۔ اس اثنا میں چاؤ فان ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ تھام کر دوسرے سے اپنا موبائل فون نکال کر کان سے لگا چکا تھا۔

وہ گاڑی چلاتے ہوئے، فون پر ہوں ہاں کرکے دوسری طرف کی بات سنتا رہا پھر اس نے فون بند کرکے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"ماسٹر! آج کی تازہ خبر!" اس نے بازاری انداز میں ایک ہاتھ میری ران پر مار کر، خوشی سے کہا۔ وہ شاید کچھ اور بھی کہنا چاہ رہا تھا مگر میں نے خفگی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''چاؤ! یہ کیا حرکت ہے۔ کیا تمہارے یہاں ماسٹروں سے اسی طرح بدتمیزی کی جاتی ہے؟ تم نے میری ران پر ہاتھ کیوں مارا؟''

''ماسٹر! مجھے معاف کردو'' اس نے پورے خلوص سے کہا ''میں خوشی سے بے قابو ہو کر یہ اضطراری حرکت کر گیا۔ آئندہ احتیاط رکھوں گا اور ہاں، مجھے چاؤ نہ کہا کرو۔ میرا نام چاؤفان ہے اور یہ ایک ہی لفظ ہے۔''

''کسی وقت میں خوشی میں آپے سے باہر ہو کر تمہارے ساتھ کوئی حرکت کر گزرا تو تم روتے پھرو گے۔ ہمارے درمیان کوئی نہ کوئی حد فاصل قائم رہنی چاہیے!''

''تم میرے ماسٹر ہو، میری گردن بھی مار دو گے تو میں اُف نہیں کروں گا'' اس کی زبان تیز چلتی تھی۔ ذرا سا موقع ملنے پر وہ زمین اور آسمان کے قلابے ملانے سے گریز نہیں کرتا تھا لیکن اس کا عمل اس کے قول سے زیادہ میل نہیں کھاتا تھا۔ اس کا اندازہ مجھے ذرا دیر پہلے اس وقت ہوا تھا جب میں نے نادانستگی میں ڈان کا ذکر چھیڑا تھا۔

''تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم کس بات پر خوشی سے بے قابو ہوئے تھے؟''

''بڑی خبر ہے'' وہ مسکراتے ہوئے بولا ''تم باتوں میں اس طرح الجھاتے ہو کہ آدمی اصل بات بھول جاتا ہے۔ میرا آدمی بتا رہا تھا کہ چھوٹا راجن ممبئی سے اچانک بنکاک پہنچ گیا ہے اور اس وقت گولڈن ڈریگن میں ہے۔''

وہ واقعی بہت اہم اطلاع تھی۔ اس کی بنکاک آمد کا سبب بہت واضح تھا۔ اس کے آدمیوں نے فون پر اسے پچھلی رات کو ہی یہ اطلاع دے دی ہوگی کہ گولڈن ڈریگن کا ایک محافظ زہر کا شکار ہو کر پراسرار حالات میں مارا گیا تھا۔ راجن پچھلے دو برسوں سے بنکاک کی زیرزمین دنیا پر بلاشرکت غیرے راج کر رہا تھا۔ اس کے لیے وہ دھچکا ناقابلِ برداشت تھا۔ یقینی بات تھی کہ وہ اپنی ساری مصروفیات ترک کر کے بنکاک پہنچنے کے لیے بے چین ہو گیا اور پہلی دستیاب پرواز سے وہاں آ گیا۔

یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ اس کے بنکاک پہنچنے تک پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا تھا۔ وہ ایک محافظ کی موت کی خبر سن کر بنکاک آیا تھا۔ وہاں مزید چار تباہ کن دھماکے اس کی آمد کے منتظر تھے۔

''کیا اسے اب تک بے بی کلب میں ہونے والے دھماکے کی خبر نہیں ملی ہوگی؟'' میں نے چاؤفان سے پوچھا۔

''یہ ناممکن ہے'' اس نے سر ہلا کر وثوق سے جواب دیا ''جرائم کی دنیا میں زندہ رہنے کے لیے ہر لمحے باخبر رہنا ضروری ہوتا ہے۔ چھوٹا راجن کا مواصلاتی نیٹ ورک بہت مضبوط ہے۔ اس کے آدمی وائرلیس، موبائل فون اور کمپیوٹر نیٹ ورک پر ہر وقت ایک دوسرے سے رابطے میں رہتے ہیں۔ کہیں بھی کچھ ہوتا ہے تو چھوٹا راجن کو خبر مل جاتی ہے۔''

''میں نے تم سے ایک چھوٹا سا سوال کیا تھا۔ چھوٹا راجن کا قصیدہ پڑھنے کے لیے نہیں کہا تھا!''

''ماسٹر! یہ قصیدہ نہیں، ٹھوس حقیقت ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا حریف کتنے پانی میں ہے۔ اب تک اس نے بنکاک کی پوری انتظامیہ کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ وہ زخمی ناگ کی طرح ہر ایک پر اپنا پھن مار رہا ہوگا لیکن ہمارے کیے ہوئے کام کا کوئی توڑ نہیں کر سکتا۔ اس وقت اس پاپی کی حالت دیکھنے والی ہوگی۔''

''مجھے اس کی حالت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بھیڑیا زخمی ہوتا ہے تو روتا اور غراتا ہے۔ اس کا زخم مندمل ہو جائے تو وہ دوبارہ کمزوروں کو چیرنے اور پھاڑنے پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ میں خوش ہوں کہ وہ یہاں لوٹ آیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے دشمن کے یعنی ہمارے بارے میں کچھ جان سکے، میں اسے موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہوں۔''

''ماسٹر! تمہاری یہ جذباتی تقریر بہت عمدہ تھی۔ میرے جذبات تم سے مختلف نہیں ہیں مگر مسئلہ اسے ٹھکانے لگانے کا ہے۔ اس تک رسائی دشوار ہے۔''

''اس وقت وہ گولڈن ڈریگن میں ہے۔ افراتفری میں ہم اپنا راستہ بنا کر اس تک پہنچ سکتے ہیں۔'' میں نے بے خوفی سے کہا۔

اس نے لمحہ بھر کے لیے حیرت بھری نگاہوں سے میری طرف یوں دیکھا جیسے وہ میری دماغی صحت پر شبہ کر رہا ہو۔ پھر وہ دھیرے سے بولا ''تمہیں معلوم ہے کہ اس کے بعد ہمارا انجام کیا ہوگا؟''

''ہم اسے ماریں گے تو اس کے محافظ ہمیں مار دیں گے یا شاید پولیس والے ہمیں پکڑ لیں۔ کچھ بھی ہو، یہ سودا مہنگا نہیں رہے گا۔''

''تم بہت ہوشیار اور ذہین آدمی ہو، میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ اگر وہ وہاں موجود ہے تو اس کے درجنوں محافظوں اور پولیس والوں نے گولڈن ڈریگن کی عمارت کو اپنے حصار میں لیا ہوا ہوگا۔ ہم ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اندر گھسنے میں کامیاب ہو گئے تو زندہ واپس نہیں لوٹ سکیں گے۔ مجھے یہ سودا منظور نہیں ہے۔ ہمارا بڑا ابھی یہ

نہیں چاہتا کہ ہم اپنی جانیں داؤ پر لگا کر اس خبیث کو زیر کریں۔''

''مجھے روک رہے تھے۔ اب خود اس کا ذکر نکال بیٹھے ہو؟'' میں نے غرا کر کہا۔

''غلطی ہوگئی، میں معافی چاہتا ہوں'' اس نے بلاتوقف میرا اعتراض تسلیم کرلیا۔

''تم نے یہ نہیں بتایا کہ ہم خطرات سے ڈرتے رہے تو چھوٹا راجن تک کیسے پہنچیں گے؟''

''اسے ٹھکانے لگانے کے لیے خطرہ تو مول لینا ہوگا۔ اس کے بغیر بات نہیں بنے گی۔ تم بہت زیادہ جوش میں آئے ہوئے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ بات تب بنے گی جب دشمن کا کام تمام ہوجائے اور ہمارا بال بیکا نہ ہو۔ تحمل سے انتظار کیا جائے تو ایسا موقع ضرور ملے گا۔''

''میں دشمنی نکالنے میں اتنی سوچ بچار کا قائل نہیں ہوں'' میں نے اکتائے ہوئے انداز میں جواب دیا ''اب ایسا موقع تم کو تلاش کرنا ہوگا۔''

''اس کے دھندے شہر سے باہر بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ جس روز اس کا قافلہ بنکاک سے نکلا، ہم راستے میں اسے گھیرلیں گے'' اس نے مجھے اطمینان دلاتے ہوئے کہا ''تمہاری ذات سے مجھے بہت تقویت مل رہی ہے۔ تم بے خوف ہوکر لڑنے والوں میں سے ہو۔ میں ذرا مکاری سے کام لیتا ہوں۔ مل کر ہم ضرور سرخ رو ہوں گے۔''

''اب تم مجھے کہاں لیے پھر رہے ہو؟'' میں نے بے زاری سے کہا۔

''فکر نہ کرو۔ میں تمہارے ہوٹل کی طرف جارہا ہوں'' چاؤ فان نے مجھے دلاسا دیا ''تم کو اتار کر میں بقیہ تین اڈوں کا تماشا دیکھوں گا۔ آج چھوٹا راجن کی زندگی کا بدترین دن ہے۔ ڈان کو دو برسوں میں پہلی بار خوشی ہوگی۔''

''ابھی تم نے اس کے ذکر پر معافی مانگی تھی۔ اب اس کا نام لے رہے ہو۔ آخر تم کیا چاہتے ہو؟'' میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''اس کا ذکر کیے بغیر بات نہیں بنتی'' اس نے اس ایک گہرا سانس لے کر بے چارگی سے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ ہم آپس میں اس کے بارے میں بات کرلیں تو اس کی ہدایت سے کوئی انحراف نہیں ہوگا۔ کسی تیسرے آدمی کو اس بات کی بھنک نہیں ملنی چاہیے کہ ہم کو اس کام میں ڈان کی خوشنودی حاصل ہے۔''

''تمہیں دیر سے عقل آئی ہے۔ ڈان کا اصل مقصد بھی یہی تھا'' میں نے طنز سے کہا۔

وہ ہنس پڑا اور بولا ''ماسٹر! میں غلطی کررہا تھا تو تم مجھے سمجھا سکتے تھے۔''

''میری زبان سے اس کا ذکر سنتے ہی تم کسی شکاری کتے کی طرح غرائے تھے۔ کچھ سمجھانے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ میں بحث کرتا تو تم لڑ پڑتے۔''

''ماسٹر! تم مجھے کتا کہہ رہے ہو؟'' اس نے منہ لٹکا کے شکایت کی۔

''ہماری طرف بے مثال وفاداری کی تعریف میں کسی کو کتا کہا جاتا ہے'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''یہاں کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر تم لوگ کتے کو برا سمجھتے ہو تو میں آئندہ یہ لفظ استعمال نہیں کروں گا۔''

''تم مجھے ضرور کتا کہو مگر کسی اور کے سامنے نہیں۔ یہاں اسے بہت ذلیل اور گھٹیا جانور سمجھا جاتا ہے۔ کسی مقامی نے

تمہاری زبان سے میرے لیے یہ لفظ سن لیا تو سوچے گا کہ میں نے اپنی روح تمہارے ہاتھ بیچ دی ہے۔''

وہ دلچسپ اور زبان دراز آدمی تھا۔ ڈان نے یقینی طور پر کچھ سوچ سمجھ کر ہی مجھے اس سے رجوع کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کے ساتھ رہ کر مجھے لحہ بھر کے لیے بھی کوفت نہیں ہو رہی تھی۔ اسے رگڑا دے کر مجھے دلی خوشی ہو رہی تھی۔

''کیا تھائی لینڈ میں روحوں کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''جہالت کی وجہ سے یہاں کے لوگ ضعیف الاعتقاد ہیں، ان میں ایسی بہت سی روایتیں چلتی رہتی ہیں'' اس نے خفت آمیز انداز میں ہنستے ہوئے بتایا ''میرے گاؤں میں کوئی مرغی غلطی سے بڑا انڈا دے بیٹھے تو اسے فوراً ہلاک کر کے، اس کا گوشت چیل کوؤں کو کھلا دیا جاتا ہے۔ لوگ بڑے انڈے کو شیطان کا انڈا کہتے ہیں۔ اسے گاؤں سے بہت دور لے جا کر جنگل میں پھینک دیا جاتا ہے۔ بنکاک میں لوگ شوق سے بڑے انڈے خریدتے ہیں۔''

''تم کسی گاؤں سے بنکاک میں آئے ہو؟''

''بنکاک کی آدھی سے زیادہ آبادی دوسرے قصبوں سے آئی ہوئی ہے۔ ویت نام کی جنگ کے اکیس سالوں میں بنکاک کی آبادی بے تحاشا بڑھی ہے۔ اس سے پہلے یہ چھوٹا سا پر سکون شہر ہوا کرتا تھا۔''

میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ میں نے اس کی گفتگو میں ذرا بھی دلچسپی ظاہر کی تو وہ مجھے بنکاک کی تاریخ سنانا شروع کر دے گا۔

''ماسٹر! ایک بات کہوں؟'' چاؤفان اپنی عادت کے مطابق زیادہ دیر تک خاموش نہیں بیٹھ سکا۔

میں اسے مناسب جواب دینے کے بجائے ہوں کر کے رہ گیا۔

''تم پچھلی رات کو اپنی عورت کے ساتھ گولڈن ڈریگن گئے تھے نا؟''

''ہاں...... کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟'' میں نے تلخی سے پوچھا۔

''مجھے کہنے دو کہ وہ بہت زوردار ہے۔''

''چاؤفان! کیا تم اپنے ہوش میں ہو؟'' میں نے غراتے ہوئے کہا۔

''ماسٹر! یہ خدا کی ایک نعمت ہے جو خوش نصیبوں کو ملتی ہے'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''کل رات میں نے پہلی بار تمہاری عورت کو دیکھا اور بس دیکھتا رہ گیا۔ خدا اسے اپنی امان میں رکھے۔ تم کو بے خوف ہو کر چھوٹا راجن سے لڑنا ہے تو اپنی عورت کو پہلی پرواز سے اپنے وطن واپس بھیج دو!''

اس کی پوری بات سن کر میرا چڑھتا ہوا پارا نیچے گر گیا۔ چاؤفان سے پہلے ڈان بھی مجھے راجن کی بدنگاہی سے ہوشیار رہنے کا مشورہ دے چکا تھا۔ میں نے سرد لہجے میں کہا ''میں اپنے زور بازو سے اپنی بیوی کی حفاظت کر سکتا ہوں۔ وہ خود بھی اپنے دشمن کا سر توڑنے کی اہلیت رکھتی ہے۔''

''سمجھانا میرا کام تھا'' وہ سر ہلا کر بولا ''اس معاملے میں چھوٹا راجن کی شہرت بہت خراب ہے۔ حسین عورتیں اس کی کمزوری ہیں۔ اس کے آدمی آس پاس کے ملکوں سے خوبصورت عورتیں خرید کر یا اغوا کر کے لاتے ہیں۔ وہ کڑے پہرے میں رکھی جاتی ہیں۔ چھوٹا راجن کا دل بھر جاتا ہے تو ان کو کسی نائٹ کلب یا کیسینو میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اسے پتا چل گیا کہ تم ایسی عورت کے مالک ہو تو وہ تمہیں چھوڑ کر اس کے پیچھے پڑ جائے گا۔''

اس کی زبان سے عورت کا لفظ بہت تحقیر آمیز معلوم ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ عورتوں کو بازار کی کوئی بے جان جنس سمجھتا ہو۔ میں نے سخت لہجے میں کہا ''تم نے اپنا فرض پورا کر لیا۔ اب اس بارے میں مزید ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ وہ کوئی گئی گزری عورت ہے نہ میں اس کا مالک ہوں۔ ہم دونوں میں میاں بیوی کا مضبوط رشتہ ہے۔''

''ماسٹر! معلوم ہوتا ہے کہ تم آگ سے بنے ہوئے ہو، ذرا ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتے ہو۔ میں کوئی غلط بات کہوں تو تم میری میری زبان گدی سے کھینچ سکتے ہو۔ اس وقت میں تمہیں مخلصانہ مشورہ دے رہا تھا، میری نیت بہت نیک تھی۔''

میں نے اسے نظرانداز کر کے اپنی طرف کی بند کھڑکی کے شفاف شیشے سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

اس بار چاؤفان نے کسی نہ کسی طرح اپنی زبان پر قابو پائے رکھا۔ چند منٹ کا سفر مکمل خاموشی کے ساتھ طے ہوا اور گاڑی ہمارے ہوٹل کی پرشکوہ عمارت کے قریب رک گئی۔

''کہو تو میں تمہیں اندر پورچ میں اتار دوں'' چاؤفان نے بریک لگاتے ہوئے پوچھا تھا مگر میں نے انکار کر دیا۔ وہ یقینی طور پر بنکاک کا ایک معروف بدمعاش تھا۔ میں غیر ضروری طور پر اس کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔

''ماسٹر! غصہ تھوک دو۔ جانے سے پہلے ایک بار مسکرا کر میری طرف دیکھ لو'' گاڑی روکتے ہی اس نے عجیب سے خوشامدانہ لہجے میں التجا کی۔

بے اختیار میری ہنسی چھوٹ گئی۔ میں نے دل ہی دل

میں سوچا کہ عجیب ڈھیٹ آدمی سے میرا پالا پڑا تھا۔ وہ بدتمیزیاں اور زبانی گستاخیاں کرنے میں خاص ملکہ رکھتا تھا۔ میری ڈانٹ پھٹکار سن کر بھی برا نہیں مناتا تھا اور غیر ارادی طور پر اپنی حرکتوں کا سلسلہ جاری رکھتا تھا۔

''مجھے سوچنا پڑے گا کہ تم کس مٹی کے بنے ہوئے ہو؟'' میں نے اس سے الوداعی انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

''ضرور سوچنا۔ تم کسی اچھے نتیجے پر پہنچو گے؟''

میرے اترتے ہی وہ گاڑی تیزی سے آگے بڑھا لے گیا۔ میں سگریٹ سلگا کر ہوٹل کے احاطے کے داخلی راستے کی طرف بڑھ گیا۔

بنکاک پہنچنے کے بعد واقعات جس انداز میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھے تھے، وہ میرے لیے حیران کن تھا۔ کراچی سے روانہ ہوتے ہوئے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس اجنبی شہر میں مجھے اتنی تیزی سے پیش رفت کرنے کا موقع مل سکے گا۔

آئی بی کا اسد ایک مدت سے اسی شہر میں رہ رہا تھا لیکن اپنی تمام تر معلومات کے باوجود وہ زیرزمین دنیا کے کسی بااثر آدمی سے اپنے مراسم استوار کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ اس کے ایما بلکہ نشان دہی پر میں نے راجن کے گوشہ نشین حریف سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا اور آسانی سے ڈان کو شیشے میں اتارنے میں کامیاب ہوگیا۔

ڈان کے اشیرباد کے بعد جو کچھ ہوا وہ کم حیران کن نہیں تھا۔ چاؤفان نے اپنی چرب زبانی کے باوجود شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ بروقت مہنگے ٹائم بموں کی فراہمی سے لے کر ان کی طے شدہ ٹھکانوں پر تنصیب تک، ہر کام خوش اسلوبی سے ہوا تھا۔ بیک وقت کیے جانے والے وہ اقدام راجن کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھے۔

میرے ہاتھوں گولڈن ڈریگن میں مارے جانے والے مسلح محافظ کی موت کے اسباب کے سوا، کہیں کوئی ایسا سراغ نہیں چھوڑا گیا تھا جس سے راجن کو یہ اندازہ ہوسکے کہ کہ اس کے دشمن کون تھے۔ جب تک یہ بات چھپی رہتی، ہم پوری بے خوفی کے ساتھ بنکاک میں اس کے مفادات کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔

اس دوران میں اگر وہ بنکاک سے کہیں نکلنے کی کوشش کرتا تو چاؤفان کے منصوبے کے مطابق اسے راستے میں گھیر کر جہنم واصل کیا جاسکتا تھا۔ اس کی موت ڈان برنارڈ کے کلیجے میں ٹھنڈک ڈال سکتی تھی لیکن وہ میرا اصل ہدف نہیں تھا۔ چاؤفان کے علم میں لائے بغیر مجھے یہ سراغ لگانا تھا کہ سوبھراج کہاں تھا؟ اس تک رسائی کے بغیر بنکاک میں میرا مشن مکمل نہیں ہوسکتا تھا۔

اس ادھیڑبن میں، میں اپنے کمرے میں جا پہنچا۔ غزالہ بہت بے چینی کے ساتھ میری واپسی کی منتظر تھی۔

''چاؤ سے آپ کی ملاقات کچھ زیادہ طویل ہوگئی!'' اس نے مجھ سے شکایت کرنے کے بجائے خندہ پیشانی سے تبصرہ کیا۔

''کچھ خبطی سا آدمی ہے'' میں نے بستر پر دراز ہوکر جواب دیا ''کبھی وہ بھیگی بلی بنا رہتا ہے، کینچلی بدلتا ہے تو خادم نما آقا نظر آنے لگتا ہے۔ اس کے ساتھ وقت گزارنے کا یہ فائدہ ہوا کہ راجن کی بنکاک آمد کی خبر مل گئی۔''

''میں یہ سوچ رہی تھی کہ اسے جلد از جلد آنا چاہیے۔ گولڈن ڈریگن کا واقعہ اس کے لیے ایک ڈراؤنا خواب ثابت ہوگا۔''

''سوبھراج کی یہاں آمد کی اطلاع اسد نے دی تھی۔ راجن کی واپسی کی خبر چاؤفان نے دی ہے۔ شطرنج کے سب مہرے رفتہ رفتہ اپنی جگہ لیتے جارہے ہیں۔ قسمت نے اسی طرح ہمارا ساتھ دیا تو کامیابی قریب نظر آرہی ہے۔''

''ڈان برنارڈ آپ سے متاثر نہ ہوتا تو یہ سب ناممکن تھا۔ یہ بتائیں کہ چاؤفان کے ساتھ آپ اتنی دیر تک کہاں مصروف رہے۔''

بنکاک آنے کے بعد ہماری چوپال بکھر گئی تھی۔ کراچی میں سب یک جارہتے تھے تو مجھے کریدنے کی ذمے داری دیرا اپنے سر لے لیتی تھی۔ وہ اس طرح بال کی کھال نکالتی کہ میں زچ ہوجاتا تھا۔ اس مذاکرے میں غزالہ کو اپنی لب کشائی کیے بغیر سب کچھ معلوم ہوجاتا۔ بنکاک میں صورت احوال یکسر بدل گئی تھی۔ پوچھے بغیر اسے کچھ معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔ میرا بتایا ہوا خلاصہ اس کا تجسس دور کرنے کے لیے ناکافی تھا۔ میں نے اسے تفصیل سے اس ملاقات کا حال سنانا شروع کردیا۔

غزالہ کے بارے میں چاؤفان کے کہے ہوئے الفاظ میرے دل میں تیر کی طرح بیٹھ گئے تھے مگر میں نے غزالہ کے سامنے انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اسے یہ ضرور بتادیا کہ راجن اپنی زن پرستی کے بارے میں بہت زیادہ بدنام تھا۔

''بے بی کلب ہولناک عشرت کدہ معلوم ہوتا ہے'' پوری تفصیل سن کر غزالہ نے زبان کھولی ''روزگار کی متلاشی کم سن لڑکیوں کو بربادی کی راہ پر ڈالنے والا ہر شخص بدترین موت کا

مستحق ہے۔ اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ بنکاک کی بدنامی کے اسباب کیا ہیں۔ یہاں بعض بدنیت لوگوں نے اپنے غیر قانونی دھندوں کو قانون کی نقاب پہنائی ہوئی ہے۔ یہ شرمناک حرکتیں ہیں، ان کا......''

''بس!'' میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرا دیا ''اس بارے میں جاؤ فان کا مشورہ مجھے پسند آیا۔ ہمیں اس بارے میں جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب نے اپنی آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔ ہمیں بھی اپنی آنکھیں موند لینا چاہیے۔ ہم مصلح نہیں ہیں۔ ایک مشن پر یہاں آئے ہیں۔ ہم کو اپنے کام پر دھیان دینا چاہیے۔''

''بے بی کلب کی تباہی پر مجھے خوشی ہوئی ہے!''

''امید ہے کہ بقیہ تین ٹھکانوں پر بھی یہی حشر ہوا ہوگا۔ شہر کی کوچہ نوردی کے دوران میں نے دیکھا ہے کہ بیشتر تفریحی مقامات پرانی وضع کی عمارات میں پائے جاتے ہیں۔ جدید اور اونچی عمارتوں میں شاپنگ کے مراکز اور دفاتر وغیرہ ہیں۔''

''اب دیکھنا ہوگا کہ گولڈن ڈریگن کے محافظ کی موت کو کیا رنگ دیا جاتا ہے'' وہ لمحہ بھر توقف کے بعد بولی ''سوبھراج اور راجن کا گٹھ جوڑ سامنے آ چکا ہے۔ سوبھراج اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس شخص کو کیسے مارا گیا؟''

''یہی اندیشہ مجھے بھی ستا رہا ہے۔ تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اب ہم صرف انتظار کر سکتے ہیں۔ سوبھراج سے یہاں چوک ہوگئی تو ہمارا راستہ بالکل صاف ہوگا۔''

''آپ اس لاش کو ٹائم بم سے اڑا دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا!''

''کیا احمقانہ بات کر رہی ہو۔ بم کا ٹائمر صبح گیارہ بجے پر سیٹ تھا۔ کیا وہ لاش رات بھر وہاں پڑی رہ سکتی تھی؟''

''یہ تو خیر ناممکن تھا۔ ٹائمر کو پیچھے کیا جا سکتا تھا'' اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''جدید قسم کے بم بہت حسّاس اور خطرناک ہوتے ہیں۔ مجھے ان چیزوں کی ابجد بھی معلوم نہیں ہے۔ مجھ سے ذرا سی غلطی ہوتی اور میرے چیتھڑے اڑ جاتے۔ بدترین اعصابی دباؤ کی حالت میں، میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔''

''سوچنے کی حد تک ہر بات آسان نظر آتی ہے۔ عملاً ایسا نہیں ہوتا۔ آپ کے لیے کوئی اور راستہ اختیار کرنا ممکن نہیں تھا'' میرے جواب پر غور کر کے وہ میری ہم نوا ہوگئی۔

''پتا نہیں اسد کہاں مصروف ہے۔ اس کا کوئی فون تو نہیں آیا تھا؟''

''فون آیا ہوتا تو میں سب سے پہلے اسی کا ذکر کرتی۔ اب آپ سب سے پہلے اس ٹائم بم کے بارے میں فیصلہ کریں جو اس کمرے میں موجود ہے۔ اس کی وجہ سے میں خود کو غیر محفوظ محسوس کر رہی ہوں۔''

میں نے ہنس کر کہا ''ابھی مجھے ٹائمر آگے پیچھے کرنے کے مشورے دے رہی تھیں اور اب ایسے بم سے خوف زدہ ہو رہی ہو جس کا ٹائمر بند پڑا ہوا ہے۔ اسے بھول جاؤ اور یوں ہی پڑا رہنے دو۔ وہ مالِ غنیمت ہے کسی وقت کام آ جائے گا۔''

''ابھی آپ راجن کی آوارہ مزاجی کا ذکر کر رہے تھے تو مجھے بے ساختہ ویرا یاد آ گئی تھی!''

''یہاں آنے کے بعد تم تیسری بار ویرا کا ذکر کر رہی ہو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارے سر پر سوار ہو کر رہ گئی ہے۔''

''ہمارا اور اس کا ایک مدت کا ساتھ ہے اسے آسانی سے نہیں بھلایا جا سکتا۔''

''راجن کے ذکر پر وہ کیوں یاد آ گئی تھی؟''

''بلا سبب یاد نہیں آئی تھی۔'' اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا'' وہ بہت خوبصورت ہے۔ مردوں کو رجھانے اور ستانے کے فن میں ماہر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ راجن جیسے اوباش مرد کو آسانی سے دیوانہ بنا سکتی تھی وہ بہت آسانی کے ساتھ یہ فالتو ٹائم بم اس کی خواب گاہ میں پہنچا سکتی تھی!''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' میں نے کمزور آواز میں کہا مجھے محسوس ہوا جیسے اس نے ویرا کا ذکر کر کے مجھ پر لطیف طنز کیا ہوا۔ اوباش نہ سہی مگر میں ایک مرد تھا شاید غزالہ یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ ویرا دنیا کے ہر مرد کو اپنی ذات کے سحر میں لینا چاہتی تھی!

میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی ''اس کی ذات شکستہ جذبوں اور ناکام امیدوں کا مجموعہ ہے۔ وہ مردوں کو اپنے اشاروں پر نچا کر شاید کسی قسم کی تسکین حاصل کرتی ہے۔ راجن کے لیے وہ ایک بہترین شکاری ثابت ہو سکتی تھی۔ سیکڑوں عورتوں کی بھیڑ میں بھی کوئی نگاہ باز مرد اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔''

''مجھے بے چارے سلطان شاہ پر ترس آیا ہے اب وہ پیر میں موچ کی اداکاری کر کے اسے بری طرح الّو بنا رہی ہے۔''

''کل اس نے اپنی دانست میں ہمارے آرام میں خلل اندازی کی تھی۔ آج میں دیکھتا ہوں کہ وہ دونوں کیا کر رہے ہیں۔''

''اس وقت وہاں آدھی رات ہو چکی ہوگی!'' غزالہ نے مجھے یاد دلایا۔

''یہی تو دیکھنا ہے کہ اس وقت ان کی مصروفیات کیا ہیں۔''

میں نے اول خان کے اس موبائل فون کا جو ویرا کے پاس تھا' نمبر ملالیا۔ پہلی گھنٹی پر سلطان شاہ نے کال وصول کرلی۔

''برخوردار! کیا حال ہیں تمہارے...... کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے شگفتہ لہجے میں پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے کہ میرے کانوں میں تمہاری آواز آئی میں تم لوگوں کی آوازیں سننے کو ترس گیا ہوں۔ یہاں بے چاری ریٹا کے بائیں ٹخنے میں موچ آئی ہوئی ہے وہ میرے سہارے کے بغیر چلنے پھرنے سے بھی معذور ہے۔'' میری آواز سنتے ہی وہ یکایک جذباتی ہوگیا۔

اس کی آواز پر یقین تھی۔ ویرا موچ آجانے کی ایسی مکمل اداکاری کررہی تھی کہ سلطان شاہ کو اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہوسکا تھا وہ ویرا کے بارے میں بہت زیادہ فکرمند معلوم ہو رہا تھا۔

''اس وقت ریٹا کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ابھی ابھی سہارا دے کر میں نے واش روم میں پہنچایا ہے۔ اس کے آنے کے بعد سونے کا ارادہ تھا یہ سناؤ کہ تمہاری کیسے گزر رہی ہے۔''

''ہم مزے میں ہیں فی الحال آرام کررہے ہیں' مجھے تمہاری فکر لاحق رہتی ہے۔ ریٹا کو سہارے کے بغیر چلنے پر مجبور کرو بہت زیادہ ہمدردی جتا کر تم اس کی موچ بگاڑ دو گے اور اس کی بیساکھی بن کر رہ جاؤ گے۔'' میں نے ویرا کی مکاری کا انکشاف کیے بغیر اس عافیت کی راہ سمجھانے کی کوشش کی۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو!'' لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس کی تفکر آمیز آواز آئی ''میں کھانے پینے کا سامان یا دوائیں لینے کے لیے باہر جاتا ہوں تب بھی وہ کسی نہ کسی طرح چل پھر کر اپنی ضروریات پوری کرلیتی ہے' بستر سے اتر کر کرسی پر چلی جاتی ہے' اٹھ کر دروازہ کھولتی ہے میں آتا ہوں تو اس کا سارا حوصلہ جواب دے جاتا ہے۔ اب مجھے تمہارے مشورے کے مطابق اپنا دل سخت کرنا ہوگا ورنہ وہ یوں ہی پڑی رہے گی۔''

''ریٹا کی دیکھ بھال کے علاوہ اور کیا ہو رہا ہے؟''

''ابھی میں یہاں کے طور طریقوں کو سمجھنے کی کوشش کررہا ہوں۔ ماحول سے طبیعت مانوس ہو جائے تو کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ ابھی ہمیں یہاں آئے مشکل سے ایک دو دن ہوئے ہیں ...... لو وہ دیوار کا سہارا لے کر واش روم سے باہر آرہی ہے۔''

''اسے آنے دو میں بھی اسے سمجھاؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ کل تک وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گی تم اس کی طرف سے اپنا دل ذرا سخت کرلو۔''

''تمہارے سمجھانے سے اس کی موچ کیسے ٹھیک ہوجائے گی؟'' سلطان شاہ کی آواز میں شبہات کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔ اس کی آواز یکایک دھیمی ہوگئی تھی۔

مجھے احساس ہوا کہ باتوں کی روانی میں' میں بہک گیا تھا میں نے جلدی سے کہا ''سمجھانے سے موچ کا کوئی تعلق نہیں ہے' اسے ہمت کرکے تکلیف کو برداشت کرنا چاہیے۔ میں اسے سمجھاؤں گا کہ اسے اپنے پیر کی رگوں پر زور ڈالنا چاہیے ورنہ وہ ہفتوں لنگڑاتی رہے گی۔''

''سنا ہے کہ تمہارا شکار کراچی سے بھاگ کر بنکاک پہنچ چکا ہے۔'' میرے جواب سے مطمئن ہوکر اس نے موضوع بدل دیا۔

''یہ خبر تم نے کس سے سن لی؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''آج صبح اول خان سے فون پر بات ہوئی تھی۔''

''خبر درست ہے!'' اس کی زبان سے خبر کا ذریعہ جان لینے کے بعد میں نے تصدیق کی' ''وہ یہاں آگیا ہے لیکن اس سے ابھی تک میرا سامنا نہیں ہوا۔''

''سامنا تو ایک بار ہی ہوگا اور وہ فیصلہ کن ثابت ہوگا۔''

''کاش ایسا ہی ہو!'' میں نے اپنے دل کی گہرائی سے کہا۔

''خدائی فوجدار آگئی ہے اور فون مانگ رہی ہے اب تم اس سے بات کرلو۔ میری طرف سے فی امان اللہ۔''

''اس وقت فون کرکے کیا میرا بدلہ چکا رہے ہو؟'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میرے کان میں ویرا کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ شاید سلطان شاہ نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ فون پر مجھ سے بات کررہا تھا۔

''کل تک تم نے موچ کا ڈراما ختم نہ کیا تو میں سلطان شاہ کو تمہاری مکاری سے آگاہ کردوں گا۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا ''اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ تم سمجھ سکتی ہو۔''

''بھول کر بھی ایسا نہ کرنا۔'' ویرا نے محتاط رہ کر کہا ''سب کچھ چوپٹ ہوکر رہ جائے گا۔ اکبر کی محنت سے اب مجھے بہت افاقہ ہے مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ایک دو روز میں' میں چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤں گی۔''

''دو روز نہیں' میں نے تمہیں صرف کل تک کی مہلت دی

ہے۔“

”ٹھیک ہے..... ایسا ہی ہوگا۔“ وہ اس طرح گول مول بات کررہی تھی کہ سلطان شاہ کو موضوع سخن کا اندازہ نہ ہوسکے۔ میری بات کا جواب دے کر اس نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا ”تمہارے چہیتے نے آج پورے دس ڈالر مفت میں برباد کیے ہیں‘ مزے کی بات یہ ہے کہ دس ڈالر اینٹھنے والے بھکاری نے موصوف کی سخاوت سے مرعوب ہوکر ان کو کل تین بجے اپنے پاس بلایا ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ یہاں ہماری آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہ اس طرح پیسے لٹانے پر تل گیا تو چند روز میں ہم دونوں نیویارک کی سڑکوں پر بھیک مانگتے نظر آئیں گے۔“

”میں اس کے مزاج سے واقف ہوں وہ اتنا فیاض طبع نہیں ہے۔ تم نے اس سے اس سخاوت کا سبب ضرور پوچھا ہوگا وہ کیا کہتا ہے؟“

”اسے بھکاری کی خستہ حالی اور نقاہت پر بے ساختہ رحم آگیا تھا۔ اس نے ترحم کے لاہوتی جذبے سے مغلوب ہوکر ہاتھ میں آنے والا نوٹ اس کے ہیٹ میں ڈال دیا۔ بعد میں اسے خود بھی افسوس ہوا کہ اس نے ایک بڑی رقم برباد کردی۔“

”اگر اسے زیاں کا احساس ہوگیا تو اس سے مزید کچھ کہنا سننا بے سود ہے۔ آئندہ وہ محتاط رہے گا میرا مشورہ ہے کہ کل تین بجے اس بھکاری سے مل لو جب انسان کے سامنے کوئی سرا نہ ہو تو سراب کا بھی پیچھا کرنا چاہیے ہوسکتا ہے کہ وہ کام کا آدمی ثابت ہو۔“

”یہاں ہزاروں حرام خور فٹ پاتھوں پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں ہم کس کس سراب کا پیچھا کریں گے!“ ویرا نے چڑ کر کہا۔

”میں تمہیں مجبور نہیں کررہا۔ یہ میرا مشورہ ہے۔“ میں نے خشک لہجے میں جواب دیا ”اب تم سے کل رات کو بات ہوگی۔“

میں نے فون بند کردیا۔

”کسی بھکاری کو دینے کے لیے دس ڈالر کی رقم واقعی بہت بڑی ہے۔“ غزالہ نے وہ ماجرا سن کر کہا ”ویرا کی مصنوعی سوچ نے سلطان شاہ کا دل نرم کیا ہوا ہے وہ آسانی سے گورے بھکاری کے جھانسے میں آگیا۔“

”ضروری نہیں کہ وہ سفید فام رہا ہو وہ کوئی کالا بھی ہوسکتا ہے۔“

”کل وہ اسے کوئی دردناک کہانی سنا کر مزید رقم اینٹھنے کی کوشش کرے گا۔“

”اب سلطان شاہ میں اس چکر میں نہیں آئے گا۔ اگر ویرا نے میری بات مان لی تو شاید وہ بھی اس کے ساتھ چلی جائے۔“

”آپ کو ان دونوں کے فرضی نام خوب یاد رہے میں بھول گئی تھی کہ وہ اپنے نام بدل کر امریکا کے سفر پر گئے ہیں۔“

”موبائل فون پر کہیں بات نہ سنے جانے کا یقین ہونے کے باوجود احتیاط ضروری ہے۔ امریکا میں انہیں ریٹا اور اکبر بن کر رہنا چاہیے۔“

”موبائل فون پر گفتگو کی راز داری مجھے ڈھکوسلا معلوم ہوتی ہے۔“ غزالہ نے بے اعتباری سے کہا ”پتا نہیں اس چھوٹے سے آلے میں کیا کچھ چھپا ہو۔ میں......“

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ میرے موبائل فون کی گھنٹی ایک دو مرتبہ پھر بج اٹھی تھی۔

”تم کہاں ہو؟“ کال وصول کرتے ہی مجھے سوبھراج کی سرد اور تحکم آمیز آواز سنائی دی اور میں اپنی جگہ منجمد ہوکر رہ گیا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اچانک مجھ سے فون پر رابطہ قائم کر بیٹھے گا۔

”جہاں بھی ہوں‘ خوش ہوں۔ تمہیں دکھ ہوگا کہ تمہاری بدخواہی کے باوجود میں ابھی تک زندہ و سلامت ہوں۔“

”وقت آنے پر میں تمہیں سسکا سسکا کر ماروں گا۔ مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ تمہاری شامت اب تمہیں بنکاک میں کھینچ لائی ہے۔“

میں چوکنا ہوگیا۔ وہ بنکاک میں موجود تھا۔ گولڈن ڈریگن میں مارے جانے والے محافظ کی موت کا سبب اس کے علم میں آچکا تھا۔ اس کا سرپرست ممبئی سے بنکاک واپس آچکا تھا۔ وہ یہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ میں بھی بنکاک میں موجود تھا۔ میں نے اسے جل دینے کا فیصلہ کرلیا۔

”فی الحال میں کراچی میں ہوں اگر تم بنکاک میں مجھ سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو میں پہلی پرواز سے وہاں آسکتا ہوں۔“ میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

”تم ذلیل اور کمینے ہو تم جھوٹ بول رہے ہو!“

”گالیاں دینا کمزوروں کا شیوہ ہوتا ہے‘ گالیاں دینے کے بعد تم تالیاں پیٹ کر مجھے بددعائیں دینے لگو گے میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔“

”تم بنکاک میں ایک قتل کا ارتکاب کرچکے ہو۔“ سوبھراج کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

”ایف آئی آر درج کرادو۔ بنکاک کی پولیس مستعد ہے

مجھے گرفتار کرلے گی۔"

"تم کو اندازہ نہیں ہے کہ تم نے کہاں ہاتھ ڈالا ہے تم کو اس حرکت کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ یہاں سے تم بچ کر نہیں نکل سکو گے تم سے اپنا حساب میں خود بے باق کروں گا۔ تم پولیس کی پناہ میں نہیں جا سکو گے۔"

"میں کراچی میں بیٹھ کر یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تمہاری ان بے سروپا باتوں کا کیا مفہوم ہے۔"

"تم جھوٹے ہو' کل رات تم نے گولڈن ڈریگن میں ایک آدمی کو مارا ہے۔"

"ابھی تم نے بنکاک کی رٹ لگائی ہوئی تھی۔ اب گولڈن ڈریگن کی بات کر رہے ہو۔ میں اس نام کے کسی شہر سے واقف نہیں ہوں۔" میں خود پرسکون رہ کر اسے اشتعال دلانے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ بولتا رہے۔

"مرنے والے کی گردن کی جلد میں ہلکا سا سوراخ پایا گیا ہے جس سے زہر اس کے بدن میں داخل ہوا۔ زہر وہی ہے' واردات اسی طرح ہوئی ہے تم بہت سے لوگوں کو اس طریقے سے ہلاک کر چکے ہو تم اس قتل سے بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔"

"اوہ...... ایک قتل کی وجہ سے تم اتنا طومار باندھ رہے ہو۔" میں نے اپنی تشویش کے باوجود بے پروائی سے ہنس کر کہا "یہ میرے نالائق آدمی کی حرکت ہو سکتی ہے میں نے اسے تمہارا کھوج لگانے کے لیے بنکاک بھیجا ہوا ہے۔"

"واردات کا انداز سو فیصد تمہارا ہے میں یہاں موجود نہ ہوتا تو کسی کو پتا نہیں چلتا کہ یہ خون تم نے کیا ہے۔ اتنی تیزی سے اثر کرنے والا زہر کوئی دوسرا استعمال نہیں کر سکتا۔"

"میں پوری بات سمجھ گیا۔ تم بھاگ کر بنکاک پہنچ گئے ہو اور تمہیں میرے خواب آنا شروع ہو گئے ہیں۔ یہ یاد رکھو کہ وہ زہر میرے دانتوں سے خارج نہیں ہوتا' ہتھیار سے حریف کے بدن میں اترتا ہے میرا بھیجا ہوا آدمی اس ہتھیار سے لیس ہے۔ مرنے والے نے میرے آدمی سے بدتمیزی کی ہوگی اور جہنم میں پہنچ گیا۔ اگر وہ تمہارا کوئی رشتے دار تھا تو تمہیں اس کا خون بہا دینے کے لیے تیار ہوں بلاوجہ اس خون کا الزام میرے سر نہ ڈالو۔"

میری بات لمبی ہو گئی تھی۔ سوبھراج نے درمیان میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ شاید وہ میری سنائی ہوئی کہانی کی صداقت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے صرف قتل کا ذکر کیا تھا' راجن کے بقیہ ٹھکانوں پر ہونے والے دھماکوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔

سوبھراج کی اس کال کا سبب واضح تھا' قتل کی واردات کو اس نے میری ذات سے منسوب کر لیا تھا۔ وہ اس حوالے سے مجھ سے اقبالِ جرم کرانا چاہتا تھا۔ ایک بار یہ بات ثابت ہو جاتی کہ میں بنکاک میں موجود تھا تو بقیہ واقعات خود بخود میرے ذمے آ جاتے اور وہ راجن کی مدد سے بنکاک میں میری تلاش کی مہم شروع کر دیتا۔

میرے لیے وہ بہت خطرناک صورتحال تھی وہ لوگ بنکاک میں رونما ہونے والے سارے واقعات کی ذمے داری میرے اوپر ڈال کر زور و شور سے ڈینی کی تلاش شروع کرتے تو یہ بات ڈان برنارڈ کے کانوں تک ضرور پہنچتی۔ اسے اور چاؤ فان کو علم تھا کہ محافظ کو میں نے مارا تھا۔ ان کے لیے میرا نام علی احمد تھا۔ ڈان کے ذہن میں پہلا خیال یہی آتا کہ میں نے اسے اپنا غلط نام بتا کر اس کے اعتماد کو دھوکا دیا تھا۔ وہ سرپھرا آدمی تھا۔ غضب ناک ہو کر وہ میرے خلاف کوئی بھی قدم اٹھا سکتا تھا۔

میں نے انتہائی درجے مجبور ہو کر اور اپنے بچاؤ کی کوئی متبادل راہ نہ پا کر گولڈن ڈریگن کے محافظ کو زہریلی انگوٹھی کے ذریعے شکار کیا تھا۔ وہ کام کر گزرنے کے بعد میرے ذہن میں جن بدترین خدشات نے سر ابھارا تھا وہ آخر کار میرے سامنے آ گئے تھے' آلۂ قتل کی خصوصی نوعیت کی وجہ سے سوبھراج کو سوچنے کی صحیح سمت مل گئی تھی۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو میرے لیے اب تمہاری ہر بات ناقابلِ اعتبار ہے۔" چند ثانیوں کے غیر محسوس توقف کے بعد اس کی آواز آئی۔

"تمہارے اعتبار نہ کرنے سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔" میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا "اسے میں نے مارا ہو یا میرے آدمی نے، بات ایک ہی ہے اگر مرنے والا تمہارے آدمیوں میں سے تھا تو یہ بہر حال میری کامیابی اور تمہاری شرمناک ناکامی ہے مجھے افسوس ہے کہ یہ بڑا کام میرے ہاتھوں نہیں ہوا......"

"وہ میرا نہیں' چھوٹا راجن کا آدمی تھا۔" اس نے میری بات کاٹ کر زہریلے لہجے میں کہا "اس کے ایک ٹھکانے میں خون ریزی کر کے تمہارے آدمی نے شیر کے جبڑوں میں ہاتھ ڈالا ہے۔ اب تم اپنے حواریوں سمیت چیونٹی کی طرح مسل دیے جاؤ گے۔"

"تم میرے سینے میں شوق کی آگ بھڑکا رہے ہو' کاش میں خود بنکاک میں ہوتا اور یہ مقدس کام میں نے اپنے ہاتھوں سے کیا ہوتا۔" میں نے سوچے سمجھے مگر بظاہر بے ساختہ انداز

میں بنکاک سے اپنی غیر حاضری پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''آؤ.....تم بھی یہاں آجاؤ میں تمہارا انتظار کروں گا۔''

اس نے لاشعوری انداز میں میری دلیل کو مانتے ہوئے بھڑک کر کہا ''میں تم کو اپنے ہاتھوں سے پیوند خاک کروں گا۔ یہاں تمہارے پر کوئی رونے والا بھی نہیں ملے گا۔''

''فکر نہ کرو میں پہلے سے کرایے پر رونے والوں کا بندوبست کرلوں گا۔''

''تو کون ہے بے؟'' یکا یک میرے کانوں میں ایک بدلی ہوئی، بھاری آواز گونجی۔ سوبھراج نے اپنا موبائل فون کسی اور کو دے دیا تھا۔

میں ایک لمحے کے لیے سناٹے میں آگیا۔ سوبھراج کے برعکس نئے آدمی کا لب ولہجہ بہت توہین آمیز تھا۔ میں نے ترکی بہ ترکی جواب دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا ''جو شخص اپنے باپ کو نہ پہچانے اسے حرامی کہا جاتا ہے۔''

''کیا بک رہا ہے..... میں تیری ایسی کی تیسی کردوں گا.....'' میرے جواب نے اسے آپے سے باہر کردیا اور اس کے منہ سے مغلظات کا ایک طوفان ابل پڑا جس میں میرا نام بھی شامل تھا۔

''ویری گڈ!'' اس کی غلیظ گالیوں میں وقفہ آتے ہی میں نے اس کی جھلاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا ''اپنی اصلیت معلوم ہوتے ہی تجھے میرا نام یاد آگیا اب اپنا نام بھی بتادے تاکہ مجھے معلوم ہوسکے کہ میں کس نالائق سے بات کررہا ہوں۔''

''میرا نام چھوٹا راجن ہے، راجن..... جسے سن کر بڑے بڑوں کو پسینے آجاتے ہیں تو میرے سامنے آجائے تو میں ابھی تیری تکا بوٹی کردوں گا۔''

''ذات کا قصاب معلوم ہوتا ہے..... میں چھوٹوں کے منہ نہیں لگتا، تیرا کوئی بڑا راجن ہے تو فون اسے دے دے!''

''بزدلوں کی طرح فون پر اول فول بک رہا ہے ہمت ہے تو میرے سامنے آ پھر دیکھوں گا کہ تیری ماں نے تجھے کتنا دودھ پلایا ہے۔''

''آج کل بچے ڈبے کے دودھ پر پلتے ہیں اور توانا ہوتے ہیں۔'' میں نے اس کا مضحکہ اڑایا ''تو آمنے سامنے مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو اپنے بنکاک کے بل سے نکل کر کراچی آجا۔ تیرے ہاتھ پیر توڑ کر ریڑھی پر نہ ڈال دوں تو میرا نام ڈینی نہیں۔ لنگڑے لولے راجن کی ریڑھی دھکیل کر سوبھراج صدا لگائے گا تو دن بھر میں اچھی کمائی ہوجائے گی۔''

میں ہر بار گھما پھرا کر اس ایک نکتے پر زور دے رہا تھا کہ اس وقت میں بنکاک میں نہیں، کراچی میں تھا سوبھراج کے بعد راجن نے بھی اس پر کوئی سوال نہیں اٹھایا تھا۔

''میں کیڑوں مکوڑوں پر اپنا وقت برباد نہیں کرتا۔'' اس بار راجن کا لہجہ کس حد تک نارمل ہوگیا۔ اسے اندازہ ہوچکا تھا کہ فون پر اس کی بدکلامی رایگاں جارہی تھی۔ مشتعل ہوکر وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا ''یہ تیری اور سوبھراج کی لڑائی ہے وہ اب میرا مہمان ہے کسی نے اس کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھا تو میں اس کی دونوں آنکھیں نکال دوں گا۔''

بے بی کلب اور دوسرے تین ٹھکانوں پر بربادی نازل ہوئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ یہ فرض کرنا ناممکن تھا کہ راجن کو ان واقعات کی خبر نہ ملی ہو۔ مجھے حیرت تھی کہ سوبھراج کی طرح اس نے بھی اپنی اشتعال آمیز گفتگو میں ان چاروں واقعات کے بارے میں کوئی مبہم ترین اشارہ نہیں کیا تھا۔

ایک سبب یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ ان واقعات کو الگ الگ دیکھ رہے ہوں۔ گولڈن ڈریگن سے انہیں ایک سراغ مل گیا تھا اس لیے وہ میرے پیچھے لگ گئے تھے۔ بقیہ چاروں دھماکوں کے بارے میں وہ یہ سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ بنکاک کے چار مختلف ٹھکانوں پر بیک وقت دھماکوں کی منصوبہ بندی میرے بس کی بات ہوسکتی ہے۔

''تیرے آدمی کو میں نے مارا ہو یا میرے آدمی نے بات ایک ہی ہے، میں نے اپنا حساب کھول لیا ہے اور تو ایک آدمی کے خسارے میں جاچکا ہے۔ اس کی لاش ٹھکانے لگائے گا تو میں بنکاک پہنچ کر تیرے لیے مزید لاشوں کا بندوبست کردوں گا۔ سوبھراج پر اس وقت نحوست کے سائے لہرا رہے ہیں تو اس کی مہمان داری سے کنارہ کش نہ ہوا تو اس کے ساتھ خود بھی ڈوب جائے گا۔''

''میں دیکھوں گا کہ کون کس کو ڈبوتا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے میرے انجام کے بارے میں مغلظات کا سلسلہ شروع کردیا۔ وہ مجھے ایسے مقامات پر پہنچانے کے ہذیانی دعوے کررہا تھا جہاں وہ مر کر بھی رسائی حاصل نہیں کرسکتا تھا۔

''آخر کار وہی ہوا جس کا آپ کو اندیشہ تھا۔'' غزالہ نے میرا حوصلہ بڑھانے کے لیے میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''اب سوبھراج کے ساتھ راجن بھی کھل کر آپ کے سامنے آگیا ہے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ ان دونوں کی گفتگو محافظ کے قتل تک محدود رہی۔ انہوں نے دوسرے واقعات کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا۔''

''دوسروں کے ساتھ اب میں بھی آپ کے برجستہ

فیصلوں کی افادیت کی قائل ہوتی جارہی ہوں۔''

اس نے مسہری پر میرے قریب بیٹھتے ہوئے کہا ''گولڈن ڈریگن میں جو کچھ ہوا وہ انتہائی غیر متوقع تھا۔ شاید آپ کو زیادہ سوچنے سمجھنے کا موقع نہ ملا ہو آپ اضطراری طور پر اپنا کام کرتے چلے گئے۔ اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہاں سے ٹائم بم واپس لا کر آپ نے بہت دوررس قدم اٹھایا تھا۔ وہاں سے بم برآمد ہونے کے بعد اس واقعے کو دوسری وارداتوں سے الگ نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ اب صورت حال مختلف ہے وہ ان کڑیوں کو کبھی یک جا نہیں کرسکیں گے۔''

''تمہاری رائے تھی کہ مجھے اس لاش کو ٹائم بم سے اڑا دینا چاہیے تھا۔''

''وہ میری رائے تھی۔ آپ اس سے پہلے صحیح فیصلہ کر چکے تھے۔ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی آپ بار بار اپنی کراچی میں موجودگی پر کیوں زور دے رہے تھے؟''

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے اس باریک نکتے کا اندازہ لگالیا۔ اس وقت وہ نکتہ ساری بحث کا محور بنا ہوا تھا۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ میں اس وقت کہاں ہوں۔ موبائل فون پر انٹرنیشنل رومنگ کے باعث وہ میرا جھوٹ پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے انہیں یہ باور کرا دیا ہے کہ میں اس وقت کراچی میں ہوں۔''

''اس سے کیا فرق پڑے گا؟'' بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی۔

مجھے اس کو تفصیل سے بتانا پڑا کہ میرے اعتراف کی صورت میں میرے لیے کتنی سنگین پریشانیاں پیدا ہوسکتی تھیں۔

''آپ کی کامیابیاں ڈان برنارڈ کی حمایت کی مرہون منت ہیں۔'' اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا ''اس نے کمال کا آدمی آپ کے حوالے کیا ہے، اسد کے ساتھ آپ اتنی بڑی کارروائی نہیں کرسکتے تھے۔ ناموں کے ہیر پھیر کی وجہ سے ڈان بگڑ گیا تو ہم ایک لمحے کے لیے بھی یہاں نہیں ٹک سکیں گے۔ ایک طرف سوبھراج اور راجن آپ کے خون کے پیاسے ہیں دوسری طرف ڈان کے آدمی آپ کو ڈھونڈنا شروع کردیں گے۔ یہ بات میں نہیں سمجھ سکی تھی۔''

''ڈان گوشہ نشین ہے مگر اب بھی اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ چاؤ فان جیسا خطرناک آدمی بلاوجہ اس کی اطاعت نہیں کررہا۔''

''شاید ایسے موقعوں کے لیے کہا جاتا ہے کہ ہاتھی مر کر بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا۔

میں محسوس کررہا تھا کہ سوبھراج اور راجن سے فون پر میری گفتگو ہونے کے بعد غزالہ بہت زیادہ خوش مزاجی کا مظاہرہ کررہی تھی۔ اس طرح وہ میری اس کوفت کو دور کرنے کی کوشش کررہی تھی جو ان سے گفتگو کے نتیجے میں ہوئی تھی۔

''چاؤ فان سے میری ملاقات ہوگئی' سوبھراج کا فون آگیا مگر اسد اب تک غائب ہے۔ پتا نہیں وہ کہاں پھنسا ہوا ہے۔ مجھے اس کی طرف سے تشویش لاحق ہورہی ہے۔'' میں نے فکرمندانہ لہجے میں رسانیت سے کہا۔

''آپ بلاوجہ پریشانیوں کو پالتے پوستے ہیں اسے فون کیوں نہیں کرلیتے!''

''میں سب کچھ کرسکتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اس نے مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا۔ گولڈن ڈریگن والے واقعے کے بعد اسے صبح کے گیارہ بجے کا شدت سے انتظار تھا۔ اب بارہ بج چکے ہیں اور اس کا دور دور تک کوئی پتا نہیں ہے۔''

ہمارے درمیان اس معاملے پر کچھ دیر تک بحث ہوتی رہی۔ اسد کی طرف سے میرے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔ آخر میں نے غزالہ کے ایما پر اسے فون کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

میں نے ہوٹل کے فون پر اس کے گھر کے نمبر سے ابتدا کی۔ وہاں گھنٹیاں بجنے کی آواز سنائی دیتی رہی' کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے اس کے دفتر کا نمبر ملایا وہاں بھی وہی صورتِ حال درپیش تھی۔ وہ دونوں میں سے کسی ٹھکانے پر نہیں تھا۔

''آپ اِدھر اُدھر کیوں بھٹک رہے ہیں اس کا موبائل نمبر کیوں نہیں ملاتے؟'' میری دوناکام کوششوں پر غزالہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

میں اس وقت عجیب ذہنی کیفیت میں مبتلا تھا۔ غزالہ کے ٹوکنے پر مجھے احساس ہوا کہ مجھے سب سے پہلے اس کا موبائل نمبر ملانا چاہیے تھا۔ میں نے اپنا موبائل فون نکال کیا۔

موبائل پر دو گھنٹیاں بجیں اور پھر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کردیا گیا، بے اختیار میرا دل دھڑک کر حلق میں آگیا۔

مجھے پہلا گمان یہ ہوا کہ اسد دشمنوں کی قید میں جاچکا تھا۔ اس کا موبائل فون کسی اور کے قبضے میں تھا۔ اس نے فون کھلا رکھا تھا لیکن آنے والی کال وصول نہیں کررہا تھا۔ اسد کے موبائل فون پر ایک نئی آواز سن کر اس کا کوئی بھی دوست یا شناسا شکوک وشبہات کا شکار ہوسکتا تھا۔

میں دوبارہ اس کا نمبر ملا رہا تھا کہ اچانک کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

موبائل بند کر کے میں فون کی طرف جھپٹا اور ریسیور اٹھالیا۔

''میں ہوٹل کی لابی میں تھا۔ تمہاری کال وصول نہ کر کے میں نے تمہارے کچھ پیسے بچا دیے ہیں۔'' میرے کان میں اسد کی چہکتی ہوئی آواز آئی ''کیا میں اوپر آ سکتا ہوں؟''

''تم نے میرا آدھا خون خشک کر دیا' جلدی اوپر آؤ۔''

اس نے واقعی میری بلکہ اول خان کی خاصی بچت کی تھی۔ میرے فون پر کراچی کا نمبر چل رہا تھا۔ رومنگ کی وجہ سے وہ نمبر بنکاک میں کراچی کی طرح کارآمد تھا۔ میں کراچی میں کسی سے بات کرتا تو وہ لوکل کال شمار ہوتی لیکن بنکاک میں بیٹھ کر وہیں کے کسی فون پر بات کرنا میرے لیے بہت مہنگا تھا۔ ایسی ہر کال کراچی سے بنکاک کے لیے غیر ملکی کال کے زمرے میں آتی۔ شاید میں نے لاشعوری طور پر اسی وجہ سے اسد کی تلاش کے لیے اپنا موبائل فون استعمال نہیں کیا تھا۔ وہ جواز ضرور تھا لیکن اس میں زیادہ جان نہیں تھی کیونکہ اس کا موبائل نمبر ہوٹل کے فون سے بھی ملایا جا سکتا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ اسد کے غائب ہونے کی وجہ سے میرا دماغ تقریباً ماؤف تھا۔

اسد چند منٹ میں اوپر آ گیا۔ وہ ایک مرتبہ پھر ہمارے لیے لذیذ پاکستانی کھانے لے کر آیا تھا۔

''تم عجیب آدمی ہو صبح سے اب تک کہاں غائب تھے؟'' اسے دیکھتے ہی میں نے اپنے دل کا غبار ہلکا کرتے ہوئے سوال کیا۔

''بھابی! کیسا برا وقت آ گیا ہے۔'' وہ میرے بجائے غزالہ سے مخاطب ہو کر بولا ''لوگ آنے والے مہمان سے اس کی خیریت دریافت کرنے کے بجائے بازپرس کرنے لگے ہیں۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ آج گیارہ بجے کا وقت ہمارے لیے کتنا اہم تھا!''

''سب معلوم ہے مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ سوبھراج صبح سویرے میرے گھر پہنچ جائے گا۔''

اس کی زبان سے وہ انکشاف سنتے ہی میں بھونچکا رہ گیا ''اسے تم سے کیا کام پڑ گیا تھا؟''

اسد ایک جہاں دیدہ سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ اس نے ایک کرسی سنبھال کر اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں اور دھیرے سے کہا ''اسے ڈینی کی تلاش ہے!''

مجھے اس کی چبھتی ہوئی نگاہوں سے بے چینی سی ہونے لگی ''اتنی سی بات تم اتنے پراسرار انداز میں کیوں بتا رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''اسے سو فیصد یقین ہے کہ کل رات کو ڈینی گولڈن ڈریگن میں تھا اور اسی نے وہاں کے ایک محافظ کو مارا ہے۔'' اس کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

''تم میرے ساتھ موجود تھے تم کو معلوم ہے کہ وہ میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ سوبھراج کا دماغ چل گیا ہے مگر تم مجھے کیوں اس طرح گھور رہے ہو؟''

''کیا تم واقعی ڈینی نہیں ہو؟'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''میں ڈینی پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اس کی وجہ سے تم میری شناخت پر کیوں شبہ کر رہے ہو؟''

''وہ ہتھیار تھا اور یہ بات میں بھی جانتا ہوں کہ ڈینی کے دو خاص ہتھیار ہیں ہیم گن اور بہت تیزی سے اثر کرنے والا زہر۔ محافظ اسی زہر کا شکار ہوا ہے۔''

''اوہ...... تو یہ کہو کہ سوبھراج نے تمہارے دل میں بھی شک کا بیج بو دیا ہے۔''

''شک کی بات نہیں ہے۔'' وہ میری بات کاٹ کر درمیان میں بولا ''ہم ایک ساتھ کام کر رہے ہیں تم مجھے جان چکے ہو۔ مجھے یہ جاننے کا حق ہے کہ تم کون ہو۔ میرے لیے یہ بہت بڑے اعزاز کی بات ہوگی کہ تم ڈینی ہو اور میں تمہارے ساتھ کام کر رہا ہوں۔''

''تم بلاوجہ سنجیدہ ہو رہے ہو۔ میں علی احمد ہوں۔ میرے لیے جلال جھوٹ نہیں بولے گا۔''

''یہ نہ کہو!'' اس نے مجھے آگے نہیں بولنے دیا ''ڈینی کو بچانے کے لیے سب جھوٹ بول سکتے ہیں۔ تم مجھے اصلیت بتا دو میں بھی جھوٹ بولتا رہوں گا۔''

''تمہیں جھوٹ بولنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔'' میں نے جلدی سے کہا ''تم میری انگلی میں پڑی ہوئی یہ انگوٹھی دیکھ رہے ہو!'' میں نے اپنا ہاتھ اٹھا کر انگوٹھے سے ایک انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''قصہ صرف یہ ہے کہ میں نے یہ انگوٹھی ڈینی سے لی ہے، اس کا نگینہ کھوکھلا اور لچک دار ہے اس میں سریع الاثر زہر بھرا ہوا ہے۔ نگینے پر ہلکا سا دباؤ پڑتے ہی ایک سوئی سے زہر کی بہت خفیف مقدار شکار کے خون میں سرایت کر جاتی ہے۔ کل رات میں بری طرح پھنس گیا تھا۔ میں نے مجبور ہو کر پہلی بار یہ انگوٹھی استعمال کی اور میری جان بچ گئی۔ اتنی سی بات کو تم نے افسانہ بنا لیا ہے۔''

''تمہیں اصرار ہے کہ تم ڈینی نہیں ہو!'' اسد کی آواز میں بے یقینی تھی۔

''مجھے افسوس ہے کہ تم اب بھی یہ سوال کر رہے ہو۔ پہلے تم نے جاننا چاہا تھا کہ کیا میں نے کبھی ڈینی کے ساتھ کام کیا ہے۔ میں نے اس سوال کا واضح جواب نہیں دیا تھا۔ اب سن لو کہ کئی بار ایسا ہو چکا ہے کام کی وجہ سے وہ میری عزت کرتا ہے۔ اس سے میری دوستی ہے زہر بھری انگوٹھی کو تم اس دوستی کا تحفہ سمجھ سکتے ہو۔''

''جو چاہو کہہ دو۔ میں مان لوں گا میں تم سے بحث نہیں کر سکتا۔'' اس نے ہلکی سی آزردگی سے اپنے سر کو ایک طرف جنبش دے کر کہا۔

''تم کیا قصہ لے کر بیٹھ گئے۔ یہ بتاؤ کہ سوبھراج تمہارے گھر کیسے پہنچ گیا'' غزالہ نے موقع کی نزاکت بھانپ کر اپنی ٹانگ اڑا دی۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میری اور اس کی پرانی شناسائی ہے۔'' اس نے مضمحل انداز میں کہا'' وہ پاکستان کے ایک عزت دار سیاست داں کی حیثیت سے یہاں آتا تھا تو اسے پورا سرکاری پروٹوکول دیا جاتا تھا۔ مجھے بھی اس کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔ اس سے میری دوستی نہیں تھی لیکن وہ مجھ سے کسی حد تک بے تکلف ضرور تھا۔''

''اسے تمہارے گھر کا پتا کیسے معلوم ہو گیا؟'' میں نے پوچھا۔

''ماضی میں، میں بارہا اس کے ساتھ رہا۔ کئی بار اس نے اپنی گاڑی میں مجھے میرے گھر کے باہر اتارا تھا وہ جگہ اس کی دیکھی بھالی تھی۔ گھر کے اندر وہ آج پہلی بار آیا۔''

''تم نے اسے جتا دیا کہ تم اسے ایک مفرور ملزم سمجھتے ہو؟''

''اس کی ضرورت پیش نہیں آئی وہ خود اپنی صفائیاں پیش کر رہا تھا۔ پاکستان اور پاکستانیوں کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔''

''ڈینی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے وہ تمہارے پاس کیوں آیا؟''

''اس کو معلوم ہے کہ میں بنکاک میں انٹیلی جنس بیورو کا ایک نفری دفتر چلا رہا ہوں۔ اس کا خیال ہے کہ آئی بی بھی ڈینی کی پشت پناہی کر رہی ہے وہ بنکاک آیا ہے تو مجھے اس کی آمد کا علم ضرور ہوگا۔''

''بار بار سوال کے جواب دینے سے بہتر ہوگا کہ تم تفصیل سے پورا واقعہ دہرا دو۔'' میں نے کرسی میں پہلو بدلتے ہوئے کہا'' میں اس کی دیدہ دلیری پر حیران ہوں وہ یہاں اس طرح دندناتا پھر رہا ہے جیسے بنکاک اس کے باپ کی جاگیر ہو۔''

وہ سات بجے چار مسلح محافظوں کے ساتھ ایک بلٹ پروف گاڑی میں اسد کے گھر پہنچا۔ وہ پچھلی رات کی مصروفیت کی بنا پر گہری نیند سو رہا تھا۔ پے در پے گھنٹیوں کی آواز سن کر وہ بیدار ہوا اور دروازہ کھولا تو پانچوں اندر گھس آئے۔

سوبھراج نے آتے ہی ڈینی کی بنکاک میں موجودگی کے بارے میں باز پرس شروع کر دی۔ اس بارے میں اسد کی معلومات صفر تھیں۔ اس نے بہت فطری انداز میں لاعلمی کا اظہار کیا اور سوبھراج کو اس پر یقین کرنا پڑا۔

وہ مجھے یعنی ڈینی کو اپنی بربادی کا ذمے دار قرار دے رہا تھا۔ اسد کو معلوم تھا کہ وہ سوبھراج کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اس لیے وہ سوبھراج سے مفاہمانہ ماحول میں باتیں کرتا رہا۔

سوبھراج کا کہنا تھا کہ میں نے راجن کے کیسینو میں ایک آدمی کو مار کر اسے چیلنج دیا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر محافظ کو زہر سے شکار کیا تھا تاکہ سوبھراج کو بنکاک میں میری موجودگی کا علم ہو سکے۔ اس وقت راجن ملک سے باہر تھا۔ سوبھرج اپنی دانست میں قاتل سے واقف تھا۔ وہ کمر کس کر میری تلاش میں اسد کے گھر کی طرف چل پڑا۔

اس کے ذاتی دشمن نے راجن کے آدمی کو مارا تھا۔ وہ راجن کی واپسی سے پہلے اس خون کا بدلہ چکانا چاہتا تھا تاکہ اس کے سامنے سرخ رو ہو سکے۔ اسد سے مل کر اسے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے جاتے جاتے اسد کو لالچ دیا کہ بنکاک میں ڈینی کی موجودگی کا کوئی سراغ ملتے ہی وہ اسے فون پر اطلاع دے دے تو وہ اسد کو اتنے بڑے انعام سے نوازے گا کہ وہ سرکاری نوکری کو لات مار کر فراخ دستی سے اپنی بقیہ زندگی بسر کر سکے۔

اس وقت اسد کی پوزیشن نازک تھی۔ وہ سوبھراج کی ہر بات سننے پر مجبور تھا۔ اس نے سوبھراج کی پیشکش قبول کر لی اور وہ ناکام و نامراد واپس لوٹ گیا۔

وہ واقعہ اسد کی نیند اڑا دینے کے لیے کافی تھا۔ اسے شبہ تھا کہ اب سوبھراج اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس کے پاس آدمیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ راجن کے کسی بھی آدمی کو اسد کی نگرانی پر لگا سکتا تھا۔

نو بجے اسد تیار ہو کر گھر سے نکلا تو اپنے گرد و پیش کے بارے میں بہت چوکنا تھا۔ اس نے ایک قریبی کیفے میں ناشتا کیا اور اپنے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے شبہ ہو رہا تھا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا تھا۔ کافی کوشش کے باوجود وہ اپنا پیچھا کرنے والے کو نہیں دیکھ سکا۔

دفتر میں کچھ وقت گزار کر وہ پھر بنکاک کی سڑکوں پر آ گیا۔ وہ ہمارے ہوٹل تک پہنچنے کے لیے بے چین تھا لیکن اوہام اور وسوسوں نے اسے گھیرا ہوا تھا۔ اسے اپنے پیچھے آنے والے ہر آدمی پر سوبھراج کا مخبر ہونے کا شبہ ہو رہا تھا۔

وہ بنکاک میں اپنی پوسٹنگ کے آخری ایام گزار رہا تھا۔ اس کا ماضی بالکل بے داغ تھا۔ اسے خوف تھا کہ سوبھراج کا کوئی آدمی اس کا پیچھا کرتا ہوا مجھ تک پہنچ گیا تو اس کا منہ کالا ہو جائے گا۔ وہ اپنے محکمے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔

وہ دیر تک پیدل شہر کی سڑکیں ناپتا رہا۔ ٹیکسی، بسوں اور ٹک ٹک میں سفر کیا۔ جب اسے پوری طرح یقین ہو گیا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا تھا تو اس نے ایک سردار جی کے ہوٹل سے ہمارے لیے کچھ حلال کھانے خریدے اور ہماری طرف آ گیا۔

''ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا۔'' میں نے اس کی پوری کہانی سننے کے بعد مسکرا کر کہا ''تم اپنے چکروں میں الجھے ہوئے تھے اور یہاں میرا دم نکلا جا رہا تھا کہ تم کہاں رہ گئے۔''

''سوبھراج کو اپنے دروازے پر دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے تھے۔ یہ میرے مقدر کی ستم ظریفی تھی کہ ایک مفرور ملزم بلکہ مجرم مجھ سے مدد کا طلب گار تھا اور میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔''

''یہ اطلاعات دلچسپ اور سنسنی خیز ہیں۔ جب وہ تمہارے پاس آیا تو صرف ایک واقعہ رونما ہوا تھا اور راجن شہر میں نہیں تھا۔ گیارہ بجے سے پہلے راجن واپس آ چکا تھا۔ جب چاروں بموں کے دھماکے ہوئے تو وہ گولڈن ڈریگن میں تھا۔''

''تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''میں چاؤ فان کے ساتھ شہر میں گھوم رہا تھا۔ اس کے آدمی خبریں پہنچا رہے تھے۔''

''آج وہ دونوں پاگل ہو جائیں گے۔ شہر میں بھٹکنے کے دوران میں، میں نے راجن کے تین ٹھکانوں کا حال دیکھا ہے۔ وہاں بھیڑ لگی ہوئی تھی اور تباہی کے آثار باہر تک نمایاں تھے۔''

''مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ چاؤ فان نے ہمارے ساتھ غلط بیانی کی ہے۔ اس کے فراہم کیے ہوئے بم زیادہ طاقت ور تھے۔'' غزالہ نے کہا۔

''صحیح مقام پر دو پاؤنڈ کے بارودی دھماکے اس سے زیادہ تباہ کن ہو سکتے ہیں۔'' اسد نے اسے سمجھایا ''اس بارے میں چاؤ فان کو جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اصل بارودی بم اور پٹاخے کی تباہ کاری میں بہت فرق ہوتا ہے۔''

غزالہ کو وہ نکتہ سمجھاتے ہی اسد میری طرف متوجہ ہو گیا ''ابھی تم نے چاؤ فان کی لائی ہوئی خبروں کا ذکر کیا ہے۔ مجھے چیک کرنا ہوگا کہ راجن کی واپسی کے بارے میں اس کی لائی ہوئی اطلاع میں کتنی صداقت ہے۔''

''اس خبر کی سچائی سامنے آ چکی ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا ''سوبھراج نے......'' بے دھیانی میں اسے سوبھراج کے فون کے بارے میں بتاتے بتاتے مجھے اچانک یاد آ گیا کہ سوبھراج نے وہ فون ڈینی کو کیا تھا جو کراچی میں بیٹھا ہوا تھا اور میں ڈینی نہیں، علی احمد تھا جس سے اسد کی شناسائی تھی۔ روانی میں، میں اپنی بات پوری کرتا چلا جاتا تو اسد کے سامنے میرا دہرا روپ لمحہ بھر میں بے نقاب ہو جاتا۔ میرے لیے یہ بتانا محال ہو جاتا کہ سوبھراج نے یکایک علی احمد سے کیسے رابطہ کر لیا تھا اور اگر اس نے ڈینی کو فون کیا تھا تو مجھے اس کا علم کیسے ہوا۔

غنیمت تھا کہ مجھے وہ پیچیدگی بروقت یاد آ گئی تھی اور میں نے ادھوری بات ختم کر دی تھی۔

''ہاں بات پوری کرو۔ تم راجن اور سوبھراج کے بارے میں کیا بتا رہے تھے۔'' اسد نے مجھے خاموش پا کر متجسس انداز میں ٹوک دیا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ بات وہیں سے شروع ہونا چاہیے تھی جہاں چھوڑی گئی تھی پھر میں نے اطمینان سے کہا ''سوبھراج نے کچھ دیر پہلے راجن کے ساتھ بے بی کلب کا چکر لگایا تھا۔''

''تم یہ بات بتاتے بتاتے کیوں رک گئے تھے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''سوچ رہا تھا کہ اس اطلاع پر تم پھر ایک اعتراض جڑ دو گے۔''

''اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ میں بلاوجہ کسی بات پر شک نہیں کرتا۔''

''مگر یہ بات مشکوک ہو سکتی ہے کیونکہ مجھے یہ اطلاع بھی چاؤ فان نے دی ہے۔'' میں نے بے خطر اس کا نام لے ڈالا۔ مجھے اندازہ تھا کہ مستقبل قریب میں ان دونوں کی ملاقات ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

''وہ بلاوجہ تم سے جھوٹ نہیں بولے گا۔'' اسد نے

وضاحت کی ''سنی سنائی خبر کی صداقت مشکوک ہو سکتی ہے۔ اگر اس نے ان دونوں کو اپنی آنکھوں سے بے بی کلب کے آس پاس دیکھا ہے تو ہمیں اس بات پر یقین کر لینا چاہیے۔''

میں ہنس دیا ''تم کہتے ہو تو یقین کیے لیتا ہوں۔''

اپنی زبان کی ذرا سی لغزش کو سنبھالنے کے لیے مجھے اسد سے کئی جھوٹ بولنا پڑ گئے۔ غنیمت یہ تھا کہ میری حاضر دماغی کی وجہ سے بات سنبھل گئی۔

میں ڈینی اور علی احمد کے دہرے کردار کا راز فاش ہونے کی صورت میں ڈان برنارڈ کی خفگی کے بارے میں پریشان تھا۔ اسد سے بات ہونے کے بعد مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس معاملے میں وہ بھی حساس تھا۔

اس نے بحث کرنے کے بجائے بظاہر میری بات مان لی تھی لیکن میں نے یہ نوٹ کر لیا تھا کہ وہ پوری طرح مطمئن نہیں ہوا تھا۔ بے شک اس کے دل میں جنم لے چکا تھا کہ میں نے جلال کی ملی بھگت سے علی احمد کا نام اختیار کر کے بنکاک میں اپنے حریفوں کے ساتھ حلیفوں کو بھی چکما دینے کی کوشش کی تھی۔

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' کچھ دیر کے توقف کے بعد اسد نے پوچھا۔

''میں انتظار کروں گا اور حالات کے دھارے کا جائزہ لوں گا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ یہاں آتے ہی واقعات رونما ہونے کی رفتار بہت تیز ہو گئی ہے۔ اب ہمیں سوچ سمجھ کر آگے بڑھنا ہوگا۔'' میں نے جواب دیا۔

''دیکھا جائے تو اصل قصہ کل رات سے شروع ہوا ہے۔ گولڈن ڈریگن کا محافظ تمہارے آڑے نہ آیا ہوتا تو رات خاموشی سے گزر جاتی۔ آج صبح شہر میں چار کے بجائے پانچ دھماکوں سے ہمارے کام کا آغاز ہوتا۔''

''یہ دھماکے اچانک نہیں ہوئے۔ اس کے لیے خاصے پاپڑ بیلے گئے ہیں۔''

''سب سے بڑا پاپڑ ڈان تھا۔ اسے تم نے بیلا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا ''ڈان قابو میں نہ آتا تو یہ سب نہیں ہو سکتا تھا۔''

''میں یہی کہہ رہا ہوں۔ ہمیں شروع سے رونما ہونے والے واقعات پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ تمہارے ذریعے ڈان کا نام سامنے نہ آیا ہوتا تو ابھی تک ہم تینوں ذہنی ورزشیں کر رہے ہوتے۔ دشمنوں کا بال بھی بیکا نہ ہوا ہوتا۔''

''اس وقت وہ بدحواس ہیں۔ انہیں سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ہم کو اگلا وار کر گزرنا چاہیے۔ وہ بھاری نقصان اٹھا کر بلبلا جائیں گے۔''

''میں تمہارا ہم خیال ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اگلا وار کہاں اور کیسے کیا جائے؟''

اسد خاموش ہو گیا۔ اس کے پاس میرے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''ہمیں یہاں بسنے والوں سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔'' اسے خاموش پا کر میں نے ناصحانہ لہجے میں دوبارہ بات شروع کی ''ہم نے اب تک یہاں جو کچھ کیا ہے وہ سوبھراج کے خلاف کیا ہے۔ یہ درست ہے کہ ہماری کارروائی میں ڈان برنارڈ کے منتقمانہ جذبات حاوی رہے ہیں لیکن ہمارا ہدف تبدیل نہیں ہوا۔ ہم صرف اور صرف سوبھراج اور اس کے سرپرست کی سرکوبی کرنا چاہتے ہیں اور اسی راہ پر آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس میں کوئی جھوٹ یا مبالغہ نہیں ہے۔ اب ان واقعات کو مقامی انتظامیہ اور تھائی عوام کی نظر سے دیکھو۔ بات واضح ہو جائے گی۔''

''اصل پس منظر تاریکی میں ہے۔ میں نے آج شہر کی خاک چھانتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ بنکاک والے ان واقعات کو دہشت گردی قرار دے کر اپنی نفرت ظاہر کر رہے ہیں۔''

''اس لیے اب ہمارا رک جانا ضروری ہے۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ سرکار کیا کہتی ہے۔ راجن کس نتیجے پر پہنچتا ہے۔ وہ کس قسم کی پیش بندیاں کرتے ہیں۔ یہ سب پہلو سامنے آ جانے کے بعد ہم اپنی منصوبہ بندی کر سکتے ہیں۔''

''ہاں۔ آج وہ بے خبری میں مارے گئے۔ ان واقعات نے انہیں ہوشیار کر دیا ہے۔ اب وہ ہر طرف اپنا جال بچھا دیں گے۔'' اس نے میری تائید کی۔

ہم نے اپنے دشمن کی بے خبری میں اس پر ہولناک وار کیا تھا اور جنگی اصطلاح کے عین مطابق پہل کرنے کا فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اگلے مرحلے میں ہمیں شدید مزاحمت اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ ہماری اولین کامیابی کے ساتھ سب کچھ بہت بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔ اصل خرابی کی ابتداء اس وقت ہوئی تھی جب مجھے ناگزیر حالات میں اپنی انگوٹھی کے شعبدے کو استعمال کرنا پڑا تھا۔

انگوٹھی کے استعمال کے نتائج پر میں اسد سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ سوبھراج' سے ہونے والی غیر متوقع ملاقات میں اسے بہت سی اہم باتوں کا براہِ راست علم ہو گیا تھا۔ ان میں یہ نکتہ سرفہرست تھا کہ سوبھراج ڈینی کو محافظ کا قاتل قرار دے رہا تھا اور اسے پورا یقین تھا کہ ڈینی بنکاک

آ چکا تھا۔

ہم تینوں دیر تک سر جوڑے ان مسائل میں سر کھپاتے رہے۔ اسد کی دانست میں یہ بہت اچھی بات تھی کہ سوبھراج اپنے حقیقی دشمنوں کو بھول کر ڈینی کے فراق میں لگا ہوا تھا۔ اس کی ساری توجہ ایک بڑے دشمن کی تلاش پر مرکوز تھی۔ اس سے ہم کو کچھ آسانیاں مل سکتی تھیں۔

اس دوران میں، میں نے اس سے بنکاک کے دو معتبر انگریزی اخباروں کے نام معلوم کر لیے جن کے ذریعے ہمیں شہر کی خبریں مل سکتی تھیں۔

میرے پاس کراچی کا موبائل فون تھا جو دور دراز رابطوں کے لیے بہت موزوں تھا۔ میں بنکاک میں کسی کو فون کرنے کے لیے اس کے استعمال کو اسراف بے جا تصور کرتا تھا۔ وہ مسئلہ اسد کے سامنے آیا تو وہ اسی وقت مجھے اپنے ساتھ لے کر نیچے اترا اور ہوٹل کے شاپنگ آرکیڈ کی ایک دکان میں میرے کمرے کا نمبر بتا کر کھڑے کھڑے ایک نیا موبائل فون کنکشن سمیت خرید لیا۔ جس میں کارڈ کے استعمال کی سہولت کی وجہ سے بلنگ کا کوئی بکھیڑا نہیں تھا۔ وہاں ان دنوں فون اور کنکشن کراچی کے مقابلے میں بہت سستے تھے۔

ہم واپس کمرے میں پہنچے تو کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ روم سروس سے کراکری اور کٹلری طلب کر کے ہم تینوں نے اسد کے لائے ہوئے لذیذ کھانوں سے پورا انصاف کیا۔

مزید کچھ دیر ہمارے ساتھ بیٹھنے کے بعد وہ واپس چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی غزالہ نے ٹیلی ویژن کھول کر ایک انگریزی چینل لگا دیا۔ ٹیلی ویژن پر کیبل سے آنے والے پروگراموں پر محنت کر کے اس نے وہ اکلوتا چینل دریافت کیا تھا جس پر پیشتر اوقات میں انگریزی فلمیں اور گانے کے پروگرام آتے رہتے تھے۔ اسی کے ساتھ انگریزی میں ملکی خبریں بھی سنائی اور دکھائی جاتی تھیں۔

اس وقت ٹیلی ویژن پر ایک فلم چل رہی تھی۔ غزالہ نے آواز دھیمی کر دی۔ میں اچھی طرح شکم سیر ہونے کے بعد غنودگی کی لہر محسوس کر رہا تھا۔ کپڑے تبدیل کر کے بستر پر دراز ہو گیا اور آنکھیں موند لیں۔

مجھے لیٹے ہوئے چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ ہوٹل کے فون پر چاؤ فان کی کال آ گئی۔

''ماسٹر! کیا کر رہے ہو؟'' میری آواز سنتے ہی اس نے بے تکلفی سے پوچھا۔

''سر کے بل کھڑا ہو کر دنیا کی بے ثباتی پر غور کر رہا ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''بدھا یہی کام بیٹھ کر کیا کرتے تھے۔ اس مشق سے فارغ ہو کر بڑے آدمی کو فون کر لینا۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

''کیوں، خیریت تو ہے!'' وہ ہدایت سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس نے ابھی ابھی مجھے مختصر سی ہدایت دی ہے۔''

''وہ کس نمبر پر ملے گا؟'' میں نے غیر ارادی طور پر سوال کیا۔

''یہ تم کو معلوم ہونا چاہیے...... میرا خیال ہے کہ موبائل نمبر تمہارے پاس ہو تو وہی بہتر رہے گا۔''

''میرے پاس اس کے سب نمبر موجود ہیں۔'' یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

ڈان کی طرف سے ملنے والے اس پیغام نے میرے دل و دماغ میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ میرے ہاتھوں

سرد مہر ہونے والے قتل پر میری سرزنش کرے گا۔

''آپ کو اسے فون کر لینا چاہیے'' مجھے متفکر دیکھ کر غزالہ نے دھیرے سے مشورہ دیا ''وہ کچھ کہے تو آپ کو خاموشی سے سن لینا چاہیے۔ میرا اندازہ ہے کہ ڈان نایاب نسل کا آدمی ہے۔ اس کی ہاں میں ہاں ملانا آپ کے لیے سود مند رہے گا۔''

''حیرت ہے کہ تم نے اسے دیکھے بغیر یہ اندازہ لگا لیا۔ میں نے دو بار اس سے ملنے کے بعد بالکل یہی رائے قائم کی تھی۔ وہ اول درجے کا انا پرست انسان ہے'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

''میں آپ کے ساتھ رہتی ہوں، یہ سب میں نے آپ ہی سے سیکھا ہے۔''

''میری انا کو ابھارنے کی کوشش نہ کرو۔ میں ڈان نہیں ہوں'' میں نے مسکرا کر جواب دیا اور اپنے نئے موبائل فون پر ڈان کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔

ڈان سے فون پر وہ میرا پہلا رابطہ تھا۔ میری آواز شاید اس کے لیے اجنبی ہوتی۔ میں نے سلسلہ ملنے کے بعد اس کی آواز سنتے ہی اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا۔

''ڈان! میں علی بول رہا ہوں۔'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔

''شان دار.....!'' اس کا پہلا لفظ میری ہر تشویش رفع کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ بہت شاندار طریقے سے اپنے کام کا آغاز کیا ہے۔ نقارے پر چوٹ پڑ چکی ہے۔ دشمن کو للکارا گیا ہے۔ اس کی صفوں میں ہلچل مچ گئی ہے۔''

''میں تمہاری اعلیٰ ظرفی اور اس عزت افزائی پر ممنون ہوں۔ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ سب تمہارے دیے ہوئے آدمیوں کا کمال ہے۔''

''تمہیں نہیں معلوم کہ تم نے کیا، کیا ہے۔ تم نے یہاں آ کر مرداروں کو حوصلہ دیا ہے۔ دو برسوں سے یہی بنکاک تھا اور یہی چاؤ فان تھا۔ مجھے حسرت تھی کہ کوئی چھوٹا راجن کو للکارے مگر کسی مائی کے لال میں اتنی ہمت نہیں تھی۔ تم نے آتے ہی سب کچھ بدل دیا۔ ہاتھ پیر اور ہتھیار سب کے پاس ہوتے ہیں، حوصلہ کسی کسی میں ہوتا ہے۔ مجھے آج بہت خوشی ہے کہ اپنے بدترین دشمن سے لڑانے کے لیے تمہارا انتخاب کر کے میں نے غلطی نہیں کی، تم کس ملک کے رہنے والے ہو؟''

ابتدا سے اس وقت تک ڈان نے میرے ماضی اور وطن کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا تھا۔ اس بارے میں وہ اس کا پہلا سوال تھا۔ میں نے کہا ''پاکستان سے آیا ہوں۔''

''اس مٹی کو میرا اسلام جس سے تم جیسے جی دار جنم لیتے ہیں'' اپنے دشمن کو بہت بڑی زک پہنچانے پر ڈان اس وقت بہت زیادہ جذباتی ہو رہا تھا۔ پتھر کی طرح سخت اور درندوں سے زیادہ سفاک نظر آنے والے سرد مہر ڈان سے مجھے اتنی حوصلہ افزائی ملنے کی امید نہیں تھی۔

''ڈان! یہ تمہاری محبت ہے ورنہ میں اس ستائش کے قابل نہیں ہوں'' میں نے اپنے وطن کو سلامی ملنے پر جذبات سے مغلوب آواز میں کہا۔

''علی...... میرے بچے! تم میرے سینے میں بھڑکتی ہوئی انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرو گے۔ جب سے مجھے گولڈن ڈریگن والے واقعے کی خبر ملی تھی، میں تم سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ دشمن کے گڑھ میں گھس کر اس کے ایک موذی آدمی کو مارنا اور پھر مکھن میں سے بال کی طرح صاف نکل آنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کے لیے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں تمہاری لاش بھی گر سکتی تھی۔ پھر آج حد ہو گئی۔ چھوٹا راجن کا بہت کچھ تباہ و برباد ہو گیا۔ اس میں صرف دو آدمی مرے ہیں۔ ان کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی تھی۔ یہ آنے والا وقت بتائے گا کہ وہ کتنے گنہگار تھے۔''

''میری کوشش ہو گی کہ میں اس لڑائی کے ہر مرحلے میں تمہاری توقعات پر پورا اترتا رہوں۔''

''بارہ گھنٹوں میں بہت کچھ ہو گیا۔ اب ذرا آرام کرو۔ تم نے چھوٹا راجن کا دماغ الٹ دیا ہے۔ وہ پاگل کتے کی طرح اپنے آدمیوں پر برس رہا ہے۔ ان لوگوں نے بنکاک میں بربریت کا بازار گرم کر دیا ہے۔ وہ لوگوں کو اٹھا رہے ہیں، بے رحمی سے مار رہے ہیں۔ انہیں ایسے لوگوں کی تلاش ہے جنہوں نے سازش میں ان کے دشمنوں کا ساتھ دیا ہے۔ دو تین روز تک یہ سب ہوتا رہا تو یہاں کی زیر زمین دنیا میں چھوٹا راجن کے خلاف بغاوت ہو جائے گی۔ لوگ اس کے آدمیوں کو پیٹنا شروع کر دیں گے۔ اس کی ہوا اکھڑ جائے گی۔''

خرانٹ اور کم گو ڈان اس وقت اپنی دو برس کی بھڑاس نکال رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میں نے سوچا تھا کہ وہ کبھی اپنی زبان سے کوئی فالتو یا غیر ضروری لفظ ادا نہیں کرتا ہو گا۔ اس نے بے تکان بول کر مجھے حیران کر دیا تھا۔

''وہ وقت بہت قریب ہے جب تمہارا حریف شہر کے......

بازاروں میں ذلیل اور رسوا ہوگا'' میں نے ڈان کی باتوں پر گرہ لگائی۔

''تم دل لگا کر اسی بے جگری سے اپنا کام کرتے رہو۔ رفتہ رفتہ تمہیں بنکاک کا ڈان بنادوں گا'' ابتدائی کامیابیوں پر ڈان کی آنکھوں میں سحر آفریں خواب اترنا شروع ہوگئے ''کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ تم سے نظریں چار کرسکے۔ مجھے تمہارا تابناک مستقبل صاف نظر آرہا ہے۔''

''اس وقت بھی تم مجھے اپنا بے دام غلام پاؤ گے'' میں نے ڈان کے دل کی بات کہہ دی۔

''تم بہت سعادت مند اور بامروت لڑکے ہو۔ میں تمہاری قدر کرتا ہوں'' میں اس کی چاپلوسی کررہا تھا اور وہ میری تعریفیں کرتا جارہا تھا۔ اس نے میرے ایسے خواص گنوادیے تھے جن کے وجود سے میں خود بھی بے خبر تھا۔

''اجازت ہو تو میں ایک سوال کرلوں؟'' میں نے گفتگو کے اختتامی لمحات کا ادراک کرتے ہوئے بہت رسانیت کے ساتھ کہا۔

''بولو!'' ڈان کی آواز میں تحکم سمٹ آیا۔

''آج تم نے میری بہت عزت افزائی کی ہے۔ تم سے بات کرکے مجھے نیا حوصلہ ملا ہے۔ اجازت ہو تو میں کبھی کبھی تم کو فون کرلیا کروں؟'' میں نے لجاجت سے کہا۔

''میرے پاس آنے پر اور غیروں کے سامنے میرا نام لینے پر پابندی ہے۔ فون ہر وقت کرسکتے ہو۔ ذہین اور دلیر لوگوں سے بات کرکے مجھے خوشی ہوتی ہے۔''

''میں تمہارا شکر گزار ہوں'' میں نے مؤدب لہجے میں کہا۔

ڈان سر سے پیر تک اپنی بڑائی کے نشے میں غرق تھا۔ وہ اپنے ہم عصروں اور ساتھیوں کے سامنے جو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا، اس نے مجھ سے کہہ ڈالا تھا۔ اس کے دل ودماغ میں کھولتے ہوئے لاوے کا ابال ٹھنڈا ہوچکا تھا۔ اس نے فون بند کردیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ ڈان آپ سے بہت زیادہ متاثر ہوگیا ہے'' غزالہ نے شوخی سے کہا ''اس سے بات کرتے ہوئے آپ کے چہرے پر بار بار سرخی تیر رہی تھی۔''

''وہ ایک زوال پذیر بدمعاش ہے۔ میرے ذریعے اسے اپنے سنہرے دن لوٹتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ وہ دل کھول کر میری کارکردگی کی تعریفیں کررہا تھا۔''

''اور آپ بہت ہوشیاری سے اسے مزید اکسارہے تھے؟''

''یہ میری مجبوری ہے۔ اسے خوش رکھ کر ہی میں سوبھراج کا کام تمام کرسکتا ہوں۔''

''بے چارے ڈان کو سوبھراج کے نام کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ آپ کا نشانہ صرف راجن ہے۔ اصل قصے کا پتا چلے گا تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔''

''اسے الہام نہیں ہوسکتا۔ یہاں تمہارے اور اسد کے سوا کسی کو اندر کی اس کہانی کا علم نہیں ہے۔ تم دونوں اسے کچھ بتانے سے رہے۔''

اس وقت تک حالات انتہائی غیر متوقع طور پر صحیح رخ پر جارہے تھے۔ آثار بتارہے تھے کہ یوں ہی چلتا رہا تو ہم بہت جلد سوبھراج اور راجن پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ ٹیلی وژن مسلسل کھلا ہوا تھا۔ اسکرین پر میوزک کے نام پر نیم برہنہ لڑکیوں کی اچھل کود کا سلسلہ جاری تھا۔ غزالہ نے ریموٹ سے آواز بند کی ہوئی تھی۔ ہم خبروں کے انتظار میں وہ سب دیکھنے پر مجبور تھے۔

اس دوران میں ایک مرتبہ خبروں کی باری آئی۔ چند منٹ کے قلیل عرصے میں اختصار کے ساتھ اہم خبریں سنائی گئیں جن میں بنکاک میں مذہبی انتہا پسندوں کی دہشت گردی میں دو افراد کی ہلاکت کی خبر شامل تھی۔

وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ دھماکوں میں دو افراد کی ہلاکت

کی خبر ڈان برنارڈ سے پہلے ہی مل چکی تھی۔ اس میں ایک پہلو حیرت ناک تھا۔ ٹیلی وژن کے اس خبری نشریے میں دھماکوں کو مذہبی انتہا پسندوں سے منسوب کیا گیا تھا۔ وہ سو فیصد سرکاری نظریہ تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ نظریہ کس بنیاد پر قائم کیا گیا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد تفصیلی خبروں کی باری آ گئی۔ اس نشریے میں وہ خبر دوسرے نمبر پر تھی۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ انتہا پسند دہشت گردوں نے بنکاک کے چار معروف تفریحی مقامات پر طاقت ور ٹائم بموں سے ایک ہی وقت میں دھماکے کر کے یہ پیغام دیا تھا کہ ملک بھر میں بڑھتی ہوئی بے راہ روی کو روکنے کے لیے ایسے ٹھکانوں کو بند کر دیا جائے جو ملک میں سیاحت کے فروغ کے لیے ناگزیر تھے۔ انتظامیہ پوری سرگرمی سے مجرموں کی تلاش میں مصروف تھی۔

میں حیران تھا کہ حکام نے یہ بات سرے سے نظر انداز کر دی تھی کہ وہ چاروں ٹھکانے راجن کی ملکیت تھے اور انہیں کسی ذاتی مخاصمت کی وجہ سے نشانہ بنایا گیا تھا۔ انہوں نے واقعات کا رخ کسی اور طرف موڑ دیا تھا۔ اس خبرنامے میں گولڈن ڈریگن میں پیش آنے والے واقعے کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ اسے مقامی نوعیت کا واقعہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا گیا تھا یا پھر وہ خبر اس سے پہلے نشر ہو جانے کی وجہ سے اپنی افادیت کھو بیٹھی تھی۔

''یہاں پوری کہانی بدلی ہوئی نظر آ رہی ہے'' میں نے ٹیلی وژن آف کر کے فکرمندی سے کہا ''راجن کا ذکر سرے سے غائب کر دیا گیا ہے۔''

''مجھے یہ بھی راجن کی چال معلوم ہو رہی ہے'' غزالہ نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''اس کی ساکھ کے لیے اصل خبر تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔ کوئی سورما اپنی بدقسمتی سے کسی کے ہاتھوں پٹ جاتا ہے تو اس واقعے کی تشہیر پسند نہیں کرتا۔ اس سے دوسروں کو سرکشی کی ترغیب ملتی ہے۔ انتظامیہ نے راجن کی اس مصلحت کوشی سے فائدہ اٹھایا ہے اور سارا ملبہ حکومت کے مخالف گروپوں پر ڈال دیا ہے۔ یہاں آج کل کئی گروپوں نے سر اٹھایا ہوا ہے۔ وہ آئے دن کوئی نہ کوئی دہشت گردی کرتے رہتے ہیں۔ انتظامیہ نے اس واقعے سے فائدہ اٹھا کر انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''تم یہاں کے سیاسی حالات پر کب سے نظر رکھنے لگیں؟'' میں نے اس کے تجزیے پر اپنی حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اخبار شوق سے پڑھتی ہوں۔ اس بارے میں کئی مہینوں سے خبریں آ رہی ہیں جنہیں پاکستانی اخبارات نمایاں طریقے سے شائع کرتے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ راجن کی ملی بھگت سے انتظامیہ نے ان واقعات سے سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔''

وہ غزالہ کی اپنی رائے تھی جس سے اختلاف کرنا دشوار تھا۔ میری نظر ان واقعات کے دوسرے پہلو پر بھی تھی۔

اسد کی معلومات کے مطابق وہ ناچ گھر اور جواخانے راجن کی ملکیت تھے لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ ملکیت کے قانونی کاغذات بھی اس حقیقت کی غمازی کرتے ہوں۔ اس قسم کے دھندوں میں کسی ممکنہ قانونی گرفت اور ٹیکس کے مسائل سے بچنے کے لیے لوگ قانونی ملکیت کے خانے میں عام طور پر اپنے کسی حواری کا نام ڈال دیتے ہیں۔ ایسے کاروبار کا سارا مالی فائدہ وہ خود اٹھاتے ہیں، کوئی برا وقت آ جائے تو اپنے حواری کو چارہ بنا کر سامنے لے آتے ہیں۔ مجھے شبہ تھا کہ اس معاملے میں بھی یہی صورت حال درپیش تھی۔ راجن ان سب تفریح گاہوں کا اکلوتا مالک ہونے کا اقرار کر کے آئندہ کے لیے کوئی بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سبب کچھ بھی رہا ہو، سرکاری طور پر راجن کا نام نہیں لیا گیا تھا۔ ٹیلی وژن کی خبر زیادہ تفصیلی نہیں تھی، یک طرفہ انداز میں تخلیق کی گئی تھی۔ تفصیلی معلومات اگلے دن کے اخبارات سے حاصل ہو سکتی تھیں۔

میں نے اس روز کے لیے اپنے ہدف کے عین مطابق کامیابی حاصل کر لی تھی۔ شام تک ہم اپنے کمرے میں آرام کرتے رہے۔ کھڑکیوں سے باہر دھندلکا پھیلنا شروع ہوا تو ہم دونوں تیار ہو کر شہر کی سیر کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

رات ہوتی ہے تو بنکاک کا سماں کچھ اور ہو جاتا ہے۔ ہر طرف رنگ و نور کا ایک سیلاب اُمڈ آتا ہے۔ دن بھر ساحلی مقامات کی جنت نظیر پٹیوں پر سن باتھ لینے والے تھکے ماندے سیاح بھی شہر کی سحر آفریں راتوں کے جادو سے مسحور ہو کر سڑکوں پر نکل آتے ہیں۔ تفریحی مقامات پر اور بازاروں میں زندگی کی رعنائیاں انگڑائیاں لے کر بیدار ہونے لگتی ہیں۔ دیر تک یہ سرگرمیاں یوں ہی جاری رہتی ہیں۔ شہر کی رونق بھانت بھانت کے انسانوں کے ملے جلے ہجوم سے دوبالا ہو جاتی ہے۔ ان میں افریقا کے کالوں سے لے کر امریکا کے نخوت پسند گوروں تک ہر قوم اور ہر رنگ کے لوگ نظر آتے ہیں جو اس مہمان نواز شہر میں ہر تفریق سے بے نیاز، اپنی اپنی دھن میں مگن نظر آتے ہیں۔

مول تول، بھاری خریداریوں اور ناآسودہ جذبوں کی

تسکین کے بعد جب لوگ واپسی کا رخ اختیار کرتے ہیں تو شہر کی رونقیں سمٹنے لگتی ہیں۔ انسانوں کے بغیر شہر کے کوچہ و بازار اپنی ساری کشش کھونے لگتے ہیں۔ پھر روشنیاں ہی روشنیاں رہ جاتی ہیں۔ سیاح اپنے مسکنوں کو لوٹ چکے ہوتے ہیں۔ بس مے کدوں میں شب بیدار رندوں کی محفلیں جمی رہتی ہیں۔ باہر پھیلے ہوئے پراسرار سناٹے میں سرمست خریدار گناہوں کا مول چکانے کے لیے شہر کی ان گلیوں اور بازاروں کا رخ کرتے ہیں جہاں راجن جیسے زبردست ان کی جیبیں خالی کرانے کے لیے اپنے جیتے جاگتے مال کے ساتھ ہمہ تن تیار بیٹھے رہتے ہیں۔

ہمیں بنکاک کے شب و روز کے ان پوشیدہ گوشوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بارہ بجے کے قریب ہم اپنے کمرے میں لوٹ آئے۔ دونوں کے جسم تھکن سے بے حال تھے لیکن وجود میں بہت کچھ جان لینے کی ایک عجیب سی ناقابل بیان سرشاری رچی ہوئی تھی۔

اگلی صبح روم سروس والوں نے میری ہدایت کے مطابق بنکاک کے دو مؤقر انگریزی اخبارات ہمارے کمرے میں پہنچا دیے۔

اخبارات نے بنکاک میں ہونے والے چار دھماکوں کے بارے میں یہ انکشاف کیا تھا کہ دو افراد کی ہلاکت کے علاوہ زخمی ہونے والوں کی تعداد تین تھی۔ اس بات پر بھی زور دیا گیا تھا کہ بموں کے دھماکوں کا شکار ہونے والے چاروں تفریحی مراکز مشہور بھارتی تاجر چھوٹا راجن کی ملکیت سمجھے جاتے تھے اور وہ دھماکے زیر زمین کے طاقت ور گروہوں میں اقتدار کی جنگ کا نتیجہ ہو سکتے تھے۔

مذہبی انتہا پسندوں کے حملے والے سرکاری مؤقف کو رپورٹ ضرور کیا گیا تھا لیکن اسے کوئی اہمیت نہیں دی گئی تھی۔ کسی بھی خطے میں صحافیوں کا تعلق معاشرے کے حسّاس ترین طبقوں سے ہوتا ہے۔ اگر وہ ایمان دار ہوں تو ان کے پڑھنے والوں کو سچ تک رسائی حاصل رہتی ہے۔ وہ لفافوں کے عوض اپنے قلم کا سودا کرلیں تو جھوٹ بہت تیزی کے ساتھ ساری سچائیوں کو نگل جاتا ہے۔

اخباری نامہ نگاروں نے ان دھماکوں کے بعد راجن سے مل کر اس کے تاثرات جاننا چاہے تو اس نے حیرت انگیز طور پر میرا یا کسی اور کا نام نہیں لیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے تھائی لینڈ میں بھاری سرمایہ کاری کی ہوئی ہے، حکومت کو ٹیکسوں کی مد میں ہر سال بھاری رقوم ادا کرتا ہے۔ اس کے کاروبار کو تحفظ فراہم کرنا حکومت کی ذمے داری ہے۔ وہ

قارئین متوجہ ہوں

قرآنِ حکیم کی مُقدس آیات و احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر آیات اور احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مُطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

برسوں سے تھائی لینڈ میں کام کر رہا ہے۔ اس کی کسی سے دشمنی نہیں ہے۔ یہ دیکھنا پولیس اور دوسرے محکموں کا کام ہے کہ اس تخریب کاری کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔ اس نے گولڈن ڈریگن میں مارے جانے والے آدمی کے قتل کے واقعے کو چاروں دھماکوں کی تمہید کا خیال سرے سے مسترد کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ نوعیت کے اعتبار سے دونوں واقعات ایک دوسرے سے الگ اور غیر متعلق تھے۔ اسے سوچنا پڑے گا کہ وہ یکے بعد دیگرے کیوں رونما ہوئے۔

چھوٹا راجن ایک سکہ بند بدمعاش تھا۔ بنکاک میں اس کے ستارے عروج پر تھے۔ زیر زمین دنیا کے پروٹوکول کے عین مطابق اس نے باوقار رویہ اختیار کرنے کی کوشش کی تھی اور میرا نام نہیں لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس وغیرہ اس سلسلے میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے گی۔

قانون کے محافظوں سے کسی دشمن کے خلاف مدد طلب کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ اس نے اپنی شکست مان لی ہے۔ بڑے مجرموں کی روایات کے مطابق اسے دوسروں کو الگ تھلگ رکھ کر اپنے معاملات خود سنبھالنے تھے۔ اس سے چوک ہو جاتی تو ہوا خیزی اس کا مقدر بن جاتی۔

دونوں اخباروں میں چھپنے والی خبروں کی تفصیل پڑھ کر مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ میرے خلاف پولیس سے کوئی مدد نہ لینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ مقابلہ میرے اور اس کے درمیان تھا۔

یہ اچھی بات تھی کہ ستارے میرا ساتھ دے رہے تھے۔ راجن دونوں واقعات کو الگ الگ دیکھ رہا تھا۔ اس کی توجہ دوسمتوں میں بٹ گئی تھی جبکہ میرا ہدف ایک تھا۔ مجھے اس کے ان گرگوں سے ہوشیار رہنا تھا جو میری تلاش میں شہر کو تہ و بالا کر سکتے تھے۔

راجن کا ابتدائی ردِعمل سامنے آ گیا تھا۔ اس کی روشنی میں، میں کسی اگلی کارروائی کا منصوبہ بنا سکتا تھا جس کے نتیجے میں سوبھراج میری گرفت میں آ سکے لیکن بہتر یہی تھا کہ میں ڈان کے مشورے سے انحراف نہ کروں۔ چند روز کی خاموشی کے بعد اچانک کیا جانے والا وار زیادہ کارگر ثابت ہو سکتا تھا۔

ہمارے دیر سے بیدار ہونے کی وجہ سے ہوٹل کے ریستوران میں ناشتے کا وقت گزر چکا تھا۔ کمرے کے در و دیوار میں زیادہ دیر تک رکنے کی وجہ سے مجھے وحشت سی ہونے لگتی تھی۔ ویسے بھی میرے پاس فوری نوعیت کا کوئی کام نہیں تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ کمرے میں ناشتا کرنے کے بعد میں غزالہ کو ساتھ لے کر شہر کے قابل دید مقامات کی سیر کے لیے نکل جاؤں تاکہ ہمارا وقت بہتر انداز میں گزر سکے۔

ہم ناشتے سے فارغ ہوئے تھے کہ میرے کراچی والے موبائل فون پر اول خان کی کال آ گئی۔

''یہاں سے ایسے گئے ہو کہ یہاں والوں کو بھول ہی گئے؟'' اس نے چھوٹتے ہی شکایت کی ''معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بہت مصروف ہو گئے ہو؟''

''ایسی کوئی خاص مصروفیت نہیں ہے۔ اس وقت بھی بنکاک کی سیر پر نکلنے کا ارادہ ہے'' میں نے اس کی شکایت سے محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''یہاں کے اخبار میں راجن کے پانچ ٹھکانوں میں انتہا پسندوں کی کارروائیوں کی خبر چھپی ہے۔ اس میں تمہارا کتنا حصہ تھا؟'' وہ براہِ راست مطلب کی بات پر آ گیا۔

''انتہا پسندوں پر سرکاری تہمت لگائی گئی ہے۔ یہ میری منصوبہ بندی تھی۔ میں ایک جگہ بال بال بچا ہوں۔ یہ خبر اتنی تیزی سے وہاں کیسے پہنچ گئی؟''

''یہ ای میل، انٹرنیٹ اور فیکس کا دور ہے۔ خبریں ہزاروں میل فی منٹ کی رفتار سے ہواؤں پر اڑتی ہیں۔ مجھے کچھ تو بتاؤ کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟''

بنکاک میں راجن کا تجزیہ گمراہ کن تھا۔ فاصلہ بڑھ جانے سے اصلیت نتھر کر سامنے آ گئی تھی۔ مقامی اخبار نے وہ واقعات دو الگ الگ خبروں کی صورت میں چھاپے تھے۔ برق رفتار مواصلاتی رابطوں پر شاید وہ دو خبریں ہی پاکستان پہنچی ہوں لیکن ادارتی ڈیسک پر بیٹھے ہوئے کسی ذہین شخص نے مالک کے مشترک نام کو دیکھتے ہی دونوں خبروں کو یکجا کر دیا۔ حقیقت بھی وہی تھی۔

کسی واقعے میں ملوث افراد کے لیے جذباتی الجھاؤ کی وجہ سے صحیح نتیجے پر پہنچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ دور سے واقعہ دیکھنے یا سننے والے منطقی انداز میں فوراً صحیح نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں۔ راجن واضح طور پر اسی غلطی کا شکار ہوا تھا۔ کراچی کے اخبار نے ازخود اس غلطی کو درست کر لیا تھا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اول خان کو ان واقعات کے پس منظر سے آگاہ کر دیا۔

''میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم احتیاط سے کام لو۔ تم بہت تیز جا رہے ہو۔ کوئی ٹھوکر لگی تو وہاں دور دور تک کوئی سہارا دینے والا نہیں ملے گا۔ تم کو یہاں کے بگڑتے ہوئے حالات کی وجہ سے نکالا گیا ہے۔ تمہارے سر پر کوئی ذمے داری مسلط نہیں کی گئی۔''

''ذمے داریاں خود بخود آ جاتی ہیں۔ اب یہی دیکھ لو کہ سوبھراج خاموشی اور رازداری سے یہاں آیا تھا۔ مجھے فکر تھی کہ اسے کس طرح سامنے آنے پر مجبور کیا جائے۔ گولڈن ڈریگن میں ایک آدمی مارا گیا تو اس نے میرے تجسس میں پڑ کر خود اپنی موجودگی کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ وہ مجھے فون نہ کرتا تو بنکاک میں اس کی موجودگی کچھ دنوں کے لیے ایک راز بنی رہتی اور میں آرام سے بیٹھا رہتا۔''

''میں عرصے سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں کہ تمہارے مقابلے پر آنے والوں کے اعصاب بہت جلد جواب دے جاتے ہیں اور وہ غلطیاں کرنے لگتے ہیں۔''

''یہی نہیں بلکہ وہ میرا پتا معلوم کرنے کے لیے آئی بی کے آدمی کے گھر پر بھی پہنچ گیا تھا۔ اگر وہ شہر میں اس طرح اپنی شامت کو ڈھونڈتا پھر رہا ہو تو میں کس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ سکتا ہوں، مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔''

''تمہیں اپنی من مانیوں سے روکنا بہت مشکل کام ہے۔ کم از کم مجھے فون تو کرتے رہا کرو۔''

''کوشش کروں گا۔ میرا اندازہ ہے کہ جلال ہر بات سے باخبر رہتا ہے۔ اس کا آدمی یہاں سے اسے پل پل کی رپورٹیں بھیجتا ہوگا۔ اس سے رابطے میں رہا کرو۔''

''یہاں کی رونقیں تمہارے دم سے تھیں۔ اب کراچی میں سناٹا ہے۔ جلال اسلام آباد جا چکا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس سے میری زیادہ بے تکلفی نہیں ہے۔ گریڈوں والے افسر کتنے ہی شریف النفس کیوں نہ ہوں، وہ بغیر گریڈ والوں کو منہ نہیں لگاتے، تمہیں معلوم ہے کہ اپنی ایس ٹی ایف میں کوئی تمغا ہے نہ گریڈ سب زبانی کلامی چلتا ہے۔''

''یہ تمہارے اور جلال کے معاملات ہیں میں ان میں دخل انداز نہیں ہونا چاہتا۔ وہ بیوروکریٹ ضرور ہے لیکن اپنی برادری کے نک چڑھے افسروں سے بہت مختلف ہے۔''

''ضروری نہیں کہ ایک شخص کے بارے میں سب کی رائے یکساں ہو اس قصے کو چھوڑو۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے جنرل سے بات کر کے تمہارا ہاتھ بٹانے کے لیے ایک دو آدمی ادھر بھیج دوں تمہارا بوجھ بہت ہلکا ہو جائے گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے میں یہاں آدمیوں کی کان

میں پہنچا ہوا ہوں۔''
''ضرورت محسوس کرو تو مجھے بتا دینا' معلوم ہوتا ہے کہ تم چاروں ہاتھ پیروں سے ڈان کے سر پر سوار ہوگئے ہو!'' ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی۔
''زندگی نے ساتھ دیا تو وہ جلد ہی مجھے بنکاک کا ڈان بنوا دے گا۔ میں یہیں کسی پگوڈا میں بیٹھ کر اللہ اللہ کیا کروں گا۔ بقیہ کام شہر کے بدمعاش کرتے رہیں گے۔''
''تمہاری چرب زبانی کا مارا مشکل ہی سے بچتا ہے' پتا نہیں اس بے چارے ڈان کا کیا انجام ہوگا۔ اس نے تمہیں بہت بڑا اسہارا دیا ہے۔''
''ہوسکے تو ایک کام ضرور کرلو۔'' میں نے فوری خیال کے تحت چونک کر کہا ''سوبھراج وہاں روپوش تھا۔ وہ چوری چھپے ایران گیا اور وہاں سے ادھر آگیا۔ اس کے لہو کے پیاسوں کو یہ معلوم ہوجانا چاہیے کہ اب وہ بنکاک میں چھوٹا راجن کا مہمان ہے۔''
''تم امریکیوں کی بات کررہے ہو!'' اس کا لہجہ تائید طلب تھا۔
''ایف بی آئی والے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''تمہیں یاد رہنا چاہیے کہ دیرا کو خاموشی سے اپنی ذاتی قید میں رکھنے کی کوشش کرکے سوبھراج نے ان لوگوں سے غداری کی تھی وہیں سے وہ اس کی جان کے دشمن ہوئے تھے اب انہیں بھی حرکت میں آنا چاہیے۔''
''وہ تمہارا شکار کھا جائیں گے۔'' اول خان نے خدشہ ظاہر کیا ''تھائی حکومتیں ہمیشہ سے امریکا نواز ہی ہیں اور بنکاک میں ان کا مضبوط فوجی اڈا ہے وہ ایک جھٹکے میں اسے گردن سے دبوچ لیں گے۔''
''اتنی سی بات کو عالمی سیاست سے نہ ملاؤ' ہم بھی امریکا نواز ہیں تمہیں معلوم ہے کہ ایک مدت سے پاکستان میں کیا ہورہا ہے۔ ہاکس بے میں سنی ہٹ کا واقعہ زیادہ پرانا نہیں ہے۔ زمینی حقائق سرکاری پالیسیوں سے بہت مختلف ہوتے ہیں یہ منافقت کے کھیل ہیں میں ان سے دور بھاگتا ہوں۔''
''تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو مجھے کیا عذر ہوسکتا ہے یہ کام آج ہی ہوجائے گا۔''
''ہمیں آم کھانے سے مطلب ہونا چاہیے' پیڑ گننے سے نہیں۔'' میں نے سنبھالا لے کر نرمی سے کہا ''میں چاہتا ہوں کہ اس پر ہر طرف سے دباؤ آجائے میں اس غدار کی جلد از جلد موت کا خواہاں ہوں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ کس کے ہاتھوں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچتا ہے۔ اس سے پہلے کہ اسے بنکاک میں اپنی موت نظر آنے لگے اور وہ یہاں سے کہیں دور بھاگ جائے کسی نہ کسی کو اس کے گلے میں پھندا ڈال دینا چاہیے۔''
''ایف بی آئی والوں کو یہ خبر تمہاری طرف سے پہنچائی جائے تو کیسا رہے گا۔''
''اس سے کیا حاصل ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔
''شاید ان کے دلوں میں تمہارے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا ہوسکے۔''
''مجھے یہ سن کر صدمہ ہوا ہے۔ اب تک تمہیں اندازہ ہوجانا چاہیے تھا کہ میری اور ان کی دشمنی اب کسی مصالحت کی توقع سے بہت دور نکل چکی ہے۔ وہ نہیں مجھے بخشیں گے نہ میں ان کو چھوڑوں گا۔ اب یہ لڑائی میری زندگی بھریوں ہی چلے گی۔''
''مجھے سب معلوم ہے' ہر بات کا اندازہ ہے۔'' اس کی خفت آمیز آواز ابھری۔ ''پھر بھی کبھی کبھی بے ساختہ خوش گمان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ میں تمہاری طرح ہر وقت اٹل حقیقتوں میں گھرا ہوا نہیں رہ سکتا۔''
وہ اپنی سہل کلامی پر شرمسار ہورہا تھا۔ میں نے اسی لمحے موضوع بدل دیا ''میری خبر گیری کے ساتھ کبھی کبھی سلطان شاہ کی خیر خبر بھی لیتے رہا کرو۔''
''وقت کے لمبے فرق کی وجہ سے دنوں کا تصور گڈمڈ ہوکر رہ گیا ہے۔ اپنے حساب سے میں نے کل اس سے بات کی تھی' دیرا کے پیر میں موچ آگئی......''
''کوئی موچ ووچ نہیں آئی۔ یہ اس کی بدمعاشی ہے۔'' میں نے اول خان کی بات کاٹ کر کہا ''وہ سلطان شاہ سے سفر میں سرزد ہونے والی ایک غلطی کا بدلہ لے رہی ہے۔

شکر

ایک صاحب کی بیگم میٹرنٹی ہوم میں داخل تھیں۔ وہ دو بجے وہاں پہنچے تو نرس نے انہیں دیکھ کر مسرت بھرے لہجے میں بتایا ''آپ بڑے اچھے وقت پر آئے۔ اس وقت دو بجے ہیں اور آپ دو بچوں کے باپ بن گئے ہیں۔ آپ کے ہاں دو جڑواں بچے ہوئے ہیں۔''
''اوہ...... یہ تو بڑی اچھی خبر سنائی آپ نے!'' وہ صاحب گہری سانس لے کر بولے ''لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں بارہ بجے یہاں نہیں پہنچا۔''

آج اسے ٹھیک ہو جانا چاہیے ورنہ میں سلطان شاہ کو اس کی مکاری سے آگاہ کر دوں گا۔''

''مجھے وہ اپنی آواز سے اذیت میں معلوم ہو رہی تھی۔'' اس نے تحیر زدہ آواز میں کہا ''تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے؟''

''اس نے خود بتایا تھا۔ ایسی گھٹیا حرکتوں میں جب تک کسی کو اپنا رازدار نہ بنایا جائے، مزہ نہیں آتا۔ وہ اس صدی کی سب سے بڑی اداکارہ ہے۔ ہالی ووڈ میں ہوتی تو اب تک نہ جانے کتنے آسکر ایوارڈ لے چکی ہوتی۔''

''اس پر اتنا غصہ نہ کرو۔ وقت گزارنے کے لیے وہ کوئی شغل کر رہی ہے تو کرنے دو۔ وہ سلطان شاہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ وہ دونوں خوش ہیں تو ہمیں بھی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر کے خوش رہنا چاہیے۔''

وہ مثبت سوچ کا انداز تھا۔ میں نے اول خان سے اختلاف نہیں کیا اور ہماری گفتگو ختم ہو گئی۔

غزالہ روانگی کے لیے پوری طرح تیار تھی۔ میں نے پھرتی سے جوتے پہنے اور اس کے ساتھ ہوٹل سے چل دیا۔ بدھ مندروں اور پرشکوہ نقاہوں کا وہ فسوں خیز شہر دیکھنے کے لیے اس سے بہتر فرصت کے لمحات شاید بعد میں میسر نہیں آ سکتے تھے۔

ہوٹل کی حدود سے نکل کر فٹ پاتھ پر پہنچتے ہی غزالہ کے بارے میں چاؤ فان کے کہے ہوئے بے ہودہ الفاظ بچھو کے ڈنک کی طرح میرے ذہن میں چبھے اور میری نظریں بے اختیار غزالہ کے چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔

بلاشبہ وہ بہت حسین تھی اور قدرت کی صناعی کا شاہکار کہی جا سکتی تھی۔ اس وقت اس کا چہرہ ہر قسم کے میک اپ سے بے نیاز تھا پھر بھی اس کے رخساروں سے شفق رنگ سرخی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ گولڈن ڈریگن میں قتل کی واردات والی رات وہ بھرپور میک اپ کر کے شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ اس کا وہی روپ دیکھ کر چاؤ فان نے اپنی بے لاگ رائے دی تھی۔

میرا خیال تھا کہ میک اپ کی غیر موجودگی میں اس وقت غزالہ کسی بھی طرح اتنی زوردار نہیں لگ رہی تھی کہ نگاہیں بے ساختہ اس کی طرف اٹھنے لگیں۔ ہم کسی کی نگاہوں کا مرکز بنے بغیر اطمینان سے شہر گھوم سکتے تھے۔

غزالہ کی فرمائش پر میں نے ہاتھ اٹھا کر ایک خالی ٹک ٹک کو روکا اور ڈرائیور کو گولڈن پیلس کا نام بتا کر سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''واٹ فراکاؤ!'' مقامی ڈرائیور نے اپنی سفید بتیسی نکال کر تفہیمی انداز میں کہا اور وہ پرشور سواری بنکاک کی سڑک پر اچھلتی کودتی، ہمیں لے کر آگے روانہ ہو گئی۔

سواری بہت نامعقول تھی لیکن اس کا ڈرائیور خوش اخلاق تھا۔ ہوٹل میں روم سروس کے عملے سے لے کر ٹک ٹک ڈرائیور تک جو بھی تھائی باشندہ ہمارے سامنے آتا رہا تھا اس کے لبوں پر اپنائیت سے بھرپور ایک استقبالیہ مسکراہٹ سجی ہوئی ہوتی تھی۔ وہ لوگ دور دیس سے اپنے ملک میں آنے والوں کے لیے سراپا انکسار و تواضع بنے رہتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ تھائی لینڈ کو عرف عام میں مسکراہٹوں کی سرزمین کہا جاتا تھا۔

☆☆☆

اگلے دو دن بیکاری اور انتظار میں گزر گئے۔ ڈان کے فرمان استراحت کے بعد اپنی مرضی سے کوئی کام شروع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اسد نے ہماری میزبانی کے فرائض سنبھالنے کے لیے اپنے دفتر کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ وہ رات کو سونے کے لیے گھر جاتا اور صبح سویرے واپس آ کر ہمارے اترنے کے انتظار میں ہوٹل کی لابی میں جم جاتا۔ وہاں سے ہم تینوں شہر کی چہ نوردی کے لیے نکل کھڑے ہوتے۔ لاکھوں کی بھیڑ میں یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ سوبھراج مجھے کہیں دیکھ کر پہچان لے اور وہیں ایک ہنگامہ کھڑا ہو جائے۔

قابلِ دید مقامات کی سیر کے سلسلے میں اسد کی رہنمائی نے عجیب ہی مزہ دیا۔ وہ کافی عرصے سے وہاں اکیلا رہ رہا تھا۔ اس کی قابل رشک معلومات نے ہر تفریح کا لطف دوبالا کر دیا۔ شہر سے گزرنے والے دریا میں ایکسپریس بوٹ سسٹم کی بڑی سی لانچ میں بیٹھ کر، سرِ شام شہر کا روشن نظارہ دیکھنا بھی ایک انوکھا تجربہ تھا۔ دریا میں اتنی کشتیاں رواں تھیں کہ مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ میں نے رات گئے گولڈن ڈریگن سے واپسی پر زندہ ٹائم بم دریا میں پھینکا تو مجھے نیچے پھیلی ہوئی نیم تاریکی میں دریا خالی نظر آیا تھا۔ وہ کسی بوٹ پر گرا ہوتا تو کیا ہوتا میرے لیے وہ خیال خوف آور تھا۔

میری حیرت دور کرنے کے لیے اسد نے بتایا کہ رات گہری ہونے کے ساتھ دریائی ٹریفک برائے نام رہ جاتا ہے۔

کام کی نازک نوعیت کی وجہ سے اس نے جان بوجھ کر دریا ایسے پل پر سے عبور کیا تھا جس کے نیچے عام طور پر زیادہ کشتیاں نہیں ہوتیں۔

پھوکیٹ اور جیانگ مائی قابل دید ہونے کے باوجود بنکاک سے بہت دور تھے ہمیں اس سفر پر آمادہ نہ پا کر اسد نے ہمیں وہاں کی زبانی سیر کرا دی۔ پتایا شہر سے زیادہ دور نہیں

تھا۔ وہاں کے سبز سمندری پانی کے کنارے حسن و شوق کی ایک انوکھی دنیا بکھری ہوئی تھی جہاں ہر ایک دوسروں کو یکسر فراموش کر کے اپنی ذات میں مگن تھا۔

پیرا کی کے مختصر کپڑوں میں ملبوس' بے پروانا زنینوں کا ساحلی میلہ پتایا میں ہم جیسے رجعت پسند سیاحوں کے ہوش اڑانے کے لیے کافی سے بہت زیادہ تھا۔ جمال پرستوں کے لیے وہاں قدم قدم پر ایسی رنگین و سنگین رکاوٹیں غسل آفتابی میں کروٹیں لے رہی تھیں کہ لہریے دار کنارے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانے کے لیے انہیں ایک مدت درکار تھی۔

ان تفریحی سرگرمیوں کے ساتھ میرا فون بھی باقاعدگی سے استعمال ہو رہا تھا۔ امریکا سے پاکستان تک کی خبریں تواتر سے مل رہی تھیں۔ ویرا کے پیر کی موچ میری ہدایت کے عین مطابق ٹھیک ہو چکی تھی۔ دس ڈالر لینے والا بھکاری پر اسرار ثابت ہو رہا تھا۔ اول خان نے ایک امریکی سفارت کار کو براہ راست یہ اطلاع فراہم کر دی تھی کہ سوبھراج ایران کے راستے بنکاک بھاگ چکا تھا۔

جلال اسلام آباد میں حسب معمول بہت زیادہ مصروف تھا۔ رتن سیٹھ سوبھراج کے خلاف اہم ترین گواہ تھا' اسے خصوصی حفاظتی انتظامات کے تحت صدف مینشن سے اسلام آباد منتقل کر دیا گیا تھا اور سوبھراج کے خلاف اس کی غیر حاضری میں مقدمہ چلانے کی تیاریاں شروع کر دی گئی تھیں۔ جلال کو امید تھی کہ عدالت جلد ہی سوبھراج کو مفرور قرار دے دے گی۔

دوسری طرف چاؤ فان میری جان کا آزار بنا ہوا تھا۔ میں نے جب سے اسے اپنے مقامی موبائل فون کا نمبر دیا تھا وہ ہر دو تین گھنٹوں بعد مجھے فون کر کے میری خیریت معلوم کرنے لگا تھا۔ اسے شکایت تھی کہ میں نے ہوٹل میں ٹکنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ جب بھی کوئی تحفہ لے کر ہوٹل میں پہنچتا تھا' میرے کمرے میں بجنے والی انٹر کام کی طویل گھنٹیاں اس کا منہ چڑانے لگتی تھیں۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے چاؤ فان کو شہر میں میری خبر گیری کے سوا کوئی دوسرا کام نہیں تھا۔

اس نے ابتدا میں یہ جاننے کے لیے بہت ہاتھ پیر مارے کہ ڈان سے فون پر میری کیا بات ہوئی تھی مگر میں نے اسے ایک لفظ نہیں بتایا۔ وہ جس طرح مجھے خبر گیری کی مار مار رہا تھا اس کا تقاضا تھا کہ جواب میں اسے بھی ستایا جائے۔

ڈان نے مجھے وہ گفتگو اپنی ذات تک محدود رکھنے کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی تھی مگر میں چاؤ فان سے کوئی

موازنہ

''دنیا میں عجیب عجیب واقعات رونما ہوتے ہیں۔'' فیصل فریدی نے ارشد صاحب سے گپ شپ کرتے ہوئے کہا ''ایک صاحب بیس سال میں ایک لفظ بھی نہیں بولے تھے۔ ایک روز ایک گدھے نے انہیں دولتی رسید کی تو اچانک ان کی قوت گویائی واپس آ گئی۔''

''قوت گویائی بحال کرنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے جو کم تکلیف دہ ہے۔'' ارشد صاحب بولے۔

''وہ کیا؟'' فیصل نے جاننا چاہا۔

''بیوی کو میکے بھیج دیا جائے۔'' ارشد صاحب نے جواب دیا۔

کھلا جھوٹ بولے بغیر یہ تاثر دیتا رہا کہ کسی تیسرے فرد کو اس گفتگو کا امین بنانا ڈان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کے مترادف ہوتا۔

تیسرے دن میں نے اسد کے ساتھ باہر جانے کا ارادہ منسوخ کر دیا وہ آیا تو میں نے اسے اوپر کمرے میں بلا لیا۔

ہم تینوں خوش گپیوں میں وقت گزار رہے تھے کہ میرے موبائل فون پر چاؤ فان کی کال آ گئی۔

''صبح بخیر ماسٹر! کیا حال ہے...... اس وقت کہاں گھوم رہے ہو میں نے ساری زندگی میں اتنا شہر نہیں دیکھا جتنا تم نے دو تین دنوں میں دیکھ لیا ہے!'' میری آواز سن کر وہ ایک ہی سانس میں بے تکان بولتا چلا گیا۔

''میں خیریت سے ہوں مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اور میں ہر وقت تمہاری سلامتی کے لیے دعا گو رہتا ہوں...... کیا میں اب فون بند کر دوں۔'' میں نے اسے ہوٹل میں اپنی موجودگی سے باخبر کیے بغیر اس کے انداز میں جواب دیا۔

وہ ہنس پڑا ''ماسٹر! تم بہت دلچسپ آدمی ہو' تم سے بات کر کے میری طبیعت بے مزہ نہیں ہوتی' جلی کٹی باتیں بھی بہت ڈھنگ سے کرتے ہو۔ اب یہی دیکھو کہ آج کل فرصت کے دن ہیں اس کے باوجود تم میری سلامتی کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہو۔''

''اب نہیں کروں گا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا ''اور کوئی شکایت ہو تو وہ بھی بتا دو۔ میں اسے بھی دور کر دوں گا۔''

''ماسٹر! میرے پاس ایک چٹ پٹی خبر ہے سوچا کہ تمہیں بھی سنا دوں!''

وہ خاموش ہوگیا میں نے قدرے تیزی سے کہا ''جلدی سے سناڈالو۔ میں اس وقت بہت زیادہ مصروف ہوں۔''

''دس منٹ پہلے مسلح اور باوردی امریکی فوجیوں سے بھری ہوئی تین گاڑیاں موتی محل میں گئی ہیں۔ بنکاک کا پولیس کمشنر بھی ان کے ساتھ تھا۔'' اس نے بتایا۔

وہ بہت اہم اطلاع تھی۔ میرا ذہن فوری طور پر اول خان کی طرف مبذول ہوگیا۔ کراچی میں سوبھراج روپوش تھا۔ امریکی اپنے طور پر اسے تلاش کرر ہے تھے۔ اس بارے میں ان کا مقامی حکام سے کوئی رابطہ نہیں تھا اس لیے وہ اس کی نقل وحرکت سے بالکل بے خبر تھے۔

میں نے اول خان کو اس بارے میں امریکیوں کو معلومات فراہم کرنے کی جو ہدایت کی تھی اس کا نتیجہ سامنے آ گیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ کراچی سے وہ خبر بنکاک پہنچتے ہی امریکی حرکت میں آچکے تھے۔

ایف بی آئی والے اپنے غداروں کو کسی قانونی مرحلے سے گزارے بغیر خاموشی سے مار ڈالنے کے قائل تھے اور وہ کراچی میں مسلسل ان ہی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ قرائن بتار ہے تھے کہ اس کے بنکاک آنے کے اطلاع پاتے ہی امریکیوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔ انہوں نے سوبھراج کو خاموشی سے ٹھکانے لگانے کا ارادہ ترک کر کے اسے قانون کے بے رحم شکنجے میں جکڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

قیدیوں سے بدسلوکی کے معاملے میں دنیا بھر میں امریکیوں کی شہرت دن بہ دن خراب ہوتی جارہی تھی۔ ان کی تحویل میں آئے ہوئے مجرم اور مشتبہ قیدی آئے دن مشکوک حالات میں مارے جاتے تھے۔ سوبھراج کو اپنے قبضے میں لے کر وہ کسی بھی وقت اس کا نرخرا کاٹ کے یہ دعویٰ کرسکتے تھے کہ سوبھراج نے قید وبند کی سختیوں سے گھبرا کر خودکشی کرلی۔ وہ قانون کا سامنا کیے بغیر مارا جاتا۔ یوں ایف بی آئی والوں کی روایت برقرار رہتی۔

بنکاک میں متعین امریکی اہل کاروں نے کراچی سے آنے والی خبر کو آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کیا ہوگا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے انہوں نے اپنے طور پر اس اطلاع کی تفتیش کی ہو اور جب انہیں یہ یقین ہوگیا کہ سوبھراج شہر میں راجن کا مہمان ہے تو ان کا ایک یونٹ سوبھراج کی گرفتاری کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

غالب امکان یہ تھا کہ امریکیوں نے تھائی حکام کے ذریعے راجن سے مذکرات نہیں کیے ہوں گے۔ اپنی چھان بین کے دوران میں انہیں سوبھراج اور راجن کے گہرے گٹھ جوڑ کا بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا۔ وہ مذاکرات کی راہ اختیار کرتے تو راجن اپنے جگری دوست کی موجودگی سے انکار کرتے ہوئے بہت خاموشی کے ساتھ اسے تھائی لینڈ سے نکال دیتا۔

امریکی اہل کار اتنے احمق نہیں تھے کہ اپنے بڑے مجرم تک پہنچنے کے لیے وہ خطرہ مول لیتے۔

پلک جھپکتے میں وہ سارے امکانات میرے ذہن میں روشن ہوگئے۔ میں نے بے پروائی سے جاؤ فان سے پوچھا۔ ''پولیس کمشنر راجن سے ملنے کے لیے اس کے گھر گیا ہے تو اس میں کیا خاص بات ہے؟''

''کمشنر کو گولی مارو۔ وہ بے چارہ یتیم افسر ہے۔ چھوٹا راجن جب چاہے کان پکڑ کر اسے اپنے پاس بلواسکتا ہے۔ تم امریکی فوجیوں پر کیوں غور نہیں کرتے وہ وہاں کیوں گئے ہیں۔''

''جاؤ فان! تم بلاوجہ میرا دماغ کھا رہے ہو۔'' میں نے مصنوعی اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ کوئی فوجی افسر بھی راجن سے ملنے گیا ہو۔ فوجی افسر رکھ رکھاؤ اور دبدبے کے اظہار کے عادی ہوتے ہیں' دس بیس فوجیوں کا بھرم بہت ہوتا ہے وہ انہیں بھی اپنے ساتھ لے گیا تا کہ راجن کو مرعوب کرسکے!''

''ماسٹر! تم کچھ بھی کہہ لو مجھے دال میں کالا لگتا ہے۔''

جاؤ فان کو سوبھراج کی کہانی کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ اسے وہ سب بتانا بے سود تھا جو میرے ذہن میں آچکا تھا۔ اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ جاؤ فان نے مجھے بہت اہم خبر دی تھی لیکن میں اس کی اہمیت تسلیم کر کے کھیل بگاڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ بہتر راہ وہی تھی جو میں نے اختیار کی تھی اور اسی کا تسلسل برقرار رہنا ضروری تھا۔

''دال میں کچھ کالا ہے تو اسے تلاش کرو۔ اس وقت تم کہاں ہو؟'' میں نے اصل معاملے کا کھوج لگانے کی ذمہ داری اسی کے سر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

''ماسٹر! تم نے میرا دل توڑ دیا۔ میرا خیال تھا کہ تم یہ خبر سنتے ہی اچھل پڑو گے۔ موتی محل پر میں نے دن رات چار آدمی لگائے ہوئے ہیں۔ ان کی طرف سے خبر ملتے ہی میں موتی محل کی طرف چل پڑا تھا پہچان سے بچنے کے لیے میں نے ایک پرانی گاڑی لی ہے۔ بس پانچ منٹ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

''جاؤ فان! ذرا عقل سے کام لو۔ اس خبر پر میں کیسے اچھل سکتا ہوں؟ وہ لشکر لے کر راجن کو مارنے کے لیے نہیں

گئے ہوں گے۔ یہ صرف ایک دوستانہ ملاقات ہوسکتی ہے۔ ممکن ہے کہ امریکی افسر راجن کی املاک کے نقصان پر اظہار افسوس کے لیے گیا ہو۔''

''یہ بات تم کہہ سکتے ہو میں نہیں مانتا۔'' اس کا لہجہ دوٹوک تھا ''نئی تھائی نسل امریکیوں اور امریکی اڈوں کے خلاف ہے۔ یونیورسٹی اور کالجوں کے لڑکے اس سوال پر بہت ہنگامہ آرائی کرچکے ہیں۔ اب امریکی سپاہی اپنے اڈوں پر اور بیرکوں میں رہتے ہیں۔ شہر میں سادہ کپڑے پہن کر آتے ہیں۔ میری گناہ گار آنکھیں آج ایک مدت کے بعد اتنی تعداد میں باوردی امریکی فوجیوں کو شہر میں دیکھیں گی۔ مان لو کہ یہ غیر معمولی واقعہ ہے۔''

''دیکھو اور جب کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ تو مجھے آگاہ کردکہ اصل واقعہ کیا تھا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''میں تمہاری محنت اور فرض شناسی کی قدر کرتا ہوں۔ مجھے تمہارے اندازوں کی تائید سن کر دلی خوشی محسوس ہوگی۔''

''ماسٹر! تم عظیم آدمی ہو اس وقت تم نے میرا دل رکھ لیا۔'' اس کا لہجہ ممنونیت سے لبریز تھا ''میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ آج موتی محل سے کوئی بڑی کہانی برآمد ہوگی۔ امریکی بہت مغرور ہوتے ہیں۔ یہ چھوٹا راجن کے نقصان پر کبھی ہمدردی کے دو بول نہیں کہیں گے۔''

''تمہاری طرف سے اجازت ہو تو یہ عظیم آدمی اپنا فون بند کردے!''

چاؤ فان کھلکھلا کر ہنس پڑا اور میں نے فون بند کردیا۔

''تم اس بے چارے کو بہت بے رحمی سے رگڑتے ہو'' اسد نے تحیر زدہ لہجے میں کہا ''یہ بھی یہاں کا نامی گرامی بدمعاش ہے، کہیں یہ تم سے بدک نہ جائے!''

''فکر نہ کرو۔ میں جنگلی گھوڑوں پر سواری کرنا جانتا ہوں وہ بدکا تو میں اسے سنبھال لوں گا۔''

اسد نے پہلی بار میری اور چاؤ فان کی گفتگو سنی تھی۔ اس کی حیرت اپنی جگہ بجا تھی۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ میں نے روز اول سے چاؤ فان کے ساتھ وہ رویہ نہیں اپنایا تھا۔ اس کا مزاج سمجھنے کے ساتھ تدریج میں اس پر حاوی ہوتا چلا گیا تھا۔ اسد کے اندیشے کے برعکس مجھے پورا یقین تھا کہ میں چاؤ فان کو گالیاں بھی دے بیٹھوں تو وہ ہنس کر ٹال دے گا۔

''چاؤ فان کیا کہہ رہا تھا؟'' غزالہ نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا ''پولیس کمشنر، امریکی افسر اور فوجیوں کا کیا چکر ہے؟''

''اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو آج سوبھراج میرے

> ''جج صاحب! میری بیوی خوامخواہ مجھ پر جھگڑا کرنے کا الزام لگا رہی ہے۔ میں نے تو پچھلے پانچ سال سے اس سے بات ہی نہیں کی۔''
>
> ''تم نے پچھلے پانچ سال سے اس سے بات کیوں نہیں کی؟''
>
> ''سر! میں اس کی بات کاٹنا نہیں چاہتا تھا۔''

پھیلائے ہوئے جال میں پھنسنے ہی والا ہے۔'' میں نے اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے کہا ''امریکی فوجیوں سے بھری ہوئی تین گاڑیاں کچھ دیر پہلے راجن کے محل میں داخل ہوئی ہیں۔ بنکاک کا پولیس کمشنر ان کے ساتھ ہے۔''

اسد اپنی جگہ پر اچھل پڑا ''اتنی تعداد میں باوردی امریکی فوجیوں کا شہر میں آنا بہت غیر معمولی واقعہ ہے۔ اتنی اہم خبر دینے پر تم اس کو اس بری طرح رگید رہے تھے!''

''اسے مصلحت کہتے ہیں۔'' میں نے بائیں آنکھ دبا کر اسے جواب دیا'' چاؤ فان راجن کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اسے سوبھراج کی کہانی کا علم نہیں ہے۔''

''تمہارا جال کیا تھا، امریکی فوجی وہاں کیسے پہنچ گئے...... کچھ تفصیل تو بتاؤ!'' اسد نے بے چین ہوکر تجسس آمیز لہجے میں کہا۔

میں نے ان دونوں کو وہ سب بتانا شروع کردیا جو چاؤ فان سے گفتگو کے دوران میں میرے ذہن میں آتا رہا تھا۔

''یہ کہو کہ بنکاک میں بیٹھ کر کراچی میں ڈوریاں ہلا رہے ہو۔'' اسد نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''یہ زبردست چال ہے۔ اس مرتبہ سوبھراج نہیں بچ سکے گا۔''

''تم میری آنکھوں میں کیا دیکھ رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''سچائی!'' اس نے برجستہ کہا ''تم نے سوبھراج کے خلاف جو چال چلی ہے اور امریکیوں کی چڑھائی کا جو تجزیہ کیا ہے، وہ کسی عام آدمی کے بس کا روگ نہیں ہے۔ میں نے انٹیلی جنس بیورو میں اپنی ساری عمر جھوٹ اور سچ کو پرکھنے میں گزاری ہے۔ جھوٹ زبان پر آنے سے پہلے آنکھوں میں جھلکنے لگتا ہے۔ میرا تجربہ بتاتا ہے کہ تم وہ نہیں ہو جو خود کو ظاہر کرتے ہو۔''

''تم نے کیا پہیلیاں شروع کردیں۔'' غزالہ نے موضوع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ترشی سے اسد کو اپنا نشانہ بنالیا ''بات سوبھراج کی ہو رہی تھی، تم کہیں اور پہنچ گئے!''

اسد اپنا سر ہلا کر تفہیمی انداز میں مسکرا دیا جیسے میری اور غزالہ کی ملی بھگت کو خوب سمجھ رہا ہو۔ پھر وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''میں کہہ رہا تھا کہ پاکستان میں سوبھراج کو امریکیوں نے پال پوس کر ایک اونچے سیاسی مرتبے تک پہنچایا تھا۔ اچھا ہے کہ اب وہ ان ہی کے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ پرائی مٹی پر تمہارے ہاتھ خون سے بچے رہیں گے۔''

''یہ نہ کہو دوست!'' میں نے احتجاج کیا ''میں ایک مدت سے اسے اپنے ہاتھوں سے مارنے کی آرزو اپنے دل میں لیے بیٹھا ہوں۔''

''ہماری آرزوئیں اور ہماری خوشیاں کچھ بھی نہیں ہیں۔'' اسد سنجیدگی سے بولا ''ملک کی ضرورتیں ہماری جانوں سے زیادہ افضل ہیں۔ اس وقت ہمارے ملک کو سوبھراج کی ذات سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام جس کسی کے ہاتھوں ہوتا ہے، ہونے دو۔ اس میں کسی کی انا کو رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا ''میرے ذہن میں ایک نیا خیال سر ابھار رہا تھا۔ امریکی بہت خود غرض اور سفاک تھے۔ ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ سوبھراج جیسے سرکش باغی کو ضرورت سے ایک لمحہ بھی زیادہ جینے دیں گے۔ ایف بی آئی کے بڑے اس کی عبرت ناک موت کا فیصلہ صادر کر چکے تھے۔ وہ اسے زندہ ہرگز نہ پکڑتے۔ موتی محل میں گھیرتے ہی اسے گولیوں کی باڑ پر رکھ لیتے۔ میرے لیے اس موذی سے کھیلنے کا وقت ختم ہوتا نظر آرہا تھا۔

''علی!'' اسد کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا ''تمہاری آنکھوں میں اداسی اتر آئی ہے۔ اپنے اور ملک کے دشمن کے عبرت ناک انجام پر تمہیں خوش ہونا چاہیے۔ تم دل گرفتہ کیوں نظر آرہے ہو۔ یہ جال تمہارا پھیلایا ہوا تھا۔ چال بھی تمہاری تھی۔ تم کامیاب اور سرخ رو ہونے والے ہو۔ تمہارا تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اور پرواز کرتا ہوا اپنے نشانے کی طرف جارہا ہے۔ اب تک امریکی فوجی موتی محل میں پھیل چکے ہوں گے۔ سوبھراج کسی خوف زدہ چوہے کی طرح چھپتا پھر رہا ہوگا مگر کب تک۔ آخر کار وہ اسے ڈھونڈ کر پکڑ لیں گے۔ اسے زندہ اپنے ساتھ لے جانا یا دہیں گولیوں سے چھلنی کر دینا ان کے افسر کا صوابدیدی فیصلہ ہوگا جس کے لیے کوئی اس سے جواب طلب نہیں کرے گا۔''

''میرے زخموں پر نمک پاشی کر رہے ہو!'' میں نے مجروح مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''زخم کیسے...... تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ آج تمہارا ایک بڑا اشکار زیر ہونے والا ہے۔''

''اس کی موت کی خبر سن کر مجھے بے اندازہ خوشی ہوگی مگر زندگی بھر اس بات کا قلق رہے گا کہ اس کی زندگی میں، میں اسے ایک ٹھوکر بھی نہ مار سکا۔''

''یہ سب چلتا رہتا ہے، زندگی کا ایک حصہ ہے۔'' اس کی آواز ہر قسم کے جذبات سے عاری تھی۔

اچانک میرے مقامی موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے سرعت سے کال وصول کر لی۔

''ماسٹر! یہاں گڑبڑ شروع ہوگئی ہے...... میری چھٹی حس صحیح بات بتا رہی تھی۔'' دوسری طرف سے چاؤ فان کی ہذیانی آواز وفور جوش سے کپکپا رہی تھی۔ ''اندر گاڑیاں رکتے ہی امریکی فوجی اپنی رائفلیں تان کر ہر طرف پھیل گئے ہیں۔ موتی محل کا کھلا رہنے والا پھاٹک بند کر دیا گیا ہے۔''

''ویری گڈ! وہیں رکے رہو اور حالات پر نگاہ رکھو۔ فون کھلا رکھو اور اس پر مجھے خبر دیتے رہو۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں اسے ہدایت دی۔

''ماسٹر! میرے نتھنوں میں ابھی سے انسانی خون کی بو آنے لگی ہے۔ یہ امریکی سپاہی درندوں کی طرح لڑتے ہیں۔ گناہ گار کو دیکھتے ہیں نہ بے گناہ کو...... سامنے آنے والے ہر شخص کو بھون ڈالتے ہیں۔ اب کسی بھی لمحے اندر گولیاں چلنے لگیں گی...... لاشیں گریں گی اور چھوٹا راجن کا نام مٹی میں مل جائے گا۔''

آپریشن سوبھراج کے خلاف ہو رہا تھا۔ وہ راجن کی تباہی کا خواب دیکھ رہا تھا۔ میں نے ذرا سختی سے کہا ''چاؤ فان! ہوش میں رہو۔ تم اس ٹکراؤ میں شامل نہیں ہو۔ ایک تماشائی ہو، تماشائی بنے رہو۔ لفاظی کی ضرورت نہیں، صرف رپورٹ دیتے رہو!''

''اوکے ماسٹر!'' اس کی آواز پر یکایک مردنی چھا گئی۔

کراچی کے راج محل کو آگ لگا کر فرار ہونے والا آخر کار بنکاک کے موتی محل کی فصیلوں کے پیچھے اپنے بدترین دشمن کے حصار میں آنے والا تھا۔

فیصلہ کن لمحوں کے انتظار میں میرا دوران خون تیز ہوگیا کسی بھی لمحے موتی محل میں پہلی گولی چلنے والی تھی۔ اس کے بعد وہاں ایک قیامت برپا ہو جاتی!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ بک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہو گا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی نظانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈیلی کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف سوبھراج کے گرگے جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جہانگیر زیادہ دیر ان کی قید میں نہیں رہ سکا اور ایس ٹی ایف کی مدد سے ہم نے بہت جلد اسے بازیاب کرا لیا۔ اسی اثنا میں میری ملاقات سوبھراج سے ہوئی اور اس نے بتایا کہ گرین کوبرا فائل اس کے قبضے میں تھی اور وہ اسے اپنے تحفظ کی ضمانت قرار دے رہا تھا۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکرا اتار رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا ساماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی ہی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز یکے بعد دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر ٹام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور ٹام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش و خروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کوبرا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تھائی لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کر رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلاتوقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ٹاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس

نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے مخدوش ہوگیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کرلی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کر سکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے ٹام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کرلی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوگئے تھے۔ ان حالات میں جلال اور اول خان دونوں نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ حیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہوئی۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہوگیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ میں ابھی مزید کسی کارروائی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ چاؤ فان نے بتایا کہ امریکی فوجیوں کی بڑی تعداد چھوٹا راجن کی حویلی میں داخل ہوگئی تھی۔ شاید سوبھراج کا آخری وقت آ گیا تھا۔

اب آپ قسط نمبر 246 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

بنکاک سے کراچی تک بہت سے لوگ سوبھراج سے نبرد آزما تھے۔ ان میں سے کسی سے بھی بات کی جاتی تو اس بارے میں دو رائے نہیں ہوسکتی تھیں کہ اس غدار اعظم کی فوری موت پاکستان کے مفادات کے تحفظ کے لیے ضروری ہوچکی تھی۔

پرکشش سیاسی نعروں سے بار بار فریب کھانے والے سادہ لوح پاکستانی عوام نے مل جل کر اسے ایک ایسے منصب پر پہنچایا تھا جہاں وہ دوسروں کی فلاح و بہبود کے لیے بہت کچھ کر سکتا تھا۔ وہ نالی کا کیڑا تھا۔ اسے نالی سے اٹھا کر مخملیں مسند پر پہنچا دیا گیا تھا۔ اس کا ماضی اس کا پیچھا چھوڑتا تھا نہ اس کی فطرت میں تبدیلی آئی تھی۔ اس کا ذہن کبھی بھی تعمیر کی طرف نہیں چل سکا۔ اس کی بنیاد تخریب کے خمیر سے اٹھی تھی۔ وہ اوپر پہنچ کر بھی بگاڑ کے راستوں پر چلتا رہا۔

کون سوچ سکتا تھا کہ عوامی حمایت سے اپنے لوگوں کی نمائندگی کرنے والا وہ خود غرض شخص اپنے منصب کو بھی ذاتی مفاد کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ وہ پاکستان میں رہ کر پاکستان سے دشمنی کر رہا تھا۔ را، ایف بی آئی اور سی آئی اے والوں کا مخبر اور رہبر بنا ہوا تھا۔ اس کے لیے صرف ایک سزا تجویز کی جاسکتی تھی جو موت سے کسی طرح کم نہیں تھی۔

اس کے جرائم اپنی جگہ تھے۔ ان کے ساتھ یہ خرابی بھی تھی کہ اس نے مجھے اپنے پیچھے بہت دوڑ لگوائی تھی۔ میں اپنی خواہش اور بھرپور کوششوں کے باوجود اسے کہیں زیر نہیں کر سکا۔ وہ ہر بار کسی چکنی مچھلی کی طرح مجھے جل دے کر صاف نکل گیا۔ اس وقت اس کے مقدر کی خرابی نے مسلح امریکی فوجیوں کو موتی محل میں پہنچا دیا تھا۔ تب بھی وہ میری دسترس سے بہت دور تھا۔

اسد کی بات اپنی جگہ درست تھی۔ وہ ملک کے مفاد کی لڑائی تھی جس میں کسی کی انا کو سدِ راہ نہیں بننا چاہیے تھا۔ اسے امریکی فوجی کیا، خون خوار کتے اور بھیڑیے بھی مارتے تو انہیں کامیاب ہونا چاہیے تھا۔ سوبھراج نے سب کو بہت تھکا دیا تھا۔ اسے مرجانا چاہیے تھا۔

میں تجسس اور ہیجان کے عالم میں خاموش بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ موبائل فون میرے کان سے لگا ہوا تھا۔ دوسری طرف چاؤ فان بھی خاموش تھا۔ اسے موتی محل میں سے چیخ بن کر نمودار ہونے والی کسی خبر یا پہلی گولی کا انتظار تھا۔

غزالہ اور اسد کے چہرے بھی اعصاب شکن انتظار کی مجسم تصویر بنے ہوئے تھے۔ سب اپنی اپنی جگہ مضطرب تھے، آنے والے لمحوں کا شدت سے انتظار کر رہے تھے۔

وقت رینگ رینگ کر گزرتا جا رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ چاؤ فان کسی بھی لمحے چلّا کر مجھے فون پر کوئی اچھی خبر سنائے گا۔

ثانیے گزر کر منٹوں میں ڈھل گئے۔ دو چار منٹ کے بعد میرے اعصاب چٹخنے لگے۔ میں نے فون پر کہا ”چاؤ فان! کیا تم سو گئے؟“

”ماسٹر! کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ ہر طرف گہرا سناٹا ہے۔ میں تمہیں کیا بتاؤں۔ میری عقل خود حیران ہے۔“

”زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔“ میں نے اپنے ہیجان پر قابو پاتے ہوئے اسے نرمی سے مشورہ دیا۔ ”کان اور آنکھیں کھلی رکھو۔ ان لوگوں کی آمد خالی از علت نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ کوئی خاص بات ہو تو فوراً مجھے بتاؤ۔“

”ماسٹر! فون بند کر دوں!“ اس بار چاؤ فان کی آواز مجھے کچھ سہمی ہوئی محسوس ہوئی۔

”نہیں!“ میں نے سختی سے کہا ”ہوسکتا ہے کہ عین وقت پر تمہیں دوبارہ نمبر ملانے کا موقع نہ ملے۔ فون کو آن رہنے

دو۔“
”یہ کسی بھی وقت جواب دے جائے گا۔“ اس بار چاؤ فان کی آواز سے واضح طور پر بے بسی مترشح تھی ”کچھ دیر پہلے کارڈ کا بیلنس بہت کم رہ گیا تھا۔“
”چاؤ فان! تم سے خدا سمجھے۔ تم نے فون میں نیا کارڈ چارج کیوں نہیں کیا؟“
”وہی کرنے والا تھا کہ میرے آدمی کا فون آ گیا۔“ اس نے گھگیا کر وضاحت کی ”موتی محل میں امریکی فوجیوں کے داخلے کی خبر سنتے ہی میں سب کچھ بھول بھال کر اس طرف دوڑ پڑا تھا۔ یہاں سے واپسی پر نیا کارڈ خرید کر چارج کروں گا۔“
اس کے جواب پر میں نے بہت مشکل سے اپنا غصہ ضبط کیا اور تیزی سے کہا ”اپنا فون آن رہنے دو۔ وہ جواب دے گیا تو میں تمہیں فون کرلوں گا۔ اس کی بیٹری کام کر رہی ہے یا وہ بھی جواب دینے والی ہے؟“
”ماسٹر! وہ بالکل ٹھیک ہے۔“ میری زبان سے رابطے کی متبادل تجویز سن کر اس کی جان میں جان آ گئی۔
انتظار کی سولی پر آدھا گھنٹا اسی طرح گزر گیا۔ چاؤ فان کا فون سگنل ٹون کے بعد بند ہوا تو میں نے اسے فون کرلیا۔ موتی محل میں حالات جوں کے توں تھے۔ اس مدت میں وہاں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔
کوئی گولی چلی نہ شور شرابا ہوا۔ امریکی فوجی بدستور اندر موجود تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ راجن کے مہمان خانے میں قیام کرنے کے ارادے سے آئے ہوں۔ چاؤ فان نے بس ایک اہم تبدیلی نوٹ کی تھی کہ اس دوران میں اندر سے چڑیا کا بچہ بھی باہر نہیں نکلا تھا۔ باہر سے وہاں آنے والوں کو پھاٹک یا اس کا ذیلی دروازہ کھولے بغیر واپس لوٹا دیا گیا تھا۔
فون پر مسلسل رابطہ رکھنے میں میرے بھات خرچ ہو رہے تھے۔ میں نے چاؤ فان سے کہا کہ جیسے ہی کوئی خاص بات ہو وہ کسی بھی طرح فون کر کے مجھے اطلاع دے۔ اسے آخری ہدایت دے کر میں نے فون بند کر دیا۔
”سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔“ میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔
”دو باتیں ممکن نظر آتی ہیں۔ راجن نے ان کی فوجی طاقت سے مرعوب ہو کر سوبھراج کو خاموشی سے ان کے حوالے کرنے پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی ہے یا امریکیوں کے اس اہم ترین مشن کو تمہاری بددعا لگ گئی ہے۔“

”میری بددعا کیوں لگے گی...... میں انہیں بددعا کیوں دوں گا؟“ میں نے اسے گھورتے ہوئے، ٹھنک کر پوچھا۔
”ہوسکتا ہے کہ سوبھراج ان لوگوں کے بجائے تمہارے ہاتھوں مرنا چاہتا ہو۔“ میرے تیور دیکھ کر اس نے دھیرے سے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی ذو معنی مسکراہٹ تیر گئی تھی۔
”انتظار کی اذیت سے گزرنے سے بہتر ہے کہ آپ اسی وقت سوبھراج کو فون کرلیں۔“ غزالہ نے تجویز پیش کی ”وہ مصیبت میں گھر گیا ہے تو آپ کی کال کوئی وصول نہیں کرے گا۔ دوسری صورت میں اس سے آپ کی بات ہو جائے گی۔“
میں نے لمحہ بھر کے لیے غور کیا۔ غزالہ کی تجویز بہت محفوظ اور معقول تھی۔
میں نے کراچی والے موبائل فون پر سوبھراج کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔ اسد کی مسکراہٹ اور باتوں کو میں نے نظرانداز کرنا مناسب سمجھا تھا۔ اس کی جگہ میں خود ہوتا تو شاید میرا رویہ زیادہ جارحانہ ہوتا۔ اسد نے میرے ساتھ بے تکلف ہونے کے باوجود اپنے شکوک و شبہات کے اظہار میں ادب و لحاظ کا پہلو بہرحال برقرار رکھا تھا۔
غزالہ کی آخری تجویز میرے ذہن میں بیٹھ گئی تھی۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ مصیبت کے ان لمحات میں سوبھراج میری فون کال کا کوئی جواب دے گا۔
میری حیرت اور بے یقینی کی انتہا نہ رہی جب پہلی گھنٹی بجتے ہی مجھے اپنے فون پر سوبھراج کی ہیلو کی آواز سنائی دی۔ اس کی آواز سے کسی تشویش اور پریشانی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔
غزالہ کے مشورے پر میں نے جھونک میں آ کر اسے فون تو کرلیا تھا لیکن پہلے سے یہ نہیں سوچ سکا کہ اس سے رابطہ ہو جانے کی صورت میں، میں کیا بات کروں گا۔ فون پر اس کی آواز سنتے ہی لمحہ بھر کے لیے میرا ذہن سن ہو کر رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ سکا کہ میں اس سے بات کس انداز میں آگے بڑھاؤں۔ میری کال وصول کر کے اس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس وقت تک آزاد تھا۔
میں نے اپنے بارے میں اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ میں بنکاک میں نہیں تھا بلکہ اپنے شہر، کراچی ہی میں بیٹھا ہوا تھا۔ گولڈن ڈریگن میں چھوٹا راجن کا جو آدمی مارا گیا وہ میرے بھیجے ہوئے ایک ہرکارے کا نشانہ بنا تھا جو انسانی جسم میں پراسرار طریقے سے سریع الاثر زہر داخل کرنے والے مہلک ہتھیار سے لیس تھا۔

اس وقت تک میرے حریفوں میں سے کسی کو اس حقیقت کی ہوا نہیں لگی تھی کہ وہ زہر میری انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے سے میرے شکار کے جسم میں داخل ہوتا تھا۔ اسد سمیت ہر شخص کا ذہن بلو پائپ کی طرف جاتا تھا جو جدید تہذیب سے نابلد' افریقی قبیلوں کے لیے آج بھی ایک بہترین ہتھیار سمجھا جاتا ہے۔ خطرناک زہر میں بجھے ہوئے ہلکے پھلکے تیر کو پتلی سی نالی میں رکھ کر ایک زوردار پھونک کے ذریعے حریف پر چلایا جاتا ہے۔ تیر کی نوک جلد میں پیوست ہوتے ہی زہر اپنا کام کر گزرتا ہے۔ انسانی خون دودھ کی طرح پھٹ کر دہی میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ خون کے وہ لوتھڑے لمحہ بھر میں شریانوں میں جم کر دورانِ خون کو معطل کر دیتے ہیں اور فوری طور پر انسان کی موت واقع ہوجاتی ہے۔

میری انگوٹھی کے نگینے کا زہر بھی شاید اسی قسم کا تھا۔ پُراسراریت کی بات یہ تھی کہ میرے ہاتھوں اس طرح مرنے والے کسی مجرم کے بدن سے کبھی کوئی تیر برآمد نہیں ہوسکا تھا۔ مرنے والوں کی جلد میں موجود' ننھا سا سوراخ ہر بار اس امر کی نشان دہی کرتا رہا کہ مرنے والے کے جسم میں خارجی طور پر زہر داخل کیا گیا تھا۔

بظاہر یہ محسوس ہوا تھا کہ سوبھراج نے بنکاک میں میرے آدمی کی موجودگی کی کہانی پر یقین کرلیا تھا۔ میں بنکاک میں نہیں تھا تو میرے لیے وہاں کے تازہ ترین حالات سے باخبر رہنا ممکن نہیں تھا۔ میں صرف ایک ہی کارڈ کھیل سکتا تھا کہ میرا آدمی مجھے بنکاک کی صورتِ احوال سے پل پل باخبر رکھ رہا تھا اور وہاں کے بدلتے ہوئے حالات کے بارے میں مجھ سے براہِ راست تازہ ترین ہدایات لے رہا تھا۔

وقت کی سدا سے اپنی ایک رفتار ہے۔ وہ ازل سے اسی رفتار سے گزرتا چلا آرہا ہے۔ سیکنڈ' منٹ' گھنٹے اور دن وغیرہ وقت کے معین پیمانے ہیں۔ واقعات وقت .... کے انہی پیمانوں پر رونما ہوتے ہیں اور اسی گردش دوران میں انسان اپنی عمر پوری کر کے فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے لیکن انسانی ذہن کی رسائی وقت کی ان پابندیوں سے یکسر آزاد ہے۔ انسان سوچنے پر آتا ہے تو برسوں پر محیط کہانیاں لمحہ بھر میں اس کے ذہن سے گزرتی چلی جاتی ہیں۔

اس وقت سوبھراج کی آواز سن کر میں نے بھی بہت کچھ سوچا لیکن وہ بس پل بھر کی بات تھی۔ سوبھراج کو اندازہ بھی نہیں ہوسکا ہوگا کہ میں کسی تذبذب سے دوچار ہوگیا تھا۔ میں نے ذرا سے توقف کے بعد پوچھا "مہاراج! کیا حالِ احوال ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اب تک تمہارا غصہ اتر چکا ہوگا۔"

"اوہ...... ڈینی!" اس کی بے ساختہ آواز میرے موبائل فون کے لاسلکی ریسیور پر ابھری "تم اپنی خباثتوں سے باز نہیں آؤ گے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس وقت تم نے اپنی نئی بدمعاشی کا نتیجہ جاننے کے لیے مجھے فون کیا ہے۔ تم یہ بات بھول گئے کہ اونٹ پالنے والے اپنے دروازے اونچے رکھتے ہیں۔"

وہ ذہین بدمعاش تھا۔ فوری طور پر بات کی تہ تک پہنچ گیا۔ میں نے بھی گھما پھرا کر بات کرنے کا ارادہ ترک کردیا اور خوشگوار لہجے میں پوچھا "تم میری کس چال کی بات کر رہے ہو؟ اس وقت میں نے تم پر کئی طرف سے جال ڈالے ہوئے ہیں۔"

"مرد اپنی لڑائی خود لڑتے ہیں۔ دوسروں کو بیچ میں نہیں لاتے۔ تمہارے آدمی نے امریکی کتوں سے میری مخبری کر کے اچھا نہیں کیا۔ تم کو معلوم ہے کہ مجھ سے زیادہ وہ تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔ ہم دونوں ان کے سامنے ہوں تو وہ مجھے بھول کر تمہیں جہنم واصل کرنے کو ترجیح دیں گے۔" وہ کسی اشتعال کے بغیر' سرد لہجے میں کہتا چلا گیا۔

"کتا قرار دے کر تم ان کی عزت افزائی کر رہے ہو۔" میں نے اسے ٹوکا "وہ کتے کو دوستی' محبت اور وفاداری کی علامت سمجھتے ہیں۔ دوستوں کو کتا بنا کر ان کی عزت افزائی کرتے ہیں۔"

"وہ اور بھی بہت کچھ سمجھتے ہیں۔ ان کے کچھ سمجھنے سے اصل حقائق نہیں بدل سکتے۔ میرے لیے کتا اس دنیا کی ذلیل ترین مخلوق ہے جسے صرف بھونکنے اور کاٹنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم ان غیر ضروری باتوں میں مجھے کیوں الجھا رہے ہو؟"

"یہ غیر ضروری بات نہیں ہے۔" میں نے کہا "بھونکنے اور کاٹنے کے علاوہ وہ سونگھتے بھی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے بنکاک میں تمہاری بُو پالی ہو۔"

"یہ ناممکن ہے!" اس نے وہ امکان یکسر مسترد کردیا "میں خاموشی اور مکمل رازداری کے ساتھ یہاں آیا ہوں۔ میرے دشمنوں میں سے صرف تم میری یہاں موجودگی کا سراغ لگا سکے ہو۔ دوسرے ابھی تک بے خبر تھے۔"

"میں تم سے بحث میں نہیں الجھنا چاہتا۔ تمہاری باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بنکاک میں بھی امریکی تمہارے پیچھے لگ چکے ہیں۔ انہوں نے تم کو مار لیا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا۔"

''سوبھراج مٹی کا پادھو نہیں ہے جسے یہ کتیا کہ پلّے زیر کر سکیں۔ ان اُلو کے پٹھوں کو یہ نہیں معلوم کہ موتی محل میں داخلے کا ایک راستہ ہے تو وہاں سے نکلنے کے چار راستے ہیں۔ احاطے میں ان کی گاڑیاں گھستے ہی میں تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔ اب اس یونٹ کا افسر وہاں اپنے سر کے بال نوچ رہا ہوگا۔ وہ موتی محل سے ذلیل و خوار ہو کر لوٹیں گے۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تم ان کے ایک وار سے بچ گئے۔''

''بکواس مت کرو۔'' وہ غرایا ''مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارے آدمی نے تمہاری ہدایت پر انہیں میرے پیچھے لگایا ہے۔''

''اس بدگمانی کو اپنے ذہن سے جھٹک دو......!''

اس نے میری بات درمیان سے اڑا دی ''یہ تمہارے آدمی کی حرکت نہیں تھی تو اس نازک وقت پر تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟''

''ٹھنڈے دل سے سوچو۔ میری اور امریکیوں کی ٹھنی ہوئی ہے۔ میرا آدمی ان سے کیسے رابطہ کر سکتا ہے۔'' بڑی پیچیدگی دور ہو جانے کے بعد میں نے اس سے کھیلنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس آنکھ مچولی میں میری کامیابی کی صرف ایک صورت تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس سے میرا رابطہ برقرار رہے اور مجھے اس کی نقل و حرکت کا صحیح علم ہوتا رہے۔

''فون کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ تمہارے آدمی نے ایسی ہی کوئی ذلیل حرکت کی ہوگی۔'' اس نے بے اعتباری سے کہا۔

وہ میری پیش کی ہوئی صفائی کو قبول نہیں کر رہا تھا لیکن مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس بار سوبھراج نے واضح طور پر میرا پیش کیا ہوا میرے آدمی کا نظریہ قبول کر لیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اس نے میری یہ بات مان لی تھی کہ میں بنکاک میں نہیں، کراچی میں تھا۔

''میں ان اوچھے ہتھکنڈوں کا قائل نہیں ہوں۔ اپنی لڑائی خود لڑتا ہوں، دوسروں کو بیچ میں نہیں لاتا۔'' میں نے پُرزور لہجے میں جواب دیا ''اصل قصہ یہ ہے کہ تمہارے بنکاک پہنچتے ہی میرا آدمی تمہاری گھات میں لگ گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ موتی محل کے باہر اپنی کسی کمین گاہ میں موجود ہے۔ اس نے ابھی ابھی فون کر کے مجھے اطلاع دی ہے کہ تین بھاری گاڑیوں میں سوار، مسلح امریکی فوجی موتی محل میں داخل ہوئے ہیں۔ ان گاڑیوں کے اندر گھستے ہی موتی محل کا ہمیشہ کھلا رہنے والا پھاٹک بند کر دیا گیا ہے، اندر سے کوئی باہر آیا ہے نہ باہر سے کسی کو اندر جانے کی اجازت ہے۔ میرے لیے یہ خبر حد سے زیادہ پریشان کن تھی، میں نے تمہیں فون کر لیا۔''

میں نے چاؤ فان سے ملنے والی معلومات کا اہم ترین حصہ اس کے کانوں میں انڈیل دیا۔

''ابتدا میں تمہارا لہجہ طنزیہ بلکہ استہزائیہ تھا!'' سوبھراج نے اشتباہ آمیز لہجے میں شکایت کی۔

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ مجھے بہت زیادہ تجسس تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ موتی محل میں پہنچنے والے امریکی فوج وہاں کیا کر رہے ہیں۔''

''وہ مجھے حلوہ کھلانے کے لیے نہیں آئے۔ میری اور تمہاری دشمنی ہے۔ تم کو ان کے یوں اچانک آنے سے تشویش کیوں تھی؟''

''تم میرے شکار ہو۔ تمہاری گردن دبوچنے کا پہلا حق مجھے حاصل ہے۔ میں یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ میری زد پر آئے ہوئے شکار کو میری آنکھوں کے سامنے کوئی اور اُچک کر لے جائے۔'' اس بار میں نے ذرا ترشی کے ساتھ اس کی بات کا جواب دیا۔

میرے کانوں میں اس کی ہنسی کی آواز آئی۔ جس میں تکبّر نمایاں تھا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے وہ میرے جواب سے محظوظ ہوا ہو۔ اس نے کہا ''ڈینی! یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔ میں تمہارا شکار نہیں، شکاری ہوں۔ بہت جلد تمہاری کھوپڑی شانوں پر سے کاٹ لی جائے گی۔ میں اپنی بربادی کے ذمے دار کو بھول کر بھی معاف نہیں کر سکتا۔ تم نے دیکھ لیا کہ تمہارا آدمی راہ تکتا رہ گیا، امریکی جھک مار رہے ہوں گے اور میں صاف بچ نکلا ہوں۔ یوں جیسے مکھن میں سے بال!''

''قسمت نے تم کو میرے لیے ان سے بچایا ہے۔ یہ نتیجہ بہت جلد تمہارے سامنے آ جائے گا۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''اس وقت ان تلخ باتوں کو بھول جاؤ۔'' سوبھراج نے یکا یک وہ مشورہ دے کر مجھے حیران کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا ''امریکی ہم دونوں کے بدترین دشمن ہیں۔ ہم دونوں آپس کی لڑائی کے باوجود ان کا منہ کالا کرنے کے خواہش مند ہیں۔ میں ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر موتی محل سے نکل آیا ہوں۔ اس وقت میں چھوٹا راجن کو فون نہیں کر سکتا۔ تمہارا آدمی موتی محل کے باہر موجود ہے۔ اس سے پتا کر کے بتاؤ کہ امریکی وہاں کیا کر رہے ہیں۔''

وہ سوبھراج کی طرف سے عارضی جنگ بندی کا کھلا اعلان تھا۔ مجھے اس سے کوئی خوش فہمی نہیں ہوئی۔ وہ بہت بڑا

مکار تھا۔ میں اس کے کسی قول یا فعل پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود اسے اپنی طرف سے دھوکے میں رکھنا ضروری تھا۔

وہ اس وقت بوکھلایا ہوا تھا۔ یہ بھول گیا کہ میں موتی محل کے بند پھاٹک کے پیچھے ہونی والی کارروائیوں سے اپنے مفروضہ آدمی کی بے خبری کا تذکرہ کر چکا تھا۔ وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ اس کے نکل آنے کے بعد موتی محل میں کیا ہو رہا تھا۔

اسے شیشے میں اتارنے کے لیے میں نے اسے کچھ امکانی تفصیلات سنانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا ''پھاٹک بند ہو جانے کے بعد اندر کا حال جاننا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ میں نے موتی محل دیکھا ہے نہ اس کے آس پاس کا علاقہ۔ میرے آدمی کا کہنا ہے کہ اندر زبردست گڑبڑ ہو رہی ہے۔ امریکی فوجی وہاں تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ شاید ابھی تک ان کے دماغ میں یہ خیال نہیں آیا کہ تم موتی محل کے کسی اور راستے سے نکل چکے ہو۔''

''انہیں وہاں آئے ہوئے آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت ہو چکا ہے۔ وہ بد دماغ ہوتے ہیں۔ انہوں نے چھوٹا راجن کو پریشان کر کے رکھ دیا ہوگا۔''

''اگر وہ وہاں موجود ہے تو ساری جرح اسی سے ہو رہی ہوگی۔'' میں نے سوبھراج کی فکرمندی کو ہوا دینے کی کوشش کی ''ان کے ساتھ بنکاک کا پولیس کمشنر بھی وہاں پہنچا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ وہ باضابطہ میری گرفتاری کے لیے آئے ہیں۔'' اس کی آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ پولیس کمشنر کا نام سن کر وہ چونکا تھا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ بنکاک کے سارے اعلیٰ حکام چھوٹا راجن کی مٹھی میں ہیں۔ کمشنر اس کی مرضی کے خلاف نہیں جا سکتا۔''

''دوستی اپنی جگہ رہتی ہے۔ کوئی بات ریکارڈ پر آ جائے تو پھر فائلوں کا پیٹ بھرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ابھی تک وہ بالا ہی بالا میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ یہ ان کا گڑھ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں انہوں نے میرے خلاف قانونی محاذ بھی کھول لیا ہے۔''

وہ ایک باریک نکتہ تھا جو میرے ذہن میں نہیں آ سکا تھا۔ اگر سوبھراج کا شبہ درست تھا تو اس کے لیے بنکاک میں بھی کراچی جیسی خطرناک صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی۔ ایک طرف امریکی ایف بی آئی اسے اپنا غدار قرار دے کر خفیہ طور پر اس کا پیچھا کر رہی تھی تو دوسری طرف وہ ایک عام مجرم کی طرح مقامی قانون کو مطلوب تھا۔

اول خان کے ذریعے امریکیوں سے رجوع کرنے کا وہ فائدہ بہت اہم تھا۔ مجھے شک تھا کہ سوبھراج کا وہ اندیشہ حقیقت پر مبنی نہیں تھا۔ وہ موتی محل سے تازہ تازہ فرار ہوا تھا۔ اس کے اعصاب بھڑکے ہوئے تھے۔ ذہن پر ایف بی آئی کے خون آشام دشمنوں کی دہشت سوار تھی۔ اس حالت میں وہ کوئی صحیح فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اور نہ ہی صحیح سمت میں کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل رہا تھا۔

چاؤ فان کی دی ہوئی اطلاعات کے مطابق امریکی فوجیوں کے ساتھ صرف پولیس کمشنر کو دیکھا گیا تھا۔ شاید وہ لوگ چھوٹا راجن کو مرعوب کرنے کے لیے پولیس کمشنر کو اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ اگر وہ باقاعدہ بلکہ باضابطہ پولیس ایکشن..... ہوتا تو اس میں کمشنر کے ماتحت عملے کی شمولیت ناگزیر ہوتی۔ شکایت کسی لاٹ صاحب کی ہی کیوں نہ ہو، بڑے افسران کبھی تن تنہا کوئی کارروائی کرنے کے لیے ایک فریق کے ساتھ نہیں نکلتے۔ ایسے اقدام سے ان پر انگشت نمائی کا پہلو نکل آتا ہے۔ وہ میری اپنی رائے تھی جس سے سوبھراج کو آگاہ کرنا ضروری نہیں تھا۔

''چلو، حساب برابر ہو گیا۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا ''اب ہم دونوں ایک مرتبہ پھر ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ فرق یہ ہے کہ میں کراچی میں ہوں اور تم بنکاک میں!''

''مجھے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش مت کرو۔'' اس بار سوبھراج کی آواز میں ہلکی سی ترشی در آئی ''کراچی میں بلکہ پاکستان بھر میں تمہاری سرکاری تلاش کا ڈھکوسلا مجھ سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ تم ایجنسیوں کے پکے ٹاؤٹ ہو جبکہ مجھے حقیقی خطرہ لاحق ہے۔''

''تم اپنا دل خوش کرنے کے لیے جو چاہو سمجھ سکتے ہو۔'' میں نے بے پروایانہ انداز میں کہا ''اس سے میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ بتاؤ کہ اب چھوٹا راجن کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟''

''مجھ سے چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔ میرے لیے تم بھی اتنے ہی موذی ہو جتنے ایف بی آئی والے، اپنے آدمی سے کہو کہ اب وہ میرا سراغ لگائے ...... اور ہاں! اس بھول میں نہ رہنا کہ میں نے چھوٹا راجن کو یا اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت بھی میں اسی کی گاڑی میں سفر کر رہا ہوں۔ اس کے دوستوں کے لیے تھائی لینڈ میں ٹھکانوں کی کمی نہیں ہے۔''

''میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ تم امریکیوں سے بچ گئے ہو۔ تم کہیں بھی پناہ لے لو، یہ بات طے ہے کہ تمہارا انجام

میرے ہاتھوں ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ میں جلد ہی تھائی لینڈ پہنچ کر تمہارے کریا کرم کا بندوبست شروع کر دوں۔''

''اب تم اپنے اصل روپ میں آئے ہو۔'' اس کی آواز زہریلی ہوگئی ''تمہاری زبان سے میرے لیے دوستی اور ہمدردی کے بول بہت عجیب لگتے ہیں۔''

''میں تم سے دوستی کا خواہش مند ہوں نہ مجھے تم سے کوئی ہمدردی ہے۔ تم نے سازشیں کر کے مجھے ٹھکانے لگانے کی کئی ناکام کوششیں کیں۔ میں تم سے اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔''

''یہ خواب تم کئی دنوں سے دیکھ رہے ہو۔ دیکھتے رہو۔ میں تمہارا انر خرا کاٹ سکتا ہوں، تمہارے خوابوں پر کوئی پابندی نہیں لگا سکتا۔''

''تم مجھے طعنہ دے رہے ہو لیکن کچھ دیر پہلے تم نے مجھے تلخ باتیں بھلا دینے کا مشورہ دیا تھا۔ کیا تم مجھے مفاہمت کا فریب دینے کی کوشش نہیں کر رہے تھے؟''

''میری بات کو توڑ مروڑ کر نہ دہراؤ۔ اب ہم مفاہمت کی راہ سے بہت دور نکل چکے ہیں۔ جہاں سے واپسی کم از کم میرے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ وہ بات میں نے امریکیوں کے حوالے سے کہی تھی۔ وہ میرے ساتھ تمہارے بھی دشمن ہیں۔ آپس کی لڑائی میں ہمیں ان کی طرف سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ جس نے غفلت کی وہ مارا جائے گا۔ میں صرف یہ بات تمہارے ذہن میں بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس سے غلط معنی نہ لو۔''

''بالکل یہی بات میں بھی کہہ رہا ہوں۔ فی الحال تم اپنے سفید فام دشمنوں سے بچ گئے ہو۔ میری خواہش ہے کہ اب جلد از جلد تم سے میرا آمنا سامنا ہو جائے تاکہ میں ان سے پہلے تم سے اپنا حساب بے باق کرسکوں۔''

''تم اپنی حسرتوں پر جلتے اور کڑھتے رہو۔ تم میرے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکو گے۔''

''سنا ہے کہ پلید جسموں اور بدروحوں کا کوئی سایہ نہیں ہوتا۔''

گفتگو تلخ تر ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے میری بات کا کوئی جواب دیے بغیر فون بند کر دیا۔

''اس سے بات لمبی ہوگئی۔'' اسد نے مایوسی سے کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ وہ موتی محل سے بچ کر بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔''

''قسمت اس کا ساتھ دے رہی ہے۔'' میں نے بات شروع کی تھی کہ غزالہ نے فقرہ درمیان سے اچک لیا۔

''ہر ذی روح کی موت کا ایک وقت معین ہے۔'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی ''یہ ہر مسلمان کا یقین ہے۔ ابھی سوبھراج کا وقت پورا نہیں ہوا۔''

''لیکن وہ وہاں سے کیسے نکل گیا؟'' اسد کے بشرے سے الجھن مترشح تھی۔

''سامنے کی بات ہے۔ نام سے ظاہر ہے کہ موتی محل کوئی بڑی رہائشی حویلی ہوگی۔'' میں نے کہا ''وہاں پھاٹک کے سوا نکاس کے اور بھی کئی راستے ہیں۔ امریکیوں کی اچانک آمد کی خبر ملتے ہی وہ کسی طرف سے نکل گیا۔''

''یہ پولیس کمشنر کی ذمے داری تھی کہ وہ چھاپے سے پہلے موتی محل کے ہر راستے کو سیل کرنے کا کوئی مناسب بندوبست کرتا۔'' غزالہ بولی۔

''کرپٹ افسر اسی طرح اپنا دامن بچا کر مجرموں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔'' اسد نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''ہر کارروائی میں جان بوجھ کر کہیں نہ کہیں ایسا جھول چھوڑ دیتے ہیں جس سے ان کے دوست بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔''

''مجھے آپ کی یہ بات درست معلوم ہو رہی ہے کہ قدرت نے اسے آپ کے لیے امریکی دشمنوں کی گرفت سے بچایا ہے۔'' غزالہ نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا۔

''میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ ان کے مشن کو علی کی بددعا لگ سکتی ہے اور وہ لگ گئی۔'' غزالہ نے اسد کو بولنے کا موقع فراہم کیا اور اس نے اس سے اسی لمحے فائدہ اٹھالیا ''اب سوبھراج کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا سارا بوجھ ہمارے کندھوں پر آگیا ہے۔''

''بددعا لگی ہو یا اس کا وقت پورا نہ ہوا ہو...... اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ فتنہ انگیز شخص اب بھی آزاد اور زندہ ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہمیں سوچنا چاہیے کہ چھوٹا راجن کو چھوڑ کر وہ کہاں گیا ہوگا۔'' اسد نے تفکر آمیز لہجے میں اپنی گہری تشویش کا اظہار کیا۔

''وہ اب بھی چھوٹا راجن کی پناہ میں ہے۔'' میں نے بلا توقف اس کی تصحیح کی۔'' میں نے یہ بات خاص طور پر کریدی تھی۔ وہ اپنے مربی کی گاڑی میں موتی محل سے فرار ہوا ہے۔''

''میں نے اس بارے میں تمہارا سوال سنا تھا۔ کیا اس نے خود بتایا کہ وہ چھوٹا راجن کی گاڑی میں سفر کر رہا ہے؟'' اسد نے چونک کر سوال کیا۔

میرے سر کی تائیدی جنبش پر اس نے دوبارہ اپنی بات شروع کر دی ''وہ بدمعاش ہونے کے باوجود خود کو بنکاک کے

رؤسا میں شمار کرتا ہے۔ موتی محل میں ہونے والی رنگین پارٹیوں میں آنے والے زیادہ تر امرا چھوٹا راجن کے ہم ذوق ہوتے ہیں۔ بہت سے معززین اور شرفا اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے ان پارٹیوں میں شرکت کی دعوت قبول کر لیتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر چھوٹا راجن نے ان کے طور طریقے اپنا لیے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سوبھراج کا کوئی سراغ مل جائے۔''

غزالہ اس کی بے تکی بات سن کر بھونچکا رہ گئی اور حیرت سے بولی ''اس کے طور طریقوں کا سوبھراج کے سراغ سے کیا تعلق نکل آیا۔''

اسد خفت آمیز انداز میں ہنس پڑا ''بات لمبی ہو رہی تھی۔ اختصار کے چکر میں' میں گڑبڑا گیا۔ آج کل یہاں قیمتی اور مہنگی گاڑیوں میں ٹریکر سسٹم لگوانے کا فیشن چلا ہوا ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ چھوٹا راجن کی گاڑیاں اس سسٹم سے لیس ہیں۔ کسی طرح یہ پتا چل جائے کہ وہ کس کمپنی کا سسٹم استعمال کر رہا ہے تو کچھ محنت کر کے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ سوبھراج کو لے جانے والی گاڑی کس سمت میں گئی ہے۔ وہ لوگ ہر لمحے اس کی صحیح ترین پوزیشن بتا سکتے ہیں۔''

اسد کا ذہن یکا یک بہت دور بھٹک گیا تھا۔ میری دانست میں وہ آسان کام نہیں تھا۔ صرف کمپنی کا نام معلوم ہوجانے سے مسئلہ حل نہیں ہوسکتا تھا۔ چھوٹا راجن کے پاس مالِ حرام کی ریل پیل تھی۔ اس کے پاس جدید اور تیز رفتار گاڑیوں کا پورا بیڑا رہا ہوگا۔ کمپنی سے رجوع کرنے سے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ سوبھراج کو لے جانے والی گاڑی کی مکمل شناخت کیا تھی۔

دوسری اور اہم ترین بات یہ تھی کہ کمپنی والے کسی بھی قیمت پر غیر متعلقہ فرد کو کسی گاڑی کی پوزیشن یا منزل کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتا سکتے تھے۔ مالک کے نامزد کیے ہوئے ایک دو افراد اپنے فون کے ذریعے اور پاس ورڈ بتا کر ہی کچھ معلوم کر سکتے تھے۔

اسد نے از خود گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کا ذکر نکالا تھا تو اسے ان دشواریوں کا علم ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اس بارے میں کوئی نشان دہی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس کی ہاں میں ہاں ملا کر رہ گیا۔

''بے چارے چاؤ فان کا فون کارڈ ختم ہو چکا ہے۔ اب وہ بلا وجہ وہاں سوکھ رہا ہے۔'' غزالہ نے مجھے یاد دلایا ''آپ فون کر کے اس کی چھٹی کرا دیں۔''

''سوبھراج بھاگ چکا ہے۔ اب چاؤ فان کی وہاں یہ موجودگی بے سود ہے۔'' اسد نے کچھ سوچے سمجھے بغیر غزالہ کی تائید کی۔

''میں یہ غلطی نہیں کروں گا۔ فوجیوں کی واپسی کے ساتھ وہ بھی لوٹ آئے گا۔ وہ اور ڈان برنارڈ اب تک سوبھراج والے قصے سے بے خبر ہیں۔ چاؤ فان سمجھ رہا ہے کہ امریکی فوج چھوٹا راجن کو پکڑنے آئے ہیں۔ اسے اسی غلط فہمی میں مبتلا رہنا چاہیے۔ میری کوئی وضاحت کھیل بگاڑ دے گی۔''

میری بات بہت واضح تھی۔ دونوں خاموش ہوگئے۔

وضاحت نقصان دہ تھی لیکن چاؤ فان سے رابطہ کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ چند ثانیوں بعد میں نے اس کا نمبر ملا لیا۔

''ماسٹر! یہاں کچھ پتا نہیں چل رہا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔'' میری آواز سنتے ہی وہ فریادی لب و لہجے میں بولا۔ ''اتنے مسلح فوجیوں کے ساتھ ہمارا پولیس کمشنر بھی اندر گیا ہے پھر بھی وہاں سناٹا چھایا ہوا ہے۔ گولیاں چلی ہیں نہ چیخیں سنائی دی ہیں اور میں باہر مر رہا ہوں۔''

''میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ شاید کوئی امریکی فوجی افسر اپنے سرکاری رعب اور دبدبے کے ساتھ چھوٹا راجن سے ملنے گیا ہوگا لیکن تمہیں ہر دال میں کالا نظر آنے لگا ہے۔''

''خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ یوں بے رحمی سے میرا مذاق مت اڑاؤ۔ مجھے مشورہ دو کہ میں اب کیا کروں۔ اس پرانی گاڑی میں ایئر کنڈیشنر بھی نہیں ہے۔ ورنہ اس گرمی سے بچنے کے لیے انجن اور اے سی چلا کر اطمینان سے یہاں بیٹھا رہتا۔''

''وقت گزارنے کے لیے تم کچھ دعاؤں کا سہارا لے سکتے ہو۔ چاہو تو چھوٹا راجن کو بددعائیں دیتے رہو۔ دل سے نکلی ہوئی بددعائیں آسمان تک جاتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اسے ہارٹ اٹیک ہو اور وہ اسی لمحے جہنم واصل ہو جائے۔''

''آہ ماسٹر! مجھے معلوم نہیں تھا کہ اندر سے تم اتنے سنگ دل اور سفاک ہو۔ شروع سے اپنی بات پر اڑے ہوئے ہو۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ مجھے سچ ثابت ہوتی نظر آ رہی ہے لیکن کیا تم میرے لیے ہمدردی کے دو بول بھی نہیں کہہ سکتے!''

''چاؤ فان! میرے دوست! مجھے تم سے پوری ہمدردی ہے۔ اس کے اظہار میں فصاحت اور بلاغت کے دریا بہائے جا سکتے ہیں۔ تم اپنی مرضی سے وہاں گئے ہو' میں نے تمہیں وہاں نہیں بھیجا تھا۔ بتاؤ' میں کیا کروں۔''

''تم اس وقت بھی مجھ پر طنز کے تیر چلا رہے ہو۔ یہ......''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''یہ طنز نہیں' میرے دل کی آواز تھی۔ تم چاہو تو اس قافلے کی واپسی تک وہاں رکے رہو۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اپنی جگہ اپنے کسی آدمی کو موتی محل کے پھاٹک کے سامنے مامور کردو۔ خود گھوم پھر کر اندر کی خیر خبر لینے کی کوشش کرو۔ اکتا جاؤ تو گھر لوٹ جانا۔ تمہارا آدمی تمہیں گھر پر بتا دے گا کہ وہ امریکی پارٹی موتی محل سے کب اور کیسے واپس جاتی ہے۔''

''ماسٹر! میں تمہارا ممنون ہوں۔ تم نے اتنی آسانی سے میری مشکل آسان کردی۔ گرمی سے میرا بھیجا یوں ابل رہا ہے کہ مجھے سامنے کی سیدھی سی باتیں بھی نہیں سوجھ رہی تھیں۔''

''جب ان کے لوٹنے کی خبر ملے تو مجھے ضرور آگاہ کردینا۔''

''یس' ماسٹر!'' اس کا جواب سن کر میں نے فون بند کردیا۔

''آپ اس سے بہت بے رحمی سے پیش آتے ہیں۔'' غزالہ نے مسکرا کر کہا۔

''یہ بات میں بہت پہلے کہہ چکا ہوں۔'' غزالہ کی بات پوری ہوتے ہی اسد بول پڑا ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ چاؤ فان جیسا زیرک اور مشہور بدمعاش تمہارے لیے موم کی ناک کیسے بن گیا ہے۔''

''میں تمہاری اس بات کا جواب دے چکا ہوں۔'' میں نے اسے یاد دلایا ''یہ سب ڈان برنارڈ کی برکت ہے۔ گرو کو متاثر کرلو' چیلے خود بخود تمہارے بے دام غلام بن جائیں گے۔''

موتی محل میں مسلح امریکی فوجیوں کے داخلے کی خبر بہت سنسنی خیز انداز میں ہمارے سامنے آئی تھی۔ سچ بات یہ تھی کہ چاؤ فان کی طرح مجھے بھی اس کا کوئی بھرپور نتیجہ برآمد ہونے کی امید تھی لیکن سوبھراج سے بات ہونے کے بعد ان امیدوں پر اوس پڑ گئی تھی۔

چاؤ فان کے لیے ان فوجیوں کا دیر تک موتی محل میں رکنا ناقابلِ فہم تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ سوبھراج کے نہ ہونے کے بارے میں انہوں نے چھوٹا راجن کی بات پر اعتبار نہیں کیا ہوگا۔ وہ اپنے ذرائع سے چھان بین کر کے موتی محل پہنچے تھے اور جب تک اس کا چپا چپا نہ چھان لیتے' ان کا واپس جانا دشوار تھا۔

اپنے حریفوں اور حلیفوں سے ہر وقت رابطے کے لیے میرے پاس دو موبائل فون موجود تھے۔ لنچ کے لیے ہم اسد کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔

چند روز کی کوچہ نوردی کے نتیجے میں بنکاک کا جغرافیہ کافی حد تک میری سمجھ میں آچکا تھا۔ ہوٹل سے سلیم روڈ پر واقع پاکستانی اور ہندوستانی کھانوں کے مراکز کا فاصلہ زیادہ تھا۔ گرمی کی شدت میں اتنی دور تک پیدل جانے کی ہمت نہیں تھی۔ ٹیکسی لے کر ہم تینوں ذرا سی دیر میں منزل مقصود پر پہنچ گئے اور اسد کے پیچھے ایک ائرکنڈیشنڈ پاکستانی ہوٹل میں گھس گئے۔

بنکاک میں دنیا بھر کے سیاح نظر آتے ہیں۔ ان میں سفید فاموں سے لے کر کالے اور رنگ دار نسلوں کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ مقامی آبادی کا معاملہ بھی ملا جلا ہے۔ بہت بھاری اور واضح اکثریت تھائی باشندوں کی ہے لیکن روزگار اور کاروبار کے مختلف شعبوں میں بہت سے دوسرے ایشیائی بھی شامل نظر آتے ہیں۔ اپنی نمایاں شناخت کی وجہ سے غیر ملکی تارکین وطن میں، سکھوں کی ایک بڑی تعداد شامل ہے۔ فٹ پاتھ پر خوانچہ لگا کر بھانت بھانت کا سامان بیچنے والوں سے لے کر مشہور ہوٹلوں تک پر سکھوں کی ایک قابلِ لحاظ نفری قابض ہے۔

اسد نے بتایا کہ بنکاک میں ایک سردار جی کا ہوٹل لذیذ اور چٹپٹے کھانوں کے لیے سب سے زیادہ مشہور ہے۔ مسلمانوں کو ادھر راغب کرنے کے لیے اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ وہاں کی ساری ڈشیں حلال کیے ہوئے گوشت سے تیار کی جاتی ہیں پھر بھی وہ حب الوطنی کے جذبے سے مغلوب ہو کر اس ہوٹل کو ترجیح دیتا تھا جس کا مالک شیخوپورہ سے تعلق رکھتا ہے۔

کھانے کے بعد قلفی نے لذت کو دوبالا کردیا۔ تینوں نے اس طرح شکم سیر ہو کر کھانا کھایا تھا کہ جب میں نے واپس ہوٹل جا کر کچھ دیر کے لیے سستانے کی تجویز پیش کی تو کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔

اسد ہم سے الگ ہو کر اپنے دفتر کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں غزالہ کے ساتھ کھلے ٹک ٹک میں ہوا کھاتا ہوا ہوٹل پہنچ گیا۔

پانچ بجے چاؤ فان نے اطلاع دی کہ امریکی فوجی کئی گھنٹوں تک موتی محل میں رہنے کے بعد واپس لوٹ گئے تھے۔ ان کی واپسی میں کوئی غیر معمولی بات نہیں دیکھی گئی۔ بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ جیسے آئے تھے، اسی طرح واپس چلے گئے۔ ان کے ساتھ کوئی اضافی آدمی یا قیدی نہیں دیکھا گیا۔ اس نے اپنے آدمی سے خبر ملتے ہی مجھ سے رجوع

کیا تھا۔

وہ اطلاع دینے کے بعد اس نے رات کو کسی وقت مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں اسے اتنا ارگڑ چکا تھا کہ میں نے اس ملاقات کے بارے میں اس سے کوئی جرح نہیں کی۔ آٹھ بجے ہوٹل کے احاطے سے باہر اس سے ملاقات کرنے کا وعدہ کرلیا۔

وہ شام ہم نے کمرے میں گزار دی۔ اس دوران میں فون پر اول خان سے بات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ سوبھراج کے فرار کے بعد کراچی کے حالات پرسکون تھے۔ کہیں کوئی گڑبڑ یا تخریب کاری کی کوئی واردات نہیں ہوئی تھی۔

دوسری طرف جلال کے محکمے کی طرف سے عدالت میں سوبھراج کے خلاف کارروائی کا آغاز ہوگیا تھا۔ وکیل سرکار کی جان سوزی کے سبب معزز عدالت نے پکی سماعت کی دوسری تاریخ پر سوبھراج کو مفرور اشتہاری ملزم قرار دے کر مقدمے کی سماعت جاری رکھنے کا فیصلہ صادر کردیا تھا۔

ٹیلی وژن پر انگریزی میں نشر ہونے والی خبروں میں چھوٹا راجن کے ٹھکانوں پر ہونے والے دھماکوں کی بازگشت موجود تھی۔ اخبارات میں دشمنی کا نظریہ پیش کیے جانے کے باوجود ٹیلی وژن پر ایک ہی رٹ لگائی جارہی تھی۔ گولڈن ڈریگن میں مارے جانے والے محافظ کے قاتل کا کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔ بقیہ چار مقامات پر ہونے والے دھماکوں کے سلسلے میں کئی مشتبہ افراد کو تفتیش کے لیے حراست میں لے لیا گیا تھا۔

وہ سرکاری چینل اپنا راگ الاپ رہا تھا۔ حقیقت اس سے بہت مختلف تھی۔ چھوٹا راجن کے پانچوں ٹھکانوں پر دھماکوں کے ذمے دار پوری طرح محفوظ تھے۔ ان واقعات کو رونما ہوئے کئی دن گزر جانے کے باوجود چاؤفان نے کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں کی تھی۔

میں رات کو مقررہ وقت پر کمرے سے نکلا تو میری خواہش تھی کہ غزالہ بھی میرے ساتھ ہو۔ میں اسے چاؤفان سے پوری طرح متعارف کرانا چاہتا تھا۔ مجھے خوف یہ تھا کہ چاؤفان کی زبان بہت لمبی تھی۔ جو کچھ اس کے دل میں آتا تھا، بے دھڑک ہوکر کہہ ڈالتا تھا۔ وہ غزالہ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہہ ڈالتا جو میری برداشت سے باہر ہوتی تو پل بھر میں بگاڑ پیدا ہوسکتا تھا۔

میں نے غزالہ کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کردیا۔ اسے ہوٹل کی حدود میں رہنے کی تلقین کرکے چل دیا۔

ہوٹل کی لابی اس وقت بہت بارونق اور آباد تھی۔ ہلٹن اپنے نرخوں کے سبب عام ایشیائیوں کے لیے بہت مہنگا ہوٹل تھا۔ یورپ اور امریکا سے آنے والے جب اپنی کرنسی کو مقامی بھات میں تبدیل کرکے ہوٹل کے کرائے وغیرہ کا موازنہ کرتے تو وہ اپنے ملک کے مقابلے میں انہیں کوڑیوں کے مول محسوس ہوتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اس وقت لابی سفید فام مردوں، عورتوں اور لڑکیوں سے بھری ہوئی تھی۔ گرمی کا موسم ہونے کی وجہ سے بیشتر افراد نے نیکر اور ٹی شرٹس پہنی ہوئی تھیں۔ لڑکیوں کے چست اور مختصر نیکر اور بغیر آستین کی ٹی شرٹس باہر کے گرم موسم میں ان کے لیے ضرور آرام دہ رہی ہوں گی مگر ہوٹل میں وہ صنف مخالف کے لیے کڑا امتحان بنی ہوئی تھیں۔

میں اس چلتی پھرتی بھیڑ میں اپنا راستہ بناتا ہوا ہوٹل سے باہر نکلا تو چاؤفان اپنی کالی اکارڈ سڑک کے کنارے روکے، اطمینان سے سگریٹ نوشی میں مصروف تھا۔

میری جھلک دیکھتے ہی وہ اپنی سیٹ میں سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔

میں نے اس کے برابر نشست سنبھالی تو وہ جلدی سے بولا ”ماسٹر! دھواں ناگوار گزر رہا ہو تو میں سگریٹ بجھا دوں۔ میں نے ابھی ابھی سلگائی تھی!“

”اگر اس میں چرس نہیں ہے تو پیتے رہو“ میں نے دانستہ چبھتا ہوا جواب دیا۔

گاڑی کو حرکت میں لاتے ہوئے وہ دھیمے سے ہنسا پھر بولا ”یہ تم نے کیا بات کہہ دی۔ چرس جلتی ہے تو اس کی تیز بو ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ کیا گاڑی میں تمہیں تمباکو کے علاوہ کسی اور چیز کی بو محسوس ہورہی ہے؟“

”میری طرف نہیں، سڑک کی طرف دیکھو“ میں نے اسے ہدایت دی ”مجھے ہر بو کا اندازہ ہے۔ مجھے سبق پڑھانے کی کوشش نہ کرو!“

”کیا بات ہے...... آج تمہارا موڈ کچھ خراب نظر آرہا ہے۔“

”جب پہاڑ کھودنے کے بعد چوہا بھی برآمد نہ ہو تو موڈ اس سے زیادہ خراب ہوسکتا ہے۔ آج تم نے موتی محل کے معاملے میں اپنے ساتھ میرا وقت بھی ضائع کیا۔“

”ماسٹر! یہ نہ کہو۔ میرا دل نہیں مان رہا تھا کہ امریکی وہاں دل لگی کے لیے آئے ہوں گے۔ میں نے اس معاملے پر بہت محنت کی ہے اور کام کی باتیں نکال کر لایا ہوں۔“

”کام کی باتیں جان کر مجھے خوشی ہوگی“ میں نے قدرے حوصلہ افزا جواب دیا۔

”اس سے پہلے میں تمہیں مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔ تم

نے مجھے کچھ نہیں بتایا تھا مگر مجھے پتا چلا ہے کہ ڈان تمہاری کارکردگی سے بہت خوش ہے۔''

''میں نے ایک آدمی کو مارنے کے سوا اور کیا، کیا ہے۔ ساری کارگزاری تمہارے آدمیوں کی تھی۔ ڈان کو ان سے خوش ہونا چاہیے۔''

''کام ہمیشہ نیچے والے کرتے ہیں۔ کریڈٹ منصوبہ بنانے والے کو ملتا ہے۔ وہ پلان تمہارا تھا۔ ہم نے اس پر عمل کیا تھا، یہ بات ڈان بھی جانتا ہے۔''

''واقعی، یہ اچھی بات ہے کہ ڈان ہم سب سے خوش ہے۔ کام اسی طرح آگے بڑھتا رہا تو چھوٹا راجن بہت جلد منظر سے غائب ہو جائے گا۔''

''موتی محل والوں سے امریکیوں کو کوئی عناد نہیں ہے'' چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد چاؤفان بولا ''وہ چھوٹا راجن کے کسی مہمان کی تلاش میں وہاں آئے تھے۔''

''یہ بات تم کیسے کہہ سکتے ہو؟'' میں نے اس سے جرح کی۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کہ وہ بہت کم وقت میں اصل معاملے کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔

''ماسٹر! میں نے دس برس کی عمر میں اپنا گاؤں چھوڑا تھا۔ اس کے بعد سے بنکاک میں پلا بڑھا ہوں۔ میں بھی اسی لائن کا آدمی ہوں جس پر چھوٹا راجن چلتا ہے۔ موتی محل میں میرے کئی جاننے والے کام کرتے ہیں۔ جب سے ڈان اور چھوٹا راجن میں دشمنی ہوئی ہے، میں نے ان سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ مجھے ان میں سے ایک کو تلاش کرنا پڑا۔ اس سے مجھے یہ باتیں معلوم ہوئیں۔ تم کو معلوم ہے کہ پرانے دوستوں سے کوئی کچھ نہیں چھپاتا۔''

''وہاں ایسا کون سا مہمان آ گیا؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''وہ موتی محل کا کوئی اہم آدمی نہیں ہے۔ اسے یہ سب معلوم نہیں تھا۔ ان فوجیوں نے اپنے مطلوب آدمی کی تلاش میں موتی محل کے ایک ایک کمرے اور تہ خانوں میں جھانکا۔ چھوٹا راجن ان حرکتوں پر بہت برہم تھا لیکن وہ انہیں نہیں روک سکا۔''

''وہ آدمی نہیں ملا تو فوجی خاموشی سے چلے گئے؟'' میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

''ایسا ہی ہوا ہوگا۔ اس نے ایک خاص بات یہ بتائی کہ پھاٹک سے فوجیوں کے اندر گھسنے کے بعد موتی محل کے پچھلے گیٹ سے چھوٹا راجن کا ڈرائیور ایک لینڈ کروزر میں کسی کو لے کر تیزی کے ساتھ نہیں روانہ ہوا تھا۔ آخر تک وہ گاڑی موتی محل میں واپس نہیں آئی تھی۔ مجھے شک ہو رہا ہے کہ چھوٹا راجن کا پراسرار مہمان اسی گاڑی میں گیا ہوگا'' وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سنجیدہ بلکہ پُرتشویش لہجے میں بتا رہا تھا۔

میرے لیے وہ تفصیلات سنسنی خیز تھیں۔ میرے ذہن میں یکا یک اسد کی باتیں تازہ ہو گئیں۔ اس نے ٹریکر کمپنی کے ذریعے گاڑی کا سراغ لگانے کی توقع ظاہر کی تھی جب کہ اسے گاڑی کی ساخت اور شناخت کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

ناکافی معلومات کی وجہ سے اس کی کوششوں کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ چاؤفان اس بارے میں امید افزا خبر لایا تھا۔

''لینڈ کروزر کس رنگ کی تھی..... تم نے اس کا نمبر تو معلوم کیا ہوگا؟'' میں نے بے چینی سے اپنی سیٹ میں پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

''چھوٹا راجن کو نو دولتیوں کی طرح نئی نویلی گاڑیوں کا شوق ہے۔ اس کے پاس لینڈ کروزر ایک ہی ہے۔ اس کا رنگ سفید ہے۔ نمبر بھی آسانی سے مل سکتا ہے۔ تم یہ باتیں کیوں پوچھ رہے ہو؟'' میرے سوالوں پر وہ چونکا ہوگیا۔

''امریکیوں کو یہ باتیں معلوم ہو جائیں تو وہ چھوٹا راجن کے مہمان پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔ اس طرح اسے نیچا دکھایا جا سکتا ہے۔''

''نہیں ماسٹر!'' میری توقع کے برعکس اس نے کہا ''یہاں بڑی امریکی فوج ہے۔ انہوں نے ہماری زمین پر فوجی اڈے بنائے ہوئے ہیں مگر ہم ان سے نفرت کرتے ہیں۔ ڈان یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ چھوٹا راجن کو ذلیل کرنے کے لیے ہم امریکیوں سے کوئی مدد لیں۔ اس کے مقابلے میں وہ دس بارہ ہفتوں تک مناسب موقع کا انتظار کرنے کو ترجیح دے گا..... تم یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔''

''میں بھی امریکیوں سے نفرت کرتا ہوں'' میں نے بگڑتی ہوئی بات سنبھالنے کے لیے جلدی سے کہا۔ ''آج دنیا کا ہر سمجھ دار آدمی ان کے تکبر آمیز رویے اور غرور کی وجہ سے ان سے نفرت کرتا ہے۔ میں نے سرسری طور پر ان کا ذکر کیا تھا۔ تفصیلات سامنے آئیں تو ہم بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں!''

''ہم کیا کریں گے..... ہمیں اس کے مہمان سے کیا لینا؟''

''اس وقت مہمان اس کی کمزوری بن گیا ہے، ہمیں اس سے غرض نہیں کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اس وقت

چھوٹا راجن کا ہر دوست اور ہر مہمان ہمارا دشمن ہے۔ اسے پکڑ کر ہم چھوٹا راجن کو کسی جال میں پھانس سکتے ہیں۔''

''ماسٹر! تم ہمیشہ دور کی کوڑی لاتے ہو۔ ہم اسے یرغمال ضرور بنا سکتے ہیں۔''

''تم بتا رہے ہو کہ وہ موتی محل سے سفید لینڈ کروزر میں نکالا گیا تھا'' میں نے اس سے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''میرے دوست کو یہی شبہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی اور رہا ہو۔ گاڑی نکلنے کی ٹائمنگ کی وجہ سے اسے شبہ ہوا تھا۔''

''ہوسکے تو لینڈ کروزر کا نمبر معلوم کر کے مجھے بتاؤ۔''

''بتا دوں گا'' اس نے سعادت مندی سے جواب دیا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''میرے دوست نے مجھے ایک اور نئی بات بتائی ہے کہ آج کل چھوٹا راجن نئے گارڈز کی تلاش میں ہے۔''

''کیا اسے آدمی کم پڑ رہے ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''دو باتیں ہوسکتی ہیں۔ دھماکوں اور ایک آدمی کے قتل سے وہ ڈر گیا ہے یا پھر وہ اپنے مہمان کی حفاظت کے لیے آدمیوں کی تلاش میں ہے'' اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''تم نے بتایا تھا کہ وہ جب چلتا ہے تو کئی مسلح گارڈز اس کے ساتھ ہوتے ہیں؟''

''بالکل کہا تھا۔ تمہاری یادداشت بہت اچھی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس کے گھر اور ناچ گھروں میں بہت سے تھائی کام کرتے ہیں لیکن اپنی حفاظت کے لیے وہ ہم پر بھروسا نہیں کرتا۔ اس کے سارے گارڈز اس کے ہم وطن ہیں۔ خدوخال سے تم بھی ہندوستانی لگتے ہو۔ کوشش کرو تو تم گارڈز میں شامل ہو کر اس پر بہت قریب سے وار کر سکتے ہو۔ تم دلیر بھی ہو اور ذہین بھی۔ اسے مشکل سے تمہارے پائے کا آدمی ملے گا۔''

''چاؤ! شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے؟'' میں نے کڑے لہجے میں کہا۔

''پھر وہی چاؤ'' وہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مار کر کراہا ''ماسٹر! میں نے التجا کی ہے کہ میرے نام کے ٹکڑے مت کیا کرو۔ چاؤفان ایک لفظ ہے۔ تم خود غور کرو، میں تمہیں ماسٹر کے بجائے صرف ما کہوں تو تمہارے دل و دماغ پر کیا گزرے گی؟''

''دماغ پر کچھ بھی نہیں گزرے گی، میں دل ہی دل میں تمہاری جہالت پر ہنس کر رہ جاؤں گا۔'' میں نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''میں یہ بھی نہیں کرسکتا کیونکہ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہاری عزت کرتا ہوں'' اس نے اپنی مجبوری بیان کی۔

''میں آئندہ احتیاط رکھوں گا۔ کبھی کبھی تم ایسی بات کہہ جاتے ہو کہ نام کے ساتھ تمہارا حلیہ تک بگاڑنے کو دل چاہتا ہے۔''

''ماسٹر! اس وقت میں نے کوئی بے تکی بات نہیں کہی تھی۔''

''تم مجھے چھوٹا راجن کا گارڈ بن جانے کا مشورہ دے رہے تھے!''

''میں تمہیں دشمن کی شہ رگ کے قریب پہنچنے کی ترکیب بتا رہا تھا۔''

''اپنی ترکیبیں اپنے پاس رکھو!'' میں نے خفگی سے کہا۔ ''ڈان کہہ رہا تھا کہ چھوٹا راجن بھی اب بنکاک کا ڈان بننے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ وہ اتنا بے وقوف نہیں ہوسکتا کہ بغیر دیکھے بھالے مجھے ملازمت دے دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں ہندوستانی نہیں ہوں۔''

بنکاک کے بدمعاشوں کی اس ٹولی کی خاص خوبی یہ تھی کہ کسی نے مجھ سے قومیت سمیت ذاتی نوعیت کے سوالات نہیں کیے تھے۔ صرف ڈان نے میری بے جگری کی تعریف کرتے ہوئے میری قومیت کے بارے میں پوچھا تھا۔ وہ فخر اور خوشی کا موقع تھا۔ میں نے اسے صاف بتا دیا کہ میں پاکستانی ہوں جس پر ڈان نے میری مٹی کی عظمت کو اپنا سلام پیش کیا تھا۔

چاؤفان کو اس بات کا علم نہیں تھا۔ اسے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ میں ہندوستانی نہیں تھا۔ وہ بولا ''تم کہیں بھی پیدا ہوئے ہو، چھوٹا راجن تمہیں ہندوستانی سمجھے گا......''

''اس بات کو یہیں ختم کردو۔ جب چھوٹا راجن کو علم ہوگا کہ اس کے پاس نوکری کے لیے آنے والا اپنی بیوی کے ساتھ ہلٹن ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے تو وہ میری گردن دبوچ لے گا۔ مجھے ایسے نادر مشورے نہ دو کہ ان پر عمل کر کے مجھے بجائے لینے کے، دینے پڑ جائیں۔''

وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ بدمعاشی میں نام پیدا کرنے کے باوجود وہ زیادہ اوپر کیوں نہیں جاسکا۔ اس میں ذہانت اور صحیح نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت کی کمی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ڈان کا نیازمند بن کر اپنا وقت گزار رہا تھا۔ اس اطاعت کے لیے اسے ڈان کو اپنی آمدنی میں سے کوئی خراج نہیں دینا پڑتا تھا۔ ایک بڑے نام سے وابستہ ہو کر اس نے زیرزمین دنیا کے ایک مخصوص حلقے میں اپنی ساکھ بنائی

ہوئی تھی۔

وہ ایک اچھا اور محنتی کارندہ تھا لیکن اپنی برادری میں زیادہ اونچی اڑان لینا اس کے بس سے باہر تھا۔

خفت آمیز اور طویل خاموشی کے بعد اس نے پژمردہ لہجے میں زبان کھولی ''مجھے تم پر رشک آتا ہے کہ میں تمہاری طرح تیزی سے کیوں نہیں سوچ سکتا۔''

''نہار منہ مرچوں کے مربّے کا ایک چمچا لے لیا کرو، عقل تیز ہو جائے گی۔''

''میں نے یہ تو سنا ہے کہ مرچوں اور مسالوں کے استعمال سے معدہ مضبوط ہوتا ہے لیکن تم نئی بات بتا رہے ہو، کیا میں اس پر یقین کر لوں؟''

''بھول کر بھی یقین نہ کرنا۔ عقل اور رزق کی تقسیم خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ اسے بڑھانا ہر کسی کے بس میں نہیں ہے۔ تم خاصے ذہین ہو، سمجھ بوجھ رکھتے ہو لیکن بولنے میں عجلت سے کام لیتے ہو۔''

''ماسٹر! تم ہمیشہ پتے کی بات بتاتے ہو۔ کبھی کبھی میں خود بھی اپنی اس کمزوری کا شدت سے احساس کرتا ہوں۔''

''اسے چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ لینڈ کروزر کا نمبر کب دے رہے ہو؟''

''زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ کہو تو گاڑی یہیں کہیں پارک کر دوں۔ یہ بنکاک کا بہت خاص علاقہ ہے۔ اسے پیٹ پونگ کہتے ہیں'' میری بات کا جواب دے کر اس نے پوچھا۔

وہ گاڑی کی رفتار بہت دھیمی کر چکا تھا۔

''یہاں کیا خاص بات ہے؟'' میں نے کھڑکی سے باہر نظر آنے والے مناظر پر ذرا گہری نظر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

''ماسٹر! زندہ دل گوروں کے لیے یہ بنکاک کا دل ہے۔ ایک پرائیویٹ سڑک پر جنوب مشرقی ایشیا کا سارا حسن جمع ہے۔ یہاں صرف حسن پرست گورے آتے ہیں۔ دوسرے سیاحوں کے لیے دوالگ الگ گلیاں ہیں۔ وہاں بھی سب کچھ ہے مگر معیار اور دام کم ہیں......''

''کھل کر کیوں نہیں کہتے کہ یہ یہاں کا ریڈ لائٹ ایریا ہے؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''ماسٹر! یہاں کوئی ریڈ لائٹ ایریا نہیں ہے۔ بنکاک میں جگہ جگہ جسمانی تفریح گاہیں موجود ہیں۔ کلونگ ٹوئی بندرگاہ کے پاس اور شہر میں پیٹ پونگ کی تین متوازی سڑکیں ذرا زیادہ مشہور ہیں۔ مرد سیاحوں کی اکثریت رات کو یہاں سمٹ آتی ہے۔''

''گاڑی کہیں نہ روکنا'' اس کا ارادہ بھانپ کر میں نے اسے ہدایت کر دی ''مجھے تمہارے شہر کی ان خرافات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''ماسٹر! ہر سیاح کے دل میں ایسی جگہیں دیکھنے کی آرزوئیں مچلتی ہیں۔ مشکل یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی سے پوچھتے ہوئے ہچکچاتا ہے، خود سے کوئی نہیں بتاتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ گاڑی سے اتر کر تم ان گلیوں کا چکر لگا لو تو بہت کچھ سمجھ میں آ جائے گا۔ یہ زندگی اور مسکراہٹوں کی سرزمین ہے۔ یہاں تم ہر ایک کو خلیق اور مہربان پاؤ گے۔''

''مسٹر چاؤفان! میں سیاح نہیں ہوں۔ انتقام لینے کے ایک مشن پر یہاں آیا ہوں۔ میں ان رنگینیوں میں الجھ گیا تو میرا مشن ادھورا رہ جائے گا۔ ہو سکے تو چلتی ہوئی گاڑی میں سے مجھے چھوٹا راجن کے ایک دو وہ ٹھکانے دکھا دو جہاں تم نے بارود کے پھول کھلائے تھے۔''

''بے پی کلب تم نے اسی دن دیکھ لیا تھا۔ پچ بری روڈ پر گولڈن ڈریگن میں تم خود گئے تھے۔ اس سڑک پر ایک کیسینو ہم پیچھے چھوڑ آئے۔ اس کے دو نائٹ کلب پیٹ پونگ میں ہیں۔ اس وقت وہاں سے گاڑی میں گزرنا ناممکن ہے۔ دھماکوں سے کوئی عمارت بری طرح تباہ نہیں ہوئی۔ پہلے دن کہیں کہیں تباہی کے کچھ آثار نظر آئے تھے جو اگلی شام سے پہلے مٹا دیے گئے۔ اب گولڈن ڈریگن سمیت پانچوں ٹھکانے اپنے معمول کے مطابق چل رہے ہیں۔''

''دھماکوں سے ان کا کاروبار متاثر نہیں ہوا؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ دھندے کبھی متاثر نہیں ہوتے۔ جب پورا ویت نام جنگ کی آگ میں جل رہا تھا اور وہ شعلے پڑوسی ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے تو بنکاک کی راتیں زیادہ جوان ہوتی تھیں۔ امریکی سپاہی شراب پی کر موسیقی کے تیز شور میں رات بھر لڑکیوں کے ساتھ ناچتے رہتے تھے۔ اس جنگ کے مقابلے میں وہ دھماکے کچھ بھی نہیں تھے۔ ان پانچوں کلبوں کا دھندا مندا ہوا ہے مگر چل رہا ہے'' وہ جذبات کی رو میں بہکتے بہکتے از خود راہِ راست پر آ گیا۔

''ایسا تو نہیں کہ چھوٹا راجن اپنے ان کلبوں کے لیے محافظ تلاش کر رہا ہو؟'' میں نے فوری خیال کے تحت اس سے پوچھا۔

اس نے سختی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا ''کلبوں کا سارا عملہ مقامی ہے۔ وہ بدمعاشی کے ساتھ اس کاروبار کے گر بھی جانتا ہے۔ سیاح تھائی میزبانوں کی قاتل

مسکراہٹیں دیکھنے کے لیے یہاں آتے ہیں۔ بھارتیوں کو جاننے کے لیے وہ تاج محل اور اجنتا ایلورا کے غاروں میں جاتے ہیں۔ ہندوستانی گارڈز وہ صرف اپنے ساتھ رکھتا ہے۔''

''دھماکوں کے بعد اس نے یہاں بھی حفاظتی انتظامات بڑھادیے ہوں گے۔''

''کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ سنا ہے کہ اب وہ چوکنا ہوگئے ہیں۔ اپنے کلبوں میں آنے جانے والوں پر گہری نظر رکھنے لگے ہیں۔''

میرے موڈ کا اندازہ ہوجانے کے بعد اس نے بنکاک کی شبینہ تفریحات کا ذکر گول کردیا اور گاڑی کی رفتار بڑھا کر ٹریفک کے بہاؤ میں شامل ہوگیا۔ چند منٹ بعد ہم ایک کشادہ دورویہ سڑک پر بائیں طرف مڑ گئے۔

''یہ سڑک راما فورروڈ کہلاتی ہے'' چاؤفان مجھے بتانے لگا''یہاں سے ہم چائنا ٹاؤن ہوتے ہوئے واٹ پھو کی سمت سے ایک دریائی جزیرے میں داخل ہوں گے۔ صدیوں پہلے بنکاک اس چھوٹے سے جزیرے پر مشتمل تھا۔ انسانی ہاتھوں نے دریا سے ایک مصنوعی نہر کاٹ کر دوبارہ دریا سے ملادی تھی۔ اس طرح وجود میں آنے والا جزیرہ آج بھی پورے تھائی لینڈ کی عزت اور طاقت کا مظہر ہے۔ شاہی محل، دفاتر، فوجی ہیڈکوارٹر اور قدیم بدھ مندر، سب اسی جزیرے میں ہیں یا اس کے آس پاس پھیلے ہوئے ہیں۔ بنکاک بہت پھیل چکا ہے لیکن اس علاقے کی اہمیت آج بھی برقرار ہے۔''

وہ چاؤفان کی قومی انا کا تقاضا تھا۔ ان مقامات کی سیر کراتے ہوئے وہ اس خطے کی تاریخی اہمیت سے مرعوب کرنا چاہ رہا تھا۔ پیٹ پونگ وغیرہ سے میری عدم دلچسپی کے باعث اسے جو خفت اٹھانی پڑی تھی، اس کا ازالہ صرف تاریخ ہی کرسکتی تھی۔

ہماری وہ ڈرائیو خاصی طویل لیکن دلچسپ رہی۔ اس دوران میں کئی بار مجھے لینڈ کروزر کے نمبروں کا خیال آیا لیکن میں چاؤفان کی دل شکنی کے خیال سے خاموش رہا۔ ویسے بھی رات اترتی چلی آرہی تھی۔ گاڑی کا نمبر مل جانے کے بعد اسد اس پر صبح ہونے سے پہلے کام نہیں کرسکتا تھا۔

دس بجے کے قریب چاؤفان نے مجھے ہوٹل پہنچادیا اور پرتپاک انداز میں مجھ سے ہاتھ ملا کر یہ وعدہ کرتا ہوا رخصت ہوگیا کہ آدھے گھنٹے میں مجھے چھوٹا راجن کی سفید لینڈ کروزر کا نمبر مل جائے گا۔''

میں نے استقبالیہ کاؤنٹر پر اپنے کمرے کی چابی کے بارے میں معلوم کیا تو وہ بورڈ پر موجود نہیں تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ غزالہ کمرے میں یا پھر ہوٹل کی حدود میں کہیں موجود تھی۔

میں نے اوپر جانے کے بجائے لابی سے انٹرکام پر رابطہ کیا تو وہ کمرے میں موجود تھی۔ میں نے ہلٹن کے ریستوران میں کھانا کھانے کے ارادے سے اسے نیچے بلالیا۔

''اپنے دوست سے ملاقات کا کیا نتیجہ رہا؟'' اس نے آتے ہی ہنس کر پوچھا۔

''کام کا آدمی ہے، جب بھی آتا ہے، کام کی کوئی نہ کوئی خبر سنا جاتا ہے'' میں نے بتایا۔

''آپ بلاوجہ اس بے چارے کے پیچھے پڑے رہتے ہیں!''

''اس کی ٹانگ کھینچنے میں مزہ آتا ہے۔ وہ بھی پرلے درجے کا ڈھیٹ ہے۔ میں اسے کچھ بھی کہہ دوں، وہ برا نہیں مانے گا۔''

''وہ آپ کا نہیں، اپنے بڑے کا احترام کرتا ہے۔ مجھے اس سے ملنے کا موقع نہیں ملا پھر بھی میرا اندازہ ہے کہ اس جیسے لوگ منہ پھٹ ہوتے ہیں۔''

غزالہ سے ٹریکر سسٹم کے بارے میں میری کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنی جگہ حیران تھی کہ سوبھراج کو موتی محل سے لے جانے والی گاڑی کی کسی شناخت کے بغیر اسد کیا کرسکے گا۔ وہ تجربے کار اور ذہین آدمی تھا، پتا نہیں اس نے وہ بات کیسے فراموش کردی تھی۔

ریستوران میں مجھے عملے کی یقین دہانی پر اعتماد تھا کہ مسلمان گاہکوں کو ان کی فرمائش پر ذبح کیے ہوئے گوشت کی ڈشیں فراہم کی جاتی ہیں۔ جو ہر وقت ہوٹل کے اسٹاک میں موجود رہتا ہے مگر غزالہ اس بارے میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس کی ضد کے نتیجے میں ہماری میز پر بگھاری ہوئی دال اور آلو میتھی کی بھجیا نظر آرہی تھی۔

کھانے کے دوران میں باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ اچانک یاد آنے پر غزالہ نے بتایا کہ کچھ دیر پہلے ویرا کا فون آیا تھا۔ وہ مجھ سے بات کرنے کے لیے بے چین تھی۔

''اس نے تمہیں کچھ نہ کچھ تو بتایا ہوگا؟'' میں نے پرامید لہجے میں غزالہ سے پوچھا۔

''وہ آپ کی گرل فرینڈ ہے۔ آپ ہی کو راز کی بات بتائے گی۔ مجھ سے خیر خیریت کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی'' اس نے شرارت آمیز لہجے میں شوخی سے جواب دیا''سلطان شاہ سے دیر تک میری بات ہوئی۔ وہ اب تک حیران ہے کہ آپ کے مشوروں کے نتیجے میں ویرا کے پیر کی موچ اچانک

کیسے ٹھیک ہوگئی۔''

''اس راز کا اس سے پوشیدہ رہنا ہی بہتر ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ نیویارک میں ان دونوں کے درمیان کوئی فساد کھڑا ہو۔''

''ان دونوں کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہونا شروع ہوگیا ہے۔'' غزالہ نے انکشاف کیا۔ ''سلطان شاہ شکایت کررہا تھا کہ اسے نیویارک کا بھکاری کارآمد نظر آرہا ہے۔ وہ مین ہٹن کے ایک فلائی اوور کے نیچے بے بسی کے عالم میں اپنی راتیں بسر کرتا ہے۔ سلطان شاہ اسے اپنے خرچ پر کسی سستے سے ہوٹل میں ڈالنا چاہتا ہے تاکہ اس پر کچھ کام کرسکے۔ ویرا سختی سے اس کی مخالفت کررہی ہے۔ وہ بھکاری کا خرچ اپنے سر لینے پر آمادہ نہیں ہے۔''

''ویرا ہوشیار ہے'' میں نے کہا ''وہ بھی اس بھکاری سے ملی ہوگی۔ اس کی مخالفت بلاسبب نہیں ہوسکتی۔ اس کی کچھ نہ کچھ بنیاد ضرور ہوگی۔''

غزالہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔ وہ بولی ''مجھے اندازہ تھا کہ آپ اس کی حمایت کریں گے۔ سلطان شاہ کو آپ سے یہی شکایت رہتی ہے۔''

''وہ غلط کہتا ہے۔ میں ضرورت سے زیادہ اس کا خیال رکھتا ہوں۔ تم مجھے مضبوط جواز دے دو، میں ویرا پر دباؤ ڈالوں گا کہ وہ سلطان شاہ کی بات مان لے۔''

''ویرا کو اپنی مخالفت کا کوئی بہتر جواز پیش کرنا چاہیے۔ آپ یہ بوجھ سلطان شاہ پر کیوں ڈالنا چاہتے ہیں؟''

''پھر بھی یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ویرا کیا کہہ رہی ہے؟''

''اسے اپنے امریکی ہونے کا زعم ہے۔ وہ کہتی ہے کہ امریکا میں رہنے بسنے والوں کے بارے میں وہ سب سے زیادہ جانتی ہے۔ نیویارک کے بھکاری سادہ لوح لوگوں سے پیسے بٹورنے کے لیے عجیب وغریب کہانیاں گھڑنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ اس نے سلطان شاہ کی کوئی کمزوری بھانپ کر اسے اپنی لچھے دار باتوں میں الجھالیا ہے اور اس نے وہاں کے پھیرے لگانا شروع کردیے ہیں۔ ہر بار وہ اسے کچھ نہ کچھ دے آتا ہے۔''

''اس نے دس ڈالر کی بخشش سے ابتدا کی تھی'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''وہ اتنا پاگل نہیں ہے کہ ہر بار اتنی رقم لٹاتا رہے۔ کہہ رہا تھا کہ اب وہ اسے ایک آدھ ڈالر ہی دیتا ہے۔''

''بھکاری کی ذات میں وہ اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہے؟''

''میں نے تفصیل نہیں پوچھی'' غزالہ نے مختصر سا جواب دے کر اپنی جان چھڑالی۔

اسی لمحے میرے مقامی موبائل فون پر چاؤ فان کی کال آگئی۔ اس نے راجن کی لینڈ کروزر کا رجسٹریشن نمبر معلوم کرلیا تھا۔ ریستوران میں بیٹھ کر میں اس سے زیادہ لمبی بات نہیں کرسکتا تھا۔ اس سے گاڑی کا نمبر لے کر میں نے فون بند کردیا۔

غزالہ نے ویرا اور سلطان شاہ کے اختلاف رائے کا ذکر کرکے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ کھانا ختم کرتے ہوئے میرا ذہن ان دونوں میں الجھا ہوا تھا۔ مجھے حیرانی تھی کہ سلطان شاہ کو ایک بھکاری کی ذات میں کیا دلچسپی نظر آرہی تھی۔

کھانا ختم کرکے ہم اپنے کمرے کی طرف جانے کے لیے کاریڈور سے لفٹوں کی طرف بڑھ رہے تھے کہ مجھے دور سے اسد کی جھلک نظر آئی۔ وہ قدرے بے چینی کے ساتھ اچک اچک کر اپنے آس پاس سے گزرنے والوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ ہم دونوں اس تک پہنچتے، اس نے بھی ہمیں دیکھ لیا اور اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

لفٹ کے قریب وہ ہم سے آملا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا ''تم کو ناگوار نہ گزرے تو میں تمہارے ساتھ اوپر جانا چاہتا ہوں۔''

''ضرور چلو!'' میں نے بے تکلفی سے کہا ''ہم یہاں ہنی مون منانے کے لیے نہیں آئے، ہماری شادی کو ایک طویل عرصہ گزرچکا ہے۔''

جیسے ہی اوپر سے ایک خالی لفٹ گراؤنڈ فلور پر آئی، ہم تینوں اس میں سوار ہوگئے۔ ہمارے ساتھ مزید دو سفید فام لڑکیاں اندر آگئیں۔ ان کی موجودگی میں، میں نے اسد سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ خود بھی خاموش تھا۔

میرے پاس اس کے لیے ایک اہم اطلاع موجود تھی۔ چاؤ فان کا فراہم کیا ہوا رجسٹریشن نمبر اس کے لیے بہت مددگار ثابت ہوسکتا تھا۔ اچھا ہوا کہ وہ خود ہماری طرف آگیا تھا ورنہ وہ نمبر دینے کے لیے مجھے فون کا سہارا لینا پڑتا۔

لفٹ سے نکل کر کمرے کی طرف جاتے ہوئے اسد نے دھیرے سے کہا ''میں تمہارے لیے ایک اہم خبر لایا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ سوبھراج بنکاک سے زیادہ دور نہیں گیا۔ وہ شمال کی طرف لوپ بوری نامی قصبے میں ہوسکتا ہے جو یہاں سے بمشکل ایک گھنٹے کی مسافت پر ہے۔''

اسد کے وہ فقرے سن کر میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ میں حیران تھا کہ گاڑی کے کوائف جانے بغیر اس نے کس طرح سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا سراغ لگالیا۔

''تم نے سوبھراج کے بارے میں یہ رائے کیسے قائم کرلی؟'' کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے حیرت سے پوچھا۔

''نئی ایجادات نے سب کچھ سمیٹ کررکھ دیا ہے۔ ٹریکر کمپنی نے معلومات فراہم کی ہیں'' اس نے پراعتماد لہجے میں بتایا۔

میرے لیے وہ اچنبھے والی بات تھی۔ گاڑی کے نام اور نمبر کے بغیر اگر ایک غیر متعلقہ شخص کسی کی نقل وحرکت کے بارے میں سب کچھ جان سکتا ہے تو اس سے زیادہ خطرناک بات کوئی اور نہیں ہوسکتی۔ ٹریکر سسٹم لوگ اپنی اور گاڑیوں کی حفاظت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہاں معاملہ بالکل متضاد نظر آرہا تھا۔ بات میری سمجھ سے باہر تھی۔

''مجھے معلوم تھا کہ سوبھراج کو لے جانے والی گاڑی کی تفصیلات معلوم کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوگا......''

میرے استفسار پر اس نے اپنی بات شروع کی تھی کہ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''یہ کام مشکل تھا، ناممکن نہیں تھا'' میں نے اس سے کہا ''جاؤفان اس گاڑی کے جملہ کوائف حاصل کرچکا ہے۔ وہ سفید رنگ کی لینڈکروزر تھی۔ اس کا......''

وہ اچھل پڑا۔ اس بار اس نے فرط جوش سے میری بات کاٹ کر کہا ''بس کام بن گیا۔ وہ سو فیصد لوپ بوری میں ہے۔''

''مگر کیسے...... کچھ تو بتاؤ کہ یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' وہ اپنی باتوں سے مجھے حیران کیے جارہا تھا۔

''ذرا لمبا قصہ ہے'' اس نے کہا ''یہاں تین ٹریکر کمپنیاں ہیں۔ ان میں سے ایک بہت زیادہ مقبول اور مشہور ہے۔ مجھے راجن جیسے لوگ بڑے ناموں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ مجھے توقع تھی کہ وہ اسی کمپنی کے سسٹم استعمال کررہا ہوگا۔ وہاں میرے ایک مقامی دوست کا بھائی کام کرتا ہے۔ میں نے اس مسئلے کے بارے میں اپنے دوست سے رجوع کیا۔ یہ اتفاق ہے کہ اس کا بھائی ڈیوٹی پر تھا۔ اس نے راجن کی پانچوں گاڑیوں کی تازہ ترین پوزیشن بتادی۔ ان میں سے چار گاڑیاں شہر میں موجود تھیں۔ لینڈکروزر دو بجے موتی محل سے نکل کر شمال کی طرف روانہ ہوئی تھی اور لوپ بوری پہنچ کر رک گئی تھی۔ اس وقت سے وہ گاڑی وہیں کھڑی ہوئی ہے۔ اس کا انجن دوبارہ اسٹارٹ نہیں کیا گیا۔ موتی محل سے گاڑی کے روانہ ہونے کا وقت اور پھر لوپ بوری میں قیام میرے شبہے کو تقویت دے رہا تھا۔ اپنے دوست سے یہ معلومات حاصل کرتے ہی میں تمہاری طرف چلا آیا۔ تم نے سفید لینڈکروزر کا نمبر بتا کر سوبھراج کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔ وہ بے فکر ہوکر وہاں عیش کررہا ہوگا۔ ہم تیاری کرکے وہاں پہنچ جائیں تو اسے گھیر سکتے ہیں۔''

''مجھے یہ سب طلسماتی باتیں معلوم ہورہی ہیں۔ راجن یہاں کا مشہور آدمی ہے۔ تمہارے دوست نے یہ ضرور جاننا چاہا ہوگا کہ تمہیں راجن کی گاڑیوں سے کیا سروکار ہے؟''

''وہ میرا بینک منیجر ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں اپنے محکمے کی طرف سے پاکستانیوں کے معاملات کی دیکھ بھال کے لیے یہاں تعینات ہوں۔ ہر مہینے اسی بینک میں میری تنخواہ آتی ہے۔ میں نے اسے ایک پاکستانی لڑکی کے اغوا کی کہانی سنائی تھی جسے موتی محل لے جاکر غائب کردیا گیا۔ ان معاملات میں راجن کی شہرت بہت خراب ہے۔ وہ فوراً میری مدد کے لیے تیار ہوگیا۔''

''اس نے یہ نہیں سوچا کہ بات راجن کے کانوں تک پہنچ گئی تو اس کے بھائی کو بلاتاخیر نوکری سے نکال دیا جائے گا؟'' غزالہ نے اعتراض کیا۔

''نیک دل لوگ اتنی دور تک نہیں سوچتے۔ میں نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ پاکستانی لڑکی کو موتی محل سے نکال کر کہیں اور پہنچادیا گیا ہے۔ وہ میری مدد کرنے پر آمادہ ہوگیا۔''

''شہر میں اس کے پانچ کلب اور کیسینو ہیں۔ لڑکی وہاں پہنچائی جاسکتی تھی۔ ضروری نہیں تھا کہ اسے لوپ بوری لے جایا گیا ہو؟'' وہ مسئلہ مجھے ہضم نہیں ہورہا تھا۔

''یہ باتیں میں نے تمہیں بتائی ہیں۔ اس بے چارے سے میں نے گاڑیوں کا ریکارڈ مانگا، وہ اس نے فراہم کردیا۔ اب لڑکی کو تلاش کرنا میرا کام ہے'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا'' اس نے مجھ سے یہ یقین دہانی ضرور چاہی تھی کہ گاڑیوں کی ٹریکنگ کا قصہ ہم تینوں کے سوا کسی چوتھے آدمی کے علم میں نہ آئے۔ اس کی دانست میں میرے، اس کے اور اس کے بھائی کے علاوہ کسی اور کو یہ پتا نہیں چل سکے گا کہ اغوا کی جانے والی پاکستانی لڑکی کی تلاش میں ٹریکنگ سسٹم سے بھی کوئی مدد لی گئی ہے۔''

دو سال کے قیام کے دوران میں بینک منیجر سے اس کے گہرے تعلقات بھی میرے محلِ نظر تھے۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے بتایا کہ اس کا سہرا ٹیکسلا کے گردونواح میں

جعلی نوادرات فروخت کرنے والے ہنرمندوں کو جاتا ہے۔

بنکاک آنے سے پہلے اسد نے ان اطراف سے مہاتما گوتم بدھ کے کئی ایسے مجسمے خرید لیے تھے جو بادی النظر میں بہت قدیم اور خستہ حال نظر آتے تھے۔ جعل ساز اپنے گھروں میں مٹی، لکڑی اور دھاتوں سے بہت سے نوادرات کی تازہ نقلیں بنا کر اسے کسی ایسے عمل سے گزارتے ہیں کہ وہ بظاہر صدیوں پرانی نظر آنے لگتی ہیں۔ ماہرانہ تجزیے میں ان کی پول کھل سکتی تھی لیکن ہوتا یہ ہے کہ اپنی دانست میں چوری کے نوادرات خریدنے والے خود ماہرانہ رائے لینے سے گھبراتے ہیں۔ انہیں خوف ہوتا ہے کہ نمونے کی عمر کی تصدیق ہوتے ہی وہ بیش قیمت شے ان کی تحویل سے نکل جائے گی۔

بنکاک پہنچنے کے بعد اسد نے اپنے گاؤں کی مضافاتی پہاڑیوں کی کھدائی سے برآمد ہونے کی کہانی سنا کر کانسی کے وہ چھوٹے چھوٹے مجسمے جس کسی کو تحفے میں دیے، وہ اس کا گہرا دوست بن گیا۔ ان میں اس کے بینک کا منیجر بھی شامل تھا جو مہاتما گوتم بدھ کا صدیوں پرانا نادر مجسمہ مل جانے پر تہہ دل سے اسد کا ممنون تھا۔

سوبھراج کے بارے میں دو مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کی کڑیاں یک جا ہو چکی تھیں۔ چاؤ فان نے اپنے ذرائع سے سفید لینڈ کروزر کی روانگی کی اطلاع فراہم کی تھی۔ اسد نے اس گاڑی کی روانگی کے ساتھ منزل کا کھوج بھی لگا لیا تھا۔

لوپ بوری پہنچنے کے بعد لینڈ کروزر کا انجن دوبارہ اسٹارٹ نہیں کیا گیا تھا۔ یہ حقیقت اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ سوبھراج کا عارضی پڑاؤ نہیں تھا۔ وہ اپنے امریکی دشمنوں سے بچنے کے لیے وہیں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔

اس نے اس قصبے کی جو مسافت بتائی وہ دشوار نہیں تھی۔ سوبھراج جب چاہتا، بنکاک کا چکر لگا سکتا تھا۔ چند روز میں اس کی تلاش کا معاملہ دب جاتا تو وہ خاموشی سے بنکاک لوٹ آتا۔

وہ بنیادی طور پر ایک شہری تھا۔ شہر کی تیز رفتار، رنگین اور ہنگامہ پرور زندگی کو یکسر ترک کر کے زیادہ دیر تک لوپ بوری میں نہیں رہ سکتا تھا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ لوپ بوری بھی راجن کا کوئی محفوظ ٹھکانا ہے۔'' غزالہ پُرخیال لہجے میں بولی ''وہاں بھی سوبھراج کی حفاظت کا پورا بندوبست کیا گیا ہوگا۔''

''راجن اور سوبھراج کے لیے پورے تھائی لینڈ میں موتی محل سے زیادہ محفوظ جگہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔'' میں نے

فرمائش

نئے نئے دولت مند ہونے والے ایک صاحب کی بیگم ایک سرجن کے پاس پہنچیں اور بولیں ''ڈاکٹر صاحب! میرا آپریشن کر دیجیے۔''

''مگر...... کس چیز کا آپریشن؟'' سرجن نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کسی بھی چیز کا۔'' خاتون نے بے پروائی سے کہا ''دراصل میرا کبھی کسی مرض کے سلسلے میں آپریشن نہیں ہوا۔ اس کی وجہ سے مجھے بیگمات کے درمیان بیٹھ کر بات چیت کرنے میں مشکل پیش آتی ہے...... اور احساسِ کمتری سا ہونے لگتا ہے۔''

اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ''یہاں اسے گھیرنا بہت مشکل تھا۔ لوپ بوری میں یہ کام آسان ثابت ہونا چاہیے۔''

''تم اس شہر یا قصبے کے بارے میں کیا جانتے ہو؟'' غزالہ نے اسد سے پوچھا۔

''یہ کوئی شہر ہرگز نہیں ہے۔'' اس نے مایوسی سے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا ''میں نے یہ غیر معروف نام پہلی بار سنا ہے۔''

''اگر یہ نام تمہارے لیے اتنا نیا ہے تو پھر یہ کوئی چھوٹی سی بستی ہوگی۔ ممکن ہے کہ یہ شمال کی طرف جانے والی شاہراہ پر واقع ہو۔ سوبھراج وہاں راجن کے کسی ریسٹ ہاؤس وغیرہ میں ٹھہرا ہوگا۔ ان دونوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ کوئی حریف وہاں تک پہنچ سکے گا۔ مجھے توقع نہیں کہ موتی محل سے سوبھراج کے ہنگامی فرار کے موقع پر لوپ بوری میں کوئی غیر معمولی حفاظتی بندوبست کیا گیا ہوگا۔'' میں نے اپنے ذہن میں کڑیاں ملاتے ہوئے کہا۔

''آثار یہی نظر آ رہے ہیں۔ راجن کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ مستقل بنیادوں پر ہر جگہ بھاری نفری کو ملازم رکھ سکے۔ سوبھراج کی حفاظت کے لیے کوئی بندوبست کیا جاتا تو بنکاک سے مسلح آدمیوں کو لوپ بوری بھیجنا ضروری تھا۔ ایسی صورت میں ٹریکنگ سسٹم پر راجن کی کسی اور گاڑی کی لوپ بوری کی طرف روانگی بھی ریکارڈ ہو جاتی۔''

''اس معاملے میں چاؤ فان ہمارا بہترین مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔'' غزالہ نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد رائے دی۔

اسد نے ایک بڑا کام سر انجام دیا تھا۔ ناقص اور ادھوری معلومات کے ساتھ سوبھراج کی نئی کمین گاہ کا کھوج لگانا آسان کام نہیں تھا۔ وہ سراغ مل جانے کے بعد چاؤ فان یکایک اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ وہ مقامی باشندہ تھا۔ لوپ بوری کے بارے میں ہمیں معلومات فراہم کر سکتا تھا۔ ذہن میں وہاں کا نقشہ جمانے کے بعد ہمیں ہر حال میں مسلح نفری کی ضرورت پڑتی جو صرف چاؤ فان فراہم کر سکتا تھا۔

سوبھراج کا سر کچلنے کے لیے چاؤ فان کلیدی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ مجھے یہ سوچ کر دل ہی دل میں اطمینان ہوا کہ سوبھراج کے معاملے میں، میں نے اسے بالکل بے خبر نہیں رکھا تھا۔

چند گھنٹے قبل ہونے والی ملاقات میں چاؤ فان نے خود ہی اندر کی یہ کہانی سنائی تھی کہ موتی محل میں گھسنے والے امریکی فوجیوں کو راجن کے کسی پراسرار مہمان کی تلاش تھی جسے راز داری کے ساتھ لینڈ کروزر میں وہاں سے نکال دیا گیا تھا۔

اس قصے میں کہیں بھی سوبھراج کا نام نہیں آیا تھا۔ چاؤ فان یا ڈان برنارڈ کو سوبھراج کی ہوا تک نہیں لگی تھی۔ میں نے چاؤ فان کے تذبذب کے باوجود راجن کے مہمان کو گھیرنے کا نظریہ پیش کر کے اسے کسی حد تک اپنا ہم نوا بنا لیا تھا۔

راجن کے مفرور مہمان کے بارے میں چاؤ فان سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں دور دور تک یہ امکان نہیں تھا کہ چند گھنٹوں بعد ہم اسے مارنے کے لیے نکل سکتے ہیں۔ میری ساری گفتگو معروضی انداز تک محدود رہی تھی۔ اسد سے تبادلہ خیال ہونے کے بعد اس گفتگو کی اہمیت ابھر کر سامنے آ گئی تھی۔ میں نے بے خبری کے عالم میں، کسی لاشعوری ذہنی رو کے تحت، اپنے اگلے اقدامات کے لیے میدان ہموار کر لیا تھا۔ چاؤ فان یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ میں نے بیٹھے بٹھائے، اچانک راجن کے مہمان پر دھاوا بولنے کی ٹھان لی تھی۔ اس کا جواز پہلے سے موجود تھا۔

بھاگ دوڑ کا کام اسد اور چاؤ فان انجام دے رہے تھے۔ ان دونوں کی طرف سے ملنے والی اطلاعات کو یکجا کر کے ان سے کوئی مدلل نتیجہ اخذ کرنا اور پھر اگلی منصوبہ بندی کرنا میری ذمے داری تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس مرحلے پر اسد کو کیسے الگ رکھوں۔

اسد نے بنکاک میں پیر جمانے میں میری بہت مدد کی تھی۔ اس نے مجھے ڈان برنارڈ سے نہ ملایا ہوتا تو وہاں واقعات کی رفتار بہت سست اور حوصلہ شکن رہتی۔ میں اس کے بھرپور کردار کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

وہ ڈان سے متعارف ہو چکا تھا لیکن چاؤ فان سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ چاؤ فان اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ بنکاک میں صرف وہی میرا مددگار تھا۔ اس کی وہ خوش گمانی برقرار رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اسد آنے والی مہم میں بھی اس کی نگاہوں سے دور رہے۔

''تم کس سوچ میں کھو گئے؟'' مجھے خاموش پا کر اسد نے ٹوکا۔

''چاؤ فان کو فون کرنے کے لیے ذہنی تیاری کر رہا ہوں۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔

''تم بہت حاضر جواب ہو۔ کسی سے بات کرنے کے لیے تمہیں کسی تیاری کی ضرورت نہیں پڑتی۔ فی البدیہہ بات کرتے چلے جاتے ہو۔ یہ بتاؤ کہ چکر کیا ہے!''

''چاؤ فان کو میں کمرے میں نہیں بلانا چاہتا۔'' میں نے غزالہ کے سراپا پر سرسری نگاہ ڈال کر کہا ''اس وقت اس سے باہر بات نہیں ہو سکتی......''

''صرف غزالہ کے بارے میں نہ سوچو۔ میں بھی اس بدمعاش کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا۔''

اسد کے وہ الفاظ سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ میں نے حیرت سے پوچھا ''کیا تم اس آپریشن میں شامل نہیں رہو گے؟''

''میری دلی خواہش ہے کہ میں سوبھراج کی سرکوبی کی مہم میں تمہارے ساتھ رہوں لیکن میں چاؤ فان کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا۔ میں نے بہت عزت اور وقار کے ساتھ یہاں تعیناتی کے دو سال پورے کر لیے ہیں۔ پتا نہیں کب یہاں سے میرے تبادلے کے احکام آ جائیں۔ میں یہ الزام سننا پسند نہیں کروں گا کہ پاکستانی افسر یہاں مجرموں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔''

''یہ الزام کون لگائے گا......؟ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ تم ہمارے ساتھ تھے۔'' میں نے اسے ٹٹولنے کے لیے کہا۔

''میں دل کی گہرائیوں سے تمہاری کامیابی کا خواہش مند ہوں لیکن لڑائی میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ سوچو کہ چاؤ فان ان کے ہاتھ لگ گیا تو کیا ہوگا۔ ہر بدمعاش کی اپنی قوتِ برداشت ہوتی ہے۔ وہ دو نہیں تو دس جوتے کھا کر سب کچھ اگلنا شروع کر دے گا۔''

''خدا نہ کرے کہ ایسا ہو!'' غزالہ جلدی سے بولی۔

''میں بھی یہی کہہ رہا ہوں۔ انسان کا چاہا ہوا ہمیشہ پورا نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی تقدیر بازی الٹ دیتی ہے۔ اب ہی دیکھو

کہ سوبھراج موتی محل کے پنجرے سے صاف نکل گیا۔ میرے دامن پر ایک بار داغ لگ گیا تو میرے بعد آنے والے برسوں اس کے نتائج بھگتیں گے۔''

''تمہاری یہی مرضی ہے تو میں چاؤ فان کو کمرے میں بلالوں گا۔''

''بلالو...... میں نیچے کافی شاپ میں چلا جاؤں گا۔ اس کے جانے کے بعد تم سے مل لوں گا تاکہ تمہارے پروگرام کا علم ہو سکے۔''

''یہ اور بھی اچھا ہوگا۔ اپنے ساتھ غزالہ کو بھی کافی شاپ میں لے جانا۔ میں فون کر کے تم دونوں کو واپس بلالوں گا۔''

میرا سنگین مسئلہ کسی خرابی کے بغیر' خوش اسلوبی سے طے ہو گیا۔

میں نے نمبر ملایا تو چاؤ فان میری پہلی آواز سنتے ہی مجھے پہچان گیا ''یس ماسٹر! خیریت تو ہے......! اس وقت مجھے کیسے یاد کرلیا۔''

''تمہاری آواز بھاری کیوں ہو رہی ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''اوہو......!'' وہ دھیمے سے ہنسا ''ماسٹر! تم خطرناک آدمی ہو۔ آواز سے بھی اندازے لگا لیتے ہو۔ میں تھوڑی سی اسکاچ پی رہا ہوں۔ آج میکانگ کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔''

''تم ہوش و حواس میں تو ہونا......!'' میں نے سخت لہجے میں سوال کیا۔

''بالکل...... آدمی ہوش و حواس میں نہ رہے تو یہ سالی لڑکیاں پوری جیب خالی کر لیتی ہیں۔ میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا ہوں۔''

میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے درشت لہجے میں پوچھا ''تم اس وقت کہاں ہو؟''

''ماسٹر! معاف کرنا' میں نے اپنی دانست میں کام ختم کر لیا تھا۔ تم سے ملنے کے بعد میں ذرا سی دل لگی کے لیے پیٹ پونگ دن آ گیا۔''

''اس وقت تم کسی لڑکی کے ساتھ ہو!'' میں نے تصدیق چاہی۔

''یس ماسٹر' یہاں اس کے سوا ہوتا ہی کیا ہے!''

''اس کے سامنے تم مجھ سے یہ خرافات بک رہے ہو!'' مجھے غصہ آ گیا۔

''ماسٹر! تم بے فکر رہو۔ اسے انگریزی کا ایک لفظ نہیں آتا۔ دیہاتی لڑکی ہے۔ اس کا لب و لہجہ نرالا ہے۔ بنکاک کی بولی بھی مشکل سے سمجھ رہی ہے۔'' اس کی آواز سے سرور کی ہلکی سی بے پروائی مترشح تھی۔

''چاؤ فان! خدا مجھ پر اور تم پر رحم کرے۔ تم نے مجھے عین وقت پر دھوکا دیا ہے۔ مجھے معلوم ہوتا کہ تم اتنے رنگین مزاج ہو تو میں بھول کر بھی تم پر بھروسا نہ کرتا۔''

''تمہیں دھوکا دینے سے بہتر ہوگا کہ میں بلیڈ سے اپنا گلا کاٹ کر اپنا خون تمہارے قدموں میں بہادوں۔'' میری لعن طعن سن کر وہ یکایک جذباتی ہو گیا ''میں نے تمہیں ماسٹر کہا ہے تو زندگی بھر اس رتبے کی لاج رکھوں گا۔ غداری کی تو جنگلوں میں بھٹکنے والی بدروحیں میرا بدن نوچیں گی۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم نے مجھے کیسے یاد کیا ہے!''

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ اس کا یہ عذر کسی حد تک قابلِ قبول تھا کہ وہ کام ختم کر لینے کے بعد اس بدنام کوچے میں گیا تھا۔ جنگل کی بدروحوں کا حوالہ دے کر اس نے

مختصر مختصر

☆''مسز زاہد کا کہنا ہے کہ ان کی پیدائش کے ساتھ ایک راز وابستہ ہے۔''

''جی ہاں۔ وہ ان کی تاریخ پیدائش ہے۔''

☆''مسز منیر! کیا آپ نے اپنے بیٹے کو منع کیا تھا کہ وہ میری نقلیں نہ اتارا کرے؟''

''ہاں۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ بے وقوفوں جیسی حرکتیں نہ کیا کرو۔''

☆''کیسا عجیب دور ہے۔ پڑوسی کو پڑوسی کے بارے میں پتا نہیں ہوتا کہ وہ کس حال میں ہے!''

''خیر...... آپ میرے بارے میں ایسا مت کہیے۔ میں گاؤں میں رہتا ہوں۔''

☆''جانِ من! آج ہماری شادی کی پہلی سالگرہ ہے۔ تم میرے لیے کوئی تحفہ لائے ہو؟''

''ہاں...... کھانا پکانے کی ترکیبوں کی کتاب!''

☆''سنا ہے خدا بخش حلوائی بہت امیر ہو گیا ہے؟''

''ہاں۔ اس نے ڈائٹنگ کرنے والی عورتوں کے لیے ایسا گلاب جامن ایجاد کیا تھا جس کے بیچ میں سلاد کا پتا ہوتا تھا۔''

ثابت کردیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی حد تک بہکا ہوا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو میں اسے منہ لگائے بغیر فون بند کر دیتا مگر اس وقت جاؤ فان سے بات کرنا میری مجبوری تھی۔

''میں ایک اہم معاملے میں تمہیں اپنے پاس بلانا چاہ رہا تھا۔'' میں نے نہایت کوفت کے عالم میں بیزاری سے کہا ''مجھے تمہارے ان مشغلوں کا علم نہیں تھا۔''

''ماسٹر! میرے مشغلوں پر لعنت بھیجو۔ میں اس لڑکی کو لات مار کر، سر کے بل ابھی آتا ہوں۔'' اس کی آواز کے ساتھ فون پر کسی لڑکی کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ شاید جاؤ فان نے اپنے ساتھ موجود لڑکی کو واقعی لات رسید کر دی تھی۔

''اسے میرے وقت سے زیادہ اپنے پیسوں سے سروکار ہے۔'' اس کی بات جاری تھی ''پیسے اس کے منہ پر ماروں گا، باہر نکل کر فریش لیمن جوس کے دو گلاس پیوں گا اور بالکل تازہ دم ہو کر آ جاؤں گا۔ یہ بتاؤ کہ تم سے کہاں ملنا ہے۔''

وہ بہت زیادہ نشے میں نہیں تھا۔ اس نے تازہ لیموں کے عرق کی صورت میں اپنے نشے کا توڑ بھی بتا دیا تھا مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ آئے گا تو کس حال میں ہوگا۔ اس کے ساتھ کسی غیر متعلق آدمی کی نظروں میں آنا مناسب نہیں تھا۔

میں نے فوری طور پر اسے اپنے کمرے میں بلانے کا ارادہ ترک کر دیا اور کہا ''وہیں آ جاؤ، جہاں شام ملے تھے۔ یہ یاد رکھنا کہ اہم معاملہ درپیش ہے۔''

''بےفکر ہو جاؤ۔ میں نے آنے کی تیاری شروع کر دی ہے۔ میری لات کھا کر وہ سہم کر بستر کے ایک کونے میں سمٹ گئی ہے اور خوف زدہ بندریا کی طرح میری طرف دیکھے جا رہی ہے۔ میں پانچ منٹ میں یہاں سے نکلتا ہوں۔'' اس نے اپنے انداز میں مجھے یقین دہانی کرائی ''پندرہ منٹ بعد میں تمہارے ہوٹل کے باہر پہنچ جاؤں گا۔''

اس سے ہونے والی گفتگو میں، میں نے اس کے ساتھ کسی لڑکی کی موجودگی اور اس کی رنگین مزاجی کا حوالہ دیا تھا۔ اپنے بارے میں بقیہ اعترافات جاؤ فان نے خود کیے تھے۔ میرے مکالمے سن کر اسد اور غزالہ کو صحیح صورتِ حال کا اندازہ نہیں ہو سکا۔

''کیا ہوا...... تم اس پر بہت زیادہ برہم ہو رہے تھے؟'' اسد نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

''وہ پیٹ پونگ میں کسی عشرت کدے میں گھسا ہوا ہے۔'' میں نے اس کی شراب نوشی کا ذکر دانستہ گول کرتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ اس کی شرافت ہے کہ اس نے تمہاری ڈانٹ ڈپٹ سن لی۔ وہ تمہارے کسی کام میں کوتاہی نہیں کرتا۔ اس کے بعد اسے پورا حق حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنا وقت گزارے۔'' اسد نے جاؤ فان کی حمایت کرتے ہوئے کہا ''تمہیں اس کی ذاتی سرگرمیوں سے سروکار نہیں ہونا چاہیے۔''

''اسد کی بات قابلِ غور ہے۔'' غزالہ بولی ''آپ اس کے ساتھ کسی غبی شاگرد جیسا سلوک کرتے ہیں۔ کسی وقت وہ پلٹ کر کوئی کڑوا جواب بھی دے سکتا ہے۔''

''تم دونوں ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ کہاں اپنا منہ کالا کرتا ہے۔'' میں نے رسانیت سے جواب دیا ''اب اس کا کیا کیا جائے کہ رات کے گیارہ بجے کے بعد سوبھراج کا سراغ ملا ہے۔ اس کے خلاف کارروائی کے لیے رات کا اندھیرا سب سے زیادہ موزوں ہے۔ وہاں شب خون مارنے کی صورت میں ہماری کامیابی کے امکان روشن ہیں۔ رات گزر گئی تو دن کے اجالے میں شاید ہم اس کے ٹھکانے کے آس پاس بھی نہ پھٹک سکیں۔''

''یہ تمہاری مجبوریاں ہیں۔ ان میں جاؤ فان کا قصور نہیں ہے۔'' اسد مجھے پوری طرح قائل کرنے پر تلا ہوا تھا ''یہ دیکھو کہ اس نے تمہارے ایک اشارے پر اپنی ساری عیاشی ترک کر کے تمہارے پاس آنے کا وعدہ کر لیا ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ وہ کوئی بہانہ کر کے تمہیں صبح تک ٹال سکتا تھا۔ تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے۔''

اس کی کسی بات کی معقولیت پر حرف گیری نہیں کی جا سکتی تھی۔

یہ انسان کی فطرت ہے کہ اس سے جو کوئی دبتا ہے اسے وہ دباتا ہی چلا جاتا ہے۔ پلٹ کر جواب دینے والوں سے بات کرتے ہوئے ہر ایک محتاط رہنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ جاؤ فان کی کمزوری تھی کہ بیچ میں ڈان کا نام ہونے کی وجہ سے وہ روزِ اول سے میرا لحاظ کرتا رہا تھا۔ میں کسی ارادے کے بغیر، محض اپنی جبلّت کے تحت اس رجحان سے فائدہ اٹھاتا رہا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ میں نے اس سے ذاتی مصروفیات کا حساب بھی لینا شروع کر دیا۔

میں نے اسد کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن دل میں یہ طے کر لیا کہ میں آئندہ اس حد تک جانے سے گریز کروں گا جہاں جاؤ فان کی قوتِ برداشت جواب دے جائے۔

جاؤ فان کے اپنے قول کے مطابق اس کا وطن

مسکراہٹوں کی سرزمین کہا جاتا تھا۔ وہ لوگ نرم خُو، ملنسار اور حلیم الطبع تھے۔ کم از کم میری حد تک وہ ان میں سے ہر تعریف پر پورا اترنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ میرے لیے اس کا لحاظ کرنا ضروری تھا۔

اسد معاملہ فہم آدمی تھا۔ اس نے وہ بات وہیں ختم کردی اور مجھ سے پوچھا ''وہ تم سے ملنے کے لیے آرہا ہے۔ تم نے کیا سوچا ہے؟''

''میں نے ابھی بتایا ہے کہ وہاں آج ہی شب خون مارنا مناسب رہے گا۔'' میں نے اسے یاد دلایا ''لوپ بوری کے بارے میں وہ جانتا ہوگا۔ یہ فیصلہ اس سے مشورے کے بعد کیا جائے گا کہ سوبھراج سے نمٹنے کے لیے ہمیں کن تیاریوں کی ضرورت پیش آئے گی۔''

''تم نے اسے کمرے میں بلانے کا ارادہ ترک کردیا ہے تو اب شاید ہم دونوں کو کافی شاپ میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔'' اس نے پوچھا۔

میں بہرحال ایک پاکستانی مرد تھا۔ میں ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ اپنی بیوی کے ساتھ ایک نامحرم کو اکیلا چھوڑ کر جانا کہاں تک مناسب تھا!

اسد خود بھی عیال دار اور شریف آدمی تھا۔ بنکاک جیسے شہر خرابات میں تجرد کے دن گزارنے کے باوجود اس کا دامن ہر آلائش سے پاک تھا۔ ادھر غزالہ بھی کوئی نیک پروین نہیں تھی۔ مجھ سے الگ ہو کر اس نے دشمنوں کے غول میں ایک مدت تک بہت کامیابی سے اپنی حفاظت کی تھی۔ میں نے کہا ''تم یہیں رک کر میری واپسی کا انتظار کرو۔ میں اسے زیادہ وقت نہیں دوں گا۔''

رذیل آدمی کو جوتے بھی لگائے جائیں تو اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ شریف آدمی کے لیے ایک موہوم سا اشارہ کافی ہوتا ہے۔ میرے خفیف سے توقف سے اسد نے گویا میرے دل کی بات پڑھ لی اور ہنستے ہوئے بولا ''اب موڈ بن گیا ہے۔ میں کافی ضرور پینا چاہوں گا۔ تم واپس آکر فون پر مجھے بلا لینا۔''

''جیسی تمہاری مرضی!'' میں اس سے کمرے میں رکنے کے لیے اصرار نہیں کرسکتا تھا۔

چاؤ فان نے ہوٹل تک پہنچنے کے لیے پندرہ منٹ کا وقت دیا تھا۔ میں روانگی کے ارادے سے اٹھا تو اسد نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے نیچے آئے۔ وہ کافی شاپ کی طرف ہولیا۔ میں نے مرکزی دروازے کا رخ

کرلیا۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ ہوٹل میں لوٹنے والوں کی آمد قابل فہم تھی لیکن وہاں رہنے والوں کی روانگی کا پرشوق انداز بنکاک کی شبینہ تفریحات کی بھرپور غمازی کررہا تھا۔

میرے پہنچنے کے چند منٹ بعد چاؤ فان وہاں آ گیا۔ میں خاموشی سے اس کی گاڑی میں سوار ہوگیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے میں نے کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لیا تو وہ پوری طرح چاق وچوبند نظر آرہا تھا۔

گاڑی کی سب کھڑکیاں بند تھیں۔ ائرکنڈیشنر چل رہا تھا لیکن الکحل کی بو کا ذرا بھی شائبہ نہیں تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے اس نے میرے پاس آنے سے پہلے شراب کے جملہ اثرات زائل کرنے کے لیے بیک وقت سارے جتن کرڈالے تھے۔

''ماسٹر! کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟'' آخر اس نے ہی سکوت توڑنے میں پہل کی۔

''میں سوچ رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔ تم لوپ بوری کے بارے میں کیا جانتے ہو؟'' میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرکے پوچھا۔

''بہت اچھی اور سرسبز جگہ ہے۔ بنکاک سے زیادہ دور نہیں ہے۔ آثار قدیمہ کے متوالے اس چھوٹے سے قصبے کے اردگرد پھیلی ہوئی تاریخی باقیات کو دیکھنے ضرور جاتے ہیں۔'' اس نے سرعت سے جواب دیا ''کیا تمہارا ابھی وہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

''ہمیں آج رات وہاں پہنچنا ہے!'' میں نے دانستہ اسے ادھوری بات بتائی۔

''رات کو وہاں ذرا بھی لطف نہیں آئے گا۔ دیہاتی سرِ شام اپنے گھروں میں سو جاتے ہیں۔ اندھیری رات میں کھنڈرات بھی آسیب زدہ سے نظر آئیں گے......''

''ہم وہاں سیر و تفریح کے لیے نہیں جارہے۔ راجن کا مہمان وہاں ٹھہرا ہوا ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''یہ ہمارے لیے بہترین موقع ہے۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ وہاں گیا ہے؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''میرے اپنے بھی کچھ ذرائع ہیں۔ میں نے بلاوجہ چھوٹا راجن سے ٹکر نہیں لی ہے۔''

''وہاں کوئی ہوٹل نہیں ہے۔ کئی کمروں والا ایک ریسٹ ہاؤس ہے جہاں دن میں آنے والے سیاح کچھ دیر رک کر آرام کرتے ہیں اور لوٹ جاتے ہیں۔ شب بسری کے لیے وہ ڈھنگ کی جگہ نہیں ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بتارہا تھا ''چھوٹا راجن کا مہمان لوپ بوری میں ٹھہرا ہے تو اسے ریسٹ ہاؤس کے کسی کمرے میں ہونا چاہیے۔ وہاں وہ کھلے نشانے پر ہے۔''

''اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے کوچ کرے، ہم کو اس کے سر پر پہنچ جانا چاہیے۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

''ماسٹر! وہ وہاں کسی گاڑی سے گیا ہوگا نا!''

''تمہاری لائی ہوئی خبر ٹھیک تھی۔ وہ سفید لینڈ کروزر میں ہی گیا ہے۔''

''اس کے پاس وقت ہے، اپنی سواری ہے تو وہ لوپ بوری میں کیوں رکے گا۔ تھوڑا سا سفر کرکے وہ کسی اچھی جگہ رک سکتا ہے۔ چھوٹا راجن اپنے کسی اہم مہمان کو لوپ بوری جیسی جگہ پر نہیں بھیج سکتا۔ وہاں رک کر وہ آگے نکل گیا ہوگا۔ شاید تمہیں پرانی اطلاع دیر سے ملی ہے۔'' چاؤ فان کے پاس یقین نہ کرنے کی مضبوط وجوہ موجود تھیں۔

اسے یہ بتانا بے سود تھا کہ اس وقت سوبھراج خوف زدہ تھا۔ بارونق شہروں کے مقابلے میں گمنام ویرانے اس کے لیے بہترین پناہ گاہ ثابت ہوسکتے تھے۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ ایک کیا، کئی راتوں کی بے آرامی قبول کرسکتا تھا۔

''اب تصدیق یا تردید حاصل کرنے کا وقت گزر چکا۔ یہ بتاؤ کہ تم اس وقت کتنے آدمیوں کا بندوبست کرسکتے ہو۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کرنے کے بجائے فیصلہ کن لہجے میں پوچھا۔

''پانچ چھ آدمی مل جائیں گے۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ اس نے میری اطلاعات کی افادیت پر دوبارہ کوئی بات نہیں کہی۔

''ہم یہاں سے کس وقت نکل سکتے ہیں؟'' میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر سوال کیا۔

''آدمیوں کو جمع کرنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔ کم ازکم ... دو گھنٹے کی مہلت دے دو۔''

''میرے پاس پوری رات پڑی ہوئی ہے۔ ہمیں اجالا پھیلنے سے پہلے وہاں پہنچ جانا چاہیے۔ اگر میرے اور تمہارے اندازے درست ہیں تو ذرا سی دیر میں کھیل نمٹ جائے گا۔ تم اپنی سہولت دیکھو۔ آدمیوں کے ساتھ تمہیں ہتھیاروں کا بندوبست بھی کرنا ہے۔''

''میں ساڑھے بارہ بجے تک تمہیں اپنے پروگرام سے آگاہ کردوں گا۔ تمہارے ساتھ کوئی اور تو نہیں ہوگا؟'' اس کا ذہن الکحل کے اثرات سے پوری طرح آزاد تھا۔

''میری عورت میرے ساتھ ہوگی!'' میں نے اس کی زبان استعمال کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اسے نہ لو۔ اتنی بھیڑ میں اس کا شامل ہونا غیر ضروری ہے۔'' اس نے ملتجیانہ لہجے میں کہا ''وہ بلاوجہ میرے آدمیوں کی نظروں میں آجائے گی۔''

''کیا تمہیں ان پر بھروسا نہیں ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''پورا بھروسا ہے لیکن بنکاک میں ہر ایک چاؤفان نہیں ہے۔'' بات کرتے کرتے اس نے الجھ کر اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا اور توقف کے بعد بولا ''سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں اپنی بات تم پر کس طرح واضح کروں۔ عورت کی موجودگی مناسب نہیں رہے گی۔''

چاؤفان کی باتوں میں اس کا تجربہ بول رہا تھا۔ وہ روئے زمین کا ایک عجیب خطہ تھا جہاں عورت کو ایک طرف بازار کی سستی جنس بنا کر رکھ دیا گیا تھا تو دوسری طرف اس کی تحریم کا یہ عالم تھا کہ عورت کے ہاتھ سے بھکشوؤں تک کو کچھ دینا معیوب تصور کیا جاتا تھا۔ دان، بخشش یا نذرانہ دینے کے لیے عورت کے ساتھ کوئی مرد نہ ہوتب بھی عورت براہِ راست کچھ نہیں دے سکتی تھی۔ کچھ دینا ہی ہوتو وہ میز یا کسی چوکی وغیرہ پر رکھ دے۔ بھکشو وہاں سے اٹھالے گا۔

''میں اسے روک دوں گا۔'' میں نے اس کی بات مان لی ''تمہارے آدمی انگریزی سے نابلد ہوں گے۔ یہ یاد رکھنا کہ تم کو سائے کی طرح میرے ساتھ رہنا ہوگا تاکہ میری ہدایات اپنے آدمیوں تک پہنچا سکو۔ یہ بہت ضروری ہے۔''

''ماسٹر! تم فکر نہ کرو۔ تم خادم کو ہر لمحے اپنے پاس موجود پاؤ گے۔''

''چاہو تو اب مجھے واپس چھوڑ دو!'' میں نے فراخ دلی سے کہا۔

''یہ بتادو کہ اس مہمان کو زندہ پکڑنا ہے یا مار ڈالنا ہے۔''

''اس کا انحصار وہاں کے حالات پر ہوگا۔'' میں نے گول مول جواب دیا۔

''ایسے مقابلوں میں پہلے سے کیے ہوئے فیصلے کام نہیں آتے۔ موقع پر بروقت فیصلے کرنا پڑتے ہیں پھر بھی مجھے تمہاری ترجیحات کا علم ہونا چاہیے تاکہ اس کے مطابق کوشش کی جائے۔''

''اسے زندہ پکڑنا ہی بہتر رہے گا۔'' میں نے اپنی دلی خواہش کے برعکس جواب دیا۔ پرانی باتوں کا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے اس وقت وہی جواب موزوں ترین تھا۔

وہ خاموش ہوگیا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس نے گاڑی کو واپسی کی راہ پر ڈال دیا تھا۔

''ماسٹر!'' ایک لمبے سکوت کے بعد اس نے دبی دبی آواز میں مجھے مخاطب کیا۔ میں صرف ہوں کر کے رہ گیا۔

''کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟'' اس نے اسی لہجے میں سوال کیا۔

''ناراض ہوتا تو اس وقت تمہارے ساتھ لوپ بوری جانے کا پروگرام نہ بنا رہا ہوتا۔'' اس نے مجرمانہ احساس کے ساتھ ذرا سی دیر میں وہ سوال دہرا کر یکایک میرا دل صاف کردیا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''مجھے خوشی ہے کہ تم الکحل کے اثرات سے آزاد ہوکر آئے ہو۔ تمہیں اپنے تمام شوق پورے کرنے کا حق حاصل ہے۔ میں اس میں اپنی ٹانگ نہیں اڑا سکتا۔ اس وقت میں بھول گیا تھا کہ یہاں بہت سے لوگ انگریزی نہیں جانتے۔ نا وقت کوئی کام نکل آئے تو اچھا خاصا آدمی چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارا تفریح کا موڈ غارت کردیا۔''

''ماسٹر! تم گریٹ آدمی ہو۔'' اس نے بے اختیار میری داہنی ران دبا کر بھرّائی ہوئی آواز میں کہا ''لوگوں کا دل رکھنا جانتے ہو۔ میرے دماغ میں کوئی کام پیدا ہونے کا شائبہ بھی ہوتا تو میں ادھر نہ جاتا۔ جب ہر طرف سے فرصت میسر آتی ہے تو میں ذرا بے لگام ہو جاتا ہوں ورنہ کام میں لگا رہتا ہوں۔''

ہاتھوں کے بے ساختہ استعمال پر میں پہلے اسے سرزنش کر چکا تھا۔ اس بار اس نے میری ران پر ہاتھ مارا تو فضا بہت مختلف تھی۔ میں خاموش رہا۔

مجھے ہوٹل پہنچا کر وہ واپس چلا گیا۔ عجیب جذباتی آدمی تھا۔ راستے میں، میں ذرا سا چھیڑتا تو شاید وہ بے اختیار رونا شروع کردیتا۔

میں نے لابی سے انٹرکام پر غزالہ کو پیغام دیا کہ وہ اسد کے انتظار میں بت بنی ہوئی نہ بیٹھی رہے۔ کپڑے بدل کر آرام کرے کیونکہ مشن میں اس کی شمولیت کا کوئی امکان نہیں تھا اور میں اسد کو رخصت کرنے کے لیے خود کافی شاپ میں جارہا تھا۔

غزالہ تلملا کر رہ گئی۔ میں انٹرکام بند کر کے کافی شاپ کی طرف چل دیا۔

سوبھراج کے بارے میں سب کچھ طے ہو جانے کے بعد مجھے یاد آیا کہ ویرا نیویارک میں بیٹھی میری جوابی کال کا

انتظار کر رہی ہوگی۔ پتا نہیں وہ کس سلسلے میں مجھ سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اسد سے فارغ ہونے کے بعد میں اس سے بات کرلوں گا۔ رات کا بقیہ حصہ مجھے سوبھراج کے پیچھے برباد ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔ ایک دفعہ وہ مصروفیت شروع ہوجاتی تو پھر کسی لمبی فون کال کے لیے وقت نکالنا محال ہوجاتا۔

اسد ہوٹل کی کافی شاپ میں بے چینی سے میرا انتظار کررہا تھا۔ میرے لیے بے خوابی کی وہ رات بہت لمبی ثابت ہونے والی تھی۔ میں نے اس کی میز پر بیٹھ کر اپنے لیے بھی کافی طلب کرلی اور پھر اسے چاؤ فان سے طے ہونے والے پروگرام کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

سوبھراج کی جائے پناہ کے بارے میں چاؤ فان کی بتائی ہوئی باتیں سن کر اسد کا حافظہ بھی تازہ ہوگیا۔ اسے بنکاک کے قرب و جوار میں پھیلے ہوئے چھوٹے چھوٹے تفریحی مقامات کے پیچیدہ ناموں کا علم نہیں تھا مگر وہ یہ جانتا تھا کہ وہاں پرانے بدھ مندروں وغیرہ کے آثار کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ قدرتی جنگلات میں کیمپنگ کی سہولتوں کے ساتھ متعدد تفریحی مقامات موجود ہیں جہاں سیاح کثرت سے پائے جاتے تھے۔

میری کافی ختم ہونے تک وہ اس مہم کے بارے میں کرید کرید کر سوالات کرتا اور مشورے دیتا رہا۔ اسے خوشی تھی کہ غزالہ کو ہوٹل میں چھوڑنے کے بارے میں، میں نے چاؤ فان کا مشورہ قبول کرلیا تھا۔

پورے بنکاک میں صرف سوبھراج مجھے پہچان سکتا تھا اور وہ شہر سے باہر تھا۔ میں خاصی دیر تک اسد کے ساتھ بیٹھا رہا۔ میں اپنی طرف سے اسے رخصت ہونے کا مشورہ نہیں دے سکتا تھا۔ ہلٹن ہوٹل کی حدود میں وہ میرا مہمان تھا۔ آخر کار اسے خود ہی میرے آرام کا خیال آگیا اور میں بل ادا کرکے اس کے ساتھ کافی شاپ سے باہر چل دیا۔

اسد نے بنکاک کے بے ہنگم اور خطرناک ٹریفک کی وجہ سے اپنی گاڑی نہیں رکھی ہوئی تھی۔ اسے باہر نکلتے ہی پورچ میں خالی ہونے والی ایک ٹیکسی مل گئی اور پرتپاک انداز میں مجھ سے رخصت ہوگیا۔

کمرے میں پہنچا تو غزالہ کے تیور کچھ بگڑے ہوئے نظر آئے۔ اس نے جس لہجے میں ویرا کے دوسرے فون کا ذکر کیا اس سے اندازہ ہورہا تھا کہ اس کی برہمی دہری تھی۔ اول یہ کہ میں نے اسے مہم میں شریک نہ کرنے کی خبر دی تھی۔ دوم یہ کہ ویرا کو نیویارک میں بھی چین نہیں تھا۔ وہ ذرا سی دیر میں میرے لیے دو بار فون کرچکی تھی۔

اس سے پہلے کہ ویرا کا تیسری بار فون آتا، میں نے کچھ دیر کے لیے غزالہ کی برہمی کو نظر انداز کرکے اس سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

''کہاں غائب تھے...... معلوم ہوتا ہے کہ وہاں جاکر تمہاری مصروفیت زیادہ بڑھ گئی ہے۔'' رابطہ ہونے پر ویرا کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''بس کچھ نہ کچھ چلتا رہتا ہے۔ میں نے واپس آتے ہی تمہیں فون کیا ہے۔'' میں نے اپنی تازہ ترین مصروفیت کا کوئی تذکرہ کیے بغیر کہا۔

''کیا پورے تھائی لینڈ کا انتظام تمہارے سر ڈال دیا گیا ہے؟''

''ملک کسی قاعدے قانون کے تحت چلتے ہیں۔ دوسرے چکر ہر پابندی سے آزاد ہوتے ہیں۔''

''ان چکروں میں سوبھراج کی کیا پوزیشن ہے وہ کب تک تمہارے سینے پر مونگ دلتا رہے گا؟'' اس کا لہجہ کچھ ایسا تھا جیسے وہ مجھ سے جواب طلب کررہی ہو۔

''ابھی اس کا وقت پورا نہیں ہوا۔ ملزم قرار دیے جانے کے باوجود وی آئی پی ہے۔ جس دن مارا گیا تم کو امریکی ذرائع ابلاغ سے خبر مل جائے گی۔''

''یعنی تم مجھے نہیں بتاؤ گے۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''وقت مل گیا تو ضرور بتاؤں گا۔ اس کے خاتمے کے بعد اپنی کھال بچانے کے لیے مجھے بھی ہاتھ پیر مارنا پڑیں گے۔ چھوٹا راجن کے بارے میں تم کراچی میں سن ہی چکی ہو۔''

''اس وقت تم عجلت میں معلوم ہورہے ہو۔'' اس نے اچانک کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں میری تلاش کیوں تھی۔''

''میں اپنی بات بھی کروں گی لیکن پہلے اپنی عجلت کا سبب بتاؤ۔'' اس نے مطالبہ کیا ''اس وقت تم تفصیل سے بات کرنے کے بجائے حوالوں سے کام چلارہے ہو۔''

وہ فرصت سے لمبی گفتگو کرنے کے موڈ میں تھی جب کہ میں واقعی عجلت میں تھا۔ میں نے ہتھیار ڈالنے کی صداکاری کرتے ہوئے جواب دیا ''تم سے جیتنا مشکل ہے ایک گھنٹے بعد مجھے سوبھراج کے چکر میں کسی سے ملنے کے لیے جانا ہے۔''

''خدا کرے کہ تمہاری یہ ملاقات کامیاب ثابت ہو۔''

ان دعائیہ کلمات کے بعد اس نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا

پھر بولی ''سلطان شاہ نے اطالوی فقیر کے چکر میں مجھے بہت پریشان کیا ہوا ہے۔ وہ چالیس پچاس ڈالر یومیہ کا خرچ اپنے ذمے لینے کے لیے پر تول رہا ہے۔''

''اس کا دماغ خراب ہوا ہے وہ اتنی رقم کہاں سے لائے گا؟''

''یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی۔ وہ البرٹو کو فٹ پاتھ سے اٹھا کر کسی ہوٹل میں ڈالنا چاہ رہا ہے۔ یہاں بیس پچیس ڈالر سے کم میں صرف بستر بھی ملنا مشکل ہے ابھی وہ بھیک مانگ کر اپنا گزارہ کر لیتا ہے ہوٹل میں رہے گا تو اس کے کھانے پینے کا خرچ بھی ہمارے سر آ جائے گا۔''

''وہ اس کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے؟'' میں نے پُرخیال لہجے میں پوچھا۔

''فی الحال کچھ بتانے پر آمادہ نہیں ہے کہتا ہے کہ وہ اس پر سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے۔''

''تم نے البرٹو سے ملاقات تو ضرور کی ہوگی۔''

''پیر کی موچ صحیح ہو جانے کے بعد میں گئی تھی۔'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا ''عجیب سنکی سا آدمی ہے۔ مجھے اس کی شخصیت یا باتوں میں کوئی دلچسپی نظر نہیں آئی۔ اس کی باتیں بے سر و پا ہیں۔ سی آئی اے کی بات پوری نہیں کرتا کہ اچانک برازیل کا ذکر شروع کر دیتا ہے۔''

ویرا بے زاری کے عالم میں مجھے وہ باتیں بتا رہی تھی لیکن میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ سلطان شاہ احمق نہیں تھا۔ اسے اپنے محدود مالی وسائل کا علم تھا۔ پاکستان میں ہمارے پاس ڈالروں کی کمی نہیں تھی لیکن پاکستان سے ہنگامی طور پر انہیں کسی بڑی رقم کی ترسیل ممکن نہیں تھی۔ کسی نہ کسی طرح رقم بھیج دی جاتی تو وہ محض اسی بنا پر امریکی حکام کی نظروں میں آسکتے تھے کہ انہیں پاکستان سے قابلِ ذکر مالی امداد مل رہی تھی۔

یقینی طور پر وہ کوئی اور ہی چکر تھا جسے سلطان شاہ نے کسی وجہ سے اپنی ذات تک محدود کر رکھا تھا۔

''سلطان شاہ کہاں ہے۔ فون اسے دے دو۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔''

''میں نے مشکل سے اسے روکا ہوا تھا۔ ابھی ابھی وہ باہر گیا ہے۔''

''اس سے بات کیے بغیر میں کوئی فیصلہ کیسے کر سکتا ہوں؟''

''میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ وقت نکال کر جلد از جلد اسے گھیر لو۔ شام کو وہ عام طور پر گھر میں ہی ہوتا ہے۔ ایک بار وہ اسے ہوٹل میں لے گیا تو یہ گھنٹی ہمارے گلے میں بندھ جائے گی۔''

''اسے میری طرف سے بہت سختی سے بتا دینا کہ مجھ سے اجازت لیے بغیر وہ ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔'' میں نے قدرے غصے سے کہا۔

''گڈ!'' ویرا نے اطمینان کا سانس لیا ''موچ ٹھیک ہوتے ہی اس نے مجھے سلگانا شروع کر دیا ہے۔ میری بات نہیں مانتا۔ تمہاری ہدایت کے بعد وہ کسی حماقت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ وہ جلدی واپس آ گیا تو میں ابھی اس سے تمہاری بات کرا دوں گی۔''

''اس وقت مجھے معاف کر دو۔ ملاقات سے پہلے مجھے کچھ ہوم ورک بھی کرنا ہے۔ تمہاری شام ہونے تک میں خود اسے گھیر لوں گا۔''

ویرا سے گفتگو ختم ہوگئی۔ ان کے درمیان اختلاف کا سبب سامنے آ جانے کے بعد میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ وہ دونوں امریکا گئے ہوئے تھے جو ہم پانچوں کے بدترین دشمنوں کی سرزمین تھی۔ میں ان کی سلامتی کی طرف سے فکرمند رہتا تھا کیونکہ ویرا کی ذات اس ملک میں بسنے والے بہتیرے لوگوں کے لیے اجنبی نہیں تھی۔

نام بدل کر وہاں پہنچ جانے کے بعد وہ پہچان لی جاتی تو ان دونوں کے لیے ناقابل تصور مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔

ان کی طرف سے فکر و تشویش لاحق ہونے کے باوجود میں اس وقت ان کے مسائل پر توجہ مرکوز کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ سوبھراج کا معاملہ میرے اعصاب پر سوار ہوتا جا رہا تھا۔ اس سے نمٹنے کے بعد میں یکسو ہو کر ان کے مسئلے کے حل پر توجہ دے سکتا تھا۔ سلطان شاہ کے موجود نہ ہونے پر میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ میں اس وقت ایک الجھن آمیز امتحان سے بچ گیا تھا۔

''آپ کی چہیتی کا کیا مسئلہ تھا؟'' غزالہ نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لیے ذرا چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''کوئی بات نہیں تھی، وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بلاوجہ مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سلطان شاہ اس سے موچ کا بدلہ لے رہا ہے۔''

''کیا اسے پتا چل گیا کہ ویرا کی موچ ایک فرضی افسانے سے زیادہ نہیں تھی؟'' غزالہ نے چونک کر سوال کیا۔

''جب تک کوئی ویرا کی اس حرکت کی چغلی نہیں کھائے گا' سلطان شاہ کے فرشتوں کو بھی حقیقت کا علم نہیں ہو سکے گا۔

جب تک وہ بیمار بنی ہوئی تھی سلطان شاہ دل و جان سے اس کی خدمت کررہا تھا۔ اور اس کے صحت مند ہوجانے کے بعد وہ اپنی صعوبتوں کے بارے میں سوچ کر دل ہی دل میں کڑھ رہا ہوگا کہ وہ کیا کیا کرتا رہا تھا۔''

''اور اب وہ ویرا کو ستا کر بدلہ لے رہا ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''کم از کم میرا یہی خیال ہے اب تم بھی غصہ تھوک دو۔ تمھیں میں نے نہیں روکا۔ چاؤ فان نے تمھیں ساتھ لے جانے کی سخت مخالفت کی ہے۔''

''مجھے کوئی غصہ نہیں ہے۔'' اس نے سپاٹ آواز میں جواب دیا ''مجھے اپنے ساتھ لے جانا یا نہ لے جانا آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ یہ ذمے داری آپ چاؤ فان سمیت جس کے سر چاہیں ڈال سکتے ہیں۔''

''یقین کرو کہ اس نے مجھے روکا ہے۔ اس ذرا سی بات پر دو دن تم منہ پھلائے رہوگی، دو چار دن میرا موڈ خراب رہے گا۔ میاں بیوی کے درمیان اسی طرح غیر محسوس طریقے سے خلیج پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔''

''آپ اس طرح شکایت کررہے ہیں جیسے میں آئے دن ایسا کرتی رہتی ہوں۔''

''ایسا کرتی رہتیں تو میں ان باتوں کا عادی ہوجاتا۔ تم نے پہلی بار منہ بنایا ہے اس لیے میں تمھیں سمجھا رہا ہوں تاکہ آئندہ اس کا اعادہ نہ ہو۔''

''اس بدمعاش کو میرے جانے پر کیا اعتراض ہے؟''

غزالہ کے چہرے کی سختی یکا یک پگھل گئی۔

''اس کا کہنا ہے کہ بنکاک کے چھٹے ہوئے بدمعاشوں کے ساتھ ایک شریف عورت کا لڑائی بھڑائی میں شریک ہونا مناسب نہیں ہے۔''

''آپ نے اسے یہ نہیں بتایا کہ میں ماضی میں کس طرح آپ کا ساتھ دیتی رہی ہوں۔''

''کاش! میں اسے یہ بتا سکتا، گھما پھرا کر بات کرنے سے بہتر ہے کہ میں اسے اور ڈان کو اپنی اصلیت سے آگاہ کردوں۔''

وہ بات وہیں ختم ہوگئی کیونکہ میرے مقامی موبائل فون پر چاؤ فان کی کال آگئی تھی۔

''ماسٹر! صرف چار آدمی ہوسکے ہیں۔ دو مال لینے کے چکر میں ملائیشیا گئے ہوئے ہیں۔'' اس نے مجھے آگاہ کیا۔

''چار وہ ہوں گے۔ ہمیں ملا کر کل تعداد چھ ہوجائے گی۔ یہ خیال رکھنا کہ ہتھیار جدید ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ نفری بھی کافی رہے گی۔''

''میدان صاف ہوا تو تمھارا یہ خادم اکیلا ہی اس کی گردن ناپ لے گا۔ سارا انحصار اس بات پر ہے کہ وہاں ہمیں کن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔''

''اگر وہاں راجن کا اپنا ریسٹ ہاؤس نہیں ہے تو ہمیں زیادہ نفری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔''

''یہ بات میں تمھیں لکھ کر دے سکتا ہوں۔'' چاؤ فان نے پرزور لہجے میں کہا ''چھوٹا راجن کی ساری جائدادیں تھائی لینڈ کے مشہور اور مہنگے شہروں میں ہیں۔ دور دراز اور مضافاتی علاقوں میں اسے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ ممبئی کی لینڈ مافیا کا سرکردہ رہنما تھا۔ لاوارث جائدادوں کو کوڑیوں کے مول خریدنے اور زمینوں پر قبضہ کرنے کے فن میں ماہر ہے۔''

''چاؤ فان! مجھے حیرت ہے کہ تم اس کے بارے میں اتنا جانتے ہو!''

''ماسٹر! میں بہت کچھ جانتا ہوں مگر بلاوجہ اپنی زبان نہیں کھولتا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ وہاں چھوٹا راجن کا ریسٹ ہاؤس نہ ہونے کے باوجود کسی گڑبڑ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چھوٹا راجن اپنے اہم مہمان کو وہاں بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔''

فون پر میں اس سے زیادہ لمبی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ یہ بات آسانی سے اس کی عقل میں آسکتی تھی کہ جہاں آدمی کو کسی کی طرف سے مداخلت کا موہوم سا خدشہ بھی نہ ہو وہاں کسی غیر معمولی بندوبست کی ضرورت ہی پیدا نہیں ہوتی۔

''بحث بیکار ہے۔ صبح سے پہلے سب کچھ سامنے آجائے گا۔'' میں نے وہ موضوع وہیں ختم کرتے ہوئے کہا ''یہ بتاؤ کہ کب روانہ ہونا ہے!''

''وہ چاروں میرے پاس پہنچنے والے ہیں۔ ہم دو ڈھائی بجے روانہ ہوسکتے ہیں۔''

''دو اور ڈھائی میں پورے تیس منٹ کا فرق ہے۔ مجھے صحیح وقت بتاؤ تاکہ مجھے یا تمھیں انتظار کی کوفت سے نہ گزرنا پڑے۔''

''دو بجے کا وقت مناسب رہے گا۔'' اس نے لمحہ بھر کی خاموشی اختیار کرکے کچھ سوچا پھر پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

''روانگی کا ذریعہ کیا ہوگا؟'' اس کے خاموش ہوجانے پر میں نے تنک کر پوچھا۔ وہ منصوبہ بندی سے نا آشنا معلوم ہورہا تھا۔ اس کے لیے ایک وقت میں مشن کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا دشوار نظر آرہا تھا۔

''میری گاڑی میں آرام سے چھ آدمی سفر کرسکتے

ہیں۔"

"اگر کوئی بس چلتی ہو تو کیوں نہ اسی سے لوپ بوری چلا جائے!" میں نے جل کر کہا۔

"ماسٹر! میں سنجیدہ ہوں اور تم اس وقت بھی مذاق کررہے ہو۔"

"معلوم ہوتا کہ یہ تمہارے لیے اس قسم کی پہلی مہم ہے۔"

"ہاں ماسٹر! میں ایسے چکروں سے دور رہا ہوں۔ اپنا کام اس کے بغیر چل جاتا ہے۔" اس نے کسی حیل وحجت کے بغیر اعتراف کرلیا۔

"کان کھول کر سنو۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' اسے ذہن نشین کرلو۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہنا شروع کیا "روانگی کا وقت وہی رہے گا جو تم نے دیا ہے مگر گاڑیاں دو ہوں گی۔ ایک گاڑی میں وہ چاروں کسی جگہ رک کر تمہارا انتظار کریں گے۔ تم ٹھیک دو بجے اپنی گاڑی لے کر میرے ہوٹل آؤ گے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ دونوں گاڑیوں میں ضرورت کا سامان موجود ہونا چاہیے۔ تمہاری گاڑی دیکھتے ہی وہ چاروں بھی چل پڑیں گے۔ منزل تک ہماری یعنی تمہاری گاڑی آگے رہے گی۔"

"ماسٹر! تم نے تو پورا نقشہ کھینچ دیا۔ تم مطمئن رہو۔ ایسا ہی ہوگا۔" اس نے مسرت آمیز آواز میں میری تعریف کی "ایسی پلاننگ میرے لیے نئی چیز ہے۔"

"گاڑی کتنی ہی قابلِ اعتماد ہو' کسی جگہ دھوکا دے سکتی ہے اس لیے دو گاڑیوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ راستے میں وقت کی بربادی کا کوئی امکان نہ رہے۔"

"یہ نکتہ میں زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ تم سے میں بہت کچھ سیکھ رہا ہوں۔"

"ہمیں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ریسٹ ہاؤس کو گھیرنا ہوگا۔ وہ چاروں تم سے الگ ہوجائیں گے۔ ان کو ہدایات دینے کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ حلق سے آوازیں نکال کر ہم ایک دوسرے کو سگنل دے سکتے ہیں۔ یہ ہمارا برسوں پرانا سسٹم ہے جو کبھی فیل نہیں ہوا۔"

"شٹ اپ...... سب کے پاس واکی ٹاکی ہونے ضروری ہیں۔"

"او کے ماسٹر!" اس کی طرف سے عجلت میں جواب آیا "بندوبست ہوجائے گا۔ آج کل تو بچے بھی ان سے کھیلتے ہیں۔"

''میں ٹھیک دو بجے تمہارا انتظار کروں گا۔'' اسے وہ بات جتا کر میں نے فون بند کر دیا۔
میری بات سن کر غزالہ کے چہرے پر سراسیمگی سی پھیل گئی تھی۔ اس نے پُرتشویش لہجے میں کہا ''آپ کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ جاؤ فان ایسے معاملات میں اناڑی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے ساتھ آپ کو بھی مروا دے۔''
میں نے پلکیں جھپکا کر حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ میری فکر میں پڑ کر وہ اپنی ناراضی کو یکسر بھول گئی تھی۔ اس کے تیور بہت نرم اور تفکر آمیز ہو گئے تھے۔
''وہ پرانا پاپی ہے۔ ایسے کھیلوں کے سارے گھر گھاٹ جانتا ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ وہ اپنے پرانے طور طریقوں پر چلتا ہے۔ میں نے اسے نئے راستے بتائے ہیں۔ جدید سہولتوں کے اس دور میں حلق سے آواز نکال کر پیغام دینے کا تصور مضحکہ خیز ہے۔''
''آپ کی پوری رات بھاگ دوڑ میں گزر جائے گی۔ آپ کا موڈ ہو تو میں روم سروس سے چائے منگوا لوں!''
''میں چائے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔'' میں نے ہنس کر کہا ''پیالی میں چینی گھولنے کے بعد ذرا پیالی میں اپنی انگلی ڈبو دینا۔''
''کیا یہ کوئی نیا ٹوٹکا سیکھا ہے آپ نے؟'' اس نے شوخی سے پوچھا۔
''اپنی نکھری ہوئی رنگت کے باوجود تم اس وقت نمکین لگ رہی ہو۔ انگلی ہلا دو گی تو چائے کچھ سلونی ہو جائے گی۔''
میری فرمائش کی وہ تاویل سن کر غزالہ اپنی بے ساختہ مسکراہٹ پر قابو نہیں رکھ سکی۔
میرے پاس تین ہتھیار موجود تھے۔ بیم گن، زہریلی انگوٹھیاں اور ایک عدد پستول۔ میں ایک ایسے ملک میں پھنسا ہوا تھا جہاں زبان کے مسئلے کی وجہ سے مجھے عام لوگوں میں گھلنا ملنا دشوار نظر آ رہا تھا۔ ایسی صورت میں میرے لیے اپنے طور پر بنکاک کے کسی چور بازار سے ہتھیار خریدنا دشوار ہی نہیں، ناممکن تھا۔ میرے لیے بہتر یہ تھا کہ اپنے پستول کو کسی آڑے وقت کے لیے محفوظ رکھوں۔ جب تک جاؤ فان میرے ساتھ تھا، مجھے اس کے فراہم کیے ہوئے ہتھیاروں سے استفادہ کرنا چاہیے تھا۔
اس وقت کمرے کی دیوار پر لگے ہوئے خوب صورت کلاک کی سوئیاں سوا بارہ بجا رہی تھیں۔ میں نے کرشماتی بیم گن نکال کر میز پر اخبار کے نیچے رکھ دی۔ انگوٹھیاں ہر وقت میرے ہاتھ میں موجود رہتی تھیں۔ میں ذرا سی دیر کے لیے کمر سیدھی کرنے کے ارادے سے بستر پر دراز ہو گیا۔ غزالہ انٹر کام پر روم سروس والوں کو چائے لانے کی ہدایت دے رہی تھی۔
غزالہ نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ہوٹل کی آپریٹر نے طویل فاصلے کی کال کہہ کر بلا توقف لائن مجھے منتقل کر دی۔
''تم اتنے دنوں سے کہاں غائب ہو...... تمہاری صورت دیکھنے کو ہماری آنکھیں ترس گئی ہیں۔'' میرے کان میں جہانگیر کی آواز گونجی اور میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔
''اس وقت ساڑھے بارہ بجنے والے ہیں۔ یہ فون کرنے کا کون سا وقت ہے؟'' میں نے گرمجوشی دکھانے کے بجائے سرد مہری سے پوچھا۔
''اپنی گھڑی ریل کی پٹری پر رکھ دو۔ یہ دو گھنٹے آگے کا وقت بتا رہی ہے۔'' اسے اپنی بالادستی کے اظہار کا موقع مل گیا۔
معاً مجھے یاد آیا کہ میں نے اسے اپنی بیرون ملک روانگی سے بے خبر رکھا تھا۔ اول خان کنوئیں سے زیادہ گہرا آدمی تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ اس نے جہانگیر کو میرے بارے میں اصل بات بتائی ہو۔ میں نے چونکنے کی صداکاری کرتے ہوئے کہا ''اوہ...... مجھے ہوٹل کے کمرے میں اندازہ نہیں ہو رہا کہ وقت کیا ہو رہا ہے۔ تمہیں معلوم ہے نا کہ میں کہاں ہوں۔''
وہ سوال میں نے اپنی معلومات کے لیے کیا تھا۔ بات آگے بڑھانے سے پہلے مجھے یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ وہ میرے بارے میں کیا جانتا ہے۔
''اول خان نے بتایا تھا کہ تم کسی کام سے اسلام آباد گئے ہوئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں لمبے پھنس گئے ہو۔ تمہارے بغیر اسٹیشن فور میں میرا دل نہیں لگ رہا۔ تھوڑی دیر بعد میں گھر چلا جاؤں گا۔''
مجھے اس کی زبان سے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ میں اسلام آباد میں تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ اس نے بنکاک کا نمبر کیسے ملا لیا۔ وہاں کا بین الاقوامی کوڈ دیکھتے ہی اسے سمجھ جانا چاہیے تھا کہ میں اسلام آباد میں نہیں، کہیں اور تھا۔
''کیا اول خان تمہارے ساتھ موجود ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''آج کل اس سے بھی کم ملاقات ہوتی ہے۔ تھوڑی

دیر پہلے یہاں سے گیا ہے۔ غنیمت ہے کہ اسے اپنا وعدہ یاد رہا اور آپریٹر نے تم سے میری بات کرا دی۔''

معما حل ہو گیا۔ جہانگیر معصوم اور بے خبر تھا۔ اسے پتا ہی نہیں چل سکا کہ اسٹیشن فور کے آپریٹر نے کہاں کا نمبر ملایا تھا۔ شاید اس نے میرے کمرے تک رسائی حاصل کرنے کے بعد لائن فوراً جہانگیر کو منتقل کی تھی۔

اول خان نے غیر ضروری طور پر وہ خطرہ مول لیا تھا۔ جہانگیر مجھ سے بات کرنے پر ایسا ہی مصر تھا تو وہ بہت آسانی سے اور بے خوف و خطر ہو کر موبائل فون پر رابطہ کر سکتا تھا۔ نہ جانے اس نے ہوٹل کے نمبر پر فون کرنے کا فیصلہ کیوں کیا تھا۔

''دل کیوں نہیں لگ رہا......؟ تمہاری سلمٰی بیگم کیا کر رہی ہے؟'' میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

''دن رات اسے دیکھ دیکھ کر طبیعت اکتا گئی ہے۔ اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ اپنے ایک پیغمبر صاحب کی قوم من و سلویٰ کھاتے کھاتے کیوں گھبرا گئی تھی۔''

''جہانگیر! اس وقت تم پر لعنت بھیجنے کو دل چاہ رہا ہے......''

''یہ بتا کر تم نے لعنت بھیج دی ہے۔ اب کیا رہ گیا ہے'' اس نے میری بات کاٹ کر احتجاج کیا۔

''تم مسلمان ہو۔ تمہیں یہ نہیں معلوم کہ وہ حضرت موسیٰ کی قوم تھی۔''

''معلوم ہے...... میں نے ادب اور احترام کی وجہ سے ان کا نام نہیں لیا تھا'' اس نے اس قدر ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا کہ میں اپنی بے ساختہ ہنسی نہیں روک سکا۔

''تم سے بڑا مکار اور جھوٹا میں نے آج تک نہیں دیکھا'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں چھوٹا ہوں، اس معاملے میں بھی تم کو اپنا بڑا مانتا ہوں'' اس نے برجستہ جواب دیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ اسٹیشن فور میں مفت کی روٹیاں توڑ توڑ کر تمہاری زبان بہت تیز ہو گئی ہے۔ آج تم الگ رنگ میں بول رہے ہو۔''

''یار! رنگ کیا، یہاں تو رنگ میں بھنگ ہو چکا ہے'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''تمہارے غائب ہوتے ہی اول خان نے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ تین دنوں سے انگور کی بیٹی کی صورت نہیں دیکھی۔''

''کچھ دیر پہلے تم نے جس رکھائی سے اول خان کا اصل نام لیا تھا اس سے مجھے سب اندازہ ہو گیا تھا۔ بوتل ملتی رہے تو وہ تمہارا اول بھائی بن جاتا ہے ورنہ اول خان رہ جاتا ہے۔''

''خیر! میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ اب میں گھر جا رہا ہوں۔ یہاں تو نرس کے نام پر بھی کرخت صورتوں والے سفید پوش مرد آتے ہیں۔ ذرا سا بیماری کا بہانہ کرنے کے بعد پتا چلا کہ ان سالوں کو میل نرس کہتے ہیں۔''

''اب اتنے بھولے بننے کی کوشش نہ کرو'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''اپنا کون سا اسپتالوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ قسم لے لو جو مجھے میل نرس کا پتا ہو۔ یہ لفظ یہاں پہلی بار سنا ہے۔ میں تو اسپتال میں کام کرنے والے سب مردوں کو وارڈ بوائے سمجھتا تھا۔''

''یعنی میل نرس تمہارا اصل مسئلہ ہے۔ کیا کسی نے غلط جگہ انجکشن......''

''تم نے پھر مذاق شروع کر دیا'' اس نے دوبارہ میری بات اڑا دی ''یہاں عورت کے نام پر صرف اور صرف سلمیٰ پائی جاتی ہے۔ مجھے یہاں کے ماحول سے وحشت ہونے لگی ہے۔''

''فلیٹ میں بھی سلمیٰ ہوگی'' میں نے کہا ''وہاں حوروں کی بارش نہیں ہوتی۔''

''وہاں کچھ تو تبدیلی ہوتی ہے۔ ماسی آتی ہے، بھنگن آتی ہے...... اول خان نے تو ہر کام پر مرد ہی مرد لگائے ہوئے ہیں۔ جو اپنی صورتوں سے ہر وقت اٹینشن نظر آتے ہیں۔''

''نوبت اب ماسیوں اور بھنگنوں تک آ گئی ہے۔ جہانگیر، تم بہت بدذوق ہو گئے ہو، مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی'' میں نے اسے ملامت کی۔

''تم میری ہر بات کا غلط مفہوم لے رہے ہو۔ مجھے ان سے کیا لینا۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ وہاں صورتیں بدلتی رہتی ہیں، کمرے ایک سے زیادہ ہیں۔ آدمی لڑ کر کمرے میں اکیلا رہ سکتا ہے۔ یہاں تو لڑ کر بھی ایک ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ وہاں جو کچھ ہوگا دیکھ لیا جائے گا۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔''

''وہاں سلمیٰ تمہارے لیے دکان سے بوتلیں لے آتی ہے۔ تمہارا یہاں ٹکنا محال ہے۔ اگر تمہاری قسمت میں دشمنوں کے ہاتھوں مرنا لکھ دیا گیا ہے تو میں اسے نہیں ٹال سکتا۔ تم کو خطرات سے بچانے کے لیے یہاں لایا گیا تھا۔ تم سے میرا یا اول خان کا کوئی کام نہیں اٹکا ہوا تھا۔''

اس کی طرف سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا۔ میرے آخری فقروں پر وہ شاید کسی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔ میں نے دانستہ اسے نہیں ٹوکا۔ میں نے جو کچھ کہا وہ بے بنیاد نہیں تھا۔ سوبھراج پاکستان سے فرار ہو چکا تھا لیکن جہانگیر کے لیے خطرات کسی بھی وقت دوبارہ سر اٹھا سکتے تھے کیونکہ سوبھراج ہمارا اکلوتا دشمن نہیں تھا۔

''تم کہتے ہو تو میں رک جاتا ہوں'' چند لمحوں کے بعد اس کی بوجھل آواز آئی ''تم ایک دو روز میں تو لوٹ آؤ گے نا؟''

''اپنی واپسی کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس کا انحصار حالات پر ہے۔''

''اس کا مجھے اندازہ ہے'' اس کی آواز میں مایوسی اتر آئی ''تم نے وہ بڑے بڑے انعامی اشتہار بھی دیکھے ہوں گے جو امریکیوں نے تمہارے خلاف اخباروں میں چھپوائے ہیں؟''

''ان سے تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ ہم سب کس گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں۔''

''بیس لاکھ ڈالر کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے'' وہ میری بات پر دھیان دیے بغیر بولا ''اسے پچاس ساٹھ سے ضرب دو تو اتنے روپے بن جاتے ہیں کہ انہیں گننے کے لیے گھنٹوں درکار ہوں گے۔''

''ان کی نظروں میں وہ میری قیمت ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔

''اتنی بڑی رقم کے لیے کوئی بھی لالچ میں آ سکتا ہے۔ تمہیں ہر طرف سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔'' اس نے اپنی افتاد بھلا کر میرا دکھڑا شروع کر دیا۔

''کوشش کرتا ہوں، وقت پورا ہو گیا تو میں کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔''

''میں کہہ رہا تھا کہ بعض لوگوں پر تم آنکھیں بند کر کے بھروسا کرتے ہو۔ وہ بھی انسان ہیں۔ کسی وقت لالچ ان کو اندھا کر سکتا ہے۔''

''میں چند لوگوں کے سوا کسی پر بھروسا نہیں کرتا۔ وہ مجھے اس سے ہزار گنا بڑی رقم کے عوض بھی نہیں بیچیں گے'' میں نے تختی سے کہا۔

''کل اول خان بیوی بچوں کو سلمیٰ سے ملانے کے لیے لایا تھا'' اس کی جھجکتی ہوئی آواز آئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مزید کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن کسی وجہ سے نہیں کہہ پا رہا تھا۔

''اس وقت یکایک اول خان کیوں یاد آ گیا تمہیں؟''

''ایسے ہی یاد آ گیا۔ تم اس پر شاید سب سے زیادہ بھروسا کرتے ہو...... کل مجھے اندازہ ہوا کہ اپنے رعب اور دبدبے کے باوجود وہ غریب آدمی ہے۔ میں......!''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا سارا خون اچھل کر یک

بیک میری کنپٹیوں میں آ گیا ہو۔ میں نے جہانگیر کا بین السطور مفہوم بھانپتے ہوئے طیش کے عالم میں غرا کر کہا ''بس......'' آگے ایک لفظ نہ کہنا۔ اسے غریب کہہ کر تم نے اس کی ایمانداری اور فرض شناسی کو گالی دی ہے۔ وہ اپنے ضمیر کا سودا کرنے والوں میں سے ہوتا تو آج کروڑوں میں کھیل رہا ہوتا۔ اس جیسے بے لوث لوگ اپنے لہو سے دن رات اس مٹی کی آبیاری کر رہے ہیں، جس پر تم شراب کے نشے میں دھت ہو کر گرتے ہو......اپنے گھٹیا مشورے اپنے پاس رکھو۔ تم اس پر شک کر رہے ہو جو میرا داہنا بازو بنا ہوا ہے۔ وہ بیس لاکھ تو کیا بیس ارب ڈالر میں بھی کسی کے سامنے میرا نام نہیں لے گا......''

اپنے بازو پر غزالہ کی نرم انگلیوں کا سخت دباؤ محسوس کر کے میں اچانک خاموش ہو گیا۔

میں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خوف و ہراس کے سائے منڈلا رہے تھے۔ داہنے ہاتھ سے میرا بازو تقریباً نوچتے ہوئے وہ بائیں ہاتھ سے مضطربانہ انداز میں سائیڈ ٹیبل پر رکھے فون کی طرف زوردار اشارے کر رہی تھی۔

میرے غصے کی لہر دم توڑ گئی۔ اس کی بات میری سمجھ میں آ گئی۔ اس وقت تک ہم ہوٹل میں ہر شک وشبہے سے محفوظ تھے۔ ہوٹل کے فون پر اس قسم کی کھلی گفتگو ہمارے حق میں بہت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

''مم...... مجھے کوئی شک نہیں ہے'' میری خاموشی سے فائدہ اٹھا کر جہانگیر نے اپنی صفائی پیش کرنا شروع کر دی ''میں جانتا ہوں کہ وہ ایماندار آدمی ہے...... بب......بس میرے دماغ میں ایک شیطانی وسوسہ آیا تھا۔ تمہارے بھلے کے لیے میں نے اسے کہہ ڈالا......''

''اب کہہ دیا'' میں نے اس کی قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''آئندہ اس بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو میں تمہاری زبان گدی سے باہر کھینچ لوں گا۔''

''میں کسی کے بارے میں بدگمانیاں نہیں پالتا۔ میری نیت پر شبہ مت کرو۔ میں نے جو کچھ کہا اس میں اول خان کی برائی سے زیادہ تمہاری خیر خواہی کا جذبہ کارفرما تھا'' میرے لہجے کی تندی محسوس کر کے وہ وضاحتوں پر اتر آیا۔

''اب اس موضوع کو ختم کر دو۔ میں ہوٹل کے فون پر ایسی گفتگو پسند نہیں کرتا'' میں نے ترش لہجے میں کہا۔

ان معاملات میں وہ کج فہم نہیں تھا۔ معاملے کی نزاکت فوری طور پر اس کے ذہن میں آ گئی۔ اس نے اسی لمحے بات بدل دی ''میں تمہیں اپنے دل کی ہر بات بتا دیتا ہوں۔ بیوی کی باتیں بھی نہیں چھپاتا لیکن تم کسی بات کی ہوا نہیں لگنے دیتے۔ تمہاری سفید پری کے کیا احوال ہیں؟ اس وقت تم ایک میان میں دو تلواریں لیے پھر رہے ہو۔''

''تم بھول رہے ہو، بڑے کہہ گئے ہیں کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔ بڑوں کے تجربوں سے انحراف کرنے والے ہمیشہ خسارے سے دوچار ہوتے ہیں۔''

''پتا نہیں تم اپنے کس کرتب کی وجہ سے اب تک خسارے سے بچے ہوئے ہو۔''

''کوٹا نہ ملنے کی وجہ سے تمہاری یادداشت پر برا اثر پڑ رہا ہے۔ وہ میرے ساتھ نہیں ہے۔ سلطان شاہ کے ساتھ اس کے گاؤں گئی ہوئی ہے۔''

''گاؤں میں رہنے کے اپنے ہی مزے ہوتے ہیں۔ کھیت، کھلیان، مویشی خانے اور کوٹھریاں...... جب جہاں جی چاہا، گھس گئے۔ کسی کو پتا نہیں چلتا ہوگا کہ کون کہاں ہے۔ تم سے کہا تھا کہ کچھ روز کے لیے مجھے بھی ان کے ساتھ بھیج دو لیکن تم اپنے آگے کس کی سنتے ہو!''

''تم یہ بھول گئے کہ کسی کو ان حرکتوں کی بھنک بھی مل جاتی ہے تو گردن پر سیدھی ایک تیز دھار کلہاڑی گرتی ہے اور آدمی پلک جھپکتے میں دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔''

''وہاں سفید پری کا کون والی وارث بیٹھا ہے جو کسی کی گردن مارے گا'' میری تادیب کے بعد اس نے ایک مرتبہ پھر دیبا کا نام نہیں لیا تھا۔ سفید پری کے نام سے اس کا ذکر کر کے ذہنی لذت کشید کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کلہاڑی بازی مرد کے رشتے دار بھی کر سکتے ہیں'' ذہنی دباؤ کے عالم میں اس سے آزادانہ گفتگو کر کے میں عجیب سا ہلکا پن محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اپنی طرف سے وہ سلسلہ ختم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

''عورت اور مرد کا خربوزے اور چھری والا حساب ہوتا ہے۔ پیش دستی کوئی بھی کرے، عزت عورت کی جاتی ہے اور غیرت کے نام پر اس کے وارث حرکت میں آتے ہیں۔''

''اس خوش فہمی کو اپنے ذہن سے نکال دو۔ سلطان شاہ کے گاؤں میں مرد کی عزت کو بھی برابری کا بلکہ زیادہ بڑا درجہ حاصل ہے۔''

''ہوگا، جب میں وہاں گیا ہی نہیں تو مجھے اس سے کیا لینا؟'' اس کی حسرت زدہ آواز آئی ''میں بہت غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عورت ہو تو ایسی ہو ورنہ زندگی بے کیف ہے۔''

''کیا تم اس کے علاوہ دنیا سے ہر عورت کا وجود مٹا دینا چاہتے ہو؟''

''وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ!'' اس نے مصرع پڑھا اور کہا ''یہ کون چاہے گا، میں تو اپنی عورت کی بات کر رہا تھا۔''

''مجھے حیرت ہے کہ تم اتنی دیر سے کسی ذہنی بیمار کی طرح عورتوں کا ذکر کیے جا رہے ہو اور ابھی تک سلمٰی نے تمہاری خبر نہیں لی۔ وہ کہاں ہے؟''

''منہ پھلائے باہر کہیں بیٹھی ہوگی۔ مجھے اس کے ہیروئن فروش عظمت ماموں یاد آ گئے تھے۔ ان کے کرتوتوں کے ذکر پر وہ ہمیشہ چراغ پا ہو جاتی ہے'' ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی۔ اپنی بیوی کی کمزوریوں کو اچھال کر اسے ہمیشہ کچھ تسکین سی ملتی تھی۔

''اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کے لیے دوسروں کی کمزوریوں کو اچھالنا گھٹیا پن کے زمرے میں آتا ہے۔ تمہاری یہ حرکتیں کسی دن تمہارا گھر برباد کرا دیں گی۔''

''وہ اب کون سا آباد ہے۔ دیکھ لو، وہ باہر بیٹھی تارے گن رہی ہوگی۔''

میں بے اختیار ہنس پڑا ''تمہیں کسی طرح چین نہیں ہے۔ اندر ہوتی ہے تو تمہیں ہر وقت اپنے سر پر سوار محسوس ہوتی ہے۔ باہر بیٹھی ہوئی ہے تب بھی جل بھن رہے ہو۔''

''اب میں فون پر تمہیں کیا سمجھاؤں...... آؤ گے تو کھل کر بات کروں گا'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''ہم دونوں یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ بیٹا ننھیال میں پل رہا ہے۔ پتا نہیں وہ سالے اس کی صحیح دیکھ بھال بھی کر رہے ہیں یا اسے اس کے حال پر چھوڑا ہوا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اب لاہور شفٹ ہو جاؤں۔ کراچی میں تمہارے سوا اب اپنا اور کون رہ گیا ہے۔ تم اپنے چکروں میں پڑے رہتے ہو۔ لاہور میں کم از کم میں اپنے بچے کی اپنے ہاتھوں سے پرورش تو کر سکوں گا۔''

''تم نے بہت اچھی بات سوچی ہے لیکن لاہور شفٹ ہونے سے پہلے شراب چھوڑ دو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں دیکھ کر تمہارا بیٹا بچپن سے بگڑنا شروع ہو جائے'' میں نے مخلصانہ مشورہ دیا۔

''اس کا حل میں نے سوچ لیا ہے۔ اس سے چھپ کر پیا کروں گا۔''

''لعنت ہے...... پینا بہت ضروری ہے، شاید اس کے بغیر تم مر جاؤ گے'' میں نے ذرا برہمی سے کہا ''تم اس سے بوتل اور گلاس چھپا سکتے ہو، اپنی حرکتیں نہیں چھپا سکتے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ زیادہ پی لینے کے بعد تم کیسی کیسی حرکتیں کرنے لگتے ہو؟''

''وہ سب ٹھیک ہو جائے گا'' اس کی طرف سے بے پروایانہ جواب آیا ''جب بیٹا دن رات سامنے رہے گا تو مجھے کچھ تو شرم آئے گی نا۔''

''یہ تمہاری بے شرمی اور ہٹ دھرمی ہے۔ لاہور میں بھی تمہاری یہ حرکتیں جاری رہیں تو پوری سسرال میں تم بدنام ہو جاؤ گے۔''

''ارے تو وہ سالے کون سے نیک نام ہیں۔ چودھری عظمت ماموں جیل میں سڑ رہے ہیں۔ یہاں رہ کر مجھے سلمٰی کو تھوڑے تھوڑے دنوں بعد یہ بات یاد دلانا پڑتی ہے۔ وہاں رہے گی تو سب اس کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ اس کی زبان درازی کو قدرتی تالا لگ جائے گا۔ زیادہ بولے گی تو میں اپنی زبان سے کچھ کہہ کر گناہ گار بننے کے بجائے اسے ماموں عظمت سے ملانے کے لیے لاہور جیل لے جاؤں گا۔ دو چار ہفتوں کے لیے گھر میں سکون ہو جایا کرے گا۔''

''کیا بات ہے، تمہاری پارسائی کی...... کاش! تم گناہوں سے اسی قدر دور ہوتے۔''

''بس میں دھوکا کھا گیا۔ شیطان کی خالہ سے شادی نہ کی ہوتی تو کم از کم اتنا گناہ گار نہ ہوتا۔ اللہ سے میری ایک ہی دعا ہے کہ مرنے کے بعد جنت میں کسی حور کے بھیس میں یہ میرے پلّے نہ پڑ جائے۔''

''اتنی خوش فہمی اچھی نہیں ہوتی'' میں نے کہا ''جنّتی لوگ اور ہی ہوتے ہیں۔''

''میں دنیا میں اتنی سزا کاٹ رہا ہوں، وہاں میرا نامۂ اعمال بہت ہلکا ہوگا۔''

''لاہور جانے سے پہلے سب پہلوؤں پر غور کر لو'' میں نے اسے تاکید کی ''ہو سکے تو میری واپسی تک تم دونوں یہیں رہتے رہو، میں آ کر تمہارا فیصلہ کروں گا۔''

''تم سے بات کر کے میرے دل کی بھڑاس نکل گئی ہے۔ دماغ ہلکا ہو گیا ہے۔ میں رکا رہوں گا'' اس بار جہانگیر کا لہجہ سعادت مندانہ تھا۔ ''میں خود بھی تمہارے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا۔''

''ویری گڈ......!'' میں نے اسے پچکارا ''میں جلد ہی لوٹنے کی کوشش کروں گا۔''

اس کے دل کا غبار ہلکا ہو گیا تھا۔ میں بھی خود کو تر و تازہ محسوس کر رہا تھا۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ ہم نے ساری گفتگو اردو میں کی تھی جسے سن کر بنکاک کا کوئی مقامی باشندہ کچھ نہیں

سمجھ سکتا تھا۔ دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ اس دوران میں جہانگیر نے ایک بار بھی میرا یا ویرا کا نام نہیں لیا تھا۔

''جہانگیر نے آپ کو یہاں کیسے تلاش کرلیا؟'' فون پر بات ختم ہونے کے بعد غزالہ نے حیرت سے سوال کیا ''اسے تو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ ہم دونوں پاکستان سے باہر جارہے ہیں۔''

''وہ اب بھی یہ سمجھ کر بات کررہا تھا کہ میں اسلام آباد کے کسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''یہ کیسے ممکن ہے......؟'' میرا جواب اس کے لیے مزید حیران کن ثابت ہوا۔

وضاحت پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی ''اچھا ہوا کہ اس سے بات ہوگئی'' وہ نکتہ غزالہ کو سمجھانے کے بعد میں نے کہا ''وہ بالکل تنہا رہ گیا ہے۔ اس کا کوئی قریبی ساتھی نہیں رہا جس سے وہ اپنے دل کی ہر بری بھلی بات کرسکے۔''

''یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ میں نے شروع سے اسے اسی قدر تنہا دیکھا ہے۔ بیوی کے سوا کوئی دوست، نہ غم گسار۔ گھر میں اکیلا پڑا شراب پیتا رہتا ہے۔ یہی اس کی زندگی اور تفریح بن کر رہ گئی ہے۔ ایسا آدمی رفتہ رفتہ اپنے گردوپیش سے بالکل الگ تھلگ ہوکر رہ جاتا ہے'' غزالہ نے چند فقروں میں جہانگیر کی پوری زندگی کا نقشہ کھینچ دیا۔

''ہم چار دوست ہوا کرتے تھے'' میں نے ماضی میں جھانکتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''سب پورے خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹا کرتے تھے۔ شی نے کسی زہریلے ناسور کی طرح ہم سب کو برباد کرکے رکھ دیا......''

''چاروں کے ساتھ خود کو شامل نہ کریں'' اس نے میری بات کاٹ کر اعتراض کیا۔ ''آپ کسی بھی طرح تنہا نہیں ہیں۔ کسی عام آدمی سے زیادہ بھرپور زندگی گزار رہے ہیں۔''

''طارق، نادر، جہانگیر اور میں......ہم چار آدمی یہاں ہیروئن کو لانے اور پھیلانے کے ذمے دار تھے۔ طارق کو ان لوگوں نے خود مروادیا۔ نادر نے حالات کے بے پناہ دباؤ سے خوف زدہ ہوکر خودکشی کرلی۔ جہانگیر کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ میں نے اپنے پچھلے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے شی کو تہس نہس کرنے کا بیڑا اٹھالیا۔ شاید اسی لیے میری زندگی کچھ ڈھنگ سے گزر رہی ہے۔''

''اس سے آپ کی بہت زیادہ بے تکلفی ہے۔ میاں بیوی کو ایسی ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو کوئی اور برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ ہنس کر آپ کی ہر بات سن لیتا ہے۔''

''اب اسے گھر جانے کا دورہ پڑا ہوا ہے۔ میں نے اسے وہیں روکنے کی کوشش کی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دو چار دن اور رُک جائے۔''

''آپ اس کے لاہور شفٹ ہونے کا ذکر بھی کررہے تھے؟'' غزالہ نے متجسس لہجے میں کہا۔

''وہ اونٹ کو پہاڑ تلے لے جانے کی کوشش کرنا چاہتا ہے۔'' میں نے بتایا۔

''کس اونٹ کا ذکر کررہے ہیں آپ؟'' اس نے پوچھا۔

''تمہیں یاد ہوگا کہ فریڈم انٹرنیشنل کے چکر میں سلمٰی کا ماموں ہیروئن کی اسمگلنگ کررہا تھا۔ اسے لمبی سزا ہوچکی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ سلمٰی اپنے میکے سے قریب رہے گی تو اسے عظمت ماموں ہر وقت یاد رہے گا۔ وہ جہانگیر کو طعنے دینا چھوڑ دے گی۔''

''اوہ! کس قدر تخریبی دماغ ہے اس کا...... بیوی کو ذہنی اذیت میں مبتلا کرنے کے لیے وہ لاہور میں آباد ہونے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔''

''خالی دماغ شیطان کا کارخانہ ہوتا ہے۔ گولڈن فارمیسی تباہ ہونے کے بعد اس کی سوچ میں بہت زیادہ تخریبی تبدیلیاں آئی ہیں۔ اس کے چکر چلتے رہیں گے، تم مجھے چائے پلاؤ۔''

میری گفتگو کے دوران میں روم سروس کا کوئی کارندہ چائے کی ٹرے لے آیا تھا جو غزالہ نے اس سے دروازے پر ہی لے لی تھی۔ میری اور جہانگیر کی باتوں میں دلچسپی لینے کی وجہ سے غزالہ اس ٹرے کو بھول گئی تھی۔ میری یاد دہانی پر اس نے فوراً چائے بنانا شروع کردی۔

میں دو بجنے میں پانچ منٹ پر کمرے سے نکل گیا۔ ہوٹل کی پُررونق لابی سے گزر کر میں ہوٹل سے باہر نکلا ہی تھا کہ چاؤ فان کی گاڑی میرے قریب آکر رک گئی۔

''ماسٹر! میں بالکل ٹھیک وقت پر پہنچا ہوں'' میرے سوار ہونے کے بعد اس نے اپنی گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے فخریہ لہجے میں کہا۔

''تمہیں انتظار کرنا پڑا نہ مجھے'' میں نے کہا ''ایسے کاموں میں وقت کی پابندی سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔''

''یہاں سے ہم سیدھے ایکسپریس وے پر چڑھیں گے۔ میرے چاروں آدمی راستے میں سرخ رنگ کی گاڑی میں انتظار کررہے ہوں گے۔ وہ ہمارے پیچھے ہولیں گے۔ میں نے بہت بڑے بڑے کام کیے ہیں لیکن آج تمہارے

ساتھ لوپ بوری جاتے ہوئے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میں کسی فلم کے لیے کام کر رہا ہوں۔‘‘

میں چپ رہا۔ اس کی وہ نادر خیال انگیزی میرے کسی تجربے کی محتاج نہیں تھی۔

جب اس نے مجھے دونوں گاڑیوں میں موجود ہتھیاروں وغیرہ کی تفصیلات بتائیں تو مجھے اندازہ ہوا کہ بنکاک کے چور بازاروں میں دوسرے درجے کے ہتھیاروں کا چلن نہیں تھا۔ بنکاک میں بڑا امریکی فوجی اڈا ہونے کی وجہ سے وہاں چوری کے امریکی ہتھیار مقبول تھے۔

فوج کسی اعلیٰ مقصد کے لیے منظم ہو تو وہ ایک بہت مضبوط اکائی ہوتی ہے، جس کا ہر رکن سوچے سمجھے بغیر اپنے بڑوں کے احکام بجالانے کا عادی ہوتا ہے۔ کسی بھی فوج کے سامنے سب سے بڑا مقصد اپنے ملک کی سرحدوں، فضاؤں اور ساحلوں کو دشمن کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔ اس مقصد سے انحراف کیا جاتا ہے تو جوانوں اور نچلے درجے کے افسروں میں ازخود ایک خودغرضانہ رجحان پنپنے لگتا ہے جس کے زیراثر وہ ذاتی مفادات اور تعیشات کے حصول کے لیے ہاتھ پیر مارنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ نفس پروری ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیتی ہے اور وہ جائز و ناجائز کی تمیز کیے بغیر خودساختہ اہداف پانے کی کوششوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

مجھے تھائی لینڈ میں مامور امریکی فوجی دستے اسی رجحان کا شکار نظر آرہے تھے۔ اس سے پہلے چاؤ فان نے چھوٹا راجن کے نائٹ کلبوں وغیرہ میں دھماکے کرانے کے لیے ایسے حسّاس اور بیش قیمت ٹائم بم حاصل کیے تھے جو اس خطے میں صرف امریکی فوجیوں کے زیرِ استعمال تھے۔ نئی مہم میں امریکی ساخت کے ہتھیاروں کی تفصیل بتا کر اس نے میرے اس شبہے کو تقویت دی تھی کہ اپنے وطن سے ہزاروں میل کی دوری پر مامور امریکی سپاہی مایوسی اور بددلی کا شکار ہو رہے تھے۔

امریکی فوج کے مقامی اسلحہ خانوں میں چوریاں ہو رہی تھیں۔ چوری اور گمشدگی کے بہانے سپاہی اپنے ہتھیار کوڑیوں کے مول مقامی خریداروں کو بیچ رہے تھے جو چور بازار کے ذریعے ان ہتھیاروں کو بھاری منافع پر مجرموں اور دہشت گردوں کے حوالے کر دیتے تھے۔

ہمارے ہوٹل میں ٹیلی وژن پر بی بی سی اور سی این این سمیت بہت سے چینل دستیاب تھے جو انگریزی میں دن رات عالمی خبریں سناتے اور دکھاتے رہتے تھے۔ ان میں اکثر تھائی لینڈ کے شمال مشرقی علاقے کا ذکر ہوتا تھا جہاں حکومت کی گرفت بہت کمزور تھی۔ اس محروم، بنجر اور افتادزدہ علاقے میں باغیوں کا کنٹرول تھا اور وہ عام طور پر امریکی ہتھیاروں سے لیس ہوتے تھے۔ سب جانتے تھے کہ ان تک وہ ہتھیار کیوں اور کیسے پہنچتے تھے لیکن ہر فریق مصلحتوں کا اسیر تھا۔ امریکی اپنے اسلحہ خانوں میں ہونے والی چوریوں کا اعتراف کرتے تھے نہ چور بازاری کرنے والے اس منافع بخش کاروبار سے دست بردار ہو سکتے تھے۔ سب کچھ برسوں سے اسی طرح ہوتا چلا آرہا تھا۔

تھائی لینڈ کے بارے میں اہم خبروں کے حصول کے متعدد ذرائع ہونے کے باوجود مجھے مقامی خبروں سے بھرپور اور بروقت واقفیت حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ سبب ایک ہی تھا کہ بنکاک میں نشر ہونے والے ہر تھائی چینل پر انگریزی میں خبروں کا دورانیہ بہت مختصر تھا جن پر گہری سرکاری چھاپ ہوتی تھی۔ ہر خبر کی تفصیل جاننے کے لیے اگلے دن کے اخبارات کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔

’’وہ رہی!‘‘ اچانک چاؤ فان نے سامنے اشارہ کیا اور مجھے اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں وہ سرخ کار نظر آگئی جو سنسان سڑک پر ایک کنارے سے کھڑی ہوئی تھی۔

’’اتنی رات گئے یہ فائدہ ہوتا ہے۔‘‘ چاؤ فان اپنی دھن میں کہہ رہا تھا ’’شہر کی سڑکیں جان لیوا ٹریفک سے خالی ہو جاتی ہیں۔ شہر کی ساری رونق ان ٹھکانوں میں سمٹ جاتی ہے جہاں شہر کی سیکس مافیا کا راج ہے۔ آدمی اپنے دیے ہوئے وقت پر کہیں بھی پہنچ سکتا ہے۔‘‘

’’میں دیکھ رہا ہوں کہ تم سڑکیں خالی ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو۔ اب تک تمہاری رفتار بہت تیز رہی ہے۔‘‘ میں نے کہا۔

’’ماسٹر! کیا فرق پڑتا ہے۔ ٹریفک پولیس کی چھٹی ہو چکی ہے اس وقت کون دیکھتا ہے۔‘‘

’’دیکھنا یا نہ دیکھنا الگ بات ہے تمہیں قانون کا احترام کرنا چاہیے!‘‘

وہ زور سے ہنس پڑا اور بولا ’’ماسٹر! یہ تم کہہ رہے ہو، مجھے بتاؤ کہ چھوٹا راجن کے مہمان کے پیچھے جانا کون سے قانون کی رو سے جائز ہے۔‘‘

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس گستاخ اور منہ پھٹ آدمی کے منہ نہ لگنے میں ہی عافیت تھی۔ وہ ایک بات میں سے چار باتیں نکالنے میں کمال کی مہارت رکھتا تھا۔

جیسے ہی ہماری گاڑی آگے نکلی، سرخ کار بھی تیزی سے

حرکت میں آ گئی۔ چاؤ فان نے پیچھے سے تین مرتبہ ڈپر کا اشارہ دے کر انہیں پہلے سے ہوشیار کر دیا تھا۔

میں نے چاؤ فان کو قانون کی بالادستی کا مشورہ دے کر نتیجہ دیکھ لیا تھا۔ میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ آئندہ اسے ایسی کوئی متنازعہ بات سمجھانے کی کوشش نہیں کروں گا جس کی زد میں میری ذات بھی آ رہی ہو۔

ایکسپریس وے پر پہنچنے تک گاڑی میں خاموشی رہی۔ چاؤ فان کی پوری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز تھی۔ میں نے سوچا کہ وہ جمود نہ توڑا گیا تو وہ طویل سفر میرے لیے سوہان روح بن جائے گا۔ میں نے اس سے پوچھا ''تمہارے آدمی واکی ٹاکی اپنے ساتھ لائے ہیں۔''

''بالکل لائے ہیں۔'' اس نے مستعدی سے جواب دیا ''تم نے خوب یاد دلایا۔ ابھی اسے چیک کرتا ہوں۔''

اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا سیاہ واکی ٹاکی نکالا۔ اس کا انٹینا کھینچ کر باہر نکالا اور پھر اپنی زبان میں کچھ بولنے لگا۔ اس کی بات پوری ہوئی تو دوسری طرف کی آواز سنائی دی۔

''سب ٹھیک ہے ماسٹر!'' اس نے خوش ہو کر مجھے مطلع کیا۔

''چاروں کو دیکھ لو۔'' میں نے کہا ''ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر کوئی ایک جواب دے جائے۔''

اس نے باری باری بقیہ تینوں سے بھی بات کر ڈالی۔ پانچوں واکی ٹاکی صحیح کام کر رہے تھے۔ اس نے اپنی جیب سے چھٹا واکی ٹاکی نکال کر مجھے دے دیا ''یہ رکھ لو۔ شاید تمہیں بھی اس کی ضرورت پڑ جائے۔''

بنکاک سے ایک ہی ایکسپریس وے شمال کی طرف نکلتی ہے جو ہوٹلوں کے گڑھ سے ہوتی ہوئی بنکاک کے جدید ترین ور سب سے مہنگے رہائشی علاقوں سے گزر کر جنگلوں اور میدانوں میں گم ہو جاتی ہے۔ وہ چاؤ فان کے ساتھ میرا پہلا مبا سفر تھا۔ وہ مجھے گرد و پیش کے علاقوں کے بارے میں بتاتا جا رہا تھا۔ میں ہوں ہاں کر کے اس کی بیشتر باتیں سنی اَن سنی کر رہا تھا۔

ایکسپریس وے کے دونوں طرف بنے ہوئے عالیشان کانات رات کے اندھیرے میں بھی دور سے دیکھے جا رہے تھے۔ شہر کے امرا اور رؤسا سے ٹیکس وصول کرنے والوں نے رض شناسی سے کام لیتے ہوئے اس علاقے میں بلکہ شاید رے شہر میں اسٹریٹ لائٹس کا ایسا جال بچھایا ہوا تھا کہ ندھیری رات میں بھی بے خوف و خطر ہو کر کہیں بھی نکلا جا سکتا تھا۔

''اس پروگرام کے بارے میں تم نے ڈان کو بتایا ہے؟'' کچھ دیر بعد میں نے اس سے پوچھا۔

''تم نے وقت ہی نہیں دیا۔'' اس نے عاجزانہ لہجے میں کہا ''بھاگ دوڑ کر کے میں نے بہت مشکل سے سارا انتظام کیا ہے...... اور میں ویسے بھی بلاوجہ ڈان سے بات نہیں کرتا۔ جب سے وہ اپنے پرانے دھندے چھوڑ کر گوشہ نشین ہوا ہے، خوں خوار اور چڑچڑا ہو گیا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر اسے غصہ آنے لگا ہے۔ اس نے مجھے تمہارے حوالے کیا ہے۔ تم میرے ماسٹر ہو میں تمہیں ہر بات بتا کر اپنی ذمے داری پوری کر لیتا ہوں۔''

''تم کو ڈان سے شکایتیں ہیں؟'' میں نے چبھتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''ماسٹر! یہ کیا کہہ رہے ہو!'' وہ یکایک بوکھلا گیا ''ڈان گریٹ آدمی ہے۔ اس سے کسی کو کوئی شکایت نہیں ہے سب دل و جان سے اس کی عزت کرتے ہیں۔ وہ غصے میں آ کر کسی کو کچھ بھی کہہ لے سب سر جھکا کر باتیں سن لیتے ہیں، کوئی دم نہیں مارتا۔''

''یہ اہم فیصلہ تھا، اسے اس کی خبر ہونا چاہیے تھی!'' میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

''ڈان ان چکروں میں نہیں پڑتا۔ تم کیا کر رہے ہو۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہو گی، تم آسمان میں شگاف ڈالنے چل دو تب بھی اسے کوئی پروا نہیں ہو گی۔ وہ نتیجے پر نظر رکھتا ہے۔ مہمان کو پکڑ کر تم نے راجن کو جھکنے پر مجبور کر دیا تو ڈان بہت خوش ہو گا۔''

''آج تم بہت بے فکری سے بار بار ڈان کا نام لے رہے ہو!''

''ماسٹر! وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ ہم گاڑی میں سفر کر رہے ہیں۔ یہاں کوئی تیسرا وجود نہیں ہے۔ میں نے تم سے یہی کہا تھا کہ ڈان کا نام کسی اور کے کانوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔''

ایکسپریس وے کے دونوں اطراف میں گنجان آبادی کے آثار تیزی کے ساتھ معدوم ہوتے جا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد نو آباد علاقوں کے اِکّا دُکّا مکان بھی پیچھے رہ گئے اور ہماری گاڑی بنکاک کے مضافاتی ویرانے میں سفر طے کرنے لگی۔

اسٹریٹ لائٹس کا سلسلہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ ایکسپریس وے کی کشادہ اور ہموار سڑک گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دور تک چمک رہی تھی۔

گفتگو کا سلسلہ برقرار رکھنے کے لیے میں نے لوپ بوری کا ذکر نکال لیا۔ وہاں پہنچنے سے پہلے میں اس قصبے کے گردوپیش کے بارے میں کچھ جاننا ضروری محسوس کررہا تھا۔

سڑک پر ملک کے شمالی علاقوں کی طرف مال ورسد لے جانے والی بھاری ٹرکوں، ٹینکروں اور ٹریلروں کا کافی ٹریفک رواں تھا۔ چاؤ فان گاڑی بہت تیز مگر قرینے سے چلا رہا تھا۔ ہم عجیب وغریب ناموں والی کئی چھوٹی چھوٹی بستیوں کے قریب سے ہوتے ہوئے تین بجے کے قریب ایکسپریس وے سے نیچے اتر گئے۔ چاؤ فان نے روشن ڈیش بورڈ پر ایک نگاہ ڈالنے کے بعد مجھے بتایا کہ اس وقت تک ہم ہلٹن ہوٹل سے ایک سو تیس کلو میٹر دور آچکے تھے۔

ایکسپریس وے کے خاتمے کے بعد بھی سڑک ہموار تھی۔ ان لوگوں نے اپنے ملک میں آنے والے سیاحوں کی سہولت کے لیے نقل وحمل کے جملہ ذرائع کی تعمیر پر کافی توجہ دی تھی یہی وجہ تھی کہ سیاحت سے ہونے والی آمدنی دن بدن بڑھ رہی تھی۔

آخر کار ہم لوپ بوری پہنچ گئے۔ قصبے کی حدود کے آغاز پر انگریزی اور مقامی زبان میں اس کے نام کی تختی آنے والوں کی رہنمائی کررہی تھی۔

وہ کوئی بڑی آبادی نہیں تھی۔ آبادی سے ملے ہوئے کھیتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ زرعی علاقہ تھا۔ پورے شہر بلکہ قصبے پر ایک خوابناک خاموشی کا راج تھا۔ سڑکیں ویران پڑی ہوئی تھیں۔ میری ہدایت پر چاؤ فان نے گاڑی کا ائرکنڈیشنر بند کردیا اور میں نے کھڑکی کا شیشہ اتار دیا۔

چاؤ فان نے ایک رائفل میری سیٹ کے نیچے رکھی ہوئی تھی۔ میں نے امریکی ساخت کی وہ وزنی رائفل ہاتھ میں لے کر اس کا میگزین وغیرہ چیک کیا اور اسے دوبارہ سیٹ کے نیچے رکھ دیا۔

''ماسٹر! سب تیار ہے۔'' چاؤ فان نے تبصرہ کیا ''گھوڑا دباتے ہی آگ برسنا شروع ہو جائے گی۔''

''یہاں بہت سناٹا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قصبے کے آوارہ کتے بھی سو گئے ہیں۔''

''پورے تھائی لینڈ میں اب آوارہ کتے بہت کم رہ گئے ہیں۔'' وہ بولا۔

''کیا لوگوں نے سب کتوں کو پالنا شروع کردیا ہے؟''

''نہیں ماسٹر! یہ قحط اور بربادی کی ایک المناک کہانی ہے۔''

''کتوں کے قحط کو تم المناک کہانی کہہ رہے ہو۔ یہ تو اچھی بات ہے۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ماسٹر! یہاں زبردست قحط پڑا تھا۔ انسانوں کے کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ لوگ گھاس اور تنکے تک چن چن کر کھا گئے تھے۔ پھر کتوں کی باری آگئی۔ لوگ انہیں بھی کاٹ کر کھانے لگے۔ سنا ہے کہ بعض علاقوں میں کتے انسانوں سے ڈرنے لگے تھے ان کے پاس نہیں پھٹکتے تھے۔ بس اسی زمانے سے پورے ملک میں کتے کم ہیں۔''

''کوریا کے بارے میں، میں نے ایسی کہانی سنی تھی تم نئی بات بتا رہے ہو۔''

''ماسٹر! قدرتی آفتیں اسی طرح آتی ہیں۔ ایک علاقہ متاثر ہوتا ہے تو دور دراز کے علاقے بھی محفوظ نہیں رہتے۔ مجھے کوریا والوں کے مصائب کا علم نہیں ہے میں نے اپنے لوگوں کے دکھوں کی بہت کہانیاں سنی ہوئی ہیں۔''

چند منٹ بعد چاؤ فان نے ایک موڑ پر گاڑی روک دی اور ونڈ شیلڈ کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا ''وہ سامنے ریسٹ ہاؤس کی عمارت نظر آرہی ہے ہمیں اس میں گھسنا ہوگا۔''

باہر ایک کھمبے پر لگی ہوئی روشنی میں قدیم طرز کا وہ ایک منزلہ ریسٹ ہاؤس بظاہر ویران نظر آرہا تھا۔ جوں ہی میری نظر اس کے پورچ میں کھڑی ہوئی سفید لینڈ کروزر پر پڑی، میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

آثار بتا رہے تھے کہ سوبھراج اپنے انجام سے بے خبر اسی ریسٹ ہاؤس کے کسی کمرے میں پڑا، بے خبر سو رہا تھا۔ ہماری وہ لمبی دوڑ رائیگاں نہیں گئی تھی۔ لینڈ کروزر کی موجودگی نے یہ نظریہ مسترد کردیا تھا کہ سوبھراج لوپ بوری میں مختصر قیام کے بعد کہیں آگے نکل گیا ہوگا۔

''گاڑی میں ریسٹ ہاؤس کا ایک چکر نہ لگالیا جائے۔'' میں نے پرخیال انداز میں چاؤ فان سے کہا ''کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس کے محل وقوع کا اندازہ لگالینا چاہیے۔''

''چکر لگانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''یہ جگہ میری دیکھی ہوئی ہے، آبادی سے بالکل ہٹ کر بنائی گئی ہے۔ پیچھے کھیت پھیلے ہوئے ہیں! ادھر گاڑی نہیں جاسکتی۔''

مسئلہ الجھا ہوا تھا۔ لینڈ کروزر کی موجودگی بتا رہی تھی کہ سوبھراج ڈرائیور کے ساتھ وہیں موجود تھا۔ وہ امریکی فوجیوں کی آمد پر موتی محل سے ہنگامی انداز میں فرار ہوا تھا لیکن یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ دونوں نہتے رہے ہوں گے۔

ہم باہر سے اچانک ریسٹ ہاؤس پر حملہ آور ہوتے تو وہ دونوں اندر محصور ہو کر اپنے ہتھیاروں کے بل پر مزاحمت کا

آغاز کردیتے اور ایک ایسے مقابلے کا آغاز ہو جاتا جس کا انجام مجھے اچھا نظر نہیں آرہا تھا۔

سوبھراج اپنے دشمنوں سے چھپتا پھر رہا تھا اور ہم قانون کی نظروں سے چھپ کر اس کے پیچھے آئے تھے۔ ہم کسی طویل مقابلے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ چاؤ فان اس وقت تک اسی غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ ہم راجن کے مہمان کو اغوا کرنے کے لیے آئے ہیں جب کہ میرا منصوبہ مختلف تھا۔ میں بہت تیزی کے ساتھ اس موذی کو جہنم واصل کر کے وہاں سے واپس لوٹ جانا چاہتا تھا۔

دونوں طرف سے مقابلہ شروع ہو جاتا تو ذرا سی دیر میں قصبے کی پولیس اس طرف متوجہ ہو سکتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے ایک منزلہ مکانات پر مشتمل آبادی کی کھلی فضا میں دھواں دھار فائرنگ کا شور ذرا سی دیر میں بھونچال پیدا کر دیتا۔ پولیس اور مقامی آبادی کے ادھر متوجہ ہو جانے کی صورت میں ہم لوگ زیادہ دیر تک نہیں ٹک سکتے تھے۔ ہمیں اپنا مشن ادھورا چھوڑ کر پسپائی کی راہ اختیار کرنا پڑ جاتی۔

مقابلہ ختم ہونے کے بعد سوبھراج ڈاکوؤں وغیرہ کے حملے کی کوئی بھی مفروضہ کہانی سنا کر پولیس والوں سے گلو خلاصی حاصل کر سکتا تھا۔ وہ ریسٹ ہاؤس میں مقیم تھا۔ اسے ہم پر ایک واضح برتری حاصل تھی۔ بعد کے معاملات راجن سنبھال لیتا اور سوبھراج صاف بچ جاتا۔

اس وقت صرف چاؤ فان میرا مشیر تھا۔ وہ اتنا احمق تھا کہ ریسٹ ہاؤس کے سامنے گاڑی روکتے ہی دھاوا بولنے کے موڈ میں آگیا تھا۔ میں نے اس سے ایسی کسی کارروائی کے نشیب و فراز پر گفتگو کی تو وہ بھی فکرمند ہو گیا۔ اس کے پاس مسئلے کا کوئی متبادل حل موجود نہیں تھا۔

اس دوران میں میرے ذہن میں ایک اور ترکیب نے سر ابھارا۔ وہ ریسٹ ہاؤس اپنی وسعت کے اعتبار سے بہت کشادہ اور کئی کمروں پر مشتمل نظر آرہا تھا۔ چاؤ فان کے چاروں آدمیوں کو ریسٹ ہاؤس کے گرد پھیلانے کے بعد ہم دونوں بھٹکے ہوئے سیاحوں کا روپ دھار کر ریسٹ ہاؤس میں کوئی کمرا حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ اس کوشش کے نتیجے میں ہمیں وہاں پیر جمانے کا موقع مل جاتا تو اندر سے ہم سوبھراج کے خلاف زیادہ موثر کارروائی کر سکتے تھے۔ سوبھراج خطرہ بھانپ کر کسی سمت سے فرار ہونے کی کوشش کرتا تو باہر چاؤ فان کے چار مسلح ساتھی اس کے استقبال کے لیے موجود ہوتے۔

وہ راہ اختیار کرنے میں مجھے ایک بڑا خطرہ نظر آرہا

تھا۔ سوبھراج بنکاک سے بھاگنے کے بعد کتنا ہی مطمئن کیوں نہ ہوگیا ہو وہ خطرے کے امکان کو نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔ ہم کمرا حاصل کرنے کے لیے ریسٹ ہاؤس کے رکھوالے سے بات کررہے ہوتے اور باہر کی سن گن پاکر سوبھراج اپنے کمرے سے اچانک باہر نکل آتا تو لمحہ بھر میں بازی خراب ہوسکتی تھی۔

کراچی کے پارک ٹاور میں سوبھراج سے اپنی روبہ رو پہلی اور آخری ملاقات کے بعد میں نے شیو بنانا ترک کردیا تھا کہ چہرے پر کچھ داڑھی نمودار ہوجائے۔ بال ترشوالیے تھے ان کوششوں کا مطلب صرف یہ تھا کہ مجھے پہلی نظر میں نہ پہچانا جاسکے۔

پارک ٹاور کے فوڈ کورٹ میں سوبھراج سے میری ملاقات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ ہفتے عشرے میں میری وہ تبدیلیاں زیادہ کارگر نہیں ہوئی تھیں۔ قامت و جسامت اپنی جگہ برقرار تھی۔ مجھے دیکھ کر سوبھراج جیسا گھاگ آدمی دھوکا نہیں کھا سکتا تھا۔ دوسری بار اس سے سامنا ہوجاتا تو وہ پہلی نظر میں مجھے پہچان لیتا۔ وہ ایک ہولناک خطرہ تھا جو مول نہیں لیا جاسکتا تھا۔

''ماسٹر! کس گہری سوچ میں پڑ گئے؟'' مجھے خاموش پاکر چاؤفان نے ٹوکا۔ ''ہم پیاسے ہیں کنویں پر آگئے ہیں یہ بتاؤ کہ اندر سے پانی کیسے نکالا جائے۔''

''یہ صرف میرا کام نہیں ہے۔ ذرا تم بھی اپنے ذہن پر زور دو۔'' میں نے بے رخی سے کہا۔

''ماسٹر! تم بہت اچھا سوچتے ہو میں شروع سے تمہاری عقل مندی کا قائل ہوں تم ہی کوئی راہ نکالو۔ مجھ سے جو کہو گے، کر گزروں گا۔''

یکایک میرے ذہن میں امید کی ایک کرن نمودار ہوئی اور میں نے قدرے پرجوش انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''میں ریسٹ ہاؤس کے سامنے رہتا ہوں۔ تین آدمیوں کو پیچھے، کھیتوں کی طرف بھیج دو۔ تم چوتھے آدمی کے ساتھ اپنی گاڑی میں ریسٹ ہاؤس پر چلے جاؤ اور باقی رات گزارنے کے لیے ایک کمرا حاصل کرنے کی کوشش کرو۔''

''وہ یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ دو نامعلوم اجنبی اس چھت کے نیچے اس کے ساتھ رات بسر کریں۔'' وہ مایوسی سے بولا ''ویسے بھی یہاں رات کو رکنے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ سورج ڈھلنے کے بعد ریسٹ ہاؤس میں تالا پڑ جاتا ہے۔''

''لینڈ کروزر وہاں کھڑی ہوئی ہے۔ وہ شب بسری کرسکتا ہے تو دو بھٹکے ہوئے سیاحوں کو جگہ کیوں نہیں مل سکتی؟''

''ہوسکتا ہے کہ چھوٹا راجن نے اس کے لیے خاص بندوبست کرادیا ہو یا اس کے ڈرائیور نے رکھوالے کو کوئی دھونس دی ہو۔ اس کے آدمی بھی کم بدمعاش نہیں ہیں۔''

''تمہاری ابھی سے جان نکلی جارہی ہے۔ وہاں جاکر کیا کرو گے؟'' میں نے غصے سے کہا ''زیادہ سے زیادہ انکار ہوجائے گا۔ تم لوٹ آنا۔''

''تم میرے ساتھ کیوں نہیں چلتے؟'' اس نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا۔

''میں غیر ملکی ہوں۔'' میرے ذہن میں پہلے سے جواب تیار تھا ''وہ مجھے کسی قیمت پر اندر نہیں گھسنے دے گا۔ ہوسکتا ہے کہ راجن کے مہمان کو دو مقامیوں پر ترس آجائے۔''

''ماسٹر! یہ افریقا کا کوئی دور دراز صحرا نہیں ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ دوسروں کی نیند خراب کرنے کے بجائے گھنٹا بھر اور گاڑی چلالیتے تو بنکاک میں عیش کرتے۔''

''اس کے سوالوں کا انحصار تمہاری حماقتوں پر ہوگا۔'' میں نے مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا ''بنکاک جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم وہاں سے آئے ہو۔ لوپ بوری کے آثار دیکھ کر صبح آگے جانا چاہتے ہو۔ اپنے ذہن میں پہلے سے تیاری کرکے جاؤ گے تو زیادہ سوال جواب کی نوبت نہیں آئے گی۔ کمرا مل جائے گا یا وہ تمہیں بھگا دے گا۔''

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو! میں سائے کی طرح تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔''

''میں مقامی زبان نہیں جانتا۔ ریسٹ ہاؤس کے چوکیدار یا راجن کے ڈرائیور سے کیسے بات کروں گا؟'' میرے لیے اسے سمجھانا دشوار ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے میری کہی ہوئی بات یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔

''ان دونوں سے میں نمٹ لوں گا۔'' اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کے کہا ''چھوٹا راجن کا مہمان اندر سے نکل آئے تو اسے تم سنبھال لینا۔''

آخرکار اس نے اپنے اسی بدترین اندیشے کا اظہار کردیا جو کافی دیر سے میرے ذہن میں بچھو کے ڈنک کی طرح مسلسل چبھ رہا تھا۔

''ہم اسی کے چکر میں یہاں آئے ہیں۔ وہ سامنے آیا تو قصہ وہیں ختم ہوجائے گا۔ اس سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس اس کے سینے میں گولی اتار دینا۔''

''لیکن ماسٹر! میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ میں اسے کیسے پہچانوں گا؟''

میں پھاڑ کھانے والے انداز میں اسے گھورنے

لگا۔ ایک ایک کر کے سارے سوال حیلوں بہانوں کی صورت میں اس کے ذہن میں اترتے چلے آرہے تھے۔ وہ کمزور تھا نہ بزدل، پتا نہیں اس کے ذہن میں کیا بات اٹک کر رہ گئی تھی کہ وہ مجھے اپنے ساتھ ریسٹ ہاؤس لے جانے پر تلا ہوا تھا۔

سوئے ہوئے لوپ بوری کی اس سنسان سڑک پر روشنی ناکافی تھی۔ چاؤ فان میرے چہرے کے تاثرات پوری طرح نہیں دیکھ سکا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ بولا ''تمہارے لیے وہ اجنبی ہے تم بھی اسے نہیں پہچان سکو گے۔''

''تم نہ جانے کے بہانے تلاش کر رہے ہو۔'' میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا ''تم میں سے کسی کو ادھر جانے کی ضرورت نہیں۔ سیٹ چھوڑو۔ میں اکیلا وہاں جارہا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ وہاں کیا قیامت نازل ہوتی ہے۔''

''ماسٹر! تم ناراض ہوگئے...... میں جانے کے لیے تیار ہوں۔ ذرا تم سے سمجھ رہا ہوں کہ وہاں کیا ہو تو مجھے کیا کرنا چاہیے۔ بس مجھے اس کی پہچان بتا دو پھر دیکھو کہ اس کے سامنے آتے ہی کیا ہوتا ہے۔ چاؤ فان کے ہاتھوں میں فولاد بھرا ہوا ہے۔ میں نے آج تک جس کے نرخرے پر ہاتھ رکھا اسے موت کی نیند سلا کر ہاتھ اٹھایا ہے۔''

''چوکیدار اور ڈرائیور......'' میں نے آہستہ آواز میں کہنا شروع کیا ''دونوں مقامی ہوں گے۔ مجھے شبہ ہے کہ راجن کا مہمان غیر ملکی ہے۔ راجن اسے اہمیت دے رہا ہے۔ وہ اپنی اکڑفوں سے الگ پہچانا جائے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ یہ ذرا ذرا سی باتیں تمہاری عقل میں نہیں آرہیں۔''

''اب آگئیں!'' وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر یکایک نیچے اتر گیا۔ میں بھی رائفل اٹھا کر گاڑی سے باہر آگیا۔ چاؤ فان کے ساتھیوں کی سرخ کار کچھ دور رکی ہوئی تھی۔ اس کی روشنیاں گل کر دی گئی تھیں۔ باہر کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید وہ چاروں گاڑی میں بیٹھے چاؤ فان کی طرف سے کوئی ہدایت ملنے کا انتظار کر رہے تھے۔

چاؤ فان نے نیچے اترتے ہی واکی ٹاکی پر اپنی زبان میں کچھ کہا۔ پیچھے کھڑی ہوئی سرخ کار نے چار انسانی سائے سڑک پر اگل دیے۔ وہ تیسرے درجے کے بدمعاش تھے۔ فاصلہ حائل ہونے کے باوجود میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ... سورماؤں کی طرح اپنی رائفلیں تان کر گاڑی سے اترے تھے۔

''ان گدھوں سے کہو کہ اپنی رائفلیں چھپا کر آگے آئیں۔'' میں نے بدمزگی سے کہا ''یہ فلم کی شوٹنگ نہیں ہے ہم ایک خطرناک مشن پر آئے ہوئے ہیں۔''

دعوا

جہاں آراء بیگم نے ہمدردانہ لہجے میں اپنی پڑوسن کلثوم سے پوچھا ''اے بہن! تم نے وحید سے اپنی بیٹی کی منگنی کیوں توڑ دی؟''

''کیا بتاؤں بہن! ہمارے ساتھ تو بڑا دھوکا ہوا......!'' کلثوم بیگم نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا ''لڑکے نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ گردوں، پھیپڑوں اور جگر کا اسپیشلسٹ ہے۔''

''اوہ......! یہ تو اس نے واقعی بڑا جھوٹ بولا۔'' جہاں آراء بیگم نے تاسف سے سر ہلایا ''کوئی بھی ڈاکٹر تینوں چیزوں کا ایک ساتھ تو اسپیشلسٹ نہیں ہوسکتا۔ وہ ان میں سے صرف کسی ایک چیز کا اسپیشلسٹ ہوگا؟''

''ارے بہن! ایسا ہوتا تب بھی غنیمت تھا...... ہم ہرگز منگنی نہ توڑتے۔ ہمیں تو بہت دیر میں پتا چلا کہ کم بخت مارا قصائی کی دکان پہ نوکر تھا......!'' کلثوم بیگم نے رو دینے والی آواز میں بتایا۔

چاؤ فان نے واکی ٹاکی پر غصیلے انداز میں کچھ کہا۔ چاروں رائفلیں انسانی ہیولوں میں مدغم ہوگئیں۔

وہ چاروں تیزی سے ہماری طرف آرہے تھے۔ انہوں نے اپنی گاڑی وہیں چھوڑ دی تھی۔ شاید اس نے انہیں یہی ہدایت دی تھی۔

''انہیں بتا دینا کہ جب تک تم حکم نہ دو، تمہارے آدمی براہِ راست کسی پر گولی نہیں چلائیں گے۔'' میں نے تیزی سے چاؤ فان کو سمجھانا شروع کیا ''گڑبڑ شروع ہو جائے تو دشمن کو خوف زدہ کرنے کے لیے دھواں دھار ہوائی فائرنگ شروع کردیں۔ ایک تمہارے ساتھ جائے گا۔ میں سامنے رہوں گا۔ بقیہ تینوں ریسٹ ہاؤس کی تینوں سمتوں میں بٹ جائیں گے۔ یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہم بدحواسی میں ایک دوسرے کو اپنا نشانہ نہ بنالیں۔''

وہ چاروں آدھی آستین کی پھول دار قمیص اور پتلون پہنے ہوئے تھے۔ ان کے کپڑوں کے رنگ مختلف نہ ہوتے تو یہ محسوس ہوتا جیسے وہ یونیفارم پہن کر آئے ہوں۔

ان کے سر کے بال بڑھے ہوئے تھے، چہرے وحشت ناک نظر آرہے تھے۔ تین متوسط قامت اور گٹھے ہوئے جسموں

کے مالک تھے۔ ان میں سے ایک کے بالائی لب پر گھنی مونچھوں کا سایہ تھا' چوتھا دراز قامت اور قدرے سبک اندام تھا۔

ان چاروں پر ایک نظر ڈال کر میں پلٹا ہی تھا کہ چاؤ فان بول پڑا" ماسٹر! تم کہاں جارہے ہو۔"

"کسی مناسب جگہ کی تلاش میں جارہا ہوں۔" میں نے نرمی سے جواب دیا" تم پانچوں کی باتیں میرے لیے ناقابل فہم ہوں گی میرا یہاں رکنا بے سود ہے۔"

سڑک کی طرح ریسٹ ہاؤس کی کھڑکیاں بھی تاریک پڑی ہوئی تھیں۔ یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ سب کچھ نارمل ہونے کے باوجود ریسٹ ہاؤس کی کسی تاریک کھڑکی سے کوئی باہر جھانک رہا ہو۔ میں نے رائفل دونوں ہاتھوں پر سہار کر آگے دوڑ لگادی۔

اس وقت اچانک میرے ذہن میں خیال آیا تھا کہ دور سے تماشا دیکھنے کے بجائے میں چاؤ فان کی گاڑی پہنچنے سے پہلے ریسٹ ہاؤس کے قریب کوئی اوٹ لے سکوں تو سب کچھ قریب سے دیکھ اور سن سکوں گا۔

چاؤ فان کی ہلکی مگر پُرجوش آواز میرے کانوں میں آرہی تھی۔ وہ میری ہدایات اپنے آدمیوں تک پہنچانے میں مصروف ہوگیا تھا۔

ریسٹ ہاؤس کے باہر لگے ہوئے اکلوتے لیمپ پوسٹ کی روشنی کی زد میں آنے سے پہلے تک میں درختوں کے سائے میں سڑک پر دوڑتا رہا پھر میں نے دوڑنے کا سلسلہ ترک کردیا۔ لمحہ بھر کے لیے رک کر رائفل اپنے شانے سے لٹکا کر اسے پہلو اور بازو کے درمیان چھپایا اور دوبارہ آگے چل دیا۔

ریسٹ ہاؤس کے سامنے رک کر میں نے لینڈ کروزر اور اس کے آس پاس کی جگہ کا جائزہ لیا۔ اس وقت مجھے چاؤ فان کے تینوں آدمیوں کے ہیولے دوڑ کر سڑک پار کرتے ہوئے نظر آئے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ تینوں سڑک سے اتر کر آس پاس پھیلے ہوئے کھیتوں میں غائب ہوگئے۔

میں نے محض احتیاط کے طور پر دائیں بائیں نظریں دوڑائیں۔ سڑک بدستور ویران پڑی تھی۔ شاید قصبے میں شبینہ جرائم نہ ہونے کی وجہ سے رات کے گشت پر مامور سپاہی بھی اپنے گھروں یا دفتروں میں پڑے گہری نیند سو رہے تھے۔ اس وقت تک گہرے سکوت میں چاؤ فان کی گاڑی کا انجن دوبارہ بیدار ہونے کا کوئی ارتعاش نہیں سنائی دیا تھا۔ میں نے ٹہلنے کے انداز میں سڑک عبور کی اور پھر ریسٹ ہاؤس کے پورچ میں خودرو جھاڑیوں کے ایک جھنڈ کی طرف ہولیا جس پر کوئی پھول دار جنگلی بیل لپٹی ہوئی تھی۔ جھاڑی اتنی پھیلی ہوئی تھی کہ میں اس کی اوٹ میں آسانی سے چھپ گیا۔ شاخوں' پتوں اور پھولوں کی درمیانی جگہوں سے مجھے ریسٹ ہاؤس کا بیشتر حصہ صاف نظر آرہا تھا

کچی زمین پر صحیح پوزیشن لینے کے بعد میں نے اپنے شانے سے خودکار امریکی رائفل اتاری تو میرے ذہن میں صرف ایک ہی خوف جاگزیں تھا کہ اس کچے میدان میں کہیں سے کوئی زہریلا کیڑا وغیرہ میری طرف نہ نکل آئے۔

چاؤ فان نے کچھ وقفے کے بعد اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرلیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو اتنی مہلت دے دی تھی کہ وہ ریسٹ ہاؤس کے گرد مناسب جگہیں سنبھال لیں۔

کالی اکارڈ ریسٹ ہاؤس سے زیادہ دور نہیں تھی۔ چند ثانیوں بعد اس کی روشنی کی تیز چادر ہر طرف پھیل گئی اور پھر اکارڈ اس خوب صورت ریسٹ ہاؤس کے سامنے لینڈ کروزر کے برابر میں رک گئی۔ سوبھراج کی لینڈ کروزر کی وجہ سے چاؤ فان اپنی گاڑی سمیت میری نظروں سے اوجھل تھا۔

گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سے مجھے چاؤ فان کے گاڑی سے اترنے کا اندازہ ہوا پھر قدرے سکوت کے بعد ریسٹ ہاؤس کے پختہ برآمدے پر قدموں کی چاپ سنائی دی اور چاؤ فان لینڈ کروزر کے عقب سے طلوع ہوکر میری نظروں کے سامنے آگیا۔

اس نے ریسٹ ہاؤس کے بند داخلی دروازے کے سامنے رک کر محتاط انداز میں چاروں طرف دیکھا اور دروازے پر دستک دینے لگا۔

"کون ہے؟" اندر سے ایک غراتی ہوئی' غضب آلود آواز خاموش ہواؤں کے دوش پر ابھری اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

کھمبے پر لگے ہوئے اکلوتے بلب سے برآمدے میں پڑنے والی روشنی میں' میں نے دیکھا کہ وہ آواز سن کر چاؤ فان سراسیمگی میں مبتلا ہوگیا تھا۔

کسی بھی لمحے داخلی دروازہ کھلنے کی امید پر میں نے اپنی رائفل سیدھی کرکے اس کی نال خودرو جھاڑیوں کی ایک مضبوط ٹہنی پر ٹکالی۔ اس کا رخ برآمدے میں کھڑے ہوئے چاؤ فان کی طرف تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کردیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کردیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کردیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کردیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ نونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بنل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پاکر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھادیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بنل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کررہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کرلیا تھا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہوگیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوب رو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کرلی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہوچکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہوگئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آگیا۔ اسی وقت سنیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہوگیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آگیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کردیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کرلی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آچکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آگیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہوگیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کرڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچادوں۔ میں رضامند ہوگیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہوگئی۔ میں اس سے ڈبل کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کرسکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہوگیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آگئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کردیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کرسکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کررہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کرلی تھی۔ دوسری طرف سوبھراج کے گرگے جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ جہانگیر زیادہ دیر ان کی قید میں نہیں رہ سکا اور ایس ٹی ایف کی مدد سے ہم نے بہت جلد اسے بازیاب کرالیا۔ اسی اثنا میں میری ملاقات سوبھراج سے ہوئی اور اس نے بتایا کہ گرین کوبرا فائل اس کے قبضے میں تھی اور وہ اسے اپنے تحفظ کی ضمانت قرار دے رہا تھا۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پرپرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکرا تارہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوادی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا ساماں پیدا کردیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز یکے بعد دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر ٹام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور ٹام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش وخروش ٹھنڈا کردیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کردی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کوبرا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تمائی

لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کر رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلا توقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ٹاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے مخدوش ہو گیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کر لی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کر سکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے نام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کر لی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے تھے۔ ان حالات میں جلال اور اول خان دونوں نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ حیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہوئی۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کرلیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آرہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ وہاں ایک ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میری ہدایت پہ چاؤ فان نے ریسٹ ہاؤس کے دروازے پر دستک دی اور اندر سے سوبھراج کی غراتی ہوئی آواز سن کر میرا دوران خون یک بہ یک تیز ہو گیا۔

اب آپ قسط نمبر 247 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

میں نے اس ملک میں اپنے چند روزہ قیام اور سیر و تفریح کے دوران ایک بات بہت شدت کے ساتھ محسوس کی تھی کہ تھائی لینڈ کے حکمراں بنکاک کے بے ہنگم بلکہ موذی ٹریفک پر قابو پانے میں بری طرح ناکام ہونے کے باوجود اپنے ملک کو غیر ملکی سیاحوں کی جنت میں تبدیل کرنے میں بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔

سڑکیں کشادہ اور ہموار تھیں۔ روشنی، فون اور دوسری بنیادی سہولیات کا ہر جگہ بندوبست موجود تھا۔ بڑے ہوٹلوں کو چھوڑ کر چھوٹے رہائشی ہوٹلوں اور طعام گاہوں میں ہر ذوق کے مہمانوں کی ضروریات کا پورا پورا اہتمام تھا۔ اس کے باوجود بنکاک اور اس کے مضافات میں تعمیرات وغیرہ کا سلسلہ جاری تھا۔ جیسے وہ لوگ گنجان خطوں میں سڑکوں کی تعداد اور کشادگی میں اضافہ کر کے اپنے مہمانوں کے لیے موجود سہولیات میں مزید اضافہ کرنے پر کمربستہ ہوں۔

کچھ یہی صورت لوپ بوری کی بھی نظر آئی تھی۔ سرشام سو جانے والے اس قصبے کی جن سڑکوں سے ہماری گاڑی گزری وہ روشن اور ہموار تھیں جن سے گزرتے ہوئے فرحت اور تازگی کا ایک انوکھا احساس دلوں کو چھو رہا تھا۔

وہ ریسٹ ہاؤس آبادی سے باہر واقع تھا۔ اس کی افادیت کو بھی دن کے اوقات تک محدود رکھا گیا تھا مگر باہر لگی ہوئی اکلوتی اور تیز اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں قدیم تھائی طرز پر بنا ہوا وہ ریسٹ ہاؤس اپنے رنگ و روغن سے کسی بھی طرح زبوں حال نظر نہیں آرہا تھا۔ باہر سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی باقاعدگی سے دیکھ بھال اور مرمت و تزئین ہوتی رہتی ہے۔ تاکہ کچھ دیر کے لیے وہاں ستانے والے بھی کسی کوفت کا شکار نہ ہوں۔

دوسری طرف وہ ریسٹ ہاؤس جرائم پیشہ افراد کے لیے بھی ایک ایسی پناہ گاہ بنا ہوا تھا جہاں سوبھراج جیسا خطرناک آدمی بے خوف و خطر پناہ گزین تھا۔

اندر سے آنے والی آواز مقامی ہوتی تو ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑ سکتا تھا۔ اس وقت کلیدی نکتہ یہ تھا کہ چاؤ فان کی دستک کے جواب میں اندر سے انگریزی میں سوال کیا گیا تھا۔ آواز نیند کے خمار سے بوجھل تھی لیکن میں اسے ہزاروں آوازوں میں الگ سے پہچان سکتا تھا۔

مجھے بے اندازہ خوشی ہوئی کہ بنکاک سے لوپ بوری تک کی ہماری دوڑ رائیگاں نہیں گئی تھی۔ ہمارا شکار وہاں سانس لے کر آگے روانہ نہیں ہوا تھا بلکہ پورے اطمینان سے وہیں فروکش تھا۔

چاؤ فان اس وقت ریسٹ ہاؤس کے بند داخلی دروازے کے اور میرے درمیان کھڑا ہوا تھا۔ میری رائفل

کی نال اس کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور میں دھڑ کتے ہوئے دل کے ساتھ اندر سے اپنے شکار کے برآمد ہونے کا انتظار کررہا تھا۔
ریسٹ ہاؤس کا دروازہ کھلتا اور وہاں کوئی نمودار ہوتا تو چاؤ فان کو لامحالہ اپنی جگہ سے ہٹنا پڑتا اور آنے والا براہِ راست میرے نشانے پر آجاتا۔
اندر سے آنے والی آواز سن کر مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ بنکاک کے موتی محل میں امریکی فوجیوں کے دھاوے سے بچ نکلنے کے بعد سوبھراج لوپ بوری کے اس دور افتادہ ریسٹ ہاؤس میں بےفکری کی نیند سویا ہوا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ میں اس کا پیچھا کرتا ہوا اس کی کمین گاہ کے دروازے تک آپہنچوں گا۔
گولڈن ڈریگن نامی کیسینو کے ایک محافظ کی زہر سے واقع ہونے والی موت نے میرے حریف کو اس شک میں مبتلا کردیا تھا کہ میں اس کے پیچھے پیچھے کراچی سے بنکاک آپہنچا ہوں اور میں نے ہی راجن کے کیسینو کے محافظ کو قتل کیا ہے۔
اپنے اس شبہے کی تصدیق کرنے کے لیے اس نے مجھے فون کیا۔ موبائل فون پر انٹرنیشنل رومنگ کی سہولت دستیاب ہونے کی وجہ سے اسے یہ علم نہیں ہوسکا کہ میں کراچی میں بیٹھا ہوا تھا یا بنکاک پہنچ چکا تھا۔ میری قلا بازی بارآور ثابت ہوئی۔ اسے یقین ہوگیا کہ میں نے حریف کو زہر میں بجھے ہوئے تیر کا نشانہ بنانے والا ہتھیار دے کر اپنے کسی آدمی کو بنکاک بھیجا ہوا تھا اور وہی وہاں سوبھراج اور راجن کے مفادات کے خلاف فتنہ گری کررہا تھا۔
اس وقت میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ کام کررہا تھا۔ سوبھراج سے جاری لڑائی کا فیصلہ کن مرحلہ کسی بھی لمحے سامنے آسکتا تھا۔ اس خبیث نے مجھے بہت دوڑ لگوائی تھی۔ کراچی میں اس کا مقدر ہمیشہ اس کی یاوری کرتا رہا۔ وہ ہر موقع پر کسی نہ کسی طرح زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوتا رہا لیکن میں نے بھی دل ہی دل میں قسم کھائی ہوئی تھی کہ ملک و قوم سے کھلی غداری کرنے والے اس سیاسی غنڈے کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچا کر دم لوں گا۔
میں جھاڑیوں کے عقب میں دبکا اپنے دشمن کی تاک میں بیٹھا ہوا تھا۔ ادھر چاؤ فان کے لیے سوبھراج کی طرح اس کی آواز بھی اجنبی تھی۔ وہ فوری طور پر اندر سے کیے جانے والے سوال کا کوئی جواب نہیں سوچ سکا' اس نے خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔
سوبھراج ایک چالاک مجرم تھا۔ اپنے سوال کا جواب نہ پاکر وہ چوکنا ہوگیا۔ ریسٹ ہاؤس کے دروازے میں کوئی جنبش ہونے کے بجائے پُرسکوت فضا میں ہلکے سے کھٹکے کی آواز ہوئی اور دروازے سے قدرے فاصلے پر ایک کھڑکی کا پٹ خفیف سا کھل گیا۔
اندر گھور تاریکی پھیلی ہوئی تھی مگر اس کھڑکی پر اکلوتی اسٹریٹ لائٹ کی تیز روشنی براہِ راست پڑ رہی تھی۔ کھٹکا ہوتے ہی میری نگاہیں کھڑکی کی طرف اٹھیں اور میں نے وہاں لمحہ بھر کے لیے واضح طور پر سوبھراج کا اوپری دھڑ دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مڑی ہوئی اور طوطے کی چونچ جیسی ناک اس کی واضح پہچان تھی۔
ریسٹ ہاؤس کے دروازے کی طرح وہ کھڑکی بھی براہ راست میری زد میں تھی۔ میں نے پھرتی سے نال کا رخ کھڑکی کی طرف موڑا مگر اس اثنا میں سوبھراج کا وجود کسی چھلاوے کی طرح یکایک تاریکی میں معدوم ہوگیا۔
باہر سے اپنی آنکھوں پر روشنی پڑتے ہی اسے بھیانک خطرے کا ادراک ہوگیا اور وہ نہایت تیزی سے نیچے بیٹھ کر یا ایک طرف سرک کر میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔
یہ ممکن نہیں تھا کہ چاؤ فان نے کھڑکی کھلنے کے کھٹکے کی ہلکی مگر واضح آواز نہ سنی ہو۔ وہ ہمہ تن دروازے کی طرف متوجہ تھا۔ شاید اس نے سوچا ہو کہ وہ آواز اس کی توجہ مبذول کرانے کے لیے دانستہ پیدا کی گئی تھی۔ وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت کھڑا دروازے کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوسکا کہ سوبھراج ریسٹ ہاؤس کی ایک کھڑکی میں بس لمحہ بھر کے لیے نمودار ہوکر غائب ہوچکا تھا۔
سوبھراج پر اچٹتی ہوئی نگاہ پڑتے ہی میرا دورانِ خون تیز ہوا لیکن پھر اعتدال پر آگیا۔ وہ فوری طور پر میرا شکار ہونے سے بچ گیا تھا مگر مجھے یہ اطمینان تھا کہ وہ ریسٹ ہاؤس میں محصور تھا اس عمارت کے گرد چاؤ فان کے چار مسلح اور خوں خوار جنگ جُو پھیلے ہوئے تھے دروازے پر چاؤ فان مستعد کھڑا ہوا تھا اور میں اندھیرے میں گھات لگائے بیٹھا ہوا تھا۔
اس اثنا میں چاؤ فان نے مضطرب ہوکر دوبارہ دروازے پر دستک دی۔
خلافِ توقع دروازہ یکایک کھل گیا۔ وہاں دراز قامت اور صحت مند سوبھراج کے بجائے ایک متوسط قامت مقامی کھڑا ہوا نظر آیا جو خشمگیں نظروں سے چاؤ فان کو گھور رہا تھا۔
جھاڑیوں کی اوٹ میسر ہونے کی وجہ سے میں ان دونوں کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ وہ روشنی میں ہونے کے سبب مجھے صاف نظر آرہے تھے۔

نئے آدمی نے تلخ اور اونچے لہجے میں جاؤ فان سے کچھ کہا۔ اس کی آواز سے بھی نیند کا خمار جھلک رہا تھا۔

اپنے صاف ستھرے کپڑوں اور انداز سے وہ ریسٹ ہاؤس کا دربان ہرگز نظر نہیں آرہا تھا۔ چوکیدار ہوتا تو وہ اندر محوِ خواب ہونے کے بجائے مستعدی سے باہر بیٹھا ہوا ہوتا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ سوبھراج کو لانے والی سفید لینڈ کروزر کا ڈرائیور ہوسکتا ہے۔ وہ اپنا بایاں ہاتھ پاجامے کی جیب میں ڈالے اندر سے نمودار ہوا تھا۔ اس کے تیور خطرناک تھے۔

اگر وہ راجن کا آدمی تھا تو پاجامے کی جیب میں چھپے ہوئے اس کے ہاتھ میں کسی پستول یا ریوالور کا ہونا ناگزیر تھا۔ ایک بدمعاش سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ رات گئے دستک دینے والے ایک ملاقاتی کا خالی ہاتھ سامنا کرنے کا خطرہ مول لے گا۔

جاؤ فان نے اپنی ہلکی رائفل کو ایک پہلو پر بازو کے نیچے چھپانے کی کوشش کی تھی۔ شاید کسی عام آدمی کے لیے وہ پوشیدہ رہتی لیکن اس کے مدِمقابل کی عقابی نظروں سے اس کا بچنا محال تھا۔ وہ دونوں مسلح حالت میں ایک دوسرے کے روبرو تھے اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر جمے ہوئے تھے۔ کسی نے منہ نہیں موڑا تھا۔

جاؤ فان نے بھی اونچی اور تیز آواز میں جواب دیا۔ ان دونوں کے درمیان مقامی زبان میں ہونے والے مکالمے میرے لیے یکسر ناقابلِ فہم تھے لیکن ان کے لب و لہجے سے تلخی و ترشی کا اظہار ہورہا تھا جو میرے لیے خاصا تشویش ناک تھا۔

جاؤ فان کو اپنی خودکار رائفل شانے سے اتار کر سیدھی کرنے میں دیر لگتی جب کہ اس کا حریف پاجامے کی جیب سے ہاتھ نکالتے ہی اس پر گولی چلاسکتا تھا۔ میرے لیے اپنی جگہ سے جاؤ فان کو بچا کر نووارد کو نشانہ بنانا محال تھا کیونکہ جاؤ فان بے تابی کے عالم میں بار بار قدم بدل رہا تھا۔ جس کے سبب اس کے بدن کے زاویے لحہ بہ لحہ بدل رہے تھے۔

جاؤ فان کا جواب سن کر اندر سے نمودار ہونے والے نے چیخ کر مختصر سی کوئی بات کہی۔ یقیناً وہ کوئی گالی رہی ہوگی کیونکہ جاؤ فان نے حیرت ناک سرعت کے ساتھ اپنی رائفل کندھے سے اتار کر اس پر سیدھی کرلی تھی۔ حریف کو اتنی مہلت نہ مل سکی کہ وہ جیب سے ہاتھ نکال کر گولی چلاتا۔

موت کو اتنے قریب پاکر نووارد وحشت زدہ ہوگیا۔ اس سے پہلے کہ جاؤ فان ٹریگر دبا کر گولیوں کی باڑ اس کے سینے میں اتارتا، وہ سر جھکا کر جاؤ فان پر حملہ آور ہوگیا۔

وہ لمحات عمل اور ردِعمل کے تھے۔ دونوں کے پاس سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں رہی تھی۔ جاؤ فان نے اپنے سینے پر زوردار ٹکر پڑنے سے قبل اپنے حریف کا سر بازوؤں میں دبوچ لیا۔ رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پرشور آواز میں پختہ فرش پر گرگئی تھی۔

میرے لیے وہ جاؤ فان کی جنگ جویانہ صلاحیتوں کا پہلا مظاہرہ تھا۔ اس نے اپنے بازوؤں کو اپنے حریف کی گردن پر یوں بل دیا کہ گرتے گرتے اسے اپنے نیچے دبوچ لیا پھر نہ جانے کس طرح اس کا ریوالور جاؤ فان کے ہاتھ میں آگیا۔

ریوالور سمیت اس کا داہنا ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔ ہاتھ نیچے آنے پر فضا اس کے حریف کی دل دوز چیخ سے لرز اٹھی۔ جاؤ فان نے شاید اس کی کھوپڑی چٹخا دی تھی۔

ان دونوں کے ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوتے ہی میرے لیے اپنی جگہ بیٹھ کر تماشا دیکھنا دشوار ہوگیا تھا۔ میں اپنی رائفل لے کر پنجوں کے بل ان دونوں کی طرف دوڑ پڑا تھا۔

کھوپڑی پر چوٹ کھاتے ہی نووارد تھائی اپنے وجود کی پوری قوت سے تڑپ کر جاؤ فان کے نیچے سے نکل گیا۔ وہ بھاگنے کے ارادے سے لڑکھڑاتا ہوا فرش سے اٹھا تو اس کا چہرہ سر کے زخم سے بہنے والے تازہ خون سے رنگین ہوچکا تھا۔

جاؤ فان بھی اپنی رائفل لیتا ہوا اٹھ رہا تھا۔ میں دوڑتے دوڑتے، لحہ بھر کے لیے ٹھٹکا اور پھر میں نے نشانہ لے کر ایک گولی حریف کی پشت میں اتار دی۔

وہ ہولناک چیخ کے ساتھ لہراتا ہوا برآمدے کے فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

جاؤ فان اپنی لڑائی میں اتنا منہمک تھا کہ وقتی طور پر شاید مجھے بھول گیا تھا۔ میرے کیے ہوئے فائر کی آواز پر اس نے مڑ کر تحیر زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور بے ساختہ چیخ اٹھا ''ماسٹر! تم پکے نشانہ باز ہو۔''

اسی وقت فضا رائفلوں کے ہولناک نغموں سے گنگنا اٹھی۔ میں نے تیزی سے جاؤ فان کی طرف بڑھتے ہوئے ان آوازوں پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ وہ فائرنگ ریسٹ ہاؤس کی پشت پر واقع کھیتوں وغیرہ کی سمت میں ہورہی تھی۔

چند ثانیوں میں، میں جاؤ فان کے قریب پہنچ گیا۔ وہ مرنے والے کے بے حس و حرکت جسم پر یوں رائفل تانے کھڑا تھا جیسے اس کے ہلتے ہی اسے چھلنی کرڈالے گا۔

''یہ مرچکا ہے!'' میں نے اس کے قریب پہنچ کر دبی

دبی پر جوش آواز میں کہا ''گولی اس کے دل کو چیرتی ہوئی پار نکل گئی ہوگی۔''

وہ سیدھا ہوگیا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھیمی اور پر تشویش آواز میں بولا ''ماسٹر! یہ تو مر گیا مگر میرے آدمی کیوں گولیاں چلا رہے ہیں؟ یہ آوازیں میرے کانوں کے لیے نئی نہیں ہیں۔ پیچھے کوئی گڑبڑ ہوئی ہے!''

''تمہارے پاس واکی ٹاکی ہے۔'' میں نے اس کے شانے کو دبوچ کر کہا ''پتا کرو کہ کیا ہوا ہے!''

''اوہ......!'' اس نے یوں بوکھلا کر واکی ٹاکی نکالا جیسے اسے بھولا ہوا ہو۔

''پچھلی طرف سے کوئی سایہ نکل کر تاریک کھیتوں میں گھسا ہے۔'' اپنی زبان میں کسی سے رابطہ کرنے کے بعد اس نے مجھے آگاہ کیا۔

''وہ کھیتوں میں گھس گیا اور تمہارے آدمی جھک مارتے رہ گئے؟'' میں نے ترشی سے کہا۔ خطرناک صورتِ احوال کے باوجود مجھے اس پر یکا یک غصہ آ گیا۔

''ماسٹر! وہ بلبلا رہے ہیں۔ اسے مار سکتے تھے لیکن نہیں مار سکے۔ ہوائی فائرنگ پر گزارا کرتے رہ گئے۔'' اس نے مسمسی صورت بنا کر بے چارگی سے جواب دیا۔

''تمہارے آدمی عجیب اُلّو کے چرخے ہیں۔ مار سکتے تھے تو مارا کیوں نہیں؟'' میں جھلا گیا۔

''تمہاری طرف سے میں نے حکم دیا تھا کہ جب تک میں نہ کہوں وہ براہِ راست کسی پر فائر نہیں کریں گے۔ ضرورت ہو تو ہوائی فائر کریں گے۔'' اس نے سنبھل کر وضاحت کی ''اب وہ ہوا میں گولیاں چلا کر اسے کھیتوں میں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔''

اس کا جواب سنتے ہی میرا غصہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ مجھے یاد آ گیا کہ میں نے چاؤفان کو وہ ہدایت اس خدشے کے پیشِ نظر دی تھی کہ کہیں ہم خود اپنے آدمیوں کی گولیوں کا نشانہ نہ بن جائیں۔

''اب ہم اس کے پیچھے جائیں گے۔'' چند ثانیوں کے تذبذب کے بعد میں نے کہا ''انہیں تاکید کردو کہ اسی طرح اسے تلاش کرتے رہیں۔ کسی کو تاک کر نشانہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ مقدر سے وہ نظر آ گیا تو ہم خود اس سے نمٹ لیں گے۔''

یہ کہہ کر میں رائفل تانے اندر گھس گیا وہ ایک کشادہ لابی تھی جہاں مدھم روشنی والا ایک سبز بلب جل رہا تھا اس لابی میں نظر آنے والے دروازوں میں صرف کونے کا ایک دروازہ کھلا ہوا تھا اس کے پیچھے گہری تاریکی کا راج تھا وہ اسی سمت تھی جدھر کی کھڑکی میں مجھے سوبھراج کی ایک جھلک نظر آئی تھی۔

مجھے امید تھی کہ وہاں کچھ بھی باقی نہیں رہا ہوگا، چاؤفان میرے پیچھے آ رہا تھا۔ اس نے مختصر سی گفتگو میں میری پرانی ہدایت کا اعادہ غالباً اپنے آدمیوں تک پہنچا دیا۔ تھا مجھے تاریک کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اس نے اپنی سرچ لائٹ روشن کردی۔

وہ سونے کا کمرا تھا۔ شکن آلود بستر خالی پڑا ہوا تھا۔ فرشی قالین پر پڑے ہوئے گدے کی چادر سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کوئی اس پر سوتا رہا تھا۔ وہ بستر ڈرائیور ہی کا ہوسکتا تھا جو برآمدے میں ابدی نیند سویا ہوا تھا۔

اس خالی کمرے سے مایوس ہو کر ہم دونوں ریسٹ ہاؤس کے عقبی برآمدے میں نکل آئے۔ اس عمارت کی ساخت قدیم وضع کی تھی۔ انگریزی کے حرف یُو کی صورت میں تین اطراف میں متعدد کمرے بنے ہوئے تھے۔ ان کے آگے بہت کشادہ برآمدہ تھا جس میں مہمانوں کے ستانے کے لیے میزیں اور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد مختصر سا کھلا صحن تھا جس کے اختتام پر پچھلی دیوار میں بنا ہوا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

بہ ظاہر پوری عمارت میں کسی متنفس کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔ ریسٹ ہاؤس کے نگراں یا چوکیدار کو ڈیوٹی کے اختتام پر اطمینان سے رخصت کردیا گیا تھا۔ پوری عمارت بلاشرکت غیرے، سوبھراج اور اس کے ڈرائیور کے تصرف میں تھی۔

باہر ہونے والی دھواں دھار فائرنگ کا زور ابتدائی لمحات میں ہی ٹوٹ چکا تھا۔ چاؤفان کے آدمیوں کو اتنی عقل تھی کہ وہ اپنے میگزین کے بے مصرف استعمال سے گریز کررہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ہوا میں چلائی جانے والی گولیاں کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ کھیتوں میں گھسنے والے دشمن کو ہراساں کرنے کے لیے اِکّادُکّا فائر بھی کافی تھے۔

''اب میرے ساتھ ساتھ رہنا۔ بچھڑ گئے تو ہم قیامت میں ہی مل سکیں گے!'' میں نے ریسٹ ہاؤس کے پچھلے دروازے سے کھیتوں کی طرف نکلتے ہوئے کہا۔

''ماسٹر! تمہارا موڈ بلاوجہ خراب ہو رہا ہے۔ میرے آدمیوں کا کیا قصور ہے۔ وہ وہی کررہے ہیں جو انہیں بتایا گیا ہے۔'' چاؤفان نے دبے الفاظ میں احتجاج کیا۔

''تمہارے آدمی بہت قابل اور بہادر ہیں۔ مجھے ان

سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں جواب دیا ''میرا موڈ ٹھیک ہے۔ میں تمہیں حقیقت سے آگاہ کر رہا تھا۔ میں ان کھیتوں میں بھٹک گیا تو دوبارہ ادھر لوٹنا مشکل ہو جائے گا۔''

''تم فائرنگ کی آوازیں سن رہے ہو؟'' اس نے سوندھی خوشبو والے قد آدم سے زیادہ اونچے لہلہاتے کھیتوں میں گھستے ہوئے پوچھا۔

''یہ آوازیں پیدائشی بہرے بھی سن سکتے ہیں!''

''پتا نہیں تم میری ہر بات کا الٹا جواب کیوں دے رہے ہو!'' وہ الجھ کر بولا ''راجن کے مہمان کو میں نے نہیں بھگایا۔''

''یہ ہماری بلکہ ڈان کی ساکھ کا معاملہ ہے۔ وہ ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گیا ہے۔ ہم نے اسے دوبارہ نہ پکڑا تو ہم سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہیں رہیں گے۔''

''ماسٹر! میں تمہاری طرح حسّاس نہیں ہوں۔'' وہ کھیتوں کے درمیان چھوڑے ہوئے تنگ راستے سے شاخیں ہٹاتے ہوئے بڑبڑایا ''بدمعاشی میں کبھی کے دن بڑے ہوتے ہیں اور کبھی کی راتیں۔ وہ آج ہمارے چنگل سے نکل گیا ہے تو کل ضرور پھنسے گا۔ اب چھوٹا راجن سے پہلے میں اس کے مہمان کو جہنم کا ایندھن بناؤں گا۔''

''ابھی تم فائرنگ کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟'' میں نے اسے یاد دلایا۔ میں اسے کیا بتاتا کہ سوبھراج مجھے اس طرح کئی بار زک دے چکا تھا۔

''مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میرے آدمی جوش میں کافی دور نکل گئے ہیں۔ وہ......!''

میں نے چونک کر اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا ''کیا ان چاروں نے ریسٹ ہاؤس اور گاڑیوں کو لاوارث چھوڑ دیا ہے؟''

''دو اس کی تلاش میں گئے ہیں۔ بقیہ دونوں اپنی پوزیشنوں پر ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ جنگل میں نہ گھس جائیں!''

''کیا یہاں جنگل بھی ہے؟'' میں نے اپنے چہرے سے ٹکرانے والی نرم شاخیں ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

''ماسٹر! کھیت زیادہ بڑے رقبے پر نہیں ہیں۔ تھوڑی دیر بعد ہم بھی جنگل کے سرے پر ہوں گے۔ ادھر بھیڑیے وغیرہ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ رات کو جنگل میں گھسنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔''

''کیا یہ بات تمہارے آدمی نہیں جانتے؟''

''پتا نہیں!'' اس نے فکرمندی سے جواب دیا ''برا وقت آ جائے تو آدمی جانی بوجھی باتیں بھی بھول جاتا ہے۔ تم سیدھے جا رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں دائیں بائیں بھی دیکھنا چاہیے۔ کھیتوں کے بیچ میں لگے ہوئے درختوں کی دیکھ بھال ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ یہیں کہیں چھپا ہوا ہو یا کسی درخت پر چڑھ گیا ہو۔''

''یہ تمہارا دیکھا بھالا علاقہ ہے تو میری رہنمائی کرو۔ میں یہاں اجنبی ہوں۔ اپنے آدمیوں کو جنگل میں گھسنے سے روکو۔ ہم ان کے انتظار میں زیادہ وقت برباد نہیں کریں گے۔''

''ہاں...... آں!'' وہ پُرخیال آواز میں بولا'' کچھ دیر بعد ہی سے اجالا پھیلنا شروع ہو جائے گا۔ ''ہمیں دن نکلنے سے پہلے لوٹ جانا چاہیے۔''

وہ پگڈنڈی پر چلتے چلتے رک گیا۔ اس نے واکی ٹاکی پر ایک مرتبہ پھر اپنے آدمیوں سے بات کی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ چاروں واکی ٹاکی سرے سے استعمال نہیں کر رہے تھے۔ وہ لڑنے بھڑنے والے لوگ تھے۔ منظم ہو کر مضبوط کارروائی کرنا ان کے بس سے باہر تھا۔

فائرنگ کا سلسلہ تھم گیا۔ جاؤ فان مجھے اپنے پیچھے آنے کی ہدایت کر کے پگڈنڈی سے اترا اور کھیت میں گھس گیا۔

مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ کس چیز کی فصل تھی۔ اہم ترین بات یہ تھی کہ سب پودے نیچے سے اوپر تک اتنے نرم اور لچکیلے تھے کہ انہیں کچل کر آگے بڑھنا دشوار نہیں تھا۔ نیچے زمین نرم اور دلدلی نہیں تھی۔ شاید فصل تیاری کے قریب تھی اس لیے کھیتوں کی آبیاری کا سلسلہ موقوف ہو چکا تھا۔

ہم بہت دیر تک کھیتوں میں بھٹکتے رہے۔ کئی گھنے درختوں کو دیکھ ڈالا لیکن کسی کا سراغ نہیں ملا۔ جاؤ فان جنگل کے بھیڑیوں کا ذکر کر چکا تھا۔ اس نے ادھر سے کھیتوں میں گھس کر فصلیں خراب کرنے والے جنگلی سوروں کا تذکرہ کر کے مجھے مزید فکرمند کر دیا۔ ذرا سی سرسراہٹ پر میں بھڑکنے لگا تو اس نے مجھے اطمینان دلایا کہ کھیتوں میں آنے والے بڑے جانور عموماً خاموشی سے نہیں آتے..... وہ سرسراہٹیں نسل در نسل پروان چڑھنے والے چوہوں کی بھاگ دوڑ سے پیدا ہو رہی تھیں جو پودوں کی جڑوں میں بل بنا کر رہتے ہیں۔ زیادہ پانی دینے والی فصلوں میں چوہے ناپید ہو جاتے ہیں۔ نم اور خشک کھیتوں میں ان کی بن آتی ہے۔

کئی کئی منٹ کے لمبے وقفوں سے ایک آدھ ہوائی فائر ہو رہا تھا۔ دور کی وہ آوازیں رفتہ رفتہ قریب آ گئی تھیں۔ ہم

نے آپس میں باتیں کرنے کا سلسلہ بھی موقوف کردیا۔ گہرے سناٹے میں ہماری آوازیں قریب چھپے ہوئے دشمن کو ہوشیار کرسکتی تھیں۔

کھیتوں میں خاصا وقت برباد کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ ہماری وہ کوششیں بے سود تھیں۔ فصل کی اونچائی آٹھ فٹ کے لگ بھگ تھی اور وہاں بھٹکتے ہوئے ہم سر سے پیر تک تاریکی اور سبزے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پیش قدمی کرتے ہوئے سمت کا کوئی اندازہ ہو پاتا تھا نہ گرد و پیش سے باخبر ہونے کی کوئی صورت تھی۔

ہم چند قدم چلتے اور سن گن لینے کے لیے رک جاتے۔ اس وقت بصارت بالکل کام نہیں کر رہی تھی۔ ہر طرف یکساں گھور اندھیرا اور سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ صرف چھٹی حس ہماری کچھ رہنمائی کر رہی تھی۔

میں نے دل ہی دل میں سوبھراج کو کوسا۔ وہ جان بچانے کے لیے ریسٹ ہاؤس سے کھیتوں میں گھسا تھا۔ اس کے سامنے سمت کی کوئی اہمیت تھی نہ راستے کی۔ وہ صرف اور صرف اپنی جان بچانے کے لیے کوشاں تھا۔ میں اس کی اندھی تقلید میں اسی راہ پر چل پڑا تھا۔

”لعنت بھیجو اس مہم پر اور ان کھیتوں سے نکلنے کی کوشش کرو!“ میں نے جھنجلا کر اونچی آواز میں چاؤ فان سے کہا۔

”ماسٹر! کیا ہوا..... تم اونچی آواز میں کیوں بول رہے ہو؟“ اندھیرے میں اس کی تحیرزدہ سرگوشی سرسرائی ”دشمن چوکنا ہو جائے گا۔“

”سبزے میں گھس کر ہماری عقلیں گھاس چر گئی ہیں۔ سنا ہے کہ رات کو درخت اور پودے آکسیجن جذب کر کے کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتے ہیں.....“

”ہاں..... ہاں! یہ میں نے بھی سنا ہے۔ سورج کی روشنی میں یہ عمل الٹ کر صحت افزا ہو جاتا ہے۔“ اس نے درمیان ہی میں میری تائید کی۔

”ہم تیزی سے آکسیجن کے قحط کا شکار ہو رہے ہیں۔“ میں نے اپنی حماقت کا اعتراف کرنے کے بجائے سنجیدگی سے کہا ”میرا دم گھٹ رہا ہے۔ باہر نہ سہی تو کسی درخت کی طرف نکلو۔ اس کے سائے میں یہ اونچے پودے نہیں ہوں گے۔“

”قسمت ہی ادھر لے جاسکتی ہے۔“ چاؤ فان کی پژمردہ آواز سنائی دی ”مجھے تو یہاں کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا۔ بدھا کے توکل پر چل رہے ہیں۔“

”اپنے آدمیوں سے بات کرو۔ وہ ہم تک پہنچنے کی کوشش کریں۔“

”ماسٹر! ایک ہی بات ہے۔“ اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا ”ہم ان تک پہنچ سکتے ہیں نہ وہ ہم کو تلاش کر سکتے ہیں۔ ہم نے پگڈنڈیاں چھوڑ کر بڑی غلطی کی ہے۔ یہ.....“

”غلطی کی ہے تو اب اسے تم ہی بھگتو گے۔“ موقع ملتے ہی میں نے اس صورتِ حال کا سارا بوجھ بار اسی پر ڈال دیا۔

”ماسٹر! مجھے الزام نہ دو۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ویسے تم فکر نہ کرو۔ کھیتوں کے قطعات زیادہ بڑے نہیں ہیں۔ دس پندرہ منٹ تک ہم ایک ہی سمت میں بڑھتے رہے تو کوئی نہ کوئی پگڈنڈی وغیرہ مل جائے گی۔“

میں نے وحشت زدہ ہو کر اپنے سر پر پھیلے ہوئے پودوں اور پتوں کو دونوں ہاتھوں سے بے تابانہ انداز میں سمیٹا تو اوپر لوپ بوری کا تاروں بھرا سیاہ آسمان پھیلا ہوا تھا۔ اردگرد پودے ہی پودے تھے جو رات کی گھور تاریکی میں سبز کے بجائے سیاہ نظر آرہے تھے۔

چاؤ فان فوری طور پر راجن کے مہمان کو بھول کر سیدھا ہولیا۔ وہ میری کہی ہوئی ہر بات پر دل و جان سے عمل کرنے کا قائل تھا جب کہ میں مسلسل سوبھراج کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے چاؤ فان سے جو کچھ کہا تھا وہ اپنے فیصلے کی غلطی کو چھپانے کی ایک کوشش کے سوا کچھ نہیں تھا۔

میں وقت گزارنے کے لیے چاؤ فان سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا۔ اس دوران میرے ذہن میں ایک واضح حکمتِ عملی مرتب ہوتی جا رہی تھی۔

آخر کار ہم ایک تناور درخت کے قریب کھیت سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

”اب یہاں سے ہمیں واپسی کا راستہ دیکھنا ہے۔“ چاؤ فان گہرا سانس لے کر بولا ”فصل اتنی اونچی ہے کہ زمین پر کھڑے ہو کر دور کا جائزہ نہیں لیا جاسکتا۔ میں درخت پر چڑھ کر جائزہ لیتا ہوں۔ روشنی نظر آ ہی جائے گی۔“

”درخت پر ضرور چڑھو مگر روشنی کے ساتھ کھیتوں کا بھی جائزہ لو۔“ میں نے اسے ہدایت کی ”جہاں بھی پودے یا پتے ملتے نظر آئیں، ادھر گولی داغ دو۔“

”اوہ ماسٹر! تم واقعی گریٹ ہو۔“ وہ خوش ہو کر بولا۔ ”ہمیں کھیتوں میں گھسنے کے بجائے ابتدا سے اس ترکیب پر عمل کرنا چاہیے تھا۔ پگڈنڈیوں کے سہارے ہم ایک سے دوسرے درخت تک پہنچ سکتے ہیں۔ دس پندرہ درختوں سے بہت بڑے علاقے کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ تم نے پہلے یہ بات کیوں نہیں بتائی تھی؟“

”ایسی باتیں آکسیجن کی کمی کی صورت میں سوجھ سکتی

ہیں؟ تم درخت پر جا رہے ہو یا میں اوپر چڑھنے میں پہل کروں؟''

''میں روشنی نہیں ڈالوں گا۔ خاموشی سے دیکھ بھال کر کے اتر آؤں گا۔'' اس نے قریبی درخت کے تنے کی طرف بڑھتے ہوئے تائید طلب انداز میں کہا۔

چاؤ فان کرتبی آدمی تھا۔ لمحہ بھر کے لیے اس گھنے درخت کے قریب رکا اور پھر اس کی جھکی ہوئی شاخوں میں سے ایک کا سہارا لے کر کسی بندر کی سی پھرتی سے اوپر چڑھتا چلا گیا۔ میں خاموشی سے اس کے اترنے کا انتظار کرتا رہا۔

چند منٹ بعد وہ مایوس ہو کر لوٹ آیا۔ تاحدِ نظر اسے کوئی مشکوک جنبش نظر نہیں آئی تھی۔ اس نے دوسری خوش خبری یہ سنائی کہ اتنی دیر سے ہم ایک ہی دائرے میں بھٹکتے رہے تھے اور ریسٹ ہاؤس سے زیادہ دور نہیں نکلے تھے۔

وقت کی بربادی پر دل ہی دل میں کفِ افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اگر سوبھراج مسلسل حرکت میں رہا تھا تو یقیناً ہماری دسترس سے دور نکل چکا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ چاؤ فان کے آدمیوں کی دھواں دھار فائرنگ کے خوف سے اس نے براہِ راست فرار کا خطرہ مول نہیں لیا ہوگا۔ کچھ دور تک کھیتوں میں گھسنے کے بعد خاموشی سے اندر ہی دبک کر بیٹھ گیا ہوگا۔

اسے معلوم تھا کہ اس کی تلاش میں آنے والے اس کے خون کے پیاسے تھے اور ان کا قانون کے مقامی رکھوالوں سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا، اندھیرا چھٹنا شروع ہوتا تو وہ بھی میدان میں جمے نہیں رہ سکتے تھے فائرنگ اور تلاش کا سلسلہ ختم ہو جاتا تو صبح کا اجالا پھیلنے کے بعد وہ کسی بھی طرف سے باہر نکل کر اپنی جان بچا سکتا تھا۔

اس وقت میری رسٹ واچ ساڑھے تین بجا رہی تھی اس کا مطلب تھا کہ ہمیں ریسٹ ہاؤس کے پچھلے دروازے سے نکل کر کھیتوں میں اترے ہوئے آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت ہوا تھا لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم گھنٹوں سے اس مہم میں مصروف ہوں۔

چاؤ فان کے آدمیوں کی طرف سے چلائی جانے والی گولیوں کا درمیانی وقفہ مزید بڑھ چکا تھا۔ کسی بھی پختہ کار مجرم کے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ فائرنگ کسی ہدف پر نہیں بلکہ اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے کی جا رہی تھی۔

واضح راہِ عمل طے ہو جانے کے بعد ہم نے پودوں سے گھرے ہوئے تنگ اور کچے راستوں سے دور درخت تک پہنچنے میں بہت تیزی دکھائی۔ کھلے آسمان تلے آ جانے کے بعد سمتوں کا تعین بھی سہل ہو گیا تھا۔ یکے بعد دیگرے ہم نے بارہ درختوں پر چڑھ کر ان کے گرد و پیش کا جائزہ لے ڈالا لیکن کامیابی کی کوئی کرن نظر نہ آسکی۔

تیرہواں درخت مجھے سر کرنا تھا تین درختوں کے بعد چاؤ فان کا جوش و خروش ٹھنڈا ہو گیا اور ہم نے باریاں طے کر لی تھیں اونچے تنے والے درختوں پر اس نے خود طبع آزمائی کی تھی۔

میں پتوں اور شاخوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے خاصی بلندی تک پہنچا تو مجھے ایک جانب کھیت کے پتے زور زور سے ہلتے نظر آئے میں نے قریبی شاخ پر اپنی جگہ بنا کر اس طرف نظریں جما دیں، پتوں وغیرہ کی وہ حرکت آہستگی سے آگے کو حرکت کرتی ہوئی نظر آئی تو ابتدا میں مجھے نظر فریبی کا اندیشہ ہوا۔

چند لمحے تک وہیں نگاہیں مرکوز رکھنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ ان پودوں کے درمیان سے کوئی وزنی جان دار گزر رہا تھا۔

وہ کسی شک وشبے میں پڑنے کا موقع نہیں تھا میں نے درخت کی شاخ پر اپنا توازن بہتر کرتے ہوئے رائفل اٹھائی۔ میں اس وقت برسٹ کا غیر متوازن جھٹکا برداشت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا میں نے اندازے سے اپنے ہدف کی زمینی پوزیشن کا تعین کرتے ہوئے ایک گولی چلا دی۔

فضا ایک بے ساختہ انسانی چیخ سے لرز اٹھی اور کھیت میں زلزلہ سا آ گیا چیخ کا کوئی لب ولہجہ نہیں ہوتا لیکن آواز کے بھاری پن سے مجھے یقین تھا کہ میری چلائی ہوئی گولی نے... سوبھراج کے بدن کا کوئی حصہ چاٹا تھا، وہ آواز چاؤ فان کے کسی مقامی ساتھی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

اپنے مقدر کی اس یاوری پر میرا دل خوشی سے لبریز ہو گیا، بے اختیار جی چاہا کہ درخت کی اس اونچی شاخ سے چھلانگ لگا کر میں فضا میں اڑتا ہوا زخمی سوبھراج پر جا پڑوں لیکن درخت اونچا تھا فاصلہ طویل تھا۔ ایسی پر جوش مہم جوئی احمقانہ خودکشی پر منتج ہو سکتی تھی میں نے اپنے ہیجان پر قابو پا کر بہت تیزی سے نیچے اترنا شروع کر دیا۔

درخت سے اترتے ہوئے میں نے آخری لمحات تک پودوں کی جنبشوں پر نگاہ رکھنے کی کوشش کی تھی اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ سوبھراج زخمی ہونے کے بعد اندھا دھند اس طرف بھاگا تھا جدھر، چاؤ فان کے بیان کے مطابق کھیتوں کا سلسلہ جنگل کی ابتدا پر ختم ہو جاتا تھا۔

''ماسٹر! تم نے کمال کا نشانہ لگایا ہے۔'' میرے پیچھے پہنچتے ہی چاؤ فان والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا ''ڈان اچھے نشانہ بازوں کی بہت عزت کرتا ہے مگر مجھے حیرت ہے کہ گولی چلنے پر اس درخت سے ایک پرندہ بھی چیختا ہوا نہیں اڑا۔''

بعض اوقات چاؤ فان کو ایسی ہی انوکھی باتیں سوجھتی تھیں' دل تو یہ چاہا کہ بے وقت کی اس راگنی پر اسے جھاڑوں مگر اس نے میرے نشانے کی تعریف کی تھی میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے نرمی سے کہا'' درختوں میں بسیرا کرنے والے سارے پرندے تمہارے آدمیوں کی چاند ماری نے پہلے ہی اڑا دیے ہیں۔ اب وقت خراب مت کرو ورنہ زخمی شکار نکل جائے گا۔''

میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور درخت کے سائے سے کھیت کی طرف دوڑ لگادی۔

کھیت میں چند قدم دور تک گھسنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ وقتی جوش میں آکر میں غلطی کا اعادہ کرنے جارہا تھا، کھیت میں گھس کر ہم کبھی سوبھراج تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

''باہر نکلو!'' میں نے اسی لمحے مڑتے ہوئے کہا'' ہمیں پگڈنڈیاں پکڑ کر جنگل کی طرف پہنچنا ہے اس کا رخ اس سمت میں تھا وہ سیدھا جائے گا۔''

''زخم کاری ہے تو وہ درمیان میں ہی ڈھیر ہو جائے گا۔''

''پھر دوسرے لوگ اسے زندہ یا مردہ حالت میں کھیتوں سے برآمد کریں گے ہم بھٹک کر اپنا وقت برباد نہیں کریں گے۔''.... میں نے اس کے ساتھ ایک راستے پر تیزی سے بڑھتے ہوئے کہا۔

ہمارے دونوں طرف پودوں کی اونچی اور خنک باڑ کھڑی ہوئی تھی ہم دوڑنے کی رفتار سے اس تنگ ناہموار اور کچے راستے پر آگے بڑھ رہے تھے۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی تھی میرے کان داہنی طرف سے کھیتوں پر لگے ہوئے تھے کیونکہ میں نے سوبھراج کو اسی طرف گولی ماری تھی۔

پگڈنڈیاں سیدھی نہیں تھیں' مقامی کسانوں نے اپنی اپنی ملکیت اور سہولت کے حساب سے وہ راستے چھوڑے ہوئے تھے جو بھول بھلیاں سے کم نہیں تھے۔

''ماسٹر! میرے آدمی اب بلاوجہ اپنا میگزین برباد کررہے ہیں۔'' راستے میں چاؤ فان نے ہانپتے ہوئے کہا ''یہ آوازیں کسی سوئے ہوئے پولیس افسر کے کان میں پڑ گئیں تو وہ اسی وقت وردی پہن کر ادھر آجائے گا تم کہو تو یہ غیر ضروری فائرنگ رکوادوں!''

''رکوادو!'' میں نے اس کے مشورے کی افادیت بے چون و چرا قبول کرلی۔'' اگر تم شکار کا بوجھ اپنے کندھے پر اٹھا سکو تو دونوں آدمیوں کو واپس لوٹ کر ہمارا انتظار کرنے کے لیے کہہ دو۔''

''ماسٹر! بوجھ ڈھونے کا چکر چھوڑو۔'' اس نے میرے دل کی بات کہہ دی'' وہ مل جائے تو اس کے مغز میں بھی ایک گولی اتار دو اور خاموشی سے ہلکے پھلکے لوٹ چلو' وہ چھوٹا راجن کا مہمان ہے' اس کی لاش وہی اٹھوائے گا یا پھر پولیس لے جائے گی۔''

''جو چاہو کرو۔'' میں نے اسے کھلی چھوٹ دے دی۔ ''کھویا ہوا شکار مل جانے کی خوشی میں اس وقت تمہیں کھلی آزادی حاصل ہے۔''

ہم دونوں کے سانس چڑھے ہوئے تھے چاؤ فان نے اپنی رفتار برقرار رکھتے ہوئے اسی حالت میں واکی ٹاکی پر اپنے آدمیوں کو واپسی کا حکم دے دیا۔

''اب تک تم نہ جانے کتنے موڑ گھوم چکے ہوں' کھیتوں کا سرا اب بھی نظروں سے اوجھل ہے۔'' میں نے اپنے سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اس سے کہا۔

''فکر نہ کرو' آسمان نظر آتا رہے تو چاؤ فان کے اندازے قطب نما سے زیادہ سچے ثابت ہوں گے۔'' اس نے بے پروایانہ لہجے میں جواب دیا۔

اچانک اس کے واکی ٹاکی پر پہلی بار اس کے کسی آدمی کا پیغام آیا۔

بات مکمل کرکے اس نے مجھے بتایا کہ لوپ بوری کے کسی دور افتادہ حصے میں پولیس کار کے سائرن کی ہلکی سی ڈوبتی ابھرتی آواز نے اس کے دو آدمیوں کو تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔

چاؤ فان نے وہ خبر سنتے ہی اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ ریسٹ ہاؤس اور اس کے قریب سے اپنی دونوں گاڑیاں کچے میں اتار لے جائیں تاکہ گشت پر آنے والوں کی ان پر نظر نہ پڑ سکے۔ اس نے ان دونوں کو بقیہ دونوں کی واپسی کے بارے میں بھی بتادیا۔ وہ دونوں اس بارے میں ہونے والی گفتگو اپنے واکی ٹاکی پر پہلے ہی سن چکے تھے۔

مجھے خوشی ہوئی کہ چاؤ فان نے اس بارے میں مجھ سے مشورہ کرنے کی ضرورت محسوس کیے بغیر اپنے آدمیوں کو موزوں ہدایات دے دی تھیں۔ اپنی یک جائی کے بعد ان چاروں کو کچے میں رک کر میری اور چاؤ فان کی واپسی کا انتظار

کرنا تھا۔ انہیں ریسٹ ہاؤس کی نگرانی سے فوری طور پر ہٹا دیا گیا تھا۔ کیونکہ سوبھراج کی غیر متوقع دریافت کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

''ہماری پیش قدمی کی رفتار بہت سست ہے۔'' مزید کچھ دیر تک خاموشی سے پیش قدمی کرنے کے بعد میں نے۔۔ پُرتشویش لہجے میں سرگوشی کی۔ ''کھیتوں کا سلسلہ شیطان کی آنت کی طرح دراز ہوتا جارہا ہے۔ اب تک راجن کا مہمان باہر نکل گیا ہوگا۔''

''تم دیکھ چکے ہو کہ ان نابجار کھیتوں سے باہر نکلنا کتنا مشکل ہے۔'' اس نے مجھے دلاسا دیا ''وہ نکل بھی گیا تو جنگل میں گھسنے کی ہمت نہیں کرے گا' ان ہی اطراف میں بھٹکتا رہے گا۔ جس شخص کو اس علاقے سے ذرا بھی واقفیت ہوگی وہ گیدڑوں' بھیڑیوں اور سوروں کی آماجگاہ میں نہیں گھسے گا۔''

رات کے گہرے سکوت میں ہماری تھکا دینے والی پیش قدمی جاری رہی۔ چاؤ فان نے ہوا میں تبدیلی کا اندازہ کرتے ہوئے مجھے خوش خبری سنائی کہ ہم جنگل کے قریب پہنچ چکے تھے۔

مجھے جنگلوں کی سیر کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ میں نے جنگلی جانوروں کی آوازیں نہ آنے کے بارے میں حیرت کا اظہار کیا تو چاؤ فان نے اپنی علمیت بگھارتے ہوئے بتایا چند شب بیدار پرندوں کے سوا رات کو انسان کی طرح ہر جاندار آرام کررہا ہوتا ہے۔ بھوک کے ہاتھوں ستائے ہوئے وہ درندے راتوں کو شکار کی گھات میں سرگرداں رہتے ہیں جنہیں دن کی روشنی میں خوراک میسر نہیں آتی۔

لوپ بوری کے اس مضافاتی جنگل میں بسنے والے درندے شاید آسودہ شکم تھے یا پھر خاموشی سے اپنے شکار کی تلاش میں تھے۔ ان کی خاموشی کے بارے میں میری تشویش رفع ہوگئی۔

وہ سکوت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکا۔ یکایک فضا متعدد خوفناک حیوانی آوازوں سے گونج اٹھی۔ جنگل میں موجود درندوں نے اچانک اپنی موجودگی کا احساس دلانا شروع کردیا۔ وہ بھونکنے' غرانے اور ہونکنے کی عام آوازیں نہیں تھیں۔ ان میں وحشیانہ جوش جھلک رہا تھا۔ پھر ان آوازوں میں لرزہ خیز انسانی چیخیں بھی شامل ہوگئیں۔

رات کے پُرہول اندھیرے میں ابھرنے والی دردناک انسانی چیخیں سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ انسانی چیخوں میں بے بسی اور موت کی دہشت رچی ہوئی تھی' حیوانی آوازیں جوش اور اشتعال میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ منظر نگاہوں کے سامنے نہ ہونے کے باوجود یہ اندازہ ہورہا تھا کہ بھیڑیوں کے غول نے کسی انسان پر حملہ کردیا تھا۔

میرے ذہن میں سوبھراج کی تکبر اور نخوت میں ڈوبی ہوئی تصویر ابھر آئی۔ وہ ایک مدت سے اپنی جان بچانے کے لیے مسلسل بھاگ رہا تھا۔ اس کا وقت پورا نہیں ہوا تھا اس لیے قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ اس نے یکے بعد دیگرے مجھے کئی جل دیے تھے اور موت سے امان پانے کے لیے کراچی سے فرار ہوکر بنکاک آگیا تھا۔

وہاں اس نے جس انداز میں امریکی فوجیوں کو غچا دیا' اس سے میری مایوسی میں بہت اضافہ ہوا تھا۔ جنگل کی طرف سے آنے والی ملی جلی انسانی چیخوں اور حیوانی غراہٹوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ سوبھراج کو قدرت کی طرف سے ملی ہوئی ڈھیل ختم ہوچکی تھی۔

وہ اپنی بدقسمتی کی بنا پر میرے ہاتھوں گولی کا زخم کھا چکا تھا اور مزید مار کھانے سے بچنے کے لیے غیر ارادی طور پر کھیتوں سے جنگل کی طرف بھاگ رہا تھا۔

اس کے کچھ سانس باقی ہوتے تو وہ بھی ہماری طرح گنجان کھیتوں میں بھٹک کر کسی اور راہ پر نکل سکتا تھا لیکن فرشتہ اجل کے نادیدہ ہاتھ اسے اس کے عبرت ناک انجام کی طرف ہانک رہے تھے۔ وہ کھیتوں میں بھٹکنے کے بجائے تیر کی طرح سیدھا نکلتا چلا گیا اور ہمارے پہنچنے سے پہلے جنگل میں داخل ہوگیا۔

وہ زخمی تھا۔ اس کے بدن کے کسی حصے سے تازہ لہو بہہ رہا تھا۔ جنگل کی کھلی فضا میں خون کی اس بو نے یقینی طور پر بھوکے درندوں کے کسی غول کو اس کی طرف متوجہ کردیا تھا اور وہ یک جا ہوکر زخمی سوبھراج پر ٹوٹ پڑے تھے۔

''ماسٹر! وہ تو مارا گیا۔'' چاؤ فان نے انکشاف کرنے والے انداز میں کہا ''یہ آوازیں بتا رہی ہیں کہ جنگل کے بھوکے بھیڑیے چھوٹا راجن کے مہمان کے بدن کو نوچ اور بھنبھوڑ رہے ہیں۔''

''تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ادھر آدم خور بھیڑیے پائے جاتے ہیں!''

''بھیڑیے آدم خور نہیں ہوتے۔ وہ صرف خون کی بو پر لپکتے ہیں۔ وہ تمہارے ہاتھوں زخمی نہ ہوا ہوتا تو شاید بھیڑیے بھوک کے باوجود اس کے قریب نہ جاتے' ڈر کر دور بھاگ جاتے۔''

سوبھراج کی جگر خراش چیخیں تیزی سے دم توڑتی چلی گئیں۔ درندے اپنے زخمی اور دہشت زدہ شکار پر بہت

پھرتی سے غالب آئے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ غیر ارادی طور پر ہم دونوں کے بھاگنے کی رفتار سست ہوگئی تھی۔ کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ سستی تکان کے باعث آئی تھی یا سوبھراج کے غیر متوقع انجام نے ہمارے اعصاب پر کوئی اثر ڈالا تھا۔

آخر کار کھیتوں کا سلسلہ اچانک ختم ہوگیا اور ہم کھلی فضا میں نکل آئے۔ ہمارے سامنے چھدرے جنگل کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔

انسانی آوازیں مفقود ہوچکی تھیں۔ درندوں کی غراہٹوں میں وحشیانہ جوش کی جگہ آسودگی نے لے لی تھی۔ وہ اپنے شکار کو زیر کرنے کے بعد شاید اپنی آتش شکم بجھا رہے تھے۔

چاؤ فان نے اپنی سرچ لائٹ روشن کرلی۔ اسے مجھ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میں خاموشی سے اس کے ساتھ ہولیا۔

سرچ لائٹ کی دور تک پھیلی ہوئی تیز روشنی میں جنگل کا سلسلہ بتدریج گھنا ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔ ہم دونوں خاموشی سے حیوانی آوازوں اور آہٹوں کی سمت میں بڑھتے رہے۔

جنگل کا وہ سلسلہ دشوار گزار نہیں تھا۔ ہمیں زیادہ دور نہیں چلنا پڑا۔ ہمیں زمین پر پڑی ہوئی انسانی لاش سے چمٹے ہوئے چھ سات بھیڑیے نظر آگئے جو اپنے اپنے حصے کے اعضا کو نوچ رہے تھے۔

روشنی پڑتے ہی بھیڑیے چوکنا ہوگئے۔ شکار کو بھول کر وہ سب ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی بلّور کی طرح چمکتی ہوئی گرسنہ آنکھوں سے بھوکا تجسس جھانک رہا تھا۔ انہوں نے ہمارے پہنچنے سے پہلے اپنے شکار کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا تھا۔

بھیڑیوں کی تھوتھنیوں سے زمین تک خون میں لتھڑی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں کے بیشتر حصے بھیڑیوں کے خالی معدوں میں اتر چکے تھے۔ سینہ اور پیٹ چاک ہوچکا تھا۔ بے جان چہرہ دھڑ سے تقریباً ایک فٹ دور پڑا ہوا تھا۔ گردن الگ نہیں ہوئی تھی، بھیڑیوں نے اسے ادھیڑ ادھیڑ کر لمبا کردیا تھا۔

چاؤ فان نے اپنے ہاتھ میں موجود سرچ لائٹ اس بے نور چہرے پر مرکوز کردی جو لمبی اور گہری خراشوں کے سبب خون میں نہا کر ڈراؤنا ہوچکا تھا۔ وہ سوبھراج کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

''آدمی بہت جان دار تھا...... اپنے زخم کی وجہ سے مارا گیا!'' چاؤ فان بڑبڑایا۔

''رک کیوں گئے...... بڑھتے رہو۔ یہ جانور روشنی سے ڈر کر بھاگ جائیں گے۔''

''بھوک انسان اور جانور پر یکساں اثر کرتی ہے۔ اسے توڑ کر رکھ دیتی ہے یا بالکل بے خوف بنا دیتی ہے۔ جانور روشنی اور انسان سے ڈر کر بھاگتے ہیں مگر اس وقت یہ خطرناک ہوگئے ہیں۔ اپنے منہ کا لقمہ چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے، ہم پر حملہ کردیں گے۔''

چاؤ فان سچ کہہ رہا تھا۔ بھیڑیے اپنی جگہ جمے کھڑے تھے اور ہماری طرف دیکھے جارہے تھے۔ ان کے خون آلود دہانوں میں سوبھراج کے بدن کی مختلف چھوٹی بڑی ہڈیاں دبی ہوئی تھیں۔

''لاش اٹھائے جانے کے قابل نہیں رہی۔'' قدرے توقف کے بعد چاؤ فان نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''ویسے بھی یہ کام چھوٹا راجن کے کرنے کا ہے۔ تھوڑی دیر بعد یہاں ہڈیوں کا پنجر پڑا رہ جائے گا۔ خون کی بو پر دوسرے بھیڑیے اور گیدڑ وغیرہ بھی اس دعوت میں شامل ہوجائیں گے۔ چہرہ تک گوشت سے خالی ہوکر ناقابلِ شناخت ہوجائے گا۔ اب اسے کپڑوں کی دھجیوں اور چیتھڑوں سے ہی پہچانا جاسکے گا۔''

سوبھراج نے اپنے ملک اور قوم سے کھلی غداری کی تھی۔ اسے ہم لوگوں نے بہت ہلکان کیا تھا لیکن اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اسے کوئی بڑی جسمانی سزا دینے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔ سوبھراج اپنی زندگی کے آخری لمحے تک ہماری گرفت سے پھسل کر نکلتا رہا مگر وقت کا بے رحم پہیا اس کے خلاف حرکت میں آچکا تھا۔ قدرت اسے زمین پر بسنے والوں کے لیے عبرت کا نمونہ بنانے کا فیصلہ کرچکی تھی۔ وہ ایسی عبرت ناک موت کا شکار ہوا تھا جو دلوں کو دہلا دینے والی تھی۔

اس کی ارتھی اٹھنے کی گنجائش رہی تھی نہ اسے کوئی سمادھی نصیب ہوسکتی تھی۔ صبح کے اجالے میں اس کی زمین پر بکھری ہوئی خستہ و شکستہ ہڈیاں چن کر تحقیق و تفتیش کی جاتی پھر ہڈیوں کے اس ڈھیر کو سوبھراج کے نام پر چتا کی آگ میں جلا دیا جاتا۔

میں لرز کر رہ گیا۔ سوبھراج کے ساتھ آخرت میں جو کچھ ہونا تھا سو ہونا تھا، قدرت نے اسے دنیا میں ہی اس کا مقام اور انجام دکھا دیا تھا۔

''ماسٹر! معلوم ہورہا ہے کہ تم خاموش کھڑے ہوکر مرنے والے کا سوگ منا رہے ہو!'' اس بار بھی چاؤ فان نے ہی سکوت توڑا اور میں ایک جھرجھری لے کر پھیکے انداز میں ہنس پڑا۔

''سوگ نہیں منا رہا۔ مجھے قلق ہے کہ میں اپنے ہاتھوں سے اسے نہیں مار سکا۔''

''مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی۔ تم ہر وقت انکسار کے سمندر میں غوطے لگاتے رہتے ہو۔ میرے حساب سے تم ہی نے اسے اس انجام کو پہنچایا ہے۔ وہ تمہاری چلائی ہوئی گولی سے زخمی نہ ہوا ہوتا تو سو بھیڑیوں کا غول بھی اسے دیکھتے ہی ڈر کر بھاگ جاتا۔''

چاؤ فان نے سوبھراج کی موت کا سوگ منانے کا طعنہ دے کر میرے کان کھڑے کر دیے تھے۔ میں نے سوبھراج کی باقیات کو بھیڑیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اسی لمحے واپس لوٹنے کا فیصلہ کر لیا۔

واکی ٹاکی پر اپنے آدمیوں کو اپنی واپسی کی اطلاع دینے کے بعد چاؤ فان نے افسردگی سے کہا ''میرے حساب سے اس کھیل میں ایک بڑی گڑ بڑ ہوئی ہے۔ چھوٹا راجن کو یہ پتا نہیں چل سکے گا کہ اس کے مہمان کو ہم لوگوں نے مارا ہے۔ وہ سمجھے گا کہ اس کا مہمان جنگلی جانوروں کا شکار ہوا ہے۔''

چاؤ فان کا وہ اندیشہ بے بنیاد تھا۔ چھوٹا راجن اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ ریسٹ ہاؤس کے پختہ برآمدے سے اپنے ڈرائیور کی لاش برآمد ہونے کے باوجود سوبھراج کی ہلاکت کو کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ سمجھتا۔

وہ اپنی زیر زمین دنیا کا ایک گھاگ آدمی تھا۔ اسے یہ بات سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیے تھی کہ ڈرائیور کی ہلاکت کے بعد سوبھراج کو اپنے دشمنوں سے جان بچا کر ریسٹ ہاؤس سے فرار ہونا پڑا اور وہ زخمی حالت میں جنگلی درندوں کی خوراک بن گیا۔

بچی کھچی ہڈیوں کے طبی تجزیے کے نتیجے میں یہ بات آسانی سے سامنے آ سکتی تھی کہ مرنے سے پہلے متوفی کے جسم پر گولی کا زخم آ چکا تھا۔ گولی لگنے کے بعد سوبھراج نے جس بے ساختگی سے دردناک چیخ ماری تھی، اس کی بنا پر مجھے کامل یقین تھا کہ میری چلائی ہوئی گولی نے اس کی جلد اور گوشت کے ساتھ اس کے بدن کی کسی نہ کسی ہڈی کو بھی گہرا نقصان پہنچایا تھا۔

واپسی کے سفر میں ہم دونوں بے خوف و خطر ہو کر باتیں کر رہے تھے۔ میری وہ وضاحتیں ذرا مشکل سے چاؤ فان کی عملی کھوپڑی میں سما سکیں۔ پوری بات سمجھ لینے کے بعد اس کی خوشی کا ٹھکانا نہیں رہا۔ اس کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ چند روز کے قلیل عرصے میں چھوٹا راجن کو ہمارے ہاتھوں سنگین جانی اور مالی نقصانات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

اس وقت تک اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ سوبھراج سے میری پرانی دشمنی چل رہی تھی۔ اس کا سارا دھیان صرف اور صرف راجن پر مرکوز تھا۔ وہ بدستور اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ میں راجن کے مہمان کو مار کر اسے بالواسطہ طور پر زک پہنچانا چاہتا تھا۔

ہم واپس ریسٹ ہاؤس تک پہنچے تو چار بج چکے تھے۔ آسمان پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک گہری سیاہ چادر پھیلی ہوئی تھی۔ بظاہر حالات پرسکون نظر آ رہے تھے۔

واپسی پر ہمیں ریسٹ ہاؤس میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم دونوں اس کے گرد گھوم کر آگے کی طرف پہنچے تو سفید لینڈ کروزر اپنے سواروں سے محروم ہو کر جوں کی توں کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے آس پاس کسی متنفس کا پتا نہیں تھا۔

''یہاں سناٹا ہے۔ سائرن کی آواز والے قصے کا کیا بنا؟'' میں نے پوچھا۔

''ادھر کوئی نہیں آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آواز ختم ہو گئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ کسی مریض کو اسپتال لے جانے کے لیے ایمبولینس سڑک پر آئی ہو۔'' چاؤ فان کا جواب اطمینان بخش تھا۔

اپنے آدمیوں سے آخری بار بات کرتے ہوئے اس نے گاڑیوں کی پوزیشن کے بارے میں معلوم کر لیا تھا۔ مجھے دور دور تک دونوں گاڑیوں کا نام و نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ چاؤ فان نے اطمینان سے میرے ساتھ سڑک عبور کی اور کچے میں اتر گیا۔

گاڑیاں سڑک سے زیادہ دور نہیں تھیں۔ رخ سیدھا ہوتے ہی مجھے گاڑیاں نظر آ گئیں۔ وہ چاروں ان کے قریب موجود تھے۔

انہوں نے اپنے طور پر ہوشیاری دکھائی۔ سرخ کار کی ڈکی کھلی ہوئی تھی اور گاڑی کو جیک لگا کر ایک پچھلا پہیا زمین سے اوپر اٹھا دیا گیا تھا جیسے اس میں کوئی خرابی ہو گئی ہو۔

ہمارے پہنچنے پر چاؤ فان نے انہیں کام ہو جانے کی نوید سنائی۔ چاروں نے پرجوش انداز میں اپنے مکے فضا میں لہرا کر خوشی کا اظہار کیا۔ ایک نے لپک کر جیک اتارنا شروع کر دیا۔

میں چاؤ فان کے ساتھ اس کی کالی اکارڈ میں سوار ہو گیا۔ چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور اپنے پیچھے دھول اڑاتا ہوا تیزی سے سڑک پر چڑھ گیا۔

''رات کالی ہو چکی ہے۔ ہم آرام سے چلتے رہے تب بھی دن نکلنے سے پہلے بنکاک پہنچ جائیں گے۔'' میں نے

نرمی سے اسے سمجھایا۔
''ماسٹر! ان ذراسی باتوں پر مجھے نہ ٹوکا کرو۔'' اس نے میری بات کا برا منائے بغیر خوش دلی سے کہا۔
''چھوٹے موٹے قوانین توڑنا میری ہابی ہے' بڑے قانون توڑنا میرا پیشہ ہے...... تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ٹریفک سگنل کو توڑ کر یا ایکسپریس وے پر رفتار کی حد سے تجاوز کر کے کتنا مزہ آتا ہے۔ دراصل تم اس لائن کے آدمی نہیں ہو۔ چھوٹا راجن کی دشمنی تمہیں میرے اور ڈان کے قریب لے آئی ہے۔''
''میں قانون کی نہیں' اپنی جان کی حفاظت کی بات کر رہا تھا۔'' میں نے برا سا منہ بنا کر کہا'' قانون بھی تمہارا ہے اور ملک بھی...... اس کے ساتھ جو سلوک چاہو کرتے رہو۔ بس مجھے یہاں سے زندہ لوٹنے کا موقع ضرور دے دینا۔''
چاؤ فان محظوظ ہونے والے انداز میں ہنسا اور بولا'' ماسٹر! تم باتیں بہت مزے کی کرتے ہو...... واہ! کیا بات ہے کہ قانون بھی ہمارا ہے اور ملک بھی۔ یہ بات پولیس والوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ ہر جگہ قانون کے ٹھیکے دار بنے ہوئے ہیں ایک آزاد ملک کے آزاد شہری کو اپنی مرضی اور خوشی کا ہر کام کرنے کی آزادی ہونی چاہیے!''
اس بدمعاش نے مجھے باتوں میں لگا کر گاڑی کی رفتار بڑھادی تھی۔ اس معاملے میں اس کے ساتھ سر کھپانا بے سود تھا' میں نے گاڑی کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر آنکھیں موندلیں۔
''یہ دنیا کی محفوظ ترین گاڑیوں میں شمار ہوتی ہے۔'' اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اس نے اسٹیرنگ وہیل پر ہتھیلی مار کر مجھے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا'' گردن کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے ہیڈ ریسٹ ہے' ڈیش بورڈ سے تصادم کو سیٹ بیلٹ روکتی ہے اور پھر اس میں ائر بیگ بھی ہیں۔ ڈیڑھ سو کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے آمنے سامنے کا تصادم ہو تب بھی سوار بچ جاتے ہیں۔ پسلیاں تک نہیں ٹوٹتیں......!''
''چاؤ فان خدا کا خوف کرو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا'' ابھی ہم لوپ بوری میں ہیں۔ ایکسپریس وے دور ہے لیکن اسپیڈ و میٹر کی سوئی سو کے ہندسے سے آگے جارہی ہے۔''
''یہی تو کمال کی بات ہے!'' وہ خوش ہو کر بولا'' اسپیڈ و میٹر پر نظر نہ ڈالو تو پتا ہی نہیں چلتا کہ گاڑی کس رفتار سے اڑی جارہی ہے۔ اس گاڑی میں پر نہیں ورنہ چھوٹا راجن کا منہ کالا کرنے کی خوشی میں گاڑی کو سڑک سے اوپر اڑانے کو جی چاہ رہا ہے۔''

اس وقت وہ بغیر پیے سرور میں آیا ہوا تھا۔ ہماری مہم کے خوشگوار انجام نے اس پر ضرورت سے زیادہ مثبت اثرات ڈالے تھے۔ میں نے چپ سادھ لی۔
ہماری وہ پوری رات جاگتے ہوئے اور بھاگ دوڑ میں گزری تھی۔ ائر کنڈیشنڈ گاڑی کی نرم اور آرام دہ سیٹ میسر آئی تو ذہن پر بے اختیار اونگھ سوار ہونے لگی۔ جب تک میں چاؤ فان سے الجھتا رہا' ذہن چونچال رہا لیکن آرام کے ساتھ خاموشی سونے پر سہاگا ثابت ہوئی اور مجھ پر باقاعدہ غنودگی نے حملہ کردیا۔
واقعہ بہت تازہ اور چشم دید تھا۔ ذہن گرد و پیش سے جوں ہی غافل ہوا' خونی بھیڑیوں کے غول میں پھنسی ہوئی سوبھراج کی بگڑی ہوئی لاش میری چشم تصور میں آموجود ہوئی میں نے اپنی زندگی میں بہت سی لاشیں دیکھی تھیں جن میں کوئلہ بنے ہوئے سوختہ انسانی جسم بھی شامل تھے مگر جو برا حشر سوبھراج کا ہوا تھا وہ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔
ہم وہاں پہنچے تو سوبھراج زندگی کی قید و بند سے آزاد ہو چکا تھا۔ میری خیال انگیزی اس سے پہلے چلی گئی۔ میں نے سوبھراج کو زندگی کے لیے خوں خوار بھیڑیوں کی یلغار سے بچتے اور اعضا سے محروم ہوتے ہوئے دیکھا تو مجھے بے اختیار جھرجھری آگئی اور میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔
''ماسٹر! سو جاؤ۔'' چاؤ فان بولا'' سفر لمبا ہے کچھ دیر کے لیے اونگھ لو گے تو تھکن کم رہ جائے گی۔ میں ڈرائیونگ سے مزہ لیتا ہوں لڑکی گود میں ہو یا میں گاڑی کی گود میں ہوں' میری پلک تک نہیں جھپکتی' تمہاری بند آنکھیں مجھ پر اثر انداز نہیں ہوں گی۔''
''تمہاری فحش کلامی مجھے پسند نہیں ہے!'' میں نے ناگواری سے کہا۔
''ماسٹر! یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' اس نے حیرت سے احتجاج کیا'' میں تمہارے سامنے بہت مؤدب اور محتاط رہتا ہوں۔ بس زبان زیادہ چلتی ہے اس پر مجھے قابو نہیں ہے۔''
''لڑکی کو گود میں بٹھانے کے ذکر کی اس وقت کیا تک تھی!''
''اوہ! تم بات کو غلط رخ پر لے گئے۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر متاسفانہ لہجے میں بولا'' میں دو چار برس کی لڑکی کی بات کر رہا تھا تم پتا نہیں کہاں پہنچ گئے۔''
میں اسے غصیلی نظروں سے گھور کر رہ گیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں خباثت ناچ رہی تھی اور ہونٹوں پر خفیف سی فاتحانہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

میں محسوس کررہا تھا کہ اس سے مختصر ملاقاتیں ہی بہتر رہتی تھیں۔ وہ سراپا ادب واحترام بنا رہتا تھا۔ اسے بے تکلفی ہونے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ میرے ساتھ وقت گزار کر وہ رفتہ رفتہ بے تکلفی کی کوئی نہ کوئی راہ ہموار کرلیتا تھا اور میں بے بس ہوکررہ جاتا تھا۔

جاڈ فان کی تیز رفتاری اور آپس کی نوک جھوک کی وجہ سے وہ سفر بہت تیزی سے طے ہوگیا۔ ہماری گاڑی بنکاک کی شہری حدود میں داخل ہوئی تو آسمان پر دور دور تک سفیدی پھیلنے کے آثار نہیں تھے۔ اپنے پیچھے آنے والی سرخ گاڑی کو جاڈ فان نے میلوں دور چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆

''اس انجام پر میرا رواں رواں کانپ اٹھا ہے!'' اس مہم کی مختصر سی روداد سن کر غزالہ بولی ''یہ خبر پاکستان پہنچے گی تو اس کے خاندان میں کہرام مچ جائے گا۔''

''پوری طرح دن نکلنے سے پہلے گوشت خور چوپائے اور پرندے اس کا ایک ایک ریشہ کھا جائیں گے اور وہ استخوانی ڈھیر کی صورت میں پڑا رہ جائے گا۔'' میں نے ہلکی سی انگڑائی لیتے ہوئے جواب دیا ''اس نے اپنے قدموں سے چل کر اس موت کو گلے لگایا ہے۔''

''آپ اسے دیکھ کر آئے ہیں مگر میری طبیعت وہ سب سوچ کر مکدر ہوگئی ہے۔ انسان اپنے زعم میں مبتلا ہوکر یہ بھول جاتا ہے کہ اسے کس نے پیدا کیا ہے اور وہی قادر مطلق ہے جو انسان کو اس کے اعمال کی بنا پر کسی بھی انجام کی طرف ہانک سکتا ہے۔ کاش' سوبھراج کے انجام سے دوسرے غدار عبرت حاصل کرسکیں۔ ہماری آستینوں میں اب بھی سانپ پل رہے ہوں گے۔''

''کیا تم اس کے لیے اپنے دل میں ہمدردی کے جذبات محسوس کررہی ہو؟'' میں نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''کیا وہ کسی ہمدردی کا مستحق تھا؟'' غزالہ نے الٹا سوال کرڈالا۔

میں ہنس دیا۔ غزالہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

سوبھراج کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانے میں دو آدمیوں نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہ خبر جاڈ فان لایا تھا کہ موتی محل میں امریکی فوجیوں کا آپریشن شروع ہوتے ہی راجن کی سفید لینڈ کروزر میں اس کا ڈرائیور کسی نامعلوم مسافر کو لے کر پچھلے راستے سے روانہ ہوا تھا اور آخر تک واپس نہیں آیا تھا۔ وہ میرے ساتھ اس مہم میں شانہ بہ شانہ شریک تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ لوپ بوری کے ریسٹ ہاؤس کے باہر راجن کی وہ گاڑی موجود تھی۔

دوسری طرف اسد نے یہ باتیں معلوم ہونے سے پہلے اپنے ایک دوست کے ذریعے کار ٹریکنگ کمپنی کے ریکارڈ

پہلا قدم

لڑکی نے کافی اصرار کے بعد لڑکے کو آمادہ کیا کہ وہ اس کے باپ سے مل کر شادی کی بات کرے۔ لڑکا گویا بڑی ہمت کرکے لڑکی کے باپ سے ملنے گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کا منہ لٹکا ہوا تھا اور کندھے جھکے ہوئے تھے۔

''کیا ہوا......؟ کیا ابو تمہاری بات سن کر ناراض ہوگئے؟ کیا انہوں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا؟'' لڑکی نے تشویش سے پوچھا۔

''نہیں.... ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' لڑکے نے مردہ سی آواز میں جواب دیا۔

''تو پھر تم ایسے اداس اور پریشان کیوں نظر آرہے ہو؟ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ ڈیڈی نے تمہیں قبول کرلیا۔'' لڑکی بولی۔

''مجھے اس کی کچھ زیادہ خوشی نہیں ہے۔ پہلے تو وہ میری بات ہی نہیں سن رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میری حیثیت ایسی نہیں ہے کہ میں ان کی بیٹی سے شادی کرسکوں۔'' لڑکے نے کہا۔

''تو تم انہیں بتادیتے کہ تمہارے بینک اکاؤنٹ میں پچاس لاکھ روپے موجود ہیں۔ تم کوئی ایسے گئے گزرے نوجوان نہیں ہو۔'' لڑکی بولی۔

''جب وہ کسی اور طرح قائل نہیں ہوئے تو آخرکار میں نے یہ بات انہیں بتا ہی دی۔'' لڑکے نے کراہنے کے سے انداز میں کہا۔

''تمہارے پچاس لاکھ کے بینک اکاؤنٹ کا سن کر تو وہ مطمئن ہوگئے ہوں گے؟'' لڑکی نے دریافت کیا۔

''ہاں۔'' لڑکے نے جواب دیا۔

''تو پھر تم اتنے مایوس اور پریشان کیوں نظر آرہے ہو؟'' لڑکی نے قدرے خفگی سے پوچھا۔

''انہوں نے وہ پچاس لاکھ ادھار مانگ لیے ہیں۔'' لڑکے نے مردہ سے لہجے میں جواب دیا۔

سے پتا چلایا تھا کہ اس وقت راجن کی صرف ایک گاڑی بنکاک سے باہر تھی۔ اس کی چار گاڑیاں شہر میں موجود تھیں۔ گاڑی وہی تھی جس کے کوائف چاؤفان نے بتائے تھے اور وہ لوپ بوری میں کسی ایک مقام پر ٹھہری ہوئی تھی۔

دو مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی ان معلومات کی روشنی میں، میں نے فوری طور پر لوپ بوری جانے کا فیصلہ کیا تھا جو صحیح ثابت ہوا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ اسد نے وہ پوری رات جاگ کر بے چینی سے گزاری ہوگی۔ اس کی آنکھیں لگی ہوئی ہوں گی کہ اس کی حاصل کی ہوئی معلومات کی بنا پر کیے جانے والے فیصلے کا کیا نتیجہ رہا۔

میں نے اسد کا نمبر ملایا۔ وہ انتظار میں فون لیے بیٹھا تھا۔ گھنٹی بجتے ہی اس کی طرف سے جواب آ گیا۔

''کیا رہا؟'' اضطراب اور اضطرار کے عالم میں اس نے دعا سلام کو فراموش کر کے بے تابانہ لہجے میں سوال کیا۔

''تمہارا دیا ہوا سراغ اس کے تابوت کی آخری کیل ثابت ہوا۔ مسافر لمبے سفر پر روانہ ہو چکا ہے۔'' میں نے فون پر کوئی نام لیے بغیر گول مول الفاظ میں پیغام دیا۔

''ویری گڈ...... !'' اس کی آواز فرطِ جذبات سے مغلوب تھی ''کیا میں تمہارے پاس آ سکتا ہوں؟ مجھے وہاں پہنچنے میں چند منٹ لگیں گے۔''

میں نے ایک نظر غزالہ کی طرف دیکھا۔ شب بیداری کے باوجود سوبھراج کے انجام پر خاصی بشاش نظر آ رہی تھی۔ میں نے اسد کو آنے کی دعوت دے کر فون بند کر دیا۔

''یہ خبر پھیلتے ہی ہر طرف سنسنی پھیل جائے گی۔'' غزالہ نے ہنس کر کہا۔

''اسد ہمارا شریک اور رازداں تھا۔ اسے باخبر رکھنا ہمارا اخلاقی فرض تھا۔ اس کے سوا ہم کسی سے اس واقعے کا ذکر نہیں کریں گے۔ بہتر ہوگا کہ یہ خبر موتی محل کے مکینوں یا سرکاری ذرائع سے بازار میں آئے۔''

غزالہ نے حسبِ عادت مجھ سے کوئی بحث نہیں کی۔ اثبات میں سر ہلا کر میری ہدایت تسلیم کر لی۔ مجھے اس کی وہ ادا بہت پسند تھی۔

جوشِ انتقام سے مغلوب ہو کر ہم نے موت کی اندھی وادی تک دیوانہ وار سوبھراج کا پیچھا کیا جب تک وہ زندہ و سلامت تھا، میں نے بھول کر بھی اس کے قتل کے نتائج کے بارے میں نہیں سوچا تھا، اس کے جہنم واصل ہونے کے بعد میرے ذہن میں یکایک متعدد سنگین خیالات کلبلانے لگے تھے۔

وہ پاکستان کا ایک بھگوڑا مجرم تھا جو غیر قانونی طور پر پاکستان سے نکل کر چوری چھپے تھائی لینڈ آیا تھا۔ عتاب میں آنے سے پہلے وہ پاکستان کی سیاسی بساط کا ایک اہم مہرہ تھا جس کی بات ہر سطح پر سنی اور مانی جاتی تھی۔

اس کی باغیانہ بلکہ غدارانہ سرگرمیوں کے ٹھوس شواہد سامنے آنے کے بعد دنیا بھر کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ وہ ایک بڑے ملزم کی حیثیت سے پاکستانی حکومت کو مطلوب تھا۔

پاکستان یا کسی پاکستانی کی طرف سے لوپ بوری میں اس کے قتل کا انکشاف ہر ذہن میں بہت سے شکوک و شبہات کو جنم دینے کا باعث بن سکتا تھا۔ اولین شبہ یہی کیا جاتا کہ پاکستانی ایجنسیاں اپنے مطلوب ملزم کا پیچھا کرتی ہوئی تھائی لینڈ پہنچیں اور موقع ملتے ہی سوبھراج کا کام تمام کر کے اس کی لاش خطرناک جنگل میں پھینک دی، جہاں بھوکے درندے سوبھراج کی ایک ایک ہڈی چاٹ گئے۔

پاکستان کے لیے اس سہل کہانی کی تردید خاصی دشوار ثابت ہو سکتی تھی۔ ان وجوہ کی بنا پر فوری طور پر ہمارا خاموش رہنا بہتر تھا۔

''اسد کے ساتھ چاؤفان اور اس کے چاروں آدمی اس راز سے باخبر ہیں۔'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد غزالہ نے مجھے یاد دلایا۔

''میری نگاہ میں ان پانچوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ وہ غافل مسافر ہیں وہ سوبھراج کے نام سے بے خبر ہیں۔ انہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ راجن کا ایک مہمان مارا گیا ہے۔ وہ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا یہ باتیں ان کے علم میں نہیں ہیں۔''

''آپ کہتے ہیں تو ہماری خاموشی مناسب رہے گی ورنہ دن چڑھنے کے ساتھ یہ خبر ہر طرف پھیل جائے گی کہ سوبھراج مارا گیا۔'' وہ بولی۔

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں سوبھراج کی موت کے بعد پیدا ہونے والے بحران کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں اسد آ پہنچا۔ سوبھراج کی موت کی خبر پر وہ خوش ضرور تھا لیکن اس کی خوشی غیر معمولی نہیں تھی۔ باتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے ذہن میں بھی وہی سوال سر ابھار رہے تھے جنہوں نے مجھے فکرمند کیا ہوا تھا۔ مجھے واپسی پر ان سوالات نے پریشان کرنا شروع کیا تھا۔

"یہ دونوں حضرات کس موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں؟"

اسد نے ہماری روانگی کا فیصلہ ہوتے ہی ہماری کامیابی کا یقین کر کے اس سمت میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔ وہ بنکاک میں آئی بی کا باضابطہ ریذیڈنٹ افسر تھا۔ سوبھراج کی غیر فطری موت کی خبر پھیلتے ہی سب سے پہلے اس کی پوزیشن مشکوک ہوتی تھی۔

وہ زیرک آدمی تھا۔ لوپ بوری کی طرف ہماری روانگی کے بعد جب اسے فکرمندی نے آن گھیرا تو اس نے بنکاک میں اپنی موجودگی کے گواہ پیدا کرنے کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔

اپنے جن شناساؤں سے وہ عام حالات میں سلام دعا سے زیادہ واسطہ رکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے ان میں سے تین رنگین مزاج افراد کو رات کے بارہ بجے ہی شہر کے ایک مشہور نائٹ کلب میں مدعو کر لیا۔ پتھر میں جونک لگنے سے ان تینوں کو سخت حیرت ہوئی اور وہ خوشی سے بروقت وہاں آ گئے۔ اسد نے ان کے داخلے کے ٹکٹ خریدے اور اندر انہیں اپنی گرہ سے صبح کے تین بجے تک ان کی من پسند شرابیں پلاتا رہا۔ عام طور پر وہ خود شراب نہیں پیتا تھا۔ اس رات بھی اس نے شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ وہ وقت گزاری کے لیے ڈھیرے ڈھیرے جوس پیتا رہا۔

وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ کوئی ضرورت پڑنے پر وہ تینوں اس کے حق میں یہ گواہی دے سکیں کہ اسد ان کے ساتھ رات بھر بنکاک کے ایک نائٹ کلب میں موجود تھا۔ اس وقت وہ ایک لمحے کے لیے بھی شہر سے باہر نہیں گیا تھا۔

تین بجے وہ تینوں نشے میں خاصے بدمست ہو چکے تھے۔ مزید شراب نوشی کے نتیجے میں وہ اسد کے لیے جان کا عذاب بن سکتے تھے۔ اس نے انہیں رخصت کیا اور ٹیکسی پکڑ کر اپنے گھر لوٹ آیا۔

"ایک فری لانسر اور پیشہ ور آدمی میں یہ فرق ہوتا ہے۔" میں نے اس کی پوری کہانی سن کر ستائشی لہجے میں کہا "تم کو کیسے اندازہ ہو گیا کہ تمہیں اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے اس قسم کی کسی گواہی کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"ایسے معاملات میں ہمیشہ تجربہ رہنمائی کرتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے بتایا "لوپ بوری میں سوبھراج کی موجودگی کا ثبوت مل چکا تھا۔ تم نے جس جذبے کے ساتھ

.....وہاں جانے کا فیصلہ کیا اس کے نتیجے میں کچھ نہ کچھ ہوتا نظر آرہا تھا۔ میں نے اس کے آگے امکانی واقعات پر غور کیا تو مجھے اپنی پوزیشن سب سے زیادہ مخدوش نظر آئی' میں نے اپنی کھال بچانے کے لیے ہاتھ پیر مارنا شروع کردیے۔ اب وہ مشق میرے کام آئے گی۔''

''تمہاری پوزیشن خطرے سے باہر ہے تم فکرمند کیوں ہو؟''

''میرا خیال ہے کہ میں نے خود کو بچالیا ہے لیکن میں پاکستان پر آنے والے الزامات کا رخ نہیں موڑ سکتا۔ وہ گولی سے مرا ہو یا جانوروں کے حملے سے' بادی النظر میں الزام تراشی کا ہدف پاکستان بنے گا۔ سوبھراج کے بھارتی ہمدرد اس مہم میں سب سے آگے نظر آئیں گے۔''

''یہ باتیں کھلیں گی تو میری طرف سے ڈان کا ماتھا ضرور ٹھنکے گا۔'' میرا ذہن اس واقعے کی باریکیوں میں الجھنے لگا۔ ''اس نے غیر مشروط طور پر میری حمایت کی ہے۔ مجھ سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی گئی۔ ایک بار سرسری طور پر مجھے اسے بتانا پڑا تھا کہ میں پاکستانی ہوں۔''

اسد کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں ابھر آئیں اور وہ پُرخیال آواز میں بولا ''تمہارے لیے یہ مسئلہ ضرور پیدا ہوگا۔ قانون کے محافظوں کے مقابلے میں ڈان برنارڈ بہت خطرناک آدمی ہے۔ قانون کا ایک لگا بندھا طریقہ کار ہوتا ہے۔ ڈان اپنی مرضی سے فیصلہ کرے گا۔ اپنے عروج کے دنوں میں وہ زیرزمین دنیا کا سفاک ڈکٹیٹر سمجھا جاتا تھا۔''

''بہرحال مجھے اس کا سامنا تو کرنا ہوگا۔ آگے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''

''تم نے یہاں اپنا مشن کامیابی سے پورا کرلیا ہے۔'' اس نے میرے چہرے پر اپنی نظریں جما کر نیچی آواز میں کہا ''میری مانو تو بھابی کے ساتھ پہلی پرواز سے یہاں سے نکل جاؤ۔''

میری آنکھوں میں تذبذب کے سائے دیکھ کر اس نے لمحہ بھر بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''چاہو تو خشکی کے راستے کسی بھی طرف نکل سکتے ہو۔ ملائیشیا تمہارے لیے بہتر رہے گا۔ سرحد پار کرتے ہی تم دونوں کو آسانی سے ہفتے عشرے کا ویزا مل جائے گا۔''

''یہ بہت نازک مرحلہ ہے میں نے تمہاری دونوں تجاویز نوٹ کرلی ہیں' سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کروں گا۔'' مجھے اس کے مشوروں میں افادیت کا پہلو نظر آرہا تھا۔

سوبھراج مرگیا تھا لیکن اس کا آسیب میرے لیے مسائل پیدا کررہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں طے کرلیا تھا کہ میں اسد سمیت کسی کو بھی اپنے فیصلے کی ہوا نہیں لگنے دوں گا۔ نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس پر عمل کر گزروں گا۔

اسد کی عمر زیادہ نہیں تھی لیکن انٹیلی جنس بیورو جیسے اہم محکمے سے اپنی طویل وابستگی کی بنا پر وہ اپنی عمر سے زیادہ پختہ کار اور جہاں دیدہ ہوچکا تھا۔ میں نئے مسائل پر دیر تک اس سے تبادلہ خیال کرتا رہا۔

بڑے ہوٹل میں قیام کا یہ فائدہ تھا کہ وہاں روم سروس چوبیس گھنٹے دستیاب تھی۔ اس دوران میں ہم نے دو مرتبہ چائے اور دیگر لوازم منگوائے جو ذرا سی دیر میں پیش کردیے گئے۔ لوپ بوری تک دوڑ لگانے کے بعد مجھے ان چیزوں کی شدت سے ضرورت محسوس ہورہی تھی۔ بنکاک میں رات کا کھایا ہوا کھانا نہ جانے کب ہضم ہوچکا تھا۔

غزالہ ہم دونوں کی باتیں غور سے سن رہی تھی۔ بہ ظاہر وہ کمرے میں اِدھر اُدھر مصروف نظر آرہی تھی لیکن مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ اس کے کان ہماری باتوں کی طرف لگے ہوئے تھے۔ گفتگو میں کئی متنازعہ امور بھی زیر بحث آئے مگر غزالہ نے کسی مرحلے پر درمیان میں دخل اندازی نہیں کی۔ آثار بتا رہے تھے کہ وہ اسد کی روانگی کے بعد تخلیے میں مجھ سے بات کرنے کے لیے اپنا ذہن بنارہی تھی۔

غزالہ نے کمرے کی اکلوتی بڑی سی کھڑکی سے بھاری پردہ ہٹایا ہوا تھا۔ باریک پردے کے پیچھے لگے ہوئے شفاف شیشوں میں سے باہر کی کھلی فضا کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ اسد ہمارے پاس پہنچا تو آسمان بہ دستور تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ نیچے اسٹریٹ لیمپس وغیرہ کی روشنی کا انعکاس پھیلا ہوا نظر آرہا تھا۔ رفتہ رفتہ اجالے کی چادر اس اندھیرے کو نگلتی چلی گئی۔ مشرق کی طرف سورج طلوع ہوا اور ہر طرف یکساں اجالا پھیل گیا تو غزالہ نے بھاری پردے مشینی کنٹرول کے ذریعے کھڑکی پر کھینچ دیے۔

''تمہارا بدن تھکن سے چور ہورہا ہوگا۔ اب تم آرام کرو میں چلتا ہوں۔'' اسد نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ شہر میں پھیلنے والی خبروں کی سن گن لینے کے لیے اس کا جانا ہمارے لیے زیادہ سودمند تھا۔ میں اس کے ساتھ نیچے تک جانا چاہ رہا تھا لیکن وہ میری روداد سننے کے بعد وہ مسلسل میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا رہا تھا۔ اس نے مجھے دروازے سے ایک قدم آگے نہیں بڑھنے دیا اور رخصت ہوگیا۔

میں کمرے میں بستر پر دراز ہوگیا۔ میری آنکھوں میں یکا یک نیند اترنے لگی تھی۔

''کیا آپ اسد پر کسی قسم کا شبہ محسوس کر رہے ہیں؟'' غزالہ نے بستر پر میرے قریب بیٹھ کر بہت نرمی اور اپنائیت کے ساتھ سوال کیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ آپ کھل کر اس سے بات نہیں کر رہے۔ فیصلہ کن موڑ پر آپ بار بار بات ٹال رہے تھے!'' اس نے سادگی سے سبب بتا دیا۔

وہ میری مزاج شناس ہوگئی تھی۔ اسد کو اس باریکی کا ذرا بھی ادراک نہیں ہو سکا تھا۔ غزالہ نے میرے دل کا چور پکڑ لیا تھا۔

''تم خطرناک ہوتی جا رہی ہو!'' میں نے ایک بھرپور سانس لے کر کہا ''غنیمت ہوا کہ تم نے ہماری باتوں میں دخل نہیں دیا۔ اسد کو تمہارے تجزیے کا علم ہوتا تو اسے بہت ملال ہوتا۔ وہ بہت ذہین اور مخلص آدمی ہے' میں اس کی قدر کرتا ہوں۔''

''میں جان بوجھ کر خاموش رہی۔ آپ اس سے ایک خاص زاویے سے بات کر رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ میری مداخلت گڑبڑ کر دے گی۔''

''میں نے صرف ایک بات اس سے چھپائی ہے مگر وہ تم سے نہیں چھپ سکی۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''اس کا مشورہ بہت مناسب تھا۔ یہاں میرا کام پورا ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ پانی ہمارے سر سے اونچا ہو' ہمیں خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

''یہ بات اسے معلوم ہو جاتی تو کیا حرج تھا۔ وہ ہمارا ہمدرد اور رازداں ہے۔ آپ اسے تاکید کر دیتے تو وہ کسی کو اس بات کی ہوا نہ لگنے دیتا۔''

''زبان سے نکلی ہوئی بات پرائی ہو جاتی ہے۔ میں ڈان کی طرف سے بہت فکرمند ہو گیا ہوں تم کو ایسے لوگوں کے مزاج کا تجربہ نہیں ہے۔ اسے یہ علم ہوگا کہ میں نے چالاکی دکھا کر سوبھراج کے معاملے میں اسے اپنا آلہ کار بنایا ہے تو وہ میرے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔''

''یہاں سے نکل کر آپ کہاں جائیں گے......؟ آپ کو یاد ہوگا کہ آپ سوبھراج کے پیچھے یہاں نہیں آئے تھے۔ وہ ہمارے بعد بنکاک آیا تھا۔ آپ کو پاکستان میں پیدا ہو جانے والے حالات کی وجہ سے وہاں سے نکلنا پڑا تھا۔''

''مجھے سب یاد ہے۔'' میں نے اس کی دور اندیشی پر مسکراتے ہوئے کہا ''کلیرنس کے بغیر میں پاکستان کا رخ نہیں کروں گا۔ جلال کو شاید ان حالات کا کچھ نہ کچھ ادراک تھا۔ اس کی سمجھداری کی وجہ سے ہمارے پاسپورٹوں پر امریکا اور کئی یورپی ممالک کے کارآمد ویزے لگے ہوئے ہیں۔ یہاں سے ہم کہیں بھی جا سکتے ہیں۔''

''اس پروگرام پر کب تک عمل کرنے کا ارادہ ہے آپ کا؟''

''اس وقت جسم کے ساتھ میرا ذہن بھی تکان سے ماؤف ہو رہا ہے۔ میں کچھ دیر کی نیند لے کر تازہ دم ہو جاؤں تو آج ہی یہ ہوٹل چھوڑ دوں گا۔''

میرے وہ الفاظ سن کر غزالہ حیران ہو گئی ''یہ کیسے ہو سکے گا۔ آپ کے پاس بنکاک سے کراچی واپسی کا ٹکٹ ہے۔ نئے سفر کے لیے نیا ٹکٹ بنوانا ہوگا۔ آج کل جہازوں میں بھی بسوں اور ٹرینوں کی طرح رش رہنے لگا ہے۔ پتا نہیں کب کی نشستیں ملتی ہیں۔ اسد کی مدد کے بغیر یہ سب کام تیزی سے کیسے نمٹ سکیں گے؟''

''سب ہو جائے گا۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھام کر بے پروائی سے کہا ''میرا سر دباؤ تاکہ میں سو سکوں۔ اٹھنے کے بعد میں تمہیں سب کچھ سمجھا دوں گا۔''

وہ میرے سرہانے کی طرف سرک آئی اور اپنے نرم و گداز ہاتھوں سے میرا سر دباتے ہوئے بولی ''آپ سو جائیں گے اور میں اندیشوں میں گھر کر پریشان ہوتی رہوں گی۔ آپ ڈان کی طرف سے فکرمند ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ چاؤفان سے بھی کوئی مدد نہیں لیں گے......''

''اسد سے میں بلاوجہ باتیں نہیں کر رہا تھا۔ بنکاک سے کوالالمپور کے لیے آرام دہ ٹورسٹ بسیں چلتی ہیں۔ اس نے باتوں باتوں میں سارے حل بتا دیے تھے پاسپورٹ دکھا کر ہم ٹکٹ خریدیں گے اور آج ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ اگلے سفر کا آغاز کوالالمپور سے ہوگا۔ ڈان کے سائے سے دور نکل کر ہم بے فکری سے منصوبہ بندی کر سکیں گے۔''

''تو میں ہوٹل والوں سے بل بنانے کے لیے کہہ دوں؟'' اس نے پرشوق لہجے میں پوچھا ''اس کام میں وہ بھی خاصا وقت لے لیں گے۔ آپ کے بیدار ہونے تک سب کچھ تیار ہوگا۔''

''میں اسی لیے خاموش تھا!'' میں نے زور دے کر کہا ''کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ زبان بند رکھو اور تم بھی کچھ دیر کے لیے آرام کر لو۔ ہمیں سب کچھ بہت

تیزی سے اور اچانک کرنا ہوگا۔''

میں نے ایک طرف سرک کر اس کے لیے جگہ بنائی اور وہ میری طرف کروٹ لے کر وہیں دراز ہوگئی اس کی انگلیاں میرے بالوں میں مسلسل چل رہی تھیں۔

''خطرات نہ ہوتے تو ہم اچانک نیویارک پہنچ کر سلطان شاہ اور ویرا کو حیران کر سکتے تھے۔'' اس نے پراشتیاق لہجے میں سرگوشی کی۔

''خطرات ڈینی کو ہیں۔ میں علی احمد ہوں جہاں چاہوں جا سکتا ہوں۔'' میں نے ہلکے سے سرور کے عالم میں جواب دیا۔ وہ میرے قریب لیٹی بہت محبت سے میرے بالوں کی جڑوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ میرے اوپر تیزی سے نیند کا غلبہ ہونے لگا۔ میں نے آنکھیں موند لیں۔

وہ کچھ نہ بولی۔ اس کے گہرے اور ہموار سانسوں کی موہوم سی آواز کے سوا کمرے کی خنک فضا میں مکمل سکوت چھا گیا تھا۔ باہر دن نکل چکا تھا' اندر دبیز پردوں کے سبب رات کا سماں بنا ہوا تھا۔ ذرا سی دیر میں میری آنکھ لگ گئی۔

میں از خود گہری نیند سے بیدار ہوا تو غزالہ پوری طرح تیار تھی اور ہمارا مختصر سا سامان پیک کیا جا چکا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے بستر چھوڑ کر انگڑائی لیتے ہوئے شوخی سے پوچھا۔

''اپنا کام پورا کیا ہے۔'' اس نے گردن ترچھی کر کے جواب دیا'' میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کے پروگرام میں کوئی تاخیر ہو۔''

مجھے یاد آ گیا کہ سونے سے پہلے میں نے ہوٹل بلکہ بنکاک اور تھائی لینڈ چھوڑ کر ملائیشیا کی طرف روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میں نے فوری طور پر غسل خانے میں گھسنے کا ارادہ ترک کر کے فون کا ریسیور اٹھایا اور انٹر کام پر نمبر ملا کر کاؤنٹر والوں کو اپنے کمرے کا بل تیار کرنے کی ہدایت کر دی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔'' غزالہ اٹھلا کر بولی ''یہاں کے بازار بہت سستے اور پرکشش ہیں لیکن آپ کی وجہ سے ساری شاپنگ آخر کے لیے دھری رہ گئی۔ اجازت ہو تو تھوڑی دیر کے لیے قریبی بازار کا ایک چکر لگا آؤں۔''

وہ غزالہ نہیں' اس کے اندر کی عورت بول رہی تھی۔ میں نے دلآویز لہجے میں کہا ''پتا نہیں آگے کیا ہونے والا ہے' کہاں کہاں جانا ہوگا۔ سامان کہاں لادے پھرو گی ہم خانہ بدوش لوگ ہیں ضرورت کی چیزیں میسر ہونی چاہئیں' آرائش اور زیبائش کے اسباب کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ان لوگوں کے جھمیلے ہیں جو ٹک کر ایک جگہ رہتے ہیں اور وہیں پوری عمر گزار دیتے ہیں۔''

''پھر بھی یہاں کی کوئی یادگار تو ہونی چاہیے' پتا نہیں دوبارہ ادھر آنا بھی ہوتا ہے یا نہیں۔''

''بھیڑیے زیادہ خون خوار نہ ہوتے تو میں تمہارے لیے سوبھراج کی کوئی چھوٹی سی ہڈی اٹھا لاتا۔ اس سے بہتر اور ہلکی پھلکی یادگار کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔''

غزالہ کے اصرار کا سامنا کرنے سے بچنے کے لیے میں تیزی سے غسل خانے میں گھس گیا۔

ٹھنڈے پانی کی تیز دھاروں کے نیچے غسل کرتے ہوئے میرے دل میں ایک پھانس سی چبھ رہی تھی کہ مجھے سوبھراج کے خلاف اپنے دل کی حسرتیں نکالنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا۔ اس بھگوڑے نے لمبی دوڑ لگا کر خود کو اچانک خونی درندوں کے جتھے میں پہنچا دیا جہاں اس سے پوچھ کچھ کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس سے سامنا ہوتا تو میں اسے نہ صرف اپنے ہاتھوں سے بری طرح ادھیڑتا بلکہ اس کے کرتوتوں اور مشیروں کے بارے میں بھی اس سے بہت کچھ اگلوا لیتا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ قوم فروشی کے گھناؤنے کاروبار میں وہ اکیلا نہیں تھا کچھ اور کالی بھیڑیں بھی اس کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔ سوبھراج وہ سب راز اپنے سینے میں لے کر چلا گیا تھا۔

شاور سے گرنے والے پانی کے شور میں مجھے کوئی اور آواز نہیں سنائی دی۔ جب میں غسل خانے سے نکلا تو غزالہ نے بتایا کہ میرے لیے چاؤ فان کا فون آیا تھا۔ اس نے کچھ دیر بعد دوبارہ فون کرنے کا وعدہ کیا تھا اور تاکید کی تھی کہ میں باہر نہ نکلوں' کمرے میں رک کر اس کی کال کا انتظار کروں۔

مجھے اسد اور چاؤ فان دونوں کی طرف سے رابطے کی توقع تھی' سوبھراج کی موت کو کافی وقت گزر چکا تھا۔ اس وقت دن کے دو بجنے والے تھے' میرا خیال تھا کہ اس وقت تک لوپ بوری کے خون آشام واقعے کے بارے میں خبریں بازار میں آ گئی ہوں گی۔ وہ دونوں اپنے اپنے طور پر مجھے ان خبروں سے آگاہ کرنے کی کوشش کر سکتے تھے۔

یہاں تک سب کچھ ٹھیک تھا لیکن چاؤ فان کی کمرے میں رک کر کال کا انتظار کرنے والی بات عجیب تھی۔ ہم دونوں کے پاس موبائل فون موجود تھے وہ چاہتا تو میں غسل سے فارغ ہونے کے بعد خود اس سے رابطہ کر سکتا تھا۔

پھر میں نے اس نکتے کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ

اچھی انگریزی بول لیتا تھا مگر اس کا تلفظ درست نہیں تھا۔ مقامی لب و لہجے سے مغلوب ہونے کی وجہ سے اس کی بعض باتیں ذرا مشکل سے سمجھ میں آتی تھیں۔ میں اس کا عادی ہو چکا تھا۔ غزالہ سے سننے اور سمجھنے میں بھول چوک ہو سکتی تھی۔

میں نے اپنے مقامی موبائل فون پر چاؤ فان کا نمبر ملا لیا۔ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد مجھے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ وہ مقامی زبان میں بول رہی تھی۔ میرے لیے الفاظ ناقابلِ فہم تھے۔ بولنے والی کا انداز تخاطب کا نہیں، بیانیہ تھا۔

میں نے اس کا جواب دینے کی حماقت نہیں کی۔ پہلا بیان مکمل ہونے کے بعد قدرے سکوت ہوا پھر اسی آواز اور انداز میں وہی مانوس الفاظ دہرائے جانے لگے تو بات میری سمجھ میں آگئی۔ چاؤ فان کا فون بند تھا۔ اس کے نمبر پر ریکارڈنگ آرہی تھی۔

چاؤ فان کے دماغ میں اپنی نام وری اور بڑائی کا خناس گھسا ہوا تھا۔ وہ بڑی باتوں پر بھرپور توجہ دیتا تھا لیکن چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر جاتا تھا۔ پچھلی شام موتی محل کے سامنے عین ضرورت کے وقت اس کا کارڈ ختم ہو چکا تھا۔ شاید اس وقت بیٹری وغیرہ کا کوئی مسئلہ درپیش رہا ہوگا۔ میں نے دل ہی دل میں اس پر لعنت بھیج کر فون بند کر دیا۔

میں نے ہوٹل والوں کو حساب بنانے کی ہدایت دے دی تھی، غزالہ روانگی کے لیے تیار تھی۔ ہمارا مختصر سا سامان سمٹ چکا تھا۔ میں نے اپنی تیاری شروع کر دی۔

اس وقت تک مجھے چاؤ فان کے فون کی اہمیت کا ذرا بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ میں نے اسے ایک عام کال سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

چند منٹ کے بعد دوبارہ اس کا فون آیا تو ریسیور میں نے خود اٹھایا۔

''ماسٹر! کیا حال احوال ہیں؟'' وہ میری آواز سنتے ہی چہکا ''میرا خیال ہے کہ تم نے خوب سو کر اپنی نیند کی کسر پوری کر لی ہوگی۔''

''تمہارے موبائل فون کے ساتھ کیا مصیبت ہے...... وہ کیوں بند ہے؟'' میں نے ترشی سے پوچھا۔

''ماسٹر! یہ ادب اور احترام کا معاملہ ہے۔ آج بڑے آدمی نے مجھے ملاقات کی عزت بخشی ہے۔ اس کے سامنے جاتے ہوئے میں نے اپنا موبائل فون بند کر دیا تھا۔ اب ملاؤ گے تو نمبر مل جائے گا۔''

''تو کیا تم نے مجھے اسی کے ٹھکانے سے فون کیا تھا؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''تمہیں فون کرتے ہی اس سے ملنے چلا گیا تھا!''

''اور اتنی جلدی واپس لوٹ آئے؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''مختصر سی بات تھی۔ بڑا آدمی فوری طور پر تم سے ملنا چاہتا ہے!'' چاؤ فان کی آواز میں یکایک سنجیدگی عود کر آئی۔

''کیوں...... ایسی کیا ضرورت پیش آگئی؟'' چاؤ فان کی زبان سے ڈان کا نیا حکم سن کر میں یکایک سناٹے میں آگیا۔ اس مرحلے پر وہ حکم بہت خطرناک تھا۔

''اس سے ملو گے تو پتا چل جائے گا۔ وہ بعض سوالوں کے جواب جاننا چاہتا ہے۔ میں ان سے بے خبر ہوں شاید تم اسے مطمئن کر سکو۔ میں نے شروع سے آخر تک تمہاری ہدایات پر عمل کیا ہے۔ اب اس بارے میں مجھ سے بات نہیں ہوگی سبب تمہیں معلوم ہے۔''

اس نے ایک بار بھی ڈان کا نام نہیں لیا۔ اس بارے میں ان لوگوں کے اپنے تحفظات تھے۔ چاؤ فان کسی وقت مجھے بتا چکا تھا کہ ہمیں کسی تیسرے فرد کے سامنے ڈان کا ذکر

کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے لیے فون تیسرے فرد سے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

میں اسی وقت غسل خانے سے نہادھوکر باہر نکلا تھا۔ کمرے کی فضا میں خوشگوار خنکی رچی ہوئی تھی مگر مجھے اپنی پیشانی عرق آلود ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''مجھے اس سے کس وقت ملنا ہے؟'' میں نے بے جان آواز میں پوچھا۔

''اس نے تمہیں آرام کرنے کے لیے وقت دیا ہوا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ ابھی فون کرکے وقت طے کرلو۔'' اس نے اپنی گفتگو میں ذرا سا وقفہ دیا' پھر اچانک پوچھ بیٹھا ''تم ہوٹل چھوڑ کر کہاں جارہے ہو؟''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ اس نے جس بھرپور اعتماد سے وہ سوال کیا تھا اس کی روشنی میں اس کو چکر دینے کی کوشش الجھاوے پیدا کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔ میں نے زبردستی ہنس کر بے پروائی ظاہر کرنے کی کوشش کی اور کہا ''پہلے تم بھی مجھے ہوٹل سے نکل کر شہر کے کسی صاف ستھرے گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہونے کا مشورہ دے چکے تھے۔ ارادہ تھا کہ اب ہم کسی چھوٹے ہوٹل کا رخ کریں گے۔ تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوگئی؟''

''ماسٹر! ہم اپنے مہمانوں سے غافل نہیں رہتے ہیں۔ میں نے ہوٹل والوں سے کہہ دیا تھا کہ تم میرے مہمان ہو۔ تم نے پیشگی میں جو رقم دی تھی وہ کافی ہے۔ اب پورا بل میں ادا کروں گا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ تم ہوٹل کا کمرا چھوڑ رہے ہو۔ تمہارا بل تیار ہے۔''

میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ وہ کاروباری منافقت کی انتہا تھی کہ میں اپنے بل کی رقم سے بے خبر تھا۔ چاؤ فان کے کان میں ہر بات پھونک دی گئی تھی۔

میں نے اس موضوع پر بپھرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ منافقت کے ساتھ اس حرکت کا ایک پہلو اور بھی تھا۔ مہمانوں کے اخراجات ادا کرنا مشرقی روایات کا ایک اہم حصہ ہے اس دور میں لوگ اس ذمے داری سے عام طور پر گریز کرتے ہیں پھر بھی میں اس بات پر چاؤ فان کو ملامت نہیں کرسکتا تھا کہ اس نے میرے بل کے بارے میں ہوٹل والوں کو براہِ راست ہدایات کیوں دیں!

میں نے چاؤ فان کے پرانے مشورے کا حوالہ دے کر اپنی بات کو بگڑنے سے بچایا' اس نے بھی اسی خوب صورتی سے اپنا دامن بچالیا۔ مجھے شک ہورہا تھا کہ بات صرف اتنی نہیں تھی۔

ڈان برنارڈ گوشہ نشین ہوچکا تھا پھر بھی بنکاک کا کوئی عام شہری نہیں تھا۔ اپنے ہاتھ پیر بچا کر زندگی گزارنے کے رنگ ڈھنگ سے خوب واقف تھا۔ مجھے کسی بھی مرحلے پر یہ نہیں بھولنا چاہیے تھا کہ میں نے اس سے رجوع کرکے خود کو اس کی تحویل میں دے دیا ہے۔ اس سے پہلی ملاقات ہونے کے بعد ہی سے میری نگرانی شروع ہوگئی تھی۔ دوسری ملاقات میں ڈان کو میرے بتائے بغیر معلوم ہوچکا تھا کہ میں شہر میں کہاں اور کس کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔

وہ ابتدائی مرحلہ تھا۔ بعد میں میری کارکردگی سے مطمئن ہوکر ڈان نے میری کل وقتی نگرانی کی شاید ضرورت نہیں سمجھی لیکن ایسا بندوبست ضرور کردیا کہ میں اس کے علم میں لائے بغیر خاموشی سے اپنا ٹھکانا تبدیل نہ کرسکوں۔ چاؤ فان اس کا ثبوت دے رہا تھا۔

''بل سے بچنے والی رقم سے اب میری بیوی خریداری کرے گی۔'' میں نے بہت تیزی سے سوچ سمجھ کر ایک فیصلہ کرلینے کے بعد خوش دلی سے کہا ''تم نے یہ بات اسے بھی بتادی ہوگی۔''

''وہ تم سے یہ بھی پوچھے گا کہ تم ہوٹل چھوڑ کر کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔''

''اگر بل تم کو ادا کرنا ہے تو اب میرا ارادہ منسوخ سمجھو' میں یہیں رہوں گا۔'' فوری طور پر مجھے اس سے بہتر جواب نہیں سوجھ سکا۔

''یہ اس وقت کی بات ہے۔ تمہیں اس کے سوال کا جواب دینا ہوگا۔ ہاں ایک بات یاد رکھنا اس سے ملنے کے لیے جاؤ تو اپنے دونوں پاسپورٹ ضرور ساتھ لے جانا۔''

میرے دل و دماغ میں ایک ہیجان سا برپا ہوگیا۔ دوستی اور گہرے اعتماد سے شروع ہونے والا وہ تعلق کسی واضح سبب کے بغیر مجھے مخاصمت میں بدلتا ہوا نظر آرہا تھا۔ ڈان نے ڈھیل دے کر ڈوری کھینچنا شروع کردی تھی۔ وہ ہم دونوں پر گرفت مضبوط کرنا چاہ رہا تھا۔

ڈان ہمارے پاسپورٹ دیکھ کر لوٹانے کے بجائے اپنے پاس رکھ لیتا تو ہم اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاسکتے تھے۔ عین وقت پر مجھے اپنا پورا منصوبہ خاک میں ملتا ہوا نظر آنے لگا تھا۔

چاؤ فان نے جو کچھ بتایا وہ میں نے سن لیا تھا۔ سب کچھ اتنا شفاف اور سیدھا نہیں تھا جتنا وہ بتا رہا تھا۔ گڑبڑ کی ابتدا ہوٹل والوں کی مخبری سے ہوئی تھی۔ ڈان کو یہ شبہ نہ ہوتا کہ میں

اسے اندھیرے میں رکھ کر اچانک غائب ہو جاؤں گا تو وہ ہمارے پاسپورٹوں کے بارے میں ہرگز نہ سوچتا۔

چاؤ فان نے سرسری انداز میں پاسپورٹ لے جانے کا ذکر کیا تھا۔ میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا'' مجھے سچ سچ بتاؤ کہ کیا چکر ہے۔ ہمارے سفری کاغذات کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟''

'' مجھے کچھ نہیں معلوم!'' اس کی آواز سے مکاری کی بو آ رہی تھی۔'' میں پیغام رساں ہوں جو کہا گیا وہ تم سے دہرا دیا۔ اس پر عمل کرنے کی ذمے داری تمہاری ہے یہ یاد رکھنا کہ اس کی کہی ہوئی بات کو نظر انداز کیا جائے تو وہ آگ بگولا ہو جاتا ہے۔''

'' تم مجھے دھمکانے کی کوشش کر رہے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

'' نہیں ماسٹر! بھول کر بھی میرے بارے میں ایسی غلط بات نہ سوچنا۔ میں تمہارا خادم ہوں۔ تمہارے ساتھ میں اوپر والے کا بھی غلام ہوں۔ اپنے فیصلے وہ خود کرتا ہے۔ اسے میرے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے دل میں کیا ہے یہ وہی جانتا ہے۔ میں نے تمہیں وہ باتیں بتائی ہیں جو میں جانتا ہوں۔ میں تمہیں بہت قریب سے دیکھتا رہا ہوں۔ میری کیا بساط کہ تم جیسے دلیر اور تیز آدمی کو دھمکانے کی کوشش کروں۔''

میں اس کے ایک ایک لفظ کو بہت دھیان اور توجہ سے سن رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ وہ مجھ سے سچ بول رہا تھا۔ میں بلا وجہ اس کی طرف سے بدگمان ہو رہا تھا۔ اس بے چارے کی ذہنی سطح اتنی بلند نہیں تھی کہ وہ ڈان کے ذہن میں پرورش پانے والے نکتوں کو سمجھ سکے۔ سارا فتور ڈان کی فکر رسا کا تھا۔ اس نے چاؤ فان سے ملنے والی رپورٹوں کی روشنی میں میرے بارے میں کوئی غلط رائے قائم کر لی اور چاؤ فان کو ہدایات دے کر بھگا دیا۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ وقت کے تعین میں مجھ سے ذرا سی تاخیر ہوگئی میں نیند سے مغلوب ہو کر کچھ دیر ستانے کے لیے نہ لیٹا ہوتا تو ڈان کا جال گرنے سے پہلے ہوٹل سے صبح سویرے صاف نکل گیا ہوتا۔ بعد میں ڈان میری تلاش میں اپنا سر پیٹتا رہ جاتا۔

اس وقت بھی میرے لیے ایک موقع موجود تھا۔ میں فون پر ڈان سے ملاقات کا وقت طے کر کے اسے اپنی طرف سے مطمئن کر دیتا اور سیلرز بار کا رخ کرنے کے بجائے خاموشی سے سامان لے کر ملائیشیا جانے والی بسوں کے اڈے پر پہنچ جاتا۔

مفروضہ

مہرین کو دفتر میں ملازمت شروع کیے صرف ایک ہفتہ ہوا تھا۔ اپنے برابر کی میز پر اپنے ساتھی کلرک کی صورت دیکھ کر اس نے ازراہ ہمدردی پوچھ لیا'' کیا بات ہے۔ آپ بہت پریشان نظر آ رہے ہیں؟''

'' میں دراصل یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ جب ہم دونوں ہنی مون پر جائیں گے تو پیچھے میرے اور آپ کے حصے کا کام کون سنبھالے گا؟'' ساتھی کلرک نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

'' ہنی مون......؟'' مہرین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں'' ہمارے درمیان تو ابھی صحیح طرح بات چیت بھی شروع نہیں ہوئی ہے۔ یہ آپ نے شادی اور ہنی مون کے بارے میں کیسے سوچنا شروع کر دیا؟''

'' فرض کرنے میں کیا حرج ہے؟'' ساتھی کلرک نے ذرا شرما کر سر جھکاتے ہوئے کہا۔

خرابی یہ تھی میری وہ کوشش ناکام ہو جاتی تو پھر دنیا کی کوئی طاقت ڈان کے غیظ و غضب کو نہیں ٹال سکتی تھی۔ مہمان داری کے نام پر جس طرح ہوٹل سے میری اچانک روانگی پر نظر رکھنے کی کامیاب کوشش کی گئی تھی اسی طرح ہوٹل کی باقاعدہ نگرانی شروع ہونے کا امکان قوی تھا۔ میرے عزائم کا علم ہو جانے کے بعد ڈان میری راہ روکنے کے لیے کوئی بھی قدم اٹھا سکتا تھا۔

مجھے شبہ تھا کہ ادھر ہم ہوٹل سے اپنا سامان لے کر باہر نکلیں اور اسی لمحہ چاؤ فان اچانک اپنی کمین گاہ سے نمودار ہو کر ہمارے سامنے آ جائے۔ یوں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کی صورت میں میں اپنا کوئی دفاع نہیں کر سکتا تھا۔

چاؤ فان ہمیں سامان سمیت ڈان کی طرف لے جانے کی کوشش کرتا۔ ہماری طرف سے انکار یا مزاحمت کی صورت میں بات بڑھ جاتی۔ نوبت پولیس کی مداخلت تک بھی آ سکتی تھی۔ چاؤ فان میرے متعدد جرائم کا عینی گواہ تھا۔ آخری حربے کے طور پر وہ مجھے پھنسانے کے لیے میرے کسی بھی جرم کا بھانڈا پھوڑ سکتا تھا۔

میرے سامنے نجات کا کوئی محفوظ راستہ باقی نہیں رہا تھا۔ میں نے دل برداشتہ ہو کر چاؤ فان سے کہا'' میں تمہارے بارے میں بدگمانی نہیں کر رہا۔ ایمانداری سے خود

کو میری جگہ پر رکھ کر سوچو شروع میں جب میری شناخت کی ضرورت نہیں تھی تو مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا گیا۔ اتنی اعلیٰ کارکردگی اور وفاداری کے مظاہرے کے بعد اب پاسپورٹ منگوائے جا رہے ہیں۔ یہ سوچو کہ ہماری یہ سفری دستاویزات لے کر رکھ لی گئیں تو ہم کہاں ہوں گے؟ تھائی لینڈ میں قید ہو کر رہ جائیں گے۔''

''تم یہ سب سوچ کر خود کو کیوں ہلکان کر رہے ہو؟'' وہ حیرت سے بولا ''ماسٹر! تمہاری نیت صاف ہے تو کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ تمہارے پاسپورٹ واپس مل جائیں گے۔ پتا نہیں اس کے دماغ میں کیا بات ہے...... اس نے کیوں تمہارے پاسپورٹ منگوائے ہیں۔ اس سے ملے بغیر تم کو کسی سوال کا جواب نہیں مل سکے گا۔ تم یوں ہی پریشان ہوتے رہو گے۔''

''مجھے اس سے ملنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ میں ضرور ملوں گا مگر یہ انوکھی باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔'' میں نے تیز لہجے میں جواب دے کر فون بند کر دیا۔

چاؤ فان میرا ماتحت تھا۔ اس کے سامنے زیادہ کھل کر بات کرنا میری انا کے خلاف تھا۔

غزالہ میرے ساتھ بیٹھی تشویش زدہ انداز میں وہ گفتگو سن رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا ''سوٹ کیس کھول دو، سامان واپس رکھ دو، ہم کہیں نہیں جا رہے ہے۔''

''مگر کیوں...... اچانک کیا ہو گیا؟'' وہ تبدیلی اس کی سمجھ سے باہر تھی۔

''ڈان کے دماغ میں کوئی فتور پیدا ہو گیا ہے۔'' میں نے جھلا کر جواب دیا ''اس نے مجھے پاسپورٹوں کے ساتھ بلوایا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ میرا اگلا شکار ہوگا۔''

''ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں۔ ڈان بلا سبب ایسا مطالبہ نہیں کر سکتا۔'' اس نے مجھے سمجھایا ''ہو سکتا ہے کہ آپ سے کہیں کوئی چوک ہو گئی ہو۔''

اس نے مجھے سوچ میں ڈال دیا۔ میں سگریٹ سلگا کر ایک کرسی پر جا بیٹھا۔

''آپ نے اسد کو بے خبر رکھ کر نکلنے کی منصوبہ بندی کی تھی۔ راستہ بند ہو گیا۔ یہ اس کی ناقدری کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔'' کچھ دیر تک سامان رکھنے کے بعد غزالہ نے فضا کے بوجھل پن کو ہلکا کرنے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں کہا ''وہ آپ کا بہت مخلص اور بے لوث ہمدرد ہے۔''

''سوبھراج کے مرتے ہی مسائل نے نیا رخ اختیار کر لیا ہے۔'' میں نے تشویش سے کہا ''اسد نے صبح سے خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ پتا نہیں کیا ہو رہا ہے۔''

اسی وقت اسد کا فون آ گیا۔ وہ ہوٹل کی لابی سے بول رہا تھا۔

میں نے اسی لمحے اسے اوپر بلا لیا۔ میں نے اس سے طویل غیر حاضری کا شکوہ کیا تو اس نے بتایا کہ اس کا دن بہت مصروف گزرا۔ ہر طرف کی سن گن لے کر وہ کچھ دیر پہلے ہوٹل پہنچا تھا۔ اس نے لابی سے میرے کمرے کا نمبر ملایا تو فون مصروف تھا۔ شاید اس وقت چاؤ فان کی کال آئی ہوئی تھی۔ وہ تھکن اتارنے کے لیے ٹی شاپ کی طرف چلا گیا۔ چائے کی ایک پیالی حلق سے اتارنے کے بعد اس نے دوبارہ کوشش کی تو رابطہ ہو گیا۔

''تم چائے پی کر آئے ہو تو اب شروع ہو جاؤ۔ شہر کی کیا خبریں ہیں؟'' میں نے کہا۔

''رات ہم سے زبردست بھول ہو گئی۔'' اس نے متاسفانہ لہجے میں بتایا ''مرنے والا سوبھراج نہیں، بھارت سے آیا ہوا نرائن پرشاد شرما تھا۔''

''یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟'' میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ اس کے آنے سے میری کوفت میں خاصی کمی ہو گئی تھی۔

''یہ راجن کا بیان ہے۔'' اس نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا ''اس کا کہنا ہے کہ نرائن اس کے ڈرائیور کے ساتھ لوپ بوری میں رات گزار کر علی الصباح کھنڈرات وغیرہ کی سیر کرنے کے ارادے سے گیا تھا پھر لوٹ کر واپس نہیں آیا۔''

''وہ جھوٹ بولتا ہے، مرنے والا سوبھراج تھا۔'' میں نے اصرار کیا۔

''رات تاریک تھی۔'' اسد مجھے سمجھانے والے انداز میں بولا ''تمہارا اس سے دوبدو مقابلہ نہیں ہوا۔ اندھیرے میں آنکھ مچولی ہوتی رہی اور وہ بے خبری میں درندوں کی خوراک بن گیا۔ ہو سکتا ہے کہ تم سے اندازے کی غلطی ہوئی ہو۔ سوبھراج کا نام تمہارے سر پر سوار تھا، تم سمجھے کہ وہی مارا گیا ہے۔''

''راجن سفید جھوٹ بول رہا ہے۔ میں نے ریسٹ ہاؤس کی کھڑکی میں اسے دیکھا پھر جنگل میں اس کی لاش دیکھی۔ دھڑ سے تقریباً ایک فٹ دور پڑا ہوا سر اور چہرہ سو فی صد سوبھراج کا تھا۔ اس کی ناک کی بناوٹ لاکھوں میں ایک تھی۔ مغالطہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' میں نے کہا۔

''پھر راجن جھوٹ کیوں بول رہا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''جیسے ہی آپ واش روم گئیں..... آپ کے شوہر نے تیزی سے کار بھگائی اور سیٹی بجاتے ہوئے یہاں سے چلے گئے۔''

''اب تم نے قاعدے کی بات کی ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس نے یہ بیان کب دیا ہے!''

اسد نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر جواب دیا ''شاید ڈیڑھ گھنٹے پہلے کی بات ہے، وہ خود پولیس کمشنر کے دفتر میں آیا تھا میں اس کا بیان جاننے کے چکر میں لگا ہوا تھا۔''

''کیا لوپ بوری سے یہاں تک خبر پہنچنے میں اتنی دیر لگی؟''

''ڈرائیور کی لاش اور گاڑی کی وجہ سے شناخت میں دشواری نہیں ہوئی۔ خبر صبح سویرے آگئی تھی۔ راجن سے کسی کا رابطہ نہیں ہو رہا تھا وہ اب پہنچا تھا۔''

''دونوں لاشیں کہاں ہیں؟'' میں راجن کے جھوٹ کی کڑیاں یکجا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ڈرائیور کی لاش جلدی آگئی تھی جنگل میں سوبھراج کی ہڈیوں کی تلاش کا کام اب تک جاری ہے۔ آوارہ اور جنگلی جانور اس کی ہڈیاں اندر تک اٹھا لے گئے ہیں۔ ڈرائیور کی لاش کے بعد سوبھراج کی بچی کھچی ہڈیاں یہاں لا کر سیل کر دی گئی ہیں۔''

''میری بات کہیں لکھ لو۔ راجن دانستہ روپوش تھا۔'' میں نے پرزور لہجے میں کہا ''سوبھراج کی لاش سامنے آنے سے پہلے وہ کوئی بیان نہیں دینا چاہتا تھا۔''

''کیا لاش کے آنے یا نہ آنے سے کون فرق پڑ سکتا تھا؟''

''فرق تمہارے سامنے آچکا ہے۔ مرنے والے کی شناخت کا کوئی امکان ہوتا تو وہ سوبھراج کی موت کا اعتراف کر لیتا۔ اسے سوبھراج کا حشر معلوم ہو چکا ہے، مرنے والے کے ورثا بھاری رقم خرچ کر کے ہڈیوں اور بچے ہوئے ریشوں کا ڈی این اے ٹیسٹ کرائے بغیر یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ مرنے والا کون تھا۔ اس وقت تک راجن کی بات سچ مانی جائے گی۔''

''نرائن پرشاد شرما کے وارث آسانی سے راجن کی بات نہیں مانیں گے!''

''راجن نے ایک فرضی نام لیا ہے، شرما کا کوئی وجود ہے نہ اس کے وارثوں کا۔'' میں نے کہا ''کچھ دنوں بعد یہ فائل بند ہو جائے گی راجن مرنے والے کی ہڈیاں جلا دے گا۔''

''سوبھراج کی موت چھپا کر وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہا ہے؟'' اس کے چہرے پر شدید الجھن کے آثار نمودار ہو گئے۔

''اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا ہے۔ پچھلے واقعات پر

غور کرو گے تو بات سمجھ میں آجائے گی۔'' میں نے بتانا شروع کیا'' کراچی میں امریکیوں کو ٹپ دی گئی کہ سوبھراج بنکاک کے موتی محل میں پناہ گزیں ہے۔ انہوں نے اپنے جدید ترین یا روایتی وسائل سے اس اطلاع کی تصدیق کی اور کل اچانک اپنا ایک مسلح فوجی دستہ موتی محل کی طرف روانہ کر دیا۔ خطرہ بھانپ کر سوبھراج وہاں سے نکل گیا۔ راجن نے سوبھراج کے بارے میں اپنی مکمل لاعلمی کا اظہار کیا۔ ادھر امریکیوں کی تلاش بھی ناکام ثابت ہوگئی۔ انہیں موتی محل میں سوبھراج کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔''

''میرے سوال کا جواب اب بھی نہیں ملا!'' اس نے مجھے خاموش پا کر ٹوکا۔

''وہ سوبھراج کی موت کا اعلان کرتا تو اس کی ساکھ تباہ ہو جاتی۔ امریکیوں کو علم ہو جاتا کہ اس نے جھوٹ بول کر ان کو دغا دی ہے' سوبھراج کو اس نے خود بھگایا تھا...... !''

''اوہ خدایا......! تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔'' اس نے میری بات کاٹ کر حیرت سے کہا'' یہ بالکل سامنے کی بات ہے میرے ذہن میں نہیں آرہی تھی۔ پتا نہیں قدرت نے تمہارے دماغ میں کون سا خاص پرزہ لگایا ہے کہ تم پلک جھپکتے میں ہر بات کی تہ تک پہنچ جاتے ہو۔''

''سب کے پرزے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ انہیں استعمال نہ کیا جائے تو زنگ کھا کر یہ رفتہ رفتہ بے کار ہو جاتے ہیں۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا'' سوبھراج کے عبرت ناک حشر نے راجن کو جھوٹ بولنے کا موقع دیا۔ تم سوچ نہیں سکتے کہ اس کا جھوٹ ہمارے لیے کتنی بڑی نعمت ہے۔''

''مجھے سوچنے پر مجبور نہ کرو۔ تم ہی بتا دو کہ اس سفید جھوٹ سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔'' اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس نے میری کہی ہوئی بات کو مذاق میں لیا تھا۔

''سوبھراج اب ہمیشہ کے لیے بے نام و نشان ہو چکا ہے۔ اس کی جگہ شرما کا نام لے کر راجن نے نادانستگی میں ہمارے دشمنوں کے منہ بند کر دیے ہیں۔ توپوں کے منہ بند رہیں گے' کوئی پاکستان کو ملامت کا ہدف نہیں بنا سکے گا۔ تم کو بھی بنکاک میں اپنی موجودگی ثابت کرنے کے لیے شرابی گواہوں سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، یہ......''

اسد اپنی جگہ سے اٹھ کر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گیا اور میری بات کاٹ کر جذباتی لہجے میں بولنے لگا'' علی بھائی! یہ سب قدرت کی طرف سے ہماری صاف نیتوں کا انعام ہے' خدا کی قسم! ہم الٹے لٹک جاتے تب بھی ایسے انوکھے حالات پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ میری زندگی کا ناقابلِ یقین تجربہ ہے۔ کون سوچ سکتا تھا کہ سوبھراج کا فتنہ اتنی خاموشی سے ختم ہو جائے گا اور کوئی اس کا نام تک نہیں لے گا۔''

''یہ بات ہم دونوں کے درمیان رہے گی اور اب اس جہنمی کندے کا نام نہیں لیا جائے گا۔'' میں نے نرمی سے اسے الگ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھ پر ایسی پابندی نہ لگاؤ' کراچی اور اسلام آباد میں بہت سے دردمند پاکستانی یہاں سے کسی اچھی خبر کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ خبر سن کر ان کے دلوں کو قرار آجائے گا۔''

''وہ وقت بھی آجائے گا۔ فی الحال خاموشی وقت کی ضرورت ہے۔ راجن نے جھوٹ بول کر میرے ذہن کا بہت بڑا بوجھ ہلکا کیا ہے۔''

''یہ سارا بوجھ تمہارا ہی تھا جو یکا یک اتر گیا۔'' اس نے بے ساختہ کہا'' میں ہاتھ جوڑ کر تم سے التجا کرتا ہوں کہ اب مجھے بتا دو کہ تم کون ہو۔''

اس نے میرے سامنے واقعی ہاتھ اٹھا کر جوڑ دیے۔

میں نے دونوں ہاتھ تھام کر اس کی گود میں گرا دیے اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھیمی آواز میں کہا'' علی احمد پسند نہیں ہے تو تم میرا جو نام رکھ دو گے میں اسے مان لوں گا۔''

''یوں نہیں...... مان لو کہ تم ڈینی ہو!'' وہ بے اختیار ہو کر مچل گیا۔

''تم کہتے ہو تو شاید میں ڈینی ہی ہوں گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے ذومعنی لہجے میں کہا'' کسی اور کو اپنے اس خیال کی بھنک نہ لگنے دینا۔''

''شروع دن سے تمہارے طور طریقے بتا رہے تھے کہ تم کوئی عام آدمی نہیں ہو۔'' وہ جذبات کی رو میں بہا جا رہا تھا۔ ''ہر کوئی ایسا جادوگر نہیں ہو سکتا کہ ذرا سی دیر میں ڈان برنارڈ جیسے سخت اخروٹ کو شیشے میں اتار لے۔ میرا سینہ فخر سے پھول گیا ہے کہ میں نے اس عہد کے ایک عظیم آدمی اور زبردست سیکرٹ ایجنٹ کے ساتھ کام کیا ہے۔ جب تک تم مجھے زبان کھولنے کی اجازت نہیں دو گے، یہ دونوں راز میرے سینے میں دفن رہیں گے' نہ سوبھراج مرا ہے، نہ تم ڈینی ہو۔''

''اتنی تعریفیں نہ کرو۔ میں شرم سے مسہری میں گڑا جا رہا ہوں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس وقت صرف میں سوبھراج کی موت کا اکلوتا گواہ ہوں۔ اس کی لاش چاؤ فان نے بھی دیکھی تھی۔ مگر وہ سوبھراج کو نہیں پہچانتا۔ مرنے کے بعد راجن کے

جھوٹ نے اسے زندہ رکھا ہے۔ ایف بی آئی والے ساری عمر اپنے اس غدار کو ڈھونڈتے رہیں گے اور میں سوبھراج کے نام پر ان سے جی بھر کے کھیل سکوں گا۔ ایک روز یہ فرض کرلیا جائے گا کہ سوبھراج نے دنیا کے کسی گمنام خطے میں روپوشی اختیار کرلی ہے۔''

''کیسا عبرت کا مقام ہے کہ ایک بڑے خاندان کا سربراہ ہونے کے باوجود آج اس کی عبرت اثر موت پر کوئی آنکھ آنسو نہیں بہائے گی۔''

''شاید راجن دنیا سے چھپ کر رو رہا ہو'' میں نے کہا ''اس نے سوبھراج کو مرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس کی باقیات سے اسے اپنے دوست کے انجام کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔ ہم تین آدمی سوبھراج کی موت کے رازداں ہیں۔ میں، تم اور راجن۔''

''پیچیدہ مسئلوں پر تم سے بات کرکے دل کو بہت سکون ملتا ہے'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''اب میرے سر سے ہر خوف ہٹ گیا ہے۔ اب تک میں نے مقناطیسی شخصیتوں کے بارے میں صرف سنا یا پڑھا تھا۔ تم سے مل کر پتا چل گیا کہ وہ کیسے ہوتے ہیں۔''

''سوبھراج کی وجہ سے میں بھی فکرمند تھا۔ اس کا نام کھل جاتا تو ڈان میرے لیے بہت سے مسائل کھڑے کرسکتا تھا۔ اب میں آسانی سے اس کا سامنا کرسکوں گا'' میں نے بات بدل دی۔

''کیا اس سے ملاقاتوں کا سلسلہ بھی چل رہا ہے؟'' اسد نے چونک کر پوچھا۔

''آج اس نے عجیب انداز میں بلوایا ہے، دیکھو کیا رہتا ہے؟''

''مناسب سمجھو تو مجھے بھی کچھ تفصیل بتادو!'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

میں نے اسے اپنی اور چاؤفان کی گفتگو کا خلاصہ سنا دیا۔

''بہت عجیب بات ہے'' اس نے میری رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''نہ صرف طلبی کا انداز شک وشبے میں ڈالنے والا ہے بلکہ دوسری بات یہ بھی کھٹک رہی ہے کہ اس نے تمہیں لوپ بوری کے واقعے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''

''سچ پوچھو تو میں ڈان کی ہدایت سن کر ذہنی طور پر اتنا الجھ گیا تھا کہ مجھے اب تک اس بات کا خیال نہیں آیا تھا۔ اس نے وہ ذکر سرے سے گول کردیا۔''

''رات کو وہ تمہارا شریک کار تھا۔ آج دن میں، میں نے اسے دو مرتبہ پولیس ہیڈکوارٹرز کے آس پاس منڈلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اندر کی خبروں کے حصول میں سرگرداں رہا تھا تو اسے تم سے بھی اس کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔''

چاؤفان سے تفصیلی بات کرنے کے بعد میں نے یہ رائے قائم کی تھی کہ میرے معاملے میں اس کی نیت صاف تھی۔ گڑبڑ ڈان کی طرف سے ہوئی تھی۔ اسد نے اس کی طرف لوپ بوری کے بارے میں مکمل خاموشی کا ذکر چھیڑ کر مجھے اپنی رائے پر نظرثانی کرنے پر مجبور کردیا۔ میں دوبارہ تذبذب میں پڑ گیا۔

''ڈان کی طرف جانے سے پہلے چاؤفان سے پوچھو کہ رات کے واقعے کے بارے میں پولیس کس سمت میں کام کررہی ہے؟ ہوسکتا ہے کہ تمہیں ڈان کے موڈ میں تبدیلی کا کوئی سراغ مل جائے'' وہ نرم لہجے میں مجھے مشورہ دے رہا تھا۔

''اب میں اس کے منہ لگنا پسند نہیں کروں گا۔ ڈان سے ملاقات کے بعد آئندہ کا کوئی لائحۂ عمل طے ہوسکے گا'' میں نے کہا۔

''میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ڈان کے موڈ میں تبدیلی کا رات والے واقعے سے کوئی نہ کوئی تعلق ہے۔ پہلی کڑی وہیں سے ملے گی۔''

''یہ اندازہ مجھے بھی ہے لیکن اب صورتِ حال میں تبدیلی آچکی ہے'' میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ بات بگڑ گئی ہے تو اسے بھی پوری طرح اعتماد میں لے لینا چاہیے۔ غزالہ کا یہ شکوہ بھی دور ہوجائے گا کہ میں نے ہوٹل چھوڑنے کے بارے میں اسد کو نہ بتا کر اس کی ناقدری کی تھی۔

''اب کون سی نئی بات ہوگئی؟'' میرے لہجے کے بدلے ہوئے انداز نے اسے چونکنے پر مجبور کردیا۔

''میں نے تمہارے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ہوٹل چھوڑنے کا ارادہ کرلیا تھا'' میں نے ذمے داری اسی کے سر ڈالتے ہوئے بتایا ''ہوٹل والوں نے یہ خبر چاؤفان کو پہنچادی۔ وہ ایسا چڑی کا غلام ہے کہ اس نے یہ بات ڈان کو بتادی۔''

''پھر تو معاملہ سیدھا ہے۔ اس بات پر ڈان تم سے بگڑ گیا ہوگا۔''

''یہ بعد کا واقعہ ہے۔ ڈان اس سے پہلے میری طلبی کا فیصلہ کرچکا تھا۔''

وہ بات اتنی آسانی سے اس کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ سوال وجواب کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس کے اختتام

پر وہ میرا ہم نوا ہو چکا تھا۔

''سارے راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ تمہیں ڈان سے ملنا پڑے گا'' وہ بولا'' مناسب یہ ہوگا کہ تم بے چون و چرا ڈان کی مرضی پر چلتے رہو۔''

''میں اس سے بھڑ جانے کا ارادہ کیے بیٹھا ہوں۔''

''تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔ میں تم پر دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس سے ٹکرا کر تم خودکشی کی راہ اختیار کرو گے۔ میں نے اس کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوا ہے۔ ایک بار وہ تمہیں عزت دے چکا ہے تو اب خود بھی اسے واپس نہیں لینا چاہے گا۔ کھلے دل سے تمہاری ہر بات سنے گا۔ ہوسکتا ہے کہ ایک دو روز میں وہ نارمل ہو جائے۔''

''مجھے خودکشی سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ ڈان نے معقولیت کی حد سے تجاوز نہ کیا تو میں بھی اسے طرح دے دوں گا ورنہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''

اسد نے اس موضوع کو طول دینے کی کوشش نہیں کی۔ بات وہیں ختم کردی۔ میرے دل سے یہ بوجھ اتر گیا تھا کہ میں نے اس سے کوئی بات پوشیدہ رکھی تھی۔

مجھے ڈان سے ملوانے کا سہرا اسد کے سر تھا۔ حالات و واقعات کا پورا پس منظر اس کے علم میں آ چکا تھا۔ میں نے اس کی موجودگی میں ڈان کا نمبر ملا لیا۔

''میں علی بول رہا ہوں'' فون پر اس کی سرد اور سپاٹ مگر دبنگ آواز سن کر میں نے کہا۔

''تم کتنی دیر میں آسکتے ہو؟'' اس نے مجھے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا۔

''آدھے یا پون گھنٹے میں......'' میں نے سنبھل کر جواب دیا'' کہو تو میں اس سے پہلے بھی آنے کی کوشش کرسکتا ہوں۔''

''فضول باتیں مت کرو۔ ایک گھنٹے بعد تم کو یہاں ہونا چاہیے'' وہ کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا۔

فون بند ہوگیا۔ میرے لیے وہ تجربہ نیا نہیں تھا۔ میرے حریف بارہا میری آواز سن کر ایسے ردِعمل کا مظاہرہ کرچکے تھے۔ مجھے ڈان سے ایسی سرد مہری کی امید نہیں تھی۔ میں نے دھیرے سے فون بند کردیا۔

''وہ بھڑکا ہوا معلوم ہوتا ہے'' اسد نے تبصرہ کیا۔

''بہت زیادہ'' میں نے اس کی تائید کی ''اس نے پاسپورٹ لانے کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ یہ معاملہ گول کرنے کی گنجائش نکل آئی ہے۔''

''یہ غلطی نہ کرنا۔ وہ تمہارے پاسپورٹ اپنی تحویل میں لینے کا فیصلہ کرچکا ہے تو تم کسی طرح انہیں نہیں بچا سکتے۔ تم خود نہیں لے گئے تو تمہاری غیر موجودگی میں وہ تمہارے کمرے سے چرا لیے جائیں گے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ ہوٹل والوں کو وہ اپنے مقصد کے لیے کس بے رحمی سے استعمال کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔''

اسد کی بات معقول تھی۔ بہتر یہ تھا کہ بگاڑ کو بڑھانے کی کوشش نہ کی جائے۔ ڈان کے دماغ میں چڑھی ہوئی گرمی کو کم کرنے کے لیے اس کی ہدایات من و عن مان لی جائیں۔

میرے ایما پر غزالہ نے اپنے وینٹی بیگ سے دونوں پاسپورٹ نکال کر میرے حوالے کردیے۔

''اب ہوشیار رہنا'' میں نے جوتے پہنتے ہوئے غزالہ کو تاکید کی ''تم نے ہماری ساری باتیں سنی ہیں۔ ہم یہاں بدمعاشوں اور ٹھگوں کے نرغے میں آگئے ہیں۔ ذرا سی چوک ہوئی تو ہم بھاری نقصان سے دوچار ہوسکتے ہیں۔''

''آپ بے فکر رہیں۔'' اس نے مسکرا کر اعتماد سے جواب دیا'' ادھر کا رخ کرنے والوں کو مایوسی ہوگی۔''

غزالہ کا جواب سن کر اسد کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس نے میرے بارے میں بہت کچھ سنا ہوا تھا مگر غزالہ سے اس کا تعارف واجبی تھا۔ سو فیصد گھریلو نظر آنے والی ایک پاکستانی خاتون کی زبان سے دنگا فساد کے بارے میں ایسا پُراعتماد جواب اس کے کانوں کے لیے اجنبی تھا۔

کمرے سے باہر نکلنے کے بعد اس نے حیرت سے پوچھا'' تم نے بھابی کو بھی اپنے رنگ میں ڈھال لیا ہے۔''

''وہ ڈھلی ڈھلائی میرے پلے پڑی ہے۔ میاں بیوی ایک سانچے میں نہ ڈھل سکیں تو یہ گاڑی جھٹکے کھا کر چلتی ہے۔ غزالہ یہ بات جانتی ہے۔''

ہوٹل سے باہر آکر اسد نے پہلی خالی ٹیکسی میں مجھے سیلرز بار کی طرف روانہ کردیا۔ میں اپنی شکل و صورت سے ہی وہاں غیر ملکی لگتا تھا اور پھر ایک بڑے ہوٹل سے نکل کر ٹیکسی میں سوار ہوا تھا۔ ڈرائیور نے اپنی گاڑی کو ٹریفک میں شامل کرتے ہوئے بنکاک کی جواں سال لڑکیوں کے ذکر شر سے اپنی گفتگو کی تمہید باندھنے کی کوشش کی اور میں نے اس ابتدائی مرحلے میں اسے سختی سے ڈانٹ کر خاموش کردیا۔

مجھے یاد تھا کہ میں ان چند دنوں میں ایسے ڈرائیوروں کے ساتھ بھی سفر کرتا رہا تھا جو گندگی اور خرافات سے نالاں ہونے کے باوجود بنکاک میں اچھی روزی کما رہے تھے۔

میری تادیب کے نتیجے میں میرا سیلرز بار تک کا سفر خاموشی اور تیز رفتاری سے طے ہوا۔ میں نے ٹیکسی کا

کرایہ ادا کر کے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو چار بجنے میں پورے بیس منٹ باقی تھے۔

ڈان کو تاخیر پسند نہیں تھی۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ قبل از وقت پہنچنے پر اچھے تیوروں سے میرا استقبال نہیں کرے گا۔ میں سیلرز بار کی عقبی گلی کا رخ کرنے کے بجائے مین روڈ پر ایک قطار میں بنی ہوئی دکانوں کی طرف ہولیا۔ ان کے درمیان سیلرز بار کا بند دروازہ دور سے نظر آ رہا تھا۔

بار چھ بجے کھلتا تھا۔ اسی وجہ سے ڈان نے مجھے دو گھنٹے پہلے بلایا تھا تاکہ وہ ہر طرف سے بے فکر ہو کر مجھ سے مذاکرات کر سکے۔

مجھے کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ بیس منٹ تک سڑک کے کنارے دھوپ میں کھڑا رہتا تو بلاوجہ آنے جانے والوں کی نظروں کا مرکز بن جاتا۔ وہ وقت گزارنے کے لیے ایک چھوٹی مگر خوب صورت سی دکان میں داخل ہو گیا۔ جس کے باہر لگے ہوئے سائن بورڈ پر گفٹ شاپ کے انگریزی الفاظ بہت نمایاں تھے۔

اندر کاؤنٹر کے پیچھے ایک بنی سنوری، ادھیڑ عمر خاتون نے میری آہٹ سن کر سر اٹھایا اور وہ سراپا تبسم بن گئی۔ میں جوابی مسکراہٹ بکھیرتا ہوا اس کی طرف بڑھ گیا۔

''ویل کم...... ٹو تورسٹ!'' اس نے استقبالیہ فقرے کے ساتھ اپنی توتلی انگریزی میں ایک سوال داغ دیا۔ وہ تتلاہٹ اس کی کمزوری نہیں بلکہ مقامی لب و لہجے کی مجبوری تھی جو میرے لیے اجنبی نہیں رہی تھی۔

''ہاں، میں سیاح ہوں'' میں نے اقرار کرتے ہوئے کہا ''باہر سے گزرتے ہوئے تمہاری خوب صورت دکان نظر آئی اور میرے قدم بے اختیار اس طرف اٹھ گئے۔''

میری زبان سے خوبصورتی کا ذکر سنتے ہی اس کے چہرے پر سرخی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اس نے شرمانے کی کوشش میں کچھ بے حجاب ہو کر میری طرف دیکھا۔ اپنی پلکیں جھپکائیں پھر بولی ''یہ تمہاری عزت افزائی ہے۔ ورنہ میں اتنی خوبصورت نہیں ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم یہاں سے کیا خریدنا پسند کرو گے؟''

انگریزی سے واجبی واقفیت نے اس بے چاری کو خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں نے اس کی تردید ضروری نہیں سمجھی اور بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا ''کوئی بھی ایسی چیز جو میں اپنی پسندیدہ عورت کو پیش کر سکوں!'' میں نے سوچا کہ میں وہاں سے غزالہ کے لیے کچھ خرید ہی لوں۔

''اوہ! تم کو عورتوں سے دلچسپی ہے؟'' اس نے میری طرف جھک کر قدرے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ دکان میں اس وقت ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا متنفس نہیں تھا۔ اس کے لہجے کی تبدیلی غیر ضروری تھی۔

''یہ ایک فطری تقاضا ہے'' میں نے دیکھا، موضوع بدلتے ہی اس خاتون کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہو گئی تھی۔

''میں صرف پانچ ڈالر فیس لے کر تمہیں چند قدم کے فاصلے پر ایک ایسی جگہ کا پتا بتا سکتی ہوں جہاں تمہیں اپنی پسند کی کئی عورتیں مل جائیں گی اور تمہاری آج کی شام یادگار ہو جائے گی'' بلی یکایک تھیلے سے باہر آ گئی۔

''کیا تم سیلرز بار کا ذکر کر رہی ہو؟'' میں نے غیر ارادی طور پر سوال کیا۔

''مین! کانوں کو ہاتھ لگاؤ۔ ڈان بہت معزز آدمی ہے۔ وہ ایسے چکروں سے کوسوں دور ہے۔ یہاں رہنے اور کاروبار کرنے والوں کو فخر ہے کہ وہ ڈان کے پڑوسی ہیں اور سکھ چین کی زندگی گزار رہے ہیں۔''

''یہ ڈان کون ہے؟'' میں نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے سوال کیا۔

''چھ بجے سیلرز بار کھل جائے گا۔ اندر جا کر تم اس کی زیارت کر لینا'' وہ بولی ''ڈان بہت نیک نفس آدمی ہے۔ جن باتوں کو خود ناپسند کرتا ہے، اپنے پڑوسیوں کو ان سے نہیں روکتا۔ یہ ڈان کی چھوٹی سی دنیا ہے۔ اس کی وجہ سے پولیس ادھر آتی ہے۔ نہ ٹیکس لینے والے تنگ کرتے ہیں۔ بولو، تم پانچ ڈالر کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

وقت گزارنے کے لیے پانچ ڈالر کی قربانی زیادہ نہیں تھی۔ تبادلے کی شرح سے وہ سیکڑوں بھات بن جاتے تھے۔ عورت کے دماغ میں شاید وہی ہندسہ چکرا رہا تھا۔

میں نے خاموشی سے بٹوا نکالا اور پانچ ڈالر کاؤنٹر پر رکھ دیے۔ اس نے وہ نوٹ اٹھا کر پھرتی سے اپنے بلاؤز میں اڑس لیے۔

اس کا بلاؤز مختصر تھا۔ قمیص کا گلا بڑا تھا۔ سب کچھ یوں ظاہر تھا کہ نوٹ چھپائے جانے کے باوجود نہیں چھپ سکے تھے، مجھے صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ اس خاتون کا ذاتی معاملہ تھا۔ میں نے اس کی نشاندہی نہیں کی۔ میرے لیے اتنا کافی تھا کہ اس کی فیس ادا کر کے میں کچھ دیر کے لیے وہاں ٹھہرنے کا جواز حاصل کر چکا تھا۔

وہ شام کے ابتدائی لمحات تھے۔ باہر تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اس گرمی اور سناٹے میں دکان میں کسی گاہک کے

آنے کا امکان نہیں تھا۔ میں نے عورت سے اجازت لیے بغیر سگریٹ سلگالی۔ وہ بدستور معترض نہیں ہوئی اور بولی ''تم دکان سے نکل کر سیلرز بار کی طرف چلو گے تو پیلے رنگ کا نواں دروازہ تمہاری دو دستکوں کے جواب میں کھل جائے گا۔ میرا نام فینگ لی ہے۔ اسے سنتے ہی تمہیں اندر بلالیا جائے گا......''

''ایک منٹ......'' میں نے ہاتھ اٹھا کر اس کی تقریر کا سلسلہ وہیں منقطع کر دیا ''نواں دروازہ، دو دستکیں اور فینگ لی کا پاس ورڈ۔ یہ تین باتیں کافی ہیں۔ اس کے بعد کے مراحل ساری دنیا میں یکساں ہوتے ہیں۔ انتخاب اور مول تول کی ذمے داری میری ہوگی۔ تمہارے پانچ ڈالروں کا معاوضے سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔''

''ویری گڈ!'' عورت تحسین آمیز لہجے میں بولی ''تم پرانے کھلاڑی معلوم ہوتے ہو۔ کھیل کے سارے اصول اور ضابطے سمجھتے ہو۔ مجھے ایسے کنگلوں سے سخت نفرت ہے جو مفت میں نظریں سینک کر میرے پاس لوٹ آتے ہیں اور کوئی بات نہ بننے کی وجہ سے اپنی دی ہوئی فیس کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ میں انہیں دھتکار کر بھگا دیتی ہوں۔''

وہ رفتہ رفتہ کھلتی جارہی تھی۔ میں نے سر ہلا کر کہا ''تم اچھا کرتی ہو، اب ذرا سیلرز بار کے بارے میں بتادو کہ وہاں کیا ہوتا ہے، میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔''

اس نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ خاموشی سے اپنے گریبان سے پانچ ڈالر نکال کر میرے سامنے پھینکے اور تیز آواز میں بولی ''اگر تم ڈان کے خلاف چھان بین کرنے کے ارادے سے میرے پاس آئے ہو تو اپنے نوٹ اٹھاؤ اور خاموشی سے لوٹ جاؤ۔ یہاں کوئی ڈان کے بارے میں زبان نہیں کھولے گا۔ جہاں بھی جاؤ گے، تمہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''ڈان سے مجھے کچھ نہیں لینا۔ میں نے تم سے سیلرز بار کے بارے میں پوچھا تھا'' میں نے نوٹوں کو ہاتھ لگائے بغیر اپنی صفائی پیش کی۔

''کیا تم بارز کے بارے میں نہیں جانتے کہ وہاں کیا ہوتا ہے؟'' اس کا لہجہ تیکھا تھا۔

''دراصل میرا مسئلہ دوسرا ہے'' میں نے آہستگی سے کہا ''مجھے شراب سے نشہ نہیں ہوتا۔ میری جوانا نئی دنیاؤں کی سیر کرانے لگتی ہے......''

''نو......'' اس نے میری بات کاٹ دی ''ڈان کے بار میں کوئی غیر قانونی نشہ نہیں ملتا۔ وہ صاف ستھرا کاروبار کرتا ہے۔ تم غلط جگہ پر آگئے ہو۔ تمہیں گودی کی طرف جانا چاہیے۔ وہاں تمہیں حشیش، چرس اور ہیروئن، سب مل جائیں گی۔''

''بندرگاہیں عورت کو تر سے ہوئے ملاحوں کا مسکن ہوتی ہیں۔ تمہاری بتائی ہوئی کسی خوبصورت عورت کے ساتھ ادھر کا رخ کرنا میرے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ بعض شورہ پشت ملاح عورت کے لیے لڑنے مرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔''

اس نے نوٹ اٹھا کر حریصانہ انداز میں دوبارہ وہیں رکھ لیے جہاں وہ نیم درون نیم بیرون کے عالم میں پہلے نظر آرہے تھے اور بولی ''یہ عورت کی بڑائی ہے کہ اس کے لیے سب لڑتے ہیں، وہ کسی کے لیے نہیں لڑتی۔ تمہیں ان جھگڑوں میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پیسے خرچ کرو گے تو اسی گھر میں ہر چیز مل جائے گی۔ وہاں ہر رنگ کے لوگ آتے ہیں۔''

اس سے باتیں کرتے ہوئے میری نگاہیں دکان میں لگے ہوئے وال کلاک کا طواف بھی کرتی رہی تھیں۔ میں نے پانچ ڈالر میں وہاں خاصا وقت گزار لیا تھا۔ بنکاک کی زندگی کا ایک نیا رخ سامنے آنے کے ساتھ ساتھ مجھے ڈان کے بارے میں کچھ نئی باتیں معلوم ہوگئی تھیں۔

چار بجنے میں چند منٹ باقی رہ گئے تھے۔ وہ وقت ڈان کے ٹھکانے تک پہنچنے میں صرف ہوجاتا۔ میں نے بنکاک کی اس عظیم عورت کو ہاتھ اٹھا کر الوداع کہا جو پانچ ڈالر میں زن گزیدہ مردوں کی حاجت روائی کے لیے کمربستہ رہتی تھی۔

میں سیلرز بار کے بند دروازے کے سامنے سے گزرتا ہوا اس کونے کی طرف چل دیا جو نسبتاً قریب تھا۔ ڈان سے ملاقات کا وقت قریب آنے کے ساتھ ساتھ میری اعصابی کشیدگی میں خود بخود کمی آتی چلی گئی تھی۔ اس وقت میں خود کو بہت مطمئن اور آسودہ محسوس کر رہا تھا۔

ایک گمبھیر مسئلہ سر آن پڑا تھا تو اس کے بارے میں زیادہ سوچ بچار کر کے خود کو ہلکان کرنا بے سود تھا۔ وقت پر سوجھنے والی باتیں ہی اس وقت میرے کام آسکتی تھیں۔

سیلرز بار کی پچھلی گلی میں داخل ہوتے ہوئے میں نے بجی ہوئی سگریٹ ایک طرف اچھال دی۔ اس وقت وہ گلی دور تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔

میں ٹہلنے کے انداز میں پیش قدمی کرتا ہوا سیلرز بار کے عقبی سیاہ دروازے تک پہنچا تب بھی چار بجنے میں ایک منٹ سے قدرے زیادہ وقت باقی تھا۔

میں نے اس چوبی دروازے کا جائزہ لینا شروع کر دیا

جو اپنی ساخت اور مضبوطی کی وجہ سے بظاہر فولاد کا بنا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

ٹھیک چار بجے میں نے ڈور بیل کا سوئچ دبا دیا تھا۔ اس دوران میں گلی بدستور سنسان پڑی رہی۔ کسی دروازے سے کوئی آیا نہ گیا۔ شاید اس علاقے کے سارے مکین بنکاک کی گرمی سے گھبرا کر اپنے گھروں میں پڑے ستا رہے تھے۔

اندر گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ قلیل سے وقفے کے بعد دروازہ کھل گیا۔ میرے سامنے سیلرز بار میں کام کرنے والی وہی خوب رو اور سبک اندام لڑکی کھڑی ہوئی تھی جس نے پچھلی بار میرے لیے دروازہ کھولا تھا۔

اس وقت لڑکی کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔

''اندر آ جاؤ'' اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''آج تم کچھ پریشان نظر آ رہی ہو؟'' میں نے دروازے میں سے گزرتے ہوئے سرگوشی کی۔

''ہاں...... آں...... ڈان کا موڈ خراب ہے'' دروازہ بند ہونے کے بعد نیم تاریکی میں اس کی کھوئی کھوئی سی آواز ابھری ''اوپر چلے جاؤ۔ وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔''

لڑکی اس تنگ راہ داری میں بار کی طرف مڑ گئی۔ میں اوپر جانے والے چوبی زینوں پر ہولیا۔ پچھلی بار ڈان نے زینے کے اختتام پر میرا استقبال کیا تھا۔ اس وقت وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ قدم قدم پر منفی تبدیلیاں مجھے خطرے سے آگاہ کر رہی تھیں۔

میں اوپری منزل کے رہائشی ہال میں داخل ہوا تو ڈان سفید سلک کے روایتی گون اور پاجامے میں ملبوس اپنی بڑی سی مسہری پر دراز تھا۔ اس کے سرہانے اسکاچ کا گلاس رکھا ہوا تھا۔ جس میں تیرتے ہوئے برف کے ڈلے دور سے جھلملاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ڈان کے چہرے پر خشمناک سی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

میری آہٹ سن کر بھی وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر ہال میں نظریں دوڑائیں۔ وہاں کسی اور کا وجود نہیں تھا۔

''ڈان! میں حاضر ہو گیا ہوں'' میں نے رک کر اپنی آمد کا اعلان کیا۔

''چلے آؤ'' اس نے لیٹے لیٹے کہا۔ اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

میں نے مسہری کے قریب جا کر اپنا سر جھکاتے ہوئے اسے تعظیم دی۔ وہ بلا کا انا پرست تھا۔ میں نے اس کی انا سے کھیل کر اس کی حمایت حاصل کی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ اس بار بھی وہی حربہ کارگر ثابت ہو سکے گا۔

''دو سوال تھے جن کی جواب دہی کے لیے میں نے تمہیں بلایا تھا'' ڈان نے کسی تمہید کے بغیر اچانک اپنی بات شروع کر دی ''اب ان سے زیادہ اہم سوال اٹھ کھڑا ہوا ہے۔''

میں مسہری کے قریب کسی مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑا ہوا تھا۔ وہاں دو منقش اور آرام دہ چوبی کرسیاں خالی پڑی ہوئی تھیں لیکن ڈان نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی تھی۔

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں سیلرز بار میں بھنگ اور چرس بیچتا ہوں؟'' اس نے قدرے توقف کے بعد مجھ سے سوال کیا۔

ڈان کی زبان سے وہ غیر متوقع سوال سن کر میری کھوپڑی چکرا گئی۔ سوچی سمجھی باتیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ میں نے بوکھلا کر کہا ''ڈان......! سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں تمہارے بارے میں مر کر بھی ایسی بات نہیں سوچ سکتا۔''

''بکواس بند کرو'' ڈان دہاڑا اور میں اپنی جگہ پر ہل کر رہ گیا ''ابھی تم گفٹ شاپ والی سے میرے بارے میں کیا پوچھ گچھ کر رہے تھے؟''

گفٹ شاپ والی کا ذکر آتے ہی مجھ پر چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اس علاقے میں ڈان کا نیٹ ورک بہت مضبوط تھا۔ اس عورت نے ذرا سی دیر میں میرے بارے میں ہر بات ڈان تک پہنچا دی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میرا ڈان تک پہنچنے کا ارادہ نہ ہوتا تو اس کا کوئی نہ کوئی آدمی مجھے باہر گھیر چکا ہوتا۔ مار کٹائی کے بعد نوبت اغوا تک بھی پہنچ سکتی تھی۔

میں نے وقت گزارنے کے لیے اس عورت سے ڈان اور سیلرز بار کے بارے میں بے پروائی سے جو باتیں کی تھیں، وہ ڈان کے فکر مند ہونے کے لیے کافی سے زیادہ تھیں۔

''ڈان! میں بے قصور ہوں'' میں نے گھگیا کر اپنی صفائی پیش کی ''غلطی یہ ہوئی کہ ٹریفک جام نہ ہونے کی وجہ سے میں وقت سے پہلے یہاں آ گیا تھا۔ باہر گرمی تھی۔ میں اس مکار نائکہ کی دکان میں چلا گیا۔ پانچ ڈالر دے کر اس سے باتیں کیں تو اس نے مجھے سیلرز بار میں شراب نوشی کا مشورہ دیا۔ میں نے یوں ہی اس سے کہہ دیا کہ مجھے صرف میری جوانا سے نشہ ہوتا ہے۔ اس نے اتنی سی بات کو تمہارے سامنے بتنگڑ بنا دیا......''

''بس!'' اس نے بستر پر زور سے ہاتھ مار کر کہا ''یاد رکھنا کہ اس علاقے میں نہیں، پورے بنکاک میں میرے جاں

نثار رہتے ہیں۔ تم سانس بھی لو گے تو اس کی آواز میرے کانوں تک پہنچ جائے گی۔ تم کو میرے بارے میں فضول گوئی کی کیا ضرورت تھی؟''

''میں نے کوئی نازیبا بات نہیں کی'' میں نے گڑگڑا کر کہا ''اس نے خود سیلز بار کا اور تمہارا ذکر نکالا تھا۔ کہہ رہی تھی کہ تمہاری وجہ سے کوئی سرکاری اہل کار ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ یہاں رہنے والے تمہارے سائے میں سارے غیر قانونی کام کرتے ہیں۔ میری غلطی صرف اتنی تھی کہ میں نے تمہاری بڑائی کے ان قصوں میں دلچسپی لی تھی۔''

میں نے اس دوغلی عورت کو ڈان کے ہاتھوں سزا دلوانے کے لیے الزام اسی کے سر ڈال دیا۔ اپنی ذہنی پراگندگی کے باوجود میں نے یہ بات نوٹ کر لی تھی کہ اس عورت کے لیے ایک نازیبا لفظ کے استعمال پر ڈان نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ شاید اسے اس عورت کی مذموم سرگرمیوں کا بخوبی علم تھا۔

''وہ بہت بولتی ہے'' ڈان نے دانت پیس کر کہا اور مسہری کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر سیدھا بیٹھ گیا۔ اس کی ٹانگیں اسی طرح پھیلی رہیں ''تم سے مجھے پتا چل گیا کہ وہ اُلّو کی پٹھی کیا کیا بکتی رہتی ہے۔ دوسرے اس کی باتیں سن کر اپنی راہ ہو لیتے ہوں گے۔ میں اسے ایسا سبق سکھاؤں گا کہ وہ ضرورت کے وقت بھی مشکل سے بولے گی۔''

''اسے پتا ہوتا کہ میں اصل میں تم سے ہی ملنے آیا ہوں تو وہ میری شکایت نہ کرتی۔ اس پر برا وقت آیا ہوا تھا۔ سبق ملے گا تو سیدھی ہو جائے گی۔''

''عورت کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی۔ وہ ٹیڑھی ہے اور ٹیڑھی ہی رہے گی'' ڈان کے الفاظ میں اس کے ذاتی تجربات کی تلخی اُمڈ آئی۔

ڈان کے غصے کا رخ چغل خور عورت کی طرف مبذول کرانے کے نتیجے میں میرے ساتھ اس کا رویہ نرم پڑ گیا تھا۔ میں نے جلدی سے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا ''میں بھی اپنی عورت سے بہت نالاں ہوں۔ وہ میرے ہاتھوں پٹتی رہتی ہے مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی۔ اسے اپنے اوپر گھمنڈ ہے۔ وہ اپنی ادائیں دکھانے پر آتی ہے تو میرا غصہ کافور ہو جاتا ہے۔''

ڈان نے گلاس اٹھا کر وہسکی کا ایک بڑا گھونٹ لیا پھر منہ بناتے ہوئے بولا ''عورت بنت عقرب ہے مگر اس بچھو سے ملاپ میں بھی بہت مزہ ہے۔ ہر مرد اسے برداشت کرنے پر مجبور ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تمہاری عورت بہت خوب صورت ہے؟''

''ڈان! میری دکھتی رگ کو نہ چھیڑو۔ وہ کتنی خوب صورت ہے، یہ میں ہی جانتا ہوں'' میں نے گہرا سانس لے کر متاسفانہ لہجے میں کہا۔ اپنے دکھ کے اظہار کے ساتھ میں نے وہ ذکر بھی ٹال دیا۔

''بیٹھ جاؤ۔ تم کھڑے کیوں ہو؟'' میرے اور اپنے مشترکہ درد کا علم ہوتے ہی اسے یاد آ گیا کہ میں دیر سے کھڑا ہوا تھا۔

میں سکڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ مجھے خوشی تھی کہ اس وقت تک میری حکمتِ عملی کامیاب جا رہی تھی۔ اس کامیابی کے لیے میں گفٹ شاپ والی عورت کا احسان مند تھا جس نے میری کہی ہوئی باتوں کی مخبری کر کے ڈان کے دماغ میں ایک نیا مسئلہ ڈال دیا تھا۔ یوں اصل مسائل وقتی طور پر پس پشت چلے گئے تھے۔ بات چلی تو بات سے بات نکلتی چلی گئی اور مجھے غزالہ پر کچھ الزام تراشیاں کر کے ڈان کو یہ باور کرانے کا موقع مل گیا کہ اس کی طرح میں بھی عورت کا ڈسا ہوا تھا۔

کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔ ڈان نے آہستہ آہستہ اپنے گلاس سے وہسکی کے دو چھوٹے گھونٹ لیے۔ اس دوران میں اس کی نظریں پُرخیال انداز میں اپنے پیروں کے انگوٹھوں پر جمی رہیں۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

مجھے شبہ ہوا کہ اسے وہ بدترین ساعتیں یاد آ گئی تھیں جب وہ ایک کم سن لڑکی کے ہاتھوں بھرے بازار میں جوتی سے پٹا تھا۔ وہ اس کے عروج کی انتہا اور زوال کی ابتدا تھی۔ ان لمحوں کو وہ زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

سیکنڈ منٹ میں بدلے اور وہ دورانیہ طول پکڑتا چلا گیا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کھلی آنکھوں سے ساتھ بیٹھے بیٹھے سو گیا ہو۔ اس کی پلکیں جھپک رہی تھیں نہ دل جنبش کر رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔

میں نے کھنکار کر اسے اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی ارادہ کیا تھا کہ اچانک اس کی وہ محویت ختم ہو گئی۔ اس نے ذرا چونک کر میری طرف دیکھا پھر دھیمی آواز میں بولا ''تمہارے دونوں پاسپورٹ کہاں ہیں؟''

میں نے اپنی جیب سے پاسپورٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے دیکھے بغیر انہیں یوں ہی اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیا۔ اس نے یہ دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی کہ ان دونوں سبز کتابوں میں نام اور تصویریں کس کی تھیں۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا سانس سینے میں اٹک کر رہ گیا ہو۔ لچھے دار باتوں کی روانی میں بہہ کر بھی ڈان اپنے

اصل ارادوں کو فراموش نہیں کر سکا تھا۔
''تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارے پاسپورٹ کیوں رکھے ہیں؟'' اس نے عجیب سے لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔
''اپنی باتیں تم ہی جانتے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے انہیں پھاڑ کر نہیں پھینکا۔''
''تمہیں پریشانی نہیں ہے کہ ان کے بغیر تم تھائی لینڈ سے باہر نہیں نکل سکو گے!'' میرے لہجے کی بے پروائی نے اسے متعجب کر دیا۔
''میں تمہاری امان میں ہوں۔ ان گتوں اور کاغذوں کی اہمیت ان لوگوں کے لیے ہوتی ہے جو بے سہارا اور یتیم ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم جب چاہو گے، مجھے کسی کاغذ کے بغیر یہاں سے نکلوا دو گے۔''
میرا ردِّعمل اس کے لیے ناقابلِ یقین تھا۔ اس کی آنکھوں میں تحیر کی جھلکیاں تیر رہی تھیں۔ اس نے کہا'' یہ جانتے ہو کہ اب میں نہ چاہوں تو تم کبھی یہاں سے نہیں جا سکو گے۔ میرے غلام بن کر رہ جاؤ گے۔''
''میں نے پہلی ملاقات میں تمہاری غلامی قبول کر لی تھی۔ اس پر پاسپورٹوں کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' میں نے دل کڑا کر کے بے خوفی سے جواب دیا'' میں راجن کا سر کچلنے کے لیے یہاں آیا ہوں۔ جب تک یہ کام پورا نہیں ہو جاتا' یہاں سے جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں مر جانے یا راجن کو مارنے کے ارادے سے آیا ہوں۔ اسی لیے بیوی بھی میرے ساتھ ہے۔ میں مر گیا تو وہ خودکشی کر لے گی۔''
وہ پہلی بار منہ ٹیڑھا کر کے زہریلی آواز میں ہنسا اور بولا'' کوئی کسی کے لیے خودکشی نہیں کرتا تم مارے گئے تو وہ کسی اور کے ساتھ بھاگ جائے گی۔ مرد اور عورت کو ہمیشہ ایک دوسرے کی ضرورت رہتی ہے۔ وہ اکیلے نہیں رہ سکتے۔''
میں نے محسوس کیا کہ جہاں بھی حتمی طور پر غزالہ کا ذکر آتا تھا' ڈان اصل بات کو چھوڑ کر اسی تذکرے کو پکڑ لیتا تھا۔ ایک لمبی مدت گزر جانے کے باوجود شاید وہ اپنی محبوبہ کی بدسلوکی پر اندر سے بہت زیادہ دکھی تھا اس لیے میری بیوی میں کیڑے نکال کر آسودگی محسوس کر رہا تھا۔
''ڈان! مرنے کے بعد آدمی کی لاش کو بھیڑیے نوچتے ہیں یا اسے عزت سے زمین میں دفن کیا جاتا ہے' یہ بات کوئی نہیں جانتا۔ جب مجھے اپنی خبر نہیں تو میں اپنی عورت کی پروا کیوں کروں۔ اس کی مرضی...... میرے بعد وہ جو چاہے کرتی رہے۔'' میں نے ذرا جذباتی لہجے میں بات کر کے اس مرتبہ

''چائے کی کمپنی کی طرف سے خط ہے۔ لکھا ہے قرعہ اندازی میں میرا جزیرہ بالی کا ٹرپ نکلا ہے...... لیکن میں تو اپنے خرچ پر یہاں آ چکا ہوں؟''

پھر وہ موضوع ختم کرنے کی کوشش کی۔
''تمہیں یہاں سے جانے کی پروا نہیں ہے تو تم نے مجھے یا چاؤ فان کو بتائے بغیر ہوٹل چھوڑنے کی کوشش کیوں کی تھی؟'' وہ دوبارہ اپنے اصل موضوع پر آ گیا۔
''تم نے مجھ پر ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔ چاؤ فان بھی مجھے رہائش بدلنے کا مشورہ دے چکا تھا۔ میں نے اس پر عمل کر ڈالا یہ کوئی جرم نہیں تھا۔''
''چھوٹا راجن کے مہمان کو مارتے ہی تمہیں ہوٹل چھوڑنے کا خیال کیوں آیا؟''
''یہ ایک اتفاق تھا۔ اسے مارنے کے بعد میں نے آدھا دن ہوٹل میں گزارا تھا۔''
اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری دلیلیں اس کے دل و دماغ پر اثر انداز ہو رہی تھیں۔ اس نے کہا'' قانون سے لاعلمی معافی کا عذر نہیں بن سکتی۔ تم نے ہوٹل چھوڑنے کا بندوبست کر کے بڑی غلطی کی تھی' اس کی پاداش میں' میں نے تمہارے پاسپورٹ لے لیے ہیں۔''
''تمہارے پاس وہ زیادہ محفوظ رہیں گے۔ میں بھاگ دوڑ میں ان سے محروم ہو سکتا ہوں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ تمہارے سوالوں کے درست جواب دوں۔ اس کے بعد بھی تمہارا یہ فیصلہ ہے تو مجھے قبول ہے۔''
''ابھی میں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ تمہیں یہ بتایا ہے کہ تمہارے پاسپورٹ کیوں لیے گئے ہیں۔ اب تمہیں دو باتوں

کا جواب دینا ہے۔ تمہیں یہ الہام کیسے ہوا کہ چھوٹا راجن کا مہمان لوپ بوری میں ہے...... نمبر دو یہ کہ اس مہمان سے تمہاری کیا دشمنی چل رہی تھی۔'' ڈان نے اپنے کارڈ میرے سامنے رکھ دیے۔

''تم نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اسے اس طرح جہنم واصل کیا ہے کہ میں حیران رہ گیا ہوں۔ ایسے لرزہ خیز انجام کے بارے میں سوچنا بھی میرے لیے محال تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تمہیں چھوٹے راجن سے زیادہ اس کے مہمان کی جستجو تھی!''

ڈان کی پوری الجھن سمجھ لینے کے بعد میرے لیے جواب دینا آسان ہوگیا۔ میں نے کہا ''میں تمہارے دوسرے سوال سے اپنا جواب شروع کروں گا۔ لوپ بوری میں مارے جانے والے کا نام نرائن پرشاد شرما تھا اور وہ بھارت سے آیا تھا۔ یہ باتیں راجن نے بتائی ہیں وہ اسی کا مہمان تھا۔ ہم کو ان دونوں پر اعتبار کرنا چاہیے۔''

''انہیں کسی نے نہیں جھٹلایا۔'' ڈان نے رسانیت سے وضاحت کی۔

''ڈان! میں نے تم کو پہلے بتا دیا تھا کہ میں پاکستانی ہوں۔ تم میرا پاسپورٹ دیکھ سکتے ہو کہ میں کبھی بھارت نہیں گیا۔ زندگی میں پہلی بار اپنے ملک سے باہر نکلا ہوں اور سیدھا بنکاک آیا ہوں۔ شرما سے میری دشمنی کیسے ہوسکتی ہے۔ میں نے پچھلی رات کو مرنے کے بعد پہلی بار اس کا چہرہ دیکھا۔ دو آدمی جو سرے سے ایک دوسرے کو نہ جانتے ہوں، ان میں دوستی ہوسکتی ہے نہ دشمنی۔ سب سے پہلے چاؤفان نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ راجن کا مہمان کوئی بہت اہم آدمی لگتا ہے۔ اسے پکڑ کر ہم راجن کو تمہارے قدموں میں جھکا سکتے ہیں۔ بات میری سمجھ میں آگئی اور ہم اس کے کھوج میں لگ گئے۔ یہ اس کی بدنصیبی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ آنے کے بجائے بھیڑیوں کا لقمہ بن گیا۔''

ڈان نے خاموشی سے تکیے کے نیچے سے دونوں پاسپورٹ نکالے۔ ورق الٹ کر اس نے ایک واپس رکھ دیا۔ دوسرے کو تفصیل سے کئی منٹ تک ٹٹولتا رہا۔

آخر اس نے دوسرا پاسپورٹ بند کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ ٹھیک ہے کہ تم پہلی بار پاکستان سے نکلے ہو۔ شرما کی طرح چھوٹا راجن بھی بھارتی ہے۔ تمہاری اس سے کیسے دشمنی ہوگئی؟''

''شرما اور راجن میں فرق ہے۔ راجن مشہور بدمعاش ہے۔ دنیا گھومتا ہے۔ وہ چوری چھپے پاکستان کے چکر لگاتا رہتا ہے۔ اس نے میرے سینے پر ایسے زخم لگائے......!''

''چھ بجے سیلرز بار کھل جائے گا۔'' اس نے فضا میں داہنا ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کرتے ہوئے کہا۔ ''میرے پاس لمبی کہانیاں سننے کا وقت نہیں ہے۔ تمہیں یہاں آئے بہت دیر ہوچکی ہے۔ مختصر لفظوں میں بتاؤ کہ دشمنی کہاں سے شروع ہوئی۔''

''میں کبھی بھارت نہیں گیا۔ پاکستان میں راجن نے میرا گھرانا تباہ کیا۔ وہیں سے میں اس کے خون کا پیاسا ہوگیا۔''.... میں نے دشمنی کی ابتدا کے بجائے دشمنی کی ابتدا کے مقام کا ذکر کر کے اپنی بات ختم کردی۔

''تمہارا اور اس کا جھگڑا پاکستان سے چل رہا ہے۔''

ڈان نے خود کلامی کے انداز میں وہ فقرہ کہہ کر ایک لمبے گھونٹ میں اپنا گلاس خالی کردیا۔ خالی گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھنے کے بعد دوبارہ اپنی بات جاری رکھی۔ ''تم کہتے ہو کہ تمہاری اصل لڑائی چھوٹا راجن سے ہے، شرما سے تمہیں کوئی پرخاش نہیں تھی۔''

''کسی نے تم سے اس بارے میں کچھ اور کہا ہے تو وہ غلط ہے۔''

''علی! ہوش میں ہوں۔'' وہ بھاری مگر دھیمی آواز میں غرایا۔ ''میں کانوں کا کچا نہیں ہوں۔ اپنے فیصلے خود کرتا ہوں، چاؤفان کی رپورٹ سن کر میرے دماغ میں دو سوال آئے تھے۔ میں نے تم کو بلوالیا۔ ایک بات صاف ہوگئی۔ اب دوسری پر آجاؤ۔''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ بات صاف ہونے کا مطلب تھا کہ ڈان نے میری وضاحتوں کو تسلیم کرلیا تھا۔

اگر راجن نے امریکیوں کے خوف سے سوبھراج کے بجائے نرائن پرشاد شرما کا فرضی نہ لیا ہوتا تو میں اس وقت کسی بھی طرح ڈان کو اپنی طرف سے مطمئن نہیں کرسکتا تھا۔ اس پر یہ راز کھل جاتا کہ میری اصل دشمنی سوبھراج سے تھی۔ میں نے اسے بے وقوف بنانے کے لیے راجن سے اپنی دشمنی کی کہانی گھڑی تھی۔ سوبھراج کو مارتے ہی میں نے خاموشی سے ہوٹل چھوڑ کر بھاگنے کا ارادہ ترک کرلیا تھا۔

اس مرحلے پر صرف شرما کے نام نے مجھے ڈان کے عتاب سے بچالیا۔ اس کی جگہ سوبھراج کا نام سامنے آگیا ہوتا تو شاید ڈان مشتعل ہو کر اپنے ہاتھوں سے میری گردن اتار لیتا۔

میں نے راجن کی کمزوری کے نتیجے میں ڈان کے سامنے بڑی حد تک اپنی پوزیشن بچالی تھی۔ اس کے آخری اور فیصلہ کن سوال کے جواب میں جھوٹ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

میں نے بہت تیزی کے ساتھ اپنے ذہن میں واقعات کو یک جا کرتے ہوئے بھرائی آواز میں کہنا شروع کیا۔

"ڈان! تم اپنے آدمیوں کے لیے بہت مہربان اور منصف مزاج ہو۔ تم نے بہت تحمل کے ساتھ مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا ہے، خدا کا شکر ہے کہ تم نے میری کہی ہوئی باتوں کو مان بھی لیا ہے میں......"

"علی!" اس کی ترش آواز نے مجھے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس نے کہا۔ "میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میرے پاس وقت کم ہے، زیادہ قصیدہ خوانی کرنے کی ضرورت نہیں، صرف یہ بتاؤ کہ تمہیں شرما کی لوپ بوری میں موجودگی کا علم کیسے ہوا۔"

"تم کو یاد ہوگا کہ پہلی بار میرے ساتھ ایک دوست بھی یہاں آیا تھا۔" میرے پاس اسد کی کارگزاری کا ذکر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ "یہ کارنامہ اس نے انجام دیا تھا۔ چاؤ فان نے مجھے بتایا کہ موتی محل میں امریکیوں کے داخل ہوتے ہی پچھلے راستے سے راجن کی سفید لینڈ کروزر میں دو آدمی تیزی سے باہر نکلے تھے۔ میں نے یہ بات اپنے دوست کو بتائی۔ اس نے محنت کر کے ٹریکر کمپنی سے پتا چلا لیا کہ وہ گاڑی کہاں ہے......"

"اوہ......!" ڈان تحیر زدہ آواز میں درمیان میں بول پڑا۔ "میں اشتہار دیکھتا رہا ہوں، ان پر کبھی غور نہیں کیا۔ یہ ٹریکر اتنی کامیاب چیز ہے!"

"بہت کامیاب ہے۔ اس کے ریکارڈ تک کسی غیر متعلق شخص کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس نے بہت بڑا خطرہ مول لے کر میرے لیے یہ کام کر ڈالا، غیر متعلق آدمی کو سراغ ملنے کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے دو آدمی مارے گئے۔ یہ بات کھل گئی تو کئی آدمی اپنی نوکریوں سے ہاتھ دو بیٹھیں گے اور بے چارہ اسد مفت میں پکڑا جائے گا۔"

"مجھے یاد آ رہا ہے...... شاید اس کا نام اسد خان تھا۔" ڈان کی یادداشت قابلِ رشک تھی۔

"میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

یکا یک ڈان کسی چاق و چوبند نوجوان کی طرح مسہری سے اچھل کر قالین پر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کے احترام میں

مختصر مختصر

☆ "ملیحہ کی شادی ہو رہی ہے۔"

"کون ہے وہ خوش قسمت آدمی جس سے ملیحہ کی شادی ہو رہی ہے؟"

"خوش قسمت تو میں ہوں...... اس نے میرے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔"

☆☆☆

☆ "تم نے عالیہ کی کس خوبی سے متاثر ہو کر اس سے شادی کی؟"

"وہ دوسری لڑکیوں سے بہت مختلف ہے۔"

"وہ کس طرح؟"

"اس سے پہلے کوئی لڑکی مجھ سے شادی کے لیے تیار نہیں ہوئی تھی۔"

کرسی چھوڑ دی۔

"یہ سب سمجھ میں نہ آنے والی باتیں ہیں۔ تمہاری وضاحت کے بعد بہت آسان معلوم ہونے لگی ہیں۔ یہ چالاکیاں میرے آدمیوں کے بس سے باہر ہیں۔" وہ مسہری کے قریب ننگے پاؤں ٹہلتے ہوئے بولا۔ "تم نے میرے وجود میں نئی روح پھونک دی ہے، نظر آ رہا ہے کہ اب چھوٹا راجن جلد ہی ایک بھولا ہوا نام بن جائے گا۔"

"میری زندگی کا مقصد یہی رہ گیا ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

ڈان نے پلٹ کر یکا یک اپنا داہنا ہاتھ میرے شانے پر رکھ دیا، گرفت سخت تھی مگر انداز دوستانہ تھا۔

"میں چھوٹا راجن کا بھی وہی حشر دیکھنا چاہتا ہوں جو شرما کا ہوا ہے۔" اس نے سرد اور سفّاکانہ لہجے میں کہا۔ "وہ خوف سے بھاگتا ہوا، بے خبری میں بھیڑیوں کی بھیڑ میں جا گھسا تھا۔ چھوٹا راجن کو میں خود بے دست و پا کر کے لوپ بوری کے خونی بھیڑیوں کے سامنے پھینکنا چاہوں گا۔ کھال اور گوشت سے محروم ہو کر بچ جانے والی چند ہڈیوں کے ڈھیر کو چھوٹا راجن کا نام دیا جائے گا تو میرے دل میں ٹھنڈک پڑے گی...... تم سن رہے ہونا۔ میرے لیے یہ کام تم کرو گے۔ آج سے تم میری آنکھ کا تارا ہو۔"

اس وقت میں ایک دردناک عذاب سے آزاد ہوا تھا۔ ڈان کے آخری فقرے پر میرے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے، دل بے اختیار بھر آیا اور میں نے ڈان کو اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔ میں اپنے رب کی عنائتوں کو کبھی نہیں جھٹلا سکتا تھا۔

ڈان بڑے دل کا آدمی تھا۔ اس نے بھرپور انداز میں میری پیش قدمی کا جواب دیا اور مجھے اپنے توانا بازوؤں کے حصار میں لے لیا، کئی سیکنڈ تک ہم دونوں اسی حالت میں خاموش کھڑے رہے میرا بدن کانپ رہا تھا، جھرجھریاں لے رہا تھا اور ڈان مربیانہ انداز میں میری پیٹھ پر تھپکیاں دے رہا تھا۔

وہ دوسفاک، سنگ دل او بے مہر انسانوں کی یک جائی تھی، کافی دیر تک جاری رہنے والی گفتگو میں ڈان نے مجھے کہیں بھی ڈھیل نہیں دی تھی۔ اس کے سوال بہت سخت اور دوررس اثرات کے حامل تھے۔ میں نے جھوٹ اور سچ کی آویزش سے اس کے اندیشوں کو باطل ثابت کیا تھا۔ ساری اہمیت راجن کے ایک جھوٹ کی تھی جس نے مجھے بچالیا تھا۔

دنیا میں کسی میں یہ طاقت نہیں تھی کہ وہ سوبھراج کی ہلاکت پر راجن کو جھوٹ بولنے پر مجبور کر سکے۔ یہ صرف اور صرف قدرت کی نادیدہ قوتوں کی کارفرمائی تھی کہ اس نے سچ کو بالکل چھپالیا تھا۔ اس کا ایک سچ میرے دلائل کی پوری عمارت کو دھڑام سے نیچے لے آتا۔

میرا جذباتی ابال چند لمحوں سے زیادہ باقی نہیں رہ سکا میں ڈان سے الگ ہوگیا۔ وہ میری آنکھوں میں تیرنے والی نمی کو اپنے لیے ممنونیت کا اظہار سمجھ کر نازاں تھا جب کہ اس نمی کا ڈان کی ذات سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ وہ اپنے رب کے حضور میں تشکر کے چند قطرے تھے جو حالات کی ناقابلِ یقین کروٹ پر از خود میرے دل کی گہرائیوں سے ابھر کر آنکھوں تک آگئے۔

''کاش! بنکاک میں تم جیسے ایک دو آدمی اور مل جاتے تو یہاں کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔'' ڈان کی آواز میں حسرت اور توصیف کا امتزاج تھا۔

''دو ہوتے اور ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوتے تو سب کچھ برباد ہو جاتا۔''

''کیا اسد ہمارے ساتھ کام نہیں کرسکتا؟'' ڈان نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے متجسس انداز میں سوال کیا۔

''میرے لیے وہ کچھ بھی کرسکتا ہے تمہارے ساتھ اس کی گاڑی نہیں چل سکے گی۔ نہایت شریف آدمی ہے۔ جرم کے تصور سے اس کی روح کانپتی ہے۔'' ڈان سے گفتگو کسی بھی لمحے اختتام کو پہنچ سکتی تھی، میں موقع کی تلاش میں تھا کہ ڈان سے اپنے پاسپورٹ واپس مانگ لوں، مجھے امید تھی کہ اس وقت کی فضا میں مجھے وہ سفری پروانے آسانی سے مل جائیں گے۔

''اسے دیکھتے اور ٹٹولتے رہو۔ میں ہر وقت اسے خوش آمدید کہنے کے لیے تیار رہوں گا۔''

''میں کوشش کروں گا۔'' میں نے ڈان کے تکیے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ادھر کیا دیکھ رہے ہو۔ میری چیزوں کو کوئی نہیں چھیڑتا۔ صفائی کرنے والی لڑکیاں ہر چیز کو واپس اس کی جگہ پر رکھ دیتی ہیں۔''

''سوچ رہا تھا کہ یہ واپس مل جائیں تو میں......!''

''نہیں علی!'' ڈان نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔'' چھوٹا راجن کا قصہ نمٹنے تک تمہارے پاسپورٹ میرے پاس محفوظ رہیں گے مجھے تمہاری ضرورت ہے، تمہاری تصویر مجھے یاد دلاتی رہے گی کہ ابھی چھوٹا راجن سے جنگ جاری ہے۔''

نرم الفاظ میں دیا جانے والا وہ جواب دوٹوک تھا۔ میں نے اجازت طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو میرے دل کے کسی گوشے میں اس کے خلاف کینہ پل رہا تھا۔

ڈان نے اپنے بستر پر لیٹے لیٹے سردمہری سے میری آمد کو قبول کیا تھا۔ واپسی پر وہ ہال کے دروازے تک مجھے چھوڑنے آیا۔ زینوں پر اترتے ہوئے میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھا۔

سیلرز بار کے پچھلے دروازے سے نکلتے ہوئے میرا دل بوجھل تھا۔ میں نے اپنے بارے میں ڈان کے ذہن سے سارے شکوک وشبہات زائل کردیے تھے لیکن میں اس کا کھلا قیدی بن چکا تھا۔ جب تک پاسپورٹ واپس نہ مل جاتے میرا دل ہلکا نہیں ہوسکتا تھا۔

میرے دل میں آئی کہ گلی سے نکلنے کے بعد میں دوبارہ گفٹ شاپ میں جاکر اس خاتون کو معقول نذرانہ پیش کروں جس نے میری شکایت کرکے مجھے ڈان کا موڈ بہتر بنانے کا سنہرا موقع فراہم کیا تھا مگر پھر وہ ارادہ ترک کردیا۔

عورت عامیانہ ذہنی سطح کی مالک تھی، فضول گوئی پر اس کی گوشمالی کے لیے ڈان کا کوئی ہرکارہ آتا تو اسے نئی بخشش کی

خبر بھی دے دیتی۔ بات بگڑ سکتی تھی۔

میں نے وہاں سے ٹیکسی پکڑی اور ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔ واپسی کے سفر میں میرا ذہن مسلسل پاسپورٹ کی واپسی کے سنگین مسئلے میں الجھا رہا۔ میرے لیے یہ خیال سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ میں ڈان کی رضامندی کے بغیر بنکاک سے واپس نہیں جاسکوں گا۔

کوئی حل نظر نہ آنے کے سبب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے ذہن پر جھنجلاہٹ طاری ہونے لگی۔ اس معاملے میں ڈان نے مجھے بری طرح بے بس کرکے رکھ دیا تھا۔

ٹیکسی مضافات سے گزر کر شہری حدود میں داخل ہوئی تو اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی، وہ کال چاؤ فان کی طرف سے آئی تھی۔

میں نے کال وصول کی تو میرے کان میں اس کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ ''ماسٹر! مبارک ہو۔ بہت زبردست کام ہوا ہے اس وقت تم کہاں ہو؟''

چاؤ فان کے وہ فقرے میری سمجھ سے باہر تھے۔ یہ بات خارج از امکان تھی کہ وہ میری اور ڈان کی ملاقات کے حوالے سے بات کررہا ہو۔ ڈان سے مجھے یہ امید نہیں تھی کہ وہ چاؤ فان کو فون کرکے اس ملاقات کے نتائج سے آگاہ کرے۔ ڈان کا اس سے براہِ راست رابطہ بھی رہتا تھا لیکن اصولی طور پر وہ میرا ماتحت اور مجھ کو جواب دہ تھا۔ میں اپنی صوابدید پر اسے ملاقات کے بارے میں کچھ بتا دیتا تو بات دیگر ہوتی اس بارے میں ڈان کی براہِ راست لب کشائی میرے لیے سبکی کا باعث ہوتی، ڈان جیسے گھاگ آدمی سے ایسی غلطی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

پھر وہ پرجوش لہجے میں کس بات کی مبارکباد دے رہا تھا؟ یہ ایک مسئلہ تھا۔

''میں واپس ہوٹل کی طرف جارہا ہوں۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا ''میں اس وقت تم سے بات نہیں کرسکتا۔ ہوٹل پہنچ کر فون کروں گا۔''

میں نے فون بند کردیا۔ ایک معاملہ پہلے سے میرے سر پر سوار تھا۔ چاؤ فان نے ایک اور پہیلی مسلط کردی۔ ہوٹل پہنچنے تک سوچ سوچ کر میرا دماغ ماؤف ہونے لگا۔

میں کمرے میں داخل ہوا تو غزالہ نے غیر معمولی بشاشت کے ساتھ میرا استقبال کیا۔

''آج خیریت تو ہے!'' میں نے حیران ہوکر پوچھا۔ ''راستے میں چاؤ فان کا فون آیا تھا۔ وہ مبارکباد دے رہا

''یہ جاسوسی ناول مصنف نے واقعی نئے انداز میں لکھا ہے۔ اس میں قاتل آخر میں وہی نکلتا ہے جس پر آپ کو پہلے سے شک ہوتا ہے۔''

تھا۔ یہاں تم ضرورت سے زیادہ خوش نظر آرہی ہو۔''

''کیا دشمن کی بربادی پر خوش ہونا بری بات ہے؟'' غزالہ نے شوخی سے سوال کیا۔

''ہرگز نہیں...... لیکن کچھ پتا تو چلے کہ قصہ کیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''چند منٹ پہلے میں ٹیلی وژن پر خبریں سن رہی تھی۔ ان میں موتی محل میں بم کے دھماکے کی خبر بھی شامل تھی۔'' غزالہ نے انکشاف کیا۔

میں حیرت سے اچھل پڑا ''یہ کیسے ہوا؟ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے ہماری مدد کررہے ہیں۔''

''بہت مختصر سی خبر تھی۔ تفصیل نہیں بتائی گئی۔''

''ہو نہ ہو یہ چاؤ فان کی حرکت ہے۔ وہ مقامی آدمی ہے۔ اندر اس کے جاننے والے بھی ہیں۔ اسے میرا سہارا ملا ہے تو اس کا حوصلہ بھی بڑھ گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس دھماکے کے لیے اس نے اندر کے کسی آدمی کو استعمال کیا ہوگا۔ وہ اپنے اس کارنامے کی بات کررہا ہوگا۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس سے تفصیل سے بات نہیں کرسکے!''

''زیادہ بات کرنے کا موقع نہیں تھا۔ میں ٹیکسی میں سفر کررہا تھا۔'' میں نے اسے بتایا ''اب فون کرکے دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔''

''اسے فون کرنے سے پہلے یہ تو بتادیں کہ ڈان سے

ملاقات کا کیا رہا۔'' فون میرے ہاتھ میں آتے ہی اس نے مطالبہ کیا۔

''اس کے ذہن میں بہت مضبوط شکوک و شبہات پروان چڑھ رہے تھے۔ یہ سمجھ لو کہ سوبھراج کا نام نہ کھلنے کی وجہ سے ہم تباہی سے بال بال بچ گئے۔ مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ ہمارے پاسپورٹ ضبط کر لیے گئے۔''

غزالہ کے ذہن میں اس بارے میں بہت سے سوالات جنم لے رہے تھے لیکن اس وقت میں نے اسے ٹال دیا۔ میں فوری طور پر چاؤ فان کو ٹٹولنا چاہ رہا تھا۔

اسے فون کیا تو وہ خبیث کسی بدروح کی طرح ہوٹل کی لابی میں بیٹھا ہوا تھا۔ فون پر مجھ سے بات کرتے ہوئے وہ خوشی سے کھلا پڑ رہا تھا۔

اسے علم ہو چکا تھا کہ میں ڈان سے ملاقات کرنے کے بعد ہوٹل کی طرف لوٹ رہا تھا۔ اس نے بھی اسی سمت میں دوڑ لگا دی۔ وہ مجھے پیچھے سے اچک کر اپنے ساتھ ڈرائیو پر لے جانے کا ارادہ کر کے آیا تھا۔ بدقسمتی سے اسے ہوٹل پہنچنے میں کچھ تاخیر ہو گئی۔ میں اس سے بچ کر اطمینان سے اپنے کمرے تک پہنچ گیا۔

وہ مجھ سے فون پر بات کرتے ہوئے محتاط رہتا تھا۔ میں بھی کھل کر بات نہ کرنے کی وجہ سے الجھن محسوس کرتا تھا۔ میں نے اسے ہوٹل سے باہر اپنی گاڑی میں انتظار کرنے کا مشورہ دیا اور معذرت خواہانہ انداز میں غزالہ کو الوداع کہہ کر دوبارہ باہر چل دیا۔

اس وقت تک سائے دراز ہونے لگے تھے لیکن بنکاک کے افق پر کافی اجالا موجود تھا۔ میں نیچے کی رونقوں کا سرسری جائزہ لیتا ہوا ہوٹل سے نکلا تو چاؤ فان کی کالی اکارڈ پورچ کے سرے پر فٹ پاتھ سے لگی ہوئی نظر آ گئی۔

میرے سوار ہوتے ہی چاؤ فان نے پاور اسٹیئرنگ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت کم جگہ میں سے اپنی اکارڈ قطار سے باہر نکال لی۔

''ماسٹر! جی چاہتا ہے کہ تمہارے ہاتھ چوم لوں۔'' گاڑی چلتے ہی اس کی زبان بھی چل پڑی ''تم نے اس کے گھر پر ہاتھ ڈال دیا ہے۔ اب اس کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جائیں گی۔''

میں خاموش بیٹھا رہا۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہو گیا تھا کہ راجن کی رہائش گاہ پر ہونے والے دھماکے میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ وہ کام کسی تیسرے فریق کا تھا لیکن چاؤ فان اس واقعے کا ذمے دار مجھے سمجھ رہا تھا۔

''تم خاموش کیوں ہو..... مجھے سخت شکایت ہے کہ اس معاملے میں تم نے مجھ پر بھروسا نہیں کیا، معلوم ہوتا ہے کہ دو چار دنوں میں اپنا کوئی گینگ بنا لیا ہے۔''

''یہاں میرا کوئی گینگ ہے نہ ہمدرد۔'' میں نے بہت سوچ سمجھ کر اداسی سے کہا ''تم لوگوں کے سوا صرف ایک دوست ہے جو کسی لالچ کے بغیر میرے لیے اپنی جان لڑا رہا ہے۔ اب سوچ رہا ہوں کہ اسے بھی روک دوں۔ آج ڈان سے مل کر مجھے صدمہ ہوا ہے۔''

''ضرور ہوا ہوگا۔'' اس نے سر ہلا کر میری ہاں میں ہاں ملائی۔ ''اس کے سوال بہت تیکھے اور ٹیڑھے تھے۔ مجھ سے ان کا کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا۔''

''سوالات سے مجھے رتی برابر پریشانی نہیں ہوئی۔ میں نے ڈان کو پوری طرح مطمئن کر دیا ہے۔''

''پھر تم کس صدمے کی بات کر رہے ہو؟''

''ڈان نے بہت بڑی بے اعتمادی کا مظاہرہ کیا ہے۔ دونوں پاسپورٹ اس نے اپنے پاس رکھ لیے ہیں۔'' میں بہت سوچ سمجھ کر ایک ایک لفظ منہ سے نکال رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ چاؤ فان اس گفتگو کی رپورٹ ڈان کو ضرور دے گا۔

''اوہ......! میں سمجھ رہا تھا کہ وہ پاسپورٹ دیکھ کر تم دونوں کے پورے کوائف جاننا چاہتا ہے وہ ان کا کیا کرے گا......؟ دو چار روز میں تمہیں لوٹا دے گا۔ تم اتنی سی بات کے لیے آج کی تیسری کامیابی کی خوشی سے کیوں منہ پھیر رہے ہو۔''

''تمہاری گنتی کچھ کمزور معلوم ہوتی ہے۔'' میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

''اتنی گنتی آتی ہے۔ ڈرائیور کی موت' شرما کا صفایا اور موتی محل میں بم بلاسٹ۔ یہ شاید تین واقعات ہی ہوتے ہیں۔''

''لیکن بے فیض ہیں۔ انعام دور کی بات ہے' سزا دی گئی ہے۔ ڈان سمجھ رہا ہے کہ میں خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں گا۔ یہ بات تم نے اس کے دماغ میں ڈالی ہوگی۔''

''میں نے اسے ہوٹل کے حساب کے بارے میں بتایا تھا۔'' اس نے اقرار کیا۔ ''وہ سب کی سن لیتا ہے فیصلے خود کرتا ہے۔ اس نے کوئی موقع دیا تو میں تمہارے جذبات اس تک پہنچا دوں گا۔ یہ تم سے میرا پُرخلوص وعدہ ہے۔''

''اسے معلوم ہے کہ میں اس کے فیصلے سے خوش نہیں ہوں۔ کسی کو ناخوش کر کے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ہمارے

لیے اپنی جان کی بازی لگادے گا۔ تم میرے ساتھ رہے ہو، تمہیں معلوم ہے کہ ہم آگ سے کھیل رہے ہیں۔ ذرا سی چوک ہوئی تو یہ آگ ہمارے دامن چاٹ جائے گی۔'' میں نے بددلی سے کہا۔

''ماسٹر! تم یقین کرو کہ اس فیصلے میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے میں تمہارا ادنیٰ غلام ہوں۔ یہ جانتا ہوں کہ تمہاری شکایت کسی حد تک درست ہے۔ مجھ سے جو کچھ بن پڑا میں ضرور کروں گا۔ تم اپنا موڈ ٹھیک کرلو۔ میں تو آج تمہارے ساتھ موتی محل کی بربادی کا جشن منانے آیا تھا۔ تم اپنے دل کو پاسپورٹوں کا غم لگائے بیٹھے ہو۔''

''کیا بم زیادہ تباہ کن ثابت ہوا؟'' میں نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''تفصیل نہیں مل سکی۔ ابھی صرف خبر آئی ہے یہ بات تمہیں اور تمہارے دوست کو معلوم ہوگی کہ وہاں پھٹنے والا بم کتنی جانی اور مالی تباہی پھیلا سکتا تھا۔'' اس نے لمحہ بھر کے لیے رک کر دوبارہ اپنی بات جاری رکھی ''اگر آج وہاں کی ایک اینٹ بھی ٹوٹی ہے تو سمجھ لو کہ پورے موتی محل کی تباہی کی بنیاد ڈال دی گئی ہے۔''

''پچھلے دھماکوں کی طرح یہ بھی ایک علامتی کوشش تھی۔ اسے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اب وہ اپنے گھر میں بھی محفوظ نہیں ہے۔'' میں نے محتاط انداز میں اس واقعے کا کریڈٹ لینے کی کوشش شروع کردی۔

چاؤ فان نے اس دھماکے کی ذمے داری قبول کرنے سے انکار کیا تو میں تھوڑی دیر کے لیے سوچ میں پڑ گیا کہ وہ کس کی حرکت ہوسکتی ہے۔ ذرا سا غور کرنے کے بعد مجھے یقین ہو چلا کہ موتی محل میں ہونے والی تخریبی کارروائی امریکیوں کی سازش کا نتیجہ ہوسکتی ہے۔

وہ لوگ موتی محل میں سوبھراج کی موجودگی کی اطلاع کی تصدیق کے بعد وہاں گئے تھے۔ ان کے فوجی دستے کو راجن کی رہائش گاہ میں سوبھراج کا کوئی سراغ نہ ملنے پر مایوسی ہوئی ہوگی۔ دوسری طرف یہ اطلاعات بھی تھیں کہ راجن نے موتی محل میں امریکیوں کے گھس آنے پر اپنی شدید برہمی کا برملا اظہار کیا تھا جو امریکیوں کو یقیناً ناگوار گزرا تھا۔

ان دنوں امریکیوں کے سر پر عالمی بالادستی کا گھمنڈ سوار ہونا شروع ہوگیا تھا۔ وہ دنیا کے ہر خطے میں من مانی کارروائیاں کرنا اپنا پیدائشی حق تصور کرتے تھے اور پھر تھائی لینڈ میں ان کے دوستوں کی حکمرانی تھی۔ اپنی ضروریات کے تحت دوستوں کی درگت بنانا ہمیشہ سے ان کا محبوب مشغلہ رہا

پریشانی

ماں نے بیٹی کو نصیحت کی ''جب بھی اپنی سہیلیوں کی محفل میں بیٹھو تو جو کچھ بھی بولو، سوچ سمجھ کر بولو۔''

''لیکن امی......! اگر میں سوچنے لگوں گی۔ تو اتنی دیر میں تو موضوع ہی بدل جائے گا۔'' بیٹی نے پریشانی سے کہا۔

تھا۔ فوجی دستے کے کمانڈر کو وہ دونوں باتیں گراں گزری ہوں گی اور اس نے راجن کو سبق سکھانے کا فیصلہ کرلیا۔

غور کرنے سے یہ بات واضح ہوچکی تھی کہ بنکاک میں ہمارے اور امریکیوں کے سوا ایسی کوئی تیسری قوت نہیں تھی جو راجن کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ سکے۔ فوجی کمانڈر نے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے موتی محل میں دھماکے کا بندوبست کرادیا۔

پچھلے واقعات کے تسلسل میں کوئی بھول کر بھی یہ گمان نہیں کرسکتا تھا کہ تھائی حکومت کے امریکی دوستوں نے موتی محل والوں کو ہراساں کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ پچھلے چند دنوں میں گولڈن ڈریگن میں راجن کا ایک ملازم مارا جا چکا تھا۔ اسی رات کو راجن کے چار کاروباری ٹھکانوں میں ٹائم بم لگائے گئے جو اگلی صبح نمودار ہونے کے بعد اپنے مقررہ وقت پر پھٹ گئے۔ موتی محل میں ہونے والے بم دھماکے کو بھی ان واقعات کی ایک کڑی قرار دے کر ساری ذمے داری راجن کے نامعلوم دشمنوں کے سر ڈال دی جاتی۔

اس دھماکے سے امریکیوں کو دہرا فائدہ حاصل ہونے کی امید رہی ہوگی۔ راجن کو یہ پیغام مل جاتا کہ وہ اپنے گھر میں بھی محفوظ نہیں رہا تھا۔ دوسری طرف بم پھٹنے سے موتی محل میں زبردست خوف و ہراس پھیلتا۔ وہاں کے سارے مکین دہشت زدہ ہوکر اپنے ٹھکانوں سے کھلی فضا میں نکل آتے۔ اگر سوبھراج بہ دستور موتی محل کے کسی خفیہ ٹھکانے میں چھپا ہوا تھا تو اضطرار کے عالم میں اسے بھی سامنے آجانا چاہیے تھا۔

موتی محل میں بم پھٹنے کی واردات اس امر کی مظہر تھی کہ بنکاک کے اس نجی قلعے میں ایسے لوگ بھی پل رہے تھے جن کی وفاداریاں اپنے آقا کے لیے نہیں تھیں۔ انہوں نے دوسری قوتوں سے اپنی خدمات کا سودا کیا ہوا تھا۔

موتی محل میں تخریبی کارروائی کرنے والوں کو بم کی محدود تباہ کاری اور دھماکے کے وقت کا پیشگی علم ہوتا۔ وہ کسی محفوظ مقام پر رہ کر موتی محل سے برآمد ہونے والے خوف زدہ افراد کی بھیڑ کا بہ خوبی جائزہ لے سکتے تھے۔ ان لوگوں

میں سوبھراج کا چہرہ نظر آتا تو افراتفری کے عالم میں کسی نامعلوم سمت سے آنے والی ایک گولی پلک جھپکتے میں اس کا کام تمام کرسکتی تھی۔ ایف بی آئی کے غدار کو سزا دینے کے لیے وہ ایک بہترین موقع ثابت ہوگا۔

وہ محرکات بہت قوی تھے۔ اس نظریے پر میں نے جتنا غور کیا۔ وہ خیال میرے ذہن میں اسی قدر راسخ ہوتا چلا گیا۔

متوقع جانی اور مالی نقصان کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ امریکی اس واقعے کی ذمے داری کسی اور کے سر ڈال لیتے۔ گزشتہ واقعات نے انہیں یہ موقع فراہم کردیا تھا۔ ویسے بھی وہ قانون کی عمل داری کے لیے ایک کھلا چیلنج تھا۔ امریکی کسی صورت میں موتی محل پر نازل ہونے والی تباہی کی ذمے داری قبول نہیں کرسکتے تھے۔

امریکیوں کی ان ناگزیر مجبوریوں کی وجہ سے تازہ ترین دہشت گردی کی کہانی میں زبردست خلا باقی رہ گیا تھا۔ چاؤفان نے اس خلا میں میرا نام ڈال کر اپنی دانست میں کہانی مکمل کرلی تھی۔

مجھے ہاتھ پیر ہلائے بغیر ایک انتہائی اہم واقعے کا کریڈٹ مل رہا تھا۔ راجن سے اپنی پرخاش کی وجہ سے ڈان کے لیے وہ واقعہ بہت زیادہ اہم ثابت ہوتا۔ اسے یہ بتایا جاتا کہ میں نے چاؤفان یا اس کے کسی آدمی کی مدد کے بغیر وہ کارنامہ سرانجام دیا تو ڈان کی نظروں میں میری قدرومنزلت میں بہت زیادہ اضافہ ہوسکتا تھا۔

ایک امکان یہ بھی نظر آرہا تھا کہ شاید ڈان خوش ہوکر دونوں پاسپورٹ مجھے واپس لوٹانے پر آمادہ ہوجائے۔

''معلوم ہوتا ہے کہ اس دھماکے کے لیے تم نے وہ ٹائم بم استعمال کیا ہے جو تمہارے پاس فاضل پڑا ہوا تھا۔'' چاؤفان بہت زیادہ تجسس اور پرجوش لہجے میں کہہ رہا تھا ''وہ بہت زیادہ طاقتور نہیں تھا......''

''تمہاری وہ امانت اس وقت بھی میرے کمرے میں محفوظ ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''جب چاہو واپس لے سکتے ہو۔''

''یعنی اس بار تم نے سب کچھ اپنے ذرائع سے کیا ہے؟'' اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

''یہی ایک غلطی ہوگئی۔ آدمی کو ہمیشہ اپنی کھال میں رہنا چاہیے۔ جو لوگ شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بننے کی کوشش کرتے ہیں، منہ کے بل گرتے ہیں۔''

''میں کہہ رہا ہوں کہ حزن وملال کو اپنے دل سے کھرچ دو۔ وقت گزرنے کے ساتھ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ تمہیں موقع مل گیا تھا تو موتی محل میں زبردست بلاسٹ ہونا چاہیے تھا۔ وہاں غنڈوں اور قاتلوں کی فوج پل رہی ہے۔ دس پانچ مرتے تو راجن کے پیر اکھڑ جاتے۔''

''تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ماسٹر! تم چوٹ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔'' وہ بے اختیار ہنس دیا ''اپنی اور ان کی برادری ایک ہی ہے لیکن چور وہ ہوتا ہے جو رنگے ہاتھوں پکڑا جائے۔ باقی سب ساہوکار ہوتے ہیں۔ اس وقت ہم دونوں ساہوکار ہیں۔''

''ابھی موتی محل سے ابتدائی خبر آئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں جانی نقصان بھی ہوا ہو۔''

''میرا بس چلتا تو میں وہاں ایٹم بم کا بندوبست کرتا۔'' اس نے حسرت سے کہا۔

''اسی لیے تمہارا بس نہیں چلا۔ قدرت گنجے کو ناخن نہیں دیتی۔''

''یہ بات ڈان کے سامنے نہ کہہ دینا۔'' اس نے بوکھلا کر کہا۔ پھر اپنے سر پر بایاں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا ''میرے سر پر بہت بال ہیں لیکن پچھلے ڈیڑھ دو سال میں تفکرات کی وجہ سے ڈان کی چندیا صاف ہوگئی ہے۔ وہ وگ استعمال کرتا ہے۔''

''چاؤفان! تم احمق ہو۔ میں نے یہ بات محاورے کے طور پر کہی تھی۔''

وہ بے ڈھنگے انداز میں ہنسا ''ماسٹر! تم دیکھ رہے ہو کہ میں بہت اچھی انگریزی بول لیتا ہوں لیکن میں زیادہ محاوروں سے واقف نہیں ہوں۔ ویسے بھی یہاں سمندری خوراک کے کثرت سے استعمال کی وجہ سے گنج کا مرض ناپید ہے۔ ہماری زبان میں ایسا کوئی محاورہ نہیں ہے۔''

''راجن کے خاتمے تک تم بہت سے محاوروں سے واقف ہوجاؤ گے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''ماسٹر! تم نے ابھی تک اپنے گینگ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔'' اچانک اسے اپنا ایک تشنہ سوال یاد آگیا۔ ''موتی محل میں تمہیں کس طرح رسائی مل گئی؟''

میں نے اس کی بات کا جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردکارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کے ٹیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمٰی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی نظانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈبل کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف سوبھراج کے گرگے جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جہانگیر زیادہ دیر ان کی قید میں نہیں رہ سکا اور ایس ٹی ایف کی مدد سے ہم نے بہت جلد اسے بازیاب کرا لیا۔ اسی اثنا میں میری ملاقات سوبھراج سے ہوئی اور اس نے بتایا کہ گرین کوبرا فائل اس کے قبضے میں تھی اور وہ اسے اپنے تحفظ کی ضمانت قرار دے رہا تھا۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکراتا رہتا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا ساماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز یکے بعد دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر نام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور ٹام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش و خروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کوبرا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تمائی

لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کر رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلا توقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ٹاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے مخدوش ہو گیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کر لی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کر سکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے ثام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کر لی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے تھے۔ ان حالات میں جلال اور اول خان دونوں نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ حیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہوئی۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیرزمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اس کے بعد ہم فوری طور پر تھائی لینڈ سے نکلنا چاہ رہے تھے مگر ڈان ہمارے اس ارادے میں حائل ہو گیا۔ اس نے ہم دونوں کے پاسپورٹ اپنی تحویل میں لے لیے۔ اس دوران میں امریکیوں نے اپنی خفت مٹانے کے لیے چھوٹا راجن کے محل میں دھماکا کروا دیا جس کا کریڈٹ مجھے مل گیا۔ سوبھراج کی موت پر بہت سارے سوال پیدا ہو سکتے تھے مگر چھوٹا راجن نے مرنے والے کی شناخت تبدیل کر کے ہماری تشویش ختم کر دی۔

اب آپ قسط نمبر 248 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

فون کی گھنٹی کی آواز نے ذرا سی دیر کے لیے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا۔

میرا کراچی کے نمبر والا موبائل فون اس وقت اوپر کمرے میں تھا۔ سوبھراج اور اپنے ساتھیوں سے رابطے کے لیے میں وہی فون استعمال کرتا تھا اور اسی پر میرے اہم پیغامات آتے تھے۔ اس وقت میری جیب میں وہ مقامی موبائل فون تھا جو میں نے بنکاک میں حاصل کیا تھا۔ وہ اسد' ڈان اور چاؤ فان سے رابطوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ ڈان سے میں تھوڑی دیر پہلے ملاقات کر چکا تھا' چاؤ فان میرے ساتھ تھا۔ وہ کال اسد ہی کی ہو سکتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ڈان نے اچانک مجھے طلب کیا تھا۔ اس نے وقت کا حساب کر کے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

میں نے کال وصول کی تو دوسری طرف سے غزالہ کی آواز سنائی دی ''ابھی آپ کے موبائل پر جلال کا فون آیا تھا۔ وہ آپ سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔''

میں نے کن انکھیوں سے چاؤ فان کی طرف دیکھا۔ اس کی پوری توجہ سڑک پر مرکوز تھی۔ ویسے بھی اس کے لیے اردو میں کہی ہوئی بات کو سمجھنا ناممکن تھا۔

''میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔ آ کر دیکھوں گا۔''

میں نے خشک لہجے میں جواب دے کر فون بند کر دیا۔

''ہا...... ہا......!'' چاؤ فان نے اپنے حلق کی گہرائی سے سانس خارج کیا پھر بولا ''ماسٹر! یہ پٹاخا کون تھی...... اس کی آواز بہت جان دار ہے!''

میں نے اسے قہر بار نظروں سے گھورا اور پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا ''چاؤ فان! میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔ آج تم نے دوسری مرتبہ اس کے بارے میں بدتمیزی کی ہے۔ یہ میری بیوی کا فون تھا۔''

''توبہ...... توبہ توبہ...... میری توبہ!'' بھری سڑک پر چاؤ فان نے اچانک اسٹیئرنگ وہیل چھوڑ دیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے گالوں پر لگاتار تھپڑ برسانے لگا۔

''یہ کیا کر رہے ہو...... ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔'' میں دبی دبی' ہذیانی آواز میں غرایا ''ہوش میں رہ کر اسٹیئرنگ تھامو! تمہاری گاڑی کی رفتار سو سے اوپر ہے۔''

اس نے سر جھکا کر شکست خوردہ انداز میں دوبارہ اسٹیئرنگ تھام لیا اور پژمردہ آواز میں بولا ''ماسٹر! میں شرمندہ ہوں۔ دل میں خود کو ذلیل محسوس کر رہا ہوں۔ بدھا گواہ ہے' مجھے علم ہوتا کہ وہ تمہاری عورت ہے تو میں کچھ بھی نہ کہتا' اپنی زبان کو تالا لگا لیتا۔ سارا قصور تمہارے فون کا ہے۔ اس میں

اتنی اونچی آواز آتی ہے کہ برابر میں بیٹھا ہوا آدمی ہر بات سن سکتا ہے۔ میں تمہاری اور اس کی باتیں نہیں سمجھ سکا۔ اس کی آواز سن کر ذہن میں جو خیال آیا وہ کہہ ڈالا۔ یہ میری آخری غلطی تھی۔ مجھے معاف کر دو!''

''چاؤفان! مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ تم اول درجے کے چالاک ہو۔ جو کچھ کہنا چاہتے ہو' آنکھیں بند کر کے کہہ جاتے ہو۔ بعد میں معافی مانگ لیتے ہو یا پھر تم عقل سے ایک دم کورے اور نرے گدھے ہو!''

''ماسٹر!'' وہ خوشامدانہ انداز میں بولا ''اس وقت دوسری بات فرض کر کے میری خطا معاف کر دو۔ میں اتنا ناشائستہ آدمی نہیں ہوں۔ ہر ایک کو اس کے رتبے کے مطابق عزت دیتا ہوں۔ پتا نہیں اس وقت بے دھیانی میں میری زبان کیوں چل پڑی۔ میں تمہارے سامنے خود کو نرا گدھا تصور کر رہا ہوں۔''

''مجھے تمہاری بول چال پر ایک اور سخت اعتراض ہے۔'' میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

''وہ بھی بتا دو۔ آیندہ میں اس کا دھیان رکھوں گا۔''

''تم کو اسے میری بیوی ماننے میں کیا تامل ہے......؟ تم اسے ہمیشہ میری عورت کہتے ہو!''

''ماسٹر! یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' وہ بے بسی سے بولا ''کیا وہ ایک عورت نہیں ہے؟''

''عورت ہی ہے۔'' میں نے دانت پیس کر جواب دیا ''مگر عورت اور بیوی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ عورت کوئی بھی ہو سکتی ہے۔ بیوی صرف ایک خاص عورت کو کہا جاتا ہے۔''

''او کے...... او کے! اب میں سمجھ گیا۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے بولا ''تم کو اپنی بیوی کے لیے عورت کا لفظ توہین آمیز محسوس ہوتا ہے۔''

''صرف مجھے توہین آمیز محسوس نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک گھٹیا لفظ ہے!''

''ماسٹر! لارڈ بدھا مجھے معاف کرے۔ میں تو غیر ملکی دوستوں کی بیویوں کے لیے اکثر عورت بلکہ مادہ تک کے لفظ استعمال کرتا رہا ہوں اور آج تک کسی نے برا نہیں منایا۔''

''تم تھائیوں کی انگریزی بہت ناقص ہوتی ہے۔ لوگ سن کر درگزر کر دیتے ہوں گے کہ بے چارہ چاؤفان انگریزی کے زیادہ الفاظ نہیں جانتا۔ مادہ جانوروں کی ہوتی ہے۔ تم نے یہ لفظ استعمال کیا ہوتا تو اب تک میں تمہارا سر پھاڑ چکا ہوتا۔''

''عورت اور مادہ!'' وہ آموختہ یاد کرنے کے انداز میں بڑبڑایا پھر بولا ''میری انگریزی واقعی اچھی نہیں ہے۔ غلط الفاظ پر مجھے ٹوک دیا کرو۔ میں تمہارا ممنون رہوں گا۔''

''اپنے مطلب کی باتوں کے لیے تم خوب انگریزی بول لیتے ہو۔''

''ماسٹر! یہ بھی مجبوری ہے۔ انگریزی نہ آتی تو میں اشاروں سے تمہیں ہر بات سمجھا دیتا۔ جب آدمی کے سر پر پڑتی ہے تو اسے خود بخود الفاظ سوجھنے لگتے ہیں۔'' وہ لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اس نے پوچھا ''تم نے میری دو غلطیوں کا طعنہ دیا ہے۔ ایک تو وہ عورت اور مادہ والی بات تھی۔ دوسری یہ ہوئی کہ میں نے تمہاری بیوی کی آواز کی تعریف کی جو غلط بات ہے...... تمہیں مجھ سے اور کوئی شکایت تو نہیں ہے نا!''

''تمہاری عقل بھی موٹی ہے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ''سارا قصور تمہارے عامیانہ انداز کا ہے۔ جو باتیں شروع سے تمہاری گھٹی میں پڑی ہوئی ہیں' انہیں بدلنا میرے بس سے باہر ہے۔ تم جیسے کسی آدمی کو شائستگی سکھانا شاید دنیا کا سب سے مشکل کام ہے ان باتوں کو فی الحال بھول جاؤ۔''

''ماسٹر! میں ان باتوں کو کیسے بھول جاؤں۔'' اس نے مغموم آواز میں کہا ''مجھے زندگی میں تم نے پہلی بار بول چال پر ٹوکا ہے تو اب میری تصحیح کرنا تم پر لازم ہے۔''

میں نے چند ثانیوں تک غصے اور بے بسی سے اس کی طرف دیکھا پھر غصہ ضبط کر کے سمجھانے والے انداز میں بات شروع کی ''تمہاری ساری تعریفیں منفی ہوتی ہیں۔ مجھے تعریف پر نہیں' تمہارے الفاظ پر اعتراض ہے۔ عورت کو حسین کہنا جائز ہے جب زوردار کہتے ہو تو مفہوم بگڑ جاتا ہے۔ اسی طرح آواز کو اچھا کہنے کے بجائے تم نے بے ساختہ پٹاخا قرار دے دیا۔ یہ بھی بے ہودگی ہے۔ یہ سب باتیں اچھی نہیں ہیں۔''

''میں سمجھ گیا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا ''اب تم کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہاری بیوی کے بارے میں اپنی کوئی رائے نہ دوں' زبان بند رکھوں۔ بس مجھے ایک بات بتا دو کہ مجبوری کی حالت میں اس کا ذکر کرنا ہی پڑ جائے تو میں اسے کیا کہوں؟''

لمحے بھر کے لیے مجھے شبہ ہوا کہ وہ مردود مجھے گھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں نے تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی کا راج تھا۔ میرا غصہ فرو ہو گیا۔ میں نے کہا ''یہ بات ذہن میں نقش کر لو کہ جس طرح میں تمہارا ماسٹر ہوں' اسی طرح وہ میری بیوی ہے اور تم

اسے یہی کہو گے۔''

''اب تم فکر نہ کرو۔ آیندہ تمھیں اس معاملے میں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' اس نے نہایت وثوق سے مجھے یقین دہانی کرائی۔

''اس معاملے سے تمہاری کیا مراد ہے...... کیا دوسرے معاملات میں تم خود کو آزاد رکھنا چاہ رہے ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''ماسٹر! بعض اوقات تم ذرا ذرا سی بات پکڑنے لگتے ہو اور مجھے زچ کر دیتے ہو۔ میرا مطلب یہ تھا کہ میں محتاط تو رہتا ہی ہوں۔ اس معاملے میں زیادہ احتیاط سے کام لوں گا۔''

''آج ڈان نے پاسپورٹ لے کر میرا دل کھٹا کر دیا ہے۔ تمہاری طرف سے کوئی تکلیف پہنچی تو مجھے ڈر ہے کہ ہمارے تعاون کا سلسلہ یک لخت ختم ہو جائے گا۔'' میں نے موقع کا فائدہ اٹھا کر سخت الفاظ میں اپنی بات دہرائی۔

''ڈان کی نیت پر شک نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں تمہاری تعریف اور بڑائی کا کوئی پہلو پوشیدہ ہو۔'' اس نے خوشامدانہ لہجے میں سمجھایا۔

''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ کسی کے ہاتھ پیر کاٹ دینے سے اسے کس طرح بڑائی مل جاتی ہے!'' میں نے تلخی سے کہا۔

''تم ہر بات میں کیڑے نکالے جا رہے ہو۔ ذرا دوسری سمت میں بھی سوچنے کی کوشش کرو۔ ڈان نے تمہاری حمایت کر کے اپنے نام اور ساکھ کو داؤ پر لگایا ہے۔ اسے نظر آ رہا ہے کہ صرف تم ہی چھوٹا راجن کو نیچا دکھا سکتے ہو۔ ذرا غور کرو کہ تم کسی بات پر ناراض ہو کر خاموشی سے یہاں سے چل دیے تو ڈان کہاں ہوگا۔ اس کی کتنی سبکی ہوگی......''

''سبکی کیسے ہوگی؟'' میں نے اس کی بات اڑا کر ترشی سے سوال کیا ''میرے' تمہارے اور ڈان کے سوا ان باتوں کا کس کو علم ہے۔ راجن کو یہ معلوم ہونے میں ہفتوں لگ جائیں گے کہ اس کے مہمان کے پیچھے کون لگا ہوا تھا۔''

''پھر تم ڈان کو نہیں سمجھے۔ ایسے لوگ دوسروں کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ سب کچھ اپنی انا کی تسکین کے لیے کرتے ہیں۔ ڈان کے لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تمہارے لیے اس کی حمایت کے بارے میں کتنے لوگ جانتے ہیں۔ یہ سراسر اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ تمہاری ناکامی...... اصل ناکامی ہو یا فرار کے سبب کام ادھورا چھوڑ دینے کی ناکامی...... وہ ڈان کو تباہ کر دے گی۔ وہ چھوٹا راجن کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے تم پر سو فی صد انحصار کر رہا ہے۔ تم نے بالا ہی بالا ہوٹل چھوڑنے کی کوشش نہ کی ہوتی تو شاید ڈان کا ذہن بھول کر بھی تمہارے پاسپورٹوں کی طرف نہ جاتا۔''

''تم واقعی ڈان کے پکے نمک خوار ہو۔ اتنی دیر میں ڈھونڈ کر بہت دور کی کوڑی لائے ہو۔'' میں نے طنز سے کہا۔

''ماسٹر!'' وہ اپنے سینے پر بایاں ہاتھ مار کر بولا ''ہاں' میں اس کا پرانا نمک خوار ہوں۔ میں جس کا کھاتا ہوں' اسی کا گاتا ہوں۔ میں کوچی اور وانگ فیٹ کی طرح نمک حرام نہیں ہوں۔ وہ ڈان کے جوتوں کے نیچے پلے تھے۔ چھوٹا راجن نے زور پکڑا تو وہ ڈان کو پیٹھ دکھا کر اس سے مل گئے۔''

''کیا تم نے مجھے ہلٹن چھوڑ کر کھاؤ سان روڈ کے کسی گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہونے کا مشورہ نہیں دیا تھا؟'' میں نے کوچی اور وانگ فیٹ کے ناموں میں کوئی دلچسپی لیے بغیر اس سے پوچھا۔

''دیا تھا۔'' اس نے اقرار کرتے ہوئے کہا ''لیکن ماسٹر! میرا مطلب تھا کہ تم رضامندی ظاہر کرو تو میں تمہارے لیے وہاں عمدہ بندوبست کر دوں۔ میں خوشی خوشی تمہارا سامان اپنے سر پر اٹھا کر وہاں لے جاتا۔ تم نے کسی پر بھروسا نہیں کیا۔ چپکے سے اپنا کوئی پروگرام بنا کر ہوٹل سے جانے کی تیاری کر لی۔ اگر میں تمہارا میزبان نہ بنا ہوتا اور ہوٹل والے بل بناتے ہی مجھے فون نہ کرتے تو تم نکل جاتے اور ہم تمہیں ڈھونڈتے رہ جاتے!''

''ڈھونڈنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ہوٹل بدل جانے کے بعد بھی تم موبائل فون پر مجھ سے ہر وقت رابطہ کر سکتے تھے۔''

''یہ دو کوڑی کا شیطانی آلہ بہت کارآمد ہے۔ تم اسے کسی کوڑے دان میں پھینک کر جب چاہو اس سے اپنی جان چھڑا سکتے ہو۔''

''ڈان کو یہ شبہ ہو گیا تھا؟'' میں نے مصنوعی صدمے کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ڈان سے میری زیادہ بات نہیں ہوتی۔ میں آج بھی اسے پرانا ڈان سمجھتا ہوں۔ اس سے بحث نہیں کرتا۔ اس نے تمہارے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اب بات سے بات نکل رہی ہے تو میں اپنی طرف سے تمہیں بتا رہا ہوں کہ کیا کیا ہونے کے امکان ہو سکتے تھے۔''

''چاؤ فان! تم بہت چالاکی سے اپنا دامن بچا کر ہر بات کہہ جاتے ہو اور میں خاموشی سے سن لیتا ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں عقل سے کورا ہوں۔ تمہاری ہر بات کی تہ

تک پہنچ جاتا ہوں۔ اس وقت تم نے میری نیت پر شبے کا اظہار کیا ہے۔''

''نہیں ماسٹر' یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ میں ڈان کے حکم کے مطابق تمہارا بے دام غلام ہوں......''

''تم بار بار یہ بات دہرا کر احسان نہ جتایا کرو۔'' میں نے ہلکی سی برہمی سے اس کی بات کاٹ دی ''میں تم سے برابری کا برتاؤ کرتا ہوں۔ ایک لمحے کے لیے بھی تمہارے ساتھ غلاموں والی بدسلوکی نہیں کی۔''

وہ ہولے سے ہنس پڑا ''ابھی میں سچ بات کہہ دوں گا تو تمہارا پارا چڑھ جائے گا!''

''تم مسلسل خیالی باتیں کر رہے ہو۔ تمہاری زبان سے تھوڑا سا سچ سن کر مجھے خوشی ہوگی۔''

''ماسٹر! کل میں پیٹ پونگ میں عیش کر رہا تھا۔ وہ میرا اپنا وقت تھا۔ رات کو تنخواہ دار ملازم کی بھی چھٹی ہوتی ہے۔ تم نے حکم دیا اور میں سارے عیش و عشرت کو لات مار کر آ گیا۔''

''لات مارنے کی آواز میں نے بھی سنی تھی۔'' وہ تذکرہ آتے ہی میرا غصہ کافور ہو گیا۔ چاؤ فان کی اسی بے مثال سعادت مندی نے مجھے اپنے مشن کی کامیابی سے ہمکنار کیا تھا۔ وہ میری بات ٹال دیتا تو شاید سوبھراج کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچانا اتنا آسان نہ رہتا۔

میں نے اپنے لہجے میں کوئی نرمی پیدا کیے بغیر' سپاٹ آواز میں کہا ''میں نے تمہیں اپنے سر کی مالش کروانے کے لیے نہیں بلایا تھا۔ راجن کے مہمان کو گھیرنے کا نظریہ تم نے پیش کیا تھا۔ میں اس کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''دیکھو ماسٹر! میں کسی کی برائی بھلائی نہیں کر رہا۔ یہ حقیقت ہے کہ چھوٹا راجن سے میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ ڈان سے اس کی پرانی دشمنی چل رہی ہے۔ پتا نہیں اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم ہزاروں میل دور سے اسے مارنے کے لیے آئے ہو۔ یہ تم تینوں کا آپس کا معاملہ ہے۔ مہمان کو پکڑنے کا نظریہ میں نے مشورے کے طور پر پیش کیا تھا۔ تمہیں اس میں جان نظر آئی اور تم چل پڑے۔ یہ فیصلہ تمہارا اپنا تھا۔''

''چلو' مان لیا!'' میں نے ہلکی سی ناگواری سے کہا ''سب کیا دھرا میرا تھا۔ یہ کہہ کر تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟''

''تمہیں آ گیا غصہ!'' اس کی آواز میں شوخی اتر آئی ''میں بے چارہ کچھ بھی ثابت نہیں کرنا چاہ رہا۔ تمہاری باتوں کا جواب دے رہا ہوں۔ چھوڑ دو ماسٹر' ان باتوں کو۔ ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ بلاوجہ تلخیاں پیدا ہوں گی۔''

''گزری ہوئی باتوں کو تم کریدر ہے ہو۔ مجھے صرف اس بات کی خلش ہے کہ ڈان نے ہم دونوں کے پاسپورٹ اپنے پاس کیوں رکھ لیے...... اب تم نے ایک نئی بات کہی ہے کہ ڈان کو شبہ ہو گیا تھا کہ ہم ہوٹل چھوڑ کر چپکے سے کہیں نکل جائیں گے۔''

''ماسٹر! تم ظلم کر رہے ہو۔'' وہ اپنی ہی ران پیٹ کر احتجاجی انداز میں گویا ہوا ''میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے یہ نہیں کہا۔ جب مجھے ڈان کے دماغ میں چھپی ہوئی باتوں کا علم ہی نہیں ہے تو میں یہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں۔ میں نے تو اپنی دانست میں ایک امکان ظاہر کیا تھا۔''

''ایک ہی بات ہے......!'' میں نے بے پروائی سے اپنی بات جاری رکھنے کی کوشش کی لیکن چاؤ فان پھیل چکا تھا۔ اس نے میری بات کاٹ دی۔

''دونوں میں فرق ہے۔ شبہ ہو جانے اور شبہ ہونے کا امکان ہونے میں بہت فرق ہے۔ پہلے یہ بات صاف کر دو۔ ڈان کو بھنک مل گئی کہ میں اس کے بارے میں تم سے بے سر و پا باتیں کرتا ہوں تو وہ میری گردن توڑ دے گا۔''

''میں چاہتا ہوں کہ تم ڈان کو بتاؤ کہ تم نے مجھے ہوٹل سے کسی گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہونے کا مشورہ دیا تھا اور میں پورے خلوص سے اس پر عمل کرنا چاہ رہا تھا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ''اگر ڈان کے ذہن میں میری طرف سے کوئی شک پیدا ہو چکا ہے تو اسے دور ہونا چاہیے۔ اس کا ذہن صاف ہوگا تو مجھے پاسپورٹ واپس مل جائیں گے۔''

''پاسپورٹوں کے بغیر میں تمہیں شہر کے کسی بھی اچھے گیسٹ ہاؤس میں جگہ دلا دوں گا۔ ان کے لیے تم اتنا فکرمند کیوں ہو رہے ہو۔ تم چھوٹا راجن کو مارنے تک یہاں رکنا چاہتے ہو۔ ڈان نے بھی تم سے یہی وعدہ کیا ہے کہ اس کا قصہ تمام ہوتے ہی وہ پاسپورٹ تمہیں لوٹا دے گا۔ اطمینان سے اپنے کام میں لگے رہو!''

''یہ میری انا کا مسئلہ بن گیا ہے۔'' میں نے دل ہی دل میں چاؤ فان کے مفروضوں پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا ''جب تک یہ حل نہیں ہوگا' میں ذہنی یکسوئی کے ساتھ راجن کے خلاف کوئی منصوبہ بندی نہیں کر سکوں گا۔''

''ماسٹر! اپنی اور ڈان کی انا کو لڑانے کی کوشش نہ کرو۔ وہ ہر اعتبار سے تم سے بڑا ہے۔ بڑے آدمیوں کے دل بھی بڑے ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ موتی محل میں دھماکے پر خوش ہو کر تمہارے پاسپورٹ تمہیں لوٹا دے۔ میں تم سے کوئی پکا وعدہ

نہیں کرتا' یہ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی موقع مل گیا تو تمہاری طرف سے اس کا ذہن صاف کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔ میرے اور اس کے رتبے میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ وہ مجھ سے زیادہ بات نہیں کرتا۔''

میں نے چاؤ فان کی باتوں کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

''تمہارا وہ جی دار دوست کون ہے جس نے موتی محل جیسے قلعے میں دراڑ ڈال دی۔ کیا مجھے اس نر سے نہیں ملواؤ گے؟'' چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس کی زبان پھر چل پڑی۔

''تمہارے دماغ میں نر اور مادہ کے سوا کچھ اور بھی ہے؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا ''لو' یہ بھی غلط ہو گیا۔ وہ بہادر آدمی کون ہے؟ میں اس کے ہاتھ چومنا چاہتا ہوں۔''

''وہ ایک ملازم پیشہ اور شریف آدمی ہے۔ کسی بدمعاش کے حوالے سے اپنی رونمائی پسند نہیں کرے گا۔'' میں نے اسے خشک لہجے میں جواب دیا۔ چاؤ فان کو یہ بتانا ضروری نہیں تھا کہ موتی محل میں ہونے والے دھماکے کی خبر ملنے سے پہلے ڈان نے لوپ بوری میں راجن کی لینڈ کروزر کی موجودگی کا سراغ لگانے کی بنا پر اسد کو اپنے ساتھ لینے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

''ماسٹر! تم بہت گہرے آدمی ہو!'' اس نے ایک لمبا سانس لینے کے بعد شکست خوردہ لہجے میں کہا ''تم کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ مجھے اپنے دھندوں سے روزانہ معقول آمدنی ہوتی ہے۔ مجھے کسی ٹیڑھے چکر میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن ڈان کی وجہ سے میں تمہارا دم چھلا بنا ہوا ہوں۔ بنکاک کا کوئی شریف اور بزدل آدمی تمہارے لیے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر موتی محل میں بم مار آیا۔ پتا نہیں تم کس سے کیا کام لے رہے ہو!''

''میرے بارے میں اتنا زیادہ نہ سوچو۔'' میں نے اسے نصیحت کی ''وقت ہر شخص کو بہت کچھ سکھا دیتا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ تمہیں ڈان سے کیا کہنا ہے۔''

''کیا کہنا ہے؟'' اس نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''کوئی جھوٹ نہیں بولنا' ایک حقیقت دہرانی ہے۔ اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تم نے مجھے ہلٹن ہوٹل چھوڑ کر کھاؤ سان روڈ کے کسی گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہونے کا مشورہ دیا تھا۔'' اس کی یادداشت تازہ کرنے کے لیے مجھے اپنی کہی ہوئی بات کا اعادہ کرنا پڑا۔

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے جلدی سے کہا ''تھوڑی دیر پہلے تم نے یہی ہدایت کی تھی تو بات میرے سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔ اب اندازہ ہو رہا ہے کہ تم ہوٹل چھوڑنے کی ذمے داری میرے سر ڈالنا چاہتے ہو۔''

''تمہارا اندازہ بالکل غلط ہے۔'' میں نے سختی سے کہا ''ہوٹل چھوڑنے کا فیصلہ میرا اپنا تھا۔ تم اس کے لیے ذمے دار کیسے ہو سکتے ہو۔ بس ڈان کو یہ علم ہو جانا چاہیے کہ میں نے اچانک ہوٹل بدلنے کا ارادہ نہیں کیا۔ اس بارے میں تم سے پہلے بھی بات ہو چکی تھی۔''

''یہ بات میں ڈان کو بتا دوں گا۔'' اس نے سر ہلا کر کہا ''یہ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''کس بات کا؟'' میں نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

''ہوٹل بدلو گے یا وہیں رہو گے۔ میں پاسپورٹوں کے بغیر تمہیں کھڑے کھڑے کہیں بھی جگہ دلوا سکتا ہوں۔'' اس نے اپنی پیشکش دہرائی۔

''فی الحال گاڑی اسی طرح چلنے دو۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''موڈ بنے گا تو میں تمہیں بتا دوں گا۔''

''جیسی تمہاری مرضی!'' میرے روکھے پھیکے جواب سے اسے مایوسی ہوئی اور اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''تم نے پاسپورٹ والے قصے کو اپنے دل پر لے لیا ہے۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ مجھے پتا ہے کہ ڈان سے تمہاری کیا باتیں ہوئی ہیں۔ وہ لوپ بوری میں تمہاری کارکردگی سے یقیناً بہت خوش ہوا ہوگا۔ وہ اپنے دشمن کا خون پی جانے کا مزاج رکھتا ہے۔ تم نے ساری باتیں چھوڑ کر اس ایک قصے کو پکڑا ہوا ہے۔''

''اس نے مجھے اپنی آنکھ کا تارا قرار دیا ہے۔'' میں نے اس کی شکایت پر قدرے بے زاری سے کہا ''لیکن آنکھ کے تارے پر بھروسا کیا جاتا ہے، اس کی تذلیل نہیں......''

''بس، بس!'' اس نے میری بات درمیان سے اڑا دی ''قصہ ختم ہو گیا۔ تم نے اب تک اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ڈان بہت سوچ سمجھ کر اور کم بولتا ہے۔ وہ بہت مشکل سے کسی کو عزت دیتا ہے اور پھر ہمیشہ اپنے فیصلے پر قائم رہتا ہے۔ اسے موتی محل میں دھماکے کی خبر ملے گی تو اس کی نظروں میں تمہاری توقیر اور زیادہ بڑھ جائے گی۔''

وہ اپنے موقف پر سختی سے قائم تھا اور میں اپنے پاسپورٹ چھن جانے کی وجہ سے سخت جھنجلاہٹ میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ میں کتنا ہی سر کھپا لیتا، اسے اپنا ہمنوا نہیں بنا سکتا تھا۔

مجھے اس کے ذریعے ڈان کو جو پیغام پہنچانا تھا، وہ میں اس کے ذہن میں بخوبی ڈال چکا تھا۔ میں نے اکتائے ہوئے انداز میں اس سے واپسی کے بارے میں سوال کیا تو اس نے نہایت سعادت مندی سے بتایا کہ اس وقت وہ ہلٹن ہوٹل کی طرف واپسی کا سفر طے کر رہا تھا اور ہم چند منٹ میں وہاں پہنچنے والے تھے۔

میرے لیے وہ اطلاع اہم تھی۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری طرح وہ بھی اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ سارا زور بیان صرف کر دینے کے باوجود وہ مجھے ڈان کی شان اور عظمت کے ترانے گانے پر مجبور نہیں کر سکے گا۔

''ماسٹر! تم بہت ضدی آدمی ہو!'' کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''جو بات تمہارے دماغ میں بیٹھ جائے، اسے نکالنا آسان نہیں ہے۔''

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنی جگہ خاموش بیٹھا رہا۔

واپسی کے بارے میں اس کے بیان کی صداقت چند منٹ بعد سامنے آگئی۔ راستے میرے لیے کچھ نامانوس سے تھے لیکن ہم ہوٹل کے پاس پہنچ گئے۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھ سے بھی خفا ہو گئے ہو۔'' اس نے گاڑی روکتے ہوئے اداسی سے کہا۔

''خفا نہیں ہوں۔ مجھے حیرت ہے کہ ایک معمولی سی بات تمہارے دماغ میں نہیں آ رہی۔'' میں نے ہلکی سی ناراضی سے جواب دیا۔

''میں دعا کروں گا کہ ڈان تمہارے پاسپورٹ جلد ہی لوٹا دے۔''

''دعا کے ساتھ تمہیں ڈان سے کچھ کہنا بھی ہے۔''

''فکر نہ کرو۔ میں موقع ملتے ہی اسے بتا دوں گا کہ سارا قصور میرا ہے۔ میں نے ہوٹل بدلنے کی بات تمہارے دماغ میں ڈالی تھی۔''

میں نے گھور کر اس خبیث کی طرف دیکھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس کے ہونٹوں پر چڑانے والی ایک خفیف سی مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔ میں مزید کچھ کہے بغیر گاڑی سے اتر گیا۔

چاؤفان سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں پہنچنے تک میرا ذہن ان معاملات میں الجھا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں جلد از جلد بنکاک کیسے چھوڑ سکوں گا۔ کمرے میں پہنچتے ہی مجھے غزالہ کی مستفسرانہ نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا۔

''تمہاری خوشی بے جا نہیں تھی۔'' میں نے جوتوں سمیت بستر پر ڈھیر ہو کر کہا ''موتی محل میں بم دھماکا میں نے کیا تھا۔''

وہ تیزی سے میرے پیروں سے جوتے اتارنے کے لیے بڑھی تھی۔ میرا جواب سن کر تحیر زدہ انداز میں اپنی جگہ پر ٹھٹک کر رک گئی۔

''کیا یہ الزام آپ کے سر ڈال دیا گیا ہے؟''

''الزام نہیں، کارنامہ کہو۔'' میں نے فکر و تشویش کو پس پشت ڈالتے ہوئے، مسکرا کر جواب دیا۔ ''میرا ابتدائی اندازہ غلط ثابت ہوا۔ چاؤفان کا اس دھماکے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ یہ میرا کارنامہ ہے۔''

''ویری گڈ۔'' وہ خوش ہو کر بولی ''اس کا مطلب ہے کہ ستارے آپ کی یاوری کر رہے ہیں۔''

''ہاں...... کچھ ایسا ہی نظر آ رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اب ڈان کی آنکھ کے تارے کی روشنی میں کچھ اضافہ ہو جائے۔''

''آپ کے اشارے کنایے میری سمجھ سے باہر ہیں۔ مجھے پوری کہانی سنائیں۔ ڈان سے ملاقات میں کیا ہوا؟ ابھی آپ نے کچھ بھی نہیں بتایا۔'' وہ میرے جوتے موزے اتارتے ہوئے بولی۔

''لمبی کہانی ہے۔ میں ابھی سناتا ہوں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ جلال کیا کہہ رہا تھا۔''

''وہ بہت مضطرب تھا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ اسے کہیں سے کوئی سن گن ملی ہے۔'' اس نے بتایا ''پوچھ رہا تھا کہ سوبھراج کا کیا بنا۔ آپ نے میری موجودگی میں اسد کو ہدایت کی تھی کہ سوبھراج کی موت کا راز کسی اور کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ اس میں اس کے افسران بالا بھی شامل تھے۔ میں انجان بن گئی۔ اس نے کہا تھا کہ آپ پہلی فرصت میں اس سے بات کر لیں۔''

''ابھی فرصت کہاں ہے۔'' میں نے اس کی پشت پر لہراتے ہوئے ریشمیں بالوں سے کھیلتے ہوئے کہا ''پہلے تمہاری بریفنگ ضروری ہے۔''

غزالہ نے پلٹ کر معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ پھر میرے بائیں پیر سے آخری موزہ اتار کر، مسہری کے سرہانے، میرے قریب آ بیٹھی۔

میری زندگی بہت کٹھن اور دشوار حالات میں گزر رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے چُوک کا کوئی بھی لمحہ میری زندگی کا آخری لمحہ ثابت ہوگا۔ میں تنہا اور میرے دشمن بے شمار تھے۔ زندگی کے اس تپتے ہوئے، بے رحم صحرا میں، میرے لیے غزالہ کی ذات کسی پُر بہار نخلستان کی طرح تھی۔ اس کی ذات کا حیات آفرین سایہ ملتا تھا اور میرے پورے وجود میں طمانیت اور آسودگی کی لہریں سرایت کر جاتی تھیں۔

ہم دونوں کافی دیر تک باتوں میں کھوئے رہے۔ میں نے اسے وہ ساری جستہ جستہ باتیں بتا ڈالیں جن سے وہ بے خبر تھی۔

''سوبھراج کے مارے جانے کے بعد، اب ہمارا یہاں رکنا بے سود ہے۔ میرا اندازہ ہے ڈان ہم دونوں کے پاسپورٹ آسانی سے واپس نہیں دے گا۔ ان حالات میں ہماری واپسی کی کیا صورت ہوگی؟'' اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

''لوگوں کے پاسپورٹ گم بھی ہوجاتے ہیں۔'' میں نے کہا ''جلال سے بات کروں گا۔ اگر ہمارے پاسپورٹ باضابطہ تھے تو ہمارا مقامی سفارت خانہ گمشدگی کی شکایت پر ڈپلی کیٹ پاسپورٹ جاری کرسکتا ہے۔ ڈان کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا۔''

وہ متبادل تجویز سن کر غزالہ کا چہرہ کھل اٹھا ''ایک دو دنوں میں یہ کام ہوجائے تو ہم خاموشی سے یہاں سے نکل سکتے ہیں۔ ڈان ہمارے پاسپورٹوں کو جا ثارہ جائے گا۔ اب آپ جلال سے بات کرلیں وہ آپ کی کال کا انتظار کررہا ہوگا...... آپ نے اپنی مرضی سے خاصا وقت گزار لیا ہے۔'' آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے وہ بستر سے اتر گئی۔

میری ذہنی اور جسمانی تکان دور ہوچکی تھی، وجود پر عجیب سی پرسرور کسل مندی سوار تھی۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے غزالہ کے مشورے کی افادیت پر غور کیا اور اپنے کراچی والے موبائل فون پر جلال کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

دوسری گھنٹی پر جلال سے رابطہ قائم ہوگیا۔

''کیا خبریں ہیں......تم کہاں غائب ہو؟'' رسمی مزاج پرسی کے بعد وہ فوراً ہی مطلب کی بات پر آگیا۔ فون پر وہ غیر ضروری باتیں کرکے وقت برباد کرنے کا عادی نہیں تھا۔

''وقت کسی نہ کسی مصروفیت میں گزر رہا ہے!'' میں نے گول مول سا جواب دیا۔

''سوبھراج کے بارے میں کیا خبریں ہیں؟'' اس نے براہِ راست سوال داغ دیا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں یکایک ایک کٹھن امتحان سے دوچار ہوگیا ہوں۔ کہنے کو میں نے اسد کو ہدایت دے دی تھی کہ وہ سوبھراج کی ہلاکت کا راز اپنی ذات تک محدود رکھے' اپنے بڑوں کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دے۔ جلال سے فون پر بات کرتے ہوئے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔

جلال سے میرا رشتہ اعتماد اور دوستی کا تھا۔ اپنی تمام تر مصلحتوں کے باوجود میں نے کبھی کھل کر اس سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ سوبھراج کے بارے میں اس کا سوال دوٹوک تھا۔ میں اس سے کوئی جھوٹ بولتا تو وہ زیادہ دیر تک جلال سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ میرے جھوٹ کی پول کھلنے کے بعد میرے اور اس کے باہمی اعتماد میں جو دراڑ پڑتی' اس کا تصور ہی میرے لیے بہت تکلیف دہ تھا' میں اس سے سوبھراج کے انجام کے بارے میں سچ بولتا تو اسد کی پوزیشن مجروح ہوتی۔ جلال کو تاؤ آجاتا کہ اس کے آدمی نے اتنی اہم خبر اس سے پوشیدہ رکھی۔

تذبذب اور پریشانی کے وہ لمحات میری خاموشی میں گزر گئے۔ میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ جلال کو کیا جواب دوں۔

''کہاں کھو گئے......؟ میں تمہارے جواب کا انتظار کررہا ہوں!'' جلال کو اصل صورتِ احوال کا کوئی ادراک نہیں تھا۔ اس کی آواز میں شوخی اتر آئی تھی۔

''سمجھ میں نہیں آرہا کہ تمہیں کیا جواب دوں۔ زمین اس ملعون کے گندے بوجھ سے آزاد ہوچکی ہے!'' میری سوچ بچار رائیگاں گئی' اعتماد کا رشتہ ہر مصلحت پر غالب آگیا اور سچ بے اختیار میری زبان پر آگیا۔

''گریٹ...... یہ بہت بڑی خبر ہے' مجھے بتاؤ کہ یہ کیسے ہوا'' غیر متوقع طور پر میری زبان سے وہ خبر سن کر جلال کی آواز فرطِ جذبات سے مغلوب ہوگئی۔

''یہاں سے ایک گھنٹے کی مسافت پر لوپ بوری نامی قصبہ ہے۔ اس کے نواحی جنگل میں بھیڑیوں نے اس کا ایک ایک ریشہ کھالیا۔''

''اوہ......! وہ سوبھراج تھا!'' اس نے تحیر زدہ آواز میں میری بات کاٹ دی'' میں نے تھوڑی دیر پہلے تھائی لینڈ کے بارے میں ایک ویب سائٹ پر اس ہولناک واقعے کی خبر دیکھی ہے۔ اس میں مرنے والے کو نامعلوم شخص قرار دیا گیا ہے۔''

اس نے میری قطع کلامی کرکے مجھے حیران کردیا۔ لوپ بوری اتنا معروف قصبہ نہیں تھا کہ اس کے بارے میں کوئی خبر تیزی سے عالمی شہرت حاصل کرلے۔ جب اس نے ویب سائٹ کا ذکر کیا تو میری حیرت رفع ہوگئی۔

انٹرنیٹ کی سہولتوں نے پوری دنیا کو ایک کوزے میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ دنیا کے گوشے گوشے کے بارے میں معلومات اور خبریں ہر وقت دستیاب رہتی ہیں۔ اخبارات سے بے شمار اداروں اور تنظیموں کی اپنی اپنی ویب سائٹس چوبیس گھنٹے ایک ہلکی سی کلک کی رسائی میں رہتی ہیں جن پر تازہ

ترین اہم اور عجیب وغریب خبریں اور تصاویر موجود ہوتی ہیں۔
لوپ بوری میں وہ ہولناک واقعہ پیش آئے ہوئے کم و بیش چودہ گھنٹے گزر چکے تھے۔سوبھراج کی ہلاکت اس اعتبار سے اپنی نوعیت کا عجیب واقعہ تھا کہ خونی درندوں کے غول نے ایک انسان کی ہڈیوں کو جوڑ جوڑ سے الگ کر کے اس طرح چاٹ لیا تھا کہ مرنے والے کی شناخت کا کوئی فوری امکان باقی نہیں رہا تھا۔ یہ بات قرین قیاس تھی کہ تھائی لینڈ کی کسی خبری ویب سائٹس پر اس واقعے کو نمایاں جگہ دی گئی ہو۔
ان دنوں میں تھائی لینڈ میں تھا۔ میں نے وہ سفر جلال کے ایما پر کیا تھا۔ بعد میں میرے بدترین حریف نے عافیت کی امید میں اسی طرف کا رخ کیا جلال کو توقع تھی کہ کسی بھی مرحلے پر میرا اور اس کا خوفناک ٹکراؤ ہوسکتا ہے۔ حالات کی روش سے باخبر رہنے کے لیے اگر وہ تھائی لینڈ کے بارے میں کسی ویب سائٹ پر توجہ دے رہا تھا تو اس میں کوئی حیران کن بات نہیں تھی۔ گولڈن ڈریگن کے ایک محافظ کے قتل اور راجن کے کئی اڈوں میں بموں کے دھماکوں کے بعد پیدا ہونے والے مقامی حالات کے بارے میں اس کا تجسس فطری تھا۔ اس بارے میں تازہ ترین خبریں اسے انٹرنیٹ پر کسی ویب سائٹ سے ہی مل سکتی تھیں۔
''وہ سوبھراج ہی تھا!'' اس کی حیرت دور کرنے کے لیے میں نے کہا''تھوڑی دیر پہلے پتا چلا ہے کہ راجن نے بچی کھچی ہڈیوں کے ڈھیر کو نرائن پرشاد شرما کا نام دیا ہے۔''
''وہ کہہ رہا ہے تو اسی کی بات درست ہوگی۔ یہ بتاؤ کہ مرنے والے کا اس سے کیا تعلق نکل آیا؟''
''لمبی کہانی ہے وہ تعلق سے انکار نہیں کرسکتا تھا۔'' میں نے جواب دیا''اس کا ڈرائیور ایک مہمان کو لے کر لوپ بوری کے ریسٹ ہاؤس میں گیا تھا۔ ریسٹ ہاؤس کے برآمدے میں ڈرائیور کو گولی مار کر ہلاک کردیا گیا' مہمان غائب ہے۔''اسے میں نے اپنی آنکھوں سے مرتے ہوئے دیکھا ہے۔''
''اوہ......! ویب سائٹ پر یہ ساری تفصیل نہیں تھی۔''
اس کی آواز تحیر زدہ تھی''میرے لیے یہ سب حیرت انگیز ہے مجھے اندازہ نہیں تھا وہاں جاکر تمہاری رفتار میں زیادہ تیزی آجائے گی۔ مجھے افسوس ہے کہ اسد نے ابھی تک اس بارے میں کوئی رپورٹ نہیں بھیجی۔ کیا تم نے اسے الگ تھلگ کردیا ہے؟''
''وہ میرے لیے زبردست مددگار ثابت ہوا ہے۔'' میں نے اسے بتایا''اسی نے کھوج لگایا کہ سوبھراج کو لے جانے والی گاڑی لوپ بوری میں موجود ہے اور ہم وہاں پہنچ گئے۔ وہ ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔ میں نے اسے منع کردیا تھا کہ وہ سوبھراج کی موت کی رپورٹ کسی کو نہ دے۔ یہ راز فاش ہوا تو ملک کے لیے مسائل کھڑے ہوجائیں گے۔''
''اور وہ تمہاری ہدایت پر عمل کررہا ہے۔'' جلال کی آواز سے یک بیک غصے کا عنصر جھلکنے لگا''یہ محکمہ جاتی ڈسپلن کی بدترین خلاف ورزی ہے۔ میں اسے......!''
''اتنا غصہ نہ کرو۔'' میں نے اسے آگے بولنے سے روک دیا''یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر اور پوری نیک نیتی سے کیا گیا تھا۔ تم نے اس سے ملامت کا ایک لفظ بھی کہا تو اس کی نظروں میں میری ساکھ ختم ہوجائے گی۔''
''علی! وہ ایک حلف بردار سرکاری ملازم ہے۔'' جلال کے لہجے کی تلخی دور نہ ہوسکی۔ وہ کہہ رہا تھا''اس کے لیے فرائض منصبی سب سے پہلے اہمیت رکھتے ہیں۔ تم بہت اہم اور قابل احترام ہستی ہو لیکن ہمارے نیٹ ورک سے باہر کے آدمی ہو۔ میں حیران ہوں کہ اس جیسے سینئر اور سمجھ دار افسر نے یہ نکتہ کیسے نظر انداز کردیا۔ اسے ہر حال میں اس واقعے کی رپورٹ فیکس کرنی چاہیے تھی۔''
''جب بات ملکی مفاد کی ہو تو دوسری چیزیں پس پشت چلی جاتی ہیں۔'' جلال کے پرزور استدلال پر میں نے بھی سختی اختیار کرلی۔
''اس میں ملکی مفاد کہاں سے آگیا......؟'' جلال نے ترکی بہ ترکی کہا''تم نے اسے روک دیا' اس نے تمہاری ہدایت مان کر سوبھراج کے بارے میں خاموشی اختیار کرلی۔ ایک گھنٹے پہلے اس نے آج کی آخری رپورٹ فیکس کی ہے۔ اس میں سوبھراج تو درکنار' لوپ بوری کے واقعے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ اصل بات تم سے معلوم ہوئی ہے......نہیں علی' یہ قاعدے کی سنگین خلاف ورزی ہے۔ میں اسے معاف نہیں کروں گا۔''
''اسے اپنی انا کا مسئلہ نہ بناؤ۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا''اگر کوئی قصور سرزد ہوا ہے تو وہ میرا ہے۔ تمہارے کہنے کے مطابق میں تمہارے نیٹ ورک سے باہر کا آدمی ہوں۔ میرے اوپر تم اپنے محکمے کے قاعدے اور قانون لاگو نہیں کرسکتے۔''
''تم غلط سمجھ رہے ہو۔'' یکا یک اس کا لہجہ دھیما ہوا۔ ''اپنے دفتری فرائض کی بجا آوری میں' میں اپنی انا کو بالائے طاق رکھ دیتا ہوں' تم یقین کرو کہ یہ میری انا کا معاملہ نہیں' ڈسپلن کی خلاف ورزی کا بالکل صاف اور سیدھا واقعہ ہے۔

اس کے بارے میں مجھ سے بحث نہ کرو۔ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تم دونوں کی اعلیٰ کارکردگی کا معترف ہوں لیکن اصول ہر حال میں اٹل ہوتے ہیں۔ ان سے انحراف نہیں کیا جاسکتا۔''

''تم ضد کررہے ہو......'' میں نے کہنا چاہا مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔

''یہ ضد نہیں' ایک سیدھی سی بات ہے جو تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی۔'' وہ بولا'' مجھے یہ بتاؤ کہ اس بات کا صیغہ راز میں رہنا اتنا ہی ضروری تھا تو تم نے اس کا ذکر کیوں کیا......؟ کیا یہ عجیب تضاد نہیں ہے کہ تم نے جس کام سے اسد کو روک دیا' خود وہی کام کر گزر رہے ہو!''

میں لمحہ بھر کے لیے چکرا گیا۔ جلال نے مروت کی راہ چھوڑ کر بہت چبھتا ہوا سوال کر ڈالا تھا۔ وہ لمحہ گزرتے ہی میری زبان چل پڑی ''اب تم نے ڈھنگ کا سوال کیا ہے' میں نے جو کچھ کہا وہ تمہاری ذات تک محدود رہے گا۔ مجھے امید ہے کہ تم کسی اور سے اس کا ذکر نہیں کرو گے' اپنے ایک اہم مخبر کی فراہم کی ہوئی اطلاع سمجھ کر پی جاؤ گے۔ یہی بات اسد کے قلم سے کاغذ پر منتقل ہوتی تو نہ جانے کتنے ہاتھوں سے گزرتی ہوئی تم تک پہنچتی۔ آئی بی تمہاری ذات تک محدود نہیں ہے وہ ایک منظم اور بڑا ادارہ ہے۔ مجھے اس کی تنظیم' حب الوطنی اور ساکھ پر ذرا بھی شبہ نہیں ہے۔ اسد کا فیکس تمہارے آپریٹر یا کسی ماتحت کے پاس آتا اور کسی نہ کسی دفتری چینل سے گزر کر تمہاری میز تک پہنچتا۔ میں اسے خطرناک سمجھ رہا تھا۔ کالی بھیڑوں کا ذکر چھوڑ دو تب بھی یہ خطرہ میرے سر پر منڈلاتا رہتا کہ سوبھراج جیسے بڑے غدار کی عبرت ناک موت کی رپورٹ پڑھ کر تمہارا کوئی بھی ماتحت جوش میں آکر اپنی زبان کھول سکتا تھا۔ زبان سے نکلی بات پرائی ہوجاتی ہے۔ میں نے ان خدشات کی وجہ سے سرکاری رپورٹ رکوانے کی کوشش کی ہے' ذاتی طور پر تمہیں ہر بات بتادی ہے۔''

''تمہاری یہ بات کسی حد تک درست ہے۔'' جلال کی آواز مضمحل ہوگئی ''او ور سینئر اسٹاف براہ راست مجھ کو جواب دہ نہیں ہے۔ رپورٹ اس شعبے سے گزر کر میرے پاس آتی کیونکہ سوبھراج ہیڈ کوارٹرز کو مطلوب ہے اور یہاں میں اس کے کیس پر مامور ہوں۔''

''تمہارے بتائے بغیر مجھے اندازہ تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ اداروں اور محکموں میں کام لوگوں میں بٹے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر ایک اپنی صوابدید کے مطابق ترجیحات مقرر کرتا ہے۔'' میں نے اسی کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا ''ضروری نہیں کہ سوبھراج کے بارے میں دوسرے افسروں کی سوچ تم سے ملتی جلتی ہو۔ سب دیانت دار ہوتے ہیں۔ ایک قانون پر چلتے ہیں مگر اس کی تاویل ہر ایک کے لیے مختلف ہوسکتی ہے۔''

''تمہاری خواہش ہے کہ سوبھراج مرجانے کے باوجود زندہ رہے!'' جلال کی پُرخیال آواز ابھری۔

''میرا خیال ہے کہ اسی میں ہم سب کا مفاد پوشیدہ ہے۔''

''تمہارا فیصلہ درست تھا۔'' میری مزید کسی وضاحت کے بغیر پوری بات اس کے ذہن میں آگئی ''اس وقت پاکستانی اخبارات وغیرہ میں سوبھراج کے بارے میں غلغلہ ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ اس وقت وہ ہمارا سب سے زیادہ مطلوب ملزم ہے۔ وہ دنیا میں کہیں مارا جاتا' الزام ہمارے سر آتا' دنیا کہتی کہ پاکستانی ایجنٹ اس کا پیچھا کررہے تھے۔ انہوں نے آخر کار اسے ٹھکانے لگادیا۔''

''اب چاہو تو اسد کو معطل کردو!'' میں نے ہنس کر کہا ''سوبھراج کا نام کھل جاتا تو اس کی پوزیشن سب سے زیادہ مشکوک ہوجاتی۔ ہم لوپ بوری کی طرف گئے تو وہ بے چارہ بنکاک میں اپنی موجودگی کے دو چار گواہ پیدا کرنے کے لیے لوگوں کو اپنی گرہ سے شراب پلا رہا تھا۔''

''کیا اسد تمہارے ساتھ نہیں تھا؟'' جلال نے چونک کر سوال کیا۔

''وہ تمہارے ڈسپلن پر سختی سے عمل کرتا ہے۔ جس ملک میں بیٹھا ہوا ہے' اس کے قانون کا پورا پورا احترام کرتا ہے۔''

''اسے یہ نہ بتانا کہ سوبھراج کے بارے میں میری اور تمہاری بات ہوچکی ہے۔''

''تم بے فکر رہو میں ان باریکیوں کو سمجھتا ہوں۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر اسے یقین دلایا۔ ''تمہاری ساکھ پر حرف نہیں آنے دوں گا۔''

''دراصل تم وہاں موجود ہو' پل پل کے حالات و واقعات پر تمہاری گہری نظر ہے۔ تمہارے فیصلے درست ہیں' میں پورے پس منظر کو جانے بغیر صحیح نتیجہ اخذ نہیں کرسکتا۔'' اس نے کہا ''راجن نے مرنے والے کا اصل نام چھپا کر ہم سب پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ہم بہت سی دشواریوں سے بچ گئے ہیں۔ تم کو یقین ہے نا کہ وہ سوبھراج ہی تھا؟''

''بالکل اسی طرح جیسے تمہارے جلال ہونے کے بارے میں یقین ہے' تمہیں بہت دیر سے اس تائید کا خیال آیا!''

''میرے لیے یہ سب ناقابلِ یقین ہے۔ مجھے توقع نہیں

تھی کہ تم اتنی آسانی سے اسے زیر کرلو گے۔''
''اس نے مجھے بہت دوڑایا ہے۔ اس بار نکل جاتا تو دوبارہ اس کا پھنسنا بہت مشکل تھا۔''
''وہ زندہ ہاتھ آجاتا تو یہاں ایک طوفان کھڑا ہوجاتا۔ نہ جانے وہ اپنی سیاسی برادری کے کن کن لوگوں کو بے نقاب کرتا۔ اب اس کے پالے ہوئے لوگ اس کی واپسی کے انتظار میں دبکے بیٹھے رہیں گے۔ ہمیں ایک ایک کر کے انہیں ڈھونڈنا ہوگا۔''
''یہ محنت ناگزیر ہے' میرا خیال ہے کہ اس کا نام ظاہر نہ ہونے سے ایک بہت بڑا بحران ٹل گیا۔
یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اس کی ٹولی کے سیاسی بدمعاش یا بدمعاش سیاست داں اسے عدالت میں پیش ہونے سے پہلے مروا دیتے۔ اقتدار کے کھیل میں سب اپنی اپنی بازی کھیلتے ہیں۔ برا وقت آجائے تو کوئی کسی کی پروا نہیں کرتا۔ دوسروں کو روند کر خود نکل جانے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔ یہ ہمارے لیے غیبی تائید ثابت ہوسکتی ہے۔''
''میں تمہاری ہر بات سے متفق ہوں مگر یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ راجن نے سوبھراج کو مرنے کے بعد نرائن پرشاد شرما کا نام کیوں دیا۔''
''میرا خیال ہے کہ سوبھراج سے اس کی پرانی دوستی ہے۔ وہ اس کے ہر راز سے واقف ہے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ایف بی آئی کے ایک غدار کو موت سے بچا رہا ہے۔ اس نے امریکیوں سے جھوٹ تو بول دیا کہ اس نے سوبھراج کو اپنے پاس پناہ نہیں دی' بعد میں اس کے لیے مزید جھوٹ بولنے کے سوا کوئی راستہ نہیں بچا۔ لاش کی شناخت کا امکان نہ ہونے کی بنا پر اس نے نرائن کا فرضی نام لے کر خود کو بچالیا۔ یہ بات اہم ہے کہ لاش کی ناکافی باقیات سامنے آنے تک راجن پولیس کے سامنے نہیں آیا۔''
''اسے بھی دیکھو۔ مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ راجن بھی ایف بی آئی کے ہاتھوں بکا ہوا ہے۔'' جلال کی پرخیال آواز آئی
''اس نے اپنے عبرت ناک انجام سے خوف زدہ ہو کر یہ جھوٹ بولا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ امریکی ایجنٹوں کو یہ بھنک مل گئی کہ اس نے سوبھراج کو اپنے پاس پناہ دی ہوئی تھی تو وہ اسے بھی غدار قرار دے کر مار ڈالیں گے۔''
''اب تم بھی ڈان کی بولی بول رہے ہو!'' میں نے احتجاج کیا ''اسے سوبھراج کے نام کی ہوا بھی نہیں لگی اور میں نے اپنا کام مکمل کرلیا۔ اب وہ چاہتا ہے کہ میں راجن کو بھی اسی انجام کو پہنچا دوں جو اس کے مہمان کا مقدر بنا ہے۔''

میں نے جلال کے تجزیے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا لیکن دل ہی دل میں اس کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔
میں سمجھ رہا تھا کہ راجن نے امریکیوں سے بولے ہوئے ایک جھوٹ کی پردہ داری کے لیے دوسرا اور اہم ترین جھوٹ بولا ہے لیکن بات صرف اتنی نہیں تھی۔ یقینی طور پر راجن امریکی ایجنٹ تھا۔ دنیا پر اپنی حکمرانی کا خواب دیکھنے والوں نے پاکستان میں سیاست کے نام پر سوبھراج جیسے بدکردار غنڈے کو پروان چڑھایا تھا۔ ماضی کا وہ منشیات فروش گندے دھندوں اور تاریک گلیوں سے نکل کر پراسرار اور حیرت ناک تیزی سے اپنا سیاسی قد کاٹھ نکال کر اقتدار کے ایوان میں ایک ممتاز مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔
شاید امریکیوں نے اسی طرز پر تھائی لینڈ میں راجن کی پرورش کی تھی۔ وہ ہر معاشرے میں کمزور مہروں کی پشت پناہی کرنے کی پالیسی پر گامزن تھے۔ تاکہ طاقت و رتبہ حاصل کرنے کے بعد بھی وہ اپنے سفید فام آقاؤں سے منحرف نہ ہوسکیں۔ انہوں نے راجن کو بھارت سے درآمد کر کے بنکاک میں پالنا شروع کردیا تھا۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ ڈان برنارڈ کی گوشہ نشینی میں بھی کوئی سازش کارفرما رہی ہوگی۔ وہ راجن کے مقابلے میں آسانی سے پسپا ہونے والی اسامی نہیں تھا۔ یقینی طور پر اس کی نوخیز بیوی کو لالچ یا دباؤ کے ذریعے ورغلا کر' سر عام ڈان برنارڈ کی بے عزتی کرنے پر اکسایا گیا تھا۔
لڑکی کے ہاتھوں' سر بازار جوتے کھاتے ہی ڈان گوشہ نشین ہوگیا اور راجن کو بنکاک میں اپنی زیر زمین سلطنت قائم کرنے کے لیے کھلا میدان مل گیا۔ طاقت پکڑنے کے بعد وہ اپنے آقاؤں کے لیے زیادہ کارآمد ثابت ہوسکتا تھا۔
''کیا تم اسے چھوڑ دینا چاہتے ہو؟'' جلال کی تحیر زدہ آواز ابھری۔
''میں خدائی فوجدار نہیں ہوں۔ دنیا بھر میں ان جیسے ہزاروں امریکی ایجنٹ کام کر رہے ہوں گے۔ میں کس کس کو دیکھوں گا۔ راجن' ڈان اور تھائی حکومت کا مسئلہ ہے۔ میں اس میں اپنی ٹانگ نہیں اڑانا چاہتا۔''
''تم نے اپنا کام پورا کرلیا ہے۔ خاموشی سے وہاں سے نکل جاؤ۔'' میرے جواب سے میرے تیوروں کا اندازہ کر کے جلال نے نرمی سے مشورہ دیا۔
''یہی تو مشکل ہے۔ ڈان نے میرا ارادہ بھانپ کر ہم دونوں کے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ راجن کا کام تمام ہونے کے بعد وہ پاسپورٹ لوٹا دے گا۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو..... تم دونوں کے پاسپورٹ بہت قیمتی ہیں۔''

''سمجھ لو کہ وہ گم ہو گئے ہیں۔ کیا ان کے ڈپلی کیٹ مل جائیں گے؟''

''یہ کام اسد دو گھنٹے میں کرا دے گا۔'' جلال کی آواز پر تشویش ہو گئی ''ان پاسپورٹوں پر تم صرف پاکستان واپس آسکو گے۔ تمہارے اصل پاسپورٹوں پر دنیا کے ہر قابلِ ذکر ملک کے سفر کے ویزے لگے ہوئے تھے۔''

''ڈان نے مجھے چالا کی دکھانے کی کوشش کی ہے۔ میں اسے چونا لگانا چاہتا ہوں۔ اسد کی مدد سے پاسپورٹ حاصل کرتے ہی میں کراچی لوٹ آؤں گا۔''

''فی الحال یہ مناسب نہیں ہوگا۔'' جلال کے جواب سے مجھے ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ کہہ رہا تھا ''تم بھول رہے ہو کہ تم کو یہاں سے کسی مشن پر بنکاک نہیں بھیجا گیا تھا۔ یہاں پیدا ہو جانے والے نامساعد حالات کی وجہ سے تم کو منظر سے ہٹ جانے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ اس دوران میں سوبھراج کا قصہ نمٹ گیا۔ تم کو مزید کچھ دن یہاں سے دور رہنا ہوگا۔''

''کھل کر بتاؤ...... کیا مجھے جلاوطن کر دیا گیا ہے؟'' میرا لہجہ یکا یک تلخ ہو گیا۔

''تم بلاوجہ بھڑک جاتے ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم جب چاہو یہاں واپس آسکتے ہو۔ تم کو پورا تحفظ فراہم کیا جائے گا۔ تم کو معلوم ہے کہ امریکی کتنے خبیث ہوتے ہیں۔ تمہارے نام پر پکڑے جانے والے دونوں آدمیوں کو وہ پوچھ گچھ کے لیے اپنی تحویل میں لینے کے لیے زور لگا رہے ہیں۔ اپنے طور پر انہوں نے کوششیں تیز کر دی ہیں۔ سننے میں آیا ہے دفاتر اور گھروں میں سیکیورٹی فراہم کرنے والی ایک امریکی کمپنی کے آلات تمہارا سراغ لگانے کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں۔''

میرے لیے آخری خبر حیران کن تھی ''کیا اس کمپنی کا لائسنس معطل نہیں کیا جا سکتا؟''

''ثبوت کے بغیر ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ وہ برائے نام ماہانہ کرایے پر لوگوں کو سیکیورٹی فراہم کر رہے ہیں۔ اس کے لیے وہ دفاتر اور گھروں میں اپنے جدید ترین اور قیمتی آلات نصب کرتے ہیں جن کا مکمل کنٹرول ان کے قبضے میں ہے۔ وہاں تک رسائی ناممکن ہے۔''

''تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ وہ سیکیورٹی کے نام پر ہزاروں اہم اور باحیثیت پاکستانیوں کے گھروں میں گھس چکے ہیں۔''

''میں کچھ بھی نہیں کہنا چاہ رہا۔'' جلال نے محتاط رہ کر جواب دیا ''میں نے تم کو حقیقت بتا دی ہے۔ اس وقت تمہارا لوٹنا مناسب نہیں ہے۔''

''پانی سر سے اونچا ہونے سے پہلے اس کمپنی کو اپنا کاروبار پھیلانے سے روک دینا چاہیے۔'' میں نے اس کے مشورے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا ''یہ لوگ اپنے گاہکوں کو دھوکا دے کر ان کے گھروں کی جاسوسی کر رہے ہیں۔ یہ لوگوں کی پرائیویسی پر ڈاکا ہے۔''

''جب تک ٹھوس شواہد موجود نہ ہوں ان کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا۔'' جلال کا جواب بہت دو ٹوک تھا۔ ''شکوک و شبہات کی بنا پر کوئی چھیڑ چھاڑ کی گئی تو بات بہت بگڑ جائے گی۔ اس معاملے کو پاکستان میں غیر ملکی سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی کا نام دے دیا جائے گا۔ میں ان سب امکانات پر غور کر چکا ہوں.... فی الحال ہمیں خاموش رہنا ہوگا۔''

''میرے نام پر پکڑے گئے دونوں بدنصیبوں کا کیا بنے گا؟'' میں نے بے چینی سے سوال کیا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ نادانستہ دو افراد کو پکڑا گیا ہے تاکہ وہ لوگ تذبذب میں مبتلا رہیں انہیں غیر انسانی سلوک سے بچائے رکھنے کی کوششیں جاری ہیں۔ میں تمہیں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ وہ دونوں بے گناہ نہیں ہیں، ان کے دامن بہت داغ دار ہیں۔''

''ان پر الزامات ہیں تو انہیں عدالت میں لے جاؤ، قربانی کا بکرا کیوں بنا رہے ہو؟''

''کبھی کبھی ایسا بھی کرنا پڑتا ہے۔ ان کو سزا دلوانا پولیس کا کام ہے۔ میرا محکمہ اپنی حد سے تجاوز کر کے ایسے مقامی معاملات میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔''

''یہ تمہارے معاملات ہیں انہیں تم مجھ سے زیادہ سمجھتے ہو...... تمہارا کہنا ہے کہ ڈپلی کیٹ پاسپورٹ بنوا کر میں صرف پاکستان واپسی کا سفر کر سکتا ہوں جو میرے لیے مناسب نہیں ہے لہٰذا مجھے ڈان سے اپنے پاسپورٹ ملنے کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس دوران میں مجھے راجن کو دیکھنا چاہیے!'' میں نے قدرے خشک لہجے میں اس سے تصدیق چاہی۔

''طنز کر رہے ہو؟'' جلال کی آواز میں افسردگی نمایاں تھی۔

''طنز و تشنیع عورتوں کے مشاغل ہیں میں نے کام کی باتوں کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے تاکہ کسی غلط فہمی کی گنجائش باقی نہ رہے!''

''ہاں۔ کم و بیش میرا یہی مشورہ ہے۔ ضروری نہیں کہ تم اسے قبول کرو۔''

میرے وجود میں تلخی کی ایک لہر تیر گئی۔ مجھے حیرت ناک انداز میں اپنے کاموں میں سرخ روئی حاصل ہو رہی تھی۔ ایک ایک کر کے سب مراحل خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل کو پہنچ چکے تھے لیکن افراد سے تعلقات کے سلسلے میں اس دن شاید میرے ستارے میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے پہلے ڈان سے بدمزگی ہوئی، اس کے بعد جاؤ فاین سے منہ ماری کی نوبت آ گئی اور اس وقت جلال کے ساتھ کچھ تلخی پیدا ہو گئی تھی۔

ایک وقت میں وہ سب غلط نہیں ہو سکتے تھے۔ یقینی طور پر میری دماغی رو میں کوئی خلل واقع ہو چکا تھا جس کے زیر اثر میں ہر بات کا منفی پہلو دیکھ رہا تھا۔

میں نے مصنوعی ہنسی ہنستے ہوئے فون پر کہا۔ ''اب مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔ میرے گنے چنے دوستوں کی فہرست میں تمہارا نام سب سے اوپر ہے، تم میرے ہمدرد اور خیر خواہ ہو تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے مشوروں کو ہدایت کا درجہ دیتا ہوں۔''

''اللہ کا شکر ہے کہ تمہیں یہ باتیں یاد آ گئیں!'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی۔

''اب سے چند لمحے پہلے مجھے تمہارا لب و لہجہ اجنبی سا لگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے جب اسد کے بارے میں بات ہو رہی تھی تو تم نے پتے کی ایک بات کہی تھی کہ اپنے محکمے میں صرف میں نہیں ہوں۔ یہ ایک منظم اور بڑا ادارہ ہے میں اس بڑی مشین کا ایک پرزہ ہوں۔ مجھے اس مشین کے ساتھ چلنا پڑتا ہے کوئی پرزہ اس چال سے ہٹ کر اپنی چال چلنے کی کوشش کرے تو ٹوٹ پھوٹ شروع ہو جاتی ہے......''

''اب ان باتوں کو نہ دہراؤ۔'' میں نے دوستانہ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ ''مجھے ان مجبوریوں کا اندازہ ہے، پالیسی سے انحراف کرنا تمہارے بس سے باہر ہے کبھی کبھی میرے دل میں غبار سا اٹھتا ہے اور میں اسے تمہارے اوپر نکال لیتا ہوں۔ تم میری نیت اور ارادوں کے گہرے رازداں ہو۔ نیک نیتی اور بے لوثی کے باوجود رکاوٹیں کھڑی ہونے لگیں تو تم خود اندازہ لگا سکتے ہو... کہ میرے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔''

''مجھے ہر بات کا اندازہ ہے۔'' جلال کی آواز سے دردمندی جھلک رہی تھی۔ ''میں مجبور ہو کر تمہیں کوئی ناگوار پیغام یا مشورہ دیتا ہوں۔ اس میں تمہاری بھلائی مضمر ہوتی ہے۔''

''میرے دل میں ایک پھانس چبھی رہ گئی ہے۔'' میں نے قدرے خاموشی کے بعد کہا۔ ''مجھے اس سے بات کرنے کا موقع مل جاتا تو یہ پھانس بھی نکل جاتی۔''

''کس پھانس کا ذکر کر رہے ہو؟'' جلال کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میری بات سن کر چونک گیا تھا۔

''گرین کوبرا کا پتا نہیں چل سکا۔'' میں نے کہا۔ ''یہی راز وہ اپنے سینے میں لے گیا۔''

''مجھے یقین ہے کہ اس نے گرین کوبرا فائل کے بارے میں تم سے جھوٹ بولا تھا۔'' جلال نے شاید میری دل جوئی کے لیے کہا۔ ''پارک ٹاور کے فوڈ کورٹ میں وہ تمہارے جال میں پوری طرح پھنس چکا تھا۔ اسے اپنا انجام نظر آ رہا تھا۔ اس جھوٹ کے سہارے وہ تمہیں چکما دے کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔''

''تم نے تصدیق کی ہے کہ اس نے مکاری سے وہ فائل اپنے قبضے میں لے لی تھی۔''

''ہاں، یہ تلخ حقیقت ہے مگر مجھے امید ہے کہ وہ فائل راج محل کے ساتھ جل کر راکھ ہو گئی ہوگی۔ وہ افراتفری کے عالم میں وہاں سے بھاگا تھا۔ اس کے پاس اتنی مہلت نہیں تھی کہ وہ گرین کوبرا وہاں سے اپنے ساتھ لے جا سکا ہوگا''

''آنے والا وقت بتائے گا کہ اس فائل کا کیا انجام ہوا۔''

''میں کہہ رہا ہوں کہ اسے بھول جاؤ۔ اب اس کی نقلیں ہی اصل ہیں اور وہ ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ اصل نکتہ یہ ہے کہ ہم انڈین پلان سے پوری طرح واقف ہو چکے ہیں۔''

جلال کی دلیل میں وزن تھا۔ ہمیں اس فائل کو چاٹنا نہیں تھا۔ ساری اہمیت اس کے مندرجات کی تھی وہ متعلقہ پاکستانی حکام کے پاس موجود تھے۔ اگر سوبھراج نے وہ فائل کسی کو دے دی تھی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ بھارتی حکام اس فائل کے خالق تھے۔ وہ سارا نقشہ ان کے ذہنوں میں محفوظ تھا، امریکی ان کے گہرے دوست تھے وہ دلچسپی لیتے تو کسی بھی وقت بھارت سے فائل کی نقل لے سکتے تھے۔

سوبھراج کی زبان سے اچانک گرین کوبرا فائل کا ذکر سن کر میں بوکھلا گیا تھا اور اضطراری ردِّعمل کے طور پر سوبھراج کو نکل جانے کا موقع دے بیٹھا وقت گزرنے کے ساتھ بلکہ جلال کے سمجھانے کے بعد مجھے احساس ہو گیا تھا کہ اس واقعے میں ساری اہمیت اس بات کی تھی کہ ایک سیاسی شعبدے باز اپنے اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھا کر سرکاری تحویل سے ایک اہم ترین فائل اڑا لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس غیر ذمے داری کے مرتکب کو قرار واقعی سزا دی جا چکی تھی اس کے ساتھ فائل چرانے والا بھی اپنے منطقی انجام کو پہنچ چکا تھا۔

''اب یہ سب تمہارے معاملات ہیں۔'' میں نے کسی تلخی

کے بغیر کہا۔ ''پاکستان چھوڑ دینے کے بعد ان باتوں سے میرا صرف جذباتی تعلق باقی رہ گیا ہے۔ عملی میدان میں سب کچھ تمہیں کرنا ہے۔ اچھی خبر سننے میں آتی ہے تو دل خوش ہو جاتا ہے۔''

''ملک سے باہر رہ کر بھی تم ہم سے زیادہ فعال ہو۔ سوبھراج کو جہنم واصل کرنا آسان کام نہیں تھا۔ تم نے یہ معرکہ سر کرکے ایک فتنے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔''

''کیا میرا انجام شرما جیسا نہیں ہو سکتا؟'' میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے ایک فوری خیال کے تحت سوال کیا۔

''میں سمجھا نہیں...... تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''راجن نے سوبھراج کی باقی ماندہ ہڈیوں کو نرائن پرشاد شرما کا نام دیا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہاں کسی مقابلے میں مرنے والے مجرم کو میرا نام دے دیا جائے تاکہ امریکی قونصل کی درج کرائی ہوئی ایف آئی آر کی فائل بند ہو جائے!'' میں نے کہا۔

''بالکل ہو سکتا ہے۔'' جلال نے پرزور الفاظ میں میری تائید کی۔ ''اس کی ایک ہی شرط ہے کہ آئندہ کے لیے تم گوشہ نشینی اختیار کرلو، کسی واقعے میں کہیں تمہارا نام نہ آئے۔ غلطی سے یہ بھانڈا پھوٹ گیا تو برسوں کے لیے ہمارے ساکھ تباہ ہو جائے گی۔ ہماری کہی ہوئی بات پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔''

''گوشہ نشینی ناممکن ہے۔'' میں نے بلاتوقف جواب دیا۔

''پھر صبر کے ساتھ مناسب وقت کا انتظار کرو۔ ابھی امریکیوں کے زخم تازہ ہیں۔ رفتہ رفتہ سی ہٹ کے خونیں تصادم کی یاد دھندلا جائے گی اور تمہاری واپسی کا راستہ بھی کھل جائے گا۔''

''میں اس وقت کا انتظار کروں گا۔'' میں نے پرعزم لہجے میں کہا۔

جلال سے ایک طویل وقفے کے بعد بات ہوئی تھی۔ اس گفتگو میں تقریباً ہر نکتے پر تبادلہ خیال ہو چکا تھا اس سے بات ختم ہوئی تو غزالہ میری منتظر تھی۔

''کیا آپ پاکستان لوٹنے کا ارادہ کر رہے ہیں؟'' اس نے میرے مڑتے ہی پوچھا۔

''ارادہ یہی تھا لیکن جلال بتا رہا ہے کہ وہاں لوٹنا مناسب نہیں ہوگا۔''

''امریکی ہاتھ دھو کر آپ کے پیچھے پڑ گئے ہیں، آپ کے خلاف ایف آئی آر درج ہونے کے بعد وارنٹ بھی نکل گئے تھے۔ میں آپ کو ہرگز واپس نہیں جانے دیتی۔ اچھا ہوا کہ اب جلال نے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔'' وہ بولی۔

''تم چاہتی ہو کہ میں یہاں بیٹھ کر ڈان کی غلامی کرتا رہوں!'' میں نے نرمی سے پوچھا۔

''میں ہرگز یہ نہیں چاہتی مگر مجبوری ہے۔ جب تک ڈان سے ہمارے پاسپورٹ واپس نہیں مل جاتے ہم کو یہیں رہنا پڑے گا۔'' اس نے کہا۔

''پاسپورٹ مل جانے کے بعد ہم کدھر کا رخ کریں گے؟'' میں نے اسے ٹٹولنے والے انداز میں سوال کیا۔

''امریکا چلیں گے۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔ ''دیکھیں کہ وہ دونوں وہاں کیا کھچڑی پکار ہے ہیں۔''

''تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ وہ پاکستان میں میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ تم مجھے ان کے گڑھ میں جانے کا مشورہ دے رہی ہو!''

''اب آپ ڈینی نہیں، علی احمد ہیں اور میں صدف ہوں۔ میں ایسی ہر چیز اپنے قبضے میں لے لوں گی جس سے آپ پہچانے جاتے ہیں۔ ان کے پاس ہمارا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ ہم وہاں صرف تفریح کریں گے۔ وہاں جانے والے دوسرے پاکستانیوں کی طرح۔ ان کو ہم پر کبھی کوئی شبہ نہیں ہوگا، ہمیں بہت مشکل سے ایک ساتھ پاکستان سے باہر نکلنے کا موقع ملا ہے۔ ہمیں یہ وقت خوش رہ کر گزارنا چاہیے۔''

''تم کن چیزوں کو اپنے قبضے میں لوگی؟'' میں نے اس کے جوش و خروش میں دلچسپی لیتے ہوئے مسکرا کر سوال کیا۔

''بیم گن اور زہریلی انگوٹھیاں!'' اس نے بلاتوقف جواب دیا۔ ''آپ نے گولڈن ڈریگن کے محافظ کو زہر سے شکار نہ کیا ہوتا تو اس وقت حالات کچھ اور ہوتے جس طرح ڈان اپنے حریف کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے، اسی طرح راجن اب آپ کی تلاش میں لگا ہوا ہوگا۔ محافظ کے مرنے کے بعد سوبھراج کو شبہ ہو گیا تھا کہ آپ بنکاک میں ہیں۔ لوپ بوری میں ڈرائیور اور سوبھراج کی موت کے بعد راجن کو یقین ہو گیا ہوگا کہ اب اس کا مقابلہ آپ سے ہے۔''

''مجھے راجن کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ اب دیکھنا ہے ڈان کی کھوپڑی کب اعتدال پر آتی ہے۔'' غزالہ کو جواب دے کر میں فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

پے در پے کئی کوششوں کے باوجود مجھے اسد کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تو میں نے نمبر ملانے کا سلسلہ ترک کر دیا۔

کچھ دیر بعد اس نے انٹرکام پر اپنی آمد کی اطلاع دی۔ میں نے فوری طور پر اسے اوپر بلالیا۔

اس کا فون آن تھا لیکن بیٹری جواب دے چکی تھی۔ اوپر آتے ہی اس نے اپنا فون چارج پر لگا دیا میں نے اس کے سامنے ڈان سے ملاقات کا وقت لیا تھا۔ ہم دونوں ایک ساتھ ہوٹل سے نکلے تھے۔ وہ اپنی راہ ہولیا۔ میں ڈان کی طرف روانہ ہوگیا۔

وہ بہت خوش تھا۔ اسے میری اور ڈان کی ملاقات کا احوال جاننے کے بارے میں بہت تجسس تھا۔ میں نے چند فقروں میں اسے پوری کتھا سنا دی۔ اس کے لیے دونوں خبریں تشویش ناک تھیں۔ ڈان کو یہ پتا چلنا کہ میں نے لوپ بوری میں راجن کی لینڈ کروزر کی موجودگی کا سراغ لگانے کے لیے اس کی مدد لی تھی، کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ ڈان کسی بھی وقت اس سے براہ راست رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرسکتا تھا۔ ہمارے دونوں پاسپورٹوں کی ضبطی بھی اس کے لیے پریشان کن تھی۔

اپنی کارکردگی کا احوال سنانے کے بعد میں سانس بھی نہیں لینے پایا تھا کہ اسد نے موتی محل میں دھماکے کا قصہ چھیڑ دیا۔ وہ بنکاک کی شہری حدود میں رونما ہونے والا ایک اہم واقعہ تھا جس نے سماجی حلقوں میں ہلچل پیدا کردی تھی۔

اس دھماکے میں دو آدمی ہلاک ہوئے تھے۔ زخمی ہونے والوں کی تعداد تین تھی۔ عمارت کے ایک حصے میں دھماکے سے خاصا نقصان پہنچا تھا۔

اسد نے وہ خبر مقامی ٹیلی وژن پر سنی تھی اور تیزی سے موتی محل کی طرف چل دیا تھا۔ وہاں سنسنی اور خوف وہراس کی فضا پائی جارہی تھی۔ شہر والوں سے راجن کی سرگرمیاں ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔ ہر شخص حیران تھا کہ راجن کے رہائشی قلعے میں کس سورما نے تخریب کاری کی واردات کی تھی۔

اسد شہر کے بارے میں باخبر رہنے کا عادی تھا۔ اسے معلوم تھا کہ امریکی فوجی دستہ موتی محل میں سوبھراج کی ناکام تلاش کے بعد واپس لوٹ چکا تھا۔ ڈان کے آدمیوں میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ وہ موتی محل میں گھس کر ایسی خون آشام کارروائی کرتے۔ میری مصروفیات اس کے سامنے تھیں۔ اس واقعے کے بارے میں معلومات کے حصول کے لیے وہ کوششیں کرتا رہا۔

آخر کار وہ یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ مرنے والوں میں سے ایک کے بدن کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ وہ اندر کی خبر تھی جسے چھپایا جارہا تھا۔

وہ نکتہ میرے اس خیال کی بھرپور تائید کررہا تھا کہ اس واردات کے محرک امریکی تھے۔

انہوں نے راجن کو سبق سکھانے کے لیے بہت بے رحمی اور سفاکی سے اندر کے کسی آدمی کو استعمال کیا تھا۔ دھماکا یقینی طور پر ریموٹ کنٹرولڈ بم سے کیا گیا تھا۔ بم لے جانے والے کو یہ باور کرادیا گیا تھا کہ بم سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ وہ موتی محل کے کسی حسّاس گوشے میں بم چھپا کر کسی محفوظ مقام تک پہنچ جائے گا تو بم کو اڑا دیا جائے گا۔

غالباً بم لے جانے والے کی کڑی نگرانی کی جارہی تھی۔ وہ تباہ کن مواد لے کر موتی محل میں داخل ہوا تو اسے اتنی مہلت نہیں دی گئی تھی کہ وہ کہیں بم نصب کرسکے۔ قدرے وقفہ دے کر بم کو اڑا دیا گیا۔ بم کے ساتھ تخریب کار کے بھی ٹکڑے اڑ گئے اور یہ امکان ختم ہوگیا کہ اس کے پکڑے جانے کی صورت میں اصل سازش بے نقاب ہوسکے۔

جب میں نے ترتیب وار واقعات و حالات اسد کے سامنے رکھے تو اسے بھی یقین ہوگیا کہ موتی محل پر نازل ہونے والی تباہی کے ذمے دار امریکی تھے۔

ڈان کنوئیں کا مینڈک تھا۔ اس کی اکلوتی خواہش یہ تھی کہ راجن کو تباہ و برباد کرکے ختم کردیا جائے۔ اس سے آگے کچھ سوچنا یا سمجھنا اس کے بس سے باہر تھا۔ امریکیوں کی کینہ پروری کا اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ چاؤ فان کی ذہنی سطح ڈان سے بھی کم تر تھی۔ اس نے اپنے ذہن پر زور دیے بغیر اس دھماکے کا سہرا میرے سر باندھ دیا تھا۔

''تم امریکیوں سے خاصی عداوت رکھتے ہو۔'' اسد نے گتھی سلجھ جانے پر خوش دلی سے کہا ''ان کی رگ رگ کو سمجھنے لگے ہو۔ یہ ایسا واقعہ ہے کہ وہ کبھی بھی اس کی ذمے داری نہیں لیں گے۔ ڈان اسے تمہارا کارنامہ سمجھتا رہے گا۔''

''مجھے عام امریکیوں سے کوئی عداوت نہیں ہے۔ وہ بے چارے سادہ لوح اور فراخ دل ہوتے ہیں۔ میری نفرت امریکی حکومت اور اس کے کارندوں کے لیے ہے۔ غرور، ظلم اور سفاکی پر مبنی پالیسیوں کی وجہ سے امریکی حکومت نے اپنے عام شہریوں کو بھی نفرت کا ہدف بنا دیا ہے۔''

''کچھ عرصہ پہلے دنیا بھر میں امریکیوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ پچھلے چند برسوں میں امریکیوں کے قومی وقار کو سخت دھچکا لگا ہے۔'' اس نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''اب دنیا کے بیشتر ملکوں میں وہ ناپسندیدہ سمجھے جاتے ہیں۔''

''اب ان پر لعنت بھیجو۔ یہ بتاؤ کہ ہم یہاں سے کیسے نکلیں گے!''

''چاہو تو میں کل ہی تمہارے ڈپلی کیٹ پاسپورٹ بنوا

دوں۔'' اس نے پیش کش کی۔
''اب بات کھل ہی گئی ہے تو تم کو بھی یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان لوگوں نے اپنے ایک افسر کے قتل کے سلسلے میں میرے خلاف ایف آئی آر درج کرادی ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا انوکھا واقعہ ہے۔ وہاں میری گرفتاری کے وارنٹ نکلے ہوئے ہیں۔''
اسد کو یہ جان کر صدمہ ہوا کہ کراچی میں رونما ہونے والے واقعات نے میرے امریکی دشمنوں کو مقامی انتظامیہ کو دبانے کا سنہرا موقع فراہم کردیا تھا۔
''دعا کرو کہ موتی محل میں دھماکے کی خبر سن کر ڈان کی چڑھی ہوئی رگ اتر جائے اور وہ تمہارے پاسپورٹ لوٹا دے۔'' چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔
''یہ ملین ڈالر کا مسئلہ ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ بدنام مجرم محلوں میں رہنے کے شوقین کیوں ہوتے ہیں؟'' اس نے یکایک پوچھ لیا۔
''کن مجرموں کی بات کررہے ہو؟ یہاں تو صرف راجن اور اس کا موتی محل ہے!''
''یہاں سوبھراج کے بارے میں تفصیلی خبریں چھپی تھیں۔ اس نے اپنے راج محل کو خود آگ لگائی تھی۔''
''راج محل اور موتی محل......!'' میں نے پُرخیال انداز میں دہرایا ''دونوں نچلے طبقے سے ابھر کر اوپر آئے ہیں۔ یہ ان کے احساسِ کمتری کی کرشمہ سازی ہے۔ اپنی رہائش گاہوں کو محل کا نام دے کر وہ اپنی انا کو تسکین پہنچاتے ہیں۔ دوسروں کو اپنی شان و شوکت اور امارت سے مرعوب کرکے وہ اپنے ماضی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔''
''یہاں موتی محل کا انجام بھی راج محل جیسا ہونا چاہیے۔''
میں ہنس دیا ''کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔ ڈان کی بھی یہی آرزو ہے جو شاید پوری نہ ہوسکے۔ دھماکے میں موتی محل کی علامتی تباہی کافی ہے۔''
''مجھے محسوس ہورہا ہے کہ تم راجن میں زیادہ دلچسپی لے رہے ہو۔''
''میں یہاں پھنسا رہا تو اسے بھی دیکھنا پڑے گا۔ فی الحال مجھے موتی محل کے دھماکے پر ڈان کے ردِعمل کا انتظار ہے۔'' میں نے جواب دیا اور اسد کسی سوچ میں ڈوب گیا۔
''ہم سے ایک بڑی چوک ہوگئی۔'' کچھ دیر کے توقف کے بعد میں نے کہا ''لوپ بوری سے واپسی پر مجھے ریسٹ ہاؤس سے سوبھراج کا سیٹ لائٹ فون لے لینا چاہیے تھا۔''
''ہوسکتا ہے کہ وہ اسے ساتھ نہ لے گیا ہو۔'' اس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔
''وہ ہر وقت اسے اپنے ساتھ لیے پھرتا تھا۔ اس کی میموری سے یہ معلوم ہوسکتا تھا کہ اس کے زیرِ عتاب آنے کے بعد پاکستان میں کن لوگوں سے اس کے روابط برقرار تھے۔''
''ہوسکتا ہے کہ وہ پولیس والوں کے ہاتھ لگ گیا ہو۔''
''سوچ رہا ہوں کہ کسی وقت اس نمبر پر کال کرکے دیکھوں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ فون اب راجن کے قبضے میں ہو اور اس سے بات ہوجائے۔'' میں نے کہا۔
''راجن سے جب چاہو بات کرسکتے ہو۔ میرے پاس اس کے موبائل سمیت، کئی فون نمبر موجود ہیں۔'' اسد نے پھرتی سے جواب دیا۔
''اس کا فون نمبر میرے پاس بھی ہے۔ مجھے اس سے بات کرنے کا شوق نہیں ہے۔ وہ سیٹ لائٹ فون پر آجاتا ہے تو اس سے دوسرے ڈھنگ سے بات ہوگی۔''
''ابھی کوشش کیوں نہیں کرلیتے!'' اسد نے کہا۔
''اس وقت میرا ذہن الجھا ہوا ہے۔ ذہن صاف ہوگا تو اسے ضرور دیکھوں گا۔ دشمن کو مارنے سے پہلے ہلکان کردیا جائے تو آخری مرحلہ بہت آسان ہوجاتا ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔
اسی وقت روم سروس کی ایک سبک اندام ویٹر ٹرالی میں چائے اور خورد و نوش کے کچھ لوازم لے آئی جن کے لیے غزالہ ہدایت دے چکی تھی۔ ہماری گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

☆☆☆

اسد نے مجھ سے جلال کے بارے میں کوئی سوال کیا نہ میں نے اسے اپنی اور جلال کی گفتگو کے بارے میں کچھ بتایا۔ وہ تھوڑی دیر بعد چلا گیا۔
اسد بنکاک میں آئی بی کی سرکاری نمائندگی کررہا تھا۔ اس نے کسی مقامی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ مار دھاڑ اور خوں ریزی کے واقعات سے بالکل الگ تھلگ رہا تھا۔ اس کے باوجود اس نے میری بہت مدد کی تھی۔ محض اسے کسی سرکاری عتاب سے بچانے کے لیے میں نے از خود جلال کو سوبھراج کی ہلاکت کے بارے میں بتادیا تھا مگر مجھے خلش تھی کہ میں نے اس بارے میں اول خان کو اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ اس نے روزِ اول سے، ہر طرح بہت کھل کر میرا ساتھ دیا تھا۔ انتہا یہ تھی کہ میری ہی وجہ سے وہ ایک مرتبہ اپنے بڑوں کی

ناراضی کا شکار ہو چکا تھا۔

مجھے امید تھی کہ جلال، میرے اور اول خان کے باہمی تعلق کا احترام کرتے ہوئے، اسے بھی سوبھراج کی موت کی خوش خبری سنا دے گا۔ وہ خبر ملتے ہی اول خان کا فون آنا ناگزیر تھا۔

وقت اپنی لگی بندھی رفتار سے گزرتا رہا۔ رات کے دس بج گئے۔ اول خان کا فون نہیں آیا تو مجھے مایوسی ہونے لگی۔

جلال میرا دوست اور راز داں تھا مگر میں یہ بھول گیا تھا کہ اس سے پہلے وہ ایک پکا بیوروکریٹ تھا۔ انتظامی موشگافیاں اس کے خون میں رچی بسی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے علم میں آئی ہوئی بات کو کسی اور تک بڑھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میرے لیے وہ دونوں یکساں تھے۔ ایک اپنے دفتری نظم وضبط میں جکڑا ہوا تھا، دوسرا ہر قید و بند سے آزاد رہ کر اپنی صوابدید کے مطابق نہایت ایمان داری اور خلوص سے اپنے فرائض انجام دینے کی کوشش کرتا تھا۔

اپنے ذہنی دباؤ سے چھٹکارا پانے کے لیے میں نے دس بجے اول خان کو فون کیا۔ اس وقت وہ گھر پر موجود تھا۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ہر وقت کی بھاگ دوڑ سے بڑی حد تک نجات مل گئی تھی۔

اس کو سب کچھ بتانا بے سود تھا۔ وہ کراچی میں بیٹھا ہوا تھا، بنکاک میں ایس ٹی ایف کا کوئی ایسا اہل کار موجود نہیں تھا جو آڑے وقت میں میری مدد کر سکے۔ میں نے اپنے مسائل کو پس پشت ڈال کر، اسے سوبھراج کے عبرت ناک انجام کی خبر سنا دی۔

اول خان کی خوشی ناقابل بیان تھی جب میں نے اسے یہ بتایا کہ سوبھراج گمنامی کی موت مارا گیا ہے اور اس کے پشت پناہ نے اس کی باقیات کو ایک فرضی نام دیا ہے تو فرطِ جذبات سے اس کی آواز رندھ گئی۔ بنکاک میں سوبھراج کے قتل سے پیدا ہونے والے دور رس اور خطرناک نتائج اس کی نظروں میں تھے۔ مجھے اس کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہی کہ اس خبر کو خفیہ رکھنا کتنا ضروری تھا۔

میں نے پاسپورٹوں کے چھن جانے کا قصہ نہیں چھیڑا، اول خان نے اپنے طور پر وہی بات کہی جو جلال کہہ چکا تھا۔ مشن پورا ہو جانے کے باوجود میرے لیے پاکستان کا رخ کرنا مناسب نہیں تھا۔

جو بات جلال نے مجھے نہیں بتائی تھی وہ اول خان کے ذریعے میرے علم میں آ گئی۔ امریکیوں کی طرف سے بڑے اخبارات میں روز میرے اور ویرا کے خلاف اشتہار شائع ہو رہے تھے۔ ان میں میرے خاکوں کا اضافہ ہو چکا تھا جو اول خان کی رائے میں حقیقت سے بہت دور تھے۔

وہ میرے زخم خوردہ دشمنوں کی کارروائیاں تھیں ان کے بے پناہ دباؤ میں آئے ہوئے اپنوں نے بھی ان کے قدم سے قدم ملا لیا تھا۔ ٹام کے قتل کے مبینہ ملزم کے طور پر میری نشان دہی کرنے والوں کے لیے ایک لاکھ روپے انعام کا اعلان کر دیا گیا تھا۔

امریکیوں کے مقرر کیے ہوئے دو ملین یعنی بیس لاکھ ڈالروں اور مراعات کے مقابلے میں ایک لاکھ پاکستانی روپے کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ کسی کے پاس کوئی سراغ ہوتا اور اس کے دل میں میرے کردار سے نفرت رچی ہوئی ہوتی تو وہ بڑے انعام کے لالچ میں پاکستانی حکام کے بجائے امریکیوں سے رجوع کرتا۔ مجھے صدمہ ہوا کہ اپنوں نے میری بولی بہت کم لگائی تھی۔

اگر ان پر آنے والا دباؤ ایسا ہی ناقابلِ برداشت ہو چلا تھا تو انہیں میری کوئی مناسب قیمت لگانی چاہیے تھی۔ مجھے انہوں نے سوبھراج سے بھی کم تولا تھا۔ اس کو پکڑوانے کے لیے دو لاکھ روپے انعام کا اعلان کیا گیا تھا۔ میرے اوپر صرف ایک لاکھ رکھے گئے تھے!

وہ صدمہ زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہا۔ میرے دل نے خود کو بہلا وا دیا کہ میری نشان دہی پر انعام مقرر کرنے والا افسر بہت ذہین، وطن پرست اور میرا ہمدرد تھا۔ اس نے جان بوجھ کر ایک قلیل رقم مقرر کی تھی تاکہ کوئی شخص میری ہلاکت، نشان دہی یا گرفتاری میں دلچسپی نہ لے۔

میری یا کسی کی سوچ کچھ بھی رہی ہو، ٹھوس زمینی حقائق دل خوش کن نہیں تھے۔ جن حالات کے سبب مجھے پاکستان سے نکل کر تھائی لینڈ کی طرف آنا پڑا تھا، وہ نا صرف اپنی جگہ برقرار تھے بلکہ ان میں زیادہ خرابی اور شدت پیدا ہو چکی تھی۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ اول خان وہ اکلوتا آدمی تھا جس سے میں کھل کر بات کر سکتا تھا۔ وہ مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ اسے بھی میری تلاش میں مقامی حکام کی مدد کرنے کی ہدایت مل چکی تھی۔ اسے علم تھا کہ میں پاکستان میں نہیں تھا۔ اس کے آدمی پوری سرگرمی کے ساتھ میری تلاش میں مصروف تھے۔

اول خان سے فون پر بات ہونے کے بعد میرے اور غزالہ کے درمیان تبادلہ خیال شروع ہو گیا۔ اپنے ہمدردوں کی طرف سے ملنے والے پیغامات سے قطعِ نظر وہ خود بھی پاکستان

کے بعد دل کھول کر سیر و سیاحت سے لطف اندوز ہونے کے منصوبے بنا رہی تھی لیکن یہ خیال اس کے لیے بھی تکلیف دہ تھا کہ ہمارے لیے پاکستان کا رخ کرنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔

ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو کا سلسلہ کھانے کے دوران بھی جاری رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اپنے جذبات کے اظہار میں محتاط ہونے کے باوجود، غزالہ کی باتوں سے کہیں کہیں بددلی کی بو آرہی تھی جو کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔

ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو ویرا کا فون آگیا۔ میں جب سے بنکاک آیا تھا۔ اس سے مسائل کے بارے میں کھل کر بات نہیں ہوئی تھی۔ جب بھی رابطہ قائم ہوا، ان دونوں کی سرگرمیاں گفتگو کا موضوع بنی رہیں۔ ویرا نے کچھ کریدنے کی کوشش کی تو میں نے اسے ٹال دیا۔ مجھے یہ فکر ضرور تھی کہ سلطان شاہ نیویارک میں ایک اطالوی نژاد فقیر میں غیر معمولی دلچسپی کیوں لے رہا تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ وہ مسئلہ میرے علم میں آنے کے بعد سلطان شاہ سے میری بات نہیں ہوسکی تھی۔

''بنکاک میں تمہارے مزے آئے ہوئے ہیں۔ وہاں کیا کررہے ہو؟'' رسمی مزاج پرسی کرتے ہوئے ویرا کو میری ذاتی سرگرمیوں کی فکر لاحق ہوگئی۔

''کن مزوں کی بات کررہی ہو...... میں یہاں خوش نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔

''یہ باتیں غزالہ کو سنانا۔ مجھے چکر دینے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے تمہارے جمالیاتی ذوق کا خوب اندازہ ہے۔ ایسے مردوں کے لیے بنکاک سے اچھی کوئی جگہ نہیں ہے۔''

''میں یہاں عیاشی کرنے کے لیے نہیں آیا۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہ سفر مجبوری کے باعث اختیار کیا گیا ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

''وقت کی فراوانی ہو اور سامنے کوئی واضح کام نہ ہو تو ایسی جگہوں پر پارسا مرد بھی بہکنا شروع کردیتے ہیں تم اس اصول سے مستثنیٰ نہیں ہو۔''

ویرا گستاخ اور منہ زور عورت تھی۔ اس وقت اس نے اچانک ہی ایک نازک موضوع چھیڑ دیا۔ میں غزالہ کی موجودگی میں اس بارے میں کھل کر کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ میری کال تھی۔ ویرا بے فکری سے لمبی گفتگو کرنے کے موڈ میں نظر آرہی تھی۔

میں نے رسانیت سے کہا۔ ''میں یہاں جو کچھ بھی کررہا ہوں، اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ میری دیکھ بھال کے لیے غزالہ کافی ہے۔''

اس کی دبی دبی ہنسی کی آواز آئی پھر وہ بولی۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارے آس پاس منڈلا رہی ہے۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ وہ بے پروائی کی اداکاری کررہی ہوگی مگر اس کے کان تمہاری باتوں پر لگے ہوئے ہوں گے۔''

میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا۔ وہ صوفے پر نیم دراز، اخبار کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔

''تم سب کچھ جانتی ہو تو ایسی باتیں کیوں کررہی ہو؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں ایسا سوال کیا جس سے غزالہ کو موضوع سخن کا اندازہ نہ ہوسکے۔

''مزہ آتا ہے!'' ویرا نے بے ساختہ جواب دیا۔ ''یہ دنیا کے ہر مرد کا وتیرہ ہے۔ وہ پرائی عورتوں کے سامنے مجنوں بنے رہتے ہیں۔ اپنی بیویوں کے سامنے بھیگی بلی بن جاتے ہیں۔''

''اگر تمہارے دماغ پر یہ خرافات سوار ہیں تو میں فون بند کررہا ہوں۔''

''ار...... رر...... ایسا نہ کرنا۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اب میں تمہیں فون نہیں کروں گی۔ دیکھتی ہوں کہ تمہیں کب میرا خیال آتا ہے......!''

''مجھے تم سے زیادہ سلطان شاہ کی فکر ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''میں بھی اسی کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ وقت نکال کر تم کسی وقت اس سے خود بات کروگے۔ اب تک اس کی نوبت نہیں آئی۔''

''میں نے اسی کے لیے فون کیا ہے۔'' میں نے کہا ''وہ کہاں ہے۔''

''اس سے بات کرنے سے پہلے مجھ سے بات کرلو۔ وہ میرے سامنے کرسی پر بیٹھا میری طرف تکے جارہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اسے اپنے ساتھ کیوں لے آئی۔''

''اسے چابی دینے کی کوشش نہ کرو۔ ایک بار اس کا دماغ کُری سے اتر گیا تو میں اس سے ڈھنگ کی کوئی بات نہیں کرسکوں گا۔''

''تمہارے دوست کا کیا بنا...... وہ بنکاک میں کیا کررہا ہے؟''

اس کے سوال نے مجھے چونکا دیا۔ ''تم کس دوست کی بات کررہی ہو؟''

وہ ہنسی پھر بولی۔ ''تمہارا ایک ہی قریبی دوست ہے۔ ہر بار تم اسے ڈھیل دے کر نکل جانے کا موقع دے دیتے ہو۔ میں سوبھراج کی بات کررہی ہوں۔''

''کچھ نہ کچھ کررہا ہوگا۔ ابھی تک اس سے سامنا ہونے

کی نوبت نہیں آئی ہے۔''
''وہ چھوٹا راجن ہی کے پاس ٹھہرا ہوا ہے؟''
''وہیں ہوگا۔ ابھی اس بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''
''معلوم ہو رہا ہے کہ تم وہاں چھٹیاں منانے کے موڈ میں ہو۔ اس کی طرف کم دھیان دے رہے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ وہ تمہارا موذی دشمن ہے۔ اسے پہل کرنے کا موقع مل گیا تو تم پرائے ملک میں دشواریوں میں پڑ جاؤ گے۔''
''اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔ مجھے ان نزاکتوں کا پورا اندازہ ہے۔ تمہاری تسلی ہوگئی ہو تو اب اپنا فون اکبر کو دے دو۔''
کراچی چھوڑنے سے پہلے ہمارے درمیان یہ بات طے پا چکی تھی کہ ہم چاروں فون پر بھی ایک دوسرے کا اصل نام نہیں لیں گے۔ باہمی گفتگو ان ناموں سے ہوگی جو ہماری سفری دستاویزات میں لکھے گئے تھے ان کے مطابق سلطان شاہ، اکبر خان تھا، ویرا کو ریٹا ایف ہیریسن کا نام دیا گیا تھا۔
''لو، اپنے گرو سے بات کرو!'' ویرا نے سلطان شاہ کو فون دیتے ہوئے جو کچھ کہا، وہ میرے کانوں تک بھی پہنچ گیا۔
سلطان شاہ نے فون لے کر سلام دعا کے بعد سب سے پہلے صدف یعنی غزالہ کی خیریت پوچھی۔ پھر وہ بھی سوبھراج کے مسئلے کی طرف آ گیا۔
مجھے ان دونوں کی طرف سے راز کے افشا ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا لیکن اس مرحلے پر انہیں سوبھراج کے انجام سے آگاہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جذباتی طور پر وہ اس خبر پر بعد میں بھی اتنا ہی خوش ہوتے جتنا اس وقت۔ ہماری گفتگو موبائل فون پر ہو رہی تھی۔ ان دنوں یہ تصور عام تھا کہ موبائل فون دنیا کا محفوظ ترین مواصلاتی رابطہ ہے جس پر ہونے والی گفتگو کوئی غیر متعلقہ فریق نہیں سن سکتا۔
اس خوش گمانی میں ویرا نے فون پر کئی بار سوبھراج کا نام لیا تھا۔ میں اس کے انجام کا ذکر کرتا تو ان دونوں کی طرف سے سوالات کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ اس بارے میں میرے ذہن میں کہیں کوئی گرہ موجود تھی۔ تھوڑی سی بے احتیاطی برتنے کے باوجود میں محتاط تھا۔ وہ پورا قصہ فون پر دہرانے میں مجھے تامل تھا۔ جب بھی ان دونوں سے روبرو ملاقات ہوتی، سوبھراج کے حسرت ناک انجام کی تفصیلات بتائی جا سکتی تھیں۔
''اب ان فضول باتوں کو چھوڑو اور بتاؤ کہ یہ البرٹو کون ہے اور تم اس کے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہو۔'' میں نے سلطان شاہ سے فون پر کہا۔

''اوہ...... میری شکایت تم تک پہنچ گئی!'' اس نے حیرت کا اظہار کیا۔
''تم کو معلوم ہے کہ وہاں تمہارے مالی وسائل محدود ہیں۔''
''اچھی طرح معلوم ہے۔ میں نے یہاں ایک پیسے کی بھی فضول خرچی نہیں کی۔'' اس نے پر اعتماد لہجے میں اپنی صفائی پیش کی۔
''تمہیں تیس پینتیس ڈالر یومیہ کا خرچ پالنے کی کیا ضرورت ہے!''
''میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔ تم کس خرچ کی بات کر رہے ہو؟''
''تم البرٹو کو فٹ پاتھ سے اٹھا کر کسی سستے سے ہوٹل میں بھی لے جاؤ گے تو وہاں اس کا یومیہ خرچ اس سے کم نہیں ہوگا۔''
''میں اسے کہیں نہیں لے جا رہا۔ وہ جہاں ہے وہیں خوش اور محفوظ ہے میں نے ریٹا سے سرسری طور پر ایک بات کہی تھی کہ اس پر کچھ سرمایہ کاری کی جائے اور فٹ پاتھ سے اٹھا کر اسے کسی قرینے کی جگہ ڈال دیا جائے تو وہ ہمارے لیے سودمند ثابت ہو سکتا ہے......''
''میں اسی مالی بوجھ کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر ٹوکا۔
''وہ سرسری بات تھی، وہیں ختم ہوگئی۔ البرٹو نے مین ہٹن کے ایک فلائی اوور کے نیچے گتوں کا ڈربا بنایا ہوا ہے۔ وہاں سے ہلنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ اپنے تاریک اور سیلن زدہ گھر کی آزادیاں اسے بہت عزیز ہیں۔''
''یہ کون ہے اور تم اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو...؟''
''وہ چائنا ٹاؤن اور لٹل اٹلی کے درمیانی حصے میں رہتا ہے اور قریبی سب وے میں کچھ دیر تک ہیٹ سامنے رکھ کر بھیک مانگتا ہے۔ دس بارہ ڈالر جمع ہو جائیں تو وہ اٹھ جاتا ہے، لالچی بھکاریوں کی طرح وہیں بیٹھا نہیں رہتا......''
''مجھے اس کی سوانح عمری سننے کا شوق نہیں ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی'' میں اس کی ذات میں تمہاری دلچسپی کا سبب جاننا چاہتا ہوں۔''
''میں نے وہاں سے گزرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے عجیب سا خوف جھلک رہا تھا۔ وہ ڈری سہی نظروں سے آنے جانے والوں کو دیکھ رہا تھا۔'' اس نے بتانا شروع کیا۔'' میں نے اس کے سامنے رکھے ہوئے ہیٹ میں ایک ڈالر ڈالا تو اس نے ایسی ممنونیت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا کہ میں اندر سے کانپ اٹھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ

امریکا جیسے دولت مند ملک میں ایسے مفلس بھی رہتے ہیں جن کے لیے ایک ڈالر کی رقم نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں ہوتی۔ میں نے اسے مزید ایک ڈالر کا نوٹ دکھا کر اپنے ساتھ چائے پینے کی دعوت دی اور وہ تیار ہو گیا۔ اس نے ہیٹ میں پڑی ہوئی ریزگاری اپنی جیب میں ڈالی اور میرے ساتھ ہولیا۔ یہ میرا اور اس کا پہلا تعارف تھا۔"

سلطان شاہ اس کے بارے میں بتاتا رہا۔ میں نے اسے زیادہ تفصیل میں جانے کا موقع نہیں دیا۔ بار بار اسے ٹوکتا رہا۔ اس کے بارے میں بہت سی باتیں ایسی تھیں جو میں اس کے بتائے بغیر سمجھ سکتا تھا۔ سب کڑیاں مل جانے کے بعد البرٹو کی کہانی مجھے بھی دلچسپ محسوس ہوئی۔

وہ اطالوی نژاد تھا اور دو سال پہلے میلان کی ایک یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہا تھا کہ چند برے دوستوں کی صحبت کی وجہ سے ہیروئن کی لت لگ گئی۔

نشہ انسان کے باطن کے ساتھ اس کے ظاہر کو بھی نگلنا شروع کر دیتا ہے، تعلیم سے البرٹو کا دل اچاٹ ہو گیا۔ یونیورسٹی چھوڑ کر اس نے اپنے گزارے کے لیے ایک ریستوران میں ویٹر کی نوکری اختیار کر لی۔ ریستوران میں اس کی ملاقات ایک امریکی سیاح سے ہوئی۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ البرٹو کو فلکیات کے علم سے بھی لگاؤ رہا تھا۔ دوسری ملاقات میں امریکی دوست کو البرٹو نے اپنی کہانی سنادی۔ یہ اعتراف بھی کر لیا کہ وہ ہیروئن کا عادی ہو چکا ہے۔ اس کا دل تعلیم میں لگتا ہے نہ کام میں۔

امریکی نے اسے اپنے خرچ پر امریکا لے جانے کی پیشکش کی۔ البرٹو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسے اپنی زندگی میں ایسا کوئی موقع مل سکے گا۔ وہ فوراً تیار ہو گیا۔

وہ امریکی بعد میں سی آئی اے کا ایک سینئر ایجنٹ ثابت ہوا۔ وہ البرٹو کو اپنے ساتھ ورجینیا کی فیرفیکس کاؤنٹی لے گیا جہاں لینگلے میں سی آئی اے کے مرکزی دفاتر تھے۔ وہ البرٹو کو اپنے ساتھیوں کے حوالے کر کے ایسا غائب ہوا کہ دوبارہ کہیں نظر نہیں آیا۔

البرٹو کو شہر کے ایک اچھے ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ اسے نشے سمیت ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ اس کا پاسپورٹ سی آئی اے کے افسران نے ضابطے کی چند ضروری کارروائیوں کے نام پر اپنے قبضے میں لے لیا جو آخر تک اسے نہیں لوٹایا گیا۔

صرف دو دن بعد البرٹو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مقامی اخبارات میں اس کی تشہیر ایک اطالوی ماہر فلکیات کے طور پر کی گئی تھی۔ اس نے اس بارے میں اپنے میزبانوں سے دریافت کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اسے ٹال دیا کہ وہ اسے عزت اور شہرت کی بلندیوں تک پہنچانے کا بندوبست کر رہے ہیں۔

چند روز بعد اس سے ایک چھپے ہوئے کاغذ پر دستخط لیے گئے۔ اس پر ستاروں کی چال کے لحاظ سے آنے والے دنوں کے لیے چند حساس اور خطرناک پیش گوئیاں موجود تھیں۔

اگلے دن وہ پیش گوئیاں اخبار کی زینت بن گئیں۔ ایک ہفتے میں وہ سارے واقعات رونما ہو گئے۔ البرٹو کی شہرت ہونے لگی اور یہ سلسلہ چل پڑا۔

البرٹو شہرت اور ہیروئن کے نشے میں ڈوب کر عیش کرتا رہا۔ اسے ہوش اس وقت آیا جب اس کے نام سے جاری کی جانے والی پیش گوئیوں کے مطابق پراسرار حالات میں بعض اموات واقع ہوئیں اور اس کے نام کا ڈنکا بجنے لگا۔

اس کی پیش گوئیوں میں کسی کا نام نہیں آتا تھا۔ ہر بات عمومی حوالے سے کہی جاتی تھی۔ بعد میں لوگوں کو اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے کس کے بارے میں کیا لکھا تھا۔

اس کے نام پر کسی سیاستدان کی حادثاتی موت کی پیش گوئی کی گئی اور دو دن بعد حزب مخالف کا ایک مقامی رہنما اپنی

کار کے حادثے میں جاں بحق ہوگیا۔ اس نے فائن آرٹ کے شعبے کی کسی خاتون کی ناگہانی موت کا ذکر کیا۔ تین دن بعد شکاگو میں نسلی امتیاز پر حکومت پر تنقید کرنے والی ایک مشہور گلوکارہ اپنی خواب گاہ میں گیس بھرنے سے چل بسی۔

البرٹو ڈر گیا۔ معمولی واقعات سے شروع ہونے والا سلسلہ بہت خطرناک رخ پر جارہا تھا۔ لوگ اس کے نام سے ڈرنے لگے تھے مگر اس کی پیش گوئیاں ضرور پڑھتے تھے۔

اسے اندازہ ہوگیا کہ سی آئی اے والے اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کررہے تھے۔ اس کے نام کی تشہیر جاری تھی، تصویر کبھی نہیں چھاپی گئی تھی۔ اسی طرح اخبار والوں کو بہت سختی سے اس سے دور رکھا جارہا تھا۔

البرٹو نے کئی بار اپنا پاسپورٹ واپس لینے کی کوشش کی لیکن حیلوں اور بہانوں سے اسے ٹال دیا گیا۔ اسے محسوس ہونے لگا کہ وہ سی آئی اے کا قیدی ہے۔

جب اس کی پیش گوئی کے مطابق نیویارک کا ایک سیاہ فام لیڈر آبی موت مرا تو البرٹو کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ رات کے سناٹے میں وہ اپنے نگہبانوں کو جل دے کر اپنے عشرت کدے سے فرار ہوا اور سیدھا نیویارک پہنچ گیا۔

اسے معلوم تھا کہ سی آئی اے والے اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ اس کی ہر طرف تلاش شروع ہوجائے گی۔ ان سے بچنے کے لیے وہ ایک بھکاری کے روپ میں فلائی اوور کے نیچے پناہ گزیں ہوگیا۔ اسے یقین تھا کہ شکاری اس تک نہیں پہنچ سکیں گے اور وہ اپنے ہم وطنوں کی مدد سے کسی بحری جہاز میں چھپ کر امریکا سے نکلنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

بھیک کا یومیہ ٹارگٹ پورا کرنے کے بعد وہ اپنا باقی وقت چائنا ٹاؤن اور لٹل اٹلی کے علاقوں میں گزارتا تھا لیکن اس وقت تک اسے اپنے کام کا کوئی آدمی نہیں مل سکا تھا۔

ڈر اور خوف کی وجہ سے اس کی ہیروئن نوشی بڑھ گئی تھی۔ اس مہلک زہر کے بہ کثرت استعمال اور کٹھن زندگی گزارنے کے سبب وہ اپنی شکل وصورت سے واقعی بھکاری نظر آنے لگا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس حلیے میں سی آئی اے والے پہچانے بغیر اس کے قریب سے گزر جائیں گے۔

سلطان شاہ کی صورت میں اسے ایک نرم خو اور ہمدرد شخص نظر آیا تھا جو امریکا سے نکلنے میں اس کا مددگار اور معاون ثابت ہوسکتا تھا۔ وہ سلطان شاہ کی پیشکش قبول کرکے اس کے ساتھ ٹی شاپ میں چلا آیا اور اپنی پوری کہانی اس کے سامنے رکھ دی۔

''کہانی واقعی بہت دلچسپ اور سنسنی خیز ہے۔ مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم اس کی ذات سے کس قسم کا فائدہ اٹھانے کے چکر میں ہو۔'' میں نے وہ سب سن لینے کے بعد کہا۔

''میری نظروں میں وہ ان کا ٹوٹا ہوا آدمی ہے۔ اسے ان کے بہت سے رازوں کا علم ہوگا۔ اس کی مدد سے اور کچھ نہ سہی تو ہم سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔''

''مجھے شبہ ہے کہ وہ تمہارے کسی کام آسکے۔ وہ لاکھ ہیروئنچی سہی، ابھی اس کے ہوش و حواس پوری طرح کام کررہے ہیں۔ وہ اس درجے کو نہیں پہنچا جہاں انسان کسی مردے سے بھی بدتر ہوجاتا ہے۔ وہ کسی ایسے چکر میں اپنی ٹانگ نہیں پھنسائے گا جو اس کی اچانک روانگی کی راہ میں حائل ہو۔'' میں نے سوچتے ہوئے اپنی رائے دی۔

''اگر وہ میرے جال میں پھنس جائے تو مجھے آگے بڑھنے کی اجازت ہے؟'' اس نے پرجوش لہجے میں سوال کیا۔

''تم بالکل آزاد اور خودمختار ہو۔ ہاتھ پیر بچا کر جو کچھ کرسکتے ہو، کر گزرو۔'' میں نے کہا ''لیکن میری ایک بات ضرور یاد رکھنا کہ ریٹا کا مشورہ تمہارے لیے ہر وقت کارآمد ثابت ہوگا۔''

''یہ بات اسے بھی بتادو۔ میں اس کا ہر معقول مشورہ ماننے کے لیے تیار ہوں۔ اس نے کوئی حکم دیا تو میں اس پر کان نہیں دھروں گا۔''

''وہ حکم نہیں دیتی، اس کا انداز ایسا لگتا ہوگا۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

''صرف میرے ساتھ اس کا رویہ تحکمانہ ہوتا ہے۔ تم سے وہ دب کر بات کرتی ہے۔ میں ننھا سا بچہ نہیں ہوں، ان باتوں کو خوب سمجھتا ہوں۔'' سلطان شاہ نے جواب دیا ''لو وہ مجھ سے فون مانگ رہی ہے۔ اس سے بھی بات کرلو۔''

''البرٹو کی کہانی سن لی تم نے؟'' لمحہ بھر کے توقف کے بعد ویرا کی آواز سنائی دی ''یہ ساری تفصیل میں نے آج پہلی بار سنی ہے۔ اس بھکاری کے نام کے سوا مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔''

''تم اپنا رویہ نرم رکھا کرو۔ تم نے سن لیا کہ وہ تمہارے جارحانہ رویے سے نالاں ہے۔ پردیس میں تم دونوں کو مل جل کر رہنے کی کوشش کرنا چاہیے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

میری وہ بات سلطان شاہ کے کانوں تک نہیں پہنچی تھی اس لیے ویرا نے بردباری سے سن لی اور بولی ''مفاہمت

دوطرفہ ہوتی ہے۔ یہ میری بات سنے گا تو میں بھی اس کی بات ضرور سنوں گی۔ اسے بھی احساس ہونا چاہیے کہ ہم اپنے ملک سے باہر ہیں۔''

میں نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی لیکن تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ وہ نرمی کی زبان سمجھتا ہے۔ تم نے پیر میں موچ آجانے کا بہانہ کیا تو اس نے دل و جان سے تمہاری خدمت کی تھی۔''

''اب اس قصے کو چھوڑو۔'' ویرا نے خفت آمیز لہجے میں کہا ''پتا نہیں کس رو میں وہ بات ہوگئی۔''

''اور باتیں بھی گنوائی جاسکتی ہیں۔'' میں نے موقع پا کر اسے مزید شرمندہ کرنا چاہا۔ ''ابھی تم نے کہا تھا کہ تمہیں البرٹو کے نام کے سوا کچھ نہیں بتایا گیا۔ حالانکہ کئی باتیں تم نے خود مجھے بتائی تھیں کہ اکبر اس پر سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے، اسے نٹ پاتھ سے ہوٹل میں لے جائے گا وغیرہ وغیرہ۔''

''میں دیکھوں گی کہ اس بارے میں کیا کیا جاسکتا ہے، میں تحمل سے کام لینے کی کوشش کروں گی۔'' اس نے میری بات کا غیر متعلق سا جواب دیا۔ غالباً وہ سلطان شاہ کی موجودگی میں کوئی اعتراف کر کے سبکی مول لینے سے گریز کررہی تھی۔

''تم دونوں کے لیے ایک دوسرے کی لغزشوں کو نظرانداز کرنا ناممکن ہوجائے تو بہتر یہ ہوگا کہ کچھ دنوں کے لیے دونوں ساتھ چھوڑ دو۔ الگ الگ رہو گے تو تمہیں ایک دوسرے کی قدروقیمت کا صحیح اندازہ ہوجائے گا۔''

''تمہارا یہ مشورہ شاندار ہے۔ اس پر تفریحاً بھی عمل کیا جاسکتا ہے۔'' اس کی مسرت آمیز آواز آئی ''تم بھی صدف کے ساتھ یہ گر آزما کر دیکھو۔''

''ہمیں ایسی احمقانہ تفریح کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے درمیان مکمل مفاہمت ہے۔'' میں نے ہلکی سی ناگواری سے جواب دیا اور فون بند کردیا۔

''پاسپورٹ ایک عالمی مسئلہ ہے۔'' غزالہ کے کچھ پوچھنے سے پہلے میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''اس کے بغیر دیارِ غیر میں ہر شخص مفلوج ہوکر رہ جاتا ہے۔''

''کیا وہ دونوں بھی کسی مسئلے سے دوچار ہیں؟'' غزالہ نے چونک کر پوچھا۔

''ان کا یک جا ہونا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ ان کے لیے وہی کافی ہے۔ وہاں سی آئی اے والوں نے البرٹو کا پاسپورٹ ضبط کیا ہوا ہے، یہاں ڈان نے ہمارے ساتھ یہی حرکت فرمائی ہے۔ وہ امریکا سے بھاگ سکتا ہے نہ ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں۔''

''ابھی آپ کے منگیتر کی حالت خطرے سے باہر نہیں ہے۔ ان کا دورانِ خون تیز نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے آپ یہ کوٹ پہن کر عیادت کے لیے جائیں۔''

''اس کے بارے میں آپ دیر تک باتیں کرتے رہے ہیں۔''

وہ غزالہ کا اشارہ تھا۔ وہ سب کچھ جان لینے پر اصرار نہیں کرتی تھی۔ میرے لیے اس کا وہ اشارہ کافی تھا۔ میں نے اسے اپنی تازہ ترین معلومات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

البرٹو کی ذات سے مجھے کوئی بڑی امید نہیں تھی۔ وہ ستم روزگار کا ستایا ہوا ایک غیر ملکی تھا جو نجات کی راہ تلاش کرنے کے لیے نیویارک میں بھٹک رہا تھا۔ سلطان شاہ سے ہوتی ہوئی، اس کی جو کہانی مجھ تک پہنچی تھی وہ بہت خوفناک اور سنسنی خیز تھی۔

سی آئی اے کے ستائے ہوئے بہت سے ممالک آئے دن یہ شکوہ کرتے رہتے تھے کہ سی آئی اے کے اہل کاران کے قوانین کو پامال کر کے، وہاں سیاسی اور سماجی سازشوں میں مصروف ہیں۔ دنیا بھر میں یہ تاثر عام تھا کہ سی آئی اے امریکا سے باہر امریکی مفادات کے حصول کے لیے ہر جائز اور ناجائز سرگرمی میں مصروف رہتی ہے۔

البرٹو کی کہانی سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ بدنام زمانہ امریکی ادارہ اپنے ملک میں بھی نہایت سفاکی کے ساتھ اپنے پروگرام پر عمل کررہا تھا۔

ایک گمنام اور نشے باز غیر ملکی کو اپنے ملک میں لا کر ماہر فلکیات کی حیثیت سے اس کا قد کاٹھ بڑھانے کی اخباری مہم ہر اعتبار سے قابل ملامت تھی۔ اسے شہرت دلانے کے بعد اس کی پیش گوئیوں کی آڑ میں اپنے مخالفوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا عمل انتہائی گھناؤنا تھا۔ وہ اپنے شکار کو پراسرار انداز میں مار ڈالتے تھے اور موت کے اسباب ہمیشہ فطری یا اتفاقی قرار پاتے تھے۔

میرا اندازہ تھا کہ ان کا وہ طریقہ واردات نیا نہیں تھا۔ البرٹو سے پہلے وہ کسی اور انداز میں کام کر رہے ہوں گے‘ البرٹو کے بعد وہ کسی اور مہرے کو آگے لے آتے۔ جو لوگ اپنے ملک میں‘ اپنے ہی ہم وطنوں کو اتنے اطمینان سے ٹھکانے لگا سکتے تھے‘ وہ دوسرے ملکوں میں جو کچھ نہ کر گزرتے کم تھا۔

یہ غنیمت تھا کہ وہ پاکستان میں اپنی بے رحمیوں کو آزادی کے ساتھ بروئے کار نہیں لا سکے تھے۔ ان کی کھل کر مزاحمت کی گئی تھی اور ان کے کئی افسر مارے گئے تھے۔

اگر باخبر حلقوں میں یہ کہا جاتا تھا کہ امریکا میں حکومت ری پبلکن یا ڈیموکریٹ پارٹی کی نہیں ہوتی‘ پس پردہ حکمرانی ہمیشہ سے سی آئی اے کی چلی آرہی ہے۔ اس کا سربراہ امریکی صدر سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے تو یہ بے جا نہیں تھا۔

”ہمیں ڈان کے چنگل سے نجات مل گئی تو ہم امریکا نہیں جائیں گے۔“ رات کو بستر پر دراز ہونے کے بعد غزالہ نے اعلان کیا ”جس ملک میں سرکاری اہل کار بربریت میں مصروف ہوں‘ وہاں انسانی جان کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے!“

”امریکا میں سب سے زیادہ انفرادی اور اجتماعی آزادیاں حاصل ہیں اور دنیا بھر سے لوگ جوق در جوق وہاں جا رہے ہیں۔ کسی کا بال بیکا نہیں ہوتا۔ سرکاری بھیڑیے صرف ان لوگوں کو اپنا شکار بناتے ہیں جن سے ان کا کوئی بڑا اور گہرا اختلاف ہو۔“

”البرٹو کی آڑ لے کر انہوں نے قلیل مدت میں کئی افراد کو ٹھکانے لگایا ہے۔“

”یہ ایک اتفاق ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے برسوں کا ہدف پورا کیا ہو۔ ہر ہفتے عشرے کوئی مخالف مرنے لگا تو امریکا میں کہرام برپا ہو جائے گا۔“ میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا ”عام حالات میں ایسے واقعات کی شرح سال بھر میں ایک دو سے زیادہ نہیں ہوگی۔ تم کو ایسے واقعات سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟“

”یہ خوف نہیں‘ کراہت ہے۔“ غزالہ نے جواب دیا ”میرا امریکی سیاست اور معاشرت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ صدف نامی ایک سیاح خاتون سے ان اونچے مجرموں کو کیا پرخاش ہوگی!“

”میں تمہیں یہی بات سمجھانا چاہ رہا تھا۔“ میں نے اس کی ذہانت کو سراہتے ہوئے جواب دیا۔

”صدف اور علی احمد کے لیے امریکا میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔“

”کیا آپ مجھے امریکا کے سفر پر اکسا رہے ہیں؟“ غزالہ نے ہنس کر پوچھا۔

”اکسانے کی کیا ضرورت ہے؟ کل تک یہ تمہاری خواہش تھی۔“ میں نے کہا ”وہاں جاؤ یا نہ جاؤ مگر اپنے ذہن کو کھلا رکھو۔ آج کل امریکا میں شیطان صفت لوگ غالب ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے‘ وہاں اچھے بلکہ بہت اچھے انسانوں کی ایک بڑی تعداد بستی ہے۔ ایک دن یہ اکثریت اس مکروہ اقلیت پر غالب آجائے گی۔“

”سچ بتائیں کہ آپ کا دل کیا کہتا ہے۔“ وہ کروٹ لے کر یکایک میرے قریب ہوگئی۔

”کس بارے میں؟“ میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے سوال کیا۔

”میں یہاں سے امریکا جانے کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔“

”کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہمیں یہاں سے نکل کر کہیں نہ کہیں تو جانا ہی ہے۔ ویسے بھی میں نے امریکا ایک بار دیکھا ہے‘ دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے۔“

”مجھے معلوم تھا کہ آپ کا جواب یہی ہوگا۔“ میرا جواب سن کر وہ ہنسنے لگی۔

”کیا تم کو دلوں کی بات جاننے کا علم آگیا ہے؟“

”ویرا وہاں ہے‘ اس سے آپ کی نوک جھوک چلتی رہتی تھی۔ روزمرہ زندگی میں کچھ نہ کچھ ہلچل سی رہتی تھی۔ آپ اسے ضرور مس کرتے ہوں گے۔“

”تم نے خود اپنے سوال کا جواب دے دیا۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا ”ہر شخص کا اپنا مقام ہوتا ہے۔ وہ چین سے بیٹھنے والی عورت نہیں ہے۔ ہر وقت کسی نہ کسی سے الجھتی رہتی ہے۔ کوئی اور میسر نہیں ہے تو اب اس کا سارا رزلہ سلطان شاہ پر گر رہا ہے۔ اس کی کمی تم بھی محسوس کرتی ہوگی۔“

”مجھے چھوڑ دیں۔ اس وقت میں آپ کی بات کر رہی ہوں۔“

”تم جس مفہوم میں سوال کر رہی ہو‘ میرا جواب نفی میں

ہے۔''

''پتا نہیں آپ کو کیا مفہوم مل گیا۔ میرا سوال سیدھا سادا تھا۔''

''سنو!'' میں نے اس کا کان کھینچ کر کہا'' آج تم میری بیوی ہو۔ میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب تم صرف کرنل زوار زیدی کی بیٹی ہوا کرتی تھیں۔ مجھ سے ایسی ذو معنی باتیں نہ کیا کرو۔''

''میں نے کوئی ذو معنی بات نہیں کی' میرا کان چھوڑیں زخمی ہو جائے گا۔''

اس رات ہم دیر تک جاگتے اور باتیں کرتے رہے۔

اس دوران میں میرے ذہن میں دو باتیں گردش کر رہی تھیں۔ سب سے میرا رابطہ ہو گیا تھا مگر میں نے جہانگیر کی کوئی خیر خبر نہیں لی تھی جو اسٹیشن فور سے اپنے گھر منتقل ہو چکا تھا۔ کراچی اور بنکاک کے وقت میں فرق کی وجہ سے میں اس وقت بھی اسے فون کر سکتا تھا لیکن اس وقت میں غزالہ سے باتیں کر کے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی ایسے موڈ میں آتی تھی۔ میں اس تسلسل کو توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اگلے دن میں اس سے بات کروں گا۔

دوسری بات کا تعلق ڈان سے تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ اسے اپنے ذرائع سے موتی محل میں ہونے والے دھماکے کی خبر نہ ملی ہو' چاؤ فان نے بھی اپنے طور پر اسے آگاہ کیا ہوگا۔ اس واقعے کو رونما ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ ڈان نے فون کیا تھا نہ اس کا کوئی پیغام آیا تھا۔ مجھے ایک خلش سی تھی۔ چاؤ فان نے وہ واقعہ میری ذات سے منسوب کر کے مجھے یہ امید دلائی تھی کہ دشمن کے گھر میں بارود پھٹنے کی خبر ڈان کا دل خوش کر دے گی' اسی خوشی میں وہ میرے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اس بارے میں ڈان کی طرف سے مکمل خاموشی مجھے خلجان میں مبتلا کر رہی تھی۔

اگلی صبح دس بجے میں ناشتا کرنے کے بعد اخبار پڑھ رہا تھا کہ انٹر کام پر چاؤ فان کی کال آ گئی۔

''ماسٹر! جلدی نیچے آؤ۔'' وہ گھبرائی ہوئی آواز میں تیزی سے کہہ رہا تھا ''میری گاڑی میں بڑا آدمی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔''

اس نے ڈان کے لیے بڑے آدمی کا استعارہ استعمال کیا تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ گوشہ نشین ڈان خود چل کر میرے ہوٹل کے دروازے پر آیا تھا۔ میرے لیے وہ بات ناقابلِ یقین تھی۔

ڈان اس قدر محتاط تھا کہ اس نے مجھے اور چاؤ فان کو کہیں

بھی اپنا نام لینے سے منع کیا ہوا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ راجن سے محاذ آرائی کے قصے میں کہیں بھی اس کا نام آئے۔ ایک طرف اس کی وہ غیر معمولی احتیاط میرے پیش نظر تھی' دوسری طرف وہ خود چاؤ فان کی گاڑی میں سوار ہو کر میرے ہوٹل آ پہنچا تھا۔ تاخیر سے سہی مگر ڈان نے غیر معمولی ردِ عمل کا مظاہرہ کیا تھا۔

چاؤ فان کا وہ پیغام سنتے ہی میرے ہاتھ پیر پھول گئے۔ میں نے تیار ہو کر ذراسی دیر میں نیچے پہنچنے کا وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔

مجھے ہڑبڑا کر پتلون پہنتے دیکھ کر غزالہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا ''کیا ہوا...... یہ کس کا فون تھا؟''

''چاؤ فان' ڈان کو اپنی گاڑی میں لے کر آیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''خدا خیر کرے!'' غزالہ کے منہ سے بے اختیار نکلا''یہ پردہ نشین اپنی ساری احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر یہاں کیسے آ گیا!''

میرے پاس غزالہ کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں خاموشی سے اپنی تیاری میں لگا رہا۔

چاؤ فان کے پیغام میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ میں چند لمحوں میں پتلون اور جوتے پہن کر کمرے سے نکل کھڑا ہوا۔ میں تیز قدموں سے ہوٹل کی لابی عبور کر کے صدر دروازے سے باہر نکلا تو پورچ میں چاؤ فان کی کالی اکارڈ کا دور تک پتا نہیں تھا۔ میں وہاں رکے بغیر آگے نکلتا چلا گیا۔

ہوٹل کے احاطے کے باہر' چاؤ فان کی گاڑی اپنی مخصوص جگہ پر کھڑی ہوئی تھی۔

اس وقت ہر طرف دن کی چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی لیکن چاؤ فان کی گاڑی کے شیشے اتنے گہرے سیاہ تھے کہ دور سے اندر کا کوئی منظر نظر نہیں آ رہا تھا۔ سیاہ شیشوں کے پیچھے نظر آنے والے موہوم دھبوں سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ عقبی نشست پر بھی کوئی شخص موجود تھا۔ وہاں شیشوں کی تاریکی میں دو تاریک تر دھبوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

میں مشینی انداز میں اکارڈ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

میں سیلرز بار اور اس کی اوپری منزل میں ڈان کا دبدبہ دیکھ چکا تھا۔ کار کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اکارڈ کا پچھلا دروازہ کھول کر ڈان کو تعظیم دوں یا اگلا دروازہ کھول کر پہلے چاؤ فان سے بات کروں۔

چاؤ فان سیاہ ونڈ اسکرین کے پیچھے سے مجھے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ میرے قریب پہنچتے ہی اس نے اپنے برابر والی نشست کا دروازہ کھول کر میری الجھن دور کر دی۔

میں نے کھلے ہوئے دروازے میں سے اپنی گردن اندر ڈال کر ڈان سے مخاطب ہونے کا ارادہ کیا تھا کہ ڈان کی دھیمی آواز گونجی ''گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔''

میں چاؤ فان کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔ گاڑی کا بے آواز انجن چل رہا تھا' باہر کے گرم موسم کے مقابلے میں اندر بہت زیادہ ٹھنڈک تھی۔

گاڑی میں بیٹھنے کے بعد میرے لیے اپنی گردن گھما کر پیچھے دیکھنا معیوب ہوتا۔ میں نے اندر بیٹھتے ہوئے کن انکھیوں سے عقبی نشست کا اڑتا ہوا جائزہ لیا تو ڈان آدھی آستین کی قمیص اور جینز میں ملبوس کسی ہیوی ویٹ باکسر کی طرح دھنسا ہوا نظر آیا۔

''گڈ مارننگ!'' میں نے اندر بیٹھتے ہی ہلکی آواز میں کہا۔

ڈان نے جواب نہیں دیا۔ میرے سوار ہوتے ہی چاؤ فان گاڑی کو حرکت میں لا چکا تھا۔

وہ پہلا موقع تھا کہ میں چاؤ فان کے ساتھ ڈان سے مل رہا تھا۔ شاید اسی وجہ سے ڈان بھی محتاط تھا۔ وہ چاؤ فان کو غیر ضروری انداز ے لگانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

''کئی دنوں پہلے چاؤ فان نے تم کو ہوٹل چھوڑ کر کسی گیسٹ ہاؤس میں جانے کے لیے کہا تھا؟'' کار کے خنک کیبن میں ڈان کی سرد اور غراتی ہوئی آواز گونجی۔

اس کا سوال سن کر مجھے خوشی ہوئی کہ چاؤ فان غیر ذمے دار نہیں تھا۔ اس نے موقع پاتے ہی مجھ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا تھا۔

''ہاں ڈان!'' میں نے بے جان لہجے میں کہا''میں پردیسی ہوں' یہاں کی اونچ نیچ کے بارے میں چاؤ فان مجھے بتاتا رہتا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ فائیو اسٹار ہوٹلوں میں وہ لوگ رہتے ہیں جو دنیا کے ہر بڑے شہر کو ایک جیسا دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''علی! میں نے تم کو اپنی آنکھ کا تارا کہا تھا۔'' ڈان اس بات کو وہیں ختم کر کے کہہ رہا تھا''تم نے اس بات کو پورا کر دکھایا ہے۔ موتی محل میں ہونے والے دھماکے تیرے میرے دل میں لگی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ یہ چاؤ فان' اُلو کا پٹھا بزدل ہے' دو سالوں میں یہ وہاں ایک کنکر بھی نہیں مار سکا۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا...... اس عزت افزائی پر میں تمہارا شکر گزار ہوں۔'' میں نے موتی محل والے واقعے کے بارے میں سچ اس کے کانوں میں ڈال دیا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم نے کچھ نہیں کیا ہوگا۔ اس وقت تم میرے پاس تھے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے لیے یہ

بڑا کام کرنے والے کون لوگ تھے؟''

''وہ ایک آدمی ہے۔ اس کے بارے میں، میں تمہیں بتا چکا ہوں۔'' میں نے اسد کا نام لیے بغیر کہا۔

''میں تم سے خوش ہوں...... بہت خوش...... اتنا خوش کہ تم اندازہ نہیں لگا سکتے، مانگو...... انعام میں تم کیا مانگنا چاہتے ہو؟''

''بنکاک میں تمہاری حمایت اور محبت میری زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔'' میں نے ڈان کے لیے خوشامد کا سب سے موثر ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیا۔

''وہ شروع سے تمہارے لیے ہے...... کچھ اور مانگو۔'' ڈان فیاضی کے مظاہرے پر تل گیا تھا۔

''میرے پاس مانگنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں مارنے یا مر جانے کے ارادے سے، اپنی کشتیاں جلا کر یہاں آیا ہوں۔ دشمن کو مار لیا تو پھر سوچوں گا کہ نئی زندگی کے لیے کیا مانگا جائے۔'' میں نے مکاری سے کام لیتے ہوئے تمہید باندھی، چند لمحوں کے لیے ڈرامائی خاموشی اختیار کی پھر اداس لہجے میں کہا ''ہو سکے تو دونوں پاسپورٹ مجھے لوٹا دو۔''

''میں وہ ساتھ لے کر نہیں پھر رہا۔'' اس نے دبنگ لہجے اور نیچی آواز میں جواب دیا ''ملنے آؤ گے تو لے لینا۔ وہ تمہارے ہیں، تمہارا انعام اب بھی باقی ہے۔''

''انعام دینا ہے تو اپنی مرضی سے دے دو، میں تم سے امان کے علاوہ اور کیا مانگ سکتا ہوں!''

''بہت قناعت پسند ہو!'' ڈان کے ان الفاظ کے ساتھ ہزار بھات کے نئے نوٹوں کی ایک گڈی پیچھے سے میرے قدموں میں آ گری۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی ''یہ ایک لاکھ بھات تمہارے ہیں۔ انہیں خرچ کر کے تم اپنی بد دماغ بیوی کو خوش کر سکو گے۔''

''خدا تمہیں کھویا ہوا مقام عطا کرے۔'' میں نے نوٹوں کی گڈی اٹھا کر کسی خاندانی فقیر کی طرح ڈان کو دعا دی۔ ''ہوٹل میں تمہارا مہمان ہوں۔ میرا کوئی خرچ نہیں ہے۔ یہ رقم اسی کی خوشنودی خریدنے پر خرچ ہوگی۔''

وہ میری بیوی کے ذکر کا کوئی محل نہیں تھا۔ ڈان نے انعام کی رقم دے کر بلاوجہ اس کا تذکرہ کیا تو میں نے بھی جواب میں غزالہ کی ہجو کہہ ڈالی۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ میری طرف سے ڈان کے ذہن میں پرورش پانے والے سارے شکوک و شبہات زائل ہو چکے تھے اور وہ کھلے دل کے ساتھ ہمارے پاسپورٹ لوٹانے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

''یہ رقم حقیر ہے، اپنے کاموں پر میری خوشی کا اندازہ تم کو اس بات سے لگا لینا چاہیے کہ تمہیں اپنے پاس بلانے کے بجائے آج میں خود تمہارے پاس آیا ہوں۔''

''اس عزت افزائی پر میں ساری عمر ناز کرتا رہوں گا۔'' ایک ایک کر کے میں اپنے ترکش کے تیر چلا رہا تھا ''جب تک میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں نہیں دیکھ لیا، مجھے چاؤ فان کی بات کا یقین نہیں آیا۔ کسی نے تمہیں دیکھ لیا تو مشکل ہو جائے گی۔''

''میں جب باہر نکلتا ہوں، چاؤ فان کی اسی گاڑی میں نکلتا ہوں، کالے شیشوں کے پیچھے کون مجھے دیکھ سکتا ہے۔ میرا سایہ دیکھ لے تب بھی مجھے نہیں پہچان سکتا۔ اس نے پرغرور لہجے میں کہا ''تم نے اپنے آدمی سے میرے لیے کام کرنے کے بارے میں بات کی ہے؟'' یکایک وہ سوال کر بیٹھا۔

وہ زیرک آدمی تھا۔ میری طرح اس نے بھی چاؤ فان کی موجودگی میں اسد کا نام نہیں لیا۔

''اس نے ہاتھ جوڑ کر معذرت کی ہے۔ یہ زندگی اسے پسند نہیں ہے۔''

''حالانکہ وہ خود بہت سفّاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔'' ڈان بولا ''تم کو پتا ہے کہ وہ ریموٹ کنٹرول بم تھا۔ جو اسے موتی محل میں لے گیا تھا وہ خود بم کے ساتھ اڑ گیا۔ تمہارے دوست نے اس آدمی کی بے خبری میں ریموٹ کنٹرول استعمال کر ڈالا۔ یہ غلطی تھی یا دانستہ ایسا کیا گیا؟''

''مجھے معلوم ہے۔'' میں نے مجرمانہ ندامت کے ساتھ کہا ''یہ اس کی مجبوری تھی۔ اسے راجن کے اثر و رسوخ کا علم ہے۔ وہ اپنے خلاف کوئی ثبوت چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس آدمی نے بم اندر لے جانے پر آمادہ ہو کر اپنے مالک سے غداری کی تھی۔ ایک غدار کے لیے بڑی سے بڑی سزا بھی کم ہوتی ہے۔''

''خوب!'' ڈان میرے جواب سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا ''غداروں کے لیے یہ فلسفہ مجھے پسند آیا۔ ان سے کام لو اور انہیں اڑا دو۔ پالو گے تو وہ کل تم سے بھی غداری کریں گے۔''

میری اور ڈان کی نگاہیں چار نہیں ہو رہی تھیں۔ ہم دونوں اگلی اور پچھلی نشستوں پر تھے۔ ہمارے درمیان براہِ راست سلسلہ کلام جاری تھا۔ اس دوران میں چاؤ فان کی ساری توجہ سڑک پر مرکوز رہی۔ وہ کسی بت کی طرح، تناؤ کے عالم میں سیٹ پر اکڑا ہوا بیٹھا تھا۔ گاڑی میں ڈان کی موجودگی اس کے اعصاب پر بری طرح اثر انداز ہوئی تھی۔ وہ دھیمی رفتار سے محتاط ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

''چاؤ فان!'' قدرے خاموشی کے بعد ڈان نے پہلی بار اسے مخاطب کیا۔

''یس ڈان!'' اس کے ہونٹوں سے لرزتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

''تو سن رہا ہے ناعقل کی یہ باتیں!'' ڈان نے اس سے تصدیق چاہی۔ ان میں صدیوں کا تجربہ رچا ہوا تھا۔ تیرے ماسٹر کے جاں نثار بھی اسی کی طرح ذہین ہیں۔''

''یس ڈان۔'' چاؤ فان اقرار کر کے رہ گیا۔

''تم نے اپنے کارناموں سے مجھے حیران کر دیا ہے۔'' ڈان دوبارہ مجھ سے مخاطب ہو گیا ''میری اور تمہاری پہلی ملاقات کو مشکل سے ایک ہفتہ ہوا ہوگا۔ اس ایک ہفتے میں دنیا ادھر سے ادھر ہو گئی۔ ہر روز چھوٹا راجن کے گرد گھیرا تنگ ہو رہا ہے۔ اب اس کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جائیں گی ہم سے پہلے اسے پتا چل گیا ہوگا، موتی محل میں بم لانے والا اس کا اپنا آدمی تھا۔ ایسا ایک آدھ آدمی اور مل جائے تو چھوٹا راجن کا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔''

''تم نے مجھے یہ سب کرنے کا حوصلہ دیا ورنہ میں کئی دن سے بنکاک میں بھٹک رہا تھا اور ایک پھلی بھی نہیں توڑ سکا تھا۔''

''تم بہت منکسر المزاج اور سعادت مند ہو!''

کھڑکی سے باہر مجھے کچھ مانوس چیزیں نظر آئیں اور میں چونک گیا مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ چاؤ فان کی گاڑی سیلرز بار جانے والے راستے پر سفر کر رہی تھی۔

کیا ڈان مکاری سے مجھے اغوا کر کے اپنے ٹھکانے پر لے جا رہا ہے ...... ؟ وہ خیال ذہن میں آتے ہی میرے معدے میں اچانک گرہیں سی پڑھنے لگیں۔

اس وقت میرے پاس انگلیوں میں پڑی ہوئی دو انگوٹھیوں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ ڈان مجھے تعریف و توصیف کے جال میں الجھا کر اپنے ٹھکانے پر لے جا رہا تھا جہاں رہنے والے چار مسٹنڈوں کو میں خود دیکھ چکا تھا۔

میں نے بوکھلا کر چاؤ فان کی طرف دیکھا۔ وہ روبوٹ کی طرح سڑک پر نظریں جمائے گاڑی چلا رہا تھا۔

بے اختیار خیال آیا کہ میں راستے کے بارے میں چاؤ فان سے سوال کروں لیکن میں نے اس خیال کو اسی لمحے مسترد کر دیا۔ گاڑی میں ڈان کی موجودگی میں ہم دونوں کا ایک دوسرے سے مخاطب ہونا حفظِ مراتب کے خلاف ہوتا۔ اگر ڈان کے دل میں کوئی کھوٹ آ چکا تھا تو میری اور چاؤ فان کی براہِ راست گفتگو سے مزید بگاڑ پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔

وہ میرا سرسری اور ابتدائی مشاہدہ تھا۔ میں نے غور کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ چاؤ فان کی گاڑی سیلرز بار کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

میری بے چینی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ چلتی کار کا دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگا دوں مگر میں اپنے دل پر جبر کر کے بیٹھا رہا۔

''ڈان! میری واپسی کتنی دیر میں ہوگی؟'' جب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے، پر سکون لہجے میں سوال کر ڈالا۔

''کیوں......؟ کیا تم کو واپسی کی جلدی ہے؟'' ڈان نے جواب دینے کے بجائے سوال کر ڈالا۔

''میرا دوست عام طور پر اسی وقت مجھ سے ملنے آتا ہے۔'' میں نے بہانہ کیا۔

''مجھے سیلرز بار کے دروازے پر اتار کر چاؤ فان تمہیں واپس لے جائے گا۔'' ڈان کا جواب سن کر میری جان میں جان آ گئی۔

اگر بات صرف اتنی ہی تھی تو یہ میرے حق میں بہتر تھی۔ سیلرز بار کے دروازے پر میں ڈان کو پاسپورٹوں کے بارے میں یاد دہانی کرا سکتا تھا۔ وہ مسئلہ اسی پھیرے میں حل ہو جاتا۔

گاڑی میں خاموشی چھا گئی تھی۔ ڈان نے بند گاڑی میں سگریٹ نوشی شروع کر دی تھی۔ گاڑی کا ایئر کنڈیشنر چلنے کی وجہ سے اندر دھواں نہیں تھا لیکن جلتے ہوئے نفیس تمباکو کی بو تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے اس خاموشی کا فائدہ اٹھا کر اپنے ارادے کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا۔

''آئندہ گفٹ شاپ میں نہ جانا۔'' اچانک ڈان کی آواز ابھری موضوع سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ہدایت میرے لیے تھی۔ اس کی بات جاری رہی۔ ''اس نے دوبارہ تمہیں دیکھ لیا تو وہ سامنا کرانے کے لیے تمہیں پکڑ کر میرے پاس لے آئے گی۔ میں ان فضولیات میں پڑ کر اپنا وقت برباد کرنا پسند نہیں کرتا۔ میرے لیے وہ قصہ ختم ہو چکا ہے۔''

''او کے!'' میں نے سر کو خم دے کر کہا۔

چاؤ فان نے سیلرز بار کے قریب پہنچ کر اپنی کار عقبی گلی میں لے جانے کے بجائے مین بار کے مقفل دروازے پر روک دی اور کسی پیشہ ور ڈرائیور کی طرح نیچے اتر کر ڈان کے لیے پچھلا دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

ڈان کے احترام میں، میں بھی گاڑی سے اتر گیا۔

ڈان متکبرانہ انداز میں گاڑی سے اتر کر اپنی جینز کی ایک جیب ٹٹولتا ہوا دروازے کی طرف گیا۔ اس نے پلٹ کر ایک نظر تک نہیں ڈالی۔ جیب سے چابی نکال کر بار کا دروازہ کھولا اور

اندر غائب ہو گیا اس کے پیچھے دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

میرے دل کی بات دل ہی میں رہ گئی۔ ڈان نے اتنا موقع نہیں دیا کہ اس سے پاسپورٹوں کے بارے میں کوئی بات کی جاتی میں اس کے پیچھے جا کر کچھ کہتا تو وہ برہم ہو سکتا تھا کہ ایک بات طے ہو جانے کے بعد مجھے پاسپورٹ واپس لینے کی عجلت کیوں تھی۔

''چلو ماسٹر!'' چاؤ فان نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''اب تمہیں پہنچا دوں۔''

''ڈان کے سامنے تمہاری جان کیوں نکلی ہوئی تھی؟'' وہاں سے روانہ ہونے کے بعد میں نے پوچھا۔

''ابھی تم نے ڈان کی محبت دیکھی ہے، غصہ نہیں دیکھا۔ اس کی مرضی کے خلاف بات ہو تو وہ تھپڑ رسید کرتا ہے۔ ایک من کا تھپڑ آدمی کے اوسان خطا کر دیتا ہے۔'' اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''تم یہ دیکھ لو کہ اس کے باوجود میں نے تمہاری بات ڈان تک پہنچا دی۔''

''میں تمہارا شکر گزار ہوں۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''اور تم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ ڈان تمہارے پاسپورٹ لوٹانے کا وعدہ کر کے گیا ہے۔'' اس نے احسان جتایا۔ ''تم اس قصے کو بلاوجہ اپنے دل پر لیے بیٹھے تھے۔''

''میں سیلرز بار کے دروازے سے خالی ہاتھ لوٹ آیا، ڈان چاہتا تو اسی وقت وہ مسئلہ حل کر سکتا تھا۔''

''بڑے آدمیوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں انہیں چھوٹی باتیں یاد نہیں رہتیں۔'' وہ ہنس دیا۔

''برا نہ مانو تو میں ایک چھوٹی سی بات پوچھ لوں!''

''تم میرے ماسٹر ہو...... ایک ہزار باتیں بھی پوچھو گے تو میں جواب دوں گا۔ ڈان نے تمہیں آج جو عزت دی ہے، اس سے مجھے خوف آنے لگا ہے۔ تمہاری شکایت پر وہ میری چمڑی ادھیڑ ڈالے گا۔ تم نے دیکھ لیا ہو گا کہ وہ مجھے زیادہ منہ نہیں لگاتا۔''

میں اس کی بسیار گوئی سے ہمیشہ پریشان ہو جاتا تھا۔ میں نے اس کی باتوں کو نظر انداز کر کے کہا۔ ''میں نے سنا تھا کہ ڈان عورت پر ہاتھ اٹھانے کو بزدلی اور کمینگی سمجھتا ہے۔ مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی اس نے گفٹ شاپ والی کو اپنے ایک آدمی سے پٹوایا ہے۔''

''ماسٹر! تم بہت خطرناک آدمی ہو، بال کی کھال نکالتے ہو۔

ڈان نے محاورے میں آدمی کہا ہوگا۔ وہ عورتوں پر واقعی ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ گفٹ شاپ والی کے پٹنے کا تماشا میں نے کل شام دیکھا تھا۔ اسے ڈان کی ٹکڑی باور چن نے دکان میں گھس کر مارا تھا۔ اب پتا چلا کہ وہ تمہاری شکایت کا شاخسانہ تھا۔ تم جسے چاہو، ڈان کی نظروں سے گرا سکتے ہو۔''

''تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں، میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم نے اپنا وعدہ پورا کر کے میرا دل جیت لیا ہے۔ میں قول کے پکے مردوں کی قدر کرتا ہوں۔''

واپسی کا سفر چاؤ فان نے اپنے اصل رنگ میں تیز رفتاری اور بے پروائی سے طے کیا۔ ہم خاصے کم وقت میں ہوٹل کے قریب پہنچ گئے۔

''ہوٹل آ گیا ہے جانے سے پہلے مجھے اگلا کام بتا دو!'' چاؤ فان نے التجا کی۔

''راجن ایک کل وقتی کام ہے۔ جب کوئی اور مصروفیت نہ ہو تو اس کے پیچھے لگے رہو، جیسے ہی کوئی خاص بات معلوم ہو، مجھے اطلاع دے دو۔'' میں نے کہا۔

گاڑی رکتے ہی میں ایک لاکھ بھات کی گڈی اپنی جیب میں اڑس کر ہوٹل کی حدود میں داخل ہو گیا۔ چاؤ فان تیزی سے آگے روانہ ہو گیا۔

میں اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچا تو دوسری دستک پر غزالہ نے اندر سے سوال کیا۔ میرا جواب سن کر اس نے مسکراہٹ کے ساتھ دروازہ کھولا تو مجھے اس مسکراہٹ کے پیچھے فکر و تشویش کے سائے منڈلاتے ہوئے محسوس ہوئے۔

میں بے تابی سے لپک کر کمرے میں داخل ہوا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے بازو تھام کر متوحش انداز میں پوچھا۔ ''کیا بات ہے...... تم خیریت سے تو ہو نا......؟ تمہارے چہرے سے پریشانی کیوں جھلک رہی ہے۔''

''اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ یہ بتائیں کہ ڈان سے آپ کی ملاقات کیسی رہی۔'' اس نے کسمسا کر اپنے بازو میری گرفت سے چھڑا لیے۔

''ملاقات بہت اچھی رہی۔ تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ یہاں کیا ہوا ہے!''

''آپ پہلے آرام سے بیٹھ کر جوتے وغیرہ اتاریں۔ کوئی گھبرانے والی بات نہیں ہے۔ آپ کے جانے کے بعد یہاں ایک لیڈی پولیس آفسر آئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر پہلے گئی ہے۔''

''یہاں پولیس کا کیا کام؟ وہ کیوں آئی تھی؟'' غزالہ سے وہ سوال کرتے ہوئے میں نے طائرانہ انداز میں کمرے کا جائزہ لیا تو میز پر چائے کی دو خالی پیالیاں اور ٹرے میں رکھے ہوئے چائے کے برتنوں کے سوا وہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔

''وہ آپ کے جانے کے دس منٹ بعد آئی تھی۔ یہ کارڈ دے کر گئی ہے۔'' غزالہ نے تپائی کے سرے پر رکھا ہوا سفید وزیٹنگ کارڈ اٹھا کر میری طرف بڑھا دیا۔

کارڈ کی تحریر تھائی زبان میں تھی۔ ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑ سکا۔ میں نے کارڈ کو پلٹ کر دیکھا۔ اس کی پشت سادہ تھی۔ میں نے کارڈ احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

''دروازے پر دستک ہوئی تو میں سمجھی کہ آپ لوٹ آئے ہیں۔ دروازہ کھولنے پر اس کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا۔ وہ سادہ کپڑوں میں تھی اور اندر آنے کی اجازت طلب کر رہی تھی۔ اس کی زبان سے پولیس کا نام سن کر میرا دل دہل گیا۔ میں نے اسے اندر بلانے سے پہلے ہوٹل کی انتظامیہ کے کسی فرد کو بلانے کا ارادہ کیا مگر پھر اسے اندر بلا لیا۔''

''تمہیں کسی کو بلا لینا چاہیے تھا۔ کارڈ پر پولیس کا مونوگرام نہیں ہے۔ وہ سادہ کپڑوں میں آئی تھی۔ یہ دونوں باتیں شک وشبے والی تھیں۔ میں نے مضطربانہ انداز میں کہا۔'' جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب جلدی سے بتا ڈالو کہ اس کی آمد کا کیا مدعا تھا۔''

''وہ بہت مہذب اور شائستہ عورت تھی۔ اس کا مختصر نام سامے تھا۔ وہ ہوٹل کے مہمانوں میں خوف و ہراس پھیل جانے کے اندیشے کی وجہ سے سرکاری وردی اتار کر عام کپڑوں میں ہمارے کمرے تک آئی تھی۔'' غزالہ دھیمے اور پرسکون لہجے میں بتانے لگی۔ ''کسی نے فون پر پولیس آفس کو اطلاع دی تھی کہ ہمارے کمرے میں مقیم جوڑا یعنی ہم دونوں ہیروئن کے اسمگلر ہیں اور اپنے ساتھ لایا ہوا مال مقامی مارکیٹ میں نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ فون گمنام تھا لیکن اطلاع اہم تھی پولیس ایسی فون کالز پر کوئی کارروائی نہیں کرتی۔ اطلاع کی اہمیت کی وجہ سے اس افسر کو ابتدائی چھان بین کے لیے بھیج دیا گیا تھا۔''

میں نہایت تجسس اور فکرمندی کے ساتھ وہ واقعہ سن رہا تھا۔ غزالہ کے خاموش ہوتے ہی میں نے اسے بے تابی سے لقمہ دیا ''جلدی سے پوری بات بتا ڈالو۔''

''مجھ سے ملنے کے بعد اسے یقین ہو گیا کہ وہ اطلاع غلط تھی۔ وہ میری بنکاک آمد کے مقصد اور تفریحی مقامات کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ مطمئن ہو کر شکایت کو بھول چکی ہے۔ میں نے اس کے لیے چائے منگوالی۔ چائے ختم کرنے کے بعد اس نے نہایت معذرت خواہانہ انداز میں کمرے اور سامان کی سرسری اور رسمی تلاشی لینے کی اجازت چاہی۔ ہماری گفتگو اتنی دوستانہ تھی کہ میں انکار نہیں کر سکی۔''

''یعنی ایک مشتبہ عورت یہاں آئی اور تلاشی لے کر چلی گئی۔''
میں نے تعجب سے کہا۔

''اس نے واقعی بہت سرسری تلاشی لی۔ مجھے اس ٹائم بم کی طرف سے شدید خطرہ تھا جو ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں رکھا ہوا تھا سامنے نے وہ دراز بھی کھولی اور بم والے تھیلے کو چھیڑے بغیر بند کردی۔ اسے کہیں کوئی مشتبہ چیز نہیں مل سکی۔''

اس نے تمہارا سوٹ کیس بھی کھلوایا ہوگا۔'' میں نے ناامیدی کے عالم میں پوچھا۔

''اس میں چند کپڑوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں نے وہ بھی دکھادیا۔''

''بیم گن کہاں گئی؟'' میں نے بے صبری سے سوال کیا۔

''وہ میں کل آپ کے ایک کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈال چکی تھی۔''

''تم نے رضاکارانہ طور پر اسے سب کچھ دکھادیا اور تمہیں شبہ نہیں ہوا کہ وہ کوئی فراڈ تھی۔''

''سچ پوچھیں تو جب تک وہ یہاں رہی، مجھے اس پر کوئی شبہ نہیں ہوا۔ اس کی زبان سے پولیس کا نام سن کر میں خوف زدہ ہوئی اور میرا رویہ مدافعانہ ہوگیا تھا۔ اسے آپ میرے دل کا چور یا کچھ بھی کہہ لیں، میں نروس ہوگئی تھی۔''

''وہ یہاں سے کوئی چیز اپنے ساتھ بھی لے گئی ہے؟'' میں نے غزالہ کی قابلِ فہم وضاحت کو دل ہی دل میں قبول کرتے ہوئے پوچھا۔

''ایک تنکا بھی نہیں لے گئی۔ تلاشی کے دوران میں وہ بار بار کہتی جارہی تھی کہ اسے پورا یقین ہے کہ ان لوگوں کو غلط اطلاع دی گئی ہے، کمرے میں کچھ نہیں ملے گا۔''

''تمہیں اندازہ ہوا کہ اسے یہاں کس چیز کی تلاش تھی!''

''بظاہر اسے ہیروئن کے سفوف سے بھری ہوئی تھیلیوں کی تلاش تھی۔ میں ڈر رہی تھی کہ کہیں ہمارے دشمن نے ہیروئن کے بہانے پولیس کو ہمارے پیچھے نہ لگایا ہو۔''

''اب صرف ایک دشمن ہے...... راجن! اور وہ ہمارے وجود سے بے خبر ہے۔ اصل بات تم نے خود مان لی ہے کہ تم نروس ہوگئی تھیں۔ آدمی کے اوسان قابو میں نہ رہیں تو سوچنا سمجھنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ وہ تمہاری اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر نکل گئی۔''

''اس کے جانے کے بعد مجھے بھی اپنی حماقت کا احساس ہوگیا تھا۔'' وہ واضح طور پر نادم نظر آرہی تھی۔ ''عورت کا رویہ پولیس والوں جیسا نہیں تھا۔ جب تک وہ میرے ساتھ رہی میں اسے اس کی نرمی سمجھ کر اطمینان کے سانس لیتی رہی۔''

''اس نے تمہیں رابطہ کرنے کے لیے کوئی فون نمبر تو دیا ہوگا۔''

''کارڈ پر اس کے دو فون نمبر موجود ہیں۔'' غزالہ نے بتایا۔

''میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ فون نمبر بلکہ پورا کارڈ جعلی ہوگا آنے سے پہلے اسے معلوم تھا کہ تم تھائی زبان سے ناواقف ہو۔'' اسے جواب دیتے ہوئے میں نے اپنی جیب میں سے وہ کارڈ نکال لیا جو ہم دونوں کے لیے یکسر ناقابلِ فہم تھا۔

''مجھ سے غلطی ہوگئی۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔'' میرے لب و لہجے میں تندی سے غزالہ کی پشیمانی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

اس کے چہرے کی اڑی اڑی رنگت اور خوف سے پھیلی ہوئی آنکھیں دیکھ کر مجھے اس پر ترس آنے لگا۔ اسے شرمندہ کرکے گزری ہوئی باتوں کو لوٹانا ناممکن تھا۔ میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ ''زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب جو کچھ ہوگا وہ دیکھ لیا جائے گا۔ تم اپنے ذہن کو اس بوجھ سے آزاد کرکے کوئی خاص بات یاد کرنے کی کوشش کرو تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ اس عورت کو بھیجنے والے کون تھے۔''

''یہ عجیب اتفاق ہے کہ وہ آپ کی غیر موجودگی میں یہاں آئی۔ آپ یہاں ہوتے تو شاید میں اتنی ہراساں نہ ہوتی۔''

اس کی زبان سے اپنی موجودگی اور غیر موجودگی کا ذکر سنتے ہی میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا اور میں نے اضطراب کے

عالم میں اپنی جگہ چھوڑ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ میں جب سے بنکاک آیا تھا ہوٹل سے دیر سے باہر نکلتا تھا۔ وہ کم وبیش میرا معمول تھا اس روز ڈان نے اچانک ہوٹل کے باہر آ کر مجھے قبل از وقت کمرے سے روانہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ کسی پروگرام کے بغیر، غیر متوقع طور پر آیا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ میری حوصلہ افزائی کے لیے خود میرے پاس چلا آئے گا۔

شاید چاؤ فان کو بھی پہلے سے علم نہیں رہا ہوگا کہ ڈان اس کے ساتھ میری طرف آئے گا۔ ڈان نے اسے بلایا اور وہ سیلرز بار پہنچ گیا۔ ڈان کو لے کر اپنی گاڑی میں ہلٹن ہوٹل کی طرف روانہ ہونے کے بعد چاؤ فان کے پاس اتنی مہلت نہیں تھی کہ وہ انجانے میں کسی سے اس سفر کی منزل کا تذکرہ کرتا۔

چاؤ فان کو صرف منزل کا علم ہو سکا۔ ڈان اسے زیادہ گھاس نہیں ڈالتا تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ دوران سفر، راستے میں ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی ہوگی۔ ہوٹل پہنچ کر کیا کرنا تھا۔ یہ صرف اور صرف ڈان کو معلوم تھا۔

ادھر ڈان اپنے معمول سے ہٹ کر مجھے اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ ادھر جعلی پولیس افسر میرے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئی۔ وہ دونوں واقعات اتفاقی نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کے درمیان کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ ڈان میری غیر معمولی کارکردگی سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ اس نے مسلسل میرے کام کی تعریفیں کی تھیں۔ تازہ ترین ملاقات میں اس نے مجھے ایک لاکھ بھات کے نقد انعام سے نوازا تھا مگر قرائن بتا رہے تھے کہ وہ میرے کام پر کوئی حرف گیری نہ کرنے کے باوجود میری طرف سے مطمئن نہیں تھا۔

پہلے اسے میرے فرار کا اندیشہ ہوا اور اس نے ہمارے پاسپورٹ ضبط کر لیے۔ وہ قصہ پوری طرح نمٹنے نہیں پایا تھا کہ جعلی پولیس افسر کا معاملہ سامنے آ گیا۔

مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ وہ ڈان کا پھیلایا ہوا جال تھا۔ اسے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ میں نے اس کے کسی آدمی کی مدد لیے بغیر موتی محل کے ناقابلِ تسخیر حفاظتی نظام کو تہس نہس کر کے وہاں ایک خون آشام دھما کا کرا دیا تھا۔

غالب امکان یہ تھا کہ ڈان نے اپنے تحفظات کے سلسلے میں چاؤ فان کو اعتماد میں نہیں لیا ہوگا۔ بنکاک میں میرے روابط کا سراغ لگانے کے لیے اس نے میرے اقامتی کمرے کی اچانک تلاشی کا منصوبہ بنایا اور مجھے ہوٹل سے نکال کر لے گیا۔

میرے بعد غزالہ کمرے میں رہ گئی تھی۔ وہاں کے جائزے کے لیے کوئی مرد آتا تو شاید وہ اسے کسی قیمت پر اندر نہ آنے دیتی۔ ڈان کے عملے یا معتقدوں میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل تھیں۔

گفٹ شاپ والی کے معاملے میں چاؤ فان نے مجھے بتا دیا تھا کہ ڈان کی ایک وفادار نے دل کھول کر اسے اپنے تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ ڈان نے ایسی ہی کسی عورت کو پولیس کے نام پر میرے کمرے کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا اور وہ عورت آسانی سے غزالہ کو ہراساں کر کے لوٹ گئی۔

اگر میرے وہ اندیشے درست تھے تو میں بہت خوفناک صورتِ حال سے دوچار ہو چکا تھا۔ میں بنکاک میں ڈان کا قیدی بن کر رہ گیا تھا۔ وہ چالاک شخص ایک طرف مجھے پچکار رہا تھا تو دوسرے طرف میری پس پردہ سرگرمیوں کا کھوج لگانے کے چکر میں پڑا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اسے کہیں سے میرے اصل عزائم کا موہوم سا سراغ بھی مل جاتا تو وہ میری گردن کٹوانے میں تاخیر نہ کرتا۔

اسی اثنا میں روم سروس کی ویٹرس کمرے سے خالی برتن لے جانے کے لیے آ گئی۔

میرا ذہن ان واقعات میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اسی وقت چاؤ فان کو فون کر کے طلب کروں اور اسے پورا قصہ سنا کر وہ وزیٹنگ کاڈ دکھاؤں تاکہ اس کے مندرجات کا علم ہو سکے۔

وہ واقعہ میرے لیے بہت سنگین تھا۔ اس پر چاؤ فان کا ردِعمل سامنے آنے کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا۔

ویٹرس خالی برتن سمیٹ کر پلٹی تھی کہ غزالہ بول پڑی۔ ”یہ مقامی عورت ہے۔ کارڈ کی تحریر اسے کیوں نہ دکھائی جائے!“

وہ بالکل سامنے کی بات تھی۔ ویٹرس بہت اچھی انگریزی بولتی تھی۔ چند روز کے قیام کے دوران میں ہمارا روم سروس کے تقریباً تمام عملے سے واسطہ پڑ چکا تھا اور میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہلٹن میں میزبانی کے فرائض انجام دینے کے لیے دوسری صلاحیتوں کے ساتھ انگریزی بولنی ضروری تھی..... خدوخال کے اعتبار سے ہوٹل کا بیشتر عملہ مقامی تھا۔

”مس! کیا تم ایک کام کر سکتی ہو!“ میں نے اسے آواز دے کر کہا۔ وہ دروازے کے قریب رک کر پلٹی اور پلکیں جھپکا کر میری طرف دیکھنے لگی۔

وہ منہ سے کچھ نہیں بولی۔ اس کے ہونٹوں پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی سیاہ آنکھیں استفسار طلب انداز میں

میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔
''یہ کارڈ پڑھ دو۔ میں تھائی زبان سے واقف نہیں ہوں۔''
میں نے کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے برتنوں کی ٹرے ایک کرسی پر ٹکائی اور میرے ہاتھ سے کارڈ لے کر، اس پر ایک سرسری نظر ڈال کر بولی۔ ''یہ کسی کانگ کیونگ مون کمپنی کا کارڈ ہے۔ نیچے کمپنی کا پتا فون اور فیکس نمبر لکھے ہوئے ہیں۔''

میری اور غزالہ کی نظریں چار ہوئیں، ہمارے شبہے کی تصدیق ہوگئی تھی۔
''اس پر کمپنی کے کس عہدے دار کا نام لکھا ہوا ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''کسی کا نام نہیں سر! یہ سادہ بزنس کارڈ ہے۔''
''کیا تم اس کمپنی سے واقف ہو؟'' میں نے سوال کیا۔
''نو سر!'' اس نے بے بسی سے اپنے سر کو جنبش دی۔'' شہر میں ہزاروں تجارتی اور کاروباری ادارے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی مدد نہیں کرسکتی۔ یہ فرم شہر کے مشہور کاروباری مرکز میں واقع ہے یہ کارڈ دیکھ کر ٹیکسی ڈرائیور آپ کو صحیح پتے پر پہنچا دے گا۔''
''میرا شبہ درست ثابت ہوا۔'' ویٹرس کے چلے جانے کے بعد میں نے کہا۔ ''یہ فضول کارڈ ہے جو کہیں سے اس کے ہاتھ لگا ہوگا۔ اس کا سامے کی ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''
''اب کیا کیا جائے؟'' غزالہ پریشانی کے عالم میں بولی۔
''مجھے بالکل اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ عورت یہاں کیا دیکھنے کے لئے آئی تھی۔ کوئی ہمارے پیچھے لگ گیا ہے۔ اب ہم یہاں محفوظ نہیں ہیں ہمیں چاؤفان کو اعتماد میں لے کر ہوٹل بدل لینا چاہیے۔''
''مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی تیسرا آدمی نہیں ہے۔ عورت ڈان کی طرف سے آئی تھی۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''ڈان نے عورت کا کام آسان کرنے کے لیے مجھے یہاں سے ہٹایا تھا۔ مجھے اس کو چھوڑنے کے لیے سیلرز بار جانا اور وہاں سے آنا پڑا۔ وہ چاہتا تو مجھے وہیں بلا سکتا تھا۔ اس بہانے سے اس نے اپنی بھیجی ہوئی عورت کو اتنا وقت دے دیا کہ وہ اطمینان سے اپنا کام پورا کرسکے۔''
ڈان کی ذات پر وہ سنگین الزام غزالہ آسانی سے قبول نہیں کرسکی۔ اس نے پے در پے تنقیدی سوالات کا سلسلہ شروع کردیا۔ میں اس بارے میں پہلے ہی خاصی مغز زنی کر چکا تھا۔ میں اسے تسلی بخش جوابات دیتا چلا گیا اور وہ رفتہ رفتہ میری ہم نوا ہوگئی۔

''آپ ہی وہ خاتون ہیں...... جنہوں نے شکایت کی تھی کہ ان کی پلیٹ میں بھنے ہوئے گوشت پر بال نظر آرہے ہیں؟''

''میں ڈان سے نہیں ملی لیکن آپ نے میرے ذہن میں اس کی جو تصویر بنائی ہے، وہ اس حرکت سے میل نہیں کھاتی۔ میرے خیال میں اسے کھرا آدمی ہونا چاہیے۔ اسے آپ پر کوئی شک ہے تو وہ آپ سے کھل کر بات کیوں نہیں کرتا؟''
''یہ اس کی مجبوری ہے۔ وہ میرے ہاتھ سے راجن کا خاتمہ کرانے کا خواب دیکھ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''چوری چھپے میرے خلاف چھان بین کر رہا ہے۔ اسے اندیشہ ہوگا کہ اس نے مجھ سے براہِ راست کوئی پوچھ گچھ کی تو میں بھڑک جاؤں گا۔''
''اب آپ کیا کریں گے؟'' اس نے الجھن آمیز انداز میں سوال کیا۔
''خاموش رہنا خطرناک ہوگا۔'' میں نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا۔ ''ڈان سمجھ جائے گا کہ ہمارے دل میں کوئی چور ہے۔ میں پرزور انداز میں اس سے شکایت کروں گا۔''
''کیا یہ عجیب بات نہیں ہوگی کہ اس سے اسی کی شکایت کی جائے؟''
''میں اسے اپنے شبہات سے آگاہ نہیں کروں گا۔ میری شکایت کسی نامعلوم حریف کے خلاف ہوگی۔''
واقعہ تازہ تھا۔ شکایت کرنے میں تاخیر مناسب نہیں تھی۔

میں نے چاؤ فان کو درمیان میں لانے کا ارادہ ترک کر کے براہِ راست ڈان سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

موبائل فون پر گھنٹی بجتے ہی وہ لائن پر آ گیا۔

وہ اس کے لیے میری پہلی فون کال تھی۔ جو غیر متوقع طور پر کی جا رہی تھی۔ اس نے اکھڑ اور غراتی ہوئی آواز میں کچھ کہا جو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ شاید اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا تھا۔

''ڈان! میں علی بول رہا ہوں۔'' اس کے خاموش ہونے پر میں نے رسانیت سے کہا۔

''اوہ! بولو، کیا بات ہے؟'' اس بار ڈان نے انگریزی میں جواب دیا۔ میری آواز سن کر اس کا لب ولہجہ نرم ہو گیا تھا۔

''آج غضب ہو گیا۔ تم مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ پیچھے سے ایک بدمعاش عورت، پولیس والی بن کر میرے کمرے میں گھس آئی اور میری بیوی کو دھمکا کر، سامان اور کمرے کی تلاشی لے کر چلی گئی۔'' میں ایک سانس میں کہتا چلا گیا۔

''کیا وہ تمہارے کمرے سے کوئی چیز چرا کر بھی لے گئی ہے؟'' ڈان نے پرسکون لہجے میں دریافت کیا۔ اس نے میری شکایت پر کسی خاص ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔

''ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ میری بیوی کی نظریں بچا کر کچھ لے گئی ہو۔ سامان کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد پتا چل سکے گا کہ کیا کیا غائب ہے۔''

''واقعہ افسوسناک ہے لیکن تمہیں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں......''

''ڈان! میں بہت پریشان ہوں۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''وہ کون تھی...... کس مقصد سے آئی تھی...... اسے کس نے بھیجا تھا؟ ان سوالوں نے مجھے بے چین کیا ہوا ہے۔''

''تم صرف میرے دشمن پر نگاہ رکھو۔ تمہارے ان سب مسائل کے ذمے داری مجھ پر ہے۔ میں تم کو پورا تحفظ فراہم کروں گا۔ اپنا سامان چیک کر کے مجھے بتاؤ کہ وہ کچھ لے تو نہیں گئی۔ کوئی چیز غائب ہے تو وہ تمہیں شام سے پہلے واپس مل جائے گی۔''

ڈان کا جواب واضح نہیں تھا لیکن ذومعنی تھی۔ میری کسی بھی گم شدہ چیز کے واپس دلوانے کا وعدہ کر کے اس نے میرے شبہے کو تقویت دی تھی۔

چاؤ فان کا اس سے دم نکلتا تھا مگر میری بات مختلف تھی۔ وہ کتنا ہی سفاک اور خون خوار رہا ہو میں نے اس کی انا سے کھیل کر اسے اس حد تک اپنی مٹھی میں لے لیا تھا کہ وہ میری کسی دوٹوک بات کا برا نہیں مناتا تھا۔ وہ گول مول باتیں کر کے مجھے ٹالنا چاہ رہا تھا۔ میں نے تہیہ کرلیا کہ اس سے سچ اگلوا کر رہوں گا۔

میں نے کہا۔ ''ڈان......! یہ لاکھوں کی آبادی کا شہر ہے، تم اس بدمعاش عورت کو کہاں ڈھونڈو گے؟ مجھے اس کا سراغ بتاؤ یا اپنے شبہے سے آگاہ کرو۔ میں خود اس کی آنتیں نکال کر سیلرز بار پہنچا دوں گا، میں اپنے دشمنوں کا لہو پی جانے کا عادی ہوں۔''

''اس چھوٹے سے معاملے پر اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میرے سخت جواب پر اس نے ہلکے سے تادیبی لہجے میں کہا۔ ''جب میں نے کہہ دیا ہے تو اسے میں دیکھ لوں گا۔''

''تمہارے ذہن میں کوئی خیال سر ابھار رہا ہے تو مجھے بھی اس میں شریک کرلو!''

''علی......! تم بہت ضدی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ سامے نے تمہارے سامان میں سے کوئی چیز نہیں اٹھائی ہوگی۔ وہ آئی اور چلی گئی۔ تم کو اسے بھول جانا چاہیے۔''

''اوہ......! تم اس کا نام بھی جانتے ہو!'' میں نے تحیرزدہ لہجے میں کہا۔

''میں بلاوجہ کوئی بات نہیں کہتا۔'' اس کی تحکمانہ آواز سرد ہو گئی۔ ''یہاں کس کی مجال ہے جو اس طرح تمہارے کمرے میں گھس سکے۔ سامے کو میں نے بھیجا تھا!''

ڈان کے وہ الفاظ سن کر میں سناٹے میں آ گیا۔ آخر کار میرا شبہ درست ثابت ہوا تھا۔

''مگر کیوں؟'' میں نے دبے لہجے میں احتجاج کیا۔ ''اس نے میری بیوی پر ہیروئن کی اسمگلنگ کا گھناؤنا الزام لگایا تھا...... اس کی کیا ضرورت تھی۔''

''اپنی ضرورتوں کو میں تم سے بہتر سمجھتا ہوں۔'' ڈان نے روکھے لہجے میں جواب دیا۔ ''تم بہت دلیر اور بے خوف جوان ہو میں تمہاری قدر کرتا ہوں۔ یہ اچھا ہوا کہ تم نے مجھ سے سامے کی شکایت کردی۔ خاموش رہتے تو مجھے کوئی دکھ دینے والا فیصلہ کرنا پڑ جاتا۔ اب سب ٹھیک ہے۔''

فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ میں ڈان کو کیا جواب دوں۔ ایک طرف وہ میرا مربی اور سرپرست بنا ہوا تھا۔ دوسری طرف میرے خلاف عجیب وغریب سازشیں کر رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے ایک لاکھ بھات کی گڈی کا انعام دے رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے سامے کو میرے کمرے میں گھسنے کے اشارے دے رہا تھا۔ اس کے دل میں کیا تھا۔ میرے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہو گیا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤ داور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ نک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمٰی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی ذہانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن فور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چارلی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈبل کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف سوبھراج کے گرگے جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جہانگیر زیادہ دیر ان کی قید میں نہیں رہ سکا اور ایس ٹی ایف کی مدد سے ہم نے بہت جلد اسے بازیاب کرا لیا۔ اسی اثنا میں میری ملاقات سوبھراج سے ہوئی اور اس نے بتایا کہ گرین کوبرا فائل اس کے قبضے میں تھی اور وہ اسے اپنے تحفظ کی ضمانت قرار دے رہا تھا۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکراتا رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا سامان پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز یکے بعد دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر ٹام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور ٹام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش وخروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کوبرا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تنہائی

لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کر رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلاتوقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ٹاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے مخدوش ہو گیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کر لی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کر سکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے ٹام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کر لی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے تھے۔ ان حالات میں جلال اور اول خان دونوں نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ حیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہوئی۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ ہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤفان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤفان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی راشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ ساسے نامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ ساسے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔

اب آپ قسط نمبر 249 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

''ڈان! تمہاری باتیں بہت عجیب و غریب ہیں۔'' میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر ماؤتھ پیس میں، تھکی ہوئی آواز میں کہا ''مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔''

''زیادہ سوچنے میں یہی خرابی ہوتی ہے۔'' ڈان کی طرف سے خشک لہجے میں جواب آیا ''آدمی کو اپنی بساط سے بڑھ کر نہیں سوچنا چاہیے۔ جب میں نے تم سے کہہ دیا کہ ساسے کو میں نے تمہارے کمرے میں بھیجا تھا، وہ کسی کی جاسوسہ نہیں تھی تو تم کو وہ قصّہ بھول جانا چاہیے۔''

''ڈان! میں کوئی روبوٹ نہیں ہوں۔'' میں نے لجلجائی ہوئی آواز میں التجا کی ''جس وقت تم میری کارکردگی پر خوش ہو کر، چاؤفان کی گاڑی میں مجھے ایک لاکھ بھات کے نوٹوں کی گڈی انعام میں دے رہے تھے، شاید عین اسی وقت ساسے میری بیوی پر ہیروئن کی اسمگلنگ میں ملوث ہونے کا الزام لگا رہی تھی۔ یہ تضاد میری سمجھ سے باہر ہے۔''

''کوئی تضاد نہیں ہے۔'' ڈان نے کسی جھجک کے بغیر فوری طور پر جواب دیا ''تم نے اپنی کامیابیوں سے مجھے حیران کر دیا ہے۔ میں نے دنیا دیکھی ہے لیکن آج تک تم جیسے کسی اور آدمی سے ملنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ یہ بات مجھے الجھا رہی تھی کہ باہر سے آیا ہوا ایک بے سروسامان پردیسی، چھوٹا راجن کو کیسے ناک چنے چبوا سکتا ہے۔ چاؤفان سے جب بات کرتا ہوں، وہ تمہارے قصیدے پڑھنے لگتا ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ موتی محل میں ہونے والے دھماکے نے مجھے تمہاری طرف سے شبہے میں ڈال دیا تھا اور میں نے تمہیں آزمانے کا ارادہ کر لیا۔ کچھ چالاک لوگ تمہارے ساتھی ہوتے تو ساسے ان کے ہاتھوں ماری جاتی۔ اسے میں نے چارا بنایا تھا۔ وہ تمہاری بیوی سے چھیڑ چھاڑ کر کے، صحیح سلامت لوٹ آئی۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھ سے اس واقعے کا بلاتاخیر ذکر کر دیا۔ تم خاموش رہتے تو میرا ذہن صاف نہ ہوتا۔''

''تو یوں کہو کہ تم میرا امتحان لے رہے تھے!'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

''تم جو چاہو سمجھتے رہو، میں نے تمہیں حقیقت بتا دی ہے۔''

''یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''اب اسے ختم ہی سمجھو۔ تمہارا دامن بے داغ ہے۔ تم اکیلے رہ کر بھی وہ سب کر سکتے ہو جو چاؤفان جیسے پچاس آدمی

مل کر نہیں کر سکتے۔''
''تم اس کی تذلیل کر رہے ہو۔''
''سچ صرف سچ ہوتا ہے۔ اس سے کسی کی تذلیل ہوتی ہے نہ توہین۔ میں بتا چکا ہوں کہ وہ دل سے تمہارا گرویدہ ہو چکا ہے۔ اس موازنے کا وہ بھی برا نہیں مانے گا۔''
''تم نے مجھے ہوشیار کر دیا ہے۔ مجھے اپنی رفتار دھیمی کرنا ہوگی۔'' میں نے پرخیال انداز میں کہا ''پھر کوئی بڑی کامیابی حاصل ہوگئی تو تمہیں شبہ ہوگا کہ کچھ نامعلوم آدمی میرا ساتھ دے رہے ہیں۔ کوئی نیا امتحان میرا مقدر بن جائے گا۔''
''شٹ اَپ!'' ڈان کی آواز میں تحکم کے بجائے محبت تھی ''بعض لوگوں کو قدرت بہت زیادہ حوصلہ عطا کرتی ہے۔ وہ اپنی راہ میں آنے والی کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اب میں نے سمجھ لیا ہے کہ تمہارا شمار انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔''
''لیکن اب بھی تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے۔'' میں نے موقع پا کر چٹکی لی۔
''یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟'' ڈان نے کسی برہمی کے بغیر پوچھا۔
''تم نے ہمارے پاسپورٹ روکے ہوئے ہیں۔'' میں نے بے دھڑک ہو کر کہہ دیا ''تمہیں اندیشہ ہے کہ میں خاموشی سے بنکاک بلکہ تھائی لینڈ سے میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا۔ ہلٹن ہوٹل چھوڑنے کا واقعہ بہت سیدھا سا تھا مگر وہ تمہارے دماغ میں جم کر رہ گیا ہے۔''
اس وقت میں نے پہلی مرتبہ اس موضوع پر ڈان سے کھل کر بات کی تھی۔ اس سے پہلے میں چاؤ فان سے جو کچھ کہتا رہا' وہ پوری طرح ڈان کے کانوں تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ چاؤ فان نے اس سے اتنی وضاحت ضرور کر دی تھی کہ ہوٹل بدلنے کا ابتدائی مشورہ اسی کا تھا۔
ڈان نے فوری طور پر میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھایا رہا پھر ڈان کی بھاری اور تفکر آمیز آواز سنائی دی ''میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم جیسا شیر دل آدمی میدان چھوڑ کر بھاگے گا۔ تم گہری باتیں کرتے ہو' دوسروں کی کہی ہوئی باتوں کے بھی گہرے معانی نکالتے ہو۔ میں اپنی مجبوریوں کی وجہ سے پسِ پردہ رہنے پر مجبور ہوں' تمہارا واسطہ چاؤ فان سے ہے۔ اس میں بہت سی خوبیاں ہیں مگر ایک خرابی بھی ہے۔ وہ سطحی سوچ والا آدمی ہے۔ جو کچھ اس کے دماغ میں آتا ہے' وہ بک دیتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں اس وقت سے جب اس کی کہی ہوئی کوئی بات تمہیں بری لگ جائے اور تم خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤ۔''
اس طویل وضاحت کے بعد ڈان لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''یہ لڑائی تم نے چھیڑی ہے' چھوٹا راجن کے پاؤں کسی بھی وقت اکھڑ سکتے ہیں۔ اس نے پیٹھ نہ دکھائی تو وہ جلد ہی تمہارے ہاتھوں مارا جائے گا۔ یہ نوشتہ دیوار مجھے صاف نظر آ رہا ہے۔ میں یہ نہیں چاہوں گا کہ چاؤ فان کی کسی حماقت کی وجہ سے میں جیتی ہوئی یہ بازی ہار جاؤں۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میرے دل کی تسلی کے لیے صورتِ حال کو جوں کا توں رہنے دو۔''
ڈان جیسے انا پرست کی زبان سے نکلے ہوئے ان الفاظ کو مسترد کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ گفتگو براہِ راست ہم دونوں کے درمیان ہو رہی تھی' بیچ میں چاؤ فان یا کسی اور کا دخل نہیں تھا۔ اس لیے ڈان تقریباً خوشامد کی حد تک آ گیا تھا۔ میں نے عارضی طور پر پاسپورٹوں کو بھول جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا ''یہ صرف تمہاری نہیں' میری بھی جنگ ہے۔ میں چاؤ فان یا کسی اور کی کسی بے وقوفی کی وجہ سے اس سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ میں چھوٹا راجن کو فنا کرنے کے لیے پاکستان سے یہاں آیا ہوں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ یہاں میں تم سے ٹکرا گیا۔ تم نہ ملے ہوتے تو میں تنہا اس خبیث کو اس کے کیفرِ کردار کو پہنچاتا یا خود بھی یہیں پیوندِ زمین ہو جاتا۔''
''گڈ! میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ہوں۔ امید ہے کہ تم میری مجبوری سمجھ گئے ہو گے۔ اب ہم دوبارہ اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔''
''اب تم میری زبان سے پاسپورٹوں کا ذکر نہیں سنو گے۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔
ڈان نے فون بند کر دیا۔ میں نے بے دلی سے لائن منقطع کر کے اپنا موبائل فون مسہری کے سرہانے رکھ دیا۔
میری دانست میں وہ گفتگو رائیگاں گئی تھی۔ میں ڈان سے اپنی بات منوانے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ صرف اتنا فرق پڑا تھا کہ میری زبان سے سامے نامی لڑکی یا عورت کی شکایت سن کر ڈان کو میری نیت اور ارادوں پر کامل یقین آ گیا تھا۔
اس وقت تک جو کچھ ہوا' وہ بس ہوتا چلا آیا تھا۔ میری کوششوں کے ساتھ کچھ غیبی عوامل بھی کارفرما تھے جن کے نتیجے میں سوبھراج جیسے فتنے سے ناقابلِ یقین انداز میں چھٹکارا حاصل ہو چکا تھا۔ میں نے ڈان اور چاؤ فان کی بے خبری کا فائدہ اٹھا کر' موتی محل میں ہونے والے دھماکے کا کریڈٹ

کسی نہ کسی طرح قبول کر ہی لیا تھا۔ اس بارے میں اصل حقیقت کا مجھے خود بھی علم نہیں تھا۔ حالات کی روشنی میں' میں نے امریکیوں کے ملوث ہونے کا جو نظریہ اپنایا تھا' وہ میرے اندازے سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھا۔ مجھے اس بارے میں تگ و دو کرنا تھی تاکہ راجن کا تیسرا دشمن میری نگاہوں میں آ جائے اور میں اس سے کوئی گٹھ جوڑ کر کے راجن کا کام تمام کر سکوں۔

قرائن یہ بتا رہے تھے کہ مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی راجن سے پنجہ آزمائی کرنا پڑے گی۔ اس کانٹے کو راہ سے ہٹائے بغیر' ڈان سے پاسپورٹوں کی بازیابی ناممکن نظر آ رہی تھی۔

ان پاسپورٹوں کو بھول کر میں صرف پاکستان کی طرف واپسی کا سفر اختیار کر سکتا تھا۔ وہاں سے آنے والی خبریں حوصلہ افزا نہیں تھیں۔

دشمن تو ایک طرف تھے' حالات کچھ اس نہج پر چل پڑے تھے کہ ٹیبر دل بے دباؤ میں آ کر اپنوں نے بھی میرا کھوج لگانا شروع کر دیا تھا۔ میرے ذمے دار ہمدردوں کا کہنا تھا کہ میری تلاش کی وہ مہم رسمی تھی جو کاغذوں کا پیٹ بھرنے کے لیے جاری تھی لیکن کون کس کے ذہن کو پڑھ سکتا ہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ باتیں میری اشک شوئی کے لیے کہی جا رہی تھیں۔

میرے اندرونِ خانہ کردار سے وہی لوگ واقف تھے جو مجھ سے بہت قریب تھے۔ عام سرکاری اہلکاروں اور لوگوں کو تصویر کا وہی رخ معلوم تھا جس کی تشہیر کی جا رہی تھی۔ بے خبری کے باعث پاکستان کا کوئی بھی عام شہری میرے لیے ایک سنگین خطرہ بن سکتا تھا۔ ایسی صورت احوال میں میرے لیے اپنے ملک کا رخ کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا۔

بنکاک سے کسی اور ملک کا رخ کرنے کے لیے پاسپورٹوں کا حصول ناگزیر تھا جن پر جلال کی پیش بینی کے سبب کئی ملکوں کے ویزے لگے ہوئے تھے۔ ڈان سے فون پر ہونے والی تازہ ترین گفتگو کے نتیجے میں میری ہر خوش گمانی دور ہو چکی تھی۔ ڈان نے واضح کر دیا تھا کہ ہمارے پاسپورٹوں کی واپسی' راجن کے انجام سے مشروط ہو چکی تھی۔

میں بنکاک میں رک کر کسی نئے بکھیڑے میں الجھنے سے گریز کرنا چاہ رہا تھا۔ جلال اور اول خان نے مجھے پاکستان کے مخدوش حالات کی بنا پر روپوشی اختیار کرنے کے لیے بنکاک بھیجا تھا۔ میں نے اپنی دانست میں سوبھراج کو اپنا ہدف بنایا ہوا تھا۔ یہ اس کی بدنصیبی یا میری خوش نصیبی تھی کہ وہ ہر طرف سے ہراساں ہونے کے بعد وہیں آ پہنچا اور لوپ بوری کے جنگل میں خاموشی کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

وہ ہدف حاصل کر لینے کے بعد میرا بنکاک میں رکنا بے سود تھا۔

وہ میری ذاتی رائے تھی جس سے ڈان کا متفق ہونا ضروری نہیں تھا۔ میں سوبھراج کے خون کا پیاسا تھا' اسے راجن سے نفرت تھی۔ اس کا تعاون حاصل کرنے کے لیے میں نے اس کی اسی نفرت سے فائدہ اٹھایا تھا۔ اب مجھے ناچار' راجن کے خلاف کچھ نہ کچھ کرنا تھا تاکہ ڈان کی تسلی ہو سکے اور ہمیں بنکاک سے کہیں اور روانگی کا پروانہ مل سکے۔

اس بارے میں غزالہ کے ذہن میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ اس نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ میں ڈان سے تصادم کی راہ اختیار کر کے کچھ بھی حاصل نہ کر سکوں گا۔ وہی توانائی راجن کے خلاف استعمال کر کے میں ڈان کا دل جیت سکتا تھا۔

فیصلہ ہو گیا لیکن مجھے فوری طور پر کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔

راجن کوئی آسان شکار نہیں تھا۔ بنکاک میں اس کی رہائش گاہ کسی قلعے سے کم نہیں تھی۔ وہاں کے حفاظتی حصار کو توڑ کر اندر گھسنا ناممکنات میں سے تھا۔ مجھے یقین تھا کہ باہر کے کسی آدمی نے موتی محل میں گھس کر دھما کا نہیں کیا ہوگا' امریکیوں نے اندر افراتفری کی صورتِ حال پیدا کرنے کے لیے اندر ہی کے کسی آدمی کو استعمال کیا ہوگا۔ ڈان کو بھی معلوم تھا کہ موتی محل کے دفاعی حصار میں دراڑ ڈالنا آسان نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ راجن دو سال سے اس کے سینے پر مونگ دل رہا تھا۔ اس نے بتدریج طاقت حاصل کر کے' زیرِ زمین دنیا میں اقتدار کا خلا پر کیا تھا۔ ڈان کی چھوڑی ہوئی جگہ پر قابض ہونے کے بعد وہ مزید مستحکم ہو گیا تھا۔

گھر میں گھس کر اسے مارنے کا خیال احمقانہ تھا۔ وہ باہر نکلتا تھا تو اس کے بھارتی نژاد' مسلح محافظ اسے اپنی گھیرے میں لیے رہتے تھے۔ مسلح لڑاکا افراد کے ایک جتھے کے بغیر' اس پر وار کرنا مشکل تھا۔ ایسی ہر کوشش کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر خون ریزی ناگزیر ہوتی۔ لے دے کر راجن کے کاروباری اڈے ہی رہ جاتے تھے جنہیں آسانی سے نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔

گولڈن ڈریگن اور دیگر ٹھکانوں کے واقعات پرانے نہیں تھے۔ ان کو بار بار نشانہ بنا کر راجن کے گھناؤنے کاروبار کو تباہ کیا جا سکتا تھا لیکن ذاتی طور پر اسے کوئی جسمانی نقصان پہنچانا مشکل تھا۔ وہ باقاعدگی سے اپنے کسی ٹھکانے پر نہیں بیٹھتا تھا۔ دن میں کسی بھی وقت' اپنے مسلح چیلوں کے حصار میں وہاں آتا اور چلا جاتا تھا۔

میں ان ٹھکانوں پر بے معنی کشت وخون کے حق میں نہیں تھا۔ ایک اچھی بات یہ تھی کہ راجن سے لڑائی میں ڈان بھی بے گناہوں کے خون سے دامن آلودہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ دشمن میرے سامنے تھا، میں اس پر حملہ نہیں کرسکتا تھا۔

اس ادھیڑ بن میں غزالہ کے ساتھ بحث اور تبادلہ خیال کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران میں اچانک مجھے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا خیال آیا۔

سوبھراج اسے اپنی جان کی طرح عزیز رکھتا تھا۔ کئی مواقع پر اچانک فرار ہوتے ہوئے بھی اس نے سیٹ لائٹ فون کو اپنے ساتھ لے جانے کا دھیان رکھا تھا۔ اس مواصلاتی آلے کے ذریعے وہ دنیا کے ہر گوشے میں دوسروں سے رابطے میں رہ سکتا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ موتی محل سے لوپ بوری کی طرف جاتے ہوئے وہ اسے ساتھ لے جانا نہیں بھولا ہوگا۔ ریسٹ ہاؤس سے اسے یکا یک بھاگنا پڑا۔ وہاں موت اس کے سر پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے پاس اتنی مہلت نہیں تھی کہ وہ اپنا سیٹ لائٹ فون اپنے ساتھ لیتا۔ اس کی عبرت اثر لاش کے قریب ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی تھی جس سے یہ شبہ ہوتا کہ اپنی زندگی کے آخری فرار میں سیٹ لائٹ فون اس کے ساتھ تھا۔

سوبھراج کی موت کے بعد وہ اپرٹیس پولیس یا پھر راجن کی تحویل میں ہونا چاہیے تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ راجن کے گرگوں نے اپرٹیس ریسٹ ہاؤس سے اڑا لیا ہو۔ وہ مل جاتا تو پولیس کو تفتیش کے نتیجے میں یہ سراغ مل سکتا تھا کہ مرنے والا شرما نہیں، سوبھراج تھا۔

لوپ بوری کے مضافاتی جنگل سے ملنے والی لاش کے بارے میں کہیں سے یہ خبر نہیں آئی تھی کہ متوفی کی شناخت پر شبہ کیا جارہا ہے۔ اسے راجن کے بیان کے مطابق شرما تسلیم کرلیا گیا تھا۔ اس سے ثابت ہورہا تھا کہ سیٹ لائٹ فون راجن کے قبضے میں تھا۔

میرے پاس اس کے دوسرے نمبر بھی موجود تھے جن پر اس سے رابطہ کیا جاسکتا تھا لیکن سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون پر رابطہ بہت معنی خیز ہوتا۔ اگر وہ میری کال وصول کرلیتا تو میں اسے یہ دھمکی دے سکتا تھا کہ میں اس کے جھوٹ سے باخبر ہوں۔ اس نے امریکیوں سے جھوٹ بول کر سوبھراج کو موتی محل سے نکالا، وہ مارا گیا تو اس نے سوبھراج کو شرما قرار دے کر اپنے پہلے جھوٹ کو چھپانے کی کوشش کی۔

یہ نکتہ ایسا تھا کہ اس سے کوئی نئی راہ نکل سکتی تھی۔ اس بارے میں، میں نے سرسری طور پر اسد سے بات بھی کی تھی مگر میرے بڑھتے ہوئے ذہنی خلفشار کی وجہ سے وہ بات ادھوری رہ گئی تھی۔ اس وقت بھی میرا یہی خیال تھا کہ مجھے ایک بار سیٹ لائٹ فون کا نمبر ملا کر آزمانا چاہیے کہ دوسری طرف سے کون لائن پر آتا ہے۔

وہ ایک بے ضرر سی تجویز تھی جس سے کوئی نئی راہ کھلنے کی امید نظر آرہی تھی۔ اس فون پر راجن سے رابطہ قائم کرنے میں ناکامی ہوتی تو ہمیں کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ وہ غزالہ کی سوچی سمجھی رائے تھی۔ اس نے بہت ہوشیاری کے ساتھ اس معاملے کو دو فقروں میں سمیٹ دیا تھا۔ میں نے اسی وقت طبع آزمائی کرنے کا ارادہ کرلیا۔

اس وقت بنکاک میں شام نہیں ڈھلی تھی۔ کمرے کی کھڑکی سے باہر، فضا میں اجالا پھیلا ہوا تھا۔ سہ پہر کو آرام کے عادی امیرزادوں اور نو دولتیوں کے لیے وہ فرصت کا وقت تھا۔ میں نے غزالہ سے مشورہ کر کے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا نمبر ملالیا۔

جب ابتدائی گھنٹیوں پر کوئی جواب نہیں ملا تو میرے اس یقین میں پختگی آگئی کہ وہ فون پولیس کی تحویل میں نہیں تھا۔ پولیس اس پر قابض ہوتی تو کسی نئے شکار کے پھنسنے کی امید پر، پہلی گھنٹی پر فون اٹھالیا جاتا۔ رابطے میں تاخیر سے ظاہر ہورہا تھا کہ سوبھراج کے فون میں بجنے والی، بے وقت کی گھنٹیوں نے دوسرے آدمی کو پریشان کردیا تھا۔

میں نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ ساتویں گھنٹی پر دوسری طرف لمحہ بھر کے لیے سکوت ہوا پھر ایک دبی دبی اور تفکر آمیز مردانہ غراہٹ سنائی دی ''کون ہے؟''

میرے کانوں کے لیے راجن کی آواز اجنبی نہیں رہی تھی۔ بولنے والے کی آواز اس سے مختلف تھی۔ میں نے نرمی سے کہا ''فون راجن کو دے دو۔''

''استاد! تمہارے بارے میں پوچھ رہا ہے!'' میرے کانوں میں وہی آواز، ذرا مدھم ہوکر آئی۔ میرے غیر متوقع فون نے ان لوگوں کو اتنا بوکھلا دیا تھا کہ اس نے اپنے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر شاید راجن کو میرے پیغام سے آگاہ کیا تھا۔

''بول! کیا کام ہے؟'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد راجن کی آواز آئی۔

''بدتمیزی میں، میں تمہیں بری طرح ہرا سکتا ہوں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم ڈھنگ سے بات کرو۔'' میں نے اپنے لہجے کی نرمی برقرار رکھی۔

''اپنے ممبئی میں سب ایسا ہی چلتا ہے۔ تو بولتا ہے تو اپن خیال رکھے گا۔'' جواب دیتے ہوئے وہ اپنے بے ساختہ انداز پر قابو نہیں رکھ سکا ''تم کون بولتا ہے؟''

اسے اپنے سیٹ پر نمودار ہونے والے نمبر سے میرے بارے میں علم ہو چکا تھا مگر وہ انجان بن رہا تھا۔ میں نے کہا ''میں ڈینی بول رہا ہوں۔''

''میرے کو معلوم ہے۔ میں تم کو آزما رہا تھا۔ تم کدھر ہو؟'' اس بار وہ محتاط رہا۔

''میں بنکاک آ چکا ہوں۔ تم سے کچھ حساب کتاب کرنا ہے۔'' میں نے ذو معنی لہجے میں کہا ''تم نے یہ کال سن کر اچھا نہیں کیا۔ مجھے سب کچھ پہلے سے معلوم تھا۔ فون سن کر تم نے ثابت کر دیا ہے کہ سوبھراج' شرما کے نام سے نرگباش ہو چکا ہے اور اس کا فون اب تمہارے استعمال میں آ رہا ہے۔''

''تم بکواس کر رہے ہو۔ مرنے والا نرائن پرشاد شرما تھا۔ سوبھراج نے یورپ جاتے ہوئے یہ فون میرے پاس رکھوایا ہے۔''

''وہ یہاں سے اچانک یورپ کیوں چلا گیا' پیارے؟''

''اپنے معاملات وہ خود جانتا ہے۔'' اس بار راجن کی آواز میں ہلکی سی برہمی نمایاں تھی ''تمہیں معلوم ہے کہ اسے کئی لوگوں سے اپنی جان کا خطرہ تھا۔''

''مجھ سے زیادہ یہ بات تم جانتے ہو کہ وہ ایف بی آئی والوں سے بری طرح خوف زدہ تھا۔'' میں نے پرسکون لہجے میں کہا ''انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ سوبھراج کو تم نے یورپ بھیجا ہے تو وہ ہر قیمت پر تم سے اس کا یورپ کا پتا جاننا چاہیں گے۔''

''کک ...... کیوں!'' میری بات سن کر وہ بوکھلا گیا ''میں اس کا ٹھیکے دار نہیں ہوں۔ وہ اپنی مرضی کا مالک تھا۔ جدھر منہ اٹھا' اسی طرف چل دیا۔''

''اس کے لیے تم ماضی کا صیغہ استعمال کر رہے ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اس کی بچی ہوئی ہڈیوں کے ٹیسٹ سے یہ بات ثابت ہو جائے گی۔''

''تم خود اس کی جان کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ اب تمہیں اس کی فکر کیوں ہو رہی ہے؟''

''اس کے بعد اب مجھے تمہاری فکر ہے' اس لیے میں یہاں آیا ہوں۔ مان لو کہ اب سوبھراج زندہ نہیں ہے۔ تمہارے ڈرائیور کو مار کر میرے آدمی نے اسے لوپ بوری کے گیسٹ ہاؤس میں گھیر لیا تھا۔ وہ وہاں سے نہ بھاگا ہوتا تو اتنے برے انجام سے دو چار نہ ہوتا۔ بھیڑیے کسی برے سے برے انسان سے بھی بدتر اور زیادہ خود غرض ہوتے ہیں۔''

''تم مجھے یہ سب کیوں سنا رہے ہو؟'' اس کی آواز سے ہلکا سا خوف جھلکنے لگا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنی پوزیشن کا صحیح اندازہ ہو جائے۔ اب تم بے لگام نہیں رہے۔ تمہارے منہ میں لگام پڑ چکی ہے جس کا دوسرا سرا میرے ہاتھ میں ہے۔''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ تم کو تمہاری شامت یہاں لائی ہے۔''

''ایف بی آئی والوں کو یہ جان کر صدمہ ہوگا کہ تم نے ان کے بھیجے ہوئے فوجیوں سے سوبھراج کے بارے میں سفید جھوٹ بولا اور اسے موتی محل کے پچھلے راستے سے نکال دیا۔ یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ بعد میں وہ بھیڑیوں کی خوراک بن گیا۔''

''انہیں یہ جان کر بھی خوشی ہوگی کہ اس وقت تم بنکاک میں ہو۔ تم مجھ سے زیادہ ان لوگوں کو نہیں جانتے۔ یہ یاد رکھنا کہ تم نے ان سے میری اَن بن کرانے کی کوئی کوشش کی تو تم زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکو گے۔'' اس کی آواز تلخ ہو گئی۔

''تم سے زیادہ انہیں کون جان سکتا ہے!'' میں نے استہزائی لہجے میں کہا ''مجھے معلوم ہے کہ سوبھراج کی طرح تم بھی ان کے زرخرید ہو۔ اس کو پاکستان میں پالا گیا۔ تمہیں ممبئی سے لا کر بنکاک میں پالا پوسا گیا ہے۔''

''اپنی زبان بند رکھو!'' فون پر راجن کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔ میرا اندھیرے میں پھینکا ہوا تیر نشانے پر لگا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''میرے کسی دشمن نے تمہیں میرے خلاف ورغلایا ہے۔''

اس کی کمزوری بھانپ کر میں نے کہا ''سوبھراج تمہارا دشمن نہیں تھا۔ یہ نہ بھولو کہ اپنے آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مجھ سے ٹکرانے سے پہلے وہ میرا دوست تھا۔ اس نے مجھے تمہارے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ تم دونوں ایک دوسرے کے رازداں ..... اور امریکیوں کے ایجنٹ تھے.....''

''تم جھوٹے ہو' تمہاری ان باتوں پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔'' وہ میری بات کاٹ کر اضطراری انداز میں بول پڑا۔

''مجھے یہ باتیں کسی کو سنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایف بی آئی والوں کو سچ اور جھوٹ کا علم ہے۔ وہ تمہاری کہانی میری زبانی سنیں گے تو اس پر بلاعذر ایمان لے آئیں گے۔

انہیں رنج ہوگا کہ تم دونوں نے رازداری کے حلف کی خلاف ورزی کر کے مجھے ہر بات بتادی...... راجن! یہ یاد رکھو کہ وہ خونی درندے ہیں۔ وہ تمہارے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔''

لائن پر سکوت چھا گیا۔ میری کہی ہوئی باتوں نے اسے بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ سوچ کر کچھ کہتا' میں نے اپنی بات دوبارہ شروع کر دی ''مجھے اس کی پروا نہیں کہ تم میرے خلاف کیا کہتے ہو' میں اپنے دشمنوں کے لیے صرف ایک نام ہوں۔ وہ میرے صورت آشنا ہیں نہ میرے ٹھکانے سے واقف ہیں۔ انہوں نے برسوں سے میرے خلاف اپنے بہت سے وسائل جھونکے ہوئے ہیں پھر بھی وہ مجھ تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ تم ایک جانے بوجھے آدمی ہو جسے وہ ہر وقت اپنا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ تم میری طرح روپوشی اختیار نہیں کر سکتے' اپنی بے اندازہ دولت اور آسائشوں کو بھول کر خانہ بدوش بن جانا بہت مشکل کام ہے۔ میرے ایک اشارے پر تمہاری زندگی عذاب بن جائے گی۔''

''تم...... تم خوفناک بلیک میلر ہو۔'' اس کی آواز غصے اور خوف کے امتزاج سے کانپ گئی' وہ کہہ رہا تھا ''تم نے اپنے ان ہی حربوں سے سوبھراج کی زندگی برباد کی اور اب میرے پیچھے پڑ گئے ہو' میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو!''

''جہاں سے آئے ہو' خاموشی سے وہیں لوٹ جاؤ۔ یہاں سے اپنا سب کچھ سمیٹ لو۔''

''یہ ظلم ہے تم دیوانگی کی باتیں کر رہے ہو۔''

''انہیں مان لو ورنہ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا ''تمہیں اپنے قاتل کا انتخاب کرنے کی آزادی ہوگی۔ امریکی اور پاکستانی دونوں تمہارے پیچھے لگ جائیں گے۔''

''تم بلیک میلر ہو تو مجھ سے اپنی زبان میں بات کرو۔ میں تمہیں رقم دے سکتا ہوں' عورتیں فراہم کر سکتا ہوں' جو کچھ میرے بس میں ہے کروں گا' مجھ سے ناجائز مطالبے مت کرو۔''

''راجن! کم از کم رتبے کا خیال کرو۔'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''تم نے کول کتے کا سونا گھاچی بازار دیکھا ہوگا۔ وہاں کا ایک معمولی دلال بھی عورتیں فراہم کر سکتا ہے۔ خاموشی سے اپنی دنیا' اپنے وطن میں لوٹ جاؤ یا دوسری دنیا میں جانے کی تیاری کر لو۔''

''تم اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہے ہو' باخبر ہونے کے دعوے کر رہے ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آدمی اپنی مرضی سے ان کی صفوں میں جاتا ہے لیکن ان کی مرضی کے بغیر واپس نہیں لوٹ سکتا۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر شکستہ لہجے میں جواب دیا ''میں اپنی مرضی سے ممبئی واپس نہیں لوٹ سکتا۔ سوبھراج کے تجربات میرے سامنے ہیں۔''

مجھے خوشی ہوئی کہ آخرکار اس نے اپنی زبان سے بالواسطہ طور پر یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے امریکی ایجنٹوں کی صف میں شامل ہوا تھا۔ ان بے ضمیر لوگوں نے اپنے اثر رسوخ کے ذریعے سوبھراج کو سیاست کے میدان میں آگے بڑھایا اور راجن کو بدمعاشی کے فن میں ایسے گر سکھائے کہ وہ بنکاک کی زیرزمین دنیا کا بے تاج بادشاہ بنا بیٹھا تھا۔

اس سے فون پر بات کرتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال جنم لے چکا تھا کہ ڈان کے لیے راجن کی زندگی یا موت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کی خواہش صرف اتنی تھی کہ راجن اس کے لیے بنکاک کا میدان خالی کر دے تاکہ وہ اطمینان سے دوبارہ اپنا منصب حاصل کر سکے۔ ڈان نے اپنی بیوی کی بدسلوکی سے دل برداشتہ ہو کر از خود گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ اس کے اچانک منظر سے غائب ہونے سے امریکیوں کو کھلا موقع مل گیا کہ وہ راجن کو ممبئی سے وہاں لا کر بدمعاشوں کا سرغنہ بنا دیں۔ اگر راجن ممبئی واپس چلا جاتا تو ڈان کا مطلب پورا ہو سکتا تھا۔ وہ جس طرح غائب ہوا تھا اسی طرح بنکاک میں دوبارہ اپنی بادشاہی قائم کر سکتا تھا۔

ڈان کو منطقی طور پر آم کھانے سے مطلب ہونا چاہیے تھا' پیڑ گننے سے نہیں۔ یہ میرا اپنا طریقہ کار ہوتا کہ میں راجن کو کیسے پس منظر میں دھکیلتا ہوں۔ اگر راجن کسی مار دھاڑ اور کشت و خون کے بغیر پسپا ہونے پر آمادہ ہو جاتا تو میرا کام بہت سہل ہو جاتا۔

''یہ تمہارے سوچنے کی باتیں ہیں' مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں ہے۔'' میں نے لاتعلقانہ انداز میں جواب دیا ''میں تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔''

میری کھلی کھلی باتیں سن کر اس کا سارا دم خم رخصت ہو گیا تھا اور وہ مدافعانہ انداز پر اتر آیا تھا۔ وہ دیر تک بحث کر کے مجھے اپنی مجبوریاں سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ میں نے بھی جان بوجھ کر اس بحث کو خاصا طول دیا کیونکہ اس کے نتیجے میں راجن کی متعدد چھوٹی چھوٹی کمزوریاں میرے علم میں آ رہی تھیں۔ اس کے لیے میرا آخری جواب نفی میں تھا۔

''تم بہت بڑا مطالبہ کر رہے ہو۔ میں گن پوائنٹ پر اس کا جواب نہیں دے سکتا'' آخر کار اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا'' مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔''

میں نے اسے فون کیا تو میرے ذہن میں اس کی پسپائی کا کوئی موہوم ترین امکان بھی نہیں تھا۔ بات سے بات نکلی تو نکلتی چلی گئی اور وہ مجھ سے مہلت طلب کرنے پر مجبور ہو گیا۔

میرے لیے وہ مفت کی کامیابی تھی' مہلت کے معاملے پر مجھے پھر اسے رگڑنے کا موقع مل گیا۔ اس سے بھرپور فائدہ اٹھا کر میں نے اسے سوچنے کے لیے وقت دے دیا۔

راجن میرے اصرار کے باوجود وقت کے تعین پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوا۔ اس کے پاس معقول عذر موجود تھا کہ تھائی لینڈ میں اس کا کاروبار بہت پھیلا ہوا تھا' اپنی سرمایہ کاری سمیٹنے سے پہلے اسے اپنے دوستوں کے تیوروں کا جائزہ بھی لینا تھا۔ وہ کام ایک دو روز میں مکمل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس کے لیے زیادہ وقت درکار تھا۔

اس کے پاس میرا نمبر محفوظ تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ کسی بھی فیصلے پر پہنچتے ہی وہ خود مجھ سے رابطہ کرے گا۔ اسی کے ساتھ اس نے التجا کی کہ میں سوبھراج کی موت کا راز اپنی ذات تک محدود رکھوں۔ کسی غیر متعلق آدمی کو اس کی بھنک بھی مل جاتی تو اس کے لیے سنگین مسائل پیدا ہو جاتے۔

میں نے اس پر احسان جتانے کے لیے' اس کی وہ التجا بھی قبول کر لی' باتوں کی روانی میں' میں نے اسے راز فاش کرنے کی دھمکی دے دی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں خود وہ راز فاش کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ سوبھراج کی موت کی خبر پھیلنے کے نتیجے میں جو عالمی ردِعمل سامنے آتا' وہ کسی بھی طرح پاکستان کے لیے سودمند نہیں ہو سکتا تھا۔

راجن خالص اور پیشہ ور بدمعاش تھا جو منشیات' جوئے اور جسم فروشی جیسے گھناؤنے دھندوں سے اپنی روزی کماتا تھا اور ان ہی دھندوں کے اسرار و رموز سے اچھی طرح واقف تھا' سوبھراج کے قتل کی رازداری میں مضمر باریکیوں کا اسے مطلق اندازہ نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ وہ بھانڈا پھوٹ گیا تو وہ بے موت مارا جائے گا۔ اسے اپنے دباؤ میں رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اسے ہماری مجبوریوں کا اندازہ نہ ہو سکے۔

اس نے گفتگو کی ابتدا بدکلامی سے کی تھی۔ اختتام پر وہ میری نرمی اور معاملہ فہمی کا گرویدہ ہو چکا تھا۔ میں نے اس کی خواہش پر اسے سوچنے کی مہلت دے دی تھی لیکن مجھے اندازہ تھا کہ وہ کسی طرح میری بات ماننے پر آمادہ نہیں ہو گا۔ اپنے مقام سے یکایک مراجعت اس کے لیے ناممکن تھی۔ وہ کسی طرح رضامند ہو جاتا تو اس کے آقا اسے واپسی کی اجازت نہ دیتے۔ انہوں نے اسے کسی خاص مقصد کے لیے بنکاک میں پروان چڑھایا تھا۔ وہ تجربے کار شکاری اپنے شکار کو آسانی سے جال کرنے کا موقع نہیں دے سکتے تھے۔

☆☆☆

اگلی صبح میں ناشتے سے فارغ ہو کر ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا۔

میں نے ڈان سے براہِ راست سامے کی شکایت کر کے اسے مدافعانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میرے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور کسی حد تک یہ بھی جتا دیا تھا کہ سامے والے واقعے کے بعد اسے میری نیت اور ارادوں کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا مگر میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ڈان آنکھیں بند کر کے کسی پر اعتبار کرنے والا آدمی نہیں تھا۔ اس نے میری بددلی کے ازالے کے لیے کچھ یقین دہانیاں کرا دی تھیں۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ ان کی پابندی کرتا۔

مجھے شبہ تھا کہ اس کا کوئی نہ کوئی آدمی میری نگرانی کر رہا ہو گا تاکہ بنکاک میں میرے پوشیدہ روابط کا سراغ لگا سکے۔

وہاں اسد کے سوا کھاہی کون تھا' میں نے ڈان کو اسد کے کردار کے بارے میں خود ہی محتاط بریفینگ دے دی تھی۔

میں نے ہوٹل سے نکلتے ہوئے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ میں بندرگاہ کا رخ کر کے' اپنے متعاقب کو یہ سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ میں نے راجن کے خلاف اپنا کام پورے زور و شور سے جاری رکھا ہوا ہے۔

ہوٹل سے نکل کر میں نے ٹیکسی پکڑی اور کرایہ طے کر کے بندرگاہ کی طرف ہو لیا۔ وہ سفر خاصا طویل ثابت ہوا۔ بندرگاہ کا راستہ ڈان کے سیلرز بار کے سامنے ہو کر گزرتا تھا۔ معمول کے مطابق اس وقت بار بند تھا' ٹیکسی تیزی کے ساتھ اس کے سامنے سے گزر گئی۔

پورٹ کے ٹیکسی اسٹینڈ پر میں نے خود گاڑی رکوالی اور کرایہ ادا کر کے بے فکری سے نیچے اتر گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ بندرگاہ کے حسّاس اور ممنوعہ علاقے میں میرا داخلہ ممکن نہیں ہو گا۔

اس علاقے میں سو فیصد مقامیوں کا راج تھا۔ میں نے شہر میں لوگوں کی زندگی کے دو ڈھنگ دیکھے تھے۔ عام شہری ہر قسم کی خرافات سے دور رہ کر اپنے معمولات میں زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ دوسرا رخ شہر کے عشرت کدوں میں

نظر آتا تھا جہاں دنیا بھر سے آئے ہوئے سیاحوں کی بھیڑ میں خال خال تھائی باشندے بھی عیش ونشاط کی محفلوں سے لذتیں کشید کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ بندرگاہ کے علاقے میں رنگ ہی کچھ اور تھا' صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس لوگوں کے ساتھ کثرت سے جفاکش تھائی' باشندے بھی نظر آرہے تھے جن کی پسینے میں نہائی ہوئی سرمئی پیشانیاں محنت کے نور سے چمک رہی تھیں۔ ٹی شرٹس کی آستینوں میں پھنسی ہوئی' ان کے کسرتی بازوؤں کی پھڑکتی ہوئی مچھلیاں ظاہر کررہی تھیں کہ ان کڑیل مردوں کا خمیر صرف اور صرف محنت سے اٹھا ہے' گودی کی شب وروز کی سرگرمیاں ان کے دم سے چل رہی تھیں۔

گردوپیش سے بے پروا ہوکر گزرنے والے وہ تھائی مزدور اپنے ان ہم وطنوں کی بھاری اکثریت کی نمائندگی کررہے تھے جنہیں عیش وعشرت اور آوارگی سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ وہ اپنے زور بازو سے نہ صرف اپنی روزی کماتے تھے بلکہ اتنا کچھ کماتے تھے کہ اس کے بل پر ان کے وطن کا مراعات یافتہ طبقہ عیش کی زندگی بسر کررہا تھا۔

میں ستائشی نظروں سے ان لوگوں کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ میری نگاہیں کسی ایسے راستے کی تلاش میں تھیں جسے اختیار کرکے میں ممنوعہ علاقوں سے گزرے بغیر ساحل تک پہنچ سکوں۔

میں اپنی دھن میں چلا جارہا تھا کہ مجھے ایک سستے سے ریستوران سے چاؤفان نکلتا ہوا نظر آیا۔ شاید اس نے مجھے دیکھ لیا تھا اور فضا میں اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر تقریباً دوڑتا ہوا میری طرف چلا آرہا تھا۔

میں ٹھٹک کر اپنی جگہ پر رک گیا۔ مجھے شبہ ہوا کہ چاؤفان نے اس ریستوران سے برآمد ہونے کی اداکاری کی ہے۔ درحقیقت وہ میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔

بنکاک جیسے وسیع اور گنجان آباد شہر میں دو مخصوص افراد کا یوں یک جا ہونا' کم از کم میرے لیے حیرت ناک تھا۔ میں اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔ چاؤفان میرے قریب آیا اور والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔

''ماسٹر! تم اس مشینی اور بدبودار فضا میں کہاں بھٹک رہے ہو...... تم پر پہلی نظر پڑی تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ ہم دونوں یہاں موجود ہیں......''

میں نے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے اسے پرے دھکیلتے ہوئے کہا ''تمہارے پسینے کی بو خاصی ناگوار ہے' کوئی پرفیوم استعمال کیا کرو۔''

''اوہ ماسٹر! تم مجھے شرمندہ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔'' اس نے دانت نکال دیے۔

''کاش! کوئی تمہیں شرمندہ کرسکے...... تم کب سے میرا پیچھا کررہے تھے؟'' میں نے اس کی مسرت کو نظرانداز کرکے خشک لہجے میں سوال کیا۔ میں نے اپنی سمت میں آگے چلنا شروع کردیا۔ چاؤفان بھی میرے ساتھ ہولیا۔

''پیچھا کررہا ہوں!'' اس نے حیرت سے میرے الفاظ دہرائے پھر بولا ''ماسٹر! یہ تم نے کیا کہہ دیا۔ میں بھلا تمہارا پیچھا کیوں کروں گا...... تم دیکھ رہے ہو کہ میرا پورا بدن پسینے میں نہایا ہوا ہے' میں پچھلے دو گھنٹوں سے یہیں بھٹک رہا ہوں' پسینے کا خسارہ پورا کرنے کے لیے ریستوران سے بیئر کا ایک مگ پی کر باہر نکلا تو اچانک تم نظر آگئے۔''

''کیا میں تمہاری اس بات کا یقین کرلوں؟'' میں نے طنز سے پوچھا۔

''یقین نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنا سر جھٹک کر بولا ''تمہاری سب سے بڑی خوبی یا خامی یہ ہے کہ تم سب سے پہلے ہر بات کے منفی پہلو کے بارے میں سوچتے ہو۔ اپنی بات کو درست ثابت کرنا تمہارے مخاطب کی ذمے داری ہوتی ہے۔''

''یہ جانتے ہو تو اپنی یہاں موجودگی کا کوئی معقول سبب بتاؤ۔'' میں نے اس پر ایک گہری نظر ڈال کر ناپسندیدگی سے کہا۔

''میں چھوٹا راجن کے چکر میں یہاں آیا تھا۔'' اس نے چلتے چلتے اچک کر میرے کان میں سرگوشی کی ''مجھے معلوم ہے کہ بڑا آدمی اب اس کا وجود برداشت کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔''

''تم کن سوئیاں لیتے پھرتے ہو یا بڑے آدمی نے اس بارے میں خود کچھ بتایا ہے؟'' میں نے اسی لہجے میں سوال کیا۔

اس وقت ہم لوگوں کی بھیڑ میں سے گزر رہے تھے اس لیے میں نے بھی چاؤفان کی طرح ڈان کا نام لینے سے گریز کیا تھا۔ مجھے تجربہ ہوچکا تھا کہ اس بارے میں کسی بھی بے احتیاطی پر چاؤفان ایک دم تیور بدل سکتا تھا۔

''دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے جواب دیا ''یہ میرا اندازہ ہے' تمہارے کارناموں نے اس کی توقعات میں اضافہ کردیا ہے۔''

''تمہیں پچھلی شام کو پیش آنے والے ناخوشگوار واقعے

کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟'' چند ثانیوں تک خاموشی رہنے کے بعد میں نے پوچھا۔

''کیسا واقعہ..... کیا ہوا تھا؟'' اس نے چونک کر سوال کیا۔

''جب میں تمہاری گاڑی میں بڑے آدمی کے ساتھ شہر کی سڑکوں پر گھوم رہا تھا تو سامے نام کی ایک عورت نے ہوٹل پہنچ کر میری بیوی کو پریشان کیا تھا۔''

''کیا اس عورت نے تمہاری عورت کو اپنا یہی نام بتایا تھا؟'' میری بات سن کر اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہوگئے۔

اس کی زبان سے غزالہ کے لیے عورت کا لفظ سن کر مجھے سخت تاؤ آیا لیکن میں اپنا غصہ پی گیا۔ میں نے اس بارے میں اسے تفصیل سے سمجھایا تھا لیکن وہ اپنی عادت سے مجبور تھا۔ میرے ایما پر اپنی گفتگو کا بے ساختہ قرینہ بدلنا اس کے بس سے باہر تھا۔

''وہ لیڈی پولیس افسر بن کر آئی تھی' اس کا اصل نام بڑے آدمی نے بتایا ہے۔''

''تمہاری اس سے بات ہوگئی ہے تو سب ٹھیک ہے۔'' وہ اطمینان سے بولا ''سامے اس کی خاص اور چہیتی ورکر ہے۔ وہ کسی کام سے وہاں گئی ہوگی۔''

ڈان کا ذکر آجانے کے بعد اس نے اس قصے میں زیادہ دلچسپی نہیں لی' نہ یہ جاننے کی کوشش کی کہ وہ پولیس افسر کے بھیس میں وہاں کیوں آئی تھی۔ میں نے وہ بات وہیں ختم کردی۔

''ماسٹر! ہم کہاں جارہے ہیں؟'' کچھ دیر تک خاموشی سے میرے ساتھ چلتے رہنے کے بعد چاؤ فان نے سکوت توڑتے ہوئے سوال کیا۔

''تمہارا کیا اندازہ ہے؟'' میں نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''تم ایک طرف چلے جارہے ہو۔ رفتہ رفتہ ہم ویرانے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ تم پردیسی ہو۔ یہ علاقہ تمہارے لیے نیا ہے۔ سناٹے میں ٹھگوں کی کسی ٹولی سے سامنا ہوگیا تو ہم دونوں لٹ جائیں گے۔ مزید آگے جانا مناسب نہیں ہے۔''

دن دیہاڑے ٹھگوں کے ہاتھوں لٹنے کا تصور بہت توہین آمیز تھا لیکن چاؤ فان چکنا گھڑا تھا' اس نے بہت بے فکری سے وہ امکان ظاہر کردیا تھا۔ میں نے لمحے بھر کے لیے سوچا پھر کہا ''میں بھی یہاں اسی مقصد سے آیا ہوں جس کا تم ذکر کرچکے ہو۔''

وہ خوش ہوگیا ''ہم دونوں ایک جیسے انداز میں سوچتے ہیں' اسی لیے بڑا آدمی ہم سے بہت خوش ہے۔ آؤ کہیں بیٹھتے ہیں۔ میں تمہیں اپنی کارگزاری سناؤں گا۔''

اس وقت تک ہم پورٹ کے پرہجوم علاقے سے دور نکل آئے تھے۔ ہمارے آس پاس سے اِکّادُکّا آدمی گزر رہے تھے۔

چاؤ فان نے چلتے چلتے کسی اونٹ کی طرح اپنا سر گھما کر قرب و جوار کا جائزہ لیا پھر اچانک دائنی طرف مڑ گیا جہاں ایک چھوٹا سا' اجڑا ہوا پارک نظر آرہا تھا۔

پارک اپنی زبانِ حال سے اپنے رکھوالوں کی غیر ذمے داری کی کہانی سنا رہا تھا۔ زرد اور خشک گھاس پر چلتے ہوئے ہم ایک تناور درخت کے سائے میں نصب آہنی بنچ پر جا بیٹھے۔ وہ خستہ حال پارک تقریباً ویران تھا۔ کہیں کہیں چند آوارہ گرد مقامی' درختوں کے سائے میں بیٹھے یا لیٹے ہوئے نظر آرہے تھے جنہیں ہم سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

''اب بتاؤ کہ تم یہاں کیسے آئے!'' بنچ پر بیٹھتے ہی چاؤ فان نے سوال کیا۔

''میں وائٹ ہاک کا جائزہ لینے آیا تھا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے' رسانیت سے کہا ''راجن کے پیر اکھاڑنے کے لیے اس بوٹ پر کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔''

''ماسٹر! تم کمال کی باتیں سوچتے ہو۔ میں بھی اسی بوٹ کی خیر خبر لینے کے لیے آیا تھا۔'' اس نے پُرجوش لہجے میں کہا ''مجھے سن گن ملی ہے کہ ایک دو روز میں چھوٹا راجن کا وہ بحری کلب چند دنوں کے لیے بند ہونے والا ہے۔''

''کیوں..... اسے بند کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''سنا ہے کہ اسے مرمت اور دیکھ بھال کے لیے بند کیا جارہا ہے۔ ابھی تک ان خبروں کی تصدیق نہیں ہوئی ہے۔ میں اس چکر میں لگا ہوا تھا کہ تم نظر آگئے۔''

''تم نے بتایا تھا کہ وہ بہت شاندار اور نئی بوٹ ہے۔ اس میں مرمت کی ایسی کیا ضرورت پیش آگئی۔''

''میں نے کہا نا کہ ابھی مجھے ابتدائی خبریں ملی ہیں' ان کی تصدیق باقی ہے۔''

''اگر عیاشی کا وہ اڈا چند روز کے لیے بند کیا جارہا ہے تو اس سے ہمیں کیا حاصل ہوگا؟'' میں نے انجان بن کر سوال کیا۔

''ماسٹر! تم ہی نے تو کہا تھا کہ وائٹ ہاک کو اڑایا تو اس

کے ساتھ بہت سے بے گناہ لوگ مارے جائیں گے۔ اب موقع ملنے والا ہے۔''

''اسے گاہکوں کے لیے بند کیا جائے گا' عملہ تو موجود رہے گا۔''

''ہوٹل کا دھندا بہت گندا ہوتا ہے۔ سال کے بارہ مہینے وہ کھلے رہتے ہیں۔ جب ہر جگہ چھٹی ہوتی ہے تو وہاں کاروبار چمک اٹھتا ہے۔ یہی حال وائٹ ہاک کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ عملے کو بھی چھٹی دے دی جائے گی۔ وہاں گنتی کے دو چار آدمی رہ جائیں گے۔''

''تمہارے یہ اندازے میری سمجھ سے باہر ہیں۔ ایک نئی بوٹ پر ایسا کیا کام ہوسکتا ہے کہ اس کے لیے کئی دنوں تک سارا کام ٹھپ کر دیا جائے۔''

''ماسٹر! یہ میرے اندازے نہیں' سنی سنائی باتیں ہیں۔ یہاں آ کر میں نے اپنا وقت برباد نہیں کیا۔ کام کی جگہوں میں جھانکتا پھرا ہوں۔''

''اگر یہ اطلاعات درست ہیں تو پھر وائٹ ہاک پر کوئی اور کھیل کھیلا جانے والا ہے۔ میں اس کی مرمت اور دیکھ بھال کے ڈھکوسلے کو نہیں مانتا۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' اس نے متجسس لہجے میں دریافت کیا۔

''راجن عورتوں کی اسمگلنگ بھی کرتا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''اس کے اڈے عورتوں کے زور پر چلتے ہیں۔ بے بی کلب اس کی چھوٹی سی مثال ہے۔ وائٹ ہاک کی ساری کشش بھی وہاں پائی جانے والی عورتوں کی وجہ سے ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سمندری راستے سے عورتوں کی کوئی نئی کھیپ وائٹ ہاک پر لائی جارہی ہو......''

''ہوسکتا ہے کہ یہی ہونے والا ہو۔'' اس نے میری بات کاٹ کر پُرجوش لہجے میں کہا ''آج کل پورے تھائی لینڈ میں ہر قسم کی اسمگلنگ کے خلاف زبردست مہم چل رہی ہے۔ کسٹم والوں نے فوج کی مدد سے ساری زمینی اور بحری سرحدیں سیل کی ہوئی ہیں۔ خریدی اور اغوا کی ہوئی عورتوں کو یہاں لا کر فروخت کرنا' چھوٹا راجن کا سب سے بڑا کاروبار ہے۔ وہ خود بھی عورتوں کا رسیا ہے۔ اس کے لیے یہ آسان ہوگا کہ رات کے اندھیرے میں کوئی لانچ کھلے سمندر میں عورتوں کی کھیپ وائٹ ہاک پر اتار دے۔ وہاں سے ایک ایک کر کے انہیں شہر میں پہنچا دیا جائے۔''

''یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے تم یہ معلوم کرو کہ تمہیں ملنے والی خبروں میں کتنی صداقت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ فوج وغیرہ کی مہم کی وجہ سے راجن اپنا پروگرام کسی مناسب وقت کے لیے ملتوی کر دے۔ ایسی صورت میں ہمیں کچھ اور سوچنا ہوگا۔''

''وہ اس مہم کی پروا نہیں کرے گا۔'' چاؤفان نے وثوق سے کہا ''تمہیں اس کے اثر رسوخ کا اندازہ نہیں ہے۔ کوئی بھول کر بھی وائٹ ہاک کا رخ نہیں کرے گا۔ عورتوں کی کھیپ لانے والی لانچ راستے میں پکڑی جائے تو اور بات ہے، وائٹ ہاک کے قریب کوئی اسے نہیں چھیڑے گا۔''

میں نے چاؤفان کی خیال آرائی کا کوئی جواب نہیں دیا۔

میں نے راجن کی سرگرمیوں کے پیش نظر، عورتوں کی اسمگلنگ کی بات روا روی میں کہہ دی تھی جسے چاؤفان نے بہت سنجیدگی سے پکڑ لیا تھا۔

وہ ایک امکان ضرور ہوسکتا تھا لیکن لازم نہیں تھا کہ راجن کا منصوبہ وہی رہا ہو۔ وہ بنکاک میں ہر قسم کے غیر قانونی دھندوں کا بادشاہ بنا ہوا تھا۔ غیر ضروری طور پر وائٹ ہاک کو چند دنوں کے لیے ویران کرنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ اپنے اعتماد کے چند آدمیوں کی موجودگی میں وہاں کوئی غیر قانونی کام سرانجام دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کام کی نوعیت کے بارے میں پہلے سے کوئی اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

''ماسٹر! تم خاموش کیوں ہوگئے ...... کیا سوچ رہے ہو؟'' مجھے خاموش پا کر چاؤفان نے ٹوکا۔ میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ اطمینان سے ایک سگریٹ سلگائی اور اس کا گہرا کش لے کر کہا۔ ''میری زبان خارش کے مرض سے قطعی محفوظ ہے۔''

وہ بھونڈے انداز میں ہنس پڑا ''ماسٹر! تم خوب چوٹ کرتے ہو۔ تمہاری کڑوی کسیلی باتیں سن کر بھی طبیعت بے مزہ نہیں ہوتی۔ کیا تم نے مجھے کبھی زبان کھجاتے ہوئے دیکھا ہے؟''

''زبان کی خارش کھجانے سے نہیں، بولتے رہنے سے دور ہوتی ہے۔''

''تم بھی بولتے رہا کرو!'' اس نے مجھے مشورہ دیا۔ ''تم خاموش ہوتے ہو تو مجھے پریشانی لاحق ہوجاتی ہے کہ پتا نہیں تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''اگر میں تمہاری بات درست مان لوں تو ہم دونوں یہاں اپنے اپنے کام سے آئے ہیں۔ ہم دونوں کے کام ابھی ادھورے ہیں......''

''ماسٹر! درست ماننے کی بات نہ کرو، میں نے تمہیں بتایا ہے۔'' اس نے احتجاج کیا ''میری کارکردگی میرے

دعوے کو ثابت کرتی ہے۔''

''چلو، یوں ہی سہی!'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ ''مجھے وہ راستہ بتا دو جو مجھے ساحل پر پہنچا دے میں اپنی آنکھوں سے وائٹ ہاک کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔''

''وہ لوگ ہر تھوڑے دنوں بعد لنگر اٹھا کر اپنی جگہ بدل لیتے ہیں۔ آج کل وہ ساحل سے نظر آ رہی ہے۔ تم صحیح رخ پر جا رہے تھے۔ آگے ویران سمندری کھاڑیوں سے دور تک کا منظر صاف دکھائی دیتا ہے۔ تم چاہو تو ہم گھاٹ سے کرائے کی بوٹ لے کر ادھر کا چکر لگا سکتے ہیں۔''

اس کی تجویز نے مجھے چونکا دیا۔ اس سے بہتر صورت کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ مجھ سے ٹکرا ہی گیا تھا تو مجھے اس ملاقات سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔ ڈان کے لیے یہ خبر کافی اطمینان بخش ہوتی کہ میں بہ نفسِ نفیس راجن کے بحری تہ۔ خانے کا جائزہ لے چکا ہوں۔

''ایسا کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ اس کے ننھے سے دماغ کو اونچی پرواز سے روکے رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اس کی اچھی سے اچھی بات کو بھی زیادہ اہمیت نہ دی جائے میں ابتدا سے اس اصول پر کاربند رہا تھا۔

''اب ہمیں واپس جانا ہوگا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ ''پرائیویٹ کشتیاں وغیرہ دوسری طرف کھڑی ہوتی ہیں۔ وہ راستہ گودی کے برابر سے جاتا ہے۔''

ہم دونوں واپس چل دیے۔ میں نے راستے میں اسے احتیاطی تدابیر کے بارے میں یاد دلایا تو اس نے بے فکری سے بتایا کہ سمندر میں بہتیرے لوگ تفریحی چکر لگاتے رہتے ہیں۔ کوئی ہم دونوں کی بوٹ پر شبہ نہیں کرے گا۔ بنکاک کا ساحل ناہموار اور گندا ہونے کی وجہ سے لوگ وہاں پیراکی سے گریز کرتے ہیں۔ سارا زور کشتیوں اور موٹر بوٹس میں سیر کرنے پر ہوتا ہے۔ نہانے کے شوقین پتایا کے طویل اور صاف ستھرے ساحل کا رخ کرتے ہیں جو بنکاک سے زیادہ مسافت پر نہیں ہے۔

ہم ایک مرتبہ پھر گودی کے بیرونی علاقے سے گزرے جہاں مزدوروں اور دوسرے متعلقہ لوگوں کا ایک سیل رواں نظر آ رہا تھا۔ گودی کے دیوہیکل فولادی پھاٹک سے کافی آگے، احاطے کی دیوار کے ساتھ ایک سڑک سمندر کی طرف جا رہی تھی، چاؤ فان اسی پر ہولیا۔

موڑ سے وہ سڑک گودی کے احاطے سے دور ہوتی چلی گئی۔ وہ مسافت خاصی طویل تھی۔ تیز دھوپ میں پیدل چلنا مجھے ناگوار گزر رہا تھا لیکن چاؤ فان کی حالت دیکھتے ہوئے میں نے کوئی حرفِ شکایت زبان پر لانا مناسب نہیں سمجھا۔

ساحل کے ساتھ تعمیرات کا سلسلہ نظر آیا تو چاؤ فان نے بتایا کہ وہ بنکاک کے مہنگے بوٹ کلب تھے جہاں ممبروں کو کھلے سمندر میں تفریح کے لیے ساری سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں۔ ان وسیع و عریض اور شان دار عمارتوں کے درمیان سے گزر کر ہم بنکاک کے عوامی گھاٹ پر پہنچ گئے جہاں متعدد موٹر بوٹس اور بادبانی کشتیاں پانی کی متلاطم سطح پر ہچکولے کھا رہی تھیں۔

میں نے وہیں سے دیکھ لیا کہ اس وقت بھی کھلے سمندر کے سینے پر متعدد کشتیاں رواں تھیں۔ ایک طرف بندرگاہ میں کھڑے ہوئے دیوہیکل جہازوں کی قطار نظر آ رہی تھی جن میں سے بعض کی چمنیوں سے دھواں خارج ہو رہا تھا۔ ان جہازوں کے عرشوں پر چلتے پھرتے ہوئے ملاح اور خلاصی، دور سے کھلونوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔

ہمیں گھاٹ کی طرف آتا ہوا دیکھ کر کئی افراد ہماری طرف لپکے۔ سمندر سے اپنی روزی کمانے والے وہ ملاح ان پڑھ تھے لیکن انگریزی کے چند الفاظ سے واقف تھے۔ انہوں نے چاؤ فان کو گائیڈ سمجھ کر یکسر نظر انداز کر دیا، میری ذات ان کا ہدف تھی۔

چاؤ فان نے فضا میں ہاتھ لہرا کر تیزی سے ان سے کچھ کہا۔ وہ صلح جو لوگ تھے۔ ان کی پیش قدمی رک گئی۔ چاؤ فان نے بڑھ کر ایک ادھیڑ عمر شخص سے کچھ مذاکرات کیے اور مول تول ہو جانے کے بعد ہم اس کی رہنمائی میں گھاٹ کی طرف بڑھ گئے۔

اس کی چھوٹی موٹر بوٹ پختہ گھاٹ سے خاصی دور تھی۔ ہم ہچکولے لیتی ہوئی کئی کشتیوں پر سے ہوتے ہوئے اس صاف ستھری بوٹ پر پہنچ گئے۔

چند منٹ بعد انجن اسٹارٹ ہوا اور راستہ کھلنے کے بعد بوٹ کھلے سمندر کی طرف روانہ ہوگئی ''مجھے ابھی تک سفید لانچ کہیں نظر نہیں آئی۔'' کچھ دیر بعد میں نے چاؤ فان سے کہا۔

''وہ ان دنوں دوسرے رخ پر لنگر انداز ہے۔ آگے بڑھیں گے تو وہ نظر آ جائے گی۔''

چاؤ فان ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے ملاح سے سمندر کی سیر کا سودا کیا تھا۔ وہ ہمیں گودی میں لنگر انداز جہازوں کے قریب سے گھماتا ہوا سمندر کی طرف نکلا تو کچھ دیر بعد مجھے وائٹ ہاک نظر آ گئی۔ اس کے بارے میں مجھے چاؤ فان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ اپنے نام کی مناسبت سے وہ نیچے سے اوپر تک بالکل سفید تھی۔

”یہ تو ایک چھوٹا بحری جہاز معلوم ہو رہا ہے۔ تم بلا وجہ اسے لانچ کہتے ہو۔“ میں نے چاؤ فان سے کہا۔

کچھ دیر تک سمندر میں لہروں کی پھوار سے لطف اندوز ہونے کے بعد چاؤ فان نے اپنے ملاح کو وائٹ ہاک کی طرف چلنے کے لیے کہا تو دونوں میں بحث شروع ہوگئی۔ بعد میں اس نے بتایا کہ وہ ادھر جانے سے ہچکچا رہا تھا۔

رفتہ رفتہ ہم وائٹ ہاک سے قریب ہوتے گئے۔ پھر مجھے وہ مسلح گارڈ نظر آنے لگے جو راجن کی لانچ کے عرشے پر ٹہل کر اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔

اس وقت ہمارے آس پاس دوسری کوئی بوٹ نہیں تھی۔ شاید ملاح عام طور پر وائٹ ہاک سے دور رہنے کی کوشش کرتے تھے۔

رفتہ رفتہ اس لانچ کا نقشہ واضح ہونے لگا۔ ہماری بوٹ سمندری لہروں کے ساتھ زیر و بم سے گزر رہی تھی۔ ساحل ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا لیکن بندرگاہ پر کھڑے ہوئے جہازوں اور دیوہیکل کرینوں کے اوپری حصے ہمیں دکھائی دے رہے تھے۔

میں نے دیکھا کہ وائٹ ہاک کے عرشے پر موجود دو محافظوں نے ٹہلنے کا عمل ترک کر دیا تھا اور وہ ریلنگ کے قریب کھڑے ہو کر مسلسل ہماری بوٹ کا جائزہ لے رہے تھے۔

ہمارے بوٹ پائلٹ نے مڑ کر چاؤ فان سے کچھ پوچھا اس نے اسے تسلی دی اور ہماری بوٹ کا رخ قدرے تبدیل ہوگیا۔ وہ وائٹ ہاک کی طرف جانے کے بجائے اس کے گرد گھومنے کی پوزیشن لے رہی تھی۔

اچانک ان دونوں میں سے ایک محافظ اپنے حلق کے بل چیخا۔ لہروں کے دھیمے شور میں اس کی آواز دور تک گونجتی چلی گئی۔ وہ یقینی طور پر ہمیں واپس لوٹنے کا حکم دے رہا تھا۔

ہمارے ملاح کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ چاؤ فان سے تیزی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ پھر وائٹ ہاک کے عرشے سے ایک فائر ہوا۔ گولی ہمارے اوپر سے گزر کر سمندر میں کہیں گم ہوگئی۔ وہ پیغام ضرورت سے زیادہ واضح تھا۔ وائٹ ہاک والے ہمیں واپس لوٹنے پر مجبور کر رہے تھے۔ تاخیر کی صورت میں وہ براہِ راست ہم پر بھی گولی چلا سکتے تھے۔

فائر ہونے کے بعد مذاکرات کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ ملاح نے اتنی تیزی کے ساتھ بوٹ کو واپسی کے لیے گھمایا کہ میں دہل کر رہ گیا۔ ملاح کی بوکھلاہٹ کے نتیجے میں ہماری بوٹ الٹ کر ڈوب سکتی تھی۔

وائٹ ہاک کے عرشے سے کسی نے چیخ کر پھر کچھ کہا۔ اس بار اس کا پیغام قدرے طویل تھا۔ میں نے مستفسرانہ انداز میں چاؤ فان کی طرف دیکھا تو اس نے بتایا کہ وہ سنگین دھمکی دے رہے تھے۔ ”دوبارہ ادھر نظر آئے تو ہم بوٹ غرق کر دیں گے۔“

اس سخت اور جارحانہ پیغام سے صاف ظاہر تھا کہ راجن اور اس کے آدمیوں کو مقامی قانون کی ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ کھلے سمندر کے سینے پر بھی انہوں نے اپنی جاگیر قائم کی ہوئی تھی جہاں سے دوسرے کو گزرنے کا بھی حق نہیں تھا۔

سمندر میں تقریباً ایک گھنٹا گزار کر ہم واپس گھاٹ پر آ گئے۔ باہر خالی ٹیکسی موجود تھی میں نے چاؤ فان کو پیش کش کی کہ وہ میرے ساتھ چلے اور گودی کے دروازے پر اتر جائے لیکن اس نے خوش دلی سے انکار کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ گھاٹ پر موجود ملاحوں کی بھیڑ میں گھل مل کر وہ اپنا کام بہتر انداز میں کر سکے گا۔

میں نے اسے الوداع کہا اور وہاں سے واپس ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔

میرے ذہن میں وائٹ ہاک کو نشانہ بنانے کا مبہم سا خیال موجود تھا۔ میں اسی رو میں ساحل سے اس لانچ کا جائزہ لینے کے لیے اس طرف آیا تھا۔ دوسرا خیال وہی تھا کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہو تو وہ ڈان کو یہ خبر پہنچا دے کہ میں راجن کے پیچھے لگ گیا تھا۔

چاؤ فان نے اپنی صفائی پیش کرنے کی سر توڑ کوشش کی تھی۔ میری روانگی کے بعد اس نے پورٹ پر رک کر ثابت کرنا چاہا تھا کہ وہ واقعی کام میں مصروف تھا لیکن اس کے بارے میں میرا ذہن صاف نہیں ہو سکا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ میرا پیچھا کرتا ہوا گودی تک پہنچا تھا۔

اس نے اچانک میرے سامنے آ کر مجھے حیران کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ میں حیرانی سے زیادہ فکر و تشویش میں مبتلا ہوگیا تھا۔

اس کی موجودگی سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ میں نے وائٹ ہاک کا قریب سے جائزہ لے کر ان کے حفاظتی بندوبست کا تجربہ بھی کر لیا۔ دن کی روشنی میں ان محافظوں کی مستعدی قابلِ رشک تھی۔ صاف ظاہر ہوگیا تھا کہ اجالے میں کوئی بھی ان کی مرضی کے بغیر وائٹ ہاک کے قریب نہیں پھٹک سکتا تھا۔

راجن نے اس لانچ پر نائٹ کلب قائم کیا ہوا تھا۔ اپنے دھندے کے اوقات میں وہ حفاظتی انتظامات سے غافل نہیں

ہوسکتا تھا۔ سمندر کی سمت میں روشن کی جانے والی چند سرچ لائٹس رات کے گھور اندھیرے میں بھی محافظوں کی ان حدود کی پاسبانی میں مدد دینے کے لیے کافی ہوتیں۔

وائٹ ہاک سمندر کے سینے پر تیرتا ہوا ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا جہاں صرف راجن کا راج تھا۔ پانی کی سطح سے گزر کر اس لانچ تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ اسے نقصان پہنچانے کے لیے صرف زیرآب کارروائی کامیاب ثابت ہوسکتی تھی۔

پہلے میرے دماغ میں اس لانچ کو تباہ کرنے کا خیال راسخ نہیں تھا۔ لانچ پر ہروقت موجود رہنے والے بھاری عملے کی تباہی کے تصور نے مجھے ان خطوط پر کسی پیش رفت سے روکا ہوا تھا۔ چاؤ فان کی زبان سے وائٹ ہاک پر ہونے والی متوقع تعطیلات کا ذکر سنتے ہی میری وہ خواہش دوبارہ ابھر آئی تھی۔ وائٹ ہاک راجن کی طاقت اور بڑائی کی علامت تھی۔ اسے غرقاب کرکے راجن کی کمر توڑی جاسکتی تھی۔ اس پر رہنے والے چند لوگ اگر لانچ کے ساتھ لقمۂ اجل بن جاتے تو مجھے کوئی ملال نہ ہوتا۔ وہ یقینی طور پر وہی لوگ ہوتے جو راجن کے کالے دھندوں میں اس کے قریبی معاون تھے اور ہرپہلو سے موت کے سزاوار تھے۔

میں ان ہی خیالات میں الجھا رہا اور ٹیکسی نے تیز رفتاری سے طویل مسافت طے کرکے مجھے ہلٹن ہوٹل کی حدود میں پہنچادیا۔

میں ہوٹل کے صدر دروازے سے گزر کر اندر داخل ہوا تو مجھے اسد ایک صوفے سے اٹھتا ہوا نظر آیا۔ وہ ایسی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا جہاں سے ہوٹل میں آنے والوں پر نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔ اس کی ہوٹل میں موجودگی کا مطلب تھا کہ وہ کافی دیر سے وہاں بیٹھا میرا انتظار کررہا تھا۔

اس کی طرف جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ غزالہ بھی وہیں صوفے پر براجمان تھی۔

اسد جب بھی میرے پاس آتا، ہوٹل کی لابی سے انٹر کام پر رابطہ کرتا تھا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ مجھ سے اجازت لیے بغیر میرے کمرے کے دروازے پر آگیا ہو۔ میں کمرے میں نہیں تھا۔ وہ نیچے رک کر میری واپسی کا انتظار کرنے لگا، غزالہ اتفاقاً اس کے پاس آگئی۔

''خیریت ہے...... آج صبح سویرے کہاں نکل گئے تھے!''
اسں نے مجھ سے ہلکا سا معانقہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

''تمہاری قمیص پسینے میں تر ہورہی ہے۔''

''گودی کی طرف چلا گیا تھا...... آؤ اوپر چلتے ہیں۔ یہاں ڈھنگ سے بات نہیں ہوسکے گی۔''

اس کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم پھیل گیا۔ ہم تینوں لفٹ کی طرف ہولیے۔

''مجھے بھابی سے ڈان کے دوغلے پن کا پتا چلا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہا ہے؟'' اس نے کمرے میں پہنچتے ہی متاسفانہ لہجے میں پوچھا۔

''اسے میرے ذریعے اپنے خواب پورے ہوتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔ ''اس مرحلے پر وہ کوئی رسک لینے کے موڈ میں نہیں ہے۔ مجھے ہر طرف سے گھیر کر اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش کررہا ہے۔ کھل کر کچھ نہیں کہہ سکتا اس لیے الٹی سیدھی حرکتیں کررہا ہے۔''

''تم گودی کی طرف کیوں گئے تھے...... وہ اچھا علاقہ نہیں ہے۔''

''اس وقت تم بزرگانہ انداز میں بازپرس کررہے ہو۔'' میں نے کہا اور قدرے سکوت کے بعد ان دونوں کو اپنی کہانی سنانی شروع کردی۔

''ڈان اور چاؤ فان۔ یہ دونوں جونک بن کر تمہاری جان کو لپٹ گئے ہیں۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''تمہارا شبہ بالکل درست ہے۔ چاؤ فان نے تمہارا تعاقب کیا ہوگا۔''

''لیکن اس کے پاس وائٹ ہاک کے بارے میں کئی خبریں تھیں۔'' غزالہ نے اعتراض کیا۔ ''وہ ان کا پیچھا کررہا تھا تو اسے اتنا وقت کیسے مل گیا کہ وہ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔''

اسد نے لاجواب ہوکر بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ وہ باتیں اسے پہلے سے معلوم ہوں۔ موقع دیکھ کر اس نے وہ اپنی تازہ کارکردگی کے طور پر سنادی ہوں۔''

''اب تمہیں ہر وقت ہوشیار رہنا ہوگا۔'' اسد بولا۔ ''مجھے محسوس ہورہا ہے کہ اب راجن خود ہمارے جال میں آرہا ہے تم اس کا قصہ پاک کردو تاکہ تم کو ڈان سے نجات ملے۔ ایک بار پاسپورٹ ہاتھ میں آجائیں تو تمہیں بلاتاخیر یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

''تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ راجن ہمارے جال میں آرہا ہے۔''

''ابھی تم نے زیرآب کارروائی کا ذکر کیا ہے۔''

''سوچنا آسان ہے اس پر عمل کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا کیا اس سلسلے میں تم کوئی مدد کرسکو گے؟'' میں نے پوچھا۔

''اچھا ہوا کہ میں شروع سے الگ رہا۔ میں دور رہ کر

تمہاری ہر طرح مدد کر سکتا ہوں۔ عملی طور پر تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ راجن، ڈان کا شکار ہے۔ وہ تم کو ہر قسم کے وسائل فراہم کرنے کا وعدہ کر چکا ہے۔''

''میں اسے بھی دیکھ لوں گا۔ اتنی سی بات پر یہ خوش فہمی مناسب نہیں کہ ہم راجن کو اپنے جال میں آتا ہوا سمجھ لیں۔''

''اگر میں یہ کہوں کہ میں نے اس سے تمہاری ملاقات کی راہ نکال لی ہے تو تم کیا کہو گے؟'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ دیکھنا ہوگا کہ ملاقات کہاں اور کن حالات میں ہوتی ہے۔'' میں نے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ ''کیا اس سے تمہارا کوئی رابطہ ہوا ہے۔''

''کل رات اس کا ایک آدمی میرے پاس آیا تھا۔'' اسد کا وہ انکشاف سنتے ہی میں اپنی جگہ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''راجن کی خواہش ہے کہ میں فوری طور پر اس سے ملوں۔''

''اوہ!'' میں نے بے ساختہ اپنی حیرت ظاہر کی ''تم نے کبھی ذکر نہیں کیا کہ وہ پہلے سے تم کو جانتا ہے۔''

''میری اس سے کوئی شناسائی نہیں ہے۔ وہ آدمی اچانک آیا تھا۔'' اسد نے وضاحت کی۔

''تمہیں اس سے پوچھنا چاہیے تھا کہ وہ تم سے کس حیثیت سے ملنا چاہتا ہے۔'' غزالہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

''اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اسے معلوم تھا کہ میں بنکاک میں اپنے محکمے کی نمایندگی کر رہا ہوں۔ راجن کا اثر ورسوخ بہت زیادہ ہے۔ اس کے لیے یہ باتیں معلوم کرنا مشکل نہیں تھا۔ میں حیران ہوں کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔''

''وہ تم سے میرا سراغ معلوم کرنا چاہتا ہے۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔ ''کل شام میں نے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون پر اس سے بات کی تھی۔ اس کے بعد اس نے اپنا قاصد تمہاری طرف بھیجا ہوگا۔''

''میں تمہاری اور اس کی گفتگو سے ابھی تک بے خبر ہوں اس نے دیدہ دلیری کے ساتھ مجھ سے رجوع کیا ہے تو اس کے کچھ نہ کچھ محرکات بھی رہے ہوں گے۔''

میں نے اسے راجن سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

''تم نے اس سے بہت بڑا مطالبہ کیا ہے۔ وہ مر جائے گا مگر یہاں سے پسپا ہونے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ اس نے تم سے وقت خرید ا ہے۔ مجھ سے رابطہ کر کے اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اب وہ ہر قیمت پر تم تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ پہل کرنے والا یہ لڑائی جیت جائے گا۔''

''تم اس سے میری ملاقات کا ذکر کر رہے تھے۔ وہ کیا قصہ تھا؟''

''میں نے اس کے آدمی سے کہہ دیا ہے کہ میں تنہا راجن سے نہیں مل سکتا۔ میرا ایک معاون ضرور میرے ساتھ ہوگا۔ یہ شرط عائد کرتے ہوئے میرے ذہن میں تمہارا نام تھا۔''

''نہیں، میں اس کا مشورہ نہیں دوں گی۔'' مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی۔ ''ابھی تم خود کہہ رہے تھے کہ وہ بہت باخبر آدمی ہے۔ اسے یہ معلوم ہوگا کہ تم یہاں اپنے محکمے کے اکلوتے نمایندے ہو۔ یہاں تمہارا ساتھی کون ہو سکتا ہے۔ اسے ذرا بھی شبہ ہو گیا تو یہ مشکل میں پڑ جائیں گے۔''

''میں نے گنجائش نکالی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ تم میرے ساتھ جاؤ۔'' اسد نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''اپنی ذات کو اس کے شک وشبے سے بالا رکھنا تمہارا کام ہوگا۔''

''کیا تم نے یہ یقین کر لیا تھا کہ یہاں آتے ہوئے تمہارا پیچھا نہیں کیا گیا؟'' میں نے پوچھا۔

''میری ساری زندگی ایسے کھیلوں میں گزری ہے۔'' وہ بولا ''گھر سے قدم باہر نکالنے سے پہلے میں نے اس امکان کو ذہن میں رکھا تھا۔ باہر اس کا آدمی موجود تھا۔ آج کل میں اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہتا ہوں۔ مارکیٹ کے علاقے میں، میں اسے جل دینے میں کامیاب ہو گیا اس کے بعد میں نے تمہارے ہوٹل کا رخ کیا تھا۔''

''تمہاری باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اس سے ملنے کا فیصلہ کر چکے ہو۔''

''یہ جبری فیصلہ ہے جو مجھے کرنا پڑا۔ وہ یہاں کا طاقت ور آدمی ہے۔ میرے انکار کی صورت میں میرے خلاف کوئی بھی اسکینڈل بن سکتا ہے۔ وہ اخباری نامہ نگاروں سے پولیس افسران تک کسی کو بھی خریدنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔''

''میرا بھی یہی مشورہ ہوتا۔ اس سے ضرور ملو مگر اپنے دفتر میں، تمہارے لیے موتی محل میں جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔'' میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ ''تمہارے دفتر میں کتنے کمرے ہیں۔''

''ایک ہی کمرا ہے۔ اس سے ملا ہوا باتھ روم اور چھوٹا سا کچن ہے۔ تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''وہاں میرے لیے کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟''

''کچن اور باتھ روم پر دو چھتی بنی ہوئی ہے۔ وہاں تم آرام سے چھپ سکتے ہو لیکن اس طرح تم کیا کرسکو گے۔''

''وہ کمینہ آدمی ہے۔ تمہارے تحفظ کے لیے کسی نہ کسی کا ہونا ضروری ہے۔ بات بگڑتی ہوئی نظر آئی تو میں نتائج کی پروا کیے بغیر سامنے آجاؤں گا۔''

''مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔'' غزالہ کمزور آواز میں بولی ''اس کے ساتھ کھلا تصادم ہم تینوں کے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔''

''بھابی کا خیال درست ہے۔'' اسد نے اس کی تائید کی ''میرے جانے یا اس کے آنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ آیا تو اس کے ساتھ محافظوں کا ٹولا بھی ہوگا۔ ان میں سے کسی کو دو چھتی کا خیال آ گیا تو تم بے بسی سے دوچار ہو جاؤ گے۔''

اس کا اندیشہ درست تھا۔ میں جوش میں آکر یہ فراموش کر گیا تھا کہ راجن ہر وقت محافظوں کے نرغے میں رہنے کا عادی تھا۔ وہ اکیلا ہوتا تو میں اس سے نمٹ سکتا تھا۔ محافظوں کی مسلح بھیڑ سے نمٹنا کسی کے بس میں نہیں تھا۔

سوبھراج کی موت اور پھر موتی محل میں بم کا دھماکا ہونے کے بعد یہ توقع بے سود تھی کہ راجن اپنی کمین گاہ سے تنہا باہر نکلنے کی ہمت کر سکے گا۔

''بہتر یہی ہے کہ فی الحال مزاحمت کا خیال دل سے نکال دیا جائے۔'' کچھ دیر کے سکوت کے بعد میں نے کہا ''ہم اس کی تجویز کے مطابق اس سے مل لیتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کہتا ہے۔''

''اگر اس نے آپ کو پہچان لیا تو کیا ہوگا؟'' غزالہ نے پرتشویش انداز میں کہا۔

''یہی میری اب تک کی کامیابیوں کا راز ہے کہ کوئی مجھے نہیں پہچان سکتا۔ میں حتی الامکان اپنی زبان بند رکھوں گا۔ میں قریب سے مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں کہ میری دھمکی کے بعد اس میں کتنا دم خم باقی رہ گیا ہے۔''

''اتنی سی بات کے لیے تم بہت بڑا خطرہ مول لو گے!''

''ڈان نے اس سے محاذ آرائی پر مجبور کر دیا ہے تو مجھے قریب سے اس کا جائزہ لینا ہی پڑے گا۔''

پچھلی شام تک سب کچھ پرسکون تھا۔ جب سے میں نے سیٹلائٹ فون پر راجن سے بات کی تھی، واقعات میں اچانک تیزی آ گئی تھی۔ چاؤ فان نے اپنے طور پر بھاگ دوڑ شروع کر دی تھی، راجن جوابی وار کی تیاریوں میں لگ گیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آنے والے ایک دو روز اس معاملے میں فیصلہ کن ثابت ہوں گے۔

''آج شام وہی آدمی مجھ سے رابطہ کرے گا۔'' اسد کہہ رہا تھا ''میں اس سے کیا کہوں؟''

''ملاقات کا وقت اور مقام طے کر کے مجھے بتا دو۔ میں تیار رہوں گا۔''

فیصلہ ہو گیا۔ یہ مناسب نہیں تھا کہ اس ملاقات کے لیے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے اسد میری طرف آتا۔ ہمارا واسطہ ایک چالاک مجرم سے تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح راجن یا اس کے آدمیوں کو میرے ٹھکانے کا علم ہو۔ یہ طے ہو گیا کہ میں اس سے کسی طے شدہ مقام پر ملوں گا۔

ہم خاصی دیر تک اس متوقع ملاقات کے مختلف پہلوؤں پر تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ اس دوران میں راجن کے امکانی سوالات کے جواب بھی زیر بحث آئے۔ ان میں... سرفہرست میرا معاملہ تھا۔ اسد کو اس بارے میں اپنی مکمل لاعلمی کا اظہار کرنا تھا۔

کچھ دیر بعد اسد واپس چلا گیا۔

میں نے غزالہ پر اپنی فکرمندی کا سایہ نہیں پڑنے دیا لیکن اندر سے میں مضطرب تھا۔ راجن نے اسد سے رابطہ کر کے معاملات کو بہت زیادہ الجھا دیا تھا۔ اس وقت راجن اور ڈان ایک چکی کے دو پاٹ بنے ہوئے تھے جن کے درمیان ہم کسی بھی وقت بری طرح پس سکتے تھے۔

تین بجے میرے کراچی والے موبائل فون پر جلال کی کال آ گئی۔

خیر خیریت کے تبادلے کے بعد اس نے پاسپورٹوں کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے اسے ڈان کا حتمی فیصلہ سنا دیا ''وہ مجھ سے بہت خوش ہے لیکن پاسپورٹ لوٹانے پر آمادہ نہیں ہے۔ وہ راجن کے خاتمے کے بعد ملیں گے۔''

''پھر تم نے کیا سوچا ہے؟'' جلال نے سوال کیا۔

''میرے سوچنے سمجھنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ تمہاری خواہش پوری ہوگی اور مجھے راجن کے فتنے سے نمٹنا ہوگا۔ اس معرکے میں زندگی رہی تو ملاقات ہوگی۔''

''مایوسی کی باتیں نہ کرو۔ تم اس سے بڑے معرکے سر کر چکے ہو۔ اللہ نے چاہا تو تم اس مقابلے میں بھی سرخ رو رہو گے۔''

''دعائیں اور بددعائیں اس قدر کارگر ہوتیں تو میں ابھی سے راجن کو کوسنا شروع کر دیتا۔''

''یہ دلوں کا معاملہ ہے۔ ہم ہونٹ ہلاتے ہیں لیکن دل

ہماری دعاؤں کا ساتھ نہیں دیتے۔ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی ہر دعا اور بددعا اثر رکھتی ہے۔''

''مجھے یہاں وحشت ہورہی ہے۔ میرا رواں رواں راجن کی تباہی کے لیے دعا گو ہے۔''

''راجن نے سوبھراج کی شناخت نہ بدلی ہوتی تو اس وقت میں تمہارے پاس ہوتا۔ کل تک اسد بھی تمہارا ساتھ چھوڑ دے گا۔ وہ......''

''کیوں......؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر بے تابی سے سوال کیا ''کیا تم نے اسے معطل کردیا ہے؟''

''نہیں۔ بنکاک میں اس کے تقرر کو دو سال پورے ہوچکے ہیں۔ اسے واپس بلایا جارہا ہے۔ رات کو اسے آرڈر فیکس کردیا جائے گا جو وہ صبح دیکھ لے گا۔ اس بارے میں تم اس سے کوئی ذکر نہ کرنا۔''

''کیا اس حکم کو کچھ دنوں کے لیے ٹالا نہیں جاسکتا تھا؟''

''تقرر اور تبادلے اپنے روٹین کے مطابق ہوتے ہیں۔ ان میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔''

''میرے لیے یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ اس سے میری ذہنی ہم آہنگی ہوگئی تھی۔ اس کی جگہ آنے والا میرے کسی کام نہیں آسکے گا۔''

''یہ بات میں بھی سمجھتا ہوں' ہر آنے والے کو اپنے قدم جمانے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔''

''مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے اسے میرا مشورہ ماننے کی سزا دی جارہی ہے۔''

''اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال دو۔ وہ بات میرے اور تمہارے درمیان ہوئی تھی۔ کسی تیسرے کو اس کی بھنک بھی نہیں ملی۔ یہ خیال اپنے ذہن سے جھٹک دو۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''اس بے وقت تبادلے سے اسے رنج ہوگا۔ وہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں میرے ساتھ راجن سے ملنے والا ہے۔'' میں نے اسے اس اہم واقعے سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔

''اس ملاقات کی کیا ضرورت پیش آگئی؟'' میرے الفاظ نے اسے چونکا دیا۔

''مجبوری ہے۔ راجن خود اس سے ملنا چاہتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ اسد سے میرے بارے میں جاننے کی کوشش کرے گا۔''

''یہ کیا کہانی شروع ہوگئی۔ مجھے کچھ تفصیل سناؤ۔'' جلال کی آواز سے بے چینی مترشح تھی۔

''میں اسی لیے کہہ رہا تھا کہ یہ اسد کے تبادلے کا موزوں وقت نہیں ہے۔'' میں نے چھبتے ہوئے لہجے میں کہا اور اختصار کے ساتھ واقعات دہرانے شروع کردیے۔ میں نے یہ ذکر گول کردیا کہ میں چاؤ فان کے ساتھ راجن کے بحری اڈے کا جائزہ لے چکا تھا۔

''ہمارے اندازے درست ثابت ہورہے ہیں۔'' پوری کہانی سن کر جلال مضطربانہ لہجے میں بولا ''سوبھراج کی طرح وہ بھی ایف بی آئی یا سی آئی اے کا ایجنٹ ہے۔ تم نے یکایک اس پر خطرناک دباؤ ڈالا ہے۔

''......اسے یقین ہوگا کہ ڈینی بنکاک میں ہے تو وہ اسد سے ضرور ملا ہوگا۔ اس وقت اسے تمہارے سوا کسی اور کی تلاش نہیں ہوسکتی۔''

میں فون پر جلال سے بات کررہا تھا مگر میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ میرے نزدیک یہ بات طے تھی کہ راجن سے ہماری ملاقات ناکام ثابت ہونا تھی۔ اسد سے میرے بارے میں کچھ معلوم نہ ہونے پر راجن کا چراغ پا ہونا قرین قیاس تھا۔ اس کے بعد وہ اسد کا دشمن ہوسکتا تھا۔ اس سے ملاقات کے بعد اسد بنکاک سے روانہ ہوجاتا تو راجن کی کسی سازش کا شکار ہونے سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس کی جگہ آنے والا آدمی راجن کے لیے نیا ہوتا۔ وہ اسد کا بدلہ اس سے نہیں لے سکتا تھا۔ میرے بارے میں ان خطوط پر اپنا کام جاری رکھنے کے لیے راجن کو نئے آدمی سے ازسرنو رابطہ کرنا ہوتا اور بات دور نکل جاتی۔

''اس وقت یہاں کے حالات بہت نازک ہیں۔'' میں نے جلال سے کہا ''افسران بالا نے اسد کے تبادلے کے احکام جاری کردیے ہیں تو میری ایک گزارش ہے۔ اسے پابند نہ کیا جائے کہ وہ اپنے جانشین کی آمد تک بنکاک میں رکا رہے۔ اسے اپنی صوابدید کے مطابق یہاں سے واپس لوٹنے کی خصوصی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔''

''میں ان نزاکتوں کو سمجھ رہا ہوں۔ دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کرسکتا ہوں۔ ضروری ہوا تو میں خود اس سے بات کرلوں گا۔ تم اس سے کوئی ذکر نہ کرنا۔''

''میری طرف سے بے فکر رہو' میں اس کی سلامتی کے بارے میں فکرمند ہوں' ہوسکتا ہے اس کے تبادلے کا حکم اس کے لیے انعام بن جائے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ اس نے راجن کے بارے میں ابھی تک کوئی رپورٹ نہیں بھیجی۔''

''ہوسکتا ہے کہ اس کی بھیجی ہوئی رپورٹ دفتری پروسیس سے گزر رہی ہو۔ یہ کوئی عام معاملہ نہیں ہے۔ تمہیں اس پر

خصوصی توجہ دینا ہوگی۔''

جلال کی یقین دہانی کے بعد بات ختم ہوگئی۔ وہ تمام تفصیلات اس کے لیے اس قدر پریشان کن ثابت ہوئی تھیں کہ اس نے راجن سے میری ملاقات کے معاملے کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔

''کیا اسد کا تبادلہ ہو رہا ہے؟'' میرے فارغ ہوتے ہی غزالہ نے سوال کیا۔

''ہاں، جلال بتا رہا تھا کہ آرڈرز جاری ہو چکے ہیں۔ شاید یہ اچھا ہی ہوا۔ راجن کی مخاصمت مول لے کر یہاں رہنا خاصا دشوار ہو سکتا ہے۔''

''آپ سے زیادہ مخاصمت کس نے مول لی ہوگی۔ اسے فون کر کے آپ نے اور زیادہ مشتعل کر دیا ہے۔ اسد اسی وجہ سے اس کی نگاہوں میں آیا ہے۔''

''میری اور بات ہے۔ اس کے لیے مجھ تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ اسد ایک شناخت کے ساتھ یہاں رہ رہا ہے، وہ جانا بوجھا آدمی ہے، راجن اس کے ساتھ کوئی بھی گھٹیا حرکت کر سکتا ہے۔''

''اسد چلا گیا تو راجن اس کے جانشین کے پیچھے پڑ جائے گا۔'' وہ بولی۔

''نئے آدمی پر وہ اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں رکھ سکے گا۔ یہ بات وہ جانتا ہوگا کہ نئے آنے والے کو حالات و واقعات کا رخ سمجھنے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔''

''اگر اس نے یہ سمجھ لیا کہ تبادلے کے بہانے اسد کو جان بوجھ کر یہاں سے واپس بلایا گیا ہے تو اس کا کیا ردِعمل ہوگا؟''

''جو بھی ہوگا، دیکھ لیا جائے گا۔ اب مجھے چاؤ فان اور اس کے آدمیوں پر انحصار کرنا ہوگا۔'' میرے موڈ کا اندازہ کر کے غزالہ نے خاموشی اختیار کر لی۔

شام تک چاؤ فان کی طرف سے کوئی خبر نہیں ملی تو میں نے اس کا نمبر ملایا۔ اس نے مایوسی کے ساتھ بتایا کہ گودی کے علاقے میں اپنا آدھا دن برباد کرنے کے باوجود وہ وائٹ ہاک پر لمبی چھٹی کی افواہوں کی تصدیق کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

اس نے ایک اچھا کام کیا تھا کہ ڈان کو میری سرگرمیوں سے باخبر کر دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ میں وائٹ ہاک کو کسی زیر آب کارروائی کے ذریعے تباہ کرنے کے امکانات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے وہ بات مجھے اپنے کارنامے کے طور پر بتائی تھی مگر میں سمجھ رہا تھا کہ اس نے ڈان کو میرا پیچھا کرنے کے بارے میں اپنی رپورٹ دیتے ہوئے ان نکات کا ذکر کیا ہوگا۔ اس کی طرف سے میرا ذہن صاف نہیں تھا لیکن بنکاک میں، میں ڈان اور اس کے آدمیوں سے بنائے رکھنے پر مجبور تھا۔

رات کے آٹھ بجے اسد کا فون آ گیا۔ راجن کے آدمی نے اپنے وعدے کے مطابق اس سے رابطہ کیا تھا اور اسد کو اسی رات، دس بجے موتی محل پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔

''پھر تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے پوچھا۔

''اس نے بلایا ہے تو جانا پڑے گا۔'' اس نے کہا ''میں بالکل خالی ہاتھ جاؤں گا۔ چاہو تو تم اب بھی اپنا ارادہ بدل سکتے ہو۔''

اس کے لب و لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے اس وقت تک اپنے تبادلے کی خبر نہیں ملی تھی۔

''میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا، میرا ارادہ اٹل ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے افسران بالا کو اس جبری ملاقات کے پس منظر سے آگاہ کر دیا ہے۔''

''میں اپنے بڑوں کو پوری طرح باخبر رکھنے کا عادی ہوں۔'' اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا ''میں نے کسی مبالغہ آرائی کے بغیر ایک نوٹ فیکس کر دیا تھا۔ اس میں تمہارا کوئی ذکر نہیں تھا۔ دفتری خط کتابت میں تمہارا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔''

''یہ ضروری تھا۔ کوئی اونچ نیچ ہوئی تو وہ لوگ بات سنبھال لیں گے...... مجھے یہ بتاؤ کہ تم مجھے کب اور کہاں سے لو گے۔''

''ساڑھے نو بجے اپنے ہوٹل سے بائیں طرف برگر شاپ پر مل جاؤ، کوئی اسلحہ ہرگز ساتھ نہ لینا۔ میرا خیال ہے کہ تلاشی کے بغیر ہمیں اس سے ملنے کا موقع نہیں ملے گا۔''

''تم فکر نہ کرو۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ میری وجہ سے تمہیں کسی نئی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ میں ساڑھے نو بجے وہاں مل جاؤں گا۔''

میں فون بند کر کے مڑا تو غزالہ کرسی پر گمبھیر صورت بنائے، خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی وہ اداس لہجے میں بولی ''میں پھر کہہ رہی ہوں کہ آپ وہاں نہ جائیں۔ اسد خود اس کو سنبھال لے گا۔''

''سوگوار ہونے کی ضرورت نہیں، میں اسد سے کم نہیں ہوں۔ راجن کے درشن کر کے تھوڑی دیر میں واپس لوٹ آؤں گا۔'' میں نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

"اسد کی بات دوسری ہے‘ وہ سرکاری آدمی ہے راجن اس سے بدکلامی کرسکتا ہے‘ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ آپ کے ساتھ وہ کوئی بھی بدسلوکی کرسکتا ہے۔"

"میں اب اس شہر سے اکتا گیا ہوں۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی "میری خواہش ہے کہ ہم جلد از جلد یہاں سے نکل جائیں۔ اس کے لیے راجن کا قصہ پاک ہونا ضروری ہے۔ میں اس تک رسائی کا کوئی موقع ضائع نہیں کرنا چاہتا۔"

غزالہ نے مایوس ہوکر خاموشی اختیار کرلی۔ وہ جانتی تھی کہ کسی خوف کی وجہ سے میرے ارادوں میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ پھر بھی وہ اپنی فطرت سے مجبور تھی۔ ہمیشہ مجھے خطرات سے دور رہنے کے مشورے دیتی رہتی تھی۔

اسد سے بات ہونے کے بعد میرے پاس زیادہ وقت نہیں رہا تھا۔ میں نے روم سروس کو آرڈر دے کر کمرے میں کھانا منگوالیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ غزالہ میری واپسی تک بھوکی بیٹھی رہے۔ کھانے سے فارغ ہوکر میں نے تیاری کی اور ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا۔ اسد کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے میں نے بیم گن اپنے ساتھ نہیں لی تھی البتہ انگلیوں میں سفاک نگینوں والی انگوٹھیاں موجود تھیں۔

میں ہوٹل کی لابی میں ٹہل کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا کہ میرے قرب و جوار میں نگرانی کرنے والا کوئی شخص موجود نہ ہو۔ پوری طرح اپنا اطمینان کرنے کے بعد میں ہوٹل کے صدر دروازے کے بجائے دوسری سمت سے باہر نکل گیا۔

میرا اندازہ تھا کہ چاؤ فان نے اپنی رپورٹ دیتے ہوئے ڈان کو یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ میں اس پر اپنی نگرانی کرنے کا شبہ کررہا تھا۔ اس شکایت کے بعد ان دونوں کو محتاط ہوجانا چاہیے تھا۔ شاید ڈان نے میرے شبہات سے آگاہ ہونے کے بعد نگرانی کا سلسلہ ختم کرادیا تھا۔

ہوٹل سے نکلنے کے بعد بھی میں محتاط رہا۔ اس علاقے کی سڑکیں دور تک روشن تھیں۔ کسی کے لیے یہ موقع نہیں تھا کہ وہ نیم تاریکی کی آڑ لے کر کسی کا تعاقب کرسکے۔

میرے پاس برگر شاپ پہنچنے کے لیے کافی وقت تھا‘ میں ٹہلنے کے انداز میں آگے بڑھتا رہا۔ ایک جگہ رک کر میں نے سگریٹ سلگانے کے بہانے‘ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور مطمئن ہوکر آگے بڑھ گیا۔ مقررہ وقت سے تین منٹ پہلے میں برگر شاپ کے سامنے پہنچ چکا تھا۔

میں برگر شاپ کی تیز روشنیوں سے بچ کر ایک کھمبے کی اوٹ میں رکا ہی تھا کہ کسی طرف سے گاہکوں کو تاڑنے والا ایک نوجوان تھائی لپک کر میرے قریب آگیا۔

"سر یو وانٹ گالز...... ینگ ...... ویری بیوٹی فل!" اس نے میری طرف جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ وہ اپنے لب و لہجے سے پڑھا لکھا معلوم ہورہا تھا۔

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور درشت لہجے میں‘ انگریزی میں کہا "دفع ہوجاؤ ورنہ میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔"

اس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اس کے نزدیک میری دماغی صحت مشکوک ہو‘ غنیمت یہ ہوا کہ وہ مزید کچھ کہے بغیر رخصت ہوگیا۔

اسی اثنا میں ایک ٹیکسی میرے قریب آکر رک گئی۔ پچھلی کھڑکی میں اسد کا چہرہ دیکھ کر میں پھرتی سے عقبی نشست پر سوار ہوگیا۔ اسد نے اپنی چہرہ نمائی کراتے ہی سرک کر میرے لیے جگہ خالی کردی تھی۔

میرے سوار ہوتے ہی ٹیکسی ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

"تم بروقت آگئے ورنہ عزت کو خطرات لاحق ہونے لگے تھے۔" میں نے ہنس کر اس سے کہا "کہیں رکنے کے لیے یہ وقت بہت نامناسب ہے۔"

"شام ہوتے ہی جسموں کے بیوپاری اس علاقے کی ساری گلیوں اور سڑکوں میں پھیل جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے تمہیں بھی تاک لیا۔" وہ بولا۔

"قدم قدم پر ملنے والے ان دلالوں نے اس شہر کی شناخت تباہ کرکے رکھ دی ہے۔ ان سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔"

"یہ اس علاقے میں ہونے والی طویل جنگوں کا شاخسانہ ہے جو شہر کے شرفا ابھی تک بھگت رہے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد آٹھ برس انڈوچائنا وار ہوتی رہی۔ اس کے شعلے سرد ہوئے تو ویت نام وار چل پڑی۔ اس نے آس پاس کے ملکوں میں سب کچھ تباہ کردیا۔ وہ بیس اکیس برس اس خطے کے بدترین ماہ و سال تھے......"

"یہ کہانیاں میرے لیے اب نئی نہیں رہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "شاید یہاں کا ہر باسی اپنے دفاع میں یہی کہانیاں دہراتا ہے۔"

"تمہیں بری لگتی ہوں گی مگر یہ باتیں اب تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔"

"اس وقت تاریخ کو چھوڑو اور اپنے جغرافیے کا خیال رکھو۔ پیچھے کوئی مشتبہ گاڑی تو نہیں چلی آرہی!"

وہ جہاں دیدہ سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ میری اچانک یاددہانی پر پیچھے سر گھمائے بغیر نہ رہ سکا۔

''ابھی تک تو میدان صاف ہے۔'' چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

''آج تم دفتر سے کس وقت لوٹے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''تین بجے آگیا تھا اس وقت بھی وہیں سے آرہا ہوں میں نے اسلام آباد کو رپورٹ بھیج دی ہے کہ میں دس بجے اس سے ملنے جارہا ہوں۔''

''ویری گڈ!'' میں سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ سوال کرکے میں صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ تبادلے کی خبر اس تک پہنچی یا نہیں۔ وہ اس وقت تک اس معاملے سے بے خبر تھا۔ پاکستان کا وقت تھائی لینڈ سے دو گھنٹے پیچھے ہوتا ہے۔ وہاں سے رات گئے فیکس کیا جانے والا پیغام بنکاک کے وقت کے مطابق آدھی رات کے بعد ہی موصول ہونے کا امکان تھا۔ جلال کا حساب بالکل درست تھا کہ اسد کو تبادلے کی خبر صبح ملے گی۔

راستے میں ہمارے درمیان راجن یا موتی محل کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ ہماری ٹیکسی سبک رفتاری سے شہر کی مصروف سڑکیں طے کرتی ہوئی، دس بجے سے پہلے موتی محل کے دیوہیکل آہنی پھاٹک کے سامنے رک گئی۔

ڈرائیور پھاٹک کی ہیبت سے مرعوب تھا۔ اسد کے ایما پر اس نے ہلکا سا ہارن بجایا۔ اسی وقت ایک پھاٹک کھل گیا۔ شاید کسی پوشیدہ کیمرے کی آنکھ سے ٹیکسی کو اندرونی چیک پوسٹ پر دیکھ لیا گیا تھا۔ ٹیکسی اندر داخل ہوتے ہی پھاٹک بند ہوگیا۔ گاڑی کو ایک مسلح محافظ نے روک لیا۔

''اسد!'' کسی کے سوال کرنے سے پہلے اسد نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر اپنا نام بتایا ''مجھے دس بجے یہاں بلایا گیا تھا۔'' اس نے وہ فقرے انگریزی میں ادا کیے تھے۔

''تمہیں زحمت ہوگی، ذرا نیچے آجاؤ!'' اسی محافظ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ہتھیاروں کا سراغ لگانے والا ایک برقی آلہ موجود تھا۔

ہم لاکھ راجن کے مہمان سہی لیکن وہاں چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ہم دونوں اپنی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آئے۔

اس محافظ نے وہ آلہ باری باری ہم دونوں کے جسموں کے گرد اوپر سے نیچے تک گھمایا پھر سرسری انداز میں ہمارے جسموں کو ٹٹول کر مطمئن ہوگیا۔ اس دوران میں پھاٹک کے ساتھ بنے ہوئے کمرے سے ایک اور محافظ نمودار ہوکر اپنی سرچ لائٹ کی روشنی میں ٹیکسی کے اندرونی حصوں کی تلاشی لے چکا تھا۔

ہمیں ٹیکسی میں سوار ہوکر برآمدے تک جانے کی اجازت مل گئی۔

وہ واقعی ایک پرشکوہ محل تھا۔ پھاٹک سے آگے اس قدر وسیع وعریض صحن تھا کہ اس میں پھولوں کے تختوں اور گھاس کے طویل قطعات کے درمیان گاڑیاں لانے اور لے جانے کے لیے دو الگ الگ پختہ راستے بنے ہوئے تھے۔ وہ راستے بھی اتنے کشادہ تھے کہ ان پر بہ یک وقت دو گاڑیاں برابر برابر چل سکتی تھیں۔

پورے صحن میں کھمبوں پر جابجا لگی ہوئی روشنیوں نے ہر طرف تیز اجالا پھیلایا ہوا تھا۔ پھاٹک سے اصل عمارت کا فاصلہ کافی زیادہ تھا۔ ہماری ٹیکسی برآمدے کے سنگی زینوں کے قریب رکی تو وہاں بھی ایک مسلح اور باوردی شخص ہماری پیشوائی کے لیے تیار کھڑا ہوا تھا۔ موتی محل میں داخل ہوتے ہی میں نے خود کو بونا محسوس کرنا شروع کردیا تھا۔

بنکاک کے قلب میں واقع اس وسیع رقبے کی مالیت کا صحیح اندازہ لگانا دشوار تھا۔ میں ٹیکسی سے اتر کر مسحور نظروں سے گردوپیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس میں کچھ دخل تصنع کا بھی تھا۔ میں دیکھنے والوں کو یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ اس عمارت کی وسعت اور بناوٹ نے مجھے بہت زیادہ مرعوب کیا تھا۔ اس وقت ایک عام آدمی کی حیثیت سے میرا مرعوب ہونا ہی قرین مصلحت تھا۔

اسد نے ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر فارغ کیا اور ہم دونوں محافظ کے ساتھ سنگ مرمر کے چوڑے زینے طے کرکے وسیع برآمدے میں داخل ہوئے اور اونچے صدر دروازے سے گزر کر ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے جہاں بہ یک وقت ساٹھ ستر افراد کے بیٹھنے کا بندوبست موجود تھا۔

ہمیں احترام کے ساتھ ایک صوفے پر بٹھا کر وہ محافظ صدر دروازے سے باہر نکل گیا۔

میں نے معنی خیز نظروں سے اسد کی طرف دیکھا تو وہ مجھے آنکھ مار کر بولا ''یہ واقعی شان دار محل ہے، ہر چیز سے فراغت اور خوش حالی جھلک رہی ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ راجن کا گھر ایسا پرشکوہ ہوگا۔''

میں خاموش رہا۔ چند منٹ بعد ڈرائنگ روم کے دور افتادہ، اندرونی دروازے سے کرتے اور پاجامے میں ملبوس، ایک سیاہ فام شخص نمودار ہوا جس میں مردانہ حسن ووجاہت نام کی کوئی شے موجود نہیں تھی۔

وہ متوسط قامت اور گٹھیلے جسم کا مالک تھا۔ اس کی گردن اتنی مختصر تھی کہ سامنے سے اس کا سر شانوں کے درمیان ٹکا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے دونوں کان عجیب انداز میں باہر کی طرف نکلے ہوئے تھے مگر اس کے چلنے کا پُرغرور انداز بتا رہا تھا کہ وہی اس محل کا مالک تھا۔

اسد اس کے احترام میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تو مجھے بھی اس کی تقلید کرنا پڑی۔

''ویلکم!'' اس نے دور سے ہاتھ لہرا کر گویا اس تعظیم کو شرف قبولیت بخشا اور کہا ''مجھے خوشی ہے کہ تم وقت پر بلکہ وقت سے ذرا پہلے آ گئے۔ تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟''

اپنی بات مکمل کرتا ہوا' وہ ہم سے کافی دور بیٹھ گیا۔ کبر و نخوت کے باعث اس نے قریب آ کر ہم سے رسماً ہاتھ ملانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

''تلاشی کے سوا کوئی زحمت نہیں ہوئی۔'' اسد نے اپنی جگہ سنبھال کر کہا۔

''یہ مجبوری ہے۔'' وہ بولا ''موتی محل کا پروٹوکول ہے کہ یہاں صرف میرے آدمی مسلح رہتے ہیں۔ باہر سے آنے والوں کے ہتھیار گیٹ پر لے لیے جاتے ہیں جو واپسی پر انہیں لوٹا دیے جاتے ہیں۔''

''میں نے سنا تھا کہ چند روز پہلے بہت سے مسلح امریکی فوجی کافی دیر تک یہاں رہے تھے۔'' اس بار میں اس کی اوقات یاد دلائے بغیر نہ رہ سکا۔

''ہاں...... وہ حرامی کسی قاعدے قرینے کی پروا نہیں کرتے۔ یہاں آئے تھے اور معافیاں مانگ کر واپس چلے گئے...... تمہیں یہ بات دہرانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟'' اس نے برہمی سے کہا۔

''میں نے افسوس کے اظہار کے لیے وہ ذکر کیا ہے۔'' میں نے جلدی سے بات گھما دی ''یہ واقعی اندھیر ہے کہ وہ کسی بات کا لحاظ نہیں کرتے۔''

''تم دونوں میں اسد کون ہے؟'' اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر خفگی سے پوچھا اور میں نے اسد کی طرف اشارہ کر دیا۔

''تمہارا ساتھی بدتمیز ہے۔'' اس بار وہ اسد سے مخاطب ہو گیا ''اسے یہ نہیں معلوم کہ ہمدردی جتانے کے لیے زخموں کو کریدا نہیں جاتا...... اور پھر اسے میرے معاملات پر افسوس کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ میرے برابر کا آدمی نہیں ہے۔''

''بالکل!'' اسد نے سر ہلا کر اس کی تائید کی ''تمہارا سماجی رتبہ بہت بلند ہے۔''

''جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟'' اسد نے اس کے سوال پر بے بسی سے اپنا سر ہلا دیا۔

''ڈینی...... وہ اس وقت کہاں ہوگا؟'' راجن نے صبر و تحمل کو بالائے طاق رکھ کر براہِ راست سوال کر ڈالا ''مجھے اس کی تلاش ہے۔''

''نام میرے لیے اجنبی نہیں ہے مگر میں اس سے واقف نہیں ہوں۔''

''تم یہاں آئی بی کا بیورو چلاتے ہو۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ ڈینی کو کس کس نے پالا ہوا ہے؟''

''ڈینی پاکستان میں ہے میں دو برس سے یہاں ہوں۔ اس سے پہلے مصر اور مسقط میں چار برس گزار چکا ہوں۔ ان چھ برسوں میں وہاں کیا ہوتا رہا ہے' میں اس سے بہت زیادہ باخبر نہیں ہوں۔'' اس نے بے مثال صداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''وہ پاکستان میں نہیں ہے' بنکاک آیا ہوا ہے۔ اس کا کوئی ساتھی پہلے سے یہاں موجود ہے یہ ممکن نہیں کہ اس نے تم سے رابطہ نہ کیا ہو۔'' وہ غصیلی آواز میں گرجنے لگا ''اسے تمہاری کئی ایجنسیوں نے پالا ہوا ہے وہ بدمعاش اور دہشت گرد ہے۔ مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں ہے۔''

''کم از کم میری ایجنسی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اسد نے اس کے لب و لہجے سے مرعوب ہوئے بغیر کہا ''وہ بلیک میلر ہے اگر میرے ادارے کے کسی افسر کو بلیک میل کر رہا ہو تو دوسری بات ہے ورنہ محکمے کا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

''میں بھی یہی کہہ رہا ہوں' وہ پکا بلیک میلر ہے تم پتا چلاؤ کہ وہ بنکاک میں کہاں چھپا ہوا ہے۔ اس کا کھوج نکالو میں تمہیں نہال کر دوں گا۔''

''میرے لیے یہی عزت افزائی کافی ہے کہ تم نے اپنی ہم نشینی کی عزت دی ہے' میں اس سے زیادہ کا طلب گار نہیں ہوں۔ میرا محکمہ کہے گا تو میں ضرور اسے تلاش کروں گا۔ میں اسے چھیڑ کر اپنے لیے مشکلات پیدا نہیں کروں گا۔''

''تمہارے محکمے کے بارے میں' میں نے اڑتی اڑتی خبریں سنی ہیں مگر اس بات کے ثبوت موجود ہیں کہ تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس اس کی پشت پناہ ہے۔''

''میرے لیے اس فورس کا نام بھی نیا ہے۔'' اسد نے نرمی سے کہا۔

''بکو مت!'' راجن غصے سے پیر پٹخ کر دھاڑا ''وہ ایک

کھلا راز ہے تم لوگ اس کے وجود سے انکار کرتے ہو مگر وہ میری اور تمہاری طرح موجود ہے۔''

''میں نے تم سے کہا نا کہ میں چھ برس سے پاکستان سے باہر ہوں......''

''مجھے بار بار یہ بات مت جتاؤ' ایجنسیوں کے آدمی دنیا میں جہاں بھی ہوں' اپنے مرکز سے ہر وقت رابطے میں رہتے ہیں' باخبر رہنا ان کی ڈیوٹی میں شامل ہوتا ہے۔''

''مگر اپنے کاموں کی حد تک۔'' اسد نے اس کی بات میں ٹکڑا لگایا ''ہم لوگ دوسروں کے معاملات میں غیر ضروری طور پر اپنی ٹانگ نہیں اڑاتے۔''

''ڈینی نے اس شیطانی فورس کے ساتھ مل کر پاکستان میں میرے کئی دوستوں کی زندگیاں برباد کی ہیں۔ اب وہ یہاں ہے اور اس کی نظر مجھ پر ہے۔ تم اتنے معصوم بن رہے ہو کہ تمہیں ڈینی کی خبر ہے نہ تم ایس ٹی ایف کو جانتے ہو!'' وہ زہریلے لہجے میں بولا۔

''راجن! میں دو برس سے یہاں ہوں' میں نے کبھی تمہارا راستہ کاٹنے کی کوشش نہیں کی۔ تمہارے باطن میں جھانکے بغیر میں تمہارے ظاہری مقام کی عزت کرتا ہوں۔ اسی لیے میں یہاں نظر آ رہا ہوں۔ مجھے دباؤ میں لانے کی کوشش نہ کرو۔ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے ہو تو اسلام آباد میں میرے بڑوں سے بات کرو۔ میں پاکستان اور تھائی لینڈ کے قوانین کا پابند ہوں۔ تم مجھے کسی غیر قانونی کام پر مجبور نہیں کر سکتے۔ میرا ڈینی وغیرہ سے کوئی تعلق یا واسطہ نہیں ہے۔''

اسد نے پوری بے خوفی سے راجن کو جواب دے کر مجھے حیران کر دیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس بدمعاش کا اتنی پامردی سے سامنا کر سکے گا۔

''مجھے قانون پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ سب جانتے ہیں کہ ممبئی سے بنکاک تک میرا کہا ہوا ہر لفظ قانون پر بھاری ہوتا ہے۔ میں نے سب کچھ اپنے زور بازو سے حاصل کیا ہے۔ میں ٹکے ٹکے کے افسروں کو چیونٹیوں کی طرح مسل سکتا ہوں۔''

''مجھے افسوس ہے کہ اس بار تم غلط آدمی سے ٹکرائے ہو۔ میں اپنی ارجنٹ رپورٹ میں تمہاری ان دھمکیوں کا ذکر بھی کروں گا۔ فرائض کی بجا آوری کے دوران مجھے تحفظ فراہم کرنا میری حکومت کے ساتھ تھائی حکومت کی بھی ذمے داری ہے۔'' وہ بہت خوب صورتی سے اپنا دامن بچا کر بات کر رہا تھا۔ ڈھکے چھپے الفاظ میں وہ سب کچھ کہہ گیا تھا۔ اس نے راجن کو براہ راست مشتعل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

راجن اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر چند ثانیوں تک اسد کو پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتا رہا پھر پھٹ پڑنے والے انداز میں بولا ''تمہیں معلوم ہے کہ میں بنکاک کے پولیس کمشنر کو ہر مہینے ایک لاکھ بھات دیتا ہوں۔ میرے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ میں تمہاری قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ڈینی میرے سائے سے بھی بھڑ کے گا۔ تم اسے آسانی سے تلاش کر سکتے ہو۔ اسے ڈھونڈو' گھیرو اور مجھے بتا دو۔ باقی کام میں خود کر لوں گا۔''

اسد کے ہونٹوں پر استہزائی مسکراہٹ تیر گئی۔ اس نے پرسکون لہجے میں کہا ''ڈینی پر امریکا نے دو ملین ڈالر کا انعام رکھا ہوا ہے' پاکستانی حکومت نے ایک لاکھ روپے کا انعام مقرر کیا ہے۔ کسی بکنے والے کے لیے یہ بڑے انعام ہیں۔ اس کے باوجود ڈینی آزاد ہے۔ خود سوچو کہ مجھ جیسا تنہا آدمی اس تک کیسے پہنچ سکتا ہے! ایسی باتیں کر کے تم اپنی توقیر گھٹا رہے ہو۔''

''میری آمدنی بے حساب ہے۔ مجھے ان انعاموں کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں منہ مانگی رقم دوں گا' دونوں انعام بھی تمہارے ہوں گے۔ ایسے سودے زندگی میں کبھی کبھار ملتے ہیں۔ میری بات مان لو۔ تمہاری آنے والی نسلیں عیش کریں گی۔''

''میں اپنی آیندہ نسلوں کا سودا نہیں کر سکتا۔'' اسد نے ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ''تم فوری طور پر میری واپسی کا بندوبست کرو۔''

''بیٹھ جاؤ!'' اس نے اپنا ہاتھ فضا میں جھٹک کر سختی سے کہا ''میں گھر میں بلائے ہوئے کسی آدمی پر ہاتھ نہیں اٹھاتا...... میں تمہیں سولی نہیں لگاؤں گا۔ بیٹھ کر اطمینان سے بات کرو۔ میں تمہیں جانے سے نہیں روکوں گا۔''

اسد نے بادل نخواستہ' صوفے پر دوبارہ بیٹھتے ہوئے کہا ''مجھے یہ اندازہ ہوتا کہ تم میرے دام لگانے کی کوشش کرو گے تو میں تمہارے آدمی سے معذرت کر لیتا' ہرگز یہاں نہ آتا۔ تم گھر بلا کر میری توہین کر رہے ہو۔''

میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اسد کی طرح راجن بھی اپنا دامن بچا کر بات کر رہا تھا۔ اس نے پاکستان میں اپنے کئی دوستوں کی زندگیاں برباد ہونے کا تذکرہ کیا لیکن بھول کر بھی سوبھراج کا نام اپنی زبان پر نہیں لایا تھا۔ اس نے سوبھراج کی موت کو چھپایا تھا۔ اس وقت بھی وہ اس کا نام درمیان میں لانے سے گریز کر رہا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ انسان کی زندگی کتنی حقیر اور بے

وقعت ہے!'' اس نے اپنی جگہ پر آگے جھک کر چبھتے ہوئے لہجے میں کہا'' سڑک پر کوئی گاڑی اسے ٹکر مار دے تو وہ ختم ہو جاتا ہے۔ رات کے اندھیرے میں کوئی لٹیرا پیچھے سے آکر چاقو گھونپ سکتا ہے' ہزار طریقے ہیں۔ آدمی ایک پل میں کسی اور جہان میں پہنچ جاتا ہے۔''

''تمہیں یہ سب باتیں بتانے کی ضرورت نہیں۔'' اسد نے ترش روئی سے اس کی بات کاٹ کر کہا'' تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ میں مسلمان ہوں' میرا ایمان ہے کہ میرا وقت پورا نہ ہوا تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے نہیں مار سکے گی' سانس پورے ہو گئے تو کوئی نہیں بچا سکے گا۔ تم ان باتوں سے ڈرا کر مجھے خریدنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔''

''میں ڈرانے دھمکانے کا قائل نہیں ہوں۔'' وہ زہریلے لہجے میں بولا'' تمہیں یہ سمجھا رہا ہوں کہ دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر مول نہیں لیا جاتا۔ تم سرکاری افسر ہو میں تمہیں ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ دعوت دے کر بلایا ہے تو عزت سے رخصت کروں گا مگر بنکاک بہت بڑا شہر ہے' یہاں سے جانے کے بعد تمہارے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی ذمے داری مجھ پر نہیں ہو گی۔''

''میں اس کا جواب دے چکا ہوں۔ میں ڈینی کو نہیں جانتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ بنکاک آیا ہوا ہے۔ تم اس شہر کے بارسوخ اور نامور آدمی ہو۔ وہ یہاں ہے تو تم خود اسے تلاش کر لو۔''

''تم کیوں خاموش ہو؟'' وہ اچانک مجھ سے مخاطب ہو گیا۔

''تم نے مجھے بدتمیز قرار دے کر خاموش کرایا ہے۔'' میں نے اداسی سے کہا'' میں حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ اجازت ہو گی تو بولنا شروع کر دوں گا۔''

میرے جواب پر وہ اپنی جگہ پر بل کھا کر رہ گیا۔ مجھے گھورتا رہا پھر ترش لہجے میں بولا'' تم نے سب باتیں سنی ہیں' کیا اسد سمجھداری سے کام لے رہا ہے؟''

''اسد بکنے والا آدمی نہیں ہے۔ اس کے دام لگا کر تم نے اسے بھڑکا دیا ہے۔ سیدھی بات کرتے تو یہ ڈینی کی تلاش میں تمہاری مدد کر سکتا تھا۔ یہ اسے پسند نہیں کرتا۔''

''مجھ سے غلطی ہو گئی ہے تو اب تم اسے سمجھانے کی کوشش کرو۔''

''بے سود کوشش سے کیا حاصل ہو گا...... تم نے بات بگاڑ دی ہے۔ یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ ڈینی کو پاکستانی ایجنسیوں نے پالا ہوا ہے۔ وہ بدمعاش اور اول درجے کا بلیک میلر ہے۔ اس کے چنگل میں پھنسے ہوئے افسر اس کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہیں اور اس کے گن گاتے رہتے ہیں۔ وہ کسی طرح تم سے کم نہیں ہے۔''

''کیا بکتے ہو!'' وہ بپھر کر دہاڑا۔'' میں بدمعاش اور بلیک میلر ہوں؟''

میں نے سہم جانے کی اداکاری کی اور کہا'' دونوں باتوں کو ایک ساتھ نہ ملاؤ' مم...... میرا مطلب تھا کہ تمہاری طرح اس کے ہاتھ بھی بہت لمبے ہیں۔''

میں نے اس کی زبان سے سن لیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں ہمارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرے گا۔ وہ بات میرے لیے حوصلہ افزا تھی۔ میں کسی خوف کے بغیر اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر سکتا تھا' موتی محل سے نکلنے کے بعد جو کچھ ہوتا اسے بعد میں دیکھ لیا جاتا۔

''وہ دو ٹکے کا لفنگا ہے' چور کی طرح چھپتا پھرتا ہے' ہزاروں لوگ اس کے دشمن ہیں' میں عزت کے ساتھ کھلے بندوں رہتا ہوں۔ میرا اور اس کا کیا مقابلہ ہے!''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ لوگوں کو بلیک میل کرتا ہے' تم انہیں خرید لیتے ہو۔ دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔''

''اسد نہیں مانتا تو کیا تم میرے لیے کام کرو گے؟''

''میں اسد کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔'' میں نے اسے گول مول جواب دیا'' سچ پوچھو تو میں خود بھی اس بات سے بے خبر ہوں کہ ڈینی یہاں آیا ہوا ہے۔ یہاں ہونے والے واقعات سے اسد فکر مند تھا کہ کہیں نہ کہیں گڑبڑ ضرور ہے......''

''تم کن واقعات کی بات کر رہے ہو؟'' راجن نے میری بات کاٹ کر بے چینی سے پوچھا۔

''تم پھر کہو گے کہ میں تمہارے زخموں کو کرید رہا ہوں۔''

''تم میرے کاروباری ٹھکانوں پر دھماکوں کی بات کر رہے ہو؟'' اس نے تصدیق چاہی۔

''دھماکے ہوئے' گولڈن ڈریگن میں ایک آدمی مارا گیا پھر لوپ بوری میں تمہارا ڈرائیور قتل ہوا اور ایک مہمان کی لاش جنگل سے ملی۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے کسی سے تمہاری گینگ وار چل رہی ہو۔'' میں نے موقع ملتے ہی اس کے سارے زخموں پر نمک پاشی کر ڈالی۔

''کسی میں مجھ سے لڑنے کا حوصلہ نہیں ہے۔'' اس نے تلخی سے کہا'' جیسے کریم لالہ اور حاجی مستان نے تربیت دی ہو

اس کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔ یہاں ڈان برنارڈ کا راج ہوا کرتا تھا۔ میں آیا تو وہ چوہے کی طرح اپنے بل میں دبک گیا۔ یہ سب کسی اوچھے دشمن کی حرکتیں ہیں اور وہ ڈینی ہے۔ اسی لیے مجھے اس خبیث کی تلاش ہے۔''

شیخی بگھارنے کے چکر میں اس نے اپنے استادوں کے نام بھی کھول دیے۔ وہ ممبئی کی زیرزمین دنیا کے معروف نام تھے جن کے سامنے بھارتی پولیس اور انٹرپول بھی بے بس تھی۔

''اب سمجھ میں آیا کہ تم نے ہمیں کیوں بلایا ہے۔ ڈینی تمہیں دکھ دے رہا ہے اور تمہاری دسترس سے باہر ہے۔ تم چاہتے ہو کہ ہم اسے پکڑ لیں۔'' میں نے احمقانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

''یہ بات اسد کو بھی سمجھ لینی چاہیے۔ چاہو تو میں تمہیں وقت دے سکتا ہوں۔'' اس نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میری زبان سے اپنی ناکامیوں کا ذکر سننے کے بعد اس کا ابتدائی دم خم رخصت ہو چکا تھا۔ اس کے تاریک چہرے پر اشتعال کی جگہ فکر و تشویش نے ڈیرے ڈال دیے تھے۔ اپنی طرف سے وقت دینے کی پیشکش کر کے اس نے میرا دل خوش کر دیا۔ اس وقت میں خود بھی یہی چاہ رہا تھا۔

راجن سے ہمارا آمنا سامنا ہو گیا، کھل کر باتیں ہو گئیں۔ اس کے بعد اسد کو پاکستان لوٹ جانا تھا۔ اس کی واپسی پر راجن اپنا سر پیٹ کر رہ جاتا۔ اس کے لیے میری حیثیت اسد کے معاون سے زیادہ نہیں تھی، بنکاک میں سیکڑوں پرجوش پاکستانی رہ رہے تھے جو وطن سے دوری کے باعث ہر وقت اپنے ملک کے لیے کچھ کر گزرنے کے جذبے سے سرشار رہتے تھے۔ راجن نے مجھے ان میں سے سمجھ لیا تھا اور میرے بارے میں زیادہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس نے شاید یہ فرض کر لیا تھا کہ میں اسد کا طفیلی تھا۔ وہ جب چاہتا، اسد کے ذریعے مجھ سے رابطہ کر سکتا تھا۔

میں نے اسد سے نظریں بچا کر راجن کو آنکھ ماری اور کہا ''بڑے فیصلے چٹکی بجاتے میں نہیں ہوتے۔ بہتر یہی ہے کہ فیصلے کو کسی بھلے وقت کے لیے ملتوی کر دو۔''

''یہی ٹھیک ہے!'' اس نے بلاتردد میری بات مان لی، میرے آنکھ مارنے سے اسے یہ خوش فہمی ہو گئی کہ مجھ پر اس کا جادو چل گیا ہے۔

''تم کو غور کرنا چاہیے کہ وہ اپنی حرکتوں سے تمہارے ملک کو بدنام کر رہا ہے۔'' راجن اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا ''بھارتیوں کا دشمن ہے، غریب امریکیوں کو مار رہا ہے، حد تو یہ ہے کہ اس کے عزت دار ہم وطن بھی اس کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے میری دشمنی کو ایک طرف رکھ دو تب بھی تمہیں اس کو روکنا چاہیے۔''

''تم اس طرح بات کر رہے ہو جیسے وہ ہماری پہنچ میں ہے اور ہم نے دانستہ اسے ڈھیل دی ہوئی ہے۔'' اسد نے شکوہ کیا وہ تسلسل کے ساتھ اپنے ایک ہی موقف پر قائم تھا۔

''اس کا پیچھا نہ کرنا اسے ڈھیل دینے کے برابر ہے۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا ''میری ان باتوں پر غور کرو۔ جلد ہی ہماری دوسری ملاقات ہو گی اور ہاں اس وقت جو تلخیاں پیدا ہوئی ہیں، انہیں بھلا دینا!''

اس نے کسی کو آواز دی۔ ہمیں اندر لانے والا محافظ اسی لمحے ڈرائنگ روم میں آ گیا، راجن ہمیں اس کے حوالے کر کے اندر چل دیا۔

ہم موتی محل میں داخل ہوئے تو پورچ میں نئے ماڈل کی دو چمکتی ہوئی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ہماری واپسی پر ان میں اس سفید لینڈ کروزر کا اضافہ ہو چکا تھا جسے لوپ بوری کے ریسٹ ہاؤس کے باہر دیکھا گیا تھا۔ اس گاڑی نے سوبھراج کو موتی محل کی عافیت سے نکال کر لوپ بوری کے مقتل تک پہنچایا تھا۔

محافظ نے برآمدے کی سیڑھیوں پر ہمیں رخصت کر دیا اور ہم پیدل پھاٹک کی طرف چل دیے۔

''تم نے اسے آنکھ کیوں ماری تھی؟'' برآمدے سے کچھ دور نکل کر آنے کے بعد اسد نے دھیمی اور متجسس آواز میں پوچھا۔

''بے چارے کو کسی نہ کسی خوش فہمی میں مبتلا کرنا ضروری تھا۔ دوسری صورت میں یہ ملاقات بہت زیادہ طول پکڑ سکتی تھی۔''

''یہ اچھا نہیں ہوا۔ اگلی ملاقات میں اس کی توقعات زیادہ ہوں گی۔''

''ہو سکتا ہے کہ اس سے اگلی ملاقات کی نوبت ہی نہ آئے۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''نوبت آئے یا نہ آئے، تم نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔'' وہ مسکرا کے بولا ''ایک ایک کر کے اس کے سارے زخم تازہ کر دیے۔'' میرا ذومعنی تبصرہ اس کے لیے سپاٹ ثابت ہوا۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ اپنے کرتوتوں کی طرح بدصورت ہوگا۔ یہ قدرت کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ بعض

لوگوں کی صورت پیدائش کے وقت سے ہی ان کے مستقبل کا آئینہ ہوتی ہے۔ اگر شیطان کا تصویری خاکہ بنانے کے لیے کہا جائے تو میرے ذہن میں اسی کی صورت ابھرے گی۔"

موتی محل سے نکل کر ہم نے ٹیکسی پکڑی اور واپس روانہ ہوگئے۔ پروگرام کے مطابق اسد کو مجھے چھوڑ کر آگے نکل جانا تھا۔

راجن سے ملاقات میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی تھی کہ میری دھمکی نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا وہ اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا کر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ میری دی ہوئی مہلت ختم ہونے سے پہلے میرا کام تمام کر سکے۔ میرے اور اس کے درمیان شروع ہونے والی سرد جنگ بہت تیزی سے عروج پر پہنچ گئی تھی۔

ٹیکسی ڈرائیور مقامی تھا۔ ہم دونوں بے فکری سے اردو میں باتیں کرتے رہے اور سفر جاری رہا۔

رات کے ان لمحات میں بنکاک کی سڑکوں پر ٹریفک کی بھیڑ بڑھ جاتی ہے، سیر و سیاحت کے لیے آنے والوں کے ساتھ مقامی باشندے بھی رات کے کھانے سے فارغ ہو کر سیر و تفریح کے لیے گھروں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ڈرائیور اس بھیڑ بھاڑ سے بچنے کے لیے شہر کی پر پیچ گلیوں سے گزر کر ہمیں منزل تک پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں راستے بھر مڑ مڑ کر پیچھے کا جائزہ لیتا رہا۔ راجن جیسے بدفطرت انسان سے کچھ بعید نہیں تھا کہ ہمیں مفاہمانہ انداز میں رخصت کر کے وہ اپنے غنڈوں کو ہمارے پیچھے لگادے۔ اندھیرے میں پیچھے سے آنے والی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کی روشنی کے سوا کچھ اور دیکھنا ممکن نہیں تھا پھر بھی مجھے اطمینان تھا کہ ان ٹیڑھی میڑھی اور نیم تاریک گلیوں میں کوئی مشتبہ کار ہمارے پیچھے نہیں لگی ہوئی تھی۔

دنیا کے دوسرے بڑے شہروں کی طرح بنکاک کے بھی کئی چہرے ہیں۔ تفریح گاہوں، معروف سڑکوں، بازاروں اور سیاحوں کی گزرگاہوں کی دیکھ بھال پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ رات کا اندھیرا پھیلتے ہی یہ علاقے رنگارنگ روشنیوں سے جگمگا اٹھتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے جیسے دنیا کی ساری دولت ان ہی علاقوں میں سمٹ آئی ہے لیکن شہر کے اندرونی حصوں کا حال مختلف ہے۔

صفائی ستھرائی اور دیکھ بھال کا فقدان وہاں پاکستان کی یاد دلاتا ہے۔ شہر کے کئی حصوں میں کچی آبادیاں بھی ہیں جہاں کوئی غیر ملکی نہیں جاتا۔ اس وقت ٹیکسی میں اندرون شہر کے راستوں سے گزرتے ہوئے مجھے شدت سے روشنی کی کمی کا احساس ہو رہا تھا۔ ان تپلی تپلی سڑکوں پر سرے سے اسٹریٹ لیمپس نہیں تھے اور تھے تو وہ روشن نہیں تھے۔

ہماری ٹیکسی ایسی ہی تپلی سی سڑک سے گزر رہی تھی کہ پیچھے سے ایک کار تیز رفتاری سے ہمارے قریب آئی۔ اس کے ہارن پر ڈرائیور نے ٹیکسی ایک کنارے پر لے کر اسے آگے نکلنے کا راستہ دے دیا۔ وہ سفید رنگ کی کرولا تھی۔ ہماری ٹیکسی سے آگے نکلتے ہی اچانک کار ترچھی ہوگئی۔ اس کی رفتار بھی کم ہوگئی ٹیکسی ڈرائیور کے پاس بریک لگانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اسے بریک لگانے میں ذرا بھی تاخیر ہوتی تو اس کی گاڑی کا اگلا فینڈر سفید کرولا میں گھس جاتا۔

ہمارا ڈرائیور اپنی زبان میں بڑبڑا رہا تھا۔ لمحہ بھر میں ٹیکسی کے آگے بڑھنے کی راہ مسدود ہوگئی اور کرولا سے چار تنومند .... مقامی پھرتی سے نیچے اتر آئے۔

ان کے تیور خراب اور ارادے خطرناک تھے۔ ان کے قریب آنے سے پہلے میں ٹیکسی سے نیچے اتر چکا تھا۔ نیچے قدم رکھتے ہی مجھے احساس ہوا کہ ہم غلط جگہ گھر لیے گئے تھے۔ وہ شہر کا کوئی تجارتی بازار تھا جو اس وقت بند پڑا ہوا تھا۔ گلی میں پھیلی ہوئی اجناس وغیرہ کی بو تیزی سے نتھنوں میں گھس رہی تھی۔ میرے پاس ان جزئیات پر غور کا وقت نہیں تھا۔ کرولا سے اترنے والے دو پستہ قامت مقامی میری طرف بڑھے۔ بقیہ دو نے اسد کو ٹیکسی سے اترنے سے پہلے چھاپ لیا۔

میں نے پوری قوت سے ایک کے منہ پر مکا رسید کیا۔ اس کے منہ سے تیز ہچکی جیسی آواز نکلی اور وہ لڑکھڑا گیا۔ دوسرے کو مجھ پر وار کرنے کا موقع مل گیا۔ میں نے اس کا مکا اپنی کلائی پر روک کر اپنا داہنا گھٹنا پوری قوت سے اس کے پیٹ کے نچلے حصے پر مارا۔ وہ اوغ کی آواز کے ساتھ، اپنا پیٹ تھام کر دہرا ہوگیا۔ میں نے بڑھ کر اسے اپنے زوردار مکوں کی زد پر لے لیا۔

میرا گھونسا کھا کر الٹنے والا سنبھل کر دوبارہ حملہ آور ہوا۔ میں اس کے ساتھی کے ساتھ گتھا ہوا تھا۔ وہ کسی جونک کی طرح میری ٹانگوں سے لپٹ کر مجھے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ دونوں گینڈوں کی طرح سخت جان اور رزورآور تھے۔ میں نے پہلی نظر میں دیکھ لیا تھا کہ ان چاروں کی جسمانی ساخت کم و بیش یکساں تھی۔ ان سے اپنی لڑائی لڑتے ہوئے مجھے اسد کی فکر تھی اور میرے کان ادھر سے آنے والی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ مجھے اندازہ ہوا کہ اسد بھی جم کر اپنے حریفوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ میں نے یکسو ہو کر اپنی ساری توجہ

اپنے حریفوں پر مرکوز کردی۔
ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ان کے ہاتھوں میں کسی قسم کا اسلحہ نہیں تھا۔ واضح طور پر وہ ہمیں جان سے مارنے کے ارادے سے نہیں آئے تھے۔ شاید راجن نے انہیں ہماری ٹھکائی کرنے کے لیے ہمارے پیچھے روانہ کیا تھا۔
میں نے اپنے جسم کو بل دے کر ذرا سی گنجائش پیدا کی اور اپنے سامنے والے کے چہرے پر شدید ٹکر رسید کردی۔ وہ کراہ کر لڑکھڑایا۔ اس کے بوجھ کے نیچے دبتے ہی دوسرے آدمی کی گرفت کمزور ہوگئی۔ اپنی پنڈلیوں کو ذرا سی آزادی ملتے ہی میں نے نیچے جھکے ہوئے حریف پر اندھا دھند گھٹنے کی ضرب لگائی جو میری خوش قسمتی سے اس کے چہرے پر پڑی اور مجھے ان دونوں کی گرفت سے آزاد ہونے کا موقع مل گیا۔
میری ٹکر کھانے والے کی پیشانی اور ناک خون سے رنگین ہوچکی تھی۔ اس کے خون کی چپچپاہٹ میں اپنی پیشانی پر محسوس کررہا تھا۔ میں نے قدرے پیچھے سرک کر پختہ سڑک پر اپنے قدم جمائے اور ان دونوں کو بہ یک وقت اپنے مکوں کی زد میں لے لیا۔
اس دھینگا مشتی میں ہم گاڑیوں سے کچھ دور ہٹ گئے تھے۔ ہمارا ٹیکسی ڈرائیور اچانک ہونے والے تصادم سے دہشت زدہ ہوگیا تھا۔ موقع ملتے ہی اس نے ٹیکسی ریورس کی اور اپنے کرائے وغیرہ کی پروا کیے بغیر وہاں سے فرار ہوگیا۔
اس وقت تک میرے دونوں حریف مجھے کوئی ضرب لگانے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔ وہ اپنی عددی برتری اور طاقت کے گھمنڈ میں اندھا دھند حملہ آور ہوئے تھے نتیجہ ان کے خون آلود چہروں سے صاف ظاہر ہورہا تھا۔
وہ دو تھے اور چار ہاتھوں سے حملہ آور ہورہے تھے۔ مکے بازی کے اس مقابلے میں میرے جبڑے پر دو چوٹیں آئیں تو میں ہل کر رہ گیا۔ وہاں دور دور تک بیچ بچاؤ کرانے والے کسی متنفس کا پتا نہیں تھا۔ وہ مقابلہ طول پکڑتا جارہا تھا۔
ان میں سے ایک نے میرے دوسرے جبڑے کا نشانہ لے کر مکا چلایا۔ میں نے اپنے جسم کو پھرتی سے پیچھے سمیٹ کر اس ضرب سے بچالیا حملہ آور اپنی جھونک میں جیسے ہی آگے جھکا، میں نے اس کی بائیں کنپٹی پر اپنی پوری قوت سے ایک گھونسا رسید کیا اور وہ تیورا کر وہیں ڈھیر ہوگیا۔
اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر دوسرے کے پیر اکھڑ گئے۔ وہ ایک پر ایک کا مقابلہ تھا۔ اسے اپنا انجام سامنے نظر آرہا تھا ایک مرتبہ میں نے جوں ہی اسے جھکائی دی، وہ مجھ پر دوسرا حملہ کرنے کے بجائے' پلٹ کر پوری قوت سے بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے بھی غیر ارادی طور پر اس کے پیچھے دوڑ لگادی۔ اس وقت میرے دماغ پر مارنے یا مرجانے کا جنون سوار ہوچکا تھا۔
بھاگنے والے کی رفتار بہت تیز تھی۔ اپنے بھاری وجود کے ساتھ وہ سبک رفتاری سے دوڑ رہا تھا اور لحہ بہ لحہ ہمارا درمیانی فاصلہ بڑھتا جارہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں اپنی پوری طاقت صرف کرکے بھی اسے نہیں پکڑ سکوں گا۔ میرے سر پر اسد کی فکر بھی سوار تھی۔ میں تیزی سے واپس ہولیا۔
میں واپس لوٹا تو میرا گھونسا کھا کر تیورانے والا غائب تھا۔ موقع غنیمت جان کر وہ خاموشی سے کہیں کھسک گیا تھا۔ دوسری طرف اسد ان دونوں سے اپنے بچاؤ کی جان توڑ کوششوں میں مصروف تھا۔ میں بھگوڑوں کی فکر چھوڑ کر اسد کی مدد کو پہنچ گیا۔ ان تینوں کے چہرے بری طرح سوجے ہوئے تھے اسد ان سے پٹا ضرور تھا لیکن اس نے بھی ان دونوں کو بہت بے رحمی سے ادھیڑا تھا۔
میں نے جاتے ہی، ان میں سے ایک کو کمر سے پکڑ کر زمین سے اوپر اٹھایا اور بے رحمی سے نیچے پھینک دیا۔ پیچھے سے ہونے والا حملہ اس کے لیے ہمت شکن ثابت ہوا۔ وہ اپنی کمر تھام کر سڑک پر لہراتا رہ گیا۔ میں پھرتی سے چوتھے کی طرف متوجہ ہوگیا۔
طاقت کا توازن اچانک الٹ گیا تھا۔ پہلے وہ دونوں مل کر اسد کو ماررہے تھے۔ اب وہ اکیلا ہم دونوں کے رحم و کرم پر تھا۔
مجھے ان کی لڑائی میں حصہ نہیں لینا پڑا۔ میری موجودگی نے چوتھے آدمی کو اتنا حواس باختہ کردیا کہ اسد نے اس کے چہرے پر تابڑ توڑ کئی مکے رسید کرکے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کردیے اور وہ سڑک پر ڈھیر ہوگیا۔
اسد نے اس کی پسلیوں پر ٹھوکر مار کر، ہانپتے ہوئے کوئی سوال کیا۔ جواب میں اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر' گڑگڑاتے ہوئے کچھ کہا۔ ان دونوں کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑسکا۔
ہماری ٹیکسی واپس جاچکی تھی۔ وہ ویران سڑک کافی لمبی تھی۔ مار دھاڑ میں ہمارے حلیے بگڑ گئے تھے۔ مجھے واپسی کی فکر لاحق ہوگئی۔
اسد کو اپنے حریف سے باز پرس میں مصروف چھوڑ کر میں سفید کرولا کے قریب پہنچا تو ڈرائیونگ سیٹ والا کھڑکی میں سے اندر جھانکتے ہی میری طبیعت خوش ہوگئی۔ اگنیشن

میں چابی موجود تھی۔
میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور اونچی آواز میں کہا۔ ''ان پر لعنت بھیجو اور یہاں سے نکلو۔ یہ کچھ نہیں بتائیں گے۔''
اسد نے سڑک پر پڑے ہوئے دونوں بدمعاشوں کی کھوپڑیوں پر الوداعی ٹھوکریں رسید کیں اور تیزی سے گاڑی کی طرف آ گیا۔
''کچھ نہیں اگلتا۔'' اس نے میرے برابر والی سیٹ پر بیٹھ کر، ہانپتے ہوئے کہا۔ ''الو کا پٹھا معافیاں مانگنے جا رہا ہے۔ یہ چاروں اسی کے بھیجے ہوئے گرگے تھے۔''
گاڑی چلاتے ہوئے میں بے اختیار ہنس پڑا۔ ''یہ مقابلہ بھی عجیب تھا۔ ہاتھ پیر کھل گئے۔ تمہارے چہرے پر کافی چوٹیں آئی ہیں۔ کپڑوں پر خون کے دھبے ہیں۔''
''چوٹیں تو آنی تھیں۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے رخساروں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''ان کو بھی چھٹی کا دودھ یاد آ گیا ہوگا۔ میں نے انہیں بہت بے رحمی سے مارا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے رخساروں کی ہڈیاں تک چیخ گئی ہوں۔''
''ان چاروں کا حشر راجن کی آنکھیں کھول دے گا۔ یہ بتاؤ کہ میرا کیا حلیہ ہے۔ اس حالت میں ہم کہیں نہیں جاسکتے۔''
''تم بہتر ہو۔ بائیں جبڑے پر کچھ ورم ہے اور پیشانی پر خون لگا ہوا ہے۔ اسے کپڑے سے پونچھ لو اور میرے گھر چلو، وہاں سے حلیہ درست کر کے ہوٹل چلے جانا۔''
''اس گاڑی میں وہاں جانا مناسب نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔
''پروا مت کرو۔ اب کھل کر ٹھن گئی ہے تو احتیاط بے کار ہے۔ اپنی حالت درست کرنے کے بعد گاڑی کو کہیں بھی چھوڑ دیں گے۔ اس حال میں گاڑی چھوڑ کر ٹیکسی لینا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور ہی راستے میں ہمیں پکڑوا دے گا۔''
اس کا مشورہ معقول تھا۔ وقت بچانے کے لیے میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔
چہروں پر آئے ہوئے ورم اور نیل کے نشانات کو فوری طور پر غائب کرنا ہمارے بس سے باہر تھا۔ اسد کے چھوٹے سے فلیٹ میں ہم دونوں امکانی حد تک اپنے حلیوں کو معمول پر لائے پھر کرولا میں وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔
اسد مجھے اسی کار میں ہوٹل تک پہنچانے پر مصر تھا مگر میں نے سختی سے اسے منع کر دیا۔ راستے میں ایک مصروف بازار میں اس نے اطمینان سے گاڑی پارک کی اور چابی پائیدان پر ڈال کر ہم دونوں باہر نکل آئے۔
اسد وہاں سے واپس اپنے گھر روانہ ہو گیا۔ میں ٹیکسی میں ہوٹل کی طرف چل دیا۔
جب سے مجھے جلال کی زبانی یہ پتا چلا کہ اسد کو فوری طور پر پاکستان واپس بلایا جا رہا ہے، میرے دل کی کیفیت کچھ عجیب سی تھی۔ وہ ان احکام سے بے خبری کے عالم میں پوری تن دہی سے اپنا فرض پورا کر رہا تھا۔ میرے دل میں کئی بار آئی کہ اسے اعتماد میں لے کر اس خبر سے آگاہ کر دوں لیکن جلال سے کیے ہوئے وعدے نے میری زبان پر تالے ڈال دیے۔
میرے لیے یہ بات خاصی افسوسناک تھی کہ بنکاک سے جاتے جاتے اسے ایک ایسے معرکے سے دو چار ہونا پڑا تھا جس کے نتیجے میں اس کے خدوخال خاصے بگڑ گئے تھے۔ اس وقت تک میں محض ڈان کے ایما پر مجبور ہو کر راجن کے خلاف میدان میں اترا ہوا تھا لیکن اس واقعے کے بعد میرے دل میں اس مکروہ صورت شیطان کے لیے نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں اپنے ہاتھوں سے اس کا کریہہ چہرہ اس حد تک بگاڑ دوں کہ اس کے لیے خود کو پہچاننا مشکل ہو جائے۔
میں ان خیالات میں غلطاں، پیچ و تاب کھاتا ہوا، ہوٹل پہنچا تو غزالہ میرے چہرے پر نظر ڈالتے ہی بے چین ہو گئی۔ میں اس کی محبت آمیز تیمارداری سے لطف اندوز ہونے کے لیے بستر پر دراز ہو گیا وہ میرے چہرے کے نیل سہلا رہی تھی اور میں اسے گزرے ہوئے واقعات سے آگاہ کر رہا تھا۔
اسے یہ جان کر قدرے خوشی ہوئی کہ میرا براہ راست راجن سے تصادم نہیں ہوا۔ اس نے بزدلانہ انداز میں اپنے... گرگوں کے ذریعے حملہ کیا تھا۔
وہ سب سن لینے کے بعد اس نے بتایا کہ میری غیر حاضری میں چاؤ فان اور ویرا کے فون آئے تھے۔ ویرا گپ شپ کے موڈ میں تھی۔ چاؤ فان نے میرے لیے پیغام چھوڑا تھا کہ میں پہلی فرصت میں بڑے آدمی سے بات کر لوں۔
''کیا اس نے ہوٹل کے نمبر پر فون کیا تھا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔
''نہیں، اس نے یہاں والے موبائل نمبر پر فون کیا تھا۔ ویرا نے کراچی والے موبائل کا نمبر استعمال کیا' ہوٹل کے نمبر پر کسی نے رابطہ نہیں کیا۔'' وہ جھجک کر خاموش ہوئی تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ مزید کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی۔

''کہو، تم اور کیا کہنا چاہتی ہو؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''وعدہ کریں کہ آپ چاؤفان سے لڑائی نہیں کریں گے!''

''اب میں اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔'' راجن سے بات بگڑ گئی ہے، اسد کسی بھی وقت واپس چلا جائے گا۔ بنکاک میں مجھے ان ہی لوگوں کا سہارا ہے..... کیا اس مردود نے تم سے کوئی بدتمیزی کی ہے۔''

''بدتمیزی تو نہیں کی۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔'' کچھ عجیب سی بات کر رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میری زبان سے آپ کی برائیاں سننا چاہتا ہو۔ میں نے اسے ڈانٹ دیا۔''

''تم نے بہت اچھا کیا۔'' میں نے شگفتگی سے اس کی حوصلہ افزائی کی۔'' اس بے چارے کا زیادہ قصور نہیں ہے۔ ڈان عورت کا ستایا ہوا ہے۔ اس کے پیٹ میں گھسنے کے لیے میں نے اس کے سامنے تمہاری خاصی کردار کشی کی ہے۔ چاؤ فان کو بھی کچھ بھنک مل گئی ہوگی۔ جب میاں بیوی میں ان بن ہو تو کوئی مشترک شناسا ایسی حرکتیں کرسکتا ہے۔ وہ تم سے دوبارہ ایسی کوئی بات نہیں کرے گا۔''

''آپ کو اس سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس نے دوبارہ میرے منہ لگنے کی کوشش کی تو میں خود اسے سنبھال لوں گی۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ آپ نے مجھے پس منظر کے بارے میں بتا دیا۔'' اس نے میری بات ختم ہوتے ہی جلدی سے کہا۔

''کیوں نہ میں ڈان سے پہلے اس سے بات کرلوں!'' میں نے اس سے رائے مانگی۔

''یہ بات وہ بھی کہہ سکتا تھا۔ آپ بلاوجہ اسے منہ نہ لگائیں۔ ڈان سے بات کریں۔''

میں نے غزالہ کا مشورہ مان کر اسی وقت ڈان کا موبائل فون نمبر ملالیا۔

وہ سیلرز بار میں رش کا وقت تھا۔ ڈان اپنے بار کے کیش پر خود موجود رہتا تھا تاکہ اپنے عملے کی کارکردگی کے ساتھ وہاں آنے والے ناپسندیدہ عناصر پر بھی کڑی نظر رکھ سکے۔ چاؤفان کے کہنے کے مطابق ڈان کی گہری دلچسپی کے سبب سیلرز بار کا ماحول ہر قسم کی شرپسندی سے پاک تھا۔ وہاں آنے والے اپنی دھن میں مگن رہتے تھے۔ کوئی غیر ضروری طور پر دوسروں کی تفریحات میں مخل نہیں ہوتا تھا۔ ان خوبیوں کی بنا پر سیلرز بار پینے پلانے کے شوقینوں میں بہت مقبول تھا۔

گھنٹیاں بجتی رہیں، میں ڈان کی بڑھی ہوئی مصروفیات کے پیش نظر تحمل سے انتظار کرتا رہا۔ چوتھی گھنٹی پر ڈان کی طرف سے ہیلو کی صورت میں جواب آگیا۔

''میں علی بول رہا ہوں۔ مجھے تمہارا پیغام ملا تھا.....''

''میں دو بجے فارغ ہو کر اوپر چلا جاؤں گا۔ تم یہاں آجاؤ۔'' ڈان نے میری بات کاٹ کر تحکمانہ لہجے میں اپنا نادر شاہی فرمان سنا دیا۔

''رات کے دو بجے!'' میں نے حیرت سے کہا۔'' کیا یہ ملاقات کل کے لیے ملتوی نہیں ہوسکتی؟''

''بک بک مت کرو!'' ڈان کی آواز میں تحکم کے ساتھ اپنائیت بھی رچی ہوئی تھی۔'' تم نے میرے دماغ میں آگ لگا دی ہے میں چاؤفان سے کہہ دوں گا۔ وہ ناہنجار تمہیں لینے کے لیے آجائے گا۔ یہ یاد رکھنا کہ دو بجے تمہیں یہاں پہنچنا ہے۔''

''تمہارا حکم ہے تو میں سر کے بل آؤں گا'' میں نے بے چارگی سے کہا۔'' سچ بات یہ ہے کہ میں آرام کرنا چاہ رہا تھا۔ آج بنکاک کے لٹیروں سے میری جھڑپ ہوگئی تھی۔'' میں نے تمہید کے طور پر جھڑپ کا ذکر چھیڑ دیا تاکہ میرے چہرے کے نیل ڈان کے چونکنے کا سبب نہ بن سکیں میں اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میرا راجن کے آدمیوں سے تصادم ہوا تھا۔

وہ کہانی کچھ اور تھی جو ڈینی اور آئی بی کے ذکر کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی تھی۔ ڈان ذہین اور چالاک آدمی تھا۔ اصل واقعات سن کر وہ ایسے ایسے سوال کرتا کہ میرے لیے جواب دینا مشکل ہو جاتا۔ ان مسائل سے بچنے کے لیے لٹیروں کا مفروضہ سب سے موزوں تھا۔

ڈان نے لٹیروں کے ذکر کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی۔ اسی لہجے میں کہا۔'' تم آرہے ہو۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔''

اس نے میرا جواب سننے کی زحمت کیے بغیر فون بند کر دیا۔

''رات کے دو بجے اسے آپ سے کیا کام پڑ گیا؟'' غزالہ میرے جوابات سے پوری بات سمجھ چکی تھی اور خاصی متجسس نظر آنے لگی تھی۔

''دو بجے وہ بار بند کر کے فارغ ہو جاتا ہے۔'' میں نے پرخیال لہجے میں جواب دیا۔'' کہہ رہا تھا کہ میں نے اس کے دماغ میں آگ لگا دی ہے۔''

''ایسا تو نہیں کہ اسے آپ کے کارنامے کی خبر مل گئی ہو۔ چار پیشہ ور بدمعاشوں سے مار کٹائی کے بعد صحیح سالم نکل آنا معجزے سے کم نہیں ہے۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔''جس وقت وہ چاروں حملہ آور ہوئے، سڑک دور تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔ ڈان کا کوئی آدمی ہمارا پیچھا کررہا ہوتا تو اس نازک موقع پر الگ تھلگ نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ ضرور ہماری مدد کے لیے سامنے آجاتا۔''

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔'' غزالہ نے اعتراف کیا۔''میں وقت کے تعین کو بھول رہی ہوں۔ آپ کے جانے کے بیس پچیس منٹ بعد چاؤ فان کا فون آیا تھا۔ اس وقت تک آپ دونوں موتی محل تک بھی نہیں پہنچے ہوں گے۔ جھگڑا اس کے بہت بعد ہوا میں ہوگا۔ ڈان یا چاؤ فان کو آنے والے واقعات کا اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔''

''یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔ ڈان کے لب ولہجے سے ستائش کی بو آرہی تھی۔''

''آپ نے بہت اچھا کیا کہ لٹیروں سے لڑائی کی بات اس کے کان میں ڈال دی۔ اب وہ آپ کی چوٹوں کے بارے میں زیادہ پوچھ گچھ نہیں کرے گا۔''

''ڈان سے بات کرتے ہوئے چاروں کھونٹ چوکس رہنا پڑتا ہے۔ جس وقت کوئی چوک ہوئی اس کے غیظ وغضب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ سمجھ لو کہ اس وقت میں تلوار کی دھار پر چل رہا ہوں آر یا پار کے سوا تیسرا کوئی امکان نہیں ہے۔''

''آپ کو اس ٹیڑھے وقت میں ویرا کی کمی تو ضرور محسوس ہوتی ہوگی!'' غزالہ نے اچانک وہ سوال کرکے مجھے چونکا دیا۔ میری تادیب کے باوجود، ویرا کا نام ایک آسیب بن کر اس کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا۔

''مجھے کسی کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔'' میں نے غزالہ کے جذبات کا پاس کرتے ہوئے جواب دیا۔'' جب تک وہ ہمارے ساتھ تھی۔ قدم قدم پر اس کی اور اس کے مشوروں کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ وہ الگ ہوگئی ہے تو میں اپنے فیصلے خود کررہا ہوں۔ ان میں تمہارے سوا کسی کا مشورہ شامل نہیں ہے۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ میں نے ابھی تک کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا۔''

''آپ مرد ہیں۔'' وہ عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔''ان معاملات میں مردوں کا حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ وہ رشتوں ناتوں کو آسانی سے فراموش کردیتے ہیں۔ ویرا کے لیے آپ کو بھلانا ممکن نہیں ہے بے چاری آپ کو فون کرتی رہتی ہے۔''

میں چکرا کر رہ گیا، میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے جو بات کہی تھی، غزالہ نے اس میں بھی تنقید کا پہلو تلاش کرلیا۔ مجھے یقین تھا کہ میں نے اس کے خیال کی تائید کی ہوتی تو وہ شکایت لے بیٹھتی کہ میں ویرا کو اس سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔

آخر کو وہ ایک عورت تھی اور عورت کو مرد کی اس ٹیڑھی پسلی سے پیدا کیا گیا جو کبھی سیدھی نہیں ہوسکتی، نرمی سے اس کی ٹیڑھ نہیں جاتی، سختی کرو تو ٹوٹ جاتی ہے۔

''وہ فون کرتی ہے تو کیا کرے۔ میں اس کے کسی فعل کا ذمے دار نہیں ہوں۔''

''ان دونوں کی خیر خبر رکھنا آپ کی ذمے داری ہے۔'' غزالہ کو اس وقت شاید اس تذکرے میں مزہ آرہا تھا۔ اس نے بات بڑھالی۔''وہ آپ کو اپنا بڑا تسلیم کرتے ہیں۔ وہاں البرٹو کا چکر بھی چلا ہوا ہے، پتا نہیں اس کا کیا بنا ہوگا۔''

''ویرا سے تمہاری بات ہوئی تھی۔ یہ خبر گیری تم بھی کرسکتی تھیں۔''

''اسے آپ ہی گھیر سکتے ہیں۔ میرے لیے بال کی کھال نکالنا ناممکن ہے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ میرے لیے اس کا ساتھ دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

وہ بہترین اور مثالی بیوی تھی۔ میرے لیے اس کی خوبیوں کا شمار ممکن نہیں تھا.... اس میں بس ایک ہی خرابی تھی کہ وہ عورت تھی!

☆☆☆

ٹھیک دو بجے ہم سیلرز بار کے دروازے پر موجود تھے۔

ڈان کے معاملے میں چاؤ فان ضرورت سے زیادہ حساس اور محتاط رہا کرتا تھا۔ وہ مجھے فون کرکے ایک بجے ہوٹل کے باہر آپہنچا۔ اس وقت بنکاک میں رات گہری ہوچکی تھی۔ عام شہری دن بھر کی مشقت آمیز مصروفیات کے بعد اپنے گھروں میں گہری نیند سورہے تھے لیکن شہر کے چیدہ چیدہ تفریحی مقامات پر بنکاک کی پر اسرار شبینہ سرگرمیاں اپنے جوبن پر تھیں۔

چاؤ فان اپنی گاڑی کو ان علاقوں میں گھمانے کے ساتھ رواں تبصرے بھی کرتا جارہا تھا۔ جن پر معلومات سے زیادہ خرافات کا غلبہ تھا۔

اپنا فاضل وقت ان شب بیدار گلی کوچوں میں گزارنے کے بعد اس نے سیلرز بار کا رخ اختیار کیا۔ اس وقت شہر کی سڑکیں تقریباً خالی پڑی ہوئی تھیں۔ چاؤ فان چاہتا تو ان سڑکوں پر گاڑی بھگانے کا وحشیانہ شوق پورا کرسکتا تھا لیکن اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ دو بجے سے پہلے منزل پر پہنچ گیا تو اسے سیلرز بار میں گھسنے کی اجازت نہیں

ملے گی۔ وہاں رک کر وقت گزارنے سے بہتر تھا کہ رفتار دھیمی رکھ کر وقت کا فرق راستے میں پورا کر لیا جائے۔

''دروازے پر دستک دو، ڈان اوپر جانے والا ہوگا۔'' گاڑی روکتے ہی اس نے مجھے اکسایا۔

میں نے دستک دینے سے پہلے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ وہ اندر سے بولٹ یا مقفل تھا، پھر مجھے دروازے کے شفاف شیشوں کے پیچھے ڈان آتا ہوا نظر آیا۔ میں نے دستک دینے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ڈان نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ اس نے بولٹ گرا کر دروازہ کھولا، اس کی متجسس نظریں میرے شانوں کے پیچھے گئیں پھر اس نے بھاری آواز میں کہا۔ ''پیچھے سے آؤ۔ اسے بھی ساتھ لے آؤ!''

دروازہ بند ہو گیا۔ اس بار ڈان نے بولٹ لگانے کے ساتھ دروازے کے ہضمی قفل میں چابی گھمائی اور مڑ کر اندر کی کئی بتیاں گل کر دیں۔ اندر چھا جانے والی نیم تاریکی میں اس کا دیوہیکل ہیولا واپس چل پڑا۔ بار کے اندرونی حصے میں اس وقت بھی خاصی روشنی تھی۔ وہاں کام کرنے والی لڑکیاں تیزی سے اپنا کام سمیٹ رہی تھیں۔

''تم ہمیشہ ذلیل کروانے والے کام کرتے ہو!'' میں نے پلٹ کر چاؤ فان کو آنکھیں دکھائیں۔ ''ہمیں پچھلے دروازے سے اندر جانا پڑے گا۔''

''ماسٹر! ڈان اپنا مربی ہے۔ اس کے سامنے عزت اور ذلّت کی باتیں مت سوچا کرو۔ پتا نہیں اسے کیا ہو گیا ہے۔ وہ اچانک تمہاری بہت عزت کرنے لگا ہے۔'' وہ یہ کہتا ہوا گاڑی سے اتر آیا۔

''اس نے دروازہ کھول کر بند کیا ہے۔ وہ چاہتا تو مجھے اندر بلا سکتا تھا۔'' میں نے ترشی سے کہا۔ ''تم اس کو عزت افزائی سمجھتے ہو۔'' میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''ماسٹر! بڑے لوگوں کی باتیں نرالی ہوتی ہیں۔ وہ تھپڑ مار کر بھی عزت دے سکتا ہے...... اب یہی دیکھ لو کہ تم بات بات پر مجھ سے ناراض ہوتے رہتے ہو۔ میں بالکل برا نہیں مناتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کھرے دل کے آدمی ہو اور اپنے اس خادم کی قدر کرتے ہو۔''

''چاؤ فان! یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ کبھی کبھی تم اتنا غصہ دلاتے ہو کہ تمہاری گردن دبا دینے کو دل چاہتا ہے مگر میں ہمیشہ صبر و ضبط سے کام لیتا ہوں۔''

''ضرور لیتے ہو گے مگر اپنی آواز نیچی رکھو!'' اس نے سر ہلاتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ ''کسی نے سن لیا تو سوچے گا کہ ہم چلتے چلتے لڑ رہے ہیں۔''

''میرے اتالیق بننے کی کوشش مت کرو۔ میری آواز اونچی نہیں ہے۔'' میں نے جھلا کر کہا۔

''ماسٹر! تم میری ناقدری کرتے ہو۔'' وہ اداسی سے بولا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ میں مر گیا تو تم چار دنوں تک میرے قبر پر روتے رہو گے۔''

''یہ چار دنوں کا حساب تم نے کہاں سے نکال لیا؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے قبیلے میں مرنے والے کا سوگ صرف تین دنوں کا ہوتا ہے۔ چوتھے دن رونے والے، مرنے والے کے چہیتے اور قریبی عزیز ہوتے ہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے بتایا۔

میں نے دل ہی دل میں اس پر اور اس کے قبیلے پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا۔ ''تم عقل سے زیادہ اپنی زبان استعمال کرتے ہو۔ یہی توانائی ڈھنگ کی باتیں سوچنے میں استعمال کرو تو کہیں نا کہیں پہنچ سکتے ہو۔''

''میں کہیں پہنچنا نہیں چاہتا، جہاں ہوں وہیں خوش ہوں۔'' وہ اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''تم مجھ پر ایک کرم کرنا...... ڈان کے سامنے میری زبان سے کوئی ہلکی بھاری بات نکل جائے تو مجھے سرزنش نہ کرنا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد تمہیں آزادی ہوگی کہ اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لو۔''

''کیا ڈان تم کو عقلِ کل سمجھتا ہے؟'' میں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے پوچھا۔

''ڈان کے سامنے کوئی کچھ نہیں ہے۔'' اس نے عقیدت بھرے لہجے میں کہا۔ ''بات صرف اتنی ہے کہ تم مجھ پر ایک تنقید کرو گے۔ ڈان مجھے دس گالیاں سنائے گا۔ وہ ایسی خوفناک گالیاں ایجاد کرتا ہے کہ ان پر ذرا سا غور کرنے سے دل دہل جاتا ہے۔''

''تم ڈان کے پرانے آدمی ہو تمہیں ایسی ہزاروں مثالیں یاد ہوں گی۔'' میں نے عقبی گلی میں مڑتے ہوئے کہا۔

''ماسٹر! تم پھر چوٹ کر گئے۔'' اس نے کمزور آواز میں شکایت کی۔ ''میں اتنا گیا گزرا نہیں ہوں کہ ہر وقت ڈان سے گالیاں سنتا رہوں۔ موڈ خراب ہو تو وہ کبھی کبھی بگڑ جاتا ہے ورنہ عام طور پر میری بات سن لیتا ہے۔ یہی دیکھ لو کہ تمہارے لیے اس نے پورے بنکاک سے صرف میرا انتخاب کیا ہے۔''

''کبھی کبھی میں بھی سوچتا ہوں کہ ڈان نے میرے لیے تمہارا انتخاب کیوں کیا ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ فقرہ اس کے سر پر سے گزر گیا۔ ڈان کی قیام گاہ کا

''اور سناؤ برخوردار......! کیسی گزریں چھٹیاں......؟''

عقبی دروازہ قریب آرہا تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

سیاہ چوبی دروازے کے پیچھے ایک لڑکی ہماری منتظر تھی۔

اس نے دروازہ کھول کر زینوں کی طرف اشارہ کیا اور ہم دونوں خاموشی سے ان نیم تاریک زینوں پر چڑھتے چلے گئے۔ میں آگے تھا۔ چاؤ فان سر جھکائے میرے پیچھے آرہا تھا۔

خلافِ توقع ڈان زینوں کے اختتام پر نظر نہیں آیا۔ میں آخری زینہ عبور کرکے اوپر پہنچا تو وہ لباس تبدیل کیے بغیر، اپنی مسہری کے قریب ایک کرسی پر نیم دراز تھا۔

''چلے آؤ!'' ڈان نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے آواز لگائی۔

میں اس کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا کہ اس ہال کے دور افتادہ فرشی گدوں پر ڈان کے پالے ہوئے چاروں مسٹنڈے دنیا سے بے خبر ہوکر تاش کھیلنے میں مصروف تھے۔

میں ڈان سے چند قدم دور تھا کہ چاؤ فان دورے کی سی حالت میں اچانک دوڑ کر آگے بڑھا اور ڈان کے قدموں میں تقریباً گر گیا۔ اس نے ڈان کے دونوں پیر چھونے کے بعد ادب واحترام سے اس کے گھٹنوں کو ہاتھ لگائے اور الٹے قدموں لوٹنے لگا۔

میں وہ تماشا دیکھنے کے لیے ٹھٹک کر اپنی جگہ پر رک گیا۔

ایک گوشہ نشین بدمعاش کے لیے چاؤ فان کی عقیدت میرے لیے حیرت انگیز تھی۔

ڈان نے چاؤ فان کو اپنی زبان میں کوئی ہدایت دی، چاؤ فان نے سر کو آگے خم دے کر ادھر کا رخ کرلیا جہاں چار حرام خور جواری بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ڈان کے مال پر پل رہے تھے۔ شراب نہیں پیتے تھے مگر جوئے کی لت میں بری طرح مبتلا تھے۔

''بیٹھ جاؤ......!'' ڈان نے مجھے پیشکش کی اور قدرے توقف کے بعد کہا۔ ''میں نے تمہیں سیلرز بار میں آنے سے منع کیا تھا۔ تم اس کے دروازے پر کیوں آئے تھے؟''

''چاؤ فان نے گاڑی وہیں روکی تھی۔ دو بج رہے تھے۔ میں روانی میں سیدھا آگیا۔'' میں نے اضطراری انداز میں ذمے داری چاؤ فان کے سر ڈال دی۔

ڈان نے برہمی کا اظہار کرنے کے بجائے نرمی سے کہا۔ ''وہاں ہر رنگ کے لوگ آتے ہیں۔ اس وقت بھی میرا عملہ صفائی ستھرائی میں لگا ہوا ہے۔ پچھلا دروازہ خاص لوگ کھولتے ہیں۔ اب یہ بات گرہ میں باندھ لینا۔ چاؤ فان کو میں دوسری زبان میں سمجھاؤں گا۔''

''آیندہ تمہیں شکایت نہیں ہوگی!'' میں نے سعادت

مندی کا مظاہرہ کیا۔ ''راز داری کے لیے یہ احتیاط بہت ضروری ہے۔''

ڈان نے مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس کے احترام میں، میں نے اٹھنا چاہا تو اس نے میرے شانے دبا کر مجھے روک دیا۔ اس وقت وہ جینز اور مختصر آستینوں والی سیاہ ٹی شرٹ میں بہت وجیہہ اور اپنی اصل عمر سے کئی برس چھوٹا نظر آ رہا تھا۔

''میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ میری کن باتوں نے تمہارے دماغ میں آگ لگائی ہوئی ہے!'' اسے خاموشی سے ٹہلتا دیکھ کر میں نے دھیرے سے کہا۔

وہ رک کر میری طرف گھوما، اس نے اپنے دونوں ہاتھ کسرتی بازوؤں پر جما کر سینے پر باندھے اور میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں تمہاری چوٹوں کے بارے میں فکرمند ہوں۔ تمہارا چہرہ کس نے بگاڑا؟''

''میں نے فون پر تمہیں بتایا تھا کہ آج ایک گلی میں لٹیروں نے گھیر لیا تھا......'' میں نے حیرت سے کہا۔

اس نے میری بات پوری نہیں ہونے دی اور بولا۔ ''یاد آ گیا، تم نے ایسی کوئی بات بتائی تھی۔ وہ رش کا وقت تھا۔ میں بہت زیادہ مصروف تھا، بات میرے ذہن سے نکل گئی۔ کوئی اور ٹوٹ پھوٹ بھی ہوئی ہوگی!''

''میری نہیں، ان کی خاصی ٹوٹ پھوٹ ہوئی۔ میرے ہاتھوں پٹنے کے بعد وہ خالی ہاتھ بھاگ گئے۔''

''وہ شہر کے شوقین لڑکے ہوں گے۔ یہاں کے لٹیرے مسلح رہتے ہیں۔ مار پیٹ کی نوبت آنے سے پہلے گولی مار کر تمہیں ٹھنڈا کر دیتے۔ تم خوش نصیب ہو کہ ایسے حادثے سے بچ گئے۔''

ڈان نے مجھے دیکھتے ہی چوٹوں کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی ہر ادا میں صبر و تحمل، وقار اور بردباری کا پیکر نظر آتا تھا۔ اس نے بہت قرینے سے اپنی فکرمندی ظاہر کی تھی۔

''اگر تم علاقے کے نشان دہی کر دو تو چاؤ فان لڑکوں کو ڈھونڈ لے گا۔ کچھ دنوں سے شہر کے خوش حال گھرانوں کے بچے تفریح کے طور پر چھینا جھپٹی کی وارداتیں کرنے لگے ہیں۔ شہر کا ماحول ستھرا رکھنے کے لیے انہیں سزا دینا ضروری ہے۔'' ڈان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے پیشکش کی۔

ڈان اس واقعے کو اپنے انداز سے دیکھ رہا تھا جب کہ حقیقت کچھ اور تھی۔ میں ڈان یا اس کے آدمیوں کو کسی طرح اس واقعے میں ملوث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا ''میں بعض علاقے تو پہچان سکتا ہوں لیکن بنکاک کی سڑکوں اور علاقوں کے نام اب تک مجھے یاد نہیں ہو سکے۔ شاید میں دوبارہ وہاں نہ پہنچ سکوں۔ ان لڑکوں کے لیے اتنا سبق کافی ہے کہ وہ خوب مار کھا کر بھاگے اور مجھ سے ایک بھات بھی نہیں چھین سکے۔''

ڈان مسہری کے بجائے، میرے قریب ہی ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

''یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے۔ میں تم پر زور نہیں ڈالوں گا۔'' وہ بولا۔

''کیا تم مجھے اس ملاقات کے سبب سے آگاہ نہیں کرو گے؟'' اسے خاموش پا کر میں نے نہایت نرمی اور ادب سے کہا۔

''میں وہی سوچ رہا ہوں۔ تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ چاؤ فان سے پتا چلا ہے کہ تم آج صبح چھوٹا راجن کی لانچ کا جائزہ لینے کے لیے اکیلے پورٹ ایریا میں پہنچے ہوئے تھے۔''

''جب تک اس پر ہاتھ نہیں پڑتا' میں کچھ نہ کچھ کرتا رہنا چاہتا ہوں۔ اس کی وائٹ ہاک کی تباہی کی کوئی صورت بن جائے تو راجن کی کمر ٹوٹ جائے گی۔''

''تمہاری سوچ بہت ٹھوس اور واضح ہے۔'' ڈان نے میرے شانے پر تھپکی دے کر کہا ''اسے وائٹ ہاک پر بہت گھمنڈ ہے۔ لوگ سمندر میں عیاشی کے لیے کشتیاں کرائے پر لے کر جاتے رہتے تھے۔ چھوٹا راجن نے تیرتا ہوا کلب اور کیسینو کھول کر لوگوں کو نئی راہ دکھائی ہے۔ اس کی اس کامیابی سے مجھے حسد ہونے لگا ہے۔''

اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میں اس کی ایک ایک حرکت کا گہری نظروں سے مشاہدہ کر رہا تھا۔ اس نے چاؤ فان کو مفت خورے جواریوں میں بھیج کر یہ واضح کر دیا تھا کہ اس کے لیے ساری اہمیت میری تھی' چاؤ فان کا کوئی مقام نہیں تھا۔

ڈان ٹہلتا ہوا اپنی مسہری تک گیا اور تکیے کے نیچے سے پاسپورٹ نکال لیے۔ وہ جوں کے توں وہیں رکھے ہوئے تھے جہاں اس نے انہیں پہلی بار رکھا تھا۔

میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہو گئیں۔ یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اس نے ہمارے پاسپورٹ تلف کرنے کے لیے نکالے ہوں گے۔ وہ راجن کی موت سے پہلے انہیں لوٹانے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس نے تکیے کے نیچے سے پاسپورٹ کیوں نکالے تھے۔

وہ بے نیازی سے چلتا ہوا واپس آیا اور اس نے دونوں پاسپورٹ اچانک میری گود میں ڈال دیے ''انہیں احتیاط سے رکھو' تم ان کی واپسی کے لیے بہت بے چین تھے!''

ڈان کی وہ حرکت میرے لیے اتنی غیر متوقع تھی کہ میں سکتے کے عالم میں اپنی جگہ پر جما رہ گیا۔
چند ثانیوں بعد وہ سحر ٹوٹا تو بے اختیار میرا جی چاہا کہ پاسپورٹ اپنی جیب میں ڈال کر پورے خلوص سے ڈان کا شکریہ ادا کروں مگر ذہن کے کسی گوشے میں ایک للکار سی گونجی اور میں کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔
میرے ذہن نے یکایک بہت تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ راجن سے ابتدا میں میری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ مجھے اس سے صرف اتنی پرخاش تھی کہ بنکاک میں وہ سوبھراج کا میزبان ہوا کرتا تھا۔ جبکہ ڈان اس کے لہو کا پیاسا تھا۔ میں نے ڈان اور راجن کی اس دشمنی سے کھل کر فائدہ اٹھایا۔ سوبھراج کا نام لیے بغیر' میں نے بھی راجن کے دشمن کا روپ دھار لیا اور ڈان نے اس مشترک جذبے سے مغلوب ہو کر' میری آزمائش کے بعد' مجھے گلے سے لگا لیا۔
سوبھراج کو مار لینے کے بعد میرے لیے راجن کی اہمیت ختم ہو گئی۔ ڈان بہ دستور اس کا دشمن تھا۔ جس وقت ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لیے' میں سب کچھ بھول بھال کر تھائی لینڈ سے نکل جانے کی کوشش کر رہا تھا۔
پچھلی رات موتی محل میں راجن سے ملاقات اور پھر اس کے بھیجے ہوئے غنڈوں سے مقابلے کے بعد وہ صورت حال یکایک تبدیل ہو گئی تھی۔ میں خود بھی راجن کو اس کے تکبر کا مزہ چکھانے پر تل گیا تھا۔ وہ صرف ڈان کا دشمن نہیں رہا تھا' میرے دل کا کانٹا بھی بن گیا تھا۔
جب مجھے راجن کے خاتمے یا زوال تک بنکاک ہی میں رکنا تھا تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ہمارے پاسپورٹ ہمارے قبضے میں رہتے ہیں یا ڈان کے پاس رہتے ہیں۔
ڈان کے دل میں میری طرف سے ایک شبہ جگہ پا چکا تھا کہ میں اسے جل دے کر تھائی لینڈ سے فرار ہونا چاہتا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ڈان کے ذہن سے وہ شبہ نہیں کھرچ سکا تھا۔ جب تک ہمارے پاسپورٹ اس کے پاس رہتے' وہ مطمئن رہتا کہ میں اسے دغا دے کر ملک سے کہیں نہیں جا سکوں گا۔ اس اطمینان کے لیے اسے ہماری نگرانی کرانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔
ڈان جذباتی ہو کر یا کسی مصلحت کے تحت پاسپورٹ واپس کر رہا تھا تو اس کا وہ عمل میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ وقتی جوش ٹھنڈا ہونے کے بعد اس کے ذہن میں شبہ دوبارہ سر ابھارتا تو میری مسلسل نگرانی کا سلسلہ شروع ہو سکتا تھا۔ پاسپورٹ لوٹانے کے بعد' میرے عزائم سے باخبر رہنے

مختصر مختصر

☆ ''نہیں بیگم! ہم اس سال مری نہیں جا سکتے۔ ذرا ان تمام بلوں کے بارے میں سوچو جو ہمیں ابھی ادا کرنے ہیں۔''
''تو کیا ہم مری جا کر ان کے بارے میں نہیں سوچ سکتے ؟''

☆ میری جان کی قسم کھا کر بتایئے، آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں؟''
''پہلے تم بتاؤ، تمہیں کتنی محبت کی ضرورت ہے؟''

☆ ''آدھی رات ہو گئی ہے...... میرے میاں ابھی تک نہیں آئے۔ میں تو سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں کہ معلوم نہیں وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔''
''بہن! پریشان مت ہو...... اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ اس وقت وہ کہاں ہیں...... تو ہو سکتا ہے تمہاری پریشانی دگنی ہو جائے۔''

کے لیے ڈان کے پاس ایک ہی راہ رہ جاتی کہ چوبیس گھنٹے میری نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔
وہ ایک خطرناک صورت حال ہوتی۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ راجن کو مار گرانے کے لیے مجھے کن مراحل سے گزرنا پڑتا۔ تازہ ترین مثال یہ تھی کہ اسی رات میں اسد کے ساتھ راجن سے مل چکا تھا لیکن ڈان اس ملاقات سے بے خبر تھا۔ اس کے آدمیوں کی کڑی نگرانی میں آنے کے بعد میں ان آزادیوں سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ ڈان سے پاسپورٹ واپس لینے کی قیمت مجھے بہت مہنگی پڑ سکتی تھی۔
اسے ذرا بھی شک ہو جاتا کہ میں اسے فریب دے کر ابتدا سے ہی اس کے ساتھ کوئی دہرا کھیل کھیل رہا تھا تو بنکاک میں مجھے کہیں امان نہیں مل سکتی تھی۔
میں نے چند ثانیوں میں بہت تیزی کے ساتھ وہ تجزیہ کیا اور اپنی گود سے دونوں پاسپورٹ اٹھا کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔
''مجھے ان کی طرف سے کوئی بے چینی نہیں تھی۔'' میں نے وہ پاسپورٹ دونوں ہتھیلیوں پر رکھ کر ڈان کو پیش کر دیے ''ہوٹل کے کمرے کے مقابلے میں یہ تمہارے پاس زیادہ محفوظ ہیں۔ وہاں سے کوئی سامنے انہیں آسانی سے اڑا سکتی ہے۔''
ڈان کی تیوریوں پر بل پڑ گئے' چاؤ فان کہہ رہا تھا کہ تم

کئی باران کی واپسی کی بات کر چکے ہو۔ میں اس جھوٹے کا سر توڑ دوں گا۔'' اس نے پاسپورٹوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔

''وہ جھوٹا نہیں ہے۔'' چاؤ فان کو ڈان کے کسی عتاب سے بچانے کے لیے میں نے جلدی سے اس کی صفائی پیش کی ''میرے ساتھ خاصا وقت گزارتا ہے۔ اس سے میری بے تکلفی ہوگئی ہے۔ دل بہلانے کے لیے میں اسے چھیڑتا رہتا ہوں۔ مجھے علم نہیں تھا کہ وہ مذاق میں کہی ہوئی باتیں سنجیدگی سے تم تک پہنچا دیتا ہے۔ اب میں محتاط رہوں گا۔''

''اس اُلو کے پٹھے کی عقل موٹی ہے۔'' ڈان نے بیزاری سے کہا ''وہ بلاوجہ مجھے پریشان کرتا ہے۔ بعد میں اسے بتا دیا کرو کہ تم اس سے مذاق کر رہے تھے۔''

چاؤ فان ان باتوں سے بے خبر، اسی ہال کے ایک سرے پر جواریوں کے ساتھ تاش کے کھیل میں منہمک تھا۔ اس وقت میری جان میں جان آئی جب ڈان نے چاؤ فان کے ذکر کو کوئی طول دیے بغیر میرے ہاتھوں سے دونوں پاسپورٹ اٹھا لیے۔

''اب یہ میرے پاس تمہاری امانت ہیں۔'' اس نے کہا ''جب چاہو واپس لے سکتے ہو۔ تمہارا یہ خوف بجا ہے کہ یہ ہوٹل کے کمرے سے چوری ہو سکتے ہیں۔''

اس نے وہیں کھڑے کھڑے بے پروائی سے دونوں پاسپورٹ مسہری کی طرف اچھال دیے۔

ہال کے دیوار گیر کلاک میں ڈھائی بجنے والے تھے۔ جواری اپنے کھیل میں کھوئے ہوئے تھے۔ ڈان نے اس وقت تک مجھ سے اصل موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس کے اطمینان اور وہاں کے ماحول سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پوری رات اسی طرح گزر جائے گی۔ میں ڈان سے یہ پوچھنے کی ہمت نہیں کر سکا کہ وہ سونے کے لیے کب لیٹے گا۔

''وائٹ ہاک کی بات ہو رہی تھی۔'' یہ کہہ کر ڈان دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا ''اس کی تباہی کے بارے میں تمہارا منصوبہ مجھے پسند آیا ہے۔ میں چشم تصور سے اس لانچ کو کئی بار تباہ ہوتے ہوئے دیکھ چکا ہوں۔ میں نے اس پر بات کرنے کے لیے تمہیں بلایا تھا۔''

''میں نے کئی منصوبوں پر غور کیا ہے......''

''میں صرف زیر آب کارروائی کی بات کر رہا ہوں۔'' ڈان نے مجھے درمیان میں ٹوک دیا ''سطح سمندر سے کی جانے والی کوئی کارروائی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ تم نے دیکھ لیا کہ دن میں بھی اس کے آدمی ہوشیار رہتے ہیں۔ کسی اجنبی کو وائٹ ہاک کے قریب نہیں پھٹکنے دیتے۔''

''ہماری بوٹ ان سے کافی دور تھی پھر بھی انہوں نے فائر کر کے ہمیں واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔''

''انہوں نے سمندر کے اس حصے میں اپنی بدمعاشی قائم کی ہوئی ہے۔'' اس نے غصے سے پہلو بدلتے ہوئے کہا ''ہمارے افسر اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں۔ چھوٹا راجن ان کی جیبیں بھر کر ہر طرف اپنی من مانیاں کرتا پھرتا ہے۔ اسے پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔''

''بہت جلد اس کے دن پورے ہونے والے ہیں!''

''تمہارا چہرہ زخمی ہے۔ مار پیٹ کی وجہ سے ہاتھ پیر بھی دکھ رہے ہوں گے۔ مجھے احساس ہے کہ اس وقت تمہیں آرام اور بستر کی ضرورت ہے مگر میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ منصوبہ بناؤ، سامان اور آدمی جمع کرو اور وائٹ ہاک کو غرق کر دو۔''

''چاؤ فان بتا رہا تھا کہ اس پر مرمت اور دیکھ بھال کے لیے چند روز کی چھٹی ہونے والی ہے۔ لانچ پر گنتی کے دو چار آدمی رہ جائیں گے۔ ہمارے لیے وہ بہترین وقت ہوگا۔''

''چاؤ فان نے بہت مال بنا لیا ہے لیکن وہ اب بھی گھٹیا لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔ مجھ سے فالتو بات نہیں کرتا، تمہیں مرعوب کرنے کے لیے چنڈو خانے کی خبریں سناتا ہے۔ لانچ بالکل نئی ہے۔ سالوں اس کی مرمت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ چھوٹا راجن چالاک آدمی ہے۔ باہر سے آنے والا سارا مال وائٹ ہاک پر اتارتا ہے اور چھوٹی کھیپوں میں شہر میں پہنچا دیتا ہے۔ اس مال میں ہیروئن سے لے کر عورتیں تک ہوتی ہیں۔ مجھے اس کی ایک ایک حرکت کی خبر رہتی ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال تھا۔'' میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ''ایسے وقت پر لانچ میں کم آدمی ہوں گے۔ ہم بے گناہوں کے خون سے بچ جائیں گے۔''

''چاؤ فان کی باتوں پر مت جاؤ۔'' ڈان نے ناصحانہ لہجہ اختیار کر لیا ''میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ اب میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ پتا نہیں اس کا مال کب آئے گا۔''

ڈان کے ذہن میں زیر آب کارروائی کی بات بیٹھ گئی تھی۔ میں نے اس پر غور کرتے ہوئے کہا ''مجھے غوطہ خوروں کی ضرورت ہوگی۔ انہیں سمندر میں اتار کر ہم وائٹ ہاک کا پیندا اڑا سکتے ہیں۔''

''ویری گڈ!'' ڈان نے اپنے جوش پر قابو رکھتے ہوئے، بردباری سے کہا ''مجھے اندازہ تھا کہ تم نے ایک بات زبان سے نکالی ہے تو تمہارے ذہن میں کوئی خاکہ بھی ہوگا۔ میں تم کو ڈائنا مائیٹ فراہم کر دوں گا۔ وہ بہت بڑی لانچ ہے۔ بہت دھیرے دھیرے سمندر میں غرق ہوگی۔ اس پر موجود لوگوں کو اپنی جانیں بچانے کے لیے کافی وقت ملے گا۔ ہمیں انتظار

کرنے کی ضرورت نہیں ہو سکے تو یہ کام کل ہی ہو جانا چاہیے۔ میں چھوٹا راجن کے گھر میں ماتم برپا کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے یہاں بہت خوشیاں دیکھ لیں۔ اب میرے دن آنے والے ہیں۔''

اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کی بحالی کے تصور سے ڈان کی آنکھوں میں عجیب سی حیوانی چمک نمودار ہوگئی۔ اسے اس بات پر کوئی ندامت نہیں تھی کہ وہ میرے کندھوں پر سوار ہو کر اپنی لڑائی جیتنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ اپنے مزاج کے اعتبار سے وہ حاکمانہ انداز رکھنے والے ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے مفاد کے لیے دوسروں سے ہر قسم کا کام لینا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔

''ڈائنا مائیٹ کام نہیں کریں گے۔'' میں نے آہستگی سے کہا ''سمندری پانی میں بھیگ کر عام بارودی ہتھیار ناکارہ ہو جائیں گے۔ وائٹ ہاک کی تباہی کے لیے ہمیں واٹر پروف ریموٹ کنٹرولڈ بم درکار ہوں گے۔''

''تمہارے پاس ہر مسئلے کا حل موجود ہوتا ہے۔'' ڈان نے ستائشی لہجے میں کہا۔ ''مجھے ان لوگوں سے چڑ ہے جو مسائل پیدا کرنے میں ماہر ہوتے ہیں، ان کے پاس کوئی حل نہیں ہوتا یہاں کے چور بازار میں ہر قسم کے ہتھیار اور اسلحے کی فراوانی ہے۔ امریکی اسلحہ خانے سے چرائے ہوئے واٹر پروف بم آسانی سے مل جانے چاہئیں...... یہ بندوبست چاؤفان کو کرنا ہوگا۔ اسے بھی بلا لینا چاہیے۔''

ڈان نے اسے آواز دی تو وہ پانچوں چونکے۔ چاؤفان ہاتھ کے پتے پھینک کر تقریباً دوڑتا ہوا ہماری طرف آگیا۔

''اسے بتاؤ کہ تمہیں کیا کیا درکار ہوگا۔'' ڈان نے مجھے اشارہ کیا۔ اس نے چاؤفان کو بیٹھنے کے لیے نہیں کہا۔ وہ ہاتھ باندھ کر مؤدب کھڑا ہوا تھا۔

''دو واٹر پروف بم جو ریموٹ کنٹرولڈ ہوں اور دو ماہر غوطہ خور جو دیر تک پانی میں رہ سکیں۔'' میں نے اسے اپنی ضروریات سے آگاہ کیا۔

''لانچ کی بیرونی چادر، جہازوں کی طرح موٹی اور بہت مضبوط ہوتی ہے۔'' ڈان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''ہم نے طے کیا ہے کہ سمندر پر ناچنے والی لانچ کو جلد از جلد غرق کر دیا جائے۔ دونوں بم کم از کم بیس پاؤنڈ بارودی قوت کے ہونے چاہئیں تاکہ ناکامی کا خطرہ نہ رہے۔''

''بندوبست ہو جائے گا۔'' چاؤفان نے سر جھکا کر مشینی لہجے میں جواب دیا۔ ''میں دیکھتا ہوں کہ اپنے آدمیوں میں کون کون غوطہ خوری کر سکتا ہے۔''

''وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ ماہی گیروں کی بستی میں آدمی مل جائیں گے۔'' ڈان غرایا۔ ''میں دس بیس ہزار بھات کی پروا نہیں کروں گا۔''

چاؤفان نے بے بسی سے میری طرف دیکھا، میں نے سر ہلا کر اسے حوصلہ دیا۔ اس نے تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے ڈان سے کہا۔ ''بنکاک میں سب جانتے ہیں کہ وائٹ ہاک چھوٹا راجن کی لانچ ہے۔ آج کل شہر میں اس کی دھاک ہے۔ شاید باہر کا کوئی آدمی اس کے خلاف کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ پھر بھی میں اپنی کوشش کروں گا۔''

ڈان کی غضب ناک آنکھیں دیکھ کر اس نے جلدی سے آخری فقرہ ادا کیا۔ چاؤفان کی بات معقول تھی لیکن ڈان ذرا سی دیر پہلے مجھ سے کہہ چکا تھا کہ وہ مسائل کے بجائے ان کے حل سننا پسند کرتا ہے۔ وہ میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ''ان ڈھیلے گھٹنوں کی وجہ سے آج چھوٹا راجن یہاں راج کر رہا ہے اس کو یہاں سے نکلے بغیر الہام ہو گیا کہ شہر کے سارے لوگ اس مردود سے ڈرتے ہیں۔''

''ڈان......! یہ باتیں تم مجھ پر چھوڑ دو۔ تم اسے اڑانا چاہتے ہو، ہم اس کا بندوبست کر لیں گے۔ تم کو ان جزئیات میں اپنا سر کھپانے کی ضرورت نہیں۔ تم یہ سوچو کہ وائٹ ہاک کو سمندر میں ڈبونے کے بعد ہم راجن کا سر کیسے اتار سکیں گے۔''

مالکن نے شرم دلانے کے انداز میں ملازمہ سے کہا ''یہ پلیٹ دیکھ رہی ہو تم......؟ کتنی گندی ہے۔ تمہیں اس کو مہمانوں کے سامنے رکھتے ہوئے شرم نہیں آئی؟''

''اس میں میرے لیے شرم کی کیا بات ہے بیگم صاحبہ؟''

ملازمہ نے اطمینان سے کہا ''یہ ٹھیک ہے کہ اس پر انگلیوں کے نشان میرے ہیں...... لیکن سالن کی چکنائی تو اس پر میرے اس گھر میں آنے سے پہلے موجود تھی۔''

اسی طرح ایک اور مالکن نے شرم دلانے کے لیے اپنی ملازمہ سے کہا ''تمہیں معلوم ہے کل ڈائننگ ٹیبل پر اتنی مٹی جمی ہوئی تھی کہ میں نے انگلی سے اس پر تمہارا نام لکھا تو وہ دور سے پڑھا جا سکتا تھا۔''

''جی ہاں...... پڑھا تو جا سکتا تھا لیکن اس کے ہجے غلط تھے۔'' ملازمہ نے منہ بنا کر کہا۔

''اس کے پیندے میں بڑا سوراخ ہونا چاہیے تاکہ لانچ میں تیزی سے پانی بھرنا شروع ہوجائے۔'' ڈان نے اپنی برتری جتانے کے لیے بولنا شروع کردیا۔ ''لنگر کی زنجیر کی کڑیاں بہت مضبوط اور موٹی ہوں گی۔ اگر لنگر کاٹ دیا جائے تو پانی بھرنے کے ساتھ لانچ اپنی جگہ پر گھومنے لگے گی اور آہستہ آہستہ پانی میں غرق ہوجائے گی۔''

لنگر کاٹنے کا ذکر سنتے ہی میرا دھیان بیم گن کی طرف گیا اس کے نوزل سے خارج ہونے والی، نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی دھار پلک جھپکتے میں زنجیر کی کڑیوں کو گلا سکتی تھی۔ ہمیں وہ کارروائی پانی کی سطح سے کافی نیچے رہ کر کرنا تھی تاکہ لانچ کے عرشے پر موجود، مسلح محافظ ہماری موجودگی سے باخبر نہ ہوسکیں۔ میں نے نازک مواقع پر بارہا بیم گن کے ہولناک کمالات آزمائے تھے لیکن میں اس کی زیرآب کارکردگی سے بے خبر تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ غیرضروری طور پر ڈان کی خواہشات کی حوصلہ افزائی کرنا مناسب نہیں تھا۔

ڈان کی بات کا کوئی نہ کوئی جواب دینا ضروری تھا۔ مجھے خاموش پاکر چاؤ فان کو ناچار اپنی زبان کھولنا پڑی۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''بالکل ایسا ہی ہوگا۔ لنگر کاٹ دینے کے بعد وہ موجوں کے زور پر کھسکنا شروع کردے گی۔ ہوسکتا ہے کہ لانچ کسی سخت چٹان سے ٹکرا جائے۔ یوں اس کے ڈوبنے کا عمل تیز ہوجائے گا۔''

ڈان نے اسے تیز نگاہوں سے گھورا لیکن زبان سے کچھ نہیں بولا۔ چند لمحوں کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوگیا۔ ''یہ کام کب تک پورا ہونے کی امید ہے۔''

''میں کل تمہیں جواب دے سکوں گا۔ سارا انحصار غوطہ خوروں کے بندوبست پر ہے۔''

''بس، اب تم جاؤ۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوگیا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑنے میں تاخیر نہیں کی۔ چاؤ فان پہلے ہی کسی مجرم کی طرح اپنے دونوں ہاتھ باندھے کھڑا ہوا تھا۔ ڈان زینوں کی طرف چل دیا۔

آدمی شریف ہو تو عام طور پر خلیق اور منکسر المزاج ہوتا ہے۔ میرا تجربہ تھا کہ بدمعاش اس وصف سے یکسر محروم ہوتے ہیں۔ جو جتنا بڑا بدمعاش ہوتا ہے، اپنی طاقت کے نشے میں اتنا ہی زیادہ مست ہوتا ہے، سوبھراج اور راجن کی طرح ڈان برنارڈ بھی بہت مغرور شخص تھا۔ دوسروں کے ساتھ وہ ہر لمحے اپنی بالادستی کا مظاہرہ کرتا رہتا تھا مگر میرے ساتھ، پہلے دن سے اس کا رویہ قدرے بہتر تھا جس میں وقت گزرنے کے ساتھ مزید بہتری آتی جارہی تھی۔ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ اس کے لیے میری کارکردگی بڑی حد تک اطمینان بخش تھی۔

اس نے رعونت کے ساتھ ہمیں رخصت نہیں کیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ زینوں پر ہمیں الوداع کہہ دے گا مگر وہ نیچے اترتا چلا گیا۔ میرے لیے وہ چھوٹی چھوٹی باتیں بہت اہم تھیں۔ ان سے اندازہ ہورہا تھا کہ میں ڈان کے دل و دماغ میں بہ تدریج اپنی جگہ بناتا جارہا تھا۔

ڈان نے ہمیں سیاہ، چوبی دروازے سے باہر نکال کر خود دروازہ بند کرلیا۔

چاؤ فان نے گلی میں آکر، کھلی فضا میں چند گہرے گہرے سانس لیے پھر دھیمی آواز میں بولا ''وہ مجھے نکما سمجھتا ہے پھر بھی زیادہ تر کام مجھ ہی سے لیتا ہے۔''

''وہ تمہیں دباؤ میں رکھنے کے لیے ایسی باتیں کرتا ہے۔'' میں نے دوستانہ انداز میں کہا ''تم دیکھ لینا کہ ڈان کے دن پھر گئے تو تم بنکاک میں راج کرو گے۔ وہ تمہیں بہت عزیز رکھتا ہے۔''

''تم خود بتاؤ کہ میں غوطہ خور کہاں سے پیدا کروں۔ میں تو تیرنا بھی نہیں جانتا۔'' وہ سخت ذہنی الجھن کا شکار نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی ''گھر اور سیلرز بار تک محدود رہنے کے باوجود اسے ہر بات کا علم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ لوگ چھوٹا راجن سے ڈرنے لگے ہیں۔ وہ اپنے سامنے آنے والوں کو بہت بے دردی سے مروا دیتا ہے۔ نوٹوں کے لالچ میں کوئی اپنی گردن کٹوانے پر آمادہ نہیں ہوتا۔''

ہم باتیں کرتے ہوئے چاؤ فان کی گاڑی تک پہنچ گئے۔ اس دوران میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ سانس روک کر پانی میں غوطہ خوری کرنے والوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ ایسے لوگ چند منٹ سے زیادہ زیرآب نہیں رہ سکتے۔ سانس کے لیے انہیں ہر حال میں اوپر آنا ہوتا ہے۔ لانچ میں بم لگانے کا کام ان کے بس کا نہیں تھا۔ ہمیں ایسے آدمی درکار تھے جو غوطہ خوری کے مکمل لباس اور آکسیجن سلنڈر کے ساتھ دیر تک پانی میں رہ سکیں۔

اس کے نزدیک ایسے پیشہ ور لوگوں کا کسی مجرمانہ کام کے لیے تیار ہونا اور بھی مشکل تھا۔ وہ بھاری معاوضے لے کر کام کرتے اور خوش حال زندگی گزارتے تھے۔ کوئی بڑے سے بڑا مالی لالچ بھی انہیں قانون شکنی پر نہیں اکسا سکتا تھا۔

لانچ کے پیندے میں بم لگانا بھی آسان کام نہیں تھا۔ سپاٹ اور ڈھلوان فولادی دیواریں جو نیچے جاکر ایک دوسرے سے مل رہی ہوں، ایک مسئلہ بن سکتی تھیں۔ ان پر بم باندھنا تقریباً ناممکن تھا۔ کافی دیر تک تبادلۂ خیال کے بعد مجھے

انجینئرنگ کے شعبے میں استعمال ہونے والے وہ مقناطیس یاد آ گئے جو سوئچ گھمانے سے آن اور آف ہو جاتے ہیں۔ ایسے چند مقناطیس باندھ کر بموں کو لانچ کی دیواروں کے قریب چھوڑ دیا جاتا اور مقناطیس آن ہوتے تو وہ بم از خود لوہے کی طرف کھنچ کر چپک جاتے۔ چاؤ فان کے لیے وہ انوکھی بات تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ وہ کسی بھی دکان پر ڈائل انڈی کیٹر کا بلاک دیکھے گا تو بات اس کی سمجھ میں آ جائے گی۔

راستے بھر میں اسے یہی سب باتیں بتاتا رہا۔ اس نے ڈان کے سامنے ہر بات پر سر ہلا دیا تھا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد اسے وہ منصوبہ بری طرح ناکام ہوتا نظر آ رہا تھا کیونکہ ضروری سامان اور افرادی قوت کی فراہمی اس کے لیے دشوار تھی۔

اس چکر میں چاؤ فان کی ساری شوخی اور چرب زبانی رخصت ہو گئی۔ اپنی بریفنگ ختم کرنے کے بعد میں نے اس سے کہا ''منصوبے پر عمل درآمد اب تمہاری ذمے داری ہے۔''

''میں تم سے یہی کہہ رہا تھا۔ میں نکما ہوں تو وہ مجھے اتنی بھاری ذمے داریاں کیوں سونپتا ہے۔ اب مجھے نو من تیل مہیا کرنا ہے تاکہ رادھا ناچ سکے۔''

''اوہ...... تم اس اردو محاورے سے واقف ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ماسٹر! اس وقت یہ محاورہ نہیں، حقیقت ہے۔ اگر یہ کوئی اردو محاورہ ہے تو میرے ایک ہندی دوست نے مجھے اس کا انگریزی ترجمہ سنایا تھا۔ وہ میرے ذہن میں محفوظ ہے۔''

''بندوبست میں دیر ہوئی تو ڈان ہم دونوں کو سمندر میں دھکیل دے گا۔ اب اس کے لیے صبر کرنا مشکل نظر آ رہا ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''ماسٹر! یہ میرے لیے افسوس کی بات ہے۔ میری جان پر بنی ہوئی ہے اور تم ہنس رہے ہو۔''

''رونا بدشگونی ہے اس لیے ہنسنا ہی بہتر ہے۔ میں تیر کر اپنی جان بچالوں گا۔ تمہیں تو تیرنا بھی نہیں آتا۔ ڈان کا دماغ سنک گیا تو تم وائٹ ہاک سے پہلے ڈوب جاؤ گے۔''

''میں کوشش کرتا ہوں۔'' اس نے مردہ سی آواز میں کہا ''بدھا میری مدد کرے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کو ایسی مشکل تجویز پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''میں سب بھول بھال گیا تھا۔ یہ تمہاری رپورٹ کا کرشمہ ہے جو ڈان کے دماغ میں بیٹھ گئی۔ اس نے خود لانچ کو ڈبونے کی بات چھیڑی تھی۔''

''میری مت ماری گئی ہوگی۔'' وہ واقعی بہت زیادہ پریشان تھا ''سوچنا ہر ایک کا حق ہے۔ میں نے تمہاری فرض شناسی اجاگر کرنے کے لیے کہہ دیا تھا کہ تم چھوٹا راجن اور اس کی لانچ کے بارے میں کیا، کیا سوچ رہے ہو۔ مجھے پتا ہوتا کہ ڈان ان باتوں کو پکڑ کر بیٹھ جائے گا تو میں بھول کر بھی اپنی زبان نہ کھولتا۔''

''ڈان تمہارے اس پچھتاوے سے خوش نہیں ہوگا۔''

''ماسٹر! یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ بوکھلا کر بولا ''میں اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا ہوں۔ یہ باتیں ڈان کے کان میں نہ پھونک دینا۔''

وہ اتنا گھبرا گیا کہ لمحہ بھر کے لیے اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ بہک گئے۔ میں نے جلدی سے کہا ''میں بھی مذاق کر رہا ہوں۔ تم ڈرائیونگ پر دھیان دو۔ کہیں گاڑی نہ مار دینا۔''

''ماسٹر! اب ہم ایک دوسرے کے لیے نئے نہیں رہے ہیں۔ میں تمہارا مزاج سمجھ گیا ہوں، تم بھی میری طبیعت سے واقف ہو گئے ہو گے۔ ایمان داری سے بتاؤ کہ کیا میں کبھی ڈان سے غداری کر سکتا ہوں؟''

''مسٹر چاؤ فان! تمہیں اتنی سنجیدگی سے صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں مذاق کر رہا تھا۔ اس وقت تم ڈان کی سونپی ہوئی ذمے داریوں سے زچ آئے ہوئے ہو۔ جل بھن کر اسے گالیاں بھی دیتے تو میں انہیں اہمیت نہ دیتا۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہو...... میں خواب میں بھی ڈان کو گالیاں دینے کا تصور نہیں کر سکتا۔''

''یہ بات پرانی ہو گئی۔ میں شرط لگاتا ہوں کہ اب سو ؤ گے تو خواب میں وہی نظر آتا رہے گا۔'' میں نے استہزائی لہجے میں کہا۔

''یہ بتاؤ کہ تمہارے پاسپورٹ ڈان کی مسہری پر کیوں پڑے ہوئے تھے۔ یہ سبز کتابیں میں اکثر پاکستانیوں کے پاس دیکھتا رہا ہوں۔''

اس نے یکایک موضوع بدل دیا۔ وہ بیشتر وقت جوا کھیلنے میں منہمک رہا تھا، اسے قطعی علم نہیں تھا کہ اس دوران میں میرے اور ڈان کے درمیان کیا کچھ ہوتا رہا تھا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ ڈان نے میرے پاسپورٹ لوٹا دیے تھے، میں نے انہیں واپس لینے سے انکار کر دیا تو وہ حیرت سے اپنی نشست میں تقریباً اچھل پڑا۔

''انکار کر دیا!'' اس نے بے یقینی سے میری بات دہرائی پھر کہا ''تم تو ان کی واپسی کے لیے بے چین تھے۔''

''شاید ہم دونوں ایک دوسرے کو آزما رہے تھے۔'' میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہا ''ڈان نے جس طرح ہمارے

پاسپورٹ اپنے قبضے میں لیے۔ اس سے مجھے توہین کا احساس ہوا تھا ورنہ میں ان کا کیا کروں گا۔ مجھے راجن کا شکار کھیلنے کے لیے ہر حال میں یہاں رکنا ہے۔"

"ماسٹر!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا" ڈان کے بعد تم مجھے دوسرے آدمی ٹکرائے ہو جسے سمجھنا بہت مشکل ہے۔"
میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

شہر کی سڑکوں پر اس وقت رات کی ویرانی کا مکمل راج تھا۔ کشادہ اور روشن سڑکوں پر دور دور تک ہماری گاڑی کے سوا کسی مشینی سواری کا نام ونشان نہیں تھا۔ چاؤفان اپنے ذہنی دباؤ کی وجہ سے خاصا بجھا بجھا سا تھا۔ وہ معمول کی رفتار سے گاڑی دوڑاتا رہا۔

میں نے ہوٹل کے قریب اس کی گاڑی چھوڑی تو چار بجنے والے تھے۔

ہوٹل کی لابی سونی پڑی ہوئی تھی۔ شب بیداری کی وجہ سے عملہ تھکا ہوا نظر آ رہا تھا۔ لابی میں صوفوں پر بیٹھے ہوئے لوگ اپنی پسند کے مشروبات پیتے ہوئے، مذاکرات میں مصروف تھے۔ ان میں مردوں کے ساتھ خواتین بھی تھیں۔ ان کے انداز بتا رہے تھے کہ خانہ داری سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ وہ تیزی سے گزرتی ہوئی رات کے بقیہ لمحوں کا مول تول تھا۔

کمرے میں غزالہ بہت بے چینی سے میری منتظر تھی۔ لباس تبدیل کرنے کے دوران میں نے اسے اپنی اور ڈان کی ملاقات کا خلاصہ سنا دیا۔

"تو کیا آپ وائٹ ہاک کو غرق کرنے کے بارے میں سنجیدہ ہیں؟"

"ان زخموں کی کسک دور کرنے کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔" میں نے اپنے چہرے کے زخموں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا" اب راجن سے میری لڑائی چل پڑی ہے۔"

"زخم کہاں، یہ تو ایک دو نیل ہیں۔ آپ اس کے آدمیوں سے دل کھول کر ان کا بدلہ لے چکے ہیں۔"

"میں یہ بدلہ راجن سے بھی لوں گا۔ اس کے چاروں آدمیوں کو ان کا حصہ مل گیا۔ کچھ نہ کچھ راجن کو بھی ملنا چاہیے۔" میں نے تلخی سے کہا۔

میں نے بستر پر دراز ہو کر روشنی گل کی تب بھی غزالہ کے سوالات کا سلسلہ جاری تھا۔ اسے فکر تھی کہ لانچ کو اچانک غرق کر دیا گیا تو اس پر موجود عملے کا کیا بنے گا؟

وہ سوال خاصا مشکل تھا۔ میں نے اسے سمجھانا شروع کیا تو ایک مرتبہ پھر بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ سونے کا وقت گزر چکا تھا۔ اس وقت تک جو کچھ میرے ذہن میں آ سکا تھا۔ میں نے غزالہ کو سنانا شروع کر دیا۔

اندھیرے کمرے کی خنکی میں بستر کی نرمی نہ جانے کب میرے حواس پر غالب آ گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھ پر غنودگی کی لہر سوار ہوتے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی ہو۔

بے اختیار میری نظریں وال کلاک کے چمکتے ہوئے ڈائل کی طرف گئیں اور میں حیران رہ گیا۔ وہاں سوئیاں چھ بجا رہی تھیں۔ وہ غنودگی کی مختصر سی لہر نہیں تھی، میں کم از کم ایک گھنٹے کی نیند لے چکا تھا۔

صبح کے چھ بجے مجھے کون فون کر سکتا تھا؟ وہ سوال بہت تیزی سے میرے ذہن میں ابھرا جس کے جواب میں صرف چاؤفان کا نام یاد آ سکا۔ اس رات میں نے اسے ضرورت سے زیادہ منہ لگا لیا تھا۔ شاید وہ لاڈ میں آ کر اپنے کسی مسئلے پر مجھ سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔

فون کی دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے میں نے موبائل فون آن کر کے اپنے کان سے لگا لیا۔

"علی! ابھی میری ڈور بیل بجی ہے۔" میرے کان میں اسد کی دبی دبی، پرجوش آواز گونجی" میں نے کھڑکی کے پردے کے پیچھے سے جھانک کر دیکھا ہے۔ باہر راجن کا وہی آدمی موجود ہے جو پہلے اس کا پیغام لایا تھا، پتا نہیں کیا ہونے والا ہے۔ میں نے سوچا کہ اس سے ملنے سے پہلے تمہیں بتا دوں!"

میں سناٹے میں آ گیا۔ میرے خوابیدہ اعصاب کے لیے وہ پیغام بہت خوفناک تھا۔ راجن میری توقع سے زیادہ کینہ پرور ثابت ہو رہا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ اپنے چاروں آدمیوں کے پٹنے کے بعد وہ اتنی سرعت سے کوئی جوابی قدم اٹھائے گا۔

"ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ اور آدمی بھی آئے ہوں اور باہر چھپے ہوئے ہوں۔" میں نے جواب دیتے ہوئے اپنے بدن میں سنسنی کی ایک لہر دوڑتی ہوئی محسوس کی" تمہیں باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔ وہ مایوس ہو کر لوٹ جائے گا۔"

"نہیں علی، مجھے باہر جانا ہوگا۔ وہ لوگ کسی بری نیت سے آئے ہیں تو اپنی تسلی کرنے کے لیے زبردستی میرے گھر میں گھس آئیں گے......لو، گھنٹی پھر بجی ہے، میں جا رہا ہوں۔"

مجھے اپنے فون پر ڈور بیل کی تیز آواز بہت صاف سنائی دی تھی۔ اسد نے اپنی بات پوری کر کے فون بند کر دیا۔ میں نے بے چین ہو کر بستر چھوڑ دیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں ٹھکانہ بنایا تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلب میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی راشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ ساسے نامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ ساسے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ وہ اسد کی بنکاک میں آخری رات تھی۔ جب اس نے فون پر مجھے بتایا کہ راجن کے گرگے اس کے گھر کے باہر موجود تھے اور ان کے ارادے نیک دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

اب آپ قسط نمبر 250 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

وہ بے چینی کی ایک لہر تھی جس کے تحت میں نے اضطراری طور پر اپنا بستر چھوڑ دیا تھا۔ اسد اتنی عجلت میں تھا کہ اس نے مجھے صرف اپنی بات سنائی تھی۔ ایک مشورہ دینے کے سوا' مجھے اس سے کچھ پوچھنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔

راجن کا آدمی اس کے دروازے پر کھڑا' گھنٹیاں بجا رہا تھا۔ ایسی صورت میں اسد کو فون کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس کے لہجے سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ دھن کا پکا ہے۔ گھر میں چھپ کر بیٹھنے کے بجائے ہر حال میں اپنے خطرناک ملاقاتی سے ضرور ملے گا۔ ایسے میں فون کی گھنٹی اس کے لیے مہلک ثابت ہوسکتی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے اس کی توجہ گھنٹی کی طرف مبذول ہوتی اور اس کے حریف کو اس پر کوئی داؤ لگانے کا موقع مل جاتا۔ غالب امکان یہ تھا کہ وہ میری کال کا

جواب ہی نہ دیتا۔ مقابلے کی فضا میں وہ اپنے حریف سے ٹائم آؤٹ لے کر فون نہیں سن سکتا تھا۔
میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اسد کے لیے کیا کروں۔ وہ ذہین، مخلص اور بے خوف آدمی تھا۔ ضابطوں اور طریقوں میں بندھا ہوا ہونے کے باوجود اس نے بنکاک میں میری قابلِ قدر مدد کی تھی۔ اس کے مشکل وقت میں اس کی مدد کے لیے پہنچنا میری ذمے داری تھی۔
میں نے اس کا گھر ضرور دیکھا ہوا تھا لیکن میرے لیے ازخود وہاں پہنچنا ناممکن تھا۔ مجھے گلیوں اور سڑکوں کے نام معلوم تھے نہ محلے کا علم تھا۔ کوئی مجھے اس علاقے میں لے جا کر کھڑا کر دیتا تو میں ایک نظر میں اسد کا گھر پہچان لیتا۔
میں مضطربانہ انداز میں قالین پر ٹہلتا رہا۔ اسی دوران میں، میں نے بے خیالی میں سگریٹ سلگالی۔ اعصابی دباؤ کے سبب میں یہ حقیقت فراموش کر بیٹھا کہ اس وقت میں کمرے میں اکیلا نہیں تھا۔ بستر پر غزالہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ اندھیرے کمرے میں لائٹر کا شعلہ بھڑکا تو اس کی چمک سے غزالہ ہڑبڑا کر بیدار ہوگئی۔
لائٹر جل کر بجھ گیا۔ اندھیرے میں ایک انسانی ہیولے کے موہوم سے خدوخال دیکھ کر غزالہ ڈر گئی ''کک...... کون ہے؟'' اس کے حلق سے پھنسی پھنسی اور خوف زدہ آواز برآمد ہوئی۔
''ڈرو نہیں، میں کمرے میں ٹہل رہا ہوں!'' میں نے اسے دلاسا دیا۔
میری آواز سنتے ہی غزالہ نے بیڈ سوئچ دبا کر کمرا روشن کر دیا ''آ...... آپ اس وقت ٹہل رہے ہیں...... وقت دیکھا ہے آپ نے!'' اس نے پریشان ہو کر کہا۔
''میں ابھی گہری نیند سے اٹھا ہوں، اسد کا فون آیا تھا۔ اس وقت راجن کا ایک آدمی اس کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے۔''
''اوہ خدا!'' غزالہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا ''یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ وہ کیا چاہتا ہے۔''
''کچھ نہیں معلوم۔'' میں نے ذہنی انتشار کے عالم میں جواب دیا ''اس نے اپنے دروازے پر جانے سے پہلے مجھے فون کر کے خبر دی ہے تاکہ اس کے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہونے کی صورت میں ہمیں یہ معلوم رہے کہ اس کا آخری ملاقاتی کون تھا۔''
''پھر کیا سوچ رہے ہیں؟'' وہ پھرتی سے بستر سے اتر آئی۔ اصل صورتِ حال کا اندازہ ہوتے ہی اس کا نیند کا خمار رخصت ہوگیا۔ وہ کہہ رہی تھی ''اسد کا گھر آپ کا دیکھا ہوا ہے، ہمیں بلاتاخیر وہاں پہنچنا چاہیے۔ پتا نہیں وہ بے چارہ کس مشکل سے دوچار ہے۔''
اس نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ میری دلی خواہش بھی وہی تھی لیکن اسے عملی جامہ پہنانا کسی صورت میں ممکن نہیں تھا۔ میں نے غزالہ کو اپنی مجبوری سے آگاہ کیا تو اس کی پیشانی پر فکرمندی کی لکیریں ابھر آئیں۔
''یہ تو بہت زیادہ پریشان کن صورتِ حال ہے۔'' وہ پُرتشویش لہجے میں بولی ''ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کس پریشانی سے دوچار ہے اور ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔''
میں خاموش رہا۔ میرے پاس اس موقع پر کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ چند گھنٹوں بعد وہ اپنے دفتر کا رخ کرتا تو وہاں اسے فیکس مشین پر اپنے تبادلے کا حکم نامہ مل جاتا پھر شاید کوئی اسے فون پر یہ بھی بتا دیتا کہ اس کے لیے اپنے جانشین کا انتظار کرنا ضروری نہیں، وہ جب چاہے اپنی سہولت کے مطابق پاکستان روانہ ہو سکتا ہے۔
اسد اس بات سے قطعی بے خبر تھا۔ دوسری طرف راجن نے بھی نہایت عجلت اور بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا۔ اگر وہ اپنے آدمی کو اسد کے گھر بھیجنے میں چند گھنٹے کی تاخیر کرتا تو اسد کے سارے مسائل ازخود حل ہو جاتے۔ وہ اپنے حریفوں میں سے کسی کا سامنا کرنے سے پہلے بنکاک سے نکل جاتا۔
انسان لاکھ تدبیریں کرلے، ہوتا وہی ہے جو کاتبِ تقدیر نے اس کے مقسوم میں لکھ دیا ہو۔ اسد اپنے مقدر کی اسی بے رحمی کا شکار ہوا تھا۔ میں نے غزالہ سے زیادہ کھل کر بات نہیں کی لیکن میں دل ہی دل میں نہایت فکرمندی کے ساتھ دعائیں مانگ رہا تھا کہ اسد اس مرحلے سے گزر کر کم از کم اس حال میں ضرور رہے کہ فوری طور پر سفر کر سکے۔ متوقع مار دھاڑ کے نتیجے میں اگر وہ زیادہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا تو اس کی روانگی التوا کا شکار ہو سکتی تھی۔
ذہن پر کوئی دباؤ نہ ہو تو وقت یوں چپکے سے گزر جاتا ہے کہ گھنٹوں اور پہروں کا بھی پتا نہیں چلتا۔ انتظار کیا جا رہا ہو تو ایک ایک پل یوں رینگ رینگ کر گزرتا ہے کہ اعصاب چٹخنے لگتے ہیں۔ دس منٹ بعد میرے فون کی گھنٹی ایک بار پھر بجی اور میرے دل کی دھڑکنیں یک لخت تیز ہوگئیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے گھنٹوں بعد میرے فون میں جان پڑی ہو۔
میں نے نہایت عجلت کے عالم میں کال وصول کی۔ دوسری طرف سے اسد کی آواز سنتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے بکھرتے ہوئے اعصاب میں یکایک جان پڑ گئی ہو۔ اس

وقت اہم ترین بات یہ تھی کہ اسد کی آواز میں خوف یا گھبراہٹ کا کوئی عنصر نمایاں نہیں تھا۔ اس نے نہایت پرسکون اور آسودہ آواز میں ہیلو کہا تھا۔

''کہو...... میں سن رہا ہوں!'' اس کی زبان سے وہ لفظ ادا ہوتے ہی میں نے بے تابانہ انداز میں اسے لقمہ دیا ''وہ کہاں ہے...... کیوں آیا تھا؟''

''راجن کی طرف سے دوستی کا پیغام لایا تھا۔ میں نے بہت رکھائی سے اسے اپنے دروازے سے ہی رخصت کر دیا۔'' اسد کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی ''اس کے بارے میں میرے سارے اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے وہ سراپا انکسار بنا ہوا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ راجن آج رات مجھ سے دوبارہ ملنے کا خواہش مند ہے۔''

''تم کو اس کے منہ پر تھوک دینا چاہیے تھا وہ......!''

''غصہ نہ کرو، صبر سے کام لو!'' اس نے میرے اشتعال کا اندازہ کر کے میری بات کاٹتے ہوئے کہا ''میں نے اسے بتا دیا کہ میں راجن کی گھٹیا حرکتوں سے بے خبر نہیں ہوں، شاید وہ مجھے بہانے سے دوبارہ بلا کر پچھلی رات کا حساب بے باق کرنے کے چکر میں ہے۔''

''سو فی صد یہی چکر ہے۔'' میں نے پُرزور انداز میں اس کی تائید کی ''رات کو اس کے بھیجے ہوئے چاروں بدمعاشوں نے منہ کی کھائی ہے، اب اس ملعون کی کسی بات پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔''

''اس نے میرے لگائے ہوئے الزام کی تردید نہیں کی۔'' اسد کی آواز میں نرمی اتر آئی ''اس نے راجن کی طرف سے پچھلی رات کے واقعے پر معذرت کی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ راجن سے میرے بارے میں اندازے کی غلطی ہوئی ہے۔ ہم دونوں کی دلیری نے اسے بہت متاثر کیا ہے اب وہ ہم سے دوستانہ فضا میں ملنا چاہتا ہے۔ اس نے یقین دلایا ہے کہ اس بار ہمارے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آئے گا۔''

''تمہارے انداز سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اس سے ملنے کا فیصلہ کر چکے ہو!'' میں نے قدرے ترش لہجے میں شبہ ظاہر کیا۔

''دوستی یا دشمنی...... میرے لیے ان دو میں سے کسی ایک راستے کا انتخاب ناگزیر ہو چکا ہے۔'' اس نے جواب دیا ''اس کی نظروں میں آ جانے کے بعد اب غیر جانب دار رہنا ناممکن ہو چکا ہے، راجن کے قاصد سے بات کرتے ہوئے یہ نکتہ میرے ذہن میں پوری طرح واضح ہو چکا تھا پھر بھی میں نے اسے کوئی واضح جواب دیے بغیر لوٹا دیا۔''

مجھے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ اسد نے اس سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ اگر وہ راجن کے آدمی سے کچھ وقت لے چکا تھا تو اس کے لیے یہی کافی تھا۔ اسد کو یہ علم نہیں تھا کہ اس کے دفتر کی فیکس مشین پر اس کے تبادلے کا حکم نامہ اس کا منتظر تھا۔ دن طلوع ہونے کے بعد اس کے لیے سب کچھ تبدیل ہونے والا تھا۔ اس سے پہلے کہ اسے راجن کو کوئی جواب دینے کی ضرورت پیش آتی، وہ بنکاک سے کراچی یا لاہور کی طرف پرواز کر چکا ہوتا۔

''تم نے اس سے کس طرح گلو خلاصی حاصل کی؟'' سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی میں اپنے تجسس پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

میرے کان میں اسد کی ہنسی کی ہلکی سی آواز گونجی پھر وہ بولا ''زمانہ خراب ہے۔ جو دبتا ہے اسے بے رحمی سے دبا دیا جاتا ہے۔ آنکھیں نکال کر سینہ زوری کرنے والے سے ہر ایک ڈرتا ہے میں نے اسی اصول پر عمل کیا اور کامیاب رہا۔ اس کا نرم اور مفاہمانہ رویہ دیکھتے ہوئے میں نے جارحانہ تیور اختیار کر لیے، میں نے کہا کہ میں سوچ کر جواب دوں گا۔ میں نے اس بات پر خاصی برہمی ظاہر کی کہ وہ نامناسب وقت پر میرے گھر کیوں آیا۔''

اسد نے مزے لے کر وہ تفصیل سنائی۔ میں پوچھا ''تمہارا آخری سوال بہت معقول تھا۔ تم کو اس کا کیا جواب ملا؟''

''اس کی وضاحت سن کر میں اپنی چوٹوں کا درد کچھ دیر کے لیے بھول گیا۔'' ایک بے ساختہ ہنسی کے ساتھ اس کا جواب آیا ''ہمارے ہاتھوں پٹنے والوں کا حشر بہت برا ہوا۔ شاید انہوں نے موتی محل کا رخ کرنے سے پہلے کہیں رک کر اپنے اوسان درست کیے ہوں گے۔ قاصد کا کہنا تھا کہ ان کی رپورٹ ملتے ہی راجن نے اسے میری طرف روانہ کر دیا۔''

''کیا وہ چاروں موتی محل کے آدمی تھے؟''

''مجھے یہ سب جاننے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے لیے اس کا یہ اعتراف کافی تھا کہ راستے میں ہم پر حملہ آور ہونے والے راجن کے آدمی تھے۔ وہ کہاں سے آئے، کہاں گئے انہوں نے اپنے آقا کو کیسے رپورٹ دی، یہ سب باتیں میرے لیے غیر اہم ہیں۔''

''میرے ذہن سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''میں نے تمہارا گھر دیکھا ہوا ہے لیکن وہاں پہنچنا میرے لیے ناممکن ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا

کہ میں تمہارے لیے کیا کروں۔ غنیمت ہے کہ وہ بلا ٹل گئی۔''
''اس کی پہلی جھلک دیکھ کر میرے چودہ طبق روشن ہوگئے تھے اور میں نے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ چاروں آدمیوں کی ناکامی کا بدلہ لینے کے لیے' پوری تیاری کے ساتھ آیا ہے اور دروازہ کھلتے ہی گولیوں کی باڑ میرا استقبال کرے گی۔''

اسد کے پہلے اور دوسرے فون کا درمیانی وقفہ میرے لیے بہت ہولناک اور اعصاب شکن تھا۔ خوف' تذبذب اور بے یقینی کے وہ روح فرسا لمحات کسی ڈراؤنے خواب کی طرح آکر گزر گئے تھے۔ اسد اس بارے میں زیادہ بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا لیکن میں اس سے باتوں میں لگا رہا۔ وہ بے خبر تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ بنکاک میں زیادہ دیر کا مہمان نہیں تھا۔ اس کی روانگی سے پہلے مجھے اس سے زیادہ سے زیادہ امور کے بارے میں آگاہی حاصل کرلینی چاہیے تھی۔

اس دوران میں کئی بار میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں اسے اعتماد میں لے کر تبادلے کی خبر سے آگاہ کردوں لیکن جلال سے کیا ہوا' رازداری کا وعدہ ہر بار میرے ہونٹوں کا قفل بن گیا اور کچھ دیر بعد گفتگو کا وہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

''آج کی رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ گئی.....'' اسد سے بات ختم ہوتے ہی غزالہ نے اپنی طرف سے کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''کم از کم تم یہ نہیں کہہ سکتیں۔ تم نے لمبی اور گہری نیند لی ہے۔''

''میں اپنے نہیں' آپ کے بارے میں کہہ رہی تھی۔'' اس نے خفت آمیز لہجے میں جواب دیا ''راجن کو صلح اور دوستی کا پیغام بھیجنا ہی تھا تو وہ دن نکل آنے کا انتظار نہیں کرسکتا تھا!''

''یہ اس کی بوکھلاہٹ کی کھلی علامت ہے۔'' میں نے کہا ''اپنے آدمیوں کے پٹنے کی خبر ملتے ہی اس نے اپنے قاصد کو اس کی طرف دوڑایا۔ اسد یہاں پاکستان کی سرکاری نمائندگی کررہا ہے۔ راجن کو خوف ہوگا کہ دن طلوع ہونے کے بعد اسد نے رات کے واقعے کی کوئی باضابطہ رپورٹ درج کرادی تو وہ مشکلات کا شکار ہوجائے گا۔ مفاہمت کا ہنگامی پیغام بھیج کر اس نے اپنے سر سے وہ خطرہ ٹالنے کی کوشش کی ہے۔''

''اس کا یہ خوف بے بنیاد ہے' ہوسکتا ہے کہ کل اسد یہاں سے نکل جائے۔'' اس نے فکرمندانہ لہجے میں کہا ''وہ ان الجھنوں سے بچ جائے گا' آپ کو ہر لمحے ہوشیار رہنا ہوگا

ایک دوست نے دوسرے دوست سے کہا ''تمہارا کہنا ہے کہ تم جس لڑکی سے شادی کرنے جارہے ہو وہ کروڑوں کی دولت اور جائیداد کی مالک مگر نہایت بدصورت ہے؟''

''ہاں۔'' دوسرے دوست نے تائید کی۔

''اس کے باوجود تمہارا دعویٰ ہے کہ یہ محبت کی شادی ہے؟'' پہلے دوست نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ہاں...... مجھے دولت سے محبت ہے نا.....'' دوسرے دوست نے اطمینان سے جواب دیا۔

کیونکہ اب آپ راجن کی نظروں میں آچکے ہیں۔''

''دیکھ لیا جائے گا۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھام کر بے پروائی سے کہا ''ابھی صبح ہونے میں دیر ہے۔ آؤ سونے کی کوشش کرتے ہیں۔''

اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ میری گرفت سے چھڑایا اور عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ میں اسے نظرانداز کرکے دوبارہ بستر پر دراز ہوگیا۔

تھکن کے باعث نیند نے جلد ہی مجھ پر غلبہ پالیا۔ شاید میں اس روز دن چڑھے تک سوتا رہتا لیکن دس بجے کے قریب غزالہ نے مجھے جھنجوڑ کر جگادیا۔

''کیا مصیبت ہے...... مجھے نیند پوری کرلینے دو!'' میں نے اس کا ہاتھ جھٹک کر غنودگی کے عالم میں احتجاج کیا۔

''ابھی ابھی دفتر سے اسد کا فون آیا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ وہ ادھر آرہا ہے۔'' غزالہ نے اپنی کوشش جاری رکھتے ہوئے کہا ''وہ بہت خوش معلوم ہورہا تھا۔ شاید تبادلے کا حکم نامہ اس کے دفتر میں پہنچ گیا ہے۔''

وہ خبر ایسی تھی کہ مجھے ناچار بستر چھوڑنا پڑا۔ وال کلاک پر سرسری نظر ڈال کر میں سیدھا باتھ روم میں گھس گیا۔

ہم دونوں کمرے میں ناشتے میں مصروف تھے کہ اسد آپہنچا۔ اس نے معمول کے مطابق ہوٹل کی لابی سے فون کرکے اپنی آمد کی اطلاع دی اور اجازت پاکر اوپر آگیا۔

اس نے اپنی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک لگائی ہوئی تھی جس نے اس کی آنکھوں کے گہرے نیل چھپالیے تھے۔ چہرے کی دوسری خراشیں زیادہ گہری نہیں تھیں۔

میں نے پرتپاک انداز میں اس کا استقبال کرتے ہوئے پوچھا کہ کہیں وہ کسی کو اپنے پیچھے تو نہیں لگالایا تھا۔ اس

نے ہنس کر مجھے یقین دہانی کرائی کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔
''رات کو بھی آپ دونوں کو یہی خوش فہمی تھی کہ آپ کا پیچھا نہیں کیا جارہا تھا۔'' غزالہ نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا ''لیکن ایک بند بازار میں ان چاروں نے آپ کو گھیر لیا۔ وہ آسمان سے نہیں ٹپکے ہوں گے' شروع سے پیچھا کررہے ہوں گے۔''
''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ رات کو ٹیکسی ڈرائیور کی ہوشیاری ہمارے گلے پڑگئی۔'' اسد نے ایک کرسی سنبھال کر کہا ''ہم دونوں میں سے کوئی ڈرائیونگ سیٹ پر نہیں تھا۔ صرف عقب نما آئینوں سے پیچھے آنے والوں پر نظر رکھی جاسکتی ہے۔ ہمیں مڑ کر دیکھنا پڑرہا تھا۔ اس میں چوک ہوگئی۔ وہ گدھا ٹریفک سے بچنے کے لیے شہر کی گلیوں میں گھس گیا۔ وہاں کی تاریکی نے رہی سہی کسر پوری کردی۔ مجھے یقین ہے کہ اندھیرے راستے پر انہوں نے اپنی گاڑی کے ہیڈلیمپس گل کرلیے ہوں گے۔ اس سے ہم دھوکا کھاگئے۔''
''اس وقت بھی تم ٹیکسی سے آئے ہو گے!'' غزالہ نے تصدیق چاہی۔
اسد اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے بولا ''دن کا اجالا میرا معاون تھا۔ ابتدائی سفر میں نے بس میں کیا اور ایک جگہ اترتے ہی ٹیکسی لے لی۔ بس میں کوئی میرا پیچھا کر بھی رہا تھا تو اسے اتنا موقع نہیں مل سکا کہ وہ دوسری ٹیکسی لے سکے۔ میرے روانہ ہونے تک سڑک پر دور تک کوئی اور خالی ٹیکسی نظر نہیں آرہی تھی۔''
''خوب!'' میں نے اس کے جواب سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا ''شاید اپنی اس ہوشیاری کی وجہ سے تم شگفتہ موڈ میں نظر آرہے ہو۔''
''اس وقت میرا ذہن ہلکا ہوکر بہت بلندیوں پر پرواز کررہا ہے۔'' اس نے غزالہ کی پیشکش پر ناشتے میں شامل ہوتے ہوئے' شوخی سے جواب دیا ''بگڑتے ہوئے حالات یکایک سازگار ہوگئے ہیں۔ اب راجن سے دوبارہ سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئے گی۔''
''اوہو......! کیا وہ بنکاک سے کہیں بھاگ گیا ہے؟'' میں نے انجان بن کر حیرت سے پوچھا۔
''وہ نہیں بھاگا میرے کوچ کا فرمان آگیا ہے۔'' اس نے مسرت آمیز لہجے میں انکشاف کیا۔
''راجن سے گلوخلاصی ہونے پر تمہاری خوشی قابلِ فہم ہے۔''
''اس کا مجھے قلق ہے۔'' اس نے بلاتردد میری تردید کر ڈالی۔ ''میں اپنی سرکاری پوزیشن کی وجہ سے کھل کر اس سے تصادم مول نہیں لے سکا لیکن میری خواہش تھی کہ میری آڑ لے کر تم اس کا تیاپانچا کرڈالو۔ میرے ساتھی کی حیثیت سے تمہیں اس تک رسائی حاصل ہوچکی تھی۔ اکیلے رہ جانے کے بعد تم اس کے قریب نہیں جاسکو گے۔''
''لیکن تمہارے مجروح چہرے سے اندر کی خوشی پھوٹی پڑرہی ہے۔'' غزالہ نے اس کی پوری بات سن لینے کے بعد کہا۔
''یہ خوشی کچھ اور ہے' تم دونوں کو اس کا اندازہ نہیں ہوسکے گا۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں جواب دے کر اپنا سر جھکالیا۔
''بتاؤ گے تو اندازہ ہوجائے گا۔'' غزالہ نے اسے چھیڑا۔
''نہیں ہوسکتا۔'' اس نے زور دے کر کہا ''روزی مرد کا زیور ہوتی ہے۔ وہ جہاں بھی اور جیسے بھی ملے' اس کی قدر کرنا چاہیے۔ دیکھ لو کہ میں روزی کی خاطر اپنے گھربار اور بال بچوں کو چھوڑ کر یہاں پڑا ہوا ہوں۔ بھابی......! یہ بہت بڑا کرب ہوتا ہے۔ لوگ بہت مجبور ہوکر اپنوں کو چھوڑتے ہیں اور ہزاروں میل دور جاکر محنت اور مزدوری کرتے ہیں۔ ان کے دکھ درد کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا۔ بیمار ہوتے ہیں تو خاموشی سے کسی کونے میں اکیلے پڑے رہتے ہیں' کسی سے دل کی بات نہیں کرسکتے۔ کبھی کبھی تو ایسے خوفناک جذباتی لمحے آتے ہیں جب آدمی چاہتا ہے کہ پر لگا کر لمحہ بھر میں اپنوں میں پہنچ جائے' وقت گزر جاتا ہے اور ایسا نہیں ہوپاتا۔ اس وقت میری خوشی یہ ہے کہ میں دو برس سے زیادہ کی دوری کے بعد اپنے بیوی بچوں میں جانے والا ہوں۔ اس خوشی نے میرے دل کے سارے داغ دھو دیے ہیں۔''
''تم بہت خوش نصیب اور باکردار آدمی ہو۔'' میں نے اس کے شانے پر تھپکی دے کر کہا ''کچھ لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو اپنے گھروں سے دور رہ کر خوش رہتے ہیں۔ ہر وقت ایسی نشاط گاہوں کی جستجو میں لگے رہتے ہیں جہاں انہیں جاننے اور پہچاننے والا کوئی نہ ہو...... ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ اچانک کیا ہوا ہے۔''
''اچانک کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں نے پہلے ہی تمہیں بتادیا تھا کہ بنکاک میں میرے دو سال مکمل ہوچکے ہیں' تبادلے کا حکم کسی بھی وقت آسکتا ہے اور وہ آگیا۔ میں دفتر پہنچا تو وہاں دو فیکس آئے ہوئے تھے۔ ایک میں مجھے بنکاک کا چارج چھوڑ کر اسلام آباد ہیڈکوارٹرز میں رپورٹ کرنے کی ہدایت

کی گئی ہے۔ دوسرا پیغام جلال کی طرف سے تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ میں اپنی جگہ آنے والے کا انتظار کیے بغیر اولین فرصت میں یہاں سے چل دوں۔ آنے والا سب کچھ خود سنبھال لے گا۔'' اس نے بتایا۔

''تم چاہو تو دو چار دن یہاں رک سکتے ہو۔'' میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے کہا۔

''اب رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جلال بہت مہربان افسر ہے۔ میں اس کا حکم نہیں ٹال سکتا۔ میں نے آج رات کی پرواز سے اپنی سیٹ بک کرالی ہے۔''

''اوہ...... تو یہ کہو کہ تم الوداعی ملاقات کے لیے آئے ہو۔'' اس بار میں واقعی چونک گیا۔

''سیٹ کا کنفرمیشن مل جانے کے بعد میں نے دفتر چھوڑا ہے۔ یہ چکر نہ ہوتا تو میں بہت دیر پہلے یہاں پہنچ گیا ہوتا۔''

''میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر اس سے پوچھا ''تم نے ابھی تک سوبھراج کی ہلاکت کے بارے میں کوئی رپورٹ اپنے بڑوں کو بھیجی ہے؟''

''ہمارے درمیان طے ہوا تھا کہ اس خبر کو دبا دیا جائے۔'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''تم کو اچانک یہ سوال کیوں یاد آ گیا؟''

''تم جا رہے ہو' میں نے سوچا کہ اس اہم نکتے پر بھی بات کر لی جائے۔''

''تمہارے مشورے کے بعد میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ راجن نے سوبھراج کی بچی کھچی ہڈیوں کو شرما کا نام دے کر یہاں قصہ ختم کر دیا ہے لیکن میں ایک بات لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ اصل واقعہ پاکستانی ایجنسیوں سے زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکے گا۔ ہمارے آدمیوں کی کارکردگی سے شہرت یافتہ عالمی ایجنسیاں بھی خائف رہتی ہیں۔''

''کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ تمہاری رپورٹ پر اعتبار نہیں کیا جائے گا؟''

''میں کچھ بھی نہیں کہہ رہا۔ فی الحال میری رپورٹ حرفِ آخر سمجھی جائے گی پھر سوبھراج کی تلاش شروع ہو گی۔ اس کی اچانک روپوشی ہمارے ذمے داروں کے لیے بہت بڑا سوالیہ نشان ثابت ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ قلیل سی مدت میں ہمارے آدمی یہ معمّا حل کر لیں گے۔''

''اس وقت تمہاری پوزیشن کیا ہو گی؟'' میں کھل کر اسے کچھ بتائے بغیر' ذہنی طور پر آنے والے غیر متوقع واقعات کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ جلال شاید اسے دفتری چکروں میں مبتلا نہ کرے لیکن سوبھراج کے بارے میں خاموشی اختیار کرنے پر اسے ضرور رگڑے گا۔ اسد نے جو کچھ کیا میرے ایما پر کیا تھا۔ میری کوشش تھی کہ میں اس معاملے میں حتی الامکان اس کی مدد کر سکوں۔

''میری پوزیشن پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ راجن نے مرنے والے کو نرائن پرشاد شرما قرار دے کر میرا کام بہت آسان کر دیا۔ سوبھراج میرا ہدف نہیں تھا۔ اپنی عمومی ذمے داریوں کے دائرے میں رہتے ہوئے مجھے اس کی خیر خبر رکھنا تھی۔ اس کا پیچھا کر کے میں اپنی سرکاری پوزیشن کو داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ جو کچھ میرے سامنے آیا' میں نے آگے رپورٹ کر دیا۔ بعد کی تفتیش سے کوئی اور بات ثابت ہوتی ہے تو میری ذات پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔''

''اگر تمہارا کوئی افسر...... یا جلال ہی یہ کہے کہ تم نے دانستہ سوبھراج کے مرنے کی خبر چھپائی تھی تو تمہارا موقف کیا ہو گا؟'' میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ خیالی مفروضہ ہے۔ یہ راز ہم تینوں کے درمیان ہے ہم میں سے کسی کی مخبری کے بغیر جلال کے ذہن میں یہ خیال نہیں آ سکتا۔ اپنے محکمے میں محنت کر کے میں نے صرف اپنے گھر کا چولہا روشن رکھا ہے۔ میری عمر بھر کی کمائی صرف میری ساکھ ہے۔ جلال تو کیا اس سے اوپر والے بھی میری ساکھ پر کوئی شبہ نہیں کر سکتے۔''

اس نے بہت بڑی بات کہہ دی۔ میں نے وہ موضوع وہیں ختم کر دیا۔

''راجن تمہارے جواب کا منتظر رہے گا' تم آج رات یہاں سے روانہ ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد راجن کا کیا بنے گا۔''

''میرا امتحان لے رہے ہو؟'' اس نے مسکرا کر سوال کیا پھر کہا ''تم گرو ہو یہ سب سوچنا تمہارا کام ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم اس کی گردن توڑ دو گے۔ اس کے ساتھ تم کو ڈان کی پراسرار قید سے بھی نجات مل جائے گی۔ افسوس اس بات کا رہے گا کہ میں ان کامیابیوں میں تمہارا شریک نہیں رہوں گا۔''

''تمہارے چلے جانے کے بعد میں تمہارا نام استعمال کروں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟'' میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد سوال کیا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ میرے لیے عزت کی بات ہو گی کہ تم جیسا عظیم آدمی میرے نام سے فائدہ اٹھانے

کے بارے میں سوچے لیکن یہ کیسے ہوگا۔ میری روانگی راجن سے زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ مجھے روانگی سے پہلے تھائی حکام کو آگاہ کرنا ہوگا۔ یہ کام میں نے آخری مرحلے کے لیے التوا میں ڈالا ہوا ہے۔''

''مجھے تمہاری اجازت درکار تھی۔ اب دیکھوں گا کہ کیا کیا جاسکتا ہے۔ میں تمہارا ساتھی بن کر راجن سے ملا تھا۔ اسی حیثیت میں اس سے کوئی رابطہ کرسکتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میں تمہارا کوئی معذرتی پیغام اس تک لے جاؤں۔''

''یہ واقعی ممکن ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ''تم تیزی کے ساتھ نت نئی راہیں نکالنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔''

''زندگی اور موت کا کھیل جاری ہو تو ہر شخص کا ذہن ایسی تیزی دکھانے لگتا ہے۔''

اس کی روانگی کا پروانہ اچانک نازل ہوا تھا۔ اس کے پاس صرف چند گھنٹے رہ گئے تھے۔ اس مدت میں اسے کئی کام نمٹانے تھے۔ یہ اس کی بڑائی تھی کہ وہ وقت نکال کر مجھ سے ملنے کے لیے آیا تھا لیکن وہ زیادہ دیر تک میرے پاس نہیں ٹھہر سکا۔ میں نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ اسے اپنے ہوٹل کے کمرے سے رخصت کردیا۔

''یہ بھی چلا گیا۔'' اس کے جانے کے بعد غزالہ نے اداسی سے کہا ''اب ہم یہاں ڈان اور چاؤ فان کے رحم و کرم پر رہ گئے ہیں۔''

''راجن، ڈینی کے خون کا پیاسا ہے۔'' میں نے بائیں آنکھ دبا کر کہا ''دعا کرو کہ وہ اسد کے ساتھی کا خیر خواہ بن جائے۔ دشمن کی صفوں میں گھل مل کر کام کرنے کا اور ہی مزہ ہوتا ہے۔''

''تو کیا آپ اس بارے میں سنجیدہ ہیں؟'' غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

''سنجیدہ نہ ہوتا تو اسد سے اس بارے میں ہرگز بات نہ کرتا۔''

''یہ بہت مشکل راستہ ہوگا۔'' غزالہ کی پیشانی پر تشویش کی لکیریں ابھر آئیں ''راجن کے بارے میں اب تک جو کچھ سامنے آیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فطری اعتبار سے سفاک قاتل ہے۔ اسے آپ پر ذرا بھی شبہ ہوگیا تو وہ کوئی رو رعایت نہیں دے گا۔''

''مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔'' میں نے ہنس کر کہا ''میں اسی قسم کے جانوروں سے لڑ کر زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔''

میں غزالہ سے حوصلہ مندی کی باتیں ضرور کر رہا تھا لیکن اسد کے لیے میرا دل اداس تھا۔ اس شریف النفس آدمی سے میری رفاقت بہت مختصر رہی تھی لیکن اس نے اپنا دامن بچاتے ہوئے روز اول سے مجھے ایسی بھرپور معاونت فراہم کی تھی کہ اس کا بدل ملنا مشکل تھا۔ اگر اس نے اپنے تھائی دوست کے ذریعے یہ سراغ نہ لگایا ہوتا کہ راجن کی سفید لینڈ کروزر شہر سے دور لوپ بوری میں موجود ہے تو ہمارے لیے سوبھراج ایک بھولا ہوا خواب بن کر رہ جاتا اس کے تابوت میں آخری کیل اسد نے لگائی تھی۔

اس کے چلے جانے کے بعد میرے بوجھ میں اضافہ ہونا ناگزیر تھا۔ سب کچھ مجھے خود ہی کرنا تھا۔ سوبھراج کا فتنہ ختم ہوگیا تھا۔ ابتدا میں مجھے راجن کی ذات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ڈان کی خوشنودی کے لیے مجھے راجن سے بدترین دشمنی کا سوانگ رچانا پڑا تھا۔ بعد میں جلال نے بھی اس کی سرکوبی کی خواہش ظاہر کی اور میں راجن کی راہ پر لگ گیا۔

ڈان کی خواہش تھی کہ بنکاک سے جلد از جلد راجن کا صفایا ہوجائے۔ وہ خود گوشہ نشین ہونے کے باوجود خاصا طاقتور آدمی تھا لیکن خود راجن کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا تھا یا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ذمے داری مکمل طور پر میرے سر آپڑی تھی۔

اس وقت میں کم از کم تین سمتوں سے راجن کے خلاف محاذ کھولنے کی پوزیشن میں آچکا تھا۔

سب سے پہلے اس کی وائٹ ہاک نامی لانچ میری نظروں میں آئی۔ اگر چاؤ فان ذرا سی بھی دل جمعی سے کام لیتا تو آنے والے چند دنوں میں راجن کی وہ پرشکوہ لانچ سمندر میں غرق ہوسکتی تھی۔ دوسری طرف میں نے اپنے اصل روپ میں اس سے رابطہ کرکے اسے دھمکی دی ہوئی تھی کہ اس نے جلد ہی بنکاک کا میدان خالی نہ کیا تو میں سوبھراج کی موت کا راز فاش کرکے امریکیوں کو راجن کے لہو کا پیاسا بنادوں گا۔ میں جانتا تھا کہ میرے لیے اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانا ممکن نہیں تھا مگر راجن ان نزاکتوں سے بے خبر تھا۔ بوکھلاہٹ میں وہ کوئی بھی ایسا قدم اٹھا سکتا تھا جس کے نتیجے میں مجھے اس کے خلاف کوئی بڑی کامیابی حاصل ہوسکتی تھی۔

اس ضمن میں اسد نے مجھے اپنے معاون کے طور پر موتی محل میں لے جاکر تیسری راہ نکالی تھی۔ مجھے وہ راہ سب سے بہتر نظر آرہی تھی۔ اگر میرا داؤ چل جاتا اور راجن اس روپ میں مجھے اپنا ہم نوا تسلیم کرلیتا تو میں اس پر بہت قریب سے ایسا کاری وار کرسکتا تھا کہ وہ جاں بر نہ ہوپاتا، جلال کی

خواہش پوری ہو جاتی‘ ڈان کے لیے راستہ صاف ہو جاتا اور مجھے بنکاک کی غیر رسمی قید سے آزادی مل جاتی۔

جب تک اسد بنکاک میں تھا‘ میں کسی سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ راجن کے چنگل میں آنے سے بال بال بچا تھا۔ اسے وہاں سے نکل جانے کا موقع مل گیا تھا تو اسے پوری رازداری اور خاموشی کے ساتھ بنکاک سے نکل جانا چاہیے تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری کسی کارروائی کی وجہ سے اسد کی روانگی میں کوئی موہوم سی رکاوٹ بھی پیدا ہو۔ ایک بار اس کا طیارہ تھائی زمین چھوڑ دیتا تو میں پوری بے فکری سے اپنے کام کا آغاز کر سکتا تھا۔

کچھ لوگ ایسے کاہل اور آرام طلب ہوتے ہیں کہ کام کے نام سے ان کی جان نکلتی ہے۔ وہ اپنا سارا وقت بے عملی اور عیش کوشی میں گزارنا چاہتے ہیں۔ میرا مزاج بالکل مختلف ہے۔ سامنے کوئی مصروفیت نہ ہو تو میرے لیے ایک ایک پل گزارنا دوبھر ہو جاتا ہے۔

راجن میرا بڑا ہدف تھا مگر میں اسد کی روانگی تک خاموش رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس کی پرواز رات کو روانہ ہونے والی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ مجھے وہ دن خالی رہ کر گزارنا تھا۔ ہوٹل کے بند کمرے میں مسلسل آٹھ دس گھنٹے گزارنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں نے غزالہ سے اس مسئلے کا ذکر کیا تو اس نے سنجیدگی کے ساتھ مجھے آئینہ دیکھنے کا مشورہ دیا۔

مجھے شبہ ہوا کہ وہ مجھ سے مذاق کر رہی تھی۔ میں نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہاں سنجیدگی کے سوا کچھ نہ پایا۔ غیر ارادی طور پر میرے قدم ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئے۔

آئینے میں مجھے اپنے چہرے پر دو ہلکے نیل نظر آئے جو پچھلی رات کو ہونے والی مار دھاڑ کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آئے تھے۔

”نشان اتنے گہرے اور نمایاں نہیں ہیں۔“ میں نے اپنے چہرے پر انگلیاں پھیرتے ہوئے‘ دھیرے سے کہا ”یہ بنکاک ہے یہاں تشدد آمیز تفریحی مشاغل میں ہر رات نہ جانے کتنے مردوں کے چہروں پر عورتیں ایسے یادگار نشانات چھوڑتی ہوں گی۔“

”میرا کام توجہ دلانا تھا۔ فیصلہ آپ خود کر سکتے ہیں۔“ اس نے زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا ”آپ ہر شخص کو عقابی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ میں نے بازار میں چلتے پھرتے ہوئے یہ بات نوٹ کی ہے کہ بہت سے نوجوان غیر ملکیوں کے جسم کے کھلے ہوئے حصوں پر ایسی ہلکی پھلکی چوٹوں اور خراشوں کے نشان نظر آتے ہیں۔ اب آپ نے اس کا سبب بھی بتا دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تشدد شامل ہونے کے بعد کوئی بھی تفریح کیسے برقرار رہ سکتی ہے۔ اسے تو عذاب کہنا چاہیے۔“

”ایسی باتوں کا سمجھ میں نہ آنا ہی بہتر ہے۔ یہ سب بگاڑ کی نفسیاتی گرہیں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگوں کو پٹنے میں مزہ آتا ہے‘ بعض مار دھاڑ کیے بغیر آسودگی حاصل نہیں کر پاتے۔ میرا خیال ہے کہ یہ نشان کسی پریشانی کا سبب نہیں بنیں گے۔ بے چارے اسد کا چہرہ تو بہت زیادہ بگڑا ہوا ہے پھر بھی وہ یہاں دوڑا چلا آیا۔“

”اس میں اور آپ میں فرق ہے۔ وہ آج رات اس شہر خرابات کو خیرباد کہہ رہا ہے‘ آپ کو یہاں رہنا ہے۔ آپ سے رات کو ٹکرانے والے چاروں آدمیوں میں سے کسی نے دیکھ لیا تو مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔“

میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا ”انہیں چار چوٹ کی مار پڑی ہے۔ وہ کئی دنوں تک باہر نہیں نکل سکیں گے۔ ویسے بھی راجن کی طرف سے اسد کے لیے آنے والے مصالحتی پیغام کے بعد ان لوگوں سے کسی فوری تصادم کا خطرہ ٹل گیا ہے۔“

”آپ کہاں جانا چاہ رہے ہیں؟“ غزالہ نے تجسس سے پوچھا۔

”کمرے میں بند رہ کر وحشت ہو رہی ہے۔ شہر بہت وسیع ہے‘ کہیں بھی نکل جائیں گے۔“

”میں پانچ منٹ میں تیار ہو رہی ہوں۔“ اس نے بلا کسی پس و پیش اپنی جگہ چھوڑ دی۔

ہم دونوں کمرے سے نکلنے ہی والے تھے کہ میرے موبائل پر چاؤفان کی کال آ گئی۔

”ماسٹر! تمہارا خادم ہوٹل کے باہر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔“ رابطہ ہونے پر چاؤفان کی خوشامدانہ آواز میرے پردۂ سماعت سے ٹکرائی۔

”کرتا رہے...... میں اس وقت باہر جا رہا ہوں۔“ میں نے بے اعتنائی سے جواب دیا۔

”ماسٹر! یہ ملاقات ضروری ہے۔ میں فون پر سب کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”بعض اوقات تم خدا کے بھیجے ہوئے عذاب کی طرح میرے سر پر مسلط ہو جاتے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔“ میں نے مصنوعی برہمی کا مظاہرہ کیا۔

"تم یقین کرو...... اس وقت مجھے کسی نے تمہارے پاس نہیں بھیجا۔ میں خود تم سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔" میری کہی ہوئی بات اس کی موٹی عقل کے اوپر سے گزر گئی۔

"رکے رہو میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" میں نے بے زاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فون بند کیا اور غزالہ کی طرف مڑ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "لو یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ چاؤ فان یہاں آ پہنچا ہے۔"

"آپ اس پر غصہ ہو رہے تھے اب خوش نظر آ رہے ہیں!" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ بہت ڈھیٹ اور منہ پھٹ ہے۔ میں اسے اس کی اوقات میں نہ رکھوں تو وہ مجھے ہدایات دینا شروع کر دے گا۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"کیا آپ اس کے ساتھ جانے کے لیے پر تول رہے ہیں؟"

"بہتر یہی ہوگا کہ ہم دونوں ایک ساتھ باہر نہ نکلیں۔ وہ نہ آتا تو ہمیں مجبوراً جانا ہی پڑتا۔ اب تم اپنی مرضی سے شہر گھوم سکتی ہو۔ میں اس کے ساتھ کچھ وقت گزار لوں گا۔ دوپہر کے کھانے کے وقت میں لوٹ آؤں گا۔"

غزالہ نے غور سے میری طرف دیکھا پھر سر جھکا کر بے چارگی سے بولی "جیسی آپ کی مرضی...... میں آپ کی خواہش پر باہر جانے کے لیے آمادہ ہوئی تھی۔ آپ نے اپنا پروگرام بدل لیا ہے تو میں یہیں رک کر وقت گزاروں گی۔"

وہ ناراض نہیں ہوئی تھی لیکن میرے فیصلے کی تبدیلی سے اسے مایوسی ہوئی تھی۔ میرے لیے یہ بات تسلی بخش تھی کہ اسے چاؤ فان سے میری ملاقات کی اہمیت کا پورا ادراک تھا۔ اسے افسوس اس بات کا تھا کہ چاؤ فان نے اچانک دخل انداز ہو کر ہم دونوں کے سیر کے پروگرام کو درہم برہم کر دیا تھا۔

چاؤ فان کھلی سڑک کے کنارے میرا انتظار کر رہا تھا۔ میرے پاس غزالہ کی ناز برداری کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ میں نے اس سے تسلی کے چند بول کہے اور چاؤ فان سے ملنے کے لیے روانہ ہو گیا۔

اس نے معمول کے مطابق پُرتپاک انداز میں چہک کر میرا استقبال کیا اور میرے سوار ہوتے ہی گاڑی آگے بڑھا دی۔

"ماسٹر! تمہارے چہرے پر پڑے ہوئے نشانات دیکھ کر مجھے دکھ ہو رہا ہے۔"

"میری طرف دیکھنے کے بجائے اپنی نگاہیں سڑک پر مرکوز رکھو۔" میں نے خشک لہجے میں اسے مشورہ دیا۔

"میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی بدتمیز تم پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔"

"محبت اور جنگ میں سب کچھ چلتا ہے۔ دشمن بھاری پڑ جائے تو ڈان جیسا آدمی میدان میں اترنے سے ہچکچاتا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرو کہ میں تمہارے شہر کے اچکوں سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں تمہارے ساتھ گھوم رہا ہوں۔"

"یہ بات ڈان بھی مانتا ہے تم بہت نڈر ہو۔"

"کیا تم نے ان فضول باتوں کے لیے مجھے بلایا ہے؟" میں نے تلخی سے پوچھا۔

"تم نے مجھے بہت بڑی مشکل میں پھنسایا ہوا ہے۔ ابھی تک کسی غوطہ خور کا بندوبست نہیں ہو سکا۔"

"باقی سامان بھی نہیں مل رہا ہوگا!" میں نے طنز سے کہا۔

"میں اتنا گیا گزرا نہیں ہوں۔ سب بندوبست ہو گیا ہے۔ تمہارے بتائے ہوئے طوفانی مقناطیس بھی مل گئے ہیں بوٹس میری اپنی ہیں۔ انہیں ایک ویران کھاڑی میں لگا کر سارے شناختی نشان چھپائے جا رہے ہیں تاکہ وائٹ ہاک کے محافظ اپنی دوربینوں سے بھی ہماری بوٹس کو نہ پہچان سکیں۔"

"غوطہ خور کا بندوبست نہ ہوا تو پھر یہ کام میں خود سرانجام دینے کی کوشش کروں گا۔ کاسٹیوم اور دوسرا سامان تو مل جائے گا نا!"

"سب مل جائے گا۔" وہ چونک کر بولا "تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم بھی غوطہ خوری جانتے ہو!"

"میں صرف تیرنا جانتا ہوں زندگی میں کبھی غوطہ خوری نہیں کی۔ ذرا سی مشق کے بعد یہ بھی ہو جائے گا۔ غوطہ خور آسمان سے نہیں اتارے جاتے۔ وہ ہم جیسے انسان ہوتے ہیں۔"

"تم ہر فن مولا ہو میں تو ڈھنگ سے ڈوبنا بھی نہیں جانتا۔" اس نے بے ہنگم سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

گاڑی میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ اس سکوت کو چاؤ فان نے ہی توڑا۔ "ماسٹر! تم ڈینی نام کے کسی پاکستانی سے واقف ہو۔"

اس کی زبان سے اپنا نام سن کر میں چونک گیا۔ اپنی حیرت چھپاتے ہوئے میں نے سرسری انداز میں کہا "نام ہی نام سنا ہے اس سے ٹکرانے کی آرزو ہے۔ تمہیں بیٹھے بیٹھے یہ نام کیوں یاد آ گیا؟"

"رات سے چھوٹا راجن کے آدمیوں نے شہر میں ڈینی

نام کے ایک آدمی کی تلاش شروع کردی ہے۔'' اس نے انکشاف کیا ''انہوں نے کئی مشتبہ پاکستانیوں سے مار پیٹ بھی کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی چھوٹا راجن کا بڑا دشمن ہے۔''

''یہ اچھا ہے۔ راجن کی توجہ بٹ جائے گی۔ ہوسکتا ہے کہ ہمارا کام آسان ہوجائے۔'' میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

میرے لیے وہ خبر انوکھی نہیں تھی۔ سوبھراج کے چھوڑے ہوئے سیٹ لائٹ فون پر راجن سے میری بات ہونے کے بعد اسے ہر حال میں مجھے تلاش کرنے کی کوشش کرنا چاہیے تھی۔ میں نے فون پر اسے بہت سنگین دھمکیاں دی تھیں۔ اس نے مجبور ہوکر مجھ سے وقت مانگا جو میں نے دے دیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر مجھے ڈھونڈ نے کی کوشش کرے گا۔ میرا قصہ پاک کرکے وہ بہت سے مصائب سے نجات حاصل کرسکتا تھا۔

''ماسٹر! آثار بتا رہے ہیں کہ ڈینی خطرناک آدمی ہے۔'' چاؤ فان نے دھیمی اور پرجوش آواز میں کہا ''کیوں نہ ہم بھی اسے تلاش کریں۔ اسے اپنے ساتھ ملا کر ہم چھوٹا راجن کو بہت جلد مار لیں گے۔''

''اس سے پہلے ڈینی تمہاری گردن ماردے گا۔'' میں نے غرا کر کہا ''وہ پاکستان کا اشتہاری مجرم ہے۔ امریکیوں نے اس پر دوملین ڈالر کا انعام رکھا ہوا ہے پھر بھی وہ آزاد ہے...... وہ اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کرتا، تمہیں کیسے اپنے قریب آنے دے گا۔''

''وہ ایسا وحشی درندہ ہے تو اسے چھوڑو۔ ہوسکتا ہے کہ چھوٹا راجن اسی کے ہاتھوں مارا جائے۔ ڈان اس کی موت کا خواہش مند ہے۔ ہم اسے ماریں یا ڈینی مار دے، بات ایک ہی ہوگی۔ نتیجہ ہمارے اور ڈان کے حق میں ہوگا۔''

''کسی پگوڈا میں بیٹھ کر اسے کوسنا شروع کردو۔'' میں نے جل کر کہا ''اگر وہ طاعون یا ہیضے سے مرجائے تو کسی کو کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔''

''ماسٹر! مجھے ایسی جلی کٹی باتیں نہ سنایا کرو۔'' اس نے غم زدہ لہجے میں شکوہ کیا ''دو دشمنوں کی لڑائی سے اپنا فائدہ ہورہا ہوتو خاموشی سے تماشا دیکھنا عقل مندی ہے۔ اس میں کودنے سے فائدے کے بجائے نقصان ہوسکتا ہے۔''

''اپنے ان نادر خیالات سے ڈان کو آگاہ کردو۔ وہ تمہیں ایسے انعام سے نوازے گا کہ تمہارا دل باغ باغ ہوجائے گا۔''

اس نے ایک لمبا سا ٹھنڈا سانس لیا پھر بولا ''ڈان کی بات نہ کرو، ہر معاملے میں اس کی سوچ انوکھی ہوتی ہے۔ میں اپنی اور تمہاری بات کررہا تھا۔ اگر تم بھی میرے ہم خیال نہیں ہوتو میں صبر کیے لیتا ہوں۔ بدھا نے کہا ہے کہ صبر میں روح کی شانتی ہوتی ہے۔''

''شانتی اسی وقت ہوگی جب روح جسم میں قید رہے۔ تم نے ڈینی کی تلاش کا بیڑا اٹھایا تو تمہاری روح پہلی فرصت میں بدن کا ساتھ چھوڑ دے گی...... میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ڈینی یہاں کیا کررہا ہے۔ اسے راجن سے کیا دشمنی ہوسکتی ہے۔''

''اپنی لائن میں بڑے لوگوں کے چکر بھی بڑے ہوتے ہیں۔ ہمیں ان باتوں سے کیا لینا۔ ہمیں اپنی توجہ اس کام پر مرکوز رکھنی چاہیے جو ڈان نے ہمیں سونپا ہے۔'' وہ ایک جھٹکے میں راہِ راست پر آگیا۔

اس کے بارے میں مجھے یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ بنکاک کی زیرزمین دنیا کا ایک اہم کارندہ ضرور تھا لیکن اس سے آگے وہ بےخبری کے بازار میں رہ رہا تھا۔ اسے میرے یعنی ڈینی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس معاملے میں ڈان اتنا بےخبر نہیں ہوگا۔

''یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کیوں آئے ہو؟'' کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد میں نے اچانک اس سے سوال کیا۔

''میں غوطہ خور کے مسئلے پر پریشان تھا۔ تم نے ذرا سی دیر میں اس کا حل پیش کردیا۔'' اس نے بلاتامل جواب دیا ''تمہاری پیشکش اپنی جگہ پر ہے، میری کوششیں جاری رہیں گی۔ یہ کام کسی پیشہ ور آدمی کو کرنا چاہیے۔ کوئی نہیں مل سکا تو پھر تم کو زحمت کرنا ہوگی۔ تمہارا متبادل سامنے آنے کے بعد میری پریشانی دور ہوچکی ہے۔''

''تمہاری کوششوں کا نتیجہ کب تک سامنے آجائے گا...... ہم زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرسکتے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''میرے اوپر تم سے زیادہ ڈان کا دباؤ ہے۔ مجھے آج شام تک کا وقت درکار ہے۔ صبح ہم فیصلہ کرلیں گے۔'' اس نے پراعتماد لہجے میں بتایا۔

کچھ دیر بعد چاؤ فان نے اپنی گاڑی ایک سرسبز پارک میں سے گزرنے والی سڑک کے کنارے روک دی۔ گاڑی کا انجن اور اس کے ساتھ ایرکنڈیشنر چل رہا تھا۔ اندر کی خنک فضا میں بیٹھ کر باہر کا منظر بہت دلفریب نظر آرہا تھا۔ ہم دونوں گاڑی میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ باہر

نکلتے ہی گرم ہوا کے تھپیڑے دو منٹ میں حواس باختہ کر دیں گے۔

چاؤ فان چاپلوسی اور چرب زبانی میں یکتا تھا۔ اس نے نہ جانے کس طرح بنکاک کی عورتوں کا تذکرہ نکال لیا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ کسی ڈھنگ کے موضوع پر بات کرے گا۔ اس کے تذکروں کا محور شہر کی وہ پری پیکر اور خوش خصال خواتین تھیں جو مناسب معاوضہ لے کر چاؤ فان جیسے آدمی کو بھی ہنسی خوشی برداشت کر سکتی تھیں۔

''ماسٹر! ایک بات بتاؤ..... تم اپنی عورت ...... مم ...... میرا مطلب ہے کہ اپنی بیوی سے تنگ آئے ہوئے ہو نا!'' ان باتوں کے درمیان اس نے اچانک سوال کر ڈالا۔

''کیوں؟'' میں نے آنکھیں نکال کے کہا ''کیا اس پر ڈورے ڈالنے کا ارادہ ہے۔''

''میری توبہ!'' اس نے بے اختیار اپنے دونوں گالوں پر تھپڑ لگائے اور جلدی سے بولا ''میں ایسی گھٹیا بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ بیوی کیسی ہی گئی گزری کیوں نہ ہو، مرد اسے کسی اور کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتا۔ تم تو ویسے ہی غصے کے تیز ہو۔ اس بات پر کسی کا خون بھی کر سکتے ہو۔''

''پھر یہ نازیبا سوال تمہاری زبان پر کیوں آیا؟''

''ماسٹر! دماغ ٹھنڈا رکھو!'' اس نے بوکھلائے ہوئے دفاعی انداز میں کہا ''میں تمہارے لیے فائدے کی بات سوچ رہا تھا۔''

''کیا......؟ جلدی بتاؤ۔'' میں نے سخت لہجے میں مطالبہ کیا۔

''مم...... میں تمہیں ایک زبردست عورت سے ملوانا چاہتا ہوں۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ''شوقین اور بہت خوبصورت ہے، انگریزی روانی سے بولتی ہے۔ تم......''

''بس!'' میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرا دیا ''میں گندے پراٹھوں پر اپنی سوکھی روٹی کو ترجیح دیتا ہوں۔ آئندہ مجھے ورغلانے کی کوشش نہ کرنا۔''

''پھر میں خود ہی اس سے ملوں گا۔'' اس نے مایوسی سے کہا ''ہو سکتا ہے کہ وہ لانچ میں آ کر ہمارے کام کے لیے راضی ہو جائے۔''

''کس کام کی بات کر رہے ہو؟'' میں جھلاہٹ کے باوجود اس سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''غغ...... غوطہ خوری!'' اس نے جلدی سے کہا ''وہ تین سال تک ایک مسافر بردار لانچ پر کام کر چکی ہے، شاید وہیں سے بگڑی ہوگی۔ زبردست تیراک ہے اور غوطہ خوری میں بھی مہارت رکھتی ہے۔ بڑی رقم کمانے کے لالچ میں وہ ہمارا ساتھ دے سکتی ہے۔''

''یہ یاد رکھنا کہ عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں۔ چند روز میں آدھے بنکاک کو پتا چل جائے گا کہ وائٹ ہاک کے پیندے میں تم نے بم لگوائے تھے۔''

''زبان کھولے گی تو مجھ سے پہلے وہ ماری جائے گی۔'' چاؤ فان نے دبی دبی، سفاکانہ ہنسی کے ساتھ کہا ''میں اسے دھوکا دے کر استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ اسے یہ نہیں بتایا جائے گا کہ ہم وائٹ ہاک میں بم لگانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے میں نے وائٹ ہاک کی جاسوسی کی کہانی سوچی ہوئی ہے۔ وہ سمجھے گی کہ اسے حساس آلات کا ایک بکس لانچ کے زیر آب حصے میں لگانا ہے جس کے ذریعے وائٹ ہاک کی دن رات نگرانی کی جاسکتی ہے۔ وائٹ ہاک کی بربادی کی خبر سن کر اس کے ہوش اڑ جائیں گے۔''

میں اس مکار کے چہرے پر ایک نظر ڈال کر رہ گیا۔ کسی جاننے والی عورت کو کھلا دھوکا دے کر اتنی بے رحمی سے استعمال کرنا اسی کے بس کی بات تھی۔

''ماسٹر! دل ہی دل میں تم مجھے ملامت کر رہے ہو گے۔'' اس بار وہ میرے دل کی بات پڑھ لینے میں کامیاب ہو گیا۔ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس نے دوبارہ بولنا شروع کر دیا ''وہ بہت دل پھینک اور ہرجائی قسم کی عورت ہے۔ اس کی وجہ سے کئی گھرانے برباد ہوئے اور کم از کم ایک شریف آدمی نے خاموشی سے خودکشی کر لی۔ وہ ان بربادیوں کو اپنے کارناموں میں شمار کرتی ہے۔ تم خود بتاؤ کہ کیا ایسی عورت رحم یا ہمدردی کی حق دار ہو سکتی ہے......؟ اگر وہ میرے جال میں پھنس گئی تو یوں سمجھو کہ اپنے زندگی بھر کے گناہوں کا کفارہ ادا کرے گی۔ حقیقت کھلنے کے بعد اس کا جو حال ہو سو ہو، سمندر کے سینے پر تیرنے والے بدی کے اڈے کی تباہی میں حصہ لینے سے اس کے بہتیرے گناہ دھل جائیں گے۔''

''چاؤ فان! یہ نہ بھولو کہ غیبی ہاتھ بہت طاقت ور ہوتا ہے۔ اس نے تمہارے گناہوں کی دھلائی شروع کر دی تو تم پر چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔''

''میرا کام ڈرائی کلیننگ سے بھی چل جائے گا۔'' اس نے بے پروائی سے ہنستے ہوئے کہا ''یہ بتاؤ کہ میرا پلان کیسا ہے!''

''کامیاب ہو جائے تو یہ سفاکی کا ایک شاہکار ہوگا۔''

''میں نے تمہاری بیوی کی بات چھیڑی اور تم ناراض ہو گئے۔ میرا مطلب صرف اتنا تھا کہ شام کو تم بھی میرے

ساتھ مادام سے ملنے چلتے تو تمہارا وقت بہت اچھا گزرتا۔ تم وجیہ مرد ہو۔ وہ تم پر مہربان ہو سکتی تھی۔ میری کامیابی بھی یقینی ہو جاتی۔''

مجوزہ کام کے بارے میں مجھے اس عورت کا کردار دلچسپ محسوس ہوا۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ چاؤ فان کے ساتھ، میں بھی اس سے ملنے کے لیے جاؤں مگر میں نے اس خیال کو وہیں کچل کر فراموش کر دیا۔

چاؤ فان پکا بدمعاش تھا۔ اس نے میری وجاہت اور مادام کی مہربانی کا ذکر کر کے ایک مرتبہ پھر مجھے بہکانے کی کوشش کی تھی میں اس کے ساتھ چلنے کے لیے رضامند ہو جاتا تو چاؤ فان یہ سمجھتا کہ آخر کار میں نادیدہ مادام کے سحر کا اسیر ہو گیا۔

''تم سہاروں کے عادی ہو گئے ہو۔ اپنا شکار خود کھیلنے کی کوشش کیا کرو تم بھی کم وجیہ نہیں ہو، بس قد سے مار کھاتے ہو۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ میں نے یہاں دراز قامت لوگ کم دیکھے ہیں جن میں ڈان بھی شامل ہے۔''

''ڈان کا قد اپنے باپ پر گیا ہے۔ شاید میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس کا باپ امریکی سپاہی تھا جو ویت نام کا ایندھن بننے کے لیے بھیجا گیا تھا۔'' اسے یہ بات پسند نہیں آئی کہ میں نے اس کے قد کا موازنہ ڈان سے کر ڈالا تھا۔

''دوغلی نسل کے مقامی کشیدہ قامت ہو سکتے ہیں۔'' میں نے اپنے سر کو مفاہمانہ انداز میں جنبش دیتے ہوئے اسے اخلاقی سہارا دیا۔ ''اصل نسل تھائی باشندوں کے قد زیادہ لمبے نہیں ہوتے۔''

چاؤ فان کی گاڑی کا انجن بہ دستور چل رہا تھا، اس نے گاڑی گیئر میں ڈالی اور پارک سے روانہ ہو گیا۔

''ماسٹر!'' کچھ دیر تک خاموشی سے گاڑی چلاتے رہنے کے بعد چاؤ فان نے گمبھیر انداز میں اپنی زبان کھولی۔ ''سب انسانوں کا تعلق ایک نسل سے ہے تو ان کے قد کاٹھ یکساں کیوں نہیں ہوتے؟''

''تم بلاوجہ اس بات کو اپنے دل پر لے گئے۔'' میں نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ ''چھوٹا قد ہونے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ دنیا میں چھوٹے قد والوں کے کارنامے آج بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ تاریخ ان کے ذکر سے بھری ہوئی ہے۔''

''مگر میں تاریخ ساز نہیں ہو سکتا۔'' اس نے اداسی سے کہا۔ ''اپنی قوم کے لحاظ سے میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ تمہارے مقابلے میں مجھے یکایک کمتری کا احساس ہونے لگا ہے۔ چہرہ خراب ہو تو آدمی رقم خرچ کر کے پلاسٹک سرجری کروا سکتا ہے۔ قد کا تو کوئی علاج نہیں ہے۔''

''اونچی ایڑی کے جوتے پہنا کرو۔'' میں نے وہ بات مذاق میں اڑانے کی کوشش کی۔ ''مجھے یہ بتاؤ کہ مادام سے ملاقات کے بارے میں تمہارا کیا ارادہ ہے۔''

''مجھے اس سے ملنا پڑے گا۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ ''ڈان اس معاملے میں زیادہ تاخیر برداشت نہیں کرے گا۔''

''یہ بتاؤ کہ موتی محل میں ہونے والے دھماکے کے بارے میں کیا خبریں ہیں۔'' میں نے اسے باتوں میں مصروف رکھنے کے لیے اس انداز میں کہا جیسے میں اس کی زبان سے اپنی تعریف سننا چاہتا ہوں۔ حقیقت یہ تھی کہ اس بارے میں مجھے سرپیر کا کوئی پتا نہیں تھا۔ دھماکے کی خبر آئی اور ان لوگوں نے اس کا سہرا میرے سر منڈھ دیا بعد میں اس بارے میں کیا پیش رفت ہوئی، اس کی کوئی خیر خبر نہیں تھی۔

''تمہارے کام بہت پکے ہوتے ہیں۔'' اس نے سڑک خالی دیکھ کر اپنی گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا ''موتی محل میں دھماکا کرنے والا زندہ بچا ہوتا تو بات ضرور آگے بڑھتی۔ اس کے مارے جانے کی وجہ سے سب کچھ وہیں ٹھپ ہو کر رہ گیا۔ سب حیران ہیں کہ وہ دھماکا کیسے ہو گیا۔ سننے میں آیا ہے کہ موتی محل میں اب خوف و ہراس کی فضا پائی جا رہی ہے سب ایک دوسرے کو شک و شبہے کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔''

''وہ مارا ضرور گیا لیکن اس کی نشان دہی ہو چکی ہے کہ وہ کون تھا۔ اس شناخت کی مدد سے کوئی نہ کوئی پیش رفت ہوئی ہوگی۔''

''ماسٹر! کچھ نہیں ہو سکتا بڑی سازشوں کا سراغ مل جاتا ہے، ایسے واقعات کے سرپیر کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ مرنے والا ہر راز اپنے سینے میں لے کر دفن ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں تم جانتے ہو یا تمہارا وہ آدمی جس نے بیچ کا کردار ادا کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ تم دونوں اس کالے شیطان کو کچھ بتانے نہیں جاؤ گے۔''

''کس کالے شیطان کا ذکر کر رہے ہو؟'' میں نے اس کے بیان سے محظوظ ہوتے ہوئے روا روی سے سوال کیا۔

چاؤ فان نے یوں چونک کر میری طرف دیکھا جیسے میں نے کوئی عجیب سوال کیا ہو۔ لمحہ بھر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔ ''ماسٹر! حیرت کی بات ہے کہ اس سے تمہاری دشمنی ہے، اس کے باوجود تم نے اسے نہیں دیکھا!''

چاؤ فان کی حیرت کا سبب سمجھ میں آتے ہی میں نے جلدی سے کہا۔ ''اگر تم راجن کو یہ نام دے رہے تھے تو بہت

خوب ہے۔ وہ کالا بھی ہے اور بدصورت بھی۔ اس کے بڑے بڑے کان یوں آگے کی طرف مڑے ہوئے ہیں کہ انہیں کاٹ دینے کو دل چاہتا ہے۔''

میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر راجن کے کانوں پر بھی تبصرہ کر ڈالا تھا۔ چاؤ فان کی حیرت رفع ہوگئی۔

کچھ دیر بعد اس نے مجھے ہوٹل کے قریب اتار دیا۔

راستے میں گفتگو کے دوران میں یہ طے ہو چکا تھا کہ وہ مادام سے ملاقات کے بعد مجھے اپنی رپورٹ سے آگاہ کرے گا۔ نتیجہ مثبت رہنے کی صورت میں ڈان سے رابطہ کر کے پروگرام طے کرنا تھا۔

میں چاؤ فان سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ ٹیلی وژن دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس نے بتایا کہ میری عدم موجودگی میں پاکستان سے جلال اور جہانگیر کے فون آئے تھے دونوں نے اس سے خیر خیریت سے زیادہ بات نہیں کی تھی۔

غزالہ کی رائے تھی کہ جہانگیر بہت زیادہ مضطرب تھا اور یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ مجھ سے کب رابطہ ہو سکے گا۔ غزالہ میرے پروگرام سے بے خبر تھی۔ وہ اسے کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دے سکی۔

ان دنوں میرے پاس دو موبائل فون ہوا کرتے تھے۔ ایک اول خان کا دیا ہوا سیٹ تھا جس پر اس نے بین الاقوامی رومنگ کھلوائی ہوئی تھی۔ اس فون کے بل کی ادائی ایس ٹی ایف یا اول خان کی ذمے داری تھی۔ اپنے لوگوں سے بات چیت کے لیے میں ہمیشہ وہی فون استعمال کیا کرتا تھا۔ بنکاک میں چاؤ فان اور ڈان وغیرہ سے مقامی رابطوں کے لیے میں نے اسد کے ذریعے ایک لوکل موبائل لیا ہوا تھا۔

میں نے ابتدا سے یہ احتیاط رکھی تھی کہ جب بھی مجھے چاؤ فان یا ڈان سے ملنے کے لیے جانا ہوتا تو میں اول خان کا دیا ہوا فون غزالہ کے پاس چھوڑ دیتا تھا۔ ان دونوں کو اس بات کی ہوا نہیں لگ سکی تھی کہ میرے پاس کوئی دوسرا موبائل فون بھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت جہانگیر اور جلال مجھ سے براہِ راست بات کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

میرے لیے جلال کا فون آنا معمولات میں شامل تھا۔ بنکاک سے اسد کے فوری تبادلے کے پیش نظر اس کی کال متوقع تھی لیکن جہانگیر کی کال نے مجھے پریشانی میں ڈال دیا تھا۔

بنکاک آنے کے بعد میں نے اس کی خیریت جاننے کے لیے شاید ایک آدھ بار اسے فون کیا تھا۔ اس کی طرف سے کوئی کال نہیں آئی تھی۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس نے کسی ناگزیر مجبوری کی وجہ سے مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہوگی۔

جہانگیر سے میری گفتگو طویل ہو سکتی تھی میں نے اپنے تجسس کو بالائے طاق رکھ کر پہلے جلال کا نمبر ملا لیا۔

محکمے میں اسد اس سے بہت جونیئر تھا۔ وہ اس سے زیادہ کھل کر اور بے تکلفی سے بات نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس نے میری طرف رجوع کیا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ بنکاک میں کیا ہو رہا ہے اور اسد کے تبادلے کے احکام جاری ہونے کے بعد کی صورتِ حال کیا ہے۔

اس سے میری بات ہوتی رہی تھی۔ وہ بنکاک میں رونما ہونے والے واقعات سے بڑی حد تک باخبر تھا۔ میں نے اختصار کے ساتھ اسے بتایا کہ راجن سے میری اور اسد کی ملاقات ہو چکی تھی جس میں میری ذات گفتگو کا مرکز رہی تھی۔

''تمہیں یقین ہے کہ موتی محل سے واپسی پر اس کے آدمیوں نے تم دونوں پر حملہ کیا تھا؟'' اس نے میری کہانی سننے کے بعد بے چینی سے پوچھا۔

''میں نے تمہیں بتایا ہے کہ آج منہ اندھیرے راجن کے آدمی نے اسد کے گھر پہنچ کر اس واقعے پر معذرت کی ہے۔ اس کے بعد شک و شبہے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔''

''ایک طرف ڈان ہے اور دوسری طرف راجن تمہارے پیچھے لگ گیا ہے۔'' اس کی تشویش زدہ آواز ابھری۔ ''اس موقع پر تم کو اسد کی مدد کی ضرورت پیش آئے گی۔''

''اسے بھول جاؤ۔'' میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ ''اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اسے تمہارا فیکس بھی مل گیا۔ وہ آج رات کی پرواز سے بنکاک چھوڑ رہا ہے۔''

''تم اس کے تبادلے سے ناخوش ہو؟'' جلال نے نرم آواز میں پوچھا۔

''ناخوش تھا۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو زبان سے نکلتی ہیں اور پتھر پر لکیر کی طرح اٹل ہو جاتی ہیں۔ اس بار یہی ہوا ہے۔ اسد بروقت یہاں سے نکل رہا ہے۔ راجن اسے گھیرنے کے چکر میں ہے۔ اس کے ذریعے وہ مجھے تلاش کرنا چاہتا ہے۔ اسد یہاں رکا رہتا تو اس کے چنگل میں پھنس کر بے بس ہو جاتا۔ راجن کو اس کی روانگی کا علم ہوگا تو وہ اپنا سر پیٹ کر رہ جائے گا۔''

''یوں کہو کہ اندھیرے میں خود بہ خود چلنے والا یہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے۔''

''ہاں، اس وقت تبادلے کا حکم اسد کے لیے نعمت ثابت ہوگا۔ میں تم کو ایک بات بتا دوں کہ سوبھراج کے معاملے میں اسے مورد الزام ٹھہرایا گیا تو مجھے دلی صدمہ ہوگا۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اب بھی مجھ پر شبہ کررہے ہو...... تم کو یقین کیوں نہیں آتا کہ اس کے تبادلے میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ یہ خالص انتظامی مسئلہ ہے۔ مدت پوری ہونے کے بعد اسے بلایا گیا ہے۔''

''جلال! مجھے اس محکمہ جاتی باریکی سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں اسد کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے یہ ضمانت صرف تم دے سکتے ہو۔''

''خاطر جمع رکھو۔ میں یہ بھول جاؤں گا کہ وہ سوبھراج کی ہلاکت کے راز سے واقف ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا!''

اس کا جواب سن کر میرا دل کھل اٹھا۔ میں نے پُرجوش لہجے میں کہا ''میرے لیے تمہارے یہ الفاظ کافی ہیں۔ اب میں یکسوئی سے اپنے کاموں پر دھیان دے سکوں گا۔''

''تمہارے سامنے اب ایک ہی کام رہ گیا ہے۔ تم کن کاموں کی بات کررہے ہو؟'' میرے جواب نے جلال کو چونکا دیا۔

''کام ایک ہی ہے جو تم نے سونپا ہے یعنی راجن کا جھٹکا...... اس میں کئی بکھیڑے ہیں ابھی اس کی ایک لانچ کی تباہی کا مشن سامنے ہے۔''

''ویری گڈ! جلال کی مسرت آمیز آواز آئی۔'' یہ لڑائی کا بنیادی اصول ہے۔ جب تک دشمن کے قلب پر حملہ کرنے کا موقع نہ ملے، اس کے دوسرے مفادات پر ضربیں لگاتے رہنا چاہیے۔ اس طرح تم ڈان کو بھی خوش رکھ سکو گے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی مرحلے پر وہ تمہارے پاسپورٹ لوٹانے پر آمادہ ہوجائے۔''

''پچھلی رات یہ مرحلہ آ گیا تھا مگر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ شبہ اس کے دل میں گھر کر چکا ہے۔ میں نے پاسپورٹ واپس لے لیے تو وہ نگرانی شروع کرا دے گا......''

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے میری بات درمیان ہی سے اچک لی۔'' تم دوررس فیصلے کرتے ہو۔ میں تمہاری اس صلاحیت کی قدر کرتا ہوں۔''

''اول خان کی کیا خبریں ہیں؟'' میں نے اچانک پوچھ لیا۔

''اس سے براہِ راست بات نہیں ہوسکی۔ اپنے اسٹاف سے خبریں ملتی رہتی ہیں کہ اس نے آج کل صوبہ سندھ میں ہتھیار لانے والوں کے ایک بڑے گروہ پر نظر رکھی ہوئی ہے۔ ان کی اگلی کھیپ آتے ہی یہاں کوئی بڑا دھما کا ہوگا۔''

اسپیشل ٹاسک فورس لاکھ غیر آئینی سہی۔ عملی طور پر وہ سرکار ہی کے دائرہ کار میں آتی تھی۔ اول خان اور جلال، دونوں سرکاری افسر تھے، ان کی اپنی اپنی حدود متعین تھیں لیکن آپس میں خوشگوار تعلقات ہونے کے باوجود، ان کے درمیان ایک عجیب سی سرد مہری پائی جاتی تھی۔

وہ ایک دوسرے سے گرم جوشی سے ملتے تھے لیکن الگ ہونے کے بعد مشکل ہی سے ایک دوسرے سے کوئی رابطہ کرتے تھے۔ میں نے کئی مواقع پر محسوس کیا کہ باہمی ربط ضبط کے لیے وہ دونوں کئی مواقع پر میری مدد لے چکے تھے۔

جلال سے پاکستان کے بارے میں کچھ عمومی باتوں کے بعد گفتگو ختم ہوگئی۔ اپنے عہدے کے اعتبار سے وہ بہت باخبر افسر تھا۔ وہ عام طور پر ان باتوں سے بھی باخبر رہتا تھا جو اس کے دائرہ کار میں نہیں آتی تھیں۔

فون بند کرکے میں نے سگریٹ سلگائی تو غزالہ سے نہ رہا گیا اور بول پڑی۔'' جہانگیر آپ کا جگری دوست ہے، آپ کو سب سے پہلے اس کی خبر لینی چاہیے تھی۔ ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے اب آپ کو اس کی پروانہ رہ گئی ہو۔''

''تم جیسی محتسب کی موجودگی میں کسی کو فراموش کرنا بہت مشکل کام ہے۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔'' اس بے چارے کے لیے سب سے بڑا مسئلہ اس کی بیوی ہے۔''

''وہی اس کے مسئلوں کا حل بھی ہے۔'' غزالہ نے بلا تردد کہا۔'' میں شرط لگا سکتی ہوں کہ سلمٰی کے بغیر وہ چین سے نہیں رہ سکتا۔''

''میں تمہارے مشاہدے کو چیلنج نہیں کروں گا۔ دیکھتا ہوں کہ اس نے مجھے کیوں یاد کیا ہے۔ ذرا یہ سگریٹ ختم کرلوں۔''

☆☆☆

جہانگیر ہمیشہ سے سحر خیز پرندہ رہا تھا۔ دیر سے سونا اور صبح سویرے بیدار ہوجانا اس کی دو فطری کمزوریاں تھیں جن پر اس کی بسیار نوشی بھی کبھی غالب نہیں آسکی تھی۔ دن میں زیادہ پی کر کچھ دیر کے لیے مدہوش ہوجانے کا قصہ اس سے الگ تھا۔

اس دن بھی وہ صبح سویرے بیدار ہوگیا۔ سلمٰی اس کے پہلو میں بہ دستور گہری نیند سو رہی تھی۔ بستر چھوڑ کر وہ قالین پر اترا اور مسہری کے قریب کھڑا ہوکر غور سے سلمٰی کی طرف دیکھتا رہا جو بے حجابی کے ساتھ گہری نیند سو رہی تھی۔

وہ اس وقت اتنی حسین اور معصوم نظر آرہی تھی کہ جہانگیر کے دل کے کسی گوشے سے بے ساختہ، ملامت کی ایک لہر ابھری اور اسے احساس ہوا کہ وہ اپنی فرض شناس اور وفا شعار بیوی کو بلاوجہ ستاتا رہتا ہے۔

عین ممکن تھا کہ وہ جذبات کی رو سے مغلوب ہوکر سلمیٰ کے سرہانے جا بیٹھتا لیکن اسی لمحے بجنے والی انٹر کام کی گھنٹی نے اسے تصورات کی دنیا سے باہر کھینچ لیا۔ اس کے ملاقاتیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ پریشان ہوگیا کہ انٹر کام پر اتنے سویرے کون ہوسکتا تھا۔

گھنٹی دوبارہ بجی اور اس نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے عمارت کا سکیورٹی افسر اسے ہوپر نامی کسی غیر ملکی مہمان کی آمد کی اطلاع دے رہا تھا۔

وہ نام اس کے لیے اجنبی تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ آنے والا غیر ملکی تھا۔ جہانگیر کی کھوپڑی چکرا گئی وہ چند لمحوں پہلے گہری نیند سے بیدار ہوا تھا۔ اس کے شب گزیدہ ذہن میں کوئی ڈھنگ کی بات نہیں آسکی۔ اس نے غیر ارادی طور پر مہمان کو اوپر بھجوانے کی ہدایت دے دی۔

اس نے باتھ روم میں جاکر تیزی سے چند کلیاں کیں اور پھر شب خوابی کا لباس تبدیل کیا۔ وہ پوری طرح اپنا حلیہ درست نہیں کرپایا تھا کہ ڈور بیل بج اٹھی۔

جہانگیر نے اپنے کپڑے درست کرتے ہوئے، بوکھلاہٹ کے عالم میں دروازہ کھولا تو اپنے سامنے ایک کشیدہ قامت اور دبلے پتلے سفید فام کو کھڑے پایا۔ عینک کے پیچھے اس کی نیلی اور سرد آنکھوں سے سفاکی جھلک رہی تھی۔

جہانگیر کے لیے وہ چہرہ اجنبی تھا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی جہانگیر کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا اور اس کے اوسان ٹھکانے آگئے۔

''کیا میں تم کو جانتا ہوں؟'' اس نے رواں انگریزی میں سرد مہری سے سوال کیا۔

''یہ سوال غیر اہم ہے۔'' غیر ملکی کا لب ولہجہ اس کے امریکی ہونے کی غمازی کررہا تھا۔ ''اہم تر بات یہ ہے مسٹر جہانگیر کہ میں تم کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''میں اپنی چھت کے نیچے کسی اجنبی کو خوش آمدید نہیں کہہ سکتا۔'' جہانگیر اندر آنے کا راستہ روک کر اپنی جگہ پر ڈٹا رہا۔

''پلیز! مجھے اندر آنے دو!'' پتلون کی جیب میں اجنبی کے بائیں ہاتھ نے جنبش کی اور جہانگیر کو وہاں کسی ریوالور کی نال کا ابھار بہت واضح طور پر نظر آگیا۔

''کسی مہمان کو اندر نہ بلانا بداخلاقی کی نشانی ہے۔'' ہوپر نے اپنی بات جاری رکھی۔

جہانگیر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیوں کا کوئی جلوس گھس گیا ہو۔ آنے والے کے نرمی سے محروم چہرے سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس کے عزائم اچھے نہیں تھے۔ اس نے غیر ارادی طور پر اسے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔

''گڈ...... تم سمجھ دار اور معاملہ فہم آدمی ہو!'' وہ بڑھ کر فلیٹ میں داخل ہوگیا۔

''تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟'' جہانگیر نے دروازہ بند کرتے ہوئے، ترش لہجے میں سوال کیا۔

''میں ہوپر ہوں اور تم سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔'' اس نے نہایت پرسکون لہجے میں کہا اور راہداری سے گزر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوگیا۔

ہوپر کا بایاں ہاتھ جیب سے برآمد ہوا تو وہ خالی نہیں تھا۔ اس میں چھوٹے بور کا' ہاتھی دانت کے دستے والا ریوالور دبا ہوا تھا۔ وہ اطمینان سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

اس وقت جہانگیر کے دل کی حالت غیر تھی۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ میری وجہ سے وہ ایک مرتبہ پھر کسی ناگہانی صورت حال سے دوچار ہونے والا تھا۔ وہ اندر سے خوف زدہ ہونے کے باوجود تن کر ہوپر کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اس کے وجود میں سویا ہوا' شی کا پرانا گرو دھند رفتہ رفتہ بیدار ہورہا تھا۔

''مجھ سے مل لیے' اب لوٹ جاؤ۔'' جہانگیر نے سختی سے کہا' ''میری بیوی آرام کررہی ہے۔ میں صبح سویرے اس کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا۔''

''کھڑے کھڑے تھک جاؤ گے' سامنے بیٹھ جاؤ۔'' ہوپر نے ریوالور کو اپنے ہاتھ میں نچاتے ہوئے کہا' ''تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ گولی ماردوں گا۔ یہ خوب صورت ضرور ہے لیکن کھلونا نہیں' اصلی ہے' اس کا چیمبر بھرا ہوا ہے۔''

''تم نے ابھی تک اپنا مدعا بیان نہیں کیا۔'' جہانگیر نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا۔

''تم ڈینی کے گہرے دوست ہو!'' ہوپر نے اس کے چہرے پر نظر جماکر تصدیق چاہی۔

''میں بہت سے لوگوں کا دوست ہوں۔'' جہانگیر کا جواب گول مول تھا۔

''ڈینی کہاں ہے؟'' ہوپر نے پلکیں جھپکائے بغیر

پوچھا۔

''وہ میرا ملازم نہیں ہے' آزاد خود مختار آدمی ہے۔ کہیں بھی ہو سکتا ہے۔''

''تمہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ میں بلاوجہ یہاں نہیں آیا۔ تم کو ہر صورت میں بتانا ہوگا کہ وہ کہاں مل سکے گا۔''

''اس کی دشمنی میں تمہاری عقل مفلوج ہوگئی ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میں ابھی سو کر اٹھا ہوں۔ میں جھوٹ بول کر تمہیں ٹال سکتا ہوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ اگر تم ڈینی کو ذرا بھی جانتے ہو تو تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اپنے ٹھکانے کے سلسلے میں وہ کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔ پتا کھڑکتا ہے اور وہ اپنا ٹھکانا بدل لیتا ہے۔ مجھ سمیت کوئی بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ کہاں ہوگا۔''

''وہ کراچی میں ہے؟'' ہوپر نے تحمل سے اگلا سوال کیا۔

''پرسوں تک یہیں تھا۔ اس کے بعد اس سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہوا۔'' جہانگیر نے نہایت اعتماد سے جھوٹ بولا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' ہوپر غرایا ''وہ یہاں نہیں ہے۔''

''تمہیں معلوم ہے تو بلاوجہ میرا امتحان کیوں لے رہے ہو؟''

''جہانگیر...... سچ بولو۔ تم دو ملین ڈالر کے حق دار بن سکتے ہو۔ چاہو گے تو تمہیں روزگار کی ضمانت کے ساتھ امریکا کی شہریت بھی مل جائے گی۔ تم یہ موقع کھو دو گے تو کوئی اور اس سے فائدہ اٹھا لے گا۔ ڈینی ایک خوفناک فتنے کا روپ دھار چکا ہے۔ اب اس کا وقت پورا ہو چکا ہے' دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکتی۔''

''میں یہ دعوے اس وقت سے سن رہا ہوں جب یہ انعام ایک ملین ڈالر ہوا کرتا تھا۔'' جہانگیر نے طنز سے کہا ''جب تک لوگ تمہارا ساتھ نہیں دیں گے' تم ڈینی کی گرد بھی نہیں پا سکو گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم ڈینی کے ستائے ہوئے ہو یا اس وقت کسی ایجنسی کی نمائندگی کر رہے ہو لیکن میری یہ بات لکھ لو کہ تم ڈینی کو آسانی سے نہیں پکڑ سکو گے۔''

''تم اس کے ہمدرد اور دوست ہو اس لیے یہ ہذیان بک رہے ہو۔ یہ مت بھولو کہ ایف بی آئی کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ہم تحت الثریٰ میں چھپے ہوئے دشمن کو بھی کھینچ کر نکال سکتے ہیں۔ ہم نے اس کے گرد گھیرا تنگ کر دیا ہے۔ وہ کسی بھی وقت ہمارے قدموں میں ہوگا۔''

اس کی زبان سے ایف بی آئی کا ذکر سن کر جہانگیر کچھ پریشان ہوگیا۔ ایک غیر ملکی' سرکاری اہلکار پر ہاتھ ڈالنے کی قیمت اسے بہت مہنگی پڑ سکتی تھی۔

چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے کہا ''تم نے اس کے گرد گھیرا ڈال دیا ہوتا تو ریوالور تان کر زبردستی میرے گھر میں نہ گھستے۔ یہ افسوس ناک بات ہے کہ ایف بی آئی کے افسر میرے شہر میں غنڈا گردی کر رہے ہیں......''

''بکومت!'' ہوپر نے جھلا کر اس کی بات کاٹ دی ''تم سب بدمعاش ہو اور سب مل کر ڈینی جیسے بدمعاش کی سرپرستی کرتے ہو۔''

''کوئی کسی کی سرپرستی نہیں کرتا' یہ تمہاری خام خیالی ہے۔'' جہانگیر نے سکون سے جواب دیا ''اصل بات یہ ہے کہ دنیا کا ہر مہذب شخص تم لوگوں کی متکبرانہ حرکتوں کی وجہ سے تم سے نفرت کرنے لگا ہے۔ اس نفرت کی وجہ سے کوئی تمہارا ساتھ نہیں دیتا' تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے دشمنوں کے ہمدرد ہیں۔ برے آدمی کا کوئی ہمدرد نہیں ہوتا۔''

''مجھے سبق پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ بہتیرے لوگ بلکہ قومیں تک امریکیوں کے پیر چاٹتی ہیں۔''

''یہی تمہارا بڑبولا پن ہے جو آخر کار تمہیں لے ڈوبے گا۔'' جہانگیر نے وہیں اس کی بات پکڑ لی ''تمہارا ساتھ وہ دیتے ہیں جو تمہارے چنگل میں پھنس کر بے بس ہیں یا انہیں تم سے کوئی لالچ ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہاں کوئی بھی تمہارے دو ملین ڈالر کے انعام کے پیچھے نہیں بھاگ رہا۔''

''یہاں کی ایجنسیاں اسے پال رہی ہیں' کون اس کا پیچھا کرے گا؟''

''کروڑوں کی آبادی میں ساری ایجنسیوں کی نفری چند ہزار سے زیادہ نہیں ہوگی۔'' موقع پا کر جہانگیر نے اسے بحث میں الجھا لیا ''پاکستان ایک غریب ملک ہے' یہاں بہت سے لوگ بھوکے سوتے ہیں' پڑھے لکھے لوگوں میں بے روزگاری عام ہے۔ یہ ماحول تحریص' ترغیب اور لالچ کے لیے بہت زرخیز ہے۔ اس کے باوجود کسی کو دو ملین ڈالر سے دلچسپی نہیں ہے۔ یہ تمہارے لیے لمحہ فکریہ ہونا چاہیے۔''

''تمہارے ان فلسفوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' ہوپر نے تلملائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''تم آسانی سے زبان نہیں کھولو گے' تم کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔''

یہ کہتے ہی ہوپر نے جہانگیر پر اپنا ریوالور تان لیا۔

اس وقت تک ہوپر رعونت کے ساتھ صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ جہانگیر دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھے' اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ اسے صاف نظر آ رہا تھا کہ ہوپر جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر

عمل کرنے کا پورا ارادہ رکھتا تھا۔ عمارت کا حفاظتی نظام بہت سخت تھا۔ پہلے بھی وہاں وارداتیں ہوتی رہی تھیں جن کے بعد سکیورٹی سسٹم میں مزید سختی آ گئی تھی۔ ہوپر نے یقینی طور پر اس کا بھی کوئی نہ کوئی توڑ سوچ لیا ہوگا۔ اس جیسا تجربے کار سیکرٹ ایجنٹ آنکھیں بند کر کے کسی کے گھر میں گھسنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔

جہانگیر کے پاس سوچنے اور فیصلہ کن قدم اٹھانے کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ ہوپر ایک مرتبہ اپنی جگہ چھوڑ دیتا تو جہانگیر کے لیے دشواری پیدا ہو سکتی تھی۔ وہ بہترین موقع تھا۔

''اگر میں تمہارے ساتھ جانے سے انکار کر دوں؟''

جہانگیر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دلیری سے سوال کیا۔

''پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ڈینی کا ہر حمایتی کسی کیڑے سے زیادہ حقیر ہے!'' اس نے اپنے ریوالور کی نال کو جنبش دے کر کہا۔

اس دوران میں جہانگیر اپنے قدموں کا توازن درست کر چکا تھا۔ ہوپر کا فقرہ مکمل ہوتے ہی اس کی داہنی ٹانگ بہت پھرتی سے حرکت میں آئی۔ جہانگیر کا وہ ردِعمل اس قدر تیز تھا کہ اپنے بائیں ہاتھ پر زوردار ٹھوکر پڑنے تک ہوپر کو مطلق اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ کیا کرنے والا تھا۔

ہوپر کے حلق سے ایک دبی دبی اضطراری چیخ نکلی اور ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر، صوفے کے پیچھے قالین پر جا گرا۔

جانگیر نے ہوپر کو صوفے سے اٹھنے کی مہلت نہیں دی، اچھل کر اس کے اوپر سوار ہو گیا اور اس کے چہرے پر تابڑ توڑ مکے برسانے شروع کر دیے۔

ہوپر کا سارا زعم اپنے ہتھیار پر تھا۔ نہتے حریف کو ہتھیار کے زور پر دھمکانا اس کا محبوب مشغلہ معلوم ہوتا تھا، نوبت ہاتھا پائی پر پہنچی تو وہ بوکھلا گیا۔

چند مکے کھانے کے بعد اس نے بھی ہاتھ پیر چلانا شروع کر دیے۔

اس اثنا میں ان دونوں کی پرشور اضطراری آوازیں سن کر سلمٰی بیدار ہو گئی۔ وہ بستر سے اٹھ کر بدحواسی کے عالم میں ڈرائنگ روم کے دروازے تک آئی۔ جہانگیر کو ایک سفید فام کے ساتھ گتھم گتھا دیکھ کر اسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ جہانگیر کسی خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہو چکا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں اس لمحے کو کوسا جب ان دونوں نے اسٹیشن فور کے محفوظ حصار کو چھوڑ کر اپنے گھر منتقل ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ جہانگیر کے پرانے زخم پوری طرح مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ اس پر نئی افتاد آن پڑی تھی۔

اسے قالین پر پڑا ہوا' سفید دستے والا ریوالور بھی نظر آ گیا تھا لیکن وہ آتشیں ہتھیاروں کے استعمال سے ناواقف تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے شوہر کی مدد کے لیے کیا کرے۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے سفید فام نے جہانگیر کو اپنے اوپر سے اتار پھینکا تھا اور وہ دونوں ڈرائنگ روم کے قالین پر وحشی درندوں کی طرح لڑ رہے تھے۔

وہ کوئی آواز نکالے بغیر، پھٹی پھٹی نظروں سے وہ وحشیانہ لڑائی دیکھتی رہی پھر گھبراہٹ کے عالم میں اندر بھاگ گئی۔

گھر کے کمروں میں جہانگیر کے آتشیں کھلونوں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اور کہاں جائے۔ اس گھبراہٹ میں وہ غیرارادی طور پر باورچی خانے میں جا گھسی وہاں کا چپّا چپّا اس کا دیکھا بھالا تھا؟

باورچی خانے میں گھستے ہی اس کی نظر وزنی چوبی بیلن پر پڑی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بیلن اٹھایا اور واپس ڈرائنگ روم کی طرف دوڑ لگا دی۔

وہ وہاں پہنچی تو صورتِ حال میں کوئی واضح تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ ہوپر، جہانگیر کی توقع سے زیادہ سخت جان ثابت ہو رہا تھا۔

سلمٰی نے ایک طرف سے بیلن تھاما اور قریب پہنچ کر پوری قوت سے ہوپر کی داہنی کنپٹی پر رسید کر دیا۔

ہوپر کے حلق سے ہچکی نما تیز آواز برآمد ہوئی اور اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔

جہانگیر نے اس کے ڈھلکتے ہوئے وجود پر ایک مکا رسید کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ کھیل ختم ہو چکا تھا۔ بیلن کی ضرب نے ہوپر کو ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا تھا۔

اس نے اٹھ کر سلمٰی کی طرف دیکھا، دونوں کی نظریں چار ہوئیں پھر وہ قالین پر گرے ہوئے بے حس و حرکت دشمن کی پروا کیے بغیر والہانہ انداز میں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔

سوبھراج کے آدمیوں کے ہاتھوں اغوا کے بعد وہ جہانگیر پر نازل ہونے والی دوسری مصیبت تھی جو کسی نہ کسی طرح ٹل گئی تھی۔

وہ لوگ ہر بار انداز بدل کر اس پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ نیچے ایس ٹی ایف کے کم از کم دو مسلح اہل کاران کی حفاظت

کے لیے موجود رہے ہوں گے لیکن ان میں سے کوئی بھی ملاقاتی کے دوستانہ روپ میں آنے والے ہوپر پر شبہ نہیں کرسکا۔

جذبات کے لحاتی گرداب سے نکلتے ہی جہانگیر اپنے بے ہوش حریف کی طرف متوجہ ہوا تو اس کے فرشتے کوچ کر گئے۔ ہوپر بے ہوشی کے مرحلے سے بہت آگے نکل کر موت کی اندھی اور بے رحم وادیوں میں پہنچ چکا تھا۔

ان کے فلیٹ میں ایف بی آئی کے ایک افسر کی لاش کا پایا جانا بہت سنگین واقعہ ہوتا۔ جہانگیر کو اندازہ تھا کہ اس واقعے کے نتیجے میں وہ پاکستانی قانون کی رو سے تختۂ دار تک بھی پہنچ سکتا ہے۔

فلیٹ میں جو کچھ ہوا، غیر ارادی طور ہوا۔ سلمٰی کو قطعی اندازہ نہیں تھا کہ جنون کے عالم میں لگائی ہوئی، بیلن کی ضرب مہلک ثابت ہوگی۔ اس کے باوجود وہ قتل کی واردات تھی۔ ان کے فلیٹ میں ہوپر کا غیر قانونی داخلہ بھی انہیں اس الزام سے نہیں بچا سکتا تھا۔

ہوپر کی موت کی خبر سنتے ہی سلمٰی نے رونا شروع کر دیا۔ جہانگیر کے ہاتھ پیر پھولے ہوئے تھے۔ وہ اول خان سے رابطہ کرنے سے گھبرا رہا تھا۔ اس آڑے وقت میں وہ صرف اور صرف مجھ پر اعتماد کرسکتا تھا اور میں غائب تھا۔

اس نے منت سماجت کرکے اور واقعے کے مضمرات کا خوف دلا کر سلمٰی کو بہ دقت تمام خاموش کیا اور خاموشی سے اس لاش کو گھسیٹ کر ایک قریبی کمرے میں بند کر دیا۔ غنیمت یہ ہوا کہ بیلن کی چوٹ سے ہوپر کی کنپٹی نہیں پھٹی جس کے سبب کہیں خون کا کوئی دھبا نہیں آیا تھا۔ کسی بے تکی اندرونی ضرب سے ہوپر کا کام تمام ہوا تھا۔

جہانگیر نے ہوپر کی لاش کا ذکر کیے بغیر، ایک اہم ضرورت کا حوالہ دے کر اول خان سے میرا فون نمبر حاصل کیا اور فوری طور پر مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر ڈالی۔ اسے یہ جان کر صدمہ ہوا کہ میں موجود نہیں تھا۔ اس نے اپنے مسئلے پر غزالہ سے کوئی بات نہیں کی اور تن بہ تقدیر ہو کر میری جوابی کال کے انتظار میں بیٹھ گیا۔

میرے فون کرنے پر جب مجھے وہ تفصیلات معلوم ہوئیں تو میرے دل میں مجرمانہ احساس عود کر آیا اس سے پہلے جلال کو فون کر کے میں نے زیادتی کی تھی۔ جہانگیر کے لیے ایک ایک لمحہ اہم تھا۔ اس کی روداد سنتے ہوئے میرے ذہن میں جس حل نے سر ابھارا تھا، اس کے لیے ہوپر کی لاش کا گرم رہنا ضروری تھا۔ لاش ٹھنڈی ہو کر اکڑ جاتی تو مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔

”تم آرام سے بیٹھے رہو، میں ابھی اول خان سے بات کرتا ہوں، وہ آ کر لاش لے جائے گا۔ وہ خود آئے یا اپنے آدمیوں کو بھیجے۔ تم اس واقعے کے بارے میں کسی سے کوئی بات نہیں کرو گے۔“ میں نے سب کچھ سن لینے کے بعد کہا۔

اس کی کہانی سنتے ہوئے میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ جہانگیر کو بچانے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ لاش کی برآمدگی اس کے فلیٹ سے ظاہر نہ ہو۔

”اگر کسی نے کچھ پوچھ لیا؟“ جہانگیر اس واقعے سے خائف تھا۔

”جب میں کہہ رہا ہوں تو کوئی کچھ نہیں پوچھے گا۔“ میں نے سختی سے کہا۔ ”حوصلہ رکھو، گھر صاف کرلو اور اپنے معمولات کو برقرار رکھو۔“

”ہمارے حلق سے پانی تک نہیں اتر رہا، بھوکے پیاسے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں سے چھ فٹ کی لاش لے جائی جائے گی تو ہم کس کس کا منہ بند کریں گے۔“

”یہ پریشانیاں اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ ابھی لاش گرم ہوگی۔ وہ اسے بوری میں ڈال کر لے جائیں گے۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ تمہارے گھر سے کیا گیا ہے۔“

”یار، تم گریٹ ہو!“ جہانگیر کی تشکر آمیز آواز آئی۔ ”تم نے بہت انوکھی ترکیب سوچی ہے۔ ہم دونوں یہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہے تھے کہ ہمارے گھر سے لاش کیسے جائے گی۔ تم نے یہ مسئلہ چٹکی بجاتے میں حل......“

”میں اول خان سے بات کر کے دوبارہ فون کرتا ہوں۔“ میں نے اس کی بات درمیان سے اڑا کر فون بند کر دیا۔

اول خان کی تلاش میں ادھر ادھر فون کرنے میں وقت کا زیاں ہوتا، میں نے اس کے موبائل نمبر پر اسے گھیر لیا۔

”فوری طور پر اپنے دو آدمی ایک بڑے بورے کے ساتھ جہانگیر کے گھر بھیج دو۔“ سلام دعا کے بعد میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ ”وہاں ایک گورے کی لاش موجود ہے۔ اسے بوری میں ڈال کر وہاں سے نکلوا اور اسٹیشن فوراً منگوالو۔“

”کس کی لاش ہے۔ وہاں کیا ہوا ہے، ابھی تک میرے آدمیوں کی طرف سے کوئی رپورٹ نہیں آئی۔ وہ دن رات وہاں مامور ہیں۔“ اس کی تحیر زدہ آواز آئی۔

”دشمنوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ اس عمارت کی نگرانی ہو رہی ہے۔ وہ اس کا توڑ کر لیتے ہیں تم آدمی بھیجو۔ لاش اکڑ

گئی تو اسے تابوت میں لانا پڑے گا۔ اسے بوری میں نکالنا اہم ہے تم اپنے آدمیوں سے کہہ دو...... باقی باتیں ہوتی رہیں گی۔"

میں نے اس سے یہ پوچھنے کی زحمت بھی نہیں کی کہ وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔ اسے اپنی نادر شاہی ضروریات سے آگاہ کر دیا۔

یہ غنیمت تھا کہ وہ اس وقت اسٹیشن فور پر ہی تھا کیونکہ میں نے اپنے ریسیور میں وہ سب سن لیا جو اس نے اپنے کسی آدمی سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

"یہاں سے کسی کو دوڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اپنے آدمی کو ہدایات دینے کے بعد اول خان مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "میں نے اس کے فلیٹ کی نگرانی کرنے والوں کے لیے آرڈر دے دیا ہے۔ ابھی وائرلیس پر ان سے کہہ دیا جائے گا۔ وہ بوری لے کر چند منٹ میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ تم یہ بتاؤ کہ جہانگیر کے گھر پر کیا ہو رہا ہے۔"

اول خان کے زبردست بندوبست کے بارے میں جان کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ میں نے اسے جواب دیا تو میری آواز سے تناؤ رخصت ہو چکا تھا۔ میں نے کہا۔ "وہاں بیلن چلا ہے۔ زبردستی آنے والے نے اپنا نام ہوپر بتایا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ایف بی آئی کا ہی افسر ہو۔"

"میرے آدمی وہاں دن رات بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ اوپر کیسے پہنچ گیا؟" اول خان کو خلش تھی کہ اس کے مستعد آدمی ایک مرتبہ پھر بیٹھے رہ گئے تھے، دشمن کامیاب ہوتے ہوتے رہ گیا۔

اول خان کو اس واردات کی تفصیلات سے آگاہ کرنا بہت کٹھن مرحلہ تھا۔ وہ پے در پے سوالات کیے جا رہا تھا۔ لاش اٹھوانے کا بندوبست ہو چکا تھا۔ مجھے وقت گزرنے کی پروا نہیں رہی تھی۔ میں سکون سے تفصیلی جوابات دیتا رہا۔

"تو یوں کہو...... کہ آج سلمٰی بھی صفِ اول میں آ گئی ہے!" وہ سب کچھ سن کر بولا۔

"اسے ہول اٹھ رہے ہوں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "وقتی جوش یا اشتعال میں آ کر آدمی ہر کام کر گزرتا ہے، ہوش آتا ہے تو وہ اپنی کارروائی پر لرز کر رہ جاتا ہے۔"

"جو کچھ ہوا، وہ ناگزیر تھا۔ سلمٰی بیلن استعمال نہ کرتی تو وہ جہانگیر کو نکال لے جاتا یا پھر اسے کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا دیتا۔ تم نے لاش اٹھوانے کے لیے کہہ دیا ہے لیکن یہ معاملہ کیسے ہینڈل ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنا نام غلط بتایا ہو مگر وہ کوئی نہ کوئی امریکی ایجنٹ ہی ہو گا۔ اس بار ہم بری طرح پھنستے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔"

"پھنسے ضرور ہیں لیکن اس الجھن سے نکلنے کا ایک راستہ بھی نظر آ رہا ہے۔" میں نے محتاط انداز میں کہا۔ "اگر تمہارے آدمی پوشیدہ طریقے سے لاش کو چھپا کر لانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"اس بارے میں تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" اول خان نے مجھے یقین دلایا۔ "تمہارے منشا کے مطابق میں نے اپنے آدمیوں کے لیے ہدایات جاری کر دی ہیں، لاش ٹھنڈی ہو کر اکڑ گئی تب بھی وہ خوش اسلوبی سے اپنا کام کر لیں گے۔ یہ بتاؤ کہ اس سے آگے تم کیا سوچ رہے ہو۔ آج کل میں ایک بڑے مسئلے میں پھنسا ہوا ہوں۔ تمہارے دی ہوئی خبر نے میرا دماغ ماؤف کر دیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس اتفاقی حادثے کا کیا بنے گا۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک ہیلی کاپٹر کا بندوبست کر لو۔ ہوپر کی لاش کو حیدر آباد کے گرد و نواح میں کسی کچی نہر سے برآمد ہونا چاہیے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" اول خان کی آواز سے مایوسی مترشح تھی۔ "یہ بھاگ دوڑ رائیگاں جائے گی، پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سر کی چوٹ کو موت کا سبب قرار دے گی۔ ہم اسے پانی میں ڈوبنے کا واقعہ قرار نہیں دے سکیں گے۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے اطمینان سے کہا۔ "اسی لیے میں نے کچی نہر کی بات کی ہے۔ آب پاشی کی ایسی نہروں کے گدلے پانی میں جابجا پتھر اور آبی جھاڑیوں موجود ہوتی ہیں۔ پانی کے تیز بہاؤ میں آدمی کا سر کسی بھی پتھر سے ٹکرا سکتا ہے۔"

"ہاں، یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے۔" اس کی پُرخیال آواز ابھری۔ "تیز رو نہروں میں اچھے اچھے پیراک چوکڑی بھول جاتے ہیں۔ اگر وہ نہر میں نہا رہا تھا تو ہمیں لاش پر موجود لباس بھی بدلنا ہو گا......"

میں نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے، کچھ بدلنے کی ضرورت نہیں یہ سمجھ لو کہ وہ اس علاقے میں موجود تھا۔ وہاں اس کا سامنا کسی خطرناک شخص سے ہو گیا۔ اپنی جان کو خطرے میں پا کر ہوپر نے کپڑوں سمیت قریبی نہر میں چھلانگ لگا دی۔ وہ اس شخص سے بچ گیا لیکن بدنصیبی اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ نہری پانی کے تیز بہاؤ میں وہ خود کو نہیں سنبھال سکا۔ اس کا سر، جھاڑیوں میں

چھپے ہوئے ایک پتھر سے ٹکرایا اور وہ مر گیا۔ پانی میں رہنے کے بعد اس کی پھولی ہوئی لاش برآمد ہوگی تو اس پر سے دوسرے نشانات غائب ہو چکے ہوں گے۔ تمہاری کہانی کو چیلنج نہیں کیا جاسکے گا۔''

''خوب...... تم نے ہر پہلو کے بارے میں سوچا ہوا ہے۔'' اول خان وہ تفصیل سن کر خوش ہوگیا۔'' اس منصوبے میں ایک جھول ہے۔ اس کے بڑوں یا ساتھیوں کو علم ہوگا کہ وہ جہانگیر کے گھر گیا تھا۔ لاش کہیں اور سے برآمد ہوگی تو وہ احتجاج کریں گے۔ حادثے کو قاتلانہ سازش قرار دے کر وہ مشکلات پیدا کر سکتے ہیں۔''

''ہو پر وہاں اپنی گاڑی سے آیا ہوگا۔ تلاش کر کے وہ گاڑی کینٹ ریلوے اسٹیشن پہنچا دو۔ اس کے بعد کوئی کچھ نہیں کر سکے گا۔ انہوں نے جہانگیر کے گھر کا نام لیا تو انہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ وہ وہاں کیوں گیا تھا۔ اپنی زبان کھول کر وہ اس جواب دہی میں گرفتار ہونا پسند نہیں کریں گے۔ یہ سرد جنگ ہے، ہماری طرح وہ بھی سب کچھ جانتے ہیں اور جان لیں گے لیکن انہیں کسی قانونی موشگافی کا موقع نہیں مل سکے گا۔''

''ان سے یہ بھی پوچھا جاسکتا ہے کہ مقامی حکام کو مطلع کیے بغیر، ہو پر حیدر آباد کیوں گیا تھا اور وہاں کیا کر رہا تھا۔'' اول خان کی تشویش رفع ہوگئی اور اس کی آواز سے نیا جوش مترشح ہونے لگا۔

''حفاظتی وجوہ کی بنا پر ان کی حکومت نے ان لوگوں کی نقل و حرکت کو محدود کیا ہوا ہے۔ ضابطوں کی خلاف ورزی پر ہمارے اہل کاران کو بری طرح رگڑ سکتے ہیں۔''

''یہ لوگ کھسیائے ہوئے ہیں۔'' وہ بولا۔'' تمہارا آسیب ان کے دل و دماغ پر سوار ہے۔ وہ کوئی بھاری نقصان اٹھاتے ہیں، کچھ دنوں بعد اسے بھول کر مفروضہ کامیابی کی امید میں پھر کوئی نئی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے کئی آدمی کھو چکے ہیں۔''

''یہ مومن کی خوبی ہے کہ وہ ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔'' ان لوگوں سے حق اور ایمان بہت دور ہے، یہ بار بار غلطیاں دہراتے ہیں۔''

''ان کی غلطیاں آسانی سے گرفت میں نہیں آتیں۔'' ایک گہرے سانس کے بعد اول خان کی آواز آئی۔'' اس معاملے پر تم نے مغز زنی نہ کی ہوتی تو میں اسے اتنی آسانی سے نہیں سلجھا سکتا تھا۔ ان کا مقابلہ تم ہی کر سکتے ہو...... اپنی اس مجبوری کا اندازہ ہونے کے باوجود مجھے شکایت ہے کہ جہانگیر نے ایک شہر میں ہوتے ہوئے، مجھ سے اس معاملے کا ذکر نہیں کیا۔ یہاں ہونے والے واقعے کی خبر تم ہزاروں میل دور سے دے رہے ہو۔''

''جہانگیر سے یہ شکایت نہ کر بیٹھنا۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔'' وہ اس واقعے سے بہت پریشان ہے۔ بات مار دھاڑ تک محدود رہتی تو وہ تم ہی سے بات کرتا۔ کسی سے خون کا اعتراف کرنے کے لیے بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے۔ وہ خوف زدہ ہے، اس کی نگاہوں میں پھانسی کا پھندا ناچ رہا ہے۔ وہ اس چکر سے بچ نکلنے پر لاکھ بار خدا کا شکر ادا کرے گا۔''

''مجھے شکایت نہیں، بس طبیعت کو ملال ہے۔ میرا خیال تھا اسٹیشن فور میں کچھ دن گزار کر اس نے مجھے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا۔''

شاید اول خان اپنی اس شکایت میں حق بجانب ہو، میں نے اس مسئلے پر مزید بات کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ واقعات اپنی رو میں ہوتے چلے گئے تھے۔ خطرات کا مداوا کرنے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کی جا چکی تھی۔ اس بارے میں مزید سر کھپانا لاحاصل تھا۔

''وقت ملا تو میں رات میں کسی وقت دوبارہ فون کروں گا۔'' میں نے گفتگو ختم کرنے کی نیت سے کہا۔'' تم جہانگیر کی طرف سے اپنا دل برا مت کرو۔ بڑے مصائب میں گھرنے کے بعد اچھے خاصے آدمی سے بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔''

''تم کو وقت کہاں ملتا ہے۔ وہاں جا کر یہاں سے زیادہ مصروف ہوگئے ہو۔''

''کسی بھی وقت تم کوئی بڑی خبر سن لو گے۔'' میں نے سوبھراج کا قصہ چھیڑے بغیر کہا۔'' یہاں میں شدت سے تمہاری کمی محسوس کر رہا ہوں۔''

اس وقت تک میں نے اول خان کو سوبھراج کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ میرے ذریعے وہ خبر صرف جلال تک پہنچی تھی۔ مجھے اس سے یہ توقع نہیں تھی کہ اس نے اس بارے میں ازخود اول خان کو اعتماد میں لیا ہو۔ اول خان کو اس کامیابی کی ذرا بھی بھنک مل گئی ہوتی تو وہ میری آواز سن کر چھوٹتے ہی اس فتح کی مبارک باد دیتا۔

وہ بے خبر تھا، میں نے بھی اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔ سبب یہ نہیں تھا کہ میں اول خان سے وہ اہم ترین واقعہ چھپانا چاہتا تھا۔ وہ ذکر نکلتا تو بات بہت لمبی ہو جاتی۔ مجھے احساس تھا کہ جہانگیر سے میری تشنہ گفتگو ہوئی تھی، میں نے دوبارہ اسے فون کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ بے چینی سے میرے

فون کا انتظار کررہا ہوگا۔
اول خان سے بات ختم کرکے میں نے جہانگیر کو فون کیا تو اس کی آواز میں عجیب سی بے رونقی رچی ہوئی تھی۔ اول خان کے آدمیوں کے ہاتھوں ہوپر کی لاش کا حشر دیکھ کر وہ دہل گیا تھا۔ ان دونوں نے فلیٹ پر پہنچ کر اس سے صرف لاش کے بارے میں پوچھا تھا۔ جہانگیر انہیں لاش والے کمرے میں لے گیا۔ انہوں نے جہانگیر سے مزید کچھ کہے سنے بغیر، ہوپر کے بے جان وجود کو بے رحمی سے سمیٹ کر بوری میں ٹھونسنے کا کام انجام دیا۔ اپنے ساتھی کی مدد سے توانا شخص نے اس وزنی بوری کو اپنی پشت پر لادا، دوسرے نے اس بوری کے ابھار وغیرہ درست کیے تاکہ کسی دیکھنے والے کو اس بوری میں کسی انسانی وجود کی موجودگی کا شبہ نہ ہو سکے۔ اس کام سے مطمئن ہوکر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔

''ہم لوگ بھی ماضی میں بہت کچھ کرتے رہے لیکن میں نے ایسی سرد مزاجی اور سفاکی اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھی ہے۔'' وہ بے جان لہجے میں کہہ رہا تھا۔
''ہماری مٹی کے دشمن اس سے برے سلوک کے مستحق ہوتے ہیں۔ اب تم بھول کر بھی اس کا ذکر اپنی زبان پر نہیں لاؤ گے۔ تم نے اسے دیکھا ہے نہ وہ تمہارے فلیٹ پر آیا تھا۔'' میں نے کہا۔
''میں سمجھ گیا۔'' اس نے جلدی سے جواب دیا ''میری تسلی کے لیے اتنا بتادو کہ چھ فٹ کی اس لاش کا کیا، کیا جائے گا؟''
''میں بہت دور بیٹھا ہوا ہوں۔ یہ سب اول خان کے سوچنے کی باتیں ہیں۔ تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ تم نے اس غلیظ زدہ لاش سے نجات حاصل کرلی۔ اب سلمٰی کو سنبھالنے کی فکر کرو۔ پہلا خون انسان کو اندر سے ہلا کر رکھ دیتا ہے۔''
''وہ دہشت زدہ ہے، اسے غشی کے دورے پڑ رہے ہیں، اس وقت بھی وہ بے ہوش ہے۔'' جہانگیر کی مایوسانہ آواز آئی۔
''اسے دیکھتے رہو۔ کوئی خواب آور دوا دے کر اس کے اعصاب کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ رات کو دہشت سے چیخنے چلانے لگے اور تمہارا بھانڈا پھوٹ جائے۔''
جہانگیر دودھ پیتا بچہ نہیں تھا۔ اسے شی کی ہولناک اور خون آشام سرگرمیوں سے کنارہ کش ہوئے ایک مدت بیت

چکی تھی لیکن سکہ بند محاذ آرائی کے سارے گر اس کے خون میں شامل تھے۔ یہ اور بات تھی کہ شراب کے نشے میں مدہوش ہوکر، سلمٰی کا کھلونا بننے کے لیے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجاتا تھا۔ اچھی بات یہ تھی کہ اس وقت وہ نشے میں نہیں تھا۔ اگر رات کی مے نوشی کا کوئی خمار باقی تھا تو ہوپر نے اسے کافور کردیا تھا۔
اسے معاملے کی سنگینی کا احساس دلا کر میں نے فون بند کردیا۔
اس دوران میں غزالہ بہ دستور ٹیلی وژن دیکھنے میں مصروف رہی تھی مگر اس کے کان میری طرف لگے ہوئے تھے۔
''تم ہر وقت ٹیلی وژن پر کیا دیکھتی رہتی ہو؟'' اپنی مصروفیات ختم کرنے کے بعد، میں نے غزالہ کے شانے پر ہاتھ مار کر تمسخر سے پوچھا۔
''بے کار بیٹھنے سے مصروف رہنا بہتر ہوتا ہے، کچھ نہ کچھ معلوم ہوتا رہتا ہے۔'' اس نے مسکرا کر مجھے چڑانے والے انداز میں جواب دیا۔
''مجھے وقت نہیں ملتا۔ کوئی کام کی بات سنی ہو تو مجھے بھی بتادو۔''
''اندرون خانہ ہونے والی محاذ آرائی سے سب بے خبر ہیں۔ لے دے کر لوپ بوری کا واقعہ رہ گیا ہے، اس کی تفتیش راجن کی مرضی کے مطابق جارہی ہے۔''
''تم نے اتنا بڑا نتیجہ کس بات سے اخذ کرلیا؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔
''تھوڑی دیر پہلے کی خبروں میں بتایا جارہا تھا کہ لوپ بوری کا واقعہ ڈکیتی میں مزاحمت کی کوشش کا نتیجہ ہے!'' غزالہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں بتایا۔
''کیا یہاں کی پولیس واقعی اتنی نکمی ہے کہ اسے آسان ترین راستے کے سوا اور کوئی راہ نظر نہیں آتی۔'' میں نے حیرت سے کہا۔
''سب کچھ نظر آتا ہوگا مگر چشم پوشی بھی کوئی چیز ہے۔ جب بنکاک کا پولیس کمشنر ہاتھ باندھ کر راجن کے سامنے کھڑا رہتا ہے تو لوپ بوری جیسی چھوٹی جگہ کے سرکاری اہل کار کس گنتی میں ہیں۔ وہ وہی دیکھیں گے جو راجن انہیں دکھانا چاہتا ہے۔''
''وہاں سے کون سا خزانہ لٹا ہے جو اسے ڈکیتی کی واردات بنادیا گیا؟''
''کہا جارہا ہے کہ نرائن پرشاد شرما کے پاس ایک

چھوٹے بریف کیس میں دس لاکھ بھات کی رقم موجود تھی۔ اس بریف کیس کا کہیں سراغ نہیں ملا......''

''یہ بکواس ہے!'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔''سیٹ لائٹ فون والے بریف کیس کو رقم سے بھرے ہوئے بریف کیس کا نام دے دیا گیا ہے، وہ راجن کے قبضے میں ہے۔''

''میں خبر سنتے ہی یہ بات سمجھ گئی تھی۔'' غزالہ ہنستے ہوئے بولی''کہانی یوں بنائی گئی ہے کہ راجن کے ڈرائیور نے ڈاکوؤں کو روکنے کی کوشش کی، انہوں نے اسے گولی ماردی۔ ڈرائیور کا یہ حشر دیکھ کر شرما خوف زدہ ہوگیا۔ ڈاکوؤں سے اپنی جان بچانے کے لیے وہ پچھلے راستے سے کھیتوں میں نکل گیا۔ ڈاکو رقم کا بریف کیس لے کر بھاگ گئے، شرما بھٹک کر جنگل کی طرف نکل گیا۔ وہاں جنگلی درندوں نے اسے اپنی خوراک بنالیا۔''

''تمہارا اندازہ سو فی صد درست ہے۔ یہ کہانی راجن کی مرضی کے مطابق بنائی گئی ہے۔ کسی کو یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ شرما اتنی بڑی رقم کیوں ساتھ لے کر گھوم رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ راجن نے ایک تیر سے دو شکار کیے ہوں۔ سوبھراج پاکستان سے خالی ہاتھ یہاں نہیں آیا ہوگا۔ ڈکیتی کی آڑ میں راجن اس کی رکھوائی ہوئی رقم پی جائے گا۔''

''وہ شرما کے نام سے مرا ہے اس لیے سوبھراج کی کسی رقم کا سوال پیدا نہیں ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ دس لاکھ کی رقم زیب داستان کے لیے ڈالی گئی ہے۔''

''اس خبر کے لیے میں تمہارا ممنون ہوں۔ ٹیلی وژن دیکھتی رہا کرو تاکہ ہمیں اپنے دشمن کے رخ کا اندازہ رہے۔ ضرورت پڑنے پر راجن کو اس کہانی کی خامیاں سمجھا کر خاصا ہراساں کرسکوں گا۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

بقیہ وقت میں نے کمرے میں رہ کر گزارا۔ میری غیر حاضری میں غزالہ ہوٹل کی فارمیسی سے میرے لیے ایک کریم اور کوئی ہومیو پیتھک دوا لے آئی تھی۔ دوا کھلانے کے ساتھ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے میرے چہرے کے نیلے نشانات پر کریم لگاتی رہی جس کے نتیجے میں وہ نشان تیزی سے مندمل ہونے لگے۔

تین گھنٹے بعد اول خان کا فون آگیا۔ اس نے بتایا کہ میری ہدایت کے مطابق ہوپر کی لاش کو حیدرآباد کے نواح میں بہنے والی ایک نہر میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

کراچی میں ایس ٹی ایف کے پاس کوئی ہیلی کاپٹر نہیں تھا۔ کسی اور محکمے یا ادارے سے ہیلی کاپٹر حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی تو اس میں وقت کے زیاں اور بات پھیلنے کا خطرہ تھا۔ وہ ایک اہم غیر ملکی کی لاش کا معاملہ نہ ہوتا تو اول خان ہر خطرہ مول لے لیتا۔ ہوپر کے معاملے میں وہ ہر احتیاط پر کاربند رہنا چاہتا تھا۔

اس نے ہیلی کاپٹر کے استعمال کا ارادہ ترک کردیا۔ جہانگیر کے گھر سے لاش آتے ہی، اپنے آدمیوں کو ایک جیپ سے حیدرآباد کی طرف روانہ کردیا۔ یوں وہ معاملہ پوری رازداری کے ساتھ طے پا گیا۔ اب یہ ہوپر کے نصیب کی بات تھی کہ اس کی لاش کب تک پانی میں رہتی۔ اس کی گاڑی ذرا مشکل سے تلاش کی جاسکی۔ بعد میں اسے کینٹ اسٹیشن کی پارکنگ لاٹ میں لاوارث چھوڑ دیا گیا۔

اس کی بازیابی سے اول خان کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ پانی میں پھولنے کے بعد لاش کہیں نہ کہیں سطح آب پر ابھرتی اور کنارے کی جھاڑیوں وغیرہ میں پھنس جاتی۔ اسے دیکھ لیے جانے کے بعد علاقے کی پولیس اپنی کارروائی شروع کردیتی۔

''یہ ایک بہت بڑا سوال ہوگا کہ اس علاقے میں ہوپر کا دشمن کہاں سے پیدا ہوگیا؟'' اول خان سے میری بات ختم ہونے کے بعد غزالہ نے نکتہ اٹھایا۔

''ہم نے اپنا کام کرلیا ہے، آگے کیا ہوگا......اس کا انحصار اس علاقے کی پولیس کی صوابدید پر ہوگا۔'' میں نے کہا ''ایسے واقعات میں دو باتیں محل نظر ہوتی ہیں۔ مرنے والے کو کسی نے ڈبویا ہے یا وہ خود پانی میں کودا ہے۔ ہوپر کے بدن پر پورا لباس موجود ہوگا جو تفریحی تیراکی کے امکان کو ختم کردے گا۔ اس کے بعد ڈوبنے اور ڈبوئے جانے کا مسئلہ باقی رہ جائے گا۔ ہوپر کی اس علاقے میں موجودگی کے اسباب اور اس کی کسی دشمن کی نشان دہی کی ذمے داری اس کے ہمدردوں اور افسروں پر ہوگی۔ پولیس پر کوئی ذمے داری نہیں آئے گی۔''

''آپ کی بات سمجھ میں آرہی ہے۔'' غزالہ بولی ''اصل واقعے کا کسی کو علم نہیں ہوگا۔ پولیس ایک نظریہ پیش کرسکتی ہے۔ اس کو صحیح یا غلط ثابت کرنے کی ذمے داری ان لوگوں پر ہوگی۔ انہوں نے اپنی زبانیں بند رکھیں تو ہوپر کی موت کو اتفاقی حادثہ قرار دے کر فائل داخل دفتر کردی جائے گی۔ جہانگیر پر آنچ آنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''جہانگیر کو پھنسوانے کے لیے انہیں اس کا نام لینا ہوگا۔ وہ مسلسل گھر میں موجود رہا ہے۔ لاش حیدرآباد کے مضافات

سے ملے گی۔ یہ معمّا ان کے کیس کو کمزور کردے گا۔ اسے پھانسنے کے چکر میں وہ خود مصیبت میں گھر جائیں گے۔''

''کیا یہ خوشی کی بات نہیں ہے کہ ان کا ایک آدمی مفت میں صاف ہو چکا ہے؟''

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور کہا ''تم سطحی بات سوچ رہی ہو، میں جہانگیر کے لیے فکرمند ہوں۔ پہلے سوبھراج اس کا دشمن ہو رہا تھا، اب امریکی اس کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں۔ ان کے پاس نفری کی کمی نہیں ہے۔ ہوپر کی جگہ کوئی اور لے لے گا۔''

''ابھی آپ خود کہہ رہے تھے کہ جہانگیر پر کوئی آنچ آنے کا خطرہ نہیں ہے۔''

''یہ قانونی پوزیشن ہوگی، حقیقت تمہارے سامنے ہے۔ اپنے ہیر پھیر سے ہم انہیں دھوکا نہیں دے سکتے۔ وہ جان لیں گے کہ ہوپر کو جہانگیر یا اس کی بیوی نے مار کر لاش غائب کروائی ہے۔''

''یہ بھی بڑی بات ہوگی۔ وہ جہانگیر سے خوف زدہ ہو جائیں گے۔ اس پر کوئی نیا وار کرنے سے پہلے دس بار سوچیں گے۔''

''اب انتظار کرو کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس نے جہانگیر کو اپنے بارے میں ہر بات درست بتائی ہو۔''

''اس بات پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امریکی تھا۔''

میں نے غزالہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ عارضی طور پر وہ قصہ نمٹ چکا تھا۔ اول خان نے اس گتھی کو سلجھانے میں بے مثال تعاون کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کی جگہ جلال ہوتا تو وہ بھی اس طرح جہانگیر کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔

رات کو ہم دونوں کھانے کے لیے ہوٹل کے ایک ریستوران میں جانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ غیر متوقع طور پر اول خان کا فون آ گیا۔

''تم کہو گے کہ اب میں نے تمہارا نمبر دیکھ لیا ہے۔'' وہ پر مزاح لہجے میں کہہ رہا تھا ''ہمارے کہنے سننے کا کوئی اثر نہیں ہوا مگر اب خیر سے بدھو گھر لوٹ آئے ہیں۔''

''کس بدھو کا ذکر کر رہے ہو؟'' میں نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے سوال کیا ''ایک کو تو صبح تیرا کی کے مشن پر روانہ کر چکے ہو۔''

''وہ بدھو نہیں، سیانا تھا۔ میں تمہارے دوست کا ذکر کر رہا ہوں۔ وہ دوبارہ اسٹیشن فورآ گیا ہے۔'' اول خان نے انکشاف کیا۔

''کیا تم جہانگیر کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہوپر کو مار لینے کے بعد وہ اتنی جلدی گھر سے نکل بھاگے گا۔

''ہاں، میں اسی کے پاس بیٹھا ہوا ہوں، تم اس سے بات کر لو۔'' اول خان نے یہ کہہ کر اپنا موبائل فون جہانگیر کو دے دیا۔

''میں لوٹ آیا ہوں۔ گھر پر سلمیٰ سنگین مسائل پیدا کر سکتی تھی۔'' میرے کان میں جہانگیر کی بھرّائی ہوئی اور افسردہ آواز گونجی ''ہوپر کا خون اس کے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ میرے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے۔''

''اور تم گھبرا کر اسٹیشن فورآ گئے؟'' میں نے تصدیق چاہی۔

''صرف یہی سبب نہیں تھا۔ میرے پاس ان خبیثوں کے فون آنا شروع ہو گئے، پہلے ہوپر کے بارے میں پوچھا گیا، میں نے لاعلمی ظاہر کی اور فون بند ہو گیا......''

''وہ کوئی غیر ملکی تھا؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

''پہلا فون کسی مقامی کا تھا۔ دوسری کال کرنے والے کا لب ولہجہ امریکن تھا۔ وہ دل کھول کر مغلظات بکتا رہا۔ اس نے دھمکیاں دیں کہ ہوپر کو ذرا بھی نقصان پہنچا تو وہ میری زندگی جہنم بنا دے گا۔'' اس نے بتایا۔

''ایک بات صاف ہو گئی کہ اس کا نام ہوپر ہی تھا۔ تم کو ان فون کالز سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچ رہے ہیں۔ کرنے والے خاموشی سے اپنا کام کر گزرتے ہیں، دھمکیاں نہیں دیتے۔''

''تیسری کال نے میرے پیر اکھاڑ دیے۔ اس نے ایسی بھیانک باتیں کیں جو میری برداشت سے باہر تھیں۔ میں نے اول خان کو فون کیا اور یہاں آ گیا۔''

''اس نے ایسی کیا باتیں کہہ دیں؟'' میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''گندی اور خبیثانہ باتیں تھیں۔ کہہ رہا تھا کہ وہ میری بیوی کو اٹھوا لے گا، تین چار بدمعاش اس کی بے آبروئی کریں گے پھر اسے ان کے خرچ پر چلنے والی ایک این جی او کے حوالے کر دیا جائے گا۔ میری بیوی رو رو کر اپنی مظلومیت کی کہانی سنائے گی جو ملک بھر کے اخبارون میں چھپے گی اور میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔''

''این جی اوز والی بات درست ہے۔ یہ لوگ ان پر پانی کی طرح پیسا بہا رہے ہیں۔ یہ خاکی انڈے سماجی کام کرنے

"میں دانستہ خاموش ہوں۔ اسد کے یہاں سے نکل جانے سے پہلے میں اسے ذرا بھی چھیڑنا نہیں چاہتا۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اسد کی پرواز نو بجے کی تھی۔ اب تک وہ آدھے سے زیادہ راستہ طے کر چکا ہوگا۔" غزالہ بولی "راجن کتنا ہی بارسوخ سہی، اڑ جانے والے جہاز کو واپس نہیں بلا سکتا۔"

"ہاں...... آں......؟" میں نے بے خیالی میں کہا

"بعض اوقات پروازوں کی روانگی میں دیر سویر بھی ہو جاتی ہے، میں کل اسے دیکھوں گا۔"

"پرواز کی روانگی میں تاخیر ہوتی تو وہ آپ کو فون ضرور کرتا۔"

"سچ پوچھو تو اسے ایرپورٹ کے لیے روانہ ہونے سے پہلے مجھے فون کرنا چاہیے تھا۔" میں نے ہلکے سے شکایتی لہجے میں کہا "ایجنسیوں والے شاید ایسے ہی بے مہر ہوتے ہیں۔ جب تک وہ یہاں تھا، میں اس کا معتمد خاص تھا۔ اب میرا اور اس کا کیا واسطہ!"

"بعض اوقات آپ ضرورت سے زیادہ حساس ہو جاتے ہیں۔ وہ بہت مختصر نوٹس پر یہاں سے واپس گیا ہے، گھر والوں کے لیے خریداری وغیرہ بھی کی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھاگ دوڑ میں ایرپورٹ پہنچا ہو۔ اسے فون کرنے کا وقت نہ ملا ہو۔"

غزالہ کی دلیل قرین قیاس تھی۔ میں نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ اس کی خطا کو درگزر کر دیا۔

میں آرام سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ غزالہ کو اسد کی روانگی کی فکر لاحق ہو گئی۔ اس نے اسد کا موبائل فون نمبر ملایا۔ اس پر فون بند ہونے کے بارے میں انگریزی اور تھائی زبانوں میں ریکارڈنگ چل رہی تھی۔ اس نے اپنا اطمینان کرنے کے لیے دوبارہ کوشش کی لیکن نتیجہ وہی رہا۔

جہازوں کے حساس آلات میں خلل کے پیش نظر ان دنوں روانگی کے وقت مسافروں سے موبائل فون بند کرنے کی درخواست کی جاتی تھی۔ ویسے بھی بنکاک چھوڑ دینے کے بعد اسد کے لیے وہ فون بے مصرف ہو چکا تھا۔ ریکارڈنگ اس بات کی غماز تھی کہ وہ پروگرام کے مطابق اپنے سفر پر روانہ ہو چکا تھا۔

پھر غزالہ نے ہوٹل کے آپریٹر کے ذریعے بنکاک کی فلائٹ انکوائری کا نمبر ملوایا۔ اسے اس کی پرواز کا نمبر معلوم نہیں تھا۔ اس نے نو بجے کراچی جانے والی پرواز کے بارے میں دریافت کیا اور جواب سن کر فون بند کر دیا۔

''تم اس کی روانگی کی تصدیق کے لیے اتنی مضطرب کیوں ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ کا شبہ دور کررہی تھی۔ پرواز اپنے مقررہ وقت پر روانہ ہوئی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ اس سے ہماری صحت پر کیا فرق پڑتا ہے؟'' میں نے انجان بن کر سوال کیا۔

''وہ جاچکا ہے، راجن اس کے لیے کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرسکتا۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ خالی رہ کر وقت گزارنے کے بجائے راجن کو ٹٹول لیں۔''

میں خود بھی اسد کی روانگی پر راجن کا ردِعمل جاننا چاہتا تھا لیکن اس روز جہانگیر کے معاملے نے مجھے اس قدر فکرمند کردیا کہ دوسری تمام ترجیحات میرے ذہن سے نکل گئیں۔ میں نے غزالہ سے جو کچھ کہا وہ چھیڑ چھاڑ کی حد تک تھا ورنہ راجن کے معاملے میں میری اور اس کی سوچ میں کوئی تضاد نہیں تھا۔

اپنے اصل یعنی ڈینی کے روپ میں، میں راجن سے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون پر بات کرچکا تھا۔ اسد کے معاون کی حیثیت سے میری اس سے روبہ رو ملاقات ہوچکی تھی۔

بنکاک کے بدمعاشوں میں، میں نے ایک خاص بات مشترک دیکھی کہ وہ اپنی طاقت کے زعم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اپنے کسی بھی ملاقاتی کے بارے میں تجسس کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے۔ میں پہلی بار ڈان برنارڈ سے ملا تو اس نے میرے ماضی کے بارے میں سوال کیے نہ میری قومیت جاننے کی کوشش کی۔ یہی صورت حال راجن کے ساتھ پیش آئی۔ وہ اسد سے ملاقات کا خواہش مند تھا اور میں اسد کا معاون بنا ہوا تھا۔ اس نے مجھے اس بری طرح نظر انداز کیا کہ پوری ملاقات میں میرا نام تک جاننے کی کوشش نہیں کی۔

میں بنکاک میں علی احمد کے نام سے مقیم تھا۔ میں راجن پر اپنا وہ نام ظاہر کرتا تو اس کو میرے بارے میں بہت کچھ پتا چل جاتا۔ کوئی فرضی نام بتاتا اور کسی مرحلے پر اس سے ملنے کی نوبت آجاتی تو کھوج لگانے کے لیے میرا پیچھا کیا جاسکتا تھا، یوں ناموں کا تضاد ابھر کر راجن کے سامنے آجاتا۔ اسے آسانی سے پتا چل سکتا تھا کہ میرے چاؤ فان سے مراسم تھے۔ شاید وہ میرے اور ڈان کے تعلقات کا سراغ بھی لگالیتا۔ میرے لیے وہ صورتِ احوال بہت خطرناک ہوسکتی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ میں راجن کا سامنا کرنے سے گریز کروں۔

''تم چاہتی ہو کہ میں اسی وقت راجن سے بات کروں؟'' میں نے غزالہ پر احسان جتاتے ہوئے پوچھا اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

مجھے موبائل فون اسد نے دلایا تھا۔ اس کے چلے جانے کے بعد میرے لوکل موبائل فون کا نمبر صرف ڈان اور چاؤ فان کو معلوم تھا۔ میں نے اس گفتگو کے لیے ہوٹل کا فون استعمال کرنے کے بجائے موبائل کو ترجیح دی۔

غزالہ نے میرا اشارہ پاکر ٹیلی وژن کی آواز بند کردی۔ میں نے موبائل پر موتی محل کا ایک نمبر ملالیا جو میں نے پاکستان میں جلال سے حاصل کیا تھا۔

فون کسی لڑکی نے اٹھایا۔ اس نے تھائی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے انگریزی میں اسے بتایا کہ مقامی زبان میرے لیے اجنبی تھی۔ میں راجن سے بات کرنا چاہتا تھا۔

لڑکی نے معذرت چاہنے کے بعد انگریزی میں میرا نام دریافت کیا۔ میں نے اکبر بتادیا۔ وہ مجھے ہولڈ کرنے کی ہدایت کرکے غائب ہوگئی۔ میرے کانوں میں ایک مشہور بھارتی گانے کی دھن گونجنے لگی۔ چند لمحوں بعد وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔ لڑکی معذرت خواہانہ انداز میں راجن کی مصروفیت کی نوید سنارہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ میں چاہوں تو راجن کے لیے پیغام چھوڑ سکتا ہوں۔

''بے بی! یہ اہم مسئلہ ہے۔ اسے بتاؤ کہ میں اسد کا ساتھی ہوں۔ وہ میرے نام سے واقف نہیں ہے۔'' میں نے زور دے کر مربیانہ انداز میں کہا۔

لمحہ بھر کی خاموشی، مختصر سی موسیقی اور پھر ہلکی سی کلک کی آواز کے ساتھ میری کال کہیں منتقل کردی گئی۔

''تم فون کررہے ہو...... اسد کہاں ہے؟'' میرے کانوں میں راجن کی آواز گونجی۔ مجھے اطمینان ہوا کہ اس نے مجھ سے ممبئی والی بولی میں، بدتمیزی سے بات نہیں کی تھی۔

''ارجنٹ آرڈرز آگئے تھے۔ وہ رات کی فلائٹ سے واپس چلا گیا'' میں نے کہا۔

''چلا گیا......!'' اس نے تحیر زدہ آواز میں میری بات دہرائی پھر بولا ''میں اس کے پیغام کا انتظار کررہا ہوں۔ آدمی بھیجا تو اس کے فلیٹ پر تالا ہے۔ وہ کب تک واپس آئے گا؟''

''استاد! شاید وہ واپس نہ آئے۔ اس کی جگہ کوئی اور آئے گا۔''

''اوہو...... یہ برا ہوا۔ اب مجھے نئے آدمی کو دیکھنا ہوگا...... وہ سالا میرے لیے کیا کرے گا؟ اسے خود کچھ خبر نہیں

ہو گی۔''

''تمہاری خدمت کے لیے میں موجود ہوں۔'' میں نے پیش کش کی۔

''تم ڈینی کو جانتے ہو؟'' اس نے براہِ راست سوال کیا۔

''اچھی طرح جانتا ہوں۔ کل میں نے تمہاری باتیں غور سے سنی تھیں۔'' میں نے مختصر سا جواب دیا۔

''کل باتیں ہو رہی تھیں اور اسد اچٹ رہا تھا تو تم نے مجھے آنکھ ماری تھی؟''

میں اس کی زبان سے وہ حوالہ سننے کے لیے بے چین تھا۔ میں نے پرسکون لہجے میں کہا ''اسد تمہارے کام کا آدمی نہیں تھا۔ اچھا ہوا کہ وہ چلا گیا۔ میں نے آنکھ ماری تھی کہ اسی وقت فیصلہ نہ کرو، وقت دے دو۔ تم نے میری بات مان لی۔''

''تم میرے لیے کام کرو گے؟'' اس کا لہجہ تائید طلب تھا۔

''ضرور کروں گا مگر بہت احتیاط سے۔'' میں نے کہا ''ہم لوگ پیسا کمانے کے لیے سب کچھ چھوڑ کر پردیس میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر ڈینی بنکاک میں ہے تو وہ مجھ سے نہیں بچ سکتا۔ اس بہانے مجھے بڑی رقم مل گئی تو میرے سارے خواب پورے ہو جائیں۔ مجھے یہاں رہنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ میں وطن واپس جا کر اپنے گھر والوں کے ساتھ عیش کی زندگی گزاروں گا۔''

میری بات لمبی ہو گئی لیکن راجن نے درمیان میں لقمہ نہیں دیا۔ میں خاموش ہوا تو اس نے پوچھا ''میں احتیاط کا مطلب نہیں سمجھا!''

''استاد! میں عقل سے بالکل کورا نہیں ہوں۔ کل تم نے اسد کو بتا دیا تھا کہ اس نے تمہاری بات نہیں مانی تو اس کے ساتھ کیا کیا ہو سکتا ہے اور ہماری واپسی پر وہ ہو گیا۔ اتنی مار پڑی ہے کہ میرے جبڑے اب تک دکھ رہے ہیں۔''

''میں چاہتا تو وہ تم دونوں کو گولیاں بھی مار سکتے تھے۔ میں تم دونوں کو سبق سکھانا چاہتا تھا۔ تم کو اس واقعے سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے آدمی نے اسد سے معافی مانگ لی تھی۔ وہ قصہ وہیں ختم ہو گیا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم دونوں بہت بے جگری سے لڑے تھے۔ لڑنے بھڑنے والے مرد مجھے اچھے لگتے ہیں۔ تم کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔''

''کام بن گیا تو تم کتنا مال دو گے؟'' میں مطلب کی بات پر آ گیا۔

''دس لاکھ بھات!'' راجن کا جواب سنتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ وہ اس مد میں ایک پیسا بھی نہیں دینے والا تھا۔ کام نکلوانے کے بعد وہ مجھ سے پیچھا چھڑوانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جب کچھ دینے کی نیت نہ ہو تو دس ہزار اور دس لاکھ میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

''اور بیس لاکھ ڈالر کا کیا بنے گا؟'' میں نے انعامی رقم کے بارے میں پوچھا۔

''وہ بھی تمہارے ہوں گے۔'' وہ فیاضی کے مظاہرے پر تلا ہوا تھا۔

''میرے دن پھر جائیں گے۔'' میری طرف سے جوش کا مظاہرہ ضروری تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ میرا مقدر ڈینی کو یہاں کھینچ لایا ہے۔ اسے ڈھونڈنے کے لیے مجھے چھٹیاں کرنا پڑیں گی۔ بھاگ دوڑ اور خرچے کے لیے پندرہ بیس ہزار بھات چاہیے ہوں گے۔''

''فون کر کے کل کسی وقت آؤ اور رقم لے جاؤ!'' وہ بلا پس و پیش راضی ہو گیا۔

''استاد! یہ مشکل ہے۔ تم کو کوئی اور بندوبست کرنا ہو گا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''کیوں؟'' اس کے لہجے میں برہمی پیدا ہو گئی ''کیا یہاں آنے میں تم کو شرم آ رہی ہے، مہندی لگی ہوئی ہے تمہارے پیروں میں؟''

''تم کچھ بھی کہہ لو، میں موتی محل نہیں آ سکتا۔''

''میرے لیے کام کرنا ہے تو تم کو دس بار یہاں آنا پڑے گا۔'' پیسے کے لیے میری حرص سے واقف ہونے کی وجہ سے وہ مجھ پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہا تھا ''یہاں آنے میں تم کو کیا مشکل نظر آ رہی ہے۔''

''کل رات واپسی پر مار دھاڑ ہوئی تھی، کسی وقت گولیاں بھی چل سکتی ہیں۔'' میں نے کسی اشتعال کے بغیر کہا۔

''اوہ...... تو تم ڈر رہے ہو۔ سب کچھ تمہارے سامنے ہوا تھا۔ اس کی ذمے داری اسد پر آتی ہے۔ وہ اپنی ضد پر نہ اڑا رہتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ اسے سبق سکھانے کے لیے مجھے ہلکا سا بندوبست کرنا پڑ گیا۔''

''اس کے ساتھ میری بھی پٹائی ہوئی ہے۔'' میں نے شکوہ کیا ''میں تمہیں آنکھ مار کر اپنی طرف سے پیغام دے چکا تھا۔''

''چکی کے پاٹ چلتے ہیں تو گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس کے کوئی آرڈرز نہیں آئے۔ وہ ڈر کر یہاں سے بھاگا ہے۔ اوپر سے اصول

پرست اور ایمان دار بننے والے پہاڑ تلے آتے ہیں تو اسی طرح اپنی چوکڑی بھول جاتے ہیں۔" وہ ترش لہجے میں بولتا چلا گیا "تم سمجھ دار آدمی ہو' ایک ہلکے سے جھٹکے میں راستے پر آ گئے ہو' تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کل آؤ اور پیسے لے جاؤ۔"

"مجھے حاضری سے معاف کر دو۔" میں نے لجلجائی ہوئی آواز میں کہا "میں اپنے گھر کا اکیلا کمانے والا ہوں۔ لالچ میں پڑ کر اپنی جان کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ تمہارا کام پکا ہوگا۔ یہ میری گارنٹی ہے۔ میں دوبارہ موتی محل میں نہیں آؤں گا۔"

وہ بہت چالاک اور مکّار آدمی تھا۔ میرے اصرار پر غصہ دکھانے کے بجائے اچانک نرم پڑ گیا "تم عجیب باتیں کر رہے ہو۔ موتی محل نہیں آؤ گے تو کام کیسے چلے گا۔ ایسے کام مل جل کر کیے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے دور رہ کر بات نہیں بنتی۔ تم بلاوجہ میرے پاس آنے سے ڈر رہے ہو۔ میں دوستوں کا دوست ہوں۔ تمہارے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔"

یہ بات میں بھی جانتا تھا کہ اپنا مقصد حاصل کرنے تک وہ میرے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں کرے گا۔ اس سے ملنے میں میرے لیے ایک ہی خطرہ تھا کہ وہ اپنے ذرائع سے میری سرگرمیوں کے بارے میں بہت کچھ جان سکتا تھا۔ اس کی واقفیت میرے لیے موت کا پیغام بن سکتی تھی۔

"استاد! مجھے مجبور نہ کرو۔" میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا "تم بڑے آدمی ہو' مجھے تمہاری ہر بات پر اعتبار ہے لیکن میں اپنے دل کا کیا کروں۔ میرا دل ڈر رہا ہے۔"

"ایسا بزدل آدمی میرے لیے خاک کام کرے گا۔" تحمل اور برداشت کے باوجود اسے طرارہ آ گیا "اسد ڈر کر یہاں سے بھاگ گیا۔ تم ہو تو تمہاری جان نکلی جا رہی ہے۔ اس وقت نہیں آؤ گے تو بعد میں کسی نہ کسی وقت آنا پڑے گا۔ پتا نہیں تم کیا سوچ رہے ہو۔"

"پچھلی رات کے تجربے نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔" اس سے زبانی محاذ آرائی سے بچنے کے لیے میں نے الجھے الجھے انداز میں کہا "اس وقت میں نے تمہیں صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ اسد کی طرف سے کسی جواب کا انتظار نہ کرنا' وہ بنکاک سے چلا گیا ہے۔"

"اچھا کیا کہ تم نے یہ بات بتا دی۔ اس کی لمبی خاموشی پر میرا خون کھول رہا تھا۔ بات اس سے کچھ آگے بڑھی ہے تو ہم کو اس کے بارے میں بھی طے کر لینا چاہیے۔"

"میرا دماغ ماؤف ہو رہا ہے۔ میں اپنے بارے میں سوچ کر تمہیں جواب دوں گا۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"سوچتے ہوئے ایک بات اپنے ذہن میں ضرور رکھنا۔ تم موتی محل نہیں آئے تو خرچے کی رقم دینے کے لیے میرا کوئی نہ کوئی آدمی تم سے ملے گا۔ میری نیت میں فتور ہوا تو وہ تمہارے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ہوشیاری دکھانے کے چکر میں تم مارے جاؤ گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اعتراف کیا "مجھے شوق بہت ہے لیکن ایسے کاموں کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اسی لیے میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے اونچ نیچ پر غور کرنے کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔ میں تمہیں بعد میں جواب دوں گا۔"

"یہ یاد رکھنا کہ ایسے کاموں میں ایک دوسرے پر بھروسا کیے بغیر گاڑی نہیں چلتی۔ کام ہوتا ہے یا سرے سے نہیں ہوتا۔ اس میں بیچ کا کوئی راستہ نہیں نکلتا۔ تم نے جلدی جواب نہیں دیا تو میں کوئی اور طریقہ سوچوں گا۔" اس نے اپنی بات ختم کرتے ہی فون بند کر دیا۔

"آپ اس سے بہت عجیب انداز میں بات کر رہے تھے۔" غزالہ نے حیرت سے کہا "ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آپ نے خالی الذہنی کے عالم میں' میرے کہنے سے اس کا نمبر ملا لیا ہو۔"

"اگر اس نے بھی یہی اندازہ لگایا ہے تو میں اپنی کوشش میں کامیاب رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا "اس کے لیے میں اس وقت ڈینی نہیں' اکبر تھا...... اسد کا ایک نو آموز بلکہ نا آموز ساتھی۔ میں اناڑی بن کر ہی اسے اپنے پھندے میں لے سکتا ہوں۔"

"آپ کی باتوں میں بہت زیادہ تضاد تھا۔ ایک طرف آپ اس سے خرچ کے لیے پندرہ بیس ہزار بھات مانگ رہے تھے' دوسری طرف اس سے ملنے سے گریز کر رہے تھے۔ اس سے یا اس کے کسی آدمی سے ملے بغیر آپ کو رقم کیسے ملے گی۔" اس نے نشان دہی کی۔

"یہی بات وہ بھی کہہ رہا تھا۔ باتوں کا تضاد' خوف' ہچکچاہٹ...... یہ سب باتیں اسے یہ یقین دلانے کے لیے کافی ہیں کہ میں اس میدان میں بالکل ناتجربے کار ہوں' لالچ اور شوق میں اسد کے ساتھ اس سے ملنے کے لیے پہنچ گیا۔"

"اس سے آپ کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟"

"سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ بھول کر بھی اس کا ذہن میری طرف نہیں جائے گا۔ یعنی وہ یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ اکبر

اور ڈینی ایک شخص کے دو نام ہیں۔"

"اب پوری بات میری سمجھ میں آ گئی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی "ہوشیاری دکھانے کی صورت میں وہ بھی مکاری سے کام لے گا' بازی الٹ سکتی ہے۔ آپ بے وقوف بن کر اسے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"مگر چاؤ فان اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاتا ہے اور وائٹ ہاک کی تباہی کا پروگرام بن جاتا ہے تو میں راجن کو پہلے سے اس کی خبر دے دوں گا......"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں!" اس نے بوکھلا کر میری بات کاٹ دی "اس منصوبے پر عمل ضرور ہونا چاہیے' وائٹ ہاک تباہ ہو گئی تو راجن کا سارا غرور خاک میں مل جائے گا۔ اب آپ اس منصوبے سے پیچھے کیوں ہٹ رہے ہیں؟"

"مشکل یہ ہے کہ تم بال کی کھال نکالتی ہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اسے سب کچھ نہیں بتایا جائے گا۔ میں اسے یہ خبر دوں گا کہ شہر میں اس کے دشمن اسے کوئی بھاری نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ اس کے نزدیک میں یعنی اکبر احمق اور بزدل ہوں۔ وہ میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دے گا۔ وائٹ ہاک غرق ہو گی تو اسے ہوش آئے گا۔ اسے میری کہی ہوئی بات یاد نہ رہی تو میں خود اسے یاد دلاؤں گا کہ اس کے دشمنوں کی منصوبہ بندی کامیاب رہی' وہ غافل بیٹھا رہا اور وائٹ ہاک سمندر کے گہرے پانی میں ڈبو دی گئی۔ اس کے دل میں یکا یک میری قدر و منزلت بڑھ جائے گی۔"

"بہت پُر پیچ منصوبہ ہے۔" غزالہ نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کے ذہن میں ایسی کڑیاں کس طرح یکجا ہو جاتی ہیں۔"

"اس وقت راجن کو احساس ہو گا کہ کبھی کبھی کھوٹا سکہ بھی کام آ جاتا ہے۔ میرے کچھ کہے بغیر اسے یقین ہو گا کہ وائٹ ہاک ڈینی کی سازش کا شکار ہوئی ہے۔ اکبر کو اس تباہی کی پیشگی بھنک ملنے سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ اکبر اپنی بزدلی کے باوجود صحیح خطوط پر کام کر رہا ہے۔ اسے ڈینی کے حلقوں میں رسائی حاصل ہے۔"

"آپ نے اتنی آسانی سے یہ سب سوچ لیا' میرا ذہن یہ تفصیل سن کر دکھ رہا ہے۔ سب کچھ آپ کے اندازوں کے مطابق ہوتا رہا تو وہ اکبر کا گرویدہ ہو جائے گا۔"

"اس وقت میں اس سے اپنی شرائط منوا سکوں گا۔ وہ سامنے آیا اور مارا گیا۔ کبھی کبھی بگلے کا شکار کھیلنے کے لیے اس کے سر پر موم بتی جلانا پڑتی ہے۔"

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "سب کچھ آپ کے اندازوں کے مطابق ہوتا چلا گیا تو یہی ماننا پڑے گا۔ گولی سے شکار کرنے کے بجائے انتظار کرنا ہو گا کہ کب پگھلا ہوا موم بگلے کی آنکھوں میں اتر کر اسے اندھا کرے اور وہ پکڑا جائے۔"

"فی الحال یہ سب خیالی باتیں ہیں۔ پتا نہیں چاؤ فان کہاں مرا ہوا ہے۔ جب تک وائٹ ہاک کی تباہی کے انتظامات مکمل نہیں ہو جاتے' کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔"

بعض کام بہ ظاہر بہت آسان نظر آتے ہیں۔ ان پر عمل کرنے کا مرحلہ آتا ہے تو ایک ایک کر کے مسائل سامنے آنے لگتے ہیں۔ چاؤ فان نے سب بندوبست کر لیا تھا' ایک ماہر غوطہ خور کی تلاش نے اسے الجھایا ہوا تھا۔

بات صرف غوطہ خور کی ہوتی تو بنکاک میں معاوضے پر سیکڑوں پیشہ ور مل جاتے۔ وہاں ضرورت ایسے آدمی کی تھی جو راجن سے خوف زدہ نہ ہو' اس کے خلاف کام کرنے پر آمادہ ہو اور اس راز کا بہترین امین ثابت ہو سکے۔

مادام اس کی آخری کوشش تھی۔ میں تہیہ کر چکا تھا کہ ادھر سے ناکامی کی صورت میں وہ کام میں خود کر گزروں گا۔

ذمے داری اپنے سر لینے کا خیال آتے ہی میرا ذہن بیم گن کی طرف بھٹک گیا۔ اگر وہ نادر ہتھیار زیر آب کام کر سکتا تو میں وائٹ ہاک کے ساتھ کئی کرتب دکھا سکتا تھا۔

''ذرا بیم گن لے آؤ۔'' غزالہ کو ہدایت دے کر میں غسل خانے میں چلا گیا۔

وہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کا صاف ستھرا باتھ روم تھا جہاں ساری سہولتیں دستیاب تھیں اور کوئی فالتو چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ مجھے ایک بالٹی کی ضرورت تھی جس میں پانی بھر کر میں اپنا تجربہ کر سکوں۔

میں نے غزالہ کو اپنے مسئلے سے آگاہ کیا تو اس کا ذہن خوب صورت کچرے دان کی طرف گیا۔ اسے دیکھا تو وہ جالی دار تھا۔ روم سروس والے بالٹی مہیا کر سکتے تھے لیکن ان سے ایسا کوئی مطالبہ کرنا سرگوشیوں کو جنم دینے کے مترادف ہوتا۔

میں نے باتھ ٹب کا نل کھول کر اسے بھرنا شروع کر دیا۔ اس وقت وہاں اس سے بہتر کوئی چیز دستیاب نہیں تھی۔

''آپ کیا کرنا چاہ رہے ہیں؟'' میری سرگرمیوں میں ساتھ دینے کے باوجود غزالہ کچھ بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

جب میں نے اسے بیم گن کی زیر آب کارکردگی آزمانے کے بارے میں بتایا تو وہ مضطرب ہو کر بولی ''میں آپ کو اس کا مشورہ نہیں دوں گی۔ وہ پانی میں ناکارہ ہو گئی تو آپ ہمیشہ کے لیے ایک نادر ہتھیار سے محروم ہو جائیں گے۔''

''دوسرے آئی مین سے چھینی ہوئی ایک بیم گن ویرا کے پاس بھی ہے۔'' میں نے اس کی دلیل پر سنجیدگی سے غور کرتے ہوئے کہا ''وہ کسی قیمت پر اس سے دستبردار نہیں ہوگی۔ بیم گن ایک مرتبہ گئی تو پھر گئی۔ یہ تجربہ مہنگا ثابت ہو سکتا ہے۔''

ٹب تیزی سے بھرتا جا رہا تھا۔ غزالہ سے اتفاق رائے ظاہر کرنے کے باوجود جب میں نے ٹب کا نل بند نہیں کیا تو اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آنے لگے لیکن اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔

میں نے اپنی جیب سے سگریٹ جلانے والا دھاتی لائٹر نکالا اور آہستگی سے ٹب کے پانی میں ڈال دیا جس کی سطح کئی انچ بلند ہو چکی تھی۔ نل بند کرنے کے بعد میں نے غزالہ کے ہاتھ سے بیم گن لی، اس کا لاک ہٹایا اور نوزل کا رخ لائٹر کی طرف کر کے ٹریگر پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ خوفناک شعاعوں کی پتلی سی نیلگوں دھار نوزل سے خارج ہو کر پانی میں اتر گئی۔

شعاعوں کی دھار لائٹر پر پڑتے ہی ٹب میں سے ایسی آوازیں آئیں جیسے تپا ہوا سرخ لوہا یک بیک پانی میں ڈبو دیا گیا ہو۔ لمحہ بھر بعد لائٹر کا نام و نشان مٹ چکا تھا اور پانی بہت تیزی سے باتھ روم میں پھیلنے لگا۔

بیم گن کے ٹریگر سے انگلی ہٹا کر میں تیزی سے باتھ روم سے باہر نکل آیا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ شعاعوں نے لائٹر کو گلانے کے ساتھ سرامک کے باتھ ٹب کے پیندے میں بھی سوراخ کر دیا تھا جس سے پانی تیزی سے بہہ نکلا تھا۔

''تجربہ کامیاب رہا۔ شعاعیں پانی میں بھی کارگر رہتی ہیں۔ سطح آب پر رہتے ہوئے زیر آب نشانے کو کامیابی سے تباہ کیا جا سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ کے اس تجربے نے ہوٹل کا ٹب برباد کر دیا ہے۔ یہ لوگ آپ سے اس کا ہرجانہ وصول کریں گے۔'' غزالہ میری کارروائی سے خوش نہیں تھی۔

''پانی کی نکاسی کا بندوبست عمدہ ہے۔ دوسری نالیوں سے سارا پانی ذرا سی دیر میں بہہ جائے گا۔'' میں نے اسے بازوؤں میں سمیٹ کر مسہری کی طرف جاتے ہوئے کہا ''ہم دونوں ٹب استعمال نہیں کرتے۔ ہمیں کیا پتا کہ یہ سوراخ کب اور کیسے ہوا۔ تم کہو تو میں ہوٹل والوں کو زچ کر سکتا ہوں۔ وہ معافی مانگ کر ہمیں دوسرا کمرا دیں گے۔''

''ضرور دیں گے۔ آپ کی سنجیدگی اور متانت دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ نے ٹب میں بچوں جیسا کوئی تجربہ کیا ہوگا۔ شعاعوں کی تپش سے ٹب کسی طرح محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔''

اس کی بات اپنی جگہ درست تھی۔ لائٹر پر بیم گن سے لیزر فائر کرتے ہوئے میں اس نکتے کو فراموش کر گیا تھا۔ ہوٹل والوں کو یہ نہیں بتایا جا سکتا تھا کہ میں نے بیم گن کے ذریعے ان کے ٹب کو برباد کیا تھا۔ ٹب کی جگہ کوئی اور چھوٹی موٹی چیز ضائع ہوئی ہوتی تو اسے بازار سے خرید کر خاموشی سے تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ ٹب کے ساتھ ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس معاملے میں نجات کی ایک ہی راہ تھی کہ انجان بن کر ساری ذمے داری ہوٹل کے عملے پر ڈال دی جائے۔ مجھے قلق تھا کہ اس نقصان کے باوجود میں بیم گن کی زیر آب کارکردگی جانچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

بارہ بجے میرے لوکل موبائل فون کی گھنٹی بجی تو میرے دل کی دھڑکن بے اختیار تیز ہو گئی۔ وہ راجن یا چاؤ فان کے سوا کسی تیسرے آدمی کا فون نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وقت میرے لیے وہ دونوں ہی اہم تھے۔ ایک کی اہمیت منفی اور دوسرے کی مثبت تھی۔ میں نے فون اٹھایا تو اس کی اسکرین پر چاؤ فان کا نمبر روشن تھا۔

"اس وقت تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟" میں نے کال وصول کرتے ہی خوش دلی سے کہا۔ اسکرین پر اس کا نمبر دیکھتے ہی مجھے کسی اچھی خبر کی آس ہوگئی تھی۔
"ماسٹر! میں قسمت کا لکھا بھگت رہا ہوں۔ آخر کار وہ تیس ہزار بھات میں تیار ہوگئی ہے۔" اس کی آواز سے جوش اور جذبے کے بجائے تھکن کا اظہار ہو رہا تھا۔
"یہ قسمت کا نہیں، ڈان کا لکھا تھا۔" اس کی زبان سے ایک اچھی خبر سنتے ہی میرا موڈ خوشگوار ہوگیا "یہ مصیبت تم نے خود مول لی ہے۔ نمبر بڑھانے کے چکر میں تم اسے میری رپورٹ نہ دیتے تو یہ بکھیڑا نہ پھیلتا۔"
"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں اس کے سامنے جاتا ہوں تو عقیدت سے میری حالت غیر ہو جاتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ سب کچھ اس کے سامنے اگل دوں۔"
"تم نے مادام کی رضامندی کی خبر بھی اس کے سامنے اگل دی ہوگی!"
"ماسٹر! میرا انداق مت اڑاؤ۔ میں نے سب سے پہلے تمہیں فون کیا ہے۔ اب میں گھر جا رہا ہوں۔ اسے بتا دینا کہ کل رات کا پروگرام طے ہوا ہے۔ ہم دونوں تفصیلات کل طے کرلیں گے۔" اس کی آواز سے آزردگی مترشح ہو رہی تھی۔
"میں اسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔" میں نے مذاق کو طول دینے کے بجائے سنجیدگی اختیار کرلی "اسے کوششوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، وہ ٹھوس نتائج چاہتا ہے۔ چاند چڑھتا ہے تو دنیا دیکھ لیتی ہے۔ لانچ ڈوبے گی تو اسے بھی دنیا دیکھے گی۔ یہ بتاؤ کہ مجھے تو غوطہ خوری کی مشق کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"
"مادام بہت سور ما قسم کی عورت ہے، راضی ہوگئی ہے تو اکیلی سب کچھ کر گزرے گی۔ بس تمہیں اس کے ساتھ رہنا ہوگا۔"
چاؤ فان صبح سے شہر میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے، میں نے بات وہیں ختم کردی۔
ابتدا میں چاؤ فان نے جس طرح مادام کا ذکر کیا اس کی بنا پر میں نے اس تھائی عورت کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ کوئی خوش حال اور رنگین مزاج عورت تھی جو اس شہر خرابات میں پیشہ ازل سے وابستہ تھی۔ یہ اس کا شوق یا ہنر تھا کہ وہ غوطہ خوری میں بھی مہارت رکھتی تھی۔
چاؤ فان کی زبان سے مادام کی آمادگی کی خبر سن کر اس

برہم چاری کسی بھی قسم کا گوشت نہیں کھاتے۔ ایک جگہ کھلے میدان میں برہم چاریوں کا جلسہ ہو رہا تھا۔ کہیں سے ایک بیل رسا تڑا کر وہاں آ نکلا اور اس نے جلسہ گاہ میں تباہی مچادی۔ کئی حاضرین کو ٹکریں مار کر زخمی کر دیا۔ کرسیاں الٹ دیں۔ جلسہ درہم برہم ہوگیا۔ سب جان بچانے کے لیے اِدھر اُدھر دوڑے۔ کوئی کہیں چھپ گیا۔ کوئی درخت پر چڑھ گیا۔ ایک برہم چاری نے ہانپتے کانپتے ایک درخت کی آڑ میں پناہ لی۔ اس وقت بیل تباہی پھیلا کر آگے بڑھ چکا تھا۔
برہم چاریوں نے جاتے ہوئے بیل کی طرف آڑ سے دیکھا اور دھوتی سنبھالتے ہوئے دانت پیس کر خود کلامی کی "خواہ مخواہ ہی سبزیاں کھانے میں زندگی خراب کی...... یہ صلہ ملا ہے عمر بھر گوشت سے پرہیز کرنے کا......!"

عورت کی ذات میں میری دلچسپی یکایک بڑھ گئی تھی۔ میں جاننا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون تھی اور کس ڈھب سے اپنی زندگی گزار رہی تھی۔
چاؤ فان نے اگلی رات کی مہم میں میری اور مادام کی یک جائی کا ذکر کر کے میری آتش شوق کو بھڑکا دیا تھا۔

☆☆☆

اگلے روز چاؤ فان صبح دس بجے مجھے لینے کے لیے آ گیا۔ میں اپنے ہوٹل میں اس کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ نہ وہ اس ڈھنگ کا آدمی تھا کہ اسے کمرے میں بلایا جائے۔ اس کے بدنگاہی کے کئی واقعات میرے مشاہدے میں آچکے تھے۔
گاڑی میں شہر کی غیر معروف اور کشادہ سڑکوں پر گھومتے ہوئے اس نے رات کے پروگرام کے بارے میں انتظامات سے آگاہ کیا۔ اس میں اس کی دو بے نام ونشان موٹر بوٹس کو حصہ لینا تھا۔ نفری کل آٹھ نفوس پر مشتمل ہونا تھی کیونکہ دونوں میں سے کوئی کشتی چار افراد سے زیادہ کا بوجھ نہیں سہار سکتی تھی۔
اس کے منصوبے میں کئی خامیاں اور کمزوریاں تھیں۔ اس نے میرے مشورے فراخ دلی کے ساتھ قبول کرلیے۔ کم و بیش دو گھنٹوں کی مغز زنی کے بعد ہم اس مہم کی

جزئیات طے کرنے میں کامیاب ہو گئے جورات کے دو بجے شروع ہونا تھی۔

سب کچھ طے ہو چکا تھا۔ ظاہری طور پر وائٹ ہاک کی غرقابی چند گھنٹوں کی بات معلوم ہو رہی تھی۔ جاؤ فان نے مجھے ہوٹل کے قریب اتارا تو میرے ذہن میں راجن کے بارے میں ایک منصوبے نے جنم لینا شروع کر دیا تھا۔

غزالہ کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آخر کار وائٹ ہاک کی بربادی کا وقت آ پہنچا تھا لیکن اسے یہ جان کر مایوسی ہوئی کہ جاؤ فان کی موٹر بوٹس میں زیادہ گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اس کی شمولیت کا کوئی امکان نہیں تھا۔

میں چاہتا تو اس مہم پر غزالہ کو اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا۔ میں اشارہ کرتا تو جاؤ فان کی مجال نہیں تھی کہ وہ کوئی پس و پیش کرتا۔ اپنے آدمیوں میں سے کسی کو چھوڑ کر وہ بہ خوشی غزالہ کو ساتھ لینے پر تیار ہو جاتا لیکن مسئلہ وہی تھا کہ میں خود غزالہ کو غیر ضروری طور پر اس کے سامنے نہیں لانا چاہتا تھا۔

شام کو چھ بجے کے بعد میں نے راجن کو فون کرنے کا ارادہ کیا تو غزالہ چونک پڑی ''کیا آپ مخبری کرنے کے بارے میں واقعی سنجیدہ ہیں؟''

''اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے یہ بہت اہم چال ہوگی۔'' میں نے اسے بتایا ''ہو سکتا ہے کہ چند دنوں میں اس کا نام و نشان ہی باقی نہ رہے۔''

''اسے ذرا بھی سراغ مل گیا تو آج کی مہم ناکام ہو سکتی ہے۔ اس ناکامی میں بھاری جانی نقصان کا بھی اندیشہ ہوگا۔''

''میں بھی مہم میں شریک رہوں گا۔ مجھے خودکشی کرنے سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔'' میں نے اس کا رخسار تھپتھپاتے ہوئے کہا ''تم سن لوگی کہ میں اسے کس طرح بہکاتا ہوں۔''

میں نے موبائل فون پر راجن کا نمبر ملا لیا۔ اس بار مجھ سے کوئی باز پرس نہیں ہوئی۔ اس کی آپریٹر یا سیکریٹری کی آواز مختلف تھی مگر اس نے میرا مفروضہ نام سنتے ہی لائن راجن کو منتقل کر دی۔

''تم نے میری توقع سے پہلے فون کر لیا۔'' راجن کی بے پروایانہ آواز آئی۔ اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے خود سے بہت کم تر تصور کر رہا تھا۔ اس کی بات جاری رہی ''ڈرپوک آدمی بہت مشکل سے کوئی فیصلہ کر پاتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کہتے ہو۔''

''وہ مسئلہ اپنی جگہ برقرار ہے۔ میں نے تمہیں ہوشیار کرنے کے لیے فون کیا ہے۔'' میں نے منکسرانہ انداز میں کہا۔

اس نے مجھے آگے بولنے کا موقع نہیں دیا اور کہا ''تم میری فکر مت کرو۔ میں سوتے ہوئے بھی ہوشیار رہتا ہوں۔ بہت سے لوگ میری دیکھ بھال کرتے ہیں۔ مجھ سے صرف اپنی بات کرو۔''

''دشمن تمہیں کوئی بہت بڑا نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ مجھے یہ خبر اتفاق سے ملی تو میں نے سوچا کہ تمہیں بتا دوں۔'' میں نے ایک ہی سانس میں بات پوری کر ڈالی۔

''میں ایسی ہوائیوں کی پروا نہیں کرتا۔'' اس کی آواز سے بے پروائی جھلک رہی تھی ''تم کو یہ خبر کس نے دی ہے؟''

''ایسی خبر کون دے گا...... میں بتا رہا ہوں کہ مجھے اتفاق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے۔ اگر تم یقین نہیں کرتے تو نہ کرو، میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔''

''میں تمہارا احسان مند ہوں کہ تم نے میرا اتنا خیال کیا۔'' اس کے لہجے میں طنز کی ہلکی سی کاٹ تھی۔ وہ کہہ رہا تھا ''میرے دشمن میری نظروں میں رہتے ہیں، میں اپنی حفاظت کرنا جانتا ہوں۔ صرف ایک دشمن روپوش ہے۔ اس کے لیے میں نے تم کو دعوت دی ہے۔''

وہ میری زبان سے کچھ سننے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں خود بھی یہی چاہتا تھا کہ اس موضوع پر راجن سے میری زیادہ بات نہ ہو مگر مجھے یہ امید نہیں تھی کہ وہ میرے کہے ہوئے الفاظ کو اس بری طرح نظر انداز کرنے پر تل جائے گا۔

میں نے اپنا کام کر لیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ جب اسے وائٹ ہاک کی تباہی کی خبر ملے گی تو میرے الفاظ ایک دہشت ناک بازگشت کی طرح اس کے ذہن میں گونجیں گے اور وہ مجھ سے تفصیلی بات کرنے کے لیے بے چین ہو جائے گا۔

''ابھی میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا لیکن ڈینی کی تلاش شروع کر دی ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں آ گئی ہے کہ تم سے یا تمہارے آدمیوں سے ملے بغیر کام نہیں ہو سکے گا۔ میں کل یا پرسوں تک تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔''

''یہ نہ سمجھنا کہ تلاش کا کام میں صرف تم پر چھوڑ دوں گا۔'' اس نے وضاحت کی ''میرے آدمی شکاری کتوں کی طرح اسے تلاش کر رہے ہیں۔ تم سے میں نے صرف اس لیے بات کی ہے کہ تم اسد کے ساتھی ہو، اندر کی خاصی باتیں جانتے ہو گے۔ سب سے بڑھ کر اہم بات یہ ہے کہ تم ڈینی

کے ہم وطن ہو۔ پردیس میں آدمی اپنے ہم وطنوں سے آسانی سے ڈسا جاتا ہے۔ دوسروں کے مقابلے میں تمہاری کامیابی کا امکان زیادہ روشن ہے۔"

"یہ نصیب کی دوڑ ہے۔" میں نے حسرت سے کہا "بڑے انعام میرے مقدر میں لکھ دیے گئے ہیں تو تمہارا لشکر بھی ڈیبی تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

"جلدی فیصلہ کرو اور اپنی توجہ ڈیبی پر مرکوز رکھو' فضول باتوں پر دھیان مت دو۔" یہ کہہ کر راجن نے فون بند کر دیا۔

"آپ نے بہت خوب صورتی سے اپنی بات اس تک پہنچائی ہے۔" غزالہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے آپ کی وارننگ کو کوئی اہمیت نہیں دی۔"

"اگلی صبح نمودار ہونے سے پہلے وہ اپنی اس بے نیازی پر پچھتائے گا۔ دل چاہ رہا ہے کہ اب اس سے اپنے اصل روپ میں' سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون پر بات کروں تاکہ اس کے دماغ میں گھسا ہوا خناس نکل سکے۔"

"یہ ہرگز نہ کریں...... میں فون توڑ دوں گی۔" اس نے ہنس کر دھمکی دی۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ میں غزالہ سے باتوں میں مصروف رہا لیکن اس دوران میں میرے وجود میں رفتہ رفتہ عجیب سی بے چینی سرایت کرتی جارہی تھی۔ اس سے پہلے میں بہت بڑے بڑے معرکے سر کر چکا تھا لیکن کبھی ایسے بے نام اضطراب سے دوچار نہیں ہوا تھا۔ وہ تجربہ میرے لیے نیا اور پریشان کن تھا۔

غزالہ میری ہمدم اور رمز شناس تھی۔ اس نے وہ کشیدگی میری آنکھوں میں پڑھ لی اور مجھ سے اس بارے میں سوال کر بیٹھی۔ وہ میرے اندر کا ایک راز تھا' ایک ہلکی سی کمزوری تھی جسے میں اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہ رہا تھا۔ اس نے سوال کیا تو میں نے جھلاہٹ سی محسوس کی۔ اسے جواب دیتے ہوئے میرے اندر مزاحمت اور توانائی کی ایک لہر پیدا ہوئی اور میں تیزی کے ساتھ اس اضطراری کیفیت سے نکل گیا۔

غزالہ نے میرے ردعمل سے میرے موڈ کا اندازہ لگا لیا اور بات کا رخ ہوپر کی لاش کی طرف گھما دیا۔ اس کی لاش کو جہانگیر کے گھر سے نکال کر ٹھکانے لگائے کم و بیش ڈیڑھ دن گزر چکا تھا۔ لاش کے دریائی اچھال کے لیے وہ مدت بہت کافی تھی لیکن پاکستان سے اس بارے میں کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ میں خود بھی اپنے چکروں میں اس طرح الجھا رہا کہ اول خان کو فون کرنے کا خیال نہیں آیا۔ میں نے دل ہی دل

منگنی کے بعد ایک روز لڑکی نے خواب ناک لہجے میں اپنے منگیتر سے کہا "میں تمہارے تمام دکھوں اور پریشانیوں میں شریک رہوں گی۔"

"لیکن مجھے تو کوئی دکھ یا پریشانی نہیں ہے۔" لڑکا بولا۔

"میں شادی کے بعد کی بات کر رہی ہوں ڈیئر!" لڑکی نے سادگی سے کہا۔

میں فیصلہ کر لیا کہ اگلی صبح اس بارے میں خود پیش رفت کر کے کچھ پتا چلانے کی کوشش کروں گا۔

دس بجے ہم کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ شکم سیر ہونے کے بعد خون کا دوران معدے کی طرف منتقل ہوا تو وجود پر ہلکی سی سستی سوار ہونے لگی۔ ٹیلی وژن مسلسل آن تھا' غزالہ نے اس کی آواز بھی کھول دی۔

وقت کا سفر جاری رہا۔ رات کے ایک بجے میں لباس تبدیل کر کے روانگی کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ آخرکار چاؤ فان کا فون آ گیا۔ اس کی آواز تر و تازہ تھی' تھکن اور بیزاری کے اثرات کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔ اس نے ہوٹل کے قریب پہنچنے کی اطلاع دی تو مجھے فون پر ہنسی کی کھنکتی ہوئی نسوانی آواز بھی سنائی دی اور میرے کان کھڑے ہو گئے۔ شاید وہ درپیش مہم کے لیے مادام کو اپنے ساتھ لے کر آ رہا تھا۔

میں نے غزالہ کو خدا حافظ کہا' اس نے کامیابی کی دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کر کے خود کو کمرے میں مقفل کر لیا۔

مجھے انتظار کرنا پڑا نہ چاؤ فان کو میرے لیے رکنا پڑا۔ میرے باہر نکلتے ہی اس کی سیاہ اکارڈ میرے قریب رکی اور اس کے برابر والی نشست پر بیٹھی ہوئی گوری اور حسین خاتون کو دیکھ کر میں لمحہ بھر کے لیے بھونچکا رہ گیا۔

اس کے بارے میں چاؤ فان نے کسی مبالغے سے کام نہیں لیا تھا۔ وہ واقعی بلا کی حسین تھی۔ ستواں ناک' بڑی بڑی چمک دار آنکھیں اور مسکراتے ہوئے یاقوتی لب ہر تصنع سے پاک ہونے کے باوجود کشش انگیز تھے۔ وہ ان غیر معمولی لوگوں میں سے ایک تھی جنہیں پہلی نظر میں دیکھنے والا دیکھتا رہ جاتا ہے۔

گاڑی رکتے ہی وہ دروازہ کھول کر ایک ادا سے نیچے اتر آئی۔ اس نے مسکراتی ہوئی شوخ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ گاڑی سے اترنے کے بعد اس کی شخصیت اور نکھر آئی

تھی۔ وہ عام تھائی عورتوں کے برعکس دراز قامت تھی۔ اس نے بغیر آستینوں والی سرمئی ٹی شرٹ اور نہایت چست جینز پہنی ہوئی تھی۔ قدرت نے اسے خدوخال کے حسن کے ساتھ بے مثال جسمانی تناسب بھی عطا کیا تھا۔

شاید چاؤ فان نے اسے میرے بارے میں بتا دیا تھا۔ اگلی نشست سے اتر کر وہ کندھا مارتی ہوئی میرے قریب سے گزری اور مڑے بغیر پچھلا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''ماسٹر! گاڑی میں آ جاؤ!'' چاؤ فان کی مودّبانہ آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میرا خیال تھا کہ میں بس لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا تھا اور چاؤ فان کو اپنی حیثیت نہ فطرت کے اظہار کا موقع مل گیا تھا۔ میں پھرتی سے اس عورت کی خالی کی ہوئی نشست پر بیٹھ گیا۔

''ماسٹر! یہ مادام ہے۔ آج رات کے لیے تم دونوں ایک دوسرے کے معاون رہو گے۔'' اس نے گاڑی چلاتے ہوئے کہا۔

میں نے اخلاقاً اپنا سر گھمایا اور اس خوب رو خاتون نے بے حجابی سے اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے نرمی سے اس کا گداز اور ملائم ہاتھ اپنی گرفت میں لیا۔ میں چاؤ فان کو فقرہ بازی کا کوئی نیا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ عقب نما آئینے میں پیچھے کا جائزہ لے رہا ہوگا۔

مادام نے گرم جوشی سے میرا ہاتھ دبا کر کہا ''چاؤ فان تم سے ڈرتا ہے۔ کل سے ماسٹر، ماسٹر کی رٹ لگائی ہوئی تھی۔ ابھی راستے میں پتا چلا کہ تمہارا نام علی ہے۔ بہت چھوٹا اور خوب صورت نام ہے تمہارا!''

''یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے کہ چاؤ فان مجھ سے ڈرتا ہے۔'' میں نے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں اسے اپنا دوست سمجھتا ہوں۔''

''ماسٹر! یہ نہ کہو۔ میں تمہارا بہت احترام کرتا ہوں۔'' چاؤ فان بولا۔

اس کی منمنسی آواز سن کر مادام نے زندگی سے بھرپور، ایک ہلکا سا کھنکتا ہوا قہقہہ لگایا، پرجوش انداز میں دوسری دفعہ میرا ہاتھ دبایا اور چھوڑ دیا۔

''مجھے خوشی ہے کہ آج تم سے ملاقات ہوگئی۔ چاؤ فان ناموں کے معاملے میں بہت بے پروا ہے۔ تمہیں صرف مادام کہتا ہے۔ کیا یہ خطاب تمہیں ادھورا محسوس نہیں ہوتا؟''

''تعارف حاصل کرنے کا خوب صورت طریقہ ہے۔'' مادام نے میری بات کو سراہا ''تم مجھے لی کہہ سکتے ہو۔ میرا پورا نام لی سیاؤ پونگ ہے۔''

''لی سیاؤ پونگ!'' میں نے اس کا پورا نام دہراتے ہوئے کہا ''خاصا خوب صورت اور رسیلا نام ہے۔ مادام لی بھی کہا جا سکتا ہے، پتا نہیں یہ تمہیں مادام کیوں کہتا ہے۔''

''میرے پاس آوارہ اور خوشامدی مرد آتے ہیں۔'' اس نے بے حجابی سے اپنی مصروفیات کی تشریح بیان کر ڈالی ''وہ سب مادام کہتے ہیں۔ میرا اصل اور پورا نام بنکاک میں بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا۔''

میں نے اپنی نشست میں ترچھا ہوتے ہوئے پوزیشن تبدیل کی تو لی کی چمکتی ہوئی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''مادام! یہ زیادتی ہے۔ تم مجھے بھی ان مردوں میں شمار کر رہی ہو۔'' چاؤ فان نے اس سے احتجاج کیا ''میں آوارہ ہوں نہ خوشامدی۔ کبھی کبھی تم سے ملنے آتا ہوں۔''

''تم میرے اچھے دوست ہو۔ تمہارا ماسٹر بھی عمدہ آدمی معلوم ہوتا ہے۔ کام ہو جانے کے بعد کبھی اسے اپنے ساتھ لے کر میری طرف آؤ!''

''میں ماسٹر کو ضرور لاؤں گا۔'' چاؤ فان نے پورے خلوص سے کہا ''اب ذرا کام کے بارے میں کچھ بات ہو جائے۔ ساحلی کھاڑی میں پہنچتے ہی ہمیں تیاری کرنا ہوگی۔''

''تم اپنے حصے کے کام کے بارے میں سوچو۔'' لی نے جواب دیا ''میری بوٹ پر ایک پائلٹ اور دوسرا اس کا مددگار ہوگا۔ مجھے اس کے کیبن میں علی کی مدد سے غوطہ خوری کا لباس پہننا ہے اور میں تیار ہو جاؤں گی۔ بوٹ مجھے سفید لانچ کے قریب پہنچا دے گی تو میں سامان لے کر پانی میں اتر جاؤں گی۔ مجھے اور کون سے ہل چلانا ہیں!''

لی کا بیان سن کر مجھے اپنی کنپٹیاں چٹختی ہوئی سی محسوس ہوئیں۔ چاؤ فان سے بھی فوری طور پر لی کی بات کا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ گاڑی کے کیبن میں سحر انگیز سکوت چھا گیا۔

چاؤ فان شہر کی کشادہ اور خالی سڑکوں پر اپنی گاڑی کو بہت برق رفتاری سے اس ویران ساحلی علاقے کی طرف دوڑا رہا تھا جہاں ایک کھاڑی میں اس کے آدمی سارے ساز و سامان کے ساتھ ہمارے منتظر تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤ داور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بنیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بنیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ ساماے نامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ ساماے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخرو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مفاہمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گزشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ اس نے مجھے آگاہ کیا کہ ایک عورت وائٹ ہاک میں بم نصب کرنے پر تیار ہو گئی ہے یہ ایک بہترین خبر تھی میں چاؤ فان کے ساتھ اس عورت جس کا نام مادام لی تھا سے ملنے روانہ ہو گیا۔

اب آپ قسط نمبر 251 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

وہ سفر طویل تھا۔ گاڑی میں کچھ دیر سکوت چھایا رہا۔ رات کے گہرے سناٹے میں چاؤ فان کی سیاہ اکارڈ شہر کی سڑکوں پر تقریباً بے آواز دوڑی چلی جا رہی تھی۔ گاڑی کے چاروں شیشے چڑھے ہوئے تھے اس لیے انجن کے باہر پھیلنے والی آواز اندر نہیں سنائی دے رہی تھی۔ شاید ہر مہنگی اور بڑی گاڑی میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ اندر بیٹھنے والے سوار باہر کے شور و غل اور آلودگی سے محفوظ رہتے ہیں۔ گاڑی کا ایئر کنڈیشنر شروع سے چل رہا تھا۔ باہر کی گرمی اور حبس کے

مقابلے میں اندر کا موسم بہت خوشگوار تھا۔

''ابھی میں نے غور کیا۔'' اچانک گاڑی کے کیبن میں لی کی پر اشتیاق آواز ابھری ''میرے اور تمہارے نام میں حیرت انگیز یکسانیت ہے۔ لی اور علی' دونوں میں ذرا سا فرق ہے۔''

جو کچھ کہا گیا' وہ میرے لیے تھا۔ اس کا جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے کسی خاص دلچسپی کے بغیر کہا ''کیا تم اتنی دیر سے خاموش رہ کر اسی نکتے پر غور کر رہی تھیں۔''

اس نے ہلکا سا' زندگی سے بھرپور قہقہہ لگایا ''تم دراز قامت اور صحت مند ہو۔ تمہارا وجود ایک نقطے سے کہیں زیادہ ہے۔'' اس نے انگریزی لفظ پوائنٹ کے دہرے مفہوم سے فوری فائدہ اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوں......!'' گاڑی میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں چاؤ فان کی معنی خیز آواز ابھری ''تم ماسٹر کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔''

''تم خود بتاؤ۔'' لی اس سے مخاطب ہوگئی ''کیا ایسا شان دار آدمی اس قابل نہیں ہے کہ اس کے بارے میں سوچا جائے۔''

''ضرور سوچو لیکن ماسٹر ذرا دوسری قسم کا آدمی ہے۔'' چاؤ فان کا لہجہ ذو معنی تھا۔

''آدمی کسی بھی قسم کا ہو' عورت اس کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''اسی لیے ماسٹر نے شادی کی ہوئی ہے۔'' چاؤ فان نے اپنی دانست میں لی کی امیدوں پر پانی پھیرنے کی نیت سے انکشاف کیا۔

''چاؤ فان! تم ڈرائیونگ پر دھیان دو۔ میں لی سے یہ .... جاننا چاہوں گا کہ یہ میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہے۔'' میں نے بوکھلا کر اسے ٹوک دیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ جوش میں آ کر لی کو یہ نہ بتا دے کہ میری بیوی بھی بنکاک میں میرے ساتھ موجود تھی۔

چاؤ فان اتنا سمجھ دار ضرور تھا کہ میری اس ہدایت کا مدعا بھانپ گیا۔ اس نے ایسی بھرپور خاموشی اختیار کی کہ سفر کے اختتام تک از خود دوبارہ اپنی زبان نہیں کھولی۔

''تمہارا کیا اندازہ ہے......؟ میں تمہارے بارے میں کیا سوچ رہی ہوں گی؟'' پچھلی نشست سے لی کی اٹھلائی ہوئی آواز ابھری۔

''وہی جو اچھے لوگ ایک دوسرے کے بارے میں سوچتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

وہ ایک مرتبہ پھر مترنم آواز میں ہنس پڑی ''تم باتوں میں بہت تیز ہو۔ ذرا مجھے پتا تو چلے کہ اچھے لوگ ایک دوسرے کے بارے میں کیا سوچتے ہیں!''

''دوستی کرنے اور اسے بڑھانے کے سوا کیا سوچ سکتے ہیں!''

''دوستی تو اسی وقت ہوگئی جب ہمارا تعارف ہوا تھا۔ میں اسے بڑھانے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔'' اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر' کھل کر اعتراف کر لیا ''کل شام کو وقت ہو تو چائے میرے ساتھ پی لو۔ یہ صرف ہم دونوں کی ملاقات ہوگی۔ چاؤ فان تمہیں میرے گھر پہنچا کر واپس چلا جائے گا۔ کیوں چاؤ فان! کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔''

''میں ہر حال میں خوش رہنے کا عادی ہوں۔ ماسٹر چاہے گا تو میں تمہاری چوکھٹ پر بیٹھ کر اس کی واپسی کا انتظار بھی کر لوں گا۔'' چاؤ فان نے مرجھائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''اس میں اس قدر افسردہ ہونے کی کیا بات ہے؟'' لی نے چھبتے ہوئے لہجے میں کہا ''دو مرد کسی عورت سے ملنے جائیں تو ان میں سے ایک کو کسی نہ کسی طرح اپنا وقت گزارنا ہی ہوتا ہے۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہوگا کہ تم اپنے ماسٹر کی واپسی کا انتظار کرنے کے بجائے واپس لوٹ جاؤ۔ علی بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے' ہماری ملاقات طویل بھی ہو سکتی ہے۔''

''تم بلاوجہ بے چارے چاؤ فان کی ٹانگ کھینچ رہی ہو!'' میں نے ان دونوں کی باتوں میں دخل انداز ہوتے ہوئے احتجاج کیا ''ابھی مجھ سے کوئی پروگرام طے نہیں ہوا اور تم نے اسے واپسی کا راستہ بتانا شروع کر دیا۔''

''مجھے چکر دینے کی کوشش نہ کرو۔'' لی نے ہلکی سی بے پروایانہ ہنسی کے ساتھ کہا ''میں پہلی نظر میں اندازہ لگا چکی ہوں کہ تم جمال پرست ہو' مجھ سے دوسری ملاقات کا موقع نہیں کھونا چاہو گے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

اس کے الفاظ میں بلا کا اعتماد رچا ہوا تھا' اس کی بے باکی کے سامنے میں خود کو کمزور پڑتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اس نے کار کے خنک کیبن میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں شاید میری آنکھوں کی تحریر پڑھ لی تھی۔ اس کے کہے ہوئے کو مان کر میں اپنی شکست کا اعتراف نہیں کرنا چاہتا تھا' میں نے سنبھل کر کہا ''اچھے لوگ ایک دوسرے سے ملتے رہنا چاہتے ہیں لیکن یہ نہ سمجھو کہ میں سب کچھ بھول بھال کر کل تم سے ملنے کے لیے چلا آؤں گا۔ کل کی ملاقات کا انحصار آج کی

کارروائی کے نتیجے پر ہوگا۔ ہم کامیاب رہے تو کل اس کامیابی کا جشن ضرور منائیں گے‘ کسی وجہ سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو پروگرام ملتوی ہو جائے گا۔‘‘

’’پتا نہیں تم ایسی قنوطیت کی بات کیوں سوچ رہے ہو۔ میں خوش گمان عورت ہوں‘ جو کچھ کرتی ہوں‘ اس کے ہوجانے پر پورا یقین رکھتی ہوں اور وہ ہوجاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سمندر کے سینے پر وائٹ ہاک کی آخری رات ہے۔ صبح وہ سمندر کی تہ میں ہوگی۔ وہ ڈوب جائے گی تو تم میرے ساتھ چائے پینے کے لیے ضرور آؤ گے۔‘‘

’’ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ وہ بوٹ بنکاک کے معزز شہریوں کی ایک عمدہ تفریح گاہ ہے۔ اسے برباد کرنا ظلم ہوگا۔ میں یہ ظلم نہیں کرسکتا۔ ہم اس کے پیندے میں جاسوسی کے آلات لگا کر صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ راجن اس تیرتے ہوئے عشرت کدے کی آڑ میں کیا کیا کررہا ہے۔‘‘ میں نے پرسکون لہجے میں اس کی بات کا جواب دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ بوٹ کی تباہی کے بارے میں‘ میں اس کے الفاظ سن کر اندر سے دہل گیا تھا‘ میں نے دل ہی دل میں چاؤ فان پر لعنت بھیجی۔ مجھے شبہ تھا کہ اس نے لی کے ساتھ تخلیے میں گزارے ہوئے خوشگوار لمحوں کے سرور میں آکر یقیناً ایسی کوئی بات کہہ دی تھی جس کی بنا پر لی کو ہمارے اصل منصوبے کی بھنک مل چکی تھی۔

’’ما......آ......سٹر!‘‘ چاؤ فان کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی ’’اچھا ہوا کہ تم نے بات صاف کردی۔ مادام کو شبہ ہورہا ہے کہ ہم وائٹ ہاک کو دھماکے سے اڑا کر سمندر میں غرق کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

میں نے غصے سے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔ اندھیرے میں اس کی توجہ سڑک پر مرکوز تھی۔ میں نے ذرا چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ’’لی کے ذہن میں کوئی غلط فہمی موجود تھی تو تم کو اس کے بارے میں پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا۔ اس وقت میری زبان سے کوئی ہلکی بھاری بات نکل گئی ہوتی تو اس کا شک یقین میں بدل جاتا۔‘‘

لی اپنی کھنک دار آواز میں دھیرے سے ہنس دی اور بولی ’’میں عورت ضرور ہوں مگر اپنی عمر کے مردوں سے زیادہ تجربے کار ہوں۔ میرا زیادہ وقت برے لوگوں کے ساتھ گزرتا ہے۔ ان سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ کالے دھندوں میں کوئی ایک دوسرے کی جاسوسی کرنے کے لیے اتنے پاپڑ نہیں بیلتا۔ موقع ملتے ہی اپنے دشمن کی گردن توڑنے کی فکر کرتا ہے۔ مجھے اُلّو بنانے کی کوشش مت کرو۔‘‘

’’ہمیں وائٹ ہاک سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔‘‘ میں نے تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اسے سمجھانے کی کوشش کی ’’یہ بات تم بھی جانتی ہوگی کہ راجن وائٹ ہاک پر بہت کم وقت گزارتا ہے۔ بوٹ کو اڑانے کی صورت میں اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا‘ بوٹ پر کام کرنے والے بے چارے ملازم مارے جائیں گے۔ انہوں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔ ہم ان کی جان کے دشمن کیسے ہوسکتے ہیں؟‘‘

’’میں ان باریکیوں میں نہیں پڑتی۔‘‘ لی نے بے پروائی سے جواب دیا ’’میری چھٹی حس شروع سے کہہ رہی ہے کہ چاؤ فان کی نیت خراب ہے۔ تم دونوں راجن کی بوٹ کو سمندر میں ڈبونا چاہتے ہو۔‘‘

’’نہیں لی‘ تمہارا یہ شبہ غلط ہے۔‘‘ میں نے ذرا جذباتی لہجے میں کہا ’’یہ بات اپنے ذہن سے نکال دو۔ مجھے حیرت ہے کہ یہ شبہ ہونے کے باوجود تم چاؤ فان کے ساتھ آنے پر تیار ہوگئیں۔ کیا اس خیال سے تمہیں خوف نہیں آیا؟‘‘

’’تمیں ہزار بھات بہت ہوتے ہیں۔‘‘ لی کی آواز میں ہلکی سی تلخی اتر آئی ’’چاؤ فان زن مرید آدمی ہے۔ اس نے میری باتوں میں راجن کے لیے چھپی ہوئی نفرت کا ذرا بھی اندازہ لگالیا ہوتا تو تمہاری خاصی رقم بچ سکتی تھی۔ یہ مجھے کچھ بھی نہ دیتا تب بھی میں اس کا ساتھ دینے کے لیے آمادہ ہوجاتی۔ میرے سینے میں راجن کے خلاف نفرت کا ایک الاؤ دہک رہا ہے۔ وہ آدمی نہیں‘ درندہ ہے۔ میں پچھلے چھ مہینوں سے اس آگ میں جل رہی ہوں۔ اسے اس کے خون میں نہایا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں لیکن بنکاک میں کوئی اس کے سامنے نہیں آتا۔ پیسوں اور جوان جسموں کی رشوتیں دے کر اس نے پورے شہر کو خریدا ہوا ہے۔ کوئی اس کے خلاف کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں ہوگا۔‘‘

لی کا وہ طویل جواب میرے لیے سنسنی خیز ثابت ہوا۔ اس عورت نے راجن کے خلاف اپنی زبان کھول کر میرا ذہن ماؤف کردیا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اس کی کہانی پر کیسے یقین کرلوں۔

چاؤ فان بنکاک میں دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد اس تک پہنچا تھا۔ وہ مہنگے طبقے کی ایک معروف بدکردار عورت تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ چاؤ فان پر اپنی رضامندی ظاہر کرنے کے ساتھ وہ دوسری طرف راجن یا اس کے کسی گرگے کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور ایک فرضی کہانی سنا کر ہمارے دلوں کا بھید جاننے کی کوشش کررہی ہو۔

وہ خیال آتے ہی مجھے اس رات کا مشن برباد ہوتا ہوا

نظر آنے لگا۔ وہ راجن کے آدمیوں کی ٹاؤٹ تھی تو یہ بات یقینی تھی کہ اس وقت ہمارا پیچھا ہو رہا تھا۔ بنکاک کی ویران ساحلی کھاڑی میں پہنچتے ہی ہم اپنے پیچھے آنے والوں کی بربریت کا شکار ہو سکتے تھے۔ منزل پر پہنچنے کے بعد چاؤ فان کے آدمی اپنی دونوں کشتیوں سمیت ان لوگوں کی نگاہوں میں آجاتے اور سب کو بے خبری میں اچانک موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔

میں نے چند لمحوں کے لیے خاموش رہ کر لی کے کہے ہوئے ایک ایک فقرے پر غور کیا، راجن کے خلاف اس کے کہے ہوئے لفظوں کو تولا پھر بہت محتاط انداز میں پوچھا ''راجن نے تمہارا کیا بگاڑا ہے...... چھ مہینے پہلے تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

''ایک عورت کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے!'' لی کی آواز میں تلخی بڑھ گئی ''راجن عورتوں کا شکاری ہے، وہ پکا بردہ فروش ہے۔ میرے زخموں کو نہ کریدو۔ مجھے جب بھی اپنی زندگی کی وہ کربناک رات یاد آتی ہے، میرے دل میں آگ بھڑک اٹھتی ہے...... تم یہ بتاؤ کہ چاؤ فان سچا ہے یا میں سچ بول رہی ہوں...... تم وائٹ ہاک کو اڑانا چاہتے ہو نا!'' پرزور لہجے میں کہا ہوا اس کا آخری فقرہ تائید طلب تھا۔

''گاڑی کی رفتار ذرا دھیمی کرلو!'' میں نے چاؤ فان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا پھر لی سے مخاطب ہو گیا ''میری بات کا برا نہ مناؤ تو میں ایک بات پوچھ لوں!''

''کیا پوچھنا چاہتے ہو؟'' لی نے سپاٹ آواز میں پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم کہ تم کس مذہب کی پیرو کار ہو۔ تمہارے بارے میں مجھے چاؤ فان سے جو کچھ معلوم ہوا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنی پسند کے مردوں کو جسمانی تفریح فراہم کر کے اپنی روزی کمانے کو تم برا نہیں سمجھتیں۔ اگر میرا یہ اندازہ درست ہے تو راجن کی کسی زیادتی کو ایک کھیل سمجھ کر تمہیں بھول جانا چاہیے تھا۔''

''میں جسم فروش ہوں، میری بہن ایسی نہیں تھی۔'' لی کی آواز سرد اور سپاٹ تھی ''وہ صرف پندرہ برس کی تھی، یہاں کے ایک نائٹ کلب میں ڈانسر تھی، اپنا جسم نہیں بیچتی تھی، فن بیچتی تھی۔ راجن نے اسے دیکھا اور اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اپنے کیسینو میں پُرکشش نوکری کی پیشکش کی۔ ان لوگوں کی شہرت بہت خراب ہے۔ میری بہن نے پیشکش ٹھکرا دی۔ یہ انکار اسے بہت مہنگا پڑا۔ ایک رات وہ کلب سے تھک ہار کر آئی تو راجن کے غنڈے ہمارے گھر میں گھس آئے۔ وہ میری بہن کو اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ میں نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی تو مجھے بھی بے ہوش کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔ ہم دونوں کو ہوش آیا تو میرے اوسان خطا ہو گئے۔ وہاں پندرہ مرد شراب کے نشے میں دھت تھے اور راجن کسی کالے سانڈ کی طرح ان پر راج کر رہا تھا۔ ہمیں ہوش میں آتا دیکھ کر انہوں نے ہمارے چہروں پر ٹھنڈی شراب کے چھینٹے دیئے، دست درازیاں کیں اور جب ہم خوف زدہ ہو کر اپنے قدموں پر اٹھیں تو وہ درندوں کی طرح ہم پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے ایک ایک کو گنا تھا۔ راجن سمیت وہ پندرہ تھے اور ہم دو۔ انہوں نے بہت بے رحمی کے ساتھ ہمیں عورت ہونے کی سزا دی۔ میں دوبارہ بے ہوش ہو گئی۔ صبح ہوش آیا تو میں رائل پارک کی جھاڑیوں میں لہولہان پڑی ہوئی تھی۔ میری پندرہ برس کی اکلوتی بہن ان کے ظلم کی تاب نہ لا کر مر چکی تھی۔ اس کی لاش میرے قریب پڑی ہوئی تھی۔ تم بتاؤ کہ ایسی تذلیل کے بعد میں اس خونی بھیڑیے کو کیسے معاف کر سکتی ہوں۔''

اس کا لب و لہجہ اور آواز کا اتار چڑھاؤ بتا رہا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ میں نے غیر ارادی طور پر اپنا سر گھما کر اپنے پیچھے کی سڑک پر نگاہ ڈالی۔ وہ دور تک ویران پڑی ہوئی تھی۔ کوئی ہمارے پیچھے نہیں آرہا تھا۔

''تمہاری کہانی دردناک اور چونکانے والی ہے۔'' میں نے بوجھل آواز میں کہا ''راجن اور اس کے ساتھی انسانوں کے روپ میں بدترین حیوان ہیں۔ ان کا سرغنہ کڑی سزا کا حق دار ہے مگر فی الحال، ہمارا مشن خفیہ معلومات کے حصول تک محدود......''

''نہیں!'' لی کے حلق سے وہ آواز اس کے وجود کی ایک اندرونی چیخ کی صورت میں برآمد ہوئی ''راجن اپنی بوٹ پر ہو یا نہ ہو، اسے تباہ کر دو۔ وہ اپنی انا کا پجاری ہے۔ اپنے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اسے اپنی وائٹ ہاک پر ناز ہے۔ بوٹ ڈوبے گی تو اس کا غرور چکنا چور ہو جائے گا۔''

وہ کوئی نیک نام اور پارسا عورت نہیں تھی لیکن راجن کے بارے میں اس کی سوچ ہمارے ارادوں سے مختلف نہیں تھی۔ شوخ اور سطحی باتوں سے شروع ہونے والی گفتگو بہت سنجیدہ مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ میری ایماندارانہ رائے تھی کہ اس وقت لی ہمارے ساتھ مکاری نہیں کر رہی تھی۔

چاؤ فان کسی بے خوف غوطہ خور کی تلاش میں، سراغ رسی کی کہانی لے کر لی کے پاس پہنچا تو اپنی دانست میں اسے گھیر رہا تھا۔ لی، راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ چاؤ فان اس حقیقت سے بے خبر تھا۔ یہ راجن کے مقدر کی ہولناک ستم ظریفی تھی کہ اس

کے چند بدترین دشمن اتفاقی طور پر یک جا ہوتے جارہے تھے۔

میں پاکستان میں امریکیوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے سبب بنکاک بھیجا گیا تو میرے ذہن میں اپنی روپوشی اور سوبھراج سے ٹکراؤ کے سوا کوئی تیسری بات نہیں تھی۔ اگر اسد مجھے ڈان سے ملنے کا مشورہ نہ دیتا تو میری کہانی کچھ اور ہی ہوتی۔

ڈان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے میں نے اسے راجن سے اپنی دشمنی کی ایک فرضی کہانی سنائی اور ڈان نے میری سرپرستی کرنے کا وعدہ کرلیا۔ اس وقت تک میں نے راجن کو نہیں دیکھا تھا لیکن اس سے ملنے کے بعد میں قائل ہوگیا تھا کہ وہ کالا بھجنگ اور کوتاہ گردن شیطان واقعی نفرت کے قابل تھا۔ اس کا کردار اس کی صورت سے بڑھ کر قابلِ نفرت اور گھناؤنا تھا۔ اس وقت لی نے اپنے سارے کارڈز ہمارے سامنے رکھ دیے تھے اور وہ رضاکارانہ طور پر ہمارے ساتھ شریک ہونے کے لیے بے چین تھی۔

آثار بتارہے تھے کہ راجن کا وقت پورا ہوچلا تھا۔ اس کے تین مضبوط دشمنوں کا اتحاد اس کی سرکوبی کا سبب بننے والا تھا۔

''جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے مڑ کر لی کو دلاسا دیا ''تمہاری طرح ہم بھی اس کے دشمن ہیں لیکن ہم محتاط رہ کر کام کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ آخرکار ہم اس کے خلاف صف آرا ہوجائیں گے۔''

''چاؤ فان دل بہلانے کے لیے میرے پاس آتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں اس شہر کی ایک بری عورت ہوں۔ اسی طرح مجھے معلوم ہے کہ چاؤ فان بنکاک کا چھٹا ہوا غنڈا ہے۔'' وہ یکایک تیز اور ہیجانی لہجے میں بولنے لگی ''تم اس کے ماسٹر ہو۔ میں یہ نہیں مان سکتی کہ تم کوئی سرکاری جاسوس ہو اور راجن کے خلاف کسی عدالت میں مقدمہ چلانے کے لیے ثبوت اکٹھے کرتے پھر رہے ہو۔ اس کے ساتھ وہی کرو جو زیرِ زمین دنیا میں ہوتا چلا آیا ہے۔ اس نے مجھے اور میری بہن کو روندا، تم اسے کچل دو۔''

''چاؤ فان! تم نے مجھے یہ سب نہیں بتایا!'' میں نے مجبور ہوجانے کی صداکاری کرتے ہوئے اس سے شکوہ کیا۔

''ماسٹر! میں قسم کھا کر کہہ رہا ہوں کہ مادام نے مجھ سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی۔'' اس نے تحیر زدہ اور مدافعانہ لہجے میں کہا ''راجن کی بوٹ کے بارے میں سرسری بات ہوئی، پیسے طے ہوئے اور مادام رضامند ہوگئی۔ پتا نہیں

تمہارے سامنے آکر اسے کیا ہوگیا ہے کہ اس نے اپنا دل کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیا...... یہ کہہ رہی ہے تو ماسٹر' میری سفارش ہے کہ کچھ سوچو۔ پتا نہیں وائٹ ہاک پر اب تک نہ جانے سیام کی کتنی معصوم بیٹیاں برباد کی جاچکی ہوں گی۔''

چاؤ فان گاؤدی نہیں تھا۔ اپنی پوزیشن صاف کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے مجھے کھلنے کا موقع فراہم کرنے کی کوشش کی تھی۔

''لی! میں تمہاری دل جوئی کے لیے ایک کوشش کروں گا۔ تمہارا اٹھایا ہوا یہ نکتہ میرے دماغ میں بیٹھ گیا ہے کہ ہمیں راجن پر کون سا مقدمہ چلانا ہے جو ہم ثبوت جمع کرتے پھریں۔ میری عدالت میں تم سلطانی گواہ ہو، راجن کو سزا ملنی چاہیے۔''

''تم بڑے دل کے مالک معلوم ہوتے ہو۔'' لی بولی ''میری مانو تو آج کا پروگرام ملتوی کردو۔ کل بم لے آؤ' میں انہیں وائٹ ہاک کے پیندے میں لگادوں گی۔ اس کام کے لیے میں تم دونوں کو وہ بیس ہزار بھات لوٹا دوں گی' جو چاؤ فان نے مجھے پیشگی دیے ہیں۔''

لی بھی بہت حوصلے کی مالک تھی۔ تمام خطرات سے بے نیاز ہوکر اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔ اپنے دشمنوں کے دشمن سے مل کر اس نے ہر لالچ کو خیرباد کہہ دیا تھا اور اپنے دشمن سے بدترین انتقام لینے پر تل گئی تھی۔

اس کی زبان سے پروگرام کے التوا کا ذکر سنتے ہی میں نے پھرتی سے قلابازی کھانے کا فیصلہ کرکے کہا ''جو کچھ طے ہوچکا ہے' وہ ضرور ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ ہم کسی التوا کے بغیر وائٹ ہاک کو تباہ کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے؟''

''کیسے......؟'' اس نے تند لہجے میں سوال کیا ''مجھے سمجھاؤ کہ جاسوسی کے آلات اس بوٹ کو کیسے تباہ کردیں گے۔''

''تمہاری بددعائیں اور ماسٹر کی چالاکی وائٹ ہاک کو لے ڈوبے گی۔'' چاؤ فان نے پوری گفتگو کے رخ کا اندازہ کرتے ہوئے لقمہ دیا۔

''میں تمہارے ماسٹر کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں بہت کچھ دیکھ چکی ہوں۔'' لی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ''یہ بہت چالاک' مکار اور سفاک آدمی ہے۔ ضرورت پڑنے پر یہ تمہیں بھی موت کے منہ میں جھونک سکتا ہے۔''

''یہ بیکار باتیں ہیں۔'' میں نے رسانیت سے کہا ''آہنی بکسوں میں جاسوسی کے آلات کے ساتھ تباہ کن بارود

بھی موجود ہے۔ اس پر پانی اثر نہیں کرے گا۔ ہم جب بھی چاہیں، اس بارود کو اڑا سکیں گے۔''

''علی! تم خطرناک آدمی ہو، میں تم پر بھروسا نہیں کر سکتی۔'' اس نے پوری بے خوفی کے ساتھ اپنے دل کی بات بیان کر دی ''مجھے جاسوسی کے آلات وائٹ ہاک کے پیندے میں لگانے کے لیے لایا گیا تھا۔ اب تم نے بیٹھے بیٹھے اس میں بارود بھی پہنچا دیا۔ میرے ساتھ کھیل نہ کھیلو۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہ رہے ہو۔ میں بے خبری میں قربانی کا بکرا نہیں بنوں گی۔''

''مادام!'' اچانک چاؤ فان بول پڑا ''تم جنس کی غلطی کر گئی ہو۔ تمہیں قربانی کی بکری کی بات کرنی چاہیے تھی۔''

''شوخیاں دکھانے کی کوشش مت کرو۔'' لی نے سخت لہجے میں کہا ''اس وقت میں اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کرنے جا رہی ہوں جس کا نتیجہ میری موت یا دشمن سے انتقام کی صورت میں برآمد ہوگا۔''

''تم غیر ضروری طور پر اعصابی دباؤ کا شکار ہو رہی ہو۔'' میں نے نرمی سے لی کو ہلکی سی تادیب کی ''تمہارے ساتھ کوئی کھیل ہو رہا ہے نہ تمہیں دھوکا دیا جا رہا ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے اسے اسی طرح ہونے دو۔ ہمارے ساتھ تمہارا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔ جاسوسی کے ان آلات کے ساتھ ہم نے کچھ ریموٹ کنٹرولڈ بارودی ہتھیار بھی رکھے ہیں۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اگر کسی وقت راجن کے آدمی ان آلات کا سراغ لگالیں اور متجسس ہو کر ان سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کریں تو آلات سے آنے والے صوتی اشاروں سے ہمیں ان کی مداخلت کا علم ہو جاتا۔ ایسی صورت میں ہم ریموٹ کنٹرول کے ذریعے وہ آلات تباہ کر سکتے تھے۔''

''اوہ...... اب میں سمجھی!'' لی کے دہانے سے تحیر زدہ اور اطمینان آمیز آواز برآمد ہوئی ''تمہارے لیے رازداری کا برقرار رہنا ضروری ہے۔ اس کے لیے ایسا بندوبست ناگزیر تھا۔ کیا وہ بارود اتنا طاقت ور ہوگا کہ آلات کو تباہ کرنے کے ساتھ وائٹ ہاک کے فولادی پیندے میں بھی سوراخ کر دے؟''

لی ذہین عورت تھی۔ وہ آنکھیں بند کر کے کسی بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے بارودی قوت کے بارے میں سوال اٹھا کر مجھے حیران کر دیا۔

وہ مجھے کام کی عورت نظر آ رہی تھی۔ میں نے ابتدا ہی سے کوشش کی تھی کہ اسے اس کے ہر سوال کا اطمینان بخش بلکہ مسکت جواب دوں تاکہ اسے یہ شبہ نہ ہونے پائے کہ ہم نے اسے دھوکا دے کر اپنا آلہ کار بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس وقت تک میں نے اپنا یہی موقف برقرار رکھا تھا کہ دراصل وائٹ ہاک تک جاسوسی کے آلات پہنچانے کے لیے اس کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ ان دونوں بکسوں میں بارود کا ہونا ایک ضمنی واقعہ تھا جس کا تعلق ہماری احتیاطی تدابیر سے تھا۔

''شاید سوراخ ہو جائیں گے۔'' میں نے سوچنے کی اداکاری کرتے ہوئے اسے جواب دیا ''ہم کو ہلکی قوت کے بم نہیں مل سکے۔ جو ملا، وہ خرید لیا۔ ہمیں پسپا ہونے یا آج کے کام کو التوا میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ ہونا ہے وہ آج ہی ہو جائے گا۔''

''پھر میرا یہ قیاس درست ہے کہ آج سمندر کے سینے پر وائٹ ہاک کی آخری رات ہوگی۔ صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے وہ سمندر کی تہ میں جا چکی ہوگی۔'' میری وضاحت پر اس کی آواز میں طمانیت جھلکنے لگی۔

''تمہاری خوشنودی کے لیے میری دلی دعا ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن ہم ایسا نہیں کریں گے۔ آج تم آلات اور بارودی بموں کے بکس وائٹ ہاک کے پیندے میں لگا دو، کل کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد اسے اڑا دیا جائے گا۔''

''کس بات کا جائزہ لو گے......؟'' اس نے مضطربانہ آواز میں کہا ''جو کرنا ہے، آج کی رات کر گزرو تاکہ میں آنے والا دن خوشی کے ساتھ گزار سکوں۔ وقت کی بربادی سے ہم کوئی فیض حاصل نہیں کر سکیں گے۔''

وہ اپنی بات پر اڑ جانے کے موڈ میں نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس کی مرضی کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ''تمہارے مزاج پر عجلت سوار ہے۔ راجن کے خلاف ہمارے اور تمہارے جذبات میں یکسانیت ہے۔ اگر تم سب کچھ آج ہی کر لینا چاہتی ہو تو یہ بھی ہو جائے گا۔''

''منصوبہ بے شک تمہارا ہے لیکن اس میں کلیدی کردار میرا ہے۔ یہ میری کامیابی ہوگی۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔

''ہمیں کام سے مطلب ہے۔ تم یہ سہرا اپنے سر باندھنا چاہتی ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' چاؤ فان نے اپنی زبان کھولی۔

''یہ میرے اور تمہارے لیے شرم کی بات ہے کہ بھارت سے آیا ہوا ایک پردیسی ہمارے شہر پر راج کر رہا ہے۔ ہماری عورتوں کی عزتیں تاراج کر رہا ہے اور ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''اب اس کا وقت پورا ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ تمہارا ماسٹر بھی اپنے خدوخال سے راجن کا ہم وطن معلوم ہوتا ہے۔

اچھا ہے کہ ان کی آپس کی لڑائی میں ہمارا شہر باہر کی گند سے پاک ہو جائے گا۔''

لی نے میری قومیت کا سوال چھیڑ کر مجھے مضطرب کر دیا۔ وہ ہم سے مل گئی تھی لیکن میں اس پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے ان دونوں کی گفتگو کو وہیں ختم کرنے کے ارادے سے چاؤ فان سے کہا ''ساحل اب تک نظر نہیں آیا۔ کیا تم ہمیں ملائیشیا لے جا رہے ہو؟''

''ماسٹر! تم نے مجھے گاڑی کی رفتار کم کرنے کی ہدایت دی تھی۔'' اس نے حیرت سے کہا مگر میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی۔

''میں منزل پر پہنچنے سے پہلے لی سے مذاکرات مکمل کرنا چاہ رہا تھا۔ کھل کر ہر بات ہو گئی ہے۔ اب رفتار بڑھا لو۔''

چاؤ فان تیز رفتاری کا شوقین تھا۔ ایک خفیف سے ہچکولے کے ساتھ اس کی گاڑی کی رفتار تیزی سے بڑھتی چلی گئی۔

''علی خاصا شریف اور ملنسار آدمی نظر آتا ہے۔'' چند ثانیوں کے بعد لی کی شوخ آواز ابھری ''تم نے بلاوجہ اس کی خوفناک تصویر کھینچی تھی۔ میں سمجھ رہی تھی کہ یہ خاصا تند خو اور ترش رو آدمی ہوگا۔''

''مادام! یہ تمہاری پہلی ملاقات ہے۔'' چاؤ فان نے بجھی ہوئی آواز میں کہا ''ماسٹر کو ایک بار اس کے اصل روپ میں دیکھو گی تو بے تکلفی سے اس کا نام لینا بھول جاؤ گی۔''

''اس کے لیے ماسٹر کا لقب اچھا لگتا ہے۔ میں بھی اسے یہی کہوں گی۔'' لی از خود میرا مفروضہ نام لینے سے دست بردار ہو گئی۔

دلوں کی باتیں زبان پر آ جانے کے بعد ہمارے درمیان تناؤ ختم ہو گیا۔ فضا نہایت دوستانہ ہو گئی اور بقیہ سفر ہنستے بولتے ہوئے طے ہو گیا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ چاؤ فان نے لی کی موجودگی میں اپنی زبان پر قابو رکھا ہوا تھا۔ ساری باتیں سن لینے کے بعد اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ مفاہمت ہو جانے کے باوجود میں نے لی پر اندھا اعتماد کرنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

سست روی میں خاصا وقت برباد کرنے کے باوجود ہم دو بجنے سے ذرا پہلے اس ساحلی کھاڑی تک پہنچ گئے جہاں چاؤ فان کے پانچ آدمی اپنی جنگی تیاریوں کے ساتھ ہماری آمد کے منتظر تھے۔

چند پتھریلے ٹیلوں کی اوٹ میں چھپی ہوئی وہ بحری کھاڑی دیکھ کر میں دل ہی دل میں چاؤ فان کے انتخاب کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

تاروں بھرے آسمان کی چھاؤں میں وہ کھاڑی ہمارے لیے ایک بہترین پناہ گاہ تھی۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے ہم نے کئی کلومیٹر لمبے کچے ناہموار اور تاریک راستے پر سفر کیا تھا۔ ساحلی سڑک سے دور واقع ہونے کی وجہ سے وہاں کسی کی مداخلت کا امکان نہیں تھا۔

ساحل کے ساتھ سمندر کی لہروں کے ٹکرانے کا دھیما شور فضا میں گونج رہا تھا۔ کھاڑی میں آنے والی لہریں پتھروں سے ٹکرا کر دور تک ہلکی سی پھوار برسا رہی تھیں۔ لہروں کے سینے پر دو چھوٹی موٹر بوٹس ہچکولے کھا رہی تھیں۔ انہیں موٹی رسیوں کے ساتھ ایک ابھری ہوئی چٹان سے باندھ دیا گیا تھا۔

''میں تین آدمیوں کے ساتھ پہلی بوٹ میں نکلوں گا۔'' چاؤ فان نے اپنی مادری زبان میں اپنے آدمیوں سے مختصر سی گفتگو کرنے کے بعد مجھے بتایا ''یہ حصہ سمندر میں کافی آگے نکلا ہوا ہے اس لیے ہمیں بندرگاہ یا شہر کی روشنیاں نظر نہیں آ رہیں مگر وائٹ ہاک یہاں سے زیادہ دور لنگر انداز نہیں ہے۔ ہماری بوٹ گہرے سمندر میں ایک لمبا چکر کاٹ کر وائٹ ہاک کی دوسری جانب پہنچے گی۔ بوٹس میں ہتھیاروں کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ ہمیں وائٹ ہاک کے قریب منڈلاتا ہوا دیکھ کر اس کے محافظ پوری طرح ہماری طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ انہوں نے ہمیں بھگانے کے لیے ہوائی فائرنگ میں پہل نہ کی تو ہم خود انہیں چھیڑیں گے تاکہ وہ اپنی ساری توجہ ہماری بوٹ پر مرکوز کر دیں۔ فائرنگ شروع ہونے کے بعد وہ اسی طرف جم جائیں گے۔ تم فائرنگ شروع ہونے کے بعد یہاں سے سیدھے نکلو گے اور وائٹ ہاک کی روشنیاں تمہارے سامنے ہوں گی۔ تم محفوظ فاصلے پر بوٹ روک کر مادام کو اس کے غوطہ خوری کے لباس میں سمندر میں اتار دو گے۔ اس دوران میں ٹرانسمٹر پر ہمارا آپس میں رابطہ رہے گا۔ مادام کی واپسی کے ساتھ ہم بھی فرار ہو کر اسی کھاڑی میں لوٹ آئیں گے۔''

''تمہارے دونوں آدمی صرف ملاح ہیں یا لڑنا بھڑنا بھی جانتے ہیں؟'' لی نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ کھاڑی کا ماحول دیکھ کر وہ فکر مند ہو گئی تھی۔

''یہ پانچوں بنکاک کے بہترین نشانچی ہیں۔ سب ہتھیاروں کے استعمال میں ماہر ہیں۔ رائفل سے اڑتی ہوئی مکھی کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔'' چاؤ فان نے فخر سے بتایا۔

''پیٹر واقعی نشے میں ہوش و حواس بالکل کھو بیٹھا ہے۔ ذرا دیکھو تو سہی...... اپنی ہی بیوی کے پیچھے بھاگ رہا ہے!''

اپنے تینوں ساتھیوں کو ایک بوٹ میں بھیج کر چاؤ فان ہمارے ساتھ ہولیا۔

فائبر کی بنی ہوئی مضبوط بوٹ کو کنارے پر کھینچنے کے باوجود ہمیں اتھلے پانی میں سے گزر کر اس پر سوار ہونا پڑا۔ بوٹ واقعی چھوٹی تھی۔ اس کا کیبن برائے نام تھا۔ جسے ایک پارٹیشن کے ذریعے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اگلا حصہ بوٹ کے پائلٹ کے لیے تھا۔ وہ اپنے معاون کے ساتھ ادھر چلا گیا۔ چاؤ فان ہم دونوں کے ساتھ عقبی حصے میں آ گیا جہاں دھیمی روشنی میں غوطہ خوری کا ایک مکمل کاسٹیوم، آکسیجن سلنڈر سمیت نظر آ رہا تھا۔ کیبن کی آرام دہ نشستوں کے نیچے دور انفلیں اور ان کے میگزین کی وافر مقدار موجود تھی۔

چاؤ فان نے کیبن کا ایک دیوار گیر خانہ کھولا اور وہاں سے ایک وائرلیس اپریٹس نکال کر میرے حوالے کرتا ہوا بولا ''اس خانے میں ریوالور اور چند ہلکے دستی بم بھی موجود ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم کو ان میں سے کسی چیز کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہمارے ساتھ چاند ماری میں الجھ جانے کے بعد وائٹ ہاک کے محافظ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ دوسری طرف سے ان کی لانچ کے خلاف کوئی خاموش کارروائی ہو رہی ہے۔''

''تم نے خاصا محفوظ اور شیطانی منصوبہ بنایا ہے۔'' لی نے توصیفی لہجے میں کہا ''راجن کے آدمی بے خبری میں مارے جائیں گے۔''

''یہ وہ دونوں واٹر پروف بکس ہیں جن میں بارود اور جاسوسی کے آلات موجود ہیں۔'' چاؤ فان نے ایک نشست کے نیچے سے دونوں بکس نکال کر اوپر رکھ دیے۔

لی نے ایک بکس کو ہاتھ میں اٹھا کر تولا اور ایک گہرا سانس لے کر بولی ''میں ان کے وزن سے ڈر رہی تھی۔ یہ تو بہت ہلکے ہیں۔ انہیں پانی میں لے جانا زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔''

چاؤ فان نے لی کو ان مقناطیسوں کے استعمال کا طریقہ سمجھایا جو واٹر پروف بموں سے بندھے ہوئے تھے۔ لی کو اپنے دام میں لانے کے لیے چاؤ فان نے جاسوسی کے آلات کی کہانی گھڑی تھی ورنہ ان دونوں بکسوں میں مہلک بارود کے سوا کچھ نہیں تھا۔ بعد میں مجھے چاؤ فان سے پتا چلا کہ اس نے بکس کا لفظ دانستہ استعمال کیا تھا۔ درحقیقت وہی بکس امریکی ساخت کے واٹر پروف بم تھے جنہیں ریموٹ کنٹرول کے ذریعے چلایا جا سکتا تھا۔

ہماری کامیابی کی دعا کے ساتھ چاؤ فان ہماری بوٹ

سے اتر کر پانی میں چھپ چھپ کرتا ہوا اپنی بوٹ پر چلا گیا جو ہم سے ذرا دور' اتھلے پانی میں ڈول رہی تھی۔
اس کے سوار ہوتے ہی دو آدمی نیچے اترے' انہوں نے چٹان سے رسے کھول کر دونوں بوٹس پر اچھالے پھر ہماری کشتی کو کنارے سے دھکیل کر پانی میں اتار دیا۔
اس دوران میں چاؤ فان کا تیسرا ساتھی اپنی بوٹ کا انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ ہماری بوٹ کو سمندر کے پانی میں اتارنے کے بعد بقیہ دونوں آدمی بھی دوڑ کر اپنی بوٹ پر چڑھ گئے۔ سرمئی رنگ کی اس بوٹ کی تمام دھیمی روشنیاں گل ہو گئیں' بوٹ کے انجن کی غراہٹ تیز ہوئی اور لمحہ بھر بعد میں وہ گھوم کر سبک رفتاری کے ساتھ کھلے سمندر کی طرف روانہ ہو گئی۔
گہری تاریک رات میں' میں چاؤ فان کی بوٹ کی روانگی کا منظر دیکھتا رہا۔ چند منٹ بعد وہ بوٹ اونچی سمندری لہروں کی اوٹ میں اوجھل ہو گئی۔ چاؤ فان نے اپنی منصوبہ بندی میں ساری جزئیات کا پورا خیال رکھا تھا۔ اپنی دونوں بوٹس کی شناختی علامات مٹانے کے لیے اس نے ایسے رنگ کا انتخاب کیا تھا جو سمندر کے سینے پر پھیلی ہوئی تاریکی میں پوری طرح مدغم ہو گیا تھا۔
''ماسٹر! آؤ میرا لباس بدلوا دو!'' لی نے میرا بازو دبا کر دھیرے سے کہا۔
وہ میرے لیے مشکل ترین مرحلہ تھا' انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں دو قدم بڑھ کر بوٹ کے کیبن میں پہنچ گیا۔
اسی وقت ہماری بوٹ کا انجن بھی چلا دیا گیا۔ متلاطم لہروں میں بھٹک کر بوٹ پتھروں سے ٹکرا سکتی تھی۔ اسے کسی ناگہانی حادثے سے بچانے کے لیے انجن کے کنٹرول میں رکھنا ضروری تھا۔
''کہو! اب کیا ارادہ ہے!'' لی نے چند ثانیوں تک میری آنکھوں میں دیکھتے رہنے کے بعد اپنی بائیں آنکھ دبا کر پوچھا۔ ''میں کپڑے اتار دوں؟''
''اس کی کیا ضرورت ہے۔'' میں نے اس سے نظریں چرا کر اس کا ڈائیونگ کا سٹیوم اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا اور اپنی بات جاری رکھی۔ ''تم ان کپڑوں پر بھی کاسٹیوم پہن سکتی ہو۔''
''ارادہ یہی تھا۔'' وہ ہلکی سی شوخ ہنسی کے ساتھ بولی۔ ''اسی لیے میں ٹی شرٹ اور چست جینز پہن کر آئی تھی۔ اب ارادہ بدل رہا ہے۔ ہمیں چاؤ فان کے سگنل کا انتظار کرنا ہے تو کیوں نہ اس وقت کو بہتر انداز میں گزاریں۔ عورتوں کے معاملے میں تم کچھ مغرور سے نظر آتے ہو۔ مجھے دیکھو اور محسوس کرو گے تو تمہارا غرور پگھل جائے گا۔''
''لی! تم بہک رہی ہو۔'' میں نے اپنی بائیں کنپٹی مسلتے ہوئے کہا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے لی کی باتوں سے میرا دوران خون تیز ہو گیا ہو۔
''ماسٹر! تم مجھے نظر انداز کر رہے ہو!'' یکا یک اس کا لہجہ شکایتی ہو گیا۔
''نظر انداز نہیں کر رہا، میں تمہارے ارادوں سے خوف زدہ ہوں۔ اس چھوٹی سی بوٹ پر صرف ہم دونوں نہیں ہیں، چند فٹ کے فاصلے پر چاؤ فان کے دو آدمی بھی موجود ہیں۔ کوئی تماشا دیکھ کر وہ ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے۔ ہم یہاں پکنک منانے کے لیے نہیں، کشت و خون کرنے کے ارادے سے آئے ہیں۔''
''مجھے ان دونوں کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ ان کا خون ٹھنڈا اور دماغ ماؤف ہوتے ہیں۔ انہوں نے چاؤ فان سے کچھ کہا تو وہ اس الزام میں ان کی چمڑی گرا دے گا کہ یہ اپنا کام چھوڑ کر تاک جھانک کیوں کر رہے تھے!'' اس نے بے باکی سے سرگوشی کی۔
میں نے ڈائیونگ کاسٹیوم اس کی طرف بڑھا کر اسے نرمی سے پیچھے دھکیل دیا۔ ''ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ کسی بھی لمحے سگنل آ جائے گا۔ اس وقت تم تیار نہ ہوئیں تو آج کا مشن برباد ہو جائے گا۔ تمہاری بہن کا لہو انتقام، انتقام پکار رہا ہے اور تم جذبات کی رو میں بہی جا رہی ہو۔ یہ کیوں بھول رہی ہو کہ ہم کل بھی ملیں گے۔''
اس نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے اپنے جوتے اتارے اور غوطہ خوری کا لباس پہننا شروع کر دیا۔ شاید میرا کہا ہوا کوئی لفظ یا فقرہ صحیح نشانے پر لگ گیا تھا۔
اس کے لیے وہ لباس پہننا آسان نہیں تھا۔ مجھے اس کی مدد کرنا پڑی۔ چند منٹ کی کوشش کے بعد وہ اس لباس میں بہ خوبی سما گئی۔ میں نے اس کی پشت پر آکسیجن کا سلنڈر کسا، اس کی نلکیاں سر اور چہرے کے ہڈ سے جوڑیں۔ زپ، بیلٹ اور ڈوریاں کسیں۔ لی نے شفاف شیلڈ کے پیچھے پلکیں جھپکا کے چند گہرے سانس لیے اور پھر ہیڈ گیئر پیچھے الٹ دیا۔
''سب ٹھیک ہے۔'' اس نے مسکرا کے کہا۔ ''اب دونوں بکس میری بیلٹ کے ساتھ باندھ دو۔ یہ یاد رکھنا کہ میری کمر سے بندھی ہوئی ڈوری کا دوسرا سرا تمہارے ہاتھ سے نکل گیا تو میں اس گھور اندھیرے میں بوٹ تک واپس نہیں آ سکوں گی۔ بھٹک گئی تو وائٹ ہاک والوں کی گولیاں

مجھے چاٹ جائیں گی۔ میری لائف لائن تمہارے ہاتھ میں ہوگی۔''

''تم فکر نہ کرو، ڈوری مضبوط اور بہت لمبی ہے۔ کم پڑی تو میں اس سے دوسرا اچھا جوڑ لوں گا۔ تم بھٹک گئیں تو مجھے کل شام کی چائے کون پلائے گا!''

آخری فقرہ، میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے کہا تھا۔ رات کے اندھیرے میں سمندر میں اترنے کے لیے بڑے حوصلے کی ضرورت تھی۔ اس وقت لی کا دل بڑھانا اور اس کے دل میں امید کا زندہ رکھنا ضروری تھا۔ میرے الفاظ پر اس کی نگاہیں چمک اٹھیں۔

لی کے عزائم کی راہ میں غوطہ خوری کا لباس حائل ہو چکا تھا۔ وہ اس دہرے لباس سے آسانی سے باہر نہیں آسکتی تھی۔ میں نے مطمئن ہوکر دونوں ریموٹ کنٹرولڈ بم، یکے بعد دیگرے اس کی کمر کے گرد پڑی ہوئی بیلٹ سے باندھ دیے۔

چھوٹے سے کیبن کے دائیں بائیں اتنی مختصر سی راہ داری تھی کہ ایک وقت میں ایک شخص ہی وہاں سے گزر سکتا تھا۔ ہم دونوں وہاں سے نکل کر بوٹ کے پچھلے حصے میں چلے گئے جہاں سمندر سے لطف اندوز ہونے کے لیے کشادہ جگہ موجود تھی۔

بوٹ کا انجن چل رہا تھا۔ کھاڑی کے اردگرد پھیلی ہوئی چٹانوں پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ہماری بوٹ پانی میں ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھی۔ ادھر سے آنکھیں بند کرلی جاتیں تو ہچکولوں سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سفر کا آغاز ہو چکا ہو۔

''ماسٹر! اس پر چراغاں ہو رہا ہے۔ ہم اپنی تمام روشنیاں گل کرکے، اندھیرے میں اپنا سفر تقریباً طے کر چکے ہیں، ہدف ہمارے اور تمہارے درمیان آچکا ہے۔ وہ اپنی انفراریڈ دوربینوں سے کسی بھی لمحے ہم کو دیکھ لیں گے اور فضا بارودی نغموں سے گنگنا اٹھے گی۔'' کچھ دیر بعد جاؤفان نے اچانک ٹرانسمٹر پر بولنا شروع کردیا۔

''تم چہک رہے ہو۔ یہ اچھی علامت ہے!'' اس کے خاموش ہو جانے پر میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''ہم تیار ہیں اگر وہاں طرب ونشاط کی محفلیں جمی ہوئی ہیں تو یہ اچھی بات نہیں ہے۔ ہمیں ہوشیار رہنا ہوگا۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ اور بھی اچھا ہے۔ سب اپنی دھن میں مگن ہیں۔ ہماری کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔''

''تمہاری عقل پر سمندری جھاگ جمع ہو رہے ہیں۔ گولیاں چلیں گی تو وہاں بھگدڑ مچے گی۔ بدحواس رنگیلے ہر طرف نکل کھڑے ہوں گے۔ ان میں سے کوئی بھی ہمیں دیکھ

سکتا ہے۔ یہ تشویش ناک صورتِ حال ہے۔''

اچانک فضا ایک فائر کی آواز سے لرز اٹھی۔

''لو، پہلی گولی آ گئی!'' اپریٹس پر چاؤ فان کی پُر جوش آواز ابھری۔ ''اب جو ہوگا، دیکھ لیا جائے گا۔ تم محتاط رہنا۔''

فائر سنتے ہی لی نے چیخ کر کچھ کہا۔ ہماری بوٹ فوری طور پر حرکت میں آ گئی۔ یکایک اس کی روشنیاں گل کر دی گئی تھیں۔

پائلٹ نے دھیمی رفتار سے بوٹ کو گھما کر اس کا رخ سیدھا کیا پھر اس کی رفتار تیز ہوتی چلی گئی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اسپیڈ بوٹ چھوٹی ضرور تھی لیکن اس کا انجن بہت طاقتور تھا۔ سمندری راستے سے اسمگلنگ اور دوسرے ہیر پھیر کرنے کے لیے بوٹس کا برق رفتار ہونا ضروری تھا۔ چاؤ فان مجھے بتا چکا تھا کہ وہ دونوں بوٹس اس کی ملکیت تھیں۔ علامات بتا رہی تھیں کہ کالے دھندوں کے معاملے میں چاؤ فان بھی راجن سے کم نہیں تھا؟

چند منٹ بعد ہماری بوٹ ساحلی چٹانوں کی دیوار کی اوٹ سے نکلی تو ہمیں سمندر میں لنگر انداز وائٹ ہاک نظر آ گئی۔ اس کے عرشے سے لے کر نچلی منزلوں کی تمام راہ داریاں روشنی میں نہائی ہوئی تھیں۔ ان سے پیچھے روشن پورٹ ہول نظر آ رہے تھے۔ وائٹ ہاک اپنے سفید رنگ کی وجہ سے تاریک سمندر میں بہت ممتاز نظر آ رہی تھی۔

وائٹ ہاک سے بہت دور، پس منظر میں ہار بر کی نئی سی روشنیاں دور تک پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ وہ ہم سب سے اتنی دور تھیں کہ وہاں چلنے والی گولیوں کی آواز کا وہاں تک پہنچنا ممکنات میں سے تھا۔

فضا میں تواتر کے ساتھ فائرنگ کا شور گونج رہا تھا۔ چاؤ فان نے منصوبے کے مطابق وائٹ ہاک والوں کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

''لہروں کے مہیب اور دھیمے شور میں گولیوں کی آوازیں میرا دل اڑا رہی ہیں۔'' لی نے میرے شانے پر جھک کر سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ فائرنگ کے تبادلے سے اس کا حوصلہ کمزور پڑ گیا تھا۔

''فکر نہ کرو، چاؤ فان نے انہیں اپنی طرف الجھا لیا ہے۔ فی الحال ہماری طرف کوئی خطرہ نہیں ہے۔ چند منٹ بعد تم پانی میں اتر کر اور زیادہ محفوظ ہو جاؤ گی۔''

وائٹ ہاک کھلے سمندر میں کسی دیو پیکر، سفید عفریت کی طرح ساکت کھڑی ہوئی تھی۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس پر بھگدڑ مچ گئی۔ متعدد انسانی ہیولے اس لانچ کی روشن راہ داریوں میں افراتفری کے عالم میں بھاگ رہے تھے۔

اچانک ہماری بوٹ کی رفتار کم ہونے لگی۔ اس کے ساتھ اس کا رخ بھی بدل گیا۔ وہ وائٹ ہاک کی طرف بڑھنے کے بجائے اس کے متوازی ہو گئی تھی۔

پائلٹ کیبن سے کسی نے اونچی آواز میں کچھ کہا اور لی اچانک سیدھی ہو گئی۔

''پیغام میرے لیے تھا۔'' اس نے اپنے سراپا پر نظر ڈالتے ہوئے مجھے بتایا۔ ''آگے بڑھنے کی صورت میں ہم ان کی فائرنگ رینج میں آ جائیں گے۔ ناخدا مجھے پانی میں اترنے کے لیے کہہ رہا ہے...... میں جا رہی ہوں۔''

میں نے لی کی طرف دیکھا۔ آسمان پر ٹمٹماتے ہوئے تاروں کی روشنی میں مجھے اس کی آنکھوں میں عجیب سی حیوانی چمک نظر آئی۔ اس نے اپنا ہیڈ گیئر شانوں پر گرایا، میں نے ڈوری کی چرخی پر ہاتھ رکھا، لی نے میری طرف ہاتھ لہرایا اور ایک پُر شور چھپاکے کے ساتھ سمندر میں کود گئی۔

ہموار لہروں میں پیدا ہونے والا ارتعاش چند لمحوں میں، بلبلوں کی طرح غائب ہو گیا، لی سطح سمندر سے نیچے تیر رہی تھی اور چرخی سے ڈوری تیزی سے کھلتی جا رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ ہماری بوٹ تھم چکی تھی۔ وہ لہروں کے زور پر آگے پیچھے ہو رہی تھی۔ اپنی پوزیشن برقرار رکھنے کے لیے ہمارا بوٹ پائلٹ وقفے وقفے سے انجن سے کام لے رہا تھا۔

فائرنگ میں زبردست تسلسل آ گیا۔ وائٹ ہاک سے کئی آتشیں ہتھیار استعمال کیے جا رہے تھے۔ جن کی بھیانک آوازیں ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔

میں نے اندھیرے میں چرخی پر اپنا داہنا ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ اس پر لپٹی ہوئی نائلون کی مضبوط ڈوری اتنی تیزی سے کھل رہی تھی کہ اس کی رگڑ سے میری ہتھیلی اور انگلیوں میں خاصی حرارت پیدا ہو رہی تھی۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ لی پانی کی سطح سے چند انچ نیچے رہ کر بہت تیزی سے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہی تھی۔

ابتدا میں اسے گہرائی میں اترنے کی ضرورت نہیں تھی۔ سطح سمندر سے نیچے رہ کر تیز رفتاری سے وائٹ ہاک تک پہنچنا تھا۔ اس کے لیے بھٹکنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اپنی سمت درست رکھنے کے لیے وہ وقفے وقفے سے سطح آب پر ابھر کر... پُر شکوہ وائٹ ہاک پر نظر ڈال سکتی تھی۔ اس لانچ کے قریب پہنچنے کے بعد اسے گہرائی میں اتر کر وائٹ ہاک کے پانی میں ڈوبے ہوئے پیندے تک پہنچنا تھا۔ وہاں ذرا سی دیر میں وہ اپنا کام مکمل کر سکتی تھی۔

نائلون کی ڈوری کی رگڑ سے پیدا ہونے والی گرمی ناقابلِ برداشت ہونے لگی تو میں نے اپنا داہنا ہاتھ ہٹا کر بایاں ہاتھ وہاں رکھ دیا۔ اس وقت وہ چرخی میرے لیے لی کی نبض بنی ہوئی تھی۔ جب تک وہ وائٹ ہاک کے قریب نہ پہنچتی، ڈوری کھلتی چلی جاتی۔ اس کے منزل پر پہنچنے کے بعد وہ عمل برائے نام رہ جاتا اور مجھے اندازہ ہوجاتا کہ اس نے لانچ کے پیندے میں بم چپکانے کے کام کا آغاز کردیا تھا۔

میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریک سمندری لہروں کو دیکھتا رہا جو وائٹ ہاک سے آنے والی روشنیوں کے انعکاس میں کہیں کہیں چاندی کے پگھلے ہوئے عفریت کی طرف چمک رہی تھیں۔ ان میں لی کا کہیں نام ونشان نظر نہیں آرہا تھا۔ چرخی کی حرکت بتارہی تھی کہ اس کا سفر جاری تھا۔

دوسری طرف گولیاں چل رہی تھیں۔ تاریک فضا میں روشن انگارے وائٹ ہاک کی طرف آتے اور جاتے ہوئے نظر آرہے تھے، لانچ کے محافظ چاؤ فان کی بوٹ کو غرق کرنے پر تل گئے تھے اور وہ قطعی طور پر ان کی زد سے دور رہ کر ان کی طرف فائرنگ کررہا تھا۔ وائٹ ہاک والوں کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ہنگامی طور پر لنگر اٹھا کر حرکت میں آسکیں۔

تھوڑی دیر کی زبردست افراتفری اور بھاگ دوڑ کے بعد وائٹ ہاک کی نظر آنے والی روشن راہ داریاں ویران ہوچکی تھیں۔ شراب وشباب کے خمار میں بدمست لوگ گولیوں کی آوازوں سے دہشت زدہ ہوکر شاید اس سفید لانچ کے کونوں کھدروں میں جا گھسے تھے۔ وائٹ ہاک کے ان بدحواس مہمانوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ ہماری سمت میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس بارے میں میرے اندیشے بے بنیاد ثابت ہورہے تھے۔

اچانک وائٹ ہاک کے عرشے پر پھیلی ہوئی تیز روشنی کم ہوگئی۔ چاؤ فان کی طرف سے آنے والی ایک گولی نے عرشے کی ایک سرچ لائٹ کو نشانہ بنالیا تھا۔

''ماسٹر! مزہ آگیا!'' ایرپیس پر چاؤ فان کی پرجوش آواز ابھری۔ ''کاش! میری بوٹ بارود سے لدی ہوئی ہوتی اور میں اسے وائٹ ہاک سے پوری رفتار سے لڑا سکتا۔ ہماری رائفلوں کی رینج ان سے زیادہ ہے۔ ابھی ابھی ہم نے ان کی ایک قیمتی سرچ لائٹ تباہ کی ہے۔''

میرا بایاں ہاتھ چرخی کی حرکت محسوس کررہا تھا۔ میں نے داہنے ہاتھ سے ایرپیس کا بٹن دبا کر کہا۔ ''خود پر قابو رکھو۔ تم کو خودکشی کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ انہیں مزید نقصان پہنچانے کی کوشش کرو، وہ کسی بھی لمحے وہاں پہنچ جائے گی۔''

چرخی کی حرکت تھم گئی۔ ڈور کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے، لی اپنی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہوچکی تھی۔

''ماسٹر! یہ میری زندگی کا سب سے بڑا آپریشن ہے۔'' چاؤ فان اسی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''ہم کامیاب ہوگئے تو کالے شیطان کا منہ کالا ہوجائے گا۔''

''وہ پہنچ چکی ہے۔ ذرا سی دیر میں کام پورا ہوجائے گا۔'' میں نے اسے مطلع کیا۔ اس بار میں اپنے جوش پر قابو رکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

''تمہیں کیسے پتا چل گیا؟'' اس کی بے ساختہ آواز تحیر زدہ تھی۔ اس میں واحد خرابی یہی تھی کہ وہ اپنی عقل کے استعمال میں کفایت سے کام لیتا تھا۔

اسے پوری تفصیل بتانے کا موقع نہیں تھا۔ میں نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ ''وہ چڑیل ہے اور میں جن ...... ہمارے درمیان غیر مرئی رابطہ استوار ہوچکا ہے۔''

''مجھے یہ معلوم تھا کہ ایسا ہوکر رہے گا۔'' اس خطرناک ماحول میں بھی اس نے میری کہی ہوئی بات سے کوئی اور مفہوم اخذ کرلیا۔ ''وہ قیامت کی عورت ہے۔ تم پر شروع سے اس کی نیت خراب تھی ...... لو، ان کی ایک اور سرچ لائٹ گئی۔''

اس نے غلط نہیں کہا تھا۔ اس بار گولی لگتے ہی وائٹ ہاک کی ایک سرچ لائٹ تیز دھماکے سے پھٹی تھی۔ وہ دھماکا گولیوں کے شور میں نمایاں تھا۔

کامیابی کے آثار چاؤ فان کے ساتھ میرے ذہن پر بھی اثر انداز ہورہے تھے مگر میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

ڈور والی چرخی تقریباً ساکت ہوچکی تھی۔ میں نے چشمِ تصور سے دیکھا کہ لی گہرے پانی میں اطمینان سے مقناطیس وائٹ ہاک کے آہنی پیندے سے چپکا رہی تھی۔ وہ بہت ہولناک اور جان لیوا مرحلہ تھا۔ لی کو معلوم ہوچکا تھا کہ اس کے بیلٹ سے باندھے جانے والے دونوں آہنی بکسوں میں کچھ آلات کے ساتھ بارودی بم بھی موجود تھے۔ ریموٹ کنٹرولڈ ہونے کے باوجود وہ کسی بے احتیاطی کے نتیجے میں حادثاتی طور پر پھٹ جاتے تو سمندر میں لی کے چیتھڑوں تک کا پتا نہ چلتا۔ اس حقیقت سے آگاہ ہونے کے باوجود لی نے اس کام کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھا کر اپنی دلیری اور بے خوفی کا ناقابلِ تردید ثبوت فراہم کردیا تھا۔

چرخی پر آیا ہوا تناؤ یک لخت ختم ہوگیا۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ شاید لی اپنا کام ختم کرکے واپس آرہی تھی۔ میں نے اپنے اندازے کی تائید کے لیے چرخی کو ہاتھ سے الٹا

گھمایا اور ڈھیلی ڈور آسانی سے اس پر لپٹتی چلی گئی۔
میں نے کامیابی کے نشے سے سرشار ہو کر، چرخی کے سرے پر لگی ہوئی آہنی کرینک کو تیزی سے گھمانا شروع کر دیا۔ ڈوری کسی رکاوٹ کے بغیر چرخی پر آنے لگی۔ چند ثانیوں میں اس کی ڈھیل ختم ہو گئی۔ کرینک کے ساتھ میرے ہاتھ کو بھی ہلکا سا جھٹکا لگا۔ دوسرے لمحے میں ڈوری پھر ڈھیلی ہو گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ لی اتنا فاصلہ طے کر چکی تھی۔
میں نے کرینک گھمانے کی رفتار کم کر دی۔ ڈھیل اور جھٹکوں کا تواتر شروع ہو گیا۔ خوشی سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہم نے وہ بڑا کام اتنی آسانی سے مکمل کر لیا تھا۔
''ماسٹر! غضب ہو گیا۔'' اچانک ایر پیس پر چاؤ فان کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔ ''انہوں نے کمک طلب کر لی ہے، ہاربر کی طرف سے کوئی اسپیڈ بوٹ ادھر آ رہی ہے۔ ہم رکے رہے تو مارے جائیں گے...... میں بھاگ رہا ہوں...... ادھر کیا پوزیشن ہے؟''
''ہماری فکر چھوڑو۔'' میں نے چرخی پر لپٹی ہوئی ڈوری کی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی موٹائی پر نظر ڈال کر کہا۔ ''شاید کام ہو چکا ہے۔ تم اپنی جان بچاؤ اور بھاگ کر ٹھکانے پر پہنچو۔''
فائرنگ کے شور میں یکایک نمایاں کمی آ گئی۔ شاید چاؤ فان اور اس کے آدمیوں نے گولیاں برسانے کا سلسلہ موقوف کر کے، بھاگ نکلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
''ماسٹر! مادام کہاں ہے؟'' اس نے بوکھلائی ہوئی اور تشویش زدہ آواز میں پوچھا۔
''ابھی تک سمندر میں ہے۔ خطرہ بڑھ گیا تو میں ڈوری کاٹ کر اسے یہیں چھوڑ دوں گا اور خود واپس چل دوں گا۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔
وہ میرے الفاظ تھے، میرا ان پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لی نے ہمارے لیے بہت بڑا کام کیا تھا۔ وہ اس رات کی ہیروئن تھی، میں کسی قیمت پر اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا، چاؤ فان نے میرے اس سنجیدہ مذاق پر اسی لمحے یقین کر لیا اور متاسفانہ آواز میں بولا۔
''ماسٹر! تم بہت سنگ دل اور سفاک ہو، اس کے ساتھ ایسا ظلم نہ کرنا۔ میری مانو تو ڈوری مت کاٹو، اسی طرح وہاں سے چل دو، وہ کسی زیرِ آب چٹان سے ٹکرا کر نہ مری تو کسی نہ کسی طرح بوٹ پر آ جائے گی۔ چرخی لاک کر دو اور چل پڑو۔''
چاؤ فان کے الفاظ سے اس کا دلی کرب جھلک رہا تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ ان نازک لمحات میں اس کے دل میں میری سفاکی کی دہشت بیٹھ گئی تو وہ مجھ سے ایک پل کے لیے بھی مخلص نہیں رہ سکے گا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ ''آزردہ ہونے کی ضرورت نہیں، میں مذاق کر رہا تھا۔ وہ چند منٹوں میں بوٹ پر آنے والی ہے۔ اس رات کی شہزادی کو میں بے سہارا نہیں چھوڑوں گا۔''
''تم گریٹ ہو!'' وہ خوش ہو گیا۔ ''ہماری بوٹ جھاگ اڑاتی، پوری رفتار سے لوٹ رہی ہے۔ وہ سب اتنے خوف زدہ ہیں کہ ابھی تک گولیاں چلائے جا رہے ہیں، ہاربر سے آنے والی بوٹ بہت تیز رفتار ہے۔ اس کے ہیڈ لیمپ کی روشنی بھی بہت تیز ہے جو ہر لمحے قریب آتی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود وہ ہمیں نہیں دیکھ سکیں گے۔ ہم نے ابھی تک اپنی ساری روشنیاں بند رکھی ہوئی ہیں۔''
موجوں پر تھرکتی ہوئی ہماری بوٹ سے کچھ فاصلے پر پانی میں ہلچل ہوئی اور لی سطح پر آ گئی۔ اس نے پوری قوت سے پانی میں چند اسٹروک مارے اور بڑھ کر بوٹ کا کنارہ پکڑ لیا۔ میں نے پھرتی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے اوپر کھینچ لیا۔
سب سے پہلے میری نظر اس کی بیلٹ کی طرف گئی جہاں بارودی بکسوں کا نام و نشان نہیں تھا۔ ہماری بوٹ کا پائلٹ اس کی واپسی کا منتظر تھا، لی نے جیسے ہی بوٹ پر قدم رکھا، انجن کی غراہٹ تیز ہوئی اور وہ واپس روانہ ہو گئی۔
لی کے لیے پیروں میں موجود لمبے لمبے فلیپرز کی وجہ سے اپنے قدموں پر حرکت کرنا دشوار تھا۔ اس نے اوپر آتے ہی سب سے پہلے ان سے چھٹکارا حاصل کیا پھر اپنا ہیڈ گیئر الٹ دیا۔ اس کے لباس سے اس وقت پانی کی دھاریں سی بہہ رہی تھیں۔ اس نے اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھا، اس کے ہونٹوں کے گوشے کپکپائے اور میں نے فتح مندی کے جذبات سے مغلوب ہو کر بے اختیار اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔
''ماسٹر! شاید میں نے اپنی بہن کے خون کا انتقام لے لیا۔'' اس نے وفور جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔ ''اب ہم اس لانچ کو اڑا دیں گے۔''
ہماری بوٹ کھلے سمندر میں تیزی سے گھومی اور ہمارا توازن بگڑ گیا۔ دونوں نے ہڑبڑا کر ایک دوسرے کو تھاما، سنبھلنے کے بعد لی نے ڈائیونگ کے وزنی لباس سے جان چھڑانی شروع کر دی، اس کا کام پورا ہو چکا تھا۔
چاؤ فان نے اس مہم کے بارے میں اپنے آدمیوں کو پوری طرح بریف کیا ہوا تھا۔ بنکاک کے سب سے طاقت ور غنڈے کے مفادات پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے وہ منصوبہ بندی

ضروری تھی۔ وہ ہاربر کی طرف سے کسی اسپیڈ بوٹ کی آمد کی اطلاع دے چکا تھا۔ اس کے پیچھے کچھ اور بوٹس بھی آ سکتی تھیں۔ ذرا سی دیر کی بات تھی۔ اس کے بعد راجن کے آدمی، اس کے زرخرید سرکاری اہل کاروں کے ساتھ مل کر وائٹ ہاک پر حملہ کرنے والوں کی تلاش کی بڑی مہم شروع کر سکتے تھے۔

ہماری بوٹ سے ساحل پر رسا پھینکا گیا نہ اسے کنارے لے جانے کی کوشش کی گئی۔

پائلٹ نے بوٹ روک کر اپنی زبان میں کچھ کہا اور لی میرا ہاتھ تھام کر پنڈلیوں تک اونچے پانی میں کود گئی۔ میں نے اس کی تقلید کی ہم دونوں اس بوٹ پر خالی ہاتھ گئے تھے اور اسی طرح نیچے اتر آئے۔

ہمیں اتار کر بوٹ پانی میں گھومی اور بہت تیزی کے ساتھ کھاڑی سے دور ہوتی چلی گئی۔ اس کا کھاڑی میں رکنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

پانی سے نکل کر خشک چٹان پر چڑھتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ فائرنگ کا شور دم توڑ چکا تھا۔ شاید وائٹ ہاک والوں کو ہوش آ گیا تھا کہ وہ حملہ آوروں کے فرار ہو جانے کے بعد بلا وجہ اپنا میگزین برباد کر رہے تھے۔

''مقناطیس زبردست تھے۔'' لی نے اپنی زیرِ آب مہم کے بارے میں پہلی بار زبان کھولی۔ ''ان کو آن کرتے ہی آہنی بکس خود بہ خود لانچ کے پیندے سے چپک گئے۔ وہ بندوبست نہ کیا گیا ہوتا تو سپاٹ آہنی چادروں پر کچھ بھی نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ وہ ترکیب کس کی تھی؟''

''سب نے کچھ نہ کچھ کیا ہے۔ یہ ہم سب کی مشترکہ کامیابی ہے۔''

اسی اثنا میں چاؤ فان کی بوٹ ایک سیاہ دھبے کی طرح کھاڑی میں نمودار ہوئی اور واضح ہوتی چلی گئی۔ وہ بوٹ بھی کنارے تک نہیں آئی، چاؤ فان کو پانی میں اتارا اور مڑ کر بہت تیزی سے واپس کھلے سمندر کی طرف روانہ ہو گئی۔

''سیدھے چلے آؤ۔ ہم انتظار کر رہے ہیں!'' چاؤ فان کو ادھر ادھر نظریں دوڑاتا ہوا دیکھ کر میں نے آواز لگائی اور وہ اپنے پائنچے اوپر کر کے اطمینان سے ہماری طرف آنے لگا۔

''گاڑی میں چلو اور یہاں سے بھاگنے کی فکر کرو۔'' اس نے چند قدم کے فاصلے سے آواز لگائی۔ ''ذرا سی دیر میں چھوٹا راجن کے آدمی ہر طرف پھیل جائیں گے۔ ان کے نمودار ہونے سے پہلے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

اس کی بات درست تھی۔ میں لی کا ہاتھ تھام کر، اندھیرے میں چاؤ فان کی گاڑی کی طرف بڑھنے لگا جو سخت چٹانوں کے پیچھے موجود تھی۔

''ریموٹ کنٹرول کہاں ہیں؟'' لی نے متجسس لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔ ''مجھے دو، میں یہاں سے نکلنے سے پہلے وائٹ ہاک کو اڑانا چاہتی ہوں۔''

''وہ میرے پاس ہیں۔'' چاؤ فان نے اس کی بات سن کر جواب دیا ''ابھی اس پر بہت سے خوف زدہ لوگ موجود ہیں۔ وائٹ ہاک کو نقصان پہنچا تو بھگدڑ میں بہت سے آدمی مارے جائیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ ایک آدھ گھنٹے میں وہ سب نکل جائیں گے۔ وائٹ ہاک کو اڑانے کے لیے چار بجے کا وقت موزوں رہے گا۔''

''تو کیا ہم کو دوبارہ یہاں آنا ہوگا؟'' لی نے چونک کر پوچھا۔ ''تم اس پر موجود لوگوں کی فکر کیوں کر رہے ہو۔ وہ سب بدمعاش، آوارہ اور راشی ہوں گے۔ تمہارا بارود اتنا طاقت ور نہیں ہے کہ اس کے پھٹنے سے وائٹ ہاک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ زیادہ سے زیادہ اس میں سوراخ ہو جائے گا۔ وہ دھیرے دھیرے ڈوبتی رہے گی، لوگ اس سے نکل کر بھاگتے رہیں گے۔''

لی ہوشیار عورت تھی۔ اس نے وہی کچھ کہا جو ہم لوگ پہلے سوچ چکے تھے لیکن اس وقت ہمارے لیے اس ویران کھاڑی کے قریب رکنا مناسب نہیں تھا۔ راجن کے آدمیوں کو اس سمندری علاقے میں ایسے ہر مشکوک اڈے کا علم ہونا چاہیے تھا جہاں سے خفیہ تخریبی کارروائیوں کا امکان ہو سکتا تھا۔ کچھ دیر کی بات تھی پھر سمندر کے راستے اس کے مسلح آدمی ہماری تلاش میں اس کٹاؤ دار پہاڑی ساحل پر پھیل جاتے۔

''ابھی یہاں سے نکلو۔'' میں نے اسے گاڑی کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا، یہ باتیں ہم گاڑی میں بھی کر سکتے ہیں۔''

ہم گاڑی میں سوار ہوئے اور چاؤ فان نے اس بار ہیڈ لیمپس روشن کیے بغیر، احتیاط اور سست روی سے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

اس کچے اور ناہموار راستے پر روشنی کے بغیر گاڑی چلانا چاؤ فان ہی کا کام تھا۔ ہم کسی گہرے گڑھے یا کھڈ میں پھنسے بغیر، شدید ہچکولے کھاتے ہوئے، کچھ دیر بعد پختہ سڑک پر جا نکلے اور چاؤ فان نے گاڑی سڑک پر چڑھاتے ہی ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔

اس دوران میں میرا ذہن وائٹ ہاک والوں میں الجھا رہا۔ انہیں بھول کر بھی یہ خیال نہیں آ سکا ہوگا کہ انہیں فائرنگ میں الجھا کر ان کی لانچ کی غرقابی کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔

میں اس کے اس خیال سے متفق تھا کہ ہمیں ایک بار اپنا کام پورا کر کے وہاں سے لوٹنا چاہیے۔ بموں کے استعمال کا التوا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔

وہ دونوں ایک زبردست مہم کے بعد یک جا ہوئے تھے اور ایک دوسرے کو اپنی کارکردگی سے آگاہ کر رہے تھے۔

''ماسٹر! اب میرے لیے کیا حکم ہے؟'' ویران اور.... خطرناک علاقے کی حدود سے نکل آنے کے بعد چاؤ فان نے مجھ سے پوچھا۔

''کسی ایسے مقام کی طرف چلو جہاں سے وائٹ ہاک کو دیکھا جاسکے۔'' میں نے دھیمی اور پُر خیال آواز میں اسے ہدایت دی۔

''اوہ...... اس کا مطلب ہے کہ تم بھی مادام کے ہم خیال ہوگئے!'' وہ افسردہ لہجے میں اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن لی کی موجودگی کی وجہ سے اس نے ادھوری بات ختم کردی۔

''جو کام اس وقت ہوسکتا ہے اسے کل پر کیوں چھوڑا جائے، صرف دو بٹن دبانے رہ گئے ہیں لی کے دل کا ارمان بھی پورا ہوجائے گا۔''

''اس وقت یہاں ہلچل شروع ہونے والی ہے۔ ایک طرف چھوٹا راجن کے آدمی نکل آئیں گے۔ دوسری طرف سرکاری اہل کار اور پولیس والے بھی سرگرم ہوجائیں گے۔ فائرنگ کا جم کے تبادلہ ہوا تھا۔ وہ آوازیں دور دور تک سنی گئی ہوں گی۔'' چاؤ فان نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

میں نے اس کی بات سنی اَن سنی کردی۔ اس وقت ہمارے پاس کوئی مشتبہ چیز موجود نہیں تھی۔ دو ننھے سے ریموٹ کنٹرول رہ گئے تھے۔ ایک مرتبہ استعمال کے بعد وہ بھی ناکارہ ہوجاتے اور کسی ڈسٹ بن میں پھینک دیے جاتے۔

اتنی رات گئے پورٹ ایریا میں مٹر گشت کو مشتبہ تصور کر کے کوئی پولیس پارٹی ہمیں روک لیتی تو اسے ہمارے پاس سے کچھ نہیں مل سکتا تھا۔

چاؤ فان نے پورٹ کے حساس اور ممنوعہ علاقے سے دور، ایسی جگہ منتخب کی جہاں سے ہم اپنی گاڑی میں بیٹھے بیٹھے وائٹ ہاک کو دیکھ سکتے تھے۔

فضا میں دھند یا کہر کا نام ونشان نہیں تھا۔ موسم بالکل صاف تھا اور پھر وائٹ ہاک پر تیز روشنیاں جل رہی تھیں۔ ہمیں وہ لانچ صاف نظر آرہی تھی۔

فائرنگ کی زد میں آنے والی سرچ لائٹس کا کوئی متبادل بندوبست ہوجانے کے بعد اس لانچ کا عرشہ بہت روشن تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ کئی منزلہ بوٹ کا وسطی ڈیک کھلا ہوا تھا اور اس سے بہت سے لوگ ایک موٹر بوٹ پر اترتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ مقابلہ ہونے کے بعد شاید وائٹ ہاک کے سارے پروگرام منسوخ کردیے گئے تھے اور مطلع صاف ہوتے ہی مہمانوں کی واپسی کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔

وائٹ ہاک کے آس پاس کئی چھوٹی کشتیاں بھی منڈلا رہی تھیں۔ ان لوگوں نے پورے زور وشور سے حملہ آوروں کی تلاش کی مہم شروع کی ہوئی تھی۔ سب کی توجہ کھلے سمندر کی طرف اور اس سمت میں مرکوز تھی جدھر چاؤ فان کی اسپیڈ بوٹ فرار ہوئی تھی۔ جہاں ہم موجود تھے، وہاں دور دور تک کسی کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔

''وائٹ ہاک خالی ہورہی ہے، وہاں سے لوگ بھاگ رہے ہیں۔'' اس منظر کا جائزہ لینے کے بعد لی مسرت آمیز آواز میں بولی۔

''یہ یاد رکھو کہ عیاش لوگ، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، ہمیشہ بزدل ہوتے ہیں۔ وہاں فائرنگ کا دھواں دھار تبادلہ ہوا ہے۔ صرف پٹاخے بھی چلے ہوتے تو اس وقت بھگدڑ کا یہی سماں دیکھنے میں آتا۔'' میں نے کہا۔

''لاؤ، ریموٹ کنٹرول کہاں ہیں!'' لی نے چاؤ فان سے مطالبہ کیا۔

اس علاقے میں لگے ہوئے اونچے اونچے لیمپ پوسٹس کی زرد روشنی میں چاؤ فان نے بے بسی سے میری طرف دیکھا اور میں نے سر ہلا کر اسے ریموٹ لی کے حوالے کرنے کی اجازت دے دی۔

چاؤ فان نے بادل ناخواستہ اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب سے ایک نرم چرمی پاؤچ نکالا اور اس میں سے سیاہ پلاسٹک کی دو ڈبیاں نکال کر لی کی طرف بڑھا دیں۔ ''ذرا احتیاط سے ......'' اس نے لی کو ہدایت کی ''سرخ بٹن دبتے ہی بم چل جائے گا۔ یہ دونوں بموں کے الگ الگ ریموٹ ہیں۔''

لی کے چہرے پر کسی ایسے بچے کی سی مسرت آمیز سرخی آگئی جسے غیر متوقع طور پر اپنا من پسند کھلونا مل گیا ہو۔

''ایک تم چلاؤ گے!'' لی نے ایک ڈبیا میری طرف بڑھا دی۔ اپنے سائز کے اعتبار سے وہ کافی وزنی تھی۔ معلوم ہورہا تھا کہ اس میں ٹھوس لوہا بھرا ہوا ہے۔

وائٹ ہاک والے اپنی بدقسمتی سے بے خبری کے عالم

میں اس بحری کیسینو پر آئے ہوئے مہمانوں کے انخلا میں مصروف تھے۔ ان میں سے بعض مرد اور عورتیں نشے میں اس قدر دھت تھیں کہ وسطی عرشے کے کھلے ہوئے چوبی ریمپ پر دو دو آدمی انہیں سہارا دے کر چھوٹی موٹر بوٹ پر اتار رہے تھے۔

لی نے اپنی ڈبیا داہنے ہاتھ میں تھام کر انگوٹھا اس کے سرخ بٹن پر رکھ دیا۔ میں نے اس سے ملنے والی دوسری ڈبیا خاموشی سے چاؤ فان کو تھما دی۔

''ایک ...... دو ...... تین!'' لی نے آخری ہندسہ ادا کرتے ہی بٹن دبا دیا۔

ایک خوفناک دھماکے سے فضا لرز اٹھی۔ دھماکا زیرِ آب ہوا تھا اس لیے آواز ذرا دب گئی تھی لیکن اس لانچ کے پیندے میں ہونے والے بارودی دھماکے کی قوت کا اندازہ اس جھٹکے سے ہوا تھا جو وائٹ ہاک کو لگا تھا۔

یوں محسوس ہوا جیسے خلیج سیام کی تہ میں چھپی ہوئی کسی سمندری بلا نے وائٹ ہاک کو اچانک اپنے دونوں ہاتھوں پر اوپر اچھال کر دوبارہ سطحِ سمندر پر رکھ دیا ہو۔ دھماکے سے دیو پیکر لانچ بری طرح ہل کر رہ گئی۔ کھلے ہوئے ریمپ پر اترنے والے کئی لوگ اچھل کر سمندر میں جا گرے۔ دھماکا ہوتے ہی فضا انسانی چیخ وپکار سے لرز اٹھی۔

لی کے لیے وہ صرف ایک دھماکا تھا لیکن ہم نے اس واردات کے لیے پوری منصوبہ بندی کی ہوئی تھی۔ ڈان کی ہدایت کے عین مطابق چاؤ فان نے کافی طاقت ور بموں کا بندوبست کیا تھا تاکہ وائٹ ہاک کے دہرے فولادی پیندے میں آر پار اتنا بڑا سوراخ ہو سکے کہ کسی کے لیے ہنگامی طور پر اسے بند کرنا ممکن نہ رہے۔ ایسے سوراخ کر کے ہی وائٹ ہاک اور راجن کے غرور کی غرقابی کو ممکن بنایا جا سکتا تھا۔

اچھل کر دوبارہ سطحِ سمندر پر ٹکنے کے بعد وائٹ ہاک ساکت نہ رہ سکی۔ بم کے دھماکے سے پھٹنے والی فولادی چادروں میں سے سمندری پانی کا ریلا اس کی تہ میں بھرنا شروع ہو گیا تھا اور نہایت غیر محسوس انداز میں، دھیرے دھیرے وائٹ ہاک کا رخ بدلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ پھٹنے والے بم کی کارکردگی میری توقع سے بڑھ کر رہی تھی۔

''تم کس کا انتظار کر رہے ہو!'' میں نے چاؤ فان سے کہا ''لی کی تقلید کرو۔ اب انہیں سنبھلنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔''

چاؤ فان نے اپنا ہاتھ سیدھا کیا اور دوسری ڈبیا کا بٹن بھی دبا دیا۔

لانچ اس بار زیادہ بری طرح لرز کر رہ گئی۔ اس پر قیامت برپا ہو چکی تھی۔ چیخ وپکار کے درمیان کئی دہشت زدہ افراد نے وائٹ ہاک کی مختلف منزلوں سے سمندر میں چھلانگیں لگا دی تھیں۔

پے درپے ہونے والے دودھماکوں نے سب کے حواس مختل کردیے تھے۔ بیشتر لوگوں کو شاید خوف لاحق ہوگیا تھا کہ وہ دھماکوں کا کوئی نہ رکنے والا تسلسل تھا۔ قدرے وقفے کے بعد تیسرا اور چوتھا دھماکا بھی ہوسکتا تھا۔ وائٹ ہاک کے مختلف حصوں سے لوگوں کی ایک یلغار ریمپ پر آنے کے لیے دھکم پیل کررہی تھی۔

''لرزہ خیز منظر ہے!'' چاؤ فان کی متاسفانہ آواز ابھری ''اس افراتفری میں بہت سے لوگ ناگہانی مارے جائیں گے۔ ہم کچھ دیر انتظار کرلیتے تو اس جانی نقصان سے بچا جاسکتا تھا۔''

''مرنے والوں کی موت اسی طرح لکھ دی گئی تھی۔'' میں نے وائٹ ہاک پر نظر آنے والے عبرت آمیز منظر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا ''یہ یاد رکھو کہ جس کی موت آگئی ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچاسکتی' جس کی زندگی باقی ہے اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ یہ ایک کائناتی اصول ہے' اس سے انحراف ممکن نہیں۔''

''تمہارے لائے ہوئے بم بہت طاقت ور تھے۔'' لی نے دبی دبی آواز میں کہا ''جاسوسی کے آلات کو تباہ کرنے کے لیے ایسے تباہ کن بموں کی ضرورت نہیں تھی۔''

''کیا تم اس تباہی سے ناخوش ہو؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''راجن کی روسیاہی کے خیال سے خوشی ہورہی ہے مگر اس بات کا افسوس ہے کہ اس بھگدڑ میں بہت سے بے گناہ بھی تچل کر یا سمندر میں گر کر مارے جائیں گے۔'' اس نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

''شراب کے نشے میں بدمست ہوکر' بھیڑیوں کی طرح پرائی عورتوں کی گھات لگانے والوں کو تم بے گناہ سمجھ رہی ہو تو میں تمہاری ذہنی حالت پر رحم کھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتا۔ یہاں وہی سب ہورہا تھا جو موتی محل کے کسی بند کمرے میں تمہاری بہن کے ساتھ ہوا تھا۔ فرق یہ ہے کہ وہاں صرف جبر تھا' یہاں گھناؤنے کھیل ہر فریق کی رضامندی سے کھیلے جاتے ہیں۔''

''ماسٹر! وائٹ ہاک نے گھومنا شروع کردیا ہے۔'' چاؤ فان نے پُرجوش آواز میں کہا ''میں شرط لگا سکتا ہوں کہ صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے یہ غرق ہوچکی ہوگی۔''

''ہمارا کام ہوچکا ہے' انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔'' لی بولی ''ہمیں لوٹ جانا چاہیے۔ اس بربادی کے بعد ہمارا زیادہ دیر تک یہاں رکنا مناسب نہیں ہے۔''

چاؤ فان نے لی کے ہاتھ سے ریموٹ لے لیا اور اسے پوری قوت سے سمندر کی طرف پھینک دیا۔ وزنی ڈبیا ایک چھپاکے کے ساتھ ڈوبتی چلی گئی۔ اس نے کسی توقف کے بغیر دوسری ڈبیا کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا اور ہم تینوں گاڑی کی طرف ہولیے۔

''خس کم جہاں پاک!'' چاؤ فان بڑبڑایا ''اب دیکھتے ہیں کہ چھوٹا راجن کیا کرتا ہے۔''

جواب میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔ ہم تینوں چاؤ فان کی گاڑی میں سوار ہوئے۔ معمول کے مطابق وہ خود ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔

بندرگاہ کے علاقے سے باہر نکلنے تک گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ شہر جانے والے راستے پر آنے کے بعد لی نے مجھے مخاطب کرکے سکوت توڑ دیا ''میں نے تم کو راجن سے اپنی نفرت کا سبب بتادیا لیکن تم نے ابھی تک اس سے اپنی دشمنی کی وجہ نہیں بتائی۔''

''چاؤ فان اس کے خون کا پیاسا ہے۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا ''اس کا خیال ہے کہ راجن یہاں بدمعاشی کرکے اس کی حق تلفی کررہا ہے۔''

''یہ بات تم بھی جانتی ہو کہ وہ بہت تیزی سے ہمارے معاشرے کو تباہ کررہا ہے۔'' چاؤ فان نے درمیان میں لقمہ دیا۔

''اس کے آنے سے پہلے ہم کون سا پارسا تھے۔ دنیا جانتی ہے کہ ہمارا ملک قحبہ گری کے ذریعے سب سے زیادہ زرمبادلہ کماتا ہے۔'' لی کا جواب خاصا تلخ تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ برائیاں پہلے بھی تھیں۔ چھوٹا راجن نے انہیں منظم کرکے تیزی سے فروغ دیا ہے۔ اس کا یہ جرم ناقابلِ معافی ہے۔'' چاؤ فان بولا۔

''یہ بیکار باتیں ہیں۔ اصل بات ماسٹر نے کہی ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ راجن تمہاری حق تلفی کررہا ہے۔ بردہ فروشی اور سیکس مافیا پر تمہارا راج ہونا چاہیے۔ اس نے باہر سے آکر تمہارے منہ کی روٹی چھین لی ہے۔''

شاید چاؤ فان کے لیے لی کی وہ الزام تراشی قابلِ قبول نہ ہوتی۔ میں نے اس کی ران دبا کر اسے خاموش کردیا اور بے پروایانہ انداز میں لی سے کہا ''یہ فطری بات ہے۔ یہاں کی اچھائیوں اور برائیوں پر مقامیوں کا حق ہے۔ کوئی بھی یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ باہر سے آنے والے لوگ آمدنی کے ذرائع پر قبضہ کرلیں۔ جائز کاروبار کے مقابلے میں کالے دھندوں میں اندھی آمدنی ہوتی ہے۔''

''بھئی میں تو اس سال بڑا خوش قسمت رہا...... میرے باغیچے
میں کچھ اُگا ہی نہیں...... آرام سے دن گزر رہے ہیں۔''

لی خاموش رہی۔ ہمارا واپسی کا سفر تیزی سے طے ہو رہا تھا۔

راجن کے خلاف ہمارا وہ منصوبہ بہت کامیاب اور بے داغ رہا تھا۔ دور دور تک یہ امکان نظر نہیں آ رہا تھا کہ راجن کے آدمی کسی بھی طرح لی سیاؤ یونگ تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکیں گے پھر بھی میں اس کی طرف سے محتاط رہنا چاہ رہا تھا۔

سفر کے آغاز میں چاؤ فان نے مجھے ہوٹل کے قریب سے لیا تھا۔ واپسی پر میں وہیں اترتا تو لی اندازہ لگا لیتی کہ میں ہلٹن ہوٹل میں رہ رہا تھا۔ میں راستے میں اترنے کی فرمائش کرتا تو چاؤ فان اس پر ہرگز آمادہ نہ ہوتا بلکہ بحث شروع کر دیتا۔ بحث کے نتیجے میں یہ بات کھل جاتی کہ میں ہلٹن ہوٹل میں مقیم تھا۔

اس مسئلے پر چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد میں نے اس کا حل نکال لیا اور چاؤ فان سے کہا ''اتنی رات گئے تمہارے شہر کی سیر کا مزہ کچھ اور ہے۔ پہلے لی کو اس کے گھر پر اتار دو۔ ہم کچھ دیر تک شہر میں آوارہ گردی کریں گے۔''

چاؤ فان کے لیے شہر کی کھلی اور ویران سڑکوں پر گاڑی بھگانا کسی عیاشی سے کم نہیں تھا۔ وہ میری تجویز پر خوش ہو گیا۔

''ماسٹر! آج شام تم چائے پر آ رہے ہو نا؟'' وہ معاملہ طے ہو جانے پر لی نے مجھ سے پوچھا۔

''کوشش کروں گا۔'' میں نے ٹالنے والے انداز میں مبہم سا جواب دیا۔

''تمہیں شک تھا اور میں کامیابی کے بارے میں پُر یقین تھی۔'' وہ بولی ''سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق ہوا ہے۔ اب تمہیں اپنے وعدے کے مطابق میرے پاس آنا ہوگا۔''

''آ جاؤں گا۔'' میں نے حجت سے بچنے کے لیے اقرار کر لیا۔ اس وقت میرا ذہن راجن کی طرف بھٹک گیا تھا۔ میں نے شام کو اکبر کے روپ میں اسے یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ اس کے دشمن اسے کوئی بھاری نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ راجن نے میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ میرا خیال تھا کہ وائٹ ہاک کی بربادی کا علم ہوتے ہی اسے میرا خیال آئے گا اور وہ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے بے چین ہو جائے گا۔

اس مرحلے کے لیے مجھے ہر لمحے ذہنی طور پر تیار رہنا تھا۔
لی کی رہائش بنکاک کے ایک مہنگے اور صاف ستھرے رہائشی علاقے میں تھی۔ اس بڑے مکان کے پھاٹک پر پستہ قامت تھائی دربان اپنی مالکن کی واپسی کا منتظر تھا۔ باہر گاڑی کی آواز سنتے ہی اس نے خوب صورت چوبی پھاٹک کھولا لیکن لی نے گاڑی باہر ہی رکوالی۔
''شام کو میں تمہاری منتظر رہوں گی۔'' اس نے گاڑی سے اترتے ہوئے ایک ادا کے ساتھ کہا ''اپنا وعدہ یاد رکھنا۔''
ہماری طرف ہاتھ لہرا کر وہ مڑی اور کھلے ہوئے پھاٹک کی طرف چل دی۔
''ماسٹر! عورت بہت زوردار ہے۔'' چاؤ فان نے ندیدے انداز میں سرگوشی کی ''یہ تم پر مہربان بھی ہے' ملو گے تو زندگی کا مزہ آجائے گا۔''
''کیا تمہارے دماغ میں ہر وقت یہی گھٹیا باتیں گھسی رہتی ہیں؟'' میں نے خفا ہو کر کہا۔
''ماسٹر! میں تمہارے سامنے اپنا دل کھول کے رکھ دیتا ہوں۔ تم اندر ہی اندر گھٹتے رہتے ہو۔'' اس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے شکوہ کیا ''تم جب بھی اس کی طرف دیکھ رہے تھے' تمہاری آنکھوں میں اس کے لیے پسندیدگی ناچ رہی تھی۔''
''پسند آنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ عورت کو تل کر کھا لیا جائے۔'' میں نے چیخ کر جواب دیا ''اس نے ہمارے لیے بے مثال کارنامہ انجام دیا ہے۔ کیا اس کا کام اس قابل نہیں تھا کہ اسے سراہا جائے؟ تم ہر بات کا غلط مفہوم کیوں لیتے ہو؟''
''یہ میرے مقدر کی خرابی ہے کہ میں جو بات تمہیں خوش کرنے کے لیے کہتا ہوں' تم اس پر بھی ناراض ہو جاتے ہو۔'' اس نے افسردگی سے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا ''مادام ہمارے شہر کی جان ہے۔ خدمت کے پیسے لیتی ہے پھر بھی اس کی خلوت میں پہنچ جانے والے اپنی قسمت پر رشک کرتے ہیں۔ تم ناراض ہو رہے ہو۔''
''تم نے آج کے پروگرام کے بارے میں ڈان کو کچھ بتایا تھا؟'' میں اسے لگام نہیں دے سکتا تھا' میں نے اچانک موضوع بدل دیا۔
''تم نے ہی کہا تھا کہ اسے ہر بات کی خبر دینے کی ضرورت نہیں۔ وہ کوششوں کے بجائے نتائج پر نگاہ رکھنے کا عادی ہے!''
''کہا ہوگا۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''اب نتیجہ برآمد ہو چکا ہے۔ ڈان کو وائٹ ہاک کی تباہی کا شدت سے انتظار تھا۔''
''چار بج چکے ہیں۔'' اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے مایوسی سے کہا ''وہ سیلرز بار بند کر کے سو چکا ہوگا۔ صبح اسے اطلاع دے دوں گا۔''
''اس سے پہلے اسے کسی نہ کسی ذریعے سے خبر مل جائے گی۔ وائٹ ہاک کی تباہی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اسے نیند سے اٹھا کر بھی خبر دی جا سکتی ہے۔''
''ماسٹر! کیوں مجھے مروانے پر تلے ہوئے ہو۔ وہ مجھ سے ویسے ہی سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔ میں نے اسے گہری نیند سے اٹھایا تو وہ کاٹ کھانے کو دوڑے گا۔ یہ کام تم کر لو تو میری سات پشتیں تمہاری احسان مند رہیں گی۔''
''تمہارا دم نکل رہا ہے تو یہ کام بھی میں خود کر لوں گا۔'' میں نے بیزاری سے کہا ''اب تم مجھے جلدی سے میرے ہوٹل پہنچا دو۔''
''ہائیں..... تو کیا تم شہر کی سیر نہیں کرو گے؟'' اس نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔
''وہ بہانہ تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اسے میری قیام گاہ کا اندازہ ہو سکے۔''
''ماسٹر! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم نے اس کا گھر دیکھنے کے لیے یہ چکر چلایا ہو۔'' وہ شوخی سے بولا ''میری یہ بات کہیں لکھ لو کہ یہ شہر تمہارے لیے اب بھی اجنبی ہے۔ اپنے اس خادم کی مدد کے بغیر تم دوبارہ مادام کے گھر نہیں پہنچ سکو گے!''
''خاموش رہ کر گاڑی چلاؤ۔'' میں نے جھلا کر کہا ''اب کوئی فضول بات کی تو میں یہیں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں گا۔''
میری دھمکی کارگر رہی۔ اس نے خاموشی اختیار کر لی۔

☆☆☆

مشن بہت مشکل تھا۔ غزالہ ہماری دشواریوں سے بہ خوبی واقف تھی۔ وہ بہت زیادہ فکرمندی اور تشویش کے ساتھ میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا۔
میرے پاس اسے بتانے کے لیے بہت کچھ تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اسی وقت فون کر کے جلال یا اوّل خان کو اپنی زبردست کامیابی کی اطلاع دوں مگر میں نے وہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔
ہم بنکاک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں اپنے کھیل میں وائٹ ہاک کی اہمیت کا پورا پورا اندازہ تھا۔ جلال یا اول خان

کو کسی بھی طرح اس لانچ کی تباہی کی اہمیت کا ادراک نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے اپنی خوشی کا غبار غزالہ کے سامنے نکال لیا۔ میں لی کے کام اور کردار سے واقعی بہت متاثر ہوا تھا۔ جب میں نے مناسب الفاظ میں غزالہ کو اس کے حوصلے اور کارکردگی سے آگاہ کیا تو وہ بھی اسے داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔ معاملہ بنکاک کی ایک خوب رو عورت کا تھا۔ غزالہ نے اپنی زبان سے اس کی تعریف ضرور کی لیکن اس کی نگاہوں میں شکوک وشبہات کی خاموش پرچھائیاں ناچ رہی تھیں۔

اسے بریفنگ دینے کے بعد میں نے اپنے مقامی موبائل فون پر ڈان کا نمبر ملایا۔

تیسری گھنٹی پر ڈان کی نیند میں ڈوبی ہوئی، غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ اس نے اپنی زبان میں تیزی سے کچھ کہا جو میرے لیے ناقابلِ فہم تھا مگر اس کے لب ولہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھلے الفاظ نہیں تھے۔ نیند سے اٹھائے جانے پر اس کا موڈ بہت بگڑا ہوا تھا۔ میری جگہ جاوٗفان ہوتا تو اپنی زبان دانی کی وجہ سے تھائی زبان میں کہے گئے ان الفاظ کو اپنے مقدر کی خرابی کے سوا کوئی اور نام نہ دیتا۔

''ڈان! میں علی بول رہا ہوں۔'' میں نے نرمی سے اسے بتایا۔

''اوہ...... اتنے سویرے تمہیں فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' ڈان کے لہجے کی ناگواری میرا نام سنتے ہی کافور ہوگئی۔

''بڑی خبر ہے۔ وائٹ ہاک دھیرے دھیرے سمندر میں ڈوب رہی ہے۔''

''یہ خبر سنانے کے لیے تم مجھے قبر سے بھی اٹھا سکتے تھے۔'' اس کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی ''تم میرے بچے، میرے دستِ راست ہو۔ اب وہ فنا ہو جائے گا۔'' اپنے مزاج کے مطابق اس نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ کام کیسے ہوا تھا؟

''بہت سے بھگوڑے سمندر میں گرے ہیں۔ مرنے والوں کی تعداد صبح معلوم ہو سکے گی۔ لانچ میں تیزی سے پانی بھرتا جا رہا ہے، اس پر سے لوگ افراتفری میں بھاگ رہے تھے۔''

''تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھے بتا دیا۔ میں ابھی وہاں جاتا ہوں۔ ساحل سے اس کے ڈوبنے کا منظر دیکھ کر مجھے بے اندازہ خوشی ہوگی۔ لوگ مرے ہیں تو مجھے ان کی پروا نہیں۔ میں بے گناہوں کا خون اپنے سر لینے سے گھبراتا ہوں۔ وہاں آنے والے سب گناہ گار ہوتے ہیں۔''

''تم کو خبر دینے کے بعد میرا کام پورا ہو گیا ہے۔ میں ابھی ابھی وہاں سے لوٹا ہوں۔ اب سونے کی تیاری کروں گا۔''

''آرام کرو۔ تم نے یہاں آ کر بڑے بڑے کام کیے ہیں۔ تم نے چھوٹا راجن کا گھمنڈ خاک میں ملا دیا۔ وہ پے در پے مار کھا رہا ہے۔ اب اس کے آدمی اس کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیں گے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آنے والے دنوں میں وہ کسی خارش زدہ کتے کی طرح اکیلا رہ جائے گا۔ اس کا سایہ تک اس کا ساتھ چھوڑ دے گا۔''

میں نے فون بند کر دیا۔ لمحے بھر بعد اس کی گھنٹی بجنے لگی۔ غزالہ نے تحیرزدہ اور استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے اپنے موبائل فون کی اسکرین پر نظر ڈالی اور میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

نمبر میرے لیے اجنبی تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ وہ کال راجن کی ہوگی۔

میں نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا اور غنودہ سی آواز میں ہیلو کہا۔

''کون بول رہا ہے؟'' میں نے راجن کی مشتعل آواز پہچان لی۔

''ابے تو کون ہے جو اتنی رات کو میری نیند خراب کر رہا ہے؟'' میں نے بھڑک کر غصیلی آواز میں کہا۔ اس نے اپنا نام نہ بتا کر مجھے بدکلامی کا سنہرا موقع فراہم کر دیا تھا۔

''میں راجن بول رہا ہوں۔'' اس نے زبردست تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے انکشاف کیا ''مجھے اکبر سے بات کرنی ہے۔''

''او...... استاد! میں اکبر ہی بول رہا ہوں۔'' میں نے بوکھلانے کی صداکاری کرتے ہوئے جواب دیا ''معاف کرنا میں تمہاری آواز نہیں پہچان سکا تھا۔''

''میں پچھلے پانچ منٹ سے بار بار تمہارا نمبر ملا رہا ہوں۔ تمہارا فون انگیج کیوں تھا؟'' میرا اعتراف سنتے ہی اس کی آواز تحکم آمیز ہوگئی۔

''فون خالی تھا استاد! لائنیں مصروف ہوں گی۔'' میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

اس نے موبائل فون والوں کو ایک گندی گالی دے کر کہا ''جب ضرورت ہو تو یہی گڑبڑ ہوتی ہے، میں اسی وقت تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''استاد! میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اب تم سے میری جان نکلتی ہے۔ تمہارے آدمیوں سے ایک بار پٹنے کے بعد میں

کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔''
''میں کہہ چکا ہوں کہ اس واقعے کو بھول جاؤ۔'' اس کی جھلائی ہوئی آواز آئی ''تمہارے ساتھ دوبارہ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔''
''استاد! میرے جبڑے دکھ رہے ہیں۔ آنکھ سوجی ہوئی ہے، جوڑ جوڑ ہلا ہوا ہے۔ میں چار چوٹ کی اس مار کو کیسے بھول سکتا ہوں۔'' میں نے گھگیائی ہوئی خوشامدانہ آواز میں کہا۔
''موتی محل آجاؤ۔ میں تمہاری مرہم پٹی کراؤں گا، میرا بہترین ڈاکٹر تمہیں دوائیں دے گا۔ میں تمہیں خرچے کی رقم بھی دوں گا۔ اس وقت مجھے تمہاری ضرورت ہے۔''
اس کے لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے انکار پر وہ اندر ہی اندر بل کھا رہا تھا، غصے سے پھنک رہا تھا مگر اپنی مصلحت کی وجہ سے اس کے اظہار سے قاصر تھا۔ دل ہی دل میں وہ ان لمحوں کو کوس رہا ہوگا جب اس نے اپنے آدمیوں کو میرے اور اسد کے پیچھے لگایا تھا۔ مار اس کے آدمیوں نے کھائی تھی، فریاد میں کر رہا تھا۔
''ضرورت ہے تو فون پر ہی مجھے کام بتادو۔ میں تمہارا خادم ہوں، کام کردوں گا۔ مجھے اپنے پاس آنے پر مجبور نہ کرو۔ بار بار انکار کرتے ہوئے مجھے دکھ ہو رہا ہے۔''
لائن پر چند ثانیوں کے لیے سکوت چھا گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دل ہی دل میں مجھے مغلظات بک رہا ہوگا۔
''شام کو تم نے مجھے فون کیا تھا؟'' اس نے سرد اور تائید طلب لہجے میں کہا۔
''کیا تھا۔'' میں نے اقرار کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''مجھے جو کچھ پتا چلا تھا، وہ میں نے بتادیا تھا۔ تمہیں ان باتوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔''
''وہ خبر تمہیں کہاں سے ملی تھی؟'' اس نے درشت آواز میں پوچھا۔
''تمہیں معلوم ہے کہ میں ڈینی کی کھوج میں لگا ہوا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں اس کے آدمیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکا ہوں۔ کسی وقت وہ بھی میری نظروں میں آجائے گا۔ میں نے اس کے آدمیوں کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے سنا تھا۔''
''وہ تم سے کہاں ٹکرا گئے؟'' اس کی آواز سے غصہ اور اضطراب جھلک رہا تھا۔
''استاد! اس وقت تم نے میری خبر کو ذرا سی بھی اہمیت نہیں دی۔'' میں نے اس کے صبر سے کھیلتے ہوئے کہا ''اب صبح کے پانچ بجنے والے ہیں۔ اس وقت تمہیں وہ قصہ کیوں یاد آرہا ہے......؟ سب خیریت تو ہے نا؟''
''خیریت نہیں رہی اسی لیے میں تمہیں بلا رہا ہوں۔'' اس کی غضب ناک غراہٹ ابھری ''ڈینی کی موت آئی ہے جو وہ میرے منہ لگ رہا ہے۔ آج اس کے کتے نے میری وائٹ ہاک پر حملہ کیا ہے۔ اب میں اسے فنا کردوں گا۔''
''یہ وائٹ ہاک کیا ہے استاد!'' میں نے انجان بن کر معصومیت سے پوچھا۔
''تم جاہل اور بے خبر آدمی ہو!'' میری لاعلمی پر اسے غصہ آگیا ''یہ میری شان دار لانچ کا نام ہے۔ اس پر تیرتا ہوا ہوٹل، کلب اور کیسینو ہے۔ باہر سے آنے والے اسے بنکاک کا عجوبہ سمجھ کر اس پر جاتے ہیں۔ ڈینی نے میرے اس شاہ کار کو تباہ کردیا۔''
''اوہ...... یہ بہت برا ہوا۔ کیا لانچ ڈوب گئی؟'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔
''تمہارے منہ میں خاک۔'' راجن بلبلا کر غرایا ''ڈینی نے ریموٹ کنٹرولڈ بموں سے وائٹ ہاک کا پیندا اڑایا ہے، اس میں پانی بھر رہا ہے مگر میرے آدمی اسے بچانے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں۔ وہ نہیں ڈوبے گی، میں اسے نہیں ڈوبنے دوں گا۔''
''ڈینی کے آدمی شاید اسی کو برباد کرنے کی بات کر رہے ہوں گے۔'' میں نے افسوس کے ساتھ قیاس آرائی کی ''میں نے ان کی باتیں سنتے ہی تمہیں خبر پہنچادی تھی۔ اگر تم نے میری باتوں پر کان دھرا ہوتا تو شاید یہ بربادی نہ آتی۔''
''لانچ پر نوکروں اور مسلح آدمیوں کی فوج پل رہی ہے۔ سب حرام کی کھا رہے ہیں۔ وہ اپنی آنکھیں کھلی رکھتے تو وہاں چڑیا کا بچہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ کیسا اندھیر ہے کہ ڈینی کے آدمی آئے اور میری وائٹ ہاک کے نیچے دو بم لگا کر چلے گئے، کسی کو کانوں کان پتا بھی نہیں چلا۔''
''استاد! برا وقت آتا ہے تو اسی طرح سب کی آنکھوں اور عقلوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔''
''زبان بند رکھو۔'' میرے تبصرے پر وہ بھڑک گیا۔ ''مجھے سبق پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ میں نے یہاں اپنی سلطنت بنائی ہے تو میں اسے بچانا بھی جانتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے ڈینی کے آدمیوں کو کہاں دیکھا تھا؟''
راجن کا وہ مطالبہ بہت سنگین تھا۔ اس سوال کو میں ادھر ادھر کی باتوں میں نہیں ٹال سکتا تھا۔ اس کی نظروں میں

اپنا اعتماد برقرار رکھنے کے لیے مجھے کسی نہ کسی ٹھکانے کی نشان دہی کرنا تھی۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کرنے لگا۔ راجن کو چکما دیتے ہوئے میں نے اپنی کہانی کے اس پہلو کو نظرانداز کردیا تھا۔ ٹھکانے کا سراغ لگا کر وہ یقینی طور پر وہاں کوئی جوابی کارروائی کرنے کا ارادہ کرچکا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اگلے دن وہاں کا گھیراؤ کرکے ڈینی کے فرضی آدمیوں پر ہاتھ ڈالنے کی منصوبہ بندی کیے بیٹھا ہو۔

معاً میرے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا۔ بنکاک میں بھارتیوں اور خاص طور پر سکھوں کی خاصی تعداد نظر آتی تھی۔ وہ چھوٹے اور درمیانے درجے کے ہر کاروبار پر بڑی حد تک چھائے ہوئے تھے۔ بھارتی ہمارے خیرخواہ نہیں تھے۔ کوئی آفت آنا تھی تو اس کا رخ ان کی طرف موڑ دینے میں بہتری تھی۔

''وہ پیٹ پونگ کے ایک ہوٹل میں بیٹھے ہوئے تھے۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

''ہوٹل کا نام کیا تھا؟'' اس کی آواز میں سفاکی رینگ آئی۔

''نام میں نے نہیں دیکھا، وہ کسی سردار جی کا ہوٹل تھا۔ میں ایک پیالی چائے پینے کے لیے اتفاقاً وہاں چلا گیا۔ ان لوگوں کی خطرناک باتیں میرے کان میں پڑیں تو میں وہیں ٹک گیا۔''

''وہ حرام زادے کیا باتیں کررہے تھے؟'' وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ جان لینے کے لیے بے چین تھا۔ میں رک رک کر اسے اس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ اس تشنگی سے اس کا پارہ چڑھتا جارہا تھا۔

''خطرناک باتیں تھیں۔ ایک کہہ رہا تھا کہ ہمارے سب کام منصوبے کے مطابق ہوتے چلے گئے تو راجن کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا، اس کی ناؤ ڈوب جائے گی۔''

''ہاں...... انہوں نے میری ناؤ ڈوبنے کا ذکر کیا تھا......؟ تم نے شام کو یہ بات مجھے نہیں بتائی تھی۔''

''شام کو تم میری بات سننے پر آمادہ نہیں تھے۔ تمہیں اپنی طاقت اور آدمیوں کی فوج پر ناز تھا۔ ویسے بھی ناؤ ڈوبنا محاورہ ہے۔ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہاری کوئی قیمتی لانچ بھی ہے۔ بات آگے بڑھتی تو شاید میں ناؤ کا ذکر بھی کردیتا۔''

''وہ سازشی کتے تھے۔ اشاروں کنایوں میں وائٹ ہاک کا ذکر کررہے تھے۔ میں ان سب کو فنا کردوں گا...... تم نے انہیں اچھی طرح دیکھ تو لیا ہوگا؟''

''ان چاروں کی صورتیں میرے دماغ میں نقش ہیں۔ اس وقت وہ ہوٹل سے نکل کر ایک ٹیکسی میں چلے گئے۔ اب ان میں سے کوئی بھی نظر آیا تو میں اس کا پیچھا کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح میں ڈینی تک پہنچ جاؤں گا۔''

''تمہیں اندازہ نہیں کہ بے خبری میں تم نے کتنی بڑی کامیابی حاصل کرلی ہے۔ ان چاروں کو تلاش کرکے گھیرنا ضروری ہے۔ تم اکیلے رہ کر یہ کام نہیں کرسکتے۔ میرے آدمیوں کے ساتھ تم چند دنوں میں کامیابی حاصل کرلوگے۔ اپنی ضد چھوڑ دو۔ مجھ پر بھروسا کرو۔ موتی محل آجاؤ، یقین رکھو کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

''مجھے تھوڑا سا وقت اور دے دو۔'' میں نے اس سے التجا کی ''میری چوٹوں کی کسک کم ہوگی تو شاید میرے دل سے تمہارا خوف دور ہوجائے۔ ابھی میں تم سے نہیں مل سکتا۔''

فون پر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر اس نے کہا ''ٹھیک ہے، میں مل بیٹھنے کا فیصلہ تم پر چھوڑتا ہوں۔ فی الحال تم اپنے طور پر ڈینی اور اس کے چاروں ساتھیوں کو ڈھونڈتے رہو۔ ان میں سے کوئی بھی نظر آجائے تو فون پر مجھے فوراً خبر دے دینا۔ وہ سب بہت چالاک ہیں۔ تمہاری کسی غلطی کی وجہ سے وہ ہوشیار ہوگئے تو ہم ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔''

''یہ بات منظور ہے، تمہارے آدمی اپنے شکار کو سنبھال لیں گے۔ میں خاموشی سے الگ ہوجاؤں گا۔ اس وقت تک تمہارے بارے میں میری رائے بدل گئی تو میں تمہارے آدمیوں کے ساتھ مل کر کام کرنا شروع کردوں گا۔''

''ویری گڈ! اتنی دیر میں تم نے پہلی بار ایک معقول بات کہی ہے۔ میں تمہاری رائے میں تبدیلی کے لیے دعا کرتا رہوں گا۔''

اس نے فون بند کردیا اور میں نے مسکرا کر غزالہ کی طرف دیکھنا شروع کردیا۔

''میرا چہرہ کیوں تک رہے ہو...... یہاں کیا لکھا ہوا ہے؟'' اس نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ احتجاج کیا۔

''تمہارے مستقبل پر غور کررہا ہوں۔ آثار بتارہے ہیں کہ اب واقعات میں تیزی آنے والی ہے۔ میرے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوجائے تو پہلی پرواز سے پاکستان واپس لوٹ جانا۔ تمہارا یہاں تنہا رہنا مناسب نہیں ہوگا۔''

''کیسی گڑبڑ کا اندیشہ ہے آپ کو؟'' اس نے ہراساں ہوکر پوچھا۔

''کچھ بھی ہوسکتا ہے۔'' میں نے مسکرا کے جواب

دیا ”ایک بات ذہن میں آئی اور میں نے تمہارے گوش گزار کردی۔ اسے پلے سے باندھ لینا۔“

”حالات نازک ہوں تو آدمی کے ذہن میں وسوسے پلنے لگتے ہیں۔ آپ ان باتوں کو اپنے ذہن سے نکال دیں۔ اللہ نے چاہا تو آپ کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ اب تک میں نے یہ دیکھا ہے کہ خطرات سے لڑ کر آپ زیادہ چاق وچوبند رہتے ہیں۔“

”گفتگو کے دوران میں اس کے چٹکیاں لینے میں مزہ آرہا تھا۔ مجھے اس کو سسکانے اور سلگانے میں عجیب لطف آرہا تھا۔“

”یہ سردار جی کے ہوٹل کا کیا قصہ چھیڑا تھا آپ نے؟“

”اس کو کچھ نہ کچھ تو بتانا تھا۔ اب پیٹ پونگ کے کسی سردار کی شامت آجائے گی۔ ابھی تک اسے وائٹ ہاک کے بچنے کی امید ہے۔ وہ غرق ہوجائے گی تو راجن غصے سے باؤلا ہوجائے گا۔“

”آپ اسے یہ سب بتا رہے تھے تو مجھے ایک لمحے کے لیے بھی شبہ نہیں ہوا کہ آپ اسے فریب دے رہے ہیں۔“ اس نے ہنس کر کہا۔

”جھوٹ بولنا بہت بری عادت ہے لیکن میں کیا کروں، مجبور ہوں۔ ان بدمعاشوں کی جھپیٹ سے بچنے کے لیے مجھے اکثر مصلحت آمیز جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔“

”آپ کو مجھ سے ایسی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں، میں آپ کی مجبوریوں کو سمجھتی ہوں۔ آپ کی کہانی میں اس قدر تسلسل تھا کہ اب اسے ڈینی سے زیادہ ان چاروں کی فکر ہوگئی ہوگی جو سردار جی کے ہوٹل میں اس کی ناؤ ڈوبنے کی باتیں کررہے تھے۔“

”جھوٹ صرف ہچکچاہٹ سے پکڑا جاتا ہے۔ میں بولتا ہوں تو فی البدیہہ بولتا چلا جاتا ہوں۔ وہ باتیں جس طرح سوجھ رہی تھیں، میں اسی طرح کہتا چلا گیا اور ایک مربوط قصہ وجود میں آگیا۔“

”اس وقت آپ نے اسے ٹال دیا لیکن یہ معاملہ زیادہ دنوں تک اس طرح نہیں چل سکے گا۔ آپ خود بھی اس سے ٹکرانا چاہیں گے۔ اس بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟“ اس نے کھڑکیوں کے پردے کھینچتے ہوئے پوچھا۔

”یہی سوچ کر میں نے آڑے وقت میں تمہیں پاکستان لوٹنے کا مشورہ دیا تھا۔“ میں نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے جواب دیا ”ضروری نہیں کہ ہمیشہ میرا پلا بھاری رہے۔ کسی وقت بازی الٹ گئی تو تارے نظر آجائیں گے۔“

”فی الحال تو آپ کے حریفوں کے دانت کھٹے ہورہے ہیں۔“ پردے پھیلا کر وہ بھی بستر پر آگئی اور میں نے بیڈ سوئچ سے روشنی گل کردی۔

وہ پوری رات بھاگ دوڑ میں گزر چکی تھی۔ تھوڑی دیر میں صبح کا اولین اجالا نمودار ہونے والا تھا۔ غزالہ کو احساس تھا کہ مجھے آرام کی ضرورت تھی۔ اس نے کھڑکیوں پر دبیز پردے کھینچ کر کوشش کی تھی کہ باہر پھیلنے والا اجالا میری نیند میں مخل نہ ہو۔

اس نے میرے پہلو میں دراز ہوکر میرے بالوں میں نرمی سے اپنی انگلیاں پھیرنا شروع کردیں اور میری پلکیں تیزی سے بوجھل ہوتی چلی گئیں۔

انسان لاکھ تدبیریں کرلے لیکن ہونے والی بات ہوکر رہتی ہے۔ غزالہ نے میری طویل اور گہری نیند کا پورا بندوبست کیا تھا لیکن اس روز زیادہ دیر تک سونا میرے مقدر میں نہیں تھا۔ میرے پاکستان والے موبائل فون کی تیز گھنٹی بجی

اور میں ہڑبڑا کر بیدار ہوگیا۔ اس فون پر آنے والی ہر کال میرے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔

بیدار ہونے پر میرا ذہن ویرا کی طرف گیا تھا۔ کال سنی تو وہاں اوّل خان موجود تھا۔

اس نے بتایا کہ حیدرآباد کی کچی نہر کے ایک کنارے پر ہوپر کی پھولی ہوئی لاش جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی پائی گئی تھی۔ اس کی لاش کا کچھ حصہ اس علاقے میں پائے جانے والے جنگلی بھیڑیوں نے نوچ کھایا تھا لیکن لاش کے بدن پر پھنسے ہوئے کپڑوں میں موجود کاغذات سے اس کی شناخت ہوگئی تھی۔

وہ سب روٹین کے معاملات تھے جن میں اول خان نے ذرا بھی مداخلت نہیں کی تھی۔ بس ہوشیاری سے واقعات کا جائزہ لیتا رہا تھا۔

وہ لاش ایک چرواہے نے دیکھی اور قریبی چوکی کے سپاہی کو اطلاع دی تھی۔ معاملہ ایک غیر ملکی کی پھولی ہوئی لاش کا تھا جس پر پورا لباس موجود تھا۔ مقامی پولیس نے لاش پر قبضہ کر کے اسے اسپتال پہنچانے سے پہلے یہ رائے قائم کرلی تھی کہ وہ اتفاقی حادثے کا شکار ہوا تھا۔

اس کا پورا نام جان ہوپر تھا اور وہ واقعی امریکی ایف بی آئی کا کارندہ تھا۔ اس کے بارے میں کراچی اور اسلام آباد میں سفارتی حکام کو اطلاع دے دی گئی تھی۔

''میں فکر مند تھا کہ اتنا وقت گزر جانے کے باوجود تمہاری طرف سے لاش مل جانے کی کوئی خبر نہیں آئی۔'' میں نے وہ سب سن لینے کے بعد کہا ''حیدرآباد کی نہر سے اس کی لاش برآمد ہونے پر اس کے ساتھیوں کا کیا ردِعمل ہے؟''

''واقعہ بہت تازہ ہے۔ لاش صرف ایک گھنٹے پہلے، منہ اندھیرے ملی ہے۔ معاملہ ایک غیر ملکی کا نہ ہوتا تو شاید لاش ابھی تک وہیں پڑی رہتی۔ سب کچھ بہت تیزی سے ہوا ہے لیکن اس کا ردِعمل ابھی سامنے نہیں آیا۔ ظاہر ہے کہ وہ صدمے اور سکتے کے عالم میں ہوں گے۔''

میں نے وال کلاک پر نظر ڈالی۔ سوئیاں آٹھ بجا رہی تھیں۔ اگر میرے حساب میں غلطی نہیں تھی تو حیدرآباد کے مقامی وقت کے مطابق ہوپر کی لاش صبح پانچ بجے ملی تھی اور اول خان چھ بجے مجھے فون کر رہا تھا۔

''وہ چکر میں ہوں گے کہ جہانگیر کے گھر جانے والا حیدرآباد کی نہر سے کیسے برآمد ہوگیا۔'' میں نے محظوظ ہو کر ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''میں فکر مند ہوں۔'' اول خان کی آواز گمبھیر تھی ''سرکاری طور پر وہ ہمارے دوست ہیں۔ اپنے بچاؤ کے لیے ہم کیسے ہی حالات کیوں نہ پیدا کرتے رہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کے کئی سینئر آدمی ایک ایک کر کے مارے گئے ہیں۔ یہ سلسلہ اب ختم ہونا چاہیے ورنہ حالات بہت نازک صورت اختیار کر جائیں گے۔''

''ہم ان کا پیچھا چھوڑ چکے ہیں۔'' میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا ''وہ خود اپنی مہم جوئی کا شکار ہو رہے ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ ہوپر کے کیا عزائم تھے۔ اگر وہ اتفاقاً سلمٰی کے بیلن کا شکار نہ ہوگیا ہوتا تو وہ جہانگیر کو اٹھا لے جاتا یا گھر ہی میں اس کا حشر خراب کر دیتا۔''

''تمہارے چکر میں وہ بدترین دباؤ کا شکار ہیں۔ تمہاری ذات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش میں وہ اندھا دھند کارروائیاں کر رہے ہیں اور مار کھا رہے ہیں۔'' میرا اہم خیال ہونے کے باوجود وہ بہت زیادہ فکر مند تھا۔

''تم کہو تو میں واپس آ کر خود کو ان کے حوالے کر دوں؟'' میں نے کسی طنز کے بغیر کہا ''یہ ساری پیچیدگیاں آناً فاناً میں ختم ہو جائیں گی۔''

''میں مر کر بھی تمہیں یہ مشورہ نہیں دے سکتا۔'' میری تجویز پر اس نے تڑپ کر کہا ''تم نے یہ بات کہہ کر میرے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ تم کو مسائل سے آگاہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم آخری حل پر چھلانگ لگا دو۔''

''میری بات کو طنز کے پیرائے میں نہ لو۔'' میں نے جلدی سے وضاحت کی ''یہ ہماری مجبوریاں ہیں۔ جب تک وہ مجھے اور ویرا کو پکڑ نہیں لیتے، چین سے نہیں بیٹھیں گے، کچھ نہ کچھ کرتے رہیں گے۔ اس کے نتیجے میں ٹام ڈک، ہیری اور ہوپر وغیرہ مارے جاتے رہیں گے۔ ہم نے اپنا ہاتھ روک لیا ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا کیا جا سکتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہماری طرف سے کوئی پہل نہیں ہو رہی۔ اگر وہ خود چل کر جہانگیر کے فلیٹ پر نہ پہنچا ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔'' اول خان بولا۔

''تم واقعات پر غور کرو گے تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ ان کی موت انہیں ہماری طرف ہانکتی ہے۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ سلمٰی کبھی کسی کو مار سکے گی۔ اس نے اپنے شوہر کو بچانے کے لیے اضطراری انداز میں بیلن استعمال کیا اور ہوپر مر گیا۔ یہ بالکل ان ہونی سی بات تھی مگر ہو کر رہی۔''

''ان کا دباؤ یہی ہے کہ ان کے آدمی ایک ایک کر کے مرتے جا رہے ہیں۔ تم دونوں کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ہوپر کے واقعے کی قانونی پوزیشن تم نے بہت صاف کر دی ہے۔

وہ حیدرآباد میں ڈوب کر مرا' اس کے ساتھیوں کو بتانا چاہیے کہ وہ وہاں کیا کررہا تھا۔ حقیقت کچھ اور ہے جو ہم جانتے ہیں اور ہوپر کے قریبی ساتھی بھی جانتے ہیں لیکن کوئی اس موضوع پر اپنی زبان نہیں کھول سکتا۔ حد یہ ہے کہ انہوں نے اس کی گمشدگی کی ایف آئی آر بھی درج نہیں کرائی تھی۔''

''انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور تماشا دیکھتے رہو۔ جب تک جہانگیر تمہاری تحویل میں ہے' مجھے اس کی طرف سے بے فکری رہے گی۔ ہم سب میدان چھوڑ چکے ہیں۔ اب شہر میں سکون ہو جانا چاہیے۔''

''اس سکون سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ میں یہ سوچ سوچ کر کڑھتا رہتا ہوں کہ تمہیں یہاں سے جلا وطن کردیا گیا ہے۔ تمہیں گئے ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ مدت ہوچکی ہے۔ اس دوران میں تم نے اپنے طور پر سوبھراج کا قصہ نمٹا دیا ہے پھر بھی تم وہاں رہنے پر مجبور ہو۔ ہم تمہاری واپسی کے لیے کچھ نہیں کرسکتے۔''

''دوست ! اتنا زیادہ نہ سوچا کرو۔'' میں نے اس کی بات ہنسی میں اڑادی ''اب میں ان باتوں کا عادی ہوگیا ہوں' تم بھی عادت ڈال لو۔ فی الحال میں یہاں خوش اور مصروف ہوں۔ میری واپسی کی فکر چھوڑ دو!''

''سوبھراج کے بعد وہاں تمہاری کیا مصروفیت نکل آئی ؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''اب اس کا سرپرست میرے سامنے ہے۔ خالی بیٹھنے سے بہتر ہے کہ آدمی کسی نہ کسی ہدف پر کام کرتا رہے۔''

واقعات اتنے پُرپیچ انداز میں پیش آرہے تھے کہ میرے ذہن میں سب کچھ گڈمڈ ہو کر رہ گیا تھا۔ ہوپر کی لاش ٹھکانے لگانے کے سلسلے میں' میں نے اس سے فون پر بات کی تو میرا خیال تھا کہ میں نے سوبھراج کے بارے میں اسے کچھ نہیں بتایا۔ میں نے وقت بچانے کے لیے اس وقت بھی وہ تذکرہ گول کردیا لیکن اول خان نے سوبھراج کے بعد کی مصروفیت کا ذکر کر کے میرا حافظہ تازہ کردیا۔ مجھے یاد آگیا کہ سوبھراج کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے بعد میں نے خود اسے سوبھراج کے انجام سے آگاہ کردیا تھا جس پر اس نے مسرت کے اظہار کے ساتھ مجھے مبارک باد بھی دی تھی۔

''تم خود اپنے لیے کام پیدا کرتے ہو۔ سوبھراج کے فتنے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے تم نے اتنا بڑا کام کیا ہے کہ اب کافی دنوں تک آرام کرسکتے ہو۔ راجن کو چھیڑ کر تم اپنے لیے

لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کے دو چھوٹے بچے تھے۔ دونوں بہت خوب صورت اور پیارے تھے۔ ایک روز وہ انہیں گلی میں ٹہلا رہی تھیں کہ وہاں سے دو بچے اور گزرے جو ذرا بڑے تھے۔ ان میں سے ایک تو اسی گلی میں رہتا تھا۔ دوسرا کسی اور شہر سے اس کے ہاں مہمان آیا ہوا تھا۔

مہمان بچے نے میزبان بچے سے پوچھا ''یہ دونوں پیارے بچے کس کے تھے؟''

''لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کے تھے.....'' میزبان بچے نے منہ بنا کر جواب دیا ''اچھے اچھے بچے یہ ہمیشہ خود رکھ لیتی ہیں۔''

نئے مسائل پیدا کرلو گے۔'' اول خان نے ناصحانہ لہجے میں کہا ''وہ بھارتی شہری ہے' تھائی لینڈ میں رہتا ہے۔ اس سے ہمیں سروکار نہ ہونا چاہیے۔''

''اس مشورے میں ذرا تاخیر ہوگئی۔'' میں نے خوش دلی سے کہا ''وہاں پنجہ آزمائی شروع ہوگئی ہے۔ آج ہم نے اس کی ایک پرشکوہ لانچ کو سمندر میں غرق کرنے کا بندوبست کردیا ہے۔ جلال کی خواہش تھی کہ راجن کو بھی دیکھ لیا جائے۔''

''ڈان بھی یہی چاہتا ہے۔'' اول خان نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا ''دوسروں کی خواہشات ضرور پوری کرو لیکن کچھ اپنا بھی خیال رکھو۔ میں نے سنا ہے کہ تھائی لینڈ میں کئی ایسے دور افتادہ ساحلی علاقے ہیں جہاں پہنچ کر انسان مسحور ہوجاتا ہے۔ تم کو کچھ دنوں کے لیے ان اطراف میں چلا جانا چاہیے۔ ایسی تفریحات دل و دماغ کی تازگی کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔''

اول خان کو راجن کی لانچ کی اہمیت کا ادراک نہیں تھا۔ اس نے اس تذکرے کو اہمیت نہیں دی۔ اس وقت اس پر میری خبرگیری اور اصلاح کا سودا سوار تھا۔ اس سے کچھ دیر تک اسی کے رنگ میں باتیں کرنے کے بعد میں نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

دورانِ گفتگو میں نے سوچا کہ اسے جلال کے لیے بھی پیغام دے دوں تاکہ اسے پتا چل جائے کہ میں نے اس کی خواہش کے مطابق راجن کا ہانکا شروع کردیا ہے لیکن ان دونوں کے درمیان پائی جانے والی پیشہ ورانہ سرد مہری کا

دھیان آنے پر میں نے وہ ارادہ مسترد کر دیا۔ بہتر یہی تھا کہ میں خود جلال سے فون پر بات کر لیتا۔

''ہوپر کی لاش حیدرآباد کی ندی سے ضرور ملی ہے لیکن امریکی اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے۔ انہیں معلوم ہوگا کہ وہ جہانگیر سے باز پرس کے لیے اس کے گھر گیا اور وہاں سے غائب ہوگیا۔'' غزالہ نے اپنی رائے دی۔

''ان سے ایک بنیادی غلطی ہوئی ہے۔ وہ جان ہوپر کی گمشدگی کی باقاعدہ رپورٹ درج کرا دیتے۔ تب ہی ان کو کوئی سرا مل سکتا تھا۔ اب وہ بے بس ہیں۔''

''وہ رپورٹ درج کراتے تو انہیں مقامی پولیس کو یہ بھی بتانا پڑتا کہ ہوپر کو جہانگیر کے گھر جانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔ باقاعدہ سرکاری اجازت کے بغیر غیر ملکی ایجنسیوں کو یہاں کسی قسم کی تفتیش کا اختیار نہیں ہے۔''

''تم دور کی کوڑی لائی ہو۔'' میں نے مسکرا کے کہا ''ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اسی وجہ سے رپورٹ درج کرانے سے گریز کیا ہو۔ اس مسئلے کا حل بہت سادہ تھا۔ انہیں جہانگیر کا نام لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ کہہ دیتے کہ ہوپر کلفٹن کے علاقے میں سفر کے دوران میں اپنی گاڑی سمیت غائب ہوگیا۔ بات ریکارڈ پر آ جاتی تو اس کی حیدرآباد کی نہر میں موت کا معاملہ دوسرا رخ اختیار کر لیتا۔''

''سب کے پاس آپ جیسا ذہن نہیں ہوتا۔ ان لوگوں پر برا وقت آیا ہوا ہے۔ ان کی عقلیں ماؤف ہوگئی ہیں۔ وہ ایسی حماقتیں نہ کریں تو آپ کا کام خاصا دشوار ہو جائے گا۔''

''کبھی ہم اپنی ذہانت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کبھی اپنے حریف کی حماقتوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''اس معاملے میں دوسرے کیس کا اطلاق ہوتا ہے۔''

''میرا اب تک کا تجربہ ہے کہ امریکیوں میں غیر معمولی ذہانت نہیں ہوتی۔ ان کے اہم افسروں کی ذہنی سطح بھی بس نارمل ہوتی ہے پھر بھی ان کی قوم عملی طور پر دنیا پر راج کر رہی ہے یہ معما میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''ذہانت کسی کام نہیں آتی۔ یہ دور دولت اور طاقت کا ہے' امریکیوں کو یہ دونوں حاصل ہیں۔ کمزور قومیں ان کی ہاں میں ہاں ملانے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ باقی قومیں ان کی طاقت سے خوف زدہ ہو کر انہیں سلام کرتی ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے بستر چھوڑ دیا۔

''آپ مشکل سے ڈیڑھ دو گھنٹے سوئے ہوں گے۔ کچھ دیر اور آرام کر لیں۔'' غزالہ نے دردمندی کے ساتھ مشورہ دیا۔

''آج سونا مقدر میں نہیں ہے دوبارہ مجھے نیند نہیں آئے گی۔ بعض اوقات میرا ذہن الجھ جاتا ہے۔ تو باتیں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ سوچ رہا ہوں کہ ناشتا کرنے کے بعد جلال کو بھی دیکھ لوں۔ اسے وائٹ ہاک کی کہانی سن کر خوشی ہوگی۔''

''راجن کو آپ نے اس کی خواہش پر تو نہیں گھیرا!'' غزالہ نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''ہرگز نہیں...... اس نے خود مجھے اپنے خلاف محاذ آرائی پر اکسایا ہے۔ ڈان اس کا دشمن ہے' جلال اس کی سرکوبی کا خواہاں تھا۔ اس کے باوجود میں اس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ اب وہ دونوں اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے کہ میں نے ان کی خاطر راجن سے تصادم کی راہ اختیار کی ہے۔''

اپنی بات پوری کر کے میں غسل خانے میں گھس گیا۔ شب بیداری اس وقت اپنا رنگ دکھا رہی تھی' تھکن سے میرا بدن ٹوٹ رہا تھا' ذہن پر دھندسی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے شاور میں ٹھنڈا پانی کھولا اور تیز دھاروں کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ طویل غسل کے بعد میں باہر نکلا تو تر و تازہ ہو چکا تھا۔

ہوٹل میں قیام کے دوران ہم نے اپنا بیشتر وقت کمرے میں رہ کر گزارا تھا۔ کھانے پینے کے لیے میں ریستوران وغیرہ میں جانے سے احتراز کرتا رہا۔ غیر ضروری طور پر ایسے مقامات پر جانے کی صورت میں دشواریاں پیدا ہونے کا خطرہ تھا اس لیے ہم عام طور پر کھانا اور ناشتا وغیرہ اپنے کمرے میں ہی منگوا لیتے تھے۔

اس وقت بھی یہی ہوا۔ غزالہ نے روم سروس والوں کو ہدایت دے کر ناشتا کمرے میں طلب کر لیا۔ ناشتے کے دوران میں نے ٹیلی وژن کھول دیا۔ اس کے انگریزی چینل پر ایک مزاحیہ فلم چل رہی تھی' خبروں میں دیر تھی۔ ناشتے کے بعد میں نے سگریٹ سلگائی اور جلال کا فون ملا لیا۔

اس نے میری آواز سنتے ہی پُرجوش انداز میں مجھے مبارک باد دی تو میں چکرا گیا۔ چند فقروں کے تبادلے کے بعد بات صاف ہوگئی کہ وہ مجھے وائٹ ہاک کی تباہی پر مبارک باد دے رہا تھا۔

وہ بنکاک کا تازہ ترین واقعہ تھا۔ میں نے وہی خبر دینے کے لیے اسے فون کیا تھا۔ میرے لیے یہ بات ناقابلِ فہم تھی کہ وہ خبر اس تک کیسے پہنچ گئی۔

میرے استفسار پر وہ چند لمحوں تک اپنے وسائل کی ڈینگیں مارتا رہا پھر اس نے بتا دیا کہ اسد کا جانشین پچھلی شام

بنکاک پہنچ چکا تھا۔ کچھ دیر پہلے اس نے جلال کو اطلاع دی تھی کہ رات گئے وائٹ ہاک پر بموں سے حملہ کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں وہ بیش قیمت لانچ اپنی غرقابی کے آخری مراحل سے گزر رہی تھی۔

راجن ممبئی سے بنکاک آنے کے بعد جس تیزی سے وہاں کی زیرزمین دنیا میں اپنا سکہ جماتا چلا گیا تھا اس کی بنا پر اسد کی توجہ اس پر مرکوز ہوگئی تھی۔ راجن بھارت کی زیرزمین دنیا کا ایک جانا پہچانا نام تھا۔ اندر کی کہانیاں جاننے والے حلقوں میں یہ خبریں گشت کرتی رہتی تھیں کہ وہ اکثر را کے لیے کام کرتا رہتا ہے۔ آئی ایس آئی والے دنیا کے کسی گوشے میں را کے ایجنٹوں کی سرگرمیوں کو نظرانداز نہیں کرتے تھے۔ اسد کی بھیجی ہوئی ابتدائی رپورٹوں کی روشنی میں جلال نے اسے راجن پر خصوصی توجہ دینے کی ہدایات دے دی تھیں۔

میں نے اس بارے میں کبھی تفصیل سے جلال سے بات نہیں کی لیکن اسد نے شاید اسے بتا دیا تھا کہ راجن نے خلیج سیام کے پانیوں میں وائٹ ہاک کی صورت میں اپنی طاقت اور عظمت کا ایک شاہکار کھڑا کیا ہوا تھا۔

اسد کی بنکاک سے روانگی سے پہلے میں نے وائٹ ہاک پر حملے کی ابتدائی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ میری دلی خواہش تھی کہ میں اسے غرق کرکے راجن کا غرور خاک میں ملا سکوں۔ وہ خبریں شاید جلال کے کانوں میں پڑ چکی تھیں۔ جب اسے اپنے نئے آدمی سے وائٹ ہاک کی تباہی کی خبر ملی تو اس نے سمجھ لیا کہ وہ میرا ہی کام ہوسکتا تھا۔

جلال نے بتایا کہ بنکاک میں اسد کی جگہ لینے والے کا نام طارق تھا۔ وہ شہر میں طارق کی قیام گاہ سے واقف نہیں تھا لیکن اس نے مجھے طارق کا موبائل فون نمبر لکھوا دیا۔ اسد کی طرح طارق کو بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ میرا اصل نام ڈینی تھا۔ اگر میں اس سے علی احمد کے مفروضہ نام سے رجوع کرتا تو وہ بنکاک میں میرا اچھا معاون ثابت ہوسکتا تھا۔ اس کے لیے میرا مفروضہ نام ہی میرا پاس ورڈ تھا، کسی اضافی تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ جلال نے اسے میرا فون نمبر بھی دے دیا تھا۔

''میں اب بھی حیران ہوں کہ تمہارے آدمی کو اتنی جلدی یہ خبر کیسے مل گئی۔'' میں نے اس سے وہ سب سن لینے کے بعد حیرت سے کہا۔

''ایسی خبریں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں۔ واقعہ اتنا اہم اور سنگین ہے کہ بعض اخباروں کے ضمیمے بازار میں آچکے ہیں۔'' جلال نے انکشاف کیا۔

''میں بنکاک میں رہ کر ان باتوں سے بے خبر ہوں، تم وہاں بیٹھ کر مجھ سے زیادہ باخبر ہو۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''جس وقت ہم نے لانچ پر وار کیا، صبح کے اخبارات شاید چھپنا شروع ہوچکے ہوں گے۔ کچھ لوگوں نے ضمیمے نکال کر خاصا مال کما لیا ہوگا۔''

''یہ واقعہ کس وقت پیش آیا؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''رات کے ڈھائی بجے کے قریب ہماری خفیہ کارروائی کا آغاز ہوا تھا۔ میرا خیال ہے کہ لانچ کے پیندے میں لگائے گئے ریموٹ کنٹرولڈ بم تین اور ساڑھے تین بجے کے درمیان آپریٹ کروائے گئے، ہوسکتا ہے کہ اب تک لانچ ڈوب چکی ہو۔''

''وہ ڈوب چکی ہے۔'' جلال نے میرے قیاس کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا ''طارق ضمیمہ پڑھتے ہی گودی کی طرف گیا تھا۔ اس وقت تک لانچ غرق ہوچکی تھی۔ سنا ہے کہ اس واقعے میں کئی افراد مارے گئے ہیں۔''

''گولیوں سے کوئی نہیں مارا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ

غیرت مند معززین ڈوب کر مر گئے ہوں۔'' میں نے استہزائی انداز میں کہا۔

''تم نے ڈان کی ایک بہت بڑی خواہش پوری کی ہے۔ اب تم جب چاہو' بنکاک بلکہ تھائی لینڈ سے نکل سکتے ہو۔''

''ابھی صرف لانچ غرق ہوئی ہے۔ ڈان اپنے حریف کی موت کا خواہاں ہے۔ شاید تمہاری بھی یہی خواہش ہوگی۔''

''امیدیں بر آنے لگیں تو خواہشات خود بہ خود بڑھنے لگتی ہیں۔ اس کی ہلاکت راوالوں کو پریشان کردے گی۔''

''دعا کرو کہ کوئی نیا داؤ لگ جائے۔ فی الحال وطن واپسی کی راہ بند ہے تو یہیں رہ کر کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہیے۔ میں اسد کے معاون کے روپ میں راجن سے رابطے میں ہوں۔ دوسرے احمقوں کی طرح وہ بھی میرے ذریعے ڈینی تک پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے۔''

''تم اپنے حریفوں سے مل بیٹھنے کے فن میں طاق ہو۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی گردن تمہارے ہی ہاتھوں کٹے گی۔ آج کل تمہارے دشمنوں کی بدبختی آئی ہوئی ہے۔ کل حیدرآباد کی ایک نہر کے کنارے سے ایک ایف بی آئی ایجنٹ کی لاش ملی ہے۔ میری عقل حیران ہے کہ وہ وہاں کیا کر رہا تھا۔''

''اول خان سے پوچھ لو'وہ بتادے گا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''اول خان!'' اس نے حیرت سے دہرایا پھر کہا ''اس واقعے سے اسلام آباد میں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ کیا تمہیں اس بارے میں کچھ معلوم ہے؟''

''کچھ نہیں' سب کچھ معلوم ہے۔ وہ جہانگیر کے گھر گیا تھا۔ طاقت کے بل پر اس سے میرے ٹھکانے کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔ جہانگیر کی بیوی نے بے خبری میں اس کے سر پر بیلن دے مارا اور وہ بے چارہ وہیں گر کر مر گیا۔ جہانگیر کو قتل کے الزام سے بچانے کے لیے اس لاش کو حیدرآباد کی نہر میں ڈبونا ناگزیر ہوگیا تھا۔''

جلال کے لیے وہ تفصیل ناقابلِ یقین ثابت ہوئی اور اس نے مجھ پر پے در پے سوالات کی بوچھاڑ کردی۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم بنکاک میں بیٹھ کر یہاں کی ڈوریاں ہلا رہے ہو۔'' سوالات کا ذخیرہ ختم ہونے کے بعد اس نے گہرا سانس لے کر کہا۔

''دوستوں کی مجبوریوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ جہانگیر میرا جگری دوست ہے۔ میری دوستی کی وجہ سے اس نے بہت مصائب جھیلے ہیں۔''

''وہ لوگ اسے نہیں چھوڑیں گے۔ تم واقعات کو کتنا ہی توڑ مروڑ لو' کچھ لوگوں کو اصل واقعے کا علم ہوگا۔ وہ جاننا چاہیں گے کہ ہوپر' جہانگیر کے گھر سے حیدرآباد کیسے پہنچ گیا۔''

''میں اس کا بندوبست کرچکا ہوں۔ اب وہ دشمنوں کی دسترس سے باہر ہے۔ اول خان نے اسے اسٹیشن فور میں روک لیا ہے۔''

''یہ بہت اچھا ہوا'' اس کی بے ساختہ آواز آئی ''تم ایک مسئلے میں الجھ کر دوسرے معاملات کو نظر انداز نہیں کرتے۔ یہ معمّا حل ہونے سے میرے ذہن سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ اب میں اپنے طور پر یہ کیس سنبھال لوں گا۔''

''کیا یہ سیدھا سا پولیس کیس نہیں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''جان ہوپر یہاں سرکاری حیثیت میں مقیم تھا'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا ''جب معاملہ کسی غیر ملکی سرکاری اہل کار کے قتل کا ہو تو پولیس کے ساتھ مقامی ایجنسیوں کو بھی حرکت میں آنا پڑتا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہوپر کو اغوا کرکے حیدرآباد لے جایا گیا ہے۔ وہ کسی کو اطلاع دیے بغیر حیدرآباد نہیں جاسکتا تھا۔''

وہ امریکیوں کے موقف کے بارے میں پہلی خبر تھی جس سے اول خان واقف نہیں تھا۔ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا ''انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اسے اغوا کرنے والے کون لوگ ہوسکتے ہیں۔''

''اس بارے میں وہ خاموش ہیں۔ ابھی تک ہم مدافعانہ پوزیشن میں تھے' تم سے حقائق معلوم ہوجانے کے بعد میں انہیں زچ کردوں گا۔ لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سر میں آنے والی چوٹ کو موت کا سبب قرار دے گی۔ وہ چوٹ نہر کے کسی پتھر وغیرہ سے بھی آسکتی ہے۔ لاش پر پورے کپڑے موجود ہیں' ہوسکتا ہے کہ یہ خودکشی کا کیس بن جائے۔''

''کیس یہی بننا چاہیے۔'' میں نے پرزور لہجے میں کہا ''میری تلاش میں ناکامی کا بدترین ذہنی دباؤ اس کا سبب قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس نظریے پر کام کرتے ہوئے ان سے یہ بھی پوچھا جاسکتا ہے کہ ہوپر خودکشی سے پہلے کس کیس پر کام کررہا تھا۔''

''میں نے تم سے کہا نا کہ میں انہیں زچ کردوں گا۔ یہ

سب مجھ پر چھوڑ دو۔ تم راجن پر اپنی توجہ مرکوز رکھو۔''

میں نے اسے یقین دلایا کہ راجن کے بارے میں اسے جلد ہی کوئی اچھی خبر سننے کو ملے گی اور ہماری گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

راجن کے خلاف کام کرنے کے لیے میرے سامنے تین محاذ تھے جن میں سے دو پر کام شروع ہو چکا تھا۔ وائٹ ہاک غرق کر دی گئی تھی، میں نے اکبر کے روپ میں بات کر کے اسے مضطرب کر دیا تھا۔ تیسرا رخ یہ تھا کہ میں اپنے اصل روپ میں اس سے چھیڑ چھاڑ کروں۔

وائٹ ہاک کو میں نے تباہ کیا تھا۔ اس کارروائی کے بعد میری طرف سے راجن کی مزاج پرسی ضروری ہو گئی تھی۔

وہ ایک خطرناک بدمعاش تھا۔ وہ روپوشی اختیار کر سکتا تھا مگر اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ میرے مطالبے پر اپنا بستر بوریا سمیٹ کر ممبئی واپس لوٹ جائے گا۔ پھر بھی اس پر اپنا دباؤ برقرار رکھنا ضروری تھا۔

میرے پاس موتی محل کے نمبر موجود تھے لیکن میں نے اس سے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون پر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا جس پر میں اس سے ایک بار مذاکرات کر چکا تھا۔

میں نے نمبر ملایا۔ دوسری طرف یکے بعد دیگرے متعدد بار گھنٹیاں بجتی رہیں، کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے لائن منقطع کر کے دوبارہ وہی نمبر ملایا۔ اس بار بھی نتیجہ مختلف نہیں رہا۔

شاید میری یہ بات اس کے دماغ میں بیٹھ گئی تھی کہ اس نے سیٹ لائٹ فون پر کال وصول کر کے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ سوبھراج سے اس کا گہرا گٹھ جوڑ تھا اور سوبھراج کی عبرت ناک موت کے بعد اس کا سیٹ لائٹ فون راجن کے تصرف میں تھا۔

اس سے ایک بار غلطی ہو گئی تھی۔ وہ اس کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

موتی محل کے ایک نمبر سے فون کر کے اس نے مجھ سے اکبر کی حیثیت میں بات کی تھی میں نے اس کو چھوڑ کر موتی محل کا دوسرا نمبر ملا لیا۔

آپریٹر نے میرا نام سننے کے بعد مجھ سے کوئی اور سوال نہیں کیا شاید راجن نے میرے بارے میں اپنے عملے کے خاص خاص لوگوں کو بریف کیا ہوا تھا۔ چند ثانیوں بعد ہی فون پر راجن کی بپھری ہوئی آواز سنائی دی۔

''درندے! آہستہ بولو۔ میرے کان نازک ہیں۔''

میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا ''تم نے دیکھ لیا کہ میرے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔''

> چھ سالہ عاشر اسکول سے واپس آیا تو پیٹ پکڑتے ہوئے بولا ''پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔''
>
> ''پیٹ میں درد اس لیے ہو رہا ہے کہ پیٹ میں کچھ ہے نہیں......'' ماں نے کہا ''پیٹ خالی ہے۔ اس میں جب کچھ ہو گا تو پھر درد نہیں ہو گا۔''
>
> شام کو عاشر کے تایا ان لوگوں سے ملنے آئے۔ سب گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے تایا نے ایک لمحے کے لیے رک کر پیشانی مسلتے ہوئے کہا ''آج سر میں بڑا درد ہو رہا ہے۔''
>
> ''سر میں درد اس لیے ہو رہا ہے کہ آپ کے سر میں کچھ ہے نہیں......سر خالی ہے......اگر سر میں کچھ ہوتا تو پھر درد نہ ہوتا......''
>
> قریب بیٹھے عاشر نے فوراً بزرگانہ انداز میں کہا۔

''میں ان لمبے ہاتھوں کو بہت جلد جوڑوں سے اکھاڑ دوں گا۔'' وہ غرایا۔

''وائٹ ہاک پر تمہیں ناز تھا۔ آج میں نے تمہارے اس غرور کو سمندر میں ڈبو دیا۔ اب میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم میدان میں رکو گے یا اپنی بساط لپیٹ رہے ہو۔''

''تم اپنی خیر مناؤ۔ میں نے تم سے وقت خریدا تھا۔ اب میں مطمئن ہوں تم سر کے بل کھڑے ہو کر بھی امریکیوں کو یہ یقین نہیں دلا سکو گے کہ سوبھراج پر میرا ہاتھ تھا۔''

''تم جدید سائنس سے ناواقف ہو۔ اس کی بچی ہوئی ہڈیوں کا ڈی این اے ٹیسٹ یہ ثابت کر دے گا کہ وہ نرائن... پرشاد شرما کی نہیں سوبھراج کی ہڈیاں ہیں۔ وہ سوبھراج کے پورے خاندان کو جانتے ہیں۔ ان کے لیے رپورٹوں کا موازنہ مشکل نہیں ہو گا۔''

''اپنی کوشش کر کے دیکھ لو، تم منہ کی کھاؤ گے۔ شرما کی وصیت کے نام پر میں نے ساری ہڈیاں بھاری چتا میں جلوا دی ہیں، راکھ سمندر میں بہا دی گئی۔ میں نے تمہاری بدمعاشی کے سارے راستے مسدود کر دیے ہیں۔ ٹیسٹ کرنے کے لیے اب کچھ باقی نہیں رہا۔''

میں نے سکتے کے عالم میں اس کی وہ ہرزہ سرائی سنی۔ غلطی میری اپنی تھی۔ میں نے اسے یہ بتا دیا تھا کہ وہ کس طرح پھنس سکتا ہے۔ اس نے میری غلطی سے فائدہ اٹھایا اور اپنی

اس کمزوری کا توڑ کرلیا۔ چند منٹ پہلے میں تجربہ کر چکا تھا کہ اس نے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا استعمال ترک کر دیا تھا یا اسے تباہ کر دیا تھا۔ میں اپنے ایک اہم کارڈ سے محروم ہو چکا تھا۔

''تمہارا سر کچلنے کے لیے مجھے سہاروں کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے اپنے صدمے پر قابو پا کر درشت لہجے میں کہا ''اپنی لانچ کی طرح تم بھی غرقاب کیے جاسکتے ہو۔ تمہارے سارے آدمی اپنی سر توڑ کوششوں کے باوجود اسے تہ نشین ہونے سے نہیں بچا سکے۔''

''ڈینی! میں تم سے اس نقصان کا بہت بھیانک انتقام لوں گا۔ میرے آدمی تمہاری بو پر لگ گئے ہیں۔ مجھے تمہاری کمینگی کی پیشگی خبر مل گئی تھی۔ یہ میری خوش فہمی تھی کہ میں نے اسے اہمیت نہیں دی۔ تم کوئی دوسرا وار کرنے سے پہلے کتے کی موت مارے جاؤ گے۔''

صاف ظاہر تھا کہ وہ ان باتوں کا حوالہ دے رہا تھا جو میں نے اس سے اکبر کے روپ میں کی تھیں۔ اس حوالے سے یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ اکبر کے کردار نے اس کے لیے یکا یک کتنی اہمیت اختیار کر لی تھی۔

''مار کھانے والے اس طرح ہذیان بکتے ہیں۔ بنکاک میں تمہاری ہوا اکھڑ چکی ہے۔ جو شخص اپنے ٹھکانوں کی حفاظت نہیں کر سکتا وہ دوسروں کو کیا دے گا۔ یہ میری اور تمہاری گینگ وار ہے' لوگ پٹنے والے کا ساتھ بہت تیزی سے چھوڑتے ہیں۔ یہاں والوں کو معلوم ہے کہ تم کو زیادہ مار پڑی تو تم ممبئی بھاگ جاؤ گے۔ جن کو یہیں مرنا جینا ہے وہ تمہارے ساتھ رہ کر اپنی عاقبت خراب نہیں کریں گے' دور کھڑے ہو کر تمہاری بربادی اور رسوائی کا تماشا دیکھیں گے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اسے آنے والے دنوں کا نقشہ دکھایا۔

''اب میری اور تمہاری کھلی لڑائی ہے۔'' وہ غرایا ''تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ کر لو' تم میرے قہر سے نہیں بچ سکو گے!''

اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے مسکرا کر غزالہ کی طرف دیکھا اور اپنا اپریٹس بھی بند کر دیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ راجن اپنی لانچ کی تباہی پر اعصاب زدہ ہو چکا تھا۔

اس نے میری غلطی کا فائدہ اٹھا کر سوبھراج کی موت کے بارے میں سارے ثبوت ضائع کر دیے تھے۔ اس فون کال سے یہ فائدہ ہوا کہ مجھے اس پوزیشن کا علم ہو گیا۔ وہ ثبوت مٹ جانے کے بعد یہ امکان باقی نہیں رہا تھا کہ میں کسی گمنام فون کال کے ذریعے مقامی امریکی مشن کے کسی ذمے دار اہل کار کو راجن کے پیچھے لگا سکوں۔ اس کے خلاف جو کچھ کرنا تھا مجھے اپنے طور پر کرنا تھا۔ اس مقابلے میں صرف ڈان میرا مددگار تھا۔

مجھے ذہنی ورزش کے لیے خاصا مواد مل گیا تھا۔ میں نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔ غزالہ نے میرے موڈ کا اندازہ لگا کر ٹیلی وژن کی آواز دھیمی کی اور اس کے سامنے کرسی سنبھال لی۔

مجھے غزالہ کو باہر بھیج کر وائٹ ہاک کی تباہی پر شائع ہونے والے اخباری ضمیمے منگوانے کا خیال آیا جسے میں نے ملتوی کر دیا۔ وہاں جو کچھ ہوا' ہمارے ہاتھوں اور ہمارے سامنے ہوا تھا۔ ضمیموں میں کاروباری سنسنی خیزی اور حاشیہ آرائی کے سوا کوئی نئی بات نہیں مل سکتی تھی۔

ٹیلی وژن پر خبروں کا سلسلہ شروع ہوا تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ واقعہ تازہ تھا اور تفصیلات دستیاب نہیں تھیں۔ خبر میں صرف اتنا بتایا گیا کہ ہاربر سے کچھ فاصلے پر لنگر انداز وائٹ ہاک نامی تفریحی لانچ دھماکوں کے ساتھ تباہ ہو گئی۔ اس حادثے میں پانچ افراد پانی میں ڈوب کر ہلاک ہوئے جن میں چار عورتیں تھیں۔ سترہ افراد زخمی ہوئے۔ انہیں لانچ کے عملے اور دوسرے مہمانوں نے ڈوبنے سے بچالیا' تین افراد لاپتا تھے جن کی تلاش جاری تھی۔

خبر کے ساتھ وائٹ ہاک کے ڈوبنے کا آخری مرحلہ بھی دکھایا گیا جس میں اس کا پچھلا حصہ پانی میں پوری طرح غرق ہو چکا تھا۔ اگلا حصہ سیدھا کھڑا ہوا تھا اور تیزی سے پانی میں بیٹھ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد پانی کے بڑے بڑے بلبلوں کے اخراج کے ساتھ اگلا حصہ بھی پانی میں غائب ہو گیا۔ اس وقت لانچ پر کوئی فرد موجود نہیں تھا۔

دو بجے چاؤ فان کسی پیشگی اطلاع کے بغیر اچانک نازل ہو گیا۔ وہ ہوٹل کے باہر اپنی گاڑی میں موجود تھا اور فون کر کے مجھے بلا رہا تھا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ اسے آپ سے کچھ لگاؤ ہو گیا ہے۔'' غزالہ نے اس کی آمد کی خبر سن کر کہا ''جب موقع ملتا ہے' آپ کے پاس دوڑا چلا آتا ہے۔''

''فضول باتوں سے دماغ چاٹ جاتا ہے۔'' میں نے جوتے پہنتے ہوئے بےزاری سے جواب دیا۔

''پھر بھی کام کا آدمی ہے آپ کے منصوبے کی ساری تیاری اسی کے ذمے تھی!''

''یہ سب کام وہ میرے لیے نہیں کرتا اسے ہر وقت

ڈان کی خوشنودی کی فکر رہتی ہے۔ وہ کسی پیدائشی غلام کی طرح ڈان کا خدمت گار بنا ہوا ہے۔''

''آپ کے لیے ان دونوں کا دم غنیمت ہے۔ اسد کے چلے جانے کے بعد یہاں کون رہ گیا تھا جو آپ کی ذرا بھی مدد کرتا۔''

میں نے غزالہ کے اس تبصرے کا جواب نہیں دیا۔ الوداعی انداز میں ہاتھ لہرا کر کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

''ماسٹر! آج مزہ آ گیا۔ پورے شہر میں چھوٹا راجن کی رسوائی ہو رہی ہے۔'' میرے گاڑی میں سوار ہوتے ہی اس نے خوش ہو کر کہا ''یہ دیکھو لانچ کی پراسرار تباہی پر دو اخباروں نے اپنے ضمیمے نکالے ہیں۔ وائٹ ہاک بڑی شان سے زاویے بدل بدل کر غرق ہوئی ہے۔ ان ضمیموں کی رنگین تصویریں دیکھو گے تو تمہاری طبیعت خوش ہو جائے گی۔''

مجھ سے بات کرتے ہوئے اس نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ میں نے ڈیش بورڈ پر پڑے ہوئے اخبار اٹھا لیے۔ وہ دونوں تھائی زبان کے اخبارات تھے۔ ان میں وائٹ ہاک کی غرقابی کی رنگین تصاویر کسی زبان کی محتاج نہیں تھیں۔ ایک اخبار نے وائٹ ہاک کی فائل فوٹو بھی لگائی تھی جس میں وہ لانچ بہت باوقار اور پرشکوہ نظر آ رہی تھی۔

تصویریں دیکھ کر میں نے وہ ضمیمے بے پروائی سے پچھلی سیٹ پر ڈال دیے۔

''کیا تم مجھے یہ تصویریں دکھانے آئے تھے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''تم سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا..... میرا نہیں ڈان کا!'' میرے تیور دیکھ کر اس نے اپنی بات میں آخری فقرہ جوڑا۔ ''میں نے سوچا کہ تمہیں یہ اخبار بھی دکھا دوں۔''

''میں ابھی ٹیلی وژن پر یہ سب دیکھ آیا ہوں۔ اس واقعے میں کتنے پاپی مرے ہیں؟''

''مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے لیکن ابھی تک تین عورتوں سمیت چار کا اعلان کیا گیا ہے، تین لاپتا ہیں۔'' اس کی معلومات ٹیلی وژن کے نشریے سے زیادہ نہیں تھیں۔

''شہر میں اس واقعے پر کیا ردعمل پایا جا رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''سنسنی اور سراسیمگی کا عالم ہے۔ اس حادثے پر لوگوں کو پچھلے واقعات بھی یاد آ رہے ہیں۔ اس کے کیسینو میں قتل، کلبوں میں دھماکے اور پھر موتی محل میں دھماکا، سب قصے ازسرنو تازہ ہو گئے ہیں۔ ہم امن پسند اور ڈرپوک قوم ہیں۔ میرا اندازہ ہے آج سے چھوٹا راجن کے سارے کاروباری اڈے ویران ہو جائیں گے۔'' چاؤ فان نے مسرت سے بتایا۔

''وہ اپنے کاروبار کے بل پر یہاں پھل پھول رہا ہے۔ اس کے دھندے تباہ ہوں گے تو اس کے قدم خود بہ خود اکھڑ جائیں گے۔''

''ماسٹر! قدم اکھڑنے کی نہیں، اب اس کی قبر جمانے کی بات کرو۔ لانچ ڈوبنے کے بعد اس کا دماغ چل گیا ہے۔ ابھی صبح آٹھ بجے اس کے دو آدمیوں نے پٹرول ڈال کر پیٹ پونگ کے دو ہوٹلوں کو جلا کر راکھ کر دیا۔ پتا نہیں وہ کیا کرنا چاہ رہا ہے......!''

اس کی زبان سے پیٹ پونگ کے ہوٹلوں کا ذکر سن کر میں چونک گیا۔ میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔ ''وہ سکھوں کے ہوٹل تو نہیں تھے؟''

چاؤ فان کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو گئیں اور وہ والہانہ انداز میں بولا۔ ''ماسٹر! تم تو ولی ہو گئے ...... تمہیں کیسے پتا چل گیا کہ وہ سکھوں کے ہوٹل تھے؟''

تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ میرے بے ساختہ سوال نے مجھے امتحان میں ڈال دیا۔ میں نے سنبھالا لے کر جلدی سے کہا۔ ''اس طرف زیادہ تر ہوٹل سکھوں کے ہی ہیں۔''

''کمال ہے!'' چاؤ فان خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ ''میں دن رات وہاں کے پھیرے لگاتا رہتا ہوں، میں نے کبھی یہ بات نوٹ نہیں کی۔ تم کو میں نے ایک دن وہاں کی سیر کروائی اور وہاں کا پورا نقشہ تمہارے ذہن میں جم گیا۔''

چاؤ فان کی غائب دماغی کی وجہ سے آئی ہوئی بلا ٹل گئی۔ میرا یہ اندازہ اور پختہ ہو گیا کہ وائٹ ہاک کی تباہی کے بعد راجن اکبر کی کہی ہوئی باتوں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہا تھا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ میں نے پیٹ پونگ میں ایک سردار جی کے ہوٹل میں بیٹھے ہوئے چار افراد کی گفتگو میں اس کی ناؤ ڈوبنے کا ذکر سنا تھا اور اس نے اشتعال کے عالم میں اپنے آدمیوں سے ان دو مشتبہ ہوٹلوں کو نذر آتش کرا دیا جہاں اس کے دشمن کے آدمی بیٹھتے تھے۔ وہ راجن کے ذہنی اختلال اور بربریت کی ایک بدترین مثال تھی۔

''وہاں کسی نے ان لوگوں کو روکنے کی کوشش نہیں کی؟'' میں نے پوچھا۔

''ماسٹر! کیسی باتیں کرتے ہو۔ سب کو اپنی جان پیاری ہوتی ہے۔ ان بھیڑیوں کو کون روکتا۔ وہ آئے اور اپنی من مانی کارروائی کر کے چلے گئے۔''

''یہ کیسے پتا چلا کہ وہ راجن کے آدمی تھے؟'' میرا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔
''انہیں پورا شہر جانتا ہے۔ وہ جانے بوجھے چہرے تھے۔''
''کیا انہیں آتش زنی کے الزام میں نہیں پکڑا جائے گا؟''
''کون پکڑے گا؟'' اس نے سوال کیا ''پولیس اس کی زرخرید ہے۔ اول تو کوئی ان بھڑیوں کے خلاف گواہی نہیں دے گا۔ کسی نے راجن کے آدمیوں کا نام لیا تو پولیس تفتیش کے بہانے اسی کو دھر لے گی، حوالات میں ایک رات میں وہ حق گوئی سے توبہ کر لے گا۔ ایسے دھندوں میں یہاں دھاندلی اور بے رحمی چلتی ہے۔''
''تم اتنے یقین سے یہ سب باتیں بتا رہے ہو جیسے ایسا ہو چکا ہو......!''
''ماسٹر! یہ کوئی نئی کہانی نہیں ہے۔ وہ دکانیں لوٹ لیتے ہیں، عورتوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ انہوں نے شہر کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ سب لوگ ان کے خلاف زبان کھولتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ تم لکھ لو کہ ان میں سے کوئی نہیں پکڑا جائے گا۔ برباد ہونے والے ہوٹلوں کے مالک چند روز تک رونے پیٹنے کے بعد بیٹھ جائیں گے۔ پتا نہیں ان بے چاروں کا کیا قصور تھا۔''
''ضروری نہیں کہ ان دونوں ہوٹل والوں کا کوئی قصور ہو۔'' میں نے اسے الجھانے کی نیت سے کہا۔ ''یہ راجن کی دہشت گردی بھی ہو سکتی ہے۔''
''نہیں ماسٹر!'' اس نے پرزور لہجے میں اعتراض کیا۔ ''میں یہ بات نہیں مان سکتا۔ دہشت گردی کے لیے اس نے اپنے ہم وطنوں کو کیوں نشانہ بنایا...... دونوں سکھ ہیں اور ان کے ہوٹل ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہیں۔ یہ کوئی اور ہی قصہ معلوم ہوتا ہے۔''
''اس بارے میں تم اتنے فکر مند کیوں ہو رہے ہو۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ ان ہوٹلوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں تھا۔''
''ہاں، تمہاری یہ بات میں مانتا ہوں۔'' وہ سر ہلا کر بولا۔
''ڈان نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔
''تم نے اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے، کیا وہ نہ بلاتا؟''
''یہ مجھ سے زیادہ تمہارا کارنامہ ہے۔ سارا بندوبست تم نے کیا تھا۔'' میں نے ہنس کر اس کی حوصلہ افزائی کی۔
''پھر تو اسے مادام کا کارنامہ کہو، بم اسی نے لگائے تھے۔''
''لیکن اس کا کھوج تم نے لگایا تھا۔ اس کام کے لیے اسے راضی کرنا بھی مشکل کام تھا۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں وہ بھی راجن کی ستائی ہوئی نکلی۔''
''ماسٹر! میں تمہارا خادم ہوں۔'' وہ اپنے سینے پر ہاتھ مار کے بولا ''حکم دو تو میں تمہارے لیے پاتال کی خبر لا سکتا ہوں۔ بس بے چاری مادام کا خیال رکھنا۔ وہ شام کی چائے پر بے چینی سے تمہارا انتظار کرے گی۔'' لی کا ذکر آتے ہی اس کی ذہنی رو بہک گئی۔
''میرا وہاں جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اسے بتا دیا۔
''ایسا نہ کرنا۔'' وہ جلدی سے بولا ''اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ وہاں نہ جا کر تم اس کی توہین کا ارتکاب کرو گے۔ یہ نہ بھولو کہ وہ دوبارہ ہمارے کام آ سکتی ہے۔''
میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر مکمل سنجیدگی کا راج تھا۔ اس کا آخری فقرہ میرے دل کو لگا۔ یہ حقیقت تھی کہ اس وقت مجھے بنکاک میں اپنے دوستوں اور ہمدردوں کی ضرورت تھی۔ لی جیسی دلیر اور بے خوف عورت کو ناراض کرنا مناسب نہیں تھا۔
''اس بارے میں دیکھا جائے گا۔ پہلے ڈان سے مل لیا جائے۔'' میں نے ٹالنے والے انداز میں جواب دیا۔
''ہاں! ڈان کی بات ہو رہی تھی۔ آج وہ تم سے بہت خوش ہے۔ تمہارے لیے تھائی زبان کا ایسا لفظ استعمال کیا جو ہم لوگ گرل فرینڈ یا محبوبہ کے لیے استعمال کرتے ہیں...... یہ سمجھو کہ وہ تمہیں ڈارلنگ کہہ رہا تھا۔''
''تمہارے لیے یہ بات اہم ہو سکتی ہے، میرے نزدیک بے معنی ہے۔ ڈان ان لوگوں میں سے ہے جو ذرا سی لغزش پر کسی کو بھی عرش سے فرش پر لے آتے ہیں۔ اس کی خوشی یا تعریف پر بغلیں بجانے کے بجائے اپنے کام سے کام رکھو۔''
''ماسٹر! تم عجیب آدمی ہو۔'' وہ اداس لہجے میں بولا ''خوش ہونے والی باتوں پر خوش نہیں ہوتے۔ ناراض کر دینے والی باتوں پر ایک دم بپھر جاتے ہو۔ ایسا تو میں نے ڈان کو بھی نہیں پایا۔ اب یہی دیکھ لو کہ وہ وائٹ ہاک کی تباہی پر کسی بچے کی طرح خوش ہو رہا ہے۔''

''دنیا کے کوئی دو آدمی ایک جیسے نہیں ہوتے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''مزاج کے اعتبار سے ڈان علی نہیں ہوسکتا اور میں ڈان نہیں بن سکتا۔ کہو تو میں ڈان کو تمہاری اس خواہش سے آگاہ کردوں کہ مجھے ڈان جیسا ہونا چاہیے۔''

''ماسٹر! ایسا غضب نہ کرنا۔'' اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''جب سے وہ گوشہ نشین ہوا ہے۔ بہت شکی اور وہمی ہوگیا ہے۔ وہ سمجھے گا کہ میں موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کی جگہ لینے کی سازش کررہا ہوں۔''

''اسی لیے کہا جاتا ہے کہ پہلے تولو پھر بولو۔ تم جب بولنے پر آتے ہو۔ تو بے تکان بولتے چلے جاتے ہو۔ یہ اچھی عادت نہیں ہے۔''

''ماسٹر! یہی تو زندگی کی ایک علامت ہے۔ زبان اسی وقت رکتی ہے جب سانس آدمی کا ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ میری اس آزادی کو مجھ سے نہ چھینو۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے خوب سمجھ گئے ہو۔ میری باتوں کا وہ مفہوم بھی بھانپ لیتے ہو جو مجھے خود معلوم نہیں ہوتا۔''

اس کی وہ تاویل بسیار گوئی کی عجیب مثال تھی۔ میں مسکرا کر رہ گیا۔

راجن سے فون پر پہلی بار بات ہوئی تو میں نے اس کے لیے اکبر کا روپ دھارا ہوا تھا۔ اس بات چیت میں میرے پاس زیادہ سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں تھی۔ اس کے ذہن کو اپنی طرف سے شکوک وشبہات سے پاک رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں اس کے ہر سوال کا فوری جواب دوں۔ وہ اول درجے کا گھاگ تھا۔ یہ بات بہ خوبی جانتا تھا کہ آدمی سچ بول رہا ہو تو اسے کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں ہوتی، سچ خود بہ خود زبان پر آجاتا ہے۔ جھوٹ بولنے کا معاملہ بہت مختلف ہوتا ہے۔ ہر بات بہت سنبھل کر کہنا پڑتی ہے۔

اس نے ڈینی کے چار مفروضہ آدمیوں کے ٹھکانے کے بارے میں مجھ سے سوال کیا تو میں نے اپنے ذہن میں آنے والا پہلا جواب اس کے گوش گزار کردیا۔ سردار جی کے ہوٹل کا ذکر کرتے ہوئے یہ بات میرے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکی تھی کہ وہ اس ہوٹل کے خلاف دہشت گردی کی کسی کارروائی پر اتر آئے گا۔ میرا خیال تھا وہ زیادہ سے زیادہ اپنے آدمیوں کو بھی اس ہوٹل کی نگرانی پر مامور کردے گا تاکہ مشتبہ افراد ان کی نگاہوں میں آسکیں۔

وہ جھنجلایا ہوا اور شکست خوردہ تھا۔ اس کے آدمیوں کے ہاتھوں دو ہوٹلوں کی بربادی کا ذکر سن کر مجھے قلق ہوا تھا۔ وہ ایسا ناگزیر واقعہ تھا جسے ٹالنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں سردار جی کے ہوٹل کے بجائے کسی اور مقام کا ذکر کرتا تو راجن کے آدمی وہاں بھی ویسی ہی بربادی پھیلا دیتے۔ اسے کسی نہ کسی کو اپنی جھنجلاہٹ کا نشانہ بنانا تھا۔ میں نے قبل از وقت اس حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے اسی کے ایک ہم وطن کا ذکر کیا اور ایک کے چکر میں دو سردار راجن کی جھنجلاہٹ کا نشانہ بن گئے۔

''ماسٹر! کیا شام کی چائے کے بارے میں سوچ رہے ہو؟'' مجھے خاموش پاکر چاؤفان نے پرمزاح لہجے میں ٹوکا۔

''چاؤفان! تم باز نہیں آؤ گے۔ بار بار یہ ذکر کیوں نکال رہے ہو؟''

''تم نے ابھی تک اپنے ارادے سے آگاہ نہیں کیا۔'' وہ بولا۔ ''ایک بار مثبت جواب دے دو۔ میں دوبارہ مادام کا نام لوں تو جو چور کی سزا وہ میری!''

''وقت ملا تو میں اس سے بھی مل لوں گا۔ اب اس کا ذکر نہ کرنا۔''

''ہرگز نہیں!'' وہ سر جھکا کر سعادت مندانہ انداز میں بولا۔ ''اس بے چاری نے مجھے فون پر یاد دہانی نہ کرائی ہوتی تو میں تمہیں بار بار تنگ نہ کرتا۔''

''اس نے تمہیں فون کیا تھا؟'' میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''دیکھو ماسٹر، اب مجھے الزام نہ دینا۔ تم خود اس کی بات چھیڑ رہے ہو۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''میں نے پہلے ہی پیش گوئی کی تھی کہ وہ تمہیں دیکھ لے گی تو آسانی سے ہمارے کام کے لیے راضی ہوجائے گی۔ تم نے میری بات نہیں مانی۔ میں نے کسی نہ کسی طرح اسے شیشے میں اتارلیا۔ اب دیکھ لو کہ رات کو اس سے تمہارے پہلی ملاقات ہوئی ہے اور وہ تمہارے گن گارہی ہے۔ کاش......! تمہارے اس غلام کی قسمت بھی ایسی ہوتی۔''

وہ ایک گہرا اور حسرت زدہ سانس لے کر خاموش ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم ڈان کے سیلرز بار کے پچھلے دروازے پر موجود تھے۔ ہمارے وہاں پہنچنے کے وقت کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔ چاؤفان نے اتنا بتایا کہ ڈان نے طلب کیا تھا۔ ڈوربیل کے جواب میں ایک خوب صورت مقامی لڑکی نے دروازہ کھولا اور ہمیں پہچان کر اندر جانے کی راہ دے دی۔

گھنٹی کی آواز ڈان نے سن لی تھی۔ ہم زینے عبور کرکے سیلرز بار کی اوپری منزل پر پہنچے تو ڈان اپنے سفید ریشمی لبادے میں ہمارا منتظر تھا۔

مجھے دیکھتے ہی وہ مسہری سے اتر کر میری طرف لپکا اور والہانہ انداز میں مجھے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ اس کی گرفت مضبوط تھی۔ میں نے سانس روک کر اپنا سینہ سخت کر لیا تھا کہ ڈان کی گرم جوشی کے باعث کسی جسمانی نقصان سے محفوظ رہ سکوں۔

''تم واقعی جوانِ مرد ہو۔ تم نے میرا ایک خواب پورا کر دیا۔'' ڈان جذباتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ آج میں نے وائٹ ہاک کو سمندر میں ڈوبتا ہوا دیکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے چھوٹا راجن سمندر میں ڈوب رہا ہو۔ اب میرے پرانے دن لوٹ آئیں گے۔''

مجھے اپنی گرفت سے آزاد کر کے اس نے میری پیشانی کا بوسہ لیا۔ ادھیڑ عمری کے باوجود اس کے بھرے بھرے ہونٹوں میں جوانوں جیسی گرمی تھی۔ مجھ سے الگ ہو کر وہ دوبارہ اپنی شاہانہ مسہری کی طرف لوٹ گیا۔

چاؤفان مجھے رشک اور حسرت کے ملے جلے جذبوں کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

''یہ صرف میرا کام نہیں ہے۔'' میں نے چاؤفان کا دل رکھنے کے لیے ڈان سے کہا ''اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے چاؤفان نے بہت محنت کی ہے۔''

''میرے سامنے اس حرام خور کی سفارش مت کرو۔'' ڈان غرایا ''یہ کسی قابل ہوتا تو پچھلے دو سال ایسے برے نہ گزرتے۔ تمہارا چابک چل رہا ہے تو یہ اب جی جان سے دوڑ رہا ہے۔ یہ خود سے محنت کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔'' وہ اچانک چاؤفان سے مخاطب ہو گیا ''کیوں......؟ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''ڈان! تم سچے ہو۔'' چاؤفان نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اپنا سر جھکا دیا ''ماسٹر نے میری کایا پلٹ کر دی ہے۔ اب میں بہت محنت کر رہا ہوں۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' ڈان نے طنزیہ لہجے میں کہا ''تجھے پورے بنکاک میں کوئی مرد غوطہ خور نہیں ملا۔ تو دو دنوں سے اس لمبی گھوڑی کے گھر کے چکر کاٹ رہا تھا جو خود کو حسینۂ عالم سمجھتی ہے۔''

ڈان کی زبان سے لمبی گھوڑی کا ذکر سنتے ہی چاؤفان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن ڈان کے تیور دیکھ کر خاموش رہا۔ اس کا دہانہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی صفائی میں کیا کہے۔

میں نے محسوس کیا کہ ڈان اس کے ساتھ زیادتی کر رہا تھا۔ وہ اتنی ملامت کا سزاوار نہیں تھا۔ میں نے کہا ''شہر میں کوئی راجن کے خلاف کام کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ لی نے راجن کے ہاتھوں گہرا زخم کھایا ہوا ہے۔ اس کا دکھ ہمارے کام آ گیا۔''

''میں کسی وقت لی کی کہانی بھی سن لوں گا، تم دونوں بیٹھ جاؤ۔''

ڈان نے میرے سامنے چاؤفان کو پہلی مرتبہ اتنی عزت دی تھی کہ اسے بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔ وہ ڈرے سہمے انداز میں ایک صوفے کے کنارے پر یوں ٹک گیا جیسے اسے صوفے کے بقیہ حصے میں سوئیوں کے چھپا ہوا ہونے کا خوف ہو۔

''چاؤفان بھی میرا بچہ ہے!'' قدرے توقف کے بعد ڈان گمبھیر آواز میں بولا ''میں اسے بہت عزیز رکھتا ہوں۔ مجھے یہ سوچ سوچ کر اس پر غصہ آتا ہے کہ یہ دو سالوں سے کہاں سویا ہوا تھا۔ سب کچھ تمہارے آنے کے بعد کیوں ہو رہا ہے؟''

''ڈان ......کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔'' میں نے ملائمت سے کہا ''یہ میرے اور تمہارے ستاروں کے ملنے کا کمال ہے۔ میں اکیلا تھا تو خود بھی بھٹک رہا تھا۔ راجن کو انگلی تک نہیں لگا سکتا تھا۔ اب اس کی پسپائی کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔''

''وائٹ ہاک کی تباہی سے اس کے ہاتھ پیر پھول گئے ہیں۔'' راجن کا ذکر آتے ہی ڈان کی ذہنی رو اس کی طرف منتقل ہو گئی ''میں نے صبح سویرے دیر تک اس لانچ کے ڈوبنے کا سہانا منظر دیکھا ہے۔ اس کے ہر بل پر مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے راجن زخم کھا کر تڑپ رہا ہو۔ وہ اتنا بزدل ہے کہ اپنی لاڈلی لانچ کو دیکھنے تک نہیں آیا۔ خوف زدہ چوہے کی طرح اپنے موتی محل میں گھسا ہوا بیٹھا ہے۔ لوگ بتا رہے ہیں کہ اس نے صبح سے اپنا قدم باہر نہیں نکالا۔''

''وہ کئی دنوں تک کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔''

''اسے گھسیٹ کر موتی محل سے نکالو۔'' ڈان نے مطالبہ کیا ''بنکاک کی سڑکیں اور گلیاں اس کے خون کا خراج مانگ رہی ہیں، اس کام میں دیر نہ کرو۔''

وہ ڈان کی جذباتی باتیں تھیں جو میں نے خاموشی سے سن لیں۔ راجن کو براہِ راست گھیرنا اتنا آسان نہیں تھا۔

''زیرِ زمین دنیا میں خبریں سینہ بہ سینہ بہت تیزی سے سفر کرتی ہیں۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''اب تم منادی کرا دو کہ جو راجن کا ساتھ دے گا، وہ مارا جائے گا۔ حالات کا

دھارا اس کے خلاف بہہ نکلا ہے۔ اس دھمکی سے بہت سے لوگ اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ وہ اکیلا رہ جائے گا تو اسے نرغے میں لے لیا جائے گا۔''

''میں تمہاری سوچ کا پرستار ہوتا جا رہا ہوں۔'' ڈان نے تعریفی لہجے میں کہا ''تم بہت آسانی سے گر کی باتیں سوچ لیتے ہو۔ یہ تدبیر واقعی کارآمد رہے گی۔'' بات ختم کر کے اس نے اپنی استفسار طلب نگاہیں چاؤفان کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

''مم...... میں آج ہی یہ خبر پھیلا دوں گا۔'' چاؤفان ہکلا کر جلدی سے بولا ''کمزور مہرے تیزی سے راستے سے ہٹ جائیں گے۔''

''ابھی ڈان کا نام کھلنے کا وقت نہیں آیا، یہ بات اپنے ذہن میں رکھنا۔'' میں نے براہ راست چاؤفان سے کہا۔

''ہاں، اسے تجسس میں رہنے دو!'' ڈان نے میری تائید کی ''اسے یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ کون اس کے پیچھے لگا ہوا ہے، میں سن رہا ہوں کہ وہ کسی ڈینی پر شبہ کر رہا ہے۔ اس کے آدمی شہر میں ڈینی کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔''

''یہ ہمارے حق میں بہت اچھی بات ہے۔'' میں نے لقمہ دیا ''اسے کسی نہ کسی کے پیچھے لگنا ہی تھا۔ وہ بھٹکتا رہے گا تو ہم اپنا کام آسانی سے پورا کر لیں گے۔''

''ڈینی اس کا کوئی بڑا دشمن ہے اور بنکاک میں آیا ہوا ہے تو اسے ہم پال لیں گے۔ اس وقت راجن کا ہر دشمن ہمارا دوست ہے۔'' ڈان بولا۔

موضوعِ سخن خطرناک موڑ پر آ گیا۔ میں اس وقت سے ڈرتا رہا تھا جب راجن سے دشمنی کے حوالے سے میری ذات زیرِ بحث آئے۔ وقت اور حالات میری خواہشات کے تابع نہیں تھے۔ ڈان کو اچانک وہ بات یاد آ گئی جو ایک اٹل حقیقت تھی مگر میں نے دہرے کردار کے ذریعے اسے ایک افسانے کا رخ دیا ہوا تھا۔ میں نے سرسری انداز میں اس بات کو ٹالنے کی کوشش کی تھی لیکن ڈان نے مجھے یا ڈینی کو پالنے کا ذکر کر کے ایک سنگین پیش رفت کی تھی۔

''جیسا حکم ہو۔'' چاؤفان نے رضاکارانہ انداز میں کہا ''ڈان کی ہر بات میں حکمت ہوتی ہے۔''

''اپنے دوسرے کاموں کے ساتھ ڈینی کو بھی تلاش کرو اور اسے میرے پاس لاؤ۔'' ڈان نے متانت سے کہا ''علی اسے بہترین راہ پر ڈالے گا۔''

''ڈان! برا نہ مانو تو میں کچھ عرض کروں۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''کہو...... جو دل میں آتا ہے کہہ ڈالو۔ میں نے تم پر کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی۔'' اس نے مربیانہ لہجے میں میری حوصلہ افزائی کی۔

''یہ نازک وقت ہے۔ ڈینی کو تلاش کرنے کی صورت میں ہمارے وسائل بٹ جائیں گے۔ اس وقت ہمیں اپنی ساری توجہ راجن پر مرکوز رکھنا چاہیے۔'' میں نے بہت محتاط انداز میں الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے کہا ''وہ ایک جھٹکے کا مہمان ہے۔ اسے ڈینی کے پیچھے لگا رہنے دو۔ وہ ہماری طرف سے غافل رہے گا اور ہم اسے مار لیں گے۔''

''تمہاری بات سمجھ میں آتی ہے۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے بولا تو میری جان میں جان آئی۔

''میں ایک وقت میں ایک دشمن سے لڑنے کے اصول کا قائل ہوں۔'' اس نے اپنی بات جاری رکھی ''ڈینی دوست ہے یا ہوگا، اس لیے میں نے اس کا ذکر کیا تھا لیکن تم درست سمت میں سوچ رہے ہو۔ چھپے ہوئے دوست کو ڈھونڈنا، دشمن کی تلاش سے کم نہیں ہوگا، وسائل بٹ جائیں گے۔ فی الحال ہمیں اپنی ساری توجہ چھوٹا راجن پر مرکوز رکھنا چاہیے۔ ڈینی اس کا مسئلہ ہے ہمارا نہیں۔''

میں نے اپنے پیٹ میں پڑتی ہوئی گرہیں کھلتی ہوئی محسوس کیں۔ میں نہایت خلوص کے ساتھ ڈان کو چکما دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''ڈینی اسے مار لے گا تب بھی ہمارا نام ہوگا۔'' چاؤفان نے ادب و احترام کے ساتھ کہا۔

''بکومت!'' ڈان غصے سے دہاڑا ''دوسرے کا مارا ہوا شکار کھانے کے بجائے اپنا شکار کھیلنے پر دھیان دو۔ چھوٹا راجن کو میرے آدمی ماریں گے۔''

چاؤفان نے خوشامد میں ڈان کی ہاں میں ہاں ملانے کی کوشش کی تھی، ڈانٹ پڑی تو اس نے سہم کر منہ لٹکا لیا۔

ڈان نے اپنے تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کر نئے تھائی نوٹوں کی دو گڈیاں نکالیں اور میری طرف اچھال دیں ''یہ ڈیڑھ لاکھ بھات ہیں۔ بڑی گڈی تمہارا انعام ہے۔ چھوٹی گڈی چاؤفان اور اس کے آدمیوں کے لیے ہے۔''

میں نے دونوں گڈیاں لپک کر پچاس ہزار بھات والی گڈی اسی لمحے چاؤفان کی طرف بڑھا دی۔ وہ کرسی سے اٹھ کر ڈان کے سامنے رکوع کی حالت میں اتنا جھک گیا کہ اس کے سر کے لمبے لمبے بال قالین کو چھو رہے تھے۔

میں نے تشکر کے اظہار کے لیے چاؤفان کی تقلید کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کھڑے کھڑے کہا۔ ''ڈان! تم

قدر شناس ہو۔ اس عزت افزائی کے لیے میں تمہارا ممنون ہوں۔ اپنے اخراجات کے لیے میرے پاس رقم ختم ہو رہی تھی۔ انعام کی صورت میں تم نے مجھے بہت بڑا سہارا دیا ہے۔''

میرے پاس رقم کی کوئی کمی نہیں تھی۔ ڈان کے دیے ہوئے انعام کو اہمیت دینے کے لیے میں نے وہ الفاظ کہہ ڈالے۔ اپنی دریا دلی کا ذکر سن کر ڈان کے چہرے پر مسرت آمیز سرخی آ گئی۔

''بدھا تم کو کامیاب کرے۔ آؤ، میں تمہیں رخصت کر دوں۔'' ڈان اپنی مسہری سے نیچے اتر آیا۔ میرے قریب آ کر اس نے دوستانہ انداز میں اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور مجھے اپنے ساتھ لیتا ہوا زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

وائٹ ہاک کی تباہی کی خوشی میں ڈان کا موڈ خوشگوار تھا۔ وہ زینے طے کر کے ہمیں عقبی دروازے تک چھوڑنے کے لیے نیچے آ گیا۔ چوبی زینوں پر ہمارے قدموں کی چاپ سن کر خدمت گارلڑکی دروازے پر آ گئی تھی۔ اس نے ڈان کی جھلک دیکھی تو سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ ڈان نے دروازہ کھولا، چاؤفان اسے تعظیم دیتا ہوا یوں باہر نکلا جیسے کوئی چوہا گھنٹوں کی جدوجہد کے بعد چوہے دان سے باہر آتا ہے۔

ہم دونوں گلی کے سرے تک پہنچنے تک خاموش رہے پھر چاؤفان نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ میدان صاف تھا، ڈان نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ چاؤفان نے اچانک میرا داہنا ہاتھ پکڑ کر عقیدت سے چوما اور اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔

''چاؤفان! تمہیں بوسہ لینے کا قرینہ بھی نہیں ہے۔'' میں نے ہلکی سی جھرجھری لے کر کہا ''تم نے میرے ہاتھ پر اپنی زبان سے تھوک لگا دیا۔''

''ماسٹر! تھائی بوسہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب تک زبان کسی کالمس محسوس نہ کرے، ہونٹوں کو بوسے کی لذت کا پتا نہیں چل سکتا۔'' اس نے اپنا فلسفہ بیان کرتے ہوئے کہا ''میں دل و جان سے تمہارا شکر گزار ہوں کہ آج تمہاری وجہ سے ڈان نے مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کی عزت بخشی اور ایک بھاری انعام سے نوازا۔''

''میں نے تمہاری سفارش کرنے کی کوشش کی تھی مگر ڈان تمہیں مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔''

وہ ڈھٹائی سے ہنس دیا ''میں اس کی ڈانٹ ڈپٹ کا برا نہیں مناتا۔ مجھے اس کی پھٹکار میں بھی عجیب اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ تم نے سنا نہیں کہ وہ مجھے اپنا بچہ کہہ رہا تھا۔''

''حالانکہ تم بالغ ہو چکے ہو اور شاید عیال دار بھی ہو۔'' میں نے اسے چھیڑا۔

''اپنی بزرگی کے اعتبار سے وہ میرے باپ جیسا ہے۔ وہ ڈانٹتا ہے تو پچکارنا بھی جانتا ہے۔ اس کی یہ ادا میرے دل کو ہمیشہ موم کر دیتی ہے۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے کہ اس کے قدموں میں بیٹھ کر رونا شروع کر دوں۔''

''وہسکی کے دو چار گلاس پی لینے کے بعد اچھے خاصے آدمی اسی طرح رقیق القلب ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

''ماسٹر! میرا مذاق مت اڑاؤ۔ میں شراب پیتا ہوں مگر پی کر کبھی ڈان کے سامنے نہیں آیا۔'' اس نے برا سا منہ بنا کے کہا۔

ہم گاڑی تک پہنچ چکے تھے۔ دونوں نے اپنی اپنی نشستیں سنبھالیں اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ چاؤفان کے چہرے سے ایسی طمانیت جھلک رہی تھی جیسے وہ کوئی بہت بڑا اعزاز جیت کر واپس لوٹ رہا ہو۔

''ماسٹر! ہمیں کہاں جانا ہے؟'' چند منٹ تک خاموشی سے کار چلانے کے بعد اس نے پوچھا۔

''مجھے ہوٹل چھوڑ دو۔ ہم اور کہاں جائیں گے!'' میں نے نیم دلی سے کہا۔

''چار بج رہے ہیں۔'' اس نے اپنی رسٹ واچ میرے سامنے کرتے ہوئے یاد دلایا۔

''تم نے پھر اس کا ذکر نکالا۔'' میں نے اسے گھور کر ترشی سے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ رینگ آئی ''ماسٹر! میں نے تو کسی کا بھی ذکر نہیں نکالا تمہیں وقت بتا رہا تھا۔''

''جب تک میں اس سے نہیں ملوں گا، تم مجھے یوں ہی زچ کرتے رہو گے۔ تمہیں اندازہ ہے کہ ڈان اسے پسند نہیں کرتا۔ وہ طنز سے اسے لمبی گھوڑی اور حسینۂ عالم کہہ رہا تھا۔ میں حیران ہوں کہ اسے ایسی عامیانہ باتیں کہاں سے معلوم ہو جاتی ہیں۔''

''ذرا لمبی گھوڑی کی معنویت پر غور کرو۔ تم ڈان کی فکر رسا کے قائل ہو جاؤ گے۔ وہ اپنی معلومات کے حصول کے لیے صرف مجھ پر انحصار نہیں کرتا۔ شہر کے بہتیرے لوگ اس سے ملنے آتے ہیں۔ وہ کسی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا پھر بھی لوگ آتے ہیں۔''

''ان کے آنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہوگا۔'' میں نے پوچھا۔

''سب دوغلے ہوتے ہیں۔ چھوٹا راجن کے آدمیوں

''آرہا ہوں بیگم! ذرا ٹھہرو...... میں حساب لگالوں...... کون کون سا ٹکڑا کون کون سے پڑوسی کو بھجوانا ہے......''

سے چھپ کر ڈان کو یقین دلانے آتے ہیں کہ وہ اس کے ساتھ ہیں۔ ڈان جانتا ہے کہ ایسے لوگ کسی کے ساتھ نہیں ہوتے۔ وہ بنی کے یار ہوتے ہیں۔ راجن مر جائے تو شہر ڈان کے ہاتھوں میں آجائے گا۔ ایسے وقت کے لیے وہ اپنے نمبر بنانے کے واسطے آتے ہیں۔''

''ان سے ڈان کو شہر کی خبریں ملتی ہوں گی!'' میں نے تصدیق چاہی۔

''خبریں ملتی ہیں مگر میں حیران ہوں کہ مادام سے میری ملاقاتوں کی خبر کس نے پہنچائی ہوگی۔ میں اس سے بہت رازداری کے ساتھ ملا تھا۔ یہ بات دشمنوں کے کانوں تک پہنچ گئی تو بے چاری مادام مفت میں ماری جائے گی۔''

''تمہیں اس کی فکر ہے میری کوئی پروا نہیں۔ اس کی وجہ سے میں کسی مصیبت میں پڑ سکتا ہوں۔'' میں نے تیوریوں پر بل ڈال کر کہا۔

''ماسٹر! تم اصیل گھوڑے ہو!'' اس نے اپنی بات سے خود محظوظ ہو کر ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا ''مصیبتیں مجھ بے چارے کی قسمت میں لکھی ہیں، تم سے دور بھاگتی ہیں۔ ڈان اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ کسی کی ذاتی دلچسپیوں میں مداخلت نہیں کرتا۔ تم نے دیکھ لیا کہ مادام پر طنزیہ تبصرہ کرنے کے باوجود اس نے مجھے اس سے ملنے سے نہیں روکا۔''

''اسے میری اور لی کی ملاقات کا علم ہوگا تو وہ کیا سوچے گا!''

''کچھ بھی نہیں۔ اس کی جوانی بہت رنگین گزری ہے۔ آج وہ اپنی عورت کی وجہ سے اس حال کو پہنچا ہے۔ وہ مجھے کانٹوں میں گھسیٹتا ہے، تم سے کچھ نہیں کہے گا...... تو پھر میں چلوں مادام کی طرف؟''

میں بے ساختہ ہنس پڑا ''تمہاری کھال بہت موٹی ہے۔ جہاں چاہو لے جاؤ۔''

وہ خوش ہو گیا ''میں باہر رک کر تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا۔ میری فکر نہ کرنا۔ کبھی تم عجلت میں مادام سے ہاتھ ملا کر لوٹ آؤ۔''

''تمہیں رکنے کی ضرورت نہیں۔ میں ہلٹن ہوٹل کا نام لوں گا تو کوئی بھی ٹیکسی ڈرائیور مجھے وہاں پہنچا دے گا۔''

''وہ تمہیں ٹیکسی سے نہیں جانے دے گی۔'' چاؤ فان نے وثوق سے کہا ''خود چھوڑنے جائے گی اور تمہارا ہوٹل دیکھ لے گی۔ کیا تم یہ خطرہ مول لو گے؟''

''تمہیں پرکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ عذاب کے فرشتے کیسے ہوتے ہوں گے۔'' میں نے بھنا کر کہا ''تم رکنا چاہتے ہو تو رکے رہنا، میں اپنی مرضی سے واپس آؤں گا۔''

''یس ماسٹر!'' اس نے بایاں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر سر

کو خم دیا اور اپنی بات منوانے کی خوشی میں گاڑی کی رفتار اور بڑھا دی۔

صبح کے اولین دھندلکے میں، میں لی کا گھر دیکھ چکا تھا۔ چاؤ فان نے فٹ پاتھ کے کنارے گاڑی روکی تو میں نے وہ جگہ پہچان لی۔

''گاڑی اس کے پھاٹک پر کیوں نہیں روکی؟'' میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

''مصلحت ماسٹر!'' وہ بائیں آنکھ دبا کر لوفرانہ انداز میں بولا ''اس ملاقات میں میری کوئی گنجائش نہیں ہے۔ گاڑی پھاٹک پر روکتا تو مجھے بھی اترنا پڑتا۔ وہ ہم دونوں کا نہیں، صرف تمہارا انتظار کر رہی ہے۔''

میں نے گاڑی سے اتر کر دروازہ بند کیا اور لی کے پھاٹک کی طرف چل دیا۔

لی کا دربان ضرورت سے زیادہ مستعد تھا۔ مجھے گھنٹی کا بٹن دبانے کی ضرورت پیش نہیں آئی، وہ کسی جن کی طرح چوبی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھول کر باہر آ گیا۔

''علی۔ میں لی سے ملنے آیا ہوں۔'' اس سے نگاہیں چار ہوتے ہی میں نے شائستگی سے اسے بتایا۔

اس کے چہرے پر اچانک تیمی طاری ہوگئی۔ اس نے باچھیں پھیلا کر کچھ کہا جو میرے سر پر سے گزر گیا۔ اس نے اپنے کیبن کی دیوار سے لٹکے ہوئے انٹرکام پر اندر کسی سے بات کی، پھر کاٹھ کے اُلو کی طرح میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر وقفے وقفے سے یوں مسکرا رہا تھا جیسے اپنے دانت چمکا کر خیر سگالی کا اظہار کر رہا ہو۔

مجھے زیادہ دیر تک اس کے روبرو نہیں رہنا پڑا۔ لی اپنے بدن پر ایک ڈھیلا گون پہنے برآمدے میں نظر آئی۔ وہ پرجوش انداز میں ہاتھ لہراتی ہوئی میری طرف آ رہی تھی۔ میں نے بھی تیزی سے اس کی طرف پیش قدمی کی اور برآمدے کے سرے پر ہم یک جا ہوگئے۔

''مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے!'' اس نے نہایت گرم جوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا اور مجھے اپنے ساتھ لے کر گھر میں داخل ہوگئی۔

ڈرائنگ روم چھوڑ کر وہ کشادہ راہداری میں آگے بڑھی اور بیش قیمت آرائشی اشیا سے سجی ہوئی لابی سے گزر کر ایک خواب گاہ میں داخل ہوگئی۔

اس کا پورا گھر بہت حسین اور وسیع تھا جس کی سجاوٹ میں نفاست کے ساتھ اعلا ذوق کا مظاہرہ کیا گیا تھا لیکن اس کی خواب گاہ کی سجاوٹ نے مجھے مبہوت کر دیا۔

''بہت شان دار کمرا ہے تمہارا!'' میں اس کی خواب گاہ کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''تمہارے آنے سے پہلے ویران تھی۔'' اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

کمرے کی فضا خنک تھی۔ کسی طرف لگا ہوا بے آواز ایئر کنڈیشنر تیزی سے کام کر رہا تھا۔ دروازہ بند ہوا تو مجھے کمرے کی فضا میں رچی ہوئی الکحل کی بو کا احساس ہوا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر لی کی طرف دیکھا تو اس کی مسکراتی ہوئی آنکھوں میں خمار کے ہلکے سے ڈورے تیر رہے تھے۔

میرے انداز سے وہ میرا مدعا بھانپ گئی اور مجھ پر تقریباً گرتے ہوئے بولی ''تھوڑی سی شراب ایسی ملاقاتوں کو دو آتشہ بنا دیتی ہے۔ وائٹ ہاک کی تباہی کے بعد میں ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سو سکی۔ مجھے اس کی ضرورت تھی۔''

یہ کہہ کر اس نے انگڑائی لینے والے انداز میں اپنے ہاتھ پھیلائے اور جسم پر پہنا ہوا گون اتار کر مسہری پر اچھال دیا۔ اس کے بدن پر بہت بڑے گھیر والا ایک حریری لبادہ رہ گیا جس کی تہوں سے کہیں کہیں اس کا مرمریں بدن جھانک رہا تھا۔

اس دوران میں، میں نے مے نوشی کے لوازم سے سجی ہوئی منقش تپائی دیکھ لی تھی جو ایک بڑے صوفے کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔ لی اٹھلا کر اس طرف چلی۔ ایک ہوش ربا منظر میرے سامنے تھا۔ کھسکتی اور سرکتی ہوئی تہوں میں اس کے بدن کے بدلتے ہوئے زاویے نمایاں ہو رہے تھے۔ اس کے بدن سے گون اترتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس شام کی ملاقات کے لیے لی نے کچھ زیادہ اہتمام کیا ہوا تھا۔

وہ میری میزبان تھی۔ اس کی پیشکش پر میں صوفے پر بیٹھا تو وہ مسکراتی ہوئی، میرے بدن سے تقریباً جڑ کر بیٹھ گئی۔

''کیا پینا پسند کرو گے؟'' اس نے میری طرف مزید جھک کر مخمور لہجے میں پوچھا۔

''میں چائے یا کافی کے سوا کچھ نہیں پیتا۔'' میں نے اس سے ذرا دور سرکتے ہوئے کہا۔

''اوہ......! یہ بری بات ہے۔'' اس نے ایک ادا سے کہا اور اچانک ایک ہلکی سی چیخ مار کر خوف زدہ انداز میں اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے بھی بے ساختہ اپنی جگہ چھوڑ دی۔

باہر سے آنے والی فائر کی آواز بہت واضح تھی!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ نو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مال و وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیرزمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کرا لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامنا می پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخرو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے ہٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مفاہمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گزشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر اسٹیشن قور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پہ بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل حلق میں آ گیا۔

اب آپ قسط نمبر 252 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

''یہ حرام زادہ باز نہیں آئے گا۔'' لی نے لمحے بھر بعد اپنے اضطراری ردِعمل سے سنبھلنے کے بعد جھلاہٹ اور غصے کے ساتھ کہا ''مجھے کسی سے اس کے ہاتھ پیر تڑوانا پڑیں گے۔''

میرے لیے لی کے وہ الفاظ حیران کن تھے۔ باہر گولی چلنے کے بعد اس کا وہ تبصرہ یہ ظاہر کررہا تھا کہ وہ اچانک فائر کرنے والے سے اچھی طرح واقف تھی۔

''تم کس کا ذکر کررہی ہو؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''یہ پھوم فاٹ کے سوا کسی کی حرکت نہیں ہوسکتی۔'' وہ غصے سے بل کھاتے ہوئے بولی ''وہ بہت گھٹیا اور گھناؤنا آدمی ہے۔ پچھلے ایک مہینے میں آج اس نے چوتھی بار یہاں سے گزرتے ہوئے ہوائی فائر کیا ہے۔''

''پھوم فاٹ!'' میں نے معنی خیز انداز میں وہ نام دہرایا اور کہا ''تمہارا کوئی ناراض اور بگڑا ہوا عاشق معلوم ہوتا ہے۔'' فائر کے بارے میں لی کی غصیلی وضاحت سن کر میری تشویش اور پریشانی رفع ہوچکی تھی۔

''بنکاک کا ایک اوباش رئیس زادہ ہے۔ مجھے صورت ہی سے وہ مکروہ اور گھناؤنا نظر آتا ہے۔ میں اپنا جسم بیچتی ہوں مگر ہر ایرے غیرے کو نہیں۔ میری خلوت میں صرف وہی لوگ آتے ہیں جو مجھے پسند نہ ہوں تب بھی، کم از کم گوارا ضرور ہوتے ہیں۔ پھوم فاٹ کو میں نے یہاں سے بھگا دیا تھا۔ اس کے دماغ میں اپنی دولت کا خناس گھسا ہوا تھا۔ اس نے مجھے منہ مانگا معاوضہ دینے کی پیشکش کی، میں نے اسے بھی ٹھکرا دیا۔ اس کے بعد سے وہ بدمعاشی پر اتر آیا ہے۔ جب بھی زیادہ پی لیتا ہے تو اسے میرے وجود کی خلش ستانے لگتی ہے۔ وہ اپنے دو چار حواریوں کے ساتھ یہاں ایک آدھ ہوائی فائر کرتا ہوا گاڑی میں بھاگ جاتا ہے۔ کمینہ سمجھتا ہے کہ اس طرح میں ڈر کر اس کے سامنے ہتھیار ڈال دوں گی۔''

وہ کہانی سناتے ہوئے لی صوفے پر بیٹھ گئی۔ میرا ہاتھ تھام کر اس نے مجھے بھی اپنے قریب بٹھا لیا۔ اس کے حریری لباس کی تہیں ڈھلک کر نیچے چلی گئی تھیں اور میں اس کے وجود کے بعض حصوں کے لمس سے پریشان ہورہا تھا۔

''تمہیں پولیس کو ان واقعات سے آگاہ کردینا چاہیے تھا۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔

وہ استہزائیہ انداز میں ہنس کر بولی ''تم کس پولیس کی بات کررہے ہو۔ وہ پھوم فاٹ کے بجائے مجھے ہی... پریشان کریں گے۔ ان کے لیے وہ لفنگا یہاں کا ایک باحیثیت اور معزز شہری ہے اور میں ایک طوائف۔ وہ میری شکایت پر کان نہیں دھریں گے۔''

اس نے میز سے گلاس اٹھا کر تلخ لاوے کا ایک گھونٹ لیا اور میں سرک کر اس سے الگ ہوگیا۔ اس کے ذہن کو اس خفیف سی تبدیلی سے ہٹانے کے لیے میں نے کہا ''تمہاری یہ منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔ تم دکان سجاتی ہو تو یہاں ہر قسم کا گاہک آئے گا۔ کوئی دکان دار آنے والے گاہکوں پر پابندی نہیں لگا سکتا۔ اگر تم نے اپنے جسم کو روزی کمانے کا ذریعہ بنالیا ہے تو پسند اور ناپسند والی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔''

''تمہیں سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، میں اس پر کوئی سمجھوتا نہیں کرسکتی۔ تم برج، پوکر اور رمی وغیرہ ہر ایک کے ساتھ نہیں کھیل سکتے۔ اس کے لیے تم اپنی پسند اور معیار کے کھلاڑی تلاش کرتے ہو۔ میرا بھی یہی معاملہ ہے......''

میں نے اس کی بات دہیں اچک لی ''تم غلط مثال دے رہی ہو۔ تاش کے سارے کھیل تفریح کے زمرے میں آتے ہیں، تمہارا کام مختلف ہے۔''

اس نے پرزور انداز میں اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا ''میں بھی اپنے پیشے کو تفریح کا درجہ دیتی ہوں۔ میں آلو چنے اور دلیا نہیں بیچتی، اپنے وقت کا سودا کرتی ہوں۔ اس کے لیے مجھے اپنی پسند کے انتخاب کا حق ہے...... تم بلاوجہ اس چکر میں کیوں پڑ رہے ہو۔ تمہارا معاملہ مختلف ہے۔ تم یقین کرو کہ تم سے مل کر میری روح تک خوش ہوگئی۔ تم جیسی مرد کی رفاقت کے لیے میں منہ مانگا معاوضہ ادا کرنے کو تیار ہوجاتی۔ یہ تمہاری مہربانی ہے کہ تم اپنا وعدہ نبھانے کے لیے آگئے۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ تم میں پیرس کی رنگین مزاج اور مالدار عورتوں کی خو بو آگئی ہے۔''

وہ ہنس دی ''کیا وہاں واقعی ایسا ہوتا ہے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''میں کبھی پیرس نہیں گیا لیکن سنا یہی ہے۔ وہاں اس قماش کی عورتیں آسودگی کی تلاش میں دونوں ہاتھوں سے اپنی دولت لٹاتی ہیں۔''

''میں بھی کبھی پیرس نہیں گئی۔'' اس نے خوش دلی سے اپنی صفائی پیش کی ''یہ بات یہاں عام ہوجائے تو بنکاک کے سارے کنگال شہدے پیرس چل دیں گے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ پھوم فاٹ یہاں آتا ہے اور فائر کرکے چلا جاتا ہے، تمہارا چوکیدار اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتا۔''

''تیزی سے گزرتی ہوئی کار کے خلاف وہ بے چارہ کیا کرسکتا ہے!'' لی نے اپنے ملازم کا دفاع کرتے ہوئے کہا ''اس پر دورہ پڑنے کا کوئی وقت مقرر ہے نہ دن۔ اب یہی دیکھ لو کہ اس وقت چار بجے ہیں اور وہ یہاں سے گزرا ہے۔ اگر وہ نشے میں دھت تھا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ دوپہر سے شراب پی رہا ہوگا۔''

''کسی کے گھر پر یوں فائر ہونا معمولی واقعہ نہیں ہے۔ ان کپڑوں میں تمہارا سارا بدن جھلک رہا ہے۔ گون پہنو۔ ہم باہر چل کر دیکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ پھوم فاٹ کی حرکت نہ ہو باہر کوئی اور واقعہ پیش آیا ہو۔''

''بیٹھے رہو!'' اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مخمور سی آواز میں کہا ''میں نے تمہیں کسی تفتیش کے لیے نہیں بلایا۔ یہاں بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرتے رہو۔ باہر کوئی گڑ بڑ ہوئی ہوتی تو دربان اب تک انٹر کام پر مجھے بتا چکا ہوتا۔''

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی نظریں پہلے ہی میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ہماری نگاہیں چار ہوئیں تو میں نے اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں عجیب سی حیوانی چمک محسوس کی۔ اس وقت لی کی آنکھیں اس کے دل کی زبان بولتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ میں ان نگاہوں کی تاب نہ لا سکا۔ چند ثانیوں بعد سٹپٹا کر اپنی نظریں جھکائیں۔

''تم نے مجھے چائے پینے کے لیے بلایا تھا۔ اس کا دور دور تک پتا نہیں ہے۔'' وہ نکتہ ذہن میں آتے ہی میں نے سر اٹھا کر کہا۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم شراب پینے سے ڈرتے ہو۔'' اس نے اپنی دانست میں مجھے اکسانے کی کوشش کی ''چائے بھی آجائے گی۔''

وہ آخری فقرہ ادا نہ کرتی تو میں اسے خاصا سخت جواب دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ چائے آنے کی اطلاع ملنے پر میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

لی نے اپنی خواب گاہ میں اپنی سہولت کے لیے بہت سے بندوبست کیے ہوئے تھے جن میں سے ایک یہ تھا کہ اس پرتعیش صوفے کے کسی حصے میں گھنٹی کا بٹن چھپا ہوا تھا۔ لی نے مجھ سے بات کرتے ہوئے خاموشی سے وہ بٹن دبایا اور اندر گھنٹی کی ہلکی سی مترنم آواز گونجتی ہوئی سنائی دی تو مجھے شبہ تک نہ ہوسکا کہ وہ گھنٹی لی نے بجائی ہوگی۔ چند لمحوں بعد ایک خوب رو اور نازک اندام لڑکی دروازے پر دستک دینے کے چند ثانیوں بعد اندر آئی تو مجھ پر وہ عقدہ واضح ہوگیا۔

لی کے مقابلے میں لڑکی کا لباس بہت قرینے کا اور مکمل تھا۔ اس کے مودب قرینے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لی کی ملازمہ تھی۔

لی نے مسکرا کر تھائی زبان میں اسے کچھ ہدایت دی اور وہ سر کو ہلکا سا خم دے کر واپس چلی گئی۔

''ملازمہ کو بلایا تھا تو تمہیں اپنے بدن پر گون ڈال لینا چاہیے تھا۔ یہ باریک ریشمی لبادہ تمہارے جسم کو چھپانے کے لیے ناکافی ہے۔'' میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

''اسے سب معلوم ہے۔'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا ''ویسے بھی یہاں کی عورتیں، عورتوں سے پردہ نہیں کرتیں۔ تم بلاوجہ بھکشو بننے کی کوشش نہ کرو۔ یہ لڑکی بہت اچھی چائے بناتی ہے، پی کر تمہاری طبیعت خوش ہوجائے گی۔''

''تم بہت بے باک ہو۔ تمہارے ملازمین تمہارے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے!''

''جب تک انہیں وقت پر معقول تنخواہیں ملتی رہیں گی کچھ نہیں سوچیں گے۔ میں اپنی آمدنی کو سوچ سمجھ کر ڈھنگ سے خرچ کرتی ہوں۔ سب مجھ سے خوش ہیں۔''

اس کے بدن کی ہر جنبش سے اس کا ریشمی لبادہ اس کے متناسب بدن پر ادھر سے ادھر ڈھلک رہا تھا، میں کوشش کر رہا تھا کہ اس کی طرف دیکھے بغیر بات کرتا رہوں۔ وہ میرے برابر میں بیٹھی ہوئی تھی اس لیے مجھے اپنی کوشش میں کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ اسے اس لباس میں دیکھ کر مجھے ماننا پڑا کہ وہ فسوں خیز وجود رکھتی ہے جس کے سحر سے کوئی بھی زیادہ دیر تک محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔

اس نے تپائی پر رکھے ہوئے پیکٹ میں سے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور ایک گہرا کش لے کر دوبارہ بولی ''میں نے تمہیں اپنی پوری کہانی سنا دی۔ تم نے پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ میں نے چھوٹا راجن کی درندگی کے خلاف کیا کارروائی کی۔''

''مجھے یہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا ''ابھی تم پھوم فاٹ کے حوالے سے بتا چکی ہو کہ یہاں پولیس اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے بجائے تمہیں پریشان کرے گی۔ راجن، پھوم فاٹ سے بڑا اور خطرناک آدمی ہے۔ اس نے پولیس کے محکمے کے کلیدی افسروں کو خرید کر اپنا غلام بنایا ہوا ہے۔ ان سے راجن کے خلاف انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ تمہارے سامنے صبر کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔''

''ماسٹر! تم بہت گہرے اور ذہین آدمی ہو۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی ''مجھے اپنے راستے کی رکاوٹ کا اندازہ تھا۔ میں نے خاموشی سے اپنی بہن کو سپرد خاک کرتے ہوئے یہ تہیہ کرلیا تھا کہ میں چھوٹا راجن سے اپنی بہن کے خون کا انتقام لے کر رہوں گی۔ تمہاری اور جاوٗ فان کی وجہ سے میرا وہ عہد پورا ہوگیا۔ اب میں تمہاری باندی ہوں۔ مجھ سے نظریں نہ چراوٗ۔ غور سے میری طرف دیکھو۔ میں حسین ہوں، جوان ہوں، سبک اندام اور دراز قامت ہوں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تمہاری دسترس میں ہوں۔ پتا نہیں تم مجھ سے دور کیوں ہورہے ہو۔ اس کمرے میں آنے والوں کو میں نے اکثر دیوانہ ہوتے دیکھا ہے۔ میرا جادو لوگوں کے سر چڑھ کر بولتا ہے۔''

''ضرور بولتا ہوگا۔'' میں نے پورے خلوص سے اس کی تائید کی ''میں بھی پتھر نہیں ہوں۔ گوشت پوست سے بنا ہوا انسان ہوں۔ تمہارے لباس سے جھلکتا ہوا سراپا دیکھ کر میرے دماغ میں بھی انگارے سے چیخ رہے ہیں۔''

وہ فاتحانہ انداز میں دھیرے سے ہنس دی ''آدمی ایمان دار ہو، جھوٹ نہیں بولتے۔ تم چائے پی لو پھر میں دیکھوں گی کہ تم کو خود پر کتنا قابو ہے۔''

وہ اپنا گلاس لے کر ایک ادا کے ساتھ اٹھی اور مست خرامی کرتی ہوئی اپنی پر تکلف مسہری پر میرے سامنے دراز ہوگئی۔ شاید اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ میرے برابر میں بیٹھے رہنے کے بجائے وہ میرے سامنے آ کر مجھے زیادہ موثر انداز میں رجھا سکے گی۔

اس نے نزاکت سے اپنا گلاس مسہری کے گدے پر رکھا اور اپنا چہرہ بائیں ہتھیلی پر ٹکا کر میری طرف کروٹ لے لی۔ اس کے داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں دبی ہوئی سگریٹ سے سرمئی دھواں لہراتا ہوا اوپر اٹھ رہا تھا۔

''لی! مجھے امتحان میں نہ ڈالو!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا ''اپنا گون پہن لو۔ جاوٗ فان تمہیں بتا چکا ہے کہ میں شادی شدہ ہوں......''

''ماسٹر! شاید تم کو یہ جان کر حیرت ہو کہ میرے مہمانوں میں اکثریت شادی شدہ لوگوں کی ہوتی ہے۔'' وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولی ''وہ اپنی گھریلو زندگی سے اکتا کر میرے پاس آتے ہیں۔ میں ان کا دامن خوشیوں سے بھر دیتی ہوں۔''

''وہ اور لوگ ہوتے ہوں گے۔ میں وفا کا......''

میری بات پھر ادھوری رہ گئی۔ اس بار لی کی سانولی سلونی اور خوش رو ملازمہ میرے لیے چائے کی ٹرے سنبھالے کمرے میں آ گئی۔

اس نے ٹرے میز پر رکھی، میرے لیے چائے بنائی اور پیالی میرے سامنے رکھ کر خاموشی سے واپس لوٹ گئی۔ وہ چائے کے ساتھ دوسرے بہت سے لوازم بھی لائی تھی۔

''تم وفا کی بات کررہے تھے۔'' خواب گاہ کا دروازہ بند ہونے کے بعد لی نے مجھے یاد دلایا ''ماسٹر! مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔ میرا دعویٰ ہے کہ جمال پرستی تمہاری نس نس میں رچی ہوئی ہے اور جو مرد جمال پرست ہو وہ کبھی ایک عورت کا وفادار نہیں ہوتا۔ اس کی طبیعت سیمابی ہوتی ہے۔ وہ بھونرے کی طرح کلی کلی منڈلاتا رہتا ہے۔ تمہیں بھی اپنے اوپر بھروسا نہیں ہے اس لیے تم مجھے نگاہ بھر کر دیکھنے سے ڈر رہے ہو۔''

''یونہی سمجھ لو۔'' میں نے ہنس کر کہا ''یہ اپنے بارے میں تمہاری رائے ہوسکتی ہے۔ میں اس سے متفق نہیں ہوں۔ تم ڈراوٗنی نہیں ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ قسمت نے تمہیں زہد شکن حسن سے نوازا ہے۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ تم خود کو بہت بے رحمی سے لٹا رہی ہو۔ تم نے اپنے لیے غلط راستے کا انتخاب کیا ہے۔''

اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لیتے ہوئے، دلچسپی سے میری بات سنی پھر سگریٹ کا ایک کش لے کر بولی ''تم دردمند انسان ہو۔ کبھی کبھی میں خود بھی یہ محسوس کرتی ہوں کہ میں نے اپنے لیے زندگی گزارنے کا کوئی اچھا ڈھنگ اختیار نہیں کیا لیکن اب میری واپسی کے تمام راستے بند ہوچکے ہیں۔ بدھا نے کہا ہے کہ اچھا انسان وہ ہے جو دوسروں میں خوشیاں بانٹ سکے۔ میں یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دے لیتی ہوں کہ میں اپنے ہر مہمان کو مسرتوں سے نہال کر کے لوٹاتی ہوں......''

''یہ تمہاری خود فریبی ہے۔'' میں نے بے چینی سے پہلو بدل کر اس کی بات کاٹ دی ''جب ان اعلیٰ اصولوں کی بات ہوتی ہے تو سچائیوں کا ذکر آتا ہے، تم منفی سمت میں سوچ رہی ہو۔ اگر کسی جنونی کو انسانی خون بہا کر خوشی حاصل ہوتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوا کہ اس کے لیے خون ریزی جائز ہوگی۔ بدی ہر حال میں بدی رہتی ہے۔ تم اسے نیکی کا درجہ دینے کی بھیانک غلطی کررہی ہو۔''

''ماسٹر! ان باتوں کو چھوڑو!'' اس نے کسل مندانہ انداز میں ایک ہلکی سی انگڑائی لیتے ہوئے کہا ''مجھے اب ان فلسفوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ تم اچھی تقریر کرلیتے ہو لیکن تمہاری یہ باتیں میرے لیے بے سود ہیں۔ میں نے اپنی دنیا

خود بنائی ہے۔ مجھے اس میں مگن رہنے دو۔ بے وقت کی اس راگنی سے میرے سرور کو خراب نہ کرو۔''

''دراصل میں بھی تم کو یہی بتانا چاہ رہا ہوں۔ میری بھی ایک دنیا ہے۔ مجھے اس میں رہنے دو۔ مجھے اپنی دنیا میں گھسیٹنے کی کوشش مت کرو۔'' میری مزاحمت جاری رہی۔

''تم چائے پیو۔ یہ ٹھنڈی ہو کر بے مزہ ہو جائے گی۔'' اس نے اچانک بات بدل دی۔

اس سحر انگیز اور خنک خواب گاہ میں کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ کمرے میں باہر کی روشنی کا کوئی گزر نہیں تھا۔ وہاں دھیمی اور خواب ناک روشنیاں نہ جل رہی ہوتیں تو سرِ شام ہی وہاں رات اتری ہوئی معلوم ہوتی۔ میں نے پیالی سے چائے کا پہلا گھونٹ لیا اور میں لی کی خادمہ کے ہنر کا قائل ہو گیا۔ چائے بہت لذیذ تھی۔

لی نے اس شام مجھ سے ملاقات کے لیے اپنے ذہن میں ایک نقشہ جمایا ہوا تھا۔ وہ اس کے کیف و سرور میں مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی۔

چائے کی پیالی خالی ہونے تک مجھے اپنا سر بھاری ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ لی دلچسپی سے میرا جائزہ لے رہی تھی۔

رفتہ رفتہ میرے ذہن پر سرور کی عجیب سی کیفیت طاری ہونے لگی اور میں صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ طبیعت چاہ رہی تھی کہ میں وہیں لیٹ جاؤں۔

''کیا بات ہے۔ تم کچھ بے آرام نظر آ رہے ہو!'' لی نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''تم نے اچھا نہیں کیا۔'' میں نے بوجھل ہوتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''میری چائے میں شاید کوئی مسکن دوا ملی ہوئی تھی۔''

شوخی سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ بولی ''میں اس لڑکی سے عاجز ہوں۔ یہ خوردونوش کی چیزوں میں ذائقہ پیدا کرنے کے چکر میں نت نئے تجربے کرتی رہتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے تمہاری چائے میں کچھ ملا دیا ہو۔''

اپنی بات پوری کرتے ہی وہ مسہری سے اتر آئی۔ قریب آ کر اس نے بہت نرمی سے میرا بازو تھاما اور میرے اوپر جھکتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''آؤ...... کچھ دیر کے لیے لیٹ جاؤ۔ ذرا سی دیر میں تمہاری طبیعت سنبھل جائے گی۔''

وہ مجھ سے اتنا قریب آ گئی کہ بعض مقامات پر میرا اور اس کا درمیانی فاصلہ صفر ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے وجود سے آنے والی مہکار میرے مختل ہوتے ہوئے اعصاب پر کسی نہ کسی حد تک اثر انداز ہونے لگی۔

اس نے مجھے صوفے سے اٹھایا اور کشاں کشاں اپنی مسہری پر لے گئی۔ مجھے وہاں لٹانے کے بعد وہ خود بھی مسہری پر آ گئی۔ اس نے میرے سر کے نیچے سے تکیہ نکال کر میرا سر اپنی گود میں لے لیا اور ہولے ہولے میرا سر سہلانے لگی۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی آنکھیں موند لیں۔

''ماسٹر!'' میرے کان میں اس کی سرگوشیانہ آواز گونجی ''میں نے تم سے اپنے انتقام کی بات کی تھی نا۔ وہ ابھی ادھورا ہے۔ وائٹ ہاک کو ڈبو کر ہم نے چھوٹا راجن کا غرور توڑا ہے۔ میرے دل میں اس دن ٹھنڈک پڑے گی جب میری مظلوم بہن کی طرح وہ خود بھی پیوند خاک ہوگا۔''

''لی...... تم نے یہ بات کہنے کے لیے بہت لمبا طریقہ اختیار کیا ہے۔'' میں نے اسے جواب دیتے ہوئے اپنی آواز میں بھاری پن محسوس کیا ''تم مجھے چائے پلائے بغیر بھی اپنی اس خواہش کا اظہار کر سکتی تھیں۔ اس وقت میرا بدن ٹوٹ رہا ہے۔ دماغ ہواؤں میں اڑ رہا ہے۔ تم نے میری چائے میں کیا ملوایا تھا؟'' میری آنکھیں بہ دستور بند تھیں۔

''تھوڑی سی ایل ایس ڈی!'' وہ میرے اوپر جھک آئی ''ماسٹر! تمہاری آنکھیں اتنی چمکیلی اور خوفناک ہیں کہ میں تم سے نظریں ملا کر یہ بات کہتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ کوئی کتنا ہی برا کیوں نہ ہو' اسے جان سے مارنے کی بات کرنا آسان نہیں ہوتا۔''

مجھے خوشی ہوئی کہ بنکاک میں راجن کے خون کے پیاسوں میں ایک کا اضافہ ہو چکا تھا۔ میرے حواس پر چھا جانے والی سرور کی لہر اتنی گہری ہو چلی تھی کہ میں خواہش کے باوجود لی سے کچھ نہ کہہ سکا۔

میں راجن کے لیے لی کے دل میں چھپی ہوئی بے پناہ نفرت کے بارے میں جان کر خوش تھا' لی مجھے ایل ایس ڈی کے سہارے زیر کر کے خوش تھی۔ اسے جو کچھ کرنا تھا وہ کر گزری تھی۔ اس بارے میں اس سے کچھ کہنا سننا بے سود تھا۔ بحث کے نتیجے میں صرف تلخی پیدا ہو سکتی تھی۔ میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ میری مفاہمانہ خاموشی اور سپردگی نے لی کا حوصلہ بڑھا دیا۔ اس نے مجھے جس میزبانی کے ارادے سے اس شام اپنے گھر بلایا تھا' وہ پورے اہتمام کے ساتھ اس کی انجام دہی کی طرف مائل ہوتی چلی گئی۔

میں ایک مدت تک شراب نوشی کی بری عادت کا شکار رہا۔ پیتا تھا تو بس پیتا ہی چلا جاتا تھا لیکن ایسی بلانوشی کے

باوجود میں کبھی مدہوشی کی کیفیت سے دوچار نہیں ہوا تھا۔ ایل ایس ڈی کے استعمال کے بارے میں وہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ میں نے سنا ہوا تھا کہ وہ ہیروئن کی طرح متعدد طریقوں سے استعمال کی جاتی تھی۔ لی نے مجھے شکار کرنے کے لیے شاید اس کی کوئی خاص قسم چائے میں ملا کر دھوکے سے میرے دوران خون میں شامل کی تھی۔ اس کے اثرات بہت تیز اور گہرے تھے۔

اس دوران میں لی والہانہ انداز میں میرے ساتھ جو سلوک کرتی رہی، مجھے اس کی بدلتی ہوئی کیفیات کا مکمل ادراک تھا لیکن اس کے ساتھ میرے ذہن میں عجیب وغریب پیکر اور اوہام بھی سر ابھارتے رہے تھے۔

جب فون کی گھنٹی بجی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بھی میرے وہم کا کرشمہ رہا ہو۔ میرے لیے وہاں فون آنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ جب گھنٹی کئی بار بجی اور میں نے اپنے موبائل فون پر توجہ نہیں دی تو میرے برابر میں، بستر پر دراز لی نے نرمی سے مجھے جھنجوڑ کر دھیرے سے کہا ''ماسٹر! تمہاری کال آرہی ہے۔ فون سن لو!''

گزرے ہوئے لمحوں میں میری ذات کی طرح سب کچھ لی کے بستر پر بکھر گیا تھا۔ میں نے بوجھل پپوٹے کھولے تو میرا موبائل فون لی کے ہاتھ میں تھا۔

میں نے فون کا بٹن دبا کر کسل مندی کے ساتھ ہیلو کہا تو دوسری طرف سے چاؤ فان کی مسرت آمیز اور چہکتی ہوئی آواز آئی ''ماسٹر! تم کہاں ہو؟''

''تمہاری لی کی خواب گاہ میں سنبھلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' میں نے مبہم الفاظ میں اپنی کیفیت بیان کی۔ غنیمت یہ تھا کہ ایل ایس ڈی نے میرے ذہن کو پوری طرح ماؤف نہیں کیا تھا۔

''وہاں بڑے بڑے لڑکھڑا جاتے ہیں!'' ہلکے سے قہقہے کے بعد اس کی آواز ابھری ''میں نے تم کو بتا دیا تھا کہ مادام خطرناک مگر مزے دار عورت ہے۔ میں ڈر رہا تھا کہ کہیں تم میری غیر حاضری میں یہاں سے نہ نکل گئے ہو۔''

مجھے یاد آگیا کہ وہ لی کے گھر کے باہر رک کر میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا ''تم کہاں چلے گئے تھے؟''

''مادام کو بتا دو کہ آج میں نے اسے پریشان کرنے والے پھوم فاٹ کی عزت کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اب وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔''

یکایک مجھے سب کچھ یاد آ گیا۔ میں مسہری کے سرہانے سے ٹیک لگا کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا ''کیا باہر اسی نے گولی چلائی تھی؟''

''ہاں، ماسٹر!'' اس نے پُرجوش لہجے میں اثبات میں جواب دیا ''تمہیں معلوم ہے کہ میں مادام کا پرانا معتقد ہوں۔ اس نے مجھے بتایا ہوا تھا کہ پھوم فاٹ اسے پریشان کرتا رہتا ہے۔ آج اس کی شامت آئی ہوئی تھی کہ وہ میری موجودگی میں ادھر آ نکلا۔ فائر ہوتے ہی میں نے اسے دیکھ لیا تھا۔ میں اس کے پیچھے لگ گیا۔ لمبے تعاقب کے بعد میں نے لم پینی پارک کے قریب اسے گھیر کر ایسی مار لگائی ہے کہ وہ عمر بھر یاد رکھے گا......''

اس وقت چاؤ فان کی فون کال میرے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ اس کی آواز سنتے ہی میرا ذہن ایل ایس ڈی اور لی کے جسمانی سحر سے تیزی سے آزاد ہونے لگا۔ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''تمہیں اس سے الجھنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہوسکتا ہے کہ اب وہ لی کو کوئی گزند پہنچانے پر تل جائے۔''

''میرا کیا ذکر ہے۔ کیا چاؤ فان کا فون ہے؟'' لی نے اضطراری انداز میں سوال کیا۔

میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کر دیا۔ چاؤ فان کہہ رہا تھا ''ماسٹر! اب وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ میں نے دل کھول کر اس کی پٹائی کی ہے۔ آخر میں، میں نے اس کے بدن سے ایک ایک کپڑا اتروا کر اس کی گاڑی کے چاروں ٹائروں کی ہوا نکال دی۔ اب وہ اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ وہاں ایک تماشا بنا ہوا ہوگا۔ اس کا پستول اور کپڑے میں اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ یہ مادام کی نذر کروں گا۔''

''اب زلزلہ آجائے تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ میں ذرا سی دیر میں آرہا ہوں۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔

دوران گفتگو میں میری زبان سے اپنا نام سن کر لی مضطرب ہوگئی تھی۔ چاؤ فان سے میری گفتگو ختم ہوتے ہی وہ میرے پیچھے پڑ گئی۔

جب میں نے اسے پورا واقعہ سنایا تو فتح مندی کے احساس سے اس کا چہرہ دمک اٹھا۔ وہ مسرت سے مغلوب لہجے میں بولی ''کسی پر برا وقت آتا ہے تو حالات اسی طرح رخ بدل لیتے ہیں۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ تم نے چاؤ فان کو باہر روکا ہوا ہے۔ اس نے جو کچھ کیا، بہت اچھا کیا۔ تم بلاوجہ اس بے چارے کو ڈانٹ رہے تھے۔ پھوم فاٹ بزدل عاشق ہے۔ اب وہ ادھر آئے گا نہ کسی کو اپنے ساتھ پیش آنے والے

واقعے کے بارے میں بتائے گا۔ پیسے والے دل پھینک مردانا پرست بھی ہوتے ہیں۔ دوسروں کو اس بارے میں بتاتے ہوئے وہ اپنی سبکی محسوس کرے گا۔ جو ہوا ہے وہ بہتر ہوا ہے...... اور ہاں! یہ تو بتاؤ کہ بے چارہ چاؤ فان باہر کیوں رکا ہوا ہے؟ تم اسے اپنے ساتھ اندر کیوں نہیں لائے؟''

''تم نے صرف مجھے بلایا تھا۔ اس کے بارے میں خاص طور پر کہا تھا کہ وہ مجھے یہاں پہنچا کر واپس چلا جائے۔ یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ رک گیا۔''

''چلو، جو ہوا بہتر ہوا۔ وہ تمہارے ساتھ اندر آ جاتا یا واپس چلا جاتا تو پھوم فات کے مقدر کا لکھا کیسے پورا ہوتا۔ پھوم فات کی حالت کے بارے میں سوچ کر میرا رواں رواں خوش ہو رہا ہے۔ تمہارا چاؤ فان بھی بہت ستم ظریف آدمی ہے۔ اس کے کپڑے اتروانے کے ساتھ چاروں ٹائروں کی ہوا بھی نکال آیا۔ وہ وہاں سے بھاگ سکتا ہے نہ وہاں رکا رہ سکتا ہے۔ اس کی گرل فرینڈ اس کی حالت دیکھ کر شرم سے زمین میں گڑی جا رہی ہوگی۔''

''مجھے یقین ہے کہ لڑکی اس منظر کی تاب نہیں لاسکی ہوگی۔ وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر وہاں سے بھاگ گئی ہوگی۔''

لی نے مخمور انداز میں ہلکا سا قہقہہ لگایا اور انٹر کام کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اس کے سنورے ہوئے بال اس وقت بے ترتیبی سے پیشانی اور شانوں پر بکھرے ہوئے تھے، ہلکا پھلکا میک اپ معدوم ہو چکا تھا۔ میں خاموشی سے مسہری سے اتر کر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

اپنے عکس پر نظر پڑتے ہی میں نے بوکھلا کر تولیا سنبھالا اور اپنا چہرہ رگڑنا شروع کر دیا۔ میری وہ ہیئت کذائی دیکھ کر چاؤ فان کو مجھ پر دل کھول کر ہنسنے کا موقع مل سکتا تھا۔

''میں نے چوکی دار سے کہا ہے کہ وہ چاؤ فان کو اندر بھیج دے!'' انٹر کام پر گفتگو سے فارغ ہو کر لی نے مجھے مطلع کیا۔

میں اپنا چہرہ صاف کر کے پلٹا تو لی اپنے نازک لبادے پر گون پہن چکی تھی اور اپنے بکھرے ہوئے بال سمیٹنے میں مصروف تھی۔

''تم بہت ضدی اور سرکش عورت ہو!'' میں ملامت آمیز لہجے میں تبصرہ کرتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔ میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ صاف ہو چکا تھا لیکن جسمانی طور پر میں تکان محسوس کر رہا تھا۔

لی نے مسکرا کر تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور آئینے کے سامنے چلی گئی۔

چاؤ فان اس گھر کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہ اس گھر میں آنے کے آداب سے بہ خوبی واقف تھا۔ اس نے خواب گاہ کے دروازے پر دو بار ہلکی سی دستک دی اور لی سے اجازت ملتے ہی اندر آ گیا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک تھیلی جھول رہی تھی۔

اس نے کمرے کے وسط میں اپنے سر کو خم دے کر، دونوں کو تعظیم پیش کی پھر اپنے بائیں ہاتھ میں جھولتی ہوئی تھیلی لی کی طرف بڑھا دی۔

''آج کیا لے آئے میرے لیے؟'' لی نے اس کے ہاتھ سے تھیلی لیتے ہوئے، لگاوٹ کے انداز میں سوال کیا۔

''آج کی شام کے لیے میری طرف سے تمہارے لیے ایک یادگار تحفہ!'' چاؤ فان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا ''اس میں پھوم فات کے بدن سے اتروائے ہوئے چھ کپڑوں کے ساتھ اس کا پستول بھی ہے۔''

''چھ کپڑے!'' لی نے حیرت سے کہا ''کیا وہ اس گرمی میں سوٹ پہنے پھر رہا تھا۔''

''ان میں دو زیر جامے اور دو موزے بھی شامل ہیں۔'' چاؤ فان شوخی سے بولا۔

''پھوم فات شہر کا جانا پہچانا رئیس زادہ ہے۔ لم پنی پارک کے علاقے میں ہر وقت بہت سے لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔ اسے بہت سے لوگوں نے برے حال میں دیکھا ہوگا۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ اب میرا دل دکھانے والوں کا برا وقت آ گیا ہے۔''

''مجھے امید ہے کہ ماسٹر نے تمہارا دل نہیں دکھایا ہوگا!'' چاؤ فان نے شوخی اور معنی خیز انداز میں لی سے وضاحت چاہی۔

''اب میرے اور ماسٹر کے معاملے میں تمہیں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ ماسٹر شاندار آدمی ہے۔ ہماری آج کی ملاقات یادگار رہی ہے۔'' لی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

''مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ ماسٹر کچھ سست ہے۔'' چاؤ فان نے غور سے میرا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

وہاں جو کچھ ہوا سو ہو گیا، میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ لی کے ساتھ اس کی خواب گاہ میں گزرے ہوئے وقت کا احوال چاؤ فان کے سامنے زیر بحث آئے۔ میں اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ گیا۔

لی نے ہم دونوں کو روکنا چاہا لیکن میں رکنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں خواب گاہ کے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ لی کو اچانک کچھ یاد آ گیا۔ وہ لپک کر شکن آلود بستر کی طرف

گئی اور تکیے کے نیچے سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر میری طرف بڑھا دی۔

''یہ گڈی تمہاری جیب سے نکل گئی تھی۔'' لی نے کہا ''میں نے سنبھال کر رکھ دی!''

وہ ڈان کی دی ہوئی گڈی تھی۔ اسے اپنی جیب میں اڑستے ہوئے میری نظریں غیر ارادی طور پر چاؤ فان کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر رہی تھی اور آنکھوں میں حیا سوز چمک رقصاں تھی۔

چاؤ فان کی وہاں موجودگی کا بھرم کھل گیا تھا اس لیے وہ اپنی گاڑی پورچ میں لے آیا تھا۔ لی نے وہاں تک آ کر ہمیں گرم جوشی سے رخصت کیا اور چاؤ فان اپنی گاڑی کھلے ہوئے چوبی پھاٹک سے باہر لیتا چلا گیا۔

''ماسٹر! کیا بات ہے۔ تمہیں کچھ چپ سی لگی ہوئی ہے!'' .... چند ثانیوں کے بعد چاؤ فان نے سنجیدہ لہجے میں زبان کھولی۔

پہلے میں نے سوچا کہ اسے ڈانٹ دوں لیکن اس طرح اس کے سوال کی اہمیت بڑھ جاتی۔ میں نے پرسکون رہتے ہوئے کہا ''لی بہت بولتی ہے۔ اب مجھے خاموشی میں مزہ آ رہا ہے۔''

''کہاں مادام کا موی وجود اور کہاں تمہارا یہ خادم۔ خاموش رہ کر اسی کے بارے میں سوچ رہے ہو گے!'' وہ چہک کر بولا ''ایک لاکھ بھات کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے۔ خود فراموشی کے عالم میں تم اسے بھی بھول گئے تھے۔ مادام کے دل میں بے ایمانی آ جاتی تو تم ڈان کے اس انعام سے محروم ہو سکتے تھے۔''

''وہ حسین اور دلیر ہونے کے ساتھ ایمان دار بھی ہے۔'' میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا ''کسی ایک عورت میں اتنی خوبیاں مشکل سے یک جا ہوتی ہیں۔ میں تمہارے انتخاب کی داد دیتا ہوں۔ تم نے بنکاک میں بہت کارآمد عورت تلاش کی ہے۔''

''ڈان اسے لمبی گھوڑی کہہ رہا تھا۔'' اس نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے شکوہ کیا۔

''ڈان اپنی مرضی کا مالک ہے۔ وہ کسی کو کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔''

''میں نے مادام کے سامنے ایک بات نہیں بتائی۔'' وہ چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد بولا ''پھوم فاٹ کو چھوٹا راجن نے ورغلایا ہوا تھا۔''

''تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''جب میں اس کے کپڑے اتروا رہا تھا تو وہ رو دینے والے انداز میں چھوٹا راجن کو گالیاں دے رہا تھا۔'' اس نے بتایا ''مادام کے لیے پھوم فاٹ کی تڑپ دیکھ کر چھوٹا راجن نے اسے مشورہ دیا تھا کہ مادام کو زبردستی اٹھوا لو یا دور رہ کر اسے خوف زدہ کرو۔ وہ بازاری عورت ہے۔ ڈر کر پکے ہوئے پھل کی طرح تمہاری جھولی میں آ گرے گی۔''

''راجن اسے کہاں مل گیا تھا؟'' میرا تجسس برقرار رہا۔

''ماسٹر! یہ سب اونچے طبقوں کے کرشمے ہیں۔ غریبوں کی بستیوں میں شریف اور رذیل کی پہچان بہت آسان ہوتی ہے۔ جیسے جیسے اوپر کے طبقوں میں جاؤ گے' یہ شناخت مشکل سے مشکل تر ہوتی جائے گی۔ اعلا طبقے میں انسان اور شیطان' سب ایک ہوتے ہیں' شرافت کی کوئی قدر کی جاتی ہے نہ کمینوں پر تھوکا جاتا ہے۔ ہر شخص کی عزت اس کے مال کے حساب سے ہوتی ہے۔ شہر کے سارے مالداروں سے چھوٹا راجن کا قریبی میل جول ہے۔ وہ انہیں آئے دن اپنی دعوتوں میں بلاتا رہتا ہے۔ پھوم فاٹ بھی اس کے دستر خوان کا کتا ہوگا۔'' میرے مختصر سے سوال کے جواب میں اس نے اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لی۔

''پھوم فاٹ تمہیں بھی پہچانتا ہوگا!'' میں نے تائید طلب انداز میں کہا۔

اس نے اپنے سر کو مایوسی سے نفی میں جنبش دی اور بولا۔ ''ابھی تمہارا خادم شہر میں اتنا مشہور نہیں ہوا کہ لوگ اسے چہرے سے پہچاننے لگیں۔ حالات اسی ڈگر پر چلتے رہے تو جلد ہی ایسے بھلے دن بھی آ جائیں گے۔''

''کیا تمہاری پوری قوم زیادہ بولنے کے مرض میں مبتلا ہے؟'' میں نے جل کر پوچھا۔

''ماسٹر! یہ بھی ایک فن ہے جس پر ہر ایک کو ملکہ حاصل نہیں ہوتا۔ ابھی تم اسی بارے میں مادام کی شکایت کر رہے تھے' اب مجھ سے شاکی ہو۔''

''ڈان زیادہ نہیں بولتا۔'' میں نے گہرے طنز سے کہا۔

''وہ دو غلا ہے نا!'' بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ پیٹنا شروع کر دیا ''یہ میں نے کیا کہہ دیا۔ میرا دماغ خراب ہے' میں الّو کا پٹھا ہوں...... ماسٹر! میری اس بات کو بھول جانا۔ سمجھ لینا کہ میں نے کچھ نہیں کہا۔'' اس نے آخری دو فقرے لجلجاتی ہوئی آواز میں ادا کیے تھے۔

میں بے اختیار مسکرا دیا ''فکر نہ کرو۔ یہ بات ڈان تک

نہیں پہنچے گی لیکن حقیقت یہی ہے۔ وہ دوغلا نہ ہوتا تو تمہاری طرح بسیار گو ہوتا۔ اس کا سب سے بڑا بھرم یہی ہے کہ وہ ضرورت سے بھی کم بولتا ہے۔''

اس نے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ غیر متوقع طور پر خاموش رہا۔

دور سے بلٹن ہوٹل کی عمارت کے آثار نظر آنا شروع ہوئے تو چاؤفان نے اپنا سکوت توڑ دیا ''ماسٹر! مادام سے مل کر تمہیں خوش اور چونچال ہونا چاہیے تھا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم خاموش ہو۔''

''لی کا نشہ گہرا ہے۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا ''رفتہ رفتہ اتر جائے گا۔'' میرا ذومعنی جواب اس کے سر پر سے گزر گیا۔

''ویسے بھی آج تم تھکے ہوئے ہو۔ پوری رات وائٹ ہاک کے چکر میں کالی ہوگئی۔ دوپہر کو میں پہنچ گیا۔ تمہیں ڈھنگ سے سونے کا موقع بھی نہیں مل سکا ہوگا'' اس نے سنجیدگی سے کہا ''آج رات کی نیند پوری کر لینے کے بعد کل چھوٹا راجن کے بارے میں کچھ سوچنا ہوگا۔ وائٹ ہاک کے بعد اب اسی کی باری ہے۔''

''تم اس کی خیر خبر رکھو۔ پتا نہیں وہ کب تک موتی محل میں اپنا منہ چھپائے بیٹھا رہے گا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اب ڈان کو اس کے بارے میں تیزی سے خبریں ملنا شروع ہو جائیں گی۔'' اس نے مضبوط اور پر امید لہجے میں جواب دیا ''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اب بھی شہر کے بہت سے لوگ چھوٹا راجن کے آدمیوں سے چھپ کر ڈان سے ملنے آتے رہتے ہیں۔ وائٹ ہاک ڈوبنے کے بعد' آنے والوں کی تعداد بڑھ جائے گی۔ نمبر بنانے کے چکر میں کچھ لوگ چھوٹا راجن کے خلاف مخبری بھی شروع کر سکتے ہیں۔''

وہ صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔ روزمرہ کی عام زندگی میں سب ہی کے یار ہوتے ہیں۔ زیرزمین دنیا کو میں نے بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا تھا۔ وہاں ہر شخص چڑھتے سورج کی پوجا کرتا ہے۔ کسی بھی استاد' ماسٹر یا باس کی ساکھ کو ذرا سا نقصان پہنچے تو اس کے ساتھی اسے چھوڑ کر کائی کی طرح الگ ہو جاتے ہیں۔ اگر راجن کے قریبی آدمیوں میں سے ایک دو فرد بھی ٹوٹ کر ڈان سے مل جاتے یا راجن کو ڈبل کراس کرتے رہتے تو ہماری منزل بہت قریب آ سکتی تھی۔

''ڈان نے تمہیں کچھ ہدایت کی ہے۔ اس کا دھیان رکھنا۔'' میں نے اسے تاکید کی۔

''ماسٹر! تم فکر نہ کرو۔ ڈان کا کہا ہوا ایک ایک لفظ میرے سینے پر نقش ہو جاتا ہے۔ تم سے الگ ہوتے ہی میں اپنا کام شروع کر دوں گا۔ صبح ہونے سے پہلے یہ خبر شہر بھر میں گردش میں آ چکی ہوگی کہ جو چھوٹا راجن کا دشمن نہیں ہے وہ اس کا دوست سمجھا جائے گا اور اس کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو چھوٹا راجن کے ساتھ ہو رہا ہے۔''

اس نے مجھے ہوٹل کے قریب اتارا اور آگے روانہ ہو گیا۔

اپنے کمرے کا رخ کرنے سے پہلے میں نے ہوٹل کے کیفے میں بیٹھ کر گرم گرم چائے کی ایک پیالی اپنے معدے میں اتاری تاکہ میرے ذہن سے ایل ایس ڈی کے رہے سہے اثرات بھی زائل ہو جائیں۔ چائے نوشی کے بعد وہیں بیٹھ کر میں نے ایک سگریٹ ختم کی اور مطمئن ہو کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

غزالہ کے لیے یہ بات بہت زیادہ حیرت اور خوشی کا سبب بنی کہ ڈان نے میری اور چاؤفان کی کارکردگی سے خوش ہو کر ہمیں ڈیڑھ لاکھ بھات کی خطیر رقم کے نقد انعام سے نوازا تھا اور اس انعام میں میرا حصہ چاؤفان سے دگنا تھا۔

لی کے پرتعیش گھر پر جو صورت احوال رونما ہوئی' اس کے بارے میں میرے دل میں ندامت کا احساس موجود تھا۔ میں نے لی سے ملاقات کا تذکرہ سرے سے گول کر دیا۔ ویسے بھی اس وقت تک بننے والے نقشے میں اس ملاقات کی اس سے زیادہ عملی اہمیت نہیں تھی کہ اس دوران میں چاؤفان نے پھوم فاٹ کو نہایت ذلت آمیز انداز میں اس کی بزدلانہ مہم جوئی کی سزا دی تھی۔

غزالہ نے بتایا کہ میری غیر حاضری میں کراچی والے موبائل فون پر میرے لیے جلال کی کال آئی تھی۔ اس نے غزالہ کی مزاج پرسی کے علاوہ کوئی بات نہیں کی لیکن یہ تاکید کی تھی کہ اس کا پیغام مجھ تک پہنچا دیا جائے۔

جلال سے میری بات ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ میں نے صبح ناشتا کرتے ہوئے اس سے رابطہ کیا تو وہ بنکاک میں اپنے نئے آدمی کے ذریعے وائٹ ہاک کی تباہی سے باخبر ہو چکا تھا۔ اگر اس نے چند گھنٹوں کے وقفے سے مجھ سے دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی تو یقینی طور پر اس کا کوئی خاص سبب ہو سکتا تھا۔ میں نے فوری طور پر اس سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جب تک رابطوں کا انحصار عام ٹیلی فون پر تھا' کسی کو تلاش کرنا آسان نہیں تھا۔ بعض اوقات متعدد ٹھکانوں پر فون

کرنے کے بعد بھی مطلوبہ شخص دستیاب نہیں ہوتا تھا لیکن موبائل فون نے اس کام کو بہت سہل بنا دیا۔ وہ چلتے پھرتے اور فوری رابطے کی اہم ترین کڑی بن گیا ہے۔ آدمی کہیں بھی ہو اس سے ہر وقت براہ راست رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

جلال سے پہلی کوشش میں رابطہ ہو گیا۔ اس وقت وہ غیر متوقع طور پر حیدر آباد کے ایک آرمی ریسٹ ہاؤس میں پہنچا ہوا تھا۔

''ابھی تک تمہاری دوڑ اسلام آباد اور کراچی کے درمیان رہتی تھی۔ حیدر آباد میں تمہارا کیا کام نکل آیا؟'' میں نے اس سے حیرت سے پوچھا۔

''سب تمہارا کیا دھرا ہے۔'' اس کی طرف سے مزاحیہ لہجے میں جواب آیا ''جان ہوپر کی لاش یہاں کی نہر سے برآمد نہ ہوئی ہوتی تو مجھے یہاں آنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔''

''کیا اس لاش کی تدفین تمہارے محکمے کے سپرد کر دی گئی ہے؟''

میرا سوال سن کر وہ ہنسا پھر بولا ''وہ لاوارث نہیں تھا۔ اس کی لاش آغا خان اسپتال منتقل کر دی گئی ہے۔ اس کے افسران مصر ہیں کہ اسے اغوا کر کے حیدر آباد لے جایا گیا ہوگا۔ وہ اپنی مرضی سے کراچی سے باہر گیا ہوتا تو اپنے افسران بالا کو ضرور اطلاع دیتا۔''

''پھر انہیں یہ بھی بتانا چاہیے کہ اسے کہاں سے اغوا کیا گیا۔''

''ان کے پاس کسی سوال کا اطمینان بخش جواب نہیں ہے۔ انہوں نے شبہ ظاہر کیا ہے کہ جان ہوپر کو اغوا اور قتل کرنے کی واردات میں تمہارا ہاتھ ہے۔''

''اس شبہے کی بنیاد کیا ہے؟'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

''الزام تراشی کے لیے کسی بنیاد اور جواز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے کہے ہوئے کو من و عن تسلیم کر لیا جائے۔''

''ان کے اس موقف کی روشنی میں شاید میری واپسی کے امکانات اور بھی موہوم ہو جائیں گے!'' میں نے اپنا قیاس ظاہر کیا۔

''فی الحال اپنی واپسی کا خیال ذہن سے نکال دو۔'' اس نے بہت خلوص اور دردمندی کے ساتھ مشورہ دیا ''یہاں تمہارے خون کے پیاسے ہر طرف تمہاری گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تمہارے بہی خواہ تم کو ان سے بچانے کی کوششوں میں کمزور پڑیں گے۔ تم وہاں رہ کر بھی قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہو۔''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سینے پر ایک زوردار گھونسا رسید کر دیا ہو۔

جلال کوئی چلتا پھرتا' عام پاکستانی نہیں تھا۔ وہ ایک کلیدی محکمے کا ذمے دار اور محنتی افسر تھا۔ اگر وہ میری واپسی کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کر رہا تھا تو اندرونی حالات یقیناً سنگین سے سنگین تر ہو چکے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے ان ہمدردوں نے خیر خواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے ہمیشہ کے لیے ملک بدر کر دیا تھا۔

پاکستان سے میری روانگی کے وقت جو حالات پائے جا رہے تھے' وقت گزرنے کے ساتھ ان میں بہتری آنے کے بجائے خطرات بڑھ رہے تھے۔

''تم کو معلوم ہے کہ میں ان لوگوں سے اپنی ذات کے لیے برسرپیکار نہیں ہوں۔'' میں نے لمحے بھر کے سکوت کے بعد کہا ''میں نے جس لمحے شی کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا اسی لمحے میرے ذہن میں ایک بڑا مقصد' ایک عظیم مشن موجود تھا۔ میں کسی انعام کی امید یا لالچ کے بغیر آج تک اسی مشن پر کام کر رہا ہوں......''

''تم میری ذرا سی بات پر جذباتی ہو رہے ہو۔'' اس نے میری قطع کلامی کرتے ہوئے مضطربانہ آواز میں کہا ''یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ وہ جب بھی تم سے مار کھاتے ہیں' تلملا کر ایسی حرکتوں پر اتر آتے ہیں۔''

''ان کی حرکتیں واقعی نئی نہیں ہیں لیکن یہ ایک نئی بات سامنے آ رہی ہے کہ اب میں جلاوطن ہوں' میرے خیر خواہوں کے ہاتھ بندھتے جا رہے ہیں' میرے ہمدردوں کی راہ میں بڑی رکاوٹیں کھڑی ہو گئی ہیں۔''

''یہ سب ہوتا رہتا ہے۔ یہ عارضی مسائل ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب کچھ بہتر ہو جائے گا۔ ان باتوں پر تم کیوں آزردہ ہو رہے ہو!''

مجھے جلال کے خلوص اور نیک نیتی پر ذرا بھی شک نہیں تھا۔ میری تشویش کا اندازہ لگا کر وہ تڑپ اٹھتا تھا مگر میں جانتا تھا کہ جلال عقلِ کل نہیں ہے' نہ اسے سب کچھ کر گزرنے کا آزادانہ اختیار ہے۔ وہ اپنے محکمے کے سخت نظم و ضبط میں بندھا ہوا تھا' اپنے ہر قدم کے لیے اپنے اوپر والوں کو جواب دہ تھا۔ اس سے اوپر والے حکومت کی پالیسیوں کے قیدی تھے۔ ان پالیسیوں کے متعین کیے ہوئے دائروں سے باہر نکلنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

بات یکا یک جلال اور اول خان کی ہمدردیوں سے بہت آگے بڑھ گئی تھی اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا کہ کیا ہماری حکومت فردِ واحد کی آزادی کے تحفظ کے لیے دنیا کی اکلوتی سپر پاور کے سامنے حوصلہ مندانہ موقف اختیار کرسکے گی!

میرے ذہن کے کسی نہاں خانے میں' اس سوال کے جواب میں ایک بھیانک منفی گونج سنائی دے رہی تھی۔ ملک کو میری ذات سے کہیں بڑے مسائل پیش آچکے تھے۔ ہست و بود کی اس جان لیوا کشمکش میں' میں نے اباؤٹ ٹرن ہونے کے کئی سنگین مشاہدے کیے تھے۔ ان کے مقابلے میں میرا ہونا یا نہ ہونا رائی کے ایک دانے جتنی وقعت بھی نہیں رکھتا تھا۔

جلال مجھے امید دلا رہا تھا کہ وہ عارضی مسائل تھے جو وقت کے ساتھ خود بہ خود حل ہو جاتے لیکن مجھے فضا سخت مخدوش نظر آرہی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ میرے دشمنوں کے موقف میں زیادہ سختی آنے کے نمایاں آثار نظر آرہے تھے۔ اپنے ان خدشوں کے بارے میں جلال سے بحث کرنا بے سود تھا۔ وہ وہی کچھ کہتا رہتا جو اس کے دل میں تھا۔ میں جانتا تھا کہ میری طرف سے اس کا دل آئینہ تھا۔ وہ میرے بارے میں کوئی غلط بات سوچ سکتا تھا نہ ناامید ہوسکتا تھا۔ وہ بہت خلوص کے ساتھ سچ بول رہا تھا لیکن اس کے الفاظ پر میرا اعتماد متزلزل ہو چلا تھا۔

''میں آزردہ نہیں ہو رہا۔'' میں نے اس سے بحث میں پڑنے کے بجائے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا ''یہ سب چلتا رہتا ہے۔ میں زندگی کے ان بکھیڑوں سے گھبرانے والا نہیں ہوں۔ بات بس اتنی سی ہے کہ میں شترمرغ کی طرح ریت میں سر ڈال کر طوفان ٹل جانے کی توقع نہیں کرسکتا۔ جو کچھ سامنے ہے اور سامنے آنے والا ہے' وہ مجھے نظر آرہا ہے۔ تم ان قصوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کیسے یاد کیا تھا۔''

''یہاں بہت دلچسپ صورتِ احوال پیدا ہوگئی ہے۔'' میری یاد دہانی پر اس نے کہا ''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ امریکیوں کے دباؤ پر ہم نے زیرِ زمین دنیا سے تعلق رکھنے والے دو مہروں کو ڈینی ہونے کے شبہے میں پکڑ لیا تھا۔ ان دونوں سے امریکی ماہروں کی موجودگی میں تفتیش کی جارہی تھی۔ تم جانتے ہو کہ ہاتھ کتنا ہی ہلکا رکھا جائے' تفتیش پھر تفتیش ہوتی ہے۔ ان دونوں نے ڈینی ہونے کا اعتراف کرلیا ہے اور اس پر اڑ گئے ہیں۔ امریکی چکر میں پڑ گئے ہیں کہ ان دونوں میں سے کس کے اعتراف پر یقین کریں۔ مشکل یہ ہے کہ ان کے پاس اس اعتراف کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ان کے پاس تمہاری کوئی تصویر ہے نہ فنگر پرنٹس۔''

''ڈینی ہونا تو آسان بات ہے۔ روایتی تفتیشی ذرائع کے سامنے وہ یہ اعتراف بھی کرسکتے تھے کہ وہ آدمی نہیں' خارش زدہ چوہے ہیں۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔

''انہیں یہ سن گن بھی ملتی رہی ہے کہ بنکاک میں تمہاری موجودگی کے شواہد پائے جارہے ہیں۔ اس بارے میں گولڈن ڈریگن نامی کیسینو میں لیزر شعاعوں کی زد میں آکر ہلاک ہونے والے محافظ کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ تمہیں پاکستان میں ڈھونڈا جائے یا تلاش کی اس مہم کو بنکاک منتقل کردیا جائے۔''

''یہ تذبذب انہیں کسی سمت میں پیش رفت نہیں کرنے دے گا۔ ان کے پاس اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ انہیں جس کسی پر ڈینی ہونے کا شبہ ہوا سے خاموشی سے مروا دیں۔ سی آئی اے ایسے خفیہ کاموں میں خاصی شہرت رکھتی ہے۔'' میں نے جلال کی بتائی ہوئی صورتِ حال سے دل ہی دل میں محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''سب کچھ کرلینے کے باوجود وہ تمہاری طرف سے بہت زیادہ پریشان ہیں۔''

''غنیمت یہ ہے کہ یہاں ابھی تک ان سے میرا ٹکراؤ نہیں ہوا۔''

''ان سے ہوشیار رہنا۔'' جلال نے تاکید کی ''ان دونوں کے اعترافات کے بعد اب امریکیوں کو ایک نئی راہ سوجھی ہے۔ وہ لاہور میں تمہارے کالج کے پرانے ریکارڈ کی چھان بین کے امکان پر غور کررہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ وہاں سے تمہاری کوئی پرانی تصویر حاصل کرکے اس پر کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے مجھے موجودہ حالات اور امکانات سے آگاہ کردیا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اب مجھے اپنے مستقبل کے بارے میں ازسرِنو کچھ سوچنا ہوگا۔ وقت گزرنے کے ساتھ انسان میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں لیکن اس کے بنیادی خدوخال بڑھاپے تک جوں کے توں رہتے ہیں۔''

''تمہاری پرانی تصویر مل گئی تو ان کے ماہرین سائنسی بنیادوں پر اس پر کام کریں گے۔ وہ تمہارا کوئی بہتر خاکہ تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے تو تمہارے لیے مشکلات بڑھ سکتی ہیں۔'' مجھے کچھ ایسا اندازہ ہوا جیسے مجھ سے اس موضوع پر بات کرنے تک جلال کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ میری کسی پرانی

تصویر کا امریکیوں کے ہاتھ لگنا کتنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔
''جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' میں نے ایک نئے عزم کے ساتھ کہا ''تم ان سے رابطے میں رہو اور مجھے تازہ ترین حالات سے باخبر کرتے رہا کرو۔''
''میری پوری کوشش ہے کہ میں اس کڑے وقت کو ٹال سکوں۔'' اس کی طرف سے جواب آیا ''مجھے تمہارے ساتھ ویرا کی بھی فکر لگی رہتی ہے۔ موقع ملتا ہے تو اس سے بھی بات کر لیتا ہوں۔ پتا نہیں وہ اور اس کا ساتھی کس حال میں ہے۔ دو روز سے اس کا فون بند ہے۔ جب نمبر ملاتا ہوں ریکارڈنگ سنائی دیتی ہے کہ مطلوبہ نمبر سے جواب نہیں مل رہا۔''
اس نے ویرا کا ذکر ضمنی طور پر کیا تھا۔ ویرا کا فون بند ہونے کے بارے میں اس کی بات سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے اور مجھے تشویش ہونے لگی۔
دو روز سے اس سے میرا بھی کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال آیا کہ کہیں وہ دونوں کسی پریشانی کا شکار نہ ہو گئے ہوں۔
''میں بھی ان دونوں کو دیکھتا ہوں۔ یہ خبر میرے لیے پریشان کن ہے کہ دو روز سے ان کا فون بند ہے۔ شاید تمہیں علم ہوگا کہ وہاں سلطان شاہ سی آئی اے کے ایک بھگوڑے ایجنٹ کے پیچھے لگ گیا ہے۔ وہ اس سے مسلسل رابطے میں ہے۔''
''یہ اطلاع میرے لیے انکشاف سے کم نہیں ہے!'' جلال کی آواز سے حیرت جھلک رہی تھی۔
''وہ البرٹو نامی ایک اطالوی ہے۔ سی آئی اے والے اس کے نام سے اخباروں میں پیش گوئیاں چھپواتے اور پھر خفیہ طور پر ان کے پورا ہونے کا بندوبست کر لیتے تھے۔ البرٹو کی پیش گوئیوں کی آڑ لے کر انہوں نے کئی اہم شخصیات کو مروا دیا۔ جب نیویارک کا ایک سیاہ فام لیڈر پانی میں ڈوب کر مرا تو البرٹو اپنے ضمیر کی ملامت سے مجبور ہو کر سی آئی اے والوں کی تحویل سے بھاگ نکلا۔ اب وہ نیویارک میں مین ہٹن کے ایک فلائی اوور کے نیچے گتوں کے ڈبوں سے بنائے ہوئے دڑبے میں رہ رہا ہے۔'' میں نے اختصار سے اسے بتایا۔
''یہ نام اور قصہ میرا سنا ہوا ہے۔'' جلال کی آواز تشویش آمیز تھی ''سچی پیش گوئیوں کے حوالے سے اسے بہت شہرت ملی تھی۔ اندر کی کہانی تم سنا رہے ہو۔ سلطان شاہ سے کہو کہ وہ اس سے دور رہے۔ سی آئی اے والے اپنے ملک میں بھی اتنے ہی سفاک ہیں جتنے دوسرے ملکوں میں۔ وہ البرٹو کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے ساتھ سلطان شاہ بھی کسی چکر میں پھنس جائے۔ ان دونوں کو وہاں خاموشی سے اپنا وقت گزارنا چاہیے۔''
''میں تمہارا مشورہ اس تک پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ وہ سعادت مند نوجوان ہے۔ میرا خیال ہے کہ بات مان جائے گا۔''
''ان دونوں سے رابطہ ہو جائے تو مجھے ضرور بتا دینا۔ میں تمہاری دوست کے لیے فکرمند ہوں!''
میں نے جلال کو یقین دہانی کراتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔
''آج میں غور سے آپ کو دیکھ رہی تھی۔'' چند ثانیوں کے بعد غزالہ نے کہا ''جلال سے بات کرتے ہوئے آج آپ کا موڈ شگفتہ نہیں تھا۔''
''خبریں اچھی نہ ہوں تو موڈ کیسے شگفتہ رہ سکتا ہے!'' میں نے مسہری پر دراز ہو کر کہا۔
''پہلے آپ بری خبروں کی بھی پروا نہیں کرتے تھے!'' وہ بولی۔
''دشمنوں کے بارے میں ملنے والی خبروں کی میں نے کبھی پروا نہیں کی۔ کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں۔ مقابلہ آمنے سامنے کا ہو تو یہ اونچ نیچ چلتی رہتی ہے۔ مجھے تشویش اس بات کی ہے کہ ہماری پاکستان واپسی کی راہیں اب بھی مسدود ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ امریکی اپنا دائرہ تنگ کرتے جا رہے ہیں۔ حالات میں بہتری آنے کے بجائے دن بہ دن ابتری پیدا ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔''
''میں آپ سے بارہا کہہ چکی ہوں کہ حکومتوں سے لڑنا آسان نہیں ہوتا۔ وہاں عزائم اور اہداف کا ایک تسلسل ہوتا ہے۔ ایک آدمی منظر سے ہٹتا ہے تو اس کی جگہ لینے کے لیے چار نئے چہرے سامنے آ جاتے ہیں۔ اکیلا آدمی ان سے لڑتے لڑتے تھک جاتا ہے۔ وہ کبھی نہیں جیت سکتا۔''
''تم کہتی رہی ہو اور میں ان باتوں کو ہمیشہ نظرانداز کرتا چلا آیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ وقت بھی آ جائے جب میں تمہاری ان باتوں پر غور کرنا شروع کر دوں۔''
''آپ مجھ سے کھل کر بات کیوں نہیں کرتے۔ مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ کے ذہن میں کوئی ہلچل شروع ہو چکی ہے۔''
''کوئی ہلچل ہے اور نہ بے چینی۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ مجھے مستقبل قریب میں وطن واپسی کا کوئی امکان نظر

نہیں آ رہا۔''

''اس بارے میں جلال کیا کر رہا ہے...... اول خان کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ دونوں اپنی بساط سے بڑھ کر ہمارے لیے بہت کچھ کر رہے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ یہ معاملات ان کی گرفت سے باہر ہیں۔ یہ انہی کا دم ہے کہ میں آج تک اپنے حریفوں کے سامنے ڈٹا ہوا ہوں۔ وہ نہ ہوتے تو میرے دشمن اب تک مجھے پیس چکے ہوتے یا میں کسی زنداں کا قیدی بن چکا ہوتا۔''

''وہ بے بسی کا شکار ہو رہے ہیں تو آپ کو بدلے ہوئے حالات سے سمجھوتا کرنا پڑے گا۔'' میرے جواب سے غزالہ فکرمند ہوگئی۔

''کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔'' میں نے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا ''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ امید پر دنیا قائم ہے۔ ہمیں بہتری کی امید رکھنے کے ساتھ برے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ ابھی سارے دروازے بند نہیں ہوئے۔ دانش مندی کا تقاضا ہے کہ ہم خوش فہمی میں مبتلا رہنے کے بجائے حوصلے کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے رہیں۔ جب بات ٹل جائے گی تو کوئی نہ کوئی فیصلہ کرلیا جائے گا۔''

''ویرا کے بارے میں آپ کی کیا بات ہو رہی تھی؟'' ایک مسئلے کی طرف سے اطمینان ہونے کے بعد اسے دوسری بات یاد آ گئی۔

''جلال ان کی سرگرمیوں سے بے خبر تھا۔ وہ ویرا سے بات کرتا رہا ہے۔ اس نے جلال کو سلطان شاہ کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اسے تشویش ہے کہ دو دنوں سے ویرا کا موبائل فون بند ہے۔''

''ہم ان دونوں سے بالکل کٹے ہوئے ہیں۔ آپ کو ان کی خیر خبر لینی چاہیے۔'' اس نے قدرے فہمائشی لہجے میں کہا۔ ویرا کا ذکر آتے ہی وہ پچھلا مسئلہ بھول گئی تھی۔

مجھے امید نہیں تھی کہ ویرا کی طرف سے کوئی جواب ملے گا۔ جلال کی دی ہوئی اطلاع غلط نہیں ہوسکتی تھی۔ میں نے غزالہ کا دل رکھنے کے لیے ویرا کا نمبر ملالیا۔ دونوں کراچی کے فون تھے جو انٹرنیشنل رومنگ پر چل رہے تھے۔ ان پر باہمی رابطے کے لیے کوئی انٹرنیشنل کوڈ ملانے کی ضرورت نہیں تھی۔ نمبر مجھے زبانی یاد تھا۔ ذرا سے توقف کے بعد نسوانی آواز میں سنائی دینے والی ریکارڈنگ نے جلال کے بیان کی تائید کردی۔ ویرا کا فون بند تھا۔

اس وقت مجھے افسوس ہوا کہ ویرا سے کئی بار گفتگو ہونے کے باوجود میں نے اس سے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ نیویارک کے کس ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔ ان دونوں کے ہوٹل کا نام یا فون نمبر معلوم ہوتا تو ان سے رابطے کی متبادل صورت پیدا ہوسکتی تھی۔

میں اپنے مسائل کو بھول گیا۔ ذہن پر ان کی طرف سے تشویش سوار ہوگئی۔ مجھے رہ رہ کر جلال کے اس اندیشے کا خیال آنے لگا کہ البرٹو کے چکر میں سلطان شاہ سی آئی اے والوں کے کسی چکر میں پھنس سکتا تھا۔

آدمی کے سامنے کوئی بڑے سے بڑا مسئلہ درپیش ہو، وہ اس کے حل کے لیے سرتوڑ کوششوں میں لگا رہتا ہے اور کسی نتیجے پر پہنچ کر دم لیتا ہے۔ جب مسئلہ نظر آ رہا ہو اور اس کے حل کے بارے میں کوئی قدم اٹھانے کی گنجائش نہ ہو تو ذہنی دباؤ، بے چارگی اور اعصابی کشیدگی کی ایک ناقابل برداشت کیفیت طاری ہونے لگتی ہے۔ جلال سے فون پر گفتگو ہونے کے بعد میں مسلسل اسی کیفیت سے دوچار رہا۔

شام ہوتے ہوتے میرا اعصابی اضطراب اتنا بڑھ گیا کہ میں نے اپنا دھیان بٹانے کے لیے اسد کے جانشین سے بات کرنے کا ارادہ کرلیا۔

طارق بنکاک میں نووارد تھا لیکن اس نے وہاں پہنچتے ہی بہت تیزی اور خوش اسلوبی سے اپنا کام سنبھالا تھا۔ اس کی تازہ ترین مثال یہ تھی کہ اس نے وائٹ ہاک کی تباہی کی خبر اتنی سرعت سے جلال کو پہنچائی کہ میں حیران رہ گیا تھا۔

فون پر رابطہ ہونے پر میں نے اس کی آواز سے اندازہ لگایا کہ وہ بھی اپنے پیش رو کی طرح سنجیدہ اور بردبار آدمی تھا۔ اس نے میرا مفروضہ نام سنتے ہی اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور بتایا کہ وہ بنکاک پہنچنے کے بعد سے میرے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے ہدایت دی گئی تھی کہ بنکاک میں مجھ سے تعاون کرنا اس کی فوری اور اہم ترین ذمے داری تھی۔

میں بنکاک میں کیا کر رہا تھا، اس بارے میں اسے کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ اس نے اپنے طور پر یہ اندازہ لگالیا تھا کہ میں وہاں را کے ایجنٹ راجن کے پیچھے لگا ہوا تھا۔

فوری طور پر مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، میں نے رسمی طور پر اس سے کہہ دیا کہ وہ شہر میں موتی محل کی خیر خبر رکھے اور ہوسکے تو مجھے راجن کی مصروفیات سے آگاہ کرتا رہے۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ ہوٹل کا فون ہماری گفتگو کے لیے محفوظ نہیں تھا۔

طارق سے گفتگو ہونے کے بعد میرے ذہن میں دوبارہ ویرا اور سلطان کا خیال سر ابھارنے لگا۔ پچھلی رات سے اس

شام تک میں نے چاؤ فان کے ساتھ کافی وقت گزارا تھا۔ اس سے دوبارہ چھیڑ چھاڑ کی کوئی گنجایش نہیں تھی۔ میں نے غزالہ کو تیار ہونے کی ہدایت دی اور اسے ساتھ لے کر شہر کی کوچہ نوردی کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

ہمیں بنکاک آئے کافی دن ہو چکے تھے لیکن اپنی مخصوص مصروفیات اور حالات کی بنا پر مجھے شہر کو زیادہ جاننے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ پھر بھی گولڈن ڈریگن کیسینو اور بے بی کلب شہر کے مصروف مقامات تھے۔ سیر کے دوران میں ہم ٹیکسی کے ذریعے ان دونوں مقامات تک گئے اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ راجن کے وہ دونوں ٹھکانے کھلے ہوئے ہونے کے باوجود ویران پڑے ہوئے تھے، وائٹ ہاک کی غرقابی کے واقعے نے بنکاک کے رنگین مزاج طبقے کو راجن کی تفریح گاہوں سے دور رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ہم نے پیٹ پونگ کے علاقے کے وہ دونوں ہوٹل بھی دیکھے جنہیں راجن کے آدمیوں نے آگ لگا دی تھی۔ وہ واقعہ تازہ تھا۔ وہاں تماشائیوں کی بھیڑ جمع تھی۔ دونوں گلیوں میں خوف و ہراس کی فضا پائی جا رہی تھی۔ الگ الگ گلیوں میں واقع دونوں ہوٹل جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ ان سے متصل دکانوں کو بھی آگ نے نقصان پہنچایا تھا۔ پولیس وہاں اپنی رسمی کارروائی کر کے واپس جا چکی تھی۔ ہوٹلوں وغیرہ کے مالک اور ملازمین سرد ہوتے ہوئے ملبے میں سے باقیات جمع کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

''یہ دونوں بے چارے ناگہانی مارے گئے!'' غزالہ نے وہاں سے نکلتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں تبصرہ کیا۔

''کسی نہ کسی کی شامت آنی تھی۔ کیا یہ اچھا نہیں ہوا کہ اس خبیث نے اپنے ہم وطنوں کو نقصان پہنچایا ہے۔'' میں نے سوال کیا۔

''ایسے لوگوں کے لیے کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ یہ بے ضمیر ہوتے ہیں۔ اندھے ہو کر اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو روند ڈالتے ہیں۔'' غزالہ نے حقارت سے کہا ''اپنے مفادات کی خاطر یہ اپنے اور پرائے میں کوئی تمیز نہیں کرتے۔''

جب ہم ایک صاف ستھرے ہوٹل میں کھانا کھانے کے لیے بیٹھے تو غزالہ نے اچانک لی کا ذکر نکال لیا ''وائٹ ہاک کے پینیدے میں بم لگانے والی سے کام نکالنے کے بعد آپ نے اسے بالکل بھلا دیا۔ وائٹ ہاک کے ڈوبنے سے اسے جھٹکا لگا ہوگا۔''

''وہ خود بھی راجن کے خون کی پیاسی ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''سب کچھ اس کی نظروں کے سامنے ہوا۔ لانچ کے انجام پر وہ بہت خوش تھی۔''

''خاصی دلیر اور حوصلے والی عورت ہے!'' غزالہ نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''ڈان نے اسے لمبی گھوڑی کا لقب دیا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''اچھا لقب ہے۔ گھوڑا وفادار جنگی سواری کہلاتا ہے۔'' وہ سر ہلا کر بولی۔

میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ غزالہ سے لی کے بارے میں بات کرتے ہوئے میرے دل کا چور مجھے ستا رہا تھا۔ غزالہ میری بیوی تھی۔ شاید اس کی چھٹی حس نے اس بارے میں کچھ سمجھا دیا تھا۔ وہ کھانے کے دوران بھی جان بوجھ کر اس کا ذکر کرتی رہی اور میں ہوں ہاں کر کے اسے مختصر ترین جوابات پر ٹالتا رہا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میری زبان سے کوئی اعتراف سننے کی امید میں لی کی باتیں نکال رہی ہو۔

ہم کھانے کے بل کی ادائیگی کر کے ہوٹل سے باہر نکلے تو غزالہ کے ذہن پر لی سوار تھی۔ وہ کہہ رہی تھی ''کیا بات ہے۔ آپ اس کے بارے میں کھل کر بات کرنے سے ہچکچا رہے ہیں!''

''اس نے بہت بڑا کام کیا ہے جو میرے لیے مشکل اور چاؤ فان کے لیے ناممکن تھا۔ پورے منصوبے میں اس کی حیثیت اس مزدور جیسی تھی جو ایک فلک بوس عمارت کے لیے پتھریلی زمین میں بنیاد کھودتا ہے۔'' میں نے زچ ہو کر ذرا وضاحت کے ساتھ کہا ''تم عمارت کی تعمیر کا سہرا اس مزدور کے سر باندھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ حالانکہ سارا کمال آرکیٹیکٹ کا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں اتنا سر کھپانا بے سود ہے۔''

''کبھی کبھی آپ ویرا کے بارے میں بھی مبہم رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔'' اس نے سرسری لہجے میں ایک گہرا طنز کیا ''میں ڈر رہی تھی کہ اس عورت نے آپ سے دوستی بڑھانے کی کوشش نہ کی ہو اور آپ اسے ٹال آئے ہوں......!''

''غزالہ! کوئی اور بات کرو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''لی کی باتیں کرتے کرتے میرا سر دکھنے لگا ہے۔ ویرا کا اس سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ وہ ایک بازاری عورت ہے۔ چاؤ فان نے اسے ہوشیاری سے اپنے مطلب کے لیے استعمال کیا اور بات ختم ہوگئی۔ اسے اپنے کام کے لیے تیس ہزار بھات ادا کیے گئے ہیں۔''

''آپ نے ساحل سے لوٹنے کے بعد لی کی ہمت اور حوصلے کی تعریف ضرور کی تھی۔ یہ سب نہیں بتایا تھا۔'' اس نے میرے تیور دیکھتے ہوئے فوری طور پر معذرت خواہانہ انداز اختیار کرلیا ''اگر وہ کوئی بازاری عورت ہے تو بات ہی ختم ہوجاتی ہے۔ اب آپ میری زبان سے اس کا ذکر نہیں سنیں گے۔''

اور وہ بات واقعی وہیں ختم ہوگئی۔

☆☆☆

سلطان شاہ سب وے اسٹیشن کی سیڑھیاں طے کر کے فٹ پاتھ پر آیا تو اس کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ اسے امید تھی کہ اس دن البرٹو اسے زیادہ وقت دے گا اور وہ اس سے کچھ ایسی باتیں اگلوانے میں کامیاب ہوجائے گا جو اس کے لیے کار آمد ثابت ہوں گی اور وہ ویرا کے ساتھ مل کر سی آئی اے کے مفادات کو قابل ذکر نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوجائے گا۔

اس نے پہلے دن ہمدردانہ جذبات سے مغلوب ہو کر البرٹو کے اوندھے رکھے ہوئے ہیٹ میں ایک ڈالر کا سکہ ڈالا تو یہ بات اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ البرٹو اس کے لیے اہم اور کارآمد آدمی ثابت ہوسکے گا۔

نیویارک پہنچتے ہی ویرا کے پیر میں موچ آگئی تھی۔ سلطان شاہ کو آخر تک یہ علم نہیں ہوسکا کہ وہ ویرا کا بہانہ تھا۔ اس نے دل وجان سے ویرا کی دیکھ بھال کی۔ اس کے مڑے ہوئے پیر کی مالش اور پٹی کرنے کے ساتھ وہ دوسرے کاموں میں بھی اس کی مدد کرتا رہا۔ ویرا اپنے ہوٹل سے باہر نکلنے کے قابل نہیں تھی یا وہ ایسی اداکاری کررہی تھی۔ سلطان شاہ کے لیے دن بھر ہوٹل کے کمرے میں بند ہو کر بیٹھنا ناممکن تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار امریکا آیا تھا اور فرصت کے لمحات میں دل کھول کر نیویارک کی سیر کرنا چاہتا تھا۔ وہ ویرا کے کاموں سے فارغ ہوکر ہوٹل سے نکل جاتا۔

اس کے لیے نیویارک عجائبات کا شہر تھا۔ وہاں کی صاف ستھری اور سبک رفتار سب وے میں سفر کرتے ہوئے اسے بہت مزہ آتا۔ شہر کی فلک بوس عمارتیں اور چوکور بلاکوں میں شہر کو تقسیم کرتی ہوئی سیدھی سڑکیں اسے متاثر کرتی تھیں۔ اس کے لیے سب سے بڑی بے کیفی یہ تھی کہ وہ اس پرہجوم شہر میں ویرا کے پیر کی موچ کی وجہ سے تنہا اور اجنبی تھا۔

جب پورے ایک ڈالر کی خیرات ملنے پر البرٹو کی ہراساں نظروں میں اسے اپنے لیے ممنونیت نظر آئی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے نیویارک میں البرٹو اس کا پہلا دوست ہو۔

اس نے ہوٹل سے نکل کر روزانہ اس طرف آنے کو اپنا معمول بنالیا۔ مین ہٹن کے علاقے کی تعمیرات اور رونقیں اسے بہت پُرکشش محسوس ہوتیں۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس علاقے میں اس کا پہلا دوست پایا جاتا تھا۔

نیویارک پہنچنے کے بعد ویرا کے پیر کی جعلی موچ کی وجہ سے ان دونوں کے مراسم میں نہایت خوشگوار تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ ویرا نے بات بات پر اس کی ٹانگ کھینچنی بند کردی۔ وہ کوئی بات کہتا تو ویرا اسے دھیان سے سنتی اور پوری سنجیدگی سے اس کا جواب دینے کی کوشش کرتی۔ سلطان شاہ کے لیے ویرا کے مزاج کی وہ تبدیلیاں حیران کن تھیں۔

ویرا کو آزمانے کے لیے وہ جان بوجھ کر بار بار ایسی غلطیاں کرگزرتا جن پر ویرا کو برہم ہوجانا چاہیے تھا لیکن ویرا اشتعال میں آئی نہ اس نے طنز وتشنیع کی راہ اختیار کی۔ سلطان شاہ نے سمجھ لیا کہ دونوں کے درمیان مفاہمت کرانے والے کرداروں کی غیر موجودگی کی وجہ سے ویرا نے مصالحت کی راہ اپنالی تھی جو سلطان شاہ کے لیے ایک نیک شگون تھا۔

سلطان شاہ چند گھنٹے باہر گزارنے کے بعد دوبارہ ہوٹل میں آتا تو وہ دونوں ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھ کر اپنا وقت گزارتے یا پھر آپس میں باتیں کرتے رہتے۔

پاکستان میں رہتے ہوئے ان دونوں نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی بات کبھی سنجیدگی سے نہیں سنیں گے مگر نیویارک کی آزاد فضاؤں میں دونوں بدل گئے تھے۔ سلطان شاہ کے نزدیک ویرا لامذہب بلکہ دہریہ تھی جسے مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ ہوٹل کے پرآسائش کمرے میں مذہب پر ہونے والی باتوں کے دوران میں سلطان شاہ کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ویرا نے پاکستان میں رہ کر اردو سمیت صرف مقامی زبانیں ہی نہیں سیکھی تھیں، ملک کے سرکاری مذہب کے بارے میں بھی بیش بہا معلومات حاصل کی تھیں جن میں اسلام کا بنیادی فلسفہ سب سے اہم تھا۔

ویرا نے اپنی زندگی میں کبھی کسی مذہب کی تعلیمات پر عمل نہیں کیا تھا لیکن روایتی طور پر وہ خود کو کیتھولک کرسچین قرار دیتی تھی۔ اس کا ناجائز باپ جرائم پیشہ دہریہ تھا مگر اس کی ماں کٹر کیتھولک تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ مذہب کے معاملے میں اس کے انتخاب کے بجائے اس اتفاق کا دخل تھا کہ اس نے کیتھولک ماں کی کوکھ سے جنم لیا۔

سلطان شاہ اپنی کم مائیگی کے باوجود ویرا کو اپنے مذہب کی اچھی تعلیمات سے آگاہ کرتا رہتا۔ اسے امید تھی کہ زندگی کے کسی مرحلے پر ویرا دنیا داری سے اکتا کر مذہب کی طرف

راغب ہوئی تو وہ اپنی محنت سے اسے مسلمان کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

اس کے دل میں یہ خیال جڑ پکڑ چکا تھا کہ اگر وہ ویرا جیسی عورت کومسلمان کرنے میں کامیاب ہوگیا تو شاید اس کے زندگی بھر کے گناہوں کا کفارہ ادا ہوجائے اور اس کی عاقبت سنور جائے۔ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو میں کبھی کوئی ایسا موڑ نہیں آسکا جہاں سلطان شاہ ہمت کرکے اسے کلمہ پڑھنے کی دعوت دے سکے۔ سلطان شاہ نے ہمت نہیں ہاری۔ اس کی دانست میں وہ چندروزہ ابتدا تھی۔ آخر کار ایک نہ ایک دن اسے موقع مل جانا تھا۔ وہ اس معاملے کوسرسری انداز میں نمٹانے کا قائل نہیں تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ ایسے مرحلے پر ویرا کو دعوت دے کہ اس کے لیے فرار یا انکار کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔

ان دونوں کے شب وروز کا وہ احوال اس وقت میرے علم میں نہیں تھا۔ بنکاک میں بیٹھ کر میں یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ دونوں اپنے معمولات کے مطابق' ایک دوسرے کے اعصاب پر سوار ہوکر' جھڑپوں میں اپنا وقت گزار رہے ہوں گے۔ ان کے درمیان پیدا ہونے والی مفاہمت اور ذہنی ہم آہنگی کی یہ حیران کن تفصیلات مجھے بہت بعد میں معلوم ہوئیں جن کا واقعات کے تسلسل میں یہاں سامنے آنا کچھ ناگزیر سا محسوس ہوتا ہے۔

لوئر مین ہٹن کے سب وے اسٹیشن سے باہر آنے کے بعد سلطان شاہ کو یہ محسوس ہورہا تھا کہ وہ اپنی انفرادی کوششوں سے امریکا کے تفریحی سفر کو ایک کامیاب مشن میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

وہ فٹ پاتھ پر رواں کالوں اور سفید فام لوگوں کے درمیان اپنی راہ بناتا ہوا' خراماں خراماں لٹل اٹلی کی حدود سے گزرتا ہوا چائنا ٹاؤن میں داخل ہوگیا جس کی ایک لاکھ نفوس سے زائد کی آبادی ہاتھی کے پاؤں کی طرح دن بدن ہر طرف پھیل رہی تھی اور قرب وجوار کی دوسری بستیوں میں گڈمڈ ہوکر ان کی شناخت نگلتی جارہی تھی۔

وہ آگے بڑھتا رہا۔ اسے نیویارک کے رنگا رنگ باسیوں کے درمیان نرمی سے شانے لڑا کر اپنی راہ بنانا بہت بھلا لگ رہا تھا۔ آخرکار وہ اپنے مطلوب مقام کے قریب پہنچ گیا جہاں اطالوی نژاد البرٹو اپنا ہیٹ سامنے رکھے' فٹ پاتھ کے ایک کنارے پر بیٹھا' آنے جانے والوں کو رحم طلب اور خائفانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

سلطان شاہ اس سے ملنے کے لیے وہاں آیا تھا۔ اس نے آسانی کے ساتھ البرٹو کو دیکھ لیا۔ البرٹو جلد از جلد خیرات کا کوٹا پورا کرکے وہاں سے بھاگنے کے چکر میں رہتا تھا اس لیے اس کی ساری توجہ راہ گیروں پر مرکوز تھی۔

اس کا شیو کئی دن کا بڑھا ہوا تھا۔ ہیروئن کے استعمال کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں عجیب بے رونقی رچی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں گال پچکے ہوئے تھے۔ بدن پر میلی سی ٹی شرٹ اور نیلی جینز نظر آرہی تھی جو کثرت استعمال کے باعث بیشتر مقامات پر سیاہی مائل ہوچکی تھی۔

اس کا جائزہ لے کر سلطان شاہ نے اس کے قرب وجوار میں چلتے پھرتے ہوئے لوگوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ یہ پہلے دن کے بعد سے اس کا معمول رہا تھا کہ البرٹو کے قریب جانے سے پہلے وہ اس کے آس پاس کا جائزہ ضرور لے لیتا تھا۔

البرٹو نے میلان اپنی مرضی سے نہیں چھوڑا تھا۔ سی آئی اے والوں نے اسے تاک کر وہاں گھیرا اور اسے امریکا لے آئے۔ وہاں انہوں نے البرٹو کو سفاکانہ بے رحمی کے ساتھ اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا۔ قتل وغارت گری کی گھناؤنی پیش گوئیوں میں البرٹو کے علم اور ارادوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ سب کچھ اس کی مرضی کے خلاف ہورہا تھا لیکن معروف معنوں میں وہ سی آئی اے کا ایک اہم ایجنٹ بن چکا تھا۔

ان کے مہمان خانے سے فرار ہونے کے بعد وہ باغی ایجنٹ بن چکا تھا۔ جس کی سزا صرف موت تھی۔ سلطان شاہ کو احساس تھا کہ البرٹو ان خونی درندوں سے بچنے میں کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ وہ ایک نہ ایک دن اس تک پہنچ جائیں گے۔ ان کے طریقۂ کار میں باغیوں کی سرکوبی کو اولین ترجیح حاصل تھی۔

البرٹو سے ملتے ہوئے سلطان کے ذہن پر یہ لاشعوری خوف طاری رہتا تھا کہ کہیں وہ ایسے وقت میں البرٹو کے ساتھ نہ ہو جب سی آئی اے کا بھیجا ہوا قاتل وہاں پہنچے اور البرٹو کے ساتھ وہ بھی ناگہانی مارا جائے۔

فٹ پاتھ پر لوگوں کا ہجوم رواں دواں تھا۔ اس بھیڑ میں دور تک کوئی مشکوک شخص نظر نہیں آرہا تھا۔ جائزہ لیتے ہوئے اس نے اپنی رفتار سست کردی تھی اور پیچھے سے آنے والے مرد وزن اسے دائیں بائیں ہٹاتے ہوئے آگے نکلے جارہے تھے۔ مشرقی لوگوں کی طرح امریکیوں میں سست روی یا مست خرامی نام کو نہ تھی۔ ہر شخص ایسی تیزی میں نظر آتا تھا جیسے خوفناک بلائیں اور بدروحیں اس کا پیچھا کررہی ہوں۔ وہ

لمحے بھر کے لیے بھی رکا یا سست ہوا تو وہ سب اسے بے رحمی سے اپنے جنونی دہانوں میں نگل جائیں گی۔

میدان صاف تھا۔ اس نے راہ گیروں کے دھکوں سے بچنے کے لیے اپنی رفتار بڑھادی اور جیب سے ایک ڈالر کا سکہ نکالتا ہوا البرٹو کے سامنے پہنچ گیا۔

اپنے سامنے رکی ہوئی دو ٹانگوں کو دیکھ کر البرٹو نے اپنا سر اوپر اٹھایا۔ سلطان شاہ نے ایک ڈالر کا سکہ اپنی چٹکی میں دبا کر اسے دکھایا اور ہیٹ میں پڑی ہوئی ریزگاری میں ڈال دیا۔

البرٹو نے جلدی سے ہیٹ میں سے ساری ریزگاری اپنی ہتھیلی پر الٹی اور جینز کی جیب میں ڈالتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔ اس نے خالی ہیٹ اپنے سر پر جمالیا۔ ہیٹ پہن لینے کے بعد وہ مدقوق بلکہ قریب المرگ معلوم ہونے لگا تھا۔

وہ دونوں وہاں سے ایک ساتھ حرکت میں آئے۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم میرا اتنا خیال رکھتے ہو۔ میرا اندازہ ہے کہ تمہارا ایک ڈالر ملنے کے بعد میرا آج کا کوٹا پورا ہوگیا ہے۔ مجھے تم سے فالتو ڈالر نہیں لینا پڑیں گے۔'' البرٹو نے سلطان شاہ کے ساتھ چلتے ہوئے ممنونیت سے لبریز آواز میں دھیرے سے کہا۔

''میں رئیس نہیں ہوں۔ ایک معمولی سیاح کی طرح میری جیبوں میں زیادہ فاضل رقم موجود نہیں ہے پھر بھی میں آج ارادہ کرکے آیا ہوں کہ تمہیں کم از کم کچھ دنوں کے لیے روز کی اس مشقت سے نجات دلا دوں۔''

البرٹو اپنی جگہ چھوڑتے ہی فٹ پاتھ سے اتر کر فلائی اوور کے نیچے چلا گیا۔ ادھر گزرنے والے لوگوں کا کوئی ہجوم نہیں تھا۔ صرف وہی گنے چنے لوگ وہاں سے آ جا رہے تھے۔ جنہیں فلائی اوور کی ایک سمت سے دوسری سمت میں پہنچنا تھا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' البرٹو نے اداس لہجے میں جواب دیا ''میرے پاس کام ہی کیا ہوتا ہے۔ گتوں کے سیلن زدہ اور بدبودار پنجرے میں پڑا رہتا ہوں۔ دس بارہ ڈالر جمع کرنے کے لیے میرے تین چار گھنٹے کھلی فضا میں گزر جاتے ہیں۔''

''فرق کیوں نہیں پڑے گا۔ تم اتنے دنوں کے لیے اپنے شکاریوں کی نظروں سے بچے رہو گے۔ وہ تمہیں ڈھونڈنے تک تمہاری تلاش کی مہم ترک نہیں کریں گے۔''

''میں جانتا ہوں...... میں جانتا ہوں!'' اس کی آواز میں یکایک اضطراب امڈ آیا ''کاش! میں نے میلان کی گلیاں نہ چھوڑی ہوتیں تو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ وہاں میرے جاننے والے مجھے اتنا کچھ دے دیتے تھے کہ مجھے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں رہتی تھی۔ یہاں تم جیسے شریف لوگ کم آتے ہیں۔ جو خالص امریکی ہیں وہ دس سینٹ کا سکہ بھی یوں دیتے ہیں جیسے میرے اوپر احسان کررہے ہوں۔''

''وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتے۔ رفتہ رفتہ تکبر امریکیوں کا مزاج بن گیا ہے۔ ان کے انکسار میں بھی ہلکے سے قومی غرور کی جھلک نظر آ جاتی ہے۔'' سلطان شاہ نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا ''تمہیں یاد ہے نا کہ آج تم نے کچھ خاص باتیں کرنے کا وعدہ کیا تھا۔''

''شش!'' البرٹو نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر وحشت زدہ آنکھوں سے اسے گھورا ''خاموش رہو...... یہ ہوائیں ہماری آوازوں کو اڑا کر نہ جانے کہاں لے جائیں۔ آج کا دن اچھا نہیں ہے۔ ہم کل بات کریں گے۔''

''تم روز مجھے یونہی ٹال دیتے ہو۔'' سلطان شاہ نے اصرار کیا ''آج کے دن میں کیا خرابی ہے......؟ سب دن اچھے اور ایک جیسے ہوتے ہیں۔''

''میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھ سے بحث مت کیا کرو۔ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ یہ میرے دل کی گواہی ہے کہ آج کا دن اچھا نہیں ہے۔''

''البرٹو! میں سیلانی آدمی ہوں۔ آج یہاں اور کل وہاں ہوتا ہوں۔ پتا نہیں کیا بات ہے کہ تم مجھے اچھے لگنے لگے ہو۔ میں تمہاری وجہ سے یہاں رکا ہوا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تمہاری پوری کہانی ان لوگوں تک پہنچادوں جو تمہیں امریکا سے نکال کر کیوبا یا جنوبی امریکا کے کسی ملک میں پہنچا سکتے ہیں۔''

البرٹو نے چلتے چلتے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے تذبذب اور بے اطمینانی جھلک رہی تھی پھر اس نے التجائیہ انداز میں کہا ''تم کو مسیح کا واسطہ آج کے لیے مجھے معاف کردو۔ میرا دل بیٹھا جارہا ہے' دماغ بھاری ہورہا ہے۔ آج کا دن اچھا نہیں ہے۔ پتا نہیں آج کیا ہونے والا ہے۔''

سلطان شاہ جھلا گیا۔ البرٹو روز اسے کسی نہ کسی بہانے سے ٹال رہا تھا۔ اس نے بھی سلطان شاہ سے کسی چھوٹی یا بڑی رقم کا مطالبہ نہیں کیا کہ اسے یہ گمان ہوتا کہ وہ پیسوں کے لالچ میں اسے ٹال رہا ہے۔ اس نے بدظن ہوکر کہا ''کل تمہارے دل و دماغ نے تمہارا ساتھ نہ دیا تو میں تمہیں تمہارے نصیب کے حوالے کرکے یہاں سے کوچ کرجاؤں گا۔ ایک دن

تمہارے دشمن آئیں گے اور تمہیں ذبح کر ڈالیں گے۔"
"مجھے ایسی بددعائیں نہ دو!" اس نے ملتجیانہ نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میری زندگی میں کچھ نہیں رکھا مگر میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ یہاں رہ کر میری زندگی کا چراغ کسی بھی لمحے گل ہو سکتا ہے۔ اس ملک کی سرحدوں سے دور جا کر میں شاید اپنی پوری عمر گزار لوں گا۔"
"جو لوگ تمہیں خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکال سکتے ہیں وہ مفت میں خیراتی کام نہیں کرتے۔ وہ مال لیتے ہیں یا پھر دوسروں کی کمزوریاں خریدتے ہیں۔ وہ تمہاری کہانی آگے کسی کو بیچ کر اپنا معاوضہ پورا کر لیں گے۔ اس کے بغیر وہ تمہارے لیے کچھ بھی کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔"
"بس مجھے ایک دن اور دے دو۔" وہ گڑگڑایا "آج میرے دل و دماغ کی حالت عجیب ہو رہی ہے۔ کل میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔"
باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں اس اطالوی کیفے کے قریب پہنچ چکے تھے جہاں کی کالی چائے البرٹو کو بہت پسند تھی لیکن وہ اپنے خرچ پر وہاں سے چائے پینے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا۔
اچانک سلطان شاہ کی چھٹی حس نے خطرہ محسوس کیا۔ وہ بہت تیزی سے پلٹا مگر اسے دیر ہو چکی تھی۔ پیچھے سے آنے والی دراز قامت اور تنومند عورت نے اپنے داہنے ہاتھ سے البرٹو کا شانہ دبوچ کر اسے روک لیا تھا۔
عورت ترش رو اور طاقت ور نظر آ رہی تھی۔ اس کے مقابلے میں البرٹو دھان پان اور کمزور تھا۔ وہ اضطراری کوشش کے باوجود خود کو اس عورت کے ہاتھ کی آہنی گرفت سے چھڑانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔
"تم البرٹو روزیلی ہو!" عورت نے سخت، تحکمانہ اور تائید طلب لہجے میں سوال کیا جیسے البرٹو کے انکار کی صورت میں اس کے شانے کی ہڈی توڑ دینے کا ارادہ رکھتی ہو۔
سلطان شاہ پہلے ہی بھڑک چکا تھا۔ وہ عورت نہ جانے کب اور کہاں سے ان کے پیچھے لگ گئی تھی۔ اس کے بے آواز قدموں کی وجہ سے وہ دونوں آخری لمحے تک اپنے پیچھے اس کی موجودگی سے آگاہ نہیں ہو سکے۔
سلطان شاہ نے دیکھا کہ وہ عورت اپنے بائیں ہاتھ سے اپنی پتلون کی جیب میں سے کوئی پستول یا ریوالور نکال رہی تھی جس کا سیاہ آہنی دستہ اس کی جیب سے باہر آ چکا تھا۔
سلطان شاہ کے پاس سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ جب وہ پلٹا تو عورت نے اسے بھی کینہ توز نظروں سے دیکھا تھا۔

آثار بتا رہے تھے کہ البرٹو اس کا اصل ہدف تھا لیکن وہ سلطان شاہ کو بھی معاف کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔
وہ ایک فیصلہ کن لمحہ تھا۔ سلطان شاہ نے یکا یک اس سمت میں دوڑ لگا دی جہاں راہ گیروں کا ایک ہجوم موجود تھا۔
ایک شکار کو یوں ہاتھ سے نکلتا ہوا دیکھ کر عورت نے ایک گالی بک کر اسے للکارا۔ سلطان شاہ لہراتا ہوا بھاگ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ عورت اس پر گولی چلانے کی غلطی نہیں کرے گی۔ اس کا نشانہ خطا ہوتا تو گولی آگے موجود بھیڑ بھاڑ میں سے کسی کو بھی چاٹ سکتی تھی۔ وہ کسی راہ گیر کو ہلاک یا زخمی کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔
سلطان شاہ بھاگتا ہوا بھیڑ میں شامل ہوا اور پھر اپنا راستہ بنا کر تیزی سے آڑا ترچھا چلتا چلا گیا۔
چند ہی لمحے گزرے تھے کہ فضا ایک فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ ابھرنے والی البرٹو کی کمزور مگر نمایاں چیخ بہت دل دوز تھی۔
سلطان شاہ نے اس عورت کی وضع قطع اور تیوروں سے بھانپ لیا تھا کہ وہ سی آئی اے نہ سہی، کسی نہ کسی سرکاری ایجنسی کی کارپرداز تھی۔ وہ قانون کے نام پر کسی کو بھی سرِعام گولی مار سکتی تھی۔ وہ اپنی شناخت ظاہر نہ کرتی تب بھی طاقت کے بل پر وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔
اسے غالب امکان یہ نظر آ رہا تھا کہ اس عورت کا تعلق سی آئی اے سے تھا۔ اس نے البرٹو کو دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ وہ اپنی حیثیت کا اظہار کیے بغیر، پستول یا ریوالور لہراتی ہوئی کسی بھی طرف فرار ہو جاتی تو جان جانے کے خوف سے کوئی بھی اس کی راہ میں مزاحم ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔
البرٹو کے لیے وہ دن واقعی بدترین دن ثابت ہوا تھا۔ وہ دیر سے موت کے قدموں کی چاپ سن رہا تھا۔ آخر کار اس بدنما عورت کے روپ میں فرشتۂ اجل نے اسے آ لیا اور وہ خود کو اس کے ہاتھوں سے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اپنی کہانی اپنے سینے میں لے کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔
اس عورت نے اپنے اصل شکار کو گھیر کر مار لیا۔ سلطان شاہ اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہ سکتا تھا کہ عورت نے البرٹو کو فرار کی کسی کوشش سے باز رکھنے کے لیے اسے زخمی کرنے پر اکتفا کیا ہوگا۔ اس نے اپنے کانوں سے البرٹو کی ڈوبتی ہوئی آخری چیخ سنی تھی جس میں اجل کی سختی نمایاں تھی۔
البرٹو اس عورت کے ہاتھوں مر کر پل بھر میں ہر مسئلے سے آزاد ہو گیا لیکن سلطان شاہ اپنے بارے میں بہت فکرمند تھا۔ عورت نے اسے اچھی طرح اور بہت قریب سے دیکھا

تھا۔ اسے شبہ تھا کہ اس نے خاموشی سے ان دونوں کا پیچھا کرتے ہوئے ان کی کچھ باتیں بھی ضرور سنی ہوں گی۔ البرٹو کی مادری زبان اطالوی تھی' سلطان شاہ کو اردو پر دسترس حاصل تھی۔

ان دونوں کے درمیان باہمی رابطے کی واحد زبان انگریزی تھی جو وہ افہام و تفہیم کے لیے سنبھل سنبھل کر بول رہے تھے۔ جس کے نتیجے میں ان کے مکالموں کو سمجھنا کسی کے لیے دشوار نہیں تھا۔ اگر عورت نے ان کی گفتگو کا مفہوم سمجھ لیا تھا تو سلطان شاہ کی عافیت اور سلامتی ایک بدترین خطرے سے دوچار ہو چکی تھی۔

جن لوگوں نے البرٹو جیسے روپوش شکار کو ڈھونڈ کر ٹھکانے لگا دیا تھا وہ اپنے معاملات اور مفادات کے تحفظ کے لیے سلطان شاہ کو ہرگز معاف نہیں کر سکتے تھے۔ وہ امریکی گوروں اور کالوں کے وطن میں رنگ دار ایشیائی تھا جسے ڈھونڈنا ان کے لیے مشکل نہ ہوتا۔

بھیڑ میں اپنا راستہ بناتا ہوا پہلے وہ سبک رفتاری سے الل ٹپ پیش قدمی کرتا رہا۔ اس کی اولین کوشش یہ تھی کہ وہ اس خون خوار عورت کی دسترس سے اتنا دور نکل جائے کہ وہ اس کی گرد بھی نہ پا سکے۔ جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ اس عورت کی پہنچ سے بہت دور نکل آیا ہے تو اس نے قریب ترین سب وے اسٹیشن تک پہنچنے کی کوشش شروع کر دی۔

نیویارک کی زیر زمین ٹرین میں واپسی کا سفر کرتے ہوئے وہ اپنے تحفظ کے بارے میں بہت زیادہ پریشان تھا۔ وہ البرٹو کی طرح بے نام ونشاں نشے باز نہیں تھا کہ اپنی جان بچانے کے لیے کسی چوہے کی طرح نیویارک کے کسی گوشے میں چھپ کر بیٹھ جاتا۔

اسے یہ خیال بھی ستا رہا تھا کہ شاید سی آئی اے کے کہنہ مشق ایجنٹوں کے تجربے کے سامنے اس کی ساری احتیاط رایگاں گئی ہو۔ وہ لوگ کئی دنوں سے اس کے اور البرٹو کے پیچھے لگے ہوئے ہوں اور اس کا ہوٹل ان کی نگاہوں میں آ چکا ہو۔ اس نکتے پر خاصی دماغ سوزی کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔

اگر وہ کئی دنوں سے ان دونوں کا پیچھا کر رہے تھے تو البرٹو کے تنگ و تاریک دڑبے میں گھس کر اسے اتنی آسانی سے ہلاک کرتے کہ کسی کو کانوں کان بھی اس واردات کی خبر نہ ملتی۔ اس کا کام تمام کرتے ہی وہ سلطان شاہ کے ہوٹل پر شب خون مارتے اور قومی سلامتی کے نام پر اسے ویرا سمیت اٹھا لے جاتے۔ سب کچھ بہت منظم طریقے سے ہوتا چلا جاتا۔ ویرا بونس میں ان کے ہاتھ آ جاتی۔

دوسرا نظریہ مسترد کرتے ہی وہ بہت شدت سے ویرا سے مشورے کی ضرورت محسوس کرنے لگا۔ سب وے اسٹیشنوں پر رکتی ہوئی' سبک رفتاری سے اپنی منزل کی طرف اڑتی جا رہی تھی لیکن سلطان شاہ کو اس وقت ٹرین کی رفتار سست محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں تھا ورنہ وہ پر لگا کر پلک جھپکتے میں ویرا کے پاس پہنچ جاتا۔

آخر کار اس کی منزل آ گئی۔ ویرا کے لیے نیویارک اجنبی نہیں تھا۔ اس نے برسوں اسی شہر میں گزارے تھے اور وہ وہاں کے چپے چپے سے واقف تھی۔ اپنے تجربے کی بنا پر اس نے نیویارک میں قیام کے لیے ایسے ہوٹل کا انتخاب کیا تھا جو سب وے اسٹیشن سے بہت قریب تھا۔ سلطان شاہ زیر زمین اسٹیشن سے نکل کر ذرا سی دیر میں ہوٹل میں پہنچ گیا۔

ویرا نے اس کی کہانی بہت صبر اور سکون کے ساتھ سنی پھر بولی ''البرٹو کا وقت پورا ہو گیا تھا۔ وہ مارا گیا۔ تم بچ کر نکل آئے۔ اب کس بات کی پریشانی ہے!''

''شاید اب تمہارے دماغ میں موچ آ گئی ہے۔'' سلطان شاہ نے مضطرب ہو کر قدرے غصے سے کہا ''اس عورت نے مجھے دیکھا اور اچھی طرح پہچان لیا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہماری تلاش کی مہم شروع ہو' ہم کو اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لینی چاہیے۔''

''موت کا ایک وقت مقرر ہے۔'' ویرا بولی ''وقت پورا ہونے سے پہلے دنیا کی کوئی طاقت تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ تمہاری یہ تشویش بیکار ہے۔''

''یہ سب اپنی جگہ درست ہے لیکن ٹرین کی پٹری پر لیٹ کر یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ آنے والی ٹرین تمہیں دیکھ کر کھیتوں میں اتر جائے گی۔'' سلطان شاہ نے ترشی سے کہا۔ ویرا کا پرسکون ردعمل دیکھ کر اس کا پارا چڑھ رہا تھا۔

ویرا بے اختیار ہنس دی ''تمہاری دانست میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہمیں یہ ہوٹل اسی وقت چھوڑ دینا چاہیے۔ یہاں ہم غیر محفوظ ہیں۔''

''پھر کہاں جائیں؟'' ویرا کے پاس اگلا سوال تیار تھا۔

''فی الحال کسی دوسرے ہوٹل میں ٹھکانا تلاش کر و پھر یہاں سے واپسی کے بارے میں سوچو۔ البرٹو کے مارے جانے کے بعد ہمارا یہاں رکنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔''

''جب میں تمہیں اس سے دور رہنے کا مشورہ دے رہی تھی تو میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی!'' ویرا نے

چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔
''البرٹو کی موت کے بعد پچھلی باتوں کو دہرانا بے سود ہے۔اب آگے کی سوچو۔''
''ہماری واپسی کا راستہ مسدود ہے۔'' ویرا بولی ''پاکستان میں حالات مخدوش ہونے کے بعد ہی ہمیں وہاں سے روانہ کیا گیا ہے۔جلال سے دو تین مرتبہ میری بات ہوئی ہے۔میرے اور ڈینی کے لیے وہاں کے حالات بہ دستور خراب ہیں۔''
''بہر حال کچھ کرو۔'' سلطان شاہ تنک کر بولا ''ہم اس بند کمرے میں بیٹھ کر سی آئی اے کے ایجنٹوں کی دستک کا انتظار نہیں کر سکتے۔''
''یہ سب تمہاری مہم جوئی کا نتیجہ ہے۔تم نے البرٹو کی جڑ میں گھسنے کی کوشش نہ کی ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ہم اطمینان سے یہاں رکے رہتے۔''
''تم پھر ماضی کو کرید رہی ہو!'' سلطان شاہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔
''یہ بہت پرانی بات نہیں ہے۔میں نے آج بھی تمہیں اس کی طرف جانے سے روکا تھا۔میں احمق نہیں ہوں جو تمہارے ساتھ البرٹو سے ملنے کے لیے نہیں گئی۔مجھے تمہارا کھیل شروع سے خطرناک نظر آ رہا تھا۔مجھے حیرت ہے کہ ڈینی نے بھی تمہیں اس مہم جوئی سے نہیں روکا۔تم کو ماننا ہوگا کہ تم نے البرٹو میں دلچسپی لے کر غلطی کی ہے۔''
''میں مانتا ہوں۔'' سلطان شاہ نے یک بیک ہتھیار ڈالتے ہوئے بے بسی سے کہا ''اب اس مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ تلاش کرو۔''
''ویری گڈ! اب تم راہ پر آئے ہو تو سنو کہ ہوٹل بدلنا مسئلے کا حل نہیں ہے۔اگر تمہارے اندیشے درست ہیں تو نیویارک کا ہر ہوٹل ہمارے لیے چوہے دان ثابت ہوگا..... فی الحال ہمیں خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''
''نیویارک سے!'' سلطان شاہ نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔
''جس طرح ہمارے لیے سب ہوٹل یکساں ہیں اسی طرح امریکا کا ہر شہر ہمارے لیے نیویارک ثابت ہو سکتا ہے۔پورے ملک میں امریکی ایجنسیوں کا نیٹ ورک بہت وسیع اور منظم ہے۔یہ ڈینی کے مقدر کی یاوری تھی کہ وہ یہاں ایک طوفان کھڑا کرنے کے بعد مکھن میں سے بال کی طرح نکل گیا۔وہ تمہیں ہر شہر میں تلاش کر لیں گے کیونکہ ان کی ایک ایجنٹ تمہارا چہرہ ذہن نشین کر چکی ہے۔'' اس بار ویرا نے وضاحت کے ساتھ جواب دیا۔
''یہاں خطرہ ہے' پاکستان میں حالات ناموافق ہیں۔کیوں نہ ہم بنکاک میں ڈینی سے جا ملیں۔ڈینی کے بغیر میں خود کو یتیم محسوس کرنے لگا ہوں۔'' سلطان شاہ نے سوچتے ہوئے رائے دی۔
ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور سلطان شاہ کا منہ بن گیا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ ڈینی کسی یتیم خانے کا متولی بنا ہوا ہے۔میں تو واقعی یتیم ہوں۔میرا باپ وائٹ ہاؤس میں مارا گیا تھا۔یہ بات تم سب کو معلوم ہے۔''
''تم مذاق کر رہی ہو' میری جان پر بنی ہوئی ہے۔آخر تم سنجیدہ کیوں نہیں ہوتیں!''
''تمہاری بدحواسی سے محظوظ ہو رہی ہوں۔اس وقت تمہارے چہرے پر یوں ہوائیاں اڑ رہی ہیں جیسے تم ہی البرٹو کو مار کر آئے ہو۔''
''تم یہاں سے نکلنے کے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں۔''
''اطمینان سے سامان سمیٹ لو۔'' ویرا اچانک سنجیدہ ہو گئی ''ہوٹل بدلنے سے کوئی فرق پڑے گا نہ شہر بدلنے سے۔ابھی کافی وقت باقی ہے۔ہمارے پاسپورٹوں پر کینیڈا کے ویزے بھی موجود ہیں۔ہم بس سے نیاگرا آبشار کے نظارے سے محظوظ ہوتے ہوئے رات کو ٹورنٹو پہنچ جائیں گے۔وہاں بیٹھ کر اطمینان سے سوچا جائے گا کہ اب کیا کرنا ہے۔''
سلطان شاہ اس خطے کے جغرافیے سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ویرا کی زبان سے کینیڈا کے سفر کی تجویز سن کر اس کے ذہن سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا۔
ان دونوں کا ذاتی اسباب بہت زیادہ نہیں تھا۔دونوں نے ذرا سی دیر میں اپنے اپنے بیگ تیار کر لیے۔کمرے کا الوداعی جائزہ لے کر انہوں نے کاؤنٹر پر پہنچ کر اپنے واجبات ادا کیے اور ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔
''مجھے افسوس ہے کہ تم یہاں آئے اور پورا نیویارک دیکھے بغیر واپس جا رہے ہو۔'' راستے میں ویرا نے اس سے ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔
''پورا شہر نہ سہی پھر بھی میں نے بہت کچھ دیکھ لیا۔شاید مجھے بہت سی جگہوں اور عمارتوں کے نام معلوم نہ ہوں لیکن میں نے ہارلم سے لوئر مین ہٹن تک چھان مارا۔'' سلطان شاہ نے فخریہ لہجے میں اسے بتایا۔
''میں یہی کہہ رہی ہوں۔تم صرف مین ہٹن میں پھنسے رہے۔نیویارک شہر اس سے کہیں بڑا ہے۔'' ویرا نے اسے بتایا ''مین ہٹن بہت پرہجوم اور بارونق ہے لیکن یہ نیویارک شہر

کا ایک دریائی جزیرہ ہے۔ جسے دریائے ہڈسن نے مین لینڈ سے الگ کیا ہوا ہے۔ بروکلین، برونکس اور کوئنز وغیرہ بھی اسی شہر کے بڑے اور گنجان آباد علاقے ہیں۔ وقت ملتا تو میں تمہیں ان علاقوں کی بھی سیر کراتی۔ وہاں کے باغات اور آبادیاں دیکھ کر تمہارا دل خوش ہو جاتا۔''

''باغ اور آبادیاں ہر بڑے شہر میں ہوتی ہیں۔ میرے لیے کنکریٹ کا جنگل زیادہ حیران کن تھا۔ اتنے کم رقبے میں فلک بوس عمارتیں شاید ہی دنیا کے کسی شہر میں ہوں۔'' سلطان شاہ نے اس تذکرے میں دلچسپی لیتے ہوئے جواب دیا۔ پکڑے جانے کا خوف زائل ہونے کے بعد اس کی ذہنی کیفیت بڑی حد تک بحال ہو گئی تھی۔

گلی کے سرے پر آ کر ویرا نے پہلی خالی ٹیکسی روکی تو اس کا ڈرائیور ایک ایشیائی تھا۔ وہ دونوں اپنے تھیلوں سمیت ٹیکسی کی عقبی سیٹ پر سوار ہو گئے۔

ویرا نے اسے بس ٹرمنس کے بارے میں بتایا اور ٹیکسی تیزی سے آگے روانہ ہو گئی۔

ویرا نے ڈرائیور کو خالص امریکی لب و لہجے میں ہدایت دی تھی۔ ڈرائیور اندازہ نہیں کر سکا کہ وہ اردو بھی جانتی ہو گی۔

ذرا سی دور جانے کے بعد ٹیکسی ڈرائیور نے پنجابی لہجے سے مغلوب اردو میں سلطان شاہ سے کہا ''بابو لڑکی زبردست ہے مگر اس سے ہوشیار رہنا۔ یہاں کی لٹیری لڑکیاں تم جیسے سیدھے سادے لوگوں کو لوٹ کر کنگال کر دیتی ہیں۔''

''میں ان میں سے نہیں ہوں۔'' ویرا نے اردو میں برجستہ جواب دیا اور ڈرائیور اپنی سیٹ پر حیرت سے اچھل پڑا۔

ویرا کی دخل اندازی پر سلطان شاہ بھونچکا رہ گیا۔ اس کی دانست میں ویرا کو ڈرائیور کا وہ تبصرہ خاموشی سے نظر انداز کر دینا چاہیے تھا۔

ویرا کی زبان سے صاف ستھری اردو سن کر ڈرائیور حواس باختہ ہو گیا۔ وہ ملی جلی اردو اور انگریزی میں اپنی صفائیاں پیش کرتے ہوئے ویرا سے اس امر کی تائید کا خواہاں تھا کہ نیویارک میں بعض بدکردار لڑکیاں سادہ لوح غیر ملکیوں کو رجھا کر اپنے جال میں پھانستی ہیں اور ان کی جیبیں خالی کروا کر یوں رفو چکر ہوتی ہیں کہ ان کا سراغ بھی نہیں ملتا۔

''صفائی پیش کرنے کے بجائے اپنی ڈرائیونگ پر دھیان دو۔'' ویرا نے خشک لہجے میں اسے فہمائش کی ''ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھاری جرمانے کا ٹکٹ مل جائے۔''

''مس! میں معافی چاہتا ہوں۔'' وہ گڑگڑایا ''میں تم کو امریکن سمجھا، تم اپنی ملکی نکلیں۔ میرا مطلب تمہاری بے عزتی کرنا نہیں تھا۔''

''ایسی لڑکیاں ٹیکسی ڈرائیوروں سے ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تم بھی اسی گروہ کے کارندے ہو۔'' ویرا نے اس پر جوابی وار کرتے ہوئے کہا ''ابھی تمہاری رپورٹ کر دوں تو تمہارا لائسنس کئی سالوں کے لیے ضبط ہو جائے گا مگر میں تمہیں معاف کر رہی ہوں۔ تم کہاں سے آئے ہو؟'' نرمی دکھانے کے باوجود ویرا کا لب و لہجہ تلخ تھا۔

''جی میں امرتسر سے آیا ہوں۔ وہاں اچھا خاصا اکاؤنٹنٹ تھا۔ یہاں ڈگری کو مانتے ہیں نہ تجربے کو۔ ٹیکسی چلا کر گزارہ کر رہا ہوں۔'' اس نے مسمسی آواز میں کہا ''میں معافی دینے کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں۔''

ٹیکسی میں خاموشی چھا گئی۔ اس ناگہانی تجربے نے ڈرائیور کی زبان پر قفل ڈال دیا تھا۔

ذرا سی دیر میں وہ بس ٹرمنس پہنچ گئے جہاں سے دوسرے شہروں کے لیے بڑی اور آرام دہ بسیں چلتی تھیں۔ ویرا کی موجودگی کی وجہ سے سلطان شاہ کو کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ ویرا نے از خود رہنمائی کا کام سنبھال لیا اور پاسپورٹ دکھا کر ٹورنٹو جانے والی کوچ کے دو ٹکٹ خرید لیے۔

ویرا نے اسے بریف کیا کہ امریکا اور یورپ کے بہت سے ملکوں کے شہریوں کو کینیڈا میں داخلے کے لیے ویزے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ نیاگرا کی امیگریشن چوکی پر اپنا پاسپورٹ دکھا کر کینیڈا میں داخل ہو سکتے تھے لیکن ایشیا اور افریقا کے بیشتر ممالک کے شہریوں کے لیے ویزے کی پابندی تھی۔ یہ ان دونوں کی خوش نصیبی تھی کہ ان کے پاس کینیڈا کے ویزے موجود تھے۔ ویرا نے پاکستان سے روانہ ہونے سے پہلے یہ دیکھ لیا تھا کہ جلال نے ان کے پاسپورٹوں پر کس کس ملک کے ویزے لگوائے تھے۔

سلطان شاہ کے لیے وہ سفر بہت خوشگوار رہا۔ راستے میں آنے والے مناظر سے زیادہ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوئے بغیر امریکا سے باہر جا رہا تھا۔ ان کی نئی منزل کے بارے میں کسی کو کچھ پتا نہیں تھا۔ اسے امید تھی کہ کینیڈا کی حدود میں داخل ہوتے ہی وہ سی آئی اے کے خوف اور دسترس سے آزاد ہو جائیں گے۔

راستے میں امریکا اور کینیڈا کی سرحد کے قریب نیاگرا کے دل فریب حسن کا نظارہ کرنے کے لیے سیاحوں کی بھاری تعداد تصویر کشی اور دوسرے مشاغل میں مصروف نظر آئی۔ رات ہو چکی تھی۔ وہاں رنگا رنگ روشنیوں کے حسین انعکاس

نے مسحور کن سماں باندھا ہوا تھا۔ ایک طرف سیاحوں کو لانے اور وہاں سے واپس لے جانے والی صاف ستھری، بڑی بڑی بسیں قطار در قطار کھڑی ہوئی تھیں لیکن ان کی بس وہاں نہیں رکی۔

ان کی بس امریکا اور کینیڈا کے اس سرحدی علاقے سے تقریباً تیس کلومیٹر پیچھے بفیلو کے بارونق شہر کے مضافات سے گزرتی ہوئی وہاں پہنچی تھی۔ انہیں اپنے بائیں طرف دریائے نیا گرا کے کنارے، امریکی سرزمین پر بنا ہوا وہ اونچا ٹاور نظر آرہا تھا جس پر چڑھ کر لوگ اس طرف گرنے والی آبشار کا نظارہ کرتے ہیں۔

ویرا امریکی نژاد تھی۔ وہاں سے گزرتے ہوئے وہ خاموش نہیں رہ سکی۔ اس نے نیا گرا نامی دریا اور آبشار کے بارے میں سلطان شاہ کو بہت کچھ بتایا۔ وہ دریا کینیڈا سے بہتا ہوا امریکا میں داخل ہوتا ہے۔ آبشار کے تین حصے ہیں جن میں دو امریکا میں گرتے ہیں، تیسرے کا رخ کینیڈا کی طرف ہے۔ وہاں آبشار کے مشاہدے کے لیے ٹاور کے علاوہ ہیلی کاپٹر اور کشتیاں بھی دستیاب ہیں۔ گرمیوں میں پانی کی پھوار سے لطف اندوز ہونے کے لیے کھلی راہداریاں بھی بنی ہوئی ہیں۔ سردیوں کے سخت موسم میں دریا سے آبشار تک سب کچھ جم جاتا ہے اور پونے دو سو فٹ اونچی چٹانوں سے برف کے نکیلے اور دھاردار پردے جیسے سجے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سلطان شاہ کو اپنے تلخ ترین تجربے کے بعد اس سرزمین سے ذرا بھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس نے ویرا کی بیشتر باتیں سنی ان سنی کر دیں۔

ان کی بس نیا گرا اسٹریٹ سے ہوتی ہوئی رین بو برج پر سے گزری جس کے نیچے دریا اپنی روانی میں بہہ رہا تھا۔ اس مقام پر دونوں ملکوں کی سرحدی لکیر دریا کے وسط سے گزرتی ہے۔ ایک کنارا امریکا میں ہے، دوسرا کینیڈا میں۔

پل عبور کر کے وہ کینیڈا میں داخل ہو چکے تھے۔ وہاں چیک پوسٹ پر امیگریشن کا مرحلہ بہت تیزی سے طے ہو گیا کیونکہ بس کے بیشتر مسافر امریکی اور کینیڈین تھے جن پر ویزے کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ان دونوں کے سوا بس میں چند ہی مسافر تھے جنہیں کینیڈا میں داخلے کے لیے باضابطہ ویزے کی ضرورت تھی اور سب کے پاس وہ اجازت نامے موجود تھے۔

نیا گرا سے ٹورنٹو تک کا سفر سلطان شاہ کے لیے بے کیف رہا۔ شہر میں بس سے اترتے ہی وہ ٹیکسی لے کر رائل ہوٹل پہنچ گئے جو ٹورنٹو میں متوسط درجے کا صاف ستھرا اور آرام دہ ہوٹل تھا۔ ویرا ماضی میں اپنی متعدد راتیں اس ہوٹل میں گزار چکی تھی۔

ہوٹل پہنچتے ہی دونوں کی بھوک چمک اٹھی۔ سلطان شاہ حرام اور حلال کے بارے میں اتنا محتاط تھا کہ شراب کے گلاس میں پانی پینا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ کراچی کے گھر میں ویرا کو اپنے مخصوص گلاس کمرے سے باہر لانے کی اجازت نہیں تھی نہ وہ روزمرہ استعمال کے گلاس اپنے کمرے میں لے جا سکتی تھی۔ دونوں اقسام کے گلاسوں کی بناوٹ مختلف تھی۔ سلطان شاہ کے مطالبے پر وہ اہتمام غزالہ نے کیا تھا تاکہ بھول چوک کا کوئی امکان نہ رہے۔

ایسے مشکل مراحل میں سلطان شاہ صرف مچھلی اور آلوں کے قتلوں پر انحصار کرنے لگ تھا۔ رائل ہوٹل میں بھی اس نے انہی دو چیزوں سے اپنی آتش شکم سرد کی۔ ٹھنڈے منرل واٹر کی آدھی بوتل اپنے معدے میں اتارنے کے بعد اسے یاد آیا کہ ان دونوں نے مجھے اعتماد میں لیے بغیر بہت بڑا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کی دانست میں ان دونوں کی نقل مکانی سے میرا باخبر رہنا ضروری تھا۔

اس کے ایما پر ویرا نے مجھ سے رابطے کے لیے موبائل فون کا سہارا لیا تو وہ بے جان تھا۔ بیٹری کام کر رہی تھی، اسکرین بھی روشن تھی لیکن سگنل غائب تھے۔

یہ بات کافی دیر بعد ان دونوں کی سمجھ میں آئی کہ وہ کراچی کا موبائل فون تھا جو اول خان نے ازراہ عنایت ویرا کو دے دیا۔ ان کے سفر کے پیش نظر اس فون کی رومنگ امریکا کے لیے کھلوائی گئی تھی۔ کینیڈا میں داخل ہوتے ہی وہ سہولت ختم ہو چکی تھی۔ کینیڈا کے لیے وہ سہولت کراچی سے ہی بحال کرائی جا سکتی تھی۔

ویرا نے وقت کے طویل فرق کی پروا کیے بغیر ہوٹل کے فون سے کراچی کے اسٹیشن فور کا نمبر ملایا تو اول خان وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ ہوٹل کے فون پر اپنا اصل نام استعمال کر کے کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اس نے اپنے مفروضہ نام اور ہوٹل کے فون نمبر کے ساتھ آپریٹر کو اپنا پیغام نوٹ کرا دیا کہ اول خان اولین فرصت میں اس سے رابطہ کر لے۔

☆☆☆

''میں دو دن سے ٹورنٹو میں ہوں مگر بالکل بے دست و پا تھی۔'' ویرا موبائل فون پر کہہ رہی تھی ''اول خان نے فون کیا تو ہم دونوں ہوٹل سے نکلے ہوئے تھے۔ تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ ایک چھوٹے سے بند کمرے میں بیٹھ کر مسلسل انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ آج اس سے بات ہوئی اور فون پر رومنگ کھلنے

ہی میں نے تم سے رابطہ کیا ہے۔‘‘
’’البرٹو کے قتل کے بعد نیویارک سے نکل کر تم دونوں نے بہت دانش مندی کا ثبوت دیا۔‘‘ میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ’’اب کچھ دنوں تک خاموشی سے وہیں دبکے رہو۔‘‘
’’یہ مشکل ہے۔ سلطان شاہ کا دل اچاٹ ہو رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ سرد ملکوں کے لوگ بھی سرد مزاج ہوتے ہیں۔ اسے یہاں کی ہر چیز روکھی پھیکی اور بے رونق نظر آ رہی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ کڑکتے ہوئے جاڑوں کی آمد کے انتظار میں موسم بہار میں بھی تشویش زدہ رہتے ہیں۔ ہم تمہاری طرف آنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔‘‘
’’ادھر آنا کیا ضروری ہے‘ یورپ کے کسی بھی ملک کی طرف نکل جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں سلطان شاہ کا دل بھی لگ جائے گا۔‘‘ میں خواہش کے باوجود اسے بنکاک آنے سے براہِ راست منع نہیں کر سکا۔ اس کی زبان سے بنکاک آنے کا ذکر سن کر میں متفکر ہو گیا۔
’’یہ دل لگنے ہی کا معاملہ ہے جو میں خود بھی بنکاک آنے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔‘‘ ویرا کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ ’’پاکستان میں حالات کا رخ ہمارے خلاف نہ ہوتا تو میں تم کو کراچی پہنچنے کا مشورہ دے کر خود بھی اسی طرف کا رخ اختیار کرتی۔ وہاں کے بارے میں جلال سے ملنے والی خبریں حوصلہ افزا نہیں ہیں۔ ہمارے نکل آنے کے بعد حالات مزید خراب ہوئے ہیں۔‘‘
’’یہ دل لگنے کا کیا معاملہ ہے؟‘‘ میں نے چونک کر پوچھا۔
’’آج کل سلطان شاہ نہایت خشوع و خضوع سے میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔‘‘ اس نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ جواب دیا۔
’’یہ بہت خوشی کی بات ہے۔ ہم سب سے الگ ہونے کے بعد شاید تم دونوں میں ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو رہی ہے۔ اس سے اچھی کیا بات ہو سکتی ہے۔‘‘ میں نے ویرا کی زبان سے وہ خبر سن کر واقعی بہت زیادہ خوشی محسوس کی۔ میں جب بھی ویرا کے مستقبل پر غور کرتا تو میرا دل گھٹنے لگتا تھا۔ ہم سب اپنے لوگوں کے ساتھ اپنے معاشرے میں گندھے ہوئے تھے۔ ہماری بھیڑ میں وہی بے چاری اکیلی تھی جو محض ہماری خاطر ساری دنیا سے اپنے ناتے توڑ کر کراچی میں پڑی ہوئی تھی۔ جلال اور اول خان عیال دار تھے‘ میں نے غزالہ سے مکاؤ میں جبری نکاح ہونے کے بعد اپنا گھر بسا لیا تھا‘ سلطان شاہ اپنے گاؤں جاتا تو اس کا بھی گھر بس جاتا۔ مجھے دور دور تک ایسا کوئی فراخ دل مرد نظر نہیں آتا تھا جو ویرا کو اس کے ماضی کی ساری خرابیوں اور موجودہ خوبیوں کے ساتھ قبول کر لے۔ اگر سلطان شاہ سنجیدگی سے ویرا کے پیچھے لگ گیا تھا تو ویرا کے لیے اس کا دل توڑنا مناسب نہیں تھا۔ وہ بہت سچا‘ دلیر اور کھرا انسان تھا۔ ویرا کے لیے اس سے بہتر جوڑ ممکن نہیں تھا۔
’’معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دماغ پر بنکاک کی دھول جمتی جا رہی ہے۔‘‘ ویرا کی آواز سے ناگواری مترشح تھی ’’میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ مجھ سے عشق جھاڑ رہا ہے۔ تم نے خشوع وخضوع کے الفاظ کو سرے سے نظر انداز کر دیا۔ اسے جب فرصت ملتی ہے وہ تبلیغ کرنے لگتا ہے۔ میں بھی اس سے کھیل رہی ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ اب اس کے سر پر مجھے مسلمان کرنے کی دھن سوار ہو گئی ہے۔ اپنی خواہش کے باوجود اسے اب تک مجھ سے دوٹوک بات کرنے کا حوصلہ نہیں ہو سکا۔‘‘
میرے لیے وہ خبر بھی حوصلہ افزا تھی۔ اگر سلطان شاہ اسے مسلمان کرنا چاہ رہا تھا تو اس نے اس سے آگے بھی کچھ سوچ لیا ہوگا۔ امریکا کے آزاد خیال معاشرے میں جرائم پیشہ لوگوں کے ہاتھوں پروان چڑھنے والی ایک بے دین عورت کو مسلمان کر کے وہ بے سہارا نہیں چھوڑ سکتا تھا مگر اس بارے میں ویرا کی سوچ منفی اور حوصلہ شکن تھی۔ سلطان شاہ کے ساتھ کھیلنے کا ذکر کر کے اس نے میری امیدوں پر اوس ڈال دی تھی۔
’’اگر تم ان معاملات میں سنجیدہ نہیں ہو تو اس بارے میں بنکاک آنے کی ضرورت کیوں محسوس کر رہی ہو؟‘‘ میں نے اس سے ایک چبھتا ہوا سوال کیا۔
’’تمہارا لہجہ عجیب سا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم مجھے وہاں آنے سے روکنا چاہ رہے ہو۔‘‘ ویرا میری مزاج شناس تھی۔ اس نے پل بھر میں میرے دل کی بات پڑھ لی۔
’’چلو‘ تم ایسا ہی سمجھ لو۔ میں تم کو......!‘‘
اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔ درمیان میں چیخ کر بول پڑی ’’معلوم ہوتا ہے کہ بنکاک میں غزالہ کا جادو تمہارے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ اگر تم اس کے ساتھ وہاں ہنی مون منا رہے ہو تو یقین رکھو کہ میں کباب میں ہڈی نہیں بنوں گی۔ ہم دونوں تم سے دور الگ ہوٹل میں رہیں گے۔ دل چاہے تو ہم سے مل لینا ورنہ فون پر بات ہوتی رہے گی۔‘‘
’’تم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تم ہر بات میں فوراً کوئی نہ کوئی منفی پہلو نکال لیتی ہو۔‘‘ میں نے ذرا برہمی

دکھاتے ہوئے کہا ''میں یہاں ہنی مون منانے کے لیے نہیں آیا' تلوار کی دھار پر چل رہا ہوں۔ ذرا سی بھی چوک ہوئی اور معاملہ ختم۔ یہاں آ کر تم میرے ساتھ رہو یا کسی اور ہوٹل میں رکو' میری توجہ بٹ جائے گی۔ بات کھل گئی تو تم دونوں کی صورت میں دشمن کو نئے ہتھیار مل جائیں گے۔ وہ تم پر قابو پا کر مجھے جھکنے پر مجبور کر دیں گے۔''

''ہم دونوں میں سے کوئی موم کا نہیں بنا ہوا جسے وہ آسانی سے اپنے قابو میں کر لیں۔'' ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا ''میں وہاں آ گئی تو سوبھراج کو ناک چنے چبوا دوں گی۔''

''اب وہ کچھ بھی چبانے کے قابل نہیں رہا۔ دوزخ میں انگارے چبا رہا ہوگا۔'' سوبھراج کا ذکر آنے پر میں نے ویرا کو اس کے انجام سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ وہ بنکاک آ جاتی اور اسے سوبھراج کی ہلاکت کا علم ہوتا تو وہ میری طرف سے بددل ہو سکتی تھی۔

''وہ کب مارا گیا...... تم نے تو بتایا تھا کہ اس کا قصہ چل رہا ہے۔'' ویرا نے وہ خبر سن کر تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''وہ پرانی بات تھی۔ یہ خبر اتنی پرانی نہیں ہے۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا حالانکہ میں نے اس سے سوبھراج کی ہلاکت کا قصہ چھپایا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ ویرا وہ خبر سنتے ہی فون پر سوالات کا ایک ایسا سلسلہ شروع کرے گی کہ میں اکتا جاؤں گا۔

''یہ بہت بڑی خبر تھی۔ تمہیں مجھ کو مطلع کرنا چاہیے تھا۔'' اس نے شکوہ کیا۔

وہ اپنے موبائل فون کے بند ہونے کی کتھا سنا چکی تھی۔ میں نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ''کہاں مطلع کرتا۔ تمہارا فون بند پڑا ہوا تھا۔ اس بات کا جلال بھی گواہ ہے۔ تمہارا فون بند ہونے سے وہ بے چارہ دو روز سے پریشان ہے۔''

''اس کا قصہ نمٹ گیا تو اب تمہیں کیا پریشانی ہے؟'' اس نے پینترا بدل لیا۔

''تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ وہ درخت کی شاخ پر نہیں بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں اس کے حمایتی موجود ہیں۔ تم راجن کا نام بھول رہی ہو۔ اس کے علاوہ دوسرے کردار بھی ہیں۔ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا آسان نہیں ہوتا۔''

ضد اس کے مزاج کا ایک حصہ تھی۔ وہ رو بہ رو موجود ہو یا فون پر' اس کے لیے اپنی اس جبلت پر قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ میری وضاحت سے اس کا لہجہ کچھ کمزور ضرور ہوا لیکن اس کی بحث جاری رہی۔ کچھ دیر کی کوششوں کے بعد میں اسے یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ بنکاک کے حالات اتنے سہل نہیں تھے جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔

''بہرحال' کچھ بھی ہو' ہم بنکاک آ رہے ہیں۔'' بحث کے خاتمے کے بعد اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ پنچوں کا کہا سر آنکھوں پر مگر اس کا پرنالا وہیں گر رہا تھا۔

''یہ حرکت تم اپنی ذمے داری پر کرو گی۔ کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہم چاروں میں سے ایک بھی یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکے گا۔'' میں نے اسے متنبہ کیا۔

''بنکاک لاکھوں کا شہر ہے۔ وہاں روزانہ ہزاروں سیاح آتے جاتے ہیں۔ ہمارے ماتھے پر ہمارے نام نہیں لکھے ہوئے کہ ایرپورٹ پر اترتے ہی دشمن ہمارے پیچھے لگ جائیں۔'' اس کے لب و لہجے سے اس کی فطری بے پروائی مترشح تھی۔ ''ہمارے پاسپورٹ ریتا اور اکبر کے نام سے ہیں۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ وہاں کون آیا ہے اور ہاں' تمہارا سلطان شاہ کہہ رہا تھا کہ وہ تم سے بچھڑ کر خود کو یتیم محسوس کر رہا ہے۔ وہ بھی یتیمی کے احساس سے بچ جائے گا۔''

''تم ضد پر اڑ گئی ہو' فون اسے دے دو۔ شاید میں اسے اپنی بات سمجھانے میں کامیاب ہو جاؤں۔'' میں نے غصے اور بے بسی سے کہا۔

''وہ کسی قریبی پرواز پر نشستیں بک کرانے گیا ہے۔ واپسی کا ٹکٹ بھی تبدیل ہوگا۔ کراچی سے ہم نیویارک آئے۔ اب ٹورنٹو سے بنکاک کے راستے کراچی کا ٹکٹ بنوانا ہوگا۔''

''تم دونوں نے مجھے زچ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں تمہارے حق میں صرف دعا ہی کر سکتا ہوں۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''فی الحال کراچی کو بھول جاؤ۔ ادھر کا رخ کرنا خطرناک ثابت ہوگا۔''

''یہ بات مجھے معلوم ہے مگر ایرلائن کے اپنے ضابطے ہوتے ہیں۔ واپسی کا ٹکٹ وہیں تک کا بنے گا جہاں سے سفر کا آغاز ہوا تھا۔ ایشیائیوں کے معاملے میں یہ لوگ سخت ہوتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ پرانے ٹکٹ کی رقم پر صبر کر کے نیا یک طرفہ ٹکٹ خرید لے!''

''سب کچھ طے ہو جائے تو اپنے پروگرام سے آگاہ کر دینا!'' میں نے بے دلی سے کہا۔

''میں تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ اب بنکاک پہنچ کر کہیں سے تمہیں فون کر لوں گی۔ تم ہمارے لیے دعا کرو' میں

تمہارے لیے دعا کرتی رہوں گی۔ سلطان شاہ اکثر کہتا رہتا ہے کہ صرف ہونٹ ہلانے سے کچھ نہیں ہوتا' دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔''

''سلطان شاہ واپس آئے تو اسے میری رائے سے ضرور آگاہ کر دینا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں کوئی ڈھنگ کی بات سمجھا سکے۔''

ویرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا ''اس سے ناجائز امیدیں مت رکھو، نیویارک میں رہ کر ہم دونوں بے ڈھنگے ہو چکے ہیں۔''

گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ میرے ذہن میں ایک نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ سلطان شاہ کا نیا پاسپورٹ اکبر خان کے نام سے بنا تھا اور میں نے بھی اسد کے ساتھ راجن سے ہونے والی ملاقات میں اپنے لیے لاشعوری طور پر اکبر کا نام استعمال کیا تھا۔ ناموں کی وہ مماثلت کسی مرحلے پر کوئی سنگین غلط فہمی پیدا کر سکتی تھی۔ ان دونوں کے بنکاک آ جانے کے بعد ایسی کوئی غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان نمایاں ہو جاتا۔

''البرٹو کے معاملے میں سلطان شاہ کو سراسر چوٹ ہوئی ہے۔'' غزالہ نے اس گفتگو کا خلاصہ سننے کے بعد پُرتشویش انداز میں کہا ''کچھ معلوم ہونے کے بجائے وہ خطرے میں پڑ گیا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ وہ دونوں وہاں سے نکل گئے۔''

''اور میں ان کی یہاں آمد کی خبر سے پریشان ہوں۔ یہاں کے معاملات بہت الجھ گئے ہیں۔ ڈان کے لیے میں علی احمد ہوں، راجن مجھے اکبر کے نام سے پہچانتا ہے۔ وہ یہاں آ گئے تو میں ان سے لاتعلق نہیں رہ سکوں گا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اتنی سمتوں میں مصروف رہنے کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔'' میں نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

''وہ آپ کے سمجھانے کے باوجود وہاں رکنے یا کہیں اور جانے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ وہ حد سے زیادہ ضدی عورت ہے۔ پتا نہیں سلطان شاہ اس کے ساتھ کیسے گزارا کر رہا ہوگا۔'' ان دونوں کے معاملے میں غزالہ کی ہمدردیاں ہمیشہ سلطان شاہ کے ساتھ ہوتی تھیں۔ اس نے اس موقع سے فوری فائدہ اٹھالیا۔

''کاش یہ گفتگو اسپیکر فون پر ہوئی ہوتی اور تم نے سنی ہوتی۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نرم گوشے پیدا ہوگئے ہیں، یہ صرف ویرا کی ضد کی بات نہیں ہے، سلطان شاہ واپسی کا ٹکٹ بنوانے گیا ہوا ہے۔''

''تو کیا بنکاک آنے سے پہلے انہیں کراچی جانا ہوگا؟'' میری زبان سے ان کی واپسی کا ذکر سنتے ہی غزالہ چونک گئی۔

''قطعی نہیں۔'' میں نے کہا ''وہ کراچی سے آگے جاپان یا آسٹریلیا بھی جا سکتے ہیں۔ ان کے سفر کی آخری منزل کراچی ہی رہے گی۔ شرط صرف اتنی ہے کہ وہ جہاں بھی جا رہے ہیں، وہاں کے امیگریشن کے لوازم پورے کرتے ہوں۔''

''تو کیا ان کے پاس بنکاک کا ویزا ہوگا؟'' وہ ان دونوں کی آمد کے ہر پہلو کے بارے میں اپنا اطمینان کرنا چاہ رہی تھی۔

''میں نے ان کے پاسپورٹ غور سے نہیں دیکھے۔ ان کے پاس ویزا نہ ہو تب بھی انہیں ایرپورٹ پر ویزا مل جائے گا۔ سیاحت اس ملک کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ یہ اپنے یہاں آنے والوں کو گرم جوشی سے خوش آمدید کہتے ہیں، ان کے لیے مسائل پیدا نہیں کرتے۔''

''آپ ان دونوں میں مفاہمت کا ذکر کر رہے تھے۔'' اس بارے میں مطمئن ہوتے ہی غزالہ نے مجھے میری بات یاد دلائی۔

''سلطان شاہ نے اب تک براہِ راست ویرا کو دعوت نہیں دی لیکن وہ دوسرے طریقوں سے اسے اپنے مذہب کی طرف راغب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

میری طرح غزالہ بھی وہ خبر سن کر خوش ہوگئی۔ شاید اس کے ذہن میں بھی انہی امکانات نے سر ابھارا تھا جو ابتدا میں مجھے نظر آئے تھے۔ جب میں نے اسے ویرا کے ردِعمل سے آگاہ کیا تو وہ اداس ہوگئی۔

ہم دونوں کافی دیر تک ویرا اور سلطان شاہ کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ ویرا اپنے آزاد مغربی پس منظر کی وجہ سے میرے ساتھ جو بے تکلفانہ رویہ اختیار کرتی تھی، وہ غزالہ کو ہمیشہ گراں گزرتا تھا۔ وہ اس بارے میں کئی بار مجھ سے دبے لفظوں میں شکایت کر چکی تھی۔ مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ وہ ویرا کی طرف سے رقابت، حسد اور کبھی کبھی رشک میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ میں نے بارہا ویرا کو سمجھایا کہ وہ غزالہ کی موجودگی میں محتاط رہا کرے لیکن وہ اپنی عادتوں سے مجبور تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ غزالہ کو ان مسائل کا حل ویرا کی خانہ آبادی میں نظر آ رہا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو قبول کر لیں تو ویرا کی بے تکلفیوں سے میری گلوخلاصی

ہو جائے گی۔ ان نجی مسائل کے علاوہ غزالہ واقعی ویرا کی خیر خواہ تھی۔ میں نے اسے یہ جتانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ اس وقت خیر خواہی کی آڑ میں اپنے ان نجی مسائل کے حل کی خواہش مند ہے۔

غزالہ کتنی ہی سمجھ دار اور روشن خیال کیوں نہ رہی ہو، آخر کار وہ ایک عورت ہی تھی اور عورت جب بیوی کا روپ دھار لیتی ہے، تو وہ اپنے حقوق کے تحفظ کے معاملے میں خاصی تنگ نظر بلکہ شاید متعصب بھی ہو جاتی ہے۔ اس بارے میں اسے ٹوکنا یا سمجھانا غلط فہمیوں اور بدمزگی کو جنم دینے کا سبب بن سکتا تھا۔

اسی رات دس بجے کے قریب طارق کا فون آ گیا۔

اس نے اپنی پیشہ ورانہ ضروریات کے لیے بنکاک آتے ہی موبائل فون کنکشن لے لیا تھا تاکہ اسے ہر وقت رابطے کی سہولت میسر رہ سکے۔ اس وقت وہ ایک ٹیکسی میں سفر کر رہا تھا۔ اس کی آواز کے پس منظر میں مجھے ٹیکسی کے انجن کی ہلکی سی گونج بھی سنائی دے رہی تھی۔

''میں اس وقت اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔'' سلام دعا کے بعد وہ پُرسکون انداز میں بتا رہا تھا ''میں نے سنا ہے کہ وہ محافظوں کی کئی گاڑیوں کے ساتھ، کرّوفر سے باہر نکلنے کا عادی ہے لیکن اس وقت وہ صرف ایک گاڑی میں ہے۔ اس کے ساتھ ڈرائیور سمیت تین آدمی ہیں۔''

''تم شاید راجن کا ذکر کر رہے ہو؟'' میں نے وہ خبر سن کر اس سے تصدیق چاہی۔

''بالکل اسی کا ذکر ہے۔'' اس نے بلاتوقف میری تائید کی ''تم نے کہا تھا کہ میں اس پر نظر رکھوں۔ میرے پاس فی الحال کوئی دوسری مصروفیت نہیں تھی۔ میں نے اس کے گھر کی نگرانی شروع کر دی۔ وہ یہاں کا مشہور آدمی ہے۔ ڈرائیور میری زبان سے اس کا نام سن کر چونک جاتا۔ اردو میں کہی ہوئی دوسری باتیں اس کے پلے نہیں پڑ سکتیں، میں اس وقت ذرا محتاط ہوں۔''

''ویری گڈ! یہ بہت اہم اور اچھی خبر ہے۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا ''لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ تمہاری ٹیکسی اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ تم اس کا نام لینے سے گریز کر رہے ہو۔ کیا ڈرائیور کو یہ علم نہیں کہ وہ کس کا پیچھا کر رہا ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ وہ راجن کو چہرے سے نہیں جانتا۔ اسے یہ تو معلوم ہے کہ میں نے اسے سفید گاڑی کے پیچھے لگایا ہوا ہے لیکن اس نے اس بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر میں نے اسے ہدایت کی اور وہ خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لیا۔''

''کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ وہ کوئی چون وچرا کیے بغیر شہر کے ایک نامور بدمعاش کا تعاقب کرنے پر آمادہ ہو گیا؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''میں اس کی جرح کا جواب دینے کے لیے تیار تھا۔'' اس نے وضاحت کی ''اس کی خاموشی سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ایسے کام اس کے لیے نئے نہیں ہیں۔ میں خالی ہاتھ اور اکیلا ہوں۔ اسے کوئی شبہ نہیں ہوا ہوگا۔ وہ خاموش طبع پیشہ ور ڈرائیور معلوم ہوتا ہے۔ دھیان سے اپنے کام میں مصروف ہے۔ اس کی ٹیکسی میں میٹر نہیں ہے۔ میں عجلت میں کرایہ طے کیے بغیر اس کے ساتھ روانہ ہوا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آخر میں مجھ سے انعام یا بھاری کرایہ وصول کرنے کا ارادہ کیے بیٹھا ہو۔ تم اس کے بارے میں فکر نہ کرو۔ اس نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میں اسے سنبھال لوں گا۔ ویسے بھی ڈرائیور تھائی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس کی انگریزی چند الفاظ کے بعد جواب دے جائے گی۔ اس سے کسی لمبے مذاکرے کا امکان نہیں ہے۔ سب کچھ نوٹوں کی جھلک دکھا کر طے ہو جائے گا۔''

طارق کے ایک ایک لفظ سے اعتماد کا اظہار ہو رہا تھا۔ اسے بنکاک آئے ہوئے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا لیکن وہ ہر ماحول میں اپنا کام کرنے کا عادی معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے اس معاملے کو اس کی ذاتی صوابدید پر چھوڑتے ہوئے پوچھا ''تمہیں یقین ہے کہ اگلی گاڑی میں راجن موجود ہے؟''

''اپنی سیاہ رنگت اور آگے مڑے ہوئے کانوں کی وجہ سے وہ ہزاروں کی بھیڑ میں الگ پہچانا جا سکتا ہے۔ وہ اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے برابر میں بیٹھا ہوا ہے۔'' طارق نے بتایا ''اس کی جھلک دیکھ کر ہی میں نے اس کی گاڑی کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''کچھ اندازہ ہے کہ وہ کس طرف جا رہا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ابھی میں شہر کے راستوں سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ ہم جنوب کی سمت میں سفر کر رہے ہیں۔'' لمحے بھر کے تذبذب کے بعد اس کا جواب آیا۔

اس کا سفر جاری تھا۔ اس کی فراہم کی ہوئی خبر میرے لیے بہت اہم اور سنسنی خیز ثابت ہوئی تھی۔ میں نے جان بوجھ کر اپنی ابتدائی گفتگو کو ذرا طول دیا تھا تاکہ وہ راستے وغیرہ دیکھ کر راجن کی منزل کا اندازہ لگا سکے لیکن میری وہ تدبیر کارگر

ثابت نہیں ہو سکی۔ شہر سے اجنبیت طارق کے لیے سب سے بڑا اور حقیقی مسئلہ تھی۔

''جوں ہی تمہیں کوئی اندازہ ہوتا ہے، مجھے اطلاع دینا، میں منتظر رہوں گا۔'' میں نے متجسس لہجے میں کہا ''شاید تمہیں اندازہ ہوگا کہ میرے لیے وہ کتنا اہم ہے؟''

''مجھے اس کے بارے میں بریف کر دیا گیا تھا۔ تم کو ضرور علم ہوگا مگر میں پھر بھی واضح کر دوں کہ میں تمہیں صرف معلومات فراہم کر سکتا ہوں۔ اگر تم اس کے خلاف کسی مہم جوئی کا ارادہ کیے بیٹھے ہو تو اس میں میرا کوئی کردار نہیں ہوگا۔''

وہ پاکستان کے ایک اہم مرکزی ادارے کا ذمے دار اہل کار تھا۔ اسے دیارِ غیر میں اپنی حدودِ کار کا پورا پورا ادراک تھا۔ اس نے ایک مخلص اور پیشہ ور مخبر کی طرح صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ راجن کے خلاف کسی جرم کے ارتکاب میں فریق نہیں بنے گا۔

میں نے خوش دلی سے کہا ''یہ باتیں میرے لیے نئی نہیں ہیں۔ تمہارا اپیش رو بھی ان حدود میں رہ کر میرے ساتھ کام کرتا رہا ہے۔''

طارق سے غیر متوقع طور پر ملنے والی وہ خبر میرے لیے بہت اہم تھی۔ ڈان برنارڈ اور چاؤ فان کے ذرائع سے مجھے جو خبریں ملتی رہی تھیں، ان کے مطابق راجن جب بھی موتی محل سے باہر نکلتا تھا، بھاری اسلحے سے لیس محافظوں کی بھاری نفری اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ ایسی صورت میں اسے کہیں بھی للکار کر روکنا اس کے حریفوں کے لیے مہنگا سودا ثابت ہو سکتا تھا۔

وائٹ ہاک کی تباہی کے بعد سے وہ مسلسل موتی محل میں گھسا ہوا تھا۔ اپنے بحری اڈے کی تباہی پر بہت دل برداشتہ ہوا تھا۔ دوسری طرف چاؤ فان نے شہر میں نامعلوم ذرائع سے یہ افواہیں پھیلا دی تھیں کہ راجن کے ہر دوست کو بے رحمی سے کاٹ دیا جائے گا۔ ان افواہوں کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ نچلے درجے کے بہت سے لوگوں نے راجن کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ان واقعات میں بہ ظاہر ڈان کا کوئی کردار نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے اپنا سیلرز بار چلا رہا تھا۔ اپنا بقیہ وقت وہ بار کی اوپری منزل پر گزار رہا تھا۔ پچھلے چند دنوں میں اس کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا لیکن پھر بھی زیرِ زمین دنیا کے بہت سے بچھڑے ہوئے لوگوں نے اپنے عہدِ وفا کی تجدید کے لیے اس کے ٹھکانے کا رخ کرنا شروع کر دیا۔ انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ شہر میں راجن کی ہوا اکھڑی تو اس کی جگہ لینے کے لیے ڈان کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

پچھلی رات ڈان کے پاس آنے والوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا تھا۔ اپنا تھوکا ہوا چاٹنے والوں کو اپنے رد بہ رو پا کر ڈان اندر سے بہت خوش تھا لیکن ظاہری طور پر انہیں دھتکارتا رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے پاس انہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ گوشہ نشین رہ کر سکھ کی زندگی گزار رہا تھا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

ڈان کی وہ سوچی سمجھی حکمتِ عملی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس بھیڑ میں مل کر راجن کے مخبر بھی اس کے دروازے تک آئیں گے۔ جب ان کے ذریعے راجن کو یہ خبر ملتی کہ ڈان اپنے پاس آنے والوں کو منہ نہیں لگا رہا تو اسے اطمینان ہو جاتا کہ اسے ڈان سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ویسے بھی میں نے اکبر کے روپ میں کام کر کے اس کے شبہات کا رخ اپنی یعنی ڈینی کی ذات کی طرف موڑ دیا تھا۔

وائٹ ہاک کی بربادی کے بعد رونما ہونے والے وہ حالات و واقعات راجن کے لیے بہت مایوس کن تھے۔ موتی محل میں منہ چھپا کر اس نے اپنی پوزیشن اور خراب کر لی تھی۔

اس پس منظر میں طارق کی فراہم کی ہوئی اطلاع کی اہمیت بہت بڑھ گئی۔ اگر راجن اپنے معمولات سے ہٹ کر محض تین آدمیوں کے ساتھ اپنے مسکن سے نکلا تھا تو یقینی طور پر اس کے پیشِ نظر کوئی اہم کام تھا۔ میرے لیے وہ بہترین موقع تھا۔ اگر کسی طرح ان چاروں کو گھیر لیا جاتا تو راجن کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو سکتا تھا۔ اس سے نہ صرف میرا انتقام پورا ہو جاتا بلکہ اس کے انجام پر جلال بھی خوش ہو جاتا۔ رہا ڈان تو اس کی زندگی کا مقصد ہی راجن کو جہنم واصل کرنا رہ گیا تھا۔ راجن کی موت پر اس کی خوشی کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

میں نے غزالہ کو اس نئے موڑ سے آگاہ کرتے ہوئے اس کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور پھر فوری طور پر چاؤ فان سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''چاؤ فان! تم اس وقت کہاں ہو؟'' نمبر ملتے ہی میں نے اس سے سوال کیا۔

''ماسٹر! میں اس وقت مادام کے قدموں میں بیٹھا ہوا اسے منا رہا ہوں۔'' اس کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ ''وائٹ ہاک کو سمندر میں ڈوبے چالیس گھنٹے سے زائد وقت گزر چکا ہے لیکن مجھے اس کی کامیابی کا جشن منانے کا موقع نہیں ملا۔ مادام نے تم سے مل کر اپنا جی خوش کر لیا مگر میں بے چارہ ابھی تک ہر خوشی سے محروم ہوں۔''

''تمہیں ہر وقت شراب اور عورتوں میں گھسے رہنے کا اتنا شوق کیوں ہے؟'' میں نے خفگی سے پوچھا۔

''ماسٹر! یہ میرے فرصت کے مشغلے ہیں۔ ان کے بارے میں سوال جواب نہ کیا کرو۔ یہ دیکھو کہ کام کے وقت میں تمہیں ہمیشہ مستعد اور تیار ملتا ہوں۔''

''کیا یہ ممکن ہے کہ تم کچھ دیر کے لیے مادام سے الگ ہوسکو؟'' میں نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

''فی الحال الگ ہی ہوں......'' اس نے موج میں آ کر کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ شاید لی نے اس کے ہاتھ سے موبائل فون چھین لیا تھا۔

''ڈارلنگ! تم اس وقت کہاں ہو؟'' میرے کان میں لی کی رسیلی آواز گونجی۔ ''کل شام سے ایسے غائب ہوئے ہو کہ تمہارا کوئی پتا ہی نہیں ہے۔ ایک چاؤفان ہے کہ کسی قیمت پر میرا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ اتنی خوشامد مردانہ شان کے خلاف ہوتی ہے۔''

''دروازے پر کوئی ضدی سوالی آ جائے تو اسے کچھ دے دلا کر جان چھڑالی جاتی ہے۔'' میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا جو ڈریسنگ ٹیبل کی درازوں میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی ''تم بھی اسی فارمولے پر عمل کرو۔ فون اسے دے دو۔ اس وقت بہت اہم معاملہ درپیش ہے۔''

میرا مشورہ سن کر وہ ذومعنی انداز میں ہنسی، پھر بولی ''کیا چھوٹا راجن کی گردن تمہارے ہاتھ میں آ گئی؟''

وائٹ ہاک کی غرقابی کے قصے میں ہماری شریک کار بن کر لی راجن کی حد تک ہماری راز داں بن گئی تھی۔ وہ کوئی شریف اور آبرومند خاتون نہیں تھی، پھر بھی میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ راجن کے ہاتھوں اپنی اور اپنی بہن کی پامالی پر واقعی اس کے خون کی پیاسی ہوگئی تھی۔ میں نے لمحہ بھر توقف کر کے اس نکتے پر سوچا پھر کہا ''کچھ ایسی ہی بات ہے۔ فون اسے دے دو، دیر نہ کرو۔ میرے پاس ایک اور کال آنے والی ہے۔''

''تم بہادر اور شیر دل مرد ہو۔'' لی کی آواز میں عجیب سی اپنائیت امڈ آئی ''میں نے تمہیں دیکھتے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ تم اس کمینے کو اس کے کیفر کردار تک پہنچا سکتے ہو، لو اپنے چہیتے سے بات کرلو۔''

''ماسٹر! اس وقت میرے دل پر تیر لگا ہے۔'' اس مرتبہ چاؤفان کی مغموم آواز سنائی دی ''مادام نے تم کو کتنے پیار سے ڈارلنگ کہا ہے۔ یہ مجھے اس محبت کا عشر عشیر بھی دینے کو تیار نہیں ہے۔ میں تم سے اپنے دل میں حسد اور رقابت محسوس کر رہا ہوں، تم اندازہ نہیں......''

''چاؤفان! بک بک مت کرو۔ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو ہم ہمیشہ پچھتاتے رہیں گے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر سختی سے کہا ''اس وقت راجن موتی محل سے صرف ایک گاڑی میں نکلا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ڈرائیور سمیت کل تین آدمی ہیں۔ یہ اسے گھیرنے کا بہترین موقع ہے۔''

''ماسٹر! یہ بہت بڑی خبر ہے۔'' اس نے جواب دیا ''میں دوڑ کر مادام سے دور آ گیا ہوں۔ اب تم کھل کر بات کر سکتے ہو۔''

''اس سے یہ نہ چھپانا کہ میں نے راجن کے بارے میں بات کرنے کے لیے تمہیں فون کیا ہے۔'' اس کے لی سے دور آنے کا ذکر سن کر میں نے وضاحت کی تاکہ اسے لی کے سامنے کسی خفت کا سامنا نہ کرنا پڑے ''ابھی مجھے خیال آیا کہ راجن کے معاملے میں وہ ہماری راز داں اور ہم خیال ہے۔ اگر میں اسے اپنی کال کا مقصد نہ بتاتا تو وہ اب تک میرا دماغ چاٹ رہی ہوتی۔''

''مجھے اپنی اور اس کی باتیں نہ سنایا کرو، دل پر چھریاں چل جاتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ راجن کا کیا قصہ ہے، اس کے لیے ہمیں کیا کرنا ہے؟''

اس کے ابتدائی جواب پر میرا خون کھول اٹھا۔ ایک طرف وہ مجھے اپنا ماسٹر اور آقا تسلیم کرتا تھا اور دوسری طرف بازاری انداز میں میرا اور اپنا موازنہ کر رہا تھا مگر میں نے موقع کی نزاکت کے پیشِ نظر اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا ''فوراً وہاں سے نکلو اور اپنی اکارڈ لے کر میرے ہوٹل کے باہر پہنچ جاؤ۔ ہمیں ہر حال میں اس کو گھیرنا ہے۔''

''ماسٹر! اکارڈ بننے کے لیے گئی ہوئی ہے۔'' اس کی جھجکتی ہوئی آواز آئی ''پھوم فاٹ کو روکنے کے چکر میں وہ پیچھے سے لگ گئی تھی۔ کل تک......''

میں نے مضطربانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی ''تو کیا لی سے عشق لڑانے کے لیے پیدل چل کر اس کے گھر پہنچے ہو؟''

''اس وقت میرے پاس چوری کی ایک جیپ ہے۔'' اس کی آواز یکا یک دھیمی ہوگئی۔ شاید وہ اپنے اعتراف کو اپنی خودساختہ محبوبہ سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''یہ اور بھی اچھا ہے۔ جیپ دیکھ لی گئی تو راجن یا اس کے آدمیوں کو پتا نہیں چل سکے گا کہ ان سے ٹکرانے والے کون تھے۔ تمہاری جیپ میں کچھ ہتھیار بھی ہیں؟''

''ماسٹر! تمہارا خادم ہتھیار اور کپڑوں کے بغیر گھر سے قدم باہر نہیں نکالتا۔'' کسی بات کی تصدیق یا تردید کرنے کا وہ

طریقہ عاجزانہ ہونے کے باوجود اتنا بے ہودہ تھا کہ مجھے اس سے چڑ ہونے لگی تھی مگر میں اسے برداشت کرنے پر مجبور تھا۔

''ہتھیاروں کے ساتھ دو نقاب بھی ہوں تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت کہا۔

مجھے ڈینی کی حیثیت سے کوئی نہیں پہچانتا تھا مگر میں اسد کے ساتھ اکبر بن کر راجن سے مل چکا تھا۔ اگر متوقع ٹکراؤ میں اس سے میرا روبہ رو سامنا ہو جاتا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا کہ اس کا ہمدرد بننے والا اکبر اس کے مقابل موجود تھا۔ غالب امکان یہی تھا کہ وہ اپنی حیرت کے ساتھ جہنم واصل کر دیا جاتا لیکن وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ تین افراد بھی تھے۔ میں اسد کے ساتھ ڈنکے کی چوٹ پر موتی محل میں گیا تھا۔ وہاں بہت سے لوگوں نے مجھے اور اسد کو دیکھا تھا۔ یہ ممکن تھا کہ راجن کے تینوں ساتھی بھی ان لوگوں میں شامل رہے ہوں۔ اگر ان تینوں میں سے کوئی بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو جاتا تو اکبر والی کہانی ہر طرف پھیل سکتی تھی۔ اکبر ڈینی کی طرح بے نام ونشان نہیں تھا، اس کا ایک منفرد چہرہ تھا۔ راجن کے رہے سہے حمایتی شہر میں اکبر کی تلاش شروع کر دیتے تو میں مشکلات سے دوچار ہو سکتا تھا۔

''جیپ میں نقاب بھی مل جائیں گے۔'' اس بار چاؤفان کی آواز خفت آمیز تھی۔ ''یہ جیپ دو مہینوں سے میرے آدمیوں کے استعمال میں ہے۔ رنگ کے علاوہ اس کی نمبر پلیٹیں بھی بدلی ہوئی ہیں۔ اس میں نقب زنی کے آلات سے لے کر قتل کرنے والے ہتھیاروں تک، سب کچھ موجود رہتا ہے۔ پتا نہیں کب کس چیز کی ضرورت پیش آ جائے۔''

''چاؤفان! تمہارے آدمی چوری اور نقب زنی بھی کرتے ہیں؟'' میں اس موقع کی سنگینی کے باوجود اپنی بے ساختہ حیرت کے اظہار پر قابو نہیں پا سکا۔

''ماسٹر! زندہ رہنے کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔'' اس کی آواز میں بے چارگی تھی ''کوئی کروڑ پتی اپنی تجوری کھول کر اپنا مال کسی اور کو نہیں دیتا۔ ہمیں مجبور ہو کر یہ کام کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں اپنی گاڑی چلانے اور زندہ رہنے کے لیے پیسے کی ضرورت ہے۔ جہاں سے بھی ممکن ہوتا ہے، ہم اپنی یہ ضرورت پوری کر لیتے ہیں۔''

میرے ذہن میں ڈان کی دی ہوئی، انعام کی بھاری رقم نے سر ابھارا۔ اس نے مجھے اور چاؤفان کو بہ یک جنبشِ ابرو ڈیڑھ لاکھ بھات دے دیے تھے۔ وہ کوئی معمولی رقم نہیں تھی۔ یہ یقینی بات تھی کہ ڈان کو سیکرز بار سے اتنی آمدنی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ وسائل کچھ اور ہی تھے جن پر چاؤفان کسی حد تک روشنی ڈال رہا تھا۔

چاؤفان جھاڑ کا کانٹا تھا۔ اس سے ایک بات کہی جاتی تو وہ دس باتیں شروع کر دیتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ اسے زیادہ نہ کریدا جائے۔ اس کی وضاحتوں کے لیے دن کے چوبیس گھنٹے کم پڑ سکتے تھے۔ میں نے وہ بات وہیں ختم کرتے ہوئے کہا ''میں انتظار کر رہا ہوں۔ اپنی جگہ پر پہنچ کر مجھے کال کرو۔''

''میں آ رہا ہوں۔'' اس کی آواز پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ بات ختم کرتے کرتے اچانک وہ بولا ''مادام دور سے کچھ اشارے کر رہی ہے۔ شاید یہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہتی ہے۔''

''ہرگز نہیں۔'' میں نے سختی سے کہا ''بھول کر بھی اسے اپنے ساتھ نہ لینا۔ وہ عورت ذات ہے۔ پہچان لی گئی تو راجن کے حواری اسے بھی اس کی بہن کے پاس پہنچا دیں گے۔''

اپنی بات پوری کرتے ہی میں نے فون بند کر دیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ گفتگو جاری رہی تو کہیں لی دوبارہ چاؤفان سے فون نہ لے لے۔

''کیا آپ کے اور چاؤفان کے درمیان کوئی اور بھی آ گیا تھا؟'' غزالہ نے مڑ کر پوچھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ بہ ظاہر مصروف ہو جانے کے باوجود اس کے کان میری گفتگو کی طرف لگے ہوئے تھے۔

''لی بات کر رہی تھی۔'' میں نے نرمی سے جواب دیا ''چاؤفان اسی کے گھر پر بیٹھا ہوا ہے۔''

غزالہ کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم پھیل گیا لیکن اس نے زبان سے اس بارے میں مزید کچھ نہیں کہا۔ یکا یک بات بدل کر پوچھا ''اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟''

''طارق سے کوئی خیر خبر ملے اور چاؤفان جیپ لے کر آ جائے تو مجھے راجن کے پیچھے جانا ہے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

''کیا اس مہم میں میری شرکت کی کوئی گنجائش ہے؟'' اس نے معذرت خواہانہ انداز میں پوچھا۔

''ابھی فون پر چاؤفان کہہ رہا تھا کہ لی بھی اس کے ساتھ آنا چاہتی ہے۔ تم نے سن لیا ہوگا کہ میں نے سختی سے اسے منع کر دیا۔ تمہاری پوزیشن بھی وہی ہے۔ میں کسی قابلِ شناخت عورت کو اپنے ساتھ لے جانے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔''

''میں آپ کی باتیں نہیں سن رہی تھی۔'' غزالہ نے اپنی صفائی پیش کی ''فالتو ٹائم بم دیکھ رہی تھی۔ آپ کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہی ہوگا۔''

اس کی زبان سے ٹائم بم کا ذکر سنتے ہی مجھے یاد آ گیا کہ ابتدا میں چاؤفان نے گولڈن ڈریگن کی تباہی کے لیے مجھے دو ٹائم بم دیے تھے۔ جن میں سے کوئی بھی گولڈن ڈریگن میں استعمال نہیں ہو سکا۔ ایک کا فیوز آن تھا۔ اسے دریا کی نذر کر دیا گیا۔ دوسرا ہمارے ہوٹل کے کمرے میں محفوظ تھا۔ کسی مہم کے لیے وہ ٹائم بم ایک اچھا ہتھیار ثابت ہو سکتا تھا مگر اس کا ہمارے کمرے میں موجود رہنا مناسب نہیں تھا۔

تازہ ترین مہم میں راجن اور اس کے آدمیوں کا براہِ راست تصادم ہونے کی توقع تھی۔ اس میں کسی ٹائم بم کے استعمال کی کوئی گنجایش نہیں تھی۔ پھر بھی میں نے غزالہ سے کہا' وہ بم باہر نکال دے۔ چاؤفان کی وہ امانت اسے لوٹا کر میں اپنا بار ہلکا کر سکتا تھا۔ وہ بم چاؤفان کے زیرِ استعمال مسروقہ جیپ میں پڑا رہتا تو کہیں نہ کہیں کام آ سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد طارق کا فون آ گیا ''تعاقب جاری ہے۔ سڑکوں کے پیچ و خم کی وجہ سے سمتیں بدل رہی ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اب بھی ہم جنوب کی طرف شہر سے تقریباً باہر آ چکے ہیں۔ فضا میں پھیلی ہوئی ہلکی سی سمندری بساند سے مجھے شک ہو رہا ہے کہ اگلی گاڑی بندرگاہ کی طرف جا رہی ہے۔'' وہ دھیمی اور پُرسکون آواز میں رپورٹ دیتا چلا گیا۔

''وہ اپنی لانچ کے آبی مزار کی طرف جا رہا ہوگا۔'' میں نے کہا ''اس لانچ کی غرقابی کے بعد وہ پہلی بار موتی محل کی چار دیواری سے باہر آیا ہے۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔ یہ بساند میرے نتھنوں کو شناسا محسوس ہو رہی ہے۔ خبر ملنے کے بعد میں نے خود ساحل سے سمندر کا جائزہ لیا تھا۔ اس وقت تک لانچ زیرِ آب آ چکی تھی۔'' طارق نے کہا ''حیرت ہے کہ یہ راستے میری شناخت میں نہیں آ رہے۔''

وہ کوئی انوکھی یا پریشان کن بات نہیں تھی۔ طارق نے پہلی مرتبہ دن کے اجالے میں ادھر کا چکر لگایا تھا۔ دن کے مقابلے میں رات کو ہر علاقے میں اندھیروں اور اجالوں کی وجہ سے ایسی تبدیلیاں رونما ہو جاتی ہیں کہ شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔ یہ امکان بھی تھا کہ راجن کے ڈرائیور نے بندرگاہ تک پہنچنے کے لیے کوئی اور راستہ اختیار کیا ہو۔

دونوں صورتوں میں پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی۔ اس بار طارق کی رپورٹ سن کر مجھے پختہ یقین ہو گیا تھا کہ راجن کی منزل بنکاک کے ساحل کے سوا کوئی اور نہیں تھی۔

''تمہارے ڈرائیور کا کیا حال ہے؟'' اس بارے میں مطمئن ہونے کے بعد میں نے پوچھا۔

''اس نے مجھے تصویروں کے تین واہیات البم دیے تھے جو میں نے اسے لوٹا دیے۔'' اس نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا ''اس کے بارے میں میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ پیسوں کا لالچی ہے۔ تصویریں واپس لیتے ہی اس نے کرائے کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ اس سے پانچ سو بھات میں معاملہ طے ہوا ہے۔ میں نے اسے یقین دلایا ہے کہ کوئی مار پیٹ وغیرہ نہیں ہوگی۔ پانچ سو بھات میں وہ مجھے شہر واپس پہنچائے گا۔''

''تعاقب کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔'' میں نے وہ تفصیل سن کر کہا ''اس کی منزل کا علم ہو جانے کے بعد اب تمہارا آگے تک جانا بے سود ہے۔ اگر وہ ہمارے وہاں پہنچنے تک رکا رہا تو خاصا خوں ریز تصادم ہونے کا امکان ہے۔ تم موقع دیکھ کر یہیں کہیں سے واپس لوٹ جاؤ۔''

''اس اجازت کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ میرے لیے ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ آخر تک موجود رہنا خطرناک ثابت نہ ہو۔'' اس کی آواز واقعی تشکر آمیز تھی ''مجھے ایک لمبے عرصے تک اس شہر میں رہنا اور پبلک ٹرانسپورٹ پر انحصار کرنا ہے۔ کیا پتا یہ ڈرائیور دوبارہ کہاں ٹکرا جائے؟''

مجھے لی کے گھر سے ہوٹل تک کے فاصلے کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وقت کے حساب سے چاؤفان کو کسی بھی لمحے پہنچ جانا چاہیے تھا۔ میں نے شاپنگ بیگ میں لپٹا ہوا ٹائم بم اٹھایا اور غزالہ کو خدا حافظ کہہ کر ہوٹل کے کمرے سے نکل گیا۔ بیم گن میں نے اپنی پتلون کی جیب میں ڈال لی تھی۔ انگوٹھیاں انگلیوں میں موجود تھیں۔

میں نیچے اتر کر ہوٹل کی لابی سے گزر رہا تھا کہ چاؤفان کی کال آ گئی۔ وہ ہوٹل کے باہر موجود تھا اور مجھ سے اپنی پھرتی پر داد طلب تھا۔

طارق کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق راجن سفید گاڑی میں سفر کر رہا تھا، چاؤفان کے پاس موجود جیپ کا رنگ بھی سفید تھا۔ اس کی پوری باڈی آہنی چادروں سے بنی ہوئی تھی۔ اس کی زبان سے جیپ کا ذکر سن کر میرے ذہن میں کھلی ہوئی گاڑی کا تصور ابھرا تھا، جو غلط ثابت ہوا۔

وہاں سے روانہ ہوتے ہی میں نے ٹائم بم کا تھیلا اس کے حوالے کر دیا۔ ''تمہاری امانت میں تمہیں لوٹا رہا ہوں۔ اسے کہیں اور آزما لینا۔''

''یہ بہت مہنگا بم ہے۔'' اس نے وہ تھیلی احتیاط سے پچھلے پائیدان پر رکھتے ہوئے کہا ''ڈھونڈنے جاؤ گے تو دس

ہزار بھات میں بھی نہیں ملے گا۔"
"تم نے تو اسے امریکی فوجی کیمپ سے چرایا ہوگا؟" میں نے طنز سے تبصرہ کیا۔
"ماسٹر! خدا کا خوف کرو۔ میں ایسی حرکتیں نہیں کرتا" اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔
"تھوڑی دیر پہلے تم خود نقب زنی کے بارے میں بتا رہے تھے۔ نقب زنی اور چوری میں بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ ڈکیتی البتہ مختلف چیز ہوتی ہے۔"
"میں کھلے دل سے تم کو ہر بات بتا دیتا ہوں۔ تم طعنہ دے رہے ہو!" اس نے شکایت کی "نقب زنی اور چوری میں بم وغیرہ ہاتھ نہیں آتے، نقد مال ملتا ہے۔ اس سے دنیا کی ہر شے خریدی جاسکتی ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو...... میں نے لی کو تیس ہزار بھات اپنی جیب سے دیے ہوں گے!"
"چوری کا مال اسی طرح جاتا ہے۔ اس نے تم سے کوئی رعایت نہیں کی؟" میں نے پوچھا۔
"رعایت!" اس نے استہزائی انداز میں دہرایا "وہ تمہارے سامنے سخاوت کی باتیں کرتی ہے، اندر سے لالچی ہے۔ تیس ہزار کے علاوہ انعام بھی مانگ رہی تھی۔ میں نے اسے اس کی بہن کے انتقام کا معاملہ یاد دلایا تو وہ چپ ہوگئی۔"
"یہ سب اپنی جگہ درست ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں جا رہے ہو؟" اس نے اچانک بریک لگا کر سڑک کے بیچ میں گاڑی روک دی اور اپنے سر پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔
"تمہارے یا ڈان کے سامنے آتا ہوں تو میری عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں۔ تم سے کچھ پوچھے بغیر مادام کے گھر کے راستے پر چل پڑا ہوں۔"
پیچھے آنے والی کئی گاڑیوں کے ٹائر سڑک پر چیخ اٹھے۔ لوگوں نے غصے میں لمبے لمبے ہارن بجائے لیکن چاؤ فان کے کان پر جوں بھی نہ رینگی۔ وہ ان سب کے احتجاج سے بے پروا ڈھٹائی سے میرا چہرہ تک رہا تھا۔
رکنے والی گاڑیاں اس کے دائیں بائیں سے نکلنے لگیں۔ کئی افراد اپنی زبان میں چلاتے ہوئے گزرے۔ یقینی طور پر انہوں نے چاؤ فان کو کلماتِ خیر سے یاد نہیں کیا ہوگا۔ وہ ان کی گالیاں کھا کے بھی بے مزہ نہیں ہوا۔ سپاٹ لہجے میں بولا "بتاؤ...... کدھر چلنا ہے۔"
"سمندر کی طرف چلو۔ وہ اپنی لانچ کی باقیات کو سطحِ سمندر پر تیرتا ہوا دیکھنے کے لیے گیا ہے۔" میں نے رسانیت سے کہا۔

چاؤ فان نے وہیں سے جیپ واپس گھمالی اور...... بڑبڑاتے ہوئے بولا "اچھا ہوا کہ تمہیں بروقت بات یاد آ گئی۔ ہم مخالف سمت میں جا رہے تھے۔"
"جب مرد کے سر پر عورتیں ہی عورتیں سوار ہوں تو اس کا دماغ اسی طرح مفلوج ہو جاتا ہے۔" میں نے پُرسکون انداز میں کہا "لی کی ہوس تمہیں لے ڈوبے گی۔"
"میں کام پر آ گیا ہوں، اب مادام پر لعنت بھیجو۔ وہ سب میرے فرصت کے مشغلے ہیں۔ کام کے وقت میں ان کے بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔"
چاؤ فان نے وہ بات کسی اور موقع پر کہی ہوتی تو میں خاصی بے رحمی سے اس کا مضحکہ اڑاتا۔ اس وقت اس کا دعویٰ بے چون و چرا سن لیا۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ وہ کام کے دوران میں ذرا کم ہی بھٹکتا تھا۔ وائٹ ہاک کی تباہی کی مہم میں لی نے ہمارے ساتھ کافی وقت گزارا مگر چاؤ فان نے ایک بار بھی اس سے عشق جھاڑنے کی کوشش نہیں کی۔
گاڑی میں کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر چاؤ فان نے ہی وہ سکوت توڑنے میں پہل کرتے ہوئے پوچھا "ماسٹر! تم نے سفر کی سمت کا تعین کرلیا، یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں ملے گا۔ تم دیکھ چکے ہو کہ بنکاک کا ساحل بہت طویل اور کٹا پھٹا ہے۔ ہم ان چاروں کو کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔"
"وہ سمندر کی سیر کے لیے نہیں گیا۔ اسے لانچ کے ڈوبنے کی جگہ کے آس پاس موجود ہونا چاہیے۔ یہ کام مشکل ثابت نہیں ہوگا۔"
"پھر تو وہ وہیں ملے گا جہاں رک کر ہم نے بموں کے ریموٹ کنٹرول استعمال کیے تھے۔ پورے ساحل پر اسے اپنے مقصد کے لیے اس سے صاف اور بہتر جگہ نہیں ملے گی۔" اس نے پورے وثوق کے ساتھ جواب دیا۔
"ہتھیاروں کی کیا پوزیشن ہے؟" میں نے پوچھا۔
"جہاں ہاتھ ڈالو گے، کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔" اس نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے لہک کر جواب دیا "میں اسے قاتل جیپ کہتا ہوں۔ پہلے اپنی سیٹ کے نیچے دیکھ لو۔ نقاب ڈیش بورڈ کے خانے میں ملیں گے۔" اپنی سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈالتے ہی مجھے اس کے بیان کی صداقت کا یقین آ گیا۔ ایک ہلکی اور خودکار رائفل کا آہنی دستہ میرے ہاتھ میں آ گیا تھا۔
میری سیٹ کے نیچے اس رائفل کے ساتھ دو پستول اور فاضل میگزین کا ایک پیکٹ بھی موجود تھا۔ میں نے لمبی مسافت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے راستے میں ہی تینوں ہتھیاروں کا جائزہ لیا۔ رائفل کا میگزین پورا تھا۔ دونوں

پستول خالی اور غالباً بالکل نئے تھے۔ میں نے پیکٹ پھاڑ کر ان دونوں پستولوں کو بھی تیار کرلیا۔

کچھ دیر بعد ہم اسی مقام کے نزدیک پہنچ گئے جہاں رک کر ہم نے وائٹ ہاک کی تباہی کا آغاز کیا تھا۔ تارکول کی لمبی اور سیاہ سڑک پر ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دور دور تک کوئی گاڑی نظر نہیں آرہی تھی مگر جوں ہی ہماری جیپ ٹیلوں کی اوٹ سے آگے نکلی، مجھے داہنی طرف وہ سفید کار نظر آگئی جو سڑک سے اتار کر کچے میں پارک کی گئی تھی۔

''ماسٹر! گاڑی تو اسی کی معلوم ہو رہی ہے' اب کیا ارادہ ہے؟'' چاؤ فان نے جیپ کی رفتار کم کرتے ہوئے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

چاؤ فان کا تردد قابلِ فہم تھا۔ وہاں صرف سفید کار نہیں تھی۔ اس سے ٹیک لگائے ہوئے دو انسانی ہیولے بھی رات کی تاریکی میں نمایاں نظر آرہے تھے۔ ان دونوں کے کندھوں سے چھوٹی نال والی خودکار رائفلیں جھول رہی تھیں۔

''جیپ اسی طرف لے چلو!'' میں نے ان دونوں پر نظریں جما کر کہا۔ تاریکی میں ہیڈ لیمپس کا دور تک پھیلتا ہوا انعکاس ناکافی تھا۔ رائفلوں سمیت ان کے ہیولے نظر آرہے تھے مگر ان کے چہروں کو دیکھنا ممکن نہیں تھا ''یہ دونوں محافظ مقامی معلوم ہوتے ہیں' ان سے تم ہی کو نمٹنا ہوگا۔ میرے لیے ان کی بولی اجنبی ہوگی۔''

''ان کے قد کاٹھ پر نہ جاؤ۔'' چاؤ فان نے جیپ سڑک سے اتارتے ہوئے جلدی سے کہا ''میں تم کو بتا چکا ہوں کہ وہ سارے کام مقامیوں سے لیتا ہے لیکن اپنی حفاظت کے معاملے میں ان پر بھروسا نہیں کرتا۔ اس کے سارے ذاتی گارڈز بھارتی ہوتے ہیں۔''

جیپ ناہموار زمین پر اچھلتی اور غراتی ہوئی بہ تدریج ان دونوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میں نے ایک پستول سنبھال لیا تھا' چاؤ فان بھی میری تقلید میں کسی ناگہانی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔

ان کی سفید گاڑی سڑک سے کافی دور کھڑی ہوئی تھی۔ چاؤ فان نے جس رخ سے جیپ نیچے اتاری ادھر راستہ صاف نہیں تھا' درمیان میں کئی ٹیلے حائل تھے۔ اس وقت تک میں نقابوں کو بھولا ہوا تھا۔ تصادم کا مرحلہ ہر لمحے قریب سے قریب تر آرہا تھا۔ میں نے تیزی سے ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر اندر ہاتھ ڈالا اور ٹٹول کر مصنوعی ریشے کے لچک دار نرم کپڑے کے بنے ہوئے غلاف نما نقاب نکال لیے۔ وہ تعداد میں تین تھے۔ میں نے ایک پھرتی سے اپنے سر پر چڑھا کر گردن تک منڈھ لیا' دوسرا ڈیش بورڈ کے خانے میں واپس ڈالا اور تیسرا چاؤ فان کی طرف بڑھا دیا۔

آنکھوں کے سوراخوں کو ان کی صحیح جگہ لانے کی کوشش میں مجھے کچھ دشواری ہوئی لیکن کپڑا لچک دار ہونے کی وجہ سے اس میں زیادہ دیر نہیں لگی' چاؤ فان نے بھی جیسے تیسے اپنا نقاب چہرے پر پہن لیا۔ مجھے اپنے بارے میں اندازہ نہیں ہو سکا لیکن چاؤ فان اس حلیے میں خاصا خوفناک نظر آنے لگا تھا۔

جونہی وہ دونوں ہمارے ہیڈ لیمپس کی روشنی کی زد میں آئے تو میں نے دیکھا کہ جیپ کے انجن کی آواز سن کر وہ پہلے سے چوکنا ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنی رائفلیں شانے سے اتار کر سیدھی کر لی تھیں۔

ان میں سے ایک نے ہماری گاڑی دیکھتے ہی غرا کر کچھ کہا۔

وہ بس ایک لمحہ تھا۔ میں نے دیکھ لیا کہ چاؤ فان کے اندازے کے مطابق ان دونوں کے خدوخال ان کے بھارتی نژاد ہونے کی چغلی کھا رہے تھے۔ دونوں ایک ایک ہاتھ اپنے چہرے کے سامنے لا کر ہماری جیپ کی تیز روشنی سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے جس نے عملاً انہیں اندھا کر دیا تھا۔ ان کے دوسرے ہاتھوں میں ان کی رائفلیں دبی ہوئی تھیں۔

''ماسٹر! سالا تھائی بول رہا ہے' ہمیں رکنے اور بتیاں بجھانے کے لیے کہہ رہا ہے!'' اسی لمحے چاؤ فان دھیمی آواز میں منمنایا۔

''جو کہہ رہے ہیں وہی کرو' میں نیچے جا رہا ہوں۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

چاؤ فان نے کچی اور ناہموار زمین پر رینگتی ہوئی جیپ کو جونہی بریک لگائے' میں اپنی سمت کا دروازہ کھول کر بھر بھری ریت پر کودا اور آہستگی سے دروازہ بند کر کے جیپ کے نیچے رینگ گیا۔

ہم لمبا فاصلہ طے کر کے وہاں تک پہنچے تھے' جیپ کا انجن بہ دستور چل رہا تھا' اس کے نچلے حصے سے آگ سی نکل رہی تھی۔ چاؤ فان نے جیپ کے ہیڈ لیمپس بھی گل کر دیے۔

میں نے اپنی کمین گاہ سے دیکھا کہ چار جوتے بہت تیزی سے جیپ کی طرف بڑھے پھر وہ دو دو کی جوڑیوں میں بٹ گئے۔ ان دونوں نے بہ یک وقت جیپ پر دونوں سمتوں سے چھاپا مارنے کا ارادہ کیا تھا۔

وہ صرف دو تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ راجن چو تھے آدمی کے ساتھ ساحل کی طرف گیا ہوا تھا۔ ہمارا اصل ہدف وہی تھا۔ اگر ان دونوں پر کوئی آتشیں ہتھیار استعمال کیا جاتا تو

فائر کی آواز سنتے ہی راجن کو خطرے کا ادراک ہوجاتا۔ ہوشیار ہوجانے کے بعد اسے زیر کرنا بہت دشوار ہوجاتا۔

اس بارے میں مجھے چاؤ فان سے کوئی بات کرنے کا موقع نہیں ملا مگر مجھے توقع تھی کہ وہ نکتہ اس کے بھی پیشِ نظر ہوگا۔

بنکاک آنے کے بعد میں نے صرف ایک بار زہریلی انگوٹھی استعمال کی تھی۔ گولڈن ڈریگن نامی کیسینو میں زہریلی سوئی سے محافظ کی موت کو ڈان یا چاؤ فان نے کسی شبہے کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ میں انہیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگیا تھا کہ میں اپنے شکار کو بے ہوش کرکے باتھ روم میں رکھے ہوئے ایک بڑے گملے پر ڈال کر آیا تھا جہاں وہ اپنی بدقسمتی سے کسی زہریلے کیڑے کے مہلک ڈنک کا نشانہ بن گیا۔ ڈان میرا حمایتی تھا' اس نے میری کہانی پر یقین کرلیا لیکن اس واردات پر سوبھراج کے کان کھڑے ہوگئے۔ اس نے سمجھ لیا کہ میں بنکاک پہنچ چکا تھا۔ اس نے یقینی طور پر راجن کو بھی بتادیا ہوگا کہ میں پاکستان میں اپنے کئی حریفوں کو ایسے زہر سے شکار کرچکا تھا۔

میرے لیے پھر وہی امتحان درپیش تھا۔ راجن کے دو مسلح غنڈے ہماری جیپ کی طرف بڑھے چلے آرہے تھے۔ ان سے کسی نرمی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ ان پر گولی چلانا راجن کو کھود دینے کے مترادف ہوتا۔ ان کے لیے صرف اور صرف زہریلی انگوٹھی موثر ثابت ہوسکتی تھی۔ جس کے سریع الاثر زہر کے اثرات ان میں سے کم از کم ایک کو پل بھر میں موت کی اندھی اور سرد وادیوں میں دھکیل سکتے تھے۔ ایک کو ٹھکانے لگانے کے بعد دوسرے کے بارے میں کچھ سوچا جاسکتا تھا۔

زندگی اور موت' کامیابی اور ناکامی کے درمیان لمحہ بہ لمحہ فاصلہ کم ہوتا جارہا تھا اور میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ میری پتلون کی داہنی جیب میں بیم گن بھی موجود تھی۔ وہ یاد آتے ہی مجھے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا پستول پتھر کی طرح بھاری اور بے سود محسوس ہونے لگا۔ میرے پاس وقت بالکل نہیں رہا تھا۔ میں نے پستول نیچے زمین پر ڈالا اور جیپ کے نیچے اپنی ٹانگ پھیلا کر جیب میں سے بیم گن نکالی۔ اس سے پہلے میں اضطراری طور پر زہر فشاں نگینے والی انگوٹھی کا رخ اپنی ہتھیلی کی طرف گھما چکا تھا۔

چاؤ فان' آتشیں ہتھیاروں سے لیس تھا' میرے پاس دو بے آواز ہتھیار بالکل تیار تھے۔ جوں ہی میری طرف جوتے اور پتلون کے دو پائنچے نظر آئے' میں نے انگوٹھی والا ہاتھ بڑھا کر پتلون سرکائے بغیر' اس شخص کی ایک پنڈلی سخت گرفت میں لے لی۔

میرا شکار بہت شدت سے تڑپا۔ یوں محسوس ہوا جیسے میری گرفت سے اپنی پنڈلی چھڑانے میں کامیاب ہوجا۔ مگر وہ اس کا محض ابتدائی ردِعمل تھا۔ اپنی پنڈلی پر ایک دوستانہ گرفت محسوس کرتے ہی وہ بھڑکا تھا۔ اسی اثنا کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سوئی کے ذریعے زہر اس کی پ میں سرایت کرچکا تھا۔ اس کی جدوجہد اسی لمحے دم توڑ گئی۔

اس دوران میں چاؤ فان کی سمت میں تھا کی زبان مذاکرے کا آغاز ہوچکا تھا۔ دونوں تیز اور ترش لہجے میں ا رہے تھے۔ میں حیران تھا کہ راجن کے آدمی نے چاؤ ف کے چہرے پر نقاب دیکھتے ہی گولی کیوں نہیں ماری' وہ امید پر اس سے بات کررہا تھا۔

سبب کچھ بھی رہا ہو' وہ میرے لیے مہلت تھی۔ میرا ش بس لمحہ بھر کے لیے اپنے قدموں پر کھڑا رہا پھر اس کے گر ہوئے وجود کے جھٹکے سے اس کی پنڈلی میرے ہاتھ سے گئی۔

بھربھری ریت پر اس کے گرنے کی دھمک بہت زیا پرشور نہیں تھی اور شاید جیپ کے چلتے ہوئے انجن کے ہموار میں دب گئی تھی کیونکہ اس دھمک پر کہیں سے کوئی ردِعمل سا نہیں آیا۔ میں نے اس کی پنڈلی ہاتھ سے نکلتے ہی ریت رینگ کر اپنی پوزیشن تبدیل کی اور دوسری سمت میں سر شروع کردیا۔

آثار بتارہے تھے کہ چاؤ فان اور اس کے حریف زبانی تصادم زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکے گا۔ دونوں م سے کسی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگا اور بات ہتھیاروں کے استعمال تک پہنچ جائے گی۔

یکایک میں نے محسوس کیا کہ چاؤ فان نے جیپ گیئ میں ڈالی ہے۔ میری روح فنا ہوگئی۔ اس کی گاڑی کے ت روند کر مارے جانے کا تصور میرے لیے بہت اذیت ناک تھا۔

آہستگی سے جیپ نے آگے حرکت کی اور میں زمین لوٹ لگا کر دوسری طرف باہر نکل گیا۔ راجن کا آدمی جیپ ا ڈرائیونگ سیٹ پر اپنی رائفل تانے کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت میری ساری توجہ اسی شخص پر مرکوز تھی' چاؤ فان کی طرف دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔ جیپ ذرا آگے نکل جاتی تو رائفل بردار اپنے دوسرے ساتھی کے انجام کا علم ہوجاتا اور ٹکراؤ شروع ہوجاتا۔

میں اس کی پشت پر تھا کیونکہ وہ بڑھتی ہوئی جیپ کے ساتھ قدرے ترچھا ہو گیا تھا۔ میں نے زمین پر پڑے پڑے بیم گن سے اس کی پشت کا نشانہ لیا اور بائیں بازو کے قریب دل کے مقام پر گن فائر کر دی۔ طاقت ور اور مہلک لیزر شعاعوں کی بہت پتلی اور تیز چمکیلی دھار بیم گن کی نوزل سے نکل کر اس کے جسم سے گزرتی چلی گئی۔

فضا میں تیزی سے جلد اور گوشت جلنے کی چراند پھیل گئی۔ وہ کھڑے کھڑے لمحہ بھر کے لیے پتھر کی کسی مورت کی طرح ساکت ہوا اور پھر منہ کے بل دھب سے ریت پر گر گیا۔

چاؤ فان میں اپنی زندگی میں کسی کو اتنی آسانی سے مرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ اپنی جیپ آگے ضرور لے جا رہا تھا لیکن اس کی توجہ اپنے حریف پر مرکوز تھی۔ دشمن کو ڈھیر ہوتا ہوا دیکھ کر اس نے جیپ کا انجن بند کیا اور رائفل تانے نیچے اتر آیا۔

میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے چہرے پر نقاب نہیں تھا۔

''ماسٹر! یہ کیا ہوا...... یہ کھڑے کھڑے کیسے مر گیا؟''

چاؤ فان نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔ دونوں شکاروں کے جہنم واصل ہوتے ہی میں نے بیم گن دوبارہ اپنی جیب میں اڑس لی تھی تاکہ چاؤ فان میرے اس نادر ہتھیار سے متعارف نہ ہو سکے۔

''دل کا دورہ پڑا ہوگا۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''گوشت جلنے کی بو آ رہی ہے۔'' اس نے اپنے نتھنے چڑھا کر دو تین گہرے سانس لینے کے بعد کہا۔

''تمہارا وہم ہے، مجھے کوئی بو نہیں آ رہی۔'' میں نے اسے جھٹلا دیا۔ وہ لمحاتی بو تھی جسے سمندری ہواؤں کے ساتھ زائل ہو جانا تھا۔

''تمہارا نقاب کہاں گیا؟'' اس کے مزید کچھ کہنے سے پہلے میں نے سوال داغ دیا۔

''پائیدان میں پڑی ہوگی۔ میں نے آخری لمحے پر اسے نوچ کر اتار دیا۔ وہ میرے چہرے پر نقاب دیکھ لیتا تو مجھے گولی مارنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کرتا۔'' وہ اس وقت بوکھلایا ہوا اور اعصاب زدہ نظر آ رہا تھا کیونکہ جیپ آگے بڑھ جانے کی وجہ سے زمین پر پڑا ہوا دوسرا شکار بھی اس کی نظروں میں آ گیا تھا۔

''اس سے پہلے تم نے اسے گولی کیوں نہیں مار دی؟'' میں نے پوچھا۔

مودی صاحب کے گھر میں نئی ملازمہ آئی تو اس نے دیکھا، صاحب اوپر کی منزل پر ایک الگ تھلگ کمرے میں میز پر سر جھکائے بیٹھے یا کچھ لکھتے رہتے ہیں یا نہایت پرانی، بوسیدہ اور خستہ حال کتابوں کو جھاڑ پونچھ کر الٹ پلٹ کر دیکھتے رہتے ہیں۔

کئی روز تک ملازمہ اوپر نیچے آتے جاتے ان کے معمولات کا جائزہ لیتی رہی پھر ایک روز نجمہ مودی صاحبہ کے پاس جا کر بولی ''بیگم صاحبہ! آپ نے مجھے تیرہ سو روپے مہینہ پر ملازم رکھا تھا نا؟''

''ہاں بھئی...... اس سے زیادہ ہم نہیں دے سکتے۔'' نجمہ مودی نے جلدی سے کہا۔ انہیں اندیشہ محسوس ہوا تھا کہ ملازمہ ابھی سے تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ کرے گی۔

''میں زیادہ کی بات کب کر رہی ہوں بیگم صاحبہ!'' ملازمہ ترحم آمیز لہجے میں بولی ''میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ جب تک صاحب کو کوئی نوکری نہیں مل جاتی، تب تک آپ مجھے تیرہ سو کے بجائے ہزار روپے مہینہ دے دیا کریں......''

''میں تذبذب میں تھا۔ فائر کی آواز سن کر چھوٹا راجن ہوشیار ہو جاتا۔ یہ دونوں تو اس کے طفیلی ہیں، ہمارا اصل ہدف وہی ہے۔'' اس نے وہی جواب دیا جو ابتدا سے میرے ذہن میں موجود تھا۔

''مگر ماسٹر! ان دونوں کو کیا ہوا...... یہ اتنی خاموشی سے کیسے مر گئے؟'' میرے سوال کا جواب دینے کے بعد بھی اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

''یہ تو پوسٹ مارٹم سے ہی پتا چل سکے گا۔ ان دونوں کے ہتھیار سمیٹ کر اپنی جیپ میں ڈال لو۔ مفت کا یہ سامان کسی وقت تمہارے کام آئے گا۔'' میں نے اسے ٹال دیا۔

ان دونوں کے پاس لوڈ کی ہوئی رائفلوں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ رائفلوں پر قبضہ کرتے ہوئے، چاؤ فان نے دونوں لاشوں کو الٹ پلٹ کر کوئی زخم تلاش کرنے کی کوشش کی جو ناکام رہی۔ اس نے میگزین نکال کر دونوں رائفلیں اپنی جیپ کے عقبی حصے میں ڈال دیں۔ اس نے ریت پر پڑا ہوا پستول بھی مالِ غنیمت کی طرح اٹھایا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ وہ میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا تو اس نے منہ بنا کر وہ

پستول میرے حوالے کر دیا۔
''اب وقت خراب مت کرو۔ چہرے پر نقاب پہن لو۔ ہمیں راجن کو تلاش کرنا ہے۔'' میں نے اسے ہراساں دیکھ کر نرمی سے کہا۔ میں مسلسل نقاب پہنے ہوئے تھا۔
''ماسٹر! یہ مذاق نہیں ہے' اس وقت مجھے تم سے واقعی خوف آ رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کیا بلا ہو۔ جب تک ان دونوں کی موت کا معما حل نہیں ہوگا' میں یکسوئی سے کوئی کام نہیں کر سکوں گا۔ اگر تمہارے پاس کوئی خفیہ ہتھیار ہے تو مجھے اس کے بارے میں بتا دو۔ میں کسی کو اس کی ہوا نہیں لگنے دوں گا۔ ڈان کو بھی نہیں بتاؤں گا۔'' الجھن کے آثار اس کے چہرے اور آنکھوں سے مترشح تھے۔
اپنا مطالبہ پیش کر کے اس نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں جیپ کے پائیدان سے نقاب اٹھا لیا اور جھاڑ کر اپنے چہرے پر چڑھا لیا۔
وہ اپنی جگہ پریشان تھا۔ اس کے سوالوں نے مجھے بھی پریشان کر دیا۔ میں نے اپنے دونوں خفیہ ہتھیار ناگزیر ضرورت کے تحت استعمال کیے تھے۔ میرا دوسرا شکار مجھ سے اتنے فاصلے پر تھا کہ میں اس تک پہنچنے کی کوشش کرتا تو میرے رینگنے کی سرسراہٹ یا قدموں کی خفیف سی آہٹ سن کر وہ چونک جاتا۔ اس لق و دق ویرانے میں ساحل پر دم توڑتی ہوئی موجوں کے دھیمے اور یکساں شور کے سوا اور کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں اس کے قریب پہنچے بغیر اس کو انگوٹھی کے زہر سے شکار نہیں کر سکتا تھا اور اس تک پہنچنے میں یہ خطرہ مضمر تھا کہ وہ ہوشیار ہوتے ہی مجھے اپنی رائفل کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ میں نے سوچ سمجھ کر اسے بیم گن سے شکار کیا تھا۔
چاؤ فان اس امر کا چشم دید گواہ تھا کہ وہاں ہم چاروں کے سوا کوئی پانچواں متنفس موجود نہیں تھا۔ دو مر چکے تھے' تیسرا وہ خود تھا۔ اسے دونوں حریفوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ نتیجہ اخذ کرنا بہت آسان تھا کہ وہ دونوں میرے ہاتھوں مارے گئے تھے۔
ان دونوں کی موت مختلف طریقوں سے واقع ہوئی تھی۔ وہ دونوں طریقے صرف میرے نام سے منسلک تھے۔ یہ بات امریکی کیمپ کے لوگ اچھی طرح جانتے تھے اور شاید راجن بھی اس راز سے واقف ہو چکا تھا۔
اس تصادم کا پہلا مرحلہ ہم نے آسانی سے جیت لیا تھا لیکن اس کے نتیجے میں مجھے اپنے سر پر مشکلات کا ایک پہاڑ آتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ فوری طور پر مجھے چاؤ فان کو کوئی تسلی بخش جواب دینا تھا۔ اس سے کڑا مرحلہ اس وقت سامنے آتا جب ان دونوں لاشوں کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹیں اخبارات میں شائع ہوتیں اور یہ بات مشتہر کی جاتی کہ ایسی اموات ڈینی نامی پاکستانی کی دہشت گردیوں کا شاخسانہ ہوتی ہیں۔ اس تشہیر کے بعد ڈان کو مطمئن کرنا آسان نہ ہوتا۔
''پہلے ہمیں راجن کو دیکھ لینا چاہیے۔'' میں نے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا ''اس نے یہاں سے واپسی کا ارادہ کر لیا تو ہم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔ اس کا قصہ نمٹانے کے بعد میں تمہیں ہر بات سمجھا دوں گا۔''
وہ اپنے چہرے پر نقاب چڑھا چکا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا کہ میرے جواب پر اس کا کیا ردِ عمل تھا۔ وہ خاموشی سے میرے ساتھ آگے چل دیا۔
راجن کی سفید کار کے قریب رک کر ہم نے اس کا جائزہ لیا تو کار مقفل نہیں تھی۔ اس وقت کار کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کی تلاشی واپسی میں بھی لی جا سکتی تھی۔ کار کا سرسری جائزہ لے کر ہم نے دوبارہ پیش قدمی شروع کر دی۔ ہمارے اور ساحلی پٹی کے درمیان چند اونچے نیچے ٹیلے باقی رہ گئے تھے۔ جن پر چڑھنے اور اترنے کے دوران میں احتیاط ضروری تھی۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ ٹیلوں کی کس درمیانی گھاٹی میں راجن سے سامنا ہو جائے۔
ہم دونوں اپنی رائفلیں سیدھی کیے' محتاط انداز میں آگے بڑھتے رہے۔
مجھے احساس تھا کہ راجن ہم سے بہت پہلے وہاں پہنچ گیا تھا۔ ساحل پر اس کے دیکھنے کے لیے کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اس کی پسندیدہ لانچ دھاکوں کے چند گھنٹوں بعد سمندر کی تہ میں بیٹھ گئی تھی۔ وہ حسرت بھری نظروں سے صرف اس مقام کا مشاہدہ کر سکتا تھا جہاں وائٹ ہاک اپنی غرقابی سے پہلے لنگر انداز تھی۔ عین ممکن تھا کہ جن لمحات میں ہم اس کی تلاش میں ساحلی ویرانے کی طرف بڑھ رہے تھے' وہ اپنا دردناک مشاہدہ مکمل کر کے ساحل سے لوٹ رہا ہو۔ ایسی صورت میں اس سے راستے میں آمنا سامنا ہو سکتا تھا۔
ہمارے راستے میں حائل ٹیلوں نے ہمارا کام مشکل بنا دیا تھا۔ جب ہم لی کے ساتھ ٹائم بم چلانے کے لیے اس ساحل پر گئے تو چاؤ فان نے بہت ستھرا اور نسبتاً ہموار راستہ اختیار کیا تھا۔ جس پر رات کے آخری پہر میں بھی چلنا دشوار نہیں تھا۔ راجن اپنی لانچ پر آمد و رفت کے لیے کسی پُر تعیش گھاٹ سے چھوٹی موٹر بوٹس میں سفر کرتا رہا ہوگا۔ اس لیے وہ

ان غیر روایتی راستوں سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ اپنی آمد کو صیغۂ راز میں رکھنے کے لیے اس نے کسی باقاعدہ گھاٹ کا رخ کرنے کے بجائے ویرانے کا رخ کیا اور گندے راستے پر آگیا۔

ان ٹیلوں کی ریت زرخیز تھی۔ ان پر جا بجا سخت ڈنٹھلوں والی خودرو جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ہم رات کے اندھیرے میں ان رکاوٹوں سے بچتے بچاتے آگے بڑھتے رہے۔ ہر بلندی پر پہنچنے کے بعد میں نیچے اترنے سے پہلے ذرا رک کر آگے کا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے یہ خوف لاحق تھا کہ اگر ہم نشیب میں ہوئے اور راجن نے بلندی سے ہمیں دیکھ لیا تو ہمارے لیے اپنا بچاؤ دشوار ہوجائے گا۔

چلتے چلتے اچانک چاؤ فان نے اضطراری انداز میں زور سے میرا بازو دبایا اور میرے بڑھتے ہوئے قدم ریت میں گڑ کر رہ گئے۔

چاؤ فان اپنا نقاب میں چھپا ہوا سر اٹھا کر داہنی طرف سے کوئی آواز سننے کی کوشش کررہا تھا۔

میں بھی اس کی اس کوشش میں شامل ہوگیا لیکن میرے کانوں میں ہوا کی دھیمی سرسراہٹ اور لہروں کے دم توڑتے ہوئے شور کے سوا کوئی آواز نہیں آئی۔

''ماسٹر! میں نے کسی کے بولنے کی آواز سنی تھی۔'' چند ثانیوں کے گہرے سکوت کے بعد چاؤ فان نے پھنسی پھنسی آواز میں میرے کان میں سرگوشی کی۔

میں نے سر ہلا کر اسے تسلی دی کہ میں اس کے شبہے کو نظر انداز کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ہم دونوں اسی مقام پر جمے کھڑے رہے۔ کسی آواز کی تلاش میں دونوں ہمہ تن گوش بنے ہوئے تھے۔

اچانک تاریک فضا میں کسی ٹارچ کی تیز روشنی چمکی اور پھر معدوم ہوگئی۔ میری بے چین نظروں نے عقابی انداز اس روشنی کا پیچھا کیا اور مجھے چاؤ فان کے شبہے پر یقین آگیا۔

وہاں ہر طرف ٹیلوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ دور تک پھیلے ہوئے اس سلسلے کے ایک حصے سے ہم آگے بڑھ رہے تھے اور ہم سے داہنی طرف راجن واپس آرہا تھا۔ ٹیلوں کے نشیب و فراز کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہم محتاط تھے اس لیے راجن کو ہماری موجودگی کی کوئی سن گن نہیں مل سکی تھی۔ وہ بے فکری سے واپس لوٹ رہا تھا اس لیے چاؤ فان نے اس کی یا اس کے ساتھی کی آواز سن لی تھی۔ وہ دونوں ٹارچ جلا کر، اس کی روشنی میں راستہ طے کررہے

''لگتا ہے باس نے آج پھر ڈانٹ پلائی ہے،
جو باکسنگ کے اس تھیلے پر پریکٹس کرنے لگے ہو؟''

تھے۔ شاید کسی گڑھے وغیرہ میں پیر پڑنے کی وجہ سے لمحے بھر کے لیے ٹارچ کا رخ بدل گیا اور مجھے اس کی روشنی تاریک فضا میں تیرتی ہوئی نظر آگئی۔ میں نے روشنی غائب ہونے کا مقام دیکھ کر اندازہ لگالیا کہ وہ دونوں ہم سے چند سو گز دور، داہنی طرف سے آرہے تھے اور ہم سے پیچھے تھے۔

ایک صورت یہ ہوسکتی تھی کہ ہم اپنا رخ بدل کر ان کی طرف چل دیں اور انہیں راستے ہی میں گھیرنے کی کوشش کریں۔ وہ ٹارچ استعمال کررہے تھے۔ اس کے سہارے ان تک پہنچنا آسان تھا۔ مجھے محسوس ہورہا تھا کہ ہم ان تک پہنچ کر ان پر پہلا برسٹ فائر کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ ہمارا پہلا برسٹ ان دونوں کو چاٹ لیتا۔ ہماری رائفلوں کے میگزین زیادہ بھاری نہیں تھے، وہ ایک برسٹ میں خالی ہوجاتے۔ اگر وہ دونوں ہمارے پہلے وار سے بچ کر یا زخمی ہوکر تاریکی میں کہیں اپنا مورچا جمالیتے تو اندھیری رات، ٹیلوں اور خودرو جھاڑیوں سے گزر کر انہیں تلاش کرنا ناممکن ہوجاتا۔ ان دنوں راجن کا ستارہ گردش میں آیا ہوا تھا۔ وہ جم کر مقابلہ کرنے کے بجائے فرار کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کرتا اور اس میں کامیاب ہوجاتا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہاں سے بھاگنے کے لیے وہ اپنی سفید کار کا رخ کرتا۔ مقابلے کا آغاز ہوتے ہی یہ بات اس کی سمجھ میں آجاتی کہ اس کے نامعلوم دشمنوں نے اس کے دونوں آدمیوں کو زیر کرنے کے بعد اس کا رخ کیا ہوگا، ایسی صورت میں گاڑی کا لالچ اس کے لیے پھندا بن جائے گا۔ وہ گاڑی پر لعنت بھیج کر کسی بھی سمت میں بھاگتا اور ٹیکسی وغیرہ لے کر شہر کی طرف روانہ ہوجاتا۔ ہم ہاتھ ملتے رہ جاتے۔

اس سے بہتر اور متبادل حکمتِ عملی یہ تھی کہ ہم راستے میں اس سے کوئی تعرض نہ کریں۔ وہ ساحل سے چل پڑا تھا تو اسے اطمینان سے واپس آنے دیں اور خود اس کی گاڑی کے قریب گھات لگا کر بیٹھ جائیں۔ اس کی گاڑی ریت کے ٹیلوں سے دور، ہموار زمین پر موجود تھی۔ وہاں ان دونوں کے چھپنے یا فرار ہونے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ رینج میں آتے ہی ہم انہیں اپنی باڑ پر لے کر بھون سکتے تھے۔

اس طریقۂ کار میں صرف دو خرابیاں تھیں۔ راجن کے دونوں آدمیوں کی لاشیں اور چاؤ فان کی جیپ۔ ان دونوں میں کسی ایک پر نظر پڑتے ہی راجن کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو جاتیں۔ ہماری کامیابی کے لیے اس کا غافل اور بے خبر رہنا ضروری تھا۔

میں نے کھڑے کھڑے چند لمحوں میں وہ ذہنی تجزیہ کیا اور پوری رفتار سے گاڑیوں کی طرف واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ ہوا کا رخ ہماری طرف تھا۔ اس کے دوش پر ان دونوں کی آوازیں ہماری طرف سفر کر سکتی تھیں۔ ہماری کوئی آواز ان تک پہنچنے کا امکان نہیں تھا۔

''واپسی کی دوڑ لگاؤ!'' میں نے نیچی آواز میں چاؤ فان سے کہا اور گاڑیوں کی طرف لوٹنے لگا۔

اپنی محتاط روی کے باعث ہم گاڑیوں سے زیادہ دور نہیں گئے تھے پھر بھی ریتیلے ٹیلوں پر چڑھنے اور اترنے میں چاؤ فان ذرا سی دیر میں ہانپنے لگا۔

''ماسٹر! ذرا آہستہ چلو۔ اس رفتار سے میرا سینہ پھٹ جائے گا۔'' اس نے چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان رک رک کر فریاد کی۔ اس نے گھبرا کر اپنے چہرے سے نقاب اتار لی تھی۔

میں نے اس کی بات مان لی پھر بھی ہم بہت جلد گاڑیوں تک پہنچ گئے۔

''ایک ایک کر کے دونوں لاشیں میرے کندھے پر لدواؤ۔ انہیں راجن کی گاڑی میں ڈال دیں گے۔'' میں نے اس کی ابتر حالت دیکھتے ہوئے وہ ذمّے داری خود قبول کر لی۔

''وہ گاڑی دور ہے، انہیں جیپ میں ڈال دو نا!'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''دوسری لاش اٹھواتے ہی تم جیپ لے کر سڑک کی طرف نکل جاؤ۔'' میں نے تیزی سے کہا ''راجن کے آنے سے پہلے یہاں میدان صاف ہو جانا چاہیے ورنہ وہ دور سے اپنا راستہ بدل لے گا۔''

چاؤ فان بھی جنگ جو تھا۔ ایک بات سے پورا منصوبہ اس کی سمجھ میں آ گیا۔ وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا ''تم تنہا ان کا مقابلہ کرو گے!''

''مقابلے کا امکان ذرا کم ہے۔ دعا کرو کہ اس کے ذہن میں کوئی شک وشبہ پیدا نہ ہو۔ نشانے پر آتے ہی میں ان دونوں کو مار لوں گا۔''

واقعات جس رفتار سے رونما ہو رہے تھے، میرا ذہن اسی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ پہلی لاش اپنے کندھے سے راجن کی کار کی عقبی سیٹ پر ڈالتے ہوئے میرے ذہن میں ایک اچھوتی تجویز جنم لے چکی تھی۔ وہ کار راجن کی تھی، مرنے والے دونوں آدمی بھی اسی کے نمک خوار تھے اور گاڑی کی ٹنکی میں وافر مقدار میں پیٹرول کا ہونا یقینی تھا۔ راجن اور اس کے ساتھی کا قصہ نمٹاتے ہی اگر میں اس گاڑی کو آگ لگا دیتا تو گاڑی کے ساتھ دونوں لاشیں بھی جل کر کوئلہ ہو جاتیں۔ لاشیں باقی نہ رہتیں تو ان کے پوسٹ مارٹم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پیٹرول کی ہولناک آگ ان دونوں کی موت کے اسباب کو بھی چاٹ جاتی اور میں ہر خطرے سے آزاد ہو جاتا۔

بیم گن اور زہریلی انگوٹھی کے استعمال کے شواہد مٹ جانے کے بعد میں چاؤ فان کو کوئی بھی کہانی سنا کر مطمئن کر سکتا تھا۔ میری کہانی کی تردید کے لیے کسی کے پاس کوئی ثبوت نہ ہوتا۔

چاؤ فان کو جیپ لے کر سڑک کی طرف نکل جانا تھا۔ اسے زندگی بھر یہ علم نہیں ہو سکتا تھا کہ راجن کی گاڑی کو میں نے آگ لگائی تھی۔

الجھے ہوئے حالات یکا یک ناقابلِ یقین حد تک سلجھتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

میں اپنے کندھے پر دوسری لاش لاد کر راجن کی گاڑی کی طرف چلا اور چاؤ فان نے جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کر لیا۔

میں اپنے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کر رہا تھا تو جیپ مڑ کر کافی دور جا چکی تھی۔

میں تھکن کے ہلکے سے احساس کے ساتھ راجن کی گاڑی سے ٹیک لگا کر ریت پر بیٹھ گیا۔ رائفل اپنی گود میں رکھ کر میں نے انتظار کی گھڑیاں گزارنے کے لیے سگریٹ سلگا لی۔ میری نگاہیں اس سمت میں جمی ہوئی تھیں جدھر سے میرے دونوں شکاروں کی آمد متوقع تھی!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

آخری قسط

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خود نوشت اس نے منشیات کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر، ملک ملک، اور براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لئے خاک اڑانا اس نوجوان کا شغل ہو گیا مگر موت کے سوداگر بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا تیری سلسلہ۔ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں

اب آپ قسط نمبر 253 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

میں نرم اور ٹھنڈی ریت پر راجن کی گاڑی سے ٹیک لگائے' سگریٹ پیتا اور سوچتا رہا مگر میری نظریں مسلسل اسی سمت میں مرکوز تھیں جہاں سے راجن اور اس کے ساتھی کے نمودار ہونے کی امید تھی۔

چاؤ فان میری توقع کے برعکس اپنی جیپ لے کر بہت آسانی کے ساتھ وہاں سے ٹل چکا تھا۔ اس میں چاؤ فان کی سعادت مندی سے زیادہ سچویشن کا دخل تھا۔ یہ بات اس کے ذہن میں آگئی کہ راجن کی گاڑی کے پاس اس کی جیپ موجود ہوئی تو دور ہی سے راجن کو کسی گڑبڑ کا اندازہ ہو جائے گا اور وہ بے پروائی سے اپنی گاڑی تک آنے کے بجائے دور رک کر صحیح صورتِ حال کا اندازہ لگانے کی کوشش کرے گا۔ اس نے میری ہدایت مان لی۔

اس کے جانے کے بعد میں خود کو بہت زیادہ مطمئن اور آزاد محسوس کر رہا تھا' جو کچھ کرنا تھا مجھے اپنے طور پر کرنا تھا' اس میں راجن کے بقیہ دو آدمیوں کی اچانک اور خاموش موت کی پردہ پوشی کا بندوبست بھی شامل تھا۔

راجن کا انجام مجھے سامنے نظر آرہا تھا۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ طارق نے مجھے اس کی نقل و حرکت سے بروقت باخبر کر کے اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔

ذرا سی دیر کی بات تھی۔ وہ اپنی پُرشکوہ لانچ کے غرقاب ہونے کی جگہ کا مشاہدہ کر کے ساحل کی طرف سے اس ویرانے میں میری زد میں آتا اور میری رائفل سے نکلی ہوئی گولیاں آن واحد میں اس کا سینہ چھلنی کر دیتیں۔ دو سوختہ ساتھیوں کی لاشوں کے ساتھ ممبئی اور بنکاک کا وہ نامور بدمعاش وہاں بے گور و کفن پڑا رہ جاتا۔

راجن کی موت ڈان برنارڈ کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ اس نے میری کارکردگی سے خوش ہو کر خیر سگالی کے اظہار کے طور پر میرا اور غزالہ کا پاسپورٹ لوٹانے پر آمادگی ظاہر کی تھی مگر یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ وہ میرے ہاتھوں راجن کو جہنم واصل ہوتا دیکھنا چاہتا تھا۔ ڈان نے وہ باتیں بہت نرم اور دوستانہ انداز میں کہی تھیں مگر مجھے بہ خوبی اندازہ تھا کہ راجن کو ہلاک کیے بغیر مجھے بنکاک بلکہ تھائی لینڈ سے نکل جانے کی اجازت نہیں مل سکے گی۔

راجن کی موت کا مرحلہ قریب آجانے پر مجھے ایک اور فکر ستانے لگی۔ میں بنکاک کی زیرزمین دنیا کے معاملات میں کافی زیادہ ملوث ہو گیا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ مجھے موقع ملے اور میں وہاں سے کہیں اور روانہ ہو جاؤں۔ لیکن اس مرحلے پر ویرا اور سلطان شاہ امریکا میں ایک گہری چوٹ کھانے کے بعد بنکاک آرہے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں ان کے آتے ہی وہاں سے کیسے روانہ ہو سکوں گا۔

وہ دونوں ریٹا ایف ہیریسن اور اکبر خان کے ناموں سے سفر کر رہے تھے۔ ان کے پاسپورٹ وغیرہ جلال نے بنوائے تھے۔ ان کے بارے میں یہ سوچنا بھی محال تھا کہ وہ جعلی رہے ہوں گے۔ اگر وہ جعلی تھے تب بھی اصل سے اتنے قریب رہے ہوں گے کہ ان کو پکڑنا ناممکن ہوتا۔ میں نے غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ میں ان دونوں کی وجہ سے اپنی روانگی کا پروگرام التوا میں نہیں ڈالوں گا۔ راجن کا قصہ نمٹاتے ہی پہلی فرصت میں وہاں سے نکل جاؤں گا۔

ڈان اپنی دانست میں مجھے بہت زیادہ عزت اور اہمیت دے رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ میں بنکاک میں رکا رہا تو ڈان کی وہ عزت افزائی میرے گلے پڑ جائے گی۔ ڈان کے تیور بتا رہے تھے کہ بنکاک کے بدمعاشوں پر اپنی دھاک بٹھانے کے بعد وہ مجھے اپنے گروہ میں کوئی اہم ترین درجہ دینے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں ایک بار ان چکروں میں الجھ جاتا تو میرے وہاں سے نکلنے کے امکانات ایک لمبی مدت کے لیے معدوم ہو جاتے۔

رہا ویرا اور سلطان شاہ کا معاملہ تو وہ دونوں بہ ظاہر سیاحت کے لیے بنکاک آرہے تھے۔ یہ نکتہ ویرا خود بیان کر چکی تھی کہ روزانہ ہزاروں سیاح بنکاک کا حسن دیکھنے اور برتنے کے لیے وہاں آتے ہیں۔ اس بھیڑ میں ان دونوں کی آمد کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ کسی کی خون آشام مخبری کے بغیر ہمارے دشمنوں میں سے کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ دونوں اچانک بنکاک پہنچ چکے ہیں۔

وہ اپنی مرضی سے وہاں رہتے اور دل بھر جانے کے بعد کسی نئی منزل کا رخ کر سکتے تھے۔ جب تک پاکستان میں امریکی اہلکاروں کی پیدا کی ہوئی معاندانہ فضا سازگار نہ ہوتی' ہم چاروں میں سے کوئی ادھر کا رخ کرنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ اس وقت تک ہمیں ان ملکوں میں گھومتے رہنا تھا جن کے ویزا ہمارے پاس موجود تھے۔

میں تاریکی میں تنہا بیٹھا اسی ادھیڑبن میں مبتلا تھا۔ میری سگریٹ پوری ختم نہیں ہوئی تھی کہ اچانک ریت کے ٹیلوں کے درمیان کسی ٹارچ کی روشنی حرکت کرتی ہوئی نظر آئی اور میں نے ادھ جلی سگریٹ ریت میں مسل کر بجھا دی۔

راجن کی چھوڑی ہوئی گاڑی سفید تھی' میں اپنے قدموں پر کھڑا ہوتا تو اس کے پس منظر میں دور سے میرا ہیولا دیکھا جا سکتا تھا۔ میں ریت پر بیٹھے بیٹھے ہی اس گاڑی کے عقب

میں چلا گیا۔ وہ گاڑی مجھے نہ صرف راجن کی نگاہوں سے بچا سکتی تھی بلکہ براہِ راست تصادم کی صورت میں مجھے بہترین آہنی ڈھال بھی مہیا کر سکتی تھی۔

گاڑی کی اوٹ میں اپنی پوزیشن بنا کر میں نے اپنی نظریں دوبارہ اس روشنی پر جما دیں جو ریتیلے ٹیلوں کے درمیان لحہ بہ لحہ واضح ہوتی جا رہی تھی۔

روشنی کا رخ میری طرف تھا' آنے والے اس کے پیچھے چل رہے تھے' میں فوری طور پر انہیں دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا کئی ثانیوں تک اسی سمت میں نگاہیں مرکوز رکھنے کے بعد آخر کار میں یہ اندازہ لگانے میں کامیاب ہو گیا کہ آنے والے تعداد میں دو تھے۔

ان کو دو ہی ہونا چاہیے تھا' میں نے آخری مرتبہ اپنی رائفل چیک کر کے یہ یقین کر لیا کہ وہ ایک ایک گولی اگلنے کے بجائے برسٹ فائر کرنے کی پوزیشن میں تھی۔

میں اس تاریک ویرانے میں نشانہ لے کر ایک ایک گولی چلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ مجھے ان دونوں کو ایک بلکہ پہلے وار میں مار گرانا تھا۔ میرا وہ وار کارگر نہ رہتا تو وہ تاریکی میں کہیں بھی گم ہو جاتے۔ وہ مجھے اپنا نشانہ بنا لیتے یا پھر میں اندھیرے میں انہیں ڈھونڈتا رہ جاتا۔ دونوں صورتوں میں مجھے اپنے ارادوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا' اس وقت میں کسی بھی طرح وہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

طارق نے مجھے راجن کی نقل و حرکت کی بروقت خبر دے کر ایک سنہرا موقع فراہم کیا تھا۔ طارق کی اپنی کچھ مجبوریاں تھیں۔ وہ اس سے زیادہ میرا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ اسے جو کچھ کرنا تھا وہ کر گزرا تھا۔ اس سے آگے میری عملداری شروع ہو جاتی تھی۔

میری نظریں ٹارچ کی روشنی کے پیچھے حرکت کرنے والے دونوں ہیولوں پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے اپنی رائفل کی نال سیدھی کر لی اور راجن کی گاڑی کی اوٹ میں اس طرح دبک گیا کہ میں ان دونوں کو دیکھتا رہوں' وہ اچانک مجھے دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اگر ٹارچ کی روشنی قریب آ جاتی تو میں آسانی سے پیچھے سرک کر محفوظ تر پوزیشن میں جا سکتا تھا۔

وہ روشنی ایک اونچے ٹیلے سے ڈھلان کا سفر کر رہی تھی۔ غالباً وہ ان کے راستے میں حائل ہونے والا آخری ٹیلا تھا کیونکہ ٹارچ کی روشنی سیدھی نیچے تک آ رہی تھی۔

پھر میرے کانوں میں وقفے وقفے سے ان کی اضطراری آوازیں آنے لگیں۔ اندھیرے میں اس کچے اور ناہموار راستے پر پیدل چلنا آسان کام نہیں تھا۔ میں ہوا کے دوش پر تیرنے والی ان کی آوازیں سن رہا تھا۔ الفاظ اور مفہوم میرے پلّے نہیں پڑ رہے تھے۔

میرے لیے انتظار کی وہ گھڑیاں صبر آزما تھیں۔ رفتہ رفتہ ان کی آوازیں واضح ہو گئیں۔ وہ ٹیلے سے اتر کر نسبتاً مسطح میدان میں اتر آئے تھے۔

''یہ راجو سالا کہاں مر گیا!'' اس بار میں نے ایک ایک لفظ صاف سنا۔ وہ تحکمانہ آواز یقینی طور پر راجن کی تھی۔

''باس! یہیں کہیں ہوگا...... ہو سکتا ہے کہ کہیں پیشاب کرنے چلا گیا ہو۔'' دوسری آواز بھی خاصی کرخت تھی لیکن اس وقت سہمی ہوئی اور مدافعانہ محسوس ہوئی۔

''چارلی بھی غائب ہے۔'' ایک غلیظ گالی کے بعد راجن نے طیش سے کہا' ''کیا دونوں سالوں کو ایک ساتھ پیشاب خطا ہونے کی بیماری لگی ہے!''

دوسرا کچھ نہ بولا۔ چلتے چلتے وہ دونوں اچانک رک گئے۔ میرے دل کی دھڑکنیں یک بہ یک تیز ہو گئیں اور اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا۔ میرے لیے وہ کچھ اچھا شگون نہیں تھا کہ پیش قدمی کے اس مرحلے پر راجن کو اپنے دونوں آدمی یاد آ گئے تھے۔

راجن عقل سے کورا نہیں تھا۔ کار کے پاس اپنے کسی آدمی کو موجود نہ پا کر اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ پھر یکایک فضا راجن کی اونچی آواز سے گونج اٹھی' اس نے راجو کو پکارا تھا۔

راجو اور چارلی اپنے آقا کو جواب دہی کے جھمیلے سے یکسر آزاد ہو کر اپنی گاڑی میں اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ راجن کو اپنی آواز کی بازگشت کے سوا اس ویرانے میں کوئی جواب نہیں مل سکا۔

''کچھ گڑبڑ ہے۔'' راجن کی تشویش زدہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

یکایک ٹارچ بجھا دی گئی۔ ہر طرف گھور اندھیرا پھیل گیا لیکن میری آنکھیں تاریکی میں ان دونوں کے تاریک تر ہیولوں کو بہ خوبی دیکھ رہی تھیں۔

میں نے فاصلے کا اندازہ لگایا۔ شاید میری رائفل سے نکلنے والی گولیاں ان تک پہنچ جاتیں لیکن ان کا زور ٹوٹ جاتا۔ میں اس وقت فائر کر کے انہیں کوئی کاری زخم نہیں لگا سکتا تھا۔

''نورا تو جا کر دیکھ کہ وہ دونوں کہاں مرے ہوئے ہیں۔'' راجن کی بات جاری تھی' ''تو سگنل دے گا تو میں آ گے

بڑھوں گا۔ آنکھیں بند کر کے آگے بڑھنا ٹھیک نہیں ہے۔''

''باس!'' نورا کی کپکپاتی ہوئی آواز ابھری'' گاڑی کی اوٹ میں کوئی موجود ہوا تو مجھے بھون ڈالے گا۔ یہیں رک کر تھوڑی دیر دیکھتے ہیں کہ......''

راجن نے بات کاٹ کر اسے گالی دی اور کہا'' اب جاتا ہے یا میں تجھے بھون ڈالوں...... تیرے ہاتھ میں بھی گن ہے پھر تیری ماں کیوں مر رہی ہے؟''

''مم...... میں جاتا ہوں۔'' نورا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

میں منتظر رہا لیکن کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ دونوں اسی جگہ جمے ہوئے کھڑے تھے۔ راجن نے زبان سے اسے آگے بڑھنے کا حکم دیا تھا لیکن اشارے سے شاید روک لیا تھا۔ وہ اپنی دانست میں اپنے چھپے ہوئے حریف کو چکر دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

یکایک ان ہیولوں کے قریب شعلے چمکے۔ ٹھک ٹھک کی دبی دبی آوازوں کے ساتھ دو گولیاں ادھر سے تیرتی ہوئی آئیں اور گاڑی کے اوپر سے گزر گئیں۔

میرے ذہن میں روشنی کا ایک کوندا سا لپکا۔ راجن نے یقینی طور پر بڑے بور کے سائلنسر لگے ہوئے پستول سے وہ دو فائر کیے تھے۔ اگر اس کے پستول سے نکلی ہوئی گولیاں میری کمین گاہ کے اوپر سے گزر سکتی تھیں تو میری رائفل سے نکلی ہوئی گولیاں ان دونوں کو ادھیڑ سکتی تھیں۔ مجھے یہ یقین تھا کہ میری رائفل ہر پستول سے زیادہ طاقتور تھی۔ فاصلے کے بارے میں میرا اندازہ درست نہیں تھا۔ راجن نے فائرنگ میں پہل کر کے میری وہ مشکل آسان کر دی تھی۔

پھر رات کے گہرے سناٹے میں راجن نے راجو اور چارلی کو نام لے کر پوری آواز سے پکارا اور ان دونوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اس کی اشتعال میں ڈوبی ہوئی آوازوں کی بازگشت دور تک پھیل رہی تھی۔

اس نے اپنے رویے سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اپنے دونوں گمشدہ آدمیوں میں سے کسی کی طرف سے اطمینان بخش جواب ملے بغیر مزید ایک قدم بھی آگے نہیں آئے گا۔ اس نے دو بے آواز فائر کر کے اپنی دانست میں اپنے چھپے ہوئے حریف کو کسی جوابی کارروائی پر اکسانے کی کوشش کی تھی تاکہ اسے تاریکی میں مضمر خطرات کا صحیح ادراک ہو سکے۔

وہ اپنی جگہ سے آگے بڑھنے پر آمادہ نہیں تھا' میں دوڑ کر اس کی طرف جانے اور اسے دبوچنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

میں نے اپنی رائفل کی نال کا رخ درست کیا' ریت پر اکڑوں بیٹھ کر اپنی داہنی کہنی کو ران کا سہارا دیا اور پھر نال کو دائیں سے بائیں طرف جنبش دیتے ہوئے ایک برسٹ فائر کر دیا۔ تڑاتڑ کی ہولناک آوازوں کے ساتھ متعدد گولیاں اس طرف تیر گئیں۔

فضا میں ایک دبی دبی اور اذیت ناک چیخ گونجی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ چیخ راجن کی تھی۔ میری چلائی ہوئی کسی گولی نے اس کے جسم کا کوئی حصہ چاٹ لیا تھا۔ مجھے مایوسی ہوئی کہ اس کا نورا نامی ساتھی میری فائرنگ سے بچ گیا تھا کیونکہ فضا میں دوسری چیخ نہیں سنائی دی تھی۔

میں نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھا لیکن مجھے ان دونوں کے ہیولے کہیں نظر نہیں آئے۔ میں نے دوبارہ ہلکا سا برسٹ مارا۔ وہ اندھیرے میں چلایا ہوا تیر تھا جو ضائع ہو گیا۔ میں نے رائفل تان کر اس طرف دوڑ لگا دی جہاں آخری بار وہ دونوں کھڑے ہوئے نظر آئے تھے۔

دوڑتے ہوئے میں نے رائفل کا کھٹکا سرکا کر اسے برسٹ سے سنگل فائر پر منتقل کر دیا۔ میں اپنے اندازے کے مطابق ان کی چھوڑی ہوئی پوزیشن کے قریب پہنچا تو مجھے تاروں کی چھاؤں میں وہاں ریت پر ایک انسانی وجود بے حس و حرکت پڑا ہوا نظر آیا۔

میں نے بے خوفی سے اس کی آستینیں پکڑ کر سیدھا کیا اور میری امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ میری گولی اس کے بھیجے کو اڑاتی ہوئی پار نکل گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ اپنے دہانے سے کوئی آواز نکالے بغیر آناً فاناً میں مر گیا تھا۔ مجھے صدمہ ہوا کہ وہ آدھی کھوپڑی والا' بگڑا ہوا چہرہ راجن کا نہیں تھا۔ اس کا رنگ راجن کے مقابلے میں بہت صاف تھا۔

طارق کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق راجن اپنے تین آدمیوں کے ساتھ ان اطراف میں آیا تھا اور وہ تینوں ہی ذرا سی دیر میں میرے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔ یہ راجن کے مقدر کی یاوری تھی کہ وہ بچ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

میرے لیے اطمینان کی ایک ہی بات تھی کہ پہلا برسٹ فائر کرتے ہی میں نے واضح طور پر راجن کی چیخ سنی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ زخمی ہو چکا تھا۔

میں نے مرنے والے کی لاش کے قریب زیادہ وقت برباد نہیں کیا۔ اس کے چہرے پر ایک نظر ڈال کر آگے دوڑ لگا دی۔

میرے لیے یہ خیال سنسنی خیز تھا کہ تیسرے ساتھی کی خاموش موت کے بعد راجن نہ صرف اکیلا رہ گیا تھا بلکہ زخمی

بھی ہو چکا تھا۔ میں اپنے اس خطرناک حریف کو نیست و نابود کر دینے کے جوش میں کافی دور تک دوڑتا چلا گیا۔ اس دوران میں، میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے چند اندھا دھند فائر بھی کیے جن کا کوئی ردِعمل سامنے نہیں آسکا۔

اندھیرے میں جہاں تک میری نظر کام کر رہی تھی، ہر چیز ساکن نظر آرہی تھی، میرے سوا وہاں نقل و حرکت کے کوئی آثار نہیں تھے۔ مجھے احساس ہوا کہ میں بے مقصد بھاگ دوڑ میں لگا ہوا تھا۔ ہموار ریتیلے میدان میں کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔ راجن کے لیے بہترین راہ یہ تھی کہ وہ دوبارہ ٹیلوں میں گھس جاتا اور اس نے شاید ایسا ہی کیا تھا۔

مجھے اس کی طرف سے یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہ لمبا چکر کاٹ کر اپنی گاڑی تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ وہ مر کر بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کا مقابلہ صرف مجھ سے تھا۔ اس کے ذہن پر خوف سوار ہوگا کہ دشمن کے ایک دو آدمی اس کی کار کے پاس اندھیرے میں گھات لگائے بیٹھے ہوں گے، وہ ادھر کا رخ کرے گا اور مارا جائے گا۔

اچانک ٹیلوں کی طرف سے ایک بے آواز گولی میری طرف آئی اور قریب سے گزر گئی۔ ٹریگر کی ٹھک کی آواز گہرے سناٹے میں بہت نمایاں تھی۔ فضا میں میری طرف تیرتا ہوا شعلہ اس سے زیادہ نمایاں تھا، میرے اندازے کی تصدیق ہوگئی کہ راجن کسی ٹیلے پر چڑھ گیا تھا۔

میں نے اپنی رائفل کا رخ اس کی کمین گاہ کی طرف گھمایا اور دو گولیاں داغ دیں۔ وہ صرف اس کے فائر کا جواب تھا، مجھے کسی نتیجے کی توقع نہیں تھی۔ وہ بلندی پر تھا۔ اگر وہاں ذرا بھی اجالا ہوتا تو اس کے لیے مجھے مار گرانا بہت آسان ہوتا۔ میرے لیے اسے اپنی زد پر لینا تقریباً ناممکن تھا۔

''ڈینی! میں تجھے فنا کر دوں گا'' بلندی سے راجن کی غصیلی آواز گونجی۔ صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ بھاگتے رہنے کی وجہ سے اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

''کالے شیطان! ہمت ہے تو میدان میں آکر مقابلہ کر!'' میں نے ہوشیار رہ کر اسے للکارا۔

وہ گالیاں ایجاد کرنے اور بکنے میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ اس کے دہانے سے بلند آواز میں مغلظات کا ایک طوفان امڈ پڑا۔ اسی کے ساتھ اس نے پھر ایک فائر کیا۔ اس بار اس کی چلائی ہوئی گولی مجھ سے بہت دور تھی۔

میں خاموشی سے اس کے اگلے وار کا انتظار کرتا رہا لیکن کچھ نہ ہوا۔ جب وہ وقفہ بہت طویل ہوگیا تو میں نے مضطرب ہو کر اسے للکارا اور اندازے سے بلندی کی طرف ایک فائر کر دیا۔

جواب میں کچھ بھی نہیں ہوا۔ مزید کچھ انتظار کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ وہ مجھے چکما دے کر خاموشی سے کسی طرف نکل گیا تھا۔ ریت کے ساحلی ٹیلوں کے درمیان صحیح سمت میں پیش قدمی کر کے وہ بندرگاہ کے اس علاقے میں پہنچ سکتا تھا جہاں سے اسے شہر کے لیے کوئی نہ کوئی سواری مل جاتی۔ اپنی جان بچانے کے لیے اس نے اپنے تینوں ساتھیوں اور گاڑی کو فراموش کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

راجن کی وہ حکمتِ عملی میرے لیے قابلِ فہم تھی۔ میں اس کی جگہ ہوتا تو خود بھی کوئی مہلک خطرہ مول لینے کے بجائے پسپائی کی راہ اختیار کرتا۔

میں بوجھل قدموں سے راجن کی گاڑی کی طرف چل دیا جو اس تاریکی میں بھی خاصی واضح نظر آرہی تھی۔

واپسی میں، میں نے راجن کے تیسرے ساتھی کی لاش کو نظر انداز کر دیا۔ وہ گولی سے بھیجا اڑ جانے کی وجہ سے مرا تھا۔ اس سے مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

راجن کی گاڑی بہ دستور لاوارث حالت میں کھڑی ہوئی تھی۔ چاؤ فان سڑک پر اپنی جیپ لیے سخت اضطراب سے گزر رہا ہوگا۔ میں نے گاڑی پر ایک نظر ڈالی اور قدرے پیچھے ہٹ کر اس کی پیٹرول کی ٹنکی کے مقام پر فائر کر دیا۔

فائر کے دھماکے کے ساتھ بھق کی زوردار گونج پیدا ہوئی اور گاڑی سے ہولناک شعلوں کا ایک لہراتا ہوا مینار فضا میں بلند ہوگیا۔ وہ منظر بس ایک لمحے کے لیے نظر آیا پھر کار کے نیچے ہر طرف آگ ہی آگ پھیلتی چلی گئی۔

میں نے رائفل کندھے سے لٹکائی اور آسودہ انداز میں ایک طرف چل دیا۔

یکایک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دوسری طرف چاؤ فان تھا۔

''ماسٹر......! کیا ہو رہا ہے...... یہ آگ کہاں لگی ہے...... تم خیریت سے تو ہو نا؟'' اس نے مضطربانہ لہجے میں ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

اس کی فکرمندی سے میں دل ہی دل میں محظوظ ہوا پھر کہا ''یہ آگ میرے دل میں لگی ہے، راجن مجھے غچا دے کر ٹیلوں میں نکل گیا۔ اس کی ایک بھٹکی ہوئی گولی نے گاڑی کی پیٹرول کی ٹنکی میں آگ لگا دی ہے، میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ لاشوں کو کیسے باہر نکالوں!''

''ماسٹر! ایسا غضب نہ کرنا، تم بھی جل جاؤ گے۔'' میرا

آخری فقرہ سن کر وہ بوکھلا گیا۔ ''میری مانو تو تم بھی وہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔ میں ادھر آرہا ہوں۔''

میں نے کوئی جواب دیے بغیر فون بند کردیا۔

راجن کی پوری گاڑی دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔ شعلوں کے ساتھ فضا میں کثیف دھوئیں کا بادل بھی اڈ رہا تھا۔ وہ تاریک ویرانہ دور تک روشنی میں نہا گیا تھا لیکن راجن کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ میں دھیرے دھیرے اس الاؤ سے دور ہوتا رہا۔

ذرا سی دیر میں جاؤ فان کی جیپ ناہموار راستے پر اچھلتی کودتی ہوئی آگئی۔ جیپ رکتے ہی میں دروازہ کھول کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور جاؤ فان نے جیپ تیزی سے واپس گھمالی۔

''یہ آگ دور تک دیکھی جائے گی۔'' جاؤ فان بڑبڑایا ''ذرا سی دیر میں پولیس اور آگ بجھانے والی گاڑیاں یہاں پہنچ جائیں گی۔''

''ان کے آنے تک کچھ بھی نہیں بچے گا۔'' میں نے مایوسی سے جواب دیا ''پیٹرول کی آگ بہت موذی ہوتی ہے لاشوں سمیت ہر چیز جل کر راکھ ہو جائے گی۔''

''جلنے دو...... سب کچھ جل جانے دو' ہمارا کیا بگڑے گا۔'' جاؤ فان اضطراری لہجے میں بولا ''یہ ملبہ راجن کی ایک اور شکست کی گواہی دے گا۔ ایک کار اور دو جلی ہوئی لاشیں اسے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑیں گی۔''

''دو نہیں' تین لاشیں!'' میں نے اس کی تصحیح کی۔ ''راجن کا تیسرا ساتھی میری رائفل کا نشانہ بن گیا۔ اس کی لاش آگے پڑی ہوئی ہے۔''

''میں نے ایک چیخ سنی تھی!'' جاؤ فان نے جلدی سے لقمہ دیا۔ میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ وہ بھی خاموشی سے مرا تھا' فضا میں گونجنے والی چیخ راجن کی تھی۔

''مجھے صرف تمہاری رائفل کا فائر سنائی دے رہا تھا۔'' جاؤ فان کی بات جاری رہی ''کیا وہ بے آواز ہتھیار استعمال کر رہے تھے؟''

''شاید راجن کے پاس سائلنسر لگا ہوا پستول تھا۔ اس کے آدمی کے کندھے پر پڑی ہوئی رائفل پر مجھے سائلنسر نظر نہیں آیا۔'' میں نے بتایا۔

''یہ برا ہوا کہ وہ بچ کر نکل گیا۔'' جاؤ فان متاسفانہ لہجے میں بولا ''اس کے تینوں ساتھی نکل جاتے اور وہ مارا جاتا تو مزہ آجاتا۔''

''سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق ہونے لگے تو ہر طرف آفت آجائے' یہ قدرت اور اس کی غیبی قوتیں ہیں جو ہر کام اور شے میں توازن برقرار رکھتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ابھی راجن کے مقدر میں اور زیادہ ذلت لکھی ہوئی ہو۔''

''ماسٹر! کبھی کبھی تم فلسفہ بولنے لگتے ہو۔ وہ اپنی مادام بھی ایسی ہی ہے۔ ہنستے بولتے ہوئے اچانک ایسی باتیں شروع کردیتی ہے جو میرے سر پر سے گزرنے لگتی ہیں۔''

''تم انکسار سے کام لے رہے ہو۔ میرا اندازہ ہے کہ عام باتیں بھی تمہارے سر پر سے گزر جاتی ہیں۔'' میں نے شگفتہ انداز میں کہا۔

وہ مہم بیٹھے بٹھائے سامنے آئی تھی۔ طارق مجھے یہ خبر نہ دیتا کہ راجن موتی محل سے باہر نکلا ہے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ دوسری راتوں کی طرح وہ رات بھی گزر جاتی' میں جاؤ فان کے ساتھ نکلا اور ہم نے بہت آسانی کے ساتھ راجن کے تین آدمی مار لیے۔ وہ یقینی طور پر اس کے بہت اہم اور قریبی ساتھی رہے ہوں گے۔ ان کی عبرت ناک ہلاکت کے ساتھ میں نے راجن کو بھی زخمی کردیا تھا' چند گھنٹوں کی جدوجہد کے وہ نتائج بہت حوصلہ افزا تھے۔ میں ذہنی طور پر خود کو بشاش اور ہلکا محسوس کر رہا تھا۔

''تم کبھی کبھی میرے ساتھ زیادتی کر جاتے ہو۔'' اس نے پژمردہ لہجے میں شکایت کی ''میں اتنا کند ذہن نہیں ہوں۔ اہم مواقع پر تمہارے ہر اشارے کو سمجھ لیتا ہوں۔''

اسی وقت سڑک کے اگلے موڑ سے جلتی بجھتی ہوئی تیز روشنیوں اور سائرن کی خوف آور آواز کے ساتھ آگ بجھانے والی دو گاڑیاں مڑ کر ہماری طرف آتی ہوئی نظر آئیں۔ ان کے پیچھے پولیس والوں کی دو گاڑیاں بھی تھیں۔

درمیانی فاصلہ تیزی سے کم ہوتا چلا گیا پھر وہ چاروں گاڑیاں بہت تیزی کے ساتھ ہمارے قریب سے گزر کر اس سمت میں چلی گئیں جہاں راجن کی گاڑی جل رہی تھی۔ روح کو لرزا دینے والے اس شور شرابے کی وجہ سے میں جاؤ فان کے شکوے کا جواب دینے سے بچ گیا۔

''حیرت ہے کہ پولیس والوں نے ہماری طرف دھیان نہیں دیا۔'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''ان کی گاڑیاں دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں۔ آگ سڑک سے کافی دور بھڑک رہی ہے۔ ہم سڑک پر تھے۔ انہیں یہ خیال نہیں آیا ہوگا کہ ہم ادھر سے آرہے ہیں۔'' جاؤ فان نے خود ہی ان کی عدم توجہی کی تاویل پیش کردی۔

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا مگر میرے ذہن میں ایک پھانس سی چبھ کر رہ گئی۔ مجھے بنکاک کی پولیس کا تجربہ نہیں تھا۔ ہم جائے واردات کی طرف سے آرہے تھے' اس آتش زنی سے ہمارا کوئی تعلق نہ ہوتا تب بھی اصولی طور پر ہمیں وہاں رک کر آتش زدگی کا شکار ہونے والوں کی مدد کرنی چاہیے تھی۔ ہم لاتعلقانہ انداز میں وہاں سے گزرے اور پولیس والوں نے ہمارے اس غیر معمولی رویے پر کوئی توجہ نہیں دی۔ ہمیں یکسر نظر انداز کر کے آگے نکلتے چلے گئے۔
مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ وہ غیر ارادی طور پر اس غفلت کے مرتکب ہوئے تھے۔ دور سے پیٹرول کی خوفناک آگ دیکھ کر ان کے افسر کے سر پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ وہ فائر انجنوں کے ساتھ جلد از جلد جائے واردات پر پہنچ جائے۔ اس بدحواسی میں اس نے ہماری گاڑی پر دھیان نہیں دیا۔
شعلوں میں گھری ہوئی سفید کار کے پاس پہنچ کر جب اسے اندازہ ہوتا کہ وہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا تو عین ممکن تھا کہ اسے چاؤ فان کی گزرتی ہوئی جیپ یاد آ جاتی اور وہ ہماری تلاش میں وہاں سے واپس دوڑ لگا دیتا۔
''یہاں سے شہر جانے کے کتنے راستے ہیں؟'' میں نے پرسکون انداز میں چاؤ فان سے پوچھا۔
''ماسٹر! میں چھوٹے اور سیدھے راستے سے یہاں آیا تھا' دوسرا راستہ لمبا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا ''تم کو یہ خیال کیوں آ گیا؟''
''گاڑی اسی لمبے راستے پر لے لو!'' میں نے اسے ہدایت دی۔
''کیوں؟'' اس نے چونک کر سوال کیا۔
''تمہاری جیپ میں مزہ آرہا ہے' گھومتے پھرتے ہوئے ہوٹل چلیں گے۔'' میں نے اسے اپنے اندیشوں سے آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھا۔
وہ خوش ہو گیا ''میں چوری کے مال پر دل کھول کر رقم صرف کرتا ہوں۔ رنگ اور نمبر پلیٹوں کو بدلوانا مجبوری کا سودا تھا۔ میں نے اس کے پورے سسپنشن پر کام کرایا ہے' گڑھوں میں بھی بے تکے جھٹکے نہیں لگتے۔''
چند ثانیوں بعد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ چاؤ فان نے جیپ نئے راستے پر ڈال دی تھی۔
''ماسٹر! ایک بات میرے ذہن میں بچھو کے زہریلے ڈنک کی طرح چبھ رہی ہے۔'' کچھ دیر تک خاموشی سے جیپ چلاتے رہنے کے بعد چاؤ فان نے گمبھیر لہجے میں سکون توڑتے ہوئے کہا ''گولڈن ڈریگن میں تم سے ٹکرانے والا گارڈ خاموشی سے کتے کی موت مرا اور تم نے کسی سانپ وانپ کی کہانی سنائی تو میں نے تمہاری بات پر یقین کر لیا مگر آج میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیا بات ہے کہ تمہارے سامنے آنے والا ہر دشمن کھڑے کھڑے اچانک خاموشی سے مر جاتا ہے۔ راجن کے دونوں آدمیوں کی بے آواز موت نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے۔''
''چاؤ فان' میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں' پہلا گارڈ کیسے مرا' یہ مجھے نہیں معلوم اس وقت وہ میرے نہیں' تمہارے سامنے تھا۔ میں تو جیپ کے پیچھے دبکا ہوا اپنی خیر منا رہا تھا۔'' میں نے اس سے زیادہ سنجیدگی اختیار کر لی ''ہوسکتا ہے کہ اس نے تمہیں پہچان لیا ہو اور دہشت سے مر گیا ہو۔ دوسرے کے بارے میں میرا پکا اندازہ ہے کہ اسے اچانک دل کا دورہ پڑا اور وہ گرتے ہی مر گیا یا شاید مر کر گر گیا۔ تم نے خود دیکھا ہوگا کہ میں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ میں اس سے کافی دور زمین پر پڑا ہوا تھا۔
''ماسٹر! مجھ سے قسم لے لو جو میں نے ان دونوں کے ساتھ کچھ کیا ہو' میں اسے تمہاری کارستانی سمجھ رہا ہوں' یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ چند سیکنڈ کے وقفے سے ان دونوں کے ہارٹ فیل ہو گئے ہوں۔'' اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔
اس کے مدافعانہ انداز سے مجھے یکایک ایک نیا حربہ سوجھ گیا اور میں نے جارحانہ لہجہ اختیار کر لیا ''تم نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ مگر مجھے یقین ہے کہ ان کے ہارٹ فیل نہیں ہوئے تو تم نے اپنے کسی خفیہ ہتھیار سے انہیں مارا ہے۔ تم مجھے بتاؤ یا نہ بتاؤ' پوری تفصیل سننے کے بعد ڈان ہر قیمت پر تم سے سچ اگلوا لے گا۔''
اس نے گھبرا کر گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا ''ماسٹر! تم کیسی باتیں کر رہے ہو...... میں نے انہیں مارا ہوتا تو مجھے تم کو کریدنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ تم نے انہیں مارا ہے' تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو......''
وہ دھونس میں آتا ہوا نظر آرہا تھا میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے غرا کر کہا ''یہ الزام ہے؟ میں تمہاری جگہ ہوتا تو خاموشی سے اپنا کارنامہ تسلیم کر لیتا۔ وہاں صرف دو آدمی تھے۔ میں اور تم...... اگر ہم دونوں نے انہیں نہیں مارا تو پھر شاید آسمان سے فرشتے ہماری مدد کرنے کے لیے آئے ہوں گے یا نادیدہ بدروحوں نے انہیں موت کے گھاٹ اتارا ہوگا!''

''تم بلاوجہ خفا ہو رہے ہو۔ ان دونوں کا مر جانا ہمارے لیے فائدہ مند تھا۔ وہ نہ مرتے تو ہم دونوں مارے جاتے۔ میرا سوال تو بس اتنا سا تھا کہ وہ دونوں پراسرار انداز میں کیسے مر گئے؟''

''میرا خیال ہے کہ ہمیں آپس میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ معما ڈان خود حل کر لے گا۔'' میں نے بے رخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اور تم ڈان سے یہ کہو گے کہ میں نے انہیں کسی خفیہ ہتھیار سے مارا ہے!'' اس نے تقریباً رو دینے والے انداز میں مجھ سے تصدیق چاہی۔

''میں نے جو محسوس کیا ہے وہی کہوں گا۔ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ تم اپنی رائے پیش کر دینا۔ وہ دبنگ اور منہ پھٹ آدمی ہے۔ ذرا سی دیر میں سچ جان لے گا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''ماسٹر! تم مجھے مروا دو گے۔'' وہ دہرے قتل کی گتھی سلجھانے کے بجائے اپنے بچاؤ کی فکر میں مبتلا ہو گیا ''تمہارے سامنے وہ میری کوئی بات نہیں سنے گا۔ تم میری جامہ تلاشی لے لو، میرے پاس کوئی خفیہ ہتھیار نہیں ہے۔ وہ میرا خفیہ ہتھیار مانگے گا تو میں اسے کیا جواب دوں گا...... تمہیں معلوم ہے کہ میں اس کا ادب کرتا ہوں۔ وہ میری چمڑی گرا دے گا۔''

''اگر تم نے ان دونوں کو مارنے کے بعد اپنا خفیہ ہتھیار رو ہیں کہیں پھینک دیا ہے تو ڈان کو سچ بتا دینا، وہ تم کو کچھ نہیں کہے گا۔'' میں نے مکارانہ ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔

''تم وہی ایک بات کہے جا رہے ہو۔'' وہ زچ ہو کر بولا ''تم میری بات مان کیوں نہیں لیتے کہ میں نے انہیں نہیں مارا!''

''اور یہی بات میں بھی تم سے کہہ رہا ہوں، ہم دونوں کے ہاتھ صاف ہیں تو یہ کارنامہ یقیناً فرشتوں نے سرانجام دیا ہوگا۔'' میں نے طنز سے کہا ''ڈان کو علم ہونا چاہیے کہ اب فرشتے بھی اس کی مدد کے لیے آنے لگے ہیں!''

''ماسٹر! تم یہ تو مانو گے کہ ان دونوں کی موت حیرت ناک تھی۔ اب ہم دونوں یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ کیسے مرے۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر شکست خوردہ لہجے میں کہنا شروع کیا ''ڈان کو یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ آسیبی انداز میں اچانک مر گئے۔ کہہ دیں گے کہ ایک کو تم نے مارا، دوسرے کو میں نے ڈھیر کر دیا، بات وہیں ختم ہو جائے گی تیسرا تو خیر تمہارا ہی شکار تھا۔''

''نہیں چاؤ فان!'' میں ڈان کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اگر لاشوں کے پوسٹ مارٹم میں کوئی نئی بات سامنے آ گئی تو میں ہمیشہ کے لیے ڈان کی نظروں سے گر جاؤں گا۔ مجھے اپنی عزت اور ساکھ بہت عزیز ہے' میں اسے داؤ پر نہیں لگا سکتا۔''

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو!'' وہ جھنجلا کر بولا ''پوسٹ مارٹم لاشوں کا ہوتا ہے۔ تم نے ان دونوں کو چھوٹا راجن کی گاڑی میں ڈال دیا تھا' گاڑی کو بری طرح آگ لگی ہوئی ہے' فائر انجن بھی ان لاشوں کو کوئلہ بننے سے نہیں بچا سکیں گے۔ کوئلہ بنی ہوئی لاشوں کا پوسٹ مارٹم کون کرے گا۔ ان کی کہانی ہمیشہ کے لیے دفن ہو چکی ہے۔''

درحقیقت ابتدا سے میرا وہی منصوبہ تھا کہ دونوں لاشوں کو جلا کر رکھ کر دیا جائے مگر میں نے اس بارے میں چاؤ فان سے ایک لفظ نہیں کہا۔ یہ میری حکمت عملی کی کامیابی تھی کہ میری سوچی ہوئی باتیں وہ دہرا رہا تھا۔

میں نے تذبذب کی اداکاری کرتے ہوئے کہا ''تم نے طے کر لیا ہے کہ ڈان سے جھوٹ بولا جائے!''

''میرے پاس اس کے سوا کیا چارہ ہے؟ تمہیں معلوم ہے کہ میں شروع سے ان دونوں کی حیران کن موت کے مسئلے پر پریشان تھا' میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے ان پر اپنا کوئی کرتب دکھایا ہے' معاملہ نمٹے گا تو تم خود مجھے ہر بات بتا دو گے۔ تم کو یاد ہوگا کہ میں نے تم سے سوال کیا تھا۔ تم نے دل کے دورے کا امکان ظاہر کر کے بات ٹال دی۔ تم نے خود کہا تھا کہ چھوٹا راجن کا قصہ نمٹانے کے بعد مجھے ہر بات سمجھا دو گے لیکن اب تم نے آنکھیں بدل کر ساری ذمے داری میرے سر پر ڈال دی ہے۔'' اس نے پریشان لہجے میں ایک لمبی وضاحت پیش کرنی شروع کر دی ''اگر تم واقعی مجھ پر شبہ کر رہے ہو تو میں بے بس ہوں۔ آج کل تمہارے ستارے عروج پر ہیں ڈان تمہاری بات مان لے گا۔''

''تمہاری باتیں قابلِ فہم ہیں۔'' میں نے مصالحانہ انداز میں کہا ''اس وقت میری ساری توجہ دشمنوں پر مرکوز تھی' وہ مر گئے تو مجھے خوشی ہوئی۔ مجھے اس بات سے غرض نہیں تھی کہ وہ کیسے مرے اس وقت میں ان کی موت کے اسباب دریافت کرنے میں الجھ جاتا تو ہمارے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ اگر ہم دونوں کے ہاتھ صاف ہیں تو یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ دونوں ان اطراف میں پائی جانے والی کسی زہریلی خودرو جھاڑی کے کانٹے یا کسی خوفناک کیڑے مکوڑے کا نشانہ بن گئے۔ اب ان کی لاشیں جل کر کوئلہ بن

چکی ہوں گی۔ میں تمہارے اس خیال سے متفق ہوں کہ ان کی موت کے اسباب کا تعین کرنا ناممکن ہو چکا ہے۔ تم چاہتے ہو تو میں ایک قتل کی ذمے داری اپنے سر لے لوں گا۔''

''چاہو تو تم زہریلی جھاڑیوں والا نظریہ پیش کر کے ڈان کے سامنے دروغ گوئی سے بچ سکتے ہو۔'' اسے فوری طور پر متبادل مشورہ سوجھ گیا'' میں نے جھوٹ بولنے کا مشورہ مجبور ہو کر دیا تھا۔ تم مجھ پر شبہ کر رہے تھے اور پھر خفیہ ہتھیار...... خدا کی پناہ...... وہ میں کہاں سے پیدا کرتا۔''

میں نے دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا'' ڈان عملی دنیا کا آدمی ہے اس کے سامنے ہم نے کوئی نظریہ پیش کیا تو وہ بال کی کھال نکالے گا ہم نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ مگر ہم اسے یہ یقین نہیں دلا سکیں گے کہ وہ دونوں اپنی بدنصیبی کا نشانہ بن گئے۔ یہی کہنا ٹھیک رہے گا کہ ہم دونوں نے ایک ایک حریف کا کام تمام کر دیا۔

''مجھے ایک عمر گزر گئی مگر میں ابھی تک ڈان کو سمجھ رہا ہوں۔'' وہ حسرت زدہ آواز میں بولا'' تم نے مختصر سی مدت میں اس کے مزاج کو پالیا۔ وہ دو اور دو چار والا آدمی ہے۔ اس سے سیدھی اور دوٹوک باتیں ہی مناسب رہیں گی۔''

میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں چاؤ فان کے ساتھ محض ہلکی سی بدمزگی کے بعد اس سنگین معاملے کو مفاہمانہ انداز میں نمٹانے میں کامیاب ہو گیا۔ گفتگو کے دوران میں اس نے میرے سامنے اپنے دل کا غبار نکال لیا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ میری طرف سے اس کے دل میں کینہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

ویسے بھی وہ ڈان کے سامنے جھوٹ بولنے کے بعد خود بھی میرا شریک بن جاتا۔ دور دور تک یہ امکان نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ بعد میں ڈان کو سچ بتا کر اس کے قہر کا نشانہ بننے کا خطرہ مول لینے کی جرات کر سکے گا۔

بیم گن اور زہریلے نگینوں والی انگوٹھیاں میری پہچان کی واضح ترین نشانیاں تھیں۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ اس موقع پر اپنے ان دونوں ہتھیاروں کو استعمال کرنے کے باوجود میں ہر نشانی مٹانے اور چاؤ فان کو چکما دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

تیسرا آدمی میری رائفل کی گولی سے مرا تھا۔ اس کی لاش پولیس کے ہاتھ لگتی تو اس سے میرا کوئی راز افشا نہیں ہو سکتا تھا۔ جلنے والی ایک لاش کے ڈھانچے میں پائے جانے والے بیم گن کے سوراخ کو بھی رائفل وغیرہ کی گولی کا کارنامہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا جاتا۔

میرے اور راجن کے درمیان ہونے والے مکالمے سے اسے یہ علم ہو چکا تھا کہ اس کا ٹکراؤ مجھ سے ہوا تھا لیکن مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ پولیس کو میرے نام سے آگاہ کرے گا۔ غالب امکان یہی تھا کہ وہ اپنی کہیں اور موجودگی کے عذر کے ساتھ یہ بتائے گا کہ اس کے تین آدمی اچانک غائب ہو گئے۔ وہ کب اور کہاں گئے۔ اس بارے میں وہ اپنی مکمل بے خبری ظاہر کرے گا۔

یہ بڑے مجرموں کا خاص وطیرہ ہوتا ہے کہ کسی تصادم میں سرخ رو ہوتے ہیں تو سینہ ٹھونک کر اپنی مردانگی کے دعوے کرتے ہیں، ہزیمت اٹھانا پڑے تو کوشش کرتے ہیں کہ مقابلے میں اپنی موجودگی کا ذکر سرے سے حذف کر دیں۔

''چاؤ فان! تم کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو؟'' کچھ دیر کے گہرے سکوت کے بعد میں نے اسے چھیڑا، میرے دل میں چور تھا اس لیے میں باتیں کر کے اسے ٹٹولنا چاہ رہا تھا کہ اس کے دل میں میری طرف سے کوئی کدورت تو نہیں تھی۔

''ماسٹر! آج ہم نے ایک بڑی لڑائی جیتی ہے مگر قلق اس بات کا ہے کہ چھوٹا راجن بچ کر نکل گیا۔'' اس کی مغموم آواز ابھری۔

''وہ بہت ذلت کے ساتھ بھاگا ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا'' اس کی گاڑی جل کر تباہ ہو گئی' وہ خود زخمی ہے۔ ذرا تصور کرو کہ وہ موتی محل سے اپنی گاڑی میں تین محافظوں کے ساتھ نکلا تھا۔ اب زخمی حالت میں ٹک ٹک یا ٹیکسی کے ذریعے زخمی حالت میں وہاں واپس لوٹے گا تو اپنے ملازموں کے سامنے بھی نظریں نہیں اٹھا سکے گا۔''

''اوہ...... تو تم نے اسے زخمی بھی کر ڈالا!'' چاؤ فان نے مسرت آمیز حیرت سے کہا۔

''تم نے فائرنگ کے ساتھ جو چیخ سنی وہ راجن ہی کی تھی۔'' میں نے اسے بتایا۔

''مم...... مگر میں تو اسے مرنے والے تیسرے آدمی کی چیخ سمجھا تھا۔ تم نے بھی میری غلط فہمی دور نہیں کی۔''

''مائی ڈارلنگ! آج خاموشیوں کی رات ہے۔ ان دونوں کی طرح تیسرا بھی کوئی آواز نکالے بغیر مر گیا۔''

''اوہ! تو کیا تم ان دونوں کے اتنے قریب پہنچ گئے تھے؟''

''قریب پہنچ جاتا تو آج راجن نکلنے نہ پاتا۔ میری رائفل کی گولی نے اس کا بھیجا اڑا دیا۔ میں نے اس کی لاش دیکھی تھی، اس کا آدھے سے زیادہ سر غائب تھا۔''

''خاموش موتوں کی ہیٹ ٹرک ہو گئی۔ چھوٹا راجن کو

کہاں زخم آیا؟''

''میں نے برسٹ فائر کیا تھا۔ اس کا ساتھی مارا گیا اور وہ زخمی ہو کر چیخ اٹھا۔ زخم کہیں بھی آیا ہو، یہ بات طے ہے کہ وہ بھاگنے کے قابل تھا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''ماسٹر! تم حیران کر دینے والی صلاحیتوں کے مالک ہو۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''یہ ماننا پڑتا ہے کہ تم دشمن کے خلاف میدان میں اترتے ہو تو کچھ نادیدہ قوتیں خاموشی سے تمہارا ساتھ دیتی رہتی ہیں۔''

''کہیں تمہارا ذہن جنوں اور بھوتوں کی طرف تو نہیں بھٹک رہا!'' میں نے اس کا مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

''جو نظر نہ آئیں وہ وہی ہو سکتے ہیں۔'' اس نے شکست خوردہ لہجے میں جواب دیا ''ایک آدھ آدمی کی بات ہوتی تو اسے اتفاق سمجھ کر درگزر کیا جا سکتا تھا۔ آج رات تم نے تین جیتے جاگتے انسان مارے ہیں اور تینوں نہایت خاموشی سے مر گئے۔ اسے کوئی باؤلا آدمی بھی اتفاق قرار نہیں دے گا۔ اس کے پیچھے یقیناً کچھ اور قوتیں کارفرما ہیں۔''

''تم نے پھر تین آدمیوں کو مارنے کا الزام میرے سر پر تھوپ دیا!'' میں نے تادیبی لہجے میں کہا۔ ''میں تم سے طے کر چکا ہوں کہ ان دونوں میں سے ایک کو میں نے اور دوسرے کو تم نے مارا تھا۔ تیسرا میرا شکار تھا۔''

''ماسٹر! تم کو تمہارے خدا کی قسم ہے، مجھے ابھی اور اس وقت واٹ فرا کیو لے چلو'' وہ یکایک مچل گیا ''وہاں زمرد میں ترشی ہوئی بدھا کی مورتی ہمارے لیے سب سے مقدس ارضی شے ہے۔ میں اس کے سامنے قسم کھا سکتا ہوں کہ آج میں نے کسی کو نہیں مارا۔ تم نے مجھے ایسا چکر دیا ہے کہ میں ڈان کی جرح سے بچنے کے لیے ایک کا خون اپنے سر لینے پر آمادہ ہو گیا ہوں۔ وہ ڈان کے سامنے سنائی جانے والی کہانی ہو گی۔ ہمیں آپس میں کھل کر بات کرنے کی آزادی ہے۔ مجھ سے میری یہ آزادی نہ چھینو۔''

''تم گڑے مردے اکھاڑ رہے ہو، طے شدہ بات کو چھیڑو گے تو بحث لمبی ہو جائے گی۔'' میں نے خفگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''میں بار بار کہہ رہا ہوں کہ میں نے بھی ان دونوں کو ہاتھ نہیں لگایا مگر میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''ماسٹر! میں یہی بات کہہ رہا تھا، تم نے میرے الفاظ پکڑ لیے۔'' وہ ملتجیانہ انداز میں بے بسی سے بولا ''انہیں میں نے نہیں مارا، تم نے نہیں مارا، نادیدہ قوتوں نے مارا ہے۔ وہ تمہارا ساتھ دیتی ہیں۔ اس لیے ان دونوں کی موت کا سبب تم ہو۔''

''چلو، تمہارا دل رکھنے کے لیے میں یہ بات مان لیتا ہوں۔'' میرا لہجہ نیم دلانہ تھا۔ ''اب دوبارہ ان مرے ہوئے مردودوں کا ذکر نہ نکالنا۔ انہیں بالکل بھول جاؤ۔''

''بھول جاؤں!'' وہ استہزائی انداز میں ہنسا ''شاید میں سب کچھ بھول جاؤں مگر مرتے دم تک ان دونوں کو نہیں بھول سکوں گا۔ میں نے سیکڑوں آدمیوں کو مرتے دیکھا ہے، دسیوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارا ہے، ان میں سے کوئی یوں چپکے سے نہیں مرا جیسے وہ مر گئے ہیں۔ ہم نے ان کی لاشیں گاڑی میں نہ ڈالی ہوتیں تو وہ جلنے سے بچ جاتیں اور ان کے پوسٹ مارٹم سے کچھ نہ کچھ پتا چل جاتا، اب ایسا کوئی امکان نہیں رہا۔''

''اب یہ کہہ دو کہ میں نے جان بوجھ کر دونوں لاشیں... راجن کی گاڑی میں ڈالیں اور پھر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کار کو آگ لگا دی۔'' میں نے اس کی بات پوری ہوتے ہی ترشی سے کہا ''میں نے سارے ثبوت مٹانے کا بندوبست کر دیا!''

حقیقت وہی تھی جو میں نے بیان کی لیکن میرا پینترا کچھ ایسا تھا کہ جاؤ فان بری طرح کھسیائے ہوئے انداز میں بولا ''ماسٹر! تم ہر بات کو اس کی انتہا تک لے جاتے ہو۔ میرا دماغ خراب ہوا ہے جو میں تم پر ایسا بے سروپا الزام لگاؤں۔ سب کچھ ضرورت کے تحت کیا گیا تھا۔ چھوٹا راجن کو پھانسنے کے لیے میدان صاف کرنا ضروری تھا۔ اس وقت ہم دونوں میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ گاڑی کو آگ لگ جائے گی۔''

''بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنی آنکھ سے ہوتا ہوا دیکھنے کے باوجود ان کی صداقت پر یقین نہیں آتا۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد ناصحانہ لہجے میں کہنا شروع کیا ''آج کی رات ہم نے جو کچھ دیکھا وہ شاید اسی زمرے میں آتا ہے۔ ان کی موت کو حکم خداوندی سمجھ کر بھولنے کی کوشش کرو۔ ان کا مسئلہ تمہارے سر پر مسلط رہا تو تم ڈان کے سامنے گھبرا کر کوئی الٹی سیدھی بات کہہ بیٹھو گے۔ وہ کائیاں آدمی ہے، ڈانٹ ڈپٹ کر تم سے سب اگلوا لے گا اور تمہاری وجہ سے میں اس کے سامنے جھوٹا پڑ جاؤں گا۔''

''میں تو اس بارے میں ڈان سے بات ہی نہیں کروں گا۔'' اس نے دوٹوک انداز میں پسپائی اختیار کرتے ہوئے کہا ''تمہارے آنے کے بعد سے وہ مجھ سے زیادہ بات نہیں

کرتا۔ تم خود اسے یہ قصہ سنا دینا۔ میں تمہارا کہا ہوا ایک ایک لفظ غور سے سنوں گا۔ ڈان نے مجھ سے کچھ پوچھا تو میں تمہاری کہانی کی تائید کروں گا۔''

''ویری گڈ!'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ''ہم ڈان کے وفادار ہیں، اسے دغا نہیں دے رہے۔ اس کی نظروں میں ہماری عزت اور ساکھ کا برقرار رہنا ضروری ہے۔''

''تم نے ڈان کو رام کرلیا ہے۔ تمہاری ساکھ پر آنچ نہیں آسکتی۔ مجھے اپنی فکر تھی، اب وہ بھی دور ہوگئی۔ ہم یک زبان رہے تو ڈان کو اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں ہوگی کہ وہ دونوں کیسے مرے...... ویسے میں حیران ہوں کہ تمہیں راجن کے باہر نکلنے کی صحیح خبر کہاں سے مل گئی!''

بے اختیار میرا دل چاہا کہ ایک زوردار مکا مار کر چاؤ فان کی کھوپڑی پچکا دوں جس میں وہ پریشان کن سوالات جنم لے رہے تھے۔ وہ واقعی ایک اہم سوال تھا۔ میں فوری طور پر یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ اس نے جان بوجھ کر میری دکھتی رگ پر ہاتھ ڈالا تھا یا وہ سوال معصومانہ انداز میں اس کے ذہن میں ابھرا تھا۔

سبب کچھ بھی رہا ہو۔ وہ سوال سامنے آہی گیا تھا تو اس کا مسکت جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے اپنے اضطراری اشتعال پر قابو پاتے ہوئے بے پروایانہ انداز میں کہا ''تم ڈان کی صحبت میں رہ کر مراق کے مرض میں مبتلا ہوگئے ہو۔ پہلے یہ فکر تھی کہ مجھے راجن کی گاڑی کی لوپ بوری میں موجودگی کا کیسے علم ہوا، اب یہ غم ستا رہا ہے کہ موتی محل سے راجن کے نکلنے کی خبر مجھے کیسے مل گئی۔ تم میرے اس دلیر ساتھی کو بار بار بھول جاتے ہو جو میرے ساتھ ڈان سے مل چکا ہے۔ وہ اپنے وطن لوٹنے کی تیاری کررہا ہے۔ اس نے موتی محل کی طرف سے گزرتے ہوئے راجن کی گاڑی کو سڑک پر آتے دیکھا اور ذرا سی دیر میں یہ اندازہ لگالیا کہ وہ ساحل کی طرف جائے گا۔ اس نے مجھے اطلاع دی اور میں نے تم سے رابطہ کرلیا۔ اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے؟''

''لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا؟'' چاؤ فان نے سادگی سے کہا۔

''وہ ملازمت پیشہ آدمی ہے۔ میں اسے ان جھگڑوں میں الجھانا نہیں چاہتا۔'' میں نے اپنے لب و لہجے پر قابو رکھتے ہوئے جواب دیا ''راجن کے سفر کی سمت کا اندازہ ہوجانے کے بعد میں نے اسے وہیں سے واپس لوٹ جانے کی ہدایت دے دی تھی۔''

''ماسٹر! میں بار بار یہ کہتا ہوں اور تم بار بار یہ بات ثابت کرتے رہتے ہو کہ تم کمال کے آدمی ہو اور تمہارا ساتھ دینے والے بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ کیا یہ بات حیران کن نہیں ہے کہ میں اور میرے آدمی یہاں کے مقامی ہوتے ہوئے بھی اہم واقعات سے بے خبر رہتے ہیں، تم کو ہر بات کی بروقت خبر مل جاتی ہے۔'' اس کا لہجہ واقعی تحیر زدہ تھا۔

''یہ سامنے کی بات ہے۔'' میں نے بے رخی سے کہا ''اسے سمجھنے کے لیے زیادہ عقل کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے سر پر پیٹ پونگ کی لڑکیاں اور لی جیسی بازاری عورتیں سوار رہتی ہیں، میرا آدمی ان خرافات سے دور بھاگتا ہے۔''

''ہائے ماسٹر' یہ کیا کہہ دیا تم نے!'' اس نے اپنے سینے پر بایاں ہاتھ مار کے بےتابانہ انداز میں کہا ''وہ بازاری ہوتی تو تمہارا یہ خادم اسے دس بار خرید چکا ہوتا۔ تم سے بے مول دوستی کر بیٹھی میرے لیے ایک کڑا امتحان بنی ہوئی ہے۔''

''تمہیں ایسی گھٹیا باتیں کرتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں آتی۔'' میں نے ملامت آمیز لہجے میں بے رخی سے کہا۔

''ماسٹر! یہ زندگی کی بنیادی حقیقتیں ہیں!'' اس نے حسرت سے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''ہر مرد ان سے دوچار رہتا ہے۔ بیش تر گھٹنے ہوتے ہیں۔ اپنے من کی بات کبھی زبان پر نہیں لاتے، موقع مل جائے تو خلوت میں اپنا شرافت کا خول اتار کر وحشی بن جاتے ہیں۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں تمہیں اپنا سمجھ کر تم سے اپنے دل کی ہر بات بےدھڑک کہہ ڈالتا ہوں۔''

''ایسے مواقع پر تم مجھے غیر سمجھ لیا کرو تو میں ہمیشہ تمہارا احسان مند رہوں گا۔'' اس کا جواب سن کر میرا لہجہ تلخ ہوگیا ''تمہاری حد سے بڑھی ہوئی اپنائیت کبھی کبھی میرے لیے سوہان روح بن کر رہ جاتی ہے۔''

''ایسا نہیں ہوسکتا۔'' اس نے بے اعتباری سے کہا ''تم مجھے چڑانے کے لیے مذاق کررہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے بہت عزیز رکھتے ہو!''

میرا دل چاہا کہ اسے کھل کر یہ بتادوں کہ زندگی میں ایک مرحلہ ایسا آجاتا ہے جب انسان اپنی عزیز ترین ہستی کو اپنے ہاتھوں سے زمین میں دفن کردیتا ہے، وہ جیتے جی اپنی ڈھٹائی سے وہ اعزاز حاصل کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

گاڑی میں چند ثانیوں کے لیے خاموشی طاری ہوگئی۔ اس وقت چاؤ فان کی جیپ ایسے علاقے سے گزر رہی تھی جہاں ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں بل کھاتی ہوئی سیاہ سڑک

کے دونوں اطراف میں تاریک اور چٹیل ویرانہ پھیلا ہوا تھا۔ اس مضافاتی حصے میں دور دور تک آبادی کا نام ونشان نہیں تھا۔

''ماسٹر! مادام سے تمہاری ملاقات کب ہوئی تھی؟'' کچھ دیر کے بعد وہ اپنی زبان کی خارش سے مجبور ہو کر سوال کر بیٹھا۔

''وہ پھر تمہارے دماغ میں کلبلا رہی ہے!'' میں نے ترشی سے کہا۔

''اوہ......!'' اس کے دہانے سے ایک بے ساختہ اور تحیرزدہ آواز برآمد ہوئی پھر وہ بولا۔

''اچھا، مادام کو چھوڑو، یہ بتا دو کہ میرے ہاتھوں پھوم فاٹ کی درگت کب بنی تھی؟''

''اگر تمہاری یادداشت اتنی خراب ہو گئی ہے تو کسی معالج سے رجوع کرو' یہ بک بک کر کے تم کیا جتانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹا راجن کے نکل جانے پر تمہارا موڈ سخت خراب ہے۔'' وہ سرہلاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولا ''حریف مضبوط ہو تو ایسی اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ تم نے اسے زخمی کر دیا۔ آج وہ زخمی ہوا ہے تو کل تمہارے ہاتھوں مارا بھی جائے گا۔ اتنی سی بات کو دل پر لینے کی کیا ضرورت ہے!''

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا مگر اس کا نام چاؤفان تھا زیادہ دیر تک خاموش رہنا اس کی سرشت کے خلاف تھا۔ قدرے طویل خاموشی کے بعد اس نے کھنکار کر کہا ''میں دراصل تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ مادام دوبارہ تم سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔ شاید اس نے تم سے چھوٹا راجن کے بارے میں کوئی بات کی تھی۔ وہ اس بارے میں مزید گفتگو کرنا چاہتی ہے۔''

میں اس سے لی کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا مگر مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ لی کا تذکرہ چھیڑنے کے چکر میں اس نے راجن کے دونوں آدمیوں کی پُراسرار موت کو یکایک فراموش کر دیا تھا۔ وہ میرے لیے ایک اچھا شگون تھا میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ لی نے میری خود فراموشی کے دوران میں کھل کر اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا تھا کہ وہ راجن کو مردہ دیکھنا چاہتی تھی لیکن میں نے اس کی باتوں کا جواب دینا شروع کر دیا تا کہ وہ ڈان کے سامنے اصل واقعات کو بالکل بھول کر وہی کچھ یاد رکھے جو ہمارے درمیان طے ہوا تھا۔

☆☆☆

''کیا کیا......!'' میرے کان میں ڈان کی تحیرزدہ آواز گونجی ''تم نے اسے زخمی کر دیا!''

''ہاں ڈان!'' میں نے افسردہ لہجے میں جواب دیا ''مجھے سخت افسوس ہے کہ میں اس وقت تمہیں اس کی موت کی خوش خبری نہیں سنا سکا۔''

''دل چھوٹا نہ کرو۔'' ڈان کی تشفی آمیز آواز ابھری۔ ''موجودہ حالات میں یہ بھی بڑی خبر ہے، میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ سب کہاں اور کب ہوا۔ بار میں رش ہے، شوروغل میں بات نہیں ہو سکتی، میں دو منٹ میں اوپر جا کر تمہیں فون کرتا ہوں۔''

لائن بے جان ہو گئی، غزالہ بولی ''آپ کا لہجہ اس قدر معذرت خواہانہ کیوں تھا؟ آپ نے اس کے تین آدمیوں کو موت کی نیند سلا کر بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔''

''تم ان مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔'' میں نے اسے آنکھ مار کے کہا ''خبر سن کر وہ بے چین ہو گیا۔ اب اپنی رہائشی منزل سے فون کرے گا۔ مزہ اسی میں ہے کہ میں انکسار سے کام لیتا رہوں اور وہ میرے کام پر داد و تحسین کے ڈونگرے برساتا رہے۔''

''میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ خود پسند اور ناشکرا آدمی ہے۔'' غزالہ بولی ''وہ آپ کے کاموں کی تعریف اس لیے کرتا ہے کہ وہ کام اس کے کھاتے میں جا رہے ہیں، ان میں دور دور تک آپ کا کوئی ذکر نہیں آتا اور چاؤفان بے چارہ تو کسی گنتی میں ہی نہیں ہے۔''

غزالہ خاموش طبع ضرور تھی لیکن اس کے تجزیے بڑی حد تک درست تھے۔ مجھے یاد آیا کہ جب راجن نے میرے ہاتھوں وائٹ ہاک کی تباہی پر اپنے دشمن کے طور پر ڈینی کا نام لیا تو ڈان تلملا اٹھا تھا۔ اس نے بے چین ہو کر کہا تھا کہ اس بات کی فوری تردید ہونی چاہیے۔

میں نے مسکراتے ہوئے غزالہ کی رائے سے سو فی صد اتفاق کرتے ہوئے سمجھایا کہ ڈان کی اس خوش فہمی میں ہماری نجات مضمر تھی۔ میں کسی صورت میں کھل کر سامنے نہیں آ سکتا تھا۔ ہم فرضی ناموں اور جعلی سفری دستاویزات پر بنکاک میں مقیم تھے۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ راجن مجھے اپنے بھاری جانی اور مالی نقصان کا ذمے دار سمجھ رہا تھا۔

دو منٹ سے بھی قلیل وقفے کے بعد ڈان کا فون آ گیا۔ راجن کے زخمی ہونے کی خبر اس کے لیے اتنی اہم تھی کہ وہ سیلرز بار کے دھندے کو اپنے ملازموں کے رحم و کرم پر چھوڑ

کر مجھ سے بات کرنے کے لیے اوپر آ گیا تھا۔
جب میں نے ڈان کو یہ بتایا کہ ہم نے راجن کو زخمی کرنے کے ساتھ اس کے تین آدمی بھی بنکاک کے ساحل پر موت کی نیند سلا دیے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ اس نے مجھ سے اس واقعے کی پوری تفصیل سننے کی خواہش ظاہر کی اور میں نے واقعات دہرانا شروع کر دیے۔
اس تفصیل میں سب کچھ سچ تھا۔ میں نے بس زہریلی انگوٹھی اور بیم گن کے استعمال کا ذکر حذف کر کے ان دونوں مسلح محافظوں میں سے ایک کے قتل کا سہرا چاؤ فان کے سر باندھ دیا۔
ایک محافظ کے فرضی قتل کے سوا اس معرکے میں چاؤ فان کا کوئی کردار نہیں تھا۔ اسے میں نے دانستہ سڑک کی طرف ہانک دیا تھا۔ ڈان کو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ بقیہ دو آدمی میرے ہاتھوں مارے گئے اور راجن کو بھی میری چلائی ہوئی گولی نے چاٹا تھا۔
''علی! مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم میرا دوالا نکالنے کا ارادہ کر کے بنکاک آئے ہو!'' پوری کہانی سننے کے بعد ڈان نے گمبھیر آواز میں وہ فقرے ادا کر کے مجھے پریشان کر دیا۔
''ڈان......! میں تمہارا برا چاہنے والوں کے خون کا پیاسا ہوں۔ میرے بارے میں تم ایسی منفی بات کیوں سوچ رہے ہو؟'' میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔
ڈان اچانک خوفناک آواز میں ہنس پڑا، اس کی ہنسی سے بھی درندگی اور سفاکی جھلک رہی تھی۔ وہ بولا ''تمہارے کام انوکھے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ میں تمہارے قدموں میں اپنی تجوری خالی کر دوں۔ تم میری عزت اور ساکھ کے سچے محافظ ہو۔''
''تم نے یہ کہہ کر میرا دل بڑھا دیا۔'' میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ ''پرسوں ہی تم مجھے ایک لاکھ بھات کا بڑا انعام دے چکے ہو۔ وہ رقم کافی دنوں تک میرا ساتھ دے گی۔ میری جیب خالی ہو گی تو میں خود تم سے کچھ مانگ لوں گا۔''
''تم عیبوں سے بچے ہوئے ہو اس لیے وہ رقم باقی ہے۔ شراب نہیں پیتے، میرا اندازہ ہے کہ عورتوں کے پیچھے بھاگتے ہو گے نہ جوا کھیلتے ہو گے۔ میں نے چاؤ فان کے لیے بھی پچاس ہزار دیے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے وہ رقم جوئے میں ہار دی ہو گی یا عورتوں پر لٹا دی ہو گی۔'' ڈان کا لہجہ کسی حد تک تجسس آمیز تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ وہ براہِ راست سوال کیے بغیر میری زبان سے چاؤ فان کی ذاتی مصروفیات کا ذکر سننا چاہ رہا تھا۔
''تم جہاں دیدہ آدمی ہو، اپنے آدمیوں کو خوب پہچانتے ہو۔'' میں نے محتاط الفاظ میں جواب دیا۔ ''میرا اور اس کا کام کی حد تک ساتھ رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ شہر میں کیا کرتا پھرتا ہے، اس بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔''
''تم بات کرنے کے فن میں بھی یکتا ہو۔'' وہ بے ساختہ بولا ''خود ان جان بن گئے اور میری مردم شناسی کا حوالہ دے کر میرے اندازے کی تائید بھی کر ڈالی۔ چاؤ فان خوش نصیب ہے کہ اسے تمہارے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھنے کا موقع مل رہا ہے۔''
مجھے ڈان کی تعریف و توصیف سے کوئی غرض نہیں تھی پھر بھی میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ میں ابتدا سے صرف اس امر کے لیے کوشاں تھا کہ ڈان کو میری اصلیت پر کوئی شبہ نہ ہو، وہ مجھے علی احمد سمجھتا رہے اور میں اسے جو کچھ بتاؤں وہ اس پر اعتبار کر لے۔ میں دل ہی دل میں اللہ کا شکر گزار تھا کہ اس وقت تک میری وہ کوششیں میری توقع سے زیادہ کامیاب تھیں۔
راجن کے زخمی ہو جانے کی ہم دونوں کو خوشی تھی لیکن دلوں میں یہ آرزو مچل رہی تھی کہ اس فتنے کا جلد از جلد خاتمہ ہو۔ امید افزا فقروں کے تبادلے کے ساتھ ہماری وہ گفتگو ختم ہو گئی۔
''آپ کو طارق سے بھی رابطہ کرنا چاہیے۔'' کچھ دیر بعد غزالہ نے پُرخیال انداز میں مشورہ دیا۔ ''اس نے آپ کو راجن کی نقل و حرکت کی بروقت خبر دے کر یہ سنہرا موقع فراہم کیا تھا۔''
اس کی بات درست تھی۔ بنکاک میں ڈان اور چاؤ فان کے ساتھ میرے مراسم بہت نازک تھے۔ میں نے حیلوں، بہانوں اور فرضی کہانیوں کے سہارے ان کو شیشے میں اتارا ہوا تھا۔ مکر و فریب کے سہارے قائم کیا ہوا وہ رشتہ میری کسی بھی غلطی کے نتیجے میں چشم زدن میں ختم ہو سکتا تھا۔ بے یقینی کی اس فضا میں مجھے ہر لمحے چاروں کھونٹ چوکس رہنا پڑ رہا تھا۔
اس ماحول میں پہلے اسد میرا حقیقی ہمدرد اور مددگار تھا۔ اس کے ساتھ بہت تیزی کے ساتھ میری ذہنی ہم آہنگی ہوتی چلی گئی تھی۔ جلال کی یقین دہانی کے باوجود مجھے شبہ تھا کہ اسد کو محض روٹین کے طور پر پاکستان نہیں بلایا گیا بلکہ اسے اس بنا پر بنکاک سے واپس بلایا گیا تھا کہ اس نے میری ہدایات کے زیرِ اثر، سوبھراج کی ہلاکت کی اہم ترین خبر اپنے محکمے کے بڑے افسران سے پوشیدہ رکھی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ اس

مرحلے پر اسد کی بنکاک سے واپسی اس کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ مجھ تک رسائی کے لیے راجن نے اپنی پوری توجہ اس پر مرکوز کردی تھی۔ اس کی طرف سے متوقع تعاون نہ ملنے کی صورت میں وہ اسے کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا تھا۔

اسد کے چلے جانے کے بعد طارق نے اس کی جگہ لی تھی۔ اس نے بنکاک میں قدم رکھتے ہی اپنی ہوش مندی اور فرض شناسی کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بڑوں کو بہت سرعت کے ساتھ وائٹ ہاک کی تباہی کی خبر پہنچائی اور اسی طرح مجھے بروقت راجن کے محوِ سفر ہونے کی اطلاع دی۔ بنکاک کی غیر یقینی اور خون آشام فضا میں وہ میرا اکلوتا سہارا تھا۔ اس کی مناسب حوصلہ افزائی کر کے میں اس سے زیادہ بہتر تعاون حاصل کرسکتا تھا۔

میں نے فون پر رابطہ کر کے تشکر کا اظہار کیا تو مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہ تازہ ترین صورتِ حال سے پوری طرح باخبر تھا۔

مجھے راجن کی پوزیشن کی اطلاع دینے کے بعد اس نے میری ہدایت کے مطابق اس کے تعاقب کا سلسلہ موقوف کردیا تھا لیکن مڑ کر گھر کی راہ بھی نہیں لی تھی۔ وہ واپس موتی محل کے علاقے میں جا پہنچا۔ اسے یقین تھا کہ بندرگاہ کے علاقے میں جو کچھ ہونا ہے وہ بہت سرعت کے ساتھ رونما ہوگا۔ کسی نتیجے کا انتظار کرنے کے لیے اسے اپنی پوری رات برباد نہیں کرنا ہوگی۔

اس نے راجن کو اپنے تین مسلح ساتھیوں کے ہمراہ ساحلی علاقے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ان چاروں کے مقابلے میں وہ مجھے تنہا تصور کررہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ تصادم کا نتیجہ جو کچھ بھی ہو، اس کی خبر بہت تیزی سے موتی محل پہنچے گی۔

طارق کی وہ حکمتِ عملی کامیاب رہی۔ وہ موتی محل کے داخلی پھاٹک کے قرب و جوار میں منڈلا رہا تھا کہ رات بارہ بجے کے قریب ایک ٹیکسی بہت برق رفتاری کے ساتھ سڑک پر نمودار ہوئی اور موتی محل کے بند پھاٹک کے سامنے جا رکی۔ ٹیکسی کی رفتار دیکھتے ہی طارق چوکنا ہوگیا۔ پھاٹک کھلوانے کے لیے ٹیکسی ڈرائیور نے لگاتار ہارن شروع کردیا تھا۔ پھاٹک کھلنے کی نوبت آنے سے پہلے طارق نے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر راجن کی جھلک دیکھ لی۔

میں اسد کے ساتھ موتی محل میں جانے کے موقع پر یہ مشاہدہ کرچکا تھا کہ راجن نے اپنی کمین گاہ کی حفاظت کے لیے مسلح نفری کے ساتھ جدید آلات کا بھی سہارا لیا ہوا تھا۔ پھاٹک پر مامور محافظ خفیہ کیمروں کی مدد سے ہر لمحے باہر کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ ان کلوزڈ سرکٹ کیمروں کی کارکردگی بڑھانے کے لیے رات کے اندھیرے میں بھی پھاٹک کے ستونوں پر ایسی لائٹس روشن رہتی تھیں جن کی تیز روشنی میں پھاٹک پر رکنے والی ہر گاڑی کی تمام تر جزئیات کیمروں کی آنکھوں میں منتقل ہوجاتی تھیں۔

راجن نے موتی محل کے داخلی راستے پر وہ بندوبست دوسروں کے لیے کیا تھا لیکن اس وقت وہ خود ان روشنیوں کی زد میں آیا ہوا تھا۔ وہاں اندھیرے کا راج ہوتا تو طارق کو ذرا بھی اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ ٹیکسی میں کون وہاں آیا تھا۔

مانیٹرنگ اسکرین پر کیمروں سے آنے والی تصاویر دیکھتے ہوئے موتی محل کا پھاٹک کھول دیا گیا اور وہ ٹیکسی بہت تیزی سے اندر داخل ہوگئی۔

راجن کو ٹیکسی سے افراتفری کے عالم میں واپس ہوتا ہوا دیکھ کر طارق نے بہت کچھ اندازہ لگا لیا لیکن وہ یہ بات سوچ بھی نہیں سکا کہ راجن اپنے تین آدمیوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوکر پسپائی پر مجبور ہوا ہوگا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میری طرف سے حملہ ہوتے ہی راجن اپنے آدمیوں کو گاڑی سمیت چھوڑ چھاڑ کر بھاگ نکلا ہوگا۔

اسے یہ جان کر مسرت آمیز حیرت ہوئی کہ اس کی فراہم کی ہوئی اطلاع کی بنیاد پر میں نے سرعت سے کارروائی کر کے راجن کے تین اہم ساتھیوں کو جہنم واصل کردیا تھا۔

میں نے یہ بات اسے پہلے ہی بتادی تھی کہ اسلام آباد میں اس کے بڑے بھی راجن کی فتنے سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کرنے کے خواہش مند تھے لیکن اپنی حدودِ کار اور بین الاقوامی ذمے داریوں کے پیشِ نظر کوئی عملی کارروائی کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہے تھے۔

میں نے طارق کا شکریہ ادا کرنے کے لیے فون کیا اور مجھے اس سے راجن کی واپسی کا احوال بھی معلوم ہوگیا۔ وہ راجن کو لانے والی ٹیکسی کی واپسی تک موتی محل کے باہر منڈلاتا رہا۔ وہ حوصلہ مند اور بے خوف آدمی تھا۔ چند منٹ بعد ٹیکسی راجن کے بوجھ سے آزاد ہوکر باہر نکلی تو طارق نے اشارہ کر کے اسے روکنے کی کوشش کی۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور سے راجن کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا متمنی تھا لیکن ڈرائیور اسے دیکھتا ہوا سیدھا نکل گیا۔ شاید اسے موتی محل میں توقع سے زیادہ رقم سے نوازا گیا تھا اس لیے وہ فوری طور پر کوئی نیا مسافر اٹھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

اسد کی طرح طارق بھی ذہین اور محنتی اہل کار تھا۔ اپنے افسروں کی طرف سے ملی ہوئی ہدایات میں مضمر پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس کی ان یقین دہانیوں پر گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا کہ وہ اسی طرح اپنا دامن بچا کر میرے ساتھ تعاون کرتا رہے گا تاکہ میں اپنے اہداف حاصل کرسکوں۔

ٹیلی وژن کے مقامی چینلوں پر انگریزی میں خبریں آنے کا وقت گزر چکا تھا۔ دن میں وقفوں سے شروع ہونے والا وہ سلسلہ آدھی رات کو ختم ہوجاتا تھا لیکن غزالہ ٹیلی وژن سے چپکی رہی۔ دو بجے اس نے مقامی زبان کے ایک پروگرام میں جلی ہوئی گاڑی اور لاشوں کی تصاویر دیکھ کر مجھے متوجہ کیا تو میں نے راجن کی تباہ حال گاڑی کا ڈھانچا پہچان لیا۔

گاڑی میں پڑی ہوئی دونوں لاشیں بھیانک شعلوں کی زد میں آکر کوئلہ بن چکی تھیں۔ تیسری لاش صحیح سالم تھی۔

تھائی زبان میں رواں تبصرہ ہم دونوں کے لیے ناقابلِ فہم تھا لیکن اسکرین پر دکھائی جانے والی تازہ تصاویر اور ان کے ویران پس منظر کی بنا پر یہ بات ہر قسم کے شک وشبے سے بالاتر تھی کہ پیٹرول کی آگ کے اوپر کی طرف بھڑکتے ہوئے تیز شعلوں اور دھویں کے بادل نے پہلے امدادی اداروں کو اور پھر خبر رسانوں کو اس واقعے کی طرف متوجہ کردیا تھا۔

خبر پھیل گئی تھی مگر ہمیں یہ علم نہیں ہوسکا کہ اس واقعے کے بارے میں شہر میں کیا آرا پائی جارہی تھیں اور موتی محل والوں نے کیا موقف اختیار کیا تھا۔

میں نے سوچا کہ چاؤ فان سے اس بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کروں مگر میں نے وہ ارادہ اسی لمحے ترک کردیا۔ وہ عیش وعشرت کا دل دادہ تھا۔ آسان اور ناجائز کمائی نے اسے کاہل بھی بنا دیا تھا۔ وہ اپنے حساب کے مطابق ان دنوں میرے ساتھ بہت زیادہ محنت کررہا تھا۔ مجھ سے جان چھوٹتے ہی وہ اپنی رنگ رلیوں میں ڈوب جاتا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس نے شرافت سے اپنے گھر لوٹ کر ٹیلی وژن وغیرہ پر نظر رکھنے کی کوشش کی ہوگی۔

غزالہ نے اندازہ لگا لیا کہ وہ مسائل میرے سر پر سوار ہوچکے تھے۔ اس نے لباس تبدیل کرکے سونے کی تیاری کی اور بستر پر دراز ہوکر مجھے دوسری باتوں میں الجھانے کی کوششیں شروع کردیں۔

اگلی صبح غزالہ کو مجھے جھنجوڑ کر جگانا پڑا۔ گہری نیند سے بیدار ہونے پر میری سمجھ میں کچھ نہیں آسکا کہ اس پر کیا افتاد آپڑی تھی۔ اس کی زبان سے ویرا کا نام سنتے ہی میرا نیند کا خمار یک لخت کافور ہوگیا اور اس کی بات بھی میری سمجھ میں آگئی۔ وہ اپنے ہاتھ میں میرا کراچی والا موبائل فون لیے، میرے سر پر سوار تھی۔

میں نے فون اپنے ہاتھ میں لے کر ہیلو ہی کہا تھا کہ دوسری طرف سے ویرا کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”دس بج رہے ہیں یہ سونے کا کون سا وقت ہے؟“

بے اختیار میری نظریں وال کلاک کی طرف گئیں۔ اس کی سوئیاں واقعی دس بجا رہی تھیں۔ میں نے حیرت سے کہا ”ٹورنٹو میں بیٹھ کر تمہیں یہاں کے وقت کا بالکل صحیح اندازہ ہے!“

”تمہارے حواس ابھی پوری طرح بحال نہیں ہوئے۔ میں بنکاک پہنچ چکی ہوں۔“ ویرا کی آواز میں ہلکا سا طنز عود کر آیا۔ ”ہماری آخری گفتگو کم وبیش اٹھارہ گھنٹے پہلے ہوئی تھی اور میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ میں یہاں آنے کے لیے تیار ہوں۔ ٹکٹ اور سیٹ کا مسئلہ حل ہوتے ہی ہم چل دیے۔ اب میں یہاں سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کے کمرا نمبر چھ سو گیارہ میں ہوں۔“

اس کی بنکاک میں موجودگی کی خبر سن کر مجھے ذہنی جھٹکا سا لگا۔ مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ سلطان شاہ ٹورنٹو سے بنکاک تک سفر کے لیے اتنی جلد نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا اور وہ مغرب کی طرف سے ایک طویل مسافت طے کرکے اتنی تیزی سے بنکاک پہنچ جائیں گے۔

میں نے اس سے فون کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ سفر کا پروگرام طے ہوتے ہی اس نے اول خان کو اپنے پروگرام سے آگاہ کردیا تھا جس کے نتیجے میں بنکاک پہنچنے پر اس کے فون کی رومنگ کھل گئی تھی۔

”یہاں آگئی ہو تو اب الگ تھلگ رہو۔ میں بری طرح الجھا ہوا ہوں۔ جب بھی وقت ملا، میں خود تم سے ملنے کے لیے آجاؤں گا۔“

”تم الجھے ہوئے ہو، دن کے دس بجے تک بے خبری کی نیند سو رہے تھے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ پچھلی رات تم کسی خون ریز محاذ آرائی میں مصروف رہے ہو!“ اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”تمہیں کسی خوں ریز محاذ آرائی کا خیال کیسے آگیا؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”نئے شہر یا ملک میں پہنچ کر میں وہاں کے حالات کا اندازہ لگانے کے لیے سب سے پہلے مقامی اخبارات دیکھتی

ہوں۔ آج کے اخبار بنکاک کی ویران ساحلی پٹی کے قریب تین آدمیوں کی پُراسرار ہلاکت کی خبروں اور تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں!'' اس نے بتایا۔

وہ بنکاک آ ہی گئی تھی تو اس سے کچھ چھپانا بے سود تھا۔ بعد میں اسے حقائق کا علم ہوتا تو ہمارے درمیان پائی جانے والی مفاہمت کو شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''تمہارا اندازہ درست ہے، رات میں وہیں مصروف تھا۔ اس بارے میں فون پر کوئی بات نہیں ہوگی۔''

''تم نے ملنے کے لیے وقت نہ نکالا تو میں بار بار فون کر کے تمہیں عاجز کردوں گی۔'' اس نے دھمکی دینے والے مگر شگفتہ انداز میں کہا۔

''مجھے مجبور نہ کرو۔ میں وعدہ کررہا ہوں کہ جلد ملوں گا...... اکبر کہاں ہے؟'' میں نے اسے یقین دہانی کراتے ہوئے اچانک موضوع بدل دیا۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ نیویارک میں مجھے اپنے مذہب کی طرف مائل کرنے کی کوششیں کررہا تھا۔ اس دوران میں اسے خیال آگیا کہ مرد کو کسی نامحرم عورت کے ساتھ خلوت میں نہیں رہنا چاہیے، ان دونوں کے درمیان شیطان بہت آسانی سے غالب آجاتا ہے۔ اسی دن سے وہ الگ کمرے میں رہتا ہے۔ کہو تو اسے برابر والے کمرے سے بلادوں۔''

''بلانے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہوش مند آدمی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تمہارے ہوتے ہوئے شیطان کو کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں رہتی، اس کے کام تم خوش اسلوبی سے پورے کرلیتی ہو۔''

''میں نے اس کی تبلیغ سے متاثر ہونے کی اداکاری شروع کی ہوئی ہے۔ دیکھتی ہوں کہ اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ مجھے افسوس ہوا کہ وہ اس بارے میں سنجیدہ نہیں ہوسکی تھی۔

ویرا کو احساس تھا کہ اس نے مجھے گہری نیند سے جگایا تھا۔ اس نے اپنی عادت کے برعکس گفتگو کو طول دینے کی کوشش نہیں کی، مجھ سے غزالہ کی خیریت معلوم کر کے فون بند کردیا۔

ویرا کی بنکاک میں موجودگی کی خبر سن کر میرا سارا خمار کافور ہوچکا تھا۔ اس کی زبان سے بنکاک کے مقامی اخبارات کا ذکر سن کر میرا تجسس بیدار ہوگیا۔ فون سے فارغ ہوتے ہی میں نے تپائی کی طرف چھلانگ لگائی اور اخبار کھول کر بیٹھ گیا۔

دنیا کے دوسرے بڑے شہروں کی طرح بنکاک میں بھی جرائم کی روزانہ شرح بہت بلند ہے لیکن ان جرائم میں قتل وخوں ریزی کے واقعات کم ہوتے ہیں۔ ساحلی علاقے سے دو جلی ہوئی لاشوں کے ساتھ ملنے والی تیسری لاش کی کہانی اخبار کی شہ سرخی میں موجود تھی۔

راجن کی جلی ہوئی گاڑی کی شناخت میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ جائے واردات پر دور دور تک کوئی ذی روح موجود نہیں تھا جو اس پراسرار حادثے پر روشنی ڈالتا اس لیے امدادی عملے نے آگ پر قابو پانے بلکہ اس کے سرد ہوجانے کے بعد کار کے تپتے ہوئے ڈھانچے کو پانی کی تیز دھاروں سے ٹھنڈا کیا اور وہاں پہنچنے والی پولیس پارٹی نے وہیں سے کار کا رجسٹریشن نمبر وغیرہ اپنے ہیڈ آفس کو دے کر لاسکی رابطے پر یہ معلوم کرلیا کہ جلنے والی گاڑی راجن کی ملکیت تھی۔

وہ سرا ہاتھ آنے کے بعد پولیس والوں کا کام آسان ہوگیا۔ موتی محل سے فون پر رابطہ کیا گیا تو راجن دستیاب نہیں تھا۔ زخمی حالت میں وہ سامنے آنے کی حماقت کرتا تو شاید اس کے زرخرید افسر اسے پولیس کی بازپرس سے بچالیتے لیکن میڈیا کے بے رحم نمایندوں کے لیے راجن کا زخم ایک بڑا سوالیہ نشان بن جاتا۔ راجن نے اس معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے خاموشی اور روپوشی اختیار کرلی۔

راجن نے سب سے بڑی ہوشیاری یہ کی کہ میرے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد موتی محل میں واپس پہنچتے ہی اس نے اپنے کارندوں کے ذریعے مقامی تھانے میں یہ رپورٹ درج کرادی کہ اس کے تین آدمی اس کی گاڑی لے کر سرِشام خریداری کے لیے نکلے تھے اور اس وقت تک وہ واپس لوٹے نہ ان کا کوئی سراغ مل رہا تھا۔

پولیس کی طرف سے جلی ہوئی کار اور تین لاشوں کی دریافت کی خبر ملنے پر راجن کے دو آدمی تیزی سے جائے واردات پر پہنچے اور انہوں نے سب کچھ پہچان کر وہاں موجود عملے کو بتایا کہ وہ وہی گاڑی تھی جسے لے کر تین افراد شام سے غائب تھے۔ دو لاشوں کی شناخت نہیں ہوسکی مگر انہوں نے تیسرے کو اپنے ساتھی کی حیثیت سے پہچان لیا۔ ایک لاش کی شناخت کے بعد غالب امکان ظاہر کیا گیا تھا کہ کوئلہ بنی ہوئی لاشیں اس کے ساتھیوں کی ہوں گی۔

راجن نے اپنی چالاکی سے اپنے آدمیوں کو ہر قسم کی جواب دہی سے بچالیا۔ گاڑی سمیت تین آدمیوں کی گمشدگی

کی رپورٹ ان کی تلاش میں ناکامی کے بعد کافی تاخیر سے درج کرائی گئی تھی۔ مگر بہر حال ریکارڈ پر موجود تھی۔
اس واقعے کی تفتیش اور سفاک مجرموں کی نشان دہی کی ساری ذمے داری پولیس والوں کے سر پر آگئی۔ ان کا ابتدائی اندازہ تھا کہ وہ واردات کسی پرانی دشمنی کا نتیجہ تھی اور ان تینوں کو اس ویرانے میں گھیر کر مارا گیا تھا۔ اس نظریے کی روشنی میں کار کے نذرِ آتش ہونے کو اتفاقی حادثہ تسلیم نہیں کیا گیا۔
ایک سینئر پولیس افسر کا خیال تھا کہ دونوں لاشوں کو کار میں ڈال کر دانستہ آگ لگائی گئی تھی تاکہ ان اموات کو عبرت ناک بنایا جاسکے۔ اس حرکت کے ذریعے نامعلوم دشمنوں نے موتی محل والوں کو کوئی پیغام دینے کی کوشش کی تھی۔
میرے اندازے کے عین مطابق راجن نے اس واقعے سے مکمل لاتعلقی اختیار کرلی تھی جیسے وہ سرے سے وہاں موجود نہ رہا ہو۔ اسی طرح خبروں میں کہیں بھی میرے بارے میں کوئی اشارہ نہیں تھا۔ راجن نے اپنی ساکھ بچانے کے لیے ان دونوں نکات پر مکارانہ رویہ اپنایا تھا۔
ڈپٹی کی حیثیت سے میرا ذکر نہ ہونے سے مجھے یہ فائدہ نظر آرہا تھا کہ اس بارے میں ڈان کے ذہن میں کوئی خلش جنم نہیں لے سکے گی۔ وہ مطمئن رہے گا کہ آخر کار سارا کریڈٹ اسی کو ملے گا اور وہ بنکاک کی زیرِ زمین دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔
میں پوری تن دہی کے ساتھ بنکاک میں درپیش حالات کا مقابلہ کررہا تھا لیکن جلال سے ہونے والی آخری گفتگو کے بعد میرے ذہن میں اپنے مستقبل کے حوالے سے جو بھیانک سوال پیدا ہوا تھا وہ مجھے مسلسل پریشان کررہا تھا۔
منشیات فروشوں اور ملک دشمنوں کے خلاف اپنی جاں گسل مہم جوئی کے دوران میں یہ سوال بارہا میرے سامنے آتا رہا کہ حکومتوں اور ان کے قائم کیے ہوئے اداروں کے خلاف صف آرا ہوکر ایک فرد کب تک خود کو بچائے رکھنے میں کامیاب ہوسکتا ہے مگر میں نے اس سوال کو کبھی کوئی اہمیت نہیں دی۔ میری نظروں میں ملک اور قوم کا مفاد ایسے ہر سوال سے ماورا تھا۔
ماضی میں میری اس بے پروائی کا سبب شاید یہ تھا کہ میں را، سی آئی اے اور ایف بی آئی کے خلاف لڑ رہا تھا۔ جہاں مجھے ایس ٹی ایف اور دوسرے ملکی اداروں کی بھرپور پشت پناہی حاصل تھی۔ آڑے وقت میں وطن کے وہ بے خوف سپاہی خاموشی سے میری بھرپور مدد کرتے رہتے تھے مگر جلال کے پُرامید ہونے کے باوجود مجھے محسوس ہورہا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہ تمام معاملات میرے ہمدردوں کی گرفت سے نکلتے جارہے تھے۔
میرے دوستوں کی گرفت کمزور ہونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان کے حوصلے پست ہوگئے تھے یا وہ میری سرگرمیوں سے بددل ہوتے جارہے تھے۔ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ عالمی حالات اور واقعات کے نتیجے میں امریکا کو بہ تدریج اس قدر اثر ونفوذ حاصل ہوچکا تھا کہ وہ اپنی ہر جائز اور ناجائز بات منوانے کے لیے افراد تو کیا، حکومتوں تک کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے کی پوزیشن میں آگیا تھا۔
سی آئی اے اور ایف بی آئی امریکا کے قومی ادارے تھے۔ وہ پاکستان کے دشمنوں کے سرخیل بنے ہوئے تھے اور ہر آن ان کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے، انہیں یہ گوارا نہیں تھا کہ ان کے ساتھیوں کی سازشوں کا کوئی انفرادی یا اجتماعی مقابلہ کیا جائے۔
انہوں نے زبردست مارے اور رونے نہ دے والی پوزیشن اختیار کرلی تھی۔ اپنی دھاندلیوں اور جرائم کی بیخ کنی کو سنگین جرم قرار دینے پر تل گئے تھے۔ حالات کے اس زبردست دباؤ کا نتیجہ تھا کہ میرے دوست ہم چاروں کو پاکستان سے نکل جانے کا مشورہ دینے پر مجبور ہوگئے۔
پاکستان چھوڑتے ہوئے میرا خیال تھا کہ وہ عارضی مشکلات تھیں جنہیں وقت گزرنے کے ساتھ دور ہوجانا تھا مگر میرے تازہ رابطے یہ ظاہر کررہے تھے کہ وقت گزرنے کے ساتھ حالات میں بہتری آنے کے بجائے سنگینی پیدا ہورہی تھی۔
امریکی میرے گناہوں کو معاف کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ ویرا انکی نظروں میں اس لیے معتوب تھی کہ اس نے وقت کے دھارے کے ساتھ چلنے کے بجائے ڈٹ کر میرا ساتھ دیا تھا۔ ہماری خاموشی یا پاکستان سے غیر حاضری کا بھرپور فائدہ اٹھا کر وہ ہمارے گرد اپنا گھیرا تنگ اور مضبوط کررہے تھے۔
امید کی کرنیں روز بہ روز موہوم اور پھر معدوم ہوتی نظر آرہی تھیں۔ اس شکنجے میں پھنس جانے کے بعد میرا مستقبل کیا ہوتا، اس کا اندازہ کوئی بھی لگا سکتا تھا۔
ویرا کو حالات کے اس بگاڑ کا پورا ادراک نہیں تھا۔ وہ اپنی دھن میں سلطان شاہ کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ غزالہ بہت حساس طبیعت کی مالک تھی۔ میں اس

بارے میں دل کھول کر اس سے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ حالات کے تناظر میں ابھرنے والی ڈراؤنی صورتِ احوال سے خوف زدہ ہو کر وہ اپنا وہی پرانا مشورہ دہراتی جو پہلے بھی کئی بار دے چکی تھی اور میں نے ہر بار اسے مذاق میں اڑا دیا تھا۔

''آپ اخبار پڑھ رہے ہیں یا سوچوں کی دنیا میں کھوئے ہوئے ہیں؟'' غزالہ کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ اس کا سوال بجا تھا۔ میں کافی دیر سے اخبار کا پہلا صفحہ اپنے سامنے کھولے بیٹھا تھا مگر میرا ذہن اور میری نگاہیں اپنے مستقبل کے ویرانوں میں بھٹک رہی تھیں۔

میں خفت آمیز انداز میں ہنس دیا اور بولا ''میرے خیالات کی رو موتی محل کی طرف بھٹک گئی تھی۔ اس وقت وہاں صفِ ماتم بچھی ہوئی ہوگی۔''

''انہیں سوگ کے بجائے جشن منانا چاہیے کہ راجن آپ کی چلائی ہوئی گولی سے بچ کر زندہ واپس لوٹنے میں کامیاب ہوگیا۔'' غزالہ ہنس کر بولی۔

''وائٹ ہاک کی تباہی کے بعد یہ دوسرا بڑا دھچکا ہے۔ تین آدمیوں کا زیاں معمولی نہیں ہوتا۔ اخباروں میں کچھ بھی آتا رہے، موتی محل میں کام کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ راجن ان تینوں کو اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ وہ مارے گئے، راجن زخمی ہو کر لوٹا۔''

''اس واقعے میں راجن کے دوسرے ساتھیوں کو اپنا انجام نظر آرہا ہوگا۔''

''موت سے زیادہ موت کی دہشت خوف ناک ہوتی ہے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ کتنے آدمی راجن کا ساتھ چھوڑتے ہیں!''

وہ دن دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ میں نے ویرا کو ٹالنے کے لیے کہہ دیا تھا کہ میں بہت الجھا ہوا اور مصروف تھا اس لیے فوری طور پر اس سے نہیں مل سکوں گا۔ میں نے اس دوران میں غور کیا تو اندازہ ہوا کہ میرے سامنے کوئی فوری مصروفیت نہیں تھی۔ وقت گزارنے کے لیے ویرا اور سلطان شاہ سے ملاقات کی جا سکتی تھی۔

غزالہ کو میرے ارادے کا علم ہوا تو وہ بھی میرے ساتھ ان دونوں سے ملنے کے لیے بے چین ہوگئی۔ اسے ویرا سے زیادہ سلطان شاہ کی فکر تھی۔ وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ چند دنوں کی بھرپور رفاقت میں ان دونوں کے درمیان کوئی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہوئی ہے یا ویرا بے رحمانہ انداز میں سلطان شاہ کے جذبات سے کھیل کر اسے مذہبی مباحث میں الجھا رہی ہے۔

میری خواہش تھی کہ غزالہ اس ملاقات میں شریک نہ ہو ہم چاروں کا یک جا ہونا حفاظتی نکتۂ نظر سے مناسب نہیں تھا۔

ہمارے درمیان یہ بحث جاری تھی کہ میرے مقامی موبائل فون پر ڈان کی کال آگئی۔

''تم نے چھوٹا راجن کی جڑیں ہلا دی ہیں۔'' ڈان نے میری آواز سنتے ہی بلا کسی تمہید کے اپنی بات شروع کردی۔ ''مقامیوں کی ایک بڑی تعداد نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے، موتی محل میں گنے چنے آدمی رہ گئے ہیں جن میں اکثریت چھوٹا راجن کے بھارتی محافظوں کی ہے۔''

''یہ سب تمہارے دعاؤں کا کرشمہ ہے۔'' میں نے ڈان کی ذہنیت کے پیشِ نظر وہ کریڈٹ اسی کے سر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ ''تم نے میرے سر پر اپنا دستِ شفقت نہ رکھا ہوتا تو میں کسی ہوم ورک کے بغیر اس سے ٹکرا کر فنا ہو چکا ہوتا۔''

''اب معاملہ کچھ گڑبڑ ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔'' ڈان نے اپنی تعریف سننے کے بعد قدرے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ ''آج شام کی دو الگ الگ پروازوں سے ممبئی کی زیرِ زمین دنیا کے دو بڑے نام یہاں پہنچے ہیں۔ ان میں سے ایک دہلی کا مخشب ہے، دوسرا ابو سالم ہے جو دبئی سے یہاں آیا ہے۔ یہ کوئی اتفاق نہیں ہوسکتا۔''

وہ دونوں نام میرے لیے نئے نہیں تھے۔ دہلی میں را کے ریکارڈ سے گرین کوبرا نامی اہم ترین فائل اڑانے کے مشن کے دوران میں، میں مخشب سے صرف فون پر بات کر کے اس کے اثر و رسوخ کا اندازہ لگا چکا تھا۔ دہلی میں اس کی دھاک اس ڈان کی وجہ سے تھی جس کی وہ نمائندگی کرتا تھا اور شاید وہ اپنے اسی ڈان کے ایما پر دہلی سے بنکاک پہنچا تھا۔ ابو سالم خود ایک اہم آدمی تھا جس نے بھارت کے سارے خفیہ اداروں کو تگنی کا ناچ نچایا ہوا تھا۔ وہ خود دبئی میں رہتا تھا لیکن ممبئی میں اس کے نام کا سکہ چلتا تھا۔

اگر وہ دونوں نامی گرامی بدمعاش واقعی بنکاک پہنچ گئے تھے تو دال میں ضرور کچھ کالا تھا۔

''وہ کہاں ٹھہرے ہیں؟'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت ڈان سے سوال کیا۔

''وہ دونوں الگ الگ ہوٹلوں میں مقیم ہیں۔ مخشب سیام انٹر کانٹی نینٹل میں ہے، ابو سالم کانٹی نینٹل میں ٹھہرا ہے۔'' ڈان نے بتایا۔

سیام انٹر کانٹی نینٹل کا نام سنتے ہی میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ ویرا اور سلطان شاہ اسی ہوٹل میں مقیم تھے اور میں غزالہ کے ساتھ ان دونوں سے ملنے کے لیے وہاں جانے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ ''تم ان دونوں کی آمد سے کیا خطرہ محسوس کر رہے ہو؟'' میں نے اپنے لہجے پر قابو رکھتے ہوئے، پرسکون انداز میں ڈان سے اگلا سوال کیا۔

''کیا تمہیں یہ بات عجیب محسوس نہیں ہو رہی کہ کل رات تم نے چھوٹا راجن کو زخمی کیا اور آج نامور بھارتی... بدمعاش یہاں پہنچنا شروع ہو گئے؟'' ڈان نے الٹا مجھ ہی سے سوال کر ڈالا۔

''اگر وہ ایرپورٹ سے موتی محل گئے ہوتے تو میں ضرور فکرمند ہو جاتا۔ ہمیں ان کی طرف سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں البتہ ان کی سرگرمیوں کی نگرانی ضروری ہے۔'' میں نے پوری ایمان داری سے اپنی رائے ڈان کے گوش گزار کر دی۔

''نگرانی ہو رہی ہے، دونوں ہوٹلوں کے ٹیلی فون آپریٹر خرید لیے گئے ہیں لیکن ان سے مدد ملنے کی امید کم ہے۔ یہ لوگ اہم گفتگو کے لیے ہوٹل کی فون لائن ہرگز استعمال نہیں کریں گے۔ موبائل فون کی نابکار ایجاد نے ایسے لوگوں کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔''

میں نے ڈان کے الفاظ پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس وقت ہم دونوں کے درمیان اسی نابکار ایجاد کے ذریعے گفتگو ہو رہی تھی۔

''میں بھی انہیں دیکھتا ہوں۔'' میں نے ویرا سے اپنی ملاقات کے امکان کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر یہ دونوں راجن کی دعوت پر یہاں آئے ہیں تو یہ بات زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ صبح ہونے سے پہلے بلی تھیلے سے باہر آ جائے گی۔''

ڈان برنارڈ دلیر اور بے خوف آدمی تھا مگر نخشب اور... ابو سالم کی اچانک آمد نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

اس کے گرد ایسے لوگ جمع تھے جو اس کے مال پر موج اڑا رہے تھے یا اس کی ہاں میں ہاں ملانے کے عادی تھے۔ ان میں کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ ڈان کی رائے سے اختلاف کر کے اسے دلاسا دے سکے۔

میں کچھ دیر ڈان سے اس کے خدشات کے جھول کے بارے میں گفتگو کرتا رہا۔ جب ہماری بات چیت کا سلسلہ ختم ہوا تو ڈان کی تشویش بڑی حد تک رفع ہو چکی تھی۔

میں نے اپنی باتوں کے ہیر پھیر سے ڈان کی پریشانی عارضی طور پر دور کر دی تھی مگر مجھے اس خبر سے خلجان سا ہو رہا تھا کہ نخشب نے اپنے قیام کے لیے ویرا والے ہوٹل کا انتخاب کیا تھا۔ نخشب کے وہاں آ جانے کے بعد غزالہ کو میں اپنے ساتھ لے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے غزالہ کو اس نئی مجبوری سے آگاہ کیا تو وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔ اس نے میرے ساتھ چلنے پر اصرار نہیں کیا۔

میں چاہتا تو فون کر کے ان دونوں کو سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل سے ملحق سیام اسکوائر کے سبزہ زار میں ملاقات کے لیے بلا سکتا تھا لیکن شہر کے کسی کھلے مقام پر ہمارا اس طرح یکجا ہونا ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کے کمرے میں ملاقات کر کے انہیں شہر کے حساس حالات سے آگاہ کر دیا جائے۔

مجھے خوشی تھی کہ ڈان کا فون بروقت آ گیا اور مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ نخشب کے قیام کی وجہ سے ڈان کے آدمی سیام انٹر نیشنل ہوٹل کی نگرانی کر رہے تھے۔

میرے لیے ڈان یا چاؤ فان کے آدمیوں کے چہرے یاد رکھنا مشکل تھا۔ مجھے بیشتر مقامی باشندے ایک جیسے نظر آتے تھے۔ میں نے پے در پے کئی معرکوں میں متعدد آدمیوں کے ساتھ کام کیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ حاصل کردہ نتائج کی اہمیت کی وجہ سے میرے خدوخال ان سب کے ذہنوں پر نقش ہو کر رہ گئے ہوں گے۔ ان میں سے کوئی بھی مجھے دوبارہ دیکھتا تو مجھے دور سے پہچان سکتا تھا۔

میں بے خبری کے عالم میں غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر جوں ہی اس ہوٹل میں قدم رکھتا، یہ سنسنی خیز خبر ڈان تک پہنچ جاتی اور اس کے ذہن میں میری طرف سے ہزار بدگمانیاں پیدا ہو جاتیں جنہیں دور کرنے میں مجھے دانتوں پسینہ آ جاتا۔

وہاں کی صورت احوال جان لینے کے بعد میں بے فکری سے اکیلا سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں جا سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ہوٹل میں گھسنے کے بعد میں کہاں جاتا۔ یہ کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ میں ڈان کو یہ کہہ کر پوری طرح مطمئن کر سکتا تھا کہ میں نخشب کے عزائم کا اندازہ لگانے کے لیے ادھر گیا لیکن اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود کچھ معلوم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ بات وہیں ختم ہو جاتی۔

غزالہ کو پرجوش انداز میں الوداع کہہ کر میں بلا تاخیر ویرا اور سلطان شاہ سے ملنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ وہ دونوں میری مرضی کے خلاف بنکاک آ گئے تھے تو میں انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

بنکاک میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد مجھے اپنے ہوٹل

کے قرب و جوار کے راستوں کی خاصی شد بد ہوگئی تھی۔ سیام اسکوائر کا خوب صورت پارک میرا دیکھا بھالا تھا۔ ہلٹن ہوٹل سے اس کی پیدل مسافت زیادہ لمبی نہیں تھی۔ اس پارک کے ایک سرے پر سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل واقع تھا۔

میں نے اپنے ہوٹل سے باہر نکل کر سگریٹ سلگائی اور پیدل اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

چند منٹوں کی مست خرامی کے بعد میں ویرا کے ہوٹل کے سامنے تھا۔ وہاں لوگوں کی زبردست چہل پہل تھی۔ وہ شہر کا بارونق تفریحی علاقہ تھا۔ مجھے کہیں کوئی غیر معمولی بات نظر آئی نہ کوئی شناسا چہرہ دکھائی دیا جس پر ڈان کا آدمی ہونے کا گمان ہوتا۔

میں ہوٹل میں داخل ہوا تو وہاں بھانت بھانت کے مختصر کپڑوں میں ملبوس سفید فام خواتین اور لڑکیوں کی اتنی بڑی تعداد ہنسنے بولنے میں مصروف تھی کہ وہاں کسی فیشن پریڈ کے انعقاد کا گمان ہورہا تھا۔

وہ جاؤ فان کی دلچسپی کے رنگین مناظر تھے۔ میرے لیے ان دعوت انگیز نظاروں میں کوئی خاص کشش نہیں تھی۔ لباس کے فاقے میں مبتلا جسموں کو ہر رنگ اور نسل کے مرد بہت رغبت کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ میں بے پردا خواتین اور ندیدے مردوں پر سرسری نظر ڈالتا ہوا سیدھا ٹیلی فون کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

بغیر ڈائل والے ایک فون کا ریسیور اٹھا کر میں نے آپریٹر کو ویرا کے کمرے کا نمبر بتایا اور اسی لمحے مجھے لائن مل گئی۔ ویرا کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں اپنی مصروفیات اور الجھنوں کے باوجود ان دونوں سے ملنے کے لیے ہوٹل کی لابی تک پہنچ چکا تھا۔ وہ میرے استقبال کے لیے نیچے آنے پر آمادہ تھی مگر میں نے اسے روک دیا اور فون بند کر کے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

چھٹی منزل کی راہ داری میں بچھے ہوئے دبیز قالین پر بے آواز قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے میری نگاہیں..... بے چینی سے دونوں طرف بنے ہوئے کمروں کے بند دروازوں کا طواف کررہی تھیں ہوٹل کی مختلف رہائشی منزلوں میں سے کسی ایک کے کمرے میں نخشب بھی ٹھہرا ہوا تھا۔ بند دروازوں پر نگاہ ڈال کر اس کے کمرے کا سراغ لگانا... ناممکنات میں سے تھا مگر پھر بھی میں اپنی اس غیر ارادی حرکت پر قابو نہیں رکھ سکا۔

میں نے کمرا نمبر چھ سو گیارہ کے بند دروازے پر رک کر دستک دینے کے ارادے سے اپنا داہنا ہاتھ اوپر اٹھایا ہی تھا کہ اچانک دروازہ کھل گیا اور ویرا کا مسرت سے تمتمایا ہوا خوب صورت چہرہ میری نگاہوں کے سامنے آگیا۔

اس نے بے تکلفی سے میرا بازو پکڑ کر مجھے اندر کھینچتے ہوئے کہا ''میرا وجدان کام کررہا ہے۔ مجھے علم ہوگیا تھا کہ تم دروازے پر آگئے ہو۔''

''اب یہ نہ کہہ دینا کہ تم کو اسی طرح ہر واقعے کا پہلے سے علم ہوجاتا ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے اس کا مضحکہ اڑایا۔ ''ہر شخص کے بدن سے ایک مخصوص بو پھوٹتی ہے جسے لوگ عام طور پر محسوس نہیں کرتے۔ یہ تمہاری ناک کا کمال ہے کہ اس نے میرے وجود کی مہک پہچان لی۔''

''اپنی یہ منطق اپنے پاس رکھو، میں نے آج تک تمہیں سونگھنے کی کوشش نہیں کی۔'' اس نے مجھے اندر لے جاتے ہوئے کہا۔

اچانک اندر سے سلطان شاہ اچھل کر نمودار ہوا اور ویرا کو ایک طرف دھکیل کر پُرجوش انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔

''اللہ کا شکر ہے کہ آج ہم پھر یک جا ہورہے ہیں۔'' وہ وفورِ جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''میری آنکھیں تمہیں دیکھنے کو ترس گئی تھیں۔''

''بے چارہ تم سے بچھڑ کر خود کو یتیم تصور کرنے لگا تھا۔'' ویرا نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں فقرہ لگایا۔ ''اب اسے اپنی آغوشِ پدری سے الگ نہ ہونے دینا۔''

''مجھے چھوڑ دو اور اپنا حال بتاؤ۔ تم اتنی حسرت سے ان دونوں کا ذکر کیا کرتی تھیں جیسے تمہیں ان سے ہمیشہ کے لیے الگ کر کے عالمِ بالا میں بھیج دیا گیا ہو۔'' سلطان شاہ تنک کر بولا اور آہستگی سے مجھ سے الگ ہوگیا۔

''میں حیران ہوں کہ تم دونوں ایک دوسرے کے نامحرم ہوتے ہوئے بھی اس ایک کمرے میں مقیم ہو!'' میں نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہا۔

''جب سے یہ جعلی ملا بنا ہے، ایسی ہی نت نئی باتیں نکالتا رہتا ہے۔ اس کی منطق کی وجہ سے ہم مسلسل دو کمروں کا کرایہ ادا کرتے آرہے ہیں۔'' ویرا چیخ کر بولی۔ ''میں نے تمہاری آمد کی وجہ سے اسے اس کے کمرے سے بلایا ہے......''

''میں تم دونوں کا مذاکرہ سننے کے لیے نہیں آیا۔'' میں نے ویرا کی قطع کلامی کر کے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مجھے دیکھتے ہی تم دونوں یوں پھیلنا شروع کردو گے۔ میرا خیال تھا کہ ساتھ رہ کر تم ایک دوسرے کو

برداشت کرنے کے عادی ہو گئے ہو گے۔ لیکن تمہارے حالات مایوس کن نظر آرہے ہیں۔ یہاں تم دونوں محتاط اور سنجیدہ نہ رہے تو مشکلات سے دوچار ہو جاؤ گے۔''

''تم آرام سے بیٹھو......!'' ویرا نے اپنا سر جھٹک کر کہا۔ ''تمہیں سامنے پاکر اتنے دنوں سے دبی ہوئی چنگاریاں اچانک بھڑک اٹھیں اور دل کا کچھ غبار نکل گیا ورنہ اب تک ہم دونوں پر امن بقائے باہمی کے اصولوں کے تحت گزارہ کرتے رہے ہیں۔ تم کو اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہاں کے حالات نازک موڑ پر آگئے ہیں۔'' انہیں سنجیدہ دیکھ کر میں نے اپنی بات چھیڑ دی۔ ''تم نے آج کے اخبارات دیکھ لیے ہیں۔ وہ تینوں میرا نشانہ بنے تھے۔ ان کے گروگھنٹال کا نام راجن ہے۔ اس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ رات کو بچ کر نکل گیا۔ اس سے میری زبردست ٹھنی ہوئی ہے......''

''لیکن اخبارات میں راجن کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں تھا!'' ویرا نے میری بات کاٹ کر اعتراض کیا۔ ''کیا وہ کوئی خطرناک آدمی ہے؟ میں نے کراچی میں اس کا ذکر سنا تھا۔''

''تم بھول رہی ہو۔ موتی محل کے مالک کا ذکر آیا ہے۔ راجن موتی محل کا مالک ہے اور مرنے والے تینوں آدمی اس کے ملازم تھے، گاڑی بھی اسی کی تھی۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''وہ ممبئی کا ایک مشہور بدمعاش ہے۔ وہاں اپنی دھاک بٹھانے کے بعد اس نے یہاں اپنے پنجے گاڑ دیے ہیں۔ وہ سوبھراج کی طرح ''را'' اور ''سی آئی اے'' کے لیے کام کر رہا ہے۔''

''اب سب کچھ یاد آگیا۔'' سلطان شاہ نے لقمہ دیا ''بنکاک میں وہ سوبھراج کا سب سے مضبوط حمایتی اور مددگار سمجھا جارہا تھا۔''

''یہ اسی کا ذکر ہے۔ سوبھراج کو راستے سے ہٹا دینے کے بعد اب میں اس پر کام کر رہا ہوں۔''

''تم نے سوبھراج کو ٹھکانے لگا دیا۔ راجن سے لڑ رہے ہو اور مجھے ان باتوں کی کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔ مجھے یہ امید نہیں تھی کہ الگ ہوتے ہی تم ہمیں اس بری طرح نظر انداز کرو گے۔'' ویرا نے یکایک شکایات کا پٹارا کھول لیا۔

''تم اپنے پیر کی موچ اور دوسرے مسائل میں الجھی ہوئی تھیں۔'' میں نے سلطان شاہ کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے چٹکی لی۔ ''وقت میں آدھے دن کا فرق تھا۔ ہم بیدار ہوتے تھے اور تمہارا سونے کا وقت شروع ہو جاتا تھا۔ تمہارے فون کے مسائل تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ تم نیویارک میں رہ کر یہاں کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔''

''سب کچھ درست ہے لیکن تمہاری کامیابی کی خبروں سے ہمیں خوشی ہوتی۔ تمہارے لیے ہم بہت فکر مند رہتے تھے۔'' سلطان شاہ بولا۔

''اب یہ باتیں بے سود ہیں۔ وہ وقت کسی نہ کسی طرح گزر ہی گیا۔ میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ تم نے سوبھراج جیسے موذی کو کیسے زیر کیا۔ جلال سے کئی مرتبہ رابطہ ہوا لیکن اس نے بھی سوبھراج کے بارے میں مجھے ایک لفظ نہیں بتایا۔'' ویرا نے کہا۔

''تم دونوں یہاں آگئے ہو تو تمہارا ہر نشیب و فراز سے واقف ہونا ضروری ہے۔'' میں نے ویرا سے اتفاق کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس کے بغیر تمہارا محفوظ رہنا دشوار ہوگا، کسی وقت تم میرے لیے بھی مشکلات پیدا کر دو گے۔''

وہ دونوں ہمہ تن گوش تھے۔ میں نے انہیں اپنے ساتھ پیش آنے والے حالات اور واقعات کا خلاصہ سنانا شروع کر دیا۔

کم و بیش دو ہفتوں تک الگ رہ کر ویرا کے مزاج میں اتنا ٹھہراؤ آگیا تھا کہ اس نے درمیان میں ایک بار بھی دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے اسد کی معرفت ڈان برنارڈ سے ہونے والی پہلی ملاقات سے لے کر نخشب اور... ابو سالم کی آمد کی تازہ ترین اطلاع تک، سب کچھ انہیں بتا دیا۔

''تم نے آتے ہی یہاں ہلچل مچا دی ہے۔'' میری روداد سن کر ویرا نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''میں ان بھارتیوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ را کے افسر ہوں یا ممبئی کے بدمعاش، ان کا رویہ ایک ہوتا ہے۔ بنکاک اس خطے کے اہم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ راجن کے ذریعے انہوں نے یہاں قبضہ کیا ہوا ہے۔ تم ان کے لیے خطرہ بن گئے ہو تو اب وہ سب سر جوڑ کر تمہارے خلاف محاذ بنا لیں گے۔ ابھی دو بھارتی بدمعاش آئے ہیں، اگر تمہارے خلاف کچھ ہو رہا ہے تو تم میری بات لکھ لو کہ صبح شام میں اور بھی آئیں گے تاکہ راجن کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کی کوئی حکمتِ عملی وضع کر سکیں۔''

ویرا نے دور کی بات سوچی تھی۔ اس سے اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے پُرخیال انداز میں

زبان کھولی۔ ''ابھی صرف نخشب یہاں ٹھہرا ہے یہ یہاں کا مقبول ترین ہوٹل ہے ہوسکتا ہے کہ دوسرے بھارتی بھی یہیں قیام کرنا پسند کریں۔ ایسا ہوا تو یہ ہوٹل را اور سی آئی اے والوں کا گڑھ بھی بن جائے گا۔ بہتر ہوگا کہ تم ہوٹل تبدیل کرلو۔ اس نازک مرحلے پر تم کسی کی نظروں میں آگئیں تو ہم سب پریشانیوں سے دوچار ہوجائیں گے۔''

''اس بارے میں تم کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، کوئی ناگزیر مجبوری درپیش نہ ہوتو میں رہائش کے لیے بہترین ٹھکانوں کو ترجیح دیتی ہوں۔ ابھی تم مجھے کمرے میں دیکھ رہے ہو، باہر دیکھو گے تو شاید پہلی نظر میں مجھے پہچان ہی نہیں سکو۔ اپنے تحفظ کے بارے میں، میں خود ضرورت سے زیادہ محتاط ہوگئی ہوں، ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہاں ٹھہرنے والے نخشب کا جغرافیہ کیا ہے۔ میرے لیے یہ نیا نام ہے۔''

''وہ تمہارا محسن اور بھارت کے سب سے بڑے ڈان کا نمایندہ ہے۔ دہلی میں جب ایک رنگین مزاج پولیس افسر تمہاری عزت کے درپے تھا تو میں نے نخشب سے رابطہ کیا تھا۔ اس کے ایک فون پر اس افسر کے اوسان خطا ہوگئے اور وہ تمہیں اسی وقت رہا کرنے پر مجبور ہوگیا۔'' میں نے بتایا۔

''یاد آگیا!'' وہ ہنستے ہوئے بولی' بعد میں وہ افسر میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اب ابوسالم کے بارے میں تمہاری باتوں کا تضاد وضاحت طلب ہے۔ بھارتی ایجنسیاں اس کی دشمن ہیں جب کہ راجن را کا آدمی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ابوسالم را کے ایک ایجنٹ کی مدد پر آمادہ ہوگیا۔''

''راجن بہ ظاہر بنکاک کی زیرِ زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ بنا ہوا ہے۔ را سے اس کا تعلق اندر کی کہانی ہے۔ ابوسالم اس کہانی سے بے خبر ہوگا۔ وہ اپنی دانست میں یہاں اپنی برادری کے ایک اہم فرد کی مدد کرنے کے لیے آیا ہے۔'' میں نے وضاحت پیش کی۔

''تم کہتے ہو تو میں مان لیتی ہوں۔'' اس نے نیم دلی سے کہا۔ ''میرا تجربہ ہے کہ پولیس اور ایجنسیوں کے مقابلے میں بڑے مجرم زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔ اگر ابوسالم بے خبری میں راجن کے عزائم کا آلۂ کار بن رہا ہے تو مجھے حیرت ہوگی۔''

''بہ ظاہر یہی نظر آرہا ہے۔ اصل صورتِ حال جلد ہی واضح ہوجائے گی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نخشب اور ابوسالم تفریحی دوروں پر اتفاقاً ایک ہی وقت میں بنکاک آگئے ہوں اور راجن کے چکروں سے ان دونوں کا کوئی تعلق نہ ہو۔''

''پھر تم ان کے بارے میں فکرمند کیوں ہو؟'' ویرا نے سوال کیا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ تشویش ڈان کی ہے۔ ہم اسے نظرانداز نہیں کرسکتے۔ ہمیں ہر صورت میں محتاط رہنا ہوگا۔''

''ایسے لوگ اجنبی ٹھکانوں پر زیادہ دیر تک نہیں ٹکتے۔'' وہ بولی ''انہیں اپنے خوشامدیوں کے نرغے میں رہ کر جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ دوسری جگہوں پر عنقا ہوتی ہے۔ ایک دو دنوں میں سب کچھ واضح ہوکر سامنے آجائے گا۔''

''اس مہم میں سوبھراج کے انجام کے بارے میں سوچ سوچ کر مجھے پھریریاں آرہی ہیں۔'' چند لمحوں کے سکوت کے بعد سلطان شاہ نے لب کشائی کی۔ ''وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے کہ نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا۔ اس کی عبرت ناک موت ایسی ہی بے نام ونشان ہوئی ہے۔''

''انسان زندگی بھر اپنی ساری تدبیریں کرتا رہتا ہے مگر قدرت کا اپنا ایک نظام ہے۔'' ویرا نے سنجیدگی سے کہا ''میں نے دیکھا ہے کہ انسان کو اس کے کیے کی سزا کسی نہ کسی طرح دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دکھوں کا شکوہ کرتے ہوئے انسان اپنے اعمال کو یکسر فراموش کردیتا ہے۔''

''میں یہی تو کہتا ہوں کہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی تم لامذہب اور بے دین بنی ہوئی ہو۔'' سلطان شاہ نے اس موقع سے بلاتوقف فائدہ اٹھالیا۔

''کون کہتا ہے میں بے دین ہوں۔ میں نے اپنی کیتھولک ماں کی گود میں آنکھ کھولی اور میں آج بھی کیتھولک چرچ کا احترام کرتی ہوں۔'' ویرا نے تیزی سے کہا۔

''احترام سے کچھ نہیں بنتا۔ تمہارا عمل ہر مذہب سے بہت دور ہے۔'' سلطان شاہ بولا۔

''تم نے دیکھ لیا!'' ویرا مجھ سے مخاطب ہوکر بولی۔ ''آج کل اس پر کثرت سے ایسے دورے پڑنے لگے ہیں۔''

''میں تم دونوں کے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دے سکتا۔ میں تمہیں یہاں کے حالات سے آگاہ کرنے کے ارادے سے آیا تھا تاکہ تم سے بے خبری میں کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے' ان کی بحث میں فریق بننے سے انکار کردیا۔

''تم ادھر آئے تھے تو غزالہ کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لے آئے...... اس کا کیا حال ہے؟'' ویرا کو اچانک غزالہ کا خیال آگیا۔

''وہ مزے میں ہے۔ میرے ساتھ آرہی تھی لیکن اسی وقت نخشب کی یہاں موجودگی کی خبر ملی اور میں نے اسے اپنے ساتھ لانے کا ارادہ ترک کردیا۔'' میں نے اسے بتایا۔

میری وہاں آمد کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ میں نے کچھ دیر کے بعد اٹھنا چاہا لیکن ان دونوں نے مجھے زبردستی روک لیا۔ وہ کوئی تواضع کیے بغیر مجھے رخصت کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ میں نے وقت بچانے کے لیے کافی پینے کی خواہش ظاہر کی۔ کافی آئی اور پی لی گئی۔ اس دوران میں ہم تینوں گزرے ہوئے اہم واقعات اور تازہ ترین حالات پر مختلف پہلوؤں سے اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے رہے۔ جب میں آخرکار ان کے کمرے سے رخصت ہوا تو کئی نئی باتیں میرے ذہن میں سما چکی تھیں۔

ویرا نے مجھ سے کراچی کے حالات کے بارے میں جاننا چاہا تو میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اسے بتا دیا کہ ہمارے نکل آنے کے بعد وہاں کی صورتِ حال مزید پیچیدہ ہوگئی تھی۔ مستقبل قریب میں ہماری واپسی کا کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا۔

حالات کی وہ تصویر ویرا اور سلطان شاہ کے لیے مایوس کن تھی۔ مجھے ان کے چہروں پر فکر و تشویش کی لکیریں صاف نظر آرہی تھیں لیکن ان میں سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ جو کچھ ہو رہا تھا وہ ہم سب کے اختیار سے باہر تھا۔ ہماری کوئی تجویز یا تدبیر حالات میں کوئی سدھار پیدا نہیں کر سکتی تھی۔

ان دونوں کی خاموشی سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس پریشان کن صورتِ حال کے بارے میں ان کے اپنے تحفظات تھے جن کے بارے میں وہ اس وقت مجھ سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ میں نے بھی انہیں چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

سیام انٹرکانٹی نینٹل سے اپنے ہوٹل کی طرف واپس جاتے ہوئے میں ذہنی طور پر بہت الجھا ہوا تھا۔ میں اپنی مرضی سے بارہا لمبے عرصے کے لیے پاکستان سے باہر رہا تھا اور مجھے کبھی کوئی پریشانی لاحق نہیں رہی تھی۔ شاید اس کا سبب یہ تھا کہ میری واپسی کا راستہ ہر وقت کھلا ہوا ہوتا تھا۔ اس بار جلال اور اول خان کے مشترکہ مشوروں پر مجھے بنکاک آئے ہوئے چند ہی ہفتے ہوئے تھے اور فکر و تشویش نے میرے ذہن میں ڈیرے ڈالنے شروع کردیے تھے۔

سبب صرف ایک تھا کہ میں اپنی مرضی سے واپسی کی راہ اختیار کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ ہماری ٹولی میں سب سے زیادہ نازک معاملہ ویرا کا تھا۔ اس نے پاکستان کی خاطر اپنی تمام کشتیاں جلا دیں، اپنے وطن پر لعنت بھیجی اور اپنے ہم وطنوں کی بدترین دشمنی مول لی۔ یہ سب اس نے صرف اس امید پر کیا کہ اسے پاکستان میں مکمل آزادی کے ساتھ رہنے اور بسنے کا یقین تھا۔ اگر اس کے وہ سپنے کسی مرحلے پر سراب ثابت ہوتے تو اس کا مستقبل کیا ہوتا۔ اس بارے میں سوچتے ہوئے میں اپنی ذات سے شرمسار ہو رہا تھا۔

مجھے ویرا کی کہی ہوئی باتوں کا خیال آیا۔ شاید اس کی چھٹی حس کام کررہی تھی اور وقت اس کی زبان سے زندگی کی تلخ حقیقتیں کہلوا رہا تھا۔

سوبھراج کے عبرت ناک انجام پر اس نے کہا تھا کہ انسان کو اس کے کیے کی سزا کسی نہ کسی طرح دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ شاید وہ ہم سب کے ماضی کے گناہوں کا خمیازہ تھا جو وسوسوں کی صورت میں ہمیں اپنے سامنے نظر آرہا تھا۔ ہم نے حب الوطنی کے لازوال جذبے سے سرشار ہوکر بہت سے نمایاں کارنامے سرانجام دیے، غداروں اور سازشیوں کا ان کی قبروں تک پیچھا کیا لیکن اس سے پہلے ہمارے دامن داغ داغ تھے۔ وہ بات میرے ذہن میں آئی تھی مگر مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کسی آڑے وقت میں ویرا کو اس کا بتایا ہوا وہ کلیہ یاد دلانے کی کوشش کرتا۔ ویرا نے اس بات کے تسلسل میں خود انسانی فطرت کی ایک اور بڑی کمزوری بیان کردی تھی کہ دکھوں کا شکوہ کرتے ہوئے انسان اپنے اعمال کو یکسر فراموش کردیتا ہے۔ کسی بھی ناگہانی صورتِ حال میں ویرا کو ہرگز یہ یاد نہیں آسکتا تھا کہ لڑکپن سے جوانی تک وہ شی کی بلیک کوئین بن کر کیا کچھ کرتی رہی تھی۔

اس ادھیڑ بن میں، میں اپنے کمرے میں واپس پہنچ گیا۔ مجھے لاشعوری طور پر ڈان کی کال کا انتظار تھا اگر سیام انٹرکانٹی نینٹل کی نگرانی پر مامور، اس کے کسی آدمی نے مجھے پہچان کر ڈان کو میری وہاں موجودگی کی خبر دی ہوتی تو ڈان مجھ سے یہ جاننے کی کوشش ضرور کرتا کہ میرے اس دورے کے نتائج کیا رہے۔

رات دھیرے دھیرے گہری ہوتی چلی گئی لیکن ڈان کا فون نہیں آیا۔ ہم دونوں اپنے معمول کے مطابق کمرے میں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ٹیلی وژن دیکھ رہے تھے۔ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ فوری طور پر میرا ذہن ڈان کی طرف گیا۔

میں نے فون کی روشن اسکرین پر نظر ڈالی تو میری رگ و پے میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ فون کی اسکرین پر نظر

آنے والا نمبر راجن کا تھا۔

میں نے فون کان سے لگا کر ہیلو کہا تو راجن کی سپاٹ اور چبھتی ہوئی آواز میرے کان میں گونجی۔ ''اکبر، تم کہاں ہو؟''

''استاد، میں یہیں بنکاک میں ہوں۔'' میں نے اکبر والا انداز اور لب ولہجہ اختیار کرتے ہوئے مؤدب آواز میں کہا۔

''کئی دن گزر چکے ہیں۔ تم نے کیا فیصلہ کیا؟'' اس کی آواز گمبھیر ہوگئی۔

''تم کس بارے میں پوچھ رہے ہو؟'' میں جانتے بوجھتے ہوئے انجان بن گیا۔

''تمہارا حافظہ کمزور ہے'' اس کی آواز میں ہلکی سی درشتی آ گئی۔ کیا تم کو یاد نہیں کہ میں نے تم سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔''

''استاد، میں نے تمہیں اپنے خوف کے بارے میں بتا دیا تھا۔ تم یقین کرو کہ میرے بعض جوڑوں میں ابھی تک درد ہو رہا ہے۔ میں تمہارے آدمیوں کی مار کو زندگی بھر نہیں بھول سکوں گا۔''

''اس کا مطلب ہے، تمہیں میری زبان اور وعدوں پر کوئی اعتبار نہیں۔''

''مجھے غلط مت سمجھو، میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں۔''

''میں صبح دس بجے تم سے اپنے محل میں ملنا چاہتا ہوں!'' اس کی آواز فیصلہ کن اور تکبر آمیز ہوگئی۔

''استاد، مجھے کام بتا دو، میں کر دوں گا۔ مجھے اپنے پاس نہ بلاؤ۔ ابھی سے میری روح فنا ہو رہی ہے۔'' میں نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ اکبر کے روپ میں، میں اس سے دشمنی مول لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ میری کوشش یہ تھی کہ عاجزی سے اسے ٹال دوں۔

''تم گدھے ہو'' یکایک اس کی آواز نرم پڑ گئی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس وقت تک میں اس کی دسترس سے بہت دور تھا۔ میں اس کی تلخ کلامی سے خوف زدہ ہو کر اچٹ جاتا تو وہ ایک اہم کارندے کے تعاون سے محروم ہو سکتا تھا۔ اس کے لہجے میں تبدیلی اس امر کی غماز تھی کہ وہ وقت پڑنے پر گدھے کو اپنا باپ بنانے کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے میری ناز برداری پر آمادہ تھا۔ اس کی بات جاری تھی۔ ''تم یقین رکھو کہ میری ذات سے تمہیں بال برابر بھی نقصان نہیں پہنچے گا۔ صبح تمہارا آنا بہت ضروری ہے۔ نہ آئے تو مجھے اپنے مہمانوں کے سامنے شرمندگی ہوگی۔ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔''

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ یقینی طور پر ابو سالم اور نخشب کی بات کر رہا تھا۔ وہی اس کے مہمان ہو سکتے تھے۔ اگر راجن مجھے ان سے ملوانا چاہ رہا تھا تو وہ میرے لیے ان کے عزائم کو جاننے کا بہترین موقع ہو سکتا تھا۔ میں نے ہر خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا۔

''استاد، تم نے مجھے امتحان میں ڈال دیا۔ اگر یہ تمہاری عزت کا معاملہ ہے تو مجھے کچھ نہ کچھ سوچنا پڑے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہارے مہمانوں کو مجھ جیسے غریب مزدور کی ذات میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ وہ سب تمہاری طرح امیر کبیر اور بڑے آدمی ہوں گے......!''

''وہ اتنے بڑے ہیں کہ تم ان کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ صبح آ جاؤ، تمہارے بیس ہزار بھات پکے ہیں۔'' اس نے مجھے چارا ڈالتے ہوئے کہا۔

''تم وعدہ کر رہے ہو کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا!'' میں نے اس سے ضمانت طلب کی۔

مجھے اندازہ تھا کہ اس نے اپنے دل ہی دل میں مجھے کوئی ثقیل سی گالی دی ہوگی مگر وہ بولا تو اس کی آواز بہت نرم تھی۔'' میں شروع سے یہ وعدہ کرتا چلا آ رہا ہوں، اب تمہیں میرے وعدے پر اعتبار کر لینا چاہیے۔ میری بات مانو گے تو زندگی بھر کے لیے محنت مزدوری سے تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔ تم نے ڈینی کا سراغ لگا لیا تو اتنا مال ملے گا کہ تمہاری اولادیں تک عیش کریں گی۔''

''مجھے مال و دولت سے زیادہ تمہاری عزت پیاری ہے۔'' میں نے حریصانہ انداز میں ہتھیار ڈال دیے۔'' میں دس بجے موتی محل کے دروازے پر پہنچ جاؤں گا۔''

''ویری گڈ!'' میری آمادگی پر وہ کھل اٹھا'' تم بہت سمجھ دار آدمی ہو۔ میں نے تمہیں اسد کے ساتھ ایک نظر دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ تم میرے کام کے آدمی ہو۔ اب صبح آ ہی جانا، ایسا نہ ہو کہ رات بھر میں تمہارا ارادہ کسی نئے خوف سے ڈانوا ڈول ہو جائے۔ چاہو تو مجھے اپنا پتا بتا دو، میرا ڈرائیور شان دار بیوک لے کر صبح تمہارے دروازے پر پہنچ جائے گا۔''

وہ مکاری سے کام لے کر میرا ٹھکانا معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں میں نے انتہائی مرعوب ہو جانے والے خوشامدانہ لہجے میں جلدی سے کہا۔'' استاد! تم بےفکر رہو۔ میں پہنچ جاؤں گا۔ تمہیں کسی کو

بھیجنے کی ضرورت نہیں، میں بسوں میں دھکے کھانے والا آدمی ہوں مال ملنے سے پہلے اپنی عادتیں نہیں بگاڑنا چاہتا۔‘‘

’’بس، اب صبح ملاقات ہوگی۔‘‘ اپنا وار خالی جانے پر راجن نے بات وہیں ختم کر دی۔

’’آپ موتی محل کیوں جا رہے ہیں؟‘‘ غزالہ نے وحشت زدہ لہجے میں سوال کیا۔ اس کی آنکھیں کسی ان جانے خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔

’’وہاں اس کے مہمان جمع ہوں گے۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں!‘‘ میں نے اسے بتایا۔

’’کیوں...... آخر وہ آپ سے کیوں ملنا چاہیں گے؟‘‘

’’بات میری سمجھ سے باہر ہے، صبح ان سے مل کر ہی پتا چلے گا کہ یہ کیا چکر ہے۔‘‘

’’مہمانوں کو کیا معلوم کہ بنکاک میں اکبر نامی کوئی آدمی راجن کے رابطے میں ہے۔ یہ سامنے کی بات ہے۔ میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ یہ راجن کا کوئی چکر ہے۔ وہ ہر قیمت پر آپ کو پھانسنا چاہتا ہے۔ آپ ایک بار وہاں چلے گئے تو اس کے آدمی سایوں کی طرح آپ کے پیچھے لگ جائیں گے۔ آپ کا کوئی راز ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گا۔‘‘

’’اگر وہ مجھے اپنے مہمانوں سے ملوانے کا ارادہ ظاہر نہ کرتا تو میں ہرگز موتی محل جانے پر آمادہ نہ ہوتا۔‘‘ اس کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے میں نے مدافعانہ انداز میں کہا۔

’’یہ اس کی چال ہے۔ اس نے جان بوجھ کر مہمانوں کا شوشا چھوڑا ہے تاکہ آپ کسی پس و پیش کے بغیر وہاں جانے پر آمادہ ہو جائیں۔‘‘

غزالہ کی اس نرالی منطق پر میں بے اختیار ہنس دیا۔ ’’غیر ضروری تجویز نے اس وقت تمہاری عقل ماؤف کی ہوئی ہے۔ اسے کیا پتا کہ مجھے باہر سے اس کے مہمانوں کی آمد کی خبر مل چکی ہے۔ ابھی تو یہ بات صیغہ راز میں ہے کہ اس کے مہمان کون ہیں ہو سکتا ہے کہ نخشب اور ابو سالم کا اس سے سرے سے کوئی تعلق نہ ہو۔‘‘

’’مجھے بہلانے کی کوشش نہ کریں۔ وہ دونوں بلاوجہ یہاں نہیں آئے۔ راجن نے مشوروں اور مدد کے لیے انہیں یہاں بلایا ہے۔ اب وہ ان کی آڑ میں آپ کو گھیرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کو پکڑ کر تشدد کا نشانہ بنائے گا تاکہ آپ سے ڈینی کے بارے میں ہر بات اگلوا سکے۔‘‘

’’یہی میرا سب سے مضبوط نکتہ ہے۔‘‘ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ’’ابھی تک میرے پاس ڈینی کے بارے میں ٹھوس معلومات نہیں ہیں۔ میں نے پیٹ پونگ کے ایک ہوٹل میں چار آدمیوں کو راجن کے خلاف باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔ میں ان کی تلاش میں مصروف ہوں۔ اس موڑ پر وہ مجھ سے کیا اگلوا لے گا۔ وہ مجھے اتنا وقت دینے پر مجبور ہے کہ میں ان چاروں میں سے کم از کم کسی ایک کا سراغ ضرور لگا لوں۔ اس کے بعد ہی وہ اپنے طور پر کچھ کر سکے گا۔‘‘

غزالہ خوف سے آنکھیں پھیلائے میری بات سنتی رہی۔ میں خاموش ہوا تو وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ ’’آپ جب کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں تو اس پر اڑ جاتے ہیں، پھر آپ کو دلیلوں سے قائل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ میں کسی حجت میں جائے بغیر صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ آپ موتی محل نہ جائیں۔‘‘

میں نے اٹھ کر نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ’’ضدمت کرو، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر اس کی نیت خراب ہوئی تو میں وہاں تباہی پھیلا دوں گا۔‘‘

’’تلاشی لیے بغیر وہ آپ کو اندر نہیں جانے دیں گے۔ دشمنوں کی بھیڑ میں آپ خالی ہاتھ ان کا کیا بگاڑ لیں گے۔ دس پانچ مکے اور لاتیں کھانے کے بعد وہ آپ پر غالب آ جائیں گے۔‘‘

میں نے اپنا داہنا ہاتھ اس کے چہرے کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔ ’’ابھی ان انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں میں اتنا زہر باقی ہے کہ میں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔ میں پہلے بھی سب مرحلوں سے گزر چکا ہوں۔ وہ ان انگوٹھیوں پر کوئی شبہ نہیں کر سکیں گے۔‘‘

’’آپ وہاں جانے پر تل گئے ہیں تو میں آپ کے حق میں صرف دعا کر سکتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ مجھے اپنے ساتھ وہاں نہیں لے جائیں گے۔‘‘

لی اور اس کی مظلوم بہن کی دردناک کہانی اچانک میرے ذہن میں رینگ آئی اور میں نے تڑپ کر کہا۔ ’’دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے، بھول کر بھی وہاں کا رخ نہ کرنا۔ تم جیسی حسین اور معصوم عورتوں کے لیے وہ درندے ہیں۔ میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ ان کی غلیظ نگاہیں تمہارے چہرے پر پڑیں۔‘‘

’’اگر ان لوگوں نے وہاں آپ سے کوئی محاذ آرائی نہ کی تو راجن کے آدمی آپ کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک

آ جائیں گے۔ مجھ سمیت کچھ بھی ان سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔'' غزالہ نے ایک مرتبہ پھر اپنا ابتدائی خدشہ دہراتے ہوئے کہا۔

''یہ مسئلہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ ان کو چکما دینے کے لیے مجھے شب و روز بنکاک کی سڑکوں پر بھٹکنا پڑا تو میں اس سے بھی گریز نہیں کروں گا۔ ہوٹل کا رخ اسی وقت کروں گا جب مجھے یہ یقین ہو جائے گا کہ ان کا کوئی آدمی میرا پیچھا نہیں کر رہا۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں اسے یقین دلایا۔

غزالہ ہر حال میں خوش رہنے والی ایک خانہ دار خاتون تھی۔ اس نے اپنی بڑی بڑی پلکیں اٹھا کر، غزالی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور پھر اپنا سر میرے جسم سے ٹکا دیا۔

وہ غزالہ کی سپردگی اور رضامندی کا ایک انداز تھا۔ اپنا فرض پورا کر کے اس نے آخر کار میری رضا کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

ہم بستر پر دراز ہو چکے تھے کہ ایک مرتبہ پھر ڈان کا فون آ گیا۔

''علی! ہوشیار ہو جاؤ۔'' وہ اپنی دبنگ آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''اب ہر غلط فہمی دور ہو گئی ہے۔ ان دونوں کو چھوٹا راجن نے بنکاک بلایا ہے۔ یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ میں نے ایر پورٹ پر اپنے آدمی پھیلائے ہوئے ہیں جو پل پل کی خبریں پہنچا رہے ہیں۔ اب تک دو اور آدمی آ چکے ہیں۔ ان کے نام لالہ کریم اور حاجی مستان ہیں۔ اب یہاں آنے والوں کی تعداد چار ہو چکی ہے۔''

وہ نام میں راجن کی زبان سے سن چکا تھا۔ اس نے فخر کے ساتھ انہیں اپنا استاد تسلیم کیا تھا۔ اس وقت ان ناموں سے زیادہ اہم سوال میرے ذہن میں سر ابھار رہا تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا تم نے اپنی گوشہ نشینی ختم کر کے میدان میں آنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟''

''وہ وقت بھی آنے والا ہے۔ اس میں ابھی کچھ دیر ہے۔ تم کو اچانک یہ خیال کیسے آ گیا؟'' ڈان نے بھاری اور تحکم آمیز آواز میں سوال کیا۔

''تم نے اپنے آدمیوں کو ایر پورٹ پر پھیلانے کا ذکر کر کے مجھے چونکا دیا ہے۔''

''تم سب میرے ہی آدمی ہو۔ تمہاری اور چاؤ فان کی طرح کچھ اور لوگ بھی دل و جان سے میرے وفادار ہیں۔ ایر پورٹ پر موجود نفری کی کمان وہی کر رہے ہیں۔ مجھے ان سے خبریں مل رہی ہیں۔''

''لیکن ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ بڑے لوگ راجن کی دعوت پر آ رہے ہیں؟''

''اس کا ثبوت سامنے آ گیا ہے، حاجی مستان کو لینے کے لیے چھوٹا راجن کا پورا موٹر کیڈ ایر پورٹ پہنچا ہوا تھا۔ اس میں وہ خود نہیں تھا۔ اس کے آدمی حاجی مستان کو موتی محل میں لے گئے ہیں۔ اب میں بنکاک کی فضاؤں میں انسانی خون کی بو سونگھ رہا ہوں۔''

ڈان کے ان الفاظ پر مجھے پھریری سی آ گئی۔ راجن کے خطرناک مہمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اور میں صبح دس بجے ان سفاک سرغنوں کا سامنا کرنے کا وعدہ کر چکا تھا۔

''ڈان! وہ پورے بھارت کے نامی گرامی سورماؤں کو جمع کر لے تب بھی اپنی گرتی ہوئی دیوار کو نہیں بچا سکے گا۔ کم از کم میں ان کی آمد سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ یہ بھڑ کتے ہوئے چراغ کی آخری لو ہے پھر وہ ہمیشہ کے لیے بجھ جائے گا۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

''تم شیر دل ہو!'' ڈان نے بے ساختہ کہا ''تمہارے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد وہ بدحواس ہو چکا تھا۔ دوسروں سے مدد لینے میں اس کی سکی ہے لیکن اب اسے شاید کسی چیز کی پروا نہیں رہی۔ کاش میرے پاس تم جیسے ایک دو آدمی اور ہوتے تو اب تک یہاں کا نقشہ پلٹ چکا ہوتا۔''

میں اپنی شدید خواہش کے باوجود ڈان کو یہ نہیں بتا سکا کہ بنکاک میں جمع ہونے والے بھارتی اگلی صبح موتی محل میں سر جوڑ کر بیٹھنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

''نقشہ اب بدل کر رہے گا۔ آنے والے زیادہ دنوں تک راجن کو اپنے حصار میں لے کر نہیں بیٹھیں گے۔ وہ جس طرح آئے ہیں اسی طرح جلدی واپس چلے جائیں گے۔''

''میں انہیں یوں نہیں جانے دوں گا۔ میں نے انہیں سبق دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' ڈان کی گمبھیر آواز ابھری۔ ''یہ جہاں بھی جمع ہوں گے، میرے آدمی وہاں ایک خوف ناک بارودی حملہ کریں گے، ہر طرف آگ اور بارود کی برسات ہو گی۔ میں اب یہاں ان کے قدم نہیں جمنے دوں گا۔''

''ڈان! کیا تم میرے بغیر یہ منصوبہ بنا رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ڈان کے اس منصوبے کے بارے میں سن کر میں پریشان ہو گیا کیونکہ مجھے ان کے اجتماع کے سامنے پیش ہونا تھا۔ میں موتی محل کے اندر موجود ہوتا اور وہاں ڈان کے آدمیوں کا حملہ شروع ہو جاتا تو میں ناقابلِ تصور مشکلات سے دوچار ہو سکتا تھا۔ وہ صورتِ حال بہت سنگین تھی۔

''ہاں!'' ڈان کا جواب سن کر میری کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میرے لیے تم بہت اہم اور قیمتی ہو۔ میں تمہیں اس اندھی لڑائی کا ایندھن نہیں بنا سکتا۔ وہ جہاں بھی ہوں گے' میرے آدمی چاروں طرف سے بھرپور حملہ کریں گے اور فرار ہو جائیں گے' ان میں سے کئی مارے جا سکتے ہیں' میرے آدمی زخمی بھی ہوں گے۔ چھوٹا راجن مشکل میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے بہت سے آدمی بھاگ چکے ہیں۔ آج اس کے دو نائٹ کلب کھولنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہاں وزنی تالے جھول رہے ہیں پھر بھی وہ ان لوگوں کی حفاظت سے غافل نہیں رہے گا۔ دونوں طرف سے اندھا دھند اسلحہ استعمال ہوگا۔ یہ تمہارا میدان نہیں ہے۔ تمہارا کام اس کے بعد شروع ہوگا۔''

ڈان کے منصوبے کی وہ تفصیل کسی حد تک تسلی بخش تھی۔ اس کے آدمیوں کو مارنا اور بھاگ نکلنا تھا۔ ان کی اچانک کارروائی سے سارا خطرہ موتی محل کے محافظوں اور ملازموں کو ہوتا جو پھاٹک اور احاطے کی دیواروں کے آس پاس موجود ہوتے۔ راجن کا طلب کیا ہوا اجلاس موتی محل کے کسی اندرونی اور محفوظ کمرے میں ہوتا جہاں افراتفری پھیل سکتی تھی' براہِ راست کسی جانی یا مالی نقصان کا خطرہ نہیں تھا۔

''میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم میرے بارے میں ایسی ہمدردانہ سوچ رکھتے ہو'' میں نے پورے خلوص سے کہا ''کیا یہ ذمے داری چاؤفان کو سونپی جائے گی۔''

''مجھے وہ بھی عزیز ہے۔ یہ کام میں ان چاروں حرام خور جواریوں کو سونپوں گا جو دن رات یہاں پڑے اینڈتے رہتے ہیں۔'' ڈان بھی ڈسپلن کا آدمی تھا۔ اس کے ذہن میں اپنے منصوبے کا خاکہ تیار تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''یہ ان کے امتحان کا وقت ہے۔ انہیں ثابت کرنا ہوگا کہ وہ ابھی ناکارہ نہیں ہوئے۔''

''اگر حاجی مستان کو موتی محل میں لے جایا گیا ہے تو میرا اندازہ ہے کہ ان لوگوں کا اجتماع وہیں ہوگا۔'' ڈان سے اس کے منصوبے کی پوری تفصیل سن لینے کے بعد میں نے ضروری سمجھا کہ قیاس آرائی کے سہارے اس کی توجہ موتی محل کی طرف مبذول کرا دوں۔ بعد میں جب وہ سب لوگ وہیں جمع ہوتے تو ڈان میرے اندازوں کی قابلِ رشک درستی کا قائل ہو جاتا۔

جب تک میرا اور اس کا ساتھ چل رہا تھا' میرے لیے اس کی خوشنودی بہت اہم تھی۔ میں نے ابتدا سے اس کے ساتھ سعادت مندانہ مگر باوقار رویہ اختیار کر کے یہ کوشش کی تھی کہ میرے اور اس کے درمیان باہمی احترام کا تعلق قائم ہو جائے۔ یہ اللہ کا کرم تھا کہ اسے اپنا آلۂ کار بنانے کے باوجود میں اس وقت تک اپنی کوششوں میں کامیاب تھا۔

''یہ برا ہوگا۔'' ڈان نے میری زبان سے موتی محل کا نام سنتے ہی اپنی رائے دے دی ''وہ بہت وسیع و عریض محل ہے۔ اس کے اندر تک گھس کر چھوٹا راجن اور اس کے حلیفوں کو نقصان پہنچانا ناممکن ہوگا۔ وہ کسی ہوٹل میں جمع ہوتو ان میں سے ایک آدھ مارا جا سکتا ہے۔''

''یہ میرا اندازہ ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا ''ہو سکتا ہے کہ یہ غلط ثابت ہو۔''

''تم نے بہت کام کیا ہے' اب تھوڑا سا آرام کر لو تا کہ فیصلہ کن ٹکراؤ میں اپنی تمام صلاحیتوں سے کام لے سکو۔'' اس نے وہ نادر مشورہ دے کر فون بند کر دیا۔

مجھے نئے آنے والوں کے بارے میں کوئی تشویش نہیں تھی' اصل فکر ڈان کے منصوبے کی طرف سے لاحق ہوئی تھی جو ہٹ اینڈ رن کا پلان سننے کے بعد کافی حد تک کم ہو چکی تھی لیکن غزالہ کے چہرے پر تشویش کے آثار گہرے ہو گئے تھے۔

وہ میری گفتگو کا ایک ایک لفظ سنتی رہی تھی۔ دوسری طرف سے کہی جانے والی باتیں نہ سننے کے باوجود اس نے بہت کچھ سمجھ لیا تھا۔ اس سے کچھ چھپانا بے سود تھا۔ میں نے بلا کم و کاست اسے نئی صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے یہ بتا دیا کہ ڈان کے یکایک جوش میں آ جانے سے میرے لیے کوئی نیا خطرہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

غزالہ لاکھ دلیر اور معاملہ فہم سہی لیکن پھر بھی ایک عورت تھی۔ اس کے ذہن میں نئے خطرات سر ابھارنے لگے۔ میں بہ مشکل اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو سکا کہ مجھے خود بھی موت کے منہ میں چھلانگ لگانے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس مہم میں زیادہ خطرات نظر آئے تو میں موتی محل کے پھاٹک سے واپس لوٹ آؤں گا۔

☆☆☆

اگلی صبح میں موتی محل کی طرف جانے کی تیاری میں مصروف تھا کہ چاؤفان کا فون آ گیا۔

''ماسٹر! مبارک ہو' تمہارا اندازہ درست ثابت ہوا۔'' وہ فون پر چہک رہا تھا۔ ''وہ پانچوں ایک ایک کر کے موتی محل میں پہنچ چکے ہیں۔''

مجھے اس سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ اسے وہ

خبر کہاں سے ملی۔ ڈان برنارڈ سے برا بھلا سننے کے باد جود وہ اس کا منظورِ نظر تھا۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات سے اس کا باخبر رہنا میرے لیے تعجب خیز نہیں تھا۔

''یہ پانچواں کہاں سے آ گیا؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''منتھار ہے......وہ رات دو بجے کی پرواز سے بنکاک پہنچا ہے۔'' اس نے بتایا ''اس وقت وہ پانچوں موتی محل میں ہیں تم کو معلوم ہی ہے کہ وہاں کیا ہونے والا ہے۔''

''رات کو ڈان کا فون آیا تھا۔'' میں نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر کہا ''اس وقت تک منتھار کے آنے کی کوئی خبر نہیں تھی۔ کیا تماشا دیکھنے کے لیے ادھر جانے کا ارادہ ہے؟''

''ماسٹر! بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرنا ورنہ بے موت مارے جاؤ گے۔'' اس کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی۔ چاروں موٹوں نے رات بھر زبردست تیاری کی ہے۔ بات فائرنگ تک محدود نہیں رہے گی۔ وہاں بم چلیں گے۔ ڈان نے اپنے تمام آدمیوں کو موتی محل کے آس پاس سے ہٹا دیا ہے۔ اس طرف وہی لوگ جائیں گے جو اس مہم میں حصہ لے رہے ہیں۔''

''کیا تم نے مجھے یہ سب بتانے کے لیے فون کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ ضمنی باتیں ہیں۔ اصل بات کی مبارکباد میں تمہیں پہلے ہی دے چکا ہوں۔ ڈان کو حیرت ہے کہ تم اتنے صحیح اندازے کیسے لگا لیتے ہو؟''

میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو اس وقت صرف ساڑھے آٹھ بجے تھے' مجھے ڈیڑھ گھنٹے بعد موتی محل میں پہنچنا تھا۔ دوسری طرف چاؤ فان موتی محل پر حملے کی تیاریوں کی خبر سنا رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ڈان کے آدمی اپنا کام کر گزریں گے اور موتی محل میں اتنی ابتری پھیل چکی ہوگی کہ مجھے ان لوگوں سے ملنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔

چاؤ فان کا فون آ ہی گیا تھا تو میں نے اس سے معلومات حاصل کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تیاریاں مکمل ہیں تو بس دس پندرہ منٹ بعد وہاں تباہی پھیل جائے گی۔''

وہ اس وقت موج میں آیا ہوا تھا۔ دھیرے سے ہنس کر بولا ''ماسٹر! تم ہر ایک کو اپنے جیسا پھرتیلا سمجھتے ہو۔ کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ پانچوں اتنے سویرے چھوٹا راجن سے مل بیٹھیں گے۔ ابھی ان کے جمع ہونے کی خبریں ملی ہیں۔

تیاریاں ضرور مکمل ہیں لیکن آدمیوں کو اکٹھا کرنے میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور لگے گا۔ یہ سمجھ لو کہ دوپہر سے پہلے کام ہو جائے گا۔''

''یہ خیال رکھنا کہ وہ تمہارے آدمیوں کا نشانہ بننے کے انتظار میں دن بھر موتی محل میں نہیں بیٹھے رہیں گے۔'' میں نے کہا۔

وہ میرے جواب سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا ''ڈان زیرک آدمی ہے۔ یہ بات جانتا ہے۔ وہ ان لوگوں کو تیزی سے ہانک دے گا۔ اس معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے مگر مجھے ساری باتیں معلوم ہو رہی ہیں۔ میں تمہارا شکرگزار ہوں کہ تمہاری وجہ سے ڈان کی نظروں میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر رہا ہوں۔''

''یہ کھویا ہوا نہیں' نیا مقام ہے جو تمہیں مل رہا ہے۔''

''تم میرے ماسٹر ہو' جو چاہو کہہ سکتے ہو۔ میں برا نہیں مناؤں گا۔'' وہ ایسی باتوں کو نہایت ڈھٹائی سے' ہنس کر جھیل جاتا تھا۔

''مجھے حیرت ہے کہ تم اس وقت جاگے ہوئے ہو۔ شراب نوشی کرنے والوں کا سورج ذرا دیر سے طلوع ہوتا ہے۔'' میں نے اس پر طنز کیا۔

''تم دیکھ چکے ہو کہ کام سامنے ہو تو میں شراب اور شباب کو بھول بھال کر ساری رات بیدار رہ سکتا ہوں۔ آج کا کام ہو جائے تو میں شام کو جشن منانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ موڈ ہو تو تم بھی آ جانا۔ میں نے مادام کو دعوت دی ہوئی ہے۔ وہ مان گئی تو مزہ آ جائے گا۔''

''آج کل تم ہر بات میں کسی نہ کسی طرح اس کا ذکر ضرور نکال لیتے ہو!'' میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کا جائزہ لیتے ہوئے' ای کا نام لیے بغیر کہا۔

''کیا کروں' میں مجبور ہوں۔ عورت جب تک فتح نہ کر لی جائے اسی طرح دل و دماغ پر چھائی رہتی ہے۔'' اس نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا ''تمہارے چاہنے سے پہلے عورتیں تمہاری طرف لپکتی ہوں گی۔ تم اس کرب کو نہیں سمجھ سکتے۔''

عورتوں کے بارے میں اس کا نظریہ توہین آمیز بلکہ شرمناک تھا۔ میرے جی میں آئی کہ اسے عورت کے مقام اور مرتبے کے بارے میں بتاؤں' اسے سمجھاؤں کہ عورت کسی کی جاگیر یا ملکیت نہیں ہوتی جسے فتح کیا جائے۔ وہ انسانی فطرت کے لطیف جذبوں میں گندھی ہوئی ایک جیتی جاگتی ہستی ہوتی ہے جسے پیار و محبت سے اپنایا جا سکتا ہے مگر غزالہ

کی موجودگی کے سبب میں چاؤ فان کی گرفت نہ کرسکا۔ غزالہ کو ذرا بھی بھنک مل جاتی کہ اس وقت میرے اور چاؤ فان کے درمیان لی کی ذات زیر بحث تھی تو وہ آزردہ ہوجاتی۔

''تمہارا جشن تم کو مبارک ہو۔ میں اپنا وقت ایسی خرافات میں برباد کرنے کا عادی نہیں ہوں۔'' میں نے اسے کورا سا جواب دے کر بات وہیں ختم کردی۔

چاؤ فان سے ہونے والی گفتگو کے نتیجے میں میری ایک پریشانی دور ہوگئی تھی۔ اس کی زبانی مجھے یہ علم ہوگیا کہ موتی محل کے قرب و جوار سے ڈان نے اپنے آدمی ہٹا لیے تھے۔ میرے لیے یہ خدشہ باقی نہیں رہا تھا کہ ان میں سے کوئی مجھے موتی محل میں جاتا ہوا دیکھ کر ڈان کو خبر کردے گا۔

اس اطمینان کے ساتھ مجھے ایک نئی تشویش لاحق ہوگئی۔ ڈان کے کیمپ میں موتی محل پر حملے کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ وہ کارروائی کسی بھی وقت ہوسکتی تھی۔ اس کے صحیح وقت کا تعین کرنا میرے لیے دشوار تھا۔ میرے پہنچنے سے پہلے یا بعد میں وہ حملہ ہوتا تو مجھے کوئی گزند پہنچنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ وہ لوگ میرے داخلے کے وقت موتی محل پر اچانک دھاوا بول دیتے تو ان کے ہاتھوں میری ہلاکت کا امکان بہت قوی نظر آرہا تھا۔

فکر و تشویش کے باوجود میں نے اپنی تیاری جاری رکھی۔ میں نے بالوں کے اسٹائل وغیرہ میں یہ احتیاط رکھی کہ سب کچھ میرے معمولات سے اتنا مختلف ہو کہ مجھے ایک نظر میں نہ پہچانا جاسکے۔

میں نے تیار ہوکر روانگی کا ارادہ کیا تو غزالہ نے مجھے یاد دلایا کہ دس بجے کی ملاقات کے لیے میں نو بجے سے پہلے روانہ ہو رہا تھا۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ مجھے ڈان کے آدمیوں کے حملے کی زد میں آنے کا خطرہ تھا' میں ان کی کسی کارروائی سے پہلے موتی محل میں داخل ہوکر محفوظ ہوجانا چاہتا تھا۔

ٹیکسی کی تلاش میں مجھے ہوٹل سے باہر نہیں جانا پڑا۔ پورچ میں خالی ہونے والی ایک ٹیکسی کی عقبی نشست میں' میں اس طرح دھنس کر بیٹھ گیا کہ باہر سے مجھے پوری طرح نہ دیکھا جاسکے۔

موتی محل شہر کا ایک معروف نام تھا۔ میں ٹیکسی ڈرائیور کے سامنے وہ نام لیتا تو مجھے اس کے دروازے پر اتار دیتا مگر میں احتیاط کے پیش نظر اس نام سے گریز کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ معمولی سی بات تھی لیکن اس وقت اہمیت اختیار کرگئی۔ مجھے اس علاقے کا کوئی متبادل حوالہ معلوم نہیں تھا۔ میں نے اضطراری طور پر پیٹ پونگ کا نام لیا اور ٹیکسی حرکت میں آگئی۔

اس وقت موتی محل کا نام لینے سے گریز کرنے کا مدعا صرف اتنا تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور کو یہ علم نہ ہوسکے کہ اس نے ہلٹن ہوٹل سے کسی کو موتی محل پہنچایا تھا۔ ایک اجنبی شہر میں اپنے خون آشام دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے وہ احتیاط ناگزیر تھی۔

پیٹ پونگ صرف عیاشی کا گڑھ نہیں ہے۔ دن کے اوقات میں وہاں تجارتی اور کاروباری سرگرمیاں پورے زور و شور سے جاری رہتی ہیں۔ وہاں پہنچ کر میں دوسری ٹیکسی میں سوار ہوا۔ اس بار میں نے بے دھڑک ہوکر ڈرائیور کو موتی محل کا نام بتا دیا۔

نو بج کر بیس منٹ پر میں موتی محل کے پھاٹک سے اندر داخل ہوچکا تھا۔ اس وقت وہاں مطلع صاف تھا لیکن اندر عجیب سی ویرانی اور بے رونقی کا راج تھا۔ چند لمحوں میں اس کا سبب بھی سمجھ میں آگیا۔ پہلے کے مقابلے میں وہاں ملازموں اور محافظوں کی بہت کم تعداد نظر آرہی تھی۔ راجن کے آدمیوں کے چلے جانے کے بارے میں ڈان کی معلومات بے بنیاد نہیں تھیں۔

اکبر کے نام سے میرا تعارف ہوتے ہی موتی محل کے محافظ مؤدب نظر آنے لگے۔ انہیں میری آمد کے بارے میں پیشگی ہدایات ملی ہوئی تھیں۔ سرسری جامہ تلاشی کے بعد ایک محافظ مجھے اپنے ساتھ لے کر اندر چل دیا۔ اس نے راستے میں مجھے بتایا کہ میری آمد کے لیے دس بجے کا وقت طے تھا اس لیے مجھے اندر بیٹھ کر کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا۔

راجن کا آراستہ اور پرشکوہ ڈرائنگ روم میرے لیے نیا نہیں تھا۔ میں اسد کے ساتھ وہاں راجن سے ایک ملاقات کرچکا تھا۔ مجھے وہاں بٹھا کر محافظ باہر چلا گیا۔

وہاں بیٹھتے ہی میں نے اپنے کان اندر سے آنے والی آوازوں پر جما دیے۔ میرے لیے یہ خیال بہت سنسنی خیز تھا کہ اسی عمارت میں کہیں چھ نامی گرامی بھارتی شہری میرے خلاف سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔

اندر سے کچھ ملی جلی آوازیں آرہی تھیں۔ میرے لیے وہ بس آوازیں ہی تھیں' ان کا کوئی مفہوم میرے پلے نہیں پڑ سکا۔ اسی دوران میں ڈرائنگ روم کا اندرونی دروازہ کھلا اور ایک جواں سال بھارتی ملازمہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی میری طرف چلی آئی۔

ٹرالی میں واڈکا اور جن کی شفاف بوتلوں کے ساتھ ٹی

کوزی سے ڈھکی ہوئی کیتلی بھی موجود تھی۔ ملازمہ نے میرے لیے کوئی مشروب تیار کرنے کی پیشکش کی، میں نے چائے کی فرمائش کی اور وہ میرے لیے چائے کی پیالی بنا کر اندر لوٹ گئی۔ جاتے ہوئے اس نے دروازہ بند کر دیا۔

دروازہ کھلنے کے بعد اندر سے آنے والی آوازیں قدرے واضح ہوئیں جو دوبارہ معدوم ہو گئیں۔

میرے لیے وہ صبر آزما اور اعصاب شکن صورتِ حال تھی۔ میں اپنے بدترین دشمن کی چھت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اندر میرے خلاف جوڑ توڑ ہو رہے تھے۔ باہر سے کسی بھی لمحے خوفناک حملہ ہونے والا تھا اور گھڑی کی سوئیاں رینگ رینگ کر آگے بڑھ رہی تھیں۔

میرے معدے نے آدھی پیالی سے زیادہ چائے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چائے چھوڑ کر میں نے سگریٹ سلگائی اور اضطراری انداز میں ایک بڑی دیوار گیر پینٹنگ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ میری نگاہیں اس تصویر پر مرکوز تھیں لیکن ذہن کہیں اور تھا۔

اس دوران میں، میں ایک بار ٹہلتا ہوا نکاس کے دروازے کی طرف گیا تو مجھے وہاں تک لانے والا محافظ برآمدے میں مستعد کھڑا ہوا تھا۔ جیسے جیسے انتظار کے لمحات طویل ہوتے جا رہے تھے، میرے اعصابی دباؤ میں بہ تدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں تھا تو میری یہ خواہش تھی کہ میں جلد از جلد موتی محل پہنچ جاؤں تاکہ ڈان کے آدمیوں کے ناگہانی حملے کی زد میں آنے سے بچ سکوں۔ راجن کے ڈرائنگ روم میں انتظار کے کٹھن لمحات سے گزرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ میں نے وقت سے پہلے وہاں آ کر سخت غلطی کی، اس سے بہتر تھا کہ میں کسی بھی خطرے کی پروا کیے بغیر مقررہ وقت پر آتا اور ہر قسم کے اعصابی تناؤ سے آزاد رہ کر راجن اور اس کے مہمانوں کا سامنا کرتا۔

پونے دس بجے اندرونی دروازہ کھلا اور وہاں سے کرتے پاجامے میں ملبوس راجن برآمد ہوا تو میں نے اٹھ کر اسے تعظیم دی۔ یہ دیکھ کر مجھے مسرت ہوئی کہ کرتے کی آستین میں اس کا بایاں بازو بہت پھولا ہوا تھا اور بے جان انداز میں پہلو میں جھول رہا تھا۔

''تم وقت سے بہت پہلے آ گئے!'' راجن نے دبنگ آواز میں شکایت کی۔

''میں ڈر رہا تھا کہ مجھے دیر نہ ہو جائے۔ اس چکر میں وقت سے پہلے آ گیا۔'' میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں وضاحت کی پھر پوچھا۔ ''استاد! تمہارا بایاں ہاتھ لٹکا ہوا ہے...... خیریت تو ہے نا؟''

''گر گیا تھا۔ معمولی چوٹ آئی ہے!''

''استاد! آنبہ ہلدی، چوٹ سجی اور چونے کا لیپ لگاؤ، چند گھنٹوں میں سارا درد دور ہو جائے گا۔'' میں نے اس کی بات ختم ہوتے ہی اپنا نادر مشورہ پیش کر دیا۔ اسے اپنے روبہ رو پا کر میرا سارا ذہنی اور اعصابی انتشار یک بہ یک کافور ہو گیا۔

''شٹ اَپ!'' اس نے کسی اشتعال کے بغیر منہ بنا کر کہا ''مجھے ان گھٹیا مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے ساتھ آؤ، اندر کوئی فالتو بات نہ کرنا۔ جو پوچھا جائے صرف وہی بتاؤ گے۔''

وہ واپسی کے لیے مڑ گیا۔ اس کا لٹکا ہوا ہاتھ دیکھ کر میں یہ سمجھ چکا تھا کہ میری چلائی ہوئی ناقص گولی نے اس کے بازو کی ہڈی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ بازو کا زخم اتنا گہرا ضرور تھا کہ وہ موٹی پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا اور راجن وہ ہاتھ ہلانے سے معذور تھا۔

میں ایک مرتبہ پھر اس امتحان سے گزر رہا تھا کہ وہ میری نیت سے بالکل بے خبر تھا، میں چاہتا تو پیچھے سے لپک کر آہستگی سے اس کی گردن دبوچتا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہو جاتا۔ اس کا قصہ پاک ہو جاتا مگر میری خیر نہ ہوتی، نکاس کے دروازے کے باہر راجن کا مسلح محافظ براجمان تھا، اندر کہیں پانچ خطرناک افراد سر جوڑے ہوئے بیٹھے تھے۔ میرے لیے کسی طرف سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ میری جان اتنی ارزاں نہیں تھی کہ اسے ایک راجن کے نام پر داؤ پر لگا دیا جاتا۔

دروازے سے گزر کر وہ ایک مختصر اور آراستہ لابی سے ہوتا ہوا ایک بغلی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ دروازہ کھلتے ہی جلتے ہوئے تمباکو اور الکحل کی ملی جلی تیز بُو میرے نتھنوں سے ٹکرائی۔ اسی کے ساتھ ایک بلند آہنگ قہقہہ سنائی دیا۔

اندر زوردار شور سے باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کمرا یقینی طور پر ساؤنڈ پروف تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو اس کمرے کا دروازہ کھلنے سے پہلے بھی کچھ نہ کچھ ضرور سنائی دیتا۔

اس وقت وہ کمرا میرے لیے مقتل سے کم نہیں تھا۔ میں چھٹے ہوئے گھاگ بدمعاشوں کے سامنے جانے والا تھا جن کی عقابی نظروں سے کچھ چھپانا آسان نہیں تھا۔ دروازہ

کھلتے ہی قہقہے کے ساتھ دوسری آوازیں یکایک معدوم ہوگئیں۔

دروازے سے گزرتے ہی میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس کمرے میں نرم، دبیز اور بڑے بڑے صوفے پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک صرف ایک فرد کے لیے تھا۔ ان میں سے پانچ پر خوفناک اور رعب دار چہروں والے افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی چہرہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ جرائم کی خبروں کے حوالے سے گاہے گاہے ان کی تصاویر اخباروں میں چھپتی رہتی تھیں۔ چہرے شناسا سے تھے مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ کس کا نام کیا ہے۔ خاص بات یہ تھی کہ ان میں سے کسی کے پاس کوئی ہتھیار نظر نہیں آ رہا تھا۔

راجن اپنے بائیں ہاتھ کو سنبھالتا ہوا احتیاط سے ایک صوفے میں دھنس گیا۔

وہ کمرا بہت وسیع اور آراستہ تھا۔ ہر طرف منقش اور دمکتی ہوئی تپائیاں رکھی ہوئی تھیں۔ وسط میں پڑی ہوئی میز پر سفید شرابوں کے ساتھ ٹانک واٹر اور سوڈے وغیرہ کی کئی خالی بوتلیں بے ترتیبی سے پڑی ہوئی تھیں۔ ان پانچوں کے سامنے رکھی ہوئی تپائیوں پر گلاسوں کے ساتھ پنیر اور ڈرائی فروٹ کی نقرئی پلیٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ دن دیہاڑے مے نوشی میں مصروف تھے۔

وہاں مزید کئی صوفے خالی تھے لیکن کسی نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی۔ اپنے ابتدائی جائزے کے بعد میں کسی مجرم کی طرح سر جھکا کر کھڑا ہوگیا۔ ان سب کی تیز نگاہیں مجھے اپنے جسم سے آر پار ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

''تو یہ تمہارا ٹاؤٹ ہے!'' روح میں اتر جانے والے گہرے سکوت میں بڑی بڑی مونچھوں والے ایک خوں خوار شخص کی درشت آواز ابھری۔

''ہاں منٹھار!'' راجن نے جواب دیا ''اس نے مجھے بروقت ہوشیار کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن میں نے اسے منہ نہیں لگایا۔ اس کی بات سن لی ہوتی تو شاید اس وقت ہم وائٹ ہاک کے کسی کیبن میں بیٹھے ہوئے ہوتے۔''

''مجھے یہ صورت سے مکار اور چھٹا ہوا بدمعاش معلوم ہو رہا ہے۔'' منٹھار کے الفاظ اور لہجے میں میرے لیے تحقیر کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ''ایسے آدمی کی کسی بات پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا..... کیوں حاجی، تو کیا کہتا ہے۔''

راجن کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص نے ایک کاجو منہ میں ڈالا اور اسے دانتوں سے کچلتے ہوئے بولا ''دنیا آگے جا رہی ہے۔ آج کل کوئی مکار نہ ہو تو اسے بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔'' پوچھے گئے سوال کا جواب دے کر وہ میری طرف متوجہ ہوگیا۔ ''کیوں بے! تو نے کیا سنا اور دیکھا تھا۔''

''میں استاد کو بتا چکا ہوں!'' میں نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''پھر بتا!'' وہ گرج کر بولا ''ہم سب تیرے استاد ہیں۔''

میں نے چھری کے نیچے آئے ہوئے بکرے کی طرح بے بسی سے راجن کی طرف دیکھا، اس نے اپنے سر کو جنبش دے کر مجھے بولنے کا اشارہ کیا۔

اس ماحول میں ان لوگوں کو دیکھ کر میں خاصا مرعوب ہو چکا تھا۔ راجن کے علاوہ وہ سب پولیس کو مطلوب تھے مگر آزادی کے ساتھ دنیا بھر میں گھوم پھر رہے تھے۔ وہ ممبئی میں ہوتے ہوئے بھی بھارتی پولیس اور ایجنسیوں کے لیے آسیب بنے رہتے تھے جو اپنے معمول کو ہلکان کرتا ہے لیکن اس کا سراغ لگانا ممکن نہیں ہوتا۔ میں نے محسوس کیا کہ راجن ان پانچوں سے کم تر تھا۔ اس کی فریاد پر وہ بزرگانہ انداز میں اس کی سرپرستی کی رسم نبھانے کے لیے بنکاک آئے ہوں گے۔

میں نے دانستہ رک رک کر پیٹ پونگ میں ایک سردار جی کے ہوٹل میں سنی ہوئی وہ مفروضہ کہانی سنانی شروع کر دی جو میں راجن کو سنا چکا تھا۔

''اس میں ڈینی کا نام تو نے کہاں سے سن لیا؟'' میرے خاموش ہونے پر خشخشی داڑھی والے گورے شخص نے مخمور آواز میں سوال کیا۔

''مم...... مجھے ہر بات لفظ بہ لفظ یاد نہیں ہے۔ انہوں نے کئی بار ڈینی کا نام لیا تھا۔''

''ڈرو نہیں!'' راجن نے مجھے دلاسا دیا ''بے خوف ہو کر بات کرو۔ یہ سب میرے مربی اور دوست ہیں۔ ان کو ناؤ والی بات بتاؤ۔''

میں ان لوگوں کے سامنے اداکاری اور صداکاری کر رہا تھا مگر میرا دماغ بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ان لوگوں کے گنتی کے سوالوں سے میں نے بھانپ لیا تھا کہ وہ پانچوں بنکاک میں ڈینی کی موجودگی تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ راجن نے اپنی اس دہشت کی تائید کے لیے مجھے ایک گواہ کے طور پر ان کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

اس وقت میں ڈینی کی بنکاک میں موجودگی کے حوالے سے کوئی حاشیہ آرائی کر گزرتا تو راجن مجھے ہرگز نہ ٹوکتا۔ میرے بلائے جانے کا مقصد ایک ہی تھا کہ میں شہر میں ڈینی

کی موجودگی کی تصدیق کردوں۔

''وہ کہہ رہے تھے کہ سب کام جاری منصوبے کے مطابق ہوتے چلے گئے تو راجن کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا' ڈینی اس کی ناؤ ڈبو دے گا۔''

میں نے اس بیان میں ڈینی کے لفظ کا اضافہ کیا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے راجن کے سیاہی مائل چہرے کا رنگ متغیر ہوا مگر وہ اسی لمحے سنبھل گیا۔

حاجی مستان شاید راجن کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے راجن کے چہرے کی اضطراری تبدیلی پڑھ لی۔ ایک لمبا گھونٹ لے کر اپنا گلاس زور سے تپائی پر پٹخا اور غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''نخشب! سالے کے دو تین کرارے ہاتھ لگا۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔''

خشخشی داڑھی والے نے فوری طور پر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس سے پہلے کہ وہ جارحانہ تیوروں کے ساتھ میری طرف لپکتا' راجن نے بے چین ہو کر غیر ارادی طور پر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کو روکنے کی کوشش کی۔ اس کا بایاں ہاتھ اپنی جگہ پر ہل کر رہ گیا۔ راجن کے چہرے پر کرب و اذیت کی ایک لہر سی تیر گئی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ بایاں ہاتھ ہلانے کی کوشش نے اس کی جان نکال دی تھی۔

وہ اپنا داہنا ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے بولا ''نخشب' تو بیٹھ جا۔'' یہ کہہ کر وہ مستان کی طرف متوجہ ہو گیا ''مستان بھائی! تم میرے بڑے ہو۔ مجھے دس ہاتھ مار لو' میں اُف بھی نہیں کروں گا۔ اکبر ڈرپوک آدمی ہے۔ اسے میں نے مشکل سے یہاں آنے پر آمادہ کیا ہے۔ اسے مار پڑی تو یہ بھاگ جائے گا۔ مجھے بتاؤ کہ تمہیں اس پر کیا شبہ ہے!''

''راجن! مستان بھائی کے بیچ میں مت بول۔'' چوتھے آدمی نے روکھے لہجے میں پہلی بار اپنی زبان کھولی۔ ''ہم سب تیرے بھائی بند ہیں' تیری مدد کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ تو یہاں راج کر کے ہم سب کا نام اونچا کر رہا ہے۔ ڈینی سالا یہاں ہے تو ہم اس کا تیا پانچا کر دیں گے۔ اکبر پر مجھے بھی بھروسا نہیں ہو رہا۔ سالے کی آنکھیں دیکھ' کیسی چڑھی چڑھی اور بے وفا لگ رہی ہیں۔''

اس کے آخری فقروں پر کمرے میں ان سب کے بے ساختہ قہقہے گونج اٹھے۔ راجن کا چہرہ ستا ہوا نظر آنے لگا۔

پانچواں اپنی دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے درشت آواز میں بولا ''راجن! تو دو گھنٹوں کے لیے مجھے اکبر کے ساتھ ایک کمرے میں چھوڑ دے۔ اس کی ایک ایک ہڈی سچ نہ بولنے لگی تو میں تجھ سے اپنے منہ پر تھکوا لوں گا۔''

راجن کے سوا ان سب کے تیور یکایک بگڑے ہوئے نظر آنے لگے۔ اس تالاب میں پہلا پتھر مستان نے پھینکا تھا۔ وہ عمر' تجربے اور مرتبے میں ان سب سے بڑا نظر آرہا تھا۔ ان میں آپس کی کیسی بھی پیشہ ورانہ رقابتیں رہی ہوں' اس وقت وہ سب اس کے ہم خیال ہو گئے تھے۔

''یہ سچ بول رہا ہے' میں نے چھان بین کر لی ہے.....!'' راجن نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا تھا کہ مستان نے برہمی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''سب کچھ تجھے کرنا تھا تو ہمیں کیوں بلایا ہے!'' وہ غراتے ہوئے بولا۔ ''اپنا معاملہ ہمیں سونپ کر تماشا دیکھ یا پھر ہم چلتے ہیں' تو ڈینی سے خود نمٹتا رہ۔ ابھی تیرے ایک ہاتھ میں گولی لگی ہے۔ کل دل میں اتر جائے گی۔''

مستان کی تائید طلب نظریں اپنے ساتھیوں کی طرف اٹھ گئیں اور کمرا ان کی تیز و تند آوازوں سے گونج اٹھا۔ وہ سب اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

''تم اتنی سی بات کو بلاوجہ بڑھا رہے ہو!'' راجن نے بے جان آواز میں کہا ''میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ اس سے اچھی طرح پوچھ گچھ کر لو مگر اس سے مار پیٹ نہ کرو۔''

''راجن! تو پاگل ہو گیا ہے!'' منٹھار اپنی مونچھ کے ایک سرے کو تاؤ دیتا ہوا بولا ''اس کی صورت ذرا غور سے دیکھ۔ سالا پکا پاپی لگتا ہے۔ تو نے سنا ہے نا کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ یہ اسی ذات کا ہے' جب تک اسے چار چوٹ کی مار نہیں پڑے گی یہ کچھ نہیں اگلے گا۔ مجھے شک ہو رہا ہے کہ یہ تجھے ڈبل کراس کر رہا ہے۔ میں جب تک اس کا پورا شجرہ نہیں کھود لوں گا۔ مجھے اس پر اعتبار نہیں آئے گا۔ یہ کون ہے' کہاں سے آیا ہے' اس کے بال بچے یا ماں باپ کہاں ہیں' وہ کیا کرتے ہیں' آئی بی والے سے اس کی دوستی کیسے ہوئی۔ ہزار سوال ہیں' جب تک ان کے جواب نہیں ملتے' میں اس کی کوئی بات نہیں مان سکتا۔''

بات بہت تیزی سے بگڑتی چلی گئی تھی۔ راجن نے اپنا وعدہ نبھانے کے لیے میری حمایت کرنے کی جو کوشش کی تھی وہ میرے اور اس کے خلاف چلی گئی تھی۔ راجن کے چہرے پر نمودار ہونے والے بے بسی کے آثار دیکھ کر مجھے اپنی عاقبت خراب ہوتی نظر آرہی تھی۔

موتی محل میں میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا وہ میری توقعات کے بالکل برعکس تھا۔ مجھے سارا خطرہ راجن کی

بدنیتی سے تھا۔ یہ میری قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ راجن میرا حامی بنا ہوا تھا اور اس کے پانچوں مہمان میرے خلاف صف آرا ہو چکے تھے۔ وہ راجن پر اس بری طرح حاوی نظر آ رہے تھے کہ وہ زیادہ دیر تک ان سے اختلاف رائے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

میرے لیے وہ لمحات فیصلہ کن تھے۔ یہ بات تسلی بخش تھی کہ وہ سب غیر مسلح تھے۔ میں ان پر ٹوٹ پڑتا تو پہلے ہی وار میں ایک دو کو آسانی سے جہنم واصل کر سکتا تھا۔ بقیہ حریف شاید دہشت زدہ ہو کر خود مجھے راہ دے دیتے۔ میں اس کمرے سے نکل سکتا تھا۔ اس سے آگے کا مرحلہ بہت سخت اور دشوار تھا۔ راجن کے پاس نفری کی شدید قلت ہو چکی تھی مگر میں نے اندر آتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ باہر کئی مسلح محافظ موجود تھے۔

اصل عمارت سے نکل کر پھاٹک یا احاطے کی دیوار تک پہنچنا میرے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ اس دوڑ میں موت کے غالب آنے کے امکانات زیادہ تھے۔

''اگر تم سب کی یہی رائے ہے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔ راجن نے بے بسی سے کہا ''میں اتنا بتا دوں کہ میں اپنی سبکی محسوس کر رہا ہوں، ایسا لگ رہا ہے جیسے اکبر کے بارے میں میری کہی ہوئی باتوں پر تم سب کو یقین نہ ہو۔''

منٹھار اور مستان کی نگاہیں چار ہوئیں پھر مستان نے کہا ''تیری سبکی تو اس وقت ہوئی جب تو نے ہم سب کو فون کیا۔ یہ سب کہنے سننے کی باتیں ہیں، اپنوں میں کسی کی سبکی نہیں ہوتی۔ اب بات تیری نہیں رہی۔ یہ اکبر کا معاملہ ہے۔ تو اسے اپنی ذات سے کیوں ملا رہا ہے۔ سبکی و بکی کے چکر میں پڑنے کے بجائے یہ سمجھ کہ اکبر تجھے بھی دھوکا دے رہا ہے۔ ہماری وجہ سے تیری آستین میں پلنے والا سانپ مر جائے تو سوچ کہ کس کا فائدہ ہے...... ہمارا یا تیرا؟''

مستان کی عقابی آنکھیں راجن کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ اس نے بات ایسے سوال پر ختم کی تھی جس کا جواب دینا لازم تھا۔ راجن نے اپنی جگہ کسمسا کر کہا ''تم میرے فائدے کی بات سوچو گے۔ اب اکبر تمہارے حوالے ہے۔ اسے اچھی طرح کھنگال لو۔ میں ایک لفظ......''

راجن کا جواب ادھورا رہ گیا۔ ایک پرزور دھماکے کی گھٹی گھٹی آواز کے ساتھ اس کمرے کے در و دیوار ہل کر رہ گئے اور وہ سب بھڑک کر اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے مرجھائے ہوئے وجود میں فرحت و تازگی کی ایک لہر سرایت کر گئی ہو۔ ان خبیثوں کے جارحانہ چنگل میں پھنس کر میری عقل اس بری طرح ماؤف ہوئی تھی کہ میں موتی محل پر ڈان کے آدمیوں کے متوقع حملے کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔

راجن کا وہ کمرا ساؤنڈ پروف تھا۔ ڈرائنگ روم میں انتظار کے دوران کمرے کی وہ خصوصیت میرے تجربے میں آ چکی تھی۔ وہاں سے اندر کی آوازیں باہر جا سکتی تھیں نہ باہر کی معمول کی آوازیں اندر سنائی دے سکتی تھیں۔ بم کے دھماکے کی بات دیگر تھی۔ اس نے کمرے کے ساتھ وہاں موجود لوگوں کو بھی بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔

مجھے خوشی تھی کہ وہ حملہ بہت بر وقت شروع ہوا تھا۔ ڈان کے آدمیوں کا جم کر مقابلہ کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ انہیں بم اور گولیاں برسا کر بھاگ جانا تھا۔ خوف و ہراس کی اس طوفانی لہر سے فائدہ اٹھا کر مجھے بھی سرعت سے فرار کی راہ تلاش کرنا تھی۔ وہاں جو کچھ ہو چکا تھا وہ کافی تھا۔ میرے لیے وہاں رکنا ایک عذاب کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

دھماکا ہوتے ہی وہ بس لمحہ بھر کے لیے اپنی جگہوں پر بھونچکا سے کھڑے رہے، نخشب دروازے کے قریب تھا۔ اس نے لپک کر دروازہ کھولا اور یکایک فائرنگ کا ہولناک شور سنائی دیا۔ وہ سب بدحواس ہو کر ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ہوئے دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگے۔ بم کے پہلے دھماکے کی گونج معدوم ہوتے ہی دوسرا اور پھر تیسرا دھماکا ہوا۔ اس دوران میں دھواں دھار فائرنگ کا شور مسلسل گونجتا رہا۔

ان میں کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا تھا۔ ساؤنڈ پروف کمرے سے نکل کر وہ سب اندر کی طرف بھاگے، میں ان کے پیچھے دوڑتا ہوا باہر نکلا اور چشم زدن میں ڈرائنگ روم سے ہوتا ہوا برآمدے میں پہنچ گیا۔

بموں کے تین پے در پے دھماکوں اور فائرنگ کے شور سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مسلح دشمنوں کا کوئی غول موتی محل میں گھس آیا ہو۔ اندر والے اندر ہی پناہ گاہیں ڈھونڈنے میں لگ گئے تھے میں پہلا اور تنہا شخص تھا جو اندر سے باہر نکلا۔

پھاٹک سے مجھے ڈرائنگ روم تک لانے والا گارڈ سینے کے بل برآمدے کے فرش پر اپنی رائفل تانے پڑا ہوا تھا۔ احاطے میں دھول ہی دھول اڑ رہی تھی مجھے ایک نظر میں اندازہ ہو گیا کہ کم از کم دو بم سامنے کے حصے میں گرے تھے۔

''لیٹ جاؤ، گولیاں چل رہی ہیں...... مارے جاؤ

گے!" مجھے دیکھتے ہی گارڈ پھنسی پھنسی آواز میں چیخا۔ "یہاں بم باری بھی ہو رہی ہے۔"
موتی محل کے مکین بے خبری میں اس صورتِ حال سے دوچار ہوئے تھے اس لیے دہشت زدہ ہو کر پناہ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ مجھے علم تھا کہ میرے اور ڈان کے آدمیوں کے درمیان احاطے کی فصیل نما دیوار حائل تھی۔ ان کا اندر گھسنے کا کوئی پلان نہیں تھا اس لیے ان کی فائرنگ سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔
موتی محل کے مسلح محافظوں کی فائرنگ کا رخ باہر کی طرف تھا۔ میں ان کی گولیوں سے بھی محفوظ تھا میں نے گارڈ کی ہدایت سنی اَن سنی کر کے پوری قوت سے پھاٹک کی طرف دوڑ لگادی۔
میں فضا میں اڑتے ہوئے گرد و غبار کے بادل میں گزر رہا تھا کہ اچانک فائرنگ کا زور ٹوٹ گیا۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ ڈان کے آدمی اپنا مشن پورا کر کے بھاگ نکلے ہیں۔ رہی سہی گولیاں موتی محل کے اعصاب زدہ محافظ چلا رہے تھے۔
میں پھاٹک تک پہنچا تو مجھے کہیں کوئی متنفس نظر نہیں آیا۔ راجن کے تمام آدمی کسی نہ کسی آڑ میں چھپے ہوئے تھے اور اپنی کمین گاہوں سے ہوا میں فائرنگ کر رہے تھے۔
اس قیامت خیز ماحول میں کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہا، سب کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔ میں پھاٹک تک پہنچا تو وہ بند تھا۔
لمحہ بھر کے لیے مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ اس وقت مجھے پھاٹک کے برابر میں دراڑ نما چھوٹا سا راستہ نظر آ گیا۔ جو شاید ملازمین کی پیدل آمد و رفت کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ امید کی وہ کرن نظر آتے ہی میری رفتار خود بہ خود تیز ہو گئی۔
"رک جاؤ!" پھاٹک کی چیک پوسٹ سے کوئی چیخا۔ "باہر مسلح دشمنوں کا راج ہے۔"
وہ جو کوئی بھی تھا مجھے اپنوں میں سے سمجھ کر ہمدردی دکھا رہا تھا مگر میرے لیے وہ موت کی پکار تھی۔ میں نے اسے نظر انداز کیا اور چشم زدن میں کھلے ہوئے راستے سے باہر نکل گیا۔
موتی محل پر مسلح افراد کی لشکر کشی کا واقعہ بنکاک کے شہریوں کے لیے معمولی نہیں تھا۔ وہ بارونق اور پُرہجوم علاقہ اس وقت تک ویران ہو چکا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گولیوں کی پہلی باڑ کے ساتھ تمام دفاتر اور دکانوں کے دروازے بند کر دیے گئے ہوں۔ جہاں چلنے کے لیے مشکل سے راہ ملتی تھی وہاں دور دور تک کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔
موتی محل سے باہر آ کر میں نے سڑک عبور کرنے کے بجائے احاطے کی دیوار کے ساتھ دوڑ لگادی سڑک پار کرنے کی صورت میں، میں موتی محل کی طرف سے آنے والی کسی گولی کا نشانہ بن سکتا تھا۔
موتی محل کے احاطے کی دیوار ختم ہونے کے بعد بھی میں نے اپنی رفتار کم نہیں کی۔
آگے خوف زدہ لوگوں کا ایک ہجوم جمع تھا جس میں متاثرہ علاقے سے بھاگنے والے بھی شامل تھے۔ لوگوں نے مجھے دیکھا لیکن کسی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں موتی محل کے زنداں سے بھاگا ہوا کوئی قیدی ہوں۔ بھیڑ میں شامل ہو کر میں نے اپنی رفتار چہل قدمی کی حد تک دھیمی کرلی۔
وہاں ہر طرف خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ سب تجسس کے ساتھ ایک دوسرے سے بول رہے تھے لیکن ہر چہرے پر سوال ہی سوال مجسم تھے۔ اس بڑے ہجوم کے پیچھے ٹریفک رکا ہوا تھا۔ متعدد گاڑیاں متبادل راستے اختیار کر رہی تھیں۔
پہلی خالی ٹیکسی نظر آتے ہی میں پھرتی سے اس میں سوار ہو گیا۔ ڈرائیور نے میری ہدایت پر اپنی گاڑی ہلٹن ہوٹل کی طرف جانے والی راہ پر ڈال دی۔
میں معجزانہ طور پر کسی خراش کے بغیر موتی محل سے نکل آیا لیکن اپنی زندگی کے اس بھیانک تجربے نے میرا دل و دماغ سن کر کے رکھ دیا۔
میں چند لمحوں کے فرق سے ایک اذیت ناک صورت حال سے دوچار ہوتے ہوتے بچا تھا۔ اگر میں ان لوگوں کی باتوں سے مایوس ہو کر ان سے الجھ گیا ہوتا تو میری آزادی کی ساری راہیں مسدود ہو جاتیں۔ یہ درست تھا کہ راجن اور اس کے حامیوں کے نرغے میں پھنس کر میں موتی محل پر ہونے والے حملے کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا مگر میں نے تحمل سے کام لے کر زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی کوشش کی۔ میری وہی کوشش آخر کار بار آور ہوئی اور ڈان کے آدمیوں نے موتی محل میں بھگدڑ مچادی۔
ڈان بہت گھاگ آدمی تھا۔ اس نے ابتدا سے بیشتر کام میری صوابدید پر چھوڑے ہوئے تھے اور ان کے بہتر نتائج پر دل کھول کر میری حوصلہ افزائی کرتا رہا تھا لیکن اس نتیجہ خیز موڑ پر اس نے خود ایک دلیرانہ فیصلہ کر کے راجن کو جیتے جی مار ڈالا تھا۔
جب ڈان نے مجھ سے اپنے منصوبے کا ذکر کیا تو مجھے

اس کی منصوبہ بندی اوچھی اور بچگانہ محسوس ہوئی۔ وہ ڈان کی تجویز نہیں تھی کہ میں اس پر کوئی رائے دیتا۔ ڈان نے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ یقینی طور پر وہ اپنے فیصلے کے نتائج سے خوب واقف تھا جو میری نگاہ میں نہیں آسکے۔

ڈان نے باہر بیٹھ کر منصوبہ بنایا' میں نے اندران لوگوں کے درمیان رہ کر مشاہدہ کیا کہ ان کے درمیان ظاہری رفاقت کے باوجود خلوص اور باہمی اعتماد کا فقدان تھا۔ ان کی ٹکڑی میں راجن سب سے کمزور حلیف تھا۔ بھارتی انڈر ورلڈ کے چھ بڑوں کی موجودگی میں موتی محل پر بموں اور گولیوں کی برسات انہیں یہ سمجھانے کے لیے کافی تھی کہ راجن بنکاک میں اپنا اثر ورسوخ اس حد تک کھو چکا ہے کہ اپنے گھر کی حفاظت بھی نہیں کرسکتا۔

راجن نے بھی انہیں اس زعم میں بلایا ہوگا کہ وہ ان کی دیکھ بھال اور حفاظت میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ ان یقین دہانیوں کے پس منظر میں وہ حملہ بہت سنگین ثابت ہونا چاہیے تھا۔ راجن کے پانچوں مہمان منہ پھٹ اور اس پر حاوی تھے۔ ان کی برہمی کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ راجن ان کی حفاظت کے بندوبست میں بری طرح ناکام رہا۔ اس نے انہیں بنکاک بلا کر بے موت مروانے کا پورا بندوبست کردیا تھا۔ حملہ آور موتی محل میں گھسنے میں کامیاب ہوجاتے یا ان کا پھینکا ہوا کوئی بم صحیح نشانے پر گرا ہوتا تو وہ سب چشم زدن میں جہنم واصل ہوجاتے۔

زخمی راجن کے لیے اس بگاڑ کو سنبھالنا ناممکن تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس واقعے کے نتیجے میں وہ پانچوں ہمیشہ کے لیے راجن سے متنفر ہوجائیں گے۔

سب کچھ ہورہا تھا' راجن کو مات پر مات ہورہی تھی لیکن وہ پھر بھی زندہ تھا۔

ٹیکسی متاثرہ علاقے سے دور' شہر کی بارونق سڑکوں سے گزر رہی تھی اور میرا ذہن دھیرے دھیرے گزرے ہوئے واقعات کا احاطہ کرنے کے قابل ہوتا جارہا تھا۔

سوچتے سوچتے مجھے خیال آیا کہ میں راجن کو موت کے گھاٹ اتارنے کا سنہرا موقع ضائع کرکے اپنے ہوٹل کی طرف لوٹ رہا ہوں۔

بم دھماکوں کے سلسلے کا آغاز ہوتے ہی راجن کے پرتعیش کمرے میں جو افراتفری پھیلی میں اس سے بھرپور فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ کمرے سے نکل کر وہ سب موتی محل کے اندرونی حصوں کی طرف بھاگے۔ راجن زخمی ہونے کی وجہ سے سب سے پیچھے تھا۔ اس کے بعد میں نے وہ کمرا چھوڑا۔

اس وقت راجن میرے آگے بھاگ رہا تھا۔ اگر میں اس وقت لپک کر زہریلے نگینے کی سوئی اس کے بدن کے کسی حصے میں اتار دیتا تو وہ وہیں گر کر ہلاک ہوجاتا۔ وہاں سب کو اپنی اپنی پڑی ہوئی تھی۔ کسی کو علم نہ ہو پاتا کہ راجن ہمیشہ کے لیے اس کا ساتھ چھوڑ چکا ہے۔ اسے ڈھیر کرنے کے بعد میرے فرار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ میں اسی طرح اپنی راہ بناتا ہوا باہر نکل آتا۔

بعد میں اس کی لاش دریافت ہوتی اور اس کی موت کا سبب سامنے آتا تو ان پر یہ سنسنی خیز حقیقت منکشف ہوتی کہ اکبر کے روپ میں ڈینی ان کے درمیان موجود تھا۔ جو ہڑبونگ کا فائدہ اٹھا کر اپنا کام دکھانے میں کامیاب ہوگیا۔

اس واردات کے نتیجے میں اکبر اور ڈینی کے نام سامنے آتے۔ ڈان کے لیے میرے وہ دونوں روپ اجنبی ہوتے وہ مجھے صرف علی احمد کے روپ میں جانتا تھا۔ اسے میرے اوپر کوئی شک نہ ہوتا۔ اسے یہ خلش ضرور ہوتی کہ ایک لمبی لڑائی لڑنے کے باوجود وہ اپنے آدمیوں سے راجن کو مروانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ وہ کام ڈینی نے کرڈالا۔

راجن کا وقت پورا نہیں ہوا تھا' قدرت اس کی رسی دراز کررہی تھی اس لیے وقت پر وہ نکتہ میرے ذہن میں نہیں آسکا۔

وقت گزرنے کے بعد اس بارے میں سوچنا بے سود تھا۔ موتی محل میں جو کچھ ہونا تھا وہ یکے بعد دیگرے اپنی رفتار سے ہوتا چلا گیا۔ اس پر دماغ کھپانا خود کو مایوس اور ہلکان کرنے کے مترادف تھا۔

وہ خیال ہی کیا جو انسان کے ارادے کا پابند ہو۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ اپنی کوتاہی کا احساس ذہن سے کھرچ کر مٹادوں لیکن میں اپنی سی پوری کوشش کرنے کے باوجود کامیاب نہیں ہوسکا۔ میں ذہن کو کسی اور سمت میں مرکوز کرتا اور چند لمحوں میں وہی خلش دوبارہ پریشان کرنے لگی۔

میں ان ہی خیالات کی رو میں اپنے ہوٹل پہنچ گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کرکے میں ہوٹل میں داخل ہوا اور لابی سے گزر کر لفٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

''ماسٹر!'' پیچھے سے ہلکی سی سرگوشیانہ آواز ابھری۔ میں تیزی سے پلٹا تو چاؤفان میرے پیچھے چلا آرہا تھا۔

''تم کس رو میں کھوئے ہوئے ہو؟'' میرے ٹھٹکنے سے وہ پل بھر میں میرے قریب پہنچ گیا اور حیرت سے بولا ''میں لابی کے سرے سے تمہارے پیچھے چلا آرہا ہوں لیکن تم کو مڑ کر دیکھنے کا خیال تک نہیں آیا۔''

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' میں نے کوئی وضاحت کرنے کے بجائے اسے گھور کر سوال کیا۔
''تمہارا انتظار کر رہا تھا۔'' اس نے میرے غصے کو نظر انداز کر کے معصومیت سے کہا۔
''میں نے تمہیں ہوٹل میں آنے سے منع کیا ہوا ہے۔'' میں نے آنے جانے والوں کے لیے گزرگاہ چھوڑ کر دیوار کی طرف سرکتے ہوئے کہا۔
''ضرور کیا ہوا ہے۔'' اس نے پلکیں جھپکا کے اپنے سر کو تھوڑا سا خم دیتے ہوئے اعتراف کیا ''اگر تم میرے ساتھ باہر تک زحمت کرو تو میں تمہارا دل خوش کر دوں گا۔''
''آؤ!'' میں نے غرا کر کہا اور واپس اسی راستے پر چل دیا جدھر سے آ رہا تھا۔
''ماسٹر! تم بہت جلدی تاؤ میں آ جاتے ہو۔'' ہوٹل کے پورچ سے گزرنے کے بعد اس نے اپنی زبان کھولی۔ ''آج کا دن شاندار رہا۔ موتی محل میں تین بم پھینکے گئے' دھواں دھار گولیاں چلیں اور ہمارے سارے آدمی خیریت کے ساتھ واپس آ گئے۔ کسی کو خراش تک نہیں آئی۔''
وہ تفصیل بتاتے ہوئے چاؤ فان کا سینہ فخر سے یوں پھولا ہوا تھا جیسے وہ خود سب کارنامے انجام دے کر آیا ہو۔ اسے مطلق اندازہ نہیں تھا کہ میں اس کامیاب حملے کا عینی شاہد تھا۔ اس نے جو خبر سنائی' اس پر میری طرف سے مسرت کا اظہار بہت ضروری تھا۔
''کمال کی بات ہے!'' میں نے پُرجوش لہجے میں کہا ''یہ ڈان کی منصوبہ بندی تھی۔ سارا کریڈٹ اسی کو جاتا ہے۔ موتی محل میں تو کافی تباہی پھیلی ہوگی۔''
وہ اپنی گاڑی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے ریموٹ کنٹرول سے گاڑی کے تالے کھولے اور بولا۔ ''پہلے دھماکے کے بعد اندر سے کئی دل دوز چیخیں سنائی دی تھیں۔ میں وہاں کا سماں دیکھنے کے لیے بے چین ہوں۔ آؤ' ادھر کا ایک چکر لگا کر آتے ہیں۔''
''ہوٹل میں بھٹکنے کے بجائے تم سیدھے اس طرف کیوں نہیں نکل گئے؟'' میں نے اس کی گاڑی کے قریب رک کر پوچھا۔
''مزہ نہیں آتا۔'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''تمہارا موبائل فون بند ہے' انٹرکام پر تمہاری عو......ع......میرا مطلب ہے بیوی نے بتایا کہ تم نیچے اترے ہوئے ہو' میں نے سوچا کہ انتظار کرلوں۔ دشمن کی بربادی دیکھ کر تمہارا دل بھی خوش ہو جائے گا۔''

اپنی روانی میں غزالہ کے لیے عورت کا لفظ اس نے بروقت اپنی زبان پر روک لیا تھا۔ غنیمت تھا کہ اسے میری ہدایت یاد تھی۔ میں نے اس کی لغزش کو درگزر کر دیا۔
اس نے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی' میں اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ گاڑی تیزی سے آگے روانہ ہو گئی۔
''آج ڈان نے اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔'' وہ موج میں آ کر کہہ رہا تھا۔ ''مجھے جو خبریں ملی ہیں ان سے اندازہ ہو رہا ہے کہ آج موتی محل میں کئی آدمی مارے گئے ہوں گے۔''
میں نے وہاں سے فرار کی راہ اختیار کی تو میرے ذہن پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ میں کسی طرح جلد از جلد موتی محل سے باہر نکل جاؤں۔ اس کے سوا مجھے کسی چیز کا ہوش نہیں رہا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے کسی کو مرتے یا زخمی ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن وہاں پھیلے ہوئے بربادی کے آثار بتا رہے تھے کہ بموں کے دھماکے یقیناً مہلک رہے ہوں گے۔
دھماکوں کے سلسلے کا آغاز ہوا تو میں ساؤنڈ پروف کمرے میں راجن کے مہمانوں کے سامنے اپنی پیشی بھگت رہا تھا۔ دھماکے کے اثرات محسوس کرنے کے بعد کمرے کا دروازہ کھولا گیا تھا۔ اس سے پہلے ابھرنے والی چیخیں میرے کانوں تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔
''کاش! راجن کا کوئی اہم مہمان بھی مارا گیا ہو۔'' میں نے لقمہ دیا۔
''کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرتے۔'' چاؤ فان نے حسرت سے کہا ''بڑے لوگ محفوظ اور بند کمروں میں بیٹھتے ہیں۔ ان کا بال بھی بیکا نہیں ہوا ہوگا۔ زخم کھانے اور مرنے والے چھوٹا راجن کے ملازم ہی ہوں گے۔''
''اب ان موٹے جواریوں کی دم بھی اونچی ہو جائیں گی!''
چاؤ فان کچھ سوچ کر ہنس دیا اور بولا ''وہ دموں کے بغیر بھی برفانی ریچھ معلوم ہوتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ وہ اپنے وقت کے مانے ہوئے شہ زور اور لڑاکا تھے۔ مفت کی روٹیاں توڑ توڑ کے بے ڈول ہو گئے ہیں۔''
کچھ دیر کی مسافت طے کرنے کے بعد چاؤ فان کو رک جانا پڑا۔ تھوڑے فاصلے پر موتی محل کے آثار نظر آ رہے تھے لیکن پولیس والوں نے ادھر جانے کا راستہ رکاوٹیں کھڑی کر کے بند کر دیا تھا۔ رکاوٹوں سے آگے ہر طرف پولیس کی

وردیاں اور گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے موتی محل پر حملے کی خبر سن کر پورے شہر کی پولیس فورس وہاں اُمڈ آئی ہو۔

رکاوٹوں کے پاس سے اپنی گاڑی کو واپس موڑتے ہوئے چاؤفان ایک سپاہی کے پاس رک گیا اور اپنی طرف کی کھڑکی کا خودکار شیشہ اتار کر اس سے اپنی مادری زبان میں کچھ کہنے لگا۔

سپاہی نے تیزی سے کچھ کہنا شروع کیا جو میری سمجھ میں نہیں آ سکا لیکن اس کے دونوں ہاتھوں کے پرزور اشاروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی بات یا کام سے انکار کر رہا تھا۔

چاؤفان نے چڑانے والے انداز میں اس کی طرف اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں لہرائیں اور ہنستے ہوئے اپنا شیشہ چڑھا لیا۔

''تم اس کو کیا بتانے کی کوشش کر رہے تھے؟'' میں نے تجسس انداز میں پوچھا۔

''آگے جانے کے لیے سوبھات دے رہا تھا' وہ نہیں مانا۔'' اس نے بتایا۔

''کیا یہاں اس طرح کھلی رشوت چلتی ہے؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''بالکل!'' اس نے پرزور انداز میں جواب دیا ''سوبھات پر اس کی بھی رال ٹپک پڑی۔ میرے اوپر ناراض ہو رہا تھا کہ آس پاس اس کے افسر منڈلا رہے ہیں اور میں اونچی آواز میں بول رہا ہوں۔''

''یہ تمہارا ہی کام ہے۔ رشوت لینے سے زیادہ دینے کے لیے ہمت چاہیے۔ میں مر کر بھی کسی وردی والے کو یوں رشوت کی کھلی پیش کش نہیں کر سکتا۔''

''اسی لیے تم علی ہو۔ تم میں یہ خامی نہ ہوتی تو تم بھی ڈان ہوتے۔'' اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا ''رشوت کا لین دین قانون شکنی کا سب سے پہلا سبق ہوتا ہے' جسے یہ نہیں آتا وہ کبھی بڑا نام پیدا نہیں کر سکتا۔''

''تم نے کون سے بڑے تیر مارے ہیں!'' میں نے تلخی سے کہا۔

''ماسٹر! میں اتنا نکما نہیں ہوں جتنا تم سمجھتے ہو۔'' میرا جلا کٹا تبصرہ اس نے اپنے دل پر لے لیا اور سنجیدہ ہو کر بولا ''ڈان بلاوجہ میری عزت نہیں کرتا۔ اسے معلوم ہے کہ میں کیا کچھ کر سکتا ہوں۔''

''تم ہر وقت ڈان کی سختی اور بدکلامی کا رونا روتے رہتے ہو۔ مجھے حیرت ہے کہ اب تم اس سلوک کو اپنی عزت افزائی قرار دے رہے ہو۔''

''ان باتوں کو چھوڑو۔ میں اس کی زبان پر نہیں جاتا' مجھے معلوم ہے کہ اس کے دل میں کیا ہوتا ہے۔ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے' اسے میرے اوپر چھوڑ دو۔ یہ بتاؤ کہ یہاں کا حال دیکھ کر تم کیا محسوس کر رہے ہو!''

اس نے موضوع بدل دیا۔ میں نے بھی ڈان کا ذکر وہیں ختم کر دیا۔

چاؤفان دور کا ایک تماشائی تھا۔ اسے موتی محل کے اطراف میں خوف و ہراس کے سائے دیکھ کر بے اندازہ خوشی ہو رہی تھی۔ میں نے اس کا ساتھ دینا ضروری سمجھا۔ حقیقت یہ بھی کہ میں موتی محل میں جن حالات سے گزر چکا تھا اس کا عشر عشیر بھی چاؤفان کے مشاہدے میں نہیں آیا تھا۔

اس نے مجھے ڈان کی طرف لے جانا چاہا لیکن میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ ڈان کی ہدایت تھی کہ میں اشد ضرورت کے بغیر کبھی سیلرز بار کا رخ نہ کروں۔ اپنی مرضی سے وہ جب چاہتا' مجھے وہاں طلب کر سکتا تھا۔

چاؤفان کی گاڑی دیر تک شہر کی سڑکوں پر بھٹکتی رہی اور ہلٹن ہوٹل کے آثار نظر نہیں آئے تو میں نے اسے ٹوکا۔ اس کے جواب سے اندازہ ہوا کہ وہ موج میں آ کر آوارہ گردی کر رہا تھا۔ اس کا مسئلہ یہ تھا کہ راجن کے معاملے میں وہ میرے یا ڈان کے سوا کسی سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ ڈان سے اس کے مراسم نیازمندانہ تھے' میرے ساتھ وہ کافی بے تکلف ہو چکا تھا۔ شہر کی چہ نوردی کے دوران وہ مجھ سے راجن اور موتی محل کے بارے میں دنیا جہان کی باتیں کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔

وہ مجھے ہوٹل سے کھینچ کر بنکاک کی سڑکوں پر لایا تھا۔ میں اس کے ساتھ آنے سے انکار کرتا تو اس کے دل میں یہ خیال آ سکتا تھا کہ میں اتنے اہم واقعے میں دلچسپی کیوں نہیں لے رہا۔ میرے اس غیر فطری ردِعمل کی خبر ڈان کے کانوں تک پہنچتی تو وہ بھی میرے بارے میں کوئی منفی بات سوچ سکتا تھا۔ اپنے دہرے کردار کی وجہ سے میں ضرورت سے زیادہ محتاط تھا۔

اس کے ساتھ آتے ہوئے بھی میرا دھیان غزالہ کی طرف تھا۔ اس نے بہت تشویش کے عالم میں اور دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ وہ بہت بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کر رہی ہوگی۔ میں کسی نہ کسی طرح یہ بات چاؤفان کے دماغ میں بٹھانے میں کامیاب ہو گیا کہ اس وقت درپیش نازک حالات میں ہمارا شہر کی

سڑکوں پر گھومنا مناسب نہیں تھا۔ مجھے ہوٹل پہنچا کر اسے بھی اپنے گھر لوٹ جانا چاہیے۔

وہ اپنے گھر اور گھر والی سے زیادہ خوش نہیں تھا۔ اس نے اچانک لی کی طرف جا کر وقت گزارنے کا فیصلہ کیا اور مجھے ہوٹل کے قریب اتارنے پر آمادہ ہوگیا۔

لی بہت بڑی فن کارہ تھی۔ وہ چاؤ فان جیسے رنگین مزاج مردوں کو رجھانے اور تڑپانے کے ہنر میں طاق تھی۔ چاؤ فان خود تسلیم کر چکا تھا کہ وہ اپنی مادم کو فتح کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ لی اس کے دل و دماغ سے اس بری طرح چمٹی ہوئی تھی کہ وہ اپنی مردانگی کو بالائے طاق رکھ کر لی کی خوشامد اور حاشیہ برداری میں پورا دن بھی گزار سکتا تھا۔

اسے اپنی دل بستگی کی ایک راہ سوجھ گئی تھی۔ اس نے چند منٹ میں مجھے ہوٹل پہنچا دیا۔

میں نے اوپر پہنچ کر اپنے کمرے کے بند دروازے پر مخصوص انداز میں دستک دی تو ذرا سے توقف کے بعد دروازہ کھل گیا۔ اس کے پیچھے غزالہ کا چہرہ اندرونی مسرت سے تمتماتا ہوا نظر آیا۔ اس نے اپنے دوپٹے کو اسکارف کی صورت میں سر اور چہرے کے گرد کچھ اس طرح لپیٹا ہوا تھا کہ اس کے بشرے کی سادگی معصومیت کی حد تک نکھر آئی تھی۔

میں اندر داخل ہوا تو وہ والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ خیریت سے لوٹ آئے۔ میں مسلسل آپ کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔''

اس کے پیچھے مجھے قالین پر بچھا ہوا تولیا نظر آرہا تھا جسے وہ شاید جانماز کے طور پر استعمال کررہی تھی۔ زندگی سبک روی سے گزرتی رہے، خوف اور حادثوں کے اندیشے نہ ہوں تو بیشتر انسان اپنی ذات میں مگن رہتے ہیں۔ کڑا وقت سر پر آجائے تو ایسے میں ہر شخص کو اللہ یاد آتا ہے۔ غزالہ مذہب اور عبادات سے بیگانہ نہیں تھی لیکن اس وقت اس کی کیفیت دیکھ کر میرے دل پر بھی عجیب سی رقت طاری ہونے لگی۔ یہ میری ہوشیاری اور چالاکی نہیں تھی جس کے سہارے میں موتی محل کے بھیانک زنداں سے زندہ و سلامت نکل آیا تھا۔ یقینی طور پر غزالہ کی دل سے نکلی ہوئی دعاؤں کو مقبولیت کا درجہ ملا تھا۔

غزالہ نے میری واپسی کے لیے نفل مانے ہوئے تھے۔ اس نے تولیے کی جانماز سے اٹھ کر میرے لیے دروازہ کھولا تھا۔ مجھے خوش آمدید کہہ کر وہ دوبارہ اسی مصلے پر چلی گئی۔

شکرانے کے نفل پڑھ کر وہ فارغ ہوئی تو تولیا سمیٹ کر میرے پاس آ بیٹھی۔ اس کی دانست میں، میں موت کے منہ میں جا کر واپس لوٹا تھا۔ شاید اس کا وہ اندازہ اتنا غلط بھی نہیں تھا۔ وہ مجھ سے جلد از جلد سب کچھ سن لینا چاہتی تھی۔ میں نے اپنی روداد سنانی شروع کردی۔

غزالہ کے چہرے کے تاثرات پل پل بدلتے رہے۔ سب کچھ کہہ دینے کے بعد جب میں نے اس بات پر قلق ظاہر کیا کہ میں بھگدڑ میں راجن کو زہریلی انگوٹھی سے شکار نہیں کرسکا تو وہ بے ساختہ بولی۔ ''یہ اچھا ہوا کہ آپ کو یہ بات یاد نہیں آئی۔ آپ اسے مار دیتے تو بڑی مشکلات پیدا ہوجاتیں۔ یہاں سے کراچی تک، سب کچھ بکھر جاتا۔''

''تم کن مشکلات کا ذکر کررہی ہو؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''وہ آپ کے ہاتھوں مارا جاتا تو جلد یا بدیر یہ ثابت ہوجاتا کہ آپ بنکاک میں موجود ہیں اور دشمنوں کے خلاف اپنے ہتھیار استعمال کررہے ہیں۔'' اس نے پرجوش لہجے میں وضاحت کی۔ ''جلال کا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا۔ اس کی محنت سے آپ کے دشمنوں کی ساری توجہ ان دونوں قیدیوں پر مرکوز ہے جو ڈینی ہونے کا اعتراف کررہے ہیں۔ وہ لوگ انہیں چھوڑ کر بنکاک کا رخ کرلیتے۔''

میں چند ثانیوں کے لیے اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا۔ غزالہ نے برجستگی سے ایک سنگین حقیقت کی نشان دہی کی تھی۔ راجن کی دشمنی اور موتی محل میں پیش آنے والے حالات و واقعات نے شاید میری عقل بری طرح ماؤف کرکے رکھ دی تھی!

میں ایک وقت میں ایک ہی جگہ ہوسکتا تھا۔ ایک وقت میں بنکاک اور کراچی میں میری موجودگی ناممکن تھی۔ اس وقت تک میں صرف راجن سے برسرِ پیکار تھا۔ اس کی موت کے ذریعے امریکیوں کو بنکاک میں میری موجودگی کا ناقابلِ تردید ثبوت مل جاتا تو وہ کراچی کو بھول کر اپنے سارے وسائل کے ساتھ بنکاک میں ڈیرے ڈال دیتے جہاں کا مضبوط فوجی اڈا ایک مدت سے فعال تھا۔

جو کچھ ہوا وہ بہتر ہی ہوا تھا۔ اس میں میرے ارادوں سے زیادہ حالات کے دھارے کا دخل تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔

میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ ہر لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے لیے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا جس کی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ نو نامی ایک چینی بدمعاش کے باؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بنیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بنیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام نیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤفان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلب میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤفان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔

میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامے نامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخرو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مفاہمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گزشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہو گیا۔

بنکاک میں چاؤفان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے چاؤفان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری سی آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ سے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے چاؤ فان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوگئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جارہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ علاقے کے چھٹا ہوا بدمعاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ یہ نازک لمحات تھے تاہم چاؤ فان کی فائرنگ اور بمباری کے باعث میں وہاں سے نکلنے میں کامیاب رہا۔

اب آپ قسط نمبر 254 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

غزالہ نے اپنی رائے کا اظہار کر کے میرے ذہن کی دھند یکسر صاف کردی۔ موتی محل سے واپسی پر راستے بھر مجھے یہ سوچ کر قلق ہوتا رہا تھا کہ میں نے وہاں بموں کے دھماکوں اور دھواں دھار فائرنگ کے نتیجے میں ہونے والی بھگدڑ سے فائدہ اٹھا کر راجن کو اپنی زہریلی انگوٹھی کے سہارے موت کے گھاٹ کیوں نہیں اتارا۔

اس وقت میرا ذہن صرف اسی سمت میں کام کررہا تھا اور مجھے یہ نظر آرہا تھا کہ میں راجن کو جہنم واصل کر کے بحفاظت موتی محل سے باہر آسکتا تھا مگر بات اتنی سیدھی نہیں تھی۔

زہر کے ذریعے دشمنوں کی جان لینے کا انداز میری ذات سے مخصوص ہوکر رہ گیا تھا۔ گولڈن ڈریگن میں، میں نے جب ایک محافظ کو اس انگوٹھی سے شکار کر کے اپنی جان بچائی تو سوبھراج نے فوری طور پر یہ سمجھ لیا تھا کہ میں بنکاک میں موجود تھا۔ یہ میری چرب زبانی کا نتیجہ تھا کہ میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگیا کہ میں نے اپنے ایک آدمی کو وہ مہلک ہتھیار دے کر کراچی سے بنکاک بھیجا تھا اور گولڈن ڈریگن کیسینو میں مارا جانے والا گارڈ اسی کا نشانہ بنا تھا۔

وہ بنکاک میں میری جانب سے اس انگوٹھی کا پہلا استعمال تھا۔ پچھلی رات میں نے بنکاک کے ساحلی علاقے میں راجن کے دو آدمیوں کو اسی انگوٹھی کے سہارے موت کی نیند سلایا۔ یہ میری قسمت کی یاوری تھی کہ میں اپنے منصوبے کے مطابق ان دونوں لاشوں کو راجن کی گاڑی سمیت نذر آتش کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یوں ان دونوں کی سوختہ لاشوں سے موت کے اسباب جاننے کا ہر امکان معدوم ہوگیا۔

اگر میں راجن کو بھی اس انگوٹھی کا نشانہ بنالیتا تو وہ ضرور ہلاک ہوجاتا مگر میرے لیے ناقابل تصور دشواریاں پیدا ہوجاتیں۔ میرے دشمنوں کو سو فیصد یقین ہوجاتا کہ میں بنکاک میں موجود ہوں۔ راجن کی حمایت اور مدد کے لیے آئے ہوئے پانچوں بھارتی سرغنوں کو علم ہوجاتا کہ اکبر کے بارے میں ان کے شکوک و شبہات درست تھے، ڈینی نے اکبر کا روپ دھار کر راجن کو اپنے نرغے میں لیا ہوا تھا اور اس کے گھر کا بھیدی بن کر اسے موت کے چنگل میں پھانسنے کی تیاری کررہا تھا۔

میرے اس قدم سے جلال کی کوششوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔ اس نے پورے خلوص کے ساتھ امریکی خفیہ محکموں کے افسران کی توجہ پاکستانی ایجنسیوں کے پکڑے ہوئے دو بدنصیب مجرموں پر مرکوز کرائی ہوئی تھی۔ اس کی جانب سے امریکیوں کو یہ باور کرایا جارہا تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ڈینی تھا۔ میرا نام امریکیوں کے اعصاب پر اس بری طرح سوار تھا کہ وہ جلال کے اس جھانسے میں آگئے۔ وہ براہ راست ان دونوں سے ہونے والی تفتیش کی نگرانی کررہے تھے۔ انہیں یہ خبر ملتی کہ میں نے بنکاک میں راجن کو اپنے خفیہ ہتھیار سے موت کی نیند سلادیا ہے تو وہ جلال سے بدظن ہوجاتے۔ ان کے لیے یہ احساس بہت شرمناک اور توہین آمیز ہوتا کہ ایک پاکستانی افسر نے ان کی ساری تربیت اور تجربے کو مات دے کر انہیں ایک بے ثمر مشق میں الجھایا ہوا تھا۔ وہ کراچی میں اپنی تمام سرگرمیاں موقوف کر کے بنکاک میں ڈیرے ڈال دیتے۔ اسی کے ساتھ انہیں اپنے اس الزام کی تائید کا اکلوتا اور نہایت مضبوط ثبوت مل جاتا کہ پاکستانی ایجنسیاں ڈینی کی پشت پناہی کررہی ہیں، ڈینی بنکاک میں اپنے حریفوں سے کشت و خون میں مصروف ہے اور پاکستانی ایجنسیاں اسے کراچی میں زیر حراست ظاہر کررہی ہیں۔ وہ ایک چھوٹا سا واقعہ جلال کی ساکھ کی تباہی کا سبب بن جاتا۔

راجن کو موتی محل میں زندہ سلامت چھوڑ کر نکل آنا میری حماقت نہیں، درحقیقت کوئی غیبی رہنمائی تھی۔ صحیح وقت پر وہ خیال میرے ذہن میں آجاتا تو شاید میں ایک لمحے کے لیے بھی ان منفی امکانات پر غور نہ کرتا۔ فرار کی کھلی راہ سامنے پاکر میں چشم زدن میں راجن کا کام تمام کرتا ہوا بھاگ نکلتا۔

غزالہ نے میری بات سنتے ہی چند فقروں میں وہ سارے خدشات بیان کردیے۔ میں موتی محل میں حالات

کے بدترین بھنور میں پھنسا ہوا تھا۔ جو شخص برے حالات سے دوچار ہوتا ہے وہ اکثر اوقات سامنے کی اور سیدھی باتوں کو نظرانداز کر دیتا ہے۔ جو لوگ جذباتی یا عملی طور پر ان حالات سے نہ گزرے ہوں وہ پوری روداد سنتے ہی پل بھر میں بالکل صحیح نتائج اخذ کر کے ان کوتاہیوں کی نشاندہی کر دیتے ہیں جن کے سرزد نہ ہونے سے سب کچھ بدلنا ممکن ہو جاتا۔ غنیمت یہ تھا کہ میں ایک سنگین غلطی کے ارتکاب سے بال بال بچ گیا تھا۔

''تم خانہ نشین ہو چکی ہو لیکن تمہارے دماغ میں جنگ جو عورت چھپی ہوئی ہے۔'' میں نے ہنس کر اس کی تعریف کی ''تم ذرا سے اشارے سے پوری بات سمجھ لیتی ہو۔''

''میرا زندگی بھر ایسے معاملات سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ آپ کی ویرا میرے پیچھے نہ لگی ہوتی تو میں آج بھی ان پیچیدگیوں سے نابلد ہوتی!'' وہ شوخی سے بولی۔

''میری ویرا کیوں......؟'' میں نے چونک کر ہلکا سا احتجاج کیا ''وہ مجھ سے زیادہ تمہاری گہری دوست ہے۔''

''شاید آج کے لیے آپ کی بات درست ہو' ایک زمانے میں وہ میری جان کی دشمن تھی۔ میری اور اس کی دشمنی کا سبب آپ تھے'' اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ''اس کے آدمی مجھے زبردستی انگلینڈ نہ لے گئے ہوتے تو میں آج بھی سیدھی سادی ہوتی۔''

اس کی بات درست تھی۔ جو لوگ مصائب سے دور رہ کر زندگی گزارتے ہیں' ان کی سوچ اور ردعمل میں ٹھہراؤ پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اپنی زندگی کے ایک ایک سانس کے لیے حالات کا دیوانہ وار مقابلہ کرتے ہیں' ان کی جبلی قوتیں جلا پا کر اتنی توانا ہوتی چلی جاتی ہیں کہ وہ پلک جھپکتے میں حالات کا صحیح تجزیہ کر کے بہترین فیصلے کرنے کے قابل ہوتے چلے جاتے ہیں۔

دوپہر کو ٹیلی وژن سے نشر ہونے والی انگریزی خبروں میں موتی محل پر ہونے والے حملے کا ذکر موجود تھا۔ نامعلوم افراد کے ایک جتھے نے دستی بموں اور آتشیں ہتھیاروں سے موتی محل پر حملہ کیا تھا۔ احاطے کی اونچی دیواروں کی وجہ سے فائرنگ نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا لیکن اندر پھینکے جانے والے تین بموں سے پانچ افراد ہلاک اور چار زخمی ہوئے تھے۔

ٹیلی وژن دیکھتے ہوئے میں نے یہ بات شدت سے محسوس کی کہ اس خبر کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دی گئی۔ وہ بنکاک کی شہری زندگی کا ایک اہم اور خونیں واقعہ تھا۔ راجن کا شمار شہر کے معززین میں ہوتا تھا مگر وہ خبر آخر میں اور سرسری انداز میں ٹیلی کاسٹ کی گئی تھی۔ خبر میں جائے واردات کی کوئی تصویری تفصیل شامل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ خبر کے آخر میں اس کا سبب بھی سامنے آ گیا۔ واردات پر کسی قسم کی رائے زنی کے لیے راجن سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ پے در پے مار کھانے کے بعد وہ کہیں روپوش ہو چکا تھا۔ وہاں پہنچنے والوں کے لیے موتی محل کا پھاٹک بند تھا۔ فون کی گھنٹیاں مسلسل بج رہی تھیں۔ ان کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ موتی محل کے جو مکین موت اور ہلاکت سے بچ گئے تھے' انہیں سانپ سونگھ گیا تھا' وہ کسی کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

''راجن بدترین خسارے سے دوچار ہوا ہے۔ ان خبروں سے ڈان کو بہت خوشی ہوگی'' خبریں ختم ہونے پر میں نے ٹیلی وژن بند کرتے ہوئے کہا۔

''یہ اصل میں اسی کی لڑائی ہے۔ راجن کے بعد کوئی ڈان کی راہ نہیں روک سکے گا'' غزالہ نے پرخیال انداز میں تبصرہ کیا۔

''تم بھول رہی ہو کہ جلال بھی راجن کی موت کا خواہاں ہے'' میں نے اسے یاد دلایا ''میں اسی کی خواہش پر راجن کی راہ پر لگا ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ ڈان میری طرف سے اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ میں اس کے لیے دل و جان سے کام کر رہا ہوں۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولی ''راجن کی موت کا فوری فائدہ ڈان کو حاصل ہوگا۔ اسے خوش کرنا ہے تو آپ کو اسے فون کر لینا چاہیے۔''

''میرا اندازہ ہے کہ وہ خود خوشی سے بے قابو ہو کر مجھے فون کرے گا۔''

''وہ آپ کی ہر کامیابی پر فون کر کے آپ کو مبارک باد دیتا رہا ہے'' غزالہ ناصحانہ انداز میں بولی۔ ''آج کے حملے کا منصوبہ اس کا تھا۔ آپ پہل کریں گے تو آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا' وہ خوش ہو جائے گا۔''

غزالہ کا مشورہ صائب تھا۔ میں نے اسی لمحے ڈان کے موبائل فون کا نمبر ملا لیا۔

''ڈان! مبارک ہو' آج تمہارے آدمیوں نے موتی محل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی'' سلسلہ ملتے ہی میں نے پرجوش لہجے میں کہا ''تمہارا بنایا ہوا منصوبہ زبردست کامیابی سے ہمکنار ہوا ہے۔ اب آنے والے دن تمہارے ہیں۔''

''یہ میرے ساتھ تمہاری بھی کامیابی ہے'' ڈان کی تحکم

میز آواز میں بردباری سمٹ آئی ''تمہارے آجانے سے
ہمارے سب آدمیوں کو حوصلہ ملا ہے۔ اس وار نے چھوٹا
راجن کی ہوا اکھاڑ دی ہے۔ اس کے حمایتی یہاں اپنے
جھنڈے گاڑنے کے لیے آئے تھے مگر اب بدحواس ہو چکے
ہیں۔ ابوسالم ایک پرواز سے ممبئی یا دبئی کی طرف نکل چکا
ہے۔ بقیہ چاروں بھی جلد از جلد یہاں سے بھاگ نکلیں گے۔
ہمارا دشمن بے یارومددگار رہ جائے گا۔''

مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ موتی محل پر حملے کے صرف
دو تین گھنٹوں بعد ابوسالم بنکاک سے نکل جانے میں کامیاب
ہو گیا۔

''کیا وہ اپنی واپسی کی سیٹ کنفرم کروا کے آیا تھا؟''
میں نے تحیرزدہ لہجے میں بے ساختہ سوال کیا ''اتنی جلدی وہ
کیسے جاسکتا ہے!''

''اس کا نام اتنا بڑا نہیں ہے لیکن وہ ان سب سے زیادہ
چالاک ہے'' ڈان کی آواز میں ہلکی سی تلخی اتر آئی۔ ''اس نے
بھانپ لیا ہوگا کہ وہ یہاں رکا رہا تو بنکاک میں اس کی قبر بن
سکتی ہے۔ یہ لوگ کسی کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے یہ یقین
کر لیتے ہیں کہ ان کی واپسی کے دس راستے کھلے ہوئے
ہیں۔ اس کے لیے سیٹ لینا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔''

''تمہاری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تم کام کرنے
کے ساتھ ساتھ گردوپیش کے حالات سے باخبر بھی رہتے ہو''
میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''میں نے سنا ہے کہ آج ہونے والی خوں ریزی نے
چھوٹا راجن کے ساتھیوں کے دل دہلا دیے ہیں۔'' میری
تعریف کے جواب میں ڈان کے لیے اپنی باخبری کا مزید
اظہار لازم ہو گیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''خبریں ہیں کہ سب لوگوں
نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ موتی محل میں اپنے بھارتی
غلاموں کے ساتھ چھپا ہوا ہے۔''

''وہ کب تک چھپا رہے گا...... سامنے آیا اور مارا جائے
گا۔''

''یہ تمہارا کام ہے۔ اس میں چاؤفان پوری طرح
تمہاری مدد کرے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ اس وقت کہاں
ہے؟'' بات کرتے کرتے ڈان نے مجھ سے اچانک ایک بے
تکا سوال کر دیا۔

''حملے کے بعد وہ میرے پاس آیا تھا۔ ہم دونوں نے
موتی محل کی طرف جانے کی کوشش کی لیکن پولیس والوں نے
راستے بند کیے ہوئے تھے۔ وہ مجھے ہوٹل پر اتار کر واپس
چلا گیا'' میں نے جلدی جلدی بتایا۔ یہ بات سرے سے گول
کر دی کہ مجھ سے رخصت ہو کر وہ کہاں جانے کا ارادہ
ظاہر کر رہا تھا۔

''وہ خوش ہو یا مغموم' دونوں حالتوں میں یکساں حرکتیں
کرتا ہے۔ شراب پی کر عورتوں میں گھسنا اس کا سب سے بڑا
شوق ہے۔ وہ اس وقت لمبی گھوڑی کی طرف گیا ہوگا۔ آج
کل وہ وہاں کے چکر لگا رہا ہے۔'' ڈان نے تلخی سے کہا۔

''وہ کہیں بھی ہو' مجھے اس کی ضرورت پیش آتی ہے تو
اپنی ساری سرگرمیاں ترک کر کے میرے پاس چلا آتا ہے''
میں نے ایمان داری سے حقیقت بیان کر دی۔

''اسے قابو میں رکھو' میں اس کی طرف سے فکرمند
ہوں۔ چھوٹا راجن کا قصہ ختم ہونے کے بعد اسے آزادی ملے
گی تو وہ بے لگام ہو جائے گا۔''

راجن زندہ تھا لیکن ڈان کو آنے والے وقت کی فکر لاحق
ہونے لگی تھی۔ زیرزمین دنیا کا اقتدار اس کے پاس آ جاتا تو
اسے لازمی طور پر ان ہی لوگوں پر انحصار کرنا پڑتا جو گوشہ نشینی
کے دنوں میں اس پر اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرتے
رہے تھے۔ ایسے لوگوں میں چاؤفان کا نام سرفہرست تھا۔

''تم اسے مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ
ذمے داری کا بوجھ پڑے گا تو وہ خود ہی سدھرنے کی کوشش
کرے گا۔''

''علی! مجھے تم سے بہت امیدیں ہیں۔ وقت گزرنے
کے ساتھ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے
گوشہ نشینی کے بہت دن گزار لیے۔ اب اچھے دنوں کا جلد
آغاز ہونا چاہیے۔'' دوسری طرف سے مختصر سے سکوت کے
بعد اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''وہ اپنی کمین گاہ میں
چھپا ہوا ہے تو تم کسی طرح اسے باہر نکالو۔ اس کا قصہ اب ختم
ہونا چاہیے۔''

''تم نے مجھے حوصلہ افزا خبریں سنائی ہیں۔ اس کے
حمایتی ایک ایک کر کے یہاں سے رخصت ہو جائیں تو میں
کوئی راہ نکالتا ہوں'' میں نے سعادت مندانہ انداز میں
جواب دیا۔

''میں تمہارے اندازوں کا قائل ہو گیا ہوں۔ کل تم نے
کہا تھا کہ شاید وہ سب موتی محل میں جمع ہوں اور آج وہ وہیں
تھے۔ وہ کہیں اور اکٹھا ہوتے تو شاید چھوٹا راجن کا منہ اتنا کالا
نہ ہوتا'' ڈان کو اچانک میری قیاس آرائی یاد آ گئی اور اس کی
زبان چل پڑی ''یہ بہت بڑی بات ہے کہ اس کے اہم مہمان
اس کے گھر آئے ہوئے تھے اور وہ میرے آدمیوں کا حملہ نہیں
روک سکا۔ جو آدمی اپنے گھر کی حفاظت نہیں کر سکتا' وہ

مہمانوں کی کیا حفاظت کرے گا؟''

ڈان نے بالکل وہی بات کہہ ڈالی جو ابتدا سے میرے ذہن میں چکرا رہی تھی۔ ڈان نے صرف اندازہ لگایا تھا' میں موتی محل میں اپنی آنکھوں سے راجن کے مددگاروں کے تیور دیکھ چکا تھا۔ ان میں سے کسی نے راجن کو اپنے برابر کی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہاں موجود ہر شخص اس سے مربیانہ انداز میں پیش آ رہا تھا۔ تباہ کن حملے کے بعد ان کے تیور بگڑنے لازمی تھے۔

میں نے غزالہ کے ایما پر مخصوص مقصد کے لیے ڈان کو فون کیا تھا۔ میں نے گفتگو کو طول دینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد وہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

موتی محل میں میری حاضری کا اہم ترین کام صبح سویرے نمٹ گیا تھا۔ اس وقت مشکل سے دوپہر ہوئی تھی۔ آگے پہاڑ جیسا آدھا دن پڑا تھا۔ میں نے شہر کی کوچہ نوردی کے لیے ہوٹل سے نکلنے کا ارادہ کیا تو غزالہ بھی میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔

بنکاک میں اپنے قیام کے دوران میں' میں غزالہ کے ساتھ باہر نکلنے کے معاملے میں ہمیشہ محتاط رہا۔ ہم دونوں کی شناخت بدلی ہوئی تھی پھر بھی میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ ہم دونوں الگ الگ باہر جاتے۔ کمرا چھوڑنے سے پہلے ہم عینکوں وغیرہ کے استعمال سے اپنے حلیوں میں اتنی تبدیلی ضرور کر لیتے کہ کوئی ہمیں پہلی نظر میں نہ پہچان سکے۔

ویسے بھی غزالہ ہوٹل سے بہت کم باہر نکلتی تھی۔ میرے ساتھ کسی مہم میں اس کی شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ عام طور پر چاؤفان میرے ساتھ ہوتا۔ میں اس کی فطری خباثتوں سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ اس کے دل میں عورتوں کے لیے عزت نام کا کوئی جذبہ موجود نہیں تھا۔ وہ ہر خوب رو عورت اور لڑکی کو ایک تفریحی کھلونا سمجھنے کا عادی تھا۔ اگر وہ اپنی بسیار گوئی کی روانی میں کسی وقت غزالہ کے ساتھ کوئی بدتمیزی کر گزرتا تو میرے لیے برداشت کرنا ناممکن ہوتا۔ ایسی کسی تلخی سے بچنے کے لیے میں نے کبھی اس کو غزالہ کے سامنے لانے کی کوشش نہیں کی۔

میری مجبوری یہ تھی کہ وہ بنکاک میں میرا واحد عملی مددگار تھا۔ میں اس کے ساتھ اپنے مراسم بگاڑنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

ڈان اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ اس نے مجھے اپنا آلۂ کار بنایا ہوا تھا جبکہ میں نہایت انکسار اور عاجزی سے کام لے کر اسے اس حد تک استعمال کر رہا تھا کہ چاؤفان میرے اشاروں کا غلام بنا ہوا تھا۔ مجھے ڈان کے ذریعے چاؤفان کا سہارا نہ ملا ہوتا تو سوبھراج پر قابو پانا ناممکن ہو گیا ہوتا۔

ان لوگوں کی مدد سے میں نے نہایت رازداری کے ساتھ سوبھراج کو جہنم واصل کیا۔ وہ کام ایسی خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا کہ نہ سوبھراج کا نام سامنے آ سکا نہ ڈان کو میرے اصل مقصد کی ہوا لگ سکی۔ وہ بدستور میرے گن گا رہا تھا۔

ہوٹل کے بند کمرے میں رہتے رہتے غزالہ کا اکتا جانا فطری تھا۔ اس وقت میرے سامنے کوئی مشن نہیں تھا' میں نے اسے اپنے ساتھ لے جانے پر آمادگی ظاہر کی تو اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور اس نے ویرا سے ملنے کی فرمائش کر ڈالی۔

میں چند ثانیوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ ہم چاروں ایک شہر میں موجود تھے لیکن غزالہ کو ان دونوں سے ملاقات کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔ یہ اس کے ساتھ زیادتی تھی کہ اسے ویرا اور سلطان شاہ سے ملنے کا موقع نہ دیا جائے۔

اس ملاقات کے لیے ہمارا ہوٹل محفوظ تھا نہ ویرا کا۔ اس بات کی تصدیق ہو چکی تھی کہ سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں مقیم تخشب بنکاک چھوڑ چکا تھا لیکن بقیہ لوگوں کی رہائش کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا ممکن نہیں تھا۔ بہتر یہی تھا کہ ادھر کا رخ نہ کیا جائے۔

معاً مجھے یاد آیا کہ ویرا کے ہوٹل کی پشت پر سیام اسکوائر کا وسیع و عریض پارک موجود ہے۔ جہاں ہر وقت سیاحوں کی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ آنے جانے والوں کو ایک دوسرے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس علاقے میں سیاحوں کی توجہ کے کئی اور مراکز بھی موجود تھے۔ ہم چاروں کی محفوظ ملاقات کے لیے سیام اسکوائر بہترین مقام تھا۔

میں نے اسی وقت فون ملایا۔ کال سلطان شاہ نے وصول کی۔ شاید مجھے اس کے کمرے کا نمبر یاد رہا تھا۔ میں نے اسے ویرا کے ساتھ سیام اسکوائر کے پارک میں پہنچنے کی ہدایت کی اور مزید کوئی بات کیے بغیر فون بند کر دیا۔

غزالہ کو ویرا کے ہوٹل اور سیام اسکوائر کے محل وقوع کا علم نہیں تھا لیکن وہ کوئی سوال کیے بغیر میری ہدایت کا مدعا سمجھ گئی۔ کمرا چھوڑنے سے پہلے اسے یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ میں نے کسی پس و پیش کے بغیر اس کی فرمائش پوری کرنے کا بندوبست کر دیا تھا۔

ہم دونوں ہلٹن ہوٹل کے احاطے سے نکل کر بائیں طرف مڑ گئے جہاں نکڑ کی عمارت میں برطانوی سفارت خانہ

قائم تھا۔ غزالہ بہت خوش تھی کہ اسے میرے ساتھ بنکاک کی سڑکوں پر مٹر گشت کرنے کا ایک اور موقع مل گیا تھا۔ سفارت خانے سے ہم راماؤن روڈ پر داہنی طرف گھوم کر قدیم وضع کی عمارات اور یادگاروں کے قریب سے ہوتے ہوئے سیام اسکوائر کے پارک میں داخل ہوئے تو غزالہ حیران رہ گئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ان دونوں نے اپنے لیے اتنے قریبی ہوٹل کا انتخاب کیا ہوگا۔

وہ دوپہر کا وقت تھا۔ پارک میں بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی پھر بھی وہاں خاصی چہل پہل نظر آرہی تھی۔ سلطان شاہ نے میری ہدایت پر بہت تیزی سے عمل کیا۔ وہ ویرا کے ہمراہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے دور سے ہمیں دیکھ کر فضا میں ہاتھ لہرایا اور ہم دونوں تیزی سے اس کی طرف ہولیے۔

ہم چاروں کی ملاقات خاصی پرجوش رہی۔ ویرا یوں غزالہ سے ملی جیسے برسوں بچھڑے رہنے کے بعد ان کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی ہو۔ میں ان سے پہلے ہی مل چکا تھا اس لیے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، دور سے وہ تماشا دیکھتا رہا۔ ان دونوں نے عورتوں کے روایتی انداز میں کچھ گلے شکوے کیے، سلطان شاہ اپنی باری آنے کے انتظار میں کھڑا رہا۔ ویرا کی مزاج پرسی سے فارغ ہو کر غزالہ نے اس سے ہاتھ ملایا تو اس کے چہرے پر مسرت کی سرخی جگمگا اٹھی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ امریکا میں رہ کر ایسی بے لوث اپنائیت کو ترس گیا تھا۔

اس وقت ہم پارک کی ایک پختہ روش پر کھڑے ہوئے تھے۔ وہ عام گزرگاہ تھی۔ میں انہیں نرمی سے اشارہ کر کے گھاس کے ایک قطعے پر اتر گیا۔

چند منٹ بعد ہم تھکے ہارے سیاحوں کی طرح ستانے والے انداز میں گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔

''آج تم دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر میرے دل کو اطمینان ہوا ہے'' سلطان شاہ، غزالہ سے مخاطب ہو کر بولا ''ایک دوسرے کے بغیر تم ادھورے لگتے ہو۔''

''اور میرے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟'' ویرا نے اس سے پوچھا۔

''تمہاری ذات سے مجھے کوئی سکھ ملنے کی امید ہوتی تو میں نے اپنے رہنے کے لیے الگ کمرا کرائے پر نہ لیا ہوتا'' اس نے برجستگی سے جواب دیا۔

''ان دونوں کو دیکھ کر اب اپنی اصلیت جتا رہے ہو...... یہ کیوں نہیں کہتے کہ برسوں ایک چھت کے نیچے میرے ساتھ رہنے کے بعد اچانک تم کو خیال آیا ہے کہ نامحرم مرد اور عورت کو تنہائی میں یکجا نہیں رہنا چاہیے'' ویرا بولی۔

''ابھی بھی چھت ایک ہی ہے، بس بیچ میں دیواریں آگئی ہیں'' سلطان شاہ نے کہا ''ویسے بھی تم جن برسوں کا حوالہ دے رہی ہو، ان میں، میں کبھی تمہارے کمرے میں نہیں رہا، ایک گھر کے الگ الگ کمروں میں رہنے کو تم ساتھ رہنا نہیں کہہ سکتیں!''

''تمہاری بات سو فیصد درست ہے'' میں نے سلطان شاہ کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا ''لیکن یہ بات تمہیں کب اور کیسے یاد آگئی؟''

''میں نیویارک میں جہاز کی لینڈنگ سے پہلے الگ کمرے میں رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا'' اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

میں سمجھ گیا کہ اسے دوران پرواز ویرا کا اپنے شانے سے سر ٹکا کر سونا ناگوار گزرا تھا۔ ویرا کی اس بے تکلفی نے اسے ایک ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ ایک کمرے میں شب و روز ساتھ گزارے جاتے تو اس کی عافیت خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ ویرا مجھے فون پر اس واقعے کے بارے میں بتا چکی تھی۔ ویرا کے بے پروائی سے سو جانے پر وہ اتنا برہم ہوا تھا کہ اس کے مزاج کو اعتدال پر لانے کے لیے ویرا کو اپنے پیر میں موچ آنے کا ڈراما کرنا پڑا تھا۔

غزالہ اس قصے کو کریدنے کی فکر میں تھی مگر میں نے بات آگے نہیں بڑھنے دی اور جلدی سے بولا ''تم دونوں ایک کمرے میں رہو یا الگ الگ، مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تمہارے مراسم خوشگوار ہیں۔''

''یہ میری برداشت کا کمال ہے کہ تمہیں ہمارے تعلقات خوشگوار نظر آرہے ہیں ورنہ اس خاتون نے معاملات بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی!''

''یہ سفید جھوٹ ہے'' ویرا نے احتجاج کیا ''میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں اکبر کی بات ماننے سے انکار کرتی چلی آرہی ہوں۔''

ویرا کا الزام سن کر غزالہ چونک گئی۔ میرے بھی کان کھڑے ہوگئے مگر مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ گفتگو میں قدرے تیزی آجانے کے باوجود ویرا نے سلطان شاہ کا فرضی نام لیا تھا۔

''اکبر کیا کہتا ہے تم سے؟'' غزالہ نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

''میں پیدائشی کرسچین ہوں۔ یہ چاہتا ہے کہ میں اپنا

مذہب تبدیل کرلوں۔ جب موقع ملتا ہے اس بارے میں مجھ پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔'' ویرا کا جواب سن کر غزالہ کے چہرے کے تنتے ہوئے عضلات یکایک ڈھیلے پڑ گئے۔

''تم منہ در منہ جھوٹ بول رہی ہو'' اس بار سلطان شاہ تلملا کر بولا ''میں نے ایک بار بھی تم سے مذہب کی تبدیلی کا مطالبہ نہیں کیا' تم کو مسلمان ہو جانے کے فائدے گنواتا رہا ہوں۔''

''میرے نزدیک ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے'' ویرا بے پروائی سے بولی ''ایک کیتھولک کرسچین کو اپنے وعظ سنا کر تم کیا نتیجہ حاصل کرنا چاہتے ہو؟''

''اوہ خدا!'' غزالہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر کراہنے والے انداز میں بولی ''ہم چاروں ایک مدت کے بعد یکجا ہوئے ہیں اور تم دونوں نے پھر اپنی پرانی......''

''انہیں بولنے دو'' میں نے ہاتھ اٹھا کر غزالہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''یہ ان کے دلوں میں دبا ہوا غبار ہے جو نکل رہا ہے۔''

میں نے لمحہ بھر کے لیے توقف کیا۔ جب کوئی نہیں بولا تو میں نے سلطان شاہ سے پوچھا ''ریٹا نے تم سے ایک سوال کیا تھا۔ تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟''

''تت...... تبلیغ میں ایسا ہی کرتے ہیں'' اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا ''غیر مسلم اسی طرح ہمارے مذہب کی طرف راغب ہوتے ہیں۔''

''یہی بات میں کہہ رہی ہوں تو تم مجھے جھوٹا قرار دے رہے ہو'' ویرا نے اسے گھورتے ہوئے ترشی سے کہا ''یہ تمہاری نہیں' میری برداشت ہے کہ آج بھی گاڑی چل رہی ہے۔ تم مسلسل مجھے میرے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوششیں کرتے رہے اور میں چپ رہی۔ میں جانتی تھی کہ میں تمہیں قائل نہیں کر سکوں گی۔ ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا جو تمہیں کوئی معقول بات سمجھاتا۔ اب علی خود فیصلہ کر دے گا کہ کون غلطی پر ہے۔''

''تم ریٹا کو مسلمان کرنا چاہتے ہو؟'' میں نے اپنی نظریں سلطان شاہ کے چہرے پر مرکوز کر کے سنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔

''کوشش کر رہا تھا'' اس نے مجھ سے نظریں چرا کر کمزور لہجے میں جواب دیا ''وہاں ہمارے پاس کوئی کام نہیں تھا' میں نے سوچا کہ بیکار رہنے کے بجائے ایک نیک کوشش کرتا رہوں۔ شاید میری باتیں ریٹا کے دل میں اتر جائیں۔''

''میں کرسچین ہوں لیکن کبھی چرچ نہیں جاتی۔ مسلمان ہوگئی تو تمہاری مسجدوں میں نہیں جاؤں گی'' ویرا جارحانہ انداز میں بولی ''یہ بتاؤ کہ میں مسلمان ہوگئی تو میرا مستقبل کیا ہوگا؟ مجھے کون قبول کرے گا...... تمہارے معاشرے میں ایک بے وطن اور نومسلم عورت کا کیا بنے گا؟''

یکایک سلطان شاہ کے چہرے سے یتیمی برسنے لگی اور اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

وہ بہت نازک موڑ تھا۔ ہنسی مذاق میں بات بہت دور نکل گئی تھی۔ غزالہ نے اس موقع کی نزاکت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا ''تم نے ایک نیک کام کا بیڑا اٹھایا ہے تو اپنے اندر تھوڑی سی ہمت بھی پیدا کرو۔ ریٹا کا سوال بہت جائز ہے۔ اسے اپنے مذہب کے دائرے میں لانا چاہتے ہو تو اسے حوصلہ دو کہ تم اسے قبول کرلو گے۔''

سلطان شاہ کے دیدے حیرت سے پھیل گئے' اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر کچھ کہے بغیر دونوں ہونٹ مضبوطی سے ایک دوسرے پر جما لیے۔ اسے غزالہ سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ یکایک اسے ایسے امتحان میں ڈال دے گی۔

''صدف کی بات درست ہے'' میں نے لقمہ دیا ''خود میں اتنی ہمت پاتے ہو تو اس کا مشورہ قبول کرلو ورنہ انکار کردو۔ یہ زبردستی کا معاملہ نہیں ہے۔''

میں کن انکھیوں سے جائزہ لے رہا تھا کہ اس مرحلے پر ویرا نے متانت آمیز خاموشی اختیار کرلی تھی اور اس کی عقابی نگاہیں سلطان شاہ کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

اس مشکل ترین صورت حال میں پھنس جانے کے سبب سلطان شاہ کا چہرہ تمتما اٹھا اور اس نے اپنی نظریں جھکا کر دھیمی اور ڈھیلی ڈھالی آواز میں کہا ''میں فوری طور پر اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔''

''یہ حال ہے تمہارا؟'' ویرا نے زہریلی آواز میں اس پر الفاظ کا کوڑا لگایا ''مجھے اپنے آبائی مذہب کو ترک کرنے کا مشورہ دے رہے ہو اور اپنے آپ میں اتنی بھی ہمت نہیں کہ دوٹوک الفاظ میں میری ذمے داری قبول کرنے کا اقرار یا انکار کرسکو!''

''ریٹا! برہم ہونے کی ضرورت نہیں'' غزالہ نے نرمی سے ویرا کو سمجھایا ''یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ دوسروں کو بہت آسانی سے بڑے بڑے مشورے دے ڈالتا ہے' اس کی اپنی باری آتی ہے تو وہ خود کو بالکل بے بس محسوس کرنے لگتا ہے۔ بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ اکبر کو بھی سوچنے سمجھنے کا حق حاصل ہے۔ اس بارے میں ہم کسی بھلے وقت میں دوبارہ

بات کریں گے۔''

''ابھی تک تم دونوں نے اکبر سے بات کی ہے'' ویرا نے تیکھے تیوروں کے ساتھ کہا ''مجھ سے میری رائے نہیں پوچھی۔ اب اکبر کا فیصلہ آ جانے دو' میں اپنی رائے آخر میں دوں گی۔''

ویرا کے آخری فقرے پر سلطان شاہ کی گردن کو جھٹکا سا لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ویرا کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالنا چاہ رہا تھا لیکن اس کا جھکا ہوا سر اوپر نہ اٹھ سکا۔ ویرا نے ایک بے وطن اور نومسلم عورت کے مستقبل کا سوال کر کے اس کے سر پر بہت بڑا بوجھ ڈال دیا تھا۔

''کیا ہم لوگ یہ الجھن پیدا کرنے کے لیے یہاں آئے تھے؟'' چند ثانیوں کے گمبھیر سکوت کے بعد میں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

اچانک ویرا نے ایک مختصر اور جان دار قہقہہ لگایا اور میں بھونچکا رہ گیا۔ اس کا رویہ ہمیشہ غیر یقینی ہوا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں کبھی کوئی درست پیش گوئی نہیں کی جا سکتی تھی' وہ کسی بھی وقت اپنے قول و فعل کا کوئی انوکھا کرتب دکھانے پر قادر تھی۔

میری طرح غزالہ اور سلطان شاہ بھی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہے تھے اور وہ بے نیازی کے ساتھ کہہ رہی تھی ''دیکھو' اب کیسا بجر بٹو بنا ہوا بیٹھا ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ میں آسان شکار نہیں ہوں۔ ہمیشہ فیصلہ کن کھیل کھیلتی ہوں۔ جیت جاتی ہوں یا پھر ہار مان لیتی ہوں۔ اس کی طرح مہلت کی طلب گار نہیں ہوتی۔''

''کیا ہم کوئی دوسری بات نہیں کر سکتے؟'' میں نے ناخوشگوار لہجے میں سوال کیا۔

''دوسری بلکہ اہم ترین بات ابھی باقی ہے۔'' ویرا بولی ''پتا نہیں' یہ مذہبی قصہ کیسے شروع ہو گیا۔''

''وہ بھی کہہ ڈالو۔ غیر ضروری تجسس سے مجھے الجھن ہوتی ہے'' میں نے کہا۔

''جلال سے میری بات ہوئی ہے'' ویرا اپنی بات دانستہ ادھوری چھوڑ کر اپنے لیے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گئی۔ میرے اعتراض کے جواب میں اس نے فوری طور پر غیر ضروری تجسس پیدا کرنے کی شعوری کوشش شروع کر دی تھی۔

''تم نے اسے کب فون کیا؟'' غزالہ نے سوال کیا۔

''وہ کئی دنوں سے مجھ سے رابطہ کرنے کی ناکام کوششیں کر رہا تھا۔ آج کامیاب ہوا تو اس سے خاصی تفصیل سے بات ہوئی۔ وہ میری یہاں آمد سے خوش نہیں ہے۔''

''اس کی ناخوشی میرے لیے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے'' میں نے کہا۔

''تم نے بھی مجھے یہاں آنے سے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن اس وقت تاخیر ہو چکی تھی۔ ہمیں ہر حال میں جلد از جلد کینیڈا سے نکلنا تھا اس لیے اسی طرف چل پڑے۔ اس کی التجا بلکہ ہدایت ہے کہ اب کسی بھی قیمت پر یہ راز فاش نہیں ہونا چاہیے کہ ہم چاروں میں سے کوئی بنکاک میں موجود ہے۔'' اس نے اطمینان سے بتایا۔

اچانک میری اور غزالہ کی نظریں چار ہوئیں اور مجھے یاد آیا کہ میں نے موتی محل میں ہونے والی بھگدڑ میں صبح کے وقت راجن کو زہریلی انگوٹھی سے شکار کر لیا ہوتا تو جلال کی ہدایت دھری کی دھری رہ جاتی۔ راجن کی لاش دستیاب ہوتے ہی بنکاک میں یہ خبر گردش میں آ جاتی کہ اسے ڈینی نے اپنے مخصوص زہریلے ہتھیار کا نشانہ بنایا ہے۔

''جلال نے اس ہدایت کا کوئی سبب بھی بتایا ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''پاکستان میں بہ یک وقت دو قیدی ڈینی ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔ جلال نے امریکی کیمپ کی ساری توجہ ان دونوں پر مرکوز کروا دی ہے۔ اب یہاں سے کوئی خبر لیک ہوتی ہے تو تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ جلال کی پوزیشن کیا ہوگی؟'' ویرا نے بتایا ''اس وقت اولین اہمیت رازداری کی ہے۔ اسے برقرار رکھنے کے لیے سب کچھ نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔''

''یہ معاملہ اتنا اہم ہے تو اسے براہ راست مجھ سے رجوع کرنا چاہیے تھا'' میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ ''یہ پیغام تمہارے ذریعے کیوں پہنچایا گیا ہے؟''

''الجھنے کی ضرورت نہیں' وہ تم سے ہی بات کرے گا۔ وہ تمہاری مصروفیات سے بڑی حد تک باخبر ہے۔ کہہ رہا تھا کہ تم بری طرح الجھے ہوئے ہو۔'' ویرا نے کہنا شروع کیا ''میرے فون کے چکروں کی وجہ سے اسے مجھ سے رابطہ کرنے میں ناکامی ہو رہی تھی۔ اسے خوف تھا کہ ہم دونوں اکبر کی البرٹو میں دلچسپی کی وجہ سے کسی چکر میں نہ پھنس گئے ہوں۔ وہ مخلص اور ہمدرد آدمی ہے۔ مسلسل اپنی کوششوں میں لگا رہا اور آج اس سے میری بات ہو گئی۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے بریف کیا ہے تاکہ اس کی رائے تمہارے کانوں میں پڑ جائے۔ تفصیل وہ خود بتائے گا۔ مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ پاکستان میں واقعات ہمارے خلاف جا رہے ہیں۔''

''یہ احساس مجھے بھی ہو چکا ہے'' میں نے پرتشویش لہجے

میں کہا ''اسی لیے میں تمہیں بنکاک آنے سے منع کر رہا تھا۔ نفری بڑھ جانے سے نئے مسائل پیدا ہوسکتے ہیں۔ تم یہاں آ ہی گئی ہو تو تم نے خود اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہاں کے حالات کیا ہیں......؟''

''تھوڑی دیر پہلے خبروں میں راجن اور موتی محل کا ذکر آیا تھا'' اس نے یکایک میری بات کاٹ کر متجسس لہجے میں کہا ''کئی آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں۔ کیا یہ تمہاری شرارت تھی؟''

''یہ شرارت نہیں' خوفناک لڑائی ہے'' میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں جواب دیا ''میں تنہا اتنا بڑا کام نہیں کرسکتا تھا۔ اس منظم کارروائی میں دوسرے لوگ شریک تھے مگر حالات کی بنا پر میں بھی اس واقعے میں ملوث ہوگیا۔''

گفتگو کا رخ تیزی سے بدل رہا تھا۔ رابطے کے فقدان کی وجہ سے ویرا کے ذہن میں بہت سے سوالات کلبلا رہے تھے اور وہ جلد از جلد ان کے جواب سننے کی خواہاں تھی۔

میں نے اسے موتی محل میں پیش آنے والے تازہ ترین واقعے کے بارے میں بتایا تو وہ فکرمندانہ انداز میں بولی ''معاملات اس حد تک الجھ رہے ہیں تو تم یہاں کیوں ٹکے ہوئے ہو......؟ ڈان تم دونوں کے پاسپورٹ لوٹانے پر آمادہ ہے' وہ واپس لو اور ہمارے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ۔''

''میں اسی طرف آ رہا تھا۔'' میں نے کہا ''جلال راجن کی موت کا خواہش مند ہے۔ اب یہ میری انا کا سوال بھی بن چکا ہے۔ جب تک میں اپنے ہاتھوں سے اسے مار نہیں لوں گا' مجھے چین نہیں آئے گا۔ اس کام میں مجھے تم لوگوں کی کسی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ تم دونوں خاموشی کے ساتھ یہاں سے لوٹ جاؤ بلکہ صدف کو بھی اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔ تم تینوں کے نکل جانے کے بعد میں زیادہ بے فکری سے اپنا کام کرسکوں گا۔ یہاں سے نمٹتے ہی میں تم تینوں سے آملوں گا۔ اس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔''

''تم نے بتایا تھا کہ تم ڈان کی خواہش پر راجن کے پیچھے لگے تھے۔ اب تم اس بارے میں اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہو؟'' ویرا کی روایتی جرح شروع ہوگئی۔

''وہ پرانی بات تھی۔ اب میری اور راجن کی لڑائی ہے۔ اس کے نتیجے میں ڈان کا مدعا پورا ہوتا ہے تو وہ ایک ضمنی بات ہے۔ مجھے اس سے زیادہ سروکار نہیں رہا۔ جب تک یہاں میری اصلیت راز میں ہے' مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ سچ پوچھو تو میں یہاں مل جانے والے دوستوں کی وجہ سے خود کو بہت مطمئن اور آسودہ محسوس کرنے لگا ہوں۔''

''آپ ڈان اور جاؤفان کی بات کر رہے ہیں؟'' غزالہ نے سوال کیا۔

''یہاں وہی لوگ میرے خیرخواہ ہیں۔ تمہیں ان کی ذہنی سطح کا اندازہ ہے۔ میں جب تک چاہوں' انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرسکتا ہوں۔''

''اگر تم یہاں مطمئن اور آسودہ ہو تو ہم میں سے کسی کو یہاں سے کہیں جانے کی ضرورت نہیں'' ویرا نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے اپنا فیصلہ سنا دیا ''حالات اور قسمت نے ہمیں یہاں یکجا کر دیا ہے تو اب ہمارا مرنا اور جینا ایک ساتھ ہوگا......تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟'' آخری سوال اس نے سلطان شاہ سے کیا تھا۔

وہ ندامت اور شرمندگی کے عالم میں اپنا سر جھکائے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ ویرا نے اسے براہ راست مخاطب کر کے زبان کھولنے کا حوصلہ دیا تو وہ نرم آواز میں بولا ''میں تمہاری رائے سے متفق ہوں۔ ہم یہاں ایک ساتھ ہونے کے باوجود الگ الگ ہیں۔ محتاط رہیں تو ہمیں ایک دوسرے کی وجہ سے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔''

''ڈان ان کا گرویدہ ہو چکا ہے'' غزالہ نے خوش مزاجی کے ساتھ ویرا کو بتایا ''اپنے اقتدار کی بحالی کے ساتھ وہ انہیں اپنا دست راست بنانے کا فیصلہ کر چکا ہے۔''

''اوہ!'' ویرا ہلکے سے استہزائی انداز میں بولی ''یہ کہو کہ اب تم بنکاک کے بدمعاشوں کا سرغنہ بننے کی تیاری کر رہے ہو۔''

''فضول باتیں مت کرو'' میں نے ناگواری سے کہا ''شی سے بغاوت کرنے کے بعد میں قانون شکنی سے تائب ہو چکا ہوں۔''

''یہ میرے لیے نئی خبر ہے'' ویرا نے میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی ''تم اس وقت سے اب تک جو کچھ کرتے رہے ہو' وہ دنیا کے کون سے قانون کی رو سے جائز ہے؟''

''میں نے جو کچھ کیا' وہ قانون کی بالادستی اور اپنے ملک کے مفادات کو بچانے کے لیے کیا'' میں نے سنجیدہ ہو کر کہا ''میری دانست میں قانون شکنی وہ ہوتی ہے جو ناجائز ذاتی مفادات کے حصول کے لیے کی جاتی ہے۔''

''خوب! اب پتا چلا کہ تم نے مفہوم اور معانی کے لیے اپنی لغت بنائی ہوئی ہے'' ویرا نے اسی موڈ میں کہا ''دنیا کا ہر مجرم اپنی حرکتوں کے جواز میں ایسی ہی لنگڑی لولی تاویلیں پیش کرتا ہے۔''

''مجھے پروا نہیں کہ تم کیا سمجھتی ہو'' میں نے برہمی سے کہا

"میں جو کچھ کررہا ہوں' اس کے بارے میں میرا ضمیر مطمئن ہے۔ میرے بارے میں ڈان جو کچھ بھی سوچ رہا ہو' مجھے بنکاک کی زیر زمین دنیا کی سرگرمیوں سے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔ اپنا کام ختم کرکے میں پاکستان لوٹ جاؤں گا۔"

"وہاں تمہارے لیے جال تیار ہورہے ہیں۔ جاؤ گے اور دھر لیے جاؤ گے۔" ویرا اپنی عادت کے مطابق بحث پر تلی ہوئی تھی "تم پل پل میں بات بدل رہے ہو۔ ابھی ذرا دیر پہلے یہاں بن جانے والے دوستوں کی وجہ سے اطمینان ظاہر کررہے تھے' اب یہاں سے واپس جانے کی بات کررہے ہو۔ کچھ پتا نہیں چل رہا کہ تمہارے دماغ میں کیا ہے۔"

"میری پہلی ترجیح یہ ہے کہ میں جلد از جلد اپنے وطن لوٹ جاؤں۔ اگر ناگزیر وجوہ کی بنا پر جلاوطن رہنا پڑا تو پھر میں بنکاک میں رہنے کو ترجیح دوں گا۔ کسی نئے ملک یا شہر میں جاکر قدم جمانے سے بہتر ہے کہ میں یہیں رکا رہوں۔"

"یہی مسئلہ میرا بھی ہے' تم اپنے دوستوں کی وجہ سے یہاں رہنا چاہتے ہو۔ ہمیں تمہاری ذات سے سہارا ملتا رہے گا۔ قصہ ختم اور پیسا ہضم!" وہ بات پوری کرکے ہنس دی۔

میں نے کھل کر ان لوگوں کے سامنے اپنے دل کی بات بیان کردی۔ مجھے محسوس ہورہا تھا کہ پاکستان میں حالات کا رخ ہمارے خلاف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے جلاوطنی کے امکان کا ذکر کردیا لیکن ان تینوں میں سے کسی نے میری بات پر غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اندیشے ان کے ذہنوں میں بھی چکرا رہے تھے لیکن کسی کو معاملے کی نزاکت کا پورا ادراک نہیں تھا۔

ہم چاروں بے فکری سے اس پارک میں بیٹھے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ غزالہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ویرا اور سلطان شاہ کے یکجا ہونے کی بابت کھل کر اپنی خواہش ظاہر کردی تھی۔ اس پر ان دونوں میں سے کسی کی طرف سے کوئی منفی ردعمل سامنے نہیں آیا' دونوں طرف تذبذب نمایاں نظر آیا۔ ان دونوں کے درمیان ایک مدت سے مراسم کی جو غیر سنجیدہ نوعیت چلی آرہی تھی' اس کے پیش نظر ایک سنجیدہ ترین رشتے کی تجویز پر ان دونوں کی ہچکچاہٹ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔

مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں اس بارے میں الگ الگ ہم سے مشورہ ضرور کریں گے اور آخر کار کسی مثبت نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

کچھ دیر بعد ویرا اور غزالہ سرک کر ہم دونوں سے دور ہوگئیں اور ان کے درمیان سرگوشیوں میں باتیں کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہ عورتوں کی کچھ فطرت ہوتی ہے کہ وہ جہاں ملتی ہیں' کانا پھوسی کے بغیر ان کی ملاقات مکمل نہیں ہوتی۔ میں نے انہیں دیکھا اور نظر انداز کردیا۔

غزالہ کو ویرا کی غیر موجودگی میں اس سے بہت سی شکایات رہتیں۔ اس بارے میں وہ مجھ سے بارہا بات کرچکی تھی لیکن اس وقت وہ ویرا سے یوں جڑی ہوئی بیٹھی تھی' جیسے روئے زمین پر وہی اس کی عزیز ترین ہستی ہو۔

"غزالہ نے اچانک کیا بات چھیڑ دی؟" سلطان شاہ نے اس کھلے تخلیے سے فائدہ اٹھا کر نیچی آواز میں سوال کیا تو میں چونک گیا۔

"اس نے صحیح بات کہی ہے۔ غور کرو گے تو تم اس کے خلوص کے قائل ہوجاؤ گے" میں نے اسی لمحے اپنا فیصلہ کن کردار ادا کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ تم اسے مجھ سے زیادہ جانتے ہو' وہ بے بسی سے بولا "اس کی زبان گز بھر لمبی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے مجھے بجر بٹو کہہ رہی تھی۔"

سلطان شاہ کی اس معصومانہ شکایت پر میں نے اپنے بے ساختہ قہقہے کو بہت مشکل سے ضبط کیا اور کہا "دوست اور بیوی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ مردوں کو یہ عام شکایت ہے کہ وہ اپنی محبوبہ سے شادی کرلیتے ہیں تو وہ بدل جاتی ہے۔ تم یک سو ہوکر فیصلہ کرلو۔ تمہارے بندھن میں آتے ہی وہ خود کو تمہاری مرضی کے مطابق ڈھال لے گی۔"

"مجھے فیصلہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو اسی کی بھلائی سوچ رہا تھا۔ مسلمان ہوجائے گی تو اس کے ماضی کے سارے پاپ دھل جائیں گے۔ اگر وہ اسی حال میں مرنا چاہتی ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔ غزالہ بلاوجہ مجھے الجھا رہی تھی۔"

"کسی غیر مسلم کو مسلمان کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ اس کے مستقبل کا سہارا بن کر تم یہ سعادت حاصل کرسکتے ہو۔"

"کیا میں ہی رہ گیا ہوں۔ ہزاروں مرد اس کا سہارا بننے پر تیار ہوجائیں گے۔ وہ بلاوجہ جذباتی باتیں کرکے بہانہ بازی کررہی تھی۔"

"اسے دوسرے مردوں سے کچھ نہیں لینا۔ تم نے اسے مسلمان ہونے کی دعوت دی ہے اس لیے اس نے تم سے سوال کیا ہے۔ رہا اس کا ماضی تو اب وہ بھولا ہوا خواب بن چکا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ شہر کی ہنگامہ پرور زندگی میں ایک لمبی مدت گزارنے کے بعد اب تمہارا اپنے گاؤں کی کسی لڑکی کے

ساتھ نباہ نہیں ہو سکے گا۔ کوئی شخص زندگی بھر تن تنہا نہیں رہ سکتا۔ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر تم کو بہت شدت سے ایک ساتھی کی ضرورت محسوس ہوگی۔ ایک ساتھ رہ کر تم دونوں ایک دوسرے کے مزاج کو بہت اچھی طرح سمجھنے لگے ہو۔ شادی کے بعد تم دونوں کا لاابالی پن ختم ہو جائے گا۔ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کے بجائے تم دونوں باہمی احترام اور رواداری کے قائل ہو جاؤ گے۔ ویرا بہت بڑے دل کی مالک ہے۔ وہ تمہیں اپنے سر کا تاج بنا لے گی۔"

"تم مجھ سے زیادہ اس کی حمایت کر رہے ہو۔ تم نے سنا نہیں کہ اس نے آخر میں کیا کہا تھا۔ میرے بعد وہ اپنی رائے دے گی۔ میرے اقرار کے بعد وہ لامحالہ انکار کر دے گی اور میں زندگی بھر اپنی اس شکست کی آگ میں جھلستا رہوں گا۔"

وہ آمادگی کا ابتدائی اور بالواسطہ اظہار تھا۔ ویرا الفاظ کی بہترین کھلاڑی تھی۔ اس نے سلطان شاہ کو متذبذب پا کر اندر کے ایک خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں نے بدستور نیچی آواز میں کہا "ضروری نہیں کہ تم اسی وقت کوئی فیصلہ کر ڈالو۔ اسے دیکھو، پرکھو، اس سے بات کرو۔ مجھے امید ہے کہ تم نے کھلے ذہن کے ساتھ اپنی مشق جاری رکھی تو تم میرے مشورے سے متفق ہو جاؤ گے۔"

"یہ بے کار باتیں ہیں" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ وہ اپنا آبائی مذہب چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔ میں ایک غیر مسلم عورت کو اپنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"اصل نکتہ یہی ہے" میں نے زور دے کر کہا "میں اس کی باتیں سن کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم اسے باعزت مستقبل کی ضمانت دو تو وہ مسلمان ہو جائے گی۔"

"غزالہ نے میرے دماغ کی چولیں ہلا دی ہیں، اب تم مجھے جھکولے دے رہے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔"

"فی الحال کچھ نہ کرو" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا "دھیرے دھیرے میری باتیں تمہارے ذہن میں خود جگہ بنا لیں گی۔ ابھی تک میں نے تمہیں دنیاوی فائدے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ تصور کرو کہ تم نے اسے مسلمان کر لیا تو تمہارا کیا درجہ ہوگا۔"

"اگر تم دونوں کے راز و نیاز ختم ہو گئے ہوں تو ادھر ہی آ جاؤ" اچانک ویرا نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی۔

"خود راز و نیاز کے لیے ہم سے دور سرکی ہو اور اب باتیں بنا رہی ہو" میں نے کہا۔ مجھے ویرا کی آنکھوں میں عجیب سی شوخ چمک نظر آ رہی تھی۔

ہمیں پارک میں بیٹھے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ ویرا نے اپنی جگہ چھوڑی تو میں بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی لمحے میرے مقامی موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے فون جیب سے نکال کر اسکرین پر نگاہ ڈالی تو وہاں موتی محل کا نمبر نمایاں تھا۔

میں نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا تو مجھے راجن کی پژمردہ سی آواز سنائی دی۔

قرب و جوار میں لوگوں کی آمد و رفت اور اونچی نیچی آوازوں کے سبب اس وقت راجن سے یکسو ہو کر بات نہیں کی جا سکتی تھی۔ اپنے تمام تر تجسس کے باوجود میں نے اسے ٹالنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا "استاد! میں اس وقت بازار میں ہوں۔ آدھے گھنٹے بعد فون کر لینا۔"

لائن پر سکوت چھا گیا۔ راجن کے کانوں تک پہنچنے والی ملی جلی آوازیں میرے عذر کی کھلی تائید کر رہی تھیں۔ راجن نے بے چون و چرا فون بند کر دیا۔

"تمہارا کون سا استاد پیدا ہو گیا؟" ویرا نے میرے قریب ہو کر حیرت سے پوچھا "میں تو تمہیں اب تک استادوں کا استاد سمجھتی رہی ہوں۔"

"راجن تھا" میں نے اسے بتایا "اکبر کے روپ میں، میں اسے استاد کہتا ہوں تو میرے ذہن میں ناچنے والیوں کے کوٹھے پر طبلہ بجانے والے استادوں کا تصور ہوتا ہے مگر وہ اس خطاب سے خوش ہوتا ہے۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟" غزالہ نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"کہنے سننے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اس کی آواز پر پھٹکار برس رہی تھی۔ تم نے میرا جواب سن لیا ہوگا۔ آدھے گھنٹے بعد دیکھوں گا کہ وہ کیا کہتا ہے۔"

"یہ تمہارے لیے بہترین موقع ہے۔ وہ مار کھایا ہوا اور ہمدردی کو ترسا ہوا ہے۔ بہانے سے اسے کہیں بلاؤ اور اس کا کام تمام کر دو" ویرا نے پرجوش لہجے میں مشورہ دیا۔

"بھڑکا ہوا دشمن اتنی آسانی سے بہکاوے میں نہیں آتا" میں نے بے پروائی سے کہا "رفتہ رفتہ بات یہاں تک آ پہنچی ہے کہ اب وہ مجھ سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔ دیکھتا ہوں کہ صبح کی خفت کے بعد وہ کن تیوروں کے ساتھ بات کرتا ہے۔"

میں نے راجن کو وقت دے دیا تھا۔ ان دونوں نے ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ پارک سے ہم چاروں ایک

ساتھ باہر نکلے پھر ہماری سمتیں مختلف ہوگئیں۔
''تم ویرا کے ساتھ کیا باتیں کر رہی تھیں؟'' کچھ دور تک خاموشی سے پیش قدمی کرنے کے بعد میں نے غزالہ سے سرسری لہجے میں سوال کیا۔
''کک...... کچھ بھی نہیں'' اس نے بوکھلا کر عجلت میں کہا ''اِدھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔''
''فضول باتوں کے لیے ہم دونوں سے دور کھسکنے کی ضرورت پیش نہیں آتی'' میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا ''سچ سچ بتاؤ کہ کیا ہو رہا تھا؟''
''میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ سلطان شاہ کا جوڑ اس کے لیے بہت مناسب رہے گا۔'' اس نے تیزی سے جواب دیا۔
اس کے لہجے سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ کوئی بات مجھ سے چھپا رہی تھی مگر میں نے غیر ضروری بحث میں پڑنے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے یقین تھا کہ ان دونوں کی خفیہ باتیں کسی کے خلاف نہیں ہو سکتی تھیں۔ شاید غزالہ نے اسے سلطان شاہ کی طرف مائل کرنے کی کوشش بھی کی ہو لیکن اصل بات کچھ اور ہی تھی۔ وہ دو عورتوں کے نجی معاملات تھے۔ مجھے ان کے بارے میں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔
راستے میں ہمارے درمیان دوبارہ باتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو موضوعِ سخن ویرا اور سلطان شاہ کا معاملہ تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانیوں میں مبتلا تھے۔ ویرا کا کہنا تھا کہ سلطان شاہ اس قدر زبان دراز اور اکھڑ تھا کہ شوہر کی حیثیت سے اسے قبول کرنے کا تصور ہی اس کے لیے تکلیف دہ تھا۔ اسے یہ خوف بھی لاحق تھا کہ میری وجہ سے اس کا ماضی سلطان شاہ کے لیے کھلی کتاب کی طرح تھا۔ وہ اسے صرف مسلمان کرنے پر تلا ہوا تھا' اس سے آگے ویرا کی کوئی ذمے داری اٹھانے کے لیے تیار نہیں تھا۔
اس بارے میں ویرا اتنی پُریقین تھی کہ اس نے غزالہ کو اپنے اعتماد میں لے کر یہاں تک کہہ دیا کہ اگر سلطان شاہ اسے اپنا جیون ساتھی بنانے پر تیار ہو جائے تو وہ اسی لمحے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے گی۔
وہ جذبات کی رو میں کہی ہوئی ایک بات تھی جس پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ مشروط وعدہ کرتے ہوئے ویرا کو کامل یقین تھا کہ سلطان شاہ اسے قبول کرنے پر آمادہ ہوگا نہ اسے اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہونا پڑے گا۔
غزالہ کی طرف سے وہ تجویز ایکا ایکی ان دونوں کے سامنے آئی تھی۔ وہ اس سوال کا براہِ راست سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اس لیے جذبات کی رو میں بہتے چلے گئے۔ سلطان شاہ نے مجھ سے اپنے جن تحفظات کا اظہار کیا اور ویرا نے غزالہ سے جو کچھ کہا، ان سب کو یکجا کرنے کے بعد مجھے یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ دونوں بلاوجہ ایک دوسرے سے خائف تھے۔ دونوں فریق ٹھنڈے دل سے اپنا اپنا جائزہ لیتے تو وہ بیل منڈھے چڑھ سکتی تھی۔
ہم دونوں کے لیے وہ موضوع اتنا اہم اور سنسنی خیز تھا کہ ہوٹل کے کمرے میں پہنچنے کے بعد بھی ہمارے درمیان اسی پر گفتگو ہوتی رہی۔
مجھے اس تجویز کے بار آور ہونے کے نتیجے میں نئے امکانات ابھرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ان دونوں کے درمیان سمجھوتا ہو جانے کی صورت میں ہمیں ویرا کی فکر سے نجات مل جاتی، ذمے داریاں واضح طور پر تقسیم ہو جاتیں۔ دونوں جوڑے اپنی آزادانہ مرضی سے اپنی اگلی زندگی کا لائحہ عمل طے کر سکتے تھے۔ بے یقینی کی حالت میں ایک مدت سے چلا آنے والا ساتھ خوش اسلوبی کے ساتھ دو الگ الگ راستوں میں تبدیل ہو جاتا۔
اسی دوران میں راجن کا دوسرا فون آ گیا۔ اس کی دونوں کالز کے درمیان پورے تیس منٹ کا وقفہ تھا جس کی تائید فون کلاک کر رہا تھا۔
''استاد! میں آنے سے انکار کر رہا تھا مگر تم نہیں مانے۔ آج تم نے مجھے مروا دیا تھا۔'' میں نے اس بار راجن کی آواز سنتے ہی روہانسی آواز میں اپنی شکایت کا دفتر کھول دیا۔
''تم اناڑی اور بدھو ہو۔ مجھے فکر تھی کہ کہیں تم گھبراہٹ میں موتی محل کے کسی کونے کھانچے میں نہ مارے گئے ہو۔ تم کہاں ہو، موتی محل سے کیسے نکل گئے؟'' اس نے ایک سانس میں بہت سی باتیں کہہ ڈالیں۔
''اندر تمہارے مہمان میری ہڈیاں توڑنے پر تلے ہوئے تھے، باہر آگ برس رہی تھی۔ میرے لیے دونوں طرف صرف موت تھی۔ میں گولیوں سے بچ سکتا تھا، تمہارے خوں خوار مہمانوں کی مار سے بچنا میرے لیے ناممکن تھا۔ بس میں نے اللہ کا نام لے کر باہر کی طرف دوڑ لگا دی اور تمہارے آدمیوں کے روکنے کے باوجود باہر بھاگتا چلا گیا۔''
''میں خوش ہوں کہ تم زندہ ہو۔ موتی محل پر میرے دشمنوں کی لشکر کشی تمہارے لیے انعام ثابت ہوئی اور تم

مار کھانے سے بچ گئے۔ میرے مہمان نمک حرام نکلے۔ وہ سب جا چکے ہیں۔ کیا تم میرے پاس آ سکتے ہو؟'' اس کی آواز میں تحکم برقرار تھا۔ رسی جل رہی تھی لیکن اس کے بل باقی تھے۔

''استاد! میں کان پکڑتا ہوں، اب خواب میں بھی ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔'' میں نے خوف زدہ ہونے کی بے ساختہ صداکاری کرتے ہوئے کہا ''تم سے دونوں ملاقاتیں مجھے بہت مہنگی پڑی ہیں۔ اب میں تیسری غلطی نہیں کروں گا۔''

''بکواس مت کرو!'' اس کی غراتی ہوئی آواز ابھری ''تم نے دیکھ لیا کہ میں نے ان کی ناراضی کی پروا کیے بغیر آخر تک تم کو بچانے کی کوشش کی تھی!''

''میں مانتا ہوں لیکن تم ان پانچوں کے سامنے کمزور یا چھوٹے تھے۔ انہوں نے تمہاری سفارش ماننے سے جس طرح انکار کیا وہ بھی میرے سامنے کی بات ہے۔'' میں نے جان بوجھ کر اس کی دکھتی رگ دباتے ہوئے کہا۔

''انہیں اور ان کی باتوں کو بھول جاؤ۔'' اس کی آواز یکا یک غضب ناک ہوگئی ''میں نے انہیں شیر سمجھ کر بلایا تھا لیکن وہ پانچوں چوہوں سے بھی بدتر ثابت ہوئے۔ وہ ڈر کر بھاگ چکے ہیں۔ لوٹ کر یہاں نہیں آئیں گے۔ تمہاری ملاقات صرف مجھ سے ہوگی۔ تم کو اندازہ ہو چکا ہوگا کہ میں تمہارا قدردان ہوں۔ میں تم سے کچھ اہم باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آج کے حملے میں ڈینی اور اس کے ساتھیوں نے میرے پانچ آدمی مارے ہیں۔ وہ حرامی ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اس خوں ریزی سے دہشت زدہ ہو کر میرے سارے مقامی نوکر بھاگ گئے ہیں۔ کچھ بھارتی بھی ان کے ساتھ ہتھیاروں سمیت نکل گئے۔ اس وقت یہاں میرے سوا صرف چار جان نثار باقی رہ گئے ہیں۔ ان سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

وہ غصے کی زیادتی میں بولتا چلا گیا۔ میں نے دخل انداز ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ مجھے بلانا چاہ رہا تھا اور میں اس کے پاس جانے سے جھجک رہا تھا مگر اس کی زبان سے صرف چار آدمی رہ جانے کا ذکر سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔

یہ خبر مجھے ڈان سے بھی مل چکی تھی کہ بیشتر آدمیوں نے راجن کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس نے زیادہ تفصیل سے اس خبر کی وضاحت کر دی کہ اپنی جانوں کے خوف سے صرف مقامی نہیں بلکہ اس کے کافی بھارتی ملازم بھی موتی محل چھوڑ گئے تھے۔

اگر راجن کی اس وسیع وعریض رہائش گاہ میں اس سمیت صرف پانچ نفوس رہ گئے تھے تو وہ میرے لیے سنہر موقع تھا۔ میں بیم گن اور زہریلی انگوٹھی کی مدد سے ان پانچوں کو جہنم واصل کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ کچھ ہی دیر پہلے مجھے ویرا کی معرفت جلال کا یہ پیغام مل چکا تھا کہ میں بنکاک میں اپنی یعنی ڈینی کی موجودگی کا راز فاش نہ ہونے دوں۔ بیم گن اور مہلک انگوٹھی استعمال کرنے کی صورت میں ایسا ہونا ناممکن تھا۔ مجھے اپنے روایتی ہتھیاروں کو بھول کر ان پانچوں کے مقابلے میں اپنے زور بازو پر انحصار کرنا تھا۔

عددی اعتبار سے انہیں مجھ پر خوف ناک برتری حاصل تھی، ان کے پاس اسلحے اور ہتھیاروں کے انبار موجود تھے، وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان حوصلہ شکن حقائق کا توڑ کرنے کے لیے میرے پاس صرف ایک ہتھیار تھا کہ مجھے راجن کا اعتماد حاصل تھا۔ موتی محل میں گھستے ہی میرا اور ان کا دوبدو مقابلہ ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ مجھے ہوشیاری اور مکاری سے کام لے کر اپنے پانچوں حریفوں کو مغلوب کرنا تھا۔

میں نے دل ہی دل میں وہ خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر کے فون پر کہا ''سب باتیں ہو چکی ہیں۔ اب تم مجھے کیوں بلا رہے ہو؟''

''میں نے دوسروں پر انحصار کر کے خود کو بہت کمزور کر لیا ہے۔'' اس کی بپھری ہوئی آواز آئی ''اب میں ڈینی اور اس کے آدمیوں کی تلاش میں خود باہر نکلنا چاہتا ہوں۔ تم انہیں پہچانو گے، میں انہیں اٹھالاؤں گا۔''

''مم...... مگر استاد، تمہارا ایک بازو زخمی ہے'' میں نے سہمی ہوئی آواز میں اسے اس کا ایک اور زخم یاد دلایا۔

''بحث مت کرو!'' وہ غرایا ''مجھے دوٹوک جواب دو۔ آ رہے ہو یا میں کوئی دوسرا بندوبست کروں؟''

وہ کھلی دھمکی تھی۔ دوسرے بندوبست سے اس کی مراد یہی تھی کہ وہ مجھے بھی زبردستی اٹھوانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس کے لیے وہ کام آسان ثابت نہ ہوتا اگرچہ وہ اور اس کے آدمی مجھے پہچانتے تھے مگر ان میں سے کسی کو میرے ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔ میں دانستہ اسے سکا سکا کر مشتعل کر رہا تھا۔ میرا بات بڑھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ ڈینی سے حد درجہ خوف زدہ تھا اور اکبر کو کمزور سمجھ کر ڈرانے دھمکانے کی کوششیں کر رہا تھا۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ اپنے بدترین دشمن کو اپنی کمین گاہ میں آنے کی

دعوت دے رہا تھا۔
''تم مجبور کر رہے ہو تو میں آ جاتا ہوں'' میں نے مردہ سی آواز میں کہا'' خوف سے میرا دل دھڑک رہا ہے۔ دیکھو، میرے ساتھ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔''
''رونے کی ضرورت نہیں'' اس نے درشت آواز میں کہا'' میں گھر پر ہی ہوں۔ جلد از جلد موتی محل پہنچ جاؤ'' اس نے اپنی بات پوری کرتے ہی فون بند کر دیا۔
''اب آپ پھر موتی محل جائیں گے؟'' غزالہ نے خوف سے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ میری یک طرفہ باتیں سن کر اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔
''اس کے سارے مقامی محافظ بھاگ چکے ہیں۔ بھارتیوں میں سے بھی صرف چار باقی رہ گئے'' میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے بتایا'' ان سے فوری طور پر مجھے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ میں موقع محل دیکھ کر کوئی قدم اٹھاؤں گا۔''
''آپ بیم گن اور انگوٹھیاں اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ ان کے استعمال سے بات کھل جائے گی۔''
''مجھے جلال کی ہدایت یاد ہے۔ میں بھی انہیں استعمال نہیں کرنا چاہوں گا پھر بھی انہیں ساتھ لے جانا ضروری ہے۔ میں دشمن کے ٹھکانے پر جا رہا ہوں۔ کچھ پتا نہیں کہ وہاں کیا صورتِ احوال رونما ہوتی ہے۔ جان پر بن گئی تو میں راز داری کو بھول بھال کر کچھ بھی کر گزروں گا۔''
''انگوٹھی بچ سکتی ہے، جامہ تلاشی میں بیم گن پکڑی جائے گی۔''
''تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں اسے زیر جامے میں لے جاؤں گا'' میں نے ہنس کر کہا'' اس وقت وہاں ویرانی اور سوگ کا سماں ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ تلاشی کی نوبت ہی نہ آئے۔''
راجن سے وعدہ کرنے کے بعد میں موتی محل پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگانا چاہتا تھا مگر ادھر کا رخ کرنے سے پہلے کچھ اہم کام نمٹانے ضروری تھے۔
میں نے ایک کرسی سنبھال کر طارق کو فون کیا۔ اس سے میں موتی محل کے گرد و نواح کے حالات کے بارے میں رپورٹ لینا چاہ رہا تھا۔ اس روز اس سے سرے سے کوئی بات نہیں ہو سکی تھی۔
اس نے بتایا کہ وہ موتی محل پر ہونے والے حملے کی خبر سن کر وہاں پہنچا تو بنکاک کا پولیس کمشنر موتی محل کے احاطے میں ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو اس دیدہ دلیرانہ واردات کے بارے میں بریفنگ دے رہا تھا۔ راجن ان لوگوں کے سامنے نہیں آیا۔ وہ لوگ بموں سے ہونے والی تباہی کی تصاویر بنا کر لوٹ گئے۔ پولیس والوں نے بھی ضابطے کی کارروائیاں تیزی سے نمٹائیں اور لاشوں کا جلوس لے کر وہاں سے چلے گئے۔
سہ پہر تک موتی محل کے گرد و نواح میں حالات معمول پر آ چکے تھے۔ ٹریفک بحال ہو گیا۔ لوگوں کی آمد و رفت بھی جاری رہی لیکن موتی محل کا پھاٹک بند رہا۔
اس علاقے میں پولیس کی گاڑیوں نے گشت لگانا شروع کر دیا تھا لیکن طارق کے مشاہدے میں ایسی کوئی بات نہیں آ سکی جس سے یہ شبہ ہو کہ سرکاری یا غیر سرکاری طور پر اس عمارت کی نگرانی کی جا رہی تھی۔
اس کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ مجھے اس حملے کا ذمے دار سمجھ رہا تھا۔ مجھے اس سے مل بیٹھنے اور دوستی استوار کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ میں نے حملے کے بارے میں اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔
اس سے بات کرتے ہوئے میرے دل میں آئی کہ اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کر دوں۔ میں نے سوچا کہ وہ باہر رہ کر میرے لیے کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔ زیادہ دیر تک ان اطراف میں منڈلانے کی وجہ سے وہ بنکاک کی گشتی پولیس کی نظروں میں آ جاتا تو اس کے لیے مسائل پیدا ہو سکتے تھے۔
اسد نے میرے قریب رہ کر مجھے پہچان لیا تھا۔ اس کی دل جوئی کے لیے میں نے بھی اس کے سامنے اپنی اصلیت کا اعتراف کر لیا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے سینے میں راز لے کر پیوند خاک ہو جاتے ہیں لیکن اپنی زبان نہیں کھولتے۔ طارق کے لیے میں صرف علی احمد تھا، ایک عام سا پاکستانی جو بنکاک میں اس کے بڑوں کے لیے کوئی خاص کام سرانجام دے رہا تھا۔
اسے بنکاک میں اسد کی جگہ سنبھالتے ہی وائٹ ہاک کی غرقابی کی خبر ملی اور وہیں سے اسے اندازہ ہو گیا کہ میری سرگرمیاں مقامی قوانین کی حدود سے متجاوز تھیں۔ وہ بنکاک میں اپنے محکمے کی سرکاری نمایندگی کر رہا تھا۔ اس نے بھی مجھ سے راہ و رسم بڑھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔
جب میں نے اپنے سوالات ختم کر لیے تو اس نے نرمی سے کہا'' میں نے آج صبح کے واقعے کے بارے میں اپنی ابتدائی رپورٹ اسلام آباد فیکس کر دی ہے۔ کیا اس میں تمہارا کوئی حوالہ دینے کی ضرورت ہے؟''
اس نے مہذب پیرائے میں یہ پوچھ ہی لیا کہ اس واقعے میں میرا کیا کردار تھا۔

''قطعی نہیں...... وہ کسی اور پارٹی کا کام تھا۔ اس سے مجھے تقویت ضرور ملی ہے۔ اب میں کچھ دیر بعد موتی محل میں جانے والا ہوں'' میں نے دوٹوک الفاظ میں اس پر سب کچھ واضح کر دیا۔

اس نے خود وہ بات نہ چھیڑی ہوتی تو میں اسے اپنے پروگرام سے ہرگز آگاہ نہ کرتا۔ موقع ملا تو میں نے یہ سوچ کر اپنے جانے کا ذکر کر دیا کہ شہر میں کم از کم کسی ایک فعال آدمی کو یہ علم ہونا چاہیے کہ میں کہاں تھا۔ اگر کسی وجہ سے میری بازی الٹ جاتی اور راجن مجھے زیر کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو طارق موتی محل سے میری تلاش کا آغاز کر سکتا تھا۔

اس مہم میں میرا کردار اکبر کا تھا جس سے ڈان اور اس کے آدمی قطعی بے خبر تھے۔ اس بارے میں، میں بھول کر بھی ان پر بھروسا نہیں کر سکتا تھا۔ ان سب کے لیے میں صرف علی احمد تھا۔ اس روپ میں ان پر بے دھڑک ہو کر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔

''اگر تم کسی مہم جوئی کے ارادے سے وہاں جا رہے ہو تو یہ یاد رکھنا کہ وہاں جانے کے کئی راستے ہو سکتے ہیں۔ باہر آنے کا راستہ صرف راجن کی مرضی سے کھلے گا'' طارق کی آواز سرد اور گمبھیر ہو گئی۔ ''میں نے چند دنوں میں اس کے بارے میں جو معلومات جمع کی ہیں ان کا نچوڑ یہ ہے کہ وہ یہاں کا سب سے زیادہ بارسوخ اور معزز بدمعاش ہے۔ اس کے اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے اثاثوں کو نقصان پہنچانا اور بات ہے اس کا سامنا کرنے سے پہلے تم کو ہر امکانی پہلو پر دس بار غور کر لینا چاہیے۔ تم بہت بڑا قدم اٹھانے جا رہے ہو۔''

''میں اس مشورے کے لیے تمہارا ممنون ہوں'' میں نے برا منائے بغیر کہا ''میں نے بھرپور ہوم ورک کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آج کی رات ڈھلنے سے پہلے تم کوئی بڑی خبر اپنے بڑوں کو فیکس کر سکو۔ بس میری کامیابی کے لیے دعا کرتے رہنا۔''

''میں دعا گو رہوں گا'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''ایک طرح سے تم بھی میری برادری کے رکن ہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ پرائے دیس میں ایسے کام کرنے والوں کی کیا پوزیشن ہوتی ہے۔ وہاں سے تمہاری کامیابی کی خبر نہ آئی تو میں تمہاری مغفرت کے لیے دعا کروں گا۔ ملک اور قوم کے لیے ایسے کاموں میں اپنی جان قربان کرنے والے شہید کہلاتے ہیں...... گڈ لک دوست!''

وہ سرد، سپاٹ اور روکھے لہجے میں بات کرتے کرتے یکایک اتنا جذباتی ہو گیا کہ مجھے بے اختیار پھریری آ گئی۔

وہ درست کہہ رہا تھا۔ میں نے اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کر کے غلطی کی تھی۔ موتی محل میں جا کر میرا ہر حال میں کامیاب ہونا ضروری تھا۔ میری ناکامی کی صورت میں میری واپسی اسی شرط پر ہو سکتی تھی کہ راجن کو میری نیت پر شبہ نہ ہو۔ اسے میرے اوپر رائی برابر بھی شک ہو جاتا تو میرا وہاں سے زندہ لوٹنا ناممکن تھا۔ اس انجام کے بعد طارق تو کیا، کوئی لشکر بھی موتی محل میں میرا سراغ نہیں پا سکتا تھا۔

طارق نے فون بند کر دیا۔ میں چند ثانیوں تک سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا۔ پھر میں نے اسی وقت جلال سے بھی بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ موتی محل کا رخ کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہو گیا تھا کہ ریٹا کے ذریعے ملنے والے پیغام کے پس پشت جلال کی کیا مصلحت کارفرما تھی۔

لوکل موبائل فون تپائی پر ڈال کر میں نے اول خان کا دیا ہوا موبائل سنبھالا اور جلال کا نمبر ملا لیا۔

''تم کہاں ہو...... میں تم سے بات کرنے کو ترس گیا ہوں۔'' تیسری گھنٹی کے بعد اس کی پُرجوش اور دردمندانہ آواز ابھری۔ وہ اپنی اسکرین پر میرا فون نمبر دیکھ کر سمجھ چکا تھا کہ وہ کال میری تھی۔

''ریٹا سے تمہاری بات ہوئی ہے، میرے پاس تمہاری کوئی کال نہیں آئی۔''

''میں نے آج صبح دو بار کوشش کی لیکن تمہارا فون بند تھا۔''

''اوہو...... شاید بیٹری کمزور ہو گئی ہو گی۔ میں نے ابھی ابھی اپریٹس چارجر سے نکالا ہے'' میں نے اسے حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا ''ریٹا سے ملنے والا پیغام میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''اسے پتھر کی لکیر سمجھ لو'' جلال کی آواز سخت ہو گئی ''بنکاک سے اب تمہارا نام یا کوئی کام سامنے نہیں آنا چاہیے۔ یہ بہت ضروری ہے ورنہ سارا کھیل بگڑ جائے گا۔''

''تم کس کھیل کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے کہ وہ دونوں قیدیوں میں سے کسی ایک کو ڈینی مان لیں۔ اب ان کے ارادے خطرناک ہیں۔ کالج کے ریکارڈ سے ملنے والی تمہاری تصویر پر ان کی پوری ٹیم نے کام کیا ہے۔ اس میں مصوروں کے ساتھ فزیالوجی کے ماہرین بھی شامل تھے جو کسی بھی شخص کی ارتقائی تبدیلیوں کا بھرپور علم رکھتے ہیں۔ اس تصویر اور علمی معلومات کی روشنی میں انہوں نے جو تین خاکے بنوائے ہیں، ان میں سے ایک، سونہیں تو نوّے فی صد تم سے مشابہ ہے'' وہ

پُرتشویش لہجے میں بتاتا چلا گیا۔

''دو اقبالی مجرم سامنے ہونے کے باوجود وہ اس منصوبے پر کام کررہے ہیں؟'' میں نے حیرت زدہ ہوکر کہا۔

''وہ ہر قیمت پر تمہیں پکڑنا چاہتے ہیں'' جلال ایک گہرا سانس لے کر بولا ''انہوں نے آنے والے ایک دو دنوں میں وہ تینوں خاکے اخباروں میں مشتہر کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ میں نے بہت مشکل سے انہیں یہ بات سمجھائی ہے کہ اب اشتہار بازی بے سود ہے۔ جب دو آدمی ہاتھ آگئے ہیں تو ان ہی پر محنت کرنا چاہیے۔''

''کیا وہ خاکے ان دونوں سے بھی کچھ مماثلت رکھتے ہیں؟'' میں نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

''بالکل نہیں۔ اسی وجہ سے فزیالوجی کے ماہروں کو شبہ ہورہا ہے کہ وہ دونوں تشدد سے بچنے کے لیے جھوٹا اعتراف کررہے ہیں۔''

''کیا انہیں اپنے علم پر اتنا ناز ہے؟'' میری حیرت بڑھتی جارہی تھی۔

''کچھ ایسی ہی بات ہے۔ غنیمت ہے کہ انہیں پہلے یہ خیال نہیں آیا ورنہ تمہارا اب تک آزاد رہنا ممکن نہ ہوتا۔''

''تم کیسے کہہ رہے ہو کہ وہ میرا درست خاکہ بنوانے میں کامیاب ہوچکے ہیں؟'' میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔ اس کی باتوں نے میرے ذہن کو بری طرح الجھا دیا تھا۔

''میں نے خود تینوں خاکے دیکھے ہیں۔ ان میں سے ایک پر نظر پڑتے ہی میں اندر سے کانپ گیا۔ وہ ہو بہو تمہاری موجودہ شکل ہے۔ وہ ان تینوں سے کمپیوٹر پر درجنوں خاکے بنارہے ہیں۔ ہر خاکے کے ساتھ داڑھی اور مختلف انداز کے بالوں وغیرہ کا اضافہ کرکے وہ دائرہ تنگ کردیں گے۔ میں نے کسی کو اس بات کی بھنک نہیں لگنے دی۔ انہیں خود بھی یہ اندازہ نہیں ہے کہ ان تینوں میں سے کون سا خاکہ حقیقت سے قریب ہے...... تم پوری بات سمجھ رہے ہو نا...... اس وقت تمہاری بنکاک میں موجودگی کا ذرا بھی اشارہ ملا تو وہ ادھر کا رخ کرلیں گے۔ ان کے بنوائے ہوئے خاکے تمہارے لیے موت کا جال بن جائیں گے۔''

''لیکن راجن نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ ڈینی اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے'' میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا ''امریکیوں کے لیے اس کا دعویٰ دلچسپی کا سبب بن جائے گا۔''

''وہ خوف زدہ ہے۔ تم نے اسے دہشت میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ میں وہاں کی پل پل کی خبریں لے رہا ہوں۔ پولیس سمیت سب کا خیال ہے کہ اس کے دماغ پر ڈینی کا آسیب سوار ہے، وہ کسی گینگ وار میں الجھ گیا ہے، جس کا دوسرا فریق ابھی تک سامنے نہیں آسکا۔'' جلال نے وضاحت کی ''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ آج جس وقت موتی محل پر حملہ ہوا، وہاں بھارت کی انڈر ورلڈ کے پانچ نامی گرامی ڈان راجن کی مدد کے لیے سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ حملے کے بعد وہ سب تیزی سے وہاں سے نکل گئے اور اب سے ڈیڑھ گھنٹے پہلے کی رپورٹ کے مطابق وہ پانچوں ایک ایک کرکے بنکاک سے واپس جاچکے ہیں۔''

میں دخل اندازی کیے بغیر گہری دلچسپی سے اس کی بات سنتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے پوچھا ''یہ خبریں تمہیں کس ذریعے سے ملی ہیں؟''

''وہاں میرا ایک ہی ذریعہ ہے۔ طارق بہت محنت سے کام کررہا ہے۔''

''تم سے پہلے میں اسی سے بات کررہا تھا۔ اس نے مجھے یہ باتیں نہیں بتائیں'' میں نے آزردگی کے ساتھ شکوہ کیا۔

''جب تک وہ اپنے طور پر تمہارے کام کے اسکوپ کا اندازہ نہیں لگالیتا، وہ تمہیں اپنی خفیہ رپورٹوں سے آگاہ نہیں کرے گا۔ اس کی دانست میں علی احمد کے لیے یہ باتیں غیر متعلقہ ہیں'' اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی ''اسے تمہاری اصلیت کا علم ہوجائے تو وہ تمہیں سب کچھ بتانا شروع کردے گا۔ اس وقت ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔''

جلال میری توقع سے کہیں زیادہ باخبر تھا۔ اس کی الجھنیں میری سمجھ میں آنے لگیں۔ اپنی معلومات کی بنا پر وہ مجھے حکمتِ عملی کے بارے میں صحیح مشورہ دے رہا تھا۔ میں نے رسان سے کہا ''اب تم کو یہ بھی معلوم ہوجانا چاہیے کہ راجن نے مجھے ان پانچوں کے سامنے یہ گواہی دلوانے کے لیے پیش کیا تھا کہ ڈینی بنکاک میں ہے!''

''تت...... تم وہاں کیا کررہے ہو...... کیا ہورہا ہے وہاں؟'' فرطِ حیرت سے اس کی زبان میں لکنت سی آگئی۔

''حملہ نہ ہوجاتا تو انہوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔ ان میں سے کوئی میری گواہی ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ راجن کے ساتھ بری طرح پیش آرہے تھے......''

''اللہ تم کو سلامت رکھے، تم خوف ناک حرکتیں کررہے ہو۔'' اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے اضطراری لہجے میں کہا ''تم اس مردود کے گواہ کیسے بن گئے؟''

میں نے اسد کے ساتھ راجن سے ملاقات ہونے کے بعد سے رونما ہونے والے واقعات کا خلاصہ اسے سناڈالا۔
''تمہاری حد سے بڑھی ہوئی یہ بے خوفی کسی دن تمہیں لے ڈوبے گی۔'' اس نے مشفقانہ لہجے میں ملامت کی۔ ''تمہاری وجہ سے خواہ مخواہ دو بے گناہ سکھوں کے ہوٹل نذر آتش ہوئے۔تم نے خود اس کے دماغ میں یہ بات بٹھائی ہے کہ ڈینی وہاں ہے۔''
''مگر ان پانچوں کو اس کہانی پر اعتبار نہیں تھا۔ وہ مار پیٹ کر مجھ سے سچ اگلوانا چاہتے تھے۔''
''میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ اس کے ہذیان پر کسی کو اعتبار نہیں ہے۔ میں حیران ہوں کہ اپنی ان محاذ آرائیوں کے باوجود تم نے خود کو برنارڈ اور راجن سے کیسے بچایا ہوا ہے۔'' وہ بولا۔
''تم اس چکر میں نہ پڑو۔'' میں نے ہلکے سے تمسخر سے کہا ''معدہ برباد ہوجائے گا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہیں اور میں الگ الگ ان دونوں کا راز داں بنا ہوا ہوں۔''
''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ راجن کسی بھی لمحے تمہیں بھون سکتا ہے۔''
''دراصل میں اسی سے ملنے جارہا ہوں۔ سوچا کہ جانے سے پہلے تم سے بات کرلوں۔''
''کیا واقعی تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ موتی محل پر حملے کا واقعہ تازہ ہے' ان پانچوں کی سردمہری اور بے وفائی پر وہ جھنجلایا ہوا ہوگا۔ اس وقت اس کی دماغی کیفیت ایسی نہیں ہوگی کہ تم اس کے قریب جانے کا خطرہ مول لو۔''
''میں تمہاری اس فکرمندی پر شکر گزار ہوں۔'' میں نے احترام سے کہا ''مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنی مرضی سے نہیں' اس کے بلاوے پر وہاں جارہا ہوں۔''
''صبح تم بٹنے سے بال بال بچے ہو' تمہیں انکار کردینا چاہیے تھا۔'' وہ مجھے روکنے کے لیے بے چین ہوا جارہا تھا۔ ''اب گول ہوجاؤ۔ بعد میں اس سے کوئی بہانہ کردینا۔''
''میں سب جتن کرچکا ہوں۔ وہ نہیں مانا۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس کے لیے میں اکبر بنا ہوا ہوں۔ میرا لالچ مجھے اس سے مفاہمت کی راہ پر لے گیا ہے۔ وہ......''
''اسے تمہاری کیا ضرورت پیش آگئی؟'' جلال نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔
''میں وہی بتانے جارہا تھا۔ ہم دونوں ڈینی کے آدمیوں کو ڈھونڈنے کے لیے نکلیں گے۔ مجھے ان کو شناخت کرنا ہے۔ باقی کام وہ خود کرے گا۔'' میں نے بتایا۔
''اس کھیل میں تم ناگہانی چند بے گناہوں کو مروادو گے!''
''کسی کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ میں نے انہیں ایک ہوٹل میں دیکھا پھر وہ غائب ہوگئے۔ ضروری نہیں کہ ان میں سے کوئی دوبارہ نظر آجائے۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھ رہے کہ اس بار وہ میری دسترس میں ہوگا۔ موقع ملتے ہی تمہاری خواہش پوری ہوجائے گی؟''
''لیکن تم کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔ اس پر ایسا کوئی طریقہ نہ آزمانا جس سے تمہارا نام سامنے آنے کا موہوم ترین امکان بھی ہو۔ کوئی گڑبڑ ہوئی تو یہاں سب کچھ تلپٹ ہوکر رہ جائے گا۔''
''میری کامیابی کے امکانات روشن ہیں پھر بھی محض حفظ ماتقدم کے طور پر بیم گن اور انگوٹھیاں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ انتہائی بدترین حالت میں' میں ان پر انحصار کروں گا ورنہ پورا کام ہاتھ پیروں یا کسی روایتی ہتھیار سے مکمل کرنے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے اپنے سارے کارڈز اس کے سامنے کھول دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔
''حالات کا فیصلہ تم اپنی صوابدید کے مطابق کروگے۔ یہ یاد رکھنا کہ ایسے بدترین حالات مجھے تحت الثریٰ میں دھکیل سکتے ہیں۔'' اس کی آواز میں تشویش کے سائے لرزاں تھے۔ ''تم کو امریکیوں کے چنگل سے بچانے کے لیے میں نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے۔''
''تم بے فکر رہو میں معاملات کی نزاکت اور ساری پیچیدگیاں سمجھ چکا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو ہم دونوں کو سرخ روئی حاصل ہوگی۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں خالی ہاتھ وہاں جاکر خودکشی کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتا۔ لڑائی میں جیبیں بھاری ہوں تو حوصلہ بلند رہتا ہے۔ آدمی کھلے دل کے ساتھ اپنے حریفوں کا مقابلہ کرتا ہے۔'' میں نے پرعزم لہجے میں کہا۔ ''میرے لیے بدترین حالات وہ ہوں گے جب زندہ بچنے کی کوئی امید نہ رہے۔ ایسے وقت میں ساری ضروریات اور ترجیحات یکایک اپنی اہمیت کھو بیٹھتی ہیں۔''
جلال کو اندازہ ہوگیا کہ میں راجن کو ٹھکانے لگانے کا وہ موقع ضائع کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ خود اپنی موت کو دعوت دے رہا تھا تو مجھے پیش قدمی کرنے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے تھا۔
''مجھے تمہاری ذہانت اور فیصلوں پر پورا بھروسا ہے۔'' اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔ ''تم سے دور رہ کر بعض

اوقات یہ شبہ ہوتا ہے کہ تم آگ سے کھیلنے کی کوشش کر رہے ہو لیکن بعد میں سامنے آنے والے نتائج یہ ثابت کرتے رہے ہیں کہ تمہارے فیصلے درست اور جرأت مندانہ ہوتے ہیں۔ اگر میں نے تمہاری خیر خواہی میں کوئی سخت بات کہہ دی ہو تو میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ تمہارے ساتھ میں کوئی ہیر پھیر نہیں کرتا۔ جو کچھ کہتا یا کرتا ہوں اس میں میری نیک نیتی کارفرما ہوتی ہے۔ میں پورے خلوص کے ساتھ تمہیں اور خود کو ہر برے وقت سے بچانا چاہتا ہوں۔''

''تم بے فکر رہو۔ میں نے تم سے جن بدترین حالات کا ذکر کیا ہے ان کی نوبت نہیں آنے پائے گی لیکن مجھے اس انتہا کے لیے تیار رہنا ضروری ہے۔ مجھے اب راجن کی بساط الٹتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ یہ چراغِ سحری بھڑک کر کسی بھی لمحے گل ہو جائے گا۔ اس کے بعد میرے لیے یہاں کوئی کام باقی نہیں رہے گا۔ یہ بتاؤ کہ اب ہماری واپسی کا کیا نقشہ بن رہا ہے!''

''مجھے ڈر ہے کہ حالات سازگار ہونے کے بجائے روز بہ روز خرابی کی طرف جا رہے ہیں۔'' اس کی آواز سے جھجک کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''خاکے بن جانے کے بعد صورتِ حال میں ڈرامائی تبدیلی آئی ہے۔ میں ان کے اشتہاری اجرا کو اسی وقت تک رکوا سکتا ہوں جب تک کہیں سے تمہارا نام سننے میں نہیں آتا اور وہ دونوں قیدیوں میں الجھے رہتے ہیں۔''

''وہ ان میں کیسے الجھے رہ سکتے ہیں؟'' میں نے بے یقینی سے سوال کیا۔ ''ابھی تم نے بتایا تھا کہ ان کے علم الابدان کے ماہروں نے ان دونوں کے خدوخال کو مجھ سے یا میری پرانی تصویر سے مشابہ ماننے سے انکار کر دیا ہے۔''

''یہ ان کی تھیوری ہے۔ کسی واضح ثبوت کی غیر موجودگی میں انہیں اس ٹھوس حقیقت میں الجھایا جا سکتا ہے کہ دو اقبالی مجرموں کی موجودگی میں ایک خیالی نظریہ کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اسی لیے میں تمہیں بار بار تاکید کر رہا ہوں کہ اب کہیں سے بھی تمہارے نام یا کام کی کوئی بھنک نہیں ملنا چاہیے۔ ایسا ہوا تو ان کی تھیوری میں جان پڑ جائے گی۔ میری دلیلیں دھری کی دھری رہ جائیں گی اور وہ ہاتھ دھو کر ازسرِنو تمہاری تلاش میں جٹ جائیں گے۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں مگر میں جانتا ہوں کہ ان کے بنوائے ہوئے خاکوں کی تشہیر کے بعد تم کبھی منظرِ عام پر نہیں آ سکو گے۔''

''تم بہت بھیانک منظر کشی کر رہے ہو!'' میں نے بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''اپنی مرضی سے برسوں وطن سے دور رہنے کی اور بات ہے لیکن ایسی جبری جلاوطنی کا ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل ہوگا۔ یہ عذاب مجھ سے برداشت نہیں ہو سکے گا۔''

''اللہ مالک ہے!'' اس نے جواب دیا ''میں اپنی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ امید ہے کہ تم کسی نہ کسی طرح اس صورتِ حال سے دوچار ہونے سے بچ جاؤ گے۔''

''تمہارا کیا پلان ہے؟'' میں نے متجسس انداز میں پوچھا۔ ''ہوسکتا ہے کہ میں اس بارے میں تمہیں کوئی مناسب مشورہ دے سکوں۔''

''ابھی میرا ذہن صاف نہیں ہے۔ ہدف موجود ہے یعنی تم کو مصائب و مشکلات سے بچانا مگر یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ ہدف کیسے حاصل ہوگا۔ ابھی میں ہر طرف ہاتھ پیر مار رہا ہوں۔ جوں ہی کوئی موزوں راہ سجھائی دے گی میں تم سے ضرور مشورہ کروں گا۔''

جلال ایک ذمے دار اور فرض شناس افسر تھا۔ اس کے بارے میں میرا تجربہ تھا کہ وہ حقائق کی دنیا میں رہنے والا آدمی تھا، مبالغے سے کام نہیں لے رہا تھا۔ اگر وہ میری اور میرے ساتھیوں کی واپسی میں مضمر خطرات کے بارے میں اتنا فکرمند تھا تو اصل حالات اس سے کہیں زیادہ سنگین تھے۔

''میں اپنے کام میں لگا ہوا ہوں، تم اپنا محاذ دیکھتے رہو۔ ہماری نیتیں صاف ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں کامیابی سے نہیں روک سکتی۔''

''بھارتیوں سے ہماری کھلی لاگ ڈانٹ چلتی ہے۔ ان کے معاملے میں ہم کہیں بھی مجبور یا بے بس نہیں ہوتے۔ ذرا سا شبہ ہوتا ہے اور ہم ان کی ٹانگ کھینچ لیتے ہیں۔'' اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا ''امریکیوں کا معاملہ بہت مختلف ہے۔ وہ بزعمِ خود ہمارے بڑے بھائی بنے ہوئے ہیں ہم سے گہری اور اٹوٹ دوستی کے دعوے دار ہیں، ان سے ذرا سا بھی اختلاف کیا جائے تو آنکھیں دکھانے لگتے ہیں، ہمیں ہمارا برا بھلا سمجھانے لگتے ہیں جیسے ہم کوئی نومولود قوم ہوں اور ہمیں اپنے مفادات کا پتا نہ ہو۔''

''تم نے سو کی ایک بات کہہ دی۔'' میں اپنی پریشانی کے باوجود اس کے تبصرے سے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ''وہ زبردستی ہمارے بڑے بھائی بنے ہوئے ہیں۔ تم نے وہ کہاوت تو سنی ہوگی کہ سگ باش، برادر خرد مباش۔ ہم ان کا چھوٹا بھائی بنے رہنے پر مجبور ہیں۔''

''ان پر لعنت بھیجو۔ دنیا میں ہر طرف سے ان کے خلاف آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں اور ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ جب ایک سادہ لوح اور فراخ دل قوم اپنے

اقتدار کی باگ ڈور مکار حکمرانوں کو سونپ دیتی ہے تو یہی سب ہوتا ہے۔ ہم نے ان پر اپنا خاصا وقت برباد کرلیا۔ تمہیں اپنے دشمن سے بھی ملنے کے لیے جانا ہے۔ یہ بتاؤ کہ ریٹا اور اس کے ساتھی کا کیا حال ہے۔ فون پر بات ہوئی تو وہ بہت خوشگوار موڈ میں چہک رہی تھی۔''

''دونوں خوش ہیں۔ دعا کرو کہ وہ ہمیشہ کے لیے اکٹھا ہوجائیں۔'' میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ مجھے راجن سے بات کیے کم و بیش بیس منٹ ہو چکے تھے۔

''کیا تم ان کی شادی کرانے کے بارے میں سوچ رہے ہو!'' اس نے چونکتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''ان دونوں کا گھر آباد ہوجائے تو میرا بوجھ ہلکا ہوجائے گا۔'' میں نے خفیف سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ''پل پل بدلتے ہوئے خطرناک حالات کی وجہ سے میں ویرا کے بارے میں بہت فکرمند رہنے لگا ہوں۔''

''وہ پٹھان لڑکا ہے۔ ریٹا جیسی آزاد خیال اور بے دین لڑکی کو قبول نہیں کرے گا۔'' جلال نے بے ساختہ اپنی رائے کا اظہار کردیا۔ ''ریٹا بھی اس رشتے پر آمادہ نہیں ہوگی۔ وہ بے رحمی سے اسے رگڑتی رہتی ہے۔''

''ابھی کوششوں کا آغاز ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی مثبت نتیجہ نکل آئے!''

''کبھی کبھی مجھے محسوس ہوتا ہے کہ چوطرفہ ذمے داریوں کے احساس نے تمہیں کچل کر رکھ دیا ہے۔ مسائل سے منہ پھیرنے کے بجائے تم بلا تامل انہیں اپنے سر پر سوار کرلیتے ہو۔'' اس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''مجھے یہ محسوس نہیں ہوتا۔ مسائل سے الجھنے میں مجھے لطف آتا ہے۔ زندگی میں یہ اونچ نیچ نہ ہوتو زندہ رہنے کا سارا لطف پھیکا پڑ جاتا ہے۔ حرکت اور ہنگاموں سے زندگی کو تعبیر ملتی ہے۔''

ہم دونوں نے اپنی اپنی باتوں سے ایک دوسرے کے ذہنوں کو بوجھل اور پریشان کردیا تھا۔ آنے والے وقت میں بہتری کی امیدوں کے اظہار کے ساتھ ہمارا وہ رابطہ ختم ہوگیا۔

''آپ بہت وقت لے چکے ہیں' راجن آپ کے انتظار میں بے تاب ہورہا ہوگا۔'' غزالہ نے مجھے ٹوکا اور کہا ''آپ کی بعض باتوں سے مایوسی جھلک رہی تھی۔ جلال کیا کہہ رہا تھا؟''

وہ میری یک طرفہ گفتگو کا ایک ایک لفظ سنتی رہی تھی۔ اس نے اپنے طور پر کچھ درست اندازے بھی لگا لیے تھے۔ رہی سہی باتیں میری زبانی معلوم ہوئیں تو وہ قائل ہوگئی کہ موتی محل کی طرف جانے سے پہلے جلال سے وہ گفتگو ضروری تھی۔ اس کے نتیجے میں پاکستان کی بدلتی ہوئی صورتِ احوال واضح ہوگئی تھی۔

میں نے روانگی کی تیاری کرتے ہوئے بیم گن کو اپنے کوٹ کے نیچے' پتلون کی بیلٹ میں چھپایا تو غزالہ بولی۔ ''انگوٹھی تک ٹھیک ہے۔ آپ بیم گن نہ لے جائیں تو بہتر رہے گا۔ کسی مرحلے پر آپ اضطراری طور پر اسے استعمال کر بیٹھے تو بڑی گڑبڑ ہوجائے گی۔ یہ......''

میں نے نرمی سے اس کا رخسار تھپتھپا کے کہا۔ ''کچھ نہیں ہوگا۔ میں وہاں خالی ہاتھ نہیں جانا چاہتا۔ پستول وغیرہ کے مقابلے میں بیم گن بہتر رہے گی۔''

غزالہ سے رخصت ہوکر میں لفٹ کے ذریعے ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر پہنچا تو میری نگاہیں تیزی سے گردوپیش کا طواف کررہی تھیں۔

میں لفٹ سے نکل کر مشکل سے دوقدم آگے بڑھا تھا کہ اچانک میری نظریں ہوٹل کے صدر دروازے سے آتے ہوئے جاوٗفان پر پڑیں۔ اس کا کسی اطلاع کے بغیر اچانک نازل ہونا مجھے بہت گراں گزرتا تھا۔ اس وقت میں ویسے بھی موتی محل پہنچنے کی عجلت میں تھا۔ میں نے چاہا کہ پھرتی سے اپنا رخ پلٹ کر اپنی پیٹھ اس کی طرف پھیرلوں اور انجان بن کر ہوٹل کے کسی اور راستے سے باہر نکل جاؤں مگر مجھے لحہ بھر کی تاخیر ہوگئی۔ اس خبیث نے میری دراز قامت کی وجہ سے دور ہی سے مجھے دیکھ کر فضا میں اپنا ہاتھ لہرایا اور تیر کی طرح میری طرف آیا۔

''ماسٹر! تمہیں کیسے پتا چل گیا کہ میں تم سے ملنے کے لیے آرہا ہوں؟'' اس نے میرے قریب آکر مسرت آمیز حیرت سے کہا۔

''میں تمہارے استقبال کے لیے نیچے نہیں اترا۔'' میں نے خفا ہوکر کہا ''ایک ضروری کام سے کہیں جارہا ہوں۔ تم بلائے بے درماں کی طرح یہاں کیوں آئے ہو؟''

''ماسٹر! کیوں مجھ بے چارے پر ناراض ہورہے ہو۔''

وہ نرمی سے میرا بازو تھام کر مجھے راہداری کے ایک دیوہیکل ستون کی طرف لے جاتے ہوئے بولا۔ ''مجھے بتاؤ' میں تمہارا ہر کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم یہاں بیٹھ کر کافی کا ایک کپ پیو' میں تمہارا کام کرکے لوٹ آؤں گا۔'' اس کا لہجہ اس قدر عاجزانہ تھا کہ میں بے بسی سے مسکرا کر رہ گیا۔

''مجھے بھوک لگی ہوئی ہو تو میرے بجائے تم کھانا نہیں کھا سکتے۔'' میں نے ذرا سختی سے کہا ''اپنی بھوک مٹانے کے لیے مجھے خود کھانا کھانا پڑے گا۔ اس کام کی نوعیت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔''

اس وقت تک ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے اس گول اور آراستہ ستون تک پہنچ چکے تھے جہاں ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا نہیں تھا۔

''ماسٹر! تم بہت مبارک آدمی ہو۔'' وہ دھیمے اور عقیدت مندانہ لہجے میں بولا ''صبح تم سے رخصت ہو کر میں مادام کی طرف گیا تھا اور اب سیدھا وہیں سے آ رہا ہوں۔ وہ بہت اچھے اور کھلنڈرے موڈ میں تھی۔ آج میں نے اسے فتح کر لیا۔''

''اسی لیے تمہارا رواں رواں الکحل کی تیز بو سے مہک رہا ہے۔'' میں نے دانت پیس کر کہا۔ ''تم کو اس حالت میں یہاں آتے ہوئے شرم آنی چاہیے تھی۔''

میری لتاڑ سن کر اس کا چہرہ لٹک گیا اور وہ مغموم آواز میں بولا ''میرا خیال تھا کہ تم میری کامیابی کی خبر سن کر خوش ہو جاؤ گے۔ تم ناراض ہو رہے ہو۔''

''تمہاری بے شرمی پر اپنا سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ آدمی اپنی ایسی حرکتوں کو دوسروں سے چھپاتا ہے' ان کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتا۔ تم نے اپنا پیٹ ہلکا کر لیا۔ اب یہاں کیوں رکے ہوئے ہو۔ جاؤ تاکہ میں اپنا کام کر سکوں۔''

''تم بگڑ جاؤ تو تمہیں منانا مشکل ہو جاتا ہے۔'' وہ سر جھکا کر مغموم لہجے میں بولا ''میں نے یہاں آنے سے پہلے سیخ پر بھنے ہوئے چوہوں کے ساتھ خوب پیاز کھائی تھی تاکہ تمہیں کوئی بو نہ آئے مگر تم سے کوئی بات چھپانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ تم سب کچھ سونگھ لیتے ہو۔ یقین کرو کہ میں نشے میں نہیں ہوں۔ املی اور آلو بخارے کے تیز شربت نے ذہن بالکل صاف کر دیا ہے۔''

اس کی زبان سے سیخ پر بھنے ہوئے چوہوں کا ذکر سن کر مجھے کراہت سے متلی ہونے لگی۔ ان لوگوں کی خوراک ان سے زیادہ عجیب تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ الابلا کھا کر زندہ کیسے رہتے ہیں!

''چاؤفان! میں تم سے ذرا بھی ناراض نہیں ہوں۔'' میں نے اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتے ہوئے' الفاظ چبا چبا کر کہا ''تم بلاوجہ مجھے منانے کی کوشش نہ کرو......''

''میں جا رہا ہوں۔'' وہ قطع کلامی کرتے ہوئے درمیان میں بولا۔ ''تم دوسری خبر بھی سن لو۔ چھوٹا راجن کے پانچوں حمایتی یہاں سے واپس جا چکے ہیں۔''

''تم لی کے قدموں میں پڑے ہوئے تھے تو تمہیں یہ خبر کہاں سے مل گئی۔'' میرے متحیر ہونے کے باوجود میرے لہجے پر ترشی غالب رہی۔

میری حیرت اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ میرے موڈ کی تبدیلی محسوس کرتے ہی وہ دھیرے سے ہنسا اور بولا ''ماسٹر! عورت اپنی پسند کی ہو تو اس کے بدن کا رواں رواں بولتا ہوا محسوس ہوتا ہے مگر یہ بات مجھے مادام نے نہیں میرے ایک آدمی نے موبائل فون پر بتائی تھی۔ سب سے آخر میں لالہ کریم اور حاجی مستان ایک ساتھ ہانگ کانگ گئے ہیں۔''

وہ لی کے خمار سے نکل کر کام کی باتوں کی طرف آ گیا تھا۔ میں نے اس پر اپنی معلومات کا اظہار کیے بغیر پوچھا۔ ''اس کے آدمیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب وہ موتی محل میں تنہا رہ گیا ہوگا۔''

''ایسا نہیں ہے۔'' اس نے سر ہلا کر پر یقین لہجے میں کہا۔ ''بڑی ہڈی ہاتھ لگ جائے تو بعض کتے اسے آخر تک چچوڑتے رہتے ہیں۔ مقامیوں نے اس سے بغاوت کر دی ہے۔ اس کے کچھ ہم وطن اب بھی اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔''

''کیا یہ موقع بہترین نہیں ہے۔ اس وقت موتی محل پر دھاوا بول کر اسے مارا جا سکتا ہے۔'' میں نے اسے اکسانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اپنے گھر میں چیونٹی بھی شیر ہوتی ہے۔ موتی محل ایک بھول بھلیاں ہے۔ وہاں سے نکلنے کے کئی پوشیدہ راستے ہوں گے۔ وہ کہیں سے بھی نکل جائے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ کس قدر چالاک اور مکار ہے۔ کھلے آسمان کے نیچے تمہیں جُل دے کر صاف نکل گیا تھا۔''

''پھر ڈان کیا کہتا ہے؟'' میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

''اسے جو کچھ کرنا تھا' وہ موٹوں کے ذریعے کر چکا۔ اب چھوٹا راجن تمہارا شکار ہے۔ اس کی قسمت کا فیصلہ تم کو کرنا ہے۔ میں ہر طرح تیار ہوں۔'' اس نے سعادت مندانہ لہجے میں جواب دیا۔ اپنی نام نہاد فتح کے سحر سے آزاد ہو کر وہ معقولیت کی راہ پر آ چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں مزید کچھ کہتا' میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے جیب سے ایرپیس نکال کر اسکرین پر نگاہ ڈالی تو وہاں موتی محل کا نمبر موجود تھا۔ چاؤفان نے اچک کر وہ نمبر

دیکھنا چاہا لیکن میں نے اسی وقت فون اپنے کان سے لگالیا۔ میں چاؤ فان کی موجودگی میں بھی بے خوف ہوکر راجن سے بات کرسکتا تھا۔

میرے اور اس کے درمیان گفتگو اردو میں ہوتی تھی۔ چاؤ فان ہماری زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس کی ساری زبان دانی مقامی بولیوں اور لنگڑی لولی انگریزی تک محدود تھی۔

''تم کہاں ہو...... میں بے چینی سے تمہارا انتظار کررہا ہوں۔'' میرے کان میں گونجنے والی راجن کی آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اپنا غصہ دبانے کی کوشش کررہا تھا۔

''دوپہر کے کھانے میں ایک تھائی ریستوران والے نے نہ جانے کیا کھلا دیا کہ میرا معدہ چوپٹ ہوکر رہ گیا۔'' میں نے اپنے ذہن میں آنے والا پہلا عذر بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''جیسے ہی باتھ روم کی پریڈ سے فرصت ملتی ہے' میں آتا ہوں۔''

''کیا تمہارے باتھ روم میں اور لوگ بھی موجود ہیں۔ کافی ملی جلی آوازیں آرہی ہیں!'' اس کی آواز کاٹ دار اور طنزیہ ہوگئی۔

میں بوکھلا گیا۔ اس سے بات کرتے ہوئے میں نے یہ نکتہ فراموش کردیا تھا کہ میں اس وقت ہوٹل کی لابی کے ایک حصے میں کھڑا تھا اور ہمارے آس پاس سے بہت سے لوگ ہنستے بولتے ہوئے گزر رہے تھے۔

''اس وقت میں دوا لینے کے لیے بازار میں نکلا ہوا ہوں۔'' میں نے بات بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''کہو تو گھر پہنچ کرتم سے بات کرلوں۔'' میں نے اس کے طنز کو نظر انداز کردیا۔

''کسی بات چیت کی ضرورت نہیں' بس جلدی پہنچو۔ موتی محل میں بیسیوں باتھ روم ہیں۔ تمہیں پریشانی نہیں ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ یہ کھانے کی گڑبڑ نہیں ہے۔ یہاں آنے کے خوف سے تمہارا ہاضمہ بگڑ گیا ہے۔ آؤ گے تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

''میں آتا ہوں۔'' اسے دلاسا دے کر میں نے فون بند کردیا۔

فون پر میری گفتگو کے دوران میں چاؤ فان دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر خاموشی سے میرا چہرہ تکتا رہا تھا۔ بات ختم ہونے کے بعد اس نے سرسری انداز میں پوچھا۔ ''کون تھا؟''

''میرا ایک دوست تھا۔'' اسے ٹالنے کے لیے میں نے مختصر سا جواب دیا۔

''وہی تو نہیں جو تمہارے لیے جاسوسی کرتا رہتا ہے؟'' چاؤ فان کی چرب زبانی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

''وہ نہیں تھا!'' میں نے چیخ کر کہا۔ ''تم ہر بات میں اپنی ٹانگ کیوں اڑاتے ہو؟''

''دورانِ گفتگو تم نے ایک مرتبہ تھائی ریستوران کے الفاظ استعمال کیے تھے۔'' اس نے مسکینی صورت بنا کے کہا۔ ''میں نے سوچا کہ ڈنر کا پروگرام بن رہا ہو تو میں تمہاری مدد کردوں۔ شاگان یہاں کا ایک چھوٹا لیکن بہت عمدہ ریستوران ہے۔ سانپ کے تلے ہوئے قتلوں سے مگرمچھ کے سالن تک' سب ڈشیں بہت لذیذ ہوتی ہیں۔''

بھنے ہوئے چوہوں کے بعد وہ حد سے تجاوز کررہا تھا۔ میں نے مصافحے کے لیے داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری آمد اور معلومات کی فراہمی کا شکریہ۔ میں دعا کروں گا کہ لی تمہیں ہمیشہ اپنے تلوے چاٹنے کا موقع فراہم کرتی رہے...... اب میں چلتا ہوں۔''

''ماسٹر! تم اتنی مزے دار باتیں کرتے ہو کہ تم سے مل کر میرا دل خوش ہوجاتا ہے۔'' اس نے پُرجوش انداز میں میرے ہاتھ کو جھٹکے دیتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت جانے کو دل نہیں چاہ رہا لیکن خیر' تمہاری مجبوری ہے۔ اب میں فون کرکے آؤں گا۔''

میرا ہاتھ چھوڑ کر وہ مڑا اور صدر دروازے کی طرف ہولیا۔ میں چند ثانیوں تک اپنی جگہ پر کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر مڑ کر ہوٹل کے شاپنگ آرکیڈ کی طرف چل دیا جہاں سے ایک راستہ ہوٹل کی دوسری سمت میں نکلتا تھا۔

بنکاک میں ٹک ٹک اور ٹیکسیوں کی بہتات ہے۔ عام طور پر قدم قدم پر سواری مل جاتی ہے۔ میں نے کچھ دور تک پیدل چلنے کے بعد ایک ٹیکسی لی اور براہِ راست موتی محل کے لیے روانہ ہوگیا۔

ٹیکسی کی عقبی نشست پر بیٹھنے کے بعد مجھے بیم گن کی فکر لاحق ہوگئی۔ پتلون کی بیلٹ میں وہ غیر محفوظ تھی۔ پلاسٹک کا وہ جدید ہتھیار وزنی ہونے کے باوجود کسی پستول وغیرہ سے کافی چھوٹا اور ہلکا تھا۔ اسے چھپانے کے لیے وہی جگہ زیادہ محفوظ تھی جس کا ذکر میں نے غزالہ سے کیا تھا۔

ٹیکسی کا ڈرائیور ادھیڑ عمر اور سست الوجود سا تھا پھر بھی میں نے بیم گن کو بہت احتیاط سے کوٹ کے دامن کی آڑ میں چھپا کر اپنی نشست سے نکالا اور قمیص کے نچلے بٹنوں کے درمیان سے گزار کر انڈر ویئر کے اوپری حصے میں پیٹ سے

چپکالیا۔

یوں تو بھرپور جامہ تلاشی میں بدن کا کوئی حصہ محفوظ نہیں رہ سکتا تھا لیکن کسی سرسری کوشش میں وہ مقام بچا رہنے کی امید تھی۔ میں اسد کے ساتھ پہلی بار موتی محل پہنچا تو وہاں ہماری مکمل اور بھرپور جامہ تلاشی لی گئی تھی۔ صبح میں، راجن کے مہمانوں کے سامنے گواہی دینے کے لیے بلایا گیا تو میری تلاشی کا انداز سرسری تھا۔ توقع تھی کہ موتی محل پر راج کرنے والے سناٹے میں تیسری بار مجھے زیادہ کڑی تلاشی سے نہیں گزرنا پڑے گا اور بیم گن بچ جائے گی۔

شام ہو چلی تھی اور شہر میں روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ میں نے موتی محل کے آثار نظر آنے پر ایک دمکتے ہوئے بل بورڈ کے سائے میں ٹیکسی رکوالی تاکہ اس عمارت کے پھاٹک پر لگے ہوئے کیمروں کی گرفت سے دور رہ کر بیم گن کی پوزیشن کا صحیح اندازہ کر سکوں۔

ٹیکسی سے اترنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ اچھے زیر جامے مہنگے ضرور ہوتے ہیں لیکن ان کی افادیت ہمہ جہت ہوتی ہے۔ بیم گن میرے جسم سے یوں چپکی ہوئی تھی جیسے ذرا سی دیر میں جزو بدن ہو گئی ہو۔ میں ڈرائیور کو فارغ کر کے اطمینان سے موتی محل کی طرف چل دیا۔

شام کے دھندلکے میں اس عمارت میں بہت سی روشنیاں چمک رہی تھیں لیکن چراغاں کا وہ منظر مفقود تھا جو میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ وہ موتی محل کے رہے سہے مکینوں کے لیے ایک شامِ غم تھی۔ وہاں گھور اندھیرے کا راج ہوتا تو وہ بھی کم تھا۔

پُرشکوہ اور دیوہیکل فولادی دروازے کے سامنے رک کر میں نے کسی مظلوم فریادی کی طرح دستک دی۔ مجھے کیمرے کی مدد سے اندر دیکھ لیا گیا تھا۔ پھاٹک کے برابر میں دیوار میں بنے ہوئے پتلے سے راستے پر ایک شخص نمودار ہوا۔ اس نے مقامی زبان میں کچھ کہا جو میری سمجھ سے بالا تھا۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مقامی نہیں تھا۔

راجن کی کہی ہوئی یہ بات میرے ذہن میں اٹکی ہوئی تھی کہ اس کے ساتھ صرف چار بھارتی رہ گئے تھے۔ باقی آدمی ہتھیاروں سمیت فرار ہو چکے تھے۔

''میرا نام اکبر ہے۔ میں......'' میں نے آنے والے کی طرف متوجہ ہو کر بولنا شروع کیا تھا کہ اس نے عجلت میں میری بات کاٹ دی۔

''ادھر سے اندر آ جاؤ۔'' اس تنگ راستے میں مجھے جگہ دینے کے لیے وہ اندر سرک گیا۔

وہ راستہ میں صبح کے جاں گسل فرار میں دریافت کر چکا تھا۔ وہاں سے ایک وقت میں ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا۔

موتی محل کی حدود میں قدم رکھتے ہی اندازہ ہو گیا کہ وہاں اداسی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ ہر طرف ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ جو لوگ رہ گئے تھے انہوں نے احاطے کی ساری بتیاں روشن کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی یا پھر صبح احاطے میں گرنے والے بموں نے بجلی کی ترسیل کے زیرِ زمین نظام کو تباہ کر دیا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ موتی محل میں قدم رکھنے کے بعد مجھے اپنی مرضی سے وقت کے استعمال کی آزادی نہیں رہے گی اس لیے میں تیزی سے ہر طرف کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

مسلح محافظ کی معیت میں، میں گارڈ روم کے سامنے پہنچا تو اس نے میرے بازوؤں اور پہلوؤں پر ہاتھ پھیر کر جامہ تلاشی لی، پھر جھک کر میری دونوں پنڈلیوں پر اوپر تک ہاتھ پھیرے اور مطمئن ہو کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ میرا پیٹ اس کی توجہ سے یکسر محروم رہا۔

''باس بہت دیر سے تیرا انتظار کر رہا ہے۔'' اس نے بدمعاشوں جیسے مخصوص لہجے میں کہا۔ ''جلدی سے دوڑ کر اندر جا، برآمدے سے کوئی اندر لے جائے گا۔''

میں کچھ کہے بغیر برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔ ادھر جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ سامنے پھینکے جانے والے بموں نے احاطے کے بڑے حصے کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا تھا۔

مجھے دور ہی سے نظر آ رہا تھا کہ برآمدے میں ایک دبلا پتلا اور دراز قامت شخص نمودار ہو چکا تھا۔ میرا اگلا راہ نما وہی ہو سکتا تھا۔

میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ دور رہ کر مجھے اپنا مشن جتنا آسان نظر آ رہا تھا، موتی محل میں آنے کے بعد اتنا آسان نہیں رہا تھا۔ وہ گنتی کے کل پانچ نفوس تھے لیکن مختلف جگہوں پر پھیل کر انہوں نے اپنی طاقت میں کافی اضافہ کر لیا تھا۔ میرے لیے راجن کو موت کے گھاٹ اتارنا شاید زیادہ مشکل نہ ہوتا لیکن بعد میں موتی محل سے نکلنے میں واضح دشواریاں نظر آنے لگی تھیں۔

جلال کی ہدایت میرے ذہن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے ہاتھوں مرنے والوں کا یہ حق تھا کہ انہیں آخری سانس لینے سے پہلے اپنے قاتل کا نام معلوم ہو جائے لیکن ان کے سوا کسی کو میری اصلیت کی سن گن نہیں ملنی چاہیے تھی۔ بیم گن کا استعمال بھی نام کے اظہار کے زمرے میں آتا تھا مگر بدترین

لمحات میں وہی میرا آخری ہتھیار ثابت ہوتی۔

جب تک میں باہر تھا مجھے بیم گن اندر لانے کی فکر لاحق تھی۔ اس چکر میں، میں نے اسے ایسی جگہ پہنچا دیا تھا جہاں وہ موتی محل کے دربان سے محفوظ رہی۔ اسی کے ساتھ وہ میری دسترس سے بھی دور ہو چکی تھی۔ کوئی ناگہانی ضرورت پیش آتی تو اسے زیر جامے سے نکالنا محال ہو جاتا۔ تلاشی کا مرحلہ گزر چکا تھا۔ دوسری تلاشی کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ بیم گن کو میری جیب میں آ جانا چاہیے تھا جہاں وہ بوقتِ ضرورت آسانی سے ہاتھ آ جاتی۔

''ابے دوڑ لگا۔'' برآمدے والا اپنی جگہ سے غرایا ''باس تیرا انتظار کر رہا ہے۔''

ان لوگوں میں شائستگی نام کو نہیں تھی۔ ان کی تو تڑاق سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دنگا فساد کرنے والے تیسرے درجے کے بدمعاش تھے جو راجن کی جان سے چمٹے رہ گئے تھے۔

اس کی مزید کسی بدتمیزی سے بچنے کے لیے میں نے دھیمی رفتار سے دوڑنا شروع کر دیا۔ ''استاد، پہلے مجھے باتھ روم کا راستہ بتا دو، میرا پیٹ گڑبڑ ہے۔'' میں نے اس کے قریب پہنچتے ہی اپنا پیٹ دونوں ہاتھوں سے تھام کر عاجزی سے کہا۔

''باس کے پاس جانے سے پہلے پیٹ خراب ہو گیا۔ اس سے ملے گا تو سالا پتلون گندی کرلے گا۔'' تضحیک آمیز انداز میں تبصرہ کر کے اس نے فلمی انداز میں قہقہہ لگایا اور بولا ''میرے پیچھے آ جا۔''

اس بار ہم ڈرائنگ روم کے بجائے ایک راہ داری میں داخل ہوئے۔ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا کہ ساؤنڈ پروف کمرا کدھر واقع تھا۔ دو موڑ گھومنے کے بعد اس نے ایک کمرے کا بند دروازہ کھول دیا۔

''اندر جا اور باتھ روم سے فارغ ہو کر برابر والے کمرے میں آ جا۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے اس کمرے کی نشان دہی کر دی جہاں مجھے جانا تھا۔

وہ کوئی صاف ستھری خواب گاہ تھی۔ صاف ستھرا اور بے شکن بستر ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کمرا شاید کسی کے استعمال میں نہیں۔ میں تقریباً دوڑتا ہوا باتھ روم میں گھسا اور دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔ اس محفوظ چار دیواری میں اپنا کام کرنے سے پہلے میں نے ہر طرف نظریں دوڑائیں۔ مجھے ڈر تھا کہ وہاں کوئی کیمرا نہ چھپا ہوا ہو۔ چھت اور دیواریں سپاٹ تھیں۔ جب کہیں کوئی مشتبہ چیز نظر نہیں آئی تو میں نے اطمینان سے بیم گن اپنے کوٹ کی اندر کی جیب میں منتقل کر لی۔

میں وہاں ایک بہانہ کر کے آیا تھا اس لیے کچھ دیر اندر رکا رہا۔ پانی بہایا، فلش ٹینک چلایا اور ہاتھ گیلے کر کے باہر نکلا تو کمرا بہ دستور خالی تھا۔ کمرے کے باہر بھی سناٹا تھا۔ اس وسیع و عریض مکان میں چھائی ہوئی ویرانی میری روح میں اتری جا رہی تھی۔ رونق کنکریٹ اور مرمر سے نہیں، انسانوں سے ہوتی ہے، موتی محل اچانک مکینوں کے قحط سے دوچار ہو گیا تھا۔

دراز قامت زبان دراز کے بتائے ہوئے بند دروازے پر پہنچ کر میں نے ہلکی سی دستک دی۔ اندر سے راجن کی غراتی ہوئی آواز ابھری اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

''بہت دیر کر دی تم نے۔'' وہ اپنی سرخ آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے بولا۔ ''آتے ہی پھر باتھ روم میں گھس گئے!''

''مجبوری تھی استاد!'' میں نے گھگیا کر کہا۔

کمرے میں راجن کے ساتھ وہی دراز قامت بیٹھا ہوا تھا جو مجھے اندر لایا تھا۔ اس کے بقیہ دو آدمی کہیں نظر نہیں آئے۔ راجن نے اپنے سامنے رکھی ہوئی تپائی سے گلاس اٹھا کر کسی شراب کا ایک گھونٹ اپنے معدے میں اتارا اور مجھے ایک الگ کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں سکڑے سہمے انداز میں اس کرسی پر بیٹھ گیا۔ راجن کا بایاں بازو بہ دستور سوجا ہوا اور حرکت سے معذور تھا۔

''تم نے ڈینی کے آدمیوں کی باتیں اپنے کانوں سے سنی تھیں؟'' چند ثانیوں کے روح فرسا سکوت کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا۔

''بالکل استاد، کیا تم کو اس بات پر شبہ ہے؟'' میں نے دلیری سے کہا۔ میں ڈینی کے روپ میں باتیں کر کے اسے دھمکاتا رہا تھا۔ ویران ساحل پر ہونے والے تصادم میں میرے اور اس کے درمیان براہِ راست مکالمے ہوئے تھے۔ وہ کسی صورت میں اکبر کی دی ہوئی اطلاع پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ڈینی نے بنکاک میں صرف 'سی' سے بات کی تھی۔ اس کے بیان کی تائید کرنے والا کوئی شخص زندہ نہیں رہا تھا۔

''مجھے رتی برابر شبہ نہیں ہے۔'' اس نے اپنے صوفے میں احتیاط سے پہلو بدل کر کہا۔ ''ڈینی اسی شہر میں منڈلا رہا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ دوسروں کو اس بات پر یقین نہیں آ رہا۔ یہ بہت بڑا کھیل چل رہا ہے۔ تم برنارڈ کو جانتے ہو؟''

''نہیں استاد! یہ کون ہے؟'' میں نے جوابی سوال کر ڈالا۔

''زخم کھایا ہوا ایک سانپ، جو پھر سر اٹھا رہا ہے۔'' اس نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ کر غصیلے لہجے میں کہا 'اس کے خوشامدی اسے آج بھی ڈان کہتے ہیں۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں ڈینی کے چکر میں پڑ کر برنارڈ کو بھولا رہا اور ان دونوں نے خاموشی سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ اب مجھے ان دونوں کو سنبھالنا ہوگا۔''

''باس! تم اس چوزے کو یہ سب کیوں بتا رہے ہو۔'' دراز قامت نے دخل اندازی کی ''اس سے اس کی اوقات کا کام لو اور چلتا کرو۔''

''جوزی!'' راجن اس پر حلق کے بل دہاڑا۔ ''کیا بکواس کر رہا ہے تو۔ خاموش نہیں بیٹھ سکتا تو چلا جا یہاں سے۔ اسے میری آنکھ سے دیکھ۔ یہ چوزہ نہیں نیولا ہے جو سانپ کا سر چبا سکتا ہے۔''

''باس! غلطی ہوگئی۔'' جوزی نے سر جھکا کر دھیرے سے کہا ''میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے اسے ڈینی کے آدمیوں کی شناخت کے لیے بلایا ہے۔''

''اسی لیے بلایا تھا۔'' راجن کی آواز اعتدال پر آ گئی۔ ''مگر اب حالات بدل گئے ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے یہ خبر تو نے سنائی تھی کہ آج برنارڈ نے سیلرز بار میں آتے ہی سب کو مفت شراب پلانا شروع کر دی ہے۔ کسی کو پتا ہو یا نہ ہو' میں جانتا ہوں کہ اس طرح وہ اپنی واپسی کا جشن منا رہا ہے۔ موتی محل کے بھگوڑے اس کے پاس پہنچے ہوئے ہیں اور اسے اپنی وفاداریوں کا یقین دلا رہے ہیں۔ جو میرے نہیں ہو سکے وہ کسی کے نہیں ہو سکیں گے۔ شہر میں یہ دھمکی بھی اسی نے پھیلائی ہوگی کہ میرے دوست اس کے دشمن ہوں گے اور بری طرح مارے جائیں گے۔ میں حیران تھا کہ ایسی خبریں کون پھیلا رہا ہے۔ اب بات صاف ہو چکی ہے۔''

''باس! مجھے یہ سب کیسے معلوم ہو سکتا تھا؟'' جوزی نے عاجزی سے کہا۔ ''تم نے جب سے سیلرز بار میں مفت شراب بٹنے کی خبر سنی ہے' تمہیں چپ لگی ہوئی ہے۔ تم خاموشی سے پیے جا رہے ہو۔ یہ آیا ہے تو تم نے زبان کھولی ہے۔''

''برنارڈ کی سازش کا بروقت پتا چل گیا ہوتا تو وائٹ ہاک ڈوبتی نہ آج موتی محل ویران ہوتا۔'' راجن نے دکھ بھری آواز میں جوزی سے کہا۔ ''ہمارے پاس آدمی تھے' طاقت تھی۔ چند گھنٹوں میں برنارڈ کو اس کے بار سمیت پھونک کر رکھ دیا جاتا۔ وقت نکل گیا' آدمی بھاگ گئے۔ اب ہمیں جیتنے کے لیے بہت محنت کرنا ہوگی۔ ہمیں آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اکبر بھی ہمارے کام آئے گا۔''

''میں تیار ہوں استاد!'' میں نے اپنا مفروضہ نام سنتے ہی کہا ''تمہاری اور جوزی کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ مجھے کیا کرنا ہوگا۔''

''تم یہ تو سمجھ گئے نا کہ میرے دو دشمن ہیں...... ڈینی اور برنارڈ!'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

''اور وہ دونوں تمہارے خلاف مل گئے ہیں۔'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ڈینی آسیب بنا ہوا ہے۔ اسے ڈھونڈنا پڑے گا۔ برنارڈ ہمارے سامنے ہے۔ وہ شام کو چھ بجے سے رات بارہ بجے تک اپنے سیلرز بار میں ہوتا ہے۔ ہم لوگ ادھر گئے تو پہچان لیے جائیں گے۔ تم ان کے لیے اجنبی ہو۔ جاؤ اور وہاں ٹائم بم چھوڑ کر لوٹ آؤ۔ اس کام کے لیے میں تمہیں پچیس ہزار بھات دے سکتا ہوں...... بولو' کیا کہتے ہو؟''

میں جو کچھ سوچ کر وہاں پہنچا تھا وہ دھرا رہ گیا۔ ڈان کی ذرا سی بے احتیاطی سے ساری کہانی یکسر بدل کر رہ گئی۔ وہ ابتدا سے بہت کامیابی کے ساتھ اپنا نام چھپاتا چلا آ رہا تھا۔ سیلرز بار میں مفت شراب کا میلہ لگا کر اس نے ساری کامیابیوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ اس وقت میرے سامنے راجن کی تجویز سے اتفاق کرنے کے سوا کوئی متبادل راہ نہیں تھی۔ ڈان اپنے اقتدار سے ایک مدت سے ترسا ہوا تھا۔ اس نے موتی محل پر ایک کامیاب حملہ کروانے کے بعد یہ سمجھ لیا کہ وہ پوری طرح بازی جیت چکا ہے۔ وہ ذرا سے صبر سے کام لیتا تو سب کچھ بہت خوش اسلوبی سے سمیٹا جا سکتا تھا۔

''تم پچیس ہزار بھات نہ دو تب بھی میں تمہارا یہ کام کر دوں گا۔'' میں نے بلاوجہ تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''سارا مسئلہ یہ ہے کہ سیلرز بار کا نام میرے لیے نیا ہے۔ پہلے مجھے وہاں کچھ وقت گزار کر موقع محل کا جائزہ لینا ہوگا۔''

''ان چکروں میں الجھانے کی کوشش مت کر!'' راجن سے پہلے جوزی بول پڑا۔ ''یہاں آنے کے نام سے تیرا پیٹ خراب ہو گیا' اب کام سن کر حیلے بہانے کر رہا ہے۔''

راجن نے دانستہ خاموشی اختیار کر لی۔ مجبور ہو کر مجھے بولنا پڑا۔ ''ایسی جگہوں پر نیا آدمی فوراً نگاہوں میں آ جاتا ہے۔ میں......''

''ابے! نئے آدمی کو وہاں کرنا ہی کیا ہے۔ ایک چھوٹی

سی تھیلی لے کر جا' بیٹھ کر ایک دو پیگ لگا اور واپسی پر تھیلی باتھ روم میں چھوڑ کر آ جا۔ کام سے ڈر رہا ہے تو کھل کر بتا دے۔ ہمیں یہ جائزوں وائزوں کے چکر مت دے!'' جوزی نے بے اعتنائی سے کہا۔

''شک ہے تو پھر یہ کام تم اپنے کسی آدمی سے لے لو' مجھے کوئی اور کام بتا دو۔'' موقع ملتے ہی میں نے اپنے ہاتھ اٹھا دیے۔

''مجھے تم پر پورا بھروسا ہے۔'' راجن نے وہ بحث سننے کے بعد اپنی زبان کھولی۔ ''تمہاری ایک ادا میرے دل کو بھا گئی۔ صبح بات ہو رہی تھی تو تم نے موقع کی نزاکت سمجھ کر اپنی طرف سے ڈینی کے نام کا اضافہ کر دیا حالانکہ جب تم نے مجھ سے ڈینی کے آدمیوں کا ذکر کیا تو ان کی باتوں میں ڈینی کا نام نہیں لیا تھا۔ بات میرے فائدے کی تھی' میں ان پانچوں کے سامنے چپ رہا۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ انہوں نے پھر بھی تمہاری بات نہیں مانی۔ ایسے ذہین آدمی مجھے پسند ہیں... جو حالات کی روشنی میں خود بھی فیصلہ کر سکیں۔''

''یہ سب میرے سر آنکھوں پر۔'' میں نے انکسار سے کہا۔ ''مگر تم نے جوزی کی باتیں بھی سن لیں۔ کام میں کوئی گڑبڑ ... ہوگئی تو یہ ساری ذمے داری میرے اوپر ڈال دے گا۔ تم یہ کام کسی اور سے لے لو تو اچھا رہے گا۔''

''اب مجھے کھل کر کچھ بتانا ہوگا۔'' راجن اپنا گلاس خالی کر کے بولا۔ ''آج میری زندگی کا سب سے منحوس دن ہے۔ موتی محل سے چار کے سوا سارے محافظ اور ملازم لوٹ مار کر کے بھاگ گئے۔ بنکاک میں آج میرے سارے کلب اور کیسینو بند پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہ وہ ڈر کر اپنے گھروں میں گھسے ہوئے ہیں یا انہوں نے نوکریاں چھوڑ دی ہیں۔ دو چار دن میں صورتِ حال کچھ واضح ہوگی۔ میرا بازو زخمی ہے۔ اس اہم کام کے لیے میں آنکھیں بند کر کے کسی نئے آدمی پر بھروسا نہیں کر سکتا۔ یہ کام تم ہی کو کرنا ہوگا۔''

مجھے ابتدا سے یہی تجسس تھا کہ وہاں راجن کے سوا صرف دو آدمی نظر آئے تھے۔ بقیہ دو کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ اچانک کہیں سے نمودار ہو کر میری کسی کارروائی کا پانسا پلٹ سکتے تھے۔ راجن نے وہ تفصیل بتا کر مجھے سوال کرنے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ ''مجھے دربان اور جوزی کے سوا اب تک کوئی اور نظر نہیں آیا۔''

راجن نے چونک کر اپنی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔ میں معصومانہ انداز میں سر جھکائے اپنی جگہ بیٹھا رہا لیکن راجن کی تیکھی نظروں کے سامنے میرے معدے میں واقعی گرہیں سی پڑنا شروع ہوگئی تھیں۔

''وہ بھی ہیں۔'' راجن نے سرسری اور مبہم جواب دے کر میری امیدوں پر اوس ڈال دی۔ بقیہ دونوں کے بارے میں کچھ جانے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔

اس نے اپنی طرف سے سرسری جواب دے کر بات وہیں ختم کر دی مگر میں جانتا تھا مجھے دوبارہ ایسا موقع نہیں ملے گا۔ میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ ''پھاٹک پر دربان کا ہونا ضروری ہے تاکہ کوئی اجنبی اندر نہ گھس سکے۔ تمہارا بازو زخمی ہے۔ تمہاری دیکھ بھال کے لیے کسی نہ کسی کا موجود رہنا ضروری ہے۔ یہ کام جوزی کر رہا ہے۔ اگر وہ دونوں فارغ ہیں تو مجھے ان کے ساتھ سیلرز بار کی طرف بھیج دو۔ برنارڈ کا قصہ آج ہی نمٹ جائے گا۔''

''وہ تمہارے ساتھ کیا کریں گے؟'' راجن نے دائیں ہاتھ سے اپنا بایاں بازو سہلاتے ہوئے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

''مجھے تلاش میں بھٹکنا پڑے گا۔ ان کے لیے وہ جگہ دیکھی بھالی ہوگی۔ وہ مجھے وہاں پہنچا دیں گے۔ میں اندر چلا جاؤں گا' وہ باہر رہیں گے۔'' میں نے منظر کشی شروع کر دی۔ ''مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی تو وہ آسانی سے میری مدد کے لیے پہنچ جائیں گے۔''

''اس بھول میں نہ رہنا۔'' راجن بولا ''برنارڈ بہت خطرناک آدمی ہے۔ میرے آنے سے پہلے یہاں اس کا طوطی بولتا تھا۔ اسے تم پر ذرا بھی شبہ ہوگیا تو وہ اندر ہی سے تم کو کہیں غائب کرا دے گا۔ بعد میں کہیں سے تمہاری لاش مل جائے گی۔ وہاں کسی کمک یا مدد کی نوبت نہیں آئے گی۔''

''تم مجھے خوف زدہ کر رہے ہو!'' میں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''یہ بریفنگ ہے۔ کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تم کو ہر اونچ نیچ کا علم ہونا چاہیے۔''

''یہ اتنا خطرناک کام ہے تو مجھے اس سے معاف کر دو۔'' میں نے راجن کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

''یہ ہے اس کی اصل اوقات!'' جوزی زہریلے لہجے میں بولا۔ ''میں نے اسے دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ ناکارہ اور بودا آدمی ہے۔''

بات بڑھتی جا رہی تھی اور کسی بھی لمحے بگڑ سکتی تھی۔ میں ان دونوں سے دور بیٹھا ہوا تھا۔ اس دوری کی وجہ سے ان دونوں میں سے کوئی بھی زہریلی انگوٹھی سے شکار نہیں کیا جا سکتا

تھا۔ وہ جس کمرے میں موجود تھے۔ اس کی تزئین و آرائش ایک پرتعیش خواب گاہ جیسی تھی۔ وہاں سے نکلنے کے بعد میرے ہاتھ میں کچھ بھی نہ رہتا۔ اس وقت میرے لیے نادر موقع تھا کہ میں اچانک انہیں بیم گن کی زد پر لے لوں۔ وہ کمرا عمارت کے اندرونی حصے میں واقع تھا۔ پھاٹک سے عمارت کا فاصلہ بھی کافی تھا۔ وہاں ہونے والی ہڑبونگ کی آوازیں دربان تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اگر راجن کے بقیہ دو آدمی کہیں سے آنکلتے تو میں پلک جھپکتے میں انہیں بیم گن سے شکار کرسکتا تھا۔

وہ راجن اور اس کی ٹولی کو ٹھکانے لگانے یا انہیں بھول جانے کا مرحلہ تھا۔ وہ موقع کھو دینے کے بعد میں کبھی ان کے قریب نہیں پھٹک سکتا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ اس وقت میری جیت صرف اور صرف بیم گن کے زور پر ممکن تھی اور جلال نے مجھے اس کے استعمال سے منع کیا ہوا تھا۔

بیم گن کو فراموش کرکے میں اپنے مستقبل کو بہت سے خطرات سے بچا سکتا تھا لیکن پھر راجن کا فتنہ زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

میرے ذہن میں شدید کشمکش ہو رہی تھی اور میری پوری توجہ راجن پر مرکوز تھی۔ میرے کان اس کی زبان سے جوزی کے زہریلے تبصرے کا جواب سننے کے منتظر تھے۔

''کیا مجھ سے واقعی فیصلے کی غلطی ہوئی ہے؟'' راجن نے بھویں چڑھا کر عجیب سے لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

''ہاں!'' یہ کہتے ہی میں نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے بیم گن نکال کر جوزی کی طرف سیدھی کی' نہایت پھرتی کے ساتھ انگوٹھا استعمال کرکے اس کا سیفٹی لاک سرکایا اور شہادت کی انگلی سے ٹریگر دبا دیا۔

جوزی کو سنبھلنے یا اپنی کرسی سے اٹھنے کا موقع تک نہیں مل سکا۔ نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی بے آواز دھار فضا میں تیرتی ہوئی اس کے رخسار سے گزر کر دماغ تک اتر گئی۔ اس کے بدن نے ایک جھٹکا لیا اور وہ وہیں بیٹھا رہ گیا۔ میں نے بیم گن کا رخ راجن کی طرف پھیر دیا۔

''تم سے فیصلے کی سنگین غلطی ہوئی ہے۔'' میں نے اپنی اصل آواز میں ادھورا فقرہ مکمل کیا۔ ''تم خود اقرار کرچکے ہو کہ آج تمہاری زندگی کا سب سے منحوس دن ہے۔ اجل کا فرشتہ تمہاری زبان سے یہ بات کہلوا رہا تھا...... خبردار! ہلنا نہیں ورنہ کچھ جانے بغیر مارے جاؤ گے!''

جوزی کا انجام دیکھ کر راجن کا سیاہ چہرہ تاریک تر ہوگیا تھا۔ میری اصل آواز سن کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی

چلی گئیں اور وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا ''تت...... تم ڈینی ہو...... تم نے مجھے مارا تو یہاں سے زندہ نہیں نکل سکو گے۔''

''اسی خوف سے میں نے تمہیں دوبار زندہ چھوڑ دیا۔ موت تمہارے قریب سے دبے پاؤں گزر گئی۔ تیسری بار میں یہ غلطی نہیں کروں گا۔'' میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ ''تم نے دیکھ لیا کہ میری نازک سی گن آدمی کو کس تڑپنے سے مارتی ہے۔''

''اس بار یہ غلطی ہی ہوگئی۔'' اس نے سنبھالا لینے کی کوشش کی مگر اس کے لہجے پر کمزوری غالب رہی۔ ''اب میں سمجھا کہ تمہیں میرے دو آدمیوں کی فکر کیوں ہو رہی تھی۔ وہ یہیں' اسی کمرے میں چھپے ہوئے ہیں...... نہیں' ابھی ٹھہرو!''

مجھ سے بات کرتے کرتے وہ میرے شانوں کے پیچھے اچانک کسی سے مخاطب ہوکر زور سے بولا۔ غیرارادی طور پر میری گردن پیچھے گھوم گئی۔ مجھے شک ہوا کہ اس کے چھپے ہوئے آدمی میری پشت پر نمودار ہوگئے ہیں اور وہی میری فاش غلطی تھی۔

اسے اپنی موت سامنے نظر آرہی تھی۔ اپنی چال بازی سے اس نے چند لمحوں کے لیے میری توجہ دوسری طرف مبذول کرا دی تھی۔ اپنے زخمی بازو کی پروا کیے بغیر اس نے اچانک اپنی کرسی سے جست لگائی اور کسی وزنی لنگور کی طرح میرے اوپر آگرا۔

دو وزنی جسموں کا تصادم اتنا شدید تھا کہ بیم گن میرے ہاتھ سے نکل گئی۔ کرسی وہ جھٹکا نہ سہ سکی اور پیچھے الٹ گئی۔ میں پشت کے بل قالین پر تھا اور راجن کا گٹھا ہوا وجود میرے سینے پر سوار تھا۔ اس نے اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے داہنے ہاتھ سے میرا نرخرا دبوچ لیا۔

اس کے گٹھے ہوئے توانا جسم کو دیکھ کر مجھے اس کی طاقت کا اندازہ تھا لیکن جب اس نے اپنے ایک ہاتھ کی پوری قوت سے میرا گلا دبانا شروع کیا تو میرے اوسان خطا ہونے لگے۔ اس کے بدن میں کسی وحشی سانڈ سے زیادہ طاقت تھی۔ شاید موت کو اپنے سامنے پاکر اس کے جسم کی ساری توانائی اس کے داہنے ہاتھ میں سمٹ آئی تھی۔

میں نے اسے اچھال کر اپنے سینے پر سے گرانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ اس نے اپنے دونوں پیر پھیلا کر سارا بوجھ میرے پیٹ اور سینے پر ڈالا ہوا تھا۔ میں نے گھٹنوں سے اس کی پشت پر ضرب لگانے کی کوشش کی تو وہ بھی ناکام ہوئی۔ وہ سیدھا بیٹھنے کے بجائے اس طرح جھکا ہوا تھا کہ میرے گھٹنے اس کی پشت کو نشانہ نہیں بنا سکے۔

وہ ابتدائی چند لمحے تھے جو گھبراہٹ اور سنسنی کے عالم میں گزرے پھر میں نے بائیں ہاتھ سے اس کے منہ پر ایک زوردار مکا رسید کیا۔ اس کا ایک بازو زخمی تھا' دوسرا ہاتھ میرے گلے پر جما ہوا تھا۔ صرف سر کی جنبش سے وہ اپنا بچاؤ نہ کرسکا۔ اس ضرب کی شدت میں نے اپنے مکے پر محسوس کی' رخسار کی ہڈی چٹخنے کی ہلکی سی آواز کے ساتھ راجن کا توازن بگڑا' میرے گلے پر اس کی گرفت کمزور ہوئی اور اسی لمحے میں نے اسے اچھال کر اپنے سینے پر سے نیچے پھینک دیا۔

جب تک راجن ایک ہاتھ سے میرا گلا گھونٹنے کی وحشیانہ کوشش کررہا تھا' اس کی زبان بند تھی۔ وہ زور ٹوٹتے ہی اس کی زبان سے مغلظات کا ایک طوفان امڈ پڑا۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے میں پھرتی سے اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔ اس کی طرح میرے لیے بھی وہ زندگی اور موت کا معاملہ تھا۔ میری ذراسی غفلت مجھے دوسرے جہان میں پہنچاسکتی تھی۔

جب میں نے راجن اور جوزی پر بیم گن استعمال کرکے ان کا قصہ وہیں نمٹانے کا فیصلہ کیا تو جلال کی یہ ہدایت میرے ذہن میں تازہ تھی کہ میرے ہاتھوں کہیں بھی کوئی ایسا کام نہیں ہونا چاہیے جس کے نتیجے میں میرا نام سامنے آسکے۔ بیم گن میری ذات سے منسوب ہوکر رہ گئی تھی۔ اسے استعمال کرنے سے پہلے میں فیصلہ کرچکا تھا کہ اس شام موتی محل میں میرے سب حریف بیم گن کا نشانہ بنیں گے۔ ایک ایک کرکے انہیں مار لینے کے بعد اس عمارت میں میرا راج ہوتا۔ راجن سے پچھلے تصادم کا تجربہ میرے ذہن میں تازہ تھا۔ میں نے اس کے دو آدمیوں کو زہریلی انگوٹھی سے شکار کیا اور پھر ان کی لاشیں راجن کی کار سمیت نذر آتش کردیں۔

اس وقت تک ویرایا جلال سے میری بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ لاشیں میں نے صرف اس لیے جلائیں کہ ڈان اور جاؤفان کو ان کی موت کے اسباب کا علم نہ ہوسکے۔ اس وقت وہ میری احتیاط تھی جو موتی محل میں ایک ضرورت بن چکی تھی۔

میرا خیال تھا کہ میں راجن کو بہت آسانی سے بیم گن سے مارلوں گا لیکن اس نے مجھے جھانسا دے کر اپنی مہلت میں اضافہ کرلیا تھا۔

اس نے دوبارہ اٹھنے میں دیر نہیں کی۔ مجھے فنا کردینے کا دعویٰ کرتا ہوا میرے سامنے کھڑا ہوگیا۔ بیم گن کچھ دور قالین پر پڑی ہوئی تھی۔ راجن کو زیر کیے بغیر اس تک پہنچنا مشکل تھا۔ اس وقت اس سے دوبدو مقابلہ ہورہا تھا۔ بیم گن ہاتھ سے نکل جانے کے باوجود میں پل بھر میں اسے موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔ حریف کے بدن میں مہلک زہر اگلنے والی انگوٹھی کا استعمال ایک موزوں مکے کے ساتھ راجن کو ہمیشہ کی نیند سلا سکتا تھا۔ میری کوشش تھی کہ جوزی پر بیم گن استعمال ہونے کے بعد میں اپنا دوسرا ہتھیار استعمال نہ کروں۔ ویسے بھی راجن نے مجھے خاصا پریشان کیا تھا۔ وہ آسان موت کا حق دار نہیں تھا۔ میں نے اسے مارنے سے پہلے اس سے کھیلنے کا ارادہ نہ کیا ہوتا تو وہ جوزی سے پہلے' ایک پل میں مارا جاسکتا تھا۔

میں نے اکھاڑے میں اترے ہوئے کسی پہلوان کی طرح اپنے قدموں پر حرکت کرتے ہوئے دونوں انگوٹھیوں کے نگینے گھما کر ان کے رخ اندر کی جانب کرلیے تاکہ داہنے ہاتھ سے مکا مارنے کی صورت میں نگینوں کا زہر راجن کے جسم میں نہ اتر سکے۔

اس وقت راجن کی حالت بہت عجیب تھی۔ اس کا مکروہ چہرہ تاریک پڑا ہوا تھا۔ اس سیاہی میں اس کی آنکھوں کے پھیلے ہوئے ڈھیلے خاصے بھیانک لگ رہے تھے' آگے کی طرف مڑے ہوئے کان مجھے کچھ زیادہ مڑے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اسے دیکھ کر مجموعی طور پر یہ محسوس ہورہا تھا جیسے شیطان کا کوئی چیلا میرے مقابلے پر اترا ہوا ہو۔

اس کا زخمی بازو اس کے پہلو میں جھول رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی سیاہی میں بازو کی شدید تکلیف کا بھی کچھ نہ کچھ دخل تھا۔

ہم دونوں موقع کی تلاش میں ایک دوسرے کے سامنے پینترے بدل کر قالین پر حرکت کرتے رہے وہ مجھے دھمکیوں اور گالیوں سے نواز رہا تھا' میں خاموش تھا۔ اچانک اس نے اپنے پیر سے میری گری ہوئی کرسی میری طرف اچھالنے کی کوشش کی۔ وہ ہلکی ضرور تھی بہر حال کرسی تھی۔ اچھلنے کے بجائے وہ ایک طرف لڑھک گئی۔

کرسی کی طرف متوجہ ہونے سے لمحہ بھر کے لیے اس کی توجہ کے ارتکاز میں فرق آیا۔ یہ وہی غلطی تھی جو میں نے اس کی مکاری پر گردن گھما کر کی تھی۔ میں لپک کر اس پر ٹوٹ پڑا اور اسے زبردست مکوں کی زد پر لے لیا۔ بایاں بازو ناکارہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں تھا۔ اس نے زبان بند کرکے اپنے دانت بھینچ لیے اور ناکام اور مدافعانہ کوششوں کے درمیان پٹتا رہا۔ اس نے کئی بار اپنے داہنے ہاتھ سے میرے کپڑے پکڑ کر مجھ سے لپٹنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ اس سے قدرے دور رہ کر ہی میں اس کی خاطر خواہ مرمت کرسکتا تھا۔

ذراسی دیر میں اس کے چہرے کا نقشہ بگڑ گیا۔ نیل' ورم

اور پھٹی ہوئی جلد سے گاڑھے خون کے رساؤ کے سبب اس کا چہرہ بہت کریہہ ہوگیا۔ وہ ایک ہاتھ سے خود کو بچانے کی ناکام کوششوں میں لگا رہا۔ یکایک اس نے میری ٹانگوں کے درمیان زوردار لات رسید کرنے کی کوشش کی اور میں نے خود کو بچاتے ہوئے اس کی ٹانگ پکڑلی۔

وہ لڑکھڑایا اور گالیاں دیتا ہوا قالین پر ڈھیر ہوگیا۔ اس بار میں نے لپک کر بیم گن پر قبضہ کیا اور پھر راجن کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

مار کھا کر چیخنا اور کراہنا ہر ذی روح کی فطرت کا ایک حصہ ہے۔ راجن کے حلق سے بھی ملی جلی آوازیں نکل رہی تھیں لیکن ان میں غیر ضروری شدت نہیں تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ عمارت میں اس کے آدمی ہوتے تو وہ ضرورت سے زیادہ چیخ پکار کر کے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔ وہ شاید موتی محل سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے۔ پھاٹک پر بیٹھا ہوا محافظ اس کمرے سے بہت دور تھا۔ راجن جانتا تھا کہ وہ پوری قوت سے چیخے تب بھی اس کی آوازیں اس محافظ کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔

چند لمحوں میں، میں نے مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا اور وہ کسی تھکے ہوئے سانڈ کی طرح ہانپنے لگا۔

''بب...... بس...... اب بس کرو۔'' وہ اچانک دردناک آواز میں کراہا ''میری ہڈیوں میں مار کھانے کا دم نہیں رہا......تم بہت سنگ دل ہو!''

میں نے اس کی پسلیوں میں ایک زوردار اختتامی ٹھوکر لگائی اور ایک خالی صوفے پر دراز ہوگیا۔ میں خود بھی اسے مارتے مارتے تھک گیا تھا۔ میں نے بیم گن اپنی گود میں ڈالی اور اپنے چڑھے ہوئے سانسوں پر قابو پاتے ہوئے اطمینان سے ایک سگریٹ نکال کر سلگالی۔

راجن ایک نامی گرامی بدمعاش تھا۔ آتشیں ہتھیار اس کے پسندیدہ کھلونے تھے لیکن میں نے اندازہ لگالیا کہ اس وقت وہ بالکل غیر مسلح تھا۔ وہ اپنی دانست میں اپنی محفوظ کمین گاہ میں دبکا ہوا تھا، جہاں اس کی اجازت کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مارسکتا تھا۔ میں بھی اس کی اجازت سے بلکہ دعوت پر وہاں آیا تھا۔ یہ دیگر بات تھی کہ اس نے دوستی کے فریب میں آکر اپنے بدترین دشمن کو اصرار کر کے گھر بلایا تھا۔

اپنی حد سے بڑھی ہوئی خوش فہمی کے سبب اسے اپنے گھر میں ہتھیار بند رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار ہوتا تو وہ لڑائی کے دوران میں اسے نکالنے کی کوشش ضرور کرتا۔ میں نے اس کی جامہ تلاشی لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

کچھ دیر تک وہ قالین پر بے سدھ پڑا رہا۔ اس کے تیز سانسوں کے ساتھ اندر سے ایسی کریہہ آوازیں آرہی تھیں جیسے کسی بھی بے قابو سانس کے ساتھ اس کے اعضائے رئیسہ باہر آنے والے ہوں۔ رفتہ رفتہ وہ حرکت کرنے اور بیٹھنے کے قابل ہوگیا۔ اس کے خون میں نہائے ہوئے چہرے پر چمکتی ہوئی پھٹی پھٹی آنکھیں میری طرف مرکوز تھیں۔

''تت......تم کیا چاہتے ہو؟'' آخر اس نے ہکلاتے ہوئے خوف زدہ آواز میں پوچھا۔

''میں تمہیں بہت پہلے بتا چکا تھا۔ وہ باتیں تمہاری یادداشت میں محفوظ ہونا چاہئیں!'' میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر، چند ثانیوں تک میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا ''تم چاہتے تھے کہ میں اپنا سب کچھ سمیٹ کر یہاں سے نکل جاؤں۔''

وہ موت کی دہلیز پر پہنچے ہوئے ایک مکّار شخص سے زبردست نفسیاتی جنگ تھی۔ میں نے زبان کے بجائے سر کی جنبش سے اثبات میں جواب دینے پر اکتفا کیا۔

''اس وقت بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔'' وہ ہانپتے ہوئے بولا۔ ''اب پتا چلا کہ تم برنارڈ کے لیے مجھ سے میدان خالی کرانا چاہتے تھے۔ برنارڈ چوہے کا بچہ ہے۔ اسے ایک چھوکری نے بنکاک کے بھرے بازار میں جوتیاں لگائی تھیں۔ تمہارا اور اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ پتا نہیں تم اس بزدل کے لیے کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔''

ہر برے آدمی کی طرح وہ بھی اپنے آخری وقت پر زندہ رہنے کی خوش گمانی میں مبتلا تھا۔ ایسے لوگوں کو موت سامنے نظر آتی ہے تو انہیں زندگی یکایک حسین نظر آنے لگتی ہے اور وہ ہر قیمت پر اسے خریدنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید راجن کا دماغ اسی ڈھب پر کام کررہا تھا۔

''کچھ عرصے پہلے ڈان برنارڈ بھی میرے لیے تمہاری طرح اجنبی تھا۔ وہ میرے وقت اور محنت کا معاوضہ دے رہا ہے۔ میں اس کے لیے کام کررہا ہوں۔''

''میں تمہیں اس سے دگنا معاوضہ دینے کے لیے تیار ہوں...... تین گنا...... چار گنا بھی دے سکتا ہوں۔ میں نے یہاں سے بہت مال کمایا ہے۔ میرے سب کام جمے جمائے ہیں۔ تم نے مجھے ماردیا تب بھی برنارڈ کو اس مقام تک پہنچنے میں برسوں لگیں گے......ہوسکتا ہے کہ اس کی رہی سہی عمر اسی خواب میں بیت جائے۔ تھکے ہوئے گھوڑے پر بازی لگانے

کے بجائے مجھ پر رحم کرو، میرا ساتھ دو۔ میں تم کو نہال کر دوں گا۔''

''دولت ہر انسان کی کمزوری ہوتی ہے۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''میری اس کمزوری سے کھیلنے کی کوشش مت کرو۔ اس وقت تم اپنی ساری دولت مجھے دینے کا وعدہ بھی کر سکتے ہو۔ تمہاری موت کی یہ گھڑی ٹل جائے گی تو تم اپنے وعدوں سے پھر کر میرے خون کے پیاسے ہو جاؤ گے۔''

''ڈینی! مجھ پر اعتبار کرو!'' وہ تڑپ کر بولا ''میں نے سنا تھا کہ تم کرائے پر پاکستانی ایجنسیوں اور دوسروں کے لیے کام کرتے ہو۔ میں تمہیں اتنا کچھ دے سکتا ہوں کہ تمہیں زندگی بھر خود کو بیچنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

ذرا سی راہ ملتے ہی اس نے مجھ پر حاوی ہونے اور مجھے لبھانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ مجھے خود کو بیچنے کا حوالہ دے کر اس نے ثابت کر دیا تھا کہ بری طرح مار کھانے سے اس کے عضلات ضرور متاثر ہوئے تھے لیکن اس کا ذہن اور اعصابی نظام پوری طرح کام کر رہا تھا۔ شاید یہ موت کی دہشت تھی جس نے اس کی ساری فطری اور جبلی صلاحیتوں کو بیدار کیا تھا۔

''راجن! مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو!'' میں نے اس کی گرفت کرتے ہوئے غرا کر کہا ''میں بکنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ کاموں کے سودے کرتا ہوں۔ کام پورا کرتا ہوں اور دام کھرے لیتا ہوں۔ میں کس کس کے لیے کام کرتا رہا ہوں، یہ تمہارا دردسر نہیں ہے۔ مجھ سے صرف اپنی بات کرو۔ تمہاری کسی بے ہودگی پر میرا دماغ سنک گیا تو تم بھی جوزی کے پاس پہنچ جاؤ گے۔''

''مجھے معاف کر دو۔'' وہ داہنے ہاتھ سے اپنا کان تھام کے گڑگڑایا۔ ''میرے اوسان قابو میں نہیں ہیں۔ زبان سے کوئی ہلکی بھاری بات نکل جائے تو درگزر کر دینا۔ اس حالت میں، میں تمہاری توہین کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''ڈان برنارڈ سے میری کیا ڈیل ہے، یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔'' میں نے سگریٹ کا آخری کش لے کر اس کا بقیہ حصہ وہیں قالین پر مسل دیا۔ ''تم اپنی آفر دو، وعدہ پورا کرنے کی ضمانت دو۔ میں اس پر غور کروں گا۔ اس سے پہلے مجھے اپنے کچھ سوالوں کے جواب درکار ہوں گے۔ تم کو یہ شرائط منظور ہیں تو بات آگے بڑھ سکتی ہے ورنہ......!''

میں نے دانستہ اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ کر بیم گن اٹھا کر اس کا نوزل راجن کی طرف لہرایا۔

''اسے رکھ لو!'' وہ بوکھلا کر بولا۔ ''میں تم کو اسی وقت ایک کروڑ بھات دے سکتا ہوں۔ اس کے بعد کسی ضمانت کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔''

''تم جیسی اسامی کی زندگی کے یہ دام کم ہیں۔ اس پر ہم بعد میں بات کریں گے۔'' میں نے بیم گن کے نوزل کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ''میں نے ابھی بتایا ہے کہ پہلے مجھے کچھ سوالوں کے بالکل درست جواب درکار ہیں۔ کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟''

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو!'' وہ ہراساں انداز میں بولا ''زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑے ہوئے آدمی سے انتخاب کا حق چھن جاتا ہے۔ زور اس کا چلتا ہے جس کا ہاتھ لبلبی پر ہوتا ہے۔ برنارڈ عمر رسیدہ ہے، میں جوان ہوں۔ ابھی کچھ دن اور زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو، پوچھتے جاؤ، میں جواب دوں گا۔''

''تمہیں ممبئی سے یہاں کون لایا تھا؟'' میں نے قدرے توقف کے بعد پہلا سوال کیا۔

''کوئی نہیں، میدان خالی ہونے سے پہلے میں یہاں آیا ہوا تھا۔'' اس نے کہا ''میرا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ ممبئی میں پولیس زیادہ تنگ کرتی تھی تو میں کچھ دنوں کے لیے یہاں آ جاتا تھا پھر واپس ممبئی لوٹ جاتا۔''

''پہلے ممبئی تمہارا ٹھکانا ہوا کرتا تھا۔ اب تم وہاں آتے جاتے رہتے ہو۔ تمہارا مستقل ٹھکانا یہاں ہے۔ یہ تبدیلی کب، کیوں اور کیسے ہوئی؟'' اس بار میں نے اس کے ذہن کی دھند صاف کرنے کے لیے زیادہ وضاحت سے اپنا سوال دہرایا۔

''یہ مشورہ میرے ایک دوست کا تھا۔ ممبئی میں انڈر ورلڈ پر مسلمان چھائے ہوئے ہیں۔ ہمارے لیے وہاں کے مقابلے میں بنکاک میں زیادہ مال ہے۔ برنارڈ منہ چھپا کر گھر بیٹھا تو مجھے تیزی سے آگے بڑھنے کا موقع مل گیا۔'' اس نے رک رک کر بتایا۔

''وہ دوست کون تھا؟'' میں نے تحمل سے کہا۔ ''اب میرے سوالوں کا انتظار مت کرو۔ یہاں اپنے جمنے کی پوری کہانی سناتے چلے جاؤ۔''

''اس کا نام انل تھا...... انل بسواس۔'' راجن کی زبان سے وہ نام سنتے ہی میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔ انل بسواس دہلی میں را کے پاکستانی ونگ کا سربراہ ہوا کرتا تھا۔ گرین کو برا فائل کے حصول کے چکر میں، میں نے اسے اس کے گھر میں موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

''وہ کسی سرکاری ایجنسی میں کام کرتا تھا۔'' راجن کہہ رہا

تھا۔ ''کبھی کبھی میں اس کے لیے کام بھی کرتا رہتا تھا۔ اس نے مجھے بنکاک میں پیر جمانے کا مشورہ دیا تھا۔ بہت نیک اور بے لوث آدمی تھا۔ اسے کسی نے اس کے گھر میں مار ڈالا۔ آج تک اس کے قاتل کا پتا نہیں چلا۔''

''سوبھراج سے اسی نے ملوایا تھا؟'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھا۔

''ہاں!'' سر کی جنبش کے ساتھ اس نے جواب دیا۔ ''اس نے مجھے بہت سے لوگوں سے ملوایا۔ ان میں سوبھراج بھی شامل تھا۔ وہ میرا آئیڈیل تھا۔ میں اسی کی طرح سیاست میں اپنا نام پیدا کرنا چاہتا تھا۔ وہ پاکستانی تھا مگر انل کے لیے کام کر کے بڑی رقمیں کماتا تھا۔ کئی بار میں نے ممبئی اور بنکاک سے اس کے لیے اپنے آدمی بھیجے جنہیں وہ اچھا معاوضہ دے کر لوٹاتا تھا۔''

اچانک مجھے راجن کے دو روپوش آدمی یاد آ گئے۔ راجن پر غالب آنے کے بعد میں نے انہیں بھلا دیا تھا۔ وہ کہیں سے اچانک نمودار ہو کر مجھے مشکلات سے دوچار کر سکتے تھے۔ میں نے ان کے بارے میں راجن سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ دونوں اس کے کاروباری ٹھکانوں کی تجوریوں سے رقمیں سمیٹنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ راجن کے ہر کلب اور کیسینو کی بھاری آمدنی رات گئے حساب کتاب کے بعد تجوریوں میں محفوظ کر دی جاتی جسے اگلے روز آنے والا عملہ راجن کی ہدایات کے مطابق بینک یا موتی محل میں پہنچا دیتا۔

اس روز سارے ٹھکانوں پر تالے پڑے ہوئے تھے' عملہ غائب تھا۔ راجن نے اپنے پاس سے ڈپلی کیٹ چابیاں دے کر ان دونوں کو ادھر روانہ کر دیا تھا تاکہ باغی عملے کو اس کی کمائی پر ہاتھ صاف کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ وہ کچھ دیر پہلے گئے تھے۔ انہیں باری باری شہر میں پھیلے ہوئے چھ ٹھکانوں پر جانا تھا۔ آدھی رات سے پہلے ان کی واپسی کا امکان نہیں تھا۔

''اب پھر اصل موضوع کی طرف آ جاؤ۔'' ان دونوں کے بارے میں جان لینے کے بعد میں نے راجن سے کہا۔ ''انل نے تمہیں کن لوگوں سے ملوایا اور کون کون تمہاری سرپرستی کرتا تھا۔''

''مجھ سے یہ سب نہ پوچھو!'' یکا یک وہ خوف زدہ ہو گیا۔ ''ان باتوں سے مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میرا کچا چٹھا اگلوانے کے بعد تم مجھے مار دو گے!''

''ابھی تم خود کہہ چکے ہو کہ زندگی اور موت کے اس دوراہے پر تم سے انتخاب کا حق چھن چکا ہے اور لبلبی پر میری انگلی ہے۔ پھر بھی تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تم جیسا شکار روز ہاتھ نہیں آتا۔ میرا کام ایسا ہے کہ تمہاری بتائی ہوئی باتیں برسوں میرے کام آتی رہیں گی۔ میں نے یہ موقع کھو دیا تو بعد میں' میں تم سے ایک لفظ بھی نہیں جان سکوں گا۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

''قسم کھا کر وعدہ کرو کہ تم مجھے نہیں مارو گے!'' اس نے بے اعتباری سے کہا۔

''میں قسم کھاتا ہوں کہ اب تمہیں نہیں ماروں گا۔'' میں نے پورے خلوص سے اسے یقین دلایا۔ یہ حقیقت تھی کہ میں اسے لاتوں اور مکوں سے نہ مارنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ وہ میرے ہاتھوں اتنی مار کھا چکا تھا کہ اس پر مزید ہاتھ اٹھانا مناسب نہیں تھا۔

''انل نے مجھے صرف کرنل گیری سے ملایا تھا۔ وہ یہاں امریکی سفارت خانے کا انفارمیشن افسر تھا۔'' راجن نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد اپنی زبان کھولی۔ ''اس کے کہنے پر میں نے ایک بڑی دعوت کی۔ شراب کی کثرت اور عورتوں کی بھیڑ سے سفارت کار اور بڑے لوگ خوش ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چل پڑا اور میرا اثر رسوخ بڑھتا چلا گیا۔''

''وہ کس ایجنسی کا آدمی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ وہ مجھ سے بہت سے کام نکلواتا ہے۔ میرا گہرا دوست ہے۔ انل یہاں آتا تھا تو اکثر ہم تینوں مل کر بیٹھتے تھے۔ ان دونوں کی زیادہ تر باتیں پاکستان اور سوبھراج کے بارے میں ہوتی تھیں۔ وہ اسے اور اونچا لے جانے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ تم نے وہ سب مٹی میں ملا دیا۔ اسے سوبھراج کے انجام کا علم نہیں ہے۔ کئی بار مجھ سے اس کے بارے میں پوچھ چکا ہے۔''

''یہ مجھے معلوم تھا۔'' وثوق سے کچھ نہ معلوم ہونے کے باوجود میں نے محض اس کا اعتماد جیتنے کے لیے کہا۔ ''میں جب چاہتا امریکیوں کو یہ ٹپ دے سکتا تھا کہ تم نے پہلے سوبھراج کو پناہ دی اور پھر اسے خاموشی سے مروا دیا۔ سوبھراج کی طرح تم بھی ان کے عتاب میں آ جاتے مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس ایک بات سے تم کو اندازہ ہو جانا چاہیے کہ میں تمہاری موت کا خواہاں نہیں ہوں۔''

''مجھ پر تم نے بہت بڑا احسان کیا۔'' اس نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔ ''مجھے اب سے بہت پہلے تم سے مل لینا چاہیے تھا۔ میں گیری کی باتوں میں آ کر تمہیں ہمیشہ اپنا دشمن سمجھتا رہا۔ میری یہاں سے واپسی کا مطالبہ کر کے تم نے میرا

اس غلط فہمی میں اور اضافہ کر دیا۔''
''میرا یہ مطالبہ اب بھی برقرار ہے۔'' میں نے کہا۔
''اس سے دستبرداری کے لیے میں نے تمہیں ایک کروڑ بھات کی پیش کش کی ہے۔''
''یہ سودا طے نہیں ہوا۔ ابھی میرے سوالات جاری ہیں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔
وہ چند فقرے اس کے لیے پُرفریب ثابت ہوئے۔ اسے یقین سا ہو گیا کہ میں اسے مارنا نہیں چاہتا۔ وہ بہت کھل کر میرے سوالات کے جواب دینے لگا۔
سوبھراج کی زندگی کی پوری کہانی میرے سامنے تھی۔ غیر ملکی قوتوں نے اسے پس ماندہ علاقے اور مفلوک الحالی سے اٹھا کر اپنے مقاصد کے لیے اوپر تک پہنچایا تھا اور اس سے ہمیشہ کام لیتے رہے۔ جب اس سے ویرا کے بارے میں ایک لغزش ہوئی تو وہ اس کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ ایک طرف میں اس کا پیچھا کر رہا تھا، دوسری طرف ایف بی آئی اس کی بو پر لگی ہوئی تھی۔ امریکیوں کا ہاتھ اس کے گریبان تک نہیں پہنچ سکا، میں نے اسے گھیر لیا اور وہ کسمپرسی کے عالم میں لوپ بوری کے بھیڑیوں کی خوراک بن کر ایک قصۂ پارینہ بن گیا۔
راجن کی کہانی بھی کچھ ملتی جلتی سی تھی۔ اسے ممبئی سے بنکاک لا کر پروان چڑھایا گیا۔ اس کا سب سے بڑا مربی انل بسواس تھا۔ جو میرے ہاتھوں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ چکا تھا۔ دوسرا سرپرست کرنل گیری تھا جو چھ سال سے مسلسل بنکاک میں اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اس سے سوبھراج کے معاملے میں ناقابلِ معافی خطا ہو چکی تھی۔ دوستی کی بنا پر اس نے ان کے باغی سوبھراج کو پناہ دی تھی۔ وہ ان کی سزا سے یوں بچا رہا کہ امریکی سوبھراج کے معاملے میں اس کے کردار سے بے خبر تھے اور میں نے بھی دانستہ خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ سوبھراج کی ہلاکت کی پردہ پوشی میں پاکستان کا مفاد پوشیدہ تھا۔
انل بسواس جہنم واصل ہو چکا تھا لیکن را کا ایک اور افسر اس کی جگہ لے چکا تھا۔ اس نے بھی اپنے پیش رو کی طرح راجن سے گہرے مراسم استوار کیے ہوئے تھے۔ بنکاک میں اپنے اثر ورسوخ اور کالے دھندوں سے دولت بٹورنے کے لیے راجن بالکل آزاد تھا۔ اسے کہیں مشکل پیش آتی تو اس کے سرپرست ہر دشواری کی کلید ثابت ہوتے لیکن بھارتی اور امریکی مفادات کا سوال سامنے آتا تو راجن کرنل گیری اور را کے ساگر کا غلام بن کے رہ جاتا۔ میں اس کی زبان سے یہ جان کر حیران رہ گیا کہ ان دنوں ممبئی اور بنکاک سے راجن کے آدمیوں کی دو ٹولیاں پاکستان گئی ہوئی تھیں۔ دونوں کو بہت خطرناک ذمے داریاں سونپی گئی تھیں۔ ایک پارٹی کو گوادر کے قرب و جوار میں بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں دہشت گردی کی وارداتوں کے ذریعے اگلے دو ماہ تک امن و امان کے سنگین مسائل پیدا کرنا تھا۔ دوسری پارٹی کو ساہیوال جیل میں تین سال سے پڑے ہوئے را کے دو ایجنٹوں کو عدالت میں پیشی کے موقع پر عدالت سے فرار کرانا تھا۔
مجھے راجن سے گفتگو کرتے ہوئے محسوس ہوا کہ سوبھراج کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد پاکستانی محاذ کی کمان نئی دہلی اور بنکاک منتقل ہو گئی تھی۔ ساگر دہلی میں بیٹھ کر تخریبی فیصلے کر رہا تھا اور راجن کے غنڈے انہیں عملی جامہ پہنا رہے تھے۔
کرنل گیری نے راجن سے کوئی ایسا کام نہیں لیا تھا جو پاکستان کے خلاف ہو۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ امریکی ایجنسیوں کے گرگے پاکستان میں اپنے مورچے جما کر براہِ راست کام کر رہے تھے۔ گیری کی ساری دلچسپیاں تھائی حکومت کے اندرونی معاملات سے تھیں۔ راجن کو اپنی پرتعیش دعوتوں میں مستقل بنیادوں پر آنے والے مقامی مہمانوں سے اس سلسلے میں مطلوبہ معلومات اور کاغذات کی نقلیں آسانی سے مل جاتی تھیں جو وہ پوری سعادت مندی سے کرنل گیری تک پہنچا دیتا۔
میں نے راجن کو یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ اس وقت بھی میں اپنے ملک کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھا۔ ساری گفتگو کی نوعیت عمومی رہی۔ اس دوران میں وہ قالین سے اٹھ کر بہ دقت تمام ایک کرسی پر بیٹھ چکا تھا اور میں نے اسے سگریٹ پینے کی اجازت بھی دے دی تھی۔
ایسے مفاہمانہ ماحول میں اس سے ان آدمیوں کے کوائف نہیں پوچھے جا سکتے تھے جو اس کی ہدایت پر گوادر اور ساہیوال پہنچے ہوئے تھے۔ میری دانست میں جلال اور اول خان کے لیے ممکنہ واقعات کی نشاندہی کافی تھی۔ وہ اپنے ذرائع سے مشکوک مجرموں کی گردنیں دبوچ سکتے تھے۔
''تمہارے سوالات کا سلسلہ بہت دراز ہو گیا۔'' اس مرحلے پر راجن نے شکوہ کیا۔ ''میں تھک گیا ہوں۔ اجازت ہو تو اسکاچ کا ایک گلاس لے لوں۔ اس سے بدن میں جان پڑ جاتی ہے۔''
بوتل کا اس کے ہاتھ میں پہنچنا مناسب نہیں تھا۔ ہم دونوں کا برابر کا مقابلہ تھا۔ کسی کا کوئی ساتھی موجود نہیں تھا۔ میں اس سے کھیل رہا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ اسے مجھ پر

غالب آنے کا کوئی بھی موقع ملا تو وہ اسے ضائع نہیں کرے گا۔

شیشے کی وزنی بوتل اپنے طلائی سیال سمیت اس کے ہاتھ میں ایک ہتھیار ثابت ہو سکتی تھی۔ میں نے دیسی حساب سے آدھا گلاس بھر کر سوڈے کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ راجن نے مجھے روک دیا۔ اس وقت وہ نیٹ اسکاچ کی طلب محسوس کر رہا تھا۔

اسے گلاس تھماتے ہوئے میں ہوشیار تھا کہ کہیں وہ گلاس ہی میرے منہ پر نہ پھینک مارے۔ اس کا بایاں بازو میری گولی سے زخمی ہوا تھا' رہی سہی کسر تھوڑی دیر پہلے پوری ہوگئی۔ اس کی جسمانی حالت اتنی ابتر ہو چکی تھی کہ وہ مجھ سے ایسے کسی تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ جس میں نتیجے کا سارا دارومدار دونوں کی جسمانی توانائی پر ہو۔

اس سے باز پرس کرتے ہوئے میں اپنی رسٹ واچ پر بھی نظر ڈالتا رہا تھا۔ مجھے موتی محل میں آئے ہوئے ایک گھنٹا ہونے والا تھا۔ اس وقت ساڑھے سات بجے تھے۔ راجن کے دونوں آدمیوں کی واپسی میں بہت دیر باقی تھی۔ میں اطمینان سے اپنے باقی کام نمٹا سکتا تھا۔

راجن نے ندیدے پن کے ساتھ' میرے دیے ہوئے گلاس سے نیٹ اسکاچ کا ایک بڑا گھونٹ لے کر برا سا منہ بنایا۔ اس کا خون کی پپڑیوں سے ڈھکا ہوا' متورم چہرہ اور زیادہ بگڑ گیا۔ اس نے وہ گھونٹ اپنے دہانے میں گھما گھما کر حلق سے اتارا تو میں زیرِ لب مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ دشمن کی چھت کے نیچے' اس کے مقابل ہونے کے باوجود میں خود کو اندر سے بہت مطمئن محسوس کر رہا تھا۔

''اس کا کیا کیا جائے؟'' راجن نے جوزی کی لاش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''میں کیا بتاؤں۔ اس کا کریا کرم تم ہی کو کرنا ہوگا۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''برا ہوا کہ یہ مارا گیا۔'' اس کی آواز سے اس کا دلی قلق جھلک رہا تھا۔ ''میں ہمیشہ اس سے کہتا تھا کہ اس کی زبان ایک دن اسے مروا دے گی اور آج وہی ہوا۔''

''اس خیال میں نہ رہنا۔ مجھے بدکلامی پر تاؤ آتا تو اس وقت تم بھی زندہ نہ ہوتے۔ تم نے مجھے بہت گالیاں دی ہیں۔ میں نے اسے نمونے کے طور پر مارا تھا تاکہ تمہیں میری ننھی سی گن کی کارکردگی کا صحیح اندازہ ہو سکے پھر بھی تم باز نہیں آئے!''

''اب ان باتوں کا تذکرہ چھوڑ دو۔ تمہارے سوال ختم ہو گئے ہوں تو اب دوسری بات بھی طے ہو جائے۔'' اس نے پُرامید لہجے میں کہا۔

''تم جو بات چاہو کر سکتے ہو۔'' میں نے کھلے دل سے جواب دیا۔

''میں نے تمہیں ایک کروڑ بھات کی پیش کش کی تھی۔'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ بہت کم قیمت ہے۔ زندگی اور بنکاک کی بادشاہی۔ یہ دونوں کا سودا ہے۔''

''پھر تم خود بتا دو' میں مان لوں گا۔'' اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

''تین کروڑ!'' میں نے داہنے ہاتھ کی تین انگلیاں فضا میں لہرائیں۔

''منظور ہے۔'' وہ رقم سنتے ہی بولا۔ ''ایک کروڑ میں ابھی نقد دے دیتا ہوں۔ باقی رقم کل تم کو مل جائے گی۔ اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہوگا۔''

''ادھار نہیں چلے گا...... بات نقد کی ہوئی تھی۔'' میں نے اصرار کیا۔

شی سے منہ موڑنے کے بعد میں نے گن بوٹ کے سودے کے علاوہ کہیں ہاتھ نہیں مارا تھا۔ شراب نوشی ترک کرنے کے بعد میرے ذاتی اخراجات نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے۔ ہم چاروں کی گزر بسر اسی خطیر رقم سے ہو رہی تھی جس کا بڑا حصہ اس وقت بھی جہانگیر کی بیوی کے پاس محفوظ تھا۔ ضروریات کے پیشِ نظر میں اس سے چھوٹی چھوٹی رقمیں لیتا رہتا تھا۔ آمدنی کے بغیر اخراجات کا سلسلہ جاری رہے تو ایک وقت قارون کا خزانہ بھی جواب دے جاتا ہے۔ راجن قابو میں آ گیا تھا تو میں سوچ رہا تھا کہ اس کی حرام کی کمائی میں سے اپنا قابلِ لحاظ حصہ وصول کر لوں۔ میں نے اس سے پانچ کہتے کہتے تین کروڑ کہہ ڈالے تھے اور وہ اسی پر جواب دے گیا تھا۔ میں نے سخت رویہ اپنانے کا ارادہ کر لیا۔

''ادھار کی بات نہیں ہے۔'' وہ لجاجت سے بولا۔ ''میں گھر پر زیادہ رقم نہیں رکھتا۔ تجوری میں ایک کروڑ کی مہر والی گڈیاں موجود ہیں۔ شاید دس پانچ لاکھ اِدھر اُدھر بھی پڑے ہوئے ہوں۔ صبح تمہیں باقی رقم کا ایک ایک پیسا مل جائے گا۔''

''میں صبح کا انتظار نہیں کر سکتا۔ تمہارے آدمی بھی کیش سمیٹ کر لانے والے ہیں۔'' میں نے بے رخی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔

''وہ کیش ضرور لائیں گے۔ چاہو تو تم ان کی واپسی کا

انتظار کرلو۔ وہ بیس پچیس لاکھ سے زیادہ رقم نہیں ہوگی۔ میں یہ بھی زیادہ سے زیادہ بتا رہا ہوں۔ اس سے تمہارا حساب پورا نہیں ہوگا۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ وعدہ خلافی نہیں ہوگی۔ صبح باقی رقم مل جائے گی۔''

''نہیں راجن ...... اس وقت تم میری گن کی زد پر ہو' ہر بات مان لو گے۔ صبح یہ صورتِ حال بدل چکی ہوگی۔ خود کو میری جگہ رکھو پھر سوچو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں ایسا احمقانہ سودا نہیں کرسکتا جس کا انجام غیر یقینی ہو۔''

''تم دشمنی کے نکتہ' نگاہ سے سوچ رہے ہو۔ ہمارے درمیان مفاہمت ہوچکی ہے۔ میں نے تمہارے پچھلے احسانات کو مان لیا ہے۔ اس فضا میں تم کو مجھ پر اعتماد کرلینا چاہیے۔ میں وعدہ خلافی کروں تو تم کرنل گیری کو سوبھراج کا پورا قصہ بتا کر ہر وقت میرا مستقبل تاریک کرسکتے ہو۔ میں زندگی بھر تمہارے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا۔ تمہیں دغا کیسے دوں گا!''

''بے کار باتیں ہیں۔'' میں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''کرنل گیری کے ایجنٹ تمہارے پیچھے لگ کر تمہیں مار دیں گے۔ وہ غداروں کو یہی سزا دیتے ہیں۔ تمہاری بے فیض موت سے مجھے کیا حاصل ہوگا...... میں اپنی ڈوبی ہوئی رقم کس سے مانگوں گا؟''

راجن گھبرایا ہوا تھا۔ اس کی خون آلود پیشانی پر پسینہ آ گیا تھا جو خون میں گھل کر لکیریں بنا رہا تھا۔ وہ چند لمحوں تک خاموش رہا پھر بولا ''میں تمہارا یرغمالی بننے کے لیے تیار ہوں۔ میرے آدمی رقم پوری کر کے مجھے لے جائیں گے ورنہ تمہارے ہاتھ کھلے ہوں گے۔''

''ایک کروڑ کہاں ہیں؟'' میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''یہیں' اسی کمرے میں ہیں۔ کہو تو پانچ منٹ میں نکال دوں!'' یوں محسوس ہوا جیسے اس کے بدن میں ایک دم جان پڑ گئی ہو۔

''رقم نکالو!'' میں نے کسی یقین دہانی کے بغیر اسے ہدایت کی اور اس نے اسی لمحے اپنی جگہ چھوڑ دی جیسے اسے خوف رہا ہو کہ تاخیر کی صورت میں' میں اپنا ارادہ بدل دوں گا۔

اس نے اس خواب گاہ کے ایک دور افتادہ گوشے میں قالین کا کونا الٹ کر چابیاں نکالیں اور ایک دیوار گیر تصویر کی طرف بڑھ گیا۔ میں اپنی جگہ بیٹھا غور سے اس کی ایک ایک حرکت دیکھتا رہا۔ کوئی کل دباتے ہی وہ تصویر اوپر سرکتی چلی گئی۔ اس کے پیچھے دیوار گیر آہنی تجوری نظر آ رہی تھی۔ راجن نے اپنے زخمی بازو کے سبب مجھے اپنی مدد کے لیے بلانا چاہا مگر میں نے انکار کردیا۔ تصویر کے سرکنے کا نظام دیکھ لینے کے بعد مجھے اندیشہ تھا کہ تجوری میں کوئی شعبدہ پوشیدہ نہ ہو۔ اسے کچھ دیر لگی لیکن اس نے تجوری کھول کر نئے اور پرانے نوٹوں کی گڈیاں مسہری پر ڈھیر کرنا شروع کردیں۔

''پورے ایک کروڑ ہیں' چاہو تو گڈیاں گن لو!'' راجن نے اپنا کام پورا کر کے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''یہ ملے جلے' نئے اور پرانے نوٹ ہیں۔ سب بینکوں سے اسی طرح آئے ہیں۔''

''رقم کسی بریف کیس میں ڈالو!'' میں نے اسے اگلی ہدایت دی۔

رقم بڑی تھی اور کسی چھوٹے بریف کیس میں نہیں سما سکتی تھی۔ راجن نے مناسب سائز کا ایک بریف کیس کھول کر اس کا سارا سامان بستر پر الٹ دیا۔ وہ میری ہدایات پر بہت پھرتی کے ساتھ عمل کر رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں اس نے گڈیاں جما کر بریف کیس بند کیا اور اسے لا کر میرے قریب رکھ دیا۔

''تمہارے پاس اپنی گاڑی نہیں ہے۔ تم پیدل پھاٹک پر آئے تھے۔'' اس نے دربان سے ملنے والی معلومات کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''ہم یہاں سے کوئی گاڑی نکال لیں گے۔ صبح میں ادائیگی پوری ہونے کے بعد اپنے ساتھ لیتا آؤں گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں پڑے گی' میں ٹیکسی سے نکل جاؤں گا۔'' بیم گن ہاتھ میں لیے میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''تو کیا تم مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جارہے...... تم نے میری زبان پر بھروسا کرلیا ہے؟'' اس نے مسرت آمیز حیرت سے کہا۔

''نہیں راجن! میں نے کہا نا کہ میں ادھار سودے نہیں کرتا۔ اب سن لو کہ میں مردوں کو کبھی اپنے ساتھ نہیں لے جاتا۔ لاشیں مل جاتی ہیں تو لواحقین کو صبر آ جاتا ہے۔''

خوف اور دہشت سے اس کی آواز حلق میں پھنس گئی۔ اس کا داہنا ہاتھ فضا میں اچھلا اور میں نے اسی لمحے اس کی پیشانی پر بیم گن فائر کردی۔ وہ کھڑے کھڑے کسی تناور درخت کی طرح لہرا کر قالین پر آ رہا۔

گمنامی سے زندگی شروع کرنے والا راجن بنکاک میں شہرت و امارت کی زندگی گزارنے کے بعد اچانک خاموش ہوچکا تھا۔ وہ سوبھراج کے بدمعاش قبیلے کا آدمی تھا اور آخر کار اسی کے پاس پہنچا دیا گیا تھا۔

میرے لیے وہ لرزہ خیز عبرت کا مقام تھا۔ ایکڑوں پر محیط موتی محل میں اس وقت صرف میں تھا یا دربان۔ اس پُر شکوہ مکان کا اصل مالک اور مکین اپنی ساری جمع پونجی کو لاوارث چھوڑ کر مر چکا تھا۔ دجل و فریب سے حاصل کی ہوئی بے اندازہ دولت اسے بے بسی کی موت سے نہیں بچا سکی تھی۔ میں نے اپنے وعدہ کے مطابق اسے بالکل نہیں مارا' بس ماردیا تھا!

اس خواب گاہ کی تلاشی لے کر میں نے چند لمحوں میں ایک بھرا ہوا پستول حاصل کرلیا جو مسہری کے سرہانے' تکیے کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ پستول کا میگزین چیک کر کے میں نے اسے جیب میں ڈالا اور تیزی سے پھاٹک کی طرف چل دیا۔ راجن کا قصہ تمام ہو جانے کے بعد میں جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ واپسی میں تاخیر خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

دربان نے میری بات حیرت سے سنی۔ وہ پریشان تھا کہ راجن نے اسے بلانے کے لیے مجھے کیوں بھیجا۔ وہ انٹرکام پر ہدایت دے سکتا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ انٹرکام خراب تھا۔ وہ جسیم اور تندخو آدمی تھا۔ اس کی آنکھوں میں شکوک و شبہات کی پرچھائیاں دیکھ کر میں نے واپس جا کر راجن کو اس کے تردد سے آگاہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ بڑبڑاتا ہوا میرے ساتھ ہو لیا۔ اسے فکر تھی کہ گیٹ لاوارث رہ جائے گا۔

راجن کی قتل گاہ سے باہر آتے ہوئے میں نے راستہ ذہن نشین کرلیا تھا۔ بند دروازے پر رک کر میں نے دربان کو اندر جانے کے لیے کہا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر گھسا تو میں اس کے پیچھے تیار کھڑا ہوا تھا۔

جوزی بہ ظاہر کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آ رہا تھا جب کہ راجن قالین پر پہلو کے بل غیر فطری حالت میں ساکت پڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر دربان کے حلق سے ایک بے ساختہ چیخ نکلی' میں نے راجن کے اس چیلے کی کھوپڑی پر گولی چلادی اور اس کی وہی چیخ موت کی بھیانک پکار میں بدل گئی۔ وہ کسی اندھے کی طرح فضا میں اپنے ہاتھ مارتا ہوا منہ کے بل گر گیا۔

میری چلائی ہوئی گولی اس کی کھوپڑی کو چیرتی ہوئی چہرے سے نکل گئی تھی۔

موتی محل میں میری آمد کے تین گواہ تھے اور تینوں موت کی آغوش میں جا چکے تھے۔

وہاں تک سب کام خوش اسلوبی سے ہو چکا تھا لیکن میں جلال کی مخلصانہ ہدایت کا پاس نہیں رکھ سکا تھا۔ دشمنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے بعد میرے لیے اپنا تحفظ بھی ضروری تھا۔ موتی محل سے بیم گن سے مارے ہوئے دشمنوں کی لاشیں برآمد ہوتیں تو میرے خلاف ایک اور بھیانک محاذ آرائی شروع ہو جاتی۔

میرے ذہن میں بنکاک کے ویران ساحل کا تجربہ تازہ تھا۔ وہاں آگ نے دو لاشوں کو چاٹا تھا' یہاں بھی اصل حق دار دو تھے جو بیم گن کا ذائقہ چکھ چکے تھے۔ دربان کی موت یوں ضروری تھی کہ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا تھی کہ راجن کی ٹولی کا وہ عام سا بھارتی کارندہ بھی پاپی مجرم رہا ہوگا۔ وہ گولی سے مرا تھا۔ اس کی لاش کو جلانے کی ضرورت نہیں تھی مگر کھوپڑی سے ہو کر باہر نکلنے والی گولی نے اس کے چہرے کا ایسا بھرتا بنایا تھا کہ مجھے اس کی طرف دیکھنا ہی گوارا نہیں تھا۔ لاش کو وہاں سے کہیں اور منتقل کرنا تو دور کی بات تھی۔

میں نے چند لمحوں کے لیے سوچا۔ بدن میں اترنے والے زہر کی علامات کو آگ چاٹ سکتی تھی۔ کاسۂ سر میں بیم گن کی دھار کا بنایا ہوا سوراخ سوختہ ہڈیوں میں بھی آسانی سے نظر آ سکتا تھا۔ اس مسئلے کا ایک ہی حل تھا۔ ان دونوں پر بھی چند گولیاں ضائع کر دی جائیں۔

میں نے چند قدم دور ہٹ کر جوزی کی لاش کی پیشانی پر فائر کیا۔ میرے اندازے کے مطابق گولی اس کے سر کے پار نکل گئی۔ راہ میں آنے والی ہڈیاں پاش پاش ہونے کے نتیجے میں بیم گن کے استعمال کا ہر سراغ یقیناً مٹ گیا تھا۔

راجن کی لاش قالین پر سکڑی ہوئی بے طرح پڑی ہوئی تھی مگر گرم تھی۔ میں نے ٹھوکر سے اسے سیدھا کیا اور ایک گولی اس کی پیشانی سے بھی گزار دی۔ وہ لاشیں یوں ہی چھوڑ دی جاتیں تو انہیں دیکھنے والے یہی سمجھتے کہ تینوں کا قاتل انسانی کھوپڑیوں کو چکنا چور کرنے کا شوقین تھا۔

بظاہر بیم گن کے استعمال کے ثبوت مٹ چکے تھے۔ مگر میرا دل مطمئن نہیں تھا۔ سائنس بہت ترقی کر چکی ہے قتل کی تفتیش کے شعبے میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کوئی ایسا نکتہ ظاہر کر سکتی تھی جو میری نظروں میں آنے سے رہ گیا ہو۔ جوزی اور راجن کے سروں کی ہڈیاں ضرور کچلی گئی تھیں لیکن ضروری نہیں تھا کہ بیم گن سے نکلنے والی لیزر شعاعوں اور گولیوں کے سفر کی سمت یکساں رہی ہو۔ فائر کے زاویے میں ذرا سے فرق کی وجہ سے لیزر شعاعوں کا کوئی نشان باقی رہ سکتا تھا۔ یہ اسی وقت ممکن تھا جب وہ لاشیں اپنی اصل حالت میں پائی جاتیں۔

شعلوں کی خوراک بننے کے بعد کچھ بھی باقی نہ رہتا۔

صرف فائرنگ کافی نہیں تھی۔ اس کے بعد وہاں آتش زنی بھی ناگزیر تھی۔

میں نے تیزی سے لاشوں پر اس کمرے کے سامان کا ایک انبار لگایا' ان تینوں کی مشترکہ چتا بنائی' اس پر مسہری کا وزنی گدا ڈالا اور پھر ایک چادر کے سرے کو دیا سلائی سے آگ دکھادی۔ آگ تیز ہونے تک میں وہاں رکنا چاہ رہا تھا۔ دھیمی لو کو شعلوں میں بدلنے کے لیے خاصا وقت درکار ہونا چاہیے تھا۔ یہ راجن کے گناہوں کا ثمر تھا کہ آگ بہت تیزی سے پھیلنے لگی۔ بند کمرے میں اتنا دھواں بھر رہا تھا کہ میرے لیے سانس لینا مشکل ہونے لگا۔

میں نے آگ سے دور رکھا ہوا وزنی بریف کیس اٹھالیا۔ وہ مجھے منوں وزنی محسوس ہو رہا تھا۔ جلتی ہوئی چیزوں کا کثیف دھواں سانس کے ساتھ میرے پھیپھڑوں میں اتر رہا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر زمین نے گویا میرے قدم پکڑ لیے تھے۔

دل و دماغ میں ایک عجیب کشمکش چل پڑی تھی۔ ایک طرف ایک کروڑ بھات کی خطیر رقم کا لالچ تھا تو دوسری طرف ضمیر کی ملامت۔ وہ رقم راجن کی حلال کی کمائی تھی نہ میں نے محنت کر کے حاصل کی تھی۔ راجن نے تھائی لڑکیوں کی آبرو ریزی سمیت ہزاروں گھناؤنے دھندوں سے وہ رقم جمع کی تھی۔ میں نے اسے دھونس اور دھاندلی کے ذریعے حاصل کیا تھا۔ میرے لیے اس کا استعمال روا نہیں تھا۔ یکایک میرے وجود میں اس رقم اور بریف کیس سے نفرت کی ایسی شدید لہر ابھری کہ میں نے بریف کیس کھول کر سلگتے ہوئے انبار پر الٹ دیا۔ ساتھ ہی بریف کیس وہیں پھینک دیا۔

نوٹوں کی خوراک ملتے ہی شعلوں میں مزید تیزی آگئی۔ شعلے زیادہ بلند نہیں تھے لیکن آگ کمرے میں تیزی سے ہر طرف پھیل رہی تھی۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس آگ پر قابو پانا آسان نہیں ہوگا۔ موتی محل لاوارث ہو چکا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا جو کھڑکیوں اور دروازوں سے نکلتا ہوا دھواں دیکھ کر پریشانی یا تشویش میں مبتلا ہوتا۔ جب تک آگ اور دھوئیں کے مرغولے بلندی پر پہنچ کر باہر والوں کی نظروں میں آتے۔ تینوں لاشیں جل بھن کر کوئلہ یا شاید راکھ ہو چکی ہوتیں۔

میں خالی ہاتھ موتی محل میں آیا تھا اور اسی طرح وہاں سے واپس چل دیا۔

میرا دل بوجھل اور افسردہ تھا۔ ان تینوں کے خون کا مجھے ذرا بھی ملال نہیں تھا۔ ان میں سے کوئی درندہ زندہ رہنے کا حق دار نہیں تھا۔ ملال اس بات کا تھا کہ مجھے اپنی ناگزیر مجبوریوں کے سبب ایک مرتبہ پھر تین لاشوں کو جلانا پڑا تھا۔

موتی محل کے پھاٹک پر اس رات کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں تھا۔ وہاں رہنے والے ایک مدت سے جس آگ سے کھیل رہے تھے اس نے ان کے دامنوں کو پکڑ لیا تھا۔ میں ویران گارڈ روم کے آگے سے ہوتا ہوا، پھاٹک کے برابر والے پتلے سے راستے سے باہر نکل گیا۔

میں راستے بھر زندگی کی بے ثباتی اور انسان کی بے پروائیوں میں الجھا رہا۔ انسان زندہ ہوتا ہے تو اپنے مختلف مقاصد اور منصوبوں کے لیے جائز ذرائع سے دولت جمع کرنے کے چکروں میں دن رات لگا رہتا ہے۔ اسے یہ خبر نہیں ہوتی کہ اس کا اندر جانے والا سانس باہر آئے گا یا وہیں رہ جائے گا مگر وہ برسوں اور عشروں کے حساب کتاب میں الجھا رہتا ہے۔ جب اس کی زندگی کا چراغ گل ہوتا ہے یہ سارا حساب کتاب اس کے کسی کام نہیں آتا۔ بعض صورتوں میں بعد والوں کے گلے پڑ جاتا ہے۔

میں اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ میرے پیچھے دروازہ بند کرتے ہی والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی۔ میری بانہوں میں اس کے جھٹکے لیتے ہوئے بدن سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ منہ سے کوئی لفظ نکالے بغیر سسک سسک کر رو رہی تھی۔

اسے انجام کا علم نہیں تھا لیکن یہ معلوم تھا کہ میں ایک انتہائی خطرناک مشن سے گھر واپس آیا تھا۔ شاید میری مہم کے بارے میں اس کے دماغ میں اندیشے اور وسوسے پلتے رہے تھے۔ اس نے مجھے صحیح وسلامت اپنے روبہ رو دیکھا تو ضبط کے سارے بندھن بے اختیار ٹوٹ گئے۔

میں اسے اپنی بانہوں میں سمیٹے وہیں کھڑا رہا۔ کچھ دیر تک سسکنے کے بعد اس کے دل کا غبار ہلکا ہوا تو وہ خود کسمسا کر مجھ سے الگ ہوگئی۔

''اب آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آئندہ اس کی طرف نہیں جائیں گے۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے کوٹ کا کالر پکڑ کر اپنائیت بھرے لہجے میں مطالبہ کیا۔ اس وقت اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں عجیب سی مسرت آمیز شوخی چمک رہی تھی اور آواز بھرائی ہوئی سی تھی۔

''نہیں جاؤں گا۔'' میں نے اس کی تھوڑی اوپر اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا ''وہ ایسی جگہ جا چکا ہے جہاں جانے سے ہر مسلمان پناہ مانگتا ہے۔''

غزالہ نے کسی بچے کی طرح جس بے پایاں خوشی کا

اظہار کیا، اس کو الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ اس نے راجن کو نہیں دیکھا تھا، نہ وہ مکروہ صورت بدمعاش ٹیلی وژن پر آنا پسند کرتا تھا۔ اس کی کھلی مکاریوں کے قصے سن سن کر غزالہ نے اپنے ذہن میں اس کی جو تصویر بنالی تھی وہ ناقابلِ شکست تھی۔ ایسے دشمن کے مارے جانے کی خبر اس کے لیے بڑی خوش خبری تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ایک مدت سے جاری، ہولناک معرکہ آرائی آخر کار اختتام کو پہنچ گئی تھی۔ اس مکار عفریت سے دوبارہ ٹکراؤ ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔

غزالہ نے جس پُرجوش انداز میں میرا استقبال کیا اس سے میری ساری کلفت دور ہوگئی۔ موتی محل میں پیش آنے والے واقعات کے بعد طبیعت پر طاری ہونے والا بوجھل پن کافور ہوتے ہی مجھے ڈان کی فکر سوار ہوگئی۔ وہ واقعہ بہت بڑا تھا۔ میں آخری لمحات پر مشکل سے چاؤ فان سے اپنا پیچھا چھڑا کر راجن کی طرف گیا تھا۔ ان لوگوں میں سے کسی کو میرے ارادے کی بھنک نہیں مل سکی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ میں اپنی اس کامیابی کا جائز کریڈٹ کیسے لے سکوں گا۔

غزالہ کو تفصیلی واقعات جاننے کا تجسس تھا۔ وہ تحمل اور مستقل مزاجی سے میرا ساتھ دیتی چلی آرہی تھی۔ میں اسے نظر انداز کر کے اس کی حق تلفی نہیں کرسکتا تھا۔ جب میں نے اسے موتی محل میں رونما ہونے والے واقعات بتائے تو آخر میں اس نے میرے اس اقدام کو دل کھول کر سراہا کہ میں نے راجن کی تجوری سے نکلوائے ہوئے ایک کروڑ بھات اپنے ہاتھوں سے وہیں نذرِ آتش کردیے تھے۔ وہ رقم ہمارے پاس آتی تو اپنے ساتھ نہ جانے کتنی نحوستیں اور مصائب لے کر آتی۔

ان باتوں کے دوران میں ہم دونوں نے کافی پی اور ٹیلی وژن بھی دیکھتے رہے۔ مجھے یقین تھا کہ کچھ دیر بعد موتی محل سے اونچے شعلے اٹھنے شروع ہوجائیں گے اور وہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے بنکاک میں پھیل جائے گی۔ خبر کسی بھی وقت ٹیلی وژن پر آسکتی تھی۔

غزالہ نے اس بار بھی میری خیریت سے واپسی کے نفل مانے ہوئے تھے۔ وہ ٹیلی وژن کی آواز بند کر کے ایک کرسی کی اوٹ میں نفل پڑھنے کے لیے کھڑی ہوئی تو میں بستر پر دراز ہوگیا۔ میرا اندازہ تھا کہ موتی محل میں آگ لگنے کی خبر سنتے ہی ڈان مجھے فون کرے گا۔ اس کی طرف سے کوئی رابطہ ہونے سے پہلے میرے پاس کوئی مربوط کہانی ہونی ضروری تھی۔

قارئین متوجہ ہوں

قرآن حکیم کی مقدس آیات و احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر آیات اور احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، میرے اضطراب میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ میری نظریں بار بار گھڑی کی سوئیوں کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ میں ایک بڑا معرکہ سر کر کے آیا تھا۔ میرے لوٹ آنے کے بعد وہاں کیا ہوا تھا۔ کہیں سے اس کی خبر نہ آنے پر مجھے رہ رہ کر جھنجلاہٹ ہورہی تھی۔ میں بستر پر لیٹے لیٹے سوچ رہا تھا کہ شاید میرے آنے کے بعد آگ پھیلنے کی رفتار دھیمی ہوگئی ہو۔ اگر وہاں لگی ہوئی آگ باہر والوں کی نظروں میں نہ آتی تو راجن کے باقی ماندہ دو وفاداروں کی واپسی کے بعد وہاں یقیناً ایک ہنگامہ کھڑا ہوجاتا۔ راجن کی زندگی کے آخری اندازے کے مطابق وہ صورت آدھی رات سے پہلے رونما ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

غزالہ نے منت کے نفل پورے کرنے کے بعد شاید عشا کی نماز بھی ختم کرلی۔ اس نے کھانا منگوایا اور کھایا گیا۔ ہر طرف سکوت طاری تھا۔ ٹیلی وژن پر معمول کے مطابق رقص و موسیقی کے تفریحی پروگرام چل رہے تھے۔ دس بجے میرے موبائل کی گھنٹی بجی اور میرا دورانِ خون تیز ہوگیا۔

وہ چاؤ فان کی کال تھی۔ وہ ہیجان زدہ آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''ماسٹر! موتی محل میں زبردست آگ لگی ہوئی ہے۔ پوری عمارت دھڑا دھڑ جل رہی ہے۔ پورے شہر کی گاڑیاں وہاں آگ پر قابو پانے کی کوشش کررہی ہیں مگر اب تک ناکام ہیں۔''

چاؤ فان کی زبان سے وہ تفصیل سن کر میری بے چینی کو قرار آگیا میں نے سرسری لہجے میں کہا ''مجھے اندازہ تھا کہ وہ آگ تیزی سے پھیلے گی۔''

''ہائیں!'' اس کی تحیر زدہ آواز آئی ''ماسٹر...... ! تو کیا یہ کام تمہارا ہے؟''

''چاؤ فان! احتیاط سے کام لو'' میرا لہجہ سرد ہوگیا ''اس وقت تم کہاں ہو؟''

''شعلے شہر میں دور دور تک نظر آرہے ہیں۔ آگ دیکھ کر میں ادھر آیا تھا۔ یہاں ہزاروں کی بھیڑ جمع ہے۔ میں ایک بند

دکان کے سائبان کے نیچے کھڑا ہوا ہوں۔''
''ڈان کو اس واقعے کا علم ہے؟'' میں نے سوال کیا۔
''وہ شہر سے دور ہے۔ میں اسی کو فون کرنے کے ارادے سے ادھر سناٹے میں آیا تھا۔ سوچا کہ پہلے تم سے بات کرلوں۔ یہ کب اور کیسے ہوا۔ چند گھنٹے پہلے تو تم میرے ساتھ تھے!'' وہ جوش اور سنسنی کے عالم میں اپنے معمول سے زیادہ تیزی سے بول رہا تھا۔
''تم لی کو فتح کررہے تھے، میں اس کام کا منصوبہ بنارہا تھا۔ تم سے اپنی جان چھڑا کر میں اسی طرف گیا تھا۔ یہ سب باتیں بعد میں ہوں گی۔'' میں نے کہا ''سنا ہے کہ آج ڈان نے سیلرز بار میں آنے والوں کو مفت شراب پلائی ہے!''
''مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے جواب دیا ''میں مادام کے گھر سے تمہاری طرف آیا پھر اپنے گھر چلا گیا۔ تم نے ظلم کیا کہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لیا...... تمہیں سیلرز بار کی خبر کس نے دی ہے؟''
''راجن کہہ رہا تھا۔'' میں نے اس کی کیفیت کے تصور سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔
''وہ کہاں ملاتم سے؟'' چاؤ فان کی آواز بوکھلائی ہوئی تھی۔
''میں موتی محل میں اسی سے ملنے گیا تھا۔'' میرے ذہن میں ڈان کے لیے ایک اچھوتی کہانی کا نقشہ ابھرنا شروع ہوگیا اور میں نے اس کی داغ بیل ڈال دی۔
''وہ کالا شیطان کہیں نظر نہیں آیا۔ تم نے اسے کہاں چھوڑا تھا؟''
''بس، اب فون بند کردو۔ بنکاک کے سارے فون ناکارہ ہیں۔ ان پر سے میرا بھروسا اٹھ چکا ہے۔'' میں نے اپنے اپریٹس کا بٹن دبا کر سلسلہ موقوف کردیا۔
غزالہ میرے قریب کھڑی حیرت سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ بولی ''بات کرتے کرتے آپ نے اچانک لائن کیوں کاٹ دی...... کیا ہوگیا فون کو؟''
''یہ سارا فتور فون کا ہے۔ بس دیکھتی جاؤ کہ اب کیا ہوتا ہے!'' میں نے مسکراتے ہوئے اسے آنکھ ماری۔ ذہن میں ایک دریچہ کھلتے ہی میرا موڈ خوشگوار ہوچکا تھا۔
''میں وہی پوچھ رہی تھی۔ فون اچھا خاصا تھا، اس میں اچانک کیا مسئلہ پیدا ہوگیا۔'' وہ میرا اشارہ نہیں سمجھ سکی۔
''راجن اور اس کے ساتھیوں کو میں نے کس طرح مارلیا۔ یہ ڈان کے لیے سب سے بڑا سوال ہوگا۔ اس کے جواب میں مجھے کوئی نہ کوئی مضبوط جواز پیش کرنا ہوگا، ورنہ کامیابی کے باوجود میں ڈان کی نظروں میں اپنا اعتماد کھودوں گا۔'' میں نے اسے بتایا۔
''یہ بات مجھے بھی پریشان کررہی ہے۔'' اس نے اعتراف کیا ''وہ آپ کے دہرے کردار سے ناواقف ہے۔ اس کے ذہن میں سب سے پہلا سوال یہ آئے گا کہ آپ کو موتی محل میں رسائی کیسے حاصل ہوگئی۔ صبح کے خون ریز حملے کے بعد راجن اتنا خوف زدہ ہوگا کہ اپنے سائے سے بھی بھڑک رہا ہوگا۔ اس نے ایک اجنبی کو اندر کیسے گھسنے دیا۔ یہ سب اپنی جگہ درست ہے۔ ان باتوں کا بنکاک کے ٹیلی فون کے نظام کی خرابی سے کیا تعلق ہے؟''
''کراس ٹاک۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا ''راجن سے سنی ہوئی باتیں اس حوالے سے بے خوف وخطر دہرائی جاسکتی ہیں۔ ان معلومات کی روشنی میں، میں وہاں پہنچ گیا۔''
''اصل مسئلہ پھر بھی برقرار رہے گا۔'' اس نے پُرتشویش نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے الجھن سے کہا۔ ''آپ کو اتفاق سے اندر کی باتیں معلوم ہوگئیں۔ وہ جاننا چاہے گا کہ آپ اندر کیسے پہنچے!''
''آج شام سے ڈان اپنے بار میں لوگوں کو مفت شراب پلا رہا ہے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ یہ خبر راجن تک پہنچ چکی تھی۔ وہ سخت مشتعل تھا۔ اسے یقین ہوگیا کہ موتی محل پر صبح کا حملہ ڈان کے آدمیوں نے کیا تھا اور ڈان اس کامیابی کی خوشی میں لوگوں میں مفت شراب بانٹ رہا تھا۔ وہ فوری طور پر سیلرز بار میں کوئی بڑی تخریبی کارروائی کرکے ڈان کو اس جسارت کی سزا دینا چاہ رہا تھا۔ اس کے آدمی سیلرز بار کا رخ کرتے تو پہچان لیے جاتے۔ ڈان انہیں اپنے علاقے سے زندہ نہ لوٹنے دیتا۔ اسے کسی نئے چہرے کی تلاش تھی جو ایک تباہ کن ٹائم بم وہاں پہنچا سکے۔ میں اس کام کا امیدوار تھا۔''
''یہ آپ کے معاملات ہیں، میں ان میں اپنی ٹانگ اڑانا نہیں چاہتی۔ میرے ذہن میں ایک مسئلہ تھا، وہ میں نے بتادیا۔ اس کا حل آپ ہی کو تلاش کرنا ہے۔ میں......''
فون کی گھنٹی بجنے کی وجہ سے اس کی بات پوری نہیں ہوسکی۔
میں نے اپریٹس اٹھایا تو اسکرین پر ڈان کا موبائل نمبر آیا ہوا تھا!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک انتہائی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ تو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک نیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی یہودی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک نیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے پاؤفان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک جکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پر عمل درآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مشکوک الحال جکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پر تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں پاؤفان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ ایک مقامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ ساے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز معاندانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گزشتہ شب ہم دونوں پر اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں پاؤفان اپنی مہم پر لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور روائنٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے پاؤفان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ اسے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے پاؤفان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی

طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوگئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا، وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جارہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا، وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیشِ نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس خطے کے چھٹے ہوئے بدمعاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا یوں لگتا تھا میں نے راجن کے محل میں آکر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت چاؤ فان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دعوت پر آئے چھ بدمعاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن تنہا تھا اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ڈان برنارڈ اس کے خلاف میدان میں اترا ہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ڈان برنارڈ کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا، وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چیتا کے حوالے کرکے میں واپس لوٹ آیا۔ اب مجھے ڈان برنارڈ کے پنجے سے گلوخلاصی حاصل کرنی تھی۔

اب آگے صفحہ نمبر 255 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

''تم اس وقت کہاں ہو؟'' لائن لیتے ہی میرے کان میں ڈان کی بھاری اور مخمور مگر تحکم آمیز آواز گونجی۔

اس کا سوال بہت سیدھا سا تھا لیکن اس کے لب و لہجے میں ایسی کوئی غیر معمولی بات تھی کہ اچانک میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ میں نے اپنے کارنامے پر کسی فخر یا گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا ''کیا تمہیں موتی محل کی خبر مل گئی ہے؟''

''ہاں.....!'' ڈان کی آواز میں جوش و خروش کا کوئی عنصر نہیں تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''مجھے ابھی چاؤ فان نے بتایا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ سور کا بچہ تم سے میری شکایت کررہا تھا کہ میں اپنے بار میں مفت شراب بانٹ رہا ہوں!''

اس کی آواز تائید طلب تھی۔ میں نے جواب میں کہا ''وہ غلط نہیں کہہ رہا۔ چاؤ فان کو یہ بات میں نے ہی بتائی تھی۔''

مجھے اپنی بات آگے بڑھانے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ ڈان نے اچانک غضب ناک لہجے میں بولنا شروع کردیا تھا ''اس کی یہ مجال کہ اب وہ میرے کاموں پر تنقید کرنے لگا ہے! میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا' اس کی ہڈیاں تک کچل ڈالوں گا۔ ابھی تک میں پردے کے پیچھے رہ کر خاموشی سے تمہارا کھیل دیکھ رہا تھا۔ اب میں خود میدان میں اتر کر دیکھوں گا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ تم اسی وقت میرے پاس آجاؤ۔''

میں نے چاؤ فان کو دانستہ یہ نہیں بتایا تھا کہ میں راجن اور اس کے دو ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ ڈان کو اسی نے معلومات فراہم کی تھیں جو اس بارے میں ادھوری تھیں۔ اس وقت ڈان کے بگڑے ہوئے موڈ کے پیشِ نظر میں نے کوئی وضاحت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ بہت چالاک آدمی تھا۔ جب تک میری اور راجن کی کشمکش جاری رہی' وہ گوشہ نشین ہو کر میری بھرپور حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ راجن کی شکست کے واضح آثار نظر آتے ہی اس نے خود میدان میں اترنے کا عندیہ دے کر یہ ثابت کردیا کہ ہر بڑے بدمعاش کی طرح وہ بھی بہت چھوٹے دل کا آدمی تھا اور آخری کامیابی کا سہرا اپنے سر سجانے کا خواہش مند تھا۔

''میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔'' میں نے اس کے عزائم پر کوئی تبصرہ کیے بغیر نہایت سعادت مندی سے جواب دیا۔

''وہ تم سے کہاں اور کیسے مل گیا؟'' اشتعال کے باوجود ڈان اپنے فطری تجسس پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہوسکا اور میرا جواب سن کر بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

''کس کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''عقل! کیا تم ہوش میں ہو؟ میں اسی جہنمی راجن کی بات کررہا تھا!'' وہ غرایا۔

''اوہ.....! وہ لمبی کہانی ہے۔ میں اس سے موتی محل میں ملا تھا۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر بے پروائی سے کہا۔

''میں وہی سننا چاہتا ہوں۔ چاؤ فان اپنی گاڑی لیے تمہارے ہوٹل کے باہر موجود ہے۔ اس کے ساتھ فوراً یہاں پہنچو!''

ڈان نے اپنی آخری ہدایت دے کر فون بند کردیا۔

''کیا کہہ رہا تھا؟'' غزالہ نے بے تابانہ لہجے میں سوال کیا۔

''پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ راجن کی ہڈیوں کا سرمہ بنا کر اپنی آنکھوں میں لگائے گا۔'' میں نے داہنی آنکھ دبا کر تمسخر سے جواب دیا۔

''آپ کو اسے بتا دینا چاہیے تھا کہ آپ اسے مار چکے ہیں۔'' غزالہ نے سنجیدگی سے کہا ''بعد میں اسے پتا چلے گا کہ وہ مرے ہوئے دشمن کے بارے میں منصوبہ بندیاں کرتا رہا ہے تو وہ جھنجلا کر آپ پر برس پڑے گا۔''

''تم اس کی پروا نہ کرو۔ ڈان کی نکیل اب میرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ میں اسے پوری روئداد سناتا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''ویسے بھی ابھی میری کہانی مکمل نہیں ہے۔ اس میں کئی جھول ہیں جن پر میں غور کررہا ہوں۔ ڈان کے سامنے زبان کھولنے سے پہلے میرے پاس اس کے ہر سوال کا برجستہ جواب موجود ہونا

چاہیے۔''

ہوٹل کے باہر چاؤ فان اور سیلرز بار میں ڈان میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے غزالہ سے باتیں کرتے ہوئے جوتے پہنے' آئینے کے سامنے جا کر اپنا حلیہ درست کیا اور کمرے سے چل دیا۔

میں ہوٹل سے باہر نکلا تو چاؤ فان اپنی سیاہ اکارڈ کے دروازے سے ٹیک لگائے بے تابی سے سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اس کی گاڑی ہر طرف سے بے داغ نظر آ رہی تھی۔ پھوم فاٹ کے تعاقب میں گاڑی کو پہنچنے والے نقصان کی مہارت سے مرمت کی گئی تھی۔

مجھے دیکھتے ہی اس نے اَدھ جلی سگریٹ سڑک پر پھینک کر جوتے سے مسل دی اور لپک کر میرے قریب آ گیا ''ماسٹر! فون کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟'' میرے قریب آتے ہی اس نے تشویش زدہ اور سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا ''کیا ہوٹل کی آپریٹر تمہاری باتیں سننے کی کوشش کرتی ہے؟ کہو تو میں سالی کو اٹھوا کر اس کا وہ حشر کردوں کہ وہ کئی ہفتوں تک اپنے قدموں پر چلنے کے قابل نہ ہو سکے۔''

''ان گھٹیا حرکتوں کی کوئی ضرورت نہیں۔'' میں نے برا سا منہ بنا کر اسے گھورتے ہوئے کہا ''ہو سکے تو ٹیلی فون کے محکمے کے سربراہ کو اٹھوا لو۔ وہ مرد اور سن رسیدہ ہوگا۔ اس کے ساتھ تمہاری بدسلوکی پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''کچھ تو بتاؤ کہ ہوا کیا ہے!'' اس نے میرے شانہ بشانہ گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے اصرار کیا ''بس' فون کو برا بھلا کہے جا رہے ہو!''

میں دروازہ کھول کر اس کی گاڑی کی پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے پھرتی سے دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

''ماسٹر! میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا۔'' میری طویل ہوتی ہوئی خاموشی سے مضطرب ہو کر اس نے مجھے ٹوکا۔

''یہ سب باتیں تمہاری سمجھ سے بالا ہیں۔'' میں نے چھبتے ہوئے لہجے میں کہا ''تم لی اور دوسری حسیناؤں کے تصور میں ڈوبے رہو۔ اس سے تمہیں خاصا افاقہ ہوتا ہے۔''

''ہائے' تم نے پھر اس کا نام لے لیا۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''ماسٹر! تم یقین کرو کہ وہ بہت انوکھی عورت ہے۔ مادام کے دیوانے بلاوجہ اسے کے در کے چکر نہیں لگاتے۔ وہ پوری جادوگر ہے۔۔۔ مرد کو ایسا مسحور کرتی ہے کہ وہ آن جانی دنیاؤں میں......''

''چاؤ فان! پلیز شٹ اپ۔'' میں نے سختی سے کہا ''مجھے اس حرافہ کے قصیدوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ کہانیاں ڈان کو سنا دینا۔''

''وہ پہلے ہی اسے لمبی گھوڑی کا نام دے چکا ہے۔ میں لمبا نہیں ہوں لیکن وہ جادوگرنی ایک چھوٹے گھوڑے پر بھی مہربان ہو چکی ہے۔ وہ تمہاری مداح ہے۔ پتا نہیں تم اس کے نام سے کیوں چڑنے لگے ہو۔ میں جب اس سے ملتا ہوں' وہ زیادہ دیر تک تمہاری باتیں کرتی رہتی ہے۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی قریبی تعلق قائم ہو چکا ہے جس پر اسے ناز ہے...... ارے! یہ کیا؟ تم تو سو رہے ہو!''

مجھ پر نظر ڈالتے ہی وہ بری طرح چونکا تھا۔ میں اس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ سن رہا تھا مگر اسے اس کی گفتگو کی فضولیت کا احساس دلانے کے لیے میں نے دانستہ اپنی آنکھیں موند لی تھیں۔ میں نے اس کے تخاطب کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

''ماسٹر! مجھے پریشان مت کرو۔'' کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس کی خوشامدانہ آواز ابھری ''اب میں مادام کی کوئی بات نہیں کروں گا۔ مجھے فون کے بارے میں کچھ بتا دو۔''

''میں تھک گیا ہوں۔'' میں نے اپنی آنکھیں کھولے بغیر آلکس سے کہا ''جب ڈان سے ملاقات ہوگی تو سب کچھ سن لینا۔''

چاؤ فان بسیار گو اور منہ پھٹ ضرور تھا لیکن اپنے دل کی گہرائی سے میرا احترام کیا کرتا تھا۔ میری غنودگی کا احساس کرتے ہی اس نے سختی سے خاموشی اختیار کر کے اپنی ساری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر دی۔

میری غنودگی اداکاری کے سوا کچھ بھی نہیں تھی۔ اس وقت میری ساری حسیں پوری طرح بیدار تھیں اور میں اپنے ذہن میں نئی کہانی کے تانے بانے بننے میں لگا ہوا تھا۔ میں نے راجن سے جاری جنگ میں فتح حاصل کر لی تھی لیکن وہ قصہ وہاں ختم نہیں ہوا تھا۔ جب تک میں اپنی اصلیت کا راز چھپا کر ڈان کو مطمئن نہ کرتا' میرا بنکاک سے نکلنا محال تھا۔

ماضی میں ڈان میری ہر کامیابی پر پورے جوش و خروش سے مجھے مبارک باد دیتا رہا تھا۔ وہ ہر بار میری تعریفوں کے پل باندھ دیا کرتا لیکن موتی محل میں آتش زنی کی واردات کے بعد اس نے فون پر انتہائی سرد بلکہ منفی رویہ اختیار کر کے مجھے بدترین ذہنی پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ اس کی خشک اور مختصر گفتگو سے کچھ ایسا ظاہر ہوا جیسے میری طرف سے اس کے ذہن میں شکوک و شبہات جنم لے چکے ہوں۔ انہیں دور کرنے

کے لیے یہ ضروری تھا کہ میرے پاس ڈان کے ہر کاٹ دار سوال کا ایسا مثبت جواب موجود ہو جو اسے مطمئن کر سکے۔

اس وقت تک میں نے ڈان یا چاؤ فان کو یہ نہیں بتایا تھا کہ موتی محل میں آگ لگائے جانے سے پہلے راجن اور اس کے دو ساتھی جہنم واصل ہو چکے تھے۔ وہ میرے لیے ترپ کا پتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اگر کسی وجہ سے ڈان میرے جوابات سے مطمئن نہ ہو پاتا تو راجن کی موت کی خبر سن کر وہ یقیناً سب کچھ فراموش کر دیتا۔

موتی محل پر اپنے آدمیوں کے کامیاب حملے کی خوشی میں ہر ایرے غیرے کو شراب پلانے والے شخص کے لیے اپنے سب سے بڑے حریف کی موت کی خبر بہت اہم ہونی چاہیے تھی۔

اس آخری واقعے سے پہلے ڈان میری وفاداری، دلیری اور کارکردگی سے بہت متاثر تھا۔ اس خوشی میں اس نے ایک مرحلے پر ہمارے پاسپورٹ بھی لوٹانے چاہے لیکن میں نے اپنے چند خدشوں کی بنا پر وہ سفری دستاویزات اسی کی تحویل میں رہنے دیں۔ وہ فیصلہ میں نے اپنی مرضی سے کیا مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میں ڈان کی مرضی کے بغیر اس سے اپنے پاسپورٹ حاصل نہیں کر سکوں گا۔

چاؤ فان کے ساتھ کافی وقت گزار کر مجھے بہ خوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس قماش کے لوگ تھے۔ دوستی میں انہوں نے مجھے اپنے سر پر بٹھایا ہوا تھا تو دشمنی میں وہ میرے خلاف ہر گھٹیا اور ناقابلِ تصور ہتھکنڈا استعمال کر سکتے تھے۔

راستے میں ٹریفک کے اشاروں کے مطابق گاڑی رکتی اور چلتی رہی۔ جب آخری بار گاڑی رکنے کے بعد انجن بند ہوا تو میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

''اوہ.....! ماسٹر ذرا دیکھو کہ پینے والوں نے یہاں کیا حال کیا ہے!'' انجن بند کرتے ہی چاؤ فان نے تحیر زدہ لہجے میں کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ ذخیرہ ختم ہو جانے پر آج سیلرز بار وقت سے پہلے بند کر دیا گیا۔''

میں اس کے کہنے سے پہلے دیکھ رہا تھا کہ سیلرز بار کے سامنے کافی دور تک شراب کی بھانت بھانت کی خالی بوتلیں، بیئر کے خالی ڈبے اور ٹوٹے ہوئے گلاس وغیرہ بکھرے ہوئے تھے۔ سیلرز بار کے دروازے اور تمام روشنیاں بند تھیں۔ بار کے باہر پھیلی ہوئی ابتری سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بار بند ہونے سے پہلے وہاں جمع ہونے والے مفت خور شرابیوں نے دل کھول کر ہڑبونگ اور لوٹ مار مچائی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس شام بار میں کچھ بھی باقی نہ رہا ہو۔

شراب کے ساتھ سیلرز بار کی نفیس اور بیش قیمت کراکری بھی باہر لا کر چکنا چور کر دی گئی تھی۔

اس علاقے میں ڈان کا بہت رعب اور دبدبہ تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اس کی موجودگی میں نشے میں دھت شرابی بھی اونچی آواز میں ہنسنے بولنے سے پرہیز کرتے تھے۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ سیلرز بار سے شراب کی مفت تقسیم کے اعلان کے ساتھ ڈان کا سارا رعب و دبدبہ عارضی طور پر رخصت ہو گیا۔ وہ آنے والوں پر سختی کرتا تو شاید وہاں ایسی تباہی نہ پھیلتی۔ وہ اپنی فتح کے نشے میں سرشار تھا۔ اسی سرمستی کے عالم میں اس نے غیر معمولی ڈھیل سے کام لیا اور وہاں آنے والوں کو اپنے دل کی ساری بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔

''شاید آج سیلرز بار کو باقاعدہ لوٹ کر تاراج کیا گیا ہے۔'' میں نے ونڈ شیلڈ سے سامنے نظر آنے والے مناظر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ''اب ایسا سناٹا ہے جیسے بدمست بلوائی ہر ایک کو اپنے ساتھ اٹھا کر لے گئے ہوں۔ حیرت ہے کہ ڈان نے پولیس طلب نہیں کی!''

''شش.....!'' چاؤ فان نے بے ساختہ دہانے سے آواز نکالی ''ماسٹر! آواز نیچی رکھو۔ پولیس سے مدد لینا ڈان کے لیے گالی سے کم نہ ہوتا اور اس علاقے میں کوئی پولیس والا ڈان کی اجازت کے بغیر نہیں پھٹک سکتا۔'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھی ''میں نے تمہاری کہی ہوئی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ یہاں آ کر اندازہ ہوا کہ چھوٹا راجن نے تم سے ٹھیک ہی کہا تھا۔ آج ڈان نے پورا بار لٹا دیا ہے۔''

''مفت مل رہی ہو تو لوگ نالیوں میں سے بھی پینے لگتے ہیں۔'' میں نے استہزائی انداز میں کہا ''آج اس علاقے کے لوگوں کے لیے کرسمس ہو گیا۔ مجھے تعجب ہے کہ یہاں دور تک کوئی بہکا ہوا شرابی نظر نہیں آ رہا۔''

''یہ اس علاقے میں ڈان کا نافذ کیا ہوا ڈسپلن ہے۔'' اس نے گاڑی سے اترتے ہوئے جواب دیا ''شراب پی کر سرِ عام غل غپاڑا مچانے والوں کو وہ بہت کڑی اور انوکھی سزائیں دیتا ہے۔ مفت کی پینے والے بدمست ہونے سے پہلے اپنی بیویوں یا محبوباؤں کی طرف نکل لیے ہوں گے۔ ان کی یہاں گنجایش نہیں تھی۔''

''کچھ لوگ ان دونوں نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''انہیں جہنم میں ڈالو۔'' اس نے اپنی ترنگ میں ہنس کر

کہا ''محبوبہ نعمت ہوتی ہے، بیوی کسی عذاب سے کم نہیں ہوتی۔ اکثر شادی شدہ لوگ اپنی بیویوں اور ان کی بد دماغیوں کو بھلانے کے لیے شراب پیتے ہیں۔ جن کی بیوی نہ ہو ان کو شراب نوشی کی کیا ضرورت ہے؟''

اس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھا جیسے اس نے مجھے صدی کا بہترین لطیفہ سنایا ہو۔

''بنکاک کے ہر مرد کو اپنے جیسا بدنصیب مت سمجھو۔'' میں نے قدرے درشتی سے کہا ''آج کل میں بھی یہیں رہ رہا ہوں، شادی شدہ ہوں اور اپنی بیوی کو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھلانا چاہتا۔ میرے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟''

''ماسٹر! تم ہر بات اپنے اوپر لے جاتے ہو۔'' وہ کراہنے والے انداز میں بولا ''تم عام آدمی نہیں ہو یا شاید آدمی سے بڑی کوئی شے ہو۔ میں تو اپنے جیسے عام اور مظلوم آدمیوں کی بات کر رہا تھا جن کی بیویاں ان کے لیے ڈراؤنا خواب بنی رہتی ہیں۔''

میں نے مزید اس کے منہ لگنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی اختیار کرلی۔

ہم دونوں عقبی گلی طے کرکے سیلرز بار کے پچھلے سیاہ دروازے پر پہنچے۔ ڈور بیل کے جواب میں دروازہ کھولا گیا تو اس کے عقب میں مجھے ایک شناسا نسوانی چہرہ نظر آیا۔ لڑکی نے ہمیں پہچان کر اندر آنے کے لیے راہ دیتے ہوئے چوبی زینوں کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے زینوں کی طرف جاتے ہوئے تنگ سی راہداری کے دوسرے سرے کی طرف دیکھا۔ اس وقت رات کے نو بھی نہیں بجے تھے لیکن بار میں گہرے اندھیرے کا راج تھا۔ شاید اس کی صفائی ستھرائی اور تزئین نو کا کام اگلے دن پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

چاؤ فان میرے پیچھے تھا۔ اس نے لڑکی کے قریب سے گزرتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں، اپنی زبان میں کچھ کہا۔ لڑکی کی آواز میرے کانوں تک نہیں آئی۔ شاید اس نے چاؤ فان کے سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی بیویوں سے بیزار رہتے ہیں لیکن ہر پرائی عورت پر بری نظر ڈالنا اپنا حق سمجھتے ہیں اور اس ذیل میں بلاضرورت بات کرنے کے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ کوئی من پسند جواب مل جائے تو نہال ہو جاتے ہیں۔ فریق ثانی کے تیور خراب ہو جائیں تو کسی کے کسی احساس کے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں۔

میں اس سے یہ توقع نہیں کرسکتا تھا کہ وہ ڈان کی کسی ملازمہ سے کوئی بے ہودہ بات کہے گا۔ وہ بات برائے بات کا قائل تھا۔ اس میں کسی مقصد یا دری کا ہونا ضروری نہیں تھا۔ شاید اس کی تسکین کے لیے یہی کافی تھا کہ اس کی بات خاموشی سے سن لی گئی تھی۔

دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی میری طبیعت پر عجیب سا خلجان طاری ہونے لگا۔ اس عمارت میں ڈان کی موجودگی میں ہمیشہ خاموشی چھائی رہتی تھی مگر اس وقت مجھے وہ خاموشی گمبھیر سی محسوس ہو رہی تھی۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ میں موتی محل جیسی محفوظ اور ناقابل شکست عمارت میں آگ لگا کر آیا تھا اور ڈان نے میری پیشوائی کے لیے زینوں کے اوپر سرے تک آنا گوارا نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے موڈ کی خرابی کا واضح اظہار تھا۔

میں محتاط انداز میں سیڑھیاں طے کرتا ہوا سیلرز بار کی اوپری منزل پر پہنچا تو ڈان اپنے روایتی گاؤن کے بجائے ٹی شرٹ اور چست جینز میں ملبوس اپنی مسہری پر دراز نظر آیا۔

''چلے آؤ! میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' اس نے اپنی جگہ سے جنبش کیے بغیر اونچی آواز اور سپاٹ لہجے میں ہانک لگائی۔

اس کی مسہری کے قریب جا کر میں نے اپنے روایتی انداز میں سر کو ہلکا سا خم دے کر اسے تعظیم دی۔ چاؤ فان جو اس لمحے تک میرے پیچھے چلا آ رہا تھا، اس مرحلے پر لپک کر مجھ سے ایک قدم آگے نکلا اور ڈان کے سامنے رکوع سے بھی زیادہ جھکتا چلا گیا۔ میرا دل چاہا کہ اس کی پشت پر اتنے زور سے گھٹنا رسید کروں کہ وہ اچھل کر ڈان پر جا گرے لیکن وہ ایسی کسی بے تکلفی کے اظہار کا موقع نہیں تھا۔

''دونوں بیٹھ جاؤ!'' ڈان نے لیٹے لیٹے فرمان جاری کیا۔

میں نے اطمینان سے نشست سنبھال لی۔ چاؤ فان صوفے کے کنارے پر یوں ٹک گیا جیسے کسی بھی لمحے وہاں سے بھاگ نکلنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

''تو وہ بھارتی کتا تم سے شکایت کر رہا تھا کہ میں نے اس کے موتی محل پر حملہ کرانے کی خوشی میں مفت شراب بانٹنا شروع کردی ہے!'' ڈان غرایا۔

''وہ چھوٹے دل کا آدمی تھا، ایسی ہی بات سوچ سکتا تھا۔'' میں نے رسانیت سے کہا۔

''چاؤ اور اسے بتادو کہ میں اس کے خون کا پیاسا ضرور ہوں لیکن وہ میرے لیے اتنا اہم نہیں ہے کہ اس کی کسی رسوائی

کی خوشی میں، میں اپنا کاروبار تباہ کرلوں۔ میری فیاضی کا سبب کچھ اور تھا۔ آج میں بہت خوش تھا لیکن جاؤ فان کی رپورٹ نے میری طبیعت بے مزہ کردی۔ یہ پہلی بار ہوا ہے کہ آج سیلرز بار میں شراب کی ایک بوند نہیں ہے۔ تہ خانے میں پڑے ہوئے لکڑی کے بیرل تک مفت لٹائے جا چکے ہیں۔''

''میں تمہاری فیاضی کا حال دیکھ چکا ہوں۔ بار کا خاصا سامان باہر بکھرا ہوا ہے۔ آج تم نے ہر آنے والے کو کھلی چھوٹ دی ہوئی تھی۔''

''جانتے ہو کہ اس کا سبب کیا تھا؟'' ڈان اچانک اپنے بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی چمکتی ہوئی نگاہیں میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

''اپنے راز تم ہی جانتے ہو...... میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔

''چھوٹا راجن ابھی بہت چھوٹا ہے۔ اس کی غلط فہمی دور ہونا چاہیے۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بولا'' یہ بات میں صرف تم دونوں کو بتا رہا ہوں کہ آج وہ عورت ایک ٹرک کے نیچے کچل کر مرگئی جس نے بنکاک کے بھرے بازار میں میری بے عزتی کی تھی۔ وہ عورت تھی اس لیے میں اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکا لیکن میرے دل سے نکلی ہوئی بد دعائیں اس کا پیچھا کررہی تھیں۔ میں نے اس کی موت کی خوشی میں سیلرز بار کے دروازے ہر ایک کے لیے کھولے تھے۔ اب میں سر اٹھا کر چل سکتا ہوں۔ یہ میرا ذاتی معاملہ تھا۔ میں نے اپنی خوشی کے لیے شراب بانٹی۔ اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ تم سن رہے ہونا!''

ڈان بولتے بولتے خاصا جذباتی ہوگیا۔ میں نے جلدی سے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔ اس کی زبان سے شراب کی مفت تقسیم کا سبب سن کر مجھے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

سنی سنائی کہانیوں کے مطابق ڈان نے ایک کم سن لڑکی سے شادی کی تھی۔ اس شوخ لڑکی نے کسی بات پر برہم ہوکر ڈان کو بازار میں اپنی جوتی سے مارا اور پھر اسے چھوڑ کر چلی گئی۔ ڈان نے شرم سے گوشہ نشینی اختیار کرکے بدمعاشوں کی دنیا میں اپنی بادشاہی چھوڑ دی۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ڈان اتنا کینہ پرور تھا۔ وہ کم و بیش دو برسوں سے اپنی روح کے اس زخم کو پال رہا تھا۔ طاقت اور وسائل ہونے کے باوجود اس نے اپنی بھگوڑی بیوی کا پیچھا کیا نہ اسے مروانے کی کوئی کوشش کی۔ اندر ہی اندر وہ انتظار کی دھیمی آنچ میں سلگتا رہا۔ جب اسے اس عورت کی موت کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی خوشی کے اظہار کے لیے ایک نرالا ڈھنگ اختیار کرلیا۔ یہ محض ایک اتفاق تھا کہ اسی صبح اس کے آدمیوں نے موتی محل پر کامیاب حملہ کیا تھا۔ ڈان کے لب کشا ہونے سے پہلے میں خود بھی اس سنگین غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ ڈان نے راجن کی ہوا خیزی کی خوشی میں شراب کی مفت تقسیم شروع کی تھی۔

ڈان کہہ رہا تھا کہ اس نے اصل سبب صرف ہم دونوں کو بتایا تھا جب کہ اس کے پالے ہوئے چار مسٹنڈے ہر وقت سیلرز بار کے اس فلور پر موجود رہتے تھے۔ میں نے کن انکھیوں سے اس گوشے کی طرف دیکھا جہاں عام طور پر ان کی چوکڑی جمی رہتی تھی۔ اس وقت وہ بستر خالی پڑے ہوئے تھے۔

ڈان پرلے درجے کا کائیاں شخص تھا۔ میری نگاہوں کی جنبش اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ اس نے تیز آواز میں کہا ''اِدھر اُدھر مت دیکھو۔ آج ان چاروں کو بھی دل کھول کر پینے کی آزادی تھی۔ وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ یہاں آتے۔ پی کر کہیں دفعان ہوگئے۔ اس وقت اس فلور پر ہم تینوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ میں نے یہ بات کسی چوتھی زبان سے سنی تو تم دونوں کی خیر نہیں ہوگی۔ میں خود بھی کسی کو بتانا چاہ رہا تھا کہ آج میں کتنا خوش ہوں اور میں نے اپنا پورا بار کیوں لٹایا ہے۔ میرے منہ لگنے والوں کی تقدیر بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اپنی سرکش عورت کو میں نے کوئی سزا نہیں دی مگر تقدیر اسے بہت بے رحمی سے نگل گئی۔''

''یہ بات میرے سینے میں دفن رہے گی۔'' میں نے اسے یقین دلاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی'' یہ ایک اتفاق تھا کہ تم نے آج اپنی ذاتی خوشی کے لیے اپنے بار پر مفت شراب تقسیم کی اور اسی کی وجہ سے راجن جہنم کی آغوش میں پہنچ گیا۔''

ڈان نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ اس انکشاف پر وہ بھونچکا رہ گیا۔ جاؤ فان میرے برابر میں بیٹھا ہوا تھا مگر میں اپنی آنکھ کے گوشے سے دیکھ رہا تھا کہ اس کی کیفیت بھی ڈان سے مختلف نہیں تھی۔

''وہ...... وہ کیسے مرگیا؟'' ڈان نے بے ساختہ سوال کیا۔

''تمہارے اس خادم کی ایک گولی نے اس کا سر اڑا دیا۔'' میں نے انکسار سے جواب دیا ''اس کے دو ساتھیوں کا بھی یہی انجام ہوا ہے۔''

''تم نے اب تک یہ بات نہیں بتائی تھی۔ اب اچانک یہ ذکر لے بیٹھے ہو، شراب کی تقسیم سے ان کی موت کا کیا تعلق نکل آیا؟'' ڈان کے لہجے سے بے یقینی مترشح تھی۔

''میں کیسے بتاتا۔'' میں نے عاجزی سے کہا۔ ''فون پر تم نے مختصر بات کی، ہدایت دے کر فون بند کر دیا۔ یہاں آتے ہی تم نے اپنی بات شروع کر دی۔ اب موقع ملا تو میں نے پہلی فرصت میں تمہیں یہ خبر سنا دی۔''

''علی! مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش مت کرو۔'' ڈان کا لہجہ تادیبی ہو گیا۔ ''مجھ سے پہلے تم نے چاؤ فان سے بات کی تھی۔ موتی محل میں آگ لگنے کی خبر مجھے اسی نے دی۔ تم نے اسے راجن کی موت کے بارے میں کچھ بتایا ہوتا تو وہ مجھ سے اس بڑی خبر کا ذکر بھی کرتا۔ تم اب تک یہ بات اپنے دل میں کیوں لیے بیٹھے رہے؟''

''چاؤ فان نے موتی محل کی آگ دیکھ کر مجھے فون کیا تھا۔'' میں نے بہت احتیاط سے الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''فون پر میں اس سے کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتا تھا کیونکہ بنکاک کے فون کے نظام پر سے میرا اعتبار اٹھ چکا تھا۔ فون پر کوئی اور یہ سن لیتا کہ میں نے موتی محل میں راجن اور اس کے دو وفاداروں کو مارا ہے تو میرا یہ اقبالِ جرم مجھے کسی بدترین انجام سے دوچار کر سکتا تھا......''

''بات تمہاری اور چاؤ فان کی ہو رہی تھی۔ کوئی اور تمہاری باتیں کیسے سن سکتا تھا؟'' ڈان نے میری بات پوری ہونے سے پہلے بے اعتباری سے پوچھا۔

''یہاں کا نظام ناکارہ ہو گیا ہے۔ فون پر لائنیں مل جاتی ہیں۔ ہمارے درمیان اچانک کوئی تیسرا بھی آ سکتا تھا۔'' میں نے وضاحت کی۔ اس بار بھی ڈان نے مجھے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا اور میرا فقرہ مکمل ہوتے ہی بول پڑا۔

''یہ بے کار باتیں ہیں۔ میرے ساتھ آج تک ایسا نہیں ہوا۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''مجھے یہ ماننے میں عار نہیں کہ جب سے تم میرے ساتھ ملے ہو، تمہاری کامیابیاں بے مثال رہی ہیں۔ تم جو ارادہ کر لیتے ہو وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ تم نے چھوٹا راجن کو پے در پے گہرے گھاؤ لگائے ہیں اور اب تم اس کی موت کی خبر سنا رہے ہو۔ میں تمہاری ان کامیابیوں پر غور کرتا رہا ہوں۔ تمہیں اندر کی ایسی خبریں مل جاتی ہیں جن کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگتی۔ تم نے یکایک کہا کہ چھوٹا راجن کا اہم مہمان لوپ بوری میں ہے اور وہ واقعی وہاں چھپا ہوا تھا۔ تم کو خبر ملی کہ چھوٹا راجن اپنی وہائٹ ہاک کا حشر دیکھنے کے لیے سمندر کی طرف گیا ہے اور وہ ان ہی اطراف میں تھا۔ تم ان خبروں کے حاصل ہونے کے بارے میں جواز دیتے رہتے ہو مگر یہ سب مجھے ناقابلِ یقین نظر آتا ہے۔ ایک اکیلا آدمی اتنی بڑی بڑی کامیابیاں کیسے سمیٹ سکتا ہے۔ نتائج میرے سامنے نہ ہوتے تو میں تمہاری ان باتوں پر ہرگز اعتبار نہ کرتا۔ تمہاری پے در پے کامیابیاں اس بات کی دلیل ہیں کہ تم کو بروقت صحیح خبریں ملتی رہیں۔ تم نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور میدان مارتے رہے۔ میرے ذرائع اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہاں تمہارا کوئی متوازی گروہ نہیں ہے۔ تم اپنی بیوی کے ساتھ آئے ہو۔ کسی اکیلے آدمی کی یہ کارکردگی میرے لیے حیرت کے ساتھ پریشانی کا سبب بنتی جا رہی ہے...... تم خاموش کیوں ہو...... بولتے کیوں نہیں؟'' اس کی آواز میں شبہات اور اضطراب کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔

''تم قطع کلامی کر لیتے ہو۔ میں تمہاری بات کاٹ کر بیچ میں نہیں بول سکتا۔'' میں نے صورتِ حال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے گمبھیر سنجیدگی سے کہا۔ ''تمہارے ذہن میں آنے والے سوال فطری ہیں لیکن تم نے اپنے ذرائع سے ملنے والی معلومات کا حوالہ دے کر ان سوالوں کے جواب خود دے دیے ہیں۔ اس کے بعد میرے کچھ کہنے سننے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کے باوجود اگر تم کو میری ذات پر کسی قسم کا شبہ ہے تو چاؤ فان کو حکم دو کہ یہ اپنے پستول کی گولی میرے دل میں اتار دے۔ میں کسی احتجاج کے بغیر خوشی سے یہ موت قبول کر لوں گا۔''

''بکواس مت کرو!'' وہ بے تابانہ انداز میں اپنا داہنا ہاتھ فضا میں لہرا کر غرایا اور اپنی سلامتی کے بارے میں میری ٹوٹتی ہوئی آس دوبارہ بندھ گئی۔ اس بار ڈان کی غراہٹ میں مجھے وہی پرانی مربیانہ اپنائیت محسوس ہوئی تھی جو ہمیشہ میرا حوصلہ بڑھاتی رہتی تھی۔

''بات کو حد سے آگے لے جانے کی کوشش مت کرو۔'' ڈان کی تادیب جاری رہی ''میں نے تمہیں مرنے مارنے کے لیے نہیں بلایا۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ ہر بات سچ سچ بتا دو۔ تم ایسے فائدے میں رہو گے جو تمہارے تصور میں بھی نہیں ہو گا۔''

چھوٹا راجن کی موت کا واقعہ پسِ پشت چلا گیا۔ میری سوچی سمجھی کہانی دھری کی دھری رہ گئی۔ ڈان کا سارا زور میری ذات پر آ گیا تھا۔

''میں نے تمہارے سامنے ہمیشہ سچ بولا ہے۔ تم کو میری کسی بات پر شبہ ہے تو اس کی نشاندہی کرو۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہیں مطمئن کر سکوں۔'' ڈان کی بزرگانہ فہمائش سے میرے وجود میں مچلتی ہوئی بے چینی کی لہر کو بڑی حد تک قرار آ گیا تھا۔

ڈان اپنے بائیں ہاتھ کی چٹکی سے اپنے کان کی لو مسلنے

لگا۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی کشمکش چل رہی ہے۔ چند ثانیوں کے بعد اس نے بوجھل اور ٹھہری ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

بے اختیار میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ڈان نے غیر متوقع طور پر ایک خطرناک اور براہِ راست سوال کر ڈالا تھا۔ میں نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔ ''عجیب سوال پوچھا ہے تم نے..... میرا نام علی احمد ہے۔''

''یہ تم پہلے بھی بتا چکے ہو۔'' ڈان نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ''میں تم سے تمہارا اصلی نام پوچھ رہا ہوں۔''

''علی احمد میرا اصلی نام ہی ہے۔ تم جو چاہو کہہ سکتے ہو۔'' میں نے نرمی سے جواب دیا۔ میری پوری کوشش تھی کہ میں تحمل اور نرم خوئی سے کام لیتے ہوئے ڈان سے کسی ممکنہ تصادم کا خطرہ ٹال سکوں۔

ڈان اضطراری انداز میں مسہری سے اتر کر فرشی قالین پر کھڑا ہو گیا اور داہنے ہاتھ کا مکا اپنی بائیں ہتھیلی پر مارتے ہوئے بولا۔ ''چھوٹا راجن سے میری اور تمہاری لڑائی چل رہی تھی۔ دور دور تک کسی تیسرے فریق کا نام و نشان نہیں تھا پھر وہ بار بار ڈینی کا نام کیوں لے رہا تھا؟''

''اس کا جواب وہی دے سکتا تھا۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''اپنی بدقسمتی سے اب وہ دوسرے جہاں میں پہنچ چکا ہے۔''

ڈان نے جھٹکوں دار چھوٹے چھوٹے قدموں سے قالین پر ننگے پاؤں ٹہلنا شروع کر دیا اور خود کلامی کے انداز میں بولنے لگا۔ ''چھوٹا راجن پاگل نہیں تھا۔ وہ کسی وجہ سے ڈینی سے خوفزدہ تھا۔ میں نے اس کی طرف سے یہ نام پہلی بار سنا تو میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے اپنے ذرائع سے اچھی طرح چھان بین کی۔ تمہاری طرح وہ بھی پاکستانی ہے مگر چھلاوا بنا ہوا ہے۔ اس کا نام سب جانتے ہیں۔ اس کی ذات سے بہت سے بڑے واقعات منسوب ہیں۔ امریکی اس سے خوف کھاتے ہیں۔ وہ نت نئے طریقوں سے اپنے دشمنوں کو مارتا ہے لیکن کسی نے اس کو نہیں دیکھا نہ کہیں اس کی کوئی صاف تصویر دستیاب ہے۔'' وہ ٹہلتے ٹہلتے رک کر اچانک میری طرف گھوما اور پُرجوش لہجہ اختیار کرتے ہوئے بولا۔

''تمہاری کامیابیوں میں مجھے ڈینی کی جھلک نظر آتی ہے۔ تم تنہا وہ سب کرتے پھر رہے ہو جو میرے آدمی آج تک مل کر نہیں کر سکے۔ تمہارے سامنے آنے والے پُراسرار انداز میں مارے جاتے ہیں۔ کسی کو سانپ ڈس لیتا ہے۔ کسی کی لاش آگ میں جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ اب تم نئی کہانی لے کر آئے ہو کہ چھوٹا راجن تم سے ملا۔ اس نے تمہیں اپنا ہمدرد سمجھ کر تم سے میری شکایت کی پھر تم نے اسے مار دیا۔ موتی محل میں آگ لگی ہوئی ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس کی لاش بھی جل کر بھسم ہو جائے گی، اس کی موت کے اسباب کا کوئی سراغ باقی نہیں رہے گا۔ یہ سب کیا ہے۔ کیا یہ کسی عام آدمی کے بس کے روگ ہیں؟''

میں خاموشی سے اس کی طویل تقریر سنتا رہا۔ ڈان اپنے مسائل اور معاملات کی طرف سے اتنا بے پروا نہیں تھا جتنا خود کو ظاہر کرتا تھا۔ یہ راز مجھ پر پہلی بار منکشف ہوا کہ وہ میرے اصلی روپ یعنی ڈینی کے بارے میں بالا ہی بالا معلومات حاصل کرتا رہا تھا۔ اس کے کہے ہوئے الفاظ نے مجھے اندر سے بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اس نے اپنی لمبی تقریر سوالیہ انداز میں ختم کی تھی۔ میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ ''ڈان! یہ میری بدقسمتی ہے کہ میری کارکردگی تمہارے لیے پریشانی کا سبب بن رہی ہے۔ میں ایک عام آدمی ہوں اور تمہارے سامنے ہوں۔ جاوَفان اس بات کی گواہی دے گا کہ میں موتی محل کی طرف جانے سے پہلے اکیلا اس کے ساتھ تھا۔ میں یہ مانتا ہوں کہ میں نے موتی محل میں مارے جانے والوں کی تینوں لاشوں کو آگ لگا دی مگر اس میں میری کسی سازش کا دخل نہیں تھا۔ میں نے انتقام کے جوش میں وہاں آگ لگائی تھی۔ رہی ساحل پر گاڑی میں جلنے والی لاشوں کی بات تو اس میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں رہا۔ راجن کی طرف سے آنے والی کوئی گولی پیٹرول کی ٹنکی میں لگی اور وہاں آگ بھڑک اٹھی۔ ہمارے پاس لاشوں کو چھپانے کے لیے راجن کی کار سے بہتر کوئی جگہ نہیں تھی۔ جاوَفان اس واقعے میں شروع سے آخر تک میرے ساتھ شامل تھا۔''

''بار بار جاوَفان کا حوالہ نہ دو۔'' اس نے ہلکی سی ترشی سے کہا۔ ''میں نے اس سے پل پل کی رپورٹ لی تھی۔ جب گاڑی میں آگ لگی تو تم وہاں اکیلے تھے۔ جاوَفان کو تم نے جیپ میں سڑک کی طرف بھیج دیا تھا تاکہ میدان صاف رہے اور چھوٹا راجن بےخبری میں آگے بڑھتا چلا آئے۔ اس بارے میں جاوَفان وہی کہے گا جو تم نے اسے بتایا تھا۔''

میں سانس روک کے ڈان کی بات سنتا رہا۔ جاوَفان نے اسے بہت کچھ بتا دیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس نے دونوں آدمیوں کی پُراسرار موت کا راز فاش نہیں کیا تھا۔ ان میں

سے ایک زہریلی انگوٹھی کا اور دوسرا ہیم گن کا نشانہ بنا تھا۔ میں نے چاؤ فان کو کچھ ایسا چکر دیا تھا کہ اس نے ایک کے قتل کی ذمے داری اپنے سر لے لی تھی۔ چاؤ فان اس بارے میں زبان کھولتا تو وہ دروغ گوئی کے الزام میں ڈان کے عتاب کا نشانہ بن سکتا تھا۔

''ڈان! یہ اعتبار کی بات ہے۔'' میں نے دبے دبے لہجے میں احتجاج کیا۔''اگر تم سمجھ رہے ہو کہ میں نے چاؤ فان سے کوئی غلط بیانی کی تھی تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

''تم پھر بات بڑھا رہے ہو۔'' ڈان چیخ کر بولا۔''اس وقت مسئلہ اعتبار کا نہیں' چاؤ فان کی گواہی کا تھا۔ اسے سرے سے کچھ پتا نہیں تھا تو وہ تمہاری ہاں میں ہاں ملانے کے سوا کیا کر سکتا ہے۔''

''اگر تمہیں مجھ پر اعتبار ہے تو تمہارے ذہن میں میری طرف سے شکوک وشبہات کیوں پل رہے ہیں۔'' طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد مجھے ڈان کی دکھتی رگ دبانے کا موقع مل گیا۔ میں نے کہا۔''تم مان کیوں نہیں لیتے کہ میں علی احمد ہوں۔''

''مجھے اپنی کامیابیوں کا گر بتاؤ۔'' ڈان پیر لٹکا کر اپنی مسہری پر بیٹھ گیا۔ اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ آچکی تھی۔

''سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ میں کیا بتا سکتا ہوں؟'' میں نے اپنی بے بسی ظاہر کی۔''ذہانت اور قسمت ڈینی کی میراث نہیں ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ اس سے زیادہ تیز طرار ہوں گے۔ ان میں سے ایک میں بھی ہو سکتا ہوں اور ہاں' میں تمہیں ایک اور بات بھی بتا دوں۔ میں کوئی تیس مار خان نہیں ہوں مگر اخبارات وغیرہ پڑھتا رہتا ہوں۔ ڈینی پر امریکیوں نے لاکھوں ڈالر کے انعام مقرر کیے ہوئے ہیں۔ اس کے بارے میں کئی افسروں سے میری بات ہوئی اور ان سب کا خیال ہے کہ ڈینی نام کے کسی آدمی کا سرے سے وجود نہیں ہے۔ وہ سی آئی اے اور ایف بی آئی کا تراشا ہوا ایک افسانوی کردار ہے۔ بھارتیوں نے بھی اس نام کو بہت ہوا دی ہے۔ وہ لوگ اپنی ہر بڑی ناکامی اور بربادی کی ذمے داری ڈینی پر ڈال کر اپنی جان بچاتے ہیں ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ لوگ جو اپنے خلائی کیمروں سے صحرا میں گری ہوئی سوئی کی واضح تصویر لے لیتے ہیں' ان کے پاس ڈینی کا کوئی سراغ نہ ہو۔ وہ کوئی حقیقی وجود ہوتا تو اس کی تصویر یا فنگر پرنٹس بھی ہوتے۔ فرضی نام کے بارے میں کچھ نہیں مل سکتا۔''

''تمہیں بہکایا گیا ہے۔'' ڈان میری بات سن کر بولا۔ دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد اس کی بے چینی کو قرار سا آتا جا رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔''وہ ٹارزن کی طرح کا کوئی فرضی کردار نہیں ہے۔ اس کی موجودگی کی علامتیں اور سراغ ملتے رہتے ہیں لیکن وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ آج تک کسی کی گرفت میں نہیں آیا۔ کسی نے اسے دیکھ لیا تو ڈینی نے اسے زندہ نہیں چھوڑا۔ یہ بحث بے سود ہے۔ آج میں جتنا غور کر رہا تھا' مجھے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ تم ہی ڈینی ہو اور نام بدل کر مجھے دھوکا دے رہے ہو مگر اب میں نے دیکھ لیا کہ تم میں کئی بڑی کمزوریاں ہیں۔ ڈینی مکار اور دبنگ آدمی ہے۔ تم چالاک ضرور ہو' مکار نہیں ہو۔ مجھ سے ڈرتے ہو اس لیے دبتے چلے جا رہے ہو۔ تمہاری رگوں میں ڈینی جیسا خون ہوتا تو تم مدافعانہ دلیلیں دینے کے بجائے اب تک تن کر میرے مدمقابل کھڑے ہو چکے ہوتے۔''

اس نے خاموش ہو کر اپنے سینے سے طویل اور گہرا سانس خارج کیا۔

''میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے مجھ پر شبہ کیا اور خود ہی اسے دور بھی کر لیا۔'' میں نے پورے خلوص سے کہا۔ یہ میری قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ ڈان مجھے میرے خون کا حوالہ دے کر میری تضحیک کر رہا تھا اور میں اس کی غلط فہمی دور کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ زیرک ہونے کے باوجود ہمیشہ کی طرح میری باتوں کے جال میں پھنس کر میری گلوخلاصی کر چکا تھا۔ وہ اپنے موقف پر اڑا رہتا تو بات سنگین رخ اختیار کر جاتی۔

''تمہاری طرف سے میرے دل میں ایک پھانس تھی جو نکل گئی۔ اب بتاؤ کہ چھوٹا راجن یکا یک تمہارا رفیق کیسے ہو گیا۔'' ڈان اپنے پیر اوپر سمیٹ کر مسہری کے سرہانے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ اپنے ہر قول وفعل سے مطمئن نظر آنے لگا تھا۔

''یہ بڑی حیرت ناک کہانی ہے جو میں نے ابھی تک چاؤ فان کو بھی نہیں سنائی۔ اس کی بنیاد تم نے ڈالی۔ اگر تم سیلرز بار میں مفت شراب نہ بانٹتے تو راجن آج بھی ہمارے سینوں پر مونگ دل رہا ہوتا۔'' مجھے پہلی ملاقات میں اندازہ ہو گیا تھا کہ ڈان انا پرست شخص ہے۔ ایسے افراد بہ ظاہر صاف گوئی کے سرپرست بننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ دل وجان سے خوشامد پسند ہوتے ہیں۔ میں نے اپنی کہانی کی تمہید میں ڈان کی تعریف کر کے اس کے شوق کو بھڑکا دیا۔

''میری مفت کی شراب سے چھوٹا راجن کو کیا تکلیف ہوئی؟'' اس نے استہزائی لہجے میں پوچھا۔ چند لمحوں میں وہ

اپنے لب و لہجے سے ایک بدلا ہوا آدمی محسوس ہو رہا تھا۔
''تم اپنی دغا باز عورت کی عبرت ناک موت کی خوشی میں شراب بانٹ رہے تھے۔'' میں نے بیوی کے بجائے ڈان کے مرغوب الفاظ استعمال کرتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔
''یہ ایک اتفاق تھا کہ صبح تمہارے آدمیوں نے موتی محل پر بموں اور رائفلوں سے حملہ کیا تھا۔ راجن کی شراب کی مفت تقسیم کی خبر ملی تو اس نے اندازہ لگایا کہ وہ حملہ تمہاری طرف سے ہوا تھا اور تم اس کامیابی کی خوشی میں مفت شراب بانٹ رہے تھے۔ اس کی کھوپڑی سنک گئی اور وہیں سے اس کی تباہی کا آغاز ہو گیا۔''
''بولتے رہو!'' میرے توقف پر ڈان نے بے تابی سے مجھے ٹوکا۔ ''خاموشی سے مجھے الجھن ہوتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا اس سے کیسے رابطہ ہوا۔''
''میں اسی طرف آ رہا ہوں۔'' میں نے دل ہی دل میں ڈان کے اضطراب سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ ''اس نے اسی وقت تم سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اب دوسرا اتفاق رونما ہوا۔ میں نے صبح کے واقعے پر راجن کا ردعمل جاننے کے لیے ہوٹل کی لابی میں لگے ہوئے پبلک بوتھ سے موتی محل فون کیا تو مجھے راجن کی آواز سنائی دی۔ میرا ارادہ تھا کہ میں باہر کے کسی اخبار کا رپورٹر بن کر اس سے بات کرتا۔ اس کی آواز سنتے ہی میں نے اپنا سانس روک لیا اور پوری توجہ سے اس کی بات سننے لگا۔ وہ کسی کرنل گیری کو اپنی بپتا سنا رہا تھا۔ اسے غصہ تھا کہ تم نے باہر سے آئے ہوئے اس کے پانچ نامی گرامی مہمانوں کی موجودگی میں موتی محل پر حملہ کرایا اور اس کا سارا منصوبہ درہم برہم ہو گیا۔ تم اس کامیابی کی خوشی میں اپنے بار پر ہر کس و ناکس کو مفت شراب پلا رہے تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ اس بھیڑ بھاڑ میں تمہارے بار میں بم کا دھماکا کر دیا جائے۔ بار کی تباہی اور بہت سے شرابیوں کی ہلاکت سے تمہاری زبردست بدنامی ہو گی۔ اسے توقع تھی کہ شاید وہ دھماکا تمہارے لیے بھی جان لیوا ثابت ہو اور سارا قصہ ہی ختم ہو جائے......''
''کرنل گیری یہ سب سن رہا تھا۔'' ڈان نے میری بات کاٹ کر حیرت اور غصے سے کہا۔
''نہ صرف سن رہا تھا بلکہ اسے نادر مشورے بھی دے رہا تھا۔'' میں نے ڈان کو اکسایا۔
''یہ حرام کے جنے امریکی کسی کے نہیں ہوتے۔'' ڈان باقاعدہ طیش میں آ گیا۔ ''برے وقت پر اپنے باپ کو بھی دغا دے جاتے ہیں۔ گیری پچھلے چھ برسوں سے یہاں جما بیٹھا ہے۔ میرے گوشہ نشین ہونے سے پہلے وہ مجھ سے یاری کا دم بھرتا تھا' اب چھوٹا راجن کا مشیر بنا ہوا تھا۔ مجھے ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ تم نے فون پر ان دونوں کی کیا کیا باتیں سنیں۔''
ڈان پر میرا داؤ چل گیا۔ میں ایک تیر سے یہ یک وقت دو شکار کر رہا تھا۔ ایک طرف مفروضہ کراس ٹاک کی آڑ لے کر اپنی پوزیشن صاف کر رہا تھا اور دوسری طرف اسے امریکی سفارت خانے کے سازشی انفارمیشن افسر کے خلاف بھڑکانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔
''راجن تمہارے بارے میں فوری طور پر بم کا دھماکا کرانے پر اڑا ہوا تھا۔'' ڈان کے مطالبے پر میں نے دوبارہ بولنا شروع کر دیا۔ ''اس کام کے لیے اسے کوئی نیا آدمی درکار تھا۔ کرنل گیری کا کہنا تھا کہ راجن یہ معمولی سا کام اپنے کسی آدمی سے لے سکتا تھا۔ وہ ایک چھوٹے بیگ میں کوئی طاقتور ریموٹ کنٹرول بم تمہارے بار میں چھوڑ کر لوٹ آتا تو بھیڑ بھاڑ میں کسی کو اس کارروائی کا علم نہیں ہونے پاتا۔ اپنے آدمی کی بہ حفاظت واپسی کے بعد راجن جب چاہتا' ایک بٹن دبا کر تمہارے بار کی پوری عمارت کو ملبے کے ڈھیر میں بدل دیتا۔ گیری بم فراہم کرنے پر آمادہ تھا مگر راجن کا کہنا تھا کہ اس کا آدمی سیلرز بار میں پہچان لیا گیا تو ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ وہ مار ڈالا جائے گا' منصوبہ ناکام ہو گا اور تم پوری طاقت سے دوبارہ موتی محل پر چڑھائی کر دو گے۔''
''ہوں!'' ڈان اپنا سر ہلاتے ہوئے غرایا۔ ''یہ خوفناک سازش ہو رہی تھی میرے خلاف۔ چھوٹا راجن میرے راستے سے ہٹ گیا ہے۔ اب میں گیری خنزیر کو بھی دیکھ لوں گا۔ پھر تم نے کیا کیا؟''
''ڈان! اس وقت میں کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔ ''بس اپنا دم سادھے ان دونوں کی گفتگو کا ایک ایک لفظ ذہن نشین کرتا رہا۔ راجن اسے اپنی مشکلات بتا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ اس کی زندگی کی سب سے منحوس شام ہے۔ اس کے سارے آدمی اس کو پیٹھ دکھا گئے ہیں۔ بہت سے غدار موتی محل میں لوٹ مار کر کے بھاگ گئے۔ کچھ بزدل گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ حد یہ ہے کہ آج اس کے سارے کاروباری ٹھکانوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ موتی محل میں صرف چار جاں نثار اس کے ساتھ رہ گئے ہیں جن میں سے دو کو اس نے ڈپلیکیٹ چابیاں دے کر کلبوں اور جوئے خانوں کے تالے کھول کر تجوریوں سے پچھلی رات کی کمائی سمیٹنے کے لیے بھیجا ہوا تھا۔ کچھ دیر کی بحث کے بعد راجن کی کسمپرسی پر کرنل گیری کا دل پسیج گیا اور اس نے اپنا

ایک آدمی موتی محل کی طرف روانہ کرنے کا وعدہ کر لیا۔ پھر فون بند ہو گیا۔''

اچانک جاؤ فان نے پھنسی پھنسی اور بے ہنگم آواز میں کھانسنا شروع کر دیا۔

''تجھ پر کیا آفت آ گئی؟'' ڈان نے برہمی سے اسے پکارا۔ روانی میں وہ انگریزی ہی بول رہا تھا۔ ''تیرے معدے میں کوئی طوفان اٹھ رہا ہے تو جا کر گلی میں قے کر دے۔ یہاں کا ماحول پراگندہ کیا تو میں تیرا سر توڑ دوں گا۔''

''ڈان! ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ گھگیایا۔ ''تمہاری اجازت سے میں اس مرحلے پر کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ ماسٹر نے ایک عجیب بات کہہ دی ہے۔''

''بول' میں سن رہا ہوں۔'' ڈان نے ترشی سے کہا۔

''میں نے صبح سے اپنے آدمی چھوٹا راجن کے کاروباری ٹھکانوں کی نگرانی پر لگا دیے تھے......'' جاؤ فان نے کہنا شروع کیا لیکن ڈان نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے درمیان میں دخل انداز ہو کر اسے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔

''تاکہ رات کے اندھیرے میں وہ ان ٹھکانوں کو لوٹ سکیں۔'' ڈان نے طنزیہ انداز میں گویا جاؤ فان کی بات مکمل کی۔

''ہاں!'' جاؤ فان نے خوشامدانہ انداز میں اپنا سر ہلا کر کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ تمہارا یہ غلام ایسے مواقع پر نہیں چوکتا۔ بے بی کلب سے چھوٹا راجن کو سب سے زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ اب سے تین گھنٹے پہلے دو آدمی وہاں پہنچے۔ شاید وہ وہی تھے جن کا ذکر ماسٹر نے فون پر سنا تھا۔ وہ تالے کھول ہی رہے تھے کہ میرے آدمیوں نے ان دونوں کو بے خبری میں چھاپ لیا۔ وہ ان دونوں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ تالے کھول کر وہ انہیں اندر لے گئے اور مارنا شروع کر دیا۔ ذرا سی دیر میں انہوں نے وہی باتیں اگل دیں جو ابھی ماسٹر نے بتائی ہیں۔ میرے آدمیوں نے ان سے تالوں اور تجوریوں کی سب چابیاں چھین کر انہیں مار ڈالا۔ لاشیں وہیں چھوڑ کر انہوں نے بے بی کلب کی تجوری صاف کی پھر ایک گھنٹے میں ایک ایک کر کے چھوٹا راجن کے سارے کاروباری ٹھکانوں سے بھی رقمیں سمیٹ لائے۔''

''جاؤ فان! تو بہت کمینہ ہے۔ ابھی علی ان دونوں کا قصہ نہ سناتا تو' تو ساری رقم خود پی جاتا۔'' ڈان کے لہجے سے جاؤ فان کے لیے شفقت پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ''تیرے سب آدمی چور ہیں۔ انہوں نے بیچ میں گھپلا ضرور کیا ہو گا۔ تجھے کتنی رقم لا کر دی گئی؟''

''پچیس لاکھ سے اوپر ہاتھ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ جوئے خانوں سے سونے کے زیور' قیمتی گھڑیاں اور دوسری چیزیں بھی ملی ہیں۔'' جاؤ فان نے حریصانہ انداز میں بتایا۔

''گڈ!'' وہ تفصیل سن کر ڈان خوش ہو گیا۔ ''آج مقدر میری یاوری کر رہا ہے۔ دو برس کے صبر اور انتظار کے بعد آج زمین کو میری بے وفا عورت کے بوجھ سے چھٹکارا مل گیا۔ میں نے نیک نیتی سے شراب لنڈھائی تو اس کی قیمت سے کئی گنا زیادہ رقم تیرے ہاتھ آ گئی۔ چھوٹا راجن ایک مدت سے میرے سینے کا ناسور بنا ہوا تھا۔ تیرا ماسٹر اس کی موت کی خبر لے کر آیا ہے۔ موتی محل چھوٹا راجن کا قلعہ تھا۔ وہ صبح ہونے تک راکھ اور ملبے کا ڈھیر بن چکا ہو گا۔''

میں خاموشی سے ان دونوں کی باتیں سنتا رہا۔ جاؤ فان کسی گیدڑ سے زیادہ مکار ثابت ہو رہا تھا۔ چھوٹا راجن کی زندگی میں وہ اس کے سائے سے بھی دور بھاگتا رہا۔ اس پر برا وقت آتے ہی وہ اس کے اثاثوں پر قبضہ جمانے کی گھات میں لگ گیا۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میرے ہاتھوں سے بچ جانے والے راجن کے دونوں ساتھی جاؤ فان کے پھیلائے ہوئے گیدڑوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ شہر میں راجن کا ایک بھی نام لیوا باقی نہیں رہا تھا۔ وہ غلط راستوں پر چلنے والوں کے عروج و زوال کی ایک لرزہ خیز اور چشم کشا مثال تھی۔ اس سے پہلے سوبھراج بھی اسی طرح شہرت و ثروت کی بلندیوں سے اچانک ذلت و گمنامی کی موت مر چکا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔ اپنے سیاہ کرتوتوں کی بنا پر دونوں ایک جیسے انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ ان کی بے اندازہ دولت ان کے کسی کام آ سکی نہ ان کا بے پناہ اثر رسوخ انہیں بھیانک انجام سے بچا سکا!

''اچھا ہوا کہ سب قصے آج ہی صاف ہو گئے۔'' میں نے ان دونوں کی گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے ڈان سے کہا۔ ''تمہارے لیے آج کا دن مبارک ہے۔ مگر میں اس دن کی سیاہی کو شاید زندگی بھر بھلانے میں کامیاب نہ ہو سکوں۔''

''کیوں......؟ تمہارے ساتھ کیا ہوا......تم چھوٹا راجن کو مار کر بھی اتنے ناخوش کیوں ہو؟'' ڈان نے چونک کر تعجب آمیز لہجے میں پوچھا۔

''ناخوشی میری ساری خوشیاں پی گئی۔'' میں نے اداس لہجے میں کہا۔ ''آج تم نے مجھ پر شبہ کیا ہے۔ مجھ کو ڈبل سمجھ کر تم نے میری روح کو زخمی کر دیا ہے۔''

ڈان کسی چیتے کی طرح اچھل کر مسہری سے نیچے آیا اور اضطراری انداز میں مجھ سے لگ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''تم اتنی سی بات اپنے دل پر لے بیٹھے۔ میں کھرا اور صاف گو آدمی ہوں۔ جو دل میں آتا ہے' کہہ ڈالتا ہوں۔ تم نے میرا شک دور کر دیا اور میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہو گیا۔ میرا دل آئینہ ہے آئینہ۔ تم کو افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ چاؤ فان کو دیکھو۔ میں غصے میں اسے گالیاں بھی دے لیتا ہوں اور یہ سر جھکا کر سن لیتا ہے۔ کبھی میری تلخ کلامی کا برا نہیں مناتا۔''

میرا دل چاہا کہ ڈان کو بتاؤں کہ ہر آدمی چاؤ فان کی طرح ڈھیٹ اور بے شرم نہیں ہو سکتا۔ میرا خمیر اس سے بہت مختلف تھا مگر اس تلخ نوائی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ''میں کوشش کروں گا کہ اس صدمے کو فراموش کر دوں۔''

''دل گرفتہ ہونے کے بجائے مرد بنو۔'' ڈان میرے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''تم نے اپنی مردانگی سے میرا دل جیتا ہے۔ اب ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو دماغ میں جگہ مت دو۔ یہ بتاؤ کہ گیری اور چھوٹا راجن کی باتیں ختم ہونے کے بعد تم موتی محل میں کیسے پہنچے؟''

''اصل کمال بنکاک کے فون سسٹم کی خرابی کا تھا۔ مجھے ان دونوں کی کمزوریوں اور پلان کا علم ہو چکا تھا.....'' میں نے کہنا شروع کیا لیکن ڈان نے پھر میری بات کاٹ دی۔

''ایک منٹ رکو!'' وہ یہ کہتا ہوا صوفے سے اٹھ کر دوبارہ اپنی مسہری پر چلا گیا۔ ''تم بار بار یہاں کے فون سسٹم کی خرابی کا ذکر کر رہے ہو۔ یہ سسٹم کی نہیں' موتی محل کے اندر کی خرابی تھی۔ تم نے بتایا کہ تم نے پبلک بوتھ سے موتی محل کا کوئی نمبر ملایا تھا اور لائن چھوٹا راجن سے مل گئی۔ یہ شاید اس لیے ہوا کہ صبح کے حملے سے وہاں کے فون کی لائنیں ٹوٹ پھوٹ کر ایک دوسرے سے مل گئی ہوں گی۔ سسٹم میں نقص ہوتا تو تمہاری لائن کہیں بھی مل سکتی تھی' چھوٹا راجن کے فون سے نہ ملتی۔ یہاں برسوں سے امریکا کا فوجی اڈا قائم ہے۔ مواصلاتی نظام ان کی نگرانی میں از سر نو بنا ہے۔ اس کی ایسی خامیاں ان کی رازداری کو تباہ کر دیتیں۔ یہ مان لو کہ یہاں کا سسٹم بے عیب ہے۔''

''مجھے پورے بنکاک یا موتی محل کی بحث سے غرض نہیں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''میں اصل واقعات بتا رہا ہوں۔ وہی کچھ دہرا رہا ہوں جو اس وقت میرے ذہن میں آیا تھا۔''

میں نے سوچ سمجھ کر ڈان کے لیے جو کہانی تیار کی تھی وہ حیرت ناک طور پر مربوط اور مضبوط ثابت ہو رہی تھی۔ میں نے راجن سے ہونے والی کم و بیش ساری باتیں فون کی خرابی کے بہانے سنا دی تھیں۔ وہ دونوں قدم قدم پر اس کہانی کے نکات کی تائید کر رہے تھے۔ ڈان فون کی لائنوں میں گڑبڑ کا سہرا اپنے حملہ آور جتھے کے سر پر سجا رہا تھا۔ چاؤ فان نے اپنی زبردست لوٹ مار کے ساتھ ان دو آدمیوں کی ہلاکت کی تصدیق کی تھی جنہیں راجن نے مال سمیٹنے کے لیے بھیجا تھا۔

''ان کی باتیں ختم ہوتے ہی میں نے تیزی سے عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔'' میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''میں کرنل گیری کے آدمی سے پہلے اس کے روپ میں موتی محل میں گھسنا چاہتا تھا۔''

''اوہ!'' ڈان کے منہ سے بے ساختہ تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔ ''تم نے بہت خطرناک مگر دلیرانہ فیصلہ کیا۔ یوں موت کے منہ میں چھلانگ لگا دینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ تمہاری موجودگی میں اصل آدمی بھی وہاں پہنچ جاتا تو موتی محل تمہارا مدفن بن سکتا تھا۔''

''خطرات سے کھیلے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ میرا اور تمہارا دشمن تھا۔ میرا رواں رواں اس سے انتقام لینے کے لیے بے چین تھا۔ میں اوپر گیا اور کمرے سے کپڑے بدل کر عجلت میں نیچے آیا تو اچانک یہ چاؤ فان وہاں پہنچ گیا۔'' میں نے اس سچویشن کو یاد کرتے ہوئے کپڑے بدل کر نیچے آنے کا ذکر شامل کر دیا۔ مجھے شبہ تھا کہ اس مرحلے پر اس نے مجھے لفٹ سے نمودار ہوتے ہوئے نہ دیکھ لیا ہو۔

''مجھے وہاں دیکھ کر ماسٹر کے دماغ کو گرمی چڑھ گئی۔'' چاؤ فان نے کہا۔ ''یہ جلد از جلد مجھ سے جان چھڑا کر کسی کام پر نکلنے کے لیے بے چین تھا۔ سچ یہ ہے کہ اس نے دھکے دے کر مجھے وہاں سے رخصت کیا تھا۔ مجھے ذرا بھی بھنک مل جاتی کہ ماسٹر کا ارادہ موتی محل میں گھسنے کا ہے تو میں ہر قیمت پر اس کے ساتھ اس مہم میں شریک رہتا۔'' اس نے ڈان کی نظریں بچا کر مجھے آنکھ ماری اور خاموش ہو گیا۔

''بک بک مت کر!'' ڈان نے اسے فہمائش کی۔ ''مجھے معلوم ہے کہ تو کتنا سورما ہے۔ اتنا بے جگر ہوتا تو چھوٹا راجن کو اتنا اونچا اڑنے کی مہلت نہ ملتی۔'' چاؤ فان کو لگام دے کر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ''میرے بدن میں تجسس سے اینٹھن ہو رہی ہے۔ تم اپنی بات جاری رکھو۔''

''میں اسے دیکھ کر واقعی جھلا گیا۔'' میں چاؤ فان کے یکایک بولنے اور آنکھ مارنے کا مقصد بھانپ گیا تھا۔ وہ بوکھلایا ہوا تھا کہ میں کہیں ڈان کے سامنے یہ نہ کہہ دوں کہ چاؤ

فان اس وقت لی کو فتح کر کے تیخ پر بھنے ہوئے چوزے کھانے کے بعد میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اس کی نجی مصروفیات سے پہلوتہی کرتے ہوئے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ ''یہ چمٹ رہا تھا اور میں اسے بھگانا چاہ رہا تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود میں نے اسے نہیں بتایا کہ میرا کیا پروگرام تھا۔ اسے رخصت کر کے میں موتی محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں نے کرنل گیری کا حوالہ دیا اور دربان نے مجھے اندر بلالیا۔ شاید راجن اسے گیری کے آدمی کی آمد کے بارے میں ہدایت دے چکا تھا۔ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ اس وقت پورے موتی محل میں کل تین نفوس تھے۔ راجن جیسے مزاج کا آدمی اکیلا نہیں رہ سکتا۔ ایک اس کے ساتھ ہوگا۔ تیسرا دربان تھا جو میرے ارادوں سے بے خبر اور غافل تھا۔ وہ انٹرکام پر اندر خبر دینے کے لیے مڑا اور میں نے پیچھے سے اسے دبوچ کر اس کے پستول پر قبضہ کرلیا۔ ذراسی جدوجہد کے بعد میں نے اسی پستول سے اس کا کام تمام کردیا۔ اس سے آگے کا کام بہت مشکل اور روح فرسا ثابت ہوا۔ پُرپیچ راہداریوں اور کمروں میں بھٹکنے کے بعد مجھے ایک بند دروازے کے پیچھے سے راجن کی آواز سنائی دی۔ میں وہیں رک گیا۔ وہ جوزی نام کے کسی آدمی سے باتیں کررہا تھا۔ میرے دماغ پر خون سوار ہونے لگا۔ ذراسی سن گن لینے کے بعد میں نے لات مار کر دروازہ کھولا اور اندر گھس گیا۔ وہ دونوں مجھے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ وہ دو تھے' میں اکیلا۔ میں نے کوئی خطرہ مول لیے بغیر جوزی کی پیشانی میں گولی اتاری پھر راجن کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ وہ سسکا سسکا کر مارے جانے کے قابل تھا۔ اس کی اتنی آسان موت پر میرے دل کی بھڑاس نہیں نکل سکی۔ میں نے ان دونوں کی لاشوں پر سامان کا ڈھیر لگانا شروع کردیا۔ اس دوران میں مجھے دربان کی لاش یاد آئی۔ میں اسے کندھے پر لاد کر اسی کمرے میں لے آیا۔ ان تینوں لاشوں کی چتا کو آگ لگا کر میں تماشا دیکھتا رہا۔ جب کمرے میں بھرنے والے دھوئیں کی وجہ سے میرے لیے سانس لینا دشوار ہونے لگا تو میں وہاں سے نکل آیا۔ تینوں لاشوں کو سامان کے ساتھ آگ لگا کر میرا دل ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ میں موتی محل کی فصیل سے باہر نکلا تو اس وقت تک گیری کا اصل آدمی وہاں نہیں پہنچا تھا۔ میں اطمینان سے لوٹ آیا۔ میرا دل ہلکا ہو چکا ہے۔ میں نے بنکاک میں اپنے دشمن سے انتقام لے لیا۔ میرا مقصد پورا ہو چکا۔ اب میں تمہاری اجازت سے یہاں سے لوٹنا چاہوں گا۔''

''شاندار...... بہت شاندار!'' ڈان جذباتی لہجے میں بولا۔ ''مردوں کے فیصلے اور کام ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تم نے ایک مدت سے جاری آویزش کو ذراسی دیر میں تن تنہا ختم کردیا۔ تم ہیروں میں تولے جانے کے قابل ہو۔ ابھی تک تم دشمن سے برسرپیکار تھے۔ مجھے احساس ہے کہ اس دوران میں تمہیں عیاشیوں کے اس گڑھ میں سکھ چین کا ایک پل بھی نصیب نہیں ہوا۔ تم مشین کی طرح دن رات کام میں لگے رہے۔ ابھی جانے کا نام نہ لو' کچھ دن یہاں آرام کرو اور دیکھو کہ بنکاک کا ڈان کس طرح تمہاری مہمان داری کرتا ہے۔''

میری نگاہیں ڈان کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہاں جوش اور بے پایاں مسرت کے سوا کچھ نہیں تھا لیکن اس کے آخری فقرے میرے دل میں کھٹکنے لگے۔ مجھے محسوس ہوا کہ ان جذباتی لمحات میں وہ اوّل درجے کی مکاری سے کام لے کر مجھے واپسی سے روک رہا تھا۔ آرام اور مہمان داری اس کے بہانے تھے۔ ذراسی دیر پہلے وہ میرا اور ڈینی کا موازنہ کرتے ہوئے مکاری کی افادیت پر روشنی ڈال چکا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ اس وقت اسی ہنر سے کام لے رہا تھا۔

''میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم میرے لیے اتنی اپنایت سے سوچ رہے ہو۔ تم نے میرا ساتھ نہ دیا ہوتا تو میرے لیے راجن سے انتقام لینا مشکل ہوجاتا۔ یہ کام پورا کرلینے کے بعد میں اب جلد از جلد اپنے ملک لوٹ جانا چاہتا ہوں تاکہ اپنے کنبے اور برادری کے لوگوں کو فخر سے بتا سکوں کہ میں نے آخرکار اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔''

ڈان سے ملک لوٹنے کی بات کرتے ہوئے میرے ذہن میں غیرارادی طور پر جلال کی باتیں ابھر آئیں۔ میرے دل میں ایک ٹیس سی اٹھ کر رہ گئی۔ میں نے ڈان سے اپنی واپسی کا ذکر کرلیا مگر میں جانتا تھا کہ کرنل گیری کے ہم وطنوں نے پاکستان میں میرے خلاف بھرپور محاذ تیار کیا ہوا تھا۔ اس وقت میں کسی بھی حالت میں پاکستان واپس جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

ڈان کی طلبی پر سیلرز بار کی طرف آنے تک میرے ذہن پر سب سے بڑی یہ الجھن سوار تھی کہ میں ڈان کو اپنی راجن تک مفاہمانہ رسائی کے بارے میں کیسے مطمئن کرسکوں گا۔ وہ کیسے مان لے گا کہ خطرات میں گھرے ہوئے ایک عیار دشمن نے ایک اجنبی کو بلا کسی روک ٹوک اپنے گھر میں بلالیا۔ ڈان کے لیے میں صرف علی احمد تھا۔ راجن کے ساتھ میں ڈینی اور اکبر کا دہرا کردار ادا کررہا تھا۔ وہ شہر میں کسی علی احمد کے وجود

سے بے خبر تھا۔ ڈینی کے روپ میں، میں راجن کا حریف تھا۔ اکبر کی حیثیت سے وہ مجھے اپنے ہاتھوں کا ایک بزدل کھلونا تصور کر رہا تھا۔ سب کچھ بری طرح الجھا ہوا تھا۔ یہ میرے حال پر قدرت کی بہت بڑی عنایت تھی کہ میں ہر محاذ پر اپنے طے شدہ کرداروں کا دفاع کرنے میں پوری طرح کامیاب رہا تھا۔

ڈان ایک جہاں دیدہ آدمی تھا۔ اس نے میرے بشرے سے شاید میرے دل کی تحریر پڑھ لی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''ساری غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ دلوں سے کدورتیں دھل گئیں۔ اب تمہیں کسی فکر یا تشویش میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے ساتھ میرے تعلقات میں کئی نشیب و فراز آئے ہیں۔ مجھے تم سے بہت زیادہ امیدیں وابستہ نہیں تھیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ تم کام ادھورا چھوڑ کر یہاں سے بھاگنے کی تیاری کر رہے ہو۔ میں نے پاسپورٹ ضبط کر کے تمہیں یہاں باندھ لیا۔ پھر تمہارے کام کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا۔ تم نے خود کو منوا لیا۔ میں نے نادم ہو کر تمہارے پاسپورٹ لوٹانا چاہے مگر تم نے لینے سے انکار کر دیا۔ تمہاری وہ امانت اب بھی میرے پاس محفوظ ہے، تم جب چاہو واپس لے سکتے ہو۔ تم چھوٹا راجن کو جہنم واصل کر کے میرے سر کا تاج بن گئے ہو۔ تم کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے مگر اب تم کو میرا دوست اور مہمان بن کر کچھ دن یہاں ضرور رہنا ہوگا۔ ڈان اپنے دشمنوں کے لیے آسمانی قہر ہے مگر دوستوں کے لیے سر سے پیر تک تواضع، انکسار اور رواداری کا پیکر ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ مجھے طعنے دیں کہ میں نے علی جیسے جی دار آدمی سے اپنا کام نکال کر آنکھیں پھیر لیں۔''

ڈان کم گو تھا لیکن جب بولتا تھا تو زورِ کلام میں انتہا کو پہنچ جاتا تھا۔ اس سے بحث کرنا بے سود تھا۔ وہ جو کچھ تجویز کر رہا تھا اسے مان لینے میں میری عافیت مضمر تھی۔ میں نے خوشی کا اظہار ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔ ''میں اس عزت افزائی پر تمہارا ممنون ہوں۔ مناسب سمجھو تو پاسپورٹ مجھے دے دو۔ میں فرصت میں جائزہ لے لوں کہ وہ کب تک اور کہاں کہاں کے سفر کے لیے کارآمد ہیں۔ میں پاکستان سے یہ سوچ کر نکلا تھا کہ مجھے راجن کو پکڑنے کے لیے نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھاننا ہوگی۔ یہ قصہ یہیں نمٹ گیا۔''

''یہ لو!'' ڈان نے بلاتوقف بستر پر نیم دراز ہو کر اپنا ہاتھ تکیے کی طرف بڑھایا اور اس کے نیچے سے ہمارے دونوں پاسپورٹ نکال کر سیدھا ہو گیا۔ میں حیران تھا کہ اس نے شروع سے ہمارے پاسپورٹ بے پروائی سے ایک ہی جگہ رکھے ہوئے تھے۔

''میں خود بھی سوچ رہا تھا کہ تم دونوں نے اتنے زیادہ ملکوں کے ویزے کیوں لیے ہوئے ہیں۔'' اس نے پاسپورٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا پھر اچانک اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ڈان اپنی حرکات و سکنات سے ڈراما پیدا کرنے میں ماہر تھا۔ اس کی نئی حرکت سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون سا نکتہ نکالنے والا تھا۔

''تمہیں ان چکروں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔'' ڈان بے پروایانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''آج جاؤ فان نے بہت لمبا ہاتھ مارا ہے۔ اب یہ عیاشی اور حرام خوری کرتا رہے گا۔ یہ سب چیزیں یہی دیکھ لے گا۔ اپنے ٹکٹ بھی اسے دے دینا۔ چند روز بعد جب چاہو گے، یہ بکنگ کرا دے گا۔''

مسکرانے کی کوشش میں جاؤ فان کا دہانہ کسی مینڈک کے منہ کی طرح پھیل گیا۔ وہ اپنی مضحکہ خیز حرکتوں سے ڈان کی چاپلوسی کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

''اسے اس کی دنیا میں مگن رہنے دو۔ میرے یہ ذاتی کام بہت احتیاط اور توجہ چاہتے ہیں۔ انہیں میں خود سرانجام دوں گا۔ جاؤ فان ہمارے پاسپورٹ لمبی گھوڑی کی ناند میں ڈال کر بھول گیا تو میں پریشان ہو جاؤں گا۔''

میری زبان سے لمبی گھوڑی کے الفاظ ادا ہوتے ہی جاؤ فان کا چہرہ دھواں ہو گیا اور وہ بوکھلا کر فریادی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

ڈان نے پاسپورٹ مجھے تھماتے ہوئے کہا۔ ''یہ اس آوارہ عورت پر اپنا وقت برباد کر رہا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ اس لمبی گھوڑی کا ایک گدھے سے میل نہیں ہو سکتا۔''

ڈان کے توہین آمیز تبصرے پر جاؤ فان کے بشرے پر لمحہ بھر کے لیے زلزلے کے آثار نمودار ہوئے۔ اس کے ہونٹوں کے گوشے کانپ کر رہ گئے مگر وہ اپنی دلی خواہش کے باوجود مادام لی کے بارے میں اپنی فاتحانہ کارگزاری کا اظہار نہ کر سکا۔

پاسپورٹ واپس ملتے ہی میری جان میں جان آئی۔ میں نے ڈان کی کسی نئی ذہنی اختراع سے پہلے وہ اپنی جیب میں رکھ لیے۔

''اب میرے لیے کیا حکم ہے؟'' میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد پوچھا۔

''جاؤ اور عیش کرو!'' ڈان مسہری سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ ''دشمن کی تباہی کے جشن کے بارے میں، میں خود تمہیں اطلاع

دوں گا۔''

اس نے بڑھ کر گرم جوشی سے مجھے اپنے سینے سے لگایا' دو تین بار مجھے زور سے بھینچا اور الگ ہو گیا۔ چاؤ فان کو اس نے نظر انداز کر دیا تھا۔

میں وہاں پہنچا تو ڈان نے سرد مہری کی فضا میں ملاقات کی تھی۔ واپسی پر وہ ہمیں رخصت کرنے کے لیے نیچے تک آیا اور میں اسے الوداعی تعظیم دے کر وہاں سے رخصت ہو گیا۔

''ماسٹر! تم نے ڈان کے سامنے مادام کا حوالہ دے کر میری جان نکال دی تھی۔'' ڈان کی قیام گاہ سے کچھ دور نکل آنے کے بعد چاؤ فان نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''خدا کا شکر ادا کرو کہ میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ ہوٹل میں میری راہ کا روڑا بننے سے پہلے تم کہاں مصروف تھے۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''یہ میں مانتا ہوں۔'' اس نے بلاتردد کہا۔ ''رفتہ رفتہ تمہیں بھی اندازہ ہو گیا ہے کہ بعض باتوں کا ڈان سے پوشیدہ رکھنا کتنا ضروری ہے۔ اس سے ہماری وفاداری پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ایک دوسرے سے دل کھول کر بات کرنے میں کوئی خطرہ نہیں رہتا۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا' قدرے ٹھٹک کر اپنے لیے سگریٹ سلگا لی۔

گاڑی میں واپسی کا سفر طے کرتے ہوئے مجھے نئی فکر لاحق ہو چکی تھی۔ مجھے یہ جان کر دھچکا لگا تھا کہ ڈان کے ذہن میں میری طرف سے شبہات موجود ہیں تھے اور وہ خفیہ طور پر ان کی چھان پھٹک میں مصروف رہا تھا۔ کڑوی کسیلی باتوں کے بعد اس نے مجھے ہر شک و شبہے سے بالاتر قرار دے دیا تھا مگر میں مطمئن نہیں ہو سکا تھا۔

راجن کا فتنہ ختم ہو جانے کے بعد ڈان کو میدان میں اترنے کا کھلا موقع مل چکا تھا۔ اسے پسِ پردہ رہ کر اپنا کام چلانے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ راجن کے خلاف اس کی طاقت کا بے رحمانہ مظاہرہ منظر پر آنے کے بعد بنکاک میں کسی میں اتنا دم خم نہیں رہا تھا کہ وہ ڈان کے خلاف سر اٹھاتا۔ زیرِ زمین دنیا کے ہر قابلِ ذکر فرد کو اس کی اطاعت قبول کرنی پڑتی۔ افرادی وسائل میں ہونے والے اس اچانک اضافے کے نتیجے میں ڈان کے ہاتھ بہت لمبے ہو جاتے۔ وہ چاہتا تو زیادہ تسلسل اور باریکی سے میری نگرانی کا بندوبست کر سکتا تھا۔

پاکستان سے جلال کا پیغام میرے لیے حوصلہ شکن تھا۔ بنکاک میں ڈان کے بھڑک جانے کے اندیشے کی وجہ سے میں اپنا اصل نام استعمال کرنے سے قاصر ہو چکا تھا۔ یہ حالات کی کرم فرمائی تھی کہ میں نے جلال کی ہدایات سے تجاوز کرتے ہوئے موتی محل میں اپنے اصل نام سے راجن کا سامنا کیا اور اسے جوزی سمیت بیم گن کی دھار پر اڑا دیا۔ مجھے شہرت کی ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ میرے لیے اتنا کافی تھا کہ میرے چنگل میں آنے والے حریف کو پوری طرح یہ علم تھا کہ وہ کس کے ہاتھوں اپنے آخری سفر پر روانہ ہو رہا ہے۔

میں نے اپنی دلی آرزو کے مطابق راجن کو مار لیا تھا۔

اس واردات کے سلسلے میں میرا اصلی نام سامنے آنے کی امید تھی نہ بیم گن کے استعمال کا کوئی سراغ ملنے کا امکان باقی رہا تھا مگر میری چھٹی حس مستقبل کے بارے میں مجھے بدگمان کر رہی تھی۔ میری ذرا سی لغزش یا بے احتیاطی ڈان کے ساتھ میرے تصادم پر منتج ہو سکتی تھی۔

ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو کچھ دور تک گاڑی میں خاموشی رہی۔ روایت کے مطابق چاؤ فان نے ہی سکوت کا سلسلہ توڑا اور بولا ''ماسٹر! آج میں نے جان لیا کہ تمہارا دماغ جتنا گرم ہے، خون اسی قدر ٹھنڈا ہے۔''

''اگر تمہیں سردی لگ رہی ہے تو گاڑی کا ایئر کنڈیشنڈ ذرا دھیما کر لو۔'' میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے جواب دیا۔

''میری بات مذاق میں مت ٹالو۔'' اس کی سنجیدگی برقرار رہی ''تم ذرا سی دیر میں موتی محل میں تین آدمی مار آئے اور ڈان سے اتنے اطمینان سے باتیں کر رہے تھے جیسے تم نے آدمی نہیں مچھر مارے ہوں۔ ایسا سکون عام آدمی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ انسان کا خون بہانا بڑے دل جگر کی بات ہے۔ ایک قتل کا بوجھ سہنے کے لیے بھی فولادی اعصاب کی ضرورت ہوتی ہے، تم نے ایک ساتھ تین یار ڈالے۔ پھر بھی تمہارے اوپر کوئی وحشت یا گھبراہٹ نہیں تھی۔''

''تم جس خون کی بات کر رہے ہو۔ وہ معصوم آدمی کا خون ہوتا ہے۔ راجن اور اس کے دونوں ساتھی پرانے پاپی تھے۔ انہیں مار کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔''

''تم کچھ بھی کہہ لو، مجھے تم کسی عام آدمی سے ہمیشہ مختلف نظر آئے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خوں ریزی تمہاری گھٹی میں شامل رہی ہو۔'' اس نے سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

''خدا خدا کر کے ڈان سے جان چھوٹی تو اب تم نے وہی خرافات دہرانا شروع کر دیں۔'' میں نے برہمی سے کہا ''میں کس کس کو اور کیسے سمجھاؤں کہ میں ایک عام آدمی

ہوں۔“

”ماسٹر! مجھے غلط نہ سمجھو!“ اس نے جلدی سے وضاحت کی ”میری اور ڈان کی کہی ہوئی باتوں میں بہت فرق ہے۔ مجھے کوئی شک نہیں، میں تمہاری خوبی یا خرابی بتا رہا تھا۔“

”دنیا میں کوئی دو آدمی یکساں نہیں ہوتے۔ تم مجھے کسی بھی زمرے میں شمار کرسکتے ہو۔ میں تم لوگوں سے الگ ہونے کے بعد ایک مرتبہ پھر اپنی معمول کی زندگی میں مصروف ہو جاؤں گا جو تمہارے تصور سے زیادہ سیدھی اور آسان ہے۔“

”تم نے میری اور مادام کی آج کی ملاقات کا ڈان سے ذکر نہ کر کے مجھ پر احسان کیا۔ میں نے اس سے پہلے اس کا بدلہ چکا دیا تھا۔“ چند منٹ تک خاموشی سے گاڑی چلاتے رہنے کے بعد جاؤ فان نے پھر ایک شگوفہ چھوڑ دیا۔

”میں اپنی بیوی کے ساتھ خوش ہوں۔ تمہاری طرح شہر کی ہر عورت کے پیچھے مارا مارا نہیں پھرتا۔ تم نے مجھ پر کون سا احسان کیا تھا؟“ میں نے قدرے تنک کر پوچھا۔

”ماسٹر! یہ نہ بھولو کہ جب وہ تمہیں ڈینی بنانے پر تلا ہوا تھا تو اس نے تمہارے حریفوں کی پراسرار اموات کا ذکر کیا تھا اور میں نے اپنی زبان بند رکھی تھی“ اس نے معنی خیز لہجے میں کہا ”میں اب بھی یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتا ہوں کہ چھوٹا راجن کے دو ساتھی ہماری جیپ کے پاس کھڑے اچانک کیسے مر گئے۔“

”تم نے پھر یہ ذکر نکال لیا“۔ میں نے اسے آنکھیں دکھائیں ”تمہیں یاد نہیں کہ ان میں ایک کو تم نے اور دوسرے کو میں نے مارا تھا۔“

”یہ کہانی چھوڑ دو۔ تم نے جو کچھ کہا۔ وہ میں نے ڈان سے کہہ دیا“ وہ مکارانہ لہجے میں بولا ”میں یہ نہیں کہتا کہ انہیں تم نے مارا۔ ذرا غیر جانب دار ہو کر سوچو۔ کیا ان کی اموات عجیب نہیں تھیں ...... ؟ بعد میں وہاں صرف تم رہ گئے تھے اور وہ لاشیں گاڑی میں جل گئیں۔ آج تم نے خود اقرار کیا ہے کہ موتی محل میں تم نے تینوں لاشوں کو جلا دیا۔“

”تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟“ میں نے غرا کر جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

”ناقابلِ یقین ...... پُراسرار!“ اس نے زور دے کر کہا ”ڈان کئی باتوں سے بے خبر ہے مگر اس نے اپنے تجربے کی بنا پر وہی کہا جو میں سوچے جا رہا ہوں۔ آخر تمہارے دشمن تمہارے روبرو آتے ہی اتنی آسانی سے کیوں مر جاتے ہیں۔“

”سوچتے رہو اور جب کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ تو مجھے آگاہ کر دینا۔“ میں نے بےزاری سے کہا۔

ہمارا بقیہ سفر غیر اہم باتوں میں گزر گیا۔ جاؤ فان نے اپنی فطری ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے میرا موڈ بحال کر دیا تھا۔ شہر پہنچنے کے بعد وہ مجھے ہلٹن ہوٹل کے باہر اتار کر چلا گیا۔

غزالہ بےچینی سے میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ راجن اور پھر ڈان کے پاس ہونے والی میری پے در پے پیشیوں نے اسے اعصاب زدہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اسے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ میری اور ڈان کی ملاقات کا ماحول بہت خوشگوار رہا تھا۔ وہاں پیدا ہونے والی سنسنی خیز تلخیوں کا تذکرہ میں نے دانستہ گول کر دیا تاکہ وہ ہراساں نہ ہو۔

اس نے بتایا کہ موتی محل میں آتش زدگی کی خبر ٹیلی وژن تک پہنچ چکی تھی۔ موتی محل ویران ہو جانے کے سبب آگ اندر ہی اندر پھیل کر راجن کے بیش قیمت اثاثوں کو چاٹتی رہی۔ قرب و جوار کے لوگوں کو اندر آتش زدگی کا علم ہوا تو آگ قابو سے باہر ہو چکی تھی۔ طویل جدوجہد کے بعد اس وسیع و عریض عمارت کے بیرونی حصوں کے شعلوں پر قابو پا لیا گیا تھا لیکن وہاں سلگتے ہوئے ملبے کا اتنا کثیف دھواں بھرا ہوا تھا کہ عمارت کے اندرونی حصوں تک رسائی ناممکن تھی۔ عمارت کے وسط سے بدستور دھوئیں اور خوفناک شعلوں کے بادل اٹھ رہے تھے جن پر قابو پانے کے لیے ہیلی کاپٹر سے آگ بجھانے والے کیمیائی مادوں کے چھڑکاؤ کی منصوبہ بندی کی جا رہی تھی۔

اس وقت خبروں میں صرف آگ ہی کا تذکرہ تھا۔ شہر میں کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ آگ راجن اور اس کے دو ساتھیوں کی چتا بنی ہوئی تھی۔ ملبہ ہٹائے بغیر ان لاشوں کا دریافت ہونا ناممکن تھا۔ ٹیلی وژن مبصر نے اس آگ کو موتی محل پر صبح ہونے والے حملے کا تسلسل قرار دیا تھا۔

”سوبھراج کے بعد راجن بھی جہنم واصل ہوا۔“ غزالہ مجھ سے کہہ رہی تھی ”جلال نے آپ کو فی الحال پاکستان جانے سے روکا ہوا ہے۔ ہم یہاں ٹھہرے رہے تو ڈان آپ کو چین نہیں لینے دے گا۔ وہ آپ کی کارگزاریوں سے خاصا خوش ہے۔“

”پاسپورٹ مل گئے لیکن چند روز تک ہم یہیں رہیں گے۔“ میں نے اپنی جیب سے پاسپورٹ نکال کر اس کی گود میں ڈال دیے ”ڈان کی کامیابی کے جشن کے بعد میں خود بھی یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ یہ دیکھنا ہوگا کہ اب کدھر کا

رخ کیا جائے۔''

''آپ جب سے یہاں آئے ہیں، مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ میں آپ کے اس بوجھ میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی۔ کسی اور ملک میں پڑاؤ ہوگا تو آپ سے ذرا تفصیل سے بات ہوگی۔'' غزالہ نے پاسپورٹوں کی ورق گردانی کرتے ہوئے بشاشت سے کہا۔ اس کی یاقوتی ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم پھیلا ہوا تھا۔

''میں مسائل کا عادی ہوں۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈالو۔ اپنی زبان بند رکھوگی تو بلاوجہ ذہنی خلفشار میں مبتلا رہوگی۔'' میں نے ہنس کر اس کی حوصلہ افزائی۔

''ابھی نہیں!'' وہ اٹھلا کر ایک ادا کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھی اور قریب آ کر محبت سے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

وہ غزالہ کا خاص حربہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے وجود کا خواب آگیں لمس محسوس کر کے میں سب کچھ بھول جاتا ہوں۔

دس بجے ہم اپنے کمرے میں کھانا کھانے میں مصروف تھے کہ میرے مقامی موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ راجن کی موت اور ڈان سے تازہ ترین ملاقات کے بعد اس وقت کسے میری تلاش ہوسکتی تھی۔

فون اٹھایا تو اسکرین پر طارق کا نمبر موجود تھا۔

''علی! یہ کیا ہورہا ہے؟'' اس نے سلسلہ ملتے ہی بلا کسی تمہید سوال کیا۔

''غالباً فون ہورہا ہے اور کال تمہاری ہے!'' میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی پھر وہ بولا ''موتی محل مسلسل عتاب کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ وہاں بھیانک آگ لگی ہوئی ہے۔ شہر کا ہر افسر اور رپورٹر راجن کی تلاش میں لگا ہوا ہے لیکن اس کا کہیں سراغ نہیں مل رہا۔''

''نہیں ملے گا۔'' میں نے سنجیدگی سے اسے بتایا ''وہ بھی اندر ہی ہے، ہلنے جلنے سے معذور۔ اسے اب ایک بھولا ہوا خواب سمجھ لو۔''

''تمہاری رفتار بہت تیز نہیں ہے؟'' اس نے محتاط آواز میں پوچھا۔

''حالات کے ریلے میں بہہ رہا ہوں۔ یہ جانتے ہو نا کہ ریلے میں جو اپنی رفتار دھیمی کرنے کی حماقت کرتا ہے، دوسرے اسے روندتے اور پیٹتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔''

''میرے لیے کوئی نیا کام؟'' وہ مختصر گفتگو کررہا تھا۔ اس نے میری دی ہوئی خبر پر مزید تبصرہ نہیں کیا۔

''آرام کرو، ضرورت ہوئی تو میں خود رابطہ کرلوں گا۔'' مجھے اس کا روکھا انداز پسند نہیں آیا۔

''اللہ حافظ اور گڈ لک!'' اس نے فون بند کردیا۔

طارق بنکاک میں اپنے محکمے کا باضابطہ نمایندہ تھا۔ اسے علم تھا کہ اس کے بڑوں نے مجھ سے تعاون کے سلسلے میں اسے جو زبانی ہدایات دی تھیں وہ اس کے سرکاری دائرۂ کار سے متجاوز تھیں۔ وسیع تر ملکی مفاد میں ان ہدایات پر عمل کرنا اس کی مجبوری تھا لیکن وہ کشت وخون کے معاملات سے بہت دور رہنے کی کوشش کررہا تھا۔

اسے اسد کی جگہ لینے کے لیے بنکاک آئے چند ہی روز گزرے تھے۔ وہ وہاں کے حالات کے پیچ وخم اور نشیب وفراز سے واقف نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میری مدد کرنے کے چکر میں اگر وہ کہیں پھنس گیا تو کوئی بھی اس کی مدد نہیں کرسکے گا۔ اپنی قانونی حدود سے تجاوز کرنے کے الزام میں اسے ناپسندیدہ قرار دے کر بنکاک بلکہ تھائی لینڈ سے نکال دیا جائے گا۔

طارق کی ان مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے میں اس کے روکھے پھیکے رویے کو نظر انداز کرنے میں کوئی ہتک محسوس نہیں کررہا تھا۔

اس کے لیے سرمنڈاتے ہی اولے پڑنا شروع ہوگئے تھے۔ اس نے بنکاک میں قدم رکھا تو راجن کی وائٹ ہاک کی عبرتناک تباہی کی تازہ ترین خبر شہر بھر میں گردش میں آئی ہوئی تھی۔ اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی سے پہلے اسے سمندر کی طرف دوڑ لگانا پڑی۔ اپنی آنکھوں سے اس واقعے کا مشاہدہ کرتے ہی اس نے وہ خبر تیزی سے اپنے بڑوں تک پہنچا کر مجھے حیران کردیا۔

اپنے خشک رویے سے قطع نظر وہ ایک مستند اور فرض شناس افسر تھا۔ مجھے پوری توقع تھی کہ وہ راجن کی ہلاکت کی خبر بلاتاخیر اسلام آباد والوں کو پہنچا دے گا اور رات میں کسی بھی وقت میرے پاس جلال کا فون آجائے گا۔ میں اس روز صبح سے اتنا زیادہ مصروف رہا تھا کہ مجھے جلال یا اول خان میں سے کسی سے بات کرنے کی مہلت نہیں مل سکی۔ بہتر یہی تھا کہ جلال اپنے آدمی سے مصدقہ خبر ملنے کے بعد مجھ سے رابطہ کرتا۔

میں دن بھر کی بھاگ دوڑ سے تھکا ہوا تھا۔ غزالہ بھی دن بھر صبر آزما انتظار سے گزرتی رہی تھی۔ ہم دونوں کپڑے

تبدیل کر کے بستر پر دراز ہو گئے۔ میری نگاہیں ٹیلی وژن اسکرین پر تھیں، کان ٹیلی فون کی گھنٹی پر لگے ہوئے تھے لیکن ذہن کہیں اور تھا۔

وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ بستر پر کروٹیں بدلنے کے باوجود نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ بنکاک کا وقت کراچی اور اسلام آباد سے دو گھنٹے آگے ہونے کی وجہ سے مجھے اندازہ تھا کہ جلال اپنے معمولات سے نمٹ کر فون کرے گا تو ہماری آدھی رات بیت چکی ہو گی۔ اس سے بات ہونے سے پہلے میری آنکھوں میں نیند کا اترنا محال تھا۔

بارہ بجے کے قریب میرے کراچی والے موبائل فون کی گھنٹی بجی تو میرا ذہن جلال کی طرف گیا۔ میں نے اسکرین پر نمبر دیکھے بغیر کال سنی تو دوسرے سرے سے ویرا کی سنجیدہ آواز سن کر میں پریشان ہو گیا۔

''علی! کیا تم اس وقت ہماری طرف آ سکتے ہو؟'' ویرا نے تفکر آمیز انداز میں وہ سوال کر کے مجھے سنگین اندیشوں میں مبتلا کر دیا۔

''نہیں، یہ ناممکن ہے۔'' میں نے رسانیت سے کہا۔ اس سے یہ طے ہو چکا تھا کہ بنکاک میں ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا تھا۔ ڈان سے آخری ملاقات میں ہونے والی پُرپیچ گفتگو کے نتیجے میں وہ احتیاط اور زیادہ ضروری ہو چکی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اس سے پوچھا ''اس وقت تمہیں میری کیا ضرورت پیش آ گئی؟''

''معاملہ سنگین اور نازک ہے، کیا میں کھل کر بات کر سکتی ہوں؟''

بنکاک کے فون سسٹم کی خوبیوں کے بارے میں ڈان خاصے وثوق سے مجھے کئی مثبت باتیں بتا چکا تھا۔ ویسے بھی ویرا نے اس کال کے لیے لینڈ لائن استعمال نہیں کی تھی۔ میری دانست میں موبائل فون خاصا محفوظ تھا۔ جلال، اسد اور طارق وغیرہ سے اہم گفتگو کے لیے میں اسے استعمال کرتا رہا تھا اور کسی مرحلے پر کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ ہماری ساری گفتگو اردو میں ہونا تھی جو کسی اور کے لیے ناقابلِ فہم ہوتی۔ میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا ''موبائل فون پر بات کرنے میں کوئی ہرج نہیں...... اس وقت تم کچھ خائف معلوم ہو رہی ہو!''

''آج ہماری غیر موجودگی میں اکبر کے کمرے کی تلاشی لی گئی ہے۔'' ویرا نے سلطان شاہ کے بارے میں وہ انکشاف کر کے مجھے چونکا دیا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' میں نے بےیقینی سے کہا ''ممکن ہے کہ کمرے کی صفائی کرنے والے عملے نے کچھ چیزیں اِدھر اُدھر کر دی ہوں!''

''میں نے پورا اطمینان کرنے کے بعد تم سے رابطہ کیا ہے۔'' وہ بولی ''آج شام ہم دونوں شہر گھومنے کے لیے نکل گئے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے واپس آئے ہیں۔ کمرے میں سلطان شاہ کا ایک چھوٹا دستی بیگ غائب ہے جس میں اس نے نیویارک اور ٹورنٹو کی بہت سی چھوٹی چھوٹی یادگاری اشیا جمع کی ہوئی تھیں۔''

''وہ عقل سے بالکل کورا ہے۔ اسے یہ سب ساتھ لے کر پھرنے کی کیا ضرورت تھی!'' دستی بیگ میں موجود اشیا کے بارے میں سن کر میری کھوپڑی چکرا گئی۔

''مجھے بھی اس بارے میں اب پتا چلا ہے۔'' ویرا کی آواز نرم تھی۔ شاید سلطان شاہ اس کے قریب موجود تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی ''جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ میں پریشان ہوں کہ یہاں کون ہمارے پیچھے لگ گیا ہے اور اس کے کیا عزائم ہیں۔''

''وہ جو بھی ہے تمہارا دوست نہیں ہو سکتا۔ اپنے دشمنوں کے ارادوں سے تم اچھی طرح باخبر ہو۔''

میں نے کہا ''اس بارے میں کسی غلط فہمی میں رہنے کی ضرورت نہیں۔''

''میرے لیے یہ بات حیرت ناک ہے کہ اکبر کے کمرے کی تلاشی لی گئی اور میرے کمرے کو نہیں چھیڑا گیا۔'' ویرا بولی۔

''کسی دشمن کا تعین کرنے کے لیے اس بات کا واضح ہونا ضروری ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''اپنے فلور کے عملے سے چھان بین کرو۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے تمہارے کمرے کی تلاشی کی نوبت نہ آ سکی ہو۔ مجھے تمہارے ہم وطنوں پر شک ہو رہا ہے۔''

''ہم مکمل رازداری کے ساتھ یہاں آئے ہیں۔ انہیں ہماری بھنک کیسے مل گئی؟'' ویرا نے اپنی سوچ کے مطابق اہم سوال اٹھایا۔

ویرا پرانے دور کے مطابق سوچ رہی تھی جب امیگریشن وغیرہ کے معاملات سو فی صد انسانی صوابدید اور دفتری ریکارڈ پر منحصر ہوتے تھے۔ وہ یہ بھول رہی تھی کہ چند عشروں میں کمپیوٹر کے بھرپور استعمال نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔ ویسے تو پورے مغرب میں اور مشرق کے ترقی یافتہ ملکوں میں کمپیوٹر نے زندگی کے ہر شعبے میں دخل حاصل کر لیا تھا لیکن امریکا اور کینیڈا اس ذیل میں سب سے آگے تھے۔ کینیڈا کو

امریکا کا پڑوسی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس اعتبار سے ان کے بہت سے مفادات، خاص طور پر سرحدی مسائل مشترک تھے اور وہ ان کے حل کے لیے ایک مدت سے مل جل کر کام کررہے تھے۔

اخبارات وغیرہ میں ایسی خبریں میری نظروں سے گزرتی رہتی تھیں جن کے مطابق امریکا میں سارے امیگریشن کاؤنٹر ایک مضبوط نیٹ ورک کے ذریعے آپس میں منسلک تھے۔ نیویارک سے امریکا میں داخل ہونے والا کوئی بھی شخص اگر لاس اینجلس سے روانہ ہوتا تھا تو وہاں کا امیگریشن افسر اس کے کوائف اپنے کمپیوٹر میں ڈالتے ہی چند لمحوں میں یہ جان لیتا تھا کہ وہ شخص کب اور کہاں سے امریکا میں داخل ہوا تھا۔

وہ دونوں البرٹو کے دیدہ دلیرانہ قتل کے بعد اپنی دانست میں امریکی ایجنٹوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نیویارک سے فرار ہوئے تھے اور ٹورنٹو سے ہوتے ہوئے بنکاک آ گئے مگر وہ یہ بھول رہے تھے کہ نیاگرا چیک پوسٹ پر ان کے کوائف کے اندراجات سے سی آئی اے یا ایف بی آئی والوں کے لیے یہ معلوم کرنا دشوار نہیں تھا کہ وہ امریکا سے نکل کر کہاں گئے تھے۔

ٹورنٹو میں ہوٹلوں کے ریکارڈ میں گھسے بغیر انہیں امیگریشن کے مرکزی کمپیوٹر ریکارڈ سے یہ پتا چل سکتا تھا کہ ان کے مطلوبہ افراد کینیڈا سے نکل کر کدھر گئے ہیں۔ یہ سراغ مل جانے کے بعد ان کے لیے بنکاک کے ہوٹل تک رسائی حاصل کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ تم رازداری کے ساتھ یہاں آئی ہو۔'' میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔ ''یہ کمپیوٹر کا دور ہے۔ نام اور پاسپورٹ نمبر ڈالتے ہی کمپیوٹر سب کچھ اگل دیتا ہے۔ قانونی طریقوں سے سفر کرنے والوں کا سراغ لگانا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔''

''تم ایک دم انتہائی نتائج پر چھلانگ لگا کر دم نکال دیتے ہو۔ یہ حرکت کسی اور کی بھی ہوسکتی ہے۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر تبصرہ کیا۔

''تم کسی خوش فہمی میں مبتلا رہنا چاہتی ہو تو یہ تمہاری مرضی ہے۔ مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ اس واقعے میں کون لوگ ملوث ہیں۔ وہ اکبر کے کمرے سے ایسے ثبوت نکال لے گئے جن سے پتا چلتا ہے کہ یہاں آنے سے پہلے تم دونوں کہاں کہاں رکے تھے۔ یہ بھی سوچو کہ تمہیں یہاں آئے ہوئے کتنا وقت گزرا ہے۔ تم مشکل سے یہاں کسی سے ملی ہوگی۔ یہاں تمہارا کوئی دوست ہے نہ دشمن۔''

''کیا وہ کوئی چوراچکا نہیں ہوسکتا؟'' ویرا نے نکتہ آفرینی کی۔

''تم کسی مسافرخانے میں نہیں فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہو۔ ان کی ہوم سکیورٹی بہت سخت ہوتی ہے۔ یہ خفیہ طور پر ہر آنے جانے والے پر نگاہ رکھتے ہیں۔ وہاں چوراچکوں کا گزر نہیں ہوسکتا۔ یہ حرکت کسی ایسی شخصیت کی ہے جو شکل صورت اور اپنے لباس سے معزز یا کم از کم قرینے کی نظر آرہی ہو۔ چور آتے ہیں تو بے وقعت چیزیں نہیں لے جاتے۔ نقدی اور قیمتی اشیا ان کا نشانہ بنتی ہیں۔ یہ خودفریبی اپنے ذہن سے نکال دو۔''

''اکبر کے کمرے میں کچھ تھا ہی نہیں۔ نقدی اور پاسپورٹ ہم ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے ہیں...... لیکن نہیں۔ وہ بتارہا ہے کہ اس کی گھڑی کمرے میں تھی، اسے نہیں چھوا گیا۔''

''تم دونوں کے لیے خطرے کی گھنٹی بج گئی ہے۔ میں تمہیں یہاں آنے سے روک رہا تھا مگر تم نہیں مانیں۔ اب ہم سب کو مسائل کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔''

''ہم اپنی مرضی سے نہیں آئے۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ساری گڑبڑ البرٹو کی ذات سے ہوئی۔ اس کے مارے جانے کے بعد ہم ایک لمحے کے لیے بھی وہاں نہیں ٹک سکتے تھے۔ اگر ریکارڈ وغیرہ کے بارے میں تمہارے اندازے درست ہیں تو ہم جہاں بھی جاتے وہاں ہمارے لیے یہی مسائل کھڑے ہوجاتے۔ اب ہماری گلوخلاصی کے بارے میں سوچو۔''

''کچھ نہ کچھ سوچنا ہی پڑے گا۔'' میں نے تشویش سے کہا ''خطرے کی بات یہ ہے کہ یہ ہوٹل ان کی نظروں میں آچکا ہے۔ وہ کسی بھی وقت دوبارہ وہاں آسکتے ہیں۔ تم کو فوری طور پر یہ ہوٹل چھوڑ دینا چاہیے۔ اس طرح تم کو کچھ وقت مل جائے گا۔''

''کیا ہم یہ رات کھلے آسمان کے نیچے گزاریں گے؟''

''بنکاک بہت مہمان نواز شہر ہے۔ بڑے ہوٹلوں کے لگے بندھے قواعد وضوابط ہوتے ہیں۔ ان کا عملہ اپنے اصولوں سے ہٹ کر کسی کو جگہ نہیں دیتا۔ شہر میں بہت سے چھوٹے ہوٹل اور گیسٹ ہاؤس ہیں۔ رقم کے لالچ میں ان کے مالکان کوئی پوچھ گچھ نہیں کرتے۔ عارضی طور پر ایسے کسی ٹھکانے میں ڈیرا ڈال لو۔ کوئی نہیں پوچھے گا کہ تم کون ہو اور

کہاں سے آئی ہو۔''

وہ میری تجویز سے اسی لمحے متفق ہوگئی۔ بنکاک اس کے لیے نیا شہر نہیں تھا۔ ماضی میں وہ بارہا وہاں آتی رہی تھی۔ نئے ٹھکانے پر نام بدل کر وہ دونوں آسانی کے ساتھ اپنے نامعلوم دشمنوں کی نگاہوں سے روپوش ہو سکتے تھے۔

میں نے اسے تاکید کی کہ وہ نئے ٹھکانے پر قدم جماتے ہی مجھے باخبر کردے۔

اس سے گفتگو ختم کرتے ہوئے میرے ذہن میں ایک اندیشہ سر ابھار رہا تھا مگر میں نے اس کا ذکر کر کے اسے پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے توقع تھی کہ کسی آڑے وقت میں وہ اپنے بچاؤ کی کوئی نہ کوئی راہ نکال لے گی۔

راجن اور موتی محل کے انجام کے بارے میں وہ بے خبر تھی۔ میں نے بھی اس بارے میں کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا۔

☆☆☆

''کیا طے ہوا؟'' مجھ سے بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ نے مضطربانہ لہجے میں ویرا سے پوچھا۔

''ڈیمی کہہ رہا ہے کہ ہم دونوں کو شادی کر کے فوری طور پر ہنی مون منانے کے لیے روانہ ہو جانا چاہیے۔'' ویرا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لاحول ولاقوۃ!'' سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر بے زاری سے کہا ''تمہارے سر پر ہر وقت ایسی خرافات سوار رہتی ہیں۔ کیا تم کو اندازہ نہیں ہے کہ میرے کمرے کی تلاشی کا واقعہ بہت سنگین ہے۔ ہمارے سروں پر خطرہ منڈلا رہا ہے۔''

''واقعہ سنگین ضرور ہے لیکن ہم کو صبر و تحمل کے ساتھ اس کا حل تلاش کرنا ہوگا۔'' ویرا نے اپنے مذاق کو طول دینے کے بجائے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا ''ڈیمی کی رائے میں ہمیں فوری طور پر یہ ہوٹل چھوڑ دینا چاہیے مگر میں یہاں سے جانے سے پہلے کچھ چھان بین کرنا چاہتی ہوں۔''

''ڈیمی کا مشورہ مناسب ہے مگر یہ سوچ لو کہ کوئی یہاں تک آ پہنچا تو اب ہمیں اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دے گا۔'' سلطان شاہ بولا۔

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' ویرا نے چونک کر پوچھا۔

''ہوسکتا ہے کہ ہماری نگرانی کی جا رہی ہو۔'' سلطان شاہ نے وہ بات کہہ دی جس کا ذکر میں نے دانستہ گول کر دیا تھا۔

ویرا سوچ میں پڑ گئی۔ سفر میں درپیش مراحل کی وجہ سے وہ دونوں ابتدا سے غیر مسلح رہے تھے۔ صرف ویرا کے پاس بیم گن موجود تھی۔ جسے وہ کسی نہ کسی طرح اپنے سامان میں چھپا کر ساتھ لانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

میری اور اس کی ملاقات اس اعتبار سے سودمند رہی کہ اسے بنکاک کے تازہ ترین حالات کے بارے میں علم ہوگیا۔ وہ جانتی تھی کہ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر جلال نے میرے لیے بیم گن کے استعمال پر پابندی لگادی تھی۔ وہ ہتھیار میری ذات سے منسوب ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ کسی ناگزیر مجبوری کی حالت میں اسے استعمال کرتی تو ہر طرف یہی گمان کیا جاتا کہ بیم گن میں نے استعمال کی ہے اور میں یقینی طور پر بنکاک میں موجود ہوں۔

اس اعتبار سے اس کے پاس بیم گن کا ہونا یا نہ ہونا یکساں تھا۔ ایسا ہتھیار جسے ضرورت پڑنے پر استعمال نہ کیا جاسکے، اس کے لیے بے سود تھا۔

باہمی مشورے سے انہوں نے ہوٹل کے کاؤنٹر سے حساب چیک کیا تو ان کی کچھ رقم فاضل تھی۔ خاموشی سے ہوٹل چھوڑ کر بھاگنے کے بجائے ویرا نے باقاعدہ چیک آؤٹ کرنے کا عندیہ دیا تھا۔ سلطان شاہ نے حساب بے باق کرنے کی ہدایت کر دی۔

ویرا نے اپنے کمرے میں جا کر انٹرکام پر روم سروس کی ایک ویٹریس کو بلایا۔ وہ نوجوان مقامی دوشیزہ تھی اور مقامی لب و لہجے کی فطری تتلاہٹ سے قطع نظر روانی سے انگلش بول رہی تھی۔ ویرا کا خیال تھا کہ اسے مطلوبہ معلومات حاصل کرنے کے لیے باری باری فلور کی ہر ویٹریس سے بات کرنا پڑے گی لیکن خوش قسمتی سے اس کی پہلی کوشش بار آور ثابت ہوئی۔

ویرا نے اسے کمرے میں بٹھا کر ذاتی نوعیت کے چند سوالات کیے پھر خاموشی سے سو بھات کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھایا جو گائن دیت وائی نامی لڑکی نے شکریے کے ساتھ قبول کرلیا۔

گائن نے ویرا کے استفسار پر بتایا کہ نو بجے کے لگ بھگ وہ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے مہمانوں کے کمروں میں کھانا پہنچانے میں مصروف تھی تو برابر والے کمرے سے ایک لمبا سا امریکی برآمد ہو کر ویرا کے کمرے کے دروازے پر آیا۔ گائن کو دیکھ کر وہ مسکرایا اور دروازے پر چند دستکیں دینے کے بعد دوبارہ برابر والے کمرے میں گھس گیا۔

اپنے بالوں کی تراش اور چال ڈھال سے وہ کوئی فوجی معلوم ہو رہا تھا لیکن اس وقت قمیص اور پتلون میں ملبوس تھا۔

یہ ایک اتفاق تھا کہ اس شام فلور پر کئی مہمانوں نے کمروں میں کھانا طلب کیا تھا۔ گائن کا اپنی سروس ٹرالی سے کمروں تک پھیرے لگانے میں کافی وقت صرف ہوگیا۔
اس دوران میں کم وبیش پندرہ منٹ کے وقفے سے وہی امریکی دوبارہ کوریڈور میں نکل آیا۔ غیر متوقع طور پر گائن کو وہیں موجود پاکر اس نے مزاحیہ انداز میں اسے آنکھ ماری اور ویرا کے کمرے کے دروازے پر جارکا۔
کمروں کی حفاظت اور دیکھ بھال فلور اسٹاف کی ذمے داریوں میں شامل تھی۔ گائن رک کر اس کا جائزہ لیتی رہی۔ اس بار امریکی سولجر نے دروازے پر صرف ایک بار دستک دی اور برابر والے کمرے میں جانے کے بجائے لفٹ کی طرف ہولیا۔
ہوٹل کے ہر فلور پر اس کثرت سے مہمان بدلتے رہتے تھے کہ گائن کے لیے یہ یاد رکھنا دشوار تھا کہ کون کس کمرے میں مقیم ہے۔ وہ سمجھی کہ برابر والا کمرا اسی امریکی کا ہے حالانکہ وہ سلطان شاہ کا کمرا تھا۔ ویرا کو اس لڑکی سے مطلوبہ کڑیاں مل گئی تھیں۔ اس نے مزید سو بھات دے کر اسے رخصت کردیا۔
بات واضح ہوگئی۔ نامعلوم امریکی نے سلطان شاہ کے کمرے میں خاصا وقت گزارنے کے ساتھ ویرا کے دروازے پر بھی اپنا مقدر آزمانے کی کوشش کی تھی لیکن گائن کی موجودگی کے سبب اسے تالے میں طبع آزمائی کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔
ویرا کے ذہن میں رہی سہی موہوم سی خوش فہمی بھی رفع ہوگئی۔ معاملہ واضح ہوگیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح امریکیوں کو اس کی موجودگی کی بھنک مل گئی تھی۔
کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ البرٹو ان کا غدار تھا۔ وہ اس کی تلاش میں لگے ہوئے تھے اور آخر کار ان کی ایک مردمار ایجنٹ اس تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ البرٹو کو اس کی نظروں میں آئے کتنا عرصہ ہوا تھا۔
جب اس ایجنٹ نے برسرِعام البرٹو پر ہاتھ ڈالا تو سلطان شاہ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے بھاگ کر اپنی جان بچالی لیکن سی آئی اے اس کی بو پر لگ چکی تھی۔ وہ لوگ ایسے آدمی کا پیچھا آسانی سے نہیں چھوڑ سکتے تھے جو ان کے باغی کا ہمدرد اور ساتھی رہا ہو۔
وہ معاملہ سراسر البرٹو کی ذات سے وابستہ تھا اس لیے پہلے اس کے کمرے کی تلاشی لی گئی۔ ویرا کی اہمیت صرف اسی قدر تھی کہ وہ اکبر یا سلطان شاہ کی ساتھی تھی۔ ان لوگوں نے اسے ویرا لائیڈ کی حیثیت سے شناخت نہیں کیا تھا۔
اگر وہ اسے پہچان لیتے تو بات کمرے کی تلاشی تک محدود نہ رہتی۔ وہ ہوٹل میں پہنچتے ہی اسے پکڑنے کے لیے ایسا جال پھیلاتے کہ مجھ سے رابطہ کرنے سے پہلے اسے قید کرلیا جاتا۔
اس کے لیے یہ اطمینان کی بات تھی۔ خطرہ سامنے آگیا تھا لیکن اس کی نوعیت قدرے مختلف تھی۔ ویرا لائیڈ کو وہ پوری قوت کے ساتھ زندہ یا مردہ حالت میں پکڑنے کی کوشش کرتے جب کہ اکبر کی ساتھی ریٹا کو وہ باز پرس کے لیے پکڑنا چاہتے تھے۔ وہ زندہ ہاتھ آنے کے بعد ہی اکبر اور البرٹو کے مشتبہ مراسم کے بارے میں اہم معلومات فراہم کرسکتی تھی۔
وہ ویرا کا اپنا تجزیہ تھا۔ اس سے گفتگو کرتے ہوئے وہ اہم ترین نکتہ میرے ذہن میں نہیں آسکا تھا۔ میرے ذہن پر صرف ایک خوف سوار تھا کہ آخر کار امریکی ایجنٹ ویرا کی راہ پر لگ گئے تھے۔
ویرا نے دنیا میں اپنی عمر سے زیادہ نشیب وفراز دیکھے ہوئے تھے۔ شی میں بلیک کوئین کے روپ میں اس نے منشیات فروشوں کے ایک بڑے گروہ کی کامیاب قیادت کی تھی۔ اس نے فوری طور پر ہوٹل سے روانگی کی حکمتِ عملی طے کرلی۔
ہوٹل کے حساب کتاب سے فارغ ہوکر ان دونوں نے اپنا سامان سمیٹا جو دونوں کے الگ الگ سفری بیگوں میں سما گیا۔
آپس میں آخری مشاورت کے بعد وہ ویرا کے کمرے سے نکلے۔ سلطان شاہ لفٹ کی طرف بڑھ گیا، ویرا نے زینوں کی راہ لی۔
ویرا زینے طے کرکے ہوٹل کی لابی میں پہنچی تو سلطان شاہ اپنا مختصر سا بیگ اپنے کندھے پر لٹکائے ہوٹل کے صدر دروازے کے قریب پہنچ رہا تھا۔
رات گہری ہوجانے کے باوجود ہوٹل میں آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا۔ ان میں ہر قوم اور رنگ کے لوگ نظر آرہے تھے۔ ویرا بہت دھیان دینے کے باوجود سلطان شاہ کے پیچھے جانے والوں میں کسی ایسے فرد کی نشان دہی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی جسے وہ اپنے حریفوں کا ہرکارہ تصور کرتی۔
وہ بھی اطمینان سے اسی سمت میں چل دی لیکن اس کے

دل و دماغ میں ہلچل کا ایک طوفان سا برپا تھا۔
وہ شہر کا مرکزی اور نہایت بارونق علاقہ تھا۔ اندھیری رات ہونے کے باوجود فٹ پاتھ اور سڑکیں اسٹریٹ لیمپس اور اشتہاری روشنیوں سے جگمگا رہی تھیں۔ ہوٹل سے نکلتے ہی اسے بائیں طرف کے فٹ پاتھ پر سلطان شاہ نظر آ گیا جو بہ ظاہر اپنے گردوپیش سے بے پروا، سیدھا چلا جا رہا تھا۔
ہوٹل سے پیدل روانگی ویرا کے پروگرام کا بنیادی حصہ تھی۔ وہ دونوں الگ الگ سواری لیتے تو شہر کے پُرہجوم ٹریفک میں ان کے ایک دوسرے سے بچھڑ جانے کے قوی امکانات ہوتے۔ شہر کے اس حصے میں آدھی رات کے بعد بھی سیاحوں اور شہر کے من چلوں کی خاصی بھیڑ بھاڑ رہتی تھی۔ پیدل سفر کرنے کی صورت میں ویرا آسانی سے سلطان شاہ پر نظر رکھ سکتی تھی۔
سلطان شاہ کو اس نے دانستہ آگے رکھا تھا۔ اگر تلاشی لینے والے کے بارے میں اس کا نظریہ درست تھا تو سلطان شاہ کو اس کا خاص ہدف ہونا چاہیے تھا۔ ایسی صورت میں پیچھا کرنے والا سلطان شاہ اور ویرا کے درمیان آ جاتا۔
سلطان شاہ فٹ پاتھ پر سیدھا چلتا رہا۔ اچانک وہ ایک جگہ فٹ پاتھ سے اتر گیا۔ اس کا ارادہ سڑک پار کرنے کا تھا۔ اس مرحلے پر ویرا کی عقابی نظریں اس دراز قامت اور دبلے پتلے سفید فام کو گرفت میں لینے میں کامیاب ہوگئیں جو سلطان شاہ سے چند قدم پیچھے چل رہا تھا۔ سلطان شاہ کے سڑک پر اترتے ہی وہ بھی لپک کر زیبرا کراسنگ پر چلا گیا۔
وہ ویرا کی پیش بینی اور منصوبہ بندی کی زبردست کامیابی تھی۔
اس کی نظروں میں آنے والا سفید فام اپنے خدوخال سے امریکی نظر آ رہا تھا لیکن اس کے بال لمبے تھے۔ اس کے بدن پر ٹی شرٹ اور گھٹنوں تک آیا ہوا نیکر نظر آ رہا تھا۔
سلطان شاہ چاہتا تو شہر کی روایت کے مطابق بھاگ دوڑ کر گاڑیوں کے درمیان سے سڑک کے پار نکل جاتا۔ بریک چیختے، کوئی ہارن بجاتا، کوئی اسے برا بھلا کہتا لیکن اسے راستہ مل جاتا۔ کوئی ڈرائیور اسے ٹکر مار کر گرانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔
سلطان شاہ سڑک پر اتر کر یکایک تھم گیا تھا۔ نیکر پوش امریکی تیزی سے سڑک پر گیا تھا۔ وہ کچھ آگے نکل گیا۔ رینگتے ہوئے ٹریفک کے درمیان اپنی راہ بناتے ہوئے اس نے مڑ کر دیکھا تو اس کا شکار اپنی جگہ پر رکا ہوا تھا۔ وہ جاتے جاتے پلٹ پڑا۔
ویرا نے سلطان شاہ کو راستے میں کہیں بھی ڈیڑھ دو منٹ کے لیے تذبذب کے عالم میں رکنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ اپنے پیچھے آنے والے امریکی سے بے خبر تھا۔ اس نے وہیں سڑک پر رک کر اپنا وقت پورا کیا اور دوبارہ فٹ پاتھ پر چڑھ کر راہ گیروں کی بھیڑ میں شامل ہوگیا۔ امریکی دوبارہ اس کے پیچھے تھا۔
ویرا نے فیصلہ کن انداز میں اپنی رفتار تیز کی اور بھیڑ میں اپنا راستہ بناتی ہوئی دراز قامت امریکی نوجوان کے قریب پہنچ گئی۔
اگلے لمحے میں ویرا نے اس کے برابر میں سے گزرتے ہوئے دانستہ اسے کندھا مار کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ بلامبالغہ حسین، پرکشش اور سبک اندام تھی۔ نوجوان نے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا اور ویرا نے اسے آنکھ ماردی۔
وہ ہائے بے بی کہہ کر جوں ہی مسکراتا ہوا ویرا کی طرف بڑھا، ویرا کا داہنا ہاتھ پوری قوت سے اس کے رخسار پر پڑا اور اس کے اوسان خطا ہوگئے۔
ہاتھ کے ساتھ ویرا کی زبان بھی چل پڑی تھی۔ وہ اسے گالیاں دے کر اکیلی لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا الزام دے رہی تھی۔
راہ گیروں کی بھیڑ چھٹ گئی۔ حیرت زدہ تماشائیوں نے ویرا اور شرم سار امریکی کے گرد بڑا سا دائرہ بنالیا۔ ویرا کی اونچی آواز سن کر سلطان شاہ بھی پھرتی سے پلٹ آیا۔
''تمہیں غلط فہمی ......'' امریکی نوجوان نے ویرا کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ باقاعدہ اشتعال میں آ چکی تھی۔ اس نے اچھل کر اس کے منہ پر ایک مکا رسید کردیا۔
وہ مارشل آرٹس کے کئی شعبوں میں اعلیٰ مہارت رکھتی تھی۔ ہاتھوں اور لاتوں کی مدد سے چند لمحوں میں اپنے حریف کو خاک چاٹنے پر مجبور کرسکتی تھی لیکن ہاتھوں کے ساتھ اس کا ذہن بھی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ ہاتھ پیروں کی کوئی غیر معمولی پھرتی دکھاتی تو محض اس کرتب کی بنا پر اسے ویرا کی حیثیت سے پہچانا جاسکتا تھا۔ اس کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ رسمی انداز میں اپنے شکار کو مار پیٹ کر وہاں سے نکل جائے۔
اس کے پیچھے جاتے ہوئے وہ دو چیزیں نوٹ کرچکی تھی۔ اس کے نیکر کی پچھلی جیب میں پرس اڑسا ہوا تھا اور جیب میں کوئی وزنی چیز مسلسل ہل رہی تھی۔ ویرا کا اندازہ تھا کہ وہ کوئی پستول وغیرہ ہی ہوسکتا تھا۔

''سب منہ کیا دیکھ رہے ہو، مارو اس باسٹرڈ کو۔'' ویرا مجمع سے مخاطب ہو کر فریادی لہجے میں گویا ہوئی۔

سب سے پہلے سلطان شاہ نے لپک کر اس امریکی کی پشت پر ایک لات رسید کی، وہ لڑکھڑاتا ہوا ویرا کی طرف آیا تو وہ کسی جونک کی طرح اس سے لپٹ گئی۔ وہ اس ہڑبونگ سے فائدہ اٹھا کر اس کے پرس پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھی۔

ہجوم کی طرف سے سلطان شاہ کی شمولیت بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوئی۔ معاملہ ایک غیر ملکی لڑکی کی ناموس کے تحفظ کا تھا۔ قرب و جوار میں عشرت کدوں کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں تلے کئی تھائی نوجوانوں کی غیرت یکا یک جاگ اٹھی اور وہ بھی اپنی زبان میں کچھ غضب ناک کلمات کہتے ہوئے اکھاڑے میں کود پڑے۔

وہاں یکا یک ایسی گرما گرمی ہوگئی کہ سلطان شاہ کو ایک کے بعد دوسری لات رسید کرنے کی سعادت حاصل نہ ہوسکی۔ تھائی لڑکوں نے ویرا سے گتھے ہوئے امریکی کو اپنے نرغے میں گھسیٹ لیا۔

اس وقت ویرا اپنے کسی کرتب سے اس کا بایاں رخسار کھول چکی تھی۔ جہاں بہتی ہوئی خون کی لکیر لحہ بہ لحہ دراز ہو رہی تھی۔

''حرام زادے امریکی!'' ویرا اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے نفرت انگیز لہجے میں بولی ''پتا نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں...... انہیں یہاں آ کر ہر عورت بازاری نظر آتی ہے۔''

وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتی ہوئی بھیڑ میں گھسی اور تیزی سے دوسری طرف نکلتی چلی گئی۔ اسے توقع تھی کہ تھائی لڑکے آسانی سے اپنے شکار کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔

تھائی لینڈ کے بارے میں یہ بات سب ہی جانتے تھے کہ سرکاری طور پر وہ امریکا کا گہرا دوست اور حلیف ہے لیکن ملک میں مقیم امریکی فوجیوں کی تحکمانہ بدمعاشیوں کی وجہ سے عام لوگوں میں ان کے خلاف دبی دبی نفرت پائی جاتی تھی۔ اس وقت تھائی لڑکے ویرا کو چھیڑنے والے امریکی کو کوٹ کر اسی نفرت کا اظہار کر رہے تھے۔

ہوٹل کا کمرا چھوڑنے سے پہلے ویرا نے سلطان شاہ کو جو ہدایات دیں ان سے اسے یہ اندازہ تو ہوگیا تھا کہ ویرا کسی امکانی تعاقب کا سدِباب کرنے کے لیے وہ جتن کر رہی تھی۔ یہ بات اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ معاملہ جُل دینے سے تجاوز کر کے مار پیٹ تک پہنچ جائے گا۔

بھیڑ سے نکل کر ویرا بہت تیزی سے ایک طرف بڑھتی چلی گئی تھی۔ اس کا سفری بیگ بہ دستور اس کے شانے سے جھول رہا تھا۔ ہاتھا پائی میں بھی وہ اپنی جگہ پر موجود رہا تھا۔ سلطان شاہ تقریباً دوڑ کر اس کے برابر میں پہنچنے میں کامیاب ہوسکا۔

''یہ کیا کر دیا تم نے...... مار دھاڑ کا ارادہ تھا تو پہلے سے کچھ بتایا ہوتا۔'' اس نے ویرا کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے شکایتی لہجے میں سرگوشی کی۔

''میرا پہلے سے کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وقت پر جو سوجھا وہ کر گزری۔'' وہ چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان بولی ''اب یہاں سے تیزی سے نکلو، معاملہ امریکی کا ہے۔ پولیس تک بات ضرور جائے گی۔''

''پیچھا کرنے والے سے پیچھا چھوٹ گیا۔ کوئی سواری کیوں نہیں لے لیتیں؟'' سلطان شاہ نے ویرا کے ساتھ اپنی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہی کرنا ہے لیکن ذرا دور نکل جائیں۔''

''آج تم نے دل خوش کر دیا۔ کیا اس نے تمہارے ساتھ واقعی بدتمیزی کی تھی؟''

''میری آنکھ میں تنکا پڑ گیا تھا۔ وہ سمجھا میں نے اسے آنکھ ماری ہے، بس لپکا میری طرف اور میں نے تھپڑ رسید کر دیا۔'' ذہن سے بوجھ ہٹ جانے پر ویرا پہلی بار ہنسی۔

''ہوا بالکل بند ہے، تنکا کہاں سے آ گیا...... ضرور تم نے اس کے ساتھ شرارت کی ہوگی!''

''بعض اوقات تم احمقانہ سوال کرتے ہو اور مذاق کا سارا لطف غارت ہو جاتا ہے۔ میں اسے آنکھ نہ مارتی تو یہ سب کیسے ہوتا۔ بہت سے لوگوں نے اسے میری طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مجمع میں سے کوئی اس کی حمایت پر نہیں آیا۔''

''اگر وہ کوئی ہتھیار نکال لیتا!'' سلطان شاہ نے سوال کیا۔

''میرے ذہن میں سب کچھ اچانک آیا تھا۔ اس نازک معاملے میں وہ پستول نکالتا تو لوگ اسے وہیں دبوچ کر ادھیڑ ڈالتے۔ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں اس کی جیبوں سے اس کا پرس اور پستول اڑا لائی ہوں۔''

''تم واقعی شیطان کی خالہ ہو۔ وہ بھی تم سے پناہ مانگتا ہوگا۔''

''خالہ نہیں، کزن کہو۔'' وہ محظوظ ہوتے ہوئے بولی ''ابھی میں خالاؤں والی عمر تک نہیں پہنچی۔''

ویرا کی خوش دلی سے سلطان شاہ کا ذہن بھی بوجھل پن سے آزاد ہو رہا تھا۔ انہوں نے بدترین ذہنی دباؤ کے عالم میں ہوٹل کو خیر باد کہا تھا۔ ویرا کے حوصلہ مندانہ فیصلوں نے ذرا سی دیر میں انہیں ہر فوری فکر اور تشویش سے آزاد کر دیا تھا۔

تصادم کے مقام سے کافی دور آ کر انہوں نے ایک خالی ٹیکسی لی اور نیوبچ بری روڈ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں تفریحی مقامات کے ساتھ گیسٹ ہاؤسز کی بہتات تھی۔

ٹیکسی لیتے ہوئے ویرا نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کا ڈرائیور تھائی باشندہ ہے۔ کسی بھارتی یا پاکستانی ڈرائیور کے ساتھ سفر کرتے ہوئے وہ اردو یا انگریزی میں بے فکری سے بات نہیں کر سکتی تھی۔ سلطان شاہ کے لیے ان دونوں کے سوا ہر بڑی زبان اجنبی ہوتی۔

''یہ بھول جاؤ کہ تم اکبر اور میں ریٹا ہوں۔'' ٹیکسی روانہ ہونے کے بعد ویرا نے کہا ''ناموں اور سفری دستاویزات کی وجہ سے وہ یہاں ہمارا سراغ لگانے میں کامیاب ہوئے۔ نام بدل لینے سے یہ تسلسل ٹوٹ جائے گا۔''

''لیکن ہمارے پاسپورٹ اور ویزا وغیرہ ان ہی ناموں پر ہیں۔''

''سب کو بھول جاؤ، اپنے ذہن سے کھرچ کر مٹا دو۔'' ویرا جھلّا کر بولی ''یہ سیلانیوں کا شہر ہے۔ یہاں کوئی ہمیں روک کر ہماری شناخت نہیں پوچھے گا۔''

''ذرا اس کا پرس نکال کر دیکھو۔ شاید کچھ پتا چل سکے کہ وہ کون تھا؟'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے کہا۔

''سب دیکھ لیا جائے گا، ابھی اس کا نکالنا مناسب نہیں۔''

نیوبچ بری کے بارونق علاقے میں پہنچ کر ڈرائیور نے ان کی منزل کے بارے میں جاننا چاہا۔ ویرا نے ٹیکسی ایک ریستوران کے سامنے رکوالی۔ اسے روانہ کر کے وہ اس سڑک کی ایک ذیلی گلی میں گھس گئی۔

ذرا سی دیر میں وہ بازار کے عقب میں ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں متعدد مکانات پر ہوٹلوں اور ریسٹ ہاؤسز کے نمایاں بورڈ نظر آ رہے تھے۔

باہر کی آرائش سے وہ سب صاف ستھرے نظر آ رہے تھے۔ ویرا وہاں پلنے والی گندگیوں سے بے خبر نہیں تھی۔ اس نے محض اندازے سے ایک دور افتادہ گیسٹ ہاؤس کا انتخاب کیا۔ وہاں انہیں کسی شناخت کے بغیر جیکب اور روزی کے نام سے دو الگ الگ کمرے مل گئے۔

گیسٹ ہاؤس کی ادھیڑ عمر مالکن نے ایک جوان جوڑے کے لیے دو الگ الگ کمروں کے حصول پر حیرت ظاہر کی تو ویرا نے یہ کہہ کر اسے مطمئن کر دیا کہ وہ رات کو جیکب کے خراٹوں کی وجہ سے اس کے کمرے میں گہری نیند سے محروم رہ جاتی ہے۔ جواز معقول تھا، عورت مطمئن ہو گئی۔

انہیں کمرے الگ الگ ملے مگر سلطان شاہ دراز قامت امریکی کے پرس کے بارے میں بہت زیادہ متجسس تھا۔ وہیں ویرا کے کمرے میں ہی بیٹھ گیا۔

ویرا نے اپنا سفری بیگ دہرے بیڈ پر ڈالنے کے بعد سب سے پہلے کمرے کی کھڑکی دیکھ کر یہ اطمینان کر لیا کہ وہاں سے کسی کے اندر کودنے کا امکان نہیں تھا۔

ویرا خود بھی یہ جاننے کے لیے بے چین تھی کہ اس کے ہاتھوں مار کھانے والا کون تھا۔ اس نے پھولا ہوا پرس مسہری پر الٹ کر خالی کر دیا۔ بستر پر پھیلی ہوئی اشیا اس کی نظروں میں غیر اہم تھیں۔ ان میں کچھ تھائی کرنسی، چند ڈالر اور کریڈٹ کارڈز کے سوا ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے پرس کے مالک کے بارے میں کچھ پتا چل سکے۔

ویرا نے پرس کھول کر اس کا جائزہ لیا تو اس کی ایک جیب میں چند وزیٹنگ کارڈ پھنسے ہوئے تھے۔ وہ سب یکساں تھے اور ان پر سارجنٹ ٹی ایچ پال کا نام چھپا ہوا تھا۔ کارڈ پر کوئی پتا یا فون نمبر نہیں تھا۔

''یہ اسی کے کارڈ معلوم ہوتے ہیں۔'' سلطان شاہ نے ایک کارڈ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''اس کا نام پال کے بجائے کچھ اور بھی ہو سکتا تھا۔ یہ پتا نہیں چل رہا کہ اس کا تعلق کس محکمے سے ہے۔'' ویرا الجھے ہوئے انداز میں بولی۔

''تمہارے ذہن پر صرف ایف بی آئی سوار ہے۔ اس کے ایجنٹ گلے میں تختی ڈال کر نہیں گھومتے۔ کیا سارجنٹ کے عہدے سے تم کو اندازہ نہیں ہو سکا کہ اپنے بڑے بالوں کے باوجود وہ امریکی فوج سے تعلق رکھتا ہے۔''

''واقعی یہ سامنے کی بات ہے۔'' ویرا اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔ ''امریکی ایجنسیوں کے آدمی فوج سے انتظامیہ تک بہت سے شعبوں میں گھس کر اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ان میں سے ایک ہو۔''

''امکان کی بات نہ کرو۔ وہ ان ہی میں سے تھا۔ وہ ان ہی میں سے تھا۔ ایک عام فوجی کو ہم دونوں سے کیا دلچسپی

ہوسکتی ہے۔ وہ کسی نہ کسی کے حکم پر میرا پیچھا کررہا تھا۔'' سلطان شاہ بولا۔

ایف بی آئی والوں کے لیے البرٹو کا مفرور دوست کتنا ہی اہم کیوں نہ رہا ہو، ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ساری معلومات یکجا کر کے اتنے مختصر وقت میں امریکا سے اپنے کسی افسر کو بنکاک بھیج دیتے۔ ان کے لیے بہتر اور موثر طریقہ یہ تھا کہ ان دونوں کے بارے میں جملہ معلومات فیکس وغیرہ کے ذریعے بنکاک میں اپنے آدمیوں کو بھیج دیتے۔ وہاں ان کے فوجی اڈے کے قیام کی وجہ سے خفیہ ایجنسیوں کے مضبوط نیٹ ورک کا ہونا یقینی تھا۔

ہوٹل میں گائن نے کمرے کی تلاشی لینے والے کا جو حلیہ بیان کیا اس میں فوجی تراش کے بال سب سے زیادہ اہم اور نمایاں تھے۔ سلطان شاہ کا تعاقب کرنے والے کے بال لمبے تھے۔ لیکن اس کے پرس سے برآمد ہونے والے کارڈ یہ ظاہر کررہے تھے کہ اس کا تعلق بھی امریکی فوج کے کسی شعبے سے تھا۔

بات ویرا کی سمجھ میں آ گئی۔ بنکاک میں متعین فوجیوں کا کوئی گروپ وہاں ایف بی آئی کے لیے کام کررہا تھا۔ کمرے کی تلاشی لینے والا اور پھر سلطان شاہ کا پیچھا کرنے والا، دونوں اس گروپ کے عام کارندے تھے۔ ان کی باگ ڈور کسی سینئر فوجی افسر کے ہاتھ میں رہی ہوگی۔

اسے میری ہدایت یاد تھی کہ کسی نئے ٹھکانے پر پہنچتے ہی اسے مجھ کو فون پر اس پتے سے آگاہ کرنا تھا تاکہ میں دور سے ان دونوں کی دیکھ بھال کرسکوں۔ امریکی فوج کے سارجنٹ سے سڑک پر کھلی محاذ آرائی کے بعد وہ مجھ سے فوری طور پر رابطے کی ضرورت محسوس کررہی تھی۔

☆☆☆

میں ویرا سے بات کر کے فارغ ہوا تھا کہ کچھ دیر بعد جلال کی کال آ گئی۔ میری توقع کے مطابق طارق نے اپنی ذمے داری پوری کرتے ہوئے اپنے افسر کو بنکاک میں راجن کے عبرت ناک انجام کی خبر دے دی تھی۔ وہ افسر دفتری اوقات ختم ہو جانے کے باوجود قومی سلامتی سے متعلق ایک اہم اجلاس میں شریک تھا۔ اجلاس ختم ہوتے ہی اس نے بنکاک سے ملنے والی خبر جلال کو پہنچا دی۔ اسے علم تھا کہ راجن کے معاملات جلال کے ذمے تھے۔ اسے اس بات کا سرے سے کوئی علم نہیں تھا کہ حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر جلال نے ہمیں پاکستان سے تھائی لینڈ روانہ کردیا تھا۔

''تم نے بہت بڑی اور ناقابلِ یقین کامیابی حاصل کی ہے۔'' جلال کہہ رہا تھا۔ ''میں اب تمہیں بتارہا ہوں کہ راجن کی سرکوبی کے لیے پچھلے چند مہینوں میں یہاں سے دو اسپیشل مشن بنکاک روانہ کیے گئے تھے مگر وہ بے نیل ومرام لوٹ آئے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اس تک کیسے رسائی حاصل کی ہوگی۔ اس کے گرد ہر وقت مسلح محافظوں کی ایک دیوار چلتی تھی جسے عبور کرنا ناممکن تھا۔''

''آتے ہی اس تک پہنچنا ناممکن تھا۔'' میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔ ''حالات اور واقعات کی رفتار کچھ ایسی بنی کہ رفتہ رفتہ اس کی ساکھ برباد ہوگئی، اس کے آدمی اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ آج انتہا یہ تھی کہ موتی محل کی ویرانی میں وہ کل دو آدمیوں کے ساتھ موجود تھا۔ انہی کے ساتھ ملک عدم روانہ ہوگیا۔''

''اس کی موت سے عارضی طور پر بھارتیوں کی کمر ٹوٹ جائے گی۔''

''میری دانست میں وہ ایک اونچے درجے کا بدمعاش تھا۔ پتا نہیں تم شروع سے اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو!'' مجھے راجن کے بارے میں جلال کا انداز پسند نہیں آیا۔

''را والوں نے اسے یہ نقاب فراہم کیا ہوا تھا۔ وہ بنکاک میں بیٹھ کر دنیا بھر سے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری میں استعمال ہونے والے مواد اور ممنوعہ آلات بھارت میں اسمگل کررہا تھا۔ بھارت کے توسیع پسندانہ جوہری عزائم کی پرورش کے لیے وہ ریڑھ کی ہڈی کا کام کررہا تھا۔ اسی وجہ سے میں ابتدا سے اس کی سرکوبی پر اصرار کررہا تھا۔'' جلال نے راجن کی مصروفیات کے اس پہلو کے بارے میں پہلی بار لب کشائی کی۔

''آج سے پہلے تم نے اس بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں دیا!'' میں نے شکوہ کیا۔

''وہ میری مجبوری تھی۔'' اس کی آواز معذرت خواہانہ تھی۔ ''راجن کی یہ سرگرمیاں انتہائی حساس نوعیت کی تھیں۔ ہم اپنی معلومات کو خفیہ رکھ رہے تھے۔ میں تمہارے سامنے زبان کھول کر اپنے منصب کے حلف سے روگردانی نہیں کرسکتا تھا۔''

''کیا اب یہ سب بتا کر تم اپنا حلف نہیں توڑ رہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کی موت کے بعد اب وہ قصہ پارینہ ہوگیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم اسے مار سکو گے۔ یہ بڑی کامیابی حاصل کرنے کے بعد تم بھی اس راز میں شامل ہو گئے ہو۔ یہ معلوم ہونا تمہارا حق ہے کہ اسے مار کر تم نے کیا کارنامہ سرانجام دیا

ہے۔''
''اس کی موت سے بھارت کی جوہری ہتھیاروں کی تیاریاں ٹھپ نہیں ہو جائیں گی۔'' میں نے اسے جتایا۔
''ریاستی سطح پر چلنے والے معاملات کسی کے مرنے جینے سے نہیں رکتے۔'' اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا۔ ''ان میں رخنہ ضرور آ جاتا ہے۔ راجن کا اپنا نیٹ ورک تھا۔ اب وہ بکھر گیا۔ انہیں ازسرنو متبادل انتظام کرنا ہوگا' نیا نیٹ ورک بنانا ہوگا۔ اس میں کافی وقت لگے گا۔ ہم اور ہمارے ماہرین اس وقت سے زبردست فائدہ اٹھائیں گے۔''

میرے لیے اس کی مجبوریاں شروع سے قابلِ فہم رہی تھیں۔ میں نے بات بڑھانے کے بجائے ہنس کر کہا۔ ''جب سے تم نے کراچی میں راجن کا ذکر کیا تھا میں کئی بار سوچ چکا تھا کہ بنکاک میں بیٹھے ہوئے ایک بھارتی بدمعاش سے تمہیں کیا پرخاش ہے۔ ممبئی سے دبئی اور ہانگ کانگ تک نہ جانے کتنے بھارتی سورما پل رہے ہیں۔ تمہیں اس ایک کی فکر کیوں تھی۔ اب بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ ایسا تو نہیں کہ تم نے دہرے مقصد کے تحت ہمیں بنکاک کی طرف روانہ کیا ہو۔''

''اصل اور بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ تمہارا کراچی بلکہ پاکستان میں رکنا مخدوش ہو چکا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے اس کا لہجہ کچھ کمزور پڑ گیا۔ ''میں نے سوچا کہ تمہیں جانا ہی ہے تو کیوں نہ بنکاک کی طرف جاؤ۔ اس طرح ایک وقت میں دو نہیں بلکہ تین اہداف حاصل ہو سکتے ہیں۔ تم کو یہاں درپیش خطرات سے چھٹکارا مل جاتا' سوبھراج کا بھرپور ہانکا ہو رہا تھا اور آثار بتا رہے تھے کہ یہاں کوئی جائے پناہ نہ پا کر وہ بنکاک میں اپنے چہیتے راجن کا رخ کرے گا اور وہاں تم اسے دیکھ لو گے' تیسرا اور ثانوی مقصد یہ بھی تھا کہ اگر تمہاری کوئی حکمتِ عملی کارگر رہی تو تم راجن کو راستے سے ہٹا کر بھارت کے جوہری ہتھیاروں کے توسیعی پروگرام کو بڑا نقصان پہنچا سکو گے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ تمہاری کراچی سے روانگی سے پہلے آخری ملاقات میں' میں نے تم کو راجن کے بارے میں خاص طور پر تاکید کی تھی۔''

''سب یاد ہے۔ اس وقت تم نے وہ تذکرہ اتنے سرسری انداز میں کیا تھا کہ میں نے اسے بھارتیوں کے خلاف حسد سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ ہم پاکستانیوں کے لیے کسی بھی میدان میں بھارت کی بالادستی ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ شعبہ کھیل کا ہو' جوہری ہتھیاروں کا یا بدمعاشی کا' ہم ہر جگہ انہیں نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔''

جلال کی ہنسی کی آواز آئی پھر وہ بولا۔ ''تم نے پاکستانیوں اور بھارتیوں کی ساری نفسیات ایک جملے میں سمیٹ کر رکھ دی۔ وہ کرکٹ میں ہم سے جیت جائیں تو ہمیں ایسا صدمہ ہوتا ہے جیسے ہمارا کوئی قریبی عزیز فوت ہو گیا ہو' کبھی ہم ان کو ہرا کر ہم اتنے خوش ہوتے ہیں جیسے ہم نے دنیا فتح کر لی ہو لیکن میری گزارش ایسے جذبات سے ماورا تھی۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے یہ وضاحت کر دی۔ اب بھی کچھ نہ بتاتے تو میں تمہارا کیا بگاڑ لیتا۔ اب تک مجھے یہ سوچ سوچ کر اپنی ہتک کا احساس ہو رہا تھا کہ میں محض ڈان کی خوشنودی کے لیے راجن کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔ اب یہ خلش دور ہو گئی۔''

''یہ نہ کہو۔ اس نے تمہارے اور اسد کے ساتھ جو بدسلوکی کی تھی اس کے بعد تم نے بھی اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔''

''تمہارے تینوں ہدف پورے ہو گئے۔ یہ بتاؤ کہ ہم پاکستان کب آ سکتے ہیں۔ ڈان سے آج میری خاصی تُو تُو' میں میں ہوئی ہے۔ اسے شک ہو گیا ہے کہ میں کون ہوں۔''

''اوہ......!'' اس کی بے ساختہ آواز آئی۔ ''یہ بہت برا ہوا۔ وہ بنکاک میں تمہارا زبردست مددگار ثابت ہوا ہے۔ اب وہ تمہارے کھوج میں لگ جائے گا۔''

''وقتی طور پر میں نے بات سنبھال لی ہے مگر مجھے بھی یہی شبہ ہے۔ مجھے اس کی طرف سے ہر دم چوکس رہنا ہوگا۔''

''لیکن اسے شک کیسے ہوا...... کیا تم نے راجن کے قضیے میں پھر اپنا کوئی خفیہ ہتھیار استعمال کر ڈالا؟'' اس کی آواز یک لخت فکر آمیز ہو گئی۔

''ہاں...... بم گن استعمال ہوئی تھی مگر......!''

''اوہ ڈیئر! یہ تم نے کیا کیا؟'' وہ میری بات کاٹ کر درمیان میں بول پڑا۔ ''میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ اب سب کچھ تلپٹ ہو جائے گا۔ تمہیں یہاں کے حالات کا اندازہ نہیں ہے۔ تمہارے خاکوں پر ان کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ دباؤ شدید ہے۔ ایس ٹی ایف کی سرگرمیاں محدود ہو چکی ہیں۔ اول خان کو یہاں سے ہٹا کر گوادر بھیج دیا گیا ہے۔''

وہ اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوا تو میں نے تحمل سے کہا ''تم میری بات اچک کر درمیان میں برس پڑے' اگر تم نے اپنی بات پوری کر لی ہو تو میں کچھ کہوں!''

میرے لہجے سے جلال کو اندازہ ہو گیا کہ اس سے بے صبری میں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ ''کہو' میں سن رہا ہوں۔

میرے لیے تمہاری سلامتی ہر ہدف سے زیادہ اہم ہے۔ اس مقصد کے لیے راجن کو دس بار ڈھیل دی جا سکتی تھی۔''

''راجن کو ڈھیل دی جا سکتی تھی نہ میں اپنی جان خطرے میں ڈال سکتا تھا۔'' میں نے کہا ''موتی محل میں گھسنے کے بعد میں بیم گن استعمال کرنے پر مجبور ہو گیا۔ میں یہ فیصلہ نہ کرتا تو شاید راجن کے ہاتھوں مارا جاتا۔ تم کو متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ناگزیر فیصلہ کرتے ہوئے مجھے تمہاری ہدایت یاد تھی۔ میں نے بیم گن کے زخموں پر پستول سے فائر کر کے ہر سراغ مٹا دیا تھا پھر بھی میں نے وہاں آگ لگا دی۔ خاکستر لاشوں سے کچھ پتا نہیں چل سکے گا کہ وہ کیسے مارے گئے۔ ہر رپورٹ گولی سے موت کی کہانی سنائے گی۔''

''اللہ کا شکر ہے کہ تم نے ہر خطرے کا تدارک کر لیا ورنہ اس وقت میرے لیے معاملے کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ اب لاک اَپ سے باہر کی دنیا میں تمہارے دشمنوں کو تمہارے سائے کا بھی سراغ نہیں ملنا چاہیے۔'' اس کا لہجہ تشکر کے جذبات سے واقعی مغلوب تھا۔ چند ثانیوں قبل پیدا ہونے والی اشتعال آمیز کیفیت پانی کے جھاگ کی طرح کافور ہو گئی تھی۔

''میرے خاکوں کا قصہ تو چل رہا تھا۔ تم نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے بارے میں کیا خبر سنا دی؟'' میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

''صورتِ احوال افسوس ناک ہے مگر ٹھوس زمینی حقائق یہی ہیں۔''

''کیا گوادر میں بھی ایس ٹی ایف کا کوئی سیٹ اپ موجود ہے؟''

''ماضی میں میری معلومات کے مطابق وہ لوگ وہاں موجود نہیں تھے۔ اگر ضرورت کے تحت اب وہاں کام ہو رہا ہو تو میں باخبر نہیں ہوں۔ ان کا کوئی یونٹ وہاں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ لوگ اپنے افسروں کو خاص مشن دے کر بھی اِدھر اُدھر بھیجتے رہتے ہیں۔''

''راجن نے مرنے سے قبل انکشاف کیا ہے کہ اس کے آدمیوں کی دو ٹولیاں ممبئی اور بنکاک سے پاکستان گئی ہوئی ہیں۔ ایک اگلی دو مہینوں تک بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں اپنی دہشت گردی سے امن و امان کے مسائل پیدا کرنے پر مامور ہے۔ دوسری پارٹی ساہیوال جیل میں موجود را کے دو ایجنٹوں کو فرار کرانے کی کوشش کرے گی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کن الفاظ میں تمہاری شاندار کارکردگی کی تعریف کروں۔ یہ دونوں خبریں بہت اہم ہیں۔ را کے ایجنٹوں سے صدف مینشن میں تمہاری ملاقات ہو چکی تھی۔ دونوں پاکستانی غیر مسلم ہیں اور اقبالِ جرم کر چکے ہیں۔ اگلی پیشی پر عدالت انہیں عمر قید کی سزا سنانے والی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''میری نگاہ میں دہشت گردی کا معاملہ زیادہ اہم ہے۔''

''میں مانتا ہوں۔ پرسوں ہائی پاور ٹرانس مشن لائن کا ایک ٹاور اڑا دیا گیا جس کے نتیجے میں ایک بڑا علاقہ بجلی کے تعطل کا شکار ہو گیا۔ اس سلسلے میں کچھ مشتبہ افراد پکڑے گئے ہیں۔ تمہاری نشان دہی کے بعد ان سے نئے زاویے سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔ طویل مدت کے سکون کے بعد یہ بلوچستان میں پہلی بڑی تخریبی کارروائی ہے۔ یہ بہت اہم خبر ہے کہ سندھ کے بعد اب را کی توجہ بلوچستان کے حسّاس علاقے پر مرکوز ہے۔''

''اگر راجن کے آدمی آزاد رہے تو یہ سلسلہ طول پکڑے گا۔'' میں نے اسے اپنی تشویش سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ ''انہیں دو ماہ کی مدت دی گئی ہے۔ وہ تیزی سے کام کریں گے۔''

''یہ راجن کو را کی طرف سے ملا ہوا پروگرام معلوم ہوتا ہے۔ دو مہینوں تک وہ بجلی، پانی اور گیس کی لائنوں کے ساتھ پلوں وغیرہ کو اپنا ہدف بنا کر افراتفری پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ایک بار یہ سلسلہ چل نکلا تو بعض سرکش اور کوتاہ اندیش مقامی عناصر ایسی حرکتیں شروع کر سکتے ہیں۔ ان پر فوری طور پر قابو پانا ہوگا۔''

وہ ملکی سلامتی سے متعلق ایک اہم معاملہ تھا جس میں صوبے کے بعض صنعتی منصوبوں کی تعمیر اور توسیع پر مامور غیر ملکی ماہرین کے تحفظ کا مسئلہ سرفہرست تھا۔

اس موضوع پر باتیں کرتے ہوئے جلال کو ڈان یاد آ گیا۔ اس کے شکوک و شبہات کے سلسلے میں بیم گن کے استعمال کا تذکرہ آتے ہی گفتگو کا رخ یکایک تبدیل ہو گیا تھا اور ڈان کا قصہ ادھورا رہ گیا تھا۔

میں نے اسے تفصیل سے پوری صورت حال سمجھا دی۔ اس کی رائے مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ وقتی طور پر بات دب گئی تھی لیکن ڈان کے ذہن میں میرے بارے میں ڈبل ہونے کا خیال پیدا ہونا خطرناک تھا۔ جو میرے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔

''فی الحال تم اس کی مہمان نوازی کا رنگ ڈھنگ

دیکھو۔ تمہارا واپس یہاں آنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ ڈان کے ذہنی فتور کے سبب اب تمہارا وہاں نکلنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ میں سوچتا ہوں کہ اب تمہارے لیے کون سا ملک بہتر رہے گا۔'' کافی مغز زنی کے بعد اس نے کہا۔

''میں ملائیشیا کی طرف نکلنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''ڈان اب تیزی سے طاقت پکڑے گا۔ میں نے تمہاری باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ وہ خرد ماغ آدمی ہے۔ تمہاری طرف سے اس کے دماغ میں دوبارہ کوئی فتور آیا تو تم اس کی دسترس میں ہوگے۔ وہ چند گھنٹوں میں تمہیں وہاں سے اٹھا کر بنکاک لے آئے گا۔ یہ نہ بھولو کہ اب تم اکیلے نہیں ہو۔ نیویارک والی جوڑی بھی بنکاک پہنچ چکی ہے۔ جہاں جاؤ گے وہ تمہارے ساتھ ہوں گے۔ اکیلا آدمی اپنے بچاؤ کے لیے بہت کچھ کرسکتا ہے جہاں بہ یک وقت چار آدمی اکٹھا ہوں وہاں ہاتھ پیر بندھ جاتے ہیں۔'' وہ ایک وقت میں زیر نظر معاملے کے ہر رخ پر نظر رکھنے کا عادی تھا۔

''میں تمہارے مشورے کا منتظر رہوں گا۔ اب تم نے نیویارک کی جوڑی کی بات چھیڑی ہے تو ان کا ایک مسئلہ بھی سن لو۔ آج ان کی غیر حاضری میں اکبر کے کمرے کی تلاشی لی گئی ہے۔''

جلال چونک گیا۔ ویرا اور سلطان شاہ کے بنکاک پہنچنے کے بعد اس کا ویرا سے براہِ راست رابطہ ہو چکا تھا مگر وہ تازہ ترین صورتِ حال سے بے خبر تھا۔ ''ان کے یہاں آتے ہی چکر چلنا شروع ہوگیا!'' اس کی آواز تحیر زدہ سی تھی۔

میں نے اسے ویرا سے سنی ہوئی تفصیل سنا دی۔

''یہ بہت برا ہوا۔ یہاں کون ان دونوں کے پیچھے لگ سکتا ہے؟'' میرے کان میں اس کی تفکر آمیز آواز آئی۔'' بنکاک میں روز ہزاروں سیاح آتے ہیں۔ ان میں ان دونوں کی نشاندہی کیسے ہوگئی؟''

میں نے اسے اپنے نظریے سے آگاہ کر دیا۔ اس وقت یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ وہ معاملہ ویرا اور سلطان شاہ کا نہیں تھا۔ جو کچھ ہوا تھا۔ اس کے پس پردہ ریٹا اور اکبر کی شخصیات ہوسکتی تھیں۔

''تم نے بہت اچھا کیا کہ انہیں نام بدل کر کسی اور ٹھکانے پر منتقل ہونے کا مشورہ دے دیا۔ فوری طور پر یہی ہوسکتا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ اب انہیں اپنی پرانی شناخت کو بھول جانا چاہیے!'' میں نے کہا۔

''یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ وہ جب بھی وہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے' پاسپورٹ ان کی پول کھول دیں گے۔'' وہ بولا'' یہ نہ بھولو کہ بنکاک سیٹو کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس کی آڑ میں وہاں ایک مدت سے امریکی فوج کی خاصی تعداد مقیم ہے۔ ان کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ ہر سرکاری معاملہ ان کے علم میں رہتا ہے۔ وہاں امریکی ایجنسیاں بھی بہت فعال ہیں۔ ان سب کو فریب دے کر بنکاک سے کہیں اور کے لیے نکلنا ناممکن ہوگا۔''

''میں نے اسی وجہ سے یہ ذکر چھیڑا ہے۔ یہاں ہم لوگ کچھ نہیں کر سکتے۔ تم چاہو تو یہ مسئلہ ذرا سی دیر میں حل ہوسکتا ہے۔''

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' جلال نے پوچھا۔

''طارق کے ذریعے ان دونوں کے نئے پاسپورٹ بھجوا دو۔ وہ موجودہ پاسپورٹ تلف کر کے ہر جھنجٹ سے آزاد ہو جائیں گے۔''

''ویری گڈ! تم جب بھی کوئی مسئلہ بیان کرتے ہو تو اس کا حل پہلے سے تمہارے ذہن میں موجود رہتا ہے۔ یہ کام کل ہی ہو جائے گا۔ ایک دو روز میں طارق دونوں پاسپورٹ تمہارے حوالے کر دے گا۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''صرف پاسپورٹ سے کام نہیں چلے گا۔ ویزا بھی درکار ہوں گے۔''

''فکر مت کرو۔ کام مکمل ہوگا۔ تم سب کی تصاویر میرے ریکارڈ میں موجود ہیں۔ تمہیں یاد ہے نا کہ میرے پاس اپنی تصویر کی موجودگی پر تم کس طرح بھڑک گئے تھے!''

''تم سے ڈر لگتا ہے۔ بڑے سرکاری افسر ہو۔ کیا پتا کب دوستی کو بالائے طاق رکھ کر افسری جتانے پر تل جاؤ۔'' شگفتہ موڈ میں بات ہو رہی تھی۔ میں نے کھل کر اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''میں کہوں گا کہ تم اب تک مجھے نہیں سمجھ سکے۔'' وہ یکایک سنجیدہ ہو گیا۔ ''تم سے میری دوستی ان سرحدوں سے آگے نکل گئی ہے جہاں اس پر ہزار افسریاں قربان کی جا سکتی ہیں۔''

''یہ تمہاری مہربانی ہے ورنہ میں کس قابل ہوں۔'' میں نے بات مذاق میں ٹالتے ہوئے کہا ''اب میں ان دونوں سے کہہ دوں کہ وہ موجودہ پاسپورٹ تلف کر دیں۔''

''بالکل کہہ دو۔'' اس نے بلا تامل جواب دیا۔ ''میں خود بھی کوشش کرتا ہوں کہ ریٹا سے بات ہو جائے۔ اگر وہ دونوں تمہاری تجویز پر عمل کر چکے ہیں تو مجھے ان کے موجودہ نام معلوم ہونے چاہئیں تاکہ پاسپورٹ سے ان ہی ناموں کی تصدیق ہو سکے۔''

''یہ مجھے بھی علم نہیں، کسی بھی لمحے اس کا فون آ سکتا ہے۔'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت اس سے سوال کیا۔ ''ان دونوں کے تھائی لینڈ میں داخلے کا قانونی ثبوت کیا ہوگا؟''

''یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ یہ باریکیاں میری نگاہ میں ہیں۔ ان پر بنکاک ایرپورٹ کی باقاعدہ امیگریشن مہر موجود ہوگی۔ کاغذات کی کسی خامی کی بنا پر انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔''

''میں سوچ رہا ہوں کہ تم یہ کام کر ہی رہے ہو تو میرے اور صدف کے نئے پاسپورٹ بھی بھجوا دو۔'' میں نے محتاط لہجے میں فرمائش کی۔

''اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' اس کا وہ سوال فطری تھا۔

''میں ڈان سے مطمئن نہیں ہوں۔ تم خود بھی اس کے کسی نئے ذہنی فتور کا ذکر کر چکے ہو۔ پہلے سے احتیاطی تدابیر اختیار کر لی جائیں تو بہتر رہے گا۔''

''یہ سوچ لو کہ ایک وقت میں دو مختلف ناموں سے پاسپورٹ حاصل کرنا اور رکھنا ہر ملک کے قانون کے تحت سنگین جرم ہے۔ تمہیں موجودہ پاسپورٹ ضائع کرنا ہوں گے۔''

''تم اپنا کام کر ڈالو، یہ میری ذمے داری ہوگی۔'' میں نے اصرار کیا اور اس نے ہامی بھر لی۔

ہمارے درمیان ہونے والی طویل گفتگو ختم ہونے والی تھی کہ مجھے راجن کا خیال آیا۔ اس کے بارے میں جلال نے طارق کی رپورٹ سننے کے بعد مجھے فون کیا تھا۔ اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ بھارت کے خفیہ ایٹمی نیٹ ورک کا ایک بنیادی ستون گرا دیا گیا تھا۔ اس بارے میں اس نے مجھے کریدنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ معذرت خواہانہ انداز میں مجھے راجن کی ذات سے وابستہ وہ باتیں بتاتا رہا جو مجھ سے پوشیدہ تھیں جب کہ میرے پاس بھی اسے بتانے کے لیے بہت کچھ تھا۔

''راجن کے بارے میں مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے شاید وہ تمہارے کام آ سکے!'' میں نے کہا۔

''ضرور، ضرور۔'' اس نے پرزور لہجے میں جواب دیا۔ ''دشمن کے بارے میں جتنی زیادہ معلومات ہوں وہ کم ہوتی ہیں۔ اگر تم نے اسے زندگی کی آس دلا کر زبان کھولنے پر آمادہ کر لیا تھا تو اس کے انکشافات بہت اہم رہے ہوں گے۔''

''تمہیں انل یاد ہے نا؟'' میں نے سوال کیا۔

''را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ کو میں کیسے بھول سکتا ہوں۔ تم انل بسواس کی بات کر رہے ہو!'' اس نے اپنی بھرپور معلومات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''وہی جو دہلی میں اپنے گھر میں تمہارے ہاتھوں جہنم واصل ہوا تھا۔''

''وہی۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''اس نے راجن کے دماغ میں یہ بات ڈالی کہ ممبئی کی انڈر ورلڈ پر مسلمانوں کا راج ہے، اسے بنکاک میں قدم جمانے چاہئیں۔ شاید وہ بھانپ چکا تھا کہ راجن بنکاک میں رہ کر ممنوعہ جوہری ساز و سامان کے حصول کے لیے آزادی سے کام کر سکے گا اور وہ

کامیاب رہا تو بنکاک کی انڈر ورلڈ پر اس کا راج بھی ہوجائے گا۔"

"بالکل یہی بات ہے۔" جلال بول اٹھا "اب ہر چیز واضح ہورہی ہے۔ گرین کو برا فائل میں را کے ایجنٹ ایکس کا ذکر ہے جو مشرق بعید کے کسی ملک میں بیٹھ کر اہم منصوبوں کے لیے کام کررہا تھا۔ فائل میں اس کے کام اور منصوبوں کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں تھی۔ وہ تذکرہ پڑھ کر میں پہلی بار راجن کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ یہ سوبھراج کے بے نقاب ہونے سے پہلے کا قصہ ہے لیکن میں پوری کوشش کے باوجود یہ جاننے میں کامیاب نہیں ہوسکا کہ بنکاک میں اسے ابھرنے کا موقع کیسے ملا' اس کا پشت پناہ کون تھا۔"

"امریکی سفارت خانے میں پچھلے چھ برسوں سے......"

"تم کرنل گیری کا ذکر تو نہیں کررہے!" میری بات مکمل ہونے سے پہلے جلال نے مضطربانہ لہجے میں سوال کر ڈالا۔

"اسی کا ذکر ہے' تمہارا ذہن اس کی طرف کیسے چلا گیا؟"

"اول درجے کا شاطر اور بدمعاش ہے۔ وہ اپنے سفارت خانے کا واحد افسر ہے جو چھ برسوں سے وہاں ٹکا ہوا ہے اور مصدقہ طور پر سی آئی اے کا ایجنٹ ہے۔"

"راجن کو ابتدائی سہارے اسی نے فراہم کیے۔ کرنل گیری اور انل میں گہری دوستی تھی۔ انل کی موت کے بعد ساگر نے اس کی جگہ لے لی۔ اس وقت گیری اور راجن کے مراسم بہت گہرے ہوچکے تھے۔ وہ گیری کے لیے کام بھی کرتا رہتا تھا۔"

"تم نے راجن سے بہت کچھ اگلوالیا۔ اگر تمہیں جوہری آلات کے شعبے میں اس کی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا تو اس سے بہت کچھ معلوم کرسکتے تھے۔" جلال کی آواز متاسفانہ ہوگئی۔

"جب تک ڈان میدان میں رہا' راجن کا چراغ نہیں جل سکا۔ ڈان کے گوشہ نشین ہوتے ہی وہ تیزی سے ابھر کر پورے بنکاک پر چھاتا چلا گیا۔ وجہ صرف ایک تھی کہ گیری کی حمایت اور مشوروں کی وجہ سے اسے بنکاک کے اعلیٰ سرکاری افسروں اور بارسوخ امرا میں مقبولیت حاصل ہوچکی تھی۔"

"میں حیران ہوں کہ ان دونوں نے اپنے باہمی روابط کو کتنی سختی سے پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔" جلال کہہ رہا تھا۔

"ہمارے آدمی سرتوڑ کوششوں کے باوجود ان دونوں کے مراسم کا سراغ نہیں لگا سکے۔ میں تم سے یہ ذکر پہلی بار سن رہا ہوں۔ میری یہ بات کہیں لکھ لو کہ اکبر کے کمرے کی تلاشی لینے والے کا کسی نہ کسی طرح گیری سے تعلق ضرور نکلے گا۔"

"تعلق نکلے یا نہ نکلے' میں نے اس کی طرف سے اچھی طرح ڈان کے کان بھر دیے ہیں۔ اگر وہ اپنے قول کا پکا اور سچا ہے تو اس کا گیری سے ٹکراؤ ہوکر رہے گا۔"

"یہ کیسے ہوا؟" جلال نے بے ساختہ پوچھا۔

میں نے اسے بتادیا کہ میں نے موتی محل میں اپنے داخلے کا جواز پیدا کرنے کے لیے کس طرح کرنل گیری کی ذات کا سہارا لے کر اسے ڈان کی نظروں میں گندا کردیا۔

راجن کی موت کے بعد بنکاک میں بہ ظاہر اس کا کوئی جانشین نہیں تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ اس کے شروع کیے ہوئے کاموں کی دیکھ بھال براہِ راست نئی دہلی سے کی جاتی۔ ان میں پاکستانی علاقوں میں دہشت گردی پھیلانے کے مشن پر نکلی ہوئی دو ٹولیوں سے رابطے کا معاملہ بھی شامل تھا۔ کرنل گیری را والوں کا حلیف ہوسکتا تھا لیکن وہ کسی طرح راجن کے خلا کو پر نہیں کرسکتا تھا۔ پھر بھی جلال نے طارق کو اس کے پیچھے لگانے کا ارادہ ظاہر کرکے فون بند کردیا۔

میرے لیے ہوٹل کے کمرے سے فون پر کسی سے بات کرنے میں ایک بڑی قباحت یہ تھی کہ غزالہ میری یک طرفہ گفتگو سن کر تجسس میں مبتلا ہوجاتی اور اس کی طرف سے سوالات کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے کچھ پوچھتی' میں نے اسے خود ہی اپنی اور جلال کی گفتگو کے اہم نکات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

اس بریفنگ سے نمٹتے ہی میں نے ویرا کا نمبر ملایا تو وہ

مصروف تھا۔ تین کوششوں کے بعد میں نے تھک کر اپنا موبائل فون رکھ دیا۔ میرا اندازہ تھا کہ جلال نے مجھ سے بات ختم کرتے ہی ویرا کا نمبر ملا لیا ہوگا۔

وہ نوجوان اور خوش ذوق افسر تھا۔ میں کئی بار یہ بات نوٹ کر چکا تھا کہ وہ غیر ضروری طور پر ویرا سے خوش گپیاں نہیں کرتا تھا لیکن کام کے حوالے سے اس سے بات کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

جلال کے اس رویے کی بنا پر ابتدا میں، میں غلط فہمی کا شکار ہو گیا لیکن گہرے مشاہدے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ جلال کو ویرا کی ذات میں کوئی خصوصی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے دل و دماغ میں یہ خیال جاگزیں تھا کہ ویرا نے پاکستان کے مفادات کے تحفظ کے لیے اپنوں کو چھوڑ کر ہمارا ساتھ اختیار کر لیا تھا۔ اس ناتے سے ویرا کی خبر گیری اس کی ذمے داری بنتی تھی کیوں کہ وہ واحد پاکستانی افسر تھا جو اپنی تمام تر ہمدردیوں کے ساتھ ہم سے مسلسل رابطے میں رہتا تھا۔ شاید وہ یہ سوچتا ہو کہ ویرا کی خدمات کے کسی سرکاری اعتراف کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اپنی قوم اور حکومت کی طرف سے غیر سرکاری طور پر خیر سگالی کا اظہار اس کا اخلاقی فرض بنتا ہے۔

میری چوتھی کوشش سے پہلے ویرا کی کال آ گئی۔ اس نے تصدیق کی کہ وہ جلال سے گفتگو کر رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ بار بار مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوششیں کرتی رہی تھی مگر اسے میرا فون ہر بار مصروف ملا تھا۔

اس نے یہ بتا کر میرا دل خوش کر دیا کہ اس نے پہلی فرصت میں میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل چھوڑ دیا تھا اور ایک صاف ستھرے ریسٹ ہاؤس میں منتقل ہو گئی تھی۔

اس اچھی خبر کے بعد اس نے ٹی ایچ پال کا واقعہ سنا کر مجھے پریشان کر دیا۔

''تمہیں اس بارے میں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے مطمئن لہجے میں کہا ''بس یہ سمجھ لو کہ وہ تعاقب کی ابتدا میں ہی مارا گیا۔ تھائی لڑکوں نے دل کھول کر اس کی ٹھکائی کی ہوگی۔ اب وہ کسی کے تعاقب کے نام سے اپنے کانوں کو ہاتھ لگائے گا، جیکب اور روزی کے نام سے یہاں آ جانے کے بعد میں بے فکر ہو گئی ہوں۔ اب ان لوگوں کا ہم تک پہنچنا ممکن ہو گیا ہے۔ دو چار روز میں جلال نئے ناموں سے ہمارے پاسپورٹ بھیج دے گا تو ہر مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

''اس بارے میں جلال سے تمہاری تفصیلی بات ہو گئی ہے؟'' میں نے تصدیق چاہی۔

''ہاں ......! یہ بات ہو گئی لیکن اس کی زبان سے راجن کا قصہ سن کر مجھے صدمہ ہوا کہ یہاں اتنا اہم اور بڑا واقعہ رونما ہو چکا ہے لیکن تم نے مجھے اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔'' اس نے بجا طور پر شکوہ کیا۔

''تم کمرے کی تلاشی کے معاملے میں پریشان تھیں میں نے وہ ذکر چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ صبح کے اخبارات سے سب کچھ تمہارے سامنے آ جاتا۔'' میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

''میں پریشان تھی تو تم وہ خوش خبری سنا کر میرے ذہن کا بوجھ ہلکا کر سکتے تھے۔ تم نے مجھے سب کچھ بتایا ہوا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اب وہ تمہارے راستے کا آخری کانٹا ہے۔ وہ ہٹ گیا تو تم ہر فکر سے آزاد ہو جاؤ گے۔''

''بدقسمتی سے ایسا نہیں ہو سکا۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''وہ ڈان کے لیے بہت بڑا نام اور شکار تھا۔ وہ سوچے بیٹھا تھا کہ زبردست محاذ آرائی اور خون ریز تصادم کے بغیر اس کا قصہ ختم نہیں ہو سکے گا۔ میں نے اس کے گھر میں گھس کر چپ چپاتے اسے لمبے سفر پر روانہ کر دیا تو ڈان کو میری طرف سے تشویش ہو گئی، اسے شبہ ہو گیا کہ میں علی نہیں ہوں، وہی ہوں جو میں ہوں۔ تم بات سمجھ رہی ہو نا۔''

''اوہ!'' اس کی بے ساختہ آواز آئی ''جلال نے یہ نہیں بتایا، یہ تو بہت سنگین خطرہ ہے۔ اس فکر نے تمہارا کامیابی کا سارا نشہ ہرن کر دیا ہوگا۔''

''اب تم کو میری پوزیشن کا کچھ اندازہ ہو رہا ہے۔ تم کو ادھوری بات بتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ بعض اوقات خوش فہمیاں تباہی کا سبب بن جاتی ہیں۔''

''مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ہم چوہے دان میں پھنس رہے ہیں۔'' وہ اپنا شکوہ بھول گئی ''پال اور اس کے ساتھی ہمارے پیچھے لگ گئے، ڈان تم پر شبہ کر رہا ہے، ان حالات میں ہمارا یہاں رکنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔''

''بہ ظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے لیکن میں عجلت میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ تم نے نام اور ٹھکانا بدل کر خود کو بچا لیا ہے، میں نے وقتی طور پر ڈان کو مطمئن کر دیا۔ جلال کے پاس سے تم دونوں کی نئی سفری دستاویزات آ جائیں تو کوئی فیصلہ کیا جا سکے گا۔''

''موقع ملتا ہے تو تم نکل جاؤ۔ ہماری پروا نہ کرو۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔ جلال کے آدمی کے لیے تم

دونوں اجنبی ہو۔ ویسے بھی مجھے دور رہ کر تم دونوں کا دھیان رکھنا ہوگا۔ تمہاری اطلاع کے لیے یہ بتادوں کہ راجن کی پشت پر امریکی سفارت خانے کے کرنل گیری کا ہاتھ کارفرما تھا۔ ہوسکتا ہے کہ نیویارک والوں کے ایما پر اسی نے پال اور دوسرے آدمی کو تمہارے پیچھے لگایا ہو۔''

''کرنل گیری!'' ویرا نے پر خیال آواز میں دہرایا۔'' یہ نام میرے لیے نیا ہے۔ وہ سفارت خانے میں کیا کام کرتا ہے۔''

''سنا ہے کہ انفارمیشن افسر ہے اور چھ سال سے یہاں کام کررہا ہے۔''

''یہ میرے لیے نیا نام ہے۔ امریکا میں بیوروکریسی بہت بڑی ہے۔ وہ اتنی لمبی مدت سے یہیں ہے تو یقیناً کسی اہم مشن پر کام کررہا ہوگا۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ راجن کے ساتھ ملا ہوا تھا؟''

''ان باتوں کو چھوڑ دو۔ کریدو گی تو سوال سے سوال پیدا ہوتے جائیں گے اور ہم اصل موضوع سے بھٹک جائیں گے۔ میں ہوا میں تیر نہیں چلا رہا۔ یہ بات راجن نے خود قبول کی تھی۔ جب ملیں گے تو یہ باتیں ہوجائیں گی.... فی الحال اپنی توجہ موجودہ مسائل پر مرکوز رکھو۔''

''ملنے کی بات دور نظر آرہی ہے۔ تم خود کہہ چکے ہو کہ اب ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا ہوگا۔ ہم ایک ساتھ حریفوں کی نظروں میں آگئے تو مشکلات بڑھ جائیں گی۔''

''یہ صورتِ حال بدل بھی سکتی ہے۔ ریٹا اور اکبر خطرناک نام تھے۔ محتاط رہ کر جیکب اور روزی سے ملاقات کی جاسکتی ہے۔''

''کب آرہے ہو؟'' ویرا نے اسی لمحے سوال داغ دیا۔'' یہ معاملات فون پر طے نہیں ہوسکتے۔ کچھ دیر کے لیے روبہ رو بیٹھ کر تبادلہ خیال کرنا ضروری ہے۔''

''کوئی وعدہ نہیں کرسکتا، کوشش کروں گا۔ نئی جگہ پر تمہارے کمرے کیسے ہیں؟''

''کسی گھر کو معمولی ردوبدل سے گیسٹ ہاؤس بنادیا گیا ہے۔ یہاں پرائیویسی کا احساس مفقود ہے۔ میرے کمرے کی ایک کھڑکی لابی میں کھلتی ہے۔ آوازیں سننا تو درکنار، کوئی آنے جانے والا چاہے تو اندر جھانک بھی سکتا ہے۔ میں نے وہ کھڑکی بند کردی ہے۔''

''میں کل کوشش کروں گا کہ ہم کہیں یکجا ہوسکیں۔'' میں نے کہا'' تمہارا ٹھکانا موزوں نہیں ہے۔''

''کوشش نہیں، بس آجاؤ۔'' اس نے اصرار کیا۔'' گیری، پال اور تیسرے آدمی کے خیال سے مجھے ہول آرہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں سے نکلنے سے پہلے ہم ان سے الجھ جائیں۔''

''میں دامن بچانے کی پوری کوشش کررہا ہوں۔ آگے اللہ کی مرضی!''

''جلال شکایت کررہا تھا کہ تم نے اس کی سخت ہدایت کے باوجود بیم گن کو بے دریغ استعمال کیا ہے۔'' ویرا بات سے بات نکالتی جارہی تھی۔'' یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔''

''کرسی پر بیٹھ کر ہدایات جاری کرنے اور جان لیوا سچویشن میں فیصلے کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔'' میں نے ذرا ترشی سے کہا'' تمہیں بھی اندازہ ہونا چاہیے کہ میں جان بوجھ کر اپنی زندگی داؤ پر لگانے کی حماقت نہیں کرسکتا۔ میں نے ایک فیصلہ کیا تھا تو اس کا تدارک بھی سوچ لیا تھا۔ شاید جلال نے اس بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتایا!'' میں نے ذرا ترشی سے کہا۔

''بتادیا تھا۔'' اس نے سرسری انداز میں کہا'' آگ زبردست تھی۔ وہ دعا کررہا تھا کہ اس نے تمہاری توقعات

کے مطابق سارے ثبوت چاٹ لیے ہوں۔''

''تمہیں تفصیل معلوم ہے تو پھر یہ بات چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی ...... کیا تم مجھے چڑانے کی کوشش کررہی ہو؟'' میں نے تلخی سے پوچھا۔

''میں یہی کہہ رہی ہوں۔ آمنے سامنے بات ہورہی ہوتی تو تمہیں یہ سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ میرے چہرے پر تمہیں نیک نیتی اور تشویش صاف نظر آجاتی۔''

''جیکب کام بگاڑ کر کہاں چھپا ہوا ہے؟'' میں نے بات بدل کر سلطان شان کے نئے نام سے اس کے بارے میں سوال کیا۔''اس سے کہنا کہ وہ بھی کسی وقت مجھ سے بات کرلے۔''

''تمہارا بجر بتو سامنے بیٹھا ہوا مجھے دیکھے جارہا ہے۔ چاہو تو اس سے بات کرلو!'' ویرا نے یہ کہہ کر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر فون اسے دے دیا۔

''مبارک ہو!'' میرے کان میں سلطان شاہ کی دھیمی اور سنجیدہ آواز گونجی۔''تم نے یہاں آکر اپنا ہر کام پورا کرلیا ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں کہ میری ایک غلطی نے اب تک میرا پیچھا نہیں چھوڑا اب تم کو بلاوجہ پریشان ہونا پڑے گا۔''

مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ اس کے الفاظ نہیں تھے۔ ایک ساتھ رہنے سہنے کے سبب ان کے درمیان جس نوعیت کی کشاکش چل رہی تھی اس کا مجھے بہ خوبی اندازہ تھا۔ ویرا نے اپنے ناقدانہ رویے سے یہ بات اس کے ذہن میں بٹھائی ہوگی کہ اس کی ذات نئی پریشانیوں کا منبع بنی ہوئی تھی وہ مجرمانہ احساس سلطان شاہ کی دلیرانہ صلاحیتوں کے لیے مضر ثابت ہوسکتا تھا۔

''کام کیا جاتا ہے تو پریشانیاں لامحالہ سامنے آتی ہیں۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرنے کی نیت سے کہا۔''مجھے خوشی ہے کہ تم نے وہاں کے ننگے بھوکے اور بے گھر لوگوں میں جس شخص پر توجہ دی وہ واقعی ایک اہم آدمی تھا۔ اب تمہاری نگاہوں میں خاصی پختگی آگئی ہے۔ تم اپنے طور پر درست فیصلے کرنے لگے ہو۔''

''شاید تم میری دل جوئی کرنے کی کوشش کررہے ہو!'' اس کی آواز سے بے اعتباری جھلک رہی تھی۔''روزی ہر وقت مجھے لعن طعن کرتی رہتی ہے۔''

''یہ تمہارے اور اس کے ذاتی معاملات ہیں۔ کسی بڑے فیصلے سے پہلے دونوں فریقوں میں ایسی زور آزمائی ہوتی رہتی ہے۔ شادی سے پہلے وہ تم پر حاوی ہونے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے تاکہ تم زندگی بھر اس کے مطیع بنے رہو۔''

ہم چاروں بہت سنگین صورت احوال سے گزررہے تھے، ذہن پر عجیب سی پراگندگی کی لہر سوار تھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آگے ہمیں کس صورت حال سے نبرد آزما ہونا پڑے گا لیکن ذہن میں ویرا اور سلطان شاہ کی یک جائی کا خیال آتے ہی تازگی کا احساس یک بہ یک جاگ اٹھا۔ قنوطیت کی لہر یکا یک کافور ہوگئی۔

''تم کو کیا ہوگیا ہے۔'' سلطان شاہ کی آواز میں ہلکا سا غصہ جھلکنے لگا''ایک مسلمان کسی کافرہ سے کسی حال میں ایسا رشتہ نہیں جوڑ سکتا......''

''بیٹے! وہ کافرہ نہیں، اہل کتاب ہے۔'' میں نے بات کاٹ کر اس کی تصحیح کی۔''تم کو بتا چکی ہے کہ وہ عیسائیوں کے کیتھولک فرقے سے تعلق رکھتی ہے۔''

''رکھتی ہوگی......'' سلطان شاہ نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔''وہ کھڑکی کی طرف منہ کرکے کھڑی ہوئی ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ اس کے کان میری باتوں کی طرف لگے ہوئے ہوں گے۔ میں نے کھری بات کہہ دی تو ابھی فساد کھڑا ہوجائے گا۔''

''دماغ میں آئی ہوئی بات اپنے دل میں نہ رکھو۔ اسی دبی ہوئی آواز میں کہہ ڈالو۔ کچھ پتا تو چلے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے!''

''صرف عیسائی ماں اور وہ بھی بغیر بیاہی ماں کے گھر میں پیدا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دل سے عیسائی ہے۔ وہ خود اعتراف کرچکی ہے کہ زندگی میں کبھی گرجا نہیں گئی۔ وہ بے دین ہے، اپنی قوم، اپنے مذہب تک کا مذاق اڑاتی ہے۔''

''کان کھول کر پہلی بات یہ سن لو کہ اس کو کبھی بھول کر بھی اس کی ماں کے گناہ کا طعنہ نہ دینا۔'' میں نے سختی سے کہا''اس میں روزی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک ناکردہ گناہ کا طعنہ ناقابلِ برداشت ہوگا۔''

''اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ بات وہ بارہا ہم سب کے سامنے کہہ چکی ہے اور اسے اس بات پر کوئی ندامت نہیں ہے۔ شاید اس کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ سب کیا دھرا اس کی ماں کا ہے، وہ کیوں احساسِ جرم میں مبتلا رہے۔''

''اس کی یہ سوچ درست ہے۔ اور اب دوسری بات سن۔ اس کے گرجا نہ جانے پر تم لعن طعن کررہے ہو، یہ بتاؤ

کہ تم کب مسجد جاتے ہو!''

''یہ نہ کہو، میں نے نیویارک میں بھی جمعے کی نماز مسجد میں پڑھی تھی۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ کوئی جمعہ نہ چھوڑوں۔''

''حالانکہ تمہیں دن میں پانچ بار وہاں جانا چاہیے۔ ان باتوں میں کچھ نہیں رکھا۔ مذہب کے حوالے سے اس پر تنقید کرو گے تو وہ بھی تمہارے بخیے ادھیڑنا شروع کر دے گی۔ آدمی اپنے مذہب سے ذاتی طور پر کتنا ہی دور کیوں نہ ہو، اس پر کسی دوسرے کی تنقید برداشت نہیں کرتا۔ تم کو محتاط رہنا چاہیے۔''

''آیندہ میں محتاط رہوں گا لیکن تم کو اتنا ضرور بتا دوں کہ میں موقع محل سے یہ سب باتیں اس کے سامنے کہہ چکا ہوں اور وہ کبھی چراغ پا نہیں ہوئی۔

''یہ اس کی فراخ دلی ہے کہ وہ حقائق کو خندہ پیشانی سے مان لیتی ہے۔''

''تمہاری اس سے گاڑھی چھنتی رہی ہے۔ یہ بتاؤ کہ اسلام کے بارے میں اس کی ذاتی رائے کیا ہے!'' اس بار سلطان شاہ کی آواز نارمل تھی۔

''تمہارا دھیما لہجہ بلند ہو گیا۔ کیا وہ کہیں چلی گئی ہے؟'' میں نے دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔

''تمہارا مشاہدہ واقعی بے مثال ہے۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''تم چھوٹی چھوٹی باتیں نوٹ کر کے بڑے اندازے لگا لیتے ہو۔ وہ ابھی سگریٹ سلگاتی ہوئی باہر نکلی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ لابی میں نیچی آواز میں ٹیلی وژن کھول کر بیٹھ گئی ہو۔''

''اس میں ایک بہت اچھی عادت ہے۔ وہ جہاں بھی گئی اس نے وہاں کے مذہب اور رسوم ورواج کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ وہ اسلام کو سب سے بہتر مذہب تسلیم کرتی ہے۔ اس کے پیروکاروں کے بارے میں اس کی رائے اچھی نہیں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اس پر میری محنت کامیاب ہوسکتی ہے!'' اس نے پرامید لہجے میں کہا۔ ''میں نے بھی اس کی طبیعت کا جھکاؤ دیکھ کر اپنا سلسلہ شروع کیا تھا۔''

''وہ مسلمان ہوگئی تو تم اس سے شادی کرلو گے؟'' موقع پاکر میں نے اس سے وہ اہم سوال کر ہی ڈالا۔

''تم میری شادی کے بارے میں اتنے فکر مند کیوں ہو؟''

''لوگوں کو لڑکیوں کی فکر ہوتی ہے، مجھے تمہاری فکر ہے۔ تمہیں بہرحال شادی کرنی ہے۔ وہ بھی ساری عمر تنہا نہیں رہ سکتی۔ اگر تم دونوں ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرو تو ایک دوسرے کا سہارا بن سکتے ہو۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ میرا تعلق سرحد کے ایک گاؤں سے ہے۔ میں اسے اپنی بیوی بنا کر وہاں لے گیا تو گاؤں والے میرے سر پر ایک بال نہیں چھوڑیں گے۔''

''تمہاری منطق نرالی ہے۔'' میں نے جھنجلا کر کہا ''کبھی آمادہ نظر آنے لگتے ہو۔ میں نے سوال کیا تو اب نئی قلابازی کھا رہے ہو۔''

''یہ قلابازی نہیں، حقیقت ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ گاؤں کے لوگ ان معاملات میں کتنے سیدھے اور سخت ہوتے ہیں۔''

''پھر اس کا شبہ درست ہے۔ مسلمان کر کے تم اسے بے سہارا چھوڑ دو گے۔''

''تم بھی تو اس کی مدد کر سکتے ہو۔ ذہنی طور پر وہ تم سے بہت قریب ہے۔'' سلطان شاہ کی زبان سے وہ فقرے سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ رسید کر دیا ہو۔

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔'' چند ثانیوں کے سکتے کے بعد میں نے حیرت اور بے یقینی سے سوال کیا۔

''تم کو چار شادیوں کی اجازت ہے۔ تم ہر وقت دوسری کر سکتے ہو۔''

سلطان شاہ میرے سوال کے دباؤ سے نکلنے کے لیے اس رخ پر آیا تھا مگر میرے دل میں چور تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میرے سامنے اچانک آئینہ رکھ دیا ہو۔

میں نے اپنے وجود میں دوڑنے والی سنسنی پر قابو پاتے ہوئے بہت نرمی سے کہا۔ ''تم شروع سے میرے ساتھی ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ روزی کی یہی خواہش تھی لیکن جب میں

صدف کے ساتھ رشتے کے بندھن میں بندھ گیا تو روزی نے رفتہ رفتہ اس حقیقت سے سمجھوتا کرلیا۔ وہ مغرب کی پلی ہوئی ہے۔ اس کے مذہب اور معاشرت میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پھر بھی میں تمہارے اس مشورے کے بارے میں صدف سے بات کروں ......''

اس نے بلبلا کر میری بات کاٹ دی۔ ''صدف سے بھول کر بھی اس بات کا ذکر نہ کرنا۔ اس کے دل میں میری طرف سے ہمیشہ کے لیے گرہ پڑ جائے گی۔''

''تمہاری نیت صاف ہے تو تمہیں صدف یا کسی اور سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ آمادہ ہوگئی تو مجھے ایک نو مسلم خاتون کا سہارا بن کر خوشی ہوگی۔'' میں نے نہایت سنجیدگی سے اپنی بات جاری رکھی۔ میں جان بوجھ کر درمیان میں غزالہ کا ذکر لایا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کا خیال آتے وہ پسپائی اختیار کرلے گا۔

''نہیں ...... نہیں تم اس سے بات نہیں کرو گے۔'' اس کی آواز مضطربانہ ہوگئی۔ ''وہ سوچے گی کہ میں اس کا منہ بولا بھائی بن کر اس کا گھر برباد کرانا چاہ رہا ہوں۔''

''یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ میں اسے کتنا چاہتا ہوں۔ اس سے مشورہ کرکے اور اس کی رضا مندی کے بغیر میں اتنا بڑا فیصلہ نہیں کرسکتا۔''

''مت کرو۔ سمجھ لو کہ میں نے اس بارے میں تم سے کچھ نہیں کہا۔ وہ اس وقت تمہاری باتیں تو نہیں سن رہی؟'' سلطان شاہ بوکھلایا ہوا تھا۔

''اپنی رسٹ واچ دیکھو۔ اس وقت رات کا ایک بج چکا ہے۔'' میں نے غزالہ کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ ''وہ بہت دیر سے گہری نیند سوئی ہوئی ہے۔''

''اللہ کا شکر ہے کہ میں بہت بڑی خفت سے بچ گیا۔ میں نے روا روی میں اپنی بات کہہ ڈالی۔ میرے ذہن میں صدف کا خیال آجاتا تو میں اپنی زبان نہ کھولتا۔ دیکھو، اس سے اس بارے میں ایک لفظ نہ کہنا۔ عورتیں چھوٹے دل کی ہوتی ہیں۔ وہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے متنفر ہو جائے گی۔ میں نے یہ بات تمہیں چڑانے کے لیے کہی تھی، تم بلاوجہ سنجیدہ ہوگئے۔''

''یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ میں تمہارے کہے ہوئے ہر لفظ کو اہمیت دیتا ہوں۔'' میں نے اسے مزید رگڑنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے درمیان اس موضوع پر قسطوں میں بات ہو رہی ہے۔ اپنے گھر اور گاؤں والوں کے بارے میں اچھی طرح سوچ لو، اپنے حوصلے کا اندازہ لگا لو پھر مجھے جواب دو۔ تمہاری طرف سے کوئی اشارہ ملنے کے بعد میں روزی سے بات کروں گا۔ وہ مادہ پرستی کے ڈھکوسلوں سے اکتائی ہوئی ہے۔ اسے سکھ کی تلاش ہے جو کہیں نہیں مل سکا۔ وہ اپنے ذہنی سکون اور سکھ کے لیے کوئی بڑا فیصلہ کرگزرے گی۔''

''میں نے پہلے بھی وقت لیا تھا۔ اب بھی یہی کہہ رہا ہوں، موجودہ جھمیلوں سے نکلنے کے بعد میں سکون سے کوئی فیصلہ کرسکوں گا۔''

میں نے بات کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے لیے وقفوں سے ہونے والی ایسی گفتگو زیادہ کارگر ثابت ہوسکتی تھی۔ پتھر پر گرنے والا بوند بوند پانی آخرکار اس میں گڑھا ڈال دیتا ہے۔ وہ ترغیبی نکتے کبھی نہ کبھی بارآور ہونے والے تھے۔

''آپ ذرا سی دیر میں بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ ہر طرف مہیب خطرات منڈلا رہے ہیں۔ پتا نہیں آپ کے خلاف اب سازشوں کا کون سا نیا جال بنا جارہا ہے۔ ان حالات میں آپ اس سے یوں باتیں کررہے تھے جیسے ہم کراچی میں بےفکر بیٹھے ہوں اور آپ کل ہی ان دونوں کا گھر بسانے کا ارادہ کرچکے ہوں۔'' غزالہ نے حیرت سے کہا۔

''خطرات ٹل چکے ہیں، راجن کی موت کے بعد ہر طرف ٹھہراؤ آگیا ہے۔'' میں نے بستر پر دراز ہوکر کہا۔ ''اہم ترین بات یہ ہے کہ اب ہمیں یہاں کچھ نہیں کرنا۔ ڈان کی کامیابی کا جشن منعقد ہونے تک ہمیں آرام کرنا ہے پھر ہم یہاں سے چل دیں گے۔''

''وہ دونوں اب کہاں ہیں؟'' غزالہ نے سوال کیا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اسے ویرا اور سلطان شاہ کی منتقلی کا قصہ سنا دیا جس میں ٹی ایچ پال کی بدنصیبی کا ذکر نمایاں تھا۔

''آپ کہہ رہے ہیں کہ خطرات ٹل گئے۔ مجھے نظر آرہا ہے کہ پال کی مرمت کے بعد وہ زیادہ شدومد کے ساتھ ریٹا اور اکبر کو تلاش کریں گے۔''

''وہ دونوں غائب ہوگئے۔ ان کے نئے نام روزی اور جیکب ہیں۔ اگر وہ شکل وصورت سے نہ پہچانے جائیں تو ساری امریکن آرمی مل کر بھی بنکاک میں ان کا کھوج نہیں لگا سکتی۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

''ویرا زیادہ دیر تک ٹک کر بیٹھنے والی نہیں ہے۔'' غزالہ نے مایوسی سے کہا ''وہ گھومنے پھرنے کا خطرہ مول

لے گی اور مشکل میں پڑ جائے گی۔''

''اس خدشے کو اپنے ذہن سے نکال دو۔ پال سے ٹکراؤ ہونے کے بعد اسے معاملے کی نزاکت کا اندازہ ہو چکا ہے۔ اگر یہ تمہاری بددعا ہے تو بات دیگر ہے۔''

''اس نے کون سی میری جاگیر ماری ہے جو میں اسے بددعا دوں!''

''تم نے ابھی تک یہ نہیں پوچھا کہ جب میں نے تمہیں آنکھ ماری تھی، اس وقت سلطان شاہ سے میری کیا بات ہو رہی تھی۔''

''ضرورت نہیں سمجھی!'' اس نے مسکرا کے کہا ''شاید اس نے آپ کے سوالوں سے جان چھڑانے کے لیے کوئی جوابی وار کر دیا تھا۔ ذرا سی دیر کے لیے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ کیا اس نے آپ کو دیرا سے دوسری شادی کا مشورہ دیا تھا؟''

غزالہ کے صحیح ترین اندازے پر میں ششدر رہ گیا اور مجھے کسی دوست کی کہی ہوئی یہ بات یاد آ گئی کہ شوہروں کی کمزوریوں کا سراغ لگانے کے لیے بیویوں میں ایک ایسی خصوصی حس بیدار ہو جاتی ہے جو چھٹی حس سے بہ درجہا تیز ہوتی ہے۔ غزالہ نے بہت زیادہ معصومیت کے ساتھ موضوع سخن کے بارے میں درست اندازہ لگایا تھا۔

ہمارے درمیان اس بارے میں نوک جھوک شروع ہو گئی اور اس دوران میں کسی وقت میری آنکھ لگ گئی۔

میرا وہ دن بہت مصروف گزرا۔ صبح سے رات گئے تک جسمانی اور اعصابی تکان سے میرا برا حال ہو چکا تھا۔ نیند کی دیوی مہربان ہوئی تو میں اس کی گہری آغوش میں چلا گیا۔ نہ جانے میں کتنی دیر تک سوتا رہا۔ پھر یوں محسوس ہوا جیسے میرے فون کی گھنٹی آسیبی انداز میں بج رہی ہو۔ ابتدا میں وہ خواب کا سا موہوم تصور تھا لیکن خواب بہت برق رفتار ہوتے ہیں۔ زمان و مکاں کی ہر قید سے آزاد ہو کر لمحوں میں صدیوں کا احاطہ کر لیتے ہیں لیکن وہ اگر خواب تھا تو بس ایک ہی جگہ رک کر رہ گیا تھا۔

میں نے کسل مندانہ انداز میں آنکھیں کھولیں۔ کمرے میں ایئر کنڈیشنر کی فرحت بخش خنکی رچی ہوئی تھی اور وہ گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ میں نے نیم وا آنکھوں سے وال کلاک کی طرف دیکھا تو سوئیاں صبح کے چار بجا رہی تھیں۔

میرے مقامی موبائل فون کی گھنٹی رہ رہ کر بجے جا رہی تھی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے اس رات بھرپور نیند میرے مقدر میں نہیں تھی۔

باپ نے کمسن بیٹے سے کہا ''کیا تم اس بات پر حیران نہیں ہوتے کہ انڈوں میں سے چوزے کیسے نکل آتے ہیں؟''

''ڈیڈی! اس سے زیادہ تو میں اس بات پر حیران ہوتا ہوں کہ چوزے، انڈوں کے اندر جاتے کیسے ہیں؟'' بچے نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

میں نے ایک نگاہ اپنے پیچھے ڈالی۔ غزالہ کروٹ لیے گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے فون کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا تو چاؤ فان کی چہکتی ہوئی آواز سن کر میرا دماغ سنک گیا۔

''ماسٹر! تم سو تو نہیں رہے تھے؟'' اس کا سوال نہایت احمقانہ تھا۔

''چاؤ فان! یہ شریف انسانوں کی گہری نیند کا وقت ہے۔ تم کیوں میری جان کا عذاب بننے پر تلے رہتے ہو...... تم نے مجھے نیند سے اٹھایا ہے......''

''مجھے افسوس ہے ماسٹر لیکن میں مجبور تھا۔ کیا تم اس وقت اپنے کمرے سے نکلنے کے موڈ میں ہو؟'' معذرت کے ساتھ ایک عجیب سوال کر کے اس نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

''آج ڈان نے تمہارے سامنے میری مہمان داری کا ذکر کیا تھا'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''اگر یہ اس مہمان داری کی ابتدا ہے تو میں اس سے پناہ مانگتا ہوں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، آرام کرنے دو ورنہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔''

''مجھے تمہاری تھکن اور آرام کا پورا احساس ہے۔ میں دوسری طرح اپنی تھکن اتار رہا تھا۔ اس وقت میامی کلب میں چھوٹا راجن کی بربادی کا خفیہ جشن منایا جا رہا ہے۔ ماسٹر، تم یقین کرو کہ یہاں پورا پرستان اترا ہوا ہے۔ بے خودی اور سپردگی کی ایسی فضا ہے کہ فرشتے بھی یہاں سے ہلنا نہیں چاہیں گے مگر میں مجبور ہوں۔ ابھی ڈان کا پیغام آیا ہے۔ وہ اسی وقت تم سے ملنا چاہتا ہے۔'' وہ سنجیدہ اور معذرت خواہانہ لہجے میں کہتا چلا گیا۔ میرے کان کھڑے ہو گئے۔

''میں چند گھنٹے پہلے اس سے ملا تھا۔ اس کا اصل حریف اب تک جل کر راکھ ہو چکا ہوگا۔ ایسی کیا ایمرجنسی پیش آ گئی کہ سورج طلوع ہونے کا انتظار کیے بغیر وہ مجھے دوبارہ طلب کر رہا ہے۔''

میں نے غصے اور بے بسی سے کہا۔ میرا نیند کا خمار غائب

ہو چکا تھا۔

''تم جانتے ہو کہ وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتا۔ بس حکم دیتا ہے۔''

''صبح کے چار بجے میں وہاں کیسے جاؤں گا؟'' میں نے جھلا کر کہا۔

''ہوٹل سے ریڈیو ٹیکسی مل سکتی ہے مگر وہ مناسب نہیں رہے گی۔'' اس نے حسب عادت بولنا شروع کر دیا ''اس نے مجھے حکم دیا ہے۔ تمہیں وہاں پہنچانا میری ذمے داری ہے۔ حکم دو کہ یہ خادم کتنی دیر میں پہنچ جائے!''

''اگر میں اس وقت نہ جا سکوں؟'' میں نے ترشی سے پوچھا۔

''مجھے صدمہ ہوگا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تم ہمت کر ہی لوگے۔ ایک انکار سے تمہاری ساری محنت اور کارکردگی اکارت جائے گی۔ وہ خوبیاں بھول جاتا ہے' خرابیاں یاد رکھتا ہے۔'' چاؤ فان نے بہت تہذیب اور شائستگی سے مجھے انکار کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

اس سلسلے میں چاؤ فان کے منہ لگنا بے سود تھا۔ وہ اس وقت چابی دیے ہوئے کھلونے کی طرح ڈان کی طرف داری میں بول رہا تھا۔ وہ اپنے طور پر کوئی متبادل فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا یہ کہنا صحیح تھا کہ میرا انکار میرے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ڈان کے پاس جانا میری مجبوری تھی۔

''پندرہ منٹ بعد پہنچ جاؤ!'' میں نے جلے کٹے لہجے میں کہہ کر فون بند کر دیا۔

غزالہ اس وقت بھی بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اس کی نیند میں مخل ہوئے بغیر' خاموشی سے تیار ہو کر ڈان کی طرف نکل جاؤں لیکن میں نے وہ ارادہ فوراً مسترد کر دیا۔ ڈان کا نیا نادرشاہی حکم مجھے اپنے لیے خطرے کی گھنٹی محسوس ہو رہا تھا۔ کچھ اندازہ نہیں تھا کہ مجھے سیلرز بار میں کیا حالات درپیش ہوں گے اور کب تک میری واپسی عمل میں آسکے گی۔ غزالہ میری غیر حاضری میں نیند سے بیدار ہو کر سخت پریشانی سے دوچار ہو سکتی تھی۔

میں نے دل ہی دل میں ڈان اور چاؤ فان کو برا بھلا کہتے ہوئے روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ میں غسل خانے سے نہا کر باہر نکلا تو غزالہ از خود بیدار ہو چکی تھی۔ اس کی خمار آلود نگاہوں سے تشویش جھلک رہی تھی۔

میں نے اپنی تیاری جاری رکھتے ہوئے اسے ڈان کے تازہ ترین فرمان سے آگاہ کیا تو اس کی تشویش خوف میں بدل گئی۔ میری طرح اسے بھی یہ بات پریشان کر رہی تھی کہ محض چند گھنٹوں کے بعد ڈان کو یکایک میری کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔

میری طرف سے اندیشے کے اظہار پر غزالہ نے متانت سے یہ بتا کر مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ میری طلبی کا سبب جو کچھ بھی رہا ہو، اس میں ڈان کی برہمی کا عنصر نہیں تھا۔ کسی بھی وجہ سے ڈان میری طرف سے بھڑکا ہوا ہوتا تو مجھے چاؤ فان کے ذریعے بلوانے کے بجائے ہوٹل سے زبردستی اٹھوا سکتا تھا۔ اس وقت تک ہمارے مراسم میں ایسی کوئی سنگین خرابی پیدا نہیں ہوئی تھی کہ ڈان کو علی الصباح میرے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

میں نے غزالہ کو سمجھایا کہ میری واپسی میں تاخیر کسی اور گڑبڑ کی صورت میں وہ فوری طور پر طارق اور جلال سے براہ راست رابطہ کر کے پوری صورت احوال بتا دے۔ ڈان کے نظریں پھیر لینے کے بعد بنکاک میں صرف طارق ہی ہمارا مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ دیرا اپنے مسئلے میں پھنس کر رہ گئی تھی، میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ کوئی بری خبر سن کر اضطراری طور پر اپنی نئی کمین گاہ سے باہر نکلے اور اپنے پیچھے لگے ہوئے امریکی بھیڑیوں کے ہاتھوں دھرلی جائے۔

ضروری بریفنگ کے بعد میں جوتے پہن رہا تھا کہ ایک مرتبہ پھر میرے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس بار طارق لائن پر موجود تھا۔

اسکرین پر اس کا فون نمبر دیکھتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ اس کی طرف سے اس وقت فون آنا حیران کن تھا۔

''مجھے اڑتالیس گھنٹوں تک گیری پر نظر رکھنے کی ہدایت دی گئی تھی۔'' میری طرف سے جواب ملتے ہی طارق نے بولنا شروع کر دیا'' مجھے اس کی کسی بھی غیر معمولی نقل و حرکت کی اطلاع فوری طور پر تم کو دینا تھی۔ وہ کچھ دیر پہلے اپنے گھر سے اکیلا نکلا تھا۔ میں اس کا پیچھا کرتا ہوا بندرگاہ کی طرف جانے والے راستے پر پہنچا ہوں۔ وہ ابھی سیلرز بار نامی ایک پب میں داخل ہوا ہے جہاں اس کا انتظار ہو رہا تھا۔''

طارق کی دی ہوئی خبر سنتے ہی میرا دماغ گھوم گیا۔ کرنل گیری کے ساتھ میری سیلرز بار میں طلبی میری سلامتی کے لیے کوئی اچھا شگون نہیں تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک نیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک نیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کرا لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ ساے نامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ ساے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مفاہمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گزشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر وخوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے چاؤ فان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ سے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے چاؤ فان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوگئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جارہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس خطے کے چھ نامور بدمعاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا یوں لگتا تھا میں نے راجن کے محل میں آکر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت چاؤ فان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دعوت پر آئے چھ بدمعاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن تنہا تھا اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ڈان برنارڈ اس کے خلاف میدان میں اترا ہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ڈان برنارڈ کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چنا کے حوالے کر کے میں واپس لوٹ آیا۔ ڈان برنارڈ اس خبر سے بے حد خوش ہوا تاہم وہ مجھ سے اس سارے واقعے کی تفصیل جاننا چاہتا تھا میں نے امریکی کرنل گیری اور بنکاک کے ٹیلی فون نظام میں گڑبڑ کی کہانی سنا کر اسے قائل کر دیا کہ جو کچھ ہوا اس میں میری کارکردگی سے زیادہ راجن کی بدقسمتی کارفرما تھی۔ اسی دوران ویرا اور سلطان شاہ بھی بنکاک پہنچ چکے تھے وہ ہم سے علیحدہ قیام پذیر تھے ہمارا خیال تھا کہ وہ بنکاک میں محفوظ ہیں مگر سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لی گئی تو ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی اس کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان شاہ کی نگرانی کی جارہی تھی جس پر ویرا نے اپنی فطری ذہانت سے کام لے کر نگرانی کرنے والے کی درگت بنا ڈالی۔ ہم اس واقعے کے نتائج و عواقب میں الجھے ہوئے تھے کہ ڈان نے مجھے طلب کیا اس وقت آئی بی کے مقامی نمائندے نے اطلاع دی کہ کرنل گیری بھی ڈان کے بلاوے پر سیلرز بار پہنچا ہوا تھا۔

اب آپ قسط نمبر 256 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

''اس وقت تم کہاں ہو؟'' چند ثانیوں تک سکتے کی حالت میں خاموش رہنے کے بعد میں نے پوچھا۔

''شاید یہ خبر سن کر تم کو ذہنی دھچکا لگا ہے اور تم میری پوری بات نہیں سمجھ پائے۔'' اس کی آواز میں طنز کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ ''میں نے تمہیں بتایا ہے کہ مجھے اڑتالیس گھنٹوں تک سائے کی طرح اس کا پیچھا کرنا ہے۔ میں سیلرز بار کے سامنے والی سڑک کے پار اندھیرے میں ایک بنچ پر بیٹھا ہوا ہوں۔ وہ نکلے گا تو اس کے پیچھے چل دوں گا۔''

''ذرا ہوشیار رہنا۔ وہ ڈان کا علاقہ ہے۔ وہ بہت زیادہ باخبر رہتا ہے۔ اس کے کسی گرگے کو تم پر شبہ ہوگیا تو تم مشکلات میں گھر جاؤ گے۔'' اپنی پریشانی کے باوجود میں نے اسے خطرے سے خبردار کرنا ضروری سمجھا۔

''تم ڈان برنارڈ کی بات تو نہیں کر رہے؟'' اس کی تائید طلب آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے انکشاف نے اسے چونکا دیا تھا۔

''میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ وہ ایک پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ اپنے فطری تجسس کی وجہ سے اس کو شہر میں ڈان جیسے بھرپور کردار کی موجودگی کی ٹن گن ملنا میرے لیے کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔ ''سیلرز بار اسی کی ملکیت ہے۔''

''گیری اس جرائم پیشہ شخص سے ملنے کے لیے اتنے نامناسب وقت پر کیوں دوڑا چلا آیا ہے!'' اس کا لہجہ سوالیہ سے زیادہ خود کلامی کا سا تھا۔

''یہ بات میرے لیے بھی پریشان کن ہے۔ ایک اہم غیر ملکی سفارت کار کو مقامی مجرموں سے کیا سروکار ہوسکتا ہے!'' ہم دونوں فکرمند تھے اور کسی کے پاس ایک دوسرے کے ذہن میں ابھرنے والے سوالات کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں تھا۔

پاکستان میں میرا رابطہ جلال سے تھا۔ اپنے محکمے میں صرف اسے ان خطرات کا مکمل ادراک تھا جو مجھے درپیش تھے۔ یقینی طور پر اس کی ہدایت ہوسکتی تھی کہ طارق اگلے اڑتالیس گھنٹوں تک گیری کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھے۔ طارق براہ راست جلال کو جواب دہ نہیں تھا۔ جلال نے وہ ہدایت اس کے بڑے افسر کے ذریعے بہت تیزی سے اس تک پہنچائی تھی۔

میں نے جلال کو بنکاک میں درپیش حالات سے پوری طرح آگاہ کر کے اپنا فرض پورا کیا تھا۔ مجھے یا اس کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ راجن کے عبرت ناک زوال کے بعد گیری صبح صادق سے بھی پہلے ڈان سے ملنے کی کوشش کرے گا۔ اس کی نگرانی کی ضرورت شاید ویرا اور سلطان شاہ کے تحفظ کے لیے محسوس کی گئی تھی لیکن اس کا نتیجہ نہایت سنسنی خیز ثابت ہوا۔ میرے لیے یہ جاننا ضروری ہوگیا تھا کہ ڈان نے گیری کے پہنچنے کے بعد مجھے طلب کیا تھا یا وہ پہلے ہی مجھے بلانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

''گیری کو وہاں پہنچے ہوئے کتنی دیر ہوئی ہے؟'' میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

''وہ ابھی اندر گیا ہے۔ اس کے اندر جاتے ہی میں نے تمہیں فون کیا ہے۔'' طارق نے بتایا۔

''تم نے یہ اندازہ کیسے لگالیا کہ سیلرز بار والے اس کی آمد کا انتظار کر رہے تھے؟''

''یہ سامنے کی بات تھی۔ تھوڑی دیر میں صبح ہونے والی ہے اس کے باوجود بار کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ گیری کی گاڑی رکتے ہی اندر دھیمی روشنی ہوئی اور ایک آدمی نے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا اور وہ دونوں اندر

چلے گئے۔ یہاں کا سماں عجیب سا ہے۔ بار کے باہر ٹوٹی ہوئی بوتلیں اور کاٹھ کباڑ پھیلا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے رات گئے یہاں شرابیوں میں مار کٹائی ہوئی ہو......''

''استقبال کرنے والا جسیم اور دراز قامت تھا؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

''نہیں' کوئی موٹا سا' پستہ قامت مقامی معلوم ہو رہا تھا۔''

میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ ڈان برنارڈ کا پالا ہوا کوئی آدمی رہا ہوگا۔ چاروں موٹے شراب کے نشے میں دُھت ہو جانے کی وجہ سے شام کو ڈان کے ٹھکانے سے غائب تھے۔ نشہ اتر جانے کے بعد وہ ایک ایک کر کے چپکے سے لوٹ آئے ہوں گے۔ شاید ڈان نے ان ہی میں سے کسی کو گیری کے استقبال پر مامور کر دیا تھا۔

لمحہ بھر کی خاموشی میں' میں نے اپنے ذہن میں پورا نقشہ جمایا۔ ڈان نے سواری کی دقت کی وجہ سے براہ راست مجھے ہدایت نہیں دی تھی۔ یہ ذمے داری اس نے چاؤ فان کو سونپی جو میامی کلب میں راجن کی موت پر برپا ہونے والے طرب و نشاط کے ایک جشن میں شریک تھا۔

اس نے بہکے ہوئے اس مخلوط اجتماع میں اپنے حواس کو یکجا کرنے کے بعد مجھے فون کیا۔ اس کال کو آئے خاصی دیر ہو چکی تھی جب کہ طارق کے بیان کے مطابق گیری اسی وقت سیلرز بار میں پہنچا تھا۔

اس ترتیب وار موازنے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈان نے مجھے بلانے کا فیصلہ گیری کے پہنچنے سے پہلے کیا تھا۔ اگر اس نے اس سے پہلے گیری کو فون کر دیا ہو تو وہ معاملہ مختلف ہو جاتا۔

ایک بات بہر حال طے تھی کہ میری طلبی کا فیصلہ ڈان کا تھا۔ اس میں گیری کی رائے یا مشورے کا کوئی دخل نہیں تھا۔

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' میں نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اڑتالیس گھنٹے پورے ہونے تک میں گیری کے پیچھے لگا رہوں گا۔ ابھی صرف چار پانچ گھنٹے گزرے ہیں۔'' اس نے جواب دیا' ''جب تک وہ سیلرز بار میں رکا ہوا ہے' میں بھی یہاں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہوں گا۔ میں نے اس کی یہاں آمد کے بارے میں تم کو اطلاع دے کر اپنا فرض پورا کر دیا۔''

''شاید تمہارے لیے یہ اطلاع دلچسپ ہو کہ تھوڑی دیر میں' میں بھی وہیں آرہا ہوں۔''

''کیوں؟'' آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرے الفاظ پر چونک گیا تھا۔ ''کیا تم گیری سے تصادم کے ارادے سے آرہے ہو؟''

''یہ میرا ارادہ نہیں ہے' ڈان نے مجھے وہاں طلب کیا ہے۔''

''ڈان سے تمہارا کیا واسطہ؟'' اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔ وہ اندر کی بہت سی باتوں سے یکسر بے خبر تھا۔ ان میں میرے اور ڈان کے نازک مراسم بھی شامل تھے۔

''لمبی کہانی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ ڈان اپنی دانست میں مجھے استعمال کر رہا ہے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا۔

''خطرناک معاملہ ہے۔'' وہ میرے ایک فقرے سے پوری بات سمجھ گیا۔ ''آخری جیت سے پتا چل سکے گا کہ کون کس کو استعمال کر رہا تھا۔ میں ایک بار پھر تمہیں بتا دوں کہ سیلرز بار پر تمہارا ڈان یا گیری سے کوئی ٹکراؤ ہوا تو میں کھل کر تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ میری حیثیت ایک بے بس تماشائی سے زیادہ نہیں ہوگی۔''

''میں جانتا ہوں۔'' میں نے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔ ''تمہارے لیے اپنا دامن بچائے رکھنا سب سے مُقدم ہے۔ تمہاری مہربانی ہے کہ تم نے مجھے گیری کی آمد کی اطلاع دے دی۔ میں راستے میں اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ ذہنی تیاری کر سکوں گا۔''

''اگر تم مجھ پر طنز کر رہے ہو تو شاید تمہیں میری مجبوریوں کا اندازہ نہیں ہے۔'' اس نے پہلی بار شکایتی لہجے میں کہا۔

''مجھے ہر بات کا اندازہ ہے۔ تم میری پوزیشن سے بے خبر ہو۔ میں یہاں تلوار کی دھار پر چل رہا ہوں۔ ذرا سی لغزش مجھے تحت الثریٰ میں پہنچا سکتی ہے۔''

''بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ تم یہاں اپنی من مانیاں کر رہے ہو۔ موتی محل کے واقعے نے شہر بھر میں خوف و ہراس اور سنسنی کی فضا پیدا کر دی ہے۔ اپنی مجبوریوں کے باوجود میری ساری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ الگ تھلگ رہ کر میں جو کچھ کر سکا' کر گزروں گا۔''

میرے لیے اس کی وہ یقین دہانی کافی تھی۔ میں نے تشکر آمیز کلمات کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع کر دیا۔

گیری...... گیری...... گیری۔ اس وقت میرے ذہن میں وہی ایک نام گونج رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ صبح کے چار بجے سیلرز بار کیوں پہنچا تھا۔

چاؤ فان کو دیا ہوا وقت قریب آرہا تھا۔ میں غزالہ سے

رخصت ہوکر کمرے سے نکل آیا۔ میرا ذہن مسلسل گیری کے معاملے میں الجھا ہوا تھا۔ طارق نے اس کے سیلرز بار پہنچنے کی خبر دے کر میرے دماغ میں ہلچل مچادی تھی۔ وہ خبر یقیناً بہت اہم تھی۔ میں بے خبری کے عالم میں ڈان کے پاس پہنچتا تو میرے لیے سنگین مسائل پیدا ہوسکتے تھے۔

ڈان سیلرز بار میں صرف کاروبار کرنے کے اصول پر کاربند تھا۔ میرے تجربے کے مطابق وہ وہاں اپنے کسی ملاقاتی سے ملنا پسند نہیں کرتا تھا۔ ملنے والوں کو وہ عقبی دروازے سے بار کی اوپری منزل پر بلایا کرتا تھا۔ اس نے گیری کو بلایا ہوتا تو وہ اسی راستے سے اوپر جاتا۔ طارق نے مجھے بتایا کہ گیری کو سیلرز بار کے دروازے سے اندر لے جایا گیا تھا۔ اس باریک نکتے سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ شاید ڈان نے اسے نہ بلایا ہو۔ وہ سازشی ذہن کا مالک تھا۔ عام جرائم پیشہ لوگوں سے روابط رکھنے کے بجائے ان کے سرغنوں سے قریبی مراسم استوار کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ اس نے موتی محل میں زبردست آتشزدگی سے ہوا کے رخ کا اندازہ لگالیا ہو اور ڈان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے منہ اندھیرے وہاں دوڑا چلا آیا ہو۔ دن کے اجالے میں اس کی وہاں آمد کا راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے ڈان سے ملنے کے لیے ایسے وقت کا انتخاب کیا جب پورا شہر اور شہر کی خبریں سونگھتے پھرنے والے رپورٹرز گہری نیند سو رہے ہوں۔

گیری خود وہاں پہنچا ہو یا ڈان نے اسے بلایا ہو، میرے لیے دونوں صورتیں تشویش ناک تھیں۔ میں نے گیری کے نام کی آڑ لے کر ڈان کو جو فرضی کہانی سنائی تھی، وہ ان دونوں کے درمیان زیرِ بحث آتی تو میرا کچا چٹھا کھل جاتا۔ ڈان کے دل و دماغ میں میری طرف سے پہلے ہی وسوسے پروان چڑھ رہے تھے۔ گیری کی وضاحتوں کے بعد اس کا یہ شک یقین میں بدل جاتا کہ میں اس کے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ اسے فریب دے کر بنکاک میں اپنا کوئی کھیل کھیل رہا تھا۔ میرے لیے وہ بہت مہیب اور گمبھیر مرحلہ تھا۔ میں ڈان کے پاس جانے سے انکار کردیتا تو وہ اپنی توہین کے احساس سے ویسے ہی میرے خون کا پیاسا ہوجاتا۔ بہتر یہی تھا کہ میں فتح کے نشے میں سرشار اس سرکردہ بدمعاش کی انا کو ذرا بھی ٹھیس نہ پہنچاؤں، سعادت مندی اور ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اس سے مل کر اپنے لیے کوئی راہ نکالنے کی کوشش کروں۔

چاؤ فان اپنے وعدے کے مطابق میرا منتظر تھا۔ میں گاڑی میں بیٹھا تو یخ بستہ بند کیبن میں الکحل کی تیز بو رچی ہوئی تھی جو چاؤ فان کے سانسوں کے ساتھ فضا میں شامل ہورہی تھی۔

''تم نشے میں ہو، گاڑی چلالو گے؟'' میں نے کسی برہمی کا اظہار کیے بغیر، نرمی سے پوچھا۔

''ماسٹر! یہاں تک میں خود ڈرائیو کرکے آیا ہوں تو سیلرز بار بھی پہنچ جاؤں گا۔ جب سے تم ملے ہو میری ساری تفریحات کا لطف غارت ہوگیا۔'' اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔ ''کہو تو ذرا سی دیر کے لیے تمہیں بھی میامی کلب لے چلوں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ رات بھر کی مے نوشی کے بعد وہاں خلوص و محبت کا کیسا سماں بندھا ہوا ہے۔ سب ایک دوسرے پر فدا ہونے پر تُلے ہوئے ہیں۔ ہر مرد و زن کو اپنی پسند کے ساتھی کے انتخاب کی آزادی ہے۔ یہ میرا تجربہ ہے کہ پرپایاں شراب پیتی ہیں تو شراب ان کا سارا غرور اور گھمنڈ پی جاتی ہے، وہ ڈالی پر لگے ہوئے پکے پھل کی طرح نرم خُو اور صلح جُو ہوجاتی ہیں۔ بات صرف پسند اور ہمت کی رہ جاتی ہے۔ جو بڑھ کر چھو لے، اس کی جھولی میں آگرتی ہیں۔''

''نشے کی جھونک میں شاید تم یہ بھول گئے ہو کہ ہمیں ڈان کے پاس پہنچنا ہے۔'' میں نے طنز سے کہا۔ ''ہم میامی کلب گئے تو تاخیر ہوجائے گی۔''

وہ بے نیازی سے ہنسا پھر بولا ''ماسٹر! میں الکحل میں نہالوں تب بھی مجھے نشہ نہیں ہوتا، مجھے ہر بات یاد رہتی ہے۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ ڈان کے پاس کوئی بن بلایا مہمان پہنچا ہوا ہے۔ راستے میں ڈان کا فون آیا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ میں اس کی طرف سے گرین سگنل ملنے تک سیلرز بار کا رخ نہ کروں۔ سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے سے کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم اتنی دیر کے لیے میامی کلب کے ہال میں جا بیٹھیں جہاں زندگی کی ساری رعنائیاں اور رنگینیاں اپنے شباب پر آئی ہوئی ہیں۔ تم کو ایسی محفلیں شاذ و نادر ہی مل سکیں گی۔''

وہ میامی کلب میں خلوص و محبت اور آزادی کی جس فضا کا تذکرہ کررہا تھا اس کا تصور ہی میرے لیے کراہت انگیز تھا۔ اس خفیہ جشن کے شر کا خمار میں ڈوب کر انسانیت کے مرتبے سے بہت نیچے گر کر حیوانیت کے درجے پر آئے ہوئے تھے۔ جہاں نفس اور شکم کی بھوک مٹانے کے سوا کوئی تیسری ضرورت باقی نہیں رہتی، ساری اقدار ایسے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہیں۔ مجھے انسانی روپ میں بہکتے اور لڑکھڑاتے ہوئے ان ہوس زدہ حیوانوں کے اجتماع میں شریک ہونے سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے دوٹوک الفاظ میں وہاں جانے سے انکار کردیا۔

اس نے اپنی دانست میں میامی کلب جانے کا جواز بیان کیا تھا مگر میرے لیے یہ نکتہ بہت اہم تھا کہ ڈان نے اپنے کسی بن بلائے مہمان کی آمد کی وجہ سے چاؤ فان کو اپنا پروگرام کچھ دیر کے لیے ملتوی کرنے کی ہدایت کی تھی۔

چاؤ فان کی بسیار گوئی کی عادت کی وجہ سے میری بہت بڑی الجھن دور ہوگئی۔ کرنل گیری کو ڈان نے طلب نہیں کیا تھا۔ اس کے بارے میں میرا دوسرا نظریہ درست ثابت ہوا تھا کہ وہ ڈان سے اپنے پرانے مراسم کی تجدید کے لیے رات کے آخری لمحات میں خاموشی سے اس کے دروازے پر پہنچ گیا تھا۔

مجھے بس یہ فکر رہ گئی کہ ڈان اور گیری کی اس غیر متوقع ملاقات میں میری وہ کہانی زیرِ بحث نہ آئے جو میں نے فون کے نظام میں خلل کے حوالے سے ڈان کو سنائی تھی۔

''ماسٹر! تم برا نہ مانو تو میں کہہ دوں کہ تمہاری جمالیاتی حس نہ جانے کہاں سوئی ہوئی ہے۔ پتا نہیں تم اتنے خشک اور کورے کیوں ہو۔'' میرے انکار پر اس نے مایوسی سے کہا۔

''میرے برا ماننے یا نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم جو بات کہنا چاہتے ہو' بے دھڑک ہوکر کہہ جاتے ہو۔ میں تمہارا کیا بگاڑ سکتا ہوں!''

''تم مکا مار کر میرا چہرہ بگاڑ سکتے ہو۔'' وہ خوش دلی سے بولا۔ ''مگر مجھے معلوم ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے کیونکہ تم ماسٹر کے ساتھ میرے دوست بھی ہو۔ ڈان سے شکایت کرکے میرا مستقبل تباہ کرسکتے ہو اور یہ بھی پسند نہیں کرو گے کیونکہ تم میرے خیر خواہ ہو۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''میامی کلب میں ہمارا وقت بہت اچھا گزر جاتا۔ پتا نہیں ڈان کا گرین سگنل کب آتا ہے۔ اس کے انتظار میں ہمیں شہر کی سنسان اور بے رونق سڑکوں کی خاک چھاننا ہوگی۔ کہو تو ہم کسی ہوٹل ہی میں جا بیٹھیں۔''

وہ خالی الذہن تھا اس لیے فضول باتیں سوچ رہا تھا۔ میں نے مفت میں ہاتھ آئی ہوئی اس مہلت کو کام میں ڈھالنے کے لیے اس کی ذہنی رو موڑنے کا ارادہ کرلیا اور کہا۔

''اس وقت ڈان کے پاس کون آسکتا ہے؟''

''کوئی بے خوف اور بڑا آدمی ہوگا۔'' اس نے اپنی رائے ظاہر کی ''ڈان ناوقت آنے والوں کو ذرا بھی گھاس نہیں ڈالتا۔ وہ کوئی ایسا مہمان معلوم ہوتا ہے جس سے ڈان کو بادل ناخواستہ ملنا پڑ رہا ہوگا۔''

''کیا شہر میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں؟'' میں نے حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''دو' سوا دو سال سے ڈان سب سے کٹا ہوا تھا۔ اب چھوٹا راجن کا ستارہ غروب ہوا ہے تو سب چھوٹے بڑے سرکاری افسر ڈان کی طرف دوڑ لگائیں گے۔'' وہ بولا ''ان میں پولیس والے سب سے آگے ہوں گے۔ ہم لوگوں کی سب سے زیادہ دوستیاں اور دشمنیاں ان ہی کے ساتھ ہوتی ہیں۔ یہاں کا پولیس کمشنر سب سے زیادہ بوکھلایا ہوا ہوگا۔ وہ ہر وقت چھوٹا راجن کے آگے پیچھے لگا رہتا تھا اور دونوں ہاتھوں سے مال بنا رہا تھا۔''

میرے لیے وہ سامنے کی باتیں تھیں۔ انہیں جاننے کے لیے چاؤ فان سے کسی مشورے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان مقامیوں کے ساتھ میں اس کی زبان سے گیری کا نام بھی سننا چاہ رہا تھا۔ چاؤ فان کا دھیان اس کی طرف نہیں گیا۔

''تم نے راجن کا ستارہ غروب ہونے کی بات کی ہے۔ یہ سب اس کی موت کی خبر منظر عام پر آنے کے بعد ہوگا۔ ابھی شہر میں صرف آگ کی خبر گردش کر رہی ہے۔ ہم تین آدمیوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ اس آگ میں راجن کی چتا بھی چل رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ماسٹر! یہ بات پرانی ہوگئی۔'' اس نے گاڑی کو ایک سڑک پر موڑتے ہوئے جواب دیا۔ ''اب سے کچھ دیر پہلے بلکہ کئی گھنٹوں پہلے فائر مین جلی ہوئی لاشوں تک پہنچ گئے تھے۔ ان کی شناخت بھی ہوگئی تھی۔ یہ ڈیڑھ دو بجے کا واقعہ ہے۔ وہ خبر سامنے آنے کے بعد ہی ہم لوگوں نے میامی کلب میں جشن منانا شروع کیا تھا۔ اس خبر کے سامنے آنے سے پہلے خوشی کا اظہار کیسے کیا جاسکتا تھا؟''

نشے میں ہونے کے باوجود اس کا ذہن صحیح سمت میں کام کر رہا تھا۔ اس کی گفتگو میں بہکنے کا شائبہ تک نہیں تھا۔ پھر بھی میں نے بات اسی پر رکھتے ہوئے کہا ''ابھی کچھ دیر پہلے تم گیری کا ذکر کرتے کرتے چپ ہوگئے تھے' کیا بات تھی وہ؟''

''میں نے تو اس کا نام بھی نہیں لیا۔'' وہ تحیر زدہ لہجے میں بولا۔

''زیادہ پی لینے میں یہی خرابی ہوتی ہے۔'' میں نے برا سا منہ بنا کر خفگی سے کہا۔ ''اب تم کہہ دو گے کہ تم نے پولیس کمشنر کا نام بھی نہیں لیا تھا۔''

''وہ یاد ہے لیکن گیری!'' اس نے خاموش ہوکر اپنی شہادت کی انگلی سے اپنی پیشانی کو ٹھوکا پھر جھنجلاتے ہوئے لہجے میں بولا ''میں نے گیری کا نام کیوں لیا تھا؟''

''ایسے غائب دماغ لوگوں سے مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔'' میں نے مزید بےزاری کا مظاہرہ کرنا ضروری سمجھا۔ ''کچھ پتا نہیں کہ تھوڑی دیر بعد تمہیں کیا یاد رہے گا اور کیا بھول جاؤ گے۔ اب میں تمہاری یادداشت بحال ہونے تک یہ سوچتا رہوں گا کہ تم نے گیری کے بارے میں کیا بات مجھ سے چھپانے کی کوشش کی ہے۔''

''ماسٹر! میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا۔'' اس نے اپنی صفائی پیش کی۔ ''گیری کے بارے میں بس ایک معمولی سی بات رہ گئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ یاد آ گئی ہو۔''

''تو وہی بک دو تا کہ میری خلش دور ہو۔'' میں نے جھلانے کی صداکاری کی۔

''سیلرز بار سے ہم لوگوں کے چلے آنے کے بعد ڈان نے گیری کو فون کر کے لعن طعن کی تھی۔ اس سے ڈھکے چھپے لفظوں میں یہ تک کہہ دیا کہ وہ چھوٹا راجن سے مل کر جو سازشیں کرتا رہا ہے' ڈان ان سے پوری طرح باخبر ہے۔''

''ڈان کی الزام تراشی پر اس کا کیا ردِعمل تھا؟''

''وہ ٹپٹا کر رہ گیا۔ اس وقت تک چھوٹا راجن کے مرنے کی خبر نہیں آئی تھی۔ لیکن ہوا کا رخ بدل چکا تھا' وہ اپنی صفائیاں پیش کرتا رہا۔''

''یہ باتیں ہمارے چلے آنے کے بعد ہوئی تھیں تو تمہیں ان کا علم کیسے ہوگیا۔''

''ڈان نے بتایا تھا۔ فون پر وہ رابطہ کرلیتا ہے۔ وہ ہم جیسا آدمی ہے۔ جب تک کسی کو اپنی بڑائی اور کامیابی کے قصے نہ سنالے اسے چین نہیں آتا۔'' چاؤ فان نے خود پسندی کے انداز میں دھیرے سے ہنستے ہوئے بتایا۔ ''میرا اندازہ ہے کہ ڈان نے اسے ان باتوں کے اشارے بھی دیے ہوں گے جو تم نے فون پر سن کر ڈان کو بتائی تھیں۔''

''ہوسکتا ہے کہ اس وقت گیری ہی سیلرز بار پہنچا ہوا ہو!'' میں نے پُرخیال لہجے میں اپنی رائے ظاہر کی۔

''اس وقت سب کچھ ممکن ہے۔'' وہ بولا ''اس وقت گیری نے ڈان کی شکایت پر نرم اور معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے پر اکتفا کیا۔ وہ زور دے کر کہتا رہا کہ وہ کبھی ڈان کا برا نہیں چاہ سکتا۔ اس وقت بات ختم ہوگئی تھی۔ چھوٹا راجن کی موت کی خبر سن کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ہوں گے۔ چھوٹا راجن کی موت کی خبر پھیلتے ہی سب کچھ بدل کر رہ گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ڈان کی شکایت پر اپنی زبانی معذرت کو ناکافی سمجھ کر وہ ذاتی طور پر ڈان کے دروازے پر پہنچ گیا ہو۔ ڈان اسے نہیں دھتکار سکتا تھا۔''

چاؤ فان نے بہت سرسری انداز میں اپنے قیاس کا اظہار کیا تھا۔ وہ حقیقت سے بےخبر تھا اور محض ایک مفروضے پر بات کررہا تھا مگر اس کا تجزیہ میرے اندازوں کی عکاسی کررہا تھا۔ ڈان چاہتا تو گیری کو ذلیل کرنے کے لیے میرا اور اس کا سامنا کرواسکتا تھا کہ میں نے اپنے کانوں سے اس کے اور راجن کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی لیکن اس نے دوراندیشی سے کام لے کر ہمیں گیری کی موجودگی میں سیلرز بار آنے سے روک دیا۔

ڈان جہاں دیدہ آدمی تھا۔ اپنی راہ کا سب سے بڑا پتھر نیست ونابود کرنے کے بعد وہ نئی دشمنیاں مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ راجن کی زندگی میں اس کے پسینے پر اپنا خون بہانے والے جاں نثار بھی اپنے آقا کی موت کی خبر سنتے ہی آنکھیں پھیرلیں گے۔ موت اتنی بےرحم اور سفاک ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ ہی سارے زمینی رشتے یک لخت ٹوٹ جاتے ہیں۔ دیکھنے والا باقی نہ رہے تو دکھانے والے اپنی وفاداری اور خیرخواہی کے اظہار کو غیرضروری سمجھ کر خاموشی سے گوشہ نشین ہوجاتے ہیں اور وقت کی بساط پر ابھرنے والی نئی قوت کے ساتھ اپنے رشتے جوڑنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔

راجن کی موت کے بعد بےیارومددگار رہ جانے والوں کو ایک ایک کر کے آخر کار ڈان ہی سے رجوع کرنا تھا۔ ان میں گیری بھی شامل تھا۔ اپنی پرانی وفاداریوں کے بارے میں حیلے بہانے تراشنا اور اپنی صفائیاں پیش کرنا ان کی ناگزیر مجبوری ہوتی جسے ڈان مسترد نہیں کرسکتا تھا۔

ڈان نے چاؤ فان کے رنگ میں بھنگ ڈال دیا تھا لیکن اس کے مزاج میں ذرا سی بھی تلخی نہیں تھی۔ وہ ڈان کی طرف سے نازل ہونے والی ایسی ناگہانی آفات کا عادی ہوچکا تھا۔ بس وہ رہ رہ کر اپنی بدنصیبی پر افسوس ظاہر کررہا تھا کہ میامی کلب کے فسوں خیز ماحول میں شکار کی ساری تیاریاں مکمل ہوتے ہی ڈان نے کمند ڈال کر اسے شکارگاہ سے باہر گھسیٹ لیا تھا۔

گاڑی کبھی روشن اور کشادہ سڑکوں پر سفر کرتی رہی' کبھی تنگ وتاریک گلیوں سے گزرتی رہی۔ پُرپیچ راستوں پر کئی بار مجھے گمان ہوا کہ شاید چاؤ فان اپنی رو میں ڈوب کر راستہ کھوچکا ہے لیکن ہر بار میرا اندازہ غلط ثابت ہوتا رہا۔

تقریباً بیس منٹ بعد اچانک میری جیب میں پڑے ہوئے مقامی موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''ماسٹر! جلدی دیکھو' اس وقت ڈان کا فون ہوگا۔'' چاؤ

فان نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس وحشت میں اس نے غیر ارادی طور پر گاڑی کی رفتار بڑھادی تھی۔

میں نے موبائل فون نکالتے ہی اسکرین پر طارق کا نمبر دیکھ لیا اور زبان سے کچھ کہے بغیر فون اپنے بائیں کان سے لگالیا تاکہ اس کی موہوم سی آواز بھی چاؤ فان کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔

''وہ ابھی ابھی وہاں سے واپس روانہ ہوا ہے' میں اس کے پیچھے ہوں۔'' میرے کان میں طارق کی آواز گونجی۔

میں نے کن انکھیوں سے چاؤ فان کی طرف دیکھا۔ مجھے خوف تھا کہ وہ مجھ سے اس کال کے بارے میں ضرور گہرے سوال کرے گا۔ میں نے اپنے ذہن میں آنے والی پہلی تجویز پر عمل کرتے ہوئے کہا۔ ''ڈارلنگ! فکر مت کرو' میں جلد ہی آجاؤں گا۔''

میری بات پوری ہونے سے پہلے طارق فون بند کر چکا تھا۔ میری زبان سے اپنے لیے ڈارلنگ کا پہلا لفظ سنتے ہی اس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ میں کسی مشکل میں پھنسا ہوا تھا۔

''اتنے سویرے تمہاری کس ڈارلنگ کا فون آگیا؟'' چاؤ فان نے پوچھا۔ میں نے جواب اردو میں دیا تھا اس لیے ڈارلنگ کے سوا کوئی بات اس کے پلے نہیں پڑسکی تھی۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' میری بیوی کا فون تھا۔ اپنی رفتار کم کرو اور ڈرائیونگ پر دھیان دو۔ تم بہت تیز جارہے ہو۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔

اس نے کچھ کہے بغیر میرے مشورے پر عمل کر ڈالا۔

چند ثانیوں بعد اس کے پاس ڈان کی کال آگئی۔ میں چاؤ فان کی زبان سے گھوم' گھاٹ' پھاٹ جیسے نامانوس الفاظ سنتا رہا۔ چند مکالموں کے تبادلے کے بعد وہ سلسلہ ختم ہوا تو اس نے بتایا کہ ڈان نے گرین سگنل دے دیا تھا۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ہم دونوں وقت کی پروا کیے بغیر کاٹھ کے الوؤں کی طرح اس کے حکم کی تعمیل کے لیے نکلے ہوئے تھے۔

چاؤ فان نے یہ ہوشیاری دکھائی کہ شہر میں بھٹکتے رہنے کے بجائے متبادل راستوں سے سیلرز بار کے عقبی علاقے میں پہنچ چکا تھا۔ ہم ذرا سی دیر میں منزل مقصود پر پہنچ گئے۔

میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ اس وقت سیلرز بار کا داخلی دروازہ مقفل تھا اور وہاں گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ چاؤ فان کے لیے وہ بات غیر اہم تھی۔ گلی کے سرے پر گاڑی بند کر کے ہم پچھلے راستے سے سیلرز بار کی اوپری منزل پر چلے گئے۔ دروازہ ایک سہمی ہوئی' باوردی لڑکی نے کھولا۔ اوپر ڈان اپنے ریشمی لبادے میں ملبوس' ہمارا منتظر تھا۔

''تم اپنے ٹھکانوں سے چل ہی پڑے تھے تو میں نے تمہیں بلالیا ورنہ اب تمہارے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔'' ڈان نے ٹھہری ہوئی تحکمانہ آواز میں وہ اعلان کر کے میری کھوپڑی میں انگارے سے بھر دیے۔ وہ ہماری بے توقیری کی انتہا تھی۔

''اجازت ہو تو اب لوٹ جائیں۔'' میں نے اپنے غصے پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔ ''گہری نیند کی طلب سے میرا سر پھٹا جارہا ہے۔''

''آگئے ہو تو اب کچھ دیر بیٹھو۔ کیا یہ نہیں جاننا چاہو گے کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا تھا؟'' اس بار ڈان براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوا تھا۔

''بتادو گے تو تمہارا احسان ہوگا۔'' چاؤ فان جھٹ بول اٹھا۔ وہ ڈان کی خوشامد کا کوئی موقع اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔

''میں نے فون پر کرنل گیری کو لتاڑا تھا۔'' ڈان بولا اور چاؤ فان نے کسی سدھائے ہوئے بندر کی طرح تائیدی انداز میں اپنا سر ہلانا شروع کر دیا۔

''میں اس کی وضاحتوں اور یقین دہانیوں سے مطمئن نہیں ہوسکا۔'' ڈان نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''میرے دل میں بل تھا کہ اس نے مجھ سے مل کر صلح صفائی کرنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ شاید اسے امید تھی کہ اس کا پالتو زندہ ہوگا۔ تمہیں بلا کر میں ایک اہم کام لینا چاہ رہا تھا۔ وہ چھاؤنی سے باہر ایک مہنگے گھر میں رہتا ہے۔ تم اس کے گھر پر دو بم پھینک کر نکل جاتے تو اس کے اوسان خطا ہوجاتے۔ امریکی ہتھیاروں سے لڑنا جانتے ہیں' معاملہ ہاتھ پیروں کا ہو تو ان سے بڑا بزدل ڈھونڈنا مشکل ہوجاتا ہے۔ وہ دوسری احتیاطیں کرنے کے ساتھ میری طرف بھی آتا لیکن اب وہ قصہ ختم ہوگیا۔''

ڈان نے کچھ توقف کیا پھر بولا ''موتی محل کے جلتے ہوئے ملبے سے چھوٹا راجن کی لاش ملنے کی خبر سنتے ہی اس کے ہوش ٹھکانے پر آگئے۔ مجھے فون کر کے وہ یہاں آپہنچا۔ اسے معلوم ہے کہ اب شہر کی باگ ڈور میرے ہاتھ میں ہوگی' وہ مجھ سے تعاون اور دوستی کا طلب گار ہے۔ اس کی موجودگی میں' میں نے تم دونوں کو یہاں بلانا مناسب نہیں سمجھا اس لیے فون کر کے روک دیا۔''

''تمہاری خواہش تھی کہ وہ تمہارے بلاوے کے بغیر اپنی مرضی سے یہاں آئے۔ اس کے آجانے کے بعد اب اس پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت باقی نہیں رہی!'' میں نے ڈان

کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''یہ معمولی سی بات تھی لیکن میں گربہ کشتن روزِ اوّل کا قائل ہوں۔ بنکاک کی سب سے مضبوط تکون میں امریکی بھی شامل ہیں۔ اصل کام ہم لوگ کرتے ہیں لیکن ہمیں پولیس کی درپردہ حمایت حاصل ہوتی ہے۔ امریکی بہت بددماغ اور مغرور ہوتے ہیں۔ وردی اور اختیارات مل جائیں تو یہ اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں گردانتے۔ اب ان سے نئے رابطے کی ابتدا ہوئی ہے۔ میں اس سے رجوع کرتا تو وہ ہمیشہ کے لیے بالادست ہوجاتا۔ اب میں ان لوگوں کو دبا کر رکھنے کی پوزیشن میں ہوں۔ میں نے اسے بہت کچھ کہنا سنا ہے۔ وہ قسمیں کھا رہا تھا کہ اس نے چھوٹا راجن سے مل کر میرے خلاف کبھی کوئی سازش نہیں کی۔'' ڈان بولتا چلا گیا۔

''وہ یہی کہے گا۔'' میں نے پُرسکون لہجے میں اپنی صفائی پیش کی۔ ''تم مجھے اس کے سامنے کھڑا کردیتے تب بھی وہ اقرار نہ کرتا کہ اس نے اپنے آدمی کے ذریعے سیلرز بار میں ٹائم بم لگوانے کی سازش تیار کی تھی۔''

''میں جانتا ہوں۔'' ڈان سر ہلا کر مربیانہ انداز میں بولا۔ ''وہ مر کر بھی اقبالِ جرم نہ کرتا۔''

''ابھی تم نے تکون کی بات کی ہے۔ امریکی پولیس اور انڈرورلڈ.....تم انہی تین قوتوں کی بات کررہے تھے نا؟'' میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

''ایک مدت سے یہی سسٹم چلا آرہا ہے۔'' ڈان نے بے پروائی سے کہا۔

''کیا مقامی انڈرورلڈ سے غیر ملکی سفارت کاروں کے مراسم جرم کے زمرے میں نہیں آتے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کون جرم قرار دے گا؟'' ڈان نے تضحیک آمیز لہجے میں سوال کیا۔ ''یہاں کا پولیس کمشنر چھوٹا راجن کا نمک خوار تھا۔ چند دنوں میں وہ میرے دسترخوان پر نظر آنے لگے گا...... دراصل اس تکون کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد اس علاقے میں انڈوچائنا وار ہوئی جو آٹھ برس جاری رہی۔ اس دوران ہمارا ملک کمیونسٹوں کے خلاف تیار ہونے والی مہمات کا گڑھ تھا۔ پھر 54 میں ویت نام وار چل پڑی جو اکیس سال جاری رہی۔ اس دوران یہاں ہر دوسرا شخص سفارتی ایجنٹ ہوا کرتا تھا۔ سیاست، سفارت اور جاسوسی کے نظام چلانے کے لیے ہر فریق انڈرورلڈ میں گھسنے کی کوشش کرتا تھا۔ امریکیوں نے خزانے کے منہ کھولے ہوئے تھے۔ ان کے پاس ڈالروں کی بہتات تھی۔ انہوں نے پوری انڈرورلڈ کو خرید لیا۔ یہاں کے چور، ڈاکو، قاتل اور لٹیرے ٹولیاں بنا کر ویت نامی گوریلوں کا صفایا کرتے تھے۔ اگلے دن وہ کارنامے بہادر امریکی فوجیوں سے منسوب کرکے سنائے جاتے تھے۔ یہ ریت اسی وقت سے چلی آرہی ہے کہ تکون کو ہر حالت میں مضبوط رکھا جائے۔ آج گیری اسی پالیسی کے تحت یہاں آیا تھا۔''

''راجن کو گیری نے پال پوس کر قدآور بنایا، اس کی اطاعت سمجھ میں آتی ہے۔ تم اس کو پسند نہیں کرتے پھر بھی اس کے ساتھ مل کر چلنے کے لیے مجبور ہو۔ آخر ایسا کیوں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے لیے کوئی مجبوری نہیں ہے۔'' اس نے قدرے ترشی سے کہا۔ ''گیری سے مجھے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے لیکن ہر تھائی باشندہ امریکیوں سے کسی نہ کسی حد تک نفرت کرتا ہے۔ وہی نفرت میرے خون میں شامل ہے۔ اگر مجھے سسٹم کے ساتھ زندہ رہنا ہے تو مجھے ان کو برداشت کرنا ہوگا۔ امریکیوں سے نفرت الگ چیز ہے، سسٹم میں رہنا ایک بالکل مختلف بات ہے۔ سسٹم کے باغیوں کو تینوں فریق زیادہ دن نہیں جینے دیتے۔ سسٹم کو چلانے والے اسے زندہ رکھنا جانتے ہیں۔ میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ میں اپنی مرضی سے اچانک گوشہ نشین ہوا، دو سال تک میدان سے دور رہا۔ کوئی میرے پاس نہیں آیا مگر سسٹم اسی طرح چلتا رہا۔ وہ میری جگہ چھوٹا راجن کو لے آئے۔ اب میں نے اسے ہٹا کر اپنی جگہ دوبارہ بنالی ہے تو کوئی مجھ پر انگلی نہیں اٹھائے گا۔ انہوں نے اپنے مہرے کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ وہ نہیں بچ سکا تو اب ان کی طرف سے جہنم میں جائے، وہ سامنے آنے والی نئی قوت سے سمجھوتا کرلیں گے امریکیوں کے کام ہوتے رہیں گے۔ پولیس والوں کو بھاری نذرانے ملتے رہیں گے۔ امن و امان کے ساتھ مجھے اپنے کاموں کی آزادی ہوگی۔''

''یہ فلسفہ بہت عجیب ہے۔ تمہاری باتیں بھی الجھی ہوئی ہیں۔'' میں نے نیک نیتی سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔ ''اگر میری عقل صحیح کام کررہی ہے تو اب تم امریکیوں سے اپنی فطری نفرت کے باوجود ان کے مفاد کے لیے کام کرتے رہو گے۔''

''صرف ان کے مفاد کے لیے نہیں، میں باہمی بلکہ سسٹم کے مفاد کے لیے کام کروں گا۔'' ڈان نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ ''ہم لوگوں نے امریکیوں سے نفرت کے باوجود پچھلی نصف صدی ان کے ساتھ بہت صبر اور سکون سے گزاری ہے۔''

میرے ذہن سے گیری سے سامنا ہونے کا خوف مٹ چکا تھا۔ ڈان کی باتوں سے واضح ہو چکا تھا کہ میری طرف سے اس وقت تک اس کی نیت میں کوئی کھوٹ پیدا نہیں ہوا تھا۔ میں نے بے خوف ہو کر کہا ''سسٹم کا مفاد یہ ہوگا کہ امریکی تمہیں تمہارے کام کا بھرپور معاوضہ دیتے رہیں تاکہ تم پولیس والوں کو بھاری نذرانے پہنچاتے رہو۔''

''علی! ہوش میں رہو۔'' ڈان نے مجھے سخت لہجے میں ڈانٹا۔ ''یہ مویشیوں کی منڈی جیسی کھلی خرید و فروخت نہیں ہوتی۔ اس میں بہت سی نزاکتیں اور معاملہ فہمیاں ہوتی ہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے' افہام و تفہیم سے ہوتا ہے اور ہر فریق طے شدہ نکتوں کا پورا احترام کرتا ہے۔''

یکا یک میرے ذہن سے دھند چھٹ گئی۔ مجھے یاد آ گیا کہ میں ڈینی نہیں تھا۔ ڈان کے سامنے علی احمد بنا ہوا تھا جسے امریکیوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ راجن سے بدلہ لینے کے لیے بنکاک آیا اور اپنا مقاصد حاصل کر چکا تھا۔

''ڈان! میں معافی چاہتا ہوں۔'' میں نے سنبھل کر معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ''شاید میں نے اپنے مدعا کے اظہار کے لیے بھونڈے الفاظ استعمال کر ڈالے۔ آئندہ میں محتاط رہوں گا۔''

''یہ یاد رکھنا کہ گیری کی طرف سے اب میرے دل میں کوئی کدورت نہیں رہی۔ میرے آدمی اس کے ساتھ عزت اور احترام سے پیش آئیں گے۔''

''ڈان! جب میں تمہیں موتی محل والے واقعات سنا رہا تھا تو تم نے گیری اور امریکیوں کے لیے بہت سخت کلمات استعمال کیے تھے۔'' کوشش کے باوجود میں اپنے اس شکوے کو اپنی زبان پر آنے سے نہ روک سکا۔

''میں اب بھی کہتا ہوں کہ امریکی برا وقت آنے پر اپنے باپ کو بھی دغا دے جاتے ہیں۔ ان پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔'' ڈان نے اپنی کہی ہوئی بات الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ دہراتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ان کے بغیر گزارہ بھی مشکل ہے۔ میں ان سے معاملات طے کرتے ہوئے چاروں کھونٹ چوکس رہتا ہوں۔ جب تک گیری ہمارے ساتھ کوئی بدمعاشی نہیں کرتا ہمارا سلوک اچھا رہے گا۔''

''کیا تمہارے سسٹم میں صرف گیری پورے امریکا کی نمائندگی کرتا ہے؟''

''کم و بیش ایسا ہی ہے۔'' ڈان بولا ''آنے جانے والے اسی کی معرفت آتے جاتے ہیں۔ وہ یہاں امریکا کی تمام ایجنسیوں اور محکموں کی نمائندگی کرتا ہے۔ ہر کام اس کے ذریعے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ چھ برس سے یہاں ٹکا ہوا ہے۔''

ڈان کے دم خم کو دیکھتے ہوئے میں نے رائے قائم کی تھی کہ وہ اپنی سرزمین پر امریکیوں کے لیے بدترین حریف ثابت ہوگا۔ گیری سے ایک ملاقات کے بعد اس نے جو قلابازی کھائی تھی' اس سے مجھے ذہنی صدمہ ہوا تھا۔ اس نے گیری کے لیے عزت اور احترام کا مطالبہ کر کے میری خوش فہمی دور کر دی تھی۔

مجھے شک ہو رہا تھا کہ گیری وہاں خالی ہاتھ نہیں آیا۔ وہ لوگ اپنی دولت کے بل پر دنیا کی ہر شے کو خریدنے کے فن میں طاق تھے۔ ڈان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گیری نے اپنی طرف سے خیر سگالی کے اظہار کے طور پر کوئی بڑی رقم تحفے کے طور پر ڈان کے حوالے کی تھی۔ راجن کا زوال ہوتے ہی ڈان کی لاٹری نکل آئی تھی۔ اس کے کاروباری ٹھکانوں سے چاؤ فان کے آدمیوں نے پچیس لاکھ بھات کے ساتھ نادر و قیمتی اشیا لوٹ لی تھیں۔ گیری نے از خود ڈان کو اس کا پہلا بھتا پہنچا دیا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ آنے والے دنوں میں ڈان کو ہاتھ پیر ہلائے بغیر بھاری رقمیں ملنا شروع ہو جائیں گی۔

میری نظروں میں ڈان کی جو عزت اور ساکھ بنی تھی وہ ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ جب تک ہم راجن کے خلاف صف آرا تھے ڈان کا رویہ بہت پُروقار اور دلیرانہ تھا لیکن کرنل گیری کے سامنے آتے ہی ڈان مجھے رعایتی سیل میں رکھا ہوا ایک کھلونا نظر آنے لگا جسے ارزاں قیمت پر کوئی بھی خرید سکتا تھا۔

ہم جب تک راجن کے خلاف برسرپیکار تھے' ساری توجہ اسی پر مرکوز تھی۔ میرے اور ڈان کے مقصد میں مکمل ہم آہنگی تھی لیکن راجن کی زندگی کا چراغ گل ہوتے ہی یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ میں نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا جب کہ ڈان کا نیا کھیل شروع ہو گیا۔ راجن کے ساتھ اس کی آویزش کسی اعلیٰ اصول کی خاطر نہیں تھی۔ وہ صرف اور صرف دولت و اقتدار کی لڑائی تھی۔ ڈان اپنی اختیاری گوشہ نشینی دو سال سے زیادہ نہیں سہ سکا۔ اس کے منہ کو مفت کی آمدنی کا خون لگا ہوا تھا۔ اپنی جگہ راجن کو تیزی سے پھلتا پھولتا ہوا دیکھ کر اس کے سینے پر سانپ لوٹ رہا تھا۔ راجن کو راستے سے ہٹا دینے کے بعد اسے بھی وہی سب کرنا تھا جو راجن کر رہا تھا۔ ڈان کے لیے وہ نئے کام نہیں تھے۔ اپنی نوخیز بیوی کی جوتے بازی سے پہلے بھی ڈان وہ سب کرتا رہا تھا۔ نام اور کام' سب پرانے تھے۔ اسے ان کی تجدید کرنا تھی۔

یہ ڈان کی خوش نصیبی تھی کہ راجن کے ساتھ اسے اپنی

دست دراز بیوی سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا مل گیا۔ اس عورت کے ایک ٹرک کے نیچے کچلے جانے سے ڈان کی پیچیدہ نفسیاتی گرہ کھل گئی تھی۔ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص زندہ نہیں رہا تھا جو اس پر ہاتھ اٹھا چکا ہو۔ اس نے نئی امنگ اور ولولے کے ساتھ بنکاک کی انڈرورلڈ کی عنان سنبھالنے کی تیاری کی تو اس کا پہلا ملاقاتی کرنل گیری تھا جو اسے اپنی اہمیت کا احساس دلا کر لوٹ چکا تھا۔

مجھے اندازہ ہوگیا کہ میری اور ڈان کی مفاہمت صرف راجن کے خاتمے تک محدود تھی۔ ہم دونوں اپنے اپنے مقاصد کے لیے اس کی بیخ کنی کرنے کے خواہاں تھے۔ اس کے مارے جانے کے بعد ہماری راہیں جدا بلکہ متضاد ہوگئی تھیں۔ ڈان امریکی کیمپ کا سانپ بنا ہوا تھا جب کہ میری ان سے پرانی ٹھنی ہوئی تھی۔ ماضی میں ہونے والی خوں ریز محاذ آرائیوں کے پس منظر میں میرے لیے سب سے اہم بات یہ تھی کہ بنکاک میں امریکی ایجنٹ ویرا اور سلطان شاہ کی تلاش میں مصروف تھے۔ ان دونوں نے اپنے نام اور ٹھکانا بدل کر اپنے دشمنوں سے عارضی طور پر گلو خلاصی حاصل کرلی تھی لیکن جب تک وہ بنکاک میں رکے رہنے پر مجبور تھے اس وقت تک انہیں امریکی ایجنٹوں کی طرف سے سنگین خطرات لاحق تھے۔

''تم نے اپنی قومی نفرت کے باوجود امریکیوں کے ساتھ رہنا سیکھ لیا ہے۔ یہ شاید میری بدقسمتی ہے کہ میری نفرت میں ان سے مفاہمت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انہوں نے ہر آڑے وقت میں میری قوم کو دغا دے کر اس نفرت کو ہوا دی ہے۔'' گفتگو کے رخ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ڈان کو اپنے دلی جذبات سے آگاہ کردیا۔

''تجربہ عمر سے آتا ہے۔'' ڈان نے اپنی کنپٹی کے سفید بالوں کو چٹکی میں پکڑ کر کہا ''تم مصلحت سے ناآشنا ہو۔ طاقت ور دشمن سے لڑ کر تم کبھی نہیں جیت سکتے۔'' اس سے منافقانہ دوستی سودمند رہتی ہے۔ امید رہتی ہے کہ کبھی اس کی پشت میں خنجر بھونکنے کا موقع مل جائے گا۔''

''ڈان! میں اپنی صاف گوئی کی معافی چاہتا ہوں۔ تمہاری باتیں کچھ متضاد سی ہیں۔''

''یہ تمہاری سمجھ کا پھیر ہے۔ بات سیدھی سی ہے کہ میں سانپ پال رہا ہوں' اسے دودھ ضرور پلاؤں گا لیکن ہر وقت ہوشیار رہوں گا۔ ہمیں ان کو عزت دینا ہوگی تاکہ انہیں ہمارے دلوں کے عناد کا علم نہ ہوسکے۔ ویسے بھی تم یہاں چند روز کے مہمان ہو' چلے جاؤ گے۔ تمہارا گیری یا کسی اور امریکی سے واسطہ نہیں پڑے گا۔ وہ صرف مجھ سے رابطہ رکھے گا۔''

''میں یہی چاہتا ہوں۔ ان سیاہ باطن گوروں کے سامنے سر جھکانے میں' میں ذلت محسوس کرتا ہوں۔''

''میرے آدمی بھی انہیں سجدے نہیں کریں گے۔'' ڈان کے چٹخنے سے مجھے محسوس ہوا کہ میں نے ایک بار پھر سخت بات کہہ دی تھی۔ اس کی بات جاری رہی۔'' آنے والے کو عزت دینا تھائی روایات اور معاشرت کا ایک لازمی جز ہے۔ ہم اس کی پاس داری کریں گے اور بس!''

میں نے سر جھکا کر خاموشی اختیار کرلی۔

''تم میں دو بڑی کمزوریاں ہیں۔'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ڈان بولا۔ ''تم جلد باز اور جذباتی ہو۔ ان خامیوں پر قابو پالو تو تم بہت اوپر جاسکتے ہو۔''

''میں کوشش کروں گا۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اب ایک کام کی بات بھی ہوجائے!'' ان الفاظ پر میں نے ڈان کی طرف دیکھا تو وہ چاؤفان کی طرف متوجہ تھا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر ہمہ تن گوش ہوگیا تھا۔

''شہر میں دو آدمیوں کا کھوج لگانا ہے۔'' ڈان کہہ رہا تھا۔ ''ایک گوری اور خوب صورت عورت ہے' ریٹا الیف ہیریسن اور دوسرا اکبر خان۔ پچھلی شام تک یہ دونوں سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں مقیم تھے۔ ہوٹل چھوڑ کر غائب ہوگئے۔ دونوں کے پاس پاکستانی پاسپورٹ ہیں۔''

ڈان کی زبان سے ویرا اور سلطان شاہ کے مفروضہ نام سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ ڈان نے کسی سیاق وسباق کے بغیر اس کام کا ذکر کیا تھا لیکن میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ ان دونوں کی تلاش کی فرمائش کرنل گیری کی طرف سے آئی ہوگی۔ اس کے آقاؤں نے نیویارک سے ٹورنٹو اور پھر بنکاک تک ان دونوں کا بہت کامیابی سے سراغ لگایا لیکن اس کے آدمی اپنی حد سے بڑھی ہوئی خوداعتمادی اور بے احتیاطی کی وجہ سے انہیں کھو چکے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ٹی ایچ پال نامی ایک سارجنٹ کو زبردست مار پیٹ کی صورت میں اپنے اناڑی پن کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔

وہ صورتِ احوال بہت خطرناک تھی۔ گیری نے ایک ہی ملاقات میں ڈان کو پوری طرح شیشے میں اتار لیا تھا۔ ڈان کو ان دونوں کی تلاش کا کام سونپنے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ ہر قیمت پر جلد از جلد اکبر اور ریٹا کو پکڑنے کا عزم کرچکے تھے۔

ڈان کو امریکی اہل کاروں کے بارے میں میری معاندانہ سوچ کا بخوبی علم ہوچکا تھا' اس لیے اس نے ریٹا اور

اکبر کے قصے میں سے گیری کا ذکر گول کر دیا۔ چاؤ فان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس بارے میں ڈان سے کوئی سوال جواب کرتا۔

''یہ تمہارا معاملہ ہے۔ مجھے اس میں دخل انداز ہونے کا حق نہیں'' میں نے نرمی سے ڈان سے کہا۔ ''کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ تمہیں ان کی تلاش کیوں ہے؟''

''کیا تم ان دونوں سے واقف ہو؟'' ڈان نے چونک کر پوچھا۔

لمحہ بھر کے لیے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں نے فوری طور پر سنبھالا لیتے ہوئے کہا ''دونوں نام میرے لیے اجنبی ہیں۔ میری دلچسپی صرف اتنی ہے کہ وہ میرے ہم وطن ہیں۔''

ڈان محظوظ ہونے والے انداز میں ہنسا پھر بولا ''یہاں ہزاروں پاکستانی رہتے ہیں۔ تم کس کس کی فکر کرو گے۔ وہ ہاتھ آ جائیں تو سب کچھ کھل کر سامنے آ جائے گا۔''

میری توقع کے مطابق ڈان نے میرے سوال کا جواب ٹال دیا۔

ہم سیلرز بار سے روانہ ہوئے تو آسمان کے مشرقی گوشوں میں سفیدی پھیل چلی تھی۔ کہیں دور سے ابھرنے والے سورج کی کرنوں کا انعکاس گھور اندھیرے کی چادر کو تیزی سے نگل رہا تھا۔

''ماسٹر! میں نے دیر سے اپنی زبان کو قابو میں رکھا ہوا ہے مگر میں سمجھ رہا ہوں کہ میری خاموشی تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی'' چاؤ فان نے وہاں سے روانہ ہونے کے بعد تمہید باندھتے ہوئے کہا ''میرا خیال ہے کہ آج تم ڈان کے سامنے کچھ زیادہ بول لے ہو، یہ اچھی بات نہیں ہے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ تم کیوں خاموش رہے'' میں نے جواب دیا ''تم خود غور کرو کہ ڈان نے گیری کے گھر پر بم پھینکنے کے ارادے سے ناوقت ہمیں بلایا تھا۔ گیری نے سیلرز بار آ کر نہ جانے ڈان کے کان میں کیا پھونکا کہ وہ اس کے گن گانے لگا۔''

''ماسٹر! تم غلط سمجھ رہے ہو۔ آدمی دودھ دینے والی گائے کی دولاتیں بھی برداشت کر لیتا ہے۔ گیری سے دوستی میں ڈان کا فائدہ ہے۔ گرانٹ کے علاوہ کاموں کے بھاری معاوضے بھی ملتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ کسی سچے تھائی کو ان سے محبت نہیں ہو سکتی اور ڈان پکا تھائی ہے۔ وہ اسے جھکانا چاہتا تھا۔ گیری خود جھک گیا تو محاذ آرائی کی کیا ضرورت ہے۔ گھر بیٹھے لاکھ، دولاکھ ڈالر ہر مہینے ملتے رہیں تو آدمی کو بہت کچھ نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔''

''میں یہی سمجھ رہا ہوں۔ گیری نے سب کو خرید لیا ہے۔ اب وہ من مانیاں کرتا رہے گا۔ تم اسے نہیں روکو گے بلکہ غلط کاموں میں اس کا ساتھ دو گے۔ یہ بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی کہ وہ تم لوگوں کی بہبود کے لیے چندہ نہیں دے گا، تمہارے ذریعے اپنے ناپاک عزائم پورے کرے گا۔''

''تم ڈان کے فیصلے نہیں بدل سکتے۔ بہتر یہی ہوگا کہ آئندہ تم خاموش رہو'' اس نے بحث میں پڑنے کے بجائے اپنا مشورہ پیش کر دیا۔

''یہ ماننے والی بات ہے۔ میں پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ چکا ہوں'' میں نے بھی محتاط رویہ اپناتے ہوئے بات وہیں ختم کر دی۔ چاؤ فان مجھ سے ہمدردی ضرور جتا رہا تھا لیکن وہ تھالی کے بینگن سے زیادہ خطرناک تھا۔ ڈان اسے ذرا بھی پچکارتا تو وہ جوشِ عقیدت سے مغلوب ہو کر، میری کہی ہوئی ہر ہلکی بھاری بات اس کے سامنے دہرا دیتا۔

وہ مجھے ہوٹل کے باہر اتار کر اپنی راہ ہو لیا اور میں بوجھل قدموں سے احاطے میں داخل ہو گیا۔ ڈان اور گیری کا گٹھ جوڑ ہو جانے کے بعد مجھے بنکاک میں قیام کی مدت بھاری پڑتی نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

رات کی نیند ڈان نے برباد کر دی۔ میں دیر سے بیدار ہوا تو ناشتے کی فراہمی کا وقت گزر چکا تھا۔ لنچ کا وقت قریب تھا۔

میں نے تازہ دم ہو کر روم سروس کو کھانے کا آرڈر دیا اور دوبارہ بستر پر نیم دراز ہوا تو غزالہ نے بنکاک پوسٹ نامی انگریزی اخبار کی تازہ کاپی مجھے تھما دی۔

وہ مقامی روزنامہ تھا۔ اس کی جلی سرخی ڈان راجن کی لاش کے بارے میں تھی۔ جب تک راجن زندہ رہا، سب اس کی بالادستی کو تسلیم کرتے تھے لیکن اسے بنکاک کے ڈان کا خطاب نہیں مل سکا۔ اس کے مرتے ہی اخبار نے اسے یہ اعزاز عطا کر دیا۔

خبر خاصی طویل تھی۔ اس میں صحافیانہ سنسنی خیزی سے کام لیتے ہوئے حقائق کو خاصے ڈرامائی انداز میں بیان کیا گیا تھا۔ میرے لیے اس خبر میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ موتی محل کے جلتے اور سلگتے ہوئے ملبے سے وہ تین لاشیں رات کے ساڑھے بارہ بجے برآمد کی جا سکی تھیں۔ آگ کے بھیانک شعلوں میں جل کر تینوں لاشیں کوئلہ ہو گئی تھیں پھر بھی ان کی باقیات کو شناخت کر لیا گیا تھا۔ موت کے اسباب کے بارے میں

گولیوں کی کہانی بیان کی گئی تھی۔
وہ ہر اعتبار سے ایک سفاکانہ انتقامی کارروائی تھی۔ راجن اور اس کے دو ساتھیوں کو ہلاک کرنے کے بعد وہاں آگ لگائی گئی تھی۔ اخبار میں کسی پر شبہ ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔ بنکاک کے پولیس کمشنر اور امن وامان سے متعلق دوسرے اداروں کے سرکردہ افسروں کے روایتی بیانات بھی پہلے صفحے کی زینت بنائے گئے تھے، جن میں قاتلوں کی گرفتاری اور عبرت ناک سزایابی کے عزائم کا اظہار کیا گیا تھا۔
میں نے وہ خبریں شروع سے آخر تک پڑھ ڈالیں۔ ان میں کہیں بھی ڈان برنارڈ کے نام کا شائبہ نہیں تھا۔ پچھلے واقعات اور بنکاک میں بھارتی انڈر ورلڈ کے پانچ بڑوں کے اجتماع کے حوالے سے صرف یہ کہا گیا تھا کہ ڈان راجن کی موت کسی بڑی گینگ وار کا شاخسانہ معلوم ہوتی تھی۔
اس کے بعد جس ذیلی خبر نے میری توجہ حاصل کی وہ میرے لیے راجن کی موت سے زیادہ اہم تھی۔ اس مختصر سی ایک کالمی خبر کے مطابق سیام اسکوائر کے مصروف اور بارونق علاقے میں مشتعل نوجوانوں کے ایک ہجوم نے نامعلوم وجوہ کی بنا پر امریکی فوج کے ایک افسر کو گھیر کر بری طرح زدوکوب کیا۔ پولیس کے پہنچتے ہی ہجوم منتشر ہوگیا۔ خون میں نہائے ہوئے سارجنٹ پال کو اسپتال پہنچایا گیا۔ اسے شدید اندرونی ضربات آئی تھیں، جسم سے کافی خون ضائع ہو چکا تھا، دونوں گردے پھٹ گئے تھے۔ ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود وہ جاں بر نہ ہوسکا۔ رات کے ایک بجے اس نے آپریشن کی میز پر دم توڑ دیا۔
پوری جدوجہد کے باوجود اس الم ناک واقعے کا کوئی عینی شاہد سامنے نہیں آیا۔ پولیس یہ جاننے سے قاصر تھی کہ سارجنٹ پال کو کس وجہ سے ایسے ظالمانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔
وہ خبر پڑھتے ہی میرے ذہن میں گیری کی بھاگ دوڑ کا مقصد واضح ہوگیا۔
سارجنٹ پال اندرونی ضربات کی تاب نہ لاکر چل بسا تھا۔ ریٹا اور اکبر ہوٹل چھوڑ کر کہیں غائب ہو چکے تھے۔ پال کو ان دونوں کی نگرانی پر مامور کرنے والوں کے لیے دونوں واقعات کے باہمی تعلق کو سمجھنا مشکل نہیں تھا۔ اپنا ایک آدمی کھو دینے کے بعد ان کے لیے گمشدہ جوڑے کو پکڑنا ناگزیر ہوگیا۔ انہوں نے فوری طور پر سارے دستیاب وسائل استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔
گیری مصالحت ومفاہمت کے پیغام کے ساتھ وہ کام بھی لے کر ڈان برنارڈ کے پاس پہنچ گیا۔ ڈان کی زبان سے ریٹا اور اکبر کی تلاش کی ہدایات سنتے ہوئے بھی مجھے اس معاملے کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ اخباری اطلاع نے وہ معما حل کردیا۔ گیری کو مشتبہ جوڑے کی نہیں بلکہ سارجنٹ پال کے قاتلوں کی تلاش تھی، جو اسے مشتعل ہجوم کے حوالے کرکے کہیں نکل گئے تھے۔
میں نے بے چین ہوکر اسی وقت موبائل فون پر ویرا کا نمبر ملالیا۔
''معلوم ہوتا ہے کہ آج تمہاری صبح دیر سے ہوئی ہے؟''
میری آواز سنتے ہی وہ فون پر چہکی ''میرا اندازہ تھا کہ تم اخبار دیکھتے ہی فون کرو گے۔''
''میری رات بری طرح برباد ہوئی۔ صبح چھ بجے کے بعد بستر نصیب ہوسکا۔ ابھی سوکر اٹھا ہوں۔''
''سب کچھ نمٹ گیا تھا، پھر تمہاری رات کیوں کالی ہوئی؟''
''ان فضول باتوں کو چھوڑو۔ تم نے آج کے اخبارات دیکھ لیے ہیں؟''
''آج کل سب سے پہلا کام یہی کرتی ہوں۔ برابر کی چوٹ ہے۔ تمہارے ساتھ میرے کام کا ذکر بھی موجود ہے۔ یہاں کے لوگ میری توقع سے زیادہ جذباتی نکلے۔ انہوں نے مار مار کر بھرکس نکال دیا۔''
''تم دونوں کو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہر طرف تلاش شروع ہوگئی ہے۔''
''یہ ہونا تھا، آنکھ میں تنکا پڑتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا تھا۔''
''کس تنکے کی بات کررہی ہو؟'' میں نے الجھ کر پوچھا۔
''تنکا پڑنے کے بعد ہی میری بائیں آنکھ پھڑکی تھی اور وہیں سے فتور پیدا ہوتا چلا گیا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اپنی زوجہ کو چھوڑ کر رات کہاں گزاری؟''
''بڑے آدمی نے بلالیا تھا۔ کان کھول کر سن لو کہ وہ تمہارے ہم وطنوں سے مل گیا ہے۔ اب ہمارا یہاں سے جلد از جلد نکلنا ضروری ہوگیا ہے۔'' فون پر بات کرتے ہوئے ہم دونوں محتاط تھے۔ کھل کر کسی کا نام لینے کے بجائے اشاروں کنایوں میں اپنا مدعا بیان کررہے تھے۔
میری تسلی کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ شہر میں پائی جانے والی صورتِ احوال سے بے خبر نہیں تھی۔ حالات نے ان دونوں کو دھکیل کر بنکاک پہنچادیا تھا تو وہ ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھی۔
''بڑا آدمی رفتہ رفتہ تمہاری جان کا روگ بنتا جارہا ہے۔

اب اس سے اپنا پیچھا چھڑاؤ ورنہ وہ تمہیں یہاں سے نکلنے نہیں دے گا۔ وہ غلطی سے تمہیں کام کا آدمی سمجھنے لگا ہے۔''
''کوشش یہی ہے۔ آگے دیکھو کیا ہوتا ہے۔'' میں نے اس کے آخری فقرے کو نظر انداز کر دیا۔
''اب سارا انحصار جلال پر ہے۔ پتا نہیں وہ کاغذات کب بھیجے گا؟''
''خدا کا خوف کرو۔ ابھی بات طے کیے ہوئے چوبیس گھنٹے بھی پورے نہیں ہوئے اور تم نے شکوہ کرنا شروع کر دیا۔ ایسے کام آسانی سے نہیں ہوا کرتے۔''
اس سے گفتگو ختم ہوئی تو لنچ آ گیا۔ وہاں رہتے رہتے مجھے اتنا تجربہ ہو گیا تھا کہ شکم پری کے لیے کچھ گوارا ڈشوں کا انتخاب کر سکوں۔
کھانے کے دوران میں غزالہ نے اوّل خان کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس سے رابطہ ہوئے خاصا وقت گزر چکا تھا۔ جلال سے ملنے والی اطلاع کے مطابق اس کا تبادلہ ہو گیا تھا۔ یہ اندازہ تھا کہ اس بار بھی اسے دباؤ کے تحت کراچی سے دور بھیجا گیا ہوگا۔ میں نے مجرمانہ احساس کے ساتھ اس سے بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔
مجھے شبہ تھا کہ اول خان کو سزا کے طور پر کراچی سے بھیجا گیا ہوگا تو اس سے موبائل فون بھی واپس لے لیا گیا ہوگا تاکہ اس کے رابطے محدود ہو جائیں۔ نمبر ملانے کے بعد جب پہلی گھنٹی پر اس کی تر و تازہ آواز سنائی دی تو میرا دل خوش ہو گیا۔
''تم کہاں غائب ہو...... کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے علیک سلیک کے بعد گرم جوشی سے پوچھا۔
''اسپیشل ڈیوٹی پر ہوں اور جنوں کو کام کرتا ہوا دیکھ کر حیران ہوتا رہتا ہوں۔'' اس نے خوش دلی سے جواب دیا۔
''کن جنوں کا ذکر کر رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔
''وہی جو گوادر پورٹ کے لیے کام کر رہے ہیں'' اس کے لہجے میں اطمینان اور آسودگی کی جھلک نمایاں تھی ''یہاں آ کر میں نے دیکھا کہ یہ کیسی زبردست بندرگاہ بن سکتی ہے۔ سمندر میں دور تک ابھری ہوئی زمین کے دونوں طرف وسیع کھاڑیاں ہیں۔ آج کل یہ ماہی گیروں اور لانچوں وغیرہ کے استعمال میں ہیں۔ چینی اس پس ماندہ ساحل پر نئی اور جدید بندرگاہ کے خدوخال تیار کر رہے ہیں۔ منہ اندھیرے اٹھ کر باجماعت ورزش پھر ناشتا کرتے ہیں اور پاگلوں کی طرح کام سے لگ جاتے ہیں۔ اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے یہ اپنے کیمپ کا رخ نہیں کرتے۔ ایسے کارگزار انسان میں نے پہلی بار دیکھے ہیں۔''
آج گوادر پورٹ ایک حقیقت بنتی جا رہی ہے۔ وہ اس منصوبے کا ابتدائی دور تھا۔ میں نے کہا ''ابھی وہاں کچھ بھی نہیں ہے، سہولتوں کا فقدان ہے۔ اس پس ماندہ علاقے میں تمہاری کیا ضرورت پیش آ گئی؟''
''سازشیں چل پڑی ہیں۔ مجھے جلال کی معرفت تمہاری ٹپ بھی مل گئی ہے'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''کچھ عالمی قوتوں کو اس خطے میں چین کی موجودگی پسند نہیں آ رہی۔ پاکستان اور چین باہمی تعاون پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ خبریں ملی ہیں کہ چینی دوستوں کے خلاف دہشت گردی کا سلسلہ شروع کیا جا سکتا ہے۔ چند بڑے واقعات کے بعد چینی ڈر کر شاید کام کرنے سے انکار کر دیں۔''
''اوہ......!'' میرے لیے اول خان کا وہ انکشاف تحیر خیز تھا ''راجن نے یہاں سے ایک پارٹی کو شاید اسی لیے بلوچستان بھیجا ہوا ہے۔''
''بلوچستان نہیں، خاص گوادر کہو۔ چند روز پہلے کوہک کے قریب ٹرانسمیشن ٹاور اڑانے کے شبہے میں جو لوگ پکڑے گئے ہیں انہوں نے جیوانی سے داخل ہونے والے کچھ غیر ملکیوں کی نشاندہی کی ہے۔ تم نے بروقت خبر دی تھی۔ اس پر بہت سرعت سے کام ہوا اور اب ان غیر ملکی تخریب کاروں کی تلاش جاری ہے۔ راجن کے گرگے بہت جلد اس کے پاس پہنچا دیے جائیں گے۔''
میری اور جلال کی اس گفتگو کو پورا ایک دن بھی نہیں گزرا تھا لیکن معاملے کی نزاکت کی وجہ سے وہ اطلاع نہ صرف اول خان تک پہنچ چکی تھی بلکہ اس پر کام بھی شروع ہو گیا تھا۔
''تم بہت اہم کام کر رہے ہو'' میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ''مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں تم کو دباؤ کی وجہ سے نہ بھیجا گیا ہو۔''
اول خان کی ہلکی سی ہنسی میں درویشانہ بے نیازی تھی۔ وہ بولا ''دباؤ کافی عرصے سے چل رہا تھا۔ کام سامنے آیا تو باس نے ادھر روانہ کر دیا۔ اس مرتبہ تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ دشمن سمجھ رہے ہوں گے کہ میرا تبادلہ ان کے دباؤ کا نتیجہ ہے۔ ویسے بھی کراچی میں اب سکون ہے۔ مار کھانے کے بعد سفید دشمن سستا رہے ہیں۔''
''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ گوادر میں چین کی موجودگی سے بھارتیوں کو کیا پرخاش ہے؟'' میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔
''سب سے زیادہ تکلیف امریکا کو ہے'' اس نے

وضاحت کی ''روس کے خاتمے کے بعد وہ چین کو اپنا اگلا حریف سمجھتا ہے۔ چین پر دباؤ رکھنے کے لیے وہ بھارتیوں کی ناز برداری کرتے ہیں۔ بہت سے معاملات میں ان کے مفادات مشترک ہیں۔ ان علاقوں کے لوگ بہت حساس اور غیور ہیں۔ امریکی ایجنٹ یہاں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ انہیں اچھوتوں کی طرح الگ تھلگ رہنا پڑے گا۔ بھارتی ہم جیسے ہیں۔ وہ مقامیوں میں گھل مل کر کام کر سکتے ہیں۔''

''پھر یہ صرف راجن کا کام نہیں ہو سکتا۔ وہ گیری اور ساگر کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا'' میں نے پُرخیال لہجے میں کہا ''ان کے ایما پر آدمی پاکستان بھیجے گئے ہیں۔''

''کیا تم را کے پاکستان ونگ کے نئے سربراہ کا ذکر کر رہے ہو؟'' اول خان نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں...... انل بسواس کے بعد اب وہی سربراہ ہے۔''

''کیا راجن کے اس سے بھی رابطے تھے؟'' اول خان بہت سی باتوں سے بے خبر تھا۔

''ساگر اور گیری اس کے ان داتا تھے، وہ بنکاک میں بیٹھ کر ساگر کی ہدایات پر دنیا بھر سے ایٹمی آلات اور مواد بھارت اسمگل کر رہا تھا۔ یہ تفصیلات تمہیں جلال سے مل سکتی ہیں'' میں نے اسے بہت اختصار سے جواب دیا۔

''اب را کے آدمی یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکیں گے'' اول خان کی پُرعزم آواز ابھری ''راجن کو راستے سے ہٹا کر تم نے ثواب کا کام کیا ہے۔ ان کے جوہری منصوبوں میں خلل پڑے گا، دوسری سازشیں بھی عارضی طور پر متاثر ہوں گی، یہاں آنے والوں کے رابطے تو سرے سے ختم ہو جائیں گے۔ ان کے پاس راجن کے سوا کوئی اور نام نہیں ہوگا۔''

''میں حیران ہوں کہ یہ لوگ کتنی سفاکی کے ساتھ ہمارے ملک کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ ایک فتنہ ختم نہیں ہونے پاتا کہ دوسرا قضیہ سامنے آ جاتا ہے۔ کچھ عرصے سے ہمارے دشمنوں کی سرگرمیوں میں تیزی آ گئی ہے۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے'' اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا ''سوبھراج کی قلعی کھلنے کے بعد ان کی کارروائیاں دھیمی ہو جانا چاہیے تھیں لیکن ان کا دوسرا چینل حرکت میں آ گیا۔ اب راجن گیا ہے تو کوئی اور مہرہ آگے آ جائے گا۔ خرابی یہ ہے کہ زبان سے یہ لوگ دوستی کے دعوے کرتے ہیں، پس پشت ہمیں گرانے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ کھلی دشمنی اور آمنے سامنے کا مقابلہ ہو تو ساری راہیں مسدود کی جا سکتی تھیں، دوغلے پن کی وجہ سے مشکلات پیش آتی ہیں۔''

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہمارے آدمی ان کی سرحدوں میں کام کر رہے ہوں۔ وہ تنگ آ کر یہ جوابی وار کر رہے ہوں؟''

''ہو سکتا ہے بلکہ بھارت کی حد تک ایسا ہی ہوگا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ پہل کون کرتا ہے اور جواب کون دے رہا ہے۔ اس پہلو پر جلال روشنی ڈال سکے گا'' اس نے بلاتوقف جواب دیا ''فساد کی اصل جڑ امریکا بنا ہوا ہے۔ وہ ہم سے ہزاروں میل دور ہیں۔ ان کے اور ہمارے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں ہمارا کوئی آدمی سرگرم نہیں ہوگا۔ نہ جانے وہ ہمارے خلاف ریشہ دوانیوں میں کیوں مصروف رہتے ہیں؟''

''انہیں گھمنڈ ہے کہ اب وہ اکلوتی سپر پاور ہیں۔ دنیا کے ہر خطے میں ان کی مرضی کا نظام چلنا چاہیے۔ ان حرکتوں سے وہ حکومتوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔''

''حکومتیں جھک سکتی ہیں، عوام نہیں جھک سکتے'' اس نے ٹھوس لہجے میں کہا ''امریکی حکمراں یہ بھول رہے ہیں کہ اپنی ان حرکتوں سے وہ نفرتیں خرید رہے ہیں۔ تم وہاں دیکھ رہے ہو گے کہ تھائی حکمراں امریکا کے قریبی حلیف ہیں، عوام ان سے نفرت کرتے ہیں۔''

''آج میں نے ایک نیا جملہ سنا ہے۔ تھائی اپنی فطرت کے باوجود امریکیوں کے ساتھ مل کر رہنا سیکھ گئے ہیں'' میں نے ذہن میں آنے والے، ڈان کے الفاظ دہراتے ہوئے کہا ''وہ پوری دنیا کو یہی قرینہ سکھانا چاہتے ہیں۔ نفرت کرو یا محبت مگر ہم کو برداشت کرو۔''

''تم نے وہاں بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ جلال کو توقع نہیں تھی کہ تم اتنی بڑی فتح حاصل کرو گے۔ اب تمہیں وہاں سے نکل آنا چاہیے۔''

''میں پابہ رکاب ہوں۔ سوچتا ہوں کہ کدھر جاؤں؟ پاکستان لوٹنے کے راستے بند ہیں......'' میں نے اس ذکر کے ساتھ اپنے سینے میں درد کی ایک لہر سی ابھرتی محسوس کی۔

''یہاں کے حالات واقعی مخدوش ہیں۔ تمہارے حقیقی خاکے بن چکے ہیں۔ پتا نہیں جلال نے کیسے جتن کر کے ان کا اجرا روکا ہوا ہے۔ وقفوں وقفوں سے پرانے انعامی اشتہار اخبارات میں آ رہے ہیں۔ جس دن ان میں صحیح خاکہ شامل ہو گیا، تمہیں پہچاننے کے دسیوں دعوے دار سامنے آ جائیں گے۔'' اس نے میری بات کاٹ کر دردمندی سے کہا۔

''ہمارے لیے دعا کرتے رہو'' میں نے ایک گہری سانس لے کر جواب دیا ''یہ غنیمت ہے کہ انہیں ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ ان کے بنوائے ہوئے متعدد خاکوں میں

سے کون سا خاکہ حقیقت سے قریب ہے۔"

"ہم ایک دوسرے کے لیے اور کچھ نہیں تو دعائیں ضرور کر سکتے ہیں۔ صرف زبان ہلانے سے کچھ نہیں بنتا، دل سے نکلی ہوئی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔"

وہ اول خان نہیں، اس کا مضبوط ایمان بول رہا تھا۔ آج کا مسلمان جب اپنی سب کوششیں کر کے تھک جاتا ہے تو آخر میں سب کچھ اللہ کے سپرد کر کے تہ دل سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیتا ہے اور ایسی دعائیں اکثر شرفِ قبولیت حاصل کرتی ہیں۔

اول خان سے ہونے والی وہ گفتگو ہر اعتبار سے تشویش انگیز تھی۔ پہلے را کے ایجنٹ پاکستان کی قومی تنصیبات اور شہری آبادیوں کو اپنی دہشت گردیوں کا نشانہ بناتے رہے تھے۔ یہ نئی خبر تھی کہ انہوں نے پاکستان میں کام کرنے والے غیر ملکیوں کو اپنا ہدف بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میں غزالہ کے ساتھ دیر تک اسی موضوع پر سر کھپاتا رہا۔ میرے دل و دماغ پر عجیب سی بے بسی طاری ہو چلی تھی۔ دور رہ کر میں ان سازشوں کے سدباب میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا تھا۔ واپسی پُرخطر تھی۔ ہر سمت سے ایک ہی آواز چلی آ رہی تھی کہ اس وقت میرا پاکستان جانا میرے لیے مضر ثابت ہو سکتا تھا۔

جلال کے بیان کے مطابق میں نے بنکاک آمد کے تین مقاصد حاصل کر لیے تھے مگر میں سوبھراج اور راجن جیسے خوفناک مجرموں کو مار لینے کے باوجود خود کو تہی دست محسوس کر رہا تھا۔ وطن سے ملنے والی نئی اطلاعات نے ان کامیابیوں کو ماند کر دیا تھا۔

میرے ذہن میں اپنے خاکوں کے بارے میں بھی تشویش پل رہی تھی۔ اس بارے میں ایک بات امید افزا تھی کہ امریکی اپنے کام کو خود مشکل بنانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

انہوں نے اپنے ماہرین کی مدد سے جو خاکے بنوائے تھے۔ وہ خود ان کی افادیت سے بے خبر تھے۔ خاکوں کی اہمیت کا ادراک وہی کر سکتا تھا جس نے مجھے بہت قریب سے دیکھا ہو۔ ایسا آدمی جلال کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے کارآمد خاکے کی نشاندہی کیے بغیر یہ موقف اختیار کیا ہوا تھا کہ ڈینی ہونے کے شبہے میں دو افراد حراست میں زیرِ تفتیش ہیں۔ ان میں سے ایک یقیناً ڈینی ہے۔ ایسی صورت میں خاکوں کا بکھیڑا پھیلانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

جلال کی چال کی وجہ سے ان کی رفتار سست ہو گئی تھی لیکن انہوں نے اپنا کام ترک نہیں کیا تھا۔ ان کی نظروں میں وہ سارے خاکے اہم تھے۔ ان خاکوں میں کمپیوٹر کی مدد سے داڑھی، مونچھوں اور بالوں وغیرہ کے ردوبدل سے وہ شناخت کا امکان بڑھانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ یوں اصل خاکوں کی تعداد دس بیس گنا بڑھ جاتی۔ تعداد جتنی زیادہ ہوتی، اصل خاکے کے انتخاب کا امکان اسی قدر کم ہو جاتا۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ ایک شخص کو پکڑنے کے لیے وہ بیک وقت سیکڑوں خاکوں کی تشہیر کر کے مذاق کا نشانہ بنتے۔ انہیں آخر کار دو چار خاکے منتخب کرنے ہوتے۔ مجھے توقع تھی کہ بنیادی خاکوں پر کمپیوٹر کی مشق ستم کے بعد وہ اصل خاکے کو نظر انداز کر دیں گے اور جلال کے مشورے کو نظر انداز کر کے انہوں نے کسی نئی تشہیری مہم کا ارادہ کیا تو وہ تصویر یا خاکے کی حد تک میرے لیے بے ضرر ہو گی۔

وہ میری توقعات تھیں جن کے پورا ہونے کا دارومدار میرے مقدر اور اتفاقات پر تھا۔ اس بارے میں قبل از وقت وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

شام ڈھلے غزالہ روزمرہ ضروریات کا سامان خریدنے کے لیے گئی تو مجھے طارق کا دھیان آ گیا۔ اپنے بڑے کی ہدایت پر وہ اڑتالیس گھنٹوں کے لیے گیری کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں ایک اہم ترین خبر دینے کے بعد وہ مسلسل خاموش تھا۔

اس کی بارہ گھنٹوں سے زیادہ عرصے پر محیط خاموشی کا سبب جاننے کے لیے میں نے اسے فون کیا تو اس کی آواز سے تکان اور بے زاری کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ سیلرز بار سے واپسی پر کرنل گیری اپنے گھر کے بجائے سیٹو کے ہیڈکوارٹرز میں چلا گیا۔ وہ خالص فوجی اور ممنوع علاقہ تھا۔ اندر کی سن گن لینا ناممکن تھا۔ گیری مسلسل وہیں گھسا ہوا تھا۔ طارق اس کے نمودار ہونے کے انتظار میں قرب و جوار میں منڈلاتا پھر رہا تھا۔

میں نے اسے حوصلہ دینے کے لیے گفتگو کو ذرا طول دیا تو اس نے بتایا کہ وہ اپنے بنیادی فریضے کے طور پر مقامی اخبار ضرور پڑھتا ہے۔ اس اعصاب شکن ڈیوٹی میں بھی اس نے اخبار دیکھ ڈالا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ سیٹو ہیڈکوارٹرز ہی میں ملٹری اسپتال اور امریکی فوجی چھاؤنی قائم تھی۔ شاید گیری وہاں رک کر سارجنٹ پال کی لاش امریکا روانہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔

اول خان نے کام کے دیوانے چینیوں کے لیے جنوں کا خطاب استعمال کیا تھا۔ میری نظروں میں طارق بھی کسی جن

سے کم نہیں تھا۔ اسے بستر سے پیٹھ ٹکائے چوبیس گھنٹے ہونے والے تھے، نگرانی کے چکر میں اسے ڈھنگ سے کچھ کھانے پینے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ بھوک، پیاس اور تھکن سے بے نیاز ہوکر اپنے کام کی دھن میں لگا ہوا تھا۔

وہ بنکاک میں اپنے محکمے کا اکلوتا نمائندہ تھا۔ اس کا کوئی متبادل نہیں تھا۔ میں خود بھی اس کا بوجھ ہلکا کرنے میں کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔ گیری کی نقل وحرکت کے بارے میں طارق سے کچھ کہنا سننا بے سود تھا۔ اسے اسلام آباد سے جو ہدایات ملی تھیں، وہ ان سے سرِمو انحراف نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے چند بھرپور توصیفی کلمات کے ساتھ گفتگو ختم کردی۔

میں کچھ دیر تک خالی الذہنی کے عالم میں بستر پر پڑا غزالہ کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے ہمیں ضرورت کی ہر چیز دستیاب ہوجاتی تھی لیکن دستخطوں کے لیے آنے والے چند ابتدائی بلوں میں معمولی اشیا کے دام دیکھ کر غزالہ حیران رہ گئی۔ وہ فائیو اسٹار ہوٹل تھا تو ان کے دام بھی ویسے ہی تھے۔ اس نے یہ معمول بنالیا تھا کہ فروٹ، مشروبات اور دوسری ضروری اشیا بازار سے سستے داموں خرید کر لاتی اور کمرے میں رکھے ہوئے چھوٹے ریفریجریٹر میں بھر لیتی۔ اس فریج میں ہوٹل والوں کی طرف سے چند ہلکے مشروبات کے ساتھ عمدہ اور قیمتی شرابوں کی چھوٹی بوتلیں منی بار کے نام پر گاہکوں کو مہیا کی جاتی تھیں جو ہمارے کمرے میں جوں کی توں رکھی ہوئی تھیں۔ انہیں استعمال نہیں کیا گیا تھا اس لیے ہمیں داموں کا علم نہیں ہوسکا مگر مجھے اندازہ تھا کہ ہوٹل کے کمرے میں ان کی قیمت کئی گنا زیادہ طلب کی جاتی ہوگی۔

ہم بنکاک میں بہت آسودہ حال تھے۔ اپنی رقم کے علاوہ جلال کے دیے ہوئے لفافوں کی رقم موجود تھی پھر ڈان کے انعامات نے ہماری خوش حالی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس بے فکری کے باوجود غزالہ بے جا اصراف کی مخالف تھی، وہ جب بھی بازار جاتی، لدی پھندی واپس آتی تھی۔ انتظار طویل ہوگیا تو میں نے کمرا چھوڑنے کی تیاری شروع کردی۔

اس وقت میرے ذہن پر اکتاہٹ اور بے زاری سوار ہورہی تھی۔ غزالہ باہر گئی تو اس کا خیال تھا کہ رات کی تکان اور بے خوابی کی کسر پوری کرنے کے لیے میں دوبارہ سوجاؤں گا۔ اپنی واپسی پر میری نیند میں خلل انداز نہ ہونے کے خیال سے وہ کمرے کے تالے کی چابی اپنے ساتھ لیتی گئی تھی تاکہ خاموشی سے دروازہ کھول کر اندر آسکے۔

چابی میری تحویل میں ہوتی تو شاید میں کمرے میں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کرتا' تاکہ اسے مقفل کمرے کی چابی حاصل کرنے کے لیے کاؤنٹر تک واپس نہ جانا پڑے۔ اس کی دوراندیشی نے مجھے اس فکر سے آزاد کردیا تھا۔ اپنی تیاری مکمل کرتے ہی میں نے کمرا چھوڑ دیا۔

وہ شہر کا مرکزی علاقہ تھا جہاں رات گئے تک رونق اور چہل پہل رہتی تھی۔ میں ٹہلتا ہوا ہوٹل کے احاطے سے نکلتا چلا گیا۔ اس وقت میں بہت شدت کے ساتھ ماحول میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کررہا تھا۔ کھلی فضا میں آتے ہی مجھے تازگی کا احساس ہونے لگا۔

مجھے کسی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ڈان سے میری تلخ وترش باتیں ضرور ہوئی تھیں لیکن مجھے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ اس خرانٹ کے دل میں میری طرف سے کوئی کدورت نہیں تھی۔ میرا اور اس کا اختلاف صرف گیری کی ذات تک محدود تھا۔ میری نظروں میں وہ خودغرض اور سازشی امریکی افسر منہ لگانے کے قابل نہیں تھا جبکہ ڈان اپنی مصلحتوں کی وجہ سے اس کے لیے سراپا لطف وکرم بنا ہوا تھا۔ اس کے باوجود میں اپنے فطری تجسس سے مجبور تھا۔ کمرے کی تنہائی سے ہوٹل کے بھرے پرے فلور پر آتے ہی میں نے غیرارادی طور پر اپنے گردوپیش کا جائزہ لے ڈالا تھا اور مطمئن ہوکر ہوٹل کی حدود سے قدم باہر نکالا تھا۔

ہوٹل سے باہر آکر میں نے بائیں طرف جاتے ہوئے ٹھٹک کر سگریٹ سلگائی تو یکایک میری چھٹی حس بیدار ہوگئی۔ میں تیزی سے پلٹا اور آتے جاتے ہوئے لوگوں کے درمیان رکے ہوئے دو کریہہ صورت مقامی خود بہ خود میری نظروں میں آگئے۔

وہ بہت غیرفطری انداز میں اپنے گردوپیش سے گزرتے ہوئے لوگوں کے درمیان رکے ہوئے تھے۔ ان کا رخ بتارہا تھا کہ رکنے سے پہلے وہ میرے پیچھے چلے آرہے تھے۔ میں ان دونوں پر سرسری نظر ڈال کر یوں ان کے پیچھے دیکھنے لگا جیسے دور کسی کو تلاش کررہا ہوں۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔

وہ اپنی صورتوں سے تیسرے درجے کے لفنگے نظر آرہے تھے۔ مجھے ہلکا سا شک ہوا کہ وہ میرا پیچھا کررہے تھے لیکن یہ مساوی امکان بھی موجود تھا کہ ان کا میری طرف دھیان نہ ہو، وہ کسی اور وجہ سے چلتے چلتے رک گئے ہوں۔

ان دونوں کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے ان کو آزمانا ضروری تھا۔ اس کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ میں اپنی سمت بدل لوں۔

میں نے براہِ راست ان پر نظریں جمائے بغیر کن انکھیوں

سے جائزہ لیا تو انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے آپس میں مذاکرات شروع کردیے تھے۔ میں کسی واضح پروگرام کے بغیر شہر میں کوچہ نوردی کرنے والے لاابالی سیاح کی طرح مڑا اور چند لمحوں بعد ان کے قریب سے گزرتا ہوا دائیں سمت میں ہولیا۔

میں ایک مرتبہ پلٹ کر ان کا جائزہ لے چکا تھا۔ ذرا سی دیر میں میرا دوبارہ مڑنا مناسب نہیں تھا۔ وہ دونوں بظاہر مجھ سے بھڑنے کے موڈ میں نہیں تھے لیکن ان کی وضع قطع کو دیکھتے ہوئے براہ راست تصادم کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس وقت شدت سے میرے ذہن میں یہ احمقانہ خیال آیا کہ انسان کی کھوپڑی کے پیچھے تیسری آنکھ کا ہونا کتنا ضروری ہے۔ تیسری آنکھ ہوتی تو مجھے کسی زحمت کے بغیر یہ معلوم ہوجاتا کہ وہ دونوں میرے پیچھے آرہے تھے یا لاتعلقانہ انداز میں مخالف سمت میں جا چکے تھے؟

تذبذب اور بے یقینی کی اس کیفیت کی وجہ سے میرے اعصاب پر تناؤ کی کیفیت سوار ہونے لگی۔ پیچھے سے آنے والی ہر آہٹ پر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ شبہ ہوتا کہ پیچھے سے اچانک کوئی میرے اوپر حملہ کردے گا۔ آنے والے کے آگے گزرنے سے ذرا اطمینان ہوتا تو کوئی اور جلد باز مجھے اس اعصاب شکن امتحان میں ڈال دیتا۔ علاقہ مصروف تھا اس لیے وہ تسلسل کسی طرح ٹوٹنے میں نہیں آرہا تھا۔

اس دباؤ کے سبب غیر ارادی طور پر میری چال تیز ہوگئی۔ لحہ بہ لحہ یہ خیال میرے ذہن میں جڑ پکڑتا جارہا تھا کہ

ہم بنکاک میں بہت آ.سوسے سامنا ہوا تو نوبت یکا یک
جلال کے دیے ہوئے لفافوں بی اس مرحلے پر ہرا لجھاؤ سے
انعامات نے ہماری خوش حالی ٹ
بے فکری کے باوجود غزالہ بے جلعد مجھے شہر کے عرض میں پھیلی
جب بھی بازار جاتی، لدی پھندی دہر کے آثار نظر آنے لگے۔
ہوگیا تو میں نے کمرا چھوڑنے کی تدڈ پر پہنچ جاتا جس کے پیچھے
اس وقت میرے ذہن پر اس میں مقیم تھے۔
ہورہی تھی۔ غزالہ باہر گئی تو اس کا دھیان دونوں کی طرف جانے کا
بے خوابی کی کسر پوری کرنے کے بے نکل کر مخالف سمت میں چلا
اپنی واپسی پر میری نیند میں خلل اندے مجھے یک بہ یک اپنی سمت
وہ کمرے کے تالے کی چابی اسےہ کرلیا تھا کہ پیچھا کرنے
خاموشی سے دروازہ کھول کر اندر آ سےملاتے بے دور نکل جاؤں
چابی میری تحویل میں ہوتی تو ۓ
کراس کی واپسی کا انتظار کرتا' تاکہ ابارے ٹک کر کھڑا ہوگیا۔

انداز ایسا تھا جیسے میں نہر کے نظارے سے محظوظ ہورہا ہوں لیکن اپنی آنکھوں کے گوشوں سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔

پھر مجھے وہ دونوں نظر آگئے۔ وہ بھی میری طرح نہر کے نظارے میں محو نظر آرہے تھے۔ ان کی ڈھٹائی اور بے خوفی میرے لیے تشویش ناک تھی۔ بظاہر انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ وہ میری نظروں میں آچکے تھے۔ ان کا مقصد صرف پیچھا کرنا ہوتا تو وہ مجھ سے دور رہ کر خود کو چھپانے کی کوشش کرتے۔ وہ جس انداز میں میرے سر پر مسلط تھے، اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کسی موقع کی تلاش میں تھے۔ انہیں جہاں بھی میدان صاف نظر آتا، وہ اپنی مکمل تیاری کے ساتھ اچانک میرے مقابل آجاتے اور میرے لیے انہیں سنبھالنا دشوار ہوجاتا۔

میں ہوٹل سے آوارہ گردی کا ارادہ کر کے نکلا تھا۔ میری جیب میں کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ انگلیوں میں جادوئی انگوٹھیاں پڑی ہوئی تھیں۔ آثار یہ بتارہے تھے کہ ان زہرافشاں انگوٹھیوں کے استعمال کے بغیر میں اپنے متوقع حریفوں سے چھٹکارا نہیں پاسکوں گا۔ بیم گن کے ساتھ زہر کا استعمال بھی میری ذات سے منسوب ہوچکا تھا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی میرے ہاتھوں مارا جاتا تو اس کی لاش کے پوسٹ مارٹم کے نتیجے میں یہ رائے قائم کرلی جاتی کہ میں بنکاک میں موجود تھا۔

وہ سب جلال کے منصوبے کے برعکس ہوتا۔ وہ میرے نام سے دو قیدی لیے بیٹھا تھا۔ اس کی خفت اور بوکھلاہٹ سے قطع نظر میری جان سخت خطرے میں پڑ جاتی۔ ڈان کو پہلے ہی مجھ پر شبہ ہوچکا تھا جسے میں نے اپنی اداکاری اور چرب زبانی سے زائل کردیا تھا۔ گیری اپنے پورے لشکر کے ساتھ میری تلاش کی مہم میں جٹ جاتا۔

میرے لیے وہ سب ایک ڈراؤنے خواب سے کم نہیں تھا۔ آزاد اور زندہ رہنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں کسی بھی قیمت پر وہ انگوٹھیاں استعمال نہ کروں۔ میں نے اضطراری یا مجبوری کی حالت میں ان کے استعمال سے بچنے کے لیے وہیں کھڑے کھڑے دونوں انگوٹھیاں اپنی انگلیوں سے اتاریں اور احتیاط سے اپنی جیب میں ڈال لیں۔

اس وقت میں دیدہ و دانستہ کوئی بڑا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بات ہاتھ پیروں کے استعمال تک محدود رہتی تو دیر ضرور لگتی مگر میں انہیں تگنی کا ناچ نچا سکتا تھا۔ مجھے خوف یہ تھا کہ انہوں نے میرا پلّا بھاری ہوتا دیکھ کر آتشیں ہتھیار نکال

لیے تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔

میں کچھ دیر تک اسی پُل کے کنارے پر رکا رہا۔ میں ٹکٹکی باندھ کر انہیں نہیں گھور سکتا تھا۔ میں نے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا کہ ان کے چہروں کی رہی سہی نرمی جاتی رہی تھی۔ اپنے بشروں سے وہ فکرمند اور سنجیدہ نظر آنے لگے تھے۔ کسی کا تعاقب کرنے کے معاملے میں وہ اناڑی نظر آرہے تھے۔

میرے اس جائزے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ وہ میرا پیچھا کررہے تھے۔ میں تن بہ تقدیر ہو کر ایک بار پھر پلٹ گیا۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ بری طرح بوکھلا گئے۔ ان کے کمزور ردِعمل کو دیکھتے ہوئے میں نے باقاعدہ انہیں گھورنا شروع کردیا۔

راستہ تنگ تھا۔ وہ دونوں مجھے راہ دینے کے لیے سرک کر دیوار سے لگ گئے۔ میں نے یہ نکتہ خاص طور پر نوٹ کیا کہ ان میں سے کسی کا ہاتھ جیب کی طرف نہیں گیا تھا۔

میں نے ان سے نہ الجھنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ وہ پہل کرتے تو میں جی جان سے ان کا مقابلہ کرتا۔ ان کے قریب سے گزرتے ہوئے میرے وجود میں غصے کی ایک شدید لہر ابھری اور میں کسی ارادے کے بغیر اچانک ان کے سامنے رک گیا۔

''کیا چاہتے ہو تم لوگ...... میرے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہو؟'' میں نے زہرآلود لہجے میں ان سے سوال کیا۔ تھائی زبان میرے لیے اجنبی تھی۔ میں نے انگریزی کا سہارا لیا تھا۔

میرے رکتے ہی ان کے چہروں پر یتیمی سی برسنے لگی۔ دبلے شخص نے اپنے قدرے فربہ ساتھی سے اپنی زبان میں کچھ کہا اور اس کی زبان چل پڑی ''یو تورسٹ...... سنگل...... وانت گال۔ ویری بیوٹی فل'' وہ میری طرف جھک کر خستہ وشکستہ انگریزی میں جملوں کے بجائے الفاظ بولتا چلا گیا۔ اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے اپنی کہانی شروع کردی تھی۔ اس کے نپے تلے الفاظ اتنے بھرپور تھے کہ اسے اپنا مفہوم سمجھانے کے لیے فقروں کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

اس کی زبان سے وہ خرافات سنتے ہی میرا اعصابی تناؤ دور ہوگیا۔ وہ بنکاک کے گشتی دلالوں کی بولی بول رہا تھا مگر میرے ذہن نے اس کی تاویل کو قبول نہیں کیا۔

آج کا بنکاک ان غلاظتوں سے کافی حد تک پاک ہو چکا ہے لیکن ان دنوں بھی میں نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ جنس فروش کارندے کسی بھی غیر ملکی کو زبردستی نہیں پھانستے تھے۔ موقع ملتے ہی اپنی بات شروع کرتے اور حوصلہ افزا جواب نہ ملے تو اس موضوع کو یوں بھول جاتے تھے جیسے اس بارے میں سرے سے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو جبکہ وہ دونوں کافی دیر سے میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اتنی دیر میں وہ چاہتے تو دس بیس افراد سے ملاقات کرکے اپنے مطلب کے کئی گاہک تلاش کرسکتے تھے۔

''البم نکالو!'' میں نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے سختی سے مطالبہ کیا۔ اگر وہ وہی تھے جو خود کو ظاہر کررہے تھے تو ان کے پاس دو چار تصویری البم ہونے ضروری تھے۔

''نو البم!......'' فربہ شخص کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمودار ہوگئے ''یو کم...... سی گالز...... ویری گُد!''

انہیں چھیڑ کر مجھے اپنی وحشت ناک ذہنی پریشانی سے نجات مل گئی تھی لیکن میں عجیب مخمصے سے دوچار ہوگیا تھا۔ بات کھل چکی تھی کہ وہ مجھ سے جھوٹ بول رہا تھا۔ وہ دونوں صورت حرام ہونے کے باوجود جارحانہ موڈ میں نہیں تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟

سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ بلکہ ان میں سے صرف ایک اپنے مطلب کی محدود انگریزی سے واقف تھا۔ اس گزرگاہ پر رک کر ان دونوں سے بازپرس کی کوشش کی جاتی تو میں خود وہاں تماشا بن جاتا۔ میں کھیت کی کہتا تو وہ کھلیان کی سمجھتے۔

میں نے طیش اور جھلاہٹ کے عالم میں ہاتھ گھمادیا۔ ایک آدھ تھپڑ رسید کیے بغیر انہیں درگزر کرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ دونوں میری طرف سے کسی زیادتی کا سامنا کرنے کے لیے پہلے سے تیار تھے۔ دونوں ایک ساتھ مجھے جھکائی دے گئے اور میرا ہاتھ فضا میں گھوم کر رہ گیا۔

اگلے ہی لمحے ان دونوں نے پوری قوت سے ایک طرف دوڑ لگادی اور میں ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔

آس پاس سے گزرنے والوں نے حیرت اور مسرت سے ملی جلی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ بعض لوگ سمجھے کہ وہاں کوئی مذاق ہورہا تھا۔ ایک دو سیٹیاں بجیں، چند آوازے کسے گئے اور میں سخت خفت کے عالم میں ہوٹل کی طرف چل دیا۔ میرے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے۔ میری کوشش تھی کہ میں اپنی سبکی کا منظر دیکھنے والوں کی نظروں سے جلد از جلد دور نکل جاؤں۔

وہ دونوں بھی نہر پار کرنے کے بجائے اسی طرف بھاگے تھے جدھر میں جارہا تھا لیکن انہوں نے اتنی سرعت سے دوڑ لگائی تھی کہ ان کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

اس واقعے سے میرا ذہن بری طرح الجھ گیا تھا۔ سمجھ میں

نہیں آرہا تھا کہ ان دونوں خبیثوں کو کس خانے میں فٹ کروں؟ وہ دوست ہوتے تو چوروں کی طرح چھپ کر میرا تعاقب نہ کرتے، دشمن ہوتے تو خطرناک تیور دکھائے بغیر اتنی آسانی سے میرا پیچھا نہ چھوڑتے۔ جب تک وہ میرے پیچھے لگے ہوئے تھے، میں تشویش اور سنسنی میں مبتلا تھا۔ بھاگنے کے بعد وہ اپنے پیچھے کئی الجھاوے چھوڑ گئے تھے جن کا کوئی سرا نظر نہیں آرہا تھا۔

میں اس ذہنی تکدر کے عالم میں ہوٹل نہیں جانا چاہتا تھا۔ نئی پریشانی میں غزالہ کو شامل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ اس بے سروپا واقعے کے بارے میں کوئی رائے تو کیا دیتی، مجھ سے زیادہ پریشان ہوجاتی۔

میں نے ہوٹل کے احاطے میں داخل ہونے کے بجائے سیدھی راہ اختیار کرلی۔ میرے ذہن میں یہ خدشہ بھی سر ابھار رہا تھا کہ میرے باہر رہنے کی صورت میں اس جیسا حیران کن واقعہ دوبارہ بھی رونما ہوسکتا ہے۔

میں ہوٹل سے کچھ آگے بڑھا تھا کہ مجھے اپنے پیچھے تیز ہارن کی آواز سنائی دی۔ آواز بہت قریب کی تھی۔ میں نے ناگواری سے پلٹ کر دیکھا تو چاؤفان کی کالی اکارڈ فٹ پاتھ کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اس کا انجن چل رہا تھا، وہ اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے بیٹھا، کسی بندر کی طرح شوخی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس کے برابر والی نشست پر لی بہت بنی سنوری بیٹھی ہوئی تھی۔

مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی چاؤفان نے پُرجوش انداز میں ہاتھ ہلایا اور دروازہ کھول کر اپنی گاڑی سے اتر آیا۔ اس کا ایک پیر سڑک پر اور دوسرا پائے دان پر تھا۔

میں جوں ہی گاڑی کی طرف بڑھا، لی بھی اپنے ہونٹوں پر دل آویز مسکراہٹ سجائے گاڑی سے اتر کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے سوچا کہ گزرے ہوئے واقعے پر بات کرنے کے لیے چاؤفان نہایت موزوں تھا۔ لی نے وائٹ ہاک کی تباہی پر کھل کر ہمارا ساتھ دیا تھا۔ اس کے ساتھ راجن کے خلاف جس انداز میں باتیں ہوتی رہی تھیں ان کی بنا پر وہ بڑی حد تک ہماری راز داں بن چکی تھی۔ اس کی موجودگی میرے اور چاؤفان کے مذاکرات میں رکاوٹ نہیں تھی۔

''ہائے ماسٹر!'' میرے قریب پہنچنے پر لی نے والہانہ انداز میں کہا ''اس سہانی شام میں اکیلے ہی گھوم رہے ہو۔ میں نے دور سے تمہیں دیکھ کر پہچان لیا ورنہ چاؤفان تیزی سے یہاں سے نکلا جارہا تھا۔ یہ گاڑی یوں دوڑاتا ہے جیسے کہیں ڈاکا ڈال کر بھاگ رہا ہو۔''

''چاؤفان بڑا ڈکیت ہے'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''خوب صورت عورتوں کو لوٹنا اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے، اس سے ہوشیار رہنا'' غیر متوقع طور پر ان دونوں سے ملاقات ہوتے ہی میرا موڈ خوشگوار ہوگیا۔

وہ دونوں ہنس دیے۔ لی پچھلی نشست پر بیٹھ گئی۔ میں نے اس کی خالی کی ہوئی جگہ سنبھال لی۔

''ماسٹر! کیا بات ہے...... تم اس وقت اکیلے نظر آرہے ہو؟'' چند ثانیوں بعد چاؤفان نے فکرمند لہجے میں سوال کیا۔

''کیا میرے ساتھ جلوس ہونا چاہیے تھا؟'' میں نے استہزائی انداز میں پوچھا۔

''تمہارے ساتھ عورتوں کا جلوس ہو تو وہ بھی کم ہوگا۔'' لی شوخی سے بولی ''تم انہیں خوش کرنے کا فن جانتے ہو۔''

''میں نے دو آدمی تمہاری حفاظت پر مامور کیے تھے'' چاؤفان اس کے تبصرے کو نظر انداز کرکے پُرتشویش انداز میں بڑبڑایا ''وہ دور دور تک نظر نہیں آرہے؟''

اس کا وہ انکشاف سن کر میرا دل چاہا کہ اس کا گلا دبوچ لوں۔ میں نے غصیلے لہجے میں کہا ''وہ میرے حفاظت کررہے تھے یا نگرانی پر لگائے گئے تھے؟''

''کیا تم نے انہیں دیکھا ہے؟'' اس نے بے تابانہ انداز میں سوال کیا۔

''صرف دیکھا نہیں بلکہ بھگتا بھی ہے'' میں نے غصے سے تقریباً پھٹتے ہوئے جواب دیا ''وہ اس قدر بھونڈے انداز میں میرے پیچھے لگے ہوئے تھے کہ مجھے ان سے الجھنا پڑ گیا۔ وہ اتنے بزدل تھے کہ مجھ سے سامنا ہوتے ہی بھاگ گئے۔''

''اوہ...... یہ برا ہوا'' وہ بے ساختہ بولا ''غلطی میری تھی۔ مجھے تم کو بتا دینا چاہیے تھا کہ تمہاری حفاظت پر دو آدمی مامور کیے گئے ہیں۔''

''تم دونوں کن آدمیوں کا ذکر کررہے ہو؟'' لی نے اٹھلائی ہوئی آواز میں سوال کیا ''مجھے تمہاری ان باتوں سے گھبراہٹ ہورہی ہے۔''

''ڈارلنگ! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں'' چاؤفان نے فوری طور پر فدویانہ لہجے میں اسے تسلی دی ''یہ معاملات ہم تمہیں گھر چھوڑنے کے بعد طے کرلیں گے۔ اب ان پر کوئی بات نہیں ہوگی۔''

بظاہر چاؤفان نے لی کو مخاطب کیا تھا لیکن وہ میرے لیے بھی اشارہ تھا کہ لی کی موجودگی میں اس موضوع کو طول نہ دیا جائے۔ میں نے ناگواری سے خاموشی اختیار کرلی۔

اس نے میرے قرب وجوار میں اپنے آدمیوں کو موجود

نہ پا کر اپنی فطری بے چینی کا اظہار کیا اور لمحہ بھر میں یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ دونوں چاؤفان کے کارندے تھے۔ وہ اپنے طور پر کوئی اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ یقینی طور پر اس نے ڈان کے ایما پر اپنے آدمی میرے پیچھے لگائے تھے۔

بات نبھانے کے لیے اس نے میری حفاظت کا ذکر کیا تھا لیکن میں اس وضاحت سے مطمئن نہیں تھا۔ جب راجن زندہ تھا اور مجھے واقعی تحفظ درکار تھا تو ان لوگوں نے مجھے میدان میں تنہا چھوڑا ہوا تھا۔ سنگین خطرہ ٹل جانے کے بعد جب سب کچھ نارمل نظر آ رہا تھا تو خاموشی سے دو آدمی میرے پیچھے لگا دیے گئے۔

میرے لیے وہ صورتِ احوال تشویش ناک تھی۔ چاؤفان کے اعتراف سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈان نے میرے بارے میں اپنے شکوک وشبہات کو بہت کامیابی سے چھپا لیا تھا۔ وہ گرگ باراں دیدہ تھا۔ اس نے مجھ پر یہ ظاہر کیا تھا کہ میری طرف سے اس کا دل صاف ہوگیا تھا مگر اس نے فوری طور پر میری نگرانی کا بندوبست کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اس کے بارے میں میرے خدشات بے بنیاد نہیں تھے۔

''ماسٹر! تم دوبارہ مجھ سے ملنے نہیں آئے؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد لی نے لگاوٹ کے انداز میں وہ سوال کر کے میرے خیالات کی رو توڑ دی۔

''میں دوستوں کی حق تلفی نہیں کرتا۔ چاؤفان تمہاری دوستی کا پہلا حق دار ہے۔ میں اس کی کوششوں کو بار آور ہوتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔''

''پوچھ لو...... اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی'' لی اپنے مراسم کے اظہار کے بارے میں میری توقع سے زیادہ بے باک تھی۔ ''میں بھی دوستوں کی قدر کرتی ہوں۔ اسے ستانے میں مجھے لطف آ رہا تھا لیکن وائٹ ہاک والے واقعے کے بعد میں نے اس کی ساری شکایتیں دور کر دیں۔''

''تم واقعی بہت اچھی ہو۔ میں تمہاری دوستی پر فخر محسوس کرنے لگا ہوں'' چاؤفان نے تشکر آمیز لہجے میں کہا ''تم نے میری زندگی میں رنگ ہی رنگ بکھیر دیے ہیں۔''

''ماسٹر! تم نے سن لیا۔ میں کسی کا دل نہیں توڑتی۔ چاؤفان مجھے کچھ بتانے پر آمادہ نہیں ہے مگر مجھے یقین ہے کہ چھوٹا راجن کو تم لوگوں نے ہی جیتے جی جہنم کی آگ میں جلایا ہے۔ وہ اس سے زیادہ بری موت کا مستحق تھا اور کچھ نہیں تو اس کی موت کی خوشی منانے کے لیے کسی شام میرے گھر آ جاؤ۔ دوسروں کو خوشیاں بانٹنے والی ایک عورت کو کیا تم اتنی خوشی بھی نہیں دے سکتے؟''

''تم فکر نہ کرو'' مجھ سے پہلے چاؤفان بول اٹھا ''میں ماسٹر کو تمہارے پاس لاؤں گا۔ فی الحال میں پارٹی کی تیاریوں میں مصروف ہوں۔ اس سے نمٹنے کے بعد مجھے اور ماسٹر کو فرصت ہی فرصت ہوگی۔ تمہاری ساری حسرتیں پوری ہو جائیں گی۔''

''پارٹی میں، میں ڈان کو پہلی مرتبہ قریب سے دیکھوں گی۔ سنا ہے کہ وہ بھی بہت شاندار آدمی ہے مگر عورت کی عزت کرنا نہیں جانتا؟'' لی بولی۔

''مادام! یہ کیا کہہ رہی ہو'' چاؤفان نے حیرت سے دیدے پھاڑ کر کہا ''ڈان سے زیادہ کون عورت کی عزت کرے گا۔ سارے شہر کو معلوم ہے کہ اپنی بیوی سے سربازار پٹنے کے باوجود اس نے اپنی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ وہ مری ہے تو اب ڈان نے گوشہ نشینی ترک کی ہے۔''

''ان باتوں کو رہنے دو۔ وہ عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتا لیکن اپنی زہریلی زبان سے اس کے چیتھڑے اڑا دیتا ہے۔ وہ الفاظ کو کوڑوں کی طرح استعمال کرتا ہے۔''

لی سنی سنائی باتیں دہرا رہی تھی لیکن وہ حقیقت پر مبنی تھیں۔ ان دونوں کے درمیان گفتگو شروع ہونے کے نتیجے میں لی کے مطالبے سے میری جان چھوٹ گئی۔

انہوں نے دوران گفتگو پارٹی کا ذکر کر کے میرے کان کھڑے کر دیے تھے۔ قرائن بتا رہے تھے کہ وہ ڈان کی واپسی کے جشن کا تذکرہ تھا۔ ڈان نے اسی کے انتظار میں مجھے روکا ہوا تھا۔ پارٹی کے انعقاد کے بعد ڈان کے لیے مجھے بنکاک میں روکنے کا کوئی جواز نہ رہتا۔ مجھے توقع تھی کہ اس اثنا میں جلال کی طرف سے ہم چاروں کے نئے پاسپورٹ بھی آ جائیں گے اور ہم نئے ناموں کے ساتھ تھائی لینڈ کو الوداع کہہ سکیں گے۔

باتوں باتوں میں لی کا گھر آ گیا۔ اسے پورچ میں اتار کر چاؤفان واپس ہولیا۔

''تم اس لفنگی کے ساتھ کہاں آوارہ گردی کر رہے تھے؟'' میں نے لی کے گھر سے نکلتے ہی چاؤفان سے سوال کیا۔

''شان دار سوال ہے'' چاؤفان نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا ''ماسٹر! قصہ یہ ہے کہ مادام کے شہر کی ساری معزز لفنگیوں سے گہرے مراسم ہیں۔ ان میں ماڈلز سے اداکارائیں تک شامل ہیں۔ ڈان نے جشن کے لیے پرسوں کی تاریخ مقرر کر دی ہے۔ میں مادام کے ساتھ چیدہ چیدہ ہستیوں کو دعوت دینے کے مشن پر نکلا ہوا تھا۔''

''راجن کی موت پر یوں کھلا جشن منا کر کہیں ڈان خطرہ مول نہ لے رہا ہو۔ سب جان لیں گے کہ اسی نے راجن کو مروایا ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ بات صرف چند قریبی لوگوں کو معلوم ہے۔ یہ دراصل ڈان کی گوشہ نشینی ختم ہونے کی پارٹی ہوگی۔ ڈان کے نہ چاہتے ہوئے بھی یہ خبر بہت تیزی سے گردش میں آچکی ہے کہ ڈان پر ہاتھ اٹھانے والی عورت تھونگ ری میں ایک ٹرک کے نیچے کچل کر مرگئی اور ڈان نے اس قدرتی انتقام کی خوشی میں اپنی گوشہ نشینی ختم کردی ہے۔''

''پارٹی کے بعد میں یہاں سے جلد از جلد نکلنا چاہوں گا'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''ڈان کی مہمان داری کا انوکھا انداز مجھے راس نہیں آئے گا۔''

''تم کس بات پر آزردہ ہو رہے ہو؟'' اس نے انجان بن کر ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

''چاؤفان! میرے سامنے تمہاری یہ مکاری نہیں چلے گی'' میں نے بگڑ کر کہا ''میں نے لی کی موجودگی کی وجہ سے اپنی زبان بند کرلی ورنہ آج کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ مجھے یہ پٹی پڑھانے کی کوشش مت کرو کہ وہ دو آدمی میری حفاظت کررہے تھے۔''

''ماسٹر! تمہارا غصہ بجا ہے۔ ساری غلطی میری ہے۔ مجھے تم کو پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا کہ اب ہر وقت دو آدمی تمہاری حفاظت کریں گے۔'' اس نے ندامت سے جواب دیا۔

''غلطی نہیں، یہ میرے خلاف کھلی سازش ہے۔ وہ میری نظروں میں نہ آتے تو اس وقت بھی میرا پیچھا کررہے ہوتے۔ وہ اتنے بزدل ہیں کہ انہیں خود اپنی حفاظت کے لیے دو چار آدمی درکار ہیں۔ وہ میری کیا حفاظت کرتے، مجھے کس سے خطرہ ہے......؟ میں ڈان سے پوچھوں گا کہ کیا وہ اسی طرح لوگوں کو اپنا مہمان بنا کر ذلیل کرتا ہے؟''

''تم مجھے جوتے مارلو لیکن خدا کے لیے ڈان سے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ وہ میری چمڑی گرا دے گا'' وہ بوکھلا کر گڑگڑایا ''ڈان کا خیال تھا کہ گارڈ ہوں گے تو تم آزادی اور بے فکری کے ساتھ شہر میں گھوم سکو گے۔''

''اگر میں تمہارا یہ جھوٹ مان لوں تب بھی میرا باخبر ہونا ضروری تھا۔ جب تک مجھے یہ علم نہ ہو کہ دو اُلّو کے پٹھے میری حفاظت کررہے ہیں، میں کیسے بے فکر ہوسکتا تھا؟''

''بس مجھ سے یہی چوک ہوگئی۔ میں اپنے آدمیوں کو ہدایت دے کر مادام کی طرف نکل گیا۔ پرسوں ویک اینڈ ہے، لڑکیوں کی پہلے سے بکنگ ہو جاتی ہے۔ میرے پاس وقت کم تھا۔ میں نے سوچا کہ تمہیں بعد میں بتا دوں گا۔''

''تم فی البدیہہ جھوٹ بولے جارہے ہو'' میرا پارا چڑھنے لگا ''تمہارے بتانے کی سرے سے ضرورت نہیں تھی۔ ان کو اپنا کام شروع کرنے سے پہلے مجھ سے ملنا چاہیے تھا۔''

''میری مت ماری گئی تھی۔ یہ آسان طریقہ میرے ذہن میں نہیں آیا۔'' وہ حجت کرنے کے بجائے ہر بات اپنے اوپر لیے جارہا تھا۔

''کیا یہ ممکن ہے کہ مجھے آج ہی یہ ملک چھوڑنے کی اجازت مل جائے؟'' میں نے دانت پیس کر پوچھا۔

''تم اپنی مرضی کے مالک ہو، تمہیں کون روکے گا۔ سب کچھ تمہارے اور ڈان کے درمیان طے ہوا تھا۔ اسے بتا دو تو میں خود تمہیں رخصت کروں گا۔'' اس نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے وہ معاملہ میرے اور ڈان کے سر ڈال دیا۔

''میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں۔'' میں نے چراغ پا ہو کر اپنی جیب سے موبائل فون نکال لیا۔

''ارے...... ارے...... ماسٹر! یہ کیا کر رہے ہو؟'' اس نے گھبرا کر بریک لگائے اور اسٹیئرنگ کاٹ کر گاڑی اچانک سڑک کے کنارے روک دی ''ڈان تم سے اس اچانک فیصلے کی وجہ جاننا چاہے گا، تم غصے میں ہو، میرے بارے میں تم نے جو کچھ کہہ دیا تو وہ مجھے کچا چبا جائے گا، دماغ ٹھنڈا ہونے کے بعد اس سے ضرور بات کرلینا۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔''

اسی وقت میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے اسی روانی میں تیزی سے ہیلو کہا تو دوسری طرف سے غزالہ بول رہی تھی۔ بازار سے واپسی پر مجھے کمرے میں موجود نہ پا کر وہ فکرمند ہوگئی تھی۔ میں نے اس سے بہت مختصر بات کی۔ خیریت کا اطمینان دلا کر کچھ دیر میں واپسی کا وعدہ کیا اور فون بند کردیا۔ اس دوران میں گاڑی دوبارہ حرکت میں آچکی تھی۔

''تم اپنی زبان میں بات کررہے تھے، تمہاری عو...... عع...... بیوی کا فون ہوگا'' اس نے اپنی عادت کے مطابق عورت کہتے کہتے اپنی تصحیح کرتے ہوئے رائے ظاہر کی۔

''چاؤفان! تم ڈان کے حکم کے بندے ہو۔ میں نے اس کے تبصرے کو نظر انداز کر کے گہری سنجیدگی سے کہا ''مجھے یہاں رہنا ہے نہ میں ڈان کے اقتدار کے لیے کوئی خطرہ بن سکتا ہوں۔ اسے مجھ سے جو کام لینا تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔ اپنی مکاریوں کو چھوڑ کر مجھے سچ سچ بتاؤ کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔ میں اسے تمہارے بارے میں ایک لفظ نہیں بتاؤں گا۔''

غزالہ کی بے محل فون کال کی وجہ سے میرا غصہ کافور ہو چکا تھا۔ سنجیدگی کے ساتھ چاؤفان کو ٹٹول کر میں ڈان کی سوچ تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ جب سے تم آئے ہو، اس نے مجھ سے بات کرنا کم کر دیا ہے۔ جب بھی تمہارا ذکر آتا ہے، وہ تمہاری تعریفوں کے پل باندھ دیتا ہے'' چاؤفان نے پُرخیال انداز میں کہنا شروع کیا ''سچ بات یہ ہے کہ وہ تمہاری کارکردگی کو بڑھا چڑھا کر مجھے اکسانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے شکایت ہے کہ میں دل لگا کر اس کے لیے کام نہیں کرتا، ہر وقت شراب، جوے اور عورتوں کی لت میں مبتلا رہتا ہوں۔ تم نے میرے ساتھ بہت وقت گزارا ہے۔ سچ بتاؤ کہ کیا یہ درست ہے؟''

''وہ تمہارے ساتھ اکثر زیادتی کر جاتا ہے۔ میں نے ہمیشہ اسے یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہے۔'' اس وقت میری ہمدردی اسے سچ بولنے پر آمادہ کر سکتی تھی۔

''تمہاری طرف سے ڈان کے ذہن میں کوئی نئی بات آ گئی ہو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پچھلے شبہات اس کے ذہن سے دھل کر صاف ہو گئے تھے'' اس نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا۔

''تم اس کے کن شبہات کی بات کر رہے ہو؟''

''پرانی باتیں ہیں جو تمہارے سامنے آ چکی ہیں، پہلے اسے شک تھا کہ یہاں کچھ لوگ تمہارے لیے کام کر رہے ہیں۔ ساری بھاگ دوڑ وہ کرتے ہیں، آخر میں تم اپنا کام کر گزرتے ہو۔ پھر اسے تمہاری بڑھتی ہوئی کارگزاری سے شبہ ہوا کہ تم ڈینی ہو اور نام بدل کر اسے فریب دے رہے ہو۔ تم نے اس کا یہ وہم خود دور کر دیا۔''

''میری طرف سے اس کا ذہن صاف ہے تو اسے میرے پیچھے آدمی لگانے کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر پوچھا۔

اس بار چاؤفان کچھ نہیں بولا۔ اس نے میرے تحفظ کی جو رٹ لگائی ہوئی تھی، وہ ختم ہو چکی تھی۔ خاموشی اختیار کر کے اس نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ نگرانی کا معاملہ تھا۔

''اس معاملے میں تم سے ایک بھول ہوئی ہے'' کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''تم نے ڈان سے اپنے دونوں پاسپورٹ لے کر غلطی کی۔ جب تک پاسپورٹ ڈان کے پاس تھے، اسے یہ تسلی تھی کہ اس کی مرضی کے بغیر تم کہیں نہیں جا سکو گے، اب معاملہ مختلف ہے۔''

اس نے اتنے طویل عرصے میں پہلی بار ڈان کے مقابلے میں میری ہمدردی میں زبان کھولی تھی۔ میں نے دھیمی مگر پُرجوش آواز میں شکوہ کیا ''پاسپورٹ میں نے نہیں مانگے۔ راجن کی موت کی خبر سننے کے بعد اس نے خود لوٹائے تھے۔''

''اس نے پہلے بھی لوٹائے تھے اور تم نے لینے سے انکار کر دیا تھا'' اس نے مجھے یاد دلایا۔

''کیا ڈان نے مجھے یہاں اپنا یرغمالی بنایا ہوا ہے؟''

''اسے تم جیسے شیر دل آدمی کی ضرورت ہے۔ ایک آدھ بار وہ تمہیں اپنا دست راست بنانے کا ذکر کر چکا ہے'' اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''مگر میں یہاں نہیں رک سکتا۔ میرا گھربار ہے، دوسری ذمے داریاں ہیں۔ میں ہر حال میں جلد از جلد واپس جانا چاہتا ہوں'' میں نے احتجاج کیا۔

''ڈان شاید یہ نہیں چاہتا۔ سارا اختلاف بس یہی ہے'' چاؤفان نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''یہ تمہارا حق ہے۔ میں نے اس کے لیے چند روز کام کیا ہے، تم دو برسوں سے بلکہ ایک لمبی مدت سے اس کے ساتھ اپنی وفاداری نبھا رہے ہو۔ اگر وہ مجھے تمہارے سروں پر مسلط کرنا چاہ رہا ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔ اس کے خلاف، اندر ہی اندر شورش پروان چڑھے گی اور ایک دن اچانک کوئی ڈان کا گلا کاٹ کر اس کی جگہ سنبھال لے گا۔ میں اس کے ساتھ لگا رہا تو میں بھی بے موت مارا جاؤں گا۔ دونوں کو پنپنے کا موقع نہیں ملے گا۔''

''ماسٹر...... خاموش رہو!'' وہ گھٹی گھٹی، خوف زدہ آواز میں بولا ''اسے تمہاری ان باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ ہم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔''

میں چاؤفان پر نپے تلے وار کر رہا تھا۔ اس کے ہر ردِعمل پر میری گہری نظریں تھیں۔ میری زہرفشانی پر اس نے اعتراض نہیں کیا تھا، اس کا سارا زور رازداری پر تھا کہ میری ان باتوں کی بھنک ڈان کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے۔

''یہاں کون ہے جو ہماری باتیں ڈان کے کانوں میں پھونکے گا۔'' میں نے اس کے رویے سے حوصلہ پا کر بات آگے بڑھائی ''تم یا میں......؟ ہم میں سے کوئی خودکشی کرنا پسند نہیں کرے گا۔ ہم نے ڈان کا دیا ہوا مشن پورا کر دیا۔ اب اندر ہی اندر گھٹنے کی ضرورت نہیں۔ یہ موقع ہاتھ آیا ہے تو ہمیں کھل کر بات کر لینا چاہیے۔ اس کے پاس میری کارکردگی کا صلہ یہ ہے کہ وہ مجھ پر شک کیے جا رہا ہے۔ تمہاری وفاداریوں کا انعام یہ ہے کہ وہ مجھے تمہارے اوپر مسلط کرنے

کے منصوبے بنا رہا ہے۔''

چاؤفان گاڑی کی آرام دہ سیٹ پر بیٹھا، سکون سے ڈرائیونگ کر رہا تھا لیکن اس کے تنفس کی رفتار یوں تیز ہوگئی جیسے وہ دور سے دوڑتا چلا آ رہا ہو۔ اس نے چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان بے بسی سے کہا ''ماسٹر! تمہاری باتیں درست لیکن خوفناک ہیں۔ خدا کے لیے اپنی زبان بند رکھو۔ تم ڈان کو نہیں جانتے۔ وہ اپنے آدمیوں کی سوچ بھی پڑھ لیتا ہے۔ ہم کرہی کیا سکتے ہیں جو ڈان کے سامنے زبان کھولے گا، وہ مارا جائے گا۔''

''ڈان کے سامنے زبان کھولنے کی ضرورت نہیں۔ جس طرح راجن اطمینان سے مارڈالا گیا، اسی طرح سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ بات ذرا سے حوصلے کی ہے۔ تم ہمت کرو تو سارے معاملات ایک رات میں سدھر جائیں گے۔'' میں نے اسے اکسانے کی کوشش کی۔

''نہیں ماسٹر!...... میں ڈان سے بغاوت نہیں کر سکتا'' اس کی جان نکلی جا رہی تھی۔

''ڈان سے بغاوت کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اسے ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچے گا۔ کسی خون خرابے کے بغیر سب کچھ سدھر سکتا ہے۔ مجھے صرف تمہارے ساتھ کی ضرورت ہوگی'' میں نے اسے شیشے میں اتارنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اتنا کچھ کہہ جانے کے بعد میرے لیے پیش قدمی کے سوا کوئی راہ باقی نہیں رہ گئی تھی۔

''بغاوت اور خون خرابا نہیں ہوگا تو تبدیلی کیسے آئے گی؟'' اس نے کسی تنویم زدہ معمول کی طرح کمزور آواز میں کہا۔

''تم تعاون کا وعدہ کرو، میں سب کچھ سمجھا دوں گا'' میں اسے آمادہ کرنے کے لیے بے چین ہوا جا رہا تھا۔

''میں ڈان کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا'' اس نے لمحہ بھر کے لیے میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں ناچ رہی تھیں۔

''میں یقین دلاتا ہوں کہ اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کچھ بھی نہیں ہوگا اور سب کچھ ہو جائے گا...... یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ ذہنی پراگندگی کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔

''سارا فتور میری ذات کا ہے۔ میں یہاں سے نکل گیا تو ڈان کے سامنے صرف تم رہ جاؤ گے۔ وہ تمہیں اپنا دست راست بنا لے گا'' میں نے اسے نیم آمادہ پا کر کہا ''میں یہاں رکنا نہیں چاہتا۔ تم یہاں سے نکلنے میں میری مدد کرو۔ میں بحفاظت تمہارے ملک کی سرحد پار کر گیا تو ڈان کو ذرا سی جھنجلاہٹ کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تمہاری راہ سیدھی ہو جائے گی۔''

''تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں سرحد پار پہنچا دوں؟''

''میں خود فرار ہو جاؤں گا۔ تم پرسوں تک میری نگرانی کرتے رہو'' غیر ارادی طور پر میری آواز دھیمی ہوگئی ''ابھی تم بتا رہے تھے کہ پرسوں ڈان کا جشن برپا ہونے والا ہے۔ وہاں مجھے بھی بلایا جائے گا۔ تم ذرا سی دیر کے لیے وہاں افراتفری پیدا کر دو تو میں نکل جاؤں گا۔ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

''یہ پارٹی بنکاک سے بیس میل دور ایک ساحلی ویرانے میں ہوگی'' اس نے بتایا ''وہاں کسی قسم کی افراتفری پھیلانا ممکن نہیں ہوگا۔''

''مجھے تفصیل بتاؤ، میں تمہیں کوئی نہ کوئی طریقہ بتا دوں گا۔ یہ یاد رکھو کہ تمہارے بہتر مستقبل کے لیے میرا یہاں سے چلا جانا ہی بہتر ہے۔''

''تمہاری سب باتیں درست ہیں۔ یہ بڑی بات ہے کہ تم نے کوئی احسان نہیں جتایا۔ تم جانا چاہتے ہو، میں اوپر آنا چاہتا ہوں۔ تمہارا منصوبہ بھی قابلِ عمل معلوم ہوتا ہے۔ مجھے ایک اندیشہ ہے کہ فرار ہوتے ہوئے تم کہیں راستہ نہ بھٹک جاؤ۔''

''تم اس کی پروا مت کرو۔ یہ میرا دردِ سر ہوگا۔ میں ناکام رہا تب بھی تمہارے لیے کوئی خطرہ پیدا نہیں کروں گا۔ ڈان مجھے فوراً مروا دے گا۔ تم مجھے پارٹی کے بارے میں بتاؤ!'' میں نے مضطرب ہو کر کہا۔

چاؤفان نے مجھے ڈان کی مجوزہ پارٹی کے بارے میں خاص خاص باتیں بتانا شروع کر دیں۔

☆☆☆

حالات نے ایک مرتبہ پھر تیزی سے پلٹا کھایا تھا اور بات یہاں تک آگئی تھی کہ میں نے فوری طور پر تھائی لینڈ کی سرزمین کو خیرباد نہ کہا تو ڈان ایک لمبی مدت کے لیے مجھے اپنا قیدی بنا لے گا۔ میں اس کی رضامندی کے بغیر ملک سے نہیں نکل سکوں گا۔

ڈان مجھ سے کام لینا چاہ رہا تھا۔ بات یہیں تک رہتی تو شاید میں اتنا پریشان نہ ہوتا۔ میرے لیے یہ بات تشویش انگیز تھی کہ ڈان نے کرنل گیری سے پینگیں بڑھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ گیری بنکاک میں ایف بی آئی اور سی آئی اے سمیت بہت

سے امریکی وفاقی اداروں کا اکلوتا نمائندہ تھا۔ اس کی ذات سے مجھے سنگین خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔
یہ کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا کہ میں ان دونوں کے گٹھ جوڑ کے باوجود گیری کی نظروں میں آنے سے بچا رہوں۔ میں سعادت مندی سے ڈان کے احکام کی تعمیل کرتا رہتا تو یہ امر یقینی تھا کہ وہ اپنے امریکی دوست سے میری خوبیوں کا ذکر کرتا اور گیری میری طرف متوجہ ہو جاتا۔
میں بنکاک میں غزالہ کے ساتھ مقیم تھا۔ گیری مجھے اس کے حوالے سے شناخت کر لیتا تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے امریکیوں کے بھیانک چنگل سے نہیں بچا سکتی تھی۔
بیم گن میرے اسباب میں پوشیدہ تھی، زہر اگلنے والی انگوٹھیاں ہر دم میری انگلیوں میں پڑی رہتی تھیں۔ میں بدترین اندیشوں کے باوجود اپنے ان اہم ترین ہتھیاروں کے اتلاف کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ امریکی ایک بار میری طرف متوجہ ہو جاتے تو ذرا سی محنت سے ان ہتھیاروں کی موجودگی کا سراغ لگا لیتے جو مجھے ڈینی ثابت کرنے کے لیے کافی ہوتے۔ وہ میرے ساتھ جلال کی بھی بدترین ناکامی ہوتی۔ میرے نام پر پاکستان میں پکڑے ہوئے دو قیدیوں کا فریب کھل جانے کے بعد وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔ ان گمبھیر حالات سے بچنے کے لیے ہمارا تھائی لینڈ سے نکلنا ضروری ہو گیا تھا۔
مجھے توقع تھی کہ مجھے جلال کی طرف سے کسی بھی وقت چاروں نئے پاسپورٹ مل جائیں گے اور ہم ان کی مدد سے بنکاک سے روانہ ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ پھر بھی میں نے چاؤفان کے ساتھ اپنے فرار کا متبادل منصوبہ بنا لیا تھا۔

اس متبادل منصوبے سے مجھے دو فائدے حاصل ہوئے تھے۔ چاؤفان کی ہمدردیاں جیت کر میں نے ڈان کے جاں نثاروں کی ناقابلِ شکست صف میں زبردست دراڑ ڈال دی تھی۔ چاؤفان نے سمجھ لیا تھا کہ اس کی ترقی کے لیے میرا نکل جانا ضروری ہو گیا تھا۔ دوسرا بڑا فائدہ یہ تھا کہ جلال کی طرف سے پاسپورٹوں کی فراہمی میں کسی ناگزیر تاخیر کی صورت میں بھی ہمیں بنکاک میں دو دن سے زیادہ نہ رکنا پڑتا۔

غزالہ کی دانست میں چاؤفان کی رضامندی میری زبردست کامیابی تھی۔ وہ ڈان کا پرانا اور منہ چڑھا ساتھی تھا جو سوچے سمجھے بغیر ڈان کے ہر حکم کی تعمیل کو اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس نے ڈان کی ضرورت کو فراموش کر کے اپنے مفاد کے بارے میں سوچا تھا تو یہ بڑی بات تھی۔
''اگر ڈان آپ کی طرف سے اتنا فکر مند ہے تو آپ کو پاسپورٹ اس کے حوالے کر دینا چاہئیں'' غزالہ نے میری روداد کی روشنی میں مشورہ دیا ''کم از کم رات دن کی نگرانی سے تو آپ کی جان چھوٹ جائے گی۔''
''مسئلہ یہ ہے کہ پھر ہمارے پاس کوئی شناخت باقی نہیں رہے گی'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔
''اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس ہوٹل میں ضرورت تھی تو ہم یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اب تک ان کی ضرورت پیش نہیں آئی، اب کیا آئے گی۔''
وہ اپنی دانست میں صحیح مشورہ دے رہی تھی لیکن وہ فیصلہ اتنا آسان نہیں تھا۔ اگر کسی وجہ سے ہمارے نئے پاسپورٹ نہ آتے تو فرار کی صورت میں کسی اور ملک میں داخل ہونے کے لیے ہمیں ان دستاویزات کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ اس بارے میں چاؤفان سے بات کیے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اسے تھائی لینڈ کے سرحدی حالات کا جائزہ لینے کے بعد مجھے یہ بتانا تھا کہ ہمارے لیے کون سی سمت بہتر رہے گی۔ میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہا ''آج کا دن گزر گیا۔ اس بارے میں کل سوچ کر فیصلہ کروں گا۔''
''ڈان دوست کے روپ میں رفتہ رفتہ خطرہ بنتا جا رہا ہے'' وہ پُرتشویش لہجے میں بولی ''وہ دونوں مقابلے پر جم جاتے تو آپ مشکل میں پڑ جاتے۔''
''مجھے غصہ بھی موقع محل دیکھ کر آتا ہے۔ ان پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ انہوں نے مجھ سے اڑنے کی کوشش کی تو انہیں پل کی دیوار سے نہر میں اچھال دوں گا۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا ''ڈان بھی اپنی قسم کا اکلوتا انسان ہے۔ دراصل جو لوگ خود کام کرنے کے بجائے دوسروں پر انحصار کرتے ہیں، وہ ذرا ذرا سی بات پر بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں......''
''آپ کی طرف سے اس کی بدگمانی بے بنیاد نہیں ہے'' وہ میری بات کاٹ کر بولی ''یہ دیگر بات ہے کہ آپ اس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو گئے۔''
''اب مجھے بے چینی سے پرسوں رات کا انتظار ہے۔ یہ قصہ طول پکڑتا جا رہا ہے۔ میں ڈان سے بری طرح اکتا گیا ہوں۔''
''سلطان شاہ اور ویرا کے بارے میں آپ نے کیا سوچا؟'' وہ ان دونوں کی طرف سے کبھی غافل نہیں رہتی تھی۔
''اب انہیں یہاں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ پال کی ہلاکت

کے بعد ان کے لیے خطرات بہت بڑھ گئے ہیں۔ وہ بھی ہمارے ساتھ نکلیں گے۔''
''ان کو پہلے سے بریف کرنا ہوگا'' اس نے زور دے کر کہا۔
''کچھ طے ہو جائے تو ضرور بریف کروں گا۔''
''آپ نے اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر نہیں دیکھی۔ سارجنٹ پال کی ہلاکت کی تفتیش کے سلسلے میں پولیس کو ریٹا اور اکبر کی تلاش ہے۔''
''خبر نامکمل ہے۔'' میں نے جواب دیا ''پولیس کے علاوہ بہت سے لوگ انہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ ان دونوں کو ان حقائق کا علم ہے۔''
ہمارے درمیان دیر تک تازہ حالات اور مسائل کے بارے میں بات ہوتی رہی۔ غزالہ کو میں نے ابتدا سے عملی میدان سے الگ تھلگ رکھا تھا لیکن ہمارے درمیان کھل کر ہونے والے تبادلۂ خیال کی وجہ سے وہ حالات کا گہرا ادراک رکھتی تھی۔ اس کے مشورے ہمیشہ اہم اور دور رس اثرات کے حامل ہوتے تھے۔
جلال ہم سے ہزاروں میل دور بیٹھا ہوا تھا۔ اسے ہمارے حالات کی نزاکت کا شاید ہم سے زیادہ احساس تھا۔ مجھے کامل یقین تھا کہ وہ کام پورا ہونے کے بعد ہمارے نئے پاسپورٹ روانہ کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرے گا پھر بھی میں نے غزالہ کے ایما پر تازہ ترین پوزیشن جاننے کے لیے اسے فون کر لیا۔
لائن ملی تو پتا چلا کہ وہ پاکستان کے بجائے دبئی میں بیٹھا ہوا تھا جہاں اسے انسانی اسمگلنگ کے موضوع پر ہونے والی ایک بین الاقوامی کانفرنس میں اپنے ملک کی نمائندگی کرنا تھی کیونکہ پہلے سے نامزد کیا ہوا افسر اچانک صاحب فراش ہو گیا تھا۔
''تم فکر نہ کرو۔ میں تمہارا کام ایک قابل اعتماد آدمی کے سپرد کر کے آیا ہوں۔ تمہیں جلد ہی سب کچھ مل جائے گا۔'' تمہیدی گفتگو کے بعد اس نے اصلی موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔
''انتظار کا وقت گزر گیا۔ ہمارے پاس صرف کل کا بلکہ پرسوں شام تک کا وقت ہے۔ اس کے بعد سب بے کار ہو جائے گا۔'' میں نے اسے بتایا۔
''کیوں...... پرسوں کیا ہو رہا ہے؟'' میرے جواب نے اسے چونکا دیا۔
''ڈان گھٹیا حرکتوں پر اتر آیا ہے۔ ہم یہاں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتے۔ تمہاری طرف سے کچھ نہ ہوا تو میں دوسری راہ اختیار کروں گا۔''
''میں خود بھی اپنی جگہ پر موجود ہوتا تو یہ کام اتنی جلدی نہیں ہو سکتا تھا۔ ویرا کے معاملات ذرا پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ کئی ملکوں کا معاملہ ہے۔ پھر بھی میں تاکید کیے دیتا ہوں۔ تم دوسری کس راہ کا ذکر کر رہے ہو؟''
''کوئی غیر قانونی راہ تلاش کرنا ہوگی۔ وہی جس کے تدارک کے لیے دبئی میں کانفرنس ہو رہی ہے یا پھر پرانے کاغذ استعمال کرنا ہوں گے۔''
''تم دونوں ایسا کر سکتے ہو۔ اکبر اور ریٹا کو اس خطرے میں نہ ڈالنا۔ ان کے لیے انتظار ہی بہتر رہے گا۔'' اس کا ذہن ہر طرف کام کر رہا تھا۔
''وہ ویسے ہی خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ پال زخموں کی تاب نہ لا کر مر چکا ہے اور پوری سرگرمی سے ان دونوں کی تلاش شروع ہو چکی ہے۔ چاروں پر ایک ساتھ مسائل حملہ آور ہوئے ہیں۔ یہ سمجھ لو کہ ساتھ جینے اور ساتھ مرنے والی افسوس ناک پوزیشن آ گئی ہے۔''
''میں حیران ہوں۔ کل تک کامیابیاں تمہارے قدم چوم رہی تھیں۔ حالات پوری طرح قابو میں تھے۔ یکایک کہاں گڑبڑ ہو گئی!''
''یکایک کچھ نہیں ہوا۔ پہلے سے کھچڑی پک رہی تھی، بھید اب کھلا ہے۔''
''مجھے بتاؤ کہ میں یہاں سے تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں!'' اس کی آواز سے شدید اضطراب کا اظہار ہو رہا تھا۔
''بس دعا کرتے رہو، اگر پرسوں شام تک کاغذات مل سکیں تو یہ سب سے بڑا کام ہوگا۔''
''میں جھوٹی امید نہیں دلا سکتا۔ بہ ظاہر ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آ رہا۔ تین چار دن کوریر سروس والے لے لیتے ہیں پھر بھی میں کوشش کروں گا۔ مجھے تمہاری ضروریات کا اندازہ ہے۔ کام بن گیا تو اسلام آباد سے کسی آدمی کو وہاں بھیج دیا جائے گا تاکہ وقت بچ سکے۔ اس وقت تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا متبادل منصوبہ کیا ہے۔''
''ابھی سب چوکنا ہیں۔ ڈان کے آدمی میرا پیچھا کرتے ہیں۔ پرسوں رات وہ اپنی کامیابی کا جشن منا رہا ہے۔ رات بھر سب اسی میں لگے رہیں گے۔ ہم ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر نکل جائیں گے۔'' میں نے اختصار سے بتایا۔
''معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تمہارے ذہن میں بھی مکمل خاکہ نہیں بن سکا۔'' اس نے میرے ادھورے جواب سے صحیح

اندازہ لگالیا۔
''تم صحیح سمجھ رہے ہو۔'' میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا ''یہ راہ ابھی کچھ دیر پہلے سجھائی دی ہے۔ منصوبے کے خدوخال میرے ذہن میں بھی واضح نہیں ہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ اب ہمیں یہاں سے نکل جانا ہے۔''
''وہ خطہ تمہارے لیے اجنبی ہے۔ میں ڈر رہا ہوں کہ تم کہیں آسمان سے گر کر کھجور میں نہ اٹک جاؤ۔''
اس نے اپنی تشویش کا اظہار کیا ''بہتر یہی ہوتا کہ تم بدلے ہوئے درست کاغذات پر وہاں سے خاموشی سے روانہ ہوتے......''
''اب بھی میری پہلی ترجیح یہی ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کے کہا ''مگر میں تمہاری مجبوریاں سمجھ رہا ہوں۔ دوسرے طریقے کو میں بہ حالت مجبوری بروئے کار لاؤں گا۔''
''بہت اچھا ہوا کہ تم نے اس وقت مجھے بریف کر دیا۔ تم کدھر کا رخ کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟''
''اس کا فیصلہ ہونا باقی ہے، ہم جدھر بھی گئے، تمہیں اطلاع مل جائے گی۔''
''سب کچھ غیر یقینی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم اپنے گمبھیر مسائل پر کیسے قابو پاؤ گے۔ تم چند روز صبر کر لیتے تو یہ سب سہل ہو جاتا۔''
''میں خود بھی یہ بات سمجھ رہا ہوں۔ اب یہاں چند روز تو کیا چند گھنٹے گزارنا بھی خطرناک ہو گیا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔''
اس نے میری کامیابی کی دردمندانہ دعاؤں اور پاسپورٹوں کے معاملے پر تیز ترین کارروائی کے وعدوں کے ساتھ گفتگو ختم کر دی۔
جاؤفان سے مفاہمت اور تعاون کی فضا پیدا ہو گئی تھی، جلال کو بریف کر دیا گیا تھا۔ اب ویرا اور سلطان شاہ کو آگاہ کرنا باقی رہ گیا تھا۔
وہ دونوں ہوٹل سے نیو بیچ بری کے علاقے میں منتقل ہو چکے تھے۔ ملاقات کے لیے میرا ان کے گیسٹ ہاؤس کی طرف جانا مناسب نہیں تھا۔ بہتر یہی تھا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو کہیں بلا لیا جائے۔
اس سے پہلے سیام پارک کے ایک گوشے میں ہم چاروں یکجا ہو چکے تھے۔ وہ جگہ سب کی دیکھی بھالی تھی۔ میں نے فون کیا تو خلاف توقع سلطان شاہ سے بات ہوئی، اس نے بتایا کہ ویرا گیسٹ ہاؤس کی ادھیڑ عمر مالکن سے لابی میں گپ شپ کے دوران اس اخباری اطلاع کے بارے میں اس کی رائے جاننے کی کوشش کر رہی تھی جس کے مطابق پولیس کو پال کی ہلاکت کے سلسلے میں ایک پاکستانی جوڑے کی تلاش تھی۔
اس خطرناک موضوع پر کسی مقامی سے بات چیت کرنا مخدوش تھا مگر ویرا ہوشیار تھی۔ میں پس منظر جانے بغیر اس کے فیصلے کی تنقیص نہیں کر سکتا تھا۔
میں نے ان دونوں میں سے کسی ایک کو آدھے گھنٹے میں سیام پارک کی پرانی جگہ پر پہنچنے کے لیے کہا تو سلطان شاہ نے اس بارے میں کوئی بھی سوال کیے بغیر رضا کارانہ طور پر بتایا کہ وہ ویرا کو وہاں بھیج دے گا۔ میرے لب و لہجے سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کوئی اہم بات مجوزہ ملاقات کی محرک بنی تھی۔
ان دونوں کے درمیان ذاتی معاملات پر کشیدگی ہونے کے باوجود کام کے معاملے میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ سلطان شاہ کھل کر ویرا کی ذہانت کا اعتراف نہ کرنے کے باوجود اپنے عمل سے یہ ثابت کرتا رہتا تھا کہ وہ ویرا کی صلاحیتوں کو تسلیم کرتا ہے۔ خود آنے کے بجائے ویرا کا نام تجویز کر کے اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی معقولیت ثابت کر دی تھی۔
میں کمرے سے نکلنے والا تھا کہ جاؤفان کی کال آگئی۔
''ماسٹر......! اپنے پاسپورٹ لے کر آجاؤ' میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' اس کی آواز میں سدابہار شوخی مفقود تھی۔ ڈان کی مرضی کے خلاف مجھ سے گٹھ جوڑ کرتے ہی وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اپنا پیغام دیتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔
جاؤفان کی وہ ہدایت میرے لیے ناقابلِ فہم تھی۔ اس سے یہ ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ میری سازش میں شامل ہوتے ہی اس نے تیزی سے کام شروع کر دیا تھا۔
میں نے غزالہ سے کہا کہ وہ ویرا یا سلطان شاہ کو فون کر کے یہ بتا دے کہ مجھے سیام پارک پہنچنے میں تاخیر ہو جائے تو میرا انتظار کیا جائے۔ میں نے دونوں پاسپورٹوں کا لفافہ سنبھالا اور جاؤفان سے ملنے کے لیے روانہ ہو گیا۔
جاؤفان اپنی گاڑی میں بے چینی سے میرا منتظر تھا۔ میرے سوار ہوتے ہی اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ میں نے لفافہ اپنی جیب سے نکال کر اس کی گود میں ڈال دیا۔
''تمہیں ان کی کیا ضرورت پیش آگئی؟'' میں نے نرمی سے پوچھا۔
''ماسٹر! یہ تمہارے لیے بے کار ہو چکے ہیں۔'' اس نے

ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ''ڈان نے اپنے پرانے اثر رسوخ کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ امیگریشن کے ڈائریکٹر جنرل سے اس کے پرانے مراسم تھے۔ اس کے آدمی ڈان کی کلیرنس کے بغیر تمہیں یہاں سے نہیں نکلنے دیں گے۔ کسی نہ کسی بہانے سے تمہیں آف لوڈ کرا دیا جائے گا۔''

''اب تمہیں اندازہ ہوا کہ ڈان کے بارے میں میری سوچ غلط نہیں ہے؟'' میں نے کہا۔

''مجھے پہلے سے ان باتوں کا اندازہ تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ تم نے یہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کرلیا۔ تم ڈان کی خوشنودی حاصل کرنے کے چکر میں پڑ جاتے تو ڈان کے ساتھ تمہارے لیے بھی سنگین خطرات پیدا ہو جاتے۔ کوئی دل جلا تمہارے پیچھے لگ سکتا تھا۔''

''تمہیں ان پاسپورٹوں کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' میں نے اپنا ابتدائی سوال دہرایا۔

''میں ڈان سے کہہ چکا ہوں کہ تم نے پارٹی کے بعد اپنی سیٹ کی بکنگ کروانے کے لیے اپنے پاسپورٹ مجھے دے دیے ہیں۔'' وہ بولا'' یہ سننے کے بعد ڈان نے مجھے امیگریشن والی بات بتائی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ میں پاسپورٹ ایک طرف ڈال کر بھول جاؤں۔ چند روز بعد تمہیں بتا دیا جائے گا کہ پاسپورٹ کہیں گم ہو گئے۔ یہ الزام میرے سر آئے گا۔''

''ڈان نے پہلے ہی طنز کیا تھا کہ تم ہمارے پاسپورٹ لمبی گھوڑی کی ناند میں بھول آؤ گے۔''

''ماسٹر! میں اتنا بھولا اور بے وقوف نہیں ہوں جتنا نظر آتا ہوں۔'' اس نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا'' ڈان عمر اور تجربے میں مجھ سے بہت بڑا ہے۔ اس نے مجھے پروان چڑھایا ہے اس لیے میں اس کی ہر بات ہنس کر سہہ لیتا ہوں۔ میرے سامنے دوسروں کا دم نکلتا ہے۔'' وہ لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا'' تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔ تمہاری روانگی کے سارے راستے بند کر دینے کے بعد ڈان نے تمہیں آزادی دے دی ہے۔ پاسپورٹ میرے قبضے میں آجانے کے بعد تمہاری نگرانی کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔''

میں نے دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیا۔ میرے لیے وہ بڑی خوش خبری تھی۔ مجھے یہ فکر لاحق ہو گئی تھی کہ میں سیام پارک میں ویرا سے ملنے گیا تو سب سے پہلے مجھے اپنا تعاقب کرنے والے کو پہچان کر جل دینا ہو گا ورنہ ویرا بھی اس کی نظروں میں آجائے گی۔

''اچھا ہے!'' میں نے اس پر اپنی دلی مسرت کا اظہار کیے بغیر سرسری لہجے میں کہا'' لیکن کاغذات بلکہ پاسپورٹوں کے بغیر میں کیا کروں گا۔ کسی اور سرحد میں قدم رکھنے کے لیے ان کی ضرورت ہو گی۔''

''ماسٹر......! یہ تمہارے ساتھ میرے لیے بھی زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔'' اس کی پوری شخصیت اس وقت بدلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ متانت اور تفکر کے ساتھ کہہ رہا تھا'' تم نے میرے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی ہے۔ تم سے الگ ہونے کے بعد میں اس بارے میں مسلسل سوچتا رہا ہوں۔ یہاں سے کمبوڈیا کی سرحد سب سے قریب ہے۔ تم تین چار گھنٹوں میں وہاں پہنچ سکتے ہو۔ وہ غریب اور پس ماندہ ملک ہے۔ سرحدی اہل کار ڈھیلے ڈھالے اور رشوت خور ہیں۔ تمہاری جیب میں ڈالر ہوں تو تمہیں سرحد پار کرنے کے لیے کسی کاغذ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

ڈان سے مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ ہمارے فرار کے بعد ہمارا سراغ لگانے کے لیے زیادہ ہاتھ پیر مارے گا۔ پرانے پاسپورٹ استعمال کرنے کی صورت میں یہ قوی اندیشہ... بہر حال موجود تھا کہ دیر سویر سے گیری کے آدمی ریٹا اور اکبر کی اگلی منزل کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے میرے ذہن میں مسلسل غیر قانونی فرار کی تجویز گردش کر رہی تھی۔ اس پر کس طرح عمل ہو سکے گا...... میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب موجود نہیں تھا۔

میں نے جلال سے بھی اس مبہم تجویز کا ذکر کر دیا تھا۔ میں موقع نکال کر جاوًفان سے اس بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے اپنے طور پر کمبوڈیا میں گھسنے کی تجویز پیش کر کے میری بہت بڑی مشکل آسان کر دی تھی۔ اپنے تابناک مستقبل کے لیے وہ دل و جان سے میرے فرار میں مدد دینے کے لیے آمادہ ہو چکا تھا اور اس کے عملی ثبوت فراہم کر رہا تھا۔

''تمہارا مشورہ معقول ہے۔'' میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا'' سوال ماسٹر پلان کا ہے، اس پر عمل کیسے ہو سکے گا؟'' میں نے بوجھ اس پر ڈال دیا۔

''سب ہو جائے گا۔ پنڈال کے باہر چوری کی گاڑی تمہیں تیار ملے گی۔ ہلکے ہتھیار سے خورونوش کی چند چیزوں سمیت تمہیں سب کچھ اس میں ملے گا۔ سیٹ پر راستے کا نشان زدہ نقشہ موجود ہو گا۔ چابی اگنیشن میں لگی ہوئی ہو گی۔ تم خاموشی سے وہاں سے نکلو گے اور سرخ روٹ پر سفر کرتے ہوئے، صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے کمبوڈیا کی حدود میں داخل ہو جاؤ گے۔ پارٹی میں سب اپنی دھن میں مگن ہوں گے۔ کسی

کو تمہارا دھیان نہیں آئے گا، وہاں کوئی افراتفری پھیلائے بغیر تم خاموشی سے نکل جاؤ گے۔''

اس نے ایک ہی سانس میں ایسا جامع منصوبہ پیش کر ڈالا کہ اس کی طرف سے میرے دل میں یہ شک پیدا ہو گیا کہ کہیں وہ مجھے ڈبل کراس نہ کر رہا ہو۔ ابتدا سے میرے ساتھ اس کا رویہ تابع دارانہ رہا میں جو کچھ کہتا' وہ اس پر دل و جان سے عمل کرنے کی کوشش کرتا۔ اس کی اپنی صلاحیتیں کبھی بھی ابھر کر سامنے نہیں آسکیں۔

لوپ بوری میں اس کے آدمیوں کے ساتھ سوبھراج کا محاصرہ کرنے کے دوران میں یہ بات بھی واضح ہو گئی تھی کہ اس کے پاس لڑنے مرنے والی نفری کی کمی نہیں تھی لیکن وہ سب غیر تربیت یافتہ تھے۔ کسی منظم مقابلے میں ڈٹ کر لڑنا ان کے بس سے باہر تھا۔ ان کی اس خامی سے چاؤ فان کی اپنی کمزوری کا اظہار ہوتا تھا۔

اس کی بات مکمل ہونے پر مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ ایک طرف مجھے فرار کی آسان راہ دکھا رہا ہو اور دوسری طرف ڈان کو اعتماد میں لے چکا ہو تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی کشتیاں جلا کر اس پر بھروسا کیا تھا۔ اسے یہ بات بھی میں نے سمجھائی تھی کہ میں اس کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ میرے منظر سے ہٹ جانے کے بعد وہ ڈان کا اکلوتا منظور نظر بن جاتا۔

اسے وہ سب بتاتے ہوئے میرا ذہن صرف ایک رخ پر کام کر رہا تھا کہ وہ مجھے تھائی لینڈ سے نکلنے میں مدد فراہم کرے گا۔ دل میں اس کی طرف سے شک پیدا ہونے کے بعد یہ امکان بھی نظر آنے لگا کہ چاؤ فان کی ترقی کا راستہ صاف ہونے کے لیے میرا تھائی لینڈ سے نکلنا ضروری نہیں تھا۔ وہ مجھے ڈان کی نظروں میں گندا کر کے بھی اپنا مقصد حاصل کر سکتا تھا۔

چوری کی کار میں فرار ہوتے ہوئے اگر ڈان کے آدمی مجھے رنگے ہاتھوں پکڑ لیتے تو میں کہیں کا نہ رہتا۔ میں ڈان کے ہولناک عتاب کا نشانہ بن جاتا، چاؤ فان اپنی مخبری کی بنا پر ڈان کے لیے عزیز تر ہو جاتا اور یوں وہ ایک تیر سے دو شکار کر لیتا۔ اس کے دل میں یہ خلش بھی پیدا نہ ہوتی کہ اس نے ڈان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کیا ہے۔

میرے پاس ایسا کوئی پیمانہ نہیں تھا جس کی مدد سے میں چاؤ فان کی نیت کا صحیح اندازہ لگا سکوں۔ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا ''اس منصوبے میں کتنے آدمی تمہارے راز داں ہوں گے؟''

''ماسٹر! اس بارے میں تو میں اپنے سگے باپ پر بھی بھروسا نہیں کروں گا۔'' اس کے بے ساختہ جواب نے میرے دل و دماغ کا بوجھ ہلکا کر دیا ''میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم ابھی تک ڈان کو نہیں سمجھ سکے، وہ دل کی باتیں پڑھ لیتا ہے۔ تمہارے ارادوں کو سمجھ رہا ہے لیکن جان بوجھ کر تم سے کھیل رہا ہے۔ میں نے کسی کو اعتماد میں لیا تو وہ ڈان کے سامنے میرا بھانڈا پھوڑ دے گا۔ ابھی میرا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

ذہن سے بوجھ ہلکا ہوتے ہی میں ہنس دیا۔ ''چوری کی کار کہاں سے آئے گی...... اس میں سب سامان کون فراہم کرے گا۔''

''ابھی تمہیں میری صلاحیتوں کا اندازہ نہیں ہے۔'' اس نے برا مان جانے والے انداز میں کہا ''میرے آدمی شہر میں وارداتیں کرتے رہتے ہیں۔ میں ان میں سے کوئی گاڑی روک لوں گا۔ کوئی مجھ سے سوال کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ گاڑی کو تیار کر کے میں خود وہاں پہنچاؤں گا۔''

''مسروقہ گاڑی کمبوڈیا میں پائی جائے گی تو سب کچھ سامنے آجائے گا۔'' میں اس ملاقات میں چاؤ فان سے ہر منفی پہلو پر بات کرنا چاہ رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کے بعد مجھے اس سے تفصیلی بات چیت کا موقع نہیں مل سکے گا۔ اسے میرے فرار کی تیاری کے ساتھ ڈان کی پارٹی کے لیے جنگل میں منگل منانے کا بندوبست کرنا تھا۔

''اسے بھول جاؤ۔ تم اس خطے سے واقف نہیں ہو اس لیے یہ سب سوچ رہے ہو۔ اچھا ہوا کہ تم نے نکتہ اٹھا لیا۔ سرحد پر تمہارا ایک ڈالر بھی خرچ نہیں ہوگا۔ تم زبردست باتیں کرتے ہو۔ اگر تم کورو کنے والے انگریزی سے واقف ہوئے تو تم انہیں آسانی سے گاڑی کے لالچ میں پھانس لو گے، ڈالروں کے بجائے نئی گاڑی ان کے لیے بڑا انعام ہوگی۔ سرحد سے نوم پنہہ تک چوروں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ گھنٹا بھر میں پتا بھی نہیں چلے گا کہ وہ گاڑی کہاں گئی۔ انجن اور پرزے کھل کر بازار میں پھیل جائیں گے۔ چیسز گیس سے کاٹ کر کسی کباڑی بازار میں بیچ دیا جائے گا۔''

''کسی وردی والے کو رشوت کی پیش کش کرنا آسان نہیں ہوتا۔'' میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ ''ان میں سے کوئی ایمان دار ٹکرا گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔''

''ماسٹر! آج میں پہلی بار تمہیں نروس دیکھ رہا ہوں۔ تمہیں بہت کچھ کرنا ہوگا۔ ایسے لین دین طے کرنے میں دونوں فریقوں کی صلاحیتوں کا امتحان ہو جاتا ہے۔ یہ یقین رکھو کہ کوئی نخرے دکھاتا ہے تو وہ اپنی بولی بڑھوانے کی خواہش

رکھتا ہے۔''

اس وقت چاؤ فان بہت ٹھوس اور کار آمد باتیں کررہا تھا۔ اس کی گفتگو میں حماقت یا فضول گوئی کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔ ان تبدیلیوں کا سبب ایک ہی ہوسکتا تھا کہ وہ ڈان کی غلامی کی زنجیر توڑ کر اپنا فیصلہ خود کرنے کا ارادہ کرچکا تھا۔

اس کی طرف سے میرے دل و دماغ میں جنم لینے والے خدشات کمزور پڑنے لگے۔ وہ اتنا مکار نہیں تھا کہ مجھے دھوکا دے کر میرے سامنے اپنے دل کا چور چھپا سکے۔

''میں ذرا بھی نروس نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ پارٹی سے نکلنے کے بعد سب کچھ مجھے کرنا ہے۔ میں صرف تمہارے تجربات کا نچوڑ جاننے کی کوشش کررہا ہوں۔''

''میں نے اپنی زندگی میں ایک ہی بات سیکھی ہے۔ دوسروں کا خیال رکھنے کے بجائے اپنی منزل پر نگاہ رکھو۔ کوئی راستے میں آتا ہے تو اسے کچلتے ہوئے آگے بڑھ جاؤ۔''

''مجھے حیرت ہے۔ آج تم فلسفہ بول رہے ہو۔ ایسا تو نہیں کہ اس وقت تم میرے اوپر بھی اپنے اس سبق کا اطلاق کررہے ہو؟'' موقع میسر آتے ہی میں نے تمسخرانہ انداز میں اس سے وہ اہم سوال کرڈالا۔

''میرے دل میں تمہارے لیے عزت اور محبت ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھا ہے میں تم کو دغا نہیں دوں گا۔''

''عزت کہہ لو۔ تمہاری محبت لی کے نام ہے جو آج بھی تمہارے ساتھ گھوم رہی تھی۔'' میں نے گفتگو کا بوجھل پن دور کرنے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''ماسٹر! اس کا ذکر نہ کرو۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''عورت بھی عجیب شے ہے۔ جب تک وہ مزاحمت کرتی رہتی ہے۔ مرد اس کے پیچھے دیوانہ وار بھاگتا رہتا ہے۔ اسے پالینے کے بعد ساری امنگ ختم ہوجاتی ہے اور نیا دور شروع ہوجاتا ہے جس میں عورت اسے ڈھونڈتی پھرتی ہے۔''

چاؤ فان نے اپنی طبیعت کے ہرجائی پن کو ایک کلیے کے طور پر بیان کرڈالا۔ عورتوں کے بارے میں اس کی سوچ بہت سطحی اور عامیانہ تھی۔ بہتر یہی تھا کہ اس سے اس موضوع پر کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے۔

میں نے اپنی غلطی کا ازالہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''پارٹی سے نکلنے کے لیے کون سا وقت موزوں رہے گا؟'' وقت کا تعین ہونا ضروری تھا تاکہ میں ویرا کو اسی کے مطابق وقت دے سکوں۔

''پارٹی کے لیے آٹھ بجے کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔ ہلکی پھلکی شرابوں کا دور چلے گا۔ دس بجے تک کھانا شروع ہوجائے گا۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہنا شروع کیا ''پھر رقص و سرود کی محفل شروع ہوگی۔ آدھی رات تک سب اپنی اپنی ذات میں گم ہوجائیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ تمہارے لیے ایک بجے کا وقت مناسب ہوگا۔ صبح کے پانچ چھ بجے تک تم کمبوڈیا میں ہوگے۔''

''میں صحیح سلامت وہاں پہنچ گیا تو تم کو ضرور اطلاع دوں گا۔''

''بھول کر بھی یہ غلطی نہ کرنا۔ پتا نہیں اس وقت میں کہاں اور کس حال میں ہوں۔ ڈان کا رات بھر کا پروگرام ہے۔ شراب اور شباب کا خمار سب کو بے حال کردے گا۔'' اس نے جلدی سے کہا ''تم نڈر آدمی ہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم صاف نکل جاؤ گے۔''

''نگرانی ختم ہوچکی ہے یا ہونے والی ہے؟'' میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

''میں نے بتایا نا کہ اب میدان صاف ہے، تمہیں اپنا کوئی بندوبست کرنا ہے تو ابھی سے تیاری شروع کرلو...... بتاؤ میں تمہیں کہاں اتاروں!''

''مجھے کسی تیاری کی ضرورت نہیں، مجھے ہوٹل پر ہی چھوڑ دو!''

اس منصوبے کی تیاری کے سلسلے میں چاؤ فان کے ساتھ میرے رویے میں نمایاں تبدیلی آگئی تھی۔ اس نے بے مصرف باتوں کا سلسلہ موقوف کردیا تھا۔ جواب میں، میں نے بھی بالا دستی کا اظہار ترک کردیا تھا۔ واپسی میں وہ ناصحانہ انداز میں مجھے سفر کی جزئیات سے آگاہ کرتا رہا۔ وہ کمبوڈیا کے راستے پر کئی بار سفر کرچکا تھا۔ مسروقہ گاڑیوں کے لین دین میں کوئی تنازع ہونے کی صورت میں اسے خود وہاں جانا پڑتا تھا۔

میرے لیے یہ انکشاف تسلی بخش تھا کہ وہ مجھے سنے سنائے مشورے دینے کے بجائے اپنے ذاتی تجربات سے آگاہ کررہا تھا۔ اسے سرحد پار آنے جانے میں کبھی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ سو ڈالر کا نوٹ ہمیشہ اس کے لیے پروانہ راہ داری ثابت ہوتا رہا تھا۔

میں نے دل ہی دل میں حساب لگایا کہ چاؤ فان کے حساب سے ہم چاروں کے لیے چار پانچ سو ڈالر کا نذرانہ پیش کرنا کافی ہوتا۔ اس کے عوض ہزاروں ڈالر مالیت کی گاڑی کی پیش کش ہمیں مشکوک بنا سکتی تھی۔

میں نے اس بارے میں چاؤ فان کو مزید کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ اپنی عقل کے مطابق مجھے مشورے دے چکا تھا۔

سرحد پر پیش آنے والے حالات کے مطابق ان پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا دارومدار میری مرضی پر تھا۔

وہ مجھے ہوٹل کے قریب اتار کر رخصت ہو گیا۔

میں اپنی جگہ کھڑا اس کی گاڑی کو اپنی نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہوا دیکھتا رہا پھر میں بھی اس سمت میں آگے بڑھ گیا۔

ہلٹن ہوٹل سے سیام پارک کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ویسے بھی میں چاؤ فان کی یقین دہانی کے باوجود پیدل چل کر اپنا یہ اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ کوئی میرا پیچھا نہیں کر رہا تھا۔

میں اس بارے میں مطمئن ہو کر سیام پارک میں بنی ہوئی چھوٹی سی مصنوعی جھیل کے قریب پہنچا تو ویرا تیز روشنی سے بچ کر بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔

''کہاں رہ گئے تھے؟'' مجھے دیکھتے ہی اس نے میرا شانہ جھنجوڑ ڈالا ''تمہیں معلوم ہے کہ میرا زیادہ دیر تک باہر رہنا کتنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اب اخباروں میں بھی خبر لگ چکی ہے۔''

''پارک میں سیکڑوں عورتیں ہیں۔ جب تک تمہارے پیشانی پر تمہارا نام نہ لکھا ہوا ہو' کوئی تمہاری طرف متوجہ نہیں ہوگا۔ میں تمہارے کام سے چاؤ فان کے ساتھ نکلا ہوا تھا۔''

''میں نے اپنا شانہ اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

''تمہارے گیسٹ ہاؤس کی مالکن کیا کہتی ہے۔''

''وہ انگریزی بولنے کی شوقین ہے۔ اخبار کی پرنٹ لائن تک پڑھ کر نمودار ہوتی ہے اور پھر وہاں ٹھہرے ہوئے لوگوں پر اپنی معلومات کا رعب جھاڑتی پھرتی ہے.....''

''مجھے اس پر ریسرچ نہیں کرنا، جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''خبر کا مذاق اڑا رہی تھی۔ پال کو مقامی لڑکوں نے زدوکوب کیا اور پولیس خفیہ پاکستانی جوڑے کو ڈھونڈ رہی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ کسی نے ان دونوں کو دیکھ لیا تب بھی پولیس کو خبر نہیں دے گا۔ بنکاک میں لوگ عام طور پر امریکیوں کو پسند نہیں کرتے۔ معاملہ ایک امریکی کی ہلاکت کا ہے اس لیے کوئی اس میں دلچسپی نہیں لے گا۔''

''تمہیں اپنے ہم وطنوں کی اس بے توقیری پر دکھ ہوا ہوگا۔'' میں نے اسے چھیڑا۔ اس سے سامنا ہوتے ہی میرے مزاح کی حس جاگ اٹھی تھی۔

''میں بے وطن ہوں۔'' اس نے فوراً اپنا دامن بچا لیا ''امریکی حکمرانوں کے تکبر اور آمرانہ رویے نے اس قوم کو دنیا میں اتنا رسوا کر دیا ہے کہ اب میں اس ملک میں پیدا ہونے پر شرم محسوس کرنے لگی ہوں۔''

''حالانکہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ چاہتی تو تم ہوانا میں پیدا ہو سکتی تھیں۔''

ویرا نے نیم اندھیرے میں مجھے گھور کر دیکھا اور بولی ''ان دبی ہوئی چنگاریوں کو نہ کریدو۔ یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کیوں بلایا ہے۔''

''آرام سے بیٹھو!'' میں نے پھولوں کے ایک کنج کے قریب نصب چوبی بنچ پر براجمان ہوتے ہوئے کہا ''میں نے تم میں سے کسی ایک کو بلایا تھا۔ یہ اکبر کی غلطی ہے کہ اس نے اپنے بجائے تمہیں بھیج دیا۔''

''ہوٹل سے گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہوتے ہی اس پر قنوطیت کا عجیب دورہ پڑا ہے۔ ہر وقت سر جھکائے کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا ہے۔ مجھ سے الجھنا بھی کم کر دیا ہے جو کچھ کہتی ہوں، بلا حیل و حجت مان لیتا ہے۔'' وہ میرے برابر میں بیٹھ گئی۔

''معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنے والے دنوں کی مشق کر رہا ہے!''

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' میری سنجیدگی دیکھ کر وہ فکر مند ہو گئی۔

''شادی کے بعد اکثر یہی ہوتا ہے۔ عورت حاوی ہو جائے تو مرد بلاوجہ قنوطی اور فلسفی نظر آنے لگتا ہے۔ بھوک اڑ جاتی ہے۔ صحت گرنے لگتی ہے سر پر تانبہ نمودار ہونے لگتا ہے۔''

آج کل تم لوگوں کے سر پر یہی بھوت سوار ہے۔'' وہ منہ بنا کر بولی ''جب ملاقات ہوتی ہے، یہی ذکر لے بیٹھتے ہو۔ یہ بھول جاتے ہو کہ ہمیں اس وقت اس سے زیادہ اہم مسائل درپیش ہیں۔''

''تم کوئی فیصلہ کر لو تو مسائل آدھے رہ جائیں گے۔ مجھے تم دونوں کے بارے میں الگ الگ سوچنا پڑتا ہے۔ تمہاری شادی کے بعد مجھے ان تفکرات سے نجات مل جائے گی، میری خواہش ہے کہ ہم کمبوڈیا میں قدم رکھتے ہی یہ نیک کام کر ڈالیں۔''

''کمبوڈیا......!'' اس نے تحیر زدہ آواز میں دہرایا ''اس کا ذکر کیسے نکل آیا۔''

''وقت کم رہ گیا ہے۔ پرسوں رات ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ تجسس سے مغلوب ہو کر میرے قریب سرک آئی۔ ''جب تک ہمارے نئے پاسپورٹ نہیں آجاتے ہم کہیں نہیں جا سکتے۔''

''پاسپورٹ تیار ہونے میں وقت لگ رہا ہے۔ جلال دبئی میں ہے۔ میری اس سے بات ہو چکی ہے۔ یہ نہ بھولو کہ بڑے ہوٹلوں میں ناکامی کے بعد پولیس گیسٹ ہاؤسز کا رخ بھی کر سکتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ گیسٹ ہاؤسز والے کسی چھان بین کے بغیر ہر ایک کو جگہ دے دیتے ہیں۔''

''مجھے اندازہ ہے۔'' اس نے اقرار کیا ''میں نے اسی خدشے کی وجہ سے اپنی گیسٹ ہاؤس کی مالک کا ذہن ٹٹولنے کی کوشش کی تھی۔ وہ کسی سخت گیری کا مظاہرہ کرتی تو میں اسی وقت اپنا ٹھکانا بدل لیتی۔ یہاں گزرتا ہوا ہر لمحہ مجھے بہت بھاری نظر آرہا ہے۔ پال کے لیے مرمت کی سزا کافی تھی۔ اس کی ناگہانی موت سے صورت حال بہت نازک ہوگئی ہے۔''

''پرسوں روانہ ہونا ہے یا پاسپورٹوں کا انتظار کرو گی؟''

''پاسپورٹوں کے انتظار میں اپنی گردن نہیں کٹوائی جا سکتی۔'' اس نے چڑچڑے لہجے میں کہا ''تم نے کوئی ڈھنگ کی بات سوچی ہے تو تفصیل بتاؤ۔ ممکن ہو تو میں اسی وقت اس ملک سے نکل جانا چاہتی ہوں۔''

میں نے اسے اپنے منصوبے کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

وہ بہت شوق اور جوش کے ساتھ پورا پلان سنتی رہی میں نے بات ختم کی تو وہ مضطربانہ انداز میں بولی ''یہ تمہاری بہت بڑی کامیابی ہے کہ تم نے ڈان کے ایک قریبی آدمی کو تاڑ لیا۔ وہ راضی ہے تو ہمیں یہاں دو راتیں برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم آج ہی نکل سکتے ہیں۔''

''چند گھنٹوں میں سارا بندوبست ہونا ناممکن ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا ''اس بارے میں چاؤ فان سے میری بات ہوئی تھی۔ وہ اپنا دامن بچائے رکھنا چاہتا ہے۔ پھر ہمیں بھی فرار کے بعد وقت کی ضرورت ہوگی۔ پرسوں رات سب جشن میں مصروف رہیں گے۔ کسی کو ہمارا ہوش نہیں ہوگا۔ رات بھر کی بے اعتدالیوں کے بعد ڈان اتوار کا دن سو کر گزارے گا۔ اتوار کی شب یا پیر کی صبح سے پہلے اسے میرا خیال نہیں آسکے گا۔''

''اگر تم نے پورا ہوم ورک کر لیا ہے تو بحث بے سود ہے۔ یہ بتاؤ کہ چوری کی کار کا کیا بنے گا۔ وہ جہاں بھی چھوڑی جائے گی، ہمارے لیے عذاب بنی رہے گی۔'' اس نے سب کچھ پوری طرح ذہن نشین کر لیا تھا۔ میں نے کمبوڈیا میں داخلے کے لیے اسے ہزار، پانچ سو ڈالر رشوت کی بات بتائی تھی۔ اس صورت میں مسروقہ کار کا مسئلہ واقعی برقرار رہتا۔

''چاؤ فان کی تجویز تھی کہ معمولی رشوت کے عوض قیمتی کار سرحدی پولیس کو دے دی جائے۔ وہ خود اس کا تیا پانچا کر دیں گے۔'' میں نے اسے بتایا ''اتنی غیر معمولی پیش کش پر ان لوگوں کے کان کھڑے ہو جائیں گے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ سرحدی پٹی چوری کی گاڑیاں خریدنے والوں سے بھری ہوئی ہے۔ ہم خود اس کا سودا کر لیں گے۔ چند گھنٹوں میں پوری کار کھل کر پرزوں کی صورت میں مارکیٹ میں بکھر جائے گی۔ بنکاک میں کسی کو کانوں کان پتا نہیں چل سکے گا کہ اس کا کیا حشر ہوا۔''

''یہ دیکھ لینا کہ چاؤ فان ہمیں کہیں مروا نہ دے!''

''میں نے اچھی طرح سے کھنگال لیا۔ میں مطمئن ہوں۔ اس سے آگے مقدر کی کوئی خرابی آڑے آجائے تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔''

''پرسوں رات کو ہمیں کس وقت روانہ ہونا ہوگا؟''

''پارٹی بنکاک سے بیس میل دور ایک ساحلی ویرانے میں منعقد کی جائے گی۔ میں وہاں سے ایک بجے نکلوں گا۔ مجھے خود ڈرائیونگ کرنا ہوگی۔ شہر کے بہت سے راستے میرے لیے انجانے ہیں۔ بھولنے یا بھٹکنے کی وجہ سے مجھے دیر ہو سکتی ہے لیکن تم دونوں کو پوری تیاری کے ساتھ ڈیڑھ بجے مقررہ مقام پر موجود ہونا چاہیے۔''

مسئلہ مقررہ مقام کا تھا، رات کے ڈیڑھ، دو بجے وہ زیادہ دیر تک کسی ویران مقام پر کھڑے رہتے تو پولیس والوں کی کسی گشتی پارٹی کی نظروں میں آسکتے تھے۔ ان دونوں کے لیے بنکاک کی پولیس ملک الموت ثابت ہو سکتی تھی۔ کچھ دیر کی بحث کے بعد یہ طے پایا کہ وہ پیچ بری کے علاقے میں کاؤبوائے کلب کے قریب میرا انتظار کریں۔

پیچ بری روڈ کے اس حصے کا شمار ان علاقوں میں کیا جا سکتا ہے جہاں دن سوتے ہیں اور راتیں بیدار رہتی ہیں۔ وہاں رات بھر شب بیدار رند اور مست ایک بہکے بہکے میلے کا سماں پیدا کیے رہتے تھے ان کی بھیڑ میں وہ دونوں آسانی سے مدغم ہو جاتے۔

''یہ سب طے ہو گیا۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے آتے ہی ٹیڑھی بات کیوں کی تھی!'' بنکاک سے گلا خلاصی کی راہ نظر آنے کے بعد ویرا اپنی اصل جون میں واپس آنے لگی۔

''میں نے کوئی ٹیڑھی بات نہیں کی۔ مجھ سے بلاوجہ الجھنے کی کوشش مت کرو!'' میں نے اس کے تیور بھانپتے ہوئے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ ''یہ نہ بھولو کہ جب تک ہم سرحد پار نہیں نکل جاتے۔ ہمارے سروں پر خطرے کی تلوار لٹکتی رہے گی۔''

''زندگی تلواروں کے سائے میں بھی اپنے رنگ بکھیرتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو موت آنے سے پہلے مردوں سے بدتر ہو جاتے ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے کہ تم بہت زندہ دل ہو۔ اب میری جان چھوڑ دو۔ غزالہ میرا انتظار کر رہی ہوگی۔'' میں نے اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ میری لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ میں مٹی کا کھلونا نہیں ہوں جس کے بارے میں تم لوگ من مانے فیصلے کرلو۔ تم نے کمبوڈیا میں شادی کا کیا ذکر کیا تھا؟''

''وہ ایک مخلصانہ تجویز اور خواہش تھی، فیصلہ نہیں تھا۔ فیصلے کا پورا اختیار تم کو حاصل ہے، میں تم کو صرف سمجھا سکتا ہوں۔''

''کیا تم اس بارے میں واقعی سنجیدہ ہو؟'' ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

''ایسے معاملات میں مذاق نہیں کیا جاتا۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ سلطان شاہ میرے اور تمہارے مراسم کا عینی شاہد ہے!''

''وہ تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ ڈان مرسیانو نے تمہیں کس فن کی تربیت دی تھی۔'' میں نے گمبھیر سنجیدگی اختیار کر کے موضوع سخن اپنی ذات سے اس کی طرف منتقل کر دیا۔

''اس کے باوجود وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے؟'' ویرا نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ یہ میری اور غزالہ کی سوچی سمجھی رائے ہے کہ تم دونوں کو اب ایک ہو جانا چاہیے۔''

''تم کچھ نہیں جانتے تو مجھے صرف اتنا بتا دو کہ کیا وہ مجھے قبول کرلے گا؟'' آخری الفاظ پر ویرا کی آواز فرط جذبات سے لرز گئی میں اندر سے کانپ کر رہ گیا۔

میں نے ویرا کی طرف دیکھا تو اس کی بڑی بڑی سوالیہ نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ان کے گوشوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی۔

''تم میں کیا کمی ہے۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ ''یہ سب ہے جس کی ایک مرد خواہش کر سکتا ہے۔ اپنے ماضی کو بھول جاؤ۔ وہ بہت دور رہ گیا ہے۔''

''ماضی کبھی نہیں بھلایا جا سکتا۔ کوئی بھول جائے تو دوسرے اسے یاد دلا دیتے ہیں ابھی...... ابھی تت...... تم نے مجھے ڈان مرسیانو کا طعنہ دیا تھا۔'' اس نے دبی دبی ہچکیوں کے درمیان کہا۔ اس کے بدن کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے۔

رقت طاری ہونے کے سبب اس کے لیے الفاظ کی ادائیگی مشکل ہو رہی تھی۔

''میں معافی چاہتا ہوں، مجھے معاف کردو۔'' میں نے ندامت سے کہا'' وہ طعنہ نہیں تھا، ایک سادہ سا بیان تھا...... یہ بتانے کے لیے کہ سلطان شاہ کو تمہارے بارے میں ہر بات معلوم ہے۔ وہ آمادہ ہو گیا تو تمہیں تمہارے ماضی کے ساتھ قبول کرے گا۔''

''میں نے تمہارے معاشرے کو بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے۔'' وہ سنبھل گئی لیکن اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ''تمہارے یہاں عورت کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے روپ میں اسے پاکیزگی کا پیکر سمجھا جاتا ہے۔ میں جس ماحول میں پلی بڑھی، وہاں ایسا تصور ناپید ہے۔ عورت ایک کھلونا اور اس کی عزت کھیل ہوتی ہے۔ مغرب نے سر بازار عورت کو ننگا کیا ہوا ہے۔ میں نے کبھی اپنی حرکتوں میں عار محسوس نہیں کیا۔ وہ سب کرتی رہی جو میرے گردو پیش میں ہو رہا تھا تمہارے ساتھ رہ کر مجھے احساس ہوا ہے کہ میں اپنے فطری مقام سے کتنا نیچے چلی گئی تھی۔ شکم پری اور نفس پروری حیوانی جبلتیں ہیں۔ دوسروں کی طرح میں ان سے مغلوب رہی۔ مجھے اپنے ماضی سے نفرت اور کراہت محسوس ہونے لگی ہے۔ تمہارا سلطان شاہ عظیم آدمی ہے، سادہ لوح اور بے داغ کردار کا مالک ہے۔ میں اب تک تمہاری اور غزالہ کی باتوں کو مذاق میں اڑاتی رہی۔ میں ڈرتی ہوں کہ میں نے رضامندی ظاہر کی اور اس نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاؤں گی، اس طرح بکھر جاؤں گی پھر شاید میں اپنے ہاتھوں اپنی زندگی ختم کرلوں۔''

''تم کیوں خوف زدہ ہو...... وہ کیوں انکار کرے گا؟'' میں اس کی دل جوئی کی کوشش میں اس کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔

''میرا ماضی مجھے ڈستا رہتا ہے۔ وہ مجھے اپنے لیے گالی سمجھے گا۔''

''میں اس کی ذہنی گرہوں کو سمجھتا ہوں۔ وہ تم پر بلاوجہ محنت نہیں کر رہا۔ اس کا میلان تمہاری طرف ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ تم سچے دل سے مسلمان ہونے کا اقرار کرلو تو وہ تمہیں تمہارے ماضی سمیت قبول کرلے گا۔ شرط یہ ہوگی کہ پھر تم مڑ کر پیچھے نہیں دیکھو گی۔''

''میرے مسلمان ہونے سے اسے کیا مل جائے گا......؟ اس کے لیے میں وہی ویرا رہوں گی۔ جمی لائیڈ کی ناجائز اولاد۔ ایک خودسر اور رنگین مزاج عورت!''

"باربار ان بے ہودہ باتوں کو نہ دہراؤ۔ اپنی ولدیت پر تمہارا کوئی اختیار نہیں تھا۔ اپنی پرانی روش سے تم تائب ہو چکی ہو۔ اس کی کوششوں سے تم مسلمان ہو جاؤ گی تو اس کی عاقبت سنور جائے گی۔ تم نہیں جانتیں کہ ہمارے مذہب میں دوسروں کو راہِ راست پر لانے والوں کا کیا مقام اور درجہ ہوتا ہے وہ تمہارے لیے قابل فخر سہارا بن جائے گا۔"

"میں خود بھی خواب دیکھتی ہوں۔ میرا اپنا گھر ہو، میرا محبت کرنے والا شوہر ہو، میں بھی کسی کی جائز ماں بن سکوں، میرا کوئی محافظ' کوئی کمانے والا ہو جو میری طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے والے کی آنکھیں نکال لینے کا حوصلہ رکھتا ہو......"

"یہ سب ممکن ہے۔" وہ اپنی رو میں بولے جا رہی تھی۔ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے یہ بتاؤ کہ اسلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"جتنا میں نے پڑھا اور دیکھا ہے، یہ دنیا کا سب سے بہترین اور فطری مذہب ہے۔ اس کے ہر درس میں حکمت ہے۔ تمہاری نمازوں پر مغرب میں ریسرچ کی گئی ہے۔ یہ طہارت، نفاست اور صحت کی کلید ہے۔ روزوں کے سائنسی فوائد پر مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ حج کو ساری دنیا انسانیت کا بے مثال اجتماع تسلیم کرتی ہے، زکوٰۃ مفلسوں اور ناداروں کی حاجت روائی کا بہترین انفرادی ذریعہ ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ مجھے پڑھا رہا ہے۔ یہ سب میرا پڑھا اور سمجھا ہوا ہے۔ میں تمہارے مذہب کی عظمت کو سات سلام کرتی ہوں، بس مجھ سے اس کے پیروکاروں کے بارے میں کچھ نہ پوچھنا۔"

"تم سچی پیروکار بن کر ایک مثال قائم کر سکتی ہو۔"

یکا یک ویرا نے کلمہ توحید روانی سے پڑھ ڈالا اور جذباتی لہجے میں بولی "جب نیو یارک میں مذہب اور شادی کے معاملے میں میری اور سلطان شاہ کی پہلی جھڑپ ہوئی تو میں نے اسی دن اس سے چھپ کر کلمہ پڑھ لیا تھا۔ میں مسلمان ہو چکی ہوں۔ میں نے اسے اب تک کچھ نہیں بتایا۔ وہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ میں نے اس سے شادی کے لالچ میں اس کا مذہب قبول کیا ہے۔ یہ میرا آزادانہ فیصلہ ہے۔ جو میری آخری سانس تک برقرار رہے گا۔"

وہ ہماری گفتگو کا ایسا غیر متوقع اور ڈرامائی موڑ تھا کہ یکا یک میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں نے بے اختیار اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"ویرا! میں تمہیں سلام پیش کرتا ہوں۔ تم نے ہم سب کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ تمہاری سوچ بہت سیدھی اور سچی ہے۔ اللہ تمہارے ایمان کو مضبوطی عطا کرے۔ اب میں سینہ ٹھونک کر سلطان شاہ سے بات کروں گا۔ وہ انکار نہیں کر سکے گا۔"

"ڈینی! آج ہمارے پرانے رشتے ٹوٹ گئے۔" ویرا کی آنکھیں ایک بار پھر ڈبڈبا گئیں۔ "دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔ آج سے تم میرے ولی ہو۔ تمہیں اختیار ہے کہ میرے بارے میں جو چاہو فیصلہ کر لو۔ میں سر جھکا کر اسے قبول کر لوں گی۔"

میں نے اپنا داہنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور اپنا سر جھکا لیا۔

وہ سیام پارک کا ایک نیم تاریک اور خالی گوشہ تھا۔ ہمارے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ وہ جگہ بھیڑ اور پختہ روشوں سے دور تھی۔ ہم دونوں اردو میں بے فکری سے باتیں کرتے رہے تھے لیکن میں نے اس کے سر سے اپنا ہاتھ فوراً ہی ہٹا لیا۔ ہمیں گفتگو کی آزادی ضرور میسر تھی لیکن کوئی غیر معمولی عملی صورت حال لوگوں کو ہماری طرف متوجہ کر سکتی تھی۔

وہ سر جھکائے بیٹھی رہی اور میں دونوں ہاتھ اپنی پتلون کی جیبوں میں ڈالے کھڑا رہا۔ ویرا کے ساتھ میں بھی یکا یک جذباتی ابال میں مبتلا ہو گیا تھا۔

ویرا حیران کن صلاحیتوں کی مالک تھی۔ اس نے بار ہا اپنے اچانک فیصلوں سے ہمیں متحیر کیا تھا۔ اپنے آبائی مذہب سے رسمی تعلق ختم کر کے مسلمان ہو جانے کے معاملے میں بھی اس نے اپنی وہ روایت برقرار رکھی تھی۔

"اٹھو اور اب واپس جا کر تیاری کرو۔ پرسوں رات' ڈیڑھ بجے کاؤبوائے کلب کے پاس پہنچنا نہ بھولنا۔" اسے وہ ہدایت دیتے ہوئے مجھے اپنی آواز اجنبی محسوس ہو رہی تھی۔

"کیا اب درمیان میں ہماری ملاقات نہیں ہو گی؟" اس نے ذرا حیرت سے پوچھا۔

"اب ملنے کی ضرورت نہیں۔ ہم ہر طرف سے دشمنوں میں گھرتے جا رہے ہیں۔ ہمارا ایک دوسرے سے دور رہنا ہی ہمارے مفاد میں ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "کمبوڈیا پہنچنے تک ہمیں ہر طرف سے بہت زیادہ ہوشیار رہنا ہو گا۔"

"اب مجھے پروا نہیں کہ میں کمبوڈیا پہنچوں یا اسی شہر میں اپنے دشمنوں کے ہاتھوں پیوند خاک ہو جاؤں۔" اس نے بنچ سے اٹھ کر پر عزم لہجے میں کہا' "میں نے اپنے دل اور روح کا بوجھ اتار دیا ہے۔ تم گواہ رہنا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں۔"

اس نے مجھے الوداع کہتے ہوئے فضا میں اپنا ہاتھ لہرایا تو اس کے خوبصورت ہونٹوں پر ایک آسودہ اور خفیف مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ وہ مڑی اور تیزی کے ساتھ ایک طرف چل دی۔

چند ثانیوں بعد میں وہاں سے روانہ ہوا تو مجھے یوں محسوس

ہوا جیسے میں بنکاک کی زمین پر چلنے کے بجائے ہوا میں تیر رہا ہوں۔ ویرا نے مجھے اپنا ولی مقرر کر کے میرے کندھوں پر بہت بھاری ذمے داری ڈال دی تھی۔

مجھے اس بات کی بے انداز ہ خوشی تھی کہ ویرا کے مذہب کی تبدیلی میں' میں نے خاموش تماشائی کا کردار ادا نہیں کیا تھا۔ اس وقت میری اور ویرا کی بھرپور گفتگو نہ ہوئی ہوتی تو اس کے مسلمان ہونے کا راز نہ جانے کب تک اس کے سینے ہی میں دفن رہتا۔ میں مسرت اور کچھ عجیب سے خالی پن کے احساسات سے مغلوب اپنے ہوٹل کی طرف بڑھتا رہا۔

ہوٹل کے کمرے میں غزالہ سراپا انتظار بنی ہوئی تھی۔ اسے میری دونوں ملاقاتوں کی اہمیت کا پورا اندازہ تھا اور وہ ان کے نتائج جاننے کے لیے بے چین تھی۔

''اسے ہمارے پاسپورٹوں کی کیا ضرورت تھی؟'' میرے بیٹھتے ہی غزالہ نے سوال کر ڈالا۔ میری خاموشی اس سے برداشت نہیں ہوسکی۔

''سازش میں شامل ہونے کے بعد اس نے ہمارے مفاد میں کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ پاسپورٹ وہ اپنے ساتھ لے گیا' میری نگرانی ختم ہو چکی ہے۔''

''میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ اپنے پاسپورٹ ڈان کو دے دیں تاکہ نگرانی سے آپ کی جان چھوٹ جائے۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''اس وقت میں یہ قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ کمبوڈیا میں داخلے کے وقت ان کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔ اب ہر بات طے ہوگئی ہے۔ ہم پاسپورٹوں کے بغیر کمبوڈیا میں داخل ہوں گے۔''

''اگر پرسوں تک جلال کے آدمی نے نئے پاسپورٹ بھیج دیے تو یہ خطرہ مول لینے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔'' اس نے اپنی دانست میں مجھے یاد دلانا چاہا۔

''وہ آگئے تو رکھے رہیں گے۔ انہیں کہیں اور استعمال کیا جائے گا'' میں نے بے پروائی سے کہا ''میں نے چاؤفان کے ساتھ ہر بات کر لی ہے۔ یہ تفصیل بعد میں بتادوں گا۔ تم یہ بوجھو کہ آج ویرا سے میری کیا گفتگو ہوئی ہوگی؟''

''آپ بہت خوش نظر آرہے ہیں۔ آپ دونوں کے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا۔ آپ دونوں کو دل کھول کر بے تکلفی سے باتیں کرنے کا موقع ملا ہوگا۔'' غزالہ نے ہنستے ہوئے تمسخرانہ لہجے میں وہ بات کہہ دی جو سنجیدگی سے نہیں کہی جاسکتی تھی۔

''تم یہ ثابت کرنے پر کیوں تلی رہتی ہو کہ تم ایک عام سی اور روایتی بیوی ہو۔ میں تمہاری ذہنی سطح اس سے بہت بلند سمجھتا ہوں۔''

''وہ ہر وقت آپ سے بے تکلف ہونے کے چکر میں لگی رہتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کی یہ حرکتیں مجھے زہر لگتی ہیں۔ اس نے یہ موقع ضائع نہیں کیا ہوگا۔''

''اگر میں یہ کہوں کہ آج میرے اور اس کے درمیان بے تکلفی کا خاتمہ ہوگیا؟''

''میں سمجھوں گی کہ آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔''

''یہ مذاق نہیں حقیقت ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''پھر اس نے آپ کو اپنا منہ بولا بھائی بنا لیا ہوگا۔ میں اسے ڈھکوسلا سمجھتی ہوں۔ منہ بولے بھائی بہن کے رشتے کی کوئی قانونی، اخلاقی یا مذہبی حیثیت نہیں ہوتی۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے غیر اور نامحرم رہتے ہیں۔'' وہ ہنس ہنس کر اپنے دل کا غبار نکال رہی تھی۔

''تم اس کے خلاف اپنے تعصب کے حصار سے باہر نہیں نکل پا رہی ہو۔ چلو، میں تمہیں اشارہ دیتا ہوں۔ اس کے بارے میں مذہب کے حوالے سے سوچو!'' میں نے اسے دعوت دی۔

''آپ تو یوں پہیلیاں بجھوا رہے ہیں جیسے وہ مسلمان ہوگئی ہو۔'' غزالہ نے منہ بنا کر طنز سے کہا۔

''یہی ہوا ہے۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔ وہ حیرت اور بے یقینی سے اچھل پڑی۔ اس کی آنکھیں کشادہ ہو کر پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔

''یہ کیسے ہوگیا؟'' وہ تحیر زدہ لہجے میں بولی ''آپ تو اس کو روانگی کا پروگرام بتانے کے لیے گئے تھے۔ اسے اتنی آسانی سے مسلمان کیسے کرلیا آپ نے؟''

''میں نے کچھ نہیں کیا۔ نیویارک چھوڑنے سے پہلے وہ خاموشی سے ایمان لا چکی تھی۔'' میں نے اسے بتایا۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت تک اسے میری بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

میں نے ویرا سے سنی ہوئی باتیں تسلسل کے ساتھ اس کو سنانا شروع کردیں۔

وہ سلطان شاہ سے قریب تھی اور میری دانست میں اس سے اپنی بات منوا سکتی تھی۔ ویرا نے ازخود ایک بڑا فیصلہ کر کے ساری ذمے داری ہمارے سر ڈال دی تھی۔ اسے حسن و خوبی کے ساتھ نباہنا ہماری ذمے داری تھی۔ جب تک غزالہ اس واقعے کے پس منظر اور جزئیات سے واقف نہ ہوتی، سلطان شاہ کو موثر انداز میں قائل نہیں کرسکتی تھی۔

''آپ نے سب کچھ بتا دیا لیکن میرا ذہن اب بھی ان باتوں کو قبول نہیں کر رہا۔'' میرے خاموش ہونے پر غزالہ نے خوشگوار حیرت کے ساتھ کہا ''اس کے بڑے فیصلے عام طور پر غیر متوقع اور چونکا دینے والے ہوتے ہیں۔ بے چارہ سلطان شاہ اپنی تبلیغی کوششوں میں لگا ہوا ہے اور وہ پہلے سے مسلمان ہوئی بیٹھی ہے۔''

''اب سلطان شاہ کو شادی پر آمادہ کرنا تمہارا کام ہے۔ وہ اس موضوع پر میرے سامنے بات کرتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اسے آمادہ ہونا پڑے گا...... ویرا نے پہل کر کے اس کا ہر تذبذب دور کردیا ہے۔ وہ مذہبی رجحان کا مالک ہے۔ اپنے سارے تحفظات کے باوجود ایک نومسلمہ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ آپ نے ویرا کو تو منع کردیا ہوگا کہ وہ اس بارے میں ابھی سلطان شاہ کو کچھ نہ بتائے۔ میں اس سے اپنے طور پر بات کروں گی۔''

''میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ اس وقت ماحول ایسی باتوں کے لیے موزوں نہیں تھا۔''

''وہ اتنے دنوں سے اپنا راز دل میں چھپائے بیٹھی ہے تو اب بھی زبان نہیں کھولے گی۔'' اس نے پرامید لہجے میں کہا ''آپ ویرا کے دلی ہیں۔ اس کی طرف سے رضامندی ظاہر کرچکے۔ اب میرا کام شروع ہوگا۔ میں ازخود لڑکے والی بن گئی ہوں۔''

میں نے جواب میں کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ تپائی پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ جلال، اول خان، چاؤفان اور ویرا سے میری تفصیلی گفتگو ہوچکی تھی۔ فوری طور پر میرا ذہن ڈان کی طرف گیا۔ شاید وہ پاسپورٹ واپس لے لینے کے بعد کوئی نیا شوشا چھوڑنے والا تھا۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو مقامی لب و لہجے میں ایک نئی مردانہ آواز سن کر میں چونک گیا۔

وہ انٹرکام پر ہوٹل کے کسٹمر کیئر منیجر کی کال تھی۔

''مسٹر علی احمد!'' اس نے اپنا تعارف کرانے کے بعد استفہامیہ لہجے میں کہا۔

''یس!'' میں نے فکرمندی کے ساتھ اقرار کیا۔

''سر! میں زحمت دینے کے لیے تہ دل سے معذرت خواہ ہوں۔'' اس کا لہجہ واقعی ندامت آمیز تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''روم سروس کا ایک آدمی آپ کے کمرے کے باہر موجود ہے۔ اگر آپ اپنی مسز کے ساتھ اپنے پاسپورٹ لے کر ذرا سی دیر کے لیے میرے دفتر میں آسکیں تو میں آپ کا شکرگزار ہوں گا۔ باہر کھڑا ہوا آدمی آپ کو میزنائن فلور پر میرے دفتر تک لے آئے گا۔''

وہ مطالبہ سنتے ہی میرے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ میں نے نرمی سے پوچھا ''کیا میں جان سکتا ہوں کہ یہ ضرورت کیوں پیش آرہی ہے؟''

''سر! دو باوردی افسران آپ لوگوں سے ملنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ وہ آپ کے دروازے پر دستک دیں اس لیے آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔''

مجھے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔ ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ میں نے چاؤفان پر اندھا اعتماد کر کے سخت غلطی کی تھی۔ مجھے پاسپورٹوں سے محروم کرتے ہی غالباً پولیس کو میرے پیچھے لگا دیا گیا تھا۔ بندوبست اتنا مکمل تھا کہ ہمارے لیے بھاگنا ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ باہر روم سروس کے ملازم کے روپ میں پولیس کا کوئی تجربے کار کمانڈر کھڑا ہوگا جو ہدایت سے انحراف کی صورت میں ہمیں سختی سے روک لے گا۔

چاؤفان نے اپنا وار کردیا تھا۔ کمبوڈیا کی طرف فرار ہونے کا منصوبہ مجھے خاک میں ملتا ہوا نظر آنے لگا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔

میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سینیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے جاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں جاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔

میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامنا می پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامنے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مفاہمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گزشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہو گیا۔

بنکاک میں جاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور روائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے جاؤ فان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ سے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے چاؤفان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوگئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جارہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس خطے کے چھ امور بدمعاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا یوں لگتا تھا میں نے راجن کے محل میں آکر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت چاؤفان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دعوت پر آئے چھ بدمعاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن تنہا تھا اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ڈان برنارڈ اس کے خلاف میدان میں اترا ہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ڈان برنارڈ کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چنا کے حوالے کر کے میں واپس لوٹ آیا۔ ڈان برنارڈ اس خبر سے بے حد خوش ہوا تاہم وہ مجھ سے اس سارے واقعے کی تفصیل جاننا چاہتا تھا میں نے امریکی کرنل گیری اور بنکاک کے ٹیلی فون نظام میں گڑبڑ کی کہانی سنا کر اسے قائل کر دیا کہ جو کچھ ہوا اس میں میری کارکردگی سے زیادہ راجن کی بدقسمتی کارفرما تھی۔ اسی دوران ویرا اور سلطان شاہ بھی بنکاک پہنچ چکے تھے وہ ہم سے علیحدہ قیام پذیر تھے ہمارا خیال تھا کہ وہ بنکاک میں محفوظ ہیں مگر سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لی گئی تو ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی اس کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان شاہ کی نگرانی کی جارہی تھی جس پر ویرا نے اپنی فطری ذہانت سے کام لے کر نگرانی کرنے والے کی درگت بنا ڈالی۔ یہ خطرناک صورت حال تھی۔ اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سی آئی اے ایجنٹ سلطان شاہ کے تعاقب میں تھائی لینڈ تک پہنچ چکے تھے۔ میں اب وہاں سے نکلنے کے لیے پر تول رہا تھا مگر ڈان کا اصرار تھا کہ میں اس کا دست راست بن کر وہیں رہوں۔ امریکیوں سے نفرت کرنے کے باوجود وہ راجن کی موت کے بعد ان کے ہاتھوں میں کھیلنا چاہ رہا تھا۔ کرنل گیری نے اس کے ذمے سلطان شاہ اور ویرا کو ڈھونڈنے کی ذمہ داری لگا دی تھی۔ اس موقع پر میں نے چاؤفان سے مدد لینے کا فیصلہ کیا میں اس کی مدد سے تھائی لینڈ چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ میری باتوں میں آگیا اور میرے فرار کا منصوبہ بنانے میں مصروف ہوگیا۔

اب آپ قسط نمبر 257 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

تھائی لینڈ جیسے اجنبی ملک میں دو باوردی افسران کی طلبی پر نہ جانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ مجھے جانا تھا اور سر کے بل جانا تھا۔ ان افسروں نے مجھے اپنے روبرو بلانے کے لیے ایسا فول پروف بندوبست کیا تھا کہ فرار کی کوئی راہ نظر نہیں آرہی تھی۔

ہوٹل کے کسٹمر کیئر منیجر نے ہمارے دروازے کے باہر موجود جس شخص کو روم سروس کا آدمی قرار دیا تھا، وہ میری دانست میں پولیس یا ایسے ہی کسی ادارے کا کوئی تجربے کار کمانڈو تھا جسے زیر کیے بغیر میں وہاں سے اپنی مرضی کی راہ اختیار نہیں کر سکتا تھا۔

ریسیور میرے کان سے لگا ہوا تھا اور ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ مجھے فوری طور پر فیصلہ کر کے ہوٹل کے افسر سے فون پر بات آگے بڑھانی تھی۔

''میں ابھی آتا ہوں!'' اس ذہنی تجزیے کے دوران میں الفاظ میری زبان سے گویا پھسل گئے۔ شاید میرے ذہن کے کسی نہاں خانے میں یہ احساس پوری شدت سے بیدار ہو چکا تھا کہ میں انکار کر کے اپنے لیے خطرات مول لوں گا۔

''میں زحمت دینے کے لیے ایک بار پھر معذرت خواہ ہوں۔'' وہ فون پر بچھا جارہا تھا ''آپ دونوں اپنے پاسپورٹ ساتھ لانا نہ بھولیں۔''

جب جانا ہی تھا تو اس کے سامنے جا کر بغلیں جھانکنے سے بہتر تھا کہ میں فون پر پوری بات کر لوں۔ میں نے کہا ''پاسپورٹ میرے پاس موجود نہیں ہیں۔ نشستوں کی بکنگ کے لیے میں نے اپنے ایک دوست کو دیے ہوئے ہیں۔''

میں نے محسوس کیا کہ اسے وہ جواب دیتے ہوئے، ایئر کنڈیشنر کی پھیلائی ہوئی خنکی کے باوجود میری پیشانی پر پسینہ ابھر آیا تھا۔

''سر! ذرا ایک منٹ ہولڈ کریں۔'' اس نے جلدی سے کہا اور لائن پر گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ شاید وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر وردی والوں سے میرے بیان کیے ہوئے مسئلے پر مشورہ کر رہا تھا۔

''اوکے سر!'' چند لمحوں بعد اس کی تروتازہ آواز سنائی دی ''آپ دونوں میرے دفتر میں تشریف لے آئیں۔ ضرورت ہوئی تو پاسپورٹ بعد میں دیکھ لیے جائیں گے۔''

میں نے مختصر سا جواب دے کر فون بند کر دیا۔ اس دوران میں غزالہ ہمہ تن میری طرف متوجہ تھی اور میرے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات سے اندازہ لگا چکی تھی کہ اچانک کوئی گڑبڑ رونما ہو چکی ہے۔

''کہاں جارہے ہیں...... اچانک پاسپورٹوں کی کیا ضرورت پیش آگئی؟'' اس نے سراسیمگی کے عالم میں پوچھا۔

''میرے ساتھ تم کو بھی چلنا ہے۔'' یہ کہہ کر میں نے اسے چند فقروں میں پوری صورت احوال سے آگاہ کر دیا۔

''چاؤفان بہت کمینہ نکلا!'' غزالہ کا بے ساختہ ردعمل میری سوچ سے ذرا بھی مختلف نہیں تھا۔ ''ہمارے پاسپورٹ ہتھیاتے ہی اس نے اپنا کھیل شروع کر دیا۔ مجھے آپ کا ابتدائی شبہ درست ثابت ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔''

''کس شبہے کی بات کرتی ہو؟'' میں نے دروازے کی

طرف جاتے جاتے پلٹ کر پوچھا۔

''وہ ہمیں کمبوڈیا کا چکر دے رہا ہے۔'' وہ تنفر آمیز لہجے میں بولی ''اس میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ ڈان کو اتنا بڑا چکما دے سکے۔ یہ بات اس کے دماغ میں بیٹھ گئی ہے کہ آپ اس کی راہ کا روڑا ہیں۔ وہ آپ کو کسی چکر میں پھنسوا کر ڈان کی نظروں سے گرا دے گا۔ بہت آسانی سے اس کا راستہ صاف ہو جائے گا۔''

''اس نے مجھے ڈبونے کی کوشش کی تو میں اپنے ساتھ اسے بھی لے ڈوبوں گا'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''اب جلدی آؤ...... ان لوگوں کا بھیجا ہوا فرشتہ ہمارے دروازے پر موجود ہے۔''

غزالہ کے ہاتھ پیر پھولے ہوئے تھے۔ وہ کیا مجھے خود بھی اپنا سارا منصوبہ برباد ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ چاؤفان نے کمبوڈیا کی آزاد فضاؤں کا سراب دکھا کر ہمیں بنکاک ہی میں دبوچ لینے کا پورا بندوبست کر لیا تھا۔

میں نے کمرے کا دروازہ کھولا تو روم سروس کے روایتی لباس میں گٹھے ہوئے جسم والا ایک درشت رو مقامی راہ داری میں کھڑا نظر آیا۔ مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی وہ خوش خلقی سے مسکرایا لیکن اس کی کینہ توز نگاہیں اس مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں یا کم از کم مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔

میرے پیچھے غزالہ کمرے سے برآمد ہوئی تو نووارد کے سکڑتے ہوئے ہونٹ دوبارہ مسکرانے کے انداز میں پھیل گئے۔ اس بار اس نے اپنے سر کو قدرے خم دے کر غزالہ کو تعظیم بھی پیش کی۔ اس وقت وہ مجھے پکا بدمعاش اور منافق نظر آ رہا تھا مگر میں اس پر اپنی برہمی ظاہر کرنے سے قاصر تھا۔ وہاں سے دفتر تک پہنچنے کے دوران میں مجھے صرف اسی سے اصل معاملے کا کچھ سراغ مل سکتا تھا۔

وہ مقامی تھا لیکن بنکاک کے ایک بڑے ہوٹل میں ملازمت کر رہا تھا جہاں دن رات سیکڑوں غیر ملکیوں کی آمدورفت رہتی تھی اس لیے اپنے بگڑے ہوئے تلفظ سے قطع نظر صاف اور اچھی انگریزی بول رہا تھا۔ اس نے اخلاق سے ہمیں اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا اور راہ داری میں لفٹ کی طرف ہو لیا۔

میں لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا اور شکایتی لہجے میں بولا ''یہ انوکھی بات ہے کہ تمہارا منیجر ہمیں اپنے دفتر میں بلا رہا ہے۔ یہ حرکت مہمان داری کے اصولوں کے سراسر منافی ہے۔ یہ میری زندگی کا تلخ تجربہ ہے۔''

''سر! میں آپ کی کوفت کا اندازہ کر رہا ہوں۔'' اس نے سر ہلا کر مؤدب لہجے میں کہا ''اسے بھی کوئی مجبوری درپیش ہوگی۔ اس کے کمرے میں ایک بڑا پولیس افسر آیا ہوا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ پولیس کہیں کی بھی ہو، ہوٹل والوں کو ان سے دبنا پڑتا ہے۔''

انگریزی میں آپ کا کوئی صیغہ نہیں ہوتا لیکن اس کے طرزِ تکلم سے عزت افزائی کے اس قرینے کا اظہار ہو رہا تھا۔

''وہ دو پولیس والے بتا رہا تھا۔'' میں نے کسی باریکی کا لحاظ کیے بغیر اس کی تردید کی۔

''پولیس والا تو ایک ہی ہے۔'' وہ اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا ''اس کے ساتھ ایک امریکی فوجی لڑکا بھی ہے جو وردی میں ہے۔ شاید منیجر نے جلدی میں اسے بھی پولیس والا کہہ دیا ہوگا۔''

اس نے کسی پس وپیش کے بغیر مجھے اصل بات بتا دی۔ اس کے خلاف میرے ذہن میں ابھرنے والے شبہات دھندلانے لگے۔ اگر اس کا تعلق پولیس کے محکمے سے ہوتا تو وہ بھول کر بھی ہوٹل والوں پر پولیس کے نارواد باؤ کا ذکر نہ کرتا۔

اس نے ہمارے لیے لفٹ کا دروازہ کھولا اور آخر میں اندر آ کر میز نائن فلور کا بٹن دبا دیا۔ لفٹ تیزی سے نیچے روانہ ہو گئی۔

''ہم نے اس ہوٹل میں قیام کر کے کوئی جرم نہیں کیا' پولیس کو ہم سے کیا لینا ہے؟'' میں نے اپنا شکوہ جاری رکھا۔

''سر! میں کیا کہہ سکتا ہوں' ذرا سی دیر میں سب کچھ سامنے آ جائے گا۔'' اس نے نہایت عاجزی سے کہا ''معاملہ کچھ عجیب سا ہے۔ انٹرکام کے بجائے مجھے نیچے بلا کر آپ لوگوں کے بارے میں بتایا گیا تھا۔''

لفٹ ایک ہلکے سے جھٹکے سے رک گئی۔

لفٹ سے باہر نکلتے ہی اس نے راہ داری میں نظر آنے والے تیسرے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''سر! اس دفتر میں آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔''

اس دروازے کے اوپری نصف حصے میں لگے ہوئے شفاف شیشے سے روشنی چھن کر باہر آ رہی تھی۔ ہماری منزل اتنے قریب تھی کہ ہمیں لانے والے سے مزید گفتگو کا موقع باقی نہیں رہا تھا۔ میں اس کی طرف سے اپنی بدگمانی پر دل ہی دل میں نادم تھا۔ میں نے مسکرا کر الوداعی انداز میں اس کی طرف دیکھا اور اس کے بتائے ہوئے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔

شیشے کے سامنے پہنچتے ہی اندر کا منظر میرے سامنے تھا۔
وہاں کل تین نفوس تھے جن میں سے ایک اپنے سیاہ سوٹ کی وجہ سے ہوٹل کا کوئی بڑا ملازم نظر آ رہا تھا۔

میرے دل پر اضطراب اور بے یقینی کی کیفیت طاری تھی مگر میں نے اس موقع پر اپنی برہمی بلکہ بدتمیزی کا مظاہرہ ضروری سمجھا۔ دستک دیے بغیر دروازہ کھولا اور اندر گھس گیا۔ غزالہ میرے پیچھے تھی۔

تینوں نے چونک کر ہماری طرف دیکھا اور پھر امریکی نژاد نوجوان فوجی اپنے سر کو مایوسانہ انداز میں ہلانے لگا۔ تھائی پولیس افسر نے ہمیں دیکھ کر گورے فوجی کی طرف دیکھا اور اس کے مایوسانہ ردِعمل کو دیکھ کر اپنی زبان میں سیاہ سوٹ والے سے جلدی جلدی کچھ کہنے لگا۔

اس دوران میں سیاہ سوٹ والا ہمارے استقبال کے لیے اپنی کرسی چھوڑ کر اپنی جگہ سے کئی قدم آگے بڑھ آیا۔

''تیسرے درجے کی کسی سرائے میں بھی مہمانوں سے ایسا سلوک نہیں ہوتا۔'' میں اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کر کے پھٹ پڑا ''یہ میری زندگی کا بدترین تجربہ ہے۔ ہمیں مجرموں کی طرح کیوں طلب کیا گیا ہے؟''

وہ خفت آمیز انداز میں اپنا داہنا ہاتھ بالوں پر پھیرتے ہوئے بولا ''میں آپ سے معافی کا خواست گار ہوں۔ میں پھر کہوں گا کہ میں نے ان دونوں باوردی افسران کے ساتھ آپ کے دروازے پر آنا مناسب نہیں سمجھا۔ بلاوجہ پورے فلور پر چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ تشریف رکھیں اور حکم کریں کہ آپ کے لیے کیا منگوایا جائے؟''

''میں ایک لمحے کے لیے بھی یہاں رکنا پسند نہیں کروں گا۔'' میں نے اپنا جارحانہ رویہ برقرار رکھتے ہوئے کہا ''مجھے جس کام کے لیے بلایا گیا ہے، وہ بلاتاخیر ختم کیا جائے۔''

پولیس افسر نے کرسی چھوڑ دی۔ امریکی فوجی نے بھی اس کی تقلید کی۔ پولیس والے نے اپنی زبان میں کچھ کہہ کر سوٹ والے سے ہاتھ ملایا اور پھر میری طرف متوجہ ہو گیا ''مسٹر اور مسز علی! میں بھی تم سے معافی چاہتا ہوں۔ تھام پوٹ نے میرے ایما پر تم دونوں کو بلایا تھا۔ دراصل ہمیں ایک مشتبہ پاکستانی جوڑے کی تلاش ہے۔ ہم اپنے مہمانوں کی عزت کرتے ہیں لیکن کبھی مجبوریاں پیش آ جاتی ہیں۔ ہم شہر کے سارے ہوٹلوں میں پاکستانی جوڑوں سے مل رہے ہیں۔ یہ میرا اور کپتان اولڈ کا پانچواں ہوٹل ہے۔ ابھی ہمیں مزید جوڑوں سے ملنا ہے۔''

''......اور اب آپ شیئرز کے بھاؤ سنیے......امریکن اسٹیل، دو ڈالر زیادہ......عرب ریفائنری، ڈیڑھ درہم کم......''

اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی خلیقانہ مسکراہٹ سے مجبور ہو کر میں نے نیم دلی سے ہاتھ ملا لیا۔ اس کے بعد کپتان اولڈ سے ہاتھ ملاتے ہوئے میں نے اس کا ناقدانہ جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ وہی مردود تھا جو سلطان شاہ کے کمرے میں گھس کر اس کا ایک بیگ اٹھا لے گیا تھا۔

ویرا نے اپنے ہوٹل میں گائن نامی ویٹریس سے سن کر نامعلوم امریکی کا جو حلیہ بتایا تھا، وہ کیپٹن اولڈ پر سو فی صد صادق آ رہا تھا۔

وہ دونوں تیزی کے ساتھ دفتر سے نکل گئے اور تھام پوٹ ہماری خوشامدوں میں مصروف ہو گیا۔ وہ ہمیں ہر قیمت پر کچھ دیر کے لیے اپنے دفتر میں بٹھانا چاہ رہا تھا۔

ہمیں کچھ باتیں تھائی پولیس افسر نے بتا دی تھیں۔ رہی سہی کسر کپتان اولڈ کی شناخت نے پوری کر دی۔ میرے لیے صورت احوال بالکل صاف ہو چکی تھی، جس میں تھام پوٹ بالکل بے قصور نظر آ رہا تھا۔ پولیس والے کے دباؤ نے اسے بے بس کر دیا تھا۔

ویرا اور سلطان شاہ کے ہوٹل میں یقینی طور پر کیپٹن اولڈ ان کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ کاغذی ریکارڈ سے قطع نظر، وہ ان

دونوں کو بہ چشم خود دیکھ چکا تھا۔ اس نے سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لے ڈالی مگر گائن کے متوجہ ہو جانے کی وجہ سے ویرا کے کمرے میں گھسنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

وہ چلا گیا' اس کی جگہ سارجنٹ پال ان دونوں کی گھات میں لگا۔ وہ ہوٹل کا حساب بے باق کر کے نکلے تو پال ان کے پیچھے لگ گیا۔ ویرا کی ذہانت اور چالاکی کے نتیجے میں پال مقامیوں سے بری طرح مار کھا کر جہنم واصل ہو گیا۔ کسی کو پتا نہیں چل سکا ہوگا کہ فرشتۂ اجل کا دیدار ہونے سے پہلے اس پر کیا کچھ گزر رہی تھی۔

پال ان دونوں کی نگرانی پر مامور تھا۔ وہ ہوٹل چھوڑ کر غائب ہو چکے تھے۔ شہر میں بڑے پیمانے پر ان کی تلاش شروع کر دی گئی۔ اولڈ ان دونوں کو پہچانتا تھا۔ اس لیے وہ تھائی پولیس افسر کو اپنے ساتھ لیے بنکاک کے ہر بڑے ہوٹل میں پاکستانی جوڑوں کو تنگ کرتا پھر رہا تھا۔ اس امریکی گدھے کو اس کام پر لگانے والوں نے یہ نہیں سوچا کہ ریٹا اور اکبر سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں الگ الگ کمروں میں مقیم تھے۔ اپنا ٹھکانا بدلنے کے بعد بھی وہ الگ الگ رہتے۔ ان تک پہنچنے کے لیے جوڑوں کو کھنگالنا بے سود تھا۔

اس وقت شہر کے بڑے ہوٹلوں میں ان دونوں کی تلاش کی مہم جاری تھی' جس کی ناکامی یقینی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ اس معاملے میں امریکی اعصاب زدہ ہو کر فیصلے کر رہے تھے۔ بڑے ہوٹلوں میں ناکامی کے بعد اگر کیپٹن اولڈ شہر میں بکھرے ہوئے گیسٹ ہاؤسز وغیرہ کا رخ کر لیتا تو ویرا اور سلطان شاہ کے لیے مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ ان دونوں نے روزی اور جیکب کے نام ضرور اختیار کر لیے تھے تاہم ان کے چہرے وہی تھے۔ اولڈ انہیں دیکھتے ہی پہچان لیتا۔ ایک طرف وہ جال پھیلا دیا گیا تھا' دوسری طرف ڈان اور چاؤ فان کے آدمی انہیں ڈھونڈنے میں لگے ہوئے تھے۔

میں بہ دقت تمام تھام پوٹ کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو سکا کہ میں اس کی مجبوری کا اندازہ لگا چکا تھا۔ پولیس والے اور امریکی فوجی کے دباؤ پر وہ ہوٹل میں مقیم سارے مہمانوں کو بھی کسی میدان میں جمع کرنے پر مجبور ہو جاتا۔

اس نے لفٹ کے دروازے تک آ کر ہمیں بہت تپاک سے رخصت کیا۔

میں نے اپنے کمرے میں پہنچتے ہی موبائل فون پر ویرا کا نمبر ملا لیا۔ اس وقت خلاف توقع سلطان شاہ کی آواز سنائی دی۔

''ریٹا کہاں ہے؟'' میں بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

''ابھی فون مجھے دے کر اپنے کمرے میں گئی ہے۔ کیا بات ہے' تم آواز سے کچھ پریشان معلوم ہو رہے ہو۔''

میرے لب و لہجے نے اس کے کان کھڑے کر دیے۔

''کان کھول کر سن لو اور اسے بھی بتا دینا۔ بڑے ہوٹلوں میں مشتبہ جوڑے کی سرکاری اور غیر سرکاری طور پر تلاش شروع ہو گئی ہے۔ ادھر سے ناکامی کے بعد وہ چھوٹے ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز کا بھی رخ کر سکتے ہیں۔'' میں نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا ''ابھی دشمن بولائے ہوئے ہیں۔ اوسان ٹھکانے آتے ہی قرینے سے جال پھیلا کر تم تک پہنچ سکتے ہیں۔ دونوں کو بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔''

''یہ خبر پرانی ہے اور اس پر ریٹا سے شاید تمہاری بات بھی ہو چکی ہے۔'' وہ بولا۔

''اب اس میں نیا وزن پیدا ہو گیا ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''میں ابھی صدف کے ساتھ ایک خطرناک پیشی بھگت کر آ رہا ہوں۔ تمہارے کمرے کی تلاشی لینے والا' ایک تھائی پولیس افسر کے ساتھ بڑے ہوٹلوں میں پاکستانی جوڑوں سے ملتا......''

میری بات ادھوری رہ گئی۔ اچانک دروازے پر دستک کی آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور میں نے اضطراری طور پر فون بند کر دیا۔ یکا یک عجیب و غریب باتیں ظہور میں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ پتا نہیں اس وقت کون ہمارے دروازے پر آ پہنچا تھا۔

میں پھرتی سے فون جیب میں ڈال کر یوں کرسی پر بیٹھ گیا جیسے دیر سے میرے پاس کوئی کام نہ ہو۔ میرے اشارے پر غزالہ نے دروازہ کھولا تو میرے کانوں میں تھام پوٹ کی لجلجائی ہوئی آواز آئی ''مسز علی! یہ میری اور ہوٹل کی انتظامیہ کی طرف سے خیر سگالی کا تحفہ ہے...... آج آپ کو ڈسٹرب کیا گیا ہے۔ آج کا کرایہ آپ کے بل میں سے منہا کر دیا جائے گا۔''

''شکریہ!'' غزالہ کی سنجیدہ آواز آئی ''پھلوں کی ٹوکری دے دیں۔ شیمپین کی بوتلیں ہمارے لیے بے کار ہیں۔ ہم کوئی شراب نہیں پیتے۔''

میں نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی' غزالہ نے اسے دروازے سے ہی ٹال دیا۔ وہ پلٹی تو اس کے ہاتھ میں تنکوں سے بنی ہوئی ایک خوبصورت ٹوکری جھول رہی تھی جس میں پھلوں کے ساتھ چاکلیٹ کے پیکٹ بھی نظر آ رہے تھے۔

''میں گھبرا گئی تھی کہ اب نہ جانے کون سی مصیبت نازل ہوگئی۔'' اس نے خفت آمیز انداز میں ہنستے ہوئے وہ لدی پھندی ٹوکری لکھنے کی میز پر رکھ دی ''وہ بے چارہ اپنے ناکردہ گناہ کا کفارہ ادا کرنے آیا تھا۔''

''اس کی گرہ سے کچھ نہیں گیا لیکن یہ اچھی اور کامیاب انتظامی پالیسی کا اظہار ہے۔ آج کی رات مفت میں گزرے گی۔ ہم ان پھلوں پر ہی گزارا کرتے رہیں تو یہ ٹوکری ہماری روانگی تک خالی نہیں ہوگی۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔

بات آئی گئی ہوگئی مگر میرے ذہن پر ایک بوجھ سوار ہوگیا۔

میں نے چاؤفان پر ضرورت سے زیادہ بھروسا کرلیا تھا۔ اسے عمر بھر تھائی لینڈ میں ڈان کے ساتھ رہنا بسنا تھا۔ میں اس کے لیے ایک غیر ملکی شناسا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اگر اس کی ذہنی رو صحیح سمت میں چل پڑتی تو وہ پوری بے خوفی سے ہمارے ساتھ وہ سب کرسکتا تھا جو میں کچھ دیر پہلے تک سوچ سوچ کر پریشان ہوتا رہا تھا۔

اس کے بارے میں صرف ایک بات اچھی تھی کہ وہ ذہین نہیں تھا۔ وہ ایک وقت میں ایک ہی سمت میں سوچنے کا عادی تھا اور اپنی پوری صلاحیتیں اسی سمت میں صرف کردیتا تھا۔ اگر ہمیں ڈان کی پارٹی سے فرار کرانے کی سازش اس کے ذہن میں بیٹھ چکی تھی تو اسے یہ دھیان آنا محال تھا کہ وہ کسی اور طرح بھی مجھ سے چھٹکارا حاصل کرسکتا تھا۔

فکروتشویش کے سائے میں وہ رات آئی اور کسی نہ کسی طرح گزرگئی۔ میرے اعصاب پر کمبوڈیا کا پُرخطر سفر سوار ہوچکا تھا۔ سونے سے پہلے میں دیر تک اس امکان پر غور کرتا رہا کہ ہمیں ڈان کو دھوکا دے کر بنکاک سے بھاگنا تھا تو اس کے لیے اگلے دو دن انتظار کی کوفت میں گزارنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم فوری طور پر اپنا مختصر سا اسباب سمیٹ کر اس شہرِ خرابات سے کوچ کرسکتے تھے لیکن چاؤفان کے تعاون کے بغیر ہمارا فرار ہونا ممکن نہیں تھا۔

وہ ڈان سے بہت زیادہ خوف زدہ رہتا تھا۔ دوسری طرف وہ پارٹی کے انتظامات میں الجھا ہوا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ سب کام چھوڑ کر بے خوفی سے ہماری روانگی کا بندوبست کردے گا۔ یہی غنیمت تھا کہ اس نے ڈان کی پارٹی میں ہمیں قابلِ اعتماد گاڑی اور سفر کے لوازم مہیا کرنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ اس دوران میں چاؤفان کی ذہنی رو نہ بھٹکے اور وہ ڈان کے عفریت سے ہماری گلوخلاصی کرادے۔

اگلی صبح کے اخبار میں مشتبہ پاکستانی جوڑے کی زوروشور سے تلاشی کے بارے میں خبر موجود تھی۔ خبر پہلے بھی آچکی تھی۔ اس بار زوروشور کا اضافہ ہوگیا تھا۔ موتی محل میں لگنے والی آگ اور راجن کی موت کے بارے میں خبریں موجود تھیں لیکن ان کے تیور بدل گئے تھے۔ جب تک وہ زندہ تھا' اسے معزز اور شریف شہری قرار دیا جاتا تھا۔ اس کے مرتے ہی اخبار والوں نے اس کا ماضی اچھالنا شروع کردیا تھا۔ یکایک ان کی بینائی تیز ہوگئی تھی اور انہیں ماضی قریب میں ہونے والے بہت سے منظم اور بڑے جرائم میں راجن کا ہاتھ نظر آنے لگا تھا۔

دھونس' دھاندلی' طاقت اور سازشوں کے بل پر بھرپور زندگی گزارنے والے دونوں ساتھی یکساں انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ سوبھراج کی موت ریکارڈ پر نہیں آئی تھی مگر اس کے کرتوت ہر ایک کے سامنے آنا شروع ہوگئے تھے۔ راجن کی موت کی تصدیق ہوگئی تھی۔ اس کے خلاف دل کھول کر بھڑاس نکالی جارہی تھی۔

دوپہر کے بارہ بجے غیر متوقع طور پر ڈان کا فون آگیا۔ اس کے لب ولہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ بہت زیادہ خوش تھا۔ اس نے نہایت پُرتپاک لہجے میں میری مزاج پرسی کی پھر بولا ''تم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ گے؟''

''ہاں......میری کچھ ذاتی مجبوریاں ہیں۔ مجھے جانا ہوگا مگر میرا وعدہ ہے کہ میں جلد ہی واپس آؤں گا۔ تمہارے پاس سال چھ مہینے رہ کر میں اتنا کما سکتا ہوں جو پاکستان میں رہ کر عمر بھر حاصل نہیں ہوسکے گا۔''

فون پر ڈان کے بے ساختہ قہقہے کی آواز گونجی۔ میرے کانوں نے پہلی بار اس کا قہقہہ سنا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''معلوم ہوتا ہے کہ تم نے فرصت میں اس موضوع پر خاصی دماغ سوزی کی ہے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم کچھ دنوں کے لیے یہاں رکو۔ اگلی بار آؤ تو اپنی عورت کو ساتھ نہ لانا۔ عورت کا ساتھ انسان کو بہت کمزور کردیتا ہے۔''

''تم نے میرے دل کی بات پڑھ لی۔'' میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا ''اگلی بار میں اکیلا آنے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔''

''تم نے اپنی واپسی کا معاملہ چاؤفان کے سپرد کردیا ہے۔ یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ میں بار بار تمہیں نہیں بتاسکتا کہ بے پروائی اس کے خمیر میں شامل ہے۔'' ڈان نے اپنی سازش کی داغ بیل ڈال دی ''اب اس کے پیچھے لگ کر اپنے ٹکٹ اور پاسپورٹ جلد لے لینا۔ نشے میں اس نے یہ

چیزیں کہیں چھوڑ دیں تو اسے مر کر بھی یاد نہیں آئے گا کہ اس نے تمہاری چیزیں کہاں چھوڑی ہوں گی۔ تم لٹک کر رہ جاؤ گے۔''

''ڈان! مجھے ایسی بددعا نہ دو۔ وہ اتنا غیر ذمے دار بھی نہیں ہے۔''

''میری ساری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اس وقت میں نے تمہیں دعوت دینے کے لیے فون کیا ہے۔ کل رات چاؤفان تمہیں لے آئے گا۔ اپنی عورت کو ضرور ساتھ لانا۔''

وہ غزالہ کو بار بار عورت کہہ رہا تھا۔ چاؤفان کو میں اس تحقیر آمیز انداز پر جھاڑ چکا تھا۔ ڈان کو کچھ کہنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں نے اوپری دل سے کہا ''ہم ضرور آئیں گے۔''

''ہو سکے تو ایک کام بھی کر ڈالو۔'' ڈان نے سرسری لہجے میں کہا۔

''حکم دو۔ میں جب تک یہاں ہوں' ہر کام کے لیے حاضر ہوں۔''

''پاکستانی جوڑا...... جوڑا نہیں بلکہ ایک مرد اور ایک عورت...... ان کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ بنکاک میں ہزاروں ہوٹل اور گیسٹ ہاؤس بکھرے ہوئے ہیں۔ میرے آدمی ان کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں چل رہا کہ وہ سیام کانٹی نینٹل سے نکل کر کہاں غائب ہو گئے۔ تم بھی اپنے طور پر کوشش کرو' تم نے ان کو ڈھونڈ لیا تو میں تمہیں ایک بڑا انعام دوں گا۔''

''میں کوشش کرتا ہوں!'' میں نے پورے خلوص سے اسے یقین دلایا۔

''تمہیں ان کے کوائف یاد ہیں ناں...... اکبر خان اور ریٹا ایف ہیریسن...... وہ......!''

''مجھے سب یاد ہے۔'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا ''تم نے میرے سامنے چاؤفان کو ان کے بارے میں ہدایات دی تھیں۔''

''وری گڈ!'' ڈان کی ستائشی آواز آئی ''یہ کام ہو جائے تو کل کے جشن کا مزہ دوبالا ہو جائے گا۔ مرد کو عورتیں گھیر لیں گی' عورت مردوں کے نرغے میں ہو گی۔ ہمارے پس ماندہ قبائلی اسے طاغوتی رقص کہتے ہیں۔ یہ دشمن کے گردنا چا جاتا ہے......''

میں اس سے زیادہ تفصیل سننا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر نرمی سے اس کی بات کاٹ دی ''ڈان! آج تم سنسنی خیز باتیں کر رہے ہو۔ میں نے سنا تھا کہ تم عورتوں کی بہت عزت کرتے ہو' اپنی زندگی میں کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا تم نے!''

''میں نے عورت کو حقیر' کم تر اور کمزور سمجھ کر ہمیشہ معاف کیا ہے۔'' اس کی آواز تکبر آمیز ہو گئی ''اس پر رحم کیا جا سکتا ہے' اس کی عزت نہیں کی جا سکتی۔ یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں عورتوں کی عزت کرتا ہوں۔''

''مجھ سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ یہ میرا اندازہ تھا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا ''اچھا ہوا کہ تم نے میری غلط فہمی دور کر دی۔ کمزور سمجھ کر رحم کھانے اور عزت کرنے میں بہت فرق ہے۔''

''عزت بڑوں یا برابر والوں کی' کی جاتی ہے۔'' اس وقت ڈان چبا چبا کر بول رہا تھا۔ اقتدار کا نشہ اس کے لب و لہجے سے جھلک رہا تھا۔ اس نے میرے جواب میں چھپے ہوئے ہلکے سے طنز کو سمجھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔

''تمہاری ہر بات میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔'' میں نے کوئی نئی تلخی پیدا کرنے کے بجائے اس کی ہاں میں ہاں ملانے میں عافیت جانی۔ میں وہ سنبھالا لینے کے بجائے کوئی کڑوی بات کہہ دیتا تو ڈان کا مزاج برہم ہو سکتا تھا ''اپنے سے کم رتبے والوں کی کوئی عزت نہیں کرتا۔'' میں نے اپنی بات پوری کی۔

''کل تم تماشا دیکھ لینا۔'' وہ بولا ''وہاں بہت بڑی بھیڑ نہیں ہو گی' چیدہ چیدہ لوگ آئیں گے۔ ان میں کچھ ایسے بھی ہوں گے جنہیں میں نے جان بوجھ کر نہیں بلایا مگر وہ آئیں گے تاکہ مجھے اپنی قربت اور وفاداری کا یقین دلا سکیں۔''

''ایسے لوگ چڑھتے سورج کی پوجا کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان سے تمہیں بہت زیادہ ہوشیار رہنا ہو گا۔'' میں نے رسمی لہجے میں کہا۔

''میں یہ سب کھیل جانتا ہوں۔ دنیا کو نچانے والے اب میری انگلیوں کے اشاروں پر ناچیں گے۔ اس تماشے کی جھلک کل رات کو نظر آ جائے گی۔''

شاید ڈان نے واقعی مجھے مدعو کرنے کے ارادے سے فون کیا ہو مگر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میری غلطی کی نشان دہی کرنے کے لیے فون کیا ہو۔ چاؤفان مجھے ڈان کے ارادے سے باخبر کر چکا تھا۔ چاؤفان کی غیر ذمے داری پر زور دے کر ڈان نے گویا اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ چند روز بعد وہ مجھے دونوں پاسپورٹ گم ہونے کی خبر دیتا تو ساتھ ہی یہ ٹیپ کا بند بھی دہرا دیتا کہ چاؤفان کے بارے میں وہ پہلے ہی اپنے اندیشے کا اظہار کر چکا تھا۔ میں ڈان کے سامنے شکایت کا ایک لفظ بھی اپنی زبان پر لانے کے قابل نہ رہتا۔

چند ثانیوں تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ڈان نے فون بند کر دیا۔

''ڈان اپنا کام نکال لینے کے بعد شرارت پر تلا ہوا ہے تو آپ اس بارے میں کیوں فکرمند ہو رہے ہیں؟'' غزالہ نے پوری روداد سن کر قدرے حیرت کے ساتھ کہا ''اس کی پارٹی ختم ہونے سے پہلے ہم تھائی لینڈ کی سرحد عبور کر کے کمبوڈیا میں داخل ہو چکے ہوں گے۔ ہمارے نکل جانے کے بعد ڈان جو چاہے کرتا پھرے' اس سے ہمیں کیا نقصان پہنچے گا؟''

''اب وہ پرانا ڈان نہیں رہا۔'' میں نے دھیرے سے کہا ''وہ موذی ہو گیا ہے۔ اگر کہیں بھی کوئی گڑبڑ ہو گئی اور ڈان کو ہمارا سراغ مل گیا تو وہ ہماری زندگیاں عذاب بنا دے گا۔''

''یہ خطرہ پہلے بھی تھا' اب بھی ہے۔ ڈان سے ہونے والی گفتگو کے بعد اس میں کون سا نیا اضافہ ہوا ہے جو آپ پریشان ہو رہے ہیں؟''

''تم بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟'' میں نے ذرا جھنجلا کر کہا ''پہلے بات کھلی نہیں تھی۔ ڈان سے لحاظ ومروت کی امید کی جا سکتی تھی۔ اب وہ کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ اس نے چاؤفان کی غیر ذمے داری کا ذکر کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پاسپورٹوں کی خورد برد کے بارے میں چاؤفان نے مجھ سے غلط بیانی نہیں کی۔ وہ پاسپورٹ غائب کر کے مجھے اپنا قیدی بنانا چاہتا ہے۔ اسے ہمارے فرار کی ذرا بھی سن گن مل گئی تو کم از کم مجھے کچل دینے کی بھرپور کوشش ضرور کرے گا۔ یوں سمجھو کہ اب اس کے ساتھ میری سرد جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔''

''یہ کافی ہے کہ یہ سرد جنگ زیادہ لمبی نہیں ہو گی۔ کل رات اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہاں سے نکل جانے کے بعد آپ اس کے چنگل سے آزاد ہو جائیں گے۔''

''تم یہ سوچ سکتی ہو' میرے لیے یہ فرض کرنا مشکل ہے۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں تمہارے علم میں نہیں ہیں اس لیے تم خوش گمانی میں مبتلا ہو۔''

''آپ اس وقت شدید ذہنی دباؤ میں آئے ہوئے ہیں۔'' غزالہ نے متانت سے کہا ''چھوٹی اور بڑی ہر اہم بات مجھے بتا دیں تاکہ میں آپ کو بہتر مشورہ دے سکوں۔ یہ ہم سب کے لیے بہت خطرناک مرحلہ ہے۔ ذرا سی چوک ہوئی تو سب مارے جائیں گے۔''

''ڈان کے سارے روابط بہت تیزی سے استوار ہو رہے ہیں'' میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہنا شروع کیا'' چاؤفان بتا رہا تھا کہ امیگریشن کے محکمے کا سر ڈان کا پرانا دوست ہے۔ ڈان میرے بارے میں اسے ہدایت دے چکا تھا۔ اگر میں خاموشی سے بنکاک سے روانہ ہونے کی کوشش کرتا تو امیگریشن والے کسی بھی بہانے مجھے سفر کرنے سے روک دیتے۔''

''آپ نے پاسپورٹ لوٹا دیے ہیں۔ اب ایسا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔''

میں نے خاموشی سے غزالہ کی آنکھوں میں جھانکا پھر کہا ''تم درست کہہ رہی ہو لیکن اس سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ ڈان کا اثر رسوخ بہت زیادہ ہے۔ وہ کمبوڈیا میں بھی ہمیں تلاش کر سکتا ہے۔ تھائی لینڈ کے قرب وجوار کے ملکوں میں ہم زیادہ دیر تک اس سے نہیں بچ سکیں گے۔''

''یہ مسئلہ واقعی گمبھیر ہے۔ سفری دستاویزات کے بغیر ہم وہاں سے کیسے نکل سکیں گے...... اس بار ہمارے پاسپورٹوں کی تیاری میں جلال کو کیا مشکل پیش آ رہی ہے؟''

''پاسپورٹ بن چکے ہیں۔ ان کا کوئی مسئلہ نہیں' ساری دشواری ویزا کے حصول میں پیش آ رہی ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''ہمارے لیے متعدد ملکوں کا ویزا ضروری ہے۔ بعض ممالک نے ویزا کے اجرا کا طریقہ پیچیدہ بنا دیا ہے' جس کے باعث دیر ہو رہی ہے۔''

''اب پوری صورتِ حال واضح ہو گئی۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی ''پاسپورٹ بنوانا جلال کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ساری دشواری ویزا کی ہے' اب کیا ہو گا؟''

''وہی ہو گا جو منظورِ خدا ہو گا۔'' میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا ''اس سے ایک بار پھر بات کرنی پڑے گی۔ ہماری یہاں سے روانگی اٹل ہے۔ ہمارے پاسپورٹ تاخیر سے آتے ہیں تو طارق کو کمبوڈیا تک دوڑ لگانی ہو گی۔ جب تک ہم تھائی لینڈ کی سرحدوں سے دس پانچ ہزار میل دور نہیں نکل جاتے' ڈان کا خطرہ ہمارے سروں پر منڈلاتا رہے گا۔''

وہ نکتہ میرے ذہن میں اتنا واضح نہیں تھا۔ غزالہ سے ہونے والے سوال وجواب میں بات سے بات نکلتی رہی اور وہ نتیجہ سامنے آ گیا۔

کمبوڈیا اس علاقے کا ایک افلاس زدہ ملک تھا۔ چاؤفان نے اس ملک کے سرحدی پاسبانوں کی بدعنوانیوں اور رشوت خوری کی جو تصویر پیش کی تھی اس سے یہ امید پیدا ہو چلی تھی کہ کمبوڈیا میں رقم خرچ کر کے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا تھا لیکن ایسے لین دین اور سہولتوں کے حصول کے لیے

زبان سے واقفیت ضروری تھی۔

تھائی لینڈ میں دنیا بھر سے انگریزی بولنے والے لاکھوں سیاح آتے ہیں لیکن بنکاک میں انگریزی جاننے والے عام مقامیوں کی تعداد قابل رحم حد تک کم تھی۔ کمبوڈیا میں مجھے اس سے بدتر حال نظر آنے کی توقع تھی۔ جب زبان یارمن ترکی ومن ترکی نمی دانم والا معاملہ ہو تو روزمرہ گزارا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے ملک میں کسی سے غیر قانونی سفر کے بارے میں معاملات طے کرنا مشکل ہی نہیں' خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا۔

بہتر یہی تھا کہ ہم جیسے تیسے تھائی لینڈ سے نکل جاتے اور کمبوڈیا میں کہیں ٹک کر جلال کے بھیجے جانے والے نئے پاسپورٹوں کا انتظار کرتے۔ ان پر بنکاک میں داخلے کی مہروں کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ان پر ہمارے کمبوڈیا میں داخل ہونے کا اندراج ہوتا تو ہم ان پاسپورٹوں پر نئے ناموں کے ساتھ نہایت اطمینان سے کسی اور منزل کی طرف روانہ ہو سکتے تھے۔ ڈان یا گیری کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم بنکاک سے کہاں غائب ہو گئے تھے۔

اس موضوع پر مسلسل سوچتے رہنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند باریکیاں میرے ذہن میں واضح ہو گئیں جو بدلے ہوئے حالات میں کلیدی اہمیت اختیار کر گئی تھیں۔

نئے ناموں سے ہمارے لیے پاسپورٹ اور ویزا کے حصول کے لیے جلال کی ہدایات پر جو کچھ ہو رہا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم بنکاک سے کسی بین الاقوامی پرواز کے ذریعے کسی دور دراز مقام کے لیے روانہ ہو سکیں۔ اس پلان میں کمبوڈیا جیسے غیر معروف ملک کا سرے سے کوئی ذکر نہیں تھا۔

جلال سے آخری بار میری گفتگو ہوئی تو میں نے اسے یہ بتا دیا تھا کہ میں ہر قیمت پر بنکاک سے نکل بھاگنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے میری اگلی منزل کے بارے میں جاننا چاہا تو میں اسے کوئی جواب نہیں دے سکا کیونکہ اس وقت تک مجھے خود بھی علم نہیں تھا کہ چاؤفان مجھے کدھر کا رخ کرنے کا مشورہ دے گا۔

جلال کو یہ معلوم ہونا بہت ضروری تھا کہ تاخیر ہونے کی صورت میں ہمیں تھائی لینڈ کے ویزا کی ضرورت رہی تھی نہ بنکاک میں داخلے کی مہروں کی ضرورت تھی۔ ان لوازم کی تکمیل کمبوڈیا کے حوالے سے ہونی تھی۔ جب تک ہمارے پاس کمبوڈیا میں داخل ہونے کا جائزہ اور قانونی ثبوت نہ ہوتا ہم وہاں سے آسانی سے نہیں نکل سکتے تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ وہ مسئلہ اتنی شدت کے ساتھ میرے ذہن پر سوار ہوتا چلا گیا کہ میں نے بے چین ہو کر جلال کا فون نمبر ملا لیا۔

وہ اس وقت دبئی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر تھا۔

''ایئرپورٹ پر تم کیا کر رہے ہو؟'' جلال کی زبان سے وہ خبر سنتے ہی میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

''ایک گھنٹے بعد میں کراچی روانہ ہو رہا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کس سلسلے میں فون کیا ہے؟'' اس نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

''کراچی!'' میں نے چونک کر دہرایا ''کیا تمہاری کانفرنس ختم ہو گئی؟''

''کل کانفرنس کا آخری دن ہے۔ میں اپنے معاون کو یہاں چھوڑ کر واپس جا رہا ہوں۔ میرے لیے تم چاروں کا معاملہ زیادہ اہم ہے۔ اس میں گڑبڑ ہو گئی تو ہمیں پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔'' اس کی آواز سے بے چینی مترشح ہو رہی تھی۔

''میں تمہارا ممنون ہوں۔'' میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا ''تم نے معاملات کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ یہاں کے حالات پل پل رنگ بدل رہے ہیں' ہم دونوں اپنے پاسپورٹوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ ہم کسی نہ کسی طرح کل رات یہاں سے نکل جائیں گے......''

اس نے اضطراری انداز میں میری بات کاٹ دی ''کسی طرح دو دن اور گزار لو۔ میں تم لوگوں کے مکمل پاسپورٹ وغیرہ لے کر خود بنکاک آؤں گا۔ اس کے بعد میں تمہیں ایک پل بھی نہیں روکوں گا۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم بہت برے پھنسے ہوئے ہو۔ عجلت میں تمہارے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو میں عمر بھر خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔''

''کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا ''میں نے ناپا تلا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس میں کامیابی کا نوے فی صد سے زیادہ امکان ہے۔ کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو وہ ہمارے مقدر کی خرابی کے سبب ہوگی۔ مقدر کو ٹالنا میرے اور تمہارے بس سے باہر ہے۔''

''اب تک تم نے یہ تو طے کر لیا ہوگا کہ تمہیں کہاں جانا ہے؟''

''کمبوڈیا! ہم رشوت دے کر زمینی راستے سے وہاں پہنچیں گے۔'' میں نے اسے بتایا ''اب بنکاک اور تھائی لینڈ کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ ہمارے پاسپورٹوں کے مندرجات

کچھ ایسے ہونے چاہئیں کہ ہم کمبوڈیا سے بلا روک ٹوک نکل سکیں۔"

"بہت مناسب فیصلہ ہے۔" اس نے بے ساختہ لہجے میں میری تائید کی "بنکاک تمہارے بدترین دشمنوں کی آماج گاہ بن چکا ہے۔ کمبوڈیا میں تمہیں ان سب سے نجات مل جائے گی...... ہوسکے تو مجھے اپنے منصوبے کے کچھ خدوخال بتادو۔"

آخری فقرے پر اس کے لہجے میں عاجزی سمٹ آئی تھی۔ میں چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ وہ آئی بی کا ایک ذمے دار اور باخبر افسر تھا۔ اگر وہ فون پر کچھ جاننے کی خواہش ظاہر کررہا تھا تو اسے اس خواہش کے مضمرات کا بھی اندازہ ہونا چاہیے تھا۔ فون پر میری کہی ہوئی باتیں کسی اور کے کانوں میں پڑجاتیں تو میں بہت مخدوش حالات کا شکار ہوسکتا تھا۔

پھر مجھے یاد آیا کہ جب میں نے اپنے موتی محل کے داخلے کے سلسلے میں فون پر کراس ٹاک سننے کا افسانہ تراشتے ہوئے بنکاک کے فون سسٹم پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار کیا تو ڈان نے پورے اعتماد سے اس سسٹم کی وکالت کی تھی۔ ویسے بھی میں نے بنکاک آنے کے بعد کسی اہم بات کے لیے لینڈ لائن استعمال کی تھی اور نہ سی ایس ڈی سامان سے نکالنے کی نوبت آئی تھی۔ سارے اہم اور خفیہ رابطوں کے لیے دو موبائل فون میرے استعمال میں رہتے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ محتاط رہنے کے باوجود مجھے ان پر بہت کچھ کہنا پڑتا تھا۔ اس کے باوجود میرے قیام کے دوران میں اس حوالے سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ جب تک خاص طور پر کوشش نہ کی جاتی، میرے موبائل فونز پر ہونے والی گفتگو کوئی غیر متعلق آدمی نہیں سن سکتا تھا۔

دوسرا اور اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ ڈان اور چاؤفان کو میرے اس فون کا سرے سے کوئی علم نہیں تھا جو مجھے اول خان نے دیا تھا۔ میرے سارے بیرون ملک رابطے اسی فون پر ہوتے تھے۔ ان دونوں کو صرف اس مقامی موبائل فون کا علم تھا جو میں نے بنکاک میں لیا تھا۔ ڈان میری سرگرمیوں سے باخبر رہنے کے لیے کسی کو میرے پیچھے لگاتا تو اس کی ساری توجہ اسی فون نمبر پر مرکوز رہتی جس پر میں ڈان اور چاؤفان سے بات کرتا تھا۔

میری چند لمحوں کی خاموشی سے جلال نے میری الجھن بھانپ لی اور میرے لب کشا ہونے سے پہلے مضطربانہ لہجے میں بولا "فکر نہ کرو...... موبائل فون محفوظ ہے، ہماری گفتگو کوئی تمہیں سن سکے گا، کسی نے سن بھی لی تو اردو اس کے پلے نہیں پڑے گی۔"

اس کا تبصرہ سنتے ہی میں نے اسے اشاروں کنایوں میں اپنے پورے منصوبے سے آگاہ کردیا۔ میں نے چاؤفان کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ میری زبان سے ایسے کلمات سنتے ہی وہ مصر ہوجاتا کہ میں کوئی خطرہ مول لینے کے بجائے اس کی طرف سے آنے والے پیکٹ کا انتظار کرلوں۔ مجھے اس کے خلوص کے بارے میں کبھی کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ یہ بہت بڑی بات تھی کہ اس نے ہماری پریشانی کا ادراک کرتے ہوئے دبئی کی کانفرنس سے قبل از وقت واپس لوٹنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور بذات خود ہمارے پاسپورٹ بنکاک لانے پر تل گیا تھا۔

"میں کبھی سوچ بھی نہیں سکا کہ کسی وقت تمہیں کمبوڈیا جانا پڑے گا۔" اس نے میری روداد سن کر پرتشویش آواز میں کہا "تمہارے پرانے پاسپورٹ پر کمبوڈیا کا اندراج تھا نہ اب یہ ملک شامل ہے۔ میں کراچی پہنچتے ہی کوئی بندوبست کرتا ہوں۔ آثار بتارہے ہیں کہ اب مجھے بنکاک کے بجائے کمبوڈیا میں تم سے ملنا ہوگا۔"

"ابھی مجھے خود اندازہ نہیں کہ ہم کس شہر میں نکلیں گے۔" میں نے تفکر آمیز لہجے میں جواب دیا "اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہاں سے نکل کر کمبوڈیا میں داخل ہونا ہے۔ یہ مرحلہ طے ہوتے ہی میں تم کو تازہ ترین حالات سے آگاہ کروں گا۔"

"یہ خیال رکھنا کہ شہر بڑا ہو اور وہاں سے بین الاقوامی پروازیں روانہ ہوتی ہوں۔" اس نے پرخلوص لہجے میں مشورہ دیا۔

"مجھے تمہاری مجبوریوں اور ذمے داریوں کا اندازہ ہے۔" میں نے کہا "پاسپورٹوں کے اندراجات درست ہوں تو تمہیں کمبوڈیا آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنے کسی بھی قابل اعتماد آدمی کے ہاتھ ہمارا پیکٹ بھیج سکتے ہو......"

اس نے میری بات درمیان سے کاٹ دی "تم ان تفکرات کو اپنے ذہن سے جھٹک دو، میں نے اپنے ذہن میں ایک خاکہ بنالیا ہے۔ دعا کرو کہ میں اپنی کوششوں میں کامیاب رہوں۔ تم سے بس اتنی گزارش ہے کہ اب اپنا نام منظر عام پر نہ آنے دینا۔"

"مجھے تمہاری ہدایت اچھی طرح یاد ہے۔ راجن سے آخری مقابلے میں، میں نے بم گن ضرور استعمال کی مگر اس کی نشانیاں اس طرح مٹائیں کہ اب تک کہیں سے اس کا ذکر

سننے میں نہیں آیا۔'' میں نے اس کی مکرر تاکید کا برا منائے بغیر جواب دیا ''میری کوشش ہوگی کہ آیندہ ایسی کوئی نوبت بھی نہ آنے پائے مگر مجبوری انسان کو بے بس کر دیتی ہے۔''

''میرے اطمینان کے لیے اتنا کافی ہے کہ میرا مشورہ تمہارے ذہن میں جاگزیں ہے۔ تم نے سرسری انداز میں اسے فراموش نہیں کیا۔''

''میں اب یہاں سے کسی سے رابطہ نہیں کروں گا۔ تم سے بات کرنی ضروری تھی۔ یہ تو بتاؤ کہ اول خان کا کیا حال ہے، وہ کیا کر رہا ہے؟''

''محنتی آدمی کہیں بھی ہو، اپنا وجود منوا لیتا ہے۔'' جلال کی آواز سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی ''میرا اندازہ ہے کہ امریکی کیمپ کا دباؤ ختم کرنے کے لیے اسے کراچی سے گوادر بھیجا گیا تھا۔ اس نے وہاں اپنے لیے کام تلاش کر لیا۔ باقی کسر تمہاری ٹپ نے پوری کر دی۔ میری تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اس نے تین آدمی دھر لیے ہیں۔ ان میں ایک مقامی اور دو بھارتی ہیں۔''

''کیا یہ غیر معمولی پیش رفت نہیں ہے؟'' میں نے اس کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی تحیر زدہ لہجے میں سوال کیا۔

''یہ اس کی انتہائی غیر معمولی کامیابی ہے۔'' اس سے زیادہ حیران کن حقیقت یہ ہے کہ زندہ بچنے والے بھارتی نے بہت تیزی سے سب کچھ اگل دیا ہے۔''

''یہ کیسے ہوا......؟ کیا ان میں سے کوئی مارا بھی گیا ہے؟'' میری حیرت میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

''تینوں کچھ مزاحمت کے بعد زندہ پکڑے گئے تھے۔ تمہارا اول خان ملک کے دشمنوں کے لیے بہت سفاک آدمی ہے۔ روٹین کی باز پرس میں ناکامی کے بعد اس نے دو کے سامنے ایک بھارتی ایجنٹ کو گندھک کے تیزاب سے نہلا دیا۔ رنگ سازوں کے برش سے اس کے پورے بدن پر دھیرے دھیرے تیزاب پھیرا گیا اور وہ بلبلا اٹھا۔ اس کی کرب ناک موت دیکھ کر دونوں نے ٹیپ ریکارڈر کی طرح بولنا شروع کر دیا۔ تمہاری دی ہوئی خبر سو فی صد درست تھی۔ بنکاک سے تین کی ٹولی وہاں پہنچی تھی۔ ان کے سرغنہ کو راجن ممبئی سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ شاید وہی را کا اصل ایجنٹ تھا جس کی تلاش جاری ہے۔ بقیہ دونوں بدمعاش اس کے مددگار تھے۔ ایک مر گیا، دوسرا اول خان کا قیدی ہے۔''

وہ تفصیل سن کر میرے ذہن میں سوالات کا ایک طوفان سا اٹھا۔ میری دانست میں وہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ اس بارے میں مکمل معلومات اول خان ہی فراہم کر سکتا تھا۔ وہ جلال سے زیادہ جرح کرنے کا محل نہیں تھا۔ میں نے کہا ''اس نے پنجاب جانے والی دوسری پارٹی کے بارے میں بھی کچھ بتایا ہوگا۔''

''ہاں، ابھی اتنی خبر ملی ہے کہ ان کی تعداد چار ہے۔ ان کے لیے جو ہے دان تیار کیا جا چکا ہے۔ وہ اپنے قیدی کو چھڑانے کے لیے جوں ہی نمودار ہوں گے، بھاری سادہ پوش نفری انہیں گھیر لے گی۔''

''مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ میں نے یہاں بیٹھ کر اپنا وقت برباد نہیں کیا۔ اپنے ملک کے لیے کچھ نہ کچھ کرتا رہا ہوں۔ کاش، میں جلد از جلد وہاں آ سکوں۔''

جلال کی طرف سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا۔ میرے بے ساختہ کلمات سے شاید اسے ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ لمحہ بھر کے نہایت واضح سکوت کے بعد اس کی ٹھہری ہوئی اور دھیمی آواز ابھری ''فکر نہ کرو، میں کوشش میں لگا ہوا ہوں کہ تم کو جلاوطن شہزادہ نہ بننا پڑے، تم جلد از جلد ہمارے درمیان لوٹ آؤ۔ تم کو اندازہ نہیں ہے کہ میرے اور بہت سے دردمند پاکستانیوں کے دلوں میں تمہارے لیے کتنی عزت ہے۔ ایک فرد کی حیثیت سے تم نے نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں۔ تم کچھ بھی نہ کرتے تو ہم راجن کے خاتمے پر ہمیشہ تمہارے احسان مند رہتے۔ تم نے را کے بڑے بڑے ستون گرائے ہیں۔ ان کا ایک زخم بھرنے نہیں پاتا کہ تم انہیں دوسرا گھاؤ لگا دیتے ہو۔''

''یہ ہماری خوش فہمیاں ہیں۔ دہلی میں نریش شرما اور انل بسواس مارے گئے تھے تو ہمارا خیال تھا کہ اب را کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ پاکستان کے خلاف ان کی کارروائیاں ایک لمبے عرصے کے لیے ماند پڑ جائیں گی لیکن وہ آج بھی اسی طرح سرگرم عمل ہیں۔'' میں نے ہلکی سی تلخی سے کہا ''دراصل فرد اور ادارے میں یہی فرق ہوتا ہے۔ فرد ختم ہوتا ہے تو اس کا بنایا ہوا پورا شیش محل اچانک ختم ہو جاتا ہے۔ اداروں میں افراد کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انل دہلی سے ڈوریاں ہلا رہا تھا۔ ساگر نے بنکاک میں راجن کا سہارا لے لیا۔ پاکستان کے خلاف ان کی سازشیں اور سرگرمیاں آج بھی جاری ہیں۔''

''ان کی نوعیت دوسری ہے جو نیٹ ورک تم نے توڑا تھا، اس کا متبادل اب تک تیار نہیں کیا جا سکا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے پاس راجن کے بارے میں حساس اور خفیہ معلومات موجود تھیں جو میں تم کو بھی نہیں دے سکتا تھا۔ راجن ایک الگ اور بڑا مسئلہ تھا۔ وہ خود گیا، گوادر میں اس کے بھیجے

لوٹنے کا موقع ملا، یہ میرا وعدہ ہے کہ ہم بنکاک میں رکتے ہوئے جائیں گے تاکہ تم دل کھول کر اپنی خریداری کر سکو۔"

"آنے والا وقت کس نے دیکھا ہے۔ میرے دل میں ایک بات آئی اور میں نے آپ سے کہہ دی۔ یہاں اور کون ہے جس سے دل کی بات کی جائے۔" اس نے ایک ادا سے اپنا سر جھٹک کے کہا "ایک دوسرے سے کچھ کہہ سن لیا جائے تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ چند گھنٹوں کی بات ہے پھر تمہارے چھیتے تم سے آملیں گے۔ ویرا کی بعض عادتوں کو ناپسند کرنے کے باوجود اس سے تمہاری گاڑھی چھنتی ہے۔ سیام پارک میں ہونے والی پہلی ملاقات میں تم اس کے ساتھ الگ بیٹھ کر یوں راز و نیاز کر رہی تھیں جیسے وہ تمہاری اکلوتی سہیلی ہو۔"

"اوہ......! آپ نے یہ بھی نوٹ کر لیا۔" اس نے بے ساختہ ایک گہرا سانس لے کر کہا "عورتوں کی بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو آپس میں کی جاتی ہیں۔ میں آپ کے خلاف کوئی سازش نہیں کر رہی تھی۔"

اس کے لہجے کی شوخی نے وہ بات وہیں ختم کر دی مگر میں نے دل ہی دل میں طے کر لیا تھا کہ پہلی فرصت میسر آنے پر اس کی خریداری کی خواہش کو پورا کرنے کا موقع ضرور دوں گا۔

چار بجے چاؤفان کی کال آگئی۔ اس کی آواز اور لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت بری طرح الجھا ہوا اور بدحواس ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے یہ یاد دہانی کرانے کے لیے فون کیا تھا کہ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے ٹھیک ساڑھے چھ بجے ہوٹل پہنچ جائے گا۔

اس نے زیادہ بات کی نہ میں نے چھیڑ چھاڑ کی کوئی کوشش کی۔ میری رضامندی پاتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔

ہوٹل کا حساب کچھ اس طرح چل رہا تھا کہ ہر وقت ہمارا ایک دن کا کرایہ وغیرہ پیشگی جمع رہتا تھا۔ ہم کسی اطلاع کے بغیر رخصت ہو جاتے تو ہوٹل والوں کو کم از کم واجبات کی حد تک کوئی شکوہ نہ ہوتا۔ میں نے پیشگی جمع کرائی ہوئی آخری رسید کا جائزہ لے کر اسے تلف کر دیا۔ غزالہ نے پورے کمرے کی تلاشی لینی شروع کر دی تھی۔

اسے مصروف چھوڑ کر میں غسل خانے میں گھس گیا تاکہ بنکاک میں آخری پُرتعیش غسل سے لطف اندوز ہو سکوں۔

چھ بجے ہم دونوں پوری طرح تیار ہو چکے تھے۔ ویرا کی طرح غزالہ بھی میک اپ کی عادی نہیں تھی۔ ڈان کی تقریب میں شرکت کے لیے اس نے سیاہ دھاریوں والا سوٹ زیب تن کیا تھا، جس میں اس کا نکھرا نکھرا سراپا بہت زیادہ دلکش لگ رہا تھا۔ میں نے ناقدانہ نظروں سے اس کا بھرپور جائزہ لیا لیکن کوئی نکتہ تلاش نہ کر سکا جس کے سہارے غزالہ کی شخصیت کو دبایا جا سکے۔

وہ شرابیوں اور زن پرستوں کا جشن تھا جہاں ذہنی کج روی کو مہمیز دینے کے سارے اسباب جمع کیے جانے تھے۔ مجھے فکر تھی کہ غزالہ وہاں آنے والوں کی بدنگاہی سے محفوظ رہ سکے۔ ڈان کے مہمانوں میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا تو میرے لیے اپنی کھوپڑی پر قابو پانا دشوار ہو جاتا اور فرار کا منصوبہ پس پشت چلا جاتا۔

غزالہ میری تیز نگاہوں کا مدعا بھانپ کر مسکراتے ہوئے بولی "مجھے یوں گھور گھور کر نہ دیکھیں۔ میں نے دانستہ یہ سیاہ دھاریوں والا لباس پہنا ہے۔ رنگ اور ڈیزائن کے لحاظ سے یہی سب سے ہلکا تھا۔ میں وہاں خود کو سنبھال لوں گی۔ بس آپ اپنے غصے پر قابو رکھیے گا۔"

غزالہ نے ہمارا ضروری اسباب ایک تھیلے میں سمیٹ لیا تھا۔ جو شولڈر بیگ کی صورت میں آسانی سے اس کے شانے کی زینت بن سکتا تھا۔ کپڑے وغیرہ وہیں چھوڑ دیے گئے کیونکہ ہم کوئی بڑا تھیلا لے کر ڈان کی پارٹی میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ چاؤفان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ہمارے اسباب کا تھیلا خاموشی سے مسروقہ کار میں منتقل کر دے۔ ہمیں بالکل نارمل انداز میں پارٹی میں شریک ہونا تھا تاکہ ڈان کو ہمارے عزائم پر کوئی شبہ نہ ہو سکے۔

سوا چھ بجے ہم نے اپنے کمرے کا الوداعی جائزہ لے کر اسے خیرباد کہہ دیا۔

اپنے فلور سے ہوٹل کے دروازے تک مجھے یوں محسوس ہوتا رہا جیسے ہر آنے جانے والا ہمیں غور سے دیکھ رہا ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے سنسنی خیز معرکے سر کیے تھے لیکن کسی ملک سے ایک منظم سازش کے ذریعے فرار ہونے کا وہ پہلا تجربہ تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز تھیں اور آنے والے مراحل کے بارے میں ذہن میں ایک بھونچال سا آیا ہوا تھا۔

ہم اپنے خوف اور وسوسوں کو اپنے دلوں میں چھپائے خراماں خراماں ہوٹل سے باہر نکلے تو دور ہی سے چاؤفان کی سیاہ اکارڈ نظر آگئی۔ وہ اپنے معمول کے مطابق مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے ہی آپہنچا تھا۔

ہمارے کار تک پہنچنے سے چند لمحے پہلے اس نے نیچے اتر کر غزالہ کے لیے ادب سے پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر مجھے حیران کر دیا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی یا پرائی کسی بھی عورت کی عزت نہیں کرتے، صنفِ نازک کو ہر حال میں

یک پُرتعیش کھلونا تصور کرتے ہیں۔

دروازہ بند کر کے اس نے کسی مستعد ڈرائیور کی طرح اپنی جگہ سنبھالی اور گاڑی تیزی سے حرکت میں آ گئی۔

''ماسٹر! تمہارا سامان کہاں ہے؟'' اس نے دھیمی اور سپاٹ آواز میں پوچھا۔

''سب ہوٹل میں چھوڑ دیا۔ ڈان سے آزادی کے لیے یہ قربانی ضروری تھی۔'' میں نے کہا۔

''اچھا کیا' میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم پارٹی میں تھیلا کہاں لیے پھرو گے۔''

''کیا تم اسے ہماری گاڑی میں نہیں ڈال سکتے تھے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ماسٹر! توبہ کرو...... اب میں بھول کر بھی اس گاڑی کے قریب نہیں جاؤں گا۔ وہ شان دار بجیرو ہے اور وہاں پہنچائی جا چکی ہے۔' بات کرتے ہوئے اس نے اپنا بایاں ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالا اور چابی نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا ''اس میں سب کچھ موجود ہے' ٹنکی بھری ہوئی ہے۔ فاضل کین بھی تیل سے بھرا ہوا ہے۔ تمہیں اس کی ضرورت نہیں پڑے گی پھر بھی میں نے احتیاط سے کام لیا ہے...... آج میں خود کو معزز سمجھ رہا ہوں۔ اپنی مادام کو پہلی بار میری گاڑی میں بٹھا کر تم نے میری عزت افزائی کی ہے۔ میں تم دونوں کے لیے دعا گو رہوں گا۔''

''چاؤفان! یہ مادام نہیں میری بیوی ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''ماسٹر! تمہیں عورت کہنے پر اعتراض تھا' مادام تو عزت کا لفظ ہے۔ کیا تم اسے بھی برا سمجھتے ہو؟'' اس نے معصومانہ حیرت سے سوال کیا۔

''یقیناً عزت کا لفظ ہے لیکن تم نے اسے لی کے لیے استعمال کر کے مشکوک بنا دیا ہے۔''

وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا اور پیچھے مڑے بغیر بولا ''ہدف! تمہارا شوہر بہت دلچسپ اور دلیر آدمی ہے۔ ہر وقت حاضر دماغ رہتا ہے۔''

''بجیرو میں گاڑی کے کاغذات موجود ہیں؟'' میں نے غزالہ کے کچھ بولنے سے پہلے بات کا رخ یکا یک تبدیل کر دیا۔

''رنگ اور نمبر پلیٹ بدلی ہوئی ہے۔ اس کے مطابق کاغذات کی جعلی نوٹو کاپیاں بھی رکھ دی ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ تم کو ان کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ تھائی پولیس قیمتی اور نئی گاڑیوں کو کہیں نہیں روکتی۔ میں نے یہی سوچ کر نئی بجیرو کا بندوبست کیا ہے۔ گاڑی کی سج دھج کمزور ہوتی تو راستے میں تم کہیں بھی مشکل میں پڑ سکتے تھے۔''

مجھے اس کی زبان سے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تھائی پولیس کی ذہنی سطح ہماری پولیس سے بلند نہیں تھی۔ جاہ و حشمت اور ثروت و امارت سے وہ بھی فی الفور مرعوب ہو جانے کے عادی تھے۔ خوش پوش مجرم واردات کا ارتکاب کر کے بیش قیمت گاڑی میں آسانی سے فرار ہو سکتے تھے۔ خستہ حال گاڑیوں میں سفر کرنے والے بلا تکلف کہیں بھی روکے جا سکتے تھے اور ضرورت پیش آنے پر مشتبہ قرار دے کر بند کیے جا سکتے تھے۔

وہ ضمنی خوشی تھی۔ اہم تر بات یہ تھی کہ چاؤفان نے ہمارے فرار کے منصوبے پر خاصی باریکی کے ساتھ کام کیا تھا۔ بجیرو کا بندوبست دیگ کے ایک چاول کی طرح اس کی نیک نیتی کی غمازی کر رہا تھا۔ میں نے سارے منفی خیالات اسی لمحے اپنے ذہن سے جھٹک دیے۔ چاؤفان کے بارے میں اندیشے دور ہوتے ہی مجھے تقویت اور توانائی کا احساس ہونے لگا۔

''چاؤفان! میں تمہارا ممنون ہوں۔'' میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا ''میں زندگی بھر تمہارے اس تعاون کو فراموش نہیں کر سکوں گا۔''

''ماسٹر! مجھے شرمندہ نہ کرو۔ تمہارے بھاگ جانے میں تمہارے ساتھ میرا بھی فائدہ ہے۔ تم نے مجھے یہ رخ نہ سمجھایا ہوتا تو میں مر کر بھی ڈان کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاتا۔'' ...... آخری سفر میں صاف گوئی سے کام لے کر اس نے مجھ سے زیادہ غزالہ کو حیران کر دیا۔

''اس کے باوجود تم ہمارے محسن ہو۔'' غزالہ بولی ''تمہارے تعاون کے بغیر ہم یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔''

''اب بھی یہ مرحلہ آسان نہیں ہے۔' چاؤفان متانت سے بولا ''گاڑی میں اس علاقے کا ایک بڑا نقشہ رکھا ہوا ہے۔ میں نے سرخ قلم سے تمہارے راستے کی نشان دہی کر دی ہے۔ بنکاک سے نکلنے کے بعد راستہ کچا پکا اور خراب ہے۔ تم بھٹک گئے تو پھر اللہ ہی تمہارا محافظ ہوگا۔''

''تم نے اپنی سی ہر کوشش کر لی ہے۔ اب کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو وہ ہمارا مقدر ہوگا۔'' میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا ''بنکاک سے نکلنے کے بعد تم قدم قدم پر یاد آتے رہو گے۔''

''تمہارا سفر درست سمت میں جاری رہا تو تم سورج نکلنے سے پہلے کمبوڈیا میں سیسو پھون کے سرحدی قصبے میں داخل ہو جاؤ گے۔'' وہ پُرخیال آواز میں بولا۔

''وہاں تمہاری کمی بری طرح محسوس ہوگی۔'' میں نے

سوچے سمجھے انداز میں گفتگو کا رخ بدلا ''کمبوڈیا کی زبان سے ناواقفیت ہمارے لیے عذاب بن سکتی ہے۔''

''وہ پس ماندہ ملک ہے' غربت اور جہالت عام ہے۔ وہاں نوم پنہہ سے باہر انگریزی جاننے والے بہت کم ملیں گے۔ کوئی بھی مشکل درپیش ہو تو بے دریغ ڈالر یا مقامی کرنسی استعمال کرنا۔ غربت کی وجہ سے لوگ خاصے لالچی ہیں۔'' چاؤفان نے اپنے تجربات کا نچوڑ بتایا۔

''تم وہاں آتے جاتے رہتے ہو۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہمیں کسی کارآمد آدمی کا پتا وغیرہ دے دو۔ ہم اس کو منہ مانگا معاوضہ دیں گے۔''

''ماسٹر! کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ خوف زدہ آواز میں بولا ''یہ بات زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہ سکے گی کہ میں نے دو غیر ملکیوں کو وہاں کسی کے پاس بھیجا تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے ڈان کے اعتماد کو دھوکا دے رہا ہوں لیکن اس کے غیظ و غضب کا سامنا نہیں کر سکتا۔ اس علاقے میں میرے دسیوں شناسا ہیں مگر میں تم کو کسی کے پاس نہیں بھیج سکتا۔''

''تم نہ بھیجو' مجھے صرف نام' پتا اور فون نمبر دے دو۔'' میں نے لجاجت سے کہا ''میں تمہارا نام لیے بغیر اس سے رابطہ کروں گا۔ اسے رقم ملے گی تو وہ زیادہ پوچھ گچھ نہیں کرے گا۔''

''ماسٹر! تم کیوں اس طرح بات کر رہے ہو' میں زمین میں گڑا جا رہا ہوں۔''

''اس وقت تم زمین پر نہیں' اپنی کار میں ہو۔ تم نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے تو تھوڑی سی ہمت اور کر ڈالو۔ یقین رکھو کہ تمہارا نام درمیان میں نہیں آئے گا۔''

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' اس نے اٹل لہجے میں کہا ''تم ان علاقوں کے رواج سے ناواقف ہو۔ وہاں حوالے کے بغیر کوئی تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ جو بھی ملے گا' سب سے پہلے یہ جاننا چاہے گا کہ تمہیں کس نے اس کے پاس بھیجا ہے۔ نام شناسا ہوا تو وہ تمہارا خادم ثابت ہوگا ورنہ وہ رکھائی سے تمہاری ساری جمع پونجی لوٹنے کا منصوبہ بنانے میں مصروف ہو جائے گا۔''

''یہ اور بھی آسان ہے۔'' میرے ذہن میں برمحل ایک تجویز آ گئی ''تم اپنے کسی حریف کا نام بتا دو جو اس علاقے میں پہچانا جاتا ہو۔ بات کھلے گی تو تمہارے بجائے وہ ڈان کے عتاب میں آ جائے گا۔ تم کو اپنے ایک دشمن سے نجات مل جائے گی۔''

''ماسٹر! تم نے نہایت اعلیٰ درجے کا حرام مغز پایا ہے۔'' اس نے بے ساختہ کہا اور میں بھونچکا رہ گیا۔

''میرے حرام مغز کا کیا ذکر نکل آیا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے لڑکپن میں اپنے گاؤں کے حکیم سے سنا تھا کہ انسان کی ریڑھ کی ہڈی میں چھپا ہوا حرام مغز ساری ذہنی صلاحیتوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ تم اتنی پھرتی سے ہر مشکل کا حل پیش کر دیتے ہو کہ مجھے تمہارے حرام مغز پر رشک آنے لگتا ہے۔''

''اب کبھی اپنے گاؤں کی طرف جانا ہو تو اس حکیم کو گولی مار دینا۔ حرام مغز دماغ کا حاکم نہیں' تابع مہمل ہوتا ہے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ''ایسے نیم حکیم اپنے الو کھے فتووں سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ میری تجویز کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''میرے ذہن میں پھوم فاٹ کا نام آ رہا تھا۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''وہی' لی کا مال دار عاشق جو تمہارے ہاتھوں پٹا تھا؟'' میں نے تصدیق چاہی۔

''وہ چھوٹا راجن کا حاشیہ بردار تھا۔ ابھی اس کے کس بل باقی ہیں۔ نشے میں ڈوب جاتا ہے تو مادام کو بار بار فون پر تنگ کرتا ہے۔'' میں نے محسوس کیا کہ گاڑی میں غزالہ کی موجودگی کی وجہ سے چاؤفان نے سنبھل سنبھل کر وہ وضاحت پیش کی تھی۔

''پرسوں تم لی سے بیزار تھے کیونکہ اب وہ تمہارے پیچھے لگی رہتی ہے۔ اب کیوں اس سے ہمدردی کر رہے ہو۔ وہ خود پھوم فاٹ سے نمٹ لے گی۔'' میں نے کہا۔

''ماسٹر! تمہاری بیوی کی وجہ سے میری زبان بند ہے۔ میں کیا بتاؤں کہ وہ کمینہ کیسا بلیک میلر ہے۔ دھمکیاں دیتا ہے کہ مادام کے قابلِ اعتراض پوسٹر شہر کی ساری دیواروں پر لگوا دے گا۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ بھونکنے والے کتے کاٹا نہیں کرتے۔''

''ماسٹر! یہ نہ کہو۔ اب کبھی کبھی کاٹ لیتے ہیں۔ زمانہ بدل گیا ہے' محاورے غلط ثابت ہوتے جا رہے ہیں۔'' وہ حسرت زدہ آواز میں بولا۔

''اب تمہارا وقت آ گیا ہے' کسی بھی وقت اسے گھیر لو۔''

''اب وہ چھپتا پھر رہا ہے۔ میں نے بتایا نا کہ مادام کے گھر کے چکر لگانے کے بجائے وہ فون کرنے لگا ہے۔ میں اسے کہاں پکڑوں ...... بس تمہاری تجویز درست ہے۔ اس کا

نام استعمال کر ڈالو۔ میری شکایت پر ڈان کان نہیں دھرے گا۔ تمہارے چکر میں اس کا نام سامنے آئے گا تو ڈان غضب ناک ہو کر اس کا خون پی جائے گا۔'' چاؤفان نے میری مرضی کا فیصلہ سنا دیا ''یہ عجیب بات ہو رہی ہے کہ میرے فائدے میں تمہارا فائدہ ہو رہا ہے۔ تم کو کمبوڈیا میں مددگار مل جائے گا۔ پھوم فاٹ سے مادام کی جان چھوٹ جائے گی۔ چند دنوں میں اس خبیث نے مادام کو زچ کر دیا ہے۔''

''تم مجھے بیسو پھون والے آدمی کا نام پتا دے دو۔ میں پھوم فاٹ کے کریا کرم کا پورا بندوبست کر دوں گا۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

گاڑی شہر کی حدود سے باہر آ کر کشادہ سڑک پر بہت تیزی سے رواں تھی۔ بنکاک میں وہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد کہیں راز و نیاز کی باتیں کرنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ چاؤفان نے رفتہ رفتہ گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے اسے سڑک کے کنارے روک دیا۔

گاڑی کی کیبن لائٹ جلا کر اس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک مڑی تڑی جیبی ڈائری نکالی اور اس کی ورق گردانی کرنے کے بعد اسی میں سے ایک صفحہ پھاڑ کر اس پر انگریزی میں اپنے کمبوڈین شناسا کا نام اور فون نمبر لکھ کر وہ کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔

''اسے احتیاط سے رکھ لو۔ یہ یاد رکھنا کہ وہ تھوڑی بہت انگریزی جانتا ہے۔ دھیمی اور آسان زبان میں بات کرو گے تو وہ سب سمجھ جائے گا ورنہ مشکل ہوگی۔''

''بے فکر رہو۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔'' میں نے اس کا دیا ہوا کاغذ تہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس کے تعاون سے میرے مسائل ایک ایک کر کے حل ہوتے نظر آ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد ہوا میں مخصوص سمندری بو کے گہرے رچاؤ سے اندازہ ہوا کہ ہم ساحلی علاقے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا لیکن مجھے بندرگاہ کی تیز روشنیاں اور اس روشنی میں حرکت کرتے ہوئے، کرینوں کے بلند فولادی ڈھانچے کہیں نظر نہیں آئے۔

''ماسٹر! اندھیرے میں کسے تلاش کر رہے ہو؟'' چاؤفان نے میری بے چینی بھانپ کر پوچھا۔

''شاید ہم سمندر کے قریب پہنچ چکے ہیں لیکن بندرگاہ کہیں نظر نہیں آ رہی۔''

''میں نے دوسرا راستہ لیا ہے۔ بندرگاہ پیچھے رہ گئی ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ڈان کی پارٹی ایک ساحلی ویرانے میں ہوگی، ہم اسی طرف جا رہے ہیں۔''

''کھلے ساحل پر کسی پُر تکلف ضیافت کا بندوبست بہت مشکل ثابت ہوا ہوگا۔''

''ماسٹر! تمہارا خادم ناممکن کو ممکن بنانے میں ماہر ہے۔'' اس نے شیخی بگھاری ''سارا بندوبست مثالی ہے۔ ذرا سی دیر میں تم کو جنگل میں منگل ہوتا ہوا نظر آئے گا۔''

ہماری گاڑی غالباً ساحل کے متوازی دوڑتی رہی۔ پہاڑیوں اور ٹیلوں کی وجہ سے سمندر ہماری نظروں سے اوجھل تھا لیکن فضا سمندر سے قرب کی چغلی کھا رہی تھی۔ چند منٹ کے بعد ہمیں تاریک فضا میں اوپر تک روشن غبار سا پھیلا ہوا نظر آنے لگا جو تیزی سے واضح ہوتا جا رہا تھا۔

''ماسٹر! یہ آسمان تک چمکتی ہوئی روشنی دیکھ رہے ہو نا۔ آج کی پارٹی لوگوں کو مدتوں یاد رہے گی۔ دو دیوہیکل موبائل جنریٹروں نے اس وقت ساحلی پٹی کو بقعۂ نور بنایا ہوا ہوگا۔ کھانے پینے کا سارا تیار سامان ریفریجریٹیڈ ٹرکوں میں منگوایا گیا ہے۔ شرابیں یخ بستہ اور کھانے بھاپ اڑاتے ہوئے سرو کیے جائیں گے، جیسے ابھی چولھوں اور تندوروں سے اتارے گئے ہوں۔ ڈیڑھ دو سو مہمانوں کی خدمت کے لیے اکیاسی لڑکیاں بلائی گئی ہیں۔ ریت پر جما ہوا پنڈال پرستان کا سماں پیش کر رہا ہوگا۔''

اس دوران میں تقریب گاہ کا نقشہ واضح ہونا شروع ہو گیا۔ ہماری داہنی سمت میں سمندر کی سر پٹکتی ہوئی موجوں سے کچھ دور خیمے نما بڑا سا پنڈال روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ اس سے کچھ پیچھے، سڑک کے کنارے کئی بند ٹرک جیسے کارواں ایک قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ قرب و جوار میں پھیلی ہوئی تیز روشنی میں وہ منظر بہت خواب ناک نظر آ رہا تھا۔

چاؤفان پنڈال کے قریب سے تیزی سے گزرتا چلا گیا۔ پنڈال کے بعد ہی ریت کو ہموار کر کے گاڑیاں پارک کرنے کی جگہ بنائی گئی تھی جہاں ہم سے پہلے متعدد گاڑیاں موجود تھیں۔

''پہلی قطار میں چوتھی گاڑی غور سے دیکھ لو۔'' چاؤفان نے پارکنگ کے لیے گاڑی گھماتے ہوئے کہا ''تم کو اسی پجیرو میں نکلنا ہے۔''

''کیا ابھی سے اتنے مہمان آ گئے ہیں؟'' میں نے وہاں کھڑی ہوئی گاڑیوں کی تعداد دیکھ کر حیرت سے سوال کیا ''پجیرو ہر طرف سے گاڑیوں میں گھری ہوئی ہے۔''

''اسے میں نے دانستہ ایسی جگہ پارک کیا ہے جہاں روشنی کم ہے تاکہ گاڑی غیر ضروری طور پر کسی کی نظروں میں نہ

آ سکے۔'' اس نے اپنی گاڑی ایک جگہ روک کر کہا ''یہ گاڑیاں یہاں کے کام کرنے والوں اور ہمارے آدمیوں کی ہیں۔ کچھ لڑکیاں بھی اپنی گاڑیوں میں آئی ہوئی ہیں۔ سارے میزبانوں کو مہمانوں کی آمد سے پہلے یہاں جمع ہونا ہے۔''

''ڈان کب آئے گا؟'' میں نے گاڑی سے اترتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ ٹھیک نو بجے پہنچے گا...... کوئی بات رہ گئی ہے تو پوچھ لو۔ تم کو اندر پہنچانے کے بعد میں مصروف ہو جاؤں گا۔ تمہاری طرف آنا ہوا تو کوئی خاص بات نہیں ہو سکے گی۔''

پارٹی شروع ہونے میں دیر تھی لیکن فضا میں مترنم قہقہے گونج رہے تھے۔ ریتیلے پارکنگ لاٹ سے نکلتے ہوئے چاؤفان دانستہ سیاہ *بجیرو کے قریب سے گزرا اور میں نے اندازہ لگالیا کہ پارکنگ میں کسی بے ترتیبی کے باوجود *بجیرو دوسری سمت سے بہ آسانی نکالی جا سکے گی۔

وسیع پنڈال سڑک اور دونوں پہلوؤں سے پوری طرح بند تھا۔ اس کا طول وعرض دیکھ کر میں حیران تھا کہ ڈیڑھ دو سو مہمانوں کے لیے اتنے رقبے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟

چاؤفان جوں ہی سڑک پر آیا' مختلف سمتوں سے مرد اور عورتیں نمودار ہو کر اسے تعظیم دینے لگیں۔ بعض کا انداز بہت زیادہ بے تکلفانہ تھا مگر ان کی بے تکلفی میں بھی چاؤفان کی بالادستی کا اعتراف جھلک رہا تھا۔ وہ ان سب سے ہنستا بولتا' کسی کسی کے ساتھ دست درازی کرتا' ہمارے ساتھ بڑھتا رہا۔

کھانے کی دو گاڑیاں سڑک پر' پنڈال کے عقبی حصے کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ دونوں جنریٹر کچھ فاصلے پر کھڑے کیے گئے تھے تاکہ ان کا شور محفل کے شرکا کی سماعت پر بوجھ نہ بنے۔ ایک جنریٹر چل رہا تھا۔ چاؤفان نے بتایا کہ اس کی کسی غیر متوقع خرابی کے اندیشے سے دوسرا جنریٹر تیار کیا گیا تھا تاکہ محفل میں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو۔

اس ویران ساحلی علاقے میں نظر آنے والی لڑکیوں کے لباس اشتعال انگیز حد تک مختصر تھے اور وہ چلتے پھرتے ہوئے شوخی سے اپنے جسمانی خدوخال کو مزید واضح کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ جن لڑکیوں نے پورا لباس پہنا ہوا تھا انہوں نے بہ طور خاص یہ اہتمام کیا تھا کہ لباس ان کے بدن کے کسی زاویے کو شکنوں میں معدوم نہ کرنے پائے۔

ہم دونوں چاؤفان کی معیت میں پنڈال کے سرے پر پہنچ کر سڑک سے اترے تو قدموں میں ریت کی جگہ دبیز قالین بچھے ہوئے تھے۔ قالینوں کی اس روش سے ہم سامنے پہنچے تو وسیع وعریض پنڈال کا وہ حصہ پورا کھلا ہوا تھا یعنی اس پارٹی کے شرکا اپنی جگہوں پر بیٹھے بیٹھے کھلے سمندر کا بھرپور نظارہ کر سکتے تھے۔

ریت میں گڑے ہوئے اونچے پائپوں پر سرچ لائٹوں کی پوری قطار لگی ہوئی تھی جس کا رخ سمندر کی جانب تھا۔ ان روشنیوں میں جھاگ اڑاتی اور پھر دم توڑتی ہوئی سمندری لہریں سفید وسیاہ رنگوں میں ہولناک شبیہیں بنا رہی تھیں۔

اس سمت میں پنڈال کے باہر تک قالین بچھے ہوئے تھے۔ اندر کا فرش بھی ان قالینوں سے مرصع تھا۔ پنڈال میں کوئی اسٹیج نہیں تھا۔ قناتوں کے ساتھ نیم دائرے کی صورت میں سجی سجائی میزیں اور آرام دہ کرسیاں بہت قرینے سے سجی ہوئی تھیں۔ درمیانی جگہ کو خالی چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس خالی جگہ کی تین سمتوں میں میزیں اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ چوتھی سمت میں نہ جانے کیا کچھ جوڑ کر ایک بار کھڑا کر دیا گیا تھا جہاں مختصر لباسوں والی کئی لڑکیاں گلاس اور پیمانوں کو رگڑ رگڑ کر چمکانے میں مصروف تھیں۔

چاؤفان ہمیں فخریہ انداز میں وہ سب دکھاتا اور بتاتا ہوا پنڈال میں لے گیا جہاں جوان' خوب رو اور بے باک تھائی لڑکیوں کا ایک پورا غول بے مقصد کاموں میں مصروف تھا۔ سب میزیں خالی تھیں۔ ہم وہاں پہنچنے والے پہلے مہمان تھے۔

ڈان کو روایتی طور پر اس نیم دائرے کی وسطی میز پر بیٹھنا تھا۔ چاؤفان نے ہمیں اس کی قریبی میز پر بٹھانا چاہا لیکن میں نے دور کی ایک میز منتخب کر لی۔ ڈان کی نظروں سے دور رہ کر میں آسانی سے فرار کی راہ اختیار کر سکتا تھا۔

''تمہارا بندوبست بے مثال ہے۔'' میں نے اس کا دل بڑھانے کے لیے کہا ''کوئی من چلا پاکستانی یہ منظر دیکھ لے تو کراچی کا ساحل روز اسی طرح آباد ہونے لگے۔''

''سمندر کو آلودگی سے بچانے کے لیے یہاں ایسی پارٹیوں پر پابندی ہے۔'' اس نے جلدی سے کہا ''یہ ڈان کا معاملہ ہے۔ اس لیے چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ میں نے دل کھول کر ساری حسرتیں نکالی ہیں۔''

''خرچ بھی تم کو اٹھانا پڑے گا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''اس کی پروا نہیں۔'' وہ بائیں آنکھ دبا کر مکاری سے بولا ''ماسٹر! یہ سرمایہ کاری ہے۔ چند دنوں میں ایک کے سو بلکہ ہزار یا لاکھ تک لوٹ آئیں گے۔ چھوٹا راجن اپنے باپ کا خزانہ ساتھ نہیں لایا تھا۔ وہ یہیں سے کما کر کروڑ پتی بنا تھا۔''

بات ختم کرتے ہی وہ چونک کر پلٹا۔ بار پر کوئی اسے بلا رہا تھا۔ وہ ہم سے مزید کچھ کہے بغیر ادھر ہولیا۔

اس کے جاتے ہی ایک طرح دار لڑکی ہماری میز پر آ گئی۔ لباس کی مفلسی اس کے پورے وجود سے عیاں تھی۔ اس نے جھک کر بڑی ادا سے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے فریش لائم کی فرمائش کی تو اس نے حیرت سے یوں میری طرف دیکھا جیسے میں نے کوئی ناشائستہ بات کہہ دی ہو۔ وہ گئی اور چند لمحوں میں میرے مطلوبہ مشروب کے دو ٹھنڈے گلاس میز پر لے آئی۔

''یہ تقریب سمندر کی کھلی فضا میں نہ ہوتی تو میرے لیے یہاں بیٹھنا دشوار ہو جاتا۔'' غزالہ نے اپنے گلاس سے پہلا گھونٹ لے کر کہا ''لڑکیاں ابھی سے بے لگام ہو رہی ہیں۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ آپ کے سوا یہاں کوئی بھی اپنی بیوی کے ساتھ نہیں آئے گا۔''

''یہ تھائی شرفا کی معاشرت کا ایک رخ ہے۔ ان کا میزبان ایک ڈان ہے۔ وہ سب یہاں آ کر فخر محسوس کریں گے۔ عورت اور شراب کی کشش بے پناہ ہوتی ہے۔ اس گُر کو آزما کر اس قوم نے سیاحوں سے اربوں ڈالر بٹورے ہیں۔ ان کی اشرافیہ بھی اس لت میں مبتلا ہے۔''

تقریب گاہ کا بندوبست اس ڈھب سے کیا گیا تھا کہ پروگرام واضح تھا۔ بار اور میزوں کے درمیان چھوڑی ہوئی خالی جگہ یقینی طور پر رقاص جوڑوں کے لیے چھوڑی گئی تھی۔

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے فریش لائم کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے رہے۔ میں نے وقت گزارنے کے لیے سگریٹ سلگا لی۔ اس اثنا میں ایک شوخ و چنچل لڑکی مسکراتی ہوئی ہماری طرف آئی۔ اس نے توتلی انگریزی میں اپنا تعارف کراتے ہوئے انکشاف کیا کہ ہماری دیکھ بھال اس کے سپرد کی گئی تھی۔ مجھ سے اجازت لے کر وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کی شرارت سے چمکتی ہوئی روشن آنکھیں بار بار میرے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

اس کے براجمان ہوتے ہی اکیاسی لڑکیوں کا مصرف میری سمجھ میں آ گیا۔ ہر میز کے لیے ان میں سے ایک لڑکی مخصوص تھی۔ جو رہ جاتیں وہ اوپر کی بھاگ دوڑ میں لگی رہتیں۔ آنے والے باذوق مہمان بعد میں ان کا بھی کوئی نہ کوئی مصرف تلاش کر لیتے۔

ہمارے لیے فریش لائم لانے والی لڑکی انگریزی سے نابلد نظر آتی تھی۔ یہ چاؤفان کی مہربانی تھی کہ اسے انگریزی جاننے والی مختصر پوش سے بدل دیا گیا تھا۔

لڑکی باتیں کرنے کا فن جانتی تھی۔ وہ اپنی ادا دکھا کر بے تکلفی سے باتیں کرتی رہی۔ غزالہ نے اس سے جب یہ کہا کہ اس لمبی تقریب میں صرف واش روم کی کمی تھی تو لڑکی نے ہنستے ہوئے بتایا کہ مے نوش مہمانوں کی اس ضرورت کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ سڑک پر جنریٹروں سے پہلے چار کارواں کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر کارواں میں جملہ سہولیات سے آراستہ تین تین واش روم بنے ہوئے تھے۔ میں نے چاؤفان کے ساتھ ادھر آتے ہوئے کارواں دیکھے تھے۔ لڑکی نے ان کا مصرف بھی واضح کر دیا۔

پنڈال میں لگے ہوئے طاقت ور اسپیکرز پر اچانک دھیمی مغربی موسیقی گونجنی شروع ہو گئی۔ موسیقی کی لے پر لڑکی کے ہاتھ پیر تھرکنے لگے۔

میز کے نیچے یکایک اس لڑکی کے گھٹنے میرے گھٹنوں سے ٹکرائے۔ میں نے سٹپٹا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ پُرشوق انداز میں میری آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ میرے اضطراری ردِعمل سے غزالہ کی چھٹی حس جاگ اٹھی۔ اس نے لمحے بھر کے لیے اشتباہ آمیز نظروں سے لڑکی کو گھورا پھر اس کے شانے پر ہلکی سی تھپکی دے کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

''تم بہت اچھی اور خوبصورت لڑکی ہو۔'' غزالہ نے سپاٹ لہجے میں کہا ''بدقسمتی یہ ہے کہ اپنی ضروریات کے معاملے میں ہم دونوں خودکفیل ہیں۔ ہمارے درمیان کسی اور کی شمولیت کا امکان نہیں ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم خالی بیٹھنے کے بجائے گھومتی پھرتی رہو تاکہ ہم تخلیے میں یہاں کے رومان انگیز ماحول سے کچھ فیض حاصل کر سکیں۔ جب بھی ضرورت ہوئی، ہم تمہیں بلا لیں گے۔''

''میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔'' لڑکی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور کرسی چھوڑ دی ''یہ یاد رکھنا کہ اب میں تمہاری میزبان ہوں۔''

وہ ہوش ربا انداز میں لچکتی اور مٹکتی ہوئی بار کی طرف چل دی۔

''تم نے بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا۔'' میں نے غزالہ سے کہا ''وہ عذاب کی طرح ہمارے سروں پر مسلط ہو گئی تھی۔ اب اس کو بھی ذہن میں رکھنا پڑے گا۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی ''میں نے اس کی چوری پکڑ لی تھی اس لیے وہ جھٹ سے چل دی۔ میں نے آپ دونوں کے درمیان اپنے پیر پھیلائے ہوئے تھے۔''

''بیوی ہر حال میں بیوی ہوتی ہے۔ شوہر کے معاملے میں اس کا ریڈار بہت مستعدی سے کام کرتا ہے۔'' میں نے

سر ہلاتے ہوئے کہا "میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ اسی طرح ہمارے سروں پر مسلط رہی تو ایک بجے کیا ہوگا۔ مجھے یہ میز بانی سے زیادہ نگرانی نظر آ رہی ہے۔"

"وہ شوقین اور کھلنڈری لڑکی ہے۔ اسے اکسا کر اتنی پلا دیں کہ وہ مدہوش ہو جائے۔ اس صورت میں ہم خاموشی سے نکل سکیں گے۔" اس نے میرے ذہن میں کلبلانے والی تجویز کو بلاتوقف الفاظ کا جامہ پہنادیا "مجھے اس مسئلے کا پہلے سے اندازہ ہوتا تو میں اس کی چوری پکڑنے کے بجائے اس کی حرکتوں کو نظر انداز کر دیتی، اب آپ کو اسے بہلانا ہوگا۔"

وہاں کھلا بار لگا ہوا تھا۔ کئی لڑکے لڑکیاں اس کے آس پاس منڈلا رہے تھے لیکن میں نے ان میں سے کسی کو کچھ پیتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ شاید انہیں صرف اپنے مہمانوں کے ساتھ پینے کی اجازت دی گئی تھی۔ وہ احتیاط نہ کی گئی ہوتی تو مدعوئین کی آمد سے پہلے چاؤفان کا سارا عملہ کیف وسرور کی اجنبی دنیاؤں کی سیر کر رہا ہوتا۔ وہاں کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہوتا۔

آٹھ بجے مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے دو سفید فام مرد آئے جو اپنے اطوار سے امریکی معلوم ہو رہے تھے۔ چاؤفان باہر سے انہیں اپنے ساتھ پنڈال میں لایا۔ وہ ان دونوں کے سامنے جس انداز سے بچھا جا رہا تھا، اس سے مجھے گمان ہوا کہ ان میں سے ایک کرنل گیری ہوگا۔ میرے شبہے کو اس بات سے بھی تقویت ملی کہ چاؤفان نے انہیں مرکزی میز کے قریب بٹھایا تھا۔

ان دونوں کے بیٹھنے سے پہلے دو لڑکیاں لپک کر اس میز پر پہنچ گئیں۔ چاؤفان نے ان کی طرف اشارے کر کے کچھ کلمات ادا کیے اور امریکیوں نے بڑی ڈھٹائی سے ان لڑکیوں کی کمر میں ہاتھ ڈال کر انہیں اپنے ساتھ بٹھالیا۔

چاؤفان دوبارہ باہر چلا گیا۔ اس نے ہماری طرف ذرا بھی توجہ نہیں دی۔

میں کن انکھیوں سے امریکیوں کی میز کا جائزہ لیتا رہا۔ لڑکیوں کے اشارے پر ایک تیسری لڑکی نے بار سے مے نوشی کے لوازم ایک ٹرے میں سمیٹ کر ان کی میز پر سجا دیے تھے۔ ذرا سی دیر میں وہ چاروں اپنے پیمانے ایک دوسرے سے ٹکرا کر مے نوشی کا آغاز کر چکے تھے۔

اگلی کھیپ میں کئی مہمان ایک ساتھ پنڈال میں آئے۔ اس بار چاؤفان ان کے ساتھ نہیں تھا۔ لمحہ بھر کے بعد اس کا سبب بھی سامنے آ گیا۔ مہمان تیزی سے آ رہے تھے۔ ان کے استقبال کے لیے چاؤفان باہر رکا ہوا تھا۔ مہمانوں کو ان کی نشستوں تک پہنچانے کی ذمے داری لڑکیوں نے سنبھال لی تھی۔

اس وقت تک غزالہ کی پیش گوئی درست ثابت ہو رہی تھی۔ آنے والوں میں کسی خاتون کا وجود نہیں تھا۔

ہماری میز بان اِدھر اُدھر سے بھٹکتی ہوئی ہمارے قریب آئی تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس نے التجائیہ انداز میں کہا "اجازت ہو تو میں تمہارے ساتھ بیٹھ جاؤں؟"

میں نے فوراً اسے اجازت دے دی۔ ہم مہمانوں کے ناموں اور مراتب سے بے خبر تھے۔ وہ دور سے ہمیں ان کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتی تھی۔

اس نے کرسی پر بیٹھتے ہی آزردگی سے بتایا کہ رفتہ رفتہ سب لڑکیاں آنے والوں کے ساتھ مصروف ہوتی جا رہی تھیں۔ اسے ہمارے رویے کی وجہ سے اپنی ہم جولیوں میں سُبکی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ چاؤفان نے اسے ہماری خدمت پر مامور کیا تھا اس لیے وہ کسی اور مہمان کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح پنڈال میں بھٹکتے ہوئے اسے دوسری لڑکیوں کے طنز اور آوازوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

میں نے اسے اپنی میز پر شراب نوشی کی اجازت دی تو خوشی سے اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے قریب سے گزرتی ہوئی ایک لڑکی کی ٹرے سے اسکاچ کا لارج پیگ اٹھالیا۔

"یہاں بیٹھ کر جو چاہو کرتی رہو لیکن میز پوش کی آڑ میں اپنی ٹانگوں پر ذرا قابو رکھنا۔" غزالہ نے وضاحت کی "گڑبڑ کی تو میں دوبارہ اٹھادوں گی۔"

وہ غزالہ کی براہِ راست الزام تراشی کا کوئی جواب نہ دے سکی۔ بوکھلاہٹ میں اس نے تیز اسکاچ کا ایک بڑا گھونٹ اپنے حلق سے اتارلیا۔

"ہمیں یہاں آنے والوں کے بارے میں بتاتی رہو۔ ہم تمہارے شہر میں نئے وارد ہوئے ہیں۔" میں نے اس لڑکی کو خفت سے بچاتے ہوئے اپنا مدعا بھی بیان کر دیا۔

اس وقت تک دس بارہ افراد وہاں آ چکے تھے۔ ان میں سے بیشتر ایک دوسرے سے یوں گھلے ملے ہوئے تھے جیسے ان میں پرانی شناسائی رہی ہو۔

گومی نامی وہ لڑکی ان سب لوگوں سے واقف نہیں تھی۔ جنہیں جانتی تھی، ان کے بارے میں ڈھیرے ڈھیرے ہمیں بتانا شروع کر دیا۔

سفید فاموں کے بارے میں اس نے میرے اندازے کی تائید کر دی۔ پختہ عمر والا امریکی کرنل گیری تھا۔ اس کا

نوجوان ساتھی کیپٹن کک تھا۔ وہ دونوں شہر کی رنگین مزاج خواتین میں بے حد مقبول تھے۔ عورت اور شراب کی کسی بھی ضیافت سے انکار ان کے مسلک میں شامل نہیں تھا۔

مقامیوں میں سب ہی معروف چہرے تھے۔ تجارت، صنعت، بنکاری، وزارت اور دیگر سرکاری شعبوں کے کلیدی عہدے دار اور شہری وہاں چلے آرہے تھے۔ ان میں بنکاک کا پولیس کمشنر بھی شامل تھا جو پہلے راجن کا نمک خوار ہوا کرتا تھا۔

کچھ لوگ ڈان کے لیے پھول اور تحائف لے کر آئے تھے جو مرکزی میز کے قریب قرینے سے قالین پر سجا دیے گئے تھے۔

پونے نو بجے آنے والوں میں تھائی لینڈ کے دو امیر ترین افراد نمایاں تھے۔ ان کی آمد پر موسیقی روک کر تھائی زبان میں کچھ اعلان کیا گیا۔ اعلان ختم ہوتے ہی تالیوں کی زبردست گونج میں موسیقی کا سلسلہ دوبارہ چل پڑا۔

گومی نے بتایا کہ ان میں سے ایک نے ڈان کے لیے مرسیڈیز سکس ہنڈریڈ کی چابی پیش کی تھی، دوسرے نے ڈان کے رفاہی کاموں کے لیے دس لاکھ بھات کا چیک دیا تھا۔

ان غیر معمولی نذرانوں کا ذکر سن کر میری آنکھیں کھل گئیں۔ دنیا جانتی تھی کہ ڈان کا رفاہی کاموں سے دور کا بھی سروکار نہیں تھا۔ وہ صرف اپنے حاشیہ برداروں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتا تھا اور وہ سب شہر کے چھٹے ہوئے بدمعاش تھے۔

وہ ان دونوں کی طرف سے اپنے کاروبار اور جان و مال کے تحفظ کے لیے پیشگی ادا کیا جانے والا تاوان تھا جسے تحفے کا نام دے دیا گیا۔ ان دونوں نے ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے پورے اجتماع کے سامنے تحائف پیش کر کے سب کو بتا دیا تھا کہ وہ ڈان کو اس کا حصہ دے رہے ہیں، اس کے بعد ڈان یا اس کے آدمیوں کو ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرنے کا حق نہیں تھا۔

میں پڑھتا اور فلموں میں دیکھتا رہا تھا کہ ڈان گلے تک جرم و گناہ کی دلدل میں غرق ہونے کے باوجود کس طرح سوسائٹی میں معصوم اور معزز بن کر زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے ستم کا شکار ہونے والے کس طرح ان ہی کے پاس اپنی فریاد لے کر آتے ہیں۔ اس اجتماع میں وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

مجھے بے اختیار چاؤ فان کے الفاظ یاد آگئے۔ اس نے ڈان کی دعوتِ عیش و طرب کو سرمایہ کاری کا نام دے کر یہ توقع ظاہر کی تھی کہ ایک کے سو بلکہ ہزار یا لاکھ تک مل سکتے ہیں۔ اس کی توقع پوری ہو رہی تھی۔ اسے کچھ دینا یا نہ دینا ڈان کی صوابدید پر منحصر تھا۔

پنڈال کی تقریباً ساری میزیں آباد ہو چکی تھیں۔ ہر طرف رنگ و بو کا ایک سیلاب آیا ہوا تھا۔ زندگی کی رونقیں اور رعنائیاں اپنے جوبن پر آتی جا رہی تھیں۔ جام و سبو لیے ہوئے لڑکیاں پھرکیوں کی طرح پورے پنڈال میں چکرائی پھر رہی تھیں۔ مترنم اور رسیلے قہقہے، ملی جلی آوازیں اور کبھی کبھی کہیں سے ابھرنے والی تحیر زدہ سریلی چیخ خلیج سیام کے اس ساحلی گوشے کو خوابناک آرزوؤں کے ایک جوالا مکھی میں تبدیل کرتی جا رہی تھیں۔

نو بجے یکایک موسیقی تھم گئی۔ ساؤنڈ سسٹم پر ڈان کی آمد کا اعلان ہوا اور پنڈال میں گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ سب کی نگاہیں ساحل کی طرف تھیں جدھر سے گھوم کر ڈان کو پنڈال میں آنا تھا۔

ڈان کے نمودار ہوتے ہی سب لوگ کرسیاں چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ پنڈال تالیوں کے شور سے گونجنے لگا۔ ڈان نفیس تراش کے سیاہ سوٹ اور بے داغ سفید قمیص میں بہت وجیہ اور باوقار نظر آرہا تھا۔ اس کے ساتھ وہ چاروں موٹے بھی تھے جو دن رات سیلرز بار کی اوپری منزل پر مفت کی کھا کر پل رہے تھے۔ وہ بھی سوٹ پہنے ہوئے تھے مگر ان کے شانوں سے خودکار رائفلیں اور ان کے میگزین جھول رہے تھے۔ وہ چاروں ڈان کے دائیں بائیں تھے، اس کے پیچھے چاؤ فان کسی روبوٹ کی طرح اکڑ کر چل رہا تھا۔

پنڈال کے سرے پر رک کر ڈان نے مہمانوں کی طرف ہاتھ لہرا کر سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تالیوں کی گونج دھیمی ہوتے ہوتے معدوم ہو گئی۔ چند لمحوں میں سب مہمان اپنی جگہوں پر بیٹھ چکے تھے مگر ان کی نگاہیں ڈان کی مسحور کن شخصیت پر مرکوز تھیں۔

ڈان نے ہاتھ ہلا کر اپنے آدمیوں سے کچھ کہا۔ پانچوں وہاں سے واپس ہو لیے۔ ڈان بائیں طرف پہلی میز پر بیٹھے ہوئے مہمانوں کی طرف بڑھ گیا۔ ڈان کی وہ حرکت سب کے لیے غیر متوقع تھی۔ اس میز کے گرد بیٹھے ہوئے چھ نفوس گھبرا کر اٹھے۔ وہ تین مرد اور تین میزبان لڑکیاں تھیں۔ ڈان نے وہاں رک کر سب سے باری باری ہاتھ ملایا، کچھ باتیں کیں اور دوسری میز کی طرف ہو لیا۔

''اوہ...... ڈان یہاں بھی آئے گا...... میں کیا کروں؟''
گومی بوکھلا کر بولی۔
''سکون سے بیٹھی رہو، وہ تمہیں کھا نہیں جائے گا۔'' میں

نے سرد لہجے میں کہا۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور ایک گھونٹ میں اپنا بقیہ گلاس خالی کر ڈالا۔

ہر میز پر لوگوں سے فرداً فرداً ملنے کے بعد وہ ہماری میز پر آیا تو پُرتپاک انداز میں مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا ''علی! تم مجھ سے اتنی دور کیوں بیٹھے ہو؟''

''ڈان! میری عورت ذرا شرمیلی ہے۔'' میں نے اسے خوش کرنے کے لیے غزالہ کے لیے دانستہ عورت کا لفظ استعمال کیا ''بھیڑ بھاڑ سے گھبراتی ہے۔ تمہاری میز کے قریب بہت سے لوگ ہوں گے......''

''خوب صورت عورتیں شرمیلی ہوتی ہیں۔'' ڈان نے مربیانہ ہنسی کے ساتھ غزالہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بہت نرمی سے مصافحہ کر کے چھوڑ دیا۔

''علی خوش نصیب ہے کہ اسے تم جیسی حسین بیوی ملی ہے۔'' ڈان کے ان الفاظ پر غزالہ کا چہرہ حیا سے تمتما اٹھا۔ اس نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ کسی غیر مرد کی زبان سے اپنی اتنی بے باکانہ تعریف سنی تھی۔ ڈان اس کے ردِعمل سے بے پروا ہو کر کہتا رہا ''عورت اچھی نہ ملے تو مرد کی زندگی جہنم ہو جاتی ہے۔ تم دونوں میرے پیارے ہو، تمہارا مستقبل بہت تابناک ہوگا۔''

ڈان کے الفاظ میں طنز یا تضحیک کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔ غزالہ نے سر جھکا کر خاموشی سے ڈان کی باتیں سن لیں، زبان سے کچھ نہ بولی۔

''میرے قریب بیٹھتے تو میں تمہیں بہت کام کے لوگوں سے ملواتا۔'' ڈان میری طرف متوجہ ہو گیا ''یہ موقع بار بار نہیں آئے گا۔ میں سب سے مل لوں تو میرے پاس آنا۔ میں تمہیں کرنل گیری سے ملواؤں گا۔ وہ اتنا برا نہیں ہے جتنا تم سمجھتے ہو۔''

ڈان کے مزاج میں عجیب شاہانہ بے نیازی تھی۔ اپنی بات کہہ کر اس نے میرا جواب سننے کی ضرورت نہیں سمجھی، گومی سے رسمی انداز میں ہاتھ ملا کر اگلی میز کی طرف چلا گیا۔

جب تک ڈان اپنے مہمانوں سے ان کی میزوں پر ملتا رہا، سروس معطل رہی۔ ساری لڑکیاں سمٹ کر بار کے قریب جمع ہو گئیں۔ جوں ہی ڈان اپنی وسطی میز پر پہنچا، ساغر و مینا ایک مرتبہ پھر گردش میں آ گئے۔ اس بار سروس بہت تیز اور مستعد نظر آ رہی تھی۔ شاید لوگوں کی مے نوشی کی رفتار میں اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ بنکاک میں ہمارے قیام کے آخری چند گھنٹے تھے۔ اس وقت ڈان سے کوئی بگاڑ مول لینا حماقت کے مترادف ہوتا۔ میں نے غزالہ اور گومی کو ہر حال میں اسی جگہ بیٹھے رہنے کی ہدایت کی اور خود ڈان کی طرف چل دیا۔

ڈان کی میز بڑی تھی۔ اس کے گرد کئی خوشامدی جمع تھے جن میں پولیس کمشنر پیش پیش تھا۔ گیری، ڈان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ڈان نے پُرتپاک انداز میں گیری سے کہا ''لو، میں ابھی ذکر کر رہا تھا، علی آ گیا۔ بہت شیر دل سورما ہے یہ میرا۔''

گیری نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ایک لڑکی نے اسی لمحے میرے لیے جگہ خالی کر دی۔ ڈان کے اشارے پر ہم دونوں بیٹھ گئے۔

''ابھی ڈان تمہاری دلیری اور تمہاری بیوی کے حسن کی تعریف کر رہا تھا۔'' گیری ہنستے ہوئے بولا۔

''میں اپنی بیوی کو یوں موضوعِ سخن بنانا پسند نہیں کرتا۔'' میں نے گیری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ''جہاں تک میری دلیری کا تعلق ہے تو میں صرف ڈان کے حکم پر عمل کرتا ہوں۔ ڈوریاں ڈان کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ صحیح وقت پر صحیح فیصلے کرنا ڈان کی خوبی ہے۔''

ڈان نے پسندیدگی کے اظہار میں اپنا سر ہلایا اور بولا ''دلیری اور وفاداری...... یہ دو خوبیاں بہت کم لوگوں میں یکجا ہو پاتی ہیں۔ علی ان کا مرقع ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ڈان نے دوسروں کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ اسی لمحے میز خالی ہو گئی۔ وہاں صرف تین نفوس رہ گئے۔ گیری، ڈان اور میں۔

''علی پاکستانی ہے۔'' اس بار ڈان نے ذرا دھیمے لہجے میں اپنی بات جاری رکھی ''یہ واپس جانا چاہتا ہے مگر میں نے اسے روکا ہوا ہے۔ تم اس سے کیا پوچھنا چاہ رہے تھے؟''

''پاکستان کے حوالے سے آج کل ہمارے ذہنوں میں صرف ایک نام آتا ہے...... کیا تم ڈینی کو جانتے ہو؟'' گیری نے براہِ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

''صرف نام سنا ہے۔'' میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔

''راجن ذہین آدمی تھا!'' گیری نے یکایک ڈان کی طرف متوجہ ہو کر تائید طلب لہجے میں کہا۔

''اُلّو کا پٹھا تھا۔'' ڈان نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا ''ذہین ہوتا تو یوں کتے کی موت نہ مارا جاتا۔''

گیری نے ایک گہرا سانس لیا اور بولا ''اس کا اصرار تھا کہ ڈینی بنکاک میں ہے اور اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس نے بھارتی انڈر ورلڈ کے پانچ بڑوں کو یہاں بلایا تھا۔ کل منتھار سے میری بات ہوئی ہے۔ وہ بتا رہا تھا کہ راجن نے اکبر نامی

کسی گواہ کو ان پانچوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس سے باز پرس کی نوبت آنے سے پہلے موتی محل پر باہر سے خوفناک حملہ ہو گیا اور سب کو بھاگنا پڑا......"

"سب بکواس ہے۔" ڈان نے بیزاری سے اس کی بات کاٹ دی "پتا نہیں تم لوگ گڑے مردے کیوں اکھاڑ رہے ہو۔ وہ ڈینی فوبیا میں مبتلا تھا۔ میں نے خود چھان بین کی ہے۔ کراچی میں دو آدمی پکڑے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک ڈینی ہے۔ چھوٹا راجن کو ہر جگہ وہ نظر آرہا تھا۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ موتی محل پر وہ حملہ میرے آدمیوں نے کیا تھا۔"

میری جان میں جان آئی کہ ڈان نے برہم ہو کر مجھے ایک کڑی آزمائش سے بچالیا۔

"یہ سب مجھے معلوم ہے۔" گیری بولا "ان پانچ بڑوں کی یہ رائے ہے اور میں اس سے متفق ہوں کہ ڈینی یہاں نہیں آیا۔ راجن کے اعصاب پر اس کی دہشت سوار تھی۔"

"پھر اس خبیث کا ذکر کیوں کر رہے ہو؟"

"میں علی کو صورتِ حال سمجھا رہا تھا تاکہ یہ بھی اس معمے کو حل کرنے کی کوشش کرے کہ ایک آدمی بہ یک وقت دو دور دراز شہروں میں کیسے ہو سکتا ہے؟"

"گیری! یوں وقت برباد کرنا ہے تو یہ معما بھی حل کرو کہ پانی میں آگ کیسے لگ سکتی ہے؟ بھینس انڈے کیسے دے گی...... ناممکنات کے بارے میں سوچنا وقت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں۔" ڈان کا موڈ بہ دستور خراب تھا۔ اسی لہجے میں وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا "تم اپنی میز پر جاؤ' جوڑے فلور پر آرہے ہیں۔ لوگ تمہاری بیوی کے ساتھ بھی رقص کرنا چاہیں گے' تمہاری موجودگی میں کوئی اس میز کا رخ نہیں کرے گا۔"

وہ ڈان کی نہایت ہمدردانہ ہدایت تھی۔ میں پلٹا تو موسیقی کی دُھن پر متعدد جوڑے پنڈال کی خالی جگہ پر تھرک رہے تھے۔ ہر مرد نے اپنی شریکِ رقص کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔

میں اپنی میز کی طرف چلا تو وہاں ایک ادھیڑ عمر شخص کھڑا ہوا تھا۔ غزالہ کے بشرے کی ترشی مجھے دور سے نظر آگئی۔ غنیمت یہ ہوا کہ میرے پہنچنے سے پہلے وہ شخص ساقی گری کرنے والی ایک لڑکی کا ہاتھ تھام کر رقاصوں کی بھیڑ میں شامل ہو گیا۔

میری عدم موجودگی میں تین افراد غزالہ کے پاس آچکے تھے۔ اس نے اردو میں کہا کہ وہ انہیں ایسا نچاتی کی چھٹی کا دودھ یاد آجاتا لیکن مصلحت سے کام لے کر وہ معذرت پر اکتفا کرتی رہی۔

پتا نہیں پہل کس نے کی تھی' رفتہ رفتہ ساری میزیں خالی ہو گئیں۔ ہر مرد کسی نہ کسی لڑکی کو اپنی بانہوں میں سمیٹے قالین پر موجود تھا۔ ڈان بھی اٹھ کر اس بھیڑ میں شامل ہو چکا تھا۔ سرد کرنے والی لڑکیاں کسی نہ کسی کے ساتھ ناچ میں شامل ہو گئی تھیں۔

میں غزالہ کو ساتھ لے کر ایک گوشے میں جا کھڑا ہوا۔ گومی اپنے گلاس سمیت ہمارے ساتھ تھی۔

وہ کوئی باقاعدہ رقص نہیں تھا۔ سب اندھے سیدھے پیر چلا رہے تھے۔ جوڑوں کی حرکات و سکنات میں کوئی تسلسل تھا نہ ہم آہنگی۔ سب اپنی مرضی اور سہولت کے مطابق ہل جل رہے تھے۔ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ بے ہنگم رقص صرف صنفِ نازک سے قرب کا ایک بہانہ تھا۔

لوگ رقص کے دوران میں بھی مے نوشی میں مصروف تھے۔ کئی جوڑے قالین پر ہلکورے لیتے ہوئے خاموشی سے ریتیلے ساحل کی طرف نکل گئے۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ چاؤ فان نے میزبان لڑکیوں کی تعداد کم بتائی تھی۔

اس وقت مجھے گیری کا ساتھی نظر آیا۔ وہ ایک میز پر کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنا جام دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھاما ہوا تھا اور میز پر آگے جھک کر کچھ بول رہا تھا۔ جب میں ڈان سے ملنے کے لیے گیا تب بھی وہ وہیں نظر آیا تھا۔ دور سے محسوس ہو رہا تھا کہ بسیار نوشی کی وجہ سے وہ خاصے نشے میں تھا۔ گیری کی جگہ خالی تھی۔

وہ محفل پونے گیارہ بجے تک یوں ہی چلتی رہی۔ جوڑے تھک کر میزوں پر آئے اور دوبارہ رقص میں شریک ہوتے رہے۔ آخر کار ساؤنڈ سسٹم پر دھیمی موسیقی کے دوران میں کھانے کا اعلان ہوا اور رفتہ رفتہ ویران میزیں ایک مرتبہ پھر آباد ہونے لگیں۔

ٹھیک گیارہ بجے پنڈال اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک اٹھا۔ بھانت بھانت کے گرم کھانوں کی قابیں اٹھائے لڑکیاں میزوں کے درمیان چکراتی پھر رہی تھیں۔ مجھے ہوٹل میں قیام کے دوران میں تجربہ ہو چکا تھا کہ یہ تھائی باشندے سمندری پیداوار میں گھاس سے مگرمچھ تک نہیں چھوڑتے۔ یہی حال خشکی پر پائے جانے والے جانوروں کا تھا۔ ان میں سبزی خور وقت کے ساتھ عنقا ہوتے جارہے تھے۔ میں نے گومی کو واضح طور پر بتادیا کہ ہم مچھلی اور مرغی کے سوا کچھ استعمال نہیں کریں گے۔ اس کی ہدایت پر ہمارے لیے پسندیدہ ڈشیں فراہم کردی گئیں۔ گومی نے اپنے لیے عجیب و غریب سوپ

کے بعد سانپ کا سالن منگوایا تھا۔
جب تک میزوں پر کھانا فراہم کیا جاتا رہا، پنڈال میں ہلچل رہی۔ میدان صاف ہوتے ہی سامنے سے رقاص لڑکیوں کی ایک قطار اندر آئی اور انہوں نے پیشہ ورانہ انداز میں خوب صورت رقص پیش کرنا شروع کر دیا۔ مسئلہ صرف اتنا تھا کہ ان لڑکیوں نے جو کچھ زیب تن کیا ہوا تھا، اس پر لباس کا نام ایک تہمت معلوم ہو رہا تھا۔ وہ کچھ آرائشی چیتھڑے ضرور کہے جا سکتے تھے جن پر بلاسبب نگاہیں مرکوز ہو رہی تھیں۔
کھانے کا دور توقع سے زیادہ طویل ثابت ہوا۔ اس دوران میں گیری کہیں سے بھٹکتا ہوا ہماری میز کی طرف آ نکلا۔ اس نے اپنی بھری ہوئی پلیٹ ہاتھ میں تھامی ہوئی تھی۔
اس نے اپنی جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر میرے سامنے ڈالا اور جھک کر میرے کان میں سرگوشیانہ لہجے میں بولا ''یہاں بات نہیں ہو سکی، میں ایک بجے نکل جاؤں گا۔ ایک دو روز میں وقت نکال کر مجھے فون ضرور کرنا، تم سے اہم باتیں کرنی ہیں۔''
اس کے دہانے سے آنے والی الکحل اور کھانوں کی ملی جلی بو بہت ناگوار لگ رہی تھی مگر اس کے سنسنی خیز پیغام نے مجھے وہ بدبو برداشت کرنے پر مجبور کر دیا۔
مجھے کب بنکاک میں رکنا تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ آگے چل دیا۔
اس نے ایک بجے اپنی روانگی کا پروگرام بتا کر مجھے پریشان کر دیا۔ وہی ہماری روانگی کا طے شدہ وقت تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ مدہوشوں کی اس محفل میں ایک بجے تک کسی کو دوسروں کی سدھ بدھ نہیں رہے گی۔ لیکن روانگی کے وقت پارکنگ لاٹ میں گیری سے ہماری مڈبھیڑ ہو جاتی تو بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ مشکل یہ تھی کہ ہمیں ڈیڑھ اور دو بجے کے درمیان ویرا اور سلطان شاہ کو بھی اپنے ساتھ لینا تھا۔ وہ ڈیڑھ بجے مقررہ مقام پر ہمارا انتظار کرتے۔ ہماری طرف سے زیادہ تاخیر کے نتیجے میں وہ دونوں کسی سنگین مسئلے سے دوچار ہو سکتے تھے۔
کھانے کے بعد رنگِ محفل بدل گیا۔ تکلفات کی زنجیریں ٹوٹنے لگیں۔ بنے سنورے لباس جسموں پر ڈھلکے ہوئے نظر آنے لگے۔ ناچنے والی پیشہ ور لڑکیاں دھیمے اور خوبصورت رقص سے ہیجان انگیز ناچ پر مائل ہو گئیں۔ مرد انہیں دیکھ کر بے پروایانہ انداز میں فقرے چست کر رہے تھے۔ ایک آدھا ٹھ کر ان کے درمیان پہنچا ہوا تھا۔
بنکاک کے نام نہاد شرفا کا وہ اجتماع ماحول اور رویوں کے لحاظ سے بازاری لفنگوں کے اجتماع کا منظر پیش کرنے لگا۔
غزالہ کے لیے وہ بہت تکلیف دہ تجربہ تھا۔ اس نے کبھی مردوں کے اتنے بڑے غول کو خود فراموشی میں مبتلا ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنی زبان پر کوئی حرفِ شکایت لائے بغیر، خندہ پیشانی سے سب کچھ برداشت کرتی رہی۔ اسے معلوم تھا کہ ذہنی کوفت کے اس مرحلے کے بعد ہمیں ڈان کی غیر علانیہ قید سے آخرکار رہائی ملنے والی تھی۔
چاؤفان گاہے گاہے پنڈال میں نظر آ رہا تھا۔ جب سے ڈان وہاں پہنچا تھا، وہ زیادہ تر اسی کے آس پاس منڈلاتا رہا۔ بھول کر بھی اس نے ہمارا رخ نہیں کیا۔
گومی کھانے کے بعد بھی ندیدے پن سے پیتی رہی۔ نشے کے باعث اس کی زبان پر لکنت طاری ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی کہنیاں میز پر ٹکائیں اور دونوں ہتھیلیوں میں سر تھام کر کچھ بڑبڑانا شروع کر دیا۔ وہ ہمارے لیے بے ضرر ہو چکی تھی۔ اسے دنیا و مافیہا کا کچھ پتا نہیں تھا۔ ہم اٹھ کر چلے جاتے تو اسے کانوں کان علم نہ ہوتا کہ وہ میز پر اکیلی رہ گئی ہے۔
میرے ذہن میں خیال آیا کہ میں گومی کو کسی اور لڑکی کے حوالے کر دوں مگر اس خوف سے خاموش بیٹھا رہا کہ کہیں اس کی جگہ کوئی ہوش مند لڑکی ہمارے سروں پر مسلط نہ ہو جائے۔
میری نظریں بار بار اپنی رسٹ واچ کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بارہ بجے کے بعد میری گھڑی کی رفتار سست ہو گئی ہو۔
''گیری کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟'' غزالہ نے گومی پر ایک نظر ڈال کر پوچھا۔
''ہم دس منٹ کی تاخیر سے نکلیں گے۔'' میں نے اسے بتایا ''پنڈال سے نکل کر پہلے ہم واش روم جائیں گے۔ وہاں سے سڑک پر ٹہلتے ہوئے پارکنگ میں جا نکلیں گے۔ امید ہے کہ اس وقت تک وہ یہاں سے روانہ ہو چکا ہوگا۔''
میری نظریں گیری کی تلاش میں بار بار بھٹکتی رہیں۔ ایک بجنے سے چند منٹ پہلے مجھے بھیڑ میں اس کی صورت نظر آئی پھر وہ غائب ہو گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ پنڈال میں بھیڑ بڑھ گئی تھی۔ کھانا وغیرہ سرو کیا جا چکا تھا۔ مہمانوں اور میزبانوں کو صرف پینے اور ناچ گانے سے غرض رہ گئی تھی۔ ان کے وہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر بیرونی کاموں پر مامور عملہ بھی دھیرے دھیرے اندر گھس آیا تھا اور

تماش بینی کے ساتھ شرابوں پر ہاتھ صاف کررہا تھا۔
وہ ساحلی ویرانہ اتنا دورافتادہ تھا اور باہر موجود سازوسامان اتنا محفوظ تھا کہ کسی کو چوری چکاری کا ڈر نہیں تھا۔ سب بےفکر ہوکر اس محفل کے مزے لوٹ رہے تھے۔
ایک بجے میں نے قریب سے گزرنے والی ایک لڑکی کی توجہ گومی کی طرف مبذول کرائی جو میز پر اپنا سر ٹکائے فرصت سے اونگھ رہی تھی۔
اس لڑکی نے فوری طور پر اپنے ایک ساتھی کو بلایا اور وہ دونوں گومی کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اس کے قدموں پر زبردستی چلاتے ہوئے لے گئے۔ وہ حال صرف گومی کا نہیں، ناچ گانے کے شور شرابے میں اور بھی کئی مہمان اور میزبان اسی طرح بےسدھ نظر آرہے تھے۔ انہیں کوئی نہیں چھیڑ رہا تھا۔ جو جس حال میں تھا، مست اور خوش تھا۔
ایک بج کر دس منٹ پر میں نے غزالہ کو اشارہ کیا اور ہم دونوں نے سرسری انداز میں کرسیاں چھوڑ دیں۔ میں نے عقابی نظروں سے پنڈال کا جائزہ لیا تو ڈان مہمانوں کی بھیڑ میں گھرا ہوا تھا۔ کئی رقاص لڑکیاں اس کی میز کے سامنے مرغِ بسمل کی طرح تڑپ تڑپ کر عجیب انداز میں ناچ رہی تھیں۔ اس ہجوم میں گیری کا پتا تھا نہ جاؤفان کہیں نظر آرہا تھا۔
ہم پنڈال کی بغل میں بچھے ہوئے قالینوں پر سے گزرتے ہوئے روشن سڑک پر آگئے جہاں دور تک سناٹے کا راج تھا۔ کیٹرنگ کا عملہ بھی اپنی گاڑیوں کو مقفل کرکے شاید اندر پہنچا ہوا تھا۔
آگے لمبا سفر درپیش تھا۔ میں مثانے کا دباؤ ہلکا کرنے کے لیے ایک کارواں میں داخل ہوا تو مجھ پر چودہ طبق روشن ہوگئے۔
کاروان کی پتلی سی راہ داری میں ایک قطار سے سات واش روم بنے ہوئے تھے جن میں سے بیشتر آباد تھے۔ اندر کی محدود فضا میں گونجنے والی دھیمی آوازوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ کچھ لوگ اس بندوبست کو خلوت کدے کے طور پر مصرف میں لارہے تھے۔
میں ایک خالی باتھ روم میں گھسا تو اس کی عمدہ بناوٹ کسی طیارے کے باتھ روم سے مشابہ نظر آئی۔ وہاں غسل کے سوا تمام حوائجِ ضروریہ کا اہتمام موجود تھا۔ غزالہ کاروان کے باہر کھڑی میرا انتظار کررہی تھی، میں عجلت میں باہر آگیا۔ میری دانست میں یہ اچھا ہی ہوا کہ غزالہ نے میرے ساتھ کارواں میں داخل ہونے کا فیصلہ نہیں کیا۔
ہم ویران سڑک پر چہل قدمی کے انداز میں آگے بڑھتے رہے۔ فضا ملے جلے انسانی شور اور موسیقی سے گونج رہی تھی۔ اس ساحلی ویرانے میں رات گہری ہونے کے ساتھ محفل پر رنگ آتا جارہا تھا۔ ہمیں پارکنگ لاٹ تک کوئی متنفس نظر نہیں آیا۔
ہم قناتوں کے ساتھ پارکنگ لاٹ کے اس حصے میں اتر گئے جو نسبتاً اندھیرے میں تھا۔
وہاں کسی کی مداخلت کا امکان نہیں تھا پھر بھی ہم بہت محتاط انداز میں بڑھتے ہوئے سیاہ بجیرو تک پہنچے۔ اگلے چند ثانیوں میں ہم گاڑی میں موجود تھے۔
انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے میرے دل کی دھڑکنیں یک بہ یک تیز ہوگئیں۔ مجھے توقع تھی کہ انجن چلنے کی آواز ساؤنڈ سسٹم سے ابلنے والے شور میں دب جائے گی۔ یہی ہوا، ہم گاڑی میں سست روی سے سڑک پر نکل آئے۔ میں نے اس وقت تک ہیڈ لیمپس روشن نہیں کیے تھے۔
گاڑی کا انجن طاقت ور اور کم آواز تھا۔ ہم سبک رفتاری کے ساتھ پنڈال کی عقبی سڑک سے گزرتے چلے گئے۔ دور تک پھیلی ہوئی روشنی میں دوسرے کارواں کے قریب ہمیں ایک نفس گزیدہ جوڑا نظر آیا جو اپنی دُھن میں مگن تھا۔ میں نے بجیرو کی رفتار بڑھانے کے ساتھ ہیڈ لیمپس روشن کردیے۔
''اللہ کا شکر ہے کہ اس حیوانی جنگل سے صحیح سلامت نکل آئے۔'' غزالہ نے فرطِ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا ''اب آگے ہمارا مقدر ہوگا۔''
''جلدی سے گاڑی میں موجود سامان کا جائزہ لے ڈالو۔ نقشہ ملنا بہت ضروری ہے۔'' میں نے اپنی نشست میں پہلو بدلتے ہوئے کہا۔
اگلے پائیدانوں میں کچھ نہیں تھا۔ غزالہ کسی بندر کی سی پھرتی سے پیچھے کود گئی اور وہاں اسے پائیدان میں رکھا ہوا بیگ مل گیا۔ جو ایک بڑی چادر میں لپٹا ہوا تھا۔
تھیلے میں نقشے کے ساتھ سفری ضروریات کا سامان اور فاضل میگزین کے ساتھ ایک چھوٹی خودکار رائفل بھی موجود تھی۔
میں غزالہ سے وہ تفصیل سن رہا تھا کہ مجھے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سڑک کے وسط میں ایک شخص اچھلتا ہوا نظر آیا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہرا کر ہمیں رکنے کے بےتابانہ اشارے کررہا تھا۔
ہمارا درمیانی فاصلہ بہت تیزی سے کم ہورہا تھا۔ اگلے چند لمحوں میں گاڑی کی تیز روشنی میں، میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ بلاشبہ کرنل گیری تھا۔ اس کی گاڑی سڑک کے کنارے

جیک پر ایک طرف سے اٹھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔
''یہ یہاں کیا کر رہا ہے......'' میں نے تشویش زدہ آواز میں کہا۔
''وہ راستے سے نہ ہٹے تو اسے کچلتے ہوئے آگے نکل جائیں۔'' غزالہ خوف زدہ بلکہ ہذیانی سی آواز میں بولی۔ وہ بیگ سنبھالے عقبی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے تبصرے سے پہلے وہ سڑک پر آئے ہوئے گیری کو دیکھ چکی تھی۔ اپنا جملہ پورا کرتے ہی وہ دوبارہ آگے آ گئی۔
میں نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ میرے پاس فیصلہ کرنے کے لیے چند سیکنڈ سے بھی کم وقت تھا۔ میں نے گیری کو نظرانداز کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن اس کا برا وقت آ گیا تھا۔ اس کی موت نے گاڑی میں کسی خرابی کی صورت میں اسے بری طرح گھیر لیا تھا۔
میں چاہتا تو کسی طرح اسے بچا کر تیزی سے آگے نکل سکتا تھا۔ اس تدبیر میں یہ خرابی تھی کہ وہ ہماری ایک جھلک دیکھ کر ہمیں پہچانتا یا نہ پہچانتا' اس امر کا گواہ ضرور بن جاتا کہ تقریب گاہ کی طرف سے سیاہ بجیرو واپس گئی تھی۔ اس کی گاڑی میں یقیناً کوئی ایسی خرابی رونما ہوئی تھی جو فوری طور پر دور ہونے والی نہیں تھی۔ وہ تقریب گاہ سے کئی میل دور لق ودق ویرانے میں کھڑا ہوا تھا۔ وہ لامحالہ وہیں رک کر تقریب سے لوٹنے والی کسی اور گاڑی کا انتظار کرتا۔ وہ پہلی ملاقات میں ڈان کا چہیتا بن چکا تھا۔ ڈان کو اس کی پریشانی کا علم ہوتا تو وہ اس سے رابطہ کرتا اور سیاہ بجیرو کے بددماغ مالک کا ذکر سامنے آ جاتا۔ یوں ہمارے کمبوڈیا پہنچنے سے پہلے پورے زوروشور سے اس گاڑی کی تلاش شروع ہو جاتی۔ معاملہ ایک اہم امریکی سفارت کار سے بداخلاقی کا ہوتا اس لیے شبہ یہ تھا کہ ملک گیر پیمانے پر کالی بجیرو کی تلاش کی مہم شروع ہو سکتی تھی۔
غزالہ کے مشورے کو روبہ کار لانے میں کئی پیچیدگیاں تھیں۔ دھیمی ٹکر سے گراں ڈیل گیری کو جہنم واصل کرنا ناممکن تھا۔ تیز رفتاری سے گاڑی ٹکرانے میں خدشہ تھا کہ گاڑی کے کسی حساس حصے کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ ہمیں لمبا سفر درپیش تھا۔ میں ایسا سنگین خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔
سڑک پر ہاتھ لہراتے ہوئے کرنل گیری کی طرف گاڑی دوڑاتے ہوئے شاید میرے اندیشوں نے بدترین صورت اختیار کر لی تھی مگر اس وقت کی حقیقت یہ تھی کہ میرے ذہن نے پلک جھپکتے میں وہ تجزیہ کر کے گاڑی روکنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
میں نے بریک لگا کر گیری سے چند میٹر کے فاصلے پر گاڑی روکی اور دروازہ کھول کر سڑک پر اتر گیا۔
''اوہ گاڈ! شکر ہے کہ تم آ گئے۔ میرا ہر حال میں اپنے دفتر پہنچنا ضروری ہے۔ دو بجے واشنگٹن سے میرے لیے ایک اہم ترین کال آنے والی ہے۔'' وہ اپنی پیشانی مسلتے ہوئے تشکرآمیز لہجے میں بولا۔
''تمہاری گاڑی کو کیا ہوا؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔
''یکایک پچھلے بریک جام ہو گئے۔ سڑک پر تیزی سے رگڑنے سے ایک ٹائر پھٹ چکا ہے۔ گاڑی جہنم میں جائے' تم مجھے شہر پہنچا دو...... میں نے آج ہی تم سے تخلیے میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی' اتفاق دیکھو کہ کن حالات میں یہ تخلیہ میسر آیا ہے۔''
وہ بجیرو کے پچھلے دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ غزالہ پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر پھرتی سے نیچے آ گئی۔ ''تم یہاں بیٹھ جاؤ' میں پیچھے چلی جاتی ہوں۔''
غزالہ کی اس پیش کش میں اخلاق کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اسے جاؤفان کے فراہم کیے ہوئے اس بیگ کی فکر لاحق ہو گئی تھی جو پچھلی سیٹ پر رکھا ہوا تھا۔
گیری کو اس وقت غزالہ کے حسن کی ستائش کا دھیان نہیں آیا۔ اس نے بہت شائستگی سے اس کا شکریہ ادا کیا اور پسنجر سیٹ پر سوار ہو گیا۔
''تم اکیلے ہو؟ کیپٹن کک کہاں رہ گیا؟'' میں نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔
''ڈان کی پارٹی زبردست ہے۔ کام نہ ہوتا تو میں بھی وہاں رکتا۔ یہ جوان افسر ذرا رنگین مزاج ہوتے ہیں۔ کک وہیں رک گیا۔ پارٹی ختم ہو گی تو کسی سے لفٹ لے کر لوٹ آئے گا۔''
جاؤفان کے فراہم کیے ہوئے بیگ کے ساتھ ہماری اہم اشیا بھی اس وقت غزالہ کے پاس تھیں۔ ان میں ایک بھرا ہوا پستول بھی شامل تھا۔ اس لمحے مجھے افسوس ہوا کہ گیری تک پہنچنے سے پہلے میں نے غزالہ کو کوئی ہدایت کیوں نہ دی کہ ضرورت پیش آنے پر اسے کون سا ہتھیار استعمال کرنا ہوگا۔
بیم گن کے بارے میں جلال کی واضح تاکید غزالہ کے علم میں تھی لیکن اس وقت وہ بوکھلائی ہوئی تھی۔ اضطرار کے عالم میں غلطی بھی کر سکتی تھی۔
''مارنا ہے۔'' میں نے اردو میں کہا۔
''کیا کہا تم نے؟'' گیری نے چونک کر مجھ سے پوچھا۔

''گک کے لیے اپنی مادری زبان میں شاندار متبادل لفظ استعمال کیا تھا۔'' میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا ''تم کو ڈینی کے بارے میں تجسس تھا۔ قدرت کے کھیل بہت ہی نرالے ہوتے ہیں۔ یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ اس وقت تم ڈینی کے ہم سفر ہو۔''

میرے آخری فقرے پر وہ ایک گالی بک کر بری طرح سیٹ میں اچھلا۔ اس سے پہلے کہ وہ میری ڈرائیونگ میں حارج ہوتا' غزالہ نے اس کی کنپٹی پر پستول سے فائر کر دیا۔

قریب کے فائر کے باوجود گولی اس کے دماغ میں پیوست ہو کر رہ گئی۔ اس کے جسم نے روح کو لرزا دینے والا ایک شدید جھٹکا لیا اور اس نے بیٹھے بیٹھے اسی لمحے دم توڑ دیا۔

وہ گیری سے قدرت کا انصاف تھا۔ میں اس سے کسی تصادم سے بچنے کی بھرپور کوششوں کے باوجود اسے راستے سے ہٹانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''تم نے پستول استعمال کر کے زبردست عقل مندی کا مظاہرہ کیا ہے۔'' میں نے اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر کے کہا۔

''جلال نے بیم گن کو شجرِ ممنوعہ قرار نہ دے دیا ہوتا تو میں اسی کو آزماتی۔ اب اس لاش کو یہیں چلتی گاڑی سے لڑھکا دیں۔''

''مجھے خوشی ہے کہ آج تم نے بھی ایک ملک دشمن کو ٹھکانے لگا دیا۔ پارٹی سے لوٹنے والے سڑک پر اس کی لاش دیکھیں گے تو شہر میں ایک کہرام برپا ہو جائے گا۔ یہ انکشاف ہمارے حق میں نہیں ہوگا......''

''گاڑی کو فوراً ہیل میں ڈال کر سڑک سے اتار دیں۔ ٹیلوں کے درمیان کسی کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔'' اس نے میری بات کاٹ کر متبادل تجویز پیش کر دی۔

''ہمارے پیچھے پارٹی سے کوئی اور بھی لوٹ سکتا ہے۔ اس نے ہماری گاڑی کو کچے میں جاتے یا وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تو مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔ گیری کی لاش کو چند روز تک غائب رہنا چاہیے تاکہ ہم کمبوڈیا میں سکون سے کوئی ٹھکانا تلاش کر سکیں۔ تم کو اندازہ نہیں ہے' گیری کا قتل ہر طرف ایک آگ سی لگا دے گا۔''

''ان ویران ٹیلوں کے پیچھے کون جائے گا۔ لاش وہیں گلتی سڑتی رہے گی۔'' وہ اپنی تجویز پر مصر رہی۔

''مردار خور پرندوں پر شاید کوئی توجہ نہ دے لیکن معاملہ امریکی افسر کا ہوگا۔ اس کی گاڑی سڑک پر ملے گی۔ وہ پورے علاقے کا فضائی جائزہ ضرور لیں گے اور لاش دریافت کر لیں گے۔''

''کیا آپ اسے اپنے ساتھ کمبوڈیا لے جانا چاہ رہے ہیں؟''

''جڑنے کی ضرورت نہیں۔ بنکاک سے نکلنے کے بعد اسے کسی نالے یا کنوئیں میں پھینک دیں گے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''ابھی لاش گرم ہے' جوڑ نرم ہوں گے۔ اسے مار دیا ہے تو اتنی مہربانی اور کرو کہ اسے سیٹ سے پائیدان میں دھکیل دو۔''

''میں پہاڑ جیسا یہ بوجھ نہیں دھکیل سکوں گی۔'' وہ عجیب سے انداز میں منمنائی۔

''میں نے یہ کام کرنے کے لیے گاڑی روکی اور پیچھے سے کوئی سر پر پہنچ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ''ذرا سی ہمت سے کام لو' یہ اتنا بھاری نہیں ہے' جتنا نظر آ رہا ہے۔''

''آپ بات ہی نہیں سمجھتے۔'' وہ جھنجلا گئی ''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''اب تم بہانہ کر رہی ہو۔ اچانک تمہاری طبیعت کو کیا ہو گیا؟'' میں نے ذرا ترشی سے سوال کیا۔ اس کے ٹھنکنے پر مجھے غصہ آ گیا تھا۔

''میں آپ کے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہ رہی تھی۔ میری خواہش تھی کہ آپ ہر طرف سے بے فکر ہو کر اپنا کام کرتے رہیں۔ آپ ناراض ہو رہے ہیں تو سن لیں کہ میں آپ کی ہونے والی اولاد کے تحفظ کے لیے یہ احتیاط کر رہی ہوں۔''

غزالہ کے وہ الفاظ میرے لیے اس قدر خوشی کا سبب بنے کہ فرطِ مسرت سے چند لمحوں کے لیے میری زبان گنگ ہو گئی۔ دل چاہا کہ گاڑی روک کر والہانہ انداز میں غزالہ کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں۔ اس خبر کا مجھے ایک مدت سے انتظار تھا۔ اس تاخیر میں ہمارے کسی ارادے یا کوشش کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس بارے میں دیرا اور سلمٰی نے کئی بار ٹوکا لیکن میں نے ہمیشہ کوئی دوٹوک جواب دینے کے بجائے ایسا مبہم رویہ اختیار کیا کہ تمسخر و استہزا کرنے والوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ ہم دونوں جان بوجھ کر اس التوا کا سبب بن رہے ہیں۔

غزالہ نے وہ خبر اچانک اور مجبور ہو کر جس انداز میں سنائی' وہ میرے لیے بہت عجیب بلکہ خیال انگیز تھا۔ غزالہ خوب جانتی تھی کہ اسے ماں کے روپ میں دیکھنا میرا پرانا خواب تھا۔ اس بارے میں ہمارے درمیان دیر تک باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس ذکر پر غزالہ کے

حسین چہرے پر آزردگی کے سائے تیرتے نظر آنے لگے تو میں نے اس ذکر سے کنارہ کرلیا۔ میں نے رضا کارانہ طور پر اپنی زبان ضرور بند کرلی لیکن وہ خواہش میرے لاشعور سے یوں چپکی ہوئی تھی کہ ہر ماہ و سال مجھے غزالہ کی طرف سے کسی خبر کا انتظار رہتا تھا۔

وہ مبارک گھڑی آئی تو ایسے وقت میں آئی جب میں غریب الوطن ہوکر اپنے الجھاووں میں پھنسا ہوا تھا۔ غزالہ کو احساس تھا کہ اس نے مجھے اپنے راز میں شریک کیا تو میری توجہ بٹ جائے گی' ذہن اپنے مسائل کے ساتھ اس کی فکر میں بھی الجھ جائے گا لیکن گیری کے ناگہانی ظہور اور پھر اس کی موت نے وہ گرہ دور کردی۔

مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میرا وجود ہلکا' بہت ہلکا ہوکر فضاؤں میں تیر رہا ہو۔ صرف وہ ماں نہیں بننے والی تھی' میں بھی باپ کے درجے پر فائز ہونے والا تھا۔ وہ پُرگداز احساس ایسا انوکھا تھا جسے میں صرف محسوس کررہا تھا' اسے الفاظ کے قالب میں ڈھالنا ممکن ہی نہیں تھا۔

یہ بہت مبارک شگون تھا کہ وہ خبر میرے ایک حریف کی موت کے موقع پر سامنے آئی تھی۔ حریف بھی ایسا جس سے میرا کوئی مقابلہ ہوا نہ مجادلہ۔ وہ اپنی سازشی حرکتوں میں مصروف تھا۔ اس کی فتنہ انگیزیوں کی کہانیاں ثبوتوں کے ساتھ میرے علم میں آچکی تھیں لیکن میرے پاس اس سے الجھنے کا وقت نہیں تھا۔ میں اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرتا تو میری شہ رگ کے گرد ڈان کا پھندا تنگ ہوتا چلا جاتا۔ میں نے اس سے کنی کاٹ کر نکل جانا چاہا لیکن قدرت نے مکافاتِ عمل کے آفاقی اصول کے تحت اسے دھکیل کر میرے سامنے لا کھڑا کیا۔ شاید انسانی مقدر پر حکمرانی کرنے والی غیبی طاقت نے ہی غزالہ کے دماغ میں یہ خیال ڈالا کہ وہ اپنے وجود میں پنپنے والے ایک نئے وجود کے بارے میں اپنی زبان بند رکھے تاکہ ایک خاص موقع پر مجھے وہ نوید سنا سکے۔

میرا دل اپنے رب کے لیے تشکر اور ممنونیت کے جذبات سے یوں لبریز ہوا کہ غزالہ سے کوئی مکالمہ ہوئے بغیر میرے وجود کی گہرائیوں میں رقت کا ایک طوفان امڈ پڑا اور میری بصارت ایک آبی پردے سے دھندلانے لگی۔

ان چند لمحوں کی کیفیت ناقابلِ بیان تھی۔ میں سب کچھ فراموش کرچکا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میرے برابر والی نشست پر ایک تازہ لاش رکھی ہوئی ہے۔ میں اس وقت چونکا جب گاڑی کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ میں نے غیر ارادی طور پر ایک ہاتھ سے پاور اسٹیئرنگ کاٹ کر' کیبر کو سنبھالا' دوسرے ہاتھ کی آستین سے آنکھوں کی نمی صاف کی تو اندازہ ہوا کہ ہماری گاڑی اس لمحے ایک خطرناک کھڈ میں اترتے اترتے بچی تھی۔

غزالہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی میرے اس جذباتی ابال کو محسوس کررہی تھی۔ اس نے نرمی سے میری پشت سہلائی' کچھ کہنا چاہا لیکن اس کے ہونٹوں سے چند بے معنی آوازیں نکل کر رہ گئیں۔ اس کی حالت مجھ سے مختلف نہیں تھی۔

گاڑی کے جھٹکے سے گیری کا بدن پشت گاہ سے لڑھک کر بند دروازے سے ٹک گیا تھا۔ میں نے عقب نما آئینے میں دور تک پھیلے ہوئے گھور اندھیرے سے مطمئن ہوکر گاڑی کی رفتار دھیمی کی اور ایک ہاتھ سے زور لگا کر گیری کے بھاری وجود کو کسی نہ کسی طرح گاڑی کے کشادہ پائیدان میں گرانے میں کامیاب ہوگیا۔ ناگہانی جھٹکے نے اس کام کو خاصا آسان بنادیا تھا۔

غزالہ اسی لمحے اگلی نشست پر آگئی۔ گیری کی لاش اس کے قدموں میں پڑی ہوئی تھی۔

ہم دونوں کافی دیر تک خاموش بیٹھے رہے جیسے دونوں کی قوتِ گویائی سلب ہوگئی ہو۔ اس تاریک ویرانے سے نیم روشن سڑک پر آنے کے بعد میں نے غزالہ کو چلتی گاڑی میں بار بار نشستوں کی تبدیلی کے حوالے سے چھیڑا تو اس نے بتایا کہ ڈاکٹر نے اسے وزن اٹھانے سے منع کیا ہوا تھا۔ ہلکی پھلکی اچھل کود اس کے لیے بے ضرر تھی۔

ڈاکٹر کے ذکر نے مجھے پھر چونکادیا۔ بنکاک میں اس کے شب و روز میرے سامنے تھے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اسے کسی ڈاکٹر سے رجوع کرنے کا موقع کب مل گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ خریداری کے بہانے دوبار ایک تھائی گائنا کولوجسٹ سے ملی تھی۔

جمود ٹوٹ گیا' باتیں چل نکلیں تو پتا چلا کہ ویرا اس کی ہم راز بنی ہوئی تھی۔ سیام پارک میں غزالہ نے اسے تخلیے میں لے جاکر اپنے دل کی بات بتادی تھی۔ اس وقت تک ہم میں سے کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ ہم کب تک بنکاک میں رکے رہیں گے۔ ویرا خود کبھی ماں بننے کے تجربے سے نہیں گزری تھی لیکن اس نے غزالہ کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ ان ابتدائی ایام میں محتاط رہنے کے ساتھ باقاعدگی سے اپنی معالجہ سے رجوع کرتی رہے۔

مجھے یاد آرہا تھا کہ غزالہ ایک سے زائد بار سیام پارک کے گوشے میں ویرا سے ہونے والی باتوں کے بارے میں کچھ بتاتے بتاتے خاموش ہوگئی تھی۔ اس نے ویرا کے ساتھ مل کر

بہت کامیابی سے اپنی رازداری برقرار رکھی تھی۔
ویرا بے لگام، منہ پھٹ اور موڈی خاتون تھی۔ اسے اس کی مرضی کے خلاف بولنے یا خاموش رہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ غزالہ کے معاملے میں وہ بہت کچی نکلی۔ مجھ سے غیر معمولی بے تکلفی ہونے کے باوجود اس نے مجھے اس امر کی ہوا بھی نہیں لگنے دی کہ غزالہ تبدیلی کے کسی نازک دور سے گزر رہی تھی۔
''یہ باتیں ہوتی رہیں گی۔ ان میں پڑ کر آپ یہ کیوں بھول گئے ہیں کہ میرے قدموں میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔'' غزالہ نے شوخی سے کہا۔
''آنے والے نے گیری کی بھینٹ لی ہے۔ فی الحال اس کے لیے وہی جگہ بہتر ہے جہاں وہ پڑا ہوا ہے۔'' میں نے سرور کے عالم میں جواب میں دیا ''ان دونوں کو لینے کے بعد اس کے بارے میں کچھ سوچا جائے گا۔''
''میں مشورہ دوں گی کہ پہلی فرصت میں اس سے چھٹکارا حاصل کرلیں۔ رات کے گہرے اندھیرے میں کوئی نالا یا کنواں تلاش کرنا ناممکن ہوگا۔''
''وہ میری ابتدائی تجویز تھی۔ کہیں نرم زمین مل گئی تو رک کر اسے دفن بھی کیا جا سکتا ہے۔''
''آپ اس کے لیے ان بکھیڑوں میں کیوں پڑنا چاہ رہے ہیں؟'' اس نے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا ''اس چکر میں ہم کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔''
''اس کی لاش کا چند روز تک غائب رہنا ہمارے مفاد میں ہوگا۔'' میں نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھایا ''لاش دستیاب ہوتے ہی اس کے اعلیٰ افسران ایک قیامت کھڑی کردیں گے۔''
''لاش چھپا کر آپ اس قیامت کو نہیں ٹال سکتے۔''
''اس کی نوعیت دوسری ہوگی۔ لاش ملنے کے بعد اس کے قتل کا الزام ہمارے سر آئے گا کیونکہ کسی کو ہمارا سراغ نہیں مل سکے گا۔ اگر یہ بچیر دکسی کی نظروں میں نہیں آئی تو وہ یہی سمجھتے رہیں گے کہ ہم گیری کو اغوا کر کے کہیں چھپ گئے ہیں۔ وہ یہ اندازہ لگائیں گے کہ سواری نہ ہونے کی وجہ سے ہم وہاں سے زیادہ دور نہیں جا سکے ہوں گے۔ وہ اپنا کافی وقت ان اطراف میں برباد کریں گے۔ ناکامی کے بعد ان کی ساری توجہ بنکاک کو کھنگالنے پر مرکوز رہے گی۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر کمبوڈیا سے بھی نکلنے میں کامیاب ہو جائیں۔ ہمارے لیے وقت بہت اہم ہے۔ لاش چھپا کر ہم یہ وقت خرید سکتے ہیں۔ کئی دن برباد کرنے کے بعد شاید وہ گیری کے قتل کے امکان پر غور کرسکیں گے۔''
''ہم اس ملعون کی وجہ سے بہت گمبھیر صورتِ حال سے دوچار ہوگئے ہیں۔''
''سامنے آجانے کے بعد اسے مارنا ناگزیر تھا۔ مارنے کے بعد لاش کو چھپانا ہماری ضرورت بن گیا ہے۔ وہ جتنی دیر تذبذب اور بے یقینی کا شکار رہیں گے، ہم ان کی دسترس سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔'' اس سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں آنے والے وقت کا ایک واضح خاکہ بنتا جا رہا تھا۔
''ہر دو صورتوں میں ہم دونوں ہی ان کے شکوک وشبہات کا مرکز رہیں گے۔''
''یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس کے لیے واشنگٹن سے آج ہی فون آنا تھا۔''
''رات کے دو بجے کس کا فون آتا...... وہ بہانے بازی کر رہا تھا، کسی اور چکر میں رہا ہوگا۔''
''تم وقت کے فرق کو فراموش کر رہی ہو۔ بنکاک اور واشنگٹن کے وقت میں کم وبیش آدھے دن کا فرق ہے۔ وہاں اس وقت دوپہر ہوگی۔ چہرے مہرے سے یہ بھی اوباش اور تفریحات کا رسیا نظر آتا تھا۔ سرکاری کام نہ ہوتا تو یہ بھی روشنیاں گل ہونے کے انتظار میں وہاں رکا رہتا۔''
''کیا وہ پارٹی سورج طلوع ہونے تک چلتی رہے گی؟'' غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔
میں دھیرے سے ہنس دیا ''کبھی کبھی تم احمقانہ بات کہہ جاتی ہو۔ جاؤفان نے بتایا تھا کہ مہمانوں کا خمار گہرا ہونے کے بعد صرف ساحل کی طرف جلنے والی سرچ لائٹس روشن رہیں گی۔ باقی تمام روشنیاں ڈان کے ایک اشارے پر بجھا دی جائیں گی۔''
''لعنت ہو ڈان اور اس کے مہمانوں پر۔'' وہ تیزی سے بولی ''کاش، سمندر کی کوئی اونچی لہر ان سب کو اپنے ساتھ بہا کر لے جائے۔ ان سیاہ کرتوتوں کی پردہ داری کے لیے اس دور افتادہ ویرانے کا انتخاب کیا گیا ہوگا ورنہ یہ تقریب کہیں اور بھی ہو سکتی تھی۔''
''ڈان کے دماغ میں راجن کی وائٹ ہاک گھسی ہوئی ہے۔''
وہ میرے لیے بنکاک میں ڈرائیونگ کا پہلا تجربہ تھا۔ ہم گھور اندھیرے کو پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ میرے سامنے شہر کے روشن اور کشادہ راستے پھیلے ہوئے تھے۔ ان علاقوں میں لوگوں کی دل بستگی کے لیے شبینہ تفریحات کے ٹھکانے نہیں

پائے جاتے تھے اس لیے ہر طرف خاموشی اور ویرانی کا گہرا راج تھا۔ اسٹریٹ لیمپس کے روشن قمقمے بھی تھکے تھکے اور خوابیدہ سے نظر آرہے تھے۔ مجھے وہ سب بالکل نیا نظر آرہا تھا۔ کہیں بھی کوئی ایسی نشانی نظر نہیں آرہی تھی کہ جس کے سہارے میں صحیح راستے کا تعین کرسکوں۔

بس سمت کا ادراک ذہن میں موجود تھا۔ اس کے سہارے میں رکے بغیر بڑھتا جارہا تھا۔ بہ ظاہر میں غزالہ سے باتوں میں مصروف تھا مگر مجھے راستے کی فکر دامن گیر تھی۔ چاؤفان سے سب کچھ طے ہوگیا تھا۔ بس وہی ایک مسئلہ میں نے معمولی سمجھ کر نظر انداز کردیا تھا۔

ہمارے لیے وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ میرے ایما پر غزالہ نے چاؤفان کے فراہم کیے ہوئے بیگ میں سے تہ کیا ہوا نقشہ نکال کر اپنی گود میں پھیلا لیا۔

کیبن لائٹ کی روشنی میں مجھے محسوس ہوا کہ چاؤفان اپنے قول کے مطابق واقعی اتنا بے وقوف نہیں تھا جتنا مجھے نظر آتا تھا۔ اس نے ہمیں کوئی لمبا چوڑا نقشہ دینے کے بجائے ایک بڑے نقشے سے صرف وہ حصہ کاٹ لیا تھا جس پر سفر کرکے ہمیں کمبوڈیا کی سرحد میں داخل ہونا تھا۔ بڑے اسکیل پر چھپے ہوئے اس نقشے میں چاؤفان کی لگائی ہوئی سرخ لکیر بہت نمایاں تھی۔ اس راستے کے قرب وجوار میں چھوٹی بڑی سڑکیں اور آبادیاں بھی بہت واضح تھیں۔

مجھے پہلے سے اس راستے کا علم نہیں تھا لیکن غزالہ سے یہ سن کر کہ ہمیں پچ بری روڈ سے ہی شمال کی طرف ایکسپریس وے پر جانا تھا، خوشی ہوئی کہ میں نے ویرا اور سلطان شاہ کو صحیح مقام پر پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔

کچھ دیر بعد مجھے جانی پہچانی عمارات نظر آنے لگیں۔ میں بنکاک کے راستوں سے زیادہ واقف نہیں تھا مگر چاؤفان کے ساتھ شہر کی کوچہ نوردی کرتے ہوئے میں نے ہر ممتاز عمارت اور نمایاں مقامات کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کی تھی جو اس آڑے وقت میں میرے کام آئی۔

ہم شہر کے مرکزی حصے میں داخل ہوئے تو میری رسٹ واچ رات کے پونے دو بجارہی تھی۔ پارٹی سے قدرے تاخیر سے روانگی اور کرنل گیری سے مڈبھیڑ ہونے کے باوجود ہمارا وقت خراب نہیں ہوا تھا۔ اس رات ہمارے ستارے یاوری کررہے تھے۔ گیری جیسا چالاک اور خطرناک آدمی حالات کی بے بسی کا شکار ہوکر غزالہ کے ہاتھوں کسی میمنے کی طرح مارا گیا۔ راستوں کا علم نہ ہونے کے باوجود میں اپنی چھٹی حس کے سہارے صحیح سمت میں گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خوش نصیبی اس سفر میں آگے بھی ہمارا ساتھ دے گی اور ہم عافیت کے ساتھ ڈان اور تھائی قانون کی گرفت سے دور نکل جائیں گے۔

چاؤفان کے ساتھ اپنے فرار کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے میرے ذہن پر صرف اور صرف ڈان کی بدنیتی کا خوف سوار تھا۔ وہ اپنے مکارانہ حربوں سے مجھے بنکاک میں روک کر مجھ سے کام لینا اور میرے بارے میں مزید چھان بین کرنا چاہ رہا تھا۔ بنکاک میں قانون کی بہت سی سنگین خلاف ورزیاں کرنے کے باوجود مجھے قانون کے محافظوں کی طرف سے کوئی تشویش لاحق نہیں تھی کیونکہ وہ میری درپردہ کارروائیوں سے بے خبر تھے۔ گیری کی ہلاکت نے وہ صورتِ حال یکایک بدل دی تھی۔ اس کی گمشدگی کے بارے میں ہمارے خلاف کوئی ثبوت نہ ہونے کے باوجود مقامی پولیس واقعاتی شہادتوں کی روشنی میں ہماری تلاش شروع کردیتی۔

پیٹ پونگ سے پچ بری تک، شہر کے قلب میں شب بیدار رندوں کی مشتبہ سرگرمیاں پورے زوروشور سے جاری تھیں۔ ان میں ہر ملک اور ہر قوم کے مردوزن نظر آرہے تھے۔ سب کھوئے کھوئے اور خواب زدہ انداز میں سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر رواں دواں تھے۔ ان کے لیے رات اترنے کے بعد دن طلوع ہوتا تھا۔

گاڑی میں ایک اہم امریکی سفارت کار کی تازہ لاش لے کر بنکاک کے اس شب بیدار علاقے سے گزرنا آسان کام نہیں، میرا دورانِ خون تیز ہوچکا تھا، دل کی دھڑکنیں کنپٹیوں میں محسوس ہورہی تھیں اور نگاہیں تیزی سے گردوپیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔

میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ وہ دونوں کاؤبوائے کلب کے قریب کسی آوارہ گرد جوڑے کی طرح بے پروائی سے ایک دیوار سے ٹکے ہوئے تھے۔ کاؤبوائے کلب میں رات اپنے ہنگامہ خیز شباب پر تھی، فٹ پاتھ پر بھی کافی لوگ موجود تھے لیکن کوئی ان دونوں کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

انہیں یہ علم نہیں تھا کہ میں کس گاڑی میں انہیں لینے کے لیے آؤں گا۔ جوں ہی میں نے گاڑی کنارے سے لگا کر روکی، انہوں نے ہماری ایک جھلک دیکھی اور تیر کی طرح ہماری طرف چلے آئے۔ کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ان دونوں کے شانوں پر ہلکے پھلکے سفری تھیلے جھول رہے تھے جو قلاش سیاح عام طور پر اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ وہ دونوں ایک ہی سمت کا دروازہ کھول کر پھرتی سے عقبی نشست پر سوار ہوگئے اور میں نے گاڑی آگے

بڑھا دی۔

''فرار کے لیے اس سے بہتر گاڑی ملنی مشکل تھی۔'' ویرا نے بیٹھتے ہی ستائشی لہجے میں تبصرہ کیا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ جاؤفان کو اُلو کا گوشت کھلا کر تم نے اپنا مطیع بنا لیا ہے۔''

''تم لوگوں کا بقیہ سامان کہاں ہے......؟ کراچی میں تو تم دونوں نے سفر کے لیے اچھے خاصے سوٹ کیس تیار کیے تھے۔'' میں نے اس کے تبصرے کو نظرانداز کر کے مجسس لہجے میں پوچھا۔

''یوں سمجھ لو کہ ایک دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے' کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا۔'' خطرناک مہم درپیش ہونے کے باوجود ویرا شگفتہ موڈ میں تھی۔ اس کی بات جاری رہی ''کچھ نیویارک میں رہ گیا' چند جوڑے ٹورنٹو میں پھینک دیئے' ایک تھیلا راستے میں کوڑے دان میں پھینکتے ہوئے آئے ہیں۔ بس کچھ چیزیں ہیں' جن کے بغیر گزارہ مشکل تھا۔''

یکا یک اس نے چند گہرے سانس لیے پھر تشویش زدہ انداز میں بولی ''گاڑی میں جلے ہوئے بارود کی بو کیوں آ رہی ہے؟''

میں دل ہی دل میں ویرا کے تیز مشاہدے کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ گاڑی میں میلوں پیچھے فائر کیا گیا تھا۔ ساری بو تیز ہوائیں اڑا لے گئی تھیں مگر اس کی حساس ناک نے گیری کے دماغ میں گھسی ہوئی گولی کی بارودی بو سونگھ لی تھی۔

''جس طرح دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے اسی طرح بارود انسانی خون میں نہا کر اپنی افادیت ثابت کرتا ہے۔'' میں نے پُرمزاح لہجے میں جواب دیا ''غزالہ کی چلائی ہوئی گولی ایک دشمن کی کھوپڑی میں پیوست ہے اور وہ اگلے پائیدان میں موجود ہے۔''

''نہیں!'' ان دونوں کے دہانوں سے گھٹی گھٹی تحیر زدہ آوازیں آئیں اور وہ ایک ساتھ اگلی نشستوں کے درمیان آگے جھک آئے۔

گاڑی میں اندھیرا تھا لیکن ایکسپریس وے کی تیز روشنیوں کا انعکاس اتنا کافی تھا کہ دونوں نے ہی غزالہ کے قدموں میں پڑی ہوئی گٹھڑی نما لاش دیکھ لی۔

''یہ کون ہے......تم اسے اپنے ساتھ کیوں لیے پھر رہے ہو؟'' سلطان شاہ کے ہونٹوں سے دبی دبی مگر تیز سرگوشیانہ آواز برآمد ہوئی۔

''یہ امریکیوں کا گیری دی گریٹ ہے۔ تم دونوں کی تلاش میں لگا ہوا دشمن نمبر ایک۔'' میں نے کہا' ''یوں سمجھ لو کہ یہ صرف مرنے کے لیے دست بستہ ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا۔''

''تم اب بھی ان دنگلوں میں لگے ہوئے ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ غزالہ آج کل کس حال سے گزر رہی ہے؟''
ویرا نے بے ساختگی سے ترش لہجے میں اپنی تشویش ظاہر کی۔

''گیری کے آنجہانی ہونے کے بعد معلوم ہوا ہے...... تمہیں متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔ غزالہ نے صرف پستول کا ٹریگر دبایا ہے۔ محنت کا کام میں نے خود کیا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا ''مجھے سخت شکایت ہے کہ تم دونوں نے اپنی زبانیں بند رکھ کر میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔''

''کیا ہوا......غزالہ کو کیا ہو گیا؟'' سلطان شاہ کی آواز کی پریشانی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا نے اسے بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔

''غزالہ تمہاری منہ بولی بہن ہے۔ یوں سمجھ لو کہ سات آٹھ مہینوں کے بعد تم کسی کے منہ بولے ماموں بننے والے ہو۔ آئی بات سمجھ میں!'' ویرا نے منہ توڑ انداز میں جواب دیا۔

میں نے خاص طور پر محسوس کیا کہ ویرا کے ذہن سے میری پچھلی ملاقات کے اثرات زائل ہو چکے تھے۔ اس میں ذرا بھی دھیما پن نہیں آیا تھا۔

''بہت خوشی کی بات ہے کہ آج یہ خبر مل رہی ہے۔ یہ واقعہ تو آج سے بہت پہلے رونما ہو جانا چاہیے تھا۔'' سلطان شاہ کی آواز سے بے پناہ مسرت جھلک رہی تھی ''مبارک ہو......میری طرف سے تم سب کو مبارک ہو۔ اب ہم اپنی گود میں ڈینی کے بچے کو کھلائیں گے۔''

''ڈینی کا بچہ کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔'' ویرا کھلکھلا کر ہنس دی ''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ بچی بھی ہو سکتی ہے۔''

''تم لوگوں نے کیا خرافات شروع کر دیں۔'' غزالہ جھنجلائی ہوئی آواز میں بولی ''کیا ہم اس لاش کو یوں ہی اپنے سینے سے لگائے پھرتے رہیں گے؟''

''ہاں' اس کی کہانی سناؤ۔'' ویرا بولی ''اس جیسا مکّار اور موذی شخص کسی دھوم دھڑ کے کے بغیر اتنی آسانی سے تمہارے چنگل میں کیسے آ پھنسا؟''

وہ بہت مختصر سا واقعہ تھا۔ میں نے پوری جزئیات کے ساتھ ان دونوں کے سامنے دہرا دیا۔ ساتھ ہی انہیں اپنے تحفظات اور اندیشوں سے بھی آگاہ کر دیا۔

''فی الوقت تمہارا اندیشہ بے بنیاد ہے۔'' ویرا نے پوری بات سن کر فیصلہ کن انداز میں اپنی رائے دی۔ ''اس ویران سڑک پر گیری کی خراب گاڑی دریافت ہو گی اور اس کا کہیں پتا

نہیں چلے گا تو ہر طرف بھونچال ضرور آئے گا لیکن کسی کو بھول کر بھی تمہارا خیال نہیں آئے گا۔ تم بتا رہے ہو کہ پارٹی میں ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ ڈان سمیت سب لوگ نشے کے خمار میں ڈوبتے جا رہے تھے۔ گیری کی گاڑی دریافت ہونے تک سب ہوش و خرد سے بے گانہ ہو چکے ہوں گے۔ ہر شخص گیری سے ہمدردی ظاہر کرتا ہوا اپنے گھر جا کر سو جائے گا۔ تم دونوں کے فرار کا راز اس وقت کھلے گا جب ڈان ہوش و حواس میں آنے کے بعد کسی ضرورت کے تحت تم سے رابطہ کرنا چاہے گا اور تم کہیں دستیاب نہ ہو گے۔ دونوں الگ الگ واقعات تصور کیے جائیں گے۔ ڈان تمہیں تلاش کرے گا۔ ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد وہ یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ گیری تم دونوں کو اغوا کر کے کہیں غائب ہو گیا۔ گاڑی خراب ہونے پر اس نے کوئی متبادل تلاش کر لیا ہوگا۔ تمہاری ذات میں گیری کی دلچسپی، ڈان کے علم میں آ چکی تھی۔ منفی سمت میں مت سوچو۔ ڈان کو صحیح نتیجے پر پہنچنے میں کئی دن بھی لگ سکتے ہیں۔ ہمارے لیے یہ مہلت غنیمت ثابت ہوگی۔ اصل نکتہ وہی ہے جو تمہارے ذہن میں جما ہوا ہے۔ کسی کو گیری کی لاش کی بھنک نہیں ملنی چاہیے۔ لاش سامنے آنے سے پورا کھیل بگڑ جائے گا۔''

تعداد میں دو سے چار ہوتے ہی صورتِ حال حوصلہ افزا نظر آنے لگی۔ سب کچھ جوں کا توں تھا لیکن میرے ذہن سے دباؤ دور ہو گیا۔ ہم چاروں ایک مدت کے بعد بے تکلفانہ فضا میں یکجا ہوئے تھے۔ ماحول میں عجیب جوش اور گرم جوشی پائی جا رہی تھی۔

پٹ بری سے ایکسپریس وے سیدھی جا رہی تھی۔ اس پر لاش کو کسی محفوظ مقام پر ٹھکانے لگانے کا موقع ملنا محال تھا۔ بنکاک کے مضافاتی رہائشی علاقے میں سڑک کے کنارے تھائی اور انگریزی زبانوں میں لگے ہوئے بورڈ سے علم ہوا کہ وہاں سے آگے اس سپر ہائی وے کا نام شاہ راہِ دوستی ہو گیا تھا۔ وہ علامات دیکھتے ہی ویرا نے غزالہ سے نقشہ لے لیا اور پورے انہماک سے ہمارے سفر کے مجوزہ راستے کے مطالعے میں جٹ گئی۔

سلطان شاہ نے غزالہ سے باتیں شروع کر دیں۔ ہم سب چار جان ایک قالب تھے۔ ہمارے درمیان کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہتی تھی۔ غزالہ اسے جلال کی کمبوڈیا میں متوقع آمد اور اس کے دیے ہوئے نئے ناموں کے بارے میں بتا رہی تھی۔ ویرا بہ ظاہر اپنے کام میں لگی ہوئی تھی لیکن درمیان میں لقمے دیتی جا رہی تھی۔

کچھ دیر کی دماغ سوزی کے بعد ویرا نے بتایا کہ اس وقت ہم لوپ بوری کی سمت میں جا رہے تھے۔ جہاں سوبھراج کی زندگی کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہوا تھا۔ لوپ بوری سے کافی پہلے پھرا ناخون (PHIRA NAKHON) نامی قصبے سے ہمیں سپر ہائی وے سے اتر جانا تھا۔ اس نئی سڑک کا نام شاہ راہ دوستی تھا جو متعدد شہروں اور قصبوں سے ہوتی ہوئی کمبوڈیا میں داخل ہو جاتی تھی۔

سپر ہائی وے پر لگے ہوئے سائن بورڈ کے بارے میں غلط فہمی دور ہونے سے مجھے اطمینان ہوا کہ پھرا ناخون کے بعد ہم گیری کے ناپسندیدہ بوجھ سے نجات حاصل کرنے کی کوئی راہ نکال سکیں گے۔

تقریباً ایک گھنٹے کی آرام دہ اور تیز رفتار مسافت کے بعد ہمیں پھرا ناخون کے نشانات نظر آنے شروع ہو گئے۔ اس دوران میں ویرا اور سلطان شاہ نے ٹارچ کی روشنی میں باری باری گیری کی لاش کا دیدار کر لیا تھا۔

اس کی کنپٹی پر چھوٹے سے زخم کے گرد خون کی پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ فوری طور پر اس کی موت واقع ہونے کی وجہ سے زخم سے خون بہنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اسے مرے ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا اس لیے لاش کے جوڑ بہ دستور نرم تھے۔

سپر ہائی وے پر رات گہری ہو جانے کے باوجود مال بردار ٹرکوں اور ٹریلروں کی خاصی آمد و رفت جاری تھی۔ اس دوران میں ہمیں گنتی کی چند گاڑیاں آتی جاتی نظر آئیں۔ ان میں لوگ شاید کسی ہنگامی ضرورت کے تحت سفر پر نکلے تھے۔

پھرا ناخون کی آبادی خاصی وسیع تھی۔ ہائی وے کی بلندی سے شہر کی خواب ناک روشنیاں دور تک پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ہم سپر ہائی وے سے بائیں طرف شاہ راہ دوستی پر اترے تو میں نے سکھ کا سانس لیا۔ ہمارے سفر کا ایک مرحلہ خیر و خوبی سے مکمل ہو گیا تھا۔

ہم آبادی کے بیرونی سرے کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ وہ سڑک بھی کشادہ اور ہموار تھی۔ دوسری خاص بات یہ تھی کہ سپر ہائی وے کے مقابلے میں اس روٹ پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔

پھرا ناخون کی آبادی سے آگے نکل جانے کے بعد میں نے گاڑی کی رفتار کم کر لی۔ میری نگاہیں کوئی مناسب مقام تلاش کر رہی تھیں جہاں گیری کی لاش کو ٹھکانے لگایا جا سکے۔

''تمہیں اپنے جاؤ چان پر پورا بھروسا ہے؟'' اچانک ویرا سوال کر بیٹھی۔ غزالہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''اس کا نام چاؤ چان نہیں چاؤ فان ہے۔ ابھی تک وہ اپنے قول کا دھنی ثابت ہوا ہے۔'' میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا ''اس پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔''

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ڈان کا ایک پرانا نمک خوار یکایک تمہارا ہمدرد کیوں بن گیا؟''

وہ بہت سی باتوں سے بے خبر تھی۔ جب میں نے اسے سمجھایا کہ بنکاک میں میری موجودگی اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن رہی تھی۔ میری مدد کر کے اس نے وہ رکاوٹ دور کرنے کی ایک بے ضرر کوشش کی تھی تو بات اس کی سمجھ میں آ گئی ورنہ وہ کمبوڈیا جانے کے بجائے کہیں اور روپوش ہو جانے کی تجویز لیے بیٹھی تھی تاکہ چاؤ فان کو بھی ہماری اگلی منزل کا سراغ نہ مل سکے۔

پھرانا خون سے کافی دور آنے کے بعد مجھے سڑک کے دونوں طرف چھدرے درختوں سے گھرا ہوا ویرانہ نظر آیا۔ اس وقت ہمارے آگے پیچھے' دور تک کوئی گاڑی نہیں تھی۔ میں نے ان تینوں کو ہوشیار کیا اور گاڑی دھیمی کر کے سڑک سے نیچے اتار دی۔

ویرا اور سلطان شاہ کے شامل ہونے کے بعد مجھے جو اطمینان حاصل ہوا تھا' وہ وقت گزرنے کے ساتھ رفتہ رفتہ دوبارہ اعصابی دباؤ میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ راستے اجنبی تھے۔ آگے کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا کہ ہمیں کہاں موقع میسر آ سکے گا۔ بہتر یہی تھا کہ پہلی فرصت میں گیری کی لاش سے نجات حاصل کر لی جائے۔

''اس ویران جنگل میں اتر تو رہے ہو' ذرا واپسی کا خیال بھی رکھنا۔'' ویرا نے تفکر آمیز لہجے میں مجھے ٹوکا ''ایسا نہ ہو کہ ہم بھٹک کر واپس لوٹ جائیں۔''

''یہ تمہاری بھی برابر کی ذمے داری ہے' ذرا سمتوں کا خیال رکھنا۔''

''اس جنگل میں کیا گیری کی لاش کو کسی پیڑ پر لٹکانے کا ارادہ ہے؟''

''اور کچھ نہ ہو سکا تو یہی کرنا پڑے گا۔'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''ابھی لمبا سفر باقی ہے۔ کہیں نہ کہیں بہتر موقع مل جاتا۔ غزالہ کا پیر بھاری ہو چکا ہے۔ گیری نکل کر کہیں نہیں بھاگ سکے گا۔ یہاں دور تک سپاٹ میدان نظر آ رہا ہے۔ گاڑی یہیں سے سڑک کی طرف موڑ لو۔'' اس نے تمسخرانہ انداز میں رائے زنی کی۔

''اس چکر میں ہم سرحد تک پہنچ جائیں گے اور کچھ نہیں ہو سکے گا۔''

کچھ زمین ناہموار تھی' بے ترتیبی سے اگے ہوئے درختوں کے درمیان راستہ بنانے کے لیے تھوڑی سی دشواری ہو رہی تھی۔ گاڑی ہچکولے کھاتی آگے بڑھتی رہی۔

''روکو...... گاڑی روک دو!'' یکایک سلطان شاہ چلایا اور میں نے گھبرا کر بریک لگا دیے۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی اور سسپنشن پر جھول کر رہ گئی۔

''کیا تمہیں اپنے گاؤں کی کوئی بدروح نظر آ گئی؟'' ویرا نے اس سے پوچھا۔

''میرے گاؤں کی نہیں' امریکی ہے۔'' اس نے بے رخی سے جواب دیا اور اپنی سمت کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

میری ساری توجہ گاڑی کے راستے پر مرکوز تھی۔ سلطان شاہ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دونوں اطراف کا جائزہ لیتا جا رہا تھا۔ زمین میں ایک تازہ گڑھا دیکھ کر اس نے گاڑی رکوائی تھی۔

میں نے گاڑی کا انجن بند کیا۔ ہیڈ لیمپس روشن رہنے دیے اور سلطان شاہ کے ساتھ ہو لیا۔ ویرا بھی ہمارے پیچھے آ رہی تھی۔

میں نے دور ہی سے وہ گڑھا دیکھ لیا جس پر نظر پڑتے ہی سلطان شاہ نے گاڑی رکوائی تھی۔ وہ کوئی لمبا سا گڑھا تھا جس کے کناروں پر مٹی کا خاصا ڈھیر جمع تھا۔ میں نے بے اختیار سلطان شاہ کو شاباش دی اور لپک کر گڑھے کے کنارے پہنچ گیا۔

وہ زمین پر نیم گولائی میں خاصا بڑا گڑھا تھا جو کسی قدرے بڑے چوپائے نے اپنے آرام کے لیے زمین میں کھودا تھا۔ مٹی کے ڈھیر سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک دو دن سے زیادہ پرانا نہیں تھا۔

''یہ تو گیری کی بنی بنائی قبر ہے۔'' وہ جگہ دیکھتے ہی ویرا بے ساختہ بولی ''ذرا سی محنت سے اسے گہرا اور چورس کر لیا جائے تو وہ آسانی سے یہاں سما جائے گا۔''

ہمارے پاس زمین کھودنے کا کوئی اوزار نہیں تھا مگر میں وہ موقع ضائع کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے گاڑی وہیں گھمالی۔ ہیڈ لیمپس کا جلتے رہنا خطرناک تھا۔ وہ مشکوک روشنی سڑک سے دیکھی جا سکتی تھی۔ ہیڈ لیمپس گل کرنے کے بعد تاروں کی روشنی ناکافی محسوس ہوئی۔ چاؤ فان کے فراہم کیے ہوئے تھیلے کو ٹٹولا گیا تو اس میں جیبی ٹارچ کے ساتھ ایک طاقتور سرچ لائٹ اور مضبوط رسی بھی موجود تھی۔

ہم نے گیری کی نرم لاش پائیدان سے وہیں گرا کر سیدھی کی۔ رات کے پُرہول اندھیرے میں اس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں خوف آور انداز میں ہماری طرف نگراں تھیں۔ ویرا نے پھریری لے کر اس کے بے نور چہرے پر اپنا اسکارف ڈال دیا۔

ہاتھوں کی مدد سے اس گڑھے کو لمبا اور ہموار کرنے کے کام شروع کیا گیا تو غزالہ بھی ہمارے ساتھ تھی۔ ویرا نے سختی سے اسے روک دیا۔ اس کا کام صرف روشنی دکھانا تھا۔

سطح ٹوٹ جانے کے سبب اندر کی زمین قدرے نرم تھی مگر اتنی بھی نرم نہیں تھی کہ ہم کسی جنگلی درندے کی طرح اسے تیزی سے کھرچ لیتے۔ سلطان شاہ ابتدا میں ٹرانسپورٹ لائن سے وابستہ رہا تھا۔ وہاں اس کا پرانا تجربہ کام آیا۔ وہ پجیرو کے ٹول بکس میں سے جیک راڈ اور پیچ کس نکال لایا۔ ان اوزاروں کی مدد سے کام کی رفتار تیز ہوگئی۔

ویرا کی سفاکانہ تجویز تھی کہ گڑھے کو لمبا کرنے کے بجائے لاش کی ٹانگیں کاٹ کر اسے گڑھے میں ٹھونس دیا جائے۔ ہم میں سے کوئی اس کام پر آمادہ نہ ہوا۔ جب تک گیری زندہ تھا' میرا ناپسندیدہ شخص تھا لیکن ہلاکت کے بعد اس کی لاش کی بے حرمتی کرنا مناسب نہ ہوتا۔

سرسری طور پر وہ کام جتنا آسان نظر آرہا تھا' عملی طور پر اس سے کہیں زیادہ مشکل ثابت ہوا۔ تقریباً پون گھنٹے کی کڑی محنت کے بعد جب ہم تینوں تھک کر پسینوں میں نہا گئے تب وہ گڑھا اس قابل ہوا کہ اس میں لاش اتاری جاسکے۔

انسان جب تک زندہ رہتا ہے' اپنی ذات کے فسوں میں ایسا گرفتار رہتا ہے کہ دنیا کی کسی شے کو خاطر میں نہیں لاتا۔ مال وزر اور آرام وآسائش کے حصول کی دوڑ میں جائز وناجائز کی پروا نہیں کرتا۔ اپنی راہ میں آنے والوں کو کچل کر آگے بڑھنے کی کوششوں میں لگا رہتا ہے۔ اس زندگی کا آخری انجام ہمارے سامنے تھا۔ گیری کا رسوخ اس کے کام آیا تھا نہ شہ زوری اسے بے بسی کی موت سے بچا سکی تھی۔ زندگی بھر اس نے جو کچھ کمایا تھا' وہ پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ اس منزل پر اتنا تہی دست اور تہی دامن تھا کہ اسے ڈھنگ کی تدفین بھی نصیب نہیں ہوسکی تھی۔

لاش کو گڑھے میں ڈال کر میں نے ویرا کے اسکارف کا غور سے معائنہ کیا۔ اس پر ایسا کوئی نشان نہیں تھا جو اس کا سراغ ثابت ہوسکے۔ لاش گڑھے میں اس طرح پھنس گئی تھی کہ اسے ہلانا جلانا مشکل تھا۔ اسے پہلو کے بل لٹانے کے لیے گڑھے کو مزید کئی انچ گہرا کرنا پڑتا جو ہم تینوں کے بس سے باہر تھا۔ میں نے اسی حالت میں گیری کے چہرے پر پڑا کا اسکارف ڈالا اور اس پر مٹی گرانی شروع کردی۔

مٹی ڈالتے ہوئے ہم محتاط تھے کہ ہمارے چہرے اور کپڑے زیادہ گرد آلود نہ ہوں۔ ساری مٹی پھیلانے کی کوشش میں اس مقام پر ایک نمایاں ابھار پیدا ہوچکا تھا۔ اس وقت ویرا نہ جانے کس رو میں تھی کہ اس نے پجیرو کے ٹائروں سے اس مقام کو ہموار کرنے کا مشورہ پیش کردیا۔ اس بربریت کے لیے کوئی آمادہ نہ ہوا۔ ہر ایک کی بس اتنی سی خواہش تھی کہ جنگلی درندے دو تین روز تک اس نرم زمین کو ادھیڑ کر گیری کی لاش باہر نہ کھینچیں۔

گاڑی میں موجود کولر کے ٹھنڈے پانی سے ہاتھ منہ دھونے میں غزالہ نے ہماری مدد کی۔ وہاں سے تازہ دم ہوکر ہم گاڑی میں سوار ہوئے تو ویرا نے واپسی کے راستے کا مسئلہ کھڑا کردیا۔ لاش کی جبری تدفین کے کام میں الجھ کر کسی کو ہوش نہیں رہا تھا کہ ہم کدھر سے آئے تھے۔

اس مرحلے پر غزالہ نے گاڑی سے اتر کر ٹائروں کے نشانات دیکھے اور ان کے سہارے ہمارا قافلہ سڑک کی طرف روانہ ہوگیا۔ چند منٹ میں ہم دوبارہ سڑک پر محوِ سفر تھے۔

راستے میں چھوٹی موٹی آبادیاں آتی اور گزرتی رہیں۔ ہر جگہ خواب ناک سناٹا نظر آیا۔ راستے میں کہیں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں رک کر ستایا جاسکے۔ کچے پکے مکانات' جھونپڑیوں اور ٹمٹماتی ہوئی روشنیوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ اصل تھائی لینڈ وہی ہے۔ بنکاک اور دوسرے مشہور تفریحی مقامات کا سجا سجایا چہرہ سیاحوں کی دل بستگی کے لیے تیار کیا گیا تھا' جس کی اس ملک کی حقیقی معاشرت اور معیشت سے دور کی بھی نسبت نہیں تھی۔ یہ اور بات تھی کہ ان تفریحی مقامات کے لیے زندہ خام مال ان قریبی آبادیوں سے ہی فراہم کیا جاتا تھا۔

بسکٹوں کے پیکٹ کھول کر تھرموس سے گرم گرم چائے پیتے ہوئے ہم سب کے دلوں سے چاؤ فان کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں جس نے اس اکتا دینے والے سفر کے لیے ہماری ہر ضرورت کا پورا پورا خیال رکھا تھا۔

چائے نوشی کے بعد میں نے سگریٹ سلگائی۔ میں نوٹ کیا تھا کہ ہمارے ساتھ شامل ہونے کے بعد ویرا ایک بار بھی سگریٹ نہیں سلگائی تھی جبکہ اپنی عادت کے مطابق اسے اتنی دیر میں چار پانچ سگریٹیں پھونک دینی چاہیے تھیں۔ مجھے علم تھا کہ سلطان شاہ کو سگریٹ پیتی ہوئی عورتیں زہر لگتی تھیں۔ وہ انہیں مرد مار بلکہ مردخور تصور کرتا تھا۔ مجھے

ہو رہا تھا کہ اس کی سخت ناپسندیدگی کی وجہ سے شاید ویرا نے اپنی وہ عادت ترک کر دی تھی۔ وہ مسئلہ اتنا نازک تھا کہ اسے مذاق کا ہدف نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ میں شدید خواہش ہونے کے باوجود اس بارے میں ویرا سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

سفر کی ابتدا سے ہی میرا ذہن مسائل میں الجھا رہا۔ سکون میسر آیا تو مجھے یاد آیا کہ ویرا مسلمان ہو چکی تھی اور اس نے مجھے اپنا سرپرست تسلیم کر لیا تھا۔ سلطان شاہ ان تبدیلیوں سے بے خبر تھا۔ ویرا کی موجودگی میں سلطان شاہ سے اس بارے میں بات کرنا مناسب نہیں تھی۔ وہ کوئی تلخ بات کہہ جاتا تو بات بگڑ سکتی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ ویرا کی طرح اس سے بھی علیحدگی میں بات کی جاتی۔ اس کے لیے ہمارا سفر ختم ہونے کا انتظار ضروری تھا۔

ویرا نے ہمارا سفری نقشہ غزالہ سے لیا تو لوٹانے کے بجائے اس پر قبضہ کر کے بیٹھ گئی۔ وہ وقفے وقفے سے اس کا جائزہ لے کر اعلان کر رہی تھی کہ ہمارا سفر صحیح سمت میں جاری تھا۔ ہم جن نشانات یا آبادیوں سے آگے نکل آئے تھے' وہ انہیں نقشے پر کاٹتی جا رہی تھی تاکہ ایک نظر میں بقیہ مسافت کا اندازہ ہو سکے۔

نقشے کے مطابق آخری منزل میں ہمیں مشرق کی طرف بڑھتے چلے جانا تھا۔ رفتہ رفتہ سامنے پو پھٹنے کے آثار نظر آنے لگے۔ صبح ہونے والی تھی اور ہم بہ دستور تھائی لینڈ کی حدود میں تھے۔ اس وقت ویرا کو اچانک موبائل فون کا خیال آیا۔ میں نے بٹن دبا کر اس کی اسکرین روشن کی تو سگنل کا اشارہ غائب تھا۔

بنکاک میں دنیا کی ہر سہولت اور آسائش میسر تھی لیکن تھائی لینڈ کا وہ دور افتادہ سرحدی علاقہ اس وقت بھی موبائل فون جیسی سہولت سے محروم تھا۔ اس وقت ڈان یا جاذفان کا نمبر ملانے کی کوشش خطرناک ثابت ہو سکتی تھی' لے دے کر طارق ہی ایسا شخص تھا جس کی نیند میں خلل ڈال کر ذرا سی معذرت کر لی جاتی تو کوئی مسئلہ کھڑا نہ ہوتا۔

میں نے طارق کا نمبر ملایا لیکن لائن پر سکوت چھایا رہا۔ وہاں آنے کے بعد ہمارا مقامی موبائل فون ناکارہ ہو چکا تھا۔ اوّل خان کے دیے ہوئے فون کے بارے میں مجھے امید تھی کہ تھائی لینڈ کے لیے رومنگ موجود ہونے کی وجہ سے وہ شاید کمبوڈیا میں بھی کارآمد رہے۔

سات بجے سورج کی تیز روشنی میں ہم ساکیو نامی آخری قصبے کے قریب سے گزرے تو اندازہ ہوا کہ ہم گیری کی لاش کو ٹھکانے لگانے کی افتاد میں مبتلا نہ ہوئے ہوتے تو ہمارا سفر سورج نکلنے سے پہلے ختم ہو جاتا۔

کچھ دیر بعد ہمیں لکڑی کے ٹیڑھے میڑھے کھمبوں سے لگی ہوئی خاردار تاروں کی باڑ نظر آنے لگی جہاں تھائی لینڈ کی سرحد ختم ہو رہی تھی۔ اس باڑ کے درمیان ایک رسمی سی عارضی رکاوٹ موجود تھی۔ اس سرحدی شان و شوکت کا دور دور تک کوئی شائبہ نہیں تھا جو واہگہ پر سرحد کے دونوں طرف نظر آتی ہے۔

سرحدی باڑ سے کچھ پہلے ٹین کی چھت والا ایک پختہ کمرا بنا ہوا تھا جس پر تھائی زبان میں لکھا ہوا ایک بورڈ آویزاں تھا۔ دور سے وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ڈھیلی ڈھالی وردی میں ملبوس ایک مدقوق سا آدمی باہر نکل آیا۔

غزالہ نے اسے دیکھتے ہی سو سو ڈالر کے چند نوٹ مجھے تھما دیے۔

صورت سے نظر آ رہا تھا کہ سرحدی ویرانے میں دنیا سے کٹ کر ڈیوٹی سرانجام دینے والا وہ شخص اپنی زندگی سے بے زار تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر ہمیں رکنے کا اشارہ کیا۔ میں اس سے پہلے رفتار کم کر چکا تھا۔

اس کے پاس گاڑی روک کر میں نے ادب سے اپنے سر کو ذرا سا خم دیا اور تین نوٹ مٹھی میں دبا کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے نوٹوں کی مالیت پر ایک نظر ڈالی اور گننے کی زحمت کیے بغیر انہیں اپنی جیب میں اڑس لیا۔ ہمارے چہروں سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ تھائی زبان میں کہا جانے والا ہر کلام نرم و نازک ہم پر بے اثر رہے گا۔ وہ زبان ہلائے بغیر مست خرامی سے رکاوٹ کی طرف چل دیا۔ میں گاڑی روکے اس کی ہدایت کا انتظار کرتا رہا۔

اس نے رسی سے بندھا ہوا بانس کا سرا کھولا تو وہ دوسرے سرے پر بندھے ہوئے بھاری پتھر کے بوجھ سے اوپر اٹھتا چلا گیا۔ بانس کو دوبارہ نیچے لانے کے لیے اس نے رسی کا سرا اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا تھا۔

مجھے حیرت تھی کہ گاڑی کے انجن کی آواز کے باوجود اس نام نہاد امیگریشن چیک پوسٹ سے کوئی اور شخص باہر نہیں آیا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے تھائی لینڈ کے حکمرانوں نے اس اکلوتے شخص کو جملہ اختیارات سونپے ہوئے تھے۔

اس نے اشارہ کیا اور اگلے لمحے میں ہم تھائی لینڈ کی سرزمین کو خیرباد کہہ چکے تھے۔ تین سو ڈالر میں وہ سودا برا نہیں تھا۔

مجھے خیال تھا کہ رکاوٹ سے گزر کر ہم اس غیر جانب دار سرحدی پٹی سے گزریں گے جس پر دونوں میں سے کسی ملک کا دعویٰ نہیں ہوتا۔

جب آگے بنے ہوئے زیادہ خستہ حال کمرے کی اوٹ سے ایک شخص کچھ چباتا ہوا نمودار ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ وہاں نو مینز لینڈ کا کوئی تصور نہیں تھا۔ رسی سے بندھے ہوئے بانس نے اس خطۂ زمین کو دو الگ الگ ملکوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔

میں نے اس کے قریب گاڑی روکی تو اس نے کھڑکی سے ہاتھ اندر ڈال کر پھرتی سے انجن بند کیا اور چابی اپنی تحویل میں لے لی۔ میں نے پچھلے تجربے کے مطابق سو ڈالر کے تین نوٹ اس کی طرف بڑھائے تو اس نے اپنے منہ میں موجود خوراک کو نگلتے ہوئے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں بے بسی سے سر ہلا کر رہ گیا۔ میرا ہاتھ اس کی طرف بڑھا ہوا تھا لیکن اس نے نوٹوں کو ہاتھ لگانا گوارا نہیں کیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں اور دماغ پر یہ دحشت سوار ہو گئی کہ شاید ہمارا واسطہ کسی ایمان دار کمبوڈین اہلکار سے پڑ گیا تھا۔

وہ کوشش کے باوجود اپنا دہانہ پوری طرح خالی کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ میری بے چارگی کا اندازہ کرتے ہوئے اس نے ہاؤ مچ کہا تو میری جان میں جان آئی۔

میں نے اسے تین سو ڈالر بتائے تو اس کا منہ بن گیا۔ انگریزی کے معاملے میں وہ بے چارہ بالکل یتیم تھا۔ اسے لین دین میں استعمال ہونے والے گنے چنے الفاظ اور گنتی کے سوا کچھ نہیں آتا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں جملہ الفاظ اور متعدد ہندسوں کو یک جا کر کے تے کرنے کے انداز میں ایک مختصر سی تقریر کر ڈالی جس کا کوئی مفہوم میرے پلے نہیں پڑ سکا۔

میں اس سے اپنی کم علمی بلکہ جہالت کا اعتراف کرنے والا تھا کہ پیچھے سے ویرا بول پڑی۔ اس نے جلدی جلدی بتایا کہ وہ ایک ہزار ڈالر فی کس کے حساب سے مبلغ چار ہزار ڈالر کا طلب گار تھا۔ ویرا کا مشورہ تھا کہ میں مطلوبہ رقم دے کر اس کا منہ کالا کروں۔ ڈالر کم ہوں تو اس سے لے لوں۔ وہ مول تول سے چڑ کر قانونی موشگافیوں پر اتر آیا تو ہم لبِ سرحد ہی درگور ہو جائیں گے۔

چاؤ فان نے مجھے کمبوڈیا میں داخلے کی رشوت کی شرح سو ڈالر فی کس بتائی تھی۔ وہ شاید دونوں طرف کے مقامیوں کے لیے رعایتی شرح تھی۔ ہم چاروں واضح طور پر بیرونی مخلوق نظر آ رہے تھے۔ دکان دار سے سرکاری اہلکار تک باہر سے آنے والوں کی کھال ادھیڑنا اور اپنا حق طلب کرنا اپنا اخلاقی اور قومی فرض تصور کرتے ہوں گے۔ ہمارے لیے وہ شرح یکا یک دس گنا بڑھا دی گئی۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ہم کسی خستہ حال گاڑی کے بجائے شاندار پجیرو میں سفر کر رہے تھے۔

ویرا نے مشورہ دینے پر اکتفا نہ کرتے ہوئے ڈالر گننا شروع کر دیے تھے۔ کمبوڈین اہلکار کی حریصانہ نظریں میرے چہرے سے ہٹ کر ویرا کے ڈالروں پر مرکوز ہو گئی تھیں۔

اس نے گنتی کرنے کے بعد نوٹ میری طرف بڑھائے۔ وہ پچھلی سیٹ پر تھی۔ میرے متوجہ ہونے سے پہلے کمبوڈین نے وہ گڈی جھپٹ لی۔ ساتھ ہی اس نے میری چٹکی سے تین سو ڈالر بھی اچک لیے اور چابی میرے حوالے کر کے ہمیں اپنے ملک کے طول و عرض میں گھومنے پھرنے کی اجازت عطا کر دی۔

تھائی اہل کار کی طرح اس نے بھی نوٹ گنے بغیر اپنی جیب میں رکھ لیے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ تاروں کی ایک معمولی باڑ کے آر پار نرخوں میں ایسا زمین آسمان کا فرق تھا۔ ترقی یافتہ شہروں کے مقابلے میں دور دراز اور پس ماندہ سرحدی علاقوں کے وہ طور طریقے میرے لیے حیران کن تھے۔

”تیزی سے نکل چلو۔“ ویرا نے میری پشت پر ٹھوکا دیتے ہوئے کہا ”میں نے اس مردود کو صرف ہزار ڈالر دیے ہیں۔ اس نے گن لیے تو تمہیں روک لے گا۔“

میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

سرحد پار کرنے کے چکر میں ہم مجموعی طور پر ایک ہزار چھ سو ڈالر کے خسارے سے دوچار ہو چکے تھے۔ وہ ہر لحاظ سے ایک بڑی رقم تھی۔ ہم حالات کے چنگل میں اس بری طرح پھنسے ہوئے تھے کہ وہ اس سے زیادہ رقم کا مطالبہ کرتا تو ہم وہ بھی ادا کرنے پر مجبور ہو جاتے۔

یہ بڑی بات تھی کہ اس رشوت کے عوض ہم سے ہمارے کاغذات کے بارے میں کوئی سوال کیا گیا تھا نہ مسروقہ گاڑی کی ملکیت کا ثبوت طلب کیا گیا۔ ہم اپنے ساتھ چوری کی ایک بیش قیمت گاڑی کمبوڈیا میں لے آئے تھے جسے سرحدی چور بازار میں بیچ کر ہم آسانی سے اپنا نقصان پورا کر سکتے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

آخری قسط

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خود نوشت اس نے منشیات کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر، ملک ملک، اور براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لئے خاک اڑانا اس نوجوان کا شغل ہو گیا مگر موت کے سوداگر بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا قیمتی سلسلہ۔ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تعزیریں

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جانبازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ نو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں را سرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیرزمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤفان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبز میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤفان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا اشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سا سے نامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سا سے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز معاندانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گذشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمیٰ نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمیٰ کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں چاؤفان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے چاؤفان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری سی آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ سے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے چاؤفان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جا رہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس خطے کے چھے نامور بدمعاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا یوں لگتا تھا میں نے راجن کے محل میں آکر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت چاؤفان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دعوت پر آئے چھ بدمعاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن تنہا تھا اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ڈان برنارڈ اس کے خلاف میدان میں اترا ہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ڈان برنارڈ کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چنا کے حوالے کر کے میں واپس لوٹ آیا۔ ڈان برنارڈ اس خبر سے بے حد خوش ہوا تاہم وہ مجھ سے اس سارے واقعے کی تفصیل جاننا چاہتا تھا میں نے امریکی کرنل گیری اور بنکاک کے ٹیلی فون نظام میں گڑبڑ کی کہانی سنا کر اسے قائل کر دیا کہ جو کچھ ہوا اس میں میری کارکردگی سے زیادہ راجن کی بدقسمتی کارفرما تھی۔ اسی دوران ویرا اور سلطان شاہ بھی بنکاک پہنچ چکے تھے وہ ہم سے علیحدہ قیام پذیر تھے ہمارا خیال تھا کہ وہ بنکاک میں محفوظ ہیں مگر سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لی گئی تو ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی اس کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان شاہ کی نگرانی کی جا رہی تھی جس پر ویرا نے اپنی فطری ذہانت سے کام لے کر نگرانی کرنے والے کی درگت بنا ڈالی۔ یہ خطرناک صورت حال تھی۔ اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سی آئی اے ایجنٹ سلطان شاہ کے تعاقب میں تھائی لینڈ تک پہنچ چکے تھے۔ میں اب وہاں سے نکلنے کے لیے پر تول رہا تھا مگر ڈان کا اصرار تھا کہ میں اس کا دست راست بن کر وہیں رہوں۔ امریکیوں سے نفرت کرنے کے باوجود وہ راجن کی موت کے بعد ان کے ہاتھوں میں کھیلنا چاہ رہا تھا۔ کرنل گیری نے اس کے ذمے سلطان شاہ اور ویرا کو ڈھونڈنے کی ذمہ داری لگا دی تھی۔ اس موقع پر میں نے چاؤفان سے مدد لینے کا فیصلہ کیا میں اس کی مدد سے تھائی لینڈ چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ میری باتوں میں آکر میرے فرار کا منصوبہ بنانے میں مصروف ہو گیا۔ میں نے اسے سمجھایا تھا کہ جب تک میں بنکاک میں موجود ہوں ڈان اسے اپنا دست راست نہیں بنائے گا جبکہ میرے منظر سے ہٹ جانے کے بعد ڈان مجبور ہوگا کہ اسے آگے لائے اور اپنا نمبر دو بنا ڈالے۔ بات اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ ڈان کے خلاف میری مدد کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ میرا ارادہ تھائی لینڈ سے کمبوڈیا جانے کا تھا۔ دوسری طرف ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان مفاہمت پروان چڑھ چکی تھی پھر اچانک ویرا نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر کے مجھے ششدر کر ڈالا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ سلطان شاہ سے شادی پر آمادہ ہے۔ یہ حقیقی خوشی تھی جو ان ناگفتہ حالات میں مجھے ملی تھی۔ ہمارے فرار کا منصوبہ تیار تھا۔ ڈان کے اپنی حیثیت کی بحالی کی خوشی میں پارٹی کا بندوبست کیا تھا۔ مجھے وہیں سے اسے جل دے کر نکلنا تھا۔ پارٹی زوردار تھی اور اس میں کرنل گیری بھی موجود تھا۔ میرا اس سے تعارف ہوا وہ مجھ سے ڈیبی کے حوالے سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ ہم وہاں سے نکلے تو راستے میں اس سے مڈبھیڑ ہوگئی اس کی موت اسے ہمارے راستے میں لے آئی تھی۔ اسے واصل جہنم کر کے ہم نے سلطان شاہ اور ویرا کو ساتھ لیا اور کمبوڈیا کی طرف روانہ ہو گئے۔

آخری قسط کے واقعات

مشرق بعید کے اس حصے میں ترقی اور خوش حالی کے سارے مظاہر سیکڑوں میل پیچھے رہ گئے تھے۔ جو چمک دمک بنکاک میں نظر آتی تھی۔ وہ شہر سے نکلنے کے بعد عنقا ہو گئی تھی۔ ہر طرف کچے پکے مکانات دیہاتوں کی صورت میں بکھرے ہوئے نظر آئے جن کے درمیان کہیں کوئی پرشکوہ عمارت یا یادگار نمایاں نہیں تھی۔ رات کے اندھیرے میں سفر کرتے ہوئے اس علاقے کی پس ماندگی کا احساس اور بھی نمایاں ہو رہا تھا کیونکہ تاریک آبادیوں میں کہیں کہیں ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ وہاں بیشتر علاقوں میں بجلی تک دستیاب نہیں تھی۔ ہم بنکاک سے جوں جوں دور ہوتے چلے گئے، تھائی لینڈ کی ترقی کا تصور دھندلاتا چلا گیا۔ اس ملک میں اگر کوئی تعلیمی یا معاشی ترقی ہو رہی تھی تو اس کے ثمرات صرف اس اشرافیہ تک محدود تھے جس کے نمائندوں کو ہم ڈان کی محفل طرب ونشاط میں ہوش وخرد سے بے گانہ ہو کر حیوانی جبلتوں کی تسکین میں مبتلا چھوڑ آئے تھے۔ دور افتادہ مقامات پر رہنے بسنے والے عام لوگ ترقی کے فیوض سے ناآشنا تھے۔ دوسرے ترقی پذیر ملکوں کی طرح تھائی لینڈ میں بھی گنے چنے امرا اور سرکاری اہل کار پھل پھول رہے تھے۔ کرپٹ اہل... کاروں اور حریص اشرافیہ کی بدمعاشی سے حاصل ہونے والی معاشی ترقی کو بھی شماریاتی گورکھ دھندوں میں الجھا کر پورے ملک کے باشندوں کی ترقی کا پیمانہ بنا دیا گیا تھا۔

سرحد پار کرنے کے بعد ترقی کا رہا سہا تاثر بھی جاتا رہا۔ طویل مدت تک خانہ جنگیوں اور جنگی آزمائشوں میں مبتلا رہنے والے کمبوڈیا کا دور افتادہ سرحدی علاقہ غربت اور پس ماندگی کی عبرت اثر تصویر پیش کر رہا تھا۔ دھان پان جسموں اور بوسیدہ لباسوں والے کمبوڈین دہقان اپنی زبانِ حال سے وہ سب بتا رہے تھے جو کسی خبر یا رپورٹ میں ڈھونڈے سے نہیں مل سکتا تھا۔

زمین پر بانس کی رکاوٹ کی صورت میں بنی ہوئی سرحدی لکیر سے ہمارا فاصلہ بڑھتا رہا۔ کچھ دیر تک ویران علاقے میں سفر کرنے کے بعد ہمیں ایک آبادی کے آثار نظر آنے لگے۔

ویرا نے بنکاک سے سفر کی ابتدا میں غزالہ سے نقشہ لے کر اس پر یوں قبضہ جمایا تھا کہ کسی اور کو اس پر نظر ڈالنے کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ راستے بھر اس سفری نقشے کا جائزہ لے کر گاہے گاہے مشورے دیتی رہی تھی۔ میں نے ڈرائیونگ

کرتے ہوئے اندازہ لگایا کہ جاؤ فان نے ہماری رہنمائی کے لیے نقشے پر سرخ لکیر نہ لگائی ہوتی تب بھی راستہ بھٹکنے کا کوئی امکان نہیں تھا، پھرانا خون سے آگے صرف ایک لہراتی اور بل کھاتی ہوئی سڑک سرحد تک چلی آئی تھی جس سے راستے میں جا بہ جا بہت سے کچے راستے ملے ہوئے تھے۔ اس اکلوتی سڑک پر بھٹکنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

آبادی کے موہوم سے آثار نظر آتے ہی ویرا نے نعرہ لگایا کہ ہم سیسو پھون پہنچنے والے تھے۔

''اس میں اتنی خوشی کی کیا بات ہے۔ سفر کرتے ہوئے دیر سویر... اس قصبے کو آنا ہی تھا۔'' سلطان شاہ نے خشک لہجے میں کہا۔

''اس طرح سپاٹ انداز میں سوچو گے تو زندگی اور موت کی بھی کوئی وقعت نہیں رہے گی۔ ویرا نے چیخنے کے بجائے متانت سے جواب دیا'' زندگی ایک مخصوص عمل کے نتیجے میں جنم لیتی ہے اور ہر پیدا ہونے والے کو ایک نہ ایک دن مرنا ہوتا ہے۔ تمہاری سوچ کے مطابق کسی کے پیدا ہونے یا مرنے کی کوئی اہمیت نہیں ہونی چاہیے۔''

''یہی اس زندگی کی سب سے اٹل حقیقت ہے جسے ہم زندگی بھر بھولے رہتے ہیں۔'' سلطان شاہ نے برجستہ کہا۔ ''آخری وقت سامنے آتا ہے تو ہم یکایک صدمے اور دہشت سے دوچار ہوجاتے ہیں۔''

''یہ معاملات اتنے سہل اور سیدھے نہیں ہیں جتنا تم بیان کررہے ہو۔'' میں نے ان دونوں کی گفتگو میں دخل انداز ہوتے ہوئے تبصرہ کیا'' تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ راجن اور گیری کے مرنے پر مجھے کیسی خوشی ہوئی تھی۔''

''یہ بھی ڈینی کے دل سے پوچھو کہ اسے باپ بننے کی خبر سن کر کتنی خوشی ہوئی ہے۔'' میری بات مکمل ہوتے ہی ویرا بول پڑی۔

ویرا شاید دلوں کے بھید جان لیتی تھی۔ اس نے وہ بات کہہ ڈالی جو میں سوچنے کے باوجود اپنی زبان پر نہیں لا سکا۔ زندگی اور موت کا فلسفہ اتنا غیر اہم نہیں تھا جتنا سلطان شاہ نے بتایا تھا۔ مجھے غزالہ کی کوکھ میں پنپنے والی نئی زندگی کی اس سے کہیں زیادہ خوشی تھی جتنی اپنے مضبوط حریفوں کو موت کے گھاٹ اتارنے سے حاصل ہوئی تھی۔

ان دونوں کی باتوں میں دخل انداز ہوتے ہوئے میرے ذہن میں ایک عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ میں نے ہمیشہ یہ سوچا تھا کہ اگر دشمنوں سے جاں گسل معرکہ آرائی کے دوران ہمارے گھر کوئی نومولود آ گیا تو اس کا مستقبل کیا ہوگا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ میں نے اپنی عملی زندگی کی ابتدا بہت صبر آزما حالات میں کی تھی۔ باپ کے سائے سے محرومی کے بعد سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائیوں کے ستم جھیلے، گھر سے دربدر ہوا اور ان ہی حالات میں اپنی سگی ماں کو بھی ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔ وہ میری زندگی کا سیاہ ترین دور تھا جب آسمان مجھے اپنا دشمن نظر آرہا تھا اور زمین مجھ پر تنگ ہوچکی تھی۔

اپنا آبائی شہر لاہور میرے لیے اجنبی ہوگیا جہاں دور دور تک مجھے ایسی کوئی سایہ دار ہستی نظر نہیں آتی تھی جس کی محبت اور شفقت کے سائے میں، میں زندگی کی کٹھن راہیں حوصلہ مندی سے طے کرسکوں۔

ماں اور باپ کو کھو دینے کے بعد انسان دنیا میں کس طرح خود کو اکیلا محسوس کرتا ہے۔ مجھے اس کا خوب تجربہ تھا۔ اس ہولناک اور اندر سے توڑ پھوڑ دینے والے تجربے کے بعد میں تہی دست کراچی آیا اور اس شہر نے مجھے قبول کرلیا۔

شی میں میری شمولیت مجھے ایک تازہ خواب کی طرح یاد تھی۔ ہیروئن کس طرح بازار میں متعارف ہوئی اور گھر گھر پھیلتی چلی گئی، میں اس عمل کا عینی شاہد بلکہ اہم کارگزار تھا۔ میرے سامنے انتخاب کی کوئی راہ نہیں تھی۔ وہ میری مفلسی اور مجبوریوں کی بھاری قیمت تھی جو میں نے آسان جان کر خوشی سے ادا کی پھر میں شی کی مقامی تنظیم میں ایک اہم رتبے تک پہنچ گیا۔

شاید میں عمر بھر اسی رو میں بہہ کر ایک خطرناک منشیات فروش کے طور پر اپنی زندگی کا سفر گزار کر کسی بھیانک انجام سے دوچار ہوتا مگر میرا ضمیر زندہ تھا، دل و دماغ کے نہاں خانوں کے کسی گوشے میں خیر و شر کی تمیز موجود تھی جسے میں نے اپنی مجبوریوں کے تحت تھپک تھپک کر سلا دیا تھا مگر وہ میرے وجود میں اندر ہی اندر جان پکڑتی رہی۔

جب اوپر والوں نے میرے جگری دوستوں اور شی کے بااثر کارندوں کو نگلنا شروع کیا تو میرے وجود پر شر کی گرفت کمزور ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ ایک مرحلہ ایسا آیا کہ گناہ فروشوں سے میری کھل کر ٹھن گئی۔ وہ میرے ملک میں میرے ہم وطنوں سے موت کی سوداگری کررہے تھے۔ بھاری مول لے کر انہیں وہ زہر بیچ رہے تھے جو انسان کے وجود کو اندر ہی اندر چاٹ کر کھوکھلا کردیتا ہے اور ایک روز ہیروئن کا عادی کسی کوڑا گھر میں، گندے نالے کے کنارے یا فٹ پاتھ پر خاموشی سے مرجاتا ہے۔ بدنامی کے خوف سے ان کے گھر والے ان خستہ حال لاشوں کے قریب نہیں آتے۔ عبدالستار

ایدھی کے رضا کار اُن لاوارث لاشوں کو خاموشی سے کفن دے کر کسی گورستان میں دفن کر دیتے ہیں۔
موت کے سوداگروں سے میری لڑائی قدم قدم پر جاری رہی۔ میں نے دور دراز سفر کر کے جگہ جگہ ان کے بڑے مفادات کو اس طرح تباہ کیا کہ شی کو پالنے والا امریکی صدر وائٹ ہاؤس کی چار دیواری میں شی کے بانی جمی لائیڈ کو سفاکانہ انداز میں مروانے پر مجبور ہو گیا۔
جمی لائیڈ کی پُراسرار ہلاکت شی کی بربادی کی ابتدا تھی۔ اس کے جانشین ایک ایک کر کے میرے ہاتھوں مارے جاتے رہے پھر شی کا ذکر رفتہ رفتہ ناپید ہو گیا۔
وہ میرے ماضی کے گناہوں کا کفّارہ تھا جو میں پورے خلوص سے ادا کر رہا تھا۔ اس لڑائی میں یہ بھید کھلے کہ منشیات فروشی سے حاصل ہونے والی بھاری رقمیں امریکی ایجنسیوں کے ذریعے متعدد ملکوں کے خلاف استعمال ہو رہی تھیں جن میں پاکستان سرفہرست تھا۔
امریکی حکمراں پاکستان کو سرکاری طور پر اپنا دوست کہتے نہیں تھکتے تھے۔ وہ اسے اہم اتحادی اور حلیف کا درجہ دے کر پاکستانی خواص کو خوش کرتے لیکن چوری چھپے ان کی ایجنسیاں پاکستان میں افراتفری اور انتشار پھیلانے کی سازشوں پر کاربند تھیں۔ انہیں ساری ہدایات وائٹ ہاؤس کے اس شیطانی گڑھ سے ملتی تھیں جہاں سے گہری دوستی اور قریبی مراسم کے اعلامیے جاری ہوتے تھے۔
میں دل و جان سے وہ لڑائی لڑ رہا تھا لیکن غزالہ کی زبان سے خوش خبری سنتے ہی میرے دماغ میں بہت سے سوال ابھرنے لگے تھے۔
ان سوالوں پر ایک حقیقت سب سے زیادہ بھاری تھی۔ میرے ساتھی ہمیشہ کہتے رہے تھے کہ کسی ریاست سے لڑ کر کوئی فرد نہیں جیت سکتا۔ فرد اپنی ذات میں اکیلا ہوتا ہے۔ ریاست کے ہزاروں بلکہ لاکھوں ہاتھ پیر ہوتے ہیں۔ ایک مرتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا لے لیتا ہے، وہ گرتا ہے تو تیسرا سامنے آ جاتا ہے۔ مجھے یکا یک محسوس ہو رہا تھا کہ میں کبھی نہ ختم ہونے والی ایک جنگ میں مصروف تھا۔ اس کا خاتمہ صرف ایک ہی صورت میں ممکن تھا کہ میرے دشمن مجھے مار دیں۔
مجھے مرنے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ میرا ایمان تھا کہ ہر ذی روح کی موت کا ایک وقت مقرر ہے جسے ٹالنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اسی کے ساتھ میں یہ بھی جانتا تھا کہ ریل کی پٹری پر لیٹ کر کاتب تقدیر کے کرشموں کا انتظار کرنے والے پلک جھپکتے میں اپنی زندگی ہار جاتے ہیں کوئی ریل ان کو زندگی کے چند سانس عطا کرنے کے لیے پٹری چھوڑ کر کھیتوں اور میدانوں میں نہیں اترتی، وہ ان کے وجود کو کچل کر دندناتی ہوئی آگے نکل جاتی ہے۔ اس وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ مرنے والے کی موت اسی طرح لکھی گئی تھی۔ اس کے عقل پر پردہ نہ پڑا ہوتا تو ریل اس کے گھر کی خواب گاہ میں گھس کر اس کی زندگی کا چراغ گل نہیں کر سکتی تھی۔
میں کرشموں کا قائل نہیں تھا۔ تقدیر کے فلسفے پر میرا یقین بہت مضبوط تھا مگر میں تدبیر سے ٹالے جانے والے مصائب کو بے عملی سے جھیلنے کو حماقت سمجھتا تھا۔ اپنے دشمنوں سے بچنا اور انہیں خاک و خون میں نہلانا میرا حق تھا جسے میں پوری طرح استعمال کر رہا تھا لیکن فرد اور ریاست کی طاقت اور رسائی کا ادراک مجھے پہلی بار ہو رہا تھا۔
میں تنہا ان سے برسر پیکار تھا۔ میرے ہمدرد معذرت خواہانہ انداز میں چھپ چھپا کر میرا ساتھ دے رہے تھے۔ میں اپنے دشمنوں کی سازشوں کے طفیل اپنے وطن میں اشتہاری مجرم بنا ہوا تھا۔ اپنی اور غزالہ کی سلامتی کے لیے مجھے جلال اور اول خان کے مشوروں پر جلا وطنی قبول کرنی پڑی تھی۔ میں نے راجن اور پھر گیری کو جہنم واصل کر کے اپنے اہداف سے زیادہ کامیابی حاصل کر لی تھی۔ اس کے باوجود میرے لیے وطن میں داخلے کی ہر راہ مسدود تھی۔
میں کہاں جاؤں...... میری اولاد کی جائے پیدائش کیا ہو گی...... اسے دنیا میں آنکھ کھولنے کے بعد اپنے باپ کا سایہ نصیب ہو سکے گا یا اس کی پیشانی پر پیدائشی یتیم کا داغ لگا ہوا ہو گا...... وہ سب لرزا دینے والے سوال تھے۔
زمین پر خیر و شر کی لڑائی ازل سے جاری تھی اور اسے ابد تک جاری رہنا تھا۔ اس میں کسی ڈینی کے شامل ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہ لڑائی اس وقت بھی جاری تھی جب میرا کہیں وجود نہیں تھا۔ میرے بعد بھی اسے ختم نہیں ہونا تھا۔ میری ذات محض ایک درمیانی کڑی تھی جس کے طفیل لڑائی میں ذرا تیزی آئی ہوئی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ میری جگہ لینے والے اسے اور تیز کر دیتے۔
''تم کہاں کھو گئے!'' ویرا نے پیچھے سے میرے شانے پر ہاتھ مار کر میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''میں نے تمہارے بارے میں ابھی کچھ کہا تھا۔''
''وہ تمہاری اور سلطان شاہ کی بات تھی۔ میرا کچھ کہنا ضروری نہیں تھا۔'' میں نے اپنی نشست میں پہلو بدلتے ہوئے جواب دیا۔

''تمہارے دل میں گدگدیاں ہورہی ہوں گی مگر ہم سے اپنے جذبات چھپا رہے ہو۔'' ویرا بولی ''ذراتم سلطان شاہ کو بتاؤ کہ پہلی اولاد کی خوشی کیا ہوتی ہے۔''

''یہ جاننے کے لیے سلطان شاہ کی آڑ کیوں لے رہی ہو؟'' یکایک غزالہ بولی ''سننا ہے تو مجھ سے براہِ راست سنو کہ کسی بھی عورت کے لیے پہلی بار ماں بننے کا تجربہ بہت انوکھا، پرگداز اور باوقار ہوتا ہے ماں بن کر ہی ایک عورت کی ذات کی بھرپور تکمیل ہوتی ہے ورنہ وہ زندگی بھر بہت خاموشی سے اس محرومی اور اس سے پیدا ہونے والی بے شمار تشنگیوں کو جھیلتی رہتی ہے۔ میری خواہش بلکہ دلی دعا ہے کہ تم بھی مستقبل قریب میں اس باعزت تجربے سے گزر سکو۔''

غزالہ نے موقع پاتے ہی ویرا پر بہت زبردست وار کیا تھا۔ اس کے فقرے اس قدر نپے تلے اور بھرپور تھے کہ ویرا سے فوری طور پر کوئی جواب نہ بن پڑا اور چند لمحوں کے لیے گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ مجھے غزالہ سے ایسی بے باکی کی توقع نہیں تھی۔ میں خود بھی لمحہ بھر کے لیے سناٹے میں آ گیا۔

سب سے پہلے میں نے سنبھالا لیا اور غزالہ کی بات کا سہارا لے کر ویرا سے کہا۔ ''یہ چھپانے والی باتیں نہیں ہیں۔ دنیا بھر میں ہر لمحے کئی بچے جنم لیتے ہیں لیکن پہلی بار کسی نئے انسانی وجود کی پرورش کا تجربہ واقعی انوکھا ہوتا ہوگا۔ میں خود بھی اس خبر سے بہت خوش ہوں اولاد مرد اور عورت کے رشتے کو مضبوط کرنے کے ساتھ ان کی زندگیوں میں بے شمار چھوٹی چھوٹی مسرتیں لاتی ہیں۔ شادی ان خوشیوں کا پہلا سنگِ میل ہوتی......''

''یہ مجھے کیا سنا رہے ہو!'' ویرا نے اچانک میری بات کاٹ دی ''معلوم ہوتا ہے کہ اپنی خوشی میں کھو کر تم بہت کچھ بھول گئے ہو۔''

ویرا کے لہجے میں کوئی تلخی نہیں تھی۔ مجھے یاد آ گیا کہ اس بارے میں اس سے بات کرنی بے سود تھی۔ وہ پہلے ہی مجھے اپنا سرپرست قبول کر کے فیصلے کا اختیار مجھے دے چکی تھی۔

میں نے پچھلا دن بہت مصروفیت میں گزارا تھا۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ اور ذہنی تکان کے بعد شام کو ہم ڈان کی پارٹی میں چلے گئے جہاں اس نے راجن کی غرق ہونے والی وائٹ ہاک کی ٹکر پر اپنے مہمانوں کے لیے طرب ونشاط کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ وہاں سے رات گئے ہمارے سفر کا آغاز ہوا جو اس وقت بھی جاری تھا۔

کم وبیش چوبیس گھنٹوں کی اس تھکن میں صرف ایک خیال نے ہم چاروں کو پوری طرح فعال اور متحرک رکھا ہوا تھا کہ ہمیں جلد از جلد ڈان کی دسترس سے اتنی دور نکل جانا چاہیے کہ اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود ہمارے فرار کی راہ میں کوئی رخنہ اندازی نہ کر سکے۔ اس جدوجہد میں میرا جسم پوری طرح چاق وچوبند تھا لیکن ذہن پر شاید کچھ تھکن طاری ہو چلی تھی جس کے نتیجے میں سب کچھ آپس میں گڈمڈ ہو کر رہ گیا تھا۔

''تم سن رہے ہو کہ ویرا کیا کہہ رہی ہے......!'' اس بار میرا تخاطب سلطان شاہ سے تھا جو بجیرو کی پچھلی سیٹ پر ویرا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

''سب سن رہا ہوں۔'' سلطان شاہ نے رکھائی سے جواب دیا۔ ''یہ تمہاری اور اس کی باتیں ہیں۔ مجھے ان سے کیا لینا!''

''یہ ایک اصولی گفتگو ہے۔'' غزالہ نے اسے ٹوکا۔ ''اس میں تم کو بھی دلچسپی لینی چاہیے کیونکہ شادی ان گنت خوشیوں کا پہلا سنگ میل ہوتی ہے اور اس سے نسلِ انسانی کو فروغ ملتا ہے۔''

''میں حیران ہوں کہ رات بھر کے تھکا دینے والے سفر کے باوجود تم لوگوں کو ایسی باتیں سوجھ رہی ہیں۔'' اس بار بھی سلطان شاہ کا انداز لاتعلقانہ تھا۔

''تھکن اور کوفت کے عالم میں ایسی باتیں دل کو خوش کرتی ہیں، ان سے جینے اور زندہ رہنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے۔'' میں نے گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ ہم جلد از جلد سیسو پھون پہنچ جائیں اور مجھے ایک آرام دہ بستر مل جائے تاکہ میں چند گھنٹوں کی نیند لے کر اپنی تھکن اتار سکوں۔'' سلطان شاہ نے کسی بھی طرح گرفت میں نہ آنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔

''تمہاری نیند ادھوری ہوگی۔'' غزالہ نے بات سے بات نکال لی۔ ''تھکے ہارے مرد کے لیے خدمت گزار بیوی ایک نعمت سے کم نہیں ہوتی۔ وہ سنگلاخ زمین کو بھی پھولوں کی سیج میں بدل دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم دونوں کیا چاہ رہے ہو۔'' وہ الجھے ہوئے اور ہراساں لہجے میں بولا۔ ''ابھی ڈینی نے ویرا کو شادی کی افادیت سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اب تم میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔ یہ تمہاری کوئی سازش معلوم ہوتی ہے۔''

غزالہ بے ساختہ ہنس دی اور بولی ''رات سے ہم تمہارے ہم سفر ہیں۔ سازش کیسے کرتے؟ یہ وقت بہت مناسب ہے۔ ہماری شادی مکاؤ میں ایک چینی مولوی کے

ذریعے ہوئی تھی۔ تم جا ہو گے تو ہم سیسو پھون میں کسی کمبوڈین قاضی کا بندوبست کرلیں گے۔"

"تم لوگ بلاوجہ بات بڑھا رہے ہو۔ مجھے ایسا مذاق پسند نہیں ہے۔"

"یہ مذاق نہیں حقیقت ہے!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تمہاری منطق کے مطابق ایک کافرہ سے نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ ویرا پہلے بھی کافر نہیں تھی۔ اہلِ کتاب تھی۔ اب وہ مسلمان ہو چکی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی سگریٹ نوشی میں بھی کمی آچکی ہے۔ اس قصے کو اب طے ہو جانا چاہیے۔ تم دونوں نے لڑ جھگڑ کر اپنا بہت وقت برباد کرلیا ہے۔"

"شاید تم نے گاڑی کی رفتار اسی لیے کم کی ہے کہ تمہیں اس بارے میں بات کرنے کے لیے کچھ وقت مل سکے۔"

سلطان شاہ نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد اپنی زبان کھولی "یہ سن لو کہ اتنے اہم فیصلے یوں راہ چلتے نہیں کیے جا سکتے۔ ان کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔"

"تم ہمیشہ یہی بہانہ لے کر بیٹھ جاتے ہو۔ آخر تمہیں کتنا وقت درکار ہے؟" غزالہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "کیا تمہیں اپنے گاؤں سے کسی بڑے کے خط کا انتظار ہے...... تم خود کافی بڑے ہو چکے ہو، تمہیں مردانگی کے ساتھ اپنا فیصلہ خود کرلینا چاہیے۔"

"تم کیسی احمقانہ باتیں کر رہی ہو......" سلطان شاہ چڑ کے بولا "ہمارا کوئی گھر در ہے نہ ٹھکانا، پل پل میں ہم جگہیں بدلتے رہتے ہیں۔ کیا ایسے حالات میں کسی سے خط کتابت کا تصور کیا جا سکتا ہے؟"

"میرا بھی یہی مطلب تھا۔ جب کہیں سے مشورے کی امید بلکہ ضرورت نہیں تو اپنا فیصلہ خود کیوں نہیں کر لیتے!" غزالہ اسے گھیرنے پر تلی ہوئی تھی۔

"تم لوگوں کی اجازت ہو تو میں ذرا ہنس لوں......!" ویرا اجازت طلب انداز میں سنجیدگی سے بولی۔

اچانک انجن کے ہموار شور میں سلطان شاہ کی ایک دبی دبی سی بے ساختہ سسکی ابھری۔ مشینی انداز میں میری نگاہیں عقب نما آئینے پر گئیں تو وہ برا سا منہ بناتا ہوا، اچھل کر ویرا سے دور ہو رہا تھا۔ میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ ان دونوں کے درمیان ہلکے پھلکے تشدد آمیز رومانس کا آغاز حوصلہ افزا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ویرا نے اسے چٹکی لی تھی۔

سلطان شاہ کی وہ آواز غزالہ کے کانوں تک بھی پہنچی۔ اس نے شوخ اور دزدیدہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

سلطان شاہ نے ویرا کی کوئی شکایت کی نہ ہم دونوں نے اس کی بے ساختہ آواز کے بارے میں کوئی سوال کیا۔

"تمہیں ہنسنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" میں نے ویرا سے پوچھا۔

"تم پتھر کو جونک لگانے کی کوشش کر رہے ہو۔" ویرا نے نے جواب دیا" میں نے اکیلے پن میں اتنی زندگی گزاری ہے، بقیہ بھی گزار لوں گی۔ رہا سلطان شاہ کا مسئلہ تو اسے بھی بھول جاؤ میں اس کی ذہنی گرہ کو شاید سمجھ رہی ہوں۔ کڑی پابندیوں میں بچپن گزارنے والے بہت سے مرد دنیا کی ہر عورت کو صرف ماں کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں، خلوت میں عورت کا سامنا کرنے سے ڈرتے ہیں......"

"یہ بکواس ہے۔" سلطان شاہ غصیلی آواز میں غرایا۔ "اپنی منطق اپنے پاس رکھو۔ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔"

"اوہ! تم کیوں بھڑک رہے ہو......" ویرا نے استہزائی انداز میں اسے پچکارا" میں تمہارا نہیں، مردوں کی ایک قسم کا عمومی تذکرہ کر رہی تھی۔"

"اگر تمہیں کسی قسم کا ڈر یا خوف نہیں تو فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے۔ ایک بار اقرار کر دو یا انکار کر دو تا کہ یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے!" میں نے کہا۔

"فیصلہ بھی ہو جائے گا۔" سلطان شاہ نے سخت لہجے میں کہا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اسے کسی کی کوئی بات بری لگ گئی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "مجھے نشانہ بنانے سے پہلے اپنی بی جمالو سے بھی پوچھ لو کہ یہ کیا چاہتی ہے۔ ابھی کان دبائے تمہاری باتوں کے مزے لے رہی ہے، میں نے مشرق کہا تو یہ مغرب کو چل دے گی۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ صرف مجھے دبانے سے تم دونوں کو کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ یہ محنت رائیگاں جائے گی۔"

"اس پر مجھے پورا بھروسا ہے کہ وہ میرے حکم کو نظر انداز نہیں کرے گی۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ "میں نے کچھ کہا تو بے چون وچرا اسے مان لے گی۔"

"میں نے اپنی کشتیاں جلا کر تم لوگوں کا ساتھ دیا ہے۔" ویرا بولی" میں اپنے وطن گئی تو میری بقیہ عمر کسی جیل میں گزرے گی۔ میرے ہم وطن میری آزادی بلکہ جان کے دشمن ہو چکے ہیں۔ میرے پاس تمہاری بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔"

"اب بولو!" غزالہ نے قدرے نرم لہجے میں سلطان شاہ کو للکارا۔

"تم کہہ رہے تھے کہ کمبوڈیا میں جلال ہم سے ملنے کے

لیے آئے گا۔'' سلطان شاہ نے راستے میں ہونے والی گفتگو کے حوالے سے یکایک ایک عجیب سوال داغ دیا۔
''میں نے صرف امکان ظاہر کیا تھا۔'' میں نے وضاحت کی ''میں نے اسے آنے سے منع کیا تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی آدمی ہمارے نئے پاسپورٹ لے آئے۔''
''کاش! وہ خود آجائے میں اس سے مشورہ کر کے تمہیں اپنا فیصلہ سنادوں گا۔'' سلطان شاہ نے ایک بار پھر بات ٹال دی۔
''کسی کو اپنے اوپر بھروسا نہ ہو تو وہ اسی طرح لنگڑے لولے سہارے ڈھونڈتا ہے۔'' ویرا نے لقمہ دیا۔
''جو بے چاری اس کے پلے بندھے گی، نہ جانے اپنی زندگی کیسے گزارے گی۔''
''یہ نہ بھولو کہ اس وقت تم ہی زیر غور ہو۔'' سلطان شاہ نے ترشی سے کہا ''تمہاری یہ جلی کٹی باتیں مجھے زہر لگتی ہیں۔''
''جلنے والے کو جلانا میرا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ میری یہی بات کہیں لکھ لو کہ تم زندگی بھر غور کرتے کرتے سلطان شاہ غوری بن جاؤ گے، اپنا فیصلہ نہیں کر سکو گے۔ جلال آگیا تو تم کوئی نیا عذر تلاش کر لو گے۔''
''مجھے مجبور نہ کرو کہ میں اسی وقت انکار کر دوں'' سلطان شاہ نے اسے ڈرایا۔
''وہ بھی ایک فیصلہ ہوگا جو تمہارے بس سے باہر ہے۔'' بات کھل جانے کے بعد ویرا ترکی بہ ترکی جواب دینے پر تل گئی تھی۔
''تم جو چاہو بکتی رہو، میں نے تمہاری طرف سے اپنے کان بند کر لیے ہیں۔'' سلطان شاہ نے تلخی سے کہا۔ اقرار نہ کر کے وہ انکار بھی نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔
ویرا سے براہِ راست گفتگو کے اس مرحلے پر انکار نہ کر کے اس نے میرا دل خوش کر دیا مجھے پہلی بار یہ اندازہ ہوا کہ ویرا اس کے لیے گلے کی ہڈی بن گئی تھی جسے اگلنا یا نگلنا اس وقت اس کے بس سے باہر تھا۔ ویرا کی بہت سی عادات وصفات کو ناپسند کرنے کے باوجود وہ دل و جان سے اس کی بہت سی خوبیوں کا معترف تھا۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ مثالی بیوی قسمت کی خوبی سے لاکھوں میں کسی ایک کو ملتی ہے، بقیہ جوڑوں کو سمجھوتوں کے تحت زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ اگر سمجھوتا کرنا ہی تھا تو ویرا اس کے لیے بہترین انتخاب ثابت ہوسکتی تھی۔
گھاس پھوس اور گارے سے بنے ہوئے پہلے مکان کے قریب سے گزرتے ہوئے ہمیں چند ننگ دھڑنگ بچے مٹی میں کھیلتے ہوئے نظر آئے۔ ان سے کسی رہنمائی کی توقع عبث تھی۔ میری نگاہیں کسی مرد کی تلاش میں بھٹکتی رہیں اور ہماری بجیرو رینگتی ہوئی اس بے نام ونشان قصبے میں داخل ہوگئی جو ویرا کے پاس موجود نقشے کے مطابق صرف سیسو پھون ہوسکتا تھا۔
میں نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی کہ ہماری شاندار گاڑی بچوں کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی۔ بڑی اور نئی گاڑیاں سیسو پھون کے باسیوں کے لیے نئی چیز نہیں تھیں۔ وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی جن علاقوں میں اسمگلنگ اور دوسرے غیر قانونی دھندوں کی بھرمار ہوتی ہے وہاں رہنے والے غربت کی سطح سے قدرے اوپر زندگی گزارنے کے باوجود سامان تعیش دیکھنے کے اس قدر عادی ہو جاتے ہیں کہ کچھ بھی انہیں اجنبی یا حیران کن نظر نہیں آتا۔ سب کچھ ان کے ہاتھوں یا نگاہوں سے گزر چکا ہوتا ہے۔
اس اکلوتے مکان سے آگے بستی کا باقاعدہ آغاز ہوگیا، پختہ لیکن خستہ حال سڑک کے دونوں اطراف سے مکانات وغیرہ بنے ہوئے تھے جہاں زندگی کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ سڑک سے ان کچی تعمیرات کا فاصلہ اتنا تھا کہ سڑک چھوڑے بغیر کسی مکان یا دکان تک رسائی نہیں ہوسکتی تھی۔
بستی کے سارے مکان پتھروں یا گارے کے بنے ہوئے تھے۔ چھتیں گھاس پھوس اور چٹائیوں سے ڈالی گئی تھیں، کہیں کہیں ٹین کی نالی دار چادروں کی چھتیں بھی نظر آرہی تھیں۔
''چلتے ہی جارہے ہو'' ویرا نے مجھے ٹوکا ''کہیں رک کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو، یہاں کوئی از خود تمہاری رہنمائی کے لیے نہیں آئے گا۔''
''سب جاہل مقامی دہقان نظر آرہے ہیں۔'' میں نے کہا ''کوئی ڈھنگ کا آدمی نظر آئے جو انگریزی کے دو چار الفاظ سمجھ سکے تو میں گاڑی روکوں!''
''انگریزی سے واقفیت کا اندازہ چہرے پڑھ کر نہیں لگایا جاسکتا۔'' وہ بولی ''تم سڑک سے اتار کر گاڑی روکو گے تو بھیڑ جمع ہونا شروع ہو جائے گی۔ ان ہی میں کوئی انگریزی داں بھی نکل آئے گا۔''
''وہ کوئی ڈھنگ کی دکان نظر آرہی ہے۔ ہمیں وہاں رکنا چاہیے!'' غزالہ نے آگے دائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
اس کی زبان سے دکان کا ذکر سنتے ہی مجھے یاد آیا کہ ہوٹل چھوڑنے سے پہلے وہ بنکاک میں خریداری کرنے کے

لیے بے چین تھی۔ اس وقت مجھے اس کی حالت کا اندازہ نہیں تھا۔ میں نے اس کی بے چینی کو ایک عورت کا شوق سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ اس وقت سمجھ میں آیا کہ وہ اپنے ہونے والے بچے کے لیے کچھ اہم خریداری کرنا چاہتی تھی۔

اس کی نشان دہی پر میں نے داہنی جانب دیکھا تو ایک بڑی سی دیوار پر رنگا رنگ تصویروں کے ساتھ نامانوس رسم الخط میں بہت کچھ لکھا ہوا نظر آرہا تھا۔ ہم آگے بڑھے تو اس ساٹھ ستر فٹ لمبی دکان کا بڑا سا دروازہ بھی نظر آ گیا۔ گھروں کی طرح اس کے در و دیوار بھی مٹی، گارے اور پھوس وغیرہ سے بنے ہوئے تھے لیکن ہر رخ سے وہاں ایک قرینہ نظر آرہا تھا۔ دروازے سے لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی، اندر سے آنے والوں کے ہاتھوں میں کچھ نہ کچھ موجود تھا۔

اس دور افتادہ کمبوڈین قصبے میں شوقیہ خریداری کی کوئی گنجایش نہیں تھی، مقامی باشندے کسی نہ کسی ضرورت کے تحت دکان کا رخ کرتے ہوں گے۔ اس وقت صبح کے آٹھ بجے تھے لیکن نہ صرف دکان کھلی ہوئی تھی بلکہ وہاں خریداری بھی جاری تھی۔

میں نے گاڑی سڑک سے اتار کر اس دکان کے دروازے سے ذرا پہلے روک لی اور انجن بند کر کے گاڑی سے اتر گیا۔

باہر کے رنگ روغن کے مقابلے میں اندر کا سماں مایوس کن تھا۔ سامان سجانے کے بجائے زمین اور چوبی میزوں پر ڈھیر کیا ہوا تھا۔ اندر سے وہ مجموعی طور پر کوئی گودام نظر آرہا تھا۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہاں خریداروں کی بھیڑ میں دکان دار کون تھا۔

مجھے دکان میں گھس کر جائزہ لیتے ہوئے چند لمحے بھی نہیں گزرے تھے کہ پشت سے کسی نے سختی سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں تیزی سے پلٹا تو ایک ادھیڑ عمر مقامی مجھے تیز عقابی نظروں سے گھور رہا تھا۔

اس کی ہیئت دوسروں سے بہت مختلف اور عجیب تھی۔ اس نے نیلی جینز پہنی ہوئی تھی۔ کثرت استعمال سے اس کا رنگ جگہ جگہ سے اڑا ہوا تھا۔ اوپری دھڑ پر آدھی آستینوں والی ٹی شرٹ پھنسی ہوئی تھی جس میں اس کا کسرتی جسم جھلک رہا تھا۔ دکان یا گودام میں دھوپ کا براہِ راست گزر نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ روشنی نہیں تھی لیکن اس نے اپنے سر پر بڑے چھجے والا نکوں کا ہیٹ جمایا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سروں پر پڑی ہوئی گہری جھریوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے اپنی زندگی کے ماہ و سال مسائل اور مصائب سے لڑ کر گزارے ہوں گے۔

اس نے نگاہیں چار ہوتے ہی مستفسرانہ لہجے میں اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے بتایا کہ میں انگریزی کے سوا کسی اور زبان میں بات کرنے سے قاصر تھا۔

''کہاں سے آئے ہو...... کسی کی تلاش ہے تمہیں......؟'' اس نے مقامی لہجے میں صاف انگریزی بول کر مجھے حیران کر دیا۔

''بنکاک سے آئے ہیں، ہمیں سیسو پھون میں نان فینگ سے ملنا تھا۔ یہ کون سی جگہ ہے؟'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنا تعارف کراتے ہوئے سوال کیا۔

اس نے میرے سوال کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ لڑکیاں خریدنے آئے ہو......؟''

میں نے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا ''مسافر ہیں، نوم پنہ تک رہنمائی چاہتے ہیں۔''

''کاغذات کے بغیر سرحد پار کی ہے؟'' اس نے پھر سوال کیا اور مجھے اس پر غصہ آنے لگا۔ کچھ بتانے کے بجائے اس نے ہماری انکوائری شروع کر دی تھی۔

''کچھ بتا سکتے ہو تو بتا دو ورنہ ہم کسی اور کو تلاش کرتے ہیں۔'' میں نے بے رخی سے کہا۔

''مجھے مطمئن کیے بغیر اب تم کہیں نہیں جا سکو گے۔'' اس نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ میرے ساتھ باہر آؤ۔ تمہارے ساتھ کتنے آدمی آئے ہیں......؟''

''ہم چار ہیں...... دو مرد اور دو عورتیں!'' اس مرحلے پر کسی تصادم سے بچنے کے لیے میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔ اس کے تیوروں سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ میں بے خبری میں کسی غلط آدمی سے ٹکرا گیا تھا۔

''اوہ......! شان دار گاڑی میں آئے ہو۔ یہ تمہاری اپنی ہے؟'' دروازے سے ہماری گاڑی پر نگاہ پڑتے ہی اس نے بے ساختہ کہا۔

''دوست!'' میں نے خون کا گھونٹ پی کر جواب دیا۔ ''فی الحال یہ ہماری اپنی ہے۔ ہم لمبے سفر سے آئے ہیں اور تھکے ماندے ہیں، ہمارا وقت برباد نہ کرو۔ ہمیں نان فینگ کا پتا بتا دو۔ ہمیں اس کے ایک گہرے دوست نے بھیجا ہے۔ تم نے ہمیں تنگ کیا تو ہم اس سے تمہاری شکایت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

''تمہیں کس نے بھیجا ہے؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''تمہارے لیے وہ اجنبی ہوگا۔ اس کا نام پھوم فاٹ ہے!'' میں نے تلخی سے کہا۔

''اوہو...... پھر تو تم میرے مہمان ہو!'' اس نے میرے دونوں شانے تھام کر مجھے تقریباً جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

''تم صحیح جگہ پر پہنچے ہو۔ میرا نام نان فینگ ہے۔ میں ہرایرے غیرے کو منہ نہیں لگاتا۔ اس راستے پر اکثر...... خطرناک لوگ سفر کرتے ہیں۔ میں ان سے اپنا دامن بچاتا ہوں۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں تم کو مجھے پھانسنے کے لیے نہ بھیجا گیا ہو...... اب یہ شک دور ہوگیا۔ بتاؤ، میں تمہاری کیا خدمت کرسکتا ہوں۔''

مجھ سے بات کرتے ہوئے اس کی حریصانہ نظریں بار بار بجیرو کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

''ہمیں کچھ دیر کے لیے ایک کمرا اور باتھ روم فراہم کردو۔ تازہ دم ہونے کے بعد ہم جلد از جلد نوم پنہہ کے لیے روانہ ہونا چاہتے ہیں۔'' میں نے بجیرو میں اس کی دلچسپی بھانپتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ ''یہ مشکوک گاڑی ہے۔ جانے سے پہلے ہم اس سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔''

''ویری گڈ!'' وہ ستائشی انداز میں بولا ''مجھے پہلے ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ گاڑی کا کوئی چکر ہوگا۔ میری دکان کے پچھلے احاطے سے یہ نکل کر تین چار گھنٹوں میں اس طرح غائب ہوگی کہ فرشتے بھی اس کا سراغ نہیں لگاسکیں گے۔''

مجھے اس کی باتوں سے کچھ اشارے مل چکے تھے۔ تعارف بھی ہوگیا تھا۔ میں نے بےخوفی اور پورے اعتماد سے کہا ''پھوم فاٹ نے ہمیں یہی بتایا تھا کہ تم ہر کام میں ہمارے مددگار ثابت ہوگے۔ ہمیں اس گاڑی کا کیا مل جائے گا؟''

''کئی سال پرانا ماڈل ہے۔ چار پانچ ہزار ڈالر مل جائیں گے۔'' اس نے بجیرو پر ایک بھرپور نظر ڈال کر بےپروائی سے کہا۔

''سرحد پر ہمیں زیادہ رقم مل رہی تھی!'' میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

''تمہیں میرے دوست نے کچھ سمجھ کر میرے پاس بھیجا ہے میں تم سے زیادہ مول تول نہیں کروں گا۔'' اس نے جیبوں میں ہاتھ اڑس کر کہا۔ ''تمہیں اپنی گاڑی میں نوم پنہہ بھی لے جانا ہوگا۔ اس کی بھاری فیس ہوتی ہے۔ یوں کرتے ہیں کہ تم نقد چار ہزار لے لو۔ گاڑی میری ہوگئی۔ تمہیں حفاظت سے منزل تک پہنچانا میری ذمے داری ہے۔''

میں نے دل ہی دل میں حساب لگایا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ نان فینگ اس سودے میں چال بازی سے کام لے رہا تھا پھر بھی وہ میرے لیے گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔ ہم نے سرحد پار کرنے کے لیے جو کچھ خرچ کیا تھا اس سے زیادہ ہاتھ آرہا تھا۔ میں نے کسی تکرار کے بغیر آمادگی ظاہر کردی۔

اس وقت تک کہیں بیٹھنے یا ٹکنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ نان فینگ سے سارے مذاکرات کھڑے کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے ایما پر میں گاڑی اسٹارٹ کرکے اس کی دکان کی پچھلی گلی میں لے گیا جہاں وہ ایک بھونڈا سا چوبی پھاٹک کھولے میرا منتظر تھا۔

گاڑی اندر جاتے ہی اس نے پھاٹک بند کردیا۔ وہ کچا صحن اتنا کشادہ تھا کہ بہ یک وقت وہاں دو تین گاڑیاں سما سکتی تھیں۔ وہاں کچی دیواروں کے ساتھ کچھ کاٹھ کباڑ پڑا ہوا تھا۔ زمین پر سیاہ تیل اور گریس کے بڑے بڑے، گہرے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ پہلی نظر میں اندازہ ہوگیا کہ نان فینگ نے بجیرو کو چند گھنٹوں میں غائب کرنے کا ذکر کرکے مبالغہ آرائی نہیں کی تھی۔

وہ کچا مکان قدیم طرز پر بنا ہوا تھا۔ اگلے حصے میں نان فینگ کی دکان تھی۔ اس کی پچھلی دیوار کے ساتھ تین کمرے بنے ہوئے تھے جن کے آگے دھوپ سے بچاؤ کے لیے پھوس اور بانسوں کا بنا ہوا مختصر سا برآمدہ تھا جس کے آگے صحن یا کھلا ہوا گیراج واقع تھا۔

ہم سب اپنا مختصر اسباب لے کر گاڑی سے اترے تو نان فینگ نے پُرتپاک انداز میں سب سے ہاتھ ملایا۔ اس وقت تک اس نے ہم میں سے کسی کا نام جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے لیے صرف یہ حوالہ کافی تھا کہ ہمیں بنکاک سے پھوم فاٹ نے اس کے پاس بھیجا تھا۔

وہ ہمیں وسطی دروازے سے ایک کمرے میں لے گیا تو اس کی دیواروں پر چپکی ہوئی موٹی موٹی چھپکلیاں دیکھ کر ویرا اور غزالہ پھریریاں لیتی ہوئی باہر آگئیں۔ ویرا نے صاف کہہ دیا کہ وہ اس کمرے میں قدم بھی نہیں رکھے گی۔

نان فینگ ان دونوں کے کراہت آمیز خوف سے خاصا محظوظ ہوا۔ اس نے بتایا کہ جنگلی چھپکلیاں کھانے سے اکثر زہرخورانی کا خطرہ رہتا تھا۔ اپنے شوق کو پورا کرنے کے لیے اس نے اس کمرے میں چھپکلیوں کی نرسری بنائی ہوئی تھی۔ وہ انہیں سرخ چیونٹے، شہد کی مکھیاں اور کئی چیدہ چیدہ حشرات الارض کھلا کر پالتا تھا اور حسب خواہش انہیں اپنی خوراک میں استعمال کرتا رہتا تھا۔ وہ سب بےضرر اور انسان دوست تھیں۔

چاؤ فان چوہے کھانے کا شوقین تھا، نان فینگ چھپکلیوں

کارسیا نکلا۔ یہ قدرت کا نظام ہے۔ اگر دنیا کی ساری آبادی چوپایوں کا گوشت کھانے کی شوقین ہوتی تو تیز ترین افزائش نسل کے باوجود شاید دنیا سے صدیوں پہلے چوپایوں کی نسلیں فنا ہو چکی ہوتیں۔ ہر قوم اور خطے کی غذائی عادتیں جداگانہ تھیں جن کے سبب طلب اور رسد کا توازن برقرار چلا آرہا تھا۔

نان فینگ کی وضاحت چھپکلیوں کے مشاہدے سے زیادہ گھناؤنی اور کراہت انگیز تھی۔ وہ تقریر سن کر سلطان شاہ کا بھی منہ بن گیا۔ نان فینگ نے ہماری ناپسندیدگی کا اندازہ کرتے ہوئے ہمیں دوسرا کمرا دے دیا جس کی دیواریں صاف تھیں۔ پھوس کے چھپروں کے استعمال کے باوجود اس کی بنائی ہوئی چھپکلیوں کی نرسری اتنی محفوظ تھی کہ متصل کمرا اس مخلوق کے تصرف سے محفوظ تھا۔

وہاں نل کے پانی کا سرے سے رواج نہیں تھا۔ سیسو پھون کی غریب عورتیں قلیل معاوضہ لے کر قریبی ندی یا کسی کنویں سے ضرورت کا پانی گھر گھر پہنچا دیتی تھیں۔ وہ نان فینگ کا گھر نہیں، محض کاروباری اڈا تھا۔ اس کے آدمی دکان چلاتے تھے۔ وہ فاضل وقت میں عقبی کمروں میں اپنے حواریوں اور لین دین کے لیے آنے والوں کے ساتھ محفلیں جماتا تھا۔ اس کے بیوی بچے قصبے کے کسی اندرونی علاقے میں رہتے تھے۔ وہ ان کے ساتھ رات گزار کر صبح سویرے دکان پر آجاتا جسے وہ سیسو پھون کا اکلوتا سپر اسٹور قرار دے رہا تھا۔

غزالہ نے بیٹھنے سے پہلے اس کمرے کے ہر کونے کھدرے کا جائزہ لے کر یہ اطمینان کرلیا کہ وہاں کوئی چھپکلی موجود نہیں تھی۔ کمرے میں فرش کو اس مہارت سے لیپا گیا تھا کہ وہاں گرد کا نام ونشان نہیں تھا۔ فرش پر ایک بڑا قالین بچھا ہوا تھا۔ دو دیواروں کے ساتھ بان سے بنی ہوئی چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ باہر بنے ہوئے غسل خانے کے باہر ایک بڑے ڈرم میں پانی لبالب بھرا ہوا تھا۔ اس کے قریب ڈونگا اور بالٹی بھی موجود تھی جس میں ضرورت کے مطابق پانی لیا جاسکتا تھا۔

نان فینگ ہمیں اس کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا اور ہم نے اردو میں تبادلۂ خیال شروع کردیا۔ ہمیں یہ اطمینان تھا کہ نان فینگ یا اس کا کوئی آدمی ہماری آوازیں سن کر بھی کچھ نہیں سمجھ پائے گا۔

ہم بنکاک سے نکل آئے تھے لیکن ڈان کی طرف سے میں مطمئن نہیں تھا۔ سیسو پھون جیسے قصبے میں اس کے آدمی بہت آسانی سے ہم تک پہنچ سکتے تھے۔ کمبوڈیا کا کوئی بڑا شہر ہمارے لیے محفوظ ثابت ہوتا جہاں رہنے اور بسنے والے انسانوں کے سمندر میں کسی کا سراغ لگانا آسان نہ ہوتا۔

ان تینوں کا ڈان برنارڈ سے براہِ راست واسطہ نہیں پڑا تھا اس لیے انہیں خطرات کا صحیح ادراک نہیں تھا۔ وہ سب نان فینگ کے ٹھکانے پر رک کر رات بھر کے سفر کی تھکن اتارنے کے موڈ میں تھے جبکہ میں جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

وہ تینوں میرے فیصلے سے واقف ہونے کے بعد کسل مندانہ انداز میں اِدھر اُدھر لیٹ گئے۔ میں کمرے سے باہر نکلا تو حیرت میری منتظر تھی۔ پانچ مقامی لڑکوں کی ایک ٹولی نہایت تیزی سے ہماری جیپ کو ادھیڑنے میں مصروف تھی۔ ٹائر، دروازے اور بونٹ سمیت بہت سے بڑے بڑے حصے اتارے جاچکے تھے۔ جن کا کہیں پتا نہیں تھا۔ جیپ کے قریب ایک ٹھیلا کھڑا ہوا تھا جس پر انجن سے الگ کیے جانے والے پرزے جمع کیے جارہے تھے۔ لڑکوں کی پھرتی بتارہی تھی کہ کچھ دیر میں گاڑی کا انجن بھی باہر آجائے گا۔

آگے بڑھنے پر معلوم ہوا کہ گاڑی کی تمام نشستیں بھی نکالی جاچکی تھیں۔ ان پیشہ ور لڑکوں کو آسانی سے نکالے جانے والے ہر حصے سے پوری واقفیت تھی۔ نٹ، بولٹ اور پنوں سے جڑے ہوئے ہر حصے کو انہوں نے مہارت سے اتارلیا تھا۔ سامان کا ڈھیر لگانے کے بجائے ساتھ ساتھ کہیں اور پہنچایا جارہا تھا۔ ساری دیر انجن اور گیئر بکس وغیرہ اترنے کی تھی۔ اس کے بعد وہاں جیپ کے کھوکھلے آہنی ڈھانچے اور چیسز کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہتا۔

تیسرا کمرا کسی دروازے کے ذریعے دکان سے ملا ہوا تھا۔ میں غسل خانے سے لوٹ رہا تھا تو مجھے نان فینگ اس کمرے سے برآمد ہوتا ہوا نظر آیا۔ اس کے پیچھے دو مقامی بڑے بڑے تھال اٹھائے چلے آرہے تھے۔ قریب جانے پر مجھے وہ تھال خورونوش کی اشیا سے بھرے ہوئے نظر آئے۔

نان فینگ نے ہماری مدارات کے لیے ناشتے اور کھانے کے جملہ لوازم یک جا کردیے تھے۔ ہمارے انکار پر اس کا اصرار غالب آیا۔ وہ دونوں تھال قالین پر ہمارے سامنے سجادیے گئے۔ جب میں نے اسے یہ بتایا کہ ہم شکم پری کے بعد فوری طور پر نوم پنہہ کے لیے روانہ ہونا چاہتے ہیں تو وہ خاصا حیران ہوا۔ وہ کم از کم ایک رات کے لیے ہمیں سیسو پھون میں روکنا چاہ رہا تھا۔ مگر میں اس بارے میں اپنی ترجیحات کو خوب سمجھ رہا تھا۔ جب اسے اندازہ ہوگیا کہ ہم روانگی کے لیے پابہ رکاب ہیں تو وہ سفر کی تیاری کرنے کے

ارادے سے رخصت ہو گیا۔
اس کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے اشتباہ آمیز انداز میں کھانوں وغیرہ کا جائزہ لیا اور اسے جس ڈش میں کوئی لمبی شے نظر آئی، اسے الگ کر دیا۔ اس چھان بین کی زد میں گوشت آنا ہی تھا۔ اس نے سبزیوں کے لمبے قتلوں کا بھی اعتبار نہیں کیا۔ چند گنی چنی اشیا ہمارے سامنے رہ گئیں جن میں دال، روٹی، چاول اور چائے شامل تھی۔
بارہ بجے نان فینگ تر و تازہ ہو کر لوٹ آیا۔ اس نے آتے ہی اپنی جیب سے چار ہزار ڈالروں کا بند لفافہ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔
اس وقت تک سب کچھ بہت آسانی سے ہوتا چلا جا رہا تھا۔ میں نے باتوں باتوں میں نان فینگ سے نوم پنہہ کے ہوٹلوں کے بارے میں بات چھیڑی تو اس نے بتایا کہ وہاں صرف کوئین ہوٹل ہی اس قابل تھا کہ وہاں کے سنجیدہ ماحول میں خواتین کے ساتھ قیام کیا جا سکے۔ بقیہ صرف نام کے فائیو اسٹار ہوٹل تھے وہاں بے فکری سے نہیں رہا جا سکتا تھا۔
ہم بنکاک سے بہ خیر و خوبی نکل آئے تھے۔ میری دلی خواہش تھی کہ اسی طرح ہم سیسو پھون بلکہ کمبوڈیا سے بھی جلد از جلد نکل جائیں تاکہ ڈان کی طرف سے کسی بے جارحتہ اندازی کا خوف سرے سے دور ہو جائے۔ اس کا انحصار ہمارے نئے پاسپورٹوں کی آمد پر تھا۔ جو جلال یا اس کے کسی آدمی کو لے کر آنا تھا۔
نان فینگ سے نوم پنہہ کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کرنے کے بعد میں نے ارادہ کر لیا کہ وہاں پہنچنے کے بعد ہم نان فینگ کو دھوکا دینے کے لیے عارضی طور پر کسی بھی ہوٹل میں پڑاؤ ڈالیں گے اور اس سے گلو خلاصی ہوتے ہی پہلی فرصت میں کوئین ہوٹل منتقل ہو جائیں گے۔
وقت کے زیاں سے بچنے کے لیے میں نے اسی وقت جلال کو اپنے پروگرام سے باخبر کرنا ضروری سمجھا۔ تھائی لینڈ کے سرحدی علاقے میں آتے آتے ہمارے موبائل فون بے جان اور ناکارہ ہو چکے تھے۔ بیٹریاں چارج ہونے کے باوجود سگنلز غائب تھے۔ میں نے نان فینگ سے کسی انٹرنیشنل فون کے بارے میں دریافت کیا تو وہ مجھے تیسرے کمرے سے گزار کر اپنے نام نہاد سپر اسٹور میں لے گیا جہاں ایک گوشے میں چوبی تخت پر گرد آلود دری کی صورت میں اس کی مسند لگی ہوئی تھی اور وہیں فون بھی نظر آ رہا تھا۔
مجھے خوشی ہوئی کہ سیسو پھون میں پانی کی سہولت نہ ہونے کے باوجود بین الاقوامی فون دستیاب تھا۔

پاکستان کا وقت ہم سے دو تین گھنٹے پیچھے تھا۔ میں نے جلال کے موبائل فون نمبر پر رابطہ کیا تو وہ اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ہم تھائی لینڈ سے کمبوڈیا میں داخل ہو چکے تھے۔
''میں اب بھی تمہاری طرف سے فکر مند ہوں۔''
ابتدائی گفتگو کے بعد اس کی تفکر آمیز آواز ابھری۔ ''تھائی لینڈ سے نکلنے کے لیے تم نے بہت پُرخطر راستہ اختیار کیا۔ تم سے بات ہونے کے بعد میں نے انٹرنیٹ کی بہت خاک چھانی ہے۔ اس راستے پر ٹھگوں اور لٹیروں کا راج ہے۔ لوٹ مار پر غیر ملکی ذرا سی بھی مزاحمت کریں تو یہ بے دردی سے انہیں ہلاک یا زخمی کر دیتے ہیں۔''
''ہم خطرناک راستہ طے کر چکے ہیں۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمارا کسی بدمعاش سے پالا نہیں پڑا۔ اب سیسو پھون کا سب سے بڑا ادا اکیر ہمارا گائیڈ ہوگا رج ڈھلنے سے پہلے ہم نوم پنہہ پہنچ جائیں گے۔''
''کیا تم رکے بغیر سفر جاری رکھو گے؟'' اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔
''مجبوری ہے۔ ڈان کو ہوش آنے سے پہلے ہم بہت دور نکل جانا چاہتے ہیں۔ راستے میں ایک حادثہ یہ ہوا کہ کرنل گیری اچانک ہمارے سامنے آ گیا۔ اسے زندہ چھوڑتے تو وہ ہمارے فرار کا بھانڈا پھوڑ دیتا۔ ناچار اسے جہنم واصل کرنا پڑ گیا۔ یہ......''
''کیا تم نے اسے مار دیا؟'' اس نے میری بات درمیان سے اچک کر اضطراری لہجے میں کہا۔ ''تم کیا کرتے پھر رہے ہو...... میں نے تم سے کہا تھا کہ اب اپنا نام سامنے نہ آنے دینا۔ اس کی لاش ملتے ہی ہر طرف ایک کہرام برپا ہو جائے گا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ گیری ان کا بہت مضبوط مہرہ تھا۔ اس کے قاتل تک پہنچنے کے لیے وہ زمین اور آسمان ایک کر دیں گے!''
''تم بلاوجہ اعصاب زدہ ہو رہے ہو۔ ہم اس کی لاش ایک ویرانے میں دبا آئے ہیں۔ درندوں نے اسے نکال کر کھانا شروع نہ کیا تو کئی دنوں تک کسی کو اس کے انجام کا پتا نہیں چلے گا۔ لاش مل گئی تو میرا نام کہیں نہیں آئے گا۔ حالات بد سے بدتر ہوئے تو شبہ علی احمد پر ہوگا۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
''اسے کس طرح مارا گیا؟'' وہ پوری طرح مطمئن نہیں ہو سکا۔
''گولی سے!'' میں نے کن انکھیوں سے قرب و جوار کا

جائزہ لیتے ہوئے جواب دیا۔ میں نے پستول کا لفظ دانستہ استعمال نہیں کیا۔ وہ لفظ دنیا کے ہر خطے میں سمجھا جا سکتا تھا۔ ''تم فکر نہ کرو۔ اب میں پوری طرح محتاط ہوں۔ بیم گن اور انگوٹھیوں کا استعمال ترک کیا جا چکا ہے۔ اسے غزالہ نے روایتی ہتھیار کا نشانہ نہ بنایا تھا۔''

''اللہ تم سب کو اپنی امان میں رکھے!'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ ''میں نے تمہارے لیے جو پلان بنایا ہوا ہے اس کا سارا دارومدار تم پر ہے کہیں بھی تمہارا نام سامنے آیا تو میرا کھیل ختم ہو جائے گا۔''

''میں تمہاری نازک پوزیشن سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے تفہیمی لہجے میں کہا۔ ''ایسی کوئی بات ہوئی تو کراچی کے دو قیدیوں کے بارے میں تمہارا موقف تباہ ہو جائے گا۔''

''بات اس سے بھی آگے کی ہے۔ ابھی میں قبل از وقت کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ یہاں سے نمٹ کر کسی طرح آج رات کو ہی نوم پنہہ پہنچ جاؤں۔''

''اب میں تم پر رکنے کے لیے مزید دباؤ نہیں ڈالوں گا۔'' میں نے رسان سے کہا۔ ''یہ یاد رکھنا کہ وہاں ہم کوئین ہوٹل میں قیام کریں گے۔ میرا نام دلاور ہوگا۔ تم آسانی سے مجھ سے رابطہ کر لو گے۔''

''گائیڈ پر تمہیں پورا بھروسا ہے؟'' اس نے سوال کیا۔ ''وہ تمہیں دھوکا تو نہیں دے گا؟''

''ہمیں یہاں پہنچے ہوئے چند گھنٹے ہوئے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ ہمیں دغا نہیں دے گا۔''

''تمہارے اندازے غلط نہیں ہوتے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں تم سے کیا کہوں۔ تم یہاں سے بچنے کے لیے نکلے تھے لیکن تم نے ایک ایک کر کے تین پہاڑ گرا دیے۔ سوبھراج، راجن اور اب تم نے گیری کی خبر دی ہے۔ یہ تمہاری افسانوی کامیابیاں ہیں۔''

''میں نے کبھی یہ سب نہیں سوچا۔ ہدف سامنے آتا ہے اور میں سنبھل کر وار کر دیتا ہوں۔ یہ قدرت کی مہربانی ہے کہ کامیابی میرا مقدر بن جاتی ہے۔ شاید تمہیں یہ جان کر خوشی ہو کہ غزالہ ماں بننے کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔''

''مبارک ہو!'' اس کی آواز بے ساختہ تھی۔ ''میں نے اس بارے میں تم سے کبھی بات نہیں کی مگر یہ سوچتا ضرور تھا کہ تم اب تک لاولد کیوں ہو...... یہ کب کی خبر ہے؟''

وہ میرا ہمدرد دوست اور بہی خواہ تھا۔ میں نے اس کی بھرپور خوشی کا احساس کرتے ہوئے کہا۔ ''خبر کچھ پرانی ہے جو دونوں عورتوں تک محدود تھی۔ مجھے گیری کی موت کے بعد مجبوراً یہ بات بتائی گئی ہے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ پیدائش کے لیے اپنے وطن کا سایہ نصیب ہوتا ہے یا وہ پیدائشی جلاوطن ہوگا۔''

''ایسی باتیں نہ کرو!'' جلال کی آواز میں عجیب سی تڑپ سمٹ آئی۔ ''مایوسی کفر ہے، میں اپنی سرتوڑ کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو تم جلد واپس آؤ گے۔''

''ذرا ایک اور معاملے کے لیے تیار رہنا۔ ویرا مسلمان ہوگئی ہے۔ سلطان شاہ اس سے شادی کرنے کے بارے میں تذبذب کا شکار ہے۔'' میں نے اس سے وہ آخری بات بھی کہہ ڈالی۔ ''اس نے سارا بوجھ بار تمہارے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔ وہ تمہارے مشورے سے اپنا فیصلہ بتائے گا۔''

''یہ دوسری بڑی خوش خبری ہے کہ وہ مسلمان ہوگئی ہے۔ کیا سلطان شاہ کو قبول کر لے گی؟''

''اسے میں راضی کر لوں گا۔'' میں نے اس پر ویرا کا بھرم برقرار رکھنے کے لیے کہا۔ ''وہ مجھے اپنا سرپرست تسلیم کر چکی ہے۔''

''اگر میری معلومات غلط نہیں ہیں تو اس سے تمہاری گہری دوستی ہوا کرتی تھی۔''

''وہ سب ماضی کی بھولی ہوئی کہانیاں ہیں۔ ہر فریق انہیں فراموش کر دینے پر آمادہ ہے۔'' میں نے ہلکی سی خفت کے ساتھ وضاحت کی۔

''تم مجھ سے سلطان شاہ کو کیا مشورہ دلوانا چاہتے ہو؟''

''وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ ان کی زندگی بہت خوشگوار گزرے گی۔ میری دلی خواہش ہے کہ تم اس کارِ خیر میں شریک ہو جاؤ۔''

''سلطان شاہ سے کبھی میری زیادہ بے تکلفی نہیں رہی۔ مجھے حیرت ہے کہ اس نے اتنے بڑے فیصلے کی ذمے داری میرے اوپر کیوں ڈال دی؟''

''سب موجود تھے، تم نہیں تھے۔ اس نے وقت حاصل کرنے کے لیے تمہارا نام لے دیا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''یوں سمجھ لو کہ وہ ایک ڈھلان پر اٹکا ہوا بڑا سا پتھر ہے، تم ذرا سا اشارہ کرو گے اور وہ نیچے لڑھکتا چلا جائے گا۔ بے یقینی کے حصار سے باہر آنے کے لیے اسے کسی بیرونی سہارے کی ضرورت ہے۔''

''تم فکر نہ کرو۔ میرا بس چلا تو میں وہیں ان دونوں کا نکاح پڑھوا دوں گا۔ دعا کرو کہ میں آج رات تک نوم پنہہ پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں۔''

''یہ یاد رکھنا کہ پاسپورٹ ملنے کے بعد ہم وہاں نہیں

رکیں گے۔ پہلی پرواز سے کہیں بھی نکل جائیں گے۔ ڈان نے راجن کے خاتمے کے بعد بہت تیزی سے طاقت پکڑی ہے۔ میں اس کے حرکت میں آنے سے پہلے اس علاقے کو خیر باد کہہ دینا چاہتا ہوں۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔ تم محسن کش نہیں ہو۔ بنکاک میں ڈان نے تمہیں بہت سہارے فراہم کیے ہیں۔ اس سے ٹکراؤ کی نوبت آ گئی تو تم اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکو گے۔''

''بس اتنی سی بات ہے۔'' میں نے خوش دلی سے اس کی دلیل مان لی۔ ''ورنہ ڈان کا قرب حاصل کرنے کے بعد اس پر کسی بھی وقت بے خبری میں وار کیا جا سکتا تھا۔''

''یہ شیر دل مردوں کی نشانیاں ہوتی ہیں۔ وہ دشمن کو بخشتے ہیں نہ اپنے محسن کو ڈستے ہیں۔ تم نے بھی ڈان کی بہت مدد کی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے کوئی موقع ملا تو شاید وہ تمہارے ساتھ ایسی کشادہ دلی کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔''

''میں اسی بات سے ڈر رہا ہوں اسی لیے جلد از جلد اس علاقے سے باہر نکل جانا چاہ رہا ہوں۔'' میں نے افسردگی سے کہا۔

جلال نے ایک مرتبہ پھر نوم پنہہ میں ملنے کا وعدہ کیا اور ہمارے درمیان گفتگو ختم ہو گئی۔

نان فینگ اس اعتبار سے مجھے شریف النفس آدمی نظر آیا کہ مجھے تخلیہ فراہم کرنے کی نیت سے اس نے اکیلا چھوڑ دیا تھا اور زمین میں گڑے ہوئے ایک شہتیر سے ٹیک لگائے سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔ اس کی خالی خالی نگاہیں گودام نما دکان میں ہونے والی سرگرمیوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ مجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم دونوں ایک مرتبہ پھر بیٹھک نما کمرے سے گزر کر عقبی احاطے میں جا نکلے۔

ٹچیرو سے نکالے گئے سامان کی کھیپ لے کر ٹھیلا غائب ہو چکا تھا۔ دولٹ کے انجن نکالنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ایک شخص کہیں سے ٹرالی پر لدے ہوئے سلنڈر لے آیا تھا اور گیس کٹر کے ذریعے ٹچیرو کی باڈی کاٹنے میں مصروف تھا۔

''تمہارے آدمی اپنے کام میں بہت ماہر ہیں۔'' میں نے تعریف کی۔

''یہ جانتے ہیں کہ انہوں نے پھرتی اور صفائی سے کام نہ کیا تو میں ان کی جگہ دوسرے آدمی رکھ لوں گا۔'' اس نے بتایا۔ ''یہاں بے روزگاری ایک عذاب ہے۔ اس علاقے میں کوئی صنعت ہے نہ تجارت۔ نوکریاں بہت مشکل سے ملتی ہیں۔ زراعت اور گلہ بانی سے سب کا گزارا نہیں ہو سکتا۔ سیاحوں کی آمد و رفت بڑھے تو یہاں کے مسائل حل ہوں۔ اس وقت تک سرحد پار سے آنے والے مال پر گزر بسر ہوتی رہے گی۔ اپنا کاروبار چلتا ہے، ان کی روزی بھی لگی رہتی ہے۔''

وہ سفر کے لیے تیار ہو کر آیا تھا۔ اس کے ایما پر ہم نے اپنا قلیل سا سفری سامان سمیٹا اور اس کی دکان سے ہوتے ہوئے ہم سڑک کی سمت میں باہر نکل آئے جہاں اسٹور کی دیوار کے سائے میں ایک اسٹیشن ویگن کھڑی ہوئی تھی۔ نان فینگ کے پاس ملازموں کی کمی نہیں تھی۔ وہ گاڑی خوب چمک رہی تھی۔ وہاں نظر آنے والے مرد و زن ہم سے بالکل بے گانہ نظر آ رہے تھے۔ کسی کو اس بات سے دلچسپی نہیں تھی کہ ہماری ٹچیرو کہاں گئی یا ہم نان فینگ کی گاڑی کی طرف کیوں جا رہے ہیں۔

''تم لوگوں کے پاس کوئی ہتھیار بھی ہے؟'' نان فینگ نے اپنی کرولا کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے کے بعد اچانک مجھ سے سوال کیا۔

وہ ٹیڑھا سوال تھا میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا۔ ''حفاظت کے خیال سے ایک پستول لیتے آئے تھے۔''

''میں دیکھے بغیر اس کے پچاس ڈالر دے سکتا ہوں۔'' اس نے پیش کش کی۔

''کیا یہاں کوئی مقامی کرنسی نہیں ہوتی؟'' میں نے پوچھا۔ ''تم ڈالروں میں لین دین کے بہت زیادہ عادی معلوم ہوتے ہو۔''

''ڈالر اعتبار والی اور بڑی کرنسی ہے۔'' اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہاں ریئل چلتا ہے۔ وہ ایک ڈالر میں تقریباً چار ہزار ہوتے ہیں۔ ذرا سی چیز لاکھوں کی ہو جاتی ہے۔ مزہ نہیں آتا۔ یہاں ڈالر ریئل سے زیادہ مقبول ہیں۔ دونوں کرنسیاں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔''

بات بدل گئی تھی۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ چند ثانیوں بعد اس نے مجھے ٹوکا کہ میں نے پستول کے بارے میں اس کی پیش کش کا جواب نہیں دیا۔

''فی الحال اسے ہمارے پاس رہنے دو۔ نوم پنہہ پہنچ کر وہ تمہیں مفت میں مل جائے گا۔ ہماری طرف سے تحفہ سمجھ کر قبول کر لینا۔'' میں نے ہنس کر ایسا جواب دیا کہ وہ دورانِ سفر ہمیں نہتا کرنے کے بارے میں دوبارہ نہ سوچ سکے گا۔ اس راستے کے بارے میں جلال کی وارننگ نے مجھے نان فینگ کی طرف سے چوکنا کر دیا تھا۔ ڈالروں کے معاملے میں وہ بہت حریص نظر آ رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ اس کے دیے ہوئے کم از کم

چار ہزار ڈالر ہماری تحویل میں موجود تھے۔ اس خطیر رقم پر اپنا قبضہ جمانے کے لیے وہ راستے میں بھی کوئی گھٹیا حرکت کر سکتا تھا۔

گاڑی اپنے پیچھے دھول اڑاتی ہوئی آگے بڑھی اور سڑک پر چڑھ گئی۔

سیسوپھون زیادہ بڑا قصبہ نہیں تھا۔ ذرا سی دیر میں ہم نے آبادی کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ہمارے سامنے شاندار سڑک پھیلی ہوئی تھی۔ قصبے میں بیٹھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ اس سے ذرا آگے ایک عمدہ شاہراہ ہوگی۔

دورانِ سفر ہم نے درختوں کے تنوں سے اوپر تک لدے ہوئے کئی بھاری بھرکم ٹرکوں کو اوورٹیک کیا۔ نان فینگ نے بتایا کہ جنگلات کی لکڑی کمبوڈیا کی اہم قدرتی پیداوار میں شامل ہے۔ مرطوب موسم اور زرخیز زمین کے سبب ملک میں جنگلات کا تناسب بہت زیادہ ہے۔

راستے میں دائیں بائیں بہت سے یکساں بورڈ دیکھ کر میں نے اس سے استفسار کیا تو پتا چلا کہ وہ بارودی سرنگوں کے بارے میں وارننگ دینے کے لیے لگائے گئے تھے۔ ویت نام کی طویل جنگ اور کمبوڈیا کی خانہ جنگی کے دوران اس ملک کے جنگلات اور گزرگاہوں میں دونوں فریقوں کی طرف سے بے شمار بارودی سرنگیں بچھائی گئی تھیں جنہیں تلاش کر کے ناکارہ بنانے کا کام کئی عشروں سے جاری تھا۔ ہدایت کو نظر انداز کرنے والے آئے دن ان سرنگوں کی زد میں آکر ہلاک ہوتے رہتے تھے۔

ان سرنگوں کو پھیلانے پر آنے والی لاگت بہت قلیل ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں انہیں تلاش کر کے ناکارہ بنانے پر سو سے ہزار گنا تک لاگت آتی ہے۔ جدید وسائل دستیاب ہونے کے باوجود ان کا سراغ لگانا آسان نہیں ہوتا۔ انہیں تلاش کرنے والے بھی ان کی زد میں آکر مارے جاتے ہیں۔

چاؤ فان کے مقابلے میں نان فینگ کم گو تھا مگر اسے بھی تیز رفتاری کا شوق تھا۔ اسٹیئرنگ پر اسے مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ ہم میں سے کوئی اس کی تیز رفتاری پر معترض نہیں ہوا۔ یہ اچھی بات تھی کہ ہم دن کے اجالے میں اپنا سفر مکمل کر لیتے۔

میں نے اس دوران میں ان تینوں کو اپنی اور جلال کی تازہ ترین گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ راستے میں چھوٹی بڑی بستیاں آتی اور تیزی سے گزرتی رہیں۔ نان فینگ نے چائے نوشی وغیرہ کے لیے کہیں رکنے کے بارے میں پوچھا تو ہم چاروں نے یک زبان ہو کر انکار کر دیا۔ سب کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ ہمارا جلد از جلد نوم پنہ پہنچنا ضروری تھا۔

میرے ذہن میں یہ نکتہ بھی موجود تھا کہ سفر کے تسلسل میں نان فینگ ہمارے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں کر سکتا تھا۔ راستے میں رکنے کی صورت میں اسے آسانی سے کوئی شرارت کرنے کا موقع مل جاتا۔ اس نے مجھ سے ابتدا میں لڑکیوں کی خریداری کے بارے میں سوال کر کے اپنی ساکھ بگاڑ لی تھی۔ بردہ فروشی جیسا گھناؤنا کام کرنے والا بے ضمیر شخص دو چار ہزار ڈالروں کے لیے کسی کی بھی جان کو خطرہ بن سکتا تھا۔

تقریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد اس نے ایک ویران جنگل کے درمیان سے گزرتے ہوئے گاڑی کی رفتار دھیمی کی تو میرے کان کھڑے ہو گئے۔ مجھے شبہ ہوا کہ اس نے اپنی طویل خاموشی میں ہم سے ڈالر ہتھیانے کی کوئی تدبیر سوچ لی تھی۔ میں چوکنا ہو گیا۔

''کیا بات ہے...... گاڑی کیوں روک رہے ہو؟''

گاڑی سڑک سے اترتے ہی میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''دو منٹ میں پیشاب کر کے آتا ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

اس فطری عذر پر کوئی اعتراض بے سود تھا۔ اس نے گاڑی کنارے سے روک کر انجن بند کیا اور اتر کر جنگل کی طرف بڑھ گیا۔

میں اگلی سیٹ پر اس کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں بھی اپنی جگہ چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ میں اسے ایسا کوئی موقع نہیں دینا چاہ رہا تھا جس پر مجھے بعد میں پشیمان ہونا پڑے۔

''تم کہاں چلے آ رہے ہو...... میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا!'' مجھے اپنے پیچھے آتا ہوا دیکھ کر اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

''میری اور تمہاری حاجات مشترک ہیں۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

وہ جھلائے ہوئے انداز میں اپنا سر جھٹک کر قریبی جھاڑیوں کی طرف مڑ گیا۔ اس وقت میں نے اس کی ٹی شرٹ کے نیچے ایک واضح ابھار دیکھا۔ اس نے اپنی پشت پر پتلون کی بیلٹ میں کوئی خودکار ہتھیار اڑسا ہوا تھا جس کا دستہ ٹی شرٹ کے نیچے چھپا ہوا تھا۔

جھاڑیوں کے پاس رک کر اس نے پہلو بدلا۔ میری نظریں اسی پر مرکوز تھیں جوں ہی اس نے چھپا ہوا ہتھیار نکالنے کے لیے اپنی ٹی شرٹ کے نیچے ہاتھ ڈالا میں نے نہایت سرعت سے جست لگا کر اسے وہیں دبوچ لیا۔

وہ میری طرف سے کسی کارروائی کے لیے بڑی حد تک

تیار تھا لیکن اسے میری بے خوف پیش قدمی کا اندازہ نہیں تھا۔ اس کے کامیاب ہونے سے پہلے میں نے اس کی پشت سے چھوٹے بور کا خود کار پستول نکال کر اپنے قبضے میں لے لیا۔

''یہ کیا حرکت ہے...... میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔'' وہ میری مضبوط گرفت سے نکلنے کے لیے مچلتے ہوئے بھنّا کر غرایا۔ وہ منظر دیکھ کر تینوں پھرتی سے گاڑی سے نیچے آ گئے۔

نان فینگ کو غیر مسلح کرتے ہی میں نے چھوڑ دیا اور کہا۔ ''یہ کھلونا خوبصورت ہے نوم پنہہ پہنچ کر تمہیں اپنے پستول کے ساتھ لوٹا دوں گا۔''

''مجھے ایسا مذاق پسند نہیں، یہ مجھے لوٹا دو!'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں نے یہ نہ چھینا ہوتا تو اب تک تم ہمیں اس کی زد پر لے چکے ہوتے۔'' میں نے زہریلے لہجے میں جواب دیا۔ ''اب یہ میرے پاس رہے گا۔''

''تمہارا دماغ چل گیا ہے۔'' وہ غرایا۔ ''میں نے اسے ٹٹول کر اس کی موجودگی کا اطمینان کرنے کی کوشش کی اور تم مجھ سے لپٹ پڑے...... میری نیت خراب ہوتی تو میں تمہیں سیسو پھون میں ایک ڈالر بھی نہ دیتا۔ گاڑی چھین کر تمہیں سرحدی پولیس کے حوالے کر دیتا۔''

''میں نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔ تم خود اپنے ذہن کا زہر اگل رہے ہو۔'' میں نے زہر خند لہجے کے ساتھ کہا۔ ''تم ضرور ایسا کرتے لیکن تمہیں اندیشہ تھا کہ سرحدی پولیس تم سے بھاری حصہ طلب کرے گی اور تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔''

''تم بلاوجہ میری طرف سے بدگمان ہو رہے ہو۔'' چند ثانیوں کے توقف میں وہ سنبھالا لے کر تحمل سے بولا۔ ''میری نیت خراب نہیں ہے۔ میں ہمیشہ مسلح ہو کر سفر کرنے کا عادی ہوں......''

''اب تمہارے بجائے ہم مسلح ہیں۔'' میں نے درشت لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ ''شرافت سے واپس چلو اور گاڑی چلاؤ ورنہ میں تمہیں گولی مار کر یہیں پھینک دوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ سڑک سیدھی نوم پنہہ جاتی ہے۔ تمہاری طرح ہم بھی سیدھے لوگ نہیں ہیں۔ مار دھاڑ کی نوبت آ گئی تو تم ہم سے بہت پیچھے رہ جاؤ گے۔''

اس نے لمحہ بھر کے لیے خاموش رہ کر میری دھمکیوں کے وزن کا اندازہ کیا پھر سر جھٹک کر گاڑی کی طرف واپس ہو لیا۔

اس ہنگامے میں وہ یہ بھول چکا تھا کہ اس نے پیشاب آنے کا بہانہ کر کے گاڑی روکی تھی۔ میں نے بھی اس بارے میں کوئی طنز کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ اس بار گاڑی میں چھائی ہوئی خاموشی میں کشیدگی کا عنصر شامل ہو گیا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ میں نے بروقت مداخلت کر کے نان فینگ کے عزائم کو ناکام بنا دیا۔ اسے کھل کر ہمارے سامنے آنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اس نے شک کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وضاحتوں کی آڑ لے لی۔ وہ گاڑی چلاتے ہوئے بار بار یوں سر جھٹک رہا تھا جیسے دل ہی دل میں کچھ بول رہا ہو۔

مجھے ڈر تھا کہ اس ہلکے سے تصادم کے نتیجے میں اس کے دماغ پر بغض سوار ہو گیا تو وہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کر دے گا۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ ہم چوری کی کار میں، کسی قسم کی سفری دستاویزات کے بغیر تھائی لینڈ سے کمبوڈیا میں داخل ہوئے تھے۔ نوم پنہہ پہنچ کر وہ ہم سے بدلہ لینے کے لیے وہ باتیں کسی پولیس افسر تک پہنچا دیتا تو ہم کمبوڈیا میں غیر قانونی داخلے اور قیام کے جرائم میں سیدھے حوالات میں پہنچائے جا سکتے تھے۔

میں نے اس کی طمع کا فائدہ اٹھا کر اسے رام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''تم خود سے کیا باتیں کیے جا رہے ہو۔'' میں نے اس سے کہا۔ ''تمہارا دل صاف ہے تو آنکھ ملا کر مجھ سے بات کرو۔''

''تم سے آنکھ ملائی تو گاڑی بل دار سڑک سے کہیں بھی اتر جائے گی۔'' اس نے تلخی سے جواب دیا۔ ''میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ تم نے سنگین غلطی کی ہے۔''

''پھوم فاٹ کو یہ جان کر صدمہ ہو گا کہ تم نے ہمیں لوٹنے کی کوشش کی تھی۔''

''تم غلط کہہ رہے ہو۔ میرا ایسا ارادہ نہیں تھا۔''

''کیا یہ حقیقت نہیں کہ تم نے جس بہانے سے گاڑی روکی تھی اسے پورا نہیں کیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تمہارا مثانہ پھٹنے کے قریب ہے۔'' میں نے تلخی کے بجائے ناصحانہ انداز میں کہا۔

''دیکھو نان فینگ! ہمارے لیے ڈالر ہاتھ کا میل ہیں۔ زندگی بھر کماتے اور اڑاتے رہے ہیں۔ تم مجھ سے مانگ لیتے تو میں پورے چار ہزار ڈالر تمہیں لوٹا دیتا۔''

''تم ایسے ہی سخی ہو!'' وہ جل کر بولا۔ ڈالروں کا ذکر آتے ہی اس کی ذہنی رو بہک گئی۔ اس نے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کے بجائے میری سخاوت کو ہدف بنا لیا۔

''مانگ کر دیکھو، تمہیں میری سخاوت کا علم ہو جائے

گا۔"

"لاؤ کیا دے رہے ہو؟" اس نے تحقیر آمیز انداز میں اپنا ایک ہاتھ میرے آگے پھیلا دیا۔ جیسے اسے مجھ سے ایک کوڑی بھی ملنے کی امید نہ ہو۔

میں نے اس کا دیا ہوا لفافہ اپنی جیب سے نکال کر خاموشی سے اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

"کیا تم یہ رقم واقعی مجھے دے رہے ہو؟" اس نے لمحہ بھر کے لیے میری طرف دیکھ کر حیرت سے سوال کیا۔ "یہ سب میری ہے۔"

"یہ میری طرف سے خیر سگالی کا اظہار ہے۔ دو ہزار تم لے لو، دو ہزار مجھے لوٹا دو۔ میں سمجھ لوں گا کہ پجیرو کا سودا دو ہزار ڈالر میں ہوا تھا۔ دو پستول تمہیں نوم پنہہ میں مل جائیں گے۔"

"پھوم فاٹ کبھی نہیں مانے گا کہ میں نے تمہاری لائی ہوئی گاڑی اتنے کم داموں میں خریدی ہوگی۔" اس نے ڈالروں کا لفافہ اپنی گود میں رکھ لیا مگر اسے شک تھا کہ مفت کی وہ رقم اسے ہضم نہیں ہو سکے گی۔" وہ اس علاقے میں پجیرو کی مارکیٹ سے واقف ہے۔"

"گاڑی اس کی تھی نہ پیسا اس کو پہنچے گا۔" میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "گاڑی میں نکال کر لایا۔ یہ سودا یہیں ختم سمجھو۔ قسمت نے ساتھ دیا تو پھر بہت کما لوں گا۔ اس کے بعد تم نے ذرا سی بھی گڑبڑ کی تو یاد رکھنا کہ تم پاتال میں بھی مجھ سے نہیں بچ سکو گے۔"

اس نے رقم کا لفافہ اپنی گود سے اٹھا کر میری طرف بڑھا دیا۔ "میں گاڑی چلا رہا ہوں۔ تم اسے دو جگہ بانٹ لو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ میں نے پہلے کوئی گڑبڑ کی تھی نہ اب کروں گا۔"

دو ہزار ڈالر مفت میں ہاتھ آتے ہی اس کا موڈ بحال ہو گیا۔ بقیہ سفر کے دوران میں نے اندازہ لگایا کہ وہ نوم پنہہ میں ہمارے لیے کوئی دشواری پیدا نہیں کرے گا۔

سورج ڈھلنے سے کافی پہلے ہم نوم پنہہ کی حدود میں داخل ہو گئے۔ راستے میں آنے والی کمبوڈین آبادیوں اور بستیوں کے برعکس اس شہر کی رونق اور شادابی بہت نمایاں تھی۔ وہاں آسمان کو چھو لینے والی عمارتیں نہیں تھیں لیکن شہر کے مضافات میں قدیم اور جدید طرز کے امتزاج سے بنی ہوئی ایک اور دو منزلہ عمارتوں سے مکینوں کی ثروت اور سلیقے کا اظہار ہو رہا تھا۔

نوم پنہہ پہنچنے کے بعد بھی نان فینگ اصرار کرتا رہا کہ ہم کوئین ہوٹل میں قیام کریں لیکن میں نے صاف الفاظ میں اسے بتا دیا کہ ہم اوسط درجے کے کسی ہوٹل میں عام لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہنا چاہتے تھے تاکہ کسی کی خصوصی توجہ کا مرکز نہ بن سکیں۔

شہر کے مرکزی حصے میں پہنچ کر اس نے ایک بارونق بازار میں گاڑی روک دی۔ وہاں ایک قطار میں کئی ہوٹل نظر آرہے تھے جن کے سائن بورڈ پر مقامی زبان کے ساتھ انگریزی بھی نظر آرہی تھی۔

نان فینگ ہمیں ہوٹل تک پہنچانے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اسے بمشکل تمام وہیں سے رخصت کر دیا۔ بدلے ہوئے حالات میں، میں ایک لمحے کے لیے بھی ایسے کسی ہوٹل میں رکنا نہیں چاہ رہا تھا جہاں تک نان فینگ کی رسائی ممکن ہو۔

ہم ٹہلنے والے انداز میں فٹ پاتھ کی بھیڑ میں شامل ہو گئے۔

کمبوڈیا کا شمار مشرق بعید کے پس ماندہ اور غریب ملکوں میں ہوتا ہے مگر وہاں ہر سال غیر ملکی سیاح قدرتی مناظر اور مقامی معاشرت سے لطف اندوز ہونے کے لیے آتے ہیں۔ اس وقت بھی پستہ قامت اور دبلے پتلے مقامیوں میں لمبے تڑنگے اور جسیم امریکیوں کے ساتھ یورپ کے مختلف خطوں کے مرد و زن بھی موجود تھے۔ امریکیوں کے لیے دو عشروں پر محیط ویت نام کی جنگ کے حوالے سے اس پورے خطے کے چپے چپے پر یادگاریں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس جنگ سے زندہ لوٹنے والے ہزاروں امریکی سپاہی اپنے جوان بچوں کو وہ جگہیں دکھانے لاتے ہیں جہاں انہوں نے اپنی جوانی میں امریکا کے وقار کو بچانے کے لیے ایک بہت لمبی جنگ لڑی اور آخر کار شکست کا داغ لے کر رخصت ہونے پر مجبور ہو گئے۔

اس بھیڑ کے ساتھ خراماں خراماں بڑھتے ہوئے جب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ نان فینگ اس علاقے سے رخصت ہو گیا تو میں ٹیکسی لینے کے لیے فٹ پاتھ کے کنارے آ گیا۔

بنکاک کے خالص مشینی ٹریفک کے مقابلے میں نوم پنہہ کا ٹریفک ملا جلا تھا۔ وہاں سائیکل رکشا کی کثرت تھی جنہیں نحیف و ناتواں جسم پوری مشقت سے کھینچتے ہیں۔ خال خال دو پہیوں والے ہاتھ رکشا بھی نظر آرہے تھے جنہیں آدمی دونوں بازوؤں سے کھینچ کر دوڑتے ہیں۔

مجھے زیادہ دیر تک ان مظاہر کا مشاہدہ نہیں کرنا پڑا۔ ذرا سے اشارے پر ایک خالی ٹیکسی ہمارے قریب آ رکی۔ میں کوئین ہوٹل کا نام لے کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ تینوں پیچھے سوار ہو گئے۔ ڈرائیور نے میٹر گرایا اور ٹیکسی چل دی۔

''میرے اوپر کیوں سوار ہو رہے ہو، ذرا الگ بیٹھو!''
ویرا کا وہ شکوہ سن کر میں نے پیچھے دیکھا تو صورت حال دلچسپ تھی۔ ویرا دونوں کے درمیان پھنسی ہوئی تھی۔
''بگڑ کیوں رہی ہو...... یہاں جگہ ہی تنگ ہے۔''
سلطان شاہ نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں اپنی صفائی پیش کی۔
''معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی جسامت کے لحاظ سے نشستیں بنوائی ہیں۔ ملنے جلنے کی بھی گنجائش نہیں ہے۔''
''پھنس کر بیٹھ گئے ہو تو ذرا اپنے ہاتھ پیروں پر قابو رکھنا۔'' ویرا نے ناگواری سے کہا۔ ''مجھے کہنی لگی تو دروازہ کھول کر تمہیں نیچے اتار دوں گی یا خود اتر جاؤں گی۔''
''دماغ ٹھنڈا رکھو!'' میں نے ویرا سے کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی ہوا تمہیں راس نہیں آئی۔ نان فینگ کی گاڑی میں بھی تم تینوں پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت تمہیں کسی سے شکایت نہیں ہوئی۔ صبر سے کام لو، سفر چند منٹ میں ختم ہو جائے گا۔''
میری مداخلت پر ان دونوں کے درمیان جنگ بندی ہو گئی۔
ٹیکسی کافی دیر تک شہر کی بھری پری سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ اس دوران میں، میں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ موٹر سائیکل سوار جا بہ جا مسافروں کو ان کی منزل تک لے جا رہے تھے۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ اس علاقے کے بعض بڑے شہروں میں موٹر سائیکل ٹیکسی کا سسٹم رائج تھا۔ اکیلے مسافروں کے لیے وہ سواری تیز اور با کفایت ثابت ہوتی تھی۔
کافی دیر بعد ٹیکسی رک گئی۔ میں نے میٹر دیکھ کر رئیل کو چار ہزار سے تقسیم کیا اور پانچ ڈالر کا ایک نوٹ ڈرائیور کے حوالے کر دیا۔ وہ ہمیں اتارتے ہی تیزی سے رفو چکر ہو گیا۔ میں نے فٹ پاتھ پر آ کر گرد و پیش پر نگاہ ڈالی تو میری کھوپڑی ناچ اٹھی۔ چند سو گز کے فاصلے پر ہمیں ہوٹلوں کی وہ قطار نظر آ رہی تھی جس کے قریب نان فینگ نے ہمیں اتارا تھا۔
ٹیکسی ڈرائیور نے ہماری لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر ہمیں بلاوجہ سڑکوں پر گھمایا اور کرایے کی رقم کے ساتھ ٹپ کی رقم بھی لے اڑا۔ وہ سیر و سیاحت کا ایک حصہ تھا۔ اجنبی شہروں کا سفر کرنے والوں کو عام طور پر اپنی بے خبری کا بھاری خراج ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس پر اپنا خون جلانا بے سود تھا۔
کوئین ہوٹل واقعی صاف ستھرا اور کشادہ تھا۔ عمارت کل چار منزلوں پر محیط تھی۔ اندر گھستے ہی ہم سب کی طبیعت خوش ہو گئی۔

کاؤنٹر پر ہم نے برابر کے دو ڈبل روم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی جو پوری کر دی گئی۔ خوش شکل لڑکی نے اندراج کے لیے فارم آگے کھسکائے تو میں نے مسٹر اور مسز دلاور لکھ کر اپنے دستخط کر دیے۔ ویرا نے تیکھی نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور الٹے سیدھے دستخط کر کے فارم دوبارہ میری طرف سرکا دیا۔ وہ سمجھے بوجھے بغیر خود کو کوئی نام نہیں دینا چاہتی تھی۔
میں نے ان کے فارم پر مسٹر اینڈ مسز شا کا اندراج کر کے فارم لوٹائے تو لڑکی نے دیگر کوائف کے لیے ہمارے پاسپورٹ طلب کیے۔ میں اس نازک مرحلے کے لیے تیار تھا۔ میں نے بے پروایانہ انداز میں اسے بتایا کہ ہمارے پاسپورٹ وغیرہ ہمارے پانچویں ساتھی کے پاس تھے جو ایک دو روز میں نوم پنہ پہنچنے والا تھا۔
میں نے اس سوچے سمجھے جواب کے ذریعے لڑکی کو یہ پیغام دینے کی کوشش کی تھی کہ ہم سب اس کے ہوٹل میں کئی دنوں کے قیام کے ارادے سے آئے تھے اس لیے وہ ہم سے ایسا کوئی مطالبہ نہ کرے جو وہاں سے ہماری واپسی کا سبب بن جائے۔
لڑکی ذہین اور اپنے کام میں ہوشیار تھی۔ اس نے ایک ادا سے مسکرا کر نیور مائنڈ کہا پھر گزارش کی کہ ہم اپنے پانچویں ساتھی کے آتے ہی اپنے اندراجات ضرور مکمل کرا لیں۔
اس نے پورٹر کو چابیاں دیں اور ہم لفٹ کے ذریعے چوتھی منزل پر اپنے کمروں میں پہنچ گئے جہاں ہر شے سے نفاست اور آرام کے قرینوں کا اظہار ہو رہا تھا۔
پورٹر کے جاتے ہی سلطان شاہ ہمارے کمرے میں گھس آیا۔ ویرا اس کے پیچھے پیچھے تھی۔
''یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔'' وہ آتے ہی برہمی کے لہجے میں بولا۔ ''میں روزی کے ساتھ ایک کمرے میں ہرگز نہیں رہ سکتا۔ میں فٹ پاتھ پر یا کسی پارک میں رات گزار لوں گا......''
''روزی نہیں، اب اس نام کو بھول جاؤ۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''پچھلے نام ہم بنکاک میں چھوڑ آئے ہیں۔''
''ہاں، اب میرے اور تمہارے نام مسٹر اور مسز شاہ ہیں!'' ویرا نے شاہ کے صحیح مخرج پر زور دیتے ہوئے لقمہ دیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ ''یہ نام دلاور نے دیے ہیں۔''
''یہ ہرگز نہیں ہو سکتا...... میں ابھی نیچے جا کر نام بدلواتا

ہوں۔“

”بھول کر بھی ایسی حماقت نہ کرنا۔ ہم مشتبہ ہو جائیں گے۔“ میں نے سختی سے سمجھایا۔ ”خدا کا شکر ادا کرو کہ ہمیں پاسپورٹوں کے بغیر اس ہوٹل میں جگہ مل گئی۔“

”تم نے اسے میری مسز کیوں لکھوایا؟“ وہ بدستور بگڑا ہوا تھا۔ ”میں ایسا مذاق پسند نہیں کرتا۔“

”تم گھامڑ ہو!“ مجھے اس پر غصہ آ گیا۔ ”وہ شاہ نہیں انگریزی والا شا ہے، ایس ایچ اے ڈبلیو..... کچھ آیا تمہاری سمجھ میں! فارم میں لکھنے سے کوئی قیامت نہیں آ گئی۔ عملاً تم دونوں اب بھی ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہو۔ اس پر اتنا بگڑنے کی کیا ضرورت ہے؟“

میرا لہجہ بلند ہوا تو سلطان شاہ دھیما پڑ گیا۔ ”مان لیا کہ فرضی ناموں سے کچھ نہیں ہوتا لیکن تم کو میرے لیے الگ کمرا لینا چاہیے تھا۔ تین کے بجائے دو کمرے لینے کی کیا تک تھی؟“

”ضرورت ہوتی تو میں چار کمرے بھی لے لیتا۔ تمہیں ویرا کے ساتھ رہنے پر اعتراض ہے تو غزالہ وہاں چلی جائے گی، تم میرے کمرے میں سو لینا!“

”ابھی تم مسٹر شا کو میرا پچھلا نام لینے پر تادیب کر رہے تھے اب خود سب کے اصل نام لے رہے ہو۔ یہ کون سی منطق ہے؟“ ویرا نے سوال کیا۔ وہ اس وقت سلطان شاہ کو اشتعال دلانے پر تلی ہوئی تھی۔

”اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ!“ میں نے اسے گھور کے کہا۔ ”وہ غصے میں نام لے رہا تھا۔ میں نے سوچ سمجھ کر بات واضح کرنے کے لیے نام لیے ہیں۔ ہوش و حواس میں رہ کر ہم آپس میں کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ آپے سے باہر ہو کر ہم نے غلط موقع پر کوئی غلط بات کہہ دی تو مصیبت آ جائے گی۔“

”مسٹر شا! سن لیا تم نے؟“ ویرا نے چڑانے والے انداز میں سلطان شاہ سے کہا۔ ”یہ فرمانِ امروز ہے۔ اسے ذہن نشین کر لو۔“

”یہ نہ بھولو کہ تمہاری یہ باتیں میرے فیصلے پر اثر انداز ہو سکتی ہیں!“ سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں ویرا کو دھمکی دی۔

”اب تو فیصلہ جلال ہی کرے گا۔ تم اپنی بے بضاعتی تسلیم کر چکے ہو۔“ اس نے بے پروائی سے کہا۔

”مجھے بتایا جائے کہ کون سا کمرا میرا ہے۔“ وہ منہ پھیر کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ”میں اس ماحول میں زیادہ دیر رکا رہا تو میرا سر پھٹ جائے گا۔“

”آؤ، ہم اپنے کمرے میں چلتے ہیں۔“ ویرا نے غزالہ کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے ساتھ لے کر دروازے کی طرف چل دی۔

”وہ جب چاہتی ہے بہت آسانی سے تمہارا خون کھولا دیتی ہے۔“ تخلیہ ہونے پر میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ ”تم اسے نظر انداز کیوں نہیں کر دیتے۔“

”اسے نظر انداز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔“ وہ بے بسی سے بولا۔ ”اس نے پورٹر کے جاتے ہی اول فول بکنا شروع کر دیا اور میں گھبرا گیا۔ میں اس کے ساتھ کچھ دیر اور رکا رہتا تو وہ دباؤ ڈال کر مجھ سے نہ جانے کیا کہلوا لیتی۔“

سلطان شاہ جیسے ذہین اور ہوشیار آدمی کی زبان سے وہ احمقانہ جواب سن کر میں بہ مشکل اپنی بے ساختہ ہنسی روک سکا۔ ویرا کا کمال یہی تھا کہ وہ کسی زیرک ترین آدمی کو بھی ذرا سی دیر میں ذہنی فتور میں مبتلا کر سکتی تھی۔

سلطان شاہ اپنی فطرت کے اعتبار سے شرمیلا تھا۔ ویرا جارح مزاج کی مالک تھی۔ اس نے یقینی طور پر مجوزہ ازدواجی رشتے کی براہِ راست بات چھیڑ کر سلطان شاہ کو امتحان میں ڈالا ہوگا۔

ہم نے سیسوپھون میں مختصر سے قیام سے قطع نظر، بنکاک سے نوم پنہہ تک کا طویل سفر مسلسل طے کیا تھا۔ تھکن سے سب چور تھے۔ نان فینگ کے مہمان خانے میں کسی نے ڈونگے اور بالٹی کے ذریعے غسل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے پہلے سلطان شاہ کو موقع دیا پھر خود باتھ روم میں گھس گیا۔ ٹھنڈے اور گرم پانی کے تیز شاور کے نیچے نہانے کے بعد میں باہر آیا تو نیند آنکھوں میں گھسی جا رہی تھی۔ سلطان شاہ نے انٹرکام پر غزالہ سے بات کر کے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ویرا سو چکی تھی اور خود سونے کی تیاری کر رہی تھی۔

کمرے کے منی بار میں متعدد شرابیں موجود تھیں جن میں انگ کار اور اے بی سی نامی مقامی بیئر کی تعداد اور مقدار غالب تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس چھوٹے ریفریجریٹر میں منرل واٹر کی بوتلیں بھی موجود تھیں۔ میں نے ٹھنڈے پانی کی پوری چھوٹی بوتل اپنے معدے میں اتاری اور بستر پر گر گیا۔

☆☆☆

میں ذہنی طور پر اتنا الجھا ہوا تھا کہ نیند کے عالم میں مجھے عجیب و غریب خواب نظر آتے رہے جن کا تعلق مجھ سے درپیش مسائل سے تھا۔ میں نہ جانے کب تک گہری نیند سوتا رہتا مگر فون کی مسلسل گھنٹیوں نے مجھے بیدار ہونے پر مجبور کر دیا۔

وال کلاک کی سوئیاں اس وقت دو بجا رہی تھیں۔ ہم سر

شام سوئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ میں نے غنودہ ذہن کے ساتھ ریسیور اٹھایا تو ہوٹل کی آپریٹر مجھے معذرت خواہانہ انداز میں جلال کی کال کی خبر دے رہی تھی۔

وہ اس روز کی اہم ترین اطلاع تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ کراچی یا اسلام آباد سے نوم پنہہ کے لیے کوئی براہِ راست پرواز نہ ہونے کی وجہ سے جلال اپنے وعدے کے مطابق بروقت نوم پنہہ نہیں پہنچ سکے گا۔ اس کی فون کال میرے یقین کی نفی کر رہی تھی۔

اس نے زیادہ تفصیل میں جانے کے بجائے صرف اتنا بتایا کہ وہ اسی وقت کمبوڈین کسٹم سے فارغ ہو کر ایئرپورٹ آیا تھا اور اپنے سرکاری استحقاق کے مطابق کسی فور اسٹار ہوٹل میں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

آپریٹر کی زبان اس کا نام سنتے ہی میرے ذہن سے نیند کا گہرا خمار کافور ہو چکا تھا۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے غور کیا۔ اس وقت تک حالات سازگار تھے۔ کہیں کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔ میں نے اسے کوئین ہوٹل آنے کا مشورہ دیا جو اس نے قبول کر لیا۔

میری نیند اڑ چکی تھی۔ میں اپنی تھکن سے نڈھال تھا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ جلال نے ہم سے زیادہ مصروف اور تھکا دینے والا دن گزارا تھا۔ اپنی دفتری مصروفیات سے نمٹ کر اس نے ہزاروں میل کا سفر طے کیا تھا جس میں کہیں نہ کہیں پرواز کی تبدیلی بھی شامل رہی ہوگی۔

میں کچھ دیر تک بستر پر پڑا اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتا رہا۔ پرانے سوال پھر ذہن میں سر ابھار رہے تھے۔ میں نے بہت دور تک اپنی لڑائی لڑ لی تھی۔ آنے والے دنوں میں غزالہ اور نئے مہمان کو میری توجہ کی زیادہ ضرورت تھی۔ وقت کا تقاضا تھا کہ میں اپنی سرگرمیوں سے ریٹائر ہو جاؤں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں دوسروں کو اپنے اس فیصلے سے کیسے آگاہ کر سکوں گا!

سوچتے سوچتے بھوک کا احساس جاگ اٹھا۔ کمرے میں چاکلیٹس کے سوا کچھ موجود نہیں تھا۔ زیادہ کپڑے ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے میں قمیص پتلون میں بستر پر دراز ہو گیا تھا۔ غسل خانے کے آئینے میں، میں نے لباس کا جائزہ لیا۔ کسی شب بیدار سیاح کے لیے وہ لباس موزوں تھا۔ منہ دھو کر میں نے بال درست کیے اور غسل خانے سے نکل کر روشنی گل کر دی۔

سلطان شاہ بستر پر پیٹ کے بل لیٹا گہری نیند سو رہا تھا۔ فون کی تیز گھنٹیاں بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھیں۔ میں چابی لے کر خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ مجھے توقع تھی کہ باہر کے بازار میں مجھے اپنی شکم پری کے لیے کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔

لفٹ سے نچلی منزل پر پہنچنے کے بعد میں نے چابی کاؤنٹر پر دیتے ہوئے یہ بتا دیا کہ میرا ایک ساتھی کمرے میں سو رہا تھا۔ کاؤنٹر والی لڑکی نے اسی لمحے ایک کارڈ بنا کر میرے حوالے کر دیا۔ کارڈ دکھا کر میں آسانی سے اپنے کمرے کی چابی حاصل کر سکتا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر ہلکے ہلکے کش لگاتا ہوا ہوٹل کے صدر دروازے سے نکل کر برآمدے میں پہنچا تو میرے دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہو گئیں۔ پورچ میں جلال ٹیکسی والے کو کرایہ ادا کر رہا تھا۔ اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ اول خان بھی اس کے ساتھ موجود تھا۔

وہ دونوں میری موجودگی سے بے خبر تھے۔ غیر متوقع طور پر ان دونوں کو دیکھ کر میرے لیے اپنے اوپر قابو پانا دشوار ہو گیا۔ میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ان کی طرف جا رہا تھا کہ ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے جلال نے اپنا بریف کیس اٹھایا اور ہوٹل آنے کے لیے مڑا۔

مجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر جلال ہکا بکا رہ گیا۔ اول خان نے بریف کیس سمیت اپنے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلائے اور میری طرف دوڑ پڑا۔

ہم سب ایک اجنبی سرزمین پر تھے جہاں کوئی ہمیں نہیں پہچانتا تھا۔ اجنبیوں کی حیرت یا ہنسی کی پروا کیے بغیر تینوں نے اپنے بے لگام جذبوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اول خان کو دوڑتا دیکھ کر جلال نے بھی اپنے افسرانہ وقار کو بالائے طاق رکھ کر دوڑ لگا دی۔ ہم پورچ کے تقریباً وسط میں والہانہ انداز میں آپس میں لپٹ گئے۔ اول خان نے اپنے گداز ہونٹ میری پیشانی پر رکھ دیے۔

وہ منظر دیکھ کر کسی من چلے نے ہارن بجایا۔ تینوں میں سے کسی نے پروا نہیں کی۔ پورچ میں داخل ہونے والی گاڑی کی روشنیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہم تینوں ایک دوسرے سے الگ ہو کر تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے۔

ان دونوں کے ہاتھوں میں جھولتے ہوئے ایک ایک بریف کیس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انہوں نے نہایت عجلت میں وہ سفر کیا تھا۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم اول خان کو بھی اپنے ساتھ

لائے ہو!'' برآمدے میں رک کر میں نے جلال سے شکوہ کیا۔ میری زبان پر شکایت تھی لیکن اندر ہی اندر خوشی کے گلاب کھلے جارہے تھے۔ ان دونوں کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری راہ میں حائل ساری رکاوٹیں یک بہ یک دور ہوگئی ہوں۔ ذہن میں کوئی مسئلہ باقی رہا تھا نہ پریشانی۔

''یہ تمہارے لیے سرپرائز تھا!'' جلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تم باہر کھڑے ہو کر ہمارا انتظار کیوں کر رہے تھے۔ کیا تم نے ہر احتیاط کو خیرباد کہہ دیا ہے؟''

''اب تک نہیں کہا، اب کہہ دوں گا۔ یہ اتفاق ہے کہ ہمارا آمنا سامنا ہو گیا۔ ہم صبح دس بجے کھانا یا ناشتا کر کے چلے تھے۔ اس کے بعد کھیل بھی اڑ کر منہ میں نہیں گئی۔ تمہارا فون نہ آیا ہوتا تو تینوں کی طرح میں بھی اس وقت بے خبر سو رہا ہوتا۔''

''یوں کہو کہ شکم پری کے لیے نکلے تھے!'' جلال خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔

''جاؤ، یہ کار خیر ضروری ہے۔'' جلال نے میرے شانے پر تھپکی دے کر کہا۔ ''ہمارے لیے بھی کچھ لیتے آنا۔ اول خان کے مراق کی وجہ سے جہاز پر ہم دونوں نے صرف کافی پینے پر اکتفا کیا...... اپنے کمرے کا نمبر بتا دو ہم چیک ان کرتے ہیں۔ آدھے گھنٹے بعد میں تمہیں رنگ کرلوں گا۔''

''میں اتنا بھوکا نہیں ہوں۔ چند منٹ زندہ رہ سکتا ہوں۔'' میں ان کے ساتھ اندر چل دیا۔

میں ہوٹل سے نکلتے ہوئے دیکھ چکا تھا کہ ڈیوٹی تبدیل ہونے کی وجہ سے فرنٹ ڈیسک پر نئی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ جسے ہمارے پاسپورٹوں کے مسئلے یا پانچویں ساتھی کی آمد کا علم نہیں تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس لڑکی نے بورڈ پر سے میرے کمرے کی چابی اتاری۔ میں نے مسکرا کے اسے چابی لوٹانے سے روک دیا۔

ان دونوں کو بھی چوتھی منزل پر الگ الگ کمرے مل گئے۔ یہ اچھی بات تھی کہ ہم سب ایک فلور پر جمع ہو رہے تھے۔ ان کے کمروں کے نمبر معلوم ہوتے ہی میں اپنے مشن پر روانہ ہو گیا۔

نوم پنہہ میں بازار جزوی طور پر کھلا ہوا تھا۔ سڑکوں وغیرہ پر کچھ نہ کچھ چہل پہل بھی ہو رہی تھی۔ شبینہ تفریحات کے مراکز پر زیادہ رونق تھی لیکن ان تمام سرگرمیوں میں وہ تیزی اور رنگ آمیزی نہیں تھی جو بنکاک میں نظر آتی تھی۔ یہ غنیمت تھا کہ اتنی رات گئے میں سڑک پر اکیلا نہیں تھا۔

ہوٹل کے برآمدے سے کاؤنٹر تک جاتے ہوئے جلال نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ دونوں ایمرجنسی میں کراچی سے ہانگ کانگ اور وہاں سے واپس کمبوڈیا آئے تھے۔ دوسری پرواز پر ایئرہوسٹس نے مسافروں میں ان کی پسند کے مطابق خنزیر، بکری اور مرغی کے گوشت کے سینڈوچز پیش کیے۔ وہ ہر قسم کے سینڈوچ ایک ہی چمٹے سے اٹھا رہی تھی۔ اول خان کو شک تھا کہ اس عمل میں ہر قسم کے گوشت کے ریشے مسافروں تک پہنچ رہے تھے۔ وہ خنزیر کا گوشت چھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی نشان دہی پر جلال نے بھی اس پرواز پر کچھ کھانے سے گریز کیا اور دونوں صرف کافی پی کر نوم پنہہ پہنچ گئے۔

وہ اول خان کا مراق نہیں مناسب احتیاط تھی۔ سامان خورد و نوش کی خریداری میں مجھے بھی اس احتیاط کو پیش نظر رکھنا تھا۔

بازار میں کھانے پینے کی متعدد دکانیں کھلی ہوئی تھیں جہاں بے نوشوں کی شکم پری کے لیے بہت کچھ تلا اور بھونا جا رہا تھا۔ فضا بھانت بھانت کی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک رہی تھی۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد میں سبزیوں کی ڈشیں بیچنے والی ایک چھوٹی سی دکان تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا جسے ایک مقامی لڑکی اپنے باپ یا عمر رسیدہ شوہر کے ساتھ چلا رہی تھی۔

اس دکان سے کچھ منتخب خریداری کر کے میں واپس ہوٹل کی طرف ہولیا۔

چوتھی منزل پر لفٹ سے اتر کر میں راہ داری میں نکلا تو سامنے والے دروازے پر وہ نمبر نظر آیا جو اول خان کے حصے میں آیا تھا۔ میں نے اپنے کمرے میں لوٹنے کا ارادہ ملتوی کر کے وہاں دستک دی۔ اول خان نے دروازہ کھول کر مجھے اندر بلا لیا۔

مجھ سے مل کر وہ اس قدر خوش اور پرجوش تھا کہ میرے ہاتھ سے تھیلیاں لے کر میز پر رکھتے ہی دوبارہ بغل گیر ہو گیا۔ اس کی محبت کے اس بے پایاں اظہار نے مجھے عجیب جذباتی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ چند منٹ بعد ہم دونوں سکون سے بیٹھے تو میں نے اول خان سے اس کی غیر متوقع آمد کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

جلال کراچی اور اسلام آباد کے چکر میں پھنسا رہتا تھا۔ اول خان تربت میں تھا۔ میرے لیے یہ معمّا ناقابل فہم تھا کہ آپس میں بہت زیادہ بے تکلف نہ ہونے کے باوجود وہ دونوں اس سفر میں کیسے یک جا ہو گئے۔

''مجھے اوپر سے حکم ملا تھا کہ فوری طور پر کراچی پہنچ کر جلال سے ملوں۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''کراچی آیا تو جلال نشستوں کے حصول کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔''

''جلال تمہارے باس سے رجوع کرنے کے بجائے براہ راست تم کو یہاں آنے کی دعوت دے سکتا تھا۔'' میں نے اپنے تحفظ کا اظہار کیا۔

''جلال نے کوئی سمری اوپر بھجوائی تھی جو راجن کے انجام کے بارے میں تھی۔'' اس نے کہنا شروع کیا۔ ''اسے اندازہ تھا کہ تم بنکاک میں بری طرح پھنس گئے ہو۔ وہاں سے نکلنے کے لیے تمہیں فوری طور پر نئے پاسپورٹوں کی ضرورت ہے۔ وہ اپنی تیاری میں لگا ہوا تھا کہ اسے دبئی جانا پڑا۔ وہ ایک الگ قصہ ہے۔ وہ دبئی سے واپس آیا تو ایک ارجنٹ حکم نامہ اس کا منتظر تھا۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ جلال کی سمری پر اعلیٰ ترین سطح سے حکم جاری ہوا تھا کہ فوری طور پر ایک دونفری وفد تم لوگوں کو پورے احترام کے ساتھ بنکاک سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دے۔ اس وقت تک اوپر والوں کو تمہاری نوم پنہ آمد کا علم نہیں تھا مگر جلال کو پل پل کی خبر تھی ہم دونوں بنکاک جانے کے بجائے ادھر آ گئے۔''

''دونفری وفد میں تم کیسے شامل ہو گئے؟'' میرا تجسس برقرار تھا۔

''میں نے راجن کے بھیجے ہوئے دہشت گرد پکڑ لیے۔ سب کو علم تھا کہ یہ کارروائی تمہاری ٹپ کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ ویسے بھی مقتدر حلقوں میں سب جانتے ہیں کہ ایس ٹی ایف سے تمہارا بہت قریبی رابطہ رہا ہے اسی طرح تمہارے اور جلال کے مراسم خفیہ ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ حکم نامے میں ہم دونوں کو اس وفد کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔ مجھے یہ جان کر بہت تسکین ہوئی کہ خفیہ طور پر سہی لیکن پہلی بار اعلیٰ ترین سطح پر تمہاری بے مثال خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ تم جانتے ہو کہ ایس ٹی ایف والے کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ بھی نہیں ہیں۔ آئین اور قانون کی دستاویزات میں ہمارا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہمارے سب کام زبانی ہوتے ہیں۔ اس بارے میں پوری تفصیل جلال کے علم میں ہوگی۔ ہماری فورس کی طرح تم بھی ہمیشہ پس پردہ رہے ہو۔ نیچے سے اوپر تک، ہر شخص تمہاری خدمات سے باخبر ہے لیکن تمہیں گلے سے نہیں لگا سکتا کیونکہ ہمارے طرح تمہاری کام کرنے کے طریقے بھی ہر قانون سے ماورا رہے ہیں۔ ہم سب نے اپنے ضمیر کی نوکری کی ہے۔ جسے ملک اور قوم کے مفادات کا دشمن جانا، اس کا خون پی گئے۔ بدخواہ جرم کا درجہ دیتے ہیں، ہم سب کو مجرم گردانتے ہیں۔ ہمارے خیر خواہ بلکہ ہمیں وجود میں لانے والے بھی ہمارے حق میں کچھ نہیں بول پاتے کیونکہ ریکارڈ کے مطابق ہمارا کوئی وجود نہیں ہے۔''

مجھے اپنا سینہ کچھ پھولتا ہوا محسوس ہوا۔ میرے لیے یہ واقعی عزت و افتخار کی بات تھی کہ اپنے دشمنوں کی طرف سے بدترین اشتہاری مجرم قرار دیے جانے کے باوجود میں اپنوں کی نظر میں آخر کار عزت و احترام کا حقدار گردانا گیا تھا۔ وہ خفیہ سرکاری اعتراف میری برسوں کی جاں سوز اور زہرہ گداز جدوجہد کا ثمر تھا۔ اندر کی تڑپ اور محرومی کے پرخلش احساس سے مجھے یک بہ یک نجات مل گئی۔ وہ دونوں میرے جگری دوستوں کی حیثیت سے نہیں، ایک خفیہ سرکاری وفد کی صورت میں میری معاونت کے لیے آئے تھے۔ یہ بڑی بات تھی کہ اس کٹھن موڑ پر میرے ملک کے بڑوں کو میری دست گیری کا خیال آ گیا تھا۔ مجھے بس ایک خلش رہ گئی تھی۔ وہ دونفری وفد مجھے حالات کے بھنور سے نکالنے کے لیے آیا تھا مگر میری اپنے وطن واپسی کا دروازہ پھر بھی بند تھا۔ اس بارے میں اول خان کی طویل تقریر نے بھی کسی اور محفوظ مقام پر منتقلی کی خبر سنائی تھی منزل کے طور پر پاکستان کا نام کہیں نہیں آیا تھا۔

ایس ٹی ایف پاکستان میں پنپ رہی تھی۔ اس کی حیثیت وہ تھی جو ہر چند نہیں کہ ہے مگر نہیں ہے کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس کا کام سامنے آتا تھا، ریکارڈ پر اس کا وجود نہیں ملتا تھا۔ امریکیوں کو اپنے خفیہ ذرائع سے سب کچھ معلوم تھا۔ ایس ٹی ایف پر ان کی کڑی نظر رہتی تھی مگر اپنی گوناگوں سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے وہ سرکاری سطح پر اس کا اظہار کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے رہے۔ میرا معاملہ مختلف تھا۔ میں اپنے دشمنوں کے لیے ایک ٹھوس وجود تھا۔ جسے وہ پیس کر ریزہ ریزہ کر دینا چاہتے تھے۔ میرے لگائے ہوئے زخم ان کے دلوں، جسموں اور فائلوں میں رستے رہتے تھے، وہ میرے خون کے پیاسے تھے، ان کے خون آشام ایجنٹ ہر طرف میری بو سونگھتے پھرتے تھے۔ ان حالات میں پاکستان میں میرا وجود نہیں پنپ سکتا تھا۔ افق تاریک تھا۔ مجھے اپنے اس کرب کا کوئی درماں نظر نہیں آ رہا تھا۔

چند لمحوں کی خاموشی میں مجھے یاد آیا کہ اول خان نے سب کی خیریت معلوم کرنے کے باوجود غزالہ کے حوالے سے کوئی خاص بات نہیں کی۔ میں نے بھی کوئی ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ میں نے کہا۔ ''میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ اب کسی نہ کسی طرح میرے کام کو مانا گیا ہے۔ دوسری خوشی یہ

ہے کہ تم اور جلال یکجا نظر آ رہے ہو۔ تم دونوں کے درمیان ہمیشہ کچھ فاصلہ رہا ہے۔ کبھی ایک دوسرے سے کھل مل نہیں سکے۔''

''وہ نک چڑھا افسر مشہور ہے۔ بڑوں کی بے جا ناز برداری میرے مزاج کے خلاف ہے۔ میں خود ہی محتاط رہا۔ اس سفر میں مجھے اس کے ساتھ رہ کر اندازہ ہوا کہ وہ بہت کھلے دل اور دماغ کا مالک ہے۔ طبیعت کا کھرا اور صاف گو ہے۔ اس لیے دور سے کچھ اکھڑ سا نظر آتا ہے۔''

''غنیمت ہے کہ اس سفر کے طفیل تمہاری غلط فہمی دور ہو گئی۔ تم دونوں کے مراسم کی سرد مہری میرے لیے بھی کبھی پریشانی کا سبب بنتی رہی ہے۔ شاید اب یہ رفع ہو جائے۔''

''اوہ...... تمہارا لایا ہوا کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ جلال بھوکا ہے، اسے بلا لینا چاہیے۔'' اول خان کو اچانک یاد آ گیا کہ باتوں میں مصروف ہو کر ہم کھانے کو بھول گئے تھے۔

جلال فوری طور پر آ گیا۔ میں کسی کی نیند میں مخل نہیں ہونا چاہتا تھا مگر مجھے اپنے تینوں ساتھیوں کی فکر تھی۔ میری طرح وہ بھی بھوکے تھے۔ انٹر کام کی گھنٹی نیند میں خلل ڈالتی میں ان دونوں سے اجازت لے کر اپنے کمرے کی طرف ہولیا۔ چابی سے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ تینوں متوحش انداز میں وہیں جمع تھے۔

''تم خاموشی سے کہاں غائب ہو گئے تھے...... تم نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا!''

''آپ کے غائب ہونے کی خبر سنتے ہی میرے ہاتھ پیروں کی جان نکل گئی تھی!''

''میں تمہارے ساتھ تھا، کہیں جانا تھا تو کم از کم مجھے تو بتا دیتے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں تمہیں کہاں تلاش کروں۔ اتنی رات کو کہاں نکل گئے تھے؟''

میں نے مسکراتے ہوئے ان کی شکایتیں سنیں۔ ان کا بارود ختم ہونے کے بعد میں نے رسان سے کہا۔ ''میں کوئی شیر خوار نہیں ہوں......''

''وہ بھی آ جائے گا۔'' ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم کہاں تھے؟''

''میرے ساتھ آؤ۔ چار سو پندرہ نمبر کمرے میں حیرتیں تمہاری منتظر ہیں!'' یہ کہہ کر میں دوبارہ دروازے کی طرف مڑ گیا۔

''حیرتیں کیا ہوں گی۔ زیادہ سے زیادہ جلال آ گیا ہوگا!'' مجھے اپنے عقب میں ویرا کی اونچی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔ بدحواس ہونے کے باوجود اس کا ذہن پوری طرح بیدار تھا۔

''اس کے آ جانے کا مطلب ہے کہ کل ہم یہاں سے نکل سکیں گے۔'' اول خان نے ویرا کے تبصرے کے جواب میں رائے زنی کی۔

''کل بہت دور ہے۔ آج کی بات کرو۔ رات کے بارہ بجے نیا دن شروع ہو چکا ہے۔ اس وقت صبح کے ساڑھے تین بج رہے ہیں!'' غزالہ نے اس کی تصحیح ضروری سمجھی۔

میں نے اس مختصر سے جلوس کی رہنمائی کرتے ہوئے دروازے پر دستک دی تو اول خان نے دروازہ کھولا۔ اسے دیکھتے ہی تینوں اپنی بے ساختہ اور تحیر زدہ آوازوں پر قابو نہ رکھ سکے۔

کمرے میں پہنچے تو کھانے کا سامان میز پر لگا ہوا تھا مگر کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ سب بہت تپاک سے ایک دوسرے سے ملے۔ خیر سگالی کا بھرپور اظہار ہوا پھر اول خان پر سوالات کا حملہ شروع ہو گیا۔ تینوں کے لیے جلال کی آمد متوقع تھی۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ اول خان اچانک نوم پنہہ کیسے پہنچ گیا۔

''کھانا کھاؤ!'' جلال نے لقمہ لینے میں پہل کرتے ہوئے کہا۔ ''سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔ یہ باتیں کھانے کے ساتھ ساتھ چلتی رہیں گی۔''

نیند اور بھوک پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ بھوک کی نقاہت ہر چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ سب جلال کے ساتھ شریک ہو گئے۔ کھانے کے دوران میں اول خان نے اختصار کے ساتھ ان تینوں کو اپنی اچانک آمد کے پس منظر سے آگاہ کر دیا۔

''سارا مسئلہ نئے پاسپورٹوں کا تھا۔'' ویرا لقمہ چباتے ہوئے بولی۔ ''وہ مل جائے تو ہم لوگ خاموشی کے ساتھ کہیں بھی نکل جاتے۔ تم دونوں کو یہاں آنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

''ہمارا آنا ناگزیر تھا کہ بعض معاملات طے ہو سکیں۔'' جلال نے کہا۔ ''ویسے بھی تم اسے خیر سگالی کا سرکاری اظہار سمجھ سکتی ہو۔ تم لوگوں کی بے لوث خدمات کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔''

''شاید راجن کی موت اہم ترین موڑ ثابت ہوئی ہے۔'' میں نے خیال ظاہر کیا۔

''سوبھراج ملک کے لیے اہم ترین مسئلہ تھا۔ بات وہیں سے چلی تھی۔ اسے عدالت میں لایا جاتا تو نہ جانے کن کن پردہ نشینوں کے نام سامنے آتے۔ پورا ملک ایک خوفناک سیاسی بحران کی لپیٹ میں آ جاتا۔ کئی دنوں تک اسلام آباد

میں کسی کو یقین نہیں آسکا کہ سوبھراج اتنی راز داری سے مارا گیا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔"

"اس میں میرے ارادے سے زیادہ راجن کی مجبوری کا دخل تھا۔ امریکی فوجیوں سے بولے ہوئے جھوٹ کو نبھانے کے لیے اس نے سوبھراج کے باقیات کو نرائن پرشاد کی ہڈیاں قرار دے دیا۔ وہ شور مچا دیتا تو سوبھراج کو مروانے کا الزام تم لوگوں کے سر آجاتا۔" میں نے کہا۔

"اسباب کچھ بھی رہے ہوں، اس کے خاتمے میں تمہارا کردار بہت اہم تھا۔ وہاں سے اسلام آباد کی سوچ میں تبدیلی آئی اور ہم سے تمہارے بارے میں سارا ریکارڈ طلب کرلیا گیا۔ وہ قصہ چل ہی رہا تھا کہ اچانک راجن کی موت کی خبر نے وہاں ایک دھماکا کردیا۔ وہ مدت سے ایک عذاب بنا ہوا تھا۔"

"کچھ بھی ہو، یہ بڑی بات ہے کہ آج تم دونوں سرکاری حیثیت میں ہم سب کے پاس آئے ہو۔" ویرا نے پوری بات سمجھنے کے بعد اعتراف کیا۔

کھانے کا دور مختصر رہا۔ میں اپنے حساب سے خاصا سامان لایا تھا لیکن میز پر کچھ بھی باقی نہ رہا۔ سب کو اتنا سہارا ضرور مل گیا تھا کہ سکون سے صبح کے ناشتے کا انتظار کیا جاسکے۔

کھانے کے بعد باتوں کا دور شروع ہوگیا۔ گزرے ہوئے واقعات دہرائے جارہے تھے یا مستقبل کے بارے میں اندیشوں کا اظہار ہورہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جلال ان باتوں میں سرگرمی سے حصہ نہیں لے رہا تھا۔ اس نے پراسراری خاموشی اختیار کرلی تھی۔ اس کی آنکھوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ ذہنی طور پر ہمارے ساتھ نہیں تھا' کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ اس کی تفکر آمیز خاموشی میرے لیے پریشان کن تھی۔

"اب ایک سنجیدہ مسئلے پر تمہاری رائے درکار ہے۔" ایک مرحلے پر میں نے موقع پاکر جلال سے کہا۔ "سلطان شاہ کی نظروں میں تمہاری ذات مشورے کے لیے....."

سلطان شاہ کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمودار ہوئے۔ اور اس نے بوکھلا کر میری بات کاٹ دی۔ "وہ میرا مسئلہ ہے، میں تخلیے میں خود بات کرلوں گا۔"

"میں ضرور وقت دوں گا۔" جلال نے گمبھیر لہجے میں اسے یقین دہانی کرائی۔ "فی الحال ڈینی سے میں تخلیے میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے پاس وقت کم ہے۔ فیصلہ کن امور پر کچھ طے ہوجانا چاہیے۔"

جلال کے لہجے میں کوئی عجیب سی بات تھی۔ میرے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

اس کا اشارہ بہت واضح تھا۔ چاروں نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ جلال نے اول خان کو وہیں روک لیا۔ تینوں خاموشی کے ساتھ کمرے سے نکل گئے۔

جلال نے اطمینان سے سگریٹ سلگا کر اس کا ایک گہرا کش لیا مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اپنی بات شروع کرنے کے لیے الفاظ تلاش کررہا تھا۔ میری اور اول خان کی متجسس نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"ایک مدت کے بعد یہ مرحلہ آیا ہے کہ سب کچھ ختم ہوگیا۔" اس نے دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔ "تم نے اپنی ذمے داریوں سے زیادہ کام پورے کرلیے ہیں۔ تمہارے سامنے کوئی حریف باقی نہیں رہا۔ یہ تمہاری زندگی کا اہم موڑ ہے....."

"تم بھول رہے ہو کہ امریکی بھیڑیے آج بھی میرے خون کی بو پر لگے ہوئے ہیں۔" میں نے قطع کلامی کرکے اس کی تصحیح کی۔

"میں اسی طرف آرہا تھا۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے تحمل سے کہا۔ "یہ تمہاری زندگی کا اہم بلکہ اہم ترین موڑ ہے۔ کچھ دنوں میں تم صاحب اولاد ہوجاؤ گے۔ تمہیں فیصلہ کرنا ہے کہ تم سکون اور عافیت کی زندگی گزار کر اپنے گھربار پر توجہ دینا چاہتے ہو یا عمر بھر یوں ہی اپنے دشمنوں سے لڑتے اور بھاگتے رہو گے۔ یہ یاد رکھو کہ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں لیکن یہ بدقسمتی ہے کہ قانون کبھی تمہارا مددگار نہیں ہوسکتا۔ دشمنوں نے تمہارے خلاف اتنی لمبی فرد جرم تیار کی ہوئی ہے کہ دنیا کے کسی ملک کا قانون تمہارا ساتھ نہیں دے گا۔ اس میں گیری کے قتل کا اضافہ بھی ہوجائے گا۔ تم کو اپنی لڑائی خود لڑنا ہوگی۔"

اس نے وہ سب کہہ ڈالا جو میرے ذہن میں لاوے کی طرح پک رہا تھا۔ ایک قدم آگے بڑھ کر اس نے یہ واضح کردیا کہ امریکیوں کے سوا میں نے اس وقت تک سب سے اپنا حساب بے باق کرلیا تھا۔ میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھی اور میں نے بے ساختہ کہا۔ "جلال میں تھک گیا ہوں۔ تمہاری اور اول خان کی طرح مجھے قانون یا کسی فورس کا تحفظ حاصل نہیں ہے۔ اپنے جیسوں کو میں نے لڑکر گرادیا۔ بڑھتے ہوئے امریکی عزائم کی بیخ کنی مجھے اپنے بس سے باہر کی بات نظر آتی ہے۔ میں اپنے وطن لوٹنا چاہتا ہوں۔ مجھے پاکستان کی خاک عزیز ہے۔ میری خواہش ہے کہ میرا انجام اسی مٹی میں ہو۔ غریب الوطنی کی موت کے تصور سے میرا رواں رواں کانپ

اٹھتا ہے۔ کسی طرح مجھے پاکستان جانے کا پروانہ دلا دو۔''

اول خان خاموشی سے ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ اس نے جلال کی زبان سے میرے صاحب اولاد ہونے کے تذکرے کو ایک دعائیہ فقرہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔

''میں اسی کی تیاری کر رہا تھا۔ وطن واپسی کی ایک شرط بہت کڑی ہے۔ تم کو اپنا نام ترک کرنا ہوگا۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''جلال! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' میں نے تڑپ کر احتجاج کیا۔ ''تم مجھ سے میری شناخت چھین لینا چاہتے ہو...... اس سے بہتر ہے کہ تم مجھے مار کر اپنے ہاتھوں سے کہیں دفن کر دو۔ نام ہی میری زندگی کا سب سے بڑا اثاثہ ہے۔ میرا ماضی میرے نام سے وابستہ ہے۔ نام کھو کر میں کس چیز پر فخر کروں گا، غزالہ کی کوکھ میں پرورش پانے والے بچے کو میں چند برسوں بعد کیا بتاؤں گا کہ اس کا باپ کون ہے اور ماضی میں کیا کرتا رہا ہے...... جلال! یہ بہت بڑی قیمت ہے۔ مجھے بالکل مفلس اور بے نام نہ کرو، وہ مانگو جو میں دے سکتا ہوں۔ تمہاری مانگی ہوئی قیمت ادا کرنا میری بساط سے باہر ہے۔''

وہ ہمدردانہ نظروں سے میری طرف دیکھتا اور خاموشی سے میری بات سنتا رہا۔ میرے چپ ہو جانے کے بعد لمحہ بھر کے لیے کمرے میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ جس میں مجھے اپنے دل کی تیز دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں پھر جلال نے کمزور لہجے میں زبان کھولی۔ ''تم جذباتی ہو رہے ہو۔ ٹھنڈے دل سے میری تجویز پر غور کرو۔ میں تم سے کچھ بھی نہیں چھیننا چاہتا۔ سب جوں کا توں رہے گا۔ اپنے لہو کے پیاسوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ڈینی یا تنویر علی کے بجائے تم قمر علی بن جاؤ گے۔ بیم گن اور زہر بھری انگوٹھیاں ایک بھولا ہوا خواب بن جائیں گی اس ذرا سے سمجھوتے کے عوض تم پاکستان میں سکھ چین کی آزادانہ زندگی گزار سکو گے۔ تمہارے نئے نام پر وزارت خارجہ اور ہوم ڈپارٹمنٹ نے اپنے اپنے سیکرٹ فنڈز سے پانچ پانچ لاکھ روپے کے دو الگ الگ انعامی ڈرافٹ دیے ہیں۔ تم کو آرام اور آسایش کی زندگی گزارنے کے لیے پاکستان کے ہر حصے میں بھرپور تعاون فراہم کیا جائے گا۔ تم اچھی طرح سوچ لو۔ یہ کوئی بڑی قیمت نہیں ہے۔ کسی مراعت کے بغیر چھپ کر زندہ رہنے کے لیے حکمراں اپنے نام بدلتے رہے ہیں۔ یہ سمجھ لو کہ اب یا کبھی نہیں والا مرحلہ درپیش ہے۔ میرے ہاتھ میں آخری کارڈ رہ گیا ہے۔ تمہارے جواب کے بعد میں اسے کھیلوں گا۔''

''تمہاری باتیں میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔ میں نام بدل لوں گا مگر میرے خون آشام دشمن میری تلاش میں لگے رہیں گے۔ ہم ان سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتے۔ وہ ہمارے خفیہ راز جان لیتے ہیں۔ ایس ٹی ایف کے ٹھکانوں کی تصاویر ان کے پاس موجود ہیں۔ ایک نہ ایک دن وہ یہ بھی جان لیں گے کہ قمر علی کے روپ میں ڈینی کو نوازا جا رہا ہے۔''

''اچھا ہوا کہ تم اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے ہو۔ یہ سب نہیں ہوگا۔ تم نے قمر علی بننے کا فیصلہ کر لیا تو کراچی میں ڈینی کی خودکشی کی تصدیق ہو جائے گی۔ تمہارے انکار کی صورت میں ڈی این اے ٹیسٹ مرنے والے کی اصلیت بے نقاب کر دے گا۔ تمہارے لیے میں نے سب گھر گھاٹ دیکھ کر بہت بڑا جوا کھیلا ہے۔ میری بار بار کی تاکید بے سبب نہیں تھی۔ تم نے بنکاک میں اپنے نام اور بیم گن کا استعمال چھپا کر میرے مشن کو بہت مضبوط کر دیا۔ اب اسے یوں نہ ٹالو!''

اس کی باتیں بہت الجھی ہوئی تھیں۔ میرے پے در پے سوالوں کے جواب میں جو کچھ سامنے آیا وہ یوں تھا کہ اس نے کراچی میں ڈینی ہونے کے شبہے میں جو دو آدمی پکڑے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے حوالات میں خودکشی کر لی تھی۔

میرے اصرار کے باوجود جلال نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ اس قیدی کو سازش کے تحت ہلاک کیا گیا تھا۔ وہ ہمیشہ قانون کی بالادستی اور سربلندی کا علم بردار رہا تھا۔ اپنی حدود میں رہ کر کام کرنے کی شہرت رکھتا تھا۔ اعتراف کر کے وہ اپنی پیشانی پر یہ داغ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس نے اپنے ایک دوست کو بچانے کے لیے ایک قیدی کو ماورائے عدالت قتل کرا دیا تھا۔

بنکاک سے کسی کو میری موجودگی کی بھنک نہیں مل رہی تھی۔ گیری کے قتل میں ایک عام پستول استعمال ہوا تھا۔ کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ اسے ڈینی نے مارا ہے۔ میرا نام بہ دستور پس منظر میں تھا۔

قیدی کی لاش امریکیوں کی نگرانی میں تھی۔ انہوں نے لاش سے چند سالمے نکال کر ڈی این اے ٹیسٹ کے لیے فوری طور پر امریکا بھجوا دیے تھے۔ موازنے کے لیے انہیں ڈینی کے کسی قریبی عزیز خون کے رشتے دار کے جسم کا نمونہ درکار تھا۔ میں قمر علی بننے پر آمادہ ہو جاتا تو جلال یہ بندوبست کر کے آیا تھا کہ مرنے والے قیدی کے کسی عزیز کے بدن سے نمونہ حاصل کر کے مکمل رازداری کے ساتھ یہ کہہ کر امریکی حکام کے حوالے کر دیا جائے کہ وہ میرے رشتے دار کا نمونہ تھا۔ ڈی این اے ٹیسٹ دونوں نمونوں کے یکساں ہونے کی تصدیق کر دیتا۔ وہ سند بن جاتی کہ ڈینی نے اپنے انجام سے

مایوس ہو کر حوالات میں خودکشی کر لی۔ امریکی اطمینان کا سانس لیتے، فائلیں بند ہو جاتیں اور میری تلاش کی دیوانہ وار کوششیں دم توڑ جاتیں۔ میں قمر علی کے نام سے اپنی بقیہ زندگی بے فکر ہو کر گزار سکتا تھا۔

جلال کی تجویز بہت بھرپور تھی۔ اس کا آخری کارڈ ڈی این اے ٹیسٹ کے لیے دوسرے نمونے کی فراہمی کا تھا۔ اس کے آدمیوں نے سرتوڑ کوششوں کے بعد مرنے والے قیدی کے ایک بھتیجے کا سراغ لگا لیا تھا جو اوکاڑہ میں گداگری کر رہا تھا اور اپنے چچا کے عبرت ناک انجام سے بے خبر تھا۔

اس سے گفتگو کے دوران میرا ذہن اس تجویز پر مسلسل کام کرتا رہا۔ اسے قبول کرنے کے بعد میرے لیے ضروری ہوتا کہ میں زندگی بھر کوئی ایسا کام نہ کروں جس کی وجہ سے ڈینی کا نام دوبارہ زندہ ہو۔

میں غزالہ کے ساتھ سکھ چین کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکتا تھا مگر ویرا کا کیا بنتا۔ میری طرح وہ بھی امریکیوں کے عتاب کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔

سیسو پھون میں پچھلی صبح مجھ سے گفتگو ہونے کے بعد جلال نے ویرا کے مستقبل کے بارے میں بھی سوچ لیا تھا۔ اس کی دانست میں ویرا اور سلطان شاہ کے ازدواجی رشتے میں ویرا کی عافیت مضمر تھی۔ اسے علم تھا کہ سلطان شاہ معاشی مسائل اور بے روزگاری سے تنگ آ کر کراچی آیا تھا۔ وہاں اس نے ٹرکوں کے مستری کی حیثیت سے نوکری کا آغاز کیا پھر وہ یوں میری نظروں میں آیا کہ میرے گھر کا ایک فرد بن کر رہ گیا۔

ویرا مسلمان ہو چکی تھی۔ رسمی طور پر اس کے نام کی تبدیلی ناگزیر ہو گئی تھی۔ جلال نے کوثر خان کے نام سے اس کا نیا پاسپورٹ بنوایا تھا۔ اگر سلطان شاہ کو مناسب مالی مدد فراہم کر دی جاتی تو وہ شادی کے بعد ویرا کو اپنے ساتھ لے کر آسانی کے ساتھ اپنے آبائی گاؤں میں کوئی موزوں کام شروع کر سکتا تھا۔ اس علاقے میں عورتوں کے کھلتے ہوئے رنگ روپ کے سبب ویرا آسانی سے مقامی معاشرے کا ایک حصہ بن جاتی۔ اس کے ہم وطن سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس جیسی طرار اور آزاد خیال لڑکی کسی پاکستانی سے شادی کر کے ایک گاؤں میں زندگی بسر کر رہی ہوگی۔ ویسے بھی اس علاقے میں غیر ملکی تو درکنار کسی بھی اجنبی کا داخلہ ناممکن تھا۔

ویرا اور سلطان شاہ کے متضاد معاشرتی قرینوں کی وجہ سے اول خان کے کچھ تحفظات تھے۔ اس نے ان دونوں کے رویوں کا کبھی غور سے مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنے نکتہ نظر سے اس تجویز کی مخالفت میں ہم دونوں سے خاصی بحث کی اور آخر کار ہم اسے اپنا ہم نوا بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

ہماری گفتگو کے دوران اول خان پر بار بار حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے۔ اس نے کراچی سے نوم پنہ تک جلال کے ساتھ سفر کیا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ جلال کی خوش خلقی اور ملنساری کا اعتراف کر چکا تھا مگر جلال نے سرپرائز دینے کے چکر میں اس سے کافی باتیں چھپائی ہوئی تھیں۔

غزالہ کی ماں بننے کی اطلاع اور ویرا کے مسلمان ہونے کی خبر اس کے لیے نہایت مسرت افزا ثابت ہوئی۔ گرما گرم گفتگو کی جذباتی فضا میں اول خان نے اس بارے میں اپنی زبان بند رکھی لیکن فضا خوشگوار ہوتے ہی اس نے دل کھول کر مجھے مبارکباد دی۔ اس کی دانست میں ویرا کے قبولِ اسلام میں میرا کافی دخل تھا۔

''ساری باتیں ہو گئیں، تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تمہارا کیا فیصلہ ہے۔'' جلال نے سخت ذہنی دباؤ کے عالم میں تیسری سگریٹ ختم کر کے ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔

''بعض اوقات خاموشی ہی رضامندی ہوتی ہے۔'' اول خان نے خوش دلی سے کہا۔

''میرے پاس کوئی متبادل راستہ نہیں ہے۔ میں تمہارا احسان مند ہوں کہ تم نے بہت سوچ سمجھ کر میرے لیے ایسی پر پیچ راہ نکالی ہے۔'' میں نے سر جھکا کے اس کے سوال کا جواب دیا۔ ''رضامند ہونے کے بعد ہی میں نے ویرا کے مستقبل کا سوال اٹھایا تھا مجھے اپنی ذات سے زیادہ ان لوگوں کے تحفظ کی فکر ہے جو میرے ایک اشارے پر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے میرا ساتھ دیتے چلے آ رہے ہیں۔''

''تم نے دل میں فیصلہ کیا ہوگا۔ مجھ سے کچھ نہیں کہا۔'' جلال کے ہونٹوں پر پہلی بار خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ ''اب میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔ تمہاری طرح میں بھی سب کو ساتھ لے کر چلنے کا عادی ہوں۔ کل صبح تم نے ویرا اور سلطان کی شادی کا مسئلہ نہ اٹھایا ہوتا تو آج میں خود یہی تجویز پیش کرتا۔ میری نظروں میں ویرا کا رتبہ کسی جلاوطن شہزادی سے کم نہیں ہے۔ اس نے تم لوگوں کے لیے سب کچھ بلکہ حد یہ ہے کہ اپنا آبائی مذہب تک چھوڑ دیا۔''

اپنی بات پوری کرتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ایک پتلا سا لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا، میں نے لفافے میں سے قمر علی کے نام پر بنے ہوئے پانچ پانچ لاکھ کے دو سرکاری ڈرافٹ نکال لیے۔

''ان میں سے ایک ویرا کے نام پر ہونا چاہیے تھا۔'' میں

نے بوجھل دل سے کہا۔
"یہ تمہارے ہیں۔ اسے اور سلطان کو پاکستان پہنچنے پر بہت کچھ مل جائے گا۔"
وہ بس لمحوں کی بات تھی۔ جلال سے گفتگو ہونے تک میں جلا وطنی کے عذاب میں مبتلا تھا۔ مستقبل کے ان جانے خوف اور وسوسوں نے مجھے دہلایا ہوا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں نوم پنہہ سے نکل کر کہاں جاؤں گا، کون میرا مددگار رہے گا۔ اس سے کھلی کھلی باتیں ہونے کے بعد وہ تمام مسائل حل ہو گئے تھے۔ اس نے اچھا کیا کہ ان تینوں کو رخصت کر دیا۔ ان کی موجودگی میں یک سوئی سے مذاکرات نہیں ہو سکتے تھے بات بات پر سب اپنی اپنی بولیاں بولنے لگتے اور اصل مسائل کھٹائی میں پڑ جاتے۔ میں نے جم کر اس سے ہر پہلو پر بات کر لی تھی۔ آنے والے دنوں کے بارے میں میرا ذہن صاف ہو چکا تھا۔
"تم کو گیری کے بارے میں کوئی خیر خبر ہے!" میں نے جلال سے پوچھا۔
"بنکاک سے طارق نے رپورٹ دی تھی۔ فی الحال اس کی تلاش جاری ہے۔ سوچا جا رہا ہے کہ وہ اپنی گاڑی خراب ہونے کے بعد کسی سے لفٹ لے کر کہیں بھٹک گیا ہوگا۔" اس نے بتایا "اس کے انجام کے بارے میں سب بے خبر ہیں۔"
"ڈان کے کیمپ کی کیا خبریں ہیں......؟" اپنے مستقبل کی طرف سے بے فکر ہونے کا بعد میرا ذہن بنکاک کی طرف بھٹک گیا۔
"طارق کے لیے وہ غیر متعلق فریق ہے۔ خاص معاملات پر وہ خود نگاہ رکھتا ہے۔ کوئی غیر معمولی خبر ہوتی تو وہ ضرور اپنے افسر کو اطلاع دیتا۔"
"ہو سکے تو کسی طرح اسے پیغام دے دو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ میری گم شدگی کی خبر ملنے پر اس کا کیا ردِعمل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ میں نے بہت اچھا وقت گزارا تھا۔ اسے میں شاید عمر بھر فراموش نہیں کر سکوں گا۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔
"وقت بہت سفّاک ہوتا ہے۔" اول خان ایک گہرا سانس لے کے بولا۔ "دھیرے دھیرے سب کو بھلا دیتا ہے، حد یہ ہے کہ لوگ اپنے پیاروں کو مٹی دے کر کچھ دنوں بعد بھول جاتے ہیں۔ ان کی قبروں کو گیدڑ اور کتے کھود ڈالتے ہیں۔ پھر وہ قبریں بیٹھ جاتی ہیں۔ انہیں نئے آنے والوں کے لیے تیار کر لیا جاتا ہے......"
"اب پیچھے مڑ کر نہ دیکھو۔" جلال نے متانت کے ساتھ مجھے مشورہ دیا۔ "کسی وقت تم اپنے تابناک ماضی کے سحر میں گرفتار ہو گئے تو ساری مشق رائگاں جائے گی۔"
"ماضی کچی ڈور سے بندھا ہوا رشتہ نہیں ہوتا جو ذرا سے اشارے سے ٹوٹ جائے۔" میں نے جواب دیا "یہ تعلق رفتہ رفتہ ہی ختم ہوگا۔ ابھی ماضی کی کئی یادیں تشنہ ہیں۔ جیسے جیسے خیال آتا رہے گا۔ وہ باتیں بھی زبان پر آتی رہیں گی۔"
"گیری کو مار کر تم نے ہر قصہ سمیٹ دیا۔ اب کیا باقی رہ گیا ہے؟" جلال نے پوچھا۔
"گوادر جانے والوں کے انجام کے بارے میں اول خان نے بتا دیا۔ ان لوگوں کی کوئی خبر نہیں ملی جنہیں راجن نے ساہیوال کی طرف بھیجا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ان کے گرد مضبوط جال پھیلا دیا گیا ہے۔ دہشت گردوں کی عدالت میں پیشی کے موقع پر وہ اپنی کارروائی کریں گے اور پکڑے جائیں گے۔" جلال نے لحہ بھر کے لیے توقف کیا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میرا ایک مشورہ ہے، مانو تو پیش کروں!"
"میں نے آج تک تمہاری کوئی معقول بات نہیں ٹالی۔"
جلال دھیرے سے ہنسا اور بولا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نامعقول باتیں بھی کرتا رہا ہوں۔"
"ضروری نہیں کہ یہی دو مطلب ہوں۔ کم معقول باتوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے...... تم یہ بتاؤ کہ کیا کہنا چاہ رہے ہو۔"
"تم نے بہت بھرپور اور دلچسپ زندگی گزاری ہے۔ دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ سیاسی مفادات کے لیے بڑی طاقت کس طرح موت کی سوداگری کر رہی ہے۔ دوسروں کے استفادے کے لیے تم کو اپنی سرگزشت قلم بند کرنی چاہیے۔" جلال نے کہا۔
"زبردست مشورہ ہے۔ تمہاری کہانی اتنی پُرپیچ ہے کہ ہزاروں صفحات پر پھیل جائے گی۔" اول خان نے اس کی پُرزور تائید کی۔
"یہ میری فطرت اور مزاج کے خلاف ہوگا کہ میں ایک کونے میں بیٹھ کر دن رات اپنی کہانی لکھتا رہوں۔ کسی اچھے رسالے کے اچھے مدیر سے ملاقات ہو گئی تو شاید کوئی قسط وار سلسلہ شروع کر دوں۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔
"اس کے لیے بھی تمہاری شرائط ہوں گی!" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔
"یہ عام سی باتیں ہیں، ادارت ہو یا زندگی کا کوئی اور

شعبہ، آدمی کی فطرت میں خباثت موجود ہو تو دوسروں کے لیے مشکلات پیدا ہو جاتی ہے۔ طویل رشتے درمیان میں ٹوٹ جاتے ہیں۔ دونوں طرف نیک نیتی کارفرما ہو تو ہر کام سکھ چین سے برسوں چلتا رہتا ہے۔'' میں نے وضاحت کی'' میری کوشش ہوگی کہ میں تمہارے مشورے پر عمل کر سکوں۔''

یہ ان دونوں سے کیا ہوا وعدہ تھا یا میرے دل میں بھرا ہوا غبار کہ میں نے پوری دل سوزی سے سب کچھ کاغذ پر منتقل کر دیا اور کسی نہ کسی صورت میں دوسروں تک پہنچا دیا۔

وہ دونوں آرام کے موڈ میں تھے۔ مشاورت مکمل ہو چکی تھی۔ اس کی روشنی میں فیصلے کیے جا چکے تھے جنہیں غزالہ بے چون و چرا تسلیم کر لیتی۔ اصل مرحلہ ویرا اور سلطان شاہ کی رضا مندی کا تھا۔ وہ اسے بعد کے لیے ملتوی کرنا چاہ رہے تھے۔

ان دونوں سے نوم پنہہ میں وہ میری پہلی ملاقات تھی۔ جلال نے تخلیے کی خواہش ظاہر کر کے ان تینوں کو متجسس کر دیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ کسی ایک کمرے میں سر جوڑے اپنی طلبی یا میری واپسی کا شدت سے انتظار کر رہے ہوں گے۔ میرے لوٹتے ہی مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی جاتی اور میرے لیے کچھ نہ کچھ کہنا ضروری ہو جاتا۔ ان کے لیے میری بات میں زیادہ وزن نہ ہوتا۔ انہیں علم ہو چکا تھا کہ اول خان اور جلال اپنی ذاتی حیثیت میں نہیں بلکہ اوپر کے حکم پر ایک سرکاری وفد بن کر نوم پنہہ آئے ہیں۔ ان دونوں میں جلال سینئر تھا۔ اس کی زبان سے جاری ہونے والی ہدایات پر بحث کی کوئی گنجائش نہ ہوتی اور معاملہ سکون سے نمٹ جاتا۔

اس وقت اہم ترین مسئلہ سلطان شاہ کی رضا مندی کا تھا۔ میں نے جلال سے اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کی تو اس نے گھبرا کر مجھے روک دیا۔ اس بارے میں جلال مکمل طور پر میرا ہم خیال تھا۔ میری دانست میں بہتر یہی تھا کہ وہ اپنا معاملہ براہِ راست جلال کے ساتھ طے کر لے۔

ان دونوں نے میرا نکتہ نظر مان لیا۔ ویرا کے کمرے میں انٹر کام کی کئی گھنٹیاں بجیں لیکن کوئی جواب نہ آیا تو میں نے اپنے کمرے کا نمبر ملایا۔

دوسری طرف سے فوری طور پر ویرا کی آواز آئی۔ میں نے اسے غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ جلال کے کمرے میں پہنچنے کی ہدایت دے کر ریسیور رکھ دیا۔

'' تمہارے چہرے پر مسکراہٹ ناچ رہی ہے۔'' میں نے جلال کو بتایا۔'' اس کیفیت میں تم بہت نرم خو اور خلیق نظر آتے ہو۔ تمہارا گمبھیر چہرہ ان دونوں کو فضول گوئی سے روکنے میں مددگار ثابت ہوگا۔''

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا، اپنی کرسی میں پہلو بدلا اور چہرے پر سنجیدگی طاری کر لی۔ اسی لمحے وہ تینوں کمرے میں آ گئے۔

'' معاملات بہت خطرناک رخ پر آ گئے ہیں۔'' ان کے بیٹھ جانے کے بعد جلال نے خشک لہجے میں کہنا شروع کیا۔ '' جب تک میں بے بس نہیں ہوا تھا۔ سب کو اپنے اپنے انداز میں ملک و قوم کی خدمت کرنے کی پوری آزادی تھی لیکن ڈینی اور ویرا کے گرد دشمن کا گھیرا دن بہ دن تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ تم دونوں کا موجودہ حالات میں دشمنوں سے بچنا محال نظر آ رہا ہے۔ طے یہ ہوا ہے کہ اب ویرا اور ڈینی متروک نام ہوں گے جنہیں بھول کر بھی زبان پر نہیں لایا جائے گا۔ ڈینی کے نام پر کراچی کے لاک اپ میں ایک قیدی نے خودکشی کر لی ہے، ویرا لاپتا ہو چکی ہے۔ تمہارا نام قمر علی، کوثر خان، صمد خان اور رعنا خاتون ہوں گے۔ تمہارے نئے پاسپورٹ ان ناموں سے بنے ہیں۔'' اس نے ڈریسنگ ٹیبل سے اپنا بریف کیس اٹھا کر اس میں سے پاسپورٹوں کا بھاری لفافہ نکالا اور ویرا کی طرف بڑھا دیا۔

ڈینی کو قمر علی بن کر رہنا ہوگا۔'' وہ کہہ رہا تھا اور میں بھی پوری توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا کیونکہ اس نے طے شدہ امور میں ان جزئیات کو بھی شامل کر لیا تھا جو اس وقت تک میرے سامنے نہیں آ سکی تھیں۔

'' یہ مجبوری ہے کیونکہ قمر علی کا نام ریکارڈ کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ بقیہ تینوں افراد کو آزادی ہوگی کہ وہ پاکستان پہنچنے کے بعد اپنی پسند کے نام اختیار کر لیں۔ میرا محکمہ ان پسندیدہ ناموں سے شناختی کارڈ اور دوسرے لوازم فراہم کرنے کا ذمے دار ہوگا تاکہ دنیا کے کسی بھی حصے میں شناخت کے حوالے سے کوئی پریشانی نہ ہو۔'' وہ یوں بول رہا تھا جیسے کاغذ پر لکھا ہوا کوئی فرمان پڑھ رہا ہو۔ اس کی بات جاری رہی۔ '' بیم گن یا کوئی ایسا ہتھیار استعمال نہیں ہوگا۔ جو ڈینی کی ذات سے منسوب رہ چکا ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ ویرا مسلمان ہو چکی ہے۔ نام بدلنا اس کی ضرورت بن گیا ہے۔ صمد خان یعنی سلطان شاہ کو اب اپنے والدین کے پاس گاؤں لوٹنا ہوگا۔ وہاں نئے سرے سے کاروبار شروع کرنے کے وسائل فراہم کرنا میرے ذمے ہوگا۔''

اس نے خاموش ہو کر استفہامیہ نظروں سے باری باری سب کے چہروں کا جائزہ لینا شروع کر دیا جیسے ان کے دلوں کے احوال پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

'' تم کو یہ سب قبول ہے؟'' ویرا نے مجھ سے سوال کیا۔

''مجبوری ہے!'' میں نے بے پروائی سے کہا'' اس کے علاوہ وطن لوٹنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ دوسری صورت میں ہم عمر بھر بھاگتے رہیں گے۔ امریکیوں کو جہاں ہماری بو ملے گی۔ وہ کیل کانٹے سے لیس ہو کر وہیں پہنچ جائیں گے۔ ہم ان کے آدمیوں کو ماریں گے تو دوسرے ان کی جگہ لیتے رہیں گے۔ ہم مارے گئے تو ہماری جگہ لینے والا کوئی ہوگا نہ کوئی ہماری لاشوں کو اٹھانے کے لیے آگے آنے کی ہمت کر سکے گا۔''

''آپس کی باتیں بعد میں کر لینا۔'' جلال نے میری بات مکمل ہونے پر ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔'' اس وقت مجھ سے بات کرو۔ کچھ دیر تک ستانے کے بعد مجھے باہر نکلنا ہے تاکہ ہم سب آج ہی یہاں سے واپس روانہ ہو سکیں۔''

''میں کوثر خان بن گئی!'' ویرا نے پاسپورٹوں کی ورق گردانی کرتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر جلال کی طرف متوجہ ہو گئی۔'' یہ تم تینوں کے فیصلے ہیں تو کچھ کہنا سننا بے سود ہے۔''

''یہ ہمارے فیصلے نہیں ہیں۔ اعلیٰ ترین سطح پر اس ضرورت کا احساس کیا گیا ہے کہ تم سب کو وطن واپس لا کر پورا تحفظ فراہم کیا جائے۔''

''تم کس وطن کی بات کر رہے ہو......؟'' میں تو شاید ہمیشہ کے لیے بے وطن ہو چکی ہوں...... مرتے دم تک امریکا نہیں جا سکوں گی۔''

''تمہاری قربانیوں کا سب کو بھرپور اندازہ ہے۔ تمہیں پاکستان کی مکمل شہریت دی جائے گی مگر نئے نام سے۔ اپنے مذہب سے کنارہ کشی اختیار کر کے تم نے مجھے جھنجوڑ دیا ہے۔ یہ ہم لوگوں اور ہماری زمین سے گہری محبت کا آخری ثبوت تھا جو تم نے فراہم کر دیا۔''

''تم اعلیٰ ترین سطح کی بات کر رہے ہو۔ کھل کر بتاؤ کہ تمہیں پاکستان کے صدر نے یہاں پہنچنے کی ہدایت کی تھی یا وزیراعظم نے ایسا کہا تھا۔ اشاروں کنایوں سے مجھے الجھن ہوتی ہے۔''

''دونوں کو علم ہے کہ تم چاروں بنکاک میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے۔''

''تم پھر گول مول سفارتی زبان استعمال کر رہے ہو۔'' ویرا نے اپنی جھونک میں جلال کی سنجیدگی کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔'' میرے سوال کا صاف جواب کیوں نہیں دیتے؟''

''ایس ٹی ایف صدر کی تخلیق ہے۔ اس کا سربراہ صرف اسی کو جواب دہ ہے۔ اول خان کی میرے ساتھ موجودگی سے تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ پس پردہ ہدایات کون دے رہا ہے۔''

جلال نے قدرے توقف کے بعد کہا اور ویرا کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ رینگ آئی۔

''کچھ نہ بتا کر بھی تم نے بہت کچھ کہہ دیا ہے۔'' وہ بولی۔ ''میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ تمہاری حکومت مجھے مکمل شہریت دے دے گی۔ پاکستان میں شہری حقوق کی بے رحمانہ پامالی کے واقعات میں اخبارات میں پڑھتی اور ٹیلی وژن پر دیکھتی رہی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ ایسے معاشرے مجھ جیسی اکیلی عورت کا کیا مستقبل ہوگا۔ قمر اور رعنا کے لیے نئے مسائل سر اٹھا رہے ہیں۔ یہ اپنی نئی دنیا میں مگن ہو جائیں گے میں کہاں جاؤں گی۔''

ویرا کے سوال نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس نے بہت ہوش مندی سے میری سرپرستی قبول کر کے اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا تھا مگر وہ اپنے بارے میں سلطان شاہ کے تذبذب کی عینی شاہد تھی۔ اسے کسی بہلاوے میں الجھانا بہت مشکل تھا۔

یہ ہمارے سامنے کی بات تھی کہ سلطان شاہ نے اپنا معاملہ جلال کی آمد تک ملتوی کیا تھا۔ وہ آچکا تھا۔ ویرا کے لیے مزید انتظار ممکن نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس صبر آزما انتظار میں اس کے اعصاب چیخ رہے ہوں گے۔ اس نے جلال کو براہ راست اپنی زد پر لے لیا۔

ہم میں سے کسی کے پاس ویرا کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ سب کی نظریں یکایک سلطان شاہ کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

اس نے میری تیز سوالیہ نگاہوں سے بوکھلا کر باری باری دوسروں کی طرف دیکھا۔ سب کسی امید کے سہارے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''تم سب میری طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟'' اس نے تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے کسی سے مخاطب ہوئے بغیر کہا۔'' میں کیا کہہ سکتا ہوں!''

''میری طرف دیکھو!'' جلال کی دھیمی مگر بارعب آواز گونجی۔'' جانتے ہو کہ زمین پر مرد اور عورت کی تخلیق کیوں کی گئی؟''

سلطان شاہ کسی ہونق کی طرح اس کا چہرہ تکتا رہا۔ منہ سے کچھ نہ بولا۔ اسے امید نہیں تھی کہ جلال براہ راست اسے مخاطب کر بیٹھے گا۔

''صرف اس لیے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت

ہیں۔'' جلال نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دے دیا۔
''ایک دوسرے کے بغیر وہ ادھورے رہتے ہیں۔ تم جوان اور ہوش مند ہو۔ تم نے اپنے زور بازو سے اپنے اور ڈینی کے دشمنوں کے دانت کھٹے کیے ہیں۔ کیا تم محسوس نہیں کرتے کہ تم کو اپنی عورت کی ضرورت ہے جو صرف اور صرف تمہاری ہو......''

اس نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی ہوئی تھیں اور اس کے چہرے کی پل پل بدلتی ہوئی رنگت سے اس کے دل کا حال بھانپ رہا تھا۔ لوہا گرم دیکھ کر اس نے پھر چوٹ لگائی۔'' ہماری طرف دیکھو، میں، جلال، قمر...... سب شادی شدہ ہیں۔ میں بھیرہ کے چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ دیہاتی ماحول کو جانتا اور سمجھتا ہوں۔ اگر تمہارے بڑوں نے کسی لڑکی کے بڑوں سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ تمہارے گاؤں کی کوئی لڑکی آس لگائے تمہاری واپسی کا انتظار نہیں کر رہی تو تم اسی وقت ہماری صف میں شامل ہو جاؤ......''

''تم یہ باتیں مجھ سے کیوں کر رہے ہو؟'' وہ پھنسی پھنسی آواز میں بہ دقت تمام بولا ''صرف میرے کہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ دوسرے فریق کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ میں اس بارے میں بارہا سوچ چکا ہوں۔ سوچتا ہوں اور میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔ اس کی نظروں میں سب کچھ ہیچ ہے۔ یہ شادی سے زندگی تک کو مذاق سمجھتی ہے۔ یہ صرف میرا اقرار سننا چاہتی ہے تاکہ انکار کر کے خوش ہو سکے۔ میں ایک عورت کے سامنے یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتا۔ جو کچھ پوچھنا ہے اسی سے پوچھو۔ میرا کیا ہے۔ مجھ سے تم سب جو بھی کہو گے، مان لوں گا۔''

ہم سب کی تیز نگاہوں کی زد میں آ کر سلطان شاہ اپنے دل کی بات پہلی بار زبان پر لے آیا۔ اس کی ہچکچاہٹ بے سبب نہیں تھی۔ ویرا کے مزاج کے تلون نے اسے اندر سے خوف زدہ کیا ہوا تھا۔ بات تل گئی تو وہ حقیقت اگلنے پر مجبور ہو گیا۔

ابتدا سے ان دونوں کے درمیان کبھی کوئی سنجیدہ تعلق استوار نہیں ہو سکا۔ وہ ہلکے پھلکے انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ نوک جھوک کر کے وقت گزارتے رہے۔ انہیں ہر وقت ایک دوسرے کی طرف سے اپنی ٹانگ کھینچے جانے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ ایسے ماحول میں باہمی اعتماد کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ویرا پھر بھی کھلے دل کی مالک تھی۔ اس نے بنکاک کے سیام پارک میرے سامنے اپنے دل کا سارا غبار اگل کر خود کو اندر سے پھول کی طرح ہلکا کر لیا لیکن سلطان شاہ نے بھول کر بھی کسی سے اپنے دل کی بات نہیں کی۔ اس کی آخری باتیں سن کر مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ہم سب کے نرغے میں نہ آیا ہوتا تو اس وقت بھی اپنے من کی بات زبان پر نہ لاتا۔ جلال سے وہ ویسے ہی مرعوب رہتا تھا۔ اس سے بے تکلفانہ گفتگو خارج از امکان تھی۔

''دونوں طرف ایک حال ہے۔'' میں نے مسرت آمیز لہجے میں کہا'' دونوں راضی ہیں مگر ایک دوسرے کے انکار سے خوف زدہ تھے۔''

''شاباش!'' جلال نے اٹھ کر مربیانہ انداز میں سلطان شاہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔'' تم نے ایک مردانہ فیصلہ کر کے ہم سب کے دل جیت لیے۔...... مجھے تم سے یہی توقع تھی۔''

''میں نے قمر سے کہہ دیا تھا کہ یہ فیصلہ تمہارے آنے پر ہوگا اور ہو گیا۔'' سلطان شاہ جذبات سے بوجھل آواز میں بولا۔

جلال کی بانہوں سے آزاد ہوتے ہی سلطان شاہ مجھ سے لپٹ گیا۔ ادھر غزالہ ویرا کو اپنے بازوؤں میں سمیٹے کھڑی تھی اور راول خان بزرگانہ انداز میں ویرا کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

ایک دوسرے کو مبارک باد دینے کا وہ سلسلہ کچھ دیر تک جاری رہا۔ ایسے فیصلے کچھ جلالی سے ہوتے ہیں۔ رشتوں کے بندھن کی بات آتے ہی جذبات اتنے منہ زور ہو جاتے ہیں کہ فریقین کے دل موم ہو جاتے ہیں، آنکھوں میں نمی ابھر آتی ہے۔ الفاظ سینوں میں گھٹنے لگتے ہیں بس چہروں کی بشاشت اور رونق خوشی کی مظہر ہوتی ہے۔

''میاں بیوی راضی ہیں، قاضی کہاں ہے؟'' میں نے آواز لگائی۔

''نوم پنہہ میں اس وقت ڈھونڈنے سے کوئی قاضی نہیں ملے گا۔'' جلال نے فتوا صادر کیا۔'' بات طے ہو گئی ہے۔ یہ کام کسی بھی وقت ہو جائے گا۔''

''نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ یہ مقدس فریضہ میں انجام دوں گا'' اول خان نے مسرت کے ساتھ اپنی خدمات پیش کر دیں۔

ویرا سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ شرم و حیا سے اس کا چہرہ کسی بیر بہوٹی کی طرح گلنار ہو رہا تھا۔ میں حیران تھا کہ اس میں یکایک کیا تبدیلی آ گئی۔ اس کی مشرقی ادا میں تصنع کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ غزالہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے کرسی سے اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھا دی۔

"اسے کہاں لے جا رہی ہو...... نکاح ابھی ہوگا۔" ہما نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ لڑکے کے ساتھ وہیں آجائیں۔" غزالہ شوخی سے جواب دے کر کمرے سے نکل گئی۔

چار مردوں میں ایک دلہا تھا دوسرا قاضی۔ دلہن خود رضامند تھی۔ اس کے لیے کسی وکیل کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ نکاح کی گواہی کے لیے میں جلال کے ساتھ موجود تھا۔ شرعی طور پر کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ البتہ شرکا کی ضیافت کے لیے کچھ میسر نہیں تھا۔ دالوں اور سبزیوں کا کچھ دیر پہلے صفایا ہو چکا تھا۔

فوری طور پر روم سروس سے رابطہ کیا گیا۔ اس وقت ٹھنڈے اور گرم مشروبات کے ساتھ صرف بیکری کی اشیا دستیاب تھیں۔ اول خان نے ایک کیک اور کچھ پیسٹریوں کے ساتھ کافی لانے کا آرڈر دے دیا۔

ویٹرس کو بتا دیا گیا کہ وہ پندرہ منٹ بعد غزالہ کے کمرے میں سامان پہنچا دے۔

ہم چاروں غزالہ کے کمرے پر پہنچے تو دستک کے جواب میں ویرا نے دروازہ کھولا اور تیزی سے پلٹ کر کرسی پر جا بیٹھی۔ غزالہ غائب تھی۔

"رعنا کہاں گئی۔" میں نے متجسس نظروں سے کمرے اور باتھ روم کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی آنے کا کہہ کر کہیں چلی گئی!" ویرا نے ہولے سے کہا۔ اس کی ساری شوخی اور طراری رخصت ہو چکی تھی۔

ہم میں سے کسی نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ یوں بیٹھے بیٹھے بات ان کے نکاح تک پہنچ جائے گی۔ اس وقت ایک اصولی فیصلہ کرنے کا ارادہ تھا لیکن سب کچھ خود بہ خود ہوتا چلا گیا۔ میں نے محض اس خیال سے فوری نکاح کی حمایت کی کہ کسی تکرار کے نتیجے میں ان میں سے کسی کا ارادہ ڈانواڈول نہ ہو جائے۔

ویرا کے لیے وہ پیش رفت حیرت کا سبب رہی ہوگی۔ شاید اس نے محسوس کیا ہو کہ ہم نے ان تینوں کو اسی ارادے سے جلال کے کمرے میں بلایا تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا لیکن غزالہ واپس نہیں آئی۔ اس کی طرف سے سب کی تشویش ہو رہی تھی۔ جب ویٹرس کافی نوشی کے لوازم سے لدی ہوئی ٹرالی لے آئی تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں کھلے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ غزالہ آ گئی۔

اس کے چہرے پر خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں بڑے بڑے شاپنگ بیگ جھول رہے تھے۔ اس کے وجود کے ساتھ آنے والی مہک سے اندازہ ہو گیا کہ وہ پھول لے کر آئی ہے۔

اس نے کمرے میں آتے ہی ایک تھیلے میں سے بڑا سا ہار نکال کر سلطان شاہ کے گلے میں ڈالا۔ وہ اس کا منہ بولا بھائی تھا۔ کامران کی موت کے بعد وہ اس رشتے کو ترس کر رہ گئی تھی۔ اپنے مرحوم بھائی کی کمی پوری کرنے کے لیے اس نے سلطان شاہ کو اپنا بھائی بنا لیا تھا۔

دلہا کی بلائیں لینے کے بعد اس نے گلاب اور موتیا کے پھولوں سے بنے ہوئے چھوٹے ہار ہم تینوں کو بھی پہنا دیے۔ ایک تھیلا خالی ہو گیا۔ دوسرا تھیلا لے کر وہ ویرا کے ساتھ مسہری پر چڑھ گئی۔

ہم چاروں لمبی اور گہری نیند لے چکے تھے مگر جلال اور اول خان نیند کو ترسے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس مختصر سی تقریب کی تیاریوں میں الجھ کر وہ اپنی تھکن اور نیند کو فراموش کر چکے تھے۔

غزالہ نے کچھ پھول ہوٹل کی فلاور شاپ سے خریدے تھے۔ بقیہ کمی اس نے بازار سے پوری کی۔ وہ کمرا ذرا سی دیر میں خوشبوؤں میں بس گیا۔

وہاں کوئی ناز نخرے نہیں تھے۔ غزالہ خوشی کے اس موقع پر ویرا کو پھولوں سے لاد دینا چاہتی تھی۔ اس نے بہت پھرتی سے اپنا کام مکمل کر لیا۔ پھولوں کے ہالے میں ویرا ہمیشہ سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

اول خان نے سب کی اجازت سے اپنا اہم کام شروع کر دیا۔ اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے۔ فریقین کے ایجاب وقبول کے بعد اس نے نکاح کا خطبہ شروع کیا تو مجھے پتا چلا کہ وہ خوش الحان بھی تھا۔

مبارک، سلامت کی دعاؤں کے ساتھ کافی نوشی کا دور شروع ہوا۔" خیال آنے پر سلطان شاہ اور ویرا نے مل کر کیک کاٹا۔ دوسرے کمروں میں مقیم مہمانوں کے خیال سے دھیمی تالیاں بجائی گئیں اور وہ چھوٹی سی تقریب اختتام کو پہنچنے لگی۔

ہم سب مسافر تھے، نوم پنہ میں پڑاؤ صرف ایک رات کا تھا۔ رخصتی یا کمرے کی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ غزالہ کے شوق نے اسی کمرے کو خوشبوؤں میں نہلا کر حجلۂ عروسی میں تبدیل کر دیا تھا۔ ہم چاروں ویرا اور سلطان شاہ کو الوداعی دعائیں دے کر ان کے کمرے سے نکل آئے۔

ویرا نے کسی ہوٹل میں سلطان شاہ کے ساتھ ایک چھت

کے نیچے رات گزارنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی تھی۔ اس تجویز پر وہ ہمیشہ بھڑکتی رہی لیکن اس رات وہ نکاح کی بندھن کی اسیر ہو چکی تھی۔ اس کے پاس انکار کی کوئی راہ نہیں تھی۔

وہ کوئی احتجاج کیے بغیر، سر جھکائے مسہری پر بیٹھی رہی تھی۔

راہ داری میں جلال اور اول خان ہم سے رخصت ہو کر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ ہر طرف پھیلے ہوئے خواب ناک اور پراسرار سناٹے میں، میں غزالہ کو لے کر اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ میری اور غزالہ کی شادی مکاؤ میں ڈان کوانگ فو کے محل میں ہوئی اور وہ دونوں نوم پنہہ میں شادی کے بندھن میں جکڑے گئے۔ ہم نے اپنی شب زفاف ڈان کے شیش محل میں منائی۔ وہ کوئین ہوٹل کے ایک کمرے میں خلوت گزین تھے، مشرق بعید نے ہم چاروں کی ازدواجی زندگی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

مقدرات کا لکھا اٹل ہوتا ہے۔ وہ دونوں امریکا جیسے ملک میں شیروشکر ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے نہ ہو سکے۔ نوم پنہہ ان کے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا۔ سب کھنچ کر وہاں جمع ہوئے اور ذرا سی دیر میں نوشتہ تقدیر ایک حقیقت بن گیا۔

ہم ڈان کوانگ فو کے شیش محل میں نہیں تھے لیکن ایک نو بیاہتا جوڑے کا پڑوس میسر تھا۔ دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ شب زفاف کی کچھ یادیں تازہ کیں پھر غزالہ تھک ہار کر سو گئی۔ شاید وہ دیرا کے ساتھ رہ کر گہری نیند نہیں لے سکی تھی۔

میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ ذہن میں خیالات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل رہا تھا۔ ان میں یہ فکر بھی شامل تھی کہ سلطان شاہ اور دیرا اپنی بگڑی ہوئی عادتوں کو ازدواجی ضابطوں میں کیسے ڈھال سکیں گے۔ اس سوال کا جواب ان سے اگلی ملاقات پر ہی مل سکتا تھا۔

میرے پاس کرنے کے لیے کوئی کام نہیں تھا۔ کسی اور کو اپنی بے خوابی میں شریک کرنا مناسب نہیں تھا۔ واپسی کے انتظام اور سفر کے لیے جلال اور اول خان کا تازہ دم ہونا ضروری تھا۔

مجھے یکایک چاؤفان کا خیال آ گیا۔ اس سے ڈان کے بارے میں خیر خبر مل سکتی تھی۔

میرا موبائل فون بہ دستور بے جان تھا۔ میں نے ڈائرکٹری میں بنکاک کا کوڈ تلاش کر کے ہوٹل کی لینڈ لائن سے چاؤفان کا موبائل فون نمبر ملایا تو صبح کے سات بج رہے تھے۔

تیسری گھنٹی پر رابطہ ہو گیا۔ میری آواز پہچانتے ہی چاؤفان تحیر زدہ آواز میں بولا ''ماسٹر! کیا تم ابھی تک نوم پنہہ میں رکے ہوئے ہو؟''

مجھے شک ہوا کہ ہمارے فرار کی خبر پھیل گئی تھی۔ میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا ''تم نے کیسے کہہ دیا کہ میں نوم پنہہ میں ہوں!''

''یلان یہی تھا اور میں نے اپنے موبائل فون کی اسکرین پر نمبر دیکھ کر تمہاری کال سنی ہے، نمبروں کے بارے میں میرا حافظہ بہت اچھا ہے۔ ابتدائی کوڈ کمبوڈیا اور نوم پنہہ کے تھے، کہو تو میں دیکھ کر تمہارا فون نمبر بھی بتا دوں۔''

''بس رہنے دو......'' میں نے ہنس کے وہ بات ٹال دی۔ ''وہاں کی کیا خبریں ہیں؟''

''ماسٹر! مجھے سچ سچ بتا دو، گیری کہاں ہے؟'' اس نے یکایک سوال کر دیا۔

''مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو۔ وہ وہیں ڈان کی پارٹی میں تھا۔ کیا وہ کہیں کھو گیا'' میں نے کسی قدر بے رخی سے کہا۔ اس کے غیر متوقع مطالبے نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔

''وہ غائب ہے۔ اس کے سارے ساتھی پریشان ہیں۔ اس کی تلاش کے لیے آج شام ڈان کو تمہاری ضرورت پیش آئی تو تم بھی غائب تھے۔ اب تمہارا خادم کسی بے مغز دیوانے کی طرح شہر اور اس کے مضافات میں تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔''

''کیا تمہیں گیری کی تلاش نہیں ہے؟'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''دونوں میں سے ایک بھی مل جائے تو ڈان کا دماغ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اس وقت وہ پاگل ہو رہا ہے۔ اسے صدمہ ہے کہ اس نے تمہارے پاسپورٹوں پر قبضہ کر لیا تھا پھر بھی تم نکل گئے۔ اس نے غصے میں دونوں پاسپورٹ آتش دان میں پھینک دیے۔''

اس طرف میرا دھیان بھی نہیں تھا۔ اس کی زبان سے وہ خبر سن کر مجھے اطمینان ہوا کہ پاسپورٹ کے ذریعے ڈان کے ہاتھ لگنے والی میری اکلوتی تصویر ضائع ہو چکی تھی۔ ہمیشہ کی طرح میں ایک مرتبہ پھر ایک نام بن کر رہ گیا تھا۔ میری کوئی تصویر بڑے دشمن تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

''میں زندگی بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔ میری دعا ہے کہ تمہیں جلد ترقی مل جائے۔''

''ماسٹر! ترقی کی بات مت کرو۔ آج وہ بڑی بڑی

آنکھیں نکال کر مجھ پر یوں غرا رہا تھا کہ میرا دم نکل رہا تھا۔ ترقی تو دور کی بات ہے۔ فی الحال اس کا غصہ اترنا چاہیے۔ اسے ذرا بھی شک ہو گیا کہ میں نے تمہاری مدد کی ہے تو وہ لاتیں مار مار کر مجھے ہلاک کر ڈالے گا۔''

''تم فکر نہ کرو......'' میں نے اسے دلاسا دیا۔'' ہمارا منصوبہ بے داغ تھا۔ سیسو پھون کی طرف آنے جانے والوں کے ذریعے صبح شام میں یہ خبر بنکاک میں گردش کرنے لگے گی کہ نان فینگ نے پھوم فاٹ کے بھیجے ہوئے چار غیر ملکیوں کو نوم پنہہ پہنچایا ہے۔ ڈان کا سارا غصہ پھوم فاٹ کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ تم صاف بچے رہو گے ہو سکتا ہے کہ پھوم فاٹ کے فتنے سے ہمیشہ کے لیے تمہاری اور لی کی جان چھوٹ جائے۔''

''شکریہ کہ تم نے مجھے یہ بات یاد دلا دی۔'' اس کی آواز ممنونیت سے لبریز ہو گئی۔'' یہ چھپنے والی خبر نہیں ہے، ضرور پھیلے گی۔ ڈان نے میرے اوسان اس طرح خطا کیے کہ میں سب کچھ بھول گیا ہوں۔ میری مانو تو تم بھی نوم پنہہ سے فوراً نکل جاؤ۔ خبر ملتے ہی ڈان نان فینگ کو اٹھوا لے گا وہ کچا آدمی ہے۔ ذرا سی مار پڑی تو ڈان کو تمہارے ہوٹل تک لے آئے گا، تم پکڑے گئے تو مجھے بدھا بھی نہیں بچا سکے گا۔''

اس کے خوف پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا، میں نے محض اسی اندیشے کے سدباب کے لیے نان فینگ کے بتائے ہوئے کسی ہوٹل میں قدم نہیں رکھا تھا۔ کوئین ہوٹل میں قیام کی تجویز بھی اسی احتیاط کی وجہ سے مسترد کی تھی۔ ویسے بھی ہمیں نوم پنہہ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا تھا۔ کوئی گڑبڑ ہونے سے پہلے ہم وہاں سے ہزاروں میل دور نکل گئے ہوتے۔

چاؤفان سے کئی کارآمد باتیں معلوم ہو گئیں۔ اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ ہمیں نوم پنہہ میں فوری طور پر کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔ لیکن کسی بھی وقت خرابی کا آغاز ہو سکتا تھا۔

چاؤفان سے گفتگو ختم کرنے کے بعد میں بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ دو سگریٹ پھونک کر بھی چین نہ آیا تو میں نے آواز بند کر کے ٹیلی ویژن کھول دیا تاکہ رنگین اور متحرک تصویروں سے ہی دل بہلاتا رہوں۔

غزالہ گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی۔ پچھلی شام لمبی نیند لینے کے باوجود اس کی وہ مدہوشی ظاہر کر رہی تھی کہ بنکاک سے نوم پنہہ تک کے طویل سفر نے اس کا جوڑ جوڑ ہلا دیا تھا۔

بستر پر لیٹ کر اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے میں غسل خانے میں جا گھسا۔ ارادہ یہ تھا کہ پوری طرح تیار ہو کر ناشتا کرنے کے لیے نیچے جاؤں گا اور واپسی پر دیکھوں گا کہ بقیہ لوگوں میں سے کون کون بیدار ہو چکا تھا۔

میں کمرے سے نکلنے والا تھا کہ اول خان کی کال آ گئی۔ میں نے پہلی گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھایا تو اس کی تحیر زدہ آواز آئی۔''اوہ......! تم جاگ رہے ہو!''

''میں کوثر اور صمد خان کے نکاح کے بعد ایک پل کے لیے بھی نہیں سویا......یہ......''

میری وضاحت پوری ہونے سے پہلے اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر خوش مزاجی سے میری بات اچک لی۔''یہ ان دونوں کے جاگنے کی رات تھی۔ تم کیوں نہیں سو سکے!''

''سچ پوچھو تو میں اب بھی ان کے لیے فکرمند ہوں۔ دونوں تنک مزاج اور منہ پھٹ ہیں۔'' میں نے اپنی تشویش ظاہر کی۔''ان کے درمیان کسی بات پر ٹھن گئی تو یہ زبردستی کی شادی کراچی پہنچتے پہنچتے خطرات سے دوچار ہو جائے گی۔''

''ایسی پریشان کن باتیں نہ سوچو......'' اس نے مجھے دلاسا دیا۔''ویرا بہت سمجھدار لڑکی ہے، وہ سب کچھ سنبھال لے گی۔ مجھے اس کی صلاحیتوں پر پورا اعتماد......تم نے مجھے کن باتوں میں الجھا لیا۔ میں نے یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ جلال کے کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔''

''تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں تمہاری طرف آ رہا ہوں۔'' میں نے کہا، اس نے کھلے دل سے اجازت دے دی اور میں اس کے کمرے کی طرف ہولیا۔

راستے میں میں نے جلال کے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور ذرا سی دیر تک جواب کا انتظار کرتا رہا۔ دوسری طرف پھیلی ہوئی مکمل خاموشی نے اول خان کی دی ہوئی اطلاع کی تصدیق کر دی، وہاں سے فون کا جواب مل رہا تھا نہ دستک کا۔

میری طرح اول خان بھی تیار تھا۔ وہ ہمیشہ سے سحر خیزی کا عادی تھا۔ مجھے بارہا تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ رات گئے اپنے گھر لوٹنے کے باوجود اپنے وقت پر بستر چھوڑ دیتا تھا۔ یہی حال جلال کا بھی تھا۔ وہ ان حرام خور سرکاری افسروں میں سے نہیں تھا جو قوم کے سرمائے سے بھاری تنخواہیں لینے کے باوجود دن چڑھے اپنے دفتروں کا رخ کرتے ہیں اور برائے نام کچھ فائلیں ادھر ادھر کر کے اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں سے خوش گپیاں کرتے ہیں پھر قبل از وقت اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

جلال کو حالات کی سنگینی کا پورا ادراک تھا۔ وہ پاکستان

میں اپنے کام ادھورے چھوڑ کر ہمارے پاس دوڑا چلا آیا تھا۔ سب کچھ بلکہ اس سے بھی زیادہ طے ہو جانے کے بعد اس کے دماغ پر واپسی کی دھن سوار ہو گئی تھی۔ سلطان شاہ اور ویرا کی شادی میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھی۔ وہ ایسے وقت ظہور میں آئی جب ہم سب ذہنی طور پر الجھے ہوئے تھے۔ میری دانست میں وہ جلال کی شخصیت کا کمال تھا کہ وہ دونوں کوئی پس و پیش کیے بغیر یکا یک ایک دوسرے سے زیادہ رضا مند نظر آنے لگے اور اول خان نے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر انہیں نکاح کے مقدس رشتے میں باندھ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ ہر طرف سے آسودہ اور مطمئن ہونے کے بعد جلال خاموشی سے نشتوں کے حصول کے لیے نکل گیا ہوگا۔

میری رائے سن کر اول خان کی تشویش رفع ہو گئی۔ اپنی فطرت کے اعتبار سے وہ پکا سپاہی تھا۔ معمول سے ہٹی ہوئی کوئی بھی بات سامنے آتے ہی اس کی جنگی جبلت بیدار ہو جاتی تھی۔ جس کے نتیجے میں اس کے ذہن میں منفی امکانات کا نزول شروع ہو جاتا۔ وہ ایک سے زائد مواقع پر مجھ سے اعتراف کر چکا تھا کہ دلیری اور ہوشیاری بلکہ مکاری کے ساتھ دشمن سے لڑنا اور یکا یک اور ڈھیر کر دینا اس کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ باتوں کے داؤ پیچ وغیرہ سے وہ بہت دور تھا۔ اس داؤ پیچ میں حالات کا تجزیہ کر کے ایک وقت میں ایک سے زیادہ امکانات پر سر کھپانا بھی شامل تھا!

ہم دونوں کوئین ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر ڈائننگ ہال میں پہنچے تو ناشتے کے لیے میزیں لگی ہوئی تھیں۔ سارے لوازم دو میزوں پر خوب صورتی سے ڈھیر تھے مگر مہمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ کام سے آئے ہوئے مہمان جلال کی طرح اپنے دھندوں پر نکل چکے تھے۔ چھٹی پر آنے والے شاید اپنے کمروں میں پڑے دیر تک سونے کا مزے لوٹ رہے تھے۔

ہم دونوں نے بڑی میزوں پر سے پلیٹیں اٹھائی ہی تھیں کہ اول خان نے زور سے مجھے کہنی ماری۔ میں نے ہڑ بڑا کر سر اٹھایا اور میری گردن غیر ارادی طور پر اس طرف گھوم گئی جدھر وہ دیکھ رہا تھا۔ میرے لیے وہ منظر بہت روح پرور اور سکون بخش تھا۔

سلطان شاہ اور ویرا ہم سے پہلے ایک میز پر بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ سلطان شاہ بہت لاڈ سے چمچے کے ذریعے گلاب جامن نما کوئی مٹھائی ویرا کو کھلا رہا تھا۔ ان دونوں کے چہروں کی تازگی اور بشاشت قابل دید تھی۔ وہ دونوں لیلیٰ مجنوں کی طرح ایک دوسرے کی ذات میں یوں کھوئے ہوئے تھے جیسے ان کے سوا وہاں کوئی تیسرا موجود نہ تھا۔

''زیادہ غور سے نہ دیکھو، انہیں نظر نہ لگ جائے'' اول خان نے دھیرے سے کہا ''اب ان کے مرادوں کے دن آئے ہیں۔ اللہ انہیں سدا یوں ہی ایک جان، دو قالب رکھے۔''

ہم اپنی پلیٹوں میں اپنی پسند کی اشیا لے کر دانستہ ایک دور افتادہ میز پر چلے گئے تا کہ ہماری موجودگی ان کے چونچلوں میں حارج نہ ہو۔ انہیں مفاہمت، رواداری اور ایک دوسرے کے لطیف جذبوں کو سمجھنے کے لیے نئی زندگی کی ابتدائی مرحلے میں خلوت کی ضرورت تھی۔ انہیں اپنے گرد و پیش میں بیٹھے ہوئے اجنبیوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔ سب چند لمحوں کے ساتھی تھے۔ وہاں سے اٹھتے تو شاید زندگی میں دوبارہ کبھی ان سے سامنا نہ ہوتا۔ ہمیں دیکھ کر وہ فوری طور پر محتاط ہو جاتے۔ ہم دونوں میں سے کوئی اس وقت کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر ہم جلد ہی وہاں سے نکل گئے۔ ان دونوں کو پتا بھی نہیں چلا کہ ہم وہیں موجود تھے۔ وہ دونوں میز کے گرد یوں جم کر بیٹھے ہوئے تھے جیسے رات کا کھانا بھی اسی میز پر کھانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ انہیں یوں منہمک اور خوش دیکھ کر میرا دل آسودہ ہو گیا۔

ہمیں ناشتے میں مشکل سے نصف گھنٹا لگا ہوگا۔ نمٹ کر اوپر گئے تو وہاں نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ جلال لوٹ آیا تھا۔ اس نے انٹرکام کا استعمال کر کے غزالہ کو اٹھا دیا تھا۔

''سب کہاں غائب تھے۔'' ہمیں دیکھتے ہی وہ بولائے ہوئے انداز میں بولا ''صمد اور کوثر ایسے بے سدھ سو رہے ہیں کہ میں فون کر کر کے زچ آ چکا ہوں......''

''سکون سے کام لو!'' میں نے اس کی بات کاٹ دی ''یہ بتاؤ کہ مسئلہ کیا ہے؟''

اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر مجھے گھورا پھر الفاظ چبا چبا کر بولا ''مسئلہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم ایک بجے کی پرواز سے یہاں سے نہ نکلے تو کل تک یہیں پڑے رہیں گے۔''

''کیا نوم پنہہ بین الاقوامی پروازوں کے سلسلے میں اتنا یتیم ہے؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا ''یومیہ صرف ایک پرواز ہے۔''

''یہاں سے براہِ راست کراچی کے لیے کوئی پرواز دستیاب نہیں ہے۔'' وہ غصیلے لہجے میں بولا ''بنکاک کی دس پروازیں ہیں۔ تمہاری وجہ سے ادھر کا رخ کرنا خطرناک ہو چکا ہے۔ ڈان کے کسی گرگے نے دیکھ لیا تو آفت آ جائے گی۔ ہانگ کانگ کے لیے صبح سویرے تین پروازیں نکل چکی

ہیں۔ ایک چھوٹی ایرلائن کی آخری پرواز ایک بجے روانہ ہوگی۔ میں اس کے ٹکٹ لے آیا ہوں۔''

اس کی بات نہایت معقول تھی۔ میں نے غزالہ کو اسی لمحے ہوٹل کے ڈائننگ ہال کی طرف بھیج دیا تا کہ وہ ہنسوں کے جوڑے کو وہاں سے بلا لائے۔

''ہمیں صرف دو گھنٹے کے لیے ہانگ کانگ میں ٹرانزٹ کرنا ہوگا۔ وہاں سے کیتھی پیسیفک کی پرواز پر کراچی کے لیے نشستیں کنفرم ہو چکی ہیں۔'' کچھ وقفے کے بعد اس نے دوبارہ بتانا شروع کیا۔ ''ہم شام سے پہلے کراچی پہنچ سکتے ہیں۔''

سلطان شاہ اور ویرا کی ڈائننگ ہال میں موجودگی کی خبر سن کر وہ قدرے پرسکون ہو چکا تھا۔ وہ اوپر آتے ہی اپنے تھیلے اٹھا کر روانہ ہو سکتے تھے۔

اس وقت ہم تینوں جلال کے کمرے میں موجود تھے۔ چند منٹ میں بقیہ نفری بھی آ گئی۔ سلطان شاہ حیران تھا کہ ہمیں اس کی ڈائننگ ہال میں موجودگی کی خبر کیسے ملی؟ وہ کسی وضاحت یا مذاق کا وقت نہیں تھا۔ ان دونوں کو صورتِ حال کی نزاکت کا علم ہوا تو وہ بھی اپنے کمرے میں جا گھسے۔ میں نے خاص طور پر محسوس کیا کہ چند گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں ویرا کی زبان کی تیزی اور طراری کو قرار آ چکا تھا۔ وہ کوئی حجت کیے بغیر سلطان شاہ کے اشاروں پر عمل کر رہی تھی۔

میں نے پچھلی شام ہوٹل کے کاؤنٹر پر پانچویں ساتھی کی آمد کا عذر پیش کر کے اپنے کوائف ادھورے چھوڑ دیے تھے۔ فارم پر ذہن میں آنے والے نام الل ٹپ لکھ دیے تھے جو ہمارے لیے آنے والے پاسپورٹوں سے مختلف تھے۔ ہوٹل چھوڑتے ہوئے وہ قصہ اٹھنا ناگزیر تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ہم دو دو کی ٹولیوں میں وہاں سے نکلیں۔

ٹولیاں قدرتی طور پر وجود میں آ چکی تھیں۔ پہلے جلال اور اول خان نے لفٹ کا رخ کیا۔ ان کو اپنا حساب بے باق کر کے باقاعدہ چیک آؤٹ کرنا تھا۔ ان کے بعد نئے جوڑے کی باری آئی۔ انہیں اپنی چابی کاؤنٹر پر دے کر خاموشی سے نکل جانا تھا۔ ان سے کوئی نہ پوچھتا کہ وہ واپس آئیں گے یا ہمیشہ کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔

چند منٹ کا وقفہ دے کر میں غزالہ کے ساتھ نیچے اترا تو سلطان شاہ اور ویرا کا کہیں پتا نہیں تھا۔ جلال اور اول خان کاؤنٹر پر کھڑے بے چینی سے اپنے حساب کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے ہماری طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ میں نے چابی دی تو کلرک نے مجھے پہچان کر پاسپورٹوں کے بارے میں سوال کیا۔

''ہمارا پانچواں ساتھی پھنس گیا ہے۔'' میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا ''ہم کو اسے چھڑانے کے لیے فوری طور پر جانا پڑ رہا ہے۔''

اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا ''کیا اس سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے؟''

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ہم سب کے پاسپورٹ غلطی سے اس کے پاس رہ گئے تھے۔ وہ بیسوپھون سے اگلی سرحدی چوکی پر ایک سے زیادہ پاسپورٹ رکھنے کے جرم میں دھر لیا گیا ہے۔ جب تک ہم وہاں جا کر سرحدی پولیس کو یقین نہیں دلائیں گے کہ وہ پاسپورٹ ہمارے ہیں جو غلطی سے اس کے پاس رہ گئے تھے، اس کی جان نہیں چھوٹے گی۔''

''اوہو...... یہ بہت برا ہوا۔ اب میرے ریکارڈ کا کیا ہوگا!'' اس کے چہرے پر تشویش کی علامات ابھر آئیں ''میں نے بھروسا کر کے تمہیں کمرے دے دیے تھے۔ مجھ سے جواب طلب کیا جائے گا کہ میں نے تمہارے پورے کوائف لیے بغیر کمرے کیوں دیے؟''

''کچھ کر لو۔'' میں نے اسے آنکھ مار کر کہا ''مشکل یہ ہے کہ ہم چاروں کا چوکی پر جانا ضروری ہے ورنہ صرف ایک آدمی چلا جاتا۔ ذرا سی بے پروائی سے وقت کے ساتھ پیسا بھی برباد ہوگا۔''

''دیکھنا پڑے گا۔'' اس نے ہمارے روم کارڈز پر نظر دوڑاتے ہوئے نسبتاً دھیمی آواز میں کہا۔ ''ان معاملات میں حساب نہیں کیا جا سکتا۔ تمہیں رقم چھوڑنی ہوگی۔ واپس لوٹ کر پاسپورٹ دکھاؤ گے تو فائنل بل بنا دیا جائے گا۔ پیسے بھی واپس مل جائیں گے۔''

میرے حساب سے ہمارے تین چار سو ڈالر فاضل جمع تھے۔ سودا برا نہیں تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو میدان صاف تھا۔ جلال اور اول خان حساب کر کے باہر جا چکے تھے۔

''گڈ لک!'' میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کے کہا ''واپسی پر تم سے ملاقات ہوگی۔''

ہم دونوں باہر نکلے اور نکلتے چلے گئے۔ ہوٹل کے پورچ میں ان چاروں کا کوئی پتا نہیں تھا۔ احاطے سے باہر جانے پر وہ کچھ دور کھڑے ہوئے نظر آ گئے۔ سب کی نگاہیں ہماری طرف لگی ہوئی تھیں۔

ان لوگوں نے وقت برباد نہیں کیا تھا۔ دو خالی ٹیکسیاں ان کے قریب رکی ہوئی تھیں۔

جلال ہمارے ساتھ آ گیا۔ اول خان دوسری ٹیکسی میں

سلطان شاہ اور ویرا کے ساتھ سوار ہوگیا۔ دونوں ٹیکسیاں آگے پیچھے نوم پنہہ انٹرنیشنل ایرپورٹ کی طرف روانہ ہوگئیں۔

''ہوٹل میں پاسپورٹ کا کیا مسئلہ کھڑا ہوگیا تھا؟'' راستے میں جلال نے پوچھا۔

ہوٹل سے الگ الگ ٹکڑیوں میں روانہ ہونے کی تجویز کو اس نے میری احتیاط پر محمول کیا تھا۔ وہ پورے قصے سے بے خبر تھا۔ میں نے اسے تفصیل بتائی تو وہ دیر تک ہنستا رہا۔ اسے حیرت تھی کہ میں نے کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے اپنے پانچویں ساتھی کے پکڑے جانے کی کہانی کیسے گھڑ لی۔ وہ کہانی بے داغ تھی۔ ایک سے زیادہ پاسپورٹ رکھنا ہمیشہ سے جرم ہے۔ جرم کی تردید کے لیے یہ ثابت کرنا ضروری تھا کہ بقیہ پاسپورٹ غلطی سے رہ گئے تھے۔ ثبوت کے طور پر ہر فاضل پاسپورٹ کے حامل متعلقہ حکام کے پاس پیش ہونا ضروری تھا۔

''ایسی باتیں آرام دہ بستر میں سکون سے لیٹ کر سوچی جاسکتی ہیں۔ بگڑے ہوئے حالات میں ان کا کسی عام ذہن میں آنا محال ہے'' اس نے ہنستے ہوئے کہا ''الجھن یا پریشانی کی صورت میں انسان کی رہی سہی عقل بھی ماؤف ہوجاتی ہے۔''

''سرحدی تجربات تازہ تھے۔ میں نے ان سے فائدہ اٹھالیا۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں شروع سے دیکھتا چلا آرہا ہوں کہ دیکھی اور سنی ہوئی ہر بات تمہارے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔ ضرورت پڑتی ہے تو یہ سب تمہیں بر وقت یاد آجاتا ہے۔''

''اس میں میری کسی کوشش کا دخل نہیں ہوتا۔ سب کچھ خود بہ خود ہوتا چلا جاتا ہے۔ اب ہمارا مراجعت کا سفر شروع ہوگیا ہے۔ ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ اب ڈی این اے کی تصدیق کا مرحلہ کب سر ہوگا؟ تم ہدایات کب دوگے؟''

''ہوٹل سے نکلتے ہی وہ پہلا کام تھا جو میں نے کرڈالا۔ فون پر ہدایات دے دی ہیں۔ اوکاڑہ میں میرے آدمی تیار تھے۔ وہ آج ہی گداگر کے جسم سے سیمپل لے کر کراچی روانہ کردیں گے۔ یہ سمجھ لو کہ تمہاری خودکشی کا ڈراما میرے کیریر کا سب سے بڑا جوا ہے۔ میں اس کے لیے پوری تیاری کر کے آیا تھا۔ صرف تمہاری رضامندی ضروری تھی۔''

''میں کبھی وہاں نہیں گیا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''مگر میرا اندازہ ہے کہ اوکاڑہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں جدید طبی سہولتیں عنقا ہوں گی۔''

''وہ ایسی ہی جگہ ہے۔'' اس نے میری تائید کی ''اس شہر کی اہمیت اس چھاؤنی کی وجہ سے ہے جو آبادی سے بارہ کلومیٹر پرے ایک وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی ہے۔ چھاؤنی کے کمانڈ ملٹری اسپتال کے کمانڈنگ آفیسر سے میں بات کر کے آیا تھا۔ میرے آدمی جس وقت بھی مطلوبہ شخص کو لے کر اوکاڑہ کینٹ کے سی ایم ایچ پہنچیں گے۔ ذرا سی دیر میں سیمپل لے کر محفوظ کرلیا جائے گا۔ یہ سارے پہلو میری نظروں میں تھے۔''

''امریکا سے رپورٹ آنے میں کچھ نہ کچھ وقت لگے گا۔ اس وقت تک میری پوزیشن کیا ہوگی؟ ڈسنے والے اندیشے ایک مرتبہ پھر میرے دماغ میں سرابھار رہے تھے۔

''تم فکر مند کیوں ہو رہے ہو۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ اب تم ڈینی نہیں قمر علی ہو، ایک نیا نام، ایک نئی شخصیت!''

''یہ سوچ کر دل اداس ہوجاتا ہے کہ اب نام بھی میرا اپنا نہیں رہے گا۔ بس ایک تڑپ یہ زخم سہنے کی ہمت دے رہی ہے کہ اب میں اپنے وطن، اپنے گھر لوٹ جاؤں گا۔''

''نہ، نہ...... یہ نہ سوچنا۔'' اس نے تیزی سے کہا ''تم اپنے وطن ضرور لوٹ رہے ہو مگر بھول کر بھی اپنے گھر کا رخ نہیں کروگے۔ وہ ڈینی کا گھر ہے جو خودکشی کرچکا ہے۔ اسے سرکاری تحویل میں لے کر نیلام کردیا جائے گا۔ رقم کسی نہ کسی طرح تم تک پہنچ جائے گی۔ یہ مہینوں بلکہ سالوں کی کہانی ہوگی۔ اب تم ایک نئے گھر میں بہت سکون سے اپنی نئی زندگی کی ابتدا کروگے، جہاں کوئی ہاتھ تمہاری طرف نہیں اٹھ سکے گا۔''

مجھے اپنے معدے میں گرہیں سی پڑتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ مجھے جہانگیر یاد آگیا۔ میں نے بے ساختہ پوچھا ''میں جہانگیر اور سلمٰی سے تو مل سکوں گا نا؟''

''نہیں!'' جلال کی آواز سرد اور سپاٹ ہوگئی ''بہ ظاہر نام بدل لینا بہت آسان معلوم ہوتا ہے لیکن تم نے ایک بہت مشکل مگر اچھا فیصلہ کیا ہے۔ تمہارے حق میں وہ بیم گن سے زیادہ خطرناک ثابت ہوگا۔ اس پر نگاہیں لگی رہیں گی۔ تم کو ہر ایسی چیز اور فرد سے دور رہنا ہوگا جس کے ذریعے تمہاری شناخت ہوسکے۔ تم خوش اخلاق اور ملنسار ہو۔ بہت جلد اپنے نئے دوست بنالوگے۔''

''تو کیا تم بھی میرے لیے شجر ممنوعہ بن جاؤگے...... اول خان کا کیا ہوگا؟ یہ تنہائیاں تو مجھے کھا جائیں گی، یہ سب میرے گمان میں بھی نہیں آسکا تھا۔''

''دیکھو، تم پھر جذباتی ہو رہے ہو۔ ہماری بات دوسری ہے۔ ہمارے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں، ہم سیکڑوں لوگوں سے ملتے ہیں۔ ہم ڈینی کی شناخت نہیں ہیں۔ تم سے

ملتے جلتے رہیں گے۔ جہانگیر کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ تمہارا جگری دوست ہے اور گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا ہے۔ تمہارے دوست اور دشمن، سب جانتے ہیں کہ صرف تم اس سے ملتے ہو۔ تم نے ادھر کا رخ بھی کیا تو مشکلات کا آغاز ہو جائے گا۔''

''کڑی پابندیاں ہیں نام بدلنے کی۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں کہا ''امریکی کتوں نے مجھے اپنی مٹی پر اجنبی بننے پر مجبور کر دیا ہے۔ مجھے چوروں کی طرح اپنے ماضی سے بالکل کٹ کر نئی زندگی گزارنی ہوگی۔ کاش! میری دعا قبول ہو، میں ایک بیٹے کا باپ بن جاؤں پھر میں بیس برس بھی انتظار کرلوں گا۔ میں نے قانون سے ماورا جنگ لڑی ہے۔ میں اپنے بیٹے کو قانون کے رکھوالوں میں شامل کروں گا۔ میرے خون کو قانون کی طاقت اور پشت پناہی حاصل ہوگی تو وہ ان کتوں سے میری ساری محرومیوں کا حساب چکالے گا۔''

''میری دلی دعا ہے کہ اللہ تمہیں نرینہ اولاد عطا کرے۔'' وہ بولا۔

ٹیکسی میں کچھ دیر کے لیے روح کو کاٹنے والا سکوت چھا گیا۔ شاید کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ آخر میں نے ہی وہ سکوت توڑا۔ سوال میرے ذہن میں بگولوں کی طرح چکرانے لگے تھے۔ ''میرا گھر نہیں ہے تو میں کراچی پہنچ کر کہاں جاؤں گا؟''

''میرے محکمے کا آرام دہ ریسٹ ہاؤس تمہاری واپسی کا منتظر ہے۔ جب چاہو، تم اپنی پسند کا کوئی مکان خرید لینا۔'' اس کی آواز پست ہوگئی۔

''مکان خرید لینا۔'' میں نے استہزائی لہجے میں اس کے کہے ہوئے آخری الفاظ دہرائے پھر کہا ''شاید تم کو علم نہیں کہ میری ساری پونجی جہانگیر کی بیوی کے پاس امانت ہے۔ مجھے ان سے ملنے کی ممانعت ہے۔ ان کے لیے میں خودکشی کر چکا ہوں......''

''تم اپنے ذہن پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈال رہے ہو۔ یہ تمہارے مسائل نہیں ہیں۔ تم بھول گئے کہ ہم اوپر کی ہدایت پر سرکاری حیثیت میں آئے ہیں تاکہ تمہیں باور کراسکیں کہ اب تمہاری ہر ضرورت کو پورا کرنا ریاست کے ذمے ہوگا۔ تم امریکیوں سے نالاں ہو، ٹھیک ہے۔ ٹھنڈے دل سے یہ بھی سوچو کہ تمہارا ملک تمہاری خدمات کا کیسا کھلا اعتراف کر رہا ہے۔''

جلال کے حساب کتاب میں کوئی جھول نہیں تھا۔ وہ اپنا پورا ہوم ورک کر کے کراچی سے روانہ ہوا تھا۔ وہ خود وقت اور حالات کے دھارے پر بہہ رہا تھا۔ سامنے آنے والی ٹھوس زمینی حقیقتوں کو لوٹانا اس کی بساط سے باہر تھا۔ اس سے جو کچھ ممکن تھا، وہ کر رہا تھا۔ اس کی ذات سے ان ہونی باتوں کی توقع عبث تھی۔

ٹیکسی آہستگی سے رک گئی۔ میں جلال سے باتوں میں اس طرح الجھا رہا کہ مجھے یہ پتا ہی نہیں چلا کہ کب ہم ایئرپورٹ کی حدود میں داخل ہوئے اور کب دونوں ٹیکسیاں لاؤنج کے سامنے پہنچ گئیں۔

ٹیکسی سے اترنے تک میرے دل و دماغ کا ابال کچھ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ جب میں نے سلطان شاہ کو بہت محبت کے ساتھ ویرا کا بازو تھام کر گاڑی سے اتارتے ہوئے دیکھا تو میرا دل خوشی سے لبریز ہو گیا۔ دل سے رہی سہی کلفت بھی زائل ہو گئی۔

دوسری ٹیکسی میں آنے والوں کو میرے اور جلال کے مذاکرات کا کوئی علم نہیں تھا۔ سب پاکستان واپسی کے خیال سے نہال تھے۔ سلطان شاہ اور ویرا کی خوشی دہری تھی۔ انہوں نے پوری دنیا کا چکر لگانے کے بعد آخر کار ایک دوسرے کی صورت میں اپنی زندگی کے ہم سفر پا لیے تھے۔

ٹریفک کے ہجوم اور فاصلے کی وجہ سے اس سفر میں کافی وقت ضائع ہو گیا تھا۔ پھر بھی ہم متعلقہ کاؤنٹر کھلنے سے چند منٹ پہلے ہال میں پہنچ گئے۔

ہم میں سے کسی کے پاس زیادہ اسباب نہیں تھا۔ جلال ہمیں چھوڑ کر کاؤنٹر کی طرف گیا تو میں اول خان کو اپنے ساتھ لے کر دوسروں سے الگ ہو گیا۔

''تم پاکستان سے آئے ہو، ابھی تک جہانگیر کی کوئی خیر خبر نہیں سنائی۔'' میں نے علیحدگی میں اس سے شکوہ کیا۔

اس نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور بولا ''میں دانستہ اس کا ذکر کرنے سے کترا رہا تھا۔ تمہاری خودکشی کی خبر پر اس کا حال بہت ابتر ہے۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا ...... میری خودکشی کا واقعہ کتنا پرانا ہے؟''

''جلال نے سب کچھ بہت تیزی سے ایک ساتھ کر ڈالا۔'' وہ بتانے لگا ''اس قیدی کی خودکشی کا واقعہ پرانا نہیں ہے۔ یہ پرسوں شام کی خبر ہے۔ میں کل اپنے باس کے حکم پر گوادر سے کراچی پہنچا تو اخبارات کے پہلے صفحے پر وہ سنسنی خیز خبر نمایاں تھی۔ میں جلال کے کھیل سے واقف تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ تم صدف مینشن کے قیدی بنو۔ تمہارے شعبے میں دو

آدمیوں کی گرفتاری اور باز پرس کی خبریں کئی روز سے آرہی تھیں۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ تم بنکاک میں ہو۔ مجھ پر نئی خبر کا کوئی اثر نہیں ہوا مگر مجھے جہانگیر کی فکر تھی۔ پہلے میں جلال سے ملا۔ اس نے اپنے منصوبے کے بارے میں مجھے پوری بریفنگ دے ڈالی۔ ہماری روانگی میں وقت باقی تھا۔ میں نے دلاسا دینے کے لیے جہانگیر کو فون کیا تو وہ پھٹ پڑا۔ میری آواز سنتے ہی ایسا پھوٹ پھوٹ کر رویا کہ میرا دل پانی ہوگیا۔ وہ تمھیں اپنا دوست، مربی، باپ اور نہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے بین سے میرا دل پھٹ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تمہارے جانے سے وہ یتیم ہوگیا۔ شدید خواہش کے باوجود میں اسے یہ بتانے کی ہمت نہیں کرسکا کہ تم زندہ ہو۔ تمہاری خودکشی ایک سوچا سمجھا ڈراما ہے۔''

''وہ واقعی مجھے یاد کرکے برسوں روئے گا۔'' میں نے اداسی سے کہا ''اس کی شراب نوشی بڑھ جائے گی۔ اسے کوئی نہیں سمجھا سکے گا۔ وہ میری دوستی پر بہت ناز کرتا ہے۔''

''دل چھوٹا نہ کرو۔ وقت سدا ایک جیسا نہیں رہتا'' اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے کہا ''ظلم و تکبر کا یہ دور کبھی نہ کبھی ختم ہوگا اور تم اپنے دوستوں میں پہنچ جاؤ گے۔''

''امید......'' میں نے زہرخند کے ساتھ کہا ''یہ امید ہی انسان کو زندہ رکھتی ہے ورنہ اور کیا رکھا ہے زندگی میں۔ تم نے جلال کو جہانگیر کے بارے میں بتادیا تھا؟''

''ایک ایک لفظ بتادیا تھا۔'' اول خان نے پرزور لہجے میں کہا'' جہانگیر کا حال سن کر وہ بھی آزردہ ہوگیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ تمہاری دوستی اور دشمنی، دونوں میں شدت کی انتہا ہوتی ہے۔ دوست تمہارے لیے روتے ہیں، دشمن تمہارا خون پی جانا چاہتے ہیں۔''

''وہ بہت گہرا اور گھنا ہے'' میں نے پرُخیال آواز میں کہا ''راستے میں اس سے جہانگیر کے بارے میں کافی باتیں ہوئی ہیں لیکن وہ جہانگیر کے صدمے کے بارے میں ایک لفظ بھی اپنی زبان پر نہیں لایا۔''

''وہ ذہین ہے، جانتا تھا کہ وہ سب سن کر تمھیں خوشی نہیں ہوگی۔''

اسی لمحے جلال لپکتا ہوا ہماری طرف آگیا۔ کاؤنٹر کھل چکا تھا۔ وہ جلد از جلد کارروائیوں سے گزر کر بورڈنگ لاؤنج میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔

کاؤنٹر پر اس وقت تک صرف ہم لوگ تھے۔ شاید وہاں سے جانے والے سامان سے لدے پھندے ہوتے ہوں گے۔ لڑکی کو حیرت ہوئی کہ چھ کا گروپ ہونے کے باوجود ہمارے پاس ہلکے پھلکے دستی سامان کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

جلال کی پھیلائی ہوئی ہڑبونگ میں غزالہ کا ناشتارہ گیا تھا۔ ہمارے پاس کافی وقت تھا۔ میں سب کو لے کر بورڈنگ لاؤنج کے کیفے میں پہنچ گیا۔ جہاں ہم بورڈنگ کا اعلان ہونے تک سکون سے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

سب کے کان پیجنگ سسٹم پر وقفے وقفے سے ابھرنے والی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ کمبوڈین لہجے میں بولی جانے والی انگریزی کو ہلکی سی گونج نے دوآتشہ کردیا تھا جس سے ہمارے کان مانوس نہیں تھے پھر بھی پرواز کا نمبر سمجھ میں آرہا تھا۔

ہر اعلان کے بعد لاؤنج میں بھرے ہوئے مسافروں کی ایک بڑی کھیپ اٹھ کر کسی دروازے کے سامنے صف آرا ہوتی اور دروازے کے پار غائب ہوجاتی۔ نئے آنے والے ان کی جگہ لے لیتے۔ مسافروں کی تعداد سے اندازہ ہورہا تھا کہ نوم پنہہ کا بین الاقوامی ہوائی اڈا خاصا مصروف رہتا تھا۔

آخرکار ہماری بورڈنگ کی ہدایت بھی آگئی۔ وہ اعلان سنتے ہی اول خان افسردہ لہجے میں بولا ''بگل بج گیا......کوچ ہونے والا ہے، یہاں ڈیٹی کا باب بند ہوگیا۔''

جلال نے غصیلی نظروں سے اسے گھورا۔ وہ اس وقت ہر قسم کی جذباتی گفتگو سے پرہیز کرنا چاہ رہا تھا۔ میں ان دونوں کو نظرانداز کرکے اپنے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہمارے طیارے نے رینگتے رینگتے یکایک پوری قوت سے دوڑ لگا کر زمین چھوڑ دی۔ مسکراہٹوں کی سرزمین سے ہمارا رشتہ ٹوٹ گیا۔ ڈان، چاؤفان، پھوم فاٹ، مادام لی سا ڈنیگ اور اس کی فتنہ انگیز ادائیں، کومی...... سب کچھ پیچھے، بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ ہم بلندی پر ہانگ کانگ کی طرف اڑے جارہے تھے جہاں سے ہمیں اپنی اگلی منزل کے لیے روانہ ہونا تھا۔ وہ وہی منزل تھی جس کے لیے پچھلی رات تک میرا دل بار بار تڑپ رہا تھا۔

جلاوطنی ختم ہوگئی تھی۔ پورا کارواں وطن واپس جارہا تھا۔

☆☆☆

مین ریلوے لائن پر ساہیوال اور اوکاڑہ کے درمیان گمبر کا چھوٹا سا اسٹیشن آتا ہے جس کے مختصر پلیٹ فارم پر ہر وقت دھول اڑتی رہتی ہے۔ مخصوص مال گاڑیوں کے علاوہ کوئی میل یا ایکسپریس ٹرین یہاں نہیں رکتی، تیز وسل بجاتی ہوئی، پٹریوں کے ساتھ بنی ہوئی جھونپڑیوں اور کچے مکانوں کے قریب سے گزرتی چلی جاتی ہے۔

اسٹیشن کے ایک طرف گرانڈ ٹرنک روڈ ہے جس کے

ساتھ دور تک اوکاڑہ چھاؤنی کا فوجی علاقہ پھیلا ہوا ہے۔ ریلوے لائن کے پار بسی ہوئی بستی کا نام گیمبر ہے جہاں عیسائی اقلیت کی کچھ تعداد بھی ایک قبیلے کی صورت میں رہتی ہے۔ وہ مسلمانوں سے الگ تھلگ لیکن حسن سلوک کے ساتھ رہتے بستے ہیں۔ گیمبر میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔

آبادی سے آگے کھیت ہی کھیت پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان میں نے اپنی نئی دنیا بسائی ہوئی ہے۔ میرے پاس گاڑی بھی ہے اور زرعی زمین بھی جہاں گیمبر اور اس کے قرب وجوار میں رہنے والے ہاری کام کرتے ہیں۔ ان کی عورتیں غزالہ کی محبت کی اسیر ہیں۔ روز ہی دو چار ہمارے گھر چلی آتی ہیں اور غزالہ کو پلکی بھی نہیں چھوڑنے دیتیں۔ گھر کے سارے کام کاج کرنے کے ساتھ میرے دو سالہ بیٹے شمشیر علی کو کسی نازک پھول کی طرح ہاتھوں ہاتھ رکھتی ہیں۔

کبھی کبھی میں غزالہ اور شمشیر کو گاڑی میں اپنے ساتھ لے کر اوکاڑہ کی طرف نکل جاتا ہوں جہاں وہ خستہ تن اور بدحال گداگر لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کیے رہتا ہے جس کے استخوانی بدن سے چرائے ہوئے چند ریشوں نے ہمیشہ کے لیے ڈینی کا نام امریکیوں کے ریکارڈ سے خارج کر دیا۔ میرے خلاف کھلی ہوئی فائلیں بند ہو چکی ہیں اور میں اس زرعی ویرانے میں قمر علی کے نام سے اس دن کا انتظار کر رہا ہوں جب شمشیر ہوش سنبھالے گا اور میں اسے اپنی زندگی کے کھوئے ہوئے باب سنا سکوں گا۔

جب جاتا ہوں، اس گداگر کو اتنا کچھ دے آتا ہوں کہ وہ چند دن بے فکری سے گزار سکے لیکن دوبارہ جاتا ہوں تو اسے پھر اسی حال میں پاتا ہوں...... ہاتھ پھیلائے ہوئے۔ نہ جانے وہ میرے دیے ہوئے پیسوں اور کپڑوں کا کیا کرتا ہے۔

میرے لیے کراچی میں اچھوت بن کر رہنا ناممکن تھا۔ وہ کرب میرے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ میں نے جلال کے محکمے کے ریسٹ ہاؤس میں رہتے ہوئے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اپنی بقیہ زندگی کسی دور افتادہ اور گم نام مقام پر گزاروں گا۔ غزالہ کو وہیں چھوڑ کر میں نکلا اور پشاور کا ٹکٹ خرید کر خیبر میل میں سوار ہو گیا۔ میل کے نام پر سسک سسک کر سفر طے کرتی ہوئی گاڑی مجھے بہت پسند آئی کیونکہ اس کے ذریعے مجھے راستے کے چپے چپے کو غور سے دیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔

گیمبر پر میری نظر ٹھہر گئی۔ ٹرین وہاں نہیں ٹھہری۔ اوکاڑہ اتر کر میں نے دو دن ان اطراف میں لگائے اور جلال کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اگلے ایک ہفتے میں میرے لیے اس گھر کا بندوبست ہو گیا۔

ویرا کے تیور نکاح ہوتے ہی بدلے بدلے سے نظر آنے لگے تھے۔ وہ ایسی شوہر پرست نکلی کہ کراچی پہنچنے کے دوسرے روز سلطان شاہ کے ساتھ اس کے گاؤں روانہ ہو گئی۔ ان دونوں کے حق میں یہی بہتر تھا کہ وہ جلد از جلد کراچی سے دور چلے جائیں۔ وہ کئی بار میرے پاس آ چکے ہیں۔ کئی کئی دنوں تک ہم چاروں ایک کمرے میں بند ہو کر ماضی کی اچھی اور بری یادوں کے سحر میں کھوئے رہتے ہیں۔ وہ اپنے گاؤں لوٹ جاتے ہیں تو میں پھر ڈینی سے قمر علی بن جاتا ہوں، جس کے بینک اکاؤنٹ میں ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو نہ جانے کہاں سے بیس ہزار روپے جمع ہو جاتے ہیں جو ہم تینوں کے مختصر خاندانوں کے لیے کافی سے زیادہ ہوتے ہیں۔ فصلوں کی آمدنی جمع ہوتی رہتی ہے جو اللہ نے چاہا تو شمشیر کی تعلیم وتربیت کے اخراجات پورے کرنے کے کام آئے گی۔

کراچی سے گیمبر آ کر ایک بڑا سکھ ملا ہے۔ جلال اور اول خان بے خوف ہو کر ہمارے پاس چلے آتے ہیں۔ کراچی کی طرح یہاں دیواروں کے کان نہیں ہوتے۔ ان کے لیے میں پرانا ڈینی ہوتا ہوں۔ ان ملاقاتوں میں مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے کوئی کھوئی ہوئی چیز پا لی ہو۔

مجھے بس ایک قلق ہے کہ میں اب تک جہانگیر سے ملنے کا حوصلہ نہ کر سکا۔ مجھے اس دن کا انتظار ہے جب میرا بیٹا کچھ بڑا ہو کر بولنے اور سمجھنے کے قابل ہو سکے۔ اس وقت میں اسے اور غزالہ کو ساتھ لے کر جہانگیر کے گھر ضرور جاؤں گا تاکہ شمشیر بچپن ہی سے یہ جان سکے کہ اس کا باپ کن لوگوں کی عزت کیا کرتا تھا۔ وہ باتیں اسے ذہن نشین کرا دی گئیں تو وہ بڑا ہو کر بھی اپنے ان بزرگوں کا احترام کرے گا جنہوں نے اس دھرتی کی آن کے لیے اپنا بہت کچھ قربان کر دیا۔

میری طرح جہانگیر بھی ایک بیٹے کا باپ تھا۔ اس کا لخت جگر شیر خواری کے دنوں میں دشمنوں کے ہاتھوں اغوا کے بعد لاہور میں اپنے ننھیال میں پروان چڑھ رہا تھا۔ وہ شمشیر سے کئی سال بڑا اور ہوشیار تھا۔ ان دونوں بچوں کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ ان کے بڑوں نے اپنی مٹی کا قرض کیسے چکایا ہے۔ یہ کام ہم مل جل کر ہی کر سکتے تھے۔

میں آج بھی گیمبر میں رہ رہا ہوں۔ اس دن کے انتظار میں جب میرا بیٹا بچپن کی بھول بھلیاں سے نکل کر ہوش مندی کی دنیا میں قدم رکھے گا۔ یہ زخم دھیرے دھیرے میرے سینے کا ناسور بن رہا ہے کہ اب میں ڈینی نہیں، قمر علی ہوں!

(ختم شد)